تفسیر نعیمی

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمہ

جلد 1 تا 18

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف: حضرت حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خاں نعیمی اشرفی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ

ALAHAZRAT NETWORK
اعلحضرت نیٹ ورک
www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ
۴۰۔ اردو بازار * لاہور

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب —— تفسیر نعیمی (پارہ اول)

مصنف —— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات —— 720

کمپوزنگ —— لیزر کمپوزنگ ان' ستار سائنس مارکیٹ'
تکیہ اہلی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور

پرنٹر ——

ناشر —— مکتبہ اسلامیہ

غزنی سٹریٹ مسعود میاں مارکیٹ 38- اردو بازار لاہور
Ph:7354851

www.alahazratnetwork.org

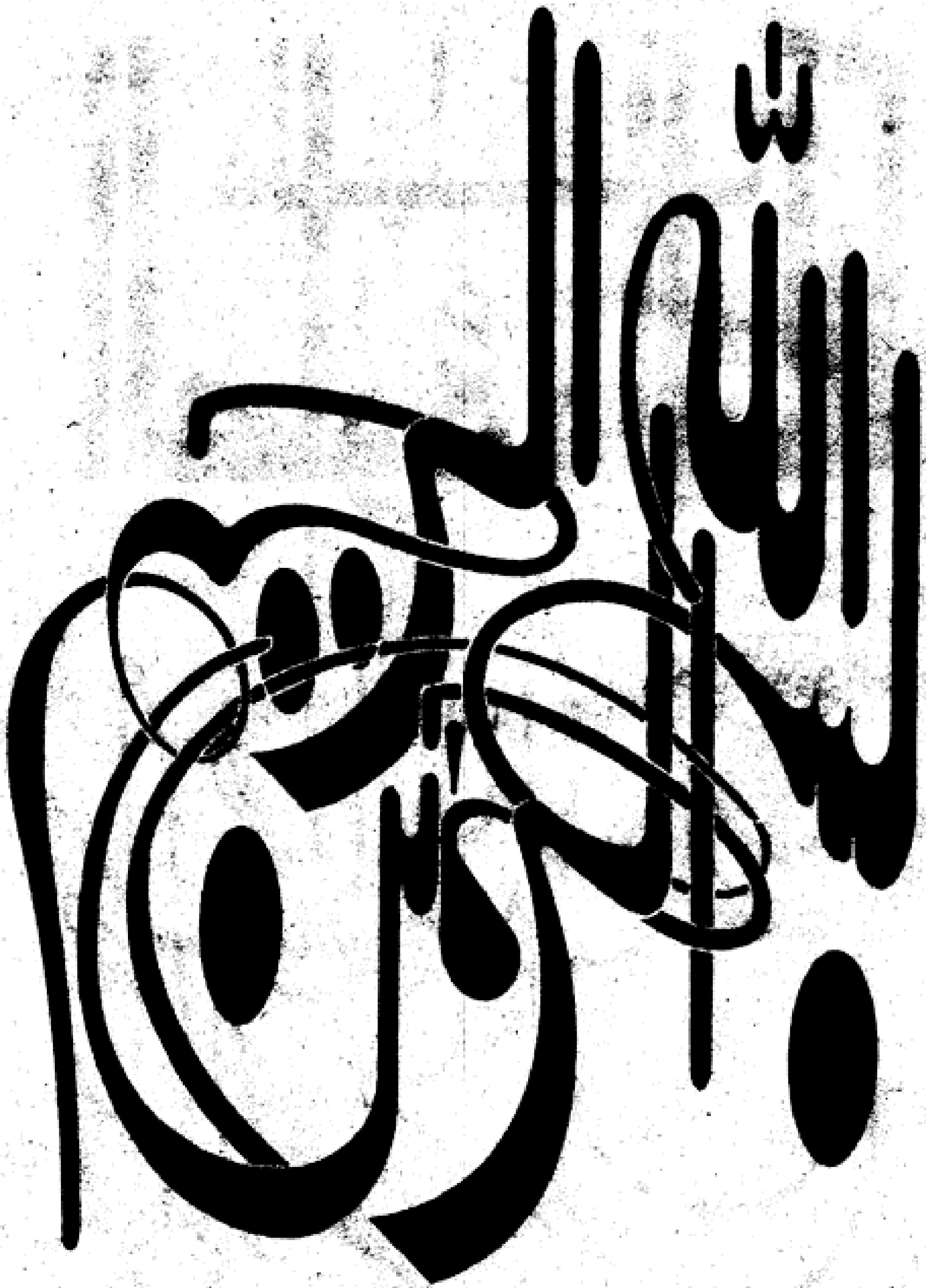

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

صلی اللہ علیہ وسلم

خوشنویس: ایم اے زاہد ساقی، [illegible] لاہور

www.alahazratnetwork.org

فہرست "تفسیر نعیمی" پارہ الم جلد اول

مضمون	صفحہ
دیباچہ	
قرآن کریم کے معنی اور وجہ تسمیہ	5
نزول قرآن کریم اور کتنے بار نازل ہوا	
جبریل پیغمبر نہیں کشف و وحی اور قرآن و حدیث کا فرق	8
قرآن پاک کی ترتیب اور اس کا جمع ہونا	
قرآن پاک کی حفاظت	
قرآن پاک کے فضائل و فوائد	
قرآن کریم سے دم و تعویذ کرنا	18
ایصال ثواب تلاوت قرآن کے آداب	
ختم قرآن پاک، تفسیر کے معنی اور تفسیر تاویل و تحریف کا فرق	
اعوذ باللہ	23
اعوذ کے نکتے اور اس کے فوائد	26
اعوذ کے فقہی مسائل	
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	28
اسم ذاتی کی پہچان	33
بسم اللہ کے فائدے	35
بسم اللہ کے مسائل	37
سورۃ فاتحہ اور اس کے نام	38
فاتحہ کے فضائل و فوائد	41
فاتحہ کے مسائل و قرأت خلف الامام	41
الحمد للہ	42

مضمون	صفحہ
حمد میں نعت	46
رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ	47
خالق و مخلوق کی پرورش میں فرق	48
خدا کو باپ نہ کہو باپ سے استاد کا درجہ بڑا ہے	49
ربوبیت خاصہ و عامہ	49
الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ	51
مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ	53
مالک و ملک کے فرق	54
آواگون کی تردید	55
اِيَّاكَ نَعْبُدُ	57
عبادت کے معنی اور اس کی قسمیں	59
بت اور کعبہ کے سامنے ہونے کا فرق	60
عبادت کے متعلق دیوبندی اعتراضات کے تیس جوابات	61
وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ	63
غیر اللہ سے مدد لینا	65
اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ	67
صراط مستقیم کی پہچان	69
صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ	73
صدیق کون ہے اس کے کیا معنی ہیں	74
آمین اور اس کا آہستہ کہنا و تحقیق	80
سورت بقر	83
سورت بقر کے فضائل	84

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
سورۂ بقر کے فائدے متشابہات کی بحث	85
غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ	87
قرآن پاک کے نام اور اس کی وجہ	89
لَا رَيْبَ فِيهِ حقانیت قرآن کے دلائل	92
هُدًى لِلْمُتَّقِينَ	93
تقویٰ کے درجات اور فوائد و اقسام	95
يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ	98
غیب کے معنی و تعریف اقسام وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ	99
ایمان اعمال کی اصل کیوں ہے	100
نماز کے فضائل و اسرار پانچ وقت کی حکمتیں	104
نماز کی رکعتیں اور قبلہ رو ہونے کی حکمتیں	106
سنت کی ضرورت	107
وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ اس آیت کی گنجائش	108
زکوٰۃ کے اسرار و فائدے	110
وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ ۔	112
یقین کے اقسام	115
أُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى	116
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَآءٌ	117
ضروریات دین	121
خَتَمَ اللّٰهُ	124
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ	129
آدمی کو انسان کیوں کہتے ہیں	130
منافق کے معنی اور ان کے طبقے	131
يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ اللہ سے مراد رسول اللہ ہیں	132
فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ، دل کی بیماریاں	135
جھوٹ کی برائی اور یہ کہاں جائز ہے	136
حضرت ابراہیم و صدیق اکبر کا توریہ	137
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا	138
غلط تعلیم کے برے نتائج	140
أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ ۔	141
وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا	143
تقلید نہ کرنا مسلمانوں کو برا کہنا نفاق ہے	146
اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ	151
رب کے استہزاء فرمانے کے معنی	152
أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا	155
مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي	158
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ	161
أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ ۔	163
بادل بارش اور چمک گرج کڑک اور بجلی کی حقیقت	164
يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ	167
مسئلہ امکان کذب کی نفیس بحث	171
مسئلہ امکان نظیر کی عمدہ تحقیق	
يٰٓأَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا	176
عبادت و اطاعت میں فرق	180
وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ ۔	182
انسانی اور قدرتی چیزوں میں فرق	185
قرآن کی خوبیاں	185
فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا	186
وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا	190
جنت کے طبقے آٹھ ہیں اور نہریں چار	192
عورت آخری شوہر کے ساتھ ہوگی	193
آواگون اور مسخ میں فرق اور جنت پہلے کیوں پیدا ہوئی	196

مضمون	صفحہ
بحر کی خصوصیات	199
وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ	203
جسمانی اور روحانی رشتوں کی تفصیل اور ان کے احکام	205
كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ ۔	208
زندگی قبر کا قرآن سے ثبوت	210
آواگون اور حشر جسمانی میں فرق	212
جو مومن نہ ہوں ان سے حساب قبر کیسے ہو گا	212
هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ ۔	213
آسمان سات کیوں ہیں	214
جو منع نہ ہو وہ حلال ہے آسمان کا ثبوت	
وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ	219
ملک کی تحقیق اور فرشتہ کی حقیقت اور ان کی کثرت	220
فرشتوں کی قسمیں اور ان سے مدد مانگنا	221
فرشتوں کی صفات	221
جنات و ابلیس کے تاریخی واقعات	221
خلیفہ کے معنی اور انسان کیوں خلیفہ ہوا	222
آدم علیہ السلام کی پیدائش	224
فرشتے گنہگار نہیں	225
انتخاب خلیفہ مسلمان کریں گے اور اس انتخاب کی صورتیں	228
وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ۔	229
آدم علیہ السلام کے علوم اور انبیاء کے پیشے اور علم کے فضائل	229
قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَا	234
قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ	235
علم آدم و علم ملائکہ میں فرق	237

مضمون	صفحہ
علم نبی علم ملائکہ سے پہلے ہے اور عارف وہ جو رب کو نبی کے ذریعہ جانے	
وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ	242
سجدے کی تعریف اس کی قسمیں اور سجدہ آدم کس قسم کا تھا	242
اور سجدہ آدم کو تھا نہ کہ رب کو	243
سجدہ جمعہ کے دن عصر کے بعد ہوا اور سو سال رہا	244
شیطان کی حقیقت	244
اور اس نے توبہ کرنی چاہی	245
شیطان کب زیادہ گمراہ کرتا ہے	245
حضرت حوا کی پیدائش	246
شیطان کی پیدائش کی حکمتیں	248
وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ	250
کس درخت سے روکا گیا	252
آدم علیہ السلام بہشت بریں میں بھی رہے	253
اس کے متعلق اعتراضات و جوابات	254
فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ	256
شیطان نے کس ترکیب سے بہکایا	257
آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کا واقعہ کون کہاں اترا اور حضرت آدم علیہ السلام ساتھ کیا لائے	259
بعض تخم زہریلے کیوں ہو گئے حضرت آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے اذان سنائی گئی	260
کس نبی نے کون سا پیشہ کیا۔ سکہ آدم علیہ السلام نے چلایا	260
آدم علیہ السلام کی وفات ان کی قبر کہاں ہے	260
مسئلہ عصمت انبیاء	
فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ	264

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
آدم کی توبہ حضور علیہ السلام کے طفیل قبول ہوئی	265
توبہ کی شرائط وارکان	
واقعہ توبہ اور کی توبہ قبول ہوئی ان کی	
اولاد چالیس ہزار تھی	267
گریہ آدم عشق الٰہی میں تھا اور باعث بلندی درجہ	
قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا	269
خوف حزن میں فرق اور کس خوف سے	
ولی آزاد ہے	271
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ	273
بغیر شفاعت کس کو بخشش ہے	
اور ابو طالب کا ایمان	275
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ	276
بنی اسرائیل کے معنی اور وجہ تسمیہ	277
بنی اسرائیل کی تاریخ۔ ابراہیم علیہ السلام	
کی جائے پیدائش و اولاد اور تاریخ یعقوب	278
وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ وَلَا تَلْبِسُوْا	282
تعلیم قرآن و تعویذ وغیرہ کروانا جائز ہے	286
وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔	291
جماعت کب فرض ہے کب واجب کب منع	
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ	295
واعظ بے عمل کی برائی	297
گوشہ نشینی سے تبلیغ دین افضل کیوں ہے	302
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ	303
سید سب سے اعلیٰ ہیں اور ان کا نسب کام آئے گا	306
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ	307
شفاعت کی نفیس بحث	309

مضمون	صفحہ
قیامت میں سب شفیع کو کیسے بھول جائیں گے	312
شفیع تین جماعتیں اور حضور علیہ السلام کے ملنے	312
شفاعت کی قسمیں	314
شفاعت پر اعتراضات و جوابات	315
وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ	316
فرعون بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ	318
موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش نسب	320
وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ	323
فرعون کی غرقابی اور یوسف علیہ السلام کی	
نعش مبارک کی نقل	325
عاشورہ کے دن کے کام	327
بچھڑے کی اصل	
وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى	329
موسیٰ کے معنی اور آپ کا نسب	329
توریت اور سود کی گائے پرستی	332
توراۃ کا ساتواں حصہ باقی رہا چھ حصے	
غائب ہو گئے	333
چالیس کے فوائد میت کا چالیسواں	334
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ	335
قتل بنی اسرائیل کا واقعہ	338
تبلیغ میں نرمی اور تردید میں سختی چاہیے	339
توبہ کے درجے اور توبہ بلدیہ میں فرق	340
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ	341
بنی اسرائیل کی موت اور دوبارہ زندگی	343
دیدار الٰہی کی بحث	345
وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ	347
من و سلویٰ کی تحقیق اور اس کا اترنا	350

مضمون	صفحہ
وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ	352
متبرک شہروں کی تعظیم	354
جو عمل مجرم گناہ معاف کرے تو صالح کا درجہ بلند کرتا ہے	356
فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا	357
شہید کتنے ہیں	359
کون سا حکیم کس بیماری میں مرا	360
طاعون کا بہترین علاج	360
وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ	362
عصاء کی تحقیق اور اس کا قد	363
نماز استسقاء کا طریقہ اور حضور علیہ السلام کے معجزات تمام انبیاء سے بڑھ کر ہیں	365
وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ	368
اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ	373
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا	
یہود و نصاریٰ کی وجہ تسمیہ اور ان کے عقیدے	380
ایمان کے اقسام و احکام و مقلات و ایمان کی فطری تحقیق	381
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ	384
طور اٹھانے کا واقعہ	387
وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا	389
یہود کا بندر بننا	392
لواگون اور تناسخ میں فرق	395
وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ	395
قربانی گائے کی تفسیر تحقیق مزاح و استہزاء کا فرق	397
قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ	400
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ کے مواقع اور فائدے	407
وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ	409
مردے کی گواہی معتبر نہیں	413
ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ	414
اکثر، زیادہ، اشد، اقویٰ وغیرہ کا فرق	416
کفار کو بھی کشف و حقائق قلبی مل جاتی ہے	417
سبزہ کی تسبیح سے میت کو فائدہ ہے نہ خشک چیز کی تسبیح سے	418
ہر چیز میں انشاء ہے	419
اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا لَكُمْ	419
تحریف اور اس کے اقسام و احکام تغیر و تحریف کا فرق	421
وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا	423
حضور کے اوصاف چھپانا طریق یہود ہے	425
بری نیت سے قرآن پڑھنا کفر	426
وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ۔	426
عقائد میں تقلید منع ہے اور ہر ظن برا نہیں	428
فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ	430
ویل کے معنی اور اس کے اقسام	431
قرآن کی تجارت کا حکم اور اس کا رواج کب سے ہے	434
وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔	435
کفار کو مرحوم نہ کہو اور گنہگار کافر نہیں	440
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ	442
چار قسم کے لوگوں کی چار سزا و جزاء	443
وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	444
اطاعت والدین کو عبادت رب سے کیوں ملایا گیا	446
والدین کے احسانات انعام الٰہی کے مشابہ ہیں	446
حقوق والدین کی کچھ تفصیل	447
قول حسن کی تفصیل، اخلاق، مداہنت، مدارات میں	450

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
فرق نبی و شیخ و استاد کے حقوق ماں باپ سے زیادہ ہیں	452
وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُونَ	453
ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا ضروری ہے	455
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا	462
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى	464
حضرت عیسیٰ علیہ السلام تینتیس سال کی عمر میں اٹھائے گئے	
مومن کو قتل کرنے یا کوئی گناہ کبیرہ کرنے سے مسلمان کافر نہیں ہوتا جبکہ اسے حلال جان کر نہ کرے مگر کسی نبی کی مخالفت ہر صورت میں کفر ہے۔	468
وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ	470
وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ	473
اللہ والوں کے وسیلے سے دعا قبول ہوتی ہے	474
کس پر لعنت کرنا جائز ہے اور کس پر نہیں	477
اشْتَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ	479
صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا انکار تمام صحابہ کا انکار ہے	486
قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْآخِرَةُ	493
وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاةٍ	497
قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ	501
وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ	508
أَوَكُلَّمَا عَاهَدُوا عَهْدًا	510
وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِينُ الخ	515
جادو کی قسمیں	519
وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ	521
جادو کے علاج	523
ہاروت و ماروت کا قصہ	524
ایک دلچسپ حکایت	525

مضمون	صفحہ
قصہ ہاروت و ماروت پر اعتراضات و جوابات	526
خاتمہ مضمون	528
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا	534
مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ	538
مَا نَنْسَخْ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنْسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ	541
نسخ اور اس کے احکام	543
نسخ کے محل	544
نسخ کی صورتیں	545
نسخ کے وجوہات	546
نسخ پر اعتراضات و جوابات	546
أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سُئِلَ الخ	549
وَدَّ كَثِيرٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ۔	553
حسد کے درجے	557
حسد کے اسباب اور اس کے علاج	557
وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ	559
وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ الخ	563
وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارَى الخ	568
وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ	573
وَلِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللَّهِ	579
رب کے اولاد سے پاک ہونے کے دلائل	588
وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ	590
وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا	
إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا۔	594
آمنہ خاتون و حضرت عبد اللہ کے ایمان کی مکمل بحث	597
وَلَنْ تَرْضَى عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَى	602
ہندوؤں کی خاطر قربانی گاؤ نہ کرو اور مؤلفۃ القلوب کی وجہ	604

مضمون	صفحہ
الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ	607
تلاوت قرآن کے آداب	610
يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ	612
کفار کے لئے شفاعت نہ ہونے اور نہ قبول	
ہونے میں مطابقت	614
وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ	617
ابراہیم کے معنی اور آپکا تمیں احکام سے امتحان	617
حضرت ابراہیم کی ولادت نسب احوال اور زندگی	620
حضرت ابراہیم کے اولیات سے آپ کے	621
فضائل ابراہیمی سنتوں کے فوائد	621
کلی حت۔ موئے زیر ناف کتروانے کا طریقہ	622
وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ	625
حضرت ہاجرہ لونڈی نہ تھیں اور اسمٰعیل کی وجہ تسمیہ	627
خانہ کعبہ کی تاریخ	628
مقام ابراہیم و سنگ اسود	630
مکہ معظمہ میں پندرہ جگہ دعا قبول ہوتی ہے	631
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا	635
وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ	639
آدم علیہ السلام کی پیدائش جنت میں جانا	641
کعبہ کی جگہ سے طواف کب سے ہوتا ہے	641
آبادی مکہ مکرمہ اور حضرت سارہ و ہاجرہ کا عجیب قصہ	641
زمزم کے معانی اور اس کا پیدا ہونا تعمیر کعبہ کی	643
تاریخ اور ذبح کے وقت حضرت اسمٰعیل کی عمر	645

مضمون	صفحہ
رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ	647
سارے سید گمراہ نہیں ہو سکتے	650
رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ	651
نبی رسول مرسل کا فرق اور ان کی تعداد اور درود	
میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کیوں آتا ہے۔	653
اصلیت سے حضور کی افضلیت کا ثبوت و اعلیٰ تحقیق	655
وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ	657
ابراہیم علیہ السلام کی بیویاں اور اولاد اور	
ان کی جائے سکونت	663
یعقوب کی بیویاں و اولاد اور یعقوب کے معنی	664
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ	666
چچا کو باپ کہا جاتا ہے	668
رب کو نبی سے پہچان سکتے ہیں نہ عقل سے	669
وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى۔	673
اسلام ملت ابراہیمی ہے اور شریعت محمدی	
ملت اور شریعت کا فرق	675
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ	677
رب کو نبی سے جانا نہ کہ رب سے	680
فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ	682
قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ	689
اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ	693
تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ	697
مولوی اور صوفی	699

www.alahazratnetwork.org

اہل سُنت وجماعت کے لئے خوشخبری!

اہلسنت وجماعت کے مایہ ناز صاحب قلم حکیم الامت

مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہ

کی

مایہ ناز تفسیر القرآن

نور العرفان

معہ ترجمہ کنز الایمان

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی مولانا احمد رضا خاں صاحبؒ

- دیدہ زیب کتابت ● دو رنگہ عکسی طباعت ● عمدہ سفید کاغذ
- بڑے سائز کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل بہترین جلد میں دستیاب ہے۔

ہر کتب فروش سے خریدئیے! —— براہ راست ہم سے طلب کیجئے!

www.alahazratnetwork.org

عرض ناشر

حصول تعلیم کے بعد بطور معاش کئی کام کیے لیکن کوئی کام بھی تسکین قلب کا باعث نہ ہو سکا بہت سوچا بالآخر بزرگوں سے مشورہ لیا۔ قبلہ ماموں جان مفتی محمد مختار احمد صاحب نے دینی کتابوں کے کام کا مشورہ دیا دل کو پسند آیا کہ ہم خرما و ہم ثواب یہی کام کرنے کا فیصلہ کیا نانا جان شیخ التفسیر مفتی احمد یار خان صاحب بھی اکثر یہی فرمایا کرتے تھے لہٰذا آپ ہی کی شہرۂ آفاق تصنیف تفسیر نعیمی سے کام شروع کیا مارکیٹ میں یہ کتاب اپنی مکمل جلدوں کے ساتھ کبھی بھی موجود نہیں رہی اس کی وجہ کچھ تو چھپوانے والوں کی مالی دشواریاں اور کچھ طریق طباعت رہی کیونکہ لیتھو طریق چھپائی میں کتابت ہر چھپائی کے بعد ضائع ہو جاتی ہے اور طباعت بھی معیاری نہیں ہوتی انشاء اللہ مکمل کوشش کی جائے گی کہ مارکیٹ میں تمام جلدیں ہمیشہ دستیاب رہیں طباعت اور کاغذ معیاری ہو تاکہ مصنف کی بہترین تحریر اپنی بہترین شکل میں قارئین تک پہنچے۔ تفسیر نعیمی کے پہلے پارے کی جلد حاضر خدمت ہے امید ہے کہ قارئین حقیر کی اس کوشش کو پسند فرمائیں گے دوسری جلد بھی طباعت کے آخری مراحل طے کر رہی ہے تیسری اور چوتھی کی کتابت جاری ہے امید ہے کہ جلد ہی ہم تمام جلدیں پیش کر کے سرخرو ہوں گے ہماری کوشش ہوگی کہ ہماری مطبوعات کا معیار بلند سے بلند تر ہوتا جائے اور کتب کے ہدیے بھی عام قارئین کی دسترس سے باہر نہ ہوں۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کا شرف بخشے۔ آمین

28 جون 1983ء

افتخار احمد خان مفتی

بی ایس سی ایم اے

مہتمم مکتبہ اسلامیہ مفتی احمد یار خان روڈ گجرات

www.alahazratnetwork.org

بنیں گے رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ

ترجمہ: مسلمان اللہ تعالیٰ کی آیتوں پر گونگے اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے یعنی مسلمانوں کو چاہئے کہ قرآن پاک کو سمجھنے کے لئے بہت محنت کریں نیز ہر ترجمہ اور تفسیر قرآن کو قرآن کی طرح نہ جانیں کہ مترجم یا مفسر غلطیوں سے مبرا نہیں مرزا غلام احمد قادیانی نے دعویٰ نبوت کیا اور ثبوت میں قرآن کی اس آیت کو پیش کیا: یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں اور انسانوں میں سے رسول چنتا رہے گا وغیرہ وغیرہ غرضیکہ اندھا دھند ترجمے بے ایمانی کی جڑ ہیں آنکھوں پر پٹی باندھ لو جو دل میں آئے کہہ دو اور قرآن سے ثابت کر دو۔

میں ان تمام گزارشات کے بعد قارئین سے خصوصی طور پر درخواست کروں گا کہ تفسیر یا ترجمہ کا انتخاب کرتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا ضروری سمجھئے کہ مترجم اور مفسر کس حیثیت کا عالم ہے اور قرآن پاک کا ترجمہ یا تفسیر لکھنے کا حق بھی رکھتا ہے یا نہیں۔

فقیر مفتی محمد مختار احمد

www.alahazratnetwork.org

علم تفسیر

"سے متعلق گزارشات"

نصف صدی پیشتر عام مسلمان قرآنی علوم سے تھوڑے بہت آشنا ہونے کے باوجود بھی قرآن کو بذات خود صرف تلاوت کی حد تک پڑھتے تھے قرآن کریم سے خود کچھ بھی اخذ کرتے ہوئے انہیں ہچکچاہٹ محسوس ہوتی تھی یہ کام انہوں نے مستند علماء کرام کے لئے چھوڑ رکھا تھا کہ قرآن پاک کو سمجھیں اور اس کے مطالب و مسائل عام فہم زبان میں عوام تک پہنچائیں اکثر جید علماء کرام بھی قرآن پاک کے ترجمہ اور تفسیر کرنے سے عام طور پر اجتناب فرماتے تھے اور قرآن کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے تقریبا اکیس علوم صرف نحو' معانی' بیان' بدیع' اسلوب' لغت' فلسفہ' حساب' جیومیٹری' فقہ' تفسیر' حدیث' علم کلام' جغرافیہ' تاریخ' تصوف' اصول' وغیرہ پر مکمل دسترس حاصل کرنا ضروری خیال کرتے تھے ان تمام علوم کو حاصل کرنے کے بعد بھی وہ تقریبا تمام گزشتہ مفسرین اور مترجمین کو پڑھنا ضروری خیال کرتے تھے تاکہ کوئی ایسی بات تحریر میں نہ آجائے جس سے بجائے فائدے کے ان کی تحریر و تفسیر اسلام میں نئے فرقہ کا باعث بن جائے۔

اس طرح عام مسلمان بدمذہبی و لادینی کا شکار نہ ہوتے تھے اور فرقہ سازی میں اتنی تیزی نہیں پیدا ہوتی تھی جتنی آج کل ہے۔

جمہوریت کے اس دور میں ہر شعبہ میں برابری کے دعوے کئے جا رہے ہیں لوگوں میں علماء کے ساتھ بھی برابری کرنے کا خیال پیدا ہوا ہے ہر شخص نے قرآن پاک سے بہت خود علم حاصل کرنے کی کوشش کی عربی سے معمولی شد بد رکھنے والے مترجم قرآن بن گئے اور ہر آیت کا تفسیر کرنا اپنے لئے ضروری خیال کرنے لگے ایسے لوگ بھی مترجم اور مفسر بن گئے جن کے بارے میں تصدیق ہے کہ انہوں نے باضابطہ طور پر کسی بھی مدرسہ عربی میں علم حاصل نہیں کیا (مودودی) حساب میں ڈاکٹریٹ کرنے والے مفسر قرآن بنے (عنایت اللہ المشرقی) یہاں تک کہ ایسے ایسے دعویدار پیدا ہوئے کہ قرآن کو دیگر علوم کی مدد سے سمجھنے کے اصول کو بالائے طاق رکھ کر قرآن کو قرآن سے سمجھنے کے اصول بتانے لگے احادیث تک سے روگردانی کی اور ستم یہ کہ اپنا نام اہل قرآن رکھا (غلام احمد پرویز) نتیجہ اب یہاں تک پہنچا ہے کہ خواندہ ناخواندہ صرف انگریزی تعلیم یافتہ لغت کا معمولی طالب علم مفسر قرآن بن بیٹھا ہے اور اپنی پیش کردہ تاویلات کو بھی وحی الٰہی جانتے ہوئے اس سے اختلاف کرنے والوں کو بلا تامل کافر کہہ دیتا ہے اسی دور کے متعلق ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ دین اسلام میں بہت سے فرقے

www.alahazratnetwork.org

بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہٖ

کشف الدجیٰ بجمالہٖ

حسنت جمیع خصالہٖ

صلوا علیہ وآلہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

www.alahazratnetwork.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

حمد ہے اس اللہ جل شانہ کو جس نے حضرت محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پیدا فرمایا۔ درود ہو حضرت محمد رسول اللہ علیہ السلام پر جنہوں نے اللہ کو ظاہر فرمایا۔ حمد اس اللہ تعالیٰ کو جس نے ہمیں انسان کیا درود ہو اس مصطفیٰ علیہ السلام پر جنہوں نے ہمیں مسلمان کیا۔ حمد ہے اس رب کریم کی جس نے ہمیں بولنا سکھایا' درود ہو اس نبی رؤف و رحیم پر جس نے ہمیں کلمہ پڑھایا حمد ہے اس رب بے نیاز کو جس نے ہمیں ایمان دیا۔ درود ہو اس صاحب تخت و تاج پر جس نے ہمیں قرآن دیا۔ حمد ہے اس مالک یوم الدین پر جس نے زمین پر انسان بکھیرے' درود ہو اس شاہ عرش پر جس نے یہ بکھیرے ہوئے جمع فرمائے حمد ہے اس رب کو جس نے رنگ برنگا انسان بنایا درود ہو اس نبی علیہ السلام پر جس نے ان کو اک رنگ بنایا۔

صبغۃ اللہ ہست رنگ خم او ہستیہا یک رنگ گردد اندر او

حمد ہے اس رب کو جس نے ہمیں عقل و ہوش دیا درود ہو اس نبی پر جس نے جام عرفان سے متوالا و مدہوش کیا حمد ہے اس رب کو جس نے آسمان نبوت پر مختلف تارے کھلائے درود اس آفتاب رسالت پر جس نے اپنے دامن نور میں سارے تارے چھپائے حمد اس جبار و قہار کو جس نے جہنم بھڑکایا۔ درود اس شفیع روز شمار پر جس نے اس بھڑکتے کو بجھایا حمد ہے اس ستار و غفار پر جس نے دار خلد بنایا درود ہو اس مدنی سرکار پر جس نے اسے بسایا حمد ہے اس خالق کو جس سے سب کو ابتداء ہے درود ہو اس خاتم پر جس پر سب کی انتہا ہے درود ہو اس نبی پر جس نے فرمایا لا الٰہ الا اللہ حمد ہو اس اللہ کو جس نے فرمایا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ و بارک و سلم۔

امابعد' جاننا چاہئے کہ نظر انسانی آفتاب آسمانی کے مقابل خیرہ شبنم شمسی نور سے کافور اور کمزور روئے روشن آگ سے فیض لینے سے معذور' غرض کہ ہر ادنیٰ اعلیٰ کے مقابل محض مجبور' یہ تو مخلوق کا آپس میں معاملہ ہے ذات خالق تو کہیں اعلیٰ و بالا ہے کس آنکھ میں طاقت ہے کہ اس کی تجلی جمیل سکے کس گوش و ہوش میں قوت ہے کہ اس کے مخاطبہ کی قوت لا سکے' کس مخلوق میں قدرت ہے کہ اس کے مقابل ٹھہر سکے یہ ظلمت وہ نور' وہ قادر یہ مجبور' وہ قاہر یہ مقسور' ان مجبوریوں میں مخلوق کا خالق سے تعلق کیونکر قائم ہوتا اور افاضہ اور استفاضہ کی کیا صورت ہوتی مخلوق کی یہ بے کسی ایسے برزخ کبریٰ کی تلاش میں تھی جو رب و مربوب عابد و معبود خالق و مخلوق میں فیض دینے اور لینے کا سلسلہ قائم کرے۔ خلقت کی کمزور نگاہ کسی ایسے گہرے رنگ والے شیشے کی جستجو میں تھی جو نور لم یزل کی جلالی شعاعوں کو شان جمالی میں اس تک پہنچادے خلقت کی ہستی کسی ایسے

www.alahazratnetwork.org

مضبوط واسطے کی جویاں تھی جو اس کمزور وادنیٰ کی اس قوی واعلیٰ تک رسائی کرا دے دائرہ کائنات کسی ایسے مرکز کا متلاشی تھا جس کی طرف سب کا رجوع ہو اس مجبوری و معذوری پر رب قدیر نے رحم فرمایا کہ مخلوق کو خالق سے ملانے گرتوں کے اٹھانے بگڑوں کو بنانے کے لئے اس ذات کو پیدا فرمایا جو ہستی کا پہلا نقش دفتر مخلوقات کا حرف اولین گلزار خلائق کا نفیس پھول آسمان وجود کا نیر اعظم ہے جسے جہاں والے تو مکی مدنی کہتے ہیں اور جناں والے سرو چمنی بلبل انہیں گل کے قمری سرو جانفزا بتائے۔ عرش والے انہیں احمد مجتبیٰ کہتے ہیں اور فرش والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ واصحابہ وسلم الی یوم الجزاء

اودھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل خواص اس برزخ کبری میں تھا حرف مشدد کا

ان کی ذات حبل اللہ المتین اور واعتصموا بحبل اللہ جمیعا حکم رب العالمین ان کا نام پاک ہی ان کے کلم کا پتہ دیتا ہے کہ "اللہ" بولنے سے دونوں لب جدا ہو جاتے ہیں اور لفظ "محمد" کہتے ہی مل جاتے ہیں کہ وہ نیچوں کو اعلیٰ سے ملانے ہی تو آئے ہیں ان ہی کا نام حرز جان طفلان تیغ نوجوانان اور عصائے پیرو ناتوان ہے پھر وہ خالی نہ آئے ایک نسخہ کیمیا ساتھ لائے جس کا نام ہے قرآن کریم

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

سبحان اللہ! نسخہ کیا ہے کیمیا ہے۔ بیماروں کی شفا تندرستوں کا ذریعہ بقاء گمراہوں کا راہنما مسجدوں میں اس کی تلاوت ہے میدانوں میں اس سے جہاد عدالتوں میں اس سے فیصلے بیماروں کے گلوں میں تعویذ بن کر پڑے جان کنی میں مشکل حل کرے بعد موت قبر اور حشر میں کام آئے۔ غرض کہ انسان کی دینی اور دنیوی زندگی کا دستور العمل ہے ہر مسلمان کے دل میں جذبہ ہے کہ اسے سمجھے ہر مومن کے قلب میں تڑپ ہے کہ اس فرمان تک اس کی رسائی ہو۔ علماء تو محنت کر کے اس کے مضامین تک پہنچتے ہیں مگر عوام چاہتے ہیں کہ اس کے مضامین ہماری زبان میں ہم تک پہنچیں اس لئے تقریباً ہر زبان میں اس کی بے شمار تفسیریں لکھی گئیں۔ زبان اردو بھی کسی سے پیچھے نہ رہی۔ مگر اہل ہند نے مسلمانوں کے اس جذبے سے غلط فائدہ اٹھایا کہ اپنے خیالات فاسدہ کو تفسیری رنگ میں ظاہر کیا مرزائی نبوت مرزا کا مقصد لے کر مفسر بنے چکڑالوی اپنے مذہب نامذہب کی اشاعت تفسیری آڑ میں کرنے لگے۔ بعض نے ولایتی عینک سے قرآن پاک کو دیکھا بعض لوگوں نے شیطانی دل و دماغ سے اسے سمجھا کہ خود قرآن کریم سے صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین نکالنے لگے۔ شیطانی توحید کو ایمانی توحید بنا کر خلق کے سامنے پیش کرنے لگے۔ آج کل ہر بدمذہب نے ترجمہ قرآن کو اپنے لئے آڑ بنایا ہے۔ جگہ جگہ مسجدوں میں قرآنی ترجمے کے درس کے بہانے مسلمانوں کو بہکایا جا رہا ہے جاہل اردو خواں جسے استنجاء کرنے کی تمیز نہیں مفسر بنا ہوا ہے اس لئے عرصہ سے میرا ارادہ تھا کہ کوئی ایسی تفسیر لکھوں جو کہ عربی تفاسیر کا خلاصہ ہو اور جس میں موجودہ فرقوں کے نئے نئے اعتراضات کے جوابات دیئے جائیں کیونکہ اردو تفاسیر عام طور پر بدمذہبوں کی ہیں لیکن بہت وجوہ سے اس کا موقعہ نہ ملتا تھا کہ رب تعالیٰ نے مجھے شہر گجرات علاقہ پنجاب میں بھیجا یہاں مجھے روزانہ تفسیر قرآن سنانے کی خدمت میسر ہوئی اس وقت یہ خیال بھی نہ تھا کہ یہ تفسیر کبھی کتابی شکل میں چھپے گی ہوا یہ کہ بعض احباب نے روزانہ تقریریں لکھنی شروع کر دی جب چند پارے ختم ہوئے تو عام مسلمانوں کا خیال ہوا کہ اس کو چھپوا دیا جائے یہ تو ممکن نہ تھا کہ وہی تفاسیر چھپائی جاتیں بلکہ ان پر نظر ثانی کر کے انہیں زوائد و

www.alahazratnetwork.org

تکرارات سے خالی کرنا' نئے فوائد بڑھانا ضروری تھا کیونکہ تحریر و تقریر میں فرق ہوتا ہے اور میں نے حسب ذیل کتب لکھیں۔ جاء الحق' شان حبیب الرحمان' سلطنت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) اسلامی زندگی' دیوان سالک وغیرہ۔ امید سے زیادہ ان کی مقبولیت نے اور بھی میرا حوصلہ بڑھایا۔ لہٰذا اس طرف توجہ کی۔ توجہ تو کردی۔ مگر اتنے بڑے کام کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ بھلا کہاں مجھ جیسا بے ہنر انسان اور کہاں تفسیر قرآن۔ لیکن در حقیقت نہ تو وہ کتابیں میری قوت سے لکھی گئی اور نہ یہ کام میری قوت سے ہوگا۔ بلکہ رب تعالیٰ اور اس کے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام جس سے چاہیں اپنا کام لے لیں۔ حق تعالیٰ کے بھروسہ پر یہ کام شروع کردیا رب تعالیٰ میری زبان و قلم و کلام کو غلطی سے بچائے۔ حق باتیں ظاہر فرمائے اور خیر و خوبی سے اس کام کو انجام پر پہنچائے اور اسے قبول فرمائے اور مجھ فقیر بے نوا کے لئے صدقہ جاریہ اور توشہ آخرت بنائے۔ نیز اس مدرسہ غوثیہ گجرات کو دائم قائم رکھے۔ اور جن جن حضرات نے اس میں دامے' درمے' قدمے' سخنے' قلمے کوشش کی انہیں جزائے خیر دے۔

آمین!

خصوصیات : اس تفسیر میں حسب ذیل خصوصیات ہیں۔

1۔ یہ تفسیر' تفسیر روح البیان' تفسیر کبیر' تفسیر عزیزی' تفسیر مدارک' تفسیر محی الدین ابن عربی کا گویا خلاصہ ہے۔ 2۔ اردو تفاسیر میں سب سے بہتر تفسیر خزائن العرفان مصنفہ حضرت مرشدی استاذی صدر الافاضل مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی دام ظلہم ہے۔ اس کو مشعل راہ بنایا گیا گویا یہ تفسیر اس کی تفصیل ہے۔ 3۔ اردو ترجموں میں نہایت اعلیٰ اور بہتر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ کنزالایمان ہے۔ اسی پر تفسیر کی گئی۔ 4۔ ہر آیت کا پہلی آیت سے نہایت عمدہ تعلق اور ربط بیان کیا گیا۔ 5۔ آیات کا شان نزول نہایت وضاحت سے بتایا گیا اور اگر شان نزول چند مروی ہیں تو ان کی مطابقت کی گئی۔ 6۔ ہر آیت کی اولاً تفسیر اور پھر خلاصہ تفسیر اور پھر تفسیر صوفیانہ دلکش اور ایمان افروز طریقہ سے کی گئی۔ 7۔ ہر آیت کے ساتھ علمی فوائد اور فقہی مسائل بیان کئے گئے۔ 8۔ تقریباً" ہر آیت کے ماتحت آریہ' عیسائی وغیرہ دیگر ادیان اور دیوبندی' قادیانی' نیچری' چکڑالوی' وغیرہم کے اعتراضات' مع جوابات بیان کئے گئے۔ ستیارتھ پرکاش چودھویں باب کے جوابات بھی دیئے گئے۔ لیکن یہ کتاب مجھے کچھ بعد میں ملی۔ اس لئے اس کی باقاعدہ تردید کچھ دور جاکر شروع ہوئی۔ اس تفسیر کے مطالعہ کے وقت قرآن پاک سامنے رکھا جائے اور جب آیت کی تفسیر دیکھنا ہو اس پر نظر رہے تو انشاء اللہ بہت لطف آئیگا۔ 9۔ بہت کوشش کی گئی ہے کہ زبان آسان ہو اور مشکل مسائل بھی آسانی سے سمجھا دیئے جائیں مگر پھر بھی مسائل علمی ہیں جیسے مسئلہ امکان کذب یا امکان نظیر یا مسئلہ عصمت انبیاء یا حضور علیہ السلام کے والدین کے ایمان کی بحث یا آیات و احادیث کی مطابقت اگر ان میں سے کوئی بات سمجھ میں نہ آئے تو چند بار مطالعہ کریں یا کسی سنی عالم سے حل کرلیں۔ 10۔ تفسیر کی تعریف اور تفسیر و تاویل و تحریف کا فرق اور مولوی اور صوفی کی تعریفیں اور ان میں عمدہ فرق اور ان دونوں جماعتوں کے ضرورت پارہ اول کے اخیر میں بیان کی گئیں وہاں ملاحظہ فرمائیں اور جو کوئی اس سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ فقیر بے نوا کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ اس کا تاریخی نام "اشرف التفاسیر" المعروف "تفسیر نعیمی" رکھتا ہوں۔ حق تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور میرے لئے صدقہ جاریہ اور کفارہ سیئات بنائے۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا تَوْفِیْقِیْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ
وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ
سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ

احمد یار خاں نعیمی اشرفی اوجھانوی بدایونی

8 ماہ فاخر ربیع الآخر 1363ھ روز ایمان افروز طغیان سوز ــــ دو شنبہ مبارکہ اللہ تعالٰی کے فضل و کرم سے انیس سال میں پہلی بار درس قرآن ختم ہوا۔ پھر دوبارہ شروع کیا گیا۔ دوران درس میں بہت سے تفسیری نکات فوائد' نئے اعتراضات وجوابات وغیرہ بیان ہوئے وہ تمام اس میں زیادہ کر دیئے گئے اب بفضلہ تعالٰی یہ تفسیر کچھ اور ہی چیز ہو گئی ــ وللہ الحمد علی ذلک

احمد یار خاں مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پاکستان
ومالک نعیمی کتب خانہ گجرات
25 شوال المکرم 1378ھ یوم دو شنبہ

www.alahazratnetwork.org

مقدمہ

اس میں چند فصلیں ہیں

پہلی فصل۔ لفظ قرآن کے معنی اور اس کی وجہ تسمیہ : لفظ قرآن یا تو قرء سے بنا ہے یا قراءۃ سے یا قرن سے (تفسیر کبیر پارہ2) قرء کے معنی جمع ہونے کے ہیں۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی سارے اولین و آخرین کے علموں کا مجموعہ ہے (تفسیر کبیر' روح البیان پارہ2) دین و دنیا کا کوئی ایسا علم نہیں جو قرآن میں نہ ہو اسی لئے حق تعالٰی نے خود فرمایا کہ نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی نیز یہ سورتوں اور آیتوں کا مجموعہ ہے۔ نیز یہ تمام بکھروں کو جمع کرنے والا ہے دیکھو ہندی' سندھی' عربی' عجمی لوگ ان کے لباس' طعام' زبان طریق زندگی سب الگ الگ کوئی صورت نہ تھی کہ یہ اللہ تعالٰی کے بکھرے ہوئے بندے جمع ہوتے۔ لیکن قرآن کریم نے ان سب کو جمع فرمایا اور ان کا نام رکھا مسلمان خود فرمایا سماکم المسلمین جیسے کہ شہد مختلف باغوں کے رنگ برنگ پھولوں کا رس ہے مگر اب ان سب رسوں کے مجموعہ کا نام شہد ہے۔ اسی طرح "مختلف ملکوں' مختلف زبانوں کے لوگ ہیں۔ مگر اب ان کا نام ہے مسلمان تو گویا یہ کتاب اللہ کے بندوں کو جمع فرمانے والی ہے اسی طرح زندوں اور مردوں میں بظاہر کوئی علاقہ باقی نہ رہا تھا لیکن اس قرآن عظیم نے ان کو بھی خوب جمع فرمایا کہ مردے مسلمان زندوں سے فیض لینے لگے کہ اسی قرآن سے ان پر ایصال ثواب وغیرہ کیا جاتا ہے اور زندے وفات شدہ لوگوں سے کہ وہ حضرات اسی قرآن کی برکت سے ولی قطب' غوث' بنے اور ان کا فیض بعد وفات جاری ہوا انشاء اللہ اس کی بحث ولایک نشتین میں آئے گی۔

اور اگر یہ قراءۃ سے بنا ہے تو اس کے معنی ہیں پڑھی ہوئی چیز۔ تو اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ اور انبیائے کرام کو کتابیں یا صحیفے حق تعالٰی کی طرف سے لکھے ہوئے عطا فرمائے گئے لیکن قرآن کریم پڑھا ہوا اترا۔ اس طرح کہ جبریل امین حاضر ہوتے اور پڑھ کر سناجاتے اور یقیناً پڑھا ہوا نازل ہونا لکھے ہوئے نازل ہونے سے افضل ہے۔ جس کی بحث دوسری فصل میں آتی ہے نیز جس قدر قرآن کریم پڑھا گیا اور پڑھا جاتا ہے اس قدر کوئی دینی و دنیوی کتاب دنیا میں نہ پڑھی گئی۔ کیونکہ جو آدمی کوئی کتاب بناتا ہے۔ وہ تھوڑے سے لوگوں کے پاس پہنچتی ہے اور وہ بھی ایک آدھ دفعہ پڑھتے ہیں۔ اور پھر کچھ زمانہ بعد ختم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح پہلی آسمانی کتابیں بھی خاص خاص جماعتوں کے پاس آئیں اور کچھ دنوں رہ کر پہلے تو بگڑیں پھر ختم ہو گئیں جس کا ذکر تیسری فصل میں انشاء اللہ آئے گا لیکن قرآن کریم کی شان ہے کہ سارے عالم کی طرف آیا اور ساری خدائی میں پہنچا سب نے پڑھا بار بار پڑھا اور دل نہ بھرا۔ اکیلے پڑھا' جماعتوں کے ساتھ پڑھا۔ اگر کبھی تراویح کی جماعت یا شبینہ دیکھنے کا اتفاق ہو تو معلوم ہو گا کہ اس عظمت کے ساتھ کوئی کتاب پڑھی ہی نہیں گئی۔ پر لطف بات یہ ہے کہ اس کو مسلمان نے بھی

www.alahazratnetwork.org

پڑھا اور کفار نے بھی پڑھا۔ لطیفہ۔ ایک بار رام چندر آریہ نے حضرت صدر الافاضل رحمتہ اللہ تعالی علیہ سے عرض کیا کہ مجھے قرآن کریم کے چودہ پارے یاد ہیں بتایئے آپ کو میرا وید کتنا یاد ہے حضرت موصوف نے فرمایا۔ یہ تو میرے قرآن کا کمال ہے کہ دوست تو دوست دشمنوں کے سینوں میں بھی پہنچ گیا اور تیرے وید کی یہ کمزوری ہے کہ دوستوں کے دل میں بھی گھر نہ کر سکا۔ اور بقول تمہارے دنیا میں وید کو آئے ہوئے کروڑوں برس ہو چکے لیکن ہندوستان سے آگے نہ نکل سکا۔ مگر قرآن کریم چند صدیوں میں تمام عالم میں پہنچ گیا۔

اور اگر یہ قرن سے بنا ہے تو قرن کے معنی ہیں ملنا۔ اور ساتھ رہنا۔ اب اس کو قرآن اس لئے کہتے ہیں کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ہیں نیز اس کی سورتیں اور آیتیں ہر ایک بعض بعض کے ساتھ ہیں کوئی کسی کے مخالف نہیں نیز اس میں عقائد اور اعمال اور اعمال میں اخلاق' سیاسیات' عبادات' معاملات تمام ایک ساتھ جمع ہیں نیز یہ مسلمان کے ہر وقت ساتھ رہتا ہے دل کے ساتھ' خیال کے ساتھ' ظاہری اعضاء کے ساتھ اور باطنی عضووں کے ساتھ دل میں پہنچا۔ اس کو مسلمان بنایا ہاتھ پاؤں ناک کان وغیرہ کو حرام کاموں سے روک کر حلال میں مشغول کر دیا غرضیکہ سر سے لے کر پاؤں تک کے ہر عضو پر اپنا رنگ جما دیا۔ پھر زندگی میں ہر حالت میں ساتھ بچپن میں ساتھ جوانی میں ساتھ' بڑھاپے میں ساتھ۔ پھر ہر جگہ ساتھ رہا تخت پر ساتھ۔ تختے پر ساتھ گھر میں ساتھ' مسجد میں ساتھ' آبادی میں ساتھ' غرضیکہ ہر حال میں ساتھ پھر مرتے وقت ساتھ کہ پڑھتے اور سنتے ہوئے مرے قبر میں ساتھ کہ بعض صحابہ کرام کو ان کو وفات کے بعد قبر میں قرآن پاک پڑھتے ہوئے سنا گیا۔ اور حشر میں ساتھ کہ گناہ گار کو خدا سے بخشوائے پل صراط پر نور بن کر مسلمان کے آگے آگے چلے اور راستہ دکھائے اور بتائے اور جب مسلمان جنت میں پہنچے گا تو فرمایا جائیگا کہ پڑھتا جا اور پڑھتا جا غرضیکہ یہ مبارک چیز کبھی بھی ساتھ نہیں چھوڑتی اس کا دوسرا نام فرقان بھی ہے۔ یہ لفظ فرق سے بنا ہے اس کے معنی میں فرق کرنے والی چیز قرآن کو فرقان اس لئے کہتے ہیں کہ حق و باطل' جھوٹ اور سچ مومن اور کافر میں فرق فرمانے والا ہے قرآن بارش کی مثال ہے دیکھو کسان زمین کے مختلف حصوں میں مختلف بیج بو کر چھپا رہتا ہے کسی کو پتہ نہیں لگتا کہ کہاں کون سا بیج بویا ہوا ہے۔ مگر بارش ہوتے ہی جہاں جو بیج دفن تھا' وہاں وہی پودا نکل آتا ہے تو بارش زمین کے اندرونی تخم کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح رب تعالی نے اپنے بندوں کے سینوں میں ہدایت' گمراہی' سعادت' شقاوت' کفر و ایمان کے مختلف تخم امانت رکھے نزول قرآن سے پہلے سب یکساں معلوم ہوتے تھے صدیق و ابو جہل' فاروق و ابو لہب میں فرق نظر نہیں آتا تھا قرآن نے نازل ہو کر کھرا اور کھوٹا علیحدہ کر دیا صدیق کا ایمان زندیق کا کفر ظاہر فرما دیا لہذا اس کا نام فرقان ہوا یعنی ان میں فرق ظاہر فرمانے والا قرآن کریم کے کل 32 نام ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ شروع سورۂ بقرہ ذالک الکتاب میں بیان کی جائیگی۔

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ اور ان آیتوں نے الگ الگ نزولوں کو بیان فرمایا ہے نزول قرآن اور دیگر آسمانی کتب کے نزول میں تین طرح فرق ہے ایک یہ کہ وہ کتب لکھی ہوئی آئیں قرآن پڑھا ہوا یعنی وہ سب تحریری' قرآن تقریری۔ دوسرے یہ کہ وہ سب ان پیغمبروں کو خاص جگہ بلا کر دی گئیں مگر قرآنی آیات عرب کے گلی کوچوں بلکہ حضور کے بستر شریف میں آئیں تاکہ حجاز کا ہر ذرہ عظمت والا ہو جائے کہ وہ قرآن کا جائے نزول ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ کتب یکبارگی اتریں قرآن کریم 23 سال میں تاکہ حضور سے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی رہے۔ اور مسلمانوں کو عمل آسان ہو کیونکہ یکدم سارے احکام پر عمل مشکل ہوتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل ایکدم توارت ملنے سے گھبراگئے اور بولے۔ سمعنا و عصینا

قرآن کا نزول حضور علیہ السلام پر کیوں ہوا : بندوں کے لئے ضروری ہے کہ حق تعالیٰ کے احکام کو مانیں لیکن یہ ماننا جب ہی ضروری ہو گا جب کہ وہ احکام نبی کی پاک زبان سے لو اہوں حق تعالیٰ تو بلاواسطہ کسی غیر نبی سے کلام نہیں فرماتا۔ اگر جبریل انسانی شکل میں آکر لوگوں کو احکام سنا جاتے تو بھی ان پر عمل کرنا ضروری نہ ہوتا اسی طرح کوئی غیر نبی خواب یا الہام یا غیبی آواز سے کسی حکم پر مطلع ہو جائے تو اس کا ماننا شرعاً لازم نہ ہو گا مشکوۃ شریف کے شروع میں ہے کہ ایکبار حضرت جبریل امین شکل انسانی میں سائل بن کر حضور پاک کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضور سے دریافت کیا کہ ایمان کیا ہے' اسلام کیا ہے احسان کیا ہے۔ حضور نے جواب دیئے جب وہ دریافت کر کے چلے گئے تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ جبریل امین تھے اور تم کو تمہاری دینی باتیں سکھانے آئے تھے۔ دیکھو اس موقع پر حضرت جبریل امین نے خود ہی نہ کہہ دیا کہ اے صاحبو! میں جبریل ہوں اور تم کو فلاں فلاں بات کا حکم کرتا ہوں کیونکہ وہ جانتے تھے کہ میری اطاعت ان حضرات پر واجب نہ ہو گی۔ اس لئے حضور علیہ السلام کی زبان پاک سے وہ کلمات لوگوں کو سنوائے۔ اماموں کا قیاس بھی حق تعالیٰ کے فرمان یا حضور کے ارشاد پر مبنی ہوتا ہے۔ ہمارے اس کلام سے نتیجہ یہ نکلا کہ ع

اصل اصول بندگی اس تاجور کی ہے!

کہ نبی کی ہی اطاعت درحقیقت حق تعالیٰ کی اطاعت ہے (فائدہ) پیغمبر کا خواب اور ان کا الہام وغیرہ بھی وحی کی طرح قابل اطاعت ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا تھا کہ اپنے فرزند کو ذبح کرو حالانکہ بے قصور آدمی کو قتل کرنا شریعت کے خلاف تھا لیکن آپ کے اس خواب نے اس حکم شرعی کو آپ کے حق میں منسوخ کر دیا آج اگر کوئی مسلمان یہ خواب دیکھے تو وہ محض اپنے خواب پر ایسے کام کی جرات نہیں کر سکتا کیونکہ یہ خلاف شریعت ہے نکتہ یہ بھی یاد رہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نہ تو نبی ہیں نہ نبیوں کے استاد بلکہ رب تعالیٰ اور پیغمبروں کے درمیان پیغام پہنچانے والے قاصد ہیں اور انبیاء کرام کے خادم۔ نبی' حکومت الیہ کے اختیارات والے حکام ہیں حضرت جبریل امین ایسے نہیں۔ بلاشبیہ یوں سمجھو کہ ایک ضلع کا افسر ہے اور ایک محکمہ ڈاک کا قاصد۔ بادشاہ کے یہاں سے احکام ڈاک کے ذریعے سے حاکم کے پاس آتے ہیں تو ڈاک کا لانے والا حاکم نہیں حاکم وہی ہے جس کے پاس یہ احکام آئے اور جو ان پر رعایا سے عمل کرائے گا۔

قرآن اور حدیث کا فرق : قرآن اور حدیث دونوں ہی وحی الٰہی ہیں۔ دونوں کی اطاعت ضروری ہے۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن کریم کی عبارت خدا کی طرف سے ہے اور مضمون بھی۔ گویا جس طرح حضرت جبریل امین نے آکر سنایا اسی طرح بلا کسی

www.alahazratnetwork.org

فرق کے حضور علیہ السلام نے بیان فرمادیا حدیث میں یہ ہے کہ مضمون رب کی طرف سے ہوتا ہے اور الفاظ حضور علیہ السلام کے اپنے ہوتے ہیں اب اس مضمون کا رب کی طرف سے آنایا بطور الہام ہوتا ہے یا فرشتہ ہی عرض کرتا ہے لیکن اس کی ادا حضور علیہ السلام کے اپنے الفاظ سے ہوتی ہے اسی لئے اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن اس کی تلاوت نماز میں بجائے قرآن شریف کے نہیں ہو سکتی کیونکہ عمل مضمون پر ہوتا ہے اور تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے اور اسی وجہ سے قرآن پاک کے احکام حدیث سے منسوخ ہو سکتے ہیں ہم اس کی پوری بحث انشاء اللہ تعالیٰ ما ننسخ من آیۃ او ننسھا میں کریں گے دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کرنا قرآن شریف سے ثابت ہے مگر حدیث نے اس کو منسوخ کیا وغیرہ وغیرہ اسی لئے قرآن پاک فرماتا ہے ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ یعنی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو قرآن شریف اور حکمت سکھاتے ہیں۔ اگر حدیث شریف ماننے کی ضرورت نہ ہوتی تو حکمت کا ذکر نہ فرمایا جاتا فقط کتاب کا ذکر ہی کافی تھا حدیث ماننے کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن ناقص ہے قرآن پاک بالکل مکمل کتاب ہے لیکن اس مکمل میں سے مضامین حاصل کرنے کے لئے مکمل ہی انسان کی ضرورت تھی۔ اور وہ نبی ہیں صلی اللہ علیہ وسلم سمندر میں موتی ضرور ہیں لیکن ان کے حاصل کرنے کے لئے کسی غواص (غوطہ خور) کی ضرورت ہے اگر قرآن پاک سے مسائل ہر شخص نکال لیا کرتا تو اس کے سکھانے کے لئے پیغمبر کیوں بھیجے جاتے۔ اس کی پوری بحث انشاء اللہ آئندہ ہوگی اور جس طرح کہ قرآن شریف ہوتے ہوئے حدیث پاک کے ماننے کی ضرورت ہے اور حدیث کے ماننے سے قرآن کا ناقص ہونا لازم نہیں آتا اسی طرح حدیث و قرآن کے ہوتے ہوئے ہم جیسوں کو فقہ کے ماننے کی بھی ضرورت ہے اور فقہ ماننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ قرآن و حدیث ناقص ہوں۔ اسی لئے قرآن کریم نے عام حکم فرمادیا کہ اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم یعنی اطاعت کرو اللہ کی اور اللہ کے رسول علیہ السلام کی اور اپنے میں امر والوں (علماء مجتہدین) کی یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل جو منقول ہو جائے وہ حدیث ہے خواہ ہمارے لئے لائق عمل ہو یا نہیں مگر سنت صرف ان اقوال و اعمال کو کہا جاتا ہے جو ہمارے لئے لائق عمل ہوں۔ اسی لئے حضور نے فرمایا علیکم بسنتی تم پر میری سنت لازم ہے یہ نہ فرمایا علیکم بحدیثی۔ لہٰذا دنیا میں کوئی شخص اہل حدیث نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام حدیثوں پر عمل ناممکن ہاں اہل سنت ہو سکتا ہے یعنی تمام سنتوں پر عمل۔

تیسری فصل۔ قرآن پاک کی ترتیب اور اس کا جمع ہونا : پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ قرآن پاک لوح محفوظ میں لکھا ہوا تھا قرآن کریم فرماتا ہے "قرآن مجید فی لوح محفوظ" پھر وہاں سے پہلے آسمان پر لایا گیا پھر وہاں تیئس سال میں آہستہ آہستہ حضور علیہ السلام پر نازل ہوتا رہا مگر یہ نازل ہونا اس لکھے ہوئے کی ترتیب کے موافق نہ تھا کیونکہ یہ نزول بندوں کی ضرورت کے مطابق ہوتا تھا جس آیت کی ضرورت ہوئی وہی آگئی مثلاً اگر اول ہی سے شراب کے حرام ہونے کی آیتیں اتر آتیں تو یقیناً عرب کے نئے مسلمانوں کو دشواری واقع ہوتی کیونکہ وہاں عام طور پر شراب پی جاتی تھی اسی طرح سارے احکام کو سمجھ لو لیکن چونکہ حضور علیہ السلام کی نگاہ پاک لوح محفوظ وغیرہ پر تھی اس لئے آپ ہر آیت کے نزول کے وقت اس کو ترتیب سے جمع کرا دیتے تھے اس طرح کہ جو حضرات کاتب وحی مقرر تھے ان کو فرما دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھو اور یہ ترتیب لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق تھی اور طریقہ اس وقت یہ تھا کہ حضرت زید بن ثابت و دیگر بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم

www.alahazratnetwork.org

اعراب نہ رکوع نہ سیپارے نقطے لگانے والے اعراب لگانے والے ابو اسود دؤلی تابعی ہیں جنہوں نے حجاج ابن یوسف کے حکم سے یہ کام کیا۔ پھر خلیل ابن احمد فراہیدی نے مد اور وقف وغیرہ کی علامات قرآن میں لگائیں اور معرب ابن قحطان نے قرآن کو عربی خط یعنی نسخ میں لکھا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ قرآن کے تیس پارے ہیں اور اس میں نصف ربع ثلث کے نشانات مامون عباسی کے زمانے میں لگائے گئے رکوع بنائے گئے یعنی حضرت عثمان غنی رمضان شریف کی تراویح کی نماز میں جس قدر قرآن پاک پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔ اتنے حصے کو رکوع قرار دیا گیا اس لئے اس کے نشان پر قرآن مجید کے حاشے پر ع لگا دیتے ہیں بعض کہتے ہیں یہ عمرو کے نام کا عین ہے بعض کہتے ہیں کہ عثمان کا نام کا عین لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ رکوع کا عین ہے تو حقیقت میں یہ تمام کام تلاوت کرنے والے کی آسانی کے لئے کئے گئے۔ لطیفہ:۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تراویح بیس رکعت ہونی چاہئے نہ کہ آٹھ رکعت اس لئے کہ حضرت عثمان روزانہ بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ہر رکعت میں قرآن پاک کا ایک رکوع پڑھتے اور ستائیسویں رمضان المبارک ختم قرآن پاک فرماتے اس حساب سے کل پانچ سو چالیس رکوع بنتے ہیں اور کل رکوع قرآن پاک کے پانچ سو چھپن ہیں چونکہ بعض سورتیں بہت چھوٹی ہیں اس لئے بعض رکعتوں میں دو سورتیں پڑھ لی جاتی ہیں اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتی جیسے وہابی کہتے ہیں تو قرآن پاک کے رکوع کے دو سو سولہ ہونے چاہئے تھے اس کی مزید تحقیق کے لئے ہماری کتاب لمعات المصابیح علی الرکعات التراویح دیکھو۔ سورتوں کی ترتیب کے بارے میں اختلاف ہے بعض فرماتے ہیں کہ ان کو بھی آیتوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی ترتیب دیا تھا اور بعض فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ صحابہ کرام کے اجتہاد سے یہ ترتیب ہوئی لیکن تفسیر عزیزی نے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی سورتوں کی ترتیب اشارۃً خود ہی فرما دی تھی جیسے کہ سات طویل سورتیں اور حم والی اور مفصل کی سورتیں ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازوں یا اپنے وظیفوں میں ترتیب وار پڑھ کر بتلا دیا تھا اور بعض سورتوں کی ترتیب حضور کے بعد صحابہ کرام اجتہاد سے مضامین کی مناسبت سے واقع ہوئی جیسے کہ کسی بڑے شاعر کے کلام کو ہم ترتیب دیں تو اس کو ردیف کے حرفوں کے مطابق اس طرح ترتیب دیتے ہیں کہ بڑی بڑی غزلیں اور قصیدے پہلے اور مثنوی اس کے بعد اور قطعے اور رباعیاں اس کے بعد تو ترتیب میں کلام کی موزونیت کا لحاظ رکھا جاتا ہے نہ کہ اس نے یہ کلام کب کہا اسی لئے مدنی بڑی بڑی سورتیں قرآن پاک میں اول ہیں اور مکی سورتیں بعد میں۔

چوتھی فصل' قرآن پاک کی حفاظت : قرآن پاک سے پہلی کتابیں مثلاً توریت' انجیل' زبور وغیرہ ایک خاص وقت تک کے لئے اور خاص خاص قوموں کے لئے دنیا میں بھیجی گئیں اس لئے حق تعالیٰ نے ان کی حفاظت کا ذمہ خود نہ لیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پیغمبران عظام کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد وہ کتابیں بھی قریب قریب ختم ہو گئیں لیکن یہ قرآن کریم سارے جہاں کے لئے آیا اور ہمیشہ کے لئے آیا اس لئے رب تعالیٰ نے خود اس کو حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا چنانچہ ارشاد فرمایا **انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحفظون** ہم نے ذکر (قرآن) اتارا ہے اور ہم اس کے محافظ ہیں اور سبحان اللہ! الٰہی اس کی حفاظت ہوئی کہ کوئی شخص اس میں زیر اور زبر کا فرق نہ کر سکا اس کی حفاظت کا ذریعہ یہ ہوا کہ قرآن کریم فقط کاغذ پر ہی نہ رہا بلکہ مسلمانوں کے سینوں میں محفوظ کیا گیا صحابہ کرام کے زمانہ کی حالت تو ہم سنی سنائی بیان کر سکتے ہیں لیکن اس زمانے میں تو مشاہدہ ہو رہا ہے کہ اگر کسی چھوٹے سے گاؤں میں بھی کسی مجمع کے سامنے کوئی تلاوت کرنے والا ایک زبر زیر کی غلطی کر دے تو ہر چہار طرف سے

www.alahazratnetwork.org

آوازیں آئی ہیں آپ نے غلط پڑھا اس طرح پڑھو۔ اور ہر زمانے ہر جگہ ایک دو نہیں بلکہ صدہا حافظ پیدا ہوتے رہے اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب بچہ سکول میں قدم رکھتا ہے تو چونکہ اسے ابھی کتاب سنبھالنے کی لیاقت نہیں ہوتی لہٰذا اس کے استاد چھوٹے چھوٹے قاعدے اور کتابیں اس کو خرید کر دیتے ہیں وہ بچہ کتابیں پڑھتا بھی جاتا ہے اور ضائع بھی کرتا جاتا ہے جب کسی قدر ہوش سنبھالتا ہے تو اب کتابیں پھاڑتا تو نہیں لیکن ان پر لکھ لکھ کر خراب کرتا رہتا ہے پھر جب خوب سمجھدار ہو جاتا ہے اور کتاب کی قدر و قیمت پہچانتا ہے تو اب کتاب کو جان سے بھی زیادہ عزیز رکھتا ہے اسی طرح دنیا اب سے پہلے خدائی کتابوں اور صحیفوں کو سنبھال نہ سکی تو ان کو برباد کر ڈالا پھر توریت و انجیل کو بالکل تو نہ مٹایا مگر اپنی طرف سے بہت کچھ اس میں غلط ملط کر دیا دنیا کے اخیر دور میں قرآن کریم تشریف لایا اور قدرت نے اس کو سنبھالنے کا طریقہ سکھایا توریت و انجیل کسی زمانے میں بگڑی بگڑائی پائی جاتی ہوں گی لیکن اب تو صفحہ ہستی سے قریباً بالکل ناپید ہو گئیں یہ جو پیسے پیسے کی یوحنا اور متی رسول کی انجیلیں فروخت ہو رہی ہیں یہ وہ انجیل نہیں جو آسمان سے آئی تھی بلکہ اس کے ترجمے ہوں گے کیونکہ وہ عبرانی زبان میں تھیں اور یہ ترجمے مختلف زبانوں میں ہیں جب وہ اصل کتاب ہمارے سامنے ہے ہی نہیں تو ہم کیسے معلوم کریں کہ یہ ترجمے اس کے صحیح ہیں یا نہیں بخلاف قرآن کریم کے کہ وہی قرآن اسی زبان میں بعینہٖ موجود ہے۔ جو صاحب قرآن علیہ السلام پر اترا علاوہ کتابیں تو کیا باقی رہتیں زبان عبرانی جس میں وہ کتابیں آئیں تھیں وہ بھی دنیا سے غائب ہو گئی۔ بلکہ مصر اور شام وغیرہ ممالک جہاں عبرانی زبان بولی جاتی تھی وہاں عربی زبان نے اپنا سکہ جما لیا اور اس قرآن پاک کی بدولت ہر ملک میں عربی زبان کا دور دورہ ہو گیا چنانچہ الحمد للہ ہندوستان میں بھی لاکھوں کی تعداد میں عربی داں موجود ہیں لیکن عبرانی جاننے والا ایک بھی نہیں ہے حتی کہ مشن اسکولوں میں انجیل تو پڑھائی جاتی ہے مگر افسوس کہ عبرانی اور سریانی زبانیں وہاں بھی غائب ہیں یہ سب قرآن پاک اور صاحب لولاک کی برکت ہے صلی اللہ علیہ وسلم حیرت یہ ہے کہ قرآن پاک کے الفاظ محفوظ اس کے پڑھنے کے طریقے یعنی قرات (تجوید) محفوظ کہ س ' ص ' ت ' ط ' ک ' ق ' ذ ' ز ' ض ' ظ ' مد ' شد وغیرہ کس طرح ادا کئے جائیں طریقہ تحریر بھی محفوظ ہے یعنی جس طرح کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریر منقول ہے اس کے خلاف قرآن پاک نہیں لکھ سکتے بسم اللہ کا سین لمبا اور میم گول لکھا جاتا ہے کہ کسی قرآن پاک میں سین چھوٹا کر کے نہ لکھا جائے جیسے **الاسم الفسوق** لکھنے میں لام اسم آتا ہے جیسا کلمات نحوی میں لام اسم آتا ہے علماء فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کو عربی خط میں لکھا جائے اردو خط یا نستعلیق میں نہ لکھا جائے بعض بعض کلمات نحوی قاعدے کے خلاف معلوم ہوتے ہیں لیکن وہ پڑھے ویسے ہی جاتے ہیں جیسے کہ ثابت ہو چکے۔ مثلاً **علیہ اللہ ما انسانیہ لنسفعا** وغیرہ ان چیزوں کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ سبحان اللہ! قرآن پاک ایسا محفوظ ہے کہ اس کے صفات تک محفوظ اگر کوئی منصف ان باتوں کو بنظر انصاف دیکھے تو قرآن پاک کے قبول کرنے میں تامل نہ کرے ان خوبیوں کو دیکھ کر بعض پادریوں کے منہ میں پانی بھر آیا اولاً تو اس کوشش میں رہے کہ انجیل شریف کو محفوظ کتاب ثابت کر سکیں مگر نہ کر سکے بلکہ بہت سے محققین عیسائیہ نے مان لیا کہ انجیل شریف میں لفظی اور معنوی بیشمار تحریفیں ہوئیں اور مان لیا کہ انجیل کی بہت سی آیتیں اور بہت سے الحاق ہیں دیکھو مسٹر ہارن اور ہنری اور اسکاٹ صاحب کی تفاسیر اور دیکھو مباحثہ دینی مطبوعہ اکبر آباد مصنفہ پادری فنڈر بعض عیسائی پادریوں نے یہ کوشش کی کہ قرآن پاک کو محرف ثابت کریں۔ چنانچہ عبد المسیح اور ماسٹر رام چند اور پادر

www.alahazratnetwork.org

الدین نے اس بارے میں رسالے لکھ ڈالے یہ لوگ جس قدر اعتراض کرسکتے ہیں ہم ان کو علیحدہ علیحدہ سوال جواب کی شکل میں بیان کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے واقف ہوں۔ (1) سوال: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب قرآن کا نسخہ تیار کیا تو پچھلے نسخوں کو جلوا دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن وہ نہیں ہے جو آسمان سے آیا تھا بلکہ وہ جلایا جاچکا۔ جواب: اس کا جواب دوسری فصل میں نہایت تفصیل سے گزر چکا کہ ان نسخوں کو جلوانا اختلاف کو مٹانے کے لئے تھا کیونکہ ان میں قرآن اور تفسیری عبارات مخلوط تھیں۔ آیات کو لے لیا گیا اگر وہ نسخے باقی رہتے تو آئندہ بڑا اختلاف پیدا ہوجاتا اس تفصیل کو پڑھنے کے بعد معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ اعتراض محض لغو ہے اور دھوکہ دینے کے لئے ہے۔ (2) سوال: تفسیر اتقان اور بخاری شریف جلد دوم باب جمع قرآن میں ہے کہ حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے لقد جاء کم رسول والی آیت تمام جگہ تلاش کی مگر کہیں نہ ملی۔ بجز ابو خزیمہ انصاری کے کہ ان کے پاس یہ لکھی ہوئی موجود تھی اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور آیتیں بھی اس طرح گم ہوگئی ہوں گی نیز حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ایک آیت لکھی ہوئی ہمارے پاس موجود تھی جسے بکری کھاگئی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اور آیتیں بھی اس طرح برباد ہوگئی ہوں گی۔ جواب: اگر ایسی ایسی دو چار سو روایتیں بھی جمع کرلی جائیں اور وہ روایتیں قابل قبول بھی ہوں اور کوئی بکری پورا قرآن بھی کھاگئی ہو تب بھی اصل قرآن کا ایک لفظ بھی ضائع نہیں ہوسکتا یہ تو جب ہوتا جب قرآن پاک کا دارومدار توریت و انجیل کی طرح فقط دو چار نسخوں پر ہوتا یہ تو مسلمانوں کے سینوں میں موجود تھا کاغذ کو بکری اور گائے بھینس کھاسکتی ہے حافظ کے سینے کو تو قبر کی مٹی بھی نہیں کھاتی اسے کون کھائے گا جناب وہ صحابہ کرام کا زمانہ تھا اگر آج بھی دنیا سے قرآن پاک کے سارے نسخے ناپید کردیئے جائیں تو ہندوستان کے کسی معمولی گاؤں کا ایک چھوٹا حافظ بچہ بھی قرآن پاک بعینہٖ لکھوا سکتا ہے۔ (3) سوال: مسلمان خود مانتے ہیں کہ قرآن پاک کی بہت سی آیتیں منسوخ ہیں کہ سورۃ یاسین سورۃ بقرہ کے برابر تھی لیکن نسخ وغیرہ ہوکر کٹ کٹا کر اتنی باقی رہی معلوم ہوا کہ یہ قرآن بعینہٖ وہ نہیں ہے کہ جو آسمان سے آیا تھا بلکہ اس میں سے بہت سی تبدیلی ہوچکی ہے۔ جواب: تحریف کے معنی یہ ہیں کہ کتاب والے کی غیر موجودگی میں اس کی بغیر مرضی اس کی کتاب میں کمی یا زیادتی کردی جائے لیکن اگر صاحب کتاب ہی اپنی مرضی سے اپنی کتاب میں کچھ کمی بیشی کرے تو اس کو کوئی بیوقوف بھی تحریف نہ کہے گا ایک طبیب نسخہ لکھتا ہے بیمار اپنی طرف سے اس میں دوائیں گھٹاتا بڑھاتا ہے تو وہ مریض یقیناً مجرم ہے لیکن اگر طبیب ہی مریض کے حالات میں تبدیلی کی بناء پر اپنے نسخے میں کچھ تبدیلی کرتا ہے تو یہ طبیب کی قابلیت اور نسخے کے مکمل ہونے کی دلیل ہے نہ کہ نسخے کی تحریف یہی قرآن پاک میں ہوا کہ بعض سورتوں میں حالات کے موافق خود قرآن بھیجنے والے خدا کی طرف سے ہی احکام بدلے گئے نسخ کی پوری تحقیق ہم انشاء اللہ اس آیت کے ماتحت لکھیں گے کہ ما ننسخ من اٰیۃ انتظار کریں۔ (4) سوال: مسلمانوں کی بعض جماعتیں (جیسے کہ شیعہ) کہتی ہیں کہ قرآن میں سے دس پارے کم کردیئے گئے اور اس قرآن میں سورہ حسنین سورۂ علی اور سورۂ فاطمہ بھی تھیں پتہ نہیں لگتا کہ وہ کہاں گئیں پھر آپ کس منہ سے کہتے ہیں کہ قرآن پاک محفوظ ہے جواب: کسی بے وقوف شیعہ نے گپ ہانکی ہوگی محققین شیعہ تو بڑے شدومد کے ساتھ اس سے اپنی برأت ثابت کرتے ہیں مثلاً ملا صادق' شرح کلینی میں' محمد ابن حسن آملی' شیخ صدوق ابو جعفر محمد بن علی بابویہ وغیرہ۔ اور کیوں ثابت نہ کریں اس لئے کہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ قرآن کریم میں از اول تا آخر منطق ہی منطق ہے نحوی اور صرفی مفسر کی تفسیر سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں صرف اور نحو ہی ہے۔ فصیح اور بلیغ مفسر کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں فصاحت و بلاغت کا دریا موجیں مار رہا ہے صوفیاء کرام کی تفسیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن میں سب کچھ ہے لیکن جیسا کہ اس کا شکار رئیسی اس کی تحصیل پھر جہاں تک سمجھنے والے کی سمجھ کی پہنچ وہاں تک اس کی تحقیق اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک جہاز سواریوں سے بھرا ہوا سمندر کے سفر سے آکر کنارے لگا اس جہاز میں کپتان سے لے کر مسافروں تک ہر قسم کے لوگوں نے سفر کیا لیکن اگر کسی مسافر سے سمندر کے کچھ حالات دریافت کئے جائیں تو وہ کچھ نہ بتا سکے گا کیونکہ اس کی نظر فقط پانی کی ظاہری سطح پر تھی اور اگر خلاصی سے کچھ تحقیق کی جائے تو وہ وہاں کے حالات کا کچھ پتہ دے گا اور اگر کپتان سے معلومات حاصل کی جائیں تو وہ اول سے آخر تک کے سمندر کے تقریباً سارے اندرونی حالات بیان کر سکے گا کہ فلاں جگہ اس کی گہرائی اتنے میل تھی اور فلاں مقام پر پانی میں اس قسم کا پہاڑ تھا میں اپنے جہاز کو اس طرح سے بچا کے لایا وغیرہ وغیرہ اسی طرح قرآن کریم ہم بھی پڑھتے ہیں اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ بھی پڑھتے تھے اور صحابہ کرام بھی اسی قرآن کی تلاوت کرتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی قرآن پاک کو پڑھا کتاب تو ایک ہی ہے لیکن پڑھنے والوں کے ذہن کی رسائی کی انتہائیں الگ الگ ہماری نگاہ فقط ظاہری الفاظ تک ہی بمشکل پہنچتی ہے یہ حضرات بقدر وسعت علمی اس کی تہہ تک پہنچ کر مسائل اور فوائد کو نکال لیتے ہیں بیہقی شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے بارہ سال میں سورۃ بقرہ پڑھی اب بتاؤ پڑھنے والے فاروق اعظم جیسے صاحب کمال پڑھانے والے خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اور بارہ سال کی مدت بتاؤ کہ آقا نے کیا کیا نہ دیا ہو گا اور ان کے نیاز مند غلام عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کیا کیا نہ لیا ہو گا پھر ذرا اس پر بھی غور کرتے چلو کہ حق تعالیٰ فرماتا ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ اپنے محبوب علیہ السلام کو رحمان نے قرآن سکھایا ہے حضرت جبریل علیہ السلام تو فقط پہنچانے والے ہیں سوچو تو کہ سکھانے والا الرحمان اور سیکھنے والا سید الانس والجان اور کیا سکھایا۔ "قرآن" نہ معلوم رب نے کیا دیا اور محبوب علیہ السلام نے کیا کیا لیا اسی لئے تفسیر روح البیان شریف نے فرمایا کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل قرآن کی آیت الٓمٓ لے کر آئے عرض کیا الف حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "میں نے جان لیا"۔ عرض کیا لام فرمایا۔ "یقین کر لیا"۔ عرض کیا میم تو فرمایا "اس کا کرم ہے" جبریل امین کہنے لگے کہ حضور آپ نے کیا سمجھا اور کیا جانا میں تو کچھ بھی نہ سمجھا فرمایا یہ میرے اور رب کے درمیان راز ہیں۔

میان خالق و محبوب رمزے است
کراما" کاتبین راہم خبر نیست

ہمارے اس عرض کرنے کا مدعا یہ ہے کہ کوئی بڑے سے بڑا عالم اور بڑے سے بڑا زبان دان قرآن پاک کے متعلق یہ خیال نہ کرے کہ میں نے اس کی حقیقت کو پا لیا قرآن پاک ایک سمندر ناپید اکنار ہے جتنا جس کا برتن اتنا وہاں سے وہ پانی لے سکتا ہے۔ لیکن کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرے کوزے میں سارا سمندر آ گیا غرض کہ قرآن کریم حق تعالیٰ کی عظمت کا مظہر ہے جیسے اس کی عظمت کی انتہا نہیں ویسے ہی اس کی عظمت بے انتہا ہے۔ شعر

کلام اللہ بھی نام خدا کیا راحت جان ہے عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے کہ تمام انبیاء کرام کے معجزے قصے بن کر رہ گئے کوئی معجزہ نہیں جو آج دیکھا جائے مگر حضور کے بہت سے معجزات تاقیامت رہیں گے جنہیں دنیا آنکھوں سے دیکھے گی قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیات ہیں ہر آیت حضور کا معجزہ ہے جن کی مثل بن نہ سکا ان کے پڑھنے سے دل نہیں اکتاتا ایسے ہی حضور کی محبوبیت جو قریباً ہر دل میں آج بھی موجود ہے ہم نے حضور کے نام پر سکھوں ہندوؤں کو روتے دیکھا ایسے آپ کا بلند ذکر ہر مجلس ہر جگہ ہر زبان پر آپ کا چرچا ہے یہ بھی زندہ جاوید معجزات ہیں جنہیں دنیا دیکھتی ہے اور دیکھتی رہے گی۔ فوائد۔ قرآن کریم کے فوائد کا احاطہ کسی کی زبان کسی کا قلم کسی کا دل و دماغ نہیں کر سکتا بس یوں سمجھو کہ یہ عالم کی تمام روحانی جسمانی ظاہری باطنی ضرورتوں کا پورا فرمانے والا ہے اگر ہم حدیث و فقہ کی روشنی میں قرآن کریم کے صحیح معنوں میں عامل بن جائیں تو ہم کو کبھی بھی کسی حاجت میں کسی قسم کی امداد نہ لینی پڑے ہم اس کے متعلق دو طرح گفتگو کرتے ہیں ایک عقلی اور ایک نقلی اگرچہ مسلمان کے لئے نقلی دلائل کے ہوتے ہوئے عقلی دلائل کی کوئی ضرورت نہیں لیکن زمانہ موجودہ میں نئی روشنی کے دلدادوں کا اعتماد اپنی لولی لنگڑی عقل پر زیادہ ہے یعنی گلاب کی خوشبو کے مقابلہ میں گیندے کی بدبو سے زیادہ مانوس ہو چکے ہیں اس لئے اولاً ہم ان کی تواضع کے لئے عقلی فوائد بیان کرتے ہیں۔

(1) سخی دو قسم کے ہیں ایک وہ جو فقیر کو بلا کر دیں دوسرے جو فقیر کے گھر آکر دیں کنواں بلا کر دیتا ہے دریا آکر دیتا ہے اور سمندر بادل بنا کر عالم پر پانی برساتا ہے کعبہ معظمہ بھی سخی اور قرآن کریم بھی مگر فرق یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کے پاس بھکاری جائیں اور جا کر فیض لے آئیں قرآن کریم کی یہ شان ہے کہ مشرق و مغرب میں گھر گھر پہنچا اور اپنا فیض جاکر دیا اور جو لوگ کہ بالکل ان پڑھ تھے ان کے لئے علماء مثل بادل کے بنا کر اپنی رحمتوں کی بارش ان پر بھی برسادی۔ ع

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہو گئی دم میں کھیتی خدا کی

(2)۔ آفتاب وہ نور ہے جو ایک وقت میں تو محض زمین کو چمکاتا ہے اور پھر ظاہر کو چمکاتا ہے اور اپنے سامنے والے کو چمکاتا ہے اور پھر بادل کی وجہ سے اس کی روشنی پھیکی پڑ جاتی ہے کبھی اس کو گرہن بھی لگتا ہے دن بھر میں تین پلٹے کھاتا ہے صبح اور شام کو ہلکا اور دوپہر کو تیز لیکن قرآن کریم آسمان ہدایت کا وہ چمکتا ہوا سورج ہے جو بیک وقت سارے عالم کو چمکا رہا ہے فقط ظاہر کو نہیں بلکہ دل و دماغ کو بھی منور کر رہا ہے نیز اس کی روشنی جیسے میدانوں پر پڑ رہی ہے اسی طرح پہاڑوں میں غاروں میں اور تہ خانوں میں غرض کہ ہر جگہ پہنچ رہی ہے نہ کبھی اس کو گرہن لگے نہ کوئی بادل اس کی روشنی کو ڈھک سکے۔ اس کی شعاعیں بڑی تاریک گھٹاؤں کو بھی چیر کر اپنا کام کرتی ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے قرآن پاک کے بارے میں فرمایا **وانزلنا الیکم نورا مبینا** ۔(3) آج ہم لوگوں نے اپنی بے علمی کی وجہ سے قرآن کریم کے فیوض و برکات کو محدود سمجھ رکھا ہے بعض لوگوں نے تو اپنے عمل سے ثابت کر دیا ہے کہ قرآن کریم فقط اس لئے آیا ہے کہ بیماری میں اسے پڑھ کر دم کر لو اور گھر میں برکت کے واسطے رکھ لو جب کوئی مرنے لگے تو اس پر یاسین پڑھ دو اور بعد موت اس کو پڑھوا کر ایصال ثواب کر دو اور باقی رہا عمل اس کے لئے قرآن کی کوئی ضرورت نہیں اس کے لئے فقط انگریزوں کے بنائے ہوئے قوانین ہیں چنانچہ بعض جگہ کے مسلمانوں نے اپنی

www.alahazratnetwork.org

خوشی سے اسلامی قوانین کے مقابلہ میں ہندوؤں یا عیسائیوں کے قانونوں کو اپنے پر لازم کر لیا ہے جیسے کہ پنجاب کے زمیندار کاٹھیاواڑ کے عام مسلمان کہ انہوں نے میراث سے اپنی لڑکیوں کو قانونی طور پر محروم کر دیا اور اپنی صورت سیرت طریق زندگانی ' لباس وغیرہ میں یکدم غیروں سے مل گئے اور بعض نے یہ کہنا شروع کیا کہ قرآن فقط عمل کے لئے آیا ہے اس کی تلاوت کرنا اس سے دم کرنا تعویذ کرنا یا اس سے ایصال ثواب کرنا اس کے نزول کی حکمت کے خلاف ہے قرآن عمل کے لئے اترا ہے نہ کہ طبابت اور جھو منتر کے لئے وہ کہتے ہیں کہ قرآن پاک ایک نسخہ ہے نسخے کے فقط پڑھتے رہنے سے شفا نہیں ملتی بلکہ اس کو استعمال کرنا چاہئے۔ یہ وہ خیال فاسد ہے کہ جو پڑھے لکھوں کے دماغ میں بھی گھوم رہا ہے۔ مسٹر عنایت اللہ مشرقی اور ابو الاعلیٰ مودودی اور عوام دیوبندی اسی چکر میں ہیں مگر خیر سے عمل وہاں بھی غائب ہے عمل کا فقط نام ہی نام ہے یا اگر عمل ہے تو ایسا اندھا جیسا کہ مشرقی نے اپنے خاکساروں سے کرا کر صدہا کو موت کے گھاٹ اتروا دیا اور خود معافی مانگ کر خیریت سے گھر آ بیٹھے لیکن دوستو ان لوگوں میں افراط ہے اور پہلے لوگوں میں تفریط تھی۔ جس طرح سے کہ ہم اپنے مال اور بدن کے اعضاء سے بہت سے کام لیتے ہیں کہ آنکھ سے دیکھتے بھی ہیں روتے بھی ہیں اس میں سرمہ لگا کر زینت بھی حاصل کرتے ہیں ہاتھ سے پکڑتے بھی اور مار کو روکتے بھی ہیں زبان سے کھاتے بھی ہیں 'بولتے بھی ہیں۔ کھانے کی لذت اور اس کی سردی گرمی بھی محسوس کرتے ہیں اور ایک ہی پھونک سے گرم چائے بھی ٹھنڈی کرتے ہیں سردیوں میں انگلیاں بھی گرم کرتے ہیں آگ جلاتے بھی ہیں اور چراغ بجھاتے بھی ہیں اسی طرح عبادت میں صدہا ایسی مصلحتیں ہیں روزہ عبادت بھی ہے قسم وغیرہ کا کفارہ بھی جو غریب نکاح نہ کر سکے اس کے لئے شہوت توڑنے کا ذریعہ بھی اسی طرح قرآن کریم صدہا دینی اور دنیوی فوائد لے کر اترا نماز قرآن کے ذریعے سے لو اہو 'کھانا وغیرہ قرآن پڑھ کر شروع کرو شاہی قوانین قرآن سے حاصل کرو بیمار پر قرآن پڑھ کر دم کرو یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالو ثواب کے لئے اس کو پڑھو 'عمل اس پر کرو غرض کہ یہ قرآن بادشاہ کے لئے قانون 'غازی کے لئے تلوار 'بیمار کے لئے شفاء 'غریب کا سہارا ' کمزور کا عصا 'بچوں کا تعویذ ' بے ایمان کے لئے ہدایت ' قلب مردہ کی زندگی' قلب غافل کے لئے تنبیہ 'گمراہوں کے لئے مشعل راہ 'زنگ آلود قلب کی میقل ہے۔ اگر قرآن کریم صرف احکام کے لئے ہوتا اور دیگر مقاصد اس سے حاصل نہ ہوتے تو اس میں فقط احکام کی آیتیں ہوتیں ذات و صفات کی آیتیں متشابہات انبیائے کرام کے قصے 'آیات منسوخۃ الاحکام ہرگز نہ ہونی چاہئیں تھیں کیونکہ ان سے احکام حاصل نہیں کئے جاتے اسی طرح سے ان احکام کی آیتیں بھی نہ ہوتیں جن پر عمل ناممکن ہے جیسے کہ نبی کی آواز پر آواز بلند کرنے کی آیتیں یا بارگاہ نبوی میں دعوت کھانے کے آداب یا نبیوں کی بیبیوں سے حرمت نکاح کی آیتیں اور قرآن پاک یہ نہ فرماتا کہ **ننزل من القران ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین** اسی طرح اگر قرآن فقط برکت لینے اور دم درود کے لئے ہوتا تو اس میں احکام کی آیتیں نہ ہونی چاہئیں تھیں۔ نکتہ۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ قرآن ایک نسخہ ہے اور نسخہ کا پڑھنا مفید نہیں ہوتا۔ یہ مثال غلط ہے بعض چیزوں کے نام میں اور پڑھنے میں تاثیر ہوتی ہے پردیسی آدمی کے پاس گھر سے خط آئے تو فقط پڑھ کر ہی اس کا دل خوش ہو جاتا ہے بیماری ہلکی پڑ جاتی ہے کسی شخص کو مصیبت کی خبر سنا دو سن کر دل کا حال بدل جاتا ہے کسی کو الو گدھا کہہ دو تو آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔ کسی کے سامنے کسی کھٹی چیز کا نام لے دو تو منہ میں پانی بھر آتا ہے اگر روزہ کی حالت میں کسی کا منہ خشک ہو جائے تو اس کو دکھا کر لیموں کاٹو تو اس کی خشکی دور ہو جاتی ہے ہر دوا پلائی ہی نہیں جاتی بلکہ بھی

www.alahazratnetwork.org

دکھائی اور سونگھائی بھی جاتی ہے تو جب مخلوق کے کلام و پیام میں اور ناموں میں اتنا اثر ہے تو خالق کے پیام میں کس قدر اثر ہونا چاہئے خود غور کرلو۔

اب ہم قرآن پاک کے وہ فوائد بیان کرتے ہیں جو احادیث سے ثابت ہیں۔ 1۔حدیث شریف میں ہے جس گھر میں روزانہ سورہ بقرہ پڑھی جائے وہ گھر شیطان سے محفوظ رہتا ہے لہذا جنات کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہے گا۔ 2۔قیامت کے دن سورہ بقرہ اور سورۂ آل عمران ان لوگوں پر سایہ کریں گی اور ان کی شفاعت کریں گی جو دنیا میں قرآن پاک کی تلاوت کے عادی تھے۔ 3۔جو شخص آیۃ الکرسی صبح و شام اور سوتے وقت پڑھ لیا کرے تو اس کا گھر انشاء اللہ آگ کے لگنے اور چوری ہونے سے محفوظ رہے گا۔ 4۔سورۂ اخلاص کا ثواب تہائی قرآن کے برابر ہے اسی لئے ختم و فاتحہ میں اس کو تین بار پڑھتے ہیں۔ 5۔حضور علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن پاک کا ایک حرف پڑھے اس کو دس نیکیوں کے برابر نیکی ملتی ہے خیال رہے کہ الم ایک حرف نہیں بلکہ الف لام میم تین حروف ہیں لہذا فقط اتنا پڑھنے سے تیس نیکیاں ملیں گی۔ خیال رہے کہ الم متشابہات میں سے ہے۔ جس کے معنی ہم تو کیا جبریل بھی نہیں جانتے مگر اس کے پڑھنے پر ثواب ہے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کا ثواب اس کے سمجھنے پر موقوف نہیں بغیر سمجھے تلاوت پر ثواب ہے ولایتی مرکب دوائیں مریض کو شفا دیتی ہیں ان کے اجزاء معلوم ہوں یا نہ ہوں یوں ہی قرآن کریم شفا اور ثواب ہے معنے معلوم ہوں یا نہ ہوں دیکھو بھینس دودھ کے لئے، بیل کھیتی باڑی کے لئے، گھوڑے اونٹ، سواری اور بوجھ اٹھانے کے لئے پالے جاتے ہیں مگر طوطی مینا صرف اس لئے پالے جاتے ہیں کہ وہ ہماری سی بولی بولتے ہیں اگرچہ بغیر سمجھے سہی۔ یہ طوطی تمہاری بولی بولیں تو تمہیں پیاری لگے اگر تم جناب مصطفیٰ کی بولی بولو تو رب کو پیارے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ بغیر معنی سمجھے قرآن بیکار ہے اس کا کوئی ثواب نہیں۔ 6۔جو شخص قرآن پڑھے اور اس پر عمل کرے تو قیامت کے دن اس کے ماں باپ کو ایسا تاج پہنایا جائے گا جس کی چمک آفتاب سے کہیں بڑھ کر ہو گی۔ 7۔قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے میں دوہرا ثواب ملتا ہے اور بغیر دیکھ کر پڑھنے میں ایک ثواب۔ نوٹ:۔ چند چیزوں کا دیکھنا عبادت ہے۔ قرآن پاک، کعبہ معظمہ، ماں باپ کا چہرہ محبت سے اور عالم دین کی شکل دیکھنا عقیدت سے وغیرہ وغیرہ۔ 8۔قرآن پاک کی تلاوت اور موت کی یاد دل کو اس طرح صاف کردیتی ہے جیسے کہ زنگ آلود لوہے کو میقل۔ 9۔جو شخص کہ قرآن پاک کی تلاوت میں اتنا مشغول ہو کہ کوئی دعا نہ مانگ سکے تو خداوند تعالیٰ اس کو مانگنے والوں سے زیادہ دیتا ہے۔ 10۔جو شخص ہر رات سورۂ واقعہ پڑھا کرے، انشاء اللہ اسے کبھی فاقہ نہ ہو گا۔ 11 سورۂ الم تنزیل پڑھنے والا جب قبر میں پہنچتا ہے تو یہ سورۃ اس طرح اس کی شفاعت کرتی ہے کہ اے اللہ اگر میں تیرا کلام ہوں تو اس کو بخش دے ورنہ تو مجھے اپنی کتاب سے نکال دے اور میت کو اس طرح ڈھک لیتی ہے جیسے چڑیا اپنے پروں سے اپنے بچوں کو اور اسے عذاب سے بچاتی ہے۔ 12۔جو شخص کہ سورۂ یاسین اول دن میں دوپہر سے پہلے پڑھنے کا عادی ہو تو اس کی حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ 13۔سورۃ یاسین شریف پڑھنے سے تمام گناہ معاف ہوتے ہیں اور مشکلیں آسان ہوتی ہیں لہذا اس کو بیماروں پر پڑھو۔ 14۔سوتے وقت قل یا یھا الکفرون پڑھنے والا انشاء اللہ تعالیٰ کفر سے محفوظ رہے گا یعنی اس کا خاتمہ بالخیر ہو گا۔ 15۔سورۂ فلق اور سورۃ الناس پڑھنے سے آندھی اور اندھیری دور ہوتی ہے اور ان کو پابندی سے پڑھنے والا انشاء اللہ جادو سے محفوظ رہے گا۔ 16۔سورۃ فاتحہ جسمانی اور روحانی بیماریوں کی دوا ہے (ہر سورت کے

www.alahazratnetwork.org

فوائد ہم انشاء اللہ تعالیٰ اس سورۃ کے ساتھ بھی لکھیں گے واضح رہے کہ قرآن کریم کے فائدے فقط پڑھنے والے پر ہی ختم نہیں ہو جاتے بلکہ دوسروں تک بھی پہنچ جاتے ہیں۔ مثلاً جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک ملائکہ رحمت کا اجتماع ہوتا ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت اسید ابن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک شب تلاوت قرآن کر رہے تھے اور ان کے پاس ایک گھوڑا بندھا تھا وہ اچانک اچھلنے کودنے لگا آپ باہر تشریف لائے اور نگاہ اٹھا کر دیکھا ایک سائبان تھا جس میں قندیلیں روشن تھیں اس سے گھوڑا ڈر کر کود تا تھا۔ صبح کو آکر بارگاہ نبوت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ ارشاد ہوا کہ رحمت کے فرشتے تھے جو تمہارا قرآن پاک سننے آئے تھے اسی طرح جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک کی ہر ایک چیز درخت، گھاس، بیل بوٹے حتی کہ در و دیوار اس کے ایمان کی قیامت میں انشاء اللہ تعالیٰ گواہی دیں گے اسی طرح اگر تلاوت کرنے والا کچھ آیتیں پڑھ کر بیمار پر دم کرے تو انشاء اللہ تعالیٰ صحت ہوگی دیکھو اگر تم کسی باغ کے پاس سے گزرو تو وہاں کے پھولوں کی مہک دور تک محسوس ہوتی ہے۔ جس سے دماغ معطر اور دل خوش ہو جاتا ہے آخر یہ کیوں؟ صرف اس لئے کہ ہوا پھولوں سے لگ کر ہر چہار طرف پھیلتی ہے اس ہوا کی تاثیر یہ ہوتی ہے کہ گزرنے والوں کو خوش کر دیتی ہے تو جس زبان سے قرآن پاک پڑھا جائے اس سے لگ کر جو پھونک نکلے وہ کیوں نہ دافع ہر بلا ہو۔ صحابہ کرام نے سانپ کے کاٹے ہوؤں کا سورۃ فاتحہ دم کر کے علاج کیا ہے اسی طرح قرآن کریم کی آیتوں کو لکھ کر تعویذی شکل میں بیمار کے ساتھ رکھا جائے تو اس کو شفا ہوتی ہے۔ جس کی آنکھ دکھتی ہو اس کی آنکھ کے سامنے ایک سبز کپڑا باندھ دیتے ہیں اور اس سے اس کو شفا ہوتی ہے آنکھ میں سرمہ لگانے سے نظر قائم رہتی ہے۔ جب یہ معمولی دوائیں کچھ دیر ہمارے ساتھ رہ کر اپنا اثر دکھاویں تو قرآن حکیم کی آیتیں اس سے کہیں زیادہ شفا بخش کیوں نہ ثابت ہوں گی؟ صحابہ کرامؓ نے قرآن کریم سے' قرآن شریف کی آیتوں سے بیماروں کا علاج کیا ہے۔ جس تعویذ گنڈے اور دم سے حدیث پاک میں منع فرمایا گیا وہ زمانہ جاہلیت کے شرکیہ منتر تھے جن میں بتوں سے مدد مانگنے کے الفاظ تھے' قرآن پاک کی آیتوں سے ان کو کیا نسبت؟ اسی طرح اگر قرآن پاک کی تلاوت کر کے کسی کو ثواب بخش دیا جائے تو وہ ضرور اس کو پہنچے گا۔ اگر میں اپنا کمایا ہوا روپیہ کسی کو دوں تو دے سکتا ہوں اسی طرح اپنے کمائے ہوئے ثواب کو دینے کا اختیار بھی رکھتا ہوں۔ ہاں فرق یہ ہے کہ اگر مال چند اشخاص پر تقسیم کیا جائے تو وہ بٹ کر تھوڑا تھوڑا ملے گا اور دینے والے کے پاس نہ رہے گا اگر ثواب صدہا آدمیوں کو بخش دیا جائے تو سب کو پورا پورا ملے گا اور بخشنے والے کو ان سب کے برابر جیسے کوئی عالم یا حافظ صدہا آدمیوں کو عالم یا حافظ بنائے تو وہ علم تقسیم ہو کر نہ ملے گا بلکہ سب کو برابر ملے گا اور پڑھانے والے کے علم میں اور ترقی ہوگی ایصال ثواب کی پوری بحث اور اس کے متعلق تمام اعتراضات اور جوابات انشاء اللہ تعالیٰ ہم اس آیت کے ماتحت لکھیں گے۔ **لها ما كسبت و عليها ما اكتسبت**

چھٹی فصل۔ تلاوت قرآن : بزرگان دین کی عادتیں تلاوت قرآن پاک کے متعلق جداگانہ تھیں بعض حضرات تو ایک دن رات میں آٹھ ختم کر لیتے تھے چار دن میں اور چار رات میں بعض حضرات چار بعض دو اور بعض ایک اور بعض لوگ دو دن میں ایک ختم اور بعض تین دن میں' بعض پانچ دن میں بعض سات دن میں اور سات دن میں ختم کرنا اکثر صحابہ کرام کا معمول تھا اس میں لوگوں کے حالات مختلف ہیں بعض تو نہایت تیز پڑھنے کی صورت میں بھی حروف کو ان کے مخرجوں سے ادا کرنے اور صحیح پڑھنے پر قادر ہوتے ہیں اور بعض لوگ اکثر تیز پڑھیں تو صحیح نہیں پڑھ سکتے لہذا تلاوت کرنے والوں کو چاہئے کہ صحیح پڑھنے کی

www.alahazratnetwork.org

کوشش کریں کیونکہ ثواب صحیح پڑھنے میں ہے نہ کہ محض جلدی پڑھنے میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی تھیں کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس طرح تلاوت فرماتے تھے کہ ایک ایک حرف صاف صاف معلوم ہوتا تھا سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے تھے کہ قرآن کریم جب دل میں اترتا ہے تب اس میں جمتا ہے اور نفع دیتا ہے تلاوت کرنے والا جس اطمینان اور سکون کے ساتھ دنیا میں تلاوت کرتا تھا اسی اطمینان کے ساتھ تلاوت کرتا ہوا جنت میں بڑھتا جائے گا اور جہاں تک اس کی تلاوت ختم ہوگی وہاں تک کا سب ملک اس کو دیا جائے گا بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ اگر عربی سمجھنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کے معانی اور مضامین پر غور کرتا جائے اور رحمت کی آیت آئے تو خوش ہو اور خدا سے رحمت مانگ لے اور جب عذاب کی آیت آئے تو ڈرے اور اس سے پناہ مانگے۔ نیز کوشش کرے کہ تلاوت کے وقت دل حاضر ہو اور خشوع اور خضوع کے ساتھ پڑھے یہاں تک کہ رقت آجائے اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جائیں اور اگر معنی نہ سمجھتا ہو تو یہ سمجھ کر تلاوت کرے کہ یہ وہی الفاظ ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پڑھتے تھے اور حضور کے صحابہ بھی اولیاء اللہ بھی علماء دین بھی جیسے ہلال عید میں تمام انسانوں کی نگاہیں جمع ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی الفاظ قرآن مجید میں سب کی تلاوتیں اور لوائیں جمع ہو جاتی ہیں اگر یہ سمجھ کر تلاوت کی تو انشاء اللہ بہت لذت آئے گی اگرچہ بے وضو بھی قرآن پڑھنا جائز ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ وضو کر کے تلاوت کرے۔ اس میں زیادہ ثواب ہے اور سنت یہ ہے کہ تلاوت پاک جگہ میں ہو مسجد میں ہو تو اور زیادہ بہتر ہے یہ بھی مستحب ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کر کے سر جھکا کر اطمینان سے پڑھے اور اگر تلاوت کرتے وقت مسواک وغیرہ سے منہ کو صاف کرے اور خوشبو بھی لگائے تو بہت ہی اچھا ہے کیونکہ جتنا ادب زیادہ اتنا ہی فیض زیادہ تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ بھی پڑھے اور تلاوت کی حالت میں کسی سے بلا ضرورت بات کرنا مکروہ ہے سیدنا عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ تعالیٰ تلاوت کے دوران میں کسی سے کلام نہ فرماتے تھے اور اگر کلام کرنا پڑ جائے تو کلام کے دوران قرآن شریف بند رکھے اور پھر بسم اللہ پڑھ کر شروع کرے۔ مسئلہ: جنبی حیض و نفاس والی عورتوں کا قرآن پاک کو چھونا بھی جائز نہیں اگر چھونا پڑ جائے تو کسی علیحدہ کپڑے سے چھوئیں اور یہ کہ بے وضو آدمی بھی بغیر کپڑے کے قرآن پاک کو ہاتھ نہ لگائے فرق یہ ہے کہ بے وضو اپنے کرتے کے دامن سے بھی پکڑ سکتا ہے اور وہ لوگ علیحدہ کپڑے سے پکڑیں۔ بہتر یہ ہے کہ جس دن قرآن پاک ختم کرے اس دن اپنے گھر والوں دوستوں کو جمع کرے' سیدنا حضرت انس رضی اللہ عنہ قرآن کے ختم کے وقت اپنے اہل قرابت کو جمع فرماتے اور دعا کرتے تھے حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ اس وقت رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے حدیث شریف میں آیا ہے کہ اس وقت دعا قبول ہوتی ہے بعض روایتوں میں ہے کہ جو قرآن پاک پڑھ کر حق تعالیٰ کی حمد کرے اور درود پڑھے اور اپنے گناہوں کی معافی مانگے تو رحمت الٰہی اس کو تلاش کرتی ہے۔ تلاوت کرنے والے کو چاہئے کہ قرآن پاک ختم کرتے ہی دوسری بار اس کو شروع کر دے یعنی سورۃ فاتحہ پڑھ کر سورۃ بقرہ مفلحون تک پڑھ لے پھر دعا مانگے۔ مسئلہ: حافظ تراویح میں جب قرآن پاک پڑھے تو ایک بار کسی نہ کسی جگہ بسم اللہ شریف بلند آواز سے ضرور پڑھے کیونکہ یہ بھی قرآن پاک کی آیت ہے اور مستحب یہ ہے کہ ہر نمازی نماز میں جب کوئی سورۃ شروع کرے تو آہستہ سے بسم اللہ پڑھ لیا کرے سوائے سورۃ توبہ کے۔ اس کی پوری بحث تفسیر خزائن العرفان کے مقدمہ میں دیکھو' تمہ قرآن پاک کا چھوٹی تقطیع پر یا تعویذ طرح چھاپنا مکروہ ہے چاہئے یہ کہ بڑی تقطیع پر چھاپا جائے حروف خوب کھلے ہوں اور اس

www.alahazratnetwork.org

کے رکوع اور آیتوں اور منزلوں کو دیدہ زیب بنانا مستحب ہے کیونکہ اس میں قرآن پاک کی عظمت کا اظہار ہے۔ قرآن پاک اتنی جلدی پڑھنا کہ جس سے بجز تعلمون اور یعلمون کچھ سمجھ میں نہ آئے، یعنی حروف کی ادائیگی پوری طرح نہ ہو سخت برا ہے حافظوں کو اس کا بہت لحاظ رکھنا چاہئے۔ **مسئلہ:** جس جگہ سب لوگ اپنے کاروبار میں مشغول ہوں وہاں قرآن پاک بلند آواز سے پڑھنا منع ہے یا تو تنہائی میں بلند پڑھو یا وہاں جہاں کم سے کم ایک آدمی سننے والا ہو کیونکہ اس کا سننا فرض کفایہ ہے۔ **مسئلہ:** چند شخصوں کا ایک وقت بلند آواز سے تلاوت کرنا منع ہے یا تو ایک پڑھے باقی سب سنیں یا سب آہستہ پڑھیں (تیجے اور ختم والوں کو اس کا خاص خیال رکھنا چاہئے) مکتبوں اور مدرسوں میں، جو بچے مل کر پڑھتے ہیں، یہ مجبوری کی وجہ سے ہے۔ **مسئلہ:** قرآن پاک کو خلاف ترتیب الٹا پڑھنا ممنوع ہے ہاں اگر خارج نماز درمیان میں ٹھہر تا جائے جس سے الگ الگ قرآتیں معلوم ہو تو کوئی مضائقہ نہیں (شامی) اور ترتیب کے مطابق جگہ جگہ سے آیتوں کا پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ فاتحہ اور ختم کے وقت کیا جاتا ہے۔

ساتویں فصل۔ تفسیر کے معنی اور اس کی تحقیق: لفظ تفسیر فسر سے مشتق ہے، جس کے معنی ہیں کھولنا محاورہ میں تفسیر یہ ہے کہ کلام کرنے والے کا مقصد اس طرح بیان کرنا جس میں کوئی شک و شبہ باقی نہ رہے اور مفسرین کی اصطلاح میں تفسیر یہ ہے کہ قرآن پاک کے وہ احوال بیان کرنا جس میں عقل کو دخل نہیں بلکہ نقل کی ضرورت ہو جیسے آیات کا شان نزول یا ان کا ناسخ اور منسوخ ہونا وغیرہ تفسیر بالرائے حرام ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص قرآن میں اپنی رائے سے کچھ کہے اور ٹھیک بھی کہہ جائے جب بھی خطاکار ہے۔ تفسیر قرآن کے چند مرتبے ہیں۔ 1 تفسیر قرآن بالقرآن یہ سب سے مقدم ہے۔ 2 تفسیر قرآن بالحدیث کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب قرآن ہیں ان کی تفسیر نہایت صحیح اور اعلیٰ۔ 3 قرآن کی تفسیر صحابہ کرام خصوصاً فقہائے صحابہ اور خلفائے راشدین کے اقوال سے ہو۔ 4 تفسیر قرآن تابعین یا تبع تابعین کے قول سے۔ اگر روایت سے ہے تو معتبر۔ اس کی زائد تحقیق کے لئے ہماری کتاب "جاء الحق" یا "اعلائے کلمۃ اللہ" مصنف قطب الوقت حضرت قبلہ مہر علی شاہ صاحب کا مطالعہ کرو لفظ تاویل اول سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں رجوع کرنا اصطلاح میں تاویل یہ ہے کہ کسی کلام میں چند احتمال ہوں ان میں سے کسی احتمال کو قرینوں سے اور علمی دلائل سے ترجیح دینا یا کلام میں علمی نکات وغیرہ بیان کرنا اس کے لئے نقل کی ضرورت نہیں بلکہ ہر عالم اپنی قوت علمی سے قرآن پاک میں نکات وغیرہ نکال سکتا ہے مگر شرط یہ ہے خلاف شریعت ہرگز نہ ہو اسی لئے مفسرین بڑے بڑے نکات بیان فرماتے ہیں اور ہر ایک کے لئے نقل پیش نہیں فرماتے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم شریف باب ہشتم میں فرمایا کہ قرآن پاک کے ایک ظاہری معنی ہیں اور ایک باطنی ظاہری معنی کی تحقیق علماء شریعت فرماتے ہیں اور باطنی کی صوفیائے کرام حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو سورۂ فاتحہ کی تفسیر سے ستر اونٹ بھر دوں مگر یہ باطنی تفسیر ظاہری معنی کے خلاف ہرگز نہ ہو گی تحریف مشتق ہے حرف سے حرف کے معنی ہیں علیحدگی یا کنارہ اصطلاح میں تحریف یہ ہے کہ کلام کا مطلب ایسا بیان کیا جائے جو کلام کرنے والے کے مقصد کے خلاف ہو مفسرین کی اصطلاح میں تحریف دو طرح کی ہے تحریف لفظی اور تحریف معنوی تحریف لفظی یہ ہے کہ قرآن پاک کی عبارت کو دیدہ و دانستہ بدل دیا جائے جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں کیا۔ تحریف معنوی یہ ہے کہ قرآن پاک کے ایسے معنی اور

www.alahazratnetwork.org

مطلب بیان کئے جائیں جو کہ اجماع امت یا عقیدہ اسلامیہ یا اجماع مفسرین یا تفسیر قرآن کے خلاف ہوں اور وہ یہ کہے کہ آیت کے وہ معنی نہیں بلکہ یہ ہیں جو میں بیان کر رہا ہوں جیسا کہ اس زمانہ میں چکڑالوی قادیانی اور دیوبندی وغیرہ کر رہے ہیں دونوں قسم کی تحریفیں کفر ہیں۔ مفسر وہ شخص ہو سکتا ہے۔1 جو کہ قرآن کے مقصد کو پہچان سکے۔2 ناسخ و منسوخ کی پوری خبر رکھتا ہو۔3 آیات و احادیث میں مطابقت کرنے پر قادر ہو۔ یعنی جن آیتوں کا آپس میں مقابلہ معلوم ہوتا ہو یا جو آیات کہ احادیث کے خلاف معلوم ہوتی ہوں ان کی ایسی توجیہ کر سکے کہ جس سے مخالفت اٹھ جائے۔(4) آیتوں کے شان نزول سے باخبر ہو۔(5) آیتوں کی توجیہ کر سکے یعنی جو قرآن پاک کی آیتیں عقل کی رو سے محال معلوم ہوتی ہوں ان کو حل کر سکے۔ مثلاً قرآن پاک میں آتا ہے کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے لوگوں نے کہا یا اخت ھرون حالانکہ ہارون علیہ السلام (موسیٰ علیہ السلام کے بھائی) اور حضرت مریم میں سینکڑوں برس کا فاصلہ ہے تو پھر حضرت مریم ان کی بہن کیسے ہو سکتی ہیں اسی طرح قرآن فرماتا ہے کہ سکندر ذوالقرنین نے آفتاب کو کیچڑ میں ڈوبتا ہوا پایا حالانکہ آفتاب ڈوبتے وقت زمین پر نہیں آتا اور نہ کیچڑ اونچی ہو کر آفتاب تک پہنچتی ہے ان جیسی آیات کی توجیہیں کر سکے۔(6) آیات میں محذوفات نکالنے پر قدرت رکھتا ہو۔ یعنی بعض جگہ آیات میں پوری کی پوری عبارتیں محذوف ہیں۔ ان کے بغیر نکالے ہوئے آیت کا ترجمہ درست نہیں ہوتا۔(7) عرب کے محاورے سے پورے طور پر واقف ہو قرآن پاک نے بہت جگہ وہاں کے خاص محاورے استعمال فرمائے ہیں جیسے تبت یدا ابی لھب و تب ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جائیں یا کہ فما بکت علیھم السماء والارض کہ کفار کے مرنے پر زمین اور آسمان نہ روئے یا ذق انک انت العزیز الکریم یعنی کفار سے جہنم میں کہا جائے گا تو یہ عذاب چکھ تو بڑا عزت اور کرم والا ہے وغیرہ وغیرہ ان جیسی آیات کے مقصود کو پہچان سکے اور معلوم کر سکے کہ اس جگہ کس قسم کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔(8) محکم اور متشابہ آیت کو پہچانتا ہو۔(9) قراتوں کے اختلاف سے واقف ہو۔(10) مکی اور مدنی آیتوں کو جانتا ہو وغیرہ وغیرہ جب اتنی صفتیں موجود ہوں تو تفسیر کرنے کی ہمت کرے اس کی زیادہ تحقیق مقصود ہو تو دیکھو تفسیر فتح البیان کا مقدمہ۔ مگر افسوس ہے کہ اس زمانہ پر فتن میں تفسیر قرآن کو جتنا آسان سمجھا گیا ہے اتنا آسان اور کوئی کام نہیں سمجھا گیا۔ حق تعالیٰ اس زمانے کے فتنوں سے بچائے فقیر حقیر پر تقصیر احمد یار اپنے قصور علم کا اقرار کرتا ہوا محض اللہ تعالیٰ و رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھروسے پر اس کام کو شروع کرتا ہے اور اس دریا ناپید اکنار میں غوطہ لگاتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں دعا کرتا ہے کہ حق بات قلم سے نکلوائے۔ اور اسے قبول فرما کر میرے لئے صدقہ جاریہ اور توشہ آخرت بنائے۔ اور جن حضرات نے اس کام میں دامے درمے قدمے قلمے مدد کی انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ وما توفیقی الا باللہ

احمد یار خان نعیمی اشرفی مہتمم مدرسہ غوثیہ گجرات 15 ربیع الآخر 1363ھ یوم دوشنبہ مبارکہ

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ
پناہ پکڑتا ہوں اللہ کی شیطان نکالا ہوا۔
میں نکالے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ چاہتا ہوں۔

www.alahazratnetwork.org

اعوذ باللہ کے متعلق چند باتیں غور طلب ہیں۔ (1) تلاوت سے پہلے اس کو کیوں پڑھتے ہیں۔ (2) اس کی تفسیر کیا ہے۔ (3) اس کے فوائد کیا ہیں (4) اس کے متعلق مسائل کیا ہیں۔ (پہلی بحث) پڑھنے کی وجہ رب تعالیٰ کا حکم ہے **فاذا قرات القران فاستعذ باللہ من الشیطن الرجیم** جب تم قرآن پڑھنے لگو تو نکالے ہوئے شیطان سے اللہ کی پناہ لو۔ معلوم ہوا کہ قرآن پڑھتے وقت اعوذ باللہ پڑھنا حکم الٰہی ہے۔ (2) نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ساری امت ہمیشہ اس پر عمل کرتی رہی معلوم ہوا کہ یہ پڑھنا سنت ہے۔ (3) نیز جس طرح کہ نماز سے پہلے وضو ضروری ہے کیونکہ وہ جسمانی پلیدی دور کرتا ہے اور انسان کو قابل نماز بناتا ہے اسی طرح تلاوت سے پہلے اعوذ پڑھنا چاہئے کہ یہ اندرونی پلیدی کو دور کرتا ہے اور زبان کو قرآن پاک کی تلاوت کے قابل بناتا ہے نیز جو شخص بادشاہ کے دروازے پر حاضر ہو وہ بغیر اجازت اندر نہیں آ سکتا یونہی جو بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو وہ بغیر اعوذ پڑھے کچھ عرض نہ کرے۔ گویا اعوذ پڑھنا رب تعالیٰ سے تلاوت کی اجازت لینا ہے۔ (5) نیز حاضری بارگاہ کے وقت درباری لباس جسم پر ہوتا ہے یہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کے وقت گویا قلب و زبان کا لباس ہے۔

اعوذ باللہ کی تفسیر: لفظ اعوذ عوذ سے مشتق ہے۔ اور عوذ کے دو معنی ہیں۔ 1 التجا کرنا، پناہ پکڑنا 2 ملنا پہلے معنی کے لحاظ سے اس کا مطلب یہ ہو گا کہ میں پناہ پکڑتا ہوں التجا کرتا ہوں اللہ سے اور دوسرے معنی کی بناء پر مطلب یہ ہو گا کہ میں اپنے نفس کو فضل الٰہی اور رحمت الٰہی سے ملاتا ہوں لفظ اللہ کی تفسیر انشاء اللہ بسم اللہ میں بیان کی جائے گی لفظ شیطان میں دو قول ہیں۔ 1 بعض کہتے ہیں کہ یہ شطن سے مشتق ہے اور 2 بعض کے قول کی بناء پر شیط سے۔ شطن کے معنی ہیں دور ہونا اور چونکہ ابلیس بھی مقرب بارگاہ الٰہی ہو کر وہاں سے دور ہوا اس لئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے اور شیط کے معنی ہیں ہلاک ہونا یا باطل ہونا اور چونکہ ابلیس بھی سرکشی کی وجہ سے ہلاک ہوا اور اس کا سارا پچھلا کیا دھرا باطل ہو گیا اس لئے اس کو شیطان کہتے ہیں لفظ رجیم مرجوم کے معنی میں ہے اور مرجوم رجم سے بنا ہے اور رجم کے معنی نکالنے کے بھی ہیں اور پھینک کر مارنے کے بھی اور یہ لعنت (دور کرنا) کے معنی میں بھی آتا ہے اگر پہلے معنی کئے جائیں تو چونکہ پہلے شیطان ملائکہ کے ساتھ رہتا تھا اور وہاں سے اس کو نکالا گیا اور فرمایا **فاخرج منھا** اس لئے اسے رجیم کہا جاتا ہے دوسرے معنی کی بناء پر یہ توجیہ ہو گی کہ اب بھی جب کبھی یہ آسمان پر جانے کی کوشش کرتا ہے تو اس کو شہاب (ٹوٹا ہوا تارہ) پھینک کر مارا جاتا ہے لہٰذا یہ مرجوم ہوا تیسرے معنی کی بناء پر توجیہ یہ ہو گی کہ اس پر ہمیشہ حق تعالیٰ اور فرشتوں اور انسانوں کی طرف سے لعنت پڑتی ہی رہتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان علیک اللعنۃ الی یوم الدین** اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہے۔

عالمانہ تفسیر: عالمانہ تفسیر اس کی یہ ہو گی کہ دنیوی اور دینی آفتیں بے انتہا ہیں اور ہماری طاقت اور قدرت ان کو دور نہیں کر سکتی کیونکہ ہم کمزور ہیں اور جب کمزور شخص کسی بڑی مصیبت میں پھنس جائے تو اس کو ضروری ہوتا ہے کہ وہ کسی قوت والے کی پناہ لے اور اس کی امان میں آئے اور جتنی بڑی آفت ہو اتنی ہی بڑی قوی ذات کے ساتھ پناہ لینا ضروری ہوتا ہے معمولی دشمنوں کو دفع کرنے کے لئے تھانے دار یا پولیس کی پناہ کافی ہوتی ہے اور بڑی مصیبت دفع کرنے کے لئے کپتان پولیس، ڈپٹی کمشنر، وائسرائے، گورنر بلکہ بعض صورتوں میں بادشاہ کی پناہ لینا ضروری ہوتا ہے چونکہ شیطان نہایت قوی دشمن ہے اور اس

www.alahazratnetwork.org

کے مکر و فریب غیر متعین ہیں گئے ہوئے ہیں دشمن اور آفتیں مصیبتیں سے بچنے کے لئے اس ذات کی پناہ لینا ضروری ہے جو قادر مطلق اور حی قیوم ہے اس لئے انسان سے کہلوایا گیا کہ اے بندے! یہ کہہ کر تو میری پناہ میں آ اور کہہ اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم ہمارے لطیفہ بات یہ ہے کہ یہاں یہ نہ کہا گیا کہ شیطان کے کس دھوکے سے پناہ مانگتا ہوں جس میں اشارہ اس جانب ہے کہ اس کے سارے وسوسوں اور خباثتوں سے پناہ مانگتا ہوں تو گویا برے عقائد سے اللہ کی پناہ‘ برے اعمال سے اللہ کی پناہ‘ اچھے کام سے باز رہنے سے اللہ کی پناہ‘ صوری معنوی اور روحانی رکاوٹوں سے اللہ کی پناہ‘ غرض جو چیز اللہ سے روکے اس سے اللہ کی پناہ۔

صوفیانہ تفسیر: اس کی صوفیانہ تفسیر یہ ہوگی کہ جو چیز بھی سرکش ہو اور ہم کو ذکر الٰہی سے روکے وہ شیطان ہے خواہ وہ جن ہو یا انسان ہو کوئی چوپایہ یا موذی جانور ہو خواہ امارہ نفس ہو یا جسمانی اور نفسانی عوارض یا کوئی دنیوی کام اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے کہ شیطین الانس و الجن اور ایک جگہ فرماتا ہے من الجنۃ والناس ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں ایک گھوڑا حاضر کیا گیا جب آپ اس پر سوار ہوئے تو وہ اچھلنے کودنے لگا اس کو بہتیرا اگر روکا اسی طرح کود تا اچھلتا رہا۔ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ اس پر سے یہ کہہ کر اتر آئے کہ یہ شیطان ہے۔ مثنوی شریف میں ہے کہ

نفس ہم کمتر از فرعون نیست ۔۔۔ لیک او را عون و ما را عون نیست

اس صورت میں الشیطان میں الف لام جنسی ہے اور مقصود اس کلام سے کہ میں مطلقاً ہر شیطان کے ہر فریب سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ ہم نہایت کمزور ہیں اور بڑے بڑے قوی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں۔ نفس‘ شہوت‘ غضب‘ حرص‘ حسد‘ ہوس‘ طمع وغیرہ اندرونی دشمن ہیں جو ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں اور بڑے بڑے ضروری دنیوی ضروریات اور عضو کی علاحدہ خواہش۔ مثلاً آنکھ سے حرام چیز دیکھنے کی خواہش‘ کان سے حرام چیز سننے کی خواہش‘ ہاتھ سے حرام کام کرنے کی خواہش‘ پیر سے حرام کی طرف جانے کی خواہش‘ یہ تمام خارجی دشمن ہیں تو ایک ضعیف البنیان انسان اور اس کے پیچھے لگے خطرناک شیطان بس اپنی بے کسی اور بے بسی کو دیکھ کر انسان عرض کرتا ہے کہ اے اللہ تیری پناہ۔ کامل اعوذ یہ ہے کہ بندہ عمل و قول دونوں سے ادا کرے یعنی زبان سے اعوذ باللہ پڑھے اور عملی طور پر برے یاروں اور شیطانی کاموں سے بچے جو شخص کی زبان سے اعوذ باللہ پڑھا کرے مگر برے آدمیوں سے برے کاموں سے نہ بچے اس کا اعوذ پڑھنا ناقص ہے۔ نکتہ: کسی مصیبت میں دینی و دنیوی نبی یا ولی یا مرشد یا دنیوی حاکم کی پناہ پکڑنا اعوذ باللہ کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ان کی پناہ حقیقت میں رب کی پناہ ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ان کی بارگاہوں میں جانے والا رب سے پھر گیا اور ان کو رازق اور مددگار رب ہے۔ لیکن پھر بھی رزق تلاش کرنے کے لئے مالداروں اور بادشاہوں کی نوکری کرتے ہیں پھر وہاں سے روپیہ حاصل کرکے بہت سی دوکانوں پر جاتے ہیں کہیں سے خوراک کہیں سے پوشاک وغیرہ حاصل کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ ہم نے خدا کو چھوڑ کر ان کو رازق سمجھ لیا بلکہ خدا ہی کا رزق تلاش کرنے اسی کے حکم سے ان جگہوں پر جاتے ہیں یہ اس کے رزق کے دروازے ہیں اسی طرح شیطان سے بچنے کے لئے پیر کے پاس جانا‘ بزرگوں کی خدمت میں حاضر ہونا انہی کے دامن میں چھپنا یہ سب اسی اعوذ باللہ پر ہی عمل ہے۔ مثنوی شریف میں ہے کہ

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ۔۔۔ ہست بس پر آفت و خوف و خطر

www.alahazratnetwork.org

دوسری بات یہ بھی ہے کہ اللہ کی پناہ میں انسان جب آسکتا ہے کہ جب کوئی اس پناہ میں لانیوالا ہو جیسے کی پناہ میں وہ شخص آئے گا جس کو وکیل یا مختار اس کی پناہ تک پہنچائے تو انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے پاس آنا حقیقت میں اللہ کی پناہ میں آنے کا ذریعہ ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کی پوری بحث ایاک نستعین اور جاءوک کے تحت آئیگی۔

اعوذ باللہ کے الفاظ : امام ابو حنیفہ اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہما کے نزدیک اعوذ باللہ کے یہ الفاظ ہونے چاہئیں۔ **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** کیونکہ قرآن پاک میں انہی الفاظ کے ساتھ حکم دیا گیا ہے لیکن امام احمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس طرح پڑھنا بہتر ہے **اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم اللہ** امام ثوری اور امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ اس طرح پڑھے **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم اللہ ھو السمیع العلیم** اور بعض روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اس طرح پڑھئے **استعیذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم** لیکن حنفیوں کو چاہئے کہ پہلی اعوذ پڑھا کریں۔

اعوذ باللہ کے نکتے : اعوذ باللہ پڑھنے میں چند نکتے ہیں۔ پہلا نکتہ۔ اعوذ باللہ پڑھنا گویا خلق سے خالق کی طرف رجوع کرنا ہے اور یہ تصوف کی پہلی سیڑھی ہے۔ دوسرا نکتہ۔ اعوذ پڑھنے میں اپنی مجبوری اور بے بسی اور رب تعالیٰ کی قدرت کا اقرار ہے اور یہ نفس کے پہچاننے کی پہلی منزل ہے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** تیسرا نکتہ۔ شیطان انسان کا دشمن ہے اور رب تعالیٰ انسان کا مولیٰ ہے مولیٰ کے پاس حاضری دینے میں دشمن راستہ قطع کرتا ہے تو انسان پکار کر عرض کرتا ہے کہ اے مولیٰ تو ہی مجھے شیطان سے بچالے اور اپنی بارگاہ میں حاضر فرمالے اور انسان تصوف کی منزل جب ہی طے کر سکتا ہے جب ادھر سے طلب ہو۔ چوتھا نکتہ۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ قرآن کو نہ چھوئیں مگر پاک لوگ تو قرآن پاک کی جلد کو پاک ہاتھ چھوئے اور قرآن پاک کی عبارت کو پاک زبان چھوئے اور قرآن پاک کے مضامین کو پاک دل چھوئے اور اعوذ زبان و دل کی طہارت ہے شرک کرنیوالا گویا قلبی جنبی ہے۔ اور گنہگار گویا قلبی بے وضو ہے اور اعوذ آب رحمت کا دریا ہے کوئی بھی آکر اس میں غوطہ لگائے پاک ہو جائے گا پانچواں نکتہ۔ مومن کا دل حق تعالیٰ کا تجلی گاہ ہے اور حق تعالیٰ کا باغ اور اس کا تخت ہے جیسا کہ حدیث قدسی میں آیا ہے اور جنت ہمارا باغ ہے حق تعالیٰ نے جنت سے ہماری وجہ سے شیطان کو نکالا اور فرمایا **اخرج منھا مذءوما مدحورا** لہٰذا لازم ہے کہ ہم حق تعالیٰ کے باغ یعنی اپنے دل سے اس کے لئے شیطان کو نکالیں کیونکہ میزبان کے لئے ضروری ہے کہ مہمان کی خاطر گھر صاف کرے مگر چونکہ ہم اس کے نکالنے پر مستقل قادر نہ تھے تو اس میں اس کی امداد لی اور پڑھا اعوذ باللہ چھٹا نکتہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الیہ یصعد الکلم الطیب** بارگاہ الٰہی میں پاک کلمے قبول ہوتے ہیں قرآن پاک کی ساری عبارت فی نفسہ پاک ہے لیکن اگر پڑھنے والا پاک نہ ہو تو اس کی گندگی کی وجہ سے یہ پڑھنا بارگاہ الٰہی میں قبول نہ ہو گا تو اعوذ سے اپنے آپ کو پاک کرکے اس کی تلاوت کو قابل قبول بناتا ہے اگر زیادہ تفصیل دیکھنا ہو تو "بستان التفاسیر" اور "تفسیر کبیر" اور "روح البیان" وغیرہ کا مطالعہ کرو۔

اعوذ باللہ کے فضائل و فوائد : **پہلی فضیلت:** تقریباً تمام انبیاء اور اولیاء نے مختلف عبارتوں سے اعوذ باللہ پڑھی ہے چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام نے عرض کیا **انی اعوذ بک ان اسئلک ما لیس لی بہ علم** حضرت یوسف علیہ السلام

www.alahazratnetwork.org

نے زلیخا سے ارشاد فرمایا معاذ اللہ انہ ربی اور اپنے بھائیوں سے فرمایا معاذ اللہ ان ناخذ الا من وجدنا الایہ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین اور فرمایا انی عذت بربی و ربکم ان ترجمون اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا انی اعیذھا بک و ذریتھا من الشیطن الرجیم اور حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضرت جبریل امین کو مرد کی شکل میں دیکھ کر فرمایا انی اعوذ بالرحمن منک الایہ ہمارے حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بار بار اعوذ پڑھنے کا حکم دیا۔ کہیں فرمایا قل رب اعوذ بک من ھمزت الشیطن الخ کہیں فرمایا فاستعذ باللہ کہیں فرمایا قل اعوذ برب الفلق اور کہیں قل اعوذ برب الناس وغیرہ وغیرہ ان آیات سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام نے ہر مصیبت کے موقعہ پر اعوذ باللہ پڑھی ہے۔ دوسری فضیلت: احادیث شریفہ بھی اس بارے میں بہت وارد ہیں۔ چنانچہ ایک شخص پر غصہ بہت وارد تھا اور منہ سے جھاگ نکل رہے تھے حضور علیہ السلام نے فرمایا اگر یہ شخص اعوذ باللہ پڑھ لے تو اس کی یہ حالت دور ہو جائے معلوم ہوا کہ اعوذ پڑھنے سے غصہ دور ہوتا ہے جو ہزار گناہوں کی جڑ ہے۔ "بستان التفاسیر" میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص روزانہ دس بار اعوذ باللہ پڑھ لیا کرے حق تعالیٰ اس پر ایک فرشتہ مقرر فرماتا ہے جو کہ اس کو شیطان سے بچاتا ہے۔ "تفسیر روح البیان شریف" نے اسی اعوذ باللہ کی تفسیر میں فرمایا کہ حضرت حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جو حضور قلب کے ساتھ اعوذ باللہ پڑھے تو رب اس کے اور شیطان کے درمیان تین سو پردے حائل کر دیتا ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعوذ کو مختلف عبارتوں کے ساتھ بہت سے فائدوں کے لئے دعاؤں میں وارد فرمایا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں استعاذہ (اعوذ پڑھنا) کا ایک باب باندھا ہے۔ چنانچہ جو شخص صبح و شام یہ پڑھے اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من شرما خلق تو زہریلی چیزوں سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امام حسن اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے یہ دعا پڑھتے تھے اعیذ کما بکلمت اللہ التامۃ من شر کل شیطان و ھامۃ و من کل عین لامۃ اور فرماتے ہیں کہ میرے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے فرزندوں اسماعیل اور اسحاق علیہما السلام کو اس دعا سے تعویذ فرماتے تھے۔ (بستان التفاسیر) اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچوں کو اس دعا کا تعویذ پہنایا جائے یا اس دعا سے دم کیا جائے تو انشاء اللہ وہ بچے ہر بلا سے محفوظ رہیں گے مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں ہے کہ حضور علیہ السلام پڑھا کرتے تھے اللھم انی اعوذبک من الھم و الحزن والعجز والکسل والجبن والبخل وضلع الدین وغلبۃ الرجال اس کا پڑھنے والا انشاء اللہ دنیوی رنج و غم اور مجبوری اور بزدلی اور قرض اور دشمنوں کے غلبے سے محفوظ رہے گا نیز حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ پڑھا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک من البرص والجنام والجنون و من سیء الاسقام انشاء اللہ تعالیٰ اس کا پڑھنے والا جذام اور دیوانگی اور بری مرض سے محفوظ رہے گا مشکوٰۃ شریف کے اسی باب میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص سو کر اٹھے تو یہ دعا پڑھ لیا کرے اعوذ بکلمات اللہ التامۃ من غضبہ و عقابہ و شر عبادہ و من ھمزت الشیطن و ان یحضرون سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے سمجھدار بچوں کو یہ دعا حفظ کرا دیتے تھے اور نابالغ بچوں کے گلے میں اس کا تعویذ بنا کر ڈال دیتے تھے تعویذ لکھنے اور گلے میں ڈالنے کا ثبوت ہوا اس کی پابندی کرنے والا انشاء اللہ تعالیٰ جنات اور انسان کی شرارت اور رب تعالیٰ کے غضب سے محفوظ رہے گا غرض کہ اعوذ بہت سی دعاؤں میں کام آتا ہے۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق

www.alahazratnetwork.org

منظور ہو تو مشکوٰۃ شریف باب الاستعاذہ کا مطالعہ کرو۔

اعوذ باللہ کے متعلق فقہی مسائل: تلاوت کرنے والے کے لئے تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے اس طرح کہ اول اعوذ باللہ پڑھے پھر بسم اللہ۔ **مسئلہ:** مقتدی اعوذ نہ پڑھیگا کیونکہ وہ امام کے پیچھے قرات نہ کریگا **مسئلہ:** استاد کو قرآن سنانے والے کے لئے اعوذ پڑھنا سنت نہیں کیونکہ وہ تلاوت نہیں کر رہا بلکہ قرآن سیکھ رہا ہے۔ **مسئلہ:** عید کی نماز میں امام پہلی تکبیر کے بعد فقط سبحانک اللھم پڑھے اور چوتھی تکبیر کے بعد اعوذ باللہ پڑھ کر قرات شروع کرے کیونکہ یہی وقت قرات کا ہے۔ **مسئلہ:** بعض لوگوں کے نزدیک تلاوت کے وقت اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے اور بعض کے نزدیک تلاوت کے بعد پڑھنا واجب ہے وہ لوگ اس آیت کے ظاہری معنی پر عمل کرتے ہیں **فاذا قرات القران فاستعذ باللہ** وہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں قرآن پاک پڑھنے کے بعد اعوذ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور خدا کے حکم پر عمل کرنا واجب ہے۔ تفسیر کبیر اعوذ کی بحث۔ لیکن صحیح پہلی بات ہے یعنی اعوذ پڑھنا قرآن پاک پڑھنے سے پہلے سنت ہے جیسے قرآن پاک فرماتا ہے۔ **اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم** الخ یعنی جب کھڑے ہو تم نماز کی طرف تو وضو کرلو مطلب یہ نہیں کہ نماز پڑھ کر وضو کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس وقت نماز کا ارادہ کرو اور وہی اس جگہ مراد ہے اسی طرح رب فرماتا ہے **فانکحوا ما طاب لکم من النساء** دیکھو نکاح کرنے کا حکم قرآن پاک میں ہے لیکن بسا اوقات یہ نکاح سنت ہوتا ہے **مسئلہ:** بعض روایتوں میں آتا ہے کہ پہلی وحی میں حضرت جبریل امین نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اس طرح فرمایئے **استعذ باللہ السمیع العلیم من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم ○ اقرا باسم ربک الذی خلق** اس سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اعوذ باللہ بھی قرآن پاک کی آیت ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت نہیں بلکہ جبریل علیہ السلام نے برکت کے واسطے یہ پڑھائی۔ اور یہ آیت قرآن اقرا سے شروع ہوئی واللہ اعلم بالصواب

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ *		
ساتھ نام اللہ	بہت مہربان	رحمت والا
بہت مہربان رحمت والے اللہ کے نام سے شروع		

بسم اللہ کے متعلق چند باتیں غور کرنے کی ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق اعوذ باللہ سے کیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں نکات کیا ہیں تیسرے اس کے فضائل و فوائد کیا ہیں چوتھے اس کے متعلق فقہی مسائل۔

تعلق: بسم اللہ کا اعوذ باللہ سے دو طرح تعلق ہے ایک تو یہ کہ اعوذ باللہ میں ماسوی اللہ سے علیحدگی تھی اور بسم اللہ میں اللہ کی طرف توجہ اور ماسوی اللہ سے علیحدگی۔ توجہ الی اللہ سب پر مقدم ہے اس لئے اعوذ باللہ بسم اللہ پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ اعوذ باللہ میں برے عقائد اور برے اعمال وغیرہ سے پرہیز ہے اور بسم اللہ میں اچھے عقائد اور اچھے اعمال وغیرہ کو رب سے حاصل کرنا ہے تو گویا وہ پرہیز کا تھا یہ علاج ہے اور پرہیز علاج پر مقدم ہے پہلے بیماری کو دفع کرو پھر مقویات کا استعمال کرو لہٰذا اعوذ پہلے

www.alahazratnetwork.org

پڑھو اور بسم اللہ بعد میں۔

نکات : بسم اللہ کے نکات میں دو قسم کے نکات ہیں ایک تو خود بسم اللہ۔ کہ ہر کام کے شروع میں کیوں پڑھی جاتی ہے دوسرے بسم اللہ کے الفاظ میں یعنی ب۔ اسم اللہ الرحمن الرحیم میں کیا نکات ہیں پہلا نکتہ کفار عرب اپنے ہر کام کو بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے چنانچہ کہا کرتے تھے کہ **بسم اللات والعزی** لہذا ضروری ہوا کہ مومن مسلمان اپنے ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرے تاکہ کفار کی مخالفت ظاہر ہو فائدہ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کا ہر عمل کفار کے مخالف چاہئے۔ ان سے نفرت اور مشابہت بہت بڑی چیز ہے دوسرا نکتہ جس کام کی ابتداء اچھی ہو اس کی انتہا بھی اچھی ہوتی ہے بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان کہی جاتی ہے تاکہ اس کی ابتداء اللہ کے نام پر ہو اور اس کی تمام زندگی بخیریت گزرے سوداگر اور کان کی پہلی بکری ادھار نہیں کرتا بلکہ نقد پیسہ مانگتا ہے تاکہ سارا دن تجارت کے لئے اچھا گزرے اسی طرح مسلمان کو ضروری ہے کہ اپنے ہر کام کی ابتداء اللہ کے نام سے کرے تاکہ بخیر و خوبی انجام کو پہنچے۔ (تیسرا نکتہ) سرکاری مال پر کوئی سرکاری علامت لگوی جاتی ہے تاکہ چور اس کو لیتے ہوئے خوف کرے اور چرا نہ سکے کیونکہ سرکاری مال کی چوری ایک قسم کی بغاوت ہے اسی طرح مسلمان کو چاہئے کہ اپنے ہر کام کے اول بسم اللہ پڑھ دے تاکہ یہ بسم اللہ رب العالمین کی نشانی بن جائے اور شیطان چور اس میں اپنا دخل نہ دے سکے اور حدیث پاک میں آتا بھی ہے کہ جس کام کے اول میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے اور بسم اللہ کے پڑھ لینے سے وہ کام شیطان سے محفوظ رہتا ہے اس کی پوری بحث بسم اللہ کے فوائد میں آئے گی چوتھا نکتہ آدمی جس کا ذکر کرتا ہے اس کو اسی کے ساتھ رکھا جاتا ہے انسان بسم اللہ پڑھے تو انشاء اللہ دونوں جہان میں رحمت الٰہی اس کے ساتھ رہے گی تفسیر کبیر شریف نے بسم اللہ کے ماتحت ایک روایت بیان فرمائی کہ ایک مرتبہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو اپنی انگوٹھی عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس پر کسی نقاش سے **لا الہ الا اللہ** لکھوا لو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقاش کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ اس پر لکھ دے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** نقاش نے یہی لکھ دیا جب وہ انگوٹھی بارگاہ رسالت میں پیش ہوئی تو اس پر لکھا تھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** ارشاد فرمایا اے ابوبکر یہ زیادتی کیسی؟ عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ کے نام کو تو میں نے بڑھایا تھا میں نے نہ چاہا کہ رب کے اور آپ کے نام میں جدائی ہو جائے (یعنی رب کا ذکر ہو اور آپ کا ذکر نہ ہو) لیکن اپنا نام میں نے نہیں بڑھایا یہ عرض معروض ہو رہی تھی کہ جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ صدیق کا نام میں نے لکھا ہے کیونکہ صدیق اس سے راضی نہ ہوئے کہ آپ کا نام خدا کے نام سے علیحدہ ہو خدا تعالیٰ اس سے راضی نہ ہوا کہ صدیق کا نام آپ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے علیحدہ ہو تو خدا پاک توفیق عطا فرمائے کہ ہم اس کا ذکر اس کے حبیب علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ کیا کریں (پانچواں نکتہ) دنیا کے سارے کام حقیقت میں انسان کے لئے زہر قاتل ہیں کیونکہ یہ رب تعالیٰ سے غافل کرنے والے ہیں اور اس کا تریاق رب کا نام ہے تو جو انسان رب کے نام سے سارے کام شروع کرے گا خدا چاہے تو اس کا کوئی کام غفلت پیدا نہ کریگا (چھٹا نکتہ) جب کوئی فقیر کسی امیر کے دروازے پر جاتا ہے تو بھیک مانگنے کی غرض سے اس کی تعریف شروع کر دیتا ہے جس سے کہ امیر سمجھ جاتا ہے کہ یہ بھکاری ہے میری تعریفیں کرکے مجھ سے مانگنا چاہتا ہے تو گویا فقیر کا یہ کہنا کہ گھر والا بڑا سخی داتا ہے مطلب اس کا یہ ہوتا ہے کہ کچھ دلوا دو اسی طرح جب انسان کوئی کام شروع کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ رب تعالیٰ سے اس میں مدد مانگے اور اس کے پورا

www.alahazratnetwork.org

کرنے اور درست کرنے کی توفیق مانگے تو صاف صاف تو نہیں کہتا۔ رب کی تعریفیں کرتا ہے۔ اور اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ میرے اس نام لینے کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔ تو ہی اس بیڑے کو پار لگانے والا ہے۔ فقیر حقیر احمد یار خان اپنے رب قدیر کی بارگاہ میں اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ پیش کرتا ہے کہ مولا! کہاں مجھ جیسا ضعیف البیان انسان اور کہاں تفسیر قرآن تیرے ہی نام سے اور تیرے ہی بھروسے پر اس کام کو شروع کیا ہے تو ہی اس کو درست فرمانے والا ہے اور بخیر و خوبی انجام پہنچانے والا ہے۔ (ساتواں نکتہ) انسان کو چاہئے کہ ہر وقت اپنی عاجزی اور کمزوری اور نیاز مندی اور رب تعالیٰ کی قدرت اور رحمت اور بے نیازی پر نگاہ رکھے تاکہ بڑے سے بڑا کام کرنے پر بھی اس کے دل میں یہ غرور پیدا نہ ہو کہ میں نے اتنا بڑا کام کرلیا بلکہ یہ خیال رہے کہ جو کچھ کیا رب نے کیا اس کا فضل تھا کہ مجھ سے کرالیا اور یہ بات جب ہی حاصل ہوگی جب کہ ہر وقت مولا کی طرف دھیان رہے لہذا جب کہ ہر کام کے شروع ہی میں بسم اللہ پڑھ لے گا تو انشاء اللہ کبھی اس میں "میں" نہ پیدا ہوگی بلکہ "تو ہی تو" میں فنا رہے گا۔ بسم اللہ کے حروف کے نکات۔ بسم اللہ کو 'ب' سے شروع کیا گیا اور اسم کے الف کو گرا دیا حالانکہ اقرا باسم ربک میں اگرچہ الف پڑھنے میں نہیں آتا مگر لکھنے میں آتا ہے اس کی وجہ کیا ہے اس میں چند حکمتیں ہیں۔

حکمتیں: پہلی حکمت: انسان نے عالم ارواح میں پیدا ہو کر سب سے پہلے لفظ بلے بولا تھا یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے عرض کیا بلے یعنی ہاں ہے تو سب سے پہلے انسان کے منہ سے ب نکلی رب تعالیٰ نے اپنے کلام کو ب سے شروع کیا تاکہ قرآن پاک پڑھتے ہی وہ عہد و میثاق یاد آجائے۔ دوسری حکمت: خدا پاک کا نام برا اور بار اور باری بھی ہے۔ اور یہ ب سے شروع ہوتے ہیں تو گویا اس میں رب تعالیٰ کے بہت سارے ناموں کی طرف اشارہ بھی ہو گیا۔ تیسری حکمت: نحوی قاعدے سے ب ملانے کے لئے آتی ہے اور قرآن کی تلاوت کرنے والا بھی رب سے ملنا ہی چاہتا ہے اور الف بے تعلقی چاہتا ہے اس لئے وصل کی حالت میں گر جاتا ہے تو یہ چونکہ ملنے کا وقت ہے اس لئے ب سے ابتداء کی گئی۔ چوتھی حکمت: ب میں انکسار ہے اور الف میں بلندی ہے لکھنے میں اور بولنے میں بھی لہذا بندے کے اظہار عاجزی کے لئے ب ہی مناسب ہے اسم جلال۔ بسم اللہ کہا گیا باللہ نہ کہا گیا جس کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ کے نام سے شروع کر رہا ہے کیونکہ ابھی بندے کی ابتدائی حالت ہے اولاً "نام" تک تو پہنچ لے بعد کو ذات تک پہنچے گا۔ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ جس طرح اللہ کی ذات سے برکت اور مدد حاصل کی جاتی ہے اسی طرح اللہ کے نام یعنی لفظ اللہ سے بھی برکت اور مدد حاصل کی جاسکتی ہے حالانکہ لفظ اللہ رب نہیں یہ تو کچھ حروف کا مجموعہ ہے جب الف و لام و الف اور ہ سے مدد اور برکت لینا جائز ہے تو اللہ کے پیاروں سے مدد لینا بھی بدرجہ اولیٰ جائز ہے کیونکہ وہ ان حرفوں سے تو کم نہیں۔ نکتہ مجھ سے بعض بزرگوں نے فرمایا کہ اسم اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نام پاک ہے جیسے کہ ذکر اللہ بھی حضور علیہ السلام کا نام ہے۔ دیکھو دلائل الخیرات شریف اور حضور علیہ السلام کو اسم اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ اسم وہ ہوتا ہے جو ذات کو بتائے اور ذات پر دلالت کرے اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی اللہ کی ذات کو ظاہر کیا رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کا خالق ہے اور حضور علیہ السلام اس کے مظہر اتم۔

جب محمد ہوئے رسول اللہ تب کھلا لا الٰہ الا اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نیز یا قاعدہ نحوی اسم پر سارے فعل اعتماد کرتے ہیں اور وہ کسی پر اعتماد نہیں کرتا۔ دیکھو مارا کا اعتماد زید پر ہے نہ کہ زید کا اعتماد مار پر یعنی زید ہو تو "مار" پائی جائے نہ یہ کہ مار افعل ہو تو زید پایا جائے اسی طریقے سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر

www.alahazratnetwork.org

سارے عالم کا احتوا ہے بلکہ اختوا کو بھی آپ پر احتوا ہے لیکن آپ کو بجز پروردگار کی ذات کے کسی پر احتوا نہیں۔ نیز بقاعدہ نحوی اسم فعل کا محتاج نہیں بلکہ فعل اسم کا حاجت مند ہے یعنی فعل بغیر اسم کے ملے ہوئے جملہ (پوری بات) نہیں بن سکتا اور اسم بغیر فعل کے جملہ بن سکتا ہے۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں کسی کے حاجت مند نہیں بلکہ سارا عالم ان کا محتاج ہے کہ وہ نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ بقاعدہ تصوف کہاں کا اسم اور کہاں کا فعل یہ سب اعتبارات ہیں اصل حقیقت محمدیہ ہی ہے۔ یہ سب اس کے پرتو (سائے) ہیں اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

وہی بحر ہے وہی لہر ہے وہی پاٹ ہے وہی دھار ہے
وہی جلوہ شہر بہ شہر ہے وہی اصل عالم و دہر ہے

پانی ایک ہی ہے مگر الگ الگ اعتبارات سے الگ الگ نام کنارہ 'دھار' پاٹ 'موج' نہر' نالہ 'دریا' سمندر رکھ کر فرماتے ہیں

وہ نہ تھا تو باغ میں کچھ نہ تھا' وہ نہ ہو تو باغ میں سب فنا!
وہی جان ہے جان سے ہے بقا وہی بن ہے بن ہی سے بار ہے

فرماتے ہیں۔

ہاں جھکالو سر ولا کہ میں نام لوں گل و باغ کا
گل تر محمد مصطفیٰ چمن ان کا پاک دیار ہے!

یہ بہت اچھی تاویل ہے اور کسی قاعدہ شرعیہ کے خلاف نہیں۔ اب آگے جو الرحمان اور الرحیم آرہا ہے وہ یا تو اللہ کی صفت ہو یا لغوی معنی میں اسم اللہ کی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ اور حضور علیہ السلام کو رحیم تو قرآن نے فرمایا ہے رہا لفظ رحمن اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدارج میں فرمایا کہ حضور تمام صفات الٰہیہ سے موصوف ہیں۔

نیز قرآن نے فرمایا **و ما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** "تفسیر کبیر" کے شروع میں بسم اللہ کے ماتحت ہے کہ حق تعالیٰ کے تین ہزار نام ہیں جن میں سے ایک ہزار کو ملائکہ جانتے ہیں۔ اور ایک ہزار صرف انبیاء کرام اور باقی ایک ہزار میں سے تین سو نام توراۃ شریف میں اور تین سو انجیل میں اور تین سو زبور میں اور ننانوے نام قرآن پاک میں ہیں اور ایک نام وہ ہے جس کو صرف حق تعالیٰ ہی جانتا ہے لیکن بسم اللہ میں حق تعالیٰ کے جو تین نام آئے ان تین میں ان تین ہزار کے معنی پائے جاتے ہیں لہٰذا جس نے ان تین ناموں سے حق تعالیٰ کو یاد کر لیا گویا اس نے تمام ناموں سے اس کو یاد کیا ان تمام ناموں میں لفظ اللہ حق تعالیٰ کا ذاتی نام ہے اور باقی اسمائے صفاتیہ ذاتی نام اسے کہتے ہیں جو کہ صرف ذات کو بتائے اور صفاتی نام وہ کہلاتے ہیں جو کہ ذات کے ساتھ صفت کی طرف بھی اشارہ کریں جیسے ایک آدمی کا نام عبداللہ خان ہے لیکن وہ مولوی بھی ہے اس واسطے اسے عالم کہتے ہیں اور چونکہ قرآن پاک بھی اس نے حفظ کیا ہے لہٰذا اسے حافظ بھی کہتے ہیں قرات بھی سیکھی ہے اس واسطے اس کو قاری بھی کہتے ہیں۔ زمین کا مالک بھی ہے لہٰذا اس کو زمیندار بھی کہتے ہیں تو عبداللہ تو اسکا ذاتی نام ہوا کیونکہ اس نے فقط اس کی ذات کو بتایا علم اور قرات اور حفظ وغیرہ کی طرف اشارہ نہ کیا اور دوسرے نام اس کے صفاتی نام ہیں اس طرح اللہ فقط اس کی ذات کو بتاتا ہے اور باقی علیم' قدیر' رحمان اور رحیم وغیرہ اس کی صفات کی طرف اشارہ کرتے ہیں اسم ذات کی پہچان چند ہیں ایک تو یہ کہ وہ نام والے کے ساتھ خاص ہو دوسرے کی اس میں شرکت نہ ہو۔ دیکھو جو بھی علم سیکھ لے اسے عالم اور جو بھی قرآن پاک حفظ کر

www.alahazratnetwork.org

لے اسے حافظ کہا جائے گا لیکن اس علم اور حفظ کی وجہ سے کسی کو عبداللہ خان نہ کہا جائے گا۔ اس لئے قرآن کریم میں حق تعالیٰ کے بعض صفاتی نام روف' رحیم وغیرہ غیراللہ کے لئے بھی استعمال فرمائے گئے لیکن اللہ کسی کو نہ کہا گیا۔ دوسرے یہ کہ اسم ذات کبھی کسی اسم کی صفت بن کر نہیں آتا بلکہ صفتوں کا موصوف بن کر آتا ہے یہ کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ خان عالم فاضل' حاجی' قاری ہیں یہ نہیں کہہ سکتے کہ حاجی صاحب عبداللہ خان ہیں اسی طرح قرآن پاک میں ہر جگہ لفظ اللہ موصوف بن کر تو آیا مگر کسی اسم کی صفت نہ بنا تیسری پہچان یہ ہے کہ اسماء صفات میں زیادتی کی کا احتمال ہوتا ہے مگر اسم ذات میں یہ احتمال نہیں مثلاً یہ کہہ سکتے کہ فلاں شخص فلاں شخص سے زیادہ عالم ہے اس سے زیادہ قاری اس سے زیادہ مالدار لیکن یہ نہیں کہہ سکتے اس سے زیادہ عبداللہ ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ کے دوسرے بعض ناموں میں تفضیل وغیرہ کے صیغے بن سکتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ عالم بھی اور علام بھی قادر اور قدیر بھی ہے لیکن لفظ اللہ کہ نہ تفضیل بنے نہ مبالغہ اور نہ صفت مشبہ وغیرہ اس فرق کا ضرور خیال چاہئے۔ اس میں اختلاف ہے کہ اللہ کسی اور لفظ سے بنا ہے یا نہیں (مشتق ہے یا جامد) بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ مشتق ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جامد مشتق کہنے والے فیصلہ یقینی نہ کر سکے کہ کس لفظ سے مشتق ہے بعض نے فرمایا کہ الہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں سکون اور چین اور قرار چونکہ حق تعالیٰ کے ذکر سے سب کو چین اور قرار آتا ہے اس لئے اس کا نام اللہ ہے یا اس لئے کہ ہر ممکن چیز واجب پر ختم ہوتی اور قرار پکڑتی ہے تو تمام عالم کے متعلق سوال ہو سکتا ہے کہ اس کو کس نے بنایا لیکن اللہ کے متعلق یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اس کو کس نے بنایا۔ بعض نے فرمایا ہے کہ لفظ ولہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں حیرانی چونکہ تمام مخلوق اس کی ذات و صفات میں حیران ہے محرومین تو جہالت کی تاریکیوں میں پھنسے ہیں اور واصلین الی اللہ بجز تجلیات نورانی کچھ نہ پاسکے اور اس کی حقیقت کو نہ پہنچ سکے کہ آنکہ۔

حیرت اندر حیرت آمد حیرت اندر حیرت است ہست یا حیرت سراپا کار در سرکار ما!

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ لاالہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں بلندی چونکہ حق تعالیٰ کی ذات تمام ممکنات سے بلند و بالا تر ہے اس لئے اس کو اللہ کہا جاتا ہے بعض کہتے ہیں لاہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی حجاب کے ہیں (یعنی پردہ) چونکہ حق تعالیٰ کی ذات نظر' خیال' گمان' وہم' عقل' سب سے وراء ہے اس لئے اسے اللہ کہتے ہیں شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا۔

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم و زہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

لطف یہ ہے کہ اللہ کی ذات زیادتی ظہور کی وجہ سے چھپ گئی اور کمال نور کی وجہ سے نظر نہ آسکی۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار اس پہ گھونگٹ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

بعض فرماتے ہیں کہ لفظ اللہ اس الہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں عاجزی و زاری کرنا ہے چونکہ تمام بندے اس کی بارگاہ میں عاجزی اور زاری کرتے ہیں لہذا اسے اللہ کہتے ہیں کبھی کبھی انسان اسباب پر نظر کر لیتا ہے لیکن پھر اس کی انتہا مسبب الاسباب پر ہی ہوتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ لفظ اللہ اس الہ سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں گھبرا کر آنا چونکہ تمام مخلوق ہر مصیبت میں آخر کار رب کی طرف پناہ پکڑتی ہے اس لئے اس کا نام اللہ ہے صاحب تفسیر کبیر نے اسی معنی کے ماتحت فرمایا کہ مقروض قرض خواہ کو دیکھ کر بھاگتا ہے۔ لیکن پروردگار ایسا کریم ہے کہ اس کے مقروض بندے اسی کی بارگاہ کی طرف بھاگتے ہیں۔ بلکہ وہ خود بلا رہا ہے فرماتا ہے ففروا الی اللہ (بھاگ کر آؤ اللہ کی طرف) بادشاہ و مالدار فقراء سے اپنے دروازے بند

www.alahazratnetwork.org

کرتے ہیں تاکہ فقیر ہمارے پاس نہ آئیں لیکن رب تعالیٰ وہ غنی ہے جس کا دروازہ ہر وقت ہر ایک کے لئے کھلا ہے اور تو بھگاتے ہیں مگر وہ اپنے دروازے کی طرف بلاتا ہے۔ فرماتا ہے **ادعونی استجب لکم** (اے بندو! مجھ سے مانگو میں تمہاری بات مانوں گا) **حکایت:** دو بھائی تھے۔ ایک متقی پرہیزگار دوسرا فاسق و بدکار جب فاسق مرنے لگا تو متقی بھائی نے کہا دیکھا تجھے میں نے بہت سمجھایا مگر تو اپنے فسق و فجور سے باز نہ آیا اب بول تیرا کیا حال ہو گا اس نے جواب دیا کہ اگر قیامت کے روز میرا رب میرا فیصلہ میری ماں کے سپرد کر دے تو بتاؤ کہ ماں مجھے کہاں بھیجے گی۔ دوزخ میں یا جنت میں پرہیزگار بھائی نے کہا کہ ماں تو واقعی جنت میں بھیجے گی گنہگار نے جواب دیا کہ میرا رب میری ماں سے زیادہ مہربان ہے یہ کہا اور انتقال ہو گیا۔ بڑے بھائی نے خواب میں اسے نہایت خوشحال دیکھا۔ مغفرت کی وجہ پوچھی کہا کہ میری اسی مرتے وقت کی بات نے میرے تمام گناہ بخشوا دیئے۔

ہم گنہ گاروں پہ تیری مہربانی چاہئے سب گنہ دھل جائیں گے رحمت کا پانی چاہئے

اسی وجہ سے اس کو اللہ کہتے ہیں لیکن حق یہ ہے کہ لفظ اللہ کسی لفظ سے مشتق نہیں جیسے اس کی ذات کسی سے نہیں بنی ایسے ہی اس کا نام کسی لفظ سے نہیں بنا سبحان اللہ! جب اس کے نام میں اتنی حیرانی ہے تو کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ میں نے رب کی حقیقت کو پا لیا۔

لفظ اللہ کی خصوصیات : تفسیر کبیر شریف میں بسم اللہ کی تفسیر میں فرمایا کہ لفظ اللہ میں چند خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ لفظ اللہ رب کی ذات پر دلالت کرنے میں حرفوں کا محتاج نہیں الف کو گرا دو تو للہ رہتا ہے۔ وہ بھی ذات کو بتا رہا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے **وللہ جنود السموات والارض** اگر اس کا پہلا لام بھی گرا دو تو لہ کی شکل پر رہتا ہے یہ بھی اسی ذات کو بتا رہا ہے فرماتا ہے لہ الملک ولہ الحمد اگر دوسرا لام بھی گرا دیں تو فقط ھا باقی رہتا ہے۔ وہ بھی ذات کو بتا رہا ہے۔ **لا الہ الا ھو** جس طرح سے کہ اس کا نام حروف کا محتاج نہیں ایسے ہی اس کی ذات کسی کی محتاج نہیں۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ خدا کے دوسرے اسماء خاص خاص صفتوں پر دلالت کرتے ہیں لیکن لفظ اللہ ساری صفتوں پر جس نے اللہ کہہ کر پکار لیا اس نے گویا ساری صفتوں سے پکارا کیونکہ اللہ وہی ہے جس میں ساری صفتیں موجود ہوں۔ تیسری خصوصیت یہ ہے کہ کلمہ طیبہ میں لفظ اللہ ہی داخل ہے جس کو پڑھ کر کافر مومن بنتا ہے اگر کوئی لا الہ الا الرحمان کہہ دے یا اس کے دیگر سارے اسموں سے کلمہ پڑھ لے مومن نہ ہو گا مگر لا الہ الا اللہ کہتے ہی دولت ایمان سے مالا مال ہو جاتا ہے۔ لفظ محمد میں قریب قریب یہ ساری خصوصیتیں موجود ہیں اور اس میں بہت عجیب عجیب نکات موجود ہیں لیکن یہاں اس کے بیان کا موقع نہیں صرف ایک نکتہ عرض کرتا ہوں لفظ "اللہ" بولو تو ہونٹ ملتے نہیں۔ مگر لفظ "محمد" کے بولتے ہی نیچے کا ہونٹ اوپر والے سے دوبارہ مل جاتا ہے معلوم ہوا کہ ان کا نام نیچوں کو اوپر والے سے ملانے والا ہے اور ان کی ذات مخلوق کو خالق سے ملانے والی ہے تو ان کا نام ان کے کام کو بتا رہا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خصوصیات انشاء اللہ کسی اور جگہ بیان کی جائے گی الرحمان الرحیم لفظ رحمان اور رحیم 'رحم' سے بنا ہے اور رحم کے معنی ہیں دل کا نرم ہونا اور کسی پر مہربانی کرنا عورت کی بچہ دانی کو اسی لئے رحم کہتے ہیں کہ وہ اپنے پیٹ کے بچے پہ بہت مہربان ہوتی ہے اور بچہ اس سے بہت انس رکھتا ہے۔ نیز جن لوگوں کا آپس میں رحمی رشتہ ہوتا ہے۔ وہ بھی ایک دوسرے پر مہربان ہوتے ہیں۔ بھائی' بھتیجے بھانجے یہ سب ایک دوسرے کے ساتھ محبت کا برتاؤ کرتے ہیں۔ اسی لئے انہیں ذی رحم کہتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ چونکہ دل وغیرہ سے پاک ہے اس لئے یہاں اس کے یہ معنی ہوں گے کہ فضل و احسان فرمانے والا۔ اب رحمان اور رحیم کے معنی میں چند

www.alahazratnetwork.org

طرح کا فرق ہے۔ ایک تو یہ کہ رحمان کے معنی سب پر عام رحم فرمانے والا اور رحیم کے معنی خاص خاص پر خاص رحم فرمانے والا۔ دیکھو ہوا' پانی' سورج کی روشنی وغیرہ بلا فرق سب کو عطا فرمائی۔ یہاں رحمانیت کی جلوہ گری ہے۔ لیکن حکومت' دولت' ولایت' نبوت یہ سب کو نہ دیئے بلکہ خاص خاص کو دیئے۔ ان میں رحیم کے معنی کا ظہور ہے دوسرے یہ کہ دنیا میں دوست اور دشمن مسلمان اور کافر سب کو اپنی رحمتوں سے نوازڈالا یہاں صفت رحمان کا ظہور ہے مگر آخرت میں خاص خاص مسلمانوں پر رحم اور دشمنوں پر قہر ہو گا تو وہاں صفت رحیم کا ظہور ہو گا تیسرا اس طرح کہ بڑی بڑی نعمتیں سلطنت' حکومت' زمین جنت اسی سے مانگی جاتی ہے اور وہی دیتا ہے اور چھوٹی چھوٹی نعمتیں بھی اس سے طلب کی جاتی ہیں۔ حتیٰ کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرے کہ خدایا میرا تسمہ ٹوٹ گیا تو عطا فرما تو بڑی نعمتوں کے لحاظ سے رحمان اور چھوٹی نعمتوں کے لحاظ سے رحیم اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ اگر بڑے بادشاہ سے چھوٹی چیز مانگی جائے تو اس کو ناگوار ہوتی ہے کہ اس میں میری توہین ہو گئی اور اگر معمولی مال دار سے بڑی چیز مانگی جائے تو وہ اس کے دینے سے عاجز ہوتا ہے یہ رب تعالیٰ کی ہی شان ہے جو چھوٹی بڑی ہر چیز عطا فرماتا ہے اور کسی چیز کے مانگنے میں ناراض نہیں ہوتا۔ چوتھا فرق یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بعض نعمتیں بلاواسطہ اور بعض کسی واسطے سے عطا فرمائی ہیں۔ دیکھو ہم کو جان ملی بغیر ماں باپ کے وسیلے سے مگر جسم اور جسم کی ضروریات ماں باپ اور دوسرے بندوں کے واسطے سے ملی ہیں۔ اسی طرح پانی' ہوا' دھوپ اور چاندنی وغیرہ بغیر کسی واسطے کے عطا فرمائی گئیں۔ لیکن غذا اور دوا لباس وغیرہ بندوں کے واسطے سے عطا فرمایا تو بلاواسطہ نعمتوں کے لحاظ سے اس کو رحمان اور بالواسطہ کے لحاظ سے رحیم کہا جاتا ہے پانچواں فرق یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض نعمتیں ہمیشہ کے لئے عطا فرمائیں جیسے جان اور ایمان اور عبادت اور نیکیاں اور آخرت کی نعمتیں اور بعض نعمتیں عارضی ہیں جو چند روز کے لئے عطا فرمائی گئیں بعد میں ہمارے پاس نہ رہیں گی جیسے کہ دنیوی زندگی کی ضروریات وغیرہ پہلی نعمتوں کے لحاظ سے اس کا نام رحمان اور دوسری نعمتوں کے لحاظ سے رحیم نکتہ:۔ حق تعالیٰ نے بسم اللہ میں اپنے اسم ذات کے ساتھ رحمت کی دو صفتوں کو بیان فرمایا اس لئے کہ اللہ کے نام میں ہیبت تھی اور رحمان اور رحیم میں رحمت۔ اللہ کا نام سن کر نیک بندوں کو بھی کچھ عرض معروض کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی لیکن رحمان اور رحیم سن کر ہر مجرم اور خطاکار کو بھی عرض کرنے کی ہمت پڑی اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کے جلال کے مقابلے میں کون دم مار سکتا ہے اور ظہور جمال کے وقت ہر ایک ناز کر سکتا ہے۔ تفسیر کبیر شریف میں اس کے ماتحت ایک عجیب حکایت لکھی ہے کہ ایک سائل ایک بہت بڑے مالدار کے عظیم الشان دروازے پر آیا اور کچھ سوال کیا مکان میں سے معمولی سی چیز آئی۔ فقیر نے لے لی اور چلا گیا دوسرے دن ایک بہت مضبوط پھاوڑا لے کر آیا اور دروازہ کھودنے لگا مالک نے پوچھا یہ کیا کرتا ہے فقیر نے کہا یا تو عطا کو دروازے کے لائق کر یا دروازہ عطا کے لائق کر یعنی جب دروازہ اتنا بڑا بنایا ہے تو ضروری ہے کہ بڑے دروازے سے بڑی ہی بھیک ملا کرے کیونکہ عطا دروازے اور نام کے لائق ہونی چاہئے۔ ہم فقیر گنہگار بندے بھی عرض کرتے ہیں اے مولا! ہم کو ہمارے لائق نہ دے بلکہ اپنے جود و سخا کے لائق دے۔ بیشک ہم گنہگار ہیں لیکن تیری غفاری ہماری گنہگاری سے بڑی ہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا
مگر اے عفو تیرے عفو کا نہ حساب ہے نہ شمار ہے

حق تعالیٰ کے نام ہیں توقیفی یعنی شریعت میں جو نام ہے اسی نام سے اس کو یاد کیا جائے اپنی طرف سے حق تعالیٰ کا نام تجویز نہیں کیا جا سکتا لہٰذا خدا کو رام یا پرمیشور یا گاڈ وغیرہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ یہ نام شریعت سے ثابت نہیں ہاں خدا کی صفتوں

www.alahazratnetwork.org

کو اپنی زبان سے جس طرح چاہئیں بیان کریں۔ مثلاً اس کو پروردگار یا خدا یا اللہ پاک کہیں یہ الفاظ رب کے نام نہیں بلکہ اس کی صفات کے ترجمے ہیں لفظ خدا مالک کا ترجمہ ہے اور پروردگار رب کا۔

بسم اللہ کے فضائل اور فوائد : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں جن میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ پاک کی گئی ہے بلکہ ہر دنیوی اور دینی جائز کام کی بھی کنجی ہے کہ جو کام اس کے بغیر کیا جائے ناقص رہتا ہے دوسرے یہ کہ تفسیر روح البیان شریف نے بسم اللہ کے ماتحت ایک حدیث نقل فرمائی کہ جب حضور علیہ السلام معراج میں تشریف لے گئے اور جنتوں کی سیر فرمائی تو وہاں چار نہریں ملاحظہ فرمائیں ایک پانی کی ' دوسری دودھ کی ' تیسری شراب کی اور چوتھی شہد کی جبریل امین سے دریافت کیا کہ یہ نہریں کہاں سے آرہی ہیں حضرت جبریل امین نے عرض کیا کہ مجھے اس کی خبر نہیں دوسرے فرشتے نے عرض کیا کہ ان چاروں کا چشمہ میں دکھاتا ہوں ایک جگہ لے گیا وہاں ایک درخت تھا جس کے نیچے ایک عمارت بنی ہوئی تھی اور دروازے پر قفل پڑا تھا اور اس کے نیچے سے یہ چاروں نہریں نکل رہی تھیں ارشاد فرمایا دروازہ کھولو ' عرض کیا اس کی چابی میرے پاس نہیں بلکہ آپ کے پاس ہے یعنی بسم اللہ الرحمان الرحیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بسم اللہ پڑھ کر قفل کو ہاتھ لگایا دروازہ کھل گیا اندر جا کر ملاحظہ فرمایا کہ اس عمارت میں چار ستون ہیں اور ہر ستون پر بسم اللہ لکھی ہے اور بسم اللہ کے میم سے پانی جاری ہے اللہ کی ہ سے دودھ جاری ہے ' رحمان کی میم سے شراب اور رحیم کی میم سے شہد اندر سے آواز آئی۔ "اے محبوب علیہ السلام! آپ کی امت میں سے جو شخص بسم اللہ الرحمان الرحیم پڑھے ' وہ ان چاروں کا مستحق ہوگا"۔ تیسرے یہ کہ تفسیر کبیر شریف میں اسی بسم اللہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ فرعون نے خدائی کے دعوے سے پہلے ایک مکان بنایا تھا اور اس کے بیرونی دروازے پر بسم اللہ لکھی تھی۔ جب دعویٰ خدائی کیا اور موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تبلیغ اسلام کی اور اس نے قبول نہ کی تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کے حق میں بددعا کی وحی آئی۔ اے موسیٰ (علیہ السلام) یہ ہے تو اسی قابل اس کو ہلاک کر دیا جائے لیکن اس کے دروازے پر بسم اللہ لکھی ہے۔ جس کی وجہ سے وہ عذاب سے بچا ہوا ہے"۔ اسی وجہ سے فرعون پر گھر میں عذاب نہ آیا بلکہ وہاں سے نکال کر دریا میں ڈبویا گیا سبحان اللہ جب ایک کافر کا گھر بسم اللہ کی وجہ سے عذاب سے بچ گیا تو اگر کوئی مسلمان اس کو اپنے دل و زبان پر لکھ لے تو کیوں نہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ مگر خیال رہے کہ ان الفاظ کی بے ادبی نہ ہونے پائے۔

تفسیر عزیزی میں بسم اللہ کے فوائد میں لکھا ہے کہ ایک ولی اللہ نے مرتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے کفن میں بسم اللہ لکھ کر رکھ دینا لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ قیامت کے دن میری دستاویز ہوگی۔ جس کے ذریعہ سے میں رحمت الٰہی کی درخواست کروں گا تفسیر کبیر وغیرہ میں ہے کہ بسم اللہ میں انیس حروف ہیں اور دوزخ پر عذاب کے فرشتے بھی انیس ہیں پس امید ہے کہ اس کے ایک ایک حرف کی برکت سے ایک ایک فرشتے کا عذاب دور ہو جائے۔ دوسری خوبی یہ ہے کہ دن رات میں چوبیس گھنٹے ہیں جن میں سے پانچ گھنٹے پانچ نمازوں نے گھیر لئے۔ اور انیس گھنٹوں کے لئے بسم اللہ کے انیس حروف عطا فرمائے گئے جو بسم اللہ کا ورد کرتا رہے انشاء اللہ اسکا ہر گھنٹہ عبادت میں شمار ہوگا اور ہر وقت کے گناہ معاف ہوں گے۔

بسم اللہ کے فوائد : بسم اللہ کے بے شمار فائدے ہیں جن میں سے ہم کچھ تھوڑے "تفسیر کبیر" اور "تفسیر عزیزی" وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** جو شخص اپنی بیوی کے پاس جاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے تو اس میں شیطان شریک نہ ہو گا اور اگر اس صحبت سے حمل قائم ہو جائے تو اس حمل کا بچہ اپنی زندگی میں جس قدر سانس لے گا اس قدر اس کے باپ کے اعمال میں نیکیاں لکھی جائیں گی جو شخص کسی جانور پر سوار ہوتے وقت بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھ لے تو اس جانور کے ہر قدم پر اس سوار کے حق میں ایک نیکی لکھی جائے گی جو شخص کشتی میں سوار ہوتے وقت بسم اللہ اور الحمد للہ پڑھ لے جب تک وہ اس میں سوار رہے گا اس کے واسطے نیکیاں لکھی جائیں گی جو بیمار بسم اللہ کہہ کر دوا پئے انشاء اللہ دوا فائدہ دیگی۔ **حکایت:** ایک بار حضرت موسیٰ علیہ وسلم کے پیٹ میں نہایت سخت درد ہوا حق تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا ارشاد ہوا کہ جنگل کی فلاں بوٹی کھاؤ چنانچہ آپ نے کھائی اور فوراً آرام ہو گیا کچھ دنوں بعد پھر وہی بیماری ہوئی موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی استعمال کی مگر درد میں زیادتی ہو گئی جناب باری میں عرض کیا کہ الٰہی یہ کیا بھید ہے کہ دوا ایک تاثیر دو کہ پہلی بار اس نے شفا دی اور اس دفعہ بیماری بڑھائی ارشاد الٰہی ہوا کہ اے موسیٰ اس بار تم میری طرف سے بوٹی کے پاس گئے تھے اور اس دفعہ اپنی طرف سے۔ اے موسیٰ! شفا تو میرے نام میں ہے میرے نام کے بغیر دنیا کی ہر چیز زہر قاتل ہے اور میرا نام اس کا تریاق ہے حکایت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک قبر پر گزرے دیکھا کہ اس میت پر عذاب ہو رہا ہے یہ دیکھ کر چند قدم آگے تشریف لے گئے اور وہاں سے استنجا کر کے واپس آئے اب جو اس قبر پر گزرے تو ملاحظہ فرمایا کہ اس قبر میں نور ہی نور ہے اور وہاں رحمت الٰہی کی بارش ہو رہی ہے۔ آپ بہت حیران ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مجھے اس کا بھید بتایا جائے ارشاد ہوا کہ روح اللہ یہ سخت گنہگار اور بدکار تھا اس وجہ سے عذاب میں گرفتار تھا لیکن اس نے اپنی بیوی حاملہ چھوڑی تھی اس کے لڑکا پیدا ہوا اور آج اس کو مکتب میں بھیجا گیا۔ استاد نے اس کو بسم اللہ پڑھائی ہمیں حیا آئی کہ میں زمین کے اندر اس شخص کو عذاب دوں کہ جس کا بچہ زمین پر میرا نام لے رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بچوں کی نیکی سے ماں باپ کی نجات ہو جاتی ہے۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ جس شخص کو کوئی سخت مصیبت پیش آ جائے تو وہ بسم اللہ بارہ ہزار دفعہ اس طرح پڑھے کہ ایک ہزار بسم اللہ پڑھ کر دو رکعت نفل پڑھے پھر ہر ہزار پر دو نفل پڑھتا جائے اس کے بعد دعا مانگے انشاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی جس شخص کو کوئی سخت مشکل درپیش ہو تو وہ یہ عبارت ایک پرچہ میں لکھے۔ **بسم اللہ الرحمان الرحیم - من العبد الذلیل الی الرب الجلیل رب انی مسنی الضر و انت ارحم الرحمین** پھر یہ پرچہ کسی بہتے ہوئے پانی میں ڈال دے اور ڈال کر یہ دعا پڑھے **اللھم بمحمد و الہ الطیبین الطاھرین و اصحابہ المرشدین اقض حاجتی یا اکرم الاکرمین** جو شخص پاخانہ جاتے وقت بسم اللہ پڑھ لے اس کا جنات ستر نہ دیکھ سکیں گے حضرت نوح علیہ السلام نے کشتی میں سوار ہوتے وقت پڑھا تھا **بسم اللہ مجرلھا و مرسھا ان ربی لغفور رحیم** اس وجہ سے بیڑا پار ہوا تو جو شخص کشتی میں سوار ہوتے وقت یہ دعا پڑھ لے تو خدا چاہے تو وہ ڈوبنے سے بچے گا جب آدھی بسم اللہ سے بیڑے پار لگتے ہیں تو پوری بسم اللہ میں کیا کیا برکتیں ہوں گی حضرت سلیمان علیہ السلام نے جب بلقیس کو پہلا خط لکھا تو اس میں لکھا کہ **انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمان الرحیم** اس کی برکت سے بلقیس ان کے نکاح میں آئی اور اس کا پورا ملک یمن حضرت سلیمان علیہ السلام کے قبضے میں آیا غور تو کرو کہ سورۃ توبہ میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی۔ اسی طرح ذبح کے وقت پوری بسم اللہ نہیں پڑھتے بلکہ یوں کہتے ہیں بسم اللہ اللہ اکبر اس میں کیا

www.alahazratnetwork.org

حکمت ہے حکمت یہ ہے کہ سورۂ توبہ میں اول سے آخر تک جہاد اور قتل کا ذکر ہے اور یہ کافروں پر قہر ہے۔ اسی طرح ذبح میں جانور کی جان لی جاتی ہے یہ بھی جبر و قہر کا وقت ہوتا ہے۔ اس وقت رحمت کا ذکر نہ کرو۔ سبحان اللہ تو جو شخص پوری بسم اللہ کا ورد کرے تو انشاء اللہ خدا کے غضب سے محفوظ رہے گا۔

حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ عنہ کے پاس کوئی شخص زہر لایا اور کہا کہ اگر آپ اس زہر کو پی کر صحیح سلامت رہیں تو ہم جان لیں کہ اسلام سچا ہے آپ نے بسم اللہ کہہ کر وہ زہر پی لیا اور خدا کے فضل سے کچھ اثر نہ ہوا وہ شخص یہ دیکھ کر اسلام لے آیا۔ بادشاہ روم ھرقل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں خط لکھا کہ مجھے درد سر کی بہت شکایت ہے کچھ علاج کیجئے۔ آپ نے اس کے پاس ایک ٹوپی بھیج دی۔ جب بادشاہ وہ ٹوپی اوڑھتا تھا درد جاتا رہتا تھا اور جب اتار دیتا تھا درد شروع ہو جاتا تھا۔ اس کو سخت تعجب ہوا۔ اس نے ٹوپی کو کھلوایا۔ دیکھا تو اس میں ایک پرچہ لکھا تھا جس میں بسم اللہ الرحمان الرحیم لکھا تھا۔ غرض یہ کہ بسم اللہ میں بے شمار فائدے ہیں۔

اعتراض: بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم تو بسم اللہ ہزاروں بار پڑھتے ہیں مگر کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بسم اللہ پڑھ کر زہر پی لیا لیکن اگر ہم بسم اللہ پڑھ کر کوئی بھاری غذا بھی کھالیں تو نقصان پہنچا دیتی ہے۔ جواب: تمام دعائیں اور وظیفے مثل کارتوس کے ہیں اور پڑھنے والے کی زبان بندوق کا رتوس یقیناً شیر کو مارتا ہے مگر کب' جب کہ اچھی رائفل سے استعمال کیا جائے۔ دعائیں تو وہی ہیں لیکن ہماری زبانیں صحابہ کرام کی سی نہیں ہم اس زبان سے روزانہ جھوٹ' غیبت وغیرہ بکتے رہتے ہیں پھر وہ تاثیر کہاں سے آئے۔ اگر قرآن پاک کی تاثیر دیکھنی ہے تو اچھی زبان پیدا کرو۔

بسم اللہ کے مسائل : بسم اللہ قرآن پاک کی پوری آیت ہے۔ مگر کسی سورت کا جزو نہیں بلکہ سورتوں میں فاصلہ کرنے کے لئے اتاری گئی ہے۔ اسی لئے نماز میں اس کو آہستہ ہی پڑھتے ہیں ہاں جو حافظ تراویح میں پورا قرآن پاک ختم کرے وہ ضرور کسی نہ کسی سورت کے ساتھ ایک بار بسم اللہ زور سے پڑھے۔ **مسئلہ**: سوا سورہ توبہ کے باقی ہر سورت بسم اللہ سے شروع کرے۔ لیکن اگر کوئی شخص سورہ توبہ سے ہی تلاوت شروع کرے تو وہ تلاوت کے لئے بسم اللہ پڑھ لے۔ **مسئلہ**: ہر جائز کام کا بسم اللہ سے شروع کرنا مستحب ہے ناجائز کام پر بسم اللہ پڑھنا منع ہے اگر کوئی شخص بسم اللہ کہہ کر شراب پئے' چوری کرے' غیبت کرے' جھوٹ بولے تو کفر کا اندیشہ ہے۔ شامی میں ہے کہ حقہ پیتے وقت اور بدبودار چیزیں (جیسے پیاز' لہسن وغیرہ) کھاتے وقت بسم اللہ نہ پڑھنا بہتر ہے۔ **مسئلہ**: ننگے ہو کر' پاخانہ میں پہنچ کر بسم اللہ پڑھنا منع ہے۔ **مسئلہ**: نمازی نماز میں جب کوئی سورت پڑھے' آہستہ سے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔ **مسئلہ**: جو جائز کام بھی بغیر بسم اللہ کے شروع کیا جائے گا اس میں برکت نہ ہو گی۔ **مسئلہ**: جب مردہ کو قبر میں اتارا جائے تو اتارنے والے یہ پڑھتے جائیں بسم اللہ وعلی ملۃ رسول اللہ۔ **مسئلہ**: جمعہ' عیدین' نکاح' وعظ وغیرہ کا خطبہ الحمد للہ سے شروع کیا جائے یعنی بسم اللہ آہستہ پڑھی جائے پھر جب قرآن پاک کی آیت آئے تب بلند آواز سے بسم اللہ پڑھی جائے۔ **مسئلہ**: جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا واجب ہے کہ اگر جان بوجھ کو چھوڑ دیا تو جانور مردار ہو گا اگر بھولے سے چھوٹ گئی تو جانور حلال ہے۔ **مسئلہ**: اگر شکاری تیر یا بھالا وغیرہ دھار دار چیز سے شکار کرے اور یہ چیزیں پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھ لے تو اگر جانور اس کے پاس پہنچتے پہنچتے مر بھی گیا تب بھی حلال ہو گا۔ یونہی اگر پالتو جانور قبضے سے نکل گیا۔ مثلاً گائے کنوئیں میں گر گئی یا اونٹ بھاگ گیا تو بسم اللہ کہہ کر تیر یا بھالا یا تلوار ماری گئی تو جانور حلال ہے۔ **مسئلہ**:

www.alahazratnetwork.org

اگر شکار پر شکاری کتا چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے اور کتے کی پکڑ سے جانور مرجائے تو وہ حلال ہے۔ شکار کے پورے مسائل انشاء اللہ شکار کی آیتوں کی تفسیر میں بیان کئے جائینگے۔

اٰیاتُھا ۷ سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃٌ رُکُوْعُھَا ۱
سورۃ فاتحہ مکہ والی اور وہ سات آیتیں
سورۃ فاتحہ مکیہ ہے اور وہ سات آیتیں ہیں۔

سورۂ فاتحہ کے متعلق چند باتیں عرض کرنی ہیں ایک یہ کہ اس کے نام کتنے ہیں دوسرے یہ کہ شان نزول اس کا کیا ہے تیسرے یہ کہ اس کے فضائل کیا کیا ہیں چوتھے یہ کہ اس میں مسائل کیا کیا ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے نام : (اس کے کل بیس نام ہیں) 1-فاتحہ 2-فاتحۃ الکتاب 3-ام القرآن 4-سورۃ الکنز 5-سورۃ وافیہ 6-سورۃ کافیہ 7-سورۃ شافیہ 8-سورۃ شفاء 9- سبع مثانی 10-سورۃ نور 11-سورۃ رقیہ 12-سورۃ الحمد 13-سورۃ دعا 14-سورۃ تعلیم المسئلہ 15-سورۃ مناجات 16-سورۃ تفویض 17-سورۃ سوال 18-سورۃ ام الکتاب 19-سورۃ فاتحۃ الکتاب 20-سورۃ صلوۃ اس سورۃ میں سات آیتیں، ستائیں کلمے اور ایک سو چالیس حروف ہیں کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں۔ اس سورۃ کی وجہ تسمیہ (فاتحۃ الکتاب) اس لئے کہتے ہیں کہ اس سورۃ سے قرآن پاک کو شروع کیا جاتا ہے اور اس لئے کہ بعض روایات کی رو سے سب سے پہلے یہی اتری (سورۃ الحمد) اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے اول میں لفظ الحمد آتا ہے۔ (ام القرآن) اس لئے کہتے ہیں کہ ام کے معنی ہیں اصل کے اور یہ سورۃ سارے قرآن پاک کی اصل ہے اس لئے کہ جس قدر مضامین سارے قرآن شریف میں تفصیل وار ہیں وہ سب اجمالاً یہاں آگئے ہیں اس کو قرآن پاک سے وہی نسبت ہے جو بیج کو درخت سے ہوتی ہے کیونکہ بیج میں سارا درخت (یعنی پتے، شاخیں، پھل، پھول وغیرہ) ہوتا ہے۔ (ام الکتاب) اس لئے کہتے ہیں کہ ساری آسمانی کتابوں کے تقریباً سارے مضامین اس میں آگئے ہیں۔ کیونکہ عقائد و اعمال وغیرہ سب اس میں موجود ہیں نیز خدا کی ذات و صفات، اس کی معبودیت اس کی بے نیازی بندے کی عبدیت نیازمندی وغیرہ تمام اس میں موجود ہیں۔ (سبع مثانی) اس لئے کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی ہیں سات مکرر آیتیں۔ چونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور دوبارہ یہ نازل ہوئی اس لئے اس کا یہ نام ہوا نیز نماز میں ہر رکعت میں اس سورۃ کی تکرار ہوتی ہے نیز آدھی سورۃ میں رب کی حمد و ثنا ہے اور باقی آدھی میں بندے کی عرض و معروض تو گویا آدھی خالق کے لئے ہے اور آدھی مخلوق کے لئے لہٰذا اس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے۔ نیز اس طرح کی سورۃ کسی اور آسمانی کتاب میں نہ آئی۔ نیز سورۃ فاتحہ کا ثواب قرآن کے ساتویں حصہ کے برابر ہے۔ لہٰذا جو شخص اسے سات بار پڑھ لے وہ پورے قرآن کا ثواب پائے گا۔ نیز اس کی آیتیں بھی سات ہیں۔ اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں۔ جو شخص کہ ان سات آیتوں کے پڑھنے کا پابند ہوگا انشاء اللہ اس پر دوزخ کے سات دروازے بند ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار جبریل امین نے بارگاہ نبوت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ میں آپ کی امت پر دوزخ کے عذاب کا خوف کرتا تھا۔ جب سورۃ فاتحہ اتری تو مجھے

www.alahazratnetwork.org

اطمینان ہو گیا کیونکہ یہ سات آیتیں جہنم کے سات طبقوں کا قفل ہیں۔ (تفسیر کبیر) سورۂ وافیہ۔ وافیہ کے معنی پوری ہونے والی اس سورت میں یہ خصوصیت ہے کہ ہر رکعت میں پوری ہی پڑھی جاتی ہے۔ دوسری سورتیں اگر دو رکعت میں آدھی آدھی یا کم و بیش پڑھ دی جائیں تو جائز ہوتا ہے۔ (سورۂ کافیہ) اس کو کافیہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں کافی ہوتی ہے۔ لیکن اور کوئی سورۃ اس کا بدل نہیں ہو سکتی (سورۂ شافیہ) اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زہر اور صدہا قسم کی بیماریوں کا علاج ہے۔ ایک صحابی نے دیکھا ایک آدمی مرگی کے دورہ میں گرفتار ہے تو اس کے کان میں یہ سورۃ پڑھ دی اور اس کو آرام ہو گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا یہ سورۃ ہر بیماری کی دوا ہے نیز یہ سورت جسمانی اور روحانی تمام بیماریوں کا علاج ہے۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق اس کے فوائد میں بیان کی جائے گی۔ سورۂ صلوٰۃ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا پڑھنا ہر نماز میں ضروری ہے سورۂ سوال اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندوں کو حق تعالیٰ سے دعا مانگنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب دعا کرنی ہو تو پہلے خداوند تعالیٰ کی حمد کرے' اپنی محتاجی اور بندگی کا ذکر کرے' پھر اپنی حاجت عرض کرے اور دنیوی حاجت کے مقابلے میں آخرت کی حاجتیں زیادہ مانگے۔ سورۂ شکر اور سورۂ دعاء اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندوں کو رب تعالیٰ کا شکر کرنے اور دعا مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

شان نزول : اس کے نزول کے بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی بلکہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے سورۂ فاتحہ ہی نازل ہوئی۔ چنانچہ اس کا واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ جب میں تنہائی میں بیٹھتا ہوں تو غیبی آواز سنتا ہوں کہ کوئی کہتا ہے پڑھو۔ اس کی خبر ورقہ بن نوفل کو دی گئی جو کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے رشتہ میں بھائی تھے۔

ورقہ نے عرض کیا کہ اب جب بھی یہ آواز آئے تو آپ اطمینان سے سنتے رہیں۔ چنانچہ پھر یہ ہوا کہ حضرت جبریل حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ پڑھیئے۔ **بسم اللہ الرحمان الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین** اس روایت سے معلوم ہوا کہ سب سے پہلے فاتحہ نازل ہوئی مگر دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے سورۂ اقراء نازل ہوئی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں اتری لیکن اس پر اعتراض یہ ہے کہ نماز مکہ مکرمہ میں شب معراج میں فرض ہو چکی تھی اور نماز میں اس کا پڑھنا ضروری ہے اگر یہ سورت مدنی ہو تو مسلمانوں نے اتنے روز تک کیا پڑھا۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں اور ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ میں دوبارہ نازل ہوئی اس لئے اس کو سبع مثانی کہتے ہیں کیونکہ یہ سات آیتیں ہیں اور دو دفعہ اتری ہیں اور دوبارہ اترنے میں حکمت یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس کی شان کا پتہ لگ جائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ربانی تحفہ ہیں۔ نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا اترنا محض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے نہیں تھا بلکہ اس میں اور بھی حکمتیں ہیں۔ سورت' آیت' مکی' مدنی۔ آیت قرآن پاک کی اس عبارت کو کہتے ہیں جس میں بات پوری تو ہو جائے مگر اس کا کوئی علیحدہ نام نہ رکھا گیا ہو۔ جیسے ہم لوگ جملہ یا کلام بولتے ہیں اور اس کو آیت اس لئے کہتے ہیں کہ آیت کے معنی ہیں نشانی اور قرآن پاک کا ہر جملہ قرآن پاک کی حقانیت لانے والے کی حقانیت اور بھیجنے والے کی حقانیت کی نشانی ہے سب سے چھوٹی آیت **مدھا متن** ہے۔ اور سب سے بڑی آیت مداینہ جو سورۂ بقر کے

www.alahazratnetwork.org

آخری رکوع میں ہے سورت سورے سے بنا ہے اس کے معنی ہوتے ہیں گھیرنے والی چیز۔ اسی لئے شہر کے آس پاس کی دیوار (شہر پناہ) کو سور البلد کہتے ہیں کیونکہ وہ شہر کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے قرآن پاک کی اصطلاح میں سورۃ قرآن پاک کی وہ عبارت کہلاتی ہے جس میں مضمون پورا ہو گیا ہو اور اس کا نام بھی کچھ رکھ دیا گیا ہو جیسے سورۃ فلق 'سورۃ بقرہ وغیرہ سورت اور آیات دو قسم کی ہیں مکی و مدنی مکی وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے اتریں خواہ کہیں اتریں۔ مدنی وہ ہیں جو ہجرت کے بعد اتریں خواہ وہ کہیں اتری ہوں۔ لہٰذا جب ہجرت کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے اور وہیں کوئی آیت آئی تو اگرچہ وہ اتری ہے مکہ مکرمہ میں لیکن یہ مدنی کہلائے گی کیونکہ ہجرت کے بعد آئی بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ مکی وہ جو مکہ مکرمہ میں اترے اور مدنی وہ جو مدینہ پاک میں اترے لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اگر مکی مدنی کے یہ معنی ہوتے تو بعض وہ آیتیں جو طائف شریف میں اتریں انکا نام طائفی آیتیں ہونا چاہئے تھا لہٰذا سورۃ فاتحہ مکی بھی ہے مدنی بھی قرآن پاک میں سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے اور سب سے بڑی سورۃ بقرہ خیال رہے کہ پچھلے رسول طالب تھے کلام الٰہی مطلوب اس لئے وہ کتاب لینے خاص جگہ جایا کرتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے۔ مگر ہمارے حضور مطلوب ہیں اور کتاب اللہ طالب کہ جہاں حضور ہیں وہیں قرآن کی آیات آرہی ہیں حضور مکی ہیں تو آیات مکی جب حضور مدنی ہو گئے تو آیتیں بھی مدنی ہو گئیں حضور آگے ہیں آیات پیچھے پیچھے علی العموم حضور قرآن پاک کے تبع ہیں مگر بعض اوصاف میں قرآن کریم حضور کا تابع چونکہ حضور عربی ہیں لہٰذا قرآن بھی عربی ساری آیات عربی ہیں مگر حضور کی مکی مدنی ہونے سے آیات مکی مدنی بن گئیں۔ بہت سی آیتیں حضور کے مرضی کے مطابق اتریں جیسے تبدیلی قبلہ وغیرہ کی آیات۔

سورتوں کے نام : قرآن پاک کی سورتوں کے نام اس کے بعض مضامین یا بعض مقاصد یا بعض الفاظ سے رکھ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً اس سورۃ کا نام الحمد بھی ہے اس لئے کہ اس میں لفظ الحمد آگیا ہے سورت بقرہ کا نام سورۃ بقرہ اس لئے ہے کہ اس میں ایک جگہ گائے کا ذکر آگیا ہے اور قل ھو اللہ کا نام سورۃ اخلاص ہے اس لئے اس کا مقصود ہے اپنے دین کو خالص اللہ کے لئے بنانا۔ سورۃ کے نام کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس میں اول سے آخر تک وہی مضمون ہو۔ سورۃ بقر میں صدہا مضامین بیان ہوئے مگر اس کا نام سورۃ بقرہ رکھا گیا۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ طبیب اپنی مرکب دواؤں کے نام مختلف حیثیت سے رکھتے ہیں۔ ایک دوا کا نام ہے "جوارش کمونی" یعنی زیرے کی جوارش تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس میں صرف زیرہ ہی ہے۔ دوائیں اور بھی ہیں مگر ایک جزء سے اس کا نام رکھ دیا گیا ہے ایک دوا کا نام ہے شربت شفا چونکہ اس سے شفا مقصود ہے۔ اسی لئے اس کا نام شربت شفا ہوا۔ بعض دواؤں کا نام ہے "تریاق نزلہ" اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ دوا نزلہ میں استعمال کیجئے۔ یہ بیماری کے نام سے دوا کا نام ہوا جس طرح کہ طبیب اپنی دواؤں کے نام چند وجہوں سے رکھتے ہیں۔ ایسے ہی طبیب روحانی نے اپنے قرآن پاک کی سورتوں کے نام چند وجہوں سے رکھے یہ بات بہت خیال رہے۔ (سورۃ فاتحہ کی آیتیں) یہ سب مانتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں اس کا نام ہی "سبع مثانی" ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ سات آیتیں کون سی ہیں۔ حضرت امام شافعی کے نزدیک بسم اللہ پہلی آیت ہے اور صراط الذین سے ولا الضالین تک ایک آیت یعنی علیھم پر وقف نہیں بلکہ ان کے یہاں بسم اللہ ہر سورت کے پہلی آیت ہے اسی لئے ان کے مذہب میں امام بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتا ہے اور حضرت امام اعظم ابو حنیفہ کے

www.alahazratnetwork.org

نزدیک بسم اللہ اس سورت کا جز نہیں پہلی آیت الحمد للہ ہے اور علیم پر وقف ہے۔

سورۃ فاتحہ کے فضائل اور فوائد : اس سورۃ کے فضائل بے شمار ہیں کچھ تفسیر کبیر وغیرہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔" مسلم شریف " میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک فرشتے نے آسمان سے نازل ہو کر بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یارسول اللہ مبارک ہو آپ کو دو نور ایسے ملے کہ جو کسی نبی کو نہ ملے ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا سورۃ بقرہ کی آخری آیتیں۔ "ترمذی شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کی مثل توریت وانجیل و زبور میں کوئی سورت نہ اتری۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ رب تعالیٰ نے آسمان سے ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اتارے۔ مگر سو کتابوں کے علوم چار میں رکھے یعنی توریت وانجیل و زبور پھر ان تین کے علوم قرآن پاک میں رکھے۔ پھر قرآن پاک کے اصول مفصل (سورۃ حجرات سے والناس تک) میں رکھے گئے۔ پھر مفصل کے علوم سورۃ فاتحہ میں رکھے گئے۔ لہذا جس نے سورۃ فاتحہ سیکھ لی اس نے گویا ساری آسمانی کتابیں سیکھ لیں اور جس نے سورۃ فاتحہ پڑھ لی اس نے تمام آسمانی کتابیں پڑھ لیں نیز یہ سورۃ بالکل رحمت کی سورت ہے اس لئے اس میں رب تعالیٰ کے قہر اور جبر اور دوزخ کے عذاب وغیرہ کا ذکر نہیں بلکہ اس میں وہ حرف بھی نہیں آئے جو جہنم وغیرہ کے اول میں آتے ہیں چنانچہ اس سورت میں سات حرف نہیں ث ' ج ' خ ' ز ' ش ' ظ ' ف کیونکہ ث ثبور کا پہلا حرف ہے۔ جس کے معنی ہیں ہلاکت جیم جہنم کا پہلا حرف ہے۔ جس کے معنی ہیں دوزخ۔ خ خزی کا پہلا حرف ہے۔ جس کے معنی ہیں رسوائی ز ' زفیر اور زقوم کا پہلا حرف ہے۔ زفیر دوزخیوں کی آواز اور زقوم تھوہڑ (جہنمیوں کی غذا) ش شہیق کا پہلا حرف ہے۔ جس کے معنی ہیں جہنمیوں کی آواز ظ ظل کا جو کہ قرآن پاک میں اسطرح مذکور ہے ظل ذی ثلاث شعب اور ظلم کا پہلا حرف ہے۔ "تفسیر روح البیان" میں ہے کہ جس وقت یہ سورت اتری اس وقت حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔ **فوائد:** سورۃ فاتحہ کے بے شمار فائدے ہیں جن میں سے چند بیان کئے جاتے ہیں جو شخص سورۃ فاتحہ سو بار پڑھ کر دعا مانگے حق تعالیٰ اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ جو شخص مریض لا دوا ہو وہ چینی کے سفید برتن میں آب زمزم اور زعفران سے سورۃ فاتحہ لکھ کر دھو کر اکتالیس روز تک پیتا رہے تو انشاء اللہ شفا ہوگی اگر آب زمزم نہ ملے تو عرق گلاب سے لے۔ اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو کنویں کا پانی ہی کافی ہے۔ "تفسیر کبیر" میں ہے کہ بعض گنہگار قوموں پر عذاب الٰہی آنے والا ہو گا مگر ان میں سے کوئی بچہ مکتب میں جا کر فاتحہ پڑھے گا اس کی برکت سے چالیس سال تک عذاب دور ہو جائے گا جو شخص کسی دنیوی بلا میں پھنس گیا ہو وہ بسم اللہ الرحمان الرحیم کی میم کو الحمد کے لام میں ملا کر پڑھا کرے انشاء اللہ اس سے نجات ملے گی بعض صوفیاء کے یہاں یہ عمل ہوتا ہے کہ اگر کسی شہر میں طاعون یا کوئی اور وبائی بیماری پھیلے تو ایک تاشہ یا نقارہ پر دائرہ کی شکل میں سورۃ جمعہ اور بعد میں سورۃ فاتحہ کو لکھتے ہیں اور بیچ میں پندرہ کا نقش بناتے ہیں پھر ایک دنبے کے سامنے یہ تاشہ بجاتے ہیں اور تاشہ بجاتے ہوئے اس دنبے کو گلی کوچے میں گشت کراتے ہیں اس کے بعد اس دنبے کو کنارہ شہر پر ذبح کر کے اس کا خون دفن کر دیتے ہیں اور اس کا گوشت فقیروں پر خیرات کر دیتے ہیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس وبا سے امان ملتی ہے بعض صحابہ کرام نے سانپ کے کاٹے ہوئے پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا اور اسے آرام ہوا غرض یہ کہ اس کے بے شمار فائدے ہیں۔

سورۃ فاتحہ کے مسائل : **مسئلہ:** ہر نماز میں اس سورۃ کا پڑھنا واجب ہے فرض نماز میں تو اول دو رکعتوں میں اور فرض

www.alahazratnetwork.org

کے علاوہ دیگر نمازوں میں ہر رکعت میں۔ **مسئلہ:** امام کے پیچھے مقتدی کو سورۂ فاتحہ پڑھنا سخت منع ہے قرآن پاک فرماتا ہے کہ جب قرآن پاک پڑھا جائے تو تم خاموش رہو اور کان لگا کر سنو لہٰذا جو شخص امام کے پیچھے فاتحہ پڑھتا ہے وہ اس آیت کریمہ کے خلاف عمل کرتا ہے مسلم شریف میں ہے کہ **اذا قرء فانصتو** جب امام قرأت قرآن کریم کرے تو تم خاموش رہو۔ دوسری حدیث شریف میں آتا ہے **قراءۃ الامام له قراءۃ** امام کا قرآن پاک پڑھنا مقتدی کا پڑھنا ہے نیز تقریباً اسی جلیل القدر صحابہ کرام سے منقول ہے کہ وہ حضرات امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ کو پڑھنے سے منع فرماتے تھے ان میں سے حضرت علی مرتضیٰ اور عبداللہ ابن مسعود وغیرھا رضی اللہ عنہم اجمعین بھی ہیں دیکھو "شامی" جلد اول باب القرأت اور اگر احادیث کی پوری تحقیق کرنی منظور ہو تو "طحاوی شریف" "صحیح البہاری شریف" اور "موطا امام محمد" وغیرہا دیکھو نیز اگر مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہوتی تو جو شخص رکوع میں امام سے ملتا وہ رکعت نہ پاتا۔ کیونکہ اس کا فرض یعنی سورۂ فاتحہ پڑھنا رہ گیا۔ نیز بادشاہوں کی بارگاہ میں حاضر ہونے والے دربار کے آداب سب بجالاتے ہیں اور سلام سب عرض کرتے ہیں مگر کلام ان سب کی طرف سے ایک ہی کرتا ہے۔ نماز میں بھی بارگاہ الٰہی میں حاضری ہے لہٰذا نماز کے ارکان' رکوع' سجدہ' قیام وغیرہ سب ادا کریں۔ کیونکہ یہ اس کے دربار کے آداب ہیں اور التحیات وغیرہ سب پڑھیں کیونکہ یہ اس دربار کا سلام وغیرہ ہیں مگر قرآن پاک کی تلاوت فقط ایک امام ہی کرے کیونکہ یہ عرض معروض ہے۔ حدیث شریف میں جو ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ نماز نہیں ہوتی۔ یہ ہمارے خلاف نہیں۔ کیونکہ جب امام نے سورۂ فاتحہ پڑھ لی تو یہ نماز سورۂ فاتحہ سے خالی نہ رہی۔ نیز یہ حدیث تو فرماتی ہے کہ سورۂ فاتحہ نماز میں ضرور پڑھی جائے اور قرآن کریم فرماتا ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم سنو اور خاموش رہو۔ ان دونوں کو اس طرح جمع کرلو کہ امام اور اکیلا نمازی سورۂ فاتحہ پڑھے اور مقتدی خاموش رہے قرآن پاک پر عمل ہو گیا اور حدیث شریف پر بھی نیز حدیث فرماتی ہے کہ بغیر سورۂ فاتحہ نماز نہیں ہوتی لیکن قرآن کریم فرماتا ہے **فاقرء وا ما تیسر من القران** کہ جس قدر قرآن پاک میسر ہو پڑھ لو لہٰذا اس حدیث شریف اور قرآن پاک کو اس طرح جمع کیا جائے گا کہ مطلقاً قرآن پاک پڑھنا تو فرض اور سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب نیز ایک حدیث شریف میں یہ بھی آتا ہے کہ نماز بغیر سورۂ فاتحہ اور دوسری سورت کے ملائے نہیں ہوتی حالانکہ دوسری سورت کا ملانا کسی کے نزدیک بھی مقتدی کے لئے ضروری نہیں۔ بلکہ مقتدی کے لئے منع ہے غرض کہ صحیح یہی ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ ہرگز نہ پڑھی جائے۔ **مسئلہ:** نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ تلاوت کی نیت سے پڑھنا منع ہے ہاں اگر دعا کی نیت سے پڑھے تو جائز ہے اس کے باقی مسائل انشاء اللہ اپنے اپنے موقع پر آئیں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ
سب خوبیاں اللہ کے لیے
سب خوبیاں اللہ کو

www.alahazratnetwork.org

اس آیت میں چار باتیں قابل غور ہیں۔ 1۔ قرآن کریم میں سب سے پہلے یہ آیت کیوں آئی۔ 2۔ اس کی عالمانہ اور صوفیانہ تفسیر کیا ہے۔ 3۔ اس سے مسلمانوں کو فائدے اور سبق کیا کیا حاصل ہوئے۔ 4۔ اس پر سوالات کیا ہیں ان کے جوابات کیا ہیں۔

1۔ چند وجہوں سے اس آیت کو سب سے پہلے رکھا گیا ہے۔ ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی چھینک آئی۔ آپ نے فرمایا۔ الحمد للہ رب العالمین اسی لئے ہم کو بھی حکم ہے کہ چھینک کر یہ پڑھیں اور سننے والا یہ جواب دے یرحمکم اللہ پھر چھینکنے والا جواب دے یھدیکم اللہ ویصلح بالکم معلوم ہوا کہ یہ پہلا کلمہ ہے جو حضرت انسان کے منہ سے نکلا۔ رب تعالیٰ نے اپنے کلام کو بھی اسی سے شروع فرمایا۔ دوسرے یہ کہ الحمد للہ میں آٹھ حروف ہیں اور جنت کے دروازے بھی آٹھ ہیں۔ تو جو شخص صفائی قلب سے اسے پڑھے گا وہ انشاء اللہ جنت کے آٹھوں دروازوں کا مستحق ہو گا اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ قرآن پاک شروع کرتے ہی پڑھنے والا جنت کا مستحق ہو چکا اب آگے جس قدر پڑھے گا رب تعالیٰ کے فضل و کرم میں زیادتی ہو گی تیسرے یہ کہ عبادت کی جان اللہ کی تعریف ہے اسی کو قرآن کریم نے پہلے بیان کیا۔ چوتھے یہ کہ اس میں مسلمانوں کو سبق ہے کہ اپنا ہر کام خدا کی حمد سے شروع کیا کریں کیونکہ رب کی کتاب بھی اسی سے شروع ہوتی ہے پانچویں یہ کہ جب کسی بادشاہ سے کچھ عرض کرنا ہوتا ہے تو پہلے اس کی تعریف کی جاتی ہے اسی طرح جب کسی کو خط لکھتے ہیں تو اولاً اس کے القاب لکھتے ہیں بعد میں اپنا مطلب چونکہ سورۂ فاتحہ میں بھی بندوں کو دعا سکھائی گئی ہے اس لئے اسے حمد سے شروع کیا گیا ہے۔

تفسیر : اس کی عالمانہ تفسیر تو یہ ہے کہ اس میں تین کلمے ہیں الف لام' حمد' للہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ تحقیق کی جاتی ہے۔ الف لام میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ استغراقی ہے۔ دوسرے یہ کہ عہدی ہے۔ (تفسیر روح البیان) اگر استغراقی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ ہر حمد ہر زمانے میں ہر حالت میں ہر حمد کرنے والے سے خاص ہے۔ اللہ کے لئے حمد کا عام ہونا' الف لام سے حاصل ہوا اور حامد کے عام ہونے سے حمد کا عموم حاصل ہو گیا اور جملے اسمیہ سے ہمیشگی معلوم ہوئی تو اب کلام کا مقصود یہ ہوا کہ کوئی بھی تعریف کرے کسی حالت میں کرے' سب تعریف اللہ ہی کی ہوگی وہ اس طرح کہ اگر رب کی تعریف کرو تو ظاہر ہے کہ وہ تعریف بلاواسطہ رب کی تعریف ہے۔ اور اگر اس کی کسی مخلوق کی تعریف کرو کسی ولی' چاند' سورج' موتی وغیرہ جس کی بھی تعریف کی جائے' بالواسطہ رب کی ہی تعریف ہے۔ کیونکہ چیز کی تعریف حقیقت میں بنانے والے کی تعریف ہوتی ہے۔ مکان کی تعریف حقیقت میں اس کاریگر کی تعریف ہے۔ جس نے وہ مکان بنایا۔ خط کی تعریف میں اس کے لکھنے والے کی تعریف ہے۔ جس نے اسے لکھا اسی طرح دنیا کی ہر چیز کی تعریف حقیقت میں اس کے بنانے والے کی تعریف ہے اسی لئے حضور علیہ السلام کی نعت حقیقت میں رب کی تعریف ہے۔ پھر زبان سے تعریف کرو تو اللہ کی تعریف ہاتھ پیر سے اپنے عاجزی کا اظہار کرو مثلاً نماز پڑھو روزہ رکھو تو رب کی تعریف اس کی اطاعت میں مال خرچ کرو مثلاً زکوٰۃ' صدقہ' فطرہ' قربانی ادا کرو تو یہ رب کی تعریف ہے۔ خانہ کعبہ کا طواف' حضور پاک کی عظمت' ماہ رمضان کا ادب اور احترام۔ اولیاء اللہ کے تبرکات اور ان کی قبور کی تعظیم حقیقت میں رب کی عملی تعریف ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**

www.alahazratnetwork.org

"جو شخص رب کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ شخص متقی ہے" حکومت کے دفتروں کچہریوں اور اس کے خدام کی عظمت در حقیقت حکومت کی عزت ہے۔ ان میں سے ایک کی بھی توہین حکومت کی توہین اور اس سے بغاوت ہے۔ الف لام استغراقی نے ان سب باتوں کو اپنے میں لے لیا۔ اسی طرح خدا کی نعمت ملنے پر اس کا شکر کرنا اور تکلیف آنے پر صبر کرنا یہ بھی رب تعالیٰ کی تعریف ہے بندے کو چاہئے کہ ہر حال میں خدا کی حمد کرے۔ نعمت میں اس لئے حمد کرے کہ خدا کے فضل کا شکریہ ہے۔ اور تکلیف میں اس لئے حمد کرے کہ جو تکلیف ہم پر آئی ہے وہ کسی گناہ کی وجہ سے آئی ہے۔ خدا کی حمد اس گناہ کا کفارہ بن جائے گی۔ جب گناہ مٹ جائے گا" تکلیف اپنے آپ جاتی رہے گی۔ یہ ہوئی ہر حالت کی حمد اسی طرح ہر نعمت کا شکریہ اور اس کی حمد علیحدہ علیحدہ ہے۔ تندرستی کی حمد یہ ہے کہ اس میں رب کی عبادت' بیماروں کی تیمارداری اور بے دست و پا کی خدمت کرے۔ مال کا شکر اور حمد یہ ہے کہ اس سے غریبوں کی امداد کرے اسی طرح ہر عضو کی حمد اور شکر الگ الگ ہے۔ آنکھ کا شکر اور حمد یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کو' قرآن پاک کو' علماء دین کے چہروں کو دیکھے۔ کان کی حمد اور شکریہ ہے کہ اس سے قرآن پاک کی تلاوت نعت شریف علمی مضامین' علماء دین کا وعظ سنے۔ ہاتھ پاؤں کی حمد اور شکریہ ہے کہ ان سے مرضی الٰہی کے کام لے۔ غرضکہ الف لام نے ان سب باتوں کو گھیر لیا انسان کی پیدائش سے پہلے نامعلوم کون کون سے چیزیں دنیا میں کب کب آباد تھیں۔ اور اب بھی نامعلوم اس عالم میں کس قدر مخلوقات ہے ان کو ان کا پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے اور ہر چیز خدا کی تعریف کرتی ہے اور ہمیشہ سے کرتی ہے کرتی رہے گی۔ غرضیکہ جب سے وقت بنا اور جب تک وقت رہے گا۔ رب کی حمد ایک آن کے لئے بند نہ ہو گی۔ **وان من شئی الا یسبح بحمدہ** ہر چیز رب کی حمد تعریف کرتی ہے۔ یہ ہوا اس حمد کے زمانے کا عموم ان سب کو جملے لسمیے نے گھیر لیا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ الف لام' عہدی ہو۔ تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ خاص حمد اللہ کی ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ہر حمد قبول نہیں فرماتا بلکہ کوئی خاص حمد اس کے ہاں مقبول ہوتی ہے۔ اب وہ خاص حمد کون سی ہے وہ وہ حمد ہے جو اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کی کی۔ یا ان کی بتانے سے کوئی اور کرے۔ اس لئے آپ کا اسم شریف ہے۔ "احمد" یعنی رب کی بہت حمد کرنے والے اور رب کا نام ہے "محمود" یعنی اپنے پیارے محبوب کا حمد کیا ہوا۔ حدیث شفاعت میں وارد ہے کہ رب تعالیٰ قیامت کے دن ہم کو اپنی خاص حمدیں الہام فرمائے گا۔ ہم سجدے میں ان سے رب کی حمد کر کے اپنی امت کی شفاعت کریں گے حقیقت بھی یہ ہے آج ہندو' عیسائی' سکھ' آریے' وغیرہ تمام کفار اپنے اپنے خیال میں خدا کی تعریف کرتے ہیں۔ مگر ان میں سے کسی کی حمد قبول نہیں حمد مسلمانوں ہی کی قبول ہے کیوں؟ صرف اس لئے کہ مسلمان محبوب علیہ السلام کی بتائی ہوئی حمد کرتے ہیں اور وہ لوگ ان سے علیحدہ ہو کر' یا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ حمد خدا کے ہاں مقبول ہے جو اس کے محبوب علیہ السلام کی نعت کے ساتھ ہو۔ جو حمد الٰہی نعت مصطفیٰ علیہ السلام سے خالی ہو' مردود ہے۔ شیطان کی ساری عبادتیں بے کار ہو گئیں۔ تمام کفار کی ساری حمدیں غیر مقبول کیوں؟ اس لئے کہ اس میں نعت کی چاشنی نہیں۔ اسی لئے کلمہ' نماز' خطبہ' اذان' غرض کہ مسلمانوں کی کوئی عبادت حضور علیہ السلام کی نعت سے خالی نہیں۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو ! — واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے
ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو — نمکین حسن والا ہمارا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم)

حمد خدا روحانی غذا ہے اور نعت مصطفیٰ علیہ السلام اس کا نمک ہے۔ بغیر نمک ساری غذا بیکار بغیر نعت مصطفیٰ علیہ السلام

www.alahazratnetwork.org

ساری حمد غیر مقبول ہے۔ یعنی واقع میں تو سب حمدیں اللہ ہی کی ہیں لیکن مقبول حمد وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہو۔ تیسرے معنی اس کے یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ خاص حمد اللہ کی ہے۔ یعنی ساری مخلوق میرے محبوب علیہ السلام کی حمد و ثنا کرے۔ مگر جیسی چاہئے ویسی نہیں کر سکتی۔ محبوب علیہ السلام کی کامل حمد وہی ہے جو رب نے کی اس لئے رب کا نام ہے حامد اور حضور علیہ السلام کا نام ہے "محمد" یعنی رب تعریف فرمانے والا کس کی؟ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تعریف کئے ہوئے کس کے؟ اپنے رب کے۔ پہلی تمام توجیہوں کی بنا پر اس آیت میں اللہ محمود ہے اور ساری مخلوق یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حامد ہوئے۔ لیکن اس آخری توجیہ کی رو سے حضور علیہ السلام محمود ہیں اور اللہ حامد تو یہ آیت جس طرح حمد خدا ہے اسی طرح نعت مصطفیٰ بھی ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خیال رہے کہ ساری عبادات سنت رسول اللہ ہے۔ مگر نعت مصطفوی سنت الہیہ ہے نیز ساری عبادتیں نبوت کے تیرھویں سال سے آنا شروع ہوئیں سب سے پہلے نماز آئی جو معراج میں ملی مگر حضور کی نعت شریف اول ہی سے آئی نیز ہماری موت کے بعد تمام عبادات ختم ہو جائیں گی مگر نعت مصطفیٰ قبر و حشر ہر جگہ خصوصاً "مقام محمود" پر۔ تین چیزوں میں فرق کرنا چاہئے۔ حمد مدح اور شکر حمد کے معنی ہیں کسی کی اختیاری۔ خوبی بیان کرنا خواہ وہ کوئی نعمت دے یا نہ دے شکر کے معنی ہیں کسی کی اختیاری خوبی ظاہر کرنا اس لئے کہ اس نے ہم کو کچھ دیا ہے۔ اور مدح کسی کی خوبی بیان کرنا خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری موتی کی صفائی کی تعریف کی جائے تو اس کی مدح ہے۔ اور جب کوئی ہم کو کچھ دے اور ہم اس کی تعریف میں کہہ دیں کہ آپ سخی ہیں یا جھک کر اسے سلام کریں تو یہ اس کا شکر ہے۔ اور ویسے ہی کسی کی تعریف کریں کہ فلاں بڑا عالم ہے۔ یہ اس کی حمد ہے لیکن اس آیت میں لفظ حمد تینوں معنی کو شامل ہے۔ اسی لئے آگے اللہ کا نام ذاتی اور اس کی کچھ صفتوں کا ذکر کیا گیا۔ لفظ اللہ نے حمد کے حقیقی معنی کو بیان کیا اور الرحمان اور الرحیم نے شکر کے معنی اور مالک یوم الدین نے مدح کے معنی۔ للہ کے لام میں تین احتمال ہیں خصوصیت کلام ہو یا استحقاق کا یا ملکیت کا تو معنی اس آیت کے یہ ہوں گے کہ تمام حمدیں اللہ کے ساتھ خاص ہیں یا اللہ ان کا مستحق ہے۔ یا وہ اللہ کی ملکیت ہے۔ اب جو شخص بھی غیر اللہ کو اپنا معبود جان کر اس کی تعریف کرے گا گویا خدا کی امانت میں خیانت کرتا ہے۔ کیونکہ حمد ملک تو ہے خدا کی اور اس نے صرف کی اور جگہ۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حمد کے معنی ہیں محمود کے کمال کا ظاہر کرنا اور جو شخص یا جو چیز اپنے میں جو بھی کمال رکھتی ہے وہ حقیقت میں رب ہی کا کمال ہے۔ لہذا دنیا کی چیزوں کے کمال کا ظہور خدا کی حمد ہے۔ اس کا مطلب صاف یہ ہوا کہ کوئی شخص زبان سے خدا کی حمد کرے یا نہ کرے، رب تعالیٰ کی حمد ہے۔ ایک بت پرست بت کو سجدہ کر رہا ہے اپنی حماقت سے اپنی اختیاری تعریف کو غلط جگہ صرف کر رہا ہے لیکن اس کے جسم کی بناوٹ اور اس کے ہاتھ پاؤں کی طاقت اور اس کی قوت گویائی غرض کہ اس کا ہر عضو اس کی ہر حرکت پکار پکار کر کہہ رہی ہے کہ میرا خالق بے نیاز ہے اور بزبان حال اس پر لعنت کرتی ہے کہ اندھے تو کیا کر رہا ہے غرض یہ کہ اس کی بت پرستی کی حالت میں بھی اس کی غیر اختیاری حمد اللہ ہی کے لئے ہو رہی ہے۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

اگر یہ کمبخت خود اپنے کو پہچان لیتا تو بت پرستی کبھی نہ کرتا یہی معنی اس حدیث کے ہیں **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** دوسری توجیہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ **لا موجود الا اللہ** صرف حق تعالیٰ ہی موجود ہے۔ دنیا کی سب چیزیں اس کا سایہ اور اعتبار ہیں۔ اور سائے کی تعریف حقیقت میں سائے والے کی تعریف لہذا جس کی تعریف کرو رب ہی کی تعریف ہے

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ وہ اس کے وجود ہی کا ظل ہے۔ حقیقت محمدیہ اس کا اعتبار اول باقی سارا عالم اس کے اعتبارات۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ دھوپ میں ایک آئینہ رکھا ہے جس میں آفتاب کا عکس آرہا ہے۔ اس کے مقابلے میں کسی کوٹھڑی میں بہت سے رنگ برنگ آئینے رکھے ہیں اس آئینے کی وجہ سے ان تمام آئینوں میں آفتاب کے عکس پہنچ رہے ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے رنگ الگ الگ ہیں لہٰذا مختلف رنگ سے سورج کے عکس نظر آرہے ہیں۔ دیکھو اصل تو وہ آفتاب ہے جو آسمان پر چمک رہا ہے۔ اس کا پہلا سایہ دھوپ والے آئینے میں ہے اور اس کے دیئے ہوئے عکس کوٹھڑی کے سارے آئینوں میں ہیں۔ اب ان عکسوں میں سے جس کے حسن و جمال اور نور کی تعریف کرو وہ حقیقت میں آسمان والے اصل سورج کی تعریف ہے۔ اسی طرح حقیقی نور حق تعالیٰ **اللہ نور السموات والارض** حقیقت محمدیہ پہلا آئینہ باقی سارا عالم وہ کوٹھڑی والے رنگ برنگ کے آئینے ہیں۔ اب اگر بیچ میں یہ دھوپ والا آئینہ نہ ہو تو یہ کوٹھڑی کے آئینے سب بے نور رہ جائیں اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ **انا نور من نور اللہ و کل الخلائق من نوری** لہٰذا ثابت ہوا کہ ساری حمد اللہ کی ہے کیونکہ وہ خود ہی حامد اور خود ہی محمود اور خود ہی حمد ہے۔ **لا موجود الا اللہ** اس مسئلہ کو صوفیائے کرام مسئلہ وحدت الوجود کہتے ہیں حقیقت میں یہ مسئلہ کسی حال والے سے سمجھنا چاہیے قال کا دائرہ بہت تنگ ہے۔

مسائل فقہیہ: جمعہ کے خطبہ میں حمد پڑھنا واجب ہے اور خطبہ نکاح اور دعاء اور ہر جائز کلام کے اول اور آخر میں ہر کھانے پینے کے بعد حمد کرنا مستحب ہے۔ چھینک آنے کے بعد حمد کرنا سنت مؤکدہ ہے۔ **اعتراض:** آریوں نے اس پر چند اعتراض کئے ہیں ایک تو یہ کہ یہ کلام اللہ کا نہیں کسی بندے کا بنایا ہوا ہے۔ اگر خدا کا ہوتا تو اس طرح ہوتا۔ الحمد لی دوسرے یہ کہ آگے آرہا ہے ہم تجھی کو پوجتے ہیں۔ رب کس کو پوجتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خدا اپنی تعریف اپنے آپ کرے یہ غرور ہے اور غرور کرنا اور شیخی مارنا بری بات ہے۔ **جواب:** یہ کلام اللہ کا ہے اور اپنے بندوں سے کہلوانے کے لئے اس لئے بولا گیا ہے۔ جیسے استاد شاگرد کو سامنے بٹھا کر کتاب خود پڑھتا ہے تاکہ شاگرد بھی اسی طرح پڑھے۔ نیز کبھی حاکم دوسرے کی زبان میں بات کرتا ہے۔ ممبری کے فارم چھپوائے جاتے ہیں۔ اس کی عبارت اس طرح ہوتی ہے کہ "میں اقرار کرتا ہوں کہ سارے قوانین کی پابندی کروں گا۔ ہمیشہ خیر خواہ رہوں گا وغیرہ وغیرہ دیکھو ان فارموں کا مضمون بنانے والا کوئی اور ہے۔ چونکہ ممبروں سے یہ کہلوانا مقصود ہے اس لئے اس کی زبان میں یہ الفاظ لکھے گئے۔ تو اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے بندو ہماری بارگاہ میں اس طرح کہا کرو۔ رب تعالیٰ اگر اپنی ذات و صفات خود ہم سے بیان نہ فرماتا تو ہمیں اس کا پتہ کیسے چلتا یہ شیخی نہیں ہے بلکہ بندوں کو اپنی پہچان کرانی ہے۔ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے کہتا ہے کہ مجھے تم پر فلاں فلاں اختیارات ہیں اور میری یہ شان ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ رعایا ان باتوں سے خبردار ہو کر اس کی اطاعت کرے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے۔ غرض کہ یہ اعتراض محض حماقت ہے۔ **دیوبندی اعتراض:** دیوبندی کہتے ہیں کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر حال میں بندہ اللہ ہی کی حمد اور اسی کا ذکر کرے۔ اٹھتے بیٹھتے یارسول اللہ یا غوث کہنا اور کسی کا نام جپنا شرک ہے۔ **جواب:** اللہ والوں کی تعریف اور ان کا ذکر حقیقت میں خدا کی ہی تعریف ہے اور اسی کا ذکر ہے بلکہ کامل حمد اللہ کی وہی ہے جو اس کے خاص بندوں کے ذکر کے ساتھ ہو جیسا ہم اوپر بیان کر چکے۔ اگر اٹھتے بیٹھتے غیر اللہ کی تعریف کرنا شرک ہے تو تم بھی اٹھتے بیٹھتے اپنے مولویوں کی تعریف کرتے ہو۔ تم مشرک ہوئے کہ نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۙ
مالک یا پالنے والا سارے جہانوں کا
جو مالک سارے جہان والوں کا

تعلق

اس کا تعلق حمد سے چند طرح ہے۔ ایک یہ کہ اس میں سب بندوں کو رب کی حمد کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اور اس میں اس کی وجہ بتائی گئی۔ یا یہ کہ وہ دعویٰ تھا کہ سب تعریفیں اللہ کی ہیں۔ اس کی دلیل بیان کی گئی۔ یعنی ساری تعریفیں اللہ کے لئے ہیں کیونکہ وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اور جو جہانوں کو پالے وہ تعریف کے لائق بھی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ رب کی حمد کرنے والے چار قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ جو محض رب کو راضی کرنے کے لئے اس کی حمد کریں اور کوئی اپنا نفع ان کے مدنظر نہ ہو جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور خواص اولیاء اللہ دوسرے وہ جو اپنے پر اس کے بے شمار احسانات دیکھ کر اس کی حمد کریں جیسے عام شکر گزار بندے۔ تیسرے وہ جو آئندہ رحمت کی امید پر اس کی حمد کریں جیسے عام گنہگار امیدوار بندے چوتھے وہ جو اس کی ہیبت و جلالت سے ڈر کر اس کی حمد کریں۔ پہلے گروہ کے لئے فرمایا گیا الحمد للہ دوسرے گروہ کے لئے فرمایا رب العالمین یعنی چونکہ وہ تم کو برابر پال رہا ہے۔ روزی دے رہا ہے اس کی حمد کرو۔ تیسرے گروہ کے فرمایا گیا۔ الرحمان الرحیم یعنی چونکہ وہ تم پر آئندہ بھی رحم فرمائے گا لہٰذا تم اس کی حمد کرو چوتھے گروہ کے لئے فرمایا مالک یوم الدین یعنی چونکہ وہ شہنشاہ ہے ہر طرح تم پر قدرت رکھتا ہے اس سے ڈرو اور اس کی حمد کرو۔ غرضیکہ چاروں جملوں میں نہایت اعلیٰ درجہ کا تعلق ہے اور ترتیب کیسی عمدہ ہے کہ حمد کرنے والوں کے مرتبوں کے مطابق ہے۔

تفسیر : لفظ رب کے تین معنی ہیں۔ مالک ' سردار ' پالنے والا اور تینوں معنی اس جگہ درست ہو سکتے ہیں مالک تو اس لئے کہ سارے جہانوں کا مالک ہونا۔ ہمیشہ سے مالک ہونا ہمیشہ تک مالک رہنا۔ ہر طرح مالک ہونا' حقیقی مالک ہونا۔ یہ خاص حق تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ جس کسی کو اس نے ملکیت عطا فرمائی وہ محدود ہے کسی خاص وقت سے ہے ' کسی خاص وقت تک کے لئے ہے خاص حیثیت سے ہے۔ اور رب کی عطا سے ہے آپ اپنے جانور کے مالک ہیں لیکن اس کی ہر چیز کے مالک نہیں۔ نہ ہمیشہ سے مالک تھے اور نہ ہمیشہ مالک رہیں گے اسی طرح اور چیزوں کو بھی قیاس کر لو۔ سردار کے معنی اس لئے درست ہیں کہ سردار وہ جو بلند مرتبہ رکھے اور بیشک حق تعالیٰ سب سے بلند مرتبے والا اور اعلیٰ ہے۔ جس کسی کو عزت اور عظمت ملی اسی کی عطا سے ملی۔ اسی لئے اس کا نام اعلیٰ ' عظیم اور اس کی صفت تعالیٰ ہے۔ تیسرے معنی ہیں پالنے والا۔ اس معنی میں نہایت ہی وسعت ہے۔ کس کو پالنے والا ہے۔ کب سے پالنے والا۔ کب تک پالنے والا اور کس طرح پالنے والا۔ کس کو پالنے والا رب العالمین سے معلوم ہوا کہ سارے جہانوں کا پالنے والا۔ کب سے کب تک پالنے والا بھی اسی سے معلوم ہوا کہ جب سے عالم ہے اور جب تک رہے گا اس کی ربوبیت کی بارش ان پر ہوتی رہے گی۔ کس طرح پالنے والا یہ بھی اسی سے معلوم ہوا۔ یعنی ہر طرح اور ہر نوعیت سے پالنے والا۔ اب اس کو یوں سمجھو کہ دنیا کے ظاہری پالنے والوں کی تربیت اس وقت شروع ہوتی ہے۔ جب کہ وہ بچہ پیدا ہو کر آجائے

www.alahazratnetwork.org

اور بہت جلد ختم ہو جاتی ہے اور خاص قسم کی تربیت ہوتی ہے' عام نہیں ہوتی۔ اور خاص خاص کی تربیت ہوتی ہے۔ ہر ایک کو کوئی نہیں پالتا۔ دیکھو دنیا میں سب سے بڑے پالنے والے ماں باپ مانے گئے ہیں۔ جن کے متعلق رب قرآن پاک میں فرماتا ہے **کما ربینی صغیرا** دوسروں کی تربیت ان سے کہیں کم ہے لیکن جب بچہ باپ کی پیٹھ میں ہے اور ماں کے پیٹ میں آئے' نطفہ بن کر رہے' خون کا قطرہ بنے' گوشت کا لوتھڑا بنے' اس میں عضو وغیرہ بنیں۔ پھر اس میں روح پیدا ہو۔ ان تمام وقتوں میں ماں باپ کو اس کی پرورش سے کوئی تعلق نہیں۔ جب خیریت سے پیدا ہو گیا تو رب ہی نے ماں کے سینے سے دودھ کی دو نہریں جاری فرمائیں۔ ماں نے صرف یہ کیا کہ رب کا دیا ہوا دودھ اس بچے کے منہ میں دے دیا۔ اس دودھ کے پیٹ میں پہنچنے کے بعد ماں پھر بے تعلق ہو گئی۔ معدے میں پہنچ کر اس کا ہضم ہونا اور بچے کا پلنا بڑھنا' اس میں ماں کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر دودھ کا بہانہ بھی دو سال تک رہا۔ بچہ بڑا ہوا ماں نے یہ بھی بند کر دیا۔ غرضیکہ بچہ جس قدر بڑھتا گیا' ماں کی پرورش گھٹتی گئی۔ پھر ایک وقت وہ آیا کہ بچہ جوان اور ماں باپ بوڑھے ہو گئے تو اب معاملہ الٹ ہو گیا۔ ماں خدمت کی محتاج اور بیٹا خدمتگار۔ اور اگر اسی دوران میں بچہ مر گیا تو پھر تو کسی طرح کا ظاہری تعلق رہا ہی نہیں۔ قربان اس "رب العالمین" کے جو ہم کو باپ کی پیٹھ میں پالے۔ ماں کے پیٹ میں پالے' بچپن' جوانی' بڑھاپا' تندرستی' بیماری' جیتے ہر حال میں پالے اور سب کو پالے پھر کسی سے اس کا معاوضہ طلب نہ کرے۔ اسی لئے وہی "رب العالمین" کہلانے کا مستحق ہے پھر ہر طرح پالتا ہے' جسم کے ظاہری اعضاء کو اور طریقے سے پرورش کرتا ہے۔ باطنی اعضاء کی پرورش کا اور طریقہ مقرر فرمایا۔ جان کو اور طریقے سے پالا ایمان کو اور طرح سے پرورش کیا۔ پاک ہے وہ جس نے ہڈی (کان) سے سنایا چربی (آنکھ) سے دکھلایا۔ اور گوشت (زبان) سے بولنے کی طاقت دی پھر ان چیزوں کو قسم قسم کے پھلوں اور دانوں سے پرورش فرمایا جس وقت جس طرح جس کی پرورش کی ضرورت تھی اسی طرح اس کو پالا۔ درختوں میں چلنے پھرنے کی طاقت نہ تھی تو ان کے لئے باغبان کو خدمت گار مقرر کیا جس نے اس کو وہیں کھاد پہنچایا۔ بادلوں کے بہشتیوں کو حکم دیا کہ تم سمندر سے پانی لے کر ان کو پلاؤ۔ غرض کہ ان کی ہر ضرورت وہیں کھڑے کھڑے پوری کی۔ پرندوں میں حرکت کی طاقت تھی لیکن روزی کمانے کی طاقت نہ تھی۔ ان کو حکم دیا گیا کہ تمہارے گھونسلوں میں تمہارا رزق نہ پہنچے گا تم ہاں سے جاؤ۔ کھیت میں کسان نے تمہارے لئے غلہ تیار کر رکھا ہے جاؤ اور چگ آؤ وہ صبح کو بھوکے نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر لوٹے۔ حضرت انسان کو حرکت کرنے کی بھی طاقت تھی اور کمانے کی بھی۔ انہیں حکم دیا گیا کہ تم کو درختوں اور جانوروں کی طرح بغیر کمائے روزی نہ ملے گی۔ وہ مجبور ہیں اور تم مختار۔ گھر سے نکلو بھی اور روزی کماؤ بھی۔ بیج تم ڈال آؤ۔ باقی بارش' دھوپ وغیرہ سے تمہاری امداد ہم کریں گے۔ حضرت انسان بھی جب تک بے دانت والے ناسمجھ بچے رہے تب تک ان کو بھی دودھ پلا کر بغیر محنت کرائے پالا۔ غرض کہ ہر طرح پالنے والا ہے۔ یہ اس کی لاانتہائی تربیتوں کا ایک نمونہ ہے۔

خالق اور مخلوق کی پرورش میں فرق : اگرچہ بعض بندے بعض بندوں کو ظاہری طور پر اور کچھ وقت کے لئے کسی قدر پالتے ہیں اس لئے اس کو مجازاً "رب" کہا جاتا ہے۔ جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ لیکن پھر بھی خالق کی تربیت میں بڑا فرق ہے۔ پہلا فرق یہ ہے کہ بندہ کسی کو کسی غرض کے لئے پالتا ہے۔ خالق بغیر غرض کے۔ اگر ماں باپ بیٹے کو پالتے ہیں تو اس لئے کہ وہ بڑھاپے میں کام آئے۔ مالدار غریبوں کو پالتے ہیں یا تو اس لئے کہ ہمارا نام ہو یا اس لئے کہ ہم کو آخرت میں ثواب ملے۔ بادشاہ اپنے نوکروں کو تنخواہ دیتے اور پالتے ہیں اس لئے کہ وقت پر ہمارے کام آئیں غرض سب اپنی اپنی غرض کے لئے ہیں۔ حق تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

ہی ہے جو بغیر غرض کے پالے۔ دوسرا فرق بندہ کسی کو پالتا ہے تو اس کے مال میں کمی ہو جاتی ہے وہ ختم ہونے کے خوف سے بڑی احتیاط سے کام کرتا ہے۔ اگر آمدنی کم ہو جائے تو بہت سے نوکر نکال دیئے جاتے ہیں۔ حق تعالیٰ کے خزانے میں کبھی کمی نہیں ہوتی اس لئے اس کی تربیت سے کوئی نکالا نہیں جاتا۔ تیسرا یہ کہ سخی بندے جب کسی کو پالتے ہیں تو اس پر احسان جتاتے ہیں اور بغیر مانگے دیتے نہیں۔ مگر حق تعالیٰ بغیر مانگے عطا کرتا ہے۔ وہ تو ایسا کریم ہے کہ جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے ہم کو مانگنے کا شعور بھی نہ تھا۔ تب وہ دے رہا تھا۔ چوتھا یہ کہ بندہ سب کو نہیں پال سکتا۔ گھربار والا کوئی صرف اپنے بچوں کو پالتا ہے۔ بڑا کوئی صرف نوکر چاکروں کو پالتا ہے۔ لیکن رب سب کو پالتا ہے۔ پانچواں فرق یہ ہے کہ اور سخی لوگ زیادہ مانگنے والوں اور بہت سے سوالات سے گھبرا جاتے ہیں۔ لیکن رب وہ کریم ہے کہ اس کو بہت مانگنا پسند ہے۔ ہر گدا اس کے دروازے پر نئی ادا سے آتا ہے نئے ناز دکھاتا ہے مگر وہ سب کو اپنے فضل سے نوازتا ہے۔

اے کہ باہر دل ترا رازے دگر ہر گدارا بر درت نازے دگر

فائدہ: عیسائی حق تعالیٰ کو اب (باپ) کہتے ہیں اور ہم اس کو رب کہتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ خدا کو دنیا کا باپ کہنا اس کی بہت بڑی توہین ہے۔ ہم بتاتے ہیں کہ باپ اور رب میں کیا اور کتنے فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ ہے کہ باپ اپنے بچے کو پالنے میں اس کی ماں کا محتاج ہے کہ اس کی امداد سے پالے۔ رب بندوں کو پالنے میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ باپ فقط جسم کو پالتا ہے۔ رب ہر چیز کو۔ اسی لئے باپ بیٹے کو ہوشیار ہونے کے بعد استاد اور پیر کے سپرد کرتا ہے اور عرض کرتا ہے اتنا کام میں نے کر دیا۔ آگے اس کی اصلاح آپ کے ذمے ہے۔ تیسرا فرق باپ کا درجہ دینی استاد اور مرشد سے کم ہے۔ کیونکہ باپ نے ہم کو حیوان (جاندار جسم) بنایا اور دینی استاد اور شیخ نے ہم کو ناطق یعنی سمجھ بوجھ والا بنایا۔ نیز باپ نے ہم کو اوپر (عالم ارواح) سے نیچے (عالم اجسام) میں اتارا اور استاد اور شیخ نے پھر نیچے سے اوپر پہنچایا۔ اگر ان کا کرم نہ ہوتا تو اسفل السافلین میں جاتے نیز باپ نے فقط جسم بنایا جو کہ مٹنے والا ہے۔ مگر استاد اور شیخ نے ایمان دیا جو باقی دولت ہے اسی لئے اگرچہ مالی حقوق میں ماں باپ استاد سے بڑھ جائیں لیکن اطاعت اور ادب میں استاد اور شیخ والد سے بڑھ کر ہیں۔ لیکن رب کی بارگاہ میں یہ سوال ہی نہیں۔ کیونکہ وہاں تقسیم کار نہیں۔ چوتھا فرق باپ اور بیٹے میں جنسیت اور نوعیت میں شرکت ہوتی ہے یعنی بیٹا باپ کا ہم جنس ہوتا ہے۔ انسان کا بچہ انسان، گھوڑے کا بچہ گھوڑا، گدھے کا بچہ گدھا، ہمارے پیٹ میں سے جو کیڑے خارج ہوتے ہیں اسی طرح بالوں اور کپڑوں میں سے جوئیں وغیرہ نکلتی ہیں وہ ہماری اولاد نہیں کیونکہ وہ ہماری ہم جنس نہیں۔ لہٰذا جب مخلوق خالق کی ہم جنس نہیں بلکہ کسی صفت میں شریک نہیں تو اس رب کو باپ اور مخلوق کو اولاد کہنا حماقت ہی تو ہے۔ پانچواں فرق یہ کہ جس طرح بیٹا باپ کا محتاج ہے ایسے ہی باپ بیٹے کا محتاج ہے بیٹا ہو تو اسے باپ کہا جائے گا۔ مگر رب تعالیٰ اپنی کسی صفت میں اپنی مخلوق کا محتاج نہیں۔

ربوبیت عامہ اور خاصہ:۔ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا دو طرح ظہور ہو رہا ہے۔ اس کی بعض نعمتیں تو وہ ہیں جو سب کو بلا فرق مل رہی ہیں۔ جیسے دھوپ، ہوا، زمین، آسمان کا سایہ وغیرہ بعض نعمتیں وہ ہیں جو خاص خاص کو بہت فرقوں کے ساتھ عطا ہو رہی ہے۔ جیسے رزق، مال، اولاد، عزت، حکومت، آفتاب وغیرہ تو یہ سب حق تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کے مظہر ہیں اور مال وغیرہ اس کی ربوبیت خاصہ کے۔ لیکن پھر بھی آفتاب وغیرہ کے عموم میں کچھ کمی ہے کہ یہ چیزیں بیک وقت سب کو فیض نہیں پہنچاتیں۔ فقط جسم کو فیض دیتی ہیں۔ روح سے ان کو تعلق نہیں ہوتا۔ حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ کوئی نعمت اس کی ایسی بھی ہو جو اس کی ہر طرح

www.alahazratnetwork.org

کی ربوبیت کو پورے طور پر ظاہر کرے۔ ہر جگہ ' ہر وقت ' ہر چیز کو یکساں فیض عام بھی پہنچائے اور خاص خاص کو خاص خاص فیض بھی اس نعمت اعلیٰ کا نام اور مظہر اتم کا اسم شریف ہے ' محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس کو رب تعالیٰ نے فرمایا **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** ایک جگہ فرمایا **لیکون للعلمین نذیرا** جس قدر رب العالمین کی ربوبیت میں وسعتیں ہیں۔ اسی قدر رحمت عالم کی رحمت میں گنجائشیں۔ بلکہ یوں کہو کو حق تعالیٰ کی ربوبیت حضور علیہ السلام کی رحمت کے ذریعے سے سب کو پہنچتی ہے۔ حضور علیہ السلام کی رحمت ایک تو عام ہے۔ کلمہ ' کعبہ ' قرآن ' ایمان سب کو یکساں عطا فرمایا۔ لیکن ولایت ' قطبیت ' غوثیت اور شہادت وغیرہ خاص خاص نعمتیں ہیں جو حضور علیہ السلام کے دربار دربار سے فرق کے ساتھ بٹتی ہے۔ العالمین۔ عالمین جمع عالم کی ہے۔ عالم علم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں نشان دنیا کو عالم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی ہر چیز اپنے خالق کی نشانی ہے۔ اللہ کے سوا کو عالم کہتے ہیں۔ تفسیر روح البیان شریف نے اس جگہ فرمایا کہ اٹھارہ ہزار عالم ہے اور یہ دنیا یعنی زمین و آسمان وغیرہ جو ہم کو نظر آرہے ہیں۔ ان میں سے ایک ہے۔ "عالم ارواح" عالم اجسام ' عالم امکان ' پھر عالم سفلی ' عالم علوی ' عالم ملکوت ' عالم ناسوت ' عالم جنات ' عالم انسان ' عالم ملائکہ ' عالم برزخ وغیرہ وغیرہ یہ دنیا تو ان عالموں میں سب سے چھوٹا عالم ہے۔ ایک جنت ہی اتنی بڑی ہے کہ تمام زمین و آسمان اس میں رکھے جائیں تو ایسے معلوم ہوں جیسے میدان میں چند کوڑیاں۔ جہنم کی گہرائی کا یہ حال ہے کہ اگر ایک پتھر اس کے کنارے سے پھینکا جائے تو ستر سال میں اس کی تہ تک پہنچے۔ حالانکہ وہی پتھر آسمان سے پھینکا جائے تو بارہ گھنٹے سے پیشتر زمین پر آجائے گا پھر یہ عالم جو نظر آرہا ہے اس میں ہزاروں قسم کی وہ مخلوق ہے جس سے ہم ناواقف ہیں تفسیر روح البیان شریف میں اسی جگہ ہے کہ صرف انسانوں کی ایک سو پچیس قسمیں ہیں بعض وہ بھی ہیں کہ جن کے کان ہاتھی کے کان کی طرح ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے پاؤں میں چلنے کی طاقت نہیں۔ بعض وہ ہیں جن کی آنکھیں ان کے سینوں پر ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کے سر کتوں کے سے ہیں۔ فقیر نے بھی بعض مردم خور انسان کے فوٹو دیکھے ہیں جن کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے جب ہم کو ان عالموں ہی کی خبر نہیں تو اس کی ربوبیت کو کماحقہ ' کیسے جان سکیں۔

آریوں کے اعتراضات : اگر پروردگار واقعی عالمین (تمام جہانوں) کا پالنے والا ہے تو مسلمانوں کے ہاتھ سے قتل کیوں کراتا ہے رب کا کام ہے پالنا نہ کہ مارنا۔ **جواب:** جو ناقص مخلوق اپنے وجود سے دوسری اعلیٰ مخلوق کی پرورش میں رکاوٹ پیدا کرے۔ اس کو علیحدہ کر دینا ہی پرورش ہے۔ کسان کے کھیت میں فصل کے ساتھ کچھ خوبصورت نرم گھاس بھی اگ آتی ہے۔ دیکھنے میں بھلی معلوم ہوتی ہے مگر کسان جانتا ہے کہ اس سے کھیت برباد ہو جائیگا۔ اسے جڑ سے اکھیڑ باہر پھینکتا ہے کیونکہ اسی میں کھیت کی بھلائی ہے۔ اسی طرح کفار رب تعالیٰ کی زمین پر خوبصورت گھاس ہیں اگر زور پکڑ جائیں تو خدا کے بندوں پر دنیا تنگ ہو جائے ان کو نکلوا دینا ہی ضروری ہے گویا یہ ربوبیت کے لئے آڑ ہیں جس کا ہٹانا ضروری ہے۔ **دوسرا اعتراض:** رب کا کام پرورش کرنا اور تکلیفوں سے بچانا ہے پھر وہ اپنے خاص بندوں پر تکلیفیں کیوں اتارتا ہے۔ بیماری غریبی وغیرہ۔ **جواب:** رب تعالیٰ اپنے مخلص بندوں پر جو کوئی تکلیف بھیجتا ہے اس میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں کبھی یہ تکلیف اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے کبھی صبر کی وجہ سے ان کا درجہ بلند کرتی ہے کبھی یہ بہت بڑی راحت کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ مثلاً مال کی زکوۃ ظاہر میں تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ مال بلاوجہ خرچ کرتا ہے لیکن اس کی برکت سے غریب پل جاتے ہیں۔ دینے والے کے مال میں برکت ہوتی

www.alahazratnetwork.org

ہے جیسے کہ پھل دار درخت کی شاخیں کاٹ دینے سے آئندہ اس میں زیادہ پھل پیدا ہوتے ہیں۔ معمولی بیماریاں' بڑی بڑی بیماریوں سے بچالیتی ہیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز ہم کو شروع میں ناپسند ہوتی ہے۔ مگر اس کا انجام نہایت اچھا ہوتا ہے۔ باپ اپنے عزیز بیٹے پر علم و ہنر سیکھنے کی محنت ڈالتا ہے بچہ مدرسہ کی پابندیاں' استاد کی سختیاں دیکھ کر گھبرا جاتا ہے۔ مگر جب اس کا نتیجہ نکلتا ہے تو سمجھتا ہے کہ وہ سختیاں کڑوی دوا کی طرح فائدہ مند تھیں۔ **تیسرا اعتراض:** اگر حق تعالیٰ "رب العالمین" ہے تو بندوں کی ہر دعا قبول کیوں نہیں فرماتا۔ بہت دفعہ دعا کرتے کرتے تھک جاتے ہیں لیکن دعا قبول نہیں ہوتی۔ **جواب:** بندہ اپنی نا سمجھی سے کبھی وہ دعائیں مانگ لیتا ہے جو انجام کار اس کے لئے نقصان دہ ہوتی ہیں۔ رب تعالیٰ چونکہ علیم و خبیر ہے وہ اپنے عین فضل و کرم سے ان کو قبول نہیں فرماتا۔ اس کا قبول نہ فرمانا اس کا کرم ہے نہ کہ ظلم۔ نا سمجھ بچہ اپنے عقلمند باپ سے شہد مانگتا ہے۔ باپ جانتا ہے کہ یہ شہد اس کو نقصان دیگا۔ بیوقوف بیمار حکیم سے خوش رنگ اور مزیدار دوائیں مانگتا ہے لیکن وہ اس کو کڑوی دوائیں پلاتا ہے تو یہ اس باپ اور حکیم کا اس پر عین کرم ہے۔ **چوتھا اعتراض:** رب کے معنی ہیں پالنے والا جب حق تعالیٰ سب کا رب ہے تو چاہئے کہ سب کو پالا ہی کرے کسی کو موت نہ دیا کرے۔ ہلاک کرنا بھی ربوبیت ہے؟ **جواب:** جو لوگ موت سے گھبراتے ہیں وہ موت کی حقیقت کو نہیں سمجھتے۔ موت تو حبیب سے ملنے کا ایک پل ہے حق تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہوتی ہے۔ گویا زندگی ایک کھیتی ہے اور موت اس کی کٹائی کھیت کا کاٹنا حقیقت میں کھیت کی پرورش کی تکمیل ہے۔ ایسے ہی انسان کی زندگی اس کے کمائی کرنے کا وقت ہے اور موت اسی کا پھل پانے کا وقت ہے۔

دیوبندی اعتراض: جب حق تعالیٰ "رب العالمین" ہے تو چاہئے کہ ساری حاجتیں اسی سے مانگی جائیں جو لوگ خدا کو چھوڑ کر نبیوں ولیوں سے حاجتیں مانگتے ہیں وہ خدا تعالیٰ کو "رب العالمین" نہیں مانتے۔ **جواب:** اللہ کے خاص بندوں سے کوئی چیز مانگنا حقیقت میں اسی اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے بندے اس کی صفت ربوبیت کے مظہر ہیں۔ بے شک اللہ "رب العالمین" رازق ہے شافی الامراض ہے۔ لیکن اس نے ان تمام کاموں کے لئے دروازے مقرر کر دیئے ہیں ان دروازوں پر جاکر مانگنا۔ حقیقت میں رب ہی سے مانگنا ہے۔ شفا لینے حکیم کے ہاں جاتے ہیں انصاف لینے حاکم کے ہاں پہنچتے ہیں۔ خدا کا رزق لینے کے لئے مالدار کا دروازہ تلاش کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

رزق ہر چند بیگماں برسد شرط عقل است جستن از درہا

یوں سمجھو کہ پاور ہاؤس میں بجلی بنتی ہے لیکن اس کی روشنی وہاں ملتی ہے جہاں اس کے قمقمے لگے ہوں۔ تو جو شخص قمقموں سے روشنی حاصل کرے وہ پاور ہاؤس کا مخالف نہیں۔ اس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی کی جائے گی۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۙ
بخشنے والا مہربان
بہت مہربان رحمت والا

www.alahazratnetwork.org

تعلق

اس کا تعلق رب العالمین سے چند طریقے پر ہے۔ ایک یہ کہ اس جملے میں ارشاد تھا کہ وہ جہانوں کا پالنے والا ہے۔ احتمال تھا شاید وہ اس پالنے پر مجبور ہو۔ یعنی اس کو پالنا پڑتا ہے۔ جیسے کہ بادشاہ اپنے ملازمین کو پالتا ہے۔ مگر وہ اس پالنے پر مجبور ہے کہ اگر نہ پالے تو اس کی سلطنت قائم نہیں رہ سکتی۔ یا کوئی شخص اپنے گھر کے جانور وغیرہ کو مجبوراً پالتا ہے۔ کیونکہ جانتا ہے کہ نہ پالوں گا تو میرے کام بند ہو جائیں گے تو اس جگہ فرمایا گیا کہ وہ عالمین کو پالنے پر مجبور نہیں ہے۔ محض رحمت سے پالتا ہے دوسرے اس طرح کہ پالنا کبھی رحمت کے ساتھ ہوتا ہے کبھی قہر کے ساتھ۔ جیسے کہ جیل خانے میں قیدیوں کو بھی حکومت پالتی ہے کھانے پینے کو دیتی ہے۔ مگر قہر کے ساتھ پالتی ہے۔ لیکن یہاں فرمایا کہ پالتا ہے مگر رحم کے ساتھ۔ تیسرے اس طرح کہ حمد کا رحمت کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ جو خدا کی حمد کرتا ہے رحمت ضرور پاتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا ہوتے ہی چھینک آئی تو کہا الحمد للہ تو ملائکہ کی طرف سے جواب ملا یرحمک اللہ وہی سنت آج بھی جاری ہے۔ رحمان اور رحیم کی تفسیر اور ان کا فرق ہم "بسم اللہ" میں پورے طور پر بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا اور بتائے دیتے ہیں کہ "رحمان" کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ اس قسم کی رحمتیں فرمانے والا جو بندوں سے حاصل نہ ہو سکیں۔ اور رحیم کے معنی یہ ہیں کہ اس قسم کی رحمتیں فرمانے والا کہ جس کی مثل کچھ نہ کچھ بندوں سے بھی حاصل ہو سکے۔ اسی طرح رحمان بلا واسطہ بندوں پر رحم فرمانے والا اور رحیم بندوں کے واسطے سے رحم فرمانے والا۔ مثال یوں سمجھو کہ اکثر جاندار چیزیں اپنے ماں باپ کے ذریعے سے پرورش پاتی ہیں۔ لیکن کوے کا بچہ جب انڈے سے نکلتا ہے تو اس کی ماں اس سے بالکل بے تعلق ہو جاتی ہے۔ وہ گوشت کا لوتھڑا سا ہوتا ہے۔ اس کے کھانے کے لئے اس پر مچھر جمع ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کو لقمہ بنالیتا ہے۔ اسی طرح اس کی پرورش ہوتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے جسم پر پر آجاتے ہیں۔ تب ماں پالتی ہے۔ (روح البیان و تفسیر کبیر) حضور ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک دن میں دریائے نیل کے کنارے جا رہا تھا میں نے دیکھا کہ ایک بچھو بھاگا ہوا دریا کی طرف آ رہا ہے جب وہ دریا کے کنارے پہنچا فوراً ایک کچھوا کنارے آلگا۔ وہ بچھو اس پر سوار ہوا اور کچھوا اس کو لے کر دوسرے کنارے کی طرف چل دیا مجھے شوق ہوا کہ دیکھوں یہ بچھو کو کہاں لے جا رہا ہے میں کشتی میں بیٹھ کر اس کے پیچھے ہو لیا بچھو اس طرف پہنچ کر اترا اور دوڑ کر آگے چل دیا میں بھی اس کے پیچھے پیچھے ہو لیا بچھو دوڑ کر جا کر دیکھا کہ ایک نوجوان شخص ہے اور اس کے قریب ایک زہریلا سانپ ہے جو اس کو کاٹنا چاہتا ہے اس بچھو نے سانپ پر حملہ کیا اور سانپ نے بچھو پر یہ دونوں ایک دوسرے کے زہر سے مر گئے اور وہ جوان بچ گیا ہم بھی دن میں بظاہر اپنی حفاظت خود کرتے ہیں لیکن رات کو سونے کی حالت میں ہماری حفاظت خدا کے سوا کون کرتا ہے۔ بہت سے مصیبتیں وہ ہیں کہ ہماری ظاہری کوشش سے دفع ہوتی ہیں اور بہت سی وہ آفتیں ہیں کہ جن سے ہم کو حق تعالیٰ ہی بچاتا ہے وہ اس کی رحمانیت کا ظہور ہے۔ اور یہ اس کی رحیمی کی جلوہ گری مشرکین کا عقیدہ تھا کہ بڑی بڑی نعمتیں رب دیتا ہے اور چھوٹی چھوٹی بت۔ اس عقیدے کی بھی اس میں تردید ہو گئی کہ وہ رحمان بھی ہے اور رحیم بھی۔ یعنی چھوٹی بڑی نعمتیں وہی عطا کرتا ہے۔

آریوں کے اعتراض : **پہلا اعتراض:** جب بسم اللہ میں یہ دو لفظ آچکے تھے تو یہاں دوبارہ کیوں لائے گئے۔ **جواب:** بسم اللہ میں حق تعالیٰ کی ذاتی رحمتوں کا ذکر تھا اور یہاں صفاتی کا۔ 2۔ قرآن کریم میں جن چیزوں کا بار بار ذکر فرمایا ہے اس سے یہ مقصود

www.alahazratnetwork.org

ہوتا ہے کہ بندے سمجھ جائیں کہ ان کو بار بار گناہ کرنا خدا کو ناپسند ہے۔ **دوسرا اعتراض:** خدا پاک رحمان اور رحیم ہے تو دوزخ اور موذی چیزوں کو کیوں پیدا فرمایا اور شیطان کو کیوں بنایا۔ **جواب:** اس کا جواب "رب العالمین" میں گزر چکا ہے کہ بعض تکلیفیں رحمت کو ظاہر کرتی ہیں جو مصیبت کسی عوض رحمت کا ذریعہ بن جائے وہ حقیقت میں رحمت ہی ہے۔ اگر تکلیف دہ چیزیں پیدا نہ ہوتیں تو ہماری روح اور جسم کو پوری طہارت حاصل نہ ہوتی۔ نماز' روزہ' حج زکوۃ بظاہر تکلیف دہ معلوم ہوتی ہیں لیکن حقیقت میں یہ روح کو پاک کرنے والی چیزیں ہیں۔ جیسے کہ میلے لوہے کو لوہار بھٹی میں رکھ کے کوٹتا پیٹتا ہے تو وہ مصیبت پاکر زنگ وغیرہ سے صاف ہو جاتا ہے۔ اور اگر صاف اور قیمتی لوہے کو بھٹی میں رکھتا ہے تو اسے کوٹ پیٹ کر پرزہ بناتا ہے۔ جس سے اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے گھڑیوں اور مشینوں میں تھوڑی قیمت کا لوہا ہے لیکن کاریگر کے پاس پہنچ کر پرزہ بنا اور بہت قیمتی ہو گیا۔ سونا اگرچہ نہایت قیمتی دھات ہے اگر وہ سنار کی بھٹی میں نہ رکھا جائے اور سنار کے ہاتھ سے چوٹیں نہ کھائے۔ تو وہ زیور بن کر محبوب کے گلے میں نہ جائے تو یہ تکلیفیں بھی حقیقت میں اس کی قدر و قیمت بڑھانے والی ہیں۔ اسی طرح گنہگاروں پر جو تکلیفیں اور مصیبتیں آتی ہیں وہ انہیں زنگ آلود لوہے کی طرح گناہوں کے میل سے صاف کر جاتی ہیں اور نیک کاروں پر جو آتی ہیں ان کو عمدہ لوہے کی طرح قیمتی بنا جاتی ہیں۔ مقربین پر جو آتی ہیں ان کو سونے کی طرح اور زیادہ قرب الٰہی کے قابل بنا جاتی ہیں تو یہ مصیبتیں در حقیقت حق تعالیٰ کی رحمتیں ہیں۔ اسی طرح تکلیف دہ زہریلی چیزیں وغیرہ ہزاروں بڑی بڑی مصیبتوں کو دفع کر دیتی ہیں مثلاً مچھر اور مکھی جسم انسانی سے بہت سے زہریلے مادوں کو چوس لیتے ہیں۔ غلے کے کیڑے۔ گھن وغیرہ غلے کے بہت سے مضر اثرات کو مٹا دیتے ہیں۔ بے وقت بارشیں زہریلے دانوں کو تباہ کر کے اور گرم غلے کو ٹھنڈا کر کے کھانے کے قابل بنا دیتی ہیں۔ پھر یہ کیا ضروری ہے کہ پروردگار عالم صرف انسانوں پر ہی رحم فرمائے وہ بھی اس کی مخلوق اور اس کے رحم کے مستحق ہیں۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ؕ
مالک دن بدلے کا
روزِ جزا کا مالک

تعلق: اس سے پہلے اللہ کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر ہوا۔ جس سے سننے والے کے قلب میں امید کا دریا موجیں مارنے لگا۔ اب ضرورت تھی کہ اس کے دل میں رب کا خوف پیدا کیا جائے کیونکہ ایمان امید اور خوف کے درمیان ہے۔ لہٰذا اس آیت میں رب تعالیٰ کی ملکیت 'غلبے وغیرہ کا ذکر فرمایا۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ دنیا میں کیسے ہی گناہ کر لو کوئی سزا نہ ملے گی۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی سولی (معاذ اللہ) سب کا کفارہ بن گئی۔ انہیں رحمت پر یقین ہو گیا۔ غضب سے بے خوف ہو کر گناہ پر دلیر ہو گئے۔ آریوں کا عقیدہ ہے کہ کسی گناہ کی معافی ہو سکتی نہیں اس کی سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔ یہ رحمت سے مایوس ہوئے گناہ پر دلیر ہوئے کیونکہ ناامیدی بھی گناہ پر دلیر کرتی ہے جب تک کہ بلی کتے سے بچنے کا موقعہ دیکھتی ہے بھاگتی ہے۔ مگر جب پھنس جاتی ہے تو کتے پر حملہ کر دیتی ہے۔ جس کو پھانسی کا حکم ہو جائے اس کی بہت احتیاط کی جاتی کہ کسی کو قتل نہ کر دے کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

وہ اپنی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے انسان گناہ سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب اس کو اپنے مولیٰ کے غضب کا ڈر اور اس کی رحمت کی امید ہو۔ اس لئے رحمتوں کے ذکر کے بعد اپنی جباری کا ذکر فرمایا۔ دوسرے اس طرح کہ بعض لوگ امید پر عبادت کرتے ہیں اور بعض جوتے لگے خوف سے۔ امید والوں کے لئے پہلی آیتیں تھی اور دوسروں کے لئے یہ آیت۔

تفسیر: مالک۔ قاریوں کا اس لفظ میں اختلاف ہے بعض اسے مالک اور بعض ملک پڑھتے ہیں ملک کے معنی بادشاہ اور مالک کے معنی مالک۔ خواہ کچھ بھی ہو یہ بنا ہے ملک سے ملک کے لفظی معنی ہیں تعلق مضبوطی اور قوت بادشاہ کو ملک اور مالک اس لئے کہتے ہیں کہ اس کو اپنے مملوک اور رعیت سے تعلق بھی ہوتا ہے۔ اس پر قدرت بھی ہوتی ہے اور مضبوطی سے سب پر قابض بھی ہوتا ہے۔ جو لوگ ملک پڑھتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بادشاہ کا درجہ عام مالکوں سے زیادہ ہوتا ہے۔ لہٰذا ملک پڑھنا بہتر ہے جس کے معنی ہوئے قیامت کے دن کا بادشاہ لیکن مالک پڑھنے والے فرماتے ہیں کہ مالک پڑھنا چند وجوں سے بہتر ہے۔ اولاً یہ کہ مالک میں چار حرف ہیں اور ملک میں تین اور قرآن پاک کے ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں لہٰذا مالک کے پڑھنے پر چالیس اور ملک کے پڑھنے پر تیس نیکیاں ملیں گی۔ دوسرے اس لئے کہ بادشاہ رعایا کا حاکم ہوتا ہے اور مالک اپنے مال یا غلام کا لیکن بمقابلہ رعیت کے زیادہ قبضہ اپنی مملوک پر ہوتا ہے کیونکہ رعیت میں بعض وہ بھی ہوتے ہیں کہ جن کی بادشاہ کو مجبوراً رعایت کرنی پڑتی ہے بلکہ رعایا کو رعایا کہتے ہی اس لئے ہیں کہ بادشاہ کو اس کی رعایت کرنی پڑتی ہے۔ لہٰذا ملک سے مالک پڑھنا بہتر ہے۔ تیسرے اس لئے کہ رعایا اپنے آپ کو بادشاہ کی حکومت سے نکال سکتی ہے یا تو اس طرح کہ اس کے ملک سے نکل کر دوسرے کے ملک میں پہنچ جائے یا بادشاہ کو سلطنت سے معزول کر دے لیکن مملوک اپنے مالک کی ملکیت سے اپنی خوشی سے کبھی نہیں نکل سکتا۔ لہٰذا مالک کی ملکیت بادشاہ کی ملکیت سے قوی ہے۔ چوتھے اس لئے کہ بادشاہ اپنی رعایا کے مال و جان وغیرہ کا بالکل مالک نہیں بلکہ وہ خود ان کے مالک اور قابض ہوتے ہیں۔ لیکن مالک اپنے مملوک یا غلام کی ہر چیز کا مالک ہے۔ پانچواں اس لئے کہ رعایا ہر کام کرنے میں بادشاہ کی اجازت لینے کی محتاج نہیں لیکن مملوک (غلام) اپنے مالک کی بغیر اجازت کوئی کام نہیں کر سکتا۔ چھٹے اس لئے کہ رعایا بادشاہ سے ہر چیز نہیں مانگ سکتی بلکہ اپنا انتظام خود کرتی ہے بادشاہ کی اطاعت صرف اس لئے کرتی ہے کہ اس کے غضب سے بچ جائے لیکن مملوک (غلام) اپنا کھانا کپڑا ہر ضروریات اپنے مالک سے مانگتا ہے اور ہم بھی رب تعالیٰ سے ہر چیز مانگتے ہیں اور وہ ہمارا مربی ہے لہٰذا مالک کے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ ساتویں اس لئے کہ بادشاہ رعایا کے مال کا امیدوار ہوتا ہے کہ یہ ٹیکس ادا کریں تو ہماری سلطنت چلے اور یہ ہماری فوج میں بھرتی ہوں تو ہمیں مدد ملے لیکن مالک اپنے غلام سے ان باتوں میں بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ اس سے مال لیتا نہیں بلکہ اس کو مال دیتا ہے اور وہ غلام بھی اپنے کو خالی سمجھ کر اس کے کرم و فضل کا طالب ہوتا ہے۔ ہم بھی خدائے پاک کی بارگاہ میں اس کے فضل و کرم ہی کے طالب ہیں۔ آٹھویں یہ کہ بادشاہ تندرست اور جوان ہی کو اپنی فوج میں بھرتی کرتا ہے اور بیماروں اور کمزوروں کو نہیں لیتا لیکن مالک اپنے بیمار اور کمزور غلام کا علاج کراتا ہے اور بڑھاپے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ اور اگر وہ کسی بلا میں پھنس جائے تو مالک اسے چھڑاتا ہے۔ نویں یہ کہ بادشاہت میں ہیبت ہے اور ملکیت میں رحمت اور حق تعالیٰ اپنے بندوں پر رحیم و کریم ہے (تفسیر کبیر) ان وجوں سے مالک پڑھنا بہتر ہے۔ **یوم الدین** بدلے کا دن۔ یوم عربی میں دن کو کہتے ہیں اور دن ہوتا ہے آفتاب کی حرکت سے اور قیامت کے دن آفتاب کی حرکت نہ ہوگی اس لئے یہاں یوم سے مراد وقت یا زمانہ ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ حق تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

قیامت کے سارے وقت کا مالک ہے یا قیامت میں جو واقعات ہوں گے ان سب کا مالک ہے۔ دین کے دو معنی ہیں۔ بدلہ فیصلہ اور انصاف۔ دوسرے ملت۔ یعنی مذہبی عقیدے قیامت کے دن کو دین کا دن یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن تمام دینوں یعنی ملتوں کے فیصلے کئے جائیں گے۔ دنیا میں دیندار اور بے دین یکساں پل رہے ہیں۔ بظاہر حق و باطل کا پتہ نہیں چلتا۔ لیکن اس دن سب پتہ چل جائے گا یا اس لئے دین کا دن کہتے ہیں کہ ہر دین والا دین اسی لئے اختیار کرتا ہے کہ اس دن نجات ہو جائے۔ عیسائی، یہودی، پارسی اور مسلمان وغیرہ جس قدر مذاہب ہیں سب اس دن کے قائل ہیں۔ سب اسی دن کی مصیبت سے بچنے کے لئے آج دین اختیار کر رہے ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض نے غلط دین اختیار کیا بعض نے صحیح۔ یا یوم دین اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن کوئی دنیوی کام نہ ہو گا۔ اگر دین کے معنی جزا کئے جائیں تو قیامت کو یوم الدین اس لئے کہتے ہیں کہ اس دن دنیا کے تمام اعمال کی جزا دی جائے گی دنیا میں اچھے برے جیسے چاہو کام کر لو یہاں بدلہ نہیں۔ لیکن وہاں بدلہ ہے کام نہیں۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک طالب علم تعلیم کے زمانہ میں صرف پڑھتا ہے اس زمانہ میں اس کی محنت کی کوئی بھی تحقیقات نہیں کرتا۔ محنت کرے یا کھیلے۔ لیکن جب امتحان کا دن آیا اس نے محنتی اور کھلاڑی کو الگ الگ کر دیا محنتی بڑھ آئے ان کو انعام دیا اور کھلاڑیوں کو سزا تو گویا امتحان کا دن سال بھر کے کام کے بدلے کا ہے یا یوں سمجھو کہ کھیت میں بھوسہ اور دانہ ایک ہی زمین میں رہتے ہیں۔ ایک ہی کھاد اور پانی سے پلتے ہیں۔ ایک ہی دھوپ سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ لیکن ایک دن وہ بھی آتا ہے۔ جب کہ کھیت کا مالک اس کو کاٹ کر بھوسے کو دانے سے الگ کر دیتا ہے۔ دانہ اور جگہ پہنچتا ہے اور بھوسہ اور جگہ یونہی دنیا ایک کھیتی ہے اور قیامت کا دن اس کے کاٹنے کا دن ہے۔ **نکتہ:** حق تعالیٰ ہمیشہ تک ہر چیز کا مالک ہے پھر اپنے کو بالخصوص قیامت کا مالک فرمانا چند وجوں سے ہے۔ اولاً یہ کہ جب مالک کی عظمت دکھانی منظور ہوتی ہے تو اس کو ملکیت کو کسی بڑے مملوک کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ بادشاہ کی سلطنت بہت سے ملکوں، شہروں، قصبوں اور گاؤں پر ہوتی ہے لیکن جب اس کی عظمت ظاہر کرتے ہیں تو کہتے ہیں شاہ ہند، شاہ دہلی وغیرہ اس کا منشاء یہ نہیں کہ اور چیزوں کا مالک نہیں مالک تو ہے لیکن اس طرح کہنے میں اس کی بھی عظمت ظاہر ہوتی ہے اسی لئے حق تعالیٰ کو رب کعبہ اور رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ دوسرے اس لئے کہ دنیا میں بظاہر اور بھی عارضی مالک ہیں کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کا مالک فلاں۔ جاپان کا بادشاہ فلاں۔ یہ گھر فلاں کا۔ لیکن قیامت کا دن وہ دن ہو گا جب کہ کوئی بھی کسی چیز کا ظاہری مالک بھی نہ ہو گا۔ **لمن الملک الیوم** آج کس کا ملک ہے۔ اس وقت کوئی اس سوال کا جواب دینے والا بھی نہ ہو گا تو خود ہی جواب میں ارشاد فرمائے گا۔ **للہ الواحد القہار** تیسرے اس لئے کہ بڑے مالک کی طرف نسبت کرنے سے اس چیز کی عزت ظاہر ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ کا محل ہے اس قاعدے سے اس نسبت سے قیامت کے دن کی عظمت اور ہیبت ظاہر ہوتی ہے کہ وہ خدا کا دن ہے۔ خداوند جل و علا اسی دن کا مالک ہے اسی لئے سب کے دل میں اس کی ہیبت ہے۔ اسی دن کی ہیبت لوگوں سے نیک کام کراتی ہے اور برے کاموں سے بچاتی ہے۔ **نکتہ:** آریوں کے عقیدے میں یہ دنیا ہی عمل اور جزا کی جگہ ہے وہ کہتے ہیں کہ جو انسان برے کام کرتا ہے وہ مرنے کے بعد بری "جون" میں آتا ہے اور اچھے کام کرنے والا اچھی "جون" میں۔ جس قدر جانور وغیرہ ہیں یہ پہلے انسان ہی تھے۔ لیکن یہ اپنی بد عملی کی وجہ سے ان "جونوں" میں آئے۔ تو ان کے نزدیک دنیا عمل و جزا دونوں کی جگہ ہے۔ لیکن مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ دنیا فقط عمل کی جگہ ہے یہاں جزا نہیں اور آخرت فقط جزا کی جگہ ہے وہاں عمل نہیں۔ اگرچہ بعض کام ایسے بھی ہیں کہ جن کا کچھ نہ کچھ نتیجہ دنیا

www.alahazratnetwork.org

میں بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے ماں باپ کی اطاعت کرنے والا دنیا میں خوشحال رہتا ہے۔ ان کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا دنیا میں ذلیل و خوار ہوتا ہے۔ لیکن یہ خوشحالی یا ذلت یا رسوائی اس کی جزا نہیں ہوگی۔ یہ تو ایسا ہے جیسے سرکاری نوکر کے لئے بھتہ یا مجرم کے لئے جیل سے پیشتر حوالات بھتہ تو تنخواہ نہیں۔ اور یہ حوالات اس کے جرم کی سزا نہیں۔ سزا تو مقدمے کے بعد شروع ہو گی۔ آریوں کا یہ عقیدہ بالکل خلاف عقل ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ جب دوسری "جون" میں پہنچ کر پہلی "جون" کا آرام یا تکلیف یاد ہی نہ رہا تو اس کو اپنے گزشتہ اعمال کا احساس ہی کیا ہوگا۔ اور تکلیف اور غم محسوس ہی کیا ہوگا مثلاً ایک شخص آج فقیر بے نوا ہے۔ ان کے قاعدے سے "پہلے وہ کسی اچھے حال میں زندگی گزار گیا تھا اپنی بد عملی کے باعث اب فقیر بنا کے بھیجا گیا۔ جب اسے یاد ہی نہ رہا کہ پہلے میں کیا تھا اور اس وقت میں نے کیا کیا تھا۔ کس عیش میں تھا۔ یہ کس عمل کی سزا ہے تو اب اس کو اس فقیری میں تکلیف ہی کیا ہوگی۔ وہ تو اپنی فقیری میں ہی خوش اور مست ہے۔ دوسرے اس لئے کہ اگر یہ عقیدہ صحیح ہوتا تو دنیا کے جانداروں کی تعدادوں میں وزن قائم رہتا۔ یعنی اگر انسان بڑھتے تو دوسرے جانور گھٹ جاتے اور دوسرے جانور بڑھتے تو انسان گھٹ جاتے کیونکہ اول سے آخر تک روحوں کی تعداد ایک ہی ہے۔ وہی مختلف جسموں میں گھومتی پھر رہی ہیں۔ لیکن تجربہ یہ بتا رہا ہے کہ دن بدن ہر جاندار میں زیادتی ہوتی ہے تیسرے اس لئے کہ ایک بار حضرت صدر الافاضل مرشدی و استاذی مولانا محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مراد آبادی علیہ الرحمۃ کا مناظرہ رام چندر دہلوی سے ہوا۔ حضرت نے دریافت فرمایا کہ مہاشہ جی کوئی دنیا میں ایسا بھی گزرا ہے کہ جس نے کوئی گناہ نہ کیا ہو۔ کہنے لگے۔ لاکھوں سب سے بڑے تو رشی منی گزرے ہیں جن پر وید آئے حضرت نے فرمایا ایسے بے گناہ انسان کو کس "جون" میں جانا چاہئے ان کو تو ایسی جون میں جانا چاہئے کہ جہاں ہر طرح کی راحت اور آرام ہو تو اس نے کہا بے شک فرمایا بتاؤ کہ وہ "جون" کون سی ہے۔ کہا کہ ایسے لوگ بادشاہ بن کر آتے ہیں۔ فرمایا کہ بادشاہ سے بڑھ کر تو دنیا میں کوئی مصیبت میں نہیں۔ سب کو فکر بدن۔ اس کو فکر جہان۔ غریب لوگ رات کو آرام سے سوئیں اور وہ فکر سے تارے گن گن کے گزارے۔ یہ تو بڑا ظلم ہے کہ خدا تعالیٰ ان کو ایسی مصیبت میں ڈالے تو مہاشہ جی فوراً بولے کہ وہ تارک الدنیا سنیاسی بن کر آتے ہیں۔ فرمایا تو ان کی نیکیوں کا یہ بدلہ دیا کہ سر پر ٹوپی نہ پاؤں میں جوتا۔ نہ تن پہ کپڑا نہ بدن پہ لنگوٹا۔ سب تو جاڑوں میں عمدہ عمدہ لباس پہنیں۔ یہ مصیبت کا مارا آگ تاپ کر رات کاٹے۔ مہاشہ جی گھبرا گئے بہت سے پلٹے کھائے۔ مگر کوئی جون ایسی نہ ملی جو بالکل راحت و آرام کی ہوتی حضرت نے فرمایا کہ مہاشہ جی اگر ہماری بات مانو۔ تو ہم تمہیں بتائیں کہنے لگے بتاؤ فرمایا کہ ان کو رنڈی بن کر آنا چاہئے کہ دنیا میں یہی آرام سے رہتی ہے۔ دن رات نیا لطف اٹھائے۔ دوسرے کمائیں یہ مزے سے کھائے۔ مہاشہ جی گرم ہو گئے اور کہا دیکھئے آپ گالیاں دیتے ہیں فرمایا یہ تمہارے مذہب کی کمزوری ہے قرآن کو مان لو۔ جنت ہی جزا کی جگہ بن سکتی ہے نہ کہ دنیا چوتھے اس لئے کہ دنیا میں دیکھا جاتا ہے کہ نہایت اقبال مالدار صاحب عزت پر بھی ایسا وقت آپڑتا ہے کہ اس کی زندگی پلٹ جاتی ہے۔ پہلے مالدار تھا اب فقیر ہو گیا پہلے عزت و عظمت اور اقبال مندی اس کے پاؤں چومتی تھی اب ادبار نے اس کو گھیر لیا۔ اسی طرح بہت سے آدمی دیکھے گئے ہیں کہ پہلے غریب تھے پھر مالدار بن گئے تو اگر یہ دنیوی آرام اور تکلیفیں پچھلی جون کی جزا اور سزا تھیں تو چاہئے تھا کہ ایک ہی حال پر رہتا یہ حال بدلے کیوں

آریوں کا اعتراض۔ قرآن شریف کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا صرف قیامت کے دن کا مالک ہے تو کیا آج اس کے سوا کوئی اور مالک ہے۔

جواب: اس کا نہایت نفیس جواب اسی تفسیر میں اوپر گزر چکا ہے

دیوبندیوں کا اعتراض۔ جب قیامت کے دن کا خدا ہی مالک

www.alahazratnetwork.org

ہے تو خدا کے سوا نبیوں کو اپنا شفیع جاننا اور ان کو اس دن حاجت روا ماننا اس آیت کے خلاف ہے۔ بد عقیدہ لوگ اولیاء اللہ اور پیروں کی نذر نیاز اس لئے کرتے ہیں کہ یہ لوگ قیامت کے دن ان کے کام آئیں یہ عقیدہ بالکل مشرکانہ عقیدہ ہے۔ جواب: شفاعت اور بندوں کی حاجت روائی حق تعالیٰ کے مالک ہونے کے بالکل خلاف نہیں۔ انبیاء کرام اولیاء اور علماء اس لئے شفاعت نہ کریں گے کہ وہ اس دن کے حقیقی مالک ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ مالک حقیقی کے پیارے ہیں ان کی بات وہاں سنی جاتی ہے۔ اگر وہ مالک حقیقی ہوتے تو شفاعت کے کیا معنی؟ وہ خود بخش دیتے دنیا میں بھی ہر چیز کا مالک پروردگار ہی ہے مگر سال بھی بڑے حاکموں کی بارگاہ میں شفاعت (سفارش) ہی سے کام چلتا ہے ان شاء اللہ شفاعت کی پوری بحث آیت الکرسی کے تحت کی جائے گی اور ہم نے اپنی کتاب "شان حبیب الرحمان" میں بھی اس پر کافی روشنی ڈال دی ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ	
تجھ ہی کو	پوجیں ہم
ہم تجھ ہی کو پوجیں	

تعلق: اس آیت کا تعلق گزشتہ آیتوں سے چند طرح ہے اولاً اس طرح کہ شروع سے اب تک حق تعالیٰ نے اپنے انعامات اور جباری اور ملکیت کا ذکر فرمایا۔ اس سے مقصود تھا کہ اللہ کی مخلوق اس کی اطاعت کی طرف رغبت کرے۔ کیونکہ احسان کی وجہ سے انسان اطاعت کی طرف رغبت کرتا ہے اور خوف و ڈر سے طاعت سر بسجود ہوتا ہے۔ لہٰذا حکم ہوا کہ تم کہو ایاک نعبد تو گویا اب تک عبادت کی دلائل تھیں۔ اب عبادت کا صریح حکم فرمایا۔ دوسرے اس طرح کہ حق تعالیٰ نے اس سے اپنے پانچ نام بیان فرمائے۔ اللہ، رب، رحمان، رحیم، اور مالک گویا یوں فرمایا۔ لہٰذا ہم تمہارے اللہ ہیں۔ پھر تم کو پالا لہٰذا ہم رب ہیں تم نے گناہ کئے ہم نے چھپائے پس ہم رحمان ہیں تم نے توبہ کی ہم نے مغفرت فرمائی لہٰذا ہم رحیم ہیں۔ تمہارے قبضے میں ہو اور جزا اور سزا کا دن بھی آنے والا ہے۔ لہٰذا ہم مالک ہیں پس اے بندے تو ہماری عبادت کر اور عبادت کا مستحق وہی ہے جس میں یہ صفتیں ہوں۔ لہٰذا یہ کہو کہ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ تیسرے اس طرح کہ انسان کے تین ہی حال ہیں۔ گزرے ہوئے، موجودہ اور آنے والے اور تینوں حالوں میں انسان رب کا محتاج کیونکہ جب موجود نہ تھا تو اس نے موجود کیا۔ جب کمانے کے قابل نہ تھا۔ اس نے رزق دیا۔ اس کو لفظ اللہ اور رب نے بیان کیا پھر موجودہ حالت میں ہر ہر آن ہر طرح رب کے محتاج اس کا ذکر رحمان اور رحیم میں فرمایا۔ اور پھر آئندہ قبر اور حشر میں رب ہی کے محتاج اس کو بیان کیا "مالک یوم الدین" نے تو ان آیات نے بتایا کہ اے انسان تو ہر حالت میں رب کا محتاج ہے اب فرمایا گیا کہ جس کے کرم کی تجھ کو ہر وقت ضرورت تھی اور رہے گی۔ تو اسی کی عبادت بھی کر۔

تفسیر: علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں کلام کی روش چند طرح بدل گئی۔ اولاً یہ کہ اب تک خدا کا ذکر اس کے ناموں سے تھا۔ اب اس کو خطاب کیا گیا۔ دوسرے اب تک اللہ ہی کا ذکر تھا۔ اس آیت میں بندے کا بھی ذکر کیا گیا تیسرے اب تک رب تعالیٰ کی ہی صفات کا ذکر تھا۔ اب بندے کی صفات کا ذکر فرمایا۔ لیکن اس طرح کہ ایاک پہلے اور نعبد بعد میں ایاک کو اس لئے پہلے رکھا تاکہ اس میں حصر کے معنی پیدا ہو جائیں۔ یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں۔ نیز حق تعالیٰ قدیم ہمیشہ سے

www.alahazratnetwork.org

موجود۔ ہم حادث بعد میں پیدا ہونے والے جو پہلے سے ہو اس کو ذکر پہلے۔ جو بعد میں ہوا اس کو ذکر بعد میں نیز اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ جب انسان اپنا بھی اور رب کا بھی ذکر کرے تو رب کو ذکر پہلے کرے نیز اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ عبادت کرنے والے کی نیت خالص رب کو راضی کرنے کی ہو نہ کہ دنیا کے دکھانے کی کیونکہ جو شخص ریا سے عبادت کرتا ہے۔ وہ خدا کا عابد نہیں بلکہ اس کا عابد ہے۔ جس کو دکھا رہا ہے میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تو بہت روتے تھے۔ میں نے رونے کی وجہ دریافت کی۔ فرمانے لگے مجھے خبر نہیں کہ میں نماز پڑھنے میں سچا ہوں یا جھوٹا۔ کہ زبان سے تو کہہ رہا ہوں **ایاک نعبد** اگر میرے قلب میں ذرہ بھر ریا ہوئی تو خدا کا حکم ہو گا کہ تو جھوٹا ہے۔ ارے کمبخت مسجد میں کھڑے ہو کر نماز کی حالت میں میرے سامنے ہاتھ باندھ کر مجھ سے جھوٹ بول رہا ہے کہ زبان سے کہتا ہے **ایاک نعبد** (ہم تجھ ہی کو پوجتے ہیں) اور دل میں کسی اور کی پوجا کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس قول میں سچا کرے آمین۔ خطاب کا صیغہ اس لئے لایا گیا تاکہ بندہ اس وقت اپنے رب کو حاضر ناظر جانے کہ گویا میں اس کو دیکھ رہا ہوں یا وہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ اس لئے میں عرض کر رہا ہوں کہ **ایاک نعبد** گویا کہ نمازی نماز شروع کرتے وقت رب سے غائب تھا۔ اور اب خدا کی صفتیں بیان کرنے کی برکت سے بارگاہ میں اس طرح حاضر ہو گیا کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اس سے کلام کر رہا ہے نیز اب تک خدا کی صفتوں ہی کا بیان تھا۔ اور اب عرض و معروض ہے صفتوں کا بیان غائب کے صیغے سے اچھا ہوتا ہے۔ اور عرض و معروض حاضر کے صیغے سے۔ (نوٹ ضروری) نماز میں کسی کو خطاب کر کے کلام کرنا جائز نہیں۔ اگر کوئی ایسا کرے تو نماز جاتی رہے گی۔ سوا اللہ کے اور اللہ کے محبوب علیہ السلام کے اس طرح کہ یہاں کہتا ہے **ایاک نعبد** اور التحیات میں کہتا ہے **السلام علیک ایہا النبی** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازی جس طرح اللہ کو حاضر ناظر جانے اسی طرح محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور جس طرح رب کو راضی کرنے کی نیت کرے ایسے ہی اس کے محبوب علیہ السلام کو اسی لئے صحابہ کرام نے عین حالت نماز میں حضور علیہ السلام کا ادب کیا ہے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) معبد عبد سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں "اظہار عجز" اسی لئے عام راستے کو عربی محاورے میں طریق معبد کہتے ہیں کیونکہ وہ ہر ایک کے پیر کے نیچے آتا ہے۔ (تفسیر کبیر) اصطلاح شریعت میں یا یہ عبادۃ سے بنا ہے یا عبودۃ سے عبادت کے معنی عابد بننا اور عبودت کے معنی عبد بننا (روح البیان) یا تو یہ معنی ہوئے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں یا یہ کہ تیرے ہی بندے بنتے ہیں۔ قرآن شریف میں عبد چار معنی میں استعمال ہوا مخلوق جیسے **عبادا لنا اولی باس شدید** مملوک جیسے من عبادکم مطیع جیسے **انہ کان عبدا شکورا** فانی اللہ جیسے اسریٰ۔ عبدہ مخلوق کا سب سے بڑا کمال عبدیت ہی ہے اس لئے کلمہ طیبہ میں عبدہ و رسولہ ہے اللہ کا بندہ صحیح ہونے کے دو رکن ہیں اغیار سے خالی ہو کر یار کا کاشانہ ہو۔ اس کی فرماں برداری میں لذت محسوس کرے ایک شرط ہے کہ اللہ کے پیاروں سے دلی محبت رکھے عالموں سے علم کاتبوں سے کتابت شاعروں سے شعر ملتے ہیں بندوں کی محبت سے بندگی ملتی ہے۔ عبادت کی اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ کسی کو خالق یا خالق کا حصہ دار مان کر اس کی اطاعت کرنا جب تک یہ نیت نہ ہو تب تک اسے عبادت نہیں کہا جائے گا اب بت پرست بت کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور مسلمان کعبہ کے سامنے وہاں بھی پتھری ہیں لیکن وہ مشرک ہے اور ہم موحد ہندو اپنے دیوتاؤں رام چندر وغیرہ کو مانتا ہے مسلمان نبیوں ولیوں کو پھر کیا وجہ کہ وہ مشرک ہو گیا اور یہ موحد رہا۔ فرق یہی ہے کہ وہ انہیں الوہیت میں حصہ دار مانتا ہے ہم ان کو اللہ کا خاص بندہ مانتے ہیں۔ بہرحال عبادت بہت سی قسم کی ہے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، بلکہ یوں سمجھو کہ جو جائز کام بھی رب کو راضی کرنے کی نیت سے

www.alahazratnetwork.org

کیا جائے وہ عبادت ہے۔ یہاں تک کہ آدمی رب کو راضی کرنے کے لئے اپنے بچوں کو پالے تو یہ بھی عبادت ہے اور ان میں ثواب ملتا ہے یہ کلمہ ان سب کو شامل ہے۔ اس طرح بندہ بننے کی بہت سی صفتیں ہیں۔ رب کی رضا میں راضی رہنا۔ اس کی نعمت پر شکر کرنا اس کی بلا پر صبر کرنا اپنے عقائد درست کرنا غرض کہ اپنے میں بندوں کے سے صفات پیدا کرنا یہ سب معانی بھی اسی کلمے میں آگئے نعبد کو جمع کے صیغے سے فرمایا اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں اکیلا حاضر نہیں ہوا اور نہ صرف اپنی عبادت لایا بلکہ تیرے سب بندوں کے ساتھ ہوں جن میں انبیاء اولیاء صالحین سب ہیں اگر میری عبادت قبول نہ ہو تو ان کے طفیل قبول فرمالے کیونکہ جو سودا خرید تا ہے وہ سودے کو واپس نہیں کرتا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو شخص خراب اور عمدہ مال ملا کر فروخت کرے تو خریدار یہ نہیں کر سکتا کہ اچھا لے لے اور برا واپس کر دے۔ بلکہ وہ کل لے گا یا کل واپس کرے گا اور ہر ایک کی عبادت بارگاہ الٰہی سے واپس نہیں ہوتی۔ تو نیکوں کے طفیل امید ہے کہ ہم بدوں کی بھی وہاں رسائی ہو جائے مسئلہ : اگر کوئی شخص رب کی عبادت اکیلا ہی کرے جب بھی یہ سمجھ کر کرے کہ مجھ سے پہلے بہت نے مقبول بندے اس کام کو کر گئے ہیں اور اب بھی کر رہے ہوں گے میں اپنے کو ان میں شامل کرتا ہوں۔ مثلاً ایک آدمی نیت خیر سے یہ سمجھ کر اپنے بچوں کو پالتا یا نوکری کرتا ہے کہ یہ رب کا حکم ہے تو اس کا یہ کام عبادت ہے۔ اس وقت یہ نیت کرے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے اہل و عیال کی پرورش فرمائی اور دیگر انبیاء کرام اولیاء اللہ نے بھی رزق حاصل کرنے کے لئے بہت سے ذریعے اور پیشے اختیار کئے میں بھی انہیں کی اتباع میں یہ کام کر رہا ہوں اس لئے جمع کا صیغہ یہاں بھی صادق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیاوی کاموں کو خود کیا تاکہ یہ کام سنت بن جائیں یونہی اگر کوئی شخص تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ بھی یہی کہے گا کہ ایاک نعبد کیونکہ ہزاروں بندے اس سے پہلے یہ عبادت کر چکے ہیں اور ہزاروں اب بھی کر رہے ہوں گے۔ نیز اس کے ساتھی فرشتے بھی حق تعالیٰ کی عبادت کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ دیکھنے میں اگرچہ اکیلا معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت میں بہت سوں کے ساتھ ہے۔ اس لئے اگر ایک آدمی کو سلام کرتے ہیں تو بھی السلام علیکم (یعنی تم سب پر سلام) ہی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے ساتھ فرشتے بھی ہیں مسئلہ: اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنی چاہئے۔ بلکہ ہر عبادت مسلمانوں کے اجتماع کا مقام ہے کہ بغیر جماعت عبادت ناقص ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کرام کے نزدیک وہی عبادت کامل ہے۔ جس میں فقط اللہ کو راضی کرنا منظور ہو اگر جنت لینے کے لئے یا دوزخ سے بچنے کے لئے عبادت کی تو وہ عبادت کیا ہوئی ایک قسم کا بیوپار ہوا۔ اس لئے فرمایا ایاک اے اللہ تیری ہی عبادت کرتے ہیں یعنی ہماری عبادت سے مقصود صرف تیری ذات ہے۔ اسی وجہ سے نماز کی نیت میں کہا جاتا ہے کہ واسطے اللہ کے یہ نہیں کہتے کہ واسطے جنت کے یا واسطے جہنم سے بچنے کے نیز جو شخص جنت کے حاصل کرنے یا دوزخ سے بچنے کے لئے عبادت کرتا ہے وہ اپنی عبادت کا نتیجہ قیامت سے پہلے نہیں دیکھ سکتا کیونکہ جنت دوزخ کا معاملہ قیامت کے بعد ہے لیکن جو صرف رب کی رضا کے لئے کرتا ہے اس کا مقصد آج ہی سے حاصل ہو گیا۔ لہٰذا یہ نفع میں رہا۔

عبادت کی روح : یہ ہے کہ انسان غرور (دھوکہ) سے سرور (خوشی) کی طرف منتقل ہو جائے۔ اور دنیا کی تاریکی سے نکل کر حق کے نور اور مشاہدہ جمال میں پہنچ جائے کیونکہ دنیا اور دنیا کی چیزیں ایک اندھیرا ہیں اور دین نور ہے دنیا میں بے چین ہے اور

www.alahazratnetwork.org

عبادت میں چینی ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ اے محبوب ہم جانتے ہیں کہ کفار کی باتوں سے آپ کے دل کو دکھ پہنچتا ہے اس کا علاج یہ ہے فسبح بحمد ربک و کن من السجدین واعبد ربک حتی یاتیک الیقین معلوم ہوا کہ عبادت دنیوی تکلیفوں کا علاج ہے لہٰذا جس عبادت میں یہ بات نہ ہو وہ بالکل بے جان ہے نیز جس چیز سے اپنا پیارا راضی ہو وہ عبادت ہے اور جس سے وہ ناراض ہو وہ کام گناہ ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے خیبر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نماز قربان کر دینا عین عبادت تھی اگر نماز چھوڑنے میں اس کی رضا ہے تو چھوڑنا عبادت ہے اور پڑھنے میں اس کی رضا ہے تو پڑھنا عبادت آفتاب نکلتے وقت نماز پڑھنا گناہ کیوں ہے۔ اس لئے کہ اس میں اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہیں۔

اعتراضات : پہلا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ غنی (سب سے بے پرواہ) ہے تو اسے بندوں کی عبادت کی کیا ضرورت ہے اور انہیں عبادت کا کیوں حکم دیا ہے۔ ہم بھی بلاوجہ عبادت کی مشقت میں کیوں پڑیں۔ **جواب:** رب کو ہرگز ہماری عبادت کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہمکو خود ضرورت ہے۔ قالین یا قیمتی بستروں پر بیٹھنے کے قابل وہی ہو گا جس کا جسم گندگی سے آلودہ نہ ہو۔ گندہ آدمی اس پر بیٹھنے کے قابل نہیں حق تعالیٰ کی جنت نہایت پاک صاف جگہ ہے اس کے قابل وہی ہے جو خود پاک صاف ہو دنیا کی مشغولیت ہمارے قلب کو گندہ کرتی ہے۔ عبادت رحمت کا پانی ہے۔ عبادت اس کا صیقل ہے۔ جس سے اس کو صاف کر دیا جاتا ہے اگر عبادت سے صفائی نہ ہوتی رہے تو آخر کار یہ آئینہ بالکل سیاہ ہو کر کسی قیمت کے قابل نہ رہے نیز دشمنوں میں گھرا ہوا انسان جب ہی محفوظ رہ سکتا ہے جب یا تو وہ خود ہی قدرت والا ہو یا کسی قدرت والے کو پکڑے ہم کمزور ہزاروں دشمنوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ شیطان نفس امارہ دنیوی الجھنیں برے یار وغیرہ ضرورت ہے کہ قدرت والے حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھیں اور یہ عبادت تعلق ہی ہے نیز پردیسی کو اپنے دیس کے ذکر سے چین ملتا ہے ہماری روح پردیسی ہے عبادت میں اس وطن کا ذکر ہے اس لئے اس کو اس سے چین ملتا ہے تفسیر عزیزی میں لکھا ہے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے عضو میں ایک زخم تھا کہ جس کی وجہ سے اس عضو کو کاٹنے کی ضرورت تھی مگر سخت تکلیف کی وجہ سے ہمت نہ پڑتی تھی۔ جب وہ نماز میں کھڑے ہوئے تو کاٹ دیا گیا اور ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔

آریوں کے اعتراض : مسلمان کہتے ہیں کہ ہم سب رب ہی کی عبادت کرتے ہیں۔ اور موحد ہیں حالانکہ وہ کعبہ کے طرف سر جھکاتے ہیں یہ تو ہندوؤں سے بڑھ کر مشرک ہوئے کیونکہ وہ تو ایک پتھر کو پوجتا ہے اور یہ ہزاروں پتھروں کی عمارت کو اگر مسلمان کہیں کہ ہم کعبہ کو خدا نہیں جانتے تو ہندو بھی مورتی کو خدا نہیں سمجھتا بلکہ اپنا دھیان یک سو رکھنے کے لئے ایک پتھر کو سامنے رکھ لیتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب نماز کی نیت ہی میں دے دیا گیا ہے کیونکہ نیت میں یہ کہا جاتا ہے کہ "نماز واسطے اللہ کے منہ طرف کعبہ شریف کے" معلوم ہوا کہ نماز کعبہ کے لئے نہیں نماز تو اللہ کے لئے ہے صرف جہت مقرر کرنے کے لئے کعبہ کی سمت تجویز کر دی گئی ہے اگر نماز کعبہ کے لئے ہوتی تو جس طرف کعبہ کا پتھر پہنچتا ادھر ہی مسلمان جھک جاتا مگر ایسا نہیں ہوتا۔ غلاف کعبہ ہمارے پاس پہنچتا ہے ہم اس کو سجدہ نہیں کرتے اگر وہاں کا کوئی پتھر بلکہ ساری عمارت پنجاب میں رکھ دی جائے تو کوئی بھی ادھر سجدہ نہ کرے۔ لیکن ہندو کا یہ حال ہے کہ جدھر اس کی مورتی ادھر ہی پجاری کا سر۔ معلوم ہوا کہ اس کا سر مورتی کے لئے جھکا اور مسلمان کا سر رب کے لئے بلکہ خوف اور سفر کے نفل میں جدھر منہ کر کے نماز پڑھے گا ہو جائے گی۔ فاینما

سارے یونانی حکیم ایک ہی قسم کے معالج مانے جاتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علماء عظام صوفیائے صافیہ اگرچہ اعمال میں کچھ قدر اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن اصل مقصود سب کا ایک ہی ہے یہ عملوں کا اختلاف زمانے اور مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے

www.alahazratnetwork.org

تولوا فثم وجہ اللہ پھر فرق یہ ہے کہ ہندو پتھر کسی انسان کے نام پر بناتا ہے رام چندر کالی مائی دیوی مہادیو کے نام پر وغیرہ وغیرہ اور اس شخص کو خدا کا شریک اور خدائی میں حصہ دار مانتا ہے اور یہ سمجھ کر اس پتھر کی طرف سر جھکاتا ہے کہ جس کا یہ پتھر ہے میں اس کی عبادت کر رہا ہوں کعبہ شریف میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ کعبہ عمارت کا نام نہیں ہے بلکہ اس جگہ کا نام ہے اگر وہاں کوئی عمارت بھی نہ ہو۔ تو بھی نماز میں اسی طرف ہی منہ کیا جائے گا یہ عمارت تو اس جگہ کا نشان ہے۔ جب پہاڑ پر اور تہ خانوں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اس حالت میں اس عمارت کا کوئی بھی حصہ سامنے نہیں ہوتا۔ **اعتراض:** چاہئے کہ تم آریوں کی عبادت کو صحیح مانو کیونکہ یہ کسی مورتی کی پوجا نہیں کرتے صرف رب کا نام لیتے ہیں اور تم بھی رب کا نام لیتے ہو مقصد رب کو یاد کرنا ہے جس طرح چاہو کر لو۔ **جواب:** عبادت ہی وہی سچی ہے کہ جس کی تعلیم حق تعالیٰ کی طرف سے نبیوں کے ذریعہ دی گئی ہو اپنی عقل کی تجویز کی ہوئی کوئی عبادت عبادت نہیں۔ مسلمان جو بھی عبادت کرتا ہے وہ رب تعالیٰ کی بتائی ہوئی نبیوں کی سکھائی ہوئی ہے۔ لہٰذا صحیح ہے۔ آریہ وغیرہ کی عبادت عقل سے سوچی ہوئی۔ اپنی طرف سے بنائی ہوئی لہٰذا وہ کچھ بھی کرے غلطی کرتا ہے شاہی قانون کی پابندی اشد ضروری ہوتی ہے۔

دیوبندیوں کا اعتراض: دیوبندی فرقہ کے نزدیک عبادت وہ کام ہے جو حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کئے ہوں اور ان کو بندگی کے لئے بندوں کا نشان بنایا ہوا ہے دیکھو "تقویۃ الایمان" لہٰذا ایسے کام غیر خدا کے لئے کرنا شرک و بت پرستی ہے اس لئے ان کے مذہب کی رو سے کسی کو پکارنا کسی کی دوہائی دینا کسی غیر خدا سے مدد لینا کسی کے گھر یا جنگل کا ادب کرنا کسی کی یادگار منانا کسی کی قبر پر جھاڑو دینا۔ کسی کی طرف اپنے کام یا اپنے نام کی نسبت کرنا یعنی علی بخش نبی بخش نام رکھنا غرضیکہ کسی کی کچھ تعظیم کرنا غیر اللہ کی عبادت ہے اور شرک ہے اور ایاک نعبد کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ جب ہم اللہ کے بندے ہیں اور اس سے وعدہ بھی کر چکے ہیں کہ ہم تیری ہی عبادت کریں گے تو اس کو چھوڑ کر کسی بندے کے ساتھ یہ معاملہ کرنا یقیناً شرک ہے۔ **جواب:** اگر عبادت کی یہ تعریف صحیح مان بھی لی جائے تو جن چیزوں کو ان وہابیوں نے شرک کہا وہ شرک نہیں بنتیں اور اس عقیدہ کی بناء پر دنیا میں کوئی بھی شرک سے نہیں بچ سکتا نہ خود دیوبندی وہابی اور نہ کوئی اور مسلمان اول تو اس لئے کہ قبر پر جھاڑو دینا کسی کو پکارنا کسی سے مدد مانگنا کسی کا دن منانا خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں اور نہ یہ چیزیں بندگی کا نشان ہیں۔ مدد کی بحث تو ہم ان شاء اللہ ایاک نستعین میں کریں گے۔ لیکن اور چیزوں کو لے لو رب تعالیٰ نے اپنے نبیوں کو پکارا یا ایھا النبی مسلمانوں کو پکارا کافروں کو پکارا پہاڑوں کو پکارا اس صورت میں رب معاذ اللہ پہلا مشرک اور قرآن پڑھنا شرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں کو پکارا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ساریہ رضی اللہ عنہ کو جو نہاوند میں جہاد کر رہے تھے۔ مدینہ پاک سے پکارا ہم ایک دوسرے کو دن رات پکارتے ہیں خود وہابی مولوی قاسم صاحب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارا۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

غرض کہ پکارنے کو شرک کہنا عجیب حماقت ہے کسی کی یادگار منانا بھی خدا کے ساتھ خاص نہیں۔ نہ خدا کسی کی یادگار مناتا ہے اور نہ کوئی شخص خدا کی یادگار منائے حج حضرت ہاجرہ کی یادگار ہے ورنہ دوڑنا کودنا پتھر پھینکنا بلا ضرورت ٹوپ کا نام نہ تھا پانچ وقت کی

www.alahazratnetwork.org

نمازیں بھی مختلف نبیوں کی یادگار ہیں۔ جس پیغمبر نے کسی خاص موقع پر جتنی رکعتیں پڑھ لی ہیں انہیں کو اسلام نے قائم رکھا ہے اسی لئے نمازوں کی رکعتیں مختلف ہیں کہ فجر میں دو ظہر عصر میں چار چار وغیرہ دو شنبہ کے دن کا روزہ اسی لئے سنت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی یادگار ہے اگر یادگار منانا شرک ہو تو بولو شرک سے کون بچا۔

قبر پر جھاڑو دینا : یہ کام بھی خدا تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں نہ تو خدا تعالیٰ کسی کی قبر پر جھاڑو دیتا ہے اور نہ خدا تعالیٰ کی قبر ہے کہ جس پر جھاڑو دی جاتی ہو اور نہ جھاڑو دینا بندگی کا نشان ہے اگر جھاڑو دینا بندگی کا نشان ہو تو چاہئے کہ ہر دیوبندی وہابی کی بغل میں ہر وقت ایک جھاڑو رہتی۔ کیونکہ نشان بندگی بندہ کے ساتھ چاہئے۔

دن مقرر کرنا : بھی شرک نہیں کیونکہ حج کے لئے دن مقرر' نماز کے لئے وقت مقرر۔ روزوں کے مہینہ مقرر۔ شادی بیاہ کے لئے تاریخیں مقرر۔ مدرسہ دیوبند کے امتحان اور تعطیل اور چھٹی کے وقت نصاب تعلیم غرض کہ ہر چیز مقرر تو بتاؤ شرک سے کون بچا۔

عبدالنبی نام رکھنا : بھی شرک نہیں کیونکہ یہاں عبد کے معنی عابد کے نہیں غلام کے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے (تمہارے بندے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا **قل یا عبادی** فرمادو اے میرے بندو مصنف در مختار کے شیخ کا نام عبدالنبی تھا۔ اگر عبدالنبی نام رکھنا شرک ہو تو بتاؤ شرک سے کون بچا غرض یہ عبادت کے نہایت بیہودہ معنی ہیں۔ عبادت کے معنی ہیں اپنے انتہائی عجز کا اظہار اور انتہائی عجز جب ہی ہو گا جب کہ عاجز اپنے کو ان کا بندہ اور ان کو اپنا خالق یا خالق کا حصہ دار مانے گا پانچواں اعتراض: مشرکین عرب اپنے معبودوں کو خدا نہیں مانتے تھے بلکہ ان کو خدا کا بندہ اور خدا تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ کہتے تھے کہ ہم ان کو پوجتے ہیں کہ **لیقربونا الی اللہ زلفی** تاکہ یہ ہم کو خدا سے قریب کردیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کسی کو اپنا وسیلہ جاننا اور اس کو پکارنا وغیرہ یہی عبادت ہے اسی وجہ سے وہ لوگ مشرک قرار دیئے گئے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ان مشرکین مکہ کا ان چیزوں کو محض وسیلہ جاننا شرک نہ تھا بلکہ ان کو وسیلہ جان کو پوجنا شرک تھا۔ قرآن پاک کی یہ آیت ہے کہ **ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** یعنی ہم ان چیزوں کو نہیں پوجا کرتے مگر اس لئے کہ ہم کو اللہ کے قریب کردیں ان کے عقیدہ یہ تھا کہ بت ان کے چھوٹے معبود ہیں۔ تو اللہ کے بندے مگر ان کے ذریعے سے رب کی خدائی چل رہی ہے اور رب کو ان کی بات ان سے دب کر ماننی پڑتی ہے۔ اور ان کو رب سے ایسی نسبت ہے کہ جیسے وزراء کو بادشاہ سے کہ ان کی ناراضگی سے رب کی ربوبیت میں خلل پڑ جائے گا اور ان میں الوہیت ایسے سمائی ہوئی ہے۔ جیسے کہ گلاب کے پھول میں اس کی خوشبو وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ دنیا کے بڑے بڑے کام رب کرتا ہے اور چھوٹے چھوٹے کام یہ کرتے ہیں یہ سمجھ کر ان کی اطاعت بندگی کرتے تھے۔ (اسی لئے ان کو **الٰہ** یا **شرکاء** کہتے ہیں اور یہ سمجھ کر ان کی پوجا کرتے تھے جیسے کہ آج کل ہندوستان کے ہندوؤں کا گنگا اور کالی اور مہادیو اور بھوانی وغیرہ کے متعلق یہی عقیدہ ہے الحمدللہ مسلمان کسی نبی ولی کے متعلق یہ عقیدہ نہیں رکھتا اس کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ جو تیرے سوا ہے وہ تیرا بندہ ہے اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو دوسرے یہ کہ اگر مان بھی لیا جائے کہ مشرکین کا ان بتوں کو وسیلہ جاننا ہی شرک تھا تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ بے شک بتوں کو وسیلہ جاننا کفر ہے۔ لیکن پیغمبروں اللہ کے مقبول بندوں کو وسیلہ جاننا اور اپنا شفیع ماننا ہرگز شرک نہیں اور یہ سمجھ کر

www.alahazratnetwork.org

ان کی اطاعت کرنا اسلام کے خلاف نہیں کیونکہ ان معبودوں کو حق تعالیٰ نے اپنے تک پہنچنے کو وسیلہ نہ بنایا تھا کفار فقط اپنی تجویز سے ان کو وسیلہ مانتے تھے لہذا یہ کفر تھا اور انبیاء اور نیک بندوں کو حق تعالیٰ نے وسیلہ بنا کر بھیجا ہے یہ انتخاب الٰہی سے منتخب ہیں۔ لہذا ان کو وسیلہ جاننا عین ایمان ہے جیسے کہ بادشاہ کی رعایا بادشاہ کے مقرر کیے ہوئے حکام کو اپنا وسیلہ یا مددگار جانے یہ بغاوت نہیں بلکہ بادشاہ کی مرضی کے مطابق ہے لیکن اگر رعایا کسی کو خود اپنی طرف سے حاکم مقرر کر کے اس کو اپنا مددگار جانے اب باغی ہوگئی کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑ کر اپنے انتخاب پر عمل کیا دیکھو کعبہ معظمہ کی طرف ہر مسلمان سجدہ کرتا ہے لیکن اگر کوئی خود اپنی طرف سے کعبہ بنالے جیسے کہ سندھ کے ایک بے دین نے کیا اور ادھر سجدہ کرنا شروع کردے تو یقیناً وہ کافر ہے فرق کیا ہوا یہ دونوں سجدے تو رب ہی کو کر رہے ہیں لیکن خود ساختہ کعبہ کی طرف سجدہ کرنا کفر کیوں ہوا اسی لئے کہ کعبہ معظمہ کا رب نے انتخاب کیا تھا اور یہاں اس نے اپنے آپ۔ اس کی بہت سی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ بہر حال عبادت کے لئے یہ ضروری ہے کہ معبود میں خدائی شان مان کر اس کی اطاعت کی جائے اسلام سے پہلے قریب قریب سارے دینوں میں بزرگوں کو تعظیمی سجدہ کیا جاتا تھا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدے کیے اور رب کو بھی سجدہ ہوتا تھا تو کیا فرق تھا کہ رب کو سجدہ عبادت تھا اور یہ محض تعظیم فرق صرف نیت کا تھا یعنی رب کو سجدہ کرتے تھے اسے خالق مان کر اور بزرگوں کو سجدہ کرتے تھے۔ محض بزرگ جان کر۔

لطیفہ : ایک بزرگ ابن سعود نجدی کے زمانہ میں مدینہ پاک حاضر ہوئے۔ روضہ مطہرہ کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑے ہوئے تھے کہ نجدی پولیس نے کہا کہ کیا تو نماز پڑھ رہا ہے تو مشرک ہوگیا۔ انہوں نے پوچھا کہ کیوں سپاہی کہنے لگا کہ کسی کے سامنے نماز کی طرح کھڑا ہونا یعنی ہاتھ باندھ کر یہ اس کی عبادت ہے بزرگ فرمانے لگے کہ کیسے کھڑا ہوں وہ بولا کہ ہاتھ چھوڑ کر انہوں نے کہا کہ اس طرح کھڑا ہونا بھی مالکی نماز کا قیام ہے۔ پھر بھی نماز سے مشابہت تو رہی۔ اگر ناف کے نیچے ہاتھ باندھوں تو حنفی نماز ہے اور ناف کے اوپر باندھوں تو شافعی نماز ہاتھ چھوڑ کر کھڑا ہوں تو مالکی نماز ہے اب بتا کیا کروں وہ خاموش ہوگیا بزرگ فرمانے لگے کہ کسی کام کا عبادت بنانا نہ بنانا نیت پر موقوف ہے۔

وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ ۞
اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہیں۔
اور تجھ سے مدد چاہیں۔

تعلق : اس کا تعلق گزشتہ آیت سے چند طریقے سے ہے اول یہ کہ سورۃ فاتحہ میں چند مضمون ہیں پہلا خدا کی حمد و ثنا دوسرا اپنی بندگی کا اظہار تیسرے اس سے دعا مانگنا اس سے پہلے دو مضمون بیان ہوچکے ہیں اب تیسرا شروع ہوتا ہے مگر چونکہ دعا کے لئے ضروری ہے کہ کسی وسیلہ سے کی جائے اس لئے اس سے پہلے عبادت کا ذکر ہوا اور بعد میں دعا کا یعنی اے اللہ ہم تیری عبادت

www.alahazratnetwork.org

کرتے ہیں اور عبادت کے وسیلہ سے تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی) یہی مقام اس لئے مصیبتوں کے وقت نمازیں پڑھ کر صدقات وغیرہ کر کے نیک اعمال کر کے دعائیں کی جاتی ہیں تاکہ وہ عبادات قبولیت دعا کا وسیلہ بنیں ضروری نوٹ اس سے معلوم ہوا کہ ہر دعا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑنا ضروری ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری بھی رب کی عبادت ہے اور ہر عبادت دعا کا وسیلہ ہے رب نے فرمایا **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** دوسرے اس طرح کہ اس سے پہلے فرمایا گیا تھا کہ اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ اب عرض کیا جا رہا ہے خدایا اس عبادت کو مکمل کرنے میں تجھ سے مدد مانگتے ہیں یعنی شروع کرنا ہمارا کام ہے اور اس کو انجام پر پہنچانا تیرا کام تیسرے اس طرح کہ عبادت کی کچھ ظاہری شرطیں ہیں جن کے بغیر عبادت ادا نہیں ہوتی جیسے نماز کے لئے وضو وغیرہ۔ انہیں شرائط ادا کہتے ہیں اور کچھ باطنی شرطیں ہیں کہ جن کے بغیر نماز بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہوتی جیسے دل میں خشوع خضوع کا ہونا ریاء اور فخر سے پاک ہونا وغیرہ وغیرہ کہ جن کے بغیر نماز قبول نہیں ہوتی پہلی قسم کی شرطیں وضو کرنا وغیرہ بظاہر انسان کے قبضے میں ہیں لیکن دوسری قسم کی شرطوں میں انسان بالکل بے بس معلوم ہوتا ہے کیونکہ دل کا حاضر ہونا اور خیالات کا پاک وصاف ہونا انسان کے قابو سے باہر ہے۔ اس لئے پہلے عرض کیا گیا **ایاک نعبد** یعنی ہم ظاہری شرطیں ادا کر کے تیری عبادت کرتے ہیں اور دوسری قسم کی شرطوں کے لحاظ سے کہا گیا **ایاک نستعین** خدایا ان شرطوں میں تیری مدد مانگتے ہیں چوتھے اس طرح کہ پہلے اپنی عبادت کرنے کا ذکر تھا اور اب عرض کیا گیا کہ اس عبادت کا رب کی بارگاہ تک۔ خیریت پہنچ جانا اور مقبول ہونا یہ رب ہی کے کرم پر موقوف ہے کیونکہ بہت سے ایسے عارضے پیش آ جاتے ہیں کہ جن سے سارا کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے اللہ محفوظ رکھے تو عرض کیا خدایا عبادت ہم نے کر دی اور آئندہ اس کی حفاظت میں تجھ سے مدد مانگتے ہیں پانچویں اس طرح کہ عبادت سے روکنے والی چند چیزیں ہیں۔ نفس 'شیطان' دنیوی الجھنیں اور برے یار 'اور عبادت کرانے والی چند چیزیں ہیں۔ روح 'ایمان' قرآن وغیرہ تو گویا عبادت کرتے وقت دو لشکروں کا مقابلہ ہے پہلے تو عرض کیا اے اللہ ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور پھر عرض کیا۔ خداوندا ہمارے اس جہاد میں رحمانی لشکر کو شیطانی پر فتح دے۔ اس میں ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ : علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں مدد سے مراد یا تو صرف عبادت میں مدد مانگنا ہے یا سارے دنیوی دینی کاموں میں۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں تو گویا یہ کہا جا رہا ہے کہ اے اللہ جس طرح ہم صرف تیری عبادت کرتے ہیں اسی طرح صرف تجھ سے ہی ہر کام میں مدد مانگتے ہیں ہم مشرک نہیں ہیں کہ بعض کاموں میں تجھ سے مدد لیں اور بعض میں تیرے سوا کسی اور سے ہر کام میں تجھ ہی پر اعتماد ہے اور تیری ہی مدد بچی مدد ہے۔ اس میں بندے کو تعلیم ہے کہ وہ حق تعالیٰ پر نظر رکھے اور اس کو اپنا حقیقی مددگار جانے اگر مخلوق کی طرف سے کبھی کوئی مدد کر بھی دے تو یہ سمجھے کہ یہ بھی حق تعالیٰ ہی کی مدد ہے سب چیزیں اس کے خدام اور آلات ہیں بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ بجلی صدہا کام کر رہی ہے روشنی دیتی ہے پنکھے چلاتی ہے گاڑیاں کھینچتی ہے لیکن یہ کام محض بجلی کے تار کا نہیں بلکہ یہ سارے کام پاور ہاؤس سے ہو رہے ہیں۔ جس کسی نے ہماری مدد کی اس میں مدد کی طاقت نہ ہوتی یا اس کے دل میں رحم نہ آتا ہو تو وہ کبھی ہماری مدد نہ کرتا۔ اور یہ طاقت اور رحم دلی رب کی طرف سے ہے۔ تو حقیقی مددگار وہی ہوا۔ لہٰذا رب کو چھوڑ کر کسی اور پر اعتماد کرنا محض نادانی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ایک درجہ ہمارے یہاں وہ بھی ہے کہ وہاں پہنچ کر انسان ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں رکھتا بلکہ بعض موقعوں پر حق تعالیٰ سے بھی اپنی زبان سے عرض حال نہیں کرتا تاکہ یہ دعائیہ الفاظ بھی آڑ نہ ہو جائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام جب نمرودی آگ کی طرف چلے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ کچھ آپ کو حاجت ہے فرمایا تم سے کچھ نہیں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا رب ہی سے عرض کیجئے۔ فرمایا **حسبی من سوالی علمہ بحالی** یعنی وہ خود جانتا ہے اس کا جاننا کافی ہے پھر میری عرض کی کیا ضرورت ہے سبحان اللہ یہ وہ حالت ہے کہ جس میں دعا مانگنے سے بھی گریز ہے اس طرف اشارہ کیا جا رہا ہے **وایاک نستعین** ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ خیال رہے کہ اولیاء کرام کی یہ حالت ہر وقت نہیں ہوتی۔

اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم برفشاندے

جب وقت امتحان ہو تو دعا نہ مانگنا اور راضی بر رضا رہنا عبادت ہے۔ اس لئے امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے کسی نے دعا نہ کی کہ خدایا کربلا کی مصیبت ان سے ٹال دے اور جب بندگی کے اظہار کا وقت ہو تو ہر چیز رب سے مانگو یہاں تک کہ جوتے کا تسمہ بھی اس سے مانگو کیونکہ بندے کا کام مانگنا ہی ہے۔ "تفسیر کبیر" اور "روح البیان" شریف نے اسی مقام پر فرمایا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے جب **ایاک نستعین** پر عمل کیا۔ تو ان پر نمرودی آگ گلزار بنا دی گئی۔ تو جو مسلمان یہ عرض کرے تو ان شاء اللہ جہنم کی آگ اسے نقصان نہ پہنچا سکے گی بلکہ جب مومن صراط سے گزرے گا تو نار پکارے گی کہ تیرا نور ایمانی مجھے بجھاتا ہے ایک وقت جنتی مسلمان گنہگار مسلمانوں کو نکالنے کے لئے جہنم میں جائیں گے ان پر آگ اثر نہ کر سکے گی۔

دیوبندیوں کا اعتراض : جب تم نے تلاوت قرآن پاک میں رب سے یہ وعدہ کر لیا کہ ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں تو نبیوں اور ولیوں سے کیوں مدد مانگتے ہو یہ شرک ہے۔ جواب: انبیاء اولیاء سے امداد لینا حقیقت میں رب ہی سے امداد ہے کیونکہ اس کی امداد دو طرح کی ہے بلاواسطہ یا بالواسطہ اللہ کے بندوں کی مدد رب کے فیضان کا واسطہ ہے۔ قرآن کریم نے غیر خدا سے امداد لینے کا خود حکم فرمایا چنانچہ ارشاد فرماتا ہے **استعینوا بالصبر والصلوۃ** مسلمانو مدد لو صبر و نماز سے صبر و نماز بھی غیر خدا ہیں نیز فرماتا ہے **ان تنصر اللہ ینصرکم** اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا رب تعالیٰ غنی ہو کر بندوں سے مدد طلب کرتا ہے تو اگر ہم محتاج بندے کسی بندے سے مدد مانگیں تو کیا برائی ہے۔ نیز حضرت ذوالقرنین کا قول نقل فرماتا ہے **اعینونی بقوۃ** تم لوگ میری مدد کرو اپنی قوت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** میرا مددگار کون ہے اللہ کی طرف نیز قرآن کریم نے فرمایا **و تعاونوا علی البر والتقوی** یعنی ایک دوسرے کی مدد کرو بھلائی اور پرہیزگاری پر غرض کہ قرآن کریم نے جگہ جگہ غیر خدا سے مدد لینے کا حکم فرمایا۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا نام ہے انصار جس کے معنی ہیں مددگار۔ اگر غیر خدا سے مدد لینا شرک ہو تو یہ نام ہی مشرکانہ ہوا حالانکہ انہیں یہ لقب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا۔ اور قرآن کریم نے بھی ان کو اسی لقب سے یاد فرمایا۔ عیسائیوں کو قرآن کریم نے نصاریٰ کے نام سے یاد فرمایا اس کے معنی بھی مددگار ہیں اگر وہ احادیث اور فقہی عبارتیں جمع کی جائیں کہ جن میں غیر خدا سے مدد لینے کا حکم ہے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ اگر اس کی زیادہ تحقیق منظور ہو تو ہماری کتاب "جاء الحق" کا مطالعہ کریں نیز خود دیوبندی اپنی ہزار ہا

www.alahazratnetwork.org

مصیبتوں میں پولیس کچہری حکومت ڈاک خانہ وغیرہ سے مدد لیتے ہیں۔ تو ان میں سے کوئی مسلمان نہ رہا۔ شعر

تیری اگلے تو وکیلوں سے کرے استمداد یا محمد سے بگڑتی ہے طبیعت تیری

مدرسہ دیوبند مسلمانوں ہی کی مدد سے چل رہا ہے۔ نیز انسان پیدائش سے قبر تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے دائی کی مدد سے پیدا ہوا ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ طبیب کی مدد سے شفا پائی۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری استاد پیر کی مدد سے ایمان ملا قرابت داروں کی مدد سے نزع کے وقت کلمہ نصیب ہوا مسلمان بھائیوں کی مدد سے غسل و کفن دفن نصیب ہوا۔ پھر مسلمانوں کی مدد سے قبر میں ثواب پہنچ رہا۔ اب کوئی کس منہ سے کہہ سکتا ہے کہ غیر خدا سے مدد لینا شرک ہے۔ جہاں مدد کو خدا کے ساتھ خاص کیا گیا ہے۔ وہ حقیقی مدد ہے اور جہاں غیر خدا سے مدد لینے کا حکم ہے وہاں بالواسطہ ہے۔ لہذا تمام آیتیں اور احادیث مطابق ہو گئیں۔ قرآن شریف سمجھنے کے لئے ایمان کا نور اور حجازی کارخانے کی عینک چاہئے۔ نجدی عینک رہی سہی بھی پھوڑ دے گی۔

دوسرا اعتراض: زندوں سے مدد مانگنا تو جائز ہے۔ مگر مرے ہوؤں سے مدد لینا شرک ہے۔ جواب: اس آیت میں زندہ اور مردہ کا کوئی فرق نہیں کیا گیا جیسے کہ **اياك نعبد** میں عبادت کو اللہ کے ساتھ خاص کیا گیا کہ خدا کے سوا نہ زندہ کی عبادت جائز نہ مردہ کی۔ اسی طرح **اياك نستعين** میں بھی ہونا چاہئے۔ جواب 2 مدد لینا دو طرح پر ہے جسم سے اور روح سے۔ کسی سے کہنا پانی پلا دو۔ روٹی پکا دو وغیرہ یہ جسم کی مدد ہے اور کسی اللہ والے سے عرض کرنا کہ ہماری بگڑی بنا دو۔ بارگاہ الٰہی میں عرض کر کے بچہ دلا دو ہمیں جنت دے دو (جیسے کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کرتے تھے) دوزخ سے بچالو۔ حق سے ملا دو یہ سب روحانی مددیں ہیں۔ مرنے سے صرف بعض لوگوں کا جسم بیکار ہو جاتا ہے۔ روح کی طاقتیں تو بڑھ جاتی ہیں۔ میت قبر میں سے اوپر کے سارے حالات دیکھتی ہے اور ہلکی سی آوازیں بھی سنتی ہے۔ تو جو روح اپنی زندگی میں روحانی امداد کر سکتی ہے۔ بعد وفات بدرجہ اولی مدد کر سکے گی۔ نیز دیکھو شب معراج میں حضرت موسیٰ نے مسلمانوں کی مدد کی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں۔ یہ مدد موسی علیہ السلام نے اپنی وفات سے قریباً" تین ہزار سال بعد کی اب بھی حضور کے نام کی مدد سے کافر مومن بنتے ہیں۔ موسیٰ و ہارون کے تبرکات کی مدد سے بنی اسرائیل نے جالوت پر فتح پائی۔ رب فرماتا ہے "فیہ بقیہ مما ترک ال موسی و ال ھارون" حضور کی وفات کے بعد صحابہ حضور کے لباس دھل دھو کر شفا کے لئے پیتے تھے۔ اور حضور کی مدد سے شفا پاتے تھے۔ دیوبندیوں کے بزرگوں اور عام اولیاء اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیشہ مددیں مانگی ہیں۔ اور مدد مانگنے کو جائز رکھا ہے۔ چنانچہ مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا ترجمہ انہوں نے کیا ہے۔ باقی مولوی شبیر احمد صاحب نے **اياك نستعين** کے ماتحت فرماتے ہیں ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے کہ یہ استعانت در حقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے اس کی پوری تحقیق "جاء الحق" میں دیکھو۔ بہرحال اس **اياك نستعين** کے وہی معنی کرنے پڑیں گے۔ جو ہم نے عرض کر دیئے۔

آریوں کا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کسی بندے کی کتاب ہے۔ کیونکہ اگر یہ رب کی کتاب ہوتی تو بتاؤ رب تعالیٰ کس کی عبادت کرتا ہے اور کس سے مدد مانگتا ہے۔ جواب: اس کا جواب بہت تفصیل سے گزر چکا ہے۔ ایک بار بابا خلیل داس بنارسی سے ایک آریہ نے یہی اعتراض کیا تھا۔ تو انہوں نے وہی جواب دیا جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اور

www.alahazratnetwork.org

پھر فرمایا کہ اگر کہیں وید سے ثابت کردو کہ یہ وید اللہ کا کلام ہے تو تم کو ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ بلکہ وید میں تو اللہ کا کوئی ذاتی نام بھی نہیں آیا۔ اوم، بھگوان، پرتما تما، سروشکتی، مان وغیرہ اس کے صفتی نام رکھ لئے گئے ہیں۔ بلکہ اوم تو گنے کا منر ہے۔ جس کو آریوں نے خدا کا نام سمجھ رکھا ہے۔ قرآن کریم نے تو صاف فرمایا **تنزیل من رب العلمین** وغیرہ وغیرہ یعنی قرآن خدا کی طرف سے اترا۔ آؤ میں تم کو دکھاؤں کہ وید بنانے والا کون ہے۔ چنانچہ انہوں نے یجروید کا ایک منتر پڑھا۔ جس کا ترجمہ یہ بتایا کہ اے بھگوان میں اس منتر کا بنانے والا ہوں۔ میرا نام گوتم ہے اور تو مجھے توفیق دے کہ میں اس کام کو پورا کروں۔ دیکھو وید یہ صاف کہہ رہا ہے کہ یہ بندوں کا بنایا ہوا ہے اس پر وہ آریہ خاموش ہو گیا۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۙ
ہدایت دے ہم کو راستہ سیدھا
ہم کو سیدھا راستہ چلا

تعلق : اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ اول یہ کہ پہلے ذکر ہوا تھا کہ ہم تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ نہ معلوم ہوا تھا کہ کس کام میں اب اس استمداد کی کچھ تفصیل فرمائی گئی کہ اس میں مدد مانگتے ہیں کہ تو ہم کو سیدھے راستے چلا۔ اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ دنیوی اور دینی تمام کاموں میں اللہ ہی سے مدد مانگی جائے۔ مگر استقامت میں خاص طور پر کہ یہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ **دوسرا تعلق**: اس طرح کہ اس سے پہلے ذکر تھا عبادت کا اور اب ذکر ہو رہا ہے دعا کا جس میں اشارہ اس جانب ہو رہا ہے کہ عبادت کے بعد دعا مانگنی چاہئے۔ اسی لئے سنت ہے کہ نماز کے بعد دعا مانگے تیسرے اس طرح کہ اب تک عرض کیا تھا کہ خدایا ہم تیری عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے مدد مانگتے ہیں اب عرض کیا کہ تو ہمیں سیدھے رستے پر قائم رکھ۔ یعنی عبادت پر قائم رکھ ایسا نہ ہو کہ کچھ روز عبادت کر کے ہم چھوڑ دیں۔ بلکہ ہمیشہ تیری عبادت میں مشغول رہیں کہ یہی صراط مستقیم ہے چوتھے اس طرح کہ اب تک عبادت کا ذکر ہوا۔ اب عرض کیا کہ اے اللہ ہم کو اس عبادت میں سیدھے راستے پر قائم رکھ یعنی اس طریقہ سے عبادت کرا کہ تیری بارگاہ میں قبول ہو اور افراط و تفریط کے درمیان درمیان ہو اور جس طرح تیرے مقبول بندوں نے عبادت کی ہو۔ ایسا نہ ہو کہ دنیوی راحت کے موقعوں پر تیری عبادت سے غافل ہو جائیں اگر کبھی عبادت میں مشقتیں ہوں تو عبادت سے منہ نہ موڑلیں۔ پانچویں اس طرح کہ عبادت وغیرہ کے بعد ہدایت کی دعا مانگنا اس لئے ہے کہ بغیر ہدایت کے عبادت مقصود تک نہیں پہنچاتی۔ بڑے بڑے عابد آخر کار زندیق بن گئے جیسے کہ ابلیس اور برصیصا اور بلعم ابن باعورہ وغیرہ کہ پہلے یہ لوگ اول درجہ کے عابد تھے اور بعد میں گمراہ ہوئے تو عرض یہ کیا جا رہا ہے کہ خدایا ہم اپنی اس عبادت پر نازاں نہیں ہیں تجھ سے ہدایت اور بہدایت پر استقامت مانگتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ : علمائے کرام کے طریقے پر چاروں میں گفتگو کرتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم** **اھد** ہدایت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں رہبری کرنا یا منزل مقصود کا پتہ، نشان دینا۔ ہدایت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک فقط راستہ دکھا دینا۔ دوسرے مقصود پر پہنچا دینا۔ اگر راستہ دکھانا مراد ہو تا تو ہدایت کے بعد الیٰ یا لام لایا جاتا ہے اور یہاں ان دونوں میں سے کوئی

www.alahazratnetwork.org

نہیں جس سے معلوم ہوا کہ بندہ عرض کر رہا ہے "اے مولا ہمیں سیدھا راستہ دکھانہ دے بلکہ وہاں تک پہنچادے اور اس پر چلا بھی دے کیونکہ راستے میں رھار بہت ہیں بغیر تیری مدد اس پہ چلنا ناممکن ہے خیال سے معلوم ہوا کہ دعا کرنے والا سب کے لئے دعا کر رہا ہے یہ نہیں کہتا کہ فقط مجھے ہدایت دے' بلکہ ہم سب کو اس جمع میں چند فائدے ہیں ایک یہ کہ جس طرح وہ عبادت زیادہ قبول ہوتی ہے جو مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ کی جائے اسی طرح وہ دعا زیادہ مقبول ہوتی ہے۔ جو سب کے لئے کی جائے کیونکہ اگر ایک کے لئے بھی قبول ہوئی تو امید ہے کہ سب کے لئے قبول ہو جائے گی۔ اسی لئے دعا کے اول اور آخر درود شریف پڑھا جاتا ہے۔ کیونکہ درود شریف کی برکت نے اسے بھی قبول ہوتا ہے۔ تو رحمت الٰہی سے امید قوی ہے کہ وہ درمیان کی دعا کو نہ چھوڑے گا بلکہ آس پاس کے ورود شریف یقیناً قبول ہوتا ہے تو رحمت الٰہی سے امید قوی ہے کہ وہ درمیان کی دعا کو نہ چھوڑے گا بلکہ آس پاس کے دورد شریف کی برکت سے اسے بھی قبول فرمالے گا (تفسیر کبیر یہی مقام) دوسرے اس لئے کہ اگر ایک شخص ہدایت پر آگیا اور باقی سب لوگ گمراہ رہیں تو گمراہوں میں اس ایک کی زندگی دشوار ہو جائے گی کیونکہ اگر ایک شخص ان سب کی موافقت کرے تو خود بھی گمراہ ہوتا ہے اور مخالفت کرے تو دشمنی پیدا ہوتی ہے اور زندگی تلخ ہو جاتی ہے۔ پس یہی ضروری ہے کہ سب کو ہدایت ملے تاکہ ان سب کی دونوں زندگیاں درست ہو جائیں (تفسیر عزیزی) تیسرے اس لئے کہ حدیث پاک میں ہے کہ تم بے گناہ زبان سے دعا مانگو صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بے گناہ زبان کہاں سے لائیں۔ فرمایا کہ ہر ایک دوسرے کے حق میں دعا کرے کہ اپنی زبان اپنے لئے گناہ گار ہے نہ کہ غیر کے لئے۔ (تفسیر کبیر) اس سے معلوم ہوا کہ دعا کی مقبولیت کا راز یہ ہے کہ سب کے لئے کی جائے جو چاہے کہ میری دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہو۔ اپنے ساتھ سب کے لئے دعا کرے اور کہے اے اللہ ہم سب کو یہ عطا فرما۔ خیال رہے کہ کافروں کے لئے ایمان ہدایت ہے مومن کے لئے تقویٰ متقی کے لئے کمال تقویٰ اور مقبولوں کے لئے قرب الٰہی مقربین کے لئے کمال قرب ہدایت لہٰذا اب اگر کافر یہ آیت پڑھے تو ایمان کی دعا ہے گناہ گار کے لئے تقویٰ کی متقی کے لئے قرب کی دعا ہے۔ لہٰذا اس آیت سے یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی گنہگار تھے۔ ورنہ وہ یہ آیت کیوں پڑھتے تھے۔ دیکھو بھٹی گندے لوہے کے لئے صفائی کا ذریعہ ہے۔ صاف لوہے کے لئے پرزہ بنا کر قیمتی کر دینے کا ذریعہ سونے کے لئے زیور بنا کر محبوب کے قرب کے ذریعہ۔ الصراط۔ صراط صرط سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں نگل لینا۔ چونکہ راستہ مسافر کو اسی طرح اپنے اندر لے لیتا ہے جیسے کھانے والا لقمے کو اس لئے راستے کو صراط کہتے ہیں۔ اصطلاح میں صراط اس شارع عام یعنی اس عام اور وسیع راستے کو کہتے ہیں۔ جس میں چند آدمی مل کر چل سکیں وہ تنگ گلی کوچے جن میں چند آدمیوں کے مل جل کر چلنے کی گنجائش نہ ہو انہیں صراط نہیں کہا جاتا چونکہ دعا سب کے لئے مانگی گئی ہے اس لئے بولا گیا اس لئے صراط فرمانا ہی بہتر تھا صراط سبیل اور طریق کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں لیکن اس جگہ صراط اس لئے بولا گیا کہ پل صراط یاد آجائے اور منشا یہ ہو جائے کہ اے اللہ ہمیں اس راستہ پر چلا جس پر چل کر پل صراط کو آسانی سے طے کر لیں۔ المستقیم مشتق ہے استقامت سے اس کا معنی ہے سیدھا ہونا سیدھا راستہ وہ ہے۔ جو بہت جلد مقصود تک پہنچا دے اور چلنے والے کو کسی طرف مڑنا نہ پڑے ٹیڑھا راستہ یا تو مقصود تک پہنچائے گا ہی نہیں یا بہت دیر اور بہت دشواری سے پہنچائے گا جو کہ اس مثال میں ظاہر ہو رہے ہیں۔

منزل نقشہ نمبر ۱ ٹیڑھے راستے مسافر کو منزل

تک پہنچا سکتے ہی نہیں اور نقشہ نمبر 2 میں آس پاس کے راستے اگرچہ منزل تک پہنچا تو دیں گے لیکن بہت دشواری سے اور ان

www.alahazratnetwork.org

میں رکنے کا بہت اندیشہ ہے کفر تو وہ نیز جار استہ ہے جو کبھی منزل تک پہنچا سکتا ہی نہیں اور گمراہی یعنی اہل سنت والجماعت کے علاوہ دوسرے وہ گمراہ فرقے جو حد کفر تک نہ پہنچے ہوں جیسے تفضیلی رافضی اور وہابی جنہوں نے گستاخی نہ کی ہو۔ اگرچہ آخر کار مغفرت پا کر منزل (جنت) تک پہنچ تو جائیں گے لیکن بہت دشواریوں اور مصیبتوں کے بعد۔ یہاں ان دونوں قسموں کے رستوں سے بچا مانگی گئی ہے دعا مانگی گئی ہے اور اے پروردگار ہم کو سیدھے راستے پر چلا۔

صراط مستقیم کون سا راستہ ہے: صراط مستقیم میں بہت گنجائش ہے یہ دینی اور مذہبی عقیدے معاملات اور عبادات اور اخلاق سب کو شامل ہے تو مطلب اس کا یہ ہوا کہ اے اللہ ہم کو عقیدے اور اعمال سب میں سیدھے راستے پر قائم رکھ اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر چیز میں تین حیثیتیں ہیں۔ ۱ افراط زیادتی۔ ۲ تفریط کمی۔ ۳ درمیانہ روی نہ زیادتی نہ کمی تمام دینوں کے لحاظ سے دین اسلام مستقیم ہے اس لئے کہ دین موسوی میں بہت سختیاں تھیں چوتھائی حصہ زکوۃ واجب تھی ناپاک کپڑے اور ناپاک کھال کو کاٹنا جلانا پڑتا تھا۔ عبادت خانوں کے سوا کہیں عبادت نہ ہو سکتی تھی۔ سخت سزا کے بعد توبہ قبول ہوتی تھی۔ دین عیسوی میں بہت نرمی تھی کہ شراب اور سور بھی حلال تھے۔ دین اسلام میں نہ پہلی سی سختیاں ہیں نہ دوسری نرمیاں۔ زکوۃ میں چالیسواں حصہ واجب اور وہ بھی صدہا آسانیوں کے ساتھ ہر جگہ مسجد یا غیر مسجد میں نماز جائز بڑے سے بڑا گناہ توبہ سے معاف ناپاک کو پاک کرنے کے لئے تیس بتیس طریقے نہایت آسان آسان کپڑے وغیرہ کو صاف پانی بہا کر پاک کر لو تانبے اور شیشے کے برتنوں کو صرف رگڑ کر پاک کر لو۔ ناپاک دودھ اور تیل وغیرہ کو پاک جنس کے ساتھ بہا کر پاک کر لو اگر پانی میسر نہ ہو۔ تیمم کر کے نماز پڑھ لو وغیرہ وغیرہ شراب اور خنزیر جو کہ عقل کو خراب کرنے والے ہیں۔ اور قوم میں بے غیرتی اور شرید آگ سے نوالے ہیں ان کو حرام حرام کر دیا گیا۔

مذہبی عقائد: مذہب اہل سنت و جماعت صراط مستقیم ہے۔ کیونکہ فرقہ جبریہ انسان کو پتھر کی طرح بالکل مجبور مانتے ہیں اور فرقہ قدریہ انسان کو بالکل مختار اہل سنت کہتے ہیں کہ انسان خلق میں مجبور اور کسب میں مختار ہے اس کی تحقیق ان شاء اللہ مسئلہ تقدیر میں آئے گی۔ رافضی صحابہ کرام کے دشمن خارجی اہل بیت کے دشمن۔ لیکن اہل سنت ان دونوں جماعتوں کے بندۂ بے زر کیونکہ اہل بیت کرام امت کے لئے جہاز اور صحابہ کرام امت کے لئے تارے قطب نما خارجیوں نے کشتی کو چھوڑا رافضیوں نے رہنما تاروں سے منہ موڑا دونوں کی کشتی ڈوب گئی۔ اہلسنت کا بیڑا پار ہے چکڑالویوں نے حدیث اور فقہ کو چھوڑا غیر مقلدوں نے فقہ سے منہ موڑا۔ دیوبندیوں نے نبیوں اور ولیوں سے رشتہ توڑا بلکہ اللہ اور رسول علیہ السلام سے مقابلے کی ٹھانی معاذ اللہ رب کو جھوٹا ٹھہرایا اس کے محبوب علیہ السلام کو بے علم اور اپنا جیسا بتایا۔ ہر کار خیر کو حرام قرار دیا۔ اور جنہم کا راستہ لیا اہل سنت نے بحمدہ تعالیٰ سب کو ان کے درجے کے موافق مانا یہی راستہ صراط مستقیم قرار پایا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس پر قائم رکھے اعمال میں وہ اعمال صراط مستقیم ہیں۔ جو اسلام اور قرآن نے سکھائے عبادت اخلاق گھر کے اخراجات سب میں درمیانی چال چلن صراط مستقیم ایک محض نوافل میں مشغول ہو کر تمام اہل قرابت کے حقوق سے بے پرواہ ہو جاتا ہے۔ دوسرا دنیوی دھندوں جھگڑوں میں مصروفیت کی وجہ سے یاد خدا سے غافل۔ دونوں صراط مستقیم پر نہیں ہیں۔ تیسرا رب کو یاد بھی کرتا ہے سب کے حق بھی ادا کرتا ہے۔ بے شک وہی صراط مستقیم پر قائم ہے۔ اسی کو حدیث پاک میں اس طرح بیان فرمایا کہ سو بھی

www.alahazratnetwork.org

اور رات کو عبادت بھی کرو۔ روزے بھی رکھو اور افطار بھی کرو۔ تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے۔ تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے۔ تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔ وغیرہ وغیرہ یہاں تک کہ محدثین ایک باب باندھتے ہیں۔ "باب القصد فی العمل" یعنی اعمال میں میانہ روی کا باب قرآن پاک نے فرمایا کہ **و کذلک جعلنکم امۃ وسطا** اے مسلمانوں ہم نے تم کو درمیانی امت بنایا۔ اخلاق میں وہ خلق صراط مستقیم ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا۔ کبھی کسی حال میں کسی پر غصہ نہ کرنا بے غیرتی ہے۔ اور خودداری کے خلاف ہے اور ہر وقت غصے میں رہنا بد خلقی ہے۔ اللہ کے لئے غصہ کرنا۔ دشمنان دین سے بیزاری اور دینوی معاملات میں بردباری خلق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے غرض کہ اگر صراط مستقیم کی پوری تفسیر جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔ بطور نمونہ یہ چند باتیں درج کر دی گئی ہیں۔ رب تعالیٰ اس پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

تفسیر صوفیانہ : ہدایت چند طرح کی ہے ایک ہدایت الہامی جو بغیر کسی کے بتائے خود بخود حاصل ہو جیسے بچہ کا پستان چوسنا اور رو رو کر ماں کو اپنی طرف مائل کرنا خود بخود جانتا ہے۔ دوسری ہدایت احساسی جو کہ حواس درست ہونے کے بعد حاصل ہو جیسے کہ بچہ ہوش سنبھالنے کے بعد اچھی بری چیزوں میں فرق کرتا ہے۔ تیسری ہدایت عقلی جو عقل کی مدد سے حاصل ہو اسے ہدایت نظری بھی کہتے ہیں۔ یہ دلائل سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی انسان اپنی عقل کی مدد سے دلائل قائم کرے اور پھر اس سے نتیجہ نکالے چوتھی ہدایت ایسی جو کہ پیغمبروں کی مدد اور حق تعالیٰ کے خاص کرم سے حاصل ہو یعنی جن چیزوں کو ہم عقل اور دلائل سے معلوم نہیں کر سکتے۔ اس کی رہبری کے لئے حق تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا یہ پھر دو قسم کی ہے ایک ہدایت عامہ اور دوسری ہدایت خاصہ۔ ہدایت عامہ شرعی احکام کی ہدایت ہے۔ جو نبی کی طرف سے عام مخلوق کو ہوتی ہے۔ جیسے عقائد اسلامیہ اور ظاہری اعمال اسلامیہ کی ہدایتیں اس ہدایت کو بنیانی یا تبیغی بھی کہتے ہیں۔ ہدایت خاصہ وہ جو نور نبوت یا نور ولایت سے خاص خاص لوگوں کو حاصل ہو (تفسیر عزیزی) خیال رہے کہ ہدایت الہیہ ہم لوگوں کے لئے آخری ہدایت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ پہلی ہدایت ہے یعنی الہامیہ خاص بندے پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا **انی عبد اللہ** یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں قرآن فرماتا ہے **و اتینہ الحکم صبیا** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا۔ قرآن کی پہلی آیت کے نزول کے وقت آپ اعتکاف اور ذکر الٰہی میں تھے۔ حضور غوث پاک نے رمضان کے دن ماں کا دودھ نہیں پیا دنیا میں ہر چیز مرکز سے حاصل کی جاتی ہے مگر مرکز براہ راست رب سے لیتا ہے تمام دنیا سمندر سے پانی لیتی ہے۔ مگر سمندر رب سے تمام تارے سورج سے نور لیتے ہیں مگر سورج رب سے منور ہے سمندر پانی کا مرکز سورج نور کا مرکز جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کے مرکز مولانا روم فرماتے ہیں۔

گر بہ استدلال کار دیں بدے فخر رازی راز دار دیں بدلے
پائے استدلالیاں چوبیں بود پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

مولانا روم نے فرمایا کہ اس قسم کی ہدایت حاصل کرنے کے لئے فخر الدین جیسی ہستی کی عقل بھی کافی نہیں۔ کیونکہ یہ ہدایت عقل سے وراء ہے اسی لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ظاہری عالم کی پہنچ دلیل تک ہے اور صوفی کی رسائی کشف و مکاشفہ تک ہے۔ یعنی ظاہری عالم بتا کر اور شیخ طریقت دکھا کر سمجھاتا ہے ظاہری عالم صاحب قال اور یہ صاحب حال ہے مولانا

www.alahazratnetwork.org

اس کو یوں ادا فرماتے ہیں۔

قال را بگزار مرد حال شو زیرِ پائے کاملے پامال شو

پھر فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تابہ بینی زابتداء تا انتہا

اس آیت کریمہ میں اس آخری قسم کی ہدایت رب سے مانگی گئی ہے یعنی اے پروردگار ہم کو وہ ہدایت فرما جو حواس اور عقل وغیرہ سے وراء ہے اور صرف تیرے کرم سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے کہا گیا۔ "اہد" تو ہمیں ہدایت دے اب اس کا تعلق گزشتہ آیتوں سے اس طرح ہو گیا کہ پہلے کہا گیا تھا۔ نعبد اور نستعین جس میں کہ فاعل بندہ تھا یعنی جہاں تک رسائی ہماری عقل وغیرہ کی ہے وہاں تک تیری مدد سے ہم نے کام کر لیا لیکن جو چیزیں ہماری عقل وغیرہ سے بالاتر ہیں۔ اے مولا اس کی ہدایت تو فرما یہاں رب کو فاعل قرار دیا گیا اب ہنا سے مراد ان حضرات کی وہ جماعت ہے جو ان کی یار طریقت اور واقف حقیقت ہو تو گویا کہا یہ جا رہا ہے کہ اے اللہ اس جنگل میں ہم نے قدم تو رکھ دیا لیکن اپنے تک پہنچنے کا راستہ یعنی وہ راستہ جس کی تو انتہا ہو اس کی رہبری تو ہی فرمادے۔

رہرو راہ محبت تھک نہ جانا راہ میں لذت صحرا نوردی دوری منزل میں ہے

الصراط المستقیم صوفیاء کرام کے نزدیک صراط مستقیم کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو محبت اور عقل دونوں کو جامع ہو جس کا نام ہے سلوک کیونکہ محض عقل جو عشق الٰہی سے خالی ہو بے دینی ہے اور محض عشق جس میں عقل قائم نہ رہے جذب ہے۔ ان دونوں راستوں میں افراط و تفریط ہے اور رب تعالیٰ کی محبت بھی کامل ہو۔ عقل بھی باقی ہو یہ سلوک ہے وہی اس جگہ مطلوب ہے۔ سالک مجذوب سے اعلیٰ ہے موسیٰ علیہ السلام تجلی صفات دیکھ کر بے ہوش ہو گئے یہ جذب ہوا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں عین ذات کو دیکھ کر تبسم ہی فرماتے رہے یہ سلوک ہوا۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پر تو صفات تو عین ذات مے نگری و در تبسمی

دوسرے یہ کہ جو راستہ ذات الٰہی تک پہنچاوے وہ صراط مستقیم ہے۔ اس کے علاوہ اور راستے افراط و تفریط سے خالی نہیں یہ حضرات فقط جنت پر قناعت نہیں کرتے حور و قصور پر صبر نہیں کرتے یہ تو اس راستے کو ڈھونڈتے ہیں۔ جس کی یہ منزلیں ہیں گویا یہ کہا جا رہا ہے اے اللہ راستے بہت سے ہیں اور او ھر بلانے والے مختلف ذوق کے لوگ ہیں شیطان اور راستے کی طرف دعوت دے رہا ہے نفس اور طرف کھینچ رہا ہے۔ دشمن کہیں اور لے جانا چاہتا ہے۔ دوست کہیں اور پہنچانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ لیکن اے مولا ہم تو اس راستے کے طالب ہیں جو تجھ تک پہنچاوے وہ راستہ وہی ہے۔ جس میں انسان راضی برضا رہے علماء کرام کے نزدیک اچھے عقیدے قلب کا سیدھا راستہ ہے اور نیک اعمال قالب کا صراط مستقیم جو مومن کو جنت تک پہنچاتے ہیں۔ صوفیاء کرام کے نزدیک سلسلہ مشائخ وہ سیدھا راستہ ہے۔ جو مومن کو اللہ تک پہنچاتا ہے اس دعا سے چند مسئلے معلوم ہوئے ایک یہ کہ ہر شخص مرتے وقت تک راستے میں ہے منزل پر بعد موت پہنچے گا۔ جیسے مسافر راستہ میں مال و متاع کی نگرانی کرتا ہے۔ ایسے ہی ہر شخص اپنے اعمال کا نگران ہے دوسرے یہ کہ اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ انسان کو سیدھا راستہ چلنے کی توفیق مل جائے اس لئے سورۃ فاتحہ میں صرف اس کی دعا کرائی گئی ہے تیسرے یہ کہ اللہ تک بغیر وسیلہ نہیں پہنچ سکتے ورنہ پھر راستہ کی کیا

www.alahazratnetwork.org

ضرورت ہوتی رب ہم سے قریب ہے مگر ہم اس سے دور اس لئے ہم رابطے کرنے کے محتاج ہیں تفسیر کبیر میں اس جگہ ایک حکایت نقل کی گئی ہے۔

حکایت : حضرت ابراہیم بن ادھم پیادہ حج کو جارہے تھے ایک ناقہ سوار بدوی نے پوچھا آپ کہاں جاتے ہیں فرمایا بیت اللہ شریف اس نے کہا آپ دیوانے معلوم ہوتے ہیں۔ اتنا لمبا سفر نہ آپ کے پاس سواری نہ توشہ شاید آپ کو موت لائی ہے۔ حضرت ابراہیم رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ تیرے پاس ایک سواری ہے۔ میں بہت سی سواریاں رکھتا ہوں۔ لیکن وہ تجھ کو نظر نہیں آتیں عرض کیا وہ کون سی سواریاں ہیں فرمانے لگے جب مجھ پر کوئی بلا آتی ہے تو صبر کے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں جب نعمت پاتا ہوں تو شکر کی سواری پر سوار ہو جاتا ہوں۔ جب کوئی رب کی قضاء آتی ہے تو رضا پر سوار ہوتا ہوں۔ جب نفس کسی طرف بلاتا ہے تو اپنی عمر بے اعتدی کے گھوڑے پر سواری کرتا ہوں۔ بدوی بولا۔ بے شک آپ سوار اور میں پیادہ ہوں۔

جس طرح کہ دنیوی سفر میں مختلف سواریاں چاہئیں کہیں تانگے پر جاتے ہیں کہیں موٹر پر جہاز سے سمندر کو طے کرتے ہیں ہوائی جہاز میں سوار ہو کر فضا کی سیر کرتے ہیں اس طرح اس سفر میں بہت سواریاں درکار ہیں اور ان سواریوں کی لگام کسی اور کے قبضے میں ہے۔ تیسری یہ کہ صوفیاء کرام کے نزدیک دین پر استقامت سیدھا راستہ ہے فرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے استقامت کے معنی یہ ہیں کہ اگر مولا کا اشارہ ہو کہ اپنے آپ کو دریا میں ڈال دو۔ تو اس کی تعمیل میں ذرا تامل نہ کرے۔ جیسے کہ حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ ہوا اگر حکم ملے کہ اپنے بچے کو ذبح کردو تو اس پر راضی ہو جائے جیسے سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے کرکے دکھا دیا۔ اگر یاد حق میں آگ سامنے آجائے تو اس کی پرواہ نہ کرے جیسے خلیل اللہ علیہ السلام نے نار نمرود کی پرواہ نہ فرمائی اگر کسی بڑے مرتبہ پر پہنچ کر کسی کی شاگردی کرنے کا حکم مل جائے تو اس پر عار نہ ہو جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کرکے دکھا دیا کہ اس قدر عظمت و جلالت کے باوجود حضرت خضر علیہ السلام کے پاس حاضری میں کچھ شرم نہ فرمائی اگر آرے سے چرنے کی مصیبت سامنے آجائے تو اس کو صبر و شکر کے ساتھ برداشت کرے جیسے حضرت زکریا علیہ السلام پر گزرا وغیرہ وغیرہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب اپنی جان و مال اور اولاد ایک پردہ بن جائے تو اس کو پھاڑ دو۔ اس وقت ان کا پھاڑنا فضول خرچی نہیں بلکہ یہ محبوب سے ملنے کا ذریعہ ہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے نماز عصر قضا ہو جانے پر ایک ہزار گھوڑے ذبح کردیئے تو یہ فضول خرچی نہ ہوئی بلکہ آڑ کو پھاڑ ڈالا گیا اور یہ درجہ مشکل سے حاصل ہوتا ہے اس لئے عرض کیا اے اللہ تو ہدایت دے۔

اعتراض : آریہ اس آیت پر اعتراض کرتے ہیں کہ دعا بے موقع ہے کیونکہ انسان جو اسلام لا چکا ہے اور نماز کے لئے حاضر ہو گیا قرآن پاک کی تلاوت شروع کردی تو ہدایت تو اسے مل گئی اور مانگی وہ چیز جاتی ہے جو حاصل نہ ہو پس یہ ہدایت مانگنا بالکل بے کار ہے۔ **جواب:** اس کا جواب اس آیت کی تفسیر سے بخوبی ظاہر ہو گیا کہ یا مراد ہے ہدایت پر قائم رکھنا یا اس میں ترقی دینا قلب کو درست رکھنا یا مصیبتوں میں ثابت قدم رکھنا وغیرہ وغیرہ جیسا انسان ہو اس کیلئے ویسی ہدایت کافر کے لئے ہدایت یہ کہ وہ ایمان لے آئے مومن کے لئے ہدایت یہ ہے کہ تقوی اختیار کرلے متقی کی ہدایت یہ ہے کہ اس پر قائم رہے۔ جس قسم کی تلاوت کرنے والا ہو گا اس قسم کی ہدایت مراد ہو گی خیال رہے کہ ہم بھی سیدھے راستہ پر ہیں یعنی اس پر چل رہے ہیں حضور بھی

سیدھے راستہ پر ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم رب تعالیٰ بھی سیدھا راستہ ہے یعنی سیدھے راستے پر چلنے سے ملتا ہے جیسے لاہور سیدھی سڑک پر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان ربی علی صراط مستقیم
دوسرا اعتراض: ہم بھی نماز میں یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں سیدھا راستہ چلا۔ انبیاء 'اولیاء بھی یہی دعا کرتے ہیں تو ہم میں فرق ہی کیا ہے (وہابی) **جواب:** راستہ سب کا ایک ہے مگر منزل مقصود سب کی جدا گانہ ہمارے راستہ کی انتہا آگ سے نجات ہے مقبولوں کی انتہا جنت کا گلزار محبوبوں کے راستے کی انتہا دیدار و وصال یار جیسے برات میں براتی دولہا اور اس کے ماں باپ سب ہی جاتے ہیں ایک ہی رستہ سب طے کرتے ہیں مگر براتیوں کی انتہا کھانا یا شرکت ہے۔ اہل قرابت کی انتہا جوڑے گھوڑے مگر دولہا کی انتہا دولہن کا حصول ہے۔ راستہ ایک ہے مگر منزل مقصود جداگانہ اس آیت سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ
راستہ ان لوگوں کا انعام (احسان) کیا تو نے پر ان لوگوں۔
راستہ ان کا جن پر تو نے احسان کیا۔

تعلق: اس آیت کا تعلق پچھلی گزشتہ آیت سے چند طرح ہے۔ اول" اس طرح کہ پہلے سیدھے راستہ کی ہدایت مانگی گئی تھی جس میں بہت گنجائش تھی۔ اس کو بیان کرنے کے لئے عرض کیا کہ اے اللہ ہم ان کا راستہ مانگتے ہیں۔ جن پر تو نے احسان فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ سیدھے راستے کی پہچان یہ ہے کہ اس کو اللہ کے نیک بندے اختیار کرلیں۔ دوسرے اس طرح کہ پروردگار ہم وہ راستہ مانگتے ہیں جس میں تیرے بندوں کے خاص نقش قدم موجود ہوں اور ان کی رہبری سے ہم منزل مقصود تک پہنچ جائیں تیسرے اس طرح کہ صراط مستقیم وہ راستہ ہے جو افراط و تفریط کے درمیان ہو۔ اس کو واضح کرنے کے لئے تین جماعتوں کا ذکر کیا درمیانی راستہ تیرے خاص بندوں کا راستہ ہے۔ افراط والا مغضوب علیھم کا راستہ اور تفریط کا راستہ ضالین کا راستہ گویا اس میں اس راستے کی حد بندی کی گئی۔

تفسیر عالمانہ: علماء کرام فرماتے ہیں کہ راستے دو ہیں ایک راستہ مخلوق سے خالق کی طرف اور دوسرا خالق سے مخلوق کی طرف۔ جو راستہ مخلوق سے خالق کی طرف ہے خطرناک ہے اس میں بہت سے قافلے لٹ چکے ہیں اور اس پر جگہ جگہ کمین ہوتی ہے ڈاکوؤں کا سردار ابلیس ہے اعلان کرچکا ہے کہ لا قعدن لھم صراطک المستقیم تو ضرورت تھی کہ اس قافلے کے ساتھ جائے جس قافلے میں محافظین اور سرکاری افسران موجود ہوں۔ اور جس راستے میں جگہ جگہ سرکاری حفاظتی چوکیاں ہوں جس کی وجہ سے ڈاکو کی ہمت نہ پڑے کہ ہم کو لوٹے اور محافظین وہی حضرات ہیں جن کا اس میں ذکر کیا گیا۔ انعمت انعام سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں نعمت دینا نعمت لغت میں نرمی کو کہتے ہیں۔ اس لئے عرب والے نرم کپڑے کو ثوب ناعم اور نرم کھال کو جلد ناعم بولتے ہیں۔ اصطلاح میں سرور اور لذت کو نعمت کہنے لگے اور اب نعمت سے مراد وہ چیزیں ہوتی ہیں جن سے انسان کو راحت حاصل ہو اس لئے مال و دولت تندرستی وغیرہ کو نعمت کہتے ہیں نعمت تین طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جو بلا اسباب رب کی طرف سے ایجاد ہوتی ہے جیسے زندگی اور بچپن کا رزق اور ہدایت وغیرہ اور دوسری وہ نعمت جو ہم تک بظاہر کسی بندے کے ذریعے سے پہنچی جیسے دنیوی مال وغیرہ تیسری وہ جو ہمارے اعمال کے ذریعے ہم کو ملے جیسے بعض اعمال سے رزق بڑھ جاتا ہے

www.alahazratnetwork.org

اور جنت وغیرہ (تفسیر کبیر) ان تینوں کی واضح مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے ایمان اور عمل کے ذریعے سے جنت حاصل کی جیسے کہ مطیع بندہ دوسرے نے بغیر عمل کسی کی طفیل جنت لے لی۔ جیسے کہ مسلمانوں کے نابالغ فوت شدہ بچے تیسرے نے بغیر کسی سبب کے جنت حاصل کی جیسے حور وغلمان اور رب کی وہ مخلوق جو جنت کو پر کرنے کے لئے پیدا کی جائے گی پہلی قسم کی نعمت دو طرح کی ہے ایک دنیاوی جیسے کہ ہمارے اعضاء اور ان کی قوتیں وغیرہ دوسرے دینی جیسے کہ ایمان اور ہدایت وغیرہ اس آیت کریمہ میں نعمت سے یہ آخری قسم کی نعمت مراد ہے یعنی دینی نعمتیں۔ تو آیت کا مقصد یہ ہوا۔ "اے اللہ ہم کو ان لوگوں کے راستے پر چلا جن کو تو نے دینی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ کون حضرات ہیں اس کو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ بیان فرمایا **اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین** معلوم ہوا۔ وہ حضرات چار گروہ ہیں پیغمبر صدیقین شہید لوگ اور اللہ کے نیک بندے ہم نے نعمت کی یہ تقسیم اس لئے کی کہ اگر ہر نعمت مراد ہوتی تو اس میں کفار منافقین فاسقین بھی آجاتے ہیں کہ ان کو بھی خدا نے عمر' مال' اولاد' حکومت وغیرہ کی نعمتیں عطا فرمائی ہیں۔ رب تعالیٰ کی نعمت سے کوئی خالی نہیں۔ لیکن چونکہ دنیوی نعمتیں دینی نعمتوں کے مقابلے میں حقیر ہیں کہ وہ فانی ہیں اور یہ باقی لہٰذا اس جگہ کامل نعمت مراد لی گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ کیونکہ اس آیت میں فرمایا گیا۔

کہ ان کے راستہ اللہ سے مانگو جن پر اللہ کا انعام ہوا۔ اور دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ وہ لوگ نبی اور صدیقین ہیں اور اسلام میں صدیقین کے سردار ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں کیونکہ صدیق کے معنی یا تو یہ ہیں کہ ہر کلام میں سچا۔ قول میں' عمل میں ایمان میں۔ اور ابوبکر صدیق میں یہ بات بطریق کامل موجود تھی۔ کیونکہ رب نے ان کو صحابی فرمایا۔ اور متقی کے خطاب سے نوازا کہ ارشاد فرمایا **اذ یقول لصاحبہ لا تحزن** اور دوسری جگہ فرمایا **وسیجنبھا الاتقی الذی یؤتی مالہ یتزکی** یہ دونوں نیز اور بہت سی آیتیں ان کے حق میں آئیں۔ جن کی تفسیر ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے اپنے موقع پر کی جائے گی۔ یا صدیق کے یہ معنی ہیں کہ نبی کی بہت تصدیق کرنے والا یعنی بعض تو نبی کو اس کے معجزے سے جانتے ہیں۔ بعض کچھ دلائل دیکھ کر۔ لیکن صدیق اپنے نور قلبی سے پہچانتے ہیں جیسے کہ طبیعت انسانی لذتوں کی خوبی اپنے ذوق سے محسوس کر لیتی ہے کہ اچھی چیزیں ہضم کر لیتی ہے اور بری چیز کو پھینکتی ہے ایسے ہی صدیق کا نفس ایمان اور ایمانیات کو بخوشی قبول کرتا ہے اور گندی چیزوں سے خود بخود نفرت کرتا ہے یہ بات بھی ابوبکر صدیق میں اعلیٰ درجے پر موجود ہے کہ انہوں نے اسلام سے پیشتر بھی نہ کبھی بت پرستی کی اور نہ زنا وغیرہ قبیح چیزیں۔ اور حضور علیہ السلام کو بغیر معجزات طلب کئے نبی مان لیا۔ اور معراج جسمانی کی بلا دلیل تصدیق کر دی۔ تو اب دونوں آیتوں سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ رب نے ہم کو حکم دیا کہ ہم سے اس راستے کی ہدایت مانگو جس پر ابوبکر صدیق اور تمام صدیق تھے۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ معاذ اللہ ظالم ہوتے تو ان کی پیروی جائز نہ ہوتی۔ دوسرا فائدہ: یہ حاصل ہوا کہ کسی امام کی تقلید کرنا سخت ضروری ہے کیونکہ اس آیت میں فقط صراط مستقیم پر کفایت نہ کی گئی بلکہ اس کے ساتھ اس راستے کے پیشواؤں کی اتباع طلب کرنے کا بھی حکم دیا گیا اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے لئے راستہ بھی ضروری ہے اور راستے کا رہبر بھی نیز اس میں بتایا کہ سیدھا راستہ وہ ہوتا ہے کہ جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں تبع تابعین سے لے کر

www.alahazratnetwork.org

اب تک اللہ کے سارے نیک بندے مفسرین محدثین فقہاء اولیاء عامۃ المسلمین کسی نہ کسی امام کے مقلد ہی رہے ان میں سے کوئی بھی غیر مقلد نہ گزرا۔ معلوم ہوا کہ تقلید اللہ کے بندوں کا راستہ ہے اگر اس کی پوری تشریح دیکھنا ہو تو ہماری کتاب "جاء الحق" کا مطالعہ کرو۔ اگر تقلید کرنا شرک یا حرام ہو تو دنیا سے حدیث کا علم مٹ جائے گا کیونکہ سارے محدثین مقلدین اور مقلدوں کے شاگرد ہیں اور جس حدیث کی اسناد میں ایک فاسق آجائے وہ حدیث قابل قبول نہیں ہوتی تو اب قاعدے سے چاہئے کہ جس حدیث کی اسناد میں ایک مقلد آجائے وہ بھی قابل قبول نہ رہے تو بخاری مسلم ترمذی سب ختم کیونکہ ان کی کوئی اسناد مقلد سے خالی نہیں۔ تیسرا فائدہ: اس سے یہ حاصل ہوا کہ اچھے لوگوں کی پیروی کرنا اچھا اور بروں کی پیروی کرنا برا کیونکہ قرآن کریم نے کفار کا ایک عیب یہ بھی بیان فرمایا کہ وہ انبیاء کی تعلیم کے مقابلہ میں اپنے جاہل باپ دادوں کی پیروی کرتے ہیں اور یہاں مسلمانوں کو یہ تعلیم دی کہ تم ہم سے یہ دعا مانگو کہ خدایا ہم کو ہمارے مومنین باپ دادوں کے راستے پر چلا وہ آیتیں کفار کی تقلید کی برائی میں ہیں اور یہ آیت مومنین کی تقلید کی خوبی بیان فرما رہی ہے۔ چوتھا فائدہ: یہ حاصل ہوا کہ جس راستے پر اللہ کے نیک بندے جائیں وہی سیدھا راستہ ہے اور جس کو اللہ کے نیک بندے مستحب جانیں وہ مستحب ہے اس کی تفسیر اس حدیث سے ہوتی ہے کہ **ما راہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن** جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے دوسری حدیث میں ارشاد ہوا **انتم شھداء اللہ فی الارض** اے مسلمانو تم زمین پر اللہ کے گواہ ہو۔ جس چیز یا آدمی کو تم اچھا کہہ دو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے کیونکہ تمہاری زبان رب کا قلم ہے لہٰذا محفل میلاد شریف، فاتحہ، عرس بزرگان اور وہ تمام چیزیں جن کو عرب و عجم کے علماء زاہدین صالحین مشائخ صوفیاء اچھا جانتے اور عمل کرتے ہیں وہ سب جائز ہیں اور مستحب ہیں اور ان کو جائز اور مستحب جاننا ہی صراط مستقیم ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کے نیک بندوں کا راستہ ہے۔ ثابت ہوا کہ مذہب اہل سنت و جماعت حق ہے ایک دیوبندی کی بکواس کی وجہ سے تمام جہان کے علماء اور صالحین کو مشرک نہیں کہا جا سکتا اس دیوبندی کو بے دین کہنا آسان ہے جو تمام کی مخالفت کر کے اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بناتا ہے۔ پانچواں فائدہ: یہ ہے کہ جس دین و مذہب میں اولیاء اللہ ہوں وہ ہی سچا ہے۔ جو دین ولایت سے خالی وہ جھوٹا ہے۔ جس شاخ میں پھل پھول سبزہ ہی جڑ سے وابستہ ہے اس کی خدمت کی جاتی ہے۔ جو سوکھ گئی اس کا تعلق جڑ سے ٹوٹ گیا وہ جلانے کے لائق ہے دیکھو بنی اسرائیل کا دین جب تک منسوخ نہ ہوا تھا تب تک ان میں اولیاء اللہ ہوتے رہے اصحاب کہف آصف بن برخیا حضرت مریم انہی کے دین کے اولیاء ہیں جب سے وہ دین ختم ہوا ولایت ان سے جاتی رہی۔ غرضیکہ اولیاء اللہ حقانیت دین کی جیتی جاگتی دلیلیں ہیں اولیاء اللہ اول سے آخر تک صرف مذہب اہل سنت و جماعت میں ہیں کسی وہابی، شیعہ، مرزائی فرقہ میں اولیاء نہیں۔ ولی کی تین علامتیں ہیں۔ ایمان تقویٰ عام مخلوق کا انہیں ولی کہنا۔ رب فرماتا ہے **الذین امنوا و کانوا یتقون**۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ **انعمت علیھم** سے وہ حضرات مراد ہو سکتے ہیں جن پر رب کی باطنی نعمتیں نازل ہوئیں اور جن پر نور کا چھینٹا پڑا کیونکہ مشکوٰۃ شریف باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حق تعالیٰ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکالا پھر ان پر نور کا چھینٹا دیا۔ بعض لوگوں پر وہ نور پڑا اور بعض اس سے محروم رہے۔ جن پر نور پہنچا وہ ہدایت پر آجائیں گے اور جو اس سے محروم رہے وہ گمراہی رہیں گے۔ کاملین حق بات کو اسی نور سے معلوم کر لیتے ہیں اور عامۃ

www.alahazratnetwork.org

المسلمین ان کی پیروی کرکے ہدایت پا جاتے ہیں لیکن جو ان سے الگ رہا وہ تاریکی میں رہا لہذا النعمت سے مراد اولیاء و رسا لکین راہ ہیں صوفیاء کرام کے نزدیک کفار انعمت علیھم میں داخل ہی نہیں ہیں کیونکہ انہیں کسی قسم کی نعمت دی ہی نہ گئی۔ یہ دنیاوی نعمتیں مال و اولاد وغیرہ مسلمانوں کے لئے نعمت ہے اور کفار کے واسطے زحمت کیونکہ اس سے مسلمان کے نیک اعمال میں ترقی ہوتی ہے اور کفار کی سرکشی بڑھتی ہے قرآن پاک خود فرماتا ہے کہ **ولا یحسبن الذین کفروا انما نملی لھم خیر لانفسھم انما نملی لھم لیزدادوا اثما** اس کی یوں مثال سمجھو کہ ایک شخص نے اپنے دوست کو خالص حلوا کھلایا اور دشمن کو زہر آلود کھلوایا دونوں کو حلوا ہی دیا ہے دوست کے واسطے وہ رحمت اور دشمن کے واسطے زحمت ہے یا یوں سمجھو کہ ایک ہی حلوے میں سے تندرست اور بیمار نے کھایا لیکن اس سے بیمار کی بیماری بڑھ گئی تندرست کو طاقت پہنچی۔ اس طرح ایک ہی نعمت مسلمان اور کافر کو ملتی ہے۔ لیکن کافر کو کفر کی بیماری ہے۔ جس کی وجہ سے اس کے لئے یہ زہر ہے۔ صوفیاء کرام اس آیت کی بناء پر فرماتے ہیں کہ ہر مسافر طریقت کو پیر کی ضرورت ہے۔

مولانا فرماتے ہیں:

پیر رہگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پر آفت و خوف خطر
چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو!

ان شاء اللہ پیر کی ضرورت ہم بیعت کی آیتوں میں بیان کریں گے۔ **مسئلہ:** اس آیت سے ان شاء اللہ یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا اجماع یعنی کسی مسئلہ پر اتفاق کرنا شرعی دلیل ہے۔ جو شخص کہ امت کے اجماع سے علیحدہ ہو وہ اس بکری کی طرح خطرے میں ہے جو اپنے گلہ سے الگ ہو جائے جس طرح بھیڑیا اس بکری کو کھا جاتا ہے اسی طرح شیطان ایسے مسلمان کو جلد گمراہ کر دیتا ہے لہذا چاہئے کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہیں۔

اعتراض: صراط مستقیم ایک راستہ ہے اور انبیاء اولیاء علماء الگ الگ راستے رکھتے ہیں تو ایک راستہ ان سب کا راستہ کیوں کر ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر نبی کی شریعت علیحدہ تھی۔ ہر ولی کے سلسلے طریقت جدا جدا ہیں۔ قادری، چشتی، نقشبندی وغیرہ علماء کے مذہب علیحدہ علیحدہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی وغیرہ غرض کہ ایسا کوئی راستہ نہیں مل سکتا جو ان سب کا راستہ ہو۔ **جواب:** تفسیر عزیزی میں نہایت نفیس مثال سے اس کا جواب دیا گیا ہے وہ یہ کہ ایک قافلہ ایک راستے کو طے کر رہا ہے لیکن اس قافلے کے آدمی مختلف کام کر رہے ہیں کوئی بڑھئی ہے کوئی لوہار کوئی بوجھ اٹھانے والا کوئی کرایہ دار کوئی محافظ چوکیدار۔ ان میں سے ہر شخص ایک ہی راستہ طے کر رہا ہے ایک ہی جگہ جا رہا ہے لیکن اپنے درجے کے لائق علیحدہ علیحدہ کام کرتے ہوئے یہ سب ایک دن منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ یا یونانی طبیبوں کا ایک طریقہ علاج ہے۔ ڈاکٹروں کا دوسرا طریقہ ان یونانی طبیبوں میں سے ہر طبیب کا طریقہ علاج جداگانہ ہے کوئی مفرد دواؤں سے علاج کرتا ہے کوئی معجونوں وغیرہ سے کوئی عرقیات اور شربتوں سے لیکن سارے یونانی حکیم ایک ہی قسم کے معالج مانے جاتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام، علماء عظام، صوفیائے صافیہ اگرچہ اعمال میں کسی قدر اختلاف رکھتے ہیں۔ لیکن اصل مقصود سب کا ایک ہی ہے یہ عملوں کا اختلاف زمانے اور مزاجوں کے اختلاف کی وجہ سے ہے زمانہ موسوی میں دین موسوی ہی ان لوگوں کے مزاج اور زمانے کے موافق تھا اور زمانہ عیسوی میں دین عیسوی ہی موافق

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ انبیاء کرام علاتی (باپ شریکے) بھائی ہیں۔ اصل توحید میں سب کا اتفاق ہے اعمال میں اختلاف۔

غیر مقلدوں کا اعتراض : صحابہ کرام اللہ کے مقبول بندے تھے۔ ان کے راستہ پر چلنا ہدایت ہے اور ان کا راستہ سیدھا راستہ ہے انہوں نے کسی کی تقلید نہ کی اور نہ ان کے زمانہ میں یہ چار مذہب حنفی شافعی وغیرہ بنے' لہٰذا تقلید نہ ہی کرنا سیدھا راستہ ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ نبیوں کا راستہ صراط مستقیم ہے اور کوئی نبی کسی دوسرے نبی کا امتی نہیں ہوا لہٰذا امتی نہ بننا سنت انبیاء ہے وہابیوں کو چاہئے کہ کسی کے امتی بھی نہ بنیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ صحابہ کرام میں اصلی تقلید موجود تھی غیر فقیہ صحابہ فقیہ صحابہ کرام کی اطاعت کرتے تھے۔ اور صحابہ کرام قرآن و حدیث سے قیاس فرماکے مسائل نکالتے تھے رہا یہ کہ اس زمانہ میں چند مذہب نہ بنے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے سینے صحبت نبی سے منور تھے۔ ان میں اختلاف بہت کم تھے۔ گمراہ کرنے والے فرقے نہ تھے۔ لہٰذا ان کو قانونوں کی ترتیب کی ضرورت نہ پڑی۔ بعد میں جھگڑے پڑنا شروع ہوئے مسلمانوں میں کمزوریاں آنے لگیں ضرورت تھی کہ ان کو صحیح راستے پر لگایا جائے اس کی مثال یوں سمجھو کہ ان کے زمانے میں نہ قرآن پاک پر زیر زبر لگائے گئے نہ رکوع بنائے گئے نہ اس کے تیس سپارے کئے گئے نہ حدیث کا فن بنا نہ اسماء الرجال کی ترتیب دی گئی۔ نہ حدیثوں کی اسناد پر جرح ہوئی نہ حدیثوں کو کتاب کی شکل میں جمع کیا گیا کیونکہ اس وقت ان چیزوں کی ضرورت ہی نہ تھی۔ جس قدر ضرورت بڑھتی گئی کام بھی بڑھتے گئے تو اب جو بیوقوف کہے کہ علم حدیث پڑھنا حدیثوں پر جرح کرنا صحابہ کے طریقے کے خلاف ہے وہ محض احمق ہے۔ جس طرح کہ علم حدیث کا جمع کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ ایسے ہی فقہ وغیرہ بھی ضروری ہے نیز اگر فقہ کا انکار کر دیا جائے تو جو مسائل کہ حدیث و قرآن میں صراحۃ نہیں ملتے۔ ان میں یہ لوگ کیا کریں گے مثلاً ایک سوال قائم ہوتا ہے کہ اڑتے ہوئے ہوائی جہاز میں نماز پڑھنا کیسی ہے؟ لاؤڈ سپیکر سے نماز پڑھنا جائز ہے یا ناجائز' ریڈیو یا سونوگراف کے ذریعے سے اگر سجدہ کی آیت سنی جائے تو سننے والے پر سجدہ تلاوت واجب ہوگا یا نہیں؟ اگر جمعہ کی پہلی رکعت میں جماعت ہو اور دوسری رکعت میں امام کے پیچھے جماعت نہ رہے تو جمعہ پڑھے کہ ظہر؟ وغیرہ وغیرہ اس قسم کے صدہا مسائل ایسے ہیں جن کا حکم ہم کو قرآن اور حدیث سے نہیں ملتا۔ اگر فقہ کا انکار کیا جائے تو ان کا کیا حکم ہوگا۔

اس کی پوری بحث ان شاء اللہ تعالیٰ اس آیت کے ماتحت کی جائے گی **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**

غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ ؏
نہ غضب کیے ہوئے پر ان اور نہ بہکے ہوئے
نہ ان کا جن پر غضب ہوا اور نہ بہکے ہوؤں کا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس کا تعلق گزری ہوئی آیتوں سے چند طرح ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں صراط مستقیم کا پتہ بتایا گیا تھا اور پوری چیز کا پورا پتہ جب لگتا ہے جب کہ اس کے کچھ نشان بھی معلوم ہوں اور اس کی ضد کے بھی۔ کیونکہ چیز کی پہچان اس کی ضد کی پہچان سے ہوتی ہے تو پہلی آیت میں تو صراط مستقیم کی علامت بتائی گئی اور اس میں ٹیڑھے راستہ کا پتہ دیا گیا ہے تاکہ ان میں تمیز ہو جائے دوسرے یہ کہ پہلے خدا کے انعام کا ذکر تھا جس کو سن کر بندے کے دل میں امید پیدا ہوئی تھی اب غضب کا ذکر ہوا جس سے خوف پیدا ہوا اور ایمان 'خوف و امید کے درمیان ہے یا یوں کہو کہ ایمان کے دو بازو ہیں ایک خوف اور ایک امید جس طرح پرندہ دو بازوؤں کے بغیر نہیں اڑ سکتا اسی طرح مومن بغیر امید اور خوف کے راستے کو طے نہیں کر سکتا ان دونوں میں برابری چاہئے تیسرے یہ کہ پہلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن پر اللہ نے انعام کیا اس آیت میں انہی لوگوں کی پہچان بتائی گئی یعنی انعام والے وہ لوگ ہیں جو خدا کے غضب یعنی بد عملی اور ضلالت یعنی گمراہی اور بد اعتقادی سے بچے ہوئے ہوں تو مطلب یہ ہوا کہ انعام والے کی پہچان یہ ہے کہ اس کے عقائد بھی درست ہوں اور اعمال بھی یعنی کافر بھی نہ ہو اور فاسق بھی نہ ہو۔

تفسیر عالمانہ : غیر کے تین معنی ہیں نہ 'سوا' اور مگر یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں **غضب** کے لفظی معنی ہیں جوش اور بدلنا اور اصطلاح میں غضب اس حالت کا نام ہے جو دل میں بدلہ لینے کے خیال پر جوش پیدا ہوتا ہے اور جس میں کہ اس کا حال پلٹ جاتا ہے۔ رب تعالیٰ چونکہ دل سے اور دل کی حالت پلٹنے سے پاک ہے اس لئے یہاں اس کے معنی ہیں ارادہ عذاب۔ ضال ضلال سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں حیرت۔ جو شخص حیران ہو اسے کہتے ہیں ضال عام عرف میں ضال کے معنی ہوتے ہیں گمراہ یعنی بد عقیدہ قرآن کریم میں جہاں کہیں انبیاء کرام کے متعلق ضلال فرمایا ہے وہاں لغوی معنی مراد ہیں یعنی حیرت وارفتگی جو شخص کسی نبی کو گمراہ جانے وہ کافر ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہاں **مغضوب علیھم** سے کون لوگ مراد ہیں اور ضالین سے کون؟ ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ **مغضوب علیھم** سے مراد یہود اور ضالین سے نصاریٰ ہیں۔ تفسیر کبیر نے اس کے علاوہ چند معنی اور بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ **مغضوب علیھم** سے مراد بد عمل فاسق اور فاجر ہیں اور **ضالین** سے مراد کفار ہیں دوسرے یہ کہ **مغضوب علیھم** سے مراد کھلے کافر اور **ضالین** سے مراد منافق یعنی چھپے ہوئے کافر اس کی وجہ یہ ہے کہ سورہ بقرہ شریف میں اولاً "مسلمانوں کا ذکر ہوا ہے۔ پھر کھلے کافروں کا۔ پھر منافقوں کا۔ اگر یہاں بھی ان لفظوں کے یہ معنی ہوں تو سورہ فاتحہ کی ترتیب سورہ بقر کی ترتیب کے مطابق ہو جائے گی بعض نے فرمایا کہ جو لوگ خدا کے منکر ہیں وہ **مغضوب علیھم** ہیں اور جو خدا کو مان کر دوسری ایمانی چیزوں کے منکر ہیں وہ ضالین ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **مغضوب علیھم** وہ لوگ ہیں جن کی بد عقیدگی حد کفر تک پہنچ گئی ہو۔ جیسے ہمارے زمانے میں چکڑالوی' تبرائی شیعہ' قادیانی اور نبی علیہ السلام کی توہین کرنے والے دیوبندی اور ضالین وہ جن کی بد عقیدگی حد کفر تک نہ پہنچی ہو۔ جیسے تفضیلی شیعہ اور فقط نیاز اور فاتحہ کے منکر دیوبندی کچھ بھی مراد ہو مقصود یہ ہے کہ اے خدا ہم کو ان کے راستے سے بچا جو تیرے غضب میں آگئے اور جو گمراہ ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** فرشتے اور نبی ایک منٹ کے لئے بھی گمراہ نہیں ہو سکتے اور نہ کبھی گناہ کریں۔ جس سے خدا کے غضب کے مستحق ہو جائیں اس لئے کہ انبیاء کی پیروی کرنے کا حکم ہے اور گمراہوں اور بد عملوں سے بچنے کا اگر وہ کسی ساعت میں بد عقیدہ یا بد عمل ہوئے ہوتے تو اس وقت ان سے بچنا لازم ہوتا اور یہ ان کے منصب

www.alahazratnetwork.org

کے خلاف ہے لہٰذا اسی سے عصمت انبیاء کا ثبوت ملا اس کی پوری بحث ہمارے رسالے قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو۔ دوسرا فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ گمراہوں اور بدمذہبوں سے دور رہنا چاہئے اور اللہ کے نیک بندوں کی صحبت میں بیٹھنا سخت ضروری ہے بدمذہبوں کے طریقوں ان کی صورتوں ان کی سیرتوں ان کی صحبتوں سے بچو جس کے پاس دولت ہو چاہئے کہ ڈاکوؤں اور چوروں سے علیحدہ رہے ورنہ ان کی دولت خطرے میں ہے اسی طرح جس کے پاس دولت ایمان ہو وہ ایمان کے چوروں سے علیحدہ رہے زہریلا سانپ جان لے گا اور بُرا یار ایمان برباد کرے گا مگر افسوس کہ ہمارے زمانے میں قوم کی تنظیم اور اتفاق کے یہ معنی کئے گئے ہیں کہ اللہ والوں (علماء، مشائخ، صوفیاء) سے نفرت کرو اور ہر بدمذہب کو اپنا بھائی سمجھو۔ تیسرا فائدہ: اس سورت کے شروع میں رب کی حمد و ثنا کا ذکر ہوا اور اخیر میں اس کے غضب سے پناہ کا جس سے معلوم ہوا کہ جس طرح رب تعالیٰ کی حمد و ثناء نیک بختیوں کی اصل ہے اسی طرح بداعتقادی اور بدعملی بدنصیبوں کی جڑ ہے۔ چوتھا فائدہ: اللہ کے مقبول بندے جہاں بھی ہوں اور جب بھی گزرے ہوں اور جیسے بھی ہوں سب ایک ہی جماعت ہیں کیونکہ ان سب کی اصل ایک ہی ہے لہٰذا آدم علیہ السلام کے زمانے سے قیامت تک کے سارے مقبول انشاء اللہ تعالیٰ ایک ہی زمرے میں ہیں لیکن مردود بارگاہ قسم قسم کے لوگ ہیں۔ بعض وہ جن کی صورتیں بگڑی ہیں بعض وہ جن کی سیرتیں بگڑی ہیں اور یہ اگرچہ دنیا میں متفق ہو کر رہیں لیکن آخرت میں بھی ان کا اتفاق نہ ہوگا۔ پانچواں فائدہ: دنیوی تکلیفیں اور مصیبتیں رب کا غضب نہیں جس طرح سے کہ یہاں کا محض آرام اس کی نعمت نہیں بلکہ یہ تکلیف اس بھٹی کی آگ کی طرح ہیں جو سونے کے میل کو دور کر دیتی ہے یا کھوٹے کھرے سونے کو الگ کر کے دکھا دیتی ہے جو دولت حق تعالیٰ سے غافل کر دے وہ رب کا غضب ہے اور جو تکلیف اس کی یاد دلائے وہ اس کی نعمت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مغضوب اور ضال وہ ہیں جو اس ازلی نور کے چھینٹے سے محروم رہ گئے یا مغضوب وہ جو مقبول ہو کے مردود بنے یا وہاں حاضر ہو کر غائب ہو گئے یا مغفورین کے زمرے میں رہ کر مقہور بنے دار السرور سے نکل کر دار الغرور میں آ گئے جیسے ابلیس اور بلعم ابن باعورہ اور ضالین وہ لوگ ہیں جو وہاں تک پہنچتے ہی نہیں یا تو یہاں سے چلے ہی نہیں یا چلے مگر راستے میں رہ گئے تو آیت کا مقصود یہ ہوا کہ خداوندا ہم کو نہ تو ان لوگوں میں سے بنانا جو تجھ تک پہنچتے ہی نہیں اور نہ ان سے جو پہنچ کو لوٹے یہ مقام بہت نازک ہے انسان کو چاہئے کہ اپنے ظاہر علم اور تقویٰ پر اعتماد نہ کرے بہت سی کھیتیاں پک کر برباد ہو جاتی ہیں **اللھم ارزقنا حسن الخاتمۃ** اسی لئے تو انبیائے کرام نے بھی استقامت کی دعائیں مانگی ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے عرض کیا **توفنی مسلما و الحقنی بالصلحین** شرح فقہ اکبر میں ہے کہ کسی تیلی نے سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم فرمایا کہ اگر میں دنیا سے ایمان سلامت لے گیا تو میری داڑھی بدرجہا بہتر ہے اور اگر یہ دولت مجھ سے چھن گئی تو تیرے بیل کی دم میری داڑھی سے کہیں اچھی ہے۔ کیونکہ پھر جہنم میرے لئے ہو گا نہ کہ جانور کے لئے۔ اے مغرور انسان ابھی تو کس بات پر فخر کرتا ہے ابھی تیرے سامنے نزع کی سختی قبر کی تنگی، قیامت کی وحشت میزان کا معاملہ، پل صراط سے گزرنا باقی ہے۔ جس وقت ان شاء اللہ تعالیٰ پل سے بخیریت گزر جائیں گے تب یہ کہیں گے

www.alahazratnetwork.org

للہ الحمد نہ مردیم رسیدیم بدوست　　آفرین باد بریں ہمت مردانہ ما

مگر سب کی اصل یہ ہے۔

گر محمدؐ کا ساتھ ہو جائے　　پھر تو مجھو نجات ہو جائے

اعتراض : حق تعالیٰ نے غضب اور گمراہی کے راستے پیدا ہی کیوں کیے؟ شیطان کو بنایا ہی کیوں نفس امارہ کو کیوں پیدا فرمایا؟ کیا اچھا ہوتا کہ نہ یہ موذی چیزیں ہوتیں نہ دنیا میں خدا کی نافرمانی ہوتی۔ اگر رب تعالیٰ نافرمانیوں سے راضی تھا تو نافرمانیوں پر عذاب کیسا؟ اور اگر ناراض تھا تو انہیں پیدا کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ہم ان شاء اللہ تعالیٰ سورۂ بقرہ کے شروع میں دیں گے جہاں شیطان کی تحقیق اور اس کے پیدا کرنے کے اسرار بیان کیے جائیں گے۔

اٰمِیْنَ
قبول فرما
قبول فرمالے۔

آمین اسم فعل ہے اس کے معنی یا تو ہیں ایسا ہی کر یا قبول فرما یہ قرآن پاک کی آیت نہیں ہے اس لئے نہ تو اس کو قرآن پاک میں لکھا گیا اور نہ آج تک کسی نے اس کے قرآن ہونے کا دعویٰ کیا ہاں سنت یہ ہے کہ سورۂ فاتحہ کے بعد تلاوت کرنے والا اور سننے والا آمین کہہ لیا کریں اسی طرح ہر دعا کے بعد آمین کہنا سنت ہے۔

آمین کے فضائل : تفسیر روح البیان شریف نے اسی جگہ پر ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضرت جبریل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ فاتحہ کے لئے آمین ایسی ہے جیسے کتاب کے لئے مہر یعنی جس طرح بغیر مہر کے کتاب مکمل نہیں ہوتی اسی طرح بغیر آمین سورۂ فاتحہ مکمل نہیں ہوتی سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آمین رب العالمین کی مہر ہے جس سے اپنے بندے کی دعا پر مہر لگاتا ہے یعنی جس طرح مہر والا لفافہ سوائے مکتوب الیہ کے کوئی نہیں کھول سکتا اسی طرح آمین والی دعا ان شاء اللہ ضائع نہیں ہو سکتی یعنی یا تو قبول ہو جائے اور اگر وہ دعا ارادۂ الٰہی کے خلاف ہے تو دعا مانگنے والے کو ثواب مل جائے گا حضرت وہب فرماتے ہیں کہ آمین میں چار حرف ہیں اور آمین کہنے والے کے لئے چار فرشتے دعا مغفرت کرتے ہیں حدیث پاک میں ہے کہ جب امام **ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو کیونکہ فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں جس کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے حضرت امام رازی تفسیر سورۂ فاتحہ میں فرماتے ہیں کہ شیطان اس دعا سے مایوس ہو جاتا ہے جس کے آخر میں آمین کہہ دی جائے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ اس پر مہر لگ چکی ہے میں توڑ نہیں سکتا۔ (روح البیان) دعا کرنے والا اور آمین کہنے والا دونوں دعا میں شریک ہوتے ہیں اس لئے حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے فرمایا **قد اجیبت دعوتکما** یعنی تم دونوں کی دعا قبول کر لی گئی حالانکہ فقط موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے صرف آمین فرمائی تھی مگر رب نے اس دعا کو ان دونوں صاحبان کی طرف نسبت کیا بزرگان دین فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے مجمع میں دعا کرنا بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں ایک شخص دعا کرے گا اور باقی سب لوگ آمین کہیں گے۔ اگر ان میں سے ایک کی بھی آمین قبول ہو گئی تو ان شاء اللہ سب کی دعا قبول ہو جائے گی۔

www.alahazratnetwork.org

آمین کے مسائل : 1۔ پہلے عرض کیا جاچکا ہے کہ آمین قرآن پاک کا کلمہ نہیں بلکہ یہ فقط دعا ہے۔ اس کا دعا ہونا قرآن پاک اور حدیث شریف اور سارے مسلمانوں کے اتفاق سے معلوم ہو چکا ہے رب تعالیٰ نے حضرت ہارون علیہ السلام کی آمین کو دعا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قرآن ہونے کی خبر نہ دی کسی صحابی اور تابعی نے اسے قرآن نہ کہا اور اسے قرآن میں لکھا بھی نہ گیا۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ یہ قرآن نہیں بلکہ دعا ہے۔ **مسئلہ:** امام کے پیچھے آمین آہستہ کہنی چاہئے اور نماز کے علاوہ بھی آہستہ کہنا بہتر ہے۔ اس کا آہستہ کہنا قرآن پاک 'احادیث شریفہ اور عمل صحابہ کرام اور عقلی دلائل سے ثابت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ** یعنی اپنے رب سے عاجزی کے ساتھ اور چپکے سے دعا کرو جس سے معلوم ہوا دعا دل میں کرنی چاہئے اور آمین بھی ایک دعا ہے لہٰذا یہ بھی دل میں ہی چاہئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **و اذا سالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان** اور اے محبوب علیہ السلام جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں دریافت کریں تو فرمادو میں بہت قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا کرنے والے کی دعا کو۔ اس آیت سے بھی مقصود یہی ہے کہ دعا کرنے والا چیخنے کی زحمت گوارا نہ کرے پکار کر اس سے کوئی چیز مانگی جاتی ہے۔ جو دور ہو وہ تو شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے لہٰذا اس سے آہستہ ہی دعا کرو۔ ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ ہی چاہئے۔

احادیث : مشکوٰۃ باب القرءۃ فی الصلوٰۃ میں ہے کہ جب امام **ولا الضالین** کہے تو تم آمین کہو کیونکہ اس وقت ملائکہ بھی آمین کہتے ہیں۔ جس کی آمین ملائکہ کی آمین کے موافق ہو گئی اس کے سارے گزرے ہوئے گناہ معاف ہو جائیں گے (رواہ البخاری و المسلم) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گناہ جب معاف ہوں گے جب کہ آمین ملائکہ کی طرح کہے گا اور ملائکہ تو آہستہ کہتے ہیں جو کہ ہمارے سننے میں نہیں آتی تو چاہئے کہ ہم بھی آہستہ ہی کہیں اگر ہم نے بلند آواز سے آمین کہی تو ملائکہ کی آمین کے مخالف ہوئی پھر مغفرت کیسی؟ یہ جو فرمایا گیا کہ جس کی آمین فرشتوں کے موافق ہو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیفیت میں موافق ہو نہ کہ وقت میں کیونکہ وقت تو آمین کہنے کا وہی ہے جو بھی اس وقت آمین کہے گا موافق ہو جائے گا پھر اس میں یہ قید لگانا کیسی؟ کہ جن کی آمین فرشتوں کی آمین کے موافق ہو اس کی مغفرت ہو۔ مراد یہی ہے۔ جو ہم نے عرض کیا۔ حدیث 2 حضرت وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی جب حضور علیہ السلام یہاں پہنچے **غیر المغضوب علیھم ولا الضالین** تو فرمایا **امین واخفی بھا صوتہ** یعنی اپنی آواز پست کی۔ آمین آہستہ پڑھی اس کو امام احمد اور ابوداؤد طیالسی اور طبرانی اور دار قطنی نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا اور فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔ حدیث 3 امام محمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے آثار میں اور عبد الرزاق نے اپنی مصنف میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت ابراہیم نخعی فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو امام آہستہ کہے۔ 1 **اعوذ باللہ** 2 **بسم اللہ** 3 **سبحنک اللھم** 4 آمین حدیث 4 طبرانی نے تہذیب میں اور طحاوی نے اور ابن جریر نے اور ابو حفص ابن شاہین نے حضرت ابووائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضرت علی اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نہ تو بسم اللہ آواز سے پڑھتے تھے اور نہ آمین 5 حدیث اسی طبرانی نے کبیر میں انہی ابی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت علی اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما نماز میں اعوذ باللہ اور بسم اللہ اور آمین کو بلند آواز سے نہ پڑھتے تھے۔ 6 حدیث عینی شرح ہدایہ نے

www.alahazratnetwork.org

حضرت ابو معمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں امام چار چیزیں آہستہ کہے اعوذ باللہ بسم اللہ آمین ربنا لک الحمد 7 حدیث یہی روایت منتخب کنز العمال میں ابراہیم نخعی سے ہے۔ 8 حدیث ابوداؤد ترمذی اور ابن ابی شیبہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے پڑھا غیر المغضوب علیھم ولا الضالین اور آمین کہا وخفض بھا صوتہ اپنی آواز کو اس میں پست کیا۔ 9 حدیث بیہقی نے انہی ابی وائل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا کہ سیدنا عبداللہ فرماتے ہیں کہ امام چار چیزوں کو آہستہ کہے بسم اللہ آمین ربنا لک الحمد اور اعوذ باللہ۔ 10 حدیث بخاری اور بیہقی نے سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب قاری کہتا ہے ولا الضالین تو آسمان کے فرشتے بھی آمین فرماتے ہیں جس کی آمین ان کی آمین کے موافق ہوگی اس کی مغفرت ہو جائے گی اس کی پوری تحقیق صحیح البہاری میں دیکھو۔

عقلی دلیل : آمین کے علاوہ جس قدر نماز میں دعائیں ہیں یعنی دعاء قنوت، دعاء ماثورہ وغیرہ تمام آہستہ ہی پڑھی جاتی ہیں۔ چونکہ آمین بھی ایک دعا ہے چاہئے کہ یہ بھی آہستہ پڑھی جائے۔ نیز نماز میں سوا تکبیروں اور تلاوت قرآن کے کوئی ذکر بلند آواز سے نہیں کیا جاتا اور آمین بھی تلاوت اور تکبیروں کے علاوہ ہی ہے لہذا وہ بھی آہستہ ہونی چاہئے۔

غیر مقلدوں کا اعتراض : غیر مقلد کہتے ہیں کہ بہت سی احادیث میں آیا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہی جائے چنانچہ ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے وائل ابن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کہ آپ نے نماز میں ولا الضالین پڑھا اور آمین فرمایا مدبھا صوتہ بلند کیا اس سے اپنی آواز کو اسی طرح ابن ماجہ کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتنی آواز سے آمین فرماتے تھے جو صف اول والے سن لیتے تھے پھر یہ سب لوگ اتنی بلند آواز سے آمین کہتے تھے جس سے مسجد گونج جاتی تھی لہذا بلند آواز سے کہنی چاہئے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں اول یہ کہ قرآن پاک نے آہستہ دعا مانگنے کا حکم دیا اور آمین بھی ایک دعا ہے اور ان احادیث سے امین بالجہر ثابت ہوئی یقیناً آیت قرآنی کو ترجیح دی جائے گی نیز حضور کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کرنا حرام ہے رب فرماتا ہے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اگر ختم سورۂ فاتحہ پر حضور کے ساتھ تمام صحابہ اونچی آواز سے حضور کے ساتھ آمین کہتے تو ان کی آوازیں حضور کی آواز سے اونچی ہو جاتیں یہ حکم قرآنی کے خلاف ہے۔ آمین بالخفی کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔ جس میں اس جیسے 26 مسائل پر محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔ دوسرے یہ کہ جب احادیث کی تحقیق کی جاتی ہے تو بلند آواز کی حدیثوں میں صرف سیدنا وائل رضی اللہ عنہ کی روایت صحیح ہے جس میں مدبھا صوتہ ہے اور اس کا ترجمہ یہ نہیں کہ بلند آواز سے آمین فرمائی بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آواز کھینچ کر آمین کہا یعنی آمین کے الف اور میم کو مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھا۔ اب لفظ صوت کے معنی فقط آواز کے ہیں خواہ چیخ کر ہو خواہ آہستہ پھر جب کہ انہی حضرت وائل رضی اللہ عنہ کی روایت میں صراحۃً آ چکا کہ حضور علیہ السلام نے آمین فرمائی تو یقیناً اس روایت میں بھی صوت سے مراد آہستہ آواز ہوگی تاکہ دونوں روایتیں مطابق ہو جائیں تیسرے یہ کہ جن روایتوں میں جہر کے الفاظ موجود ہیں۔ اولاً تو اسناد کے لحاظ سے وہ صحیح نہیں۔ علاوہ ازیں ان روایات کرنے والوں نے مدبھا صوتہ کا ترجمہ جہر فرما کر روایت بے معنی کر دی ہے ابن ماجہ کی روایت اس لئے بھی قرن

www.alahazratnetwork.org

قیاس نہیں کہ اس میں ہے کہ آمین کی آواز سے مسجد گونج جاتی تھی اور ظاہر ہے کہ کچی اور چھپروالی مسجد میں گونج پیدا نہیں ہو سکتی گونج تو ڈاٹ والی پختہ عمارت میں پیدا ہوتی ہے اور مسجد نبوی شریف اس وقت کچی تھی چھت میں چھپر تھا اس کی تحقیق ہمارے حاشیہ بخاری نعیم الباری میں دیکھو چوتھے یہ کہ جب حدیثوں میں تعارض ہو تو قیاس کے ذریعے سے بعض حدیثوں کو ترجیح دے دی جاتی ہے تو آہستہ آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے مطابق ہیں اور بلند آواز سے آمین کہنے کی حدیثیں قیاس کے خلاف جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لہذا آمین آہستہ ہی کہنا چاہئے پانچویں یہ کہ آہستہ آمین والی حدیثوں کی قرآن پاک تائید فرما رہا ہے لہذا اوہی زیادہ قابل عمل ہے چھٹے یہ کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ بلند آواز سے آمین کہنے کی روایتیں منسوخ ہیں اور آہستہ والی ناسخ۔ لہذا آہستہ آمین کہنا ہی قابل عمل ہے۔ **وصلی اللہ تعالٰی علی حبیبہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ و اصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین** ○

آیاتہا ۲۸۶ (۲) سورۃ البقرۃ مدنیۃ (۸۷) رکوعاتہا ۴۰

سورہ بقرہ مدنی ہے اور وہ دو سو چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں۔

تعلق: اس سورۃ کا سورۃ الحمد کے ساتھ چند طرح تعلق ہے اولاً یہ کہ سورۃ الحمد میں ایسے عمدہ مضامین بیان ہوئے جن سے بیمار دل اور بیمار روح کو شفا ابدی حاصل ہوئی اسی لئے اس کا نام سورۃ شافیہ تھا۔ شفا کے بعد زندگی ضروری ہوتی ہے یا یوں سمجھو کہ دوا کے بعد غذا ضروری ہے۔ کیونکہ دوا سے بیماری دور ہوتی ہے اور غذا سے زندگی باقی رہتی ہے سورہ بقرہ کے اندر ایسے مضامین بہت زیادہ ہیں جو انسان کو روحانی زندگی عطا فرماتے ہیں کیونکہ اس میں چالیس رکوع ہیں مگر کوئی بھی رکوع ایسا نہیں جس میں زندگی کا ذکر نہ ہو کسی رکوع میں ایمان کا ذکر ہے کسی میں اعمال کا کسی میں غذائیں پیدا فرمانے کا کسی میں بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اتارنے کا کسی میں دین ابراہیم کی پیروی کرنے کا کسی میں کعبے کے بدلنے کا کسی میں مرے ہوئے کو گائے کا گوشت مار کر زندہ کرنے کا کسی میں شراب و جوئے کی ممانعت کسی میں خانگی زندگی کے طریقے کسی رکوع میں طلاق اور عدت وغیرہ کسی میں بچوں کی پرورش۔ کسی میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا چار جانوروں کو مار کر زندہ کر کے دکھانا وغیرہ وغیرہ اور یہ تمام مضامین جسمانی یا روحانی حیات بخشنے والے ہیں تو یوں سمجھو کہ سورۃ فاتحہ شفا تھی اور سورہ بقر سورۃ حیات یعنی زندگی کی سورت دوسرے یہ کہ سورہ بقرہ الحمد شریف کی تفصیل ہے یعنی جو مضامین کہ وہاں اجمالی طور پر بیان کئے گئے تھے وہ اس سورت میں مفصل طور پر بیان ہوئے مثلاً سورۃ فاتحہ میں حق تعالٰی کی ربوبیت اور رحمت کا ذکر فرمایا گیا اس سورت میں ذکر ہوا کہ رب تعالٰی نے آسمان سے پانی برسا کر قسم قسم کے پھل پیدا فرمائے۔ فلاں قوم کو من سلویٰ عطا فرمایا گیا۔ فلاں شخص کو بعد مرنے کے زندہ کر دیا وغیرہ وغیرہ اسی طرح سورۃ فاتحہ میں حق تعالٰی کی شہنشاہی کا ذکر تھا کہ **مالک یوم الدین** اس سورۃ میں ذکر آئے گا کہ بنی اسرائیل نے فلاں خطا کی ان پر یہ عذاب بھیجا گیا یہ اس کی شہنشاہی کا ثبوت ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ میں عبادت کا ذکر تھا۔ تو اس سورۃ میں روزہ، نماز، حج، زکوۃ

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ سب کا ذکر آئے گا۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ میں سیدھے راستے کی دعا مانگی گئی تھی۔ انعام والوں کے راستوں پر چلنے کی توفیق اور سورۂ بقر میں حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی پیروی کرنے والوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ میں غضب والوں اور گمراہوں سے پناہ مانگی گئی تھی اور سورۂ بقر میں فرعون اور نمرود وغیرہ کے حالات اور ان کی تباہی کا ذکر فرمایا گیا غرض کہ سورۂ بقر سورۂ فاتحہ کی تفصیل یا تفسیر ہے اس لئے اس کو سورۂ فاتحہ کے بعد بیان فرمانا نہایت بہتر ہے۔

سورۂ بقر کا نام

ہم سورۂ فاتحہ کے اول میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ سورۃ کا نام اس کے بعض مضامین وغیرہ سے ہوتا ہے لہٰذا سورۂ بقر کا نام بھی اس کے ایک مضمون سے رکھا گیا۔ بقرہ کے معنی ہیں گائے یا بیل چونکہ اس میں گائے کے ذبح کرنے اور اس کے ذریعے سے ایک مقتول کو زندہ کرنے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۂ بقر رکھا گیا۔ اگرچہ اس میں اور بھی اعلیٰ مضامین موجود تھے لیکن گائے کا یہ عجیب و غریب قصہ صرف اسی سورت میں ہے اور کسی میں نہیں اور اس واقعہ میں ہزار ہا فائدے ہیں جن کی کچھ تفصیل ہم اس موقع پر کریں گے لہٰذا اس کا نام سورت بقرہ ہی ہوا۔

شان نزول : اس کا ایک تو اجمالی شان نزول ہے ایک تفصیلی۔ تفصیلی شان نزول تو مختلف آیتوں کے ساتھ بیان کیا جائے گا شان نزول اجمالی یہ ہے کہ جب بانی اسلام علیہ السلام مکہ مکرمہ میں تشریف فرما تھے تو وہاں صرف بت پرستوں اور مشرکین کا مقابلہ تھا لیکن جب مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو یہاں عیسائیوں اور یہودیوں کی آبادی پائی۔ مدینہ پاک میں یہودیوں کا بہت زور تھا۔ اور عبداللہ ابن ابی یہاں کا گویا سردار مانا جاتا تھا۔ جب اسلام کا آفتاب مدینہ پر چمکا اور سب سے پہلے ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کو چمکایا اور قرآن کی آوازیں ان کے کانوں میں پہنچیں تو سب کے دلوں نے قبول کیا لیکن سوا چند دیندار لوگوں کے باقی سب حسد اور تعصب کی وجہ سے مقابلے پر آمادہ ہو گئے۔ چونکہ یہ لوگ پہلے سے علم میں مشہور تھے اور اطراف مدینہ کے لوگ ان کی عزت بھی کرتے تھے اور اس لئے اکثر عرب کے جہلا ان کے ساتھ ہو گئے پھر یہود و نصاریٰ جو آپس میں لڑتے رہتے تھے اسلام کے مقابلے کے لئے ایک ہو گئے عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھی جن کو عزت اور مال کی محبت نے اندھا کر رکھا تھا بظاہر تو مسلمان ہو گئے لیکن دل سے کافروں کے ساتھ رہے اور انہوں نے درپردہ ان دشمنوں کی امداد کرنا شروع کر دی تو یوں سمجھو کہ مدینہ پاک میں آکر مسلمانوں کو چار قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا۔ علمائے یہود، علمائے نصاریٰ، جہلا مشرکین اور منافقین یہ لوگ خفیہ ایذا پہنچانے کے علاوہ کج بحثیاں کرتے تھے اور مسلمانوں کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ پس حکمت الٰہی کا تقاضا ہوا کہ ایک ایسی سورت اتاری جائے۔ جس سے ان چار فرقوں کی سرکوبی ہو جائے اور ان کے شبہات دور کئے جائیں اس لئے مدینہ پاک پہنچتے ہی یہ سورۂ اترنا شروع ہوئی یہ تو اس پوری سورت کے نازل ہونے کی وجہ بیان کی گئی۔ آیتوں کا شان نزول ان شاء اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

سورۂ بقر کے فضائل : سورۂ بقر کے بے شمار فضائل ہیں ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں مسلم شریف میں سیدنا انس

www.alahazratnetwork.org

رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ و آل عمران جانتا تھا اس کی بڑی عزت ہوتی تھی۔ 2 مسند امام احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورۂ بقر قرآن پاک میں ایسی ہے۔ جیسے کہ اونٹ کے جسم میں کوہان یعنی اس کے پیٹھ کی بڑی۔ یعنی جیسے کہ اونٹ کی خوبصورتی اس کے کوہان سے ہوتی ہے۔ اسی طرح قرآن پاک کی زینت سورۂ بقر سے ہے۔ اسی مسلم شریف میں ابو امامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ زہراوین (چمکدار نورانی سورتوں کو پڑھا کرو۔ یعنی سورۂ بقرہ و آل عمران۔ کیونکہ قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں اپنے پڑھنے والوں پر بادلوں کی طرح سایہ کریں گی اور ان کی شفاعت فرمائیں گی۔ 3 تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص ہر جمعہ کی شب میں سورۂ بقرہ و آل عمران پڑھا کرے تو اس کو اتنا ثواب ملتا ہے جس سے کہ بعیدا سے عروبا تک بھر جائے (بعیدا زمین کے آخری ساتویں طبقہ کا نام ہے اور عروبا ساتویں آسمان کا) 4 سیدنا ام الدرداء سے روایت ہے کہ ایک شخص نے جو قرآن پاک کی تلاوت کرنے والا تھا ایک روز اپنے پڑوسی کو مار ڈالا صبح کو اسے گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔ جب اسے دفن کیا گیا تو تمام سورتیں اس کی قبر سے نکل کر جاتے ہوئے دیکھی گئیں مگر سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران اس وقت تک نہ گئیں جب تک کہ جمعہ نہ آگیا۔ اور وہ شخص عذاب سے محفوظ ہو گیا۔ 5 حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سورۂ بقرہ بارہ سال میں تمام حقائق و اسرار کے ساتھ پڑھی اور جس دن ختم کی اس دن خوشی میں ایک اونٹ ذبح کر کے صحابہ کرام کی خوشی میں دعوت کی۔ ضروری نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ دینی کتابیں شروع یا ختم کرتے وقت شیرینی تقسیم کرنا اور خوشی منانا سنت صحابہ کرام ہے۔ 6 قرآن پاک سے سب میں بڑی یہی سورت ہے اس سورۃ میں دو سو چھیاسی۔ (286) آیتیں ہیں چالیس رکوع اور چھ ہزار ایک سو اکیس (6121) کلمے اور پچیس ہزار پانچ سو (25500) حرف ہیں 7 قرآن پاک کی سب سے بڑی آیت یعنی آیت مداینہ اسی سورہ بقر میں ہے۔ 8 ابن عربی کہتے ہیں کہ سورۂ بقر میں ایک ہزار حکم اور ایک ہزار نہی اور اور ایک ہزار خبریں ہیں یعنی جس قدر احکام کہ اس سورۃ میں ہیں اتنے اور سورتوں میں نہیں۔ فائدہ: یہ بھی قرآن پاک کا ایک معجزہ ہے کہ اس کی سورتیں اور آیتیں چھوٹی بڑی ہیں جس سے رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہوتا ہے کہ وہ جس طرح بڑی سورۃ میں بے شمار خوبیاں بھر سکتا ہے۔ اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی سورۃ میں بھی۔ سورۃ چھوٹی ہو یا بڑی ہر ایک معجزہ ہے۔ غور کرو کہ ہاتھی اونٹ کے جسم بہت بڑے ہیں اور چیونٹی کا جسم نہایت معمولی لیکن جتنے عضو کہ ہاتھی اور اونٹ میں ہیں قریب قریب وہ سب عضو چیونٹی میں بھی ہیں۔ اس سے حق تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔

سورۂ بقر کے فائدے : سورۂ بقرہ کے بے شمار فائدے ہیں جن میں سے کچھ فائدے ہم تفسیر عزیزی اور تفسیر خزائن العرفان سے نقل کرتے ہیں 1 جس گھر میں سورہ بقر پڑھی جائے اس گھر میں تین روز تک سرکش شیطان داخل نہیں ہوتا۔ 2 جو شخص ہمیشہ سوتے وقت سورۂ بقر کی دس آیتیں پڑھ لیا کرے وہ ان شاء اللہ قرآن پاک کبھی نہ بھولے گا وہ دس آیتیں یہ ہیں۔ چار آیتیں اول کی یعنی مفلحون تک اور آیۃ الکرسی اور دو آیتیں آیۃ الکرسی کے بعد کی اور تین آیتیں اخیر سورت کی 3 جس کسی کے بچے کو چیچک نکل آئے وہ ڈھائی پاؤ چاول پکائے اور اس میں بقدر ضرورت دہی اور کھانڈ ڈالے اور کسی فقیر کو بلا کہ اس سے کہے کہ تو ان چاولوں کو اس طرح آہستہ آہستہ کھا کہ میرا پڑھنا اور تیرا کھانا ایک ساتھ ختم ہوں وہ فقیر اس بچے کے سامنے کھانا

www.alahazratnetwork.org

شروع کرے اور وہ شخص اس بچے کے سامنے سورہ بقر شروع کرے آہستگی سے عمدہ طریقے سے سورہ بقر پڑھے اور جو تو یہ سورت ختم کرے اور وہ چاول ختم کرے ان شاء اللہ چیچک کو آرام ہو گا اور اس سال میں اس گھر میں چیچک سے امن رہے گا مگر شرط یہ ہے کہ یہ عمل صبح کے وقت کیا جائے اور عمل کرنے والا اور بیمار بچہ دونوں نہار منہ ہوں۔4 طبرانی اور بیہقی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میت کو دفن کرکے اس کی قبر کے سرہانے سورہ بقر کی اول آیتیں مفلحون تک اور قبر کی پائنتی سورہ بقر کا آخری رکوع پڑھنا چاہئے ان شاء اللہ اس کے بقیہ اور فائدے اس سورۃ کے آخر میں بیان کئے جائیں گے۔

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ
یہ کتاب نہیں شک میں ہدایت ہے پرہیزگاروں
وہ بلند مرتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو

تعلق : سورہ فاتحہ کو الحمد سے شروع فرمایا جس کے معنی اس قدر ظاہر ہیں کہ بچے بھی جانتے ہیں اور ہر شخص سنتے ہی اس کے سمجھنے اور جاننے میں کچھ تامل نہیں کرتا لیکن سورہ بقر کو آلم سے شروع فرمایا جس کے معنی میں عام تو کیا بڑے بڑے علماء اور اولیاء بھی حیران ہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ قرآن پاک بعض لحاظ سے بہت آسان ہے اور بعض اعتبار سے سخت مشکل۔ اس کے بعض ظاہری معنی تو اس قدر آسان ہیں کہ سن کر ہی سمجھ میں آجاتے ہیں اور بعض اسرار و رموز اس قدر دشوار ہیں کہ جس کے لئے عقل انسانی کافی نہیں ہوتی نقل حدیث ہی کی ضرورت پڑتی ہے۔ دیکھو دنیا کی بعض چیزیں ایسی عام ہیں کہ ہر شخص کو بلا تکلف مل جاتی ہیں جیسے ہوا پانی وغیرہ اور بعض وہ چیزیں ہیں کہ بہت دشواریوں سے خاص خاص ہی کو ملتی ہیں جیسے ہیرا اور موتی وغیرہ اگر قرآن کریم بالکل آسان ہوتا تو کوئی شخص شیخی سے کہہ سکتا تھا کہ میرا دماغ اس کے سمجھنے کے لئے کافی ہے۔ ضرورت تھی کہ کچھ رازکی باتیں اس میں ایسی بھی ہوں کہ جن کو سنتے ہی بڑے سے بڑا عالم اپنے عجز کا اقرار کرتے ہوئے پکار کر یہ کہنے لگے کہ **سبحنک لا علم لنا** کہ اے پروردگار ہمیں خبر نہیں اپنے راز تو ہی جانتا ہے۔ سورہ بقر کا اول کلمہ وہ مقرر کیا کہ جس کو سن کر انسان اپنی عاجزی کا اقرار کرے۔

تفسیر : حق تو یہ ہے کہ اس کے معنی اللہ اور اس کے رسول اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا ہم کو چاہئے کہ اس کے حق ہونے پر ایمان لے آئیں اور یہ کہہ دیں کہ اس کے معنی وہ ہیں جو رب تعالیٰ نے بتائے اور محبوب علیہ الصلوۃ والسلام نے جانے تفسیر روح البیان شریف میں اس جگہ فرمایا کہ یہ الم ان کلاموں میں سے ہے جن کے معنی کی خبر حضرت جبریل علیہ السلام کو بھی نہیں ہوتی تھی۔ ڈاک خانے کے ذریعے حکام کے پاس کچھ شاہی تاروں میں ایسے حروف آتے ہیں کہ جن کو خود تار کا لینے والا پوسٹ ماسٹر اور لانے والا تار بابو بھی نہیں سمجھتا لیکن جس حاکم کے پاس وہ تار آتا ہے وہ اسے خوب سمجھتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ رب نے سب کچھ بتا کر حضور کو بھیجا ورنہ حضور ان متشابہات کے معنی ہرگز نہ سمجھتے اور ان کا نزول بیکار ہوتا نیز

www.alahazratnetwork.org

رب نے صلوٰۃ و زکوٰۃ وغیرہ ساری عبادات کا حکم دیا مگر کسی عبادت کی تفصیل نہ بیان کی نہ حضور نے پوچھا کہ زکوٰۃ کتنے مال سے کتنی دیں کب دیں کیسے دیں بلکہ بلا تامل صحابہ کو ہر حکم قرآنی کی تفصیل سمجھا دی کلمہ الم نے ہی حضور کا علم اور عالم پیدا ہونا بتا دیا چنانچہ روایات سے ثابت ہے کہ جب کھیعص نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے جب عرض کیا کاف تو حضور نے فرمایا میں نے جان لیا پھر عرض کیا ہا فرمایا میں نے جان لیا پھر عرض کیا یا فرمایا میں نے جان لیا پھر عرض کیا عین فرمایا میں نے جان لیا اور پھر عرض کیا صاد فرمایا میں نے جان لیا حضرت جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کیا جان لیا؟ مجھے تو کچھ خبر نہ ہوئی۔

میاں طالب و محبوب رمزیست کراماً کاتبین راہم خبر نیست

لیکن بعض علمائے کرام نے بطریق تاویل ان کے کچھ معانی بیان کئے ہیں۔ لیکن وہ بھی فرماتے یہی ہیں کہ حقیقی معنی وہی ہیں جو رب جانے۔ وہ تاویلیں یہ ہیں۔ 1 الم قرآن پاک کا نام ہے 2 الم سورہ بقر کا نام ہے بلکہ جو بھی سورتیں اس قسم کے حروف سے شروع ہوتی ہیں وہ اس سورت کا نام ہی ہوتی ہیں جیسے حم یا الر وغیرہ (3) اس کا ہر حرف حق تعالیٰ کے بعض ناموں کا پہلا حرف ہے یعنی الف سے مراد ہے اللہ اور لام سے مراد لطیف میم سے مراد معین یا مجید یا منان 4 الف سے مراد انا یعنی میں لام سے مراد اللہ میم سے مراد اعلم میں جانتا ہوں 5 یہ اللہ اور دوسری ذاتوں کے ناموں کے مخفف حرف ہیں یعنی الف سے مراد اللہ لام سے جبریل اور میم سے مراد محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مقصود یہ ہوا کہ اس میں قرآن پاک کے بھیجنے والے اور پہنچانے والے اور وصول کرنے والے کا نام ہے یعنی یہ قرآن کریم اللہ نے بھیجا جبریل لائے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے پایا 6 یہ حرفوں ہی کے نام ہیں یعنی اس سے مراد الف لام میم ہی ہیں تو منشاء یہ ہے کہ قرآن پاک بھی انہی حرفوں سے بنا ہے۔ جن سے اے انسان تیرے کلام بنتے ہیں۔ لیکن پھر اس قدر اعلیٰ کلام ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے۔

اعتراض : 1۔ قرآن پاک تو عمل کرنے کے لئے آیا ہے۔ اگر اس کی مراد اس قدر چھپی ہوئی تھی تو اسے قرآن پاک میں رکھا ہی کیوں گیا؟ اگر یہ راز کی بات تھی تو صیغہ راز میں رکھی جاتی۔ **جواب:** یہ خیال محض غلط ہے کہ قرآن کریم صرف عمل کیلئے آیا ہم اس کی تحقیق مقدمہ میں کر چکے ہیں حق یہ ہے کہ بعض آیتیں جاننے کے لئے ہیں جیسے اللہ کی ذات و صفات کی آیتیں اور بعض آیتیں فقط ماننے کے لئے یعنی انہیں جانو مت صرف مان لو کہ یہ کلام اللہ کا ہے۔ بعض آیتیں ڈرنے کے لئے جیسے عذاب کی آیتیں۔ اور بعض آیتیں خوش ہونے اور امید کے لئے جیسے رحمت کی آیتیں تو یہ متشابہات صرف ماننے کے لئے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ انہیں قرآن پاک میں کیوں رکھا گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چند حکمتوں سے 1 ان پر ایمان لانا۔ 2 ان کی تلاوت کرنا کیونکہ کہ تلاوت میں ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں تو اگرچہ الم کے معنی سمجھ میں نہ آئیں مگر اس کے پڑھنے سے تیس نیکیاں مل جائیں گی۔ 3 اس سے حضور علیہ السلام کی شان معلوم ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کے ایسے رازدار ہیں کہ ان کے رازوں تک فرشتوں کی بھی رسائی نہیں۔ 4 عالموں کی آنکھیں نیچی ہوں گی اور دل سے غرور جاتا رہے گا اور انہیں اپنی عاجزی نیازمندی کا اقرار کرنا پڑے گا کیونکہ ہر عالم ہر چیز کے جاننے اور سمجھنے کی کوشش کرتا ہے جب ان کلمات کو نہ سمجھ سکے گا تو یہی کہتے بنے گی کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے۔ 5 ان کے معنی کا نہ سمجھنا قرآن کے خدائی کتاب ہونے کی دلیل ہوگی کیونکہ جہاں تک دماغ کی رسائی

www.alahazratnetwork.org

نہ ہوا سے یہی کہتے بنتا ہے کہ یہ خدا کی چیز ہے۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولقد یسرنا القران** یعنی ہم نے قرآن کریم کو آسان کیا اور تم کہتے ہو کہ قرآن کریم کی بعض آیتیں بے حد مشکل ہیں تو تمہاری یہ بات کلام الٰہی کے خلاف ہوئی؟

جواب: یہ آیت آپ نے پوری نہ پڑھی۔ پوری آیت یہ ہے **ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر** یعنی ہم نے اس قرآن کو یاد کرنے یا نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کیا ہے یعنی کوئی بھی آسمانی کتاب کسی امتی نے حفظ نہ کی قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ بچوں کو بھی حفظ ہے تو یہ حفظ کے لئے آسان ہے نہ کہ سمجھنے کے لئے اسی طرح اس قرآن پاک کے ذریعے سے رب کو پہچاننا آسان ہے نہ یہ کہ اسرار سمجھنا کیا قرآن پاک کی وہ آیت نہ دیکھی **وما یعلم تاویلہ الا اللہ** یعنی ان متشابہ آیتوں کے معنی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نوٹ: ہمارے اس جواب سے وہابیوں اور پنڑالویوں کے صدہا اعتراضات اٹھ جائیں گے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن کریم نور ہے قرآن کریم دلیل ہے قرآن کریم ہدایت دینے والا قرآن کریم تبلیغ کا ذریعہ ہے قرآن کریم کتاب مبین یعنی کھلی ہوئی کتاب ہے اگر اس کی بعض آیتیں بالکل چھپی ہوئی اور مشکل ہوتیں تو وہ نور ہوتیں نہ ہدایت نہ دلیل۔ ان سب کا جواب ہمارے مذکورہ جواب سے معلوم ہو گیا کہ قرآن کریم کی ساری آیتیں حق تعالیٰ کو پہچاننے کی دلیل دینے والی ہیں اور اپنے لانے والے کی صداقت کے لئے نور وغیرہ ہیں نہ یہ کہ ہر ایک کا راز سمجھنا بھی آسان ہے۔

تیسرا اعتراض: متشابہات قرآنیہ کا علم حضور کو بھی نہیں دیا گیا صرف رب کو ہے۔ قرآن کہتا ہے **وما یعلم تاویلہ الا اللہ** **جواب:** یہ غلط ہے اگر حضور کو ان کا علم نہ دیا جاتا تو ان کا نزول بیکار ہوتا رب فرماتا ہے **الرحمن علم القرن** رب نے حضور کو سارا قرآن سکھا دیا قرآن میں متشابہات بھی ہیں اگر ان کی تعلیم نہ دی جاتی تو سارے قرآن کی تعلیم نہ ہوتی یہ اس آیت کے خلاف۔ تمہاری پیش کردہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بغیر تعلیم الٰہی ان کی تاویل کوئی نہیں جانتا۔ سال صرف نحوی قاعدے کافی نہیں **ذالک الکتب** اس کا تعلق پہلے سے یہ ہے کہ اگر الم قرآن پاک کی سورۃ کا نام ہو تو وہ مبتداء ہو گا اور یہ اس کی خبر تو معنی یہ ہوں گے کہ الم یہ کتاب ہے اور اگر وہ متشابہات میں سے ہے تو یہ الگ جملہ بنے گا اس طرح کہ ذالک مبتدا اور الکتب خبر یعنی یہ قرآن کتاب کامل ہے۔

تفسیر: **ذالک** اسم اشارہ ہے جیسے کہ اردو میں لفظ یہ یا وہ اب اس میں گفتگو یہ ہے کہ **ذلک** سے اشارہ کس طرف ہو رہا ہے اگر اہل کتاب کو سنانا مقصود ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز جس کا وعدہ توریت و انجیل وغیرہ میں کیا گیا تھا آخر زمانہ میں ایک کتاب آنے والی ہے اے عیسائیو اور یہودیو! یہ وہی کتاب ہے اس کتاب نے آکر تمہارے نبیوں اور تمہاری کتابوں کو سچا کر دیا اگر یہ کتاب نہ آتی تو تمہارے نبیوں اور کتابوں کی یہ پیش گوئی جھوٹ ہو جاتی تمہارا اس کتاب کا انکار حقیقت میں اپنے نبیوں اور کتابوں کو جھٹلانا ہے اور اگر مسلمانوں کو سنانا ہے تو **ذالک** سے اشارہ یا تو ان سورتوں کی طرف ہو رہا ہے جو سورہ بقرہ سے پہلے اتر چکی ہیں اور یا ان کی طرف جو آئندہ اترنے والی ہیں یا اس کی طرف جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے چونکہ پہلے خبر دی جا چکی ہے **وانہ فی ام الکتاب لدینا** اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اس کی خبر دی تھی تو اب معنی یہ ہوئے کہ وہ سورتیں جو اس سے پہلے آچکیں یا جو لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں وہ یہ کتاب ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **ذالک الکتاب** مبتدا اور **لا ریب فیہ** اس کی خبر تو اس صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ کتاب وہ ہے جس میں کوئی شک نہیں

www.alahazratnetwork.org

الکتاب کتب سے بنا ہے اور اس کے چند معنی ہیں جمع ہونا اسی لئے لشکر کو کتیبہ کہتے ہیں کیونکہ اس میں بہت سے انسان جمع ہوتے ہیں۔ 4 معیاد یا مدت **ولها کتاب معلوم** 5 غلام کو مکاتب کرنا یعنی اس سے کہنا کہ اتنا مال دے تو آزاد ہے **والذین یبتغون الکتب** 6 لکھنا اور لکھی ہوئی چیز اس جگہ یا تو پہلے معنی مراد ہیں یا آخری۔ اگر پہلے مراد ہوں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ جمع کی ہوئی چیز ہے کیونکہ قرآن کریم میں سارے علوم جمع ہیں تو گویا کامل کتاب یہی ہے۔ خیال رہے کہ سارے علوم قرآن شریف میں ہیں رب فرماتا ہے کہ تفصیل الکتاب اور فرماتا ہے **ولا رطب ولا یابس** اور سارا قرآن حضور کے علم میں رب فرماتا ہے **الرحمان علم القران** اب جو کوئی حضور کے علم کا انکار کرے وہ یا تو قرآن میں سارے علوم نہیں مانتا یا حضور کو سارے قرآن کا عالم نہیں مانتا پہلی صورت بھی آیت کے خلاف ہے دوسری بات بھی اگر آخری معنی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ لکھی ہوئی چیز ہے یعنی لکھنے میں کامل یہی کتاب ہے اس کے سوا سب ناقص اس لئے کہ سب سے پہلے یہ لوح محفوظ میں لکھی گئی پھر پہلے آسمان پر پھر مسلمانوں کے سینوں میں اور ہڈیوں چھڑوں وغیرہ پر پھر کاغذ اور کلفذ پر اس قدر لکھی گئی کہ اس کی مثل کوئی دوسری کتاب ہو سکتی ہی نہیں کیونکہ انسان جو بھی کتاب لکھتا ہے وہ دو چار یا دس بیس دفعہ چھپ کر ختم ہوتی ہے توریت وانجیل وغیرہ بھی چند بار لکھی گئی اور اب ختم ہو چکیں لیکن قرآن پاک نے اس زمانہ میں بھی دنیا بھر کے پریسوں پر قبضہ کر لیا چنانچہ اس وقت صرف لاہور سے پچاس لاکھ سالانہ اس کی اشاعت ہے نہ معلوم ہندوستان پاکستان کے دیگر پریسوں میں ہر سال کتنا چھپتا ہوگا اب اندازہ لگاؤ کہ ہندوستان کے علاوہ دیگر ممالک مصر' استنبول' بیروت' عراق' حجاز وغیرہ سے کس قدر اس کی اشاعت ہوگی ماننا پڑے گا کہ لکھنے اور چھپنے کے لحاظ سے بھی یہی کتاب مکمل ہے "روح البیان" شریف نے اس جگہ بیان فرمایا کہ توریت شریف کی ایک ہزار سورتیں تھیں۔ اور ہر سورت میں ایک ہزار آیتیں تو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اس کتاب کو کون پڑھ سکے گا اور کون حفظ کر سکے گا تو ارشاد باری ہوا کہ میں اس سے اعلیٰ شان والی کتاب نبی آخر الزمان پر اتاروں گا لیکن ان کی امت کے بچوں تک کو یاد کراؤں گا نیز اسی روح البیان شریف میں ہے کہ اس سے پہلے کل آسمانی کتابیں ایک سو تین اتریں پچاس صحیفے شیث علیہ السلام پر اور تیس ادریس علیہ السلام پر اور بیس ابراہیم علیہ السلام پر توریت موسیٰ علیہ السلام پر اور زبور داؤد علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر۔ لیکن ان تمام کتابوں کے مضامین اس قرآن پاک میں جمع ہیں۔ لہذا یہ کتاب ان تمام کتابوں کی جامع ہے اس لئے کہا گیا۔ **ذالک الکتاب**

قرآن پاک کے نام : تفسیر کبیر اور تفسیر عزیزی وغیرہ میں ہے کہ قرآن پاک کے 33 نام ہیں۔ جو کہ قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ 1 کتاب۔ 2 قرآن۔ 3 فرقان۔ 4 ذکر و تذکرہ۔ 5 تنزیل۔ 6 الحدیث۔ 7 موعظہ۔ 8 حکم۔ 9 حکمت، حکیم، محکم۔ 10 شفاء۔ 11 ہدیٰ۔ 12 صراط مستقیم۔ 13 حبل۔ 14۔ رحمت۔ 15 روح۔ 16 قصص۔ 17 بیان' تبیان۔ 18 بصائر۔ 19 فصل۔ 20 نجوم۔ 21 مثانی۔ 22 نعمت۔ 23 برہان۔ 24 بشیر۔ نذیر۔ 25 قیم۔ 26 مہیمن۔ 27 ہادی۔ 28 نور۔ 29 حق۔ 30 عزیز۔ 31 کریم۔ 32 عظیم۔ 33 مبارک یہ تمام نام قرآن کی مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔ وہ آیتیں یا تو کسی حافظ سے معلوم کر لی جائیں یا تفسیر کبیر و عزیزی میں اس مقام پر دیکھ لی جائیں۔

ان ناموں کی وجہ : قرآن اور فرقان کے معنی اور اس کی وجہ تسمیہ تو ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ کتاب کے معنی بھی

www.alahazratnetwork.org

ابھی بیان کر دیئے باقی ناموں کی وجہ تسمیہ حسب ذیل ہے۔4 ذکر و تذکرہ کے معنی ہیں یاد دلانا چونکہ یہ قرآن کریم اللہ اور اس کی نعمتوں کی اور میثاق کے عہد کو یاد دلاتا ہے اس لئے اس ذکر و تذکرہ کہتے ہیں 5 تنزیل کے معنی ہیں اتاری ہوئی کتاب چونکہ یہ بھی رب کی طرف سے اتاری گئی ہے اس لئے تنزیل کہتے ہیں۔ 6 حدیث اس کے معنی ہیں نئی چیز یا کلام اور بات چونکہ بمقابلہ توریت و انجیل کے یہ دنیا میں زمین پر بعد میں آیا اس لئے یہ نیا ہے نیز یہ پڑھا ہوا اترا نہ کہ لکھا ہوا۔ اس لئے یہ بات ہے۔ 7 موعظہ کے معنی نصیحت کے ہیں اور یہ کتاب سب کو نصیحت کرنے والی ہے اس لئے اس کا نام موعظہ ہے۔ 8 حکمت حکم محکمہ یہ حکم سے بنے ہیں اس کے معنی مضبوط کرنا لازم کرنا اور روکنا چونکہ یہ قرآن پاک مضبوط بھی ہے کوئی اس میں تحریف نہ کر سکا اور لازم بھی ہے کہ کسی کتاب نے اس کو منسوخ نہ کیا اور بری باتوں سے روکنے والا بھی ہے اس لئے اس کے یہ نام ہوئے۔ 9 شفاء اس لئے کہتے ہیں کہ یہ ظاہری اور باطنی بیماریوں سے سب کو شفا دینے والی کتاب ہے۔ 10 ہدی ہادی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لوگوں کو ہدایت کرتی ہے۔ 11 صراط مستقیم اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر عمل کرنے والا اپنی منزل پر آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ 12 حبل اس لئے کہتے ہیں کہ حبل کے معنی ہیں رسی اور رسی سے تین کام لئے جاتے ہیں۔ اس سے چند بکھری ہوئی چیزوں کو باندھ لیتے ہیں رسی کو پکڑ کر نیچے سے اوپر پہنچ جاتے ہیں رسی ہی کے ذریعے کشتی پار لگ جاتی ہے چونکہ قرآن کے ذریعے مختلف لوگ ایک ہو گئے اسی طرح اس کی برکت سے کفر کے دریا میں ڈوبنے سے بچ جاتے ہیں اسی کے ذریعے سے حق تعالیٰ تک پہنچتے ہیں اس لئے اس کو حبل کہتے ہیں۔ 13 رحمت اس لئے کہتے ہیں کہ یہ علم ہے اور جہالتوں اور گمراہیوں سے نکالنے والا ہے۔ اور علم حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔ 14 روح حضرت جبریل علیہ السلام کی معرفت آئی اور یہ جانوں کی زندگی ہے اس لئے اس کو روح کہتے ہیں نیز روح کے چند کام ہیں جسم کو باقی رکھتا ہے جان جسم جلد سڑ گل جاتا ہے جسم کی حفاظت کرنا کہ بے جان جسم کو جانور کھا جاتے ہیں جسم پر روح کرنا کہ جسم کی ہر جنبش روح کے ارادے سے ہوتی ہے قرآن شریف بھی مسلم قوم کی بقا کا ذریعہ ہے مسلمان کو شیاطین اور کفار سے بچاتا ہے قوم مسلم پر روح کرتا ہے کہ مسلمان کی ہر حرکت قرآن کے ماتحت ہے لہٰذا یہ روح ہے۔ 15 قصص قصے کے دو معنی ہیں حکایت اور کسی کے پیچھے چلنا چونکہ قرآن پاک نے انبیاء کرام اور دوسری قوموں کے سچے قصے بیان کئے اور لوگوں کا یہ امام ہے کہ سب لوگ اس کے پیچھے چلتے ہیں اس لئے اس کا نام قصص ہے۔ 16 بیان تبیان مبین ان سب کے معنی ہیں ظاہر کرنے والا چونکہ یہ قرآن سارے شرعی احکام کو اور سارے علوم غیبیہ کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ظاہر فرمانے والا ہے اس لئے اس کے یہ نام ہیں۔ 17 بصائر جمع بصیرت کی ہے بصیرت کہتے ہیں دل کی روشنی کو جیسے کہ بصارت آنکھ کے نور کو کہا جاتا ہے چونکہ اس کتاب سے دلوں میں صدہا نور پیدا ہوتے ہیں اس لے اسے بصائر بھی کہا جاتا ہے۔ 18 فصل کے معنی ہیں فیصلہ کرنے والی یا جدا کرنے والی چونکہ یہ آپس کے جھگڑوں کی فیصلہ کرنے والی بھی اور مسلمانوں اور کفار میں فاصلہ فرمانے والی اس لئے اس کا نام فصل ہے۔ 19 نجوم نجم سے بنا ہے اس کے معنی تارے کے بھی ہیں اور حصہ کے بھی چونکہ قرآن پاک کی آیتیں تاروں کی طرح لوگوں کو ہدایت کرتی ہیں اور علیحدہ علیحدہ آئیں۔ اس لئے ان کا نام نجوم ہوا۔ 20 مثانی جمع ہے مثنیٰ کی مثنیٰ کے معنی ہیں بار بار کیونکہ اس میں احکام اور قصے بار بار آئے ہیں اور یہ کتاب خود بھی بار بار اتری ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں اس لئے اس کو مثانی کہتے ہیں۔ 21 نعمت کے معنی ظاہر ہیں۔ 22 برہان کے معنی ہیں دلیل اور یہ بھی رب کی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

www.alahazratnetwork.org

اور تمام سابقہ انبیاء کے صدق کی دلیل ہے اس لئے اسے برہان کہتے ہیں۔ 23 بشیر و نذیر ہونا ظاہر ہے کیونکہ یہ کتاب خوشخبری بھی دیتی ہے اور ڈراتی بھی ہے۔ 24 قیم کے معنی ہیں قائم رہنے والی یا قائم رکھنے والی اس لئے اللہ کو قیوم کہتے ہیں قرآن پاک کو اس لئے قیم کہا جاتا ہے کہ وہ خود بھی قیامت تک قائم رہے گا اور اس کے ذریعہ سے دین بھی قائم رہے گا۔ 25 مہیمن کے معنی ہیں امانت دار یا محافظ چونکہ یہ کتاب مسلمانوں کی دنیا و آخرت میں محافظ ہے اور رب تعالیٰ کے احکام کی امانت دار اور نبی امین پر اتری۔ اور ان صحابہ کرام کے ہاتھوں میں رہی جو کہ اللہ کے امین تھے۔ اس لئے اس کو مہیمن کہا گیا۔ 26 ہادی کے معنی بالکل ظاہر ہیں۔ 27 نور اسے کہتے ہیں جو خود بھی ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔ جس کا ترجمہ ہے چمک یا روشنی چونکہ یہ قرآن پاک خود بھی ظاہر ہے اور اللہ کے احکام کو انبیاء کرام کو توریت و انجیل وغیرہ سب کو ظاہر فرمانے والا ہے۔ اس لئے اس کو نور کہا جن پیغمبروں کے نام قرآن نے بتادیئے وہ سب میں ظاہر اور مشہور ہوگئے اور جن کا قرآن کریم نے ذکر نہ فرمایا وہ بالکل چھپ گئے نیز یہ قرآن کریم پل صراط پر نور بن کر مسلمانوں کے آگے آگے چلے گا۔ 28 حق اس کے معنی ہیں سچی بات۔ مقابل باطل یعنی جھوٹی بات قرآن پاک سچی بات بتاتا ہے سچے کی طرف سے آیا ہے سچا اس کو لایا ہے سچے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس لئے اسے حق کہتے ہیں۔ 29 عزیز کے معنی ہیں غالب اور بے مثل قرآن پاک بھی سب پر غالب رہا اور اب بھی سب پر غالب ہے اور بے مثل بھی اس لئے اس کو عزیز کہا جاتا ہے۔ 30 کریم اس کے معنی ہیں سخی۔ چونکہ قرآن کریم علم خدا کی رحمت اور ایمان اور بے حساب ثواب دیتا ہے۔ اس لئے اس سے بڑھ کر سخی کون ہو سکتا ہے۔ 31 عظیم کے معنی ہیں بڑا۔ چونکہ سب سے بڑی کتاب ہی ہے اس لئے اس کو عظیم فرمایا گیا۔ ضروری نوٹ: رب تعالیٰ نے چند چیزوں کو عظیم فرمایا ہے۔ اپنی ذات کو عرش کو قرآن کو قیامت کے دن کو قیامت کے زلزلہ کو حضور علیہ السلام کے اخلاق کریمہ کو اللہ کے اس فضل کو جو حضور علیہ السلام پر ہوا۔ عورتوں کے فریب کو۔ فرعونی جادوگروں کے جادو کو اور مسلمانوں کے ثواب کو منافقوں کے عذاب کو۔ 32 مبارک کے معنی ہیں برکت والا چونکہ اس کے پڑھنے اور عمل کرنے سے ایمان میں برکت نیک عملوں میں عزت چہرے کے نور میں برکت ہے اس لئے اس کو مبارک کہتے ہیں۔

فائدہ : قرآن کریم نے چند چیزوں کو مبارک فرمایا۔ طور سینا کو جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام رب سے ہمکلام ہوئے زیتون کے درخت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بارش کے پانی کو اور شب قدر کو قرآن کو چونکہ یہ قرآن مبارک رات میں مبارک فرشتے کے ذریعے سے مبارک ذات پر آیا اس لئے یہ صدہا برکتوں کا سرچشمہ ہے تمہ۔ رب تعالیٰ نے سات چیزوں کو کریم فرمایا۔ اپنی ذات کو۔ 2 قرآن شریف کو۔ 3 موسیٰ علیہ السلام کو۔ 4 نیک اعمال کے ثواب کو۔ 5 عرش کو۔ 6 حضرت جبریل علیہ السلام کو۔ 7 حضرت سلیمان کے اس خط کو جو بلقیس کے پاس گیا تھا۔

اعتراض : ذالک اسم اشارہ ہے اور اس کا استعمال دور کی چیزوں میں ہوتا ہے اور اشارہ کے لئے ضروری ہے کہ جس طرف اشارہ ہو وہ نظر آتی ہے۔ جب یہ فرمایا گیا تب سارا قرآن کریم نظر نہیں آرہا ہے نیز دور بھی نہ تھا تو یہاں ذالک کا استعمال کیونکر ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر کبیر شریف نے یہ دیا ہے کہ اشارہ کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ چیز نظر آرہی ہو اگر کسی موقع پر سننے والے کے خیال میں وہ بات ہو تو بھی اس خیالی چیز کی طرف اشارہ کردیتے ہیں۔ جیسے کہ قرآن کریم نے

www.alahazratnetwork.org

قیامت کے بارے میں فرمایا **ذالک یوم الوعید** یا نزع کی سختی کے متعلق **ذالک ما کنت منہ تحید** لیکن یہ ضروری ہے کہ وہ چیز ذہن میں محسوس ہو جائے تب اس کی طرف اشارہ کیا جائے گا نیز یہ ضروری نہیں کہ **ذالک** دوری کے لئے آئے اور **ھذا** قریبی کے لئے بلکہ **ذالک** بھی قریب کے لئے استعمال ہو سکتا ہے کیونکہ **ذلک** اور **ھذا** دونوں لفظ **ذا** سے بنے ہیں فرق اتنا ہے کہ **ھذا** میں **ذا** پر ھا بڑھا دیا گیا اور **ذلک** میں لک لہٰذا یہاں **ذلک** قریب کے لئے استعمال ہوا ہے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ چونکہ **ذلک** سے اس کتاب کی طرف اشارہ ہو رہا ہے جو کہ لوح محفوظ یا توریت و انجیل میں مذکور ہے اور یہ چیزیں تو سننے والوں سے دور ہیں اس لئے بعید کا کلمہ بول دیا گیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عظیم الشان چیز کی طرف بعید سے اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ گویا اس کے مرتبے کی بلندی زیادتی فاصلے کے قائم مقام ہے اس لئے بھی یہاں **ذلک** بول دیا گیا **لا ریب فیہ** کا تعلق **ذالک الکتاب** سے ہے یا تو اس کا تعلق یہ ہے کہ وہ مبتدا تھا اور یہ خبر ہے تو آیت کے یہ معنی ہوئے کہ یہ کتاب وہ ہے۔ جس میں کوئی شک نہیں یا **ذالک الکتاب** علیحدہ جملہ تھا اور یہ دوسرا جملہ ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ یہی کامل کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ یا اب **لا ریب فیہ** میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **لا ریب** پر آیت پوری ہو جائے اور فیہ کا تعلق **ھدی** سے ہو تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہی کامل کتاب ہے بے شک اس میں پرہیزگاروں کو ہدایت ہے دوسرے یہ کہ فیہ پر آیت پوری ہو اور **ھدی للمتقین** دوسری آیت ہو تو اب معنی یہ ہوں گے کہ یہی کامل کتاب ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے متقیوں کو ہدایت دینے والی ہے۔

تفسیر: لا نفی جنس ہے۔ "نفی جنس" اسے کہتے ہیں جو اصل چیز کا انکار کر دے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں اصل سے ہی شک نہیں ہے یعنی کسی قسم کی گنجائش نہیں ریب ریبتہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں قلق اور پریشانی اور نئی بلا اس لئے کہا جاتا ہے **ریب الزمان** یعنی زمانے کی مصیبتیں اصطلاح میں اس شک کو ریب کہتے ہیں۔ جس میں بدگمانی پائی جائے چونکہ ریب میں بھی دل کو پریشانی اور بے اطمینانی ہوتی ہے اس لے اس کو ریب کہا جاتا ہے تو اب کلام کا مقصود ہے کہ قرآن کریم اپنے کلام الٰہی ہونے میں اس قدر ظاہر ہے کہ اس میں شک کی گنجائش نہیں یا اس کے کلام اللہ ہونے پر اس قدر دلائل قائم ہیں کہ جن کے ہوتے ہوئے شک کی گنجائش نہیں۔

ایک یہ کہ قرآن پاک اس ملک میں آیا جہاں کے باشندوں کو اپنی زبان دانی' فصاحت و بلاغت پر ناز تھا جو کہ اپنے کو عربی اور دوسروں کو عجمی کہتے ہیں عربی کے معنی ہیں بولنے والے ظاہر ہے کہ عجمی کے معنی میں گونگا۔ اس لئے بے زبان جانور کو عجماء کہتے ہیں اور قرآن نے سب کو اپنے مقابلے کی دعوت دی مگر کوئی مقابلہ نہ کر سکا اور جس کا مقابلہ نہ ہو سکے وہ کتاب الٰہی ہے دوسرے اس لئے کہ جس ذات پر قرآن کریم آیا ان کے پاس اس قرآن کریم کی اشاعت کا کوئی ظاہری سامان نہ تھا۔ نہ مال تھا یا رمددگار نہ کوئی زیادہ قرابت دار نہ والد کا سایہ نہ ماں کی گود نہ دلوا کی میٹھی میٹھی نگاہیں۔ جو قرابت دار تھے وہ بھی جانی دشمن۔ پھر اس وقت میں آیا جب کہ اشاعت کا دنیوی انتظام نہ تھا نہ ریڈیو نہ بجلی نہ پریس۔ بلکہ نہ باقاعدہ کاغذ اور نہ دوات و قلم پھر اس قدر بے سروسامانی کے باوجود اتنی تھوڑی مدت میں اس کا اس قدر پھیلنا کلام الٰہی ہونے کی قوی دلیل ہے تیسرے یہ کہ جن لوگوں میں قرآن مجید آیا وہ دنیوی تہذیب سے بالکل نا آشنا تھے گویا یوں کہو کہ علم و تہذیب ان تک پہنچے ہی نہ تھے ڈکیتی' چوری' زنا'

www.alahazratnetwork.org

خونریزی، جنگ و جدل ان کی پیدائشی عادتیں تھیں۔ ایسی قوم میں قرآن پاک آیا۔ اور صرف تیس سال بلکہ حق یہ ہے کہ دس سال کے عرصہ میں انہی کی نہیں بلکہ سارے عالم کی کایا پلٹ دی چوروں کو پاسبان ڈاکوؤں کو عادل و منصف اور بے تہذیبوں کی دنیا کی تہذیب کا استاد، بے علموں کو علم لدنی کا ماہر بنا دیا بلکہ یوں کہو کہ بے پڑھوں میں سے کسی کو صدیق، کسی کو فاروق، کسی کو ذوالنورین اور کسی کو حیدر بنا دیا۔ ایک بچے کو صرف بی اے پاس کرانے میں کئی سال لگ جاتے ہیں اور بہت سا مال خرچ ہو جاتا ہے یہ کون سا کتب تھا کیسا معلم تھا اور کون سی کتاب پڑھائی کہ جس نے آنا فانا ۲۳ برس میں ہر بات میں کامل کر دیا چھٹے یہ کہ اس کی چھوٹی چھوٹی آیتیں بھی فصاحت و بلاغت اور مسائل اور حکمتوں کا سرچشمہ ہیں۔ حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے صرف اعوذ سے دس ہزار مسائل نکالے اور یہ جامعیت اس بات کی کھلی دلیل ہے۔ کہ قرآن پاک کلام الٰہی ہے پانچویں اس لئے کہ اس کی آیتوں میں ایسی کشش ہے کہ نا سمجھنے والے لوگ بھی اس کو سن کر رونے لگتے ہیں۔ اور ان کے جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ جب صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو مشرکین کے بچے اور عورتیں ان کے پاس جمع ہو کر گریہ و زاری کرتے تھے اب بھی دیکھا گیا ہے۔ کہ اگر کوئی شخص عمدہ طریقہ سے اس کی تلاوت کرے تو غیر مسلموں کو بھی وجد آجاتا ہے چھٹے اس لئے کہ بڑے بڑے عرب کے ماہر فصیح و بلیغ عالم جب اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آتے تو اس کو سن کر سجدہ کر دیتے تھے۔ اگر انسان میں تھوڑی عقل ہو تو ان اوصاف کو دیکھ کر اس کے کلام الٰہی ہونے میں ہرگز شک نہ کرے تعصب اور عناد کا کوئی علاج نہیں کتے۔ لا ریب فیہ سے اس جانب اشارہ ہے کہ چونکہ یہ کلام اللہ کا ہے اور حق تعالیٰ جھوٹ سے پاک ہے۔ یعنی اس کا جھوٹ بولنا محال بالذات ہے۔ لہٰذا اس کلام کے سچے ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں بڑے سے بڑا سچا آدمی بعض دفعہ غلط بیانی یا مبالغہ سے کام لے لیتا ہے یہ کلام ان چیزوں سے پاک ہے اس سے دیوبندی مذہب کی تردید ہو گئی کیونکہ ان کے مذہب میں خدا کا جھوٹ بولنا ممکن ہے جب خدا کا جھوٹ ممکن ہو تو اس کا سچا ہونا ضروری نہ رہا اس کے کلام میں جھوٹ کا امکان و احتمال پیدا ہو گیا اور یہ لاریب فیہ کے خلاف ہے ان عقلمندوں کے مذہب میں خدا کی سچائی کی تعریف جب ہی ہو سکتی ہے جب کہ خدا جھوٹ بول سکے مگر بولے نہیں وہ کہتے ہیں کہ دیکھو گونگے کے جھوٹ نہ بولنے کی تعریف نہیں۔ کیونکہ وہ بول سکتا ہی نہیں شاید لوگ اس قاعدے سے سارے عیبوں کو خداوند تعالیٰ کے لئے ممکن مان لیں۔ موت جہالت وغیرہ کہ جب خدا ان پر قادر ہو اور ان کو استعمال نہ کرے تو اس کی تعریف۔ ہو حق تعالیٰ جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے اس مسئلے کی تحقیق علی کل شئی قدیر میں ان شاء اللہ کی جائے گی۔ فیہ کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی صرف قرآن ہی میں ہدایت ہے نہ تو عقل سے حاصل ہو سکتا ہے نہ اب توریت و انجیل سے کیونکہ عقل صرف دنیاوی ہدایت میں کام آتی ہے اور توریت و انجیل منسوخ ہو چکیں۔ خیال رہے کہ حدیث کی ہدایت دراصل قرآن ہی کی ہدایت ہے کہ حدیث تو قرآن کی شرح ہے توریت و انجیل پہلے ہدایت تھیں اب نہیں جیسے بچپن میں ماں کا دودھ اور گھٹی غذا ہے جوانی میں نہیں خیال رہے کہ حواس بھی رہبری کرتے ہیں عقل بھی اور وحی الٰہی بھی مگر حواس عقل کی مدد سے راہبر ہیں بے عقل آدمی نجاست کھا لیتا ہے کنویں میں ڈوب مرتا ہے ایسے ہی عقل وحی کی مدد سے رہبر عقل بغیر وحی الٰہی کام کرتی ہے۔ شعر

عقل زیر حکم دل یزدانی است　　چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

www.alahazratnetwork.org

آریوں کا اعتراض : اس جگہ آریہ اعتراض کرتے ہیں کہ قرآن کریم تو فرما رہا ہے کہ قرآن میں شک نہیں لیکن کفار کو اس میں شک مسلمانوں کے بہت فرقوں کو اس کے معنی میں شک چنانچہ بعض فرقوں نے متشابہات کے ظاہری معنی ہی مراد لئے ہیں علماء اسلام کو بھی بہت موقعوں پر شک ہو جاتا ہے۔ اس لئے مفسرین میں بھی اور فقہاء میں بھی آپس میں اختلاف رہتا ہے۔ قاری بھی قراتوں میں اختلاف رکھتے ہیں اور کفار کو تو اس کے کلام الٰہی ہونے میں شک اتنے شکوک کے ہوتے ہوئے پھر شک کی نفی کیوں کی گئی اور لطف یہ ہے کہ قرآن کریم نے بھی ایک جگہ فرمایا کہ: **وان کنتم فی ریب مما نزلنا** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں لوگوں کو شک ہوا اور اس کو دفع کرنے کی کوشش کی گئی اب یہ دونوں آیتیں مطابق کیونکر ہوں۔ نوٹ: جس عمدہ طریقہ سے ہم نے اس اعتراض کو بیان کیا ہے ان شاء اللہ معترضین بھی اس طرح بیان نہ کر سکیں گے جواب اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو اس مقام پر تفسیر روح البیان میں دیا گیا وہ یہ کہ اس آیت میں شک کی نفی کتاب سے کی گئی ہے نہ کہ لوگوں سے یعنی یہ کتاب شک کی جگہ نہیں اگر لوگوں کے دلوں میں شک ہو تو اس کا یہاں انکار نہیں اس جواب کی تفصیل یہ ہے کہ شک کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ خود وہ کلام ہی مشکوک ہو دوسرے یہ کہ کلام تو سچا تھا مگر لوگ اپنی بے علمی یا ضد کی وجہ سے اس میں شک کرنے لگے جیسے کہ قرآن فی نفسہ سچا ہے لیکن کفار نے تعصب کی وجہ سے اس میں شک کیا علماء ربانی کا اختلاف ان کی کمی علم کی بنا پر ہے یعنی ان کو تحقیق نہ ہو سکی کہ فلاں آیت کے کون سے معنی یقینی ہیں **وان کنتم فی ریب** میں انسان کا شک بیان ہوا ہے نہ کتاب کا تو نفی کتاب کے شک کی ہے اور ثبوت انسانوں کے شک کا اسی لئے اس آیت میں ہے **لا ریب فیہ** یعنی اس کتاب میں شک نہیں اور وہاں فرمایا گیا **وان کنتم فی ریب** یعنی اے کفار اگر تم شک میں ہو۔

تعلق : **ھدی للمتقین** یا تو ھدی مبتدا ہے اور اس کی خبر فیہ تو یہ مصدری معنی میں ہے اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس قرآن پاک میں پرہیزگاروں کو ہدایت ہے یا یہ علیحدہ جملہ ہے۔ اور اس لاریب فیہ میں شیعہ کا بھی رد ہو گیا کیونکہ قرآن کریم شک سے اس وقت محفوظ رہ سکتا ہے جب اس کے لانے والے جبریل لینے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور پھیلانے والے صحابہ کرام سب خیانت وغیرہ سے محفوظ ہوں تو جیسے قرآن کی حقانیت ماننے کے لئے حضرت جبریل اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا ماننا ضروری ہے ایسا ہی صحابہ کا سچا ماننا بھی ضروری ہے۔ اگر وہ سچے نہ ہوں تو قرآن میں یہ تردد ہو گا کہ شاید صحابہ نے غلط جمع کیا ہو کیونکہ وہ سچے نہ تھے۔ (معاذ اللہ) اب یہ ھدی یا مصدری معنی میں ہے یا اسم فاعل کے معنی میں اس کے معنی یا تو یہ ہیں کہ یہ قرآن پاک از اول تا آخر پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے یا ہدایت دینے والا ہے۔

تفسیر : ہدایت کے معنی اور اس کے اقسام ہم سورۂ فاتحہ میں بیان کر چکے متقی وقی اور وقایۃ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں حفاظت اور پردہ شریعت میں تقویٰ اسے کہتے ہیں کہ انسان ان کاموں سے بچے جو اس کے لئے آخرت میں نقصان دہ ہوں تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کریم ان لوگوں کو ہدایت دینے والا ہے جو پرہیزگار ہیں۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں ایک دائمی عذاب سے بچنا اس لحاظ سے ہر مسلمان متقی ہے دوسرے عام گناہوں سے بچنا اور عام طور پر تقویٰ کے یہی معنی مراد ہوتے ہیں اس لحاظ سے پرہیزگار لوگ متقی ہیں تیسرے اس چیز سے بچنا جو حق تعالیٰ سے روکے اس لحاظ سے اولیاء اللہ اور انبیاء کرام متقی ہیں۔ اس آخری درجہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دنیاوی چیزوں سے بے تعلقی رکھی جائے جیسا کہ تارک الدنیا فقیر اور سیدنا

www.alahazratnetwork.org

عیسیٰ علیہ السلام نے کر کے دکھایا دوسرے یہ کہ تعلق سب سے ہو مگر دل کا تعلق رب سے گویا یہ چیزیں اس کے لئے آڑ نہ رہیں دل بیمار اور دست بکار کی جلوہ گری ہو۔ جیسے کہ حضور غوث پاک اور ان اولیاء کرام کا طریقہ مبارک رہا جو دنیوی کاروبار سے تعلق رکھتے تھے اور جیسے کہ حضرت سلیمان و یوسف علیہما السلام نے عمل فرما کر ظاہر فرمایا یہ قرآن مجید ہر درجہ کے متقی کے لئے اسی کے لائق ہدایت ہے لہذا عام لوگوں کو تو اسلام اور ایمان کی ہدایت ہے اور خاص لوگوں کے لئے ایقان اور احسان کی ہدایت اور خاص الخاص حضرات کے لئے حجاب کے دور کرنے اور جمال یار کے مشاہدے کے ہدایت قرآن کریم میں تقویٰ چند معنی میں مذکور ہوا ایمان، توبہ، فرمانبرداری، گناہ چھوڑنا، اخلاص، خوف خدا بھی تقویٰ ہے مگر خیال رہے کہ خوف دو طرح کا ہوتا ہے ایذاء کا خوف جو موذی سے ہوتا ہے جیسے سانپ اور چور سے خوف دوسرا اطاعت اور قدرت کا خوف جو سلطان سے ہوتا ہے۔ ایذا کے خوف میں نفرت اور بھاگنا ہوتا ہے اس لئے انسان سانپ سے بھاگتا ہے اور قدرت کے خوف میں اطاعت ہوتی ہے رب سے خوف دوسری قسم کا ہونا چاہئے پھر قدرت کا خوف دو طرح کا ہے ناامیدی کا خوف اور امید کا خوف ناامیدی کا خوف گناہ پر دلیر کرتا ہے جیسے مغلوب بلی کتے پر حملہ کر دیتی ہے مگر امید کے ساتھ جو خوف ہوتا ہے وہ گناہ سے بچاتا ہے رب تعالیٰ سے یہ دوسرا خوف چاہئے اس لئے کہ رب نے قرآن میں ڈرایا بھی اور امید بھی دلائی ہے۔

تقویٰ کے فوائد : حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ نہایت ضروری چیز ہے۔ قرآن کریم میں فرمایا **ان اکرمکم عند الله اتقکم** تم میں سے اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے ایک جگہ فرماتا ہے **ان الله مع الذین اتقو** یعنی اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے **ومن یتق الله یجعل له مخرجا ویرزقه من حیث لا یحتسب** یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا خدا تعالیٰ اسے ہر مصیبت سے چھٹکارا عطا فرمائے گا اور اس طرح اس کو رزق دیگا کہ جو اس کے خیال میں بھی نہ آئے اس سے معلوم ہوا کہ تقویٰ اور پرہیزگاری دین و دنیا میں کام آنے والی چیز ہے۔ تفسیر کبیر نے سیدنا عبد اللہ ابن عباس سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص چاہتا ہے کہ لوگوں میں اس کی عزت ہو وہ اللہ سے ڈرے اور پرہیزگاری اختیار کرے حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے بوستان میں فرمایا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یعنی تو حق تعالیٰ کے حکم سے منہ نہ موڑ تو تیرے حکم سے کوئی چیز بھی سر نہ پھیرے گی بعض اولیاء اللہ کو دیکھا گیا کہ جانور اور کنکر وغیرہ بھی ان کی اطاعت کرتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اللہ کے سچے فرمانبردار ہیں۔

تقویٰ کی علامتیں : تقویٰ کی علامتیں مختلف حضرات سے منقول ہیں۔ جو تفسیر کبیر عزیزی وغیرہ میں بیان کی گئی ہیں سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ متقی کی پہچان یہ ہے کہ وہ گناہ پر قائم نہ رہے اور اپنی عبادت پر غرور نہ کرے حسن بصری فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے کہ اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کو اختیار نہ کرے اور ساری چیزیں اللہ کے قبضے میں جانے ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں تقویٰ یہ ہے کہ خلق تیری زبان میں اور ملائکہ تیرے کاموں میں اور پروردگار تیرے دل میں عیب نہ پائے حضرت واقدی فرماتے ہیں کہ تقویٰ اسی طرح ہے کہ جس طرح تو اپنے بدن کو خلقت کے لئے لباس وغیرہ سے آراستہ کرتا ہے ایسے ہی اپنے دل کو حق تعالیٰ کے لئے آراستہ کر حدیث شریف میں یہ آتا ہے کہ متقی وہ ہے جو شبہ کی چیزوں سے بچے جیسے ابن سیر

www.alahazratnetwork.org

ین رضی اللہ عنہ کے پاس چالیس گھڑے گھی تھا غلام نے خبر دی کہ ایک گھڑے سے مرا ہوا چوہا نکلا ہے پوچھا کون سے گھڑے سے عرض کیا کہ یہ مجھے یاد نہ رہا فرمایا سب گھڑوں کا گھی پھینک دو چونکہ سب میں شبہ پیدا ہو گیا امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ اپنے کسی مقروض کے مکان پر قرض کے تقاضے کے لئے گئے سخت دھوپ تھی اور تیز گرمی لیکن اس کی دیوار کے سایے میں نہ کھڑے ہوئے بلکہ دھوپ میں کھڑے رہے کسی نے عرض کیا کہ اے امام دھوپ تیز ہے سائے میں آجایئے فرمایا میں خوف کرتا ہوں کہ یہ سایہ لینا سود نہ بن جائے (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہے کہ جو اپنے یوم میثاق کے وعدہ کو پورا کرے جس کے متعلق قرآن پاک فرماتا ہے **اوفوا بعهدی اوف بعهدكم** تم میرا وعدہ پورا کرو میں تمہارا وعدہ پورا کروں گا اور اس کی علامت یہ ہے کہ ہر بلا پر صابر اور نعمتوں پر شاکر قضا سے راضی، قرآن پاک کے سامنے جھکا ہوا رہے۔

اعتراض : اس جگہ چند اعتراضات ہیں آریوں کا اعتراض یہ ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم ان کو ہدایت دیگا جو پہلے سے پرہیزگار بن چکے ہوں حالانکہ چاہئے کہ قرآن کریم گمراہوں کو ہدایت دے کیونکہ جو پرہیزگار بن چکا اسے ہدایت کی کیا ضرورت رہی۔ **جواب**: اس کے چند جواب ہیں سب سے بہتر جواب تو وہ ہے جو تفسیر عزیزی نے دیا وہ یہ کہ اس کے معنی یہ نہیں کہ جو متقی بن چکے ہیں انہیں قرآن پاک ہدایت دیگا یا دے رہا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ جو متقی نظر آرہے ہیں انہیں قرآن کریم نے ہدایت دی ہے۔ یہ اس کی ہدایت سے متقی بنے گویا یہ گزرے ہوئے زمانہ میں متقیوں کو ہدایت دے چکا فرمایا یہ جارہا ہے کہ مسلمانو کیا جانتے ہو قرآن کریم کی کیا شان ہے یہ جو تم صدیق و فاروق اور مہاجرین و انصار متقی و ابرار نظر آرہے ہو۔ یہ سب اس قرآن کریم کی ہدایت کا ہی کرشمہ ہے انہیں جو کچھ ملا ہے قرآن کریم سے ہی ملا ہے گویا قرآن کریم نے ان حضرات کے زہد و تقویٰ و پرہیزگاری کو اپنے ہادی ہونے کا مظہر قرار دیا اور یہ فرمایا کہ اگر میری ہدایت دیکھنی ہے تو میرے لانے والے صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کو دیکھو۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ کوئی شخص کسی عورت کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ یہ دودھ پلانے والی عورت اس جوان کی ماں ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ جوان اب اس کا دودھ پی رہا ہے یا آئندہ پیئے گا بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شخص اس کا دودھ پی کر جوان ہوا ہے۔ یہی یہاں مراد ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص صحابہ کرام یا اہل بیت کے ایمان کا انکار کرتا ہے وہ حقیقت میں قرآن کریم کے ہادی ہونے کا منکر ہے بعض مفسرین نے کہا کہ انہیں متقی آئندہ کے لحاظ سے کہا گیا ہے۔ یعنی ان کو ہدایت دینے والا ہے جو متقی بننے والے ہیں اور جن کے نصیب میں تقویٰ لکھا ہوا ہے جیسے کہ ہم طالب علم کو مولوی صاحب کہہ دیتے ہیں تیسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں متقی سے مراد ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا یعنی جن کے دل میں خوف الٰہی ہے وہ اس پر ایمان لے آتے ہیں اور جن کے دل میں محض ہٹ دھرمی ہے وہ خواہ مخواہ اس کا انکار ہی کرتے ہیں چوتھا یہ کہ ہدایت سے مراد ہے منزل مقصود تک پہنچانا معنی یہ ہوئے کہ جو پرہیزگار ہیں انہیں قرآن پاک قیامت کے دن جنت تک پہنچائے گا جیسا روایت میں آتا ہے کہ قرآن کریم نور بن کر مومنوں کے آگے آگے چلے گا۔ پانچواں جواب یہ ہے کہ متقین سے مراد ہیں "مومنین" اور ہدایت سے مراد ہے نیک اعمال کی رہبری تو معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ ایمان لے آئیں ان کو قرآن پاک نیک اعمال کی ہدایت کرتا ہے۔ **نوٹ**: ایمان نبی سے ملتا ہے اور ایمان کے بعد قرآن دل میں تشریف لاتا ہے اس لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں اور بعد میں اسے قرآن

www.alahazratnetwork.org

پڑھاتے ہیں ہم نے عرض کیا ہے۔

قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہدیٰ پایا وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمان ملا

ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کو پہچانا نہ کہ قرآن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلکہ حضور علیہ السلام کی پہچان ان کے معجزات سے ہوئی تو اب یہ کہا جاسکتا ہے کہ قرآن کریم معجزہ ہونے کی حیثیت سے نبی کی پہچان کراتا ہے اور نبی علیہ السلام کے ذریعہ سے قرآن کی پہچان ہوتی ہے۔ اب آیت کے معنی خوب چسپاں ہو گئے کہ جو لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ایمان لے آئے انہیں قرآن کریم تقویٰ و طہارت کی رہبری فرماتا ہے خیال رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت قرآن پر موقوف نہیں وہ تو رب کے پاس سے ہدایت یافتہ دنیا میں تشریف لائے عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی قوم سے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں مجھے اس نے کتاب دی مجھے نبی بنایا مجھے برکت والا کیا مجھے نماز روزہ کا حکم دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول سے عادل۔ امین عابد خلیق تھے جو احکام قرآن کریم نے سنائے ان پر سرکار پہلے ہی سے عامل تھے۔ اس لئے فرمایا گیا **ھدی للمتقین** یہ نہ فرمایا **ھدی لک** یعنی قرآن ان پرہیزگاروں کا ہادی ہے یہ نہ کہا کہ آپ کا ہادی ہے۔ دوسرا اعتراض: اس جگہ فرمایا گیا کہ قرآن کریم پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے دوسری جگہ ارشاد ہوا **ھدی للناس** یعنی یہ قرآن سب لوگوں کے لئے ہدایت ہے۔ ان دونوں آیتوں میں مطابقت کس طرح کی جائے؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں سب سے بہتر جواب وہ ہے جو تفسیر کبیر نے دیا کہ ان دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ صرف پرہیزگاری انسان ہیں اور جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو وہ انسان ہی نہیں وہ انسانی لباس میں جانور ہے بلکہ جانوروں سے بدتر کیونکہ جانور تو اپنے مالک کو پہچانتا ہے اور یہ نہیں پہچانتا دوسرا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا ایک کام ہے راستہ دکھانا وہ سب انسانوں کے لئے ہے کافر منافق مسلمان سب کو راستہ دکھاتا ہے اور ایک کام ہے راستہ پر لگا دینا۔ وہ صرف مومنین کے لئے ہو۔ نہ کہ کفار کے لئے یعنی اس کے ذریعہ سے مسلمان تو راستہ پر لگ گئے اور کفار علیحدہ رہے۔ تیسرا اعتراض: یہ ہے کہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارا قرآن ہدایت ہے حالانکہ قرآن کی آیتیں متشابہ ہیں جو کسی انسان کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ جب سمجھ میں نہ آئیں تو ہدایت کیا دیں گی اور بعض وہ آیتیں ہیں جن کے معنی میں بہت سے احتمالات ہیں جن کی وجہ سے مسلمانوں میں بہت سے فرقے بن گئے تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کو خارجیوں سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا تو ان سے فرمایا کہ ان کے مقابلہ میں قرآن شریف سے دلیل نہ پکڑنا کیونکہ قرآن شریف سے ہر شخص اپنا مطلب نکال سکتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم ہدایت نہیں ہدایت ہوتا تو گمراہ لوگ اس سے دلیل نہ پکڑ سکتے۔ جواب: بعض آیتوں کے معانی کا سمجھ میں نہ آنا بھی اس کے کلام الٰہی ہونے کی دلیل ہے کیونکہ اگر یہ کلام انسانی ہوتا تو کسی نہ کسی عقل مند کی عقل ان کی تہ تک ضرور پہنچ جاتی سبحان اللہ کیا لطف ہے کہ قرآن پاک سمجھ میں آئے تو بھی رہبری کرے اور سمجھ میں نہ آئے تو بھی راہ دکھائے ہر حال یہ ہدایت ہے نیز بدمذہبوں کے قرآنی آیات سے دلیل پکڑ لینے کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس کی تہ تک نہیں پہنچتے اور قرآن پاک کا نور ان کی دل کی آنکھوں کو خیرہ کر دیتا ہے جیسے کہ اگر کوئی شخص آفتاب میں نظر جمائے تو اس کو آفتاب کالا معلوم ہوتا ہے آفتاب تو سیاہ نہیں بلکہ اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں بارش بہت فائدہ مند چیز ہے لیکن بعض جگہ گھاسیں اس سے جل جاتی ہیں تو یہ بارش کا قصور نہیں بلکہ ان گھاسوں کا اپنا قصور ہے عمدہ غذائیں بے شک مقوی ہیں لیکن کمزور معدے والے کو ان

www.alahazratnetwork.org

سے نقصان ہوتا ہے مگر یہ غذا کا قصور نہیں بلکہ کھانے والے کے معدہ کا فتور ہے۔ بہر حال قرآن کریم کا ایک ایک حرف ہدایت ہے کسی کو اس سے ہدایت نہ ملنا قرآن پاک کے ہدایت ہونے میں مضر نہیں۔

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ
وہ ایمان لاتے ہیں ساتھ بے دیکھے ہوئے
وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں

تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ قرآن پاک پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ متقی کون لوگ ہیں تو گویا یہ آیت اس اجمال کی تفصیل ہے اگر تقویٰ کے معنی یہ کئے جائیں کہ ناجائز باتوں سے بچنا تو مطلب یہ ہوا کہ متقی وہ ہے جو ناجائز باتوں سے بچے۔ اور اچھی اختیار کرے تو ان اچھی باتوں کا ذکر اس آیت میں ہوا چونکہ بیماری کا دفع کرنا مقویات پر مقدم ہوتا ہے اس لئے تقویٰ کا ذکر ان چیزوں سے پہلے کیا گیا بہر حال یہ آیت یا پہلی آیت پر مترتب ہے یا اس کی تفسیر چونکہ ایمان تمام نیکیوں کی اصل اور جڑ ہے کہ اگر ایمان قائم ہے تو نیک اعمال فائدہ دیں گے ورنہ نہیں اس لئے ایمان کو پہلے بیان کیا اور اس کے بعد نماز وغیرہ کو دل ایک تختی اور نیک اعمال اس کے اچھے نقش اور تختی پر نقش و نگار جبھی کئے جاتے ہیں جب پہلے اسے دھو کر صاف کر لیا جائے تو ایمان رحمت کا وہ پانی ہے جس سے قلب صاف ہوتا ہے۔ جب ایمان سے دل صاف ہو گیا تو اب نیک اعمال کے ذریعہ سے اس پر عمدہ عمدہ نقش و نگار کئے جا سکتے ہیں۔

تفسیر: یومنون ایمان سے مشتق ہے ایمان کے لغوی معنی ہیں امن دینا چونکہ مومن اچھے عقیدے اختیار کر کے اپنے کو ہمیشہ کے عذاب سے امن دے لیتا ہے۔ اس لئے اچھے عقیدوں کے اختیار کرنے کا نام ایمان ہے یہ بھی خیال رہے کہ قرآن کریم میں مسلمانوں کو مومن کہا گیا ہے اور رب تعالیٰ کو بھی لیکن مسلمانوں کے مومن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے آپ کو عذاب سے امن دیتے ہیں اور رب تعالیٰ کے مومن ہونے کے یہ معنی ہیں کہ وہ اپنے کرم سے ایمان والے بندوں کو عذاب سے امن دیتا ہے ایمان کے دوسرے معنی مضبوط کرنے اور بھروسہ کرنے کے بھی ہیں چونکہ مومن کو اپنے عقیدوں پر مضبوطی اور پورا بھروسہ حاصل ہوتا ہے اس لئے اسے مومن کہا جاتا ہے اور کافروں کو ہمیشہ تردد ہی رہتا ہے اس لئے وہ مومن کہلانے کے مستحق نہیں شریعت میں ایمان کے معنی یہ ہیں کہ جن باتوں کے متعلق یقین سے معلوم ہو جائے کہ دین محمدی میں سے ہیں ان سب کو دل سے یقیناً ماننا اور زبان سے اقرار کرنا لیکن دلی تصدیق اصل ایمان ہے اور اقرار احکام اسلامی جاری کرنے کی شرط اعمال دین میں داخل نہیں یعنی اگر کوئی شخص عقیدہ درست رکھتا ہو لیکن اعمال نہ کرتا ہو یا برے اعمال کرتا ہو وہ مومن ہے اس لئے آیت کریمہ میں ایمان کے بعد نماز وغیرہ کا ذکر ہوا اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو ایمان کے بعد اعمال کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا شرابی، چور، زانی اور دیگر بدکار لوگ اگر عقیدے درست رکھتے ہوں تو وہ یقیناً مومن ہیں اور اگر نمازی پرہیزگار شخص کے عقیدے بگڑے ہوئے ہوں تو وہ کافر ہیں قرآن کریم نے ارشاد فرمایا ہے **وان طائفتن من المومنین اقتتلو** یعنی اگر

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں جنگ کر بیٹھیں دیکھو آپس میں لڑنا جرم ہے لیکن ان لڑنے والوں کو مومنین کہا گیا اگر کوئی شخص عمر بھر نیک اعمال کرے لیکن آخر میں مرتے وقت اس کے عقیدے بگڑ جائیں تو وہ بے ایمان ہے جیسے شیطان اور بلعم بن باعورہ کا واقعہ ہے ہماری اس تحقیق سے اتنا معلوم ہوا کہ اس زمانے کے نئے نئے فرقے جیسے خاکسار وغیرہ جو کہتے ہیں کہ ایمان صرف خدمت خلق کا نام ہے عقیدوں کی ضرورت نہیں وہ سخت غلطی پر ہیں دوستو ایمان یعنی عقیدے مثل جڑ کے ہیں اور اعمال اس کے پھل پھول جبھی لگ سکتے ہیں جب جڑ قائم ہو اسی طرح حالیؔ پانی پتی جو کہہ گئے۔

یہی ہے عقیدہ یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

یہ ایک خبط ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ اگر تم نے ہمارے نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کردیں تو تمہارے اعمال برباد ہو جائیں گے۔ اگر ایمان صرف اعمال کا نام تھا تو نبی پاک کی لوئی بے ادبی سے اعمال برباد کیوں ہوگئے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مومن کو اعمال کی ضرورت نہیں۔ نیک اعمال بھی سخت ضروری چیز ہیں۔ جو شخص عقائد درست کرکے اپنے اعمال نہ سنبھالے وہ ایسا ہے جیسا درخت لگا کر اس کے پھل نہ کھائے۔

اسلام اور ایمان میں فرق : اسلام کے معنی ہیں سر جھکانا یعنی اطاعت کرنا اسلام میں ظاہر کرنا معتبر ہے اور ایمان چھپی ہوئی چیز ہے اگر کسی کے عقائد درست نہ ہوں لیکن وہ اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتا ہے جیسے منافقین تو وہ مسلم ہو گا مومن نہ ہو گا ایسے ہی اگر کوئی شخص ایمان لے آیا مگر اس کو اپنے ایمان ظاہر کرنے کا موقع نہ ملا تو وہ مومن ہو گا مسلم نہ ہو گا جس شخص کے عقائد بھی درست اقرار بھی کرتا ہے لیکن اعمال خراب وہ فاسق ہے جس کے اعمال بھی درست وہ متقی خیال رہے کہ جاننا اور پہچاننا اور ہے ماننا کچھ اور حضور کو جاننے پہچاننے کا نام ایمان نہیں ماننے کا نام ایمان ہے قرآن کریم فرماتا ہے **یعرفونه کما یعرفون ابناء هم** کفار مکہ حضور کو پہچانتے تھے۔ مگر کافر رہے کیونکہ مانتے نہ تھے ماننا بھی تین قسم کا ہے محض ڈر سے ماننا محض لالچ سے ماننا دلی محبت سے ماننا پہلے دو ماننے والے ایمان والے نہیں کہ منافق بھی ڈر کا لالچ سے مانتے تھے ماننا ایمان ہے وہ ہی مراد ہے۔ غیب کے معنی غائب یعنی چھپی ہوئی چیز اصطلاح میں غیب وہ چیز کہلاتی ہے جو کہ ظاہری وباطنی حواس اور عقل سے چھپی ہو یعنی نہ تو آنکھ ناک کان وغیرہ سے معلوم ہو سکے اور نہ غور و فکر سے عقل میں آسکے غیب دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جس پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو جیسے کسی کی موت کا وقت قیامت کے آنے کی تاریخ پیٹ کے بچے کی تحقیق کہ یہ چیزیں دلائل سے بھی نہیں معلوم ہو سکتیں اسی کا نام ہے **مفاتیح الغیب** اسی کے متعلق قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے عندہ مفاتح الغیب۔ یعنی غیب کی کنجیاں اللہ ہی کے پاس ہیں اسے کوئی بھی اپنے آپ معلوم نہیں کر سکتا مگر جس کو رب بتائے۔ جیسے انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ اس تک پہنچ سکتے ہیں دو سرا وہ غیب جس پر دلیل قائم ہو۔ یعنی دلائل سے اس کا پتہ لگ جائے جیسے حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات انبیاء کی نبوت اور ان کے متعلق احکام وغیرہ۔ یہ غیب وہ ہے کہ غور و فکر سے معلوم ہو جاتا ہے۔ رب کو ہم نے نہ دیکھا لیکن دنیا کا ذرہ ذرہ اس کے ہونے کا پتہ دے رہا ہے یہاں غیب سے یہی مراد ہے اب اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ متقی وہ ہیں جو ان غیبوں پر ایمان رکھتے ہوں جو دلائل سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اللہ کی ذات اس کی صفات انبیاء کرام کی نبوت قیامت حساب 'سزاو جزا' جنت و دوزخ' یہ سب اس غیب میں داخل ہیں جو شخص ان میں سے کسی چیز کا انکار کرے وہ کافر ہے۔ تفسیر

www.alahazratnetwork.org

روح البیان میں فرمایا کہ غیب دو قسم کے ہیں ایک تو وہ جو تجھ سے غائب جیسے کہ عالم ارواح کہ پہلے تو وہاں موجود تھا اور جب تو یہاں آگیا تو وہ تجھ سے غائب ہو گیا دوسرا وہ جس سے تو غائب یعنی وہ تیرے پاس اور تو اس سے دور جیسے حق تعالیٰ کہ وہ ہماری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ لیکن ہم اس سے دور ہیں۔

یار نزدیک تر از من بمن است　　　ویں عجب تر کہ من از وے دورم

اس آیت کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں یعنی حق تعالیٰ کو اور جنت دوزخ وغیرہ کو بغیر دیکھے مانتے ہیں دوسرے یہ کہ وہ غیب یعنی دل سے ایمان لاتے ہیں زبان ظاہر ہے اور دل چھپا ہوا زبان سے تو منافقین بھی ایمان لے آئے تھے۔ مگر وہ قبول نہیں۔ لیکن وہ غیب یعنی دل سے ایمان نہ تھا۔ تیسرے یہ کہ غیب میں یعنی مسلمانوں کے پیچھے بھی ایمان لاتے ہیں منافقین مسلمانوں کے سامنے تو کہہ دیتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے مگر آپس میں کافروں سے ملتے تھے تو کہتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ تو اس میں یہ فرمایا گیا کہ مومن وہ ہے جو کہ ہر حال میں یعنی مسلمانوں کے سامنے بھی اور مسلمانوں کے پیچھے بھی ایماندار ہے۔

فائدہ : اس سے معلوم ہوا کہ غائب چیز پر ایمان لانا معتبر ہے نہ کہ ظاہر پر قرآن پاک کے ظاہری حروف کو مان لینا کہ یہ ایک کتاب ہے عربی زبان کی ہے لاہور میں چھپی ہے فلاں کاغذ پر لکھی گئی ہے یہ ایمان نہیں کیونکہ یہ باتیں بالکل ظاہر ہیں بلکہ قرآن پاک کے چھپے ہوئے وصف پر ایمان لانا ضروری ہے وہ یہ کہ یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے حضرت جبریل علیہ السلام لائے ہیں حضور علیہ السلام پر آیا ہے کیونکہ اوصاف ظاہراً محسوس نہیں ہوتے اسی طرح حضور علیہ السلام کے ظاہری صفات کو مان لینا ایمان نہیں کہ وہ بشر تھے مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے مدینہ منورہ میں قیام فرمایا کھاتے پیتے تھے۔ سیدنا عبداللہ کے فرزند تھے۔ آمنہ خاتون کے لخت جگر نور نظر تھے۔ کیونکہ یہ تو ان کے ظاہری اوصاف ہیں اس کے کفار بھی قائل تھے بلکہ حضور پاک علیہ السلام کے چھپے ہوئے اوصاف کو ماننے کا نام ایمان ہے یعنی کہ وہ اللہ کے رسول ہیں اس کے پیارے ہیں تخت و تاج والے ہیں۔ شفیع المذنبین رحمتہ للعلمین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم یہ اوصاف ظاہر میں محسوس نہیں اس لئے ان کو ماننا ہی ایمان بالغیب ہو گا وہابیہ اور دیوبندیہ کا حضور علیہ السلام کی بشریت کے پیچھے پڑ جانا محض بے دینی ہے ان کو بشر ماننا ایمان نہیں۔ بلکہ ان کو مصطفیٰ ماننا رحمتہ للعالمین ماننا ایمان ہے اسی لئے کلمہ میں پڑھا جاتا ہے۔ **محمد رسول اللہ** نہ کہ **محمد بشر** بلکہ حق تو یہ ہے کہ اللہ کو صرف خالق عالم ماننے کا نام بھی ایمان نہیں کیونکہ اس کا خالق و رزاق وغیرہ ہونا مثل ظاہر کے ہے بلکہ اس کو رب **محمد رسول اللہ** ماننا ایمان ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے فرمایا **قل ھو اللہ احد** جس سے معلوم ہوا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لائی ہوئی توحید ایمان ہے اور فرمایا **و اذ اخذ ربک من بنی ادم من ظھورھم** جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن ساری اولاد آدم کو اپنی پہچان اس طرح کرائی کہ ہم رب محمد ہیں یہ سب باتیں ایمان بالغیب میں داخل ہیں رب نے اپنی مخلوقات میں غیب و شہادت رکھے ہیں۔ ہمارا بدن شہادت ہے۔ قلب و روح غیب درخت اور اس کی سبزی شہادت ہے جڑ اور درخت کا رس۔ جس کے سوکھ جانے سے درخت خشک ہو جاتا ہے یہ غیب ہے ایسے ہی ایمانیات کے لئے غیب و شہادت ہے۔ ابلیس نے آدم علیہ السلام کا ظاہر' شہادت کی چیز دیکھی یعنی ان کا جسم اور جسم کی ساخت مگر ان کا اندرونی وصف خلافت

www.alahazratnetwork.org

ایسی نہ دیکھی جو غیب تھی اسی لئے مارا گیا۔ اب بھی جن کی نظر حضور کی بشریت پر ہے وہ ابلیس کی طرح بد نصیب ہیں اس لئے یہاں ارشاد ہوا یومنون بالغیب قرآن کے ظاہری الفاظ شہادت ہیں۔ اس کا کلام الٰہی ہونا غیب اب جو حضور کو صرف بشر یا ابن عبداللہ یا عربی ہاشمی ہو تا مان لیں وہ مومن نہیں یہ اوصاف تو ابو جہل بھی مانتا تھا۔ حضور کو نبی رسول' شفیع' خاتم الانبیاء وغیرہ ماننا ایمان ہے یہ حضور کے غیبی اوصاف ہیں۔

اعتراض : غیب چیزوں پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے۔ جواب: اس لئے کہ ایمان کی حقیقت ہے اللہ و رسول پر اعتماد ہونا۔ چیز کو دیکھ کر یا سن کر تو ہر شخص مان لیتا ہے۔ مگر وہ چیز جو اس سے غیب ہو اور عقل میں نہ آئے اس کو صرف اس لئے ماننا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے دل میں اطاعت ہے مرتے وقت ملائکہ موت کو دیکھ کر اسی طرح قیامت کے قریب آفتاب کو مغرب سے نکلتا ہوا دیکھ کر ایمان لانا ہرگز قبول نہیں۔ کیونکہ اسے نبیوں کی خبروں پر اعتماد نہ ہوا بلکہ اپنی آنکھ پر اعتماد ہوا کہ ان سے سن کر نہ مانا آنکھ سے دیکھ کر مانا۔ سچ پوچھو تو ایمان کی جان تو یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر اپنے حواس سے زیادہ اعتماد ہو اگر ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اس وقت دن ہے اور نبی کریم فرماتے ہیں کہ اس وقت رات ہے تو ہماری آنکھ جھوٹی ہے اور نبی کریم سچے کیوں کہ ہماری آنکھ ہزار دفعہ غلطی کر جاتی ہے مگر ان کا فرمان کبھی غلط نہیں ہوتا۔ اس پر یہ شعر چسپاں ہوتا ہے۔

اگر شاہ روز گوید شب است ایں ٭ بباید گفت اینک ماہ و پروین

دوسرا اعتراض: اس آیت سے لازم آتا ہے کہ صحابہ کرام کا ایمان درست نہ ہو کیونکہ نبی کریم کو دیکھ کر ایمان لائے حالانکہ ایمان بالغیب چاہئے۔ جواب: صحابہ کرام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری جسم پاک کی زیارت کی اور اس پر ایمان نہیں ایمان تو ان کی نبوت اور چھپے ہوئے اوصاف پر ہے اور یہ چیزیں ان کی نگاہوں سے بھی غیب تھیں معجزات کو دیکھنے سے نبوت نہیں محسوس ہوتی جیسے کہ مخلوق کو دیکھنے سے خالق محسوس نہیں ہوتا۔ تیسرا اعتراض: پھر چاہئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومن نہ کہا جائے اس لئے کہ ان کے لئے ایمان کی کوئی چیز غیب نہیں کیونکہ اللہ پاک کو انہوں نے دیکھا فرشتوں کو انہوں نے ملاحظہ فرمایا قرآن کریم کو انہوں نے اترتے ہوئے دیکھا جنت و دوزخ کی انہوں نے سیر فرمائی نبوت تو خود ان کا اپنا وصف ہے جس کا انہیں علم حضوری ہے جب ان کے لئے ان میں سے کوئی چیز غیب نہ رہی تو ان کے ایمان کی کیا سبیل ہے۔ جواب: یہ سب گفتگو مومنوں کے متعلق تھیں وہ تو عین ایمان ہیں ان کے جاننے پہچاننے کا نام ہی ایمان ہے۔ سب مومن وہ ایمان' سب عارف وہ عرفان' سب صادق وہ سراپا صدق سب عالم وہ عین علم سب قاصد وہ منزل مقصود سب طالب وہ مطلوب وہ سب کی انتہا انہیں اپنے پر کیوں قیاس کرتے ہیں ان کو مومن اس طرح کہہ دیتے ہیں جس طرح اللہ کو بھی مومن کہتے ہیں کہ لفظ مومن ایک ہے مگر معنی میں بہت فرق صلی اللہ علیہ وسلم وآلہ واصحابہ وبارک وسلم نکتہ: تفسیر کبیر اور تفسیر عزیزی نے مسند امام احمد بن حنبل سے روایت نقل کی حارث ابن قیس نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ ہمیں حسرت و افسوس ہے کہ ایک نعمت تم کو ملی اور ہم کو نہ ملی وہ یہ کہ تم دیدار یار سے مشرف ہوئے اور ہم اس سے محروم رہے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبوت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب پر ظاہر ہے لیکن اے حارث تمہارا ایمان بڑا کامل

www.alahazratnetwork.org

ہے کیونکہ ہم انہیں دیکھ کر ایمان لائے اور تم بغیر دیکھے اور یہی آیت پڑھی تفسیر عزیزی میں ابوداؤد طیالسی سے روایت ہے کہ ایک شخص سیدنا عبداللہ ابن عمر کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا تم نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ان آنکھوں سے دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں پھر اس شخص نے کہا کہ کیا تم نے اپنی اس زبان سے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی کیا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں۔ پھر اس شخص نے کہا کہ تم نے اپنے ان ہاتھوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت بھی کی ہے' فرمایا کہ ہاں۔ پھر اس شخص پر وجد کی حالت طاری ہو گئی اور غشی کی حالت میں کہنے لگا تم لوگ کیا ہی خوش نصیب ہو سیدنا عبداللہ ابن عمر نے اس کا حال دیکھ کر فرمایا کہ میں تجھے ایک حدیث پاک سناتا ہوں وہ یہ کہ میں نے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مبارک وہ شخص جو مجھے دیکھ کر ایمان لائے اور بڑا مبارک ہے وہ شخص جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لائے ان حدیثوں سے ہمارے اس کلام کی پوری تائید ہوتی ہے۔ چوتھا اعتراض: روایات سے ثابت ہے کہ بعض اولیاء اللہ اور صحابہ کرام پر سارے غیب ظاہر ہو جاتے تھے جیسے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ جنت و دوزخ کے سارے طبقے میرے سامنے ہیں یا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اللہ کے سارے شہروں کو اس طرح دیکھا ہے جیسے کہ چند رائی کے دانے تو ان حضرات کو غیب پر ایمان حاصل نہ ہوا کیونکہ جب کوئی چیز ان کے لئے غیب رہی ہی نہیں تو غیب پر ایمان کیسا۔ جواب: ایک تو یہ ہے کہ دیکھ کر ایمان لانا اور ایک ہے ایمان لا کر دیکھنا دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں۔ یہ حضرات غائب چیزوں پر ایمان لائے تھے بعد میں نور ایمانی کی زیادتی کی وجہ سے وہ غائب چیزیں ان پر ظاہر ہو گئیں لہٰذا ان کو ایمان بالغیب اعلیٰ درجہ کا حاصل ہوا اس کی تائید حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس واقعہ سے ہوتی ہے کہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مجھے دکھا دے تو مردوں کو کس طرح زندہ کرے گا ارشاد ہوا کہ اولم تومن کیا تم اس پر ایمان نہیں لائے ہو۔ عرض کیا کہ ہاں لیکن دل کو اطمینان (حق الیقین) چاہتا ہوں۔ تو دیکھو کہ ان کو ایمان پہلے حاصل ہو چکا ہے بعد میں انکشاف ہوا تھا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ علم غیب کے بغیر ایمان حاصل نہیں ہوتا کیونکہ ایمان یقین کا نام ہے اور یقین علم کا اعلیٰ درجہ ہے جب کسی کو غیب کا علم نہ ہو تو یقین کیسے ہو گا ہم قیامت دوزخ جنت رب کی ذات و صفات کو جانتے ہیں تب ہی اس پر ایمان لاتے ہیں۔ اور یہ سب چیزیں غیب ہیں اور ان کا جاننا علم غیب "تفسیر کبیر" نے اسی جگہ لکھا کہ ہر مسلمان کہہ سکتا ہے کہ میں غیب جانتا ہوں لیکن علم غیب کی دو صورتیں ہیں ایک سن کر جاننا دوسرے دیکھ کر سن کر جاننے کو علم بالغیب کہتے ہیں جیسے ہم کو قیامت وغیرہ چھپی چیزوں کا علم نبی پاک کے فرمانے سے ہے اور دیکھ کر جاننے کو علم الغیب کہتے ہیں۔ جیسے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کا علم اسی لئے صوفیاء کرام اس آیت کریمہ کے معنی یہ فرماتے ہیں کہ متقی وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اس نور غیبی سے جو رب تعالیٰ کی طرف سے ان کو ملا اور اس کی تائید یہ حدیث پاک کرتی ہے کہ مومن نور الٰہی سے دیکھتا ہے۔ (روح البیان یہی مقام)

وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ
اور قائم رکھیں نماز کو
اور نماز قائم رکھیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس جگہ متقین کا ذکر ہو رہا ہے متقی وہ ہیں جن کے ایمان و اعمال درست ہوں ایمان کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے اور اب اعمال کا ذکر شروع ہوا چونکہ اعمال میں نماز سب سے بہتر عمل ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر کیا گیا۔ چند وجوں سے ایمان اعمال پر مقدم ہے پہلی وجہ یہ ہے کہ ایمان اعمال کی اصل ہے جیسے کہ پہلے ذکر کیا گیا دوسری یہ کہ ایمان قلب (دل) کا کام ہے۔ اور اعمال قالب (جسم) کا کام دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا لہٰذا اول کا کام جسم کے کام سے افضل ہے تیسری یہ کہ ایمان سارے پیغمبروں کے دین میں یکساں رہا اور اعمال میں فرق ہوتا رہا اور ہمیشہ کی چیز بدلنے والی چیز سے افضل ہے چوتھی یہ کہ ایمان لانا اسلام میں اول ہی سے فرض ہوا نماز زکوۃ وغیرہ بعد میں کہ نماز معراج میں فرض ہوئی اور باقی اعمال اس کے بھی بعد پانچویں یہ کہ اعمال موت پر ختم ہو جاتے ہیں مگر ایمان موت اور قبر حشر وغیرہ میں ہر جگہ ساتھ رہتا ہے چھٹی یہ کہ ایمان لانا سب پر فرض ہے مگر اعمال سب پر فرض نہیں چنانچہ کافر پر ایمان لانا فرض بچے اور دیوانے اپنے ماں باپ کے تابع ہوئے مسلمان پر ہر حالت میں ایمان لانا فرض لیکن نماز زکوۃ وغیرہ کوئی عبادت کافروں' بچوں' دیوانوں پر فرض نہیں اس طرح نماز روزہ حیض و نفاس والی عورت پر فرض نہیں زکوۃ اور حج غریب پر فرض نہیں ان وجوں سے ایمان کو پہلے بیان کیا گیا اور نماز کو زکوۃ وغیرہ سے پہلے اس لئے بیان کیا گیا کہ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوۃ مالی اور بدن مال سے افضل ہے لہٰذا نماز زکوۃ سے افضل دوسرے اس لئے کہ اسلام میں سب سے پہلے نماز ہی فرض ہوئی اور اس کے بعد زکوۃ وغیرہ تیسرے اس لئے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلا کر نماز عطا فرمائی اور زکوۃ وغیرہ باقی اعمال زمین پر ہی بھیج دیئے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے اعمال میں نماز افضل ہے۔ چوتھے اس لئے کہ نماز دن بھر میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور زکوۃ اور روزہ سال کے بعد' حج عمر میں ایک مرتبہ۔ پانچویں اس لئے کہ نماز ہر غریب و امیر مسافر و مقیم مسلمان پر فرض ہے مگر زکوۃ غریب پر فرض نہیں اور روزہ رکھنا مسافر پر فرض نہیں کیونکہ مسافر روزہ قضا کر سکتا ہے چھٹے اس لئے کہ نماز آدم علیہ السلام سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک قریباً ہر پیغمبر نے کسی قدر فرق کے ساتھ پڑھی ہے۔ لیکن زکوۃ روزے وغیرہ کا یہ حال نہیں چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام نے فجر پڑھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ظہر پڑھی۔ حضرت یونس علیہ السلام نے عصر پڑھی عیسیٰ علیہ السلام نے مغرب موسیٰ علیہ السلام نے عشاء (تفسیر روح البیان) یہی مقام اس بارے میں اور بھی روایتیں ہیں۔

تفسیر : **یقیمون۔** **اقامت** سے بنا ہے اس کے لغوی معنی ہیں سیدھا کرنا اور یہاں مراد ہے نماز کو ہمیشہ پڑھنا اس کے ظاہری اور باطنی آداب کے ساتھ پڑھنا ظاہری آداب اس کی شرطیں فرائض سنتیں مستحبات ہیں اور باطنی شرائط یہ ہیں کہ دل میں عاجزی ہو ریا نہ ہو حضور قلبی ہو دل ہمہ تن بارگاہ الٰہی کی طرف متوجہ ہو اسی لئے قرآن کریم نے جہاں بھی نماز کا ذکر فرمایا وہاں قائم کرنے کے ساتھ فرمایا جو شخص نماز تو پڑھے مگر پابندی سے نہ پڑھے وہ اس آیت پر عامل نہیں اسی طرح جو شخص مستحب وقت پر نہ پڑھے نماز میں پاکی پلیدی کا پورا خیال نہ رکھے اس کی سنتیں وغیرہ ادا نہ کرے ریاکاری کے لئے پڑھے وہ سب اس آیت سے خارج ہیں **یقیمون** میں بہت گنجائش ہے شریعت و طریقت کے سارے مسائل اس میں آ گئے حق تعالیٰ نماز قائم کرنے کی توفیق عطا فرمائے صوفیاء کے نزدیک نماز قائم کرنا اور ہے اور نماز قائم رکھنا کچھ اور جیسے بغیر بنیاد کے دیوار قائم نہیں رہتی بغیر جڑ کے درخت قائم نہیں رہتا بغیر شہد یا قوام ڈالے ہوئے بعض پھل قائم نہیں رہتے ایسے ہی دیوار نماز پر اسلام کی ساری

www.alahazratnetwork.org

عمارت قائم ہے اس نماز کو مضبوط بنیاد پر قائم کرو۔ وہ بنیاد ہے عشق جناب مصطفیٰ کہ منہ ہو کعبہ کی طرف اور دل ہو مدینہ کی طرف ورنہ رکوع و سجود حجاب ہیں۔

گر بلواء نماز تو نہ شوی بے نقاب — ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب

اللہ نماز قائم رکھنے کی توفیق دے بغیر عشق کی نماز ہمیشہ قائم نہ رہے گی یہاں کی یہیں رہ جائے گی۔ **نکتہ:** **یقیمون** جمع کے صیغہ سے ارشاد فرمایا **واركعوا مع الراكعين** یعنی نمازیوں کے ساتھ نمازیں پڑھو اس سے معلوم ہوا کہ جماعت سے نماز پڑھنا سخت ضروری ہے۔ امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ کے نزدیک مردوں پر جماعت فرض ہے۔ یہاں واجب اور بعض نے کہا سنت موکدہ۔ مگر ہمارے یہاں بھی بعض نمازوں میں جماعت فرض ہے جیسا کہ نماز جمعہ اور عیدین وغیرہ **(صلوة)** **صلی** یا **صلو** سے بنا ہے **صلی** کے معنی ہیں آگ سے گرمی حاصل کرنا جس کا ترجمہ تاپنا قرآن پاک فرماتا ہے **لعلكم تصطلون** چونکہ ٹیڑھے بانس کو آگ سے گرم کرکے سیدھا کرتے ہیں۔ اسی طرح ٹیڑھے آدمی کو نماز کی برکت سے سیدھا کیا جاتا ہے اس لئے اس کو صلوۃ کہتے ہیں **صلی** کے دوسرے معنی ہیں لازم پکڑنا قرآن کریم فرماتا ہے **تصلى نارا حامية** چونکہ نماز بھی مسلمان کے واسطے لازم رہتی ہے۔ اس لئے اس کو صلوۃ کہتے ہیں **صلو** کے معنی ہیں سرین چونکہ نماز پڑھنے کی حالت میں سرین کو حرکت ہوتی ہے۔ اس لئے اس کو صلوۃ کہتے ہیں۔ قرآن پاک میں لفظ صلوۃ پانچ معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ 1 دعا کے لئے **وصل عليهم** 2 تعریف جیسے **يصلون على النبى** 3 قرآن پاک کی تلاوت **ولا تجهر بصلوتك** 4 رحمت **صلوات من ربهم** 5 نماز جیسے **اقيموا الصلوة** اور حق تو یہ ہے کہ نماز میں پہلی چار چیزیں بھی شامل ہیں اس میں رب سے دعا بھی ہے۔ اس کی تعریف بھی تلاوت قرآن بھی۔ اور اس پڑھنے والے پر رحمت بھی یہاں اس آیت میں صلوۃ کے معنی نماز ہی ہیں۔

نماز بہت قسم کی ہے' فرض' جیسے نماز پنج وقتہ اور جمعہ واجب جیسے نماز عید' اور وتر سنت موکدہ جیسے ظہر مغرب کی سنتیں اور سنت غیر موکدہ جیسے کہ عصر و عشاء کی سنتیں نوافل جیسے نماز اوابین نماز چاشت و اشراق وغیرہ یہاں نماز سے فرض نماز مراد ہے تو معنی یہ ہوئے کہ متقی وہ لوگ ہیں جو فرض نمازوں کو پابندی سے ادا کرتے ہیں۔

نماز کے فضائل : کچھ فضائل تو ہم نے تعلق میں بیان کردیئے اور کچھ یہ ہیں 1 نماز تمام ملائکہ کی عبادتوں کا مجموعہ ہے۔ کیونکہ ملائکہ مقربین میں سے بعض وہ ہیں جو صرف رکوع ہی کر رہے ہیں بعض صرف سجدہ بعض قیام بعض صرف تسبیح و تہلیل رب تعالیٰ نے ہماری نماز میں یہ سب چیزیں جمع فرمائیں جو اس کی پابندی کرے گا وہ درجہ میں تمام ملائکہ کے برابر یا ان سے افضل ہوگا۔ 2 نماز میں ساری مخلوقات کی عبادت جمع ہے وہ اس طرح کہ درخت ہر وقت قیام میں ہیں اور چوپائے رکوع میں سانپ بچھو وغیرہ ہر وقت سجدے میں مینڈک وغیرہ ہر وقت قعدے میں انسان چونکہ ان سب سے افضل ہے اس لئے چاہئے کہ اس کی عبادت ان سب کی عبادتوں کو شامل ہو۔ 3 نماز انسان کی ہر حالت درست کرتی ہے برے کاموں سے بچاتی ہے یہ تو آزمائی ہوئی بات ہے کہ بڑے بڑے فاسق و بدکار لوگوں نے جب صدق دل سے نماز پڑھنی شروع کردی تو رب کے فضل سے سارے گناہوں سے بچ گئے۔ 4 نماز صدہا بیماریوں کا علاج ہے اس وقت کے اطباء بھی کہتے ہیں کہ وضو کرنے والا آدمی دماغی بیماریوں میں بہت کم مبتلا ہوتا ہے۔ نمازی آدمی اکثر دل کی بیماریوں اور جنون وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے نیز پنج وقتہ نمازی کے اعضاء ہلتے رہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ کپڑے پاک رہتے ہیں۔ گھر بھی اس کا پاک رہتا ہے۔ اس لئے وہ گندگی سے بچا رہتا ہے اور گندگی بہت سی بیماریوں کی جڑ ہے۔ 5 نماز ہر مصیبت کا علاج ہے اسی لئے اسلام نے ہر مصیبت کے وقت نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے بارش نہ ہو تو نماز استسقاء پڑھو سورج یا چاند کو گرہن لگے تو نماز کسوف پڑھو۔ کوئی حاجت درپیش ہو تو نماز حاجت پڑھو۔ غرضیکہ نماز ہر مصیبت میں کام آنے والی چیز ہے۔

نماز کیسی پڑھی جائے : اس کے متعلق روح البیان شریف نے اسی جگہ فرمایا کہ کسی شخص نے حاتم زاہد سے پوچھا کہ آپ نماز کس طرح پڑھتے ہیں۔ فرمایا کہ جب نماز کا وقت قریب آتا ہے تو اچھی طرح وضو کرتا ہوں۔ پھر مصلے پر سیدھا کھڑا ہوتا ہوں۔ اور دل میں محسوس کرتا ہوں کہ کعبہ معظمہ میرے چہرے کے سامنے ہے اور مقام ابراہیم میرے سینے کے آگے۔ اللہ میرے پاس ہے۔ جو میرے ہر حال کو دیکھ رہا ہے گویا کہ میرے قدم پل صراط پر ہیں۔ اور جنت میرے داہنی طرف اور دوزخ میرے بائیں طرف ہے اور ملک الموت میرے پیچھے کھڑے ہوئے ہیں۔ اور ہر نماز کے متعلق میں یہ خیال کرتا ہوں کہ یہ میری آخری نماز ہے۔ پھر تکبیر تحریمہ کہتا ہوں۔ پھر قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہوں کہ ایک ایک لفظ کے معنی پر غور کرتا ہوں عاجزی کے ساتھ رکوع کرتا ہوں اور گریہ و زاری کے ساتھ سجدہ اور امید قبول پر التحیات پڑھتا ہوں اور سنت کے طریقہ پر سلام پھیرتا ہوں۔ پھر جب فارغ ہوتا ہوں تو نماز کے قبول ہونے کی امید اور مردود ہونے کے خوف میں مشغول ہوتا ہوں۔ اور فرمایا کہ میں اس طرح سے تیس سال سے نماز پڑھ رہا ہوں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے بندو! نماز کے لئے یا تو تارے بن جاؤ۔ کہ تمام رات رب کی عبادت کرو اور یہ نہ ہو سکے تو چاند بن جاؤ یعنی رات کے بعض حصہ میں عبادت کرو اور اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو سورج سے تم کم نہ ہو کہ دن کو غفلت میں نہ گزارو۔

نماز کے اسرار اور حکمتیں : پانچ وقت کی نماز اس لئے فرض ہے کہ معراج میں اولاً پچاس وقت کی فرض ہوئی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر پانچ وقت کی رہ گئی حق تعالیٰ کے یہاں ہر نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے۔ لہذا یہ نمازیں پڑھنے میں تو پانچ ہیں اور ثواب میں پچاس دوسری حکمت یہ ہے اور امتوں نے یہ نمازیں متفرق طور پر پڑھی تھیں کسی نے فقط ظہر کسی نے فقط عصر وغیرہ حق تعالیٰ نے ان ساری نمازوں کو ہمارے لئے جمع فرمایا چونکہ وہ سب مل کر پانچ ہی نمازیں ہوتی تھیں اس لئے ہمارے واسطے پانچ رہیں تیسرے یہ کہ نمازوں سے مقصود یہ ہے کہ انسان کی ہر حالت اللہ کے ذکر سے شروع ہو اور دن اور رات میں پانچ ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ اس لئے نماز بھی پانچ ہی رکھی گئیں۔ مثلاً صبح کو اٹھے تو اب بیداری کی حالت شروع ہوئی سب سے پہلے اللہ کا ذکر کرے دوپہر تک دنیوی کاروبار سے فارغ ہوا کھانا وغیرہ کھا کر دوپہر میں آرام کیا اب جو اٹھا تو دن کا دوسرا حصہ اور ہماری دوسری حالت شروع ہوئی لہذا پہلے نماز پڑھ لو عصر کے وقت تقریباً سارے لوگ اپنے کاروبار سے فارغ ہو گئے سیر و تفریح کا وقت آیا بازاروں میں تجارتوں کے چمکنے کا وقت آیا گویا ہماری تیسری حالت شروع ہوئی اب بھی پہلے نماز پڑھ لو مغرب کے وقت دن جا رہا ہے رات آ رہی ہے دنیا کی حالت نے کروٹ بدلی اب بھی پہلے نماز پڑھ لو جب سونے کے لئے چلو تو بہت ممکن ہے کہ یہ نیند تمہاری آخری ہو اس کے بعد قیامت ہی کو اٹھنا۔ اور نیند بھی ایک قسم کی موت ہے لہذا اللہ پاک کا ذکر کرو اور نماز پڑھ کر سوؤ۔ جس کام کی ابتداء اچھی ہوتی ہے۔ ان شاء اللہ وہ کام آخیر تک اچھا رہتا ہے دوکاندار لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا پہلا گاہک

www.alahazratnetwork.org

کوئی مبارک ہو جس کی برکت سے تمام دن خوب تجارت ہو۔ مسلمان کے بھی ہر کام کی ابتداء اللہ کے ذکر سے ہو۔ لہذا پانچ نمازیں رکھی گئیں۔

نماز کی رکعتیں: مختلف اس لئے ہیں کہ یہ نمازیں گزشتہ پیغمبروں کی ایک لحاظ سے یادگار ہیں چونکہ آدم علیہ السلام نے فجر کے وقت دو ہی رکعتیں پڑھی تھیں اور حضرت خلیل اللہ نے ظہر کے وقت چار وغیرہ وغیرہ اس لئے ہم بھی اتنی ہی رکعتیں پڑھتے ہیں۔ نیز طبیب کے نسخہ میں دوائیں مختلف وزن کی ہوتی ہیں کوئی دو ماشہ تو کوئی تین تولہ اور دواؤں کے یہ وزن اس کی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ اسی طرح نماز کی رکعتیں گویا روحانی نسخہ کے اوزان ہیں نیز اس جگہ روح البیان شریف نے لکھا ہے کہ ملائکہ کے بازو مختلف ہیں کسی کے دو کسی کے تین کسی کے چار۔ رب تعالیٰ نے نمازوں کی رکعتیں بھی مختلف رکھیں کیونکہ یہ بھی روح کے بازو ہیں قبلہ کو منہ کرنے میں یہ حکمت ہے کہ کعبہ معظمہ تمام زمین کی اصل ہے۔ کیونکہ زمین وہاں ہی سے پھیلی تو چاہئے کہ نمازی کا جسم اپنے اصل کی طرف رہے۔ اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ نمازی کا دل عالم کی اصل یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رہے کیونکہ حضور علیہ السلام روحوں کی اصل ہیں۔ اس لئے آپ کو ہر نمازی نماز میں سلام کرتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** اور اسی لئے اگر کسی نمازی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پکاریں تو اس پر واجب ہے کہ اپنی نماز چھوڑ کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو جائے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب "شان حبیب الرحمان" کا مطالعہ کرو اور ان شاء اللہ اس کے متعلق جو قرآن پاک کی آیتیں ہیں ان کے ماتحت مسئلہ کی پوری تحقیق کی جائے گی۔

اعتراض: پہلا اعتراض قرآن پاک کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ متقی وہ جو نماز قائم کرے۔ تو جو صحابہ کرام کہ نماز فرض ہونے سے پہلے وفات پا گئے یا اب جو شخص اسلام لاتے ہی وفات پا جائے۔ وہ متقی نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس نے نماز قائم ہی نہ کی۔ جواب: تمامی اعمال میں قدرت کی شرط ہے۔ یعنی مطابق طاقت کے واجب ہوتا ہے جو شخص کہ نماز پڑھنے کا موقع ہی نہ پائے اس پر نماز فرض ہی نہ ہوئی۔ دیکھو مالدار آدمی اسلام کے پانچوں ارکان ادا کرتا ہے۔ یعنی زکوٰۃ و حج بھی غریب آدمی صرف تین یعنی کلمہ، نماز، روزہ، حائضہ عورت نماز بھی نہیں پڑھتی۔ مگر یہ سب ایک درجہ کے متقی ہیں کیونکہ ان میں ہر شخص بقدر طاقت اطاعت کر رہا ہے اسی طرح ایک شخص کی عمر سو برس کی ہوئی دوسرے کی پچیس برس کی۔ سو برس والے کی عبادتیں زیادہ ہیں لیکن دونوں ایک درجہ کے متقی ہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ ایک تو ہے اعمال کا کرنا اور ایک ہے ماننا وہ متقی ہے کہ اگر اس کو عمل کا موقع ملے تو کرے اور اگر نہ ملے تو کم از کم اس کو مانے جو صحابہ کرام نماز فرض ہونے سے پہلے وفات پا چکے ان کا بھی یہ عقیدہ تھا کہ جتنے احکام آئیں گے وہ سب حق ہوں گے خواہ ہمیں کرنے کا موقع ملے یا نہ ملے۔ آج بھی غریب آدمی یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ زکوٰۃ اسلامی فرض ہے اگر میرے پاس مال ہو تو مجھ پر زکوٰۃ دینا فرض ہو جائے۔ یہ ماننا ہی اس کے متقی ہونے کے لئے کافی ہے۔ بعض صحابہ کرام نے سارا قرآن پاک اترا ہوا نہ دیکھا کیونکہ وہ بعض سورتوں کے اترنے سے پہلے ہی وفات پا گئے۔ پہلی امتوں نے سارے انبیاء کرام کو نہ جانا کیونکہ وہ بعض انبیاء ان کے بعد آنے والے تھے تو اب یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ ان کا ایمان ناقص تھا۔ اور ہمارا کامل۔ کیونکہ ہم نے سارے قرآن اور سارے پیغمبروں کو پالیا۔ اس لئے کہ سب کو وہ بھی مانتے تھے۔ اور ہم بھی مانتے ہیں وہ اس طرح مانتے تھے کہ بعض انبیاء اور بعض قرآن کی آیتیں آنے والی ہیں اور وہ سب حق ہیں ہم اس

www.alahazratnetwork.org

طرح مانتے ہیں کہ سب آچکے ہیں اور سب حق ہیں۔ دوسرا اعتراض: چاہئے کہ نماز فرض ہی پڑھی جائے سنتوں کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ متقی بننے کے لئے فرض نماز کی پابندی کافی ہے جیسا کہ اس تفسیر سے معلوم ہوا۔ جواب: سنتوں کے بغیر فرض ناقص ہیں بلکہ بغیر سنت فرض ادا ہو سکتے ہی نہیں۔ سنت کو فرض سے وہ تعلق ہے جو پانی کو کھانے سے ہے۔ کہ بغیر پانی نہ تو کھانا تیار ہوتا ہے اور نہ کھایا جاسکتا ہے اسی طرح بغیر سنت نہ تو فرض ادا ہو سکتا ہے اور نہ پڑھا جاسکتا ہے۔ دیکھو مثلاً روٹی ہے یہ بغیر پانی بنتی بھی نہیں اور کھائی بھی نہیں جاتی۔ کھیت میں گیہوں پانی سے تیار ہوا۔ پھر آٹا پانی سے گوندھا گیا جب کھانے کے لئے بیٹھے تو ساتھ پانی بھی پیا گیا۔ جس ترکاری سے روٹی کھائی وہ بھی کھیت میں پانی سے تیار ہوئی پھر پانی ہی سے دھلی اور پانی ہی سے پکی اسی طرح فرض سنت سے حاصل ہوتا ہے۔ نماز پڑھنے لگو تو کانوں تک ہاتھ اٹھاؤ قیام ' تلاوت ' سجدہ ' التحیات وغیرہ کی سنتیں ادا کرو تو فرض ادا ہو پھر کوئی فرض نماز ایسی نہیں۔ جس کی ساتھ سنتیں نہ پڑھی جائیں۔ اسی طرح روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا اور کھجور سے افطار کرنا وغیرہ سب سنت ہے زکوۃ کے پیسے سے اپنے اہل قرابت کی خدمت کرنا سنت۔ بلکہ فرض تو ہم پر بالغ ہونے کے بعد عائد ہوتے ہیں اور مرنے سے پہلے ہی ہمیں چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوتے ہی ہمیں اپنے دامن میں لیتی ہے۔ اور مرنے پر بھی بلکہ مرنے کے بعد بھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ پیدا ہوتے ہی بچے کو غسل دینا کپڑا پہنانا ختنہ اور عقیقہ کرنا وغیرہ سب سنتیں ہی تو ہیں پھر زندگی گزارنا پیٹ بھر کر کھانا کھانا جوتا پگڑی کرتہ اچکن وغیرہ پہننا یہ سب سنتیں ہیں اکثر صورتوں میں نکاح کرنا اور بیوی بچوں کی پرورش کرنا ' مکان بنانا وغیرہ یہ سب سنتیں ہیں ' اس طرح مرتے وقت کلمہ پڑھانا کفن کی ترتیب دینا قبر کی نوعیت وغیرہ یہ سب سنتیں ہیں۔ بعد موت ایصال ثواب کرنا وغیرہ سنتیں ہیں اسی لئے ہمارا نام اہل فرض نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت ہے جو لوگ کہ سنت نمازوں کے منکر ہیں ان کو چاہئے نہ تو مکان بنائیں نہ دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کھائیں نہ عمدہ لباس پہنیں بلکہ مرنے لگیں تو جان بچانے کے لئے تھوڑے چنے کھا لیا کریں اور صرف ناف سے گھٹنوں تک کپڑا باندھا کریں اور سخت ضرورت کے بغیر نکاح ہرگز نہ کریں اپنا نام کچھ نہ رکھیں کیونکہ فرض صرف اس قدر ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔ یہ کیا کہ نماز کی سنتوں سے انکار اور باقی تمام سنتوں پر عمل جناب سنت نے ہم کو انسان بنایا رب تعالیٰ ہم کو سنت پر قائم رکھے سنت چھوڑنے والا شفاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے محروم ہے خیال رہے کہ سنت اور حدیث میں دو طرح کا فرق ہے ایک یہ کہ حدیث حکایت ہے اور سنت جس کی حکایت کی جاوے۔ وہ الفاظ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کریمہ نقل کئے گئے وہ الفاظ حدیث ہیں اور خود حضور نے جو کام کیا تھا جس کی حکایت کی گئی وہ سنت دوسرے اس طرح کہ حدیث نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام وہ طریقے جو نقل میں آجاویں۔ خود ہمارے لئے وہ قابل عمل طریقے جن میں اتباع کی جاسکے لہٰذا حدیث عام ہے سنت خاص خیال رہے کہ حضور کے خصائص جیسے نو بیویاں ایک ساتھ نکاح میں رکھنا روزہ وصل۔ منبر پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا۔ اونٹ پر طواف کرنا۔ حدیث میں تو آگیا مگر یہ سنت نہیں کیونکہ ہم ان کی پیروی نہیں کر سکتے اس لئے حدیث شریف میں ارشاد ہے علیکم بسنتی تم پر میری سنت لازم ہے یہاں بحدیثی نہ فرمایا لہٰذا انسان اہل سنت تو ہو سکتا ہے یعنی ہر سنت پر عمل کرنے والا مگر اہل حدیث نہیں ہو سکتا۔ اپنے کو اہل حدیث کہنا کھلا جھوٹ ہے۔ ورنہ پھر تو نو بیویاں نکاح میں رکھنا ہوں گی وغیرہ وغیرہ۔

www.alahazratnetwork.org

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ
اور سے اس دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں
اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ اٹھ میں

تعلق : یہاں متقین کی صفات کا ترتیب وار ذکر ہو رہا ہے پہلے ایمان کا ذکر ہوا جو سب کی اصل تھا پھر نماز کا جو تمام اعمال سے افضل تھی اور جس کا تعلق مومن کے بدن سے تھا اب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا ذکر ہوا جس کا قوی تعلق مال سے ہے چونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس کے پاس صرف جسم ہوتا ہے اور مال بعد میں حاصل ہوتا ہے اس لئے نماز کا ذکر پہلے اور خرچ کرنے کا بعد میں دوسرے یہ کہ زکوۃ نماز کے بعد میں فرض ہوئی اس لئے زکوۃ کا ذکر نماز کے بعد تیسرے یہ کہ ایمان میں نجات ہے اور نماز میں مناجات اور خرچ میں درجات نجات مناجات سے پیچھے ہیں اس لئے اس کو بعد میں بیان کیا گیا۔ یہ کہ ایمان بشارت ہے نماز میں کفارہ ہے اور خرچ میں طہارت یعنی پاکی ہے اور یہ ان دونوں سے پیچھے یہ کہ ایمان میں عزت اور نماز میں قربت اور خرچ میں زیادتی ہے اور زیادتی ان دونوں کے بعد میں ہے اس لئے اس کا ذکر بعد میں ہوا۔ یہ کہ اس آیت میں چار چیزوں کا ذکر ہوا' تقویٰ' ایمان بالغیب اور نماز قائم کرنا اور خرچ کرنا اور یہ چار صفتیں چاروں خلفاء (یعنی ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان غنی' مولیٰ علی کی صفتیں ہیں چنانچہ صدیق اکبر متقین کے سردار عمر فاروق مومنین کے پیشوا عثمان غنی نمازیوں کے شہنشاہ مولا علی راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کے امام رضی اللہ عنہم اجمعین تفسیر روح البیان)

تفسیر : اس جملے میں تین الفاظ ہیں اور تینوں بہت گنجائش رکھتے ہیں۔ جس کی وجہ سے یہ جملہ مسائل کا ایک دریا ہے بلکہ یوں سمجھو کہ فقط یہ ایک جملہ ہی انسان کی ساری زندگی کے لئے کافی ہے ایک مما دوسرے رزقنھم تیسرے ینفقون۔ مما میں من بعضیت کے لئے ہے یعنی اپنی روزی میں سے کچھ حصہ خرچ کرے اس سے دو فائدے حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ سارا مال راہ خدا میں خرچ کرکے خود فقیر نہ بن جانا چاہئے اگر آپ نے اپنا سارا مال فقیروں کو دے دیا اور اپنے کو اور اپنی اولاد کو بھوکا رکھا تو بہت سے حقوق مار کر ایک نفلی کام کیا جو یقیناً منع ہے اور اگر بعد میں بھیک مانگتے پھرے تو نفل ادا کرکے حرام میں پھنسے کیونکہ بلا سخت ضرورت بھیک مانگنا حرام ہے اسی لئے اس جگہ مما فرمایا گیا ہاں اگر کوئی اللہ کا بندہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی طرح متوکل ہو اور اس کے سارے گھر والے بھی صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے گھر والوں کی طرح متوکل ہوں اور پھر وہ اپنا سارا گھر بار مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پاک پر نثار کردے اور گھر میں اللہ و رسول کے نام رکھے تو یہ دوسری بات ہے۔

موسیا آداب دانا دیگراند سوختہ جان و روانا دیگراند

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو پروانہ شمع مصطفائی تھے۔ ان سوختہ جانوں کے احکام ہی دوسرے ہیں۔ لہذا جو شخص اس آیت کو پیش کرکے ان پر اعتراض کرتا ہے وہ عاشقوں کے رمز سے ناواقف ہے۔ دوسرے اس طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ہمارے پاس عام طور پر دو قسم کے مال ہوتے ہیں کچھ حرام اور کچھ حلال۔ راہ خدا میں وہ مال خرچ کرو جو نہایت طیب اور حلال ہو۔ کیونکہ حرام مال اس کی بارگاہ میں قبول نہیں تیسرے یہ کہ ہمارے مالوں میں سے بعض مال ردی ہوتے ہیں۔ اور بعض کھرے

www.alahazratnetwork.org

اللہ کی راہ میں کہ اپنا مال خرچ کرو جس کی دوسری آیتوں میں تصریح فرمائی گئی ہے۔ اس لئے یہاں من ارشاد فرمایا گیا (**رزقنھم**) یہ رزق سے بنا ہے رزق کی لغت میں دو معنی ہیں عطاء یعنی دی ہوئی چیز' حصہ **وتجعلون رزقکم انکم تکذبون** اس آیت میں رزق حصہ کے معنی میں استعمال ہوا اصطلاح میں رزق وہ ہے جس سے کوئی جاندار چیز نفع حاصل کرے لہذا ہوا' پانی' لباس' غذائیں' زمین' اولاد وغیرہ غرضیکہ دنیا کی ہر نعمت رزق ہے تو اب اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ہر نعمت میں سے ہماری راہ میں خرچ کریں لیکن ہر چیز کا خرچ کرنا اس کے موافق ہو گا مثلاً ہوا سے سانس لیتے ہیں تو کچھ سانسیں اللہ کے ذکر میں خرچ کرو۔ یہ سانسوں کی زکوۃ ہوئی اگر اولاد آپ کو ملی ہے تو جس طرح چند بچوں کو دنیوی کاروبار میں ماہر بناتے ہو ان میں کم از کم ایک کو حافظ قرآن یا عالم دین بھی بناؤ اور جس طرح کہ اپنی اولاد کو دنیوی کام سکھاتے ہو کوئی دینی کام بھی سکھاؤ اور ان کو یہ بھی سمجھا دو کہ تم کس درخت کی شاخ اور کس شاخ کے پھل ہو اسی طرح اگر تمہارے پاس مال ہے۔ تو مال کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ لفظ **رزقنھم** ان سب کو شامل ہے۔ شریعت میں سات طرح مال خرچ کرنا عبادت ہے۔ زکوۃ اس کی بہت سے قسمیں ہیں اور ہر قسم کے ہزارہا مسائل چاندی سونے کی زکوۃ جانوروں کی زکوۃ زمینی پیداوار کی زکوۃ وغیرہ وغیرہ 2 صدقہ فطر۔ 3 نفلی صدقے اس کی بہت قسمیں ہیں مسلمانوں کی دعوت کمزوروں کی مدد یتیموں کی پرورش اور قرض دار کے قرض کی ادائیگی گیارہویں شریف محفل میلاد پاک سب اس میں شامل ہیں۔ وقف اس کی بھی بہت سی صورتیں ہیں مسجدیں دینی مدرسے پل کنویں سرائے وغیرہ بنانا۔ 5 حج کے خرچ۔ 6 جہاد۔ 7 اپنے اپنے ذمہ اہل قرابت کے جو خرچ لازم ہیں ان کا ادا کرنا اس کی بھی بہت سی قسمیں ہیں بیوی کے مصارف چھوٹی اولاد کی پرورش والدین کا خرچ غریب اہل قرابت کی امداد وغیرہ سب اس میں داخل ہیں (**ینفقون**) انفاق۔ **نفق** سے بنا ہے اس کے لغوی معنی ہیں بکھیرنا الگ الگ ہونا اسی لئے جس کا دل اور زبان ایک نہ ہو اسے منافق کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کا دل زبان سے علیحدہ ہے۔ لومڑی کے سوراخ کو نافقہ کہتے ہیں کیونکہ اس کے علیحدہ علیحدہ دروازے ہوتے ہیں ایک ظاہر اور ایک چھپا ہوا اور رائج سکے کو نافقہ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ ایک جگہ مشکل سے جمع ہوتا ہے خرچ کو بھی نفقہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں مال بکھیر دیا جاتا ہے آپ کی جیب میں پچاس روپے ہیں بازار جا کر آپ نے پانچ روپے کپڑے والے کو دیئے دس غلے والے کو کچھ مٹھائی وغیرہ میں صرف کئے تو وہ پیسہ جو آپ کی جیب میں جمع تھا متفرق ہو گیا۔ خرچ چند طرح کا ہے حرام خرچ جیسے شراب نوشی' جوا وغیرہ جائز خرچ جیسے دنیوی ضروریات میں پیسہ خرچ کرنا مستحب سنت اور فرض اس جگہ وہ خرچ مراد ہے۔ جو رضا الٰہی کے لئے ہو خواہ فرض ہو یا نفل جن مفسرین نے اس کی تفسیر زکوۃ سے کی ہے انہوں نے ایک خاص قسم سے تفسیر کر دی۔ بہر حال قرآن پاک کا یہ جملہ ہزارہا مسائل کو شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ جس طرح ظاہری نعمتوں کے خرچ کو شامل ہے اسی طرح باطنی نعمتوں کا خرچ بھی اس میں داخل ہے۔ لہذا غنی اپنے مال سے خرچ کرے علماء اپنے عمل سے خرچ کریں کہ لوگوں کو سکھائیں بتائیں۔ مجاہدین اپنی جان خرچ کریں کہ حق تعالیٰ کی اطاعت میں کوتاہی نہ کریں اور عابدین اپنے دل کو خرچ کریں کہ اس دل کو دنیا کی گندگیوں کا گھورا (روڑی) نہ بنائیں بلکہ دنیوی فکروں کو قلب میں نہ آنے دیں اور گھر کو یار کے لئے صاف رکھیں گندے گھر میں بادشاہ نہیں آتا اور دنیوی مصیبتوں کو دل سے اس طرح باہر رکھیں جیسے کشتی سے دریا کا پانی کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

آب در کشتی ہلاک کشتی است آب اندر زیر کشتی پشتی است

کشتی کے لئے پانی ضروری ہے لیکن اگر پانی کشتی کے اندر آجائے تو ڈوب جائے گی اسی طرح کہ دل کے لئے بھی تفکرات ضروری اگر تفکرات نہ ہوں تو دل کس چیز پر تیرے گا لیکن اگر یہ تفکرات دل میں آگئے تو دل ہلاک ہو جائے گا۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ غنی مال سے جیب خالی کرے اور فقیر غیر سے اپنے قلب کو صاف کرے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

آں درم دادن سخی را لائق است جان سپردن خود سخائے عاشق است

زکوۃ کے اسرار اور فائدے : یہ قدرتی بات ہے کہ خرچ کرنے سے چیز بڑھتی ہے۔ اگر علم اپنا عالم خرچ نہ کرے تو اس سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے اگر کنویں سے پانی خرچ نہ کیا جائے تو پانی گندہ ہو جائے گا۔ اگر درختوں کی کچھ شاخیں نہ کاٹی جائیں تو ان میں آئندہ پھل کم آئیں گے۔ اسی طرح اگر مال کی زکوۃ ادا نہ کی جائے تو اس مال کی ترقی رک جائے گی۔ 2 قدرت نے ہر چیز سے زکوۃ لی ہے۔ بیماری تندرستی کی زکوۃ ہے نیند بیداری کی زکوۃ تکلیفیں راحتوں کی زکوۃ کھیتوں میں کچھ غلے کا برباد ہو جانا اور پرندوں کا کھا جانا یہ پیداوار کی قدرتی زکوۃ ہے۔ اگر ہم اپنے مال سے زکوۃ نہیں نکالتے تو قانون قدرت کا خلاف کرتے ہیں۔ 3 اگر کسی کی کوئی چیز ضرورت سے زائد بچ جائے تو وہ اور جگہ بھی خرچ ہونی چاہئے کتے وغیرہ کے پستان میں اتنا ہی دودھ ہے جتنا اس کے بچے پی سکیں لیکن بھینس گائے کو اس کے بچے کی ضرورت سے زیادہ دودھ دیا گیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اس میں اوروں کا بھی حق ہے اگر قدرت نے آپ کو آپ کی ضرورت سے زیادہ مال دیا ہے۔ تو یقیناً اس میں فقراء اور مساکین کا بھی حصہ ہے زائد چیز کو علیحدہ کرنا ہی ضروری ہے آپ کے بڑے ہوئے ناخن اور بال لبیں وغیرہ علیحدہ ہونی چاہئیں۔ اسی طرح پیٹ کا فضلہ بھی خارج ہونا چاہئے اس کا رہنا بیماری ہے اسی طرح زکوۃ کا پیسہ بھی علیحدہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کا رہنا بیماری ہے۔ 4 جس طرح آپ کے مال سے حکومت ٹیکس لیتی ہے کہ اس کے بغیر لوائے آپ حکومت کے باغی قرار پاتے ہیں اور وہ یہ کہتی ہے کہ جب ہم تمہاری ہر طرح خدمت کرتے ہیں اور تمہارے آرام کے لئے ہر قسم کے محکمے بنائے ہیں تو کیا ہمارا اتنا بھی حق نہیں کہ تمہارے مال سے ہم کچھ لیں۔ اسی طرح جب رب تعالیٰ نے ہماری ہر قسم کی پرورش فرمائی۔ ہمارے آرام کے لئے ہزاروں ملائکہ وغیرہ کے محکمے مقرر فرمائے تو کیا اس کا اتنا بھی حق نہیں کہ ہمارے مال میں سے کچھ طلب فرمائے بلکہ حق تو یہ ہے کہ یہ مال بھی اسی کا ہے اور ہم بھی اسی کے یہ اس کا کرم ہے کہ اس نے ہم کو مال دیا اور خود ہم سے لے کر ہم کو ثواب عطا فرمایا انسان کی فطرت میں محبت ہے مگر بعض محبتیں مفید ہیں بعض بیکار بعض نقصان دہ اللہ رسول کی محبت مفید ہے۔ دنیا کی ہر چیزوں کی محبت بیکار ہے۔ شیطانی چیزوں سے محبت نقصان دہ اسلام نے پہلی محبت بڑھانے کے لئے عبادات رکھیں کہ جس کا جو چاہے جس کی اطاعت زیادہ ہو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے آخری دو محبتوں کے گھٹانے کے لئے بہت ذریعے قائم کئے زیارت قبور کرو تاکہ محبت دنیا کی کم ہو وغیرہ انہی اسباب میں سے ایک سبب زکوۃ و خیرات ہے کہ انسان اپنی کمائی اپنے ہاتھ سے اللہ کے نام پر دے تاکہ محبت مال دل میں نہ آ جائے۔ زکوۃ کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس کی وجہ سے مال بربادی وغیرہ سے محفوظ رہتا ہے اور اس میں ہمیشہ برکت رہتی ہے۔ زکوۃ دینے سے بظاہر جیب خالی ہوتی ہے لیکن حقیقت میں بھرتی ہے مثنوی شریف میں فرمایا گیا۔

ہر کہ کارد گردد انبارش تہی لیکش اندر مزرعہ باشد بہی

www.alahazratnetwork.org

و آنکہ در انبار ماندہ و صرفہ کرد   اپش و موش و حوادث ماش خورد

یعنی ایک کسان نے غلہ بویا دوسرے نے نہ بویا بظاہر بونے والے کی بوری خالی ہو گئی اور نہ بونے والی کے بورے بھرے رہے لیکن حقیقت میں نہ بونے والا خالی ہو گیا کیونکہ اس کے غلہ کو چند روز میں جانور چوہے مہمان اور بال بچے وغیرہ خرچ کر والیں گے لیکن جس نے بویا اس کے بورے پہلے سے زیادہ بھر جائیں گے تفسیر روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ کسی نبی پر وحی آئی کہ فلاں شخص کی آدھی عمر غنا میں اور آدھی فقیری میں گزرنے والی ہے اس سے پوچھو کہ پہلے کون سی چیز چاہئے اس نے عرض کیا کہ میں پہلے غنا چاہتا ہوں لہذا اس کو غنی کر دیا گیا لیکن اس نے تدبیر یہ کی جتنا پیسا اپنے نفس پر خرچ کرتا اتنا ہی بلکہ اس سے زیادہ فقراء اور مساکین پر۔ جب اس کی آدھی عمر گزر گئی تو ان پیغمبر پر دوبارہ وحی آئی کہ چونکہ اس نے ہماری نعمتوں کا شکر ادا کیا اور شکر سے نعمتیں بڑھتی ہیں لہذا اس کی ساری عمر غنا میں کٹے گی۔

اعتراض : **پہلا اعتراض:** زکوۃ قوم کو ترقی سے روکتی ہے زکوۃ دینے سے غربت آتی ہے اس لئے مسلمان دوسری قوموں سے زیادہ غریب ہیں۔ **جواب:** زکوۃ قوم کی ترقی کا اصل راز ہے اگر صحیح معنی میں زکوۃ دی اور لی جائے تو قوم میں کوئی غریب نہیں رہ سکتا مسلمان جب تک زکوۃ دیتے رہے بہت مالدار رہے جب سے زکوۃ دینے میں کمی کی خرابی آئی۔ اس وقت مسلمانوں کی غربت کی وجہ یہ ہے کہ یہ بیکاری پسند کرنے میں مقدمہ بازیوں اور شادی بیاہ کی ناجائز رسموں اور عیاشیوں میں خود کو جاہ کرتے ہیں۔ ایسی مثال کہیں نہیں مل سکتی کہ کوئی شخص زکوۃ دینے سے غریب ہو گیا ہو۔ **دوسرا اعتراض:** آریوں کا۔ زکوۃ کے قانون سے مسلم قوم میں بیکاری اور بھیک مانگنے کی عادت پڑ گئی کیونکہ جب انہیں معلوم ہے کہ زکوۃ کا پیسہ مالداروں سے مل جائے گا تو پھر وہ محنت کیوں کریں۔ **جواب:** یہ زکوۃ کی خرابی نہیں۔ بلکہ زکوۃ کے غلط استعمال کی خرابی ہے۔ اسلام نے جس طرح کہ مالداروں کی زکوۃ دینے کی ترغیب دی ہے اسی طرح فقراء مساکین کو کما کر کھانے کا اور بھیک سے بچنے کا سخت حکم دیا جس کے متعلق قرآن پاک کی آیتیں اور احادیث بکثرت موجود ہیں۔ زکوۃ لینا تو سخت مجبوری کے وقت ہے اگر کوئی شخص کسی اچھی چیز کو غلط استعمال کرے تو یہ اس کے استعمال کی خرابی ہے نہ کہ اس چیز کی کوئی شخص ریل سے خود کشی کرے تو اس سے ریل بری نہیں ہو گی بلکہ اس کی یہ حرکت بری ہوئی۔ اگر زکوۃ سے بیکاری بڑھتی ہے تو ہندوؤں میں سادھو اور بھکاریوں کی جماعتیں کیوں موجود ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** رب کو راضی کرنے کے لئے صرف ایک نیک عمل کی ضرورت ہے۔ صدہا قسم کے اعمال شریعت نے کیوں بتائے۔ **نوٹ:** یہ اعتراض خاکساریت کی جڑ ہے کہ ان کے نزدیک صرف جھوٹی خدمت خلق اور نام کا غلط جہاد نجات کا مدار ہے نماز روزے کو مولویوں کی شکم پروری بتایا۔ **جواب:** جس طرح کہ زندہ رہنے کے لئے ہزار ہا چیزوں کی ضرورت ہے۔ غذا' پانی' لباس' مکان' دوا وغیرہ کہ ان کے بغیر زندگی ناممکن ہے۔ اگر کوئی شخص کہے کہ زندگی کے لئے صرف ہوا کافی ہے۔ غذا وغیرہ کی کیا ضرورت ہے وہ دیوانہ ہی تو ہے تو جس طرح جسمانی زندگی کے لئے بہت سے اعمال ضروری۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ دنیا میں انسان کا تعلق بہت سی چیزوں سے ہے اور ہر تعلق میں انسان صدہا گناہ کر لیتا ہے تو ضرورت تھی کہ ہر تعلق میں کوئی نہ کوئی عبادت بھی رکھی جائے تاکہ اس سے یہ چیزیں پاک ہوتی رہیں۔ چونکہ انسان کو تعلق مال سے بھی ہے اور اس مال میں بہت سے بے احتیاطیاں ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے ضرورت تھی کہ اس میں ایک مالی عبادت رکھی جائے۔ اسی کا نام زکوۃ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے ہیں ساتھ اس اتارا گیا طرف آپ اور وہ اتارا گیا

اور وہ کہ ایمان لائیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور جو تم

وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ؕ

سے پہلے آپ کے اور ساتھ آخرت وہ یقین کرتے ہیں

سے پہلے اترا اور آخرت پر یقین رکھیں

تعلق : اس آیت کو پہلی آیت سے چند طرح سے تعلق ہے۔ بعض تعلقات عبارت کے لحاظ سے ہیں اور بعض مضمون کے لحاظ سے۔ عبارت کے لحاظ سے یہ ہے کہ یا تو یہ علیحدہ جملہ ہے اور یہ مبتداء اور اولئک سے آخیر تک اس کی خبر ہے۔ تو اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ جن لوگوں میں یہ تین صفتیں ہوں وہ ہدایت پر ہیں اور کامیاب ہیں اور یہ الذین پہلے الذین پر معطوف ہے۔ تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ یہ قرآن پاک ان پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ جن میں وہ پہلی تین صفتیں بھی ہوں۔ اور یہ تینوں صفتیں بھی ہوں جو کہ اب بیان ہو رہی ہے تو گویا یہ آیت بھی متقین کی تفسیر ہے اور یا یہ الذین متقین پر معطوف ہے تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ یہ قرآن کریم پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے اور ان لوگوں کے لئے بھی جن میں یہ تین صفتیں ہوں۔ ان صورتوں میں اولئک سے علیحدہ جملہ شروع ہوگا۔ مضمون کے لحاظ سے بھی چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں متقین کی صفت یہ بیان کی گئی کہ جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور بظاہر غیب سے مراد اللہ کی ذات و صفات تھیں اور فقط اللہ کی ذات و صفات کو ماننا متقی ہونے کے لئے کافی نہیں جب تک انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں اور قیامت پر بھی یقین نہ ہو ان چیزوں کو اس آیت میں بیان کیا گیا (تفسیر فتح المنان) دوسرے اس طرح کہ پہلی آیت میں ان پرہیزگاروں کا ذکر ہوا تھا کہ جو بے پڑھوں اور مشرکین عرب میں سے ایمان لا کر پرہیزگار بنے کیونکہ ان کے لئے نبوت اور آسمانی کتابیں اور قیامت وغیرہ سب ہی چیزیں بالکل غیب تھیں۔ کیونکہ وہ ان سب سے ناواقف و بے خبر تھے اور اب اہل کتاب کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو پہلے سے نبوت اور آسمانی کتابوں اور قیامت کو جانتے اور مانتے تھے اور جن کے لئے یہ چیزیں کسی قدر ظاہر تھی تو یوں سمجھو کہ پہلے ان مسلمانوں کا ذکر ہوا جو شرک سے نکل کر اسلام میں داخل ہوں اور اب ان مسلمانوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو یہودیت اور عیسائیت سے توبہ کر کے مسلمان ہوں۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب دونوں قسم کے لوگوں کے لئے پوری ہدایت ہے تیسرے اس طرح کہ یہ آیت پہلی آیت کی تفصیل ہے۔ وہ اس طرح کہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ پرہیزگار وہ ہیں۔ جو غیب پر ایمان لائیں اور اب اس کی تفصیل اس طرح فرمائی گئی کہ اس سے وہ مراد ہیں جو ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لائیں۔ مگر ان دونوں تعلقات میں غیب سے مراد ساری چھپی ہوئی چیزیں ہیں۔

تفسیر : ایمان کے معنی اور اس کے اقسام اس سے پہلے بیان کئے جاچکے۔ انزل میں دو کلمے بہت غور کے قابل ہیں اول" ما اور دوسرے انزل' ما کے معنی ہیں ہر وہ چیز اور انزل کے معنی جو اتاری گئی آپ کی طرف۔ جس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ

www.alahazratnetwork.org

صرف قرآن پاک کو ماننا مومن و متقی بننے کے لئے کافی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری احادیث پاک کو ماننا از بس ضروری ہے۔ ورنہ یہاں بالقرآن فرمایا جاتا تو آیت کا مقصود یہ ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم متقی وہ ہیں جو ان ساری چیزوں پر ایمان لائیں جو آپ پر اتریں۔ خواہ بذریعہ ظاہر وحی کے جیسے قرآن کریم یا بذریعہ چھپی ہوئی وحی کے یعنی الہام وغیرہ جیسے احادیث۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ خواب میں دیکھ کر فرمائیں اس کا ماننا اور جو کچھ کہ آپ کے قلب پاک پر الہام ہو اس کا ماننا اور جو کچھ ظاہر وحی سے آئے اس کا ماننا غرضکہ جو اب پاک مصطفیٰ صلی اللہ سے ارشاد ہو ان سب کا ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے کیونکہ یہ سب رب کی طرف سے ہوتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں بلکہ وہ سب وحی ہوتی ہے جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔ لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی چیز کا منکر ہو وہ کافر ہے۔ ہم قرآن و حدیث کا فرق مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ جن احادیث شریف کو قرآن پاک کی آیتوں نے منسوخ فرمایا جیسے کہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا وغیرہ جس کو بے ادب کہہ دیتے ہیں وہ معاذ اللہ نبی کی غلطی تھی ان کا ماننا بھی اس وقت فرض تھا۔ جب وہ کلام ارشاد ہوا تھا اور اس منسوخ ہونے میں بھی عجیب راز ہے۔ جن کو ہم نے اپنی کتاب سلطنت مصطفیٰ میں بیان کیا ہے البتہ بطور مشورہ جو باتیں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمائیں ان کا یہ درجہ نہیں اسی لئے یہاں ارشاد ہوا **بما انزل** اور یہ نہ فرمایا گیا کہ **بما قلت** یعنی جو کچھ آپ کہیں۔ انزل کے معنی ایک دم اتارنے کے ہیں۔ چونکہ ہر آیت ایک ہی دم اترتی تھی اس لئے یہاں **انزل** فرمایا گیا یعنی ہر اس آیت اور حدیث پر ایمان لائیں جو ایک دم آپ پر اتری اتارنے کے معنی اور اس کی پوری تحقیق مقدمہ میں کر چکے ہیں الم کے میں بہت گنجائش ہے۔ جو چیزیں حضور علیہ السلام کے قلب پاک پر بطور الہام اتریں وہ بھی اس میں شامل ہیں اور جو کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے آکر عرض کیں۔ اور حضور علیہ السلام نے کان مبارک سے سنیں وہ بھی اس میں داخل اور جن چیزوں کو آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا خواہ فرش پر رہ کر یا عرش پر جا کر وہ سب اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا نماز روزہ' زکوۃ اور نماز کی رکعتیں اور زکوۃ کے نصاب وغیرہ سب اس میں شامل ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض چیزیں وہ ہیں جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قلب پاک سے معلوم فرمائیں اور بعض وہ جو سن کر یا دیکھ کر معلوم کیں۔

وما انزل من قبلک سے معلوم ہوا کہ جس طرح قرآن پاک کا ماننا ایمان کے لئے ضروری ہے۔ اسی طرح ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لانا بھی ہے۔ لیکن ان دونوں کتابوں کے ایمان میں دو طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ سارے قرآن پاک کا ماننا بھی ضروری۔ اور اس کی محکم آیتوں پر عمل کرنا بھی ضروری۔ لیکن پچھلی کتابوں کا فقط اس طرح ماننا ضروری ہے کہ وہ آسمانی کتابیں تھیں۔ جو ان پیغمبروں پر آئی تھیں۔ وہ سب حق تھیں۔ لیکن ان پر عمل کرنا ہمارے ذمہ لازم نہیں اور قرآن کریم نے پہلے آسمانی کتابوں کے جو احکام نقل فرما دیئے (جیسے کہ قصاص۔ اور سزاؤں کے احکام) ان پر عمل کرنا ہمیں بھی ضروری ہے۔ لیکن اس لئے نہیں کہ وہ ان کتابوں کے حکم تھے بلکہ اس وجہ سے ان کا تو کر بغیر تردید کے ہمارے قرآن پاک میں آ گیا۔ دوسرے اس طرح کہ ان کتابوں کا تفصیل سے جاننا ضروری نہیں صرف اتنا ماننا کافی ہے کہ کچھ کتابیں آئیں تھیں اور حق تھیں لیکن قرآن پاک کے بقدر ضرورت احکام کی تفصیل جاننا ہر مسلمان پر فرض عین ہے اور پورے قرآن کی تفصیل جاننا فرض کفایہ۔ جس فریضہ کو علماء کرام ادا کرتے ہیں۔ ان فرقوں کی وجہ سے **ما انزل** کو دوبارہ فرمایا گیا قرآن پاک کے لئے علیحدہ اور باقی

www.alahazratnetwork.org

سارى آسمانى كتابوں كے لئے عليحده۔ **نكتہ:** منسوخ احكام كا ماننا ضرورى ہوتا ہے اور ان پر عمل كرنا كفر منع۔ ديكھو يہ ماننا ضرورى ہے كہ پہلے بيت المقدس قبلہ تھا۔ ليكن اس كى طرف نماز پڑھنا منع۔ اس لئے قرآن كريم نے يہاں ايمان كا ذكر فرمايا نہ كہ عمل كا **و بالآخرة** ہميں تين جگہ رہنا ہے كچھ روز تو دنيا ميں كچھ روز قبر ميں يعنى عالم برزخ ميں اور ہميشہ آخرت ميں دنيا كى ابتداء ہمارى پيدائش سے ہے اور اس كى انتہا ہمارى موت اور برزخى زندگى كى ابتداء مرنے سے اور اس كى انتہا قيامت اور اخروى زندگى كى ابتداء قيامت سے اور انتہا كبھى نہيں بلكہ اس كى بقاء ہميشہ دنيا كو دنيا اس لئے كہتے ہيں كہ يا تو يہ دنو سے بنا ہے يا **دناءة** سے اگر دنو سے بنا ہے تو اس كے معنى ہوئے قريب كى چيز كيونكہ اس كى فنا قريب ہے اور اگر **دناءة** سے بنا ہے تو اس كے معنى ہيں ادنیٰ يا حقير چيز برزخ كے معنى ہيں پردے كے چونكہ برزخى زندگى دنيوى اور اخروى زندگى كے درميان ايک پردہ ہے كہ نہ وہاں عمل ہيں اور نہ كئے ہوئے اعمال كى جزاء لہذا اسے برزخ كہتے ہيں۔ آخرت كے معنى دوسرى چيز چونكہ وہ دوسرى زندگى ہے اس لئے اس كو آخرت كہا جاتا ہے۔ يہاں آخرت سے مراد يا لغوى آخرت ہے يا اصطلاحى لغوى آخرت ميں برزخ بھى داخل ہے تو معنى يہ ہوں گے كہ دنيا كے علاوہ دوسرى ہر حالت پر وہ يقين ركھتے ہيں۔ كچھ بھى ہو۔ ان سب كا ماننا ايمان كے لئے ضرورى ہے چونكہ دنيا كى زندگى اور اس كے سارے حالات محسوس ہيں۔ اور وہ دونوں حالتيں غيب ہيں۔ لہذا دنيا پر ايمان لانا ضرورى نہيں بلكہ ان دونوں پر ايمان ضرورى ہے۔ **هم يوقنون** كا مقدم كرنا حصر كے لئے ہے يعنى ان ہى لوگوں كو آخرت پر يقين ہے آريے يا ساتنى ہندو وغيرہ چونكہ نہ قيامت كو مانيں اور نہ قيامت كے بعد كے حالات كو اس لئے يہ حصر صحيح ہوا۔ اسى طرح عيسائى اور يہودى اگرچہ قيامت وغيرہ كو مانتے ہيں ليكن غلط طريقہ سے چنانچہ وہ كہتے ہيں كہ جنت ميں صرف يہودى يا عيسائى ہى جائيں گے اور نيز يہ كہ يہوديوں كو صرف چند دن ہى آگ كا عذاب ہو گا اور يہ كہ جنت كى نعمتيں دنيا كى نعمتوں كى طرح نہيں ہيں۔ يعنى وہاں غذائيں اور بيوياں نہيں كيونكہ يہ چيزيں جسم كى پرورش اور نسل كے بڑھانے كے لئے ہوتى ہيں اور ان كى وہاں ضرورت نہيں بلكہ وہاں صرف روحانى خوشى اور سرور ہو گا اور ان سے بعض كہتے ہيں كہ يہ سب چيزيں تو ہوں گى ليكن ہميشہ نہ رہيں گى بلكہ دنيا كى طرح وہ مٹ جائيں گى اس لئے ان لوگوں نے حقيقتاً صحيح معنى ميں آخرت كو نہ مانا۔ (تفسير روح البيان) ثابت ہوا كہ مسلمانوں كے علاوہ كسى نے بھى آخرت كو صحيح طور پر نہ مانا بعض نے بالكل نہ مانا جيسے آريہ اور بعض نے غلط طريقہ سے مانا لہذا يہ انحصار بالكل صحيح ہوا۔ **تنبيہہ:** جو شخص مسلمانى كا دعوىٰ كر كے جنت دوزخ وغيرہ كا انكار كرے يا وہاں كى نعمتوں ميں عيسائيوں كى طرح تاويل كرے جيسے كہ سر سيد على گڑھى اور اس كے ہوا خواہ كافر و مرتد ہے اور اس آيت سے خارج از اسلام ہے **يوقنون** يقين سے بنا ہے اور يقين كے دو معنى ہيں ايک كسى چيز كو بلاشبہ جاننا يعنى پہلے شبہ ہو اور بعد ميں نہ رہے (تفسير كبير يہى مقام) يا دلائل سے بلاشبہ جاننا اس لئے حق تعالىٰ كے علم كو يقين نہيں كہتے۔ "تفسير روح البيان يہى مقام" كيونكہ خداوند كريم كا علم نہ تو دلائل سے ہے اور نہ شک و شبہ كے بعد اسى طرح حضور عليہ السلام كو جو اپنى نبوت كا علم ہے اس كو يقين نہ كہا جائے گا كيونكہ ان كو نہ تو اس سے پہلے شک تھا اور نہ ان كو يہ علم دلائل سے حاصل ہوا۔ ابو الليث رحمتہ اللہ عليہ فرماتے ہيں كہ يقين تين طرح كا ہے۔ يقين عياں۔ يقين خبر۔ يقين دلالت۔ يقين عياں تو يہ ہے كہ خود چيز كو ديكھ كر اس كا يقين حاصل ہو۔ يقين خبر وہ ہے كہ جو كسى سے خبر پا كر اس چيز كا يقين حاصل ہو۔ جيسے كہ دھوئيں كو ديكھ كر آگ كا اور دھوپ كو ديكھ كر آفتاب كا يقين يہاں يقين سے آخرى دو قسميں مراد ہيں۔ بلكہ شريعت ميں يقين خبرى معتبر ہے۔ كيونكہ جو شخص نبى كا انكار كرے اور ان سارى چيزوں كو

www.alahazratnetwork.org

اپنی عقل سے معلوم کرے وہ شریعت میں مومن نہیں اسی لئے اس آیت میں آخرت کے یقین کو کتابوں کے ایمان کے بعد بیان کیا۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ یقین کے بھی تین درجے ہیں اور ایمان کے بھی علم الیقین 'عین الیقین' حق الیقین علم الیقین سن کر جاننا عین الیقین دیکھ کر جاننا اور حق الیقین اس میں فناہو کر جاننا اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص سن کر جانتا ہے کہ آگ گرم ہے دوسرا آگ کے پاس بیٹھا ہوا اس کی گرمی محسوس کرکے جان رہا ہے کہ آگ گرم ہے تیسرے نے اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا اور آگ نے اس کی رگ رگ میں سرایت کی اور وہ زبان حال سے کہنے لگا۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جان شدی تا کس نہ گوید بعد ازاں من دیگرم تو دیگری

اس فنا کے بعد اس کو جانا تو پہلا علم الیقین ہوا۔ دوسرا عین الیقین اور تیسرا حق الیقین ہوا جس پر نظر فرماوے۔ اس کو بھی رنگ دے کوئلہ جب آگ بن جاتا ہے تو جسم تو کوئلہ سا رہتا ہے لیکن وہ کام آگ کا سا کرتا ہے نیز صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص ان درجات میں ترقی چاہتا ہے وہ حسب ذیل کام کرے 'باوضو رہنا' کم کھانا' اکثر خاموش رہنا' اکثر خدا کا ذکر کرنا' عالم کی چیزوں میں غور کرنا' فرائض اور سنتوں کی پابندی کرنا' دنیا والوں سے بے غرض رہنا' کم سونا' حلال کھانا' سچ بولنا' یہ چیزیں قفلوں کی چابیاں ہیں۔ یقین کا نتیجہ یہ ہونا چاہئے کہ انسان دنیا میں آخرت کی تیاری کرے تفسیر روح البیان شریف میں اس جگہ ہے کہ چند لوگ بہت دھوکے میں ہیں ایک وہ جو اللہ کو خالق جان کر اس کی عبادت نہیں کرتا۔ 2 وہ جو اللہ کو رازق جان کر اس پر بھروسہ نہیں رکھتا۔ 3 وہ جو دنیا کو فانی جان کر بھروسہ کرتا ہے۔ 4 وہ جو کہ اپنے وارثوں کو اپنا دشمن سمجھ کر دین کھو کر ان کے لئے مال جمع کرتا ہے۔ 5 وہ جو کہ موت کو مان کر اس کی تیاری نہیں کرتا۔ 6 وہ جو کہ جانتا ہے کہ قبر میری جگہ ہے اور پھر اس کو آباد نہیں کرتا۔ 7 وہ جو کہ جانتا ہے کہ اللہ پاک حساب لے گا اور پھر اپنا حساب صاف نہیں رکھتا۔ 8 وہ جو کہ جانتا ہے کہ پل صراط پر چلنا پڑے گا اور اپنا بوجھ ہلکا نہیں کرتا۔ 9 وہ جو کہ جانتا ہے کہ جہنم بدکاروں کی جگہ ہے۔ مگر اس سے نہیں بھاگتا۔ 10 اور وہ جو کہ جانتا ہے کہ جنت ابرار کی جگہ ہے مگر اس کی طرف نہیں آتا۔ حق تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق دے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے قرآن پاک پر ایمان لانے سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے تو جو صحابہ کرام سارے قرآن شریف کے اترنے سے پہلے وفات پا گئے تھے۔ وہ متقی نہ ہوئے۔ جواب: اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ ان سب کا ایمان سارے قرآن پاک پر تھا۔ جو آ گیا تھا اس پر اور جو آنے والا تھا اس پر بھی ایمان لانے کے لئے اس چیز کا آ جانا ضروری نہیں۔ دیکھو ہمارا قیامت پر ایمان ہے۔ مگر وہ ابھی آئی نہیں دوسرا اعتراض: اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں انجیل و توریت وغیرہ ساری کتابیں صحیح موجود تھیں۔ کیونکہ اگر صحیح نہ ہوتیں تو ان پر ایمان کیسے لایا جاتا۔ اور ان پر بغیر ایمان لائے تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا۔ اگر مسلمان موجودہ انجیلوں وغیرہ کو غلط مانتے ہیں تو وہ اپنے ایمان کو بھی خیر منائیں۔ جواب: انجیلیں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے پہلے ہی خلط ملط ہو چکیں تھیں چنانچہ پولوس مقدس نے جو خط گلتیوں کو لکھا ہے اس کے پہلے باب میں ہے کہ لوگوں نے انجیل کو الٹ پلٹ کر دیا اور اے لوگوں تم اور جعلی انجیلوں کی طرف کیوں مائل ہو گئے۔ اصل انجیل بلا توسط کسی انسان کے حضرت مسیح سے مجھ کو ملی ہے اس کے سوا جو کوئی اور انجیل تم کو

www.alahazratnetwork.org

سنائے اس پر لعنت (تفسیر حقانی یہی آیت) بلکہ موجودہ انجیلوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ یہ کچھ تاریخی کتابیں ہیں جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیدائش سے لے کر نقلی موت تک کے حالات جمع کردئے گئے ہیں اس میں یہی ملتا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فلاں موقع پر یہ کہا اور فلاں سے یہ کہا وغیرہ اب آپ کا یہ کہنا کہ اگر اصلی انجیل نہ تھی تو مسلمان ایمان کس پر لائے اور اس آیت کے مضمون کو کس طرح بجالائے اس کا جواب بالکل آسان ہے کہ مسلمان اس پر ایمان لائے تھے کہ جو کتابیں ان پیغمبروں پر آئی تھیں وہ حق تھیں نہ اس پر کہ وہ اب بجنسہ موجود ہیں کس چیز پر ایمان لانے کے لئے اس کا موجود ہونا ضروری نہیں۔ مسلمان تو عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ایمان لائے حالانکہ وہ اس وقت موجود نہ تھے۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن پاک کی اس آیت میں بے ترتیبی ہے کیونکہ قرآن کریم ان کتابوں سے بعد میں آیا اور وہ کتابیں اس سے پہلے مگر یہاں قرآن کریم کا ذکر پہلے ہے۔ اور ان کتابوں کا ذکر بعد میں۔ چاہئے تھا کہ ان کا ذکر پہلے کیا جاتا **جواب:** اگرچہ قرآن کریم دنیا میں آنے کے اعتبار سے ان کتابوں سے پیچھے ہے لیکن اب ایمان لانے اور جاننے میں ان پر مقدم کیونکہ ہمیں ان کتابوں کا علم قرآن کریم کے ذریعہ سے ہوا۔ مسلمان ان کتابوں کو اس لئے مانتے ہیں کہ قرآن کریم نے ان کو منوایا لہٰذا قرآن کریم کا ذکر پہلے ہی ہونا چاہئے۔ کیونکہ حق اس کا مقدم ہے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ باپ کا حق اولاد پر دادا سے زیادہ ہے۔ اگرچہ دادا دنیا میں آنے میں باپ سے پہلے ہے لیکن اولاد کا رشتہ دادا سے باپ کے ذریعہ سے ہی قائم ہوا۔

أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ
یہ لوگ اوپر ہدایت سے پالنے والا اپنے اور یہ لوگ وہ
وہی لوگ اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں
الْمُفْلِحُونَ ۝
کامیاب
اور وہی مراد کو پہنچنے والے

تعلق: اس آیت کو پہلے سے چند طرح تعلق ہے عبارت کے لحاظ سے تو اس طرح کہ یا تو یہ **الذین** کی خبر ہے اور یا یہ علیحدہ جملہ کہ **اولئک** مبتداء **علی ھدی** اخیر تک اس کی خبر مضمون کے لحاظ سے چند طرح تعلق ہے۔ **اولاً:** یہ کہ یہ آیت گزشتہ کا نتیجہ ہے۔ اس طرح کہ پہلے اعمال کا ذکر ہوا۔ اب اس کے انجام کا۔ یعنی جن لوگوں میں پہلی بیان کی ہوئی صفتیں ہوں۔ ان کا انجام یہ ہے کہ وہ ہدایت پر بھی ہیں اور کامیاب دوسرے یہ کہ یہ پہلی آیتوں کی علت ہے یعنی قرآن کریم ان لوگوں کے لئے ہدایت ہے جن میں وہ پہلی بیان کی ہوئی صفتیں ہوں ان کے لئے ہدایت کیوں ہے۔ اس لئے کہ وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور کامیاب ہیں۔ خیال رہے کہ اس ہدایت میں اور **ھدی للمتقین** کی ہدایت میں فرق کرنا ضروری ہوگا تاکہ

www.alahazratnetwork.org

علت اور معلول میں یا عمل اور اس کے انجام میں فرق ہو جائے اس کو ہم **ھدی للمتقین** کے ماتحت تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ اور اس جگہ بھی تفسیر میں کچھ عرض کر دیں گے۔

تفسیر: **اولئک** اسم اشارہ ہے اشارہ کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ سننے والے کو محسوس ہو یا تو اس طرح کہ وہ اس کو دیکھ رہا ہو یا اس طرح کہ اس کے اوصاف ایسے بیان کر دیئے جائیں کہ وہ مثل محسوس کے بن جائے لہذا اگر **المتقین** سے جماعت صحابہ مراد تھی تو یہ **اولئک** پہلی قسم کا اشارہ ہو گا یعنی یہ صدیق و فاروق اور مہاجرین و انصار وغیرہ ہم ہدایت پر ہیں۔ اور اگر عام جماعت متقین مراد تھے تو یہ اشارہ ذہنی ہو گا یعنی قیامت تک کے وہ لوگ جن کی یہ صفتیں ہیں وہ ہدایت پر ہیں۔ لیکن چونکہ ہماری نگاہوں سے جماعت صحابہ کرام بھی غائب ہے۔ اس لئے ہمارے لئے ذہنی ہی ہو گا۔ اس اشارہ میں سارے گزرے ہوئے اور موجودہ اور آئندہ پرہیز گار شامل ہیں۔ **علی ھدی** میں علی اس لئے بڑھایا گیا کہ علی غلبہ کے لئے آتا ہے جیسے کہتے ہیں کہ زید سواری پر ہے۔ یعنی زید سواری پر ہے اور وہ سواری زید کے قبضے میں ہے اسی طرح اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ لوگ ہدایت پر غالب ہیں اور یہ ہدایت ان کے قبضے میں آچکی ہے کہ ان شاء اللہ وہ ان سے چھوٹ نہیں سکتی۔ کیونکہ وہ ان کے رب کا عطیہ ہے اور وہ ہمیشہ اس کو مضبوطی سے پکڑے رہے ہیں نفس اور شیطان اور دنیوی تفکرات اور دیگر راحتیں مصیبتیں ان کو اس ہدایت سے ہٹا نہیں سکتیں۔ اور وہ ان تمام سے اس طرح گزر جاتے ہیں جیسے کہ کشتی دریا سے **ھدی** کے نکرہ ہونے سے معلوم ہوا کہ وہ تمام ہی قسم کی ہدایتوں پر ہیں وہ اس راستہ پر چل رہے ہیں کہ جو جہنم سے بچتا ہوا جنت میں ہوتا ہوا اللہ کے محبوبوں اور مقربین سے ملاتا ہوا رب تک پہنچا دیتا ہے **من ربھم** میں نہایت نفیس اشارہ ہوا کہ جو کچھ ان کو ملا ہے یہ ان کے رب کے کرم سے کیونکہ سارے اعمال اسباب ہیں۔ حق تعالیٰ مسبب الاسباب ان کو یہ اعمال ملے وہ بھی اس کے کرم سے ان اعمال پر قائم رہے وہ بھی اس کے کرم سے ان اعمال پر قائم رہیں گے۔ وہ بھی اس کے کرم سے اور اعمال کے باطل کرنے والی چیزوں سے محفوظ رہے یہ بھی اس کے کرم سے اور انہیں جو مقبولیت حاصل ہوئی وہ بھی اس کے کرم سے **(واولئک)** دوبارہ اس لئے لایا گیا کہ پہلے متقیوں کی دو قسم کی صفتیں بیان ہوئی تھیں۔ ایک تو ایمان بالغیب نماز کا قائم کرنا راہ الٰہی میں خرچ کرنا دوسرے تمام آسمانی کتابوں پر ایمان لانا اور آخرت کا یقین کرنا پہلی صفتوں کے لحاظ سے وہ ہدایت پر ہوئے اور دوسری صفتوں کے لحاظ سے کامیاب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی صفتیں عام مسلمانوں کی تھیں اور دوسری صفتیں علماء کرام وغیرہم کی تو اب یہ کہا گیا کہ عام مسلمان ہدایت پر ہیں۔ اور خاص علماء کرام وغیرہم کامیاب جیسے قرآن کریم نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ **قد افلح من تزکی** کامیاب وہ ہوا جس نے تزکیہ نفس (قلب کی صفائی) کیا دوسری جگہ ارشاد فرمایا **ان الذین امنوا وعملوا الصلحت یھدیھم ربھم** ان آیتوں میں ایمان و عمل کے ساتھ ہدایت کا ذکر ہوا۔ اور صفائی قلب کے ساتھ فلاح یعنی کامیابی کا **(ھم)** سے معلوم ہوتا ہے کہ کامیابی انہی لوگوں کے ساتھ خاص ہے۔ یہود و نصاریٰ جو اپنی کامیابی کے خواب دیکھ رہے ہیں اس خواب کی تعبیر کبھی ظہور میں نہ آئے گی۔ ان کی حالت اس پیاسے کی طرح ہے جو دوپہری میں ریت کو دریا سمجھ کر اس طرف محنت اور مشقت سے جائے لیکن وہاں پہنچ کر سخت مایوس ہو۔ کفار اور مشرکین کے سارے اچھے اعمال کا یہی حال ہے **(المفلحون)** یہ فلاح سے بنا ہے۔ فلاح کے لغوی معنی ہیں چیرنا اور کھلنا اور قطع کرنا اسی لئے کسان کو فلاح کہتے ہیں کیونکہ زمین کو چیرتا ہے

www.alahazratnetwork.org

اصطلاح میں فلاح کے معنی ہیں کامیابی کیونکہ وہ بھی آڑوں اور پردوں کو چیر کر مشکلات کو دفع کرکے حاصل کی جاتی ہے معنی یہ ہوئے کہ اس قسم کے لوگ دنیا اور برزخ اور آخرت ہر جگہ کامیاب ہیں۔ خیال رہے کہ ہدایت و کامیابی سے مراد دنیا کی ہدایت و کامیابی ہے تو معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ دنیا میں اچھے عقیدوں پر ہیں اور اچھے اعمال کی توفیق والے ہیں امیری فقیری سلطنت وغیرہ ہر حال میں کامیاب ہیں۔ اگر برزخ کی ہدایت و فلاح مراد ہے تو معنی یہ ہیں کہ مرتے وقت حسن خاتمہ اور قبر میں سوالات کے جوابات کی ہدایت پر ہیں پھر برزخی نعمتوں سے کامیاب ہیں۔ اگر قیامت کی ہدایت و فلاح مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ قیامت میں سوالات ملائکہ کے جوابات کی ہدایت پائیں گے۔ پھر رب کی مغفرت سے کامیاب ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ متقی کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو ایک میدان میں جا رہا ہے۔ جس میں جگہ جگہ کانٹے اور انگارے غار پھسلنی ہیں۔ وہ عقلمند بہت احتیاط سے اپنے کو کانٹوں اور غاروں وغیرہ سے بچاتا ہوا اور صاف جگہ پر قدم رکھتا ہوا۔ لالٹین سے کام لیتا ہوا چلا جا رہا ہے یہ شخص ان شاء اللہ ہدایت پر بھی رہے گا اور منزل مقصود کو بھی جلد پالے گا۔ دوسرا وہ شخص ہے کہ جس کے پاس کوئی روشنی نہیں۔ جس سے وہ ان مصیبتوں کو دیکھ سکے اور اس کٹھن راستہ کو طے کر سکے۔ یہ شخص کبھی منزل مقصود کو نہیں پا سکتا یا تو کسی غار میں گر کر ہلاک ہو گا اگر آگ میں پڑ گیا تو جل گیا۔ تیسرا وہ شخص ہے۔ جس کے پاس روشنی تو ہے لیکن وہ چلنے میں بے احتیاطی کرتا ہے اس طرح کہ آگ اور غار سے تو بچتا ہے لیکن کانٹوں کا خیال نہیں رکھتا۔ یہ شخص اگرچہ منزل مقصود تک پہنچ جائے گا لیکن زخمی ہو کر اور بہت دیر کے بعد یہ دنیا ایک خار، غار اور آگ والا میدان ہے۔ سینما اور شراب خانے وغیرہ کانٹے ہیں جو اس جگہ بکھرے ہوئے ہیں۔ کفر پھیلے ہوئے انگارے ہیں اور شرک یہاں کے غار تمام لوگ اس میدان کو طے کر رہے ہیں لیکن متقی مسلمان کے پاس قرآن پاک کا گیس ہے اور اپنے تقویٰ کی وجہ سے نہایت احتیاط سے اس کو طے کر رہا ہے۔ نیکی کی جگہ قدم رکھتا ہے۔ برے مقامات سے بچتا ہے گنہگار مسلمان کے پاس بھی یہ روشنی تو ہے اور وہ کفر شرک کی باتوں سے بچتا ہے۔ لیکن بے احتیاطی کی وجہ سے خود کو گناہوں کے کانٹوں میں پھنسا لیتا ہے اور کافر چونکہ قرآن پاک کی روشنی سے علیحدہ ہے اس لئے وہ یا تو شرک کے غار میں گر کر ہلاک ہوتا ہے یا کفر کی آگ سے جل کر تو متقی ہدایت پر بھی ہے اور اعلیٰ درجہ کا کامیاب بھی۔ اور گنہگار مسلمان ہدایت پر تو ہے لیکن اول نمبر کامیاب نہیں۔ اور کافر نہ ہدایت پر نہ کامیاب۔ صوفیاء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ کامیابی کے تین انجام ہیں۔ اولاً نفس اور دنیا اور شیطان اور برے ساتھیوں پر غالب رہنا دوسرے کفر و گمراہی اور جہالت اور نفس کے دھوکے اور شیطان کے وسوسوں اور قبر کی وحشتوں، قیامت کی دہشتوں اور پل صراط کی مصیبتوں اور جنت کی محرومی اور عذاب کی سختیوں سے نجات پا جانا۔ تیسرے ابدی ملک اور سرمدی نعمتوں اور لازوال رحمتوں اور دائمی سرور اور بے گرد و غبار کی تندرستی اور بے حجاب محبوب کو پالینا حق تعالیٰ ہم کو نصیب فرمائے۔ نیز صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک ہی راستہ کو کوئی شخص پیدل طے کرتا ہے۔ دوسرا گھوڑے پر تیسرا برق رفتار موٹر کار پر جتنی تیز سواری ہوگی اسی قدر جلد راستہ طے ہوگا طریقت نہایت تیز سواری ہے۔ اور شریعت نہایت مضبوط اور احتیاط کی سواری شریعت میں پھسلن کم مگر رفتار آہستہ اور طریقت میں رفتار تیز خطرات بہت زیادہ اس کو مثنوی شریف میں یوں بیان فرمایا۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

www.alahazratnetwork.org

یعنی اللہ والوں کی ایک آن صحبت سو برس کی خالص عبادت سے بہت زیادہ نافع ہے نیز شریعت میں اپنے آپ چلنا ہوتا ہے اور طریقت میں کسی اور کی طرف سے کشش ہوتی ہے۔ تو ھدی سے مراد شریعت پر چلنا ہے اور فلاح سے مراد رب کا اپنی طرف کھینچنا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شخص نیک اعمال کی نار (آگ) سے اپنے وجود کے حجاب کو جلا دیتا ہے اور دنیا سے نگاہ پھیر کر آخرت کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کو رحمت ربانی اپنی طرف اس طرف جذب کر لیتی ہے کہ وہ رحمت جاذب اور یہ مجذوب بلکہ یوں کہو کہ وہ طالب اور یہ مطلوب ہوتا ہے۔ اس کلام کی کوئی انتہا نہیں یہ حال ہے اس کو قال سے بیان نہیں کیا جاسکتا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن لوگوں میں پرہیزگاروں کی سی چھ صفتیں ہوں وہ ہدایت بھی پائیں اور کامیاب بھی ہوں۔ لہٰذا گنہگار مسلمان چونکہ نماز اور زکوٰۃ کے پابند نہیں ہوتے اور وہ ان دو صفتوں سے محروم ہیں چاہئے کہ وہ ہدایت اور کامیابی دونوں سے محروم ہوں جواب: متقیوں کی جو چھ صفتیں بیان کی گئیں ہیں ان میں سے بعض اصل ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے انسان ہدایت اور کامیابی سے بالکل محروم رہے گا اور بعض صفتیں فرعی ہیں کہ جن کے نہ ہونے سے انسان کامل ہدایت اور کامل کامیابی نہیں حاصل کر سکتا عقائد یعنی غیب پر ایمان وغیرہ یہ اصل صفتیں تھیں۔ اور اعمال و نماز و زکوٰۃ کا ادا کرنا کامل کامیابی کے حاصل کرنے کے لئے ہے ان آیتوں کا مطلب یہ ہے کہ جن میں یہ عقائد اور یہ اعمال پائے جائیں وہ کامل ہدایت پر ہیں اور کامل کامیاب اور جن میں یہ اوصاف نہ ہوں وہ کامل کامیاب نہ ہوں گے اگر عقائد درست نہ ہیں۔ تو کامیابی سے یکسر محروم اور اگر صرف اعمال بگڑے ہوئے ہیں تو ناقص کامیاب۔

آریوں کا اعتراض : خدا تعالیٰ کی یہ بے جا طرفداری ہے۔ کہ مسلمانوں کے اعمال تو قبول کرے اور غیر مسلموں کے اعمال رد کر دے جب دونوں ایک ہی اعمال کر رہے ہیں تو یہ فرق کیوں ایک ہندو کنواں کھدواتا ہے پل بنواتا ہے اور صدقہ خیرات کرتا ہے تو وہ بالکل قبول نہ ہوں۔ اور ایک مسلمان ان میں سے دسواں حصہ بھی کرے تو خدا کا پیارا بن جائے۔ جواب: ایک شخص نہایت عمدہ حلوا بناتا ہے۔ جس میں کہ سوجی، بادام، گھی، شکر وغیرہ خوب اچھی طرح ڈالتا ہے۔ لیکن اس میں چھٹانک بھر سنکھیا بھی حل کر کے ملا دیتا ہے دوسرے آدمی نے حلوا تو معمولی بنایا لیکن اسے زہر سے محفوظ رکھا۔ یقیناً اس بے وقوف مالدار کا قیمتی حلوا ہلاک کر دے گا اور اس عقلمند غریب کا معمولی حلوہ فائدہ مند ہو گا یہ نیک اعمال حلوے کے اجزاء ہیں اور کفر زہر کافر جو نیک کام بھی کرتا ہے۔ اس میں کفر کا زہر موجود ہوتا ہے لہٰذا اس کے اعمال بے کار ہیں اور مسلمان اگرچہ معمولی نیک کام کرے لیکن اس کے اعمال کفر کے زہر سے محفوظ ہیں۔ لہٰذا کار آمد۔

اِنَّ	الَّذِيْنَ	كَفَرُوْا	سَوَآءٌ	عَلَيْهِمْ	ءَاَنْذَرْتَهُمْ	اَمْ
تحقیق	وہ لوگ	کافر ہوئے	برابر ہے	ان پر	خواہ ڈرائیں آپ انہیں	یا نہ

بے شک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے انہیں برابر ہے چاہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ

www.alahazratnetwork.org

لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ *

ڈرائیں وہ نہیں ایمان لائیں گے .

وہ ایمان لانے کے نہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح کا تعلق ہے۔ اولاً یہ کہ ان آیتوں میں حق تعالیٰ کے مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ اب ان کے مقابلے میں مردودوں کا ذکر فرمایا گیا کیونکہ ہر چیز اپنے مقابل کے ذریعہ پورے طور پر پہچانی جاتی ہے۔ دن رات کے ذریعے سے اور نور ظلمت کے ذریعہ سے خوب ظاہر ہوتا ہے دوسرے یہ کہ مقبولوں کی ان صفتوں کا ذکر تھا۔ جن سے انہوں نے ہدایت اور کامیابی پائی۔ اور مردودوں کی ان صفتوں کا ذکر فرمایا گیا جن کی وجہ سے وہ ہدایت و کامیابی سے محروم رہے اور ہدایت کی حکمت یہ ہے کہ دونوں قسم کی صفتوں کا ذکر کر دیا جائے تاکہ سننے والے بہتری کے اسباب کو حاصل کریں اور برائیوں کے اسباب سے بچیں۔ تیسرے یہ کہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ قرآن کریم ان پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ جن میں پہلی ذکر کی ہوئی چھ صفتیں ہوں۔ اب ارشاد ہوا کہ قرآن کریم ان کے لئے ہدایت نہیں۔ جن میں یہ آنے والی صفات ہوں۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ وہ چیزیں ہدایت کی علتیں تھیں اور یہ محرومی کی۔ ایک قابل طبیب مریض کو علاج کی تدبیریں بھی بتاتا ہے اور پرہیز کی چیزیں بھی کہ فلاں فلاں چیزیں مضر ہیں۔ تاکہ مریض وہ تدبیر کرے اور ان نقصان دہ چیزوں سے بچے۔

شان نزول : یہ آیت کریمہ ابوجہل و ابولہب وغیرہ ان کفار کے حق میں نازل ہوئی جو علم الٰہی میں ایمان سے محروم تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ایمان نہ لانے سے غمگین ہوتے تھے۔ تب یہ آیت اتری اور حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ نہ تو آپ کی تبلیغ میں کوتاہی ہے اور نہ ہمارے کلام میں کچھ نقصان۔ ان کا ایمان نہ لانا خود ان کی بدنصیبی ہے اور محرومی کی وجہ سے ہے آپ اس پر غمگین نہ ہوں۔

تفسیر : **ان** اس کے معنی ہیں تحقیق یا بے شک یہ اس مقام پر بولا جاتا ہے۔ جہاں کوئی شخص کلام کا انکار کر رہا ہو یا خود کلام ایسا اہم ہو کہ جس کے انکار کا اندیشہ ہو۔ چونکہ یہ مضمون بہت اہم تھا۔ اور نا سمجھ لوگ یقیناً اس کا انکار کرنے والے تھے اس لئے کلام کی اہمیت سمجھانے کے لئے اس جگہ **ان** فرمایا گیا الذین سے یا تو خاص لوگ مراد ہیں جیسے ابوجہل ابولہب اور ولید ابن مغیرہ وغیرہم اور یا عام وہ کفار مراد ہیں۔ جن کی ضد اور ہٹ دھرمی ان کی طرح ہو۔ خیال رہے کہ قرآن پاک کی عبارت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے۔ نہ کہ واقعہ نزول کے خصوص کا یعنی اگرچہ یہ آیت خاص چند لوگوں کے حق میں اتری۔ لیکن چونکہ اس کے الفاظ عام ہیں اس لئے اس آیت سے وہ سب مراد ہو سکتے ہیں جو ازلی کافر ہوں **کفروا** کفر سے بنا ہے۔ کفر کے لغوی معنی ہیں چھپانا اور ڈھکنا اس لئے چھلکے کو کفور کہتے ہیں کیونکہ وہ مغز کو ڈھانپے ہوتا ہے کافور کو بھی کافور اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی بو تمام بوؤں کو ڈھک لیتی ہے شریعت میں کفر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے وجود یا اس کی توحید یا کسی نبی کی نبوت یا دینی ضروریات میں سے کسی چیز کا انکار کر دینا دینی ضروریات وہ چیزیں ہیں۔ جن کو عام مسلمان جانتے ہیں کہ وہ دینی چیزیں ہیں۔ یا وہ کہ جن کا جاننا دین میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہو تو سمجھو کہ جس چیز کو مان کر انسان مسلمان ہوتا ہے۔ اس کا انکار کر کے کافر بن جاتا ہے۔ تتمہ: بعض

کام وہ ہیں جن کو شریعت نے دین کے انکار کا نشان قرار دیا۔ جیسے زنار باندھنا اور سر پر ہندوانی چوٹی رکھنا وغیرہ یہ کام بھی کفر ہیں کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا کرنے والا بے دین ہو چکا ہے یوں سمجھو کہ جو کام کفار کے دینی نشان بن چکے ہوں یعنی جن کو دیکھ کر لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ یہ کوئی کافر ہے ان کا کرنا مسلمانوں کے لئے کفر ہے۔ جیسے قشقہ لگانا۔ چوٹی رکھنا۔ اور جو کام کفار کے نشان ہوں وہ مسلمان کے لئے حرام جیسے کہ ہیٹ لگانا اور ہندوانی دھوتی باندھنا' قرآن کریم میں کفر چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ایک ایمان کا مقابل دوسرے انکار کرنا تیسرے شکر کا مقابل یعنی ناشکری جیسے **واشکروا لی ولا تکفرون** چوتھے بیزاری جیسے **یکفر بعضکم ببعض** یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے ایمان کا ذکر ہو چکا ہے کفر چار طرح کا ہے۔ کفر انکار وہ یہ ہے کہ خدا اتعالیٰ کو جانے ہی نہیں۔ جیسے کہ رب سے بے خبر کفار دوسرے کفر جحود وہ یہ کہ رب کو دل سے جانے مگر زبان سے اقرار و اعتراف نہ کرے جیسے کہ ابلیس اور ضدی کافروں کا کفر تیسرے کفر عناد وہ یہ کہ دل سے جانے بھی زبان سے بول دے۔ لیکن کسی وجہ سے اس کی اطاعت نہ کرے۔ جیسے ابو طالب کا کفر کہ وہ فرماتے ہیں۔ شعر

ولقد علمت بان دین محمد ۔۔۔ من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃ او حذار مسبۃ ۔۔۔ لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

اور جیسے کہ آج کل کے وہ ہندو وغیرہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں لکھتے ہیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا اقرار کر جاتے ہیں لیکن مسلمان نہیں ہوتے۔ چوتھے کفر نفاق وہ یہ ہے کہ زبان سے اقرار کرے اور دل میں اعتقاد نہ ہو۔ (تفسیر روح البیان) یہاں دوسری قسم کا کفر مراد ہے ابو طالب کے ایمان اور کفر کی بحث انشاء اللہ کسی اور جگہ کی جائے گی اس میں بہت گفتگو کی گئی ہے کہ یہاں کون سا کفر اور کون سے کفار کی طرف اشارہ ہے کیونکہ تمام کافر تو ایسے نہ تھے جن کے ایمان سے ناامیدی ہو۔ صدہا کافر مسلمان ہوئے اور یہاں مایوسی کا اظہار فرمایا جا رہا ہے اس لئے بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ کافر ہیں جو ضد کی وجہ سے کافر ہوئے بعض تو بے علمی کی وجہ سے کافر ہے اور بعض شبہات کی وجہ سے ان دونوں کے ایمان کی امید ہوتی ہے کہ اگر ان کو اسلام کا صحیح علم ہو جائے یا ان کے شبہات دور ہو جائیں تو وہ ایمان لے آئیں لیکن بعض ایسے ہوتے ہیں کہ ہدایت کو جان کو سمجھ کر محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے ان کے ایمان کی کوئی امید نہیں کیونکہ ضد کا علاج کسی عالم کے پاس اور وہم کی دوا کسی طبیب کے پاس نہیں ضد کی چند وجہیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ رہبر کی ذات سے عناد ہو تو وہ اس کی ہدایت کا انکار ہی کرتا ہے۔ دیکھو ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کے حسد و عناد کی وجہ سے کافر ہوا تو رب کا حکم سجدہ سن کر فرشتوں کو سجدے کرتے دیکھ کر بھی ایمان نہ لایا کیونکہ کلام کا اثر متکلم کی عظمت سے ہوتا ہے عشق مصطفیٰ دل میں کفر آنے نہیں دیتا۔ عداوت مصطفیٰ دل میں ایمان آنے نہیں دیتی۔ دوسرے اپنے کافر باپ دادوں کی بے جا حمایت کہ ان کی ہدایت مانیں گے خواہ وہ غلط ہو یا صحیح تیسرے خود اس فرمان سے ضد جو رہبر فرما رہا ہے یہ تینوں قسم کے ضدی لوگ ایمان سے یکسر محروم ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس عالم کے علاوہ ایک اور عالم بھی ہے جسے امثال یا عالم غیب کہتے ہیں جو کچھ یہاں ہو رہا ہے یا ہونے والا ہے وہ سب کچھ پہلے ہو چکا ہے گویا کہ عالم ظہور یا عالم شہادت اس عالم غیب کا سایہ ہے تو ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو عالم امثال میں کافر ہو چکے ہیں یعنی ازلی کافر اسی کی طرف وہ حدیث شریف اشارہ کرتی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ تمام روحیں مثل چیونٹیوں کے حضرت آدم علیہ السلام کی پشت سے نکالی گئیں جن میں سے بعض سفید اور بعض کالی

www.alahazratnetwork.org

تھیں نیز حدیث معراج میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت آدم علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے دائیں بائیں روحیں تھیں داہنی طرف دیکھ کر خوش اور بائیں طرف دیکھ کر غمگین ہوتے تھے۔ حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں داہنی طرف مومنین اور بائیں طرف کفار ہیں غرضیکہ دوسرے عالم میں دو قسم کے لوگ تھے بعض کافر اور بعض مومن یہاں وہی کفار مراد بعض علماء کرام فرماتے ہیں اس سے وہ کفار مراد ہیں جن کے متعلق علم الٰہی میں آچکا ہے کہ کافر مریں گے اس کے متعلق بھی مختلف احادیث وارد ہیں بہت سے وہ لوگ جو اس وقت مومن ہیں مگر حق تعالیٰ کے علم میں وہ کافر ہیں اور بہت سے وہ لوگ ہیں کہ جو بظاہر یہاں کافر ہیں اور حق تعالیٰ کے علم میں مومن ہیں ان کا اخیر حق تعالیٰ کے علم کے مطابق ہی ہوگا وہی لوگ یہاں مراد ہیں تو آیت کا مقصود یہ ہوا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم قرآن اور آپ کا کام ہدایت دینا اور راہ بتانا ہے نہ کہ کسی چیز کی حقیقت کو بدل دینا جس طرح کہ ہادی کی تعلیم سے جانور انسان نہیں بن سکتا اسی طرح ازلی بد بخت نیک بخت نہیں ہو سکتا جو وہاں نور سے محروم رہا ہے انہیں یہاں کون منور کرے؟ **سواء** اور **استواء** ایک ہی معنی میں آتے ہیں یعنی برابر ہونا مگر یہاں یہ مصدر اسم فاعل کے معنی میں ہے یعنی برابر **علیھم** سے اس جانب اشارہ ہے کہ آپ کا ان کو ڈرانا اور نہ ڈرانا ان کے لئے برابر ہے کہ وہ بہر حال ایمان نہ لائیں گے مگر اے محبوب آپ کے لئے برابر نہیں کیونکہ آپ تبلیغ کا ثواب پائیں گے یہ تبلیغ آپ کے لئے بہت مفید اور ان کے لئے بیکار اسی لئے حضور نے آخر تک ان کفار کو بھی تبلیغ فرمائی جن کا کفر پر مرنا یقینی تھا۔ عبداللہ بن ابی منافق کا جنازہ پڑھانا بھی تبلیغ کے لئے تھا جس سے بہت سے منافق مخلص بن گئے اور نماز اس میت کے لئے بیکار تھی مگر حضور کے لئے ثواب کا باعث کہ تبلیغ عملی تھی۔ ڈاکٹر مایوس مریض کو آخر دم تک دوا دیتا ہے۔ جس پر فیس اور دوا کی قیمت ملتی ہے اگرچہ بیمار نہ بچے بادل ہر زمین پر برستا ہے۔ جس کے لئے دنیا میں وعظ بیکار ہے اس کے لئے آخرت میں جہنم کی آگ پر صبر اور بے صبری برابر ہوگی اور جس کے لئے جوانی اور بڑھاپا تندرستی اور بیماری آرام اور تکلیف ظاہر اور چھپا ہوا گناہ برابر ہو یعنی ہر حال میں گناہ کرے۔ اس کے لئے خوف ہے کہ موت کے وقت توبہ کرنا اور نہ کرنا برابر ہو ایسے ہی اللہ والوں سے ملنا اور نہ ملنا برابر ہو۔ شفاعت ہونا نہ ہونا برابر ہو (تفسیر تیسیر) **ءا نذرتھم** انذار سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں خطرناک چیز کی اطلاع دینا یعنی ڈرانا۔ اور شریعت میں عذاب الٰہی سے ڈرانے کو انذار کہتے ہیں جو شخص دنیوی مصیبتوں سے کسی کو ڈرائے اس کو شرعاً "منذر" کہا جاتا ہے۔ نکتہ: نبی ڈراتے بھی ہیں اور خوشخبریاں بھی دیتے ہیں اس لئے ان کو نذیر اور بشیر کہا جاتا ہے اس آیت میں فقط ڈرانے کا ذکر فرمایا گیا مگر بشارت کا ذکر نہ ہوا اس لئے انسان ڈر سے زیادہ اطاعت کرتا ہے بڑے سے بڑا مجرم جیل خانہ کے خوف سے جرم سے باز آتا ہے مثل مشہور ہے کہ حجت وہاں کام آتی ہے جہاں بات کام نہیں آتی۔ جب ان بے دینوں کے لئے ڈرانا ہی مفید نہ ہوا تو بشارت کیا فائدہ دیگی اس لئے ڈرانے کے ساتھ بشارت کا ذکر نہ فرمایا گیا نیز ڈرانا مقدم اور بشارت بعد میں جب وہ اس درجہ سے نکلے ہی نہیں۔ اور بشارت کی حد میں ہی نہ آئے تو انہیں بشارت کس طرح دی جا سکتی تھی۔ **لا یومنون** میں غیب کی خبر ہے۔ اور یہ خبر بالکل سچی ثابت ہوئی کہ آخر کار وہ لوگ ایمان نہیں لائے۔ اس جگہ یہ فرمایا گیا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے اور یہ نہ کہا گیا کہ وہ ایمان لانے پر قدرت نہیں رکھتے تاکہ یہ معلوم ہو کہ ان کا یہ کفر اختیاری ہے وہ اس میں مجبور نہیں ہیں۔ کیونکہ علم الٰہی میں یہ آیا ہے کہ وہ اپنی خوشی اور اپنے اختیار سے کافر رہیں گے تو جس طرح ان کا کافر رہنا یقینی ہے۔ اسی طرح ان کا مختار بننا بھی یقینی ہے۔ مجبور و معذور کو حق تعالیٰ عذاب نہیں دیتا۔ ہماری اس مختصر تقریر سے تقدیر کا بڑا

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ بھی حل ہو گیا اس کی پوری بحث ان شاء اللہ کسی اور مقام پر کی جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ جنہوں نے میثاق کے دن بلیٰ کہہ کر ہماری ربوبیت کا اقرار کیا اور بعد میں اپنے دل کے صاف آئینے کو اعمال بد سے اس قدر خراب کر لیا کہ وہ میثاق کے قابل نہ رہا اور جنہوں نے کہ اپنی نفیس ارواح کے پرندوں کو قالب کے پنجرے میں ہونے کے بعد پانچوں حواس کے روزنوں کے ذریعہ اس دنیا کو اس طرح دکھایا کہ وہ اپنے اصلی وطن کو بھول گئے۔ اور نفس اور شیطان کی صحبت میں روح کو ایسا مانوس کیا کہ وہ اپنے اس پرانے وطن کے دوستوں سے منہ موڑ بیٹھی وہ لوگ اب اس قابل نہ رہے کہ وطن کو یاد کریں صوفیاء کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ لفظ انسان انس سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں محبت چونکہ انسان ہر انیس یعنی ساتھی کا اثر بہت جلد لیتا ہے اس لئے اسے انسان کہتے ہیں۔ لہٰذا اگر انسان کے ساتھی اچھے ہوں گے تو انسان بھی اچھا رہے گا ورنہ برے ساتھیوں سے خود برا ہو جائے گا انسانوں کو ناس بھی کہتے ہیں ناس کے معنی ہیں بھولنے والا یہ بھی شیطان کی صحبت اور دنیا کے میدان میں آکر اللہ کو بھول جاتے ہیں اس لئے ان کو ناس کہا جاتا ہے۔ نیز صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ روح دو چیزوں کو دیکھتی ہے ایک تو دنیا کو دوسرے آخرت کو دنیا کو دیکھنا" آنکھ "ناک "کان وغیرہ روزنوں کے ذریعے سے اور آخرت کا دیکھنا خفیہ روزنوں سے ہے جو انسان ہر وقت دنیا میں مشغول رہے گا۔ آخر کار آخرت کے روزن سب بند ہو جائیں گے جس کو قرآن کریم فرما رہا ہے۔ **ام علی قلوب اقفالھا**

اعتراض : پہلا اعتراض: جب حق تعالیٰ کے علم میں یہ بات آچکی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ تو ان کی تبلیغ سے کیا فائدہ : چاہئے تھا کہ ان کو تبلیغ بھی نہ کی جاتی **جواب:** تبلیغ سے دو فائدے ہوئے ایک تبلیغ کرنے والے کو دوسرے اس کو جس کو تبلیغ کی جائے۔ یہاں ایک فائدہ فوت ہو چکا مگر دوسرا فائدہ یعنی مبلغ کا ثواب باقی ہے اس لئے تبلیغ بے کار نہ ہوئی نیز اس تبلیغ کی وجہ سے قیامت کے دن ان کفار کا منہ بند ہو جائے گا اور وہ اپنی بے علمی کا عذر نہ کر سکیں گے۔ **دوسرا اعتراض** جب رب کو خبر تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے تو ان کو ہلاک کیوں نہ کر دیا جیسے کہ قوم نوح علیہ السلام کو ان کے ایمان نہ لانے کی خبر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ **جواب:** اس لئے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں آپ کے ہوتے ہوئے عام عذاب الٰہی نہیں آتا پہلے حق تعالیٰ کے جلال کا ظہور تھا اور اب دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہے۔ جس پر قرآن کریم شاہد ہے **وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** **تیسرا اعتراض:** جب کہ ان کی تقدیر میں یہ آچکا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ تو اب چاہئے کہ انہیں کفر کی سزا نہ ملے۔ کیونکہ وہ اپنے اس کفر میں مجبور ہیں۔ **جواب** اس سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ معترض تقدیر کی حقیقت نہیں سمجھا۔ تقدیر علم الٰہی کا نام ہے۔ اس علم میں جس طرح مجرم کا جرم داخل ہے ایسے ہی اس کا اختیار بھی۔ یعنی حق تعالیٰ کو اس کے متعلق یہ علم ہوا کہ اس شخص کو ایمان لانے یا نہ لانے کا اختیار تو ہو گا مگر یہ اپنی خوشی سے ایمان نہ لائے گا جب یہ کفر اختیاری ہوا۔ تو اس کی سزا ضرور ملنی چاہئے۔ **چوتھا اعتراض:** جب حق تعالیٰ نے ان کے کافر رہنے کی خبر دے دی۔ تو ان کا مسلمان ہونا نا ممکن ہو گیا کیونکہ خدا کی خبر جھوٹی نہیں ہو سکتی تو ضروری ہوا کہ وہ اس کفر پر عذاب نہ پائیں۔ **جواب:** جس طرح کہ خداوند کریم کے جان لینے سے وہ کفر میں مجبور نہ ہوئے اسی طرح حق تعالیٰ کی خبر دینے سے بھی وہ کفر پر مجبور نہ ہوں گے کیونکہ خبر یہ دی گئی کہ وہ بخوشی کافر رہیں گے۔ اس خبر سے ان کا ارادہ سے کافر رہنا ضروری ہوا۔ اور اس ارادہ کی وجہ سے وہ مختار

www.alahazratnetwork.org

رہے نیز یہ خبر ایسی ہے جیسے ایک طبیب کسی غافل مریض سے کہہ دے کہ تمہاری بیماری چوتھے درجے تک پہنچ چکی ہے۔ جس کا علاج ناممکن ہے اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ تو نے اپنی بیماری سے بے پرواہی کرکے اور بدپرہیزی کرکے اسے اتنا بڑھالیا کہ وہ علاج کے قابل نہ رہی۔ اس میں قصور بیمار کا ہی ہوگا نہ کہ طبیب کا اسی طرح یہاں فرمایا جارہا ہے کہ ان کفار نے اپنے کفر کو اس حد تک پہنچا دیا ہے اور وہ ان کے دل میں اس قدر مضبوط ہو چکا کہ اس کا نکلنا ناممکن تو کفر کا اتنا قوی ہونا بھی ان کی اپنی ہی بے احتیاطیوں سے ہے۔ لہٰذا وہی مجرم ہیں اور یہ دیکھا بھی گیا ہے کہ کسی کی مخالفت معمولی درجہ کی ہوتی ہے لیکن بڑھتے بڑھتے عناد ذاتی بن جاتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** جن کے متعلق قرآن کریم میں یہ خبر دی جاچکی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ اب ان کا ایمان لانا کس طرح بھی ممکن نہ رہا کیونکہ اب اگر وہ ایمان لائیں بھی تو اس آیت کو مانیں گے یا نہیں۔ اگر انکار کریں تو کافر کیونکہ آیت کا انکار کفر ہے اور اگر مانیں تو کافر کیونکہ اس میں اپنے کو بے ایمان ماننا ہے اس لئے کہ اس آیت کا مضمون یہی ہے اور اپنے کو بے ایمان ماننا بھی کفر ہے اب بتاؤ ان کے لئے ذریعہ ایمان کیا رہا اوروں کے لئے قرآن کریم کو ماننا ایمان ہے اور ان کے لئے کفر **جواب:** اس قسم کے لوگ اگر ایمان لائیں تو اس آیت کو اس طرح مانیں گے کہ بعض لوگ ازلی کافر ہیں نہ یہ کہ ہم کیونکہ اس آیت کریمہ میں کسی کا نام لے کر یہ حکم نہیں لگایا گیا اور اس آیت کے مضمون کو اس طرح مان لینا یقیناً کفر نہیں۔ لہٰذا ان کے لئے اس آیت کا ماننا کفر نہ ہوا۔ اسکی پوری بحث ان شاء اللہ مسئلہ تقدیر میں کی جائے گی۔

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰۤى

مہر کردی خدا اوپر دلوں ان کے اور اوپر کانوں ان کے اور اوپر آنکھوں ان کے

اللہ نے ان کے دلوں پر اور کانوں پر مہر کردی اور ان کی آنکھوں پر

اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ٘ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۠

پردہ اور ہے ان کے سزا بڑی

گھٹا ٹوپ اور ان کے لئے بڑا عذاب

تعلق: اس آیت کا پہلی آیت سے یہ تعلق ہے کہ پہلے ان کفار کی صفات و حالات کا ذکر ہوا تھا اور اب اس کی وجہ بیان ہوئی کہ ان میں یہ صفات کیوں پیدا ہوئے۔ یا پہلی آیت میں ان کفار کی صفات کا ذکر تھا۔ اور اس میں ان کے انجام کا یا پہلی آیت میں ان کی بیماری کا ذکر ہوا۔ اور اس میں اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ اور یا پہلے بیماری کا ذکر تھا۔ اور اب اس کے نتیجے کا۔ لہٰذا یہ آیت پہلی آیت کی یا تو وجہ ہے یا اس کا انجام۔

تفسیر: ختم اللہ ختم کے معنی ہی چھپانا۔ اور مضبوط کرنا اور انتہا کو پہنچنا مہر لگانے کو ختم اس واسطے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے اندر کی چیز لوگوں کی نگاہوں سے چھپادی جاتی ہے۔ مثلاً کسی شخص نے کسی چیز کا پارسل کیا۔ تو اس کو تھیلے میں بھر کر اس پر

www.alahazratnetwork.org

لاکھ وغیرہ کی مہر لگادی جس سے کہ کوئی اس کو راستہ میں کھول نہ سکے۔ یہاں ختم سے مراد مہر لگانا ہے اور دل پر مہر لگنے سے یہ مطلب ہے کہ ان کی سرکشی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ کفر اور گناہوں کو اچھا سمجھنے لگے ایمان و طاعت کو برا اور کافر سرداروں کی طرف رغبت اور انبیاء اور اولیاء سے بے رغبتی کرنے لگے اب ان کے دلوں کا حال ایسا ہو گیا کہ نہ ان سے کفر نکل سکتا ہے اور نہ ان تک حق جاسکتا ہے۔ جیسے کہ مہر والا پارسل کہ نہ تو اس میں سے کوئی چیز نکل سکے اور نہ کوئی چیز باہر سے جا سکے۔ قرآن کریم نے اس حالت کو یہاں ختم سے بیان فرمایا۔ اسی حالت کو دوسری جگہ طبع سے بیان فرمایا۔ **طبع اللہ علی قلوبھم** جس کے معنی ہیں چھاپنا تیسری جگہ اس حالت کو اغفال فرمایا **اغفلنا قلبہ** جس کے معنی ہیں غافل کرنا چوتھی جگہ اقساء فرمایا **قلستہ**. جس کے معنی ہیں سخت کرنا پانچویں جگہ اسے رین فرمایا **وان علی قلوبھم** ان سب الفاظ کے معنی قریب قریب ایک ہی ہیں دل پر کفر کی مہر لگ جانا حقیقت میں عذاب الٰہی ہے **علی قلوبھم** قلوب جمع قلب کی ہے قلب کی معنی ہیں الٹا ہونا اور بدلنا کھوٹے روپے کو اسی لئے قلب کہتے ہیں کہ ہر شخص اسے الٹا واپس کرتا ہے اور بدلتا ہے ' دل کو بھی قلب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بائیں پہلو میں اوندھا لٹکا ہوا ہے اور اس کا حال ہر وقت بدلتا رہتا ہے۔ ذرہ میں متقی بنتا ہے ذرہ میں بدکار کبھی خوش تو کبھی غمگین (وغیرہ وغیرہ) ہماری زبان میں تو قلب اس گوشت کے لوتھڑے کا نام ہے۔ جو غنچہ (یعنی کلی) کی شکل ہے اور سینے کے بائیں طرف لٹکا ہوا ہے روح اسی گوشت میں پیدا ہوتی ہے۔ اسی سے شریانیں رگوں کے ذریعہ ہر عضو میں پہنچ جاتی ہے۔ یہی ہر جاندار کی زندگی کی اصل ہے لیکن شریعت میں اس ربانی لطیفہ کا نام ہے۔ جس کا تعلق اس گوشت سے ہے اسی لطیفہ پر انسانیت موقوف ہے اور اسی سے رب کی فرمان برداری اور شریعت کی پابندی ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں قلب کے اکثر معنی مراد ہوتے ہیں۔ جس طرح کہ اس گوشت کے ساتھ جان قائم ہے اسی طرح اس لطیفہ کے ساتھ ایمان قائم اس پر الہام الٰہی ہوتا ہے اور یہی لطیفہ دلیلوں سے نتیجہ معلوم کرتا ہے۔ اس کو قرآن کریم نے کہیں قلب کہا ہے۔ جیسے **لمن کان لہ قلب** اور کہیں نفس فرمایا ہے جیسے **ونفس وما سوھا** اور کہیں روح جیسے **قل الروح من امر ربی** (تفسیر عزیزی) اس کو مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔۔

نیست ایں پیکر مخروطی ؍ دل	بلکہ ہست ایں قفس طوطی دل

گر تو طوطی ز قفس نہ شناسی	بخدا ناس نہ شناسی

یعنی یہ غنچہ کی شکل والا دل نہیں ہے بلکہ یہ طوطی دل کا پنجرہ ہے۔ اگر تو اس پنجرہ اور طوطی میں فرق نہ کر سکے تو قسم خدا کی انسان نہیں۔ اردو میں بھی کبھی بولا کرتے ہیں۔ فلاں بڑا دل والا آدمی ہے۔ وہاں دل سے یہی مراد ہے اور یہی معنی اس آیت میں مراد ہیں تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ دل اللہ کا فضل تھا اور جو کہ ہر انسان کو ہدایت پر رہنے اور رب کو پہچاننے کے لئے عطا فرمایا گیا تھا اور جو ذوق شوق اور کشف کا سرچشمہ تھا۔ اور جو کہ ایمان کے رہنے کی جگہ اور اس کا برتن تھا جب اس پر ہی کفر کی مہر لگ گئی۔ اور کفر سے وہ اس قدر بھر گیا کہ اس میں ایمان کی جگہ ہی نہ رہی تو اب ان کے ایمان کی کیا امید **وعلی سمعھم** بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا تعلق قلب سے ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے دلوں پر بھی مہر ہے اور ان کے کانوں پر بھی اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق آگے یعنی ابصار سے ہے تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ ان کے دلوں پر تو اللہ نے مہر لگادی اور ان کے کانوں پر اور آنکھوں پر پردے ہیں۔ لیکن پہلا قول صحیح ہے اس لئے کہ دوسری آیت میں اسے صاف طریقہ سے بیان فرمایا گیا **وختم علی سمعہ و قلبہ وجعل علی بصرہ غشاوۃ** اس آیت میں صاف صاف فرمایا

www.alahazratnetwork.org

کہ دو چیزوں پر مہر ہے۔ دل اور کان اور پردہ فقط آنکھوں پر وہی معنی اسی جگہ مناسب ہیں نیز کان کے واسطے مہری مناسب ہے اور آنکھ کے لئے پردہ کیونکہ کان ہر طرف کی آواز سنتا ہے اور آنکھ فقط سامنے کی چیز دیکھتی ہے اور مہر ہر راستہ کو بند کرتی ہے اور پردہ سامنے کے راستے کو۔ اس لئے کان اور دل پر مہر لائق اور آنکھ پر پردہ مناسب نیز مہر سے اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ بیرونی چیز اندر نہ آسکے اور پردے سے اصل مقصود یہ ہوتا ہے کہ اندرونی باہر نہ جاسکے۔ اس لئے عورت پردہ کرتی ہے نہ کہ مرد اور چونکہ دل میں باہر سے خیالات آتے ہیں۔ اور کان میں باہر کی آوازیں۔ لہٰذا ان کو روکنے کے لئے مہری مناسب ہے اور آنکھ میں کوئی بیرونی چیز نہیں آتی بلکہ خود آنکھ سے نوری شعاعیں نکل کر باہر والی چیزوں پر پڑتی ہیں تو ان کا احساس ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے لئے پردہ مناسب ہے اس جگہ علیٰ کو دوبارہ اس لئے لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ کانوں پر دل کے علاوہ مستقل مہر لگی ہے یہ نہیں ہوا کہ فقط دل پر تو مہر ہو اور اس کے سبب کان بیکار ہوں سمع کے معنی سننے کے ہیں لیکن اس جگہ اس عضو کو کہا گیا ہے۔ کہ جس میں یہ طاقت محفوظ ہے اور وہ عضو دونوں کانوں کے درمیان میں ایک پٹھا ہے۔ جب آواز کانوں کے راستے سے پٹھے تک پہنچتی ہے تب اس کا احساس ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ پٹھہ ایک ہی ہے اس لئے اس کو یہاں صیغہ مفرد سے بولا گیا سبحان اللہ کیا نفیس ترتیب ہے کہ دل ایمان و کفر کا ظرف تھا۔ اس کا ذکر پہلے ہوا اور کان اور آنکھیں ایمان کا راستہ کیونکہ کان کے ذریعہ قرآن کریم کی آیتیں نصیحتیں اور ہدایتیں دل تک پہنچتی ہیں۔ اور دل انہیں قبول کر کے ایمان لاتا ہے۔ اسی طرح آنکھوں سے قرآن کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پاک اور معجزات حق تعالیٰ کی قدرت کے نمونے دیکھے جاتے ہیں۔ دل ان کو مان کر ایمان لاتا ہے۔ تو گویا دل بادشاہ ہوا اور یہ اعضاء اس کے خادم بادشاہ کا ذکر پہلے ہوا۔ اور خادموں کا بعد میں پھر کان آنکھوں سے چند وجوہ سے افضل ہے ایک یہ کہ کوئی پیغمبر سننے کی قوت سے محروم نہ ہوا لیکن بعض پیغمبر آنکھوں کی مرض میں مبتلا ہوئے جیسے حضرت یعقوب اور شعیب علیہما السلام تو سننا نبوت کی شرط ہے دوسرے یہ کہ ہر بہرہ گونگا ضروری ہوتا ہے لیکن ہر نابینا گونگا نہیں۔ بہرے سے ہماری مراد وہ ہے جو بالکل نہ سن سکے نہ کہ جو اونچا سنتا ہو تیسرے یہ کہ سننے سے عقل کامل ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ آنکھ اپنے دیکھنے میں درمیانی روشنی کی محتاج ہے کہ نہ تو یہ تاریکی میں کام کر سکے اور نہ بہت تیز روشنی کو برداشت کر سکے مگر کان کے سننے میں یہ کوئی شرط نہیں چھٹے یہ کہ تبلیغ اکثر و بیشتر کان اور زبان کے ذریعہ ہوتی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمان سنے اور لوگوں سے بیان کئے جاتے ہیں اس لئے کان کو آنکھ سے پہلے بیان کیا گیا۔ (تفسیر عزیزی و کبیر و روح البیان وغیرہ) **وعلی ابصارھم** یہ جملہ علیحدہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی آنکھوں پر پردے ہیں ابصار جمع بصر کی ہے۔ جس کے معنی ہیں دیکھنا۔ لیکن یہاں مراد ہیں "آنکھیں جن میں کہ دیکھنے کی طاقت ہے۔ **غشاوۃ** سے مراد وہ پردہ ہے کہ جو لوگوں کو نظر نہ آئے مگر خود دیکھنے والے کے لئے آڑ بن جائے جس کی وجہ سے کہ وہ آیات الٰہیہ کو صحیح طور پر نہ دیکھ سکے۔ **ولھم عذاب عظیم** عذاب عذب سے بنا ہے عذب کے معنی ہیں روکنا۔ میٹھے پانی کو اسی لئے عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ سزا کو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ جرم سے روکتی ہے۔ قرآن کریم میں عذاب سزا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ **عظیم** عظیم حقیر کے مقابل میں ہے اور کبیر صغیر کی ضد۔ حقیر کے معنی ہیں ہر طرح چھوٹا تو عظیم کے معنی ہوئے ہر طرح بڑا۔ صغیر کے معنی ہیں ایک لحاظ سے چھوٹا تو کبیر کے معنی ہوں گے ایک لحاظ سے بڑا لہٰذا عظیم کبیر سے بڑھ کر ہے۔ اب اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ ان کے لئے وہ عذاب ہے جو ہر طرح بڑا ہے۔ وہ اس طرح دنیا

www.alahazratnetwork.org

میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کیے جائیں۔ یا قیدی بنائے جائیں۔ آخرت میں تیز آگ۔ گرم پانی اور زہریلے جانوروں میں مبتلا کیے جائیں اور اس پر سب سے بڑی مصیبت یہ کہ دوامی ہو۔ جس کی انتہا نہ ہو۔

خلاصہ مضمون : اس آیت کریمہ کا مضمون یہ ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کی ہٹ دھرمی سے رنجیدہ نہ ہوں۔ اور نہ ان کے ایمان لانے کی امید رکھیں۔ کیونکہ ایمان لانے کی دو ہی صورتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس کا دل صحیح ہو۔ اور وہ خود بخود حق تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور نبی کے معجزات کو دیکھ کر ایمان لے آئے۔ دوسرے یہ کہ اس کو خود تو عقل نہ ہو۔ لیکن دوسرے کے سمجھانے اور بتانے سے ایمان قبول کرے۔ یہ کفار ان دونوں چیزوں سے محروم ہیں۔ کیونکہ ان کی ضد اور ہٹ نے ان کے دل کو اس قابل نہ رکھا کہ اس سے کوئی صحیح بات سوچ سمجھ سکیں اور کان اور آنکھوں کو ایسا معطل کر دیا کہ جن سے وہ حق کی آواز سنتے نہیں اور حق کی آیات دیکھتے نہیں چونکہ ایمان لانے کے سارے اسباب ان کے لئے ختم ہو چکے اس لئے آپ ان کے ایمان کی امید نہ فرمائیں اور یہ بھی ہے کہ دل ایمان کا مکان اور آنکھ کان ایمان کے راستے جب راستے بھی بند ہو چکے اور مکان بھی ایمان کے آنے کے لائق نہ رہا تو اب انہیں ایمان کیونکر میسر ہو۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ گناہوں کی اصل تین چیزیں ہیں۔ حرص' حسد اور تکبر غفلت پیدا کرنے والی چند چیزیں ہیں۔ زیادہ کھانا' زیادہ سونا' ہر طرح آرام سے رہنے کی خواہش کرنا۔ مال کی محبت۔ عزت کی رغبت' حکومت کی خواہش' بسا اوقات مال و حکومت کی طلب میں انسان کافر بن جاتا ہے اور وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ گناہ دل میں سیاہی پیدا کرتا ہے۔ اور قرآن پاک کی تلاوت' درود شریف' اللہ پاک کا ذکر' موت کا یاد کرنا' یہ سب چیزیں دل کی صیقل ہیں۔ جن سے کہ وہ سیاہی دور ہوتی ہے۔ اسی طرح زیادہ مشاغل کو بیمار کر دیتا ہے اور خوف الٰہی سے رونا اس کا علاج ہے جو شخص گناہوں کے ساتھ نیکیاں بھی کرتا رہے تو اس کا قلب میلا ہو کر دھلتا رہے گا۔ لیکن جو گناہوں میں مشغول رہے نیکی کی طرف متوجہ نہ ہو اس کے قلب کی سیاہی بڑھتے بڑھتے ایک دن سارے قلب کو سیاہ کر دیگی۔ جس کے متعلق حدیث شریف میں آتا ہے کہ ان دلوں پر لوہے کی طرح زنگ آتا رہتا ہے۔ اور اس کی صفائی تلاوت قرآن ہے۔ اس سیاہ قلب کو صاف کرنے کے لئے ایک عرصہ اور کافی محنت چاہیئے ہاں اگر کسی اللہ والے کی اس پر نگاہ کرم پڑ جائے تو وہ آناً فاناً اس قلب کو صاف کر دیتی ہے۔ اس کے متعلق اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کی دھلے   کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

مگر جس دل کی سیاہی اللہ والے کی نگاہ سے بھی دور نہ ہو۔ تو یقیناً اس پر مہر لگ چکی۔ اس طرف اس شعر میں اشارہ ہے۔

شعر

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر   جو وہاں سے ہو یہیں آکے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

خیال رہے کہ گناہوں سے آہستگی سے دل میلا ہوتا ہے اور میلا دل عبادات کے ذریعہ آہستہ آہستہ صاف ہوتا ہے مگر نبی کی عداوت سے بھی ایک دم مہر لگ جاتی ہے شیطان کے دل پر حضرت آدم کے بغض سے اچانک مہر لگ گئی اور موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کا میلا دل نگاہ کلیمی سے اچانک اجلا ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ عداوت نبی بدترین کفر ہے اور نگاہ ولی بہترین نعمت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حق تعالٰی نے یثاق کے دن انسانوں کو ذروں کی شکل میں ظاہر فرما کر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا پھر ان ذروں کو دلوں میں دلوں کو جسموں میں جسموں کو دنیا میں امانت کے طور پر رکھا۔ یہ ذرے تاوقت ولادت دلوں کے روزن ہیں۔ جن کے ذریعے دل کو عالم غیب نظر آتا رہا۔ اور وہاں کی آوازیں محسوس ہوتی رہیں۔ اس لئے روایت میں آتا ہے کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے ماں باپ اس کو یہودی عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں جب ہوش سنبھال کر انسان بری صحبتوں میں بیٹھا آہستہ آہستہ روزن بند ہوتے گئے۔ یہاں تک کہ اب کھلنے کے قابل نہ رہے اسی حالت کا اس آیت میں بیان ہے۔ اب اس شخص کے پاس بصارت رہ گئی۔ بصیرت نہ رہی ایک بزرگ نے فرمایا کہ جو مجھے دیکھ لے وہ جنتی ہو جائے۔ معترض نے اعتراض کیا کہ ابو جہل تو رسول اللہ کو دیکھ کر جنتی نہ بنا۔ لوگ آپ کو دیکھ کر جنتی بن جائیں۔ انہوں نے جواب دیا قسم رب کی ابو جہل نے محمد رسول اللہ کو نہ دیکھا۔ بلکہ محمد ابن عبد اللہ کو دیکھا اگر محمد رسول اللہ کو دیکھ لیتا تو ممکن نہ تھا کہ جہنم میں جاتا۔ کیونکہ رسول اللہ کو دیکھنے والی آنکھ جہنم میں جا سکتی ہی نہیں حقیقت یہ ہے کہ حسن لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں چاہئے اور جمال مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے صدیقی نگاہ درکار ہے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔ **وتراهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون** اے محبوب وہ آپ کو دیکھتے تو ہیں۔ مگر دیکھتے نہیں نیز فرماتے ہیں۔ بیج زمین میں چھپایا جاتا ہے پھر وہ درخت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ اور درخت سے شاخ پھر شاخ سے پھل غرض کہ پھل اس کے بیج کے سارے ظاہری و باطنی اوصاف کر بیان کر دیتا ہے اور پکار کر زبان حال سے کہتا ہے کہ اے دیکھنے والو۔ اگر تم میرے بیج کا اندرونی اور بیرونی حال معلوم کرنا چاہتے ہو تو مجھ کو دیکھ لو۔ تو گویا یہ پھل بیج کے ظہور کا خاتمہ ہے۔ اسی طرح تقدیر الٰہی کا راز نیک بختی اور بد بختی کا تخم ہے کہ جو اللہ کے علم میں محفوظ ہے۔ پھر انسان نکلا جو وہ درخت۔ جس میں یہ نیک بختی اور بد بختی محفوظ۔ اس سے اخلاق کی شاخیں نکلیں۔ اور ان شاخوں میں نیک و بد اعمال اور اقرار و انکار کے پھل لگے۔ ان پھلوں نے ان اسرار الٰہیہ کو جو اب تک چھپے ہوئے تھے۔ ظاہر فرمایا تو یہ دل اور کانوں کی مہر اور آنکھوں کے پردے ان بھیدوں کا مظہر ہیں۔

فائدہ : بزرگان دین فرماتے ہیں کہ اللہ والوں کی عداوت سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ اور ان سے دشمنی رکھنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ دل میں مہر لگ جاتی ہے کہ پھر اس کو ایمان میسر نہیں ہوتا۔ اسی لئے حدیث قدسی میں ارشاد ہے کہ جو کوئی میرے ولی سے عداوت رکھے۔ میں اسکو اعلان جنگ دیتا ہوں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ محبت کے کفر سے عداوت کا کفر سخت ہے۔ یعنی ایک شخص کسی نبی کی محبت میں حد سے بڑھ کر کافر ہو گیا۔ جیسے کہ عیسائی اور دوسرا نبی کی عداوت کی وجہ سے کافر ہوا جیسے یہودی اگرچہ یہ دونوں فرقے اسلام سے خارج ہیں۔ لیکن یہودی بمقابلہ عیسائیوں کے سخت کافر ہیں۔ اسی لئے یہودی حق تعالٰی کی نعمتوں سے یکسر محروم ہیں کہ ان کے لئے فرمایا گیا **ضربت عليهم الذلة والمسكنة** اور آج دنیا میں کہیں بھی یہودی کی سلطنت نہیں۔ اسی طرح روافض سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت میں حد سے بڑھ کر ایمان سے نکل گئے اور انبیاء کرام کی گستاخی کرنے والے دیوبندی اسلام سے خارج ہو گئے۔ مگر ان روافض سے یہ دیوبندی سخت کافر ہیں۔ کیونکہ دشمنی انبیاء کی وجہ سے کافر ہوئے۔

اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان کافروں کے لئے ایمان کے سارے راستے بند ہو چکے لہذا یہ لوگ کافر رہنے میں

بے قصور ہوئے اور بے قصور کو سزا کیسی دستیار جمہ پر کاش) جواب: یہ لوگ اس لئے مجرم ہیں کہ انہوں نے اپنے ایمان کے راستے خود بند کرائے کیونکہ اس کے اسباب انہوں نے جمع کئے اور حق تعالیٰ نے راستے بند کر دیئے۔ جیسے کہ کوئی شخص کسی کو قتل کر دے۔ تو اگرچہ مقتول کی جان حق تعالیٰ نے ہی نکالی لیکن جان نکلنے کے سارے اسباب (یعنی قتل وغیرہ) اس نے جمع کئے۔ لہذا قاتل ہی مجرم ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
اور سے لوگوں وہ جو کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم ساتھ اللہ اور ساتھ دن پچھلے
اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے
وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۞
اور نہیں ہیں وہ ایمان دار
وہ ایمان والے نہیں

تعلق: اس سے پہلے کی آیتوں میں خالص مومنوں اور خالص کافروں کا ذکر ہوا۔ اب ان منافقوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو دل سے کافر تھے اور زبان سے مومن بنتے تھے چونکہ ان کی حالت مومنین اور کافرین کے درمیان تھی لہذا ان کا ذکر ان دونوں کے بعد میں کیا گیا۔ اس لئے درمیانی چیز جب ہی سمجھ میں آسکتی ہے۔ جب اس کے دونوں کنارے معلوم ہوں۔ دوسرا تعلق: اسی طرح ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے کھلے ہوئے کافروں کا ذکر تھا اور اب چھپے ہوؤں کا چھپا ہوا کافر ظاہر کافر کے مقابلہ میں زیادہ خطرناک ہے۔ لہذا اس کا ذکر بعد میں کیا۔

شان نزول: مدینہ منورہ میں ایک شخص عبداللہ بن ابی تھا۔ جس کو وہاں اچھی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اور قریب تھا کہ اس کو وہاں کا سردار بنا دیا جائے لیکن جب آفتاب اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جلوہ گری فرمائی۔ اور مدینہ والوں کے دل نور ایمان سے جگمگائے تو اس کی عزت و آبرو میں فرق آ گیا اس کی طرف مدینہ والوں کا وہ رجحان نہ رہا جو پہلے تھا اس لئے اس کے دل میں بغض و عناد کی آگ بھڑک اٹھی۔ مگر یہ بہت چالاک تھا۔ اس نے خیال کیا کہ اگر میں ظاہر طور پر مسلمانوں کا مخالف رہوں تو میری خیر نہیں۔ اس لئے بظاہر توبہ مسلمان ہو گیا مگر دل سے سخت دشمن رہا اور اس نے یہ روش اختیار کی کہ مسلمانوں کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتا اور کہتا کہ یہ وہی نبی آخر الزمان ہیں جن کی خبر توریت میں دی گئی اور جب کفار سے ملتا تو مسلمانوں کے خلاف باتیں کرتا اور دل میں خوش ہوتا تھا کہ ہم دونوں جماعتوں کے پیارے ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگ مل گئے جس سے کہ اس کی پوری جماعت ہو گئی۔ جن کا نام منافقین ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں یہ آیات کریمہ

www.alahazratnetwork.org

اتریں۔

تفسیر : رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی صفات میں اس جگہ چار آیتیں نازل فرمائیں۔ اور کھلے کافروں کے متعلق دو آیتیں لیکن منافقوں کے عیوب تیرہ آیتوں میں بیان فرمائے یا تو اس لئے کہ یہ زیادہ خطرناک تھے اور یا اس لئے کہ مسلمان ان کو پہچان نہ سکتے۔ ان کی بہت سی نشانیاں بتا دینے سے ان کا پہچاننا آسان ہو گیا۔ اور یا اس لئے کہ یہ مسلمانوں سے تعلق رکھتے تھے ان کی صحبت میں آکر بیٹھتے تھے۔ نمازوں میں شریک ہوتے تھے۔ لہٰذا ان کے ایمان کی کسی قدر امید تھی۔ اس لئے ان کے عیوب زیادہ بیان کئے تاکہ وہ شرمندہ ہو کر خالص مومن بن جائیں **الناس** یہ انسان کا اسم جمع ہے۔ اور اس کو ناس اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ نسی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بھولنا چونکہ یہ بھی اپنے پہلے عہد میثاق کو بھول گیا۔ اسی لئے اس کو انسان اور ناس کہا گیا۔ نیز یہ حق تعالیٰ کی نعمتوں کو جلد بھول جاتا ہے اور مصیبتوں کو یاد رکھتا ہے اس لئے اس کو ناس کہا گیا۔ یا یہ انس سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں دیکھنا اور ظاہر ہونا۔ چونکہ یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے۔ اور ظاہری زمین پر رہتا ہے۔ اس لئے اس کو انسان کہتے ہیں۔ اور جن چونکہ زمین کے چھپے ہوئے حصے میں آباد ہیں۔ اس لئے انہیں جن کہتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ انسان بھی اپنے ہم جنس سے بہت زیادہ محبت رکھتا ہے۔ اس لئے اسے انسان کہتے ہیں **من** واحد تثنیہ جمع سب کے لئے بولا جاتا ہے کیونکہ یہ لفظاً واحد ہے اور معناً جمع اسی لئے اس کی طرف واحد اور جمع دونوں قسم کی ضمیریں لوٹ سکتی ہیں۔ اس آیت میں **یقول** صیغہ واحد فرمایا گیا اور **امنا** اور **ھم** اور **مومنین** یہ سب جمع کے طریقے پر کیونکہ **من** میں دونوں کی گنجائش ہے اس آیت میں دو چیزوں پر ایمان لانے کا ذکر ہوا ایک **اللہ** اور دوسرے **یوم آخر** اس لئے کہ دونوں ایمانیات کے گویا کنارے ہیں منافقین سارے ایمانیات کے ماننے کا دعویٰ کر رہے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہم رب تعالیٰ سے یوم آخر تک کی تمام چیزوں پر ایمان لے آئے۔ کتاب۔ نبی سب اس میں آگئے اور یا اس لئے کہ ان کے کلام میں فریب تھا۔ کیونکہ یہ لوگ یہودی تھے وہ اللہ اور قیامت کو تو پہلے ہی سے مانتے تھے۔ انہوں نے یہاں ایسا لفظ بولا کہ جس سے دو پہلو نکلیں۔ مسلمان تو سمجھیں کہ یہ ایمان لے آئے اور اپنے ہم جنس کفار سے یہ کہہ سکیں کہ ہم مسلمان نہیں ہوئے۔ ہم نے تو اپنے اصلی عقیدے کو بیان کیا (تفسیر روح البیان) **وما ھم بمومنین** میں اس کی نہایت عمدہ طریقہ سے تردید فرما دی گئی۔ کیونکہ یہاں یہ فرمایا گیا کہ وہ مومنین کی جماعت ہی سے نہیں۔ یا یہ کہ وہ اصل سے مومن ہی نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت کریمہ میں منافقین کا کلام نقل فرمایا گیا ہے کہ وہ بظاہر کہتے تھے کہ ہم ایمان لے آئے اور مسلمان ہو گئے تاکہ مسلمانوں میں مل کر دنیاوی فائدہ حاصل کریں اور اپنے ظاہری اسلام کو آڑ بنا کر ہر قسم کی سختی سے بچے رہیں مگر چونکہ یہ ایمان حقیقی نہ تھا اور خلوص دل سے انہیں میسر نہ تھا فقط زبان سے دعویٰ اسلام کرنا حق تعالیٰ کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتا لہٰذا مسلمانوں کی تنبیہ کے لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ فریبی ہیں۔ مسلمان نہیں۔ ان کے عیوب قرآن کریم نے مختلف جگہ بیان فرمائے ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے غزوات میں فتور برپا کئے وہ بھی قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ ان آیات سے حق تعالیٰ نے نفاق کی جڑ کاٹ دی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ اول: یہ کہ انسانوں میں چند گروہ ہوئے ایک وہ جو دل و زبان سے

www.alahazratnetwork.org

مومن ہوں۔ ان کو **مخلصین** کہا جاتا ہے۔ دوسرے وہ کہ جو ظاہر باطن کافر ان کو مجاہر کہتے ہیں تیسرے وہ کہ جو دل میں کافر اور زبان سے مومن ان کو منافق کہا جاتا ہے۔ جو شخص دل سے مومن اور بظاہر کافر ہو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اگر کسی سخت مجبوری کی وجہ سے ایسا کر رہا ہے تو **مخلصین** میں داخل ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** مگر اس صورت میں ضروری ہے کہ مجبوری کے دور ہوتے ہی اپنے ایمان کو ظاہر کر دے اور اگر بلا سخت مجبوری کے کفر ظاہر کرتا ہے تو وہ شرعاً" مسلمان نہیں۔ اور نہ اس پر اسلامی احکام (جیسے کہ تجہیز و تکفین و نماز جنازہ وغیرہ وغیرہ) جاری ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ کبھی نہ کبھی اس کی نجات ہو جائے حدیث شفاعت میں ہے کہ جنتیوں کو حکم ہو گا کہ جہنم میں سے ان لوگوں کو بھی نکال لاؤ جن کے دل میں رائی کے برابر بھی ایمان ہو چنانچہ جنتی اس حکم پر عمل کریں گے حق تعالیٰ ارشاد فرمائے گا کہ **شفعاء** اپنی شفاعت سے بخشوا لئے گئے۔ اب رب کی باری ہے حق تعالیٰ اپنا ایک لپ بھر کر جہنمیوں کو جہنم سے نکالے گا۔ "تفسیر روح البیان شریف" نے لکھا ہے کہ یہ لوگ وہ ہوں گے جو شرعاً" کافر تھے دل میں مومن بہت ممکن ہے کہ ابو طالب بھی ان میں سے ہوں۔ کیونکہ شرعی ایمان والے تو **شفعاء** کے ذریعہ نکل گئے اس لپ میں وہی آئے جن کا ایمان شرعی نہ تھا۔ **منافق**۔ یہ لفظ نفق سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں علیحدہ ہونا چونکہ ان کا دل و زبان علیحدہ علیحدہ ہیں اس لئے انہیں منافق کہا جاتا ہے نفاق کی چند قسمیں ہیں۔ 1 یہ کہ زبان سے ایمان ظاہر کرے مگر دل میں صاف منکر ہوں۔ 2 یہ کہ زبان سے ایمان ظاہر کرے مگر دل صاف منکر نہ ہو بلکہ مذبذب ہو۔ 3 یہ کہ زبان سے اسلام کا اقرار کرے اور دل میں تصدیق بھی ہو مگر دنیا کی محبت اس پر ایسی غالب ہو کہ دنیوی نفع کو ایمان پر مقدم سمجھتا ہو۔ دنیا کے لئے لشکر اسلام کا مقابلہ اور اہل اسلام کی بربادی اور دین کی مذمت اس کے نزدیک کچھ مشکل نہ ہو جو کافر چاہے چند پیسے دیکر اس سے ہر برا بھلا کام کرائے۔ یہ تینوں قسم کے لوگ سخت قسم کے کافر ہیں اور جہنم کے سب سے نیچے کے طبقے میں رہیں گے۔ 4 یہ کہ جو ایسا بے حیا تو نہ ہو۔ مگر اس کا قول حال کے مطابق نہ ہو زبان سے کچھ کہے اور دل میں کچھ رکھے اور اس کو تقیہ کہتے جو کہ شیعہ مذہب کا بڑا اصولی مسئلہ ہے۔ اس قسم کا نفاق بھی منافقین کا طریقہ تھا جو صداقت ایمان سے بالکل خالی ہے کیونکہ کوئی معمولی سمجھدار بھی اس کو اچھا نہیں جانتا۔ حدیث پاک میں بعض گناہوں کو بھی نفاق کہا گیا ہے جیسے کہ روایات میں آتا ہے کہ منافق کے علامتیں چند ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے۔ کسی سے لڑے تو گالیاں بکے۔ وعدہ کرے تو پورا نہ کرے۔ کسی کی امانت رکھے تو خیانت کرے یہ عملی نفاق ہے نہ کہ اعتقادی۔ یہ منافقوں کے کام ہیں **دوسرا فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنے فرقے ایمان کا دعویٰ کریں اور کفر کا اعتقاد رکھیں وہ سب اسلام سے خارج ہیں۔ کیونکہ محض دعویٰ کرنے سے ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ **تیسرا فائدہ:** منافقوں کو من الناس کہا گیا۔ جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ فقط صورت میں مسلمان ہیں انسانی کمالات اور صفات سے ایسے خالی ہیں کہ ان کا ذکر کسی خوبی سے نہیں کیا جاتا۔ ہاں یہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدمی ہیں جس سے معلوم ہوا کہ کسی کو صرف بشر کہنے میں اس کے فضائل و کمالات کے انکار کا پہلو نکلتا ہے۔ اسی لئے قرآن پاک میں جابجا انبیاء کرام کے بشر کہنے والوں کو کافر فرمایا گیا۔ کیونکہ دراصل یہ لفظ انبیاء کرام کی شان میں ادب سے دور اور کفار کا دستور ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان) **چوتھا فائدہ:** ان آیات سے معلوم ہوا کہ کھلے کافر سے منافق کافر بدتر ہے۔ اس کی چند وجوہ۔ 1 یہ کافر تو فقط کافر ہے۔ مگر منافق کافر بھی ہے اور دھوکے باز بھی۔ 2 یہ کہ کافر گویا مرد ہے مگر منافق خنثیٰ۔ 3 یہ کہ کافر تو فقط کافر ہے مگر منافق کافر بھی ہے اور جھوٹا بھی۔ 4 یہ کہ کافر تو محض کافر ہے۔ مگر منافق کافر بھی

www.alahazratnetwork.org

ہے اور اسلام کا مذاق اڑانے والا بھی۔

اعتراض : پہلا اعتراض: منافقین اللہ اور قیامت کو دل سے مانتے تھے۔ پھر قرآن کریم نے ان کے اس ماننے کا کیوں انکار کیا؟ جواب: اس لئے کہ وہ غلط طریقہ سے مانتے تھے۔ خدا تعالیٰ کو اولاد والا اور قیامت کو اپنی نجات کا دن مانتے تھے۔ اور یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانے ہوئے کسی چیز کا ماننا معتبر نہیں وہی توحید اللہ کے نزدیک معتبر ہے جو نبوت کے اقرار کے ساتھ ہو۔ چونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہوئے رب کا اقرار کرتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ وہ رب کو بھی نہیں مانتے۔ دوسرا اعتراض: قیامت کو یوم یعنی دن کیوں کہتے ہیں دن تو سورج سے بنتا ہے اور اس دن تو سورج ہی فنا ہو چکا ہوگا۔ جواب: عربی میں وقت کو بھی یوم کہتے ہیں یہاں یہی معنی مراد ہیں تیسرا اعتراض: قیامت کو یوم آخر کیوں کہتے ہیں اور اس کی حد کیا ہے؟ جواب: قیامت سے پہلے محدود دن تھے اور وہ قیامت کے آنے سے ختم ہو گئے اب غیر محدود وقت ہے اس لئے اس کو یوم آخر کہتے ہیں قیامت کی حد کے متعلق دو قول ہے بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ وہ مردوں سے اٹھنے سے شروع ہو کر فیصلہ الٰہی پر ختم ہوگا یعنی جب سارے جنتی جنت میں پہنچ جائیں گے اور محض کفار دوزخ میں رہ جائیں تب اس دن کی انتہاء ہوگی بعض فرماتے ہیں اس کی انتہا نہیں ہے۔ (تفسیر کبیر)

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ

وہ فریب دیتے ہیں اللہ اور ان کو جو ایمان لائے اور نہیں فریب دیتے

فریب دینا چاہتے ہیں وہ اللہ اور ایمان والوں کو اور حقیقت میں فریب نہیں دیتے

اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۞

مگر جانوں اپنی کو اور نہیں سمجھتے

مگر اپنی جانوں کو اور نہیں شعور انہیں

تعلق : اس آیت کا پہلی آیت سے دو طرح کا تعلق ہے ایک یہ کہ پہلی آیت میں منافقین کی بے ایمانی کا ذکر تھا۔ اور اب ان کے برے اعمال کا۔ چونکہ کفر دیگر اعمال سے مقدم ہے۔ اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا اور اعمال کا بعد میں دوسرے یہ کہ پہلی آیت میں یہ فرمایا گیا تھا کہ اگرچہ وہ ایمان ظاہر کرتے ہیں لیکن وہ مومن نہیں اور اس آیت میں اس کے مقبول نہ ہونے کی وجہ بیان ہو رہی ہے یعنی چونکہ ان کا اظہار ایمان خلوص سے نہیں بلکہ فریب دینے کے لئے ہے اس لئے قبول نہیں۔ لطف یہ ہے کہ مخلص یہی کلمہ بول کر مومن بنتا ہے اور وہ لوگ ان ہی کلموں سے زیادہ بے دین ہو گئے کیونکہ لفظوں میں نیت کا بڑا دخل ہے۔ مکھن نکلا ہوا دودھ اگرچہ شکل و شباہت میں دودھ ہی کی طرح ہے لیکن بازار میں اس کی کوئی قیمت نہیں خلوص نیت مانند مکھن کے

www.alahazratnetwork.org

ہے اور محض اچھے اچھے الفاظ جو اس سے خالی ہوں رب کی بارگاہ میں ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

تفسیر : **یخدعون**' خدع سے بنا ہے۔ اس کے لغوی معنی ہیں چھپانا۔ اسی لئے خزانہ کو **مخدع** کہتے ہیں کیونکہ اس میں روپیہ چھپا رہتا ہے اور گردن کی چھپی ہوئی رگوں کو **اخدعین** کہتے ہیں۔ اصطلاح میں خدع کے معنی دھوکہ ہیں یعنی برائی کو دل میں چھپا کر اچھائی ظاہر کرنا اللہ اس سے مراد تو اللہ کی ذات ہے تو **یخدعون** کے معنی ہوں گے دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کو کوئی دھوکہ نہیں دے سکتا یا اللہ سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ بہت سے جگہ اللہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں تاکہ لوگوں کو آپ کی عظمت کا پتہ چل جائے کہ حضور علیہ السلام کا بارگاہ الٰہی میں وہ درجہ ہے کہ ان کی اطاعت رب کی اطاعت ان کی مخالفت رب تعالیٰ کی مخالفت ہے ان کو دھوکہ دینا رب تعالیٰ کو دھوکہ دینا قرآن کریم ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے کہ اے محبوب جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ ایک جگہ ارشاد فرمایا کہ کنکر آپ نے نہیں پھینکے۔ اسی قاعدے سے یہاں فرمایا جارہا ہے کہ منافقین اللہ کو یعنی رسول اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ (تفسیر روح البیان۔ تفسیر عزیزی وغیرہ) **انفسھم** انفس نفس کی جمع ہے نفس کی چند معنی ہیں ذات' روح' دل' دل کے متعلقات خون' پانی' یہاں پہلے مراد معنی مراد ہیں۔ یعنی یہ منافقین در حقیقت اپنے کو دھوکہ دے رہے ہیں کیونکہ جو شخص اعلیٰ چیز کو چھوڑ کر ادنیٰ اختیار کرے اور پھر اپنے کو کامیاب جانے وہ بڑا بے وقوف ہے اور سخت دھوکے میں ہے۔ منافقین نے دین چھوڑ کر دنیا اختیار کی اور اس پر خوش ہوئے۔ لیکن دنیا بھی ہاتھ نہ آئی۔ بلکہ رسوائی' ذلت نصیب ہوئی۔ تو اپنے کو دھوکہ ہی دیا۔ صحابہ کرام نے فانی دنیا اور اس کی نعمتوں پر لات ماری اور اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کیا تو دنیا بھی لونڈی بن کر ان کے قدموں میں آگری۔ در حقیقت یہی لوگ بہت کامیاب رہے۔ **وما یشعرون**' یشعرون شعور سے بنا ہے' شعور کہتے ہیں حواس سے جاننے کو اس لئے حواس کو مشاعرہ کہتے ہیں اور شعر بال کو کہتے ہیں اور جو لباس جسم سے مس کئے ہوئے ہو۔ اسے شعار کہتے ہیں منظوم کلام کو بھی اسی لئے شعر کہتے ہیں کہ اس کی برائی بھلائی وزن کا درست اور نا درست ہونا حواس سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کا مقصود یہ ہے کہ ان کم بختوں کو حواس بھی ایسے بگڑ گئے کہ یہ اس قدر ظاہر چیز کو بھی محسوس نہیں کر سکتے۔ اس لئے کہ یہ دن رات دیکھ رہے ہیں کہ ہماری خفیہ مخالفتوں سے اسلام کی اشاعت میں کچھ فرق نہیں آیا۔ بلکہ دن بدن ترقی ہو رہی ہے۔ اور مسلمانوں کو ہم پر بالکل اعتماد نہیں مگر اس پر بھی اپنی بری روش کو نہیں چھوڑتے۔ تو گویا یہ جانوروں سے بدتر ہیں اور جمادات (اینٹ پتھر وغیرہ) کی طرح ہیں۔ کیونکہ محسوسات کو جانور بھی معلوم کر لیتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت کا خلاصہ یہ ہوا کہ منافقین جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائے۔ اپنے گمان میں وہ خدا تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو فریب دے رہے ہیں۔ حالانکہ در حقیقت وہ خود کو فریب دے رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے۔ اس پر کوئی بات چھپی ہوئی نہیں۔ اور فریب اسی کو دیا جا سکتا ہے کہ جو حقیقت سے ناواقف ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے خلیفہ اعظم ہیں کہ اس نے اپنے حبیب کو سارے علوم غیبیہ عطا فرمائے ہیں وہ تو ابتداء ہی سے ہر ایک کی حقیقت اور انجام سے خبردار ہیں کیونکہ معراج میں سب کفار اور مومنین کو دیکھ کر آئے ہیں۔ صحابہ کرام کو بھی مومنین اور کفار کے ناموں کے رجسٹر دکھا دئے ہیں جیسا کہ احادیث میں آتا ہے انہوں نے بڑے بڑے بدکاروں کے

www.alahazratnetwork.org

ایمان کی خبر دے دی تو وہ آخر کار مومن ہی ہو گئے اور بڑے بڑے ظاہر متقیوں کے جہنمی ہونے کی خبر دے دی تو وہ آخر کار جہنمی ہو کر ہی مرے۔ انہوں نے تو یہ بھی بتا دیا کہ حسین و حسن جوانان جنت کے سردار ہیں۔ میری لخت جگر فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔ انہوں نے یہ بھی فرمایا کہ ابو طالب دوزخ میں نہیں بلکہ اس کے جھیرے میں رہیں گے۔ اور ان کے تلوے میں آگ کی محض ایک چنگاری ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ جنتیوں اور جہنمیوں کو پہچانتے ہیں اور ان کے درجات اور درکات سے بھی واقف ہیں لہٰذا یہ منافق ان کو دھوکہ نہیں دے سکتے اسی طرح مسلمان بھی اپنے نور ایمانی سے مومن اور کافر کو پہچان لیتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسلمان کی ذہانت سے ڈرو۔ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے بلکہ اللہ والوں کے پاس بیٹھنے والے جانور بھی کافر و مومن کی تمیز کر لیتے ہیں۔ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کے سامنے ایک شیر آگیا آپ نے فرمایا کہ اے شیر میں رسول اللہ کا غلام ہوں وہ یہ سن کر کتے کی طرح دم ہلانے لگا۔ (دیکھو مشکوۃ شریف باب الکرامات) ابولہب کے بیٹے عتبہ کو جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی تھی شیر نے اس کا منہ سونگھ کر پھاڑ دیا لہٰذا وہ مسلمانوں کو بھی دھوکا نہیں دے سکتے لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان کے عیب نفاق کو ظاہر نہ فرمایا اس لئے منافق سمجھے کہ ہم دھوکا دہی میں کامیاب ہو گئے حقیقتاً نہ تو خدا تعالیٰ کو دھوکا ہوا اور نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور نہ ہی مسلمانوں کو بلکہ خود منافقوں کو ہوا لیکن وہ اس راز کو نہ سمجھ سکے کہ ان کی بکواس پر مسلمانوں کا خاموش ہو جانا در حقیقت عیب پوشی ہے۔ جس میں ہزار ہا راز ہیں لہٰذا اس فریب کا اثر الٹا انہیں پر پڑا کہ آخر کار دنیا میں ان کی رسوائی ہوئی۔ اور آخرت میں سخت عذاب کے مستحق ہوئے مگر چونکہ ان کے حواس میں فرق آگیا ہے اس لئے وہ اس کو سمجھ نہ سکے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان کے پاس بھی یہ تینوں جماعتیں موجود ہیں۔ روح انسانی خالص مومن اور شیطان کھلا ہوا کافر۔ لیکن نفس امارہ منافق کہ دل سے مل کر اپنے کو اس کا دوست ظاہر کرتا ہے۔ اودھر شیطان سے ملتا ہے تو اس کا دوست بنتا ہے لیکن جس دل پر اللہ کا کرم ہو جائے اس پر نفس امارہ غالب نہیں آتا۔ بلکہ آخر کار خود ہی مجبور ہو کر تابع ہو جاتا ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: **یخدعون۔ مخادعت** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ ایک دوسرے سے دھوکے بازی کرنا۔ لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہ منافقین رب تعالیٰ کو اور مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں اور حق تعالیٰ اور مسلمان ان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ اور کسی کو دھوکہ دینا حق تعالیٰ کی شان کے بھی خلاف ہے اور مسلمانوں کے بھی **جواب** اس کا پہلا جواب تو یہ ہے کئی جگہ باب **مفاعلت** شرکت سے خالی بھی ہو جاتا ہے جیسے **سافرت** میں نے سفر کیا **عاقبت اللص** یعنی میں نے چور کو سزا دی۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ چور نے بھی مجھ کو سزا دی یہاں بھی یہی معنی مراد ہے دوسرا جواب: یہ ہے کہ یہاں شرکت ہی کے لئے ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ منافقین تو اپنا ایمان ظاہر کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں اور مسلمان بھی ان کے ایمان کو معلوم کر کے ان سے بے تعلق ہو جاتے ہیں کہ نہ ان سے جہاد کرتے ہیں اور نہ ان پر جزیہ لگاتے ہیں۔ جس سے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا داؤ چل گیا لیکن مرنے کے بعد پتہ چلے گا کہ ہم تو بڑے دھوکے میں رہے۔ نیز تفسیر روح البیان میں اس جگہ بیان فرمایا گیا کہ جب منافقین جہنم میں ایک زمانے تک رو لیں گے تو اچانک جہنم کے دروازے کھل جائیں گے۔ جس سے وہ یہ سمجھیں گے کہ گنہگار مسلمانوں کی طرح ہمارے بھی نکلنے کی باری آگئی۔ اور دروازہ کی طرف بھاگیں گے لیکن جب

www.alahazratnetwork.org

وہاں پہنچیں گے تو دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور انہیں دھکیل کر ان کی جگہ پہنچایا جائے گا جس کے متعلق قرآن پاک فرماتا ہے یدعون الی نار جہنم دعا ان کے فریب کی سزا ہوگی اور جرم کی سزا عجیب نہیں۔ دوسرا اعتراض: اس جگہ فرمایا گیا کہ منافقین جانتے نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا تکتمون الحق و انتم تعلمون یعنی تم جان بوجھ کر حق چھپاتے ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ جانتے ہیں اب ان دونوں آیتوں میں مطابقت کس طرح کی جائے۔ جواب: منافقین سب کچھ جانتے تو تھے۔ لیکن اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ اس لحاظ سے گویا جاہل تھے۔ ان کے عمل نہ کرنے کی وجہ سے انہیں یہاں جاہل کہا گیا۔ جیسے کہ کفار کو اندھا، بہرا، گونگا کہا گیا ہے۔ بے عمل عالم مثل جاہل کے ہے اور کتوں سے بدتر فقیر کے۔ لہٰذا انہیں جاہل کہنا عمل کے لحاظ سے ہے اور انہیں عالم کہنا حقیقت علم کے لحاظ سے۔

فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ

بیچ دلوں ان کے بیماری پس بڑھائی ان کی اللہ نے بیماری اور واسطے ان کے عذاب

ان کے دلوں میں بیماری ہے تو اللہ نے ان کی بیماری اور بڑھا دی اور ان کے لئے دردناک

اَلِیْمٌ بِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ *

ہے دردناک بوجہ اس کے تھے وہ جھوٹ بولتے

عذاب ہے بدلہ ان کے جھوٹ کا

تعلق: گزشتہ آیتوں میں منافقین کی بدعملی کا ذکر ہوا۔ اب اس بدعملی کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ یعنی دھوکے بازیاں وغیرہ اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے دل میں نفاق کی بیماری ہے اور برابر بڑھ رہی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلی آیت میں ان کی بدعملی کا ذکر ہوا اور اس آیت میں اس کے نتیجہ کا۔ یعنی چونکہ وہ اس قسم کی حرکتیں کر رہے ہیں اس لئے بجائے شفاء ہونے کے مرض بڑھ رہا ہے جیسے کوئی طبیب کہے کہ فلاں مریض بدپرہیزی کر رہا ہے۔ جس کی وجہ سے اس کا مرض ترقی پر ہے کہ یا تو پہلی آیت سبب ہوئی اور یہ اس کا نتیجہ یا اس کا برعکس نیز اس سے پہلے ان کے اقوال و اعمال کا ذکر ہوا۔ اور اب ان کی دلی حالت کا تذکرہ یعنی منافقین کہتے یہ ہیں۔ اور کرتے یہ ہیں۔ اور ان کے دل کی یہ حالت ہے۔ کبھی تو دل کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے اور کبھی ظاہر کا دل پر۔ چونکہ یہاں ان کے قول و فعل کا اثر ان کے دلوں پر پڑ رہا ہے کہ مرض بڑھ رہا ہے۔ اس لئے قلبی حالت کو ان دونوں کے بعد بیان کیا۔

تفسیر: مرض لغت میں بدن کی اس عارضی حالت کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے اس کے طبعی کاموں میں خلل پڑ جائے جیسے کہ بخار جسم انسانی کو طبعی کاموں سے روک دیتا ہے۔ لیکن مجازاً ان نفسانی عوارضات کو بھی کہہ دیتے ہیں کہ جو نفس کے کمالات کو ختم کر دیں جیسے جہالت، بدعقیدگی، حسد، بغض، دنیا کی محبت، جھوٹ اور ظلم وغیرہ کہ ان کی وجہ سے نفس کے کمالات زائل ہو جاتے ہیں۔ اور کبھی یہ عیوب کفر تک بھی پہنچا دیتے ہیں جو کہ روحانی موت ہے۔ دل کی بیماریاں چند قسم کی ہیں ایک وہ کہ جن کا تعلق اخلاق سے ہے۔ جیسے کہ حسد کینہ وغیرہ دوسرے وہ کہ جن کا تعلق افعال سے ہے۔ جیسے کہ برے ارادے یہاں

www.alahazratnetwork.org

پہلی قسم کی بیماری مراد ہے۔ یعنی ان کے دلوں میں بد عقیدگی اور کفر تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ اب دن بدن اس میں زیادتی ہو رہی ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے تینوں قسم کی بیماریاں مراد ہوں۔ یعنی منافقین کے دلوں میں بد عقیدگی۔ بد خلقی، بد عملی موجود ہے۔ اور اس میں زیادتی ہو رہی ہے۔ **فزادھم اللہ زاد** لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی یعنی زیادہ ہوا اور زیادہ کیا۔ یہاں متعدی معنی میں استعمال ہوا۔ یعنی اللہ نے ان کی بیماری بڑھادی۔ اس کے بڑھانے کی چند صورتیں۔ ایک یہ کہ انہیں اسلام کو دیکھ کر غم ہوتا تھا۔ اور اللہ نے اس کی اشاعت فرما کر ان کے غم کو بڑھایا۔ اور اس طرح ان کے دل میں بد عقیدگی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی تھی۔ اللہ نے ان کے دلوں پر مہر اس طرح لگادی کہ ان میں وعظ و نصیحت اثر نہ کرے کفر کو بڑھادیا۔ یا اس طرح کہ جس قدر شرعی احکام بڑھے۔ ان کا انکار بھی بڑھا مثلاً جب تک دس احکام آئے تو وہ دس کے منکر رہے اب پانچ اور آنے جانے پر پندرہ کے منکر ہو گئے۔ یا اس طرح کہ پہلے فقط عبادات آئی تھیں۔ وہی ان پر بھاری تھیں۔ جب سزائیں اور جہاد آگئے تو ان پر اور مصیبت ٹوٹ پڑی۔ اللہ کی شان ہے کہ شرعی احکام اور قرآنی آیتیں مسلمانوں کے ایمان کو قوی کریں لیکن ان سے کفار کا کفر بڑھے جیسے کہ بارش کا پانی گندگی پر پڑ کر اس کو زیادہ پھیلا دیتا ہے۔ مگر پاک چیزوں پر پڑ کر ان کو اور بھی صاف پاک کر دیتا ہے۔ یہی بات یہاں پر ہے کہ یا اس طرح کہ جب وہ کھلے کافر تھے۔ تو ان میں بہادری تھی۔ مگر اسلام کے دبدبے اور شوکت کو دیکھ کر ان میں بزدلی پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے منافق بننے پر مجبور ہو گئے۔ جس طرح کی دنیا میں ان کی بیماریاں بڑھتی جاری ہیں اسی طرح آخرت میں ان کا عذاب اور مسلمانوں کا ثواب بڑھتا رہے گا۔ **عذاب الیم۔** الیم الم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں درد اور تکلیف۔ الیم کے معنی ہوئے دردناک اور تکلیف دہ کفار کے عذاب کو عظیم فرمایا گیا تھا اور منافقوں کے عذاب کو **الیم** کہا گیا ہے۔ اس لئے کہ بمقابلہ کفار کے ان کو عذاب کی زیادہ تکلیف ہو گی کیونکہ کافروں نے ایمان کی لذت بالکل نہ چکھی تھی اور نور ایمانی ان کے ظاہری حواس تک بھی نہ پہنچا تھا انہیں خبر ہی نہ تھی کہ نماز میں کیا لطف ہے اور ایمان میں کیا بہار لیکن منافقین ایمان کے دروازے تک پہنچ چکے تھے اور اس کی شیرینی ان کے تالو اور زبان میں لگ چکی تھی۔ پھر اس کے پھل نہ کھا سکیں گے تو ان کو اپنی محرومی پر بہت صدمہ ہو گا جیسے کہ ایک شخص نے عمدہ میووں کا مزہ چکھا ہی نہیں۔ دوسرے نے چکھا تھا مگر اب اس کو میسر نہیں تو یقیناً نہ ملنے کی حسرت زیادہ انہی کو ہو گی جو چکھ کر محروم ہو گئے (تفسیر عزیزی) نیز کھلے کافروں کو تو صرف دوزخ کا عذاب ہو گا اور منافقوں کو عذاب بھی اور طعنے بھی اس لئے ان کو تکلیف زیادہ ہو گی نیز چونکہ انہوں نے جھوٹ بھی بولا تھا اس لئے ان کو جہنم کے سب سے نیچے طبقے میں رکھا جائے گا جہاں کہ اور طبقات سے دوزخیوں کی پیپ وغیرہ بہہ کر آئے گی اور وہ ہی ان کو پلائی جائے گی تو کفر کی وجہ سے ان کو یہ عذاب ہوا اور فریب کی وجہ سے یہ درد پہنچا **یکذبون** میں اس اس طرف اشارہ ہے کہ ان پر مصیبتیں جھوٹ کی وجہ سے آئیں **یکذبون** کذب سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں جھوٹ، جھوٹ کئی قسم کا ہوتا ہے۔ 1 قول میں جھوٹ وہ اس طرح کہ خلاف واقع خبر دے۔ 2 فعل میں جھوٹ۔ وہ اس طرح کہ عمل قول کے خلاف ہوں یعنی کہے کچھ اور کرے کچھ۔ 3 عقیدے میں جھوٹ وہ اس طرح کہ غلط عقائد اختیار کرے۔ مثلاً خالق تو ایک ہے لیکن کسی کا عقیدہ یہ ہو کہ خالق چند ہیں تو یہ عقیدے کا جھوٹ ہوا۔ ہر جھوٹ برا ہے لیکن عقیدے کا جھوٹ سخت برا اور یہ منافق ہر طرح جھوٹے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جھوٹ بدترین گناہ اور فحش عیب ہے۔ بلکہ ہزارہا گناہوں کی

www.alahazratnetwork.org

جڑ ہے اگر کوئی شخص جھوٹ نہ بولنے کا عہد کرے تو ان شاء اللہ بہت سے گناہوں سے بچ جائے گا انبیاء کرام سارے گناہوں سے اور خصوصاً جھوٹ سے بالکل محفوظ و معصوم ہوتے ہیں جو شخص انہیں جھوٹا مانیں وہ بے دین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق جو آیا ہے کہ انہوں نے معاذ اللہ تین جھوٹ بولے یہاں جھوٹ سے مراد تعریض ہے۔ یعنی وہ معنی والا کلام بولنا اور اس سے خلاف ظاہر معنی مراد لینا اور یہ تعریض ضرورتاً جائز ہوتی ہے۔ جیسے کہ آپ کی بیوی حضرت سارہ کے متعلق ایک ظالم بادشاہ نے پوچھا کہ یہ آپ کی کون ہے آپ نے خیال فرمایا اگر میں نے کہہ دیا کہ میری بیوی ہے تو یہ ظالم مجھ سے جبراً چھین لے گا اس لئے آپ نے کہہ دیا کہ یہ میری بہن ہے۔ وہ حقیقی بہن سمجھا اور آپ نے دینی بہن مراد لی اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جا رہے ہیں۔ کسی کافر نے پوچھا کہ اے ابوبکر تمہارے ساتھ یہ کون ہیں۔ آپ نے راز چھپانے کے لئے فرمایا مجھے راستہ بتانے والے ہیں۔ وہ یہ سمجھا کہ اس سے دنیوی راستہ مراد ہے اور آپ کے مراد تھی راہ الٰہی یہ تعریض ہے۔ اور ضرورتاً جائز تھی۔ جھوٹ ہر حال منع ہے۔ سوا چند موقعوں کے تحت مجبوری کی حالت میں دو مسلمانوں میں صلح کرانے کے لئے اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے جہاد کے موقع پر ضرورتاً (تفسیر روح البیان و شامی وغیرہ) جھوٹ سے جس طرح اخروی عذاب آتا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں بھی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

صبح کاذب کارواں ہارا زدہ است که ببوئے روز بیرون آمدہ است

صبح کاذب خلق را رہبر مباد که دہد بس کارواں ہارا بباد

صبح کاذب بھی صدہا قافلوں کو برباد کر چکی ہے خدا کرے جھوٹا کسی کا رہبر نہ بنے۔

خلاصہ تفسیر : اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان کی فطرت میں ہی تندرستی نہیں اور ان کے دلوں پر جھوٹ کی بیماری سوار ہے جوں جوں صحت بخش باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی گئیں ان کی مخالفت سے ان کا مرض بڑھتا گیا اور جس طرح کہ جسمانی مرض کا انجام موت ہے۔ اسی طرح روحانی بیماریوں کا نتیجہ دردناک عذاب ہے بارش ہر درخت کو بڑھاتی ہے مگر جس درخت کا تخم خراب ہو اس میں کانٹے اور کڑوے پھل آتے ہیں۔ اور جس کا تخم اچھا ہو اس میں عمدہ پھل پھول لگتے ہیں اسی طرح قرآن کریم کی آیتیں رحمت کی بارش ہیں۔ جس سے مومنوں کو شفاء ہوتی ہے اور جن کی اصل میں کجی ہے ان کی بیماری بڑھتی ہے اس میں ان کا اپنا قصور ہے نہ کہ قرآن کریم کا۔

تفسیر صوفیانہ : عام طور پر دل میں اچھے خیالات بھی آتے ہیں اور برے بھی اچھے خیالات رحمانی الہام ہوتے ہیں۔ جس کے لئے ایک فرشتہ مقرر ہے۔ اور برے خیالات شیطانی وسوسے۔ جن دلوں پر اللہ کا کرم ہے۔ ان کو الہام زیادہ اور وسوسے کم ہوتے ہیں۔ بلکہ بعض مقبولان خدا ایسے بھی ہیں کہ جو ان وسوسوں سے بالکل محفوظ ہو جاتے ہیں اور جن کے دلوں میں بیماری ہے انہیں الہام کم اور وسوسے زیادہ ہوتے ہیں۔ اگر اس مرض کا علاج کسی قابل طبیب روحانی سے کرا لیا جائے تو صحت ہو جاتی ہے ورنہ یہ مرض بڑھتا بڑھتا اس حد تک پہنچ جاتا ہے کہ دل میں اچھے خیالات کا آنا ہی بند ہو جاتا ہے اور کبھی یہاں تک ترقی ہو جاتی ہے برے کاموں کو اچھا اور اچھے کاموں کو برا سمجھنے لگتا ہے اور بدکاروں کو عزیز رکھنے اور نیکوکاروں سے نفرت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہی دل کی موت ہے اسی طرح بعض اوقات دل سے غیبی آواز آتی ہے جو انسان کو برائی سے روکتی ہے اور برے کام کرنے

www.alahazratnetwork.org

پر ملامت کرتی ہے اللہ کے مقبول بندوں کی یہ آواز نہایت قوی ہوتی ہے کہ وہ برے راستہ پر آ سکتے ہی نہیں اور گناہوں کی زیادتی کی وجہ سے یہ آواز کمزور پڑ جاتی ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ بند ہو جاتی ہے۔ پھر غلط آوازیں آنی شروع ہو جاتی ہیں کہ گناہ کرنے پر خوشی کی آواز نکلتی ہے۔ یہ قلب کی موت ہے اور اس آیت میں انہی بیماریوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس طرح سے کہ بعض دوائیں اور بعض جگہ کی آب و ہوا تندرستی بخشتی ہے۔ اسی طرح بعض اعمال اور کسی جگہ کی آب و ہوا روحانی تندرستی دیتی ہے۔ اولیاء اللہ کی زیارت ان کی قبور پر حاضری دینے کا اس لئے حکم ہے کہ وہاں کی آب و ہوا ایمان کے لئے زیادہ مفید ہے۔ جس طرح کہ بیمار سفر کرکے طبیبوں کے پاس جاتے ہیں۔ اسی طرح گناہوں کا بیمار اگر سفر کرکے روحانی اطباء کے پاس حاضری دے تو کیا حرج ہے سفر عرس اور سفر زیارت قبور میں بہت حکمتیں ہیں ان کی زیادہ تحقیق کے لئے شامی جلد اول بحث زیارت قبور اور اشعۃ اللمعات اور کتب تصوف اور ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ اور جس طرح بعض بیماریاں اڑ کر لگتی ہیں اسی طرح روحانی بیماری بھی اڑ کر لگنے والی ہیں۔ اسی لئے بدمذہبوں اور بے دینوں کی صحبت سے دور رہنا ضروری ہے۔

حکایت : ایک شخص کسی حکیم کے پاس جا کر کہنے لگا کہ حکیم صاحب مجھے گناہوں کی دوا درکار ہے حکیم صاحب حیران ہو گئے ان کا کمپوڈر کوئی مرد خدا تھا کہنے لگا کہ توبہ کے پتے۔ شکر کے پھول 'عبادت کے بیج' ریاضت کی جڑیں ہم وزن لے کر مجاہدے کے ہاون دستے میں کوٹ لے۔ اپنے آنسوؤں میں تر کرکے صبر کی آگ پر پکالے اخلاص کی کھانڈ سے میٹھا کرکے دل کی آہوں سے ٹھنڈا کرکے پی جا۔ ان شاء اللہ شفا ہو گی کہنے لگا کہ اس کا پرہیز کیا جواب دیا کہ اپنے دل کو اغیار کے کوڑے سے صاف رکھ تاکہ یار وہاں تجلی فرمائے۔ اور اس کی گزرگاہ اور دروازے کو عبادات کی جھنڈیوں سے آراستہ رکھ۔ گناہوں کے گردوغبار سے صاف کردے تاکہ یہ راستہ یار کے آنے جانے کے قابل بن جائے نیز اپنے نفس امارہ کے گلے میں کسی شیخ کی غلامی کا پٹہ ڈال۔ تاکہ دھتکارا نہ جائے۔ اللہ پاک ہمیں یہی علاج نصیب فرمائے۔

اعتراض : اس جگہ فی قلوبھم کیوں بولا گیا مختصر عبارت یہ تھی کہ قلوبھم مرضی یعنی ان کے دل بیمار ہیں۔ **جواب:** اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ ان کی یہ بیماری عارضی ہے اصلی نہیں۔ نیز یہ مرض ابھی راسخ نہیں ہوا بلکہ قابل علاج ہے اسی لئے ان کو ایمان کی طرف بلایا جا رہا ہے۔

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِى الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡٓا اِنَّمَا

اور جب کہا جائے لئے ان کے نہ فساد کرو میں زمین کہتے ہیں ایسکے

اور جو ان سے کہا جائے زمین میں فساد نہ کرو تو کہتے ہیں

نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ

سوا نہیں ہم اصلاح کرنے والے ہیں

ہم تو سنوارنے والے ہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس سے پہلے بتایا گیا ان منافقوں کی دلی بیماری انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اب اس کی نشانی بتائی گئی ہے وہ نیک و بد میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہر ایک کو غلط سمجھتے ہیں جیسے کہ بیماریوں کے ساتھ ان کی علامات بھی بتاتے ہیں اسی طرح اس مرض کی یہاں یہ پہچان بتائی گئی تو گویا یہ آیت کا نتیجہ ہے اس کا عکس بھی ہو سکتا ہے یعنی چونکہ ان کے حواس ایسے بگڑ گئے کہ نیک کو بد اور بد کو نیک سمجھنے لگے تو لامحالہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے یہ بھی تعلق ہے کہ اس سے پہلے منافقین کی بد عقیدگیوں اور کو اس اور برے اعمال کا ذکر تھا۔ اب ان کی بد معاملگی کا ذکر ہو رہا ہے۔ یعنی دل ان کے بیمار۔ زبانیں ان کی جھوٹی۔ عبادتیں ان کی غلط اور ان کے معاملات بھی خراب ہیں چونکہ عبادات معاملات سے پہلے ہوتی ہیں اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا اور معاملات کا بعد میں۔ تتمہ: جن اعمال کا تعلق رب سے ہو۔ ان کو عبادات کہتے ہیں۔ جیسے "نماز" روزہ "حج" زکوۃ وغیرہ اور جن کا تعلق بندوں سے ہو انہیں معاملات کہتے ہیں۔ جیسے تجارت آپس کے لین دین و دیگر برتاوے منافقین کے دونوں قسم کے اعمال خراب تھے۔ ان میں سے آخری قسم کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔

تفسیر : **واذا قیل**۔ قیل قول سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ 1 بات۔ 2 بولنا یا کہنا۔ 3 دل کے خیالات۔ 4 رائے۔ 5 مذہب یہاں یا تو کہنا مراد ہے یا رائے دینا۔ کہنے والا کون ہے اس میں چند احتمال ہیں۔ رب تعالیٰ کہ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان سے یہ فرمایا دوسرے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے عام مومنین چوتھے وہ مسلمان جن سے وہ فتنے کی باتیں کرتے تھے **لا تفسدوا** فساد سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بگڑنا یعنی کسی چیز کا اعتدال سے نکل جانا اور نفع کے قابل نہ رہنا اس کا مقابل ہے صلاح جس کے معنی ہیں سنورنا اور نفع کے قابل ہونا اس فساد و صلاح میں بہت گنجائش ہے نفس کا فساد و دو مخصوص کا فساد ہر شہر کا فساد کسی خاص ملک کا فساد اور زمین کا فساد **فی الارض** نے یہ بتایا کہ یہاں آخری فساد مراد ہے تو منافقین سے کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم خود بگڑے ہوئے ہو تو اوروں پر تو مہربانی کرو اور اللہ کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین کی بیماری متعدی یعنی پھیلنے والی تھی۔ اب یہاں فساد سے کیا مراد ہے؟ اس میں چند قول ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباس' حسن' قتادہ' سدی رضی اللہ عنہم کا یہ قول ہے کہ یہاں فساد سے مراد ہے علانیہ گناہ کرنا کیونکہ علانیہ گناہ سے خدا کی رحمتیں بند ہو جاتی ہیں۔ عذاب نازل ہوتے ہیں۔ قتل و خون و غارت گری وغیرہ شروع ہو جاتی ہے چونکہ وہ لوگ موقع پا کر علانیہ گناہ بھی کرتے تھے اس سے ان کو روکا گیا۔ خیال رہے کہ صحابہ حضور کی فیض صحبت سے ایسے منجھ گئے تھے کہ اولا" تو وہ گناہ کرتے نہ تھے اگر کبھی کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو چھپانے کی کوشش نہ کرتے بلکہ بارگاہ نبوی میں آ کر اقرار کر کے سزا لیتے تھے منافق وہ مردود ازلی ٹولہ تھا جو اس آستانہ میں آ کر بھی درست نہ ہوئے فرمایا جا رہا ہے تم اپنے کام سے حضور کے نام کو بٹہ نہ لگاؤ۔ فساد نہ کرو دوسرا قول یہ ہے کہ فساد سے مراد کفار سے ملنا ان کی تواضع و خاطر اور خوشامد کرنا ہے۔ تو گویا یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ تم ایک طرف کے ہو کے رہو۔ تمہاری یہ منافقانہ حرکتیں فساد پھیلا دیں گی۔ تیسرا قول: یہ ہے کہ فساد سے مراد ہے مسلمانوں کے راز کفار تک پہنچانا چونکہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے تھے۔ اس لئے ان کو کچھ مسلمانوں کی جنگی تدبیریں معلوم ہو جاتی تھیں اور وہ کفار کو ان کی خبر کر دیتے تھے اس حرکت سے انہیں روکا گیا۔ چوتھا قول یہ ہے کہ منافقین نو مسلموں سے خفیہ مل کر ان کے دلوں میں اسلام کے خلاف شکوک و شبہات ڈالتے ہیں وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جب پرانے مسلمان اسلام پر مطمئن نہیں تو ضرور

www.alahazratnetwork.org

اسلام میں کچھ خرابی ہوگی۔ یہاں فساد سے ان کی یہی حرکت مراد ہے اور اسی سے ان کو روکا جارہا ہے **قالو** ظاہر یہ ہے کہ یہ انہیں منافقین کا قول ہے جن کو فساد سے روکا گیا اس قول کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم فساد نہیں پھیلاتے بلکہ اصلاح کرتے ہیں یعنی اے مسلمانو! جس چیز کو تم فساد کہتے ہو اس کو ہم اصلاح سمجھتے ہیں کیونکہ تمہارا اسلام فساد ہے اور اس کو ہم مٹانا چاہتے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ **مصلحون** سے مراد ہو صلح کرانا یعنی منافقین کہتے تھے کہ ہم کافروں سے اس لئے ملتے اور ان کی خاطر و مدارات کرتے ہیں۔ تاکہ تم میں اور ان میں صلح قائم رہے اور مدینہ پاک کی زمین خون سے رنگین نہ ہو۔ اور اے مسلمانو تمہاری کوشش یہ ہے کہ یہاں کشت و خون ہو جائے لہٰذا ہم ہی مصلح ہیں۔ نہ کہ تم اسی لئے انہوں نے **انما** بولا جو کہ حصر کے لئے آتا ہے قرآن کریم نے دوسرے مقام پر ان منافقین کا قول اس طرح نقل فرمایا **قالوا ان اردنا الا احسانا و توفیقا**

خلاصہ تفسیر: اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان منافقین پر دلی بیماری اس قدر غالب آگئی کہ برے بھلے کی تمیز نہ رہی کیونکہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ چغل خوری، غمازی اور گناہوں سے ملک میں فساد برپا نہ کرو تو وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم تو بھلائی کرتے ہیں وہ ان گناہوں کو بھلائی سمجھ بیٹھے جیسے کہ بعض بیمار میٹھی چیز کو کڑوی اور کڑوی کو میٹھی محسوس کرتے ہیں یہی ان کا حال ہے۔ جب انسان اپنے عیب کو ہنر سمجھنے لگے۔ تو اس کی ہدایت بہت مشکل ہے۔ کیونکہ وہ جاہل مرکب ہے۔ **نوٹ:** یہ سمجھنا کہ اس قسم کے لوگ پہلے تھے اب نہیں ہیں۔ سخت غلطی ہے۔ اب بھی بکثرت موجود ہیں۔ بت پرستی گنگا اشنان کرنا وغیرہ سب اس غلط فہمی کا نتیجہ ہیں مبارک وہ شخص ہے جس کو دنیا میں حقیقت حال کی خبر ہو جائے۔ اور برے بھلے کی تمیز کرے ورنہ مرنے کے بعد تو ہو ہی جائے گی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ کفر در حقیقت فساد ہے کیونکہ یہ حق تعالیٰ کی بغاوت ہے اور بغاوت سے بڑھ کر کوئی فساد نہیں ہو سکتا۔ دوسرے یہ کہ اسلام اور شریعت مطہرہ کی اطاعت زمین کی اصلاح ہے کیونکہ یہ وفاداری ہے اگر کوئی شخص کفر کر کے کشت و خون بند کردے۔ تو وہ بھی مفسد ہے دوسرا شخص اسلام پھیلانے اور ہدایت دینے کے لئے جہاد و قتال بھی کرے تو وہ مصلح ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ کسی مریض کا کوئی عضو گل گیا۔ اگر اسے نہ کاٹا جائے تو دوسرے اعضاء کے گلنے کا بھی اندیشہ ہے۔ طبیب حاذق اس کو کاٹنا چاہے اور وہ بے وقوف اس سے بچے اور کہے کہ عضو کا کاٹنا جسم کو فاسد کرتا ہے میں تو اصلاح چاہتا ہوں ہر عضو کو اپنے حال پر ہی رہنے دوں گا۔ اگرچہ بظاہر طبیب جسم کو بگاڑ رہا ہے۔ اور وہ بیمار اس فساد سے بچنا چاہتا ہے لیکن در حقیقت طبیب مصلح ہے اور مریض مفسد۔ اسی لئے کہتے ہیں کہ بیمار کی رائے بھی بیمار ہوتی ہے منافقین جسم کی اصلاح چاہتے تھے۔ وہ دونوں جہاں میں خرابی کا باعث تھی۔ ضرورت کے وقت جہاد نہ کرنا فساد ہے اور کرنا اصلاح۔ تیسرے یہ کہ کفار سے میل جول رکھنا۔ اور ان کے دینی معاملات میں خاطر تواضع کرنا ان کے ساتھ چاپلوسی اور خوشامدیں کرنا۔ ان کی خوشی کے لئے صلح کل بن جانا۔ اور حق گوئی سے باز رہنا منافقوں کی شان ہے۔ منافق دو قسم کا ہے۔ منافق عملی اور منافق اعتقادی نفاق عملی حرام ہے۔ نفاق اعتقادی کفر اور حرام۔ جیسا کہ اس زمانہ میں بہت لوگوں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا ہے سمجھ لو کہ مسلمانوں کی ترقی محض تعداد بڑھانے سے نہ ہوگی بلکہ حق کے ذریعہ ہوگی۔ آپ تو لہ بھر عطر کو بڑھانے کے لئے

www.alahazratnetwork.org

ایک ملاوٹ شاب میں ملادیں تو اس سے عطر بڑھا نہیں فنا ہو گیا۔ وہ تولہ بھر تھا تو عطر اور اب منکا بھر گیا مگر عطر نہ رہا۔ اتفاق بے شک اچھی چیز ہے مگر کس سے! مسلمانوں سے اور تنظیم بڑی ضروری چیز ہے مگر کس کی؟ مسلمانوں کی۔ غلط تنظیم کو مٹانا اسلام کا اولین فرض ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جلوہ گری فرما کر غلط تنظیم کو ہی مٹایا اور سید الشہداء شہید کربلا امام حسین رضی اللہ عنہ نے یزیدی تنظیم کی دھجیاں اڑا دیں اپنی قلت اور مخالفین کی کثرت کی بالکل پروا نہ کی اس وقت تنظیم کی رٹ لگانے والے اور اتفاق اتفاق کا گیت گانے والے اسلامی تنظیم سے منہ موڑ کر غلط سیاسی تنظیم کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مسلمان اور دیوبندی' وہابی' قادیانی' بلکہ ہندو اور عیسائی وغیرہ سب مل کر ایک ہو جائیں۔ نہ ایسا ہو سکا ہے اور نہ ہو سکے گا۔ روشنی اور تاریکی کفر و ایمان میں کبھی اتفاق ہوا ہی نہیں۔ اگرچہ خود ساختہ تنظیم کی بجائے مسلم قوم کی صحیح معنی میں تنظیم کرتے تو یقیناً بہت کامیاب ہوتے اور چھوٹی چھوٹی جماعتیں دیوبندی قادیانی وغیرہ کبھی کی فنا ہو کر اسلام میں داخل ہو چکی ہوتیں ان تمام جماعتوں کا پھیلنا اس بے ہودہ تنظیم کے شور کا نتیجہ ہے۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ مسلمان ہر ایک سے لڑتے پھریں بلکہ یہ ہے کہ ان سب سے علیحدہ رہیں اور ان میں سے کسی کو دوست نہ بنائیں قرآن کریم فرماتا ہے۔ **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء** مسلمان کفار کو دوست نہ بنائیں۔ حق تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

تفسیر صوفیانہ : جس طرح سے عمدہ زمین میں جس قسم کا بیج ڈالا جائے گا اسی قسم کا درخت اگے گا جو شخص بار آور درختوں کی بجائے خاردار (کانٹے والے) درخت بوئے وہ اس زمین کو بگاڑتا ہے اور اپنے کو ان فوائد سے محروم کرتا ہے۔ اسی طرح انسانی دل میں ہر قسم کی استعداد ہے۔ اگر اس میں ایمان کا بیج بویا تو اس سے عمدہ پھل حاصل ہوں گے اور کفر کے بیج سے کانٹے ہاتھ لگیں گے۔ یہاں یہ کہا جا رہا ہے کہ اے منافقو! اپنے اس قلب کی کھیتی میں کفر و نفاق کا بیج ڈال کر اس کو فاسد نہ کرو۔ بلکہ ایمان بو کر اور عبادات کا پانی دے کر نیک صحبتوں کی ہوا لگا کر پھل دار درخت پیدا کرو۔ لیکن وہ اپنی بے وقوفی سے کانٹے بو کے پھل کر امیدوار ہیں۔

اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین اپنی بے ایمانیاں ظاہر کرتے ہیں اور مسلمانوں کے سمجھانے پر ایسے بے ہودہ جواب بھی دیتے تھے۔ تو اس صورت میں وہ منافق کہاں رہے بلکہ کھلے کافر ہو گئے۔ **جواب:** یہ لوگ خفیہ طور پر ایسی بدکاریاں کرتے تھے۔ اور جب کبھی کسی مسلمان کو پتہ لگ جاتا تھا تو ان کو سمجھاتا تھا تو وہ خاموش ہو جاتے تھے مگر اپنے دل میں یہ سوچتے تھے کہ ہماری یہ روش ٹھیک ہے حق تعالیٰ نے اس آیت میں ان کے دلی راز کو ظاہر فرمایا خیال رہے کہ عہد نبوی میں منافقین پر تلوار کا جہاد نہ تھا۔ اگرچہ ان سے علامات کفر ظاہر ہوتی تھیں حضور کے بعد ایمان ہے یا کفر نفاق کوئی چیز نہیں۔ اب جس کلمہ گو سے علامات کفر میں سے کوئی علامت ظاہر ہو گی مرتد واجب القتل ہو گا جیسا کہ مشکوۃ آخر باب علامات النفاق میں حضرت عائشہ کا ارشاد ہے اور اس کی شرح لمعات میں یہ ہی توجیہ مذکور ہے جو اپنے نفاق کو اصلاح کہے وہ مرتد ہے۔

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۞ ۱۲
خبردار تحقیق وہ ہی فسادی ہیں اور لیکن نہیں شعور رکھتے
سنتا ہے وہ ہی فسادی ہیں مگر انہیں شعور نہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس سے پہلے منافقین کی بکواس نقل کر ہوئی اب اس کی تردید ہو رہی ہے۔ مگر جس شد ومد سے انہوں نے اپنی تعریف کی تھی اس سے بڑھ کر ان کی برائی بیان ہوئی۔

تفسیر : **الا** حرف تنبیہ ہے۔ کبھی تو یہ لفظ غافل کو آگاہ کرنے کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی مضمون کی اہمیت بتانے کے لئے جس کا ترجمہ ہے۔ خبردار اگر کلام کی توجہ منافقین کی طرف ہے تب تو یہ غافلوں کو بیدار کرنے کے لئے ہے۔ اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہے تو چونکہ وہ تو پہلے ہی سے خبردار ہیں اس لئے محض مضمون کی اہمیت کے لئے ہے **انھم** ' **ان** اس جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاں کہ اس کلام کا کوئی منکر ہو یا اس کے انکار کا احتمال ہو۔ چونکہ کہ اس مضمون کے منافقین و کفار منکر تھے اور ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے انکار کا اندیشہ تھا۔ کیونکہ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ منافقین امن پسند اور صلح کل ہیں۔ اور مسلمان جنگجو اور شورش پسند ہیں۔ اس لئے اس جگہ ان لایا گیا فرمایا گیا کہ یقیناً یہ صلح پسندی میں فسادی ہیں **ھم** ' **المفسدون** دوبارہ ھم لانے سے حصر کے معنی پیدا ہو گئے یعنی منافقین ہی مفسد ہیں نہ کہ مسلمان۔ منافقین نے اپنے کلام میں قصداً حصر کیا تھا کہ اصلاح کرنا ہمارا ہی کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا۔ حق تعالیٰ نے حصر فرما کر بتایا کہ فساد پھیلانا منافقوں ہی کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا **المفسدون** میں بہت گنجائش ہے۔ کیونکہ اس کے معنی ہیں بگاڑنے والے تو یہ منافقین اپنی زبان' خیال اور سارے اعضاء کو کفر سے بگاڑنے والے ہیں اور لوگوں کو بھی ایمان سے روک کر بگاڑتے ہیں۔ کافروں کو کفر میں مضبوط کر کے بگاڑتے ہیں۔ زمین کو اللہ کا ذکر روک کر بگاڑتے ہیں اس لئے ہر طرح مفسد ہی ہوئے **ولکن لا یشعرون** شعور حواس کے جاننے کو کہتے ہیں تو اس میں اس جانب اشارہ ہے ظاہر ہو رہا ہے کہ منافقوں کا مفسد ہونا ایسا ظاہر ہے کہ گویا آنکھوں سے نظر آ رہا ہے۔ مگر ان کی آنکھیں بھی پھوٹی ہوئی ہیں جس کی وجہ سے ایسی کھلی ہوئی چیز بھی محسوس نہیں کر سکتے۔ کیونکہ تقیہ کا برا ہونا تمام دینوں میں مسلم ہے۔ دوغلے آدمی کو سب ہی برا کہتے ہیں۔ یہ ایسے اندھے ہیں کہ اچھا سمجھتے ہیں مجبوری کے وقت منہ سے کفر نکالنا ایسا درست ہے جیسے جان کے خطرے پر سور شراب کھانا نیز صحابہ کو رب نے حضور کی صحبت' جمع قرآن' اشاعت اسلام کے لئے منتخب کیا۔ مہربان باپ اپنے بیٹے کو بروں کی صحبت سے بچاتا ہے۔ مہربان رب نے اپنے محبوب کو صحبت اصحاب کے لئے منتخب کیا کہ فرمایا **اصبر نفسک مع الذین الخ** اور فرمایا **ولا تعدعینک عنھم** اور فرمایا **ولا تطرد الذین**

خلاصہ تفسیر : یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہی لوگ اول درجہ کے مفسد ہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ اول درجہ کے بے شعور بھی ہیں کہ ان کو فساد و اصلاح کی تمیز نہ رہی۔ دل کے اندھے ہونے سے ظاہری اعضاء بھی بیکار ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا تعلق دنیا سے بھی ہے اور دین سے بھی۔ لیکن دنیا اور دین آپس میں ضد ہیں۔ دنیا کا سنبھالنا دین کو بگاڑتا ہے اور دین کی اصلاح دنیا کو فاسد کرتی ہے۔ حقیقت پر نظر رکھنے والے دین کی زیادہ فکر رکھتے ہیں۔ اور بہت دفعہ دین کے مقابلے میں دنیا کو بگاڑ لیتے ہیں۔ لیکن ظاہر بین لوگ دنیا کو دین پر مقدم سمجھتے ہیں کہ دنیا کے لئے دین کو برباد کر ڈالتے ہیں۔ منافقین ان ہی لوگوں میں سے تھے کہ جن کی نگاہ میں فقط دنیا کا حاصل کر لینا انتہائی کمال تھا۔ اس لئے وہ اپنے اس کام کو اصلاح کہتے تھے۔ اور رب تعالیٰ نے اس کو فساد قرار دیا کیونکہ یہ اپنی دنیا سنبھال کر دین بگاڑ رہے تھے۔ باقی کو چھوڑ کر فانی چیز اختیار کرنا یقیناً فساد ہی ہے۔

تتمہ: خیال رہے کہ صوفیائے کرام کے نزدیک دنیا وہ ہے جو حق سے غافل کردے۔ خوراک و پوشاک زن و فرزند اور دیگر جائز کاروبار اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لئے ہوں تو وہ سب عین دین ہیں۔

بیت: چیست دنیا از خدا غافل بودن ؎ نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

فائدے: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اللہ والوں کا مقابلہ کرتا ہے وہ حق تعالیٰ کا مقابل قرار پاتا ہے۔ اور مقبول بندوں پر اعتراض کرنا در پردہ حق تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ کیونکہ منافقین نے مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا نہ کہ رب پر۔ مگر جواب رب نے دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اس اعتراض کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ جیسے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراضات ہوئے اور رب تعالیٰ نے ان کے جواب دیئے۔ دوسرا فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے یعنی جو دنیا میں اللہ کا وکیل بن جائے کہ اس کے احکام اپنی کوشش سے پھیلائے تو رب تعالیٰ بھی اس کا وکیل ہو جاتا ہے۔ کہ جو اس پر مصیبت پڑے اس خود دفع فرمائے۔ اسی لئے فرمایا گیا فاتخذہ وکیلا (المزمل) حقیقت یہ ہے کہ جو شخص اطاعت رب کی فکر میں رہتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کو دنیوی فکروں سے بچاتا ہے۔ تیسرے: یہ کہ صحابہ کرام کو فسادی کہنا منافقوں کا کام ہے۔ منافقوں نے کہا تھا کہ ہم ہی مصلح ہیں۔ یعنی فسادی تم ہو تو رب نے فرمایا کہ منافق ہی فسادی ہیں کوئی صحابی فسادی نہیں۔ ان حضرات کی آپس کی جنگیں بھی فساد نہ تھیں وہ نفسانی نہ تھیں۔ منافقوں کی نمازیں بھی فساد ہیں کہ یہ نمازیں نفسانی ہیں رحمانی نہیں۔ دیکھو رب نے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو کافر یا فسادی نہ قرار دیا بلکہ انہیں ہدایت کے تارے بتایا انی رایت احد عشر کوکبا الخ اعتراض: اس آیت کے حصر سے معلوم ہوا کہ صرف منافقین ہی مفسد ہیں تو کیا دوسرے کفار اور بے دین مفسد نہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حصر مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے یعنی مسلمان مفسد نہیں وہ ہی مفسد ہیں لہٰذا یہ حصر اضافی ہوا نہ کہ حصر مطلق۔ دوسرے یہ کہ جس فساد کا یہاں ذکر ہو رہا ہے وہ صرف منافقین ہی پھیلاتے ہیں۔ اس قسم کا فساد اور کوئی نہیں پھیلاتا تو یہ حصر خاص اس فساد کے لحاظ سے ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا

اور جب کہا جاوے ان سے کہ ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے لوگ کیا ایمان لائیں جس طرح

اور جب ان سے کہا جائے ایمان لاؤ جیسے اور لوگ ایمان لائے تو کہیں

أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ ۗ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ

ایمان لائے بے وقوف لوگ خبردار تحقیق وہ ہی بے وقوف ہیں

کیا ہم احمقوں کی طرح ایمان لائیں سنتا ہے وہی احمق ہیں

وَلَٰكِن لَّا يَعْلَمُونَ ۝

اور لیکن نہیں جانتے

مگر جانتے نہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ اس سے پہلے منافقین کی دو قسم کی برائیاں بیان کی گئیں اب تیسری قسم کی برائی بیان ہو رہی ہے۔ دوسرے اس طرح کہ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ مسلمان منافقین کو فساد سے منع کرتے ہیں اور وہ نہیں مانتے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ مسلمان ان کو حقیقی ایمان کی طرف بلاتے ہیں وہ یہ بھی نہیں مانتے چوں کہ مکمل تبلیغ یہی ہے کہ گمراہ کو برائی سے روکا جائے اور بھلائی کی طرف بلایا جائے تو گویا کہ مسلمانوں کی تبلیغ کا ایک حصہ یعنی برائی سے روکنا پہلے ذکر ہوا اور دوسرے حصہ یعنی حقیقی ایمان کی دعوت دینا اب مذکور ہوا۔ اس میں مسلمانوں کو تبلیغ کا طریقہ بھی سکھلایا جارہا ہے اور یہ بھی بتایا جارہا ہے کہ برائی سے بچانا بھلائی کرانے پر مقدم ہے۔ چونکہ فساد سے باز رہنا حقیقی ایمان کی شرط ہے اس لئے پہلے اسے بیان کیا گیا اور بعد میں ایمان کو۔

تفسیر : قیل میں یہاں بھی وہی احتمالات ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ کہ یا تو یہ قول رب کا ہے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یا محض مسلمانوں کا۔ امنوا میں ایمان کا حکم ہے۔ حالانکہ وہ تو پہلے ہی سے بظاہر مومن تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ محض زبانی ایمان بالکل معتبر نہیں یہاں ایمان کا تو حکم ہے لیکن اس کا ذکر نہیں کہ کس پر ایمان لاؤ۔ کیونکہ آئندہ عبارت اس کو ظاہر کر رہی ہے کہ جس پر سب لوگ ایمان لائے اس پر تم بھی لاؤ۔ الناس سے مراد یا تو جنس انسان ہیں تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تم آدمیوں کی طرح ایمان لاؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ جو صحیح مومن نہ ہو۔ وہ حقیقت میں آدمی ہی نہیں۔ بلکہ جانور سے بھی بدتر ہے کہ وہ تو اپنے مالک کو پہچانے اور یہ نہ پہچانے یا اس سے خاص لوگ مراد ہیں۔ ان خاص میں چند احتمال ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے سارے جان نثار صحابہ یا ان منافقین کے دوسرے اہل وطن مخلصین یا ان کے اہل قرابت مومنین جیسے عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم تفسیر عزیزی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ یہاں الناس سے مراد ابوبکر' عمر' عثمان' وعلی ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین چونکہ اس زمانہ میں یہ حضرات خلوص ایمان میں بہت مشہور ہو چکے تھے اس لئے ان کا ایمان اوروں کے ایمان کے لئے ایک معیار بن چکا تھا کہ جس کا ایمان ان حضرات کی طرح ہو وہ تو مومن ہے ورنہ نہیں گویا یہ کہا جارہا ہے کہ اے منافقو! تم ظاہری ایمان تو لے آئے مگر یہ بیکار ہے۔ اگر اپنی بھلائی چاہتے ہو تو صدیق و فاروق والا ایمان لاؤ۔ بازار میں اس چیز کی قدر و منزلت ہوتی ہے جس پر کارخانے کی مہر ہو۔ ایسے ہی بازار محبت میں اسی ایمان کی قیمت ہے جس پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہو اور وہ صدیقی اور فاروقی ایمان ہے۔ السفہاء۔ سفہ سے بنا ہے اس کے لغوی معنی ہیں ہلکاپن اہل عرب بولتے ہیں سفہت الریح یعنی اس کو ہوا اڑا لے گئی۔ اصطلاح میں اس کے معنی ہیں بے وقوفی اور حماقت۔ کیونکہ اس میں بھی عقل کا ہلکا پن ہوتا ہے اس کا مقابل علم اور اناۃ جس کے معنی میں بردباری اور دور اندیشی منافقین نے مخلص مسلمانوں کو چند وجوہ سے بے وقوف کہا۔ ایک یہ کہ اس وقت اکثر مسلمان فقراء و مساکین تھے اور منافقین مالدار۔ ان کی حقارت بیان کرتے ہوئے ان کے لئے یہ لفظ بولا دوسرے اس لئے کہ منافقین اسلام کو باطل دین اور کفر کو سچا دین سمجھتے تھے اور جو باطل دین اختیار کرے وہ بے وقوف ہوتا ہے۔ اس لئے ان مسلمانوں کو اس لفظ سے یاد کیا تیسرے اس لئے کہ مسلمانوں نے دین کے مقابلہ میں دنیا پر لات مار دی تھی منافقین سمجھے کہ دنیوی نفع نقد ہیں اور دینی نفع ادھار۔ اور ادھار بھی ایسے کہ موت یا قیامت سے پہلے وصول نہ ہو سکیں۔ تو نقد کو چھوڑ کر ادھار لینے والا ان کے نزدیک بے وقوف تھا۔ چوتھے اس لئے کہ منافقین کے خیال میں دنیوی راحتیں

www.alahazratnetwork.org

یقینی تھیں اور دینی فائدے (جنت اور وہاں کی نعمتیں وغیرہ) محض خیال اور وہمی کہ اولاً تو یہی نہیں معلوم کہ ان کی کچھ حقیقت بھی ہے یا نہیں اور اگر کچھ ہے تو ہمیں ملیں یا نہ ملیں اور اگر ملیں تو نہ معلوم کب اور کس طرح۔ تو محض وہمی اور خیالی چیزوں کی امید پر ان یقینی نفعوں کو چھوڑنا بے وقوفی ہے پانچویں: اس لئے کہ کفار مکہ سے ہمیشہ تعلقات رہے ہیں اور رہیں گے اسلام ایک پردیسی مذہب ہے اور مسلمان مسافر لوگ۔ نہ معلوم کہ یہ دین باقی رہے یا نہ رہے۔ ان پردیسی لوگوں اور عارضی دین کی محبت میں اپنے اصل اور حقیقی دوستوں سے بگاڑ لینا بے وقوفی ہے۔ ہم نے ایسی عقل مندی کی ہے کہ اس پر شیطان بھی قربان ہو جائے۔ وہ یہ کہ دونوں کو راضی رکھا اگر مسلمان غالب رہے تو ہم ان سے نفع حاصل کریں گے۔ اور اگر کفار غالب آ گئے تو پانچوں گھی میں ہیں۔ دو طرفہ رہنا نہایت عقل مندی ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کے اس جھوٹے خیال کی نہایت نفیس تردید فرمائی کہ الا انهم هم السفهاء الا۔ ان اور هم کے فوائد ہم پہلے بیان کر چکے ہیں حق تعالیٰ نے ان منافقین کو چند وجہوں سے بے وقوف فرمایا۔ اولاً اس لئے کہ انہوں نے مٹنے والے نفع کی خاطر باقی رہنے والی نعمتوں کو چھوڑ دیا اور جو باقی کے مقابل فانی اختیار کرے وہ نہایت بے وقوف ہے۔ دوسرے اس لئے کہ انہوں نے قوی دلائل کے مقابلہ میں اپنے فاسد خیالات پر اعتماد کیا۔ اور ایسا شخص بڑا احمق ہے۔ تیسرے اس لئے کہ یہ دو گھر کے مہمان بنے اور دو گھر کا مہمان ہمیشہ بھوکا رہتا ہے۔ یعنی ان کی ان حرکتوں سے نہ تو مسلمانوں میں ان کا اعتبار رہے گا اور نہ ہی کفار میں۔ چوتھے اس لئے کہ ان کا یہ مکر اس وقت چل سکتا تھا جب مسلمان ان کی حقیقت سے بے خبر رہتے۔ حالانکہ رب نے ان کی قلعی کھول دی۔ اور مسلمانوں کو ان کے دلی ارادوں سے خبردار کر دیا۔ پانچویں اس لئے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی جو کہ در حقیقت رب کی مخالفت ہے اور رب کی مخالفت کرکے کوئی بھی عزت نہیں پا سکتا۔ ان کی مثال تو بالکل ایسی ہے کہ کوئی شفا حاصل کرنے کے لئے سانپ سے کٹوالے لا یعلمون پہلی آیت میں لا یشعرون فرما کر احساس کی نفی فرمائی گئی تھی اور یہاں لا یعلمون فرما کر علم اور سمجھ کی نفی فرمائی گئی۔ اس میں چند حکمتیں ہیں ایک یہ کہ وہاں فساد کا ذکر تھا جو حواس سے محسوس ہوتا ہے۔ اور یہاں بے وقوفی کا ذکر ہوا جو عقل سے معلوم ہوتی ہے دوسرے یہ کہ منافقین نے مسلمانوں کو بے وقوف کہا تو رب تعالیٰ نے ان کو جاہل فرمایا۔ تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ نے انہیں یہاں بے وقوف فرمایا۔ اور پھر فرمایا کہ انہیں اپنی بے وقوفی کی بھی خبر نہیں۔ کیونکہ علم تو عقل سے حاصل ہوتا ہے۔ جب یہ عقل ہی سے محروم ہیں تو علم کیسے پا سکتے ہیں۔ روح البیان شریف نے اس جگہ بیان فرمایا کہ جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان کی خدمت میں جبریل امین تین تحفے لے کر حاضر ہوئے۔ علم، حیا اور عقل اور عرض کیا کہ آپ ان میں سے ایک کو اختیار فرما لیں حضرت آدم علیہ السلام نے عقل اختیار فرمائی۔ جبریل امین نے علم اور حیا سے کہا کہ تم واپس جاؤ۔ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہم عالم ارواح میں بھی عقل کے ساتھ ہی رہے اور اب بھی ساتھ ہی رہیں گے۔ عقل دماغ اور علم دل اور حیا آنکھوں میں قائم ہو گئے۔ مثنوی شریف میں فرمایا۔

جملہ حیواں را پئے انساں بکش ۔۔۔ جملہ انسان را بکش از بہر ہش
لطف تو عاقل کند مرتیل را ۔۔۔ قہر تو ابلہ کند قابیل را

خلاصہ تفسیر: اس آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ جب کوئی خیر خواہ ان سے کہتا ہے کہ تم اللہ والوں کی طرح حقیقی ایمان لے آؤ

www.alahazratnetwork.org

جس سے فتنہ فساد بند ہو جائے اور دنیا سے نفرت اور آخرت سے الفت حاصل ہو اور تمہارا شمار بھی آخرت کے ان لوگوں میں ہو جائے جو حقیقتاً انسان ہیں تو منافقین جواب دیتے ہیں کہ کیا ہم بھی ان بے وقوفوں کی طرح ایمان لے آئیں جنہوں نے خیالی جنت کے لئے دنیوی راحت کو ٹھکرا دیا۔ بھائی دنیا دین سے مقدم ہے۔ آخرت کس نے دیکھی ہے اور وہاں کی نعمتیں کیا خبر کیسی ہیں۔ اس جگہ آرام کر لینے دو۔ اس ادھار کی امید پر یہ نقد پر کیوں چھوڑیں۔ اور کیا ہم ان کی طرح ہو جائیں کہ جو دنیا کے عیش و آرام کو چھوڑ کر دن کو روزے اور رات کو عبادت الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔ انہیں دنیا سازی آتی ہی نہیں۔ بھائی یہ مسلمان نا عاقبت اندیش ہیں۔ اندھا دھند ایک طرف چل پڑے۔ ہم عقل مند اور نہایت پولیٹیکل آدمی ہیں۔ دنیا سازی کوئی ہم سے سیکھے۔ ہم نے وہ تدبیر کی ہے اور ایسی چال چلی ہے کہ جس سے ہمارا کبھی نقصان ہو سکتا ہی نہیں۔ اگر مسلمانوں کا دور دورہ رہا تو ہم ان کے یار بنیں رہیں گے اور در پردہ کفار سے بھی ساز باز رکھیں گے۔ تاکہ اگر ان کا غلبہ ہو جائے تو بھی ہمارا دعا ہاتھ سے نہ جائے۔ چند غریبوں کی وجہ سے سب بڑے بڑے آدمیوں کو ناراض کر لینا عقل مندوں کا کام نہیں۔ حق تعالیٰ نے جواب دیا کہ یہ بڑے ہی احمق اور بے وقوف ہیں کیونکہ ان کی یہ دورنگی چال ہر طرح خطرناک ہے۔ کبھی ایسا وقت آجائے گا کہ دنیا میں انہیں کوئی نہ پوچھے گا۔ اور قیامت تک ان پر لعن و طعن ہوتی رہے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ دینی باتوں میں اللہ کے مقبول بندوں کی پیروی کرنی ضروری ہے۔ کیونکہ یہاں حکم دیا گیا ہے کہ مقبولوں کی طرح ایمان لاؤ۔ دوسرے یہ: کہ اس سے معلوم ہوا کہ مذہب اہل سنت و جماعت حق ہے۔ اس لئے کہ اس میں سنت رسول اللہ اور صالحین کی پیروی ہے۔ تیسرے یہ کہ وہابی، دیوبندی وغیرہ تمام باطل فرقے گمراہ ہیں۔ کیونکہ غیر مقلدوں کے نزدیک تقلید کرنا یعنی اللہ والوں کے راستے پر چلنا برا ہے۔ اور دیوبندی ان سارے امور خیر کو شرک کہتے ہیں۔ جن پر عرب و عجم کے مسلمانوں کا عمل ہے۔ چوتھے یہ کہ صالحین کو برا کہنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ آج کل بھی رافضی خلفاء راشدین کو اور خارجی علی مرتضیٰ کو برا کہتے ہیں۔ بلکہ تبرا روافض کا رکن ایمان ہے۔ حالانکہ یہ منافقوں کا کام ہے کہ صحابہ کو سفہاء کہہ کر تبرا کرتے تھے غیر مقلد خاص کر امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کو گالیاں دیتے ہیں۔ دیوبندی تمام زمانے کے اولیاء اللہ مقبولین بارگاہ علماء کرام کو مشرک اور کافر جانتے ہیں کیونکہ میلاد شریف کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں کرنا ہی شرک ٹھہرا۔ تو اس صورت میں کوئی عالم اور ولی شرک سے نہ بچا۔ اگر تقویۃ الایمان کے شرکیات پر غور کیا جائے تو خود اسلام کا ماننا شرک ہے مرزائی گزشتہ انبیاء کو چکڑالوی صحابہ کرام اور محدثین کو نیچری تمام اکابرین کو برا کہتے ہیں۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ سب گمراہ ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان) پانچویں یہ کہ اس میں دین دار عالموں کو تسلی ہے کہ وہ بے دینوں کی بد زبانی سے رنجیدہ نہ ہوں بلکہ یہ سمجھ لیں کہ اہل باطل کا ہمیشہ یہ دستور رہا ہے کہ (تفسیر مدارک) حق یہ ہے کہ علماء کرام دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے محافظ اور چوکیدار ہیں۔ چور پہلے چوکیدار پر حملہ کرتا ہے کیونکہ اس کے ہوتے ہوئے وہ چوری نہیں کر سکتا اس لئے آج جو بھی بے دین اٹھتا ہے وہ علماء پر لعن طعن کرتا ہی اٹھتا ہے کیونکہ وہ سمجھتا ہے کہ ان کی موجودگی میں ہم دین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں چوری نہیں کر سکتے۔ مگر یاد رہے کہ چوکیدار پر شہنشاہ کا ہاتھ اور اس کی پشت پر سارا سلطانی عملہ ہوتا ہے۔ اسی طرح علماء دین پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست کرم ہے اور ملائکہ ان کی حمایت پر ہیں۔ اسی

www.alahazratnetwork.org

لئے بڑی بڑی طاقتیں جیسے خاکساری' نیچری' وغیرہ علماء سے ٹکرائیں مگر پاش پاش ہو گئیں۔ علماء کے اقبال و وقار میں۔ منشاء تعالیٰ کوئی فرق نہ آیا۔ علماء کو بھی لازم ہے کہ دین حق کی خدمت کو اپنا مقصد قرار دیں اگر یہ خادم دین بن کر رہیں گے تو انشاء اللہ دنیا خود ان کے پیچھے ہوگی۔ چھٹے یہ کہ مقبولان خدا کا دشمن درحقیقت حق تعالیٰ کا دشمن ہے۔ دیکھو ان منافقین نے مسلمانوں کو بے وقوف کہا تھا۔ حق تعالیٰ نے خود ان کو بدلہ دیا۔ اور ان کو بے وقوف فرمایا۔ ساتویں یہ کہ صحابہ پر تبرا کرنا منافقوں کا کام ہے۔ وہ ان حضرات کو سفہاء کہہ کر تبرا کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان دنیا میں مسافر کی حیثیت سے ہے۔ اپنے وطن یعنی عالم ارواح سے اپنے مالک سے کچھ عہد و پیمان کر کے کمائی کرنے یہاں پردیس میں آیا ہے۔ لیکن یہاں کے باغ و بہار میں پھنس کر اپنے اصلی وطن اور حقیقی مقصد کو بھول گیا۔ وطن سے برابر چٹھیاں تار اور قاصد آ رہے ہیں کہ اے پردیسیو! پردیس سے کما کر اپنے دیس کو بھیجے رہو۔ تمہیں یہ موقعہ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ عقل مند تو ان پیغاموں کو سن کر فوراً ہوش میں آ جاتے ہیں۔ اور اپنے وطن کی تیاری میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ مگر غافل لوگ اس جھوٹی زیب و زینت میں کچھ ایسے مست ہیں کہ ان پیغاموں سے بھی ان کی آنکھ نہیں کھلتی۔ جب کوئی خیر خواہ ان سے کہتا ہے کہ دیکھو فلاں شخص کی طرح تم بھی سفر کی تیاری کر لو تو بجائے اس کے کہ اس کا احسان مانتے الٹے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اور دل والوں کو مجنوں اور دیوانہ کہتے ہیں۔ پردیس کے سازو سامان پر ایسے قناعت کر چکے ہیں کہ انہیں اپنے پردیس کا کچھ ہوش ہی نہ رہا۔ وہ ان اللہ والوں کے پھٹے پرانے کپڑوں اور زرد چہروں کو دیکھتے ہیں۔ ان کے دل کی نورانیت اور سینوں کے خزینوں سے بے خبر ہیں۔ یہ اللہ والے اس چاند سورج کی طرح ہیں جو گرد و غبار کی آڑ میں اغیار کی نگاہوں سے چھپے ہوں۔ مثنوی شریف میں فرمایا۔

گر تو سنگ صخرہ و مرمر شوی　　چوں بصاحب دل رسی جوہر شوی
انہم تحت قبائی کامنوں　　جز کہ یزدانش ندارد آزموں

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ علم دو قسم کا ہے۔ ایک علم ظاہری اور دوسرا علم لدنی۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ قلب کے دو دروازے ہیں۔ ایک بیرونی اور ایک اندرونی' بیرونی دروازہ تو ظاہری حواس ہیں۔ کہ ان کے ذریعہ سے قلب علم ظاہری حاصل کرتا ہے۔ اور اندرونی دروازہ الہام ہے کہ جس سے علم باطنی حاصل ہوتا ہے۔ جو شخص کہ فقط ظاہری علم پر اکتفا کر کے باطنی دروازہ بند کرے۔ وہ اگرچہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو مگر جاہل ہے۔ یہ منافقین بڑے چالاک اور دنیوی سمجھ رکھنے والے تھے مگر چونکہ علم لدنی سے بے بہرہ تھے۔ اس لئے انہیں فرمایا گیا۔ **لا یعلمون** جو شخص کہ ظاہری علم کی اصطلاحیں یاد کرے اور اس کا دروازہ قلب نہ کھلے وہ علم کے انوار سے محروم رہتا ہے۔ بلکہ اکثر یہ علم اس کے لئے حجاب بن جاتا ہے۔ **العلم حجاب الاکبر۔**

چند خوانی حکمت یونانیاں　　حکمت ایمانیاں را ہم بخواں

اعتراض : اس زمانہ پاک میں منافقین کو اتنی جرأت کیسی ہوتی تھی کہ وہ صحابہ کرام کی بدگوئی کر لیتے۔ اس پر مسلمان خاموش رہتے تھے۔ اس گئے گزرے زمانے میں بھی کسی بے دین کی یہ جرأت نہیں کہ علی الاعلان صحابہ کرام کی شان میں گستاخی

www.alahazratnetwork.org

کر سکے۔ جواب: ان کی یہ بد زبانی مسلمانوں کے سامنے نہ تھی۔ یہ تبرا بازیاں خاص مجلسوں میں کرتے تھے رب تعالیٰ نے ان کا پردہ فاش کر دیا آج کل کے گمراہ فرقے بھی اپنے برے عقیدے مسلمانوں سے چھپاتے پھرتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ ان کی تحریروں اور کتابوں سے ان کے راز فاش فرما دیتا ہے۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ہوشیار کیا گیا ہے کہ وہ گمراہوں کے اچھے الفاظ سے دھوکہ نہ کھائیں۔ (تفسیر خزائن العرفان) دوسرا اعتراض: عقائد میں تقلید کرنا منع ہے۔ اور تقلیدی ایمان کا اعتبار نہیں لیکن اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ دین میں تقلید چاہئے کیونکہ یہاں یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کی طرح تم بھی ایمان لے آؤ۔ جواب: یہ تقلیدی ایمان نہیں۔ اس آیت کا منشاء کچھ اور ہے۔ تقلیدی ایمان اسے کہتے ہیں کہ انسان خود تو ایمان سے بے خبر رہے۔ اور محض یہ کہہ کر ایمان لے آئے کہ جو فلاں کا ایمان ہے وہ میرا یا یہ کہ خود اسلام کی خوبیوں سے بالکل ناواقف رہے اور کہے کہ مجھے نہیں خبر کہ اسلام حق ہے یا باطل میں تو محض فلاں کی دیکھا دیکھی مسلمان ہو گیا یہ دونوں قسم کے ایمان مقبول نہیں اس آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ایمان تو سوچ سمجھ کر اختیار کیا جائے مگر اللہ والوں کی رہبری میں۔ تیسرا اعتراض: جب رب نے منافقوں کا کفر ظاہر کر دیا تو ان پر مرتدین کے احکام جاری کیوں نہ ہوئے۔ بہت دفعہ ان کے منہ سے کفریات نکل جاتے تھے جیسے اعدل یا محمد وغیرہ۔ آج ان باتوں پر قائل قتل ہو جاتا ہے۔ جواب: اس زمانہ میں مسلمان بہت تھوڑے تھے۔ لہذا نرم احکام رہے۔ تاکہ شاید یہ منافقین کچھ دن بعد مخلصین بن جائیں۔ اسی لئے مؤلفۃ القلوب بھی زکوۃ کا مصرف ہے۔ جب اسلام قوی ہو گیا مسلمان بہت ہو گئے تو مؤلفۃ القلوب زکوۃ کا مصرف نہ رہے۔ اور اسلام سے نفاق ختم ہو گیا۔ اب یا مومن ہے یا کافر۔ اگر ایک کلمہ گستاخی کا کسی کے منہ سے سنا جائے گا قتل کیا جائے گا۔ جیسا کہ حضرت خدیجہ کی حدیث میں ہے۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى
اور جب ملیں ان سے جو ایمان لائے بولے ایمان لائے ہم اور جب تنہا ہوں
اور جب ایمان والوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب شیطانوں کے پاس اکیلے
شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
طرف شیطانوں اپنے کے کہیں تحقیق ہم ساتھ تمہارے ہیں اس کے سوا نہیں کہ ہم ہنسی کرنیوالے ہیں
ہوں تو کہیں تمہارے ساتھ ہیں ہم تو یوں ہی ہنسی کرتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ اس سے پہلے منافقوں کے تین عیب بیان ہو چکے۔ اب یہ چوتھا عیب بتایا جا رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ پہلے منافقین کی دینی حالت اور صرف مسلمانوں کے ساتھ برتاوے وغیرہ کا بیان ہوا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کا معاملہ مومنین اور کفار دونوں سے کیسا ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ پہلی آیت کی تفصیل ہے۔ کیونکہ وہاں

www.alahazratnetwork.org

فرمایا گیا تھا کہ منافقین اپنے کو عقل مند اور مسلمانوں کو بے وقوف کہتے ہیں۔ اب ان کے اس فریب کا ذکر کیا گیا جس کو وہ عقل مندی سمجھتے تھے۔ **ہدایت:** بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ آیت مکرر ہے۔ کیونکہ منافقین کے ایمان ظاہر کرنے کا پہلے ہی ذکر ہو چکا۔ **ومن الناس من یقول امنا** اور اب بھی اسی کا ذکر ہے۔ لیکن یہ خیال محض غلط ہے تکرار وہ ہے کہ جو فائدے سے خالی ہو۔ اس جگہ پہلے ان کی دینی حالت کا ذکر ہوا تھا۔ اور اب ان کے معاملہ کا یعنی پہلے ان کا عقیدہ بتانا مقصود تھا اور اب ان کا فریب **شان نزول:** یہ آیت عبداللہ بن ابی منافق وغیرہ منافقین کے حق میں نازل ہوئی ایک بار انہوں نے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو آتے دیکھا۔ تو عبداللہ نے پہلے حضرت صدیق اکبر کا دست مبارک پکڑا اور بولا کہ مبارک ہیں آپ کہ جناب صدیق ہیں بنی تمیم کے سردار شیخ الاسلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غار کے ساتھی اپنی جان و مال کے حضور علیہ السلام پر قربان فرمانے والے۔ پھر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر بولا کہ سبحان اللہ! آپ بنی عدی کے سردار ہیں۔ فاروق آپ کا لقب ہے۔ اپنی جان و مال حضور علیہ السلام پر قربان فرمانے والے۔ پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ اے عبداللہ! رب سے ڈر نفاق چھوڑ منافقین سب سے بدتر ہیں وہ بولا کہ اے علی آپ یہ کیوں فرماتے ہیں ہمارا ایمان بھی آپ حضرات کی طرح ہے۔ پھر یہ حضرت وہاں سے روانہ ہو گئے عبداللہ اپنی جماعت والوں سے کہنے لگا کہ دیکھا میں نے کیا چال چلی۔ ان لوگوں نے اس کی تعریف کی تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر روح البیان و تفسیر خزائن العرفان)

تفسیر: **لقوا** یہ لفظ لقو سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ملاقات کرنا اور سامنے آنا یہاں دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ **الذین امنو** میں مخلص مسلمان مراد ہیں۔ زبانی مسلمان تو منافقین بھی تھے۔ مگر ان کو ایسی چالیں مخلصین کے سامنے چلنی پڑتی تھیں **امنا** میں حقیقی ایمان مراد ہے۔ ان کے زبانی ایمان میں کسی کو شک نہ تھا۔ حقیقی ایمان مشکوک تھا۔ یہ لوگ بار بار قسمیں کھا کھا کر اپنے اخلاص کا لوگوں کو یقین دلایا کرتے تھے۔ ولایتی گھی کا نام ہے اصلی گھی۔ آج بھی بیدین لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ قسمیں کھا کھا کر اپنے ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں۔ مگر لوگوں کو ان کا اعتبار نہیں ہوتا۔ خالص مشک تعریف کا محتاج نہیں۔ اسی طرح مخلص مسلمان کو قسموں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کا نور ایمانی خود بخود اپنی جلوہ گری کرتا ہے **خلوا**۔ خلو سے بنا ہے اس کے معنی ہیں اکیلا ہونا اور گزرنا **قد خلت** اور تمسخر کرنا۔ اس جگہ پہلے ہی معنی مراد ہیں۔ یعنی جب منافقین اپنے شیطانوں کے پاس تنہائی میں جاتے ہیں کہ جہاں کوئی مسلمان نہیں ہوتا تو یہ گفتگو کرتے ہیں۔ **شیطنهم** شیاطین شیطان کی جمع ہے۔ لفظ شیطان کی تحقیق **اعوذ باللہ** میں ہو چکی اور اس کی حقیقت انشاء اللہ آگے بیان کی جائیگی لیکن یہاں تو ان کے دوست مراد ہیں یا منافقین کے سردار جو کہ شیطان کی طرح سرکش اور گمراہ کن ہیں۔ اہل عرب ہر سرکش کو شیطان کہہ دیتے ہیں۔ ضحاک نے فرمایا کہ اس جگہ شیاطین سے کفار کے کاہن (نجومی پنڈت) مراد ہیں کیونکہ ان کے پاس شیطان آیا کرتے تھے اور یہ چند لوگ تھے بنی قریظہ میں کعب ابن اشرف اور بنی اسلم میں ابو بردہ اور جہینہ میں عبدالدار اور بنی اسد میں عوف ابن عامر اور ملک شام میں عبداللہ ابن اسود جن کے متعلق اہل عرب کا یہ خیال تھا کہ یہ لوگ غیب کی خبر رکھتے ہیں اور اسرار الٰہی جانتے ہیں اور بیماروں کا علاج کرتے ہیں۔ **انکم معکم** سے مراد یہ ہے کہ ہم تمہارے ساتھی ہیں۔ یعنی منافقین ان سرداروں کے پاس آکر کہتے تھے کہ ہم دینی عقائد میں ہر طرح تمہارے ہی ساتھی ہیں۔ خیال رہے کہ منافقین نے مسلمانوں سے صرف **امنا** کہا۔ یعنی ہم

www.alahazratnetwork.org

ایمان لے آئے۔ جملہ فعلیہ استعمال کیا اور اس کے ساتھ کسی قسم کی تاکید کا ذکر نہ کیا کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ مسلمان سیدھے سادھے ہیں۔ صرف ہمارے کہنے سے ہی مان جائیں گے۔ اور ہماری بات میں کچھ شک نہ کریں گے اس لئے بغیر تاکید کلام کیا اور یہ بھی کہتے تھے کہ ہم مسلمان ہوگئے ہیں۔ یعنی پہلے کافر تھے اب مومن بن گئے۔ مگر کفار کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ لوگ بہت چالاک ہیں ہماری ہر بات بلا تحقیق ہرگز نہ مانیں گے اس لئے انا وغیرہ سے کلام کی تاکید کرتے تھے۔ اور جملہ اسمیہ بول کر یہ بتاتے تھے کہ ہم پہلے بھی تمہارے ساتھی تھے اور اب بھی ہیں۔ لیکن پھر بھی چوں کہ ان کو شک و شبہ ہوتا تھا کہ یہ تو مسلمانوں کے ساتھ نمازیں پڑھتے ہیں۔ ان کے وعظوں میں جاتے ہیں ان کے ساتھ جہادوں میں شریک ہوتے ہیں پھر یہ ہمارے ساتھی کیوں کر ہوئے۔ اس شبہ کو مٹانے کے لئے کہتے تھے انما نحن مستھزء ون یعنی اے دوستو ہمارے ظاہری برتاوے سے تم دھوکا نہ کھانا' ہم تو مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لئے یہ حرکتیں کرتے ہیں۔ ہمارے دل تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ ظاہری برتاوے محض اس لئے ہیں کہ ان کے ساتھ رہ کر اپنے جان مال و اولاد کی حفاظت کرلیں اور ان کے ساتھ غنیمتیں حاصل کریں۔ ان کے خفیہ راز معلوم کرکے تم تک پہنچادیں۔ مستھزء ون هزو سے بنا ہے کہ جس کے لفظی معنی ہیں ہلکا پن۔ جو شخص اچانک مرجائے اسے ھازی کہتے ہیں اسی طرح تیز رفتار جانور پر بھی یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ استھزاء کے معنی ہیں کسی کو جاہل بنانا یا اس سے ہنسی ٹھٹھا کرنا اور خفیف و ذلیل کرنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب وہ منافقین مسلمانوں سے ملتے تھے تو ان کو خوش کرنے کے لئے کہہ دیتے تھے۔ کہ میاں ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ اور جب اپنے سرداروں اور دوستوں کے پاس جاتے تو نہایت تاکید سے قسمیں کھا کھا کر کہتے تھے کہ ہم تو ہر طرح تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم مسلمانوں سے دل لگی کرنے کے لئے ان کے سامنے کلمہ پڑھ دیتے ہیں۔ اور وہ نرے بےوقوف ہیں۔ ہماری باتوں کو سچا سمجھ کر اپنی خاص مجلسوں میں ہم کو شریک کرلیتے ہیں۔ جس سے کہ ہم انکے دلی ارادوں اور خاص مشوروں سے خبردار ہو کر تمہیں بھی آگاہ کر دیتے ہیں۔ اے کافرو! ہمارا یہ طریقہ تمہارے لئے بھی مفید ہے تمہیں ہمارا احسان ماننا چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ دل لگی اور مذاق کے لئے کلمہ پڑھنا کفر ہے۔ کیونکہ قرآن پاک نے ان کے اس اظہار ایمان کو کفر قرار دیا۔ **دوسرے:** یہ کہ انبیاء علیہم السلام اور دین کے ساتھ تمسخر کرنا کفر ہے۔ **تیسرے:** یہ کہ صحابہ کرام اور دینی پیشواؤں کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے۔ (خزائن العرفان) بلکہ ہر دینی چیز قرآن شریف' مسجد' علماء کرام' رمضان شریف اولیاء اللہ کے مزارات وغیرہ کی توہین بھی کفر ہے۔ اور ان کی تعظیم ایمان و تقویٰ کی علامت قرآن کریم نے فرمایا کہ جو کوئی شعائر اللہ (اللہ کی نشانیوں) کی تعظیم کرے وہ دلی پرہیزگار ہے۔ **چوتھے:** یہ کہ ہر ایک کی مجلس میں بیٹھنا اور بدمذہبوں کو اپنا دوست بنانا منافقوں کا طریقہ ہے۔ آج کل یہ مرض عام مسلمانوں میں ہے۔ **پانچویں:** یہ کہ لوگوں کا مذاق اڑانا سخت برا۔ قرآن کریم نے فرمایا لا یسخر قوم من قوم کوئی قوم دوسری قوم سے مذاق نہ کرے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے عرض کیا تھا کہ آپ ہم سے دل لگی کرتے ہیں تو فرمایا کہ خدا مجھے اس سے بچائے کہ میں جہلاء میں سے ہو جاؤں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کسی کا مذاق اڑانا جہالت ہے۔ خیال رہے کہ مذاق اڑانا اور ہے اور خوش طبعی کرنا اور ہے خوش طبعی کو مزاح کہتے ہیں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ مذاق اڑانے میں کسی کو ذلیل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور خوش طبعی میں صرف

www.alahazratnetwork.org

دل خوش کرنے اور غم دور کرنے والی باتیں ہوتی ہیں۔ کبھی کبھی خوش طبعی کرنا جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اس میں جھوٹ نہ ہو یہ بھی واضح رہے کہ مذاق کی ابتداء منع ہے۔ اگر کوئی شخص ہمارا مذاق اڑائے اور ہم جواب میں اس کا مذاق اڑائیں تو ہم کو جائز ہے۔ یہاں مسلمان سے درگزر کرنا اور کافر کی رعایت نہ کرنا سنت صحابہ ہے۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعت گو اور نعت خواں ہیں وہ جوابا" کفار کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دعائیں دیتے تھے۔ **اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں منافقوں کی چغلی مسلمانوں کے سامنے کی اور ان کی غیبت بھی یہ دونوں چیزیں عیب ہیں رب کی شان کے خلاف۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ چیزیں بندوں کو منع ہیں۔ رب پر یہ احکام جاری نہیں وہ بندوں کا مالک ہے جیسے چاہے اپنے بندوں کو یاد کرے۔ برائی سے یا بھلائی سے۔ ہم کسی کو ماریں تو مجرم ہیں رب رات دن موت دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کی غیبت بھی بری ہے چغلی بھی بری۔ کفار کی غیبت وغیرہ بری نہیں۔ دیکھو آج کل ابو جہل ابو لہب ابلیس کو برا کہا جارہا ہے تیسرے یہ کہ عداوت یا فساد کی بنا پر غیبت و چغلی بری چیز ہے کسی کو شر سے بچانے یا اصلاح کے لئے پس پشت برا کہنا غیبت یا چغلی نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ یہاں مسلمانوں کو منافقوں کے شر سے بچانا مقصود ہے اور منافقوں کی اصلاح مطلوب۔ آج بھی حدیث کے راویوں کے عیوب بیان ہوتے ہیں۔ فسادیوں سے شریفوں کو بچانے کے لئے ان کے عیوب بیان کئے جاتے ہیں کہ اس سے معاملہ نہ کرنا۔ شاگرد کی شکایت استاد سے کی جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا اور آخرت ان دو سوکنوں کی طرح ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے منافقین نے چاہا تھا کہ ہم زبان سے دیندار اور دل سے کافر رہ کر دونوں کو جمع کرلیں انجام یہ ہوا کہ کہیں کے نہ رہے۔ اسی طرح جو شخص چاہے کہ میں اپنے دل میں دین و دنیا دونوں کو جمع کرلوں وہ غلطی کرتا ہے۔ دنیا کے معنی ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ صوفیاء کرام کا عمل یہ ہے۔

دنیا میں تو ایسا ہو رہ جوں مرغابی ساگر میں   نام خدا کا ایسے جپنا جوں چت ناری گاگر میں

مرغابی دریا میں پیچ کر مچھلی کی طرح تیرتی ہے۔ مگر ہوا میں پر دمن کر اڑتی ہے۔ پانی بھرنے والی عورتیں تین چار گھڑے لیکر راستہ طے کرتی ہیں۔ مگر ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ نگاہ راستہ پر ہے دھیان گھڑوں کی طرف اور کان اور زبان اپنی سہیلیوں کی طرف متوجہ اپنی کہہ رہی ہیں دوسری کی سن رہی ہیں۔ اسی طرح مرد میدان وہ ہے کہ گھر میں دنیادار معلوم ہو۔ مسجد میں دینداروں کا سردار دنیا کا ہر کام کرے۔ مگر دین کا ہر وقت دھیان رکھے۔ تارک دنیا کمزور ہے اور تارک دین بے ایمان۔

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝
اللہ استہزاء فرماتا ہے ساتھ ان کے اور ڈھیل دیتا ہے ان کو بیچ سرکشی اپنی کے بھٹکتے ہیں
اللہ ان سے استہزاء فرماتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکتے رہیں۔

تعلق: اس سے پہلے منافقین کا چوتھا فریب بیان ہوا تھا اب اس کی سزا ذکر ہو رہا ہے تاکہ سننے والا اس سے عبرت پکڑے اور اس حرکت سے باز آئے۔ **تفسیر:** اللہ اس آیت کو اللہ کے نام سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمانوں کو ان کے مذاق کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ بلکہ ان کی طرف سے خود رب تعالیٰ ان کو جواب دے رہا ہے۔ نیز اس سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے استہزاء کے مقابلہ میں منافقین کا مذاق بالکل بیکار ہے۔ جیسے کوئی قوی کسی کمزور سے کہے کہ تو کیا بدلہ لے گا بدلہ تو میں لوں گا **یستهزئ** ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ استہزاء کے تین معنی ہیں۔ جاہل بنانا ذلیل کرنا دل لگی کرنا یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں نہ کہ تیسرے کیوں کہ حق تعالیٰ دل لگی کرنے سے پاک ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ خداوند تعالیٰ انہیں جاہل قرار دیتا ہے یا ذلیل کرتا ہے۔ اس جگہ **یستهزئ** میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ بمعنی حال ہو۔ یعنی انہیں دنیا میں ذلیل کرتا ہے کہ کسی جگہ ان کی عزت نہیں ہوتی۔ دوسرے یہ کہ بمعنی استقبال ہو یعنی انہیں قیامت یا دوزخ میں ذلیل فرمائے گا۔ وہ اس طرح کہ یہ منافقین مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے کفار جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے حق تعالیٰ ان سب پر تجلی فرمائے گا مومنین تو سجدے میں گر جائیں گے۔ مگر منافقین کی پشت ایسی سخت ہو جائے گی کہ بجائے سجدہ کرنے کے اوندھے گر پڑیں گے تب انہیں کتوں کی طرح جہنم میں پھینکا جائے گا اور یا یہ دوام تجددی کے معنی میں ہے۔ یعنی منافقین تو ایک بار ہی مسلمانوں سے مذاق کر چکے مگر رب تعالیٰ ان کے ساتھ ہمیشہ اور ہر جگہ طرح طرح سے استہزاء فرماتا رہے گا۔ دنیا میں موت کے وقت قبر قیامت غرض ہر جگہ ان کے ساتھ استہزاء ہوتا رہے گا **و یمدهم**۔ **یمد** یا تو مد سے بنا ہے یا مدد سے مد کے معنی ہیں مہلت دینا اور مدد کے معنی ہیں بڑھانا قوت دینا اور اصلاح کرنا اگر یہ مد سے بنا ہو تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سرکشی گمراہی کو زیادہ فرماتا ہے اور اس کو قوی اور مضبوط کرتا ہے۔ کیونکہ انہیں مال دیتا ہے اور اولاد وغیرہ سے بھی بڑھاتا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر رب تعالیٰ ہم سے ناراض ہوتا تو ہمیں یہ انعامات کیوں دیتا لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ مد سے بنا ہے۔ کیونکہ اگر یہ مدد سے بنتا تو اس کے بعد لام ہوتا یعنی **یمدلهم** ہوتا۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ قرآن کریم میں مد شر کے لئے اور امداد خیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے۔ **ونمدله من العذاب مدا** دوسری جگہ ارشاد **و امددنا کم باموال و بنین** چونکہ یہاں سرکشی اور گمراہی کا ذکر ہے اس لئے مد فرمایا گیا **فی طغیانهم**۔ **طغیان** کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھ جانا۔ اس لئے پانی کے سیلاب کو طغیانی بولتے ہیں۔ کیونکہ وہ بھی اپنی حد سے بڑھ جاتا ہے۔ لیکن اب اس کا استعمال کفر و سرکشی سے حد سے بڑھ جانے پر ہوتا ہے اور یہاں بھی یہی معنی ہیں کہ منافقین اپنی سرکشی میں حد سے آگے بڑھ چکے ہیں **یعمهون** عمہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں دل کا اندھا ہو جانا۔ جسے ہندی میں کہتے ہیں ہئے کی پھوٹ جانا **عمی** آنکھ کے اندھے ہونے کو کہتے ہیں اور **عمہ** دل کے اندھے ہونے کو۔ یہاں اس سے مراد ہے حیران و پریشان ہونا کیونکہ اگر اندھے کو میدان میں اکیلا چھوڑ دیا جائے تو وہ بھی حیران ہو کر ادھر ادھر بھٹکتا پھرے گا۔ منزل مقصود کو نہ پہنچے گا اسی طرح دنیا کے میدان میں ان منافقین نے قرآن پاک اور صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح معنی میں نہ پکڑا اس لئے انہیں کچھ نہیں سوجھتا کہ کدھر جائیں کبھی کافروں کی طرف اور کبھی مسلمانوں کی طرف بھٹکتے پھرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : منافقین خود کو عقل مند اور مسلمانوں کو بے وقوف سمجھتے ہوئے کہا کرتے تھے کہ ہم تو ان سے دل لگی کیا کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے ان کی بکواس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ بے چارے تو مسلمانوں سے کیا دل لگی کریں گے خود مسلمانوں کا رب ان کو ذلیل و خوار کر رہا ہے اور کرتا رہے گا وہ اس طرح کہ جیسے ان کا ظاہر کچھ ہے اور باطن کچھ۔ اسی طرح ان کے ساتھ رب کا معاملہ بھی دنیا میں کچھ اور ہے اور آخرت میں کچھ اور۔ دنیا میں تو ان پر سارے احکام بظاہر جاری کر دیئے گئے کہ

www.alahazratnetwork.org

نہ ان سے جہاد نہ ان پر جزیہ نہ ان کو مسجدوں میں آنے سے کوئی روک ٹوک اور نہ اسلامی کاموں میں شرکت کرنے سے ممانعت مرنے کے بعد کفن دفن وغیرہ سارے احکام ان پر جاری۔ جس سے کہ وہ سمجھے کہ مسلمانوں پر ہمارا اُلو خوب چلا۔ مگر جب قبر میں پہنچیں گے تو پتہ چلے گا کہ خود غلط بود آں چہ ما پنداشتیم تب رو رو کر کہیں گے کہ ہمیں بڑا دھوکا ہوا ہم کچھ سمجھتے تھے اور ظاہر کچھ ہوا۔ پھر ان کی حالت یہ ہے کہ جب اسلام کے دلائل سنتے ہیں تو سمجھتے ہیں شاید اسلام سچا دین ہو۔ مگر جب کفار کی مالداری ان کا عیش اور مسلمانوں کی غربت و افلاس پر نظر کرتے ہیں تو سوچتے ہیں کہ اگر رب تعالیٰ کفار سے ناراض تھا تو ان کو اتنا مال کیوں دیا۔ اور اگر مسلمانوں سے راضی تھا تو ان کو اس حال میں کیوں رکھا لہٰذا کفر سچا ہے اور معاذ اللہ اسلام جھوٹا۔ غرضیکہ وہ ایسے حیران و پریشان ہیں کہ اس کے متعلق کچھ فیصلہ ہی نہ کر سکے۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ جب مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو صابر بن کر درجات حاصل کر لیتے ہیں۔ اور جب نعمتیں پاتے ہیں تو شاکر بن کر خدا کے پیارے اور مقبول بن جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ دنیاوی مصیبتیں اور راحتیں مسلمانوں کے لئے حق تعالیٰ کی نعمتیں ہی ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **ایک:** یہ کہ ایمان سے دل کا اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اور کفر میں بے اطمینانی رہتی ہے۔ مومن اس مضبوط درخت کی طرح ہے جو کہ تیز آندھیوں کا مقابلہ نہایت اطمینان سے کر لیتا ہے۔ نہ تو مصیبت میں گھبراتا ہے اور نہ راحتوں پر اتراتا ہے۔ کافر اس کچی کھیتی کی طرح ہے جو ہر ہوا کا اثر لے لیتی ہے مصیبت آئے تو گھبرا جائے اور راحتیں پا کر غرور کرے **دوسرے:** یہ کہ بندے کو چاہئے کہ درازیٔ عمر اور زیادتی مال و اولاد پر فخر نہ کرے اور اس سے دھوکا نہ کھائے۔ بہت دفعہ یہ چیزیں حق تعالیٰ کی طرف سے عذاب ہوتی ہیں۔ کفار کے لئے ان چیزوں کی زیادتی عذاب کی زیادتی کا باعث بن جاتی ہے کہ ان کو دنیا میں مال محدود اور آخرت میں وبال محدود ملتا ہے۔ اور مخلصین کے لئے یہ چیزیں زیادتی ثواب کا باعث ہیں۔ یعنی اس کے لئے دنیا میں مال محدود اور آخرت میں ظل ممدود ہیں (دراز سایہ) بعض بزرگان دین زیادہ دنیاوی راحتوں سے گھبراتے تھے کہ ایسا نہ ہو کہ یہ راحتیں ہمارے نیک اعمال کا بدلہ ہو گئی ہوں **تیسرے:** یہ کہ دنیوی ترقیاں قابل اعتماد نہیں۔ اس کی مثال پتنگ کی سی ہے کہ وہ اس قدر اونچی اڑتی ہے کہ دیکھنے والوں کو حیرت ہوتی ہے۔ مگر اس کی ڈور پتنگ والے کے ہاتھ میں ہے کہ ایک جھٹکے میں اس کو زمین پر لے آتا ہے انسان دنیوی ترقی کرتے کرتے بادشاہ بن جائے۔ مگر ایک جھٹکے میں قصر (محل) سے نکل کر قبر میں پہنچ جاتا ہے۔ **چوتھے:** یہ کہ حق تعالیٰ مسلمانوں کا ایسا والی ہے کہ جو انہیں تکلیف پہنچائے خود رب تعالیٰ اس سے بدلہ لیتا ہے۔ **پانچویں:** یہ کہ جو کوئی اپنے ذاتی معاملے میں کسی سے بدلہ نہ لے تو حق تعالیٰ اس کی طرف سے بدلہ لیتا ہے اور جو خود بدلہ لینے کے درپے ہو جائے وہ یہ درجہ نہیں پاتا۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنے ذاتی معاملات میں درگزر کیا کریں اور دینی معاملات میں ہرگز کسی کی رعایت نہ کیا کریں۔ مگر افسوس کہ آج ہمارا طریقہ اس کے برعکس ہو گیا کہ جس شخص سے ہمیں کوئی ذاتی نقصان پہنچ جائے۔ ہم اس کے پکے دشمن ہیں لیکن جن بدمذہبوں سے کہ دین کو نقصان پہنچ رہا ہو انکو اپنا بھائی بنانے کیلئے تیار۔

تفسیر صوفیانہ : تصوف کا آخری درجہ ہے فنا فی اللہ جس میں پہنچ کر بندہ اپنے کو رب کی بارگاہ میں ایسا فنا کر دیتا ہے کہ صرف قالب تو بندہ کا رہ جاتا ہے۔ مگر اس کے سارے کام رب کی طرف سے ہوتے ہیں۔ اس سے دوستی رب سے دوستی۔ اس سے

www.alahazratnetwork.org

جنگ رب سے جنگ۔ اس کا کہنا رب کا کہنا اس کی بات رب کی بات۔ جیسے کہ کوئلہ آگ میں پہنچ کر ایسا فنا ہوا کہ قالب تو کوئلے کا رہا۔ مگر شکل اور نام اور کام آگ کا سا ہو گیا۔ چونکہ صحابہ فنا فی اللہ کے درجہ پر فائز تھے اس لئے ان کو دھوکا دینا اور ان کا مذاق اڑانا درحقیقت رب کو دھوکا دینا اور اس سے مذاق کرنا ہے۔ اس لئے رب نے گویا منافقین سے اپنا بدلہ لیا اور فرمایا اللہ یستهزیء بهم نیز جس قدر رسی لمبی ہوتی ہے۔ اس قدر جھٹکا سخت لگتا ہے۔ اور جس قدر چکی دیر میں پستی ہے اسی قدر باریک پستی ہے۔ لہٰذا ان لوگوں کے لئے یہ مہلتیں خطرناک ہیں۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد سخت گیرد مرترا

نیز: زیادہ چالاک حق تعالیٰ کے یہاں بڑا بے وقوف ہوتا ہے۔ اور سیدھا سادا مسلمان بڑا عقل مند ان سیدھے سادوں کی مخالفت بڑی خطرناک ہے۔ شعر

خاکساران جہاں را بحقارت منگر توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ہر سری کو پاگل نہ سمجھو۔ کیونکہ ان میں سے بعض بڑے بھیدی ہیں۔

اعتراض: ستیارتھ پرکاش میں دیانند نے اعتراض کیا۔ کہ قرآن کریم نے خدا تعالیٰ کو عیب لگائے۔ کیونکہ قرآن سے ثابت ہے کہ اللہ منافقوں سے دل لگی اور مذاق کرتا ہے۔ اور قرآن سے یہ بھی ثابت ہے کہ مذاق کرنا جہالت ہے نتیجہ جو نکلا وہ خود سمجھ لو۔ اسی طرح رب تعالیٰ کے لئے قرآن کریم نے بڑے بڑے عیب ثابت کئے ہیں۔ جواب: ایسے اعتراضات کے چند جوابات ہیں ایک: یہ کہ فعل کے معنی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ جیسا فاعل ویسے فعل کے معنی دیکھو اردو میں بولتے ہیں۔ "میں بیٹھ گیا" یعنی کھڑے سے بیٹھ گیا۔ فلاں سیٹھ بیٹھ گیا یعنی اس کا دیوالیہ ہو گیا فلاں دیوار بیٹھ گئی۔ یعنی زمین میں دھنس گئی۔ فلاں کا دل بیٹھ گیا۔ یعنی اس کی حرکت بند ہو گئی۔ فلاں کی دکان بیٹھ گئی یعنی اب چلتی نہیں۔ فلاں کی آنکھ بیٹھ گئی یعنی دماغ میں گھس گئی۔ فلاں مشین کا پرزہ ٹھیک بیٹھ گیا یعنی اپنی جگہ میں فٹ یعنی ٹھیک آگیا۔ تمہاری بات میرے دل میں بیٹھ گئی۔ یعنی دل نے اسے قبول کر لیا۔ شکر نیچے بیٹھ گئی۔ یعنی تہ میں جم گئی۔ نشانہ صحیح بیٹھ گیا یعنی نشانہ پر لگا وغیرہ وغیرہ۔ خیال تو کرو کہ ان باتوں میں بیٹھنا ایک ہی لفظ ہے۔ مگر فاعلوں کے لحاظ سے کتنے معنی بن گئے۔ اسی طرح قرآن پاک میں ایک لفظ جب بندوں کے لئے آئے گا تو اس کے معنی کچھ اور ہوں گے۔ اور جب رب کے لئے بولا جائے تو کچھ اور بندوں کے لئے استہزاء کے معنی ہیں۔ مذاق کرنا۔ مگر رب تعالیٰ کے لئے اس کے معنی ہوں گے ذلیل کرنا۔ یعنی اللہ ان کو ذلیل کرتا ہے۔ دوسرے: یہ کہ بہت دفعہ جرم اور اس کی سزا کو ایک ہی لفظ سے بیان کر دیتے ہیں جیسے کہ کہتے ہیں کہ جتنا کوئی تم پر ظلم کرے اتنا ہی تم بھی اس پر ظلم کرو۔ عربی زبان میں بولتے ہیں جزاء سیئة سیئة یعنی برائی کا بدلہ برائی ہے۔ دیکھو ظلم کی سزا دینا ظلم نہیں بلکہ عین انصاف ہے لیکن اس کو بھی ظلم کہہ دیا گیا۔ اسی طرح اس آیت میں مذاق کی سزا کو بھی استہزاء یعنی مذاق کہہ دیا گیا۔ تیسرے: یہ کہ کسی سے ابتداء "مذاق کرنا جہالت ہے۔ لیکن مذاق کے بدلہ میں مذاق کرنا عین حکمت اور کمال انصاف ہے۔ خاص کر جب کوئی اپنے محبوبوں سے دل لگی کرے تو محب کو بدلہ میں استہزاء فرمانا دنیائے محبت میں ضروری ہے۔ (تفسیر عزیزی) چونکہ اللہ کے پیاروں کا منافقین نے ابتداء "مذاق اڑایا یہ عین جہالت تھی۔ اور رب تعالیٰ کا ان سے بدلہ لینا عین

www.alahazratnetwork.org

عکت کسی کو مار ڈالنا ظلم ہے۔ مگر قاتل کو پھانسی دینا عین انصاف ہے **چوتھے:** یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ ان کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی طرح دنیا و آخرت میں معاملہ فرمائے گا۔ جس کو یہاں استہزاء فرمایا گیا ان معاملات کی پوری تفصیل ہم پہلے کر چکے ہیں۔ **نکتہ:** چونکہ منافقین اور رب تعالیٰ کے استہزاء میں چند طرح فرق تھا اس لئے ان دونوں استہزاؤں کو نہ تو ایک جملہ میں بیان کیا گیا اور نہ اس جملہ کا پہلے جملہ پر عطف کیا گیا۔ بلکہ دونوں جملوں کو بالکل مستقل طور پر علیحدہ علیحدہ بیان کیا گیا۔ جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ دونوں استہزاء علیحدہ علیحدہ نوعیت اور حقیقت رکھتے ہیں۔ **تتمہ:** آریوں نے لفظ استہزاء سے ایسے ہی دھوکا دیا جیسے دیو بندی وغیرہ لفظ شرح صدر سے دھوکا دیتے ہیں۔ معاذ اللہ

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ فَمَا رَبِحَت

یہ لوگ وہ ہیں کہ خریدا گمراہی کو بعوض ہدایت پس نہ نفع دیا

یہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی خریدی تو ان کا

تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ۝

بیوپار نے ان کے اور نہ تھے وہ ہدایت پانے والے

سودا نفع نہ لایا اور سودے کی راہ نہ جانتے تھے

تعلق: اس سے پہلے منافقین کی کچھ حرکتیں بیان فرما کر بتلایا گیا تھا کہ یہ لوگ ان اپنی ان حماقتوں کو دانائی سمجھتے ہیں۔ اب اس کو ایک نہایت بہترین تمثیل سے سمجھایا جا رہا ہے۔ جس سے کہ ان کی حالت اچھی طرح سب کے ذہن نشین ہو جائے۔ یا یوں کہو کہ اس سے پہلے کی آیتوں میں منافقین کے چند عیوب بیان کئے گئے اور یہاں ان عیبوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے جیسے کہ کوئی شخص کسی بیوپاری کی تجارتی غلطیوں کو بیان کرکے آخر میں کہے کہ انجام کار اس کا دیوالیہ ہو گیا اور وہ اپنی اصل پونجی بھی کھو بیٹھا۔

شان نزول: یہ آیت یا تو ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی جو کہ مخلص مومن بننے کے بعد کافر ہو گئے یا ان یہود کے حق میں آئی۔ جو پہلے سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے۔ مگر جب حضور کی تشریف آوری ہوئی تو منکر ہو کر بعض تو مجاہر کافر اور بعض منافق بن گئے یا ان تمام کفار کے حق میں آئی جنہیں اللہ نے عقل سلیم عطا فرمائی تھی۔ اور جن کے سامنے دلائل قائم فرما کر ہدایت کا راستہ ظاہر فرما دیا۔ مگر انہوں نے عقل و انصاف سے کام نہ لیا۔ ضد سے گمراہ ہو گئے۔ (تفسیر خزائن العرفان)

تفسیر: اولئک اسم اشارہ ہے۔ چونکہ منافقین کی صفتیں اس طرح بیان کر دی گئیں کہ وہ دوسروں سے بالکل چھٹ گئے اور ہر شخص کو ان کی پہچان ہو گئی۔ اور جو چیز کہ خیال میں موجود ہو اس کی طرف بھی اشارہ کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا یہاں ان کی طرف اشارہ کیا گیا۔ لیکن چونکہ مسلمانوں سے درجہ میں بہت دور تھے۔ اس لئے اشارہ بعید استعمال ہوا۔ اشتروا۔ اشترا " سے بنا ہے کہ جس کے معنی ہیں خریدنا۔ یعنی قیمت خرچ کرکے کمال مقصود حاصل کرنا لیکن یہاں اس معنی میں استعمال

www.alahazratnetwork.org

ہوا کہ اپنی چیز کے بدلے میں غیر کی چیز لینا اور **اشتراء** ایک چیز سے بے رغبتی اور دوسری چیز کے لالچ کرنے کو بھی کہہ دیتے ہیں چونکہ راہ راست پر چلنا اور ایمان اختیار کرنا یہ ہر مسلمان کا اصلی فرض ہے۔ پھر جب کہ کفار اور منافقین شیطان سے گمراہی سیکھ کر اس فرض کو کھو بیٹھے۔ اس لئے ان لوگوں کے ہدایت چھوڑنے اور گمراہی اختیار کرنے کو خرید و فروخت سے بیان کیا گیا **الضلالۃ** اس کے چند معنی ہیں ظلم کرنا، درمیانی حالت سے ہٹ کر افراط و تفریط میں پڑ جانا۔ ہدایت کا گم ہو جانا۔ یہاں دین سے بھٹک کر بے دینی اختیار کرنا مراد ہے۔ جس کے معنی ہیں گمراہی۔ لیکن یہی لفظ ضلالت جہاں کہیں انبیاء کرام کے لئے بولا گیا ہے۔ وہ وارفتگی یا جذب وغیرہ کے معنی میں ہے۔ جو انبیاء کرام کو گمراہ جانے وہ سخت بے دین ہے۔ اس مسئلہ میں ہم نے ایک مستقل کتاب لکھی۔ جس کا نام ہے قہر کبریا بر منکر عصمت انبیاء اس کی پوری تحقیق کے لئے اس کا مطالعہ کرو۔ **فما ربحت۔ ربح** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں نفع اپنی اصل پونجی کے علاوہ جو کچھ حاصل ہو وہ منافع یا ربح کہلاتا ہے **تجارتھم۔ تجارت** خرید فروخت کے کاروبار کو کہتے ہیں اسی طرح جو شخص یہ کاروبار کرتا ہو اسے تاجر یعنی بیوپاری کہا جاتا ہے۔ جو شخص کہ بھی کوئی چیز فروخت کرے اسے بائع کہتے ہیں نہ کہ تاجر **وما کانو مھتدین** کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک: یہ کہ وہ پہلے ہی سے اس تجارت سے ناواقف تھے۔ اس لئے وہ نفع تو کیا کماتے اصل پونجی بھی ہاتھ سے کھو بیٹھے دوسرے: یہ کہ وہ اس تجارت میں ہدایت پانے والے نہ ہوئے یعنی اور تجارتوں میں تو خوب ہوشیاری سے کام کرتے ہیں۔ مگر اس تجارت میں ایسے بے وقوف بنے کہ بجائے کمل حاصل ہونے کے اصلی مال کو بھی زوال آگیا۔

خلاصہ ء تفسیر : حق تعالیٰ کی طرف سے انسان کو عقل ملتی ہے۔ اور پھر نیک و بد راستے اس کے سامنے ہوتے ہیں۔ تاکہ وہ اپنی عقل سے کام لے کر اچھے راستے کو اختیار کرے اور برے سے بچے۔ ان منافقوں نے اپنے اندر برے اخلاق پیدا کرکے اس نور حق کو بجھا دیا اور ہمیشہ کی مصیبتوں کو مول لے لیا۔ انہوں نے کلمہ توحید کی صرف یہ قیمت جانی کہ اس کے ذریعہ دنیاوی نفع حاصل کر لئے۔ حالانکہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلہ میں ان نفعوں کی کوئی حقیقت نہیں تو ان لوگوں نے عقل اور کلمہ توحید کو دنیا کے لئے خرچ کیا اور پھر اس پر خوش بھی ہوئے۔ ان کی مثال بالکل ایسی ہوئی کہ کوئی احمق قیمتی موتی دیکر مٹی کا کھلونا خریدے۔ یا اصلی سونا دے کر ولایتی نقلی سونا لے لے۔ تجارت کے اصول سے یہ لوگ بہت گھاٹے میں رہے۔ عقل مند لوگ اپنی عقل، مال و جان، اولاد صرف کرکے سچا ایمان لیتے ہیں اور وہ واقعی عقل مند بیوپاری ہیں۔ کیونکہ فانی کے عوض باقی حاصل کرتے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیع تعاطی جائز ہے۔ یعنی بغیر منہ سے بولے محض لین دین سے کوئی چیز خرید لینا کیونکہ منافقین نے اپنے منہ سے خرید و فروخت کے الفاظ نہ کہے تھے۔ محض ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کی تھی اسکو قرآن کریم نے خرید نا فرمایا تو معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص قیمت دیکر چیز لے لے اور بیچنے والا بھی اس پر راضی ہو جائے تو بیع ہو جائے گی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص بڑے سے بڑے دنیوی نفع کو چھوڑ کر دینی معمولی نفع حاصل کرے وہ کامیاب تاجر ہے اور اس کا برعکس کرنے والا محض بے وقوف ہے کیونکہ دنیا بھر کے نفع آخرت کے معمولی نفع کے مقابل ہیچ ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص دینی کام ریاکاری کے لئے کرتا ہو وہ نہایت ہی بے وقوف ہے۔ کیونکہ وہ بھی انہیں منافقین کی طرح ہے جنہوں نے محض

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کو راضی کرنے کے لئے کلمہ پڑھا تھا۔ دینی کاموں کی قیمت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص نوافل تو ادا کرے اور واجبات و فرائض میں غفلت کرے وہ بے وقوف ہے۔ بعض لوگ کثرت سے وظیفے پڑھتے ہیں لیکن فرض نماز' زکوۃ اور روزوں وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے وہ سخت غلطی پر ہیں۔ فرض نماز اصل پونجی ہے اور نوافل اس کا نفع اصل پونجی کھو کر نفع کے چند پیسے حاصل کرنا کون سی عقلمندی ہے۔ (تفسیر روح البیان یہی مقام) یہ بھی معلوم ہوا کہ مجبوری نیکی کرنے کا کوئی ثواب نہیں۔ ثواب اسی نیک عمل کا ملے گا جو انسان دلی رغبت اور خوشی سے کرے۔ کیونکہ منافقین کلمہ اور نماز وغیرہ مجبوراً" پڑھتے تھے اس لئے انہیں کچھ فائدہ حاصل نہ ہوا مثنوی شریف میں ہے۔

اختیار آمد عبادت ملک ورنہ میگردد بنا خواہ ایں فلک

اتیا کرھا مہار عاقلاں اتیا طوعاً" مہار بے دلاں

یعنی رغبت عبادت کا نمک ہے۔ مجبوراً تو چاند سورج وغیرہ سب حرکت کر رہے ہیں۔ مگر انہیں اس پر کوئی ثواب نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کے لئے دو ہدایتیں ضروری ہیں۔ ایک فطری ہدایت جو کہ عالم ارواح میں مل چکی ہے اور جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ دوسری کسبی جو دنیا میں اللہ والوں کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے۔ جو شخص ان دونوں ہدایتوں کو پالے وہ نور علی نور ہے۔ جو اس دوسری ہدایت سے محروم رہا اس کی پہلی ہدایت بیکار ہے جیسے کہ آفتاب اور آنکھ کا نور مل کر فائدہ مند ہوتے ہیں۔ اگر آفتاب نور دے رہا ہے۔ کسی کی آنکھ میں نور نہ ہو تو وہ کچھ نہیں دیکھ سکتا یا آنکھ میں نور موجود ہے اور دوسرا نور اسے حاصل نہیں یعنی وہ اندھیرے میں ہے وہ بھی دیکھنے سے محروم۔ ان منافقوں کو پہلا نور یعنی ہدایت فطری حاصل تھی۔ لیکن نور مصطفائی سے علیحدہ رہے۔ اس کسبی کو چھوڑ کر گمراہی حاصل کی لہذا اس تجارت میں کامیاب نہ ہوئے۔ حکایت: مثنوی شریف میں اسی کے مطابق ایک نہایت بہتر حکایت بیان فرمائی۔ وہ یہ کہ ایک شکاری ترکش میں تیر لے کر باز کے شکار کے لئے نکلا۔ باز ہوا میں اڑتا ہوا ملا جس کا سایہ زمین پر پڑ رہا تھا۔ اس نے تاک تاک کر اس سایہ پر تیر چلائے۔ یہاں تک کہ سارا ترکش خالی ہو گیا۔ مگر باز ہاتھ نہ آیا۔ محروم واپس ہوا۔ اپنے کسی دوست سے کہنے لگا کہ میں نے صحیح نشانے پر تیر لگائے۔ مگر باز نہ مرا کیا وجہ ہوئی۔ اس نے کہا اے بے وقوف! جس کو تو نے نشانہ بنایا وہ باز نہ تھا۔ اصل باز اوپر تھا جہاں تیری نگاہ نہ پہنچ سکی۔ ان منافقین نے بھی اسی طرح اپنے ترکش کے سارے تیر دنیا کے لئے استعمال کئے۔ لہذا دین ان کے ہاتھ نہ آیا۔ قیمتی تیر بھی برباد ہو گئے۔

اعتراض : جب ان منافقین کے پاس ہدایت تھی ہی نہیں۔ تو اس کے بدلے میں گمراہی کیوں کر خریدی۔ جواب: اس کا جواب عالمانہ اور صوفیانہ تفسیروں سے معلوم ہو چکا وہ یہ کہ انہوں نے فطری ہدایت کے بدلے میں گمراہی خریدی یا کسبی ہدایت حاصل کرنے کا ان کو موقع تو ملا لیکن اسکو چھوڑ کر گمراہی حاصل کی یا انہوں نے کلمہ طیبہ زبان سے پڑھا۔ نماز روزے ادا کئے۔ اگر وہ چاہتے تو اپنے ان اعمال سے جنت حاصل کر لیتے۔ لیکن انہوں نے دنیا حاصل کی۔ لہذا خرید و فروخت کے معنی ان پر بخوبی چسپاں ہو گئے۔

www.alahazratnetwork.org

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِی اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ اَضَآءَتْ

کہاوت ان کی مثل اس کے لئے ہے کہ روشن کی آگ پس جبکہ روشن ہو گئی وہ جگہ اردگرد اس

ان کی کہاوت اس طرح کی ہے جس نے آگ روشن کی تو جب اس سے آس پاس جگمگا

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِیْ ظُلُمٰتٍ لَّا

کے لے گیا اللہ نور ان کا اور چھوڑ دیا ان کو میں اندھیروں

اٹھا اللہ ان کا نور لے گیا اور انہیں اندھیروں میں

یُبْصِرُوْنَ ۞

نہیں دیکھتے

چھوڑ دیا کہ کچھ نہیں سوجھتا

تعلق : اس سے پہلے منافقین کے عیوب بیان کئے۔ اب ان کو اور زیادہ ظاہر کرنے کے لئے ایک مثال دیکر سمجھایا۔ مثال سے مشکل بات سمجھ میں آجاتی ہے۔ مثال دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک مفرد کی مفرد سے جیسے کہ زید کو شیر سے تشبیہ دینا اور ایک قصے کی قصے سے پہلی قسم کو تشبیہ اور دوسری کو مثال کہا جاتا ہے۔

تفسیر : مثلھم مثل کے لغوی معنی ہیں مثل اور مانند۔ لیکن اصطلاح میں اس مشہور کہاوت کو کہتے ہیں جو عجیب چیز کے لئے بیان نہ کی جائے۔ جیسے اردو میں بے درد آدمی کے لئے بولتے ہیں کہ جس کے نہ پھٹی ہو بیوائی وہ کیا جانے پیر پرائی۔ یعنی جو کبھی مصیبت میں گرفتار نہ ہوا وہ مصیبت زدوں کے درد کو کیا جانے۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں چونکہ دلائل سے فقط عقل مند بات سمجھتے ہیں مگر مثالوں سے بے وقوف بھی سمجھ جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم اور احادیث شریفہ میں بیشمار مثالیں بیان فرمائیں گئیں توریت و انجیل میں تو مثالوں کی پوری سورتیں تھیں جن کا نام سورۃ الامثال تھا۔ کمثل اس میں کاف زیادہ ہے کیونکہ کاف کے معنی بھی مثل ہی ہیں جب مثل پر داخل ہو تو اس نے کچھ معنی نہ دیئے جیسے لیس کمثلہ شیء میں۔ یا اس جگہ مثل بمعنی حالت کے ہے تو کاف اپنے معنی میں ہے آیت کریمہ کے یہ معنی ہوئے کہ منافقین کی عجیب حالت ان لوگوں کی حالت کی طرح ہے الخ الذی یہ لفظاً صورۃً "واحد ہے اور معناً" جمع کیونکہ اس سے پہلے مثلھم آچکا اور اس کے بعد بھی بنورھم آرہا ہے یعنی اس جماعت کی طرح ہے جیسے قرآن پاک میں آتا ہے وخضتم کالذی خاضوا۔ ستوقد۔ وقود سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں آگ کا بھڑکنا اور اس سے شعلے نکلنا ایندھن کو بھی اسی لئے وقود کہتے ہیں کہ اس سے آگ بھڑکتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ ان لوگوں نے خوب تیز آگ جلائی اور اسے خوف بھڑکایا نارا "۔ نور سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں تڑپنا اور حرکت کرنا چونکہ آگ میں بھی تڑپ اور حرکت ہے اس لئے اسے نار کہتے ہیں پھر چونکہ آگ میں روشنی بھی ہے اسی لئے روشنی کو نور کہہ دیا گیا ہے اور مینارے کو بھی اس لئے منارہ کہتے ہیں کہ اس پر اذان دی جاتی ہے اور اس کو دور سے دیکھ کر لوگ منزل کر پتہ لگا لیتے ہیں۔ چونے کو نورہ کہتے ہیں۔ اس لئے وہ بال اڑا کر بدن کو چمکا دیتا ہے۔ غرضیکہ نور کا استعمال دو معنی میں

www.alahazratnetwork.org

ہو گیا ایک حرکت اور تڑپ دوسرے روشنی چمک یا ظہور فلما اضاءت۔ اضاءت۔ ضوء سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں تیز روشنی نور اور ضوء میں یہ فرق ہے کہ نور ہلکی روشنی کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر ضوء تیزی پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے آفتاب کو ضیاء اور چاند کو نور فرمایا۔ نیز: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو بھی اسی لئے نور فرمایا گیا ان سے ہر ایک فیض حاصل کر سکتا ہے وہ مثل سورج کے جلالی نہیں جو کہ آنکھوں کو خیرہ کر دے۔ یہاں اضاءت لازم بھی ہو سکتا ہے اور متعدی بھی۔ اگر لازم ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ پس جب کہ چمک گئی آس پاس کی جگہ اگر متعدی ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ پس جب خوب چمکایا اس آگ نے آس پاس کی جگہ کو ماحولہ لفظ حول کے معنی ہیں گھومنا اس لئے برس کو بھی حول کہتے ہیں کہ وہ گردش کرتا رہتا ہے اصطلاح میں حول ملی ہوئی چیز کو کہتے ہیں۔ نیز: اس کے معنی بدلنے کے بھی ہیں اسی لئے قرض منتقل کرنے کو حوالہ کہتے ہیں۔ اور کسی چیز کی جستجو کرنے کو محاولہ کہتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی قریب کی جگہ ذھب اللہ عربی زبان میں ذھب بہ اور اذھبہ کے ایک ہی معنی ہیں یعنی اس کو لے گیا۔ لیکن ذھب بہ وہاں بولا جاتا ہے کہ جہاں بالکل لے گیا ہو اور واپسی کی امید نہ ہو اور اذھب میں یہ دونوں باتیں نہیں۔ کہتے ہیں ذھب السلطان بمالہ بادشاہ نے اس کا سارا مال بالکل ضبط کر لیا یعنی کچھ نہ چھوڑا اور اس کی واپسی کی بھی امید نہیں۔ قرآن کریم نے یہی لفظ یہاں اس لئے استعمال فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ رب نے ان کا نور بالکل بجھا دیا۔ اب ان کے منور ہونے کی کوئی امید نہیں۔ اس ذھب کو اللہ کی طرف اس لئے نسبت کیا گیا تھا کہ معلوم ہو کہ منافقین کی آگ کسی عارضے سے نہیں بجھی۔ کہ وہ دوبارہ جلا سکیں۔ بلکہ خود اللہ نے بجھائی ہے جسے اللہ بجھاوے اسے کون روشن کرے۔ بنورھم نور کے معنی ہیں روشنی یعنی جو خود ظاہر ہو اور دوسرے کو ظاہر کرے۔ اس کا مقابل ہے۔ ظلمت جس کے معنی ہیں تاریکی نور کی نسبت منافقوں کی طرف اس لئے کی گئی کہ وہ اس سے فائدہ حاصل کر رہے تھے۔ وترکھم اس لئے فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ ان کی آگ بالکل ہی بجھا دی گئی۔ جس سے کہ وہ پورے طور پر اندھیرے میں رہ گئے۔ فی ظلمت۔ ظلمۃ کی جمع ہے اس کے لغوی معنی ہیں کم ہونا برف کو اس لئے ظلم کہتے ہیں کہ وہ بہت کم ہو جاتا ہے۔ ستانے کو بھی ظلم اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے ظالم کے نیک اعمال برباد ہو کر کم ہو جاتے ہیں نیز ظلم دانت کے پانی اور اس کی تری اور اس کی سفیدی کو بھی کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) مگر یہاں اس سے مراد ہے تاریکی۔ ظلمات جمع اس لئے بولا گیا کہ منافقین صرف ایک تاریکی میں نہ تھے۔ بہت سی تاریکیوں سے گھرے ہوئے تھے۔ ایک تو کفر کی تاریکی۔ دوسرے مکرو فریب کی تیسرے جھوٹ بولنے کی چوتھے مسلمانوں پر طعنہ زنی کی۔ پانچویں جہل مرکب کی۔ چھٹے گناہوں اور شہوتوں کی وغیرہ وغیرہ لا یبصرون میں تاریکی ہی کا بیان ہے۔ یعنی انہیں اندھیرے میں اس طرح چھوڑ دیا کہ کچھ سوجھتا نہیں۔

خلاصہ تفسیر: مدینہ منورہ کے لوگ اول تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر خوش ہوئے اور بہت سے لوگوں نے کلمہ پڑھ لیا۔ لیکن ان میں سے بعض نے دنیاوی اغراض و مقاصد کی بنا پر بعد میں منافقت شروع کر دی تو ان کی اس حالت کو اس جماعت کے ساتھ تشبیہ دی گئی۔ کہ جو اندھیرے جنگل میں گھر گئی ہو پھر انہوں نے روشنی اور گرمی حاصل کرنے اور درندوں سے بچنے کے لئے خوب آگ بھڑکائی جب آگ بھڑکنے لگی اور انہوں نے گرمی اور نور بھی حاصل کر لیا تب وہ اس پر مطمئن ہو گئے کہ اب یہ آگ نہ بجھے گی اور ہم اس کے فوائد سے محروم نہ ہوں گے وہ اسی خیال میں تھے کہ اچانک آگ بالکل بجھ

www.alahazratnetwork.org

گئی اور ایسی بجھی کہ اس کا کوئی شعلہ اور چنگاری بھی باقی نہ رہی کہ جس سے دوبارہ آگ جلالیں اور نہ ہی ایندھن آگ قبول کرنے کے قابل رہا اب یہ حیران و پریشان ہیں کہ کیا کریں اور کدھر جائیں۔ اسی طرح ان منافقین نے مسلمانوں کے خوف اور ان کے نفع کی امید سے بظاہر اسلام قبول کرلیا جو مثل آگ جلانے کے ہوا۔ حق تعالیٰ کی طرف سے بھی ان پر ظاہری اسلامی احکام جاری کردیئے گئے۔ یہ اس آگ کی روشنی ہوئی۔ منافقین مطمئن ہوگئے کہ جس طرح ہم نے اس زبانی کلمے اور ظاہری اسلام سے دنیا میں کام نکال لیا آخرت میں بھی کام نکال لیں گے۔ یہ ان کا اس ظاہری روشنی پر اعتماد ہوا۔ وہ اسی خیال میں تھے کہ اچانک ان کو موت نہ آدبایا یہ اس آگ کا گل ہونا ہوا۔ مرتے ہی آنکھ کھل گئی اور بزبان حال یوں کہنے لگے۔ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا خیال رہے کہ ہر انسان تاجر ہے زندگی دوکان، سانسیں اور زندگی کی گھڑیاں اصل رقم جن کو خرچ کرکے وہ اعمال کے سودے خریدتا ہے نیک اعمال کرنے والا نفع میں گناہ کرنے والا نقصان میں، کفر کرنے والا پورے خسارہ میں ہے جیسے بعض دوکانیں دن رات کھلی رہتی ہیں۔ ایسے ہی بعض لوگ سوتے جاگتے پھرتے نیکیاں کرتے ہیں بلکہ بعد وفات بھی ان کی دوکان بند نہیں ہوتی **بل احیاء و لکن لا تشعرون**۔ جب قبر میں پہنچے تو معلوم ہوا کہ ان کا ظاہری اسلام کا چراغ یہاں کچھ کام نہ آیا۔ اب ان کو نہ تو نیک اعمال کرنے کا موقع رہا اور نہ وہاں سے لوٹنے کی کوئی صورت رہی کہ دنیا میں آکر نیکیاں کرجائیں یہ اس کی مثال ہوئی کہ دوبارہ آگ جلنے کے قابل نہ رہی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ جو چیز کہ نام و نمود کے لئے ہو وہ دنیا ہے اور اس کا فائدہ عارضی اور جو حق تعالیٰ کے لئے ہو وہ عین دین ہے اور اس کا فائدہ لازوال جو نماز روزہ دکھلاوے کے لئے ہو وہ بالکل دنیا ہے اور جو دنیوی کاروبار بھی سنت پر عمل کی نیت سے کئے جائیں وہ دین دیکھو منافقین کے سارے اعمال دنیا بن کر رہ گئے۔ **دوسرے:** یہ کہ کوئی شخص اپنے ان اعمال پر بھروسہ نہ کر بیٹھے جب تک کہ اس کو خاتمہ بالخیر میسر نہ ہو جائے اس جگہ اعمال کی بہت ڈکیتیاں ہوتی ہیں۔ ہندی میں ایک مثال ہے ہری ہری کھیتی اور گابھن گائے جب جانو جب منہ تک جائے۔ **تیسرے:** یہ کہ ظاہری اعمال قالب ہیں اور نیت اخلاص مثل قلب کے۔ قالب بغیر قلب کے بیکار ہے۔ اور اعمال بغیر صحیح نیت کے بے فائدہ۔

تفسیر صوفیانہ : خالص آگ پائدار، اس کی گرمی قابل اعتبار اور اس کا نور برقرار۔ جیسے کہ کرہ نار۔ اور انسانی مزاج کے خلط کی آگ کہ نہ تو اس کے لئے ایندھن کی ضرورت اور نہ اس کے بجھنے کا۔ مفقد تعالیٰ اندیشہ۔ لیکن غیر خالص آگ نہ تو خود پائدار نہ اس کی گرمی کا اعتبار اور نہ ہی اس کے نور کو قرار جیسے دنیا کی عام آگ کہ یہ ایندھن کی محتاج اور ہوا پانی مٹی سے اس کے بجھنے کا ہروقت اندیشہ کیونکہ یہ خالص نہیں۔ اس میں مٹی کے اجزاء ہیں اس طرح خالص ایمان انشاء اللہ پائدار ہے۔ اس کی عمارت رہنے والی جیسا کہ قرآن کریم فرما رہا ہے۔ **یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ** اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کلمہ طیبہ پر زندگی موت، قبر و حشر میں ثابت رکھے گا۔ اسی طرح اس کا نور زندگی و قبر اور حشر میں برقرار۔ قرآن شریف فرماتا ہے۔ **یسعی نورھم بین ایدیھم** یعنی قیامت میں مسلمانوں کا نور ان کے آگے آگے چلے گا انشاء اللہ حقیقی و خالص ایمان کی آگ کے بجھنے کا اندیشہ نہیں۔ منافقین کا ایمان چونکہ خالص نہ تھا بلکہ ریاکاری اور دنیوی اغراض سے مخلوط تھا لہذا بجھ گیا۔ نیز یہ منافقین ایمان پر تو کیا ثابت رہتے کم بخت اپنے کفر پر بھی پورے طور پر قائم نہ رہے۔

www.alahazratnetwork.org

نکتہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ آفتاب کی شعاعوں سے کپڑا نہیں جل سکتا۔ لیکن آتشی شیشے کے ذریعے سے جل جاتا ہے۔ اسی طرح توحید کی شعاعیں کفر و فسق کے خرمن کو نہیں جلاتیں جب تک کہ نبوت کے آتشی شیشے میں سے چھن کر نہ آئیں اور نبوت کی شعاعیں بھی دل کی خواہشوں اور سامان گناہ کو نہیں جلاتیں جب تک کہ کسی ولی کے شیشے میں سے چھن کر نہ آئیں۔ توحید کی تاثیر کے لئے نبوت کی آڑ ضروری ہے۔ اور نبوت کی تاثیر کے لئے ولی کا دامن درکار۔ یہ منافقین توحید کے قائل تھے۔ مگر نبوت اور ولایت سے علیحدہ والا ان کا نور بجھ گیا۔ اس آیت سے شیطانی توحید کے حامی دیوبندیوں اور وہابیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔

الروح فداک فزد حرقا یک شعلہ دگر برزن عشقا
میرا تن من دھن سب پھونک دیا یہ جان بھی پیارے جلا جانا

عشق کی آگ وہ آگ ہے جو محبوب کے سوا کو جلا ڈالتی ہے اللہ وہ آگ نصیب کرے۔ آمین

اعتراض: یہ مثال اس جگہ بظاہر چسپاں نہیں ہوتی۔ کیونکہ منافقین کا دھوکے کے لئے کلمہ پڑھنا تھا ان میں بے ایمانی تھی ان کو اول ہی سے ایمان کا عارضی نور حاصل نہ ہوا پھر بجھانے کے کیا معنی اور مثال میں ان لوگوں کا ذکر ہے کہ جنہوں نے آگ جلائی تھی پھر بعد میں بجھ گئی۔ جواب: چونکہ منافقین نے اس ظاہری کلمے سے مسلمانوں کی تلوار اور جزیہ سے امن پایا اور مال کے ساتھ غنیمتوں جلسوں اور نمازوں میں شریک ہو گئے یہ اس کلمے کا عارضی نور تھا جو ان کو حاصل ہو گیا لیکن چونکہ مرنے کے بعد ان کی یہ کلمہ گوئی کام نہ آئی۔ اس لئے نور کا بجھنا ان پر خوب چسپاں ہو گیا۔ اس مثال میں چند جماعتیں شامل ہیں۔ ایک تو منافق جنہوں نے دل میں کفر رکھ کر اظہار ایمان کیا دوسرے وہ جو مخلص مومن ہونے کے بعد مرتد ہو گئے تیسرے وہ جنہیں قدرت نے صحیح فطرت عطا فرمائی اور دلائل نے ان پر حق واضح کر دیا۔ مگر انہوں نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ۙ
بہرے گونگے اندھے پس وہ نہیں لوٹیں گے
بہرے گونگے اندھے تو وہ پھر آنے والے نہیں

تعلق: اس میں اعلیٰ کی ترقی ہے۔ یعنی پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین ان کی طرح ہیں۔ کہ جو آگ جلائیں اور ان کی آگ بجھ جائے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیوی آگ بجھنے پر فقط آنکھ بیکار ہو جاتی ہے۔ کان زبان پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا لیکن منافقین کی آگ تو ایسی بجھی کہ جس سے ان کے کان، زبان، آنکھ، دل سب ہی بیکار ہو گئے۔

تفسیر: صم۔ صمم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں کان کا بوجھ اور یہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک تو وہ کہ جس سے سننے کی طاقت ہی جاتی رہے دوسرے وہ کہ جس سے اونچا سنائی دینے لگے۔ بکم زبان کی اس بیماری کا نام ہے۔ جس سے حروف ادا نہ کئے جاسکیں اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جس سے حروف بگڑ کر ادا ہوں۔ جس کو اردو میں توتلا پن کہتے ہیں اور عربی میں عقدہ لسان

www.alahazratnetwork.org

دوسرے وہ جس سے بولنا ہی ناممکن ہو جس کو اردو میں گونگاپن کہتے ہیں اور عربی میں خرس اور یہ دوسرے معنی ہی یہاں مراد ہیں **عمی** آنکھ کی وہ بیماری ہے جس میں بینائی بالکل جاتی رہتی ہے جسے اردو میں اندھاپن کہتے ہیں۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں ایک پیدائشی اندھاپن جس کو عربی میں کمہ کہتے ہیں **کمہ** اور اس عارضے والے کو **اکمہ**۔ دوسرے یہ کہ پہلے انکھیارا ہو۔ بعد میں اندھا ہوا ہو۔ یہ آخری معنی یہاں مراد ہیں پھر اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ سرے سے آنکھ ہی نہ ہو۔ جسے عربی میں طمس کہتے ہیں دوسرے یہ کہ آنکھ تو قائم ہو مگر اس میں روشنی نہ ہو۔ آخری معنی اس جگہ مراد ہیں۔ خیال رہے کہ اس بیماری کی کل چار قسمیں ہیں۔ عمی "، طمس "، کمہ "، عمہ " جس کے معنی ہیں دل کا اندھا ہونا **یعمھون** اسی سے بنا ہے۔ اس جگہ عمی سے مراد آنکھ اور دل دونوں کا اندھاپن ہے **فھم لا یرجعون** یعنی انسان کے راہ راست پر آنے کی تین ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اس کی بینائی قائم ہو جس سے وہ راستہ دیکھ لے۔ دوسرے: یہ کہ اس میں بولنے کی طاقت ہو کسی کو پکار کر اس کی مدد سے راہ راست پر آجائے تیسرے: یہ کہ اس کے کان درست ہوں کہ کسی ہادی کی آواز سن کر درست ہو جائے جب ان منافقین کی یہ تینوں قوتیں ختم ہو چکیں تو اب ان کے کفر سے لوٹنے کی کوئی امید نہیں۔

خلاصہ تفسیر: مسلمانوں کو یہ امید ہوگی کہ شاید منافقین کبھی تو ہدایت پر آجائیں اس لئے وہ ان کو ہدایت پر لانے کی کوشش بھی کرتے ہوں گے اور پھر اپنی ناکامی پر رنجیدہ ہوں گے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کے اس رنج و غم کے دور فرمانے کے لئے ان کے ایمان سے مایوس فرمادیا اور فرمادیا کہ اے مسلمانو! یہ تو بہرے، گونگے، اندھے ہو چکے ہیں اب تم ان کے ایمان لانے کی بالکل امید نہ رکھو وہ اپنی ان حرکتوں سے باز نہ آئیں گے۔ چونکہ ناامیدی بھی ایک راحت ہوتی ہے اس لئے مسلمان ان کے ایمان سے ناامید ہو کر انتظار کی تکلیف سے بچ گئے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک: یہ کہ اللہ کے نزدیک وہی عضو کام کا ہے۔ جو اپنے مقصود کو پورا کرے اور جس میں یہ صفت نہیں وہ محض بیکار ہے۔ چونکہ زبان حق بولنے، کان حق سننے اور آنکھیں حق دیکھنے کے لئے عطا فرمائی گئی ہیں۔ اس کے علاوہ جو بھی دنیاوی کام اس سے لئے جاتے ہیں وہ سب تابع ہیں جب ان اعضاء نے اپنا اصلی کام نہ کیا تو ان کو بیکار کہا گیا اولیاء اور شہداء اگرچہ بظاہر وفات پاجاتے ہیں لیکن قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے مقصود کو پورا کردیا جیسے کہ سرکاری ملازم سرکاری کام کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ اور ان کے آرام و آرائش کے لئے بڑی تنخواہ عمدہ مکان سواریاں وغیرہ کا انتظام حکومت کی طرف سے ہوتا ہے اصل مقصود تو خدمت سرکار ہے۔ یہ موٹر اور کوٹھی وغیرہ اس کے لئے ہے۔ جو نوکر آرام کرے اور کام نہ کرے وہ شاہی نوکری نہیں ہے۔ اور نہ تنخواہ پانے کا مستحق لیکن جس نے اپنی خدمت کے زمانہ میں بخوبی خدمت کی بعد میں اس کی پنشن ہو گئی اگرچہ وہ اب کوئی خدمت نہیں کر رہا ہے مگر ملازم سرکار ہے یہ کفار اور منافقین کام چور نوکر ہیں اور یہ وفات شدہ اولیاء اللہ پنشن یافتہ سرکاری عہدہ دار **دوسرے** یہ کہ جو حق تعالیٰ کی طرف بخوشی رجوع کرتا ہے وہ اس کی بارگاہ میں عزت و کرامت سے بلایا جاتا ہے کہ مرتے وقت اس کو کہا جاتا ہے۔ **ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** یعنی اے مبارک روح اپنے رب کی طرف چل کہ تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی۔ اور جو کہ بخوشی اس طرف رجوع نہیں کرتے انجام کار ان کو بھی وہیں جانا پڑے گا۔ ہتھکڑی اور بیڑی کے ساتھ اور ان

کے لئے فرمایا گیا۔ ونحشرھم یوم القیمۃ علی وجوھھم عمیا و بکما و صما یعنی ہم ان کو قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اندھا گونگا بہرا اٹھائیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ تین چیزیں دل کی آنکھ کو اندھا کر دیتی ہیں۔ ۱اعضاء کو گناہوں میں مشغول رکھنا۔ 2 ریا سے عبادت کرنا۔ خالق کو چھوڑ کر خلق سے امید رکھنا۔ یہ بکاری حب حق کی طرح اولاتو ہلکی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آخر میں ہلاک ثابت ہوتی ہے۔

آباد وہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

أَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ

یا مثل تیز بارش سے آسمان میں اس اندھیریاں اور گرج اور چمک ہے

یا جیسے آسمان سے اترتا پانی کہ اس میں اندھیریاں ہیں اور گرج اور

يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِيٓ ءَاذَانِهِم مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ

کرتے ہیں انگلیاں اپنی میں کانوں اپنے سے کڑک خوف موت

چمک ہے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہیں کڑک کے سبب موت

الْمَوْتِ ۚ وَاللّٰهُ مُحِيطٌۢ بِالْكٰفِرِينَ ۝

کے اور اللہ گھیرنے والا ہے کو کافروں

کے ڈر سے اور اللہ کافروں کو گھیرے ہوئے ہے

تعلق : پہلی آیت میں منافقوں کی ایک کہاوت بیان کی گئی تھی یہ انہی کی دوسری کہاوت ہے اس میں اور اس میں یہ فرق ہے کہ وہاں تو آگ جلا کر روشنی حاصل کرنے کا ذکر تھا اور یہاں بجلی ہے ملنے کا تذکرہ وہاں تو معمولی وحشت اور خوف کا ذکر ہو اتھا اور یہاں سخت گھبراہٹ پریشانی کا بیان ہوا۔ لہذا یہ کہاوت پہلی سے اعلیٰ ہے۔ چند کہاوتوں سے فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اصلی چیز ہر ایک کی سمجھ میں بخوبی آجاتی ہے۔ شان نزول: منافقوں میں سے دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے مشرکین کی طرف بھاگے۔ راستے میں یہی بارش آگئی جس کا اس آیت میں ذکر ہو رہا ہے اس میں سخت گرج اور چمک تھی ان کا یہ حال ہوا کہ جب گرج ہوتی تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے کہ کہیں اس سے ہمارے کان نہ پھٹ جائیں۔ اور جب چمک ہوتی تو چلنے لگتے جب اندھیری ہو جاتی تو ٹھہر جاتے۔ آپس میں کہنے لگے کہ شاید اس گناہ سے ہم پر مصیبت آئی ہے۔ خدا خیر سے سویرا کر دے تو ہم حضور کی خدمت میں واپس جا کر ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیں گے۔ رب نے ان پر فضل فرمایا اس مصیبت سے نجات دی انہوں نے ایسا ہی کیا کہ سچے مسلمان بن گئے۔ اور پھر اسلام پر سچ مچ میں قائم رہے اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری حق تعالیٰ نے ان کے اس واقعہ کو باقی منافقین کے لئے کہاوت بنایا۔ اور اس قصے کو ان کی روش پر منطبق فرمایا۔ (تفسیر خزائن العرفان)

www.alahazratnetwork.org

بعض منافق نفاق میں پختہ تھے جن کے ایمان میں آنے کی کوئی امید نہ تھی ان کے لئے پہلی مثال تھی۔ اس لئے وہاں فرمایا گیا کہ بہرے گونگے اندھے ہیں اب نہ لوٹیں گے۔ بعض منافق نفاق میں کمزور تھے۔ جن کے ایمان کی امید تھی ان کے لئے یہ دوسری مثال ہے اس لئے اس آیت میں ارشاد ہوا کہ قریب ہے کہ بجلی ان کی آنکھیں اچک لے یعنی اچکی نہیں۔

تفسیر : **او** عربی زبان میں شک کی جگہ استعمال کرتے ہیں جیسے اردو میں "یا" مثلاً کہا جائے کہ زید آیا تھا یا عمر۔ لیکن حق تعالیٰ شک سے پاک ہے اس لئے اس **او** میں چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اختیار کے لئے ہو جیسے کہا جاتا ہے کہ لاری میں یا ریل میں یعنی تمہیں اختیار ہے جس میں چاہو آؤ۔ ایسے ہی یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمان تجھے اختیار ہے کہ خواہ تو منافقوں کیلئے پہلی کہاوت بیان کرے یا دوسری۔ دوسرے یہ کہ منافق دو قسم کے تھے۔ بعض ان آگ والوں کی طرح اور بعض ان بارش والوں کے مثل۔ لہٰذا یہ دو کہاوتیں دو جماعتوں کے لئے ہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ **او** بلکہ کے معنی میں ہے۔ یعنی منافقین ان آگ والوں کی طرح بلکہ ان بارش والوں کی طرح ہیں۔ چوتھے یہ کہ یہ **او** واؤ کے معنی میں ہے۔ یعنی منافقین ان کی طرح ہے۔ قرآن پاک میں **او** ان سب معنی میں استعمال ہوا۔ (تفسیر کبیر **کصیب**' **صیب**' **صوب** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اترنا جھکنا اور ارادہ کرنا۔ سر جھکانے کو **تصویب الراس** کہتے ہیں لیکن یہاں پہلے معنی کا لحاظ ہے۔ اور یہاں صیب سے مراد یا تو تیز بارش ہے۔ کیونکہ یہ اوپر سے گرتی ہے۔ اور یا بادل کیونکہ یہ بھی نیچے جھک کر رہتا ہے **من السماء**۔ **سماء**۔ **سمو** سے بنا ہے جسکے معنی ہیں اونچائی بلندی آسمان کو سماء اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ اونچا ہے اور بادل کو بھی سماء کہتے ہیں۔ یہاں یا تو آسمان مراد ہے یا بادل اگرچہ بارش اوپری سے برستی ہے۔ لیکن پھر بھی **من السماء** فرمانے میں چند فائدے ہیں۔

تفسیر : ایک: یہ کہ فلاسفہ کہتے ہیں بارش دریاؤں کا پانی ہے۔ جو گرم ہو کر بھاپ بن کر اوپر گیا۔ اس میں اسکی تردید کر دی گئی کہ بارش زمین سے نہیں آتی ہے۔ کیونکہ بہت دفعہ گرمی ہوتی ہے مگر بارش نہیں ہوتی۔ اور بارہا سخت سردی میں تیز بارش ہو جاتی ہے۔ اور اگر یہ مان بھی لیا جائے تو اس کی کیا وجہ ہے کہ کبھی چھوٹے قطرے گرتے ہیں اور کبھی بڑے کبھی برف اور کبھی اولہ اور اگر سب باتوں سے چشم پوشی کر کے مان بھی لیا جائے کہ بارش سمندر سے ہوتی ہے تو تو سمندر میں پانی کہاں سے آیا یقیناً آسمان ہی سے آیا ہم کو خزانے سے روپیہ ملتا ہے لیکن خزانہ میں ٹکسال سے روپیہ آتا ہے۔ تو آیت میں بارش کی ٹکسال کا ذکر فرمایا گیا تفسیر روح البیان میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ عرش کے نیچے ایک دریا ہے۔ جس سے تمام حیوانات پر رزق اترتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تمام رزق آسمانوں سے گزرتے ہوئے دنیاوی آسمان کی طرف پہنچتے ہیں بادل مثل چھلنی کے ہے کہ پانی آسمان سے آتا ہے۔ اور اس سے چھن کر زمین پر گرتا ہے۔ ہر قطرہ ایک فرشتہ لے کر آتا ہے جو زمین پر آہستہ سے رکھ جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ: **من السماء** فرمانے میں یہ ہے کہ اس میں اس جانب اشارہ ہو رہا ہے کہ یہ بارش عالمگیر بارش تھی۔ یہ نہ تھا کہ بعض جگہ نہ ہو۔ تیسرا فائدہ: یہ کہ فلاسفہ کے قول کے مطابق اگرچہ بارش زمین کے پانی سے ہوتی ہے مگر اس کے اسباب آسمان سے بنتے ہیں۔ کیونکہ آفتاب کی گرمی سے پانی بخار بن کر اوپر چڑھتا ہے۔ اور وہاں کی ٹھنڈک سے جم کر بادل بن جاتا ہے۔ لہٰذا بارش آسمان ہی کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔ تتمہ: فلاسفہ کہتے ہیں کہ گرمی سے پانی بخار بن جاتا ہے۔ اور زمین کے اجزا دھواں۔ جیسے لکڑی سے دھواں اور دیگچی سے گرم پانی بھاپ بن کر اڑتا ہے۔ یہ زمین کا دھواں جب ہوا

www.alahazratnetwork.org

کی حرکت سے آگے بڑھ کر کرہ آگ تک پہنچ جاتا ہے اور وہاں جا کر روشن ہو جاتا ہے تو کبھی تو چند روز تک روشن رہتا ہے اور دم دار ستارے اور ریزے کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور کبھی روشن ہو کر جلد بجھ جاتا ہے۔ جس کو شہاب کہتے ہیں (تارا ٹوٹنا) اور کبھی روشن نہیں ہوتا بلکہ جل جاتا ہے اور آسمان کی سرخی اور سیاہی بن کر نظر آنے لگتا ہے۔ اسی طرح بخار زمین سے اٹھ کر چند صورتیں اختیار کر لیتا ہے۔ ایک یہ کہ زیادہ اونچا ہو کر جم جاتا ہے۔ اور قطرہ قطرہ ہو کر زمین پر گر پڑتا ہے۔ اس جمے ہوئے بخار کو بادل اور ان قطروں کو بارش کہتے ہیں۔ اور کبھی یہ بخار زیادہ اونچا نہیں جاتا۔ بلکہ زمین کے قریب ہی سردی سے جم کر گر جاتا ہے اس کو شبنم یا اوس کہتے ہیں۔ اور کبھی سخت سردی کی وجہ سے یہ بخار راستہ ہی سے جم کر زمین پر گر پڑتا ہے اس کو اولہ کہتے ہیں۔ تو یہ بخار اور دھویں کے علیحدہ علیحدہ حالات تھے۔ لیکن کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آفتاب کی گرمی پا کر بخار دھواں اور غبار مخلوط ہو کر زمین سے اوپر اٹھتے ہیں اور وہاں پہنچ کر علیحدہ علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ غبار الٹا واپس ہوتا ہے اسی کا نام آندھی ہے اور بخار اور دھواں ٹھنڈک کی حد کو پہنچتے ہیں۔ جہاں بخار ٹھنڈا ہو کر بادل بن جاتا ہے۔ اور دھواں اس کو چیر کر اوپر جانا چاہتا ہے کہ جس سے سخت آواز پیدا ہوتی ہے۔ اسی آواز کا نام اردو میں گرج اور عربی میں رعد ہے اور کبھی یہ دھواں تیز حرکت کی وجہ سے بھڑک کر روشن ہو جاتا ہے۔ اسی کو اردو میں بجلی اور عربی میں برق کہتے ہیں۔ اور کبھی بہت سردی کی وجہ سے یہ دھواں بھی جم کر زمین کی طرف لوٹتا ہے۔ یہ جلا ہوا دھواں جب بادل کو چیرتا ہے تو اس سے سخت آواز پیدا ہوتی ہے۔ اور زمین پر گر کر بہت سی چیزوں کو تباہ کر دیتا ہے۔ اسی کو عربی میں صاعقہ اور اردو میں بجلی گرنا کہتے ہیں۔ اس کی قوت اس قدر ہے کہ دریا میں گر کر مچھلیوں کو بھی جلا ڈالتا ہے۔ بعض جگہ یہ بجھی ہوئی بجلی لوہے کی شکل میں ملی ہے۔ یہ وہی پکا اور جلا ہوا دھواں ہے۔ مگر۔

دل کے بہلانے کو لیکن یہ خیال اچھا ہے

یہ سب عقلی ڈھکوسلے ہیں۔ مگر حقیقت میں یہ تمام قدرت کے کرشمے ہیں۔ چونکہ فلاسفہ کے قول پر بھی ان سب چیزوں میں آفتاب کی گرمی کو پورا دخل ہے اور وہ آسمان پر ہے۔ لہٰذا ان سب میں آسمانی اسباب کو دخل ہوا اس لئے **من السماء** ان کے قول پر بھی خوب چسپاں ہو گیا **فیہ ظلمات**۔ **فیہ** کی ضمیر **صیب** کی طرف لوٹتی ہے۔ اگر اس کے معنی بادل کے ہوں تو آیت کا ترجمہ یہ ہو گا کہ اس بادل میں بہت تاریکیاں ہیں اور اگر اس کے معنی بارش ہوں تو یہ مطلب ہو گا کہ اس بارش میں بہت تاریکیاں ہیں اور دونوں صحیح ہیں وہ چند تاریکیاں یہ ہیں۔ بادل کی تاریکی ' تیز بارش کی تاریکی ' رات کی تاریکی ' چاندنی نہ ہونے کی تاریکی **ورعد و برق** رعد بادل کی آواز اور برق اس کی چمک کو کہتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ یہ چیزیں بارش میں ہیں تو بھی صحیح ہے۔ کیونکہ ان دونوں کا اور بارش کا تعلق بادل سے ہے۔ اور اگر کہا جائے کہ یہ دونوں بادل میں ہیں تو بالکل ظاہر ہے۔ ترمذی شریف میں ہے کہ ایک دفعہ یہودیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ رعد اور برق کیا چیز ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رعد اس فرشتے کا نام ہے جو بادلوں کو ہانکتا ہے تفسیر روح البیان نے لکھا کہ وہ فرشتہ شہد کی مکھی کے مشابہ ہے۔ مگر اس کی قوت کا یہ حال ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ یہ آواز اس فرشتے کی تسبیح کی ہے اسی لئے اس آواز کو سن کر تسبیح پڑھنی چاہئے سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو شخص بادل کی کڑک اور گرج سن کر یہ پڑھے **سبحان الذی یسبح الرعد بحمدہ والملئکۃ من خیفتہ و ھو علی کل شیء قدیر** تو وہ شخص بجلی گرنے سے انشاء اللہ محفوظ رہے گا اور فرماتے ہیں کہ اگر اس پر بجلی گر جائے تو اس کی دیت (خون بہا) دینے کو تیار ہوں یہ یہ عمل نہایت مجرب ہے: **اصابعھم**

www.alahazratnetwork.org

انسان کڑک سن کر اپنے پورے کانوں میں لگاتا ہے نہ کہ پوری انگلیاں۔ لیکن یہاں فرمایا جارہا ہے کہ وہ اپنی پوری انگلیاں کانوں میں ڈالتے ہیں یا یہ کہ انگلیوں سے پورے ہی مراد ہیں اور یا یہ مطلب ہے کہ وہ خوف کے مارے ساری انگلیاں کانوں میں ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں **من الصواعق**۔ صواعق صاعقہ کی جمع ہے صاعقہ اس گرنے والی بجلی کو کہتے ہیں جو کسی چیز پر گر کر اس کو جلا ڈالتی ہے۔ یعنی وہ لوگ بجلی گرنے کے اندیشہ سے اپنے کان بند کرتے ہیں **حذر الموت** حذر کے معنی ہیں ڈر اور پرہیز یعنی بچنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی موت کے ڈر کی وجہ سے یا موت سے بچنے کے لئے **واللہ محیط** اس کے لفظی معنی یہ ہیں کہ اللہ (کافروں کو) گھیرے ہوئے ہے کیونکہ محیط احاطہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ کسی چیز کے آس پاس اس طرح گھیر اڈال لینا کہ وہ بالکل درمیان میں آئے اور یہ بات حق تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے کیونکہ وہ جگہ وغیرہ میں ہونے سے پاک ہے اس لئے محیط وغیرہ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا علم اور قدرت انکو گھیرے ہوئے ہے یعنی کوئی چیز اس کے علم اور قدرت سے باہر نہیں۔ دیوبندیوں نے اس قسم کی آیات سے ثابت کیا کہ حق تعالیٰ کی ذات ہر جگہ میں موجود ہے۔ لہٰذا نبی علیہ السلام کو ہر جگہ میں حاضر ماننا شرک ہے یہ عقل مند اتنا نہ سمجھے کہ ہر جگہ میں تو وہ ہو جس کا جسم ہو اور جگہ میں آسکے۔ حق تعالیٰ ان دونوں چیزوں سے پاک ہے۔ ہر جگہ بعض مخلوق ہی ہو سکتی ہے خالق نہیں ہو سکتا ہے جیسے کہ ملک الموت۔ منکر نکیر۔ فرشتہ کاتب تقدیر۔ چاند سورج اور سب کا نور دیکھو کہ یہ چیزیں بیک وقت ہر جگہ موجود ہیں۔ اس مسئلہ حاضر ناظر کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ **بالکافرین** سے یہ مقصود نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا علم صرف کافروں کو گھیرے ہوئے ہے نہ کہ مسلمانوں کو وہ تو سب کو محیط ہے۔ لیکن چونکہ یہاں کافروں کا ہی تذکرہ ہو رہا ہے۔ اس لئے انہی کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ تفسیر : منافقین کی حالت کو دوسری نہایت نفیس کہاوت سے سمجھایا جارہا ہے کہ ان کی حالت ان لوگوں کی طرح ہے جو اندھیری رات میں سنسان جنگل طے کر رہے ہوں۔ کہ اچانک ان کو نہایت کالا بادل آگھیرے۔ یہ لوگ سخت اندھیرے میں پھنس جائیں۔ پھر اس سے بارش تیز بجلیاں اور گرج ظاہر ہو۔ گرج کو سن کر تو ان لوگوں کو اپنی موت کا اندیشہ ہو جائے۔ جس سے وہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونسنے لگیں کہ کہیں اس آواز سے ہمارے کان کے پردے نہ پھٹ جائیں اور بجلی کی روشنی پا کر چلنے لگیں۔ اور اندھیرا ہو جانے پر کھڑے رہ جائیں غرض کہ عجب کش مکش میں پھنس جائیں اور وہ اس حالت میں نہایت حیران و پریشان ہوں کچھ سمجھ میں نہ آتا ہو کہ کیا کریں اور کدھر جائیں یہی حال ان منافقین کا ہے کہ یہ اپنی زندگی کی اندھیری رات میں دنیا کا جنگل طے کر رہے تھے کہ اچانک ان کے شہر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے جو کہ رحمت الٰہی کا کھلا بادل ہیں اور آپ پر قرآن کریم اترنے لگا جو مثل تیز بارش کے ہے۔ جس طرح بارش تمام زمین کو سرسبز و شاداب بنا دیتی۔ اور اس میں باغ کھیت اور ان میں پھل پھول لگا دیتی ہے۔ اسی طرح قرآن کریم کی بارش نے دلوں کی زمین میں ایمان کے باغ لگا دیئے۔ اور ان باغوں میں تقویٰ اور پرہیزگاری کے پھول کھلا دیئے۔ مگر اس قرآن میں شرعی احکام اور جرموں کی سخت سزائیں۔ اور دنیا سے بے رغبتی کرنے کا حکم بھی ہے۔ جو کہ مثل گرج اور کڑک کے ہے یہ منافقین کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں کہ کہیں یہ کلام ہمارے دلوں پر اثر نہ کر جائے جس سے کہ ہمارے دنیاوی عیش و آرام میں فرق آجائے مال کی زکوٰۃ دینی پڑ جائے جہاد میں اسلام پر جان نثاری کرنی پڑے کیونکہ یہ چیزیں ان کے نزدیک موت ہیں مگر جب کبھی انکے مال یا اولاد میں برکت ہوتی یا غنیمت

www.alahazratnetwork.org

اور زکوٰۃ کا مال ان کے ہاتھ آئے تو بجلی کی چمک والوں کی طرح کچھ چل پڑتے اور کہتے کہ اسلام سچا دین ہے جب سے ہم نے ظاہری کلمہ پڑھا ہے ہمارے گھر میں اللہ کا فضل ہے۔ اور اگر کوئی مصیبت آپڑے۔ مثلاً اولاد یا مال میں کمی ہو جائے وغیرہ وغیرہ تو بارش اور اندھیریوں میں ٹھٹک رہنے والوں کی طرح کہنے لگتے ہیں۔ کہ جب سے ہم نے ظاہری کلمہ پڑھا ہے تب ہی سے ان مصیبتوں میں گرفتار ہوئے ہیں یہ دین سچا دین نہیں یہ کہہ کہ اسلام سے پلٹ جاتے ہیں مگر حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کفر کر کے ہمارے قبضے سے باہر نہیں ہو سکتے کیونکہ سب مخلوق اور خاص کر کفار پر ہماری قدرت کا پورا احاطہ ہے کوئی بھاگ کر کہاں جا سکتا ہے اور کسی کی کیا مجال کہ اپنے تدبیری قلعے کے ذریعہ ہم سے بچ جائے۔ طبیب کی تیغ دوا سے بچ کر یعنی شریعت کی پابندی چھوڑ کر اپنی غلط تدبیروں سے شفا چاہنا حماقت ہے۔ (نوٹ) اس آیت کے فوائد وغیرہ دوسری آیت کے بعد بیان کئے جائیں گے۔ کیونکہ ابھی اس کہاوت کا مضمون پورا نہیں ہوا۔

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ

قریب ہے بجلی اچک لے آنکھیں ان کی جب کبھی چمکتی ہے لئے

بجلی یوں معلوم ہوتی ہے کہ ان کی نگاہیں اچک لے جائیں گی جب جب چمک ہوئی

مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ

ان کے چلتے ہیں بیچ اس اور جب تاریک ہو جاتی ہے اوپر ان کے کھڑے ہو گئے اور

اس میں چلنے لگے اور جب اندھیرا ہوا کھڑے ہو گئے اور اللہ

اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

اگر چاہتا اللہ البتہ لے جاتا کان ان کے اور آنکھیں ان کی

چاہتا تو ان کے کان اور آنکھیں ان کی لے جاتا

شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے۔

بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا مضمون پہلے مضمون کا بقیہ ہے کیونکہ اس میں بارش میں پھنسنے والوں کا حال ذکر ہوا یعنی کانوں میں انگلیاں دینا ان کے باقی حالات کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ لیکن چونکہ ہیبت کے وقت وہ حرکتیں انسان پہلے کرتا ہے۔ اور چلنا پھرنا اس کے بعد اس لئے پہلے کان بند کرنے کا ذکر ہوا اب ان کے چلنے پھرنے کا۔

تفسیر: یکاد' کود سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں قریب ہونا اور یہ وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں کام ہوا تو نہ ہو مگر اس کے ہونے کا قوی اندیشہ یا امید ہو۔ یہاں بھی یہی فرمایا جارہا ہے کہ بجلی نے ان کو اندھا تو نہیں بنایا مگر ان کو سخت خطرہ پیدا ہو چکا یخطف۔ خطف سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اچانک چھین لینا۔ (یعنی اچک لینا)۔ ابصارھم' ابصار بصر کی جمع ہے۔ اس لئے ان کی آنکھوں میں روشنیاں بھی بہت سی ہیں۔ قاعدہ یہ ہے کہ تیز روشنی پر نگاہ جمانے سے آنکھ بیکار ہو جاتی ہے سورج اور تیز گیس پر اس کا تجربہ کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ بجلی کی روشنی بھی بہت تیز ہوتی ہے۔ اس لئے ان کو اپنے اندھے ہونے کا اندیشہ ہے کلما اور اذا دونوں وقت کے لئے آتے ہیں۔ مگر کلما میں زیادہ گنجائش ہے کیونکہ اس کے معنی ہیں جب بھی اور اذا کے معنی ہیں جب اگر اس بجلی کا چمکنا اور بجھنا بار بار ہو رہے ہیں مگر چونکہ وہ لوگ چمکنے سے راضی ہیں اور بجھنے سے ناخوش۔ اس لئے چمکنے کو کلما سے اور بجھنے کو اذا سے ارشاد فرمایا گیا۔ اضاء یہ لازم بھی ہو سکتا ہے کہ اور متعدی بھی یعنی یا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جب بھی ان کے سامنے بجلی چمکتی ہے اور یا یہ کہ جب بھی راستے کو چمکاتی ہے مشوا فیہ' مشوا مشی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ چلنا۔ لپک کر چلنے کو عربی میں خبت کہتے ہیں اور دوڑنے کو ھرولۃ مطلب یہ ہوا کہ وہ لوگ روشنی میں آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہیں۔ اور پھونک پھونک کر رکھتے ہیں۔ کیونکہ دہشت نے ان میں بھاگنے کی طاقت ہی نہ چھوڑی۔ فیہ کی ضمیر یا تو اضاء کی طرف لوٹتی ہے یا راستہ کی طرف یعنی وہ اس روشنی میں چلتے ہیں یا راستہ میں اظلم میں بھی لازم متعدی ہونے کا احتمال ہے۔ یعنی جب بجلی تاریک ہو جاتی ہے یا راستے کو تاریک کر دیتی ہے۔ قاموا قیام سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کھڑا ہو جانا اور ٹھہر جانا۔ بیٹھے سے اٹھنے کو کھڑا ہونا بولتے ہیں۔ اور چلتے چلتے رک جانے کو ٹھہر جانا اور یہاں یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں یعنی ان بے وقوفوں میں اتنی عقل نہیں ہے۔ اندھیرے میں پہلے چمکے ہوئے راستے پر کچھ قدم چل لیں بلکہ بجلی کے بجھتے ہی ٹھٹک رہتے ہیں ولو شاء اللہ سے یہ فرمایا جارہا ہے کہ ان کی یہ تدبیریں بالکل بے سود ہیں حق تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ جو ان کی آنکھیں اور کان محفوظ رہے وہ اس پر قادر ہے کہ کڑک اور چمک سے ان کی آنکھ کان کو بہر حال بیکار کر دے خواہ وہ اپنے کانوں میں انگلیوں کی بجائے کہنیاں ہی ٹھونس دیں بسمعھم و ابصارھم' سمع سننے کی قوت کو بھی کہہ سکتے ہیں اور کان کے اس پردے کو بھی جس میں یہ قوت محفوظ ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اسی طرح ابصار بصر کی جمع ہے۔ اس میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں کہ یا تو ان کے دیکھنے کی قوت مراد ہو یا آنکھوں کے وہ تل جن میں یہ قوت ہے۔ چونکہ دونوں کانوں کے درمیان پٹھا ایک ہے۔ اور دونوں آنکھوں کے تل جدا جدا اس لئے سمع کو واحد اور ابصار کو جمع لایا گیا۔ تو آیت کے معنی یہ ہوئے۔ اگر اللہ چاہتا تو ان کے دیکھنے اور سننے کی طاقت زائل فرما دیتا ان کے کان کے پردے ہی پھاڑ دیتا اور آنکھوں کے تل ہی ضائع فرما دیتا ان اللہ پہلے بتایا جا چکا ہے کہ ان یا تو وہاں بولتے ہیں جہاں کلام کا منکر موجود ہو یا وہاں جہاں انکار کا احتمال ہو چونکہ عرب کے مشرکین اور کفار حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے منکر تھے۔ اور آئندہ اسلام میں بھی اس کے منکرین پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے یہاں ان ارشاد فرمایا گیا چونکہ مشرکین چند معبود مانتے تھے اس لئے انہوں نے خدا کو ہر شے پر قادر نہ مانا کیونکہ مجبور ہی اپنے کاموں میں کسی مددگار کو اپنا شریک بناتا ہے اور جو خود ہر چیز پر قادر ہو اسے مددگار کی کیا ضرورت۔ اسی طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے حق تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کی اور مجبور ہی اولاد کا محتاج ہوتا ہے۔ نہ کہ ہر شے

www.alahazratnetwork.org

پر قادر اسی طرح آریوں نے حق تعالیٰ کو روح مادے کا محتاج مانا معتزلہ نے خود بندوں کو اپنے کا خالق مانا غرضیکہ بہت سے فرقے قدرت الٰہیہ کے منکر ہوئے اس لئے یہاں ان فرمایا گیا علی کل شیء۔ شیء کے لغوی معنی ہیں چاہا اور اصطلاح میں سے لے بولتے ہیں جس کا تعلق چاہنے سے ہو جس کا اردو ترجمہ ہے چیز آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ قرآن شریف میں شئی چار معنی میں استعمال ہوا معنی ممکن موجود جیسے خالق کل شیء کیونکہ مخلوق موجود ہی ہے نہ کہ غیر موجود ہے ممکن خواہ موجود ہو یا نہ ہو جیسے کہ اس آیت میں کیونکہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو اس کے چاہنے اور ارادے میں آسکے اور وہ ممکنات ہی ہیں اس لئے کہ واجب اور محال خدا کے ارادے میں آسکتے ہی نہیں۔ لہٰذا وہ قدرت میں داخل بھی نہیں پروردگار نہ تو اپنا شریک بنا سکتا ہے کیونکہ وہ محال ہے اور نہ خود عیوب سے موصوف ہو سکتا ہے کیونکہ یہ بھی محال ہے اور نہ خود اپنی ذات و صفات پر قادر ہے کیونکہ وہ واجب ہے لہٰذا اس شیء سے محال اور واجب دونوں خارج ہیں معنی معلوم جیسے کہ وکان اللہ بکل شیء علیما یہاں شیء میں واجب محال ممکن سب داخل ہیں کیونکہ خدا ان سب ہی کو جانتا ہے۔ معنی موجود خواہ واجب ہو یا ممکن جیسے قل ای شیء اکبر شہادۃ قل اللہ اسی طرح رب کا فرمانا کل شیء ھالک الا وجہہ ان دونوں آیتوں میں شیئی معنی موجود ہے۔ حق تعالیٰ بھی اس میں داخل ہے۔ اگر شئی کے ان معنی میں فرق نہ کیا جائے تو بہت غلطی ہو گی۔

دیوبندیوں نے اس آیت سے سمجھا کہ اللہ جھوٹ بھی بول سکتا ہے۔ کیونکہ جھوٹ بھی شے ہے۔ اور ہر شے پر خدا قادر اس کی بحث انشاء اللہ ہم اسی آیت کے اخیر میں عرض کریں گے قدیر' قدر سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اندازہ لگانا اور قادر ہونا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ ہر چیز کو اندازے سے پیدا فرماتا ہے۔ نہ اس سے کم نہ زیادہ۔ لہٰذا اندازہ فرمانے والا ہے اور کسی چیز سے وہ مجبور نہیں۔ لہٰذا وہ ہر شے پر قدرت رکھنے والا بھی ہے۔ دوسرے معنی یہاں زیادہ چسپاں ہیں۔ اگرچہ روح البیان نے پہلے معنی بھی کئے ہیں قدیر اور قادر کا فرق قادر اسم فاعل ہے۔ اور قدیر صفت شبہ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ صیغہ اسم فاعل اس پر بولتے ہیں جس سے فعل صادر ہو رہا ہے اور صفت شبہ اس کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس میں فعل کرنے کی صفت موجود ہو خواہ فی الحال کر رہا ہو یا نہ جیسے کہ سامع اسے کہا جائے گا جو فی الحال کچھ سن رہا ہو مگر سمیع وہ ہے۔ جس میں سننے کی قوت موجود ہے خواہ فی الحال سنے یا نہ سنے۔ سمیع کا مقابل ہے بہرا ایسے ہی متکلم وہ جو فی الحال بول رہا ہے اس کا مقابل ساکت یعنی خاموش مگر کلیم وہ ہے جس میں بولنے کی طاقت ہو جس کا مقابل ہے گونگا۔ لہٰذا حق تعالیٰ ہمیشہ سے قدیر ہے۔ خواہ مقدورات یعنی عالم موجود ہوں یا نہ ہوں۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت میں منافقین کے حال کو اور زیادہ واضح فرمایا گیا کہ جس طرح بارش میں بجلی کی چمک سے آنکھیں چندھیا تی اور بند ہو جاتی ہیں اور اس کی روشنی سے مسافر کچھ چلنے لگتا ہے اور اندھیرا ہونے پر ٹھہر جاتا ہے اس حال میں وہ حیران ہوتا ہے نہ منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے اور نہ لوٹ سکے۔ اسی طرح یہ منافقین جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے ہوئے معجزے اور قرآن پاک کی آیات دیکھتے ہیں جو مثل چمکتی ہوئی بجلی کے ہیں تو مجبوراً دل سے تصدیق کر لیتے ہیں جیسے کہ مسافر اس روشنی میں کچھ چل لیتے تھے اور پھر شکوک اور شبہات کی تاریکی میں آ کر رک جاتے تھے جیسے کہ وہ مسافر اندھیرا ہو جانے پر ٹھہر

جاتے ہیں لہٰذا ان کے دل کو سکون و قرار نہیں بلکہ حیران ہیں کہ اسلام کو مانیں یا نہ مانیں۔ نیز برق قرآن کی روشنی سے آنکھ بند کرنا اور اس کا انکار کئے جانا بیکار ہے کیونکہ اول تو اس سے بصیرت دور نہیں ہوتی اور پھر بھی رب تعالیٰ ان کو اندھا بہرا کر سکتا ہے۔ اب بھی بہت لوگ دیکھے جاتے ہیں جو دل سے اسلام کی حقانیت کا اقرار کرتے ہیں پھر ان کے دلوں میں ایسے شبہات آ جاتے ہیں کہ جس سے وہ حیران رہ جاتے ہیں اس کی دوسری تفسیر وہ بھی ہو سکتی ہے جو پہلے عرض کی گئی یعنی عیش و آرام پا کر اسلام کی حقانیت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ اور اگر کوئی مصیبت پڑ جائے تو منکر خیال رہے کہ بادل سے جنگل کا مسافر گھبراتا ہے اور گھر والے خوش ہوتے ہیں یعنی سایہ والوں کے لئے بادل رحمت و خوشی کا سبب ہے بے سایہ لوگوں کے لئے عذاب۔ زمین مدینہ میں صحابہ دامن محبوب کے ساتھ تھے منافق بے سایہ والے حضور نبوت کے آسمان۔ قرآن اس آسمان کا بادل احکام قرآن بارش، عذاب کی آیتیں گرج سزا دنیاوی کی آیات گویا برق جن سے صحابہ خوش تھے۔ منافق گھبرائے ہوئے یہ اختلاف حال تاقیامت رہے گا انسان کو جسمانی و روحانی سایہ کی ہر وقت حاجت ہے گرمی سردی بارش سے بچنے کے لئے سایہ کا محتاج ہے۔ بچہ ماں باپ کے رعایا بادشاہ کے شاگرد استاد کے سایہ کے حاجت مند ایسے ہی امتی حضور کے سایہ کے قبر و حشر میں محتاج ہیں اس آیت کے فائدے: اس آیت میں چند فائدے حاصل ہوئے ایک: یہ کہ اسباب کی تاثیر اللہ کے ارادے پر موقوف ہے اگر وہ نہ چاہے تو کسی سبب سے کچھ اثر نہیں ہو سکتا دوسرے: یہ کہ حق تعالیٰ کسی سبب کا محتاج نہیں وہ جو چاہے بغیر سبب بھی کر سکتا ہے کیونکہ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ بجلی اور گرج نہایت تیز تھیں مگر ان کی آنکھیں اور کان سلامت رہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ان کو اندھا اور بہرہ کرنا نہ چاہا اور اگر وہ چاہتا تو بغیر ان اسباب کے بھی کر سکتا تھا۔ تیسرے: یہ کہ آج بھی جو لوگ اللہ کی عبادت دنیوی آرام کے لئے کرتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں ہم نے بعض ایسے لوگ دیکھے کہ اگر ان کا کوئی نقصان ہو گیا تو نماز چھوڑ دی اور کہنے لگی کہ نماز تو پھلتی نہیں۔ اگر ہم کو پھلتی تو ہمارا یہ نقصان نہ ہوتا۔ یہ لوگ اس آیت سے عبرت حاصل کریں اگرچہ نیک کاموں سے بلائیں ٹل جاتی ہیں لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ نیکو کار پر بھی کوئی دنیاوی مصیبت آئے ہی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو صحابہ کرام خصوصاً حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ پر کوئی تکلیف نہ آتی بلکہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اپنے ذاتی فائدے کو مد نظر رکھ کر عبادت کرنا ٹھیک نہیں۔ لہٰذا محض جنت کے لئے نماز نہ پڑھو وہ تو اللہ کے فضل سے ملے گی نماز وغیرہ تو رب کو راضی کرنے کے لئے ہیں بارگاہ الٰہی میں تاجر بن کر نہ آؤ یعنی یہ نہ کہو کہ خدایا ہمارے اعمال کے بدلے جنت دے بلکہ یہ کہو کہ اپنے فضل سے ہمارے گناہ معاف کر دے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا ہے۔

من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر
قلم عفو بر گناہم کش

ع ماگدائیم نہ بازرگانیم۔ چوتھے: یہ کہ ایمان اطمینان سے حاصل ہوتا ہے۔ نیز: ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا نام ہے نہ کہ محض جاننے کا مشرکین بھی جانتے تھے کہ قرآن کریم فرماتا ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم** انشاء اللہ ہم جاننے اور ماننے کا فرق اسی آیت کے ماتحت بیان کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ : صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ طریقت کے مسافر کو بھی یہ مصیبتیں پیش آتی ہیں جو کہ یہاں بیان ہوئیں کیونکہ جو شخص اس راستہ میں قدم رکھتا ہے۔ اور کچھ محنت کے بعد اس میں کچھ تجلی انوار ہوتی ہے تو وہ خوش ہو کر خوب آگے بڑھنے کی

www.alahazratnetwork.org

کوشش کرتا ہے۔ مگر پھر اچانک وہ تجلیات کچھ دنوں کے لئے بند ہو جاتی ہیں تو یہ گھبرا جاتا ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے لگتی ہے اگر مستقل مزاج ہے تو ان حالتوں کی پرواہ نہ کرتا ہوا کوشش کئے جاتا ہے ورنہ تھک کر بیٹھ رہتا ہے اور تھک کر بیٹھنا ہی بڑی محرومی ہے۔ طالب مولیٰ کو لازم ہے کہ ان حالات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنا کام کئے جائے اور یہ بھی خیال رکھے کہ یہ دشوار گزار راستہ ہے اور سخت کٹھن منزل اس بھنور میں ہزاروں کشتیاں ڈوب چکی ہیں اور ہزاروں مسافر اس جنگل میں شیطانی ڈاکوؤں کے ہاتھ لٹ چکے ہیں۔ دنیوی نعمتیں شیطانی خیالات اور غرور وغیرہ اس سفر کی مصیبتیں ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ صوفی اور ولی ہمیشہ ایک حال پر نہیں رہتا۔ کبھی دنیا کی خبر رکھتا ہے اور کبھی اپنے سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گہے بر طارم اعلیٰ نشینم ۔ گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

ولی پر فیض کبھی زیادہ کبھی کم کچھ روز کے لئے بند بھی ہو جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی وحی یکساں نہ آتی تھی کبھی کبھی چند روز کے لئے بند بھی ہو جاتی تھی۔ لہٰذا اس راستے کی ان مصیبتوں کی پرواہ نہ کرے۔ **مسئلہ:** امکان کذب چونکہ اس آیت سے موجودہ زمانہ کے دیوبندیوں نے حق تعالیٰ میں جھوٹ جیسے عیب کا امکان مانا ہے۔ اس لئے کچھ اس کے متعلق بھی روشنی ڈالنی ضروری ہے۔ ہم اس کے متعلق ایک مقدمہ اور دو فصلیں پیش کرتے ہیں ناظرین سے توقع انصاف اور اپنے رب سے امید قبول رکھتے ہیں۔ **مقدمہ:** جھوٹ تمام عیبوں سے بدتر عیب ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ انسان بغیر جھوٹ کی مدد کے کوئی گناہ کر سکتا ہی نہیں اگر کوئی سچ بولنے کا عہد کرے تو انشاء اللہ تمام گناہوں سے خود بخود توبہ کرے گا کیونکہ چور، شرابی زانی یہ حرکتیں جب ہی کر سکتے ہیں جب کہ وہ پہلے سے جھوٹ بولنے کے لئے آمادہ ہو جائیں اور یہ خیال کر لیں کہ اگر ہم پکڑے گئے تو صاف انکار کر جائیں گے۔ اگر پہلے سے سچ بولنے کا ان لوگوں نے عہد کر لیا ہو تو وہ یہ حرکتیں کر سکتے ہی نہیں۔ **دوسرے:** یہ کہ کوئی بھی گناہ کفر نہیں مگر جھوٹ کفر اور شرک کی حد تک بھی پہنچ جاتا ہے۔ مشرک کہتا ہے کہ رب دو ہیں۔ یہ جھوٹ ہے اور کفر ہے۔ عیسائی کہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام رب کے بیٹے ہیں۔ جھوٹا اور کافر ہے۔ ایک شرابی جواری ان جرموں کو حرام کہتے ہوئے کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے مگر کافر نہیں کیونکہ جھوٹ نہیں بول رہا ہے۔ لیکن جب اس نے کہہ دیا کہ یہ چیزیں حلال ہیں اب جھوٹ بولا کافر ہو گیا۔ ماننا پڑے گا کہ بڑے سے بڑا گناہ بھی کفر نہیں اور جھوٹ اکثر کفر ہے۔ شریعت نے جن اعمال کو کفر قرار دیا جیسے کہ زنار باندھنا۔ چوٹی رکھنا وہ بھی اسی لئے کہ یہ تکذیب دین کی علامات ہیں وہاں بھی جھوٹ ہی کفر ہوا **تیسرے:** یہ کہ قرآن کریم میں کسی گناہ گار پر لعنت نہیں فرمائی گئی سوائے جھوٹے کے کہ فرمایا گیا **لعنت اللہ علی الکذبین ۝** خیال رہے کہ ظالم اور کافر پر جو لعنتیں آتی ہیں وہ جھوٹ کی ہی وجہ سے ہیں کیونکہ کفر و شرک میں جھوٹ ضرور ہو گا اور ظالمین سے بھی کفار ہی مراد ہیں۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ جھوٹے کے سوا کوئی لعنت کا مستحق نہیں **چوتھے** یہ کہ جھوٹا آدمی چھچھورا ہوتا ہے اور چھچھورا حکومت کے قابل نہیں۔ بہر حال جھوٹ تمام عیبوں سے بدتر عیب ہے یہ بات اپنے ذہن میں رکھو انشاء اللہ آئندہ کام آئے گی۔ **پہلی فصل:** خدائے تعالیٰ کے جھوٹ سے پاک ہونے کے دلائل۔ **پہلی دلیل:** چونکہ جھوٹ عیب ہے بلکہ تمام عیبوں سے بدتر عیب اور رب تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک لہٰذا جھوٹ سے بھی پاک خیال رہے کہ جس طرح دوسرے عیبوں کا حق تعالیٰ کے لئے امکان نہیں یعنی چوری اور زنا وغیرہ اس کے لئے محال بالذات ہیں اسی طرح اس کا جھوٹ بولنا بھی محال بالذات **دوسری دلیل:** جب کسی کلی کی دو ہی فردیں ہوں تو ہر ایک کا حکم دوسری فرد کے لحاظ سے ہو گا خبر کی دو ہی قسمیں ہیں سچی یا

www.alahazratnetwork.org

جھوٹی۔ لہٰذا اگر خدا کی خبروں میں جھوٹ کی گنجائش ہو تو ان کا سچا ہونا واجب نہ رہا جھوٹ کے امکان سے سچ کی ضرورت جاتی رہی۔ **تیسری دلیل:** خدا کی تمام صفتیں واجب ہیں اگر جھوٹ کا احتمال ہو تو سوال یہ پیدا ہو گا کہ وہ جھوٹ خدا کی صفت بنے گا یا نہیں اگر صفت ہے تو اس کو واجب ہونا چاہئے تھا۔ اور اگر صفت نہیں ہے تو اس کے امکان کے کیا معنی۔

چوتھی دلیل: کلام صادق خدا کی صفت ہے۔ جب خدا کا جھوٹ ممکن ہوا تو سچ بھی واجب نہیں رہا جس سے لازم یہ آیا کہ خدا کی صفت ممکن ہوئی۔ **پانچویں دلیل:** جھوٹ بولنے کی صرف تین وجہیں ہوتی ہیں۔ بے علمی، عاجزی اور خباثت اگر کسی شخص کو خبر ملی اس نے وہی لوگوں سے بیان کر دی یہ تو شخص اپنی بے خبری کی وجہ سے جھوٹ بات کہہ گیا زید نے وعدہ کیا کہ میں ایک ماہ کے بعد قرض ادا کروں گا مگر اس مدت میں روپیہ اس کے ہاتھ نہ آیا اور اس وعدہ میں جھوٹا ہو گیا یہ جھوٹ اس کی مجبوری کی وجہ سے ہوا۔ اسی طرح کسی شخص کو جھوٹ بولنے کی عادت ہو گئی کہ بلاوجہ جھوٹ بولا کرتا ہے۔ یہ جھوٹ خباثت نفس کی وجہ سے ہوا لیکن خدائے تعالیٰ ان تینوں عیوب سے پاک لہٰذا جھوٹ سے پاک **چھٹی دلیل:** کوئی چیز خدا کی مثل نہیں ہو سکتی خدا کی شان سب سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ انبیاء کرام کا جھوٹ بولنا ممکن بالذات اور محال بالغیر ہے۔ اگر رب تعالیٰ کا جھوٹ بھی ایسا ہی ہو تو معاذ اللہ اس وصف میں انبیاء اس کی مثل ہو گئے۔ **ساتویں دلیل:** جس کلام میں جھوٹ کا احتمال ہو۔ سننے والے کو اعتبار نہیں ہو تا۔ اگر خدا کی خبروں میں جھوٹ کا امکان ہو تو اس کی کوئی خبر یقینی نہ رہی۔ اور بغیر یقین ایمان حاصل نہیں ہو تا۔ لہٰذا کوئی دیوبندی امکان کذب کا مسئلہ مان کر مومن نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے خدا کی ہر خبر میں جھوٹ کا امکان نظر آئے گا۔ اور وہ یقین جو ایمان کے لئے ضروری ہے اس کو حاصل نہ ہو گا۔ **آٹھویں دلیل:** جس طرح کہ دوسرے عیوب الوہیت کے خلاف ہیں۔ اسی طرح جھوٹ بھی اس کے خلاف ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر و تفسیر روح البیان اور دیگر کتب علم کلام **نویں دلیل:** بعض چیزیں بندوں کے لئے کمال ہیں اور رب کے لئے عیب جیسے کھانا پینا اور عبادت کرنا۔ یہ بھی حق تعالیٰ کے لئے محال بالذات ہیں تو جھوٹ کہ بندوں کے لئے بھی اول نمبر کا عیب ہو وہ رب کے لئے ممکن کیوں کر ہو گا۔ **دسویں دلیل:** دیوبندیوں میں بھی منطق دان لوگ ہیں وہ اس مسئلہ کے قائل نہ ہوئے اور تمام علماء منطق نے اس مسئلہ کی تردید ہی کی۔ چنانچہ مولانا عبد اللہ ٹونکی اور شاہ فضل الحق خیر آبادی نے اس کی تردید میں رسالے لکھے۔ دیوبندیوں کے مایہ ناز منطقی مولانا عبد الوحید صاحب سنبھلی بھی کہا کرتے تھے کہ ہمارے بڑوں سے اس مسئلہ میں سخت غلطی ہو گئی ہے جس سے معلوم ہو تا ہے کہ یہ مسئلہ نہایت بے ہودہ ہے۔

دوسری فصل اعتراض و جواب

اعتراض: اگر خدائے تعالیٰ جھوٹ پر قادر نہ ہو تو مجبور ہو گا۔ اور مجبوری اس کی الوہیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** مجبوری اسے کہتے ہیں کہ جہاں مفعول میں اثر قبول کرنے کی قابلیت ہو۔ مگر فاعل میں اثر کی طاقت نہ ہو۔ اور اگر خود مفعول ہی اثر نہیں لے سکتا تو یہ قصور مفعول کا ہے نہ کہ فاعل کا اگر کوئی روشنی میں قریب کی چیز نہ دیکھے تو اندھا ہے۔ لیکن اگر اندھیرے میں یا بہت دور کی چیز نہ دیکھ سکے تو اندھا نہیں۔ کیونکہ یہاں اس کی آنکھ کا قصور نہیں۔ بلکہ اس چیز کا قصور ہے کہ جو اس کے دیکھنے کے قابل نہ رہی۔ اسی طرح خود عیوب اس قابل نہیں کہ خدا کی قدرت میں داخل ہوں۔ لہٰذا یہ قصور ان عیوب کا ہے نہ کہ قدرت کا۔ اگر اسی کا نام مجبوری ہو تا تو تمہارے نزدیک بھی خدائے تعالیٰ بہت سے عیوب پر قادر نہیں جیسے کہ موت وغیرہ دوسرا

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: جھوٹ بھی ایک شے ہے اور ہر شے خدا کی قدرت میں داخل۔ جواب: خدا کا جھوٹ شے نہیں کیونکہ وہ محال ہے اور بندوں کا جھوٹ بولنا بے شک شے ہے۔ خدائے تعالیٰ اس کے پیدا کرنے پر واقعی قادر ہے نہ کہ خود اس سے موصوف ہونے پر۔ کیونکہ سارے عیب بھی خدا کی مخلوق ہیں مگر خدا ان سب سے پاک ہے عیب کو پیدا کرنا اور جاننا عیب نہیں ہاں عیب کرنا عیب ہے تیسرا اعتراض: خدا کی خبریں بھی خبریں ہیں اور خبر اسی کو کہتے ہیں۔ جس میں جھوٹ سچ کا احتمال ہو۔ اگر جھوٹ کا احتمال نہ ہو تو سچ کا بھی امکان نہ رہے گا لہٰذا اس کی خبروں کو خبر بنانے کے لئے ان میں جھوٹ کا امکان مانو مگر چونکہ وہ خدا کی خبریں ہیں اس لئے جھوٹی ہوں گی نہیں۔ لہٰذا ان خبروں کا جھوٹا ہونا ممکن بالذات اور محال بالغیر ہے۔ جواب: مطلق خبر جنس ہے اور حق تعالیٰ کی خبر اس کی نوع۔ اس نوع میں حق تعالیٰ کی نسبت مثل فصل کے ہے۔ فصل کے ذریعہ سے نوع پر جو احکام جاری ہوتے ہیں وہ سب ذاتی ہوتے ہیں ہاں جنس کے لئے عارضی جیسے کہ ناطق کے احکام انسان کے لئے ذاتی ہیں اور حیوان کے لئے عارضی۔ لہٰذا جب نسبت الٰہی نے جھوٹ ہونے کو محال کیا تو محال ہونا رب کی خبر کے لئے بالذات اور مطلق خبر کے لئے بالعرض ہوا۔ ہماری اس تقریر سے بفضلہ دونوں اعتراض کافور ہو گئے۔ چوتھا اعتراض: حق تعالیٰ کے سچے ہونے کی تعریف جب ہی کی جا سکتی ہے جب کہ وہ جھوٹ پر قادر ہو۔ مگر نہ بولے۔ اگر اس کو جھوٹ پر قدرت ہی نہ ہو تو پھر سچے ہونے میں کیا کمال جیسے کہ دیوار کے جھوٹ نہ بولنے کی تعریف نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس میں بولنے کی طاقت ہی کہاں ہے۔ (یہ اعتراض اسمٰعیل دہلوی کی خباثت کا نتیجہ ہے) جواب: ماشاء اللہ کیا اچھا قاعدہ ایجاد کیا۔ خدا تعالیٰ کے خائن نہ ہونے کی تعریف چوری نہ کرنے کی تعریف سارے عیبوں سے پاک ہونے کی تعریف کی جاتی ہے۔ اس قاعدے سے لازم آتا ہے کہ یہ سارے عیب خدا کے لئے ممکن ہوں۔ کیونکہ بغیر امکان خدا کی تعریف کرنا ناممکن ہے۔ جناب حق تعالیٰ کی تعریف اس طرح کی جائے گی کہ اس بارگاہ تک کسی عیب کی رسائی ہی نہیں یاد رہے کہ دیوار کا جھوٹ محال بالغیر نہیں۔ بلکہ محال عادی ہے۔ انبیاء کرام اولیاء عظام سے پتھروں نے کلام کیا اور آئندہ بھی کریں گے۔ تو مولوی اسمٰعیل صاحب کے اس قاعدے سے لازم آتا ہے کہ حق تعالیٰ کا جھوٹ بالغیر تو کیا محال عادی بھی نہ ہو تاکہ اس کی تعریف کی جا سکے۔ پانچواں اعتراض: یہ سب مانتے ہیں کہ خدائے تعالیٰ کی وعیدوں کا خلاف ہو سکتا ہے۔ مثلاً اس نے خبر دی کہ مسلمان کو قتلاً قتل کرنے والے کی سزا جہنم ہے۔ لیکن سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ وہ اگر چاہے تو قاتل کو جہنم نہ بھیجے اور یہی جھوٹ ہے۔ جواب: معاذ اللہ اس کو جھوٹ سے کیا تعلق اولاً تو خدا کی ساری وعیدیں اس کے ارادے پر موقوف ہیں کہ وہ اگر چاہے تو سزا دے اور چاہے تو معاف فرمادے۔ قرآن کریم نے فرمایا ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء اس آیت نے شرک کے سوا ساری وعیدوں کو رب کے چاہنے پر موقوف کر دیا لہٰذا جس گنہگار کی بخشش ہو گی وہ اسی مضمون کا ظہور ہو گا دوسرے: یہ کہ قصور معاف کرنا کرم ہے نہ کہ جھوٹ لہٰذا جھوٹ عیب ہے تیسرے: یہ کہ یہ اعتراض تو تم پر بھی پڑتا ہے۔ کیونکہ رب کے جھوٹ کو تم محال بالغیر مانتے ہو۔ اور وعید کی مخالفت واقع ہے۔ اگر یہ کذب ہے تو تم خدا کے کذب کو واقع مانو نہ کہ محال بالغیر۔ چھٹا اعتراض: رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے ہوتے ہوئے کفار مکہ پر عذاب نہ بھیجیں گے اور پھر خود ہی فرمایا قل ھو القادر علی ان یبعث علیکم عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم یعنی اے کفار مکہ اللہ قادر ہے کہ تم پر اوپر یا نیچے سے

www.alahazratnetwork.org

عذاب بھیجے۔ دیکھو ان کفار مکہ سے عذاب نہ بھیجنے کا وعدہ فرمایا گیا لیکن دوسری آیت میں عذاب بھیجنے پر قدرت ثابت فرمادی گئی جس سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ اپنا وعدہ توڑنے پر بھی قادر ہے اور یہی جھوٹ ہے یہ اعتراض دیوبندی مذہب کا انتہائی ہے جس کو مولوی خلیل احمد اور رشید احمد ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔ جواب: عالم کی ہر چیز کا ہونا حق تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہے فرماتا ہے **فعال لما یرید** اور فرماتا ہے کہ **علی ما یشاء قدیر** کفار مکہ پر عذاب آنا چونکہ یہ بھی عالم کی ایک چیز ہے لہٰذا ممکن اور رب اس پر قادر اسی امکان و قدرت کا ذکر تمہاری پیش کردہ دوسری آیت میں ہوا لیکن جب عالم کی کسی چیز سے حق تعالیٰ کے ارادے کا تعلق ہو جائے تو اب اس کے خلاف ہونا محال بالذات اس کا ذکر پہلی آیت میں ہوا تو خلاصہ یہ ہوا کہ کفار مکہ پر عذاب کا آنا اور نہ آنا خود اپنے لحاظ سے دونوں ممکن ہیں۔ مگر اس لحاظ سے کہ عذاب نہ آنے کا حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا۔ اور اس کے ارادے کے خلاف ہونا محال بالذات لہٰذا اس حال میں عذاب کا آنا محال بالذات۔ مثال سمجھو۔ زید کھڑے ہونے اور بیٹھنے دونوں پر قادر ہے مگر جب کھڑا ہو گیا تو کھڑے ہونے کی حالت میں بیٹھنا محال بالذات ہے۔ کیونکہ وہ اجتماع ضدین کی مثال ہے۔ اسی طرح حق تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے اور فنا کرنے پر قادر۔ لیکن جب کسی کو پیدا فرمایا تو پیدا ہو چکنے کی حالت میں فنا ہونا محال بالذات اس طرح کہ ہستی اور نیستی دونوں جمع ہو جائیں۔ ہاں جب نیستی کی جائے گی تو ہستی فنا ہو جائے گی۔ ہر ضد ہونا محال بالذات اس طرح کہ ہستی اور نیستی دونوں جمع ہو جائیں۔ تینوں کا یہی حال ہے کہ ان میں سے ہر ایک ممکن لیکن ایک کے ہوتے ہوئے دوسرے کا ہونا محال بالذات اور موٹی مثال سمجھو کنواری لڑکی جس مسلمان سے چاہے نکاح کرے یعنی بطریق بدلیت ہر مسلمان کے نکاح میں آسکتی ہے۔ مگر جب ایک سے نکاح کر لیا تو دوسرے سے نکاح کرنا اسی حال میں شرعاً محال بالذات ہو گیا اور سمجھو کہ زید کے پیدا ہونے سے پیشتر ہر شخص بطریق بدلیت اس کا باپ بن سکتا تھا لیکن جب وہ بکر کے نطفے سے پیدا ہو چکا اور بکر اس کا باپ بن چکا تو اس حالت میں کسی اور کا باپ بننا محال بالذات ہے۔ حق تعالیٰ قادر نہیں کہ کسی اور کو بھی زید کا باپ بنا دے کذب جب ہوتا ہے جب کہ تعلق ارادے کے باوجود حق تعالیٰ ان کے عذاب پر قادر ہو تا جب تعدد امکان اور چیز ہے اور امکان تعدد دوسری چیز اس عذاب بھیجنے میں امکان کا تعدد ہے نہ کہ تعدد کا امکان قرآن پاک سمجھنے کے لئے عقل و علم بھی ضروری ہے۔ اور دین بھی مگر دیوبندیوں کے ہاں ان تینوں کا دیوالہ ہے۔ یہ دیوبندیوں کا انتہائی اعتراض تھا جو بفضلہ تعالیٰ پاش پاش ہو گیا اور ہم تو اس سے یہ بھی سمجھے کہ وہ ابھی تک امکان کذب کے معنی سمجھے ہی نہیں۔ یہ کون کہتا ہے کہ عالم کی بعض چیزیں ممکن ہیں اور بعض ناممکن۔ نقیضین ضدیں ہر ایک ممکن لیکن ان کا جمع ہونا محال بالذات اسی کا نام امکان کذب ہے۔ اس سوال کا آسان جواب یہ ہے کہ آیت **ما کان لیعذبهم** میں عام عذاب ظاہری مراد ہے مسخ اور پتھر برسنا وغیرہ اور دوسری آیت یعنی **قل هو القادر** میں عذاب باطنی مراد ہے۔ یعنی جنگوں میں شکست قحط سالی۔ سخت بیماریاں وغیرہ یا عذاب ظاہری خاص جیسے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ قرب قیامت بعض قوموں کی صورتیں مسخ ہوں گی زمین دھنسنے لگے گی۔ حضور کی تشریف آوری سے عام عذاب ظاہری آنا منع ہو گیا دوسرا عذاب منع نہیں آیت **وما کان اللہ لیعذبهم** سے پہلے کفار مکہ کی یہ دعا مذکور ہے کہ **امطر علینا حجارة من السماء او ائتنا**۔ جس سے پتہ لگا کہ وہاں یہی عذاب مراد ہے خیال رہے کہ کذب صدق خبری صفت ہے نہ کہ مخبر عنہ کی لہٰذا یہ محال بالذات ہے کہ رب تعالیٰ خلاف واقع کی خبر دے یہی امتناع کذب کے معنی ہیں جن کے جنتی ہونے کی خبر دے دی گئی اگر وہ دوزخ میں جا سکتے ہیں تو یہ خبر بالذات ہوتی۔ ساتواں اعتراض: عام متکلمین فرماتے ہیں مقدور

www.alahazratnetwork.org

العبد مقدور اللہ یعنی جس پر بندہ قادر ہے اور اس پر خدا بھی قادر ہے اور جھوٹ پر تو بندہ قادر تو چاہئے کہ خدا بھی قادر ہو

جواب: اس قول کا مطلب یہ ہے کہ جس کے کسب یعنی کرنے پر بندہ قادر ہے۔ اس کے خلق، پیدا کرنے پر خدا بھی قادر کیونکہ وہ ممکن ہی ہو بلکہ یہ کہ خدا بھی اس کے کرنے پر قادر ہو جائے اگر یہ مطلب ہو تو کھانا، سونا، چوری وغیرہ سب پر قادر ہے کیا رب کو ان پر قادر مانو گے آٹھواں اعتراض: خدا پاک قادر ہے کہ ہزاروں محمد بنا دے۔ قل سنت جو کہتے ہیں کہ اب نئے نبی کا آنا محال بالذات ہے غلط ہے۔ اسی طرح یہ کہتے ہیں کہ حضور کا مثل ناممکن ہے غلط ہے۔ جس نے ایک محمد کو پیدا کیا وہ لاکھوں محمد نہیں بنا سکتا (ماخوذ از تقویۃ الایمان) جواب: دیوبندی فوج میں تھسنا کہاں یہ گنگا کی موج میں جمنا کہاں۔ یہ مسئلہ امکان نظیر ہے کہ جو امکان کذب کی شاخ ہے۔ اس میں دو گفتگو ہیں۔ ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نئے پیغمبر کا آسکنا دوسرے آپ کا مثل ہو سکنا پہلے مسئلہ کی تحقیق تو بسند تعالیٰ سوال نمبر ۴ کے جواب میں پوری پوری ہو چکی یعنی حق تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ لاکھوں میں جس کو چاہتا خاتم النبیین بنا کر بھیج دے یعنی بطریق بدلیت لاکھوں خاتم النبیین بننا ممکن تھا مگر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتخاب ہو گیا اور آپ خاتم النبیین بن گئے تو اب کسی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ جس کی نہایت نفیس مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں کہ ہر شخص ہندہ کا شوہر اور زید کا باپ بن سکتا ہے مگر جب ایک بن گیا تو دوسرے کا بننا محال جب زید کا دوسرا باپ نہیں بن سکتا تو دوسرا خاتم النبیین کیسے ہو سکتا ہے۔ بہرحال یہ مسئلہ اس کی تفصیل کے لئے رسالہ مبارکہ امتناع النظیر مصنفہ حضرت شاہ فضل حق صاحب کا مطالعہ کرو میں مختصراً عرض کرتا ہوں یہ سب کو معلوم ہے کہ دو نقیضوں اور دو ضدوں کا جمع ہونا محال بالذات ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ماننے میں یہ دونوں باتیں لازم ہیں۔ اس طرح کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں۔ آپ کا دین آخری دین ہے۔ آپ کی کتاب آخری کتاب ہے۔ اب اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی مثل فرض کیا جائے تو اگر ان باتوں میں وہ آخری ہو تو حضور آخر نہ رہے اور اگر حضور علیہ السلام آخری ہوں تو وہ دوسرا آخر نہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے شفاعت فرمانے والے سب سے پہلے رب سے کلام فرمانے والے سب سے پہلے صراط سے گزرنے والے سب سے پہلے جنت میں جانے والے سب سے پہلے آپ کی قبر انور کھلے گی۔ سب سے پہلے آپ ہی کا نور پیدا ہوا۔ میثاق کے دن سب سے پہلے آپ ہی نے بلیٰ (ہاں) فرمایا اتنی باتوں میں حضور سب سے پہلے ہیں۔ اگر کوئی آپ کی مثل ہو تو اس میں یہ اولیتیں جمع ہوں گی یا نہیں اگر ہوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ رہیں گی ورنہ دو نقیضیں جمع ہوں اور اگر نہ ہوں تو وہ آپ کا مثل کیسے۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری اولاد آدم کے سردار ہیں سارے انسان قیامت میں آپ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے سارے انسانوں کے آپ خطیب ہوں گے۔ سارے روتوں کو آپ ہنسائیں گے۔ سارے ہاتھ آپ کے دامن کی طرف بڑھیں گے سارے لوگوں میں سے آپ کو مقام محمود ملے گا سارے لوگوں میں آپ کو وسیلہ (جنت کا اعلیٰ مقام) ملے گا سارے لوگوں کے آپ نبی ہیں رسول اللہ الیکم جمیعا اگر کوئی آپ کا مثل ہو تو بتاؤ اس میں یہ صفتیں ہوں گی یا نہیں۔ اگر ہوں گی تو اجتماع نقیضین ہے۔ اور اگر نہ ہوں تو وہ مثل کیسے۔ حق یہ ہے کہ حق تعالیٰ خالقیت میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف میں وحدہٗ لاشریک۔ جس طرح دو خدا الٰہ ہونا محال۔ ایسے ہی دو مصطفیٰ ہونا محال۔ ہمارا ایک شعر یاد کرلو۔

www.alahazratnetwork.org

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبدا و منتہا
تمہیں دوسرے کی یہاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا ہے

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ کسی کے وہم و گمان میں نہ دکان آئینہ ساز میں

نواں اعتراض : خدا تعالیٰ قادر ہے کہ اس جیسا دوسرا عالم بنادے اور اس عالم میں اس عالم کی سی تمام چیزیں ہونا ضروری ہیں ورنہ وہ اس عالم کی طرح نہ ہوگا۔ لہٰذا اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی بھی ضرور ہوگی ورنہ وہ عالم اس عالم جیسا نہ ہوگا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ رب تعالیٰ اس عالم جیسا دوسرا عالم پیدا فرمانے پر قادر ہے اور عالم ماسوی اللہ ہر ممکن کو کہتے ہیں چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظیر ناممکن ہے اس لئے وہ عالم سے خارج ہے۔ دوسرے یہ کہ عالم جمیع ماسوی اللہ کو کہتے ہیں جب سارے ماسوی اللہ عالم میں داخل ہو چکے تو دوسرا عالم ناممکن ہوا کیونکہ اس فرضی عالم میں جو شے لائی جائے گی وہ اس سے پہلے فرضی عالم کا جز ہوگی۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ

اے لوگو عبادت کرو رب اپنے کی وہ رب جس نے پیدا کیا

اے لوگو اپنے رب کو پوجو جس نے تمہیں اور تم سے اگلوں کو پیدا کیا

مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ 21 الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ

تم کو سے پہلے تمہارے شاید کہ تم متقی بن جاؤ وہ بنایا واسطے تمہارے

یہ امید کرتے ہوئے کہ تمہیں پرہیزگاری ملے وہ جس نے تمہارے

الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت اور اتارا ہے آسمان

لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو عمارت بنایا اور آسمان سے پانی اتارا

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا

پانی پس نکالے سے اس بعض پھلوں کو کھانے کے لئے تمہارے پس نہ

تو اس سے کچھ پھل نکالے تمہارے کھانے کو تو

لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ 22

بناؤ واسطے اللہ کے برابر والے حالانکہ تم جانتے ہو۔

اللہ کے لئے جان بوجھ کر برابر والے نہ ٹھہراؤ۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : نبی کے لئے ضروری ہے کہ سب سے اپنی کتاب کا کتاب الہی ہونا بیان کرے۔ اس کے بعد اس مقصد کو دنیا کے سامنے پیش کرے جس کے لئے وہ دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی پہلے قرآن کریم کا کتاب الہی ہونا بیان فرمایا۔ اور اس کی یہ صفت بیان فرمائی کہ وہ ازلی نیک بختوں یعنی متقیوں کے لئے ہدایت ہے اور متقیوں کی پہچان کے لئے کھلے اور چھپے دونوں قسم کے کافروں کا ذکر فرمایا۔ اسی سبب سے قرآن پاک کی پہچان کرانا مقصود تھا۔ جب یہ مرحلہ طے ہوچکا اور بندوں کو ہدایت حاصل کرنے اور بدبختی سے بچنے کا مشتاق بنادیا تو اب اس مقصود کو بیان فرمایا جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں بھیجا گیا تھا۔ یعنی باغیوں کو وفادار بنانا اور رب کو حق تعالیٰ کا عبادت گزار بنانا۔ لہٰذا ان سب آیتوں کے بعد عبادت کا ذکر فرمایا دوسرے: اس طرح بھی تعلق ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ایمان اور کفر و نفاق کا ذکر فرمایا گیا۔ تاکہ سننے والا ایمان اختیار کرے اور کفر و نفاق سے بچے۔ اب اس کے بعد عبادت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کیونکہ ایمان لانا اور کفر سے بچنا عبادت سے پہلے ہے تیسرے: اس طرح کہ اس سے پہلے قرآن کی صفت بیان ہوئی۔ اب خدا کی ذات و صفات کا ذکر ہے۔ چونکہ قرآن سے خدائے پاک کو صحیح طرح پہچانا جاتا ہے۔ اس لئے کتاب کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔

تفسیر : یا پکارنے کا حرف ہے۔ پکارنے سے چند مقصود ہوتے ہیں۔ ا غافل کو اپنی طرف متوجہ کرنا یا ایھا الناس 2 غائب کو حاضر کرنا۔ عتاب ظاہر کرنا۔ جیسے یا خبیث۔ یا ابلیس اظہار کرامت جیسے یا ایھا النبی اظہار محبت جیسے یا ایھا المزمل اظہار عجز یا اللہ تکوین' تاثیر جیسے یجبا اولی وغیرہ وغیرہ رب تعالیٰ ہم کو پکارتا ہے۔ ہماری غفلت دور کرنے کے لئے اپنے نبی کو پکارتا ہے کرامت محبت ظاہر فرمانے کے لئے۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی خدا سے غافل نہیں رہے۔ آسمان و زمین کو پکار الطاعت کرانے کے لئے وغیرہ وغیرہ ایسے ہی ہم رب کو پکارتے ہیں اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے کیونکہ رب تعالیٰ ہم سے کبھی بھی غافل نہیں غرض کہ ایک ہی ندا سے بہت سے معنی حاصل ہوتے ہیں۔ یہاں یہ ندا غافلوں کو تنبیہ کے لئے بھی ہو سکتی ہے اور غائبوں کو حاضر کرنے کے لئے بھی۔ اور عتاب کے لئے بھی۔ کیونکہ ناس کے لغوی معنی ہیں بھولنے والے تو مطلب یہ ہوا کہ اے ہم کو بھول جانے والو ہماری طرف آجاؤ ایھا جب معرف باللام پر یا لگاتے ہیں تو ان میں فاصلہ کرنے کے لئے ایھا داخل کردیا جاتا ہے۔ چونکہ اس ایھا میں تنبیہ کی بو ہے اس لئے اللہ پر نہیں آتا یعنی یا ایھا اللہ اور یا ایھا الرحمان نہیں کہا جاتا۔ الناس مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اکثر الناس سے مکے والوں کو اور الذین امنوا سے مدینے والوں کو پکارا جاتا ہے مگر یہاں الناس میں تمام انسانوں سے خطاب ہے۔ یعنی کافر مومن 'منافق وغیرہ۔ (تفسیر خزائن العرفان و روح البیان) اور حق یہ ہے کہ قیامت تک آنے والے انسان اس خطاب میں داخل ہیں اعبدوا۔ اعبدوا عبادت سے بنا ہے۔ اور عبادت کے معنی ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کرچکے ہیں کیونکہ یہاں الناس میں سارے کفار 'مومنین 'منافقین داخل ہیں اسی لئے ضروری ہے کہ اعبدوا کے معنی بھی ایسے وسیع کئے جائیں جو ان سب کے لئے مناسب ہوں لہٰذا اس کے معنی یہ ہوں گے۔ کہ اے کافرو عبادت کرو یعنی ایمان لے آؤ اور اے منافقو عبادت کرو یعنی مخلص بن جاؤ اے گنہگارو عبادت کرو یعنی نمازی بن جاؤ۔ اے بخیلو عبادت کرو یعنی زکوۃ دو۔ اے بے روزو عبادت کرو یعنی روزے رکھو وغیرہ وغیرہ ربکم۔ حق تعالیٰ کے تمام ناموں میں سے رب اس لئے فرمایا گیا کہ سننے والوں کو عبادت کا شوق پیدا ہو

www.alahazratnetwork.org

اور حکم مع وجہ کے ہو جائے۔ یعنی تم خدا کی عبادت کرو۔ کیونکہ وہ تمہارا پالنے والا ہے اور پالنے والے کا حق ہوتا ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے **الذی خلقکم** میں حق تعالیٰ کی ربوبیت ہی کا ذکر ہے۔ چونکہ پالنا پیدا کرنے کے بعد ہوتا ہے۔ اس لئے پیدا کرنے کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور رزق کا بعد میں **خلق** خلق سے بنا ہے۔ خلق کے معنی ہیں نیستی سے ہستی میں لانا۔ جو صرف خدا ہی کا کام ہے اور اسباب جمع کرنے کو کسب کہتے ہیں بندہ کاسب ہے خالق نہیں۔ کسب کے معنی ہیں اسباب جمع کرنا عورت مرد کا ملنا بچے کی پیدائش کا سبب ہے۔ لیکن اس کا پیدا ہونا حق تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے **والذین من قبلکم** سے یہ بتایا گیا کہ وہ تمہارا بھی پیدا کرنے والا ہے اور تم سے پہلی امتوں کا بھی یا تمہارے باپ داداؤں کا بھی جس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ تمہارا قدیمی محسن اور تم اس کے قدیمی غلام ہو۔ لہٰذا تم پر دو طرح حق ہے۔ کہ تم اس کی عبادت کرو۔ **لعلکم** عربی زبان میں **لعل** شک کے لئے آتا ہے اور رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ اس لئے یہاں اس کے تین معنی کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ اس کا استعمال عربی زبان کے محاورے کے مطابق ہے۔ یعنی چونکہ عربی میں **لعل** بولا جاتا ہے اور یہ قرآن بھی عربی ہے محض اس لئے **لعل** فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ بندوں کے حق میں **لعل** شک کے لئے ہے۔ لیکن حق تعالیٰ کی طرف سے یقین کے لئے کیونکہ کریم اسی کی امید دلاتا ہے جو کہ یقینی ہونے والی ہو۔ اب اس کے معنی ہوں گے تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ تیسرے یہ کہ یہ لعل بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب کے لحاظ سے تو مطلب یہ ہوا کہ اے لوگو تم رب کی عبادت اس امید پر کرو کہ شاید تمہیں تقویٰ حاصل ہو جائے یعنی نہ تو دنیاوی لالچ سے کرو۔ نہ خدا سے ناامید ہو کر اور نہ اس سے بے خوف ہو کر کیونکہ مرنے سے پہلے اپنی کامیابی کا یقین نہیں ہو سکتا بڑے بڑے پرہیزگار مرتے وقت بے ایمان ہو گئے۔ لہٰذا تم عبادت کرے جاؤ اور رب سے ڈرے جاؤ **تتقون** یہ لفظ تقویٰ سے بنا ہے اور یہاں تقویٰ کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ عذاب الٰہی سے بچ جانا پرہیزگار ہو جانا دل میں پرہیزگاری کا نور پیدا ہو جانا تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے لوگو اپنے رب کی عبادت کرو۔ شاید کہ تم اس کے عذاب سے بچ جاؤ یا شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ یا شاید کہ تمہارے قلب میں پرہیزگاری کا نور جلوہ گر ہو جائے۔ عبادت تقویٰ کی ابتداء ہے۔ اور تقویٰ اصل مقصود یا عبادت ایک راستہ اور پرہیزگاری منزل مطلوب اس راستے کو طے کئے جاؤ۔ شاید تم منزل مقصود پر پہنچ جاؤ یا اپنے ظاہر جسم کو عبادت کے زیور سے آراستہ کئے جاؤ شاید تمہیں نور قلبی میسر ہو جائے یا اپنی گندگی کو درست کئے رہو تاکہ تمہاری روح کو قوت حاصل ہو **الذی جعل** رب تعالیٰ نے اپنی پہچان یوں کرائی تھی کہ اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا اور یہ ایک چھپی ہوئی بات تھی۔ اس لئے کہ جب انسان کو اپنا ہونا اور ابتدائی پرورش ہی یاد نہیں تو یہ کیسے جانے کہ میرا خالق کون ہے اس لئے رب تعالیٰ کی اور کھلی ہوئی نشانیاں بتائی گئیں کہ میاں تمہارا خالق وہی تو ہے۔ جس نے تمہارے لئے زمین کا بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا ہے۔ اور زمین پر قسم قسم کے رزق پیدا فرما کر تمہاری دعوت کا سامان کر دیا **لکم الارض۔ لکم** سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا سارا انتظام صرف انسانوں کے لئے کیا گیا ہے جانور وغیرہ انسان کے تابع ہیں اسی لئے حضرت آدم علیہ السلام کو **ملائکہ** کا مسجود بنایا۔ کیونکہ فرشتے تابع تھے۔ اور حضرت آدم اصل مقصود تو فرمایا جا رہا ہے کہ تم پر اتنا بڑا کرم ہے کہ تمہارے لئے ساری چیزیں بنائیں اور پھر ہر چیز خدا کی عبادت کرے اور تم بت پرستی کتنے افسوس کی بات ہے۔ ارض کے معنی یا تو ہیں کھا جانا اور کچل دینا۔ چونکہ زمین بھی ہر چیز کو کھا جاتی ہے۔ یعنی گلا ڈالتی ہے اور قدموں سے کچلی جاتی ہے۔ اس لئے اسے ارض کہتے ہیں **فراشا** اس کے معنی ہیں بستر زمین کو بستر بنانے کا یہ مطلب ہے کہ اس کی اصل جگہ سمندر کے نیچے ہے۔ لیکن

www.alahazratnetwork.org

انسانوں کی خاطر کچھ حصہ پانی کے اوپر کر دیا گیا پھر زمین گول بھی ہے لیکن اس کی گولائی ایسی نہیں کہ جس پر سے آدمی لڑھک جائیں۔ بلکہ اس کا ایسا پھیلاوا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ بستر کا کام دیتی ہے۔ پھر نہ تو گارے کی طرح اس کو نرم کیا گیا اور نہ پتھروں لوہے اور روڑوں کی طرح سخت کہ اس پر چلنا پھرنا دشوار ہو جائے۔ بلکہ درمیانی حالت میں رکھا گیا کہ جس پر چلنا پھرنا عمارتیں بنانا آسان ہوں **والسماء بناء** سماء کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بناء سے مراد یا تو چھت ہے یا عمارت یعنی یہاں تو فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تمہاری خاطر زمین پر آسمان کو قبے کی طرح بنایا۔ جس میں رنگ برنگی تیز و ہلکی قندیلیں یعنی چاند' سورج تارے وغیرہ جڑ دیئے **وانزل من السماء ماء** اس میں بتایا جا رہا ہے کہ تمہارے مکانات کی چھتیں صرف سایہ دینے اور بارش سے بچنے کا کام دیتی ہیں۔ لیکن آسمان ایسی انوکھی چھت ہے کہ جس سے تمہارا رزق بھی آتا ہے۔ **فاخرج بہ** میں یہ بتایا گیا کہ پھلوں کے پیدا کرنے والے ہم ہی ہیں بارش تو صرف اس کا ظاہری سبب ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ تم اپنی حقیقت کو معلوم کر لو کیونکہ زمین مثل ماں کے ہے اور آسمان مثل والد کے اور پانی کے قطرے نطفے کی طرح اور پھل وغیرہ اولاد کی طرح گویا تمہارے اور ان چیزوں کے پیدا کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے۔ (تفسیر روح البیان) **من الثمرت** میں **من** یا تو بیانیہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ نکالا اس بارش کے ذریعے پھلوں کو اور یا **تبعیضیہ** ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ نکالا اس بارش سے بعض پھلوں کو بعض فرمانے کی تین وجہ ہیں۔ ایک یہ کہ ہر پھل بارش سے نہیں پیدا ہوتا بلکہ بعضے بغیر بارش بھی پیدا ہو جاتے ہیں جیسے کھجوریں وغیرہ بلکہ بعض پھل بارش سے خراب بھی ہو جاتے ہیں دوسرا یہ کہ ہر جگہ سارے پھل نہیں پیدا ہوتے کشمیر میں اور قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں اور بنگال میں دوسری قسم کے عرب میں اور طرح کے تو مطلب یہ ہوا کہ اس پانی میں سے ہر جگہ بعضے پھل پیدا فرمائے۔ تیسرا یہ کہ اس کا تعلق آئندہ عبارت سے ہے تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ بارش سے بعض پھل تمہارے کھانے کے لئے پیدا فرمائے۔ اور بعض جانوروں کے لئے کیونکہ انسان ہر پھل نہیں کھاتا کسی درخت کا پھل کھاتا ہے۔ کسی کے پتے کسی کی صرف جڑیں **رزقا لکم** میں یہ فرمایا گیا کہ ہر چیز تمہارے لئے بنی۔ اگر کوئی چیز جانور بھی کھالیں وہ بھی تمہاری برکت سے جنات کیڑے مکوڑے وغیرہ سب تمہارے طفیل پل رہے ہیں۔ بادشاہ اپنے کسی حاکم کی دعوت کرے اور اس حاکم کے نوکروں چاکروں کو بھی شریک فرمائے۔ بلکہ اس کے گھوڑوں وغیرہ کے لئے چارے کا انتظام فرمائے تو یہ سب اس حاکم پر احسان ہے **فلا تجعلوا للہ اندادا** یہ اس پوری آیت کا مقصود ہے یعنی جب تم ان ساری باتوں کو جان چکے تو تم رب کی بغاوت نہ کرو اور کوئی اس کا ہمسر نہ مانو **اندادا** جمع ہے **ند** کی جس کے معنی ہیں مثل۔ لوگ چند طرح شرک کرتے تھے۔ بعض تو خالق ہی چند مانتے تھے۔ یعنی یہ کہتے تھے کہ بڑی چیزوں کا بنانے والا ایک رب ہے اور چھوٹی چھوٹی چیزوں کا دوسرا اور بعض کہتے تھے کہ عالم کا بنانے والا تو ایک ہے۔ مگر اس کا انتظام کرنے والے چند اکیلا رب اتنے بڑے عالم کا انتظام نہیں کر سکتا۔ بعض کہتے تھے کہ رب تو ایک ہی ہے مگر صاحب اولاد ہے اور بعض کہتے تھے کہ رب ایک ہی ہے۔ مگر یہ ہمارے بت اس کی بارگاہ میں دھونس کے ساتھ ہماری شفاعت کر سکتے ہیں۔ بعض کہتے تھے کہ رب تو ایک ہی ہے اور سب اس کے بندے ہیں۔ مگر بعض بندے اس کی طرح قدیم ہیں۔ اور اس سے بے پرواہ وغیرہ وغیرہ۔ اس مختصر سے جملے میں ان سب کی تردید فرما دی گئی اور فرما دیا گیا کہ تم کسی کو کسی طرح بھی رب کا ہمسر نہ جانو نہ ذات میں نہ الوہیت کے دخیل ہونے میں اور نہ وجود میں **وانتم تعلمون** میں یہ بتایا گیا کہ عقلاً " و نقلاً " ہر طرح تم جان چکے کہ خالق ایک ہی ہے اور اب اگر تم شرک کرو گے تو تمہارا کوئی عذر

www.alahazratnetwork.org

قابل قبول نہیں ہو گی۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کا اصل مضمون یہ ہے کہ اے لوگو تم اپنے اسی رب کی عبادت کرو جو عبادت کے لائق ہو۔ اور عبادت کے لائق وہی ذات ہو سکتی ہے جو بڑی عظمت اور قدرت والی ہو نہ کہ تمہارے وہمی اور خیالی معبود۔ وہ عظمت والی ذات وہ ہے جس نے تم کو اور تمہارے باپ داداؤں کو پیدا فرمایا۔ عبادت بھی اس امید پر کرو کہ تم کو حق تعالیٰ کی طرف سے تقویٰ کا انعام مل جائے کیونکہ جب آئینہ آفتاب کے سامنے آجاتا ہے یا کوئلہ اور لوہا کچھ دیر آگ میں رہ لیتا ہے تو ضرور اس میں آفتاب اور آگ کا اثر آجاتا ہے۔ جس سے کہ وہ آفتاب اور آگ کا کام کرتا ہے۔ اسی طرح اگر تم بھی عبادت کے ذریعے سے اپنے رب سے تعلق قائم کر لو گے تو ضرور رب کی رحمت تمہاری دست گیری کرے گی اور تم کو تقویٰ حاصل ہو جائے گا جس سے تم سے خلاف عادت کام یعنی (کرامتیں) صادر ہونے لگیں گی۔ اس خالق حقیقی کی پہچان یہ ہے کہ اس نے تمہارے آرام کے لئے زمین کے ایک ٹکڑے کو پانی سے باہر نکالا اور پھر اس کو گارے کی طرح نرم اور لوہے کی طرح سخت نہ کیا اور نہ اس کی گولائی ایسی رکھی جس سے تم اس پر ٹھہر نہ سکو غرضیکہ ہر طرح اس کو تمہارے لئے بستر کی طرح آرام دہ بنایا پھر یہ کرم فرمایا کہ زمین پر آسمان کا خیمہ لگایا۔ جس سے کہ یہ جہان ایک گھر کی طرح ہو گیا۔ اور تم کو اس میں رکھ کر تمہاری روزانہ تین وقت دعوت کا انتظام فرمایا اور پانی برسا کر رنگ برنگ پھول پھل پیدا فرمائے اب تم خود ہی غور کر لو کہ اگر کوئی دولت مند تم کو معمولی تنخواہ پر نوکر رکھے تو تم ہر طرح اس کی خدمت کماحقہ کرتے ہو۔ جو رب کہ تم پر اتنے احسانات فرمائے اس کو چھوڑ کر اوروں کی عبادت کرنا یا اوروں کو اس کا شریک جاننا بالکل خلاف انسانیت ہے یا کہ نہیں **اس آیت کے فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ جو شخص رب کی عبادت نہ کرے وہ انسان نہیں۔ کیونکہ **یاایھا الناس** < فرمایا گیا دوسرے یہ کہ کافروں پر بھی عبادت کرنا فرض ہے۔ جس کے نہ کرنے پر ان کو عذاب ہو گا کیونکہ یہاں سارے انسانوں سے فرمایا گیا۔ کہ عبادت کرو جیسے کہ بے وضو پر فرض ہے کہ وضو کرے اور نماز پڑھے۔ ایسے ہی کافر پر فرض ہے کہ ایمان لائے اور نماز پڑھے۔ (تفسیر خزائن العرفان) لیکن فرق اس قدر ہے کہ کافر پر نماز وغیرہ کی فرضیت شرعی نہیں۔ اسی لئے جو کافر مسلمان ہو اس کو زمانہ کفر کی نمازیں قضا کرنی لازم نہیں بلکہ فرض ہونے کے یہ معنی ہیں کہ دوزخ میں ان کو کفر کرنے اور عبادت نہ کرنے کا عذاب ہو گا۔ چنانچہ جب دوزخیوں سے مسلمان پوچھیں گے تم دوزخ میں کیوں آئے۔ تو وہ جواب میں اپنے کفر کے ساتھ بد عملیوں کا ذکر بھی کریں گے اور کہیں گے کہ **لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین** کہ ہم نمازی نہ تھے اور نہ مسکینوں کو صدقات دیتے تھے وغیرہ وغیرہ **تیسرا:** یہ کہ عبادت کا فائدہ عابد ہی کو ملتا ہے خدا تعالیٰ اس سے پاک ہے کہ کسی کی عبادت سے فائدہ خود حاصل کرے۔ اس لئے ارشاد ہوا **لعلکم تتقون** **چوتھا:** یہ کہ باپ داداؤں پر احسان اولاد پر احسان ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **والذین من قبلکم**

تفسیر صوفیانہ: چونکہ عبادت میں تکلیف بھی ہوتی ہے۔ اس لئے حق تعالیٰ نے بندوں کو براہ راست پکارا۔ تاکہ اس پکارنے کی لذت سے عبادت کی مشقت بھول جائیں اور سمجھیں کہ عبادت ایسی پیاری چیز ہے کہ جس کی برکت سے ہمارے پیارے نے ہم کو پکار لیا۔ اگر ہم جان بھی قربان کر دیں تو اس پکارنے کی نعمت کا شکریہ ادا نہیں ہو سکتا۔ اور کیسے پکارا کہ اے بھولنے والو انسانو! تم دنیا میں آکر ہمیں بھول گئے مگر ہم تمہیں نہ بھولے۔ آؤ اب بھی وقت ہے اپنے اس رب کو پوج لو۔ جس

www.alahazratnetwork.org

نے ہر وقت تمہارا خیال رکھا۔ اپنی بندگی کو یہاں تک ظاہر کرو کہ تم فانی اللہ ہو کر ماسوی اللہ سے علیحدہ ہو جاؤ۔ جس سے تم کو متقی کا خطاب مل جائے وہ اللہ وہ ہے جس نے تمہارے قلب کو زمین بنایا۔ اور اس کی طرف اپنے محبوب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمان کی طرح سایہ دینے والا مقرر کیا اس آسمان نبوت سے تمہارے قلب کی زمین پر قرآن کا پانی برسایا۔ جس سے ہدایت اور تقویٰ اور نور اور رحمت اور شفا اور برکت' نیک بختی' نجات' قرب الٰہی' صلاح اور کامیابی اور حکمت اور علم اور آداب اور اخلاق اور عزت اور غناء کے پھل پیدا ہوئے لہٰذا تم ان دلوں سے ماسوی اللہ کی محبت نکال ڈالو۔ اپنے دلوں کو صرف رب کی تجلی گاہ بناؤ۔ جب ہم تمہارے ہیں تو تم بھی ہمارے ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ آسمان ساری زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ حضور کی نبوت اور رحمت عالمین کو محیط ہے۔ آسمان دینے کے لئے ہے زمین لینے کے لئے حضور دینے والے داتا ہے۔ ہم لینے والے بھکاری بغیر آسمانی مدد کے زمین سے تخم نہیں اگتا۔ حضور کی نگاہ کرم کے بغیر کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی آسمان تک نہیں پہنچ سکتی کوئی مخلوق حضور کی شان تک نہیں پہنچ سکتی۔ آسمان دور رہ کر زمین کو ہر طرح کا فیض دے رہا ہے حضور مدینہ میں جلوہ گر رہ کر کونین کو فیض دے رہے ہیں۔ **حکایت:** حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن حساب و کتاب کا وعظ فرمایا جس سے کہ لوگ چیخیں مار کر رونے لگے۔ اسی حال میں حضرت ابوالحسن نوری وہاں سے گزرے اور فرمایا کہ اے شبلی اللہ کے بندوں کو اتنا پریشان کرتا ہے۔ قیامت کا حساب بہت دراز ہو گا۔ اس کا لب لباب صرف یہ دو باتیں ہیں کہ فرمایا جائے گا کہ من ترا بودم تو کرا بودی۔ یعنی اے بندے ہم تو تمہارے تھے تم کس کے تھے۔ خداوند تو اپنے فضل سے ہم کو اپنا بنا لے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: دیوبندیوں کا۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خالق کے سوا دوسرے سے مدد لینا اور مصیبت کے وقت پکارنا شرک ہے۔ اس ہی کی یہاں تردید کی جاتی ہے۔ مشرکین عرب یہ ہی سمجھتے تھے کہ دنیا کے انتظام میں ہمارے معبودوں کو دخل ہے۔ اسی لئے وہ ان سے مرادیں مانگتے تھے اس زمانے کے مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ نبیوں اور ولیوں کو عالم کے کاروبار میں دخل ہے اور ان سے بھی وہ مرادیں مانگتے ہیں لہٰذا یہ بھی مشرک۔ **جواب:** بزرگان دین سے مدد مانگنے کی پوری بحث ہم نے اپنی کتاب جاءالحق میں کی ہے اور بقدر ضرورت و ایاک نستعین کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ اس جگہ صرف اتنا بتاتے ہیں کہ شاہ عبدالعزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت اطاعت اور عبادت میں بڑا اچھا فرق بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ حاکم کا حکم بجالانے کو اطاعت کہتے ہیں اور اپنی بندگی کے اظہار کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔ اور غیر اللہ کی اطاعت تمام دینوں میں جائز ہے پیغمبر اور مرشد عالم دین اور حاکم وقت کی اطاعت ہر شخص کرتا ہے لیکن ان میں سے کسی کی عبادت کوئی مسلمان نہیں کرتا۔ کیونکہ معبود ہونے کے لئے ذاتی عظمت ضروری ہے اور اطاعت میں یہ لازم نہیں اس کا خلاصہ یہ ہوا کہ کسی کو اپنا مستقل اور ذاتی حاکم مان کر اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کی فرماں برداری کرنا عبادت ہے۔ اور کسی کو غیر مستقل اور مجازی عطائی حاکم مان کر اور اپنے کو اس کا ماتحت اور غلام سمجھ کر اس کی فرماں برداری کرنا عبادت نہیں اس سے مشرکین اور مسلمانوں میں بڑا فرق ہو گیا دوسرے سوال کا جواب: یہ ہے کہ بے شک حق تعالیٰ نے فرشتوں انبیاء کرام اور اولیاء کو اپنی خلقت کا انتظام سپرد فرما دیا ہے جس کا ثبوت قرآن کریم اور حدیث پاک سے ہے۔ بچہ بنانے جان نکالنے وغیرہ وغیرہ کاموں کے لئے فرشتے مقرر ہیں۔ لیکن اس بارے میں مشرکین اور مسلمین کے عقیدے میں یہ فرق ہے کہ مشرکین یہ سمجھتے تھے کہ حق تعالیٰ یہ سارے کام خود

www.alahazratnetwork.org

بجز نہیں کر سکتا مجبوراً ہمارے بتوں کو مقرر کیا گیا جیسے کہ دنیوی بادشاہ مجبوراً افسروں کو مقرر کرتے ہیں مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں بلکہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب حق تعالیٰ کے بندے اور خدام بارگاہ ہیں خدائی میں دخیل نہیں حق تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے ان کو یہ مرتبہ عطا فرمایا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تقویٰ عبادت کا نتیجہ ہے۔ حالانکہ عبادت خود تقویٰ ہے۔ جواب: اس کا جواب اسی آیت کی تفسیر میں گزر گیا کہ تقویٰ قلب کی ایک صفت ہے اور اکثر عبادت ظاہری بدن سے ہوتی ہے۔ اور چونکہ ظاہری جسم کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ اس لئے ظاہری عبادت سے دل پرہیزگار بنے گا جیسے قرآن کریم نے فرمایا ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر صلوۃ عبادت ہے اور برائیوں سے بچنا تقویٰ۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا

اور اگر ہو تم بیچ شک کے سے اس جو اتارا ہم نے اوپر بندے ہمارے کے

اور اگر تمہیں کوئی شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندہ پر اتارا تو اس

بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

بس لاؤ ایک سورت کے مثل اس کے اور بلاؤ مددگاروں اپنے کو سے

جیسی ایک سورت تو لے آؤ اور اللہ کے سوا اپنے سب

اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۞

سوا اللہ کے اگر ہو تم سچے۔

حمایتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔

تعلق: اس آیت کو پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ پہلے حق تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر فرمایا گیا جس سے ان لوگوں کی تردید ہو گئی جو حق تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے منکر تھے۔ اب نبوت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے تاکہ نبوت کے منکرین کی تردید ہو جائے لیکن جس طرح کہ حق تعالیٰ نے اپنی پہچان اپنی مخلوق کے ذریعہ سے کرائی۔ اسی طرح نبی کی پہچان بذریعہ کتاب۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا۔ اور عقل انسانی مقبول اور غیر مقبول عبادت میں فرق نہیں کر سکتی بہت سے عقل مند لوگ بت پرستی کو مقبول عبادت سمجھے ہوئے کرتے ہیں۔ اس لئے بندوں کو ضرورت تھی کہ حق تعالیٰ خود اپنی مقبول عبادت کا طریقہ بتائے۔ اور یہ تعلیم صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ اس کی طرف سے کوئی قانون کتاب بندوں کو ملے جس کا کتاب اللہ ہونا کھلی ہوئی دلیل سے ثابت ہو۔ تیسرا: یہ کہ پہلے بندوں کو تو خدا تک پہنچنے کا حکم دیا گیا اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے بندو تم ادنیٰ ہم اعلیٰ۔ تمہاری پہنچ ہم تک کیسے ہو سکتی ہے۔ اس لئے درمیان میں ایک راستہ رکھا جاتا ہے۔ جس کا نام نبی ہے تم اس تک پہنچو اور اس تک پہنچنا گویا ہم تک پہنچنا ہو گا۔ اس ذات کی نبوت ثابت کرنے کے لئے عربوں کے مذاق کے مطابق دلیل قائم فرمائی گئی۔ بہرحال یہ آیت کتاب اور نبوت دونوں کے متعلق ہے چوتھے: یہ کہ پچھلی آیت میں بارش آسمانی

www.alahazratnetwork.org

کا ذکر تھا. جس سے رزق جسمانی پیدا ہو کر ربوبیت جسمانی ظاہر ہوتی ہے۔ اب بارش رحمانی یعنی قرآن کا ذکر ہے. جس سے رزق ایمانی' تقویٰ طہارت پیدا ہوتے ہیں. جس سے اللہ کی ربوبیت باطنی عیاں ہے۔ تفسیر **وان کنتم** ان شک کے موقعہ پر بولا جاتا ہے اور کفار کا شک کرنا یقینی تھا لہٰذا اس جگہ **ان** لانا حکیمانہ طریقہ و تعلیم کی بنا پر ہے۔ عقل مند واعظ اپنے مخالفین کی جماعت میں کھڑے ہو کر یہ نہیں کہتا کہ تم میرے مخالف ہو۔ بلکہ یہ کہتا ہے کہ اگر تم کو میری بات میں شک ہو تو فلاں فلاں ولائل پر غور کرو۔ تمہیں میری بات کا یقین ہو جائے گا جس سے سننے والے ہٹ دھرمی سے باز آجاتے ہیں **فی ریب** ریب کے معنی ہم بیان کر چکے ہیں یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ اگر تمہارے دل میں شک ہو بلکہ فرمایا گیا کہ اگر تم شک میں ہو جس سے معلوم ہوا یہ شک ایک عارضی چیز ہے. جس میں تم مبتلا کر دیئے گئے ہو۔ اس عارضی بیماری کا علاج وہ ہے جو ہم بتا رہے ہیں **مما نزلنا** تنزیل سے بنا ہے. جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ اترنا چونکہ کفار عرب یہ بھی اعتراض کرتے تھے کہ خدائی کتاب کو ایک دم آجانا چاہئے۔ شعراء کا یہ کام ہے کہ دو دو چار چار شعر بنا کر دیوان تیار کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام بھی دو دو چار چار آیتیں سوچ سوچ کر بناتے ہیں اور جمع کرتے ہیں ان کے اسی شبہ کا ذکر کر کے فرمایا گیا کہ تم کو اس قرآن کے آہستہ آہستہ اترنے پر شک ہو تو آئندہ دلیل پر غور کرو ہم آہستہ آہستہ اترنے کے فوائد مقدمہ میں بیان کر چکے ہیں۔ **علی عبدنا** اس میں بھی کفار عرب کے دوسرے شبہ کا ذکر ہے وہ کہتے تھے کہ کلام الٰہی کسی بندے خاص کر انسان اور خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ذات پر نہ آنا چاہئے جن کے پاس نہ مال نہ دولت نہ کسی سے علم حاصل کیا نہ علماء کی صحبت میں رہے تو فرمایا گیا اگر تمہیں اس ذات کریم پر قرآن کے اترنے میں شبہ ہے تو مذکورہ علاج کرو گویا یہ آیت صد ہا بیماریوں کی دوا اور بہت سے شبہات کا دفعیہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں رب کی عطا اور حضور کا ذکر ہے لہٰذا یہاں حضور کو عبد فرمایا کہ بندے کا کام مولیٰ سے لینا ہے۔ جہاں حضور کی عطا کا ذکر ہے وہاں حضور کو رسول فرمایا۔ **اتکم الرسول** **ما اغنھم اللہ و رسولہ** خیال رہے کہ حضور خالص اللہ کے بندے ہیں جن سے اللہ کی شان ظاہر ہے ہم کبھی نفس کے بندے (مطیع) ہوتے ہیں کبھی شیطان کے کبھی درہم و دینار کے نیز حضور کی ہر ادا اللہ کی ربوبیت کا پتہ ہے۔ لہٰذا عبد اللہ ہونا حضور کی بڑی صفت ہے۔ **فاتوا بسورة** سورة یا تو سور سے بنا ہے یا سورے یعنی یا تو اس کا واؤ اصلی ہے یا ہمزہ سے بدلا ہوا اگر واؤ اصلی ہو تو اس کے معنی ہیں شہر پناہ اور منزل درجہ اور قوت عرب والے بولتے ہیں سورة الاسد یعنی شیر کی قوت چونکہ قرآن کی سورة بھی ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے یا پڑھنے والا اس کو اس طرح طے کرتا ہے کہ جیسے مسافر منزلوں کو یا بمقابلے آیت کے سورة زیادہ قوی۔ ان وجوں سے اس کو سورة کہتے ہیں۔ اور اگر یہ ہمزہ والے سور سے بنا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ٹکڑا اور بچی ہوئی چیز۔ چونکہ سورة بھی قرآن پاک کا ایک جز ہے اور ہر ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں اس لئے اس کو سورت کہتے ہیں اصطلاح میں سورت قرآن کے اس حصے کو کہتے ہیں. جس میں پورا مضمون بیان ہو اور اس کا نام بھی ہو۔ اور اس میں کم از کم تین آیتیں ہونی چاہئیں **من مثلہ** من یا بیانیہ ہے تو اس کے معنی ہوں گے کہ ایسی سورت لاؤ جو قرآن کے مثل ہو یا تبعیضیہ ہے۔ چونکہ کفار کہتے تھے **ولو نشاء لقلنا مثل ھذا** یعنی اگر چاہیں تو ایسا قرآن ہم بھی کہہ لیں یا یہ فرمایا جا رہا ہے اے لوگو! اگر تم ایسا قرآن کہو تو اس میں سے ایک سورت بارگاہ نبوی میں بھی پیش کرنا کہ تم کو اس کی حقیقت معلوم ہو جائے۔ یا یہ من ابتدائیہ ہے تب بھی اس کا مطلب وہی ہوگا یعنی ایسی سورت لے آؤ جو تمہارے بنائے ہوئے قرآن میں سے نکل کر آئے۔ مثل سے مراد لفظاً اور معنیً قرآن کی طرح ہونا ہے۔ یعنی وہ سورت لاؤ جس کی عبارت اور

www.alahazratnetwork.org

مضمون فصاحت و بلاغت اور غیبی خبریں دینے وغیرہ میں قرآن کی مثل ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم ہر طرح بے مثل **مثلہ** کی ضمیر میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **ما** کی طرف لوٹے تو آیت کے معنی یہ بنیں گے کہ قرآن کی طرح ایک سورت لاؤ۔ اور اس سے قرآن پاک کا بے مثل ہونا ثابت ہو گا دوسرا یہ کہ عبد کی جانب لوٹے تب معنی یہ ہوں گے کہ ایک سورت ایسی لاؤ۔ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کی طرف سے ہو۔ (تفسیر کبیر' خازن' مدارک) یعنی پہلے تو آسمان کے نیچے ایسی ہستی تلاش کرو جو میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو پھر اس سے ایک سورۃ بنوا کر لاؤ نہ ان جیسا آج تک پیدا ہوا نہ ہو لہٰذا' تمہیں نہ کوئی ایسا ملے گا نہ ایسا قرآن سنائے گا۔ اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثل اور بے نظیر ہونا معلوم ہوا حضور کی بے مثلی کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں دیکھو۔ اور کچھ ہم اس تفسیر میں امکان کذب کے مسئلے میں بیان کر چکے ہیں اور زائد تحقیق انشاء اللہ **قل انما انا بشر مثلکم** کے ماتحت کی جائے گی یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان اعمال دنیوی احکام ظاہر و باطن غرض کسی وصف میں ہماری مثل نہیں **وادعوا شھداء کم** شہداء جمع شہید کی ہے جس کے معنی ہیں حاضر۔ مگر گواہ اور مددگار اور حاکم کو اس لئے شہید کہتے ہیں کہ گواہ اور مددگار تو موقعہ پر حاضر ہوتا ہے اور حاکم مقدمہ کے فیصلے کے وقت' جو راہ الٰہی میں مارا جائے اس کو بھی شہید اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ مرتے ہی حق تعالیٰ کی بارگاہ یا جنت میں حاضر ہو جاتا ہے۔ یعنی دوسرے مسلمان تو قیامت کے بعد جنت میں پہنچیں گے مگر یہ مرتے ہی وہاں پہنچ گیا یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی اے کافرو تم اپنی مدد کے لئے اپنے فرضی حاکم بتوں کو بلا لو یا اپنے ان عالموں کو بلاؤ جو تمہاری ہر بات کی گواہی دیتے ہیں یا عرب کے ان فصیح اور بلیغ لوگوں کو بلاؤ جو کہ تمہارے دل میں حاضر رہتے ہیں **من دون اللہ** دون کے معنی ہیں پاس اور قریب کتاب لکھنے کو تدوین اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مضامین ایک دوسرے کے پاس رکھے جاتے ہیں دنیا کو دنیا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ آخرت کے قریب ہے۔ پھر بطور مجاز کم رتبہ کے معنی میں بھی یہ لفظ استعمال ہونے لگا۔ پھر اس کے بعد حد سے بڑھنے کو بھی دون کہنے لگے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ اے کافرو تم خدا کو چھوڑ کر جس کسی کو اپنا معبود یا مددگار سمجھ بیٹھے ہو ان سب کو جمع کر لو تاکہ وہ تمہاری اس کام میں مدد کریں **ان کنتم صدقین** اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفار کے سچے ہونے کا احتمال ہے۔ بلکہ چیلنج کے موقعہ پر اسی قسم کے الفاظ بولے جاتے ہیں کہ اگر تجھ میں کچھ بل کس ہے تو مقابلہ میں آجا۔

خلاصہ تفسیر: کفار عرب قرآن پاک کے متعلق چند قسم کی بدگمانیاں کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ یہ کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنا کر رب کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں آسمانی اور انسانی کتاب کی ایسی اچھی پہچان بتائی گئی ہے کہ سبحان اللہ وہ یہ کہ دنیا میں ہر شخص قدرتی اور مصنوعی چیزوں کو پہچان لیتا ہے۔ دیکھو جگنو اور چیونٹی کو ہر شخص جانتا ہے کہ یہ کسی انسان کی بنائی ہوئی نہیں۔ اور ریل کے انجن اور گیس کے متعلق ہر ایک کو یقین ہے کہ یہ انسان کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں۔ حالانکہ انجن کی رفتار زیادہ چیونٹی کی کم۔ گیس کی روشنی بہت تیز اور جگنو کی بالکل ہلکی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ نے ان کو پہچان لیا۔ پہچان صرف ایک ہے۔ وہ یہ کہ انسانی چیز وہ جس کا مثل انسان سے بن سکے اور قدرتی چیز وہ جو انسان کی طاقت سے بالا ہو انجن اور گیس اگرچہ بہت طاقت ور چیزیں ہیں مگر دن رات کارخانوں سے بن کر نکلتے رہتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ انسانی چیزیں ہیں۔ چیونٹی اور جگنو اگرچہ کمزور ہیں لیکن آج تک کسی کارخانے سے نہ بنے معلوم ہوا کہ قدرتی ہیں اسی قاعدے سے یہاں

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہو رہا ہے کہ کافرو اگر تم کو ہمارے قرآن کے کتاب الٰہی ہونے میں اور نبی کے پیغمبر ہونے میں کچھ شک ہے تو اور معجزات تو کیا صرف اس کلام ہی کا مقابلہ کر لو کیونکہ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی انسان ہی ہیں۔ تمہارے ملک میں پیدا ہوئے۔ تم بظاہر بڑے زبان دان علم والے شاعر فصیح و بلیغ ہو تم نے ہر قسم کے مجمع اور میلے دیکھے ہیں۔ علماء اور شعراء کے کلام سنے ہیں۔ اہل علم اور تاریخ والوں کی صحبتیں اٹھائی ہیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو علماء کی صحبت میں رہے اور نہ انہوں نے مورخین کی کتابیں دیکھیں۔ بلکہ ان کی ابتدائی پرورش تو ایک معمولی سے گاؤں میں حلیمہ دائی کے گھر میں ہوئی۔ جہاں کہ علم کی روشنی بالکل نہ پہنچی تھی۔ پھر شروع عمر سے ہی وہ عبادت ریاضت گوشہ نشینی میں مشغول رہے۔ تم میں اور ان میں اس قدر فرق ہوتے ہوئے تم کو اعلان عام دیا جاتا ہے کہ وہ تو اکیلے سارا قرآن پڑھ کے سناتے ہیں۔ تم سارے ملک عرب کے علماء فضلاء شعراء فصحاء بلغاء جمع ہو کر اس کے مقابلے کی صرف چھوٹی سی ایک سورت ہی بنا لاؤ۔ اگر تم سب کی کوشش سے ایک سورت بھی اس جیسی بن سکے تو سمجھنا قرآن خدائی کتاب نہیں۔ اور اگر تم سب مجبور ہو جاؤ تو اس چیونٹی اور انجن والے قاعدے سے یہاں بھی سمجھ لینا کہ قرآن بشر کا نہیں بلکہ خالق بشر کا ہے۔ **قرآن پاک کی خوبیاں:** قرآن پاک میں لاکھوں وہ خوبیاں ہیں جن کی وجہ سے عرب کے لوگ مقابلے سے عاجز رہے۔ ہم ان میں کچھ بطور نمونہ پیش کرتے ہیں **ایک:** یہ کہ اس شاعر کا کلام اعلیٰ ہوتا ہے۔ جو کہ جھوٹ اور مبالغہ سے کام لے۔ سچی اور سیدھی سادھی باتیں معمولی معلوم ہوتی ہیں مگر قرآن پاک کی یہ خوبی ہے کہ جھوٹ اور مبالغہ سے بالکل پاک لیکن پھر بھی اس میں وہ کشش ہے کہ سننے والے تڑپ جاتے ہیں۔ اس قرآن نے صحابہ کرام میں وہ جوش پیدا کر دیا کہ وہ گھر بار مال و دولت بال بچے عیش و آرام حتی کہ وطن تک چھوڑ کر حضور کے ساتھ ہو لئے سچی اور سیدھی بات کہتا ہے۔ مگر تڑپا دیتا ہے۔ **دوسرا** یہ کہ دیکھی ہوئی چیز کی خوبیاں بیان کی جا سکتی ہیں شعراء معشوق اور شراب گھوڑا اونٹ وغیرہ دیکھی ہوئی چیز کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے ہیں۔ مگر بے دیکھی چیز کی تعریف کر کے اس کے اوصاف دلوں میں اتار دینا قرآن شریف کی خصوصیت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ قیامت جنت دوزخ یہ تمام چیزیں بے دیکھی ہوئی ہیں۔ قرآن نے انہیں بے دیکھی چیزوں کو ایسا منوایا کہ عرب کے بڑے بڑے فاسق متقی پرہیزگار بن گئے **تیسرا** یہ کہ بڑے بڑے شعراء کے کلام میں ایک یا دو شعر اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں اور باقی معمولی۔ لیکن قرآن پاک اول سے آخر تک ایسا فصیح ہے کہ اس کے مقابلے سے خلقت عاجز ہے۔ اسی لئے اس آیت میں بسورۃ فرمایا گیا **چوتھے:** یہ کہ اگر عمدہ سے عمدہ کلام چند بار بولا جائے تو اس میں پہلی سی لذت نہیں رہتی۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ ایک مضمون کو مکرر بیان فرماتا ہے لیکن ہر جگہ نیا ہی لطف آتا ہے۔ **پانچویں:** یہ کہ بڑے بڑے خطیب و شعراء کتنے ہیں کہ عشقیہ مضامین پر لطف ہوتے ہیں۔ لیکن حرام حلال کے مسئلے خشک جن کے بیان سے مجمع کو وجد نہیں آتا۔ قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ خشک مضامین بھی اس طریقے سے بیان فرماتا ہے کہ سننے والوں کو وجد آ جاتا ہے **چھٹے:** یہ کہ اچھے سے اچھا کلام ہر موقعہ پر لطف نہیں دیتا خوشی کے موقعہ پر مرثیہ اور غم کے موقعہ پر دل خوش کن قصیدے نہیں پڑھے جاتے۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ ہر وقت اس کا پڑھنا لطف دیتا ہے خوشی و غم راحت و مصیبت جس وقت بھی پڑھا جائے دل کو تسکین اور سرور حاصل ہوتا ہے۔ **ساتویں:** یہ کہ قرآن کریم سارے علموں کی اصل ہے۔ علم کلام، علم فقہ، علم اصول، علم نحو، علم لغت، علم زہد، غیب کی خبریں، علم اخلاق غرضیکہ ہر علم پورا پورا اس

میں موجود ہے اور کتابیں ایک ہی فن بیان کرتی ہیں۔ آٹھویں: یہ کہ اعلیٰ کلام چند بار پڑھنے سے پرانا ہو جاتا ہے قرآن کریم کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کو پڑھے جاؤ لطف بڑھتا جائے گا۔ نویں: یہ کہ بہتر سے بہتر دوا اپنے میں ایک یا دو وصف رکھتی ہے۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ ہر جسمانی روحانی بیماری کا مکمل علاج ہے۔ اس کی عبارت تعویذ بنے۔ اس کا پڑھنا دم کرنا مصیبتوں کو ٹالے اس پر عمل کرنے سے دونوں جہان کی بھلائیاں حاصل ہوں۔ دسویں: یہ کہ سارے علوم اس کے خادم اور یہ سب کا اصلی مقصود ہے۔ صرف نحو منطق فلسفہ وغیرہ اسی کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ پھر چند استاد اس کو سکھاتے ہیں تب یہ آتا ہے۔ ابتدائی استاد اس کے حروف کی پہچان کراتا ہے۔ قاری اس کے پڑھنے کا طریقہ بتاتا ہے۔ عالم اس کے مضامین ذہن نشین کراتا ہے۔ صوفی اس کے اسرار بیان فرماتا ہے۔ اتنے استادوں سے پڑھ کر پھر بھی کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ میں نے قرآن پورے طور پر جان لیا۔ یہ وہ معجزہ تھیں۔ جن کی بناء پر تمام عرب کے فصحاء بلغاء مقابلے سے عاجز رہ گئے۔

تفسیر صوفیانہ : معترضین کے اعتراضات دل کے پردے ہیں۔ جن کی وجہ سے وہ کمال قرآن اور جمال صاحب قرآن نہ دیکھ سکے معترضین اغیار جمال یار اور اسرار کے قابل نہیں ہوتے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے ۔۔۔ اہل نقلی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا ۔۔۔ بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے ابو جہلی آنکھ والو تم اگر مکر کے چکر میں ہو۔ اس بھنور سے نکلو۔ قرآن اور قرآن لانے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف بصارت سے نہیں۔ بلکہ بصیرت سے دیکھو تو تم پر ان کے اسرار ظاہر ہو جائیں گے۔ مثنوی میں ہے۔

تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبیں ۔۔۔ دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآں چو شخصے آدمیست ۔۔۔ کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

یہ قرآنی دلائل اور علماء و صوفیاء کی صحبتیں ان پردوں کو پھاڑنے والی قینچیاں ہیں کہ عالم اصل حقیقت بتا کر اور صوفی دکھا کر ان پردوں کو چاک کر دیتے ہیں۔ چونکہ اس آیت کا مضمون ابھی مکمل نہیں ہوا۔ اس لئے اس کے فوائد اور اعتراض و جواب آئندہ آیت کے ساتھ بیان کئے جائیں گے۔

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا

پس اگر نہ کر سکو تم اور ہرگز نہ کر سکو گے پس ڈرو آگ سے وہ جو

پھر اگر نہ لا سکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لا سکو گے تو ڈرو اس آگ سے

النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۴﴾

کہ ایندھن اس کا آدمی اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے واسطے کافروں کے

جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی گئی ہے کافروں کے لئے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : یہ آیت پہلی آیت کا مقصود بیان کر رہی ہے۔ پہلے کفار کو مقابلے کا چیلنج دیا گیا تھا۔ اب یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اس چیلنج سے مقصود صرف یہ ہے کہ تم اپنی مجبوری معلوم کر کے قرآن پر ایمان لے آؤ۔ نیز اس طرح بھی تعلق ہو سکتا ہے کہ یہ آیت پہلی آیت کی دلیل ہو۔ کیونکہ اس میں غیب کی خبر دی گئی ہے کہ تم سے قیامت تک کبھی مقابلہ ہو سکے گا ہی نہیں۔ لہذا یہ قرآن اس لئے بھی بے مثل ہے کہ اس میں غیبی خبریں ہیں۔

تفسیر : فان شک کے لئے آتا ہے۔ یہاں مخاطبین کے لحاظ سے فرمایا گیا کہ اے کافرو اگر تم یہ کام نہ کر سکو۔ لم تفعلوا ماضی کے معنی دیتا ہے۔ مگر یہاں ان کی وجہ سے مستقبل کے معنی میں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی کوشش مقابلہ سے پہلے یہ فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی تم کوشش کر دیکھو۔ پھر اگر ناکام رہو تو ایمان لے آنا ولن تفعلوا یہ غیب کی خبر ہے۔ جس میں بلا تردد فرمایا گیا کہ سن لو تم یہ ہرگز نہ کر سکو گے۔ اور الحمد للہ یہ خبر بالکل سچی ہوئی کہ اس چیلنج سے کفار کے دلوں میں آگ سی بھڑک گئی۔ بہت کچھ مقابلے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ اگر ایک سورت بھی ان سے بن جاتی۔ تو آج تک کفار اس کی اشاعت کرتے۔ مگر اللہ کے فضل سے اب تک سب سرنگوں رہے۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کہ کوئی منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جان نہیں

فاتقوا یہ وقی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈرنا اور بچنا۔ یہاں یہ دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ ان اعمال سے بچو جو جہنم کا ذریعہ ہیں۔ النار التی جہنم میں ٹھنڈے طبقے بھی ہوں گے اور آگ کے ساتھ دوسری تکلیفیں بھی ہوں گی۔ لیکن صرف آگ کا اس لئے ذکر فرمایا گیا کہ وہاں اکثر طبقوں میں آگ ہی ہے اور آگ اصل ہے اور باقی تکلیفیں اس کے تابع۔ التی سے معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی ہر آگ کا ایندھن آدمی اور پتھر نہیں ہیں۔ بلکہ اس آگ کا جو کفار انسانوں کے لئے بنی ہے۔ کیونکہ جس طبقے میں کفار جنات رہیں گے اس کا ایندھن جن ہیں اور جس طبقے میں کچھ روز کے لئے گنہگار مسلمان رہیں گے اس کا ایندھن بد اعمال ہوں گے نہ کہ وہ خود تفسیر روح البیان و تفسیر کبیر وقود اس کے لفظی معنی ہیں۔ روشن کرنا اور بھڑکانا یہاں مراد روشن کرنے کا آلہ یعنی ایندھن۔ الناس میں مراد کافر انسان ہیں۔ والحجارۃ اس میں تین قول ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں۔ کہ اس سے گندھک مراد ہے۔ کیونکہ اس کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اور دیر میں بجھتی ہے۔ اور اس میں گرمی کے ساتھ سخت بدبو بھی پیدا ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد بت ہیں۔ کیونکہ کفار ان بتوں کو خدا مانتے تھے۔ وہاں ان کی ذلت کے لئے یہ پتھر بھی آگ میں ڈال دیئے جائیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد عام پتھر ہیں تو آیت کا مقصود یہ ہوا کہ دنیوی آگ پتھر سے بجھ جاتی ہے لیکن اس آگ کی تیزی کا یہ عالم ہے کہ وہ پتھروں سے اور بھڑکے گی۔ لیکن اس سے سنگ اسود' مقام ابراہیم' صفاو مروہ کے پتھر۔ منبر و روضہ مطہرہ کی درمیانی جگہ علیحدہ ہیں کہ یہ چیزیں جنتی ہیں۔ جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ جیسے حضور کا ستن حنانہ اور ناقہ شریف حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی وغیرہ کہ جنتی ہیں۔ اعدت اس سے معلوم ہوا کہ وہ آگ کافروں کے لئے بنی ہے۔ پتھروں وغیرہ کا اس میں جانا ان کافروں کے طفیل ہے۔ اسی طرح گنہگار مسلمان بھی اگرچہ دوزخ میں جائیں گے' لیکن کافروں کے تابع ہو کر جیسے لوہار کی بھٹی ٹیڑھے لوہے کو سیدھے کرنے کے لئے بنی ہے۔ مگر اس میں

www.alahazratnetwork.org

کوئلے بھی جلتے ہیں اور کبھی میلے لوہے کو اس کے ذریعہ صاف بھی کر دیا جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : جب کفار کو قرآن کریم کے مقابلے کا اعلان دیا جا چکا تو ان کو بتایا گیا کہ اگر تم ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہو سکو تو ہم تم سے کہہ دیتے ہیں کہ کبھی نہ ہو سکو گے تو سمجھ لینا کہ اس کا انکار حقیقت میں خدائے قادر کا مقابلہ ہے۔ اور اس کا مقابلہ کرنا جہنم میں ٹھکانا بنانا ہے۔ جہنم کی آگ کی تیزی کا یہ حال ہے اور دوسری آگ تو نرم اور پتلی لکڑیوں سے سلگتی ہے۔ لیکن وہ پتھروں اور آدمیوں سے سلگتی ہے یا دوسری آگ میں لکڑیاں جلتی ہیں لیکن اس میں انسان اور پتھر جلتے ہیں۔ لہٰذا تم کو لازم ہے کہ آگ سے بچنے کا سامان کرو۔ یعنی اس قرآن پر ایمان لے آؤ اور اس کو اپنا دستور العمل بناؤ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ قرآن کریم معجزہ ہے۔ اگلے انبیاء کرام کے معجزے سے قصے بن کر رہ گئے ہیں۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا یہ معجزہ یعنی قرآن شریف قیامت تک لوگوں کے سامنے رہے گا۔ نوٹ ضروری: جو عجیب بات مدعی نبوت کے ہاتھ پر ظاہر ہو تاکہ اس سے اس نبی کی سچائی معلوم ہو اسے معجزہ کہتے ہیں۔ اور پیغمبروں کو ایک ایک یا دو دو معجزے ملتے تھے۔ سب سے زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے یعنی نو۔ لیکن ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے چھ ہزار معجزے تو روایتوں میں آتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا معجزہ قرآن کریم ہے اور حق یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم از سر مبارک تا قدم پاک معجزہ ہیں۔ یعنی آپ کا ہر عضو شریف معجزہ بلکہ ہر وصف ہر حال معجزہ ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ اور انشاء اللہ اس آیت کے ماتحت بھی عرض کی جائے گی **قد جاء کم برھان من ربکم** جو عجیب باتیں انبیاء کرام سے بچپن شریف میں ظاہر ہوتی ہیں ان کو ارہاص کہتے ہیں۔ جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہوتے ہی کلام فرمانا یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم سے ان کے بچپن شریف میں پتھر کا کلام کرنا و سلام کرنا اور جو عجیب باتیں اولیاء اللہ کے ہاتھ پر ہوتی ہیں انہیں کرامت کہتے ہیں۔ بت پرست جوگیوں اور دیگر کفار سے جو عجیب باتیں ظاہر ہوتی ہیں ان کو استدراج کہتے ہیں۔ جیسے دجال کے ہاتھ سے عجائبات کا ظاہر ہونا۔ معجزے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو ہر وقت نبی کے ساتھ رہتے ہیں۔ جیسے کہ حضور کے جسم اطہر کا بے سایہ ہونا یا دندان مبارک سے نورانی شعاع کا نکلنا۔ دوسرے وہ جو ہر وقت ان کے قبضہ میں رہتے ہیں کہ جب چاہیں تب ظاہر فرما دیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا اور لاٹھی کا سانپ بن جانا۔ تیسرے وہ جن کا ظاہر ہونا صرف رب کے کرم پر موقوف ہوتا ہے۔ پیغمبر کا اس پر قبضہ نہیں ہوتا جیسے قرآن پاک کی آیتوں کا اترنا۔ **دوسرا فائدہ**: ہر زمانے کے پیغمبر کو اسی قسم کا معجزہ عطا ہوا جس کا اس زمانے میں بہت زور تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں جادو کا زور تھا تو آپ کی لاٹھی کو سانپ بنانے کا معجزہ دیا گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں علم طب کا بہت شور تھا تو آپ کو مردہ زندہ کرنے اور اندھوں کو اچھا کرنے کا معجزہ دیا گیا جس کا تعلق طب سے ہے۔ ہمارے حضور کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت بہت زوروں پر تھی اس لئے آپ کو قرآن کا معجزہ عطا فرمایا گیا۔ لہٰذا اگر مرزا جی بھی نبی ہوتے تو ان کو سائنسی ایجادات کا معجزہ ملتا کیونکہ آج کل اسی کا زور ہے۔ مگر انہوں نے خطبہ الہامیہ بطور معجزہ پیش کیا۔ جس سے دو سو غلطیاں حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے نکالیں۔ سچ ہے کہ غلط نبی کے لئے غلط معجزے چاہئیں۔ **تیسرا فائدہ**: اس سے معلوم ہوا کہ ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا۔ قرآن کریم اس امر پر سولہ معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہ امر

www.alahazratnetwork.org

لفظ اقتصار عجز کے لئے ہے۔ چوتھا فائدہ: اس سے معلوم ہوا کہ جہنم پیدا ہو چکا کیونکہ اعدت فرمایا گیا جو کہ ماضی ہے۔ پانچواں فائدہ: اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ مسلمان جہنم میں ہمیشہ نہ رہیں گے کیونکہ جہنم صرف کفار کے لئے بنی ہے۔ مسلمان عارضی طور پر وہاں رہیں گے۔ چھٹا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط حرفوں کے یکساں ہونے سے کوئی کلام قرآن کے مثل نہیں ہو سکتا کیونکہ کفار نہ کہہ سکے کہ ہمارا عربی کلام بھی انہی 32 حرفوں سے بنا ہے جس سے قرآن کی عبارت بنی ہے۔ لہٰذا ہمارے قصیدے قرآن کی مثل ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم ظاہری اعضاء اور ظاہری حالات کی بنا پر ہماری مثل نہیں۔ جو شخص ان ظاہری اوصاف کو دیکھ کر اپنے کو ان کی مثل سمجھے وہ حماقت میں کفار مکہ سے بڑھ کر ہے۔ انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق اور موقع پر کی جائے گی۔

اعتراض: پہلا اعتراض آریوں کا۔ جس طرح قرآن کریم کا مثل کسی سے نہ بن سکا اسی طرح ہمارے وید کا مثل بھی آج تک کوئی نہ بنا سکا۔ چاہئے کہ اس کو بھی کلام الٰہی مان لو۔ جواب: وید نے کبھی کسی کو اپنے مقابلے کا چیلنج دیا ہی نہیں تو اس کا مقابلہ کون کرتا۔ رستم پہلوان تو کہہ سکتا ہے کہ میں نے اخباروں میں اپنے مقابلے کے لئے چیلنج دیئے مگر کوئی سامنے نہ آیا۔ مگر بد حواس چھوٹا کمزور لوگ یہ نہیں کہہ سکتے کہ میرے مقابلے میں بھی آج تک کوئی نہیں آیا۔ کیونکہ انہوں نے اپنے مقابلے کے لئے کسی کو بلایا ہی کب تھا۔ دوسرا جواب: یہ ہے کہ وید سنسکرت زبان میں آیا اور یہ زبان کسی کی مادری زبان نہیں۔ نہ اس کا کوئی ماہر۔ مقابلے کا چیلنج اس فن کے ماہروں کو دیا جاتا ہے۔ کوئی عربی خواں انگریزی خواں کی جماعت کو چیلنج دے تو غلط ہے۔ اس کو چاہئے کہ عربی علماء کے مجمع میں اعلان کرے۔ قرآن کریم عربی زبان میں آیا۔ اور ملک عرب میں آیا۔ اس زمانے میں آیا جبکہ فصاحت و بلاغت پر ناز کرنے والے لوگ وہاں موجود تھے۔ پھر اس نے سب کو للکارا اگر کچھ بل بوتا ہے تو آؤ ہمارا مقابلہ بھی کر لو۔ بیچارہ وید کس کو پکارتا۔ وہ تو بقول تمہارے ایسی بے ڈھنگی زبان میں آیا جس کا ماہر دنیا میں موجود نہیں۔ دوسرا اعتراض عیسائیوں کا۔ اگر یہ بات صحیح ہے کہ خدائی کتاب کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو چاہئے توریت و انجیل کو صحیح مانا جائے۔ مگر تم کہتے ہو کہ لوگوں نے ان میں اپنی طرف سے آیتیں بڑھا بھی دیں اور گھٹا بھی دیں بلکہ بدل بھی دیں۔ انسانی بنائی ہوئی آیتیں خدا کی بھیجی ہوئی آیتوں کے ساتھ کیسے مل گئیں ان میں فرق کیوں نہ ہو سکا۔ جواب: ان کتابوں کی عبارتیں معجزہ بنا کر نہ بھیجی گئیں تھیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں عبرانی زبان والے اپنی فصاحت پر نازاں نہ تھے۔ اور پھر بھی جو بناوٹی آیتیں ان میں بڑھائی گئیں وہ بھی کسی طرح اصلی آیتوں سے حقیقتاً مل جل نہ سکیں۔ زمین و آسمان کا ان میں فرق رہا۔ لیکن لوگ اپنی بے علمی سے اس فرق کو محسوس نہ کر سکے۔ کلام کا فرق اس کا جاننے والا کر سکتا ہے۔ آج اگر کوئی شخص جاہل دیہاتیوں کو کوئی عربی سنا کر کہہ دے کہ یہ قرآن شریف ہے وہ یقیناً محض عبارت سے نہ پہچان سکیں گے یہی معاملہ وہاں ہو گیا۔ لطیفہ: پنڈت دیانند سرسوتی نے کتاب اللہ کی تین پہچانیں بتائی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ دنیا میں ہمیشہ سے ہو وید چونکہ ہمیشہ سے ہے۔ اور قرآن کچھ دنوں سے آیا ہے۔ لہٰذا وید ہی خدائی کتاب ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں (نسخ) یعنی تبدیلی نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ وہ کسی قوم کی زبان میں نہ ہو۔ بلکہ ایسی زبان میں ہو جو سب کے لئے اجنبی ہو۔ ورنہ خدا طرفدار ٹھہرے گا کہ اپنا کلام ایک قوم کے لئے آسان کر دیا۔ دوسری کے لئے مشکل یہ دونوں وصف بھی وید میں ہیں۔ لہٰذا وید ہی خدائی کتاب ہے۔ چوتھے یہ کہ اس میں ایک مضمون کو بار بار بیان نہ کیا گیا ہو۔ یہ

www.alahazratnetwork.org

خیالی وید میں ہی ہے۔ قرآن تو ایک ہی مضمون بار بار بیان کرتا ہے۔ لہذا یہ خدائی کتاب نہیں ہو سکتی مگر یہ چاروں اصول بالکل غلط اور عقل کے خلاف ہیں۔ خدائی چیز کی پہچان ایسی ہونی چاہئے جو ہر جگہ کام دے۔ اگر پہلی پہچان صحیح ہو تو چاہئے کہ دنیا کی کوئی چیز بھی خدا کی بنائی ہوئی نہ ہو۔ کیونکہ ان میں سے کوئی بھی ہمیشہ سے نہیں۔ دن رات' آسمان' زمین' چاند' سورج سب ہی کچھ عرصہ سے بنے ہیں۔ بولو پنڈت جی تم بھی خدا کے بنائے ہوئے ہو کہ نہیں۔ تم بھی کچھ عرصہ پہلے ہی بنے ہو۔ اگر دوسری پہچان صحیح ہو تو بھی دنیا کی کوئی چیز خدا کی نہ ہوگی۔ کیونکہ ہر چیز میں تبدیلی ہے۔ دن جاتا ہے رات آتی ہے۔ اسی طرح ہمارا بچپن' جوانی' بڑھاپا' تندرستی بیماری سب بدلتے رہتے ہیں۔ چاہئے کہ ان میں سے کوئی بھی خدا کی نہ ہو۔ اسی طرح اگر تیسری پہچان صحیح ہو تو بھی دنیا کی کوئی چیز خدائی نہ رہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کی ساری نعمتیں خاص مخلوق کے ذریعے عام کو ملتی ہیں۔ آفتاب کے ذریعے سے روشنی بادل کے ذریعے سے بارش تالاب اور دریا کے ذریعے سے پانی' عالموں کے ذریعے سے علم' مالداروں کے ذریعہ سے مال۔ بادشاہ کے ذریعے سے انصاف عام مخلوق کو ملتا ہے۔ تو اگر اہل عرب کے ذریعے قرآن ساری دنیا کو ملے تو کون سی بڑی بات ہے۔ چوتھی پہچان بھی غلط ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو بھی دنیا کی کوئی چیز خدا کی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ دن رات بار بار آتے ہیں۔ موسم' فصلیں اور پھل وغیرہ سب بار بار ہی آتے رہے ہیں۔ اگر قرآن پاک میں ایک مضمون بار بار آئے تو کیا خرابی ہے۔ جس مضمون کو خوب یاد کرانا منظور ہوتا ہے وہ بار بار بیان کیا جاتا ہے۔ نیز قرآن کریم جس مضمون کو چند جگہ بیان فرماتا ہے۔ اس میں ہر جگہ نیا لطف اور نئی حکمتیں ہوتی ہیں۔ قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے کہ ایک چیز کئی جگہ بیان ہو۔ مگر نئے انداز سے اور نرالے طریقے سے بہرحال یہ پہچانیں سب غلط ہیں۔ صحیح پہچان وہی ہے جو قرآن پاک نے فرمائی۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ

اور خوشخبری دو تم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کیے انہوں نے اچھے تحقیق

اور خوشخبری دیں انہیں جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کے لئے باغات ہیں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ

واسطے ان کے باغات ہیں بہتی ہیں سے نیچے ان کے نہریں جب کبھی دیئے جائیں

جن کے نیچے نہریں رواں جب ان کو باغوں سے کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا

رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِیْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ

گے وہ اس سے پھل کھانے کے لئے تو کہیں گے وہ یہ وہ ہے جو دیئے گئے ہم پہلے اس سے

صورت دیکھ کر کہیں گے یہ تو وہی رزق ہے جو ہمیں پہلے سے ملا تھا اور

مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِیْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّهُمْ فِیْهَا

اور دیئے جاویں گے ملتے جلتے ہم شکل اور واسطے ان کے اس میں بیویاں پاکیزہ صاف

وہ صورت میں ملتا جلتا انہیں دیا جاوے گا اور ان کے لئے ان باغوں میں

www.alahazratnetwork.org

خٰلِدُوْنَ ؕ

اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ستھری بیبیاں ہیں اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے۔

تعلق : اس آیت کا گزری آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ اس سے پہلے جہنم کا ذکر تھا اب جنت اور اس کے مستحقین کا ذکر فرمایا گیا۔ کیونکہ ہر چیز اپنے مقابل سے خوب پہچانی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ حکم کو تین طرح قبول کرایا جاتا ہے۔ دلیلوں سے۔ ڈرا کر۔ لالچ دے کر۔ اس سے پہلے قرآن پاک کی حقانیت دلائل سے بیان فرمائی گئی۔ پھر اس کے نہ ماننے پر عذاب سے ڈرایا دھمکایا گیا۔ اب اس کے ماننے پر ثواب کی امید دلائی گئی۔ کیونکہ دنیا میں تین قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔ بعض تو دلائل سے بات مان لیتے ہیں اور بعض خوف سے۔ بعضے لالچ سے۔ یا یوں کہو کہ انسان کی عقل دلیل سے بات مانتی ہے اور دل ڈر سے اور نفس لالچ سے۔ انہی تین چیزوں کا یہاں ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ یہ تینوں ذریعے عاقلوں کے لئے ہیں۔ عشق ان تمام اسباب و ذرائع سے بے نیاز ہے۔ لیلیٰ بد صورت بچہ اپنا معمولی سی جھونپڑی پیارا ہے دلیل سے نہیں۔ بلکہ عشق سے۔ عقل کہتی ہے' کشمیر و پیرس اچھا۔ عشق کہتا ہے۔ مدینہ اعلیٰ۔ تیسرے یہ کہ انسان کو ضروری ہے کہ تین چیزیں معلوم کرے ایک اپنی ابتداء کہ میں کہاں سے آیا' دوسرے اپنی غذا کہ میں کہاں سے کھاتا پیتا ہوں۔ تیسرے اپنی انتہا کہ مجھے کہاں جانا ہے۔ اس سے پہلے دو چیزوں کا ذکر ہو گیا تھا کہ الذی خلقکم میں انسان کی ابتداء اور الذی جعل لکم میں اس کی غذا کا ذکر فرمایا ری انتہاء وہ کفار کی کچھ اور تھی مسلمانوں کی اور لہذا پہلے کفار کی انتہا بیان فرما کر اب مسلمانوں کی انتہا کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر : و بشر یہ لفظ بشارت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں خوشخبری۔ اور خوشخبری کو بشارت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بشرہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ظاہری کھال۔ چونکہ اچھی خبر کا اثر چہرے وغیرہ پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ سن کر ہنسی آجاتی ہے۔ چہرے کا رنگ سرخ ہو جاتا ہے۔ اس لئے اس کو بشارت کہا جاتا ہے۔ یہاں تو صرف حضور سے خطاب ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مسلمانوں کو آپ خوش خبری دیجئے۔ خیال رہے کہ ایک بشارت ہے آئندہ نبیوں کی آمد کی اس کے ساتھ تصدیق ہوتی ہے۔ گذشتہ نبیوں کی طرح حضور اس بشارت سے پاک ہیں۔ کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے حضور کو صرف مصدق فرمایا جاتا ہے۔ آدم علیہ السلام صرف بشیر ہیں کسی نبی کے مصدق نہیں۔ کیونکہ آپ سے پہلے کوئی نبی نہ ہوا تھا۔ دوسری بشارت ہے اللہ کی رحمتوں کی جس کے ساتھ نذارت ہے۔ اسی معنی سے حضور بشیر ہیں۔ آپ کا لقب بشیر و نذیر ہے۔ یہاں یہ دوسری بشارت مراد ہے۔ یا عام علماء اور واعظین سے۔ یعنی اے علماء اور واعظو! تم مسلمانوں کو خوشخبری دیتے رہو۔ بشر کو باب تفعیل سے لایا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ تھوڑی تھوڑی خوشخبریاں دیتے رہنا چاہئے کہ واعظ کا کوئی وعظ خوشخبری سے خالی نہ ہو۔ مگر خیال رہے کہ خوشخبری کے ساتھ ڈرانا بھی ضروری ہے۔ تاکہ مسلمانوں کو امید اور خوف رہے۔ الذین امنوا اس سے یا تو قرآن پر ایمان لانا مراد ہے کیونکہ پہلے اسی کا ذکر ہوا ہے یا ساری ایمانی باتوں پر۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ اس ایک کلمے سے ساری ایمانیات کا ذکر ہو گیا۔ یہاں تا قیامت ہر جگہ کے مومن مراد ہیں۔ کیونکہ جنت صرف انسان مومنوں کے

www.alahazratnetwork.org

لئے جیساکہ سورہ احقاف میں مذکور ہے۔ تمام ایمانیات توحید' فرشتوں وغیرہ کا ماننا ایمان کا قالب یا ڈھانچہ حضور کو ماننا ایمان کا قلب و روح ہے۔ شیطان توحید و تمام غیب کی چیزوں کو مانتا تھا۔ صرف نبی کا منکر تھا مومن نہ ہوا **فلا و ربک لا یومنون** ایمان کو عمل سے اسی لئے مقدم کیا گیا کہ ایمان سارے نیک اعمال کی اصل ہے۔ کافر کا کوئی نیک عمل قابل ثواب نہیں۔ نیز جنت میں داخل ہونے کے ایمان شرط ہے۔ رہے نیک اعمال وہ بسا اوقات ضروری نہیں رہتے۔ جو شخص ایمان لاتے ہی مر جائے وہ یقیناً جنتی ہے۔ حالانکہ اس نے نیک کام کوئی بھی نہ کیا۔ بدکار مسلمان بھی آخرکار جنت میں ضرور پہنچیں گے۔ مگر بے ایمان جنت سے بالکل محروم ہیں۔ **و عملوا الصلحت** ایمان کے بعد نیک عمل کا اسی لئے ذکر فرمایا گیا کہ کوئی شخص ایمان پر بھروسہ نہ کر بیٹھے۔ کیونکہ ایمان بنیاد ہے۔ اور اعمال عمارت فقط بنیاد سے مکان نہیں بن جاتا۔ بغیر عمل جنت کی طلب حماقت ہے۔ نیز ایمان نور ہے اور عمل اس کی زیادتی۔ جس کی برکت سے مسلمان کا ظاہر و باطن چمک جاتا ہے۔ نیز جنت کے راستے میں صدہا خندقیں ہیں۔ یہ اعمال وہ سواری ہیں۔ جس سے یہ خندقیں آسانی سے طے ہو جاتی ہیں۔ بلکہ یوں کہو کہ خود ایمان کے جاتے رہنے کا ہر وقت اندیشہ ہے۔ یہ اعمال ایمان کی روک تھام ہیں۔ **الصلحت** جمع **صالحۃ** کی ہے۔ جس کے معنی ہیں نیک کام اور جو جائز کام بھی رضائے الٰہی کے لئے کیا جائے وہ صالح ہے۔ اس میں عبادات معاملات وغیرہ سب ہی داخل ہو گئے' چونکہ ہر شخص سارے نیک کام نہیں کر سکتا۔ فقیر سے زکوٰۃ اور کمزور سے حج ناممکن ہے۔ اس لئے یہاں طاقت کے مطابق اعمال مراد ہیں **ان لھم جنت**۔ **لھم** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ جنت صرف مومن کے لئے ہے۔ جنت جمع جنت کی ہے۔ جس کے معنی ہیں گھنا باغ۔ چونکہ گھنے باغ کی زمین درختوں سے چھپ جاتی ہے اس لئے اس کو جنت کہا جاتا ہے۔ جنت میں اگرچہ اور بھی صدہا نعمتیں ہوں گی لیکن جنت ان سب میں اصل ہے۔ اس لئے اس کا ذکر ہر جگہ فرمایا جاتا ہے۔ جنت کے آٹھ طبقے ہیں۔ جنت الفردوس' جنت عدن' جنت ماویٰ' دار الخلد' دار السلام' دار المقامہ' علیین' جنت نعیم (تفسیر عزیزی) ان کے ناموں میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ مسلمانوں کو ان کے اعمال کے مطابق ان طبقوں میں رکھا جاوے گا۔ چونکہ سارے مسلمانوں کے لئے یہ ساری جنتیں ہیں اس لئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جنتیں مسلمانوں میں تقسیم ہو جائیں گی۔ جیسے کہ ریل میں تھرڈ سیکنڈ وغیرہ کئی درجے ہوتے ہیں۔ اور وہ سب مسافروں کے لئے ہی ہیں۔ لیکن جتنا روپیہ خرچ کیا جائے گا اتنا ہی درجہ ملے گا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعلیٰ درجے والے ادنیٰ درجہ کے بھی مالک ہوں لیکن وہ اعلیٰ میں ہی رہیں گے۔ جیسے کہ فسٹ کلاس کا مسافر تھرڈ میں سفر کر سکتا ہے۔ مگر کرتا نہیں۔ **تجری من تحتھا الانھر** یہ ان باغوں کی صفت ہے۔ چونکہ باغوں کی سرسبزی پانی سے ہی ہوتی ہے اور جس باغ میں نہریں جاری ہوں وہ بڑا خوبصورت معلوم ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں نہریں جاری ہوں گی۔ **انھار** نہر کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں چیرنا۔ چونکہ زمین چیر کر دریا میں سے پانی لایا جاتا ہے اس لئے اسے نہر کہتے ہیں۔ جنت میں بھی حوض کوثر وغیرہ سے پانی آئے گا۔ اور ان باغوں میں ہوتا ہوا نکل جائے گا۔ اور یہ نہ تو بالکل نالی کی طرح تنگ ہوں گی اور نہ دریا کی طرح فراخ اور ٹیڑھی بل کھاتی ہوئی۔ بلکہ نہایت سیدھی اور درمیانی فراخ۔ اس لئے ان کو نہر کہا گیا۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہاں انہار سے صرف پانی ہی کی نہریں مراد ہیں۔ کیونکہ باغ کی سرسبزی صرف پانی سے ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ نہریں ہر طبقے میں ہوں گی۔ اس لئے ان کو جمع لایا گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ پانی کی' شہد کی' دودھ کی اور شراباً طہوراً کی۔ کیونکہ یہ مومنین کے پینے کے لئے ہوں گی۔ اور وہاں کی سرسبزی قدرتی ہوگی۔ اگر جنت کے باغوں کی سبزی اس پانی

www.alahazratnetwork.org

سے ہوتی تو وہاں ہر وقت پانی نہ رہتا کیونکہ اس سے درخت گل جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ نہ اس پانی سے وہ درخت گلیں گے نہ اس کے بغیر سوکھیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پھلوں میں دودھ اور شہد وغیرہ کا مزہ ہو۔ کیونکہ دنیا میں بھی اگر کسی درخت کی دودھ اور شہد سے پرورش کی جائے تو اس کے پھلوں میں لذت اور شیرینی بڑھ جاتی ہے۔ (تفسیر عزیزی) **کلما رزقوا** اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جنتیوں کے پاس رزق ہر وقت نہ ہو گا اور کبھی کبھی دیا جائے گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ وہاں کا پھل ہر وقت موجود ہو گا۔ لیکن ان کا کھانا وقتاً فوقتاً خواہش کے مطابق ہو گا۔ خیال رہے کہ جنت میں پھل ہوں گے غلہ نہ ہو گا۔ اس لئے وہاں باغات ہیں کھیت نہیں۔ کیونکہ غذا بقائے زندگی کے لئے ہوتی ہے اور پھل صرف لذت کے لئے۔ وہاں بھوک پیاس نہیں۔ وہاں کی زندگی غذا کی محتاج نہیں۔ صرف لذت کے لئے پھل کھائے جائیں گے۔ **رزقنا من قبل** اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ قبل سے مراد دنیوی پھل ہوں یعنی جب جنتی کوئی پھل پایا کریں گے تو کہا کریں گے کہ یہ ویسا ہی پھل ہے جیسے ہم کو دنیا میں ملتے تھے۔ کیونکہ یہ ان کے ہم شکل اور ہم رنگ ہوں گے۔ مگر جب کھائیں گے تو مزا نرالا پائیں گے اور یا اس سے خود جنت کے پہلے پھل مراد ہیں۔ یعنی جنت کا ہر پھل شکل و صورت میں پہلے پھلوں کی طرح ہو گا۔ مگر ہر بار وہ لذت اور ہی قسم کی ہو گی۔ مثلاً جب بھی سیب کھائیں گے علیحدہ مزا پائیں گے **واتوا به متشابها** اس کا مقصود یہ ہے کہ جنت کے پھل یا تو دنیاوی پھلوں کے ہم شکل ہوں گے یا وہاں کے ہی پھلوں کے۔ اس لئے کہ اجنبی چیز کی طرف دل راغب نہیں ہوتا۔ ان کے دلوں کو راغب کرنے کے لئے پھلوں کی شکل تو دنیاوی پھلوں کی طرح ہو گی۔ مگر لذت جدا تاکہ ان کو ہر بار نیا لطف آئے۔ تفسیر روح البیان میں فرمایا گیا کہ ہر جنتی کو کھانے پینے اور جماع میں سو آدمی کی قوت دی جائے گی۔ اور وہاں پیشاب اور پاخانہ کی بالکل ضرورت نہ ہو گی۔ بلکہ ان کی غذا خوشبو دار پسینہ بن کر جسم سے نکل جائے گی۔ **ازواج** جمع زوج کی ہے۔ جس کے معنی ہیں جوڑا۔ یہ لفظ شوہر اور بیوی دونوں پر بولا جا سکتا ہے۔ مگر یہاں بیویاں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ لھم کی ضمیر مذکر تھی اور آگے **مطھرۃ** جو کہ ازواج کی صفت ہے وہ مونث ہے۔ چونکہ شوہر بیوی کا گویا مالک ہوتا ہے اور بیوی شوہر کے لئے نعمت الٰہی ہے اس لئے جنت کی عورتوں کی خواہ وہ حوریں ہوں یا دنیاوی بیویاں وہاں کی نعمتوں میں سے شمار کیا گیا۔ خیال رہے کہ جو عورت جس مسلمان کے نکاح میں مرے گی وہ جنت میں اسی کے ساتھ رہے گی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی بیویوں کا نکاح نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ جنت میں حضور کے لئے خاص ہیں۔ اور جس عورت کا شوہر کافر ہو کر مر گیا جو کہ کنواری ہی مر گئی ان کا نکاح ان جنتیوں میں سے کسی سے کرا دیا جائے گا جو جنت کے بھرنے کے لئے پیدا کئے جائیں گے۔ اور جس کی بیوی کافر ہو کر مری یا کنوارا ہی مر گیا اس کے نکاح میں صرف حوریں ہوں گی۔ اور جس کی بیوی بھی مسلمان مرے وہ جنت میں اپنی اس بیوی کو بھی پائے گا اور حوروں کو بھی۔ لیکن وہاں یہ دنیاوی بیویاں حسن و جمال میں حوروں سے کسی طرح کم نہ ہوں گی۔ روایات میں آیا ہے کہ حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی جنت میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے نکاح میں آئیں گی۔ اس کی پوری تحقیق انشاء اللہ سورت مریم میں کی جائے گی۔ جنت میں ایک مرد کو چند بیویاں دی جائیں گی مگر ایک عورت کو چند مرد نہیں کہ یہ بے حیائی ہے۔ ایک مخدوم کے چند خادم ٹھیک ہیں مگر ایک خادم کے چند مخدوم ٹھیک نہیں۔ ہاتھ میں انگوٹھا جوڑ ہے ایک ہے۔ انگلیاں جو علاوہ ہیں وہ چند اسی لئے **لھم ازواج** ارشاد ہوا۔ نیز حور چونکہ انسان نہیں ان کا نکاح انسانوں سے ہو سکے گا۔ دنیا میں نکاح کے لئے ہم جنس ہونا شرط ہے کہ انسان کا نکاح غیر انسان سے نہیں۔ خیال رہے کہ وہاں کی بیویاں قیامت کے بعد

www.alahazratnetwork.org

جنت میں پہنچ کر ہی ملیں گے۔ حضرت آدم و ادریس علیہما السلام اگرچہ جنت میں رہے۔ وہاں سب کچھ کھایا پیا۔ مگر حوروں سے بے تعلق رہے۔ شہداء کی روحیں جنت کے میوے کھاتی ہیں مگر حوروں سے بے تعلق۔ حضرت مریم نے دنیا میں جنتی میوے کھائے۔ اس لئے ازواج کے لئے **فیھا** فرمایا اور **ثمرۃ** کے لئے **فیھا** ارشاد نہ ہوا۔ **مطھرۃ** اس سے معلوم ہوا کہ عورتیں خواہ حوریں ہوں خواہ دنیا کی عورتیں تمام ظاہری اور باطنی عیبوں اور گندگیوں سے بالکل پاک ہوں گی۔ یعنی حیض نفاس 'پیشاب' پاخانہ' منی' تھوک' میل ہر قسم کی بیماری وغیرہ سے بھی پاک ہوں گی۔ اور بد خلقی' سخت زبانی' نافرمانی وغیرہ سے بھی ایک دم دور۔ ان کے چہرے کا نور آفتاب کی روشنی کو شرمادے گا **ھم فیھا خلدون** اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی نہ مریں گے۔ کیونکہ ان کے جسم پر روحانیت غالب ہوگی نہ کہ عنصریت۔ اور فنا عنصریت کے لئے ہے نہ کہ روح کے لئے۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جنتی مرد عورتیں ہمیشہ پینتیس سال کے جوان رہیں گے ان کا قد حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ساٹھ ساٹھ ہاتھ کا ہوگا۔ بے داڑھی ہوں گے۔ سب کی آنکھیں قدرتی سرگیں ہوں گی۔ ہر ایک کے جسم پر ستر جوڑے ہوں گے۔ ہر جوڑے کا علیحدہ رنگ ہوگا۔ اور وہ جوڑے ایسے شفاف ہوں گے کہ ان سب کا رنگ اوپر سے نظر آئے گا۔ روزانہ ان کا حسن و جمال بڑھے گا' نہ کبھی بوڑھے ہوں گے' نہ دبلے' نہ کمزور اور نہ ان کے کپڑے کبھی میلے ہوں گے۔ (تفسیر روح البیان)

خلاصہ تفسیر : قرآن پاک کے نہ ماننے پر سزا کا ذکر ہو چکا ہے۔ اب اس کے ماننے کی جزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم جو صحیح مسلمان ہوئے اور ایمان پر ان کا خاتمہ ہوا۔ اور انہوں نے عبادت' سخاوت' خوش اخلاقی وغیرہ نیک اعمال کئے۔ انہیں یہ خوشخبری سنادو کہ ان کے مرنے کے بعد اس عالم میں ایسے عمدہ اور گھنے خوبصورت باغ دیئے جائیں گے کہ جن میں دودھ شہد وغیرہ کی نہریں بہتی ہوں گی اور ان باغوں کے میووں میں عجیب لطف یہ ہوگا کہ سب کی شکل و صورت رنگت و خوشبو تو یکساں مگر ذائقے الگ الگ۔ اس مشابہت کی وجہ سے جنتی کھاتے وقت سمجھیں گے کہ یہ وہی میوہ ہے مگر جب کھائیں گے تو ہر بار نیا ہی لطف پائیں گے۔ اور ان کو صرف کھانا اور مکان ہی نہ ملے گا بلکہ ان کے دل لگنے کے لئے اور گھروں کی آبادی کے لئے نہایت پاکیزہ بیویاں بھی دی جائیں گی جو کہ ساری نفرت کی چیزوں سے پاک ہوں گی۔ صورت نہایت زیبا اور سیرت نہایت اعلیٰ ہو گی۔ ان نعمتوں پر طرہ یہ کہ ان کو بڑھاپا وغیرہ کی تکلیفیں نہیں اور موت کا کھٹکا نہیں۔ دنیا کے سارے عیش موت کی وجہ سے تلخ ہیں۔ وہاں یہ تلخی بھی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ اپنی عیش و آرام کے ساتھ ہمیشہ ہمیشہ وہاں رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے اتنے فائدے حاصل ہوئے' ایک یہ کہ جنت پیدا ہو چکی ہے۔ کیونکہ آدم علیہ السلام وہاں رہ چکے ہیں۔ حضور معراج میں وہاں کی سیر فرما چکے ہیں۔ اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت جنتیوں کے لئے نامزد ہو چکی ہے۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو کوثر دیا جا چکا ہے۔ اور دی وہی چیز جاتی ہے جو موجود ہو۔

دوسرے یہ کہ جنت اور جنت والوں کے لئے فنا نہیں وہ ہمیشہ باقی رہیں گے۔ تیسرے یہ کہ اعمال ایمان میں داخل نہیں بلکہ ایمان کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ یہاں اعمال کا ایمان پر عطف کیا گیا اور عطف غیریت چاہتا ہے۔ نیز بہت سے مومنین کو عمل کا موقع نہیں ملتا اگر اعمال ایمان کے جز ہوتے تو یہ لوگ مومن کیونکر ہوتے۔ چوتھے یہ کہ دنیا میں حائضہ عورت سے جماع کرنا منع

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ اس لئے کہ وہ گندی ہے اور مرد پاک، جنتی عورتیں ہر طرح پاک ہیں۔ لہٰذا جو مرد گناہوں کی ناپاکی میں لتھڑا ہو گا وہ ان کے پاس نہ جا سکے گا۔ پانچواں یہ کہ دنیا میں جو شخص حلال جماع سے جنبی ہو اس کو مسجد میں آنا حرام ہے۔ تو جو حرام شہوتیں پوری کرے اس کو جنت میں جانا بھی حرام ہو گا۔ کیونکہ وہ جگہ پاکوں کی ہے۔ چھٹے یہ کہ نیک پاک بیوی اللہ کی بڑی رحمت ہے۔ کیونکہ اس سے محبت زیادہ رہتی ہے۔ اچھوں کی محبت تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ حضور کے صحابہ صرف محبت نبوی کی وجہ سے تمام مسلمانوں سے افضل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جن لوگوں نے اپنے دلوں میں ایمان حقیقی (ایمان مقبول) کا بیج بویا۔ اور اس کو نیک اعمال کا پانی دیا تو ان کو ایسے باغات ملیں گے جن میں توکل، یقین، زہد، تقویٰ، صدق، اخلاق، ہدایت، قناعت، پاک دامنی، مجاہدہ، شوق ذوق، رغبت، خوف امید، صفائی قلب، وفا طلب، محبت، حیا، کرم، سخاوت، شجاعت، علم، حلم، معرفت، عزت رفعت، رحمت، ہمت کے گھنے درخت ہوں گے، جن کے نیچے اللہ کی رحمت اس کے کرم، اس کی عنایت، اس کے فضل اور توفیق کی نہریں ہوں گی۔ جب کبھی وہ ان درختوں سے مشاہدہ، کشف تجلی نور کے پھل پائیں گے تو کہیں گے کہ یہ تو ہم اس سے پہلے بھی پا چکے ہیں۔ مگر ہر کشف میں علیحدہ لذت اور ہر تجلی میں نیا نور ہو گا۔ اس لئے کہ اس راہ میں نئے آنے والے لوگ شکل سے فرق کرتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور کے نور کو نار یعنی آگ سمجھا اور فرمایا کہ **انی انست نارا** " مگر جب سالک واصل ہو جاتا ہے تو ہر نار میں علیحدہ ذوق پاتا ہے۔ ان حضرات کے لئے اس قلبی باغ میں ان پھلوں کے علاوہ عالم غیب سے اور بھی رحمتوں کے جوڑے ملیں گے جو کہ اغیار کی نظر سے پاک ہوں گے اور وہ ان سے واپس نہ لئے جائیں گے۔ بلکہ ہمیشہ ان کے پاس ہی رہیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جنت کے پھل دنیا کے پھلوں کی طرح ہوں گے نام اور شکل میں مگر لذت میں دنیوی پھلوں سے کوئی نسبت نہیں ایسے ہی انبیاء اولیاء کی عبادات اگرچہ نام و شکل میں ہماری عبادت کی طرح معلوم ہوتی ہیں کہ ہم بھی نماز پڑھتے ہیں وہ بھی۔ ارکان نماز دونوں جگہ یکساں معلوم ہوتے ہیں۔ مگر لذت و قبولیت میں کوئی نسبت نہیں۔ اسی لئے ہمارا پہاڑ بھر سونا خیرات کرنا صحابہ کے ایک سیر جو کو نہیں پہنچ سکتا۔

اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی لوگ ہر پھل کو دیکھ کر یہی کہیں گے کہ یہ وہی پھل ہے جو کہ ہم کو پہلے مل چکا ہے۔ اس پہلے سے کیا مراد ہے۔ آیا دنیا میں پہلے مل چکا ہے یا جنت ہی میں؟ اگر کہا جائے کہ دنیا میں پہلے مل چکا ہے تو لازم آتا ہے کہ جنت میں دنیوی نعمتوں کے علاوہ کوئی نعمت نہ ہو تاکہ وہ ہر نعمت پر یہ کہہ سکیں کہ یہ تو ہم دنیا میں ہی پا چکے۔ حالانکہ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ **فلا تعلم نفس ما اخفی لہم من قرۃ اعین** اور حدیث پاک میں آیا ہے کہ رب تعالیٰ نے جنت میں نیک بندوں کے لئے وہ نعمتیں مہیا فرمائی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی نہ کان نے سنی نہ کسی کے خیال میں آئیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنتی نعمتیں گمان و وہم سے بھی بالاتر ہیں۔ اور یہاں فرمایا ہے کہ **و اتو بہ متشابھا** ان آیات میں مطابقت کیونکر ہو سکتی ہے۔ نیز بعض جنتی فقراء اور مساکین ہوں گے۔ جن کو دنیوی نعمتیں دنیا میں بہت کم میسر آئی تھیں۔ نیز دنیا میں ہر ملک میں علیحدہ قسم کے پھل پائے جاتے ہیں پھر بھی جنتی وہاں ہر پھل کو دیکھ کر یہ کیونکر کہہ سکیں گے کہ **رزقنا من قبل**۔ اور اگر اس قبل سے مراد خود جنت ہی کی پہلی نعمتیں ہیں تو بھی درست نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جنتی ہر

www.alahazratnetwork.org

پھل کو دیکھ کر یہی کہیں گے تو جب بالکل پہلی بار وہ پھل کھائیں گے تو کیا کہیں گے۔ جواب: یہ اعتراض نہایت قوی ہے۔ علماء نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ **من قبل** دونوں قسم کے پھلوں کو شامل ہے۔ یعنی جنتی پھلوں کو دیکھ کر تو دنیا کے پھل یاد کریں گے اور بعض کو دیکھ کر جنت کے اگلے پھل دوسرے یہ کہ **ھذا الذی** میں لفظ جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی جنتی ہر پھل کو دیکھ کر یہ کہیں گے کہ ان اعمال کا بدلہ ہے جن کی ہم کو دنیا میں توفیق ملی تھی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کی نعمتیں در حقیقت نیک اعمال ہوں جو کہ ان نعمتوں کی شکل میں ظاہر ہوئے (تفسیر عزیزی) اس کی تائید ان احادیث صحیحہ سے بھی ہوتی ہے۔ جن میں فرمایا گیا کہ دنیوی نیک و بد اعمال آخرت میں اچھی بری شکلوں میں ظاہر ہوں گے۔ دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر اعمال جنت نہیں مل سکتی۔ کیونکہ یہاں جنت کی خوشخبری کو ایمان اور عمل دونوں سے متعلق کیا گیا۔ حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ جنت بغیر اعمال بھی مل سکتی ہے۔ جواب: یہ خوشخبری صالحین کے لئے بلاقید ہے اور گنہگار مسلمانوں کے لئے ارادہ الٰہی کی قید سے کہ اگر وہ چاہے تو ان کے گناہ معاف فرمادے اور چاہے تو سزا دے کر جنت دے۔ (تفسیر خزائن العرفان)۔ تیسرا اعتراض آریوں کا۔ جنتی مرد اور عورت پینتیس سال کے نوجوان ہوں گے۔ خوبصورت اور قوی ہوں گے۔ حالانکہ یہ لوگ دنیا میں کمزور' بوڑھے وغیرہ تھے۔ اسی کا نام "آواگون" ہے۔ آریہ مانتے ہیں کہ دنیا ہی میں ایک روح مختلف جسموں میں آتی ہے اور مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ معاملہ آخرت میں ہوگا۔ نیز قرآن پاک سے ثابت ہے کہ بعض امتیں سور بندر وغیرہ بنادی گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا کبھی سانپ بن جاتا تھا' کبھی لاٹھی' یہی ہمارا عقیدہ ہے۔ جواب: اس مسئلہ کی تحقیق انشاء اللہ عصا موسوی کے ذکر کے موقع پر کی جائے گی۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جسم کا بدلنا ممکن بلکہ واقع ہے۔ لیکن روح کی تبدیلی ناممکن ہے۔ دن رات جسموں میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ آگ ہوا بن جاتی ہے اور ہوا آگ۔ جسم انسانی مرنے کے بعد مٹی ہو جاتا ہے۔ زندگی میں بھی بچپن' جوانی' بڑھاپا' بیماری' تندرستی کی حالت میں جسم کی حالتیں بدلتی رہتی ہیں۔ یہ ہرگز آواگون نہیں۔ آواگون یہ ہے کہ روح انسانی اس جسم انسانی سے نکل کر گدھے کے جسم میں پہنچے اور روح حماری بن جائے۔ یہ ناممکن ہے۔ چوتھا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی ایمان دار ہو کر نیک اعمال کرے وہ جنت کا مستحق ہے۔ شیطان نے بھی مومن رہ کر بہت نیک کام کئے تھے۔ چاہئے کہ وہ جنتی ہو۔ کیونکہ اس آیت میں بقاء ایمان کی قید نہیں۔ جواب: یہاں ایمان سے مراد حقیقی ایمان ہے۔ اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے۔ اور ایمان حقیقی وہی ایمان ہے۔ جو دنیا سے مومن کے ساتھ جائے۔ شیطان کے متعلق فرمایا گیا کہ **و کان من الکفرین** یعنی وہ ایمان کی حالت میں ہی اللہ کے علم میں کافر تھا۔ جو ایمان ساتھ نہ جائے وہ حقیقت میں ایمان ہی نہیں۔ پانچواں اعتراض۔ نیچریوں کا۔ شعر۔

ایسی جنت کا کیا کرے کوئی ۔۔۔ جس میں لاکھوں برس کی حوریں ہوں

جب جنت قیامت کے بعد دی جائے گی تو اتنے پہلے اس کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت۔ زیادہ عمر سے چیزیں خراب ہو جاتی ہیں۔ جواب: حقیقت میں یہ دو اعتراض ہیں۔ ایک یہ کہ جنت قیامت سے پہلے کیوں پیدا ہوئی۔ دوسرے یہ کہ پرانی چیز کمزور اور خراب ہو جاتی ہے۔ پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ قیامت سے پہلے بھی جنت میں صدہا کام ہو رہے ہیں۔ جنت میں آدم علیہ السلام کو اولاً رکھا گیا۔ اب بھی وہاں ادریس علیہ السلام موجود ہیں۔ اب بھی وہاں بعض صالحین کی روحیں پرندوں کی شکل میں

www.alahazratnetwork.org

رہتی ہیں۔ اب بھی وہاں حور و غلمان وغیرہ رب کی تسبیح و تہلیل کر رہے ہیں۔ وہاں کی سیر حضور علیہ السلام کو کرائی گئی۔ مسلمان اس پر ایمان لاتے ہیں کہ جنت حق ہے۔ اور وہاں کا پانی حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام کو پلایا۔ یعنی اپنی پاک انگلیوں سے پانی جاری فرمادیا۔ یہ وہی پانی تھا۔ (روح البیان وغیرہ)۔ حضور نے وہاں کی بعض نعمتیں صحابہ کرام کو کھلادیں۔ کہ حضرت جابر کے گھر تھوڑے گوشت و آٹے سے صدہا آدمیوں کی دعوت فرمادی۔ یہ آٹا وغیرہ وہاں سے آرہا تھا۔ اب بھی وہاں کا پتھر سنگ اسود خانہ کعبہ میں نصب ہے۔ اب بھی وہاں کا لباس یعنی ناخن ہر انسان کے پاس موجود ہیں۔ اور اگر یہ نفع فی الحال حاصل نہ بھی ہوتے تب بھی اس کا ہونا بیکار نہ ہوتا۔ ہر حکومت اپنے سارے محکمے پہلے ہی سے قائم کر لیتی ہے۔ کچہری، جیل خانہ، شفاخانہ پہلے ہی سے بنالئے جاتے ہیں۔ اس کا انتظار نہیں ہوتا کہ کوئی جرم کرے تب جیل بنے۔ کوئی بیمار ہو تب شفاخانہ بنے۔ نہیں پہلے ان سب چیزوں کا ہونا سلطنت کی شان اور سلطان کا رعب ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ پرانا ہونا خراب یا کمزور ہونا ان عنصری جسموں کی خصوصیت ہے۔ غیر عنصری جسم نہ پرانے ہوتے ہیں نہ خراب۔ مثلاً تو چاند، سورج، ستارے، زمین و آسمان وغیرہ کب کے بنے ہوئے ہیں؟ کیا یہ پرانے ہو کر خراب ہو گئے؟ آپ کی روح کتنی پرانی ہے؟ کیا کمزور ہو گئی یا خراب ہو گئی؟ ہرگز نہیں۔ تو جنت کی نعمتیں کیوں خراب ہوں گی۔ چھٹا اعتراض جنت میں انہار کیوں ہیں؟ دریا کیوں نہیں؟ پانی دریا میں زیادہ ہوتا ہے۔ جواب: چند وجہ سے ایک یہ کہ باغوں میں نہری کی ضرورت ہے۔ دریا کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ نہر مکانوں کے اندر بھی جا سکتی ہے۔ جیسے دہلی کے لال قلعہ میں مگر دریا نہیں جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ نہر سیدھی اور خوبصورت ہے۔ دریا ٹیڑھا اور بدنما ہوتا ہے۔ بلکہ ہیبت ناک ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ نہر ہمیشہ فائدہ مند ہوتی ہے مگر دریا کبھی طغیانی سے تباہی مچاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ نہر کا پانی قبضہ میں ہوتا ہے جب چاہو جتنا چاہو چھوڑ دو مگر دریا کا پانی قبضہ سے باہر ہوتا ہے۔ چھٹے یہ کہ دریا اکثر چشموں سے نکلتا ہے۔ اور نہر دریا سے۔ جنت کی نہریں بھی حوض کوثر وغیرہ سے نکلیں گی۔ ساتویں یہ کہ دریا سے براہ راست کھیتوں باغوں کو پانی نہیں دیا جا سکتا۔ نہر سے بلا واسطہ دیا جاتا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا
تحقیق اللہ نہیں حیا فرماتا یہ کہ بیان فرمادے کہاوت کوئی سی مچھر پس وہ جو اوپر ہے
بے شک اللہ اس سے حیا نہیں فرماتا کہ مثال سمجھانے کو کیسی ہی چیز کا ذکر فرمادے مچھر ہو یا اس سے
فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ
اس کے پس لیکن وہ جو ایمان لائے پس جانتے ہیں تحقیق وہ حق ہے طرف سے
بڑھ کر تو وہ جو ایمان لائے وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے حق ہے اور کافر
رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ
رب ان کے اور لیکن وہ جو کہ کافر ہوئے پس کہتے ہیں کیا وہ جو ارادہ کیا
کہتے ہیں ایسی کہاوت میں خدا کا کیا مقصود ہے اللہ بہتیروں کو اس سے گمراہ

www.alahazratnetwork.org

بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ؕ

اللہ نے ساتھ اس کہاوت کے گمراہ فرماتا ہے ساتھ اس کے بہت کو اور ہدایت دیتا ہے ساتھ اس کے بہت کو

کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت دیتا ہے۔

تعلق : اس سے پہلے قرآن پاک کی حقانیت دلائل سے ثابت فرمائی گئی اور اس کے ماننے کی جزا اور نہ ماننے کی سزا کا ذکر فرما کر اس پر ایمان لانے کی رغبت دی گئی۔ اب ان شبہات کو دور فرمایا جارہا ہے۔ جو کہ کفار قرآن پاک پر کرتے تھے جن کی وجہ سے وہ قرآن کو کتاب اللہ نہ مانتے تھے۔ کیونکہ کسی شے کے ثبوت کے لئے جس طرح دلائل کی ضرورت ہے اسی طرح مخالفین کے شبہات کے جوابات کی بھی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جنت نیک مومنوں کے لئے ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ مومن وہ ہے جو قرآن کریم کی ہر بات کو بلا چون وچرا تسلیم کرلے۔ شان نزول: سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب قرآن کریم میں بتوں کو مکڑی کے جالے سے تشبیہ دی گئی تو یہود نے کہا کہ اگر قرآن کریم خدائی کتاب ہوتا تو اس میں ان حقیر چیزوں کا ذکر نہ ہوتا۔ کیونکہ ایسی چیزوں کا ذکر خدا کی شان کے خلاف ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب منافقین کی حالت کو آگ اور تاریکیوں اور گرج اور بجلی سے تشبیہ دی گئی تو منافقین نے طعنہ دیا کہ اتنی بڑی عظمت والے رب تعالیٰ کو ان مثالوں کی کیا ضرورت پڑی تھی۔ یہ خدائی کتاب نہیں ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ طعنہ مشرکین دیا کرتے تھے۔ اس موقعہ پر یہ آیت آئی۔ شان نزول کی یہ سب صورتیں اس طرح جمع ہوسکتی ہیں کہ یہ تینوں جماعتیں جب ایسے واہیات شبہات کرچکیں تب ان سب کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری۔ کیونکہ یہ تینوں جماعتیں بلکہ سارے کفار حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے میں متفق تھے۔ اور سورۃ بقر کے شروع سے اب تک ان تینوں جماعتوں کا ذکر بھی ہوچکا ہے۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر : ان اللہ لا یستحی۔ لا یستحی۔ حیا سے بنا ہے' جس کے معنی ہیں شرم وغیرت۔ جب بدنامی اور برائی کے خوف سے دل میں کسی کام سے رکاوٹ پیدا ہوجاتی ہے۔ اس رکاوٹ کا نام حیا ہے۔ یہ ایک درمیانی حالت ہے۔ اس کے نیچے ہے 'خجالت یعنی شرمندگی اور اس کے اوپر ہے وقاحت۔ جس کے معنی بے غیرتی' بے شرمی۔ ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ حیاء کی وجہ سے انسان وہ کام کرتا ہی نہیں۔ خجالت میں کام کرکے شرمندہ ہوتا ہے۔ وقاحت میں بے غیرتی کے کام پر دلیری اور جرات کرتا ہے۔ حیاء اور غضب اور رحمت وغیرہ کے حقیقی معنی سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ کیونکہ یہ دل کی صفتیں ہیں اور دل جسموں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا حق تعالیٰ پر جہاں کہیں یہ الفاظ استعمال کئے جائیں گے وہاں ان کا نتیجہ مراد ہوگا مثلاً حیا کا نتیجہ ہے کام چھوڑ دینا' غضب کا نتیجہ ہے بدلہ لینا' رحمت کا نتیجہ ہے نفع پہنچانا۔ حق تعالیٰ کے لئے ان الفاظ کے یہی معنی مراد ہیں۔ حیا نہ فرمانے کے معنی ہے ان مثالوں کو نہ چھوڑنا **ان یضرب۔ ضرب** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مارنا' چلنا' مثال بیان کرنا۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں **مثلا**" اس کی تحقیق ہم پہلے کرچکے ہیں کہ مثل اس کہاوت کو کہتے ہیں جو عجیب وغریب موقع پر بولی جائے۔ **ما** یہ لفظ تنکیریہ ہے۔ جس کی وجہ سے **مثلا**" کا ابہام اور بھی زیادہ ہوگیا۔ **مثلا**" کے معنی کہاوت اور **ما**" کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہیں کوئی سی کہاوت۔ تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالٰی کسی بھی کہاوت سے حیا نہیں فرماتا **بعوضۃ** "بعض" سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹکڑا۔ چیز کے حصے کو اسی لئے بعض کہتے ہیں کہ وہ کل کا ایک ٹکڑا ہے۔ چونکہ ٹکڑا کل سے چھوٹا اور حقیر ہوتا ہے۔ اس حقارت کے لحاظ سے مچھر کو بعوضہ کہا گیا چونکہ یہ بہت چھوٹا جانور ہے یا اس لئے کہ مچھر گویا مکھی کا ٹکڑا ہے۔ **فما فوقہا** اس کے معنی ہیں مچھر سے اوپر کی چیزیں۔ اس اوپر میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس لفظ سے مچھر سے بڑی چیزیں مراد ہوں جیسے مکھی مکڑی وغیرہ تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ حق تعالٰی مچھر اور اس سے بڑی چیزوں (جیسے مکھی و مکڑی وغیرہ) کی کہاوت سے شرم نہیں فرماتا۔ دوسرے یہ کہ مچھر سے بھی بڑھ کر حقیر چیزیں مراد ہوں یعنی جو چیزیں کہ مچھر سے بھی زیادہ چھوٹی اور حقیر ہوں تب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ حق تعالٰی مچھر اور اس سے بھی کم تر چیزوں کی کہاوت سے حیا نہیں فرماتا۔ **نکتہ:** مچھر وغیرہ میں چند عجیب خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ بھوکا رہ کر زندہ رہتا ہے۔ پیٹ بھر کر مر جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا دار مصیبت میں رب کی یاد کرتا ہے۔ عیش میں رب کو بھول جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ چھوٹی چیزیں حق تعالٰی کی قدرت کو بڑی چیزوں سے زیادہ ظاہر کرتی ہیں۔ کیونکہ چھوٹی چیزوں میں بھی وہی سارے اعضاء موجود ہوتے ہیں جو بڑی میں ہیں۔ چنانچہ مچھر میں ہاتھی کے سارے عضو موجود ہیں۔ حتی کہ اس کی سونڈ بھی ہے۔ بلکہ دو پر اور زیادہ ہیں۔ نیز انسان بڑی چیز کا اچھی طرح فوٹو کھینچ سکتا ہے۔ مگر مچھر وغیرہ کا صحیح فوٹو جس میں کہ اس کے سارے اعضاء موجود ہو جائیں۔ ناممکن ہے **تیسرے:** یہ کہ مچھر ہاتھی کو مار ڈالتا ہے۔ لیکن ہاتھی مچھر کو نہیں مار سکتا **چوتھے:** یہ کہ مچھر بہادر اور دلیر ہے کہ شیر، ہاتھی اور سانپ وغیرہ قوی جانور انسان سے ڈر کر جنگل میں رہتے ہیں۔ لیکن یہ بہادر انسان کے گھروں میں رہے اور آواز دے کر انسان کو کاٹے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حق تعالٰی چاہے تو چھوٹے سے بڑا کام لے لے۔ اگر مچھر کی سی بہادری شیر اور سانپ میں ہوتی تو کوئی بھی انسان زندہ نہ رہتا۔ **پانچویں:** یہ کہ بڑے بڑے بادشاہ مچھر سے عاجز ہوئے کہ اس کے دفع کرنے کی صدہا تدبیریں کرتے ہیں۔ مگر اس سے امن نہیں ملتی۔ نمرود جیسے جابر بادشاہ کو ایک مچھر نے اتنے جوتے لگوائے کہ اس کا خدائی کا نشہ دور ہو گیا اور آخر کار مچھر ہی نے اس کو ہلاک کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ جب بڑے سے بڑا انسان ایک مچھر کی برداشت نہیں کر سکتا تو جہنم کے سانپ بچھو کیسے برداشت کرے گا۔ **حکایت:** سلطان مامون الرشید خطبہ پڑھ رہا تھا کہ ایک مچھر اس کی آنکھ پر آبیٹھا۔ بار بار اڑایا مگر وہ دفع نہ ہوا۔ آخر کار سلطان کو خطبہ چھوڑنا پڑا اور کہنے لگا کہ خدا نے مچھر کو کیوں پیدا کیا ہے۔ حضرت مولانا ابو ہذیل بصری نے فرمایا کہ مچھر اس لئے پیدا ہوا تاکہ اس سے بڑے جابر بادشاہ مجبور ہو کر رب کی قہاری معلوم کریں۔ **چھٹے:** یہ کہ بڑی چیزوں کے راز و اسرار معلوم کرنا آسان لیکن چھوٹی چیزوں کے مشکل **فاما الذین امنوا۔** **اما** میں شرط کے معنی ہیں۔ اسی لئے اس کے جواب میں "ف" آتی ہے اور اس سے کلام کی تاکید ہو جاتی ہے۔ **زید۔ ذاھب** اور **اما زید فذاھب** میں دوسرا جملہ زائد تاکید والا ہے۔ **امنوا** سے یا وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت ایمان لا چکے یا وہ جو علم الٰہی میں مومن ہیں اگرچہ بظاہر ابھی کافر ہوں تو آیت کے معنی یہ ہوئے جو ایمان لا چکے ہیں وہ ان مثالوں کو حق جانتے ہیں اور یا یہ کہ جو علم الٰہی میں مومن ہیں وہ عنقریب جان لیں گے کہ یہ حق ہے۔

فیعلمون انہ الحق حق کے چند معنی ہیں۔ صحیح۔ ثابت۔ واجب۔ یہاں پہلے دونوں معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی یہ مثالیں بالکل صحیح ہیں یا یہ مثالیں ایسی مضبوط ہیں کہ جن کے انکار کی گنجائش نہیں۔ حق اور صدق میں یہ فرق ہے کہ صدق یعنی (سچ) وہ

www.alahazratnetwork.org

ہے جو واقع کے مطابق ہو اور حق (صحیح) وہ ہے کہ واقعہ اس کے مطابق ہو۔ **من ربھم** اس سے معلوم ہوا کہ مومنین ان جیسی مثالوں کی وجہ سے قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا انکار نہیں کرتے۔ وہ جانتے ہیں کہ جب مچھر وغیرہ کو پیدا کرنا عیب نہیں تو ان کی مثال دینا کیوں عیب ہو گا۔ بلکہ یہ تو عین حکمت ہے۔ کیونکہ چھوٹی چیز کی مثال چھوٹی سے اور بڑی کی بڑی سے ہی دی جاسکتی ہے۔ چونکہ مومن افضل ہیں کافر لوئی و ارذل۔ لہٰذا یہاں مومنوں کی صفات کا ذکر پہلے ہوا کفار کے عیب کا ذکر بعد میں۔ آگے چونکہ صرف گمراہوں کی تفصیل مذکور ہے۔ **وما یضل بہ الا** مومنوں کو ان کے تقابل سے جانا گیا۔ اس لئے وہاں گمراہوں کا ذکر پہلے ہے ہدایت والوں کا بعد میں کہ فرمایا **یضل بہ کثیرا** " **و یھدی بہ کثیرا** " ترتیب کی تبدیلی میں یہ حکمت ہے۔ گمراہی ہماری اصلی حالت ہے۔ ہدایت محض عارضی بہ عطاء رب۔ لہٰذا گمراہی کا ذکر پہلے جیسے تاریکی اصل ہے نور عارضی موت اصل ہے زندگی عارضی۔ اسی لئے رب نے ظلمت کو نور سے پہلے موت کو حیات سے پہلے ذکر کیا کہ فرمایا **الظلمات والنور** اور فرمایا **خلق الموت والحیوۃ** نیز دنیا میں گمراہ زیادہ ہیں ہدایت پر کم۔ لہٰذا گمراہی کا ذکر پہلے ہوا۔ **و اما الذین کفروا** صحیح یہ ہے کہ **کفروا** سے یہود مشرکین منافقین سب مراد ہیں۔ کیونکہ سب ہی کا یہ اعتراض تھا **فیقولون** یہ لفظیا تو حال کے معنی میں ہے یا استقبال کے یا دونوں کے بطریق عموم مشترک تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ کفار یہ اعتراض کرتے بھی ہیں اور کریں گے بھی لہٰذا یہ غیب کی خبر ہے۔ اس کی سچائی اب بھی ظاہر ہو رہی ہے کہ عیسائی وغیرہ اب بھی یہ اعتراض کر رہے ہیں **ماذا** یہ ما استفہامیہ اور **ذا** بمعنی **الذی** کے معنی میں ہے یعنی وہ کون سی حکمت ہے۔ **اراد اللہ بھذا مثلا** " یہ **ھذا** حقارت کے لئے ہے۔ یعنی ان جیسی حقیر مثالوں سے خدا نے کیا ارادہ کیا۔ **یضل بہ** یہ کفار کے سوال کا جواب ہے۔ کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ان حقیر مثالوں سے کیا چاہتا ہے تو جواب دیا گیا کہ یہ مثال کفر و ایمان کی کسوٹی ہے۔ جس سے مومن اور کافر کی پہچان ہو گئی۔ کافروں کو اس کے ذریعے سے گمراہ کر دیا گیا اس طرح کہ ان کی گمراہی کو اور زیادہ کر دیا۔ ورنہ وہ گمراہ تو پہلے ہی تھے۔ جیسے بارش گندے نالے پر پڑے تو اس کی گندگی اور زیادہ پھیل جاتی ہے۔ کیونکہ ان مثالوں پر بفضلہ تعالیٰ کسی مسلمان نے اعتراض نہیں کیا اور نہ کوئی ان کی بناء پر مرتد ہوا۔ یا ان مثالوں کے ذریعہ منافق و مخلص، ضعیف الاعتقاد، پختہ مومنوں میں فرق ہو گیا کہ منافقوں نے ان پر اعتراض کئے۔ ضعفاء ان اعتراض کی وجہ سے تذبذب میں پڑ گئے۔ مگر مخلصوں نے نہ اعتراض کئے نہ اعتراضات سنے اور مومنوں کو ہدایت دی۔ گمراہ کرنے کے معنی وہی ہیں جو ہم ختم اللہ کی آیت میں بیان کر چکے۔ **کثیرا**" یہاں کثیر (بہت) تھوڑوں کے مقابلے میں نہیں ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کے ذریعے بہتیرے گمراہ ہو جاتے ہیں اور بہتیرے ہدایت پا جاتے ہیں۔ **و یھدی بہ کثیرا** " ہدی سے مراد یا تو ہدایت دینا ہے یا ہدایت پر قائم رکھنا اور یا ہدایت کو کامل بنانا یعنی ان مثالوں سے بہتوں کو ہدایت مل جاتی ہے اور بہت ہدایت پر قائم رہتے ہیں اور بہتوں کو ہدایت کامل ہو جاتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : جب قرآن کریم نے اہل عرب کو اپنے مقابلے میں دعوت دی۔ اور کفار نے مقابلے کے لئے ایڑی چوٹی کے زور لگا دیئے پھر بھی ان سے مقابلہ نہ ہو سکا۔ بڑے بڑے نامور علماء و فضلاء کی کمیٹیاں ہوئیں مگر کوئی بھی ایک آیت قرآن جیسی نہ بنا سکا۔ ہاں مسیلمہ کذاب نے کچھ سورتیں بنائیں۔ مگر جب وہ خود کفار کے سامنے پیش کی گئیں تو انہوں نے ہی ان کا قہقہہ اڑایا اور حضور علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے کا موقعہ ہی نہ آیا۔ جیسے کہ اس زمانے میں بعض شیعہ علماء نے سورۃ

www.alahazratnetwork.org

حسنین اور سورۂ فاطمہ بنائیں۔ مگر مارے غیرت کے ان کے ظاہر کرنے کی ہمت نہ کی اور سنا گیا ہے کہ سید احمد خان علی گڑھی نے قرآن پاک میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کی۔ مگر یہ سب چیزیں دنیا کے سامنے آنے سے پہلے ہی گم ہو گئیں۔ تو کفار کو تو اور کچھ بن نہ پڑا یہ کہنے لگے کہ اگر یہ قرآن شریف خدائی کلام ہوتا تو اس میں ایسی چھوٹی چھوٹی اور حقیر چیزوں سے مثل کیوں دی جاتی اتنی بڑی ذات اور ایسی چھوٹی چیزوں کا ذکر کرے۔ خداتعالیٰ ان کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ حق تعالیٰ چھوٹی چیزوں کی مثال سے کچھ شرم نہیں فرماتا کیونکہ مثال سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ معقول چیز محسوس بن کر ہر ایک کی سمجھ میں آجائے اور اس کے ذریعے مضمون کو دل قبول کرے۔ کسی چیز کا جیسا حال ہوگا اسی قسم کی چیز سے اس کی مثال دی جائے گی۔ بڑی چیز کی مثال بڑی اور حقیر چیز کی مثال حقیر اس پر اعتراض کرنا محض غلط اور بیجا ہے بلکہ یہ تو کمال حکمت ہے کہ مثل اصل کے مطابق ہو حقیر چیزوں کی مثال چھوڑ دینی اور ان کو بغیر مثال لانا ان کے سمجھانے کے لئے کافی نہ ہوگا۔ مثل مشہور ہے کہ مثال اقوال کا چراغ ہے۔ چراغ خواہ سونے کا ہو خواہ مٹی کا روشنی میں فرق نہیں رکھتا۔ ہاں فحش و گندی باتیں جھوٹی خبریں اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم ان دونوں سے پاک ہے۔ اے کافرو! تم جو کہتے ہو کہ ان معمولی مثالوں سے مقصد کیا ہے تو اصلی مقصد جو تھا وہ بتا دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا بے ایمانوں کی بے ایمانی اور ایمان داروں کے ایمان ان مثالوں کو سن کر اور بڑھ گئے۔ یہ مثالیں اس پانی کی طرح ہیں جو کھاری زمین میں پہنچ کر کانٹے وغیرہ عمدہ زمین میں گلاب و چنبیلی وغیرہ لگاتا ہے۔ بارش تو ایک ہی ہے مگر مختلف زمینوں میں مختلف اثر کرتی ہے۔ اسی طرح مثالیں ایک ہیں مگر مسلمانوں کے دلوں میں پہنچ کر اور اثر کرتی ہیں اور کفار کے قلوب میں اور۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ جب ضدی انسان دلائل سے عاجز ہوتا ہے تو وہم اور بے جا شکوک کی دلدل میں پھنس جاتا ہے۔ اسی لئے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ ہدایت دلیلوں سے نہیں ملتی بلکہ حق تعالیٰ کے فضل سے۔ دوسرے یہ کہ بری چیز کا جاننا اور اس کا ذکر کرنا برا نہیں ہاں فحش طریقے سے بیان کرنا برا ہے۔ اس سے دیوبندیوں کا یہ اعتراض بھی اٹھ گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علم سے شیطان کا علم زیادہ ہے۔ کیونکہ شیطان بری چیزوں کو بھی جانتا ہے اور حضور کے لئے ان کا جاننا عیب ہے۔ **تیسرے**: یہ کہ بدکاروں کے لئے اچھا وعظ بجائے فائدے کے نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ وعظ کی خرابی نہیں بلکہ اس کے دل کی خرابی ہے۔ **چوتھے**: یہ کہ قرآن ایک ہے۔ مگر اس کے دیکھنے والی نظریں دو قسم کی۔ قبول کی نظر۔ اعتراض کی نظر۔ پہلوں کو ہدایت اور دوسروں کو اس سے گمراہی ملتی ہے۔ یہ قرآن کا قصور نہیں بلکہ نظر کا فتور ہے۔ یہی حال صاحب قرآن علیہ السلام کے جمال پاک میں ہے۔ صدیقی نگاہ سے دیکھنے والے صحابی بن گئے اور ابو جہلی نظر سے مشاہدہ کرنے والے طاغی و عذابی ہو گئے۔ ماں اپنے بچے کو اور نظر سے دیکھتی ہے۔ ڈائن دوسری نظر سے۔

اعتراض : قرآن کریم میں کہیں بھی مچھر سے تشبیہہ نہیں دی گئی۔ ہاں لکڑی اور مکھی کا ذکر ضرور آیا ہے۔ تو یہاں یہ فرمانا کہ رب تعالیٰ مچھر کی مثال سے شرم نہیں فرماتا کیونکر صحیح ہوگا۔ **جواب**: یہ کفار کے اعتراض کا کامل طور پر جواب ہے یعنی اے کافرو تم تو مکھی اور مکڑی کے ذکر سے مرے جا رہے ہو حق تعالیٰ تو مچھر بلکہ اس سے بھی حقیر چیز کے ذکر سے نہیں شرماتا۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کہیں مچھر کا ذکر آیا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین بہت ہیں۔ کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہوا **و یهدی به کثیرا** " مگر دوسری جگہ فرمایا گیا **و قلیل من عبادی الشکور** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ **جواب:** مومنین تعداد میں لاکھوں کروڑوں ہیں۔ لہٰذا بہت ہیں۔ لیکن کفار کے مقابلے میں کم۔ اس آیت میں ان کی تعداد کی زیادتی مراد ہے۔ اور وہاں کفار کے مقابلے میں کمی۔ نیز مومن اگرچہ کافروں سے بظاہر کم ہیں لیکن حقیقت میں ان سے زیادہ کیونکہ یہ سچے ہیں اور وہ جھوٹے اور تھوڑے سچے بہت جھوٹوں سے زیادہ ہیں۔ اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ بڑے گروہ کے ساتھ رہو اگر ایک آدمی بھی حق پر ہے تو وہی بڑا گروہ ہے کیونکہ حق اعظم (بڑا) ہے۔ (تفسیر روح البیان شرح فقہ اکبر ملا قاری) اس لئے کہ اس ایک کے ساتھ پچھلا سارا بڑا گروہ ہے۔ لہٰذا اس آیت میں مسلمانوں کی حقیقی زیادتی بیان ہوئی اور کفار کی تعداد کی زیادتی اور وہاں مسلمانوں کی تعداد کی کمی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ اللہ چھوٹی چیزوں کے ذکر سے حیا نہیں فرماتا۔ مگر اس کی وجہ نہیں بتائی گئی کہ کیوں حیا نہیں کرتا۔ لہٰذا کفار کا اعتراض ویسا ہی باقی رہا۔ کیونکہ وہ کہہ سکتے ہیں کہ جو اس سے حیا نہ کرے وہ خدا نہیں۔ **جواب:** یہ مسئلہ بالکل ظاہر تھا۔ اس لئے اس کی وجہ بتانے کی کوئی ضرورت نہ تھی کیونکہ قرآن کریم عربی زبان میں آیا اور اہل عرب عام چھوٹی بڑی مثالیں دیا کرتے ہیں۔ قرآن نے بھی مثالیں دیں تو کیا خرابی ہوئی۔ مشرکین تو اس سے خاموش ہو گئے۔ رہے یہودی وغیرہ ان سے کہا جا سکتا ہے کہ توریت و انجیل میں صدہا اس قسم کی مثالیں موجود ہیں۔ بتاؤ تم انہیں خدائی کتاب مانتے ہو یا نہیں۔ چنانچہ انجیل میں مثال دی گئی کہ کسی نے اپنے کھیت میں گیہوں بوئے۔ جب یہ سو گیا تو اس کے دشمن نے اس میں منمنے (گیہوں کی طرح زہریلے دانے) بکھیر دیئے۔ اس کے غلاموں نے عرض کیا کہ مولیٰ تیرے کھیت میں گیہوں کے ساتھ منمنے بھی پیدا ہو گئے۔ اس نے جواب دیا کہ ابھی (ان کو نہ اکھیڑو ورنہ گیہوں بھی اکھڑ جائیں گے) غرضیکہ یہ دونوں قسم کے درخت پرورش پاتے رہے۔ جب کھیت کاٹا گیا تب گیہوں کو علیحدہ اور منمنوں کو علیحدہ کر دیا گیا۔ منمنے جلا دیئے گئے اور گیہوں مکان میں بھیج دیئے گئے۔ اسی طرح حضرت آدم علیہ السلام نے زمین پر اپنی نیک اولاد پیدا کی۔ شیطان نے اس میں برائیوں کے بیج بھی ڈال دیئے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ دنیا میں رہتے سہتے رہے۔ مگر پھر بوقت موت مالک نے ان دونوں قسم کے لوگوں کو علیحدہ کر دیا۔ دیکھو اس میں گیہوں اور منمنوں کی مثال بیان فرمائی (روح البیان تفسیر کبیر و عزیزی) اسی طرح انجیل میں ارشاد ہوا کہ "اے لوگو! تم چھلنی نہ بنو جس میں آٹا نکل جاتا ہے اور بھوسی رہ جاتی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ تمہارے منہ سے حکمت کی باتیں نکل جائیں اور سینوں میں حسد رہے۔ غرضیکہ اس قسم کی مثالیں بہت ہیں۔ اب بتاؤ کہ انجیل خدائی کتاب ہے یا نہیں اگر ہے اور ضرور ہے تو اس میں بھی تو ایسی مثالیں موجود ہیں۔ لہٰذا اگر قرآن کریم میں بھی ایسی مثالیں ہوں تو کیا حرج ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ گمراہ کرتا ہے۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان یا سرداران کفار لوگوں کو گمراہ کرتے چنانچہ فرمایا گیا **و اضل فرعون قومه** اور ارشاد ہوا کہ **و اضلهم السامری** نیز فرمایا گیا کہ شیطان نے عرض کیا تھا **ولا ضلنهم** تو ان آیات میں مطابقت کس طرح ہو گی۔ نیز جو گمراہ کرے اس سے بچنا چاہئے۔ تو کیا حق تعالیٰ سے بچنا چاہئے۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تو آیت ختم اللہ کی تفسیر میں گزر گیا۔ اس جگہ تفسیر کبیر میں اس کے بہت سے جواب دیئے گئے ہیں۔ سب میں بہتر یہ ہے کہ یہاں تین صورتیں ہیں۔ گمراہی پیدا فرمانا۔ یا گمراہی کے اسباب جمع کر دینا یا گمراہی کی رغبت دینا۔ گمراہی اختیار کرنا۔ شیطان انسان کو گمراہی کی رغبت دیتا ہے اور اس کے اسباب جمع کرتا ہے۔ انسان ان اسباب کو اختیار کرتا ہے۔ اس کے بعد حق تعالیٰ اس میں گمراہی پیدا فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ لہٰذا ایک ہی گمراہی کی نسبت شیطان کی طرف تو اور معنی سے ہے۔ اور اس گمراہ کرنے کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف دوسرے معنی سے دیکھو۔ کسی نے چھری سے بکری ذبح کی تو یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے بکری کی جان لے لی اور یہ بھی کہ چھری نے جان لے لی۔ اور یہ بھی کہ حق تعالیٰ نے جان لے لی یہ تین نسبتیں تین معنی سے ہیں۔ انسان اور چھری جان نکلنے کا سبب بعید یا سبب قریب ہیں اور حق تعالیٰ حقیقتہً "اس کی موت کا خالق۔ لہٰذا یہ تمام آیات مطابق ہیں۔ پھر گمراہی کی رغبت دینے والے سے بچنا ضروری ہے نہ کہ خالق سے بلکہ شیطان سے بھاگ کر خالق کی امن میں آنا چاہئے۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے انسان کو گمراہ ہونے کا اختیار بھی کیوں دیا گمراہی کا اختیار دینا بھی برا ہے۔ **جواب:** بندے میں اختیار پیدا کرنا برا نہیں بلکہ اس کا غلط استعمال کرنا برا ہے۔ سپاہی کو حکومت ہتھیار دیتی ہے۔ دشمن کو مارنے کے لئے۔ جو سپاہی اپنے ہی آدمی کو اس ہتھیار سے مارے تو سپاہی مجرم ہے۔ نہ کہ حکومت۔ رب نے ہم کو تمام قوتیں 'اختیارات نیکیاں کرنے کو دیئے فرمایا۔ **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ہم اگر ان قوتوں کو حرام میں خرچ کریں تو ہم مجرم ہیں۔ چونکہ ابھی آیت کا مضمون مکمل نہیں ہوا۔ لہٰذا اس کی تفسیر صوفیانہ آئندہ بیان ہوگی۔

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۙ اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ

اور نہیں گمراہ کرتا ساتھ اس کے مگر ان بدکاروں کو جو کہ توڑتے ہیں

اور اس سے انہیں گمراہ کرتا ہے جو بے حکم ہیں اور جو اللہ کے عہد کو توڑ دیتے ہیں

عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ

وعدہ اللہ کا پیچھے مضبوطی اس کی کے اور کاٹتے ہیں اس کو کہ حکم دیا اللہ نے

پکا ہونے کے بعد اور کاٹتے ہیں اس چیز کو جس کے

بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ ھُمُ

جس کا یہ کہ جوڑا جائے اور فساد پھیلاتے ہیں بیچ زمین کے یہ لوگ ہی

جوڑنے کا خدا نے حکم دیا اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں

الْخٰسِرُوْنَ ۲۷

نقصان والے ہیں۔

وہ ہی نقصان میں ہیں

تعلق: اس آیت سے پہلے فرمایا گیا تھا کہ رب ان مثالوں سے بہت سے لوگوں کو گمراہ فرماتا ہے۔ مگر ان لوگوں کی تفصیل نہ فرمائی تھی کہ کن کو اب گمراہ ہونے والوں کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ مگر چونکہ گمراہوں کی تفصیل سے ہدایت والوں کی تفصیل خودبخود حاصل ہو جائے گی اس لئے ان کی تفصیل نہ فرمائی گئی۔ یعنی جن لوگوں میں یہ مذکورہ عیب ہیں وہ تو اس سے گمراہ

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ جن میں یہ عیوب نہ ہوں وہ ہدایت پاتے ہیں۔

تفسیر : **وما یضل بہ الا الفسقین۔** **فاسقین** فسق سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں نکلنا اہل عرب کہتے ہیں **فسقت الرطبۃ عن قشرھا** یعنی چھوہارا اپنے پوست سے باہر آگیا۔ شریعت میں اس کے معنی ہیں۔ حق تعالیٰ کی اطاعت سے نکلنا۔ فاسق وہ نافرمان بندہ ہے جو گناہ کبیرہ کرے۔ فسق کے تین درجے ہیں۔ تغابی' انہماک' جحود' تغابی یہ کہ آدمی اتفاقی طور پر کسی گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو جائے مگر اس کو برا ہی جانتا رہے۔ انہماک یہ کہ گناہ کبیرہ کا عادی ہو گیا اس سے بچنے کی پروا نہ کرے مگر اس کو گناہ جانے۔ جحود یہ کہ حرام کو اچھا جاننے لگا یعنی اس کی حرمت کا انکار کر دیا یہ درجہ کفر ہے۔ پہلے دو درجے کفر نہیں۔ اس انکار کی بہت سی صورتیں ہیں۔ رب کا انکار' نبی کا انکار' کتابوں کا انکار وغیرہ۔ ان سب کی اصل نبوت کا انکار ہے۔ جس سے سارے انکار پیدا ہو جاتے ہیں۔ ابلیس نے اولاً "نبوت کا انکار کیا اب رب کے سارے احکام کا انکاری ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنا اقرار کرایا۔ پھر توحید وغیرہ کا جو شخص کفر و شرک کے علاوہ کیسے ہی گناہ کرے مگر عقیدہ نہ بگڑا ہو تو اگرچہ گنہگار ہو گا مگر کافر نہ ہو گا۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و ان طائفتن من المومنین اقتتلوا** اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں قتل کریں۔ مسلمان کا قتل سخت جرم ہے۔ مگر قاتل کو قرآن نے مومن فرمایا۔ یہاں فاسقین سے یہ تیسرے درجے والا فاسق ہی مراد ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **ان المنفقین ھم الفسقون** یہاں منافق کو جو کافر ہے فاسق فرمایا **الذین ینقضون** یہ لفظ نقض سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کھولنا۔ چونکہ وعدہ اور عہد اس رسی سے مشابہ ہے۔ جس سے کسی کو مضبوط باندھا جاتا ہے۔ اس لئے وعدہ خلافی کرنے اور عہد توڑنے کو نقض فرمایا گیا **عھد اللہ** عہد کے معنی ہیں حفاظت۔ جس کا خیال رکھا جاوے۔ اسے بھی عہد کہتے ہیں۔ گھر اور زمانے کو بھی اس لئے عہد کہا جاتا ہے کہ اس کا بھی خیال رکھا جاتا ہے۔ اب عہد اس وعدے کو کہنے لگے۔ جس کے پورا کرنے کا بہت خیال رکھا جاوے تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ قرآن کریم سے وہ فاسق گمراہ ہوتے ہیں جو اللہ سے وعدہ خلافی کرتے ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ اس عہد سے کون سا عہد مراد ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ عہد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے پہلی کتابوں میں لیا تھا کہ جو کوئی زمانہ خاتم النبیین کا پائے وہ ان پر ایمان لائے۔ اس سے مراد وہ بنی اسرائیل مراد ہوں گے۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا زمانہ پا کر ایمان قبول نہ کیا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے وہ عہد مراد ہے۔ جو منافقین اسلام لاتے وقت کرتے تھے۔ اس صورت میں منافقین ان میں داخل ہوں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس عہد سے مراد میثاق کا عہد ہے۔ اس دن تین عہد لئے گئے تھے۔ ایک سارے انسانوں سے **الست بربکم قالوا بلی** یعنی یہ کہ حق تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار کریں۔ دوسرے انبیاء سے کہ رسالت کی تبلیغ کریں اور دین کو قائم رکھیں۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے **و اذ اخذنا من النبین میثاقھم** تیسرا علماء سے کہ حق کو نہ چھپائیں۔ اس کا بیان اس آیت میں ہے کہ **و اذ اخذ اللہ میثاق الذین** اس صورت میں اس آیت سے سارے ہی کفار مراد ہیں۔ **من بعد میثاقہ** میثاق وثق سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مضبوطی۔ یہ مصدر ہے جیسے میلاد اور میعاد۔ اس کے معنی ہیں مضبوط کرنا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ وہ کافر گمراہ ہوتے ہیں۔ جو اپنے عہد کو مضبوط کر کے توڑ دیتے ہیں۔ اس میں بہت گفتگو ہے کہ اس جگہ عہد کی مضبوطی سے کیا مراد ہے۔ بعضوں نے فرمایا کہ دنیا میں توحید و رسالت کے جو دلائل قائم فرمائے

www.alahazratnetwork.org

گئے ہیں وہ اس وعدے کی مضبوطی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بنی اسرائیل حضور کی تشریف آوری سے پیشتر قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہم بھی آخر الزمان پر ایمان لائیں گے۔ یہ اس عہد کی مضبوطی تھی۔ پھر آپ کا زمانہ پا کر کفر کرنا اس کا توڑنا ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ کفار جب مصیبت میں پھنستے ہیں تو عہد کر لیتے ہیں۔ کہ اگر خدا ہم کو اس سے نجات دے تو ہم نیک بن جائیں گے۔ مگر نجات پا کر پھر اسی گمراہی پر قائم رہتے ہیں۔ **و یقطعون** **قطع** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کاٹنا توڑنا **نقض و قطع** میں یہ فرق ہے کہ نقض رسی کے کھولنے کو کہتے ہیں۔ جس سے اس کی بناوٹ بگڑ جائے اور قطع کاٹنے کو کہ۔ جس سے بناوٹ تو قائم رہے لیکن بیچ سے ٹوٹ جائے۔ جو شخص رشتہ داروں کے حقوق ادا نہیں کرتا تو اس کا رشتہ تو قائم رہتا ہے مگر محبت ٹوٹ جاتی ہے۔ مگر جو وعدے پر قائم نہیں رہتا اس کا وعدہ ہی ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہاں نقض فرمایا گیا تھا کہ اور یہاں قطع **ما امر اللہ بہ ان یوصل** یہ کفار کا دوسرا عیب ہے۔ یعنی وہ ان رشتوں کو توڑ دیتے ہیں جن کے جوڑنے کا حکم دیا تھا۔ اس آیت میں بہت گنجائش ہے۔ اس میں دنیا و دین کے سارے تعلق آ گئے۔ اس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئیں۔ ہم ایسا مختصر سا قاعدہ عرض کرتے ہیں جس سے تمام رشتوں کا حال معلوم ہو جائے' انسان کے رشتے اور تعلق کل دو قسم کے ہیں۔ ایک روحانی دوسرا جسمانی۔ روحانی پانچ ہیں۔ ایک حق تعالیٰ سے دوسرا انبیاء کرام سے' تیسرا آسمانی کتابوں سے' چوتھا علماء اور مشائخ سے۔ پانچواں عام مسلمانوں سے۔ اسی طرح جسمانی رشتے بھی چند ہیں۔ ماں باپ سے' اولاد سے' بھائی بہن سے' بیوی سے۔ عام قرابت داروں سے۔ اپنے گھر کے پالے ہوئے جانوروں سے۔ جس جگہ رہتے ہیں اس جگہ سے۔ کامل وہ شخص ہے جو ان تمام حقوق کو پورا کر کے دنیا سے جائے۔ اللہ کی عبادت کرے۔ انبیاء پر ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اطاعت کرے۔ ساری آسمانی کتابوں کی عزت کرے۔ علماء و مشائخ کی خدمت کرے۔ مسلمانوں پر مہربان رہے۔ ماں باپ کو راضی رکھے۔ بیوی بچوں کو کمائی کر کے کھلائے۔ اہل قرابت کی مصیبت میں کام آئے وغیرہ وغیرہ۔ پھر جس کا احسان زیادہ اس کا حق مقدم۔ اسی لئے سارے حقوق سے اللہ و رسول کے حق زیادہ قوی ہیں کہ رب سے جان ملی۔ ان سے ایمان۔ پھر جسمانی حقوق والوں کے مقابلے میں روحانی حقوق اعلیٰ ہیں۔ اسی لئے عالم اور شیخ کا حکم ماں باپ کے حکم پر مقدم۔ کیونکہ ماں باپ ہم کو اوپر یعنی عالم ارواح سے نیچے لائے۔ اور علماء مشائخ نے ہم کو نیچے سے اوپر پہنچایا۔ پھر جسمانی رشتہ داروں میں بھی یہ ترتیب ہے کہ حق بقدر احسان سب سے مقدم۔ ماں کا حق پھر باپ کا پھر دیگر اہل قرابت کا۔ حقوق کی پوری تحقیق انشاء اللہ تیرہویں سیپارہ میں کی جائے گی۔ خیال رہے کہ جس نے اپنا رشتہ غلامی حضور سے توڑ لیا اس نے سارے رشتے توڑ دیئے۔ حضور کے رشتے میں سارے رشتے آ جاتے ہیں۔ اس لئے کافر اگر عمر بھر اللہ کی عبادت اور والدین کی اطاعت کرے۔ تمام حق داروں کے حقوق ادا کرتا رہے اس آیت میں داخل رہے گا۔ سچا مومن کبھی ان رشتوں کو توڑ سکتا ہی نہیں۔ دیکھو اہل عرب اسلام سے پہلے رشتے توڑ چکے تھے۔ بت پرستی' بچیوں کو زندہ دفن کرنا' زندہ جانوروں کے اعضاء کھا جانا ان کا عام طریقہ تھا۔ مسلمان ہو کر ان کے سارے رشتے جڑ گئے۔ **و یفسدون فی الارض** یہ کفار کا تیسرا عیب ہے۔ کہ زمین میں فساد پھیلاتے ہیں یا اس طرح کہ ایمان قبول نہیں کرتے یا اس طرح کہ لوگوں کو ایمان سے روکتے ہیں یا اس طرح کہ مال اور عزت کے طمع میں بری رسمیں پھیلاتے ہیں یا اس طرح کہ شہوت اور غصے میں پھنس کر قتل اور خون اور مار پیٹ گالی گلوچ کرتے ہیں۔ چونکہ ان کو زمین میں رب تعالیٰ کی اطاعت کے لئے بھیجا گیا تھا اور وہ کافر رہے۔ لہذا کافر رہ کر جو کام بھی کریں وہ فساد ہی ہے۔ **اولئک ہم الخسرون** یہ کفار کے عیوب کا انجام ہے۔ یعنی

www.alahazratnetwork.org

جنہوں نے وہ ذکر کئے ہوئے عیب اختیار کئے وہ سخت نقصان میں رہے۔ تاجر کو نقصان تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ اصل رقم لوٹ آئے نفع حاصل نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اصل رقم بھی پوری وصول نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اصل رقم کے علاوہ بھی نقصان ہو۔ یہ کفار تیسری قسم کا خسارہ پانے والے ہیں۔ کیونکہ ان کو ہاتھ پاؤں آنکھ ناک' زبان عقل و ہوش کی رقم عطا فرمائی گئی تھی کہ اس سے تجارت کرکے نیک اعمال کا نفع حاصل کریں۔ انہوں نے کفر کرکے اعمال تو کیا۔ اصل پونجی بھی برباد کردی۔

خلاصہ ء تفسیر : اس سے پہلے معلوم ہوا تھا کہ قرآن کریم سے بعض لوگ گمراہ بھی ہو جاتے ہیں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ گمراہ ہونے والے کون ہیں۔ اس آیت کو دیکھ کر ہر شخص اپنے گریبان میں منہ ڈالے اور سوچے کہ میں کس زمرے میں ہوں۔ فرمایا گیا کہ جس میں یہ چار عیب ہیں وہ کبھی بھی قرآن پاک سے ہدایت حاصل نہیں کرسکتے ایک یہ کہ اللہ کی اطاعت سے باہر رہے اور اس کی ذات و صفات کا انکار کرے۔ دوسرے یہ کہ اللہ سے جو عہد کیا تھا اس کو مضبوط کرکے توڑ دے۔ خواہ میثاق والا عہد توڑے یا اسلام لاتے وقت جو عہد کیا تھا اس کو توڑے یا مرشد کے ہاتھ پر بیعت ہوتے وقت جو استقامت کا عہد کیا تھا اس کو توڑ دے۔ تیسرے یہ کہ جن حقوق کی ادائیگی کا حکم تھا اور جن رشتوں کے جوڑنے کا فرمان تھا ان کے پورا کرنے میں کوتاہی کرے۔ یعنی رب کی توحید انبیاء کی نبوت آسمانی کتابوں کی حقانیت کا قائل نہ ہو علماء مشائخ کی بات نہ مانے۔ قرابت داروں کے حقوق ادا نہ کرے۔ ان کی مصیبت میں کام نہ آئے۔ چوتھے یہ کہ حرام کام کرکے زمین میں فساد پھیلائے۔ ایسا شخص قرآن کریم سے ہرگز نفع حاصل نہیں کرسکتا بلکہ وہ پورا نقصان و خسارے میں ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ اصل ایمان محض قرآن کے پڑھنے سے نہیں ملتا۔ کیونکہ ایمان تخم ہے اور قرآن پاک بارش کا پانی۔ بارش کا پانی ہر جگہ پہنچتا ہے۔ لیکن جہاں جیسا بیج ہو گا ویسا ہی درخت اگے گا۔ یہ تخم درحقیقت محبت خدا اور رسول ہے۔ جو کہ محض فضل الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہ وعدہ عہد اور میثاق میں کچھ تھوڑا فرق ہے۔ وعدہ تو یہ ہے کہ کسی کو بھلائی کا امیدوار بنایا جائے۔ اس کی حفاظت کی ذمہ داری ہو یا نہ ہو۔ میں نے آپ سے زبانی کہہ دیا کہ تم کو فلاں چیز دوں گا۔ کوئی ایسا ظاہری انتظام نہ کیا جس سے کہ مجھے پورا کرنا پڑ جائے۔ عہد وہ وعدہ ہے۔ جس کے پورا کرنے کی ذمہ داری بھی ہو اور اس کے علاوہ کوئی اور پختگی بھی جیسے میں آپ سے کوئی وعدہ کروں اس پر گواہ بھی بناؤں۔ تحریر بھی کردوں اور اس تحریر کی رجسٹری بھی کرادوں۔ جیسا وعدہ ویسی ہی اس کی ذمہ داری۔ عام وعدہ کے خلاف کرنا بھی جرم عہد کی مخالفت کرنا اس سے زیادہ جرم میثاق توڑنا سب سے بڑھ کر جرم حق تعالیٰ نے بندوں سے نہایت مضبوط عہد و پیمان لئے تھے۔ اب جو اس کو توڑے وہ یقیناً حکومت الٰہیہ کا مجرم ہے۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ بادشاہ کی فرماں برداری کے لئے جو بھی کشت و خون وغیرہ کیا جائے وہ فساد نہیں۔ بلکہ عین اصلاح ہے۔ مگر اس کی مخالفت کرنا بغاوت اور فساد' ڈاکوؤں اور پولیس میں گولی چلی بہت کشت و خون ہوا۔ ان دونوں نے ایک ہی سا کام کیا مگر ڈاکو فسادی ہیں اور پولیس مصلح ہیں۔ اسی طرح کفار اور مسلمانوں میں فی سبیل اللہ جنگ ہو تو کفار مفسد ہیں اور مسلمان مصلح۔ اسی طرح عالم دین کوئی ضروری مسئلہ بیان کرے اور بدمذہب اس پر شور مچائیں۔ فتنہ برپا کریں۔ اگرچہ لوگ تو اس کو فساد کہتے ہیں لیکن اللہ کے نزدیک وہ عالم دین مصلح ہے۔ یزیدی اور حسینی لشکروں میں جنگ ہوئی۔ یقیناً حضرت حسین رضی اللہ عنہ مصلح تھے اور یزید مفسد۔ **چوتھے:** یہ کہ اگر انسان اپنے جسم کو دنیوی کاموں

www.alahazratnetwork.org

میں مشغول رکھے اور آخرت کو بھول جائے وہ چاہے امیر کبیر بن جائے نقصان میں ہے۔ اور جو شخص رب کو راضی رکھے خواہ وہ غریب ہی رہے فائدے میں ہے کیونکہ زندگانی کا مقصود رضائے الہی ہے۔ **پانچویں:** یہ کہ قرآن شریف سے ہدایت وہی حاصل کر سکتا ہے۔ جس کا رشتہ غلامی حضور سے قائم ہو اگر ان سے کٹا تو قرآن سے گمراہی ملے گی جیسا کہ **و یقطعون ما امر اللہ** سے معلوم ہوا۔ اس لئے کافر کو پہلے قرآن نہیں پڑھاتے۔ کلمہ پڑھا کر حضور سے رشتہ غلامی قائم کرتے ہیں پھر قرآن پڑھاتے ہیں۔ حضور نے پہلی تبلیغ میں پہلے اپنی پہچان کرائی پھر اور کچھ فرمایا غرضیکہ قرآن کتاب اللہ ہے۔ حضور نور اللہ ہیں۔ نور کے بغیر کتاب نہیں فائدہ دیتی۔

تفسیر صوفیانہ : الفاظ لباس ہیں اور حقیقت معنے اس کی اصل بصارت (آنکھوں) سے تو لباس اور بصیرت (دل کی روشنی) سے حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ کفار چونکہ دل کے اندھے تھے اس لئے ان کے کانوں میں ان مثالوں کے فقط الفاظ پہنچے۔ جیسے جانور کے کان میں مالک کی فقط آواز پہنچی ہے۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ یہ الفاظ بے معنی ہیں۔ لیکن مومنین نور ایمانی سے حقیقت کو دیکھ کر کہتے تھے کہ نہیں' یہ رب کا کلام ہے چونکہ نور ایمان سے نور قرآن اور نور قرآنی سے رضائے رحمان اور حور و قصور جناں (جنت کی حوریں اور محل) حاصل ہوتے ہیں جو اس نور سے محروم وہ ہر نعمت سے محروم **و من کان فی ھذہ اعمی فھو فی الاخرۃ اعمی** جو یہاں اندھا وہ وہاں بھی اندھا۔ چونکہ رحمان غفار بھی ہے اور قہار بھی اس لئے اس کا قرآن شفا بھی ہے اور شقاء (بد نصیبی) بھی۔ شقاء ان لوگوں کے لئے ہے جو پیدائش کے دن نور کے چھینٹے سے بچ کر فاسق ہو گئے۔ اور توحید' عبادت اور اخلاص کے وعدے کو توڑ بیٹھے۔ اور جنہوں نے اس راستے کو کاٹ دیا جو حق سے ملانے والا تھا اور جس پر چلنے کا حکم تھا۔ یعنی خالق کو چھوڑ کر مخلوق سے ملے اور دل کی زمین کو بگاڑ دیا وہ اس طرح کہ نہ تو اس میں توحید کا بیج بویا اور نہ اس کو انبیاء کرام کی اطاعت کے پانی سے سیراب کیا۔ بلکہ شرک کا تخم بو کر اغیار کی صحبت سے اس کو خراب پانی دیا۔ لہذا وہ اس میں سخت نقصان میں رہے۔ کیونکہ ان کے فطری ایمان کی کھیتی اس پانی کے نہ ملنے کی وجہ سے خشک ہو گئی۔ اب جبکہ مومنین اپنا کھیت کاٹیں گے تو یہ حسرت سے ہاتھ کاٹیں گے اور جب مومنین پھل کھائیں گے تو یہ غم کھائیں گے۔

اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کافروں کو گمراہ کرتا ہے۔ کافر تو پہلے ہی گمراہ ہیں انہیں گمراہ کرنے کے کیا معنی۔ **جواب:** گمراہی کے بہت درجے ہیں۔ کفار نے ایمان قبول نہ کرکے اس کا پہلا درجہ حاصل کیا۔ پھر جس قدر قرآن پاک کا انکار کرتے گئے۔ گمراہی میں ترقی کرتے گئے یا یہ کہ قرآن سے پہلے بھی ان میں گمراہی موجود تھی مگر ظاہر نہ تھی۔ قرآن پاک سے اس کا ظہور ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کافر رشتوں کو توڑے وہ گمراہ ہے اور صدہا کافر اپنے ماں باپ کی خدمت کرتے ہیں۔ خیرات صدقات کرتے ہیں۔ اللہ کے بندوں کو اپنے پیسے سے نفع پہنچاتے ہیں چاہیے کہ وہ گمراہ نہ ہوں۔ **جواب:** رشتہ جوڑنا اور حقوق کا ادا کرنا جب ہی معتبر ہے۔ جبکہ اللہ و رسول کی رضامندی کے لئے ہو۔ جو شخص ماں باپ کی خدمت، بہن بھائی کے حقوق کی ادائیگی۔ بلکہ نماز و روزہ اس لئے کرتا ہے کہ دنیا میں اس کا نام ہو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ کفار یہ سارے کام اپنے نام کے لئے یا بتوں کے راضی کرنے کے لئے یا رب کو راضی کرنے کے لئے ہی' مگر بغیر واسطہ مصطفی کرتے ہیں اس لئے ان کے کسی کام کا اعتبار نہیں۔ جیسے کہ ہمارے جاہل مسلمان شادی بیاہ کے موقع پر بہت کچھ خرچ کرتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

مگر رب کے لئے نہیں۔ رسموں کی پابندی اور دنیا کے دکھلاوے کے لئے لہذا یہ سب برباد نہ دنیا میں نام ہو نہ آخرت میں کام۔

تیسرا اعتراض: میثاق کے دن کا وعدہ جب کسی کو یاد ہی نہ رہا تو بیکار ہے۔ **جواب۔** بیکار جب ہو تا جب یاد دلایا بھی نہ جاتا۔ حق تعالیٰ نے نبیوں کتابوں اور علماء مشائخ کے ذریعے یاد دلایا پھر بیکار کیوں رہا۔ گورنمنٹ کے یہاں آپ نے بیع نامہ تحریر کرکے رجسٹری کرادیا۔ اب آپ کو وہ بیع (بیچنا) یاد رہے یا نہ رہے۔ آپ کو بہرحال پابندی کرنا پڑے گی۔ اگرچہ یہاں کفار سے خطاب ہے۔ مگر مسلمانوں کو بھی عبرت پکڑنی چاہئے۔ جب کتا اپنے مالک کی نافرمانی نہیں کرتا تو مومن اللہ و رسول کی نافرمانی کیوں کرے۔ اگر یہ خیال رہے تو انسان گناہ نہیں کرسکتا۔

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
کیسے انکار کرتے ہو تم خدا کا حالانکہ تھے تم مردے پس زندہ کیا تم کو پھر
بھلا تم کیونکر خدا کے منکر ہو گئے حالانکہ تم مردے تھے اس نے تم کو جلایا
ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۸
موت دے گا تم کو پھر زندہ کریگا تم کو پھر طرف اس کے لوٹائے جاؤگے
پھر تمہیں مارے گا پھر تمہیں جلائے گا پھر اسی طرف لوٹ کر جاؤگے۔

تعلق: اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ اس سے پہلے توحید اور رسالت اور کتاب اللہ کی حقانیت کو دلائل سے ثابت فرمایا گیا۔ اب حق تعالیٰ کی خاص نعمتوں اور عجیب عجیب قدرتوں کا ذکر فرما کر سب کو ایمان کی رغبت دی جارہی ہے۔ کیونکہ محسن کا احسان ماننا شرافت انسانی کا تقاضا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ اب تک توحید و رسالت اور قرآن کی حقانیت کے قوی دلائل ارشاد ہوئے تھے۔ اور چونکہ قیامت پر ایمان لانا بھی مسلمان بننے کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے نہایت نفیس طریقے سے اب قیامت کو عقلی دلائل سے بیان فرمایا جارہا ہے۔ مگر سبحان اللہ طریقہ بیان ایسا نرالا اور دل کش ہے کہ اس کو سن کر ہر طبقے کا انسان ماننے پر مجبور ہوگا اور اس کے ضمن میں خالق کی ہستی کا ثبوت بھی اچھی طرح سے فرمادیا گیا۔

تفسیر: **کیف** تعجب دلانے کا سوال ہے۔ یعنی ان دلائل کے ہوتے ہوئے اے مشرکو! تمہارا کفر کرنا بہت ہی عجیب بات ہے۔ کیونکہ جب کم درجے کے محسن کی ناشکری سخت عیب ہے۔ ماں باپ کی نافرمانی ہر دین میں بری ہے تو وہ رب تعالیٰ جس کا احسان ان تمام احسانوں سے اعلیٰ ہے۔ اس کی نافرمانی یقیناً خلاف عقل ہے **تکفرون** کفر سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں چھپانا اور انکار کرنا۔ مگر یہاں انکار مراد ہے۔ **باللہ** کفار چند قسم کے تھے۔ بعض دہریئے یعنی حق تعالیٰ کے منکر۔ بعض خدا کی صفات اور قیامت وغیرہ کے منکر۔ بعض نبوت انبیاء کے منکر ان تمام سے یہ خطاب ہے کیونکہ ان میں سے کسی چیز کا انکار حقیقت میں اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ حکومت کے مقرر کئے ہوئے کسی حاکم کی بغاوت حکومت کی بغاوت ہے۔ اور اس کے ایک فرمان کا انکار بھی سلطنت کا انکار ہے۔ **وکنتم امواتا**" اموات یا تو میت کی جمع ہے یا میت کی۔ جیسے قول یا قیل کی جمع اقوال ہے یہ دونوں لفظ موت

www.alahazratnetwork.org

تم کو جان بخشی۔ اگر موت کے معنی زندہ ہو کر فنا ہونا ہے تو اس حالت کو موت فرمانا مجازاً ہے۔ اور اگر اس سے مراد بے جان ہونا ہے تو یہ حقیقت ہے۔ اردو اور عربی دونوں زبانوں میں بے جان جسم کو مردہ بول دیتے ہیں۔ خشک زمین کو کہہ دیتے ہیں کہ زمین مردہ ہو گئی۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوا یحی الارض بعد موتھا دوسری جگہ ارشاد ہوا بلدۃ میتا " اس آیت کا مطلب یہ ہوا کہ تم بہت سے بے جان جسموں سے گھومتے ہوئے آئے ہو۔ وہ اس طرح کہ اول تم مٹی تھے پھر دانہ بنے پھر آٹا پھر خون پھر نطفہ پھر گوشت کا لوتھڑا تھے بے جان جسموں میں چکر لگا کر اس موجودہ شکل میں نمودار ہوئے۔ کسی نے کیا خوب شعر کہا ہے۔

ہفت صد ہفتاد قالب دیدہ ام   ہم چو سبزہ بار ہا روئیدہ ام

اس شعر سے یہی مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اب تک تم کو ہر اگلا جسم پہلے سے اعلیٰ ملا' دانہ مٹی سے اعلیٰ' آٹا دانہ سے بہتر وغیرہ اب تم کو جسم عمل کے مطابق ملے گا تو ایسے پاکیزہ عمل کرو کہ آئندہ اچھی شکل و صورت پاؤ۔ جنتی لوگ خوبصورت انسانی شکل میں ہوں گے' دوزخی لوگ کتے گدھے کی صورت میں دل کا حال چہروں پر نمودار ہو گا۔ فا حیاکم احیاء حیات سے بنا ہے جس کے معنی ہیں زندگی اور اس زندگی سے مراد وہ زندگی ہے جو ماں کے پیٹ میں بچے کو مل جاتی ہے۔ چونکہ یہ زندگی پہلی موت سے ملی ہوئی ہے۔ اس لئے یہاں "ف" ارشاد فرمایا گیا ثم یمیتکم اس موت سے مراد وہ موت ہے جو عمر ختم ہونے پر آئے گی۔ چونکہ یہ موت دنیاوی مصیبتوں سے نجات دیتی ہے اور دوسری ابدی زندگی کا وسیلہ ہے۔ حق تعالیٰ کی ساری اخروی نعمتوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اس لئے اس کو نعمتوں میں شمار فرمایا۔ نیز جاندار کو بے جان کرنا حق تعالیٰ کی قدرت کی بڑی دلیل ہے۔ اس لئے ان دلائل میں موت کو بھی شمار فرمایا۔ چونکہ زندگی کے ملنے اور موت کے آنے میں بڑا فاصلہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا ثم یحییکم یہ اس دوسری زندگی کا ذکر ہے۔ جو موت کے بعد ملنے والی ہے۔ جس کے کفار منکر ہیں۔ پہلی تین حالتوں پر (یعنی پہلے بے جان پھر زندہ ہونا پھر مرجانا) تمام لوگ متفق تھے۔ لیکن اس زندگی کے منکر۔ اس لئے پہلے ان باتوں کو بیان کر کے اب اس کا ذکر ہوا تاکہ معلوم ہو کہ جو ذات اولاً زندہ کرنے اور موت دینے پر قادر ہے۔ وہ دوبارہ زندگی دینے پر قادر ہے اس زندگی سے یا قبری زندگی مراد ہے۔ جو سوال و جواب کے لئے ہر شخص کو دی جائے گی یا حشری جو حساب کتاب کے لئے عطا ہو گی۔ مگر ظاہر یہی ہے کہ اس سے زندگی قبر مراد ہے۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا کہ مردہ دفن ہونے کے بعد لوگوں کے پیروں کی آہٹ کو سنتا ہے۔ اس سے تین سوال ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ رب تیرا کون' دوسرا یہ کہ دین تیرا کیا۔ تیسرے یہ کہ تو اس سبز گنبد والے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو جو تیرے سامنے جلوہ گر ہیں کیا کہتا تھا چونکہ یہ دوسری زندگی موت کے کچھ دیر کے بعد ہوتی ہے۔ کفن دفن وغیرہ میں دیر لگتی ہے اس لئے یہاں بھی ثم ہی فرمایا گیا ہے اگر اس سے مراد حشری زندگی ہوتی تو اس کے بعد ثم نہ فرمایا جاتا کیونکہ وہ زندگی رب کی طرف لوٹنے سے ملی ہوئی ہے اور اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ پھر تم زندہ ہو گے اور پھر کچھ عرصہ بعد رب کی طرف لوٹو گے۔ چونکہ زندگی اور حشر کے درمیان میں برزخ کا زمانہ ہے اس لئے آگے ثم لانا صحیح ہوا۔ لہذا یہ آیت برزخی زندگی اور وہاں کی راحت و تکلیف کو بتا رہی ہے۔ اس لئے کہ جس طرح دنیوی زندگی میں بعض آرام سے ہیں بعض تکلیف میں اسی طرح برزخی زندگی میں ہوں گے۔ خیال رہے کہ ہم کو زندگیاں تین ملی ہیں۔ دنیاوی' برزخی' اخروی مگر موت صرف

www.alahazratnetwork.org

ایک ہے۔ اسی لئے برزخی زندگی کے بعد موت کا ذکر نہ فرمایا پہلے نفخہ صور پر زندوں کی موت ہوگی جو پہلے مر چکے ہیں ان کو غشی طاری ہوگی ثم الیہ ترجعون یہ انسان کی پانچویں حالت ہے اور اس میں بتایا جا رہا ہے کہ اے لوگو! تم ایک حالت گزار کر اب دوسری حالت میں آئے ہو۔ تمہارے سامنے تین میدان اور ہیں جن کو طے کرنا ہے۔ ایک موت پھر قبری زندگی، پھر حشر میں رب کی طرف لوٹنا اس کے بعد تم کو قرار ہوگا۔ لہٰذا تم کو چاہئے کہ تم ان منزلوں میں نہ پھنس جاؤ بلکہ اپنے اصلی مقصود کا خیال رکھو اور وہاں کا انتظام رکھو۔

خلاصہ تفسیر : جب توحید و رسالت اور قرآن کی حقانیت کے مسائل سلسلہ وار ثابت ہو چکے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ کفار کے شبہات کے جواب بھی دیئے گئے۔ جس سے منصفین ماننے پر مجبور ہو گئے تو اب ان ہٹ دھرم کافروں کے سمجھانے کے لئے جو ضد کی وجہ سے دلائل پر نظر نہیں کرتے تھے ایک نئی دلیل بیان فرمائی گئی۔ کیونکہ جیسی بیماری ویسا اس کا علاج ایک ہی بخار مختلف سببوں سے ہوتا ہے۔ دانا طبیب سبب کا خیال فرما کر علاج فرماتا ہے۔ لہٰذا پہلے دلائل سے سمجھایا گیا اور اب دوسرے طریقے سے۔ اس دلیل میں رب تعالیٰ کی نعمتوں کا بھی ذکر ہے اور اس کی رحمتوں کا بھی اور پھر انسان کی بے کسی و بے بسی کا بھی تذکرہ ہے اور اس کے ایک حال میں نہ ٹھہرنے کا بھی۔ تاکہ یہ چاروں باتیں انسان کو ایمان لانے پر مجبور کردیں۔ کیونکہ کفار کی نظر محسوسات تک تھی اور وہ نہ دیکھی ہوئی چیز کو قبول نہ کرتے تھے۔ اس لئے وہ حشر اور جنت دوزخ وغیرہ کے منکر تھے۔ بلکہ ان میں بعض رب کے بھی قائل نہ تھے۔ اس لئے پہلے ترتیب وار ان محسوس حالتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ جن کا کوئی انکار نہ کرسکتا تھا۔ اور پھر ان کے ذریعہ ان چیزوں کو ثابت فرمایا گیا جن کے وہ منکر تھے۔ فرمایا گیا یہ تو تم جانتے ہی ہو کہ تم پہلے بے جان تھے اور تمہیں یہ معلوم ہی ہے کہ تم اس حالت میں کہاں کہاں کی سیر کر چکے، کبھی سبزہ بن کر اگے کبھی دانہ بن کر پسے۔ کبھی روٹی بن کر اپنے باپ کے معدے میں پہنچے اور پھر وہاں سے چل کر خون بن کر نطفہ بنے، پھر رحم مادر میں آ کر بہت سے انقلاب دیکھے، پھر زندہ ہو کر نہ معلوم کتنی حالتیں تم پر گزریں۔ بچپن، جوانی، بڑھاپا، نادانی، دانائی، کمزوری، قوت، بیماری، تندرستی، علم، جہالت، ہوش مندی، بیہوشی۔ غرضیکہ صدہا حالتوں میں تم بدلتے رہے۔ پھر جب تمہیں موت آئی تو تم سب کچھ ہو کر کچھ نہ رہے۔ اتنی باتوں کو دیکھ کر تم کس طرح اللہ کا انکار کرسکتے ہو۔ اگر تم خود اپنی حالت ہی پر غور کرلو تو رب کا انکار نہیں کرسکتے۔ کیونکہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری حالتوں کا بدلنے والا کوئی اور ہی ہے۔ پھر جب تم پر موت و زندگی گزر چکی تو آئندہ بھی زندگی اور موت آئے تو کون سی تعجب کی بات ہے۔ ایجاد کرنا مشکل ہوتا ہے۔ دوبارہ بنانا آسان۔ جب خالق عالم کو ایجاد فرما چکا تو دوبارہ بنانا کون سا مشکل ہے۔ نیز تم کو یہ معلوم ہوا کہ تم اپنے ان حالات میں بالکل مجبور ہو نہ تم لڑکپن اور جوانی کو جانے سے روک سکتے ہو نہ بڑھاپے کو آنے سے۔ بڑے بڑے قدرت والے شہنشاہ جن کے نام کے دنیا میں ڈنکے بجتے تھے وہ نہایت بے بسی کی حالت میں یہاں سے ایسے گئے کہ ان کا نام بھی باقی نہ رہا۔ تو ایسے مجبور مسافر کو چاہئے کہ اپنے قدرت والے رب کو راضی رکھے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ عالم کی ہر چیز بلکہ خود ہم اپنے خالق کی ذات و صفات کی کھلی ہوئی دلیل ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ جو اپنے کو پہچان لے گا وہ رب کو پہچان لے گا۔ دوسرے یہ کہ دنیا عمل کی جگہ ہے۔ نہ کہ سزا و جزا کی۔ اسی لئے اس کو قرار نہیں۔ تیسرے یہ کہ حیات برزخ اور قبر کے سوال و جواب حق اور قرآن سے ثابت ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چکڑالوی وغیرہ اس کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ قرآن سے ثابت نہیں ان کا یہ قول محض جہالت پر مبنی ہے۔ ایک تو یہی آیت قبر کی زندگی بتا رہی ہے۔ جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ قیامت میں کفار عرض کریں گے۔ ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین اے پروردگار تو نے ہم کو دو موتیں دیں اور تو نے ہم کو دو نئی زندگیاں بخشیں۔ دو موتیں تو ظاہر ہیں۔ ایک زندگی کے بعد بتاؤ دو زندگیاں کون سی ہیں؟ خیال رہے کہ یہ دونوں زندگیاں حشر کی زندگی سے پہلے ہو چکی ہیں۔ کیونکہ انہیں ماضی سے بیان فرمایا جا رہا ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ دونوں زندگیاں ایک دنیا کی ہے اور ایک قبر کی۔ نیز قرآن پاک میں ارشاد ہوا کہ یثبت اللہ الذین امنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دنیوی زندگی اور آخرت میں کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رکھتا ہے۔ یہاں آخرت سے مراد قبر کی زندگی ہے۔ یعنی مسلمان دنیا میں مصیبت اور آرام ہر حال میں اور قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت کلمہ طیبہ پر ثابت قدم رہتے ہیں۔ یہاں آخرت سے حشر مراد نہیں کیونکہ وہاں ایمان و کفر کا سوال نہیں ہے بلکہ اعمال کا حساب۔ نیز رب فرماتا ہے۔ النار یعرضون علیھا غدوا" وعشیا" و یوم تقوم الساعۃ۔ ادخلوا ال فرعون اشد العذاب یہاں یعرضون میں فرعونیوں کے عذاب قبر کا ذکر ہے اور ادخلوا الخ میں قیامت کے بعد دوزخ کے عذاب کا۔ چونکہ برزخ میں کافر دوزخ میں نہیں پہنچے گا بلکہ دوزخ کی گرمی قبر میں آوے گی۔ اس لئے یہاں یعرضون اور یہاں ادخلوا فرمایا گیا۔ اس کے علاوہ زندگی قبر کے متعلق بے شمار احادیث صحیحہ اور امت رسول اللہ کا اجماع ہے۔ اس کی زائد تحقیق ہمارے فتاویٰ میں دیکھو اور انشاء اللہ اس تفسیر میں بھی مختلف آیتوں کے ضمن میں کچھ عرض کیا جاتا رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ : اس جگہ مسلمانوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم آئندہ کیسے کافر بن سکتے ہو۔ حالانکہ تم آدم علیہ السلام کی پشت میں بے جان ذرے تھے پھر تم کو رب نے اس طرح زندہ فرمایا کہ ان کی پشت سے تم کو نکالا اور الست بربکم کا پر لطف کلام سنایا اور تمہیں اپنے خطاب کی عزت بخشی اور تم کو جواب باصواب کی توفیق بخشی کہ تم نے خوشی سے بلیٰ کہا کفار کی طرح بے مروتی اور خوف سے نہ کہا۔ پھر تم کو اس طرح موت دیتا ہے۔ کہ عالم ارواح سے عالم اجسام کی طرف منتقل فرماتا ہے۔ پھر تم کو انبیاء کرام اور آسمانی کتابیں بھیج کر دوبارہ زندگی بخشتا ہے۔ اور پھر تم اسی کی طرف بے اختیار لوٹ کر جاؤ گے یا یہ خطاب انبیاء کرام سے ہے کہ اے پیغمبرو! تم معصوم ہونے کی وجہ سے کبھی خدا کی نعمتوں کا انکار نہیں کر سکتے ہو۔ اس لئے کہ تم پہلے عدم کے پردے میں تھے۔ پھر رب نے تم کو نور عنایت کے پانی اور دست محبت سے خمیر فرمایا۔ پھر اس کو نور سے منور فرما کر زندگی بخشی۔ پھر جمال کے مشاہدے سے جدا کر کے تم کو موت عطا فرمائی۔ پھر وحی کے نور سے منور فرما کر زندگی بخشی۔ پھر جذبات حق کی کشش سے تم رب کی طرف ہی لوٹو گے یا اے انسان تم پہلے بے علمی کی بناء پر مردہ تھے پھر تمہیں عقل و ہوش و علم دے کر زندہ کیا۔ پھر بڑھاپے میں بے عقل ہو کر علم بھول کر گویا مردہ ہو جاؤ گے۔ پھر قبر میں تم کو علم و عقل دے کر زندہ فرماوے گا۔ پھر تم رب کی بارگاہ میں حاضر ہو گے۔ علم روح کی زندگی ہے جہالت روح کی موت' مرنے کے بعد روح کا علم بلکہ ہر قوت بڑھ جاتی ہے۔ اس لئے بزرگوں کی ارواح بعد موت مدد کرتی ہیں۔

اعتراض : نحوی قاعدے سے فعل اور حال کا زمانہ ایک چاہئے مگر یہاں ایسا نہیں کیونکہ یہاں تکفرون فعل ہے۔ اور کفار

www.alahazratnetwork.org

کی موت اور حیات رب کی طرف لوٹنا حال اور ان سب کا زمانہ علیحدہ علیحدہ۔ کیونکہ کفر تو آج ہو رہا ہے اور یہ حالات یا تو پہلے ہو چکے ہیں یا آئندہ ہوں گے لہذا یہ ترکیب کیونکر صحیح ہوگی"۔ جواب: چونکہ یہ سارے گذشتہ اور آئندہ واقعات حق تعالیٰ کے نزدیک بہت قریب قریب ہوئے ہیں۔ اس لئے گویا ان کا زمانہ ایک ہی ہے قیامت اگرچہ ہم کو دور معلوم ہوتی ہے۔ مگر اللہ و رسول کے نزدیک بہت قریب قرآن کریم فرماتا ہے کہ **اقتربت الساعۃ** اور حضور فرماتے ہیں کہ ہم اور قیامت دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے دو موتیں ہیں۔ ایک دنیا کی زندگی سے پہلے دوسری اس کے بعد مگر قرآن سے ہی ثابت ہو رہا ہے کہ بعض لوگوں کو تین موتیں آئیں۔ چنانچہ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو برس تک مردہ رکھ کر زندہ فرمایا گیا۔ حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے وہ بنی اسرائیل دوبارہ زندہ کئے گئے جو کہ وبا کے خوف سے شہر چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اور جنگل میں ان کو مار دیا گیا تھا موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو بنی اسرائیل ان کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے اور بجلی سے مر گئے تھے انہیں زندہ کیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بہت سے مردوں کو زندہ فرمایا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اپنے والدین کریمین کو زندہ کرکے ایمان دیا اور حضرت جابر کے مرے ہوئے بچوں کو زندہ فرمایا جیسا کہ احادیث میں آتا ہے ان سب کو یقیناً تین موتیں آئیں پھر ان آیتوں کو کس طرح جمع کیا جائے۔ جواب اس جگہ انسان کی عام حالت کا ذکر ہو رہا ہے۔ کیونکہ عام طور پر دو ہی موتیں آتی ہیں۔ یعنی یہ قانون ہے اور وہ خصوصی واقعات قدرت کے قانون کے پابند ہم ہیں نہ کہ رب۔ ہمارا قانون پر بھی اختلاف ہے۔ اور قدرت پر بھی خیال رہے کہ دوبارہ زندگی پانے والوں کو دوبارہ موت و سکرات نہ ہوئی۔ پھر ان کی روح ایسے قبض کی گئی جیسے نیند یا غشی کی طاری ہو بغیر تکلیف کے یہ واقعات اتفاقیہ ہیں نیز اس آیت میں کفار و مشرکین سے خطاب ہے۔ اور ان میں بہت سے لوگ ان واقعات کے قائل نہ تھے۔ **تیسرا اعتراض:** آریوں کا۔ اگر انسان نے اس زندگی سے پہلے اتنے جسموں کو سیر کی ہے چاہئے کہ آواگون درست ہو۔ جواب اس کا جواب پہلے گزر چکا کہ یہ جسموں کی تبدیلی ہے نہ کہ روحوں کی اور آواگون روح کی تبدیلی کا نام ہے یہ بھی خیال رہے کہ جسم کے اصلی اجزاء اور وہ نہایت چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں جو کہ خوردبین سے بھی نظر نہیں آسکتے جن کو عربی میں عجب الذنب کہتے ہیں' یہ ریڑھ کی ہڈی میں محفوظ ہیں یہ کسی حال میں نہیں بدلتے۔ اگر کسی انسان کو شیر نے کھالیا اور وہ پاخانہ بن کر نکل گیا۔ پھر اس کے اصلی اجزاء پاخانے میں باقی رہے۔ یہی اجزاء گیہوں' روٹی' خون اور منی میں برابر محفوظ رہتے ہیں۔ جب انسان مرنے کے بعد مٹی بن جاتا ہے تو مٹی میں بھی وہ اجزاء سلامت رہتے ہیں۔ انہی اجزاء پر قیامت کے دن اجسام بنائے جائیں گے۔ اس ہی وجہ سے ہر حال میں کہا جاتا ہے کہ یہ وہی انسان ہے۔ جو کہ پہلے منی یا گوشت کا لوتھڑا یا بچہ وغیرہ تھا۔ وہی کہنا اس لئے ہے کہ اس کے اصلی اجزاء محفوظ ہیں آواگون والوں کے نزدیک دوسرا جسم پہلے جسم کا بالکل غیر ہوتا ہے اور اسلام میں وہ پہلا ہی جسم ہوتا ہے صرف صورت بدل جاتی ہے۔ لہذا اس مسئلے کو آواگون سے کوئی تعلق نہیں۔ **چوتھا اعتراض چکڑالویوں کا:** جو لوگ قبر میں دفن نہیں ہوتے۔ مثلاً "جلا دیئے جاتے ہیں یا ان کو شیر وغیرہ کھا جاتا ہے اس سے حساب قبر کیونکر ہوگا۔ جواب قبر خاص اس گڑھے کا نام نہیں جس میں مردے دفن کئے جاتے ہیں بلکہ اس برزخی حالت کا نام ہے جو مرنے اور قیامت میں اٹھنے کے درمیان ہے۔ اس حالت میں انسان کہیں بھی ہو اس کی روح کو جسم کے اصلی اجزاء سے متعلق کرکے اس سے سوال جواب ہو جاتے ہیں۔ لہذا اگر جسم انسانی شیر یا مچھلیوں کے پیٹ میں ہے یا جل کر اور راکھ ہو کر میدان میں اڑ رہا ہے یا دریا میں بہہ رہا ہے۔ کہیں بھی ہے اس کی روح کو

www.alahazratnetwork.org

اس سے متعلق کرکے وہاں ہی سوال جواب کر لئے جاتے ہیں۔ جب ماں کے پیٹ میں بچہ بنتا ہے تو فرشتہ وہیں آکر تمام نقش و نگار بھی کر جاتا ہے۔ اور اس کی تقدیر بھی لکھ جاتا ہے۔ مگر ماں کو خبر نہیں ہوتی۔ اسی طرح شیر وغیرہ کے پیٹ میں ہی حساب ہوتا ہے اور اس کو خبر نہیں ہوتی۔

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيْعًا ثُمَّ اسْتَوٰى إِلَى
وہ وہ ہے کہ پیدا فرمایا اس نے واسطے تمہارے جو بیچ زمین کے ہے سارا پھر قصد
وہ وہی ہے جس نے تمہارے لئے بنایا جو کچھ زمین میں ہے پھر آسمان کی طرف
السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ
کیا طرف آسمان کے پس برابر کیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔
استوا (قصد) فرمایا تو ٹھیک سات آسمان بنائے اور وہ سب کچھ جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پہلے سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے پہلی آیت میں انسان کی داخلی نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا اب خارجی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ جو کہ زمین وغیرہ سے ہم کو حاصل ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ پہلے ہم کو زندگی بخشنے کا ذکر فرمایا گیا تھا اور اب زندہ رہنے کے اسباب کا کیونکہ زمین کی نعمتوں کے بغیر ہماری زندگی ناممکن ہے مگر چونکہ زندگی اصل ہے اور نعمتوں سے نفع حاصل کرنا اس کی فرع اس لئے زندگی کا ذکر پہلے فرمایا ان کا بعد میں۔ تیسرے یہ کہ کفار کہہ سکتے تھے ہمیں رب نے پیدا نہیں فرمایا بلکہ اتفاقیہ اسباب جمع ہو گئے اور ہم پیدا ہو گئے۔ لہٰذا ہم پر رب کا کوئی احسان نہیں سورج سے دانہ پکا اس سے آٹا بنا جو ہمارے والد کے پیٹ میں جا کر خون بنا اور خون نطفہ بن کر ماں کے رحم میں آگیا اور ہم پیدا ہو گئے اس میں رب کا کون سا احسان ہے اس وہم کی تردید کے لئے اب فرمایا گیا کہ یہ تو سوچو کہ یہ اسباب کس نے پیدا فرمائے اور ان میں یہ تاثیریں کس نے بخشیں؟ کہنا پڑے گا کہ رب نے لہٰذا احسان رب ہی کا ثابت ہوا۔

تفسیر : **هو الذی خلق** قرآن کریم میں **هو الذی** کبھی تو اللہ کی رحمت ظاہر کرنے کے لئے ہوتا ہے کبھی اظہار قدرت کے لئے یہاں دونوں مقصد ہو سکتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے یا وہ رحمت والا ہے۔ کبھی کسی خاص بندے کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے بھی **هو الذی** آتا ہے۔ جیسے **هو الذی ارسل رسوله** اللہ وہ شان والا ہے جس نے ایسے شان والے محمد رسول اللہ کو پیدا فرمایا۔ یہاں حضور کی شان کا اظہار مقصود ہے کہ اگر میری شان دیکھنا ہے تو میرے اس محبوب کی شان دیکھو بے دیکھی چیز کو ان مظاہر سے جانا جاتا ہے' جان کو اعضاء کی حرکات سے معلوم کرتے ہیں ایسے ہی رب کو عالم کے حالات سے معلوم کرو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں خلق قدر کے معنی میں ہے۔ یعنی اس رب نے تمہارے لئے زمین کی ساری نعمتوں کو مقرر فرمایا کیونکہ اس آیت کے نازل ہونے کے وقت نہ تو ساری چیزیں پیدا ہوئی تھیں۔ نہ سارے انسان' اب آیت کا مقصد یہ ہوا کہ جو کچھ پیدا فرما چکا وہ تمہارے لئے تھا اور جو کچھ پیدا کیا ہے اور جو کرے گا وہ سب تمہاری ہی خاطر لکم اس میں لام نفع کا ہے یعنی تمہارے نفع کے لئے چیزیں پیدا ہوئیں کہ جس سے تم دینی یا دنیوی نفع حاصل کرو یعنی چیزوں کو کھانا' بعض کو پہننا' بعض کو

www.alahazratnetwork.org

پینا وغیرہ۔ یہ دنیوی نفع ہیں' بعض چیزوں سے بچ کر ثواب حاصل کرنا' ان سب چیزوں کو دیکھ کر خالق کو پہچاننا وغیرہ دینی نفع ہیں **ما فی الارض جمیعا** " اس سے معلوم ہوا کہ زمین کی ساری چیزیں خواہ وہ زمین پر ہوں یا زمین میں ہوں۔ سب ہمارے نفع کے لئے پیدا کی گئیں کہ بلاوسیلہ یا وسیلے سے یہ سب ہمارے کام میں آتے ہیں۔ عمدہ غذائیں پاکیزہ خوشبوئیں' دل پسند آوازیں' حسین صورتیں' وہ لذیذ چیزیں بلاواسطہ ہمارے لئے ہیں اور لکڑی' لوہا' تیر کمان' رسی وغیرہ اسی لئے بنی کہ ان کے ذریعے ہم غذائیں حاصل کریں اور بیماری اور مشقت ہماری عبرت کے لئے پیدا فرمائی گئیں' موت اس لئے بنی تاکہ دنیاوی نعمتوں سے سارے اگلے اور پچھلے لوگ نفع حاصل کریں اگر سب پیدا ہوتے اور کوئی نہ مرتا تو زمین بھی تنگ ہو جاتی اور روزی بھی اور بے شمار لڑائی جھگڑے واقع ہوتے اور پہلے لوگ حکومت پر قائم رہتے اور پچھلے اس سے محروم اور مشقتیں اور مصیبتیں بھی ہمارے ہی فائدے کے لئے ہی بنی اگر یہ نہ ہوتیں' تو دنیا میں کوئی کارخانہ ہی نہ ہوتا اگر چور نہ ہوتا تو پولیس کا محکمہ نہ بنتا اور لاکھوں آدمی بیکار رہتے' اگر جرم نہ ہوتے' کچہریاں ویران ہوتیں' اگر دشمن نہ ہوتا تو فوج کا محکمہ بیکار تھا۔ اگر سردی گرمی کی مصیبت نہ ہوتی تو اونی کپڑے کے کارخانے اور خسخانے' پنکھے وغیرہ کچھ نہ ہوتے' اگر بھوک نہ ہوتی تو سارے باورچی بیکار تھے' اگر بیماری نہ ہوتی تو دوا اور شفاخانے بیکار اور حکیم عطار' اور جراح سب رائگاں جاتے۔ غرضیکہ ان مصیبتوں نے ہی دنیا کو آباد کیا۔ حتیٰ کہ زہر قاتل اور سانپ وغیرہ بھی بہت دواؤں میں کام آتے ہیں' بہرحال سب چیزیں ہمارے ہی نفع کے لئے ہیں۔ (تفسیر عزیزی) **ثم استوی الی السماء** استوٰی سوی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں برابری اور مساوات' اس لئے سیدھی چیز کو مستوی کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کے اجزاء آپس میں برابر ہوتے ہیں' نہ تو اونچے' نیچے اور نہ ٹیڑھے' پھر اس کا استعمال قصد اور ارادے کے لئے ہونے لگا۔ عرب والے بولتے ہیں **استوی کالسھم المرسل** یعنی اس کا چھوٹے ہوئے تیر کی طرح قصد کیا' چونکہ پہلے معنی یعنی برابری سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ اس لئے دوسرے ہی معنی مراد ہیں چونکہ زمین کی ساری نعمتیں ہمارے لئے ہی پیدا فرمائی گئی تھیں اور زمین کی ساری چیزیں آسمانی مدد (بارش اور چاند سورج ستارے وغیرہ) کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں' اس لئے آسمان کو بھی پیدا فرمایا گیا' اس سے معلوم ہوا کہ اصل مقصود زمین ہے کیونکہ ہم اسی پر رہتے ہیں اور زمین کے لئے آسمان بنایا گیا۔ اس لئے یہاں **ثم** ارشاد فرمایا گیا۔ خواہ آسمان زمین سے پہلے بنا ہو یا بعد میں لیکن ہے زمین کے تابع' اس لئے درجے اور رتبے میں زمین سے پیچھے ہی ہے اس لئے ثم صحیح ہے' ہماری اس تقریر سے بہت بڑا اعتراض اٹھ گیا جس کو ہم اعتراض و جواب کے موقع پر عرض کریں گے۔ **سماء** اونچی چیز کو بھی سماء کہتے ہیں اور آسمان کو بھی' مگر یہاں آسمان مراد ہے' جیسے کہ آئندہ عبارت سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان بھی ہمارے لئے ہی بنا ہے کیونکہ ہمارے لئے زمین بنی اور زمین کے لئے آسمان تو ہمارے لئے آسمان **فسوٰھن**' یہاں سوی برابر کرنے اور ٹھیک کرنے کے معنے میں ہے۔ یعنی آسمانوں کو ایسا ٹھیک بنایا کہ اس میں کہیں بھی سوراخ یا شگاف یا ٹیڑھا پن نہ رہا۔ **سبع سموٰت** اس سے معلوم ہوا کہ آسمان سات ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ مع عرش کرسی کے سات ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ ان کے علاوہ لہٰذا مع عرش کرسی کے نو ہوئے' پرانے فلاسفہ تو مانتے ہیں اور اس آیت کے یہی معنی کرتے ہیں آسمانوں کے سات ہونے میں عجیب حکمت ہے کیونکہ ہر آسمان پر ایک سیارہ ہے اگر آسمان ایک ہی ہوتا اور سب سیارے تارے ایک پر ہوتے تو زمین کا انتظام درہم برہم ہو جاتا۔ وہ اس طرح کہ

www.alahazratnetwork.org

پہلے آسمان پر چاند ہے اور چوتھے پر سورج' سورج سے غلہ وغیرہ پکتا ہے اور چاند اور دیگر سیاروں سے اس میں رنگت و لذت پیدا ہوتی ہے' پھر سورج کبھی قریب آجاتا ہے اور کبھی دور جس کی وجہ سے موسم بدلتے ہیں اور ہر موسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں' اگر سورج پہلے آسمان پر ہوتا تو سخت گرمی کی وجہ سے جاندار فنا ہو جاتے اور کھیت باغ جل جاتے اور اگر چاند چوتھے آسمان پر ہوتا تو اتنی ہلکی شعاعیں زمین تک پہنچتیں جو کہ پھلوں میں رنگت و لذت پیدا کرنے کے لئے کافی نہ ہوتیں۔ لہٰذا جس کے تارے کا زمین سے جس قدر دور رہنا مناسب تھا اس کو اسی قدر دور رکھا گیا' انہی فاصلوں کے فرق کے لئے سات آسمان بنائے گئے اور ان میں صدہا حکمتیں ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔ جس کو دیکھ کر بے اختیار کہنا پڑتا ہے کہ **ربنا ما خلقت ھذا باطلا' وھو بکل شیء علیم** اس میں یہ بتایا گیا کہ رب نے جو کچھ بھی فرمایا بہت علم کے ساتھ پیدا فرمایا یوں ہی بے فائدہ نہ بنایا جس چیز کو جہاں رکھا اور جس کو جیسا بنایا اس کو ویسا ہی ہونا چاہئے تھا اور اس میں یہ بھی بتایا جا رہا ہے کہ جس طرح عالم کا ذرہ ذرہ ہمارے علم میں ہے ایسے ہی تمہارے جسم کے سارے اجزاء ہمارے علم میں ہیں خواہ وہ اجزاء تمہارے مرنے کے بعد ہوا میں اڑ جائیں یا پانی میں بہہ جائیں یا ذروں سے مل جائیں اور پھر ان پراگندہ اجزاء کو جمع کر کے ان میں دوبارہ روح ڈال دینا ہمارے واسطے کوئی مشکل نہیں۔ مشکل تو اسے ہو جس کے علم میں کچھ کمی ہو یا قدرت میں' لہٰذا تم قیامت کا انکار نہ کرو' غرضکہ سارا عالم اجسام انسان کے لئے بنا اس لئے آدم علیہ السلام تمام مخلوق سے پیچھے ہوئے اور جب انسان فنا ہوں گے تو قیامت آجائے گی اور جن بستیوں پر انسانوں کے گناہ کی وجہ سے عذاب آئے اور وہاں ساری مخلوق فنا کر دی گئی کہ جب اصل مقصود نہ رہا تو تابع چیزوں کا رہنا بیکار۔

خلاصہ تفسیر : حق تعالیٰ نے جب اپنی پہلی نعمت یعنی انسان کو زندہ کرنا یاد دلایا۔ تو اب ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جس پر زندہ رہنا موقوف ہے۔ یعنی تم اس رب سے کیوں منہ موڑتے ہو جس نے تم کو نیست سے ہست کیا اور پھر موجود کر کے تم کو یونہی بے سروسامان نہ چھوڑا بلکہ اس نے محض تمہاری خاطر زمین اور اس کی ساری نعمتیں پیدا فرمائیں اور چونکہ زمین کی نعمتیں آسمانی اثرات کے بغیر نہیں حاصل ہو سکتیں' اس لئے آسمان کو بھی تمہاری ہی خاطر بنایا اور چونکہ ایک یا دو آسمانوں سے زمین کا انتظام مکمل نہیں ہوتا اس لئے تمہاری ہی خاطر آسمان سات بنائے اور چونکہ زمین و آسمان میں تعلق کے بغیر بھی زمین کی نعمتیں نہیں بن سکتیں' اس لئے تمہاری خاطر ان دونوں میں ایسا تعلق پیدا فرمایا کہ کہا جا سکتا ہے کہ تمہارا رزق آسمان سے آتا ہے اور زمین سے ملتا ہے اور یہ اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے اور ہر چیز کے اسرار اور مصلحتیں اس کو معلوم ہیں' غرضکہ اے انسانو! یہ ساری کائنات تمہاری خاطر بنی ہے۔ پھر بھی اگر تم ہمارا احسان نہ مانو تو بہت تعجب ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے' ایک یہ کہ زمین اور آسمان کی ساری چیزیں انسان کے نفع کے لئے بنائی گئیں۔ اس لئے انسان کو ساری مخلوقات سے پیچھے پیدا فرمایا کیونکہ سامان پہلے جمع کیا جاتا ہے اور جس کی خاطر یہ سامان ہو وہ بعد میں آتا ہے' اگر کہیں جلسہ وعظ ہو تو فرش و تخت' روشنی صفائی وغیرہ کا انتظام پہلے ہو جائے گا' سننے والوں کا اجتماع بھی پہلے ہو جائے گا اور مولوی صاحب کی تشریف آوری بعد میں ہوگی۔ وہ جو حدیث قدسی میں آتا ہے اے محبوب **لولاک لما خلقت الافلاک** اس کی پوری تائید ہوتی ہے۔ اگر حدیث ضعیف کی تائید قرآن سے ہو جاوے تو قوی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث

www.alahazratnetwork.org

اگر ضعیف بھی ہو تو اب قوی ہے برات کا کھانا انہ براتیوں کے لئے اور براتی دولہا کے طفیل ' عالم کا بنانا انسان کے لئے اور انسان حضور کے لئے اس لئے حضور تمام نبیوں سے پیچھے آئے کہ اصلی مقصود پیچھے ہوتا ہے۔ حضور کی تشریف آوری سارے پیغمبروں کے بعد اسی لئے ہوئی کہ مقصود ذات اوست دیگر ہمگی طفیل نیز انسان تمام چیزوں کے بغیر زندگی نہیں گزار سکتا لیکن وہ تمام چیزیں انسان کے بغیر رہ سکتی ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ انسان بادشاہ ہے باقی سب خدام کیونکہ خدام بغیر آقا کے اکثر گزر کر لیتا ہے ' لیکن آقا بغیر خدام نہیں رہ سکتا۔ سبحان اللہ آنکہ غنی تراند محتاج تراند۔ نیز انسان ہر چیز سے نفع حاصل کرتا ہے دیگر چیزوں میں یہ وصف نہیں ' فرشتے کھانے پینے سے دور ' جنات مکانات وغیرہ سے بے پرواہ جانور لباس وغیرہ کے غیر محتاج اور غذائیں بھی ان کے لئے معمولی اور خاص خاص ' مگر حضرت انسان کو ان سب چیزوں کی حاجت ' پھر ان میں سے ہر ایک کی ہزارہا قسمیں چاول ہزارہا ترکیب سے استعمال کئے جائیں ' کپڑوں میں سینکڑوں وضع قطع مکان کی صدہا قسمیں پتہ لگا کہ سب چیزیں انہی حضرات کے لئے بنی ہیں۔ دوسرے یہ کہ جو چیزیں ہمارے لئے بنی ہیں تو ان کا حلال ہونا بھی ہمارے لئے ضروری ہے ' وہابیوں اور دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ جو چیز حضور پاک کے زمانہ اقدس میں نہ ہو وہ سب بدعت اور حرام ہے۔ جس سے لازم آیا کہ اعراب والا قرآن شریف اور بخاری شریف وغیرہ پڑھنا ' پلاؤ ' بریانی کھانا ' ریل کی سواری وغیرہ سب حرام ' کیا کوئی دیوبندی ہے جو اپنے اس اصول پر عمل کر کے دکھلائے۔ تیسرے یہ کہ آسمان کا وجود بھی ہے۔ اور وہ مجسم ہیں اور سات ہیں۔ قرآن مجید نے یہ بھی بتایا اور توریت اول کے پہلے باب میں ارشاد ہوا کہ ابتداء میں خدا نے زمین و آسمان کو پیدا کیا۔ اسی توریت شریف کے ساتویں باب میں طوفان نوح کے بیان میں ذکر ہوا کہ آسمان کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ آٹھویں باب میں فرمایا گیا کہ آسمان کی کھڑکیاں بند ہو گئیں وغیرہ وغیرہ۔ انجیل متی کے تیسرے باب میں ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام یحییٰ علیہ السلام کے ہاتھ سے دریا میں غوطہ لگا کر باہر آئے تو ان کے لئے آسمان کھل گیا۔ انجیل لوقا کے اٹھارویں باب میں ہے کہ اتنا بھی نہ چاہا کہ آسمان کی طرف آنکھ اٹھائے ' اسی طرح مکاشفات یوحنا کے آٹھویں باب سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آسمانوں پر تارے ہیں۔ ہندوؤں کے وید اور پارسیوں کے دساطیر سے بھی آسمانوں کے متعلق اس قسم کے مضامین ثابت ہیں۔ غرضیکہ ہر مذہب کی الہامی اور غیر الہامی کتابوں سے آسمانوں کا ثبوت ملتا ہے ' پرانے فلاسفہ بھی اس کے قائل رہے۔ مگر ایک دیوانہ فلسفی جس کا نام فیثاغورث ہے اس نے آسمانوں کا انکار کیا اس کی اس بات پر کسی عقل مند نے دھیان نہ دیا۔ اس زمانہ کو فلاسفہ نے اس قول کو دیوانوں کی بڑ سے زیادہ وقعت نہ دی۔ مگر اب کچھ عرصہ سے یورپ میں یہ عقیدہ بہت پھیلا اور ان کی تقلید میں بعض ہندوستان کے فیشنی مسلمان بھی آسمان کا انکار کرنے لگے۔ اور سید احمد خان علی گڑھی کے مقلدین نے جہاں جنت دوزخ کی آیتوں میں تاویلیں کیں ' وہیں یہ بھی کہا کہ آسمان سے مراد انتہائے نظر ہے اور یہ تارے وغیرہ بغیر آسمان کے موجود ہیں اور آسمان کی کوئی حقیقت نہیں ' ان کا کلام محض لغو اور باطل ہے کہ اس میں ساری آسمانی کتابوں کا انکار ہے۔ اور محسوسات کی مخالفت ان کے پاس آسمان کے نہ ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ چوتھے یہ کہ آسمان دور رہ کر بھی زمین کو فیض برابر دے رہا ہے تو اگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ میں جلوہ گر ہو کر تمام عالم کو فیض دیں تو ہو سکتا ہے ' زمین آسمان سے کبھی بے پرواہ نہیں۔ امتی حضور سے کبھی بے نیاز نہیں ہو سکتا ' آسمان دیتا ہے زمین لیتی ہے ایسے ہی حضور دینے آئے ہم لینے کے لئے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : وہ اللہ ایسی قدرت والا ہے۔ جس نے تمام جسمانی اور روحانی چیزوں کو تمہارے لئے پیدا فرمایا کہ وہ سب تمہارے کام آئیں اور تم کو ان کے لئے نہ بنایا کہ تم ان میں پھنس کر رب کو بھول جاؤ بلکہ تم کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** بلکہ خاص اپنے لئے جیسے خود فرمایا کہ **واصطنعتک لنفسی** اے بندے میں نے کوئی کام تیرے غیر کی خاطر نہ کیا۔ تو بھی اپنا کوئی کام میرے غیر کے لئے نہ کر جس قدر تو میرے لئے ہو گا اسی قدر میں تیرا ہوں گا جیسا کہ روایت میں ہے کہ اللہ کا جو ہو رہتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے اور سوا انسان کے کسی میں استعداد نہیں کہ وہ اللہ کا ہو رہے اور اللہ اس کا ہو جائے۔ **حکایت:** تفسیر روح البیان سورت رعد شریف میں فرمایا گیا کہ ایک بزرگ سے رب نے ارشاد فرمایا کہ میں نے عالم کی ساری چیزیں تیرے لئے بنائیں تو نے میرے لئے کیا کیا۔ انہوں نے اپنی عبادات پیش کیں۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ یہ عبادتیں بھی تو نے اپنے لئے ہی کی تھیں تاکہ دوزخ سے بچ جائے اور جنت حاصل کرے بتا میرے لئے کیا کیا عرض کیا مولا پھر تیرے لئے کون سا کام ہوتا ہے' فرمایا کہ میرے پیاروں سے محبت اور میرے دشمنوں سے عداوت۔ لہٰذا نماز و حج وغیرہ ادا کرنا عبادت ہے اور ان عبادات سے محبت کرنا رب کی محبت ہے' عبادت اپنے لئے ہے' عبادت سے محبت رب کے لئے۔ عبادت کرنا شریعت ہے' عبادت سے محبت کرنا طریقت۔ رب فرماتا ہے **فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم ساھون** جو عبادت تو کرے مگر بوجھ جان کر رب اس سے ناراض ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام کے نزدیک جنت کے لئے عبادت کرنا کمال نہیں محض رضائے الٰہی کے لئے چاہیے اور جس طرح آسمان و زمین کو تیری خاطر بنایا اسی طرح تو بھی اپنے دنیوی کاروبار بھی میری ہی رضا کے لئے کر خود اس لئے کھا پی کہ تو اس سے عبادت کرے۔ بچوں کی اس لئے پرورش کر کہ یہ میرا حکم ہے اور وہ رب تعالیٰ اپنی ہر مخلوق کے ہر حال کو بخوبی جانتا ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: جب رب تعالیٰ نے سب چیزیں ہمارے لئے ہی پیدا کیں ہیں تو پھر ہم کو بعض چیزیں کیوں دیں اور بعضے انسان غریب و فقیر کیوں رہے۔ ملکوں اور انسانوں کے حالات مختلف کیوں ہوئے۔ **جواب:** رب نے ساری چیزیں سارے انسانوں کے لئے پیدا کیں نہ فقط تمہارے ایک کے لئے دنیا کی تمام چیزیں تمام انسانوں کو تقسیم ہو کر بقدر حصہ مل گئیں' انگلستان والوں کو ایک قسم کے پھل اور غذائیں وغیرہ۔ ہندوستانیوں کو دوسری طرح کے بعض کو کم بعض کو زیادہ تاکہ دنیا کا نظام قائم رہے۔ **دوسرا اعتراض:** جب ہر چیز ہمارے لئے ہی بنی تو شریعت میں بعض چیزیں حرام کیوں فرمائیں۔ چاہیے تھا کہ ہم ہر چیز کو ہر طرح استعمال کر سکتے۔ **جواب:** ہر چیز تمہارے ہی نفع کے لئے بنی نہ کہ تمہارے کھانے کے لئے' ہر چیز کا نفع علیحدہ ہے کسی کو کھاؤ' کسی کو پہنو' کسی کو سونگھو' کسی سے بچو۔ تمہارے گھر میں تمہاری بیوی' ماں' بہن' بیٹی یہ سب تمہارے نفع کے لئے ہی ہیں۔ لیکن ان سب کا نفع یکساں نہیں۔ بیوی سے وطی کی جاتی ہے اور ماں بہن سے امداد اور شفقت حاصل کی جاتی ہے' پانی اور آگ سب تمہارے نفع کے لئے ہیں مگر پانی پیا جاتا ہے اور آگ کھائی پی نہیں جاتی' اور جس طرح ہر چیز کا طریقہ استعمال سکھانے والے کی مدد کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ اسی طرح انبیاء کرام کی تعلیم کے بغیر کسی چیز کو استعمال کر کے فائدہ مند نہ ہو گا۔ انبیاء کرام نے فرمایا کہ بکری کو استعمال کرو اور نفع لو اور خنزیر سے بچ کر۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین پہلے پیدا ہوئی اور آسمان بعد میں مگر دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ آسمان پہلے بنا اور زمین بعد میں' اب ان آیتوں میں

www.alahazratnetwork.org

مطابقت کس طرح کی جائے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے مگر اس کا پھیلاؤ آسمانوں کے بعد' وہ اس طرح سب سے پہلے پانی پیدا ہوا اس پانی میں کچھ جھاگ نمودار ہوئے وہ جھاگ اس جگہ محفوظ رکھے گئے جہاں اب خانہ کعبہ ہے۔ یہ جھاگ ہی اصل زمین ہیں' پھر پانی سے بخار اٹھا وہ بخار آسمان بنا پھر جھاگوں کو پھیلا دیا گیا' چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ **والارض بعد ذلک دحھا** یعنی اس کے بعد زمین کو پھیلایا۔ مگر یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ یہاں کی آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ زمین کی ساری چیزیں پیدا کرکے آسمان پیدا کیا اور زمین کی ساری چیزیں زمین کے پھیلنے کے بعد ہی ہو سکتی ہیں۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ اصلی آسمان زمین سے پہلے بنا لیکن اس کا ہموار ہونا اور ان کا سات بننا زمین کے بعد ہوا۔ لہٰذا اصلی آسمان پیدائش میں زمین سے پہلے ہے اور تسویت (ہموار اور یکساں ہونا بعد میں) مگر یہ جواب یہ بھی کمزور ہے کیونکہ دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان کی تکمیل کے بعد زمین بنی ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے۔ **رفع سمکھا فسوٰھا واغطش لیلھا واخرج ضحٰھا والارض بعد ذلک دحٰھا** لہٰذا صحیح جواب یہی ہے کہ آسمان پہلے بنا بعد میں زمین' لیکن جہاں کہیں آسمان کو زمین کے بعد بیان فرمایا گیا ہے وہ اس لئے ہے کہ زمین کی پیدائش اصل مقصود ہے اور آسمان اس کے تابع۔ لہٰذا یہاں لفظ ثم فقط ذکر اور درجے کی ترتیب کے لئے ہے۔ (تفسیر کبیر) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان و زمین کی پیدائش میں بہت وقت صرف ہوا بلکہ بعض جگہ فرمایا گیا کہ ان کی پیدائش چھ دن میں ہوئی' مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب کی پیدائش فقط کن فرما دینے سے ہوئی۔ نیز جب اس وقت سورج بھی نہ تھا۔ تو چھ دن کیسے معلوم ہوئے' دن رات تو سورج سے ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا مکمل جواب انشاء اللہ آیت **فی ستۃ ایام** میں دیا جائے گا۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ ایک تو ہے بنانے کا طریقہ' دوسرے اس کی مدت کن والی آیت میں طریقہ پیدائش بیان فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ نے ان سب چیزوں کو کن فرما کر بنا دیا۔ آریوں کے پرمیشور کی طرح روح اور مادے کا محتاج نہ تھا۔ اور ستۃ ایام والی آیت میں مدت پیدائش ذکر ہوئی کہ چھ دن میں چھ بار کن فرما کر یہ تمام چیزیں پیدا فرمائیں۔ نیز چھ دن سے اتنا وقت مراد ہے کہ اگر اس وقت سورج ہوتا تو اس کے چھ دن بن جاتے یا دن سے مراد دفعہ ہے۔ یعنی چھ دفعہ کن کی توجہ ہوئی' اور یہ تمام چیزیں بن گئیں۔ اب رہی یہ بات کہ کن فرمانے سے کیا مراد ہے۔ اور جبکہ اس وقت کوئی چیز موجود تھی ہی نہیں تو کن کس سے کہا گیا اور کس نے سنا اور چھ دن میں کیوں فرمایا یہ تمام باتیں انشاء اللہ انہی آیتوں کی تفسیر میں بیان ہوں گی اس قسم کے اعتراضات پنڈت دیانند کے اوہام ہیں۔ نیز آسمانوں کی حقیقت اور ان کی پیدائش کا پورا واقعہ اور ترتیب انشاء اللہ اسی جگہ بیان ہوگی۔ یہاں اس کا موقع نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** آج سائنس کہتی ہے کہ آسمان کچھ نہیں کیونکہ دوربینوں اور تمام آلات رسد میں نظر نہیں آتا۔ اور روسی سیارہ چاند وغیرہ سے گزرتا ہوا سورج کے مدار میں پہنچ گیا۔ اگر آسمان تھا تو یہ راکٹ کیسے گزر گیا۔ **جواب:** آسمان ہیں اور ضرور ہیں۔ آلات سے نظر اپنی شفافی کی وجہ سے نہیں آتے جیسے ہوا آج تک کسی سے نہ دیکھی گئی' ہمیں کیا خبر کہ روسی راکٹ سورج تک پہنچا یا نہیں۔ اگر پہنچ بھی گیا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے آسمان کا قوام پانی یا ہوا کی طرح رقیق ہے رب فرماتا ہے **کل فی فلک یسبحون** ہر تارا اپنے آسمان میں تیر رہا ہے' تیرنا رقیق چیز میں ہی ہو سکتا ہے بلکہ اس راکٹ سے تو حضور کی معراج کا مسئلہ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے عقیدے کی تائید ہوتی ہے جو فلاسفہ آسمان کا چیرنا غیر ممکن مانتے ہیں ان کے مقابل واقعہ معراج وغیرہ کا ثبوت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ

اور جبکہ فرمایا رب نے آپ کے واسطے فرشتوں کے تحقیق میں بنانے والا ہوں بیچ زمین کے

اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ

نائب کہا انہوں نے کیا بنائے گا تو بیچ اس کے اس کو جو فساد پھیلائے گا بیچ اس کے اور

بولے کیا ایسے کو نائب کرے گا جو ان میں فساد پھیلائے گا اور خون ریزیاں کرے گا

وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا

بہائے گا خون اور ہم تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری تعریف کے اور پاکی بولتے ہیں واسطے تیرے

اور ہم تجھے سراہتے ہوئے تیری تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکی بولتے ہیں۔ فرمایا مجھے

تَعْلَمُوْنَ ۞

فرمایا رب نے تحقیق میں جانتا ہوں وہ جو تم نہیں جانتے

معلوم ہے تم نہیں جانتے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **ایک:** یہ کہ پچھلی آیتوں میں ان نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو بلاواسطہ ہر انسان کو ملتی ہیں زندگی اور موت اور زمین و آسمان کی نعمتیں' اب اس خاص نعمت کا ذکر ہے جو انسانوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ سے ان کو ملی یعنی آدم علیہ السلام کی عزت افزائی اور ان پر خاص کرم خداوندی کیونکہ باپ کی عزت سے اولاد کی عزت ہے۔ **دوسرے:** یہ کہ پچھلی آیتوں میں قیامت تک ملنے والی دائمی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ یعنی زندگی اور موت اور زمین و آسمان کی ظاہری نعمتیں' اور اب اس نعمت کا ذکر ہو رہا ہے جو شروع پیدائش کے وقت صرف ایک بار دی جا چکی اور جس کی وجہ سے نسل انسانی قیامت تک فخر کرے گی مگر چونکہ وہ پچھلی نعمتیں ہر شخص کو محسوس ہوتی تھیں اور کوئی بھی اس کا انکار نہ کر سکتا تھا اور یہ نعمت انبیاء کرام سے سن کر ہی معلوم ہوئی اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ اور اس کا ذکر بعد میں۔ **تیسرے:** یہ کہ پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ عالم کی ساری چیزیں انسان کے لئے پیدا ہوئیں۔ اس پر سوال پڑ سکتا ہے کہ انسان تو بڑا ہی مخلوق سے کمزور ہے' فرشتے' جنات' ہاتھی اور شیر وغیرہ سب اس سے بڑھ کر طاقتور ہیں' پھر سب کا یہ حاکم کیونکر ہو سکتا ہے اس آیت میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے معترض انسان کی محض جسمانی کمزوری کو مت دیکھ' بلکہ اس کی لیاقت اور قابلیت پر بھی نظر کر جو قدرت نے اس کو عطا فرمائی ہے' ہم تجھ کو تیری ابتداء پیش کا قصہ سناتے ہیں۔ جس سے تجھ کو معلوم ہو گا کہ بہترین مخلوقات یعنی ملائکہ نے تیرے پدر بزرگوار آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور ان کو اپنا خلیفہ مانا' حالانکہ فرشتے تمام مخلوق سے زیادہ طاقتور ہیں۔ جسمانی طاقت اور چیز ہے اور روحانی کمالات دوسری چیز۔ **چوتھے:** یہ کہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ انسان عالم کا مقصود ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ انسان عالم کا مسجود ہے کیونکہ فرشتوں کا مسجود ہوا تو ان کے ماتحتوں کا بھی۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **و اذ قال ربک** لفظ اذ ظرف ہے جو فعل کو چاہتا ہے۔ عام مفسرین اس جگہ ذکر نکالتے ہیں یعنی اے محبوب ذکر کرو۔ قرآن کریم نے بھی بعض جگہ **اذ** کے ساتھ **اذکر** ارشاد فرمایا ہے۔ **و اذکر اخا عاد اذ انذر قومہ** اور فرمایا **و اذکر عبدنا ایوب اذ نادی ربہ** یہ اس آیت کی تفسیر ہیں۔ پچھلی آیتوں میں محسوس نعمتوں کا ذکر تھا اس لئے وہاں ضرورت نہ تھی۔ مگر یہاں **اذکر** ضروری ہے۔ اس اذکر کے دو معنی ہو سکتے ہیں یاد کرو۔ ان لوگوں سے ذکر کرو۔ خیال رہے کہ وہ چیز یاد دلائی جاتی ہے جو پہلے سے علم میں ہو' یا تو بتادی گئی ہو یا دکھلادی گئی ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارے واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہیں اور ظاہر ہے کہ اس سے پہلے بتائے نہیں گئے تھے کیونکہ قرآن کریم تو اب اتر رہا ہے۔ اور حضور نے تاریخ بھی نہ پڑھی تھی ثابت ہوا کہ وہ سب حضور کو دکھلا دیئے گئے تھے' اس لئے فرمایا جاتا ہے کہ اے محبوب ذرا اس واقعہ کو تو یاد کرو۔ بعض جگہ ارشاد ہوا ہے۔ **الم تر** یعنی اے محبوب کیا تم نے وہ واقعہ نہ دیکھا یعنی دیکھا ہے' اس سے حضور کا علم غیب بھی ثابت ہوا۔ اور حاضر و ناظر ہونا بھی **قال ربک** یہ خبر سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کو دے دی گئی تھی۔ اس میں چند حکمتیں تھیں' ایک یہ کہ بندوں کو مشورہ کرنے کی ہدایت ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ مشورہ سنت الہیہ ہے دوسرے یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عظمت ظاہر کہ ان کی تشریف آوری سے پہلے ہی ان کا اعلان کیا جارہا ہے۔ سلطنت کے معمولی حکام دن رات آتے جاتے رہتے ہیں لیکن جب بادشاہ دارالسلطنت سے چلتا ہے تو سارے ملک میں اس کا اشتہار ہو جاتا ہے کہ فلاں بادشاہ آنے والا ہے کیونکہ وہ سلطنت کا برکن ہے' آدم علیہ السلام بھی عالم کے اصل مقصود تھے۔ اس لئے ان کی آمد کا اس طرح اعلان فرمایا گیا۔ تیسرے یہ کہ ان کی تشریف آوری سے پہلے ہی ملائکہ کے سارے شبہات دور کر دیئے جائیں' تاکہ ان کی آمد کے بعد سوال و جواب کا موقع نہ رہے۔ ربک اس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان کا اظہار ہے اس لئے کہ یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ میں نے کہا یا اللہ نے فرمایا! بلکہ یوں فرمایا کہ اے محبوب تمہارے رب نے فرمایا یعنی رب نے اپنا ذکر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ذکر کے ساتھ کیا اس میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے لئے ہو رہا تھا۔ چونکہ آپ کو پیدا کرنا منظور تھا اس لئے یہ سارے انتظامات ہوئے جیسے کہ پھول کے لئے سارا باغ لگایا جاتا ہے بلاتشبیہ جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ تیرے باپ نے مکان بنایا۔ باغ لگایا' کوٹھیاں تعمیر کرائیں' یعنی تیرے لئے **للملئکۃ**۔ ملائکہ ملک کی جمع ہے اس کے معنی ہیں فرشتہ یہ لفظ الوکہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پیغام اہل عرب کہتے ہیں **الکنی الیہ** یعنی مجھ کو اس کی طرف بھیجا۔ اس سے مالک بنا اس کو بدل کر ملئک ہوا۔ پھر ہمزہ گر کر ملک رہا۔ اس کی جمع ملائک ہوئی جیسے شمائل' پھر جمع کو مونث کرنے کے لئے تا لگا دی گئی۔ اب اس کے معنی ہوئے قاصد' چونکہ فرشتے حق تعالیٰ اور اس کے پیغمبروں کے درمیان وحی لانے والے قاصد ہوتے ہیں۔ نیز اس دنیا میں رحمتیں اور عذاب لے کر آتے ہیں اس لئے انہیں ملک کہتے ہیں۔ **فرشتے کی حقیقت:** یہ نوری جسم ہیں۔ مختلف شکل بدل سکتے ہیں بہت طاقتور ہیں' عالم ملکوت میں سے ہیں۔ ان کی کثرت کا یہ حال ہے کہ تفسیر روح البیان وغیرہ نے فرمایا کہ انسان جنات کا دسواں حصہ اور جن و انس خشکی کے جانوروں کے دسواں حصہ اور یہ سب مل کر پرندوں کا دسواں حصہ اور یہ سب مل کر دریائی جانوروں کا دسواں حصہ' اور یہ سب مل کر زمین کے فرشتوں کا دسواں حصہ اور یہ سب مل کر پہلے آسمان کے فرشتوں کا دسواں حصہ اور وہ سب مل کر دوسرے آسمان کے فرشتوں کا

www.alahazratnetwork.org

دسواں حصہ' ساتویں آسمان تک یہ ترتیب ہے۔ پھر یہ تمام مخلوقات کرسی کے فرشتوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں' وہ سب مل کر عرش اعظم کے ایک پردے کے فرشتوں کے مقابلے میں' خیال رہے کہ عرش اعظم کے چھ لاکھ پردے ہیں اور ہر پردے پر اسی قدر ملائکہ ہیں' پھر یہ تمام مخلوق ان فرشتوں کے مقابلے میں جو عرش اعظم کے آس پاس گھومتے رہتے ہیں ایسے ہیں جیسے دریا کے مقابلے میں قطرہ' ان کی تعداد رب ہی جانتا ہے' یہ تمام فرشتے رب کے مطیع بندے اور ہر دم اس کی عبادت میں مشغول رہنے والے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑی مخلوق فرشتے ہی ہیں۔ قرآن کریم بھی فرمارہا ہے۔ **وما یعلم جنود ربک الا ھو** یعنی رب کے لشکروں کو وہی جانتا ہے' اس جگہ تفسیر کبیر اور روح البیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے معراج میں ایک جگہ فرشتوں کی قطاریں جاتی ہوئی دیکھیں۔ جبرئیل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کہاں جارہے ہیں' جبرائیل نے عرض کیا کہ میں تو جب سے پیدا ہوا ہوں اس قطار کو ایسے ہی دیکھا مجھ کو خبر نہیں کہ کہاں سے آرہے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں' ہاں جو فرشتہ ایک بار گزر جاتا ہے دوبارہ لوٹ کر نہیں آتا۔ فرمایا چلو ان سے پوچھیں چنانچہ ان میں سے ایک سے سوال کیا گیا کہ تیری عمر کتنی ہے اس نے جواب دیا مجھے خبر نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ رب تعالیٰ ہر چار لاکھ سال کے بعد ایک تارا پیدا فرماتا ہے اور میں نے چار لاکھ تارے پیدا ہوتے ہوئے دیکھے۔ **ملائکہ کی قسمیں:** فرشتے چند قسم پر ہیں۔ جن کا ذکر قرآن میں آرہا ہے' ایک عرش کے اٹھانے والے' دوسرے عرش اعظم کے گرد گھومنے والے' تیسرے جلیل القدر ملائکہ جیسے جبرائیل و میکائیل' چوتھے جنت کے فرشتے' پانچویں جہنم کے جن کے سردار کا نام مالک ہے دیگر فرشتوں کا نام زبانیہ ہے' چھٹے وہ فرشتے جو انسانوں کی حفاظت کے لئے مقرر کئے گئے۔ ساتویں اعمالنامہ لکھنے والے فرشتے جنہیں کراماً کاتبین کہتے ہیں۔ آٹھویں وہ فرشتے جن کے سپرد دنیا کے انتظامات ہیں' پھر ان کی بہت سی قسمیں ہیں بعض پانی برسانے والے' بعض رحم میں بچہ بنانے والے بعض مصیبت کے وقت انسانوں کی مدد کرنے والے وغیرہ وغیرہ' اسی جگہ تفسیر کبیر نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی ہے کہ جو شخص کسی جنگل میں پھنس جائے تو اس طرح آواز دے **اعینونی عباد اللہ یرحمکم اللہ** یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ اسی طرح حصن حصین میں بھی ہے اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کو مصیبت کے وقت پکارنا سنت صحابہ کرام ہے۔ **فرشتوں کی صفات:** (1) فرشتے اللہ اور رسول کے درمیان واسطہ ہیں۔ (2) وہ ہمیشہ عبادت گزار اور ساجد ہیں۔ (3) حق تعالیٰ سے ان کو بہت قرب حاصل ہے۔ (4) وہ معصوم ہیں کہ کبھی حق تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کرسکتے۔ (5) وہ حق تعالیٰ سے نہایت ڈرنے والے ہیں۔ (6) وہ خدا تعالیٰ کے دوستوں کی مدد کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑتے ہیں' جیسا کہ جنگ بدر میں ہوا۔ (7) ان کے بازو اور پر ہیں۔ یہ ساری قسمیں اور ان کی ساری صفات قرآن پاک میں صراحۃً آئی ہیں۔ اگر ان تمام آیتوں کو جمع کرنا ہے تو تفسیر کبیر یہی مقام اور تفسیر حقانی کا مقدمہ دیکھو۔ خیال رہے کہ اولاً حق تعالیٰ نے فرشتوں کو آسمان میں اور جنات کو زمین میں بسایا تھا۔ یہ واقعہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے ساٹھ ہزار سال پہلے ہوا۔ یہ جنات زمین میں سات ہزار سال تک آباد رہے' پھر ان کا آپس میں بغض حسد شروع ہوا۔ چنانچہ انہوں نے آپس میں خوب جنگ و خون ریزی کی اس وقت تک ابلیس جس کا نام عزازیل تھا بہت مقبول بارگاہ الٰہی تھا اور تمام ملائکہ میں بڑا عالم اور عابد اس کو حکم ہوا کہ اپنے ساتھ فرشتوں کی ایک جماعت لے جا اور جنات کو زمین سے نکال کر ان کو جزیروں اور پہاڑوں میں آباد کردے۔ چنانچہ ابلیس نے ایسا ہی کیا جو فرشتے کہ ابلیس کے ساتھ آئے تھے وہ اس زمین پر آباد کردیئے گئے۔ لہٰذا اب فرشتوں کے دو حصے

www.alahazratnetwork.org

ہو گئے۔ ایک زمین والے اور ایک آسمان والے' حق تعالیٰ نے اس خدمت کے انعام میں ابلیس کو زمین اور پہلے آسمان کی بادشاہت اور جنت کے خزانے عطا فرمائے لہٰذا یہ کبھی زمین میں عبادت کرتا کبھی آسمان میں کبھی جنت میں 'اس کے عروج و ترقی نے اس کے دل میں تکبر پیدا کیا اور وہ سوچنے لگا کہ میں تمام ملائکہ سے افضل ہوں۔ اتنا واقعہ خیال رہے یہ آئندہ تفسیر میں کام آئے گا۔ اس میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم کی آمد کی خبر کن فرشتوں کو دی گئی تھی آیا سب کو یا بعض کو 'بعض فرماتے ہیں کہ صرف زمین کے رہنے والوں کو ہی خبر دی گئی تھی۔

مگر صحیح یہ ہے کہ سارے فرشتوں کو ہی بتایا گیا تھا کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔ **نکتہ:** صرف فرشتوں کو ہی خبر دی گئی نہ کہ دیگر مخلوقات کو۔ اس لئے کہ فرشتے دنیا کے انتظام کرنے والے ہیں اور باقی مخلوقات ان کے تابع۔ چونکہ اب فرشتوں کو سیدنا آدم کا ماتحت ہونا ہو گا 'اس لئے ان کو بتانا سخت ضروری تھا۔ وائسرائے کی آمد کی خبر سلطنت کے نوکروں کو خاص طور پر دی جاتی ہے 'نیز اس وقت فرشتے ہی ساری مخلوقات سے افضل اور طاقتور تھے جب یہی مطیع بنا دیئے گئے تو دوسرے خود بخود مطیع ہو جائیں گے اسی لئے فرشتوں ہی سے سجدہ بھی کرایا گیا۔ نیز جب فرشتوں کو اطلاع دیدی گئی تو باقی مخلوقات کو خود بخود ہو گئی۔ کیونکہ ان کا سب میں دور دورہ تھا حکومت کی خبریں پہلے خاص محکمے کی طرف آتی ہیں۔ نیز فرشتوں کو ہی اپنے خلیفہ ہونے کی امید ہو سکتی تھی۔ کیونکہ وہ طاقتور' عبادت گزار اور معصوم بندے تھے۔ انہی کو خبر دی گئی تاکہ اپنے سارے سوال و جواب کر لیں۔ **انی جاعل** اس جگہ **جاعل** فرمایا گیا نہ کہ **خالق** اس لئے کہ خلق کے معنی ہیں پیدا کرنا اور جعل کے معنی ہیں بنانا۔ محسوس چیزوں کے پیدا کرنے کو خلق کہتے ہیں۔ اور اس کے باطنی صفات کے پیدا کرنے کو جعل 'اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا۔ **خلق السموات والارض و جعل الظلمت والنور** آسمان زمین محسوس جسم تھے ان کے لئے خلق فرمایا گیا۔ اور تاریکی اور روشنی ملکوتی چیزیں ہیں اس لئے **جعل** فرمایا گیا۔ چونکہ اس جگہ صرف حضرت آدم علیہ السلام کے جسم شریف کے بنانے کی خبر دینا منظور نہیں۔ جسم تو بہت سی مخلوقات کے پیدا ہو چکے تھے' بلکہ ان کی خلافت کی خبر دینا منظور تھی۔ اس لئے **جاعل** فرمایا گیا۔ ایک جگہ فرمایا گیا ہے **انی خالق بشرا من طین** اس میں صرف ان کی پیدائش کا ذکر ہوا۔ **فی الارض** سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت زمین میں اس لئے مقرر فرمائی گئی کہ آسمان میں تو جھگڑے فساد' جنگ و جدال' خونریزیاں بھی ہوں گی ہی نہیں۔ اس لئے وہاں کسی منتظم خلیفہ کی ضرورت بھی نہیں۔ یہ ساری بیماریاں زمین میں ہی ہونے والی تھیں۔ اس لئے یہاں ہی خلیفہ کی ضرورت تھی' رہی یہ بات کہ ساری زمین کا خلیفہ بنایا گیا یا بعض کا' ظاہر یہی ہے کہ ساری کا کیونکہ یہاں کوئی قید نہیں۔ **خلیفۃ** خلف سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے۔ خلیفہ بروزن فعیلۃ صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے آنے والا یا نائب جو کسی کے پیچھے یا غیر موجودگی میں اس کا کام کرے۔ ظاہر ہے کہ یہاں اللہ کا خلیفہ مراد ہے۔ اگرچہ خدا تعالیٰ ہر وقت موجود ہے اس کو خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں مگر بندوں کو ضرورت ہے کیونکہ حق تعالیٰ تک ان کی رسائی نہیں۔ درمیان میں ایسے واسطے کی ضرورت پڑی جو رب سے فیض لے اور بندوں تک پہنچائے وہی رب کا خلیفہ ہے' خلیفہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ پس وفات سلطان اس کا کام چلانے والا جیسے حضور کے خلفاء راشدین' پس پشت سلطان کارفرما۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں حضرت ہارون یا حضور کی غیبوبت میں' حضرت ابن ام مکتوم۔ پس پردہ نیابت کرنے والا۔ یہاں تیسری خلافت مراد ہے کیونکہ رب نہ میت ہے نہ غائب بلکہ محجوب ہے۔ اسی لئے قیامت میں کوئی اس کا خلیفہ نہ ہو گا کہ رب ظاہر ہو

www.alahazratnetwork.org

عیاں ہو گی۔ اس لحاظ سے سارے پیغمبر اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بعد قیامت تک ہر زمانے کے قطب خلیفۃ اللہ میں 'چنانچہ قرآن کریم نے فرمایا یا داود انا جعلنک خلیفۃ فی الارض پہلے خلیفہ حضرت آدم علیہ السلام ہوئے اور آخری خلیفہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں گے کیونکہ وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے خاتم الاولیاء یعنی آخری ولی ہیں۔ مگر اس آیت میں خلیفہ سے آدم علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ کیونکہ یہاں سارے واقعات انہی کے بیان ہو رہے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام چند وجوں سے خلیفۃ اللہ ہوئے 'ایک یہ کہ یہ آسمانی اور زمینی چیز کے مجموعہ ہیں کہ ان کا جسم فرشی اور روح عرشی ہے' دوسرے یہ کہ یہ حق تعالیٰ کی ساری صفات کے مظہر ہیں' تیسرے یہ کہ ان کو رب نے اپنا علم عطا فرمایا جس سے انہوں نے قوانین اور قاعدے بنا ڈالے۔ چوتھے یہ کہ ان کو اپنا کلام دیا کہ رب کے کلام کو اپنی زبان سے مخلوق تک پہنچایا۔ پانچویں یہ کہ ان کو ایسی قدرت کاملہ عطا فرمائی جو رب کی قدرت کا نمونہ ہے اگرچہ بظاہر فرشتے بڑے قوی ہیں لیکن نبی کی قوت و قدرت ان سے کہیں بڑھ کر ہے۔ حضرت ملک الموت موسیٰ علیہ السلام کے ایک تھپڑ کی تاب نہ لا سکے جیسا کہ احادیث میں آیا ہے۔ چھٹے یہ کہ دنیا کی ہر چیز کو ان کے قبضے میں دیا گیا کہ حیوانات جمادات بلکہ آسمان و زمین پر ان کی حکومت قائم ہوئی 'خیال رہے کہ سلطان کی نیابت و خلافت دو چیزوں پر موقوف ہے۔ سلطان کا سا علم اور سلطان کی سی قدرت اسے عطا ہو۔ ورنہ وہ سلطان کا کام نہیں سنبھال سکتا۔ اس لئے رب نے حضرت آدم کی خلافت ثابت کرنے کے لئے انہیں علم اسماء دیا۔ اس علم کی عطا ظاہر فرمائی۔ اور مسجود ملائکہ بنایا اس میں قدرت خلیفہ ظاہر کی۔ بڑی قدرت والے فرشتوں کے مسجود ہیں۔ ساتویں یہ کہ جسمانیات کے علاوہ روحانیات میں بھی ان کا بہت دور دورہ ہے کہ جنات فرشتے ان کے قبضہ میں 'خیال تو کرو کہ عرب کا ایک ناقہ نشین شہنشاہ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آن کی آن میں زمین و آسمان کو طے فرماتا ہوا وہاں تشریف فرما ہو کر آگیا 'جہاں فرشتوں کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ یہ تو قوت انبیاء کا کچھ ذکر ہوا شاید اس کا کفار انکار کر جائیں 'لیکن اب سائنس کے کرشمے اور مسمریزم کی طاقتیں تو سب پر ظاہر ہو گئیں کہ جس نے انسان کی طاقت و قوت کو بالکل ظاہر کر دیا۔ بھلا خیال کرو کہ انسان نے زمین پر بیٹھے بیٹھے آسمانوں کی پیمائش کر ڈالی۔ چاند تاروں کی حرکتیں معلوم کر کے ان کی تقسیم کر ڈالی۔ جس سے گھنٹے منٹ اور سیکنڈ بنا لئے۔ آوازوں کو فونو گراف میں قید کر لیا۔ ٹیلی فون اور تار برقی کے ذریعہ تین سیکنڈ میں آواز کو ساری زمین میں گھما دیا۔ غرضیکہ اس نے وہ کام کر کے دکھائے۔ جن کی مثال نہیں۔ معلوم ہوا کہ یہی حق تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہے اور یہی خلافت کے لائق 'بعض نے فرمایا کہ یہاں خلیفہ سے مراد جنات اور فرشتوں کا خلیفہ ہے۔ کیونکہ یہ انسان ان دونوں کے بعد زمین میں آباد ہوئے۔ اس معنی سے سارے انسان خلیفہ ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا۔ جعلکم خلفاء الارض۔ شیخ ابن عربی فتوحات مکیہ کے دسویں باب میں فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے پہلے خلیفہ اور نائب ہوئے امام ابو صیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں:۔

فانہ شمس فضل ہم کواکبھا یظھرن انوارھا للناس فی الظلم

"یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم آپ بزرگی کے سورج ہیں اور سارے پیغمبر آپ کے تارے۔" اسی قسم کا مضمون مولوی صاحب بانی مدرسہ دیوبند نے بھی تحذیر الناس میں لکھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام بلکہ سارے پیغمبر نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے خلیفہ ہیں' قالوا اتجعل فیھا یہ وہ عرض ہے جو فرشتوں نے خلیفہ کی خبر سن کر بارگاہ

www.alahazratnetwork.org

الٰہی میں پیش کی' یا تو یہ کلام سارے فرشتوں کا ہے یا زمین والوں کا' بعض علماء فرماتے ہیں کہ صرف ہاروت و ماروت کا۔ علماء فرماتے ہیں کہ جن فرشتوں نے یہ عرض کرکے خون ریزی اور فساد کو انسان کی طرف نسبت دی ان کو حق تعالیٰ نے اس لئے مقرر کیا ہے کہ جہاد میں شرکت کرکے مسلمانوں کی امداد کیا کریں۔ (تفسیر روح البیان)۔ **من یفسد فیھا و یسفک الدماء** فرشتوں نے سمجھا کہ انسان کی خلافت سے زمین میں دو زبردست خرابیاں پیدا ہوں گی' ایک فساد دوسرے خونریزی یا تو اس لئے سمجھا کہ وہ لوح محفوظ میں دیکھ چکے تھے رب نے انہیں علم غیب بخشا کہ سعادت و شقاوت سے خبردار تھے' خیال رہے کہ یہاں حضرت آدم کی اولاد کا فساد پھیلانا اور خونریزی کرنا مراد ہے نہ کہ خود حضرت آدم علیہ السلام کا' آپ تو معصوم ہیں یا اس لئے کہ جنات نے بھی خرابیاں کی تھیں اور جو شہوت اور غصہ ان میں تھا وہ انسان میں بھی ہے۔ لہٰذا ان دونوں کے کام بھی یکساں ہی ہوں گے۔ خیال رہے کہ ان کی مراد فساد سے گناہ' اور بدکاریاں ہیں' چونکہ انسان میں شہوت ہے اس لئے وہ اپنے سارے اعضاء کو گناہوں میں صرف کرے گا اپنے کان اور آنکھوں کو غیبت' چغلی سننے اور نامحرم عورتوں اور لڑکوں کو دیکھنے میں صرف کرے گا اور زبان کفریات بکنے جھوٹ بولنے بروں کو بھلا کہنے اور بھلوں کو گالیاں دینے میں استعمال کرے گا اور چونکہ اس کو بھوک و غصہ بھی ہے۔ اس لئے گوشت کھانے اور پوست لینے کے واسطے خشکی اور دریائی جانوروں کو قتل کرے گا۔ بلکہ ملک اور مال' حکومت' عزت حاصل کرنے کے لئے خود انسانوں کو قتل کرکے زمین کو خون سے رنگین کرے گا۔ **و نحن نسبح بحمدک۔** نسبح تسبیح سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں عیوب سے پاک کرنا اور پاک جاننا' یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم سب فرشتوں کا یہی کام ہے کہ ہمیشہ تیری پاکی بولا کریں اور تیری تعریف کیا کریں' یا تیرا شکر بجالایا کریں۔ **و نقدس لک۔** نقدس تقدیس سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کی صفات کمالیہ بیان کرنا تسبیح میں عیبوں کی نفی اور تقدیس میں صفات کا اثبات ہے تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ مولیٰ ہم فرشتوں میں گناہ کرنے کا مادہ ہی نہیں کیونکہ ہم میں نہ غضب ہے' نہ غصہ ہے' نہ شہوت' نہ غرور' حسد وغیرہ ہمارے کام صرف تین ہی ہیں۔ تیری پاکی بولنا' تیرا شکر کرنا اور تیری عظمت بیان کرنا۔ لہٰذا اگر ہم کو اس خلافت سے' سرفراز فرمایا جائے تو تیرا عین کرم ہے۔ کیونکہ ہماری وجہ سے تیری زمین گندی نہ ہوگی۔ جواب ملا **قال انی اعلم مالا تعلمون** یعنی اے فرشتو ہم کو تمہاری عبادت اور انسان کی نافرمانی کا پورا پورا علم ہے۔ مگر پھر بھی اس کو خلیفہ بنانے میں جو راز ہیں۔ وہ تم نہیں جانتے' تم میں اور اس میں چند فرق ہیں' انہی وجہ سے وہ خلافت کا زیادہ حقدار ہے۔ ایک یہ کہ تم کامل عابد اور وہ کامل عالم ہوگا اور عابد کے لئے مسجد کا محراب اور عالم کے لئے خلافت کا تخت و تاج ہے۔ دوسرے یہ کہ تمہارا تعلق فقط عالم ارواح سے ہے اس کا تعلق اجسام و ارواح دونوں سے ہوگا کیونکہ اسے جسم اور روح دونوں ملیں گے۔ تیسرے یہ کہ تمہاری عبادت جبری ہے وہ تمہاری غذاء ہے ان کی عبادت اختیاری ہوگی' چوتھے یہ کہ تمہیں عبادت سے کوئی چیز روکنے والی نہیں۔ اس کے لئے ہزاروں چیزیں درپیش ہوں گی پھر وہ ان سب پر لات مار کر ہماری اطاعت کرے گا۔ اس لئے اس کا ایک سچا سجدہ تمہاری ہزارہا عبادتوں سے افضل ہوگا۔ پانچویں یہ کہ تم میں کوئی گنہگار نہیں' اس لئے تم سے ہماری شان ستاری غفاری ظاہر نہیں ہو سکتی ان میں گنہگار بھی ہوں گے جن کے گناہوں کو میں چھپاؤں گا۔ اور جب وہ روتے ہوئے توبہ کریں گے تو میں مغفرت کروں گا۔ بے شک ان میں شہوت اور غصہ ہوگا۔ مگر جب وہ میرے لئے صرف ہوگا تو اس سے بڑے بڑے عمدہ نتیجے نکلیں گے اس کے دل میں میرے عشق اور محبت کا جوش اور اس کے خیال میں میرا جذبہ ہوگا۔ اور جب وہ اپنا غصہ میری رضا کے لئے استعمال

www.alahazratnetwork.org

کرے گا۔ تو میدان جہاد میں جانباز غازی بن کر آئے گا اور ان سے وعدے وعید کیے جائیں گے۔ اے ملائکہ اور اے فرشتو! جس طرح ان میں فاسق و فاجر و بدکار ہوں گے ایسے ہی ان میں عابد و زاہد متقی و پرہیزگار بھی ہوں گے میرے وفادار راز دار بھی ہوں گے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ان میں احمد مختار ہوں گے اور ان کے صحابہ کبار اور اہل بیت اطہار چھٹے یہ کہ تم صرف رکوع او سجدہ کی عبادتیں کر سکتے ہو۔ انسان ہزارہا ایسی عبادتیں کرے گا جو تم نہیں کر سکتے۔ وہ بھوکا رہ کر روزہ دار' مسافر بن کر حاجی' میری راہ میں لڑ کر غازی' میرا قرآن پڑھ کر قاری' دشمنوں میں فیصلہ کر کے قاضی' چہرہ پاک مصطفیٰ کو دیکھ کر صحابی بنے گا۔ غرضیکہ ہر عضو سے صدہا عبادتیں انجام دے گا۔ ساتویں یہ کہ اے فرشتو اس انسان کے طفیل تم کو ہزارہا عبادتیں نصیب ہو جائیں گی جو اب تم نہیں کر سکتے پھر تم میں کوئی حامل وحی بن کر فرشتوں کا سردار بنے گا۔ کوئی بدر کے میدان میں صحابہ کے ساتھ شرکت کر کے ہم سے تمغہ پائے گا کوئی کاتب اعمال بنے گا۔ آٹھویں یہ کہ اسے درد دل اور عشق ملے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : انسانوں کو دو نعمتیں بتا کر تیسری نعمت یاد دلائی جا رہی ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے تم پر اتنا بڑا فضل فرمایا جو کسی مخلوق پر نہ فرمایا تھا۔ کہ تمہارے والد حضرت آدم علیہ السلام کو وہ عزت بخشی کہ فرشتوں کو ان کی پیدائش کی خبر دی کہ ہم زمین پر اپنا نائب پیدا فرمانا چاہتے ہیں اس کے اور اس کی اولاد انبیاء کرام کی معرفت اپنے احکام جاری کریں گے جب ملائکہ نے سنا تو وہ سمجھے کہ آدم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ بندے ہوں گے کیونکہ ان کی پیدائش سے پہلے ان کی خلافت اور حکومت کی منادی ہو رہی ہے مگر جب انہیں یہ معلوم ہوا کہ ان کے خمیر میں آگ' پانی' ہوا اور مٹی موجود ہیں۔ جس سے کہ ان میں شہوت اور غصہ یقیناً ہو گا جو کہ فساد کی جڑ ہے تو نہایت تعجب سے کہنے لگے کہ اے مولا! ایسے کو خلیفہ بنانے میں کیا حکمت ہے۔ جس میں ایسے فسادات کا اندیشہ ہو' رہی تیری تسبیح و حمد' اس کے لئے ہم فرشتے موجود ہیں۔ جن میں نہ غصہ ہے' نہ شہوت' رب تعالیٰ نے مجملاً یہ جواب ہی دے دیا کہ اس میں جو حکمت ہے وہ تم کو نہیں معلوم۔ تم میں شہوت و غصہ کا نہ ہونا ہی اس بات کا باعث ہے کہ تمہارے سوا ان کو خلیفہ بنایا جائے۔

آدم علیہ السلام کی پیدائش : تفسیر عزیزی وغیرہ میں آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ اس طرح نقل فرمایا کہ حق تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ تمام روئے زمین سے ہر قسم کی سیاہ' سفید' سرخ' کھاری' میٹھی' نرم' خشک ایک مٹھی خاک اٹھا لاؤ۔ حضرت جبرئیل نے زمین پر تشریف لا کر خاک اٹھانی چاہی' زمین نے سبب پوچھا' حضرت جبرائیل نے سارا واقعہ بیان کیا۔ زمین نے عرض کیا کہ میں اس سے خدا کی پناہ پکڑتی ہوں کہ تو مجھ سے خاک اٹھا کر انسان بنائے جس کی وجہ سے میرا کچھ حصہ جہنم میں پہنچے۔ حضرت جبرئیل خالی واپس گئے اور عرض کیا کہ خدایا زمین نے تیری عزت کی پناہ پکڑی میں تیرے نام اور عزت کے ادب سے اس سے خاک نہ اٹھا سکا۔ حق تعالیٰ نے پھر حضرت اسرافیل و میکائیل کو باری باری بھیجا مگر وہ بھی اسی طرح واپس آ گئے۔ آخر میں حضرت ملک الموت بھیجے گئے انہوں نے زمین کی ایک نہ سنی بلکہ فرمایا کہ میں تو اللہ کے حکم کا تابعدار ہوں۔ تیری عاجزی اور زاری کی وجہ سے رب کی اطاعت نہیں چھوڑ سکتا۔ اسی لئے ان کو جان نکالنے کا کام سپرد کر دیا گیا کہ تم نے ہی اس خاک کو زمین سے الگ کیا ہے' تم ہی اس کو ملانا۔ اب انہیں حکم ہوا کہ اس خاک کو وہاں رکھو جہاں آج خانہ کعبہ ہے۔ فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس خاک کا مختلف پانیوں سے گارا بنائیں۔ چنانچہ اس پر چالیس روز بارش ہوئی۔ انتالیس دن تو غم و رنج کا

www.alahazratnetwork.org

پانی برسا اور ایک دن خوشی کا اسی لئے انسان کو رنج و غم زیادہ رہتے ہیں اور خوشی کم ہوتی ہے۔ پھر اس گارے کو مختلف ہواؤں سے اتنا خشک کیا کہ کھنکنانے لگا جیسے قرآن کریم ارشاد فرمارہا ہے **صلصال کالفخار** ۔ پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ اس گارے کو مکے اور طائف کے درمیان وادی ءِ نعمان میں عرفات پہاڑ کے نزدیک رکھیں' پھر حق تعالیٰ نے خاص اپنے دست قدرت سے اس گارے کو حضرت آدم کا قالب بنایا اور ان کی صورت تیار کی فرشتوں نے کبھی ایسی صورت نہ دیکھی تھی۔ تعجب سے اس کے آس پاس پھرتے تھے۔ اس کی خوبصورتی سے حیران تھے۔ ابلیس کو بھی اس سارے اعلان وغیرہ کی خبر ہو چکی تھی وہ بھی اس قالب کو دیکھنے آیا اور اس کے گرد پھر کر بولا کہ اے فرشتو! تم اسی کا تعجب کرتے ہو۔ یہ تو ایک اندر سے خالی جسم ہے۔ جس میں جگہ جگہ سوراخ ہیں اور اس کی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر بھوکا ہو تو گر پڑے اور اگر خوب سیر ہو جائے تو چل پھر نہ سکے۔ اس قالب خالی سے کچھ نہ ہو سکے گا' پھر بولا ہاں اس کے سینے کی بائیں طرف ایک بند کوٹھڑی ہے (دل) یہ خبر نہیں کہ اس میں کیا ہے۔ شاید کہ یہی لطیفہ ءِ ربانی کی جگہ ہو جس کی وجہ سے یہ خلافت کا حقدار ہوا۔ پھر روح کو حکم ہوا کہ اس قالب میں اور اس کے گڑھوں میں بھر جائے۔ جب روح قالب کے پاس پہنچی تو جسم کو تنگ و تاریک پایا اندر جانے سے ٹھہر گئی۔ بعض روایت میں آتا ہے کہ تب نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے وہ قالب جگمگا دیا گیا۔ یعنی وہ نور پیشانی ءِ آدم علیہ السلام میں امانت رکھا گیا۔ اب روح آہستہ آہستہ داخل ہونے لگی ابھی سر میں تھی کہ آدم علیہ السلام کو چھینک آئی اور زبان سے نکلا **الحمد للہ** حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **یرحمک اللہ** یہی اب بھی سنت ہے۔ جب روح کمر تک پہنچی' حضرت آدم نے اٹھنا چاہا مگر گر پڑے کیونکہ نیچے کے دھڑ میں روح پہنچی ہی نہیں تھی۔ حق تعالیٰ نے فرمایا **خلق الانسان من عجل** جب تمام بدن میں روح پھیل گئی تو حکم ہوا کہ فرشتوں کے پاس جا کر ان کو سلام کرو۔ اور سنو وہ تمہیں کیا جواب دیتے ہیں تب آدم علیہ السلام ادھر تشریف لے گئے اور فرمایا **السلام علیکم** انہوں نے جواب دیا **و علیکم السلام و رحمتہ اللہ** ارشاد الٰہی ہوا کہ یہی الفاظ تمہارے اور تمہاری اولاد کے لئے مقرر کئے گئے۔ حضرت آدم نے عرض کیا کہ مولیٰ میری اولاد کون تب ان کی پشت پر دست قدرت پھیر کر اس سے ساری انسانی روحیں نکالی گئیں اور آدم علیہ السلام کو سب دکھائی گئیں اور انہیں کافر و مومن' منافق' اولیاء' قطب' انبیاء دکھائے گئے جس کا ذکر آگے کی آیتوں میں آتا ہے۔

آیت کے فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **ایک:** یہ کہ کوئی اہم کام بغیر مشورہ نہ کیا جائے کیونکہ مشورہ کرنا سنت الٰہی بھی ہے اور ہم کو اس کا حکم بھی ہے۔ **دوسرے:** یہ کہ کام میں جلد بازی ہرگز نہ کرنی چاہئے۔ حق تعالیٰ نے جو کہ قادر مطلق ہے سیدنا آدم کا خمیر چالیس دن میں تیار فرمایا۔ **تیسرے:** یہ کہ چالیس کا عدد بڑا مبارک ہے کہ خمیر حضرت آدم چالیس دن میں ہوا۔ اب بھی ماں کے پیٹ میں نطفہ کا حال چالیس دن میں بدلتا ہے' پھر عورت کو چالیس ہی دن تک نفاس کا خون آسکتا ہے' چالیس سال میں ہی انسان کی عقل کامل ہوتی ہے اسی لئے اکثر انبیاء کرام کو نبوت اسی عمر میں ملی **چوتھے:** یہ کہ آدم علیہ السلام کا دبدبہ زمین و آسمان ہر جگہ ہے' ہاں ان کا پایہ ءِ تخت زمین ہے کیونکہ اس آیت میں خلیفہ کو بغیر قید کے رکھا۔ زمین ان کی قیام گاہ بتائی۔ **پانچویں:** یہ کہ خلیفہ کے لئے معصوم ہونا ضروری نہیں جیسا کہ شیعہ کہتے ہیں ہاں نبوت کے لئے عصمت ضروری اگر خلیفہ کا معصوم ہونا ضروری ہوتا تو فرشتے ہی بنائے جاتے' یہی وہ عرض بھی کر رہے تھے' حق تعالیٰ نے انسان

www.alahazratnetwork.org

کے گنہگار ہونے کا انکار نہ فرمایا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ گنہگاروں کو ہی خلافت دینی مصلحت ہے۔ چھٹا یہ کہ خلیفہ کا ظاہر ہونا ضروری ہے غائب خلافت نہیں کر سکتا کیونکہ لوگوں کی نگاہ سے حق تعالیٰ کی ذات بھی غائب ہے۔ اسی وجہ سے تو اس نے اپنا خلیفہ بنایا تاکہ لوگ ظاہر خلیفہ سے فیض لے سکیں اور اگر خلیفہ بھی غائب ہو جائے تو خلافت کا مقصد ہی پورا نہ ہو نیز اگر غائب کی خلافت صحیح ہو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہی قیامت تک خلیفہ رہنے چاہئیں۔ حضرت علی اور امام مہدی کے خلافت کی کوئی ضرورت نہیں۔ ساتویں: یہ کہ چھوٹوں کو یہ حق حاصل ہے کہ بڑوں کے کام کی حکمت پوچھ لیں جیسے کہ فرشتوں نے حق تعالیٰ سے دریافت کی۔ آٹھویں: یہ کہ بڑوں کو یہ حق ہے کہ راز کی بات چھوٹوں پر ظاہر نہ کریں۔ بلکہ ان کو خاموش رہنے کا حکم دیں جیسے کہ اس واقعہ میں ہوا۔ نویں یہ کہ علم عبادت سے افضل ہے کیونکہ فرشتے عابد تھے اور آدم علیہ السلام عالم مگر آدم علیہ السلام افضل ہوئے۔ دسویں: یہ کہ اللہ کا کرم اعمال پر موقوف نہیں، دیکھو لاکھوں سال کے عابدوں کو ان آدم علیہ السلام کے سامنے جھکایا گیا۔ جنہوں نے ابھی تک ایک سجدہ بھی نہ کیا تھا چونکہ ابھی مضمون پورا نہیں ہوا۔ اس لئے تفسیر صوفیانہ آئندہ کی جائے گی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: تم فرشتوں کو گناہوں سے معصوم مانتے ہو مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں نے بہت سے گناہ کئے۔ ایک: یہ کہ انہوں نے حق تعالیٰ پر اعتراض کیا اور یہ بڑا گناہ ہے۔ جواب: یہ اعتراض نہ تھا بلکہ حکمت دریافت کرنا تھی اور یہ بالکل جائز دوسرے: یہ کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی غیبت کی کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کو برا کہا۔ جواب: اگر مسئلہ پوچھنے میں کسی کی برائی کا ذکر آجائے تو غیبت نہیں بلکہ جائز ہے ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میرے شوہر بخیل آدمی ہیں مجھ کو بقدر ضرورت مال نہیں دیتے کیا میں ان کے پوچھے بغیر کچھ ان کا مال لے لیا کروں؟ حضور نے فرمایا کہ ہاں بقدر ضرورت لے سکتی ہو اور یہ نہ فرمایا کہ تم نے ان کی غیبت کی۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ تیسرے: یہ کہ فرشتوں نے اپنی بڑائی ظاہر کی اور یہ غرور ہے کہ جو حرام ہے۔ جواب: یہ بڑائی نہ تھی بلکہ حق تعالیٰ کی نعمت کا اقرار کہ خدایا تو نے ہم کو اپنی تسبیح اور تقدیس کی توفیق عطا فرمائی ہے اور رب تعالیٰ کی نعمت کا ظاہر کرنا عبادت ہے۔ **واما بنعمۃ ربک فحدث** چوتھے: یہ کہ فرشتوں نے رب کا جواب سن کر بارگاہ الٰہی میں معذرت کی کہ عرض کیا لاعلم لنا تو اگر یہ باتیں گناہ نہیں ہوتیں تو معذرت کی کیا ضرورت تھی۔ جواب: زاہد لوگ گناہ سے توبہ کرتے ہیں اور عارفین عبادت کر کے بھی ان کا یہ توبہ کرنا ترک اولیٰ کی بناء پر تھا۔ شعر۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

پانچویں: یہ کہ ملائکہ سے رب نے فرمایا! **ان کنتم صدقین** معلوم ہوا کہ وہ جھوٹے تھے اور جھوٹ بولنا گناہ ہے۔ جواب: فرشتوں نے اپنے کو عبادت کی وجہ سے خلافت کے لائق سمجھا تھا جو ایک غلط فہمی تھی۔ حق تعالیٰ کی طرف سے اس کو دور کر دیا گیا اور غلط فہمی گناہ نہیں اگر کوئی شخص غلط فہمی کی بناء پر قسم بھی کھائے تو گنہگار نہیں ہوگا اگر یہ امور گناہ ہوتے تو رب تعالیٰ ان پر عتاب فرماتا جیسے کہ حضرت آدم پر ہوا۔ چھٹے: یہ کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اور ان سے گناہ کبیرہ سرزد ہوئے۔ جیسے کہ آگے آنے والا ہے ساتویں: یہ کہ شیطان کو بھی بعض علماء نے فرشتہ مانا ہے حالانکہ وہ تمام گنہگاروں کا سردار ہے۔ پھر ملائکہ

www.alahazratnetwork.org

کی عصمت کے کیا معنی۔ جواب: ان دونوں سوالوں کے جواب انشاء اللہ وہاں ہی دیئے جائیں گے، جہاں ان کا ذکر آئے گا۔ دوسرا اعتراض: شیعوں کل اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلیفہ کا انتخاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہونا ضروری ہے نہ کہ لوگوں کی رائے سے دیکھو ملائکہ بظاہر خلافت آدم علیہ السلام کے مخالف ہوتے ہیں مگر حق تعالیٰ کے فیصلے کے مقابل باطل ہیں۔ جواب: اس سوال کے دو جواب ہیں ایک تحقیقی، دوسرا الزامی۔ جواب: تحقیقی تو یہ ہے کہ خلافت دو قسم کی ہے، ایک نبوت کے ساتھ، ایک نبوت کے بغیر، پہلی قسم کی خلافت محض حق تعالیٰ کے انتخاب سے ہی ہوگی۔ کسی کی رائے کا اس میں کچھ دخل نہ ہوگا۔ کیونکہ نبوت انتخاب الٰہی ہے نہ تو اس میں عمل کو دخل ہے نہ کسی کی رائے کو **اللہ یعلم حیث یجعل رسلتہ** ہاں یہ ثابت ہے کہ بعض انبیاء کرام کی دعا سے کسی کو نبوت عطا ہوئی۔ جیسے حضرت ہارون کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ **واجعل لی وزیرا من اھلی** مگر یہ نبوت ملی رب ہی کی طرف سے۔ آدم علیہ السلام کی خلافت اسی قسم کی تھی، اس لئے انتخاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہوا۔ دوسری قسم کی خلافت یعنی بغیر نبوت والی اس کے لئے قاعدہ تو حق تعالیٰ کی طرف سے بتایا جائے گا۔ مگر اس قاعدے کے مطابق مقرر کرنا مسلمانوں کی طرف سے ہوگا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ **وعداللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض** یعنی اللہ نے پرہیزگار مسلمانوں سے وعدہ کرلیا کہ انہیں زمین پر خلافت دے گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس خلافت کے لئے ایمان اور پرہیزگاری درکار ہے نہ کہ انتخاب ربانی بھی۔ موسیٰ علیہ السلام نے سفر میں جاتے وقت حضرت ہارون سے فرمایا **اخلفنی فی قومی** کہ تم میری قوم میں میرے خلیفہ بن جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض سفر کے موقعہ پر عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا خلیفہ بنایا وغیرہ وغیرہ۔ مسلمانوں کے انتخاب کی چند صورتیں ہیں، ایک یہ کہ خود بادشاہ اپنی زندگی میں کسی کو اپنا خلیفہ اور ولی عہد مقرر کر دے۔ جیسے کہ حضرت عمر کی خلافت۔ دوسرے: یہ کہ عام مسلمان اس کو اپنا خلیفہ مان لیں۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت۔ تیسرے: یہ کہ خاص رائے والے لوگ جن پر عام مسلمانوں کو اعتماد ہو، وہ کسی کو اپنا خلیفہ مان کر مقرر کرلیں۔ جیسے کہ حضرت عثمان غنی اور حضرت مولیٰ علی کی خلافتیں۔ جواب الزامی: یہ ہے کہ اگر خلافت کے لئے انتخاب الٰہی ضروری ہے تو نبوت و خلافت میں کیا فرق رہا۔ وائسرائے بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے، لیکن چیئرمین اور اسمبلی کا ممبر رعایا کے انتخاب سے، نیز بارہ اماموں کی خلافت کی شیعہ کون سی آیت یا نص پیش کریں گے۔ شاید ستر (70) گز والے چھپے ہوئے قرآن میں ہو تو ہو۔ اس قرآن میں تو نہیں ہے۔ لہٰذا اگر ہماری تین خلافتیں ختم تو تمہاری پوری بارہ ہی ختم نیز جس طرح نبی اپنی نبوت کو نہیں چھپا سکتا اور جھوٹے نبی کو نبی نہیں مان سکتا ورنہ خود کافر ہو جائے گا، اسی طرح مولیٰ علی پر لازم تھا کہ صدیق اور فاروق کے زمانے میں اپنی خلافت کا اعلان کرتے اور ان کو خلیفہ نہ مانتے، کیا شیعہ حضرات صدیق و فاروق کی خلافت کا انکار کرکے اہل بیت اطہار کا ایمان بھی ثابت کرسکیں گے۔ (خدا کی پناہ) تیسرا اعتراض: فرشتوں نے حضرت آدم کے متعلق فرمایا تھا کہ وہ فساد و خونریزی کریں گے، انہوں نے کچھ نہ کیا بلکہ وہ تو معصوم نبی تھے۔ جواب: فرشتوں کو یہ علم تھا کہ خلافت سارے انسانوں میں رہے گی اور ان میں فساد و خونریزی بھی ہوگی یہ تو عرض و معروض نوع انسان کے متعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

اور سکھایا آدم کو نام سب کے سب پھر پیش کیا ان کو اوپر فرشتوں کے

اور اللہ تعالیٰ نے آدم کو تمام اشیاء کے نام سکھائے پھر سب اشیاء ملائکہ پر پیش کرکے

اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱

پس فرمایا خبر دو تم سب مجھ کو ناموں کی ان کے اگر ہو تم سچے۔

فرمایا تم سچے ہو تو ان کے نام بتاؤ۔

تعلق : اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **ایک:** یہ کہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ ہم آدم علیہ السلام کو خلیفہ بنانے والے ہیں مگر خلافت پورے علم کے بغیر نہیں ہو سکتی کیونکہ بادشاہ کو اپنی رعایا کے سارے حالات کا جاننا ضروری ہے اس لئے اب ان کو علم عطا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا۔ **دوسرے:** یہ کہ فرشتوں نے حضرت آدم کو خلیفہ بنانے کی حکمت پوچھی تھی۔ اس کا اجمالی جواب رب تعالیٰ کی طرف سے یہ دیا گیا کہ اس کو ہم جانتے ہیں تم نہیں جانتے اس سے فرشتے خاموش تو ہو گئے مگر ان کو تسکین نہ ہوئی تھی اب عملی طور پر اس کا تفصیلی جواب دیا جا رہا ہے۔ جس سے فرشتوں کو پوری تسکین حاصل ہو۔

تفسیر : وعلم علم تعلیم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ علم دینا اور سکھانا" چونکہ آدم علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی ذات و صفات اور سارے ایمانیات کا علم ان کی پیدائش سے پہلے ہی دے دیا گیا تھا اسی لئے انہوں نے چھینک آتے ہی **الحمد للہ** کہا جس میں خدا کی ذات و صفات کا ذکر ہے اور پھر جیسا کہ روایات میں آتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پڑھ لیا کہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** جس سے معلوم ہوا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی جانتے ہیں اور ان کی نبوت رسالت کو بھی پہچانتے ہیں اور لکھے ہوئے حروف پڑھ لیتے ہیں مگر ساری چیزوں کا علم پیدائش کے بعد عطا ہوا۔ اس لئے **علم باب تفعیل** سے فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کو نہ تو کسی مدرسے میں جانا پڑا تھا اور نہ کسی استاد کی شاگردی کرنی پڑی، بلکہ بطور الہام خود بخود سب علوم ان کو آ گئے۔ جیسے بعد مرنے کے ہر شخص کو زبان عربی خود بخود آ جاتی ہے کہ قبر کے سوال و جواب اور محشر کا حساب کتاب اور جنت والوں کی بول چال سب عربی زبان میں ہیں۔ **ادم** یا تو **ادومت** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں گندمی رنگ ہونا اور یا **ادیم** جس کے معنی ہیں ظاہری زمین چونکہ آپ کا رنگ شریف گندمی تھا" آپ کا جسم مبارک ظاہری زمین کی مختلف مٹیوں سے تھا۔ اس لئے آپ کا نام آدم ہوا۔ اور آپ کی اولاد کو آدمی یعنی آدم والا کہا جاتا ہے اگرچہ اس جسم میں پانی ہوا کا بھی دخل تھا مگر وہ سب مٹی کو خمیر کرنے کے لئے تھا جیسے کہ آٹے کو گوندھنے کے لئے اس میں پانی ملا دیا جاتا ہے اسی لئے انسان زمین پر رہتا ہے نہ ہوا اور نہ پانی میں۔ نیز زمین میں عجز و انکساری ہے۔ جس کی وجہ سے کھیت و باغ اسی میں لگتے ہیں۔ حضرت آدم میں عجز و انکساری کو رکھا اور ایمانی کھیت عرفانی باغ آپ میں اور آپ کی اولاد کے سینے میں لگائے گئے۔ اسی عجز کا ظہور خطا پر ندامت و توبہ سے ہوا۔ ابلیس کو معلوم نہ ہوا کہ ناری تھا۔ آپ نہایت خوبصورت تھے اور جسم شریف آپ کا ساٹھ (60) ہاتھ تھا۔ جنتی لوگوں کا بھی اتنا ہی قد ہو گا۔ رہے جنتی ان میں سے بعض اتنے بڑے ہوں گے کہ ان کی ایک داڑھ بقدر پہاڑ

www.alahazratnetwork.org

ہوگی جیساکہ روایات میں آیا ہے۔ الاسماء اسماء۔ وسم یا سمو سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں علامت یا پہچان یا بلندی اور اب نام کو بھی کہتے ہیں۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں پہلے ہی معنی مراد ہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فقط چیزوں کے نام ہی نہ بتائے گئے بلکہ ان کی حقیقتیں اور خاصیتیں اور نفع و نقصان اور ان کا طریقہ استعمال اور ان کے بنانے کے طریقے۔ غرضکہ ہر چیز کے سارے حالات بتائے گئے تھے اور ہر حال اس چیز کی علامت تھی۔ اس لئے وہ سب اسماء میں ہی داخل ہیں کیونکہ فقط نام بتانے سے علم کامل نہیں ہوتا اور اس سے خلافت کا مقصود بھی حاصل نہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں اسم کے معنی نام ہی ہیں مگر چونکہ ہر چیز کے حالات بھی چیزیں ہیں اور ان کے بھی کچھ نام ہیں' ان سب کی بھی تعلیم فرمائی گئی تھی۔ غرضکہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ حضرت آدم کا علم ہر چیز کو شامل تھا۔ لیکن اس وسعت علمی کو بعض تو الاسماء سے ثابت کرتے ہیں بعض کلھا سے۔ دعویٰ سب کا ایک دلیلیں علیحدہ۔ کلھا۔ اس میں بہت گنجائش ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نام بھی آدم علیہ السلام کے علم سے باقی نہ بچا جیسے **خالق کل شی** سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا ہر چیز کا خالق ہے' ایسے ہی یہاں کلھا سے معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ہر نام والی چیز کے عالم ہیں۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا علم اس قدر وسعت کے باوجود ہمارے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دریا کا قطرہ ہے کیونکہ ان کا علم ہر ان چیزوں کو بھی گھیرے ہوئے ہے کہ جہاں تک الفاظ و نام بلکہ کسی کا خیال بھی نہیں پہنچتا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا **و علمک ما لم تکن تعلم** یہاں نہ اسم کی قید ہے نہ الفاظ و حروف کی پابندی۔ اب ہم کلھا کی کسی قدر گنجائش دکھاتے ہیں۔ یہ سب جانتے ہیں کہ دنیا میں اول سے آخر تک لاکھوں زبانیں بولی گئیں اور ہر زبان کے حروف نقش اور ان کے الفاظ علیحدہ علیحدہ پھر ہر زبان میں کروڑوں لغات۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ دنیا میں کروڑوں چیزیں اور ہر چیز کے لاکھوں صفات اور ہر صفت کے لاکھوں نام اور نام کے لکھنے اور بولنے کے لاکھوں طریقے مثلاً الف لکھنے کا انگریزی میں اور طریقہ ہے اور اردو میں اور' عربی میں اور' پھر مثلاً پانی کو اردو میں پانی۔ فارسی میں آب۔ عربی میں ماء۔ ہندی میں جل انگریزی میں واٹر اور نہ معلوم کس کس زبان میں کیا کیا کہتے ہوں گے۔ پھر اگر لفظ پانی لکھا جائے تو ہر زبان کی عبارت میں علیحدہ طریقے سے مثلاً انگریزی (PANI) اور ہندی میں (   ) اور گجراتی میں (   ) اردو میں (پانی)' عربی میں (ماء) وغیرہ وغیرہ طریقوں سے پھر اس پانی کے ہزاروں حالات اور ہزاروں قسمیں ہیں۔ ٹھنڈا' گرم' صاف' میلا' کھاری' میٹھا' بھاری' ہلکا' گاڑھا' پتلا' سفید' کالا وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب علوم سیدنا آدم علیہ السلام کو دیئے گئے۔ بھلا خیال تو کرو اس علم کی کوئی حد ہے۔ تفسیر روح البیان میں اس جگہ فرمایا گیا کہ آدم علیہ السلام کو سات لاکھ زبانوں کا علم تھا اور ایک ہزار پیشوں میں خوب ماہر تھے' مگر آپ نے کھیتی باڑی کا کام کیا۔ لطیفہ: آدم علیہ السلام کا پیشہ کھیتی باڑی' نوح علیہ السلام کا نجاری' (لکڑی بنانا یعنی بڑھئی کا پیشہ) ادریس علیہ السلام کا درزی گری' صالح علیہ السلام تجارت' داؤد علیہ السلام کا زرہ سازی (زرہ بنانا یعنی لوہار کا کام) سلیمان علیہ السلام کا زنبیل سازی اور موسیٰ علیہ السلام' شعیب علیہ السلام اور حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا عمل مبارک بکری چرانا تھا۔ (روح البیان)۔ نیز کلھا سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کے سارے نام بھی ان کو تعلیم فرمائے تھے۔ اب تو آدم علیہ السلام کے علم کی کوئی انتہا نہ رہی روح البیان وغیرہ نے اس جگہ لکھا کہ آدم علیہ السلام کو تمام فرشتوں اور اپنی اولاد کے سارے نام اور حیوانات جمادات' پرندے چرندے اور ہر وہ جاندار جو قیامت تک پیدا ہونے والے ہیں تمام شہروں اور گاؤں ہر کھاتی پیتی چیز اور جنت کی ہر نعمت بلکہ یوں کہو کہ ہر چھوٹی بڑی چیز کے نام بتا دیئے گئے۔

www.alahazratnetwork.org

یہاں تک کہ پیالہ اور ڈھال اور دودھ نکالنے کا برتن بلکہ آہستہ اور زور سے گوز مارنا کے نام بھی بتا دیئے گئے۔ **ثم عرضهم** اس سے معلوم ہوا کہ فقط غائبانہ نام ہی نہ بتائے گئے تھے بلکہ دیکھنے والی چیزیں دکھائی گئی تھیں۔ یعنی جو چیزیں قیامت تک کبھی بھی پیدا ہونے والی تھیں مثلاً ریلوے، موٹر کار، ٹیلی فون، ریڈیو، ہوائی جہاز، ٹی وی وغیرہ یہ سب چیزیں ان کو دکھا کر ان کے نام اور بنانے کی ترکیبیں اور ان کے سارے حالات بتائے گئے اور پھر ان سب چیزوں کو فرشتوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ ظاہر ہے کہ تمام فرشتوں پر ہی یہ ساری چیزیں پیش کی گئی تھیں کیونکہ اس جگہ ملائکہ میں کوئی قید نہیں ہے۔ نیز حکمت پوچھنے والے سارے ہی فرشتے تھے اور چونکہ ان چیزوں میں بعض عقل والی اور بعض بے عقل تھیں اس لئے بطریق تغلیب **عرضهم** فرمایا گیا۔ **فقال انبئونی** یہ امر ملائکہ کی عاجزی کے اظہار کے لئے ہے کیونکہ جب انہیں ناموں کی خود ہی خبر نہ تھی تو حق تعالیٰ سے کیا عرض کرتے۔ خیال رہے کہ یہاں **انبئونی** فرمایا گیا یعنی صرف خبری دے دو جو کہ علم سے ادنیٰ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں ان چیزوں کا پورا علم تو کیا ہوتا معمولی خبر بھی نہیں ہے۔ **باسماء هولاء** لفظ اسماء پہلے آ چکا تھا اور اب یہاں دوبارہ اس لئے کہا گیا کہ وہاں اس سے سب چیزوں کی حقیقت اور ان کے سارے حالات اور نام مراد ہیں۔ اس لئے وہاں **علم و کلها** فرمایا گیا تھا لیکن یہاں صرف نام ہی مراد ہیں کہ اے فرشتو تم دوسرے حالات تو کیا بیان کرو گے فقط ان کے نام ہی بتا دو، ورنہ یہاں ضمیر ہی کافی تھی۔ یعنی ہولاء **ان کنتم صدقین** فرشتوں نے جو کچھ عرض کیا تھا وہ بظاہر بالکل سچ تھا۔ کیونکہ واقعی انسانوں میں فساد بھی ہو گا، اور واقعی فرشتے رب کی تسبیح و تقدیس بھی کرتے تھے لیکن ان دو باتوں سے جو انہوں نے نتیجہ نکالا تھا جس کو صاف بیان نہ کیا، اس میں غلطی کی تھی، اس آیت میں ان کی اسی غلط فہمی کو دور کرنا منظور ہے وہ یہ سمجھے تھے کہ خلافت عابد اور معصوم کا حق ہونا چاہئے نہ کہ اس جماعت کا کہ جس میں گناہ و جرم بھی ہوتے ہوں، یہاں ان کو فرمایا گیا کہ انتظام سلطنت صرف عبادت سے نہیں ہو سکتا اس لئے کہ رعایا کے سارے حالات کی خبر ہونا ضروری ہے تم کو نام بھی نہیں معلوم اور حالات کیا معلوم ہوں گے۔ تفسیر عزیزی میں اس کے دوسرے نہایت نفیس معنے کئے گئے وہ یہ کہ ملائکہ سمجھے تھے کہ ہم حق تعالیٰ کی کامل حمد و تسبیح کرتے ہیں۔ لہٰذا ہم ہی کامل عابد ہیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ کامل حمد وہ کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کے سارے نام اور صفات سے واقف ہو۔ اور پورا شکر وہی بجا لا سکتا ہے جو اس کی ساری نعمتوں کی خبر رکھتا ہو "اے فرشتو! جب تم کو ساری نعمتوں کا علم تک معلوم نہیں اور رب کی صفات اور سارے ناموں کا پورا پتہ نہیں تو تم اس کی پوری حمد اور شکر کیسے کر سکتے ہو۔ اے فرشتو! پوری حمد بھی وہی کرے گا جس کا علم کامل ہو گا۔ غرضکہ اس میں فرشتوں کو جھوٹا کہنا منظور نہیں، بلکہ ان کی غلط فہمی کو دور کرنا۔

خلاصہء تفسیر: جب آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور فرشتوں نے ان کے چھینک آنے پر **الحمد للہ** کہنے۔ اور فرشتوں کو **السلام علیکم** کہنے سے ہی معلوم کر لیا تھا کہ یہ ہونہار ہستی ہے لیکن ابھی تک ان کے خلافت کے حقدار ہونے کی کوئی خاص وجہ معلوم نہ ہوئی تھی۔ اس لئے حق تعالیٰ نے تمام چیزوں کے نام ان کی صفات ان کا طریقہ استعمال بلکہ سب کی حقیقتیں آدم علیہ السلام کے دل میں القاء کر دیں۔ اس کے بعد ان تمام چیزوں کو فرشتوں کے سامنے کر کے دربار عام میں سوال کیا کہ تم مجھ کو ان چیزوں کے نام تو بتاؤ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ ہم کامل عابد ہیں اور عابد خلافت کا کام انجام دے سکتا ہے۔ جب وہ چیزوں کے نام ہی نہ بتا سکے تو ان پر اپنی عاجزی اور آدم علیہ السلام کی افضلیت اور حق تعالیٰ کی حکمت ظاہر ہو گئی۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ علم خلوتوں اور تنہائیوں کی عبادت اور چلہ کشی سے افضل ہے۔ کیونکہ رب نے آدم علیہ السلام کی افضلیت علم ہی سے ظاہر فرمائی۔ **دوسرے:** یہ کہ انبیاء علیہم السلام فرشتوں سے افضل ہیں۔ **تیسرے:** یہ کہ بری چیزوں کا جاننا برا نہیں کیونکہ آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کا علم دیا گیا اور اس سے ان کی افضلیت ظاہر فرمائی گئی۔ نیز سب سے بری چیز کفر ہے لیکن اس کا بچنے کے لئے سیکھنا فرض ہے۔ نیز حق تعالیٰ کو بھی بری بھلی باتوں کا علم ہے۔ اگر بری بات جاننا بری ہو تا تو حق تعالیٰ اس سے پاک ہو تا۔ لہٰذا وہابیوں' دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ بری چیز کا علم حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی شان کے خلاف ہے محض غلط ہے۔ رہی یہ آیت **وما علمنه الشعر** اس کی تحقیق ہم انشاء اللہ اسی آیت میں کریں گے۔ نیز اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ **چوتھے:** یہ کہ اللہ تعالیٰ نبیوں کو علم لدنی بخشتا ہے جیساکہ علم سے معلوم ہوا کہیں ثابت نہیں کہ کوئی نبی کسی کا شاگرد ہوا ہو' سوائے موسیٰ علیہ السلام کے کہ آپ علم شریعت بلکہ علم اسرار و طریقت حاصل کرنے خضر علیہ السلام کے پاس گئے۔ **خاتمہ: علم کے فضائل:** اس کے بے شمار عقلی اور نقلی دلائل ہیں۔ ہم تفسیر کبیر اور تفسیر عزیزی سے کچھ پرلطف چیزیں بیان کرتے ہیں۔ فقیہ ابو لیث سمرقندی نے فرمایا کہ عالم کی صحبت میں حاضر ہونے میں سات فائدے ہیں خواہ اس سے علم حاصل کرے یا نہ کرے ایک یہ کہ وہ شخص طالب علموں کے زمرے میں شمار کیا جاتا ہے اور ان کا سا ثواب پاتا ہے' دوسرے یہ کہ جب تک اس مجلس میں بیٹھا رہے گا گناہوں سے بچا رہے گا تیسرے یہ کہ جس وقت یہ اپنے گھر سے طلب علم کی نیت سے نکلتا ہے' ہر قدم پر نیکی پاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ علم کے حلقہ میں رحمت الٰہی نازل ہوتی ہے۔ جس میں یہ بھی شریک ہو جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ یہ علم کا ذکر سنتا ہے جو کہ عبادت ہے۔ چھٹے یہ کہ وہاں جب کوئی مشکل مسئلہ سنتا ہے جو اس کی سمجھ میں نہیں آتا اور اس کا دل تنگ ہوتا ہے تو حق تعالیٰ کے نزدیک منکسر القلوب میں شمار کیا جاتا ہے۔ ساتویں یہ کہ اس کے دل میں علم کی عزت اور جہالت سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ **دوسری فضیلت:** حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ علم دین مال پر سات وجہ سے افضل ہے۔ اول یہ کہ علم پیغمبروں کی میراث اور مال فرعون' ہامان' شداد اور نمرود کی۔ **دوسرے:** یہ کہ مال خرچ کرنے سے گھٹتا ہے مگر علم بڑھتا ہے۔ **تیسرے:** یہ کہ مال کی انسان حفاظت کرتا ہے مگر علم انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ **چوتھے:** یہ کہ مرنے کے بعد مال تو دنیا میں رہ جاتا ہے اور علم قبر میں ساتھ جاتا ہے۔ **پانچویں:** یہ کہ مال مومن و کافر سب کو مل جاتا ہے مگر علم دین کا نفع ایماندار ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ **چھٹے:** یہ کہ کوئی بھی عالم سے بے پرواہ نہیں۔ لیکن بہت سے لوگوں کو مالداروں کی ضرورت نہیں۔ **ساتویں:** یہ کہ علم سے پل صراط پر گزرنے کی قوت حاصل ہوگی اور مال سے کمزوری۔ **تیسری فضیلت:** قرآن مجید میں سات چیزوں کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ آپس میں برابر نہیں۔ (1) عالم جاہل کے برابر نہیں۔ (2) خبیث اور طیب برابر نہیں۔ (3) دوزخی اور جنتی برابر نہیں۔ (4) اندھا اور آنکھ والا (5) اسی طرح اندھیری اور روشنی۔ (6) سردی اور گرمی (7) زندے اور مردے آپس میں برابر نہیں۔ **چوتھی فضیلت:** سات پیغمبروں کو علم کی وجہ سے بڑے بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ (1) آدم علیہ السلام کو ان کے علم نے فرشتوں سے سجدہ کرا دیا۔ (2) خضر علیہ السلام کو علم نے 'موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات عطا کی۔ (3) یوسف علیہ السلام کو علم نے قید سے نکال کر تخت و تاج شاہی عطا کیا۔ (4) حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم نے بلقیس جیسی صاحب جمال اور صاحب تخت و تاج بیوی عطا کی۔ (5) داؤد علیہ السلام کو علم نے بادشاہی دی۔ (6) عیسیٰ علیہ السلام کے علم نے ان کی ماں سے تہمت دور کرائی۔ (7) حضرت محمد صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ و آلہ وسلم کے سر مبارک پر خلافت الٰہیہ اور شفاعت کبریٰ کا سرا بندھا۔ **پانچویں فضیلت:** تعلیم یافتہ کتے کا شکار بھی
حلال ہے یہ علم کی برکت ہی ہے۔ **چھٹی فضیلت:** حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی کو علم کی بدولت یہ مرتبہ عطا فرمایا کہ
اس کا ذکر قرآن کریم میں فرمایا بلکہ اس کے نام کی ایک سورت قرآنی مقرر فرمائی یعنی (سورہ نمل) اور رب نے اس کا کلام پسند
فرماتے ہوئے قرآن کریم میں نقل فرمایا کہ اس نے اور چیونٹیوں سے کہا تھا کہ تم اپنے سوراخوں میں گھس جاؤ کہیں تم کو حضرت
سلیمان علیہ السلام اور ان کا لشکر بے خبری میں کچل نہ ڈالے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ نبی کو معصوم اور نبی کے ساتھیوں کو ظلم
وغیرہ سے محفوظ سمجھتی تھی کیونکہ اس نے کہا کہ بے خبری میں۔ جس سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اور ان کے ساتھی جان بوجھ کر
چیونٹی پر ظلم نہیں کرتے۔ مگر افسوس چیونٹی کا تو یہ عقیدہ مگر شیعوں کا یہ عقیدہ کہ صدیق اکبر اور فاروق اعظم نے اہل بیت پر ظلم
کیا اور وہ ظالم تھے۔ یہ تو عقل میں چیونٹی سے بھی کم ہیں۔ **ساتویں فضیلت:** حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ سارے بندوں میں
رب سے علماء ڈرتے ہیں اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ جنت ڈرنے والوں کے لئے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ جنت علماء ہی کے
لئے ہے اور دوسروں کو بھی ان ہی کے طفیل ملے گی۔ اور یہ بات بالکل ظاہر ہے کیونکہ رب کو بغیر جانے پہچانے اس سے خوف
کیونکر ہوگا۔ علماء ربانی ہی اس کو خوب جانتے ہیں اور وہی اس سے خوف بھی کرتے ہیں۔ **آٹھویں فضیلت:** حدیث پاک
میں ارشاد ہوا کہ عالم کی بزرگی عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی تاروں پر۔ **نویں فضیلت:** تمام پر بادشاہ حکومت
کرتا ہے مگر بادشاہ پر علم والا۔ دیکھو طبیب بادشاہ کو صدہا کھانوں سے روک سکتا ہے اور کڑوی دوائیں پلا سکتا ہے۔ **دسویں
فضیلت:** حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ دنیا چار شخصیتوں سے قائم ہے۔ عالم باعمل سے علماء سے محبت رکھنے والے
جاہلوں سے۔ سخی مالداروں سے اور صابر فقیروں سے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کا علم عطا ہوا۔ پھر انہوں نے گندم
کیوں کھالیا اگر جان بوجھ کر کھایا تو یہ سخت گناہ ہوا۔ جس سے انبیاء معصوم ہیں اگر بے علمی سے کھایا تو ان کا علم مکمل نہ ہوا۔
جواب: ان کو ہر چیز کا علم تھا مگر کھاتے وقت اس کو بھول گئے، بھولنا اور خطا انبیاء سے سرزد ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا
ہے۔ **فنسی و لم نجد لہ عزما** " یعنی وہ بھول گئے ہم نے ان کا ارادہ نہ پایا۔ بڑے سے بڑا حافظ بعض وقت قرآن پاک میں
ایسا لقمہ کھاتا ہے کہ بغیر بتائے ہوئے اس کو حل نہیں کر سکتا۔ **دوسرا اعتراض:** جب اس وقت ساری چیزیں پیدا ہی نہیں
ہوئی تھیں تو دکھائی کیسے گئیں۔ **جواب:** ہماری کمزور آنکھیں دیکھنے کے لئے بہت سی چیزوں کی محتاج ہیں کہ وہ چیز موجود ہو نہ
بہت دور ہو نہ بہت قریب روشنی میں ہو۔ تیز روشنی بھی نہ ہو جیسے کہ آفتاب۔ زیادہ شفاف بھی نہ ہو جیسے کہ ہوا وغیرہ لیکن
مقبول بندوں کی نگاہ ہر موجود و غیر موجود، دور اور قریب شفاف اور غیر شفاف چیز کو دیکھ لیتی ہے، ہماری عقل اور خیال بھی ان
چیزوں کو محسوس کر لیتے ہیں۔ چنانچہ مرے ہوئے لوگ گذشتہ چیزیں خیال میں ایسی آجاتی ہیں جیسے ابھی سامنے ہیں، اور وہ لوگ
باتیں کر رہے ہیں مکان بنانے سے پہلے اس کا خیالی نقشہ ایسا قائم کر لیا جاتا ہے جیسے سامنے مکان بنا کھڑا ہے پھر بالکل ویسا ہی مکان
بنتا ہے۔ خواب میں آنے والی اور گزری ہوئی چیزیں دیکھ لی جاتی ہیں، دور کی چیزیں اور بالکل نہ دیکھی ہوئی چیزیں جیسے کہ جنت و
دوزخ وغیرہ معلوم ہو جاتی ہیں۔ ان حضرات کی آنکھیں ہمارے عقل و خیال سے زیادہ قوی ہیں۔ قیامت میں سب لوگ اپنے

www.alahazratnetwork.org

گزرے ہوئے اعمال مختلف شکلوں میں دیکھیں گے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے صدہا برس بعد آنے والے واقعات کے متعلق فرمایا کہ میں ان کو دیکھ رہا ہوں۔ **تیسرا اعتراض:** حق تعالیٰ نے فرشتوں کو بھی اتنا وسیع علم کیوں نہ عطا فرمایا۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کی طبیعت اتنے علم کے لئے موزوں نہ تھی اور نہ ان میں اس کی قابلیت تھی۔ **چوتھا اعتراض:** ان میں قابلیت کیوں نہ پیدا فرمائی۔ **جواب:** وہ استعداد اور قابلیت انسان کی خصوصیت ہے۔ اگر ان میں پیدا کر دی جاتی تو وہ فرشتے نہ رہتے بلکہ انسان بن جاتے' اس سوال کا مطلب تو یہ ہوا کہ فرشتوں کو انسان کیوں نہ کر دیا گیا۔ **پانچواں اعتراض:** جب فرشتے انسان کی اصلاح نہیں کر سکتے تو وحی کلانا ان کے ذمے کیوں کیا گیا۔ وحی سے ہی اصلاح ہوتی ہے' **جواب:** فرشتے فقط حق تعالیٰ کے سفیر ہیں انسانوں کے مصلح نہیں اتنا وسیع علم مصلح کے لئے ضروری ہے۔ نہ کہ فقط قاصد کے لئے' کلکٹر کے یہاں سارے احکام ڈاک خانہ کے ذریعے آتے ہیں حکمران کے مرتبوں میں فرق ہے اسی لئے فرشتے نبیوں کے استاد نہیں بلکہ ان کے خدمتگار اور پیغام رساں ہیں اسی لئے بارہا حضرت جبرئیل نے شکل انسانی میں آکر حضور سے سوالات کئے۔ **چھٹا اعتراض:** اگلی آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنے سارے علوم فرشتوں کو سکھا دیئے اگر فرشتوں میں اس کی قابلیت نہ تھی تو پھر انہیں اتنا علم کیسے آگیا۔ **جواب:** اس کا جواب انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا۔ **ساتواں اعتراض:** جب فرشتے انسانوں پر خلافت نہیں کر سکتے کیونکہ وہ ان کے ہم جنس نہیں تو چاہئے کہ انسان بھی جنوں فرشتوں وغیرہ پر خلافت نہ کرے حالانکہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ **جواب:** ان کو خلافت نہ ملنے کی وجہ ان کے علم کی کمی ہے' نہ کہ محض جنسی اختلاف' چونکہ انسان ساری مخلوقات میں افضل اور اکمل ہے اور بڑا اپنے چھوٹے پر حکومت کر سکتا ہے۔

قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ
انہوں نے کہا پاکی ہے تجھے نہیں ہے علم واسطے ہمارے مگر وہ جو سکھایا تو نے ہم کو۔
بولے پاکی ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تو نے ہمیں سکھایا بے شک
الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۞
تحقیق تو ہی جاننے والا حکمت والا ہے۔
تو ہی علم و حکمت والا ہے۔

تعلق: اس سے پہلے رب تعالیٰ کے جواب کا ذکر ہوا سننے والے کو انتظار تھا کہ پھر فرشتوں نے کیا عرض کیا اس آیت میں ذکر ہے یا یوں کہو کہ پہلے معلوم ہوا تھا کہ حق تعالیٰ نے فرشتوں سے ان چیزوں کے نام دریافت فرمائے اب فرشتوں کے جواب کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر: **قالوا** ظاہر یہ ہے کہ تمام ملائکہ نے یک زبان ہو کر یہ عرض کیا یا ہر ایک نے براہ راست یا بعض مقربین نے سب کی طرف سے **سبحنک** یہ لفظ سبح سے بنا ہے جس کے معنی ہیں تیرنا۔ **کل فی فلک یسبحون** چونکہ تیرنے والا کنارے سے دور نکل جاتا ہے۔ اس لئے دور ہونے کے معنی میں استعمال ہونے لگا اور چونکہ جو ذات عیوب سے پاک ہو وہ تمام برائیوں سے

www.alahazratnetwork.org

دور ہوتی ہے۔ اس لئے پاکی کے معنی میں اس کا استعمال ہوا۔ اصل میں عبارت یوں تھی نسبحک سبحنا " یعنی ہم تجھ کو پاک جانتے ہیں پاک جاننا۔ پھر سبحان کو کاف کی طرف مضاف کیا گیا اور فعل گرا دیا گیا۔ فرشتوں نے یہ الفاظ یا تو اس لئے بولے کہ بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ اگر کچھ عرض کرنی ہو تو پہلے رب کی حمد کی جائے۔ اسی لئے نمازی سب سے پہلے سبحان پڑھتا ہے اور بعد میں کچھ عرض کرتا ہے یا اس لئے کہ تعجب کے موقع پر بھی سبحان بولا جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ **سبحنک تبت الیک** یونس علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ **سبحنک انی کنت من الظلمین** چونکہ فرشتے بھی اپنے گذشتہ سوال سے معذرت کر رہے ہیں۔ اس لئے انہوں نے بھی کہا یا اس لئے کہ وہ اس لفظ سے اپنا مقصود عرض کر رہے ہیں کہ خداوند ہم تجھ کو ہر عیب سے پاک جانتے ہیں کہ تو نے آدم علیہ السلام کو بلاوجہ زیادہ علم دے دیا اور ہم کو کم۔ بلکہ ہم سمجھتے ہیں کہ تو نے ہر ایک کو بقدر قابلیت عطا فرمایا' بے شک ہم میں اس قدر علم کی استعداد ہی ہے' کمی ہمارے لینے میں ہے نہ کہ تیری عطا میں **لا علم لنا الا ما علمتنا** اس میں فرشتوں نے اپنی عاجزی کا نہایت عمدہ طریقے سے اقرار کیا کہ مولیٰ ہم بذات خود تو تمام کمالات سے خالی ہیں اور علم بھی ایک کمال ہے۔ ہم میں جو کچھ کمال ہے وہ تیرا دیا ہوا ہے چونکہ اس علم کی طرف سے عطا نہیں ہوئی اس لئے ہماری کیا مجال کہ ہم تیرے حضور محض اپنی اٹکل اور قیاس سے کچھ کہہ دیں۔ مولیٰ ہم کو اپنی کم علمی کا اقرار ہے علم صدہا قسم کے ہیں جن میں سے بعض عقلی ہیں۔ بعض نقلی مگر یہ سارے علوم ملتے ہیں رب کی عطا سے اس لئے لاعلم میں جنس علم کی نفی ہے جیسے لا الٰہ الا اللہ میں اور لانبی بعدی میں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ خدایا کوئی چیز سکھا کر امتحان لیا جاتا ہے۔ جب تو نے ہمیں ان کے نام سکھائے ہی نہیں تو ہمارا امتحان کیوں لے رہا ہے اس لئے کہ **انک انت العلیم الحکیم** تو ہر چیز کا جاننے والا ہے اور کامل حکمت والا۔ تو ہر ایک کی قابلیت اور لیاقت بھی جانتا ہے اور یہ بھی کہ کون کس نعمت کے لائق ہے۔ جس قدر علم کے لائق ہم تھے وہ ہم کو دیا اور جس کے لائق آدم علیہ السلام تھے وہ ان کو چیونٹی کو کن اور ہاتھی کو من دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : جب فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم ان چیزوں کو نام بتاؤ تو وہ سمجھ گئے کہ اس سے ہمارا امتحان مقصود نہیں ہے کیونکہ امتحان تو بتائی ہوئی چیز کا لیا جاتا ہے انہوں نے بے دغدغہ اور بلا تامل اپنی عاجزی کا اقرار کر لیا۔ مگر اس نفیس طریقے سے کہ سبحان اللہ بظاہر تو رب کی حمد کی' لیکن اس حمد میں حق تعالیٰ کی صفات کمالیہ اور اپنے قصور کا اقرار کیا اور یہی توبہ کی حقیقت ہے اور ساتھ ہی ساتھ اپنی عاجزی کو خود اپنی طرف نسبت دی نہ کہ رب کی طرف' یعنی یہ نہ کہا کہ مولیٰ تو نے ہمیں بہت کم علم دیا۔ آدم علیہ السلام کو زیادہ' بلکہ یہ عرض کیا کہ ہم میں اتنے ہی علم کی طاقت تھی جتنا تو نے عطا فرمایا۔ تیرا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ شیطان نے یہ کہا کہ **بما اغویتنی** مولیٰ تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ اس لئے وہ تو مردود ہوا اور یہ سب محبوب رہے۔ خیال رہے کہ یہ عاجزانہ کلام صرف فرشتوں کا ہے' شیطان اس میں شامل نہیں وہ تو اس وقت حاسد ہو چکا تھا۔ سجدہ نہ کر کے اس کا حسد ظاہر ہوا۔ یہ بھی خیال رہے کہ شیطان بھی اشیاء کے نام نہ بتا سکا' اس لئے سجدہ نہ کرنے کی وجہ اپنا نار سے پیدا ہونا بیان کیا' نام بتانے کی جرأت نہ کی' اب جو شخص کہے کہ شیطان کا علم حضور سے زیادہ وہ اس آیت کا منکر ہے۔ اس کا علم تو حضرت آدم کے علم کا کروڑواں حصہ بھی نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ دعا سے پہلے رب کی حمد ضروری ہے کیونکہ ملائکہ نے پہلے

www.alahazratnetwork.org

سبحنک کہا۔ بعد میں کچھ عرض کیا۔ دوسرے: یہ کہ جس قسم کی دعا ہو اسی قسم کی حمد کریں۔ مثلاً اگر دعائے مغفرت کرتا ہے تو عرض کرے کہ مولیٰ ہم سب گنہگار ہیں اور تو غفار۔ اگر رزق مانگتا ہے تو عرض کرے مولا ہم سب فقراء ہیں اور تو غنی رزاق۔ تیسرے: یہ کہ بندے کو چاہئے کہ اپنے قصور کے ماننے میں حجت اور مولیٰ کے فضل و کرم کا انکار نہ کرے۔ چوتھے: یہ کہ بڑے سے بڑا عالم اگر کسی مسئلے سے ناواقف ہو تو اپنی عزت رکھنے کے لئے غلط جواب نہ دے۔ بلکہ اپنی کم علمی کا اقرار کرے کیونکہ اسی میں عزت ہے۔ حکایت: ایک عالم سے بر سر منبر کوئی مسئلہ پوچھا گیا۔ انہوں نے فرمایا کہ مجھے اس کی خبر نہیں۔ سائل نے کہا۔ جب آپ جاہل ہیں تو منبر پر کیوں بیٹھ گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس قدر علم سے منبر پر بیٹھا۔ اگر میں جہالت سے کام لیتا تو آسمان پر پہنچ جاتا۔ پانچویں: یہ کہ کسی شخص کو بغیر فضل مولیٰ علم غیب نہیں مل سکتا۔ جو شخص کہ علم نجوم یا کہانت وغیرہ سے علم غیب حاصل کرنا چاہے وہ جاہل ہے۔ کیونکہ ملائکہ نے عرض **الا ما علمتنا** (تفسیر کبیر) لہٰذا جو شخص کسی مخلوق کو بغیر عطائے الٰہی ایک چیز کا بھی علم غیب مانے وہ بے دین ہے۔ بلکہ حق یہ ہے کہ کوئی علم بھی حق تعالیٰ کے فضل کے بغیر نہیں مل سکتا۔ کتابیں پڑھنا' وعظ سننا' علماء کے پاس حاضر رہنا۔ یہ سب محض اسباب ہیں۔ اصل چیز مسبب اسباب کے قبضے میں ہے۔ چھٹے: یہ کہ حکمت کو کبھی علم کے معنی میں بولا جاتا ہے اور کبھی دوسرے معنی میں بھی یہاں دوسرے ہی معنی میں استعمال ہوا۔ ورنہ علیم کے بعد حکیم فرمانے سے کچھ فائدہ نہ ہوتا۔

قَالَ یٰاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۚ فَلَمَّاۤ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآىٕهِمْۙ

کہا رب نے اے آدم خبر دو اُن کو ناموں کی اُن کے پس جبکہ خبر دی ان سب کو ناموں

فرمایا اے آدم بتادے انہیں سب اشیاء کے نام جب آدم نے انہیں سب نام بتا دیئے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۙ

کی ان چیزوں کے فرمایا رب نے کیا نہ کہا میں نے واسطے تمہارے تحقیق میں جانتا ہوں چھپی

فرمایا میں نہ کہتا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں

وَ اَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَ مَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۳۳

چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں میں وہ جو ظاہر کرتے ہیں اور جو تھے تم چھپاتے

اور میں جانتا ہوں جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ تم چھپاتے ہو۔

تعلق: اس آیت کو پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک: یہ کہ پہلے واقعہ سے فرشتوں کو اپنا عجز تو معلوم ہو گیا۔ لیکن آدم علیہ السلام کے کمال کا پتہ نہ لگا اور ان کی خلافت ان کے کمال ہی کی وجہ سے تو تھی اس لئے حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا علم فرشتوں پر اس طرح ظاہر فرمایا تو گویا کہ آدم علیہ السلام کے خلافت کے مستحق ہونے کی دو وجہیں تھیں۔ فرشتوں کا

www.alahazratnetwork.org

عاجز ہونا اور ان کا کامل ہونا جن میں ایک کا ذکر پہلے کر دیا گیا اور دوسری کا اب دوسرے: یہ کہ پچھلی آیت میں فرشتوں کے معذرت کرنے کے کا ذکر تھا۔ اور اب اس کی قبولیت کا تذکرہ۔ یعنی جب انہوں نے اپنے قصور کا اقرار کر لیا تو ہم نے ان کو یہ انعام عطا فرمایا۔ تیسرے: یہ کہ پہلی آیت میں فرشتوں کی کمی علم کا ذکر تھا۔ اور اب ان کی تکمیل کا۔

تفسیر: **قال یا دم** اب رب نے آدم علیہ السلام سے خطاب فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے آدم خیال رہے کہ قرآن کریم میں سارے پیغمبروں کو نام لے کر پکارا ہے مگر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر جگہ ان کے پیارے صفات کے ساتھ۔ **یا ایھا النبی، یا ایھا الرسول، یا ایھا المزمل** وغیرہ۔ خیال رہے کہ پکارنے سے چند مقصود ہوتے ہیں۔ (1) غافل کو بیدار کرنا۔ (2) کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنا۔ (3) محبت کا ظاہر کرنا جیسے کہ اے میرے پیارے۔ (4) غضب اور قہر کا ظاہر فرمانا جیسے کہ اے خبیث۔ انبیاء کرام کو اکثر محبت کے اظہار کے لئے پکارا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات رب سے غافل نہیں ہوتے۔ ہم جو دعا میں رب کو پکارتے ہیں اس کو غافل سمجھ کر نہیں پکارتے بلکہ یا تو محبت کی وجہ سے یا اس کا کرم حاصل کرنے کے لئے۔ ظاہر ہے کہ آدم علیہ السلام سے رب کا یہ کلام بلاواسطہ ہے بطور الہام یا خواب بھی نہیں بلکہ صراحۃً ہے اس کے باوجود آپ کا لقب کلیم اللہ نہیں۔ کلیم اللہ وہ جو زمین پر رہتے ہوئے بلاواسطہ رب سے ہم کلام ہو کہ رب کہے وہ سنے وہ عرض کریں رب سنے۔ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ آدم علیہ السلام سے یہ کلام جنت میں ہوا۔ اور اگر زمین پر ہے تو بھی دو طرفہ ہم کلامی نہیں۔ معراج میں ہمارے حضور سے ہم کلامی ہوئی مگر زمین پر نہیں عرش سے دور۔ **انبئھم** اس جگہ انبہ فرمایا گیا جس کے معنی ہیں خبر دے دو اور آدم علیہ السلام کے لئے **علم** ارشاد ہوا تھا۔ جس کے معنی ہیں سکھلایا۔ اس لئے کہ آدم علیہ السلام کو ہر چیز کا پورا پورا علم دیا گیا اور انہوں نے حاصل کر لیا۔ جس سے کہ وہ عالم کل کہلانے کے مستحق ہوئے۔ مگر آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کی فقط خبر دے دی۔ خواہ فرشتوں کو اس سے علم حاصل ہوا ہو یا نہ ہو۔ ایک مدرس اپنے شاگرد کو باقاعدہ پڑھاتا ہے۔ جس سے وہ شاگرد بھی عالم بن جاتا ہے پھر کبھی منبر پر بیٹھ کر بطریق وعظ کچھ مسائل بیان کر دیتا ہے۔ جس سے سننے والے پورے عالم نہیں بن جاتے بلکہ ان کے کانوں میں علم کی آواز پہنچ جاتی ہے۔ **باسمائھم** اس سے پہلے اسماء کا ذکر ہو چکا ہے۔ چاہئے تھا کہ یہاں ضمیر لائی جاتی۔ مگر وہاں چونکہ اسماء سے مراد سارے صفات و حالات تھے اور یہاں فقط چیزوں کے نام اس لئے اسماء ہی فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کے برابر عالم نہ ہوئے۔ (ماخوذ از تفسیر عزیزی) **فلما انبا ھم با سما ئھم** - آدم علیہ السلام نے فوراً حکم کی تعمیل کی۔ روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ آدم علیہ السلام کے لئے منبر بچھایا گیا اور تمام ملائکہ ان کے سامنے بیٹھے آپ نے اس پر کھڑے ہو کر تمام چیزوں کے نام بیان فرمائے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مجلس وعظ تھی نہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا مدرسہ، اس سے ہماری پہلی تقریر کی تائید ہوتی ہے، اس آیت سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے یہ سارے نام آن کی آن میں بتا دیئے کچھ دیر نہ لگی کیونکہ انباء باب افعال سے ہے، یہ بھی ایک معجزہ ہے کہ تھوڑے وقت میں بڑے سے بڑا کام کر لیا جائے ورنہ بے شمار چیزوں کا نام بتانے کے لئے بڑا وقت درکار تھا۔ آج سب فرشتوں کی عبادت حضرت آدم علیہ السلام کا وعظ سننا تھا۔ سب کی تمام ڈیوٹیاں ختم کر کے یہاں حاضری کا حکم دیا گیا۔ صحبت نبی ساری عبادات سے افضل ہے۔ آج نمازی، حاجی، غازی، قاری بن سکتے ہیں مگر صحابی کوئی نہیں بن سکتا۔ سبحان اللہ آدم علیہ السلام نے تو اپنے زمانہ میں فرشتوں

www.alahazratnetwork.org

کو یہ سب کچھ بتادیا۔ لیکن ہمارے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے بھی ایک مرتبہ منبر پر قیام فرما کر ابتدائے پیدائش سے قیامت تک کے سارے حالات پورے بیان کردیئے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے بلکہ مسند امام احمد میں ہے کہ قیامت تک اگر کوئی پرندہ پر بھی ہلائے گا اس کی بھی خبر دے دی۔ وہ پہلے نبی کی مجلس تھی اور یہ خاتم النبیین کی آخری مجلس وہاں سننے والے فرشتے تھے اور یہاں صحابہ کرام' یہاں بھی اسماء اسی لئے فرمایا گیا صرف نام ہی بتایا گیا۔ **قال الم اقل لکم** جب آدم علیہ السلام کا کمال علمی فرشتوں کو معلوم ہوچکا تب رب نے فرمایا کہ کیا میں نے تم سے نہ کہا تھا یہ استفہام انکاری ہے یعنی کہا تھا کہ **انی اعلم غیب السموات والارض** کہ میں آسمان اور زمین کی چھپی ہوئی چیزیں جانتا ہوں بہت پر لطف بات یہ ہے کہ اس واقعہ سے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کا علم غیب معلوم ہوا تھا۔ مگر رب نے فرمایا کہ اس سے تم کو میرا علم معلوم ہوگیا جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کا کمال رب کے کمال کا آئینہ ہے۔ انہی کی عظمت سے رب کی عظمت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ شاگرد کی قابلیت سے استاد کے علم کا پتہ چلتا ہے۔ دیوبندیوں کے یہاں خدا کی تعظیم نبیوں کی توہین سے ہوتی ہے ان کی شیطانی توحید کے معنی ہیں پیغمبروں کو گالی دینا "معاذ اللہ" لیکن مسلمانوں کے نزدیک نبیوں کی عزت میں رب کی اور اسلام کی عزت ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے بھی بغیر انبیاء کے وسیلہ سے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کو نہیں جان سکتے تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ کیونکہ اس آیت میں رب نے آدم علیہ السلام کے علم کو اپنے علم کی دلیل بنایا اور فرمایا کہ اے فرشتو! اب تک تم نے ہم کو بغیر دلیل جانا تھا تو آج دلیل سے پہچان لو کہ آدم کے علم کو دیکھ کر ہمارے علم کا پتہ لگاؤ کہ اگرچہ تمہاری پیدائش ان سے بہت پہلے ہے۔ تمام جہاں کی تم نے سیر کر ڈالی اور تم عالم بالا کے رہنے والے اور یہ ذات عالم سفلی کی مخلوقات میں سے ایک ہے اور ابھی پیدا ہوئے۔ انہوں نے کہیں کی بھی سیر نہ فرمائی لیکن ان کو زمین و آسمان کے ایسے راز معلوم ہیں جو تم کو نہیں معلوم اور جو چیزیں کہ ان سے ہزاروں برس پہلے پیدا ہوچکیں یہ ان تمام کے پورے واقف ہیں۔ **و اعلم ما تبدون وما کنتم تکتمون** تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اے فرشتو میں تمہاری ہر ظاہری بات اور چھپے ہوئے خیال کو جانتا ہوں یعنی بظاہر تم نے یہ کہا تھا کہ انسان فساد و خون ریزی کرے گا اور ہم تیری تسبیح و تہلیل کرتے ہیں۔ مگر تمہارے دل میں یہ تھا کہ ہم ہی خلافت کے مستحق ہیں۔ بھلا اس سے افضل اور زیادہ علم والی کون سی مخلوق پیدا ہوسکتی ہے۔ اس میں رب کی قدرت کا انکار نہیں تھا۔ بلکہ یہ ان کی سمجھ میں نہ آسکتا تھا کہ ہم سے بڑھ کر بھی کوئی پیدا ہوگا۔ کیونکہ ہم نوری ہیں اور نور سب سے اعلیٰ ہم بہت پہلے پیدا ہوچکے ہیں اور ساری دنیا کا تجربہ کرچکے ہیں اب جو کوئی نیا پیدا ہوگا وہ یقیناً ہم سے علم میں کم ہوگا۔ رب نے فرمایا کہ اے فرشتو ہم تمہاری کہی ہوئی بات اور چھپا ہوا خیال جانتے ہیں۔ مگر تفسیر کبیر نے اس جگہ ایک نئی بات فرمائی وہ یہ کہ عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی ظاہری بات سے ان کا یہ قول مراد ہے جو انہوں نے بارگاہ الٰہی میں پیش کیا اور چھپی ہوئی بات سے ابلیس کا دلی ارادہ مراد ہے کہ اس نے آدم علیہ السلام کی خبر پاتے ہی دل میں سوچ لیا تھا کہ میں ان سے بڑا ہوں اور کبھی بھی ان کی اطاعت نہ کروں گا۔ چونکہ ابلیس بھی فرشتوں کے ساتھ رہتا تھا۔ اور انہی میں اس کا بھی شمار تھا۔ لہذا اس کے اس خیال کو سب کی طرف نسبت کردیا گیا قوم میں سے بعض کا کام سب کی طرف نسبت پاجاتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ اے فرشتو جو بات تم نے ظاہر طور پر کی وہ بھی ہم جانتے ہیں اور جو کچھ تم میں سے بعض نے ارادہ کرلیا ہے اس کی بھی ہمیں خبر ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ فرشتوں کی بعض صفتیں بالکل ظاہر تھیں جیسے رب کی عبادت کرنا اور ان گناہوں سے

www.alahazratnetwork.org

معصوم ہونا وغیرہ وغیرہ اور بعض صفتیں ایسی چھپی ہوئی تھیں جن کی خود ان کو بھی خبر نہ تھی کہ ہم کو رب نے یہ قوتیں بھی عطا فرمائی ہیں جیسے کہ عورت کے رحم میں بچہ بنانا مسجدوں کی خدمت کرنا لوگوں کی جانیں نکالنا۔ قبر کے سوالات اللہ والوں سے محبت رکھنا غازیوں، حاجیوں کی مدد کرنا، زندوں کی نذر و نیاز مردوں تک پہنچانا۔ مسلمانوں کے درود سبز گنبد کے اندر لے جا کر شہنشاہ کونین کی خدمت میں حاضر کرنا وحی اتار لینا، انبیاء کرام تک کتابوں کا پہنچانا وغیرہ وغیرہ کہ خود ان کو ان صفتوں کا پتہ نہ تھا۔ اگر آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پیدا نہ ہوتی تو ہرگز فرشتوں کی یہ صفتیں ظاہر نہ ہوتیں۔ اس لئے رب نے فرمایا کہ اے فرشتو ہم تمہاری ظاہری صفتوں کو بھی جانتے ہیں اور تمہارے باطنی کمالات کو بھی اسی لئے ہم نے اس خلیفہ کو پیدا کیا لہٰذا تم پر اس خلیفہ کا بڑا حق ہے اس کی بدولت تم اپنی حقیقت سے آگاہ ہو گئے۔ انہی کے سبب سے تمہارا درجہ بارگاہ الٰہی میں بڑھا زمین کی قوت اور اس میں بویا ہوا تخم لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتا۔ بارش ان سب چیزوں کو ظاہر کرتی ہے۔ فرشتوں کے قلوب مختلف استعداد کی زمین تھے۔ ان کی چھپی ہوئی قوتیں تو بویا ہوا تخم تھا خلیفۃ اللہ آدم علیہ السلام رحمت الٰہی کی بارش تھے جن کی تشریف آوری سے سب کے مختلف کمالات ظاہر ہو گئے۔ جیسے ہمارے حضور کے وسیلہ سے صدیق و زندیق علیحدہ علیحدہ ہو کر کھلے گئے۔

خلاصہ تفسیر : جب فرشتوں نے اپنی معذوری اور کم علمی کا اقرار کر لیا اور بارگاہ الٰہی میں اپنی عرض معروض کی معذرت کی تب خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ ان کو سب چیزوں کے نام بتا دیں، آدم علیہ السلام نے حکم پاتے ہی آناً فاناً بلا تامل سب کچھ ان کو بتا دیا جب اس واقعہ سے فرشتوں کو اپنی عاجزی اور آدم علیہ السلام کے کمال علمی کا ثبوت ہو گیا۔ تب رب تعالیٰ نے ان کو متنبہ کرنے کو فرمایا کہ تم اپنے دل میں کیا سمجھتے تھے اور ظاہر کیا ہوا میں ہی ہر چیز کی حکمت اور مصلحت زمین و آسمان کی پوشیدہ باتیں تمہارے ظاہری اور باطنی حالات جانتا ہوں لہٰذا اس آیت میں **انی اعلم ما لا تعلمون** کی شرح ہو گئی یہ تمہارا تعجب کرنا بے جا تھا ہم جو کچھ کرتے ہیں اس میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ علم عبادت سے افضل ہے اور عالم عابد سے بہتر، دوسرے یہ کہ تعلیم کو حق کی طرف نسبت کر سکتے ہیں کہ رب نے ہی سکھایا مگر اس کو معلم کہنا جائز نہیں کیونکہ معلم پیشہ ور تعلیم دینے والے کو کہتے ہیں۔ تیسرے: یہ کہ لغتیں اور ساری زبانیں حق تعالیٰ کی طرف سے ہیں کیونکہ انسانوں کی پیدائش سے پہلے وہ سب آدم علیہ السلام کو سکھائی گئیں (تفسیر خزائن العرفان)۔ چوتھے: یہ کہ فرشتوں کے کمالات اور علم میں زیادتی ہوتی ہے کیونکہ آدم علیہ السلام کے ذریعے فرشتوں کا علم بھی بڑھا اور ان کے کمالات بھی ظاہر ہوئے۔ اگر وہ پیدا نہ ہوتے تو فرشتوں کے وہ درجات کیونکر ہوتے جو اب حاصل ہوئے۔ پانچویں: یہ کہ عارف کامل وہ ہے جو حق تعالیٰ کے صفات انبیاء کرام کے ذریعے جانے کیونکہ فرشتے اس سے پہلے عارف باللہ تو تھے۔ مگر بواسطہ رسول اللہ نہ تھے آج حق کے صفات آئینہ نبوت سے دیکھے جس سے ان کا عرفان اور کامل ہو گیا، اسی لئے رب نے فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہ** یعنی رب کو اس طرح پہچانو کہ اس نے اپنے رسول کو بھیجا۔ چھٹے: یہ کہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعے انبیاء کو علم ملتا ہے کیونکہ وحی اور کتاب فرشتے ہی لے کر آتے ہیں مگر حقیقت میں نبی کے ذریعے فرشتوں کو علم ملا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا اب نبی کے پاس جو وحی آئے گی وہ ان کے علم میں پہلے سے ہو گی اس وحی سے یا تو ان کا علم ظاہر ہو گا یا ان کا ذہول اور زیان دور ہو گا۔ ہمارا یہ دعویٰ

www.alahazratnetwork.org

حضرت آدم علیہ السلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے متعلق ہے۔ ہم نے اس کی پوری تحقیق اپنی کتاب "جاء الحق" میں کردی ہے۔ ساتویں: یہ کہ حضرات انبیاء کرام رب کی طرف سے مالک و مختار ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ جو بھی جس کو دیتا ہے وہ ان کے ذریعہ سے دیکھو رب نے آدم علیہ السلام کو علم بلاواسطہ عطا فرمایا۔ لیکن فرشتوں کو آدم علیہ السلام کے ذریعے حالانکہ وہ اس پر بھی قادر تھا کہ فرشتوں کو سب کچھ خود ہی بتا دے مگر نہ بتایا۔ اس کی بہت نفیس بحث ہماری کتاب "شان حبیب الرحمن" میں دیکھو۔ آٹھویں یہ کہ جو بغیر وسیلہ ء انبیاء خدا تک پہنچتا ہے وہ محض بے وقوف ہے۔ فرشتوں کو جو کہ نوری ہیں رب کا قرب خاص آدم علیہ السلام کے ذریعے عطا ہوا' شیطان نے براہ راست خدا تک پہنچنا چاہا' مردود کر کے نکال دیا گیا آج بھی شیاطین جب آسمان پر جانا چاہتے ہیں تو ان کو شہاب (ٹوٹا ہوا تارا) سے مار دیا جاتا ہے کیونکہ وہ مدینے والے راستے کو چھوڑ کر براہ راست جانا چاہتے ہیں اور بعض صحابہ کرام کی نعشیں آسمان پر اٹھائی گئیں کیونکہ وہ نبی کے ذریعے سے گئے تھے۔ نویں: یہ کہ حق تعالیٰ نبیوں کو پیدا فرمانے والا ہے اور یہ حضرات اس کی ذات و صفات کے ظاہر کرنے والے لہٰذا رب خالق انبیاء اور پیغمبر مظہر خدا کیونکہ رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے علوم دکھا کر اپنی شان علمی کا خطبہ ارشاد فرمایا۔ شعر

جب وہ ہوئے رسول اللہ　　　　تب کھلا لا الہ الا اللہ

اعتراض: پہلا اعتراض: پہلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ فرشتوں میں اس قدر وسیع علم کی استعداد ہی نہ تھی اس لئے خلافت آدم علیہ السلام کو دی گئی تو آدم علیہ السلام کے ذریعہ ان کو یہ سارے علوم کیوں حاصل ہو گئے۔ جواب ان کو صرف ناموں کی خبر لگی نہ کہ سارے حالات کا پورا علم اس لئے اس کو انبئھم سے بیان کیا لطیفہ۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اس جگہ کمال ہی کر دیا وہ تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کے اس نام بتانے سے فرشتے چیزوں کے نام بھی نہ سمجھ سکے۔ بلکہ اس تمام تقریر سے ان کو صرف آدم علیہ السلام کے علم کا پتہ لگا یعنی انہوں نے صرف اتنا سمجھا کہ آدم علیہ السلام واقعی بڑے عالم ہیں۔ پھر مثال دے کر سمجھاتے ہیں کہ جیسے ناسمجھ کے سامنے کوئی سمجھ دار آدمی کسی باریک مسئلے کی تقریر کرے تو وہ ناسمجھ اس تقریر سے وہ مسئلہ نہ سمجھے گا مگر اس عالم کے زور علمی کا قائل ہو جائے گا۔ سبحان اللہ یہاں تو آدم علیہ السلام کے ایسے خیر خواہ بنے کہ فرشتوں سے کہیں بڑھ چڑھ کر انہیں عالم مان لیا۔ لیکن یہی صاحب سید الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا علم جانوروں اور پاگلوں کی طرح بتا رہے ہیں۔ اور انہی کے قوت بازو مولوی خلیل احمد صاحب شیطان اور ملک الموت کا علم حضور سے زیادہ مان رہے ہیں اور ان کے پیشوا مولوی قاسم حضور کا علم آدم علیہ السلام سے زیادہ مانتے ہیں ان صاحبوں کے کلام سے یہ ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام کا علم سارے فرشتوں اور شیطانوں سے زیادہ کیونکہ اس موقع پر شیطان بھی چیزوں کا نام نہ بتا سکا اور حضور علیہ السلام کا علم آدم علیہ السلام سے زیادہ تو نتیجہ یہ نکلنا چاہئے تھا کہ حضور کا علم سارے فرشتوں اور شیطان سے کہیں زیادہ مگر ان صاحبوں نے نتیجہ نکالا کہ حضور کا علم ملک الموت اور شیطان سے کم۔ واللہ یہ الٹی منطق ہماری سمجھ میں نہیں آئی کیا کوئی دیوبندی یا وہابی اس معمہ کو سمجھا سکتا ہے اور کے اجتماع کو ہمیں سمجھا سکتے ہیں۔ ہم ان کے نہایت مشکور ہوں گے۔ دوسرا اعتراض: حق تعالیٰ نے یہ سارے نام فرشتوں کو خود ہی کیوں نہ بتا دیئے۔ جواب: اس کا جواب پہلے گزر چکا کہ اس میں آدم کی فضیلت کا اظہار منظور تھا اور سارے انسانوں کو بتانا مقصود تھا۔ کہ خدا تعالیٰ کی ہر

www.alahazratnetwork.org

نعت انبیاء کرام سے حاصل کریں۔ تیسرا اعتراض: جب آدم علیہ السلام کو سارے علم پہلے ہی حاصل ہو گئے تو ان پر وحی کیوں آئی تھی۔ جواب: اس کا جواب بھی پہلے گزر چکا کہ یا تو وحی لوگوں پر اظہار کرنے کے لئے ہوتی ہے یعنی وحی سے پہلے اس مسئلے کا اظہار نہیں ہوتا اور بعد وحی ہوتا ہے یا اس لئے کہ بعض مسائل کا خود ان کو خیال نہیں رہتا وحی سے وہ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: حق تعالیٰ کے سارے ملک علیحدہ علیحدہ تھے۔ عالم اجسام عالم ارواح سے بے تعلق اور عالم امر عالم خلق سے علیحدہ نور ظلمت سے دور اور ظلمت نور سے کافور ایسی کوئی ہستی موجود نہ تھی جو ان سارے عالموں میں تعلق پیدا کر دے کیونکہ فرشتے اس دنیا سے بے نیاز تھے اور یہاں کے جانور جنات وغیرہ اس طرف سے بے خبر نیز حق تعالیٰ کے بہت سے صفات اب تک ظاہر نہ ہوئے تھے۔ کیونکہ کوئی ایسا کامل مظہر نہ آیا تھا جو ان سب کو ظاہر کرے اس لئے منشاء الٰہی یہ ہوا کہ اپنا خلیفہ ایسا بناؤں جو ملک کو ملکوت سے خلق کو امر سے ظلمت کو نور سے غم کو سرور سے ملا دے۔ نیچوں کو اوپر پہنچا دے اور اوپر کی رحمتیں نیچے والوں تک لا دے اور جو اپنے ظاہری اور باطنی صفات سے میرے تمام اوصاف ظاہر کر دے اس میں روح و روحانیت جسم و جسمانیت سما اور سماویات ارض اور ارضیات دنیا اور دین جمادات اور نباتات اور حیوانات ملکوت اور ملکوتیات سب جمع ہوں جو اپنے وجود سے رب کا وجود اپنی وحدانیت سے رب کی وحدانیت اپنی زندگی سے رب کی حیات اپنی قدرت اور ارادہ سمع بصر اور کلام اور علم سے رب کی قدرت اور ارادے اور سمع بصر علم وغیرہ کو ظاہر کر دے اور اپنے روح کی لامکانیت اور جہتیت سے رب کی ان صفات کو ظاہر فرمائے اور اس لئے وہ خلیفۃ اللہ الاعظم کا لقب پائے لہذا رب نے ایسے خلیفہ کی پیدائش کا نوری فرشتوں میں اعلان فرمایا فرشتے اس کی تہ تک نہ پہنچ سکے انہوں نے اس کے ظاہر سے دھوکا کھایا انہیں کیا خبر تھی کہ اس مٹی کے چراغ میں روحانیت کا روغن ہو گا۔ اور وہ چراغ قلب کے فانوس میں رکھا جائے گا اور وہ فانوس اس کے جسم کے طاق میں محفوظ ہو گا جس میں اسرار الٰہی کی بتی ہو گی اور نور الٰہی کے تارے روشن ہو گا پھر اس کو عقل کا نور دے کر نور علیٰ نور بنایا جائے گا جس سے حق تعالیٰ کے سارے صفات عدل اور احسان محبت اور رحمت عزت اور غلبہ اور غضب اور انتقام عالم میں ظاہر ہوں گے اس لئے انہوں سوال کر دیا کہ مولیٰ اس میں وہ کمال کیا ہو گا جو ہم میں نہیں ہے اس وقت تو ان فرشتوں کو یہ فرما کر خاموش کر دیا گیا کہ **انی اعلم ما لا تعلمون** لیکن پھر اس خلیفہ کو پیدا فرما کر اس کے علم کی کچھ تجلی فرشتوں پر ڈالی۔ وہ اس طرح کہ اس خلیفہ کو تین قسم کے علم دیئے۔ روحانیت اور ملکوتیات کا جس کی کسی قدر فرشتوں کو بھی خبر تھی۔ دوسرے جسمانیات کا جس سے فرشتے ناواقف تھے۔ تیسرے الہیات کا جو کہ فرشتوں کے وہم سے بھی بالاتر تھا۔ کیونکہ فرشتے ملکوت میں سے تھے اور یہ باتیں عالم غیب عالم جبروت کی سیدنا آدم کا علم وہاں تک پہنچایا کہ جہاں فرشتے بھی کہنے لگے کہ **سبحنک لا علم لنا** لیکن باغ خلیل کے گل زیبا اور چمن آدم کے تخم مقصود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو معراج میں وہاں پہنچایا کہ فرشتے تو کیا حضرت جبرئیل کو یہ عرض کرنی پڑی۔ شعر

اگر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

غرضکہ حضرت آدم کے سامنے فرشتوں کو اپنی کم علمی کا اقرار اور حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی

www.alahazratnetwork.org

کم قدرتی کا اقرار کرنا پڑا۔ چونکہ آدم علیہ السلام درخت عالم کے پھل تھے۔ پھل سارے درخت کے اوپر رہتا ہے اور تمام درخت کا خلاصہ ہوتا ہے اس لئے آدم علیہ السلام بھی خلاصہ موجودات تھے۔ فرشتوں نے حضرت آدم کے علم کی جھلک دیکھی ان پر ایک حالت وجد طاری ہوئی ان سے کہا گیا کہ اگر جاؤ آدم کے سامنے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ

اور جبکہ کہا ہم نے واسطے فرشتوں کے سجدہ کرو تم واسطے آدم کے پس سجدہ کیا سب نے

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ *

سوا شیطان کے انکار کیا اور غرور کیا اور ہو گیا سے کافروں میں

منکر ہوا اور غرور کیا اور کافر ہو گیا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **ایک:** یہ کہ اس سے پہلے حق تعالیٰ نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا اولاً ہمارے جد امجد آدم علیہ السلام کا خلیفۃ اللہ ہونا دوسرے ان کو بہت سا علم ملنا۔ تیسرے فرشتوں کا عاجز ہو کر ان کی شاگردی کرنا اب چوتھی نعمت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی فرشتوں کا ان کو سجدہ کرنا جس ترتیب سے واقعات ہوئے اسی ترتیب سے ان کا ذکر بھی ہوا۔ **دوسرے:** یہ کہ اس سے پہلے آدم علیہ السلام کی خلافت کا ذکر ہوا تھا اور خلافت کے لئے دو وصف ضروری ہیں ایک خلیفہ کا عالم ہونا دوسرے اس کا قدرت والا ہونا کہ سب رعایا اس کے سامنے جھک جائے، پہلے ان کے علم کا ذکر ہو چکا اب ان کی قدرت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرے:** یہ کہ اس سے پہلے آدم علیہ السلام کی استاذی کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا کہ جب وہ فرشتوں کے استاذ ہوئے تو فرشتوں نے ان کی اس طرح تعظیم کی۔ **تفسیر:** **و اذ قلنا** ظاہر یہ ہے کہ سجدے کا حکم آدم علیہ السلام کے کمال علمی کے ظاہر کرنے کے بعد ہوا کہ جب فرشتے ان کی قابلیت اور لیاقت دیکھ چکے تب ان سے فرمایا گیا کہ آدم کو سجدہ کرو لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ حکم آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا تھا کیونکہ دوسری جگہ قرآن کریم فرما رہا ہے **فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ سجدین** لیکن ان دونوں باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے کہ فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہی سجدے کا حکم دے کر ان کو اس کے لئے تیار کر دیا گیا تھا۔ اب اس علم کے ظہور کے بعد سجدہ کرایا گیا۔ یعنی سجدہ کرانا بعد میں جیسے کہ مال آتے ہی زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے لیکن سال گزرنے پر ادا کرائی جاتی ہے، خیال رہے کہ **قلنا** جمع کا صیغہ ہے رب تعالیٰ نے اپنے لئے واحد کا صیغہ بھی فرمایا ہے بیان توحید کے لئے۔ جمع کا بھی اظہار عظمت کے لئے مگر بندہ ہمیشہ رب کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کرے جمع کبھی نہ بولے کہ اس میں شرک کی بو ہے اس لئے کسی نبی کسی ولی نے کسی دعا یا عرض معروض میں رب کے لئے جمع کا صیغہ کبھی نہ بولا یہ جمع بدعت سیئہ سنت کے خلاف شرک کی موہم ہے یہ نہ کہو کہ رب فرماتے ہیں کہو فرماتا ہے **للملئکۃ** بعض لوگوں نے یہاں زمین کے فرشتے مراد لئے ہیں یعنی یہ سجدہ اور تعظیم وغیرہ صرف زمین کے فرشتوں نے ادا کیا لیکن صحیح یہی ہے کہ یہاں سارے فرشتے مراد ہیں کیونکہ آدم علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام کی فضیلت سارے ہی فرشتوں پر ظاہر ہوئی اور سب ہی نے ان کی شاگردی کی تو چاہیئے کہ سجدہ اور تعظیم بھی سب ہی کریں نیز اس جگہ ملائکہ میں کوئی قید نہیں ہے تو بلاوجہ قید لگانا معتبر نہیں ہوگی۔ نیز آئندہ ارشاد ہو رہا ہے **کلھم اجمعون** یعنی سب نے مل کر سجدہ کیا پھر اتنی تاکیدوں کے ہوتے ہوئے خاص کرنے کا اعتبار نہیں **فسجدوا** یہ لفظ سجدہ سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں عاجزی اور فرمانبرداری کرنا قرآن کریم فرماتا ہے۔ **والنجم والشجر یسجدان** اور عربی شعراء نے بھی اس معنی میں اس کو استعمال کیا ہے مگر شریعت میں زمین پر پیشانی رکھنے کو سجدہ کہا جاتا ہے بشرطیکہ اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو بلکہ سجدے میں سات عضو زمین پر لگنے چاہئیں' پاؤں کے دونوں انگوٹھے' دونوں گھٹنے' دونوں ہتھیلیاں اور ایک ناک' پیشانی۔ سجدہ دو قسم کا ہے۔ سجدہ تعبدی اور سجدہ تعظیمی۔ سجدہ تعبدی یہ ہے کہ کسی کو اپنا خالق مان کر اس کے لئے جھکے سجدۂ تعظیمی یا سجدہ تحیت یہ کہ کسی کو فقط بزرگ جان کر اس کے سامنے سر زمین پر رکھے' سجدہ تعبدی خدا کے سوا کسی دوسرے کو کرنا شرک ہے' کسی بھی دین میں جائز نہ ہوا سجدہ تعظیمی پہلی امتوں میں جائز تھا' چنانچہ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان کو سجدہ کیا اس جگہ سجدے میں چار قول ہیں ایک یہ کہ یہاں فقط تعظیم مراد ہے یعنی لغوی سجدہ لیکن یہ قول نہایت ہی ضعیف ہے بلکہ قرآنی آیات کے خلاف اس لئے کہ قرآن کریم نے کہیں تو فرمایا ہے **فقعوا لہ سجدین** اور کہیں فرمایا **خروا** دونوں کے معنی ہیں۔ گر جانا فقط تعظیم میں گرنا نہیں ہوتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس سے فقط جھکنا مراد ہے۔ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ یہی فرماتے ہیں لیکن یہ قول بھی قابل قبول نہیں کیونکہ اس میں بھی گرنا نہیں ہوتا اور قرآن کریم سے گرنا ثابت ہے نیز قرآن کریم کی عبارتوں میں شرعی معنی چھوڑ کر لغوی معنی مراد لینا بڑے فتنے کا دروازہ کھولنا ہے۔ کیونکہ اگر آپ سجدے سے جھکنا یا تعظیم کرنا مراد لیتے ہیں تو بعض لوگ **اقیموا الصلوۃ** میں صلوٰۃ کے لغوی یعنی فقط دعا بھی مراد لے سکیں گے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہاں سجدے سے مراد زمین پر پیشانی لگانا ہی ہے اور فرشتوں کو اسی کا حکم ہوا تھا لیکن اس میں پھر دو قول ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ سجدہ عبادت تھا۔ یعنی سجدہ اللہ کو تھا اور آدم علیہ السلام مثل قبلہ کے جیسے کہ ہم کعبہ کے سامنے جھک کر اللہ کو کرتے ہیں ایسے ہی فرشتوں نے آدم علیہ السلام کے سامنے جھک کر اللہ کو سجدہ کیا۔ یہی قول شاہ عبدالعزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا بھی ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے تفسیر کبیر نے اس کی بہت تردید فرمائی ہے اس لئے کہ اگر آدم علیہ السلام محض قبلہ ہوتے تو **الی ادم** فرمایا جاتا نہ کہ **لادم** جس کے معنی ہوتے کہ آدم کی طرف سجدہ کرو مگر فرمایا گیا **لادم** جس کے معنی ہیں کہ صرف آدم کے لئے سجدہ کرو اور یہاں لام کو الیٰ کے معنی میں لینا بلاوجہ حقیقی معنی کو چھوڑنا ہے۔ نیز آدم علیہ السلام فقط قبلہ ہوتے تو اس سے ان کی فضیلت اور عزت ثابت نہ ہوتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبے کی طرف سجدہ کرتے تھے حالانکہ آپ کعبہ سے افضل تھے (تفسیر کبیر)۔ نیز اگر آدم علیہ السلام فقط قبلہ ہوتے تو ابلیس انکار نہ کرتا کیونکہ اس نے اب تک بیت المعمور کے سامنے رب کے لئے لاکھوں سجدے کئے تھے وہ یہ سمجھتا تھا کہ میرے پہلے سجدے بھی رب کے لئے تھے اور یہ بھی۔ پہلے بیت المعمور (آسمان والوں کا کعبہ) کی طرف تھے اور اب آدم علیہ السلام کی طرف اس کے انکار سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سجدہ آدم علیہ السلام کو ہی تھا۔ چوتھا قول یہ ہے یہ سجدہ تعظیمی تھا اور آدم علیہ السلام کے لئے ہی تھا۔ پہلی شریعتوں میں جائز تھا ہمارے اسلام میں منسوخ ہو گیا اب رب کے سوا کسی کو کسی قسم کا سجدہ کرنا جائز نہیں یہی قول صحیح ہے اور اسی کی قرآنی آیت اور اور احادیث صحیحہ سے تائید ہوتی ہے۔ تتمہ: اسلام میں جس طرح سجدہ حرام کیا گیا اسی طرح جھک کر تعظیم کرنا بھی لہٰذا بقدر رکوع جھک کر سلام کرنا یا کسی بڑے آدمی کے سامنے کی زمین چومنا سب منع

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ ہاں اگر کسی اور کام کے لئے جھکا اور وہ کام تعظیم کے لئے ہے تو جائز ہے جیسے کہ کسی بزرگ کے پاؤں چومنے اور جوتے سیدھے کرنے کے لئے جھکنا اس کی پوری تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ نیز اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ نے اس بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا۔ **ابو العقال۔ لا دم** لام سے وہ فائدے حاصل ہوئے جو اوپر بیان کئے گئے۔ اس سجدہ کرانے میں چند مصلحتیں تھیں ایک یہ کہ جب دنیوی بادشاہ کسی کو وزیر اعظم بناتا ہے تو دوسرے امیروں اور وزیروں کو حکم دیتا ہے کہ اس کی سلامی کرو اور اس کو نذرانے اور ہدیے پیش کرو اسی طرح یہاں ملائکہ سے سجدہ کا نذرانہ پیش کرایا گیا جو حقیقت میں وفاداری کا حلف ہے۔ دوسرے یہ کہ کسی علاقہ کے حاکم کے لئے دو چیزیں ضروری ہیں ایک اس علاقہ کا پورا پورا علم دوسرے سب پر حکومت اور قدرت جب آدم علیہ السلام تمام جہان کے حاکم بنائے گئے تو ان کو سارے جہاں کا علم بھی دیا اور سب پر قدرت بھی علم تو پہلے ظاہر فرما دیا گیا اور قدرت اور تصرف کا اب اظہار ہوا کیونکہ جب فرشتے ہی ان کے سامنے جھک گئے اور ان کی زیر فرمان ہو گئے تو باقی چیزیں خود بخود قبضے میں آ گئیں۔ **فسجدوا** یہ حکم سنتے ہی سارے فرشتے بلا تامل آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ میں گر گئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت جبرئیل سجدے میں جھکے پھر میکائیل، پھر اسرافیل پھر عزرائیل، پھر سارے فرشتے۔ اسی لئے حضرت جبرئیل کو سب سے بڑا درجہ عطا فرمایا گیا۔ یعنی خدمت انبیاء (تفسیر خزائن العرفان) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت اسرافیل نے سجدہ کیا اسی لئے ان کی پیشانی پر سارا قرآن لکھ دیا گیا (تفسیر روح البیان)۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی جمعہ کے دن ہوئی تھی اور یہ سجدہ بھی اور ان کا جنت سے باہر تشریف لانا بھی جمعہ کے دن ہوا اور توبہ کی قبولیت بھی اور بڑے بڑے اہم کام بھی جمعہ ہی کے دن ہوئے قیامت بھی جمعے ہی کے دن قائم ہوگی انشاء اللہ پورے فضائل سورۃ جمعہ کی تفسیر میں اور کچھ اس سے پہلے بھی بیان کئے جائیں گے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ ظہر کے وقت سے عصر تک رہا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ملائکہ سو برس سجدہ کرتے رہے اور تیسرا قول یہ ہے کہ پانچ سو سال تک سجدہ میں رہے (تفسیر خزائن العرفان اور روح البیان) ان باتوں کو اس طرح جمع کیا جا سکتا ہے۔ کہ اولاً فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا، جس کا شیطان نے انکار کیا یہ سجدہ تھوڑی دیر تک رہا۔ پھر انہوں نے سر اٹھا کر دیکھا کہ شیطان آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ پھیرے کھڑا ہے تب انہوں نے دوسرا سجدہ اس سجدے کی توفیق کے شکریے میں ادا کیا۔ یہ سجدہ رب کے لئے تھا اور سجدہ شکر تھا پھر جب سر اٹھایا تو انہوں نے دیکھا کہ شیطان پہلے بہت خوبصورت تھا لیکن اب اس کی شکل مسخ ہو کر جسم خنزیر کا سا اور چہرہ بندر کا سا ہو گیا۔ تب انہوں نے ہیبت الٰہی سے ایک اور سجدہ کیا۔ یہ تینوں سجدے آدم علیہ السلام ہی کی طرف تھے مگر تین قسم کے اور ان کی مدتیں علیحدہ علیحدہ (ماخوذ از تفسیر روح البیان) خیال رہے کہ اس عالم کی ابتدا بھی تعظیم نبی سے ہوئی کہ پہلے حضرت آدم کو سجدہ کرایا اور اس عالم آخرت کی ابتدا بھی تعظیم نبی سے ہوگی کہ محشر میں اولاً تلاش شفیع کے لئے حضور کے دروازے پر حاضری ہوگی پھر کوئی اور کام تمام عبادات سے بڑی عبادت تعظیم پیغمبر ہے۔ **الا ابلیس۔** تمام فرشتوں نے سجدہ کر لیا لیکن ابلیس اپنی عبادت اور شیطانی توحید کے نشہ میں مست رہ کر اس سجدہ کا انکاری ہو گیا۔ خیال رہے کہ مردود ہونے سے پہلے اس کا نام عزازیل تھا مگر پھر اس کا نام ابلیس و شیطان مقرر ہو گیا لفظ ابلیس بلس سے بنا ہے۔ جس کے معنی ناامید یا مکار چونکہ شیطان بھی رحمت الٰہی سے ناامید ہو چکا اور اس نے مکر و فریب کو اپنا پیشہ بنا لیا اسے ابلیس کہا جانے لگا۔ لفظ شیطان شطن سے بنا ہے شطن کے معنی ہیں دور ہونا چونکہ یہ بھی ہر رحمت سے دور ہے اس لئے اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ لہٰذا یہ بروزن فیعال ہے اور اس کا

www.alahazratnetwork.org

نون اصلی ہے اور یا شیط سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں باطل اور جھوٹا ہونا۔ اس صورت میں اس کے الف اور نون زیادہ ہوں گے اب ہر مکار فریبی کو بھی شیطان یا ابلیس کہا جانے لگا قرآن کریم فرماتا ہے **واذا خلوا الی شیٰطینهم** تحقیق شیطان۔ اس زمانے کے مغربی آفت کے مارے ہوئے علی گڑھی اور نیچری عقیدے میں ڈوبے ہوئے لوگ۔ جس طرح جنت دوزخ قیامت وغیرہ کے منکر ہوئے اسی طرح وہ شیطان کا بھی انکار کر بیٹھے اور قرآن پاک کو اپنی رائے کے موافق کرنے کے لئے اس میں طرح کی تحریفیں شروع کر دیں اور کہہ دیا کہ اس سے مراد انسان کے برے صفات ہیں ان کا یہ قول اہل اسلام عیسائیوں' یہودیوں' مجوسیوں وغیرہ سب کے ہی خلاف ہے کیونکہ شیطان کا ثبوت توریت و انجیل اور وساطیر وغیرہ سب ہی سے ہے اگر شیطان انسانی صفت کا نام ہوتا تو اس کو آگ سے پیدا ہونے اور آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے اور فرشتوں کی جماعت سے نکالے جانے' قیامت تک اسے مہلت ملنے اور اس کی اولاد ہونے کے کیا معنی ان کا یہ کلام توجہ کے قابل نہیں ہے ہاں اس میں محققین کا اختلاف ہے کہ شیطان کی حقیقت کیا ہے بعض فرماتے ہیں کہ وہ فرشتہ نہ تھا تو سجدے کے حکم میں کیونکر داخل ہو تا رہا قرآن کریم میں اس کو جن فرمایا کہ **کان من الجن** اس کے معنی ہیں چھپا ہوا یا تو وہ انسانوں کی نگاہ سے چھپا رہتا ہے اور فرشتے بھی اس کو نہیں دیکھ سکتے تھے۔ اس لئے اسے جن فرمایا گیا بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جن بھی فرشتے ہی ہیں۔ یعنی اطاعت کرنے والوں کو ملک کہا گیا۔ نافرمانوں کو جن لیکن یہ دونوں قول ضعیف ہیں۔ حق یہی ہے کہ شیطان جنات میں سے ہی ہے اور جنات کی حقیقت اور ہے فرشتوں کی اور اس لئے کہ جنات کی پیدائش نار سے ہے وہ خود کہتا ہے **خلقتنی من نار** اور دوسری جگہ فرمایا گیا ہے **والجآن خلقنٰه من قبل من نار السموم** نیز فرمایا گیا **و خلق الجآن من مارج من نار** اور فرشتے نوری ہیں جیسا کہ احادیث صحیحہ میں وارد ہے نیز شیطان کی ذریت اور اولاد ہے فرشتے اس سے پاک ہیں کیونکہ ان میں کوئی نر و مادہ ہی نہیں ہے یہ دونوں باتیں قرآن کریم سے ثابت ہیں۔ نیز فرشتے معصوم ہیں اور شیطان تمام بدکاروں کا سردار۔ قرآن کریم فرشتوں کے بارے میں فرماتا ہے **لا یعصون اللہ ما امرهم** نیز فرشتے اللہ کے رسول ہیں اور شیطان اور جنات میں یہ بات نہیں ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جن اور فرشتوں کی علیحدہ علیحدہ حقیقتیں ہیں اور شیطان جنات میں سے ہے مگر اپنی عبادت اور تقویٰ کی وجہ سے چونکہ فرشتوں میں رہتا تھا اس لئے سجدے کے حکم میں وہ بھی شامل ہو گیا جیسے بادشاہ اپنے سپاہیوں کو کچھ حکم کرے تو ان کے ساتھ رہنے والے سائیس دربان اور فراش بھی اس حکم میں داخل ہو جاتے ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ جب فرشتے سجدے میں گرے تو شیطان آدم علیہ السلام کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو گیا اسی وقت سے اس کی صورت مسخ کر دی اور نکال دیا گیا۔ تفسیر عزیزی میں اس جگہ ہے کہ ایک بار شیطان نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ تو اللہ کی بارگاہ میں بڑے مقبول ہیں میری شفاعت فرما دیجئے کہ حق تعالیٰ میری توبہ قبول فرمائے موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی حکم الٰہی ہوا کہ آپ کی شفاعت قبول اور شیطان کی توبہ قبول ہے مگر شرط وہی پہلی ہے کہ آدم علیہ السلام کی قبر کو سجدہ کرے موسیٰ علیہ السلام نے شیطان کو خبر دی اس نے جواب دیا کہ جب میں نے زندہ آدم کو سجدہ نہ کیا تو مردے کو کیا سجدہ کروں۔ مگر اے موسیٰ تمہاری شفاعت کا مجھ پر احسان ہے اس لئے میں آپ کو ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں کہ میں تین وقتوں میں آدمی کو بہت خراب کرتا ہوں ایک غصے کی حالت میں کہ اس وقت میں بجائے خون کے اس کے جسم میں دوڑتا ہوں اور جو چاہتا ہوں اس سے

www.alahazratnetwork.org

کرالیتاہوں دوسرا جہاد کی حالت میں کہ غازی کو گھر یاد دلا کر جہاد سے روکتاہوں تیسرے غیر عورت کے ساتھ خلوت کی حالت میں کہ زنا کرادیتاہوں۔ روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ حق تعالیٰ شیطان کو ایک لاکھ برس جنم میں رکھ کر وہاں سے نکالے گا اور فرمائے گا کہ تو اب بھی حضرت آدم کو سجدہ کرلے وہ انکار کرے گا اور وہ دوزخ میں وہ واپس کردیا جائے گا۔ **ابی و استکبرو۔ ابی اباء** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں دیدہ دانستہ بلاوجہ انکار کردینا یعنی شیطان نے بلا عذر جان بوجھ کر سجدے سے انکار کردیا انکار کیوں کیا تکبر کی وجہ سے **استکبر۔ استکبار** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا شیطان نے تین وجہوں سے اپنے کو آدم علیہ السلام سے بڑا سمجھا ایک یہ کہ میں آگ سے پیدا ہوا وہ خاک سے آگ خاک سے افضل ہے اور جو افضل سے پیدا ہو وہ بھی افضل لہٰذا میں آدم علیہ السلام سے افضل دوسرے یہ کہ میں ہزاروں سال عبادت میں مشغول رہا آدم علیہ السلام نے ابھی کوئی عبادت نہیں کی لہٰذا میں ان سے افضل تیسرے یہ کہ میں نے دنیا میں بڑے بڑے کام انجام دیئے جیسے زمین کو جنات سے خالی کرانا وغیرہ انہوں نے اب تک کوئی مشقت نہ اٹھائی لہٰذا میں ان سے افضل حق تعالیٰ نے میری بےقدری کی اور سالہا سال کا حق خدمت برباد کردیا۔ اس لئے سجدے سے انکاری ہوگیا۔ انکار کی وجہ دوسری آیت میں مذکور ہے۔ **لم اکن لا سجد لبشر** حضرت آدم کو حقیر اور اپنے کو عزت والا جاننا معلوم ہوا کہ تمام کفروں کی جڑ توہین نبی ہے۔ جو شیطان سے سرزد ہوا خیال رہے کہ کفار کے مقابل تکبر عبادت ہے نبی کے مقابل تکبر کفر ہے۔ شیطان کا تکبر آخری قسم کا تھا۔ اس لئے کافر ہوا **و کان من الکفرین** مفسرین نے اس کے دو معنی کئے ہیں ایک یہ کہ **کان۔ صار** کے معنی میں ہے یعنی شیطان انکار کرکے کافروں میں سے ہوگیا۔ یعنی اب تک مومن تھا آج سے اس انکار سے کافر ہوا دوسرے یہ کہ **کان** اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ پہلے ہی سے کافروں میں سے تھا یا تو اسے مایوسی ہوئی سجدے کا انکار کرگیا اس لئے کہ وہ اللہ کے علم میں پہلے ہی کافر تھا۔ اس کی عبادت وغیرہ اللہ کے ہاں قبول نہ تھی کافرین سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کافروں کی اور بھی جماعت موجود تھی جن میں آج شیطان بھی داخل ہوگیا سب سرکش جن کافر ہی تو تھے۔

خلاصہ تفسیر : جب آدم علیہ السلام کا علم تمام پر ظاہر ہوگیا تو تمام فرشتوں کو جن میں شیطان بھی رہتا تھا حکم ہوا کہ تم سب کے سب آدم علیہ السلام کو تعظیمی سجدہ کرو وہ سب سجدے میں گرگئے لیکن ابلیس سجدے سے انکاری ہوا اپنے کو بڑا جان کر دل میں سوچنے لگا کہ حق تعالیٰ کا یہ حکم غلط ہے میں بہت بڑا آدم علیہ السلام بہت چھوٹے چھوٹا بڑے کے سامنے جھک سکتا ہے۔ نہ کہ بڑا چھوٹے کے سامنے رب نے میری ہزارہا برس کی عبادت کی کوئی قدر نہ فرمائی اور میرا حق نہ پہچانا۔ اس لئے وہ کافروں سے ہو گیا' کفر و گناہ کرنے والا نفس امارہ ہے شیطان اس کا مشیر و وزیر ہے۔ جیسے خود شیطان کو اس کے نفس نے کافر بنایا۔ ایسے ہی ان جنات کو ان کے نفوس نے کافر کیا۔ لہٰذا آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ جب شیطان نے گمراہ کرنے کا کام اب تک شروع ہی نہ کیا تھا تو جنات کافر کیونکر ہوئے آخر ان جنات نے جنگ و خون ریزی بھی کی تھی نفس کے اغواء سے آج رمضان میں شیطان قید ہوتا ہے مگر جب بھی ہم لوگ گناہ کرتے ہیں صرف نفس کے اغواء سے **حضرت حوا کی پیدائش:** اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام تنہا زمین میں پھرتے تھے اور ہر جانور کو اپنا غیر جنس دیکھ کر گھبراتے تھے اور تمنا کرتے تھے کہ کاش کوئی میرا ہم جنس ہوتا جس سے مجھے انس حاصل ہوتا دوسرے جمعہ کو آدم علیہ السلام سو رہے تھے کہ فرشتوں نے ان کی بائیں پسلی چاک کی جس سے انہیں

www.alahazratnetwork.org

کچھ تکلیف نہ ہوئی اور اس سے "آنا فانا" ایک نہایت خوبصورت عورت بنائی آدم علیہ السلام کی چاک کی ہوئی پسلی کو ملا دیا گیا جب وہ جاگے تو اپنا ہم جنس اپنے پاس بیٹھا ہوا دیکھا پوچھا تم کون ہو ندا آئی یہ ہماری بندی ہے 'تمہاری وحشت دور کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ آدم علیہ السلام نے چاہا کہ ان کو ہاتھ لگائیں حکم ہوا کہ اے آدم پہلے ان کا مہر ادا کرو پھر ہاتھ لگانا عرض کیا کہ مولیٰ مہر کیا ہے فرمایا کہ میرے نبی آخر الزمان محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دس بار درود شریف پڑھو اور فرشتوں کی گواہی سے ان کا نکاح ہوا (تفسیر عزیزی)۔ ان کا نام حوا اس لئے ہے کہ یہ لفظ حی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں زندہ چونکہ یہ زندہ انسان آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں) یا ہر زندہ انسان کی والدہ ہیں۔ اس لئے انہیں حوا کہا گیا یا یہ لفظ حوت سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سرخی مائل بہ سیاہی چونکہ ان کے ہونٹ کا رنگ ایسا ہی تھا۔ اس لئے انہیں حوا کہا گیا عربی میں عورت کو مرءۃ کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ مرء (یعنی مرد) سے بنی ہیں۔ اس کو عورت اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے لئے بے پردہ ہونے میں عار یعنی شرم ہوتی ہے۔ اس لئے شرمگاہ کو بھی عورت کہا جاتا ہے۔ حضرت حوا کا قد بھی ساٹھ ہاتھ کا تھا ان کی عمر شریف نو سو ستانوے (997) سال ہوئی۔ آدم علیہ السلام کے بعد ساڑھے ساٹھ سال زندہ رہیں۔ تفسیر روح البیان)۔ ان کی پیدائش کہاں ہوئی انشاء اللہ اگلی آیت میں بیان کیا جائے گا اس آیت کے فائدے۔ **ایک:** یہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں کیونکہ انہیں سجدہ کرایا گیا۔ **دوسرے:** یہ کہ استاد کا ادب شاگرد پر بہت ضروری ہے کیونکہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کا ادب کیا۔ **تیسرے:** یہ کہ تکبر اور غرور نہایت بری چیز ہے کیونکہ سب سے پہلے شیطان تکبر ہی سے گمراہ ہوا۔ **چوتھے:** یہ کہ خدا کا حکم وجوب کے لئے ہوتا ہے اسی لئے تو شیطان اس مخالفت سے گمراہ ہوا۔ **پانچویں:** یہ کہ کسی شخص کو اپنی عبادت پر ناز نہ کرنا چاہئے کیونکہ شیطان جب عابد تھا تو اگرچہ خدا کے علم میں وہ کافر تھا مگر اس وقت کی حالت کے لحاظ سے اس کو فرشتوں میں عزت دی گئی اور جب اس کا کفر ظاہر ہوا تب نکالا گیا۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منافقوں کی رعایت فرمانا بے علمی کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ اسی طرح تھا۔ **ساتویں:** یہ کہ بغیر عظمت انبیاء توحید لعنت کا سبب ہے۔ شیطان نے توحید الٰہی کا انکار نہ کیا بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کی تعظیم کا اس واقعہ سے دیوبندیوں اور وہابیوں کو سخت عبرت پکڑنی چاہئے خیال رہے کہ کفر کی صدہا قسمیں ہیں رب کا انکار کفر اس کی صفات کا انکار کفر فرشتوں یا قیامت یا جنت دوزخ کا انکار کفر وغیرہ پھر ان کفروں کی بہت سی قسمیں کوئی ہلکی ہے کوئی بھاری۔ مگر ان سب میں سب سے بدتر کفر اہانت پیغمبر ہے کہ شیطان کا کفر اسی قسم کا تھا وہ رب کی ذات و صفات وغیرہ کسی چیز کا انکاری نہ تھا۔ **آٹھویں:** یہ کہ گناہ کرنا کفر نہیں ہاں گناہ کو اچھا سمجھنا کفر ہے۔ کیونکہ شیطان ایک سجدے کے چھوڑنے سے مردود ہوا اور ہم گنہگار صدہا سجدے چھوڑ کر بھی مسلمان رہتے ہیں۔ کیونکہ وہ انکار سے تھا اور یہ شرمساری کے ساتھ۔ **نویں:** یہ کہ اللہ والوں کو حقیر جاننا اتنا بڑا جرم ہے کہ پھر توبہ کی توفیق بھی نہیں ہوتی فقہا فرماتے ہیں کہ سنت غیر موکدہ کا مذاق اڑانا بھی کفر ہے۔ **دسویں:** یہ کہ توہین پیغمبر کے ہوتے ہوئے علم اور عبادت سب بیکار ہیں۔ **گیارہویں:** یہ کہ حکم الٰہی کے مقابلہ میں قیاس کرنا کفر ہے کیونکہ شیطان نے یہی تو کیا تھا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے۔ مگر بتاؤ شیطان کو کس نے گمراہ کیا اسی طرح شیطان کے گمراہ ہونے سے پیشتر جو جنات نے فتنہ فساد کیا وہ کس کے بہکانے سے۔ **جواب:** ان سب کو ان کے نفس نے گمراہ کیا اصل گمراہ کرنے

www.alahazratnetwork.org

والی چیز نفس ہی ہے شیطان تو اس کی رہبری کرتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ان النفس لامارۃ بالسوء** دیکھو ماہ رمضان میں شیطان قید ہو جاتا ہے مگر پھر بھی لوگ گناہ کرتے ہیں نفس کی وجہ سے **دوسرا اعتراض:** حق تعالیٰ نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا جو تمام گناہوں کی اصل ہے۔ **جواب:** اگر شیطان نہ ہوتا تو دنیا اور دین میں کچھ بھی نہ ہوتا کیونکہ پھر نہ بادشاہ کی ضرورت ہوتی اور نہ پولیس اور نہ کچہری اور نہ فوج وغیرہ کے محکمے کی اسی طرح نہ پیغمبروں کی' نہ ولیوں اور پیروں کی دوزخ اور عذاب کے فرشتے بیکار رہتے۔ نیز خدا کی صفتیں غفاری' ستاری' قہاری' جباری وغیرہ کا ظہور نہ ہوتا۔ کیونکہ یہ صفات بندوں کے گناہوں سے ظاہر ہوتے ہیں بلکہ یوں کہو کہ پھر تو نہ آدم علیہ السلام دانہ کھاتے نہ زمین پر آتے نہ دنیا آباد ہوتی بلکہ غور سے معلوم ہوتا ہے کہ گرم و سرد پاک و ناپاک اچھی بری چیزوں سے ہی دنیا کا انتظام قائم ہے ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہو تو دنیا کا خاتمہ ہو جائے دیکھو پانی اور گندے کھاد سے دانہ آتا ہے۔ سریلی اور بھدی آوازیں مل کر باجا بجتا ہے۔ گرم اور ٹھنڈی طاقت سے بجلی بنتی ہے وغیرہ وغیرہ اسی لئے جب دنیا میں اہل ایمان نہ رہیں گے تو قیامت آجائے گی۔ **تیسرا اعتراض:** جب شیطان مردود ہونے والا تھا تو پہلے اس کو اتنی عزت کیوں دی گئی؟ **جواب۔** تاکہ قیامت تک لوگوں کو اس سے عبرت حاصل ہو جائے کوئی شخص اپنے علم تقویٰ اور پرہیزگاری کے نشہ میں کسی پیغمبر کی توہین نہ کرے سمجھ لے کہ وہ نازک بارگاہ ہے کہ اس کی بے ادبی کرنے پر سارے علم و عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ شیطان کو مولوی بنا کے مارا' صوفی بنا کے مارا' عابد و زاہد بنا کے مردود کیا تاکہ سب مولویوں اور صوفیوں اور پیروں کو عبرت حاصل ہو جائے۔ بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا گیا ہے کہ دیوبندی علماء نے واقعی حضور کی توہین تو کی ہے مگر وہ ہیں۔ بڑے عالم و عامل وہ اس واقعہ سے عبرت پکڑیں۔ دیوبندی مولوی شیطان سے بڑھ کر عالم و عابد نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** انبیاء کرام کی نعلین پاک کی توہین کرنا کفر کیوں ہے اور پیروں کی توہین کفر کیوں نہیں؟ (نئے دیوبندی) **جواب:** اس لئے ان کی ہر چیز رب کی تجویز سے ہے اور ان کی ہر ادا رب کی رضا سے ہے جب کفار نے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے حضرت زینب کے نکاح کرنے پر اعتراض کیا تو رب نے فرمایا **زوجنکھا** یعنی اے کافرو محبوب کا نکاح میں نے کرایا ہے تم ان پر کیوں اعتراض کرتے ہو سبحان اللہ رب نے نکاح کرانے کو اپنی طرف نسبت دی لہٰذا ان کی کسی چیز پر اعتراض در پردہ رب پر اعتراض ہے اگر کوئی شخص فوج کی وردی یا غذاء پر اعتراض کرے تو حقیقتاً بادشاہ پر اعتراض کر رہا ہے کیونکہ یہ سب شاہی تجویز ہے۔ **پانچواں اعتراض:** سجدے تعظیمی کا جواز تو قرآن سے ثابت ہے کیونکہ پچھلی شریعتیں جب قرآن یا حدیث میں بیان ہو جاویں وہ ہم پر لازم ہوتی ہیں اور سجدہ تعظیمی کا حرام ہونا صرف بعض حدیثوں سے ثابت ہے۔ اور حدیث غیر متواتر سے قرآنی حکم کو نہیں چھوڑا جاتا لہٰذا اب بھی سجدہ تعظیمی جائز ہے۔ (بعض نئے پیر پرست) **جواب:** فرشتوں کا یہ سجدہ حضرت آدم کی شریعت کا حکم نہ تھا کیونکہ شرعی حکم نبی کے ذریعے انسان یا جنات پر جاری ہوتا ہے فرشتوں پر حکم شرعی جاری نہیں ہوتا یہاں یہ حکم خصوصی طور پر صرف فرشتوں کو دیا گیا لہٰذا یہ شریعت آدم علیہ السلام کا حکم نہ تھا نیز یہ سجدہ صرف ایک ہی بار حضرت آدم کو ہوا ہمیشہ سجدہ کرنے کا حکم نہ تھا۔ یعقوب علیہ السلام کے دین میں بھی سجدے کا جائز ہونا قرآن سے ثابت نہیں ہوتا۔ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام کو سجدہ کرنا نہ تعظیمی تھا نہ حکم شرعی اگر تعظیمی ہوتا تو حضرت یوسف والد کو سجدہ کرتے بلکہ یہ صرف خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لئے تھا جیسے ابراہیم علیہ السلام کا فرزند کے ذبح کے لئے تیار ہو جانا خواب کی تعبیر کے لئے تھا اسی طرح ان کا اپنے زن و فرزند کو بیابان جنگل میں چھوڑ آنا یہ تمام چیزیں دین ابراہیمی کے شرعی احکام نہ تھے ایسے ہی یہ

www.alahazratnetwork.org

سجدہ یعقوبی ہوا اسی لیے یوسف علیہ السلام نے فرمایا یا ابت ھذا تاویل رویای جیسے رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم سے فرمایا یا ابراھیم قد صدقت الرویا غرضکہ تعظیمی سجدے کا گزشتہ شریعتوں میں جائز ہونا اور ہمارے ہاں حرام ہونا دونوں حدیث سے ثابت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : فرشتے اب تک رب کے لئے سجدے کرتے رہے جو ان کی ملکی اور روحانی طبیعتوں کا تقاضا تھا ان سجدوں میں براہ راست رب ہی کی تعظیم تھی۔ ماسوا اللہ کی تعظیم کو دخل نہ تھا۔ آج اس سجدہ کا حکم دیا جارہا ہے۔ جس میں بواسطہ حضرت آدم رب کی تعظیم ہوگی۔ کیونکہ آج حضرت آدم نور الٰہی کی تجلی گاہ ہیں جو ان کے سامنے جھکے گا وہ حقیقت میں رب ہی کو سجدہ کرے گا جیسے اپنے حبیب سے فرمایا کہ جو آپ سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں لہٰذا اسچا سلوک وہ ہے جو پیغمبر کے ذریعے سے حاصل ہو۔ نیز فرشتوں کی عبادت سے نہ تو ان کو ثواب ملتا ہے اور نہ ان کو ترقی درجات حاصل ہوتی ہے آج فرمایا گیا کہ اے فرشتو آج تم وہ سجدہ کرو جو فائدہ مند ہو تم کو پورا فائدہ اس سے نہ ہو گا ہاں آدم علیہ السلام کو فائدہ ضرور پہنچے گا کیونکہ ان کی اولاد تمہارے سجدہ کو دیکھ کر اور سن کر بزرگوں کے ادب کرنے کا طریقہ سیکھے گی۔ جس سے وہ میری بارگاہ تک پہنچنے کے قابل ہوگی اور آج کا یہ سجدہ تمہارے صدہا سال کے سجدوں کا خلاصہ ہے کیونکہ یہ حق و باطل کو علیحدہ کرنے والا ہے اب تک کے سارے سجدے اس شان کے نہ تھے فرشتے چونکہ نوری تھے اور نور کی شان ہے اطاعت کرنا۔ شیطان ناری تھا۔ نار کی طبیعت ہے اوپر کو چڑھنا اس لئے آج اس نار نے بغیر وسیلہ پیغمبر اوپر چڑھنا چاہا نیچے گرا دیا گیا یہ ایک وہ سجدہ تھا جس نے لاکھوں کے سجدے مقبول بنا دیئے اور ابلیس کے لاکھوں سجدے مردود کر دیئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ شعر

گر وقت اجل سر تیری چوکھٹ پہ جھکا ہو   جتنی ہو قضا ایک ہی سجدے میں ادا ہو
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیشانی میں نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھا۔ یہ سب برکتیں اور عظمتیں اسی کی وجہ سے تھیں اور در حقیقت یہ سجدہ اس نور ہی کو تھا۔ اس نور سے ہر جگہ رحمت کا ظہور ہوا سب سے پہلے اس نور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد ماجد کو فرشتوں کا مسجود بنایا۔ شعر

زبان حال سے کہتے تھے آدم   جسے سجدہ ہوا ہے وہ میں نہیں ہوں

پھر اسی نور نے اپنے انہی پدر والا کی توبہ کرائی اسی کی برکت سے حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے لگی اسی نے خلیل رب جلیل پر نار کو نور بنایا اسی نے اسمٰعیل ذبیح اللہ کو ذبح سے بچایا اسی نے اپنے باپ عبداللہ کو عبدالمطلب کی چھری سے ذبح ہونے کو بچایا۔ خود فرماتے ہیں انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا فرزند ہوں مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدم   نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا

اور ہم نے فرمایا اے آدم رہیئے آپ اور بی بی آپ کی اسی جنت میں اور تم دونو کھاؤ اس سے

اور ہم نے فرمایا اے آدم تو اور تیری بی بی اس جنت میں رہو اور کھاؤ اس میں سے

www.alahazratnetwork.org

رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا
سیر ہوکر جہاں چاہو تم دونوں اور نہ قریب جانا اس درخت کے بس ہو جاؤ گے
بے روک ٹوک جہاں تمہارا جی چاہے مگر اس پیڑ کے پاس نہ جانا
مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۞
سے ظالموں .
کہ حد سے بڑھنے والوں سے ہو جاؤ گے .

تعلق : اس آیت کو پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **ایک**: یہ کہ اس سے پہلے حق تعالیٰ کے چند احسانات کا ذکر کیا گیا تھا کہ ہم نے تمہارے والد کو فلاں فلاں درجے عطا فرمائے اس سلسلے میں اب ایک اور احسان کا ذکر ہو رہا ہے کہ ہم نے تمہارے والد حضرت آدم کو جنت جیسی آرام دہ اور پاکیزہ جگہ میں رکھا۔ **دوسرے**: یہ کہ اس سے پہلے خلافت کے متعلق آدم علیہ السلام کی دو صفتوں کا ذکر فرمایا گیا ایک ان کا بہت بڑا علم دوسرے ان کی قدرت اور عزت اس آیت میں ان کی تیسری صفت کا ذکر ہے جو خلافت کے لئے ضروری ہے یعنی حکومت کرنے اور زمین آباد کرنے کا طریقہ اور اس کا تجربہ چونکہ ان کو اور ان کی اولاد کو زمین میں رہنے کے لئے مکان بنانا اور باغات کھیتیاں لگانا اور اللہ کی اطاعت کرنا دوسروں پر حکومت کرنا وغیرہ ضروری تھے۔ اس لئے ان کو گویا سکھانے کے لئے جنت میں رکھا گیا تاکہ وہ ان تمام چیزوں کا تجربہ فرما کر پھر زمین میں تشریف لائیں پہلے انہیں علم دیا گیا تھا اور اب تجربہ کے لئے عارضی طور پر جنت میں رکھا گیا۔

تفسیر : **و قلنا** جب شیطان مردود ہو چکا تو اس کو فرشتوں کی جماعت سے بھی نکال دیا گیا اور جنت وغیرہ اعلیٰ مقامات سے بھی اور اس کے بعد آدم علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ **یا دم اسکن انت** اگرچہ جنت میں حضرت آدم اور حوا دونوں ہی کو رکھا گیا تھا لیکن اصل مقصود صرف آدم علیہ السلام کا رکھنا تھا اور حضرت حوا ان کی دل بستگی کے لئے تھیں کیونکہ جنت میں رکھ کر خلافت کرنے کا طریقہ صرف آدم علیہ السلام کو سکھانا منظور تھا۔ اس لئے اس جگہ خطاب صرف آدم علیہ السلام کو فرمایا گیا اور ان کی بیوی کا ذکر بطریق عطف ہوا **زوجک** عربی میں زوج کے معنی ہیں جوڑا شوہر اور بیوی دونوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہاں بیوی کے معنی میں استعمال ہوا کبھی فرق کے لئے بیوی کو زوجہ کہہ دیتے ہیں مگر یہاں اس فرق کی ضرورت نہ تھی کیونکہ جب ان کی نسبت آدم علیہ السلام کی طرف ہو رہی ہے تو خود بخود سمجھ میں آجائے گا کہ یہاں بیوی مراد ہے۔ حضرت حوا کو جنت میں رکھنے کی تین حکمتیں تھیں ایک یہ کہ ان کے ذریعے آدم علیہ السلام کو اطمینان رہے دوسرے یہ کہ وہ جنتی مکانوں کی زیب و زینت اور صفائی دیکھ کر دنیاوی گھروں کو سجانا اور صاف رکھنا سیکھ لیں۔ **تیسرے**: یہ کہ جنتی زیور اور پوشاکیں استعمال کر کے دنیا میں بھی عمل کریں گویا بیرونی زندگی تو آدم علیہ السلام سیکھیں اور خانگی زندگی حضرت حوا اسی لئے اس وقت آپ کی زوجہ صرف حوا تھیں وہاں کی حوریں نہ تھیں کیونکہ دنیا میں آکر گھربار انہیں کو سنبھالنا تھا نہ کہ حوروں کو لہٰذا حوروں کو تربیت کی ضرورت ہی نہ تھی۔

حضرت حوا کی پیدائش : ہم بیان کر چکے ہیں۔ اب یہ خیال رہے کہ یہ تو سب مانتے ہیں کہ آدم علیہ السلام وہاں پیدا ہوئے

www.alahazratnetwork.org

جہاں آج مکہ معظمہ آباد ہے لیکن حضرت حوا کی پیدائش میں اختلاف ہے کہ کہاں ہوئی عبداللہ ابن عباس اور ابن مسعود فرماتے ہیں کہ جنت میں ہوئی۔ سیدنا آدم علیہ السلام ایک دن سو رہے تھے ان کی پسلی سے ان کو پیدا فرمایا گیا۔ تو آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اے آدم علیہ السلام آپ اور آپ کی بیوی جنت میں ٹھہرے رہو لیکن حضرت عمر اور دیگر صحابہ کرام نے روایت فرمائی کہ فرشتوں نے آدم اور حوا علیہم السلام کو نوری لباس پہنایا' ان کے سر پر تاج رکھے' سونے کے تخت پر بٹھلایا۔ حضرت حوا کو مختلف قسم کے زیوروں سے آراستہ کیا اور پھر ان دونوں کو جنت میں پہنچوایا گیا۔ (تفسیر کبیر روح البیان)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت حوا کی پیدائش بھی زمین میں ہوئی۔ اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ آپ اور آپ کی بیوی جنت میں جاکر رہو **الجنت**۔ تمام مفسرین کا اتفاق ہے کہ اس سے وہی جنت مراد ہے جس میں نیکوکار ثواب کے لئے جائیں گے یعنی بہشت۔ ہاں بعض بے دینوں نے کہا ہے کہ یہ فلسطین یا فارس کرمان میں کوئی باغ تھا جس میں آدم علیہ السلام کو کچھ دن کے لئے رکھا گیا پھر ایک خطا کی وجہ سے ہندوستان کی طرف بھیج دیا گیا لیکن یہ بات محض غلط ہے اس لئے کہ آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا ہے **اھبطوا منھا** یعنی جنت سے اتر جاؤ' اترنا اونچی جگہ سے ہوتا ہے۔ اگر یہ کوئی زمین کا باغ ہوتا تو فرمایا جاتا کہ **اخرجوا** نیز دوسری جگہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے **و لکم فی الارض مستقر** یعنی تمہارا ٹھکانہ زمین میں ہے اگر وہ باغ بھی زمین میں ہی ہوتا تو یہ کیوں کہا جاتا کہ تم جنت سے اتر کر زمین میں جاکر رہو کیونکہ پھر تو وہ زمین میں پہلے ہی سے تھے۔ **اھبطوا** کو **اخرجوا** کے معنی میں لینا بلاوجہ حقیقی معنے کو چھوڑنا ہے نیز روایات میں بھی صراحتاً" یہی آیا ہے کہ آدم علیہ السلام بہشت میں رہے اپنے وہم کی وجہ سے احادیث کو نہیں چھوڑا جاسکتا ہے دوسرے فریق کے دلائل بھی انشاء اللہ اسی آیت کے اعتراضات کے جوابات میں بیان کئے جائیں گے **و کلا منھا** چونکہ فقط جنت کی چیزیں دیکھنے سے پورا تجربہ نہیں ہوسکتا تھا۔ اس لئے ان کو عام نعمتیں کھانے کی عام اجازت دی گئی تاکہ یہاں کھاکر دنیوی نعمتوں کا کھانا سیکھ جائیں اور چونکہ اس کھانے کی ان دونوں حضرات آدم و حوا کو یکساں اجازت تھی۔ اس میں کوئی کسی کے تابع نہیں۔ اس لئے یہاں تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوا آپ کو وہاں مشروبات پینے کی بھی کھلی اجازت تھی مگر کیونکہ پانی کھانے میں خود ہی آجاتا تھا اس وجہ سے اس کا ذکر علیحدہ نہ فرمایا آج کہا جاتا ہے کہ کھانے کی دعوت ہے' لیکن وہاں پانی' شربت' سوڈا وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ **رغدا**" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو جنتی نعمتوں کے کھانے میں کوئی روک ٹوک نہ تھی جب چاہیں اور جو کچھ چاہیں اور جتنا چاہیں کھائیں نہ تو وہاں نعمتوں کے ختم ہونے کا خطرہ ہے اور نہ بدہضمی ہونے کا دغدغہ نیز کسی چیز کے فقط چکھ لینے سے اس کی خاصیتیں اور نفع نقصان پورے پورے معلوم نہیں ہوتے یہاں سیری بھوک کے مقابل نہیں یعنی جب بھوکے ہو تو پیٹ بھر کر کھالو آپ کو وہاں بھوک اور پیاس نہ تھی بلکہ وسعت کے معنی ہیں **حیث شئتما** یہ فرماکر ان کو جنت میں ہر جگہ جانے کی اجازت دی گئی چونکہ بہشت کے ہر طبقے کی آب و ہوا مختلف تھی اور ہر جگہ کے مکانات اور حویلیاں اور محل رنگ برنگے اس لئے ان کو ہر جگہ کی چیزیں دیکھنے کا موقع دیا گیا تاکہ اس کی مثل وہ اور ان کی اولاد دنیا کو آباد کریں اور وہ وہاں کا نمونہ ان کے خیال میں بیٹھا ہوا ہو وہ دنیا میں ظاہر کریں تاکہ دنیا آخرت کا نمونہ بن جائے۔ **ولا تقربا** چونکہ دنیا میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد پر احکام خداوندی جاری ہونے والے تھے اور دنیا کی بعض چیزوں سے ان کو روکا جانے والا تھا لہذا ان کے نفس کو اس پابندی کا عادی بنانے کے لئے یہاں بھی انہیں بعض چیزوں سے روک دیا گیا اور فرما دیا گیا کہ اے آدم و حوا تم جنت میں جو چاہو کھاؤ اور جہاں چاہو جاؤ لیکن اس درخت کے قریب نہ جانا یعنی نہ اسے کھانا' نہ ادھر جانا

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے کہ اس قرب میں مکانی یعنی فقط پاس جانے کی ممانعت نہیں ہے ورنہ **لا تقربا** رے کے پیش سے ہوتا ہے کیونکہ جو قرب کے پاس جانے کے معنی میں ہے وہ مطرد کے پانچویں باب سے ہے۔ (تفسیر روح البیان)۔ بلکہ اس سے قرب استعمال مراد ہے۔ یعنی اس درخت کو کھانا تو کیا کھانے کے قریب بھی نہ ہونا (یعنی کھانے کے خیال اور اس کے اسباب سے بچنا) جیسے قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے **ولا تقربوھن** یعنی حائضہ عورتوں کے پاس نہ جاؤ فرماتا ہے۔ **ولا تقربوا مال الیتیم** یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ یہاں بھی **تقربوا** کی رے کو زیر ہی ہے نہ کہ پیش جس سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت اور یتیم کے مال کے پاس جانے سے ممانعت نہیں ہے بلکہ ان کے غلط استعمال کرنے سے روکا گیا ہے۔ **ھذہ الشجرۃ** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی خاص درخت دکھا کر ان سے یہ فرمایا گیا تھا اس میں چار روایتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ گیہوں تھا۔ اور جنت کا گیہوں بیل کے گردے کے برابر تھا اور شہد سے زیادہ میٹھا اور مکھن سے زیادہ نرم ولذیذ تھا۔ (تفسیر روح البیان، تفسیر عزیزی)۔ چونکہ اس گیہوں کی وجہ سے آدم علیہ السلام جنت سے باہر تشریف لائے اسی لئے ان کی اکثر اولاد کا رزق گیہوں قرار دیا گیا اور یہ گیہوں ہی تمام مصیبتوں کی جڑ ہے چونکہ حضرت آدم کی آزمائش مقصود تھی اسی لئے جنت میں اسی وقت یہ درخت تھا آئندہ وہاں صرف پھل فروٹ کے درخت ملیں گے۔ گندم وغیرہ دانہ کے پودے نہ ہوں گے کیونکہ یہ غذا ہی ہے وہاں غذا کی ضرورت نہیں لذت کے لئے میوے ہوں گے دوسری روایت میں ہے کہ وہ درخت انگور تھا۔ اسی لئے دنیا میں انگور کی شراب وغیرہ حرام کی گئی۔ تیسری روایت میں ہے کہ وہ درخت انجیر تھا اسی لئے آدم علیہ السلام اپنے جسم پاک پر انجیر کے پتے لپیٹ کر جنت سے باہر تشریف لائے چوتھی روایت یہ ہے کہ وہ کوئی ایسا درخت تھا کہ جس کے کھانے سے پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی۔ اور جنت ان گندگیوں سے پاک ہے وہاں تو سارے کھانے ڈکار سے ہضم ہوتے ہیں۔ تو فرمایا گیا کہ اب تم وہاں جاؤ جہاں تمہاری ضرورت (رفع حاجت) پوری ہو سکے مگر ان سب میں ترجیح پہلی روایت یعنی گیہوں والی کو ہے یہی سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں۔ **فتکونا من الظلمین** یہ بھی فرمادیا گیا کہ اگر تم نے اس حکم کے خلاف کیا تو تم ظالموں یعنی خطاکاروں میں سے ہو جاؤ گے۔ کیونکہ مالک کی بغیر اجازت اس کی چیز استعمال کرنا ظلم ہی تو ہے۔ اس طرح کرنا اپنی ذات پر ظلم کرنا ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہ تو پہلے معلوم ہو چکا کہ آدم علیہ السلام کو زمین میں رہنے اور وہاں حکومت کرنے کے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ یہ جو کچھ اب تک ہوا تھا ان کی خلافت ہی کا پیش خیمہ تھا۔ لہذا جبکہ آدم علیہ السلام کے سر پر دستار خلافت بندھ چکی اور سارے فرشتوں نے نذرانہ سجود پیش کر کے وفاداری کا حلف دے دیا تب رب نے ان سے فرمایا کہ اے آدم تم اور تمہاری بیوی بہشت میں رہو وہاں تمہیں کوئی روک ٹوک نہیں جو جی چاہے خوب کھاؤ اور جہاں چاہو سیر و تفریح کرو۔ تمہیں ہر چیز کی اجازت تو ہے مگر اس درخت (گیہوں، یا انجیر، یا انگور، یا کوئی اور خاص درخت) کے پاس تک نہ جانا یعنی کھانا تو کیا اس کا خیال تک نہ کرنا اور جو ایسا کرو گے تو یاد رکھنا کہ خرابی میں پڑ جاؤ گے۔ اور اس سے تمہارے اوپر آفت آجائے گی خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کو کچھ روز کے لئے جنت میں رکھنے کی چند حکمتیں ہیں۔ ایک تو وہی جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ بادشاہ جس کو بڑا عہدہ دینا چاہتے ہیں اس کو بی اے وغیرہ یا اعلیٰ قابلیت کی ڈگری دینے کے بعد بھی ٹریننگ دیتے ہیں۔ جس سے اس کو حکومت کرنے کا تجربہ ہو جائے علم اور چیز ہے اور تجربہ دوسری چیز آدم علیہ السلام نے جنت میں رہ کر وہاں کے فرشتوں پر بھی حکومت کی۔ وہاں کے مکانات اور

www.alahazratnetwork.org

باغات کی بناوٹ بھی دیکھی وہاں کی نعمتوں کو استعمال بھی کیا پھر بعض چیزوں کی ممانعت بھی سن لی پھر خطا ہو جانے پر عتاب الٰہی کا لطف بھی حاصل کر لیا۔ ایک محبوب اور پیاری چیز پا کر اس کے چھوٹ جانے کا غم بھی محسوس کر لیا۔ دنیا میں ان کو اور ان کی اولاد کو انہی تمام باتوں سے واسطہ پڑنا تھا۔ اس لئے اب جب دنیا میں تشریف لائے تو بالکل تجربہ کار اور پختہ ہو آئے دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ نے ان کے اور ان کی اولاد کے لئے جنت بنائی جو کہ ان کی اصل قیام گاہ ہے۔ دنیا تو ایک عارضی جگہ اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ لہٰذا ان کو جنت پہلے دکھادی گئی۔ تاکہ وہ اور ان کی اولاد ان نعمتوں کو دیکھ کر یا سن کر ان کے حاصل کرنے کی کوشش اور ان کی طلب سے ایک دم بھی غافل نہ رہیں۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں ان پر احکام ربانی بھیجے جانے والے تھے۔ جن کی مخالفت کی وجہ سے تکلیفیں آنے والی تھیں اس لئے یہاں ہی یہ کام کر کے ان کو دکھلا دیا گیا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک: یہ کہ نکاح حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ اس میں صدہا دینی اور دنیاوی فائدے ہیں۔ ایسی کوئی عبادت نہیں جو آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت تک ہر دین و ملت میں جاری رہی ہو۔ سوائے ایمان اور نکاح کے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں انہی پیغمبروں کا ذکر فرمایا جو نکاح والے ہیں عیسیٰ علیہ السلام بھی دوبارہ دنیا میں تشریف لا کر نکاح کریں گے اور یحییٰ علیہ السلام نے بھی نکاح کیا تھا۔ لیکن اس کی لذتوں میں زیادہ مشغول نہ ہوئے۔ اسی لئے رب نے ان کو حصور فرمایا دوسرے: یہ کہ جنت کی نعمتوں میں سے بیویاں اعلیٰ نعمت ہیں کیونکہ رب نے آدم علیہ السلام کی دلبستگی کے لئے ان کی بیوی کو بھی وہاں رکھا لہٰذا جن لوگوں نے جنت کی حوروں کا انکار کیا ہے انہوں نے سخت غلطی کی تیسرے: یہ کہ جنت پیدا ہو چکی ہے چوتھے: یہ کہ وہاں کی ساری نعمتیں بھی پیدا ہو چکیں ورنہ آدم علیہ السلام کے وہاں رہنے اور وہاں کی نعمتیں استعمال کرنے کے کیا معنی پانچویں: یہ کہ انسان کی پیدائش چار طریقوں سے ہوئی ماں باپ سے جیسے کہ عام انسان بغیر ماں باپ کے جیسے کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں کے جیسے حضرت حوا بغیر باپ کے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام چھٹے: یہ کہ حضرت آدم کو جنتی پھل فروٹ کھانے کی اجازت دی گئی مگر وہاں کی حوروں کے قرب کی اجازت نہ تھی کہ حوریں اس وقت ہی ملیں گی جب وہاں ثواب کے لئے جانا ہو گا ہمارے حضور بھی معراج میں تشریف لے گئے شہداء کی روحیں وہاں رہتی ہیں وہاں کے میوے کھاتی ہیں مگر حوروں سے قرب نہیں ہوتا حوروں کے متعلق رب فرماتا ہے **لم یطمثھن انس قبلھم** کیونکہ حوروں سے انسان کا نکاح بعد قیامت ہو سکے گا اب کسی دین میں جائز نہ ہوا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی تھیں کیونکہ ان کے جسم پاک سے پیدا ہوئیں تو ان کے ساتھ زوجیت کا برتاؤ کیسے جائز ہوا جواب: اولاد وہ کہلاتی ہے جو کہ اپنے نطفے سے پیدا ہو یہاں ایسا نہ ہوا لہٰذا وہ ان کی بیٹی نہ ہوئیں۔ ہمارے جسم سے بہت سی جاندار چیزیں بن جاتی ہیں سر میں جوئیں پیٹ میں بہت سے جانور پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ ہماری اولاد نہیں کہلاتے۔ کیونکہ ہمارے نطفے سے نہیں ہیں اسی لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کہنا مجاز ہے اس لئے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبریل کی پھونک سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم کا شکم شریف ان کی امانت کی جگہ تھی وہاں مریم کا بھی نطفہ نہ تھا اس کی پوری بحث انشاء اللہ سورت مریم میں کی جائے گی اور اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی ہی تھیں تو بھی جس طرح ان کی شریعت میں بہن سے نکاح جائز تھا اس طرح مجبوراً اس بیٹی سے نکاح کرنا جائز قرار

www.alahazratnetwork.org

دیا گیا کیونکہ دوسری عورت کا ملنا ناممکن تھا اگر آدم علیہ السلام کی طرح حضرت حوا کو بھی بنا دیا جاتا تو یقیناً عورت مرد میں اتنی محبت نہ ہوتی جواب ہے کیونکہ اب تو اس سے محبت ہے کہ عورت مرد کا جزو ہے اور نہ عورت کا مرد کے تابع ہونا معلوم ہوتا۔ نہ عورت مرد کے ہم جنس ہوتی جیسے دوسری جاندار چیزیں انسان کی غیر جنس تھیں ویسے یہ بھی ہوتیں اس زمانہ کے بعض واعظ اور بے دین عالم کہتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نکاح کسی جناتی سے ہوا اور حضرت حوا کے اس نکاح سے انکار کرتے ہیں اس اعتراض کی بنا پر مگر یہ نقلا" بھی غلط ہے اور عقلا" بھی نقلا" تو اس لئے کہ رب فرماتا ہے **وجعل منها زوجها** معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی زوجہ انہیں کے جسم سے بنیں انسان تھیں غیر انسان نہ تھیں عقلا" اس لئے کہ انسان کا نکاح غیر جنس سے نہیں ہو سکتا صرف انسان سے ہو سکتا ہے گائے بھینس بکری جن سب ہی انسان کے غیر جنس ہیں کسی سے نکاح جائز نہیں نیز دو جنسوں کے اختلاط سے جو اولاد ہو گی وہ انسان نہ ہو گی بلکہ کوئی اور چیز ہو گی گھوڑی گدھے سے خچر ہوتا ہے بکرے ہرنی سے ایسا بچہ ہوتا ہے جو نہ بکری ہی ہو نہ ہرن ہو اگر حضرت آدم کی بیوی جناتی ہوتی تو ان کی اولاد نہ انسان ہوتی نہ جن کوئی تیسری چیز ہوتی **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جنت میں آدم علیہ السلام کو رکھا گیا تھا وہ بہشت بریں نہ تھا بلکہ کوئی اور باغ تھا چند وجہ سے ایک یہ کہ اگر یہ بہشت بریں ہوتا تو آدم علیہ السلام وہاں سے باہر نہ آتے کیونکہ وہاں ہمیشگی ہے **خلدین فیها جواب:** جب ثواب کے لئے بہشت میں داخلہ ہو گا تو وہاں ہمیشگی ہو گی اس وقت آدم علیہ السلام کا وہاں رہنا ثواب کے لئے نہ تھا فرشتے بھی وہاں آتے جاتے رہتے تھے ادریس علیہ السلام بھی وہاں گئے ہوئے ہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات وہاں تشریف لے گئے شہیدوں کی ارواح بھی وہاں جنت میں رہتی ہیں مگر اس رہنے میں ہمیشگی نہیں ہے اسی لئے حضور علیہ السلام جنت سے واپس تشریف لائے ادریس علیہ السلام اور شہیدوں کی روحیں بھی قیامت میں وہاں سے باہر آئیں گی پھر فیصلہ ہونے کے بعد ثواب کے لئے جائیں گی **دوسری وجہ:** یہ کہ شیطان کو سجدے سے انکار کرتے ہی جنت سے نکال دیا گیا تھا پھر وہ آدم علیہ السلام کو دھوکہ دینے وہاں کس طرح پہنچ سکا نیز جنت شیطان کی جگہ ہی نہیں ہے وہ تو نیک کاروں کی جگہ ہے **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تو انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا یہاں اتنا سمجھ لو کہ اگر اس وقت شیطان جنت میں گیا بھی ہو تو وہاں ثواب کے لئے نہ گیا بلکہ اور مقصد کے لئے بیشک مسجد نمازیوں کی جگہ ہے مگر بعض لوگ جوتے چرانے کے لئے وہاں آجاتے ہیں وہاں شیطان چوری کرنے کے لئے گیا نیز جنت وغیرہ اعلیٰ مقامات سے شیطان چند بار نکالا گیا ہے ایک تو سجدے کا انکار کرتے ہی۔ اس نکالنے کا مقصد یہ تھا کہ وہاں اس کا مقام نہ رہا چھپ چھپا کر آنا جانا باقی رہا جیسے نکالا ہوا مجسٹریٹ بھی کچہری میں عام لوگوں کی طرح جا سکتا ہے۔ لیکن دوسری نوعیت سے پھر جب آدم علیہ السلام وہاں سے اتارے گئے تو شیطان کا داخلہ جنت میں تو بند ہو گیا لیکن پھر بھی آسمانوں پر جاتا آتا رہا اور فرشتوں کی گفتگو سنتا رہا اور کاہنوں کو جھوٹ سچ ملا کر اس کی خبر دیتا رہا۔ پھر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہاں سے بھی روک دیا گیا اب جانے کی کوشش کرتا ہے مگر پلٹ کر واپس آتا ہے اس کی پوری تحقیق انشاء اللہ سورت جن میں کی جائے گی **تیسری وجہ:** یہ کہ بہشت میں شرعی احکام جاری نہیں اور نہ وہاں کسی چیز کی روک ٹوک ہے اور آدم علیہ السلام کو ایک درخت سے روکا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اور باغ تھا نہ کہ بہشت بریں **جواب:** جنت کی یہ صفت بھی جب ہی ہو گی جب لوگ ثواب کے لئے وہاں داخل ہوں گے **چوتھی وجہ:** یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام سوئے تب ان کی پسلی سے حضرت حوا پیدا ہوئیں اور بہشت بریں میں کسی کو نیند نہیں کیونکہ نیند ایک قسم کی موت ہے اور وہ جگہ موت سے پاک. **جواب:** جنت کلیۃً وصف بھی تب ہی ہو گا جب ثواب کے لئے وہاں داخلہ ہوگا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ممنوعہ درخت سے کھانا ظلم تھا آدم علیہ السلام نے بھی اپنے ظلم کا اقرار کیا کہ عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** دوسری جگہ قرآن کریم ارشاد فرماتا ہے **لا ینال عھدی الظلمین** یعنی میری نبوت ظالموں کو نہ پہنچے گی ان دونوں آیتوں سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آدم علیہ السلام نبی نہ تھے کیونکہ ان سے ظلم سرزد ہوا اور ظالم نبی نہیں ہو سکتا **جواب:** اس کے نہایت مفصل مکمل جواب ہماری کتاب "قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء" میں دیکھو جس میں اس جیسے بہت سے سوالوں کا جواب دیا گیا ہے اور کچھ تفصیل اگلی آیت میں بھی کی جائے گی یہاں اس قدر سمجھ لو کہ قرآن کریم میں ظلم چند معنی میں استعمال ہوا بمعنی کفر و شرک بمعنی ستانا بمعنی فسق و فجور بمعنی حد سے آگے بڑھنا وغیرہ وغیرہ اس آیت میں ظلم کے معنی حد سے نکلنا یا کسی چیز کو بے موقع استعمال کرنا ہے آیت **ربنا ظلمنا** میں ظلم سے مراد خطاء لغزش ہو جانا اور **لا ینال عھدی الظلمین** میں ظلم سے مراد بدکاری فسق و فجور ہے یعنی بدکاروں فاسقوں کو نبوت نہیں ملے گی قرآن کریم نے سیدنا آدم علیہ السلام کی پاک دامنی کا ہر جگہ اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے کہیں فرمایا کہ ان کو شیطان نے بہکا دیا وغیرہ وغیرہ یہ اعتراض تو ایسا ہوا جیسے کوئی کہہ دے کہ اللہ مومن ہے قرآن سے ثابت ہے اور ہر مومن ہمارا بھائی ہے یہ بھی قرآن سے ثابت ہے لہٰذا اللہ ہمارا بھائی ہے جیسے یہاں مومن کے چند معنی میں فرق نہ کیا گیا ایسے ہی یہاں بھی۔

تفسیر صوفیانہ : اس خطاب سے اشارۃً معلوم ہو رہا تھا کہ آدم علیہ السلام کا یہ قیام دائمی نہ ہو گا کیونکہ جس کو ہمیشہ رکھنا ہو اس کو کسی چیز سے روکا نہیں جاتا یہ بھی سمجھ میں آ رہا تھا کہ ان سے یہ خطا ضرور ہو گی یہ بھی معلوم ہو رہا تھا کہ ان کو زمین میں جانا ہو گا کیونکہ وہ زمین ہی کی خلافت کیلئے پیدا فرمائے گئے تھے اس لئے رب نے ان کو امتحان کا خطاب فرمایا اور ان کی عزت افزائی کے لئے اس درخت سے روکا کیونکہ فرمایا کہ اے آدم تمہارے لئے ساری جنت اور وہاں کی نعمتیں مباح ہیں مگر اس درخت کے پاس نہ جانا کیونکہ یہ درخت محبت اور معرفت کا ہے جس کے لئے محنت لازم ہے اور یہ منع کرنا ہی ان کے کھانے کا سبب بنا کیونکہ انسان ممنوع چیز کی طرف زیادہ رغبت کرتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوا آدم علیہ السلام نے وہ درخت کھالیا جس کے کھاتے ہی خلافت اور محبت اور محنت کے اسرار کھل گئے اور جمال و جلال کا اظہار شروع ہو گیا خدا کی صفات توابی ستاری، غفاری، قہاری وغیرہ جو کہ اب تک دو رکھوں کی طرح راز میں تھیں۔ ظاہر ہونے لگیں کیونکہ اس درخت کے کھانے سے وہ خطاکار قرار دیئے گئے جس سے کہ انہیں توبہ کرنی پڑی اور اس توبہ سے ان کو حق تعالیٰ کی طرف سے محبت اور طہارت قلبی کے انعام عطا فرمائے گئے اس پر قرآن گواہ ہے اور فرماتا ہے **ان اللہ یحب التوابین ویحب المتطھرین** اس ممانعت سے یہ سبب نسیان عصیان ہوا۔ عصیان سے توبہ، توبہ محبت الٰہی اور محبت سے طہارت غرضیکہ اس ممانعت میں ہزار ہا راز اور اس ربانی عتاب اور سیدنا آدم علیہ السلام کی ندامت و توبہ میں ہزاروں ناز و انداز (تفسیر روح البیان) اور سچ تو یہ ہے کہ سارے عالم کا ظہور ان کی برکت ہے ان حضرات کی خطائیں ہماری عبادتوں سے افضل ہیں کیونکہ ان کی خطا سے رب کی عطا ہوتی ہے حضرت فاروق اعظم کی خطا سے قیامت تک کے مسلمانوں کو رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنے کی اجازت ملی حضرت ابو ایمہ رضی

www.alahazratnetwork.org

اللہ عنہ کے منہ سے مجبوراً "کلمہ کفر نکل دینے کی برکت سے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو ایسی مجبوری میں اس کی اجازت ملی اس لئے مولینا فرماتے ہیں۔۔۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود کفر گیرد کاملے ملت شود

فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۪

پس پھسلا دیا ان دونوں کو ابلیس نے اس سے پس علیحدہ کر دیا ان کو اس سے کہ تھے وہ بیچ

تو شیطان نے جنت سے انہیں لغزش دی اور جہاں رہتے تھے وہاں سے انہیں الگ کر دیا

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ

اس کے اور کہا ہم نے اتر جاؤ بعض تمہارے واسطے بعض کے دشمن ہیں اور واسطے تمہارے

اور ہم نے فرمایا نیچے اترو آپس میں ایک تمہارا دوسرے کا دشمن اور تمہیں ایک وقت تک

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ۝۳۶

بیچ زمین کے ٹھہرنا اور نفع پانا ہے طرف ایک وقت کے

زمین میں ٹھہرنا اور برتنا ہے

تعلق : اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک: یہ کہ اس میں بھی حق تعالیٰ کی ایک خاص اس نعمت کا ذکر ہے جو ہم کو حضرت آدم علیہ السلام کے ذریعہ عطا ہوئی یعنی ان کا جنت سے باہر تشریف لانا کیونکہ یہ تشریف آوری ہزاروں نعمتوں کی اصل ہے البتہ اتنا فرق ہے کہ پچھلی آیتوں میں ان نعمتوں کا ذکر ہے جو ظاہر و باطن ہر طرح نعمت تھیں یعنی ان کا خلیفہ ہونا اور مسجود ملائکہ بننا وغیرہ وغیرہ اس آیت میں اس نعمت کا ذکر ہے جو بظاہر زحمت ہے اور حقیقتہً "رحمت دوسرے: یہ کہ پہلی آیتوں میں دائمی نعمتوں کا ذکر تھا یعنی خلافت وغیرہ اور جنت کا داخلہ عارضی اور منقطع ہونے والی نعمت تھی جس کا اس سے پہلے ذکر ہوا اب آیت میں اس عارضی نعمت کے ختم ہونے کے اسباب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر : **فازلهما الشیطن۔ ازل۔** زلتہ سے بنا ہے اس کے چند معنی ہیں۔ دور ہو جانا" لے جانا" پھسل جانا" اسی لئے مزل پھسلتی زمین کو کہتے ہیں کہ جس پر قدم نہ ٹھہرے یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں یعنی شیطان نے آدم و حوا کو لغزش دے دی یا جنت سے دور کروایا وہ ان کو جنت سے لے گیا بہر حال یہ لفظ بتا رہا ہے کہ حضرت آدم و حوا کو جو کچھ ہوا وہ خطا" ہوا نہ کہ جان بوجھ کر اگرچہ فاعل حقیقی تو رب تعالیٰ ہے لیکن چونکہ ان واقعات کا شیطان سبب بنا۔ اس لئے اس کی طرف نسبت کر دی گئی اس بہکانے کا واقعہ یہ ہوا: کہ شیطان کے دل میں آدم علیہ السلام کی طرف سے سخت حسد پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے وہ ان کی فکر میں رہتا تھا ایک دفعہ موقعہ پا کر یا تو جنت میں خود پہنچا اس لئے کہ اگرچہ وہ جنت سے نکالا جا چکا تھا مگر اب تک اس کا وہاں آنا جانا بند نہ ہوا تھا۔ اور یا اس طرح گیا کہ جنت میں مور اور سانپ نہایت خوبصورت جانور تھے اور یہ دونوں آدم علیہ السلام کی خدمت کیا

www.alahazratnetwork.org

کرتے تھے شیطان جنت کے دروازے کے باہر پہنچا ادھر مور بھی دروازہ جنت پر آیا تھا شیطان اور مور نے آپس میں مشورہ کیا کہ کسی صورت سے آدم و حوا علیہم السلام کو دروازہ جنت تک لے آنا چاہئے۔ ادھر شیطان نے سانپ سے مشورہ کیا کہ تو مجھ کو منہ میں لے کر جنت کی دیوار پر اس وقت پہنچا دینا۔ جب کہ آدم علیہ السلام دروازے پر آئے ہوئے ہوں یہ تجویز طے ہونے کے بعد مور نے حضرت آدم و حوا کے سامنے ناچنا شروع کیا یہ دونوں حضرات رقص کے دیکھنے میں مشغول ہوئے مور ناچتے ناچتے پیچھے ہٹنے لگا یہ دونوں صاحب اس کی طرف آگے بڑھنے لگے یہاں تک کہ مور ناچتا ہوا دروازہ جنت پر آگیا جس کے ساتھ ہی ساتھ یہ دونوں صاحب بھی وہاں پہنچ گئے ادھر سانپ بھی تیار کھڑا تھا شیطان کو فوراً اپنے منہ میں لے کر جنت کی دیوار تک پہنچ گیا۔ اس ترکیب سے شیطان آدم علیہ السلام کے سامنے آگیا اور اس کو کچھ ان سے گفتگو کرنے کا موقع مل گیا لہٰذا شیطان تو جنت سے باہر رہا آدم علیہ السلام اندر اور پھر ان کی گفتگو ہو گئی تفسیر کبیر میں اس قصے پر کچھ جرح فرمائی ہے۔ مگر تفسیر عزیزی نے بلا جرح اس کو نقل فرمایا کچھ بھی ہو بہرحال شیطان ان کے روبرو پہنچ گیا اور جا کر عرض کیا کہ مجھ سے آپ کے حضور میں بڑی بے ادبی ہوئی کہ میں نے آپ کو سجدہ نہ کیا جس کے سبب میں ملعون ہو گیا۔ اب میں چاہتا ہوں کہ اس گناہ کا کفارہ ادا کروں اور آپ کو ایسے مرتبے پر پہنچا دوں جس سے آپ مجھ پر راضی ہو جائیں اور آپ کو مجھ پر جو غصہ ہے۔ وہ جاتا رہے یہ کہہ کر بولا کہ آپ اپنی اس تعظیم و تکریم پر فریفتہ نہ ہو جائیں کیونکہ آپ کو آخر کار موت آنے والی ہے۔ جس سے کہ تمام عیش و آرام ختم ہو جائیں گے حضرت آدم نے پوچھا کہ موت کیا چیز ہے شیطان مردہ جانور کی طرح ان کے سامنے پڑ گیا اور جان کنی کے وقت جو حالت ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں پٹکنا' روح کا نکلنا' تڑپنا وغیرہ ان کو دکھلا دیا یہ دونوں حضرات اس حالت کو دیکھ کر ڈر گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ کیا اس موت سے بچنے کی کوئی تدبیر ہے۔ اس نے کہا کہ ہاں قرآن کریم نے خود اس کا کلام نقل فرمایا کہ **ھل ادلکم علی شجرۃ الخلد و ملک لا یبلی** یعنی میں تم کو ایسے درخت کا پتہ بتاتا ہوں کہ جو اسے کھالے ہرگز نہ مرے اور اس کی بادشاہت بھی فنا نہ ہو انہوں نے پوچھا وہ کون سا درخت ہے اس نے وہی درخت بتایا جس سے ان صاحبوں کو منع فرمایا گیا تھا فرمایا کہ یہ درخت تو سلطنت جانے کا سبب ہے ہم کو حق تعالیٰ نے اس سے منع فرمایا اگر ہم یہ درخت کھالیں تو اس کے عتاب میں آجائیں گے اگر یہ فائدے مند ہوتا تو ہم کو اس کے پاس سے کیوں منع فرمایا جاتا شیطان نے کہا **ما نھکما ربکما عن ھذہ الشجرۃ الا ان تکونا ملکین او تکونا من الخلدین** یعنی رب تعالیٰ نے تم کو اس درخت سے اس لئے منع نہیں کیا ہے کہ اس سے تمہیں کچھ نقصان پہنچے گا بلکہ اس لئے کہ تمہیں خلافت کے لئے پیدا کیا گیا اور خلافت وہی کر سکتا ہے جو حق تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ دوسری فکروں میں بھی مشغول رہے اور حق تعالیٰ سے کچھ دور بھی رہے فرشتوں کی طرح صرف عابد اور رب سے بالکل قریب نہ ہو۔ اس درخت میں یہ تاثیر ہے کہ جو کوئی کھالیتا ہے وہ فرشتہ بن جاتا ہے پھر اس سے خلافت کا بوجھ نہیں اٹھ سکتا۔ دیکھو بادشاہ بھی اس شخص کو کہیں کا حاکم بنا کے بھیجتا ہے۔ جو بادشاہ کی دوری گوارہ کر سکے۔ نیز اس درخت کا کھانے والا کبھی بہشت سے نہیں نکل سکتا اور یہاں موت نہیں چونکہ تمہیں خلیفہ کرنا منظور ہے اور خلیفہ وہی ہو سکتا ہے جس کو موت بھی آسکے تا کہ خلافت اس کی نسل میں جاری ہو غرضیکہ حق تعالیٰ کی یہ ممانعت نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی اور نہی تنزیہی کی پہچان ہی یہی ہے کہ جو انسان کے دنیوی فائدے کی خاطر کی جائے جیسے قرآن شریف میں ہے **ولا تسئموا ان تکتبوہ صغیرا او کبیرا** قرض کم ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں کوتاہی نہ کرنا نیز تمہارے رب نے اس کے کھانے سے منع نہیں کیا بلکہ درخت کے پاس

www.alahazratnetwork.org

جانے سے روکا ہے۔ آپ پاس نہ جائیں۔ لائیے میں دیتا ہوں کھا آپ لیں اور اگر رب نے کھانے سے ہی منع فرمایا ہو تو یہ ممانعت آپ کی شروع پیدائش کے وقت تھی۔ اس وقت اس کو ہضم کرنے کی آپ میں طاقت نہ تھی اب بفضلہ تعالیٰ آپ قوی ہو چکے ہیں اب اس کا کھانا پینا مضر نہیں غرضیکہ ہر پہلو پر گفتگو کر گیا یہ کہہ کر قسمیں کھا گیا کہ میں تمہارا ابدالی خیر خواہ ہوں **و قاسمهما انی لکما لمن النصحین** حضرت آدم علیہ السلام کو اس کی قسموں پر اعتبار آگیا وہ یہ سمجھے کہ کسی میں یہ ہمت ہی نہیں کہ رب تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھائے آدم علیہ السلام کو یہ خیال نہ رہا کہ رب سے پوچھ لیں۔ پوچھنا بھول گئے کیونکہ نہ بھولتے دنیا میں آکر رنگ نکالتا تھا۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام یوسف علیہ السلام کو بھائیوں کے ساتھ بھیجتے وقت اللہ کو سونپنا بھول گئے چالیس یا اسی سال کی جدائی ہو گئی۔ اس جدائی کی برکت سے آپ کو سلطنت ملی اور بنی اسرائیل مصر میں آباد ہوئے۔ حضور بدر کے قیدیوں کے متعلق انتظار وحی فرمانا بھولے اس بھول کی برکت سے ان تمام قیدیوں کو بعد میں ایمان نصیب ہوا اگر اس وقت قتل ہو جاتے تو ایمان کیسے ملتا۔ غرضیکہ ہماری بھول شیطانی ' نفسانی ہوتی ہے۔ پیغمبر کی بھول رحمانی جس کے شاندار نتیجے نکلتے ہیں خیال رہے کہ شیطان نے حضرت آدم و حوا کو ایک دم نہیں بہکایا بلکہ حضرت حوا کو پہلے اور بعد میں آدم علیہ السلام کو اسی طرح پہلے وہ درخت حضرت حوا نے کھایا پھر آدم علیہ السلام نے (تفسیر عزیزی)۔ **عنها** اس ضمیر کا مرجع یا جنت ہے یا درخت یعنی شیطان نے ان آدم و حوا کو جنت سے لغزش دے دی۔ یا اس درخت کے متعلق **فاخرجهما** اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ شیطان اپنی کوشش میں ناکام رہا۔ کیونکہ اس کا مقصود یہ نہ تھا کہ آدم علیہ السلام صرف جنت سے باہر ہو جائیں بلکہ وہ چاہتا تھا کہ وہ اپنے درجے سے گر جائیں۔ اس میں کامیاب نہ ہوا کیونکہ آدم علیہ السلام جنت سے باہر تو آگئے مگر ان کا درجہ اور زیادہ ہو گیا۔ پھر قرآن کریم نے فرمایا **فتاب علیہ۔ مما کانا فیه** اس میں بھی بہت پر لطف نکتہ ہے۔ وہ یہ کہ یہاں **من الجنته** فرمایا گیا بلکہ اتنی بڑی عبارت ارشاد ہوئی تاکہ معلوم ہو جائے کہ آدم علیہ السلام جنت سے بالکل محروم نہ ہوئے بلکہ ان کا وہ عارضی قیام جاتا رہا اور وہاں بھیجا گیا جہاں کی خلافت کے لئے انہیں پیدا کیا گیا تھا۔ لہذا یہ شر ان کے لئے سبب خیر بنی **و قلنا اهبطوا۔**
اهبطوا صیغہ جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں تم سب نیچے اتر جاؤ۔ یا تو اس میں خطاب آدم علیہ السلام کو اور ان کی اولاد کو ہے جو اس وقت ان کی پشت میں تھے یعنی اے سارے انسانو تم سب نیچے اتر جاؤ۔ یا پانچ چیزوں سے حضرت آدم حضرت حوا اور شیطان اور مور اور سانپ خیال رہے کہ ان سب کو اترنے کا یکساں حکم دیا گیا ہے لیکن ان کی نوعیتوں میں بڑا فرق ہے آدم علیہ السلام اتر کر اپنے دار السلطنت یعنی زمین پر تشریف لائے۔ یا اپنے جسمانی وطن میں آئے کیونکہ ان کا جسم پاک زمین سے ہی بنا تھا۔ شیطان وغیرہ فساد برپا کرنے کے لئے پردیس میں آیا یوں سمجھو کہ مسلمان کمانے کے لئے زمین میں بھیجے گئے اور کفار اپنی کمائی فنا کرنے کے لئے یہ بھی خیال رہے کہ شیطان کا یہ نکلنا دوبارہ ہے کہ جس کے بعد جنت میں داخلہ ہی بند ہو گیا۔ **بعضکم لبعض عدوا۔** اس میں یا انسانوں سے خطاب ہے کہ بعض انسان بعض کے دشمن ہیں۔ کافر مومنوں کے بدبخت نیک بختوں کے ' جاہل عالموں کے فاسق و فاجر لوگ دین داروں کے ہمیشہ دشمن رہیں گے اور یا ان پانچوں سے خطاب ہے۔ جو جنت سے باہر آئے یعنی شیطان انسان کا دشمن اور انسان شیطان کا ' اسی طرح سانپ انسان کا اور مور کا دشمن۔ انسان اور مور سانپ کا **بعضکم** اس لئے فرمایا کہ ان میں سے سب ایک دوسرے کے دشمن نہ ہوں گے چنانچہ مرد و عورت آپس میں دشمن نہیں۔ اسی طرح مور اور سانپ اور شیطان آپس میں دشمن نہیں نیز بعضے انسان اپنی حماقت اور بیوقوفی سے سانپ یا شیطان سے محبت کر لیتے ہیں۔ نیز

www.alahazratnetwork.org

مومنین آپس میں دوست ہیں اور کفار آپس میں۔ لہذا نہ تو تمام افراد ایک دوسرے کے دشمن نہ تمام دوست ہیں۔ **و لکم فی الارض مستقر** اس سے معلوم ہوا کہ سب کا ٹھہرنا زمین ہی میں ہے بعض زمین کے اوپر جیسے زندہ انسان اور بعض زمین کے اندر جیسے جنات اور سانپ اور اگر کچھ دیر کے لئے انسان یا مور' درخت' یا ہوا میں بھی رہے تب بھی وہ زمین پر ہی ہے کیونکہ یہ چیزیں زمین پر ہیں۔ غور کیا جائے تو سب چیزیں زمین پر چند طریقے سے رہتی ہیں۔ کبھی باپ کی پیٹھ میں' کبھی ماں کے رحم میں' زندگی میں زمین کے اوپر اور بعد موت زمین کے اندر **و متاع الی حین** اس میں یہ بتایا گیا کہ ہمارے سارے زندگی کے سامان غذا لباس وغیرہ زمین ہی سے پیدا ہوں گے اور تم ان سے نفع حاصل کرو مگر ہمیشہ نہیں بلکہ خاص وقت تک' یا موت تک' یا قیامت تک۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین میں ہمیشہ کوئی نہ رہے گا۔ سب یہاں سے منتقل کر کے مختلف مقامات میں بھیج دیئے جائیں گے اس میں آدم علیہ السلام کو خوشخبری دی گئی کہ جس طرح آپ کا جنت میں یہ قیام عارضی تھا اسی طرح زمین میں رہنا بھی عارضی ہو گا۔ پھر آپ کو وہاں ہی بلایا جائے گا۔ آپ مستقل وہاں رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر : اس سے پہلے آدم علیہ السلام کے جنت میں جانے اور شیطان کے وہاں سے نکل جانے کا واقعہ بیان کیا جا چکا اب فرمایا کہ اس جانی دشمن یعنی شیطان نے کسی صورت سے حضرت آدم و حوا کے پاس جا کر ان کو سبز باغ دکھائے اور بہت دلیلوں سے سمجھایا کہ یہ درخت تمہارے لئے فائدہ مند ہے اور قسمیں کھا کر انہیں اطمینان دلایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آدم علیہ السلام اس کے دھوکے میں آ گئے۔ ممانعات الہی کے اصل مقصد کو بھول گئے اس درخت کو کھا لیا۔ آخر شیطان نے ان کو علیحدہ ہی کر دیا۔ ہم نے بھی انہیں حکم دیا کہ اب تم سب کے سب زمین پر اتر جاؤ۔ اور وہاں آپس کی عداوت کی تکلیف اٹھاؤ اور موت تک وہیں رہو اور وہاں ہی کما کر کھاؤ۔

آدم علیہ السلام کا جنت سے باہر تشریف لانا : آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف لانے کا واقعہ جو قرآن کریم اور احادیث شریفہ اور محدثین و مورخین سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ حضرت حوا نے پہلے خود وہ دانہ کھایا پھر آدم علیہ السلام کو کھلا دیا اس کھانے کا یہ اثر ہوا کہ ان کے جسموں سے جنتی لباس جاتا رہا اور وہ حضرات برہنہ رہ گئے۔ مارے شرم کے انجیر کے درخت کے پتوں سے اپنے جسموں کو چھپانے لگے اسی حالت میں رب کی طرف سے ندا آئی کہ آدم و حوا کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع نہ کیا تھا اور کیا تم سے نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے اس کے فریب میں نہ آنا یہ حضرات عذر کے سوا اور کیا عرض کر سکتے تھے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ ان سب کو زمین پر اتار دو چنانچہ آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں شہر سراندیپ کے اس پہاڑ پر اتارا گیا جس کو نود کہتے ہیں اور حضرت حوا کو ساحل عرب پر جدے میں اور مور کو مرج الہند میں اور شیطان کو جنگل میسان میں جو کہ بصرے سے کچھ فاصلے پر ہے یا جہاں آج یاجوج ماجوج کی دیوار قائم ہے' سانپ کو بجستان یا اصفہان میں اسی لئے وہاں اب بھی سانپ زیادہ ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کو کھیتی باڑی کرنے اور معاش حاصل کرنے کی تکلیف دی گئی۔ حضرت حوا کو حیض و حمل اور کمی عقل اور نقصان میراث ملی۔ سانپ کے پاؤں غائب کر دیئے گئے اور اس کو پیٹ کے بل چلایا گیا اس کی غذا مٹی قرار دی گئی۔ مور کے پاؤں بدشکل کر دیئے گئے۔ ابلیس کی صورت مسخ کر دی گئی اور نہایت رسوا کر کے دنیا میں رکھا گیا سید ناموتی علی فرماتے ہیں کہ ہندوستان کی زمین اس لئے ہری بھری ہے اور عود اور قرنفل وغیرہ خوشبوئیں اس لئے وہاں

www.alahazratnetwork.org

پر پیدا ہوتی ہیں کہ آدم علیہ السلام جب اس زمین پر آئے تو ان کے جسم میں جنتی درخت کے پتے تھے اور پتے ہوا سے اڑ کر جس درخت پر پہنچے وہ ہمیشہ کے لئے خوشبودار ہو گیا آدم علیہ السلام جنت سے مختلف قسم کے بیج اور تین قسم کے پھل اور حجر اسود' سیاہ پتھر جو اب خانہ کعبہ میں لگا ہوا ہے اور وہ عصا جو بعد میں موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ آیا جس کی لمبائی دس گز تھی اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ اور کچھ سونا چاندی' اور کچھ کھیتی باڑی وغیرہ کے اوزار بھی ساتھ لائے" آدم علیہ السلام اس قدر گریہ و زاری میں مشغول ہوئے کہ ان نعمتوں سے بے خبر ہو گئے۔ شیطان نے موقع پا کر ان کو اپنا ہاتھ لگایا۔ جس جس تخم پر اس کا ہاتھ لگا وہ زہریلا ہو گیا۔ اور جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا اس کا نفع برقرار رہا۔ سیدنا آدم علیہ السلام کے ساتھ تین قسم کے جنتی میوے آئے۔ ایک وہ جو پورے کھالئے جاتے ہیں دوسرے وہ جن کا اوپری حصہ کھالیا جاتا ہے اور گٹھلی پھینک دی جاتی ہے جیسے خرما وغیرہ' تیسرے وہ جن کا اوپری چھلکا پھینک دیا جاتا ہے اور اندرونی حصہ کھالیا جاتا ہے۔ صحیح روایت میں ہے کہ ان کے ساتھ لوہے کے اوزار بھی تھے۔ ایک سنڈاسی جس سے لوہا پکڑتے ہیں' دوسرے ہتھوڑا' تیسرے ایرن نیز حجر اسود جب جنت سے آیا تو اس کی روشنی کئی میل تک جاتی تھی۔ جہاں اس کی شعاعیں پہنچتی تھیں اسی حد تک حرم کر حدیں قائم ہوئی۔ نیز آدم علیہ السلام کو دنیا میں آ کر بہت وحشت اور گھبراہٹ ہوئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بحکم الٰہی زمین پر آئے اور بلند آواز سے اذان کہی جب آدم علیہ السلام نے اذان میں حضور علیہ السلام کا نام سنا تب ان کی وہ وحشت دور ہوئی۔ یہ تمام واقعات صحیح احادیث سے ثابت ہیں جن کو شاہ عبد العزیز محدث دہلوی نے تفسیر عزیزی میں اسی مقام پر جمع فرمایا۔ **ذریعہ معاش:** اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ سب سے اول کپڑا بننے کا کام آدم علیہ السلام نے کیا اور بعد میں کھیتی باڑی کے کام میں مشغول رہے۔ نوح علیہ السلام کا ذریعہ معاش لکڑی کا تھا۔ (بڑھئی پیشہ) ادریس علیہ السلام درزی گری۔ حضرت ہود اور صالح تجارت حضرت ابراہیم علیہ السلام کھیتی باڑی کرتے تھے موسیٰ علیہ السلام نے کچھ مدت بکریاں چرائیں' داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ سلیمان علیہ السلام اتنے بڑے بادشاہ ہو کر درختوں کے پتوں سے پنکھے اور زنبیل وغیرہ بنا کر گزر کرتے تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے کوئی پیشہ اختیار نہ فرمایا بلکہ ہمیشہ سیر فرماتے تھے اور فرماتے تھے کہ جس نے مجھے ناشتہ دیا ہے وہی شام کا کھانا بھی دے گا۔ اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے ہمیشہ بارش کا پانی یا کنوئیں کا پانی کبھی نہ پیا سب سے پہلے آدم علیہ السلام نے ہی چاندی سے روپیہ اور سونے سے اشرفیاں بنائیں۔

آدم علیہ السلام کی وفات: جب آدم علیہ السلام کا وقت آخر آیا' آپ کو جنتی میوے کھانے کی خواہش ہوئی اپنے فرزندوں سے کہا کہ کعبہ معظمہ میں جاؤ اور وہاں دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ میری یہ تمنا پوری کرے۔ فرزندان آدم حکم پا کر وہاں پہنچے انہیں حضرت جبرئیل و دیگر فرشتے ملے جن سے انہوں نے آدم علیہ السلام کی فرمائش کا حال بیان کیا۔ فرشتوں نے کہا ہمارے ساتھ آؤ ہم جنت کے میوے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ چنانچہ یہ سب آدم علیہ السلام کے پاس پہنچے حضرت حوا ان فرشتوں کو دیکھ کر ڈرنے لگیں اور چاہا کہ آدم علیہ السلام کے دامن میں چھپ جائیں انہوں نے فرمایا کہ حوا اب تم مجھ سے الگ رہو' میرے اور رب کے قاصدوں کے درمیان آڑ نہ بنو فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کی اور ان کے بیٹوں سے کہا کہ جس طرح ہم آپ کے والد کا کفن دفن کریں ویسے ہی تم بھی کیا کرنا جبرئیل علیہ السلام جنت کی مرکب خوشبو اور جنتی حلے کا کفن اور بہشتی بیری

www.alahazratnetwork.org

کے کچھ پتے اپنے ساتھ لائے تھے۔ ان کو خود غسل دیا اور کفن پہنایا اور خوشبو ملی اور ملائکہ ان کالاشہ مبارک کعبہ میں لائے اور ان پر سارے فرشتوں نے نماز جنازہ ادا کی جس میں حضرت جبرئیل امام تھے اور باقی فرشتے مقتدی اور اس نماز میں چار تکبیریں کہیں۔ جیسے کہ آج ہوتی ہیں پھر مکہ معظمہ سے تین میل فاصلہ پر مقام منیٰ میں لے گئے جہاں کہ حاجی قربانی کرتے ہیں اور اسی جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سیدنا اسمٰعیل کی قربانی کی وہاں مسجد خیف کے قریب بغلی قبر کھودی گئی اور ان کو دفن کر کے ان کی قبر کو اونٹ کی پیٹھ کی طرح ڈھلوان بنایا بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ ان کے لاشہ مبارک کو ان کی اولاد میں سے ڈیڑھ سو آدمی خانہ کعبہ میں لائے لہٰذا آدم علیہ السلام کی قبر منیٰ میں مسجد خیف کے پاس ہے اور حضرت حوا کی قبر جدے شریف میں اسی طرح تفسیر عزیزی میں حضرت مجاہد سے روایت ہے ان کے کچھ اور واقعات انشاء اللہ اگلی آیت میں بھی آئیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ کوئی شخص اپنے سے شیطان کو دور نہ جانے اور نہ اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری کا بھروسہ کرے دیکھو اس نے ایک پیغمبر کو جنت میں پہنچ کر فریب دیا حالانکہ جگہ محفوظ تھی اور آدم علیہ السلام معصوم ہر طرح حفاظت تھی ہم معصوم بھی نہیں دنیا جگہ محفوظ بھی نہیں پھر شیطان سے امن میں کیسے رہ سکتے ہیں اس سے ہمیشہ کھٹکتے رہنا چاہیے۔ دوسرے یہ کہ بڑے بڑوں کو عورتوں کے ذریعہ پھانستا ہے۔ روایت میں ہے کہ عورتیں شیطان کی رسیاں ہیں۔ دیکھو سیدنا آدم کو حضرت حوا کے ذریعہ درخت کھلایا۔ تیسرے یہ کہ خطا کی وجہ سے اللہ کی نعمتیں چھین لی جاتی ہیں۔ سیدنا آدم کی ایک خطا سے جنت کی ساری نعمتیں دور ہو گئیں۔ چوتھے یہ کہ اگرچہ ساری چیزیں رب ہی کی طرف سے ہیں لیکن ادب یہ ہے کہ برائیوں کو اپنی یا شیطان کی طرف نسبت کرے اور بھلائیوں کو رب کی طرف دیکھو آدم علیہ السلام کے جنت سے علیحدہ ہونے کو شیطان کی طرف نسبت دی گئی اور خود آدم علیہ السلام نے اپنی خطا کو اپنی طرف نسبت دی کہ عرض کیا ربنا ظلمنا انفسنا ہاں شیطان نے کہا اغویتنی یعنی خدایا تو نے مجھے گمراہ کر دیا۔ اس لئے وہ تو مردود ہوا اور آدم علیہ السلام محبوب رہے۔ پانچویں یہ کہ دشمن سے غافل نہیں رہنا چاہیے وہ ہمیشہ تاک میں رہتا ہے۔ جیسے شیطان آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا رہا۔ چھٹے یہ کہ ہر ایک کی عمدہ باتیں سن کر دھوکہ نہ کھانا چاہیے۔ کیونکہ بہت دفعہ زبان دل کے خلاف ہوتی ہے شیطان نے کتنی اچھی باتیں کہیں۔ مگر دل میں حسد تھا۔ ساتویں یہ کہ سب سے پہلے تقیہ شیطان نے کیا۔ تقیہ شیطانی کام ہے کہ دل میں عداوت چھپا کر زبانی دوست بن کر حضرت آدم کے پاس پہنچا۔

اعتراض : پہلا اعتراض حضرت آدم نے ہم کو جنت سے نکلا' خطا انہوں نے کی اور اسے بھگت ہم رہے ہیں عام بے دین) حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

من ملک بودم و فردوس بریں جائم بود آدم او دوریں دیر خراب آبادم

جواب یہ بالکل غلط ہے بلکہ تم جیسے بے دینوں نے آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکالا کیونکہ تم ان کی پشت میں تھے اور جنت بے دینوں کی جگہ نہیں ہے۔ اس لئے مرضی الٰہی یہ ہوئی کہ آدم ان بے دینوں کو زمین پر پھینک آئیں پھر ہمیشہ کے لئے جنت میں تشریف لائیں انسان کو پلیدی پاخانہ میں لے جاتی ہے نہ کہ پلیدی کو انسان یعنی جب حاجت ہوتی ہے تب اس کے نکالنے کے لئے پاخانہ جانا پڑتا ہے۔ حافظ شیرازی کا مطلب غلط سمجھا وہ یہ فرما رہے ہیں کہ میں اس سے پہلے عالم ارواح میں نہایت بے

www.alahazratnetwork.org

فکری میں تھا میرے ماں و باپ مجھ کو دنیا میں لے آئے آدم سے مراد انسان ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوا۔ شعر۔

میں خود آیا نہیں لایا گیا ہوں نہ اس کا بھید سمجھایا گیا ہوں

یا یہ کہ حافظ صاحب یہ مضمون آدم علیہ السلام کی طرف سے فرما رہے ہیں یعنی آدم علیہ السلام کہتے ہیں کہ میں بہشت بریں میں رہتا تھا لیکن میری بعض اولاد مجھ کو اتار لائی۔ آدم بمعنی انسان کیونکہ ظاہر ہے کہ جنت میں آدم علیہ السلام رہتے تھے نہ کہ حافظ صاحب۔ دوسرا اعتراض پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام ان کے خواص اور سارے حالات کی تعلیم فرمادی تھی۔ تعجب یہ ہے کہ شیطان نے اس درخت کے متعلق غلط خبر دے دی اور آدم علیہ السلام نے قبول کرلی آدم علیہ السلام کو خبر ہونی چاہئے تھی کہ اس درخت کے وہ خواص نہیں جو شیطان بیان کر رہا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ شیطان کو اپنا دوست کیسے سمجھ گئے انہیں اوروں کے کفر و ایمان کا بھی پتہ ہونا چاہئے تھا کیونکہ وہ سب کے سارے حالات سے واقف تھے۔ جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ شعر ہے۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

یہ سب باتیں آدم علیہ السلام کے علم میں تھیں مگر ہونے والی ہو کے رہتی ہے جب یہ موقع آیا سب کچھ بھول گئے جیسے قرآن کریم فرما رہا **فنسی** آدم علیہ السلام بھول گئے۔ جاننا اور چیز ہے اور علم حضور دوسری چیز انہیں اس وقت علم تھا۔ حضور نہ رہا جیسے کہ دنیا میں سب جانتے ہیں کہ حضور علیہ السلام شفیع المذنبین ہیں مگر قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام کے سوا کسی ولی نبی قطب غوث کو یہ خیال نہ رہے گا اور ادھر ادھر کسی شفاعت کرنے والے کو ڈھونڈتے پھریں گے اور سوا عیسیٰ علیہ السلام کے کوئی پیغمبر شفیع المذنبین کا صحیح پتہ نہ دیں گے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو جس طرح اور سب باتیں معلوم تھیں ایسے ہی اپنا یہ سارا واقعہ بھی معلوم تھا کہ ایسا ہو کر رہے گا اس لئے شیطان سے بحث جرح نہ کی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ جب کربلا کی طرف روانہ ہوئے تو لوگوں نے ڈر کر روکنا چاہا تو فرمایا کہ میں خود نہیں جا رہا ہوں مجھے کوئی لئے جا رہا ہے۔ صاحب اسرار حضرات مرضی الٰہی پاکر دانستہ بھلا دیتے ہیں۔ اس کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں۔ تیسرا اعتراض: آدم علیہ السلام سے یہ گناہ سرزد ہوا پھر انہیں معصوم کیونکر کہا جاسکتا ہے حق تعالیٰ نے بھی فرمایا ہے۔ **فعصی ادم ربہ فغوی** یعنی آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی خود انہوں نے بھی عرض کیا کہ **ربنا ظلمنا انفسنا** جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کو معصوم ماننا غلط ہے۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب ہماری کتاب "قہر کبریا" میں دیکھو یہاں اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ اہلسنت و جماعت کے نزدیک انبیاء کرام کفر و شرک اور عمداً گناہ کبیرہ اور ایسے ہی گناہ صغیرہ سے ہمیشہ معصوم رہتے ہیں جو نبوت کی شان کے خلاف ہیں۔ ہاں خطا یا بھول کر ایسا صغیرہ گناہ سرزد ہو سکتا ہے۔ جس سے کہ شان نبوت میں فرق نہ آئے حضرت آدم علیہ السلام سے جو کچھ ہوا یا خطائے اجتہادی کی وجہ سے تھا مگر چونکہ نیکوں کی بھلائیاں بھی مقربین کے درجے کے لحاظ سے برائیاں ہوتی ہیں اس لئے ان خطاؤں کو بھی وہ حضرات گناہ فرما دیتے ہیں اور ہم جیسے گنہگاروں سے ان جیسی خطاؤں کی پرسش نہیں ہوتی لیکن ان کے بلند درجے کے لحاظ سے ان لغزشوں پر بھی عتاب آجاتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہوا عصمت انبیاء کی بے شمار دلیلیں ہیں جن سے صرف چند دلیلیں یہاں عرض کرتا ہوں۔ پہلی دلیل: گنہگار فاسق ہوتا ہے اور فاسق کی مخالفت کرنا ضروری اور نبی کی اطاعت کرنا فرض اگر نبی گنہگار یا فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو جائے اور مخالفت بھی یہ اجتماع ضدین ہے۔ دوسری دلیل:

www.alahazratnetwork.org

فاسق کی بات بلا تحقیق نہ ماننی چاہئے قرآنی حکم ہے اور پیغمبر کی بات بلا تحقیق ہی ماننا ضروری ہے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات کا ماننا اور نہ ماننا دونوں ضروری ہوں گے۔ اور یہ اجتماع نقیضین ہے۔ **تیسری دلیل:** گنہگار سے شیطان راضی ہوتا ہے۔ اس لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان راضی اور وہ حزب اللہ میں داخل اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار ہوں تو معاذ اللہ وہ حزب الشیطان (شیطانی گروہ) میں داخل ہوں گے۔ نیز پیغمبر کے گناہ کرتے وقت اگر کوئی امتی نیکی کر رہا ہو تو اس وقت اور اس آن میں وہ امتی نبی سے افضل ہو گا۔ اور یہ بات بالکل باطل ہے۔ **چوتھی دلیل:** رسول فرشتوں سے افضل ہیں، قرآن فرمارہا ہے۔ **ان اللہ اصطفی ادم و نوحا" و ال ابرھیم و ال عمرن علی العلمین** جس سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر تمام جہان سے افضل اور جہان میں فرشتے بھی داخل ہیں۔ لہٰذا نبی فرشتوں سے افضل اور فرشتے یقیناً گناہوں سے معصوم ان کی شان میں رب فرمارہا ہے۔ **لا یعصون اللہ** یعنی فرشتے کبھی گناہ نہیں کرتے۔ اب اگر نبی گناہ کریں تو درجے میں فرشتوں سے کم ہو جائیں گے کیونکہ قرآن فرمارہا ہے۔ **ام نجعل المتقین کالفجار** جس سے معلوم ہوا کہ متقی گنہگار کے برابر نہیں ملائکہ تو متقی ہیں۔ اگر نبی ایک آن کے لئے فاسق بن جائیں تو ملائکہ کے برابر نہ رہیں گے۔ **پانچویں دلیل:** قرآن کریم سے ثابت ہے کہ رب نے شیطان سے فرمایا تھا کہ میرے خاص بندوں پر تیرا داؤ نہ چلے گا۔ شیطان نے بھی کہا تھا کہ خداوندا میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کروں گا سوائے تیرے خاص بندوں کے۔ صالح علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ اے لوگو! جس سے میں تم کو روکوں اس کو خود کرنے کا کبھی خیال بھی نہ کرنا فرماتے ہیں **وما ارید ان اخالفکم الی ما انھکم عنہ** جب رب کہے کہ میرے نبیوں پر شیطان غالب نہیں آسکتا۔ انبیاء بھی فرمائیں کہ ہم گناہ کار لوگ بھی نہیں فرماتے، شیطان بھی کہے کہ پیغمبروں پر میرا داؤ نہیں چلتا۔ اب جو شخص ان کو گنہگار مانے وہ شیطان سے بھی بدتر ہے۔ لہٰذا جو حدیثیں ایسی ملیں جن سے پیغمبروں کے گناہ ثابت ہوں وہ قابل قبول نہیں۔ اور جن آیات سے ان کے گناہ کرنے کا دھوکہ پڑتا ہے ان کی توجیہ یا تاویل ضروری ہے تاکہ قرآنی آیتوں میں تعارض نہ ہو مجھ سے ایک شخص نے یہی اعتراض کیا تھا اور کہنے لگا کہ نبیوں کا کفر و شرک اور گنہگار ہونا قرآن سے ثابت ہے۔ میں نے اس کو یہی جواب دیا وہ نہ مانا میں نے کہا کہ پھر تم رب کو بھی گنہگار مانو۔ کیونکہ قرآن کریم میں آتا ہے۔ **و مکر اللہ** نیز فرمایا گیا۔ **وھو خادعھم** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ دھوکہ اور مکر فرماتا ہے اور یہ باتیں گناہ ہیں۔ تب وہ کہنے لگا کہ ان آیتوں کا یہ مطلب نہیں، بلکہ یہ ہے۔ ہم نے کہا کہ جیسے یہاں اور مطلب نکالتے ہوا ایسے ہی وہاں انبیاء کے لئے بھی اور مطلب نکالو تب وہ لاجواب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: فرشتے محض عابد تھے اور انسان عبادت مع محبت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ محبت کے لئے محبت ضروری ہے۔ جنت محبت سے پاک ہے، اس لئے ضروری تھا کہ آدم علیہ السلام امتحان محبت کے لئے زمین کی امتحان گاہ (یونیورسٹی) میں آئیں۔ نیز یہ زمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش تھی اور جنت وغیرہ ان کے معراج کا مقام اس لئے ضروری تھا کہ آدم علیہ السلام وہ جگہ خالی کر کے زمین میں تشریف لائیں۔ لہٰذا ان کی تشریف آوری کی یہ صورت ہوئی کہ دست قدرت نے اچھی تدبیر سے شیطان کی آڑ میں آدم علیہ السلام کو وہاں سے اتارا جیسے کہ یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کی آڑ میں کنعان سے مصر پہنچایا تاکہ وہاں عنا کے بعد غنا عطاء فرمائی جائے۔ آدم علیہ السلام کو بھی سلامت سے ملامت کی طرف فرح سے طرح کی

www.alahazratnetwork.org

طرف نعت سے نعمت کی طرف محبت سے محنت کی طرف قربت سے غربت کی طرف الفت سے کلفت کی طرف وصلت سے فرقت کی طرف منتقل کیا گیا۔ ان کو جنت میں ہر چیز سے انس تھا۔ محبوب یہ کب چاہتا ہے کہ میرا حبیب کسی اور کو بھی چاہے محبت میں شرکت اسرار والوں کے مذہب میں شرک ہے۔ لہٰذا ان سب سے علیحدہ کرکے اور سب کو حضرت آدم کا دشمن بنا کر پیاروں سے چھڑا کر چلہ کشی کے لئے گوشہ ء زمین میں بھیجا گیا اور فرمایا گیا کہ اپنے اس چلے کو پورا کرکے پھر ہمارے پاس تشریف لاؤ۔ آدم علیہ السلام کا زمین میں آنا ایسا تھا جیسا کہ دانے کا زمین میں جانا کہ دانہ مالک کے گھر سے نکل کر غربت کے جنگل میں جاتا ہے وہاں بارش دھوپ کی سختیاں برداشت کرکے ہرا بھرا کھیت بنتا ہے۔ پھر پھل بن کر اور بھوسہ پتے دور کرکے مالک کے گھر لوٹ آتا ہے۔ آدم علیہ السلام کو زمین کی کھیتی میں بھیجا گیا۔ اطاعت کے پانی سے سیراب کیا گیا۔ جس سے کہ عبادت کی شاخیں نکلیں اور اسی میں شریعت، حقیقت، طریقت، معرفت کے پھل لگے کفار جو بھوسہ کے مثل تھے۔ علیحدہ چھانٹ دیئے گئے اور وہ دانہ اپنے ساتھ بہت سے دانوں کو لے کر جہاں سے آیا تھا وہیں گیا۔

فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ

پس پالیے آدم نے سے رب اپنے کچھ کلمے پس توبہ قبول کی اوپر ان کے

پھر سیکھ لیے آدم نے اپنے رب سے کچھ کلمے تو اللہ نے اس کی توبہ قبول کی بے شک وہی

التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ ۞

تحقیق وہ ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان

بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کا گزری ہوئی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ اس میں بھی خدا کی اس ایک نعمت کا ذکر ہے جو آدم علیہ السلام کے ذریعہ سب انسانوں پر کی گئی یعنی توبہ کی قبولیت خیال رہے کہ عیسائیوں و آریوں وغیرہ کفار کے ہاں توبہ کا مسئلہ نہیں۔ عیسائی تو کہتے ہیں کہ ہم کو کوئی گناہ مضر نہیں ہمارا کفارہ مسیح کو سولی ہو چکی۔ آریہ وغیرہ کہتے ہیں کہ کسی گناہ کی معافی نہیں سزا ضرور بھگتنی پڑے گی۔ ان دونوں مسئلوں میں انسان گناہ پر دلیر ہوتا ہے۔ معافی کا یقین اور معافی سے مایوسی جرم کراتی ہے۔ خوف و امید گناہ سے روکتی ہے یہ توبہ میں ہے اگر قبول ہو جائے تو چھٹکارا ہے قبول نہ ہو تو جوتا خواری ہے۔ غرضیکہ مسئلہ توبہ تقویٰ کی اصل ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلی آیت میں خطا کا ذکر تھا۔ اور اب عطا کا یا پہلے عتاب کا ذکر ہوا تھا۔ اور اب اس کی انتہا کا۔

تفسیر : فتلقی ادم عربی زبان میں "ف" "فوراً" کے معنی میں آتی ہے جس سے بلا تاخیر بعد میں ہونا سمجھا جاتا ہے۔ یعنی پہلے آدم علیہ السلام سے وہ خطا ہوئی اور پھر فوراً" ان کو کچھ کلمات کی عطا ہوئی ظاہر تو یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کے زمین پر تشریف لانے اور بہت عرصے تک معافی کے لئے بے قرار رہنے اور بہت گریہ زاری کرنے کے بعد یہ توبہ کی قبولیت کا واقعہ ہوا۔ روایتوں

www.alahazratnetwork.org

سے بھی یہی ثابت ہے چنانچہ روایت میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے زمین پر آکر تین سو برس تک شرم کی وجہ سے آسمان کی طرف سر نہ اٹھایا۔ اور اس قدر روئے کہ آپ کے آنسو تمام زمین والوں کے آنسوؤں سے زیادہ ہیں تب کچھ دعائیہ کلمے انہیں یاد آئے اس صورت میں یا تو یہ "ف" "ثم کے معنی میں ہے تو معنی آیت کے یہ ہوں گے کہ پھر بہت عرصہ بعد توبہ قبول ہونے کا واقعہ ہوا۔ اور یا اس آیت سے پہلے ایک پورا مضمون محذوف ماننا پڑے گا۔ یعنی آدم علیہ السلام کو نیچے آنے کا حکم ملا۔ پس وہ نیچے آئے اور کئی سو سال تک پریشان رہے جب یہ سب گریہ زاری کر چکے تب فوراً" ان کی توبہ قبول ہوئی بعض نے فرمایا کہ فوراً" رب تعالیٰ کے نزدیک تھا نہ کہ دنیا کے لحاظ سے یہاں تین سو سال گزر چکے تھے۔ مگر رب کے نزدیک ایک آن تھی۔ یہاں کے ہزار سال وہاں کا ایک دن ہے بلکہ دنیا میں ہر ایک کا فوراً" مختلف ہوتا ہے۔ آرام سے سونے والا رات کو آن محسوس کرتا ہے۔ بے چینی میں گزارنے والا اسی رات کو ایک سال سمجھتا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ قبول توبہ کا واقعہ جنت ہی میں ہو چکا تھا اور آدم علیہ السلام قبول توبہ کے بعد زمین پر تشریف لائے (تفسیر روح البیان)۔ اور دنیا میں آکر ان کا گریہ وزاری فرمانا جنت اور حضرت حوا کے فراق میں ہو مگر یہ قول ضعیف ہے۔ جب توبہ قبول ہو چکنے کے بعد زمین پر تشریف لائے تو پھر بیوی سے علیحدگی کیسی اور پریشانیاں کہاں۔ یعنی رب تعالیٰ معافی دے کر کسی کو بلاوجہ پریشانی میں نہیں ڈالتا۔ صوفیائے کرام اس رونے کے کچھ اور اسرار بیان کرتے ہیں جس کو ہم تفسیر صوفیانہ میں بیان کریں گے۔ تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جب انہیں جنت سے نیچے آنے کا حکم ہوا اب ان کی توبہ قبول ہونے کا واقعہ بھی ہو گیا۔ پھر اس کے بعد زمین پر تشریف لائے اس صورت میں "ف" اپنے معنی میں رہی اور آئندہ جو دوسرا **اهبطوا** آرہا ہے اس نے علیحدہ معنی دیئے اور اس صورت میں آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا خطا کی بناء پر نہ رہا بلکہ عطائے خلافت کے لئے **فتلقی**۔ تلقی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ملنا۔ کسی چیز کا پانا' حاصل کرنا۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں اور دعائیہ کلمے حضرت آدم اور حضرت حوا دونوں کو عطا ہوئے تھے لیکن صرف آدم علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ کیونکہ عورتیں مردوں کی تابع ہوتی ہیں۔ اسی لئے قرآن کریم کے اکثر احکام مردوں کے خطاب سے ہیں۔ عورتیں اس میں تبعاً" داخل ہیں۔ **من ربہ**۔ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ باتیں رب کی طرف سے سکھائی گئی تھیں۔ یا تو بطور الہام یا بطریق وحی۔ اگر الہام تھا تو حضرت آدم و حوا دونوں کو ہوا اور اگر بطریق وحی تھا۔ تو آدم علیہ السلام پر وحی آئی اور انہوں نے وہ وحی حضرت حوا کو سنائی اس صورت میں آدم علیہ السلام نے پہلے توبہ کی حضرت حوا نے بعد میں **کلمت**۔ اس میں دو قرائتیں ہیں۔ کلمات "ت" کو پیش اور زیر یعنی آدم علیہ السلام نے کلمے پالئے یا ان کلموں نے آدم علیہ السلام کو پالیا وہ کلمے کیا تھے۔ اسے قرآن کریم نے دوسری جگہ خود بیان فرمایا ہے۔ **ربنا ظلمنا انفسنا الخ** مگر تفسیر عزیزی اور تفسیر خزائن العرفان اور تفسیر روح البیان نے طبرانی حاکم ابو نعیم اور بیہقی کی روایت نقل کی کہ سیدنا عمر فاروق اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے ارشاد فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی پریشانی انتہا کو پہنچ چکی تو ان کو ایک دن یاد آیا کہ میں نے اپنی پیدائش کے وقت عرش اعظم پر لکھا دیکھا تھا کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ جس سے معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ کا وہ درجہ ہے کہ ان کا نام عرش اعظم پر رب کے نام کے ساتھ لکھا ہوا ہے۔ تدبیر یہی ہے کہ انہیں کے وسیلے سے دعائے مغفرت کروں۔ چنانچہ اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا۔ **اسئلک بحق محمد ان تغفرلی** ابن منذر کی روایت میں یہ کلمات ہیں۔ **اللھم انی اسئلک بجاہ محمد عبدک و کرامتہ علیک ان تغفرلی خطیتی** یعنی یا رب میں تجھ سے تیرے بندۂ خاص محمد

www.alahazratnetwork.org

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی عزت اور مرتبے کے طفیل اور اس بزرگی کے صدقے میں جو انہیں تیرے دربار میں حاصل ہے۔ مغفرت چاہتا ہوں تب فوراً" جواب الٰہی آیا کہ اے آدم تم نے اس شہنشاہ کو کہاں سے جانا۔ حضرت آدم نے سارا ماجرا عرض کیا۔ حکم الٰہی آیا کہ اے آدم وہ محبوب سب پیغمبروں سے پچھلے پیغمبر ہیں تمہاری اولاد سے ہیں۔ اگر وہ نہ ہوتے تو تم کو بھی پیدا نہ کیا جاتا۔ **فتاب علیہ تاب توبۃ** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں لوٹنا اور رجوع کرنا۔ بندے کی توبہ ہے گناہ سے اطاعت کی طرف رجوع کرنا اور حق تعالیٰ کی توبہ ہے سزا سے مغفرت کی طرف رجوع فرمانا لہذا توبہ رب کی بھی صفت ہے۔ اور بندے کی بھی مگر علیحدہ علیحدہ معنی سے۔ بندے کی مکمل توبہ یہ ہے کہ گذشتہ گناہوں سے شرمندہ ہو اور فی الحال وہ گناہ چھوڑے اور آئندہ اس گناہ سے بچنے کا عہد کرے اگر حقوق سے توبہ کرتا ہے تو ان کو ادا بھی کرے۔ مثلاً نمازیں رہ گئیں ہیں تو ان کی قضا کر ڈالے۔ اگر کسی کا قرض ہے تو ادا کروے خیال رہے کہ توبہ کے کچھ ارکان ہیں۔ کچھ شرطیں، کچھ مستحبات۔ اور نماز روزے کی طرح توبہ کا بھی ایک وقت ہے اس کی تفصیل انشاء اللہ کسی اور مقام پر بیان کریں گے۔ **انہ ھو التواب الرحیم**' اس میں اللہ کی دو صفتوں کا ذکر ہے۔ ایک تواب' دوسری رحیم۔ تواب کے معنی ہیں بہت توبہ قبول فرمانے والا کہ اگر انسان ہزاروں بار توبہ کرے اور پھر غلطی سے گناہ صادر ہو تا رہے تب بھی اس کی توبہ قبول ہوتی رہتی ہے۔ نیز وہ خود ہی توبہ کی توفیق دیتا ہے اور اس کے اسباب جمع فرماتا ہے۔ رحیم کے معنی بسم اللہ کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب آدم علیہ السلام جنت سے باہر زمین پر تشریف لائے تو ایک دم بہت سی مصیبتوں میں گرفتار ہو گئے۔ جنت سے چھوٹنے کا غم اپنی بیوی حوا کی جدائی' اپنی وحشت اور تنہائی۔ پھر رب تعالیٰ کا عتاب۔ اس عتاب کی وجہ سے سخت پریشانی تھی۔ اس پریشانی میں تین سو سال تک اس قدر روئے کہ ان کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ پانچ آدمی بہت روئے ہیں۔ (1) آدم علیہ السلام اپنی خطا پر۔ (2) یعقوب علیہ السلام فراق فرزند میں۔ (3) یحییٰ علیہ السلام خوف الٰہی سے۔ (4) حضرت فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی وفات کے بعد۔ (5) امام زین العابدین واقعہ کربلا کے بعد۔ مگر ان تمام حضرات میں آدم علیہ السلام کی گریہ و زاری سب سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ تین سو سال تک متواتر روئے ہیں۔ تفسیر عزیزی میں ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی ان کی گریہ و زاری پر رونا آگیا۔ انہوں نے بھی بارگاہ الٰہی میں آدم علیہ السلام کی سفارش اور شفاعت کی تب رحمت الٰہی نے ان کی دستگیری فرمائی اور ان کو رحمت للعالمین علیہ السلام کا نام یاد دلایا اور اس کے ذریعہ توبہ قبول ہوئی۔

آدم علیہ السلام کی توبہ : یہ تو معلوم ہو چکا کہ آدم علیہ السلام کئی سو برس تک اپنی خطاء پر نادم رہے جب توبہ کا وقت آیا اور آدم علیہ السلام کے دل میں ان دعاؤں کا القاء ہوا۔ وہ عاشورہ یعنی دسویں محرم اور رعالباً" جمعہ کا دن تھا۔ عاشورہ جمعہ کو بڑے اہم واقعات ہوئے' آدم علیہ السلام کی توبہ' نوح علیہ السلام کی کشتی کا زمین پر آنا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ ایوب علیہ السلام کی شفاء۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا اور فرعون کا غرق ہونا۔ یعقوب علیہ السلام کا یوسف علیہ السلام سے ملنا۔ امام حسین کا کربلا میں شہید ہونا' سب دسویں محرم کو ہوا۔ ان بزرگوں نے گیارہویں شب راحت کی گزاری اس لئے اہلسنت گیارہویں شریف کرتے ہیں۔ بظاہر حضور غوث پاک کی فاتحہ ہوتی ہے در حقیقت ان تمام بزرگوں پر انعام الٰہی ملنے کی خوشی آپ کو ان کلمات کے ملنے سے بہت خوشی ہوئی آپ نے وضو فرمایا اور خانہ کعبہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ دو رکعت

www.alahazratnetwork.org

نماز ادا کی اور پھر ان کلمات سے دعا مانگی۔ جب آدم علیہ السلام جنت سے تشریف لائے تھے تب ان کے چہرے مبارک کا رنگ سیاہ ہو گیا تھا اور توبہ قبول ہونے کے بعد ان کو حکم ہوا کہ چاند کی تیرہویں اور چودھویں اور پندرہویں کا روزہ رکھو چنانچہ آپ نے یہ روزے رکھے اور ہر دن میں جسم کا تہائی حصہ اصلی رنگ پر آتا رہا۔ پندرہویں تاریخ کو تمام جسم پاک اصلی رنگ پر آگیا۔ یہ تینوں روزے نوح علیہ السلام کے زمانہ تک فرض رہے۔ اسلام میں بھی کچھ زمانے ہر مہینے کے یہ تین روزے فرض رہے اب فرض تو نہیں۔ مگر سنت ہیں توبہ قبول ہونے کے بعد عرفات کے مقام میں حضرت حوا سے ملاقات ہوئی اور ایک نے دوسرے کو پہچانا۔ اسی لئے اس میدان کو عرفات کہتے ہیں۔ یعنی پہچاننے کی جگہ۔ جب آدم علیہ السلام جنت سے آئے تھے۔ تو ان سے عربی زبان بھی سلب کر لی تھی یعنی بھلادی گئی تھی۔ اتنے روز تک سریانی زبان میں کلام فرمایا۔ توبہ قبول ہونے کے بعد عربی زبان پھر عطا ہوئی۔ پھر حضرت جبرئیل نے تمام عالم کے جانوروں کو آواز دی کہ اے جانورو حق تعالیٰ نے تم پر اپنا خلیفہ بھیجا ہے۔ اس کی اطاعت اور فرمانبرداری کرو۔ دریائی جانوروں نے اپنا سر اٹھا کر اطاعت ظاہر کی۔ اور خشکی کے جانور آپ کے آس پاس جمع ہو گئے آدم علیہ السلام ان پر ہاتھ پھیرنے لگے جن پر ان کا ہاتھ پہنچ گیا وہ اہلی اور خانگی رہا۔ جیسے گھوڑا' اونٹ' بکری' کتا' بلی وغیرہ اور جس پر آپ کا ہاتھ نہ پہنچا وہ جنگلی وحشی رہا۔ جیسے ہرن وغیرہ اس واقعہ کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا مولیٰ اولاد بہت کمزور ہے اور ابلیس کا فریب بہت سخت اگر تو ان کی امداد نہ کرے تو وہ ابلیس سے کیونکر بچ سکیں گے۔ حکم الٰہی آیا کہ اے آدم تمہارے اور احکام تھے ان کے لئے دوسرے احکام ہوں گے۔ ہم ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ رکھیں گے جو اس کو شیطان کے وسوسے سے بچائے گا اور ہر ایک کے لئے اس کے مرنے کے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا رکھیں گے۔ تب آپ نے خوش ہو کر شکر کیا۔ اسی تفسیر عزیزی میں ہے کہ آپ کی اولاد بیٹے پوتے وغیرہ آپ کی موجودگی میں چالیس ہزار تک پہنچ چکے تھے۔ اور آپ نے آخر عمر میں خاموشی اختیار فرمائی تھی کہ بجز ذکر الٰہی دیگر کلام بہت کم فرماتے تھے۔ آپ کی وفات کا پورا واقعہ ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: یہ کہ مقبولان بارگاہ کے وسیلے سے دعا مانگنی جائز اور سنت آدم علیہ السلام ہے۔ دوسرے: یہ کہ کوئی عبادت بغیر وسیلہ نبی قبول نہیں۔ دیکھو آدم علیہ السلام کئی سو برس تک گریہ وزاری میں مشغول رہے۔ مگر بغیر حضور کے نام کے مقصود پورا نہ ہوا۔ تیسرے: یہ کہ دعا میں بحق فلاں کہنا جائز ہے۔ چوتھے: یہ کہ توبہ کے لئے گریہ وزاری کرنا بہت فائدہ مند ہے۔ (مثنوی شریف میں ہے)۔

طفل یک روزہ ہمیں داند طریق — کہ بگریم تاشود دایہ شفیق
تو نمی دانی کہ دائیگاں — چوں دہد بے گریہ شیر اندر دہاں
چوں خدا خواہد کہ مایا ری کند — میل مارا جانب زاری کند
باش چوں ولاب نالاں چشم تر — تاز صحن جان بر روید خضر
آخرے ہر گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پانچویں: یہ کہ انسان نے زمین پر آکر سب سے پہلی عبادت توبہ کی ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ ہر وقت توبہ کرتا رہے۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹے: یہ کہ دنیاوی بادشاہوں کا یہ حال ہے کہ ان کے قریب رہنے والوں کو ان کا خوف کم ہوتا ہے۔ مگر بارگاہ الٰہی میں جس قدر زیادہ قرب اسی قدر زیادہ خوف ساتویں: یہ کہ دعا و ظیفے وہ زیادہ مقبول ہیں جو کسی مقبول کے ذریعے ہیں۔ آدم علیہ السلام اس عرصہ میں ہر طرح کی دعائیں کرتے رہے مگر قبولیت اس دعا کو ہوئی جو رب کی طرف سے ملی کلمات کے فیض کے ساتھ زبان کا بھی فیض چاہیے۔ کلام ربانی کے لئے زبان بھی فریدانی چاہیے۔ کارتوس کے لئے رائفل بھی ضروری ہے مریدین اپنے پیر سے دعاؤں وظیفوں کی اجازت لیتے ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ آٹھویں: یہ کہ خطاہم کرلیتے ہیں بخشش کے لئے رب کرم فرماتا ہے دیکھو خطاء کی نسبت حضرت آدم علیہ السلام کی طرف کی گئی اور بخشش کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف۔

اعتراض: پہلا اعتراض: جب آدم کی توبہ قبول ہی کرنی تھی تو ان کو اتنے روز تک پریشان کیوں رکھا گیا۔ جواب: جو چیز مشکل سے حاصل ہوتی ہے اس کی قدر بھی ہوتی ہے۔ دوسروں کو اس سے عبرت حاصل ہوتی ہے۔ نیز حضرات انبیاء کرام کی یہ پریشانیاں ان کے درجے بڑھانے کا ذریعہ بنتی ہیں۔ دوسرا اعتراض: فقہاء فرماتے ہیں کہ دعا میں بحق فلاں کہنا منع ہے اور اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جائز ہے۔ جواب: یہ دونوں کلام صحیح ہیں حق تعالیٰ پر کسی کا اپنا ذاتی حق نہیں اس معنی سے حق فلاں کہنا منع ہے۔ لیکن اس نے اپنے مقبول بندوں کو اپنے فضل و کرم سے کچھ حقوق عطا فرمائے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اس معنی سے کہنا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ: فرشتے ہمیشہ عبادت کرتے تھے لیکن اب تک انہوں نے توبہ و گریہ و زاری کی عبادت نہ کی تھی۔ سیدنا آدم علیہ السلام نے زمین پر آتے ہی یہی عبادت کی جنت کا فراق حضرت حوا کی جدائی تو رونے کا بہانہ تھا۔ درحقیقت اپنی محبت میں ان کو رلانا تھا۔ مجاز حقیقت کا پل ہے۔ حکایت: مثنوی شریف میں فرمایا کہ ایک بار مجنوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا مولا تو نے مجھے عشق لیلیٰ دے کر اس مصیبت میں کیوں ڈال دیا کہ تمام دنیا میں رسوا ہو گیا اور یہاں کی لذتیں اور عیش سب بھول گیا۔ جواب ملا۔

عشق لیلیٰ نیست ایں کار من است	حسن لیلیٰ عکس رخسارے من است
خوش بیاید نالہء شب ہائے تو	ذوق ہادارم بیار بہائے تو

اے دیوانے یہ لیلیٰ کا عشق نہیں ہے۔ وہ تو فقط ایک پردہ ہے۔ لیلیٰ کا رخسار آئینہ جمال یار ہے۔ جس کے ذریعہ تجھ کو اس کا دیدار حاصل ہوتا ہے۔ روح البیان شریف نے ایک مقام پر فرمایا کہ بظاہر یعقوب علیہ السلام فراق یوسف میں رو رہے تھے مگر درحقیقت خالق یوسف کی محبت ان کی رلا رہی تھی کیونکہ وہ کنعان میں بیٹھے ہوئے یوسف علیہ السلام کا ہر حال دیکھ رہے تھے۔ پھر ان کے لئے فراق کیسا اس پر لطف مضمون کو انشاء اللہ ہم سوۂ یوسف کی تفسیر میں بیان کریں گے اور اپنی کتاب "جاء الحق" میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ روایات میں ملتا ہے کہ ایک بار لیلیٰ مجنوں کے پاس گئی اور کہا کہ میں ہی وہ لیلیٰ ہوں جس کے فراق میں تو تڑپ رہا ہے۔ اس نے جواب دیا تو میری لیلیٰ کہاں سے آئی تو ایک انسان ہے۔ غرضیکہ نام لیلیٰ کا رہ گیا اور کام کسی اور کا غرضیکہ قلب آدم علیہ السلام کو جب توبہ کے صابن سے صاف کر دیا گیا اور آنکھوں کے پانی سے اس کو خوب دھویا تب رحمت الٰہی کی بارش ان پر ہوئی اور ان کو اپنا قرب عطا فرمایا۔ تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے قلب

www.alahazratnetwork.org

میں محبت الٰہی کا تخم بویا گیا۔ اور چشمہء چشم کے پانی (آنسوؤں) سے اس کو سیراب کیا گیا۔ تو اس تخم کی پہلی شاخ ربنا ظلمنا انفسنا ظاہر ہوئی اور اس شاخ پر توبہ کی کلیاں نمودار ہوئیں۔ جس سے ہدایت کا پھول کھلا۔ اجتباء معرفت کا پھل حاصل ہوا۔ جسے قرآن کریم نے فرمایا ثم اجتبہ ربہ فتاب علیہ و ھدیٰ

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى

کہا ہم نے اترو تم اس سے سب کے سب پس اگر آئے تمہارے پاس طرف سے میری ہدایت

ہم نے فرمایا تم سب جنت سے اتر جاؤ پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت آئے

فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾

پس جس نے پیروی میری ہدایت کی پس نہیں کوئی ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تو جو میری ہدایت کا پیرو ہوا اسے نہ کوئی اندیشہ اور نہ کوئی غم

تعلق : اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک: یہ کہ اس میں بھی اس ایک نعمت کا ذکر ہے جو آدم علیہ السلام کے ذریعے انسانوں کو ملی۔ یعنی ان کا زمین پر تشریف لانا۔ پھر زمین میں احکام الٰہی کا آنا۔ ان کی وجہ سے مومن و کافر میں فرق ہونا۔ دوسرے: یہ کہ اس سے پہلے کی آیت میں اس خطا کا ذکر ہوا۔ جو آدم علیہ السلام کو بہشت سے زمین پر لائی۔ اب ان نیک عملوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو کہ پھر ان کو اور ان کی اولاد کو زمین سے جنت میں پہنچائیں گے۔ تیسرے: یہ کہ اس سے پہلے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونے کا تذکرہ ہوا۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ فقط اس سے ہی جنت میں واپسی نہ ہوگی بلکہ اس کے لئے نیک اعمال کرنا ہوں گے۔

تفسیر : **قلنا اھبطوا منھا** یہ بھلا اس سے پہلے بھی آچکا ہے لیکن اس میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ وہ قبول توبہ سے پہلے فرمایا گیا تھا اور یہ اس کے بعد اگر جنت ہی میں توبہ ہوئی تھی جیسا کہ بعض علماء فرماتے ہیں تو جنت ہی میں دوبارہ اتر جانے کا حکم دیا گیا۔ بعد میں توبہ قبول ہوئی پھر فرمایا گیا کہ اگرچہ توبہ تو قبول ہوئی مگر اترنا ضرور پڑے گا۔ لہٰذا **اھبطوا** آدم علیہ السلام کے علم کے لئے تھا۔ اور دوسرا عمل کے لئے اور اگر زمین پر توبہ قبول ہوئی جیسا کہ روایت سے ثابت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم زمین میں ہی رہو جہاں تم کو اتارا گیا۔ کیونکہ اب تمہاری بعض اولاد جنت میں آئے گی۔ اور بعض نہ آئے گی کیونکہ اگر بغیر عمل ہی جنتیوں کو جنت میں بلایا جائے تو دوزخیوں کو اعتراض کرنے کا موقع ملے گا۔ لہٰذا عمل کر کے آؤ۔ دوسرا فرق: یہ ہے کہ پہلے اھبطوا میں سارے اترنے والوں کو خطاب تھا۔ لیکن یہاں صرف اولاد آدم علیہ السلام کو کیونکہ آگے احکام کا ذکر ہے۔ جس سے سانپ اور مور وغیرہ علیحدہ ہیں۔ تیسرا فرق: یہ ہے کہ اھبطوا کے ساتھ عداوت کی تکلیف وغیرہ کا ذکر تھا۔ جس سے معلوم ہوا تھا کہ زمین تکلیف کی جگہ ہے اس اھبطوا کے ساتھ رب کے احکام کا ذکر ہے اور یہ بتایا جا رہا ہے کہ جو کوئی دنیا میں رہ کر ہماری فرمانبرداری کرے گا۔ وہ وہاں کے خوف و غم سے محفوظ رہے گا۔ چوتھا فرق: یہ ہے کہ اس اھبطوا میں حق تعالیٰ سے دور ہونے کا ذکر تھا اور یہاں اس سے قرب کا۔ یعنی دنیا میں رہو۔ لیکن اگر ہماری اطاعت کرو گے تو وہاں یعنی ہم سے قریب ہی

www.alahazratnetwork.org

رہو گے۔ بہر حال دوبارہ اس کا ذکر بیکار نہیں ہے۔ **جمیعا** " اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت آدم و حوا سانپ مور وغیرہ سب ہی کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا۔ کوئی وہاں باقی نہ رکھا گیا۔ لیکن اس سے یہ لازم نہیں کہ سب ایک دم ہی نکلے ہوں۔ ممکن ہے کہ ساتھ ہی نکلے ہوں یا آگے پیچھے۔ نیز اگر یہ خطاب صرف آدم و اولاد آدم کو ہو اور مطلب یہ ہو کہ تم سب نیچے رہو تو لازم یہ نہیں کہ سب کا نیچے رہنا یکساں اور ایک ہی مدت تک ہو گا۔ بلکہ بعض اللہ کے بندے قیامت سے پہلے جنت پہنچ جائیں گے جیسے شہداء کی روحیں حضرت ادریس علیہ السلام بعض قیامت کے بعد جیسے تمام مسلمان **فاما یاتینکم** لفظ **اما** ان شرطیہ اور **ما** زائدہ سے بنا ہے۔ اس کا استعمال ایک کے موقع پر ہوتا ہے۔ اور **یاتین** میں نون سے تاکید پیدا ہوئی تو آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اگر ضرور آئے تمہارے پاس چونکہ رب کی طرف سے انبیائے کرام اور کتابوں کا آنا یقینی تھا۔ اس لئے نون استعمال فرمایا گیا لیکن بندوں کو اس ہدایت کے پانے میں شک تھا۔ کیونکہ بعض ماں کے پیٹ میں بعض بچپن ہی میں مرجاتے ہیں اور بعض دیوانگی میں عمر گزارتے ہیں اور بعضے وہ ہیں جن تک نبوت کی روشنی نہیں پہنچی جیسے زمانہ جاہلیت کے لوگ ان کے لحاظ سے بطریق شک **اما** ارشاد ہوا۔ یعنی رب کی طرف سے ہدایت تو ضرور آئے گی لیکن اگر تم اس کو پاؤ تو تم اطاعت کرنا۔ یہاں کم سے خطاب صرف انسانوں کو ہے کیونکہ شیطان اور سانپ اور مور کے پاس نہ کوئی کتاب آئی نہ رسول۔ اور بہت ممکن ہے کہ اس خطاب سے حضرت آدم و حوا بھی خارج ہوں کیونکہ آدم علیہ السلام لوگوں کے لئے خود ہدایت تھے اور حضرت حوا اس ہدایت کو پاچکی تھیں۔ اب ان کے پاس ہدایت آنے کے کیا معنی۔ لیکن اس کی ایک تفسیر ایسی بھی ہو سکتی ہے۔ جس میں انسان و جن جانور وغیرہ سب داخل ہو جائیں وہ انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جائے گی۔ **منی** سے معلوم ہوا کہ ہدایت رب کی طرف سے ہی آتی ہے۔ خواہ کسی ذریعہ سے ملے۔ فرشتے بلاواسطہ پاتے ہیں انبیاء کرام کبھی فرشتوں کے ذریعہ سے کبھی بلاواسطہ صحابہ کرام انبیاء کے ذریعے سے اور ان کے بعد کے لوگ علماء مشائخ کے ذریعہ غرضیکہ ابتداء ایک ہے گو انتہاء میں فرق اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو باتیں شیطان کی طرف سے آئیں وہ نہ ہدایت ہیں اور نہ ان کی اطاعت فائدہ مند۔ **ھدی** یہ مصدر یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا اسم فاعل کے معنی میں یعنی اگر تمہارے پاس ہدایت آئے یا ہدایت دینے والی چیزیں آئیں جیسے کہ انبیاء کرام آسمانی کتابیں اور پیغمبروں کی شریعتیں **فمن تبع ھدی** اس جگہ بجائے ضمیر کے لفظ ہدایت ارشاد ہوا۔ یعنی **تبعہ** نہ فرمایا کیونکہ پہلی ہدایت میں اور اس میں بہت فرق ہے پہلی ہدایت سے ہدایت دینے والی چیزیں مراد تھیں اور اس ہدایت سے اعمال وغیرہ مراد ہیں۔ نیز ہر ایک کی ہدایتیں علیحدہ ہیں اور اس کی اتباع میں فرق جیسے سورج ایک ہے مگر اس کا فیض زمینوں اور زمانوں میں مختلف بنگال میں اور پھل پیدا کرتا ہے۔ کشمیر میں اور سردی میں فیضان کسی قسم کا ہے گرمی میں دوسری قسم کا۔ **فلا خوف علیھم** خوف کے معنی ہیں ڈر یعنی آئندہ مصیبت پر خطرہ اور اندیشہ اس سے معلوم ہوا کہ جو ہدایت پر قائم رہے اسے یا تو موت کے وقت یا قیامت کے دن یا قبر میں کوئی خوف نہ ہو گا۔ اور یا دنیا اور آخرت میں ان کے لئے کوئی حقیقتہً "خوف کی بات نہ ہو گی۔ خیال رہے کہ خوف دو قسم کا ہوتا ہے ایک فائدہ مند اور دوسرا نقصان دہ۔ رب کی اطاعت نہ کرسکے نقصان دہ ہے۔ سردی کے خوف سے نماز چھوڑ دی جائے۔ بے دینوں کے ڈر سے تبلیغ بند کر دی جائے۔ یہ نقصان دہ۔ رب کا' پیغمبر کا' قیامت کا' جہنم کا خوف فائدہ مند ہے۔ جس سے کہ ایمان اور تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ مگر رب کے مقابلہ میں مخلوق کا خوف۔ جس کی وجہ سے انسان رب کی اطاعت

www.alahazratnetwork.org

نہ کرسکے نقصان وہ ہے سردی کے خوف سے نماز چھوڑدی جائے بے دینوں کے ڈر سے تبلیغ بند کردی جائے یہ نقصان وہ خوف ہے اور یہاں اسی ہی خوف کی نفی ہے۔ کیونکہ علٰے نقصان کے لئے آتا ہے یعنی ان کے لئے وہ خوف نہیں جو ان پر وبال بن جائے۔ رہا خوف الٰہی جس کو خشیۃ کہتے ہیں یہ تو ان کو اعلیٰ درجے کا حاصل ہوتا ہے۔ نیز سانپ بچھو وغیرہ موذی جانوروں سے ڈرنا بھی اس میں داخل نہیں کیونکہ یہ خوف بھی مضر نہیں ہے موذی چیزوں سے خوف ایذا ہوتا ہے۔ جس کا نتیجہ نفرت ہے رب تعالیٰ اور اس کے رسول سے خوف ہیبت ہے۔ جس کا نتیجہ اطاعت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کی قوم سے ڈر ہوا جب پہلی بار عصا سانپ بنا تو ڈر ہوا یہ خوف ایذا تھا۔ جس کی بنا پر آپ کو ان سے نفرت ہو گئی۔ وہ خوف اس آیت کے خلاف نہیں۔ یا مطلب اس کا یہ ہے کہ ان کے لئے حقیقتاً کوئی خوف کی چیز نہیں ہے۔ یعنی اگرچہ وہ دل میں ڈریں لیکن ڈر کی کوئی چیز نہیں ہے۔ جیسے کہ وکیل مدعی سے کہتا ہے کہ تمہیں اس مقدمے میں کوئی خوف نہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ تم پر کوئی ایسی آفت آنے والی ہی نہیں جس کا کوئی اندیشہ ہو۔ نہ یہ کہ تمہارے دل میں خوف نہیں۔ اسی لئے **لا خوف** فرمایا نہ کہ **لا یخافون۔ ولا هم یحزنون' یحزنون۔** حزن سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں غم اور افسوس۔ یعنی یہ اللہ والے یا موت کے وقت یا قبر و حشر میں غم نہ کریں گے۔ کیونکہ دنیا سے کامیاب آئے ہیں۔ کما کر لائے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا و آخرت میں دنیاوی نعمتوں کے حاصل نہ ہونے پر غم نہیں کرتے کیونکہ ان کی نگاہ میں دین ہوتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کو وہ غم نہ ہو گا جو کفار اور فاسقوں کو ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: آدم و حوا علیہما السلام جب جنت سے چلے تو اب انہیں یہ خبر نہ تھی کہ آیا ہم ہمیشہ کے لئے جا رہے ہیں یا پھر کبھی بھی یہاں آنا میسر ہو گا اور اس جگہ رہ کر بھی تعلق رب سے رہے گا یا نہیں۔ ان کے اطمینان کے لئے فرمایا کہ اب تو تم سب جنت سے اتر کر زمین پر جاؤ لیکن وہاں تم پر ہماری نظر عنایت رہے گی۔ اور ہم تمہارے پاس اپنی ہدایت یعنی عقل سلیم عجائبات قدرت انبیاء کتابیں اور پھر انبیاء کے نائب علماء و مشائخ بھیجیں گے۔ دیکھو اس بار تم چوک گئے آئندہ ایسا نہ کرنا اسی غلطی سے سبق حاصل کرنا جو ہماری ہدایت کے موافق عمل کرے گا۔ تو اس کو نہ آئندہ کا خوف ہو گا اور نہ کبھی گزری عمر سے غم۔ بلکہ دونوں عالم میں شاد و خرم رہے گا۔ اسی لئے روایت میں ہے کہ قیامت کا دن بے دینوں کو پہاڑ سا معلوم ہو گا۔ یعنی بہت سخت اور دراز لیکن نیک کاروں کو ایسا محسوس ہو گا جیسے چار رکعت پڑھنے کے بقدر وقت۔ کیونکہ یہ راحت میں ہوں گے اور وہ تکلیف میں اگرچہ روایات میں آتا ہے کہ قیامت میں ہر شخص کو افسوس ہو گا بدکاروں کو نیکی نہ کرنے کا اور نیکوکاروں کی زیادہ نیکی نہ کرنے کا مگر بدکاروں کا غم تکلیف دہ ہو گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک: یہ کہ دنیا میں نیک اعمال کرنے کے لئے انسان کو بھیجا گیا ہے۔ نہ کہ فقط کھانے پینے کے لئے کھانا پینا تو اعمال کے لئے ہے دوسرے: یہ کہ جو چیز رب کی طرف سے ملے وہ ہدایت ہے خواہ کسی ذریعے سے آئے اور جو شیطان کی طرف سے ملے وہ گمراہی۔ تیسرے: یہ کہ نیک اعمال سے دل مضبوط اور قوی ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے دنیوی رنج و خوشی کا اثر نہیں لیتا بلکہ ہر حالت اسے خدا کی طرف مائل کرتی ہے وہ مثل اس پہاڑ کے ہوتا ہے جو آندھیوں سے جنبش نہیں کرتا۔ چوتھے یہ کہ رب کی طرف سے انسان کو ہدایت فطری ہدایت عقلی اور ہدایت شرعی

www.alahazratnetwork.org

ملیں۔ مگر نجات کا مدار ہدایت شرعی پر ہے جیسا کہ فمن تبع سے معلوم ہوا خیال رہے کہ جیسے سورج کا ایک فیض عام ہے۔ یعنی روشنی ' ہزار ہا فیوض خاص ہیں۔ باغ ' کھیت ' دریاؤں کانوں میں مختلف فیوض دیتا ہے۔ ایسے ہی انبیاء کرام خصوصاً "سید الانبیاء کی ایک ہدایت عام ہے جسے شریعت کہتے دوسرے ہدایت یں خاص ہیں جنہیں طریقت حقیقت معرفت کہا جاتا ہے۔ حضور کے جسم کے احوال کا نام شریعت دل کے احوال کا نام طریقت روح کے احوال کا نام حقیقت سر کے احوال کا نام معرفت ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض ایک اهبطوا فرمانے کے بعد دوبارہ اهبطوا فرمانا بیکار ہے۔ اس لئے کہ پہلے آچکا ہے۔ جواب اس کا جواب گزر چکا کہ اس تکرار میں چار فائدے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو خوف و غم نہیں ہوتا۔ اور حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس قدر انسان کا درجہ اعلیٰ اسی قدر رنج و غم و بلا مصیبت اس کے لئے زیادہ نیز ہر مسلمان کو عبادت قبول نہ ہونے خاتمہ خراب ہونے یا اعمال برباد ہونے کا خطرہ لگا ہوا ہے۔ **جواب**: اس کا جواب بھی گزر گیا کہ یا تو اس سے قیامت کا خوف و غم مراد ہے یا جنت میں پہنچ جانے کے بعد یا دنیا میں نقصان و خوف و غم کی بھی نفی مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جب رب نے آدم علیہ السلام کو زمین پر بھیجنے کی آزمائش میں مبتلا فرمایا تو ان کو تسلی دی کہ یہ امتحان اگرچہ بہت سخت ہے مگر اس میں ممتحن کی طرف سے چند طرح تمہاری اور تمہاری اولاد کی مدد فرمائی جائے گی۔ اور تم کو کامیاب ہونے اور اچھے نمبر لینے میں بہت مدد بھیجی جاوے گی۔ تم سے اور تمہاری اولاد سے ہمارا تعلق نہ ٹوٹے گا۔ بلکہ کسی کو بلاواسطہ کسی کو ایک واسطے سے اور کسی کو چند واسطوں سے وحی ' کتاب ' احکام وغیرہ پہنچائے جائیں گے۔ جس نے اپنے قلب میں آدم علیہ السلام کی طرح ہماری محبت کا تخم بویا اور اس کو توبہ و گریہ زاری اور استغفار وغیرہ کے پانی سے پرورش کیا۔ یہاں تک کہ اس میں عبادت ' اطاعت ' معرفت وغیرہ کا پھل لگ گیا تو ان کو کھیتی بگڑنے ' اجڑنے کا خوف اور اس تخم کے خراب ہو جانے کا غم نہ ہو گا۔ یعنی نہ تو ان کا تخم فاسد ہو گا اور نہ ان کی کھیتی برباد اور دنیا کی کوئی مصیبت ان کے لئے نقصان دہ نہ ہو گی بلکہ ہر مصیبت ان کو زیادہ **راغب الی اللہ** کرے گی۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است　　　آب اندر زیر کشتی پشتی است

کیونکہ ان کا دل ہماری محبت سے بھرا ہو گا اس میں کسی بھی رنج و غم کی گنجائش نہ ہو گی۔ ہر مصیبت دل سے دبی ہوئی رہے گی۔ نیز دنیا کی خوفناک چیزیں خود ان سے خوف کریں گی۔ وہ کسی سے خوف نہ کریں گے جیسا کہ ثابت ہے کہ سانپ ' بچھو وغیرہ بعض اولیاء اللہ کے تابعدار ہوئے اور بڑے بڑے سرکش جن و انسان ان کے مطیع فرمان رہے دوزخ کی آگ بھی ان سے خوف کرے دنیا کی آگ زہر وغیرہ ان کو نقصان نہ پہنچا سکیں۔ اب وہ بجز پروردگار کس سے خوف کریں۔ خیال رہے کہ ہر ایک کے لئے ہدایت علیحدہ اور اس کی اتباع جداگانہ۔ اسی طرح ان کا خوف و غم سے نجات پانا مختلف نوعیت کا ہے۔ غریب کے اور احکام۔ مالدار کے اور عورت کے علیحدہ اہل طریقت و حقیقت و معرفت کی دوسری نوعیت جس قسم کی ہدایت اسی قسم کی اتباع پھر اسی طرح کی جزاء جیسا تخم ویسا ہی درخت اور اس ہی طرح کا پھل جانوروں کی بھی علیحدہ علیحدہ ہدایتیں ہیں یعنی دشمن انبیاء جیسے چھپکلی اور حجو وغیرہ اور بعض جانور خدام جیسے ہدہد اور کبوتر وغیرہ ان کی ہدایت ان کی طبعی حالت ہے۔

موسیا آداب دانا دیگر اند　　　سوختہ جاں ورواں آناں دیگر اند

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا آیتوں کو ہماری یہ لوگ ساتھی ہیں آگ کے
اور جو کفر کریں اور میری آیتیں جھٹلائیں تو وہ دوزخ والے
فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ؏
وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں
ہیں ان کو ہمیشہ اس میں رہنا

تعلق : اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **ایک**: یہ کہ پہلے مومنین کا ذکر ہوا تھا۔ اب کفار کا اور ہر چیز کا پورا علم اس کی ضد سے ہوتا ہے۔ **دوسرے**: یہ کہ پہلے اس جماعت کا ذکر ہوا جو کہ جنت میں واپس آنے والی ہے۔ اب اس کا ذکر ہوا جو کہ وہاں پھر نہ جائے گی۔ **تیسرے**: یہ کہ اس سے پہلے جنت کے پہنچانے والے اعمال کا ذکر ہوا تاکہ ان کو اختیار کیا جائے اب جنت سے محروم کرنے والی چیزوں کا تذکرہ ہوا تاکہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ یعنی وہ علاج تحلیہ اس کا پرہیز۔

تفسیر : **والذین کفروا** کفروا۔ کفر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں انکار کرنا یہاں دل کا انکار مراد ہے۔ کیونکہ زبانی انکار کا ذکر تو آئندہ آرہا ہے چونکہ دل کا انکار زبانی انکار سے پہلے ہوتا ہے اس لئے اس کا ذکر بھی پہلے ہوا اور تکذیب کا بعد میں۔ نیز جہنمی بن جانے کے لئے صرف دل کا انکار کافی ہے۔ خواہ زبانی انکار ہو یا نہ ہو۔ اس لئے بھی اس کو پہلے ہی فرمایا گیا۔ **و کذبوا** اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھوٹا کہنا خواہ زبان سے ہو یا قلم سے یا فعل سے یا کسی اور علامت سے۔ مثلاً کسی کافر نے ساری عمر اپنے منہ سے کسی آیت کو جھوٹا نہ کہا بلکہ وہ اپنی پوجا پاٹ میں مشغول رہا وہ بھی اس میں داخل ہے کیونکہ اس کا ہندوانی کام کرنا اور کفر کی نشانیاں زنار استعمال کرنا ہی اس کی علامت ہے کہ وہ اسلامی احکام کو جھوٹا جان رہا ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ کفر اور تکذیب اور ان کاموں کے کرنے سے ہی صرف جہنمی ہو بلکہ ان دونوں میں سے کوئی بھی کام کرے۔ یقیناً جہنمی ہو جائے گا۔ لہٰذا منافقین جو دل سے کافر اور زبان سے مصدق تھے وہ جہنمی اور مشرکین و کفار جو دل سے حق جانیں مگر زبان سے تکذیب وہ بھی جہنمی جیسے ابو جہل وغیرہ لہٰذا انعت کو ہندو سب اس میں داخل ہیں۔ ہاں جو کہ دل سے اسلام کو مان چکا مگر زبان سے تصدیق کا موقعہ نہ ملا وہ انشاء اللہ جنتی ہے نیز اگرچہ خطاب کے وقت کفر اور تکذیب آئندہ ہونے والی تھی مگر چونکہ یہ یقینی چیز تھی لہٰذا ان دونوں کو بصیغہ ماضی فرمایا گیا چونکہ وہ علم الٰہی میں کافر و مکذب ہیں اس لئے ماضی ارشاد ہوا۔ یعنی جو میرے علم میں کافر و مکذب ہو چکے اور جن کا نام کافروں کی فہرست میں آچکا۔ یہ فہرست بعض انبیاء کرام کو بھی دکھائی گئی ہے آدم علیہ السلام نے تمام روحوں کو سیاہ سفید رنگ میں ملاحظہ فرمایا سیاہ کفار کی روحیں تھیں۔ سفید مومنوں کی ہمارے حضور نے دو کتابیں صحابہ کو دکھائیں۔ ایک مومنوں کی دوسری کافروں کی فہرست تھی **باٰیٰتنا** - آیات سے اللہ کی یقینی نشانیاں مراد ہیں۔ جو بھی اللہ کی نشانیوں کو جھٹلاوے یعنی یا تو آسمانی کتب کا انکار کرے یا کسی پیغمبر کا یا قیامت، دوزخ و جنت کا یا کسی بھی اسلامی حکم قطعی کا وہ سب جہنمی ہیں۔ نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کم سے کم تین آیتوں کا انکار کرے وہ دوزخی ہو

www.alahazratnetwork.org

اگر ایک آیت کا، کسی بھی اسلامی حکم قطعی کا وہ سب جہنمی ہیں۔ نیز اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ کم سے کم تین آیتوں کا انکار کرے وہ دوزخی ہو اگر ایک آیت کا انکار کردیا۔ جہنمی ہو گیا کیونکہ ایک آیت کا انکار کل کا انکار ہے بادشاہ کے ایک قانون کو توڑنا تمام کا توڑنا ہے۔ دیکھو جال کا ایک پھندا کھل جانے سے تمام پھندے کھل جاتے ہیں۔ **اولئک** اگرچہ یہ کفار سننے والے کی نگاہ سے غائب تھے مگر چونکہ ان کے ایسے اوصاف بتادیئے گئے جس سے وہ مثل محسوس کے ہو گئے۔ لہٰذا ان کی طرف **اولئک** سے اشارہ فرمادیا گیا۔ **اصحٰب النار** اصحاب جمع صاحب کی ہے۔ جس کے معنی ہیں ساتھی یعنی کافر آگ کے ساتھی ہیں اور اس میں ہمیشہ رہنے والے یا اس کے معنی ہی والے اور مالک جیسے کہا جاتا ہے صاحب علم۔ صاحب مال۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ آگ والے ہیں اور آگ انہی کی خاطر بنائی گئی ہے۔ بعض گنہگار مسلمان بھی اگرچہ عارضی طریقے پر آگ میں رہیں گے لیکن آگ ان کی خاطر نہیں بنی ہے وہ کافروں کے طفیلی ہوں گے۔ **النار** اگرچہ دوزخ میں ٹھنڈے طبقے بھی ہیں۔ لیکن تھوڑے اور اس کے مستحقین بھی تھوڑے۔ اس لئے جہنم کو آگ ہی سے تعبیر کرتے ہیں یا یوں کہو کہ ان کی ٹھنڈک بھی آگ ہی کی وجہ ہے۔ دوزخ میں آگ ایک ہی جگہ جل رہی ہے۔ لیکن اس کے قریب اور دور ہونے کی وجہ سے ہر طبقے کی گرمی مختلف جیسے حمام میں آگ ایک جگہ مگر گرمی مختلف' یا آسمان پر سورج ایک جگہ مگر زمین کی ہر ولایت میں گرمی سردی جداگانہ تو دوزخی کسی طبقے میں رہے اس کا تعلق آگ سے ہی ہے۔ کوئی آگ سے قریب رہ کر گرمی میں ہے۔ کوئی دور رہ کر سردی میں **ھم فیھا خٰلدون'** **ھم** سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ میں ہمیشہ رہنا صرف کافروں کے لئے ہے۔ مومن کتنا ہی گنہگار ہو کبھی نہ کبھی دوزخ سے ضرور نکل جائے گا۔ گنہگار مومن اور کافر کے عذاب میں چند طرح فرق ہو گا۔ **ایک:** یہ کافر کے لئے دوزخ میں ہیشگی ہے۔ مومن کے لئے نہیں جیسا کہ یہاں معلوم ہوا ہے۔ دوسرے: یہ کافر کو رسوا بھی کیا جائے گا۔ گنہگار مومن کو رب وہاں رسوا نہ کرے گا۔ رب فرماتا ہے **و لھم عذاب الخزی** تیسرے: یہ کہ دوزخ کی آگ کافر کے قالب و قلب ظاہر و باطن کو جلاوے گی رب فرماتا ہے۔ **تطلع علی الافئدۃ** مومن کا دل زبان اعضاء سجدہ کو آگ نہ جلائے گی جیسا کہ حدیث شفاعت میں وارد ہے۔ پھر کفار کے عذاب بھی مختلف ہیں ابولہب اور ابو طالب کا عذاب یکساں نہیں خیال رہے کہ مومن و کافر ہونے میں خاتمے کا اعتبار ہے یعنی جس کا خاتمہ ایمان پر ہو وہ مومن ہے اور جس کا کفر پر ہو وہ کافر ہے۔ اگرچہ زندگی میں کیسے ہی ہوں وہی اس جگہ مراد ہیں۔

خلاصہء تفسیر : جب کہ مومنوں کا انعام بیان فرمادیا گیا تو اب کافروں کے عذاب کا ذکر ہوا اور فرمایا گیا کہ جو ہماری ہدایت کو دل سے نہ مانے گا اور ہماری کسی نشانی کتاب یا پیغمبر یا دینی چیز کا زبان سے انکار کرے گا یا ان میں غور تامل نہ کرے گا بلکہ جانوروں کی طرح کھانے پینے اور دنیا کے مزے اڑانے ہی کو اپنا مقصود اصلی سمجھے گا۔ وہ ہمیشہ دوزخ کی آگ میں جلے گا اور کبھی بھی وہاں سے نہ نکل سکے گا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا:** یہ کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں یعنی انسان مومن ہو گا یا کافر یہ ناممکن ہے کہ نہ مومن ہو نہ کافر کیونکہ اس آیت میں انسانوں کی دو ہی قسمیں بیان کی گئی ہیں۔ لہٰذا منافقین تو کافر ہیں اور مسلمانوں کے بچے مومن کفار کے بچے شرعاً" کافر' عند اللہ رب جانے' **دوسرے:** یہ کہ دوزخ اور جنت کے

www.alahazratnetwork.org

علاوہ کوئی مستقل جگہ نہیں اعراف ایک عارضی مقام ہوگا۔ جیسے راستے میں منزل اس کی تحقیق انشاء اللہ سورہ اعراف میں ہی کی جائے گی۔ کیونکہ قرآن پاک میں ہر جگہ ان دو ہی مقامات کا ذکر آتا ہے۔ **تیسرے:** یہ کہ دل کا کفر اور زبان کا انکار دونوں کا ایک ہی حکم ہے کیونکہ یہاں **کفروا** اور **کذبوا** کی ایک ہی سزا بیان فرمائی۔ **چوتھے:** یہ کہ دین کی کسی یقینی بات کا انکار در حقیقت اس کی ساری باتوں کا انکار ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **آیتنا**۔ **پانچویں:** یہ کہ ایمان کی طرح کفر میں بھی زیادتی کمی ہو نا ممکن ہے۔ یعنی سارے قرآن پاک کا منکر اور ایک آیت کا منکر یا صرف قیامت کا منکر پورے کافر ہیں۔ ان میں کوئی آدھا یا چوتھائی کافر نہیں کیونکہ اس آیت میں ہر کافر کی ایک ہی سزا بیان ہوئی ہاں ایمان کی طرح کفر کے بھی چند عارضی مرتبے ہیں۔ بعض سخت کافر' بعض ہلکا کافر مگر اس لحاظ سے دوزخ کے طبقے اور ان کے عذاب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ **چھٹے:** یہ کہ جس شخص تک اسلامی احکام نہ پہنچے ہوں اس کے لئے صرف اللہ کو ایک ماننا کافی ہے۔ اگر وہ موحد ہو جائے تو مومن ہو گا نہ کہ کافر کیونکہ کفر کے معنی ہیں انکار اور انکار بغیر خبر نہیں ہو سکتا اور نہ بے خبر کو منکر کہا جا سکے۔ لہذا حضور کے والدین کریمین کو کافر نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وہ موحد تھے اور اسلام کے تشریف لانے سے پہلے انتقال فرما گئے اس آیت میں فرمایا گیا جو ہماری آیتوں کو جھٹلائے وہ جہنمی۔ بتاؤ انہوں نے کون سی آیات الٰہی کا انکار کیا تھا بلکہ حق تو یہ ہے کہ آدم علیہ السلام تا حضرت عبد اللہ حضور کے نسب میں کوئی کافر نہ گزرا۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق **لقد جاء کم رسول** اور **تقلبک فی السجدین** میں کی جائے گی اور بفضلہ تعالیٰ حضور کے والدین کریمین کے ایمان کی مکمل و مفصل بحث اس پارے میں زیر آیت **ولا تسئل عن اصحب الجحیم** میں کر دی گئی ہے ملاحظہ فرماؤ۔ ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن" میں بھی دیکھو۔

اعتراض : پہلا اعتراض: جس کے دل میں ایمان ہو اور زبان سے ظاہر کرنے کا موقع نہ ملے وہ کس زمرے میں شمار ہے۔ **جواب:** وہ اللہ کے نزدیک مومن ہے مگر شرعاً اس کا اسلام ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نماز جنازہ وغیرہ نہیں پڑھ سکتے۔ **دوسرا اعتراض:** ایسا شخص جنت میں ہو گا یا دوزخ میں ہے۔ **جواب:** وہ آخر کار بغیر شفاعت جنت میں جائے گا حدیث شریف میں ہے کہ شفاعت کرنے والے رائی بھر ایمان والوں کو بھی جہنم سے نکال لے جائیں گے۔ تب رب تعالیٰ اپنا دست قدرت بھر کر جہنمیوں کو جنت میں پہنچائے گا اس دست قدرت میں اسی قسم کے لوگ ہوں گے جن کا ایمان شرعی نہ تھا۔ **تیسرا اعتراض:** مشرکین کے بچے کس زمرے میں ہیں کیونکہ ان پر اس آیت کا کوئی جزء صادق نہیں آتا۔ **جواب:** بہت ممکن ہے کہ وہ جنت میں مومنوں کے خادم بنا کر رکھے جائیں۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ان کے متعلق خاموشی اختیار کی جائے۔ کیونکہ اس میں روایتیں مختلف ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** ابو طالب اس آیت کے دونوں مضمونوں سے خارج معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ انہوں نے نہ تو ہدایت اختیار کی اور نہ انکار کیا۔ ان کے اشعار سے حضور کی تعریف ثابت ہے۔ **جواب:** ان کا ایمان شرعاً ثابت نہیں ہوا صرف نعت گوئی یا حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اس لئے خدمت کرنا کہ وہ میرے بھائی کے فرزند ہیں۔ اس سے شرعاً ایمان ثابت نہیں ہو سکتا۔ ایمان نام تصدیق کا ہے۔ یعنی سچا ماننا نہ کہ محض جاننا۔ ہاں بہت کم ممکن ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک مومن ہوں۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق بھی کسی مقام پر کر دی جائے گی۔

تفسیر صوفیانہ : ہر انسان فطرت (پیدائشی ایمان) پر پیدا ہوتا ہے۔ جو اس کے قلب میں تخم کی طرح ہے جنہوں نے اس تخم

www.alahazratnetwork.org

محبت کو نفسانی شہوات میں میں چھپادیا اور انکار کی گرم ہواؤں سے اس کو جلادیا۔ وحی اور الہام کے خوشگوار پانی اور ہوائیں اس تک نہ پہنچنے دیں اور اس میں معرفت قربت کے پھل نہ لگنے دیئے یہاں تک کہ اس کو فاسد کر دیا۔ وہ ہمیشہ نار فراق میں رہیں گے اور کبھی اس سے نجات نہ پائیں گے۔

حضرت آدم کے قصے کے فائدے : اس پورے واقعہ سے چند عجیب عجیب فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ سب کا بہکانے والا شیطان اور شیطان کو بہکانے والا نفس لہذا نفس شیطان سے زیادہ خطرناک ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست لیک اور اعون مارا عون نیست

دوسرے: یہ کہ دنیا میں سب سے پہلا گناہ (شیطان کی نافرمانی) حسد سے ہوا۔ معلوم ہوا کہ حسد تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ حسد کی وجہ سے نفس عقل کو ڈھک لیتا ہے۔ دیکھو حسد، حرص ہوس، طمع سب نقطوں سے خالی ہیں۔ ایسے ہی حاسد وغیرہ بھی دنیا کی ہر نعمت سے محروم۔ تیسرے: یہ کہ جہاں تک شیطان براہ راست نہ پہنچ سکے وہاں عورت کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام پر بذریعہ حضرت حوا اس نے حملہ کیا۔ چوتھے: یہ کہ نبوت اعمال سے نہیں حاصل ہوتی۔ بلکہ محض رب کے فضل سے ورنہ شیطان یا کسی فرشتے کو ملنی چاہئے تھی۔ پانچویں: یہ کہ پیغمبر کی توہین کرنے والے کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ رب نہیں چاہتا کہ میری جنت میں کوئی میرے دوست کا دشمن آجائے۔ چھٹے: یہ کہ نبی کی توہین کے ساتھ خدا کی توہین ہے۔ جو شیطان کی توحید مردود بنا دیتی ہے۔ ساتویں: یہ کہ انسان نے دنیا میں آکر سب سے پہلی عبادت گریہ وزاری کی اور استغفار کی۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ
اے اولاد یعقوب کی یاد کرو احسان میرا وہ جو احسان کیا میں نے اوپر تمہارے
اے یعقوب کی اولاد یاد کرو میرا وہ احسان۔ جو میں نے تم پر کیا اور
اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝
اور پورا کرو عہد میرا پورا کروں گا میں عہد تمہارا اور مجھ سے ہی پس ڈرو تم لوگ
میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا اور خاص میرا ہی ڈر رکھو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ پہلے عام انسانوں کو رب کی عام نعمتیں یاد دلا کر ایمان کی رغبت دی گئی اب خاص بنی اسرائیل کو ان سے خاص احسان الٰہی یاد دلا کر ایمان کی طرف راغب کیا گیا۔ کیونکہ سورہ بقرہ مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں بنی اسرائیل بکثرت آباد تھے۔ یہ لوگ اہل علم بھی تھے اور اہل کتاب بھی۔ ان کی وہاں عزت بھی تھی ان کے ایمان لانے سے دوسرے بہت سے لوگ ایمان لے آتے اور یہی لوگ نبی آخر الزمان کی خوشخبریاں بھی دیا کرتے تھے۔

دوسرے یہ کہ اس سے پہلے عام لوگوں کو وہ عہد و پیمان یاد دلائے گئے تھے جو انہوں نے میثاق کے دن رب سے کئے تھے۔ اب بنی اسرائیل کو وہ خاص عہد و پیمان یاد دلائے جا رہے ہیں جو کہ ان سے خاص طور لئے تھے۔ تیسرے یہ کہ بنی اسرائیل کا قصہ حضرت آدم کے قصے کے مطابق تھا کہ آدم علیہ السلام سے بھی ایک خطا کی وجہ سے جنت کا عیش و آرام چھوٹا۔ دنیا کی مشقتیں پڑ

www.alahazratnetwork.org

گئیں بنی اسرائیل سے بھی ایک خطا کی وجہ سے من وسلویٰ چھوٹا اور ان پر دنیاوی مصیبتیں نازل ہوئیں۔ چوتھے یہ کہ پہلے معلوم ہو چکا کہ شیطان کو حسد نے تباہ کر دیا کہ وہ آدم علیہ السلام سے پہلے اپنے کو خلافت کا حقدار سمجھتا تھا۔ آدم علیہ السلام کی قدر و منزلت اس سے دیکھی نہ گئی اور ان کا انکار کر کے ملعون ہوا۔ کفار بنی اسرائیل بھی حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے سمجھتے تھے کہ پہلے پیغمبروں کی طرح نبی آخر الزمان بھی بنی اسرائیل ہی میں سے ہوں گے۔ مگر جب بنی اسمٰعیل میں سے حضور تشریف فرما ہوئے تو یہ لوگ حسد سے منکر ہو گئے۔ نیز حضور سے پہلے مدینہ منورہ میں علماء بنی اسرائیل کی بہت عزت اور ان کو کافی آمدنی تھی مگر حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے ان کی قدر و منزلت نہ رہی جس کی وجہ سے بعض تو کھلے دشمن بن گئے اور بعض منافق لہٰذا اب ان کو خطاب ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم شیطان کے واقعہ سے عبرت حاصل کرو۔ وہ بھی حسد ہی کا شکار ہوا تھا کہیں تم بھی حسد سے اس کی طرح نہ ہو جاؤ۔ یہاں سے "سیقول" تک ان سے ہی کلام جاری ہے۔ پانچویں اس طرح کہ اس سے پہلے آدم علیہ السلام کے واقعات بیان فرما کر حضور علیہ السلام کی نبوت ثابت فرمائی گئی کہ اگر ہمارے محبوب علیہ السلام سچے پیغمبر نہ ہوتے تو بغیر پڑھے ہوئے گذشتہ واقعات اس طرح سچے اور صحیح کیسے بیان فرما دیتے۔ اب بنی اسرائیل کے گزرے ہوئے سارے واقعات بلا کم و کاست بیان ہو رہے ہیں۔ تاکہ یہ لوگ ان واقعات کو اپنی کتابوں کے موافق پا کر حضور علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہوں۔ اس کے سوا اور بھی وجوہ تعلق نکل سکتے ہیں مگر اتنے ہی میں کفایت ہے یہ قصے کا قصے سے تعلق تھا۔ آیات کا تعلق ہر آیت کے ساتھ انشاءاللہ بیان ہو گا۔

تفسیر: **یبنی اسرائیل** ہم پہلے بتا چکے ہیں ندا چار طرح کی ہوتی ہے یہاں غافلوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی ندا ہے۔ بنی ابن کی جمع ہے بنین سے بھی آتی ہے اور بنوں سے بھی یہاں پہلی سے ہے اگرچہ ابن نطفے بیٹے کو کہتے ہیں مگر اصطلاح میں اولاد کے معنی میں بولا جاتا ہے خواہ بیٹی ہو یا بیٹا اور خواہ قریبی ہوں یا دور کے جیسے بنی آدم اس معنی میں یہ بنی بھی ہے۔ اسرائیل حضرت یعقوب کا لقب ہے۔ آپ کا نام یعقوب تھا۔ یعقوب عقب سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ پیچھے چونکہ حضرت یعقوب اور ان کے بھائی عیص ایک ساتھ (جڑواں) پیدا ہوئے تھے مگر حضرت عیص کسی قدر پہلے اور یعقوب پیچھے۔ اس لئے ان کا نام یعقوب ہوا' یہ اپنے والد اسحٰق علیہ السلام کے بہت خدمت گزار فرزند تھے' ایک دفعہ حضرت اسحٰق عبادت کے لئے گوشہ نشین ہوئے اور ان کو دروازہ حجرہ پر بٹھا دیا کہ کسی کو اندر نہ آنے دینا' اچانک ایک مقرب فرشتہ انسانی شکل میں آیا اور حضرت اسحٰق کی ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا' آپ نے منع کیا مگر وہ نہ مانا' انہوں نے اس کو جبراً" روکا حضرت اسحٰق علیہ السلام دروازے کا شور سن کر باہر آئے دیکھا تو حضرت یعقوب فرشتہ سے جھگڑ رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ برخوردار یہ فرشتہ مقرب ہے اور فرشتہ سے معذرت فرمائی کہ انہوں نے آپ کو پہچانا نہیں۔ اس نے یعقوب علیہ السلام کی بہت تعریف کی اور فرمایا کہ اسی طرح حق خدمت ادا کرنا چاہئے اور فرمایا کہ ہماری طرف سے ان کا نام اسرائیل رکھو "تفسیر عزیزی" اسرائیل دو لفظوں سے بنا ہے اسرا کے معنی یا تو بندہ ہیں اور یا برگزیدہ اور ایل زبان عبرانی میں حق تعالیٰ کا نام ہے لہٰذا اسرائیل کے معنی یا تو ہیں اللہ کا بندہ یعنی عبداللہ اور یا اللہ کا مقبول بندہ۔ چونکہ یہ نام فرشتے نے تجویز کیا اس لئے فرشتوں کا سا ہی نام ہے جیسے جبرائیل' میکائیل' اسرافیل وغیرہ خیال رہے کہ ان کی اولاد کا نام بنی اسرائیل ہوا نہ کہ بنی یعقوب کیونکہ یہ نام حضرت یعقوب کو خدمت کے صلہ میں ملا تھا۔ ان کی اولاد کو بنی اسرائیل

www.alahazratnetwork.org

فرمانے میں ان کو اطاعت الٰہی کی رغبت دینا ہے کہ تم اس کے فرزند ہو جس نے اطاعت کر کے ہماری طرف سے اعلیٰ خطاب پایا تم بھی اپنے خطاب یافتہ والد کے نقش قدم پر چل کر اچھے خطاب حاصل کرو۔ بنی اسرائیل کے باقی واقعات اور یعقوب علیہ السلام کے کچھ حالات انشاء اللہ اسی آیت کے خلاصہ تفسیر میں بیان ہوں گے **اذکروا** یہ لفظ یا تو ذکر ذال کے پیش سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں یاد رکھنا یعنی بھول نہ جانا۔ یا ذکر ذال کے زیر سے۔ جس کے معنی ہیں بیان کرنا جس کا مقابل ہے خاموشی۔ لہٰذا اس کے معنی ہوئے کہ اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھو۔ ان کا چرچا کرو۔ (تفسیر روح البیان) ہم کو بھی حکم ہے۔ **واما بنعمۃ ربک فحدث** رب کی نعمت 'اپنے گناہ' دوسروں کے اچھے سلوک یاد رکھنا۔ یاد کرنا عبادت ہے حضور نے آخر تک ابو بکر صدیق اور انصار کے سلوک کی تعریف فرمائی۔ رب کے امتحانات 'اپنی نیکیاں دوسروں کی بد سلوکی بھول جانا عبادت ہے فتح مکہ کے بعد حضور نے اہل مکہ کی ایذاؤں کا تذکرہ بھی نہ کیا۔ یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کی ایذاؤں کی شکایت والد سے نہ کی۔ **نعمتی** نعمت اس نفع کو کہتے ہیں جو بطریق احسان کسی کو پہنچایا جائے یہاں اس سے جنس نعمت مراد ہے نہ کہ خاص ایک نعمت یعنی اس نعمت و کرم کو یاد کرو جو کہ خاص تم پر کئے گئے جیسے فرعون کو ہلاک کرنا تمہیں مصر کا ملک دینا تمہارے لئے دریا کو خشک کرنا تم پر من و سلویٰ برسانا تم کو توریت شریف عطا فرمانا تمہارے لئے پتھر سے پانی کے چشمے نکالنا تمہارے گروہ میں پیغمبروں کا بھیجنا وغیرہ وغیرہ یہ نعمتیں اگرچہ تمہارے باپ دادا کو ملیں مگر باپ دادوں پر احسان اولاد پر احسان ہے اس لئے تم اس احسان کو یاد رکھو اور شکریہ ادا کرو۔ **التی انعمت علیکم** یعنی وہ نعمتیں جو ہم نے خاص تم کو عطا فرمائیں یعنی تم کو ایک تو عام لوگوں کے ساتھ نعمتوں سے حصہ دیا۔ اور ان کے علاوہ خاص وہ نعمتیں دیں جو تمہارے سوا دوسرے قبیلوں کو نہ ملیں چونکہ زیادہ نعمتیں زیادہ شکر کا باعث ہیں لہٰذا بمقابلہ دوسروں کے تم کو بہت جلد ایمان لانا چاہئے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمہارے واسطے خصوصاً" بڑی نعمت ہے کیونکہ ان کی تشریف آوری سے تمہاری کتابوں تمہارے پیغمبروں کا دنیا بھر میں قیامت تک کے لئے پرچار ہو گا۔ خیال رہے کہ ایک لحاظ سے حضور سارے جہان کے لئے نعمت الٰہی ہیں۔ **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** کہ حضور کی برکت سے دنیا کو عذاب سے امن ملی انہیں ہر قسم کی نعمتیں مل رہی ہیں۔ دوسرے لحاظ سے حضور صرف مومنوں کے لئے رحمت ہیں۔ **وبالمومنین روف رحیم۔ ولقد من اللہ علی المومنین۔** حضور کی طفیل انہیں ایمان قرآن رحمٰن وغیرہ ملے تیسرے لحاظ سے حضور گذشتہ نبیوں کے لئے نعمت کہ ان سب کی تصدیق حضور کے طفیل ہوئی ان کے نام کے ڈنکے بجائے گئے خصوصاً" حضرت عیسیٰ و مریم و سلیمان علیہ السلام پر کہ ان کو یہود نے تہمتیں لگائیں حضور کے طفیل وہ دور ہوئیں چوتھے اعتبار سے حضور بنی اسرائیل کے لئے رحمت کہ یہ لوگ دنیا بھر میں حضور کی آمد کا اعلان کرتے پھرتے تھے۔ حضور کی آمد سے وہ سب سچے ہو گئے جو انتیس کے چاند کا اعلان کرے پھر چاند ہو جائے تو یہ سچا ہو جاتا ہے۔ پانچویں اعتبار سے حضور اگلی کتابوں کے لئے نعمت کہ ان کی تصدیق حضور نے کی **واوفوا بعھدی۔ اوفوا**' وفا سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پورا کرنا عہد یا ہمی قرار داد اور آپس کے معاہدے کو کہتے ہیں مطلب یہ ہوا کہ اے بنی اسرائیل تم نے جو کچھ ہم سے عہد و پیمان کر لیا ہے اب وہ پورا کرو اس عہد میں چند احتمالات ہیں ایک یہ کہ حق تعالیٰ نے سارے بندوں سے اپنی ذات و صفات اور تمام پیغمبروں پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا جس میں بنی اسرائیل بھی شامل تھے تو مطلب یہ ہوا کہ سب ہی کو عہد پورا کرنا ضروری ہے۔ مگر تم کو خاص طور پر زیادہ ضروری کیونکہ تم پر سرکاری انعام زیادہ ہوئے دوسرے یہ کہ اس سے خاص وہ عہد مراد ہے جو نبی

www.alahazratnetwork.org

اسرائیل سے لیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے **ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل و بعثنا منھم اثنی عشر نقیبا**۔ تیسرے یہ کہ اس سے نبی آخرالزمان پر ایمان کا عہد مراد ہے **الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورٰۃ والانجیل** چوتھے یہ کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو حضرت آدم کے جنت سے اترتے وقت لیا گیا تھا کہ جب ہماری طرف سے ہدایت پہنچے تو اس کی پیروی کریں پانچویں یہ کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو تمام پیغمبروں سے نبی آخرالزمان کی اطاعت کرنے کا لیا گیا تھا چونکہ نبی کا عہد ساری امت کا عہد ہوتا ہے اس لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے بنی اسرائیلیو اگر تمہارے پیغمبران عظام بی ظاہری دنیا میں جلوہ گر ہوتے تو اس نبی پر ایمان لاتے خوش قسمتی سے تم کو یہ موقع ملا ہے تم فوراً "وہ عہد پورا کرو" چھٹے یہ کہ اس سے یہ عہد مراد ہے جو اہل کتاب سے لیا گیا کہ ہمارے نبی آخرالزمان کے اوصاف جو توریت و انجیل میں ہوں ان کو نہ چھپائیں اور نہ مٹائیں فرمایا جا رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل اس عہد کے پورا کرنے کا وقت اب آیا ہے۔ اٹھو ہاتھ میں توریت و انجیل لو اس محبوب کے اوصاف لوگوں کو سناؤ اور سب کو ان کی طرف بلاؤ اور رب جانتا ہے کہ اگر علماء اہل کتاب حضور کے اوصاف جو پچھلی کتابوں میں تھے نہ چھپاتے تو میرے خیال میں کوئی عیسائی اور یہودی کافر نہ رہتا سب اسلام لے آتے انشاء اللہ حضور کے اس قسم کے اوصاف ہم اس تفسیر میں آئندہ بیان کریں گے۔ اور اپنی کتاب شان حبیب الرحمٰن میں بھی بیان کر چکے ہیں۔ **اوف بعھدکم** سبحان اللہ کیا پیارا اور امید افزا ارشاد ہے۔ رب فرما رہا ہے تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ خیال رہے کہ پہلے جملہ میں عہد کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور دوسرے میں مفعول کی طرف تو معنی یہ ہوئے کہ تم وہ عہد پورا کرو جو میں نے تم سے لیا میں وہ عہد پورا کروں گا جو میں نے اپنے کرم سے تم سے کر لیا ہے۔ رب نے بھی ہم سے اپنے فضل سے بہت سے وعدے فرمائے ہیں۔ (1) تمہارے اعمال قبول فرمائے جائیں گے۔ (2) تم کو جنت میں واپس بلایا جائے گا۔ (3) تمہارے گناہ معاف کئے جائیں گے۔ (4) تم کو دین و دنیا کے غم سے نجات دی جائے گی۔ (5) تم کو عزت و عظمت بلکہ سلطنت دی جائے گی۔ (6) تم کو اپنا دیدار دیا جائے گا مگر یہ تمام عہد اس صورت میں ہیں کہ تم اس محبوب کے وفادار رہو۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

خلاصہ یہ ہوا کہ اول تو یوں بھی مرد کو اپنی زبان کا پاس چاہئے جو کہے وہ کر کے دکھائے تم بھی میرا عہد پورا کر کے دکھاؤ دوسرے یہ عہد تو رب کے ساتھ نفع بخش تجارت بھی ہے کہ ایک عہد پورا کرو ہزار گنا نفع لو پھر عہد توڑنا سراسر نافرمانی اور نامردی کی بات ہے۔

علماء بنی اسرائیل کو خطرہ تھا کہ اگر ہم اسلام قبول کر لیں تو ہماری وہ آمدنیاں بند ہو جائیں گی اور نذریں نیازیں اور تحفے ہدیے وغیرہ ختم ہو جائیں گے جو ہم کو اپنے جہلاء سے حاصل ہوتے ہیں نیز وہ ہماری سرداری بھی جاتی رہے گی جو ہم کو اب حاصل ہے ان کو فرمایا گیا کہ دنیا والوں اور یہاں کی مصیبتوں وغیرہ سے نہ ڈرو بلکہ ہم سے خوف کرو یعنی ایمان میں تم کو دنیوی نقصان ہے اور ایمان نہ لانے میں ہماری ناراضی جو دنیا اور آخرت کا وبال ہے اور اس سے یہ زیادہ سخت ہے لہٰذا ہم سے خوف کر کے ایمان لے آؤ خیال رہے کہ ڈر دو قسم کا ہوتا ہے عذاب سے اور جلال سے۔ پہلا ڈر تو دور ہو سکتا ہے۔ دوسرا نہیں یعنی خوف جلال ہر وقت رہتا ہے اسی لئے یہاں **ایای** فرمایا گیا یعنی میری کبریائی اور جلالت ذات سے ڈرو یہ نہ کہا **وعقابی**

www.alahazratnetwork.org

فارھبون یہ بھی خیال رہے کہ خوف اور رہب میں فرق ہے۔ خوف تو محض ڈر جاتا ہے اور رہب ڈر کر برائیوں سے رک جانا کہ جب اللہ کا عذاب سنا دل کانپ گیا۔ چار آنسو بہہ گئے یہ خوف ہوا اور اللہ کی پکڑ سے ڈر کر گناہوں سے توبہ کر لی اور پھر ان کے قریب نہ گئے۔ یہ رہب ہوا۔ یہاں فرمایا گیا کہ مجھ سے ڈر کر میرے محبوب صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی مخالفت سے باز آجاؤ۔

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل خوف اور حسد کی وجہ سے اسلام قبول نہ کرتے تھے کیونکہ ان کا خیال تھا کہ نبی آخر الزمان بھی ہمارے ہی خاندان سے ہوں گے۔ جب اولاد اسمٰعیل میں یہ آفتاب چمکا۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی جلوہ گری ہوئی تو یہ لوگ جل کر سیاہ خاک ہو گئے۔ حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے بے وقوفو تم اپنے انعامات کو بھی یاد کرو کہ تم میں انبیاء علیہ السلام بھیجے۔ کتابیں نازل فرمائیں۔ تمہیں غلبہ دیا حکومت اور عزت عنایت کی دولت اور سلطنت عطا فرمائی۔ جلالت و حشمت تمہارے حصہ میں آئی۔ علم و فضل تمہیں دیا گیا جاہ و جلال تمہیں بخشا گیا اب اگر آخری نبی بنی اسمٰعیل میں تشریف لے آئے تو اس میں تمہارا کیا بگڑ گیا۔ کیا رب کی ساری نعمتوں کے تم ہی ٹھیکیدار ہو۔ اس حسد سے باز آجاؤ اور اپنی تمام نعمتوں کو یاد کر کے اپنا وہ وعدہ پورا کرو جو تم نے ہم سے کیا تھا کہ جب نبی آخر الزمان تشریف لائیں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے ہم نے جو تم سے وعدہ کیا ہے پورا کر دیں گے یعنی تم کو غلبہ دیں گے اور دنیوی نعمتوں سے مالا مال کر دیں گے اور تم کو جو اپنی آمدنی وغیرہ بند ہونے کا ڈر لگا ہے اس کو دل سے نکال دو صرف ہم سے خوف کرو اگر تم ایمان لے آئے تو دیکھنا کہ تمہاری عزت و آبرو مال و دولت وغیرہ میں ترقی ہوگی۔ رب تعالیٰ نے بندوں سے دو قسم کے وعدے کئے ہیں ایک غیر مشروط جیسے رزق اور دنیاوی نعمتیں کہ فرمایا **نحن نرزقھم و ایاکم** دوسرا مشروط اگر تم مومن و پرہیزگار ہو گے تو تم کو جنت مغفرت دنیا میں عظمت و سلطنت معرفت وغیرہ بخشیں گے فرمایا **انتم الاعلون ان کنتم مومنین**۔ یہاں دوسرا وعدہ مراد ہے دنیا کی نعمتیں دولھا کی نچھاوریں ہیں جسے دوست دشمن سب پاتے ہیں مگر آخرت کی نعمتیں برات کا کھانا یا جوڑے ہیں جو اپنوں کو دیئے جاتے ہیں غیروں کو نہیں مگر افسوس کہ ہم کو دنیا کی فکر ہر دم ہے آخرت کی فکر بالکل نہیں رب کرم فرمائے۔ بنی اسرائیل حضرت ابراہیم بابل کے شہر کسدیون میں رہتے تھے جس کا دوسرا نام ارتھا وہاں سے آپ کے باپ تارخ اپنے بیٹے ابراہیم اور پوتے لوط اور حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ کو لے کر وہاں سے جنوب کی طرف سے مقام حران میں آبسے وہاں ہی تارخ نے وفات پائی پھر وہاں سے ابراہیم اپنی بیوی سارہ اور لوط کو لے کر کنعان میں آئے اور جتیون کے علاقے میں مقام خبرون میں قیام فرمایا آپ کی دو بیبیاں تھیں بڑی بیوی حضرت سارہ اور چھوٹی حضرت ہاجرہ اور آپ کے آٹھ بیٹے تھے حضرت سارہ سے ایک بیٹا حضرت ہاجرہ سے سات حضرت اسماعیل جو سب سے بڑے تھے زمران، یسقان، مادان، مدیان، اسباق، سوخ (تفسیر حقانی) ان میں سے اسمٰعیل عرب میں آن بسے تھے۔ ان کی اولاد کو بنی اسمٰعیل کہتے ہیں اور انہیں میں سے حضرت محمد مصطفیٰ علیہ السلام ہمگر اسحاق کنعان میں ہی رہے اسحاق نے حضرت لوط کی لڑکی سے نکاح کیا جن سے دو بیٹے ایک ہی حمل سے پیدا ہوئے ایک عیص اور دوسرے یعقوب اسحاق نے اپنی آخر عمر میں ان دونوں کو اپنا سجادہ نشین بنایا اور یعقوب کو دعا دی کہ حق تعالیٰ تمہاری اولاد میں نبوت جاری رکھے اور عیص سے فرمایا کہ تمہاری نسل میں بادشاہت رہے پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنا جانشین بنا کر وصال فرما گئے۔ عیص بہت مالدار ہو گئے اور یعقوب علیہ السلام بہت مسکین۔ ان کی والدہ نے مشورہ دیا کہ اے یعقوب تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں۔ تم اپنے ماموں لایان کے پاس چلے جاؤ وہ مالدار

www.alahazratnetwork.org

آدمی ہیں تمہاری پرورش کریں گے اور ممکن ہے کہ اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح بھی کر دیں۔ یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں کے گھر آگئے وہ ان کے آنے سے بہت خوش ہوئے اور کچھ روز کے بعد اپنی بڑی بیٹی سے نکاح بھی کر دیا۔ جس سے چار بیٹے پیدا ہوئے۔ روبیل، شمعون، لاوا، یسودا اس کے بعد یعقوب علیہ السلام کی بیوی انتقال کر گئیں، لایان نے اپنی دوسری بیٹی ان کے نکاح میں دے دی۔ جس سے دو بیٹے پیدا ہوئے اور یہ بھی انتقال کر گئیں پھر لایان نے تیسری بیٹی ان کے نکاح میں دے دی جس سے چند بیٹے پیدا ہوئے اور یہ بھی انتقال کر گئیں پھر لایان کی چوتھی بیٹی آپ کے نکاح میں آئیں جن کا نام راحیل تھا انہی سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین پیدا ہوئے اب یعقوب علیہ السلام کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی ان کو نبوت ملی اور حکم ملا کہ کنعان جا کر تبلیغ کرو۔ لایان اپنے داماد کی نبوت پر بہت خوش ہوئے اور یعقوب علیہ السلام کو مع ان کی بیوی راحیل اور ان کی ساری اولاد کے رخصت کیا اور رخصت کے وقت پانچسو بکریاں اور پانچ سو بیل اور پانچ سو اونٹ اور پانچ سو خچر جہیز دیا۔ بہت سے غلام بہت سے جوڑے اور بہت سا روپیہ ان کو دیا۔ جب آپ اس ساز و سامان سے کنعان پہنچے تو عیص نے ان کا استقبال کیا اور ان کی آمد کی بڑی خوشی منائی اور عرض کیا کہ میرے لئے بھی دعا کرو کہ میری نسل میں بھی کوئی پیغمبر ہو۔ آپ نے فرمایا کہ تمہاری اولاد میں ایوب اور سکندر ذو القرنین ہوں گے یوسف علیہ السلام دو برس کے تھے کہ ان کے بھائی بنیامین پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش میں ان کی والدہ راحیل کا انتقال ہو گیا۔ جب لایان نے یہ واقعہ سنا تو انہوں نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی کا نکاح بھی یعقوب علیہ السلام سے کر دیا اور اس بیٹی نے یوسف علیہ السلام اور بنیامین کی پرورش کی (تفسیر عزیزی) یعقوب علیہ السلام کے کل بارہ بیٹے تھے۔ روبیل، شمعون، لاوی، یسودا، اسکار، زبلون، دان، نفتالی، جد، اشر، یوسف، بنیامین۔ ان بارہ بیٹوں کی اولاد بہت ہوئی اور ان کے نام سے بارہ قبیلے مشہور ہوئے ہر ایک قبیلے کو سبط کہتے ہیں۔ جس کی جمع ہے اسباط ان قبیلوں میں بڑے بڑے اولو العزم پیغمبر پیدا ہوتے رہے جیسے حضرت موسیٰ، داؤد، سلیمان و عیسیٰ علیہم السلام انہی قبیلوں کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ یہ لوگ روئے زمین پر بڑے متبرک مانے جاتے ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مدینہ منورہ اور خیبر وغیرہ میں بکثرت آباد تھے۔ اب بھی کہیں کہیں پائے جاتے ہیں۔ **فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرنا حکم قرآنی ہے کیونکہ بنی اسرائیل کو اس کا حکم دیا گیا۔ لہذا محفل میلاد شریف بہت مبارک ہے کیونکہ اس میں حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہوتا ہے جو کہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ دوسری جگہ قرآن پاک فرماتا ہے **قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذلک فلیفرحوا** یعنی اللہ کی رحمت پر خوب خوش رہو اسی طرح گیارہویں شریف، عرس بزرگان وغیرہ کہ یہ تمام محفلیں ان بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنے اور ان کی سوانح حیات لوگوں کو سنا کر انہیں عبادتوں کی رغبت دینے کے لئے کی جاتی ہیں۔ حج، قربانی، روزے رمضان وغیرہ سب میں اللہ کی نعمتوں کی یاد ہی ہے ان یادگاروں کی اصل یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیات ہیں اگرچہ بعض لوگوں نے ان امور خیر میں بدعات ناچ گانا وغیرہ شامل کر دیا۔ مگر اس شمول سے اصل عرس حرام نہ ہو گا۔ جیسے شادیوں میں باجہ گانا بجانا شامل ہونے سے نکاح حرام نہیں یا جیسے کعبہ معظمہ میں بت رکھ دیئے گئے تھے تو کعبہ کو نہیں ڈھایا گیا بلکہ بت نکال دیئے گئے ایسے ہی خدا موقع دے تو ان برائیوں کو دور کر دیا جائے۔ یادگاریں نہ مٹاؤ مسجد میں کتا گھس جائے تو کتا نکالو مسجد نہ گراؤ دوسرا یہ کہ نعمت کا شکر اور وعدہ پورا کرنا بہت ضروری ہے۔ تیسرا یہ کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ کریں چوتھا یہ کہ امت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بنی اسرائیل سے افضل ہیں کیونکہ ان سے تو کہا گیا ہے کہ تم میری نعمتوں کو یاد کرو اور ہم سے

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہوا فاذکرونی اذکرکم تاکہ ان کی نظر نعمت سے منعم کی طرف جائے اور ہماری نظر منعم سے نعمت کی طرف پانچواں یہ کہ جس قدر زیادہ نعمت ہوگی اسی قدر نافرمانی کرنا زیادہ وبال۔ **اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی سے خوف نہ کرنا چاہئے پھر تم ولیوں' نبیوں' ولیوں سے کیوں خوف کرتے ہو (دیوبندی وہابی) **جواب:** اس کا جواب **لا خوف** کی تفسیر میں ہو چکا ہے انبیاء اولیاء سے خوف حقیقت میں رب سے خوف ہے۔ خدا کے مقابلہ میں کسی سے خوف کرنا جرم ہے تم بھی بادشاہوں اور حاکموں سے **خوف کرتے ہو۔**

تفسیر صوفیانہ۔ رب تعالیٰ نے ایمان فطری اور عقل سلیم دلائل قوی سب کو عطا فرما کر بڑا احسان فرمایا پھر پیغمبروں کو بھیج کر کتابیں اتار کر علماء مشائخ کو قائم فرما کر ہم سے ایمان اور نیک اعمال کا عہد لیا اور اپنے فضل و کرم سے اپنے دیدار کا وعدہ فرمایا۔ ہماری طرف سے پہلا وفائے عہد کلمہ شہادت پڑھنا ہے اور رب کی طرف سے ہمارے جان و مال کا محفوظ فرمانا ہے ہماری آخری وفاء عہد دریائے توحید میں اس طرح غرق ہو جانا ہے کہ اپنی بھی خبر نہ رہے لاالہ کی تلوار سے غیر اللہ کو قتل کر دینا اور الا اللہ میں فنا ہو کر باقی باللہ بن جانا رب تعالیٰ کی طرف سے دائمی دیدار کا عطا ہونا اس کے درمیان وفائے عہد کے صدہا درجات اور اس طرف سے عطا کے ہزارہا درکات ہیں۔ امام قشیری فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اے بندو تم دار الحجاب یعنی دنیا میں میرا عہد پورا کرو میں دار قربت یعنی جنت میں تمہارا عہد پورا کروں گا۔ تم ہمیشہ ربی ربی کہہ کر میرا عہد پورا کرو۔ میں اس کے جواب میں عبدی عبدی کہہ کر اپنا عہد پورا کروں گا۔ تم دار الفراق میں میرا عہد پورا کرو کہ میرے سوا کسی کو مت ڈھونڈو۔ میں دار الوصال میں اپنا عہد پورا کروں گا کہ اپنے سوا اور کسی کی طرف نہ بھیجوں گا تم میرے ہو جاؤ میں تمہارا ہو جاؤں گا۔

آں را کہ بخواند بدر کس نہ دواند — ہر سو دود آں کس زدر خویش براند۔

وَاٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ
اور ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو اتاری میں نے سچا کرنے والی واسطے اس کے جو ساتھ تمہارے اور نہ ہو تم
اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے اتارا اس کی تصدیق کرتا ہوا جو تمہارے ساتھ ہے اور سب سے پہلے
كَافِرٍۢ بِهٖ ۪ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ *
پہلے منکر ساتھ اس کے اور نہ خریدو بدلے آیتوں میری کے قیمت تھوڑی اور مجھ سے ہی بس ڈرو تم
اس سے منکر نہ بنو اور میری آیتوں کے بدلے تھوڑے دام نہ لو اور مجھ سے ڈرو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ پہلے عہد پورا کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے چونکہ عہد بہت تھے۔ اور ان سب میں ایمان مقدم اس لئے پہلے اسی کا ذکر ہوا دوسرے یہ کہ پہلے اجمالاً نعمت الٰہی کے یاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس کی تفصیل فرمائی گئی کہ اے بنی اسرائیل قرآن کریم اور نبی آخر الزماں تمہارے حق

www.alahazratnetwork.org

میں خاص طور پر بڑی نعمت ہیں کیونکہ ان سے تمہاری کتابوں وغیرہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ لہٰذا فوراً مان جاؤ۔

شان نزول : یہ آیت کعب ابن اشرف اور دوسرے رؤسا اور علماء یہود کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی قوم کے جاہلوں سے روپیہ وصول کرتے تھے اور ان کی پیداوار میں اپنے حصے مقرر کر رکھے تھے انہیں فکر ہوئی کہ توریت میں جو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی نعت موجود ہے اگر ہم اس کو ظاہر کردیں یا خود حضور پر ایمان لے آئیں تو ہماری قوم بھی ان پر ایمان لے آئے گی۔ اور ہماری یہ آمدنی جاتی رہے گی۔ اس لئے انہوں نے توریت کو بدل ڈالا اور جب لوگ ان سے پوچھتے کہ توریت میں نبی آخر الزمان کے کیا اوصاف مذکور ہیں تو وہ چھپالیتے اور ہرگز نہ بتاتے (تفسیر خزائن العرفان و تفسیر روح البیان) روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ ایک بار کعب ابن اشرف نے علماء یہود سے کہا کہ تم حضور علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہو انہوں نے کہا کہ وہ سچے نبی ہیں۔ کعب بولا اگر تم کچھ اس کے خلاف جواب دیتے تو میں تم کو انعام دیتا وہ کہنے لگے کہ ہم نے جلدی سے جواب دے دیا ہم کو سوچنے کا موقع دو۔ کعب نے کہا اچھا سوچ لو۔ یہ لوگ اس مجلس سے اٹھے اور حضور کی نعت توریت سے نکال دی اور نبی آخر الزمان کی وہ صفتیں بیان کیں جو دجال کی ہیں۔ پھر کعب سے آکر کہا تب اس نے ہر ایک عالم کو چار چار سیر جو اور چادریں دیں۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ اتری۔ مثنوی شریف میں ہے۔

بود در انجیل نام مصطفیٰ　　آں سر پیغمبراں بحر صفا
بود ذکر حلیہا و شکل او　　بود ذکر غزو و صوم و اکل او

نیز علماء یہود اپنے جہلاء سے کچھ رشوت لے کر توریت کے سخت احکام بدل کر نرم کردیتے تھے بلکہ امراء یہود کی طرف سے ان علماء کی تنخواہیں اس لئے مقرر تھیں کہ جب بھی ہم کو ضرورت پڑے تو دین کے احکام بدل دیا کرو۔ تفسیر و۔ **امنوا بما انزلت**۔ یہ خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے جیسے کہ **اذکروا** اور **اوفوا** میں خطاب ان سے تھا پھر قیامت تک کے بنی اسرائیل کو یہ حکم شامل ہوگیا **ما انزلت** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے صرف قرآن کریم مراد ہو دوسرے یہ کہ اس سے قرآن پاک اور صاحب قرآن علیہ السلام اور ان کے تمام فرمان مراد ہوں (تفسیر کبیر) اس لئے بالقرآن نہ فرمایا۔ بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی خیال رہے کہ حدیث و قرآن سب ہی اللہ کا اتارا ہوا ہے قرآن کے الفاظ اور معنی سب، حدیث کے صرف معنی اور الفاظ حضور کے ہیں۔ بلکہ قرآن کا قرآن ہونا بھی حدیث سے ہی معلوم ہوا حضور کی زبان پر خدا ہی بولتا ہے اور یہ فرق کہ یہ الفاظ خدا کے ہیں اور یہ الفاظ حضور کے حضور ہی کے بتانے سے معلوم ہوگا۔ یہ بتانا حدیث ہے صوفیائے کے نزدیک **انزلت** حضور ہیں قرآن کی طرح حضور بھی منزل من اللہ ہیں آپ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کی ہر ادا پر ایمان لائے خیال رہے کہ اس جگہ بالقرآن نہ فرمایا بلکہ **ما انزلت** فرمایا اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ اے بنی اسرائیل تم ان توریت و زبور و انجیل وغیرہ پر اس ہی لئے تو ایمان لائے ہو کہ وہ ہماری اتاری ہوئی ہیں۔ لہٰذا قرآن بھی ہمارا اتارا ہوا ہے تمہارا فرض ہے کہ اس پر ایمان لاؤ جیسے کہ ایک آسمانی کتاب کے بعض حصے کا انکار کفر ہے۔ ایسے ہی کسی پوری کتاب آسمانی کا انکار کرنا بھی کفر ہے اور جیسے کہ تم نے موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو اس لئے مانا کہ ہمارے پیغمبر ہیں اسی طرح نبی آخر الزمان کو بھی مان لو تم کو معلوم ہے کہ یہ قرآن میرا اتارا ہوا ہے کیونکہ یہ معجزہ ہے اور سراسر

www.alahazratnetwork.org

ہدایت اور پھر لطف یہ کہ **مصدقا لما معکم** تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمانے والا بھی ہے خیال رہے کہ اس معنی میں بھی چند احتمال ہیں یا یہ کہ اس سے پہلی آسمانی کتابیں مراد ہوں یا پچھلے پیغمبر بھی اور کتابیں بھی اور یا ان کتابوں کے سارے اصلی عقیدے اور احکام یعنی مصدقا" کے تین معنی ہوسکتے ہیں سچا کرنے والا سچا کہنے والا سچا کروانے والا ان تینوں معنی سے قرآن اور حضور مصدق ہیں یعنی پچھلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں اور ان کے سارے احکام و فرمانوں کی تصدیق کرتے ہیں ایک یہ کہ ان سب کتابوں میں آخری نبی اور آخری کتاب کے آنے کی خبر تھی۔ اس کے آنے سے وہ سب خبریں سچی ہوگئیں اگر یہ نہ آتے تو جھوٹی ہوجاتیں کسی سے کہوں کہ کل بارش ہوگی اگر ہوجائے تو میں سچا ورنہ جھوٹا دوسرے یہ کہ دنیا میں ہزارہا پیغمبر تشریف لائے اور بہت سی کتابیں اور صحیفے آئے لیکن جن کا قرآن نے ذکر فرمادیا وہ تو دنیا میں مشہور ہوگئے باقی ایسے گم ہوئے کہ دنیا ان کے نام سے بھی بے خبر ہوگئی یعنی جس کا قرآن نے ذکر کردیا اس کا قیامت تک سارے جہاں میں چرچا ہوگیا اور جس کا ذکر نہ کیا گیا وہ گم ہوگیا۔ تیسرے یہ کہ توریت اور انجیل کو ماننے والے صرف بنی اسرائیل ہی تھے اور قرآن پاک کا ماننے والا سارا جہان اور ظاہر ہے کہ جو بھی قرآن کو مانے گا وہ ان کتابوں کو ضرور مانے گا تو گویا قرآن و حضور نے تمام دنیا سے یہ کتابیں منوالیں اور وہ کام کرکے دکھایا جو نہ تو خود ان کتابوں نے کیا اور نہ ان کے ماننے والے بنی اسرائیل سے ہوسکا۔ دیکھو بتول کنواری مریم صدیقہ کو لوگوں نے تہمت لگائی قرآن نے ان کو پاک دامن فرماکر سارے جہان میں ان کی عصمت کے خطبے پڑھادیئے سارے بے ادب گستاخ شرمندہ ہوکر چپ ہوگئے حقیقت میں قرآن پاک کا ان ساری کتابوں پر بڑا بھاری احسان ہے بلکہ جن پچھلے احکام کو منسوخ کیا گیا اس سے بھی ان کتابوں کی تصدیق ہوئی کیونکہ ان کتابوں ہی نے خبر دی تھی کہ نبی آخر الزمان سخت احکام کو نرم فرمانے والا اور گندگیوں کو دور فرمانے والا ہوگا۔ تو اگر یہ نسخ نہ ہوتا تو وہ خبر سچی نہ رہتی گویا حضور اور قرآن تمہارے نبیوں اور کتابوں کے گواہ ہیں مدعی گواہ کی تصدیق کرتا ہے اسے جھٹلاتا نہیں ورنہ اس کا مقدمہ ناکام ہے تم بڑے بیوقوف ہو کہ اپنے گواہوں کو جھوٹا کہہ کر اپنا مقدمہ برباد و ناکام کررہے ہو خیال رہے کہ مدعی گواہ کے سچے ہونے کا بھی قائل ہوتا ہے اور باخبر ہونے کا بھی کہ ان دونوں کے بغیر گواہی درست نہیں آج جو لوگ حضور کو سچا تو مانتے ہیں مگر عالم کل نہیں مانتے وہ اپنا قیامت والا مقدمہ کمزور کررہے ہیں حضور رب کے سامنے ہمارے ایمان و اعمال کے بھی گواہ ہیں۔ **ویکون الرسول علیکم شھیدا** ۔ غرضیکہ اہل کتاب نے حضور کو بے خبر مان کر اور ان بیوقوفوں نے حضور کو بے علم مان کر مقدمہ بگاڑ دیا۔ **ولا تکونوا اول کافر بہ** ۔ بہ کی ضمیر یا **ما انزلت** کی طرف لوٹ رہی ہے یا **معکم** کی طرف یعنی تم اس قرآن کے پہلے منکر نہ بنو قرآن کا انکار کرکے خود اپنی کتابوں کا انکار نہ کرو۔ کیونکہ قرآن کریم کا انکار ان سب کا انکار ہے۔ **اول کافر** کے چند معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ تم قرآن سنتے ہی بے سوچے سمجھے بید حڑک شروع ہی سے انکار نہ کردو بلکہ اپنی کتابوں کو دیکھو پھر اس قرآن کریم اور ان پیغمبر کے حالات کو ان کے حالات کو ان کے مطابق کرو اور ایمان لے آؤ۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل تم جان بوجھ کر قرآن کے پہلے منکر نہ بنو کیونکہ تم سے پہلے جن مشرکین نے انکار کیا ہے۔ وہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے تھا تمہارا انکار جان بوجھ کر ہے لہذا تم اس قسم کے انکار اور کفر میں سب سے پہلے ہو تیسرے یہ کہ اے مدینہ کے اسرائیلیو! اپنی جماعت میں سب سے پہلے تم ہی نے قرآن کریم سنا ہے کیونکہ صاحب قرآن مدینہ میں ہی تشریف لائے ہیں اگر تم نے اس کا انکار کیا تو تمہاری دیکھا دیکھی خیبر وغیرہ کے اسرائیلی بھی انکار کردیں گے اور تم ان کے لحاظ سے پہلے کافر بنو گے چوتھے یہ کہ اے علماء بنی اسرائیل تمہارے معتقدین و متبعین، تمہاری پیروی کرتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں اگر تم نے انکار کیا تو وہ بھی انکار کریں گے لہذا تم پہلے کافر نہ بنو پانچویں یہ کہ تم اپنی آئندہ نسل کے لحاظ سے پہلے کافر نہ بنو کیونکہ اولاد اکثر اپنے باپ دادوں کے دین پر ہوتی ہے **ولا تشتروا باٰیتی ثمنا قلیلا** یا تو یہاں آیات قرآنی کے مقابلے میں دنیا کو نہ لو جو کہ تھوڑی سی قیمت ہے یا چونکہ علماء یہود دنیوی نفع کی وجہ سے توریت کی آیتیں بدل ڈالتے تھے لہذا فرمایا کہ میری آیتیں اس معمولی قیمت پر بیچ نہ ڈالو خیال رہے کہ دنیا اور دنیوی چیزیں کیسی بھی ہوں آخرت کے مقابلے میں تھوڑی ہیں ساری دنیا جنت کے ایک موتی کے برابر نہیں ہو سکتی۔ پھر اس کے باوجود یہ سب فانی اور آخرت باقی اس آیت میں دنیا کے دو عیب بیان کئے گئے ایک اس کا ثمن یعنی قیمت ہونا دوسرے اس کا تھوڑا ہونا قیمت وہ چیز کہلاتی ہے جو کہ بذات خود فائدہ نہ دے بلکہ اس سے فائدے مند چیزیں حاصل کی جاویں۔ روپیہ پیسہ نہ کھایا جا سکتا ہے نہ پہننے میں آسکتا ہے ہاں اس سے غذا اور لباس خرید سکتے ہیں اسی طرح دنیا بذات خود بالکل بے فائدہ ہاں اس کے ذریعے آخرت حاصل کر سکتے ہیں تو دنیا قیمت اور آخرت اصل مقصود ہے بیوقوف اسرائیلیوں نے آیات الٰہی کے عوض دنیا کو لیا تو گویا اصل کے بدلے قیمت کو خرید لیا ارے بیوقوفو! قیمت سے اصل چیز خریدو **وایای فاتقون** یعنی تم مجھ سے ڈرو اور لوگوں سے پہلی آیت میں **فارھبون** فرمایا تھا اور یہاں **فاتقون** اس کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ پہلے عوام بنی اسرائیل سے خطاب تھا یہاں ان کے علماء سے اور رہبت سلوک کی ابتدائی منزل ہے اور تقویٰ انتہائی لہذا ابتدائی لوگوں کو ابتدائی چیز کا حکم دیا اور انتہائی علماء کو انتہائی درجہ کا (تفسیر روح البیان) دوسرے یہ کہ رہبت خطرناک چیز کے اندیشے سے ہوتی ہے اور تقویٰ اس کے یقین پر کسی کو سانپ کا شبہ پڑ گیا وہ ڈر گیا یہ رہبت ہے دوسرے نے سانپ بالیقین دیکھ لیا اور وہ اس سے بھاگا یہ تقویٰ ہے۔ جہلاء کو رب کی حقانیت کا یقین نہ تھا اس لئے ان کو عذاب الٰہی کا صرف وہم تھا۔ اور ان کے علماء کو دونوں چیزوں کا یقین لہذا علماء کے لئے اتقون فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر) تیسرے یہ کہ رہبت بنی اسرائیل کا اپنا لفظ تھا۔ اسی لئے خدا پرستوں کو راہب کہتے تھے اور تقویٰ اسلامی کلمہ جو آدمی اپنا پرانا دین چھوڑ کر مسلمان ہو اس کو چاہئے کہ اس دین کے خاص الفاظ کو چھوڑ دے (تفسیر عزیزی) لہذا مسلمان ہو کر رب کو بھگوان مت کہو اور اپنے شرکیہ نام بھی بدل ڈالو۔

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل سے فرمایا جا رہا ہے کہ تم میری نعمتوں کو اس طرح یاد کرو اور میرے وعدوں کو ایسے پورا کرو کہ اس قرآن والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن اور ان کے سارے معجزات پر ایمان لے آؤ ایک تو اس لئے کہ پچھلی کتابوں اور رسولوں کی طرح یہ بھی ہمارے بھیجے ہوئے ہیں تو بعض کو ماننا اور بعض کو نہ ماننا اس کے کیا معنی دوسرے اس لئے کہ یہ کتاب و رسول تمہارے محسن ہیں کہ انہوں نے آکر ان سب کتابوں اور نبیوں کو سچا کر دیا کہ ان میں فرمایا گیا تھا کہ اس شکل و شباہت والا اور ان اخلاق و صفات والا ایسی خوبیوں کا مالک مکہ میں پیدا ہو کر مدینہ میں رہنے والا اس قسم کی تعلیم دینے والا اچھے کام سکھانے والا سیدھا راستہ دکھانے والا۔ سچی بات بتانے والا۔ توحید کا سبق پڑھانے والا۔ کفر و ضلالت مٹانے والا۔ شمع ایمان جلانے والا۔ رحمٰن کی طرف سے قرآن کریم لانے والا۔ مرجھائی ہوئی کلیاں کھلانے والا۔ ڈوبتی کشتیاں ترانے والا۔ چھوٹی نبضیں چلانے والا۔ روتوں کو ہنسانے والا۔ جلتوں کو بجھانے والا رازداروں کو کنت کنزا مخفیا کا راز سمجھانے والا بیگانوں کو **انما انا بشر مثلکم** سنا کر اپنی طرف بلانے والا خود فریبی میں گزار کر غریبوں کو تخت و تاج دلوانے والا فرش پر رہ کر عرش پر

www.alahazratnetwork.org

حکومت کرنے والا۔ صحرائے عرب میں بیٹھ کر سارے جہاں کو دیکھنے والا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لانے والا ہے ان کے آنے کا سارے پیغمبروں کو انتظار تھا خلیل ان کی دعائیں مانگ کر گئے حضرت مسیح گویا یہ کہہ کر بشارت دے گئے کہ میں اس صبح کے تارے کی طرح ہوں جو آسمان پر چمک کر آفتاب کے آنے کی خبر دیتا ہے اور خبر دے کر آفتاب ہی کے دامن نور میں چھپ جاتا ہے۔ حضرت مسیح یہ بھی فرما گئے کہ میں اس آخری نبی کے تسمے کھولنے کے لائق نہیں۔ (دیکھو انجیل برنا باس فصل ستاوے) اس نبی کے آنے سے سارے پیغمبر سچے ہو گئے تم بھی ان کے انکار سے حیا کرو اور اس کے پہلے منکر نہ بنو اور اپنے پچھلوں کا بیڑا غرق نہ کرو اگلوں پر پچھلوں کا بوجھ ہوتا ہے اور عالم کے بگڑنے سے عالم بگڑ جاتا ہے اور تھوڑے پیسوں اور آمدنی کے لالچ سے اپنا اصل ایمان فروخت نہ کرو سامان سے قیمت نہ خریدو بلکہ قیمت سے سامان خریدو اور ہم سے ڈرتے رہو خیال رہے کہ حضور اور قرآن نے گزشتہ نبیوں ہی کی تصدیق نہ کی بلکہ ان کتابوں ان کے عقائد ان کی ملت کے اولیاء اللہ ان کے شہروں کی عظمت کی بھی تصدیق فرما دی اس لئے یہاں ارشاد ہوا **مصدقا لما معکم** یعنی وہ تمہارے سارے سچے معقولات کی تصدیق کرتے ہیں چنانچہ قرآن نے بیت المقدس کی حرمت میں فرمایا **ادخلوا الباب سجدا** اصحاب کہف کے بارے میں جو نصرانیت کے اولیاء اللہ ہیں ان کا پورا واقعہ بلکہ ان کے کتے کو احترام کے ساتھ بیان کیا۔ آصف بن برخیا جو یہودیت کے ولی اللہ ہیں ان کی کرامات کا ذکر کیا تمام دنیا کے مسلمانوں کے دلوں میں ان کی عظمت قائم فرما دی یہ ان سب پر احسان عظیم ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ عالم گمراہ جاہل گمراہ سے بدتر ہے کیونکہ جاہل اس کی پیروی کر کے گمراہ ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دین کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ نہ بنائے کہ دنیا کی خاطر دین چھوڑ دے تیسرے یہ کہ یہ آیت اگرچہ بنی اسرائیل کے لئے آئی ہے۔ مگر اس میں مسلمانوں کے بھی چند فرقے داخل ہیں۔ پہلا فرقہ وہ علماء جو نفسانی خواہش کے لئے حکام سے ملیں اور ان کے ناجائز افعال کو جائز ثابت کرنے کے لئے قرآن و حدیث میں تاویلیں کریں۔ دوسرا فرقہ وہ واعظین و مدرسین جو اپنے عوام کا میلان خاطر دیکھ کر مسائل بیان کریں اور ضروری احکام کو اس لئے چھپالیں کہ اس سے ہماری آمدنی میں فرق پڑے گا۔ تیسرا فرقہ وہ علماء جو غلطی کر کے اپنی آبرو کے خیال سے توبہ نہ کریں جیسے علماء دیوبند ان بد نصیبوں کو اپنے کفر کا یقین ہو چکا ہے مگر عار کے مقابلے میں نار قبول کرتے ہیں۔ چوتھا فرقہ وہ قاضی اور مفتی جو کہ رقم لے کر حکم شرع بدل دیتے ہیں۔ جیسے آج کل پنجاب کے دیوبندی جو روپیہ لے کر کچہری کے فسخ نکاح پر دوسرا نکاح پڑھا دیتے ہیں۔ پانچواں فرقہ وہ حکام جو کہ ظالم سے رشوت لے کر انصاف نہیں کرتے۔ چھٹا فرقہ وہ مدرسین و مبلغین جو محض دنیا کے لئے یہ کام کریں یعنی جہاں دنیوی فائدے کی امید ہو صرف وہاں تبلیغ کریں اور جس شخص سے دنیوی نفع ہو صرف اس کو علم دین سکھائیں (تفسیر عزیزی) **تیسرا فائدہ:** تنخواہ لے کر علم دین پڑھانا اجرت پر تعویذ لکھنا اور دم قرآن پاک چھاپ کر فروخت کرنا اس آیت سے خارج ہیں کیونکہ بیچنے کے یہ معنی ہیں کہ پیسہ لے کر شرعی احکام بدل دیے جائیں پریس والا در حقیقت کاغذ اور لکھائی اور چھپائی کی قیمت لے رہا ہے اسی طرح تعویذ لکھنے والا اور دم کرنے والا ایک طرح کے علاج کی اجرت لے رہا ہے کیونکہ اس نے قرآن سے علاج کیا ہے۔ صحابہ کرام نے ایک سانپ کاٹے ہوئے پر سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کر دی اور اس پر تیس بکریاں اجرت لیں خود بھی کھائیں اور ان میں سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ملاحظہ فرمایا اس طرح قرآن پڑھانے والا قرآن پاک کو فروخت نہیں کرتا بلکہ اپنا وقت گھرنے اور اپنا کاروبار چھوڑنے اور بچوں کی نگرانی کرنے وغیرہ کی اجرت لیتا ہے حضرت ابو بکر

www.alahazratnetwork.org

صدیق رضی اللہ عنہ نے خلافت پر تنخواہ لی حالانکہ خلافت دینی کام تھا۔ **مسئلہ:** خالص عبادت اور حرام کاموں پر اجرت لینا منع ہے۔ جیسے نماز، روزہ اور تلاوت قرآن کہ یہ خالص عبادتیں ہیں اور گانا بجانا وغیرہ کہ یہ حرام ہیں اسی لئے کہ اس کی حدیث میں ممانعت آئی۔ لیکن علماء متاخرین نے امامت اور اذان وغیرہ کی اجرت جائز رکھی کیونکہ اگر یہ جائز نہ ہو تو مسجدیں ویران ہو جائیں گی۔ تفسیر عزیزی میں اس جگہ نہایت عمدہ فائدہ بیان فرمایا وہ یہ کہ جائز کام پر اجرت لینی جائز ہے اسی طرح جس فرض یا واجب میں جائز کام مل جائے اس پر بھی اجرت لینی جائز ہے اور یہ اجرت اس جائز کی ہوگی نہ کہ واجب و فرض کی لہٰذا امامت میں دو چیزیں ہیں ایک اوائے نماز جو کہ فرض اور ایک خاص جگہ اور وقت کی پابندی یعنی فلاں وقت حاضری دینا یہ جائز فعل ہے تنخواہ اس کی پابندی کی ہے نہ کہ نماز کی۔ **پانچواں فائدہ:** کسی بزرگ کے معتقدین اسے حد سے بڑھا دیں خدا سے ملا دیں تو ان کے جواب میں اس بزرگ کی توہین نہ کرو بلکہ ان کو روکو دیکھو عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم کو رب کا بیٹا اور بیوی کہا قرآن نے ان کی تردید کی مگر ان دونوں بزرگوں کی عزت و تکریم کی جیسا کہ "مصدقا" سے معلوم ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بد مذہبوں کی تردید کے لئے بزرگوں کو گالیاں دیتے ہیں روافض کی تردید میں حضرت حسین کی اہانت کرتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** حضور آخری نبی ہیں کیونکہ حضور صرف مصدق ہیں کسی نبی کے مبشر نہیں خیال رہے کہ بشارت اگر نذیر کے ساتھ جمع ہو کر آئے تو اس کے معنی ہیں رب کی رحمت کی خوشخبری جیسے "بشیرا" "ونذیرا" اس معنی سے ہمارے رسول بشیر اور اگر تصدیق کے ساتھ جمع ہو تو معنی ہیں کسی آئندہ نبی کی خوشخبری۔ اس معنی سے حضور ہرگز بشیر نہیں اس لئے یہاں صرف **مصدقا** ارشاد ہوا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن بنی اسرائیل کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے حالانکہ ان کے پاس بدلی ہوئی اور مخلوط کتابیں تھیں۔ جس کو قرآن نے جھٹلایا ہے۔ **جواب:** اس جگہ فرمایا گیا ہے کہ **مصدقا لما معکم** یعنی قرآن اس کی تصدیق فرمانے والا ہے جو تمہارے ساتھ ہے نہ اس کی جو تم نے بنالی ہے ساتھ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جو رب کی طرف سے آئی اور تمہارے پاس موجود ہو یعنی انہی بدلی ہوئی کتابوں میں جو اصلی آیتیں ہیں۔ ان کی تصدیق فرماتا ہے اسی لئے یہاں **بکتبکم** نہ فرمایا۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن کریم نے ان کی اصلی کتابوں کی بھی تصدیق نہ فرمائی بلکہ ان کو منسوخ فرمایا **جواب** منسوخ فرمانا تصدیق کے خلاف نہیں قرآن کریم نے یہ کہیں نہ فرمایا کہ یہ کتابیں جھوٹی تھیں بلکہ یہ بتایا کہ وہ کتابیں سچی مگر اب ان کا حکم جاری نہیں ایک طبیب اپنا نسخہ بدلتا ہے تو اس میں پہلے نسخے کی تکذیب (جھوٹا کرنا) نہیں بلکہ مریض کی حالت کے لحاظ سے اب اس کا استعمال بند کر دیا گیا ہے بلکہ یہ نسخ بھی ان کی تصدیق ہے کیونکہ ان کتابوں نے خبر دی تھی کہ نبی آخر الزمان سختیاں دور فرمائے گا اگر وہ سخت احکام باقی رہتے تو یہ خبر سچی کیسے ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** اس جگہ فرمایا گیا کہ تم قرآن کریم کے پہلے منکر نہ بنو حالانکہ بنی اسرائیل سے پیشتر اور بہت سی قومیں انکار کر چکی تھیں تو یہ لوگ پہلے منکر کیونکر بن سکتے تھے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ اپنی جماعت یا اپنی نسل میں یا جان بوجھ کر پہلے منکر نہ ہو۔ **چوتھا اعتراض:** کیا پہلا منکر بننا منع ہے اور پچھلا منکر بننا جائز۔ **جواب:** پہلا منکر بننا زیادہ عذاب کا باعث ہے کیونکہ جو بھی اس کی دیکھا دیکھی منکر بنے گا ان سب کا عذاب بھی اس کے لئے ہوگا کیونکہ یہ برائی کا موجد ہے پچھلے منکر کو صرف اپنے انکار کا عذاب ہوگا نیز ہر منکر اپنی نسل کے لحاظ سے پہلا منکر ہے آج بھی ہر کافر اپنی اولاد کے لحاظ سے پہلا کافر ہے کہ اس کی وجہ سے اولاد وغیرہ کافر ہوگی

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیتوں کو تھوڑی قیمت سے نہ بیچو تو کیا بہت سی قیمت سے بیچ دیں یعنی دو چار روپے میں نہ بیچیں سو پچاس میں بیچ دیں (آریہ) **جواب:** آیات کے لحاظ سے تھوڑی قیمت ہے **قل متاع الدنیا قلیل** تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ دنیا کے عوض نہ بیچو جو تھوڑی اور حقیر ہے یا یوں کہو کہ یہ اس واقعہ کی حکایت ہے علمائے بنی اسرائیل تھوڑے ہی پیسوں میں فروخت کیا کرتے تھے جیسے کہ قرآن پاک میں آتا ہے کہ دگنا دگنا سود نہ کھاؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھاؤ بلکہ اس زمانے میں جو کچھ تھا اس کا بیان ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس جگہ فرمایا گیا کہ میری آیتوں کے تھوڑی قیمت نہ خرید و حالانکہ یوں کہنا چاہئے تھا کہ میری آیتیں قیمت کے عوض نہ بیچو یا میری آیتوں کے عوض تھوڑے سامان کو نہ خریدو کیونکہ قیمت سے چیز خریدتے ہیں نہ کہ چیز سے قیمت۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر ہی میں گزر چکا کہ دنیا بذات خود آخرت کی قیمت ہے جس کے ذریعے آخرت حاصل کی جائے اور آیات الٰہی اصل مقصود ان بیوقوفوں نے دنیا کو اصل مقصود سمجھ کر دین کے عوض اس کو حاصل کیا لہٰذا دنیا کو ثمن (قیمت) فرمانا اصل واقعہ کے لحاظ سے ہے اور **لا تشتروا** فرمانا ان کے عمل کے لحاظ سے۔ **ساتواں اعتراض:** اس سے معلوم ہوا کہ آیتیں بدل کر پیسہ لینا حرام ہے لیکن آیتیں بدلوا کر پیسہ دینا بھی حرام ہے کہ نہیں۔ **جواب:** جب لینا حرام ہوا تو دینا پہلے ہی حرام ہوا۔ کیونکہ لینا دینے سے ہوتا ہے قرآن کریم میں ہے کہ سود نہ کھاؤ جس طرح سود کھانا حرام ہوا ایسے کھلانا اور دینا بھی۔

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ
اور نہ ملاؤ حق کو ساتھ باطل کے اور نہ چھپاؤ حق کو حالانکہ تم
اور حق سے باطل کو نہ ملاؤ اور نہ دیدہ دانستہ حق
تَعْلَمُونَ ۝
جانتے ہو
کو چھپاؤ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ پہلے علماء بنی اسرائیل کو خود ایمان لانے کا حکم دیا گیا اور کفر سے روکا گیا اور اب ان کو اوروں کو گمراہ کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی پہلے کہا گیا تھا کہ تم خود کافر نہ بنو اب فرمایا ہے کہ اوروں کو کافر نہ بناؤ مگر چونکہ اپنا ایمان و کفر دوسروں کو مومن و کافر بنانے سے پہلے ہوتا ہے اسی ترتیب سے اس کا ذکر ہوا ہے دوسرے یہ کہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ میری آیتوں کے عوض مال نہ لو۔ اس آیت میں اس کا مطلب بتایا کہ مال لے کر حق کو نہ چھپاؤ۔ تیسرے یہ کہ علمائے یہود تین حرکتیں کرتے تھے ایک تو روپیہ لے کر آیتیں بدل ڈالنا دوسرے آیات میں اپنی طرف سے کچھ زیادتی کر دینا تیسرے اپنی مخالف آیات کو چھپا لینا۔ ایک فعل سے پہلے روکا گیا تھا اور دو حرکتوں سے اب منع فرمایا جا رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: ولا تلبسوا۔ تلبسوا۔ لبس سے بنا ہے جس کے معنی ہیں خلط یعنی ملاوٹ کرنا جیسا کہ دودھ میں پانی اور اصلی گھی میں ولایتی گھی کو اسی طرح ملا دو جس سے اصل و نقل کی پہچان نہ رہے علماء یہود بھی کتاب کی آیتوں یا اس کے معانی میں اپنی طرف سے ایسی ملاوٹ کر دیتے تھے جس سے اصل و نقل کی پہچان نہ رہتی تھی اس سے ان کو منع فرمایا جا رہا ہے۔ الحق بالباطل حق واقعی چیز کو کہتے ہیں اور باطل غیر واقعی کو صدق سچ کو و حق میں اسی طرح کذب جھوٹ اور باطل میں فرق ہے کہ سچ جھوٹ صرف کلام کی صفت ہے اور حق و باطل عام ہے غلط عقیدے اور غلط خیالات کو باطل کہا جاتا ہے کاذب نہیں کہا جاتا اسی طرح صحیح عقائد کو حق کہا جاتا ہے مگر نہ کہ صادق (سچا) نیز حق و باطل میں مطابقت واقع کی طرف سے معتبر ہے اور صادق و کاذب میں کلام کی طرف سے یعنی صادق وہ کہ واقع کے مطابق ہو اور حق وہ کہ واقع اس کے مطابق ہو۔ لہٰذا حق صادق سے اعلیٰ ہے چونکہ علمائے یہود آیتوں اور ان کے معانی اور ان کے مطالب میں ہر طرح خلط ملط کرتے رہتے تھے اس لئے یہاں حق فرمایا گیا۔ تاکہ سب کو شامل ہو جائے یعنی نہ آیتوں کے الفاظ میں خلط ملط کرو اور نہ اس کے معانی اور مطلب میں۔ وتکتموا الحق یہاں لا پوشیدہ ہے اس لئے نون گر گیا۔ یعنی حق نہ چھپاؤ خیال رہے کہ خلط اور چھپانے میں یہ فرق ہے کہ خلط کے معنی ہیں ملا کر ظاہر کرنا اور کتم (چھپانا) کے معنی ہیں ظاہر نہ کرنا۔ بعض کے علماء یا تو احکام ظاہر ہی نہ کرتے تھے اور یا ملاوٹ کر کے ظاہر کرتے تھے ان دونوں کاموں سے ان کو روک دیا گیا۔ وانتم تعلمون یعنی علمائے بنی اسرائیل تم جان بوجھ کر یہ حرکتیں کرتے ہو نہ کہ بے علمی اور بھول سے اس میں اس جانب اشارہ ہو رہا ہے کہ جان بوجھ کر یہ حرکتیں اہم گناہ ہیں اور اگر اتفاقاً یا بھول کر ہو تو نہیں ایک حافظ قرآن پاک غلط پڑھ گیا یا کسی کاتب نے غلطی سے آیت غلط لکھ دی یا کسی شخص نے بے علمی سے آیت کا کوئی مطلب سمجھ لیا یا کسی مجتہد سے آیت سے مسئلہ نکالنے میں غلطی ہو گئی یہ سب اس حکم سے خارج ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں تحریف تبدیلی نہیں ہو سکتی معجزہ قرآن وہ سورج ہے جو چھپایا نہیں جا سکتا رب نے الفاظ قرآن کی حفاظت کے لئے حفاظ و الفاظ کی حفاظت کے لئے قاری احکام قرآن کی حفاظت کے لئے محدثین و مفسرین و فقہاء پیدا کئے اسرار قرآن کی حفاظت کے لئے صوفیاء و مشائخ کو پیدا فرمایا اور انہیں تاقیامت باقی رکھا قرآن کی حفاظت کے لئے سب سے شرعی تعلق رہی۔

خلاصہ تفسیر: علماء یہود دو طرح لوگوں کو ایمان سے روکتے تھے جاہلوں کو تو کچھ بات سننے ہی نہ دیتے تھے اور باخبر اور ہوشیار لوگوں کو شبہ میں ڈال دیتے تھے یا تو کتاب کی آیتوں میں ہی خلط ملط کر دیتے تھے اور یا اس کے مطالب اس طرح بیان کرتے تھے جس سے وہ شبہ میں پڑ کر حق تک نہ پہنچ سکے۔ مثلاً جاہلوں سے کہتے تھے کہ ہماری کتابوں میں نبی آخر الزمان کی خبر ہی نہیں ہے اور جاننے والوں سے کہتے تھے کہ ان کی خبر تو دی گئی ہے۔ مگر وہ صفتیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نہیں پائی جاتیں۔ اس لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل یہ دونوں حرکتیں چھوڑ دو نہ تو حق و باطل کو ملاؤ نہ حق کو چھپاؤ اور تمہارا جان بوجھ کر یہ دو حرکتیں کرنا اور بھی زیادہ خطرناک ہے۔ خیال رہے کہ اس زمانے میں چونکہ ان آسمانی کتابوں کے حافظ نہ تھے اور نہ کوئی خاص کتب خانہ اور لکھنے کا زیادہ رواج نہ کتابوں کی عام اشاعت بلکہ آسمانی کتابیں خاص خاص راہبوں اور عالموں کے پاس ہی ہوتی تھیں۔ اس لئے ان کو بدلنا کچھ مشکل نہ تھا۔ الحمد للہ کہ قرآن کریم میں اس قسم کی تحریف بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کی اشاعت سینوں میں بھی اور حافظوں کے سینوں میں بھی آ گیا۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ اگرچہ یہ آیت علماء بنی اسرائیل کے لئے آئی ہے لیکن اس میں وہ موجودہ علماء بھی داخل ہیں جو قرآن پاک کے معانی یا مطالب میں تبدیلی کرتے ہیں۔ جیسے خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی مگر دیوبندیوں اور قادیانیوں نے اس کے معنی کئے اصلی نبی اور حضور علیہ السلام کے بعد بھی نئے پیغمبروں کا آنا جائز مانا نیز وہ علماء بھی اس میں داخل ہیں جو قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کو کانگریس یا دیگر کفار کے مطابق کرنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے ابو الکلام آزاد اور دیگر کانگریسی احراری اور خاک ساری علماء ہم کو خوب یاد ہے کہ جب کانگریس نے نمک کو مطالبہ بنا کر سول نافرمانی کرنے کا اعلان کیا تو دیوبند سے وہ حدیثیں نکلیں کہ نمک لکڑی گھاس آزاد چیزیں ہیں جو ان کو پائے وہی ان کا مالک اور جب کانگریس نے چرخہ کاتنے کا حکم دیا تو مدرسہ دیوبند سے چرخے کی حدیث بھی نکل آئی جب وہ تحریکیں ختم ہو گئیں تب یہ احادیث بھی چھپ گئیں دوسرے یہ کہ جان بوجھ کر قرآن کے الفاظ یا معانی یا مطالب کا بگاڑنا کفر ہے جو قراتیں اور معنی کہ متواتر طور پر منقول ہیں اس کی بیوی کی جائے گی۔ بغیر قصد غلطی کا یہ حکم نہیں ہے بے علم اگر نادانی سے غلطی کرتا ہے تو گنہگار ہے اس پر فرض تھا کہ علم حاصل کر کے صحیح پڑھے عالم اگر سستی کر جائے تو بھی گنہگار ہے اس کو چاہئے تھا کہ محنت سے صحیح مسائل معلوم کرے ایک مجتہد کوشش کے باوجود غلطی کر جائے تو وہ گنہگار بھی نہیں بلکہ اس کوشش کا ثواب پائے گا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر گناہ کرنا برا ہے نادان بن کر جو چاہو سو کر لو۔ جواب: اس کا جواب گزر گیا کہ دونوں چیزیں گناہ ہیں لیکن جان بوجھ کر کرنا کفر۔ دوسرا اعتراض: اس سے معلوم ہوا کہ علم سے جہالت بہتر ہے کیونکہ جاہل کا گناہ کم ہے عالم کا گناہ بھی کفر بن جاتا ہے امام احمد نے کتاب الزہد میں فرمایا کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جاہل بے علم پر ایک وبال ہے اور عالم بے عمل پر سات۔ جواب: جہالت کا وبال علم کے وبال سے زیادہ ہے اس لئے کہ عالم بے عمل فقط بے عملی کا گنہگار ہے اور جاہل بے عمل ڈبل گنہگار ہے ایک تو بے علمی کی وجہ سے دوسرا بد عملی سے علم سیکھنا فرض تھا جاہل اس فرض کا تارک ہے گنہگار ہے ایک شخص اپنے باپ کو نہ پہچان کر اس کو مارے پیٹے عقل کہتی ہے کہ یہ شخص بدنصیب ہے جاہل کا ایک وبال عالم کے سات وبالوں سے سخت ہو گا گنہگار مومن کو صدہا بد عملیوں کی سزا ملے گی اور کافر کو صرف کفر کی مگر ایک کفر کی سزا دیگر صدہا جرموں کی سزا سے سخت ہو گی حدیث صحیح سمجھو (تفسیر عزیزی) خیال رہے کہ کفریات وغیرہ میں بے علمی عذر نہیں اگر کوئی جاہل بھی کلمہ کفر وغیرہ منہ سے نکال دے شراب وغیرہ پی لے تو وہ ضرور مجرم ہے کوئی شخص قانون سے واقف ہو کر چوری کرے یا بے ٹکٹ ریل میں سفر کرے اور گرفتار ہونے پر کہے کہ مجھے خبر نہ تھی کہ یہ کام جرم ہے تو وہ بھی ضرور سزا کا مستحق ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ : دین حق ہے دنیا باطل قلب سورج نفس امارہ بادل فرمایا جا رہا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم دین کو دنیا سے اس طرح مخلوط نہ کرو کہ ان کا آپس میں امتیاز نہ رہے بلکہ دین کو دنیا سے خالص رکھو دنیا پر دین کا لباس نہ پہناؤ۔ خالص سونے خالص دودھ کی قدر ہے ایسے ہی بارگاہ الٰہی میں خالص دین کی قدر و منزلت ہے اور تم قلب کے سورج کو نفس امارہ کے بادلوں سے نہ چھپاؤ تاکہ دونوں جہاں میں اس کا نور پاؤ۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو قلبی نور سے اپنے آپ کو منور رکھیں۔

www.alahazratnetwork.org

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾

اور قائم رکھو	نماز کو	اور دو تم	زکوٰۃ	اور رکوع کرو	ساتھ	رکوع کرنے والوں کے	

اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ پہلے بنی اسرائیل کو ایمان لانے کی رغبت دی گئی اور اب نیک اعمال کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے اس لئے ایمان کا حکم پہلے دیا گیا اور اعمال کا بعد میں خیال رہے کہ خود کفر کرنا بھی کفر ہے اور دوسروں کو ایمان سے روکنا بھی کفر اور کسی کو کفر کی رغبت دینا بھی کفر۔ ان تینوں قسم کے کفر سے منع فرما کر اب انہیں نماز وغیرہ کا حکم دیا گیا یعنی خود کفر نہ کرو اور دوسروں کو ایمان سے روک کر کافر نہ بنو پھر نیک اعمال بھی کرو دوسرے یہ کہ اب تک انہیں ایمان کا حکم دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ صرف ایمان ہی پر قناعت نہ کرنا بلکہ اس کے بعد نیک اعمال بھی کرنا تیسرے یہ کہ پہلے فرمایا گیا کہ تم لوگوں کو ایمان سے روک کر اپنی علیحدہ جماعت نہ بناؤ اب فرمایا جا رہا ہے کہ خود ایمان لا کر مسلمانوں کی جماعت میں آ جاؤ چوتھے یہ کہ علماء بنی اسرائیل تین بیماریوں میں گرفتار تھے۔ خود پسندی، مال کی حرص، حسد وغیرہ ان کے لئے تین علاج فرمائے گئے۔ نماز، زکوٰۃ، جماعت نماز میں شرکت۔ نماز کی وجہ سے خود پسندی دور ہو گی زکوٰۃ سے مال کی محبت میں کمی آ جائے گی۔ شرکت جماعت سے حسد دور ہو گا گویا ایمان لا کر وہ شفاخانہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوں گے اور یہ تین نسخے استعمال کر کے بیماریوں سے آرام پائیں گے۔

تفسیر : واقیموا الصلوۃ۔ چونکہ ایمان کے بعد نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے کا فرق ہم مصطفےٰ کے شروع میں بیان کر چکے ہیں کہ نماز کو ہمیشہ پڑھنا، ٹھیک وقت پر پڑھنا، نماز کی فکر رکھنا اور حضور قلب سے پڑھنا، نماز کو اپنی جگہ قائم رکھنا اور نماز قائم کرنا ہے نماز قائم کرنے والا انسان کو برائیوں اور فحش سے بچاتا ہے نماز قائم کرنے کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھتا بھی رہے اور نماز کی فکر میں رہتا ہے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے الصلوۃ عماد الدین یعنی نماز دین کا ستون ہے یعنی وہ پہلے بھی اپنی نماز قائم کرتے ہو اور عیسائی بھی نماز پڑھتے تھے لیکن اب اسلامی نماز قبول ہے نہ کہ دوسری خیال رہے کہ یہ حکم ایمان لانے کے بعد دیا جا رہا ہے یعنی پہلے ایمان لاؤ۔ پھر نماز پڑھو یہ نہیں کہ بے ایمان رہ کر نماز پڑھو جیسے بے وضو شخص سے کہا جائے کہ نماز پڑھو تو یہ مطلب نہیں کہ اسی حالت میں پڑھ لے بلکہ وضو کر کے نماز پڑھ یا یہ مطلب ہے کہ اے بنی اسرائیل نماز کی فرضیت کے قائل ہو جاؤ گویا یہ آیت بما انزلت کی تفصیل ہے۔ واتوا الزکوۃ نماز کے بعد ادائے زکوٰۃ کا حکم دیا گیا کیونکہ نماز بدنی عبادت تھی اور زکوٰۃ مالی عبادت اور بدن مال سے افضل ہے اس لئے نماز زکوٰۃ سے افضل خیال رہے کہ دونوں جگہ حکم بظاہر یکساں ہے یعنی نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو لیکن نماز کا حکم مثل زکوٰۃ کے نہیں ہے کیونکہ نماز ہر غریب و امیر پر فرض ہے اور زکوٰۃ صرف مالداروں پر زکوٰۃ کے لغوی معنی ہیں بڑھنا اور پاک ہونا عرب والے کہتے ہیں کہ زکا الزرع یعنی کھیتی بڑھ گئی اور قرآن پاک فرماتا ہے قد افلح من زکھا یعنی پاک کر لو اور فرماتا ہے قد افلح من تزکی یعنی کامیاب ہو گیا وہ جو پاک ہو اچونکہ زکوٰۃ نکالنے سے باقی مال پاک و صاف ہو جاتا ہے جیسے ختنہ کرنے اور ناخن و بال کٹوانے سے جسم پاک و صاف ہو جاتا ہے اس لئے اس کو زکوٰۃ کہتے ہیں۔ نیز اگرچہ زکوٰۃ سے بظاہر مال گھٹتا ہے لیکن حقیقت میں اس سے مال اور عمر میں برکت ہوتی ہے بلائیں دور ہوتی ہیں مصیبتوں

www.alahazratnetwork.org

سے امن ملتی ہے اس لئے اس کو زکوۃ کہتے ہیں تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ صدقہ و خیرات میں چھ فائدے ہیں تین دنیا میں اور تین آخرت میں ۔ دنیا میں تو رزق میں برکت مال میں زیادتی گھر میں آبادی ہوتی ہے اور آخرت میں صدقہ عیبوں کو چھپائے گا قیامت کی دھوپ سے بچائے گا آگ سے آڑ بنے گا یہاں بھی زکوۃ میں الف لام عہد خارجی ہے یعنی اسلامی زکوۃ دیا کرو۔ بنی اسرائیل پر جو تعالی مال زکوۃ فرض تھی اور اس کے قوانین کچھ اور تھے مگر اب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ ہے اس لئے اب انہی کے قوانین پر عمل کرنا پڑے گا۔ **واركعوا مع الراكعين** یہ تیسرا حکم ہے یعنی اے بنی اسرائیل رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔ رکوع کے لغوی معنی ہیں جھکنا اور پست ہونا اور اصطلاح شریعت میں نماز کے ایک رکن کا نام ہے یہاں یا تو لغوی معنی مراد ہیں یعنی جس طرح مسلمان اللہ تعالی اور رسول علیہ السلام کے احکام پر سر خم کردیتے ہیں تم بھی سرکشی چھوڑ کر ان کے ساتھ اطاعت کیا کرو یا اصطلاحی معنی یعنی تم ان نمازیوں کے ساتھ رکوع والی نماز پڑھا کرو کیونکہ یہودیوں کی نماز میں رکوع نہ تھا تو گویا یہ جملہ **اقیموا الصلوۃ** کی تفسیر ہے۔ یعنی کون سی نماز قائم کرو رکوع والی یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جماعت سے نماز پڑھا کرو کیونکہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ افضل ہے۔ تفسیر روح البیان نے اس جگہ عجیب نکتہ بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ جماعت جمع سے بنا ہے اور جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اور ایک نماز میں دس نیکیاں تو تین آدمیوں کی تیس نیکیاں ہوگئیں ہر ایک کی ایک اصل نماز اور نو رب کا عطیہ۔ لہذا نماز میں تین اصل نمازیں اور ستائیس عطیے۔ نیز سلطانی بارگاہ میں وفد کی عرض و معروض بمقابلہ اکیلے کی عرض سے زیادہ سنی جاتی ہے جماعت کی نماز میں مسلمان وفد کی شکل میں اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں امید ہے کہ بہت جلد کامیاب ہوں گے امام ان کا ناصحہ ہوتا ہے۔ ناصحہ جتنا اعلی ہوگا اتنی ہی اعلی نماز بھی ہوگی۔ خیال رہے کہ یہ تیسرا حکم پہلے دو حکموں سے زیادہ خاص ہے اس لئے کہ ہر نماز جماعت سے نہیں پڑھی جاتی جمعہ اور عیدین کے لئے جماعت فرض ہے اور پنجگانہ فرض نمازوں کے لئے واجب نماز کسوف (سورج کے گرہن کی نماز) نماز استسقاء نماز تراویح کے لئے جماعت سنت باقی نفلوں کے لئے اہتمام سے جماعت کرنا منع ہے۔ پھر ہر شخص کے لئے جماعت ضروری نہیں مسافر اور سخت بیمار پر جماعت معاف ایسے ہی بارش اور آندھی میں جماعت معاف عورتوں، بچوں، بعض اندھوں اور لنگڑوں وغیرہ پر جماعت معاف اس لئے جماعت کا حکم ان نماز و زکوۃ کے حکموں کے بعد ہوا۔

خلاصہ تفسیر : جب بنی اسرائیل کو ایمان اور ایمانیات کا حکم دیا جا چکا تو اس کے بعد تقوی اور طہارت کا حکم ہوا کہ نماز کو اچھی طرح قائم کرو تاکہ تمہارے دل نرم ہوں اور دلوں کی سیاہی دور ہو اور پھر خدا سے ڈر کر اپنے مال میں کچھ مقرر حصہ بھی فقراء و غرباء کو دیا کرو جس سے تمہارا مال پاک ہو اور خوب بڑھے اور نماز اپنے گھروں میں اکیلے ہی نہ پڑھ لیا کرو بلکہ پنجگانہ جماعت میں شامل ہو کر نمازیوں کے ساتھ ادا کیا کرو تاکہ تم کو دین کی برکتیں اور انوار حاصل ہوں۔ **فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ ایمان سارے اعمال سے افضل ہے اور نماز باقی اعمال سے بہتر اس لئے کہ ایمان قلب کا عمل ہے اور نماز قالب کا اور زکوۃ مال کا نیز تمام اعمال عرش سے فرش پر بھیجے گئے لیکن نماز حضور کو عرش پر بلا کر دی گئی۔ نیز نماز کا فائدہ براہ راست اپنی ذات کو حاصل ہوتا ہے اور زکوۃ کا فائدہ دوسرے کو یعنی فقیر کو اور اپنا فائدہ دوسرے کے فائدے پر مقدم ہے رب اعطولی ولوا الدی پہلے اپنے لئے دعا ہے پھر دوسروں کے لئے نیز نماز میں بدن سے کام کرنا پڑتا ہے اور زکوۃ میں مال سے اور بدن مال سے

www.alahazratnetwork.org

افضل ہے۔ نیز نماز ہر مخلوق ادا کرتی ہے فرشتے اور جنات 'درخت وغیرہ لیکن زکوٰۃ سوائے انسان کے کوئی ادا نہیں کرتا دوسرے یہ کہ نماز کے بعد درجہ زکوٰۃ کا ہے کیونکہ نماز بھی ایک فعل ہے اور زکوٰۃ بھی۔ رہا روزہ یہ فعل نہیں بلکہ ترک فعل ہے یعنی روزہ کسی کرنے کا نام نہیں بلکہ کھانے پینے کے چھوڑنے کا نام ہے تیسرے یہ کہ نماز جماعت سے پڑھنا افضل ہے اس لئے کہ تنہا نماز ہوئی۔ نہ معلوم قبول ہو کہ نہ ہو لیکن جماعت میں اگر ایک کی قبول ہو گئی تو اس کی طفیل سب کی قبول ہے۔ نیز جو عمل کرائی جائے وہی زیادہ قابل قبول ہوتی ہے چوتھے جس نے رکوع پالیا اس نے رکعت پالی اس لئے کہ یہاں فرمایا گیا کہ رکوع والوں کے ساتھ رکوع کرو جس سے معلوم ہوا کہ تم اگر رکوع میں مل جاؤ گے تو تم اس رکعت میں سب کے ساتھ ملنے والے گو ورنہ نہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: حنفیوں کے نزدیک کافروں کو روزے نماز کا حکم نہیں ہوتا اور یہاں کافر بنی اسرائیل کو یہ حکم دیا جارہا ہے معلوم ہوتا ہے کہ مذہب شافعی حق ہے۔ جواب: ظاہر میں تو یہ آیت شافعیوں کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے نزدیک بھی کفار کو ادائے نماز وغیرہ کا حکم نہیں اسی لئے نو مسلم سے وہ بھی گذشتہ نمازیں قضا نہیں کراتے صرف اختلاف اس میں ہے کہ آخرت میں کفار کو صرف کفر کا عذاب ہو گا یا دیگر گناہوں کا بھی شافعیوں کے نزدیک اعمال کا بھی عذاب ہو گا حنفیوں کے نزدیک صرف کفر کا اس جگہ نماز و زکوٰۃ کا حکم ایمان کے حکم کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی یہ ہوئے کہ تم ایمان لا کر نماز پڑھو یعنی الحال ان کو نماز کا حکم نہیں دیا جارہا لہٰذا یہ ہمارے خلاف نہ ہوا کیونکہ کفار کو بحالت کفر اعمال کا حکم نہ دیا گیا۔ دوسرا اعتراض: پھر بھی مذہب شافعی قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ دوسری جگہ قرآن کریم فرمارہا ہے کہ جب مسلمان دوزخی کفار سے پوچھیں گے کہ **ما سلکم فی سقر** یعنی تم کو جہنم میں کون چیز لائی تو وہ جواب دیں گے کہ **لم نک من المصلین** کہ ہم نمازی نہ تھے مسکینوں کو کھانا نہ کھلاتے تھے معلوم ہوا کہ ان کو اعمال کا بھی عذاب ہو گا۔ جواب: اس آیت سے یہ ہر گز معلوم نہیں ہوتا کہ ان کو نماز نہ پڑھنے کا عذاب ہو گا بلکہ ثابت یہ ہو رہا ہے کہ مسلمان نہ ہونے کا عذاب ہو گا کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نمازیوں میں سے نہ تھے۔ یعنی مسلمانوں کی جماعت سے خارج تھے ورنہ کہتے **ما کنا نصلی** بہر حال ان کو اعمال سے نہ ماننے کا عذاب ہو گا نہ کہ نہ کرنے کا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت بھی مثل نماز و زکوٰۃ کے فرض ہے کیونکہ ان سب کے لئے یکساں حکم آرہا ہے اور حکم فرضیت کے لئے آتا ہے پھر تم جماعت کو واجب یا سنت مؤکدہ کیوں مانتے ہو۔ جواب : اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ شریعت میں فرض وہ کہلاتا ہے کہ جس کی طلب ضروری ہو اور اس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور دلالت بھی۔ **ارکعوا** کا ثبوت تو یقینی ہے مگر دلالت یقینی نہیں یعنی یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ اس سے مراد جماعت ہی ہے بلکہ اس کے اور معنی بھی ہو سکتے ہیں جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے لہٰذا جب اس کا یقین نہ رہا تو فرضیت ثابت نہ ہو گی۔ دوسرے یہ کہ اگر ایک نماز کے لئے بھی جماعت فرض ہو جاوے تب بھی آیت کا مقصود حاصل ہو گیا اور جمعہ و عیدین کے لئے جماعت فرض ہے لہٰذا آیت پر عمل ہو گیا تیسرے یہ کہ ہر حکم وجوب کے لئے نہیں یہاں پہلے دو حکم تو وجوب کے تھے مگر یہ نہیں کیونکہ فرض کرنے میں طاقت سے زیادہ انسان پر بوجھ پڑے گا ہر شخص اپنے کام کا مختار ہے۔ نہ کہ دوسروں کا اور جماعت کرنا دوسروں کا فعل ہے پھر اس پر کیوں فرض ہو اس قرینہ سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وجوب کے لئے نہیں (تفسیر عزیزی) چوتھا اعتراض: تو چاہئے کہ جمعہ اور عیدین کے لئے بھی جماعت فرض نہ ہو کیونکہ اس جماعت میں بھی طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔ جواب:

www.alahazratnetwork.org

جمعہ اور عیدین میں اگر جماعت میسر نہ ہو تو یہ نمازیں بھی معاف ہو جاتی ہیں اور پنجگانہ نمازیں بہر حال فرض ہیں لہٰذا طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : مقام عشق میں حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور تم پر جو کچھ انوار اور تجلیات نازل ہوں جو شریعت کی تصدیق کرتی ہوں اس کو فوراً" قبول کرنا اور اس کے منکر نہ بنو او (منزل عشق کی تکلیفوں کو برداشت کرو کیونکہ یہ راستہ خاردار ہے اور تھوڑے آرام اور دنیوی راحتوں کے عوض میرے ان عوض و برکات کو فروخت نہ کر ڈالو اور نماز عشق شروع کرنے سے پہلے ہر حالت سے اپنی بندگی ظاہر کرو نفی اور اثبات کے شغل میں عملاً" مشغول رہو اہل شریعت پڑھتے ہیں۔ **لا معبود الا اللہ** اہل طریقت کے ہاں **لا موجود الا اللہ** یعنی ماسوا اللہ کے نفی کر کے بحر توحید میں غوطہ لگاتے ہیں جب نماز عشق شروع کرو تو سب سے پہلے اس پر عمل کرو کہ **لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکری** جب تم کو محبت دنیا کثرت رنج و غم ماسوا اللہ پر نظر کا نشہ چڑھا ہو تو نماز عشق کے قریب مت آؤ اور یہ سب نشے عشق کی ترشی سے اتار دو اور پھر نماز شروع کرو تو **اقیموا الصلوۃ** پر عمل کرو یعنی نماز سیدھی ہو ٹیڑھی نہ ہو قلب و قالب ایک ہی طرف متوجہ ہوں یہ نہ ہو کہ قالب اور جگہ اور قلب اور جگہ۔ قالب کے ٹیڑھا ہونے سے ہر چیز ٹیڑھی ہو گی۔ شعر

خشت اول چوں نہد معمار کج تا ثریا مے رود دیوار کج

نماز کی پہلی اینٹ سیدھی رکھو **واتوا الزکوۃ** نفس کو حرص و ہوس برے اخلاق سے پاک کرو دل کو ماسوا اللہ کے حساب سے پاک رکھو کیونکہ ماسوا اللہ حق پر زیادتی ہے اور کمال پر زیادتی نقصان ہے لہٰذا یہ زیادتی دور کرو اور **واتوا الزکوۃ** پر اس طرح عمل کرو اور انکساری اور اپنی ہستی کو مٹانے میں اس جماعت اولیاء کے ساتھ ہو جنہوں نے معبود حقیقی کی طلب میں اپنے وجود کو فنا کر دیا اس راستے میں اکیلے مت چلو ورنہ مارے جاؤ گے مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ گیرد رہ بے رہبر این سفر ہست بس پر آفت و خوف و خطر

حکایت : امام محمد غزالی کے چھوٹے بھائی حامد غزالی رحمۃ اللہ علیہ بڑے ولی کامل تھے یہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے نماز نہ پڑھتے تھے انہوں نے والدہ سے شکایت کی کہ حامد بھائی مجھ میں کیا خرابی دیکھتے ہیں کہ میرے پیچھے نماز نہیں پڑھتے امام حامد نے عرض کیا کہ ان کا قالب نماز میں رہتا ہے اور قلب کتابوں میں یعنی نماز میں قرات کے وقت فقہی الجھنوں میں الجھے رہتے ہیں والدہ نے فرمایا بیٹا یہ مرض تو تم میں بھی ہے کہ وہ تو نماز میں مسائل ڈھونڈتا ہے اور تم اس کی عیب جوئی کرتے ہو تو تم سے وہ بہتر ہے کہ ان کا قلب کتابوں میں رہتا ہے اور تمہارا قلب عیب جوئی میں نماز کامل وہ تھی کہ تم کو ماسوا اللہ کی خبر نہ رہتی اللہ پاک ایسی نماز نصیب فرمائے (آمین)

دوسری تفسیر صوفیانہ : **اقیموا الصلوۃ** کے معنی ہیں نماز قائم کرو اگر پہلے معنی ہوں تو مقصد یہ ہے کہ جیسے دریا کے ایریے میں پل یا عمارات بہت مضبوط بنائی جاتی ہیں تاکہ پانی کے ریلے میں بہہ نہ جائیں مضبوط مسالہ قابل انجینئر کی رائے اور لائق مستریوں سے چنائی کرائی جاتی ہے دنیا گویا دریا کا ایریا ہے جہاں نفسانی شیطانی طغیانیاں آتی رہتی ہیں خطرہ ہے کہ عبادات بلکہ ایمانیات کو بہا لے جائیں لہٰذا اسے قائم و مضبوط رکھو کہ مرتے وقت تک کوئی ایسی حرکت نہ کرو جس سے اعمال اکارت ہو

www.alahazratnetwork.org

جائیں یہ تب ہی ہوگا جبکہ نماز کے ارکان اعلیٰ ہوں اور شیخ کامل کی نگاہ سے تیار ہوں اگر دوسرے معنی ہوں تو منشا یہ ہے کہ نماز کی بنیادوں پر رکھو اس کی چنائی زبان اور دیگر ظاہری اعضاء پر کرو کہ سر کعبہ کی طرف ہو اور دل کلمہ کے ہرے گنبد کی طرف جھکاؤ زبان سے قرآن پڑھو دل سے قرآن لانے والے محبوب کے گن گاؤ تاکہ نماز بے بنیاد نہ رہے۔ زکوٰۃ صرف مال کی نہ دو بلکہ مال حال اعمال سب میں سے زکوٰۃ نکالو نیز رب کی بارگاہ میں اکیلے نمازی بن کر نہ جاؤ نمازیوں کے ساتھ جاؤ تاکہ راستہ کے خطرات سے محفوظ رہو رب کی بارگاہ میں مقبول ہو گلدستہ کی گھاس پھول کے ساتھ رہ کر بادشاہ کی میز پر پہنچ جاتی ہے خیال رہے کہ محبت کی ہمراہی وسعت زمان و مکان کی معیت سے بے نیاز ہے ابو جہل حضور کے ساتھ نہ ہوا۔ حضور غوث پاک حضور کے ساتھ ہیں اب پڑھو وارکعوا مع الرکعین اچھوں کے ساتھ رہ کر رکوع و سجود کرو۔

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ
کیا حکم دیتے ہو تم لوگوں کو ساتھ بھلائی کے اور بھولتے ہو تم جانوں کو اپنی
کیا لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنی جانوں کو بھولتے ہو حالانکہ تم
الْكِتٰبَؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞
حالانکہ تم رکھتے تلاوت کرتے ہو کیا پس نہیں عقل رکھتے تم
کتاب پڑھتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے علماء بنی اسرائیل کے ان عیبوں کی اصلاح کی گئی تھی جو سراسر عیب تھے اور ان برائیوں سے روکا گیا جو ایک لحاظ سے برائیاں تھیں اور دوسرے لحاظ سے بھلائیاں یعنی دوسروں کو اچھی باتوں کا حکم کرنا اور خود اس پر عمل نہ کرنا دوسرے یہ کہ گزشتہ آیتوں سے ایک شبہ پیدا ہوتا تھا اس آیت میں اس کو دور کیا گیا شبہ یہ تھا کہ علمائے بنی اسرائیل بعض لوگوں کو در پردہ اسلام قبول کرنے کا مشورہ دیتے تھے اور ان سے نیک کام بھی کرواتے تھے اور راستہ بتانے والے کو کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے وہ کہہ سکتے تھے کہ اگرچہ ہم خود ایمان نہ لائیں مگر جن لوگوں نے ہمارے مشورے سے ایمان قبول کیا ان کا ثواب ہم کو مل گیا اب ہم کو ایمان اور اعمال کی ضرورت نہیں اس آیت میں جواب دیا گیا کہ شریعت کے احکام ایسے نہیں یہاں تو جو غذا کھائے گا اسی کا پیٹ بھرے گا اور جو دوا پئے گا وہی صحت پائے گا اپنی بھنی ہے اگر نجات حاصل کرنا ہے تو اپنے اعمال اپنے ساتھ لاؤ۔ شان نزول: علمائے یہود سے ان کے مسلمان رشتہ داروں نے پوچھا کہ دین اسلام سچا ہے کہ نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ تم اس پر قائم رہو یہ دین سچا ہے اور قرآن حق ہے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ایک روایت یہ مشہور ہے کہ عرب کے یہودی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے مشرکین عرب کو نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کی خبر دیتے تھے اور ان کی اطاعت کرنے کی ہدایت کرتے تھے پھر جب حضور تشریف لائے تو یہ ہدایت کرنے والے حسد سے خود کافر ہو گئے تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خزائن العرفان) تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ علماء یہود ان غریب یہودیوں سے جن سے کچھ دنیاوی لالچ نہ تھا چپکے سے کہہ دیتے تھے کہ تم ان نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ یہ سچے ہیں۔ اور مالدار یہودیوں سے جن سے ان کو آمدنی تھی کہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں

www.alahazratnetwork.org

نبی آخر الزمان کی بعض علامتیں تو ہیں بعض نہیں لہٰذا ایمان لانے میں جلدی نہ کرو ذرا غور کر لینے دو کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ اگر یہ لوگ ہاتھ سے نکل گئے تو ہماری آمدنی جاتی رہے گی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔

تفسیر : یہ ہمزہ استفہام کا ہے اور یہ استفہام یا اظہار تعجب کے لئے ہے یا جھڑکنے کے لئے یعنی تعجب یا سخت افسوس ہے کہ تم لوگوں کو تو اچھی باتیں بتاتے ہو اور اپنے کو بھول جاتے ہو **تامرون**۔ **امر** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اپنے چھوٹے کو کسی چیز کا حکم کرنا۔ چونکہ کہنے والے علماء تھے اور سننے والے ان کے ماتحت جہلاء اس لئے **تامرون** فرمایا گیا خیال رہے کہ چھوٹے سے کچھ طلب کرنا امر کہلاتا ہے برابر والے سے التماس بڑے سے طلب کرنے کو دعا یا استدعا کہتے ہیں اور کبھی امر مشورے کے معنی میں بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ **الناس** اس سے مراد یا تو علماء یہود کے وہ قرابت دار ہیں جو مسلمان ہو چکے تھے یا غریب یہودی یا مشرکین عرب جیسا کہ شان نزول میں بیان کیا جا چکا ہے **بالبر**۔ لفظ بر کے معنی وسعت اور فراخی کے ہیں اس لئے وسیع میدان کو بر کہا جاتا ہے اصطلاح میں نیک کام اور سچائی اور سچے کو بر کہا جاتا ہے۔ کہتے ہیں **بر الوالدین** اور حج مبرور یعنی مقبول حج جو اپنی قسم کو پورا کرے تو بولتے ہیں **بر فی یمینہ** یعنی اپنی قسم میں سچا نکلا قرآن پاک فرماتا ہے **ولکن البر من اتقی** یعنی سچا وہ ہے جو پرہیز گار ہے اس جگہ بر سے یا تو ہر اچھی بات مراد ہے یا لوگوں کو ایمان کی رغبت دینا یا ایمان پر قائم رہنے کا مشورہ دینا یا ان کو نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کا حکم دینا یا توریت کی پیروی کرنے کا حکم دینا یعنی اے علماء یہود تم دوسروں کو تو ایمان لانے پر قائم رہنے توریت پر عمل کرنے اور صدقہ و خیرات کا حکم دیتے ہو لیکن خود ان سب سے ایکدم دور رہو **وتنسون انفسکم تنسون**۔ نسیان سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بھول جانا خیال رہے کہ علم کے بعد بھولنے کو نسیان کہتے ہیں اور مطلق بھولنے کو سہو۔ یہاں نسیان ترک (چھوڑنے) کے معنی میں ہے یعنی تم اپنے کو عمل سے ایسے دور رکھتے ہو جیسے کہ بھول ہی گئے یا گویا تمہارے حق میں یہ آیتیں آئی ہی نہیں **وانتم تتلون الکتب**۔ **تتلون**۔ **تلاوت** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں حبرک چیز کو پڑھنا تلاوت بھی "تول" سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہونا اس لئے پیچھے آنے والے کو "تالی" کہتے ہیں کیونکہ پڑھنے والا بھی کتاب کا مضمون پڑھ کر پیچھے چھوڑتا ہے اور خود آگے بڑھتا ہے اس لئے اس کو تلاوت کہتے ہیں **الکتب** سے توریت مراد ہے یعنی تم دن رات توریت شریف میں جابجا یہ پڑھتے ہو کہ جس کا قول اس کے عمل کا مخالف ہو وہ عذاب اور وبال کا مستحق ہے اور پھر تم وہی حرکت کرتے ہو **افلا تعقلون**۔ یہ استفہام بھی تعجب یا رغبت دینے کے لئے ہے یعنی تعجب ہے کہ تم اتنی موٹی بات سمجھتے کیوں نہیں یا کیا تم میں اتنی عقل بھی نہیں جو ایسی ظاہر بات کو سمجھو **لو تعقلون**' عقل سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں منع کرنا یا باز رکھنا اسی لئے جس رسی سے جانور کو باندھا جائے اسے عقال کہتے ہیں اصطلاح میں عقل اس نور روحانی کو کہتے ہیں جس سے باریک باتیں معلوم کی جائیں عقل کا خزانہ دماغ یا دل ہے اسی لئے دماغ خراب ہو جانے پر اور دل کے بخت غمگین ہونے پر انسان بے عقل ہو جاتا ہے چونکہ یہ نور بھی انسان کو بری باتوں سے روکتا ہے اور نیکی پر قائم رکھتا ہے اس کو عقل کہا جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے علماء بنی اسرائیل تم دوسروں کو تو اچھے اعمال کا حکم دیتے ہو اور خود عمل نہیں کرتے حالانکہ تم توریت میں جگہ جگہ پڑھ چکے ہو کہ جو شخص لوگوں کو وعظ و نصیحت کرے اور خود اس پر عامل نہ ہو وہ سخت بدا اور مستحق عذاب شخص ہے اور یہ بات تو عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے کہ دوسرے کو کچھ کہنا اور خود اس کے خلاف عمل کرنا بدترین گناہ ہے کیونکہ اس

www.alahazratnetwork.org

حرکت سے وعظ کا اثر جاتا رہے گا اولاً تو اس لئے کہ واعظ بے عمل کی آواز صرف لوگوں تک پہنچتی ہے اور عالم با عمل کا کلام دلوں میں اثر کرتا ہے دوسرے اس لئے کہ واعظ بے عمل کو دیکھ کر لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ سب کچھ جھوٹ ہے اگر سچ ہوتا تو واعظ صاحب کے دل میں خوف ہوتا اور وہ اس کے عامل ہوتے اس وجہ سے واعظ کا وعظ بے تاثیر رہ جاتا ہے اور اس وعظ کی ساری محنت رائیگاں جاتی ہے کیونکہ وعظ سے مقصود عمل ہے جب وہی حاصل نہیں ہوا تو وعظ کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **ایک** یہ کہ واعظ کو چاہئے کہ پہلے خود اپنے وعظ پر عامل ہو ورنہ اس کا وعظ بے تاثیر ہوگا اور خود اس کو دنیا و آخرت میں رسوائی حاصل ہوگی **روایت:** حدیث معراج میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ایک جماعت کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ آگ کی مقراض (قینچی) سے کاٹے جا رہے ہیں حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں عرض کیا واعظین بے عمل ہیں۔ مسلم اور بخاری شریف میں اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کو دوزخ میں ڈالا جائے گا اس کی انتڑیاں باہر نکل پڑیں گی جس کو کھینچتا ہوا وہ اس طرح چکر لگائے گا جیسے چکی کے ارد گرد گدھا پھرے دوزخی پوچھیں گے کہ تو تو واعظ تھا تو اس عذاب میں کیوں گرفتار ہوا وہ کہے گا کہ میں واعظ تو تھا لیکن بے عمل تھا **روایت:** حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فرماتے ہیں کہ عالم بے عمل چراغ کی بتی کی طرح ہے کہ خود جلتی ہے اوروں کو روشنی پہنچاتی ہے (تفسیر کبیر) **روایت:** جنتیوں کا ایک گروہ دوزخیوں کی ایک جماعت کو آواز دے گا کہ ہم تمہاری تعلیم سے جنت میں آگئے تم خود جہنم میں کیوں پہنچے افسوس ہے کہ شاگرد جنت میں استاد دوزخ میں وہ جواب دیں گے کہ تمہارے پاس عمل تھا ہمارے پاس نہ تھا (تفسیر کبیر) **دوسرا فائدہ:** جو فقط قول سے وعظ کرتا ہے اس کا کلام بے اثر ہے اور جو اپنے عمل سے وعظ کرے اس کا وعظ دلوں کو شکار کر لیتا ہے دیکھو صحابہ کرام کے زمانے میں نہ بڑے بڑے جلسوں کا رواج تھا اور نہ اس زمانے کی طرح ان میں تیز طرار مقرر تھے ان کی سیدھی سادی باتیں ہوتی تھیں اور بے تکلف تقریریں مگر ان سیدھی باتوں نے دنیا کو پلٹ دیا۔ عالم میں انقلاب پیدا کر دیا کیونکہ ان کے پاس دل کی آواز تھی اور عمل والا وعظ حق تعالیٰ انہیں کی طفیل سے ہم لوگوں کو بھی وہی آواز عطا فرمائے۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ جس طرح واعظ بے عمل قابل ملامت ہے اسی طرح واعظ با عمل لائق ہزار کرامت اس کا درجہ دنیا میں بھی بڑا آخرت میں بھی **حکایت:** تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ یزید ابن ہارون واعظ با عمل اور زاہد بے ریا تھے ان کے انتقال کے بعد کسی نے ان کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ قبر میں کیسی گزری انہوں نے جواب دیا کہ نکیرین نے مجھ سے پوچھا کہ رب تیرا کون میں نے کہا کہ جس نے ہزاروں کو رب کی طرف بلایا وہ خود رب کو بھول جائے **حکایت:** حضرت شیخ شبلی سے نزع کے وقت کہا گیا کہ کہو لا الٰہ الا اللہ آپ نے جواب میں یہ شعر پڑھا (فرمایا)

ان بیتا انت ساکنه غیر محتاج الی السرج

یعنی جس گھر میں اے پیارے تو ہو وہاں چراغ کی ضرورت نہیں۔ جس دل میں ان کا دھیان ہو اسے زبان ہلانے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عالم بے عمل کو وعظ کہنا جائز نہیں لہٰذا اگر کوئی مسئلہ معلوم ہو جس پر ہم عامل نہ ہوں تو چاہئے کہ کسی کو غلطی کرتے ہوئے دیکھ کر بھی نہ بتائیں۔ **جواب:** اس میں وعظ کی برائی معلوم

www.alahazratnetwork.org

نہ ہوئی بلکہ عمل نہ کرنے کی واعظ کو چاہئے کہ وعظ بند نہ کرے بلکہ عمل کرنا شروع کردے اگر خود عامل نہ بھی ہو تب بھی دین کی تبلیغ کئے جائے کیونکہ ابھی تو ایک گناہ کر رہا ہے اور وعظ بند کردینے پر دو گناایک بد عملی اور دوسرے دین کو چھپانا ہے۔ عالم بے عمل کی مثال چراغ والے اندھے کی سی ہے کیونکہ وہ تو اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتا مگر دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے اور یہ بھی ایک نیکی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** غریب مولوی کو چاہئے کہ زکوۃ اور حج کے احکام کو نہ بیان کرے کیونکہ وہ اپنی غریبی کی وجہ سے خود ان کا عامل نہیں لہٰذا وہ بے عمل ہے۔ **جواب:** بے عمل وہ کہلاتا ہے جس پر عمل کرنا ضروری ہو اور نہ کرے جس کو شریعت نے معافی دی ہو وہ بے عمل نہیں ایک طبیب بیمار کو دوا پلاتا ہے اگر بیمار کہے کہ حکیم صاحب پہلے دوا آپ پیو پھر مجھے پلاؤ تو وہ بیوقوف ہے کیونکہ اس کو دوا کی ضرورت ہی نہیں ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم پر زکوۃ فرض نہ تھی لیکن آپ نے اوروں کو اس کا حکم دیا۔

تفسیر صوفیانہ : انسان پر اپنے نفس کا بھی حق ہے اپنے عزیزوں کا بھی اور دوسرے اجنبیوں کا بھی پہلے نفس کا حق ادا کرے پھر اہل قرابت کے حقوق پھر دوسروں کے بے عمل واعظ اپنے نفس کا حق ادا نہیں کرتا دوسروں کے حقوق کی فکر میں ہے وہ یقیناً" ظالم ہے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اول ہی سے عارف و عابد تھے۔ پھر اپنے اہل قرابت کو تبلیغ کی پھر اپنے ملک والوں کو پھر دوسروں کو صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کو بھول جانا بدترین جرم ہے نفس کی معرفت رب کی معرفت کا ذریعہ ہے نفس کی بھول رب کو بھول جانے کا ذریعہ۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** رب فرماتا ہے **ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسھم انفسھم اولئک ھم الفسقون**۔ معلوم ہوا کہ رب کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندے کو اس کے نفس کی طرف سے غافل فرمادے خیال رہے کہ چہرہ دیکھنے کے لئے دنیاوی آئنے بنائے گئے مگر آئینہ دل نفس ایمان دیکھنے کے لئے رب نے حضور کو بھیجا کہ ہر شخص حضور کے ذریعے اپنے کو پہچان سکتا ہے کہ کتنے پانی میں ہوں۔ آئینہ کے ایک طرف مصالحہ ہوتا ہے دوسری جانب شفاف حضور کا ایک رخ بشریت دوسرا رخ نور ہے۔

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى
اور مدد حاصل کرو ساتھ صبر اور نماز کے اور تحقیق وہ البتہ بھاری ہے مگر اوپر
اور صبر سے اور نماز سے مدد چاہو اور بے شک نماز ضرور بھاری ہے مگر ان پر جو میری
الْخٰشِعِيْنَ ۝۴۵ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ
دل سے رجوع کرنیوالوں کے۔ جو کہ یقین کرتے ہیں کہ تحقیق وہ ملنے والے ہیں رب اپنے سے
طرف جھکتے ہیں جنہیں یقین ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے
اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ۝۴۶
اور تحقیق وہ طرف اس کی لوٹنے والے ہیں
اور اسکی طرف پھرنا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ پہلے بنی اسرائیل کو اپنے پرانے دین چھوڑنے اور نئے اختیار کرنے کا حکم دیا گیا نیز نماز مع جماعت ادا کرنے اور زکوٰۃ دینے کی ہدایت کی گئی اور یہ کام ان پر بہت شاق اور بھاری تھے لہٰذا اب اس آیت میں وہ ترکیب بتائی گئی جس سے ان کی مشکل آسان ہو جائے جیسے طبیب بیمار کو بدمزہ دوا دیتا ہے تو ہدایت کرتا ہے کہ اس میں شکر ملا کر پیو دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کو علاج بتایا گیا تھا اور اب وہ ترکیب بتائی جس سے وہ علاج آسان ہو جائے قابل ڈاکٹر جب کسی کمزور بیمار کا آپریشن کرتا ہے تو اس کو کلوروفارم بیہوشی کی دوا سونگھا دیتا ہے تاکہ اسے محسوس نہ ہو رب نے بھی ان کمزوروں کو صبر و نماز کے لئے کلوروفارم تجویز فرمایا جس سے ان کو اعمال کی مشقت محسوس نہ ہو۔

تفسیر : **استعینوا۔** استعانت کے معنی مدد مانگنا اور مدد حاصل کرنا ہے یعنی اللہ سے بذریعہ صبر و نماز کے مدد مانگو یا نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ مومنین کو حکم ہو رہا ہے کیونکہ علماء بنی اسرائیل تب تک ایمان لائے ہی نہ تھے ان کو یہ احکام دینا کیا معنی مگر صحیح یہی ہے کہ یہ علمائے بنی اسرائیل سے خطاب ہے ورنہ اس آیت کا تعلق گزشتہ سے نہ رہے گا اور آیت بے جوڑ ہو جائے گی۔ کفار کو شرعی احکام سنانے کی پوری بحث ہم اس سے پہلے کر چکے ہیں **بالصبر۔** یہ ب استعانت کی ہے یا صلہ کی یعنی صبر و نماز کے ذریعے رب سے مدد مانگو یا اس صبر و نماز سے مدد حاصل کرو۔ صبر کے معنی ہیں روکنا اصطلاح میں کامیابی کی امید سے مصیبت پر بے قرار نہ ہونے کو صبر کہتے ہیں۔ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ مصیبت میں صبر کرنا عبادت اور طاعت کی مشقتوں پر صبر کرنا اور ان پر قائم رہنا نفس کو گناہ کی طرف مائل ہونے سے روکنا اس کو یوں سمجھو کہ مصیبت میں دل چاہتا ہے کہ بے قراری اور بے صبری کا اظہار کرے اب دل کو قابو میں رکھنا اور راضی برضا رہنا پہلی قسم کا صبر ہے سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو کرنے کی ہمت نہیں پڑتی اسی طرح زکوٰۃ نکالنے کو جی نہیں چاہتا اب دل پر جبر کرکے ان کاموں کو کر گزرنا دوسری قسم کا صبر ہے گانے بجانے کی طرف دل مائل ہے ہم دیکھتے ہیں کہ سود خوار بڑے مزے سے پیسے کما رہے ہیں ہمارا دل بھی چاہتا ہے کہ یہ حرکت کریں اب دل کو روکنا اور ادھر نہ جانے دینا تیسری قسم کا صبر ہے اس جگہ تینوں قسم کے صبر مراد ہو سکتے ہیں۔ بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں صبر سے روزہ مراد ہے کیونکہ اس میں بھی نفس کو خواہشات سے روکنا ہوتا ہے اگرچہ نماز روزے پر مقدم ہے لیکن اس جگہ روزہ مقدم نماز پر بعض نے فرمایا ہے کہ صبر ہر مقام کا علیحدہ ہے جہاد میں نہ بھاگنا صبر ہے۔ نماز کو ہمیشہ پڑھنا صبر ہے گناہ سے استغفار کرنا اس کا صبر ہے غرضیکہ اس میں بہت گنجائش ہے صبر ایک قسم کی ورزش ہے جس طرح ورزش کرنے والا پہلوان بھاری بوجھ اٹھا سکتا ہے اور دشمن کا مقابلہ کر سکتا ہے اسی طرح صابر بندہ بڑی بلاؤں کا مقابلہ کر سکتا ہے اور بے صبر دل چھوڑ جاتا ہے **والصلوٰۃ** چونکہ نماز بھی صبر ہے ظاہری و باطنی اعضاء کو پابند کرنا پڑتا ہے نیز بعض وقت اس کی وجہ سے کچھ تکلیف بھی برداشت کرنی پڑتی ہے اس لئے صبر کے بعد اس کا ذکر ہوا یہاں صلوٰۃ سے یا تو پنجگانہ نماز مراد یا خاص نماز یعنی پنجگانہ نمازوں کے ذریعہ مدد حاصل کرنا یا ہر مصیبت کے وقت خاص نمازوں سے قحط سالی میں نماز استسقاء سے اور خاص مصیبت کے وقت نماز حاجت وغیرہ سے چونکہ نماز انسان کو دنیا سے بے خبر کرکے اللہ کی طرف متوجہ کر دیتی ہے اس لئے اس کی

www.alahazratnetwork.org

برکت سے دنیا کی مشکلیں دل سے فراموش ہو جاتی ہیں۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ بیان فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر میں فاقہ ہوتا تھا اور رات میں کچھ ملاحظہ نہ فرماتے تھے اور بھوک غلبہ کرتی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دربار مسجد میں تشریف لا کر نماز میں مشغول ہوتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرزند کی وفات کی خبر سن کر نماز میں مشغول ہو گئے اور اس کو انتا دراز کیا کہ جب لوگ دفن کر کے لوٹے تب آپ فارغ ہوئے لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اس فرزند سے بہت محبت تھی میں اس کی جدائی کا صدمہ برداشت نہ کر سکتا تھا چار نماز میں مشغول ہو کر اس صدمے سے بے خبر ہو گیا اور آپ نے یہی آیت پڑھی اس کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ اولاً تو صبر سے مدد لو اور جب صبر سے کام نہ چلے تو نماز میں مشغول ہو جاؤ چونکہ نماز میں کمال مشغولیت ہوتی ہے اور روح حضور الٰہی کی لذتوں میں اس قدر مشغول ہو جاتی ہے کہ پھر اس تک کوئی خطرہ نہیں پہنچ سکتا لہٰذا دنیوی تکلیفوں سے راحت رہتی ہے۔ خیال رہے کہ تفسیری بنا پر معنی یہ تھے کہ صبر و نماز کے ذریعے، وسیلہ سے رب سے مدد مانگو یعنی عرض کرو کہ مولا ہماری نمازوں و صبر وغیرہ نیک اعمال کی برکت سے فلاں کام میں ہماری مدد فرما جیسا کہ غار میں پھنس جانے والے تین اسرائیلیوں کا قصہ حضور نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنے اعمال کے توسل سے دعا کی اور رہائی پائی جب ہمارے مشکوک اعمال جن کی مقبولیت یقینی نہیں وہ وسیلہ قبول دعا بن سکتے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو یقیناً مستقبول ان کی ہر ادا رب کو پیاری ان کا توسل بھی ضرور درست اس توسل کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو **وانھا** یہ ضمیر یا تو صرف نماز کی طرف لوٹتی ہے یا صبر و نماز دونوں کی طرف یا استعانت کی طرف یعنی وہ نماز یا صبر و نماز دونوں یا ان سے مدد لینا بڑا بھاری ہے۔ **لکبیرۃ** یہاں کبیرہ کے معنی شاق و دشوار اور ثقیل یعنی بھاری کے ہیں جیسے کہ قرآن پاک میں ہے **کبر علی المشرکین** مشرکین پر بھاری پڑ گیا۔ یعنی وہ نماز وغیرہ کفار منافقین وغیرہ پر بہت بھاری ہے **الا علی الخشعین۔** خاشعین خشوع سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں عاجزی یا رب کی طرف مائل ہونا یا سکون قلب۔ قرآن کریم فرماتا ہے **تری الارض خاشعۃ** یعنی ساکنہ لرزتہ۔ **خاشعا** یعنی مائل یا عاجز یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی نماز سب پر بھاری ہے۔ سوا ان کے جن کے دل میں سکون ہے یا رب کے سامنے عاجز ہیں یا اس کی طرف میلان۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ نماز کار آمد ہے جس میں قلب اور قالب دونوں اللہ کی طرف مائل ہوں۔ اگر جسم مسجد میں رہا اور دل بازار میں تو اس سے یہ فائدہ نہ ہوگا **الذین یظنون۔** **یظنون۔** ظن سے بنا ہے۔ جس کے حقیقی معنی گمان ہیں اور مجازی معنی ہیں یقین۔ قرآن کریم فرماتا ہے **الا یظن اولئک انھم مبعوثون** یہاں ظن معنی یقین ہے کیونکہ قیامت وغیرہ پر یقین رکھنا ہی ایمان ہے شک کفر ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ ظن گمان کے معنی میں ہو تو اب **ملقوا** کے دوسرے معنی ہوں گے **انھم ملقوا ربھم ملقوا** ملاقات سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ملنا یہاں یا تو قیامت میں رب سے ملنا مراد ہے یا حالت نماز میں یا موت کے وقت وغیرہ یعنی نماز ان لوگوں پر بھاری نہیں جن کو قیامت میں رب سے ملنے کا یقین ہے یا ان پر جو ہر لحظہ اپنی موت کا اندیشہ رکھتے ہیں۔ یعنی ہر نماز کو اپنی آخری نماز سمجھ کر پڑھتے ہیں۔ یا ان پر جو اپنے رب سے ثواب پانے کی امید رکھتے ہیں۔ یا ان پر کہ جو نماز کے وقت یہ سمجھتے ہیں کہ ہم رب سے ملاقات کر رہے ہیں اور رب ہم کو دیکھ رہا ہے **وانھم الیہ رجعون** راجعون رجوع سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں واپس ہونا اور لوٹنا جتنے ملاقات میں احتمال

www.alahazratnetwork.org

حالت خشوع میں ملاقات ہو گئے ہیں ہیں۔ یعنی ان پر نماز بھاری نہیں جنہیں یقین ہے کہ وہ قیامت میں رب کی طرف کوچ کریں گے یا موت اور رجوع قریب ہے یا ہم حالت نماز رب کی طرف متوجہ ہیں اور اس سے کلام کر رہے ہیں۔ لہٰذا ایسی ظن سے مراد یقین بھی ہو سکتا ہے اور گمان بھی جو کفار کہ قیامت وغیرہ کے قائل ہی نہیں اسی طرح جو مسلمان ہو ور اندرونی کا یقین رکھ رہے ہیں یا جو کہ نماز بے پرواہی سے ادا کرتے ہیں۔ ان پر نماز یقیناً بھاری ہے اور ان کو اس نماز سے پورا پورا فائدہ حاصل نہیں ہوتا (تفسیر عزیزی اور تفسیر کبیر)

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل کو حضور علیہ السلام پر ایمان لانے اور مسلمانوں کی جماعت سے مل جانے کا حکم دیا گیا اور یہ ان پر بہت بھاری تھا لہٰذا انہیں وہ تدبیر بتائی۔ جس سے یہ سارے کام آسان ہو جائیں فرمایا گیا کہ اگر تم پر یہ بات گراں ہو تو صبر اور نماز سے مدد لو مگر صبر میں تو اتنی مشقت نہ تھی البتہ نماز ضرور دشوار تھی یعنی نماز دیگر دشواریوں کا علاج ہے لیکن یہ خود بھی دشوار ہے اس کو آسان کرنے کی نہایت بہتر تدبیر بتائی گئی۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز میں دشواری کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا دل میدان خیال میں آزاد پھرنے کا عادی ہے اور ظاہری اعضاء کے تابع نماز میں ظاہری اعضاء کو تو پورا پابند کر لیا گیا ہے کہ ہنسنا بولنا کھانا پینا چلنا سب حرام کر دیے اس ظاہری پابندی کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ جس سے کہ وہ گھبرانے لگتا ہے اس گھبراہٹ کی وجہ یہ ہے کہ دل ہر وقت حرکت چاہتا ہے اس کو سکون اور ٹھہراؤ کی عادت نہیں۔ لہٰذا سب سے پہلے حکم ہوا کہ دل میں خشوع یعنی سکون اور قرار پیدا کرو یہ سکون نماز کو آسان کر دے گا چونکہ نفس ایک وقت میں دو طرف توجہ نہیں کر سکتا اس کو اگر ایک خیال میں لگا دیا جائے تو دوسرے خیالات خود بخود جاتے رہتے ہیں۔ اس لئے خشوع کے بعد وہ خیال بتایا گیا جس میں دل کو لگانا چاہیے۔ یعنی اپنے رب سے ملاقات کا خیال اور اسی طرف رجوع ہونے کا دھیان۔ جب دل میں یہ خیال پیدا ہو گا تو دنیوی خیالات خود بخود جاتے رہیں گے۔ جس سے اس کو قرار حاصل ہو گا اور قرار سے نماز آسان ہو گی۔ بلکہ اسی میں لذت حاصل ہو گی اور دل لذیذ چیز کا حریص ہوتا ہے لہٰذا وہ نماز پر حریص ہو کر اس کا پابند ہو گا اور پابندی سے انشاء اللہ سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔ سبحان اللہ کیسا پیارا قصہ اور بہتر علاج تجویز فرمایا گیا۔ اب خواہ دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ہمیں قیامت میں رب کے سامنے پیش ہونا ہے اور اپنا حساب زندگی دینا ہے۔ جس سے کہ خوف اور امید پیدا ہو اور نماز کا شوق ہو یا یہ خیال ہو کہ ممکن ہے کہ یہ نماز ہماری آخری نماز ہو اور پھر ہم کو موقعہ نہ ملے یا یہ کہ ہم رب کو دیکھ رہے ہیں اور اس سے کلام کر رہے ہیں اور یا یہ کہ رب ہم کو دیکھ رہا ہے۔ ہمارا کلام سن رہا ہے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ تم رب کو دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو کم از کم یہ ہی سمجھ لو کہ وہ ہم کو دیکھ رہا ہے۔ حق تعالیٰ ایسی نماز اور یہ خیالات ہم سب کو نصیب فرمائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک: یہ کہ صبر و نماز سے بڑی بڑی مشکلیں حل ہو جاتی ہیں تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ حدیث شریف میں ہے کہ علم مسلمان کا دوست ہے اور حلم یعنی بردباری اس کا وزیر اور عقل اس کی رہبر اور تواضع اور نرمی اس کا بھائی اور صبر اس کے لشکر کا جرنیل۔ جس طرح بغیر جرنیل کوئی ملک فتح نہیں ہو سکتا اسی طرح بغیر صبر کوئی مشکل حل نہیں ہو سکتی۔ دوسرے: یہ کہ دنیوی کاموں میں بھی بغیر صبر کامیابی نہیں ہو سکتی۔ اگر تاجر استقلال

www.alahazratnetwork.org

سے تجارت نہ کرے اور تجارت کی مشکلات اور اس کے نقصانات پر صبر نہ کرے تو کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے یہاں استعینوا مطلق فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر دینی و دنیوی مشکلات میں صبر و نماز سے مدد لینی چاہئے۔ **تیسرے:** یہ کہ عابد گوشہ نشین سے عالم دین افضل ہے۔ کیونکہ وہ نہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہے نہ ان سے تکلیفیں اٹھاتا ہے نہ صبر کرتا ہے۔ عالم دین لوگوں میں رہ کر تبلیغ دین کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے صدہا اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ سب کی باتیں برداشت کرتا ہوا صبر سے اپنا کام کئے جاتا ہے وہ یقیناً بڑے درجے والا ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے کسی کا باپ نہیں مارا تھا۔ لیکن آج صدہا سال کے بعد بھی ان پر تبرا ہو رہا ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک پہاڑ کے غار میں گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ حضور علیہ السلام نے چند روز بعد صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ وہ غیر حاضر کیوں ہیں۔ لوگوں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا کہ ان کو بلاؤ جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے اس کی وجہ دریافت کی انہوں نے عرض کیا کہ لوگوں کی صحبت عبادت میں خلل ڈالتی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ مسلمانوں کی صحبت میں رہ کر تکلیفیں برداشت کرنا ساٹھ سالہ تنہائی کی عبادت سے افضل ہے۔ **چوتھے:** یہ کہ رب سے بذریعہ اعمال دعا کرنا زیادہ قابل قبول ہے اس لئے کہ اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ بذریعہ صبر و نماز رب سے دعا مانگو۔ **پانچویں:** یہ کہ مسلمانوں کو انشاء اللہ آخرت میں دیدار الٰہی ہوگا کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے ملٰقوا ربہم اور بغیر دیدار ملاقات ناممکن ہے۔ **چھٹے:** یہ کہ نماز کا بھاری معلوم ہونا منافق کی علامت ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ عشاء و فجر کی نمازیں منافقین پر بہت دشوار ہیں۔ کیونکہ منافق نماز کو بیہودہ قرار جانتا ہے اور مسلمان اس سے ہزاروں امیدیں رکھتا ہے۔ امید کی وجہ سے بھاری کام بھی ہلکے معلوم ہوتے ہیں۔ کسان غلے کی امید میں کڑی دھوپ میں سخت محنت کر لیتا ہے۔ طالب علم کامیابی کی امید میں بہت کوشش کرتا ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لئے آسان اور منافقین کے لئے مشکل۔ تو چاہئے کہ منافقین کو اس کا ثواب زیادہ ملے اور مسلمانوں کو کم کیونکہ جو مشکل کام کرے اس کا ثواب زیادہ ہونا چاہئے۔ **جواب:** اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو نماز آسان معلوم ہوتی ہے اور منافقین کو بھاری۔ نماز ایک ہی فعل ہے مسلمانوں کے لئے زیادہ سخت کیونکہ وہ قلب و قالب دونوں سے ادا کرتا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کی خوشی میں اس کو یہ دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ جیسے بیمار تندرستی کے لالچ میں کڑوی دوائیں پی لیتا ہے۔ دوا تو کڑوی ہی ہے۔ لیکن شفا کی امید نے اس کو آسان بنا دیا کیا تم نے نہیں سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پاک پر نماز سے ورم آجاتا تھا۔ لیکن پھر فرماتے ہیں کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی خاص جگہ میں رہتا ہے جہاں کہ ہم مرنے کے بعد جائیں گے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے والیہ راجعون **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ملٰقوا اللہ کی تفسیر میں دیا گیا ہے۔ یعنی اس جگہ جانا مراد ہے جہاں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی ظاہری حکومت وغیرہ بھی نہ ہو۔ یعنی میدان محشر کیونکہ دنیا میں بظاہر اوروں کی بھی حکومت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** الیہ انتہا کے لئے آتا ہے اور انتہا کسی جسم کی طرف ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ جسم ہے۔ **جواب:** انتہا کے لئے جسم ضروری نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گیا۔ دیکھو حالت جسم نہیں مگر رجوع کی انتہا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ بلاواسطہ رب کی حکومت کی طرف لوٹنے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

سے تجارت نہ کرے اور تجارت کی مشکلات اور اس کے نقصانات پر صبر نہ کرے تو کبھی اس میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے یہاں استعینوا مطلق فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر دینی و دنیوی مشکلات میں صبر و نماز سے مدد لینی چاہئے۔ تیسرے یہ کہ عابد گوشہ نشین سے عالم دین افضل ہے۔ کیونکہ وہ نہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہے نہ ان سے تکلیفیں اٹھاتا ہے نہ صبر کرتا ہے۔ عالم دین لوگوں میں رہ کر تبلیغ دین کرتا ہے۔ جس کی وجہ سے صدہا اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔ سب کی باتیں برداشت کرتا ہوا صبر سے اپنا کام کئے جاتا ہے وہ یقیناً بڑے درجے والا ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے کسی کا باپ نہیں مارا تھا۔ لیکن آج صدہا سال کے بعد بھی ان پر تبرا ہو رہا ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک صحابی نے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ایک پہاڑ کے غار میں گوشہ نشینی اختیار کرلی۔ حضور علیہ السلام نے چند روز بعد صحابہ کرام سے دریافت کیا کہ وہ غیر حاضر کیوں ہیں۔ لوگوں نے یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا کہ ان کو بلاؤ جب وہ حاضر ہوئے تو ان سے اس کی وجہ دریافت کی انہوں نے عرض کیا۔ کہ لوگوں کی صحبت عبادت میں خلل ڈالتی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ مسلمانوں کی صحبت میں رہ کر تکلیفیں برداشت کرنا ساٹھ سالہ تنہائی کی عبادت سے افضل ہے۔ چوتھے: یہ کہ رب سے بذریعہ اعمال مدد مانگنا جائز اور مقبول ہے اس لئے کہ اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ بذریعہ صبر و نماز رب سے مدد مانگو۔ پانچویں: یہ کہ مسلمانوں کو انشاء اللہ آخرت میں دیدار الٰہی ہوگا کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے ملٰقوا ربہم اور بغیر دیدار ملاقات ناممکن ہے۔ چھٹے: یہ کہ نماز کا بھاری معلوم ہونا نفاق کی علامت ہے۔ حدیث پاک میں فرمایا گیا کہ عشاء و فجر کی نمازیں منافقین پر بہت دشوار ہیں۔ کیونکہ منافق نماز کو بیہودہ و بیکار جانتا ہے اور مسلمان اس سے ہزارہا امیدیں رکھتا ہے۔ امید کی وجہ سے بھاری کام بھی ہلکے معلوم ہوتے ہیں۔ کسان غلے کی امید میں کڑی دھوپ میں سخت محنت کرلیتا ہے۔ طالب علم کامیابی کی امید میں بہت کوشش کر جاتا ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز مسلمانوں کے لئے آسان ہے منافقین کے لئے مشکل تو چاہئے کہ منافقین کو اس کا ثواب زیادہ ملے اور مسلمانوں کو کم کیونکہ جو مشکل کام کرے اس کا ثواب زیادہ ہونا چاہئے۔ جواب: اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو نماز آسان معلوم ہوتی ہے اور منافقین کو بھاری۔ نماز فی نفسہٖ ثقیل ہے مسلمانوں کے لئے زیادہ سخت کیونکہ وہ قلب و قالب دونوں سے ادا کرتا ہے۔ لیکن رضائے الٰہی کی خوشی میں اس کو یہ دشواری محسوس نہیں ہوتی۔ جیسے بیمار تندرستی کے لالچ میں کڑوی دوائیں پی لیتا ہے۔ دوا تو کڑوی ہی ہے۔ لیکن شفا کی امید نے اس کو دوا آسان بنا دیا کیا تم نے نہیں سنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدم پاک پر نماز سے ورم آجاتا تھا۔ لیکن پھر فرماتے ہیں کہ نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کسی خاص جگہ میں رہتا ہے جہاں کہ ہم مرنے کے بعد جائیں گے۔ کیونکہ فرمایا گیا ہے الیہ راجعون جواب: اس کا تفصیلی جواب ثم الیہ ترجعون کی تفسیر میں دیا گیا ہے۔ یعنی اس جگہ جانا مراد ہے جہاں سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی ظاہری حکومت وغیرہ بھی نہ ہو یعنی میدان محشر کیونکہ دنیا میں بظاہر اوروں کی بھی حکومت ہے۔ تیسرا اعتراض: الیٰ انتہا کے لئے آتا ہے اور انتہا کسی جسم کی طرف ہوتی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ جسم ہے۔ جواب: انتہا کے لئے جسم ضروری نہیں کہا جاتا ہے کہ فلاں اپنی اصلی حالت کی طرف لوٹ گیا۔ تو حالت جسم نہیں مگر رجوع کی انتہا ہے۔ یہاں مطلب یہ ہے کہ بلاواسطہ رب کی حکومت کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: رجوع کے معنی ہیں پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا۔ جس سے معلوم ہوا کہ روحیں قدیم میں ہمیشہ سے ایک عالم میں تھیں۔ عارضی طور پر دنیا میں آکر پھر وہیں لوٹ جائیں گی۔ **جواب:** اس کا جواب وہی دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔ بیشک اس سے پہلے عالم ارواح میں روحیں تھیں لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہمیشہ سے تھیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس سے پہلے لوگوں کو راہ عشق طے کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور محبوب حقیقی نے سب کو اپنی طرف دعوت دی تھی اب فرمایا گیا کہ چونکہ میرا راستہ خاردار ہے اور اس کا طے کرنا دشوار ہے اس لئے ہم تم کو دو سواریاں یا دو بازو عطا فرماتے ہیں جن پر سوار ہو کر یا جن سے اڑ کر ہم تک پہنچو۔ ایک صبر یعنی شہوات نفسانیہ اور خواہشات حیوانیہ سے پرہیز۔ دوسرے نماز یعنی دروازہ غیب پر معتکف رہنا اور رب کی بارگاہ میں دائم و قائم رہنا۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ ان سواریوں پر سوار ہونا بھی آسان نہیں ہے۔ یہ ہر ایک کے قبضے میں نہیں آتیں سوا اس کے جن پر حق تعالیٰ اپنی تجلی فرمائے اور جس سے ان میں سکون پیدا ہو جائے اور یہ تجلی حق سے الفت پیدا کر دے اور خلق کی کلفت دور کرے اور پھر ان کو یقین ہو جائے کہ ہم انشاء اللہ اس راستے کو ضرور طے کریں گے اور ایک دن جمال یار کا ضرور مشاہدہ کریں گے۔ پھر یہ بھی انہیں یقین ہو کہ ہم خود اپنی کوشش سے یہ وادی طے نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ جذبات حق ہم کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس بحری لہریں ہم کو لو ہر بہائے لئے جا رہی ہیں۔ پھر یہ خیال رہے کہ جس طرح پل صراط پر گزرنے والے مختلف ہوں گے بعض تیز رو اور بعض سست رفتار اسی طرح اس راستے کو طے کرنے والے مختلف ہیں۔ بعض وہ جن کے لئے یہ نماز اور صبر تیز رفتار سواری ہیں اور بعض وہ جن کے لئے یہ دونوں چیزیں اڑنے والے بازو ہیں۔ بعض کا پنکھ بالکل بعض کا قوی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء　　بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ لوہے کو نرم کر کے اسے ڈھالتے ہیں یا اس کے کل پرزے بناتے ہیں موم کو پگھلا کر سانچوں میں ڈھالتے ہیں۔ نفس امارہ لوہا ہے اگر اس میں خشوع، عجز، نرمی پیدا ہو جائے تو اس کو ہر طرح چلایا جا سکتا ہے نماز و صبر سانچے ہیں۔ خشوع نفس کو نرم کرنے والی آگ ہے پہلے خشوع ہے پھر عبادات اور خشوع و نرمی پیدا کرنے والی چیز موت کی یاد قیامت کی فکر ہے یا اللہ کی محبت یہاں انہی چیزوں کا ذکر ہوا اور اسی ترتیب سے ذکر ہوا۔ عاجز خاک میں پلے لگتے ہیں۔ نہ کہ متکبر آگ میں مشکلات حل کرنے والی چیز نماز و صبر ہے انہیں آسان کرنے والا خشوع اور خشوع موت کی یاد ہے۔

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ
اے اولاد یعقوب کی یاد کرو میری نعمت وہ جو انعام کیا میں نے
اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا احسان جو میں نے تم پر کیا
وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۝
اور پر تمہارے اور تحقیق میں نے بزرگی دی تم کو اوپر ان جہان والوں کے
اور یہ کہ سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: رجوع کے معنی ہیں پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا۔ جس سے معلوم ہوا کہ روحیں قدیم میں ہمیشہ سے ایک عالم میں تھیں۔ عارضی طور پر دنیا میں آکر پھر وہیں لوٹ جائیں گی۔ **جواب:** اس کا جواب وہی دوسرے اعتراض کا جواب ہے۔ بیشک اس سے پہلے عالم ارواح میں روحیں تھیں لیکن یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہمیشہ سے تھیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس سے پہلے لوگوں کو راہ عشق طے کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور محبوب حقیقی نے سب کو اپنی طرف دعوت دی تھی اب فرمایا گیا کہ چونکہ میرا راستہ خاردار ہے اور اس کا طے کرنا دشوار ہے اس لئے ہم تم کو دو سواریاں یا دو بازو عطا فرماتے ہیں جن پر سوار ہو کر یا جن سے اڑ کر ہم تک پہنچو۔ ایک صبر یعنی شہوات نفسانیہ اور خواہشات حیوانیہ سے پرہیز۔ دوسرے نماز یعنی دروازہ غیب پر معتکف رہنا اور رب کی بارگاہ میں دائم و قائم رہنا۔ مگر یہ بھی خیال رہے کہ ان سواریوں پر سوار ہونا بھی آسان نہیں ہے۔ یہ ہر ایک کے قبضے میں نہیں آتیں سوا اس کے جن پر حق تعالیٰ اپنی تجلی فرمائے اور جس سے ان میں سکون پیدا ہو جائے اور یہ تجلی حق سے الفت پیدا کر دے اور خلق کی کلفت دور کرے اور پھر ان کو یقین ہو جائے کہ ہم انشاء اللہ اس راستے کو ضرور طے کریں گے اور ایک دن جمال یار کا ضرور مشاہدہ کریں گے۔ پھر یہ بھی انہیں یقین ہو کہ ہم خود اپنی کوشش سے یہ وادی طے نہیں کر رہے ہیں۔ بلکہ جذبات حق ہم کو اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور اس بحری لہریں ہم کو لو ہر بہائے لئے جا رہی ہیں۔ پھر یہ خیال رہے کہ جس طرح پل صراط پر گزرنے والے مختلف ہوں گے بعض تیز رو اور بعض ست رفتار اسی طرح اس راستے کو طے کرنے والے مختلف ہیں۔ بعض وہ جن کے لئے یہ نماز اور صبر تیز رفتار سواری ہیں اور بعض وہ جن کے لئے یہ دونوں چیزیں اڑنے والے بازو ہیں۔ بعض کا چھلکا بعض کا توی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبت با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ لوہے کو نرم کر کے اسے ڈھالتے ہیں یا اس کے کل پرزے بناتے ہیں موم کو پگھلا کر سانچوں میں ڈھالتے ہیں۔ نفس امارہ لوہا ہے اگر اس میں خشوع، عجز، نرمی پیدا ہو جائے تو اس کو ہر طرح ڈھالا جا سکتا ہے نماز و صبر سانچے ہیں۔ خشوع نفس کو نرم کرنے والی آگ ہے پہلے خشوع ہے پھر عبادات اور خشوع و نرمی پیدا کرنے والی چیز موت کی یاد قیامت کی فکر ہے یا اللہ کی محبت یہاں انہی چیزوں کا ذکر ہوا اور اسی ترتیب سے ذکر ہوا عاجز خاک میں پھل لگتے ہیں۔ نہ کہ متکبر آگ میں مشکلات حل کرنے والی چیز نماز و صبر ہے انہیں آسان کرنے والا خشوع اور خشوع موت کی یاد ہے۔

يٰبَنِىٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ

اے اولاد یعقوب کی یاد کرو میری نعمت وہ جو انعام کیا میں نے

اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا احسان جو میں نے تم پر کیا

وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۞

اور پر تمہارے اور تحقیق میں نے بزرگی دی تم کو اوپر ان جہان والوں کے

اور یہ کہ سارے زمانہ پر تمہیں بڑائی دی

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ایک۔ یہ کہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ نماز لوگوں پر بہت بھاری ہے بجز ان کے جو اپنے رب سے ملنے کا یقین رکھتے ہوں ان کے لئے ہلکی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے بنی اسرائیل تم دوسری جماعت میں رہو کیونکہ تم پر ہمارے خاص احسانات ہیں اور جس پر خاص احسانات ہوں اس کو چاہئے کہ مشقتیں برداشت کرے۔ دوسرے: یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کو فرمایا گیا تھا کہ ایمان اور تقویٰ کے حاصل کرنے کا طریقہ صبر اور نماز ہے اور یہ بہت مشکل اور بھاری ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم یہ راستہ نہ چل سکو تو اس سے آسان تر دوسرا راستہ بتایا جاتا ہے اور وہ شکر ہے۔ اس لئے اپنی خاص نعمتوں کا ذکر فرما کر ان کو شکر کی طرف مائل کیا جارہا ہے یوں سمجھو کہ پہلے گرم علاج بتا کر اب نرم بتایا جارہا ہے کہ یا تو صبر سے تقویٰ حاصل کرو اور اگر یہ نہ کرسکو تو شکر سے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں خشوع حاصل کرنے کے لئے آئندہ پیش آنے والے واقعات کا ذکر فرمایا گیا کہ دھیان رکھو تمہیں رب کے سامنے کھڑا ہونا ہے اس کی طرف رجوع کرنا ہے۔ لہذا خشوع و عاجزی اختیار کرو۔ اب اس خشوع کو حاصل کرنے کے لئے گذشتہ نعمتیں یاد دلائی جارہی ہیں کہ ہم نے تم پر یہ احسانات کئے تھے۔ لہذا خشوع و عاجزی کرو۔ کوئی ڈر سے مانتا ہے کوئی احسانات یاد کرکے۔ پچھلی آیت پہلے لوگوں کے لئے تھی یہ آیت دوسروں کے لئے۔

تفسیر: یبنی اسرائیل اس سے پہلے بھی یہ خطاب ہوچکا ہے اور اسرائیلیوں کو رب کی نعمتیں یاد دلائی جاچکی ہیں۔ لیکن وہ خطاب اور قسم کے احکام کی تمہید تھی اور یہاں دوسرے قسم کے احکام کی یعنی وہاں ان کو وفائے عہد (وعدہ پورا کرنا) کا حکم دیا گیا تھا اور یہاں تقویٰ وغیرہ کا۔ ان لوگوں کو بنی اسرائیل کہہ کر پکارنے میں اس جانب اشارہ ہے کہ تم بڑے باپ کے بیٹے ہو۔ تم کو چاہئے کہ ان کے قدم بقدم چلو تاکہ تمہاری عزت برقرار رہے۔ اذکروا اس سے یہ مطلب نہیں کہ تم صرف زبان سے ان نعمتوں کو یاد کرلیا کرو یا اپنی بڑائی کے لئے لوگوں کو سناتے پھرو بلکہ عملی طور پر شکریے کے ساتھ یاد کرو کیونکہ یہی حقیقی یاد ہے۔ فخریہ یاد کرنا حرام اور بطور فخر ذکر کرنا بیکار۔ اسی لئے تفسیر روح البیان نے اذکروا کے معنی اشکروا کئے ہیں۔ نعمتی۔ نعمت (نون کے کسرہ کے ساتھ) کے معنی ہیں۔ احسان خواہ ظاہری ہو یا باطنی اور خواہ بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ قرآن کریم فرماتا ہے وتلک نعمۃ تمنہا علی نعمت (نون کے فتح سے) کے معنی ہیں عیش و آرام کا سامان قرآن کریم میں ہے۔ ونعمۃ کانوا فیہا فکھین۔ (تفسیر کبیر) چونکہ بنی اسرائیل پر ہر قسم کے ظاہری و باطنی دنیوی اور دینی احسانات کئے گئے تھے۔ اس لئے نعمت نون کے کسرہ سے فرمایا گیا التی انعمت علیکم بظاہر اس سے دنیاوی نعمتیں مراد ہیں جیسے من و سلویٰ اتارنا لق و دق بیابانوں میں بادلوں سے ان پر سایہ کرنا ان کے لئے پتھر سے پانی نکالنا بحر قلزم کو خشک کرنا وغیرہ یا اس سے بالواسطہ نعمتیں مراد ہیں۔ یعنی ان نعمتوں کو یاد کرو جو تمہارے باپ دادوں پر کی گئی تھیں جس سے تم ہمیشہ فخر کرتے رہو گے۔ وانی فضلتکم بظاہر اس سے دینی نعمتیں مراد ہیں یعنی یہ بھی یاد کرو کہ ہم نے تم کو بڑی بزرگی دی کہ تمہارے گروہ میں چار ہزار پیغمبر پیدا فرمائے اور توریت، زبور، انجیل اور دوسرے صحیفے تمہاری زبان میں تمہاری جماعت پر اتارے اور تم میں بڑے بڑے عادل بادشاہ اور باعمل عالم اور اولیاء اللہ اور مشائخ پیدا فرمائے جس کی وجہ سے تم سارے فرقوں پر اعلیٰ ہوگئے۔ تم ہی وحی الٰہی کا جائے نزول رہے۔ تم ہی آسمانی کتابوں کے خزانے تم ہی احکام شرعیہ کے واقف کار اور عالم کے سردار رہے۔ لہذا تم کو چاہئے کہ اب اس نبی آخر الزماں پر

www.alahazratnetwork.org

ایمان لے آؤ تاکہ تمہاری عزت اور عظمت باقی رہے اور تم اس عہدے سے معزول نہ کر دیئے جاؤ۔ اب تک تم اولاد انبیاء ہونے کی وجہ سے تمام پر سردار رہے۔ اور اب سید الانبیاء کی امت بن کر **کنتم خیر امۃ** کا اعلیٰ خطاب حاصل کرو **علی العلمین** یہ عالم کی جمع ہے۔ جس کے حقیقی معنی ہیں ماسوا اللہ اور مجازاً" بڑے گروہ کو بھی عالم بول دیتے ہیں۔ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے جلسے میں ایک عالم جمع ہو گیا۔ اگر یہاں حقیقی معنی مراد ہوں تو اس آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ ہم نے تمہارے باپ دادوں کو ان کے زمانہ میں سارے عالم پر بزرگی دی تھی یا بعض وجوں سے تم کو اب بھی سارے عالم پر بزرگی حاصل ہے۔ جیسے اولاد انبیاء ہونا وغیرہ وغیرہ اور اگر عالم کے معنی مجازی مراد ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ تم کو ہم نے بہت سے لوگوں (مشرکین وغیرہ پر بزرگی دی) ہماری اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ بنی اسرائیل کا مسلمانوں سے افضل ہونا لازم نہیں۔ مسلمانوں کے لئے رب نے فرمایا **کنتم خیر امۃ** یہ آیت اس کے خلاف نہیں کیونکہ ایک زمانہ میں وہ افضل تھے اب بھی بعض افضل یا بعض جزوی حیثیتوں سے بنی اسرائیل افضل اور کلی طور پر مسلمان جیسے حضرت مریم سے فرمایا گیا **واصطفک علی نساء العلمین** اے مریم تم کو تمام جہان کی عورتوں پر بزرگی دی۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت مریم، حضرت خدیجہ، عائشہ و حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہن سے افضل ہوں۔ حضور کی ازواج کے بارے میں فرمایا گیا کہ اے نبی کی بیویو تم کسی بیوی کی طرح نہیں یعنی سب سے افضل ہو۔ ایک زمانہ میں حضرت مریم افضل تھیں اور دوسرے زمانے میں یہ بیویاں۔

خلاصہ تفسیر : اے بنی اسرائیل صبر و نماز کے ذریعے ایمان اور تقویٰ اختیار کرو اور بیشک یہ چیزیں بہت دشوار ہیں۔ مگر چونکہ تم پر ہماری نعمتیں بہت زیادہ ہیں اس لئے تم ان کو برداشت کرو یا اے بنی اسرائیل اگر تم سے صبر و صلوٰۃ کا راستہ طے نہ ہو سکے تو تم شکر کے راستے سے ہم تک آجاؤ۔ کیونکہ تم پر زیادہ نعمتیں ہیں۔ لہذا زیادہ شکر واجب بھلا ہماری نعمتوں کو یاد تو کرو۔ کہ ہم نے تم پر کتنی نعمتیں فرمائیں۔ ان نعمتوں کی خود قرآن کریم نے کچھ تفصیل فرمائی ہے **اذ جعل فیکم انبیاء و جعلکم ملوکا و اتکم ما لم یوت احدا من العلمین**۔ تم میں نبی بھیجے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ نعمتیں دیں کہ اس وقت دنیا میں کسی کو نہ دیں۔ اور سب سے بڑی نعمت یہ دی کہ تم کو تمام جہان سے افضل کر دیا۔ ان باتوں کو یاد کرو اور اس کا شکریہ اس طرح ادا کرو کہ آج دین اسلام کی خدمت میں سب سے آگے آگے رہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک: یہ کہ نسبی بزرگی بھی اللہ کی نعمت ہے کیونکہ بنی اسرائیل کو ان کے اولاد انبیاء ہونے پر احسان جتایا گیا۔ یقیناً سید متقی یا سید عالم دوسرے متقی اور عالموں سے افضل ہو گا۔ کیونکہ وہ پیغمبر کی اولاد ہیں۔ اسی طرح گنہگار سید دوسرے گنہگاروں سے اس لحاظ سے بہتر ہو گا کہ وہ نبی کی اولاد ہے بلکہ حق تو یہ ہے کہ سید گنہگار بھی دوسرے پرہیزگاروں سے نسبی لحاظ سے افضل ہے شامی جلد اول میں صلوٰۃ جنازہ کی بحث میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ حضور فرماتے ہیں کہ موت سے سارے نسب ٹوٹ جاتے ہیں سوا میرے نسب کے اور فرماتے ہیں کہ قرآن پاک کی یہ آیت **فلا انساب بینھم** یعنی قیامت میں نسب کام نہ آئیں گے۔ اس سے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا نسب علیحدہ ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا یہ فرمانا کہ اے میرے اہل قرابت **لا اغنی عنکم من اللہ شیئا** اس سے مطلب یہ ہے کہ بغیر اذن الٰہی میں تم سے عذاب دفع نہیں کر سکتا پھر علامہ شامی فرماتے ہیں کہ یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم

www.alahazratnetwork.org

اپنی اولاد سے عذاب دور نہ کریں حالانکہ آپ تو اجنبی گنہگاروں کی شفاعت فرما کر عذاب سے بچالیں گے۔ یا نکال لیں گے۔ شاہی نے سادات کرام کے فضائل کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا العلم ا لعلا ہو فی نفس نسب ا لعلا ہو بلکہ میرا ایمان تو کہتا ہے کہ گنہگار سید کیچڑ میں آلودہ موتی ہے کہ اگرچہ گناہوں کے کیچڑ میں ہے مگر سید ہے **دوسرے:** یہ کہ تمام عظمتیں اور عزتیں ایمان سے قائم رہتی ہیں۔ بے ایمان کی رب کے یہاں کوئی عزت نہیں کیونکہ بنی اسرائیل کو صرف اولاد انبیاء ہونے پر نہ رہنے دیا بلکہ انہیں دعوت ایمان دی گئی کہ کنعان نبی کا بیٹا تھا۔ مگر بے ایمانی کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔ اسی طرح شیعہ اور مرزائی دیو بندی وغیرہ مرتد سید تو کیا مسلمان بھی نہیں۔ انہیں سید کہنا بھی غلطی ہے۔ سید ہونے کے لئے ایمان شرط ہے۔ دیکھو بے ایمان بنی اسرائیل کی کوئی عزت نہ ہوئی۔ **تیسرے:** یہ کہ علم تاریخ کا جاننا اور اس کا یاد کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے خدا کی نعمتیں معلوم ہوتی ہیں۔ **چوتھے:** یہ کہ اگر نعمت الٰہی ظاہر کرنے کے لئے اپنے بزرگوں کے وہبی فضائل بیان کئے جائیں تو جائز ہے۔ کیونکہ یہاں بنی اسرائیل کو یہی حکم ہو رہا ہے لہٰذا حضور کے فضائل اولیاء اللہ کے مراتب کا چرچا کرنا بہت بہتر ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت کا چرچا اس کا شکریہ ہے رب فرماتا ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** **پانچویں:** یہ کہ کسی کی یادگار منانا جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ یہ بھی نعمت الٰہی کے ذکر کا ذریعہ ہے اور یہاں **اذکروا** مطلق ہے۔ لہٰذا عرس بزرگان اولاد کی سالگرہ یا تخت و تاج ملنے کی خوشی میں جشن وغیرہ کرنا سب جائز ہے۔ بشرطیکہ اس نیت سے ہوں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنی اسرائیل سارے عالم سے افضل ہیں تو کیا قارون اور سامری اور وہ بنی اسرائیل جن کی صورتیں مسخ کی گئیں کیا وہ بھی افضل تھے۔ کیونکہ وہ بھی بنی اسرائیل تھے۔ **جواب:** قوم اسرائیل دوسری قوموں سے افضل ہے اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کا ہر شخص افضل ہو قرآن حکیم میں آتا ہے کہ مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ کافر مرد مومن عورتوں سے افضل ہوں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر اسرائیلی مسلمان ہو جائیں تو کیا سارے عالم سے افضل ہوں گے۔ اگر ان کو افضل نہ مانا جائے تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر مانا جائے تو عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں یا جس وقت بنی اسرائیل افضل تھے تو کیا انبیاء سے بھی افضل تھے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یہاں عالمین کا استغراق حقیقی نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں بظاہر بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ لیکن در پردہ سارے مومنین کے لئے عام ہے ارواح مومنین کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی اور وہ یہ کہ تم کو فیضان نبوت حاصل کرنے کے قابل بنایا اور پھر فقط قابل بنا کر ہی نہ چھوڑا بلکہ نبوت کی ظاہری اور باطنی انوار کی شعاعیں تم پر ڈالیں۔ جس وجہ سے تمہارا قالب شریعت کے راستے پر اور قلب راہ طریقت کو عبور کر سکے۔ لہٰذا نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ ان شعاعوں کا خاصہ ہے اور میں نے تمہاری جماعت کو جن میں انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین سب داخل ہیں یہ نعمت دے کر باقی سارے عالم پر بزرگی دے دی۔ **دوسری تفسیر:** تمام بزرگوں سے تعلق ہے۔ اسرائیلی اس لئے عالمین پر افضل ہوئے کہ انہیں نسبی طور پر انبیاء اولیاء سے تعلق تھا جن اسرائیلیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ غلامی جوڑا انہیں بزرگوں پر بزرگی ملی۔ جنہوں نے حضور سے رشتہ نہ جوڑا وہ بدترین مخلوق بن گئے۔ ان کی خاندانی شرافتیں ختم ہو گئی۔ فسٹ کلاس کا ڈبہ اگر

www.alahazratnetwork.org

اپنی اولاد سے عذاب دور نہ کریں حالانکہ آپ تو اجنبی گنہگاروں کی شفاعت فرما کر عذاب سے بچالیں گے۔ یا نکال لیں گے۔ شاہی نے سادات کرام کے فضائل کے بارے میں ایک مستقل رسالہ لکھا العلم الظاہر فی نفس نسب الطاہر بلکہ میرا ایمان تو کہتا ہے کہ گنہگار سید کیچڑ میں آلودہ موتی ہے کہ اگرچہ گناہوں کے کیچڑ میں ہے مگر سید ہے **دوسرے:** یہ کہ تمام عظمتیں اور عزتیں ایمان سے قائم رہتی ہیں۔ بے ایمان کی رب کے یہاں کوئی عزت نہیں کیونکہ بنی اسرائیل کو صرف اولاد انبیاء ہونے پر نہ رہنے دیا بلکہ انہیں دعوت ایمان دی گئی کہ کنعان نبی کا بیٹا تھا۔ مگر بے ایمانی کی وجہ سے تباہ ہو گیا۔ اسی طرح شیعہ اور مرزائی دیو بندی وغیرہ مرتد سید تو کیا مسلمان بھی نہیں۔ انہیں سید کہنا بھی غلطی ہے۔ سید ہونے کے لئے ایمان شرط ہے۔ دیکھو بے ایمان بنی اسرائیل کی کوئی عزت نہ ہوئی۔ **تیسرے:** یہ کہ علم تاریخ کا جاننا اور اس کا یاد کرنا ضروری ہے کیونکہ اس سے خدا کی نعمتیں معلوم ہوتی ہیں۔ **چوتھے:** یہ کہ اگر نعمت الٰہی ظاہر کرنے کے لئے اپنے بزرگوں کے دینی فضائل بیان کئے جائیں تو جائز ہے۔ کیونکہ یہاں بنی اسرائیل کو یہی حکم ہو رہا ہے لہٰذا حضور کے فضائل، اولیاء اللہ کے مراتب کا چرچا کرنا بہت بہتر ہے کہ یہ حق تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت کا چرچا اس کا شکریہ ہے رب فرماتا ہے واما بنعمۃ ربک فحدث **پانچویں:** یہ کہ کسی کی یادگار منانا جائز بلکہ بہتر ہے کیونکہ یہ بھی نعمت الٰہی کے ذکر کا ذریعہ ہے اور یہاں اذکروا مطلق ہے۔ لہٰذا عرس بزرگان اولاد کی سالگرہ یا تخت و تاج ملنے کی خوشی میں جشن وغیرہ کرنا سب جائز ہے۔ بشرطیکہ اس نیت سے ہوں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام بنی اسرائیل سارے عالم سے افضل ہیں تو کیا قارون اور سامری اور وہ بنی اسرائیل جن کی صورتیں مسخ کی گئیں کیا وہ بھی افضل تھے۔ کیونکہ وہ بھی بنی اسرائیل تھے۔ **جواب:** قوم اسرائیل دوسری قوموں سے افضل ہے اس سے لازم نہیں آتا کہ ان کا ہر شخص افضل ہو قرآن حکیم میں آتا ہے کہ مرد عورتوں کے سردار ہیں۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ کافر مرد مومن عورتوں سے افضل ہوں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر اسرائیلی مسلمان ہو جائیں تو کیا سارے عالم سے افضل ہوں گے۔ اگر ان کو افضل نہ مانا جائے تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر مانا جائے تو عالم میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں یا جس وقت بنی اسرائیل افضل تھے تو کیا انبیاء سے بھی افضل تھے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یہاں عالمین کا استغراق حقیقی نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں بظاہر بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔ لیکن در پردہ سارے مومنین کے لئے عام ہے ارواح مومنین کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے کہ اے لوگو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو جو تم پر ہوئی اور وہ یہ کہ تم کو فیضان نبوت حاصل کرنے کے قابل بنایا اور پھر فقط قابل بنا کر ہی نہ چھوڑا بلکہ نبوت کی ظاہری اور باطنی انوار کی شعاعیں تم پر ڈالیں۔ جس وجہ سے تمہارا قالب شریعت کے راستے پر اور قلب راہ طریقت کو عبور کر سکے۔ لہٰذا نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ کیونکہ یہ ان شعاعوں کا خاصہ ہے اور میں نے تمہاری جماعت کو جن میں انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین سب داخل ہیں یہ نعمت دے کر باقی سارے عالم پر بزرگی دے دی۔ **دوسری تفسیر:** تمام بزرگوں سے تعلق ہے۔ اسرائیلی اس لئے عالمین پر افضل ہوئے کہ انہیں نسبی طور پر انبیاء اولیاء سے تعلق تھا جن اسرائیلیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے رشتہ غلامی جوڑا انہیں بزرگوں پر بزرگی ملی۔ جنہوں نے حضور سے رشتہ نہ جوڑا وہ بدترین مخلوق بن گئے۔ ان کی خاندانی شرافتیں ختم ہو گئی۔ فرسٹ کلاس کا ڈبہ اگر

www.alahazratnetwork.org

انجن سے کٹ جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں۔ جس کا تعلق جڑ سے ہو۔ اس جماعت میں اولیاء ہوتے ہیں۔ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہو۔ دیکھو بنی اسرائیلیوں میں صدہا اولیاء ہوئے مگر جب ان کا دین منسوخ ہوا اور انہوں نے حضور کی غلامی سے انکار کیا تو وہاں ولایت بند ہو گئی۔ ان میں حضرت آصف بن برخیا اصحاب کہف بی بی مریم جیسے لوگ نہیں پیدا ہوتے ایسے ہی اسلام کے تہتر فرقوں میں صرف جماعت اہل سنت برحق ہے اسی میں اولیاء ہیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ
اور ڈرو تم اس دن سے کہ نہ بدلہ دے گا کوئی نفس طرف سے کسی نفس کے کچھ بھی اور نہ
اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ کافروں کے لئے
مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ*
قبول کی جائے گی طرف سے اسکی کوئی سفارش اور نہ لیا جائیگا طرف سے اسکی فدیہ اور نہ وہ لوگ مدد کیے جائیں گے
کوئی سفارش نہ مانی جائے گی اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی اور نہ اس کی مدد ہو گی

تعلق : اس آیت کا پہلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے ایک: یہ کہ بنی اسرائیل کو اس سے پہلے ان کے فضائل سنا کر خوش کیا تھا اب قیامت کی کچھ مصیبتیں سنا کر ڈرایا جا رہا ہے تاکہ وہ خوشی میں پھول کر رب کو نہ بھول جائیں اور امید و خوف کے درمیان رہیں۔ جس پر ایمان کا دارومدار ہے اور دوسرے: یہ کہ شاید بنی اسرائیل اپنے اپنے گزشتہ فضائل سن کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے رب کا شکر بخوبی ادا کر لیا ہے۔ اب وہ اس مرتبہ پر ہیں کہ جو کوئی ان کا وسیلہ پکڑے اس کو قیامت کے دن حساب کا ڈر نہیں اور خاص ہمارے لئے ان کی شفاعت کافی ہے اور ان کی بزرگیاں ہی ہم کو نجات دلا دیں گی کیونکہ ہم ان کی اولاد میں ہیں۔ لہٰذا ان سے فرمایا گیا کہ تم اس خیال میں مت رہنا اور آخرت کو دنیا پر قیاس مت کرنا کیونکہ وہاں کے حالات ہی کچھ اور ہیں۔

تفسیر : **واتقوا** یہ لفظ وقی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بچنا اور ڈرنا اور یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی اس دن سے ڈر کر ایمان لے آؤ ایمان لا کر اس دن کی مصیبتوں سے بچ جاؤ۔ کیونکہ وہاں گنہگار پریشان اور نیک کار انشاء اللہ راحت میں ہوں گے **یوما** یوم لغت میں دن کو کہتے ہیں اور کبھی وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یا دن ہی کے معنی میں ہے کیونکہ قیامت میں آفتاب سامنے ہو گا۔ بلکہ سروں سے قریب ہو گا اور آفتاب کے سامنے ہونے کے وقت کا نام دن ہے اور یا اس سے مطلقاً "وقت مراد ہے کیونکہ وہاں آفتاب کو طلوع غروب نہ ہو گا جس سے دن رات مقرر ہوں بلکہ ایک جگہ پر ہی قائم رہے گا اور حساب ختم ہونے پر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ یا تو خود قیامت کے دن سے ڈرنا مراد ہے اور یا وہاں

www.alahazratnetwork.org

انجن سے کٹ جائے تو اس کی کوئی وقعت نہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں۔ جس کا تعلق جڑ سے ہو۔ اس جماعت میں اولیاء ہوتے ہیں۔ جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے ہو۔ دیکھو بنی اسرائیلیوں میں صدہا اولیاء ہوئے مگر جب ان کا دین منسوخ ہوا اور انہوں نے حضور کی غلامی سے انکار کیا تو وہاں ولایت بند ہو گئی۔ ان میں حضرت آصف بن برخیا اصحاب کہف بی بی مریم جیسے لوگ نہیں پیدا ہوتے ایسے ہی اسلام کے تہتر فرقوں میں صرف جماعت اہل سنت برحق ہے اسی میں اولیاء ہیں۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ

اور ڈرو تم اس دن سے کہ نہ بدلہ دے گا کوئی نفس طرف سے کسی نفس کے کچھ بھی اور نہ

اور ڈرو اس دن سے جس دن کوئی جان دوسرے کا بدلہ نہ ہو سکے گی اور نہ کافروں کے لئے

مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾

قبول کی جائے گی طرف سے اسکی کوئی سفارش اور نہ لیا جائیگا طرف سے اسکی فدیہ اور نہ وہ لوگ مدد کیے جائیں گے

کوئی سفارش نہ مانی جائے گی اور نہ کچھ لے کر اس کی جان چھوڑی جائے گی اور نہ اس کی مدد ہو گی

تعلق : اس آیت کا پہلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے ایک: یہ کہ بنی اسرائیل کو اس سے پہلے ان کے فضائل سنا کر خوش کیا تھا اب قیامت کی کچھ مصیبتیں سنا کر ڈرایا جارہا ہے تاکہ وہ خوشی میں پھول کر رب کو نہ بھول جائیں اور امید و خوف کے درمیان رہیں۔ جس پر ایمان کا دارومدار ہے اور دوسرے: یہ کہ شاید بنی اسرائیل اپنے اپنے گزشتہ فضائل سن کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے بزرگوں نے رب کا شکر بخوبی ادا کر لیا ہے۔ اب وہ اس مرتبہ پر ہیں کہ جو کوئی ان کا وسیلہ پکڑے اس کو قیامت کے دن حساب کا ڈر نہیں اور خاص ہمارے لئے ان کی شفاعت کافی ہے اور ان کی بزرگیاں ہی ہم کو نجات دلا دیں گی کیونکہ ہم ان کی اولاد میں ہیں۔ لہٰذا ان سے فرمایا گیا کہ تم اس خیال میں مت رہنا اور آخرت کو دنیا پر قیاس مت کرنا کیونکہ وہاں کے حالات ہی کچھ اور ہیں۔

تفسیر : **واتقوا** یہ لفظ قی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بچنا اور ڈرنا اور یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی اس دن سے ڈر کر ایمان لے آؤ ایمان لا کر اس دن کی مصیبتوں سے بچ جاؤ۔ کیونکہ وہاں گنہگار پریشان اور نیک کار انشاء اللہ راحت میں ہوں گے **یوما** یوم لغت میں دن کو کہتے ہیں اور کبھی وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں یا دن ہی کے معنی میں ہے کیونکہ قیامت میں آفتاب سامنے ہوگا۔ بلکہ سروں سے قریب ہوگا اور آفتاب کے سامنے ہونے کے وقت کا نام دن ہے اور یا اس سے مطلقاً "وقت مراد ہے کیونکہ وہاں آفتاب کو طلوع غروب نہ ہوگا جس سے دن رات مقرر ہوں بلکہ ایک جگہ پر ہی قائم رہے گا اور حساب ختم ہونے پر اس کو دوزخ میں بھیج دیا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ یا تو خود قیامت کے دن سے ڈرنا مراد ہے اور یا وہاں

www.alahazratnetwork.org

کے حساب و کتاب اور عذاب سے یعنی اس دن سے ڈرو یا اس دن کے حساب و کتاب سے ڈرو **لا تجزی** قیامت میں صدہا مصیبتیں ہوں گی۔ لیکن سب سے بڑی مصیبت یہ ہوگی کفار کا کوئی غمخوار و مددگار نہ ہوگا۔ اسی کا یہاں ذکر کیا گیا کیونکہ بنی اسرائیل کو یہی دھوکا تھا کہ اگر ہم کافر رہیں تو ہمارے بزرگ ہم کو بچالیں گے۔ خیال رہے کہ مدد کی چار صورتیں ہوتی ہیں یا تو مددگار اپنے ساتھی کو اپنی قوت بازو اور زور سے بچالے اسے نصرت کہتے ہیں۔ یا بغیر زور کے کسی اور طرح بچالے یا تو سفارش کر کے اس کو شفاعت کہتے ہیں۔ یا کچھ دے کر اب جو چیز ملزم کے ذمے تھی وہی دے کر بچایا گیا تو اسے جزا کہتے ہیں اور اگر جرمانہ وغیرہ دے کر چھڑایا گیا تو اس کا نام فدیہ ہے اس آیت میں ان چاروں باتوں کی ترتیب وار نفی فرمائی گئی۔ **تجزی** جزاء سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ادا کرنا یا بدلہ دینا یعنی قیامت کے دن نہ تو کسی کی طرف سے اعمال کر سکے گا اور نہ اپنے اعمال دے کر اس کو چھڑا سکے اور نہ کسی کے بدلے میں کوئی عذاب بھگت سکے گا۔ مثلاً "کسی مشرک کے چار بیٹے مومن متقی ہیں اور وہ چاہیں کہ ہم اپنے باپ کو کچھ نیک اعمال دے دیں یا اس کی طرف سے کوئی نیک کام کرلیں یا اس کی سزا خود بھگت لیں تو یہ سب ناممکن ہے دنیا میں مومن دوسرے مومن کو نیک اعمال کا ثواب بخش سکتا ہے مگر کوئی کسی کو بد اعمال کا عذاب نہیں بخش سکتا۔ یعنی ایصال ثواب درست ہے مگر ایصال عذاب نادرست۔ ایصال ثواب میں ثواب بخشنے والا محروم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے کو اس میں شریک کرلیتا ہے مگر کافر کے لئے نہ تو دنیا میں ایصال ثواب ہو سکے اور نہ آخرت میں کسی کی نیکی مل سکے مرد کافر کو دعا بیکار ہے لہٰذا اس آیت سے ایصال ثواب کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔ مومن گنہگار دنیا میں مسلمانوں کے ایصال ثواب سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور آخرت میں ہم جیسے گنہگار نیکوں کے طفیل بخشے جائیں گے انشاء اللہ ع بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم۔ **نفس عن نفس** یہاں پہلے نفس سے نفس مومن اور دوسرے سے نفس کافر مراد ہے (تفسیر خزائن العرفان روح البیان و مدارک) معنی یہ کہ کوئی مومن متقی پرہیزگار نفس بھی کسی کافر کی حاجت روائی نہ کرسکے گا۔ یہ معنی ضرور خیال میں رہنے چاہئیں ہمی جگہ دھوکہ ہوتا ہے **شیئا** یا یہ **لا تجزی** کا مفعول بہ ہے یعنی کسی قدر تکلیف کو دور نہ کرسکے گا یا مفعول مطلق کی صفت یعنی نہیں دفع کرے گا اس کافر سے تھوڑا دفع کرنا بھی (تفسیر کبیر) یعنی عبادات معاملات عقائد اور عام اعمال غرض کسی شے میں کچھ بھی حاجت روائی نہ کرسکے گا۔ **ولا یقبل** اس کے لفظی معنی ہیں کہ اس کی شفاعت قبول نہ کی جائے گی اور قبول نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا شفاعت بالکل نہ ہو یا ہو مگر قبول نہ کی جائے یہاں پہلے ہی معنی مراد ہیں کفار بنی اسرائیل کا خیال تھا کہ ہمارے باپ دادے ہمیں بخشوالیں گے۔ یہاں فرمایا گیا کہ وہ تمہاری سفارش رد کردیں گے یا یہ معنی کہ اگر شفاعت ہو بھی تو قبول نہ کی جائے گی۔ کیونکہ اس کے لئے ایمان شرط ہے اور تم بے ایمان ہو **منہا** یہ ضمیر یا تو پہلے نفس کی طرف لوٹتی ہے یا دوسرے کی طرف لہٰذا یا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ مومن کی سفارش کافر کے حق میں قبول نہ ہوگی یا یہ کہ نفس کافر کی طرف سے پیش کی ہوئی سفارش قبول نہ ہوگی یعنی اگر کافر اپنا کوئی سفارشی پیش کرے تو قبول نہ ہو اس دوسرے معنی کو بھی تفسیر کبیر وغیرہ نے اختیار کیا ہے **شفاعۃ** یہ لفظ شفع سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ساتھی ہونا اور ہمراہی بنانا دو رکعت نماز کو شفعہ کہتے ہیں اور ہر جوڑ کو شفع اور طاق عدد کو وتر کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے **والشفع والوتر** پڑوسی شفیع اور اس کے حق پڑوسیت کو شفعہ کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کے ساتھ رہتا ہے۔ اب یہ سفارش کے معنی میں استعمال ہونے لگا کیونکہ سفارشی بھی حاجت مند کو اکیلا نہیں چھوڑتا بلکہ اس کا ساتھی بن کر اسی کی حمایت کرتا ہے شفاعت کی بحث انشاء اللہ اسی آیت کے خلاصہ تفسیر میں کی جائے گی۔ **ولا یوخذ** یہ تیسری قسم کی مدد کی نفی ہے یعنی نفس کافر

www.alahazratnetwork.org

سے کوئی معاوضہ و فدیہ بھی نہ کیا جائے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی لینے کی نفی فرمائی گئی ہے اس کی بھی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ فدیہ دے ہی نہ سکے دوسرے یہ کہ دینا چاہے مگر قبول نہ ہو۔ یہاں پہلے معنی ظاہر ہیں یعنی کافر کے پاس کچھ دینے کو ہوگا ہی نہیں تاکہ اس سے قبول کیا جائے اور دوسرے معنی کا بھی احتمال ہے کہ اگر اس کے پاس سارے خزانے ہوں اور وہ دے کر عذاب سے چھوٹنا چاہے تو بھی منظور نہ ہو منہا ظاہر یہ ہے کہ یہ ضمیر دوسرے نفس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی کافر نفس سے فدیہ نہ لیا جائے گا اور یہ بھی احتمال ہے کہ نفس اول کی طرف لوٹے یعنی اگر مومن شخص کافر کی طرف سے اعمال یا مال کا کوئی فدیہ پیش کرے تو منظور نہ ہو (تفسیر عزیزی) **عدل** لفظ عدل کے معنی برابری اور مساوات کے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **بربهم یعدلون** اس ہی لئے نظیر اور مثل کو عدیل کہتے ہیں کیونکہ وہ اس کے برابر ہوتا ہے۔ نیز انصاف کو عدل اور انصاف کی جگہ کو عدالت کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہاں ظالم سے بدلہ لے کر مظلوم کے برابر کیا جاتا ہے۔ اب اس مال کو عدل کہتے ہیں جو جان وغیرہ کے عوض میں دیا جائے یعنی خون بہا اور فدیہ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ کافر کو رشوت یا نذرانہ یا خون بہا لے کر بھی نہیں چھوڑا جائے گا۔ خیال رہے کہ پہلے جملے میں جزا کی نفی تھی اور یہاں عدل کی ہماری تقریر سے ان دونوں میں فرق ظاہر ہو گیا **ولا هم ینصرون** یہ چوتھی قسم کی مدد کی نفی ہے نصر کے معنی بالجبر مدد کے بھی ہیں اور بدلہ لینے کے بھی (تفسیر کبیر) قرآن کریم فرماتا ہے **ونصرنٰه من القوم الذین کذبوا** یہاں نصرنا کے معنی انتقمنا ہیں۔ لہٰذا اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی نہ تو دھونس سے ان کی مدد ہو سکے گی اور کس میں یہ طاقت ہے کہ اللہ سے یا عذاب کے فرشتوں سے بدلہ لے سکے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار سے کسی طرح بھی معیت و رنہ ہو سکے گی۔

خلاصہ تفسیر : اے بنی اسرائیل تم کو چاہئے کہ ہماری نعمتوں کو یاد کر کے شکر گزاری کرو اور سرکشی سے باز آ جاؤ ہماری اطاعت کرو نہ کہ غرور اور سرکشی۔ اگر تم اس سے باز نہیں آتے تو خیال رکھو کہ تم کو ایک دن ہمارے سامنے آ کر حساب دینا ہے اس دن سے خوف کرو۔ وہاں کسی صورت سے بھی تم عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ نہ تو یہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص تمہارا لاوارث بن جائے کہ تمہارے حقوق اور حساب و کتاب کو اپنے پرلے کر تمہیں چھڑا لوے اس دن کی سختی ایسی ہوگی کہ ہر شخص نفسی نفسی پکارے گا کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔ **یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه**۔ الخ۔ نہ یہ ممکن ہے کہ کوئی بھی کسی کافر کی سفارش کر کے چھڑا لے رب کی مرضی کے بغیر کوئی نبی یا بزرگ کسی کے حق میں سفارش نہ فرمائیں گے اور نہ یہ ممکن ہے کہ تمہاری طرف سے کوئی دوسرا جرمانہ بھگت کر معاوضہ دے کر مال وغیرہ خرچ کر کے تم کو آزادی دلا دے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کو مال و دولت کی پرواہ نہیں نہ یہ ممکن ہے کہ تمہارے یار و مددگار اہل برادری اور قرابت دار خدا کا مقابلہ کر کے تم کو زور سے چھڑا لیں۔ کیونکہ رب سے مقابلہ کرنے کی کسی میں طاقت نہیں۔

شفاعت : قریباً ساری امت مسلمہ کا اس پر اتفاق ہے کہ باذن پروردگار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اور ان کے طفیل علماء و مشائخ بھی شفاعت کریں گے لیکن اس سے پہلے معتزلہ فرقے نے اس کا انکار کیا اسی لئے تفسیر کبیر وغیرہ نے ان کی بہت تردید فرمائی۔ اب وہ فرقہ مٹ بھی گیا اور اس کا نام و نشان بھی جاتا رہا اس زمانہ میں دیوبندیوں اور وہابیوں نے شفاعت کا پرزور انکار کیا چنانچہ ان کے امام الطائفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں صاف

www.alahazratnetwork.org

صاف لکھ دیا کہ کوئی کسی کا سفارشی اور حمایتی نہیں اسی تقویۃ الایمان میں ص 16 پر شفاعت بالاذن کا اقرار تو کیا مگر اس کے معنی ایسے بگاڑے جس سے شفاعت کی کوئی حقیقت باقی نہیں رہتی یہ لکھ دیا کہ شفاعت کی صورت صرف یہ ہے کہ ایک بادشاہ کسی مجرم کو خود چھوڑنا چاہتا ہے لیکن اپنے قانون ٹوٹنے کے ڈر سے بظاہر کسی سے سفارش کرالیتا ہے اور وہ سفارش کرنے والا بھی شاہی اشارہ پاکر (مفت کرم داشتن) کے طریقے سے کچھ ظاہری سفارش کر دیتا ہے خدا کے ہاں کسی کی عزت نہیں جو عزت سفارش کرے نہ رب کو کسی سے محبت کہ اس کی بات محبت کی وجہ سے مان لے اس میں درپردہ شفاعت کا انکار کر دیا اب وہابی اور دیوبندی خدا کے خوف سے نہیں بلکہ مسلمانوں کے ڈر سے شفاعت کا اقرار تو کرلیتے ہیں اور حضور کو شفیع المذنبین بھی مان لیتے ہیں لیکن اسی بگڑے ہوئے معنی سے جیسے قادیانی حضور کو خاتم النبیین دیگر معنی سے مان لیتے ہیں یہاں تک کہ اس موجودہ زمانے میں مولوی ابو الاعلیٰ مودودی نے شفاعت کے معنی یہ کئے کہ محض وہ ایک التجا اور درخواست جو انبیاء ملائکہ صحابہ اہل ایمان اور سب بندے دوسرے بندوں کے حق میں کرسکتے ہیں۔ دیکھو مولوی مودودی صاحب کی کتاب قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں غور کرو کہ اگر شفاعت کے معنی صرف دعاء خیر ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین نہ رہے بلکہ ہر مسلمان شفیع المذنبین ہے بلکہ ہم سب حضور کے لئے بڑے شفیع (معاذ اللہ) ہوئے کیونکہ ہم ہروقت درود شریف پڑھتے ہیں درود حضور کے لئے دعا خیر ہی تو ہے کیونکہ انکار شفاعت کی وباء لوگوں میں درپردہ پھیلائی جارہی ہے اس لئے ہم اس کے متعلق تھوڑی بحث کرتے ہیں اس بحث کے کچھ مضامین تو تفسیر کبیر سے لئے ہیں اور کچھ مضامین وہ ہیں جو رب نے ظاہر فرمائے اس بحث کے دو باب کئے جائیں گے پہلے باب میں شفاعت کا ثبوت قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور عقلی دلائل سے ہوگا اس میں یہ بھی بتایا جائے گا کہ حضور کی شفاعت فقط رب کا بہانہ نہ ہوگی بلکہ بالمحبت بھی ہوگی اور شفاعت باعزت بھی اور یہ دونوں قسم کی شفاعتیں بالاذن میں ہی داخل ہیں اور دوسرے باب میں اس پر اعتراض وجواب۔

پہلا باب شفاعت کے ثبوت میں : حق تعالیٰ فرماتا ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے مقام محمود عطا فرمایا اور مقام محمود ہی مقام ہوگا جہاں تشریف فرما کر حضور شفاعت کا دروازہ کھولیں گے اور آپ کی شان عالی کو دیکھ کر سارے دشمن ودوست آپ کی تعریف کریں گے۔ (2) **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ حضور کو راضی فرمائے گا۔ مسلم شریف میں ہے کہ ایک دن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہاتھ اٹھا کر رو رو کر امت کے حق میں دعا فرمارہے تھے کہ جبریل امین نے حاضر ہو کر رونے کا سبب پوچھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کو امت کا غم رلا رہا ہے۔ جبرئیل امین نے بارگاہ الٰہی میں جاکر یہی عرض کیا۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ میرے محبوب سے کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں راضی کرلیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور نے فرمایا کہ جب تک میرا ایک امتی دوزخ میں رہا میں راضی نہ ہوں گا (تفسیر خزائن العرفان سورۃ الضحیٰ) اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام شفاعت فرمائیں گے اور وہ شفاعت بالمحبت یا بالوجاہت ہوگی کیونکہ حضور کو راضی کرنے کے لئے ہوگی۔ سبحان اللہ کیا ناز محبوبانہ ہے کہ رب فرمارہا ہے کہ ہم راضی کرلیں گے اور محبوب فرماتے ہیں کہ ہم راضی نہ ہوں گے اگر ہم یہ بات کہیں تو کافر ہوجائیں (3) **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول الاية**۔ اس سے معلوم

www.alahazratnetwork.org

ہوا کہ جو مجرم بھی اپنی معافی چاہے وہ بارگاہ مصطفی علیہ السلام میں حاضر ہو اور حضور علیہ السلام اس کے لئے سفارش فرمائیں تو رب معافی فرماتا ہے یہی شفاعت ہے۔ (4) **وصل علیہم ان صلوتک سکن لہم** یہاں حضور کو حکم دیا جارہا ہے کہ آپ مسلمانوں کے صدقے لے کر ان کو پاک فرماؤ اور ان کے لئے دعا بھی کرو۔ آپ کی دعا سے ان کو چین حاصل ہوتا ہے اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ کوئی عمل حضور کی سفارش کے بغیر قبول نہیں ہوتا اور مسلمانوں کی طہارت پاکیزگی حضور کے کرم سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ محض اپنے اعمال سے دوسرے: یہ کہ صحابہ کرام کو فقط اپنے اعمال پر چین نہ آتا تھا بلکہ حضور کی سفارش اور دعا سے ان تمام آیتوں کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب "شان حبیب الرحمٰن" میں دیکھو (5) **واستغفر لذنبک وللمومنین والمومنت** اس میں حضور علیہ السلام سے فرمایا جارہا ہے کہ اپنی خطاؤں کی اور مسلمانوں کے گناہوں کی مغفرت مانگو اس میں سارے ہی مجرم مسلمان داخل ہوگئے اور یہی شفاعت ہے۔ حق تعالیٰ ملائکہ حاملین عرش کی تعریف میں فرماتا ہے۔ (6) **ویستغفرون لمن فی الارض** معلوم ہوا کہ فرشتے مسلمانوں کے لئے دعا کرتے ہیں۔ (7) عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا **وان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم**۔ (8) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ **فمن تبعنی فانہ منی ومن عصانی فانک غفور رحیم**۔ ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ابراہیم علیہ السلام گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی جگہ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے یہ آیتیں پڑھ کر اپنی امت کے حق میں دعا کی اور بہت گریہ وزاری فرمائی اور پھر وہ حدیث نقل کی جو ہم نے آیت والضحیٰ میں بیان کردی۔ (9) رب تعالیٰ نے سورۂ مریم میں متقین کی صفات بیان فرماتے ہوئے فرمایا **لا یملکون الشفاعۃ الا من اتخذ عند الرحمٰن عہدا** اس سے معلوم ہوا کہ متقی اس کی شفاعت کریں گے جس نے رب سے عہد کرلیا ہے اور ہر مسلمان رب سے عہد کرنے والا ہے۔ (10) حق تعالیٰ صفات ملائکہ میں فرماتا ہے **ولا یشفعون الا لمن ارتضی** اس سے معلوم ہوا کہ جس سے خدا راضی ہو اس کے لئے فرشتے شفاعت کریں گے اور ہر مسلمان سے اسلام کی وجہ سے خدا راضی ہے۔ (11) رب نے فرمایا **فاذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منہا** الایۃ۔ جس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی سلام کرے تو اس کا اچھا جواب دینا چاہئے اور سارے مسلمانوں کو حکم ہے کہ ہمارے نبی پر صلوۃ وسلام پڑھو **صلوا علیہ وسلموا تسلیما** یہ سوال ہے کہ جب ہم حضور پر صلوۃ وسلام پڑھتے ہیں تو حضور ہم کو جواب میں دعا دیتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں دیتے تو پہلی آیت کے خلاف ہے اور اگر دیتے ہیں تو یقیناً ہمارے سلام سے بہتر ہی جواب دیں گے کیونکہ یہی حکم ہے لہٰذا آپ یقیناً ہمارے جواب میں اعلیٰ درجہ کی شفاعت فرماتے ہیں (تفسیر کبیر) (12) مشرکین کی برائی میں فرمایا گیا **فما تنفعہم شفاعۃ الشافعین**۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار پر یہ قہر الٰہی ہوگا کہ انہیں شفاعت نفع نہ دے گی اگر مسلمانوں کا بھی یہی حال ہو تو ان میں اور کفار میں کیا فرق رہا۔ (13) **یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم** جس سے معلوم ہوا کہ مشرکین کا مال اور اولاد انہیں کچھ فائدہ نہ دے گی لیکن مسلمانوں کے لئے مال بھی کارآمد اور اولاد بھی اور فرماتا ہے **ما من حمیم ولا شفیع یطاع** یعنی کافروں کا نہ کوئی دوست نہ کوئی سفارشی جس کا کہا مانا جائے۔ اگر مسلمانوں کا بھی کوئی دوست و شفیع نہ ہو تو مومن و کافر میں فرق کیا ہوا۔ نیز **للظلمین** کی تقدیم حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ یعنی صرف کافروں کا دوست و شفیع کوئی نہیں جو کہے کہ میرا شفیع کوئی نہیں وہ در پردہ اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے احادیث شفاعت کے متعلق بے شمار احادیث

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ یہاں کچھ بطور نمونہ عرض کی جاتی ہیں۔ (1) تفسیر کبیر نے اس جگہ بحوالہ مسلم فرمایا کہ حضور فرماتے ہیں کہ ہر نبی کو حق تعالیٰ کی طرف سے ایک دعا ملتی ہے۔ سب نے اپنی دعائیں یہاں استعمال کرلیں۔ مگر میں نے اپنی دعا محفوظ رکھی ہے اس سے قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کروں گا اور یہ شفاعت میرے ہر اس امتی کو پہنچے گی جو مومن ہو کر مرے (2) مشکوٰۃ میں بحوالہ مسلم' بخاری ہے کہ لوگ قیامت کی گرمی سے گھبرا کر شفیع کی تلاش میں نکلیں گے آدم علیہ السلام کے پاس پہنچ کر شفاعت چاہیں گے وہ فرمائیں گے کہ مجھ سے خود ایک خطا ہو گئی ہے۔ لب کشائی کرنے کی میری ہمت نہیں پڑتی۔ نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ شاید وہاں شفاعت ہو جائے۔ وہ بھی یہی جواب دے کر حضرت ابراہیم کے پاس بھیجیں گے وہ بھی یہی جواب دے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس اور وہ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے عیسیٰ علیہ السلام فرمادیں گے کہ آج سوائے محمد رسول اللہ کے تمہاری شفاعت کوئی نہیں کر سکتا۔ تب سب لوگ ہمارے پاس آئیں گے ہم کہیں گے کہ بیشک شفاعت کرنا ہمارا کام ہے پھر ہم سجدے میں سر رکھ کر شفاعت فرمائیں گے۔ حکم الٰہی ہو گا کہ اے محمد اپنا سر مبارک اٹھاؤ بات کرو سنی جائے گی۔ شفاعت کرو قبول کی جائے گی۔ جو کچھ مانگو دیا جائے گا۔ تب ہم سر اٹھائیں گے اور شفاعت فرمائیں گے۔ الخ۔

خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہی کہیں نہ بنی   یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لئے
فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر میں   کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

خلاصہ : یہ ہے کہ قیامت میں پہلے وہی کام ہو گا جسے وہابی شرک کہتے ہیں۔ یعنی اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا اور ان کے دروازوں پر مدد کے لئے حاضر ہونا۔ اس مجمع میں وہابی بھی ہوں گے جو میرے اور آپ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر ہاتھ پھیلانے جائیں گے۔ ہم بھی محشر میں خیر دیکھیں گے۔ نجدی آج ان سے التجا نہ کرے! جب کل ان سے مانگنا ہے تو آج ان سے کیوں اکڑتے ہو۔ لطیفہ: دنیا میں سب جانتے ہیں کہ حضور ہی شفیع المذنبین ہیں۔ مگر قیامت میں سب بھول جائیں گے محدثین مفسرین علماء مشائخ سب ہی اس مجمع میں موجود ہیں مگر کسی کو یہ یاد نہیں آتا۔ انبیاء کرام کو بھی خیال نہ رہا۔ صحیح پتہ نہ بتا سکے اس میں کیا راز ہے بات یہ ہے کہ اگر اول ہی سے حضور علیہ السلام تک پہنچ جاتے تو شاید کوئی بد گو کہتا کہ اس شفاعت میں حضور کی کیا تخصیص ہے ایسی شفاعت تو ہر جگہ ہو سکتی تھی اس لئے پہلے ان سب کو تمام جگہ پھرا لیا گیا تاکہ شان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ چل جائے اور سب معلوم کرلیں کہ آج سارے انبیاء نفسی نفسی فرما رہے ہیں امتی امتی کہنے والی صرف مصطفیٰ علیہ السلام کی زبان پاک ہے۔ سب اذھبوا الی غیری فرمائیں گے (کسی اور کے پاس جاؤ) لیکن آج انا لھا فرمانے والے صرف حضور ہی ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی فرما رہے ہیں کہ میں تو باہر کا دوست ہوں۔ اندرون سرا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ (3) مشکوٰۃ شریف باب الشفاعت میں ہے کہ تین جماعتیں قیامت کے دن شفاعت فرمائیں گی اول انبیاء پھر علماء پھر شہداء (4) اسی جگہ ہے کہ حضرت انس نے حضور سے عرض کیا کہ قیامت میں آپ میری شفاعت فرمائیں۔ فرمایا ضرور کریں گے عرض کیا کہ میں آپ کو وہاں کس جگہ ڈھونڈوں فرمایا صراط پر۔ عرض کیا اگر وہاں نہ پاؤں فرمایا۔ میزان پر عرض کیا اگر وہاں بھی نہ پاؤں۔ فرمایا حوض کے پاس (5) اسی مشکوٰۃ باب البکاء علی المیت میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جس کے دو چھوٹے بچے مرجائیں وہ اسے جنت میں لے جائیں گے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ اگر ایک مر جائے۔ فرمایا ایک بھی عرض کیا کہ اگر کوئی نہ مرا ہو فرمایا اس کو میں جنت میں لے جاؤں گا۔ (6) اسی میں اسی جگہ ہے کہ کچا بچہ

www.alahazratnetwork.org

اپنے رب سے اپنے والدین کے بارے میں جھگڑا کرے گا تو اس سے فرمایا جائے گا کہ اے اپنے رب سے جھگڑنے والے بچے جا اپنے ماں باپ کو جنت میں لے جا۔ پس وہ ان دونوں کو اپنی نال سے کھینچ کر جنت میں لے جائے گا۔ (7) اسی مشکوۃ باب الوصایا میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان میت کی طرف سے صدقہ کیا جائے یا غلام آزاد کئے جائیں یا حج کیا جائے تو وہ اس کو پہنچتا ہے۔ اس کے علاوہ اور بیشمار احادیث پیش کی جاسکتی ہیں مگر یہاں اتنی ہی کفایت ہے۔

شفاعت کے عقلی دلائل : (1) دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو بادشاہوں کے ہاں حکام اور مقربین مجرم کی سفارش کر کے چھڑا لیتے ہیں ایسے ہی آخرت میں بھی مقبولان الٰہی شفاعت سے مجرموں کو عذاب سے بچالیں گے مگر باغی کی سفارش کوئی نہیں کر سکتا۔ ایسے ہی کفار کی شفاعت نہیں ہوگی (2) بھی بادشاہ اپنے پیارے کی عزت افزائی کے لئے کسی کو اس کے ذریعے کچھ دیتا ہے تاکہ لوگوں میں اس کی عزت ہو۔ اسی طرح رب تعالیٰ اپنے محبوبوں کے ذریعے لوگوں پر رحم فرماتا ہے تاکہ ان کی عزت ظاہر ہو (3) حق تعالیٰ تقریباً ساری نعمتیں وسیلے اور ذریعے سے عطا فرماتا ہے وہ رزاق شافی خالق ہے لیکن مالداروں کے ذریعے رزق اور شفاء طبیبوں کے ذریعے عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح بیشک وہ غفار ہے لیکن بذریعہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم گنہگاروں کی مغفرت کرے گا۔ چنانچہ مشکوۃ شریف باب ذکر الیمن میں ہے کہ شام میں چالیس ابدال رہیں گے جن کی برکت سے بارشیں ہوں گی۔ دشمنوں پر فتح حاصل ہوگی اور اہل شام سے عذاب دفع ہوگا۔ (4) اگر شفاعت کوئی چیز نہ تھی تو نماز جنازہ بھی نہ ہونی چاہئے کیونکہ وہ بھی شفاعت ہی ہے۔ جو اس میت کو مسلمان سامنے رکھ کر اس کے لئے دعا کرتے ہیں اور بچے کو اپنا شفیع بناتے ہیں۔ چنانچہ بچے کے جنازے پر پڑھتے ہیں **اللھم اجعلہ لنا فرطا** پھر آخر میں کہتے ہیں **واجعلہ لنا شافعا ومشفعا** یعنی اے اللہ اس بچے کو ہمارا شفیع بنا غرضکہ نماز جنازہ مسئلہ شفاعت پر مبنی ہے خیال رہے کہ یہ شفاعت محض حیلے کے طور پر نہ ہوگی جیسا کہ مولوی اسمٰعیل نے تقویۃ الایمان میں لکھا بلکہ شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت اور شفاعت بالاذن ہر طرح کی ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمومنین** موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے **وکان عنداللہ وجیھا** عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** اس سے معلوم ہوا کہ اللہ والوں کو رب نے اپنی بارگاہ میں بڑی عزت دی ہے رب فرماتا ہے **یحبھم ویحبونہ** نیز فرماتا ہے **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ کے پیارے ہیں اس لئے ان کی بات وہاں مانی جاتی ہے۔ مشکوۃ باب فضل الفقراء میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ میری امت کے بہت سے پریشان حال اور پراگندہ بال ایسے ہوں گے کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھا جائیں تو رب ان کی قسم پوری فرمائے۔ یعنی اگر وہ قسم کھالیں کہ فلاں کو جنت میں لے جاؤں گا تو رب تعالیٰ ضرور اس کو جنت میں بھیجے گا ابھی آپ پڑھ چکے کہ چھوٹے بچے اپنے والدین کے لئے رب سے جھگڑا کریں گے معلوم ہوا کہ یہ حضرات بارگاہ الٰہی میں ناز کرتے ہیں اور ان کے ناز قبول فرمائے جاتے ہیں۔ نیز شفاعت بالاذن کے معنی یہ نہیں۔ کہ ہر مجرم کے لئے خاص اذن حاصل کرکے شفاعت کی جائے یا رب کو خود بخشنا منظور ہو اور بہانے کے لئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب اشارہ کردے بلکہ معنی یہی ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں کسی کو بغیر اجازت بولنے کی جرات نہیں۔ ان حضرات کو اجازت عام ہوگی کہ ہر مسلمان کی شفاعت کریں اور بخشالیں اور جس کو عذاب دینا منظور ہوگا اس کی طرف شفیع المذنبین کا خیال ہی نہ جائے گا۔ یہ سب باتیں خدا کی عطا سے ہیں کہ اس پر وھونس نہیں واضح رہے کہ

www.alahazratnetwork.org

اس آیت میں جو فرمایا گیا کہ کوئی نفس کسی نفس کا بدلہ نہ بنے نہ کوئی شفاعت قبول کی جائے نہ اسے فدیہ لے کر چھوڑا جائے اور نہ کسی کی مدد کی جائے یہ سب کفار کے لئے ہیں مسلمانوں کو انشاء اللہ یہ چاروں نعمتیں حاصل ہوں گی۔ روایات میں آتا ہے کہ کفار مسلمانوں کا فدیہ بن کر جہنم میں جائیں گے اور مسلمان جنت میں اپنی جگہ بھی لیں گے اور کفار کی بھی۔ نیز مسلمانوں کی مالی عبادتیں یعنی صدقات وخیرات ان کے کام آئیں گی۔ ان کی برکت سے غضب الٰہی کی آگ بجھ جائے گی۔ مسلمانوں کی شفاعت بھی ہوگی جیسا کہ گزر چکا۔ مسلمانوں کے بچے 'علماء' مشائخ ان کی باذن الٰہی مدد بھی کریں گے یہ آیت مسلمانوں پر چسپاں کرنا جہالت ہے۔ مشرکین تو اپنے بتوں کو شفیع مان کر ان کی پوجا کرتے تھے۔ قرآن نے ان سے فرمایا کہ وہ شفاعت کرنے کے لائق نہیں۔ انہیں شفاعت کی اجازت نہ ملی۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ بغیر اجازت شفاعت کیسی۔ کفار اہل کتاب کہتے تھے کہ ہم اگرچہ کفر کریں ہمارے باپ دادے جو انبیاء و اولیاء تھے۔ ہمیں بخشوا لیں گے۔ انہیں فرمایا گیا کہ وہ حضرات واقعی شفاعت کے لائق ہیں مگر تم لوگ شفاعت حاصل کرنے کے اہل نہیں کہ تم کافر ہو۔ شفاعت کے لئے ضروری ہے کہ کرنے والا کرنے کا اور حاصل کرنے والا شفاعت پانے کا اہل ہو۔ فصل شفاعت کے متعلق چند باتیں یاد رکھو ایک یہ کہ قیامت کے دو وقت ہیں پہلا عدل کا دوسرا فضل کا پہلے وقت میں دیگر انبیاء کرام میں کچھ بولنے کی ہمت نہ کریں گے اس وقت صرف حضور ہی شفاعت فرمائیں گے اور دروازہ شفاعت آپ ہی کھولیں گے۔ اسی لئے آپ کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے یعنی بے کسی کے وقت میں گنہگاروں کی شفاعت فرمائیں گے۔ اسی کا نام شفاعت کبریٰ ہے اور یہ حضور کی خصوصیت ہے۔ دروازہ کھلنے کے بعد ہر نیک کار بدکار کی شفاعت کرے گا دوسرے: یہ کہ شفاعت چار قسم ہوگی۔ (1) میدان محشر سے نجات دلانے کے لئے۔ (2) عذاب الٰہی کم کرانے کے لئے۔ (3) گناہ معاف کرانے اور جہنم سے بچانے کے لئے (4) درجے بڑھانے کے لئے۔ پہلی شفاعت سے سارا عالم فائدہ اٹھائے گا۔ کفار بھی اور مومنین بھی۔ دوسری قسم کی شفاعت کفار کے لئے ہے۔ احادیث میں آیا ہے کہ حضور کی برکت سے بعض کفار کا عذاب ہلکا ہوتا ہے۔ جیسے ابو طالب اور ابولہب کا۔ ابو طالب تو حضور کی خدمت کی وجہ سے اور ابولہب حضور کی ولادت پاک کی خوشی منانے سے عذاب میں ہلکے ہیں۔ روح البیان نے فرمایا ہے کہ حاتم طائی کو بھی ہلکا عذاب ہوگا۔ تیسری شفاعت مومن گنہگاروں کے لئے اور چوتھی شفاعت نیک کاروں کے لئے ہوگی۔ وہ جو حدیث میں آتا ہے کہ سنت کو چھوڑنے والا شفاعت سے محروم ہے اس سے چوتھی شفاعت مراد ہے یعنی بلندی درجات کی ورنہ دوسری روایت میں ہے کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہوگی نیز یہ جو عقیدہ ہے کہ کافر شفاعت سے محروم ہیں اس سے آخری شفاعتیں مراد ہیں ہماری اس تقریر سے معلوم ہوا کہ ہر نیک و بد حضور کی شفاعت کا محتاج ہے۔ چوتھے: یہ کہ شفاعت صغریٰ اتنے حضرات کریں گے انبیاء 'اولیاء' علماء' مشائخ' حجر اسود' قرآن کریم' خانہ کعبہ' اور رمضان اور چھوٹے بچے بلکہ مشکوٰۃ باب اذان میں۔ بحوالہ بخاری و احمد وغیرہ ہے کہ جہاں تک موذن کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز قیامت کے دن اس کے ایمان کی گواہی دے گی۔ مولوی عبدالحی صاحب نے مقدمہ ہدایہ میں لکھا یہ حدیث میں بھی موجود ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن حجر اسود کی آنکھیں اور منہ ہوں گے اور حاجیوں کی شفاعت کرے گا۔ بعض جنتی بغیر شفاعت بھی جنت میں جائیں گے۔ حدیث شریف میں آیا ہے کہ رب تعالیٰ اپنا لپ (بک) بھر کر جنتیوں کو جنت میں ڈالے گا۔ اور ان لوگوں کو نام عتقاء الرحمان ہوگا۔ مشکوٰۃ باب الشفاعت۔ بحوالہ مسلم' بخاری' تفسیر روح البیان نے آیۃ الکرسی کی تفسیر میں لکھا کہ یہ لوگ وہ

www.alahazratnetwork.org

ہوں گے جو عند اللہ مومن تھے۔ نہ کہ عند الشریعت۔

دوسرا باب مسئلہ شفاعت پر اعتراضات و جوابات : مسئلہ شفاعت پر آریوں' نیچریوں اور دیوبندیوں کے کچھ اعتراضات ہیں جن کو ہم مع جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: بہت سی آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے ہاں کسی کی شفاعت نہیں حضور علیہ السلام نے ابتی اول تبلیغ میں حضرت فاطمہ زہرہ سے فرمایا کہ میں تم سے خدا کا عذاب دفع نہیں کر سکتا (نیچری اور دیوبندی) **جواب:** اس قسم کی ساری آیتوں اور احادیث میں کفار مراد ہیں۔ سیدہ فاطمہ الزہرہ سے بھی یہی فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو تمہاری شفاعت نہ ہوگی۔ اسی لئے بہت سی آیات قرآنیہ میں **الا** فرما کر مستثنیٰ فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اگر خدا پیغمبر کی سفارش سے جنت دے دے تو خدا طرفدار ہے استیار تھ پر کاش باب 14 **جواب** اس کا جواب شروع سورہ بقرہ میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت بعض کے ذریعے بعض کو پہنچی ہے۔ اور بیشک خدا تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا طرفدار ہے۔ اچھوں کی طرفداری کرنا اچھا ہے۔ پنڈت جی کو سورج سے روشنی اور مالداروں سے بھیک ملتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کفار عرب بتوں کو اپنا شفیع جانتے تھے۔ قرآن کریم نے اس عقیدہ کو کفر قرار دیا ہے۔ بہت آیتیں اس پر گواہ ہیں۔ مسلمان پیغمبروں ولیوں کو شفیع مان کر کافر ہو رہے ہیں۔ **جواب:** کفار غیر ماذون! کہ رب کے دشمنوں کو شفیع مان کر کافر ہوتے ہیں (بتوں کو) ہم ان محبوبوں کو شفیع مانتے ہیں جن کو رب نے شفیع بنایا۔ نیز کفار ہوس کی شفاعت مانتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ رب تعالیٰ کو بتوں کی شفاعت مجبوراً ماننی پڑے گی کیونکہ وہ اس کی خدائی میں دخیل ہیں۔ لہٰذا وہ کافر تھے۔ ہم مقبولان خدا کی شفاعت بالاذن اور شفاعت بالعزت اور بالوجاہت عطائی مانتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** شفاعت کے عقیدے سے مسلمان بد عمل بن جائیں گے۔ کیونکہ وہ شفاعت پر اعتماد کر کے اعمال سے غافل ہو جائیں گے (دیوبندی اور وہابی) **جواب:** یہ اعتراض تو ایسا ہی ہے جیسے آریہ کہتے ہیں کہ توبہ کا مسئلہ بد عمل بناتا ہے۔ جناب شفاعت سے امید بڑھے گی اور امید سے شوق عمل زیادہ ہوگا **پانچواں اعتراض:** ہم بھی حضور کے واسطے رحمت مانگتے ہیں اور ان پر درود پڑھتے ہیں۔ اور حضور بھی ہمارے لئے دعائیں کرتے ہیں اور کریں گے تو چاہئے کہ حضور ہمارے شفیع ہوں اور ہم حضور کے۔ **جواب:** ان دونوں دعاؤں میں بڑا فرق ہے اور حضور کی دعا سے ہمارے بیڑے پار ہوں گے ان کی دعاؤں کے بغیر ہمارا کام چل سکتا ہی نہیں۔ ہمارا دعا کرنا ان سے بھیک مانگنے کے لئے ہے۔ جیسے بھکاری سخی کو دعائیں دے کر بھیک مانگتا ہے اس لئے قرآن کریم نے جہاں درود کا حکم دیا وہاں پہلے ہی فرمایا کہ ہم نبی پر رحمتیں بھیج رہے ہیں۔ تم بھی ان کے لئے دعا کیا کرو یعنی تمہاری دعا پر ہماری رحمت موقوف نہیں۔ پہلی قسم کی دعا شفاعت ہے اور دوسری دعا بھیک مانگنا لہٰذا حضور ہمارے شفیع ہیں اور ہم ان کے بھکاری۔ **چھٹا اعتراض:** حضور نے فرمایا کہ زکوٰۃ نہ دینے والے قیامت میں ہمارے پاس اپنا مال لادے ہوئے شفاعت کے لئے آئیں گے۔ ہم فرمائیں گے کہ ہم نے تمہیں تبلیغ احکام کردی تھی اب ہم مالک نہیں۔ معلوم ہوا کہ شفاعت نہ ہوگی۔ **جواب:** اس حدیث سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ حضور شفاعت پر مجبور نہیں بلکہ مختار ہیں جس کی چاہیں اس کی شفاعت کریں۔ جس کی چاہیں نہ کریں۔ جیسے رب تعالیٰ غفور ہے مگر لاکھوں گنہگاروں کو نہ بخشے گا اور دنیا میں یہ اعلان فرمانا بھی قانون کا وقار قائم کرنے کے لئے ہے ورنہ اظہار رحمت کے لئے فرماتے ہیں'

www.alahazratnetwork.org

شفاعتی لاہل الکبائر من امتی یہ ہے رحمت یا خطاب منکرین زکوۃ سے ہو گا کیونکہ وہ انکار زکوۃ سے کافر ہو چکے اور کافر کے لئے شفاعت نہیں۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ
اور جب نجات دی ہم نے تم کو فرعون کی ذریت سے چکھاتے تھے وہ تم کو سختی عذاب کی
اور یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تم پر برا عذاب کرتے تھے
يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ؕ وَفِيْ ذٰلِكُمْ
ذبح کرتے رہے وہ بیٹوں کو تمہارے اور زندہ چھوڑتے تھے لڑکیوں کو تمہاری اور اس میں
تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور تمہاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے اور اس میں
بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝۴۹
آزمائش طرف سے رب تمہارے کے بڑی
تمہارے رب کی طرف سے بڑی بلا تھی یا بڑا انعام

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ پہلے اجمالاً بنی اسرائیل کی نعمتوں کا ذکر ہوا تھا اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ چونکہ ان پر دو قسم کے احسانات ہوئے تھے ایک تو مصیبت دور کرنا دوسرے رحمتیں عطا فرمانا اور ظاہر ہے کہ مصیبت سے نجات ملنا حصول نعمت پر مقدم ہے اس لئے پہلے اسی کا ذکر ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں کوئی کسی کے کام نہ آئے گا اب یہ سمجھانے کے لئے فرعون کے ظلم کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جس سے معلوم ہوا کہ جب دنیوی مصیبت میں کوئی کسی کے کام نہیں آتا تو قیامت میں کون آسکتا ہے اور اے اسرائیلیو! دنیوی بادشاہ کے غضب سے تم سخت مصیبت میں گرفتار ہو گئے تو اگر کفر کر کے تم غضب الٰہی میں آگئے تو تمہارا کیا حال ہو گا۔ تیسرے یہ کہ بنی اسرائیل دنیوی عزت کی خاطر اور اپنی حکومت باقی رکھنے کے لئے اسلام قبول نہ کرتے تھے۔ جیسا کہ پہلے معلوم ہوا۔

اب انہیں فرعون کا واقعہ یاد دلا کر بتایا جارہا ہے کہ ملک اللہ کا ہے جس کو چاہے دے جیسے فرعون سے چھین کر تم کو ملک مصر دیا اسی طرح ہو سکتا ہے کہ تم سے چھین کر مسلمانوں کو دے دیا جائے۔ لہذا آخرت کی عزت طلب کرو نہ کہ محض دنیا کی چوتھے یہ کہ بنی اسرائیل مسلمانوں کو غریب اور حقیر سمجھ کر ان سے علیحدہ رہتے تھے اور کفار کی عظمت و عزت پر نظر کر کے ان سے تعلق رکھتے تھے۔ لہذا ان کو فرعون کا قصہ یاد دلا کر بتایا جارہا ہے کہ دیکھو پہلے تم حقیر و غریب تھے مگر حق پر تھے اور فرعونی لوگ عزت والے تھے مگر جھوٹے آخر کار تمہاری فتح ہوئی وہ ہلاک ہوئے اب تم جھوٹے ہو۔ اور غریب مسلمان سچے۔ لہذا یقین کر لو تم ہلاک اور وہ غالب رہیں گے مسلمانوں کی غریبی سے دھوکہ مت کھاؤ۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : واذ یہ **اذکروا** فعل کا مفعول ہے یعنی وہ وقت یاد کرو۔ چونکہ بنی اسرائیل تاریخ سے واقف تھے اس لئے ان کو یہ واقعہ یاد دلایا جارہا ہے **نجینکم** یہ لفظ **نجو** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں علیحدہ یا اونچی جگہ چونکہ جو کوئی فتنے سے علیحدہ بھاگ جائے وہ اس سے بچ جاتا ہے اس لئے اس بچنے کو نجات کہتے ہیں۔ اس نجو سے بہت سے لفظ بنتے ہیں۔ مگر سب میں علیحدگی کے معنی ملحوظ ہیں۔ اس سے استنجا بنا ہے۔ کیونکہ یہ علیحدگی میں کیا جاتا ہے اسی سے مناجات بنا جس کے معنی ہیں تنہائی میں دعا کرنا۔ اسی سے نجویٰ بنا جس کے معنی مشورہ کرنا کیونکہ وہ بھی علیحدگی میں کیا جاتا ہے اس کے معنی ہوئے کہ ہم نے تم کو فرعون والوں سے علیحدہ کرلیا اور نجات دیدی اگرچہ یہ واقعہ موجودہ بنی اسرائیل کے باپ دادوں کو پیش آیا تھا۔ مگر چونکہ ان کا بچنا ان کا بچنا تھا اگر وہ نہ بچتے تو یہ کیسے پیدا ہوتے۔ اس لئے ان سے فرمایا گیا کہ تم کو نجات دی **من ال فرعون۔ ال** اہل سے بنا ہے مگر ان میں فرق یہ ہو گیا کہ اہل کو ہر طرف نسبت کر دیتے ہیں اہل بیت اہل علم مگر **آل** صرف بڑے آدمی کی طرف نسبت ہوتا ہے۔ خواہ دنیوی لحاظ سے بڑا ہو۔ خواہ دینی۔ کہا جاتا ہے آل عمران۔ آل نبی۔ آل فرعون وغیرہ۔ آل گھر میں رہنے والوں کو بھی کہتے ہیں۔ جیسے بیوی بچے، خدام وغیرہ اور گھر میں پیدا ہونے والوں کو بھی یعنی اولاد اور تابعداروں کو بھی یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی فرعون کے نوکر چاکر پولیس والے وغیرہ کیونکہ فرعون کی کوئی اولاد نہ تھی اور اس کی بیوی سے بنی اسرائیل کو کوئی تکلیف نہ پہنچی۔ فرعون بادشاہ مصر کا لقب تھا۔ کیونکہ مصری زبان میں اس کے معنی تھے بادشاہ جیسے عربی میں سلطان فارسی میں بادشاہ ہندی میں راجہ اور انگریزی میں کنگ۔ ہر بادشاہ مصر کو فرعون کہا کرتے تھے اس فرعون کا نام ولید ابن مصعب تھا اور چونکہ یہ بہت خوبصورت تھا اس لئے لوگ اسے قابوس کہتے تھے۔ جس کے معنی ہیں روشن چنگاری۔ بادشاہ ہونے کی وجہ سے فرعون کہا جاتا ہے۔ یہ بہت سخت مزاج اور ظالم شخص تھا اس کے باقی حالات خلاصہ تفسیر میں آئیں گے۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں نے سمجھا ہے کہ یہی یوسف علیہ السلام کا فرعون بھی تھا مگر یہ غلط ہے۔ اس کا نام ریان ابن ولید تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام میں چار سو سال کا فاصلہ ہے لہذا یہ وہی فرعون کیسے ہو سکتا ہے **یسومونکم** یہ لفظ سوم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈھونڈنا اور تلاش کرنا اسی لئے نرخ (بھاؤ) کو بھی سوم کہتے ہیں کہ اس سے چیز تلاش کی جاتی ہے۔ یہاں پہنچانے یا چکھانے کے معنی میں استعمال ہوا چونکہ وہ بھی بنی اسرائیل کو تلاش کر کے تکلیف دیتے تھے **سوء العذاب۔** سوء کے معنی برائی و سختی بھی ہیں اور برا و سخت بھی یہاں ہر دو معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی تم کو عذاب کی سختی یا سخت عذاب پہنچاتے تھے۔ فرعون کی سختیاں بنی اسرائیل پر بے پناہ تھیں۔ ان کے بچوں کو اپنی قوم کا غلام بنالیا تھا۔ ان کی عورتیں فرعونیوں کی خادمائیں تھیں۔ ان کے جوانوں کے ذمے سخت اور دشوار کام تھے وہ پتھر ڈھوتے تھے۔ جس سے ان کی کمر اور گردنیں زخمی ہو گئیں تھیں۔ غریبوں پر ٹیکس مقرر تھے جو روزانہ شام سے پہلے وصول کر لئے جاتے تھے اگر کسی سے ایک دن کا ٹیکس بھی ادا نہ ہوتا تو اس کے ہاتھ گردن کے ساتھ باندھ دیے جاتے تھے اور مہینے بھر تک اس کو اس مصیبت میں رکھا جاتا تھا۔ کمزور بڈھے اسرائیلی نہایت ذلیل کام پر مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ فرعونیوں کے لئے اینٹیں بنا کر پکاتے تھے ان کے مکانات تیار کرتے تھے ان کے پاخانوں اور گلیوں میں جھاڑو دیا کرتے تھے۔ ان کی بڈھی عورتیں فرعونیوں کے لئے سوت کات کر کپڑے بناتی تھیں وغیرہ وغیرہ تفسیر کبیر و روح البیان و عزیزی و خزائن العرفان، **یذبحون ابناء کم** یا تو یہ اس سخت عذاب کی کچھ تفصیل ہے یا علیحدہ چیز یعنی اس کا ظلم تم پر یہاں تک بڑھ گیا

www.alahazratnetwork.org

تھا کہ تمہارے بچوں کو ذبح کراتا تھا اور یہ سخت مصیبت تھی کیونکہ لڑکوں کے ذبح ہونے سے اس نسل کے ختم ہونے کا اندیشہ تھا۔ نیز بغیر مردوں کے عورتوں کی زندگی دشوار ان کی عزت و عصمت خطرے میں ہوتی ہے۔ نیز چھوٹے بچوں کے ذبح کرنے میں اس کی ماں کو سخت تکلیف ہوتی ہے کیونکہ بڑی مشقت سے اس کو حاصل کرتی ہے اس سے بہت سی امیدیں رکھتی ہیں۔ نیز قدرتی طور پر بمقابلہ بیٹی کے بیٹا زیادہ پیارا ہوتا ہے۔ لہٰذا بیٹوں کا ماں باپ کے سامنے ذبح ہونا بڑی ہی مصیبت تھی۔ پھر اگر فرعونی ان کی ساری اولاد قتل کر دیتے تو غنیمت تھا مگر وہ یہ نہ کرتے تھے۔ بلکہ **ویستحیون نساء کم** تمہاری لڑکیوں کو زندہ چھوڑتے تھے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے لڑکوں کے لئے **ابناء** فرمایا نہ کہ رجال لڑکیوں کے لئے **نساء** فرمایا نہ کہ بنات چھوٹی لڑکیوں کو بنات اور جوانوں کو نساء کہا جاتا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ ان بچیوں کو زندہ چھوڑتے تھے کہ جوان ہو کر تمہارے لئے وبال بن جاتی تھیں۔ کیونکہ لڑکی جوان ہو کر ماں باپ کے لئے بوجھ بن جاتی ہے اور خاص کر جب کہ قوم کے بچے ذبح کئے جا رہے ہوں کہ لڑکیاں جوان ہو کر کہاں جائیں گی جب ان کے نکاح کے لئے قوم میں مرد نہ ملیں تو نہ معلوم ان کا انجام کیا ہو **وفی ذلکم** یہ تمام تکلیفوں کی طرف اشارہ ہے یعنی اس ذبح کرنے سے چھوڑنے اور سخت عذاب میں **بلاء من ربکم عظیم** یہ بلا آفت کے معنی میں ہے یا امتحان کے یعنی تم پر بڑی مصیبتیں تھیں۔ یا سخت امتحان کیونکہ امتحان نعمت سے بھی ہوتا ہے اور محنت سے بھی بلا سے مراد نعمت بھی ہو سکتی ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ اس نجات دینے میں اور احسانات کرنے میں تمہارا امتحان بھی تھا کہ اب تم خدا کا شکر کرتے ہو یا نہیں۔

خلاصہ تفسیر: بنی اسرائیل کو یہ دوسرا انعام یاد دلایا جا رہا ہے کہ اے اسرائیلیو تم فرعون والی مصیبت کو یاد کرو کہ تم کو ہر روز اس کی قوم کی طرف سے ایک نئی مصیبت کا سامنا ہوتا تھا۔ اس نے تم کو طرح طرح کے عذابوں میں جکڑ رکھا تھا۔ یہاں تک کہ تمہارے لڑکوں کو قتل کراتا اور لڑکیاں باقی چھوڑتا تھا۔ اس میں تم پر سخت مصیبت تھی۔ نسل و قوم کا کم ہونا۔ لڑکیوں کا دوسروں کے استعمال میں آنے کا اندیشہ پھر زندہ اولاد کا قتل دیکھنا اور اپنی گود میں بچوں کے ذبح ہونے کا نظارہ رب نے تم کو سب مصیبتوں سے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے نجات دی۔ یہ کتنا بڑا احسان ہے اور کیسی نعمت ہے تم اس احسان کو یاد کرو اور اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ۔ خیال رہے کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی نجات اور فرعون کے غرق کی یادگار قائم کئے ہوئے تھے کہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے خیراتیں کرتے خوشیاں مناتے تھے شروع اسلام میں مسلمانوں پر بھی یہ روزہ فرض تھا مگر قرآن نے ان کی یہ یادگاریں منانا کالعدم قرار دیا فرمایا یاد کرو معلوم ہوا کہ حضور سے منہ موڑ کر کوئی عبادت یا یادگار منانا معتبر نہیں۔

بنی اسرائیل، فرعون، موسیٰ علیہ السلام: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد یعقوب علیہ السلام تک ان کی اولاد کنعان میں ہی آباد رہی پھر یوسف علیہ السلام اپنے بھائیوں کے حسد کی وجہ سے بظاہر غلام بن کر مصر میں تشریف لائے یہاں حق تعالیٰ نے ان کو بڑا عروج عطا فرمایا۔ جب کنعان میں سخت قحط پڑا تب یعقوب علیہ السلام اور ان کی ساری اولاد مصر میں آ گئے۔ ان سب کو خدا نے بڑھایا اور چند صدیوں میں مصر میں ان کے لاکھوں آدمی ہو گئے اور اس عرصہ میں وہاں اسرائیلیوں کا بہت دبدبہ رہا یوسف علیہ السلام والا فرعون اور اس کے ساتھی مر کھپ گئے اور ملک مصر میں بدنظمی پیدا ہوئی ولید ابن مصعب جو سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون ہے۔ یہ شہر اصفہان کا ایک غریب عطار تھا۔ جب اس پر بہت قرض ہو گیا تو اصفہان سے بھاگ کر شام پہنچا

www.alahazratnetwork.org

لیکن وہاں کوئی ذریعہ معاش ہاتھ نہ آیا تب وہ تلاش روزی کے لئے مصر میں آیا۔ یہاں اس نے دیکھا کہ گاؤں میں تربوز بہت سستے بکتے ہیں اور شہر میں مہنگے۔ دل میں سوچا کہ نفع بخش تجارت ہے۔ چنانچہ اس نے گاؤں سے بہت سارے تربوز خریدے مگر جب شہر کی طرف چلا تو راستے میں محصول لینے والوں نے کئی جگہ اس سے محصول لیا۔ بازار آتے آتے صرف اس کے پاس ایک تربوز بچا۔ باقی سب محصول میں چلے گئے یہ سمجھ گیا کہ اس ملک میں کوئی شاہی انتظام نہیں جو چاہے حاکم بن کر مال حاصل کرے۔ اس وقت مصر میں کوئی وبائی بیماری تھی لوگ بہت مر رہے تھے۔ یہ قبرستان میں بیٹھ گیا اور کہا کہ میں شاہی افسر ہوں مردوں پر ٹیکس لگا ہے فی مردہ مجھے پانچ درہم دو اور دفن کرو اس بہانے سے چند روز میں اس نے بہت مال جمع کر لیا اتفاقاً ایک روز کوئی بڑا آدمی دفن کے واسطے لایا گیا اس نے اس کے وارثوں سے بھی روپے مانگے انہوں نے اسے گرفتار کر کے بادشاہ تک پہنچا دیا اور سارا واقعہ بادشاہ کو بتایا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ تجھے کس نے اس جگہ مقرر کیا ہے۔ ولید بولا کہ میں نے آپ تک پہنچنے کا یہ بہانہ بنایا تھا۔ میں آپ کو خبر کرنے آیا ہوں کہ آپ کے ملک میں بڑی بد نظمی ہے۔ میں نے تین مہینے کے عرصہ میں قلیل اتنا مال جمع کر لیا۔ آپ خیال کر سکتے ہیں کہ دوسرے حکام کیا کچھ نہ کرتے ہوں گے یہ کہہ کر وہ سارا مال بادشاہ کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ اگر آپ انتظام میرے سپرد کر دیں تو میں آپ کا ملک درست کر دوں گا بادشاہ کو یہ بات پسند آئی اور اسے کوئی معمولی عہدہ دے دیا۔ ولید نے وہ طریقہ اختیار کیا جس سے بادشاہ بھی خوش رہا اور رعایا بھی۔ رفتہ رفتہ یہ تمام لشکر کا افسر بنا دیا گیا اور ملک کا انتظام اچھا ہو گیا۔ جب بادشاہ مصر مرا تو رعایا نے ولید کو تخت پر بٹھا دیا۔ (تفسیر روح البیان) اس نے تخت پر بیٹھتے ہی اعلان عام کیا کہ لوگ مجھے سجدہ کیا کریں۔ سب سے پہلے اس کے وزیر ہامان نے اس کو سجدہ کیا اور پھر دوسرے امیروں اور سرداروں کے ذریعے مصر کے لوگوں سے خود اپنے کو سجدہ کراتا تھا اور دور والوں کے لئے اس نے اپنے نام کے بت بنا کر بھیج دیئے تھے کہ وہ ان بتوں کو سجدہ کیا کریں تمام اہل مصر فرعون کی پرستش میں گرفتار ہو گئے مگر بنی اسرائیل نے اس سے انکار کیا فرعون نے ان کے سرداروں کو بلا کر بہت ڈرایا دھمکایا۔ مگر انہوں نے کہا ہم تیری عبادت نہیں کر سکتے صرف رب کی عبادت کریں گے تو جو چاہے سو کر۔ فرعون غصے میں آیا اور دیگوں میں زیتون کا تیل اور گندھک کھولا کر بنی اسرائیل کو ڈالنا شروع کیا بنی اسرائیل نے یہ سب کچھ برداشت کیا۔ مگر رب کی اطاعت سے منہ نہ موڑا اور فرعون کو سجدہ نہ کیا۔ جب بہت سے بنی اسرائیل جلا دیئے گئے تب ہامان نے فرعون سے کہا کہ ان کو مہلت دے اور ان کو دنیا میں ذلیل کر کے رکھ۔ تب اس نے جلانے سے ہاتھ کھینچا اور اسرائیلیوں پر بہت سختیاں شروع کر دیں (تفسیر عزیزی) اس زمانے میں فرعون نے خواب دیکھا کہ بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آئی جس نے تمام قبطیوں (فرعونیوں) کو جلا ڈالا مگر اسرائیلیوں کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور پھر دیکھا کہ بنی اسرائیل کے محلے سے ایک بڑا اژدہا نکلا۔ جس نے اس کو تخت سے نیچے ڈال دیا اس نے تعبیر دینے والوں سے اپنا خواب بیان کیا انہوں نے کہا اے فرعون بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو تیری حکومت کے ٹکڑے اڑا دے گا اس نے فوراً کوتوال شہر کو بلا کر حکم دیا کہ ایک ہزار سپاہی ہتھیار بند اور ایک ہزار دائیاں بنی اسرائیل کے محلے میں مقرر کر دو کہ جس گھر میں لڑکا پیدا ہو اسے قتل کر دیا جائے چند سال میں بنی اسرائیل کے بارہ ہزار بچے اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار قتل کرا دیئے اور نوے ہزار حمل گرائے گئے خدا کی شان بنی اسرائیل کے بوڑھے بھی جلد جلد مرنے لگے۔ تب قبطیوں نے فرعون سے درخواست کی کہ بنی اسرائیل میں موت کا بازار گرم ہے اور ادھر ان کے بچے قتل کئے جا رہے ہیں اگر یہ حال رہا تو یہ قوم فنا ہو جائے گی پھر ہمیں خدمتگار کہاں سے ملیں گے تب

www.alahazratnetwork.org

فرعون نے حکم دیا کہ اچھا ایک سال بچے قتل کیے جایا کریں اور ایک سال چھوڑے جائیں۔ رب کی شان چھوڑنے کے سال میں حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے (موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی) اور قتل کے سال موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی (تفسیر عزیزی و خزائن العرفان)

موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش : لاوی بن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں حضرت عمران اس وقت اپنی قوم کے سردار تھے۔ ان کی بیوی کا نام حضرت عایذ تھا۔ موسیٰ علیہ السلام انہیں کے فرزند ہیں۔ جب حضرت عایذ حاملہ ہوئیں تو فرعون کی دائیاں ان کے گھر میں اور سپاہی دروازے پر آنے لگے۔ جب زمانہ ولادت قریب آیا تو ایک دائی ان کے گھر میں رہنے لگی موسیٰ علیہ السلام رات کے وقت پیدا ہوئے فرعون کی دائی ان کو دیکھ کر بے اختیار ان پر عاشق ہو گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو محبوبیت عامہ بخشی تھی جو انہیں دیکھتا عاشق ہو جاتا۔ رب فرماتا ہے **والقیت علیک محبۃ منی** یوسف علیہ السلام کو مصری عورتوں نے دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تھے۔ ہمارے حضور کی محبوبیت کلیہ عالم ہے کہ آج بغیر دیکھے لاکھوں عاشق ہیں۔ نیز حضور تمام خلق کے محبوب ہیں کہ لکڑیاں پتھر تک آپ کے فراق میں روتی تھیں۔ دائی نے ان کی والدہ سے کہا کہ کسی صورت سے ان کو قتل ہونے سے بچاؤ۔ یہ کہہ کر ایک بکری کا بچہ ذبح کیا ہوا ایک ہانڈی میں ڈال کر سپاہیوں سے کہا کہ اس گھر میں لڑکا پیدا ہوا تھا میں نے ذبح کر دیا ہے اور دیکھو میں اس کو دفن کرنے کے لئے جنگل میں جا رہی ہوں۔ سپاہیوں نے اس پر اعتبار کیا اور کوئی زائد تحقیقات نہ کی۔ موسیٰ علیہ السلام اپنے گھر پر پرورش پاتے رہے مگر نجومیوں نے فرعون کو خبر دی کہ بنی اسرائیل میں وہ بچہ پیدا ہو چکا ہے۔ فرعون اس خبر سے پریشان ہو گیا۔ اور کوتوال کو سخت تنبیہ کی کوتوال نے سپاہیوں پر سختی کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے بہت کوشش سے ان کے بچے قتل کیے مگر عمران کے لڑکے کو اپنے ہاتھ سے نہ مارا صرف دائی کے کہنے پر اعتماد کر لیا۔ کوتوال نے کہا کہ فوراً اس گھر کی تلاشی لو اور بلا تامل گھس جاؤ۔ سپاہی بے پردہ حضرت عمران کے گھر میں گھس آئے۔ اس وقت موسیٰ علیہ السلام اپنی بڑی بہن مریم کی گود میں تھے۔ مریم نے یہ ماجرا دیکھ کر فوراً ان کو بھڑکتے ہوئے تنور میں اس طرح ڈال دیا کہ سپاہیوں کو خبر نہ ہوئی مریم نے خیال کیا کہ اگر پولیس نے بچہ کو دیکھ لیا تو یہ فرزند اور ہم قتل کر دیئے جائیں گے پولیس نے گھر کی تلاشی لی۔ کچھ نہ پا کر واپس لوٹ گئی۔ والدہ نے مریم سے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام کہاں ہیں اس نے سب ماجرا کہا۔ ماں غم سے تڑپ گئی تنور پر جا کر دیکھا کہ آگ کے شعلے نکل رہے مگر موسیٰ علیہ السلام بدستور امن و امان سے ہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ارہاص ہوا یعنی دعویٰ نبوت سے پہلے معجزہ کا ظہور جیسے حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو بچپن شریف میں پتھروں کا سلام کرنا وغیرہ۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام فرمایا۔ حضرت مریم نے بچپن میں جنتی غیبی پھل کھائے یہ قرآن سے ثابت ہے آج ان کی عمر چالیس دن کی تھی۔ والدہ کے دل میں خیال آیا کہ اس فرزند کی زندگی مشکل ہے اس کو کشتی میں رکھ کر دریائے نیل میں بہا دینا بہتر ہے۔ شاید کوئی دوسرا شخص ان کو اٹھا لے اور وہاں پرورش کریں۔

موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے گھر پہنچنا : گھر کے سب لوگوں نے مشورہ کر کے محلے کے ایک بڑھئی سے۔ جس کا نام سانوم تھا ایک صندوقچہ لکڑی کا بنوا کر اس سے عہد لیا کہ کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا سانوم نے صندوقچہ بنایا۔ ادھر فرعون کی طرف سے اعلان ہوا کہ جو شخص ہم کو اس لڑکے کا پتہ دے جو کہ بنی اسرائیل کے گھر پیدا ہوا ہے تو اس کو بہت انعام دیا جائے گا۔ سانوم کو طمع

www.alahazratnetwork.org

ہوئی خبر دینے کے لئے نکلا اور دروازے پر پہنچا کہ زمین میں ٹخنوں تک دھنس گیا اور غیبی آواز کان میں آئی کہ اگر یہ راز تو نے ظاہر کیا تو تجھ کو زمین میں دھنسا دیا جائے گا۔ سانوم گھبرا گیا اور صندوقچہ عمران کے مکان پر پہنچا اور عرض کیا کہ مجھے اس پاکیزہ فرزند کی صورت دکھاؤ والدہ نے اس کو حضرت موسیٰ کی زیارت کرائی سانوم نے ان کے قدم پاک پر آنکھیں ملیں اور ان پر ایمان لایا چنانچہ سب سے پہلا مومن یہی ہے اور اس صندوقچہ کی اجرت بھی نہ لی۔ والدہ ماجدہ نے موسیٰ علیہ السلام کو غسل دیا عمدہ کپڑے پہنائے خوشبو لگائی اور صندوقچہ میں رکھ کر دریائے نیل پر روتی ہوئی لے گئیں۔ اور خدا کے حوالے کر کے دریا میں بہا دیا۔ دل بہت بے چین ہوا مگر قدرتی طور پر تسکین ہوئی کہ یہ بچہ پھر مجھ کو ہی ملے گا۔ دریا سے ایک نہر نکل کر فرعون کے باغ میں پہنچائی گئی تھی جس کا نام عین الشمس تھا۔ یہ صندوقچہ اس نہر میں داخل ہو کر فرعون کے باغ میں پہنچا اس وقت فرعون باغ کی سیر کر رہا تھا اور اس کی بی بی حضرت آسیہ اور دیگر خاص لوگ ساتھ تھے یہ لوگ اس صندوقچہ کو اٹھا کر فرعون کے پاس لے آئے۔ فرعون نے جو اس کو کھولا تو اس میں نہایت حسین و جمیل لڑکا پایا۔ بولا کہ یہ وہی لڑکا ہے۔ جس کی نجومیوں نے خبر دی تھی۔ یہ میرا اقبال ہے کہ وہ خود بخود میرے پاس آگیا۔ اس کو بھی فوراً قتل کر دیا جائے۔ حضرت آسیہ فرعون کی بی بی آپ کا حسن و جمال دیکھ کر آپ پر عاشق ہو گئیں اور فرعون سے بولیں کہ تو نے محض گمان سے ہزارہا بچے قتل کرا دیئے اس کو قتل نہ کرا یہ بچہ شاید کسی اور جگہ سے آرہا ہے بنی اسرائیل کا نہیں ہے میرے کوئی بیٹا نہیں ہے۔ میں اس کو بیٹا بناؤں گی خدا نے میری گود بھر دی فرعون نے یہ بات مان لی ادھر مریم (موسیٰ علیہ السلام کی بہن) نے ماں کو خبر دی کہ بھائی تو فرعون کے پاس پہنچ گیا۔ ماں بے قرار ہو گئی مگر رب کی طرف سے القاء ہوا کہ گھبراؤ نہیں تمہارا بچہ تم کو ہی ملے گا۔ اب حضرت آسیہ نے شہر کی دائیاں (دودھ پلانے والیاں) بلوائیں جو کہ ان کو دودھ پلائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کسی کا دودھ نہ پیا۔ مریم بھی وہاں موجود تھیں کہنے لگیں کہ ایک بہت قابل دائی ہے جس کا دودھ بہت اچھا ہے اس شہر میں رہتی ہے۔ فرماؤ تو اس کو بھی بلا لاؤں۔ فرعون بولا فوراً لاؤ۔ وہ اپنی والدہ کو لے گئیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے دودھ پیا اور ان کی گود میں سو گئے۔ فرعون نے ان کی ایک اشرفی روزانہ اجرت مقرر کر دی۔ اور کہا تم اس بچہ کی پرورش کرو۔ قدرت کے قربان فرعون نے جس کے ڈر سے بارہ ہزار بچے ذبح کرائے اس کو خود پرورش کر رہا ہے آسیہ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے سونے کا گہوارہ تیار کرایا۔ اور بہت ناز و نعمت سے ان کی پرورش کی۔ دو برس تک موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی پرورش کی۔ اس مدت کے گزرنے پر ایک خچر بھرا ہوا سونا اور کئی لونٹ لدے ہوئے دیگر نفیس تحفے دے کر عایذ (موسیٰ علیہ السلام کی والدہ) کو رخصت کیا۔ مسئلہ ماں اپنے بچہ کی پرورش پر اجرت نہیں لے سکتی کیونکہ اس پر واجب ہے اور واجب کی اجرت لینا منع مگر موذی کافر کا مال جس طرح ہاتھ لگے لینا جائز ہے۔ اسی لئے عایذ نے فرعون سے یہ مال لیا۔ نیز اگر وہ فرما دیتیں کہ میں اس کی ماں ہوں تو قتل کر دی جاتیں۔ اس عذر کی وجہ سے بھی اجرت لینی جائز ہوئی۔

موسیٰ علیہ السلام کی پرورش : پھر حضرت آسیہ نے خود ان کی پرورش شروع کر دی اور فرعون بھی ان سے محبت کرنے لگا جب آپ تین برس کے ہوئے تو ایک دن فرعون آپ کو گود میں کھلا رہا تھا کہ اچانک آپ نے اس کی داڑھی پکڑ کر ایک طمانچہ مارا۔ فرعون غصہ میں بھر کر آسیہ سے بولا کہ یہ وہی بچہ معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو اس نے میری یہ بے حرمتی کی آسیہ فرمانے لگیں کہ بچے نا سمجھ ہوتے ہیں ان کے فعل کا اعتبار نہ کرنا چاہئے۔ یہ تو آگ میں بھی ہاتھ ڈال دیتے ہیں۔ فرعون نے کہا کہ اچھا

www.alahazratnetwork.org

امتحان کرو ایک طشت میں سونا رکھ دو دوسرے میں آگ اگر یہ آگ میں ہاتھ ڈال دے تو واقعی تم ٹھیک کہتی ہو۔ ایسا ہی کیا گیا۔ قریب تھا کہ آپ سونے کی طرف جھوڑتے۔ مگر حضرت جبرئیل نے آپ کا رخ آگ کی طرف کردیا۔ آپ نے آگ میں ہاتھ ڈال کر ایک بڑا سا انگارہ منہ میں رکھ لیا جس سے آپ کی زبان جل گئی اور آپ کو لکنت ہوگئی۔ تب فرعون کو آسیہ کی بات پر پورا یقین ہوا۔ آپ کے زمانہ پرورش میں فرعون نے آپ کے بہت سے معجزے دیکھے ایک بار آپ نے مرغ سے تسبیح پڑھوائی۔ ایک دفعہ پکے ہوئے مرغ کو زندہ فرمایا جس سے کہ فرعون کے دل میں آپ کا رعب بیٹھ گیا۔ مگر غلبہ محبت اور اپنی بیوی کی وجہ سے قتل نہ کرا سکا۔ جب موسیٰ علیہ السلام تقریباً" جوان ہوئے۔ تب آپ کا میلان قلبی بنی اسرائیل کی طرف ہوا آپ ان سے ہی میل جول زیادہ رکھتے تھے۔ فرعونیوں کو ناگوار گزرتا تھا مگر کچھ دم نہ مار سکتے تھے۔ جب آپ 22 سال کے ہوئے تب ایک دن سرداران بنی اسرائیل کو علیحدہ کر کے ان سے پوچھا کہ تم فرعون کی مصیبت میں کب سے مبتلا ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہت عرصے سے آپ نے فرمایا کہ یہ تمہارے گناہوں کی شامت ہے۔ تم نذر مانو کہ جب رب تعالیٰ تم کو اس سے نجات دے تو تم وہ پوری کرو۔ ان سب نے کہا کہ کیا نذر مانیں۔ آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کی اطاعت فرمانبرداری۔ سب نے نذر مان لی۔

موسیٰ علیہ السلام کی مصر سے روانگی : جب آپ تیس سال کے ہوئے تو ایک دن ایک قبطی اور اسرائیلی میں جھگڑا ہو رہا تھا۔ قبطی اسرائیلی کو لکڑیوں کا بوجھ اٹھانے پر مجبور کر رہا تھا۔ وہ انکار کرتا تھا اسرائیلی نے آپ کو پکارا کہ اے موسیٰ مجھے اس ظالم سے نجات دلواؤ آپ نے قبطی کو ظلم سے منع کیا وہ باز نہ آیا آپ نے اس کے مکا مارا جس سے قبطی مرگیا اتفاقیہ پر قصاص نہیں ہوتا نیز وہ کافر حربی تھا جس کا قتل گناہ بھی نہیں کچھ روز بعد تو سارے ہی قبطی ہلاک کئے گئے الغرض فرعون کو خبر پہنچی اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام نہیں کر سکتے دوسرے دن وہ ہی اسرائیلی دوسرے قبطی سے الجھا ہوا تھا۔ آپ کو دیکھ کر آپ سے فریاد کی آپ نے اسرائیلی کو جھڑکا اور چاہا کہ اس قبطی سے چھڑوادیں اسرائیلی سمجھا کہ آج مجھے مار رہے ہیں۔ وہ چیخا کہ اے موسیٰ کل تو نے قبطی کو مارا تھا! کیا آج مجھے ہلاک کرنا ہے یہ بات لوگوں نے سنی اور فرعون کے پاس گواہی دی قبطی سرداروں نے فرعون سے مطالبہ کیا کہ ہمارے حوالہ کرو تاکہ ہم قبطی کا ان سے قصاص لیں فرعون نے ایسا کرنے میں تامل کیا اس مجلس میں ایک شخص موجود تھا جس کا نام حزقیل تھا اور وہ در پردہ ایمان لا چکا تھا۔ اس نے موسیٰ کو خبر دی کہ آپ کے قتل کا مشورہ ہو رہا ہے۔ بہتر ہے کہ آپ کسی اور جگہ چلے جائیں موسیٰ بے سروسامان مدین کی طرف روانہ ہوگئے اور وہاں حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر ٹھہر گئے اور ان کی لڑکی سے جن کا نام صفورا تھا۔ نکاح کیا دس سال وہاں رہے پھر مصر کی طرف تشریف لائے راستہ میں آپ کو نبوت عطا ہوئی اور پھر چالیس سال تک مصر میں فرعون کے مقابلے میں مشغول رہے اور تبلیغ احکام فرماتے رہے یہ واقعہ خیال میں رکھنا چاہئے آئندہ اس سے فائدہ ہوگا۔ (تفسیر عزیزی)

اعتراض : بنی اسرائیل پر فرعون کی سختی ان کی سرکشیوں کا عذاب تھا۔ لیکن ان کے بچوں نے کیا گناہ کیا تھا۔ جو وہ بچے ذبح کئے گئے۔ **جواب:** دنیا میں مصیبتیں آتیں صرف گناہوں سے ہی نہیں آتیں۔ بلکہ بہت وجوہ سے آتی ہیں انبیاء کرام اولیاء اللہ جو بالکل بے گناہ ہوتے ہیں۔ سب پر تکالیف آجاتی ہیں امام حسین اور ان کے شیر خوار بچے علی اصغر کس گناہ پر کربلا کی مصیبت میں مبتلا ہوئے جن قوموں پر آسمانی غیبی عذاب آئے ان کے بچے جانور سب ہی ہلاک ہوئے حالانکہ بچے مجرم نہ تھے۔

www.alahazratnetwork.org

بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل بنی اسرائیل کے نیک کاروں کا امتحان تھا بدکاروں کی سزا کہ بچوں کے ذبح سے انہیں تکلیف ہو۔ ہاں آخرت کے عذاب بغیر جرم نہ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ : نفس امارہ فرعون ہے اور اس کے عیوب آل فرعون۔ روح انسانی گویا بنی اسرائیل ہے اور اس کے عمدہ صفات بنی اسرائیل کے بچے اور بعض قلبی صفات اس کی لڑکیاں۔ نفس امارہ اور اس کے عیوب صفات حمیدہ کو ذبح کر کے دور کرتے ہیں۔ اور قلبی صفات کو باقی رکھ کر ان سے اپنی خدمت لیتے ہیں تاکہ ان سے حیوانی کام لے جاویں اس فرعون نفس سے نجات بغیر رحمت کردگار ممکن نہیں۔ اس میں انسان کا سخت امتحان ہے۔ جس کو رب ہدایت دیتا ہے اس کے نفس اور نفسانی عیوب کو بحر قہر میں فنا کر کے روح و قلب کو اس سے نجات دیتا ہے اور رہبر طریقت کے ذریعہ اس کو ترقیاں نصیب فرماتا ہے۔ یہ رہبر طریقت اس کے لئے مثل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہادی مطلق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

نفس ماہم کمتر از فرعون نیست   لیک اورا عون مارا عون نیست

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ

اور جب کہ پھاڑ دیا ہم نے بوجہ تمہاری دریا کو پس نجات دی ہم نے تم کو اور ڈبو دیا ہم نے

اور جب ہم نے تمہارے لیے دریا پھاڑ دیا تو تمہیں بچا لیا اور فرعون

وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ؁

ذریت فرعون کو حالانکہ تم دیکھ رہے تھے

والوں کو تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈبو دیا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ پہلے فرعونی طاقت سے بنی اسرائیل کو نجات دینے کا اجمالاً ذکر ہوا تھا اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ یعنی اس طرح نجات دی کہ اس کو ڈبو دیا اور تم کو دریا سے صحیح و سالم پار کر دیا۔ دوسرے یہ کہ یہ تیسرا انعام ہے جو کہ بنی اسرائیل پر ہوا تھا۔ یعنی اولاً تم کو سب پر فضیلت دی۔ دوسرے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے تمہیں فرعونی قوم کی غلامی سے چھڑایا۔ تیسرے اس کو ہلاک کر کے تم کو تخت و تاج کا مالک بنایا۔

تفسیر : **وَاِذْ** سے پہلے بھی اذکرو فعل چھپا ہوا ہے یعنی اے اسرائیلیو وہ وقت بھی یاد کرو۔ اگر یہ آیت گزشتہ آیت ہی کی تفصیل ہے۔ تو دوبارہ فرما کر اس کو اس لئے علیحدہ فرمایا کہ یہ ان تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے اور ایک ہی واقعہ میں بعض اہم باتوں کو علیحدہ طور پر بھی بیان کر دیتے ہیں اور اگر یہ تیسرا انعام ہے تو **وَاِذْ** فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ **فَرَقْنَا** فرق سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں علیحدہ علیحدہ کرنا۔ اور چیر دینا۔ چونکہ اس وقت دریائے قلزم کا پانی پھٹ کر اس میں راستہ بن گیا تھا اور اس راستے کے بھی بارہ حصے ہوئے تھے۔ جن کے درمیان پانی کی دیواریں بنیں۔ اس لئے **فَرَقْنَا** فرمایا گیا۔ اگر کوئی شخص پانی میں گھس جاوے جب بھی اگرچہ پانی چر جاتا ہے مگر یہ چرنا نہ تو محسوس ہوتا ہے نہ عجیب بات ہے مگر اس موقعہ پر چرنے کی عجیب ہی نوعیت تھی اس لئے

www.alahazratnetwork.org

اہتمام سے اس کا ذکر ہوا **بکم** پر **ما** سببیہ ہے یعنی تمہاری وجہ سے دریا چیر آگیا۔ اگرچہ اس چرے ہوئے دریا میں گھس کر فرعون بھی غرق ہوا۔ مگر یہ چرنا ہوا اسرائیلیوں کے لئے۔ یا یوں کہو کہ غرق فرعون بھی اسرائیلیوں کے لئے ہی ہوا تھا۔ لہذا یہ سب کچھ ان ہی کے لئے ہوا۔ **البحر** عربی میں۔ بحر کھاری دریا کو کہتے ہیں میٹھے دریا کو۔ بحر کہنا مجازاً" ہوتا ہے یہاں۔ بحر سے دریا قلزم مراد ہے قلزم ایک شہر کا نام ہے جہاں یہ دریا ختم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کو بھی قلزم کہا جاتا ہے۔ یہ دریا سمندر کی ایک شاخ ہے جبش اور دیگر بلاد عرب کے درمیان سے گزرتی ہے اور اسے۔ بحر احمر بھی کہا جاتا ہے اس کا طول 460 فرسخ جنوباً" شمالاً" ہے اور عرض صرف 60 فرسخ ہے یہ مصر سے تین دن کے فاصلہ پر واقع ہے اور دریائے نیل مصر کے مغربی جانب ہے۔ یہ جو مشہور ہے کہ دریائے نیل میں غرق ہوا محض غلط ہے۔ (تفسیر عزیزی) **فانجینکم** اس دریا سے تم کو نجات دے دی کہ تم کو وہاں سے بخیر و خوبی نکال دیا اور تمہارے لئے دریا کا پانی پہاڑ بھی دیا اور زمین بھی خشک کر دی تاکہ تم کو چلنے میں آسانی ہو اور صرف اس پر کفایت نہ کی بلکہ تمہاری خاطر **واغرقنا ال فرعون** تمام فرعونی ذریت کو ڈبو دیا۔ یہاں آل فرعون سے خود فرعون اور اس کی ساری قوم مراد ہے یعنی قبطی مرد۔ اس میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ صرف فرعونی قوم ہی کو ڈبویا ان کے سارے مال زمین باغات کھیتیاں وغیرہ باقی رکھیں بلکہ ان کے جسم پر جو زیور وغیرہ تھا وہ بھی دریا نے باہر پھینک دیا۔ اگر ان پر اور قسم کا عذاب آتا تو ان کے مکان وغیرہ گر جاتے اور زمین مصر خراب ہو جاتی اور نیز تم کو مصر میں رہنا جائز نہ ہوتا۔ کیونکہ عذاب کی جگہ مسلمانوں کو نہ رہنا چاہئے۔ **وانتم تنظرون** یعنی یہ سارا واقعہ تمہاری آنکھوں کے سامنے ہوا دریا کا پھٹنا پھر تمہارا اس سے گزر جانا اور سارے فرعونیوں کا اس میں ڈوب جانا۔ تم نے (تمہارے باپ دادوں نے) اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بنی اسرائیل کو فرعون کے ڈوبنے میں کچھ شک تھا۔ ان کے یقین کے لئے دریا نے اس کی لاش باہر پھینک دی جس کو دیکھ کر انہیں یقین آیا ان دونوں صورتوں میں موجودہ بنی اسرائیل کے باپ دادا مراد ہیں اور **تنظرون** ماضی باتمام کے معنی میں یعنی تمہارے باپ دادے اس کو دیکھتے تھے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے اسرائیلیو اب بھی تم اس واقعہ کو دیکھ رہے ہو کیونکہ فرعون اور ہامان کی لاشیں اب تک موجود ہیں آج چودہ سو برس بعد بھی لوگوں نے دیکھی ہیں۔

خلاصہ تفسیر : یہ تیسرا انعام ہے جو مصر سے نکلنے کے بعد بنی اسرائیل پر ہوا جب موسیٰ علیہ السلام ان کو فرعون کی قید سے چھڑا کر کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو فرعون اور اس کے لشکر نے ان کا پیچھا کیا۔ اور بحر قلزم کے پاس ان کو آلیا۔ اب پیچھے فرعون تھا اور آگے سمندر جس سے ان کے حواس باختہ ہو گئے۔ ایسی مصیبت کے وقت میں تم پر رب نے فضل کیا اور تمہارے لئے سمندر خشک کر کے اس میں بارہ راستے بنا دیے۔ جب تم سوکھے پار اتر گئے اور تمہارے پیچھے لشکر فرعونی نکلنے لگا تو ان پر پانی ہموار ہو گیا۔ جس سے وہ سب ڈوب گئے تم یہ سارا تماشا پرلے کنارے پر کھڑے دیکھ رہے تھے خون خوار دشمن سے نجات پانا ایسی خوفناک حالت سے بچ جانا اپنے ایسے سخت دشمن کو مع ساز و سامان ڈوبتا ہوا دیکھنا۔ کیسی خوشی اور کیسا انعام ہے تم کو چاہئے کہ ان احسانات کو خیال میں رکھو اور اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم پر ایمان لاؤ۔

غرق فرعون : جب موسیٰ علیہ السلام مدین سے مصر تشریف لائے اور راستے میں نبوت اور رسالت سے مشرف ہوئے۔ تو چالیس سال تک یہاں قیام فرما کر فرعون اور فرعونیوں سے مقابلہ کرتے رہے اور ان کو بڑے بڑے معجزے دکھاتے رہے تاکہ وہ

www.alahazratnetwork.org

ایمان لے آئیں مگر وہ نہ لائے۔ تب آپ نے مایوس ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ خدایا کسی صورت سے بنی اسرائیل کو قبطیوں کے ہاتھ سے چھڑا تاکہ بے خوف و خطر یہ تیری عبادت کریں حکم الٰہی آیا کہ آپ بنی اسرائیل کو جمع کر کے راتوں رات یہاں سے کوچ کر جاؤ۔ اگر فرعون تمہارے پیچھے آئے گا تو ہلاک کر دیا جائے گا۔ تب آپ نے خفیۃً سب اسرائیلیوں کو خبر کر دی سارے اسرائیلیوں نے ایک جگہ جمع ہونے کا ارادہ کیا۔ فرعون کو کچھ وہم ہوا پوچھا کہ یہ مجمع کیوں ہو رہا ہے اسرائیلیوں نے کہا کہ ہمارے عاشورہ کا دن قریب ہے آدم علیہ السلام اسی دن پیدا ہوئے تھے۔ یہی ہماری عید کا دن ہے ہم چاہتے ہیں کہ سب شہر سے باہر جمع ہو کر رب کی عبادت کریں۔ اور وہاں عید منائیں۔ فرعون خاموش ہو گیا اور عام بنی اسرائیلیوں نے قبطیوں سے بیش قیمت زیور اور عمدہ پوشاکیں عاریۃً مانگ لیں اور عید کے بہانے سے خیمے اور ڈیرے شہر سے باہر لگا دیئے یہ واقعہ نویں محرم جمعرات کے دن ہوا اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف اسی برس اور ان کے بھائی ہارون کی تراسی برس تھی پچھلی رات کو یعنی محرم کی دسویں شب جمعہ میں ان سب نے معہ سازو سامان کوچ کر دیا۔ ہارون علیہ السلام ان کے آگے تھے موسیٰ علیہ السلام پیچھے بنی اسرائیل چھ لاکھ ستر ہزار تھے آگے چل کر راستہ بھول گئے۔

یوسف علیہ السلام کی لاش مبارک کا ساتھ میں لینا : موسیٰ علیہ السلام نے بڈھے لوگوں سے کہا کہ یہ راستہ تمہارا دیکھا ہوا ہے تم کو ملتا کیوں نہیں انہوں نے عرض کیا کہ یوسف علیہ السلام نے وصیت فرمائی تھی کہ جب میری قوم بنی اسرائیل مصر سے جائے تو میرا تابوت قبر سے نکال کر ساتھ لے جائے اور میرے بزرگوں کے ساتھ مجھے دفن کریں۔ ہم نے وہ وصیت پوری نہیں کی اس لئے راستہ بھول گئے۔ آپ نے پوچھا کہ ان کی قبر مبارک کہاں ہے سب نے کہا کہ ہمیں پتہ نہیں آپ نے سارے لشکر میں منادی کرائی کہ جس کو یوسف علیہ السلام کی قبر معلوم ہو وہ مجھے بتاوے۔ ایک بڑھیا عورت نے کہا کہ مجھے معلوم ہے لیکن اگر آپ مجھ سے عہد کر لیں کہ میں جو مانگوں سو پاؤں گی۔ تب میں پتہ دوں گی آپ نے کچھ تامل کیا وحی آئی کہ اے موسیٰ ان سے عہد کر لو اور جو چاہے سو اس کو دو۔ آپ نے عہد فرما لیا۔ بڑھیا بولی کہ میں چاہتی ہوں کہ بہشت میں میں آپ کے ساتھ رہوں۔ آپ نے قبول فرما لیا۔ تب اس بڑھیا نے کہا کہ ان کی قبر شریف دریائے نیل میں غرق ہو چکی ہے۔ اگر فلاں جگہ سے پانی ہٹا کر زمین کھودی جائے تو اس سے آپ کا صندوق نکل سکتا ہے آپ نے حکم دیا بنی اسرائیل نے فوراً اس جگہ سے ان کا تابوت نکالا یہ تابوت سنگ مرمر کا ایک صندوق تھا۔ جس میں یوسف علیہ السلام کی لاش مبارک تھی آپ نے یہ تابوت سب کے آگے رکھا اور اس تابوت کی برکت سے راستہ ظاہر ہوا رب کے فضل سے رات کے تھوڑے حصے میں بہت راستہ طے کر لیا۔ اگر آپ سیدھا فلسطین کا راستہ اختیار کرتے جو مصر سے شمال مشرق میں تھا۔ تو آپ کو یہ دشواریاں پیش نہ آتیں۔ لیکن مرضی الٰہی یہی تھی لہٰذا آپ مشرقی جانب قلزم کی طرف روانہ ہو گئے اور منزل سقاعط میں ہوتے ہوئے مقام ایسام میں پہنچے اور وہاں سے کوچ کر کے فی العروت میں جو کہ بعل سفون کے مقابل دریائے قلزم پر واقع تھا مقام کیا اور وہاں اپنے ڈیرے ڈال دیئے صبح کے وقت فرعون کو جاسوسوں نے خبر دی کہ کل جہاں بنی اسرائیل جمع ہوئے تھے وہاں سے راتوں رات کوچ کر گئے ہیں فرعون کے دل میں غصے کی آگ بھڑک گئی اس نے فوراً" حکم دیا کہ تیز گھوڑے اور عمدہ سوار جمع ہوں روایت میں ہے کہ ستر ہزار گھوڑ سوار فوج اس کے لشکر کے آگے آگے تھی اور باقی فوج کے متعلق کچھ صحیح پتہ نہیں لگتا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ستر

www.alahazratnetwork.org

لاکھ گھوڑ سوار فوج تھی تفسیر عزیزی میں فرمایا کہ ایک لاکھ تیر انداز ایک لاکھ نیزے باز اور ایک لاکھ گرز مارنے والے ان میں تھے فرعون نے مع اس لشکر کے یہ راستہ بہت جلد طے کر کے دوپہر کے قریب بنی اسرائیل کو جالیا۔ بنی اسرائیل فرعونی لشکر دیکھ کر گھبرا گئے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ بتاؤ ہم کہاں جائیں! اتنا واقعہ سننے سے مسلمانوں کو دو باتیں معلوم ہونی چاہئیں ایک یہ کہ انبیاء کرام کے بعض معجزات ان کی وفات کے بعد بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک کے کتنے کرشمے بنی اسرائیل نے دیکھے دوسرے یہ کہ نبی سے عہد و پیمان رب تعالیٰ سے عہد ہے کہ بڑھیا نے موسیٰ علیہ السلام سے اپنے جنتی مقام کا عہد لے لیا۔ جو رب نے منظور فرمایا۔

فرعون کی غرقابی : آپ نے فرمایا مایوس نہ ہو میرے ساتھ میرا رب ہے۔ جو مجھے ہدایت کرے گا۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ دریا پر اپنا عصا مار کر کہو کہ تو پھٹ جا اور ہم کو راستہ دے آپ نے ایسا ہی کیا۔ حکم الٰہی سے تیز ہوا چلی جس نے پانی کو پھاڑ کر اس میں راستہ بنا دیا۔ دریا میں بارہ راستے پیدا ہو گئے جن کے درمیان پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا۔ آناً فاناً آفتاب نے زمین کو خشک کر دیا اور آپ نے بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ ان راستوں میں داخل ہو جاؤ۔ یہ لوگ ہمت نہ کرتے تھے کہ کہیں ہم ڈوب نہ جائیں سب سے پہلے یوشع علیہ السلام نے اپنا گھوڑا ڈالا ان کے پیچھے حضرت ہارون نے جب اسرائیلیوں نے ان کو گزرتے دیکھا تو مجبوراً یہ بھی دریا میں چل دیے ان کے بارہ قبیلے تھے ہر قبیلہ ایک راستے میں داخل ہوا۔ ان سب کے پیچھے موسیٰ علیہ السلام داخل ہوئے ان کے گروہ نے کہا کہ اے موسیٰ ہمیں خبر نہیں کہ ہمارے دوسرے گروہ زندہ ہیں یا ڈوب گئے موسیٰ علیہ السلام نے ان پانی کی دیواروں پر لاٹھی ماری جس سے کہ ان میں جالے کی شکل روشندان بن گئے اور ہر جماعت ان راستوں میں ایک دوسرے کو دیکھتے اور باتیں کرتے گزر گئے اتنے میں فرعونی لشکر بھی دریا کے اس کنارے آ پہنچا فرعون نے دیکھا کہ دریا میں راستے بنے ہوئے ہیں جن میں جابجا آبی دیواریں کھڑی ہیں دل میں حیران ہوا مگر لشکر والوں سے کہا میرے اقبال سے دریا خشک ہو گیا تاکہ میں اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کو زندہ پکڑ سکوں۔ اگر یہ اسرائیلی ڈوب جاتے تو مجھے غلام کہاں سے ملتے ہامان نے چپکے سے فرعون کو کہا کہ دریا میں قدم نہ رکھنا ورنہ تجھ کو اپنی خدائی کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ بہت جلد کشتیاں جمع کر اور ان کے ذریعہ دریا کو پار کر فرعون نے اپنے گھوڑے کو روک لیا۔ اسی حالت میں جبرئیل علیہ السلام شکل انسانی میں گھوڑی پر سوار فرعون کے گھوڑے کے آگے نمودار ہوئے اور اپنی گھوڑی دریا میں ڈال دی۔ فرعون کا گھوڑا گھوڑی کی بو پا کر اس کے پیچھے ہو لیا۔ فرعون نے لاکھ روکا مگر نہ رکا اور اس خشک راستے میں داخل ہو گیا۔ جب لشکریوں نے فرعون کو دریا میں داخل ہوتے دیکھا وہ بھی ہر طرف سے داخل ہونے لگے۔ اس جگہ اتنی بات اور یاد رکھنی چاہئے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا سامری۔ اس نے دیکھا کہ جس جگہ حضرت جبرائیل کی گھوڑی کی ٹاپ پڑتی ہے وہاں سبزہ اگ آتا ہے۔ وہ سمجھا کہ اس ٹاپ کے نیچے والی مٹی میں تاثیر زندگی ہے اس نے تھوڑی مٹی اپنے ہاتھ لے لی غرضیکہ سارا فرعونی لشکر بیچ دریا میں آ گیا۔ ادھر بنی اسرائیل نکل کر یہ تماشہ دیکھنے لگے۔ خیال رہے کہ جہاں یہ واقعہ ہوا وہاں قلزم کا عرض بہت تھوڑی یعنی صرف چار فرسخ کوس تھا اس لئے دوسرے کنارے سے یہاں کے حالات بخوبی نظر آتے تھے جب سارا لشکر دریا میں داخل ہو چکا تو اس کو حکم الٰہی پہنچا کہ تو آپس میں مل جا۔ دریا آپس میں مل گیا اور سب غرق ہو گئے یہ واقعہ دسویں محرم جمعہ کے دن بوقت دوپہر ہوا موسیٰ علیہ السلام نے اس خوشی میں

www.alahazratnetwork.org

روزہ رکھا حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک یہودی عاشورے کے دن روزہ رکھتے تھے۔ حضور علیہ السلام جب مدینہ منورہ تشریف لائے اور بنی اسرائیل کو روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ ہم اس خوشی منانے کے زیادہ حقدار ہیں۔ چنانچہ اسلام میں بھی عاشورے کا روزہ فرض ہو گیا اب اگرچہ اس کی فرضیت منسوخ ہو چکی لیکن اب بھی مستحب ہے بنی اسرائیلیوں کے دل میں فرعون کی ایسی ہیبت بیٹھی ہوئی تھی کہ انہیں اس کے ڈوبنے کا یقین نہ آتا تھا تب دریا نے اس کی اور چند لوگوں کی لاشیں باہر پھینک دیں تب ان کو یقین ہوا۔ خیال رہے کہ فرعون تمام کفار سے بدتر ظالم تھا جس نے ہزاروں بے گناہ اسرائیلی بچوں کو ذبح کیا عذاب ہلکا آیا کہ مصر سے نکال کر دریا میں ڈبو دیا گیا۔ مکانات' باغات' عورتیں بچے سب محفوظ رہے عاد و ثمود کی طرح خود بستی میں رہ کر عذاب نہ آیا مصر اب تک آباد ہے' عاد و ثمود کی بستیاں اجاڑ دی گئیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ مصر میں انبیاء و اولیاء کی قبور ہیں کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائی وہاں مدفون ہوئے ان قبروں کی برکت سے شہر برباد نہ کیا گیا دوسرے یہ کہ اکثر اللہ کا عذاب جرم کی طرح آتا ہے فرعونیوں نے اسرائیلیوں کے مردوں کا خاتمہ کرنا چاہا عورتوں کو باقی رکھا رب نے ان کے مردوں کو ہلاک کیا عورتوں کو باقی رکھا کہ ٹھوکریں کھاتی پھریں۔ امیہ ابن خلف کو رب نے وہ عذاب دیا جو وہ حضرت بلال کو ایذا دیتا تھا یعنی برچھوں سے جسم چھلنی کرنا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کو تکلیف و آرام سے آزماتا ہے ہر حال میں راضی رہنا صابر کا کام ہے اور کسی وقت اس کا بھول جانا اغیار کا کام دوسرے یہ کہ رب کے یہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں ظالم کو ضرور سزا ملتی ہے مگر مظلوم کو چاہئے کہ جلدی نہ کرے۔ تیسرے یہ کہ عاشورے کا روزہ سنت ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ دو روزے رکھے نویں اور دسویں۔ تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ شیخ عبدالغفور قدس سرہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت نقل فرمائی کہ جو شخص عاشورے کے دن چار رکعت نماز نفل پڑھے اور ہر رکعت میں ایک بار سورہ فاتحہ اور پچاس بار قل ہو اللہ پڑھے تو رب تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرماوے گا اور اس کو جنت میں نور کے ہزار منبر عطا فرمائے جائیں گے نیز عاشورے کی رات کو جاگنا بھی بہتر ہے۔ (تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ اس رات جاگنے والے کو بلا تکلف مقربین کا ثواب ملتا ہے مشائخ عظام فرماتے ہیں کہ اس دن غسل کرنے سے سال بھر تک بیماری سے محفوظ رہتا ہے شامی نے کتاب صوم میں فرمایا جو شخص عاشورے کے دن اپنے گھر میں خوب عمدہ اور اچھے کھانے پکائے تو انشاء اللہ سال بھر تک اس گھر میں برکت رہے گی اور اس دن سرمہ لگانے سے سال بھر تک آنکھیں نہیں دکھتیں اس حدیث کی بنا پر ہمارے ملک میں عاشورے کے دن حلیم (کھچڑا) پکایا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر قسم کے غلے اور گوشت ہوتا ہے۔ جس سے امید ہے کہ سال بھر تک ہر غلے میں برکت رہے۔ بعض روایت میں ہے کہ نوح علیہ السلام کی کشتی عاشورے کے دن زمین پر لگی کشتی والوں نے نیچے اتر کر ہر قسم کے دانے ملا کر پکائے۔ جس سے حلیم بن گیا اس کا پورا واقعہ انشاء اللہ بارہویں پارہ میں بیان ہوگا۔ اس دن ماتم کرنا' پایل نوچنا سخت حرام۔ چوتھے یہ کہ انبیاء کرام پر جو نعمت الٰہی ہو اس کی یادگار منانا اور شکر بجالانا سنت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے اسی دن موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی خوشی منائی لہٰذا ہم کو بھی عید میلاد اور عید معراج وغیرہ منانا بہت بہتر ہے۔ خیال رہے کہ خوشی کی یادگار منانا مسنون اور غم کی یادگار منانا منع۔ پانچویں یہ کہ یادگاروں کے لئے دن مقرر کرنا سنت ہے کیونکہ حضور علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام نے روزے کے لئے عاشورے کا دن مقرر فرمایا۔ چھٹے یہ کہ اگر کفار بھی انبیاء علیہ السلام کی یادگاریں مناتے ہوں تو ان کی مشابہت کے خوف سے مسلمان نہ چھوڑیں ہاں کسی صورت سے کچھ فرق کردیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے یہود کی وجہ سے عاشورے کا روزہ نہ چھوڑا بلکہ اس میں کچھ اضافہ فرمادیا کہ نویں محرم کا بھی روزہ ملادیا۔ بلکہ اگر عوام نے یادگاروں میں ناجائز چیزیں شامل کردی ہوں تو اصلی یادگار نہ مٹاؤ بلکہ وہ زیادتیاں مٹادو کفار عرب نے حج میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان شریف کی یادگاروں کا مجموعہ ہے بہت سی مشرکانہ رسوم شامل کردی تھیں حضور علیہ السلام نے ان رسوم پر حج بند نہ کیا بلکہ قدرت پاتے ہی ان رسوم کو بند کردیا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج بزرگوں کی یادگاروں عرس و میلاد وغیرہ کو اس بہانے سے بند کراتے ہیں کہ اس میں مشرکوں سے مشابہت ہے یا اس میں فلاں فلاں ناجائز رسوم شامل ہوگئی ہیں اللہ سمجھ دے کتا مسجد میں گھس جائے تو کتے کو نکالو۔ مسجد کو نہ گراؤ۔ ساتویں یہ کہ بزرگان دین سے بعد وفات بھی فیض لینا سنت انبیاء ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے تابوت یوسف علیہ السلام سے راستے کی ہدایت حاصل کی اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو اور کچھ دوسرے سیپارے کے اخیر میں آئے گی۔

اعتراض : پہلا اعتراض موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ان کی پرورش پر اجرت کیوں لی! یہ اجرت ناجائز ہونی چاہئے۔
جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ ان کو مجبوری بھی تھی اور کافر حربی کا مال جب کسی صورت سے اپنے پاس آجائے جس میں غدر یا عہد شکنی نہ ہو جائز ہے۔ **دوسرا اعتراض:** بنی اسرائیل نے قبطیوں کے سونے اور پوشاک پر قبضہ کرلیا۔
جواب: ان کو خبر تھی کہ یہ مال آخر کار ہمارے پاس ہی آنے والا ہے اور یا ڈوب جائے گا۔ اس لئے ابھی آجائے تو بہتر ہے۔ نیز دشمن کے مال پر قبضہ کرنا جائز ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بنی اسرائیل نے فرعون سے جھوٹ کیوں بولا؟ کہ ہمارے ہاں عید ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے۔ **جواب:** یہ جھوٹ نہ تھا بلکہ توریہ تھا۔ ان کی مراد تھی کہ ہماری نجات کی اور تمہارے غرق ہونے کی عید ہے وہ سمجھا کہ دوسری قسم کی عید ہے اور مجبوری کے وقت توریہ جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا گویا بحر قلزم ہے اور دنیوی لذتیں اس بحر کا پانی اور قلب مومن گویا موسیٰ ہے اور صفات قلبیہ بنی اسرائیل نفس امارہ فرعون اور اس کے عیوب قبطی قوم جو موسیٰ قلب اور اس کی صفات کے دشمن ہیں قلب ہر وقت رب کی طرف متوجہ ہے اور نفس امارہ اس کا جانی دشمن اس کے پیچھے ہے دنیا کی فانی لذتوں اور اس کی شہوتوں کا دریا سامنے جس کا عبور کرنا ازبس ضروری ہے کہ موسیٰ قلب اس دریا میں لا الہ الا اللہ کا عصا مار کر اس کو ایسا خشک کرے کہ تمام عالم کی لذتیں ہر چہار طرف کھڑی رہیں اور یہ اس کے درمیان سے نکل جائے جب موسیٰ قلب الا اللہ کے عصا سے اس دریا کو خشک کرے گا۔ تو رب تعالیٰ اس پر عنایت کی ہوا اور ہدایت کا سورج بھیج کر اس راستے کو قابل عبور بنادے گا۔ جس سے قلب اور اس کے صفات ساحل تک پہنچ جائیں گے اس کا حاصل کون ہے **وان الی ربک المنتھی** فرعون نفس اور اس کی قوم کو اس میں غرق کیا جائے گا۔ مگر ثابت قدمی ضرور ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ

اور جبکہ وعدہ فرمایا ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا پھر بنا لیا تم نے بچھڑا بعد

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس رات کا وعدہ فرمایا پھر اس کے پیچھے تم نے بچھڑے کی

مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ * ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ

اس کے حالانکہ تم لوگ ظالم تھے پھر معاف فرمایا ہم نے تم سے بعد

پوجا شروع کر دی اور تم ظالم تھے پھر اس کے بعد ہم نے تمہیں معافی دی

بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ * وَ اِذْ اٰتَیْنَا مُوْسَى

اس کے تاکہ تم شکر کرو اور جبکہ دی ہم نے موسیٰ کو

کہیں تم احسان مانو اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی

الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ *

کتاب اور فرق کرنے والی چیز تاکہ تم لوگ ہدایت پا جاؤ

اور کتاب اور حق باطل میں تمیز کر دیا کہ کہیں تم راہ پر آجاؤ

تعلق : ان آیتوں کا گزری ہوئی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کی چار نعمتوں کا ذکر ہو چکا اب پانچویں نعمت کا ذکر ہو رہا ہے دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کو جسمانی نجات دینے کا ذکر تھا اب روحانی نجات کا ذکر ہو رہا ہے کہ ہم نے ان کو ایسی کتاب عطا فرمائی جس پر وہ عمل کرکے اخروی مصیبتوں سے بچ جائیں۔ تیسرے یہ کہ اس سے پہلے فرعون اور فرعونیوں کے شرک کا ذکر ہوا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے اسرائیلیو تم نے ان سے بھی بڑھ کر جرم کیا کہ انہوں نے تو فرعون بادشاہ کو خدا مانا تھا اور تم نے بے عقل بچھڑے کو۔ انہوں نے پہلے ہی سے اور تم نے ایمان کے بعد۔ انہوں نے نادانی سے تم نے جان بوجھ کر انہوں نے بے نور ہونے کی وجہ سے تم نے نور نبوت پانے اور موسیٰ علیہ السلام کی صحبت حاصل کرنے کے بعد چاہیے تھا کہ تم بھی ان کی طرح ہلاک کر دیئے جاتے۔ لیکن ہمارا فضل ہوا کہ انہیں توبہ کی توفیق عطا فرمائی۔

تفسیر : **واذ** سے یا تو **اذکروا** فعل پوشیدہ ہے یا **اذکر** یا تو بنی اسرائیل سے خطاب ہے یا نبی کریم علیہ السلام سے۔ یعنی اے اسرائیلیو اس قصے کو بھی یاد کرو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ قصہ بھی یاد دلادو **وعدنا** اس کے معنی ہیں آپس میں ایک دوسرے سے وعدہ کیا معنی یہ کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے توریت دینے کا وعدہ فرمایا۔ اور انہوں نے طور سینا پر حاضر ہونے کا۔ یا یہ **وعدنا** (ضرب) کے معنی میں ہے۔ **موسیٰ**۔ یہ موسیٰ علیہ السلام کا ذاتی اسم شریف ہے بعض علماء نے کہا کہ یہ لفظ عربی ہے بروزن فعلی ہے اور ماس میس سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اکڑ کر چلنا چونکہ آپ کی رفتار بہت قوت سے ہوتی تھی۔ اس لئے آپ کا نام موسیٰ رکھا گیا۔ اور بعض نے کہا کہ یہ بروزن مفعل ہے یعنی باب افعال کا اسم مفعول وسی سے بنا ہے

www.alahazratnetwork.org

جس کے معنی ہیں درخت سے پتے جھاڑلینا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ عبرانی ہے اور مو اور شی سے بنا ہے عبرانی زبان میں مو پانی کو اور شی درخت کو کہتے ہیں۔ چونکہ آپ کو فرعون کی بی بی آسیہ کی لونڈیوں نے اس نہر سے پایا تھا جو ان کے باغ میں بہتی تھی اور ایک صندوقچے میں پایا تھا اس لئے حضرت آسیہ نے آپ کا نام موسیٰ رکھا۔ یعنی درخت و پانی سے پایا ہوا فرزند پھر عربی میں آکر شین سین بن گیا اور موسیٰ رہ گیا آپ کا نسب شریف یہ ہے موسیٰ ابن عمران ابن یصہر ابن قاہت ابن لاوی ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام اربعین لیلۃ یہاں پوری مدت بیان فرمائی گئی ہے اولاً "تیس رات طور سینا میں قیام کرنے کا حکم تھا۔ لیکن جب آپ یہ میعاد پوری کر چکے اور تیس دن روزے رکھ چکے بارگاہ الٰہی میں توریت لینے کے لئے حاضر ہونے لگے تو اس خیال سے کہ میں نے بہت روزے مسواک نہیں کی ہے شاید منہ میں بو ہو مسواک کرلی حکم الٰہی آیا کہ اے موسیٰ تم نے وہ منہ سے خوشبو دور کردی جو ہم کو مشک سے زیادہ پیاری تھی۔ لہٰذا دس روزے اور رکھو تاکہ تمہارے منہ میں پھر وہی خوشبو پیدا ہو یہ دونوں مدتیں مل کر چالیس بنیں اسی لئے قرآن کریم نے یہاں چالیس فرمایا اور دوسری جگہ تیس راتیں اور اس کے بعد میں دس کا ذکر ہوا یعنی یہاں اجمال ہے وہاں تفصیل لیلۃ یہاں چالیس دن نہ فرمایا بلکہ چالیس راتیں۔ کیونکہ عربی تاریخیں چاند سے ہیں جس میں رات پہلے ہوتی ہے اور دن بعد میں نیز اس لئے کہ رات میں تاریکی اور دن میں روشنی ہے تاریکی روشنی پر مقدم یا اس لئے کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام سے اعتکاف کرانا اور اپنا وصال عطا فرمانا مقصود تھا۔ رات وصال کا وقت ہے اور دن فراق کا اسی لئے اہل اللہ رات کا آخری حصہ جاگ کر گزارتے ہیں۔ تہجد وغیرہ پڑھتے ہیں۔ اور روزانہ رات میں ہی رحمت الٰہی خلق کی طرف متوجہ ہوتی ہے نہ کہ دن میں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یا اس لئے کہ چالیس راتیں مقرر ہوئی تھیں نہ کہ چالیس دن۔ کیونکہ پہلی ذی قعدہ سے موسیٰ علیہ السلام کا اعتکاف شروع ہوا اور دسویں ذوالحجہ دوپہر کے وقت انہیں توریت مل گئی لہٰذا راتیں چالیس اور دن 39 کیونکہ دسویں ذوالحجہ کو اعتکاف نہ فرمایا۔ ثم اتخذتم یہاں ثم مہلت کے لئے نہیں بلکہ اظہار تعجب کے لئے ہے کیونکہ بنی اسرائیل نے چالیس دن کے اندر ہی سونے کا بچھڑا بنایا تھا نہ کہ اس مدت کے بعد یعنی ہم نے تم پر اپنی نعمتیں کیں مگر تعجب ہے کہ تم نے پھر بھی گائے کا بچہ بنالیا اتخذتم سے یا تو مراد ہے گائے کو معبود بنانا اس صورت میں اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ یعنی تم سب نے بچھڑے کو معبود بنالیا۔ یا مراد ہے ڈھالنا اور تیار کرنا یعنی تم سب نے بچھڑا تیار کرلیا اگرچہ صرف سامری نے ہی بچھڑا بنایا تھا۔ لیکن چونکہ سب اسرائیلیوں نے اس کی مدد کی تھی کہ اس کو سونا اور جواہرات دیئے تھے۔ نیز آگ وغیرہ دھونک کر اس کا ہاتھ بٹایا تھا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ تم سب نے بنایا۔ یہ پورا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ العجل عربی میں عجل گائے کے نر بچے کو کہتے ہیں۔ یعنی بچھڑا۔ اس میں بھی ان کی حماقت کا اظہار ہے کیونکہ بیل بے وقوفی میں مشہور ہے۔ بے وقوف کو کہتے ہیں تو نرا بیل ہے۔ تو فرمایا گیا کہ تم نے بیل جیسی بے وقوف چیز کو خدا مان لیا۔ تم تو فرعونیوں سے بدتر ہوگئے اور کب ما من بعدہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یا اس وعدہ کے بعد یا ان کے کوہ طور جانے کے بعد وانتم ظلمون یعنی تم نے یہ کام بے خبری سے نہ کیا۔ بلکہ جان بوجھ کر اور موسیٰ علیہ السلام کی صحبت کا فیض پاکر۔ لہٰذا تم بڑے ظالم ہوئے خیال رہے کہ ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو بے موقع استعمال کرنا یا کسی کی چیز بغیر اس کی اجازت استعمال کرلینا بت پرست غیر خالق کے لئے اپنی عبادت استعمال کرتا ہے۔ نیز رب تعالیٰ کے دیئے ہوئے اعضاء کو اس کی اجازت کے بغیر دوسرے کی عبادت میں استعمال کرتا ہے۔ لہٰذا ظالم ہے۔ بلکہ کفر و شرک بہت بڑا ظلم ہے اسی لئے ارشاد ہوا ان الشرک لظلم عظیم یہ بھی ہو

www.alahazratnetwork.org

سکتا ہے کہ مشرک شرک کرکے اپنی روح کو ستاتا ہے کہ اسے جہنم میں لے جاتا ہے۔ لہٰذا وہ اپنے اوپر ظالم ہے۔ **ثم** یا تاخیر زمانی کے لئے ہے یا اظہار تعجب کے لئے یعنی کچھ دنوں بعد ہم نے تمہارا گناہ معاف کر دیا۔ یا ہمارا کرم تو دیکھو کہ تمہاری اس قدر سرکشی کے بعد ہم نے معافی دے دی **عفونا عنکم** عفو کے معنی ہیں مٹانا چونکہ بخش دینے سے گناہ مٹ جاتا ہے اس لئے اسے عفو کہتے ہیں۔ گویا تمہارا دامن عفت اس گناہ کے داغ سے داغدار ہو گیا تھا ہم نے رحمت کے پانی سے داغ دور کر دیا۔ خیال رہے کہ عفو سے یہ مراد ہے کہ تم کو فرعونیوں کی طرح بالکل ہلاک نہ کر دیا بلکہ تمہاری توبہ قبول کرکے آخرت کے عذاب سے بچا لیا۔ یہ مطلب نہیں کہ تمہاری پکڑ نہ کی کیونکہ ستر ہزار مجرموں کو قتل کرا کر توبہ قبول ہوئی تھی **من بعد ذلک** یعنی بچھڑے بنانے اور اس کی پرستش کرنے وغیرہ کے بعد بھی تمہاری معافی ہو گئی۔ کیونکہ **لعلکم تشکرون** کہ تم اس واقعہ کو یاد رکھ کر آئندہ گناہ سے بچے رہو۔ اس احسان کا شکر کرو۔ اس میں اور بھی اشارہ ہے کہ تم میں اور فرعونیوں میں یہ فرق تھا کہ ان سے شکر کی اہلیت جاتی رہی تھی ان کے ایمان کی امید نہ رہی تھی۔ لہٰذا وہ ہلاک کر دیے گئے تم نے اگرچہ ان سے بڑھ کر جرم کیا لیکن تم میں اہلیت موجود تھی اگر اب تم بھی اپنی اہلیت فنا کر دو گے تم کو بھی عذاب دیا جائے گا۔ پھر یہی نہ کیا بلکہ یہ بھی یاد کرلو **واذ اتینا موسی الکتب** جب کہ ہم نے تمہارے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی کتاب سے مراد توریت شریف ہے چونکہ یہ زبرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی ملی تھی۔ اس لئے اس کو کتاب فرمایا گیا۔ **والفرقان** اس کے معنی ہیں فرق کرنے والی چیز یا تو اس سے توریت ہی مراد ہے اور یہ عطف تفسیری ہے یعنی وہ کتاب دی جو حق و باطل میں فرق کرنے والی ہے یا دین کے شعائر مراد ہیں جیسے کہ ان کے لئے شنبہ (سنیچر) کی تعظیم کرنا اس دن کاروبار نہ کرنا اور اونٹ کا دودھ اور گھی استعمال نہ کرنا اور ختنہ اور قربانی وغیرہ (تفسیر عزیزی) **لعلکم تہتدون** یہ توریت عطا فرمانے کی حکمت ہے نہ کہ علت کیونکہ رب کے کام علت سے پاک ہیں مطلب یہ ہے کہ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کو اس کتاب کی چنداں ضرورت نہ تھی کہ وہ تو پہلے ہی سے ہدایت پر تھے نبی کفر و گمراہی سے محفوظ رہتے ہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ گھٹیا نے اخلاق سے بھی انہیں پاک و صاف رکھتا ہے بلکہ اصل ضرورت تم کو تھی تاکہ تم اس کے ذریعے ہدایت پا جاؤ یا ہدایت پر قائم رہو ایمان تو لا چکے تھے اب اس سے اعمال سیکھ لو لہٰذا اگر تم اس نبی آخر الزمان پر ایمان نہ لائے تو سمجھ لو کہ تم نے توریت کا مقصد پورا نہ کیا۔

خلاصہ تفسیر : پچھلی آیتوں کی تفسیر میں آپ معلوم کر چکے ہیں کہ بنی اسرائیل نے نذر مانی تھی کہ اگر ہم کو رب تعالیٰ فرعون سے نجات دے گا تو ہم اس کی اطاعت کریں گے جب انہیں نجات مل گئی اور بنی اسرائیل فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد مصر کی طرف لوٹے (تفسیر خزائن العرفان) تب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وہ نذر یاد دلائی تب انہوں نے عرض کیا کہ ہم کو دل و جان سے یہ بات منظور ہے لیکن ہمیں رب کے احکام کی خبر نہیں ہم اطاعت کیسے کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی تب ان سے فرمایا گیا کہ تم کوہ طور پر آنا اور وہاں چالیس دن اعتکاف اور عبادت کرنا تاکہ جسمانی تعلقات کم ہو کر ملکیت کا ظہور ہو تب تم سے بلاواسطہ کلام بھی کیا جائے گا اور تمہیں توریت بھی دی جائے گی موسیٰ علیہ السلام توریت لینے کوہ طور پر تشریف لے گئے اور اے اسرائیلیو! تم نے ان کے پیچھے یہ غضب ڈھایا کہ سونے کا بچھڑا بنا کر اس کی پرستش شروع کر دی ہم نے اس پر بھی درگزر کرکے تمہیں ایکدم ہلاک نہ کیا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی تک تم کو باقی رکھا اور ان کے تشریف لانے پر تمہیں توبہ کا طریقہ بتایا تم کو اس پر عمل کی توفیق دی پھر جب تم نے توبہ کر لی تو معاف بھی کر دیا تاکہ ٹھوکر کھا کر آئندہ کے لئے ہوشیار ہو جاؤ اور ہمیشہ

www.alahazratnetwork.org

اس کے شکر گزار رہو اور یہ بھی یاد رکھو کہ تمہاری نذر پوری کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب بھی عطا فرمادی اور قانون شریعت بھی دیا تاکہ تم ہدایت پر رہو۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کتاب اللہ کے طالب تھے اور ہمارے حضور علیہ السلام کتاب کے مطلوب اس لئے آپ کتاب لینے طور پر گئے اور ہمارے حضور علیہ السلام کے پاس آیات قرآنیہ آئیں سفر و حضر دشت و جبل بلکہ کوچہ و گھر جہاں حضور ہوتے آیات آجاتیں حتیٰ کہ جب حضور مکی تھے تو وہاں آنے والی آیات بھی مکی تھیں اور جب حضور مدنی ہوئے تو آیات مدنیہ۔

موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملنا اور بنی اسرائیل کی گوسالہ پرستی : اس واقعہ کے معلوم کرنے سے پیشتر چند باتیں دھیان میں رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ بنی اسرائیل مصر سے چلتے وقت قبطیوں سے قیمتی اور جڑاؤ زیور مانگ لائے تھے اور ان کو اس کا استعمال جائز نہ تھا کیونکہ بنی اسرائیل کے ہاں غنیمت کا مال مسلمان استعمال نہ کر سکتے تھے بلکہ آگ اس کو جلا جاتی تھی۔ دوسرے یہ کہ بنی اسرائیل میں ایک سنار تھا جس کا نام یحییٰ یا موسیٰ ابن ظفر تھا۔ قبیلہ بنی سامرہ کا شخص تھا۔ اس لئے اس کو سامری کہتے تھے یہ فن زرگری میں بڑا ماہر تھا۔ اور منافقت سے ایمان لایا تھا۔ اس کے پاس حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کے نیچے کی مٹی موجود تھی جو کہ فرعونیوں کے غرق کے وقت بحر قلزم سے اٹھالایا تھا۔ تیسرے یہ کہ جب بنی اسرائیل بحر قلزم سے نجات پاکر نکلے تھے تو راستے میں آتے ہوئے انہوں نے ایک قوم کو گائے پوجتے دیکھا تھا اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ ہمارے لئے بھی پروردگار کی صورت بنادو تاکہ اس کو سامنے رکھ کر ہم عبادت کیا کریں جس سے ہمارا دھیان نہ بٹے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو ڈانٹ دیا تھا۔ مگر سامری نے پتہ لگالیا تھا کہ بنی اسرائیل میں فرعونیوں کی صحبت سے مخلوق پرستی کا مادہ موجود ہے اگر ان کو بہکایا جائے تو آسانی سے گمراہ ہو جائیں گے اب اصل واقعہ سنو۔ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے تیس دن کا وعدہ فرماکر جانب کوہ طور روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر یکم ذیقعدہ سے روزہ اعتکاف عبادت شروع کردی۔ تیس ذیقعدہ کو مسواک کرکے توریت لینے کے لئے خاص پہاڑ پر حاضر ہوئے جس کی وجہ سے ان کو دس دن اور ٹھہرنا پڑ گیا۔ ادھر تیس دن گزرتے ہی اسرائیلیوں میں کھلبلی مچ گئی اولاً تو انہوں نے حضرت ہارون سے پوچھا کہ ہم اس زیور کو کیا کریں آپ نے فرمایا کہ اس کو ایک گڑھے میں ڈال کر جلا کر رکھ کر دو اور اس کی راکھ زمین میں دفن کردو۔ خیال رہے کہ ہارون علیہ السلام موسیٰ علیہ السلام کے نائب ہو کر یہاں ہی موجود تھے۔ ادھر سامری نے ان لوگوں سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام تمہاری ہی طرح بشر ہیں صرف طلسماتی عصا کی وجہ سے یہ معجزے دکھاتے ہیں اور تم سے بڑھ گئے ہیں۔ تم وہ سارا سونا ہمارے حوالے کردو۔ میں تمہارے لئے اس سے بھی عجیب تر طلسم بنادوں۔ جس سے تم کو موسیٰ علیہ السلام کی ضرورت باقی نہ رہے یہ بھی کہا کہ موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے ہیں کیونکہ ان کے آنے کی میعاد گزر گئی۔ ان لوگوں نے وہ سارا سونا اس کے حوالے کردیا سامری نے اس سے جواہرات و یاقوت علیحدہ نکال لئے اور سونا گلا کر نہایت خوبصورت بچھڑا بنایا اور جواہرات و یاقوت کو اس کے کان، آنکھ زانوں اور قدم پر نہایت قرینے سے جڑ دیا۔ جس سے وہ بت خوبصورت معلوم ہونے لگا۔ اور جبرائیلی خاک اس کے منہ میں ڈالی جس سے اس میں آواز جنبش پیدا ہو گئی۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کی ناک میں کچھ سوراخ رکھے تھے جس میں ہوا گزر کر آواز پیدا کرتی تھی جیسے آج کل بانسری اور سیٹی وغیرہ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ آواز خاک کی تاثیر سے پیدا ہوئی تھی کیونکہ روایت میں آتا ہے کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

بچھڑا حرکت بھی کرتا تھا۔ نیز قرآن فرماتا ہے کہ خود سامری بولا **فقبضت قبضتہ من اثر الرسول فنبذتھا** یعنی میں نے حضرت جبرئیل کے آثار سے مٹھی بھر کر خاک لے لی وہ بچھڑے میں ڈال دی نیز قرآن فرماتا ہے **عجلا جسدا لہ خوار** عربی میں خوار بچھڑے کی آواز کو کہتے ہیں۔ نہ کہ بانسری کی آواز کو۔ اسرائیلیوں سے کہا کہ دیکھو کہ خدا نے اس میں حلول کیا ہے موسیٰ اس کو وہاں ڈھونڈ رہے ہیں اور یہ ہمارے پاس آگیا اسرائیلی اس کے بہکانے میں آگئے اس لئے ایک بڑے خیمے میں یہ بچھڑا کھڑا کیا اور اس کے آس پاس پر تکلف فرش بچھائے اور خیمے کے سامنے نوبت اور چنگ بجائی گیت گانے شروع کئے اسرائیلی مرد عورتیں وہاں جمع ہو گئے کوئی اس کی عبادت کرنے لگا کوئی اس کے سامنے گوشہ نشین ہو گیا۔ سوائے ہارون علیہ السلام کے اور ان کے بارہ ہزار ساتھیوں کے باقی سارے اسرائیلی اس میں مبتلا ہو گئے بنی اسرائیل کے تین گروہ بن گئے ایک وہ جنہوں نے بچھڑے کی عبادت کی دوسرے وہ جو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تبلیغ دین میں مشغول ہوئے اور اس عبادت سے لوگوں کو روکتے رہے تیسرے وہ جو خاموش رہے۔ نہ عبادت کی نہ اس سے انکار کیا۔ پہلا اور تیسرا گروہ عتاب میں آگیا اور دوسرا گروہ سلامت رہا۔ (تفسیر عزیزی) ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دسویں ذو الحجہ دوپہر کے وقت توریت شریف عطا ہوئی اور رب تعالیٰ نے ان کو خبر دی کہ تمہارے پیچھے تمہاری قوم غفلت میں مبتلا ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر سخت غمگین ہوئے اور وہاں سے بہت جلد واپس آئے اور اپنی قوم کا یہ حال دیکھ کر بہت پریشان ہوئے اور غصے سے توریت شریف کی تختیاں آپ کے ہاتھ سے گر گئیں یا گرا دیں۔ اور اپنے بڑے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کو مارنے لگے کہ تم نے بنی اسرائیل میں شرک کیوں ہونے دیا۔ حضرت ہارون نے بنی اسرائیل کی سرکشی اور اپنی معذوری و مجبوری بیان فرمائی کہ میں نے ان کو بہت کچھ روکا لیکن یہ نہ مانے۔ تب آپ سے توریت شریف کے کل سات حصے تھے اس گر جانے سے چھ حصے غائب کر دیئے گئے اور ایک حصہ جس میں صرف ضروری مسائل تھے باقی رہ گیا۔ وہی بنی اسرائیل کو ملا۔ پھر آپ نے بنی اسرائیل سے بازپرس کی کہ تم نے یہ کیا کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں سامری نے بہکا دیا۔ سامری سے پوچھا اس نے کہا کہ میرے دل میں کچھ ایسا ہی آگیا۔ لہذا آپ نے بنی اسرائیل کو توبہ کا حکم دیا۔ سامری کے حق میں بددعا فرمائی اور بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں پھینک دی۔ بعض بچارے اسرائیلیوں کو بچھڑے سے ایسی محبت ہو گئی تھی کہ انہوں نے تبرک کے لئے دریا کا پانی چھپ کر پیا۔ جس میں یہ راکھ پھینکی ہوئی تھی۔ جس سے کہ ان کے ہونٹ کالے پڑ گئے اور پیٹ پھول گئے ان کی توبہ قبول نہ ہوئی (تفسیر روح البیان) **فائدے**: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ایک یہ کہ بمقابلے ہدایت گمراہی جلد پھیلتی ہے۔ گمراہی بیماری ہے اور ہدایت تندرستی۔ بیماری خود بخود اور جلد پھیلتی ہے۔ صحت بمشکل حاصل ہوتی ہے دوسرے یہ کہ کسی شخص کو اپنے نفس پر اعتماد نہ چاہئے بڑے سے بڑے عابد کو یہ ایک دم بہکا دیتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل حضرت موسیٰ کی صحبت میں رہ کر بھی ایک ذرا سی بات میں پھسل گئے۔ تیسرے یہ کہ بری صحبت سے ہر شخص کو دور رہنا چاہئے بنی اسرائیل سامری کی صحبت سے بگڑ گئے۔ چوتھے یہ کہ شرک سے مسلمان مرتد ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل پر گزرا۔ پانچویں یہ کہ الحمد للہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنی اسرائیلیوں سے کہیں افضل ہے۔ کیونکہ اسرائیلی اس قدر معجزات دیکھ کر بھی معمولی شبہ سے دھوکہ کھا گئے۔ لیکن عام مسلمان بحمدہ تعالیٰ بڑے بڑے شبہات سے بھی دھوکہ نہیں کھاتے۔ چھٹے یہ کہ عقائد میں تقلید حرام ہے۔ عقائد دلائل سے معلوم ہونے چاہئیں اس لئے کہ بنی اسرائیل نے فقط سامری کے کہنے پر بچھڑا پوجا۔ اگر دلیل پر غور کرتے تو ایسا کبھی نہ کرتے۔ خیال رہے کہ اماموں کی تقلید

www.alahazratnetwork.org

اعمال میں ہے نہ کہ عقائد میں۔ ساتویں یہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کو تسلی دی گئی کہ آپ مشرکین عرب اور یہودیوں اور عیسائیوں کی مخالفت سے غم نہ کریں انہوں نے تو معجزات دیکھ کر اور رب کی نعمتیں پاکر بھی کفر کیا پھر جیسے موسیٰ علیہ السلام نے صبر فرمایا آپ بھی صبر فرمائیں۔ آٹھویں یہ کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا نبی ہونا ثابت ہوا کہ آپ نے کتب سیر و تواریخ نہ پڑھیں اور بغیر تاریخ جاننے والوں کی صحبت حاصل کئے ہوئے نہایت صحیح قصہ بیان فرمادیا معلوم ہوا کہ آپ صاحب وحی ہیں تو ان کو معلوم ہوا کہ نبی کی ہیبت سے امت کو توبہ و تقویٰ بلکہ کافر کو ایمان نصیب ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت ہارون کی موجودگی میں بنی اسرائیل بچھڑا پوجتے رہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لاتے ہی ڈر کے مارے سب تائب ہو گئے۔ اب بھی جس کے دل میں حضور کی ہیبت ہے مومن ہے جو انہیں اپنے جیسا مان کر ان سے بے خوف ہے، کفر طغیان پر دلیر ہے۔ لوگوں کے دلوں میں حضور کی ہیبت بٹھاؤ تاکہ انہیں تقویٰ نصیب ہو۔ دسواں فائدہ: نبی کے ادب سے ایمان مل جاتا ہے اور بے ادب مارا جاتا ہے۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں معذرت پیش کی انہیں توبہ نصیب ہو گئی۔ سامری اکڑا مارا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے بوقت مقابلہ موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا کہ ان سے اجازت مانگ کر کرتب دکھائے۔ مومن، صابر، شہید سب کچھ ہو گئے۔ گیارہویں یہ کہ چالیس کا عدد رب کو بہت پیارا ہے، چالیس دن میں آدم کا خمیر ہوا اور چالیس دن میں موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملی، چالیس سال کی عمر میں اکثر پیغمبروں کو نبوت عطا ہوئی، چالیس دن ماں کے پیٹ میں نطفہ اپنی شکل پر رہتا ہے پھر چالیس دن تک خون پھر چالیس دن پارہ گوشت، بچے کی پیدائش کے بعد چالیس دن تک عورت کو نفاس آسکتا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں انسان کی عقل پختہ ہوتی ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ ایک حدیث نقل فرمائی کہ جو شخص چالیس دن خلوص دل سے عبادت کرے خدا تعالیٰ اس کے دل اور زبان پر حکمت کے چشمے ظاہر فرماتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ چالیس میں حالات کا انقلاب ہوتا ہے۔ اسی لئے صوفیاء کرام چالیس دن کے چلے کرتے ہیں اور یہ بھی مشہور ہے کہ جو شخص چالیس دن نماز پڑھ لے انشاء اللہ وہ نمازی ہو جاتا ہے۔ بارہویں یہ کہ اس سے معلوم ہوا کہ میت کا چالیسواں کرنا نہایت صحیح ہے۔ انوار ساطعہ نے بحوالہ بیہقی سیدنا انس سے روایت کی کہ انبیاء کرام اپنی قبور میں چالیس دن سے زیادہ نہیں چھوڑے جاتے ان کو بارگاہ الٰہی میں خاص قرب عطا فرمایا جاتا ہے زرقانی شرح مواہب نے اس حدیث کے معنے یوں بیان فرمائے کہ انبیاء کرام کی ارواح کا تعلق اپنے اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے اور پھر قرب الٰہی میں عبادت کرتی ہیں۔

تیرہویں یہ کہ کچھ دن کے لئے تارک الدنیا ہو کر عبادات و مجاہدہ کرنا ایمانی ترقی کا باعث ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے اس قصہ سے ثابت ہوا۔ صوفیائے کرام کا اسی پر عمل ہے چودہویں یہ کہ گناہ سے رحمت الٰہی جاتی رہتی ہے بنی اسرائیل کی خطا سے توریت کا اکثر حصہ غائب ہو گیا۔ حضور علیہ السلام شب قدر کی خبر دینے تشریف لائے دو شخص آپس میں لڑ رہے تھے فرمایا کہ ان کی لڑائی کی خطا سے شب قدر اٹھالی گئی اب سال بھر تلاش کرنی پڑتی ہے۔ یہ گناہ کا وبال ہے۔ پندرھویں یہ کہ تبرکات میں تاثیر ہوتی ہے دیکھو جسم جبریل کا گھوڑے سے مس ہوا اور گھوڑے کے سم مٹی سے پھر مٹی بچھڑے سے اتنے دور کی نسبت کے باوجود مٹی نے بچھڑے میں زندگی پیدا کر دی۔ اگر خاک مدینہ ایمانی زندگی بخشے تو کیا بعید ہے۔ سولہویں یہ کہ خبیث کو تبرکات سے الٹا فائدہ ہوتا ہے۔ اگر یہ مٹی کسی مومن کے پیٹ میں جاتی تو اس کے ذریعے ہزاروں کو ایمان مل جاتا چوں کہ مٹی فرعونی خبیث سونے میں لگ گئی تو اگرچہ زندگی پیدا کر دی مگر اس کی آواز سے لوگوں کو گمراہی ملی حدیث و قرآن اگر

خبیث کے ہاتھ میں جائے تو اس سے لوگ گمراہ ہوں گے۔

پہلا اعتراض : موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں توریت شریف کی تختیاں کیوں پھینکیں؟ اگر آج کوئی قرآن پاک پھینک دے تو کافر ہو جائے۔ حالانکہ اس کا کاغذ، لکھائی چھپائی سب انسانی صنعت ہے صرف کلام رب کا ہے۔ توریت شریف کی وہ تختیاں ان کی روشنائی اور تحریر سب ربانی تھیں اس کو پھینکنا کفر کیوں نہ ہوا۔ جواب: قرآن پاک کے گرنے میں تین صورتیں ہیں۔(1) غلطی سے گر جائے۔(2) کسی پر غصہ آجائے اور اتفاقاً اس وقت ہاتھ میں قرآن شریف ہو اور جھنجلا کر بے خودی میں گرا دیا جائے(3) خود قرآن کریم کی اہانت کے لئے پھینکا جائے۔ پہلی صورت میں گناہ بھی نہیں دوسری صورت حرام ہے مگر کفر نہیں تیسری صورت کفر ہے۔ موسیٰ سے یا تو وہ تختیاں غصے میں بلا قصد گریں یہ کوئی جرم نہیں یا قوم پر دین کی خاطر غصہ آیا اور جھنجلاہٹ میں گرا دیں یہ خطا ہوئی جس کی انہوں نے رب سے معافی چاہی کہ عرض کیا رب اغفرلی ولاخی توریت شریف کی توہین مقصود نہ تھی نیز توریت کی تختیوں پر کلام اللہ تھا اور موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ کلیم اللہ ان تختیوں سے یقیناً افضل ہیں۔ ہمارے اور احکام ہیں ان کے دوسرے دیکھو عام مسلمان مسجد میں بحالت جنابت نہیں آسکتے مگر حضرت صدیق کو اس کی اجازت تھی۔ دوسرا اعتراض: ہارون پیغمبر ہیں اور موسیٰ سے عمر میں بڑے موسیٰ نے ان کو بلا قصور مارا اس میں ان پر ظلم بھی ہوا اور نبی کی توہین بھی ظلم کرنا گناہ کبیرہ ہے اور نبی کی توہین کفر۔ جواب: موسیٰ کے اگر یہ افعال ناجائز ہوتے تو ان پر ضرور عتاب الٰہی آجاتا جیسے آدم پر گندم کھانے سے آیا۔ موسیٰ ہارون سے درجے میں افضل تھے ان سے خطاء اجتہادی ہوئی وہ سمجھے کہ حضرت ہارون نے تبلیغ میں کوشش نہ کی اس لئے ان پر عتاب کر دیا خطاء اجتہادی معاف ہے اگر حاکم غلطی سے کسی کو سزا دے دے تو اس کے بدلے حاکم کو سزا نہیں دی جا سکتی۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ

اور جبکہ فرمایا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے اے میری قوم تحقیق تم نے ظلم کیا جانوں

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا اے قوم میری تم نے بچھڑا بنا کر اپنی جانوں پر ظلم

بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ

اپنی پر بوجہ بنانے تمہارے بچھڑا پس توبہ کرو طرف پیدا کرنے والے اپنے کے پس قتل کرو جانوں

کیا تو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف رجوع لاؤ تو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ اِنَّهٗ

اپنی کو واسطے تمہارے نزدیک خالق تمہارے کے پس توبہ قبول کی اس نے اوپر تمہارے

یہ تمہارے پیدا کرنے والے کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے تو اس نے تمہاری توبہ

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

تحقیق وہ ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان

توبہ قبول کی بیشک وہ ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان

تعلق : اس آیت کا پہلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر ہے کیونکہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ ہم نے تمہارا گناہ معاف کر دیا' اب اس معافی کی کیفیت کا ذکر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ پہلے فرمایا گیا تھا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو "فرقان" یعنی فرق کرنے والی چیز عطا فرمائی' اب اسرائیلیوں کی توبہ کا ذکر ہوا کیونکہ توبہ بھی باغی اور خطاکار میں فرق کر دیتی ہے' یا توبہ کی برکت سے مجرم کے حال میں فرق آ جاتا ہے کہ وہ فاسق سے صالح بن جاتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس سے پہلے اسرائیلیوں پر نعمتوں کا ذکر ہوا اب پانچویں نعمت کا ذکر ہو رہا ہے یعنی ان کی توبہ قبول ہونا' البتہ فرق اتنا ہے کہ پہلے وہ نعمتیں ذکر کی گئیں جو ظاہر و باطن ہر طرح نعمتیں تھیں' یہاں اس نعمت کا ذکر ہے جو بظاہر زحمت اور حقیقتاً "نعمت ہے۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس آیت کا پہلے سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ پہلے نعمتوں کا ذکر تھا اور یہاں ان کے قتل کا' اور قتل عذاب ہے نہ کہ رحمت' مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس قتل سے بنی اسرائیل آخرت کے وبال سے بچ گئے اور دنیا سے شہید ہو کر گئے' گناہ سے معاف ہو گئے اور جس کے یہ فائدے ہوں وہ یقیناً" رحمت ہے' نہ کہ عذاب' شہادت بھی قتل سے حاصل ہوتی ہے اسے عذاب نہیں سمجھا جاتا' لہٰذا اس قتل کو نعمتوں میں شمار کرنا بالکل صحیح ہے' ڈاکٹر کا بیماری معلوم کر کے مریض کا آپریشن کرنا نعمت ہے' عذاب نہیں' اگر حاکم پھانسی کے ملزم کو جرمانہ لے کر چھوڑ دے تو یہ جرمانہ اس کے حق میں ہے عذاب نہیں' قتل سے آخرت میں معافی ہو جانا گویا جرمانے کے ذریعہ پھانسی سے بچ جانا ہے۔ نیز حق تعالیٰ نے ان کو قتل کا حکم دے کر سب مجرموں کو فنا نہ کر دیا بلکہ بعض کو باقی رکھا' جو مر گئے وہ شہید ہوئے جو بچے وہ مغفور۔ لہٰذا یہ نعمت ہوئی۔

تفسیر : **واذ قال موسی** یہاں بھی ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی اے بنی اسرائیلیو یاد کرو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یاد دلاؤ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے برادر معظم حضرت ہارون علیہ السلام سے واقعہ کی تحقیق فرمائی اور سامری کے حق میں بددعا کر چکے اور بچھڑے کو جلا کر اس کی راکھ دریا میں بہا چکے تب پوجنے والے اسرائیلیوں کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے فرمایا **لقومہ** اس جگہ قوم سے مراد ساری قوم نہیں ہے' بلکہ صرف بچھڑے کے پجاری' کیونکہ ظالم صرف وہی تھے' چونکہ ساری قوم کو بھی قوم کہہ دیتے ہیں اور قوم کے بعض لوگوں کو بھی اس لئے یہاں قوم فرمایا گیا۔ **یقوم** اصل میں **یا قومی** تھا جس کے معنی ہوئے اے میری قومی گرا دی گئی' یہ اضافت شفقت و مہربانی کے اظہار کے لئے ہے تاکہ قوم آپ کی اطاعت کرے' خیال رہے کہ لفظ قوم کے معنی ہیں۔ درست ہونا اور سیدھا ہونا۔ کہا جاتا ہے **اقام الصلوۃ** نماز کو درست یا سیدھا کرنا۔ **قیام الناس** لوگوں کا سیدھا کھڑا ہونا۔ **قوام لشی** چیز کی درستی' اب اصطلاح میں مشترک جماعت کو قوم کہا جاتا ہے' ہم پیشہ' ہم وطن' ہم مذہب اور ہم قبیلہ لوگوں کو قوم کہتے ہیں کیونکہ اس جماعت سے کسی چیز کا انتظام درست اور قائم رہتا ہے' کہتے ہیں تاجر قوم' ہندوستانی قوم' مسلم قوم اور سید قوم وغیرہ۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کا ان پجاریوں کو اپنی قوم فرمانا ہم وطن یا ہم

www.alahazratnetwork.org

قبیلہ ہونے کی وجہ سے ہے' یعنی اے میرے قبیلے یا وطن والو ہم مذہب ہونے کے لحاظ سے نہیں کیونکہ یہ لوگ مرتد ہو کر دین سے نکل چکے تھے اور ابھی توبہ نہ کی تھی' اسی طرح جس پیغمبر نے بھی کفار کو اپنی قوم فرمایا وہ اسی معنی میں ہے۔ **انکم ظلمتم انفسکم** یعنی اے پجاری اسرائیلیو تم نے نہ تو میرا کچھ بگاڑا اور نہ میرے بھائی حضرت ہارون کا اور نہ رب تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچایا ہم بیان کر چکے ہیں یہاں **ظلمتم** ستانے اور نقصان پہنچانے کے معنی میں ہے **انفس** یہ جمع نفس کی ہے نفس کے بہت سے معنے ہیں نفس امارہ نفس مطمئنہ وغیرہ کو بھی نفس کہتے ہیں اور ذات جان اور عین کو بھی نفس بولتے ہیں' یہاں آخری تین معنی مراد ہیں یعنی تم نے اپنی جانوں کو یا اپنی ذاتوں کو یا اپنے آپ کو نقصان پہنچایا۔ **باتخاذکم العجل** اگر یہاں معبود پوشیدہ ہو تو اس کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ تم سب نے بچھڑے کو معبود مان کر اپنے پر ظلم کیا اور اگر اتخاذ کے معنی بنانے کے کئے جائیں اور معبود پوشیدہ نہ ہو تو چونکہ یہ سارے پجاری بچھڑا بنانے میں سامری کے مددگار تھے' اس لئے یہ کام سب پجاریوں کا مانا گیا یعنی تم سب بچھڑا بنا کر ظالم ہو چکے' تب بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ یہ قصور تو ہم سے ہو چکا فرمایئے اس کا کفارہ کیا ہے تب آپ نے فرمایا **فتوبوا**۔ **ف** سببیہ ہے یعنی تم چونکہ ظالم ہو چکے لہٰذا توبہ کرو توبہ کے معنی اور اس کی ساری قسمیں ہم آدم علیہ السلام کے قصے میں بیان کر چکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو کہ توبہ دلی' زبانی' عملی ہر طرح کی ہوتی ہے وہ حضرات دلی توبہ یعنی ندامت اور زبانی توبہ یعنی اقرار جرم اور معذرت تو موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لاتے ہی کر چکے تھے مگر آپ نے عملی توبہ یعنی جرم کی سزا کا حکم دیا' اسلام میں بھی کبھی مجرم کو کفارہ' تعزیر' حد وغیرہ کا حکم دیا جاتا ہے' مگر کفر و شرک و ارتداد میں خیالی اور زبانی توبہ کافی ہوتی ہے' یہ حضور کی رحمت ہے۔ **الی بارئکم** یعنی تمہاری یہ توبہ محض مجھ کو راضی کرنے یا قوم کے دکھلاوے کے لئے نہ ہونی چاہئے بلکہ رضائے الٰہی کے لئے۔ خیال رہے کہ **بارء** برء سے بنا ہے' جس کے معنی ہیں دور ہونا یا کسی سے علیحدہ ہونا جیسے کہتے ہیں کہ **برء المریض** بیمار اچھا ہو گیا یعنی بیماری سے علیحدہ ہو گیا **برء المدیون** یا **برء العالق** یعنی مقروض اور تم والے نے قرض اور مرض سے خلاصی پائی اب ایجاد کرنے اور پیدا کرنے کو بھی برء کہنے لگے کیونکہ اس میں بھی نیستی سے علیحدہ ہو کر ہستی میں آنا ہوتا ہے' یہاں باری کے معنی خالق ہے یعنی اپنے پیدا کرنے والے کی طرف توبہ کرو' اس مقام میں ایک نہایت باریک نکتہ یہ ہے کہ اس کی عبادت چاہئے جس نے ہم کو بنایا اور اے اسرائیلیو تم نے اس کو بچھڑے کو پوجا جس کو خود تم نے بنایا بیوقوفی کی انتہا کر دی' خیال رہے کہ خالق اور باری اگرچہ قریباً" ہم معنی ہیں مگر ان میں اکثر فرق یہ کیا جاتا ہے کہ اجسام کا پیدا کرنا خلق اور روح کا پیدا فرمانا برء' کسی چیز سے بنانا خلق اور بلاواسطہ صرف کن سے پیدا فرمانا برء یا ظاہری پیدائش خلق باطنی کی برء اس لئے خلق کبھی بندے کی طرف منسوب نہیں ہوتی ہے' ہمارے اجسام مٹی غذا نطفہ سے بنائے گئے یہ ہوا خلق اور ارواح صرف امر کن ہے' یہ ہے برء اس لئے رب کو **باری النسمۃ** کہا جاتا ہے' ارواح کا پیدا فرمانے والا **فاقتلوا انفسکم** یہ جملہ توبہ کی تفسیر نہیں ہے کیونکہ توبہ کی حیثیت گذشتہ جرم پر نادم ہونا اور آئندہ عہد کرنا ہے' نہ کہ اپنے کو قتل کرنا بلکہ یہ توبہ کی شرط ہے یعنی تم اپنے کو قتل کراؤ جس سے تمہاری توبہ قبول ہو جائے جیسے آج بھی قاتل کی توبہ کی شرط یہ ہے کہ وہ اپنے کو قصاص کے لئے پیش کر دے یا غاصب کی توبہ کی شرط یہ ہے کہ مغصوب چیز مالک کو دے دے' اس طرح موسیٰ علیہ السلام کے دین میں مرتد کی توبہ بغیر قتل کی تیاری کے قبول نہ ہوتی تھی۔ قتل کے لغوی معنی ہیں کسی ہتھیار کے ذریعہ سے کسی کی جان نکالنا خواہ فوراً" یا مہلت سے' چاقو لاٹھی' تلوار پتھر وغیرہ سے سر پھاڑ کر مار ڈالنا بھی قتل ہے اور ان چیزوں سے زخمی کر دینا جس کے بعد

www.alahazratnetwork.org

عرصہ بعد زخمی مرجائے یہ بھی قتل ہے موت کا سبب قائم کرنا قتل نہیں راستے میں کنواں کھود دیا جس سے کوئی گر کر مرگیا یہ قتل نہیں اور ذبح یہ ہے کہ دھار والی چیز سے گردن کاٹ دی جائے' یہاں دوسرے ہی معنی مراد ہیں' ظاہری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خودکشی کرنے کا حکم دیا گیا' یعنی ہر مجرم خود اپنے کو ہلاک کرے لیکن یہ معنی روایت کے خلاف ہیں اس لئے مفسرین فرماتے ہیں کہ یا تو اس کا مقصود یہ ہے کہ اپنے آپ کو قتل کے لئے پیش کردو اور یا یہ خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جو بچھڑے کی پوجا سے محفوظ رہے' یعنی اے بے گناہ اسرائیلیو تم اپنے نفسوں یعنی اپنے اہل قرابت مجرموں کو قتل کر ڈالو چونکہ قبیلے کو قتل کرنا گویا اپنے کو قتل کرنا ہے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **ولا تلمزوا انفسکم** یہاں بھی انفس سے مراد مسلمان بھائی ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ خطاب بھی مجرموں سے ہی ہے' یعنی اے مجرموں تم ایک دوسرے کو قتل کرو **فلکم خیر لکم** یہ کلام بھی موسیٰ علیہ السلام کا ہے یعنی اے اسرائیلیو! یہ قتل ہو جانا اور توبہ کرلینا زندہ رہنے سے بہتر ہے' کیونکہ توبہ کی موت جرم کی زندگی سے اچھی ہے کیونکہ وہ موت حیات ابدی اور فرحت سرمدی کا ذریعہ ہے اور شرک کی نجاست سے طہارت' **عند بارئکم** یعنی خالق" یہ بہت سخت ہے نفس پر بڑا بھاری ہے بیوقوفوں کے نزدیک بڑا برا ہے مگر رب کے نزدیک بہت بہتر۔ **فتاب علیکم** یہ رب کا کلام ہے اور اس میں مدینہ پاک کے اسرائیلیوں سے خطاب ہے۔ یعنی تمہارے باپ دادوں نے بخوشی جان دینا منظور کی اور کئی ہزار آدمی ذبح ہو گئے لہٰذا ہم نے ان پر کرم فرمایا اور ان کی توبہ قبول کرلی' محبوب کا جان لے کر بھی راضی ہو جانا عین کرم ہے اور فانی چیز فنا کر کے نعمت باقیہ عطا فرما دینا عین اس کی مہربانی ہے۔ **انہ ہو التواب۔** تواب کے معنی ہیں بہت توبہ قبول کرنے والا اور یا توبہ کی توفیق دینے والا' یعنی اس کے فضل سے بندہ توبہ کرنے کی ہمت کرلیتا ہے اور پھر وہی اپنے فضل سے قبول فرمالیتا ہے۔ **الرحیم۔** بڑی رحمت والا ہے کہ اس نے قتل کو کفارہ گناہ بنا دیا اور بعضوں کو قتل کرا کر سب کے گناہ معاف کر دیئے اور مقتولین کو شہداء اور محفوظین کو مغفور اور قاتلین کو غازی بنا دیا۔ خیال رہے کہ تواب کے معنی ہیں بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا۔ اس طرح کہ بندہ بار بار گناہ کرتا ہے وہ بار بار بخشتا ہے کیونکہ ہماری خطائیں محدود ہیں اس کی عطائیں غیر محدود' یا بڑے سے بڑا گناہ بخش دینے والا ہے وہ یہ نہیں دیکھتا کہ بندے کا گناہ کیسا ہے بلکہ یہ دیکھتا ہے کہ میری مغفرت کیسی ہے رحیم کے فرمانے کا منشاء یہ ہے کہ اپنی رحمت و کرم سے گناہ بخشتا ہے نہ کہ بندے کی وصولی استحقاق سے اگر توبہ کرا کر بخش دے تو بھی اس کی مہربانی ہے۔

خلاصہ تفسیر : یہ پانچواں انعام یاد دلایا جا رہا ہے کہ اے بچھڑا پوجنے والے اسرائیلیو! اگر تم کو اس جرم کی سزا میں اس سرے تک ہلاک کیا جاتا تو بھی کوئی بات نہ تھی کیونکہ تم نے بغاوت کی تھی باغی کی سزا یہی ہے' جیسا کہ فرعون کی قوم کے ساتھ کیا گیا' مگر پھر بھی تم پر کرم کیا گیا کہ تم سے موسیٰ نے فرمایا تم ظالم ہو چکے لہٰذا توبہ کرو اور اپنی جانوں کو قتل کے لئے پیش کردو' پھر تم کو اس بھاری کام کی ہمت بھی ہم نے دی کہ تم نے اس بوجھ کو برداشت کرلیا' پھر کچھ لوگوں کو قتل کرا کر سب کی خطا معاف کر دی بلکہ مقتولین کو درجہ شہادت عطا فرما دیا یعنی باغی تھے انہیں شہید بنا دیا' بے شک رب تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

قتل بنی اسرائیل : جب موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑا پوجنے والوں کو قتل کا حکم دیا تو انہوں نے کہا کہ ہم رب کے حکم پر راضی ہیں' تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ مجرمین بغیر ہتھیار اور بغیر خود اور زرہ کے باہر آجائیں اور اپنے

www.alahazratnetwork.org

دروازوں پر دو زانوں بیٹھ جائیں اور اپنے زانو اپنی پیٹھ سے باندھ لیں اور اپنے سر زانوں پر رکھ لیں اور تلوار اپنی گردن پر لیں' نہ تو کوئی اپنا زانو بند کھولے نہ تڑپے اور نہ ہاتھ پاؤں مارے۔ اگر کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی قاتل کو دیکھا یا اس کی تلوار کو اپنے ہاتھ' یا پاؤں سے روکا تو اس کی توبہ قبول نہ ہوگی جب یہ سب لوگ اس پر تیار ہو گئے تو موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون سے فرمایا کہ ان بارہ ہزار آدمیوں کو حکم دو جو بچھڑے کی پوجا سے محفوظ رہے کہ ننگی تلواریں لے کر ان بندھے ہوئے آدمیوں کے پاس جائیں اور انہیں قتل کرنا شروع کر دیں چنانچہ اس پر فوراً" عمل کیا گیا" آپ نے ایک بلند جگہ کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے مجرم اسرائیلیو! تمہارے بھائی تلواریں سونتے ہوئے تمہیں قتل کرنے آرہے ہیں' اللہ سے ڈرو اور صبر کرو۔ جب قاتلین مجرمین کے پاس پہنچے تو محبت کی وجہ سے قتل نہ کر سکے کیونکہ یہ ان کے بھائی بھتیجے اور بیٹے پوتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہمارے ہاتھ ان پر نہیں اٹھتے اپنے ہاتھوں سے اپنے جگر کے ٹکڑوں کو کیسے قتل کیا جائے' تب ان پر ایک نہایت سیاہ بادل بھیجا گیا جس سے سارے میدان میں اندھیرا ہو گیا اور کوئی کسی کو نہ دیکھ سکا اور حکم ہوا کہ جاؤ اب انہیں قتل کرو' چنانچہ ایک دن میں اور بعض روایت میں ہے کہ تین دن میں ستر ہزار آدمی قتل ہو گئے تب بنی اسرائیل کے بچے اور عورتیں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر شور فریاد کرنے لگے کہ اے موسیٰ رب سے رحم کی درخواست کرو حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام ننگے سر روتے ہوئے عاجزی کرتے ہوئے میدان میں آئے اور عرض کیا اے مولیٰ اسرائیلی ہلاک ہوئے جا رہے ہیں' تب رحم فرمایا تب وہ بادل سیاہ ہٹا اور حکم آیا کہ اب قتل بند کرو' سب کی توبہ قبول ہو گئی ہم ان سب کو جنت دیں گے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت تو یکدم عطا ہو گئی اب ان کا "فاقتلوا" اپنی قوم کو اس قسم کے احکام دینا یہ آپ کی حدیث تھی' کتاب اللہ کی آیات نہ تھیں۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر ڈاکیہ کی طرح صرف کتاب پہنچانے والے نہیں ہوتے اور انہیں کتاب اللہ ہی نہیں ملتی بلکہ وہ حضرات علاوہ کتاب کے اور بہت کچھ دیتے ہیں اور انہیں دوسری وحی بھی ہوتی رہتی ہے جب کلیم اللہ کی حدیث قابل عمل تھی تو احادیث رسول اللہ بھی یقیناً" لازم العمل ہیں اس سے وہ منکرین حدیث عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ حضور صرف قرآن لائے نبی صرف ڈاکیے ہوتے ہیں سوا کتاب کے اور کچھ نہیں لاتے اللہ کچھ دے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ کفار کو مسلمان اپنی قوم کہہ سکتا ہے مگر ہم وطن یا ہم قبیلہ کے معنی میں' نہ کہ بمعنی ہم مذہب کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان مرتدین کو اپنی قوم فرمایا۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہ تبلیغ نرمی اور محبت سے چاہئے کیونکہ اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے اور سختی سے دلوں میں ضد پیدا ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں یا قوم فرمایا۔ حضرت نوح نے بیدین بیٹے کو یا بنی فرمایا' ہاں جب کسی کے ایمان کی امید نہ رہے تو اس پر خوب سختی کرنا سنت الہیہ' سنت نبویہ اور سنت صحابہ ہے' قرآن کریم فرماتا ہے **واغلظ علیھم** اے نبی ان بے ایمانوں پر خوب سختی فرمایئے نیز خود رب تعالیٰ نے ابولہب وغیرہ کفار کی سخت برائیاں بیان فرمائیں حتی کہ ولید کے سورہ ن میں گیارہ عیوب بیان کئے اور آخر میں فرمایا زنیم وہ حرام کا جنا ہے جو شخص لاعلاج کافروں پر خوشدلانہ نرمی کرتا ہے وہ خود دین میں مداہن ہے ہم تو نماز سے پہلے بھی شیطان کو رجیم کہہ لیتے ہیں تو نماز پڑھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کفار کے ساتھ نرم برتاؤ فرمایا وہ وہی کفار تھے جن کے ایمان کی امید تھی اگر ہر کافر سے خوش خلقی برتی گئی تھی تو جہاد کس سے ہوا' غرضکہ ہماری نرمی اور سختی دونوں اللہ کے لئے چاہئیں نہ کہ

www.alahazratnetwork.org

اپنی ذات کے لئے' تبلیغ نہایت نرمی سے کی جائے اور تردید خوب سختی سے۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ موجودہ بنی اسرائیل کو دعوت دی گئی کہ تمہارے باپ دادوں نے توبہ کے لئے اپنے کو قتل کردیا' اب نبی آخرالزمان بغیر قتل ہی کے نہایت نرم توبہ کی دعوت دے رہے ہیں اس کی قدر کرو' اور توبہ کرو **چوتھا فائدہ:** یہ کہ مسلمانوں کو توبہ میں بہت جلدی کرنی چاہئے' دیکھو اسرائیلیوں پر توبہ کرنا بہت دشوار تھا اور مسلمانوں کے لئے آسان ہے اگر اب بھی توبہ نہ کریں تو ان کی سخت بد نصیبی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سارے جہان کے لئے نعمت ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کی وجہ سے تمام وہ مصیبتیں جو بنی اسرائیل پر تھیں ٹل گئیں۔ (1) ان کے ناپاک عضو کو کاٹنا پڑتا تھا۔ (2) ان کی نماز سوا مسجد کے اور کہیں نہ ہو سکتی تھی۔ (3) ان کی طہارت صرف پانی سے ہی ہو سکتی تھی۔ (4) ان کا روزہ دار رات کو سونے کے بعد کچھ نہ کھا پی سکتا تھا۔ (5) ان پر گناہوں کی وجہ سے حلال چیزیں حرام ہو جاتی تھیں۔ (6) ان پر چوتھائی مال کی زکوۃ واجب تھی روپے میں چار آنہ ان کے رات کے چھپے ہوئے گناہ صبح دروازے پر لکھے جاتے تھے جس سے وہ سخت رسوا ہو جاتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ (تفسیر روح البیان) اسلام میں ان میں سے کوئی بات نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** یہ کہ توبہ حق تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' توبہ کے چار درجے ہیں' ایک نفس امارہ کی توبہ جو کہ عام مسلمانوں کو حاصل ہوتی ہے اس کی حقیقت بری باتوں سے بچنا اچھے کام کرنا فوت شدہ عبادتیں قضا کرنا حق والوں کے حق دے دینا۔ مظلوموں سے معافی مانگ لینا۔ گزشتہ گناہوں سے شرمندہ ہونا اور آئندہ بچنے کا عہد کرنا ہے اسے توبہ محض کہتے ہیں یا توبہ نصوح۔ دوسرا درجہ نفس لوامہ کی توبہ ہے۔ یہ اولیاء اللہ اور مومنین خاص کو حاصل ہوتی ہے اس کی حقیقت ترک دنیا اور حق سے غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا' اخلاق کی درستی نفس کی صفائی اور اس کی مخالفت ہے' اس کا نام انابت ہے اس سے نفس امارہ قلب منیب کے درجہ میں آجاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے **وجاء بقلب منیب** تیسرا درجہ نفس ملہمہ کی توبہ ہے یہ خاص اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہے۔ جس کی حقیقت دنیا سے نفرت اور آخرت کی طرف رغبت ہے اس کا نام اوبہ ہے اس کی برکت سے نفس روح کے مقام میں داخل ہو جاتا ہے اور تنہائی پسند کرتا ہے۔ خلقت سے وحشت اور خالق سے رغبت رکھتا ہے اور خالق کی طلب میں کونین سے بے تعلق ہو جاتا ہے چوتھا درجہ نفس مطمئنہ کی توبہ ہے یہ خاص اولیاء اور انبیاء کرام کو حاصل ہوتی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خود عنایت ربانی ان نفسوں کو اپنی طرف کھینچتی ہے (جیسے مقناطیس لوہے کو) اور اپنی انانیت سے نکال کر ربوبیت کی ہویت میں گم کر دیتی ہے اس درجے میں دوئی سے نفرت اور یکی طلب ہوتی ہے ادھر سے حکم ہوتا ہے کہ **ارجعی الی ربک** اور اس طرف سے بزبان حال عرض ہوتی ہے کہ۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں ۔۔۔ مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

ساتواں فائدہ: قرآن سے ثابت ہے کہ مرتد کی سزا قتل ہے' مرتدین بنی اسرائیل کو قتل کا حکم دیا گیا منکرین حدیث کہتے ہیں کہ قتل مرتد ظلم ہے اور قرآن سے ثابت نہیں صرف حدیث سے ثابت ہے لہذا نا قابل عمل وہ اس آیت میں غور کریں جب دنیاوی حکومتوں کے باغی قتل کر دیئے جاتے ہیں تو حکومت الٰہیہ کا باغی قتل کیوں نہ کیا جائے البتہ اسلام میں مرتد کو اولاً" دوبارہ مسلمان ہو جانے کا حکم دیا جاتا ہے نہ مانے تو قتل دین موسوی میں خود قتل ہی اصل توبہ قرار دیا گیا غرضکہ حدیث میں قتل مرتد کی اصل قرآن سے ملتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : ہر قوم بچھڑے کی پجاری ہے۔ جو چیز رب سے غافل کرے وہی بچھڑا ہے کوئی دولت کے بچھڑے کی پوجا کر رہا ہے اور کوئی شہوت کے اور کوئی عزت کے بچھڑے کی' کوئی خواہشات نفسانی کے بچھڑے کی' ہر مومن کا قلب جو مثل موسیٰ کے ہادی ہے بنی اسرائیلی خواہشات سے پکار کر کہہ رہا ہے کہ تم نے اس بچھڑے کی پوجا کر کے اپنے پر ظلم کر لیا ہے اب تم ماسوی اللہ کو چھوڑ کر متوجہ الی اللہ ہو جاؤ اور اپنے نفس امارہ کو قتل کر ڈالو اللہ کی مدد مانگو کافر کو لوہے کی تلوار سے قتل کیا جاتا ہے۔ مگر نفس کو صدق وصفا کی تلوار سے کافر کا قاتل غازی اور اس کا مقتول شہید ہے اور نفس کا قاتل صدیق ہے اور یقیناً "صدیق کا درجہ غازی اور شہید سے زیادہ ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے صدیقین کو شہداء سے پہلے بیان فرمایا' نبی علیہ السلام نے جہاد کفار کو جہاد اصغر اور جہاد نفس ناہنجار کو جہاد اکبر فرمایا۔ کیونکہ وہ مجاہد تو ایک بار قتل ہو کر مصیبتوں سے بچ جاتا ہے اور اس کے سارے اعمال بھی ختم ہو جاتے ہیں لیکن صدیق ہر دن ہزاروں بار نفس کو قتل کرتا اور ہر قتل میں نئی لذت پاتا ہے اس لئے فرمایا گیا کہ فلکم خیر لکم یعنی نفس کو صدق کی تلوار سے قتل کرنا تمہارے واسطے بہتر ہے کیونکہ اس کے ہر قتل میں بلندی ہے اور ہر حملے میں ایک درجہ کسی شاعر نے کیسا خوب کہا ہے۔

کشتگان خنجر تسلیم را ! ! ہر زمان از غیب جان دیگر است

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَی اللّٰهَ جَهْرَةً
اور جبکہ کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہ ایمان لائیں گے ہم واسطے آپکے یہاں تک کہ دیکھ لیں ہم اللہ کو ظاہر ظہور
اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ لائیں گے جب تک علانیہ خدا کو نہ دیکھ لیں
فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۞ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ
پس پکڑ لیا تم کو کڑک نے اور حالانکہ تم رگ دیکھ رہے تھے پھر زندہ کیا ہم نے تم کو
تو تمہیں کڑک نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر مرے پیچھے
مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۞
سے مرنے کے بعد تاکہ تم شکر کرو
ہم نے تمہیں زندہ کیا کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے پانچ نعمتیں بیان کی جا چکیں جو کہ بنی اسرائیل پر کی گئیں اب چھٹی نعمت کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کے شرک کرنے کا ذکر ہوا ہے' اب مخالفت پیغمبر کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ ایک بار تو مشرک ہوئے اور دوسری بار موسیٰ علیہ السلام کے منکر' تیسرے یہ کہ اس سے پہلے

www.alahazratnetwork.org

بھی ان کے قتل کئے جانے کا ذکر ہوا اور اب بھی ان کے مارے جانے کا یعنی جب انہوں نے بت پرستی کی تب تو ستر ہزار ذبح کرا دیئے گئے اور جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کی تو ان کو کڑک کی آواز سے ہلاک کر دیا گیا۔ مگر فرق یہ ہے کہ اس بار موسیٰ علیہ السلام کے عرض کرنے پر دوبارہ ان کو زندگی دے دی گئی چوتھے یہ کہ پہلے توبہ و کفارہ کے ذریعہ گناہ معاف ہونے کا ذکر تھا اب شفاعت کلیم اللہ کے ذریعے معافی کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ شفاعت وہاں کام آتی ہے جہاں سارے ذریعے ختم ہو جاتے ہیں جہاں تدبیر ختم ہو وہاں تقدیر کام کرتی ہے اور جہاں تقدیر بگڑ جائے وہاں شفاعت کارگر ہوتی ہے کہ شفاعت سے بگڑی تقدیریں بن جاتی ہیں اس لئے توبہ کی معافی کا ذکر پہلے اور شفاعت کی معافی کا ذکر بعد میں ہوا۔

تفسیر : واذ قلتم یہاں بھی وہی فعل پوشیدہ یعنی اے اسرائیلیو! تم اس وقت کو بھی یاد کرو یا اے نبی علیہ السلام انہیں وہ وقت بھی یاد دلاؤ جبکہ تم نے کہا تھا یہاں ان ستر آدمیوں کا کہا مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر گئے تھے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام دوبار اپنے ساتھ ستر اسرائیلیوں کو کوہ طور پر لے گئے تھے پہلے توریت لینے کے وقت اور دوسرے اس جرم کے بعد یہاں دوسری بار کا ذکر ہو رہا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے قتل سے پہلے ہوا یا بعد میں بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ پہلے ہوا۔ یعنی جبکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو بچھڑا پرستی سے کفارے میں قتل کا حکم دیا تب انہوں نے کہا کہ ہمیں کیسے یقین آئے کہ آپ کو رب نے حکم دیا ہے تب آپ ان میں سے ستر نیک لوگوں کو طور پر لے گئے اور وہاں یہ واقعہ پیش آیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ قتل کے بعد ہوا۔ یعنی جب ستر ہزار بنی اسرائیل قتل ہو چکے تو موسیٰ علیہ السلام اس بت پرستی کی معذرت کرنے کے لئے بحکم پروردگار ان ستر آدمیوں کو طور پر لے گئے اور وہاں یہ واقعہ پیش ہوا۔ **یموسی** اس زمانے میں پیغمبروں کو نام لے کر پکارنا جائز تھا۔ ہمارے لئے حکم قرآنی ہے کہ ہم حضور علیہ السلام کو عام معمولی خطابوں سے نہ پکاریں بلکہ ادب کے ساتھ ہمارے نبی علیہ السلام کو رب نے بھی نام لے کر نہ پکارا بلکہ ان کے پیارے القاب کے ساتھ 'بارگاہ مصطفوی کے ادب کا یہ عالم ہے کہ حضرت فاطمہ زہرا ابا کہہ کر۔ حضرت علی مرتضیٰ بھیا کہہ کر۔ حضرت عباس بھتیجا کہہ کر نہیں پکارتے۔ سب یہ ہی عرض کرتے ہیں یارسول اللہ یا نبی اللہ 'بلکہ حضور کو ایسے القاب سے پکارا جاتا ہے۔ جن سے راجہ نواب بادشاہ سلامت کہہ کر نہ پکارو سلطان الانبیاء کو **لن نومن لک** اس کے معنی ہیں کہ ہم آپ کی بات نہ مانیں گے 'یا صرف آپ کی وجہ سے اس پر ایمان نہ لائیں گے **حتی نری اللہ جھرۃ** ۔ **نری** رؤیت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں دیکھنا 'یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے نہ دلائل کے ذریعہ عقل سے پہچاننا کیونکہ یہ تو ان کو پہلے بھی حاصل تھا اس لئے وہ کہتے ہیں **جھرۃ** یعنی صاف صاف اور ظاہر ظہور۔ **جھر** کے لغوی معنے ہیں ظہور اور کشف بلند آواز کو صوت جہر کہتے ہیں اور خوبصورت چہرے کو وجہ جھیر نیز اہل عرب بولتے ہیں کہ **جھرت الشئی** یعنی اس چیز کی میں نے تحقیقات کر لی اور **جھرت البیر** کنوئیں کا پانی کیچڑ وغیرہ نکال کر صاف کر دیا ان اسرائیلیوں کا مقصد یہ تھا کہ ہم خدا کو صورت و شکل میں دیکھنا چاہتے ہیں نہ کہ باطنی خیالات سے اور نہ اس طرح جیسا کہ آخرت میں بلا کیف اس کے دیدار کا وعدہ ہے کیونکہ یہ ہماری عقل میں نہیں آتا۔ **فاخذتکم الصعقۃ** یہاں **صعقۃ** سے مراد آسمانی آگ ہے نہ وہ بجلی جو کہ بادل سے نکل کر گرتی ہے کیونکہ اس وقت طور پر بادل نہ تھا 'نیز بادل کی بجلی ایک شخص پر گرتی ہے نہ کہ جماعت پر (تفسیر عزیزی) بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس کے گرنے سے وہ لوگ صرف بیہوش ہو گئے تھے '

www.alahazratnetwork.org

مرے نہ تھے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی یہی فرمایا گیا ہے کہ **وخر موسی صعقا** یہاں صعق سے مراد بیہوشی ہے نہ کہ موت نیز اس جگہ فرمایا جارہا ہے **وانتم تنظرون** یعنی تم اس کو دیکھ رہے تھے اگر یہ لوگ مرگئے ہوتے تو دیکھنے کے کیا معنی مگر صحیح یہ ہے کہ یہ لوگ مرگئے تھے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **ثم بعثنکم من بعدتکم** اور لفظ صعق قرآن کریم میں مرنے کے معنی میں بھی ارشاد ہوا ہے رب فرماتا ہے۔ **ثم نفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون۔**

یعنی تم اس **صعقہ** کا آنا اور بعض کا ہلاک ہونا اپنی آنکھ سے دیکھ رہے تھے کیونکہ یہ لوگ ترتیب وار ہلاک ہوئے تم ان کی ہلاکت دیکھ کرنہ تو بچ سکے اور نہ کہیں بھاگ کر جاسکے **ثم بعثنکم** چونکہ یہ لوگ ایک دن اور رات مردہ رہے دوسرے روز زندہ کیے گئے اس لئے یہاں **ثم** فرمایا گیا یعنی تم کو مار کر کچھ دیر کے بعد زندہ کیا گیا نہ کہ فوراً" **بعثنا۔** **بعث** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اٹھنا بھیجنا اور زندہ کرنا۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی زندہ کرنا جس طرح کہ یہ لوگ ترتیب وار مرے تھے اسی طرح ترتیب وار زندہ ہوئے تاکہ ہر ایک مرنا اور جینا آنکھوں سے دیکھ لے **من بعد موتکم** اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ لوگ حقیقت میں مرگئے تھے ان پر بیہوشی طاری نہ ہوئی تھی موت سے بیہوشی مراد لینا بلا دلیل ہے۔ **لعلکم تشکرون** یہ سارے کام اس لئے ہوئے کہ تم زندگی پانے اور ایمان پانے کا شکر کرو اور آئندہ پیغمبر سے اس قسم کے مطالبے نہ کیا کرو۔

خلاصہ تفسیر : اے اسرائیلیو تم اس نعمت کو یاد کرو جب کہ تم میں سے کچھ لوگ کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گئے اور انہوں نے اپنے کانوں سے رب کا کلام سنا جو موسیٰ علیہ السلام سے ہو رہا تھا اس پر بھی انہوں نے کہا اے موسیٰ ہم تو جب مانیں جبکہ اپنی آنکھوں سے رب کو دیکھ لیں۔ یہ جرم اتنا سنگین تھا کہ اس پر سخت سزا تم کو ملنا چاہئے تھی کیونکہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کا اعتبار نہ کیا تم کو آسمانی آگ سے ہلاک کر دیا گیا پھر موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر دوبارہ زندہ کیا گیا تم نے سرکشی پر سرکشی کی خطا پر خطا کرتے رہے مگر ہم عطا پر عطا کرتے رہے۔ جس طرح گزشتہ زمانے میں تمہاری خطائیں معاف ہوتی رہیں اگر اب بھی اپنی خطاؤں پر نادم ہو کر اس نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ تو تمہاری خطائیں معاف فرما دی جاویں جیسا کہ ہم کرم فرمایا ہی کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ ان اسرائیلیوں کی زندگی یا تو ختم ہو چکی تھی پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے دوبارہ زندگی ملی جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے عرصہ کے مردے زندہ ہوتے اور پھر دوبارہ زندگی پا کر جیتے رہتے تھے نبی کی دعا سے زندگی ملتی بھی ہے اور بڑھتی بھی ہے جیسے چراغ کا روغن بتی ختم ہونے پر دوبارہ ڈال دیا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ابھی ان کی عمریں ختم نہ ہوئی تھیں مگر موسیٰ علیہ السلام کی ناراضگی سے ایسے مرگئے جیسے چراغ میں تیل بتی ہو مگر ہوا سے بجھ جائے اور پھر روشن کر دیا جائے قانون یہ ہے کہ وقت سے پہلے موت نہ آئے **اذا جاء اجلهم لا یستاخرون ساعته ولا یستقدمون** مگر قدرت یہ ہے کہ موت آگے پیچھے ہو جائے جیسے یہ واقعات وہاں قانون کا ذکر ہے یہاں قدرت کا ہم لوگ قانون کے پابند ہیں نہ کہ رب تعالیٰ اس لئے وہاں فرمایا گیا **لا یستاخرون** الخ۔ یعنی لوگ آگے پیچھے نہیں کر سکتے، رب چاہے تو کر دے۔

بنی اسرائیل کی موت اور ان کا پھر زندہ ہونا : جب ستر ہزار اسرائیلی کفارے میں قتل ہو چکے تب موسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوا کہ تم کچھ باقیماندہ لوگوں کو لے کر اس گناہ کی معذرت کے لئے کوہ طور پر حاضر ہو اور وہاں یہ لوگ اپنی قوم کی طرف سے معافی چاہیں کیونکہ یہ وہ جنگل ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام رب سے ہم کلام ہوتے ہیں، جنگل کی برکت سے توبہ جلد قبول

www.alahazratnetwork.org

ہوگی۔ جیسے مدینہ منورہ میں عبادات۔ یہاں انہوں نے شرک کیا ہے یہاں یہ توبہ نہ کریں' جیسے مندر یا گرجا میں نماز نہیں پڑھی جاتی' چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے ان میں سے ستر بہترین آدمی چنے جب یہ لوگ طور کی طرف روانہ ہوئے تب انہوں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ ہمیں رب کا کلام سنواو آپ نے دعا فرمائی رب نے قبول کی' جب کوہ طور پر پہنچے تو آپ نے فرمایا کہ تم سب غسل کرلو' اپنے تمام گناہوں سے توبہ کرو اور تین تین روزے رکھو اور تسبیح و تہلیل میں مشغول رہو جب آپ پہاڑ پر پہنچے تو ان لوگوں کو نیچے کھڑا کیا اور خود اوپر تشریف لے گئے' انہوں نے دیکھا کہ ایک نورانی ستون ابر سفید کے رنگ کا نمودار ہوا اور آہستہ آہستہ پھیلتا گیا۔ یہاں تک کہ سارے پہاڑ کو اس نے گھیر لیا اور موسیٰ علیہ السلام اس میں گھر گئے پھر رب نے ان سے کلام فرمایا یہ لوگ نیچے کھڑے ہوئے کلام الٰہی سن رہے تھے انہوں نے عرض کیا کہ یہ تمام گفتگو صرف موسیٰ سے ہو رہی ہے ہم پر بھی کرم فرمایا جاوے اور کوئی بات ہم سے بھی خطاب کر کے فرمادی جائے' کہ یکایک نور کی تجلی ان کی طرف کوندی اور پھر ان کے کان میں آواز آئی کہ **انی انا اللہ لا الہ الا انا ذوبکۃ اخرجکم من ارض مصر فاعبدونی ولا تعبدوا غیری** یعنی ہم اللہ ہیں ہمارے سوا کوئی معبود نہیں ہم مکہ والے ہیں ہم تم کو مصر سے نکالیں گے تم ہماری ہی عبادت کرنا کسی اور کی نہ کرنا' جب یہ ابر صاف ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام نیچے تشریف لائے تب آپ نے پوچھا کہ کہو تم نے رب کا کلام سنا' وہ بولے کہ سنا تو ہے مگر کیا خبر کہ کون بول رہا تھا۔ ہم نے رب کو نہ دیکھا' یہ صرف آپ فرماتے ہیں کہ بولنے والا رب تھا۔ ہم کو یقین نہیں آتا آپ رب کو صاف صاف شکل و صورت میں دکھلا دیں تو ہم مان لیں گے۔ تب ان پر آسمانی آگ مع سخت آواز کے آئی جس سے وہ سب مردہ ہو گئے' ایک دن و رات مردہ رہے' موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ اب بنی اسرائیل کو کیا جواب دوں گا وہ کہیں گے کہ تم نے ستر ہزار آدمی تو یہاں قتل کروائے اور ستر آدمی باہر لے جا کر نہ معلوم کس طرح ہلاک کر دیئے' مولیٰ میری بدنامی ہو گی' میں تو ان کو اپنا گواہ بنا کر لایا تھا' یہ کیا ہو گیا' خدایا تو انہیں زندہ فرمادے' ان کی دعا سے یہ تمام لوگ ترتیب وار زندہ ہو گئے اور پھر موسیٰ علیہ السلام ان سب کو لے کر واپس تشریف لائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **ایک فائدہ:** یہ کہ انبیاء کرام کی ایسی شان ہے کہ ان کی بارگاہ میں بے ادبی کرنے سے عذاب الٰہی آتا ہے' کیونکہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا اعتبار نہ کیا اس لئے موت میں گرفتار ہوئے۔ **دوسرا فائدہ:** حق تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دعا سے مردے زندہ فرماتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ رب تعالیٰ کو انبیاء کرام کی عزت و عظمت باقی رکھنا منظور ہے کہ صرف موسیٰ علیہ السلام کی عزت و عظمت برقرار رکھنے کے لئے یہ زندگی ان کو عطا ہوئی۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ اگر موجودہ بنی اسرائیل حضور علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ایمان نہ لائیں تو تعجب نہ کرنا چاہئے' کیونکہ یہ تو رب کا کلام سن کر بھی نہ مانے تھے **پانچواں فائدہ:** یہ کہ اے نبی علیہ السلام آپ ان کی مخالفت پر رنجیدہ نہ ہوں یہ تو مخالفت کرنے کے عادی ہو چکے ہیں۔ رب تعالیٰ ضد اور ہٹ دھرمی سے بچائے آمین۔ **چھٹا فائدہ:** متبرک مقامات پر عبادات یا دعا کرنی کرانی سنت انبیاء ہے کہ بنی اسرائیل کو کوہ طور پر بلا کر توبہ و معذرت کرائی گئی جو لوگ مزاروں کے قرب میں مساجد بناتے ہیں یا ان کے عبادت خانوں' اعتکاف کی جگہ نمازیں یا دعائیں ادا کرتے ہیں ان کی دلیل یہ آیت ہے حضرت عبداللہ ابن عمر مکہ معظمہ کے راستے میں ہر اس جگہ نفل پڑھتے جہاں حضور نے قیام فرمایا تھا۔ **ساتواں فائدہ:** نبی کا انکار کر کے کوئی عبادت یا دعا یا عشق الٰہی

www.alahazratnetwork.org

قبول نہیں رب کے دیدار کی تمنا بہترین عبادت تھی مگر چونکہ ان اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام کا انکار کرتے ہوئے یہ کی اس لئے عذاب میں گرفتار ہوئے آٹھواں فائدہ: نبی کی شفاعت وہاں کام آتی ہے جہاں کوئی حیلہ و تدبیر کام نہیں آتی یہ اسرائیلی خود تو مرچکے تھے اب ان کی معافی اور گئی ہوئی زندگی ملنا موسیٰ علیہ السلام کی شفاعت سے ہوئی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: جب رب نے ان ستر آدمیوں سے بھی کلام فرمایا تو چاہئے کہ ان کو بھی کلیم اللہ کہا جائے صرف موسیٰ علیہ السلام کی یہ خصوصیت نہ رہی۔ جواب: کلیم اللہ وہ جو خود رب سے کلام کرکے جواب حاصل کرے یہاں ایسا نہ ہوا صرف کلام الٰہی ان کو سنا دیا گیا مخاطبہ نہ ہوا۔ دوسرا اعتراض: جب یہ لوگ دوبارہ زندہ ہوئے تو چاہئے کہ پھر شریعت کے احکام کے مکلف نہ رہتے کیونکہ مرنے کے بعد سارے احکام ختم ہو جاتے ہیں۔ جواب: چونکہ یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر بھی اس دنیا میں رہے اس لئے ان پر احکام شرعیہ بھی باقی رہے' ہاں برزخی اور اخروی زندگی میں احکام نہ ہوں گے کیونکہ وہ عالم ہی دوسرا ہوگا۔ تیسرا اعتراض: جن لوگوں کو مار کر زندہ فرمادیا گیا ان کی عمر ختم ہو چکی تھی یا نہیں' اگر ہو چکی تھی تو دوبارہ زندہ کیوں رہے' اگر نہ ہوئی تھی تو موت کیوں آئی' موت تو زندگی ختم ہونے پر آتی ہے۔ جواب: ابھی ان کی عمر ختم نہ ہوئی تھی' یہ موت عارضی تھی پھر انہوں نے دوبارہ زندہ ہو کر اپنی بقیہ عمر پوری کی' جیسے کسی چراغ میں روغن اور بتی موجود ہو مگر ہوا سے گل ہو جائے پھر کوئی اللہ کا بندہ اس میں دیا سلائی لگا کر روشن کردے' اسی طرح ان کی شمع حیات میں روغن عمر باقی تھا مگر نافرمانی کی تیز آندھی سے وہ گل ہو گئی حضرت موسیٰ کی دعا دیا سلائی کی مثل تھی' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی پہلی عمر ختم ہو چکی ہو حضرت موسیٰ کی دعا سے دوبارہ دوسری عمر عطا فرمائی گئی ہو سیدنا آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس سال حضرت داؤد کو دیئے۔ روایات میں ہے کہ اہل قرابت کے ساتھ اچھا سلوک کرنے سے عمر بڑھتی ہے بعض اعمال عمر بڑھا دیتے ہیں تو پیغمبر کی دعا سے نئی عمر مل سکتی ہے۔ حضرت زلیخا کو یوسف کی دعا سے دوبارہ جوانی عطا ہوئی وغیرہ۔ اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ عیسیٰ کے مردے زندہ کرنے اور تقدیر کی اقسام کی بحث میں آوے گی۔ چوتھا اعتراض: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ دیدار الٰہی ناممکن اگر ممکن ہوتا تو ان کو اس کے مانگنے پر سزا کیوں ملتی اور ناممکن چیز کبھی نہیں ہو سکتی لہٰذا آخرت میں بھی دیدار نہ ہوگا۔ نیز حق تعالیٰ امکان اور جہت سے پاک اور اس کے بغیر دیکھنا محال۔ جواب: دیدار الٰہی ممکن ہے بلکہ ہمارے حضور کو ہوا اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت میں عام مسلمانوں کو حاصل ہوگا اگر ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کی دعا نہ فرماتے کیونکہ ناممکن کی دعا کرنا گناہ ہے اور نبی گناہ سے معصوم۔ نیز جب موسیٰ علیہ السلام نے دعائے دیدار کی تو رب نے فرمایا کہ اس پہاڑ پر نظر کرو اگر یہ اپنی جگہ قائم رہ جائے تو تم بھی ہم کو دیکھ لیناؑ یعنی اپنے دیدار کو ممکن چیز پر موقوف رکھا اور ممکن پر موقوف بھی ہوتا ہے۔ یہ قاعدہ بھی غلط ہے کہ دیدار کے لئے مکان اور جہت ضروری ہے یہ اس دنیا کا حال ہے انشاء اللہ آخرت میں بغیر کیفیت اور بغیر جہت کے ہوگا ان اسرائیلیوں پر یہ عتاب طلب دیدار کی وجہ سے نہ ہوا' اگر اس لئے ہوتا تو چاہئے تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی ہوتا کیونکہ انہوں نے بھی اس کی خواہش کی تھی۔ پانچواں اعتراض: موسیٰ نے تمنائے دیدار کی تو وہ محبوب رہے اور ان اسرائیلیوں نے کی تو یہ معتوب ہو گئے۔ وجہ فرق کیا ہے؟ جواب: موسیٰ نے اشتیاق ملاقات اور شوق دیدار میں تمنا کی تھی انہوں نے سرکشی اور عناد کی وجہ سے اور موسیٰ پر بے اعتباری کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم آپ کی بات نہ مانیں گے بلکہ خود دیکھ کر یہ کفر ہوا اس وجہ سے وہ معتوب

www.alahazratnetwork.org

ہوئے نیز انہوں نے کہا تھا کہ رب کو صورت اور شکل میں ہم کو دکھاؤ جیسا کہ ہم جھرۃ کی تفسیر میں لکھ چکے اور رب شکل و صورت سے پاک ہے اگر وہ یہ دو باتیں نہ کہتے تو ہرگز خرابی میں نہ پڑتے۔ **چھٹا اعتراض:** بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش کر کے شرک کیا تب تو ان پر عذاب نہ آیا صرف توبہ ہی کرائی گئی اور وہ قتل توبہ بھی ان کے لئے رحمت ہو گئی یہاں گناہ معمولی اور عذاب سخت اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** فرق یہ ہے کہ پہلی صورت میں انہوں نے پیغمبر کا مقابلہ ' ان کی توہین نہ کی دوسری صورت میں توہین نبی کا جرم کیا ہے اس لئے عذاب آیا' عذاب الٰہی ہمیشہ نبی کے مقابلے پر آتا ہے' فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے دعویٰ خدائی کیا ہزارہا بچے ذبح کر دیئے مگر کبھی سر میں درد بھی نہ ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کیا غرق ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تا دلے صاحب دلے نہ آمد بدرد

مسئلہ : اس دنیا میں رہ کر کوئی شخص بحالت بیداری اور آنکھوں سے رب کو نہیں دیکھ سکتا' ہمارے حضور علیہ السلام نے معراج کی رات رب کو دیکھا مگر دوسری دنیا یعنی عالم امر میں پہنچ کر سارے مسلمان رب کا دیدار کریں گے مگر آخرت میں نہ کہ اس دنیا میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے رب کو سو بار دیکھا مگر خواب میں نہ کہ ان آنکھوں سے' یہاں دیدار نہ ہونے کی چند حکمتیں ہیں۔ **پہلی حکمت:** یہ کہ اگر یہاں مسلمان رب کو دیکھ لیتے تو کفار کہہ سکتے تھے کہ ہم بھی دیکھ کر اس کی عبادت کریں گے اور اگر کفار کو بھی دکھلایا جاتا تو مسلمانوں کو ان پر کچھ فوقیت نہ رہتی۔ **دوسری حکمت:** یہ ہے کہ رب کے نزدیک غائبانہ محبت مقبول ہے' یہاں بغیر دیکھے اس سے محبت کرو' تاکہ یہ محبت اس کے دیدار کا ذریعہ بنے کیونکہ دنیا کے سودے دیکھ کر خرید و مگر آخرت کے بغیر دیکھے' **تیسری حکمت:** یہ ہے کہ اگر یہاں دیدار الٰہی ہو تا تو دنیوی کاروبار سب ختم ہو جاتے کیونکہ جو آنکھ اسے دیکھ لیتی وہ کسی اور کو نہ دیکھتی۔ **چوتھی حکمت:** یہ ہے کہ اس کی قدر ہو کیونکہ جو چیز مشکل سے ملتی ہے اس کی قدر ہوتی ہے۔ **پانچویں حکمت:** یہ ہے کہ دنیا غیرت کی جگہ ہے یہاں پر عاشق چاہتا ہے کہ نہ میں محبوب کے سوا کسی کو دیکھوں اور نہ محبوب کو کوئی دیکھے اور نہ خود وہ کسی کو دیکھے اس لئے سب کو تکلیف ہوتی کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

نیناں میں جو آن بسو نیناں جھانپ ہی لوں نہ میں دیکھوں اور کو نا توئے و یکھن دوں

آخرت میں چونکہ یہ حال نہ رہے گا لہٰذا وہاں دیدار ہو گا۔ **چھٹی حکمت:** یہ ہے کہ دنیوی آنکھ اتنی کمزور ہے کہ سورج کے نور کی بھی تاب نہیں لاتی تو خالق سورج کو کیا دیکھ سکے' حوران بہشتی اور فرشتے اسی لئے چھپا لئے گئے کہ کسی کی آنکھ میں ان کے دیکھنے کی طاقت نہیں' ہاں سورج پر ہلکے بادل کا غلاف آجائے۔ یا اس کا عکس پانی میں لے لیا جائے تو اس کا دیدار ہو جاتا ہے' نیز چاند تاروں کے ذریعہ سورج کا نور معلوم ہو جاتا ہے اسی طرح اس دنیا میں اگر رب کا جمال دیکھنا ہے تو مصطفیٰ کا جمال دیکھو کیونکہ یہ جمال آئینہ حق نما ہے معراج کی رات موسیٰ علیہ السلام کے لئے قبول دعا کی رات تھی کہ رب ارنی والی دعا کا اثر آج ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کو رب نے آئینہ مصطفائی میں اپنا دیدار دکھایا اسی لئے حضرت موسیٰ اور تجلی گاہ رحمانی کے درمیان بار بار حضور علیہ السلام کی آمد و رفت رہی۔

تفسیر صوفیانہ : اغیار کا یار کے دروازے پر آکر دیدار کے لئے شور مچانا اس دربار کی بے ادبی ہے اور دوری اور شقاوت کا

www.alahazratnetwork.org

ذریعہ بھی۔ قصوران اسرائیلیوں سے ہوا تھا جس کی سزا میں ان کو موت دیدی گئی مگر چونکہ یہ اس دروازے تک خود نہ گئے تھے بلکہ یار کے بلائے ہوئے اور اس کے مقبول بارگاہ کے ذریعہ سے اور لے جانے والوں کو اپنے لانے کا پاس ہوتا ہے اور بازو پکڑنے کی لاج اسی لئے موسیٰ نے عرض کیا کہ یا مولیٰ یہ ہیں تو بے ادب مگر میرے لائے ہوئے ہیں اس لئے ان پر رحمت کی بارش ہوئی اور بعد موت ان کو زندگی بھی عطا ہوئی اور نبوت بھی جیسا کہ روایت میں آتا ہے کیونکہ غیرت والے کسی کو بلا کر گھر سے خالی نہیں پھیرتے۔ کسی شاعر نے خوب کہا ہے۔

لج پال پریت کو توڑت ناہیں جو بانہہ پکڑت سو چھوڑت ناہیں

گھر آئے کو خالی موڑت ناہیں

اس بارگاہ میں داخل وہ ہوتا ہے جو کسی کے ساتھ جائے اور قرب حق کی منزلیں صبر سے طے کرے' زبان سے شور نہ مچائے اور اس کے گھر کے دروازے سے جائے اور سوال و جواب میں ادب ملحوظ رکھے بنی اسرائیل کو ایک ہی بار مار کر زندہ کیا گیا لیکن طالب مولیٰ ہر آن مرتے اور زندہ ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ عذاب دیکھ کر توبہ کرنا یا ایمان لانا بیکار ہوتا ہے فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا جو قبول نہ ہوا۔ مگر ان لوگوں پر عذاب آبھی گیا ہلاک بھی ہو گئے توبہ نہ کر سکے پھر بھی عذاب سے نجات بلکہ رب کی طرف سے اعزاز صرف اس لئے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے' پتہ لگا کہ نبی کے ساتھیوں کی معافی ہوتی ہے تو حضور کے بعد کچھ صحابہ سے لغزشیں ہوئیں تو تمام مغفور ہیں کسی پر زبان طعن دراز کرنا جائز نہیں۔ کیا رسول اللہ کے صحابہ کلیم اللہ کے صحابہ سے بھی کم ہیں اسی طرح حضرت زلیخا اور برادران یوسف سے جو خطائیں سرزد ہوئیں سب بخشی گئیں ان پر زبان طعن کھولنا اپنے اعمال برباد کرنا ہے۔ اس آیت سے عبرت پکڑنا چاہئے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے' یہ تمام حضرت طور سے جا کر نبی یا کم از کم ولی ہوئے کہ کلام الٰہی سن چکے تھے۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ
اور سایہ کیا ہم نے اوپر تمہارے ہلکے بادل سے اور اتارا ہم نے اوپر تمہارے من اور سلویٰ کو
اور ہم نے تمہارا سائبان کیا اور تم پر من و سلویٰ اتارا
كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْۤا
کھاؤ تم ستھری چیزوں میں سے وہ جو دیں ہم نے تم کو اور نہ ظلم کیا انھوں نے ہم پر اور لیکن
کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا ہاں
اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۞
تھے وہ جانوں اپنی پر ظلم کرتے
اپنی جانوں کو بگاڑتے تھے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کی چھ نعمتیں بیان کی گئی اب ساتویں نعمت کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ پچھلی آیتوں میں بنی اسرائیل کو قتل کرکے یا موت دے کر رحم فرمانے کا ذکر تھا اب ان کو قید فرما کر کرم فرمانے کا ذکر ہوا تیسرے یہ کہ پہلی آیتوں میں بنی اسرائیل کی بت پرستی اور موسیٰ علیہ السلام کے انکار اور ان پر سزا اور پھر عفو خطا کا ذکر تھا اور اب ان کی نافرمانی اور رب کی پکڑ اور اس سے نجات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یعنی پہلے سخت جرم اور ان کی سخت سزا یعنی موت اور بڑی عطاؤں کا ذکر ہوا اور اب ان کے ہلکے جرم اور ہلکی سزا یعنی سزائے قید اور رحم خسروانہ کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

تفسیر : پچھلی ساری آیتوں کو لفظ **اذ** سے شروع فرمایا گیا تھا مگر اس نعمت کو بغیر اذ۔ اس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ پہلی نعمت ہی کا ایک جز ہے۔ مستقل دوسری نعمت نہیں یعنی ہم نے تم کو موت کے بعد زندہ کیا اور پھر تم پر سایہ کیا دوسرے یہ کہ یہ نعمتیں یعنی ابر کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ کا اتارنا اس وقت عطا ہوئیں جبکہ ان کو مصر کی سرسبز زمین سے نکال کر بیابان جنگل میں قید کر دیا' جیسے بادشاہ کی طرف سے جیلخانہ میں قیدیوں کو کھانا پانی اور مکان دیا جاتا ہے کہ یہ چیزیں اگرچہ نعمتیں ہیں مگر بظاہر عذاب ہر شخص اس جیلخانہ کے کھانے سے پناہ مانگتا ہے لہٰذا چونکہ یہ نعمتیں ایک قسم کا عذاب بھی تھیں اس لئے یہاں اذ نہ فرمایا گیا **ظللنا** - ظل سے بنا ہے جس کے معنی ہیں سایہ' سایہ کی تین صورتیں ہیں ایک تو آفتاب کا نہ ہونا' دوسرے ہونا مگر درخت و مکان وغیرہ زمینی چیزوں کی وجہ سے دھوپ کا ہم تک نہ پہنچنا' تیسرے آسمانی چیزوں بادل وغیرہ کی وجہ سے دھوپ کا نہ آسکنا جنت کی نعمتوں میں فرمایا گیا **وظل ممدود** یعنی دراز سایہ یہاں پہلی قسم کا سایہ مراد ہے کیونکہ وہاں آفتاب ہے ہی نہیں وہ جو روایت میں آتا ہے کہ درخت طوبیٰ کے سایہ میں سوار سو برس تک دوڑ سکتا ہے اس سایہ سے مراد اس کے نیچے کی زمین ہے اگر آفتاب ہوتا تو وہاں تک سایہ ہوتا اس آیت میں تیسری قسم کا سایہ مراد ہے یعنی بادل کی وجہ سے دھوپ کا میدان میں نہ آنا' آیت کے معنی یہ ہوئے کہ بذریعہ بادل کے تم پر سایہ کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ **ظلته** سے بنا ہو جس کے معنی ہیں سائبان یا شامیانہ یعنی ہم نے تم پر بادل کو شامیانہ بنایا **علیکم** اس سے سارے بنی اسرائیل مراد ہیں نہ کہ صرف وہ ستر جو طور پر مار کر زندہ کئے گئے کیونکہ یہ سایہ ان پر ہوا جو کہ مصر سے نکل کر شام کی طرف جہاد کے لئے بھیجے گئے اور پھر نافرمانی کی وجہ سے جنگل میں قید کر دیئے گئے' جس کا پورا قصہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ **الغمام** یہ لفظ غم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ڈھانپنا' رنج کو بھی اسی لئے غم کہتے ہیں کہ وہ دل پر چھا جاتا ہے اور اس کو ڈھانپ لیتا ہے' یہاں اس سے سفید باریک اور ٹھنڈا بادل مراد ہے جس کی وجہ سے وہ آفتاب کی دھوپ سے بچ جائیں اور اندھیرے میں جتلا نہ ہوں اس کی وجہ سے وہ میدان ان کے لئے ایک مکان سا بن گیا۔

وانزلنا علیکم المن چونکہ وہ کھانے کے حاجتمند تھے اس لئے ان پر **من** اتار آگیا من کے لغوی معنی ہیں احسان اور چیز بغیر مشقت کے حاصل ہو جائے وہ من کہلاتی ہے کیونکہ وہ محض اللہ کے فضل سے ملی' اسی لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ **کماۃ** (یعنی کھمبی جو کہ بارش میں گلی ہوئی لکڑی سے چھتری کی طرح نکلتی ہے) من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لئے شفا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ بنی اسرائیل پر اس قسم کا من اترا تھا بلکہ مطلب یہ ہے کہ بغیر مشقت ہم کو مل گئی۔ اس معنی سے جھربیری کے بیر اور تمام درختوں کے پھل من میں داخل ہیں طبیبوں کی اصطلاح میں وہ شبنم ہے جو درخت یا پتھر پر گرے اور

www.alahazratnetwork.org

اس میں مزہ اور مزاج ہو جیسے ترنجبین اور شیر خشت اور گز انگبین چونکہ بنی اسرائیل پر بھی شبنم گر کر جم جاتی تھی اس لئے اس کو من فرمایا۔ اس میدان میں صبح صادق سے آفتاب نکلنے تک ایک شبنم گرتی تھی جو جم کر برف کی طرح سفید اور رلذت میں گھی اور شہد کی معجون کی طرح ہوتی تھی' یہ لوگ اپنی چادروں اور کپڑوں پر اس کو جمع کر لیتے اور اس پر گزارہ کرتے' سلویٰ ایک دریائی پرندہ کا نام ہے۔ جس کا قد چھوٹے مرغ کے برابر ہوتا ہے اس کا گوشت نہایت لذیذ اور زود ہضم ہے۔ طبیبوں کی اصطلاح میں اس کو قتیل الرعد کہتے ہیں کیونکہ یہ بادل کی گرج سن کر مر جاتا ہے۔ اس کا عربی میں دوسرا نام سمانے اور فارسی میں اردھی ہے اس کا پاخانہ چڑیا کے پاخانہ کے مشابہ ہوتا ہے اس کا پتہ مرگی کے واسطے مفید ہے اور اس کا خون کان کے درد کو دور کرتا ہے اس کے ہمیشہ کھانے سے دل نرم ہوتا ہے۔ یہ مصر اور حبشہ کے علاقہ میں کھاری سمندر کے پاس زیادہ پایا جاتا ہے روزانہ شام کے وقت ان پرندوں کو ہوا اڑا کر لاتی تھی اور یہ شکار کر کے ان کے کباب کھاتے تھے۔ **کلوا من طیبت ما رزقنکم** اس میدان میں ان بے محنت نعمتوں کا ان کے ذمہ صرف یہ شکر واجب کیا گیا کہ من و سلویٰ روز کا روز کھاؤ۔ کل کے لئے جمع نہ رکھو کیونکہ نیا روز اور نئی روزی ہوگی۔ ہاں چونکہ ہفتہ کے دن من و سلویٰ نہ آئے گا اس لئے جمعہ کے دن ایک دن کا جمع کر لو۔ اس جملہ کا یہی مقصود ہے۔ **طیبات** جمع **طیبۃ** کی ہے۔ طیبہ وہ حلال چیز ہے جو طبیعت کو مرغوب ہو۔ جو چیز حلال تو ہو مگر مرغوب نہ ہو وہ طیبہ نہ کہلائے گی۔ جیسے طلاق اسی لئے اس کو **ابغض المباحات** کہتے ہیں جو مرغوب ہو مگر حلال نہ ہو وہ بھی طیب نہیں جیسے زنا وغیرہ بلکہ خبیث ہے۔ **رزقنا** میں ادھر اشارہ ہے کہ ہم نے بغیر تمہارے کسب کے یہ چیزیں عطا فرمائیں لہٰذا ان کی قدر کرو۔ **وما ظلمونا** ان لوگوں نے اس پر عمل نہ کیا بلکہ بے صبری کی وجہ سے جمع کر رکھا۔ نیز موسیٰ علیہ السلام سے شکایت بھی کی کہ ہم سے روزانہ ایک غذا نہیں کھائی جاتی ہمیں تو رنگی خوراکیں چاہئیں۔ جیسے گیہوں' مسور' ککڑی اور لہسن وغیرہ اس ناشکری سے انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا کیونکہ ہماری کسی شان میں فرق نہیں آیا۔ **ولکن کانوا انفسھم یظلمون** اپنی جانوں ہی پر ظلم کرتے تھے اور اپنا ہی نفع کھو بیٹھے کیونکہ انہوں نے وہ روزی کھو دی۔ جس پر نہ دنیا میں محنت تھی نہ آخرت میں حساب اور اپنی قابلیت فیض بھی کھو بیٹھے اگر یہ لوگ یہ حرکتیں نہ کرتے تو ہمیشہ ان کو یہ نعمتیں ملتی رہتیں۔ اب محنت سے کمائیں گے اور آخرت میں حساب بھی دیں گے خیال رہے کہ مقام تیہ کے یہ واقعات حضرت موسیٰ کے معجزات ہیں۔ بنی اسرائیل کو غیبی غذا' غیبی پانی' غیبی سایہ' غیبی لباس ملنا۔ حضرت موسیٰ کی برکت سے ہوا ہمارے حضور نے حضرت ابو طلحہ کی ہانڈی و آٹے میں اپنا لعاب دہن ڈال دیا تو چار سیر جو اور تین سیر گوشت سے دو ہزار آدمیوں نے کھایا اور کم نہ ہوا۔ گوشت میں بوٹیاں اور شوربے میں مرچ مصالحہ سب کچھ ہی ہوتا ہے۔ پھر اتنی بھاری جماعت کے کھانے میں لکڑیاں کتنی چاہئیں اور پکانے والی میں قوت بازو کس قدر درکار ہے۔ یہ سب حضور کی طرف سے ہوا یونہی حضور نے بارہا ایک پیالہ یا ایک مشکیزہ پانی سے لشکروں کو سیر فرمایا حضرت علی کو دعا دی انہیں سردی گرمی نہ لگتی تھی۔

خلاصہ تفسیر : اے بنی اسرائیل تم اس نعمت کو بھی یاد کرو جب کہ تم مصر سے جہاد کرنے کے لئے ملک شام کی طرف روانہ کئے گئے اور ایک نافرمانی کی وجہ سے مقام تیہ میں قید کر دیئے گئے جو سخت گرم اور آب و دانہ سے خالی تھا۔ اگر وہاں تم پر ہمارا فضل نہ ہوتا تو تمہارے جسم دھوپ سے جل بھن کر ختم ہو جاتے۔ لیکن ہم نے وہاں بھی تمہاری دستگیری فرمائی کہ تم پر ہلکے بادل کا سایہ

www.alahazratnetwork.org

ہے اس میں بھی یہی پابندی ہے اور جمع کرنے سے بند ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس میں توکل تام شرط ہے ان لوگوں سے صبر نہ ہو اور انہوں نے کل کے لئے رکھ چھوڑا۔ جس کا انجام یہ ہوا کہ کباب سڑنے لگے اور اس کی بو سے لوگوں کو تکلیف ہونے لگی اور اس کا آنا بند ہو گیا (تفسیر عزیزی) خیال رہے کہ اس سے پہلے گوشت کبھی نہ سڑتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر بنی اسرائیل نہ ہوتے تو کھانا نہ سڑا کرتا اور حوا کی خیانت (یعنی حضرت آدم کو گندم کھلا دینا) نہ ہوتی تو کوئی بھی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی اس زمانے میں اسرائیلیوں کے نہ بال بڑھتے تھے اور نہ ناخن تاکہ حجامت کی ضرورت نہ پڑے اور نہ کپڑے میلے ہوتے نہ پھٹتے تاکہ دھوبی یا درزی کی ضرورت نہ پڑے اور جو بچے پیدا ہوتے تھے ان کے جسم پر قدرتی لباس ہوتا تھا۔ جو کھال کی طرح جسم کے ساتھ بڑھتا تھا۔ اس دوران میں بنی اسرائیل کے جو اولاد ہوتی وہ بھی قدرتی کپڑے میں لپٹی ہوئی جو بقدر جسم بڑھتا جاتا تھا۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ختنہ شدہ ناف بریدہ آنکھوں میں سرمہ بالوں میں شانہ کئے حریر میں لپٹے ہوئے پیدا ہوئے اگر یہ روایت درست ہو تو اس کی تائید بنی اسرائیل کے اس واقعہ سے ہو جاتی ہے کہ چالیس سال کے دوران ان پر اور ان کی اولاد پر قدرتی کپڑا ہوتا تھا۔ قبروں سے اٹھیں گے ننگے بعد میں قدرتی کپڑا عطا ہو گا۔ **فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ نافرمانی سے عذاب الٰہی آتا ہے جیسے کہ بنی اسرائیل نافرمانی کی وجہ سے قید کر دیئے گئے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہ جب رب تعالیٰ کوئی مصیبت بھیجتا ہے تو ساتھ ہی اس کا علاج بھی۔ جیسے بنی اسرائیل پر میدان تیہ میں بادل اور من و سلویٰ اتارا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ بے صبری سے نعمت چھن جاتی ہے جیسے کہ بنی اسرائیل سے من و سلویٰ کی نعمت چھن گئی۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ سڑا ہوا کھانا حرام نیز تندرستی کے لئے مضر ہے۔ کیونکہ سلویٰ طیب یعنی حلال اور مرغوب چیز تھی۔ ان کی نافرمانی سے اسے غیر طیب بنا دیا گیا۔ مسئلہ سڑا ہوا طعام حرام ہے لیکن سڑا ہوا دودھ اور تیل گھی حلال۔ الاشباہ والنظائر و روح البیان **پانچواں فائدہ:** گناہ سے انسان اپنا نقصان کرتا ہے نہ کہ رب اور انبیاء کرام کا۔ ان حضرات کا کرم ہے کہ ہمارے نقصان سے رنج کرتے ہیں۔ جس سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہماری اطاعت سے کچھ ان کا فائدہ ہے اور ہماری نافرمانی سے ان کا نقصان **چھٹا فائدہ:** جو چیز آرام سے ملتی ہے اس کی قدر نہیں ہوتی جیسے کہ بنی اسرائیل کو من اور سلویٰ کی قدر نہ ہوئی آج ہم کو دین کے مقابلہ میں دنیا کی قدر زیادہ ہے اور ہمارے بزرگوں کو دین کی قدر تھی۔ کیونکہ دین انہوں نے کمایا تھا اور دنیا ہم نے ایک شخص قیمتی چادر سے اپنے پھٹے جوتے جھاڑ رہا تھا لوگوں نے کہا یہ کیا۔ اس نے کہا کہ جوتے میری اپنی کمائی کے ہیں اور چادر میرے باپ کی کمائی کی جو میں نے میراث سے پائی۔ یہی حال ہمارا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مفت خور قوم میں اولوالعزمی غیرت جفاکشی نہیں رہتی۔ آرام طلبی آجاتی ہے۔ فسق و فجور اور کاہلی ان کا شیوہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ جفاکش قوم کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور آخر وہ ان کا شکار بن جاتی ہے اس لئے رب تعالیٰ محنت سے رزق عطا فرماتا ہے۔ اسلام نے جفاکشی کا حکم دیا۔ ہمیشہ آرام طلب امیر قوم جفاکش قوم کی غلام بن جاتی ہے۔ **پہلا اعتراض:** آسمان سے حلوے کا مینہ برسنا عقل کے خلاف ہے یہ تو ان بچوں کی سی کہانی ہے جو کہا کرتے تھے کہ کھیلوں بتاشوں کا مینہ برستا ہے (عام نیچری طبقہ قرآن کا مذاق)

جواب: معترض دنیوی موجودہ حالات سے بھی بے خبر ہے۔ اب بھی روزانہ بہت سی چیزیں شبنم اور بارش کے ذریعہ برستی ہیں برفانی علاقہ میں جو برف کی سلیں زمین پر جم جاتی ہیں یہ جمی ہوئی شبنم ہی تو ہے۔ اسی طرح ترنجبین خشک نجبین۔ شیر خشت

www.alahazratnetwork.org

اور گزانگبین اور بید انگبین یہ سب جمی ہوئی شبنمیں ہیں۔ بعض پتھروں پر شبنم جم کر شیر خشت بن جاتی ہے اور بعض درختوں پر جم کر ترنجبین وغیرہ نیز قیمتی موتی بارش کا جما ہوا قطرہ ہی تو ہے جو کہ سیپ میں جم کر موتی کی شکل میں آگیا۔ جو مولیٰ پانی اور شبنم کو جما کر اتنی چیزیں بنادے اگر وہ تیہ کی زمین میں یہ تاثیر پیدا کردے کہ وہاں شبنم گر کے حلوا بن جائے تو کون سی بعید بات ہے۔

دوسرا اعتراض : اگر تیہ کی زمین میں شبنم کو حلوا بنادینے کی تاثیر تھی تو پھر کیوں نہ رہی۔ **جواب**: تاثیر رب قدیر کے حکم سے ہوتی ہے۔ اگر نیچری صاحب کی والدہ کے رحم میں منی کو جما کر بچہ بنانے کی تاثیر تھی تو بڑھاپے میں وہ تاثیر کیوں نہ رہی یہ اعتراض نہیں بلکہ مجنون کی بڑ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جب رب تعالیٰ نے ان کو غربت کے کوڑے سے ادب دیا تو عین قریب کی حالت سے ان کی دستگیری فرمائی۔ کیونکہ جس مصیبت میں رب مبتلا کرتا ہے تو مدد بھی کرتا ہے اور جس میں بندہ خود پھنستا ہے تو رب کی طرف سے اس کو امداد نہیں ہوتی۔ روح انسانی عالم ارواح میں عیش و عشرت کے مصر میں آباد تھی رب کی طرف سے ان کو دنیا کے میدان تیہ میں پھنسایا گیا تو ان پر رحمتوں کی بارش بھیجی گئی رزق کا انتظام کیا گیا اور آسمان نبوت سے ان پر تقویٰ کا من و سلویٰ برسایا گیا جن لوگوں نے اس پر کفایت نہ کی اور حرص و ہوا کے شہر میں متاع دنیوی کی تلاش میں نافرمانی کرتے ہوئے داخل ہو گئے۔ پھر جو ان پر مصیبت بھیجی گئی اس میں کوئی امداد نہ کی گئی کیونکہ یہ اس میں خود داخل ہوئے تھے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : دنیا گویا مقام قید ہے۔ جس میں ہم سب مختلف میعادوں کے قیدی ہیں۔ کہ ہماری عمریں قید کی میعادیں ہیں۔ یہاں نفس امارہ و شیطان وغیرہ کی تکالیف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے جہاں ہم پر حضور علیہ السلام کو سایہ بان بنایا آپ کے دامن اقدس میں ہر طرح کا امن ہے۔ قرآن و حدیث ہمارے لئے روحانی من و سلویٰ ہے جس سے ہمارے قلب و روح کو ایمانی غذائیں ملتی رہتی ہیں۔ اس کے شکریہ کا ہم کو حکم ہوا ہے۔ جو ان نعمتوں کا غلط استعمال کرے وہ اپنی ہی جان پر ظلم کرتا ہے رب کا کچھ نہیں بگڑتا۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ
اور جبکہ فرمایا ہم نے گھس جاؤ اس بستی میں پس کھاؤ تم اس سے جہاں کہیں
اور جب ہم نے فرمایا اس بستی میں جاؤ پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک
شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ
چاہو تم وسیع اور داخل ہوؤ تم دروازہ میں سجدہ کرتے ہوتے اور کہو تم معافی
کھاؤ اور دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں

www.alahazratnetwork.org

نَّغۡفِرۡ لَکُمۡ خَطٰیٰکُمۡ ؕ وَ سَنَزِیۡدُ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۵۸﴾

بخش دیں گے ہم واسطے تمہارے خطائیں تمہاری اور عنقریب زیادہ دیں گے ہم نیکو کاروں کو

ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے اور قریب ہے نیکی والوں کو اور زیادہ دیں

تعلق : اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کی سات نعمتوں کا ذکر ہوا۔ اب آٹھویں نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ پہلی آیت میں ان کے مقام تیہ میں قید ہونے کا ذکر تھا اب قید سے چھوٹنے کا تیسرے یہ کہ اس سے پہلے قدرتی غذا من و سلویٰ عطا فرمانے کا ذکر ہوا اب ان کو شہر میں پہنچا کر ہر قسم کی نعمتیں دینے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ من و سلویٰ بھی بغیر محنت ہی ملا تھا اور اس شہر کی نعمتیں بھی اسی طرح۔ قوم عمالقہ جمع کر گئے تھے اور اسرائیلوں نے اس کو استعمال کیا چوتھے یہ کہ اس سے پہلے غذا جسمانی یعنی من و سلویٰ کا ذکر ہوا اب غذا روحانی یعنی توبہ اور مغفرت اور دیگر انعامات ابدیہ کا۔ **تفسیر** **و اذ قلنا** یہاں بھی ایک فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی اے اسرائیلیو! اس نعمت کو بھی یاد کرلو یا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ نعمتیں بھی یاد دلاؤ جب کہ ہم نے ان کے باپ دادوں سے تیہ سے نکلتے وقت کہا کہ **ادخلوا** ظاہر یہ ہے کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے۔ جس سے کہ بنی اسرائیل پر اس شہر میں جانا واجب ہو گیا یعنی اے اسرائیلیو! اس میدان سے نکل کر اس بستی میں جاؤ نہ کہ کسی اور جگہ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ امر اباحت ہو کہ اب تک تم اس جنگل میں قید تھے اب بستی میں جا سکتے ہو۔ **هذه القرية** جس بستی میں ان کو بھیجنا منظور تھا وہ ان کو دکھا دی گئی کہ وہ بستی جو تم کو نظر آ رہی ہے۔ اس میں چلے جاؤ اس لئے **هذه** فرمایا گیا۔ **قرية**۔ قریٰ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ جمع ہونا اس لئے مہمانی کے کھانے کو قری کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ مجمع میں کھلایا جاتا ہے بستی کو قریہ اس لئے کہتے ہیں۔ کہ وہاں مختلف قسم کے لوگ جمع ہو کر رہتے ہیں۔ قریہ گاؤں اور شہر دونوں کو بولا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ کون سی بستی تھی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ بیت المقدس شہر تھا اس صورت میں یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد کا ہوگا۔ اور اس وقت اسرائیلیوں کی قید کا زمانہ ختم ہو چکا تھا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے تیہ میں ہی وفات پائی ان کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام بنی اسرائیل کے حاکم ہوئے اور آپ ہی ان کو نکال کر بیت المقدس میں لے گئے اس صورت میں اعتراض یہ پڑے گا۔ آئندہ آیت میں پھر تیہ کا ہی ذکر آ رہا ہے تو اگر یہ واقعہ تیہ سے نکلنے کا ہے تو واقعات کے بیان میں بے ترتیبی ہو گئی لیکن اس میں کوئی مضائقہ بھی نہیں اس لئے کہ ان حکایتوں میں فقط نعمتوں کا شمار کرنا منظور ہے اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس بستی سے اریحا مراد ہے یہ بیت المقدس کے پاس ایک گاؤں تھا جس میں قوم عمالقہ رہتی تھی اور لشکر بنی اسرائیل کے خوف سے اس گاؤں کو خالی کر کے چلے گئے تھے اور اس میں غلہ اور میوے بے شمار چھوڑ گئے تھے اس صورت میں یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی زندگی شریف کا ہی ہے اور یہ زمانہ تیہ میں قید ہونے کا ہی زمانہ ہے تو گویا بنی اسرائیل کی اس قید کے دو حصے ہیں۔ ایک جنگل میں رہنے کا زمانہ اور دوسرے اس بستی میں جنگل میں رہ کر ان پر من و سلویٰ آیا اور یہاں رہ کر ہر قسم کی نعمتیں ملیں اس صورت میں ساری آیتوں کے مضمون ترتیب وار ہو جائیں گے۔ **فكلوا منها** بنی اسرائیل کو اس بستی کی ساری نعمتیں استعمال کرنے کا حق تھا کہ وہاں کی غذائیں کھاؤ لباس پہنو مکانات میں رہو تمہارے واسطے سب چیزیں حلال ہیں لیکن کھانا چونکہ سب سے بڑھ کر نعمت ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ **حيث شئتم** اس میں یہ بتایا گیا کہ

www.alahazratnetwork.org

وہاں تم پر مقام تیہ کی سی پابندی نہ ہوگی اور نہ وہ جگہ تمہارے واسطے سخت جیل ہوگی بلکہ تم کو اختیار ہو گا کہ وہاں ہی رہ کر نعمتیں کھاؤ یا باہر لے جاکر **رغدا** اس کے معنی ہم آدم علیہ السلام کے قصے میں بیان کر چکے ہیں۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ یہاں تم پر من و سلوٰی کی سی پابندی نہ ہوگی بلکہ تمہارے لئے عام اجازت ہوگی۔ نیز یہ نہ سمجھنا کہ یہ غذائیں بقدر ضرورت کھانا جائز ہیں جیسے کہ مجبور آدمی کے لئے حرام غذا بلکہ خوب سیر ہو کر کھاؤ پیو اور چین کرو۔ خیال رہے کہ یہ امر اباحت کے لئے ہے۔ **وادخلوا الباب** اب اس شہر کے آداب کا ذکر فرمایا گیا کہ تم کو وہاں جانے کی اجازت تو ہے مگر شرط یہ ہے کہ شہر کے دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے بیت المقدس کا دروازہ مراد ہے۔ جو آج بھی موجود ہے۔ جس کا نام حد باب القبہ ہے اب بھی جو شخص اس مسجد میں آتا ہے۔ اسی دروازہ سے آتا ہے اور عام مسلمان اس کی زیارت کرتے ہیں اور اس دروازے سے داخل ہونے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں جیسے مسجد نبوی شریف میں ستون ابو لبابہ کے پاس کھڑے ہو کر لوگ توبہ کرتے ہیں یا ہمارے پاکستان میں پاک پٹن شریف میں بہشتی دروازے سے لوگ داخل ہوتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس دروازہ سے اس بستی کا دروازہ مراد ہے کیونکہ بیت المقدس کی مسجد اور باب **حطہ** حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں بنا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہ یہ مسجد تھی اور نہ یہ باب **حطہ**۔ پھر اس دروازہ سے داخل ہونے کے کیا معنی **سجدا** سجدے کے لغوی معنی ہیں جھکنا اور شرعی معنی ہیں سر زمین پر رکھنا۔ اگر یہاں لغوی معنی مراد ہوں تو آیت کا مطلب یہ ہو گا کہ تم اپنی فتح اور بہادری پر اتراتے ہوئے اکڑ کر مت جانا۔ بلکہ عاجزی کرتے ہوئے اور جھکے ہوئے داخل ہونا کیونکہ یہ پیغمبروں کا شہر ہے یہاں تو فرشتے بھی جھک کر ادب سے آتے ہیں یہ جگہ اکڑنے کی نہیں۔ بلکہ نیاز مندی اور عجز کے اظہار کی ہے۔ حاجی آج مکہ مکرمہ میں احرام باندھ کر داخل ہوتے ہیں کہ وہ خلیل اللہ کا شہر ہے وہاں شکار وغیرہ نہیں کرتے نیز مسجدوں میں بحالت جنابت نہیں جاتے نسبت کا بڑا اثر ہے اور اگر شرعی معنی مراد ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ داخل ہوتے وقت شکر کے سجدے کرلینا کہ خدا تعالیٰ نے تم کو اس قید سے آزاد کیا اور تمہارے دشمنوں کو یہاں سے بھگایا اور تم کو اس مقدس شہر میں داخل ہونے کی توفیق عطا فرمائی کیونکہ انسان سجدہ کرتے ہوئے چل نہیں سکتا۔ **وقولوا حطۃ** اور اے اسرائیلیو صرف بدنی عبادت کرنے پر ہی کفایت نہ کرنا بلکہ وہاں داخل ہوتے وقت اپنی زبان سے کہنا خدایا ہمارے گناہ معاف کردے یعنی وہاں شیخی مارتے ہوئے مت جانا بلکہ بدنی عمل کے ساتھ قلبی اور زبانی شرمندگی بھی ظاہر کرنا۔ **حطۃ** عربی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں گرا دینا یا تو بنی اسرائیل کو یہ لفظ ہی سکھایا گیا تھا کہ تم عربی زبان میں توبہ کرتے ہوئے جانا یا اس کا ہم معنی عبرانی لفظ ان کو بتایا گیا تھا جس کا عربی ترجمہ قرآن پاک میں نقل فرمایا ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ اس کے معنی اترنے اور رہنے کے بھی ہیں۔ اب مطلب یہ ہوا کہ خداوندا ہم اس گاؤں میں رہیں گے **نغفرلکم**۔ **نغفر** غفر سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں چھپانا۔ چھلکے کو اسی لئے غفر کہتے ہیں کہ وہ مغز کو چھپائے ہوتا ہے۔ یہاں مراد ہے بخشنا اور معاف کرنا کیونکہ بخشش سے گناہ چھپ جاتا ہے۔ یعنی اے اسرائیلیو! اگر تم نے اس پر عمل کرلیا تو ہم تمہاری خطائیں معاف کردیں گے۔ **خطیکم**۔ **خطایا**۔ **خطیئۃ** کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں غلطی خواہ بھول سے ہو یا جان بوجھ کر۔ یعنی ہم تمہارے سارے گناہ معاف کردیں گے۔ **وسنزید المحسنین** محسنین احسان سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں اچھے کام کرنا۔ اصطلاح میں محسن وہ شخص ہے۔ جس کے عقائد اور اعمال اچھے ہوں یا وہ جو اچھے کام کرے اور برائیوں سے بچے یا وہ جو ایسے کام کرے جو شرعاً اور عقلاً بہتر ہوں چونکہ ان بنی اسرائیل میں انبیاء کرام بھی

www.alahazratnetwork.org

تھے جو خطاؤں اور گناہوں سے معصوم ہیں اس لئے فرمایا کہ اس شہر میں داخلے کے وقت ہر شخص حطۃ کے اس کی برکت سے گنہ گاروں کے گناہ تو معاف ہو جائیں گے اور معصوموں کے درجے بلند ہوں گے یعنی ایک ہی لفظ دو جماعتوں کے لئے علیحدہ علیحدہ فائدے دے گا۔ جو کام گنہ گاروں کے گناہ معاف کراتا ہے۔ وہ نیک کاروں کے درجے بڑھاتا ہے۔ لہٰذا کلمہ بر اصول چھپا ہوا ہے یعنی ہم محسنین کا ثواب اور درجے بڑھائیں گے کیونکہ اچھی زمین میں دانہ کی پیداوار اچھی ہوتی ہے۔ تخم اچھا پھل دیتا ہے ایسے ہی مقدس اور متبرک مقامات میں عبادات و نیکیاں اچھا اور زیادہ پھل دیتی ہیں وہاں کی آب و ہوا نیک اعمال کے لئے زیادہ موافق ہے کہ مکہ معظمہ کی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے۔ مدینہ پاک کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار۔

خلاصہ تفسیر : اے بنی اسرائیل ہماری اس نعمت کو بھی یاد کرو جب کہ تم مقام تیہ میں قید کر دیئے گئے اور وہاں تم ایک معین غذا کھاتے کھاتے گھبرا گئے اور اس جگہ رہنے سے تم اکتا بھی گئے اور تم نے موسیٰ سے اپنی مصیبت بیان کی تو ہم نے تم پر یہ کرم فرمایا کہ تمہارے دشمن قوم عمالقہ جو بیت المقدس یا اریحا میں آباد تھی۔ اس کے دلوں میں تمہارا رعب ڈال دیا کہ وہ بطور قوم تم کمزوروں سے ڈر کر بغیر لڑے بھڑے شہر خالی کر گئی اور پھر ہم نے تم سے کہا کہ جاؤ وہ شہر تمہارے واسطے خالی ہے تمہارے دشمن جو نعمتیں وہاں چھوڑ گئے ہیں تم جا کر اپنے استعمال میں لاؤ مگر تم پر صرف دو پابندیاں لگائیں ایک یہ کہ اس شہر کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے جھکے ہوئے عاجزی کرتے ہوئے داخل ہونا اور دوسرے یہ کہ اس داخلے کے وقت تمہاری زبان پر کوئی فخریہ کلمہ نہ ہو بلکہ ہم سے معافی چاہتے ہوئے جاؤ۔ جس سے ہم گناہگاروں کی خطائیں معاف کر دیں گے اور نیک کاروں کے درجے بڑھا دیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: یہ کہ اگرچہ توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ انسان گزشتہ جرم پر نادم ہو اور آئندہ کے لئے بچنے کا عہد کرے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ زبان سے توبہ کے کلمے بولنا اور اس وقت کوئی نیک کام بھی کرنا چاہئے جیسے کہ بنی اسرائیل سے سجدہ بھی کرایا گیا اور حطۃ بھی کہلوایا گیا۔ اسی لئے اب بھی حکم ہے کہ توبہ کے وقت نماز توبہ اور صدقہ خیرات ادا کرے کیونکہ یہ توبہ کی قبولیت کا ذریعہ ہیں۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ توبہ گناہ کے مطابق ہونی چاہئے یعنی چھپے گناہ کی چھپی توبہ اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ جیسے کہ یہاں بنی اسرائیل کو علانیہ توبہ کا حکم دیا گیا تاکہ جس کو ہمارے گناہ کی خبر ہو اس کو ہماری توبہ کی بھی خبر ہو جائے بلکہ بہتر ہے کہ اپنی توبہ پر متقی اور پرہیزگاروں کو گواہ بنائے اسی طرح جو شخص بدمذہبی سے توبہ کرے اس کو چاہئے کہ اس توبہ کا اعلان کرے۔ تیسرا فائدہ: یہ کہ متبرک مقامات جہاں رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے وہاں جا کر توبہ کرنا اور اطاعت بجالانا زیادہ قبولیت کا سبب ہے جیسے بنی اسرائیل کو توبہ کرنے اور عبادت کرنے کے لئے اس شہر متبرک میں بھیجا گیا۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ بعض خاندانی اور بزرگ لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے پاس بیٹھ کر توبہ کرنے اور عبادت کرنے سے جلد قبولیت ہوتی ہے چنانچہ ابن مردویہ نے ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ ایک دن ہم حضور علیہ السلام کے ساتھ سفر میں تھے رات کے آخری حصے میں حضور علیہ السلام ایک پہاڑ سے گزرے جس کا نام ذات الحنظل تھا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ گھاٹی بنی اسرائیل کے اس دروازے کی طرح ہے۔ جس سے ان کو سجدہ کرکے داخل ہونے کا حکم ہوا اور جہاں ان سے توبہ کرائی گئی ابن ابی شیبہ نے بروایت صحیح فرمایا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

اس امت میں ہم اہل بیت کشتی نوح اور بنی اسرائیل کے دروازہ حطہ کی طرح ہیں یعنی جس طرح بنی اسرائیل کا اس دروازہ میں آنا گناہ کی معافی کا ذریعہ تھا ایسے ہی امت مصطفیٰ علیہ السلام کا ہمارے سلسلہ میں داخل ہونا اور بیعت اور توبہ کرنا گناہوں کی معافی کا سبب ہے۔ تفسیر عزیزی بلکہ مثنوی شریف میں فرمایا گیا۔

گر نداری تو دم خوش در دعا — رو دعا می خواہ ز اخوان صفا

ہر کرا دل پاک شد از اعتدال — آں دعائش می رود تا ذوالجلال

ہیں بجو ایں قوم رائے جتلا — ہیں غنیمت دار شاں پیش از بلا

یعنی بہتر ہے کہ اپنے لئے کسی بزرگ سے دعا کراؤ کیونکہ ان کی زبان سے نکلی ہوئی دعا حق تعالیٰ تک پہنچتی ہے جیسے کہ کمان کا تیر اور بندوق کی گولی۔ اگر ہم گولی ہاتھ سے پھینک دیں تو وہ اثر نہ ہو گا جو بندوق سے پھینکنے کا ہو گا۔ دعا گولی ہے اور ان کی زبان بندوق۔ **چوتھا فائدہ:** انبیاء و اولیاء کے مزارات پر حاضر ہو کر دعا کرنا بہت بہتر ہے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ دعا کے لئے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے مزار شریف پر آتے تھے (شامی) ہم کو قرآن نے بھی حکم دیا کہ توبہ کے لئے ہمارے نبی پاک کی بارگاہ میں جاؤ۔ **پانچواں فائدہ:** بزرگان دین کے شہر کی تعظیم کرنا بھی نیک بختی کی علامت ہے جیسے کہ بنی اسرائیل سے اس شہر کی تعظیم کرائی گئی اس لئے کہ یہ انبیاء کرام کی آرام گاہ تھا۔ مدینہ منورہ اور بغداد شریف کی تعظیم کی یہی اصل ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو وادی سینا میں داخل ہوتے وقت نعلین اتار دینے کا حکم دیا گیا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** بعض حضرات اپنے شیخ کے شہر میں ننگے پاؤں رہتے ہیں جو تا نہیں پہنتے۔ حضرت امام مالک حدود مدینہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوتے۔ حضرت امام ابو حنیفہ نے مدینہ کے قیام کے زمانہ میں اس زمین پاک میں پیشاب پاخانہ نہ کیا کھانا ہی چھوڑ دیا ان تمام آداب کی اصل یہ آیات ہیں نیز پاک چمن کے بہشتی دروازے کے معنی یہ ہیں کہ اس دروازہ میں داخل ہو کر توبہ کرو اور گناہ سے معافی مانگو جیسے ستون توبہ کے پاس کھڑے ہو کر توبہ کرنا تھا یا" اس جگہ بابا صاحب نے عبادت کی ہو گی۔ **چھٹا فائدہ:** جن عملوں سے ہم گنہ گاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں ان سے نیک کاروں کے درجے بڑھتے ہیں۔ ہماری توبہ گناہ مٹاتی ہے ان کی توبہ ان کے درجے بڑھاتی ہے ہماری مصیبتیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہیں۔ ان کی مصیبتیں ترقی درجات کے لئے جیسے کہ میدان تیہ میں بنی اسرائیل بھی رہے اور موسیٰ علیہ السلام بھی مگر یہ میدان بنی اسرائیل کے لئے قید خانہ تھا موسیٰ علیہ السلام کے لئے اعلیٰ مقام جو شخص ان حضرات کی توبہ یا مصیبتوں کو دیکھ کر انہیں گنہگار یا بے دین مانے وہ خود بے دین ہے۔ گنہگار کی قبر پر پھول یا سبزہ ڈالا جائے تو اس سے عذاب میں کمی ہوتی ہے اور نیک کاروں کی قبر پر ڈالنے سے ان کے ثواب میں زیادتی۔ **پہلا اعتراض:** اس بستی میں داخل ہونے کے وقت کا سجدہ کس کو تھا۔ رب تعالیٰ کو یا اس شہر کو اگر رب تعالیٰ کو تھا تو کس طرف تھا اور اگر بستی کو تھا تو یہ بت پرستی ہے (آریہ) **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو اس سجدے سے مراد جھک کر جانا ہے تو اس میں اس کی تعظیم منظور ہے اور یا جاتے وقت سجدہ شکر ادا کرنا تب اس بستی کا دروازہ ان کے لئے مثل کعبہ تھا کہ سجدہ رب کو اور جھکنا اس کی طرف۔ بت پرستی کا جواب ہم آدم کے سجدے میں دے چکے ہیں اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں ہو گی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم مسجد بیت المقدس کے دروازے میں داخل ہو کر دو رکعت تحیتہ المسجد پڑھو جیسے کہ آج مسجد میں جا کر پڑھی جاتی ہے۔ لہذا تعظیم شہر ثابت نہیں ہوتی۔ **جواب:** یہ غلط ہے اولاً اس لئے کہ یہاں بستی کا ذکر نہ کہ

www.alahazratnetwork.org

مسجد کا دروازہ بستی ہی کا ہونا چاہئے دوسرے اس لئے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ سجدہ کرتے ہوئے جاؤ نہ کہ جاکر سجدہ کرو یہ ترجمہ ہی غلط ہے۔ تیسرے یہ کہ اس وقت مسجد بیت المقدس بنی نہ تھی کہ یہ حضرت سلیمان کی تعمیر ہے۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے صدہا برس بعد ہوئے مسجد بننے سے پہلے وہاں داخلہ کیا۔

فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا

پس بدل دی انہوں نے جنہوں نے ظلم کیا وہ بات سوا اس بات کے جو کہی گئی واسطے ان کے پس اتارا ہم نے

تو ظالموں نے اور بات بدل دی جو فرمائی گئی تھی اس کے سوا

عَلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا

اوپر ان کے جنہوں نے ظلم کیا عذاب آسمان سے بوجہ اس کے

تو ہم نے آسمان سے ان پر عذاب اتارا

یَفْسُقُوْنَ ۵۹

کے فسق کرتے تھے

بدلہ ان کی بے حکمی کا

تعلق : یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے کہ وہاں رب کے حکم کا ذکر تھا اور یہاں اسرائیلیوں کے عمل کا نیز پہلی آیت میں وعدہ کی شرطوں کا ذکر ہوا اور اس آیت میں ان اسرائیلیوں کے شرائط پورے نہ کرنے کا۔ **تفسیر: فبدل** یہ لفظ تبدیل سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بدل دینا یا بدل لینا۔ بدلنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو اپنی چیز دے کر دوسرے کی چیز لینا جیسا کہ تجارت میں ہوتا ہے دوسرے لینے کے قابل چیز کو چھوڑ کر وہ چیز اختیار کرنا جو نہ لینا چاہئے تھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ان کو جو کہنا چاہئے تھا وہ نہ کہا اور جو نہ کہنا چاہئے تھا وہ کہا۔ خیال رہے کہ بدلنا دو طرح کا ہے ایک تو اصل کو بدلنا یہ دو طرح کا ہے۔ اس طرح کہ الفاظ بھی بدل جائیں اور مضمون بھی دوسرے وصف کو بدلنا اس طرح کہ الفاظ بدل جائیں اور مضمون وہی رہے پہلے کو تبدیل اور دوسرے کو تغییر کہتے ہیں ان اسرائیلیوں نے پہلی قسم کی تبدیلی کی کہ نہ مضمون باقی رکھا اور نہ الفاظ اسی لئے یہاں بدل فرمایا گیا نہ کہ غیر اگر وہ لوگ بجائے **حطۃ** کے **مغفرۃ** یا **غفرانک** وغیرہ مغفرت کے الفاظ بول لیتے تو غالباً رب کے غضب میں نہ آتے انہوں نے الفاظ و معنی تو کیا مقصود بھی بدل دیا۔ کیونکہ **حطۃ** سے شرمندگی کا اظہار مقصود تھا مگر انہوں نے اس وقت تمسخر اور دل لگی کا اظہار کیا اسی لئے قرآن کریم نے **بدل** باب تفعیل سے فرمایا نہ کہ ابدال باب افعال سے یعنی انہوں نے خوب بدل دیا **الذین ظلموا** اس سے معلوم ہوا کہ سب نے نہ بدلا تھا بلکہ محض ظالمین نے ان میں جو انبیاء اور صالحین تھے وہ **حطۃ** کہتے ہوئے ہی داخل ہوئے اس ظلم سے یا تو بچھڑے کی پوجا وغیرہ مراد ہے یا یہ بدلنا ہی یعنی جو پہلے ہی جرم کر چکے تھے انہوں نے ہی آج بھی یہ حرکت کی۔ یا یہ کہ بدلنے والے ظالمین نے بدلا ہی نے نہیں "**قولا**" ۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ قول سے کلام مراد ہے

www.alahazratnetwork.org

بنی اسرائیل کو حکم تھا کہ سجدہ کرتے ہوئے جائیں اور یہ کہتے ہوئے انہوں نے فعل تو باقی رکھا یعنی سجدہ کرتے ہوئے گئے مگر قول بدل دیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں قول سے مراد حکم ہے یعنی انہوں نے پورا حکم بدل دیا نہ تو سجدہ کرتے ہوئے گئے اور نہ حطۃ کہتے ہوئے بلکہ خاموش گھس گئے اور بعضوں نے فرمایا کہ انہوں نے قول و عمل دونوں بدل دیئے کہ حطۃ کی بجائے کچھ اور کہا اور سجدہ کی بجائے سرین کے بل چلے۔ تفسیر روح البیان نے اس جگہ لکھا کہ حق تعالیٰ نے وہ دروازہ نیچا کر دیا تھا تاکہ انہیں خود بخود جھکنا پڑ جائے لیکن یہ بیٹھ کر سرین پر گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ انہوں نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام حطۃ کہلوا کر کھیل کرا رہے ہیں حطۃ کیا چیز۔ یہ تیسری بات ہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ اگلا جملہ اسی کی تائید کرتا ہے۔ اسی لئے ان کلمہ کلام کفر قرار دیا گیا جس پر عذاب الٰہی آگیا۔ پیغمبر کے کسی قول و فعل کو برا جاننا کفر ہے۔ **غیر الذی قیل لهم** یہ تبدیلی کا بیان ہے کہ وہ خاموش نہ گئے کچھ کہتے ہوئے ہی گئے مگر وہ نہ کہا جو ہم نے بتایا تھا بلکہ اس کے سوا وہ بات کہی جو ہمارے حکم کے بالکل ہی خلاف تھی۔ مضمون، عبارت، مقصود سب ہی بدل دیا۔ قرآن نے یہاں سوا نہ کہا۔ غیر کہا۔ یہ بتانے کے لئے حدیث شریف میں آیا ہے کہ وہ کہتے گئے **حنطۃ فی شعرۃ** یعنی ہم کو گیہوں اور جو دے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ وہ کہتے ہوئے گئے۔ **حطی سمعاثا** یہ لفظ عبرانی ہے جس کے معنی ہیں سرخ یا شرخی گیہوں۔ شاید حدیث پاک میں ان کے کلام کا ترجمہ فرمایا گیا ہو گا کیونکہ ان کی زبان عبرانی تھی۔ **فانزلنا**۔ ف سے معلوم ہوا کہ ان پر فوراً ہی بلا تاخیر عذاب آگیا۔ **علی الذین ظلموا** اس سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب فقط مجرمین پر ہی آیا۔ نیکو کار اس سے محفوظ رہے اگر یہاں علیہم فرمایا جاتا تو غلط فہمی ہو جاتی کہ سب پر عذاب آگیا ہو اس ظلم سے کلمہ بدلنا مراد ہے اور پہلے ظلم میں چند احتمال نیز پہلے ظلم میں گناہ کبیرہ اور صغیرہ سب ہی مراد ہو سکتے ہیں اور اس ظلم میں صرف کبیرہ ہی کیونکہ آگے ان کو فاسق فرمایا گیا۔ لہٰذا کلام میں تکرار نہیں **رجزا**۔ رجز کے لفظی معنی سزا اور عذاب اور گندگی ہیں جیسے رجز مگر یہاں عذاب مراد ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ ان پر اچانک موت (ہارٹ فیل) کا عذاب نازل ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ طاعون جس سے ایک ساعت میں چوبیس ہزار آدمی ہلاک ہوئے اور کئی روز تک ان میں طاعون رہی کل ستر ہزار آدمی مرے۔ **من السماء** جس آسمان سے کہ ان پر من و سلویٰ کی نعمتیں آئی اسی سے اب طاعون وغیرہ آئی تفسیر عزیزی میں ہے کہ زہریلی ہوا چلی جس سے کہ ان کے خون میں زہریلا مادہ پیدا ہوا اور جسم کے نرم مقامات پر گلٹیوں کی شکل میں نمودار ہوا۔ یہ عذاب اس لئے آیا کہ وہ فسق و فجور کرنے کے عادی ہو چکے تھے۔

خلاصہ تفسیر: بنی اسرائیل کی سرکشی اس حد تک پہنچ چکی تھی کہ بڑے سے بڑا مجرم بھی اتنی دراز قید کاٹ کر کچھ روز کے لئے سیدھا ہو جاتا ہے لیکن یہ چالیس سال قید گزارنے کے بعد جب وہاں سے چھوٹے تو ان سے کہا گیا تھا کہ تم اس شہر میں سجدہ اور توبہ کرتے ہوئے داخل ہونا انہوں نے اس فرمان عالی کو بالکل بدل ڈالا بجائے سجدہ کے اپنے سرین پر گھسٹتے ہوئے گھسے اور بغیر ندامت کے دل لگی اور مذاق کرتے ہوئے اور بجائے معافی مانگنے کے گیہوں اور جو وغیرہ مانگتے ہوئے گئے وہ سمجھے کہ نبی کی بتائی ہوئی دعا موقعہ اور وقت کے خلاف ہے ضرورت تو گندم کی ہے ہم من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں وہ کہتے ہیں معافی مانگو اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج کہتے ہیں کہ سود کی حرمت، عورتوں کا پردہ، زکوٰۃ، قربانی اس زمانہ کے مناسب تھا اب وقت دوسرا ہے اب ان احکام کی ضرورت نہیں یا ان میں ترمیم چاہئے۔ ترمیم کر کے ہی ان اسرائیلیوں کا بیڑا غرق ہوا۔ اس سرکشی کا

www.alahazratnetwork.org

نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر آسمانی عذاب طاعون وغیرہ نازل فرمایا کیونکہ وہ عادی مجرم تھے تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی نافرمانی سے غمگین نہ ہوں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: یہ کہ انبیاء کرام کی مخالفت سے دنیاوی عذاب بھی آ جاتے ہیں اور ان کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ مومن کے لئے دنیوی تکلیفیں کفارہ گناہ ہیں جس سے کہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جاتا ہے کافر کے لئے نہیں جیسے کہ دنیوی نعمتیں کافروں کے لئے ان کے ظاہری نیک اعمال کا بدلہ۔ مومن کے واسطے نہیں دنیوی عذاب کافر کے لئے مثل حوالات ہے اور مومن کے لئے دنیوی نعمت مثل بھتہ کے کہ تنخواہ اس کے علاوہ ہے۔ تیسرا فائدہ: طاعون بنی اسرائیل کے زمانہ سے شروع ہوا۔ یہ ان کے واسطے عذاب تھا اور مسلمانوں کے لئے رحمت۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب طاعون تمہارے شہر میں واقع ہو تو وہاں سے نہ بھاگو دوسرے شہر میں ہو تو وہاں نہ جاؤ نیز حدیث صحیح میں وارد ہوا کہ جو لوگ وبائی جگہ میں رب کی رضا پر صابر رہیں اگر وہ وبا سے محفوظ بھی رہے جب بھی شہادت کا ثواب پائیں گے۔ (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) مگر یہ شہادت حکماً ہوگی نہ کہ حقیقتاً اور فقہی اللہ ایسے شہید کو غسل وغیرہ دیا جائے گا۔ مگر انشاء اللہ قیامت میں اس کا حشر شہدا کے ساتھ ہوگا۔ چوتھا فائدہ: یہ کہ چند حضرات وہ ہیں جن کو شہادت کا درجہ ملتا ہے۔ (1) جو پانی میں ڈوب جائے۔ (2) جل کر مرے۔ (3) سفر میں مرے۔ (4) دب کر مرے۔ (5) پیٹ کی بیماری میں مرے۔ (6) طاعون سے مرے۔ (7) زچہ عورت مدت نفاس میں مرے۔ (8) جو جمعہ کی رات میں مرے۔ (9) ذات الجنب کی بیماری میں مرے۔ (10) طالب علمی کے زمانہ میں مرے (علم دین) (11) جو سل یا (12) مرگی یا (13) بخار کی مرض سے مرے۔ (14) جو کسی کے عشق میں مرے بشرطیکہ پاک دامن اور عشق کو چھپانے والا ہو۔ (15) جس کو درندہ کھا جائے۔ (16) جس کو زہریلا جانور کاٹ لے۔ (17) فی سبیل اللہ اذان دینے والا۔ (18) سچا تاجر۔ (19) حلال کی روزی کما کر بال بچوں کو پالنے والا۔ (20) دریا کا مسافر۔ (21) جو روزانہ پچیس بار یہ پڑھ لیا کرے۔ اللھم بارک لی فی الموت وفی ما بعد الموت۔ (22) جو شخص نماز چاشت اور ہر مہینہ میں تین روزوں کا پابند ہو۔ (23) جو وتر کا پابند ہو۔ (24) جو روزانہ سو بار درود شریف پڑھا کرے جو شہادت کی تمنا میں رہے۔ (25) جو تاجر ضرورت کے وقت باہر سے مسلمانوں کے لئے غلہ لائے۔ (26) جو سنت کا پابند ہو جب کہ مسلمان سنت کو چھوڑ رہے ہوں۔ (27) جو اپنی بیماری میں چالیس بار آیت کریمہ پڑھے۔ (28) جو ہر رات سورۃ یسین پڑھنے کا پابند ہو۔ (29) جو روزانہ صبح و شام درود شریف پڑھا کرے۔ (30) جو روزانہ تین بار اعوذ پڑھ کر سورۃ حشر کی آخری آیتیں لا یستوی سے آخر تک پڑھ لیا کرے (شامی باب الشہید) مسئلہ: جو طاعون سے مرے اس سے حساب قبر نہیں ہوتا۔ مسئلہ: مدینہ منورہ طاعون اور دوسرے وبائی امراض سے محفوظ ہے۔ مسئلہ: طاعون کی جگہ سے بھاگنا حرام ہے ہاں اگر کسی ضرورت کی وجہ سے باہر گیا تو جائز۔ مسئلہ: مرض اڑ کر نہیں لگتا اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار بیماریوں میں قدرت مانتے ہیں اسی لئے ان کی پوجا کرتے ہیں چیچک اور ماتا کے بت بنا کر پوجتے ہیں یہ عقیدہ مشرکانہ ہے۔ حدیث لا عدوی کے یہی معنی ہیں۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کسی بیماری کی وجہ سے وہاں کی آب و ہوا بگڑ جائے جس سے دوسرے لوگ بھی بیمار ہو جائیں جیسے کہ متعفن آب و ہوا سے بچنا بہتر ہے ایسے ہی بعض بیماروں سے احتیاط کرنا بھی جائز ہے جیسے جذامی اور مدقوق وغیرہ اسی لئے بعض احادیث میں ان سے

www.alahazratnetwork.org

بچنے کا حکم دیا گیا۔ البتہ وبائی امراض سے بھاگنا حرام ہے۔ جس کی حکمت ہم انشاء اللہ عنقریب سوال و جواب میں بیان کریں گے۔
پانچواں فائدہ: موت سے کوئی تدبیر نہیں بچا سکتی۔ حکایت: جالینوس نے اپنے دوستوں کو موت کے وقت دو گولیاں دیں اور کہا کہ میرے مرنے کے بعد ایک کو لوہے پر ڈال دینا اور دوسری کو پانی کے بھرے ہوئے گھڑے میں اور پھر گھڑا توڑنا لوگوں نے ایسا ہی کیا لوہا تو اس گولی سے پگھل گیا اور پانی جم گیا اس وقت کے حکماء نے کہا ہے کہ جالینوس نے یہ دکھلایا ہے کہ میں پانی کو جمانے اور لوہے کو گلانے کی قدرت رکھتا تھا مگر اپنے کو موت سے نہ بچا سکا بلکہ جو حکیم جس بیماری کے علاج میں زیادہ ماہر تھا خود اس کی موت اسی بیماری سے ہوئی۔ سانپ کا منتر جاننے والا سانپ ہی سے مرتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

الا یا ایها المغرور تب من خیر تاخیر — **فان الموت قد یاتی ولو صیرت قارونا**

بسل ما ارسطا لیس بقراط فلاج! — **و افلاطون برسام و جالینوس مبطونا**

یعنی ارسطو سل کی بیماری سے اور بقراط فالج سے اور افلاطون برسام اور جالینوس پیٹ کی بیماری سے مرے (تفسیر روح البیان) وبا کا علاج اہم ہے۔ شافعی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ طاعون کا سب سے بہتر علاج تسبیح و تہلیل اور درود شریف ہے بشرطیکہ ظاہری اور باطنی شرطوں کے ساتھ ہو۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ وبا کے زمانہ میں سورہ دخان شریف بلند آواز سے صبح کے وقت پڑھنے سے جہاں تک اس کی آواز جائے وہاں تک امن رہتا ہے نیز وبا کا ایک علاج یہ بھی ہے کہ کسی نقارے یا تاشہ پر سورہ جمعہ دائرہ کی طرح لکھی جائے اور درمیان میں پندرہ کا نقش بنایا جائے پھر ایک خصی بکرے کو ساتھ لے کر تاشہ بجاتے ہوئے سارے شہر میں گشت لگایا جائے مگر شرط یہ ہے کہ چوب نقش پر پڑے نہ کہ حرفوں پر پھر کنارہ شہر پر پہنچ کر وہ جانور ذبح کر کے اس کا گوشت خیرات یا دفن کر دیا جائے۔ انشاء اللہ وبا سے امن ملے گی نیز اس زمانہ میں بلند آواز سے اذانیں کہنا بھی مفید ثابت ہوا ہے اس لئے کہ طاعون جنات کا اثر ہے اور غلبہ جن کے وقت اذان کہنا سنت ہے (شامی باب الاذان) چھٹا فائدہ: رب کا فرمان بدلنا باعث عذاب ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا مسئلہ قرآن کے الفاظ یا اس کے متواتر معنی یا مقصود کو دیدہ دانستہ بدلنا کفر ہے جو شخص عمداً ض کو ظ پڑھے وہ بھی کافر ہے (شرح فقہ اکبر) ہاں اگر قرآنی آیت تلاوت کی نیت سے نہ پڑھی جائے بلکہ دعا یا جواب کی نیت سے تو اس میں زیادتی کمی یا تبدیلی وغیرہ جائز ہے کیونکہ اس صورت میں یہ آیت ہی نہیں ہے بلکہ وہ اپنا کلام ہے جیسے کسی نے آپ کی مزاج پرسی کی آپ نے اس کو جواب میں کہہ دیا۔ **الحمد لله رب العالمین الکریم الروف الرحیم** یا جیسے کہ حفاظ تلاوت سے پہلے کہتے ہیں **بیرکت بسم الله السمیع العلیم الرحمن الرحیم** اسی کا نام اقتباس اور قرآن سے اقتباس جائز ہے (شامی کتاب الحظر) کیونکہ اب یہ ہمارا کلام ہو گیا اسی واسطے اس نیت سے جنبی کو پڑھنا جائز اور نمازی کو پڑھنا منع ہے بلکہ اس کی نماز کو باطل کر دے گا عملوں اور وظیفوں کے الفاظ بدلنے سے ان کی تاثیر جاتی رہتی ہے صرف ثواب باقی رہ جاتا ہے۔ دلائل الخیرات میں ایک درود شریف چودہ بار پڑھا جاتا ہے کسی شاگرد نے اپنے شیخ الدلائل شاہ عبدالحق الہ آبادی سے پوچھا کہ ہم پندرہ بار کیوں نہ پڑھ لیں انہوں نے جواب میں کہا کہ جس قفل میں چار دانت والی چابی پڑتی ہے وہ پانچ دانت والی چابی سے نہیں کھلتی پندرہ بار سے ثواب تو ل جائے گا مگر دروازہ نہ کھلے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو سوتے وقت کی ایک دعا تعلیم فرمائی جس میں تھا **امنت بنبیک الذی ارسلت** انہوں نے **امنت برسولک**

www.alahazratnetwork.org

الذی ارسلت پڑھا دیکھو نبی اور رسول یہاں ہم معنی ہیں لیکن حضور نے فرمایا نہیں وہی کہو نبیک الذی کیونکہ دعا میں الفاظ کے ساتھ زبان کی تاثیر بھی درکار ہے۔ تلوار کی دھار کے ساتھ وار کی بھی ضرورت ہے۔ زبان کی تاثیر انہی الفاظ میں ہے جو شیخ سے منقول ہوں مگر جو دعائیں اور اذکار عبادات میں درکار ہیں ان میں اگر الفاظ بدل جائیں اور مضمون باقی رہے تو عبادت درست ہو جائے گی۔ لہٰذا اگر کوئی نماز کی تکبیروں میں بجائے اللہ اکبر کے اللہ عظیم یا الرحمٰن اکبر کہہ دے تب بھی نماز جائز ہے۔ اسی طرح اگر ذبح کرتے وقت بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے رب کا کوئی اور نام لے لیا تب بھی ذبح درست ہے۔ اگرچہ ثواب کم ہو جائے گا۔ **پہلا اعتراض:** چاہئے کہ ذکر و دعا میں بالکل فرق نہ کیا جائے کیونکہ بنی اسرائیل نے دعا کے لفظ ہی بدلے تھے جس سے ان پر عذاب آیا تھا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ انہوں نے صرف لفظ نہ بدلے تھے بلکہ عبارت "معنی" مقصود سب بدل دیا تھا اور پیغمبر کا مذاق اڑاتے ہوئے گئے تھے یہ کفر ہوا اس وجہ سے ان پر عذاب آیا الحمدللہ کوئی مسلمان یہ نہیں کرتا۔ محض آسانی کے لئے تبدیلی الفاظ کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر کسی کو دعا قنوت یا دعا جنازہ یاد نہ ہو اور اللہ اکبر اس سے صحیح ادا نہ ہوتا ہو تو اس لئے نماز نہ چھوڑ دے بلکہ یہ مضمون دوسرے الفاظ میں ادا کر دے۔ **دوسرا اعتراض:** جب قحط سالی اور دوسری بلاؤں سے بھاگنا جائز ہے تو طاعون سب سے سخت بلا ہے اس سے بھاگنا کیوں حرام ہے؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وبا میں اکثر اپنے اہل قرابت اور دوست احباب بیمار ہو جاتے ہیں۔ جس سے وہ بھاگ نہیں سکتے اگر اس موقعہ پر تندرستوں کو بھاگنے کی اجازت دی جائے تو ان بیماروں کی تیمارداری کون کرے یہ لوگ یقیناً" سخت تکلیف سے مریں گے اور ان کو گور و کفن بھی میسر نہ ہوگا۔ اس لئے یہاں ٹھہرنا بہت ثواب کا کام ہے جیسے جہاد کی صف میں ٹھہرنا۔ قحط سالی و دیگر بلاؤں میں یہ بات نہیں وہاں سب بھاگ سکتے ہیں بلکہ مفلس اور غریب ہی پہلے بھاگتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی) میں نے خود دیکھا کہ ایک بار بدایوں میں طاعون پڑی۔ مسلمانوں کے جنازے بہت عزت اور احترام سے جاتے تھے ان کے ساتھ بڑا مجمع اور آگے نعت خوانی ہوتی تھی۔ ہندوؤں کی لاشوں کو حکومت نے چھکڑوں اور بیل گاڑیوں میں لدوا کر پھنکوایا۔ یا زمین میں دبوا لیا۔ کیونکہ تندرست ہندو انہیں چھوڑ کر بھاگ گئے تھے۔ اس واقعہ سے کئی ہندو مسلمان ہو گئے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ طاعون وبا خبیث جنات کے اثر سے ہے اسی لئے اس کو طاعون کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ طعن سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں نیزہ مارنا۔ طاعونی بیمار کو بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ میرے کوئی برچھیاں مار رہا ہے ان کے مقابلے سے بھاگنا گویا اس سے ڈر جانا ہے۔ جس طرح ظاہری جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگنا منع ہے ایسے ہی وباؤں کے مقابلہ سے بھی۔ **تفسیر صوفیانہ:** نفس کو دنیا کی بستی میں بھیجا گیا اور اس کو حکم دیا گیا کہ اعضاء جسم کو جس طرح چاہے استعمال کر اور دنیا کی نعمتیں خوب کھا اور پی لیکن دروازہ حیات میں رب کی اطاعت کرتے ہوئے اور توبہ کرتے ہوئے جانا تیری خطائیں معاف ہوں گی اور تجھے بڑا اجر دیا جائے گا۔ مگر اس ظالم نفس نے نہ کہنے کی بات کہی اور نہ کرنے کے کام کئے۔ دنیا کی طلب میں ایسا مشغول ہوا کہ آخرت کو بالکل ہی بھول گیا۔ فکر معاش میں خیال معاد سے غافل ہو گیا۔

عمر گراں مایہ دریں صرف شد تا چہ خورم صیف وچہ پوشم شتاء

کھانا ذکر الٰہی کے لئے تھا مگر نفس نے سمجھا کہ زندگی کھانے کے لئے ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس غافل نفس پر عذاب الٰہی موت کی شکل میں نمودار ہوا اور وہ تمام دنیاوی جمع کی ہوئی نعمتیں چھوڑ کر چل دیا۔ خیال رہے کہ موت غافل کے لئے عذاب

www.alahazratnetwork.org

آسانی اور عاقل کے لئے ذریعہ شادمانی اور راحت جاودانی ہے اسی لئے اللہ والوں کے موت کے دن کو عرس یعنی شادی کلاں کہتے ہیں حق تعالیٰ غفلت کی زندگی سے بچائے۔ دوسری تفسیر صوفیانہ: عقائد' فرائض' واجبات' نوافل' مستحبات دولت ایمان کی محافظ دیواریں ہیں۔ عقائد پہلی دیوار اور مستحبات آخری جو لب سڑک ہوتی ہے۔ چور پہلے کنارہ والی دیوار کو توڑتا ہے اگر وہاں ہی حفاظت کرلی گئی تو دولت محفوظ رہے گی ورنہ چور اور دیواروں کو بھی توڑے گا۔ شیطان چور پہلے مستحبات پھر سنتیں پھر واجبات پھر فرائض چھڑواتا ہے پھر عقائد پر حملہ کرتا ہے گناہ صغیرہ وہ ہے جسے انسان چھوٹا سمجھے۔ کبیرہ وہ ہے جسے انسان معمولی جانے ان لوگوں نے حطہ کو معمولی سمجھ کر چھوڑ دیا آفت آگئی۔

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ

اور جب پانی مانگا موسیٰ نے واسطے قوم اپنی کے پس کہا ہم نے مارو تم لاٹھی اپنی پتھر کو

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے فرمایا اس پتھر پر اپنا عصا مارو

الْحَجَرَ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ

پس بہنے لگے اس سے بارہ چشمے بیشک جان لیا ہر گروہ نے گھاٹ اپنا

فوراً اس میں سے بارہ چشمے بہ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا

اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا

کھاؤ تم اور پیؤ تم لوگ رزق سے اللہ کے اور نہ

کھاؤ اور پیؤ خدا کا دیا اور

تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ○

پھیلو تم زمین میں فساد کرتے ہوئے

زمین میں فساد اٹھاتے نہ پھرو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل پر آٹھ احسانات کا ذکر ہو چکا اب نویں احسان کا ذکر ہے جو کہ بہت بڑا اور عجیب قسم کا احسان ہے اس لئے کہ خشک جنگل میں جہاں پانی کی امید نہ ہو پیاسوں کو پانی مل جانا بہت ہی بڑی نعمت ہے اور ایسی جگہ سے پانی ملنا جو کہ بالکل خلاف عادت ہو بہت ہی عجیب احسان ہے دوسرے یہ کہ اب تک ان نعمتوں کا ذکر ہوا جس کی بنی اسرائیل نے ناشکری کی اب اس نعمت کا ذکر ہے۔ جس کی بظاہر ناشکری تو نہ کی لیکن اس سے ان کی فرقہ بندی اور اختلافات ظاہر ہوئے کیونکہ وہ سب ایک چشمے میں پانی نہ پی سکے تیسرے یہ کہ اب تک کھانا عطا فرمانے کا ذکر ہوا تھا اور کھانا بغیر پانی استعمال نہیں کیا جا سکتا اس لئے اب پانی کا ذکر ہوا جیسے کہ کھانا یعنی من و سلویٰ عجیب طریقے سے ان کو دیا گیا ایسے ہی پانی میں چوتھے یہ کہ اس سے پہلے من و سلویٰ کا ذکر ہوا جو ان کے لئے دنیوی نعمت تھی۔ جس سے کہ ان کا پیٹ

www.alahazratnetwork.org

بھرتا تھا اب اس پانی کا ذکر ہوا جو ان کے لئے دنیوی نعمت بھی تھی اور دینی بھی اس سے پیاس بھی بجھتی تھی اور ایمان بھی ملتا تھا کہ یہ موسیٰ کا معجزہ تھا جس سے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ثابت ہوئی۔ پانچویں یہ کہ اس سے پہلے آسمانی نعمتوں کا ذکر ہوا یعنی ابر کا سایہ کرنا اور من و سلویٰ کا برسنا اب زمینی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے یعنی پتھر سے پانی وغیرہ کا نکلنا **تفسیر** **واذ** بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ ایک سفر میں درپیش آیا جب کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو کہیں لئے جا رہے تھے اور وہ پیاسے ہو کر ان سے پانی مانگنے لگے مگر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ میدان تیہ کے زمانہ قیام میں ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے رہنے کے لئے بادل کا سایہ فرمایا اور کھانے کے لئے من و سلویٰ اتارا لباس کا وہ انتظام کیا جو ہم پہلے

بیان کر چکے تب موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ پانی کا بھی انتظام فرما **استسقی موسی** موسیٰ علیہ السلام سے اولاد بنی اسرائیل نے پانی مانگا پھر انہوں نے رب سے جیسا کہ سورہ اعراف میں ہے **اذ استسقہ قومہ** لہٰذا یہ آیت اس کے خلاف نہیں قوم نبی سے پانی مانگتی تھی نبی اللہ سے کہتے۔ رب جو وہ ہے بانٹتے یہ ہیں ان سے مانگنا شرک نہیں رب کی مرضی کے عین مطابق ہے۔ یہ لفظ سقی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں بارش سے سیرابی لہٰذا استسقے کے معنی ہیں بارش مانگی اس صورت میں رب نے طلب سے زیادہ دیا کہ بادل سے پانی مانگا تھا پتھر سے نکال کر عطا فرمایا سقی کے معنی ہیں مطلق سیرابی جیسے کہ **وسقھم ربھم شرابا طھورا** لہٰذا جو مانگا تھا وہی ملا **لقومہ** قوم کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے صرف اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تھا نہ کہ سارے جہان کے لئے نیز فقط پینے کے لئے مانگا نہ کہ کھیتی باڑی کے لئے اسی لئے ان پر بارش نہ آئی بلکہ پتھر سے پانی نکلا۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے استسقاء کے موقعہ پر سارے جہان کے لئے پانی مانگا اور فقط پینے کے لئے نہیں بلکہ کھیتی باڑی کے لئے اس لئے آپ کی دعا پر بارش آئی **فقلنا اضرب** یا تو بطور الہام رب نے فرمایا یا بطریق وحی **بعصاک** معلوم ہوا کہ لاٹھی سے پتھر کو مارنے کا حکم تھا نہ کہ پتھر سے لاٹھی کو یعنی زمین پر رکھے ہوئے پتھر پر لاٹھی ماریئے موسیٰ علیہ السلام کا عصا جنت کے درخت آس کی لکڑی تھی جو آدم علیہ السلام وہاں سے اپنے ساتھ لائے اور ان سے منتقل ہوتا ہوا حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا جب موسیٰ علیہ السلام نے ان کی بکریاں چرائیں تو یہ ان کو دیا گیا یہ موسیٰ علیہ السلام کے قد کی طرح دس ہاتھ تھا اس میں دو شاخیں تھیں جو تاریکی میں دو مشعلوں کی طرح چمکتی تھیں موسیٰ علیہ السلام اس عصا سے بکریوں کے لئے پتے بھی جھاڑتے تھے اور اس پر تکیہ بھی لگاتے تھے دیگر ضروریات بھی اس سے پوری فرماتے تھے اس میں چند خصوصیات تھیں دریائے قلزم کو اسی عصا سے خشک کیا گیا یہاں پتھر سے اس کے ذریعے پانی نکالا گیا۔ یہ عصا سانپ بن کر موسیٰ کی حفاظت کرتا تھا اور پھر پکڑ لینے پر لاٹھی ہو جاتا تھا اندھیری رات میں مشعل کا کام دیتا تھا پھر خوبی یہ کہ صرف موسیٰ ہی کے ہاتھ میں یہ کام کرتا تھا نہ تو ان سے پہلے کسی نبی کے دست مبارک میں یہ معجزات اس سے ظاہر ہوئے اور نہ آپ کے زمانہ میں کسی دوسرے کے ہاتھ میں اسی لئے کہتے ہیں کہ کمالات عصا کے لئے ید بیضا چاہئے۔ غالباً اس کو عصا اس واسطے کہتے ہیں کہ یہ عصو یا عصی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں نافرمانی اسی لفظ سے عصیان اور معصیت بنا چونکہ یہ فرعون وغیرہ نافرمانوں کی اصلاح کے لئے عطا ہوا تھا اس لئے اس کو عصا کہا گیا پھر ہر لاٹھی کو عصا کہنے لگے **الحجر** اس میں اختلاف ہے کہ پتھر سے کوئی خاص پتھر مراد ہے یا عام یعنی اس میں الف لام جنسی ہے یا عہدی بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ وہی پتھر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا جس کا

www.alahazratnetwork.org

ذکر سورہ احزاب میں ہے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ آپ اس کو کسی تھیلے میں سنبھال کر رکھیں اس سے معجزات صادر ہوں گے بعض نے فرمایا کہ یہ طور کا پتھر تھا بعض فرماتے ہیں کہ یہ پتھر بھی عصا کی طرح جنتی تھا جس کو آدم علیہ السلام اپنے ہمراہ لائے تھے اور انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا شعیب علیہ السلام تک پہنچا اور انہوں نے عصا کے ساتھ موسیٰ کو یہ پتھر بھی عنایت فرمایا یہ پتھر سنگ مرمر تھا۔ دو دو گز مربع یعنی ایک گز لمبا اور ایک گز چوڑا تھا بعض نے فرمایا کہ اس سے عام پتھر مراد ہے یعنی جس پتھر پر آپ عصا مارتے اس سے ہی پانی جاری ہو جاتا تھا یہ حسن بصری اور وہب ابن منبہ کا قول ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے (تفسیر عزیزی و روح البیان) کیونکہ اس صورت میں اعلیٰ معجزہ ظاہر ہوگا اگر کوئی خاص پتھر ہو تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ اس پتھر کی تاثیر تھی **فانفجرت منہ** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ نے عصا مارا پس پتھر سے بارہ چشمے بہ نکلے تفسیر عزیزی نے فرمایا کہ آپ نے پتھر میں بارہ چوٹیں ماریں اور ہر چوٹ سے ایک چشمہ جاری ہوا۔ ہر جگہ عورت کا سا پستان ظاہر ہوتا تھا جس سے پہلے عرق سا آتا اور پھر قطرہ قطرہ ٹپکتا پھر پانی بہنے لگتا انفجار فجر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پھٹنا یا چر جانا صبح صادق کو اسی لئے فجر کہتے ہیں کہ اس وقت سیاہی پھٹ کر سفید ڈورے نمودار ہوتے ہیں بدکار آدمی کو اسی لئے فاجر کہتے ہیں کہ وہ اپنی بدکرداری سے مسلمانوں کی جماعت میں شگاف پیدا کرتا ہے (تفسیر کبیر) تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ موسیٰ کے عصا مارنے سے پتھر میں شگاف پیدا ہوا اور اس سے پانی بہنے لگا پانی بہنے کو بھی انفجار اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پانی کسی جگہ شگاف کرکے نکلتا ہے یا تو قدرتی طور پر پتھر میں پانی پیدا ہو جاتا تھا یا وہ پتھر زمین سے اس طرح پانی کھینچ لیتا تھا جیسے کہ مقناطیس لوہے کو یا آج کل نل پانی کو یا اس پتھر سے ارد گرد کی ہوا مس کرکے پانی بن جاتی تھی جیسے کہ آج بھی ٹھنڈے برتن سے چھو کر ہوا پانی بن جاتی ہے۔ **اثنتا عشرۃ عینا** چونکہ میدان تیہ میں بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے اگر ان سب کے لئے ایک ہی گھاٹ ہوتا تو وہ آپس میں لڑتے جھگڑتے اس لئے رب تعالیٰ نے بارہ چشمے جاری فرمائے تاکہ ان میں جھگڑا پیدا نہ ہو۔ اس پتھر کی ہر سطح سے تین تین چشمے پھوٹتے تھے موسیٰ نے ہر گروہ کو حکم دیا تھا کہ علیحدہ علیحدہ بارہ گہرے گڑھے کھود لیں پتھر سے پانی آکر ان گڑھوں میں جمع ہو جاتا اور ہر گروہ اپنے کام میں لاتا **قد علم کل اناس مشربھم** ان میں سے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا تھا اور کوئی دوسرے کے گھاٹ سے پانی نہ لیتا تھا اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جب موسیٰ کی زندگی پاک ہی میں ان میں آپس میں اتنا اختلاف تھا کہ ایک گھاٹ سے پانی بھی نہ پی سکتے تھے تو ان کی وفات کے بعد ان میں اتفاق و محبت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ یہ لوگ وہاں چھ لاکھ تھے اور بارہ میل میدان میں قیام کئے ہوئے تھے۔ علیحدہ علیحدہ بارہ محلے سے قائم تھے ہر محلہ میں ایک نہر پہنچتی تھی اور ان کے کھودے ہوئے گڑھے میں گرتی تھی **کلوا واشربوا من رزق اللہ** یا تو رب تعالیٰ نے موسیٰ کے ذریعے ان سے کہلوایا یا خود موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا لہٰذا اس جگہ یا تو قلنا پوشیدہ ہے یا قال یعنی ہم نے یا موسیٰ نے فرمایا کہ اے اسرائیلیو! تم خوب کھاؤ پیو اللہ کا وہ رزق جو کہ تم کو بلا محنت و مشقت عطا ہوا کہ بغیر کھیتی باڑی کے من و سلویٰ مل رہا ہے اور بغیر کنواں وغیرہ کھودے ہوئے پانی لیکن یہ نعمتیں کھا کر **ولا تعثوا فی الارض مفسدین** زمین میں فساد برپا کرتے نہ پھرو بلکہ اس کا شکر بجا لاؤ لفظ **تعثوا**۔ عثی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں خوب فساد پھیلانا **لا تعثوا** میں فساد برپا کرنے سے منع فرمایا گیا آگے مفسدین فرما کر بتلایا جا رہا ہے کہ فساد ان کے دلوں میں جم چکا ہے تو خلاصہ مضمون یہ ہوا کہ تم در اصل مفسد تو ہو مگر مہربانی فرما کر اس زمین میں فساد نہ پھیلانا اور اپنی عادت فساد

www.alahazratnetwork.org

کی سال ظاہر نہ کرنا (تفسیر عزیزی) تفسیر: اے بنی اسرائیل رب کی یہ نعمت بھی یاد کرو جب کہ میدان تیہ میں تمہارے سائے اور خوراک و لباس کا انتظام ہو چکا تو موسیٰ نے تمہارے لئے رب سے پانی مانگا ہم نے جیسے کہ وہاں تم کو غذا ایک عجیب و غریب طریقہ سے عطا فرمائی ایسے ہی پانی بھی کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ آپ اپنا عصا پتھر پر ماریں انہوں نے ایسا ہی کیا تب پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے تمہارے بارہ قبیلوں میں ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ خوب پہچان لیا اور ہر طرح آرام سے پانی حاصل کیا ہم نے فرمایا کہ ہم ان نعمتوں کا شکر صرف یہ چاہتے ہیں کہ تم آئندہ زمین میں فساد انگیزی سے بچو رب کی نعمتیں خوب سیر ہو کر کھاتے پیتے رہو پتھر سے پانی نکلنے کا واقعہ کئی دفعہ اور کئی جگہ پیش آیا ایک تو یہاں مقام تیہ میں اور دوسرے جب کہ یہ لوگ ایلیم میں پہنچے وہاں بھی ان کو بارہ چشمے پانی کے اور ستر درخت کھجور کے عطا ہوئے تیسری بار جبکہ یہ لوگ مقام قادس میں پہنچے یا تو ہر جگہ اسی پتھر سے پانی نکلا یا علیحدہ علیحدہ پتھروں سے خیال رہے کہ یہاں نہ تو یہ فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل نے رب سے پانی مانگا اور نہ یہ فرمایا کہ موسیٰ نے اپنے لئے پانی مانگا تاکہ تین باتوں کی طرف اشارہ ہو ایک یہ کہ اے اسرائیلیو! تم نے ہمیشہ موسیٰ کو دکھ دیا مگر انہوں نے ہمیشہ تمہیں آرام دیئے تم بے وفا ہو وہ وفادار دوسرے یہ کہ اگر براہ راست تم ہم سے پانی مانگتے تو ہم نہ دیتے کہ تم مستحق عذاب تھے موسیٰ کی وساطت ان کے رحم و کرم سے ہم نے تمہیں پانی دیا اچھوں کے صدقے بروں پر رحمت ہو جاتی ہے تیسرے یہ کہ وہاں موسیٰ نے اپنے لئے پانی نہ مانگا قوم کے لئے مانگا قوت قدسیہ والے کھانے پینے کے چنداں حاجتمند نہیں ہوتے ہمارے حضور روزہ وصال میں بہت روز تک کچھ نہ کھاتے پیتے تھے عیسیٰ قریباً " دو ہزار سال سے بغیر کھائے پئے سو رہے ہیں۔ سلطان العارفین بایزید بسطامی نے تین سال تک پانی نہ پیا۔ اسی طرح موسیٰ بغیر کھائے پئے عرصہ گزار سکتے تھے تمہاری خاطر پانی مانگا ان شکروں کا شکریہ ادا کرو اور نبی آخر الزمان پر ایمان لے آؤ۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: یہ کہ اپنے ساتھ لاٹھی رکھنا سنت ہے دیگر انبیاء کرام کا بھی یہ عمل رہا ہے اور خود ہمارے نبی علیہ السلام کا قول بھی مشہور ہے کہ بعض وقت بھائی ساتھ چھوڑ جاتا ہے مگر لاٹھی نہیں چھوڑتی۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ پتلا بید یا چھوٹی قمچی سے سنت ادا نہ ہوگی بلکہ اپنے قد کے برابر لاٹھی ہونی چاہئے یا سینے تک موسیٰ کی لاٹھی قد کے برابر اور حضور کے سینہ تک تھی حضور کی لاٹھی کے نیچے لوہے کا کولا بھی ہوتا تھا جس سے بوقت ضرورت استنجاء کے لئے ڈھیلا بھی توڑا جا سکتا تھا اور جنگل میں نماز پڑھتے وقت سامنے گاڑ کر سترہ کا بھی کام لیا جاتا تھا اب بھی خوث وغیرہ میں وہی لاٹھی زیادہ کام دیتی ہے جو سینے تک ہو۔ تیسرا فائدہ: یہ کہ استسقاء یعنی رب سے پانی طلب کرنا سنت ہے حضور نے کبھی تو فقط دعا ہی فرمائی اور کبھی اس کے لئے نماز استسقاء بھی پڑھی اب بھی ہر طرح جائز ہے۔ بہتر یہ ہے کہ جب بارش کی دعا کرنا ہو تو اولاً توبہ کریں پھر صدقہ خیرات کریں اگر روزہ بھی رکھیں تو بہتر ہے پھر معمولی لباس پہن کر عاجزی کرتے ہوئے عید گاہ وغیرہ میں جائیں جانور اور کمزور بچوں کو بھی ساتھ لے جائیں کفار مشرکین کو ہرگز ہمراہ نہ لیں پھر وہاں نماز استسقاء ادا کریں اور دعا کریں تین روز تک یہ عمل کریں بارش کے لئے یہ دعا بہت نافع ہے۔ **اللھم اغثنا غیثا مغیثا ھنیئا مریئا مریعا غدقا مجللا سحا صبا** (درمختار و شامی) اگر یہ الفاظ بھی کہہ لئے جائیں تو بہتر ہے **نافعا غیر ضار عاجلا غیر اجل** کہ احادیث سے ثابت ہے جب رب تعالیٰ بارش بھیجے تب دعا مانگنا مستحب ہے اور بہتر ہے کہ صحن میں کھڑے ہو کر وہ پانی اپنے سینے

www.alahazratnetwork.org

اور منہ پر لے اور اگر سنے کہ فلاں ملک میں بارش نہیں تو ان کے لئے بھی دعا کرنا مستحب ہے مگر اس صورت میں نماز نہ پڑھی جائے۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ حضور کے معجزات اس سے بالاتر ہیں موسیٰ نے تو پتھر سے بارہ چشمے نکالے مگر حضور نے اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری فرمادیئے ایک بار سفر میں پانی کی تنگی ہوئی صحابہ کرام نے عرض کیا فرمایا کسی پیالے میں تھوڑا پانی لاؤ لایا گیا دست مبارک رکھ دیا اور پندرہ سو آدمیوں کو پلا بھی دیا۔ غسل وضو بھی کرلیا اور پیاسے جانوروں کو سیراب بھی فرمادیا خالی برتن اور مشکیزے بھی بھرلوئیے حضرت جابر نے سوچا کہ دیکھوں یہ پانی کہاں سے آرہا ہے نظر کی تو مبارک انگلیوں سے جاری تھا۔

انگلیاں ہیں فیض پر ٹوٹے ہیں پیاسے جھوم کر
ندیاں پنجاب رحمت کی ہیں جاری واہ واہ

پتھر سے پانی نکلنا آسان ہے پہاڑوں وغیرہ سے نکلا رہتا ہے مگر انگلیوں سے جاری ہونا بہت ہی عجیب ہے اور یہ تو بار بار ہوا کہ کسی بوڑھی عورت کے مشکیزے سے کسی کے برتن سے صدہا آدمیوں کو پانی پلادیا مگر اس میں سے ایک قطرہ کم نہ ہوا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف (باب المعجزات) میرے آقا نے تو دودھ کی نہریں بھی جاری فرمائی ہیں کہ ہجرت کے سفر میں ام معبد کی خشک بکری کے تھن کو ہاتھ مبارک لگایا جس سے تھن دودھ سے بھر گئے اور اس قدر دودھ نکلا کہ ساتھیوں نے پیا ام معبد کے گھر والوں نے پیا اور تمام گھر کے برتن بھر گئے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے نکلنا بیشک بڑا معجزہ ہے مگر دودھ کی دو نہریں خشک بکری کے تھنوں سے جاری ہونا بہت بڑا معجزہ عیسیٰ نے دعا فرما کر آسمان سے غیبی خوان کھانے سے بھرا ہوا منگایا مگر میرے شہنشاہ نے حضرت جابر کے گھر چار سیر جو کے آٹے اور تھوڑے سے گوشت سے سارے لشکر والوں اور مدینہ والوں کو سیر فرمادیا گوشت کی بوٹیاں شوربا اور شوربے کا مصالحہ آٹا وغیرہ تمام چیزیں جنت سے منگا کر حضرت جابر کی ہانڈی سے نکال کر سب کو کھلادیں موسیٰ نے پتھر سے پانی نکالا بیشک بڑا معجزہ ہے مگر میرے شہنشاہ نے منبر پر کھڑے ہو کر ایک بار دعا بارش فرمائی ابھی منبر سے نیچے نہ آئے تھے کہ پانی برسنے لگا اور نماز جمعہ پڑھتے پڑھتے مدینہ پاک کی گلی کوچوں میں بہنے لگا دوسرے جمعہ کو اس منبر پر کھڑے ہو کر جو انگشت پاک کا اشارہ فرمایا تو بادل پھٹ گیا اور جہاں حکم دیا وہاں جاکر برسا معلوم ہوا کہ دیگر انبیاء کرام کی حکومت زمین اور زمینی چیزوں پر ہے مگر سید الانبیاء کی سلطنت زمین' آسمان بلکہ دونوں جہان میں ہے اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو غرض حضور کے معجزات سب معجزات سے اعلیٰ ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ رب تعالیٰ اپنی نعمتیں انبیاء کرام کے ذریعہ عطا فرماتا ہے بلاواسطہ کسی کو نہیں دیتا وہ قادر تھا کہ پتھر سے بغیر عصا مارے ہی پانی عطا فرمادے مگر نہ فرمایا بلکہ موسیٰ کا واسطہ درمیان میں رکھا کہ وہ عصا ماریں تب بنی اسرائیلیوں کو پانی ملے تاکہ ان کی عظمت لوگوں کے دلوں میں قائم ہو جائے اور اس سے سمجھ جائیں کہ دنیا کی طرح آخرت کی نعمتیں بھی انہی حضرات کی نظر کرم سے ملیں گی دیکھو ایوب علیہ السلام کو جب شفا دینی ہوئی تو ان سے فرمایا **ارکض برجلک ھذا مغتسل** اپنا پاؤں رگڑو جس سے چشمہ پیدا ہوا فرمایا یہ لو اور اس سے نہاؤ جب حضرت یعقوب کی آنکھیں منور کرنا منظور ہوئیں تو حضرت یوسف کی قمیص کا واسطہ بیچ میں رکھا کہ وہ آنکھوں سے لگے اور آنکھیں روشن ہوں۔ فرمایا **اذھبوا بقمیصی** غرضکہ دیتا خود ہے مگر اپنے محبوبوں کے واسطے سے جیسے دنیا میں سب شفا' رزق' اقبال وغیرہ رب ہی دیتا ہے مگر لوگوں کی معرفت سے اس توسل سے دنیا قائم ہے اگر یہ توسل نہ ہو تو دنیا ختم ہو جائے ایسے ہی دنیا و آخرت میں سب کچھ رب ہی دیتا ہے مگر محبوبوں کی معرفت سے اگر یہ معرفت نہ ہو تو آخرت کا انتظام ختم ہو جائے۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں فائدہ: یہ کہ رب سے جو مانگنا ہو وہ اگر انبیاء سے مانگا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ بنی اسرائیل ہر موقعہ پر موسیٰ ہی سے شکایت کرتے تھے اور آپ یہ نہ فرماتے تھے کہ تم مشرک ہو گئے تم نے رب کو چھوڑ کر مجھ سے کیوں شکایت کی بلکہ ان کا حاجت روائی فرماتے تھے یہی طریقہ صحابہ کرام کا تھا کہ ہر دکھ درد مصطفیٰ سے عرض کرتے دیکھو ہماری کتاب جاء الحق چھٹا فائدہ: یہ کہ مفت نعمتیں ملنے اور مصیبتیں نہ آنے سے لوگ فساد برپا کرتے ہیں بنی اسرائیل نے بغیر مشقت غذائیں کھائیں پانی پیا تو آپس میں لیے جھگڑے کہ ایک جگہ سے پانی بھی نہ پی سکے ساتواں فائدہ: یہ کہ فساد سے نعمتیں چھین لی جاتی ہیں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کو فرمایا گیا کہ نعمتیں تو کھاؤ پیو مگر فساد نہ پھیلانا ورنہ سلب ہو جائیں گی۔ پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا **فانفجرت** یعنی پتھر سے پانی خوب بہ نکلا اور سورہ اعراف میں فرمایا گیا **فانبجست** یعنی تھوڑا تھوڑا نکلا (یعنی صرف رسا) ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اولاً تو پانی تھوڑا تھوڑا نکلتا تھا پھر خوب بہنے لگتا تھا وہاں پہلی حالت بیان ہوئی اور یہاں آخری دوسرا اعتراض: جب ابر کا سایہ اور من و سلویٰ کا اترنا اور پانی کا جاری ہونا ایک ہی میدان میں ہوا تو اس کو علیحدہ علیحدہ آیت میں کیوں بیان فرمایا۔ سب ایک ساتھ ہی کیوں نہ فرما دیئے گئے۔ جواب: وہ نعمتیں آسمانی تھیں اور یہ زمینی ان نعمتوں میں اسرائیلیوں کا اختلاف ظاہر نہ ہوا اس سے ظاہر ہوا۔ نیز اس نعمت سے موسیٰ علیہ السلام کی سلطنت و حکومت بھی علی وجہ الکمال معلوم ہوتی تھی ان وجوہ سے اس کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا تیسرا اعتراض: **اضرب بعصاک الحجر** کے معنی یہ نہیں ہیں کہ لاٹھی سے پتھر کو مارو بلکہ یہ کہ لاٹھی کے سہارے پتھریلے میدان کو طے کر لو یا پہاڑ پر چڑھ جاؤ۔ ضرب کے معنی چلنے کے بھی آتے ہیں یہاں وہی مراد ہیں کیونکہ پتھر سے پانی نکلنا خلاف عقل ہے (اہل قرآن کی تفسیر) جواب: جب ضرب کے معنی چلنا ہوتے ہیں تو اس کے بعد فی لایا جاتا ہے رب فرماتا ہے **واذا ضربتم فی الارض** اگر یہاں یہی ہوتا تو عبارت یوں ہوتی **اضرب بعصاک فی الحجر** اور فی یہاں نہیں جس سے معلوم ہوا کہ ضرب مارنے کے معنی میں ہے نیز یہی معنی عام روایات سے ثابت ہیں اس پر امت کا اجماع اس کو غلط بتانا سخت گمراہی ہے جب پتھر سے بال اڑ جاتے ہیں لوہا کھچ آتا ہے اب بھی پہاڑوں سے دریا جاری ہو جاتے ہیں وہ پانی پتھر سے ہی نکلتا ہے کنوؤں میں مٹی سے ہی پانی کے سوت جاری ہوتے ہیں تو اگر اس وقت بھی ایسا ہوا تو کون سی بات ہے ان وہمیات کی وجہ سے معجزات کا انکار کرنا سخت جہالت ہے۔ چوتھا اعتراض: ایک چیز سے چند متضاد کام نہیں ہو سکتے۔ ایک عصا سے بحر قلزم خشک بھی ہو گیا اور یہاں پتھر سے پانی بھی جاری ہوا عقل میں نہیں آتا۔ جواب: بعض پتھروں پر لوہا گڑنے سے آگ پیدا ہو جاتی ہے اگر پتھر پر عصا لگنے سے پانی پیدا ہو تو کیوں انکار ہے وہ قادر مطلق ہے یہ دنیا میں بہت ہوتا ہے ایک سورج سے سردی بھی پڑتی ہے گرمی بھی ایک مہینہ میں بعض سبز چیزیں جل جاتی ہیں اور بعض پیدا ہوتی ہیں ایک ہی دوا قابض بھی ہوتی ہے اور قبض کشا بھی مقوی باہ بھی ہوتی ہے اور نقصان دہ بھی ہم اپنی آنکھ سے روتے ہیں سوتے ہیں دیکھتے ہیں اشارے بھی کرتے ہیں اس سے نیک کام بھی کرتے ہیں اور بد بھی۔ جب ہمارے اعضاء اور دنیاوی چیزیں اپنے میں اتنی تاثیریں رکھتی ہیں تو اگر موسیٰ کے عصا سے عجائبات ظاہر ہوں تو کیا تعجب ہے ہمارے حضور کا لعاب دہن (تھوک) کھاری کنویں میں پڑے تو میٹھا کر دے۔ خشک کنویں کو جاری فرما دے حضرت جابر کی ہانڈی میں پڑ کر گوشت اور شوربا بڑھا دے آٹے میں پہنچ کر اس میں برکت دے حضرت علی کی دکھتی ہوئی آنکھ میں لگ کر شفا بخشے عبداللہ ابن عتیک

www.alahazratnetwork.org

کی ٹوٹی ہوئی ہڈی پر لگ کر جوڑ دے معاذ ابن عمرو یا بن جموح کے کٹے ہاتھ پر لگے تو اس کو صحیح کر دے۔ غرضیکہ ایک چیز میں چند فائدے ہونا کوئی تعجب کی بات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسانی روح اور اس کی صفات مثل موسیٰ اور بنی اسرائیل کے ہیں کہ وہ اپنے رب سے حکمت و معرفت کا پانی مانگ رہے ہیں روح کے پاس لا الہ الا اللہ کا عصا ہے جس میں نفی اور اثبات کی دو چمکتی ہوئی شاخیں ہیں اس کو روح بارگاہ الٰہی سے لے کر آئی۔ روح کو حکم ہے کہ یہ عصا اس قلب پر مارے جو کہ مثل پتھر کے یا اس سے بھی زیادہ سخت ہے اس چوٹ سے بفضلہ تعالیٰ بارہ چشمے جاری ہوتے ہیں۔ کیونکہ لا الہ الا اللہ کے بارہ حرف ہیں اور صفات انسانی کے بھی بارہ گروہ پانچ ظاہری حواس، قوت باصرہ، سامعہ شامہ لامسہ اور ذائقہ اور پانچ باطنی حسیں مشترک۔ حافظہ خیال وہم اور قوت متصرفہ اور ایک قلب اور ایک نفس ان میں سے ہر ایک اپنے گھاٹ کو پہچانتی ہے قلب کا گھاٹ تقویٰ اور اطاعت ہے روح کا گھاٹ کشف اور مشاہدہ یہ روح حقیقت کے چشمے کا پانی تجلی کے پیالے سے ساقی کی عطا سے پیتی رہتی ہے اور قربان ہوتا ہے **وسقهم ربهم شرابا طهورا** رب کا حکم ہے۔ یہ حقیقی رزق کھاؤ پیو لیکن دین کو دنیا کے بدلہ میں بیچ کر اور آخری چیز کو اولیٰ پر ترجیح دے کر اور ان دونوں کو موسیٰ پر مقدم جان کر فساد مت پھیلاؤ کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

دھن دے تن کو راکھئے اور تن دے رکھئے لاج
تن من دھن سب واریئے ایک دھرم کے کاج

وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا
اور جبکہ کہا تم نے اے موسیٰ ہرگز نہیں صبر کریں گے ہم اوپر کھانے ایک کے پس دعا کیجئے
اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم سے تو ایک کھانے پر ہرگز صبر نہ ہوگا تو آپ اپنے رب
رَبَّكَ یُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ
آپ واسطے ہمارے اپنے رب سے نکالے واسطے ہمارے اس میں سے جو اگاتی ہے زمین ساگ اس کے سے اور
سے دعا کیجئے کہ زمین کی اگائی ہوئی چیزیں ہمارے لیے نکالے کچھ ساگ اور
قِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ
ککڑی اس کی سے اور گیہوں اس کے اور مسور اس کی اور پیاز اس کی کہا بدلتے ہو تم
ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز فرمایا کیا تم
الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ ؕ
اس کو کہ وہ گھٹیا ہے بعوض اس کے کہ وہ بہتر ہے
ادنیٰ چیز کو بہتر کے بدلے مانگتے ہو

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس سے پہلے نو نعمتیں بیان ہو چکیں اب دسویں نعمت کا ذکر ہو رہا ہے لیکن فرق اس قدر ہے کہ وہ نعمتیں اعلیٰ تھیں اور یہ نعمت در حقیقت ان سے ادنیٰ لیکن بظاہر بنی اسرائیل کو یہ پیاری معلوم ہوئی کیونکہ ان چیزوں سے وہ اکتا چکے تھے دوسرے یہ کہ اس سے پہلے آسمانی نعمتوں کے بعد زمینی نعمت یعنی پانی عطا فرمانے کا ذکر ہو چکا اب ان زمینی غذاؤں کا ذکر ہے جو نعمت مع زحمت تھی۔ تیسرے یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کی نعمتوں کا ذکر تھا اب ان کی نالائقی اور کم ہمتی اور نافرمانی کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ آسمانی نعمتوں کے قابل ثابت نہ ہوئے اعلیٰ ہستی کھو کر پستی کے طالب ہوئے اس صورت میں یہ واقعہ دسویں نعمت نہیں بلکہ ان کی ناقدری کی وجہ ہے ہاں اگر یوں کہا جائے کہ یہ لوگ اس قابل تھے کہ ان سے تمام نعمتیں چھین لی جائیں مگر ہمارا کرم ہی تھا کہ ہم نے نہ چھینیں تو یہ نہ چھیننا بھی ایک نعمت ہے۔

تفسیر : **واذ قلتم** یہاں بھی وہی فعل پوشیدہ ہے یعنی اے اسرائیلیو! وہ واقعہ بھی یاد کرو جب تم نے کہا تھا اے نبی انہیں یاد دلاؤ خیال رہے کہ یہ واقعہ بھی میدان تیہ کا ہی ہے جب کہ وہ من و سلویٰ کھاتے کھاتے گھبرا گئے تھے کیونکہ وہ تو مصر میں رہ کر مختلف ترکاریاں کھانے کے عادی تھے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان کا یہ مطالبہ کرنا گناہ نہ تھا کیونکہ من و سلویٰ کھانا ان پر واجب نہ تھا بلکہ فقط مباح اور مباح کھانے کے بدلنے کی خواہش جرم نہیں البتہ چونکہ یہ بغیر محنت ملتا تھا جس سے یہ لوگ عبادت کا اتفاق موقعہ پا لیتے تھے اسی لئے موسیٰ نے اس کو خیر فرمایا اور اس کو ادنیٰ **یموسی** تفسیر عزیزی نے فرمایا کہ اتنے بڑے پیغمبر کو نام لے کر پکارنا کمال بے ادبی ہے۔ انہیں چاہئے تھا کہ یا رسول اللہ یا نبی اللہ کہہ کر پکارتے دیوبندیوں کے پیشوا میاں اسمٰعیل دہلوی ان سے کئی درجہ آگے ہیں۔ کیونکہ وہ تو انبیاء کو بشر ایلچی چودھری اور نمبردار بلکہ بھائی کہتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے حضور کو تو خود حضرت عباس بھتیجا کہہ کر حضرت علی بھائی کہہ کر ازواج پاک زوج کہہ کر نہیں پکارتی تھیں بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے یا محمد کہہ کر نہیں پکارا جہاں پکارا۔ **یا یھا النبی۔ یا یھا الرسول۔ یا یھا المزمل** وغیرہ پیارے القاب سے پکارا جب خالق یہ احترام کرے تو ہم کمینے گندے کس شمار میں ہیں۔ اگرچہ حضور اور سارے نبی بشری ہیں مگر یہ کہنا بے ادبی ہے یہاں کو والد صاحب کو باپ کی بیوی نہ کو خیال رہے کہ کبھی سچ بولنا کفر ہوتا ہے اور جھوٹ بولنا عین عبادت شیطان نے کہا مولا تو نے مجھے گمراہ کر دیا بات سچی تھی مگر وہ ہو گیا کافر۔ بے گناہ معصوم یا محفوظ بندے کہتے ہیں خدایا ہم بڑے گنہگار ہیں بات غلط ہے مگر یہ کہنا عبادت ہے نبی کو بشر کہنا بات سچی ہے مگر ہے بے ادبی **لن نصبر** یعنی ہم صبر کر سکتے تو ہیں مگر کریں گے نہیں۔ انہوں نے اپنی بد اخلاقی بیان نہ کی بلکہ بے صبری اللہ! یہ دوسری بے ادبی تھی مانگنے کے لئے بھی ادب و تمیز چاہئے **علی طعام و احد** طعام طعم سے بنا ہے طعم لذت والی غذا کو کہتے ہیں اسی لئے کڑوی دواؤں کو طعام نہیں کہا جاتا۔ یہاں ایک کھانے سے مراد ہے نہ بدلنے والا کھانا وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم سے ہر روز ایک سا ہی کھانا نہیں کھایا جاتا چند وجوں سے ایک یہ کہ کھاتے کھاتے عرصہ ہو چکا دوسرے یہ کہ ہم پہلے سے اس کھانے کے عادی نہ تھے۔ تیسرے یہ کہ ایک کھانے سے معدہ کمزور ہوتا ہے اور خواہش میں کمی آتی ہے نفس بھی اسے قبول نہیں کرتا چوتھے یہ کہ ہم زمین کے رہنے والے ہیں زمینی ہی غذائیں چاہتے ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ ایک کھانے سے مراد یکساں کھانا ہے جو کہ غریب و امیر سب کو برابر ملے گا گویا وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم کو مختلف کھانے چاہئیں۔ جس سے بڑے اور چھوٹے کا فرق ظاہر ہو اور جس میں بعض بعض کے خدمت گزار بنیں (تفسیر روح البیان) اس صورت میں یہ ان کی

www.alahazratnetwork.org

تیسری بے ہودگی ہوئی **فادع لنا**۔ یہ اسرائیل بھی جانتے تھے کہ رب پیغمبر کی بہت سنتا ہے اس لئے براہ راست خود دعا نہ کرتے تھے بلکہ پیغمبر سے دعا کراتے تھے۔ نیز وہ یہ سمجھتے تھے کہ پیغمبر خلق کے حاجت روا ہوتے ہیں اسی لئے اپنے دکھ درد ان سے عرض کر دیتے تھے بزرگوں سے دعا کرانا یا ان کی خدمت کر کے دعا لینا ان سب کی اصل یہ آیت ہے۔ نیز رب فرماتا ہے **وصل علیهم** خیال رہے کہ دعا کرانا اور ہے اور دعا لینا کچھ اور جو دعا لی جاتی ہے وہ تیر بہدف ہوتی ہے منافقین دعا کراتے تھے دعا لیتے نہ تھے اس لئے ان کے متعلق ارشاد ہوا **تستغفرلهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم** حضرت طلحہ نے رات کی خدمت کر کے حضرت عثمان نے غزوہ عسرت میں خیرات کر کے حضرت ربیعہ نے تہجد کا وضو کرا کر دعا لی۔ حضور نے فرمایا تم جنتی ہو گئے بلکہ حضرت عثمان کے لئے فرمایا کہ جو چاہو کرو جنت تمہارے لئے واجب ہو چکی ہے یہ ہے دعا لینا اب بھی موقعہ ہے حضور سے دعائیں لے لو ان کی خدمت کرو۔ **لنا** نے بتایا کہ اے موسیٰ یہ دعا ہمارے واسطے ہے نہ کہ آپ کے واسطے کیونکہ آپ تو اسی پر صابر شاکر ہیں بے صبرے تو ہم ہیں۔ **ربک** تفسیر عزیزی نے فرمایا کہ اس میں بولے۔ غیرت آتی ہے کہ انہوں نے ربک کہا **ربنا** نہ کہا یعنی اپنے رب سے عرض کرو مگر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اپنے کو حقیر جانتے ہوئے **ربنا** نہ کہا جیسے ہم رب کو رب العرش، رب کعبہ، رب محمد کہہ دیتے ہیں **یخرج لنا** یہ جملہ یا دعا کا بیان ہے یا اس کا جواب یعنی آپ رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے اگوے یا اگر آپ دعا کریں گے تو وہ ضرور اگوے گا کیونکہ آپ مقبول الدعاء ہیں۔ **یخرج** سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہ ساگ پات بھی من و سلویٰ کی طرح بغیر محنت ہی پیدا ہو جائیں ہم کو جوتنے بونے کی ضرورت نہ پڑے کیونکہ ہم حالت سفر میں ہیں کھیتی باڑی نہیں کر سکتے۔ **مما تنبت الارض** اس کا مفعول ہے یعنی ہم کو وہ چیزیں دے جو زمین اگاتی ہے **من بقلها**۔ بقل کا ترجمہ ہے سبزی ترکاری یہ دو طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جو پکا کر کھائی جائے جیسے خرفہ پالک اور میتھی سویا وغیرہ دوسرے وہ جو کچی بھی کھائی جائے جیسے دھنیا پودینہ وغیرہ یہ لفظ دو قسم کی ترکاریوں کو شامل ہے **وقثائها** اس کے معنی ہیں خیار۔ یہ دو قسم کا ہے خیار دراز یعنی ککڑی اور خیار خورد یعنی کھیرا ان دونوں کو خیارین کہتے ہیں یہ کچی بھی کھائی جاتی ہے اور پکا کر بھی یعنی یہ غذا بھی ہے اور دوائی میوہ بھی **فومها** گیہوں کو کہتے ہیں چونکہ یہ پیس کر پکا کر کھایا جاتا ہے اس لئے اس کو ترکاریوں کے بعد بیان کیا ایک قرات **ثومها** بھی ہے۔ جس کے معنی ہیں لہسن اور بعض علماء نے فوم کے معنی بھی لہسن کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ف ث کے عوض میں آئی ہے کیونکہ آگے پیاز کا ذکر آ رہا ہے اور اس کا جوڑ لہسن ہے نہ کہ گیہوں نیز وہ لوگ ادنیٰ چیزیں مانگ رہے ہیں اور گیہوں اعلیٰ ہے لیکن صحیح یہی ہے کہ یہاں فوم بمعنی گیہوں ہے کیونکہ آگے مسور ہے جو کہ گیہوں سے کھائی جاتی ہے اور پیاز کا ذکر تو اس کے بعد بھی ہے نیز گیہوں اگرچہ خود اعلیٰ ہے مگر من و سلویٰ کے مقابلہ میں ادنیٰ اور گیہوں کی روٹی عمدہ چیز ہے مگر جب ساگ اور پیاز وغیرہ معمولی ترکاریوں سے کھائی جائے تو ادنیٰ شمار کی جاتی ہے کیونکہ روٹی سالن کے ساتھ تابع ہے **وعدسها** مسور کو کہتے ہیں یہ چھیل کر اور بغیر چھیلے ہر طرح نہایت آسانی سے پک جاتی ہے اسی لئے انہوں نے یہاں طلب کی **وبصلها** بصل پیاز کو کہتے ہیں کیونکہ یہ خود بھی ترکاری بن جاتی ہے کہ سرکے سے کچی اور پکا کر روٹی سے کھائی جاتی ہے اور دیگر ترکاریوں کی بھی اصلاح کرتی ہے اس لئے مسور کے بعد اس کا ذکر ہوا۔ **قال** یہ موسیٰ کا فرمان ہے یا رب کا **اتستبدلون** یہ بدل سے بنا ہے جس کے معنی ہیں معاوضہ یہاں حقوق کا بدلہ مراد ہے یعنی من و سلویٰ کا حق کیوں لیتے **الذی هو ادنیٰ** ان تمام چیزوں کو ادنیٰ فرمایا گیا کیونکہ یہ قدر و قیمت اور فائدے اور لذت سب ہی میں ادنیٰ ہیں۔ نیز یہ زمینی چیزیں ہیں اور اس میں تمہاری

صحت کا دخل ہے۔ بالذی ھو خیر من و سلویٰ چند لحاظ سے بہتر تھا وہ آسمانی نعمت تھی قدرتی نعمت لذت فائدہ سب میں اعلیٰ تھا اور بے محنت حاصل ہوتا تھا جس سے انہیں عبادت کے لئے وقت خوب ملتا تھا دنیا میں مشغولیت نہ ہوتی تھی نیز من و سلویٰ کسی طرح صحت کے لئے مضر نہیں یہ چیزیں ہزارہا بیماریاں پیدا کریں گی نیز من و سلویٰ قدرتی چیزیں تھیں جن کے حرام یا مکروہ ہونے کا احتمال نہیں جیسے دھوپ بارش کا پانی۔ تمہاری پیدا کردہ چیزیں مکروہ یا حرام بھی ہو سکتی ہیں خیال رہے کہ ادنیٰ کا مقابلہ اعلیٰ سے ہوتا ہے مگر اعلیٰ میں ادنیٰ شامل نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے اسرائیلیو تم میدان تیہ کا وہ واقعہ بھی یاد کرو جب تم پر اس دشت پر خار میں جہاں کوئی سامان نہ تھا رب کی طرف سے من و سلویٰ اترنے لگا تو تم بجائے شکر کرنے کے وہاں موسیٰ سے لڑنے جھگڑنے شروع ہو گئے کہ آپ نے ہمیں مصر جیسے سرسبز و شاداب خطہ سے نکال کر ایسے جنگلوں میں لا ڈالا جہاں من و سلویٰ کے سوا کچھ نہیں ہم تو مصر کی ہر قسم کی پیداوار کھاتے تھے یہاں عرصہ سے ایک ہی قسم کا کھانا کھا رہے ہیں۔ اب ہم اس پر صبر نہ کریں گے اپنے رب سے عرض کرو کہ وہ ہمارے لئے اس جنگل میں بھی ساگ پات اور ککڑی گیہوں مسور اور پیاز وغیرہ نئی غذائیں ہمیں بغیر مشقت کے دے۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ارے تم کیا غضب کر رہے ہو کیا رب تعالیٰ کی اعلیٰ نعمتیں چھوڑ کر ادنیٰ لئے لیتے ہو اس پر اگر تم کو ہلاک کر دیا جاتا تو کچھ بعید نہ تھا مگر رب نے درگزر فرمایا اور عذاب نہ بھیجا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ حرص و ہوس کا نتیجہ برا ہے بنی اسرائیل نے من و سلویٰ پر صبر نہ کیا دیگر کھانوں کی ہوس کی جس کی وجہ سے خرابی میں پڑے۔ حرص و ہوس و طمع تینوں لفظ جیسے نقطہ سے خالی ہیں ویسے ہی فائدے سے بھی خالی۔ **دوسرا فائدہ:** ہر چھوٹی بڑی چیز رب سے مانگنی چاہئے یہ نہ خیال کیا جائے کہ اتنی بڑی بارگاہ میں معمولی چیزیں نہ مانگو اگر کسی کے جوتے کا تسمہ بھی ٹوٹ جائے تو رب سے ہی مانگے حکایت مشہور ہے کہ سکندر بادشاہ سے کسی نے ایک پیسہ مانگا اس نے کہا کہ تو نے ایک پیسہ مانگ کر میری توہین کی ہے اتنے بڑے بادشاہ سے ایک پیسہ مانگا جاتا ہے سائل نے کہا اچھا ایک ملک مجھے عنایت کر دیجئے سکندر نے جواب دیا کہ یہ تو نے اپنی طاقت سے زیادہ مانگا تو ملک کے لائق نہیں سائل کہنے لگا کہ یہ رب ہی کی شان ہے کہ ایک پیسہ بھی اس سے مانگا جاتا ہے اور ملک بھی اور وہ کسی پر ناراض نہیں ہوتا بلکہ مانگنے کا حکم دیتا ہے کہ **ادعونی استجب لکم** تم دعا کرو ہم قبول فرمائیں گے مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ با ہر دل ترا رازے دگر ہر گدا را بر لذت ناز دگر

تیسرا فائدہ: یہ کہ بزرگوں کو چاہئے کہ جب کوئی ان سے دعا کرائے تو اس کو دعا کے متعلق نیک مشورہ دیں کہ یہ دعا نہ کرو اس میں بہتری نہیں موسیٰ نے ان کو بھی مشورہ دیا کہ تم ادنیٰ چیز اعلیٰ کے بدلے نہ لو۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ اعلیٰ اور ادنیٰ چیزیں جمع نہیں ہوتیں جو شخص چاہے کہ دین بھی حاصل ہو اور دنیا کبھی بھی ہاتھ سے نہ جائے وہ ضدوں کو جمع کرتا ہے دیکھو بنی اسرائیل نے یہ نہ کہا کہ من و سلویٰ بند ہو جائے بلکہ وہ چاہتے تھے کہ یہ بھی آتا رہے اور ساگ پات بھی ملے فرمایا یہ نہ ہو گا بدلہ ہو گا اور بدلہ اچھا نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** یہ کہ دل کی ہر بات نہ ماننا چاہئے بسا اوقات یہ ادنیٰ چیز کو اعلیٰ دکھاتا ہے بنی اسرائیل کو ساگ پات اچھا معلوم ہوا مگر حقیقت میں یہ ادنیٰ تھا قرآن کریم فرماتا ہے **عسی ان تحبوا شیئا وھو شر لکم** دل نادان بچہ یا بیوقوف

www.alahazratnetwork.org

مریض کی طرح ہے جو کہ رنگت و خوشبو پر مرتا ہے اور بسا اوقات نقصان دہ چیزوں کی خواہش کر لیتا ہے **چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء راضی برضا ہوتے ہیں وہ سب کچھ ہمارے لئے مانگتے ہیں دیکھو بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ ان چیزوں کی دعا ہمارے لئے کرو اگرچہ مقام تیہ میں موسیٰ بھی من و سلویٰ کھاتے تھے اور بعد میں آپ نے بھی یہ سبزیاں وغیرہ کھائیں مگر اس میں اصل مقصود بنی اسرائیل تھے غرضیکہ وہ حضرات دنیا ہماری خاطر استعمال کرتے ہیں اور رب تعالیٰ ہم کو آخرت کی بھلائیاں ان کی خاطر دیتا ہے یہ فوائد ان سے حاصل ہوئے۔

پہلا اعتراض: بنی اسرائیل کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غذا اکھانا نہ چاہتے تھے بلکہ اس من و سلویٰ کے ساتھ اور بھی غذائیں مانگ رہے تھے پھر موسیٰ نے تبادلہ کو ان کی طرف کیوں منسوب کیا کہ فرمایا اتستبدلون کیا تم بدلنا چاہتے ہو یہ تو خلاف واقعہ ہے۔ **جواب:** انہوں نے آسمانی کھانے سے ناخوشی اور بے رغبتی ظاہر کی جس کا مطلب یہ تھا کہ یا تو اس غذا کو بالکل نہ کھائیں گے یا شکم سیر ہو کر نہ کھائیں گے کیونکہ اس سے اکتا گئے ہیں۔ اس بے قدری کی بنا پر اس کا بند ہونا لازم تھا تو چونکہ انہوں نے تبادلہ غذا کا سبب قائم کر دیا تھا اس لئے ان کی طرف نسبت کیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** بنی اسرائیل کی یہ خواہش جائز تھی یا ناجائز اگر ناجائز تھی تو حضرت موسیٰ نے ان کو اس سے صراحۃً کیوں نہ روک دیا ناجائز چیز کی دعا کرنا بھی ناجائز ہے اور اگر جائز تھی تو کلام میں پس و پیش کیوں فرمایا۔ **جواب:** یہ خواہش جائز تھی چند کھانے کھانا بھی جائز اور ان کی رغبت بھی مباح مگر ان کے لئے تکلیف کا سبب تھی لہٰذا اس خواہش سے منع تو نہ فرمایا صرف ان کے نقصان پر ان کو مطلع کر دیا جیسے کوئی شخص اپنی اچھی آمدنی پر لات مارنا چاہتا ہے تو اس کو سمجھایا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آخرت کی نعمتیں ایمان و تقویٰ، عشق اللہ و رسول گویا من و سلویٰ ہیں دنیا اور بسال کی لذتیں گویا لوئی غذائیں جیسے من و سلویٰ ان غذاؤں کے ساتھ جمع نہ ہو سکیں ایسے ہی دنیا دین کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی دل اس بیٹھک کی طرح ہے جس کا ایک دروازہ سڑک کی طرف ہو اور ایک اندرون گھر کی طرف جب سڑک والا دروازہ کھلے گا تو باہر کی چیزیں گرد و غبار کوڑا اور اغیار آئیں گے اور جب اندرون خانہ کا دروازہ کھلے گا تو بیوی بچے اور صاحب اسرار آئیں گے۔ یہ دونوں دروازے بیک وقت نہیں کھل سکتے جب دل میں دنیا کا دروازہ کھل جاتا ہے تو حسد کینہ عداوتیں گرد و غبار آئیں گے اور اگر آخرت کا دروازہ کھل جائے تو سوز و گداز توبہ، شوق پیدا ہو گا مگر یہ دونوں دروازے بیک وقت نہیں کھل سکتے دنیا و آخرت دو سگی بہنیں ہیں جو بیک وقت ایک کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ

اترجاؤ تم کسی شہر میں پس تحقیق واسطے تمہارے وہ ہے جو تم نے مانگا اور مقرر کردی اوپر انکے خواری

اچھا مصر یا کسی شہر میں اترو تمہیں ملے گا جو تم نے مانگا اور ان پر مقرر کردی گئی خواری

www.alahazratnetwork.org

وَالْمَسْكَنَةُ ۚ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ
اور فقیری　اور لوٹے وہ　بیچ غضب　اللہ کے　یہ بوجہ اس کے ہے
اور ناداری　اور خدا کے غضب میں لوٹے　یہ بدلہ تھا اس کا
كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ
کہ وہ لوگ تھے انکار کرتے نشانیوں کا اللہ کی　اور قتل کرتے تھے نبیوں کو بلا حق کے
کہ وہ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے　اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے
الْحَقِّ ۚ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۟
یہ بوجہ اس کے ہے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے وہ حد سے آگے بڑھتے
یہ بدلہ تھا ان کی نافرمانیوں اور حد سے بڑھنے کا

تعلق : اس جملہ کو پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے ایک یہ کہ اس کا تتمہ ہے وہاں معلوم ہوا کہ اسرائیلیوں نے دعا کرانا چاہی موسیٰ نے ان کو مشورہ دیا کہ ایسا نہ کریں اب فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے حضرت کا مشورہ قبول نہ کیا تب آپ نے ان سے فرمایا دوسرے یہ کہ پہلے فرمایا گیا کہ اسرائیلیوں نے اپنی یہ عرض رب کی بارگاہ میں پیش کرانا چاہی موسیٰ نے فرمایا یہ تمہاری دعا قابل عرض نہیں ہے میں پیش نہ کروں گا اگر تم میرا مشورہ نہیں مانتے تو تم کو اس کی یہ تدبیر بتاتا ہوں (تفسیر عزیزی) تیسرے یہ کہ پہلے معلوم ہوا تھا کہ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ ہم کو یہ تمام چیزیں اسی جنگل میں من و سلویٰ کی طرح مل جاویں اس میں فرمایا گیا کہ تم کو یہ نعمتیں یہاں نہ ملیں گی بلکہ اس کے لئے تم کو شہر میں جانا ہوگا لہذا یہ جملہ ان کی خواہش کی تردید کرتا ہے چوتھے یہ کہ پہلے معلوم ہوا تھا کہ بنی اسرائیل چاہتے تھے کہ رب یہ چیزیں بغیر محنت ہم کو عطا کرے یہاں فرمایا گیا کہ یہ محنت سے ملیں گی

تفسیر : **اهبطوا** یہ لفظ ہبوط سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اترنا یعنی اتر جاؤ تیہ تو یہ میدان تیہ بلندی میں واقع تھا اور جہاں ان کو بھیجا جا رہا تھا وہ پستی میں اس لئے **اهبطو** فرمایا یا مسافر سفر میں تو کسی سواری پر رہتا ہے اور جہاں ٹھہرنا ہوتا ہے وہاں اترتا ہے اس لئے فرمایا گیا کہ تم سواریوں پر بیٹھو اور اس شہر میں سواریوں سے اتر جانا یعنی ٹھہرنا یا مطلب یہ ہے کہ پیچھے کو ہی لوٹ جاؤ کیونکہ واپس لوٹنا ناکامی کی دلیل ہے اور ناکامی میں اپنے در پر اترنا ہوتا ہے اس میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ تم ان غذاؤں کے حاصل کرنے سے کم ہمت اور پست حوصلہ ہو جاؤ گے تمہاری پہلی سی شان نہ رہے گی کیونکہ دنیاوی ہوس سے یہ عیوب پیدا ہو جاتے ہیں اور تم ہوس ہی کر رہے ہو لہذا یہ بظاہر امر اور در پردہ غیب کی خبر ہے کہ ابھی تو تمہارے پاس سلطنت اور حکومت ہے پھر فقط کسان بن کر رہ جاؤ گے اور ہمیشہ کے لئے تخت و تاج سے محروم ہو جاؤ گے کیونکہ تمہاری طبیعت میں کسانی چیزیں اور کسانی کاموں کی طرف رغبت ہے۔ **مصرا** ، مصر کے لغوی معنی ہیں قطع۔ یعنی علیحدہ ہونا اور اب بستی یا شہر کو مصر کہتے ہیں کیونکہ یہ جنگل سے منقطع اور علیحدہ ہوتا ہے کبھی گاؤں کو بھی مصر کہہ دیتے ہیں جیسے کہ شہر کو قریہ کہا جاتا ہے **من القرآن العظیم** (روح البیان) مصر خاص فرعونی شہر کا نام بھی تھا اور ہر شہر کو بھی کہا جاتا ہے جیسے کہ لفظ مدینہ ہر شہر کو بھی کہہ سکتے ہیں اور خاص

www.alahazratnetwork.org

مدینہ منورہ کا نام بھی ہے اگر اس سے خاص شہر مصر مراد ہو تو یہ غیر منصرف ہے۔ علمیت اور عجمہ کی وجہ سے قرآن کریم نے فرمایا من مصر۔ اور عام شہر کے لئے ہو تو منصرف بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس سے وہ فرعونی مصر ہی مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ آپ نے فرمایا کہ تم جہاں سے آئے ہو وہاں ہی واپس چلو یعنی مصر اور چونکہ یہ ساکن الاوسط ہے اس لئے منصرف بھی ہو سکتا ہے جیسے کہ نوح و ہند وغیرہ لیکن یہ قول ضعیف ہے کیونکہ بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علی ادبارکم یعنی جب تم مقدس زمین یعنی شام میں داخل ہو تو پیچھے نہ واپس ہونا جب انہیں واپسی سے منع کر دیا گیا تھا تو اب حکم کیوں دیا جاتا ہے بعض علماء نے فرمایا ہے کہ اس سے مراد وہی جگہ ہے جہاں ان کو لے جانا منظور تھا مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ رب نے فرمایا تھا فانہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ یتیہون فی الارض یعنی وہ شہر ان پر چالیس سال کے لئے حرام کر دیا گیا۔ اسی میدان میں حیران و پریشان پھریں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ وہاں گئے اور یہ واقعہ ان کی زندگی شریف کا ہے لہٰذا قوی یہ ہی قول ہے کہ اس سے کوئی عام شہر مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ چیزیں تم کو یہاں تو ملیں گی نہیں کسی بستی میں چلے جاؤ۔ وہاں پاؤ گے فان لکم اس میں بتایا گیا کہ یہ چیزیں بغیر محنت نہ ملیں گی۔ بلکہ تم کو محنت کرنا ہو گی کیونکہ یخرج اللہ لکم نہ فرمایا صرف لکم فرمایا۔ یعنی تمہارے لئے وہاں ما سالتم وہ چیزیں جو تم نے مانگیں مجھے یہ لائق نہیں کہ رب سے یہ چیزیں مانگوں تم نے مانگی ہیں تم ہی پاؤ گے۔ وضربت علیہم ضرب کے چند معنی ہیں مارنا۔ زمین پر چلنا۔ مثال بیان کرنا۔ لازم کرنا۔ مقرر کرنا۔ ڈالنا۔ یہاں آخری تین مراد ہیں کیونکہ علیٰ سے متعدی ہے۔ یعنی ان پر ذلت ڈال دی گئی جیسے کہ کسی زمین پر خیمہ ڈال دیا جاتا ہے اور وہ ہر طرف سے گھیر لیتا ہے یا ذلت مقرر یا لازم قرار دی گئی جیسے کہ سکہ پر نقش اسی لئے اس کو سکہ مضروب کہتے ہیں۔ علیہم کی ضمیر ان یہودیوں کی طرف پھر رہی ہے جنہوں نے اولاً اس غذا کی خواہش کی پھر بعد میں بہت کفر و معاصی کر بیٹھے جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضور کے زمانے کے یہود کی طرف پھرتی ہو اور ممکن ہے ان یہود سے لے کر آخر زمانے تک کے یہود اس کا مرجع ہوں چونکہ قوم کے بعض افراد کا کفر و گناہ ساری قوم کی طرف منسوب ہوتا ہے جب قوم اس سے راضی ہو اس لئے یہ فرمانا درست ہے کہ یہ لوگ انبیاء کو قتل اور آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔ الذلۃ ذلت کے معنی خواری ہیں یعنی یہود پر خواری لازم کر دی گئی کہ ان سے سلطنت چھین لی اور ان کو مسلمانوں یا عیسائیوں کا غلام بنا دیا گیا۔ والمسکنۃ مسکن سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جانا اور بیٹھ رہنا غریبی کو مسکنت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے بھی انسان بیٹھ کر رہ جاتا ہے۔ یعنی یہود پر ہمیشہ دوسری حکومتوں کی طرف سے ٹیکس وغیرہ اس قدر لگتے رہیں گے جس سے غریب رہیں گے یا ٹیکس کے خوف سے ہمیشہ اپنی غریبی ظاہر کریں گے کہ کوئی ہم کو مالداری نہ جانے۔ انما الغنی غنی النفس تونگری بہ دل است نہ بہ مال لہٰذا یہودی اگر مالدار بھی ہو جائے تب بھی اس کا دل غریب ہی رہتا ہے یا یہ کہ ان کے چہروں پر رونق نہ ہو گی۔ چہروں سے فقر و فاقہ ظاہر ہو گا جیسا کہ آج کل بھی ظاہر ہے۔ بہر حال بہت سی وجوں سے وہ ذلیل و مسکین رہیں گے۔ خیال رہے کہ مسکینیت تو خوبی ہے اور مسکنت عیب مسکینیت کے معنی ہیں دل میں غرور وغیرہ نہ ہونا اور مالداری کی وجہ سے غفلت نہ آنا۔ مسکنت کے وہ معنی ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔ حدیث میں جو آتا ہے کہ اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور مسکین ہی بنا کر وفات دے۔ اس سے پہلے معنی

www.alahazratnetwork.org

مراد ہیں۔ قلب کا مسکین ہونا بہت کمال ہے اور مسکنت بہت بڑا عیب ﴿وباؤ﴾ یہ لفظ بوء سے بنا ہے جس کے معنی ہیں لوٹنا۔ برابر ہونا۔ مستحق ہونا یعنی وہ لوگ غضب الٰہی میں لوٹے یا غضب کے ساتھ لوٹے یا غضب کے مستحق ہوئے یا غضب ان پر برابر ہوا (تفسیر کبیر) ﴿بغضب من اللہ﴾ غضب کے معنی ہیں بدلہ کا ارادہ یا قہر تنوین تعظیم کی ہے یعنی وہ رب کے بڑے ہی قہر کے مستحق ہو گئے کہ دنیاوی عزت اور آخرت کی جنت سے محروم رہے اور انبیاء کرام و اولیاء کرام کی برکت سے جو رتبے انہیں حاصل ہوئے وہ سب جاتے رہے۔ ﴿ذلک بانھم﴾ یعنی یہ غضب الٰہی محض چند کھانے مانگنے کی وجہ سے نہ تھا یہ تو ایک جائز کام تھا بلکہ ﴿کانوا یکفرون بایت اللہ﴾ وہ پہلے ہی سے رب کی نشانیوں کو جھٹلاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان پر دھیان نہ دیتے تھے اور توریت شریف کی جو آیات ان کی خواہشات کے خلاف ہوتیں ان کو بدل ڈالتے اور دوسرے پیغمبروں کا انکار کرتے تھے

اس سے معلوم ہوا کہ ان کی ذلت و رسوائی موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہوئی بلکہ بعد کو موسیٰ علیہ السلام نے آئندہ کی خبر دی تھی کہ اب تمہاری خیر نہیں ہے۔ ﴿ویقتلون النبین﴾ اگرچہ پیغمبروں کا قتل بھی کفر میں ہی داخل تھا مگر چونکہ یہ تمام کفریات سے بڑھ کر ہے اس لئے اس کا علیحدہ بیان کیا۔ یہودیوں نے بہت سے پیغمبروں کو شہید کیا جیسے کہ حضرت یوشع و ذکریا و شعیب و یحیٰی علیہم السلام اور بہت کو قتل کرنے کی کوشش کی جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کہ ان کو سولی دینا چاہی اور ہمارے حضور علیہ السلام کو زہر بھی دیا اور دوسری بھی کوششیں کیں۔ ایک دفعہ ایک دن میں 70 پیغمبروں کو شہید کیا۔ ﴿بغیر الحق﴾ اگرچہ پیغمبر کو شہید کرنا ناحق ہی ہوتا ہے مگر یہاں حق سے شرعی حق مراد نہیں ہے بلکہ ظاہری حق مراد ہے یعنی وہ بظاہر بھی کوئی وجہ اس قتل کی پیش نہیں کر سکتے بلاوجہ ہی شہید کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو صرف چند روپے کی لالچ میں شہید کرنے کی کوشش کی۔ حضرت ذکریا و یحیٰی علیہم السلام کو بادشاہ نے صرف اس لئے شہید کیا کہ وہ اپنی سوتیلی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا۔ ان حضرات نے اس کو حرام فرمایا اور اس کی مرضی کے مطابق فتویٰ نہ دیا غرضیکہ ان انبیاء کرام کا قتل خود ان کے نزدیک بھی ناحق ہوا۔ ﴿ذلک بما عصوا﴾ شاید کسی کو شبہ ہو تاکہ وہ تو اہل کتاب تھے انہوں نے اپنے ہی پیغمبروں کو شہید کیوں کیا تو فرمایا گیا کہ یہ جرأت ان کو اس لئے ہوئی کہ وہ پہلے سے نافرمان تھے اولاً معمولی گناہ کئے پھر بڑے گناہ کرنے کی ہمت کی آخر کار انبیاء کرام کو شہید کرنے کی جرأت کر بیٹھے ﴿وکانوا یعتدون﴾ پہلے تو گناہ کرنے کا ذکر فرمایا گیا تو اب حد سے بڑھنے کا یعنی وہ شرعی حدود کو توڑ کر آگے بڑھ گئے تھے کہ حرام کاموں کو حلال جاننے لگے تھے اور واعظین و علماء کے دشمن بن گئے تھے جو آیات کہ گناہوں کی برائیاں بتاتی تھیں ان کی بے جا تاویلیں کر کے اپنے جرموں کو جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے جس کی وجہ سے اعتقاد میں فتور آ گیا گناہ کرنا علیحدہ چیز ہے اور حد سے بڑھنا علیحدہ وہ بد عملی ہے اور یہ بد اعتقادی اور چونکہ بد عملی کا انجام بد اعتقادی ہوتا ہے اس لئے قرآن نے پہلے عصیان اور بعد میں حد سے بڑھنے کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ تفسیر: اولاً تو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بہت سمجھایا کہ تم اس ذلیل خیال سے باز آ جاؤ مگر جب وہ باز نہ آئے تو ان سے فرمایا کہ یہ چیزیں یہاں تو ملیں گی نہیں تم کسی آبادی میں چلو وہاں پاؤ گے کیونکہ مقصود یہ تھا کہ وہ کچھ آگے بڑھیں ان کی نافرمانیوں اور بد اعتقادیوں کا نتیجہ یہ نکلا کہ اے محبوب ان پر ذلت و خواری و مسکنت لازم کر دی گئی یہ اس کا نتیجہ تھا کہ وہ ناحق انبیاء کرام کو قتل کرتے تھے اور یہ قتل کرنے کی جرأت ان میں اس لئے پیدا ہوئی کہ وہ پہلے گناہ کرنے اور حد سے بڑھ جانے

www.alahazratnetwork.org

کے عادی ہوچکے تھے خیال رہے کہ ان بنی اسرائیل نے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو بہت پریشان کیا اور انہیں معاف ملتی رہی اس دعا سے موسیٰ علیہ السلام ناراض تھے اور انہیں تبدیلی رزق سے منع کرتے تھے مگر وہ نہ مانے تو ان پر ذلت، مسکینی اور غضب الٰہی آیا جس کی وجہ یہ ہوگی کہ انہیں کفر بلکہ قتل انبیاء کی ہمت ہوگئی یہ بات عذاب کا سبب بنی لہٰذا اس آیت پر نہ تو یہ اعتراض ہے کہ انہوں نے مباح کھانے کی دعا کی یہ کھانا بھی گناہ نہ تھے نہ یہ دعا گناہ پھر عتاب کیوں اور نہ یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ ابھی تو انہوں نے قتل انبیاء نہ کیا تھا بلکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ جرم کئے پھر ابھی عذاب کیوں آیا۔ یہ دعا جرم نہ تھی موسیٰ علیہ السلام اس دعا سے ناراض تھے لہٰذا جرم ہوگئی اور بہت سے جرموں کی جڑ بن گئی۔ اصل یہ ہے باقی اس کی شاخیں لہٰذا انہیں بھی قاتل انبیاء قرار دیا گیا نبی کے مقابلے کی جرات ان لوگوں میں اس واقعہ سے پیدا ہوئی جو آخر قتل تک پہنچ گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ انبیاء کرام کو رب تعالیٰ کی طرف سے خصوصی اختیارات ملتے ہیں جن کی بنا پر وہ خلق پر حکومت کرتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے رب سے دعا نہ فرمائی بلکہ اپنے خصوصی اختیار سے فرمایا کہ کسی شہر میں چلے جاؤ جیسا کہ ہم تفسیر عزیزی کے حوالے سے تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہ غذا کا اثر کھانے والے پر پڑتا ہے دیکھو بنی اسرائیل نے من و سلویٰ سے گھبرا کر زمینی غذائیں طلب کیں تو فرمایا گیا کہ تم پست حوصلہ اور کم ہمت ہو جاؤ گے ایسا ہی ہوا اسی لئے شریعت پاک نے خراب غذاؤں کو منع فرمادیا فقہا فرماتے ہیں کہ گلی سڑی نقصان دہ چیزیں کھانا منع ہے **تیسرا فائدہ:** یہ کہ دنیاوی نعمتیں محنت سے ملتی ہیں بغیر محنت طلب کرنا حماقت ہے اسرائیلیوں نے یہی تو کہا تھا کہ من و سلویٰ کی طرح یہ چیزیں بھی بغیر محنت ہی ہم کو مل جایا کریں۔ مگر ایسا نہ ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ گناہ کی عادت بد عقیدگی کا ذریعہ ہے علماء فرماتے ہیں کہ جو مستحب کو ہلکا جانے گا وہ سنت سے محروم کردیا جائے گا اور جو سنت کو ہلکا جانے یا اس میں سستی کرے وہ فرائض سے محروم ہو جائے گا اور جو فرائض سے محروم ہے وہ معرفت سے دور رہو گا اور جب معرفت دل سے نکلی تب اہل معرفت سے محبت چھوٹی اور اس کے چھوٹنے سے بد عقیدگی پیدا ہوگی۔ اس لئے مستحبات کی عزت اور عادت کرنی چاہئے دیکھو اسرائیلی اولاً گناہ کے عادی ہوئے پھر معصیت کو ہلکا جاننے لگے اور پھر انبیاء کرام کے دشمن بن کر ان کے قتل کی ہمت کر بیٹھے اگر تمہارا بچہ سوئی کی چوری کرے تب بھی سرزنش کرو۔ اگر اس سے چشم پوشی کی تو آئندہ بڑی چیزیں چرانے کی ہمت کرکے آخر کار ڈاکو بن جائے گا۔ نفس نا سمجھ بچہ ہے احکام شرعیہ ہمارا اسباب مستحب کو ہلکا جاننا سوئی کی چوری ہے اگر ابھی سے اس کو نہ روکا گیا تو آئندہ بڑا مجرم بن جائے گا۔ تمہارے مکان کے چند دروازے ہیں اور کوٹھڑی میں مقفل صندوق ہے۔ جس میں دولت محفوظ مگر آپ چور کو پہلے دروازے ہی سے روکتے ہیں کہ اگر وہ پہلا قفل توڑ کر گھر میں آجانے میں کامیاب ہوگیا تو اس کو دوسرے قفل توڑنے آسان ہوں گے۔ شیطان چور ہے تمہارا ایمان دولت احکام شرعی اس کی حفاظت کے قفل مستحب پہلا قفل ہے جب وہ توڑ کر چور گھر میں آگیا تو دوسرے قفل بھی توڑے گا اس کو یہاں ہی روک دو۔ داڑھی منڈانے والے اور دیگر گنہگار اس سے عبرت پکڑیں۔ رب تعالیٰ ہم سب کے قفل محفوظ رکھے آمین۔ **پانچواں فائدہ:** یہ کہ چند حلال غذائیں کھانا جائز ہیں کیونکہ بنی اسرائیل کو اس سے نہ روکا گیا۔ حضور علیہ السلام کو شہد اور دیگر شیریں چیزیں مرغوب تھیں مسور اور زیتون صالحین کی غذا ہے مسور سے دل نرم بدن ہلکا ہوتا ہے۔ قوت شہوانی کا جوش ٹھنڈا پڑ جاتا ہے۔ (روح البیان) **چھٹا فائدہ:** یہ کہ لہسن پیاز اور دیگر بدبودار حلال چیزیں جیسے کہ اور کد وغیرہ کھانا مباح ہے کیونکہ رب نے اسرائیلیوں کا یہ مطالبہ ذکر فرما کر اس کی

www.alahazratnetwork.org

تردید نہ فرمائی البتہ حدیث پاک میں وارد ہے کہ کوئی شخص کچی پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں نہ آوے جب تک کہ منہ سے بو آتی ہو
کیونکہ اس سے رحمت کے فرشتوں کو (جو کہ مسجد میں رہتے ہیں) تکلیف ہوتی ہے اسی طرح کوئی بدبو کی چیز مٹی کا تیل کچا
گوشت مچھلی وغیرہ مسجد میں نہ لائی جائے جس کسی کے زخم یا منہ سے بدبو نکلتی ہو وہ بھی مسجد میں نہ آوے۔ خواہ وہاں کوئی ہو یا نہ
ہو کیونکہ فرشتوں کو بہر حال اس سے تکلیف ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچی پیاز خود بھی ملاحظہ نہ فرمائی دوسروں کو
اجازت دی کیونکہ آپ فرشتوں سے کلام فرماتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** یہ کہ اللہ والوں کی عداوت رب کی رحمت سے محروم
کردیتی ہے رب نہیں چاہتا کہ میرے محبوب کا دشمن میری جنت میں آئے جیسا کہ اسرائیلیوں کا حشر ہوا کہ پیغمبروں کی عداوت
نے دونوں جہاں میں ان کو ذلیل و خوار کردیا۔ **آٹھواں فائدہ:** یہ کہ بغیر ایمان پیغمبرزادگی بیکار ہے' دیکھو بنی اسرائیل اولاد انبیاء
ہیں مگر بد عقیدگی کی وجہ سے غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔ آج بھی جو کوئی اپنے کو سید کہلوا کر رافضی' مرزائی' دیوبندی' وہابی
وغیرہ بن جاوے وہ سید ہی نہیں جب مسلمان نہیں تو سید کیسا۔ کنعان کے حال سے سبق لو۔ **نواں فائدہ:** یہ کہ رب کا عذاب
فوراً نہیں آتا بہت مہلت ملتی ہے اور جب آتا ہے پھر ٹلتا نہیں۔ اسرائیلی پیغمبروں کو قتل کرتے رہے مگر مہلت میں رہے پھر
ایسی سخت پکڑ ہوئی کہ قیامت تک اس میں گرفتار ہو گئے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسرائیلیوں نے پیغمبروں کو قتل کیا مگر دوسری جگہ رب فرماتا ہے **انا لننصر
رسلنا** اور فرماتا ہے **ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انہم لہم المنصورون**۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حق
تعالیٰ اپنے پیغمبروں کی مدد ضرور فرماتا ہے جب ان کی مدد ہوئی تو یہود سے مغلوب کیوں ہو گئے۔ **جواب:** اس کے چند جواب
ہیں۔ ایک یہ کہ مدد اور نصرت کے وعدے مجاہدین انبیاء کے متعلق ہیں اور غیر مجاہدین نبی شہید ہوئے یعنی اگر پیغمبر کفار سے جہاد
فرمائیں تو انشاء اللہ کافروں سے مغلوب ہو کر شہید نہ ہوں گے جن پیغمبروں کو شہید کیا گیا ان پر جہاد فرض ہی نہ تھا دوسرا یہ کہ مدد
کی آیتوں میں دلائل کی مدد مراد ہے یعنی دلائل میں کوئی پیغمبر کافر سے مغلوب نہ ہوں گے (تفسیر روح البیان) تیسرے یہ کہ مدد
کی آیتوں میں باطنی امداد مراد ہے کہ اگرچہ بظاہر کفار غالب بھی آجاویں اور پیغمبروں کو شہید بھی کردیں مگر دراصل یہ شہادت
پیغمبروں کی فتح ہے اور کفار کی شکست کیونکہ اس سے ان کے دین کا غلبہ ہی ہوتا ہے کفار کا مقصد پورا نہیں ہوتا بظاہر امام حسین
کے مقابلہ میں یزیدیوں کو فتح ہوئی امام حسین شہید ہوئے مگر درحقیقت امام حسین کی فتح اور یزیدیوں کی سخت شکست ہوئی۔
کیونکہ یزید اس جنگ کا مقصد نہ پاسکا۔ **دوسرا اعتراض:** اس تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تاقیامت یہود کی سلطنت نہ ہوگی
اور احادیث میں آتا ہے کہ دجال یہود میں سے ہوگا وہ تو تمام دنیا میں بادشاہت کرے گا نیز بعض یہود غالب ہو کر کعبہ معظمہ کی
عمارت کو بھی شہید کردیں گے اور آج بھی بعض جگہ یہودی حاکم ہیں ہندوستان کا وائسرائے یہودی رہ چکا ہے۔ **جواب:** دجال
وغیرہ کی مستقل سلطنت نہ ہوگی بلکہ ڈاکوؤں کا سا شور ہڑبونگ چالیس روز تک رہے گا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف
آوری پر ختم ہوگا اس ہڑبونگ کو کوئی بھی عاقل سلطنت نہیں کہتا۔ کسی جگہ کی عارضی حکومت مل جانا بھی سلطنت نہیں اگر ہندو
یا کوئی مسلمان چند روز کے لئے وائسرائے بنایا جائے تو اس سے مسلمانوں یا ہندوؤں کی سلطنت نہ ہو جاوے گی۔ وائسرائے بھی
حکومت کا غلام ہوتا ہے یہاں مستقل سلطنت کی نفی ہے اور واقعی اب تک یہود کی سلطنت ایک چپہ زمین پر بھی نہیں اور نہ
انشاء اللہ ہوگی اگر کچھ دن کے لئے سلطنت مل بھی جاوے تو انہیں ذلیل کرنے اور دیگر قوموں سے پٹوانے کے لئے ہوگی جیسے

www.alahazratnetwork.org

کسی کمزور آدمی کو شاباش دے کر اکھاڑے میں کسی پہلوان کے مقابل کھڑا کر دیا جاوے پٹوانے کے لئے یہ تعظیم نہیں بلکہ اس کی توہین کی تمہید ہے۔ دجال کو اتنے اختیارات دیئے جائیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہلاک کرا کر ذلیل کرنے کے لئے عزت کے بعد ذلت سخت تر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہودیوں پر ذلت اور غریبی لازم کر دی گئی حالانکہ آج بھی یہود بڑی مالدار قوم ہے۔ **جواب:** اس کا مفصل جواب تفسیر میں گزر گیا کہ وہ مالدار ہو کر بھی غریب ہی رہیں گے۔ ان کا حال غریب اور بے چارے غریبوں کا سا ان کے ساتھ برتاؤ غریبوں سے بد تر ہو گا ابھی جرمنی نے یہودیوں کو اپنے ملک سے نکالا تو بہت سے قبیلوں کو زمین پر جگہ نہ ملتی تھی۔ ان کا جہاز سمندر میں پھرتا پھرا تا تھا کوئی ملک اپنے یہاں اترنے نہیں دیتا تھا یہ مالداری کس مصرف کی ذلت تو بالکل ظاہر ہے اس سے بڑھ کر کیا ذلت ہو گی کہ ان ناخواندہ مہمانوں کا آنا ہی کوئی گوارا نہیں کرتا۔ **چوتھا اعتراض:** قرآن کہتا ہے کہ وہ ہمیشہ دوسروں کے غلام رہیں گے مگر آج فلسطین میں یہودیوں کی بادشاہت قائم ہو گئی تو قرآن کی یہ خبر غلط ہو گئی۔ **جواب:** قرآن کریم نے ان کی سلطنت قائم نہ ہونے کی خبر نہ دی بلکہ حدیث شریف میں تو فرمایا گیا کہ آخر زمانے میں مسلمانوں کی جنگ یہود سے ہو گی۔ جس میں یہود کو شکست ہو گی حتی کہ اگر کوئی یہودی کسی درخت یا پتھر کے پیچھے چھپے گا تو وہ پتھر آواز دے گا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے اسے قتل کر۔ اس حدیث شریف میں ان کی سلطنت کی خبر دی گئی۔ نیز فرمایا گیا ہے کہ قریب قیامت ایک حبشی یہودی کعبہ معظمہ کو شہید کرے گا۔ غرضیکہ ان کی سلطنت کی خبریں احادیث میں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ بنی اسرائیل نے خباثت نفس کی وجہ سے ایک کھانے پر صبر نہ کر کے موسیٰ علیہ السلام سے لوئی کھانوں کی درخواست کی ایسے ہی نفس امارہ اس غیبی کھانے پر صبر نہیں کرتا جس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے میرا رب مجھے کھلاتا پلاتا ہے بلکہ یہ نفس امارہ موسیٰ قلب سے عرض کرتا ہے کہ رب سے دعا کرکے ہم کو وہ کھانے دلا جو کہ بشریت کی زمین سے پیدا ہوتے ہیں حیوانیت کا ساگ پات اور لذات جسمانیہ کی ککڑیاں وغیرہ موسیٰ قلب کی طرف ارشاد ہوتا ہے کہ تم عالم رواح کی تیہ سے عالم سفلی کے شہر میں چلے جاؤ وہاں تم کو یہ لوئی مطالب حاصل ہوں گے اس نفس پر ذلت اور مسکنت ڈال دی گئی کہ فرمایا گیا اولئک کالانعام بل ھم اضل کیونکہ یہ نفس مکاشفات روحانیہ اور انوار غیبیہ کا جو کہ آیات الٰہیہ ہیں منکر تھا اور انبیاء کرام کے اسرار غیبیہ کا انکار کر کے ان کے دین کو باطل کرنا چاہتا تھا جو کہ مثل قتل نبی کے ہے اور اس کو یہ ہمت اس لئے ہوئی کہ وہ ماسوی اللہ کا طالب بن کر پہلے سے عادی مجرم بن چکا تھا اور طلب حق میں کوتاہی کر کے حد سے آگے بڑھ گیا تھا (روح البیان) بزرگوں سے دعا کرانا بہترین چیز ہے مگر ان پر ضد کرنا ہلاکت کا باعث جو دعا ان سے جبراً کرائی جاوے گی وہ ہلاکت کا باعث ہو گی۔ دیکھو یہود نے موسیٰ علیہ السلام سے ضد کر کے دعا کرائی دعا قبول تو ہو گئی مگر اس کا انجام خراب ہوا دیکھو جمیل نے حضور سے ضد کر کے دولت کی دعا کرائی مگر اس کا انجام بد ہوا کہ وہ دولت پا کر لولا "فاسق بعد میں مرتد ہو گیا۔ جس کے بارے میں قرآن کریم میں عتاب موجود ہے دعا وہی اچھی جو یار کی رضا کی حامل ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰی وَ الصّٰبِـِٕیْنَ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے	اور وہ لوگ جو	یہودی ہوئے	اور عیسائی	اور صابی لوگ
بے شک ایمان والے	نیز یہودیوں	اور	نصرانیوں	اور ستارہ پرستوں میں سے

www.alahazratnetwork.org

مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ

جو کہ ایمان لے آئے ساتھ اللہ اور دن پچھلے کے اور نیک کام کریں پس واسطے انکے ثواب ہے

وہ جو کہ سچے دل سے اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کا ثواب ان کے رب کے

عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۞ ۶۲

ان کا نزدیک رب انکے کے اور نہیں ہے ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے

پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ ایک یہ کہ قرآن کریم کا قاعدہ ہے کہ کفر کے بعد ایمان اور غضب و قہر کے بعد لطف و مہر کا ذکر فرماتا ہے اب تک یہود کے کفر اور ان پر غضب کا ذکر تھا اب ایمان اور رحمت رب کا ذکر فرمایا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ پہلے ہلاک کرنے والے عیوب کا ذکر ہوا اب نجات دینے والی صفات کا تاکہ یہود وغیرہ ان سے توبہ کرکے یہ صفات اختیار کریں طبیب کامل دوا اور پرہیز دونوں بتاتا ہے اور وجہ مرض بھی بتاتا ہے تاکہ اس سے بیمار آئندہ دور رہے۔ تیسرے یہ کہ پہلے بتایا گیا کہ یہود غضب الٰہی کی آگ کے مستحق بن چکے ہیں اب فرمایا جاتا ہے کہ اس آگ کو بجھانے والا رحمت کا پانی بھی ہے اگر یہ لوگ اب بھی اس دریا میں غوطہ لگائیں تو ہم ان کے سارے گناہ معاف کر دیں گے اب بھی وقت ہے چوتھے یہ کہ اس سے پہلے غضب کے اسباب کا ذکر ہوا کہ قتل انبیاء وغیرہ وہ جرم تھے جس سے صدہا بیماریاں پیدا ہو گئیں اب رحمت کے اسباب کا ذکر ہے کہ ایمان اور نیک کام وہ تریاق ہے جس سے سخت زہریلے سانپ یعنی کفر کا زہر اتر جاتا ہے۔ بعض اعمال نیکیوں کو برباد کر دیتے ہیں وہ پہلے ذکر ہو گئے۔ بعض اعمال برائیوں کو مٹا دیتے ہیں وہ اب بیان ہو رہے ہیں۔

شان نزول : حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایمان کی تلاش میں بہت سرگرداں رہے اور ملک ملک پھرے، بہت سے عیسائی راہبوں اور یہودی عابدوں کے حالات دیکھے ان کی بہت بڑی عمر تھی بعض فرماتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعض حواریوں سے بھی ملے ہیں اس لحاظ سے یہ ان کے تابعی اور حضور علیہ السلام کے صحابی ہیں۔ واللہ اعلم جب تقدیر نے ان کو بارگاہ مصطفیٰ علیہ السلام تک پہنچا دیا اور یہ اسلام سے مشرف ہو گئے تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عیسائی عابدوں کی سخت عبادات اور ان کے استدراج (کرامات) کا ذکر کیا جو انہوں نے خود دیکھی تھیں حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ وہ کتنی ہی عبادات کریں۔ ایمان کے بغیر کچھ قبول نہیں اس مبارک فرمان کی تائید میں یہ آیت اتری۔ اس کے اترنے پر حضور علیہ السلام نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ یہ آیت تمہارے اور تمہارے ساتھیوں کے بارے میں اتری جو شخص دین عیسوی پر مرے اور ہماری تشریف آوری سے بے خبر ہے وہ تو خیر ہے اور جو ہمارا نام سن کر پھر ایمان نہ لائے وہ ہلاک ہو گیا (از تفسیر خزائن العرفان و عزیزی)

تفسیر : ان الذین امنوا اس سے یا تو منافقین مراد ہیں جو کہ صرف زبان سے ایمان لائے تھے نہ کہ دل سے اور ان کو

www.alahazratnetwork.org

مناقق اس لئے نہ کہا تاکہ معلوم ہو کہ نام کا ایمان کام نہیں دے گا یا وہ یہودی اور عیسائی مراد ہیں جو کہ حضور علیہ السلام سے پیشتر عیسیٰ علیہ السلام وغیرہ پر ایمان لائے اور خرافات سے بچے رہے جیسے قیس ابن ساعدہ بحیرہ راہب 'حبیب نجار' زید ابن عمر ابن نفیل' ورقہ ابن نوفل سلمان فارسی ابوذر غفاری۔ وفد نجاشی وغیرہ یا اس سے مخلص مومنین اہل اسلام مراد ہیں اس جگہ ان کا گذشتہ ایمان مراد ہے آئندہ **من امن باللہ** میں مستقبل کا ایمان یعنی خاتمہ بالخیر حاصل ہونا یعنی جو فی الحال ایمان لے آئے اور ایمان پر وفات پا گئے **والذین ھادوا** اور وہ جو یہودی ہوئے یہ لفظ یا تو ھود سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں توبہ کرنا۔ رجوع کرنا چونکہ انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے بے حد اور سخت توبہ کی تھی۔ اس لئے ان کو یہودی کہا گیا کیونکہ انہوں نے عرض کیا تھا **ھدنا الیک**۔ یا یہ لفظ یہودا کی نسبت ہے۔ یہودا یعقوب علیہ السلام کے بڑے فرزند کا نام تھا۔ یعنی یہودا والے لوگ۔ یا ھود کے معنی ہیں ہلنا حرکت کرنا چونکہ یہ لوگ توریت شریف بہت جوش سے ہل کر جھوم کر پڑھتے تھے اس لئے یہودی نام ہوا یا ھود کے معنی ہیں رہبری کرنا مخبری کرنا یہ بادشاہ وقت کو انبیاء کرام کی خبر دے کر انہیں قتل کراتے تھے اس لئے یہ لقب ملا۔ (تفسیر کبیر و روح البیان) ان کے عقائد نہایت گندے ہو چکے تھے حق تعالیٰ کو جسم مانتے تھے انبیاء کرام پر تہمت لگاتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام پر ہارون علیہ السلام کے قتل کی تہمت' حضرت مریم کو زنا کی تہمت' حضرت داؤد علیہ السلام کو اوریا کے قتل کی تہمت' حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگری کی تہمت لگائی۔ انہوں نے توریت کو بدلا۔ حضور علیہ السلام کی نعت کی آیتوں کو صاف بگاڑ دیا۔ یہ یہودی نبی کو محض ایلچی مانتے تھے یعنی اس کی قدر رب کے نزدیک زیادہ نہیں فقط قاصد اور چٹھی رساں سی ہے (تفسیر عزیزی) یہ ہی عقیدہ اس زمانہ کے دیوبندیوں کا ہے شاید یہ فرقہ بھی یہودی کی ہی شاخ ہے۔ دیکھو "تقویۃ الایمان" **والنصریٰ** "یہ نصران کی جمع ہے۔ جیسے کہ ندمان کی جمع ندامیٰ۔ یہ لفظ نصر سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مدد کرنا عیسائیوں کو یا تو اس لئے نصاریٰ کہتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** میرا مددگار کون ہے تو ان کے ساتھیوں نے عرض کیا **نحن انصار اللہ** ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں جیسے صحابہ کرام کی ایک جماعت کا نام انصار ہے یا ناصرہ ایک بستی کا نام تھا جہاں عیسیٰ علیہ السلام اکثر تشریف لایا کرتے تھے۔ اس کی طرف منسوب کیا گیا ان کے نہایت واہیات عقیدے ہیں یہ عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی کا حلول مانتے تھے۔ جیسے کہ پھول میں خوشبو ان کا عقیدہ ہے کہ نیک اعمال کی ضرورت نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام ہم سب کی طرف سے سولی پا گئے۔ ان کی صلیب ہمارے گناہوں کا کفارہ بن گئی اور قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ہی سب کو عذاب یا نجات دیں گے خیال رہے کہ نصاریٰ اور انصار کے نام ہی وہابیت کی تردید ہیں۔ کیونکہ نصاریٰ کے معنی ہیں عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار اور انصار کے معنی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مددگار تو اگر خدا کے سوا کسی کی مدد لینا ہی شرک ہو تو یہ نام بھی مشرکانہ ہوں گے اور نبیوں کا مددمانگنا بھی شرک ٹھہرے گا۔ غرضکہ یہ نام رد وہابیت کے لئے بڑی میگزین ہے **والصابئین** یہ لفظ **صباء** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں نکل جانا چونکہ یہ بھی یہودیت سے نکل کر ستارہ پرست بن گئے اس لئے صابئی کہلائے گئے یا اس کے معنی ہیں انڈیلنا کوٹ دینا گرانا ان بدنصیبوں نے پہلے انبیاء کرام کو گرفتار کرکے ان کے سروں پر کھولتا ہوا پانی انڈیل کر شہید کیا اس لئے ان کا یہ نام ہوا۔ ان کے بھی بہت برے عقیدے ہیں ان کے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ آدمی سعادت حاصل کرنے میں کسی پیغمبر یا مرشد کا حاجتمند نہیں اس کو چاہئے کہ روحانیات سے مناسبت پیدا کرے ان میں بعض لوگ ستاروں کی پوجا کرتے ہیں اور بعضے ستاروں کے نام کے بت بنا کر انہیں سجدہ کرتے ہیں ان میں ایک فرقہ ہے۔ جس کا نام کلدانیین ہے اسی

www.alahazratnetwork.org

کا ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں زور تھا اور آپ انہی کے مقابلے کے لئے بھیجے گئے۔ بعض صابئین تین وقت کی نماز بھی پڑھتے ہیں اور اونٹ کبوتر اور پیاز کو حرام جانتے ہیں اور شراب کو جائز۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ صابئین عراق کے علاقہ میں ہیں کسی پیغمبر کو نہیں مانتے بعض نے فرمایا کہ ان کا مذہب عیسائیوں اور مجوسیوں کے درمیان ہے بعض نے کہا کہ اہل کتاب میں سے ہیں زبور پڑھتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ ملائکہ کی پرستش کرتے ہیں۔ غرض کہ ان کے دین کی کچھ تحقیق نہ ہو سکی۔ کیونکہ یہ تقریباً ختم ہو چکے ہیں۔ (تفسیر عزیزی و کبیر) اسی واسطے ہمارے اماموں میں اختلاف ہے بعض نے ان کو اہل کتاب مان کر ان کی عورتوں سے نکاح اور ان کا ذبیحہ حلال مانا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مشرک ہیں اور ان کا ذبیحہ حرام ہے۔ من امن سے سچا اور سچا ایمان یا خاتمہ کے وقت کا ایمان مراد ہے ورنہ ہر کافر اپنے کو مومن کہتا ہے۔ باللہ۔ اللہ پر ایمان لانے میں اس کی ذات و صفات اور اس کے رسولوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ اگر اس کی ایک صفت کا بھی انکار کیا گیا اس کے لئے کوئی عیب مانا گیا اس کے کسی نبی کا انکار کیا گیا تو اللہ پر ایمان حاصل نہ ہوا لہٰذا یہود، عیسائی، صابئی وغیرہ کوئی بھی اللہ پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ یہ اس کے پیغمبروں کے منکر ہیں اور اس کے لئے بیوی بیٹا جسم وغیرہ عیوب مانتے ہیں۔ والیوم الاخر اس سے قیامت کا دن مراد ہے اور جنت، دوزخ حساب اور کتاب اور سارے احکام شرعیہ پر ایمان لانا اس میں داخل ہے جو شخص ان میں سے ایک کا بھی انکار کر دے وہ در حقیقت قیامت کا منکر ہے۔ مثلاً جو آدمی نماز کا منکر ہے وہ قیامت کے دن اس کے حساب و کتاب کا قائل نہیں لہٰذا وہ صحیح معنی میں قیامت کا قائل نہیں ان دو لفظوں میں ساری ایمانی باتیں داخل ہو گئیں۔ خیال رہے کہ منافقین یہود و نصاریٰ اور صابئین ان میں سے کوئی بھی خدا تعالیٰ اور اس کی صفات اور قیامت کا منکر نہ تھا مگر فرمایا گیا کہ ان میں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لائے کیونکہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اس لئے انہیں سب کا منکر قرار دیا گیا۔ ایک ہے اللہ اور قیامت کو ماننا اور ایک ہے ان پر ایمان لانا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ نجات کے لئے ماننا کافی نہیں بلکہ ایمان لانا کافی ہے۔ ایمان وہ ہے جو نبوت کی معرفت ہو دیکھو شیطان توحید و قیامت وغیرہ سب کچھ مانتا ہے مگر مومن نہیں کیونکہ نبوت کے بغیر مانتا ہے لہٰذا الٰہی نہیں توحید سکہ ہے نبوت اس کی مہر بغیر مہر سکہ رائج نہیں وعمل صالحا" ایمان کے بعد عمل کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ کوئی شخص ایمان پر کفایت کر کے اعمال سے بے پرواہ نہ ہو جائے ایمان سے نجات ہوتی ہے اور اعمال سے کامل نجات صالح عمل وہ ہے جو اللہ کو پسند ہو منسوخ اعمال اب صالح نہیں رہے۔ اگرچہ ایک وقت میں صالح تھے لہٰذا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد یہودیت اور عیسائیت کے اعمال گناہ بن گئے مندر کا پجاری گرجے اور کنیسہ میں بیٹھنے والے لوگ اب نیک کار نہیں خیال رہے کہ عمل صالح وہ جس سے رب راضی ہو رضا الٰہی نہ تو عقل سے معلوم ہو سکتی ہے نہ لوگوں کی رائے سے صرف پیغمبر کے بتانے سے معلوم ہوتی ہے حضور کی ذات اچھے برے اعمال اچھے برے لوگوں کی کسوٹی ہے جس سے ہر چیز کا پتہ لگتا ہے ورنہ رضا اور (ناراضی تو انسان کی بھی معلوم نہیں ہو سکتی تو فلیکہ ومنہ بتائے کہ یہ دل کے احوال ہیں فلھم اجرھم یعنی ان کو پورا اجر ملے گا اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ اگر یہودی عیسائی اب بھی ایمان لے آئیں تو ان کے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے اور انہیں پورا ثواب دیا جائے گا گویا کہ وہ پہلے ہی سے مومن تھے سو برس کا ایماندار اور ایک دن کا ایماندار اجر میں برابر ہیں لہٰذا یہ لوگ یہ خیال نہ کریں کہ اتنا عرصہ کفر کرنے کے بعد اب ایمان لانا بیکار ہے خیال رہے کہ ایمان کا اجر سب کے لئے یکساں ہے یعنی جنت۔ ہاں اعمال اور کیفیت ایمانی کے ثواب میں فرق ہے۔ اسی لئے جنت میں مختلف درجے ہیں۔ عند

www.alahazratnetwork.org

ولھم ان کے رب کے پاس **عندہ** سے نہ تو قرب مکانی مراد ہے اور نہ قرب حفاظت بلکہ قرب یقینی مراد ہے یعنی ان کا ثواب یقینی ہے جس میں کچھ زور نہیں اس جگہ رب نے عندہ فرما کر یہ بتایا کہ جس طرح حق تمہاری پرورش کرتا ہے ایسے ہی تمہارے اعمال اور ایمان کی بھی کہ ایک ساعت کے ایمان اور تھوڑے سے عمل کو صد سالہ ایمان اور اعمال مقبول عطا فرمائے نیز اشارہ فرمایا گیا کہ تمہیں ثواب تمہارے اعمال کے لائق نہیں ہماری شان کے لائق نہیں بلکہ اپنی شان کے لائق دیں گے دیکھو ایک آن کے ایمان اور چند سالوں کی عبادت کا ثواب جنت کی بے حساب نعمتیں اور وہاں کا دائمی قیام ہے۔ رب کے شان کے لائق اجر۔ شاہ حجاز جب پاکستان میں لاہور اسٹیشن پر اترے تو جس قلی نے ان کا لوٹا بھی اٹھالیا اسے بھی سو روپے عطا کئے پھر رب کی عطا کا کیا کہنا **ولا خوف علیھم** یا تو اس سے آخرت کا خوف مراد ہے یعنی وہاں کفار کو ڈر ہوگا نہ کہ مومنین کو اور یا دنیا اور آخرت کا عام خوف یعنی اگر یہ ایمان لے آئے تو انہیں گذشتہ کفر اور بد کاریوں کا کوئی ڈر نہیں کیونکہ وہ سارا میل کچیل ایمانی پانی اور رحمت ربانی سے دھل گیا۔ **ولا ھم یحزنون** اس میں بھی وہی دو احتمال ہیں کہ یا تو وہ قیامت میں غمگین نہ ہوں گے اور یا دنیا میں بھی یعنی ان کو ایمان لانے کے بعد گذشتہ عمر کے برباد ہونے کا رنج و غم نہ ہوگا بلکہ آئندہ کی راحت کے خیال سے دل کو خوشی حاصل ہوگی۔

خلاصہ تفسیر : پچھلی آیتوں میں یہود کی ذلت اور ان پر وقتاً فوقتاً عذاب الٰہی کا نزول بیان کیا گیا تھا اور ان کی انتہائی بد عملیوں کا ذکر ہوا تھا جس سے ان کو ایک طرح کی مایوسی ہو سکتی تھی اس آیت میں ان کی مایوسی کو مٹایا گیا اور فرمایا گیا کہ ہمارے ہاں کسی شخص کی ذات سے عداوت نہیں صرف ایمان اور اعمال پر نجات کا دارومدار ہے مسلمان ہو۔ عیسائی یہودی ہو یا صابئی جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان لا کر اچھے کام کرے گا اس کو خدا کے پاس ضرور ثواب ملے گا نہ تو اسے خوف عذاب ہوگا اور نہ یہ رنج کہ ہم نے بہت سی عمر برباد کیوں کردی کیونکہ نئے اور پرانے مومن ہمارے ہاں برابر ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ بغیر ایمان کوئی عمل قبول نہیں ایمان جڑ ہے اور اعمال پانی جڑ کٹنے کے بعد پانی دینا بیکار ہے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہ سارے ایمانیات پر ایمان لانا ضروری ہے ایک کا بھی انکار کفر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ ایمان میں زیادتی کی نہیں اور نہ اس میں نئے پرانے کا اعتبار۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ کوئی اپنے بزرگوں کی عظمت پر گھمنڈ نہ کرے پیر اور فقیر زادے بادشاہ اور امیر زادے سب ایمان و عمل کے حاجتمند ہیں۔ کیونکہ بنی اسرائیل اپنی پیغمبر زادگی پر ناز کر کے ایمان اور اعمال سے بے نیاز ہو گئے تھے اس آیت میں ان کو یہ ہی بتایا گیا ہے مسلمانوں کو بھی اس سے سبق لینا چاہئے **پانچواں فائدہ:** یہ کہ حق تعالیٰ کو کسی سے ذاتی عناد نہیں ہر شخص ایمان و اعمال اختیار کر کے اس کی رحمت پا سکتا ہے۔ یہود نے ایک وقت ایمان اور نیکو کاری کی بدولت دنیا پر فضیلت حاصل کی پھر وہی قوم بے ایمان اور بد کار بن کر ذلیل و خوار ہوگئی پچھلوں کی ترقی و تنزل سے اگلوں کو سبق لینا چاہئے۔

پہلا اعتراض : **ان الذین امنوا** سے ایمان سمجھا گیا تھا پھر **من امن باللہ** کے کیا معنی۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ کبھی دوستوں کا ذکر کر کے دشمنوں کو سنایا جاتا ہے جیسے کوئی بادشاہ کہے کہ ہمارا کوئی موافق ہو یا مخالف جو ہماری اطاعت کرے گا وہ ہم سے انعام لے گا۔ ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے مخالف ہی کو سنانا منظور ہے۔ جس کا منشا یہ ہے کہ اے مخالفو ہمیں موافقین سے کوئی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی اطاعت ہماری مہربانی کا سبب ہے اگر تم بھی اس زمرے میں آجاؤ تو

www.alahazratnetwork.org

تم کو بھی انعام ملے گا دوسرے یہ کہ خطاب تفسیری ہے اہل کتاب اپنے کو مومن سمجھتے تھے تو فرمایا گیا کہ جو لوگ اپنے کو مومن جانتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ یہ حقیقتہً مومن نہیں اور من امن باللہ سے حقیقی ایمان مراد یعنی جو بھی ان سے حقیقی ایمان لے آئے خدا سے اس کا اجر پائے گا اور باقی وہی جواب ہیں جو ہم تفسیر میں بتا چکے۔ یعنی امنوا سے منافقین مراد اور من امن سے مخلصین یا امنوا سے ظاہری مومن مراد اور من امن سے موت کے وقت کے مومن یا امنوا سے ایمان لانے والے مراد اور من امن سے ایمان پر قائم رہنے والے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط اللہ اور قیامت پر ایمان لانا کافی ہے نہ کہ قرآن وغیرہ باقی چیزوں پر۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا ہے کہ ان دو باتوں میں سارے ایمانیات داخل ہیں جب مبدا اور مبدی اور معاد اور منتہا کا ذکر کر دیا تو درمیانی چیزیں خود بخود شامل ہو گئیں کوئی کہتا ہے کہ میں پشاور سے کلکتہ پہنچا تو راستے کے تمام شہر خود بخود اس میں آ گئے۔ یا کہا جائے کہ نماز تکبیر تحریمہ سے سلام تک کا نام ہے تو بقیہ ارکان خود ہی اس میں آ گئے۔ خیال رہے کہ اللہ کے ماننے میں رسولوں کتابوں کا ماننا خود بخود آ گیا جیسے باپ کو مان کر اس کے تمام قرابتداروں کا ماننا لازم ہے کہ باپ کا بھائی چچا اور اس کا باپ دادا ہے اس کی زوجہ ماں۔ ایک باپ کا رشتہ ان تمام رشتوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے یوں ہی اللہ کو رب ماننے میں انبیاء اور اولیاء سے رشتہ غلامی خود بخود آ گئے جیسے باپ کا بیٹا ہمارا بھائی ضرور ہے بلا تشبیہ اسی طرح اللہ کے محبوب بندے ہمارے لئے قابل احترام ضرور ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کا دعویٰ تھا کہ ہم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان کے اس خیال کی تردید کر دی گئی۔ تیسرا اعتراض: فلھم کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ ثواب ایمان اور عمل دونوں پر مرتب ہے لہٰذا بد عمل مومن اور نیک عمل کافر دونوں ہی ثواب سے محروم ہیں تو چاہئے کہ گنہگار مسلمان اور کفار برابر ہوں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یقینی ثواب بلا عذاب نیک کار مومن ہی کے لئے ہے کفار کے لئے ثواب ہی نہیں اور گنہگار مسلمان کے لئے ثواب تو ہے مگر پہلے کچھ عذاب کا بھی اندیشہ ہے دوسرے یہ کہ یہاں تین چیزوں کا ذکر ہے ثواب کا ملنا اور خوف و غم سے محفوظ رہنا اور تینوں باتیں صرف نیک کار مسلمانوں کو حاصل ہوں گی گنہگار مسلمانوں کو قیامت کے دن کچھ خوف و غم بھی ہو گا۔ خیال رہے کہ بدکار سے وہ مراد ہے جو اعمال کا موقع پائے اور نہ کرے۔ جس کو موقع ہی نہ ملا اس کے لئے صرف ایمان ہی نیک عمل ہے یہاں تک کہ حق مسلمانوں کے نابالغ بچے بھی ان شاء اللہ متقین میں شمار ہوں گے غرضیکہ ایمان و اعمال بلا واسطہ بھی ہیں اور بالواسطہ بھی بچوں کا ایمان و عمل بالواسطہ ہے مگر کفر و بد عملی بالواسطہ معتبر ہیں بالواسطہ معتبر نہیں اس لئے کفار کے نا سمجھ بچے ان شاء اللہ عذاب نہ دیئے جائیں گے کہ انہوں نے نہ کفر کیا نہ بد عملی۔

تفسیر صوفیانہ : ایمان کی چند قسمیں ہیں۔ تقلیدی رسمی ایمان، عادی ایمان، تحقیقی ایمان۔ کسی کے دیکھا دیکھی محض باپ دادوں کی پیروی پر بغیر تحقیق کے مسلمان بن جانا تقلیدی ایمان ہے اور اگر عقیدہ درست نہ ہو فقط لوگوں کی شرم سے نماز وغیرہ پڑھ لینا اور ایمان کے مراسم ادا کر لینا رسمی ایمان ہے اور عادت سے مجبور ہو کر عبادت کرنا عادی ایمان یہ تینوں ایمان ناقص ہیں ہاں جس کا قلب نور معرفت سے منور ہو اور وہ اس نور قلبی سے اللہ اور یوم آخر کو پہچانے اس پر نفسانیت کے حجاب کا خوف نہیں اور نہ دوئی کے بھنور سے غمگین ہو کیونکہ وہ توحید کے دریا میں غوطہ زن ہے اور لا الٰہ کی تلوار سے اپنا سب کچھ فنا کر کے الا اللہ کی برکت سے باقی باللہ ہے نیز ایک ایمان فطری ہے جو میثاق کے دن بلٰی کہہ کر سب کو حاصل ہوا مگر اس ایمان میں سعید و شقی

میں فرق نہ تھا جب یہ اپنی ماؤں کے پیٹ میں آئے تب کاتب تقدیر نے عالم اقرار پر نظر نہ کی بلکہ علم اللہ القہار پر نظر کر کے ہر ایک کی سعادت و شقاوت لکھی اسی لئے ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے دوسری حدیث میں ہے کہ جس بچے کو حضرت خضر نے قتل کیا تھا وہ کافر پیدا ہوا تھا۔ پہلی حدیث میں میثاقی ایمان مراد ہے اور دوسری میں شکم مادر کا ایمان اس لئے صوفیاء کرام کے ہاں ایمان کے چار مقام ہیں۔ ایک بطن معنوی جسے صوفیاء کرام ام الکتاب کہتے ہیں۔ دوسرا مقام بلے جسے مولود معنوی کہا جاتا ہے۔ تیسرا بطن ام صوری اور چوتھا مولود صوری بطن ام صوری یہ اللہ کا علم ہے۔ جس میں سعید و شقی کا فرق موجود ہے۔ اس کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے **السعید سعید فی بطن امہ والشقی شقی فی بطن امہ** دوسری روایات میں آیا **السعید قد یشقی والشقی قد یسعد** غرضیکہ میثاقی سعادت بدل جاتی ہے اور علم اللہ کی سعادت و شقاوت نہیں بدل سکتی تو **ان الذین امنوا** میں پہلی قسم کا ایمان مراد ہے اور **من امن** میں آخری قسم معتبر۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ
اور جبکہ لیا ہم نے عہد تمہارا اور اٹھا لیا ہم نے اوپر تمہارے طور کو (کہا) تم لوگ وہ
اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تم پر طور کو اونچا کیا لو جو کچھ ہم تم کو
اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۞ ثُمَّ
چیز جو دی ہم نے تم کو ساتھ طاقت کے اور یاد کرو تم وہ جو ہے بیچ اس کے شاید کہ تم پرہیزگار بن جاؤ
دیتے ہیں زور سے اور اس کے مضمون یاد کرو اس امید پر کہ تمہیں پرہیزگاری ملے
تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ
پھر پھر گئے تم لوگ پیچھے سے اس کے پس اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا اوپر تمہارے اور
پھر اس کے بعد تم پھر گئے تو اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت
رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۞
رحمت اس کی البتہ ہو جاتے تم ٹوٹا پانے والوں میں سے
تم پر نہ ہوتی تو تم ٹوٹا پانے والوں میں ہو جاتے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: یہ کہ اس سے پہلے بنی اسرائیل کی نو نعمتوں کا ذکر ہو چکا اب دسویں نعمت کا ذکر ہو رہا ہے ان نعمتوں کے درمیان ایمان اور اعمال کا ذکر جملہ معترضہ کے طریقہ پر تھا تاکہ سننے والے مسلسل مضمون سے اکتا نہ جائیں خیال رہے کہ قرآن کریم کی مثال اس بازار کی سی ہے۔ جس میں مختلف دوکانیں ایک ہی لائن

www.alahazratnetwork.org

میں ہوتی ہیں جہاں سے ہر حاجتمند اپنی ضروریات زندگی تھوڑے سے وقت میں حاصل کر سکتا ہے اگر مختلف دوکانیں مختلف بازاروں میں ہوں مثلاً" ایک بازار میں کھانے ہی کی دوکانیں ہوں اور دوسرے میں کپڑے ہی کی تو خریدار کو بہت دشواری بھی ہوگی اور اس کا بہت وقت بھی خرچ ہوگا۔ اسی طرح قرآن کریم میں قصے مثالیں احکام وغیرہ کے مضامین نہایت عمدہ ترتیب سے ہر جگہ جمع ہوتے ہیں تاکہ خریدار عقیدت کی پونجی صرف کر کے نہایت آسانی سے ہر ضرورت پوری کرے وہی طریقہ یہاں ہے۔ **دوسرا تعلق:** اس سے پہلے بنی اسرائیل کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور نیک اعمال کرنے کی رغبت دی گئی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے اسرائیلیو شروع سے ہی تمہاری طبیعت عیش پسند اور تکلیفوں سے گھبرانے والی ہے۔ دیکھو تمہارے باپ دادوں نے خود ہی تو توریت مانگی تھی اور خود اس کے احکام دیکھ کر پھر گئے تھے تب ان کو مجبور کر کے منوایا تھا اب بھی تم نے دعائیں کر کر کے نبی آخر الزمان کو پایا اور جب وہ تشریف لے آئے تو اپنی رشوتوں اور آمدنیوں کے کم ہونے کے خوف سے تم ان سے پھر گئے بہت ممکن ہے کہ پہلے کی طرح اب بھی تم کو قتل قید اور جلاوطنی اور جزیئے سے ڈرا کر ایمان کی رغبت دی جائے اس لئے بہتر ہے کہ تم خوشی خوشی ہی ایمان لے آؤ۔ تاکہ تمہیں وہ دن نہ دیکھنا پڑے تو گویا پچھلی آیت میں ثواب وغیرہ کا لالچ دے کر ان کو ایمان کی رغبت دی گئی اور اب نہایت حکیمانہ انداز میں کسی قدر دھمکا کر۔ اس شان کرم پر قربان ہر طرح ہمارا بھلا کرنا منظور ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قرآن منوانے کا ذکر تھا اس آیت میں توریت منوانے کا گزشتہ واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی یہ رحمت والے نبی کی برکت ہے کہ تمہیں یوں لالچ دے کر منا رہے ہیں ورنہ ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ کوئی آفت دکھا کر تمہیں قرآن ماننے پر مجبور کر دیں اور تم مجبوراً" ایمان قبول کر لو۔

تفسیر: **واذا اخذنا** یہاں بھی وہی فعل پوشیدہ ہے یعنی اے اسرائیلیو وہ واقعہ یاد کرو' یا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد دلاؤ' یہ واقعہ تیہ کے واقعہ سے پیشتر کا ہے۔ جس وقت کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بحر قلزم سے بخیر و عافیت نکل گئے اور فرعون غرق ہو چکا یہ پورا واقعہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جائے گا اگرچہ عہد و پیمان موسیٰ علیہ السلام نے لیا تھا مگر چونکہ اللہ کے محبوبوں کا کام در حقیقت رب کا کام ہے اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے عہد لیا اس کی مثالیں قرآن کریم میں بیشمار ہیں۔ **میثاقکم** یہ لفظ وثق سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مضبوطی۔ مہر اور قرض کی تحریر کو بھی اسی لئے وثق یا وثیقہ کہتے ہیں کہ اس سے ایک چیز کی مضبوطی کی جاتی ہے اصطلاح میں نہایت مضبوط عہد کو میثاق کہا جاتا ہے ہم وعدہ اور عہد اور میثاق کا فرق پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جب بنی اسرائیل نے کتاب الہی مانگی تھی تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے ان سے بہت مضبوط عہد و پیمان لے لیا تھا کہ تم ہانگ تو رہے ہو بعد میں پھر نہ جانا اگرچہ ہر شخص سے علیحدہ عہد لیا گیا تھا لیکن چونکہ وہ ایک ہی نوعیت کا تھا اس لئے میثاق واحد فرمایا گیا۔ اس کی جمع یعنی مواثیق نہ فرمائی گئی جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے **ثم یخرجکم طفلا** " یہاں بھی اطفال نہ فرمایا اسی ہی وجہ سے **ورفعنا** جبکہ موسیٰ نے ان کو توریت لا کر دی یہ آزاد لوگ اس کی پابندیاں اور سخت احکام دیکھ کر گھبرا گئے تب ان پر طور پہاڑ اکھیڑ کر مثل شامیانہ کے کھڑا کر دیا گیا یہاں **رفعنا** کے معنے جڑ سے اکھیڑ کر اوپر کو اٹھانا ہیں اس سے یہ سمجھنا کہ یہودی پہاڑ کی جڑ میں کھڑے تھے اور اس کے گرنے سے ڈرتے تھے محض حماقت ہے کیونکہ اس قسم کا اونچا ہونا تو پہلے ہی سے حاصل تھا پھر **رفعنا** کے کیا معنی یہ فعل تو حدوث چاہتا ہے یعنی غیر موجود کو موجود کرنا نیز اس صورت میں موسیٰ کا کوئی خاص معجزہ

www.alahazratnetwork.org

نہ ہو تا نیز اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پورا طور اٹھا کر اوپر لایا گیا اور اس میں تاویل کی بنا پر اس کا بعض حصہ زمین کے نیچے بھی رہا۔ **فوقکم** روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبریل حکم الٰہی سے اس پہاڑ کو اپنی جگہ سے اکھیڑ کر اور اپنے پروں پر اٹھا کر لائے اور قد آدم فاصلہ سے بنی اسرائیل کے سر پر کھڑا کر دیا بنی اسرائیل چار فرسخ (کوس) میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔ پہاڑ بھی اتنا لمبا چوڑا کر دیا گیا۔ **الطور** یہ سریانی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں ہرا بھرا پہاڑ اور اب یہ لفظ اس پہاڑ کا نام بن گیا۔ جہاں موسیٰ علیہ السلام رب سے ہم کلام ہوتے تھے بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں اس سے عام پہاڑ مراد ہے یعنی ایک پہاڑ کو ان کے سر پر کھڑا کر دیا گیا۔ کیونکہ اس وقت یہ اسرائیلی طور پہاڑ سے بہت دور رہتے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے خاص موسیٰ علیہ السلام کا طور ہی مراد ہے کیونکہ اگر طور کے لغوی معنی بھی مراد لو۔ تب بھی الف لام عہدی کی وجہ سے وہ خاص ہی مراد ہو گا اور جو رب کہ پہاڑ اکھیڑنے پر قادر ہے وہ دور تک لے جانے پر بھی قادر ہے۔ (تفسیر کبیر) **خذوا** ۔ یہ لفظ اخذ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پکڑنا اور لینا۔ یہاں توریت کی تختیوں کا ہاتھ سے پکڑنا مراد نہیں بلکہ ماننا اور دل میں لینا مراد ہے یعنی ہم نے ان سے کہا کہ تم قبول کر لو **ما اتینکم** وہ احکام یا وہ کتاب جو ہم نے تم کو عطا فرمائی **بقوۃ** یعنی پوری کوشش سے لو جیسے کہ دینوی تھوڑا نفع حاصل کرنے کے لئے بڑی مشقتیں برداشت کر لیتے ہو۔ اسی طرح دینی نفع کے لئے توریت کے سخت احکام بھی برداشت کرو۔ رنج و راحت مصیبت و آرام کسی حالت میں اس کو نہ چھوڑنا اور اس پر دائم قائم رہنا جیسے جو چیز ہاتھ میں قوت سے پکڑی جاوے وہ نہیں چھوٹتی ایسے ہی جو چیز قوت سے پکڑی جاوے وہ رنج و خوشی کسی حال میں نہیں چھوٹتی۔ امام حسین کبھی حضور کے کندھوں پر سوار اور کبھی شمر مردود آپ کے سینہ پر سوار نہ اس وقت فخر تھا نہ اس حالت میں بیقراری۔ ہر حال میں راضی بہ رضا الٰہی رہے للہ تعالیٰ نے قوت بخشی خیال رہے کہ کبھی انسان ایمان کی قوت سے پکڑتا ہے اور کبھی ایمان انسان کو قوت سے پکڑتا ہے۔ جیسے رسی کو انسان پکڑے یا اسے رسی سے باندھ دیا جاوے پہلی صورت میں خطرہ ہے دوسری صورت بے خطر ہے پہلی صورت ابتداء ہے دوسری انتہا **واذکروا ما فیہ** یہ لفظ ذکر سے بنا ہے یا ذکری سے یعنی اس کو لے کر طاق میں نہ رکھ دینا بلکہ اس کے احکام کو حفظ کر لینا اس کی تلاوت کیا کرنا مدرسوں میں اس کو پڑھایا کرنا اور اس سے غافل نہ ہو جانا اور یا اس کی آیات میں غور کرنا اور اس سے نصیحت حاصل کرنا اور اس پر عمل کرنا۔ بلا عمل فقط پڑھنا کافی نہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کے سوا کوئی اور کتاب حفظ نہ کی گئی ہاں گزشتہ کتابوں کے احکام و مضامین ان کے علماء ایسے یاد کر لیا کرتے تھے جیسے آج کل وکلا قوانین کی کتابوں کے احکام یاد کرتے ہیں اسی لئے یہاں **اذکروا** فرمایا **احفظوا** نہ فرمایا **لعلکم تتقون** لعل رب کی طرف سے یقین کے لئے ہے اور بندوں کی طرف سے امید کے لئے یعنی تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ یا اس امید پر تم توریت کے حامل بنو کہ تم متقی ہو جاؤ نہ دینوی لالچ پر۔ اتقاء سے مراد یا تو جہنم سے بچ جانا ہے یا پرہیزگار بن جانا کیونکہ توریت پر عمل کرنے سے دنیا میں پرہیزگاری اور آخرت میں جہنم سے رستگاری حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں اس کا ذکر فرمایا گیا **ثم تولیتم** یہ لفظ ولی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں قریب ہونا۔ باب تفعل میں آکر سلب کے معنی پیدا ہوئے یعنی قریب کو دور کر دینا اور پھر جانا یعنی تم یہ عہد و پیمان کر کے اور مجبوراً توریت کو مان کر اس سے پھر گئے کہ نہ تم نے توریت کے احکام پر عمل کیا اور نہ اس کا پڑھنا پڑھانا باقی رکھا نہ اس کی حفاظت کی بلکہ اس کتاب کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنا لیا **من بعد ذلک** ۔ ذلک کا اشارہ یا میثاق کی طرف ہے یا طور اٹھانے کی طرف یا اس پورے واقعہ کی طرف یعنی تم نے اتنے اہم واقعات کے بعد بھی اپنے وعدے کی وفا نہ کی بیوفائی عقلاً "نقلاً" بری ہے۔ **فلولا فضل اللہ علیکم**

www.alahazratnetwork.org

ورحمتہ یا تو فضل و رحمت ایک ہی معنی میں ہیں یا فضل سے مراد قبول توریت کی توفیق دینا اور رحمت سے مراد بعد کی بیوفائیوں پر عذاب نہ بھیجنا ہے یعنی اگر پہاڑ وغیرہ اٹھا کر تم سے توریت قبول نہ کرائی جاتی اور بعد کی بد عملیوں پر تم کو مہلت نہ دی جاتی تو **لکنتم من الخسرین** تم خسارے والوں میں سے ہو جاتے۔ خسارہ اصل پونجی کے ضائع ہو جانے کو کہتے ہیں اس میں لطیف اشارہ اس طرف بھی ہے کہ سختی سے احکام منوانا در حقیقت رحمت ہے اور نبی آخر الزمان کا زمانہ پالینا عین فضل الٰہی ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ اب بھی سنبھل جاؤ اور اس پیغمبر علیہ السلام پر ایمان لے آؤ۔

خلاصہ تفسیر : قانون ہدایت بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اسرائیلیو! ہم نے تم پر بہت مہربانی فرمائی کہ جیسے احمق بیمار کو مہربان طبیب زبردستی دوا پلاتا ہے اسی طرح ہم نے تمہارے ساتھ کیا تم بخوشی اصلاح قبول نہ کرتے تھے ہم نے تم پر کوہ طور اٹھا کر اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور فرمایا کہ توریت قبول کرو ورنہ پہاڑ گرتا ہے تم بھی ایسے ضدی واقع ہوئے کہ اس وقت تو جبراً "قہراً" مان لیا مگر بعد میں اس کو بھی توڑ دیا اور طرح طرح کی بدکاری اور بت پرستی میں مشغول ہو گئے توریت شریف کو بدل ڈالا۔ ہم نے اپنے فضل و کرم سے کبھی کبھی تم میں انبیاء بھیجے تاکہ تمہیں ہلاکت اور بربادی سے بچائیں مگر تم نے انہیں بھی ظلماً" قتل کر ڈالا پھر بھی ہم نے درگزر کی اگر ہمارا اتنا فضل و کرم نہ ہوتا تو تم کبھی کے نیست و نابود ہو چکے تھے۔ **اصل واقعہ:** اس میں اختلاف ہے کہ پہاڑ اکھیڑنے کا واقعہ کن بنی اسرائیل پر پیش آیا۔ آیا ان ستر پر جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ توریت لینے گئے تھے یا ان پر جو یہاں رہ گئے تھے ہم اس اختلاف کا لحاظ کرتے ہوئے واقعہ عرض کرتے ہیں جب موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیلیوں سے توریت ماننے کا عہد و پیمان لے کر ستر آدمیوں کے ساتھ توریت لینے کوہ طور پر تشریف لے گئے اور وہاں یہ ستر آدمی کلام الٰہی سن چکے اور مر کر زندہ ہو چکے تب آپ کو توریت شریف عطا ہوئی جب آپ نے وہ کتاب ان ستر کو دکھائی تو یہ لوگ سخت احکام اور کڑی پابندیاں دیکھ کر گھبرا گئے اور کہنے لگے کہ ہم سے ان پر عمل نہ ہو سکے گا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی تب حضرت جبریل بحکم الٰہی کوہ طور اکھیڑ کر ان کے سروں پر لے کر کھڑے ہو گئے کہ یا توریت قبول کرو ورنہ ابھی تم پر گرتا ہے یہ پہاڑ قد آدم ان کے سروں سے اونچا تھا یہ لوگ ابھی موت دیکھ چکے تھے۔ اب گھبرا گئے فوراً سجدے میں گر گئے۔ مگر سجدہ پوری پیشانی پر نہ کیا۔ بلکہ ایک رخسار پر تاکہ پہاڑ کو بھی دیکھتے رہیں کہیں گر نہ جائے چنانچہ اب تک یہود صرف ایک رخسار پر ہی سجدہ کرتے ہیں اور مسلمان پیشانی پر اور سجدہ میں گر کر توبہ کی اور پورا پورا عہد کیا کہ ہم اس کو قبول کرتے ہیں ہمیشہ اس پر عامل رہیں گے۔ اس میثاق سے یا تو یہ ہی سجدہ والا میثاق مراد ہے یا پہلا میثاق جو اسرائیلیوں سے طور پر آتے وقت لیا گیا تھا اس کا واقعہ یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر اپنی قوم کے پاس آئے اور بچھڑے وغیرہ کو ہلاک فرما چکے سب سے توبہ کرا چکے تب آپ نے ان کو توریت دکھائی۔ انہوں نے دیکھ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا اور ان پر یہ ہی طور اٹھا کر یہاں لایا گیا اور انہوں نے سجدہ کر کے عہد و پیمان کیا مگر بعد میں اس کو توڑ دیا اور بدکاریوں میں مشغول ہو گئے۔ ان کی نافرمانی کی ابتدا تو موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہو چکی تھی مگر آپ کے پردہ فرمانے کے بعد اس میں زیادتی ہو گئی کہ توریت بدل ڈالی گئی۔ پیغمبروں کو قتل کرنے لگے۔ شرک و بت پرستی میں گرفتار ہو گئے۔ اس لئے یہاں ثم فرمایا گیا جس کے معنی ہیں تراخی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ دینی تکلیفیں جو ہدایت کا ذریعہ بن جائیں وہ

www.alahazratnetwork.org

درحقیقت انعام الٰہی میں اسی لئے اس واقعہ کو انعامات کے سلسلے میں ذکر فرمایا گیا۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ حق تعالیٰ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑا مہربان ہے کیونکہ بنی اسرائیل پر نہایت سخت احکام بھیجے اور سب ایک دم بھیجے۔ جس سے وہ گھبرا گئے اور اس امت پر نرم احکام بھیجے گئے اور وہ بھی یکے بعد دیگرے نہایت آہستگی سے اس عمدہ طریقہ سے کہ بوجھ نہ محسوس ہو مثلاً" روزہ فرض کیا گیا تو پہلے سال بھر میں ایک عاشورہ کا پھر ہر مہینہ میں تین پھر ماہ رمضان کے روزے مگر فدیہ دینے کا اختیار۔ شراب حرام کی گئی تو نہایت آہستگی سے۔ تیسرا فائدہ: یہ کہ اس امت سے دنیوی ظاہری عام عذاب اٹھا دیا گیا۔ اسرائیلیوں پر پہاڑ لاو کران سے توریت منوائی۔ مگر مسلمانوں کے ساتھ یہ سلوک نہ ہوا۔ چوتھا فائدہ: یہ کہ توریت کی حفاظت بنی اسرائیل کے ذمہ کی گئی کہ فرمایا گیا **خذوا ما اتینکم بقوۃ** جس سے وہ عاجز ہو گئے مگر قرآن کریم کی حفاظت خود فرمائی ہمارے ذمہ نہ کی پانچواں فائدہ: کلام اللہ کی تلاوت کرنا بھی ضروری ہے اور اس پر غور کرنا بھی اور اس پر عمل کرنا بھی بغیر تلاوت اس کی بقا مشکل ہو گی اور بغیر عمل محض اس کا پڑھ لینا ایسا ہے جیسے مفید طبیب کا نسخہ پڑھو بھی، سمجھو بھی، عمل بھی کرو۔ اپنے حبیب کا خط بار بار پڑھ کر لطف حاصل کرو۔ اور اس کی فرمائشیں پوری کرو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

ہست قرآں حالہائے انبیاء ماہیان بحر پاک کبریا

در بخوانی ونہ قرآں پذیر انبیاء و اولیاء را دیدہ گیر

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسرائیلیوں سے مجبوراً" توریت منوائی گئی اور انہیں ایمان دیا گیا مگر دوسری جگہ فرمایا گیا **لا اکراہ فی الدین** یعنی دین میں جبر نہیں حدیث پاک میں بھی ارشاد ہوا **دعوھم وما یدینون** یعنی کفار کو ان کے دین پر چھوڑ دو۔ نیز جبری چیز پر ثواب نہیں ملتا اس لئے جہاد میں کفار پر اسلام یا جزیہ پیش ہوتا ہے کسی کو جبراً" مسلمان نہیں بنایا جاتا پھر اس آیت کا کیا مطلب۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں سب سے بہتر جواب تو وہ ہے جو تفسیر خزائن العرفان میں دیا گیا کہ بظاہر جبر تھا مگر درحقیقت معجزہ دکھا کر ان کو مطمئن کرنا تھا کہ بیشک یہ کتاب رب کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ دیگر معجزات کا مقصود ہوتا ہے۔ دوسرا جواب: یہ کہ بندوں کو جائز نہیں کہ کسی کو دین پر مجبور کریں اور یہ فعل رب کا تھا نہ کہ بندوں کا تو **لا اکراہ** کی آیت بندوں کے لئے ہے اور یہ رب کا فعل تیسرے: یہ کہ اس واقعہ میں اسرائیلیوں کو ایمان لانے پر مجبور نہ کیا گیا وہ ایمان تو پہلے ہی لا چکے تھے اب ان کو ارتداد سے روک کر ایمان پر قائم رکھا گیا۔ اب بھی مرتد کو ایمان لانے پر مجبور کرتے ہیں ورنہ قتل کر دیتے ہیں چوتھے یہ کہ عہد شکنی کی سزا تھی اور بدعملی کی سزا دینا نقلاً" عقلاً" ہر طرح درست ہے اب بھی زانی کو رجم کرتے اور چور کے ہاتھ کاٹتے ہیں اس وقت بدعملی کی سزا ہلاکت تجویز ہوئی۔ دوسرا اعتراض: پہاڑ کا ہوا میں بغیر ستون کے معلق ہو جانا خلاف عقل ہے ہلکی چیز بھی معلق نہیں رہ سکتی تو اتنا بھاری پہاڑ کیسے معلق رہ گیا۔ جواب: یہ علی گڑھی عقل کے خلاف ہو گا مسلمان کی عقل کے بالکل موافق آسمان، سورج، چاند اور بھاری بادل برف کے پہاڑ (یعنی اولے اور برف) سب معلق ہی ہیں اگر ایک وقت میں پتھر کا پہاڑ بھی معلق ہو گیا تو کیا ہو گیا۔ آج مشین کے ذریعہ بھاری ہوائی جہاز مع سازو سامان کے ہوا میں معلق ہو جاتے ہیں بلکہ جرمنی نے اڑن بم بنا کر بغیر مشین ہی بھاری چیز کو لٹکا کر دکھا دیا تو کیا جرمنی معلق کر سکتا ہے اور رب نہیں کر سکتا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : طور کو سب نے معلق دیکھا مگر اتنا بڑا معجزہ دیکھ کر بھی بعض نے شوق سے عہد کیا اور بعض نے خوف سے جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی خطاب اور ایک ہی معجزہ بعض کے لئے ہدایت اور بعض کے لئے گمراہی کا سبب ہوتا ہے۔ جب خوف والوں پر خذلان یعنی رسوائی آگئی تو برہان نے کام نہ دیا۔ دلائل کا علم عرفان نہیں بخشتا وہاں تو شوق و ذوق چاہئے پھر رب نے فرمایا کہ ہمارے احکام قوت سے پکڑو جس سے معلوم ہوا کہ احکام کے لئے قوت ربانی چاہئے نہ کہ طاقت جسمانی یہاں تائید الٰہی درکار ہے اپنی کمائی بیکار پھر فرمایا کہ توریت کے رموز' اشارات' حقائق و دقائق یاد کرو جو کہ اہل دل کی صحبت سے ملتے ہیں تا کہ ماسوا اللہ سے بچ جاؤ۔ پھر تم لوگ خیالات نفسانی اور خواہشات شہوانی کی وجہ سے طریقہ ربانی سے ہٹ گئے۔ وفاق کا راستہ چھوڑ کر نفاق کی طرف دوڑ گئے اگر پہلے ہی سے عنایت ربانی اور توفیق یزدانی تمہاری نگرانی نہ کرتی اور انبیاء کرام تمہاری نگہبانی نہ فرماتے تو تم اصل پونجی یعنی فطری لیاقت کھو کر خسارہ میں پڑ جاتے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : بندہ پہلے خوف سے پھر عادت سے پھر شوق سے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ بچہ اولاً "خوف سے پھر عادت سے پھر شوق سے پڑھنے میں محنت کرتا ہے یہاں بھی بنی اسرائیل کو پہلے ڈرا دھمکا کر توریت قبول کرنے پر راضی کیا گیا یہ ان کا ابتدائی حال تھا۔ پھر شوق و ذوق سے عبادت انتہائی کمال ہے اس کو یہاں تقویٰ فرمایا گیا یعنی ابھی خوف سے ہماری بندگی کرو تا کہ ممکن ہے آئندہ دل میں ذوق عبادت پیدا ہو جائے جو تقویٰ ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسان بے ذوق عبادت چھوڑ نہ دے کبھی وقت آئے گا کہ پھر ذوق و شوق بھی پیدا ہو جائے گا۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ
اور البتہ تحقیق جانا تم نے ان لوگوں کو جو حد سے بڑھے تم میں سے بیچ ہفتہ کے پس کہا ہم نے واسطے
اور بیشک ضرور تمہیں معلوم ہے تم میں سے جنہوں نے ہفتہ میں سرکشی کی تو ہم نے ان سے
كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ۞ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا
ان کے ہو جاؤ تم بندر ذلت سے دور پس کر دیا ہم نے اس کو عبرت واسطے اس کے جو درمیان
فرمایا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے تو ہم نے اس بستی کا یہ واقعہ اس کے آگے اور پیچھے
وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞
دو ہاتھوں اس کے اور وہ جو پیچھے اس کے اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے
والوں کے لئے عبرت کر دیا اور پرہیزگاروں کے لئے نصیحت

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس سے پہلے اسرائیلیوں کی دس نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا یہاں سے ان سختیوں کا ذکر شروع ہوتا ہے جو ایک نافرمانی کی وجہ سے ان پر کی گئیں تا کہ ڈر کر اب مخالفت سے باز آجائیں کیونکہ انسان کو برائی سے بچانے کے دو ہی ذریعے ہیں ایک نعمت دوسرا عذاب چونکہ رحمت الٰہی غضب پر غالب ہے اس لئے

www.alahazratnetwork.org

رحمتوں کا ذکر پہلے ہوا اور عذاب کا بعد میں دوسرا تعلق: بنی اسرائیل کو پچھلی آیت سے یہ شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ ساری کتاب کے انکار کرنے سے عذاب آتا ہے جیسے کہ توریت کے انکار سے ہوا اگر اس کے ایک حکم کی مخالفت کریں تو کوئی مضائقہ نہیں اور نبی آخر الزمان کی اطاعت نہ کرنا بھی توریت کے ایک ہی حکم کی مخالفت ہے اس میں کوئی حرج نہیں اس وہم کو دفع کرنے کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ تم کو تو معلوم ہے کہ تمہارے بزرگوں نے صرف ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کر لیا تھا جس سے ان پر عبرت ناک عذاب آگیا وہ بھی تو ایک ہی حکم کی مخالفت تھی اب اگر تم نے نبی آخر الزمان کی اطاعت نہ کی تو عذاب آنے کا ضرور اندیشہ ہے۔ اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں دل صاف چاہئے نماز' روزہ' داڑھی لباس پر ایمان موقوف نہیں جب ہماری صورت و سیرت ہی کفار کی سی ہوگی تو مسلمان کس چیز کا نام ہے دیکھو بنی اسرائیل صرف ایک شکار سے عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔

تفسیر: **ولقد علمتم** پچھلی آیتوں کے واقعات زیادہ مشہور و معروف نہ تھے بعض کو کچھ یاد تھے اس لئے وہاں **اذ** فرما کر یاد دلایا گیا۔ لیکن یہ واقعہ یہود کے بچے بچے کو یاد تھا اس لئے یہاں **لقد علمتم** فرمایا گیا۔ یعنی اے اسرائیلیو یقیناً" تم سب یہ قصہ جانتے ہو مگر چونکہ تم اس سے عبرت نہیں پکڑتے اس لئے ہم بھی بیان فرمائے دیتے ہیں نیز اس بیان کرنے میں ہمارے اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے غیب جاننے کا ثبوت ہے کہ انہوں نے نہ تو تاریخ پڑھی اور نہ تاریخ جاننے والوں کی صحبت اٹھائی اور پھر بے کم و کاست سچا سچا قصہ بیان فرما رہے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیب داں نبی ہیں **الذین اعتدوا** یا تو اس سے پہلے لفظ حال یا لفظ عذاب وغیرہ چھپا ہوا ہے یا خود **الذین** ہی **علمتم** کا مفعول ہے۔ یعنی حد سے بڑھنے والوں کے قصے اور عذاب کو جانتے ہو یا خود ان لوگوں کو جانتے پہچانتے ہو کہ یہ لوگ داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں شہر ایلہ میں رہتے تھے مدینہ منورہ اور شام کے درمیان دریا کے کنارے واقع تھا اور یہ پورا قصہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں بیان ہو گا۔ حد سے بڑھنے سے مراد شرعی حدود توڑنا اور ممانعت الٰہی کی نافرمانی ہے یعنی شریعت نے جو حد مقرر کی اس پر کاربند نہ رہے اس معنی سے ہر گنہگار عملاً" حد توڑتا ہے اور ہر گمراہ اعتقاداً" حد سے بڑھتا ہے **منکم** یہاں فقط اسلاف چھپا ہوا ہے یعنی یہ مجرمین تمہارے بزرگوں میں سے تھے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ وہ تم ہی میں سے یعنی تمہارے ہم قوم اور ہم مذہب تھے۔ **فی السبت** سبت کے لغوی معنی ہیں۔ قطع کرنا سنیچر کے دن کو اس لئے یوم السبت کہتے ہیں کہ یہود پر اس دن عبادت اور دنیوی کاروبار سے الگ رہنا فرض تھا نیند کو بھی اسی لئے سبات کہتے ہیں کہ اس سے انسانی کام منقطع اور بند ہو جاتے ہیں۔ نیز سبت کے معنی تعظیم کے بھی ہیں قرآن کریم فرماتا ہے کہ **یوم لا یسبتون لا تاتیھم** چونکہ سنیچر کے دن کی یہود تعظیم کرتے تھے اس لئے اس کا نام یوم السبت ہوا۔ انشاء اللہ ہم ہفتے کے سارے دنوں کے ناموں کی وجہ اور یہ کہ ان دنوں میں کیا کیا اہم واقعات ہوئے اور اب ان میں کیا کیا کرنا چاہئے **فی ستۃ ایام** کی تفسیر میں بیان کریں گے۔ اس جگہ لفظ یوم پوشیدہ ہے یعنی جو کہ زیادتی کرتے تھے۔ ہفتہ کے دن میں **فقلنا لھم** یہاں قول سے مراد وحی بھیجنا یا بلاواسطہ کلام کرنا نہیں بلکہ فقط توجہ ارادہ مراد ہے یعنی ہم نے ان کی طرف ارادہ غضب متوجہ کر دیا اور چاہ لیا کہ وہ بندر بن جائیں **کونوا قردۃ** کونوا کون سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ہو جانا اور بن جانا۔ تم بندر ہو جاؤ۔ یا بن جاؤ۔ یہ امر بھی شرعی نہیں ہے بلکہ تکوینی ہے (پیدا کرنا) یعنی ہم نے ان کا بندر ہو جانا چاہ لیا۔ جس سے وہ فوراً" ہی بندر بن گئے۔ اس

www.alahazratnetwork.org

چاہئے کو اس طرح بیان کیا گیا کہ ہم نے کہہ دیا۔ تم بندر بن جاؤ یہی **کن فیکون** کا بھی مطلب ہے۔ قردۃ جمع قرد کی ہے جیسے **دیکۃ** جمع دیک کی (مرغ) ظاہر تو یہ ہی ہے کہ ان کے بوڑھے جوان بچے مرد عورتیں سب چھوٹے بڑے بندر ہی بنائے گئے لیکن روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ ان کے جوان تو بندر بنائے گئے تھے اور بوڑھے سور۔ **خسئین** یہ خساء سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ذلت اور دھتکارنا چونکہ بندر خوبصورت جانور ہے بعض لوگ اسے پال بھی لیتے ہیں لہٰذا خاسئین فرما کر یہ بتایا کہ وہ خوبصورت بندر نہ بنے تھے کہ لوگ انہیں پالتے محبت کرتے بلکہ ان کے جسم سے ایسی بدبو آتی تھی کہ کوئی ان کے قریب بھی نہ آتا تھا اور وہ بندروں کی سی پیاری حرکتیں نہ کرتے تھے۔ بلکہ صرف دم ہلاتے اور آنسو بہاتے تھے اور جو ان کو دیکھتا وہ لعن طعن کرتا تھا۔ لہٰذا وہ دھتکارے ہوئے نکالے ہوئے ذلیل بندر ہوئے۔ **فجعلنھا** جعل کے معنی کرنا بھی ہے اور بنانا بھی اور **ھا** کا مرجع یا وہ امت ہے یا اس کا عذاب اور یا یہ پورا واقعہ یعنی ہم نے اس قصے یا اس سزا یا اس آیت کو عبرت بنا دیا **نکالا** یہ لفظ نکل سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں روکنا اور منع کرنا اسی لئے قسم سے باز رہنے کو نکول کہتے ہیں اور بیڑی اور سخت لگام کو نکل کہتے ہیں کیونکہ یہ چیزیں بھی قیدی اور جانور کو بھاگنے سے روکتی ہیں اور یہاں عبرت والا عذاب مراد ہے۔ جس کو سن کر لوگ نافرمانی سے بچیں جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **ان لدینا انکالا وجحیما** اور فرماتا ہے **واشد تنکیلا** یعنی ہماری یہ سزا محض بدلہ لینے کے لئے نہ تھی بلکہ عبرت کے لئے **لما بین یدیھا** اس کے لفظی معنی ہیں دو ہاتھوں کے درمیان اور مراد ہے سامنے کیونکہ سامنے والی چیز ہاتھوں کے درمیان ہوتی ہے اور **ھا** سے مراد یا وہ امت ہے یا شہر ایلہ اور سامنے سے مراد ایلہ کے سامنے والے شہر ہیں جن کو اس واقعہ کی خبر لگی اور آکر دیکھ گئے اور یا ان سے پہلی امتیں کیونکہ ان کو یہ خبر دی گئی تھی کہ آئندہ زمانہ میں ایسا واقعہ ہونے والا ہے۔ **وما خلفھا** اس میں بھی وہی دو احتمال ہیں یا تو اس سے دور کے شہر مراد ہیں جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا تو نہیں مگر سن لیا یا آنے والی امتیں کیونکہ یہ واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہوا جس سے سب کو عبرت حاصل ہوئی۔ ہم نے یہ واقعہ اگلے پچھلوں کے لئے عبرت بنا دیا۔ **وموعظۃ للمتقین۔ موعظۃ** وعظ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں نصیحت لینا یا کرنا یعنی اس واقعہ سے پرہیزگاروں نے نصیحت پکڑی یا قیامت تک اس سے وعظ و نصیحت کریں گے خیال رہے کہ عبرت دل کا فعل ہے اور موعظہ زبان کا چونکہ عام لوگوں میں وعظ کہنے کی طاقت نہیں ہوتی۔ ہاں وعظ سن کر ڈر جاتے ہیں اسی لئے ان کے لئے عبرت فرمایا گیا اور پرہیزگاروں کے لئے **موعظہ** یعنی قیامت تک علماء واعظین اس کا وعظ کیا کریں گے اور سامعین سن کر ڈرا اور رویا کریں گے۔

خلاصہ تفسیر : حق تعالیٰ اپنے انعام یاد دلا کر کچھ بنی اسرائیل کی نافرمانیاں بیان فرما رہا ہے' فرماتا ہے کہ اے اسرائیلیو تمہیں ان ایلہ والوں کا قصہ تو یاد ہی ہے جو تمہارے ہی بزرگ تھے انہوں نے ہفتہ کے دن میں ایک بے اعتدالی کر لی تھی یعنی مچھلی کا شکار کر لیا تھا تو ہم نے ان سب کو بندر بنا دیا ان کا یہ واقعہ سارے اگلے پچھلوں کے لئے عبرت اور پرہیزگار واعظین کے لئے نصیحت کر دیا گیا تم اس کو سوچ کر عبرت کیوں نہیں پکڑتے اور نبی آخر الزمان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ جب مچھلی کے شکار سے عذاب آگیا تو کیا اتنے بڑے پیغمبر کی مخالفت سے عذاب نہ آئے گا۔ خیال رہے کہ ایک حکم ربانی کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسے تمام احکام کا انکار۔ کفر میں تقسیم نہیں کہ کفر آدھا ہے یا انتہائی ہر کفر پورا کفر ہے ہاں درجات کفر اور کیفیات کفر میں فرق ہوتا ہے کہ بعض

www.alahazratnetwork.org

سخت کافر بعض ہلکے کافر اسی بنا پر عذابوں میں فرق ہے۔

یہودیوں کا بندر بننا : جیسے کہ اسلام میں جمعہ عزت والا ہے عیسائیوں کے لئے اتوار اور ہندوؤں کے لئے منگل اسی طرح یہودیوں کے لئے ہفتہ کا دن محترم تھا مگر فرق اتنا ہے کہ اسلام میں صرف ان لوگوں پر جن پر جمعہ کی نماز فرض ہے جمعہ کی پہلی اذان سے ختم نماز تک وہ دنیاوی کاروبار کرنا حرام ہیں جو نماز میں خلل انداز ہوں عورتیں بچے مسافر مساقی اور بیمار لوگ اس حکم سے علیحدہ ہیں کیونکہ ان پر جمعہ فرض نہیں لیکن یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں ان سارے دنوں میں دنیاوی کاروبار حرام تھے اور خاص کر شکار کرنا سخت جرم موسیٰ علیہ السلام سے کئی برس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت بحر قلزم کے کنارے شہر ایلہ میں رہتی تھی جو مدینہ منورہ اور شام کے درمیان ہے یہ لوگ مچھلی کے بہت شوقین تھے رب کی شان کہ ہر ہفتہ کے دن اس دریا میں بیشمار مچھلیاں نمودار ہوتی تھیں یا تو ان کے امتحان کے لئے یا اس مچھلی کی زیارت کے لئے جس کے پیٹ میں یونس علیہ السلام رہے تھے۔ (تفسیر روح البیان) باقی دنوں میں سب غائب ہو جاتی تھیں۔ ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور سوچنے لگے کہ کسی تدبیر سے ان کا شکار کرنا چاہئے جس سے شکار بھی ہو جائے اور ہفتہ کے دن کی بے حرمتی بھی نہ ہو۔ آخر ان عقلمندوں نے یہ حیلہ سوچا کہ دریا کے ارد گرد بہت سے گہرے غار کھود دیئے اور دریا سے اس غار تک نالیاں بنالیں۔ جمعہ کی شام کو ان نالیوں کا منہ کھول دیتے کہ پانی کے ساتھ مچھلیاں ان گڑھوں میں آجائیں اور اتوار کے دن ان گڑھوں سے پکڑ لیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم ہفتہ کو شکار نہیں کرتے انہوں نے وہ مچھلیاں خوب کھائیں اور فروخت کیں۔ جس سے یہ بڑے مالدار ہو گئے۔ چالیس یا ستر سال تک ان کا یہ عمل رہا یہ لوگ کل ستر ہزار تھے ان کی تین جماعتیں بن گئیں۔ ایک تو شکار کرنے والوں کی دوسرے اس سے منع کرنے والوں کی تیسرے خاموش رہنے والوں کی یہ لوگ کل بارہ ہزار تھے۔ باقی سب شکاری' جب شکاریوں نے ان کی نصیحت نہ مانی تو انہوں نے اپنے اور ان کے درمیان ایک دیوار بنا کر شہر کے دو حصے کر دیئے اور کہا کہ ہم ان کے ساتھ نہ رہیں گے کہ کہیں ہم پر عذاب نہ آجائے۔ یہاں تک کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ آگیا آپ نے ان کو شکار کرنے سے منع کیا اور فرمایا کہ اے بیوقوفو! قید کرنا ہی تو شکار ہے جیسے کوئی ہرن کو جال میں پھانس لے اس نے شکار کر لیا کھائے یا نہ کھائے اور کھائے تو آج ہی کھائے یا کبھی دوسرے وقت غرضیکہ ہفتہ کے دن تمہیں شکار کی ممانعت ہے نہ کہ فقط ہاتھ میں پکڑنے یا کھانے کی۔ اس سے باز آجاؤ ورنہ عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے شکاریوں نے کہا کہ ہم تو بہت عرصہ سے یہ کام کر رہے ہیں۔ اگر یہ برا ہوتا تو اب تک ہم کو امن کیوں ملتی تب داؤد علیہ السلام نے یہ دعا فرمائی۔ جس سے رب کا غضب آگیا اور رات میں یہ سب کے سب بندر' یا جوان لوگ بندر اور بوڑھے لوگ سور بنا دیئے گئے ان کے عقل و حواس تو باقی رہے مگر قوت گویائی جاتی رہی جسموں سے سخت بدبو نکلنے لگی۔ صبح کے وقت اس محلہ کے لوگوں نے دیکھا کہ نہ تو اس محلہ سے کوئی آدمی آتا ہے نہ کوئی آواز نہ دھواں وغیرہ نکلتا ہے تو یہ دیواروں پر چڑھ کر ان کے گھر میں داخل ہو گئے وہ بندر ان کو دیکھ کر ان کی طرف دوڑے اور ان کے قدموں سے لپٹنے لگے اور ان کے کپڑے سونگھتے اور روتے تھے ان لوگوں نے کہا کہ کیا ہم نے تمہیں شکار سے منع نہ کیا تھا وہ بندر سر ہلاتے اور آنسو ان کے رخساروں پر بہتے تھے اس حال پر ان کو تین روز گزرے اور چوتھے روز سب ہلاک کر دیئے گئے نہ کوئی باقی بچا اور نہ ان کی نسل چلی لوگوں میں یہ مشہور ہے کہ موجودہ بندر انہیں کی اولاد میں سے ہیں۔ غلط ہے ان سے پہلے بھی بندر تھے اور یہ

www.alahazratnetwork.org

موجودہ بندر ان پہلے بندروں کی اولاد سے ہی ہیں۔ کیونکہ صحیح روایت میں ہے کہ کوئی مسخ شدہ قوم تین دن سے زیادہ نہیں جیتی نہ کھاتی ہے نہ پیتی ہے نہ اس کی نسل چلتی ہے۔ (تفسیر عزیزی) اسی تفسیر عزیزی نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک دن حضرت عبداللہ ابن عباس سورہ اعراف میں یہ واقعہ پڑھ کر بہت رو رہے تھے ان کے شاگرد خاص حضرت عکرمہ نے رونے کا سبب پوچھا آپ نے فرمایا کہ قرآن کریم سے یہ تو معلوم ہوا کہ شکاریوں کو عذاب اور منع کرنے والوں کو نجات ہوئی مجھے خبر نہیں کہ خاموش رہنے والوں کا کیا حال ہوا۔ ممکن ہے کہ وہ بھی منع نہ کرنے کی وجہ سے عذاب میں مبتلا ہو گئے ہوں۔ آج بھی بہت لوگ بری باتوں سے روکنے میں سستی کرتے ہیں۔ عکرمہ نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ یہ بھی نجات پا گئے پوچھا کہ کیسے عکرمہ نے عرض کیا کہ تبلیغ احکام فرض کفایہ ہے (جیسے نماز جنازہ) کہ بعض کے کرنے سے کل سے ادا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ سب خاموش رہتے تو سب گنہگار ہوتے جب بعض نے تبلیغ کر دی سب بری الذمہ ہو گئے۔ حضرت ابن عباس سن کر بہت خوش ہوئے اور اٹھ کر عکرمہ کی پیشانی کو بوسہ دیا اور ان کو گلے سے لگایا اور اپنے پاس بٹھایا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے۔ جس پر عذاب بھی آجاتا ہے ہفتہ کے دن شکار کرنا ان کے لئے گناہ صغیرہ تھا۔ مگر ہمیشہ کرنے سے عذاب میں مبتلا ہو گئے۔ دوسرا فائدہ: کسی گناہ پر عذاب نہ آنا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں رب تعالیٰ کی پکڑ بہت مہلت سے ہوتی ہے ستر سال تک یہ یہودی شکار کرتے رہے مگر عذاب نہ آیا اور جب آیا تو تباہ کر گیا۔ تیسرا فائدہ: دوسروں کی مصیبتوں سے نصیحت حاصل کرنا چاہئے اور ان کے واقعات کی خبر رکھنا بھی ضروری ہے۔ قرآن کریم نے یہ ہی بتایا کہ ہم نے اس قصہ کو عبرت بنا دیا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

مرغ سوئے دانہ افراز چوں دگر مرغ بیند اندر بند
پند گیراز مصائب دگراں تانہ گیرند دیگراں ز تو پند

چوتھا فائدہ: خوشی کے وقت گلے ملنا معانقہ کرنا سنت صحابہ ہے اس کے لئے سفر سے آنا یا غائب ہونے کے بعد ملنا شرط نہیں دیکھو ابن عباس نے خوشی میں عکرمہ کو گلے لگایا رضی اللہ عنہما۔ لہٰذا عید کے دن گلے ملنا سنت سے ثابت ہے کہ یہ بھی خوشی کا موقعہ ہے۔ پانچواں فائدہ: بدکاروں سے دور رہنا چاہئے ورنہ ان کے ساتھ نیکو کاروں پر بھی عذاب آجائے گا۔ دیکھو نیک کاران شکاریوں سے علیحدہ ہو گئے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں اور جواریوں کے پاس کھڑے ہونے والے تماشائی بھی گرفتار ہو جاتے ہیں۔ چھٹا فائدہ: تبلیغ صرف عالموں پر ہی فرض نہیں بلکہ جس کو جو بھی مسئلہ معلوم ہو نا واقف کو ضرور بتا دے ورنہ گنہگار ہو گا دیکھو یہ منع کرنے والے سب علماء نہ تھے مگر ان پر تبلیغ فرض ہوئی اور تبلیغ ہی کی برکت سے عذاب سے بچے۔ ساتواں فائدہ: دوسرے کے گناہ سے راضی ہونا بھی گناہ ہے اور کفر سے راضی ہونا کفر اور بلا وجہ اس کی تردید نہ کرنا جرم جیسا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور عکرمہ کی تقریر سے ثابت ہوا کہ اگر کسی کو گناہ کرتے ہوئے دیکھے تو اگر طاقت ہو تو ہاتھ سے روکے ورنہ زبان سے منع کرے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو دل سے ہی برا سمجھ کر وہاں سے علیحدہ ہو جائے۔ آٹھواں فائدہ: حضور کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے اور حضور کی امت تمام امتوں سے افضل کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے صحابہ کا شکار سے امتحان لیا کہ ایک بار بحالت احرام شکاری جانور ان کے خیموں میں آئے مگر ان میں سے کسی نے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ رب

www.alahazratnetwork.org

فرماتا ہے۔ تنالہ ایدیکم نیز آج بھی حضور کی امت پر بحالت احرام شکار حرام بلکہ حرم شریف کا شکار ہمیشہ حرام۔ مگر بفضلہ تعالیٰ یہ امت اب تک مضبوطی سے اس پر کاربند ہے حتیٰ کہ حرم کے کبوتر حاجیوں کے پاس آجاتے ہیں بلکہ ان کے سر و بازو پر بیٹھ جاتے ہیں مگر انہیں کوئی چھیڑتا بھی نہیں یہ اللہ کا کرم ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حیلہ کرنا گناہ ہے کیونکہ ان بنی اسرائیلیوں نے شکار کا حیلہ ہی تو کیا تھا۔ جس سے عذاب میں گرفتار ہو گئے پھر علماء صدہا حیلے کیوں سکھاتے ہیں فقہ کی کتابیں حیلوں سے بھری ہوئی ہیں عالمگیری میں تو حیلہ کا علیحدہ باب باندھا۔ کتاب الحیل (عام نیچری) **جواب**: حیلہ سے حرام کو حلال کرنا بھی بنی اسرائیل پر عذاب الٰہی تھا جیسے کہ ان پر بعض گوشت حرام تھے ایسے ہی حیلہ شرعی بھی ورنہ خود قرآن کریم اور احادیث شریف میں شرعی حیلہ کی تعلیم دی۔ ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی تھی کہ اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا۔ جب قسم کو پورا کرنے کا وقت آیا تو رب نے ان کو تعلیم دی۔ **خذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث**۔ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مارو قسم نہ توڑو۔ اسی طرح احادیث میں بہت سے شرعی حیلوں کی تعلیم دی گئی۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو نیز کسی کا مال مارنے کسی کو دھوکہ دینے حرام کو حلال کرنے کے لئے حیلہ کرنا گناہ ہے مگر شرعی ضرورت پورا کرنے گناہ سے بچنے کے لئے حیلہ کرنا ستر ان اسرائیلیوں کا یہ حیلہ حرام کو حلال کرنے کا تھا۔ لہٰذا گناہ ہوا مثلاً "زکوٰۃ سے بچنے کا حیلہ کرنا گناہ ہے اور سید کو زکوٰۃ دینے یا مسجد میں لگانے کے لئے یہ حیلہ کیا جاوے کہ کسی فقیر کو دے دی جاوے اور وہ مالک بن کر اپنی طرف سے وہاں صرف کر دے تو عین ثواب ہے غرضیکہ حیلہ کا دار نیت پر ہے۔ **دوسرا اعتراض**: آپ کی تقریر سے معلوم ہوا کہ مسخ کی ہوئی قوم کی نسل نہیں چلتی حالانکہ حضور نے فرمایا کہ یہ موجودہ چوہے اونٹ کا دودھ نہیں پیتے شاید کہ یہ مسخ کئے ہوئے اسرائیلی ہوں معلوم ہوتا ہے کہ مسخ شدہ قوم کی نسل چل سکتی ہے تب ہی تو شک فرمایا گیا۔ **جواب**: یہ حدیث اس وقت کی ہے جب حضور علیہ السلام پر ظاہر نہ فرمایا گیا۔ ظاہر فرمانے پر وہ فرمایا جو ہم پیش کر چکے لہٰذا یہ حدیث گویا منسوخ ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کا بندر وغیرہ بن جانا ممکن ہے یہی تناسخ یا آواگون یا یونی چکر ہے اہل اسلام پھر اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں (آریہ)۔ **جواب**: یہاں صورتیں بدل گئیں تھیں نہ کہ روح اور نفس لہٰذا یہ مسخ ہوا نہ کہ تنخ، مسخ ممکن ہے اور تنخ ناممکن۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ مثلاً "انسان فقط اس ظاہری شکل و صورت چہرے مہرے کا نام نہیں ورنہ مردہ اور انسانی فوٹو کو بھی انسان کہا جاتا بلکہ انسان جسم اور نفس ناطقہ کے مجموعہ کا نام ہے پھر جسم میں بھی دو طرح کے اجزاء ہیں ایک تو اصلی جو کہ کبھی نہیں بدلتے دوسرے عارضی جو بدلتے رہتے ہیں۔ روح اور نفس کا بدلنا ناممکن ہے مگر جسم کی شکل ہمیشہ بدلتی رہتی ہے بچپن، بڑھاپے، بیماری، تندرستی، رنج و خوشی میں جسم کا رنگ روپ لاغری فربہی وغیرہ بدلتی رہتی ہے مگر اصلی اجزاء برابر باقی رہتے ہیں۔ جس کی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ ہی وہ بچہ ہے جو کہ جوان ہو گیا اور پیدائش سے پہلے اور موت کے بعد یہ اصلی اجزاء بھی دوسرے جسم میں نمودار تھے۔ مثلاً "پہلے نطفہ تھے اور بعد میں مٹی ہو جائیں گے یہاں ان اسرائیلیوں کے اصلی اجزاء اور نفس و روح وہی رہے حتیٰ کہ ہوش و عقل وغیرہ سب قائم رہے صرف شکل و صورت بدل گئی اور زبان میں طاقت گویائی نہ رہی جیسے کہ حضرت موسیٰ کا عصا۔ آواگون یہ ہے کہ اصلی اجزاء ظاہری شکل اور نفس و روح وغیرہ سب ہی بدل جاوے کہ انسان حقیقتہً "گدھا بن جاوے یہ محال ہے یوں سمجھو کہ مسخ تین

www.alahazratnetwork.org

قسم کا ہے۔(1) مسخ حقیقی جس میں حقیقت بدل جاوے (2) مسخ صوری جس سے ظاہری شکل بدلے۔ مسخ معنوی جس سے جسم کے اصلی اجزاء اور نفس کے صفات بدل جاویں مسخ حقیقی ناممکن اسی کا نام آواگون ہے اور یہاں یہ نہ ہوا بلکہ صرف مسخ صوری ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : جو کوئی احسان کی قدر نہیں کرتا اور منعم کی نعمت کا کفران کرتا ہے وہ اسی طرح بلاء خسران میں مبتلا ہوتا ہے اور عزت وصال سے نکل کر ذلت ہجران میں ڈال دیا جاتا ہے۔ گذشتہ امتوں کا عذاب جسمانی خسف و مسخ تھا لیکن اس امت کا عذاب روحانی اور نفسانی خسف و مسخ ہے یعنی پہلے جسم بدلتے تھے اور اب دل قرآن کریم فرماتا ہے **ونقلب افئدتهم و ابصارهم** یہ اس سے زیادہ سخت ہے جو شکل میں خنزیر بن گیا وہ پلیدی کھاتا ہے اور قلباً خنزیر حرام کھاتا ہے۔ قلب کے مسخ ہونے کی تین نشانیاں ہیں طاعت میں لذت نہ پانا۔ معصیت سے خوف نہ کرنا۔ کسی کی موت سے عبرت نہ کرنا۔ عوف بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ تین باتیں یاد رکھو جو شخص آخرت کے لئے کام کرے گا حق تعالیٰ اس کے دنیوی کام خود بخود بنادے گا۔ جو اپنا معاملہ اللہ کے ساتھ درست رکھے گا۔ حق تعالیٰ لوگوں کے ساتھ اس کا معاملہ درست فرمادے گا۔ جو اپنا باطن درست کرے گا اللہ اس کا ظاہر بھی درست فرمادے گا۔ محمد ابن قاسم علی ترمذی فرماتے ہیں کہ چار شخصوں کی چار موقعوں میں اصلاح ہوتی ہے بچوں کی کتاب میں۔ بدمعاشوں کی جیل خانہ میں عورتوں کی گھر میں۔ عمر رسیدہ مردوں کی مسجد میں۔ (تفسیر روح البیان)

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا
اور جبکہ فرمایا موسیٰ نے واسطے اپنی قوم کے تحقیق اللہ حکم فرماتا ہے تم کو کہ ذبح کرو
اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا خدا تمہیں حکم کرتا ہے کہ ایک گائے ذبح کرو
بَقَرَةً ۗ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۗ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ
تم ایک گائے انہوں نے کہا کیا بناتے ہیں آپ ہم کو مسخرا فرمایا موسیٰ نے پناہ لیتا ہوں میں اللہ کی
بولے آپ ہمیں مسخرہ بناتے ہیں فرمایا خدا کی پناہ کہ میں
اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝
یہ کہ ہوؤں میں جاہلوں میں سے
جاہلوں سے ہوؤں

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: بنی اسرائیل کی سرکشیاں بیان ہو رہی ہیں اس سے پہلے ایک سرکشی مذکور ہو چکی اب دوسری کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: اس سے پہلے بنی اسرائیل کی حیلہ سازیوں کا ذکر تھا جس سے کہ وہ حرام کو حلال بنانے کی کوشش کرتے تھے اب ان کی کج بحثی اور حجت بازی کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: اس

www.alahazratnetwork.org

سے پہلے حیلہ سازی کے عذاب بیان ہوئے اب حجت بازی کا نتیجہ بتایا جا رہا ہے کہ زیادہ کج بحثی سے سختی بڑھتی ہے۔ چوتھا تعلق: اس سے پہلے بنی اسرائیل کی داؤد علیہ السلام سے مخالفت کا ذکر تھا جس کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ زمانہ موسیٰ علیہ السلام کے دور ہونے کی وجہ سے یہ ہوا۔ اب خود موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے واقعہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہودی اصل سے ہی سرکش ہیں۔

تفسیر: **واذ قال موسیٰ** یہاں بھی وہی فعل پوشیدہ ہے یعنی اے اسرائیلیو! وہ واقعہ یاد کرو یا اے نبی علیہ السلام ان کو یاد دلاؤ۔ واقعہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی بڑا مالدار تھا اور لاولد تھا۔ اس کے بھتیجا زاد بھائی نے میراث کے لالچ میں اس کو قتل کر کے دوسری بستی کے دروازہ پر ڈال دیا اور صبح کے وقت خود اس کے خون کا مدعی بن کر موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں آیا اور اس بستی والوں پر خون کا دعویٰ کر کے ان سے خون بہا (یعنی جان کا بدلہ لینا چاہا) موسیٰ علیہ السلام نے اس محلہ والوں سے پوچھا۔ انہوں نے صاف انکار کیا اور وہاں کے لوگوں نے درخواست کی کہ آپ دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ حقیقت ظاہر فرمائے آپ نے دعا فرمائی تب آپ پر وحی آئی جس کا مضمون آپ نے ان لوگوں کو سنایا اسی کا یہاں ذکر ہے۔ **لقومہ** قوم کے لفظی معنی اور اس کے اقسام ہم پہلے بتا چکے ہیں یہاں بعض قوم مراد ہے جنہوں نے دعا کی درخواست کی تھی نہ کہ سارے بنی اسرائیل **ان اللہ یامرکم** ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم وجوبی تھا۔ کیونکہ یا تو اس وقت تک قسامت (جن کے محلہ میں مقتول پایا جائے ان سے پچاس قسمیں لینا) کے احکام نہ آئے تھے اور یا آپ نے معلوم قسم نہ لی بہرحال یہ فعل قسامت کا قائم مقام تھا اور قسامت واجب لہٰذا یہ بھی واجب کم میں یا تو وارث اس کے اہل قرابت سے خطاب ہے کیونکہ وہ مدعی تھا اور دعویٰ کا ثبوت اس کے ذمہ تھا یا محلہ والے مسلمین سے کیونکہ ان پر شبہ تھا۔ جس سے بری ہونے کا ثبوت ان کے ذمہ تھا یا دعا کرنے والوں سے یا ساری اس قوم سے **ان تذبحوا** یہ ذبح سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں حلقوم اور اس کے اطراف کی رگیں چوڑائی میں کاٹ کر جان نکالنا ان کو لمبائی میں چیرنے کا نام نحر ہے۔ گائے اور بکری وغیرہ کو ذبح کرنا بہتر ہے اور اونٹ کو نحر **فصل لربک وانحر**۔ **بقرۃ** بقر کے لفظی معنی ہیں چیرنا اور پھاڑنا۔ گائے کو اس لئے بقر کہتے ہیں کہ اس کا زکھیتی باڑی کے لئے زمین کو پھاڑتا ہے۔ اس لئے بڑے عالم کو باقر العلوم کہتے ہیں یہاں اس سے فقط مادہ گائے مراد ہے اور نر کو بھی شامل۔ خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ رب کا حکم ہے کہ کوئی سی گائے ذبح کر کے اس کا پارہ گوشت مقتول پر مارو۔ جس سے وہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتاوے گا۔ یہ بات ان کی سمجھ میں نہ آئی وہ کہنے لگے **قالوا اتتخذنا ھزوا** یا تو ان سب نے کہا تھا یا ان میں سے بعض نے ھزو مصدر ہے جس کے معنی ہیں دل لگی اور مذاق کرنا۔ یہاں اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی مسخرویا نث جیسے **فاتخذتموھم سخریا** وہ کہنے لگے کہ آپ ہم کو مسخرہ بنا کر مذاق کر رہے ہیں کہ ہم تو کہتے ہیں۔ قاتل کا پتہ لگائیے اور آپ کہتے ہیں کہ گائے ذبح کرو۔ اس جواب کو ہمارے سوال سے کیا تعلق **اعوذ باللہ** موسیٰ علیہ السلام کہنا یہ چاہتے تھے کہ میں مذاق نہیں کرتا لیکن اس کو اس عمدہ طریقہ سے بیان فرمایا جس سے اپنے منہ اپنی تعریف نہ ہو بلکہ رب کے کرم کا ظہور ہو۔ **ان اکون من الجھلین** یعنی بے ربط جواب دینا یا شرعی فیصلہ کے وقت مذاق و دل لگی کرنا یا کسی کو مسخرہ بنا کر اس کو ذلیل کرنا جاہلوں کا کام ہے انبیاء کی شان اس سے بالا ہے میں رب کی پناہ مانگتا ہوں کہ اس قسم کی حرکت کر کے جہلاء کے زمرہ میں ہو جاؤں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : یہ دوسری عدول حکمی و سرکشی اور اس کے نتیجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ بنی اسرائیل خود موسیٰ علیہ السلام سے سرتابیاں اور معمولی حکم میں نکتہ چینیاں کر کے خود مشقت میں پڑتے تھے اے اسرائیلیو اپنے باپ دادوں کا وہ قصہ یاد کرو جب کہ وہ ایک قتل کا مقدمہ لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تھے اور چاہتے تھے کہ قاتل کا پتہ لگ جائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے خود نہ بتایا بلکہ ایک تدبیر پیش کر دی کیونکہ اگر وہ خود قاتل کا پتہ دے دیتے تو یہ بیباک قوم ان کو طرف داری کا بہتان دے دیتی۔ اس لئے آپ نے معجزے سے مقتول کو زندہ فرمانا چاہا تاکہ وہ اپنی زبان سے قاتل کا پتہ دے نیز قصاص کے لئے وارث کا دعویٰ ضروری ہے آپ نے چاہا کہ مقتول خود زندہ ہو کر مدعی بنے تاکہ قاتل سے قصاص لیا جاسکے چونکہ بیل اور گائے کو زمین کے تیار کرنے اور درختوں کے لئے جوتنے بونے اور پانی دینے میں بہت دخل ہے۔ اس لئے یہاں گائے کا انتخاب ہوا اگرچہ یہ بھی ممکن تھا کہ زندہ گائے مقتول کے جسم سے لگا کر اس کو زندہ کر دیا جاتا۔ مگر یہاں تو عجیب معجزہ دکھانا منظور تھا کہ مردہ گائے مردہ کو زندہ کرے اس لئے یہ تجویز ہوئی چاہئے تو یہ تھا کہ یہ لوگ حکم پاتے ہی کوئی سی بھی گائے ذبح کر ڈالتے اور تعمیل ارشاد میں دیر نہ لگاتے جس سے نہایت آسانی سے چھوٹ جاتے اور مقدمہ اتنا طول نہ پکڑتا۔ مگر انہوں نے کج بحثی کر کے خود اپنے پر بہت سی پابندیاں لگالیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسمٰعیل سے کہا تھا کہ میں نے خواب میں تم کو ذبح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ انہوں نے اپنے کو ذبح کرانے میں کوئی حجت نہ کی اور یہ نہ کہا کہ یہ تو خواب ہے بلکہ اپنی قربانی فوراً پیش کر دی۔ ان بے وقوفوں نے ایک گائے ذبح کرنے کے لئے اپنے پیغمبر سے اتنی حجت کی کہ کہہ دیا کہ آپ ہم کو مسخرہ بنا کر دل لگی کر رہے ہیں۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام نے ہمارے واسطے سے اپنی برات ظاہر کی کہ دل لگی کرنا جہلا کا کام ہے۔ میں پیغمبر ہوں (تفسیر عزیزی)

گائے کا قصہ : بنی اسرائیل میں ایک نیک شخص تھا جس کا ایک چھوٹا سا بیٹا تھا اس نے ایک بچھیا بڑی محبت سے پالی تھی جب اس کی موت کا وقت قریب آیا تو بچھڑی لے کر جنگل میں پہنچا اور دعا کی کہ اے مولیٰ یہ گائے تیرے سپرد کرتا ہوں جب میرا بیٹا جوان ہو تو اس کو لے لے یہ تو مر گیا مگر اس کی گائے جنگل میں اور اس کا بیٹا ماں کے پاس پرورش پاتا رہا یہ لڑکا نہایت سعادت مند اور فرمانبردار تھا ایک روز اس کی والدہ نے کہا کہ تیرے باپ نے فلاں جنگل میں خدا کے نام پر ایک بچھڑی چھوڑی ہے جو کہ اب جوان ہو گئی ہوگی اس میں فلاں فلاں علامتیں ہیں تو جا اور اس کو پکڑ لا۔ لڑکا گیا اور ماں کی بتائی ہوئی علامتوں سے اس کو پکڑ لیا۔ ماں نے کہا اس کو بازار میں لے جا کر تین اشرفیوں میں فروخت کر دے مگر جب سودا ہو تو پھر مجھ سے اجازت لے لینا یہ شخص گائے کو بازار میں لایا ایک فرشتہ بشکل خریدار آیا اور اس نے قیمت پوچھی لڑکے نے کہا۔ تین اشرفیاں مگر والدہ کی اجازت شرط ہے فرشتہ بولا کہ چھ اشرفیاں لے لے مگر ماں سے نہ پوچھ لڑکے نے کہا اگر تم اس کے برابر سونا بھی دو تب بھی ماں سے پوچھے بغیر نہ بیچوں گا۔ غرضیکہ لڑکا اپنی ماں کے پاس آیا تو اسے سارا واقعہ سنایا ماں نے کہا کہ جا چھ میں بیچ دے مگر سودا ہونے پر پھر مجھ سے پوچھ لینا۔ لڑکا پھر بازار میں لایا وہی فرشتہ پھر ملا اور کہنے لگا بارہ اشرفیاں لے لے مگر ماں سے نہ پوچھ لڑکا نہ مانا پھر آکر اپنی والدہ کو یہ ماجرا سنایا۔ وہ بڑی عقلمند تھی کہنے لگی شاید یہ کوئی فرشتہ ہے جو تیری آزمائش کے لئے آتا ہے۔ اگر اب ملے تو اس سے پوچھ لینا کہ ہم گائے فروخت کریں یا نہ کریں لڑکے نے یہی کیا فرشتے نے جواب دیا کہ اپنی والدہ سے کہنا کہ ابھی اس کو روکے رہو عنقریب بنی اسرائیل کو اس کی ضرورت پڑے گی موسیٰ علیہ السلام اس کو خریدیں گے اور اس سے ایک بڑا معجزہ ظاہر ہوگا۔ جب وہ لوگ خریدنے آئیں

www.alahazratnetwork.org

تو اس کی قیمت یہ مقرر کرنا کہ اس کی کھال کو سونے سے بھر دی جائے۔ لڑکا گائے کو گھر لایا اور پھر وہ واقعہ در پیش آیا جس کا یہاں ذکر ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ بزرگوں کے فرمان پر اپنے عقلی ڈھکوسلے نہ چلائے بلکہ بلا دلیل مان لے ورنہ مشکل میں پڑ جائے گا' جیسا کہ یہاں ہوا چاہئے یہ کہ ان کے فرمان پر اپنی عقل بلکہ اپنے حواس سے بھی زیادہ اعتماد کرے۔ **دوسرا فائدہ:** اپنے حلال مقصد کے لئے جانوروں کو تکلیف دینا بلکہ ذبح کرنا بھی جائز ہے جیسا کہ اس موقع پر کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے اور شریعت میں جس چیز پر کوئی پابندی نہ ہو اس میں پابندی نہ لگانا چاہئے اگر یہ لوگ کوئی بھی گائے ذبح کر لیتے تو کام چل جاتا۔ **چوتھا فائدہ:** یہ کہ بزرگوں سے زیادہ سوالات کرنا بھی خرابی میں ڈال دیتا ہے۔ قرآن کریم نے فرمایا **لا تسئلوا عن اشياء ان تبدلكم تسؤكم** اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب اپنا شیخ کوئی وظیفہ یا عمل بتائے تو اس میں پوچھ پوچھ کر پابندیاں مت لگاؤ بلکہ آزادی سے کر ڈالو۔ **پانچواں فائدہ:** یہ کہ احکام الٰہی میں تبدیلی بھی ہو سکتی ہے اور تغیر بھی دیکھو ان کو پہلے مطلق گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ پھر ان کے سوالات سے وہ گائے خاص کر دی گئی۔ **چھٹا فائدہ:** یہ کہ جو اپنے بال بچوں کو اللہ کے سپرد کر دے تو اللہ اس کی عمدہ پرورش فرماتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** جو اپنا مال اللہ کے بھروسہ پر اس کی امانت میں دے اللہ اس میں برکت دیتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** ماں باپ کی فرمانبرداری حق تعالیٰ کو بہت پسند ہے علماء فرماتے ہیں کہ دوسرے نیک اعمال کا بدلہ آخرت میں ملے گا لیکن والدین کی اطاعت کا بدلہ دنیا و آخرت دونوں جگہ ملتا ہے۔ **نواں فائدہ:** فیض ربانی خیرات و قربانی کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ **دسواں فائدہ:** راہ خدا میں نفیس مال دینا چاہئے۔ **گیارہواں فائدہ:** گائے کی قربانی بہت افضل ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام نے ان کو گائے کی قربانی کا حکم دیا نہ کہ دوسری چیز کا نیز زمین گائے کے سینگ پر ہے نیز ابراہیم علیہ السلام نے فرشتوں کے سامنے گائے کا گوشت ہی پیش فرمایا۔ **وجاء بعجل حنيذ** نیز جنت کی پہلی غذا گائے کی کلیجی اور مچھلی کا گوشت ہوگا۔ نیز مشرکین گائے کی عبادت کرتے ہیں۔ اس کو ذبح کر دینے میں شرک کی حقارت ہے جیسے کہ قیامت میں چاند و سورج جہنم میں بھیجے جائیں گے۔ مشرکین کی ذلت کے لئے۔ **بارہواں فائدہ:** کسی کو مذاق سے پریشان کرنا یا مسائل شرعیہ میں دل لگی کرنا یا مقدمہ کے فیصلہ کے وقت مذاق کرنا جہالت ہے انبیاء کرام اس سے معصوم ہیں۔ **تیرہواں فائدہ:** پیغمبروں کا فرمان ہر حال ماننا چاہئے۔ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ان کے فرمانوں کو غلطی یا دل لگی پر محمول کرنا بے دینوں کا طریقہ ہے۔ **چودھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی میراث محفوظ رکھتا ہے اور وارثوں کو پہنچا دیتا ہے۔ دیکھو اطاکہ کے ایک صالح شخص کا مال زیر دیوار دفن تھا دیوار گری جاتی تھی۔ رب نے اس کی مرمت کے لئے حضرت خضر کو بھیجا لہٰذا اگر باغ فدک وغیرہ حضور کی میراث اور آپ کی اولاد کا حق ہوتا تو اللہ تعالیٰ ضرور انہیں دلواتا کوئی ظالم قبضہ نہ کرتا معلوم ہوا کہ وہ میراث تھا ہی نہیں بلکہ وقف تھا جیسے حضور کی دوسری املاک آپ کے بعد وقف ہوئیں حتیٰ کہ مکان شریف بھی روضہ بن گیا جو وقف ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض : اس مقصد کے لئے گائے کا گوشت ہی کیوں تجویز ہوا دوسرے جانوروں سے بھی یہ کام نکل سکتا ہے۔
جواب: اس کی بہت سی حکمتیں خلاصہ تفسیر اور فوائد میں بیان ہو چکیں چند وجہ اور بھی ہیں۔ (1) بنی اسرائیل بچھڑے کی

www.alahazratnetwork.org

پرستش کر چکے تھے اور ان کے دل میں اب تک کسی قدر اس کی عظمت تھی وہ توڑنے کے لئے اس کے ذبح کا حکم دیا گیا۔ (2) اس میں ایک سعادت مند اور والدہ کی اطاعت کرنے والے بچہ کا بھلا بھی تھا کہ اس کی گائے بہت قیمت سے فروخت ہوگئی۔ **دوسرا اعتراض:** اپنے نفع کے لئے بے قصور جانور کی جان لینا ظلم ہے اور خدا تعالیٰ ظلم نہیں کرسکتا۔ (آریہ) **جواب:** جانور وغیرہ انسان ہی کے نفع کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ پنڈت جی بھی چمڑے کے جوتے اور گائے بھینس کا دودھ دہی استعمال کرتے ہیں بلکہ اب تو سائنس نے بتا دیا ہے کہ ہوا اور پانی میں صدہا جانور ہیں جو ناک اور منہ کی راہ انسان کے پیٹ میں جاتے رہتے ہیں پنڈت جی کو چاہئے کہ پانی پینا اور سانس لینا چھوڑ دیں۔ نیز تمام سبزیوں میں بھی جان ہے وہ بھی نہ کھانی چاہئیں پنڈت جی دنیا کا نظام ایسے ہی قائم ہے۔ کہ بعض جان بعض جان کو کھا کر زندگی گزارتی ہیں بڑی مچھلی چھوٹی کو شکاری جانور دوسروں کو کھا کر ہی زندہ رہتے ہیں۔ دواؤں میں صدہا جانوروں کے گوشت و چربی کام آتے ہیں۔ جنہیں پنڈت صاحبان بخوبی فروخت کرتے اور استعمال کرتے ہیں اسلام فطری دین ہے اس کے سارے احکام بھی فطرت کے موافق ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ گائے کا گوشت بیماری ہے اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی نہ کھایا اور صوفیاء کرام چلوں میں اور اطباء بیمار کو اس سے سخت منع کرتے ہیں لہٰذا اس سے بچنا سخت ضروری ہے (کتاب خون کے آنسو) **جواب:** یہ حدیث روح البیان پارہ آٹھ سورہ انعام میں زیر آیت **وهم بربهم يعدلون** میں ہے پوری حدیث یہ ہے کہ گائے کا دودھ و گھی استعمال کرو اور اس کے گوشت سے بچو کیونکہ اس کے دودھ اور گھی میں شفا ہے اور گوشت میں بیماری ہے اس حدیث سے تو یہ معلوم ہو رہا ہے کہ گائے کا گوشت گائے کے گھی کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے کہ اس کی اصلاح اس میں ہے یعنی گائے کا گوشت خوب کھاؤ۔ مگر اس میں گائے کا گھی ڈال لیا کرو۔ اور کھا کر گائے کا دودھ بھی پی لیا کرو۔ نیز ملک عرب کی آب و ہوا خشک ہے اور یہ گوشت بھی خشک، ہو سکتا ہے وہاں کے لئے مفید نہ ہو۔ ورنہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جنت میں یہ ہی پہلی غذا ہوگی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مہمان فرشتوں کو یہ ہی پیش فرمایا نیز اس کی قربانی کا قرآن کریم نے بھی حکم دیا **والبدن جعلنها لكم من شعائر الله** اس کی تحقیق اسی آیت کے ماتحت انشاء اللہ ہوگی۔ حضور علیہ السلام نے حجۃ الوداع میں اپنی ازواج پاک کی طرف سے گائے کی قربانی فرمائی اور اس کا شوربا استعمال فرمایا تو کیا بیماری کی چیز سے قربانی فرمائی صوفیاء کرام چلوں میں صرف گائے کا ہی نہیں بلکہ سارے گوشتوں سے پرہیز کرا کر ترک حیوانات کامل کراتے ہیں بلکہ دودھ گھی تیل وغیرہ سے بچاتے ہیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ نفس دنیاوی لذتیں چھوڑ کر مردہ ہو جاوے۔ رہا اطباء کا اس گوشت سے منع فرمانا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ گوشت گائے کا نہایت قوی اور عمدہ غذا ہے اسے قوی معدہ والا تندرست ہی ہضم کر سکتا ہے جیسے کہ سیب و دیگر مقویات بیمار برداشت نہ کر سکے گا۔ حکیم صاحب بیماروں کو تو اس سے بچاتے ہیں خود روزانہ سیروں کھا جاتے ہیں نیز اگر گائے ذبح نہ ہو تو ان کی کثرت سے آدمی کی زندگی دشوار ہو جاوے گی تمام زمین میں یہ ہی ہو جاویں گی اور تمام پیداوار یہ ہی ہضم کر جائیں گی اب صرف ہندوستان میں پچیس ہزار روزانہ ذبح ہوتی ہیں تب بھی کثرت کا یہ حال ہے اگر ان کا ذبیحہ بند ہو گیا تو پنڈت جی کو بھی کھا جائیں گی۔ انشاء اللہ ذبیحہ گائے کی بحث سورہ حج میں بھی کی جائے گی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مذاق اور دل لگی کرنا جاہلوں کا کام ہے حالانکہ قرآن فرماتا ہے۔ **الله يستهزئ بهم** رب بھی مذاق کرتا ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ نبی علیہ السلام بھی خوش طبعی فرماتے تھے۔ مشکوۃ شریف میں حضور علیہ السلام کی خوش طبعی کا ایک باب مقرر کیا باب المزاح **جواب:** اس آیت

www.alahazratnetwork.org

میں مشرکین کی سزا کو استہزاء فرمایا گیا جس کی تفسیر وہاں ہی ہو چکی یعنی اللہ تعالیٰ ان بدبختوں کو استہزاء کی سزا دے گا نہ یہ کہ رب تعالیٰ ان سے مذاق دل لگی کرتا ہے جیسے فرمایا گیا جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا برائی کا بدلہ برائی ہے حالانکہ بدلہ تو برائی نہیں بدلہ لینا تو اچھا ہے حضور علیہ السلام نے مزاح فرمایا ہے نہ کہ استہزاء مزاح خوش طبعی اور دل خوش کرنے والی باتوں کو کہتے ہیں اور استہزاء کسی کو بے وقوف بنانے اور اس کو دل لگی کر کے پریشان کرنے کا نام ہے۔ استہزاء منع ہے اور کبھی کبھی مزاح (خوش طبعی) جائز بلکہ بہتر ہے اس کی تفسیر صوفیانہ اخیر قصہ میں کی جائے گی۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

کہا انہوں نے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے بیان کرے واسطے ہمارے کیا ہے وہ کہا تحقیق وہ فرماتا ہے تحقیق وہ

بولے اپنے رب سے دعا کیجیے کہ وہ ہمیں بتادے گائے کیسی ہے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک

بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا

ایک گائے ہے نہ تو عمر رسیدہ اور نہ بچھیا نصف ہے درمیان اس کے پس کرو تم وہ جو

گائے ہے نہ بوڑھی ہے اور نہ اوسر بلکہ ان دونوں کے بیچ میں ہے تو کرو جس کا

مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿۶۸﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا

حکم دیے جاتے ہو تم وہ بولے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے بیان فرمائے واسطے ہمارے

حکم ہوتا ہے بولے اپنے رب سے دعا کیجیے ہمیں بتادے اس کا رنگ کیا ہے

قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ

کیا ہے رنگ اس کا فرمایا تحقیق رب فرماتا ہے وہ ایک گائے ہے پیلی خالص ہے رنگ اس کا

کہا وہ فرماتا ہے وہ ایک پیلی گائے ہے جس کی رنگت ڈہڈہاتی ہے

النّٰظِرِيْنَ ﴿۶۹﴾

خوش کرتی ہے دیکھنے والوں کو

دیکھنے والوں کو خوشی دیتی ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پہلے موسیٰ علیہ السلام کے فرمان کا ذکر ہوا تھا اب ان اسرائیلیوں کے آمادگی عمل کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پہلی آیت کے مضمون سے شبہ ہو سکتا تھا کہ وہ اسرائیلی اطاعت حکم پر تیار نہ ہوئے بلکہ سرکشی کرتے رہے اب وہ شبہ دور کیا جارہا ہے کہ وہ اطاعت تو کرنے پر راضی ہوئے مگر بہت حیل و حجت

www.alahazratnetwork.org

کے بعد۔

تفسیر: قالوا چونکہ ان اسرائیلیوں کو اس سے بہت ہی حیرت تھی اس لئے وہ سمجھے کہ ہر گائے میں مردہ زندہ کرنے کی تاثیر نہیں یہ تو کوئی خاص گائے ہی ہوگی۔ اس لئے وہ اس گائے کی نشانیاں پوچھ پوچھ کر مقرر کرانے لگے یہ نہ سمجھے کہ یہ گائے کا کام نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہے یا قاتل اور اس کے ورثا نے اپنی رسوائی کے خوف سے اس قسم کی حجت بازیاں شروع کر دیں تاکہ بحث میں پڑ کر یہ معاملہ رفع دفع ہو جاوے (تفسیر کبیر) لہٰذا آیا تو ان سب لوگوں نے کہا یا قاتل اور اس کے ساتھیوں نے دوسری صورت میں یہ قالوا برائی کے لئے ہے کیونکہ ملزم و ظالم کو سزا سے چھوڑانے کی کوشش کرنا ایسا ہی جرم ہے جیسے بے قصور کو سزا دلوانا شرعاً" و قانوناً" یہ ناقابل معافی جرم ہے۔ ادع لنا ہمارے لئے دعا کرو لنا سے یہ کہہ رہے ہیں کہ یہ سوال ہماری تسلی کے لئے ہے آپ کو تو پہلے ہی سے تشفی ہے ربک اپنے رب سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اس لئے نسبت کیا کہ وہ ان پر مہربان ہے اور ان کی سنتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ کسی مقبول بارگاہ سے دعا کرانا بہتر ہے۔ بعض عوام بزرگ کے آستانہ پر کہتے ہیں میری تیرے آگے اور تیری رب کے آگے یعنی میری التجا تیرے آگے ہے اور تیری التجا رب سے اس گفتگو کو بعض لوگ شرک کہتے ہیں مگر غلط ہے اس گفتگو کا ماخذ یہ آیت ہے کہ اسرائیلی کہتے تھے اے موسیٰ علیہ السلام رب سے ہماری یہ التجا پیش کرو رب فرماتا ہے۔ اے کلیم اپنی قوم سے یہ فرمادو۔ نبی رب و مربوب کے درمیان وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ ایکسچینج ٹیلی فون والے کا ایک تعلق دور والے سے ہوتا ہے اور ایک قریب والے سے کہ یہ دور والے کی گفتگو سن کر قریب والے کو سناتا ہے۔ یبین لنا ماھی ہمیں واضح کر کے بتاوے کہ وہ گائے کیا ہے کیسی ہے۔ خیال رہے کہ لفظ ما ھی حقیقت دریافت کرنے کے لئے بولا جاتا ہے مگر یہاں صفات اور علامات پوچھنے کے لئے ہے جیسے کہتے ہیں زید کیا ہے یعنی طبیب ہے یا عالم یا شاعر۔ اسی طرح کہا گیا کہ وہ گائے کیا ہے۔ یعنی چھوٹی ہے یا بڑی۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ یہاں ما ھی سوال حقیقت کے لئے ہے گائے بہت سی قسم کی ہیں۔ جنگلی گائے جسے نیل گائے کہتے ہیں پہاڑی گائے جسے سور گائے کہتے ہیں۔ دریائی گائے اور عام پالنے کی گائے وہ سمجھے کہ ان چار گایوں میں زندہ کرنے کی تاثیر نہیں شاید علم الٰہی میں ان کے سوا اور کوئی گائے بھی ہوگی کہ جس میں یہ تاثیر ہو چونکہ لفظ بقرۃ چند قسم کی گائیوں کو شامل تھا۔ جن میں سے ہر ایک کی نوعیت علیحدہ تھی اس لئے انہوں نے ماھی کہا مگر چونکہ یہی دودھ کی گائے مقصود تھی۔ اس لئے جواب میں اس کے صفت بتائے گئے نہ کہ حقیقت اس تفسیر سے منطقی اور نحوی سارے اعتراض اٹھ گئے قال انہ یقول یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی اور رب نے وحی کی تب آپ نے قوم سے فرمایا کہ رب فرما رہا ہے گائے سے کوئی خاص قسم کی گائے مراد نہیں بلکہ انھا بقرۃ یہی دودھ والی عرفی گائے مراد ہے حکم میں تو کوئی مقرر نہ تھی جو تم چاہتے ذبح کر دیتے مگر علم الٰہی میں معین ہے کہ وہ گائے لا فارض ولا بکر نہ تو بڈھی ہے اور نہ بالکل نوجوان یعنی بیکار نہیں کام کاج کے قابل ہے۔ الفارض فرض سے بنا ہے جس کے معنی ہیں۔ قطع کرنا اور انتہا تک پہنچ جانا نماز پنجگانہ کو اسی لئے فرض کہتے ہیں کہ ان کا حکم قطعی اور انتہائی ہے جس میں کوئی گنجائش نہیں لفظ بکر کے معنی ہیں شروع اور نئی اس لئے کنواری عورت کو باکرہ اور پہلے پھل کو باکورہ کہتے ہیں اور صبح کے وقت کو بکرہ کہتے ہیں۔ بکرۃ واصیلا بکر عورت وہ ہے جس تک مرد نہ پہنچا ہو اور بکر گائے وہ جس نے بچہ نہ دیا ہو یا فقط ایک بار دیا ہو

www.alahazratnetwork.org

عوان بین ذلک اس کے درمیان ہی یعنی ادھیڑ اگرچہ پہلے کلام سے ادھیڑ ہونا ظاہر ہو گیا تھا مگر چونکہ وہ حجت باز کہتے کہ نہ معلوم بالکل بچی مراد ہے یا قریب جوان یا قریب بڑھاپے اور جوانی کے بالکل درمیانی ہونی چاہئے۔ **ذلک** کا اشارہ فارض اور بکر دونوں کی طرف ہے اس لئے اس پر **بین** داخل ہو گیا۔ **فافعلوا ما تؤمرون** یا تو رب کا کلام ہے یا موسیٰ علیہ السلام کا اس میں لطیف اشارہ اس جانب بھی ہے کہ اے اللہ کے بندو محقق نہ بنو ورنہ مشکل میں پڑ جاؤ گے بلکہ جس کا حکم ملا ہے فوراً کر ڈالو اور عجائبات قدرت سے کچھ تعجب نہ کرو جونسی گائے ذبح کرلو گے رب اس میں یہ تاثیر پیدا کردے گا مگر اس پر بھی ان کی تشفی نہ ہوئی اور پھر سوال کرنے لگے کہ **قالوا ادع لنا ربک** ہم یہ تو سمجھ گئے لیکن اپنے رب سے یہ اور پوچھ لو کہ **یبین لنا ما لونہا** ہمیں بتا دے اس کا رنگ کیسا ہے شاید اس کے رنگ میں تاثیر ہو تب **قال انہ یقول** یہاں بھی وہی عبارت پوشیدہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب سے دعا کی اور ادھر سے وحی آئی تب آپ نے قوم سے فرمایا رب فرماتا ہے کہ **انہا بقرۃ صفراء** کہ وہ پیلے رنگ کی ہے حضرت وہب فرماتے ہیں کہ ایسی تیز پیلی ہے کہ گویا اس میں سے آفتاب کی شعاعیں نکل رہی ہیں اسی لئے اس گائے کا نام مذہبہ تھا یعنی خوبصورت سنہری چونکہ صفراء کالی کو بھی کہہ دیا کرتے ہیں جیسے **کانہ جمالتہ صفر** اس وہم کو دفع کرنے کے لئے فرمایا گیا **فاقع لونہا** اس کی زردی خالص اور تیز ہے فاقع فقع سے بنا ہے جس کے معنی ہیں تیز ہونا اور خالص ہونا یعنی وہ گائے تیز پیلی اور خالص پیلی ہے کہا گیا ہے کہ اس کے سینگ اور کھر بھی پیلے تھے۔ (تفسیر روح البیان) اس کے باوجود ڈیل ڈول وغیرہ میں بدنما نہیں بلکہ **تسر الناظرین** دیکھنے والوں کو پسند آتی ہے اور اس کو دیکھ کر اپنے غم بھول جاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو اطمینان دلایا کہ یہ تمسخر کی باتیں نہیں بلکہ حکم الٰہی ہے تو وہ سمجھے کہ مردہ زندہ کرنے کی تاثیر کسی خاص گائے کے گوشت میں ہو گی۔ اسی کے ذبح کرنے کا حکم ہو گا اس لئے انہوں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام رب سے دعا کرو اس اجمال کی تفصیل فرمائے اور اس گائے کو مقرر کرے کہ وہ کیسی ہے تب آپ نے ارشاد فرمایا کہ وہ گائے ادھیڑ عمر کی ہے نہ تو بڑھیا ہے اور نہ بالکل چھوٹی بچھیا بلکہ اس کے درمیانی اے قوم والو جو حکم ملا ہے کر گزرو۔ زیادہ تحقیقات میں نہ پڑو۔ مگر پھر بھی وہ نہ سمجھے کیونکہ معجزے کی طرف ان کا خیال نہ گیا بلکہ یہ ہی سمجھتے رہے کہ کوئی عجیب ہی گائے ہو گی کہ جس کے گوشت میں یہ تاثیر ہے تو وہ بولے کہ اب یہ دعا کرو کہ ہمیں اس کا رنگ بتا دیا جائے تو آپ نے فرمایا کہ وہ پیلی گائے ہے اس کا رنگ تیز ہے دیکھنے والوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہے غرضکہ ان کی جس قدر تفتیش بڑھتی گئی اس قدر اس طرف سے زیادہ پابندی آتی گئی۔

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: یہ کہ اللہ کی راہ میں بہتر چیز خرچ کرنی چاہئے اور اچھے جانور کی قربانی کرنی چاہئے کیونکہ جب انہوں نے اس گائے کے حالات دریافت کئے تو عمدہ گائے کی طرف ان کو ہدایت کی گئی۔

دوسرا فائدہ: خالص پیلا رنگ خوشی پیدا کرتا ہے اور غموں کو دور کرتا ہے۔ تفسیر عزیزی اور روح البیان نے اس جگہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے کہ جو شخص پیلے رنگ کے جوتے پہنے انشاء اللہ اس کے غم دور ہوں گے اور وہ خوش و خرم رہے گا اور بعض روایتوں میں ہے کہ جو کوئی لگاتار پیلے جوتے کے سات جوڑے پہنے وہ انشاء اللہ رنج سے نجات پائے۔ عبداللہ ابن زبیر اور دیگر بزرگوں نے سیاہ رنگ کا جوتہ منع فرمایا کیونکہ اس سے رنج و غم پیدا ہوتا ہے۔ خیال

www.alahazratnetwork.org

رہے۔ سرخی اور زردی سیاہی سفیدی اور سبزی ان پانچ رنگوں کے جدا جدا خاصے ہیں۔ سرخی میں جمال ہے زردی میں خوشی۔ سبزی میں بزرگی سفیدی میں خوبی افضلیت اور سیاہی میں دہشت و رنج و غم (تفسیر عزیزی) اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہر سیاہ چیز بری ہے۔ بلکہ سیاہ جوتا بہتر نہیں موزہ اور پگڑی سیاہ ہی عمدہ۔ فرعون کا موزہ سرخ تھا ہامان کا سفید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا موزہ مبارک سیاہ باقی لباس مردوں کے لئے سفید بہتر اور عورتوں کے لئے رنگین۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن کریم میں رب تین موقعوں پر استعمال ہوا۔ بمعنی پالنے والا۔ رب العالمین۔ مربان ربکم یا **رب الناس** بندوں کی ماننے ربک یہاں تیسرے معنی میں ہے اس لحاظ سے رب کی نسبت اولیاء انبیاء خصوصاً سید الانبیاء کی طرف ہوتی ہے اسی طرح عبد تین معنی میں آیا ہے۔ یعنی مخلوق یا بندہ اس لحاظ سے ہر مخلوق عبد ہے بمعنی عابد و پرہیزگار **وعباد الرحمن الذین یمشون** اس لحاظ سے صرف متقی عبد ہیں بمعنی فنافی الذات **سبحان الذی اسری بعبدہ** اس لحاظ سے ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر ‏ ‏ ‏ ‏ این سراپا انتظار آن منتظر

کلب ہر کتا ہے مگر کلبہ وہ کتا ہے جو عبدہ کا کتا بن گیا۔ جسے حیات ابدی مل گئی عبدہ کا عبد بننا بھی اللہ کا فضل ہے جیسے ایک باپ کے چند بیٹے ہوں لائق و نالائق تو وہ کہتا ہے بیٹے میرے سب ہی ہیں مگر میرا بیٹا تو فلاں ہے یعنی اطاعت شعار فرمانبردار بیٹا۔ عبدہ ربانی قوت سے کام کرتا ہے۔ **ما رمیت اذ رمیت' انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** جیسے بلب اور برقی پنکھا پاور کی طاقت پر چلتا ہے اس درجہ میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ بندے کو راضی کرنا چاہتا ہے۔

پہلا اعتراض: اس میں کیا راز ہے کہ پہلے ہی سے پوری بات نہ بتائی گئی بلکہ صرف پہلے گائے کا حکم دیا گیا اور ان کے پوچھنے پر باقی قیدیں لگائی ہیں لیکن یہ طریقہ علم و حکمت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ **جواب:** اولاً ان کو صرف گائے ذبح کرنے کا حکم تھا ان کے پوچھنے پر قیدیں لگائی گئیں اگر پہلے ہی سے خاص گائے مراد ہوتی تو یہ سوال پڑ سکتا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** تو کیا ان کے پوچھنے سے رب کا علم اور ارادہ بدل گیا۔ یہ تو ناممکن ہے۔ **جواب:** ارادہ اور علم تو نہ بدلا حکم میں فرق ہو گیا۔ رب کے علم و ارادہ میں یہی بات تھی کہ وہ بار بار سوال کریں اور قیدیں بڑھیں تاکہ اگلوں کو نصیحت ہو اور وہ سوالات سے بچا کریں حکم کی تبدیلی دن رات ہوتی رہتی ہے امیر آدمی کو پانچ عبادتوں کا حکم ہے۔ مگر جب غریب ہو جائے تو حج و زکوۃ معاف ہو کر صرف تین کا حکم رہ جاتا ہے۔ درحقیقت یہ حکم کی تبدیلی نہیں بلکہ تعلق کی تبدیلی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس کام کے لئے پیلی گائے کیوں منتخب ہوئی اور گایوں سے بھی یہ کام ہو سکتا تھا؟ **جواب:** اس لئے کہ سامری کا بچھڑا سونے کا تھا اور پیلا جس کی عظمت ان کے دل میں قائم ہو چکی تھی۔ مناسب تھا کہ اس رنگ کی گائے انہیں کے ہاتھوں ذبح کرا کر ان کے دل سے یہ عظمت دور کی جائے تفسیر صوفیانہ مضمون کے خاتمہ پر کی جائے گی۔

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ إِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ
وہ بولے دعا کرو واسطے ہمارے رب اپنے سے بیان کر دے واسطے ہمارے کیا ہے وہ گائے تحقیق گائے مشتبہ ہو گئی
بولے اپنے رب سے دعا کیجئے کہ ہمارے لئے صاف بیان کر دے وہ گائے کیسی ہے بیشک گایوں میں ہم کو

www.alahazratnetwork.org

عَلَيْنَا ؕ وَاِنَّآ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۞ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ

اوپر ہمارے اور تحقیق ہم اگر چاہا اللہ نے ہدایت پانے والے ہیں فرمایا تحقیق وہ رب فرماتا ہے

شبہ پڑ گیا ہے اور اللہ چاہے تو ہم ہدایت پا جائیں گے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ

اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِى الْحَرْثَ ۚ

تحقیق وہ ایسی گائے ہے کہ نہیں ہے ذلیل کہ جوتتی ہو زمین کو اور نہ پانی دیتی ہے کھیتی کو

ایک گائے ہے جس سے خدمت نہیں لی جاتی کہ زمین جوتے اور نہ کھیتی کو پانی دے

مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا

سلامت ہے کہ نہیں ہے کوئی داغ بیچ اس کے کہا انہوں نے اب لائے آپ ٹھیک بات پس ذبح کیا

بے عیب ہے جس میں کوئی داغ نہیں بولے اب آپ ٹھیک بات لائے تو اسے ذبح کیا

وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۞

انہوں نے اس کو اور نہ قریب تھے کہ کر لیتے

اور ذبح کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ کہ پہلے مضمون کا تتمہ ہے اور ان کے سوال و جواب کا بقیہ۔ **دوسرا تعلق:** پہلے سوالات سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید وہ لوگ اس بہانہ سے حکم ٹالنا چاہتے ہیں اور ان کے یہ سوالات عنادًا ہیں نہ احتیاطًا اطاعت کے لئے اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ وہ اطاعت ہی کے لئے اتنی تحقیقات کر رہے تھے چونکہ وہ وہمی قوم تھی اس سے اپنے سوالات کی بوچھاڑ کر ڈالی۔

تفسیر : **قالوا ادع لنا ربک** گائے کی عمر اور رنگت بیان کرنے کے بعد بھی ان کو تسلی نہ ہوئی اب اس کی دیگر صفات معلوم کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب سے پھر دعا کرو۔ **یبین لنا** خوب ظاہر کر دے ہمارے لئے یعنی اس عمر اور رنگت اور جمال والی گائے بھی بہت سی ہیں ان میں سے کسے ذبح کریں۔ لہٰذا صاف صاف بتایا جائے کہ **ما ھی** وہ کیسی یا کون سی گائے ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ پہلا ہی سوال ہے یعنی ہماری سمجھ میں آ تو گیا ذرا اوصاف دوبارہ بیان کرو۔ بعض نے فرمایا کہ یہ **ما ھی** بھی کیف کی طرح صفات پوچھنے کے لئے ہے یعنی اب یہ بتاؤ کہ وہ جنگل میں چرتی ہے یا مالک کا کام کاج کرتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ حقیقت شخصیہ دریافت کرنے کے لئے ہے یعنی پہلے ما ہی کا یہ مطلب تھا کہ وہ کون کون سی قسم کی گائے ہے۔ دریائی یا خشکی کی جنگلی یا پہاڑی۔ اب یہ پوچھ رہے کہ اس خاص قسم کی گائے میں سے کون سی گائے ہے اس کی حقیقت شخصیہ کیا ہے لہٰذا اس سوال میں تکرار بھی نہیں ہے اور دونوں جگہ ما طلب حقیقت ہی کے لئے ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ **ان البقر تشابہ علینا** کہ اس قسم کی گائے بھی ہم پر مشتبہ ہی ہے کیونکہ ایسی گائے صدہا موجود ہیں اور زندہ کرنے کی

www.alahazratnetwork.org

تاثیر ہر ایک میں نہیں ہو سکتی اور اے موسیٰ علیہ السلام ہم ٹالنے کے لئے یہ سوالات نہیں کر رہے ہیں بلکہ **ان شاء اللہ لمھتدون** اگر اللہ نے چاہا تو اس گائے کا پتہ لگا لیں گے اور اس پر عمل کریں گے یا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ ہم فی الحال ہدایت پائے ہوئے ہیں اور انشاء اللہ فقط برکت کے لئے کہا ہے یعنی خدا کے فضل سے ان سوالات میں ہم حق بجانب اور ہدایت پر ہیں ہمارے یہ سوالات کفر اور گمراہی کی بنا پر نہیں بلکہ اطاعت کے لئے ہیں یا یہ مطلب ہے کہ ہم ہدایت والے ہو جائیں گے یعنی اگر آپ نے ہماری تسلی کر دی تو ہم اس گائے کو ضرور حاصل کر لیں گے یا قاتل کو پا لیں گے۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **قال انہ یقول** یہاں بھی وہی عبارت پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے یہ سوال رب کے سامنے پیش کیا اور جواب ملنے پر قوم سے فرمایا کہ رب فرماتا ہے کہ **انھا بقرۃ لا ذلول** وہ گائے ذلیل نہیں ہے۔ یعنی خدمت انسان کی ذلت اس میں نہیں اور نہ وہ کام کاج کے لئے رکھی گئی ہے ذلول بروزن فعول صفت کے لئے آیا اس وزن میں ت کی ضرورت نہیں جیسے **امرء ا صبور** یہ ذل سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ذلت اور حقارت چونکہ شوقیہ پالے ہوئے جانور کی محبت 'قدر' خدمت بہت زیادہ ہوتی ہے اور کام کاج کے جانور کی اتنی قدر نہیں بلکہ معمولی غذاؤں سے فقط باقی رکھا جاتا ہے تاکہ کام بند نہ ہو ہم نے دیکھا ہے کہ شوقیہ پالے ہوئے مرغ کبوتر وغیرہ کو عمدہ عمدہ غذائیں کھلائی جاتی ہیں۔ دہلی وغیرہ میں قربانی کی گائے کو جلیبیاں اور مٹھائیاں کھلاتے ہیں۔ اسے عمدہ کپڑوں اور زیوروں سے آراستہ کرتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ کاروباری جانور ذلیل اور شوقیہ عزیز ہے۔ اسی لئے **ذلول** کی تفسیر میں فرمایا **تثیر الارض** یہ لا کے تحت میں ہے یعنی وہ ایسی ذلیل نہیں ہے کہ زمین جوتے **تثیر** سے بنا ہے جس کے معنی ہیں منقلب کرنا اور پلٹ دینا اس لئے جوش کو ثوران کہتے ہیں کہ اس میں نفس کی حالت پلٹ جاتی ہے۔ جوتنے میں بھی مٹی اوپر نیچے ہو جاتی ہے اس لئے اس کو اثارت کہتے ہیں اور بیل کو بھی اس لئے ثور کہا جاتا ہے کہ وہ یہ کام کرتا ہے **ولا تسقی الحرث** یہ سقی سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پلانا اسی لئے بہشتی کو سقہ اور شراب پلانے والے کو ساقی اور پانی کی جگہ کو سقایا کہتے ہیں یعنی وہ چرسہ یا رہٹ وغیرہ چلا کر کھیت کو پانی بھی نہیں دیتی چونکہ زمین کی جتائی پہلے ہوتی ہے اور پانی بعد میں اس لئے اس کا ذکر بعد میں ہوا نیز سادہ زمین جوتی جاتی ہے اور بوئی ہوئی کو پانی دیا جاتا ہے۔ اس لئے پہلے ارض فرمایا تھا۔ یہاں حرث فرمایا یعنی کھیتی بعض لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ بیل تھا کہ کھیتی باڑی کا کام بیل ہی کرتا ہے نہ کے گائے مگر صحیح یہ ہے کہ وہ گائے تھی کیونکہ ان آیات میں تمام ضمیریں مونث ہی ہیں اور روایات بھی اس کی تائید کرتی ہیں غالباً" اس ملک میں گائے سے کھیتی باڑی کا کام لیتے ہوں گے۔ جیسے پنجاب میں بھینس سے بلکہ سیالکوٹ میں تو بھینس سے بیل گاڑیاں وغیرہ بھی چلائی جاتی ہیں۔ اس لئے یہ فرمایا گیا۔ اس ذلول کو اور بھی واضح کرنے کے لئے ارشاد ہوا بعض بزرگوں نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ قربانی کے جانور سے کام کاج نہ لیا جائے۔ ان کی اون اور دودھ اپنے کام میں نہ لایا جائے کیونکہ بنی اسرائیل کی اس قربانی میں قید لگائی گئی کہ ایسے گائے کی قربانی کرو جس سے دنیاوی کام نہیں لیا جاتا۔ بعض لوگ اپنی بعض اولاد کو اللہ کے لئے وقف کر دیتے ہیں کہ اس سے دنیاوی کام نہیں لیتے اسے عالم بنا کر تبلیغی کاموں میں مصروف رکھتے ہیں ان کا ماخذ بھی یہی آیت ہو سکتی ہے۔ حضرت مریم کی والدہ نے نذر مانتے وقت کہا تھا **رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا** محرر کے معنی ہیں دنیوی کاموں سے آزاد۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی ہر چیز کی قربانی کرو۔ کہ کچھ سانسیں کچھ اوقات کچھ مال کی قربانی دو جسے بالکل اللہ کے لئے کرو۔ نماز کے اوقات میں دنیاوی کام نہ کرو۔ غرضیکہ یہ آیت بہت سے احکام کا ماخذ ہے۔ **مسلمۃ** یہ سلم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں صحیح

www.alahazratnetwork.org

سلامت رہنا یعنی وہ گائے عیبوں سے کام کاج کے اثرات سے سلامت ہے یا باندھنے سے محفوظ ہے کہ وہ جنگل میں چھوٹی ہوئی یا وہ کان کاٹنے سوراخ کرنے یا داغ دینے یا جوتنے کے اثر اور چابک وغیرہ کے اثرات سے محفوظ ہے کیونکہ یہ عیوب کام کاج کے جانوروں میں ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے **لا شیۃ فیھا شیۃ**' و شی سے بنا ہے جیسے **وعد** سے عدۃ اور وزن سے زنۃ اس کے لفظی معنی ہیں گودنا اور داغ دینا۔ یعنی وہ گائے بالکل پیلی ہے جس میں کوئی داغ دھبہ نہیں جب انہوں نے یہ سارے صفات سن لئے تو خوش ہو کر بولے **قالوا الٰئن جئت بالحق** اب آپ ٹھیک ٹھیک بات لائے آن تھوڑے سے وقت کو کہتے ہیں جیسے کہ ایک آن میں چلا گیا اور الف لام کی وجہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں اب۔ یہ حق باطل کا مقابل نہیں یہ مطلب نہیں ہے کہ اب تک جھوٹ کہا تھا۔ اب سچ بلکہ اس سے پوری اور ٹھیک بات مراد ہے یعنی اب آپ نے تسلی بخش بات کہی۔ تسلی ہو چکنے کے بعد انہوں نے اس گائے کو ڈھونڈ کر حاصل کیا اور **فذبحوھا** ذبح تو کر لیا لیکن **وما کادوا یفعلون** اس بڑے کام کے کرنے کے قریب بھی نہ تھے۔ اس لئے کہ انہوں نے سوالات کا ایسا سلسلہ قائم کیا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ یہ سلسلہ ختم نہ ہو گا نہ یہ ذبح کریں گے یا وہ گائے اس قدر قیمتی تھی کہ بظاہر ان کی برداشت سے باہر یا ان کی رسوائی کا خوف تھا کہ مقتول زندہ ہو کر قاتل کا پتہ دے گا جس سے راز کھل جائے گا مگر ہم نے ان کو شافی جواب دے کر خاموش کر دیا جس سے ذبح کرنے پر مجبور ہو گئے اس عبارت کا ایک مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ لوگ زیادہ سوال و جواب کی وجہ سے جلد ذبح نہ کر سکے بلکہ بہت عرصہ کے بعد چنانچہ روح البیان نے فرمایا کہ اس سارے واقعہ میں چالیس سال صرف ہوئے۔

خلاصہ تفسیر : ان اسرائیلیوں کو زرد رنگ معلوم ہونے پر بھی تسکین نہ ہوئی کہنے لگے کہ اس عمر اور اس رنگت کی بہت سی گائیں ہیں ابھی ہم پر مشتبہ ہی ہے کہ کون سی گائے ذبح کریں دعا فرمایئے کہ رب تعالیٰ اور بھی وضاحت فرمادے کہ کون سی گائے ذبح کی جائے ہم انشاء اللہ اطاعت سے درگذر نہ کریں گے ضرور وہ گائے تلاش کر کے ذبح کر دیں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ رب فرماتا ہے کہ وہ نہ تو ایسی ذلیل و خوار گائے جو ہل جوتتی یا کھیتی کو پانی دیتی ہو اور نہ اس میں کسی قسم کا کوئی عیب ہے۔ سارے عیبوں سے دور اور اس کا جسم بے داغ دھبہ ہے تب وہ بولے کہ ہاں اب آپ نے پوری اور صاف صاف بات بتائی پھر وہ تلاش کرتے ہوئے اس لڑکے کے پاس پہنچے جس کے پاس ایسی گائے تھی حالانکہ اس زمانے میں گائے کی قیمت تین دینار یعنی ساڑھے سات روپیہ تھی مگر لڑکے نے فرشتہ کی ہدایت کے موافق یہ قیمت طے کی کہ اس کا چمڑا سونے سے بھر دیا جاوے اور موسیٰ علیہ السلام کی ضمانت پر گائے بنی اسرائیل کے حوالہ کی ان ظاہری علامات سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ یوں ہی وقت گزار کر معاملہ رفع دفع کر دیں گے مگر تسلی بخش جوابات کے پا جانے پر ان کو یہ کرنا ہی پڑا۔ خیال رہے کہ ان سوالات کے جوابات کے سلسلے میں بنی اسرائیل کا کافی عرصہ لگ گیا۔ پھر ایسی گائے کی تلاش میں بہت وقت گزرا اس وقت تک مقتول کی میت کو دفن نہ کیا گیا معلوم ہوا کہ مقدمہ کی تحقیقات کے لئے دفن میں تاخیر جائز ہے بلکہ بعد دفن نعش نکالنا بھی درست ہے۔ دیکھو بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت سلیمان کی نعش شریف کو چھپا دیا ایک سال تک بغیر دفن رکھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے۔ **ما دلھم علی موتہ الا دابۃ الارض** لہٰذا اگر صحابہ کرام نے مسئلہ خلافت کی تکمیل کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں دو دن تاخیر کر دی تو کوئی مضائقہ نہیں اب بھی شرعی حکم ہے کہ بادشاہ کو دفن جب کیا

www.alahazratnetwork.org

جاوے جب اس کا خلیفہ مقرر ہو جاوے تاکہ زمین خلیفہ سے خالی نہ رہے غرضیکہ یہ واقعہ بہت احکام کا ماخذ ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: یہ کہ قربانی کے لئے بہتر جانور لینا چاہئے اس کا ناک کان دم وغیرہ سب دیکھ لیں۔ عیب دار جانور ہرگز ذبح نہ کریں۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ ہر امید پر "انشاء اللہ" ضرور کہنا چاہئے ورنہ وہ امید پوری نہ ہوگی۔ حدیث پاک میں ہے کہ اگر یہ لوگ انشاء اللہ نہ کہتے تو کبھی بھی یہ کام نہ کر سکتے۔ انشاء اللہ کہنے میں عقیدے اور عمل کی اصلاح ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کہنے والا اپنی طاقت پر بھروسہ نہیں کرتا بلکہ رب کی مدد پر۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا ہے کہ آپ آئندہ بات پر انشاء اللہ ضرور فرمایا کریں مگر خیال رہے کہ جائز اور بہتر باتوں پر انشاء اللہ کہنا چاہئے نہ کہ حرام چیزوں اور بلاؤں آفتوں پر۔ یہ کہو کہ انشاء اللہ نماز پڑھوں گا یوں نہ کہو کہ انشاء اللہ میں چوری یا زنا کروں گا۔ شراب پیوں گا۔ ہم بسم اللہ کی تفسیر میں بیان کر چکے کہ حرام چیزوں پر بسم اللہ پڑھنا کفر ہے۔ اسی طرح یوں کہو کہ انشاء اللہ بیمار کو آرام ہوگا۔ یوں نہ کہو کہ انشاء اللہ عنقریب بیماری پھیلے گی۔ کیونکہ بیماری بلا ہے۔ یہاں لفظ اندیشہ وغیرہ استعمال کرو۔ اسی طرح آئندہ کی بات پر انشاء اللہ۔ گزری ہوئی بات پر کہنا بیکار ہے ہاں برکت کے لئے اگر اس پر بھی کہہ لے تو جائز ہے اس موقعہ پر انشاء اللہ ۔ بفضلہ تعالیٰ کے معنی میں ہوگا اور یہ لفظ ان شک کے لئے نہ ہوگا۔ مثلاً "کوئی کہے کہ انشاء اللہ میں مسلمان ہوں تو معنی یہ ہی ہیں کہ خدا کے فضل سے میں مسلمان ہوں۔ اگر اپنے ایمان میں شک کرتے ہوئے انشاء اللہ کہتا ہے تو کافر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انشاء اللہ کہنا بعض جگہ سنت ہے اور بعض جگہ منع اور بعض موقع پر کفر بھی ہے۔ تیسرا فائدہ: رب کی اطاعت میں جلدی کرنا ضروری ہے۔ تحقیقات کر کے دیر لگانا باعث وبال۔ نوکر کا فرض ہے فرمانبرداری اور جان سپاری نہ کہ تحقیقات میں وقت گزاری۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تا خیال دوست در اسرار است   چاکری و جاں سپاری کار ماست

کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

عاشقاں راچہ کار با تحقیق!   ہر کجا نام اوست قربانیم

چوتھا فائدہ: اپنی چیز جس قدر بھی نفع سے فروخت کرے جائز ہے اس میں حکومت یا قوم کی طرف سے پابندی نہیں لگائی جا سکتی دیکھو تین دینار کی گائے اتنی گراں قیمت میں بکی۔ ہاں غلہ یا چارہ قحط کے زمانہ میں گرانی کے انتظار میں روکنا منع ہے۔

پہلا اعتراض : اس گائے میں کام کاج نہ کرنے اور بے داغ دھبہ ہونے کی قید کیوں لگائی گئی ہے۔ اسلام نے قربانی کے جانور میں یہ قیدیں نہیں لگائیں۔ جواب: سامری کا بچھڑا بے داغ بے دھبہ تھا اور کھیتی باڑی بھی نہیں کرتا تھا۔ ان قیود سے اس بچھڑے کی مشابہت مقصود تھی۔ جب اسلام نے شراب منع فرمائی تو شروع میں شراب کے برتن استعمال کرنا بھی منع فرما دیئے کہ اس حالت سے مشابہت نہ ہو جائے اور انہیں دیکھ کر شراب یاد نہ آجاوے اس گائے کو دیکھ کر وہ بچھڑا ان کو یاد آوے گا اور پھر اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کریں گے تو اس کی الفت دور ہوگی نیز ان پابندیوں سے اس سعادت مند والدہ کی اطاعت کرنے والے جوان کا بھلا ہوگا۔ کہ ایسی گائے کسی اور جگہ نہ ملے گی وہ منہ مانگی قیمت حاصل کرے گا۔ دوسرا اعتراض: ایک سعادت مند جوان کی بھلائی کے لئے ساری قوم کو زیر بار کرنا خلاف عقل ہے۔ جواب: ایک نیک بخت کی بھلائی کے لئے مجرم قوم کو کچھ

www.alahazratnetwork.org

مشقت میں ڈالنا بالکل حکمت کے مطابق ہے۔ ہمیشہ اعلیٰ پر ادنیٰ قربان کیا جاتا ہے۔ ایک بادشاہ کی راحت کے لئے صدہا فرد مشقتیں اٹھاتے ہیں نیز اگر یہ قیمت ساری قوم نے چندہ کر کے ادا کی تو ان کو محسوس بھی نہ ہوا اور اگر قاتل نے ادا کی تو یہ بھی اس کی سزا تھی اور اگر مقتول کے ہم جنس دوستوں نے دی تو اس قیمت کی وجہ سے ان کو اس کی میراث بچ رہی کیونکہ یہ سب مال قاتل کا تھا۔ جب اس کا قتل معلوم ہو گیا تو وہ ورثہ سے محروم رہا۔ بہرحال زیادہ نفع کے لئے تھوڑا نقصان مضر نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اس گائے کے تمام صفات ایک بار ہی کیوں نہ بتا دیئے۔ تاکہ علیحدہ علیحدہ سوالات کی ضرورت نہ رہتی۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی حاجت برابر رہے ان سے بے تعلقی نہ ہو جائے تاکہ معلوم ہو کہ امت ہر وقت نبی کی ایسی حاجتمند ہے جیسے زمین پانی کی۔ دوسرے یہ کہ اس ذریعے سے موسیٰ علیہ السلام کو رب کی ہمکلامی کا سلسلہ دراز ہو جیسے ہمارے حضور کے لئے اولاً "پچاس نمازیں معراج میں فرض فرمائیں پانچ پانچ کر کے نو دفعہ میں پینتالیس کم کیں عقل کے نزدیک کلام میں کمی اچھی عشق کے لئے محبوب سے دراز کلام بہتر ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے تو فرمایا لاٹھی ہے۔ جس سے بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں۔ اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور بہت کام نکالتا ہوں سوال ایک تھا مگر جواب تین تاکہ تخاطب دیر تک قائم رہے۔

تفسیر صوفیانہ : قلب کو انسان کی خواہشات نفسانی نے قتل کر دیا اب اس کے زندہ کرنے کی تدبیر یہ ہے کہ گائے یعنی نفس کو شریعت کی چھری سے ذبح کرو کہ اس کی موت میں قلب کی حیات ہے۔ اس مقاتلہ نفس کو جہاد اکبر فرمایا گیا اور ارشاد ہوا کہ **موتوا قبل ان تموتوا** یعنی مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ خواہشات نفس نے جب یہ حکم سنا تو موسیٰ روح سے کہا کیا تو ہم سے دل لگی کرتا ہے قتل نفس ہر کس و ناکس کا کام نہیں۔ روح نے جواب دیا کہ خدا کی پناہ میں ان جہلا میں سے نہیں جو کہ قتل نفس کو آسان سمجھتے ہیں۔ یہ کام دنیادار نفس کے پجاری کا نہیں' تب انہوں نے عرض کیا کہ اچھا مقرر کرو کہ کون سا نفس قتل کیا جاوے جس سے قلب زندہ ہو۔ جواب دیا کہ وہ نفس نہ تو بڈھا ہو قطع کرنے سے عاجز ہو نہ بالکل جوان نشہ مست شباب ہو۔ بلکہ اس کے درمیان جب کمل عقل رکھتا ہو تب پوچھا کہ اس کا رنگ کیا ہو جواب ملا کہ پیلے رنگ کا ہو یعنی ریاضت اور مجاہدہ والوں کا نفس ہو جن کے چہرے پیلے ہوتے ہیں۔ جن کی یہ زردی بھلی معلوم ہوتی ہے نہ کہ بری جو بھی انہیں دیکھتا ہے ان کو صالح سمجھ کر خوش ہوتا ہے ان کا دلی تقویٰ چہرے کی رنگت سے ظاہر ہوتا ہے' **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** پھر کہا گیا کہ کچھ اور صفات بتاؤ۔ کیونکہ اس لباس میں بہت سے بطال فریبی بھی ہیں۔ ایسا نشان بتاؤ جس سے باطلین طالبین سے علیحدہ ہو جائیں تب فرمایا گیا کہ وہ ایسا نفس ہے جو دنیا طلبی میں حرص و ہوس کے ہل میں نہ جوڑا گیا ہو اور دنیاوی مصنوعات پر فریفتہ نہ ہوا ہو۔ یہ ذلت اس نے برداشت نہ کی ہو اور نہ اپنی آبرو کے پانی سے دنیا کو سیراب کیا ہو۔ یعنی دنیا حاصل کرنے کے لئے ذلت حاصل نہ کی ہو اور وہ نفس یک رنگ ہو۔ دو رنگ نہ ہو۔ یعنی اندر اور ماسویٰ اللہ دونوں کا طالب نہ ہو۔ اس قسم کے عیوب سے مسلم ہو۔ تب انہوں نے خنجر صدق سے رب کی توفیق سے نفس کو ذبح کر کے قلب کو زندہ کیا (تفسیر روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ ظاہری گائے ذبح کر کے ظاہری مقتول زندہ کرنے کا واقعہ صرف ایک بار ہی ہو گا مگر اندرونی گائے ذبح کر کے اندرونی مقتول دل کو زندہ کرنا قیامت تک جاری رہے گا کہ اللہ والے نفس مار کر قلب جلاتے رہیں گے مگر یہ مردوں کا کام ہے نہ کہ ہر کس و

www.alahazratnetwork.org

ناکس کا۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ

اور جب کہ قتل کیا تم نے ایک جان کو پس تم نے ایک دوسرے کو الزام لگایا بیچ اس کے اور اللہ ظاہر فرمانے

اور جب تم نے ایک خون کیا تو ایک دوسرے پر اس کی تہمت لگانے لگے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو

تَكْتُمُوْنَ ۚ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْىِ اللّٰهُ

والا ہے وہ جو کہ تھے تم چھپاتے پس فرمایا ہم نے مارو تم اس کو ساتھ ٹکڑے اس گائے کے اسی طرح

تم چھپاتے تھے تو ہم نے فرمایا اس مقتول کو اس گائے کا ایک ٹکڑا مارو اور اللہ یونہی

الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

زندہ فرماتا ہے اللہ مردے کو اور دکھاتا ہے تم کو نشانیاں اپنی تاکہ تم عقل رکھو

مردے جلائے گا اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے کہ کہیں تمہیں عقل ہو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ذبح گائے کا واقعہ بیان ہوا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ گائے ذبح کیوں کرائی گئی۔ **دوسرا تعلق:** پہلے گائے کے ذبح کا ذکر ہوا تھا اب قتل انسان کا واقعہ بیان ہو رہا ہے جو کہ بنی اسرائیل سے سرزد ہوا اگرچہ قتل انسان پہلے ہوا تھا اور ذبح گائے پیچھے مگر چونکہ ذبح گائے کا واقعہ تانا ہی اصل مقصود تھا۔ اس لئے پہلے وہ ارشاد فرمایا گیا اور ایک واقعہ کو دو واقعہ کی طرح بیان فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** جیسے رب فرماتا ہے **واسجدی وارکعی** دیکھو رکوع پہلے ہوتا ہے اور سجدہ بعد میں مگر چونکہ سجدہ نماز میں اعلیٰ مقصود ہے۔ اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ پچھلی آیت کے مضمون پر شبہ پڑ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل کا ذبح گائے میں دیر لگانا اپنی سستی یا نافرمانی کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ محض اس لئے کہ ان کو جواب شافی نہ ملا تھا۔ اور گائے کے ذبح اور مردہ ہونے میں کوئی تعلق نہ تھا اس شبہ کو دفع فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں بلکہ یہ سب کچھ ان کی سرکشی سے تھا اصل واقعہ ہی ان کی سرکشی پر مبنی ہے۔ جس میں انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو دھوکا دینے اور قوم میں فساد پھیلانے کی کوشش کی یعنی ایک شخص کو ظلماً قتل کیا پھر دوسروں کو الزام لگایا پھر موسیٰ علیہ السلام کو دھوکہ دیا لہٰذا یہ تاخیر بھی سرکشی کی وجہ سے ہوئی۔ موجودہ زمانے کے بعض بے پڑھ مفسروں نے یہاں **واذ** دیکھ کر کہہ دیا ہے کہ گائے کے ذبح کا واقعہ دوسرا ہے اور یہ قتل جان کا واقعہ دوسرا۔ اگر ایک واقعہ ہوتا تو یہاں **واذ** علیحدہ کیوں فرمایا جاتا یہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ گائے کے گوشت سے کوئی مردہ زندہ نہیں ہوا۔ مگر یہ محض غلط اور بیہودہ بکواس ہے یہ واقعہ آگے آ رہا ہے **فقلنا اضربوہ ببعضھا** ہم نے فرمایا کہ مردے کو گائے کا بعض

www.alahazratnetwork.org

حصہ مارو۔ اگر یہ واقعہ دوسرا ہے تو کسے مارا گیا اور کیا مارا گیا۔ نیز آگے آرہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مردے زندہ فرماتا ہے مگر یہاں کوئی مردہ زندہ نہ ہوا تو اس کا مطلب کیا ہو گا رہا یہاں واذ فرمانا یہ کوئی معتر نہیں ایک واقعہ کے بیان میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ وہ بات کرو وہ بھی یاد کرو۔ چونکہ قتل انسانی بڑا جرم ہے اس لئے علیحدہ واذ فرمایا گیا۔

تفسیر : **واذ قتلتم** یہاں بھی وہی فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی اے اسرائیلیو وہ واقعہ یاد کرو جب کہ تم نے ایک گناہ کیا تھا یا اے نبی علیہ السلام انہیں وہ واقعہ یاد دلاؤ۔ اگرچہ ایک شخص نے ہی قتل کیا تھا مگر جماعت کی طرف اس کی نسبت کی گئی کیونکہ وہ اس سے راضی تھے یا اس سازش میں شریک یا اس کے حمایتی اور حضور علیہ السلام کے ہم زمانہ اسرائیلیوں سے یہ خطاب اس لئے کیا گیا کہ وہ ان کی اولاد ہیں اور باپ دادوں کا فعل اولاد کی طرف منسوب ہوتا ہے ہم ہندوؤں سے کہتے ہیں کہ ہم نے تم پر آٹھ سو برس تک حکومت کی **نفسا** نفس، سانس، دل جان اور ذات وغیرہ کو کہتے ہیں۔ یہاں جان یا ذات مراد ہے اگرچہ قتل جسم پر واقع ہوتا ہے مگر چونکہ اس کا تعلق جان سے بھی ہے کہ وہ اس سے نکل جاتی ہے۔ اس لئے جان کو اس کا مفعول بنایا گیا۔ وہ مقتول عامیل ابن شراجیل تھا **فادرتم فیھا** یہ اصل میں **تدارء تم** تھا باب تفاعل سے ت کو ف کرکے اس میں ادغام کر دیا گیا اور اول میں ہمزہ زیادہ کی گئی اس کی اصل **درء** ہے جس کے معنی ہیں دفع کرنا یعنی تم میں سے ہر ایک نے یہ الزام اپنے پر سے دفع کیا اور کہا کہ یہ کام میں نے نہیں کیا فلاں نے کیا ہے۔ **فیھا** کی ضمیر یا تو نفس کی طرف لوٹتی ہے یا قتل کی طرف یعنی اس قتل یا اس نفس کے بارے میں تم نے ایک دوسرے کو الزام لگایا۔ ناحق قتل ایک گناہ تھا پیغمبر کی بارگاہ میں جھوٹ بولنا دوسرا گناہ دوسرے کو تہمت لگانا تیسرا گناہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم کو موسیٰ علیہ السلام کی وحی پر یقین نہ تھا ورنہ ان کے پاس آکر جھوٹ بولنے کی جرأت نہ کرتے **واللہ مخرج** مخرج کے لفظی معنی ہیں نکالنے والا مگر یہاں مراد ہے ظاہر کرنے والا کیونکہ اس میں بھی پوشیدگی سے نکلنا ہوتا ہے۔ اگرچہ خود مقتول نے زندہ ہو کر قاتل کو ظاہر کیا۔ مگر چونکہ یہ سب کچھ حکم الٰہی سے ہوا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا اس سے تعلق نہ رکھا گیا اور اس عمدہ طریقہ سے ظاہر ہوا کہ کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہ رہی اس لئے یہ اظہار خدا کی طرف منسوب ہوا یعنی اگر کوئی بندہ بتا دیتا تو تم چون و چرا کر سکتے تھے۔ یہاں تو اللہ ظاہر فرمانے والا تھا۔ **ما کنتم تکتمون** تمہارے اس فعل کو جو تم سب مل کر چھپاتے تھے۔ **تکتمون** کتم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں چھپانا چونکہ ایک جماعت نے سازش کرکے یہ واقعہ چھپایا تھا۔ اس لئے چھپانا سب کی طرف منسوب کیا گیا۔ یعنی تم سب چھپانا چاہتے تھے اور رب ظاہر فرمانا مگر تمہارا چاہنا نہ ہوا۔ رب کا چاہا ہوا۔ **فقلنا** یہ یا **فادارء تم** پر معطوف ہے۔ یعنی تم نے تدافع کیا تو ہم نے یہ فرمایا۔ یا **مخرج** کی تفسیر یعنی اللہ نے اس طرح ظاہر فرمایا کہ کہا اگرچہ بظاہر فرمانے والے موسیٰ علیہ السلام تھے مگر چونکہ زبان موسیٰ علیہ السلام کی تھی اور کلام رب کا موسیٰ علیہ السلام قائل تھے۔ اس لئے اس قول کو رب کی طرف منسوب کیا گیا۔ ہم مرزا غالب کا کوئی شعر پڑھ کر کہتے ہیں کہ یہ مرزا غالب نے کہا ہے۔ **اضربوہ** فاعل کی ضمیر ساری جماعت اور ضمیر مفعول نفس کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی تم سب اس نفس کو مارو۔ نفس لفظاً "مونث اور معناً" مذکر ہے۔ اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی کیونکہ مقتول مرد تھا نیز نفس یعنی روح کو مارنا ناممکن ہے۔ بدن ہی کو مارا جا سکتا ہے اور بدن مذکر ہے یعنی اس مقتول کے جسم کو مارو اور مس کرو۔ خود موسیٰ علیہ السلام نے یہ کلام نہ کیا بلکہ ان سے ہی کرایا تاکہ کوئی آپ کو جادو کی تہمت نہ لگادے۔ دیکھو حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم نے خود ان کی صفائی بیان نہ فرمائی بلکہ رب نے ان کی صفائی کے لئے اٹھارہ آیات اتاریں تاکہ حضور علیہ السلام پر طرف داری کا الزام نہ لگے نیز حضرت ام المومنین کا درجہ و رتبہ معلوم ہو کہ حضرت مریم و یوسف کو تہمت لگے تو شیر خوار بچے نے گواہی دی اور محبوب کی محبوبہ کی تہمت لگے تو رب گواہی دے تاکہ قیامت تک قرآن ان کی عصمت کا گواہ ہو اور ہر مسلمان قرآن پڑھتے وقت ان کی پاک دامنی کی گواہی دیا کرے نیز تاکہ مسلمانوں کو تہمت لگانے والے کی سزا اور اس کے احکام معلوم ہوں۔ غرضکہ نہ وہاں موسیٰ بے علم تھے نہ یہاں ہمارے حضور ام المومنین کی عصمت سے بے خبر **ببعضہا** **ھا** ضمیر بقرہ یعنی گائے کی طرف لوٹتی ہے۔ بعض آدھے سے کم کو کہتے ہیں یعنی مقتول کے بدن سے گائے کا کچھ حصہ مس کر دو یا تو اس سے مطلق بعض مراد ہے کوئی سا بھی حصہ ہو یا اس کی زبان یا دم وغیرہ چنانچہ ایسا کیا گیا اس گوشت کے مس ہوتے ہی بحکم الٰہی مقتول زندہ ہو گیا اس کے حلق سے خون کے فوارے جاری تھے اس نے اپنے چچازاد بھائی کو بتایا کہ اس نے مجھے قتل کیا ہے یہ کہہ کر پھر مر گیا۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ پھر قاتل نے بھی اقرار کر لیا تب موسیٰ علیہ السلام نے اس پر قصاص کا حکم فرمایا اور اسے میراث سے محروم کر دیا۔ **کذلک** یہاں پوری ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی تم نے گائے ذبح کر کے اس کا گوشت مقتول کو مارا۔ جس سے اس نے زندہ ہو کر قاتل کا پتہ دیا تو ہم نے فرمایا کہ اس ہی طرح **یحی اللہ الموتی** اللہ قیامت میں مردے زندہ فرمائے گا اگرچہ وہ لوگ قیامت کے قائل تھے مگر اب تک سن کر قائل تھے اب دیکھ بھی لیا کہ جس طرح انصاف کے لئے اس مردہ کو رب نے محض اپنی قدرت سے زندہ فرما دیا اسی طرح عدل و انصاف و حساب و کتاب کے لئے قیامت میں بھی سب کو زندہ فرمائے گا۔ **یریکم ایتہ** آیات آیۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں نشانی اور دلیل یعنی رب تعالیٰ تم کو اپنی قدرت کی نشانیاں اور دلائل دکھاتا اور سمجھاتا ہے چونکہ اس ایک واقعہ نے حق تعالیٰ کے علم اس کی قدرت اس کی خالقیت اور موسیٰ علیہ السلام کی حقانیت اور قاتل کی گرفتاری اور بے قصور لوگوں کے چھٹکارے کو بتا دیا تھا اس لئے اس کو آیات یعنی بہت سی نشانیاں فرمایا گیا۔ **لعلکم تعقلون** یہ عقل سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں روکنا اور اصطلاحی معنی ہیں سمجھنا یہ واقعہ دیکھ کر تم اپنے نفسوں کو برائیوں سے روکو اور رب کی اطاعت کرو۔ یا تم قیاس کر کے سمجھ لو کہ جو ایک مردے کو زندہ فرما سکتا ہے وہ تمام کو بھی اگرچہ اس سے پہلے بھی وہ اتنا سمجھتے تھے لیکن اب ان کے فہم میں ترقی ہو گئی۔

خلاصہ تفسیر : یہ اس پہلے قصے کا ایک حصہ ہے۔ جس میں خدا تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ایک معجزہ یعنی مردے کو زندہ کرنا ظاہر فرمایا یعنی اے اسرائیلیو تم وہ واقعہ بھی یاد کرو جب کہ تم نے آپس میں ایک خون کر کے دوسروں کو تہمت لگا دی تھی اور اللہ چاہتا تھا کہ اصل واقعہ کو ظاہر فرما دے۔ جس کو تم چھپا رہے تھے لہٰذا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی معرفت تم کو حکم دیا کہ تم ایک گائے ذبح کرو۔ جب تم نے حیل و حجت کے بعد ذبح کر لی تو ہم نے حکم فرمایا کہ اس گائے کی زبان یا دم یا کوئی اور عضو اس میت پر دھرو تو یہ جی اٹھے گا۔ تم نے ایسا کیا اور اس نے زندہ ہو کر اپنا قاتل بتا دیا اور وہ قاتل میراث سے بھی محروم ہوا اور قصاصاً قتل بھی ہوا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر یا سن کر سمجھ لو کہ اسی طرح حق تعالیٰ آئندہ بھی مردے زندے فرمائے گا۔ وہ رب تعالیٰ تم کو اپنی اس قسم کی نشانیاں اس لئے دکھاتا ہے تاکہ تم اس کو قادر مطلق سمجھو اور اس پر ایمان لاؤ یا ایمان پر قائم رہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حق تعالیٰ عالم و قادر ہے کوئی چیز اس کے علم و قدرت

www.alahazratnetwork.org

سے باہر نہیں اگر چاہے تو خلاف عقل چیزیں ظاہر فرمادے جیسے کہ اس واقعہ میں مردہ گائے کے گوشت سے مردہ زندہ فرمادیا۔ دوسرا فائدہ: عالم غیب سے فیض لینے کے لئے قربانی نیکیاں اور خیرات کرنی چاہئے۔ تاکہ اس کی برکت سے اپنا مقصود حاصل ہو۔ (تفسیر عزیزی) اس لئے بلاؤں کے دفع کرنے اور نعمتوں کے حاصل کرنے کے لئے ختم قرآن نمازیں روزے خیرات محفل میلاد شریف اور نعت کی مجلسیں وغیرہ کرنی چاہئے جیسے اسرائیلیوں سے مصیبت پر قربانی کرائی گئی۔ تیسرا فائدہ: یہ کہ جہاں شریعت نے قید لگائی نہ ہو وہاں اپنی طرف سے قید لگانا برا ہے۔ خود اپنے پر سختی کرنے سے رب کی طرف سے بھی سختی ہو جاتی ہے۔ (تفسیر عزیزی) لہٰذا جن چیزوں کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو انہیں اپنی رائے سے حرام نہ کہو اور نہ کسی کام میں اپنی طرف سے قید لگاؤ جیسے محفل میلاد شریف وغیرہ۔ چوتھا فائدہ: یتیموں پر مہربانی کرو ان کے مال کی حفاظت اور بنا فع تجارت کرکے بڑھاؤ کیونکہ رب تعالیٰ بھی ان پر کرم فرماتا ہے جیسے گائے والے یتیم کا واقعہ۔ پانچواں فائدہ: قاتل مقتول کی میراث سے محروم ہوگا جیسے کہ اس واقعہ میں ہوا۔ مسئلہ: لیکن اگر عادل نے باغی کو قتل کیا یا حملہ آور سے اپنی جان بچانے کے لئے اس کو دفع کیا۔ اس میں وہ قتل ہو گیا تو قاتل مقتول کی میراث سے محروم نہ ہوگا۔ چھٹا فائدہ: جب کوئی بندہ کسی کام پر ہمیشگی کرتا ہے تو خواہ وہ کتنا ہی چھپائے مگر خدا تعالیٰ اس کو ظاہر فرمادیتا ہے۔ ہاں اگر ایک دوبار کسی سے کوئی قصور ہو جائے اور وہ اس سے شرمندہ ہو کر چھپانے کی کوشش کرے تو رب تعالیٰ بھی اسے اپنی رحمت سے چھپا دیتا ہے اور اس کی پردہ دری نہیں کرتا۔ ان اسرائیلیوں نے اپنے فعل بد کے چھپانے کی کوشش کی مگر رب نے ظاہر فرما ہی دی۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ روایت نقل فرمائی کہ اگر کوئی شخص سنسان جنگل یا بند تہ خانہ میں بیٹھ کر کوئی کام کرے تب بھی رب اس کام کو مخلوق پر ظاہر فرمادیتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے صحابہ کرام سے دریافت فرمایا کہ مومن کون ہے انہوں نے عرض کیا کہ خدا اور رسول بہتر جانتا ہے۔ فرمایا مومن وہ ہے کہ حق تعالیٰ اس کے کان اس کی ثناء و صفت سے 'مرنے سے پہلے بھر دے (یعنی لوگوں میں اس کے تقویٰ کی خود بخود شہرت ہو جائے) اگر کوئی بندہ ستر دروازوں کو قفل لگا کر نیک یا بد کام کرے تو بھی اس کا عمل لوگوں میں مشہور ہو جاتا ہے۔ بلکہ تجربہ تو یہ ہے کہ متقی کے چہرے کی نورانیت اور بدکار کے چہرے کی بے رونقی اس کے خفیہ اعمال اور دلی حالت کا پتہ دیتے ہیں۔ بارہا کا مشاہدہ ہے کہ قاتل اور چور بدحواسی اور چہرے کے رنگ اڑ جانے سے پکڑے گئے۔ سبحان اللہ لطف یہ ہے کہ ہم کو نیکیاں چھپانے کا حکم ہے اور رب خود ظاہر فرمادیتا ہے۔ ساتواں فائدہ: قیاس حق ہے اس لئے کہ ایک مردہ زندہ کرکے دکھا کر باقی کو اس پر قیاس کرنے کا حکم فرمایا گیا۔ آٹھواں فائدہ: باغ فدک نہ تو حضور کی میراث بنا نہ فاطمہ زہرا کا حق تھا بلکہ وقف تھا ورنہ حق تعالیٰ ضرور اس کی حفاظت فرماکر حضرت فاطمہ کو دلوا دیتا جیسے اسرائیلی کی گائے جنگل میں محفوظ رکھ کر اس کے بچے کو عطا فرمائی اور پھر اسے بڑی قیمت دلوادی۔ نیز خضر علیہ السلام کو اطلاع بھیجا کہ فلاں دیوار کے نیچے ایک صالح آدمی کا مال دفن ہے اس کے بچے چھوٹے ہیں دیوار گرنے والی ہے۔ جاکر دیوار بناؤ فرماتے ہیں۔ **وکان تحته کنزلهما وکان ابوهما صالحا** جب اللہ تعالیٰ ان اسرائیلی صالحین کی میراث برباد ہونے نہیں دیتا تو اس نے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کیوں ضائع ہونے دی اور حسن و حسین کے جوان ہونے تک کیوں نہ محفوظ کیا۔

پہلا اعتراض: **مخرج ما کنتم** میں مخرج اسم فاعل بمعنی ماضی ہے تو چاہئے کہ عمل نہ کرے حالانکہ یہاں ما میں عمل

www.alahazratnetwork.org

کر رہا ہے (نحوی) جواب: یہ اسم فاعل اس وقت تو بمعنی ماضی ہے لیکن اس واقعہ پر بمعنی مستقبل تھا لہٰذا اس کا عمل درست ہوا۔ یہاں اس واقعہ کی نقل ہے۔ دوسرا اعتراض: اس واقعہ میں صرف مقتول کے زندہ ہو کر بتا دینے سے قاتل سے قصاص لے لیا قاتل کے اقرار کی کوئی صحیح روایت نہیں ملتی۔ حالانکہ مقدمہ میں ملزم کا اقرار یا دو گواہیاں ضروری ہیں۔ جواب: بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد قاتل نے اقرار بھی کر لیا تھا اگر ایسا ہو تو پھر کوئی اعتراض نہیں اور اگر یہ نہ ہوا تو پھر مقتول کا قول ہی صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے کیونکہ مرنے سے پہلے انسان جھوٹ بول سکتا ہے۔ اسی لئے اس کو گواہیوں کی ضرورت ہے مگر مرنے کے بعد نہیں کیونکہ وہ نزع 'برزخ' آخرت دیکھ کر آیا ہے۔ اس لئے اب جھوٹ نہیں بول سکتا اب اس کی تصدیق کے لئے گواہیوں کی ضرورت بھی نہیں جو خبر یا گواہی نبی کے معجزے کی بنا پر ہو۔ وہ ایک ہی کی قبول ہے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کی پاک دامنی کا طریقہ صرف ایک شیر خوار بچے نے بتایا جو قبول ہوئی رب فرماتا ہے **وشهد شاهد من اهلها** یہ گواہی دراصل نبی کے معجزے کی ہے۔ جیسے حضور کی گواہی پتھروں لکڑیوں نے دی یہ بھی معجزے کی بلکہ رب کی گواہی تھی۔

تیسرا اعتراض: یہ جواب غلط ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ کفار قیامت میں عرض کریں گے۔ **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** قسم رب کی ہم مشرک نہیں تھے۔ دیکھو برزخ وغیرہ سب کچھ دیکھ کر جھوٹ بول رہے ہیں نیز دوسری جگہ فرماتا ہے **الیوم نختم علی افواههم** جس سے معلوم ہوا کہ کفار اپنی بدکرداریوں کا انکار کریں گے تب ان کے منہ پر مہر لگا کر ان کے ہاتھ پیروں سے گواہی لی جائے گی اس لئے علم کلام والے فرماتے ہیں کہ اگر کسی پیغمبر کی گواہی پتھر یا جانور دیں تو معتبر ہے لیکن اگر مردہ زندہ ہو کر دے تو معتبر نہیں کیونکہ جب مردہ زندہ ہوا اس کو عقل و شعور و خیال وہم سب دوبارہ حاصل ہو گئے اور یہی خطا اور غلطی کا محل ہیں نیز دجال مردے زندہ کر کے ان سے اپنی ربوبیت کی گواہی دلوائے گا جیسا کہ روایت میں آیا ہے اگرچہ وہ جنات ہوں گے جو شکل انسانی میں آکر اس کی گواہی دیں گے مگر احتمال تو پیدا ہو گیا غرضیکہ زندہ مقتول کی گواہی مقبول نہ ہونی چاہئے ممکن ہے کہ وہ اب بھی جھوٹ بول رہا ہو یا کوئی جن اس کے قالب میں داخل ہو کر غلط خبر دے گیا ہو۔ جواب: اس کا قوی جواب یہ ہے کہ یہاں حق تعالیٰ نے گائے ذبح کر کے مردے کو زندہ کرایا اور پہلے سے خبر دے دی تھی کہ یہ زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ بتائے گا۔ لہٰذا قاتل کی گواہی مقتول نے دی۔ اور مقتول کے سچے ہونے کی گواہی رب نے دی۔ اب رب کی گواہی سے مقتول کا کلام قبول ہوا۔ جیسا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو لوگوں نے تہمت لگائی رب نے ان کی پاکدامنی بیان فرمائی صرف رب کے فرمان پر تہمت لگانے والے کو سزا دی گئی۔ (ماخوذ از تفسیر عزیزی) چوتھا اعتراض: اس جگہ گائے کو درمیان میں آڑ کیوں بنایا گیا بلاواسطہ ہی کیوں زندہ نہ فرما دیا گیا۔ جواب: اس میں بہت سی حکمتیں ہیں جو ہم پچھلی آیتوں میں تفصیل وار بیان کر چکے۔

تفسیر صوفیانہ: جو شخص اپنے دل کی زندگی چاہتا ہے اس کو چاہئے کہ اپنے نفس کی گائے کو ذبح کر ڈالے جو شخص نفس کو ریاضت سے مارے گا اللہ اس کے قلب کو انوار مشاہدات سے زندہ فرما دے گا۔ جو نفس کو شریعت کے ذریعہ سے مردہ کرے گا اللہ اس کے دل کو حقیقت و معرفت سے زندہ فرما دے گا۔ جیسے اس مقتول نے مردہ گائے سے زندہ ہو کر اپنے قاتل کا پتہ دیا اسی طرح جو اپنے نفس کو صدق کی چھری سے ذبح کرے اور مذبوحہ نفس کی زبان اس قلب پر لگائے جو خدا کے ذکر میں مقتول ہو چکا

www.alahazratnetwork.org

ہے تو اللہ اس کے قلب کو اپنے نور سے زندہ فرمائے گا۔ اور پھر کسی کا قلب پکارے گا **وما ابری نفسی ان النفس لا مارۃ بالسوء** اور کوئی زندہ ہو کر منصور کی طرح انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی کے نعرے لگائے گا کیونکہ زندہ دل رب کے مظہر ہیں حدیث میں آیا ہے کہ اللہ فقط تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ قلبوں اور نیتوں کو بھی دیکھتا ہے یہ قلب مظہر الٰہی ہیں اسی لئے ان کا کلام اللہ کا کلام اور ان سے تقرب اللہ سے تقرب ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا ۔۔۔ او نشیند در حضور اولیاء

گفتہ او گفتہ اللہ بود ۔۔۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چوں روا باشد انا اللہ از درخت ۔۔۔ کے روانہ بود کہ گوید نیک بخت

سری سقطی فرماتے ہیں کہ میرا نفس تیس سال سے گھی کی روٹی اور بادام مانگ رہا ہے مگر میں نے اس کو نہ دیا۔ ایک شخص ہوا میں اڑتا جا رہا ہے اس سے پوچھا گیا کہ تو نے یہ درجہ کیسے پایا اس نے جواب دیا **وترکت الھوی فسخرلی الھواء** میں نے ہوا یعنی نفس کی خواہش چھوڑ دی تو یہ ہوا میرے تابع ہو گئی۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے دل کی زندگی محبت رحمٰن سے جیسے مردہ زندہ ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کے فیض اور گائے کی قربانی سے یوں ہی اللہ تعالیٰ مردہ دلوں اور مردہ جانوروں کو کسی کی نظر کرم اور کچھ قربانی سے زندہ کیا کرے گا جو چاہے کہ بغیر وسیلہ نبی یا ولی زندہ کرے وہ نہ کر سکے گا۔ نبی کے بغیر وسیلہ قربانی بیکار ہے جیسے اس بنی اسرائیلی کے مردہ ہونے کی صورت میں جھگڑا رہا اس کے زندہ ہوتے ہی تمام جھگڑے جاتے رہے یونہی مردہ دل تمام جھگڑوں کی جڑ ہے دل کی زندگی پر سب جھگڑے ختم ہو جاتے ہیں۔ اللہ دل کی زندگی نصیب کرے۔ آمین۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِیَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ
پھر سخت ہو گئے دل تمہارے پیچھے سے اس کے پس وہ مثل پتھروں کے ہیں بلکہ زیادہ
پھر اس کے بعد تمہارے دل سخت ہو گئے تو وہ پتھروں کی مثل ہیں بلکہ ان سے بھی
قَسْوَةً ؕ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ
سخت اور تحقیق پتھروں میں سے البتہ وہ ہیں کہ بہتی ہیں ان میں سے نہریں اور تحقیق
زیادہ کرّے اور پتھروں میں تو کچھ وہ ہیں کہ جن سے ندیاں بہہ نکلتی ہیں اور کچھ
مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ
ان میں سے البتہ وہ ہیں جو پھٹ جاتے پس نکلتا ہے اس سے پانی اور تحقیق ان میں سے البتہ وہ ہیں
وہ ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکلتا ہے اور کچھ وہ ہیں جو

www.alahazratnetwork.org

مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿﴾

جو گر جاتے ہیں ڈر سے اللہ کے اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے ہو تم

اللہ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں اور اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ واقعات سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل پہلے کبھی گناہ کرتے تھے کبھی توبہ۔ کبھی عہد شکنی کبھی پیغمبر کی اطاعت کرتے تھے کبھی ان کی مخالفت۔ جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے دلوں میں قدرے نرمی اور نصیحت قبول کرنے کی کچھ قابلیت تھی۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ ان واقعات کے بعد ان کے دلوں کی رہی سہی نرمی بھی جاتی رہی وہ پتھر سے بھی زیادہ سخت ہو گئے۔ **دوسرا تعلق:** اس سے پہلے اسرائیلیوں پر پے در پے مصیبتوں اور بلاؤں کے آنے کا ذکر تھا جس سے خیال تھا کہ شاید ان کے دل بہت نرم ہو گئے ہوں گے کیونکہ مصیبتیں دلوں کو نرم کر دیتی ہیں اب اس خیال کو دفع کیا جا رہا ہے کہ نہیں ان کے دل تو ان واقعات سے اور بھی زیادہ سخت ہو گئے۔

تفسیر : **ثم قست** اس جگہ **ثم** تراخی رتبہ کے لئے ہے یعنی اس قدر واقعات کے بعد پھر بھی تمہارے دل سخت ہو گئے۔ **قست**۔ **قسوۃ** اور **قساوۃ** سے بنا ہے جس کے معنی ہیں درشتی اور سختی۔ دل کی سختی یہ ہے کہ اس میں وعظ و نصیحت اثر نہ کرے اس کو مصیبت اور تکلیفوں کی پرواہ نہ ہو۔ حق تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر بھی اس کی اطاعت نہ کرے۔ **قلوبکم** یا تو حضور کے زمانے کے اسرائیلیوں سے خطاب ہے یعنی اتنے واقعات سن کر تمہارے دل اور سخت ہو گئے اور تم نبی آخر الزمان پر ایمان نہیں لاتے یا گزشتہ لوگوں سے یا ان واقعات کو دیکھ کر تمہاری قوم کے دل اور بھی سخت ہو گئے **من بعد ذلک** ذلک سے یا تو صرف گائے کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے یا سارے واقعات کی طرف یعنی اس گائے کے واقعہ یا گائے اور طور کے اٹھانے اور بندر اور سور بنانے کے واقعات کے بعد بھی تمہارے دل سخت ہو گئے حالانکہ ان واقعات سے پتھر بھی نرم پڑ جاتا ہے۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ مقتول کے زندہ ہو کر گواہی دینے کے بعد بھی قاتل اور اس کی قوم نے جرم کا انکار کیا اور کہا کہ یہ مقتول جھوٹا ہے اور بدذات پھیلانا چاہا۔ خیال رہے کہ تین چیزوں سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے۔ زیادتی عیش۔ دنیا میں زیادہ مشغولیت اسی لئے رب نے دن و رات میں بار بار نمازیں رکھی ہیں تاکہ دنیا میں مشغولیت زیادہ نہ رہے اور اللہ والوں کی عداوت۔ مگر پہلی دو چیزیں برسوں میں سختی پیدا کرتی ہیں مگر یہ تیسری چیز منٹوں سیکنڈوں میں۔ دیکھو شیطان صدیوں کا عابد تھا مگر حضرت آدم علیہ السلام کی اہانت کر کے دو منٹ میں اس کا دل ایسا سخت ہوا کہ وہ سختی آج تک نہ گئی۔ **فھی کالحجارۃ** یعنی یہ دل سختی میں پتھر کی مثل ہے نہ کہ لوہے اور فولاد کی طرح کیونکہ لوہا فولاد آگ اور معجزات سے پگھل جاتا ہے جیسے داؤد علیہ السلام کے لئے ہوا اور اس سے کار آمد چیزیں بنائی جاتی ہیں لیکن پتھر نہ آگ سے پگھلے اور نہ پگھل کر کار آمد چیز بنے۔ اسی طرح تمہارے دل خوف اور ہیبت کی آگ سے بھی نرم نہیں ہوتے۔ **او اشد قسوۃ** ۔ **او** یا بمعنی واؤ ہے جیسے **الا لبعولتهن او اباءهن** میں یا بمعنی بل بالاحت کے لئے ہے یا اختیار کے لئے یا تردید کے لئے (تفسیر کبیر) یعنی پتھر بلکہ پتھر سے زیادہ سخت ہے یا سننے والے تجھے اختیار ہے کہ ان کے دلوں کو پتھر کے یا اس سے بھی زیادہ سخت اگرچہ **قسوۃ** کی تفضیل اقسیٰ بھی آ سکتی ہے لیکن **اشد**

www.alahazratnetwork.org

قسوة کہنے میں زیادہ سختی بیان ہوئی کیونکہ اس نے صورت اور مادہ دونوں کے ساتھ زیادتی بتائی۔

نیز اقسیٰ کہنے میں یہ نہ معلوم ہوتا کہ کیفیت میں زیادہ سخت ہیں یا مقدار میں **اشد قسوة** کہنے سے زیادتی کیفیت معلوم ہو گئی کیونکہ اسم تفضیل کی زیادتی مبہم ہوتی ہے اور اشد یا اقوم میں زیادتی کیفیت اور اکثر و **ازید** میں زیادتی مقدار معلوم ہوتی ہے **وان من الحجارة** یہ گویا ان کے دلوں کے پتھر سے زیادہ سخت ہونے کا بیان ہے یعنی پتھر بھی بعض وقت خوف الٰہی سے متاثر ہو جاتے ہیں مگر تمہارے دل کبھی اثر نہیں لیتے اس لئے کہ بعضے پتھر ایسے ہیں کہ **لما یتفجر منه الا نهر** کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں۔ **یتفجر' فجر** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں خوب کھل جانا اور ظاہر ہو جانا اسی لئے صبح صادق کو فجر اور علانیہ گناہ کرنے والے کو فجور کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی خوب ظلم ہوتے ہیں۔ **انهار** نہر کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں کھودنا۔ اصطلاح میں اس وسیع غار کو نہر کہتے ہیں۔ جس میں پانی بہتا ہو یعنی بعض پتھر وہ ہیں۔ جو خوب پھٹ جاتے ہیں اور ان کے شگافوں میں سے بہت پانی نکلتا ہے۔ جس سے نہریں اور دریا جاری ہو جاتے ہیں اور ان سے لوگ نفع حاصل کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ یا تو اس پتھر سے موسیٰ علیہ السلام کا وہ پتھر مراد ہے۔ جس میں سے عصا کی برکت سے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے۔ یعنی عصاء موسوی سے پتھر سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ مگر تمہارے دلوں سے ایمان و حکمت کے چشمے جاری نہ ہوئے اور یا وہ عام پہاڑی پتھر مراد ہیں۔ جن سے گنگا جمنا وغیرہ دریا اور نہریں جاری ہیں۔ فلاسفر کہتے ہیں کہ پہاڑ کے اجزا ہوا بن جاتے ہیں اور اردگرد کی ہوا کو اپنی طرف کھینچ کر پانی بنا دیتے ہیں۔ جس سے دریا اور نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور کبھی زمین کے اندر بخارات جمع ہو کر ٹھنڈک پا کر پانی بنتے ہیں اور زور مار کر پہاڑ کو جگہ جگہ سے پھاڑ کر نکل جاتے ہیں۔ جس سے کہ بڑے جھیل و تالاب بن جاتے ہیں (تفسیر کبیر و عزیزی) **وان منها** بعض پتھر تو وہ تھے جن سے نہریں اور دریا جاری ہوئے اور بعض وہ ہیں کہ **لما یشقق** جو کہ پانی کے زور سے پھٹ جاتے ہیں۔ **فیخرج منه الماء** اور ان میں سے رس رس کر تھوڑا پانی نکلتا ہے۔ جس سے نہریں تو جاری نہیں ہوتیں ہاں پانی کے چشمے بن جاتے ہیں یعنی بعض پتھروں سے دریا اور نہریں نکلتی ہیں اور بعض سے چشمے ان دو صورتوں میں یہ فرق ہوا کہ پہلی صورت میں پتھر میں جگہ جگہ چوڑے شگاف پیدا ہو جاتے ہیں اور ان سے بہت پانی نکلتا ہے اور دوسری صورت میں کسی قدر ان سے کم چوڑے شگاف پیدا ہوتے ہیں۔ جس سے پانی ٹپک ٹپک کر نکلتا ہے **یشقق** باب تفعل سے ہے اصل میں **یتشقق** تھا۔ ت کو ش کر کے اس میں ادغام کر دیا گیا یہ شقق سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پھٹ جانا اور چر جانا۔ اسی لئے مخالفت کو شقاق کہتے ہیں کہ اس سے ایک جماعت پھٹ کر دو جماعتیں بن جاتی ہیں۔ **وان منها** بعض پتھر تو وہ تھے جن سے مخلوق نے کم و بیش فائدہ حاصل کیا لیکن بعض وہ پتھر بھی ہیں کہ مخلوق کو پانی سے نفع تو نہیں پہنچاتے مگر خود **لما یهبط من خشیة الله** خدا کے خوف کی وجہ سے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے گر جاتے ہیں۔ یعنی رب کا حکم پاتے ہی اس کی اطاعت کرتے ہیں اور حرکت میں آ جاتے ہیں مگر ان منکرین کے دل نہ تو نرم پڑتے ہیں اور نہ رب کی اطاعت کرتے ہیں باوجودیکہ پتھر بظاہر بے حس اور بے شعور ہیں۔ یہ کفار بھی شعور و عقل و فہم سب کچھ رکھتے ہیں لیکن ان کو غلط استعمال کر کے رب کی مخالفت کرتے ہیں۔ **وما الله بغافل عما تعملون** اللہ تمہارے ظاہری اور باطنی اعمال سے بے خبر نہیں۔ اس کے علم سے تم دھوکہ نہ کھاؤ۔ عذاب میں دیر تمہارے لئے خطرناک ہے ظاہر یہ ہے کہ **من خشیة الله** کا تعلق گزشتہ تینوں مضمونوں سے ہے یعنی اللہ کے خوف سے

www.alahazratnetwork.org

پتھروں سے پانی بہہ کر نہریں بنتا ہے۔ چشمے بنتے ہیں اور گر جاتے ہیں لہذا اگر کسی انسان کو اللہ کے ذکر پر روتے آنسو بہاتے یا وجد کرتے دیکھو تو ان پر اعتراض نہ کرو کہ یہ کیفیات پتھروں میں بھی آجاتی ہیں۔ خیال رہے کہ جیسے پتھروں کے ان آنسوؤں سے زمانہ فیض پاتا ہے کہ یہ پانی پی کر دنیا گزارا کرتی ہے ایسے ہی اللہ والوں کے عشقیہ آنسوؤں اور ان کے وجدانی حالات سے زمانہ فیض پاتا ہے اور پاتا رہے گا۔ جس جنگل میں اللہ والا رب رب کرے وہ جنگل تا قیامت فیض کا چشمہ بن جاتا ہے بلکہ درود والوں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں اور لوگ فائدے اٹھاتے ہیں۔ ایک مچھلی کے منہ سے نکلتے ہوئے سانس عنبر بن بن جاتے ہیں تو اللہ والوں کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ روحانی عنبر ہیں۔

خلاصہ تفسیر : حق تعالیٰ موجودہ یا گذشتہ بنی اسرائیل کو فرما رہا ہے کہ ان واقعات اور عجائبات قدرت دیکھنے کے بعد تمہارے دل اور بھی سخت ہو گئے اور گناہ کرتے کرتے ان میں پتھروں کی سی سختی آگئی کہ جن میں نہ آگ اثر کرے اور نہ میخ وغیرہ گڑے اسی طرح تمہارے دلوں میں نہ تو خوف الٰہی نرمی پیدا کرتا ہے اور نہ انبیاء کرام کی نصیحت و وعظ اثر کرتی ہے۔ بلکہ تمہارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں کیونکہ ان سے تو کچھ فائدے بھی ہیں کہ وہ بخارات وغیرہ کا اثر قبول کرتے ہیں بعض سے تو پانی کے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں جن سے ایک مخلوق فیض پاتی ہے اور بعض سے پانی رس کر اور جھر کر نکلتا ہے۔ جس سے چشمے اور تالاب بن جاتے ہیں اور ان سے بھی لوگ کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر لیتے ہیں اور بعض پتھر کی چوٹی سے زمین پر گر جاتے ہیں گویا کہ ہیبت الٰہی سے کانپ کر اس کو سجدہ کرتے ہیں مگر تمہارے دلوں کی سختی کا یہ حال ہے کہ تم نبی آخر الزماں کے وعظ پر قہقہہ اڑاتے ہو اس میں نبی کے فیض کا قصور نہیں بلکہ تمہارے دلوں کا فتور ہے سبحان اللہ پتھروں کے بیان میں کیسی نفیس ترتیب ہے کہ سب سے پہلے اعلیٰ فیض رساں پتھروں کا ذکر ہوا۔ پھر اس سے کم کا اور پھر اس پتھر کا جو بافیض تو نہیں مگر خود ہیبت سے کانپتا ہے منشا یہ ہے کہ اے اسرائیلیو تم کو نرمی قلب کے چار اسباب میسر تھے تو تم نے مصیبتیں بہت جھیلیں سخت توبہ و عبادات بھی کیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی صحبت میں رہے اور ان کی نگاہ کرم کے موقعہ پر موجود تھے پھر بھی تمہارے دل سخت رہے نرم نہ ہوئے۔ اگر اب تمہیں اس نبی آخر الزمان سے فیض نہ ملے تو اس میں تمہارے دلوں کا قصور ہے نہ کہ صحبت کے فیض میں کمی۔

دوسری تفسیر : یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان تینوں قسم کے پتھروں سے کفار کے دل مراد ہوں کیونکہ جس طرح مسلمانوں کے دلوں کی صفائی مختلف ہوتی ہے اسی طرح قلوب کفار کی سختی بھی یعنی اے علماء یہود تمہارے دل عام کفار کے دلوں کی طرح یا ان سے بھی زیادہ سخت ہیں چنانچہ تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ کفار کے دل چند طرح ہیں۔ بعض وہ ہیں کہ کدورت و نفسانی خواہشیں اور نیک لذتیں چھوڑ دیتے ہیں۔ جس سے ان پر کسی قدر روحانیت غالب آجاتی ہے اور ان سے کچھ عجیب باتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں۔ جس کو استدراج کہا جاتا ہے جیسا کہ اکثر تارک الدنیا پنڈتوں اور پادریوں میں دیکھا گیا ہے اور بعض وہ کفار ہیں کہ جن کے دلوں پر علوم غیبیہ کا دروازہ کھل جاتا ہے اور ان کے دل بشریت کے پردہ کو پھاڑ کر عالم ارواح عالم ملکوت میں گھر جاتے ہیں جس سے کہ وہ اس عالم کی چیزیں معلوم کر لیتے ہیں جنہیں حکماء اشراقین کہا جاتا ہے اور بعض کفار وہ ہیں جن کے دلوں میں پورا خدا کا خوف ہے اور دوسری ارواح سے فیض لے لیتے ہیں اس لئے ہر مذہب کے فاسق ان صفات سے محروم رہتے ہیں اور ہر مذہب کے عابد ان صفات کو پالیتے ہیں غرضکہ کشف اور عجیب باتوں کا ظہور مسلمانوں کے لئے ہی خاص نہیں بارہا کفار کو بھی

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہو جاتا ہے البتہ مسلمانوں اور ان کفار میں فرق یہ ہے کہ مسلمان اس مرتبہ پر پہنچ کر مقبول بارگاہ ہو جاتا ہے اور ترقی کرتا ہے اور کافر کو یہ مقبولیت اور رضا حاصل نہیں ہوتی ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

صفا بانجث باطن نیز گاہے جمع میگردد　　　　برو بالوحہ راجو درو نبشیند تماشہ کن!

(تفسیر عزیزی و روح البیان) لہٰذا پہلے قسم کے کافر نہر والے پتھر کی طرح ہیں۔ دوسرے قسم کے کفار چشمہ والے پتھر کی مانند تیسری قسم کے بیدین ہیبت سے گرنے والے پتھر کی مثل اے علماء یہود تم ان کفار سے بھی گئے گذرے ہوئے ہو اس تفسیر میں مشبہ اور مشبہ بہ ایک ہی جنس کے ہوں گے۔ یعنی دلوں کو دلوں سے تشبیہ ہو گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پتھروں میں احساس اور شعور ہے اگرچہ ہم کو محسوس نہ ہو۔ اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے مگر تم نہیں سمجھتے بلکہ ایک جگہ ارشاد ہوا **کل قد علم صلوتہ و تسبیحہ** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر جانور وغیرہ اپنی نماز بھی ادا کرتے ہیں بلکہ بعض اللہ والے کا کلام سن بھی لیتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کے فراق میں لکڑی روئی جس کو صحابہ کرام نے بھی سنا۔ ابو جہل کے ہاتھ میں کنکروں نے کلمہ پڑھا جو کہ اس نے بھی سنا۔ بکری کے زہر آلودہ گوشت نے حضور کو زہر کی اطلاع دی حضور کے بلانے پر درخت چلے آئے۔ حضور علیہ السلام کو پتھروں نے سلام کیا۔ شبیر پہاڑ نے ایک دفعہ حضور سے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ آپ کو کفار ڈھونڈ رہے ہیں اس لئے آپ میری پشت سے نیچے اتر آئیں تاکہ آپ کو پکڑ نہ سکیں۔ مسلم و بخاری میں ہے کہ حضور نے احد کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں بلکہ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن کفار کی کھالیں اور ہاتھ پاؤں بولیں گے۔ حضرت شیخ شیر اسکواری فرماتے ہیں کہ میں جاری پانی سے ہادائم کا ذکر سنتا ہوں مولانا فرماتے ہیں۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل　　　　ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است　　　　از حواس اولیا بیگانہ است

دوسرا فائدہ: انسانوں کی طرح پتھر اور جانور بھی مختلف درجے رکھتے ہیں۔ اگرچہ ہر مخلوق تسبیح پڑھتی ہے مگر سبزہ کی تسبیح سے عذاب قبر میں کمی ہوتی ہے نہ کہ پتھر کی تسبیح سے جیسے کہ مسلمان کا قرآن پڑھنا باعث ثواب ہے نہ کہ کافر کا تیسرا فائدہ: مسلمانوں کی طرح کفار کے بھی مختلف درجے ہوتے ہیں۔ اس لئے جہنم کے درجے مختلف ہیں۔ ابولہب امیہ ابن خلف اور ابو طالب ایک درجہ کے کافر نہیں۔ چوتھا فائدہ: جو شخص اللہ کی اطاعت نہ کرے وہ جانور تو کیا پتھر سے بھی بدتر ہے۔ کیونکہ۔

آدمی آمد برائے بندگی　　　　زندگی بے بندگی شرمندگی

پانچواں فائدہ: انسانی دل اگر درست رہے تو فرشتوں سے افضل ہے اور اگر بگڑ جائے تو پتھروں سے بدتر۔ اسی واسطے کہتے ہیں کہ زبان اگر درست رہے تو زباں ہے اگر زیادہ چلے تو زیاں یعنی نقصان اور اگر ٹیڑھی ہو جائے تو زبان یعنی فساد۔ چھٹا فائدہ: دل کی نرمی اللہ کی بڑی نعمت ہے جو تمام نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے زمین کو ہل سے نرم کر کے بیج بوتے ہیں پانی سے نرم کر کے برتن بناتے ہیں جس سے وہ محبوب کے پینے کے لائق ہوتا ہے ایسے ہی انسانی دل اگر نرم ہو تو اس میں ایمان و عرفان کے باغ لگیں گے۔ ساتواں فائدہ: جیسے مٹی لوہے وغیرہ کو نرم کرنے کی مختلف صورتیں کبھی مل کر کبھی پانی کبھی آگ سے نرم ہوتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں یوں ہی نرمی دل کبھی مصیبتوں سے کبھی بزرگوں کی صحبت سے کبھی ان کی نگاہ سے نصیب ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کو یہ چاروں چیزیں دی گئیں مگر نرمی دل نصیب نہ ہوئی رب کا فضل شامل حال نہ تھا۔

پہلا اعتراض : اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ **او اشد قسوۃ** میں **او** اختیار کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اختیار انشاء ت میں ہوتا ہے نہ کہ خبر میں اور اس آیت میں خبر ہے۔ جواب: ہر خبر کے ضمن میں انشاء اور ہر انشاء کے ضمن میں خبر ہوتی ہے۔ بعض جگہ اس ضمنی چیز کا لحاظ کر لیا جاتا ہے (تفسیر عزیزی) یہ قاعدہ خوب خیال میں رکھو بہت فائدہ مند ہے بعض جگہ خبریں منسوخ ہو جاتی ہیں۔ اس ضمنی انشاء کی وجہ سے جیسے **ولا اعلم الغیب** دوسرا اعتراض: کفار کی سنگدلی بیان کرنے کے لئے صرف پتھر کہنا کافی تھا اس قدر پتھروں کی کیوں بیان کیے گئے؟ جواب: اس لئے کہ اللہ والوں کے دل چار طرح کے ہیں ایک وہ ل جو بحر توحید میں ڈوبا ہو اور اس سے معرفت کی نہریں جاری ہوں جیسے صوفیائے کرام کے دل دوسرا وہ جو علم ظاہری کے سمندر سے سیراب ہو اور خلقت اس سے نفع اٹھائے جیسے علمائے کاملین کا دل تیسرے وہ دل جو رب کی فرمانبرداری میں مشغول رہے اور اس کے خوف سے بھر پور ہو جیسے زاہدوں اور عابدوں کا دل اور کفار کے دل سرکشی اور غرور کی وجہ سے بے خوف ہیں نہ فیض علمی قبول کریں نہ کوئی اور اثر۔

تفسیر صوفیانہ : ہر دل میں فطری طور پر خوف الٰہی اور شفقت خلق کے پانی موجود ہیں گناہ اور بے دینوں کی صحبت اس کو خشک کرنے والی دھوپ ہے جب انسان گناہ میں مبتلا ہو جاتا ہے تو رفتہ رفتہ یہ دونوں پانی خشک ہو جاتے ہیں۔ جس سے کہ اس کا دل خشک کنکر یا پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے۔ سختی قلب کی تین علامتیں ہیں۔ آنکھ کا خشک ہونا یعنی آنسو نہ نکلنا دنیوی امیدوں کی زیادتی اور حرص زیادہ بولنا اور زیادہ ہنسنا قلب کو سخت کر دیتا ہے۔ خوف الٰہی میں آنسو اور زیادہ ذکر اللہ دل کو نرم کرنے والی چیزیں ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر رحمت الٰہی امداد نہ کرے تو آیتیں اور نشانیاں دل کی سختی بڑھاتی ہیں جیسے کہ ان یہود نے انبیاء کے معجزے دیکھے مگر ان میں زیادہ سختی پیدا ہوئی۔ ہدایت فضل رحمان سے ملتی ہے نہ کہ دلائل و برہان سے سخت قلب میں قرآن اور دعا الٹا اثر کرتا ہے جیسے کہ بیمار کو مقوی دوائیں زیادہ بیمار کرتی ہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ

کیا پس طمع رکھتے ہو تم اس کی کہ ایمان لائیں وہ واسطے تمہارے حالانکہ تحقیق تھا ایک گروہ ان میں

تو اے مسلمانو کیا تمہیں یہ طمع ہے کہ یہ یہودی تمہارا یقین لائیں گے اور ان میں کا ایک گروہ وہ

یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ

سے سنتے تھے وہ کلام اللہ کا پھر بدلتے تھے وہ اس کو پیچھے سے اس کے کہ سمجھتے تھے

تھا کہ اللہ کا کلام سنتے پھر سمجھنے کے بعد اسے

www.alahazratnetwork.org

وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝
وہ اس کو حالانکہ وہ جانتے تھے
دانستہ بدل دیتے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے گذشتہ یہودیوں کی سرکشی اور نافرمانی کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب موجودہ یہودیوں کی حالت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** اس سے پہلے اسرائیلیوں سے خطاب تھا اور ان کو اسلام لانے کی رغبت دی گئی تھی اب مسلمانوں کو خطاب کرکے فرمایا گیا کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے فقط حجت ختم کرنے کے لئے ان کو دلائل سنا دیئے گئے۔ **تیسرا تعلق:** اس سے پہلے بتایا گیا کہ اسرائیلیوں نے پیغمبروں کے اعلیٰ معجزات دیکھ کر بھی سرکشی کی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں ایسی قوم کیا صرف تمہارے دلائل سن کر ایمان لے آئے گی۔ تم ان کی مخالفت پر رنج و غم نہ کرو کیونکہ یہ ان حرکتوں کے عادی ہیں۔

تفسیر : **افتطمعون** یہ استفہام تعجب کا ہے یا روکنے کا جیسے اپنے بچہ سے کہا جاوے کہ کیا اب تو ایسا کرے گا۔ یعنی نہ کرنا تا قیامت مسلمان کافر سے وفا کی امید نہ رکھیں ورنہ دھوکا کھائیں گے۔ اور خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہو اس لئے کہ حضور تبلیغ میں بہت کوشش فرماتے تھے اور یہود کے انکار سے آپ کو رنج و غم ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ نے ان کی گذشتہ سرکشیاں سنا کر اپنے محبوب علیہ السلام اور مسلمانوں کو تسکین دی کہ کیا تم اب بھی ان کی سرکشی پر رنج و افسوس کرو گے خیال رہے کہ دنیاوی طمع بری ہے لیکن دینی طمع مبارک اور محمود۔ اس جگہ طمع سے نہیں روکا گیا بلکہ رنج و غم سے جو طمع کی وجہ سے تھا۔ حرص و ہوس طمع لالچ مختلف امیدوں کے نام ہیں اور قناعت صبر وغیرہ مختلف ناامیدیوں کے القاب۔ اللہ نے رسول سے طمع لالچ ہوس حرص محمود ہے رب نے حضور کی تعریف فرمائی۔ **حریص علیکم** ایک ہے طمع رحمانی ایک ہے طمع شیطانی یونہی ایک ہے حرص نفسانی ایک ہے حرص ایمانی۔ صحابہ کو یہ طمع رحمانی ایمانی تھی۔ انہیں یہ تو فرمایا کہ کفار سے دھوکہ نہ کھانا مگر اس طمع پر عتاب نہ فرمایا۔ **ان یومنوا لکم** اس سے وہ یہودی مراد ہیں جن کا کافر رہنا اور ایمان قبول نہ کرنا اللہ کے علم میں آچکا تھا کیونکہ بہت سے یہودی ایمان لے بھی آئے تھے۔ ایمان کے معنی یقین کرنا ہے اور اصطلاحی معنی ہیں دینی باتوں کی تصدیق کرنا اس جگہ اگر لغوی معنی مراد ہوں تو **لکم** صلہ کا ہو گا یعنی جب انہوں نے انبیاء کرام کے اعلیٰ معجزات دیکھ کر ان کا یقین نہ کیا تو کیا تمہارا یقین کرلیں گے اور اگر اصطلاحی معنے مراد ہوں تو یہ لام تعلیلیہ ہے۔ یعنی کیا تم کو طمع ہے کہ تمہاری تبلیغ تمہارے دلائل کی وجہ سے یہ ایمان لے آئیں گے۔ **وقد کان** واؤ حالیہ ہے عاطفہ۔ **کان** یا بمعنی تھا ہے یا بمعنے ہے یعنی ان میں ایک گروہ ایسا تھا یا ایسا ہے **فریق منہم** فریق رہط اور جماعت کے معنی میں ہے یہ فرق سے بنا ہے جس کے معنی ہیں جدا ہونا۔ فریق علیحدہ اور جدا جماعت ہے یا تو خود ان کی یا ان کے بزرگوں کی یا تو اس جماعت سے وہ ستر آدمی مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے اور رب کا کلام سن کر آئے۔ اور ان میں سے بعض نے قوم سے کہہ دیا کہ رب نے ان تمام احکام کے کرنے اور نہ کرنے کا تم کو اختیار دیا ہے اور یا دوسرے علماء یہود مراد ہیں۔ جنہوں نے توریت میں سے رجم

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ کی آیتیں کاٹ ڈالیں یا حضور کے زمانہ کے وہ علماء یہود مراد ہیں جنہوں نے توریت میں نبی آخر الزمان کے صفات بدل ڈالے **یسمعون کلم اللہ** اس سے یا تو طور پر کلام الٰہی بلاواسطہ سننا مراد ہے اور یا توریت کے احکام موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ یا بالواسطہ سننا **ثم یحرفونہ** تحریف سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ہٹانا پلانا اور مائل کرنا۔ اس کا مادہ حرف ہے۔ جس کے معنی ہیں علیحدہ ہونا۔ کنارے اور شک اور حرف کو بھی اس لئے حرف کہتے ہیں کہ وہ اصل میں علیحدہ ہوتا ہے اسی سے انحراف اور محرف بنا۔ تحریف کی چند صورتیں ہیں لفظ کا بدل ڈالنا معنی بدل ڈالنا۔ عبارت کا وہ مطلب بنانا جو اجماع امت کے خلاف ہو کلام الٰہی کی تحریف کفر ہے۔ جو شخص عبارت قرآن دیدہ و دانستہ بدلے وہ کافر ہے یہود توریت شریف میں ہر قسم کی تحریف کرتے تھے نبی آخر الزمان کے صفات میں لفظ ابیض تھا اسے کاٹ کر آدم بنادیا تھا اس کی جگہ طوال لکھ دیا اور حضور کے فضائل اور معجزات بدل ڈالے احکام کی آیتیں مٹا کر اپنے خاطر خواہ عبارتیں بنا کر لکھ دیں مثلاً توریت میں تھا کہ زانی کو سنگسار کرو۔ اس جگہ لکھ دیا کہ اس کا منہ کالا کرکے اس کو گدھے پر سوار کرو۔ چونکہ قرآن کریم کی رب تعالیٰ نے حفاظت فرمائی ہے اس لئے بحمدہ تعالیٰ اس میں کسی قسم کی تحریف نہ ہو سکی۔ اگرچہ قادیانیوں اور دیوبندیوں وغیرہ نے تحریف معنوی کی کوشش کی لیکن علماء ربانی نے ان سب کو مٹادیا۔ **من بعد ما عقلوہ** یعنی شبہ کی وجہ سے تحریف نہ کی اور یہ نہ ہوا کہ لفظ یا معنے کے سننے یا سمجھنے میں ان سے غلطی ہوگئی ہو بلکہ الفاظ خوب سن لئے اس کے معنے خوب سمجھ لئے اور پھر اس کو بدل ڈالا۔ **وھم یعلمون** اور وہ تحریف کرتے وقت جانتے بھی تھے کہ یہ لفظ توریت کے نہیں ہیں اور یہ معنی خدا تعالیٰ کے مراد نہیں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ تحریف کے دو عذر ہوسکتے تھے ایک یہ کہ پہلے ہی سے سننے میں غلطی ہوئی ہوتی۔ دوسرے یہ کہ بعد میں بھول گئے ان کو یہ دونوں عذر نہ تھے۔ **من بعد ما عقلوہ** میں نہ سمجھنے کا عذر دور کیا گیا اور **وھم یعلمون** میں یاد نہ رہنے کا یعنی انہوں نے توریت کے سننے کے وقت صحیح سنا تھا اور تحریف کرتے وقت اصل توریت یاد تھی یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ وہ جانتے تھے کہ تحریف میں بڑا عذاب ہے۔

خلاصہ تفسیر : خدا تعالیٰ مسلمانوں کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ کیا تم یہودیوں سے امید رکھتے ہو کہ تمہاری تبلیغ سے دین اسلام قبول کریں گے۔ ان سے یہ امید نہ رکھو کیونکہ یہ سرکش قوم ہے اس میں بعض لوگ ایسے بھی تھے یا ہیں۔ جو کلام الٰہی سن کر اور خوب سمجھ کر پھر اپنی خواہش نفسانی سے بدل ڈالتے تھے اور اے مسلمانو اب تو ان کو تم سے اور تمہارے پیغمبر سے حسد و بغض بھی ہے۔ کیونکہ انہیں تمہاری وجہ سے اپنی ریاست جانے کا اندیشہ ہے۔ جب کہ نبی آخر الزمان تشریف بھی نہ لائے تھے اور انہیں ان سے کوئی خطرہ بھی نہ تھا جب ہی یہ ان کے صفات احوال بدل چکے تھے اور یہ جانتے بھی تھے کہ یہ سخت گناہ ہے تو اب جب کہ انہیں تم سے خطرہ بھی پیدا ہوچکا یہ تمہاری بات کیسے مان لیں گے۔ جس کلام کو یہ حق سمجھتے تھے اور جس نبی پر یہ ایمان لاچکے تھے جب اس پر انہوں نے یہ کاروائی کرلی تو قرآن اور صاحب قرآن کو تو یہ مانتے بھی نہیں۔ اگر اس کی مخالفت کریں تو تم کیوں رنج کرتے ہو۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ ہی میں توریت کو سن کر سمجھ کر اس کے خلاف عمل کرنا موسیٰ علیہ السلام کا فرمان جان کر بچھڑے کی پرستش کرنا عملی تحریف تھی۔ غرضیکہ انہوں نے توریت کی لفظی معنوی حکمی عملی ہر قسم کی تحریف کرڈالی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ضدی عالم منصف جاہل سے بدرجہا بدتر ہے۔ کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

اس جاہل کے ایمان کی امید ہے مگر اس عالم کے ایمان کی امید نہیں۔ اسی لئے فی زمانہ مناظرے فائدے مند نہیں ہوتے کیونکہ وہاں آبرو اور ضد کا سوال ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ: کوئی شخص اپنے علم و معرفت اور یقین بلکہ رب کی ہمکلامی کے باوجود ایمان نہیں پاسکتا جب تک رحمت الٰہی شامل نہ ہو۔ ابلیس نے رب سے کلام بارہا کیا تھا مگر مردود ہو گیا۔ بلکہ عالم انوار دیکھ کر ملائکہ میں رہ کر مومن نہ رہا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں جب کہ ایمان بعد العیان جاتا رہا تو ایمان بالبرھان کا کیا اعتبار مولانا فرماتے ہیں۔

جز عنایت کہ کشاید چشم را | جز محبت کہ نشاید چشم را

جہد بے توفیق خود کس را مباد | در جہاں واللہ اعلم بالسداد

بے توفیق والی عبادت کھوٹے روپے کی طرح ہے۔ دیکھنے میں عمدہ مگر بازار میں بے کار۔

مفلساں گر خوش شوند از زر قلب | لیک آں رسوا شود در دار ضرب

تیسرا فائدہ: دین کو بدلنا اس میں بری بدعتیں ایجاد کرنا بھی اسی وعید میں داخل ہے کیونکہ یہ بھی دین کی معنوی تحریف ہے چوتھا فائدہ: تبلیغ احکام ہمیشہ اور ہر شخص کو کرنی چاہئے اور لوگوں کے انکار پر رنج و غم نہ کرنا چاہئے۔ دیکھو رب نے یہود کے ایمان سے مسلمانوں کو مایوس تو کر دیا مگر تبلیغ سے نہ روکا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض یہودیوں نے توریت کی تحریف کی پھر اس سے سب جماعت کے ایمان سے کیوں مایوس کیا گیا۔ نیز گذشتہ یہودیوں نے تحریف کی تھی اس کی بنا پر موجودہ یہودیوں کے ایمان سے کیوں مایوسی ہوئی۔ جواب: اس لئے کہ یہ بعض لوگ ان تحریف کرنے والوں کے اندھے مقلد تھے اور بے دین ضدی عالم اور اس کا اندھا مقلد بے ایمانی میں دونوں برابر ہیں کہ ان کے ایمان کی امید نہیں۔ دوسرا اعتراض: ان کی تبلیغ سے کیا فائدہ کیونکہ تبلیغ تو دعوت حق کے لئے ہوتی ہے۔ جواب: اگر تبلیغ سے کافر مسلمان ہو جائیں تو مبلغ کو دو ثواب ملتے ہیں اور اگر کوئی مسلمان نہ ہو تو صرف احکام پہنچانے کا ایک ثواب ضرور مل جاتا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر تحریف کرنا جرم ہے نہ کہ غلطی سے تو جو شخص غلطی سے بے دین ہو جائے چاہئے کہ وہ گنہگار بھی نہ ہو۔ جواب: بیشک اگر حافظ بھول کر آیت غلط پڑھ جائے یا عالم خطاء معنی میں غلطی کر جائے یا مجتہد اجتہاد میں خطا کرے تو یہ گنہگار نہیں بشرطیکہ اس پر ضد نہ کریں اور کوئی عالم غلطی سے بے دین نہیں ہوتا بلکہ دیدہ دانستہ ہی بنتا ہے رہے جہلا ان کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ چوتھا اعتراض: جب کلام الٰہی کے الفاظ کا معنے اور حکم بدلنا تحریف ہے تو چاہئے کہ قرآن کا ترجمہ بھی نہ کیا جائے اس لئے کہ اس میں کلام کے الفاظ بدل جاتے ہیں اور انہیں کو رب کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ مثلاً ''کوئی کہتا ہے کہ خدا نے فرمایا کہ نماز پڑھو حالانکہ یہ عبارت خدا کی نہیں۔ جواب: یہ تحریف نہیں بلکہ تعبیر ہے تاکہ عربی نہ جاننے والے قرآن کا مطلب سمجھ جائیں اس میں ضروری ہے کہ مضمون نہ بگڑے یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ یہ الفاظ خدا کے ہیں۔ تبدیلی الفاظ قرآن پاک میں بھی ہے۔ فرمایا ہے۔ **وانہ لفی زبر الاولین**۔ یہ قرآن اگلوں کے صحیفوں میں تھا حالانکہ وہ صحیفے زبان عبرانی میں تھے اور قرآن عربی میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: روحانی ترقی کا مدار انا کو فنا کرنے پر ہے جس سے غنا نصیب ہو۔ ان بدنصیب یہودیوں کو انا کی بیماری تھی جس

www.alahazratnetwork.org

کی وجہ سے وہ توریت کی تبدیلی میں بھی جرات کرنے سے نہ ڈرتے تھے اور اپنی انا کے فنا کے خوف سے حضور کے اوصاف کریمہ کو توریت سے نکالنے پر تلے ہوئے تھے اس انا نے ابلیس کا بیڑا غرق کیا اسی انا نے فرعون سے دعویٰ خدائی کرایا کہ ابلیس نے کہا **انا خیر منہ** اور فرعون بولا **انا ربکم الاعلیٰ** انا وہ آگ ہے جو ایک دم میں ایمان و عرفان کے باغ کو جاہ برباد کر دیتی ہے۔ اسی کو فنا کر دینے کا نام ولایت ہے۔ شعر

خود کو ایسا مٹا کہ تو نہ رہے — تجھ میں اپنی خودی کی بو نہ رہے

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى
اور جب ملیں وہ ان سے جو ایمان لائے تو کہیں ایمان لائے ہم اور جب تنہا ہو بعض ان کا طرف
اور جب مسلمانوں سے ملیں تو کہیں ہم ایمان لائے اور جب آپس میں اکیلے ہوں تو کہیں
بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآ
بعض کے تو کہیں کیا خبر دیتے ہو تم ان کو ساتھ اس کے جو کھولی اللہ نے اوپر تمہارے
وہ علم جو اللہ تعالیٰ نے تم پر کھولا مسلمانوں سے بیان کیے دیتے ہو
جُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۞ اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ
تاکہ حجت کریں وہ تم سے ساتھ اس کے نزدیک رب تمہارے کے کیا پس نہیں عقل رکھتے تم کیا
کہ اس سے تمہارے رب کے یہاں تمہیں پر حجت لائیں کیا تمہیں عقل نہیں کیا نہیں جانتے
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۞
اور نہیں جانتے وہ تحقیق اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں وہ
کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے حضور علیہ السلام کے زمانہ کے یہودیوں کا ایک عیب بیان کر دیا گیا۔ اب ان کا دوسرا عیب بیان کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** اس سے پہلے بتایا گیا تھا کہ علماء یہود بذریعہ قلم لوگوں کو ایمان سے روکتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ زبانی بھی بہت روک تھام کر رہے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** اس سے پہلے ایک دلیل سے مسلمانوں کو یہودیوں سے مایوس کیا گیا اب اسی مایوسی کی دوسری دلیل بیان ہو رہی ہے کہ اے مسلمانو یہ خود تو کیا ایمان لائیں گے ان کو تو یہ بھی گوارہ نہیں کہ ان کی جماعت کا کوئی آدمی حضور علیہ السلام کی زبانی تعریف بھی کر دے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت سے شبہ پڑتا تھا کہ تحریف وغیرہ صرف علماء یہود کا کام ہے ان کی جماعت کے عام لوگ ایسے خبیث

www.alahazratnetwork.org

نہیں یہ تو ہمارے نبی کی تعریفیں بھی کرتے ہیں اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو ان کی ظاہری تعریف کو مت دیکھو یہ تقیہ کرتے ہیں۔ نیز ان کی باگ ڈور ان کے علماء کے ہی ہاتھ میں ہے وہ ان کو تنہائی میں خوب ڈانٹتے ہیں۔

شان نزول : حضور علیہ السلام کے زمانہ میں کچھ یہودی صحابہ کرام سے ملتے تھے کہ ہم بھی اس پر ایمان لائے ہیں جس پر تمہارا ایمان ہے اور تمہارے نبی سچے ہیں۔ ان کا فرمان حق ہے ان کی صفتیں توریت شریف میں موجود ہیں ان لوگوں پر علماء یہود ملامت کرتے تھے ان لوگوں کے لئے آیت کریمہ آئی (تفسیر خزائن العرفان)

تفسیر : **واذا لقوا الذین امنوا** اس جگہ محرفین یہود مراد نہیں بلکہ منافق جماعت یعنے جب منافق یہودی مخلص مسلمانوں سے ملتے ہیں **قالوا امنا** کہتے ہیں کہ ہم تمہاری طرح دل سے ایمان لے آئے لیکن اپنے اہل قرابت اور بزرگوں کے ڈر سے اپنے باپ دادوں کا دین نہیں چھوڑتے بظاہر تو ہم توریت کے عامل ہیں۔ مگر در حقیقت تمہارے ساتھی (تفسیر عزیزی) **واذا خلا بعضھم الی بعض** خلا کی تحقیق سورہ بقر کے شروع میں ہو چکی۔ پہلے بعض سے منافقین اور دوسرے بعض سے محرفین یا کھلے کافر مراد ہیں۔ یعنی جب بعضے منافقین ایسی باتیں بنا کر اپنے علماء کے ساتھ تنہائی میں جمع ہوتے ہیں جہاں کوئی مسلمان نہ ہو۔ **قالوا اتحدثونھم** کا فاعل دوسرے بعض ہیں۔ یعنی یہ علماء یا کھلے کافر ان منافقین سے کہتے ہیں کہ کیا تم مسلمانوں کو ایسی باتیں بتا دیتے ہو **تحدثون** تحدیث سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بات کرنا یا خبر دینا خیال رہے کہ یہ کفار تنہائی میں ہی ملامت کرتے تھے کیونکہ اعلانیہ ملامت کرنے میں انہیں دو خطرے تھے۔ ایک یہ کہ کہیں یہ منافقین ہم سے کٹ کر مسلمانوں سے نہ جا ملیں دوسرے یہ کہ مسلمان ہمارے اس ڈر اور خوف سے خبردار نہ ہو جائیں۔ اس لئے خیر خواہانہ طریقے پر چھپ کر ان سے کہتے تھے۔ اس چھپے راز کا اظہار حضور علیہ السلام کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ **بما فتح اللہ علیکم** فتح کے لفظی معنی ہیں کھولنا یہاں ظاہر کرنا اور بیان کرنا مراد ہے یعنی اے منافقو نبی آخر الزمان کے فضائل اور ان کی امت کی بزرگیاں اور بنی اسرائیل سے ان کی اطاعت کا عہد و پیمان جو توریت میں مذکور ہے یہ توریت و زبور کے خزانوں کے قیمتی علمی موتی ہیں جن کو ہم نے اب تک "معلوم" بمشکل چھپایا ہے تم کیا غضب کر رہے ہو کہ مسلمانوں پر ظاہر کئے دیتے ہو۔ **لیحاجوکم بہ** یہ لام انجام کا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اس نے چوری کی جیل خانہ کے لئے یعنی تمہاری اس خبر دینے کا انجام یہ ہوگا۔ **یحاجو'** محاجت سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مناظرہ کرنا یا غالب ہو جانا۔ یعنی مسلمان اس ذریعہ سے تم سے مناظرہ و مقابلہ کریں گے یا تم پر غالب آجائیں گے کیونکہ تمہاری یہ باتیں ان کے لئے دستاویز کا کام دیں گی۔ جس سے وہ تم کو الزام دے کر خاموش کر دیں گے۔ **عند ربکم** اس کے معنی میں علماء نے بہت تردد کیا ہے۔ کسی نے **عند** کو فی کے معنی میں لیا کسی نے **ربکم** سے پہلے لفظ کتاب یا حکم پوشیدہ مانا کسی نے عند کو اعتقاد کے معنی میں لیا۔ مگر صحیح توجیہ یہ ہے کہ عند اپنے معنی میں ہے اور کوئی لفظ پوشیدہ نہیں یعنی قیامت کے دن رب تعالیٰ کے سامنے مسلمان تم کو رسوا کریں گے کہ کہیں گے کہ مولیٰ انہوں نے ہمارے سامنے اسلام کی حقانیت کا اقرار کیا اور پھر اس کی مخالفت کی جس سے تم اقبالی مجرم اور اقراری ملزم بنو گے جس کی سزا بھی زیادہ ہوتی ہے اور رسوائی کافی **افلا تعقلون** ظاہر یہ ہے کہ یہ ان علماء کا ہی کلام ہے اور اس میں منافقین سے خطاب ہے یعنی اے منافقو تم یہ بات سمجھتے کیوں نہیں اور اس خطا سے بچتے کیوں نہیں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کلام رب کا ہو اور مسلمانوں سے خطاب ہو کہ اے

www.alahazratnetwork.org

مسلمانو تم یہ واقعات سن کر سمجھتے کیوں نہیں اور ان کے ایمان سے مایوس کیوں نہیں ہوتے۔ **اولا یعلمون** رب تعالیٰ ان کی تردید فرما رہا ہے یہ استفہام انکاری ہے یعنی کیا یہ علمائے یہود اتنا نہیں جانتے کہ **ان اللہ یعلم ما یسرون وما یعلنون** کہ اللہ ان کی چھپی اور علانیہ سب باتوں کو جانتا ہے۔ یا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ منافقین کے ظاہر کرنے اور علماء کے در پردہ منع کرنے کو رب جانتا ہے۔ قیامت میں ان پر الزام تو قائم ہو چکا یا مسلمانوں کو اس مشورہ سے آگاہ فرما دے گا جس سے وہ دنیا اور آخرت میں ان پر الزام قائم کریں گے یا حق تعالیٰ ان کی چھپائی ہوئی اور ظاہر کردہ توریت کی آیتیں جانتا ہے مسلمانوں کو اس سے مطلع فرما دے گا۔ جس سے ان کی یہ کوشش بیکار جائے گی۔ چنانچہ عبداللہ ابن اسلام اور حضرت کعب احبار جیسے علماء یہود کو رب تعالیٰ نے اسلام کی توفیق دی۔ جنہوں نے توریت شریف کی چھپائی ہوئی آیتیں ظاہر فرمائیں اور حضور کی نعت شریف کے گیت گائے۔

خلاصہ تفسیر : حق تعالیٰ مسلمانوں کو یہود کی دوسری بری خصلت سے مطلع کر رہا ہے اور فرماتا ہے کہ ان کی بے دینی یہاں تک پہنچ چکی کہ ان کی ایک جماعت نے کفر و ایمان کو معمولی بات سمجھ رکھا ہے کہ جب مسلمانوں سے ملتے ہیں تو اپنے ایمان کا اظہار اور حضور علیہ السلام کے فضائل کا اقرار کرتے ہیں اور جب اکیلے میں جمع ہوتے ہیں تو ایک دوسرے پر ملامت اور انکار کرتے ہیں اور ان میں دوسری جماعت وہ ہے جو منافقین کی زبانی تعریف کو بھی گوارا نہیں کرتی وہ ان کو تنہائی میں سمجھاتی ہے کہ تم مسلمانوں کے سامنے توریت وغیرہ کی وہ باتیں کیوں کرتے ہو جن سے اسلام کی حقانیت ثابت ہو اس کا انجام یہ ہو گا کہ جس طرح وہ تم کو اور دلائل سے الزام دیتے ہیں اسی طرح ان آیتوں اور تمہارے اقرار سے بھی تم کو الزام دیں گے۔ نیز بارگاہ الٰہی میں ابھی تم بے علمی کا بہانہ کر سکتے ہو مگر پھر نہ کر سکو گے۔ بلکہ اقبالی مجرم کی حیثیت سے سخت سزا کے مستحق ہو گے۔ حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ بیوقوف ہم کو بے علم جانتے ہیں۔ یہ مسلمانوں سے کچھ کہیں یا نہ کہیں ہمیں سب کچھ روشن ہے نیز ہم نے ہی توریت اتاری ہے۔ ہم اپنے نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو اور مسلمانوں کو ان کی چھپائی ہوئی آیتیں بتا دیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مناظرہ کرنا۔ مقابل کی کتابوں کی خبر رکھنا۔ ان کو الزامی جواب دینا سنت انبیاء ہے اسی لئے تو علمائے یہود توریت کی آیتیں چھپاتے تھے کہ مسلمان ہم کو الزامی جواب نہ دیں۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا کی ہوس اور مال کی عزت و آبرو کی طمع انسان کے دین کو برباد کر دیتی ہے۔ دیکھو علماء یہود کو خدا سے خوف بھی تھا اور آخرت کے اقبالی جرم سے ڈرتے بھی تھے مگر پھر دنیوی لالچ میں اپنی ضد پر قائم تھے۔ **تیسرا فائدہ:** حق بات اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اوصاف چھپانا اور حضور کے کمالات کا انکار کرنا خبیث یہودیوں کا طریقہ ہے اس زمانہ کے عام دیوبندی اور وہابیوں کا یہی طریقہ ہے کہ فضائل کی آیات و حدیث نہ پڑھیں نہ کسی کو بتائیں اگر ان کا بس چلے تو ان آیتوں اور حدیثوں کو مٹا ہی دیں اور جن آیتوں سے ان کے خیال میں حضور کی اہانت نکلے ان کا ہر جگہ اعلان کریں۔ یہ بالکل ان محرفین یہودیوں کے قدم بقدم ہیں۔ اسمٰعیل دہلوی نے تقویۃ الایمان میں صاف لکھ دیا کہ حضور کی بندوں کی سی تعریف کرو اور اس میں بھی کمی کرو مگر میرے رب کا حکم یہ ہے کہ **وتعزروہ وتوقروہ** اس شہنشاہ کی خوب تعظیم کرو۔ لہٰذا رب کی ہی بات مانی جائے گی کہ کسی اور خبیث کی۔ **چوتھا فائدہ:** بری نیت سے کتاب اللہ پڑھنا بھی حرام بلکہ کفر ہے دیکھو علماء بنی اسرائیل حضور علیہ السلام کے

www.alahazratnetwork.org

اوصاف چھپانے کی نیت سے تورات پڑھتے تھے ان کا یہ فعل کفر تھا ہم سورہ عبس کی تفسیر میں انشاء اللہ ذکر کریں گے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس امام کو قتل کرا دیا تھا جو حضور کی اہانت کی نیت سے ہر نماز میں عبس پڑھا کرتا تھا۔ آج دیوبندی وہابی اور دیگر بیدینوں کا یہی دستور ہے کہ ان کا قرآن و حدیث پڑھنا پڑھانا بری نیت سے ہے ہم نے تو دیکھا کہ یہ نماز میں بھی وہی آیتیں پڑھتے ہیں جن میں حضور کی توہین سمجھتے ہیں۔ انہیں سورہ حجرات طٰہٰ اور سورہ فتح وغیرہ یاد ہی نہیں ہوتیں ایسے ہی لوگوں کے متعلق حدیث شریف میں آیا کہ وہ قرآن پڑھیں گے۔ قرآن ان پر لعنت کرے گا۔ جب قرآن لانے والے کی عظمت دل میں نہ ہو تو قرآن پڑھنا بیکار ہے۔ قرآن پڑھنا' دیکھنا' چھونا سب عبادت ہے مگر جب کہ اچھی نیت سے ہو بری نیت سے یہ تمام کام گناہ بلکہ کبھی کفر ہوتے ہیں۔ دیکھو مسجد میں آنا عبادت ہے مگر آنا نہ کہ جوتی چرانے کی نیت سے حضور کی اہانت ثابت کرنے کو قرآن پڑھنا بے دینی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا راز چھپا نہیں سکتا دیکھو بنی اسرائیل نے چھپ کر جو مشورے کئے تھے وہ رب نے حضور پر ظاہر فرما دیئے۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمانوں کو اپنے ایمان کا اعلان کرنا بلکہ اپنی صورت و سیرت سے اسلام ظاہر کرنا ضروری ہے صرف زبانی اظہار کافی نہیں جیسا کہ **قالوا** فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہاں قالوا عتاب کے لئے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کو کفار سے محبت ان سے خلوتوں میں ملاقاتیں قتل راز باتیں ممنوع ہیں کہ کفار اس طرح ان کو بہکانے لگیں۔ کیونکہ **خلا بعضہم** کو بھی بطور عتاب فرمایا اور **بعضہم** فرما کر بتایا کہ زبانی ایمان کا اقرار کرنے والے کفار کی جماعت سے ہیں تم میں سے نہیں یعنی مجاہر کافر اور ساتر سب آپس میں ایک ہیں۔

اعتراض: کیا اس جگہ وہ منافقین مراد ہیں جن کا ذکر سورہ بقر کے شروع میں آ چکا ہے یا دوسرے اگر وہ ہی مراد ہیں تو اس تکرار سے کیا فائدہ؟ نیز وہاں کچھ اور مشورہ بتایا گیا تھا یہاں اس کے خلاف۔ **جواب:** یہاں منافقین مراد ہیں خواہ وہ ہی ہوں یا کوئی دوسرے۔ اس جگہ منافقین کا مسلمانوں کے ساتھ برتاؤ بتانا منظور تھا۔ اور یہاں ان کے ایمان سے مایوس کرنا منظور ہے لہٰذا تکرار نہ ہوئی نیز تاکید کے لئے تکرار بری نہیں اور وہاں منافقین کا کلام ارشاد ہوا تھا کہ وہ کہتے تھے **انا معکم** اور یہاں کھلے کافروں کی فہمائش کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ بعض یہود وہ بھی تھے جو دل سے حضور کی تعظیم کرتے تھے مگر خوف سے اقرار نہ کر سکتے تھے۔ مسلمانوں سے علیحدہ میں ڈرتے ڈرتے کچھ کہہ دیتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس جگہ وہ مراد ہوں۔

وَمِنْهُمْ أُمِّيُّونَ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا
اور ان میں سے بے پڑھے ہیں نہیں جانتے وہ کتاب کو مگر خواہشات کو اور نہیں ہیں
اور ان میں کچھ اَن پڑھ ہیں کہ جو کتاب کو نہیں جانتے مگر زبانی پڑھ لینا یا کچھ اپنی
يَظُنُّونَ ۝
وہ مگر گمان کرتے
من گھڑت اور نرے گمان میں ہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** جن یہودیوں کے ایمان سے مایوسی تھی ان کے چار فرقے تھے ایک گمراہ کن علماء دوسرے منافقین تیسرے منافقین کو ڈانٹنے والے یہودی چوتھے عام جہلا۔ اس سے پہلے تین فرقوں کا ذکر ہو چکا اب چوتھے فرقے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** اس سے پہلے ان یہود کے ایمان سے ناامید کیا گیا اب یہ بتایا جا رہا کہ ان کی بے ایمانی کی ایک وجہ نہیں۔ علماء تحریف سے منافقین نفاق سے اور جہلا ان کی اندھی پیروی سے کفر پر اڑے ہوئے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** اس سے پہلے علمائے یہود کے دو عیب بیان ہو چکے اب تیسرا عیب بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے اپنے جہلا کو اپنے پھندے میں ایسا جکڑ رکھا ہے کہ جس سے ان کو نکلنے ہی نہیں دیتے۔

تفسیر: **ومنہم امیون** ہم کا مرجع وہ یہودی ہیں جن کے ایمان سے مایوسی ہے۔ **امیون** امی کی جمع ہے یہ ام سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اصل۔ ماں کو ام مکہ مکرمہ کو ام القریٰ سورہ فاتحہ کو ام الکتاب حضور علیہ السلام کو امی اس لئے کہتے ہیں کہ ماں بچے کی مکہ مکرمہ ساری زمین کی سورہ فاتحہ سارے قرآن کی حضور علیہ السلام سارے عالم کی اصل ہیں۔ حضور علیہ السلام کے امی ہونے کے اور بھی معنی ہیں جو انشاء اللہ **النبی الامی** کی تفسیر میں بیان کئے جائیں گے۔ اب بے پڑھے آدمی کو یا کتاب اور رسول کے منکر کو امی کہا جاتا ہے۔ یہاں پہلے معنی بے پڑھے لکھے آدمی مراد ہیں۔ یعنی جیسے ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے ایسے ہی رہے یا یہ صرف ماں والے ہیں باپ کا ان پر سایہ نہ تھا جو انہیں تعلیم و تربیت دیتا یعنی ان یہودیوں میں بعض ان پڑھ جہلاء ہیں جن کا حال یہ ہے کہ **لا یعلمون الکتب** اس کتاب سے توریت شریف مراد ہے اور علم سے جاننا مراد ہے یا سمجھنا یعنی پڑھ تو لیتے ہیں۔ سمجھتے نہیں یا نہ پڑھ سکتے ہیں بلکہ ان کے علماء جو کچھ انہیں پڑھ کر سنا دیتے ہیں اس پر اندھا دھند ایمان لے آتے ہیں اور ان کے سوا کسی کو نہیں سنتے۔ لطف یہ ہے کہ اہل کتاب کہلاتے ہیں مگر کتاب سے بالکل ناواقف جیسے کہ آج کل کے عام اہل حدیث کہ حدیث کی کتابوں کے صحیح نام بھی نہیں لے سکتے مگر کہلاتے ہیں اہل حدیث لکھے نہ پڑھے نام محمد فاضل اسی نکتہ کے لئے **امیون** کی قرآن کریم نے یہ تفسیر فرما دی۔ **الا امانی** یہ کتاب کا مستثنیٰ متصل ہے یا منقطع **امانی** امنیۃ کی جمع ہے اور اس کے چند معنی ہیں۔ دل خوش کن بات جھوٹے خیالات گھڑی ہوئی باتیں پڑھی ہوئی چیز قرآن کریم فرماتا ہے۔ **اذا تمنی القی الشیطن فی امنیتہ** اور قرآن کریم میں یہ لفظ ہر معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اگر آخر معنی مراد لئے جائیں تو یہ مطلب ہے کہ یہ جہلا توریت شریف کے مضامین نہیں جانتے اور نہ اسے پڑھ سکتے ہیں بلکہ جو ان کے علماء پڑھ کر سنا دیتے ہیں ان پر ایمان لے آتے ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ توریت نہیں جانتے مگر صرف بغیر معنی سمجھے زبانی پڑھ لینا (تفسیر خازن و خزائن العرفان) ان دونوں صورتوں میں یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ بعض مفسرین نے یہ معنی کئے کہ **امانی** سے وہ جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں مراد ہیں جو یہودیوں نے اپنے علماء سے سن کر بے تحقیق مان لی تھیں۔ مثلاً یہ کہ ہم اللہ کے محبوب اور اس کے بیٹے ہیں جو چاہیں کریں ہماری پکڑ نہیں یا یہ کہ ہمارے باپ دادا خدا کی مرضی بدل سکتے ہیں کہ خدا ہم کو پکڑے گا تو وہ جبراً چھڑا دیں گے یا یہ کہ یہود کو سات یا چالیس دن سے زیادہ عذاب نہ ہوگا۔ یا یہ کہ یہود کی شریعت قیامت تک باقی ہے کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی یا یہ کہ نبوت و رسالت بنی اسرائیل کے ساتھ خاص ہے غیر اسرائیلی نبی نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ اس صورت میں یہ مستثنیٰ منقطع ہے یعنی وہ کتاب سے بالکل دور ہیں صرف انہوں نے اپنے علماء کی گھڑی ہوئی باتیں یاد کر رکھی

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ پھر لطف یہ ہے کہ **وان ھم الا یظنون** یعنی ان کے پاس ان باتوں کی کوئی دلیل نہیں محض خوش اعتقادی سے مانے ہوئے ہیں یا انہیں خود بھی ان باتوں کا یقین نہیں محض بے بنیاد خیالات پکالئے ہیں **الحمد للہ** کہ اپنے دین پر اطمینان اور یقین تو مسلمان ہی کو حاصل ہے آج بھی دیکھا جارہا ہے کہ پڑھے لکھے ہندو اور سکھ وغیرہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں اپنے بیماروں پر مسلمانوں پر قرآن پاک پڑھا کر دم کراتے ہیں۔ مسجدوں کے دروازوں کی خاک اپنے بیماروں پر ملتے ہیں۔ بلکہ اب تو آریہ اور عیسائی سوسائٹیاں بھی عملی طور پر قرآن کریم کی طرف آرہی ہیں اور اس کو اپنے لئے دستور العمل بنا رہی ہیں ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ بعض ہندوؤں کو جب جان کنی کی تکلیف ہوتی ہے تو اس کے ورثا کہتے ہیں کہ اب ان کی کہلواؤ۔ یعنی اسلامی کلمہ پڑھواؤ۔ کشتی میں سوار ہوتے وقت بعض جگہ ہندو ملاح کہتے ہیں کہ نبی جی کا کلمہ پڑھو تاکہ بیڑا پار لگے۔ بعض ہندو ہر مصیبت میں حضور غوث پاک کی گیارہویں دیتے ہیں۔ الحمد للہ مسلمان ہر مصیبت اور آرام میں اپنے اسلام پر ہی قائم رہتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب بھی کفار کو اپنے دین پر یقین نہیں آج کل بعضے جہلاء یہ آیت عوام مسلمانوں کی تلاوت قرآن پر چسپاں کرتے ہیں ترجمہ یوں کرتے ہیں کہ بعض مسلمان قرآن کا ترجمہ نہیں جانتے صرف اس کے الفاظ بڑبڑا لیتے ہیں۔ یہ کلمہ بڑی بیدینی ہے ورنہ بتاؤ کہ یہ آیت حضور کے زمانے میں نازل ہوئی جب کہ سارے صحابہ عربی دان تھے۔ بتاؤ اس وقت کون بے سمجھے پڑھتا تھا۔ نیز اس سے پہلے یہود کا ذکر ہو رہا ہے بعد میں بھی انہیں کا ذکر ہے پھر بیچ میں یہ ایک آیت مسلمانوں کے لئے کیسے آ گئی نیز اس کے آخر میں ہے **وھم یظنون** یعنی وہ نرے گمان میں ہیں یعنی کتاب اللہ چھوڑ کر اپنے گمانوں کو عقیدہ بنا بیٹھے ان مسلمانوں کا یہ حال کہاں ہے۔ وہ قرآن کی تلاوت ثواب کے لئے کرتے ہیں نہ کہ قرآن کے مقابل اپنی رائے قائم کرنے کو۔ غرضیکہ یہ ترجمہ بالکل غلط ہے اس سے مسلمانوں کو ایک عبادت یعنی تلاوت سے روکنا منظور ہے۔

خلاصہ تفسیر : اہل کتاب میں بعض وہ جہلا اور بے پڑھے بھی ہیں کہ جو کتاب اللہ کو بالکل نہیں جانتے جو ان کے گمراہ کن علماء نے اپنی مرضی کے موافق میٹھی میٹھی باتیں گھڑ رکھی ہیں انہوں نے ان باتوں کو اپنی رائے کے مطابق پاکر یاد کر لیا ہے اور اپنے خیال میں ان کو توریت کے مضامین اور خلاصہ سمجھ کر خوش ہوتے ہیں کہ ہم نے کتاب کا لب لباب نکال لیا یا وہ جہلا توریت کی عبارت بے سوچے سمجھے طوطے کی طرح پڑھ لیتے ہیں اس کے مضامین تک نہیں پہنچتے مگر لطف یہ ہے کہ انہیں خود بھی ان باتوں پر یقین نہیں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ اس قسم کے لوگ مسلمانوں میں بھی موجود ہیں ان میں بعض گمراہ کن علماء ہیں جو کہ قرآن کریم اور حدیث کی تحریف معنوی میں دن رات مشغول رہتے ہیں بعض مسلم نما کفار وہ ہیں جو غیروں کی مرضی پر اپنا دین و مذہب اور قوم قربان کرنے پر تیار ہیں۔ بعض وہ جہلا بھی ہیں جنہوں نے قرآن کریم کے اردو ترجمے دیکھ کر کچھ نوٹ لکھ رکھے ہیں اور اپنے کو بڑا عالم مفسر محدث جانتے ہیں۔ اس زمانہ کی اکثر اردو تفسیروں کا یہ ہی حال ہے۔ کوئی جاہل روح قرآن کوئی در قرآن کوئی ترجمان القرآن ناموں سے اسی قسم کی تفاسیر چھاپ رہے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: دینی معارف نظری ہیں نہ کہ بدیہی جن کو بہت غور و فکر سے معلوم کرنا ضروری ہے۔ دوسرا فائدہ: دینیات میں یقین ضروری ہے ظن اور گمان ناکافی ہے۔ تیسرا فائدہ: عقائد میں تقلید حرام ہے ہم مقلدین صرف فروعات میں مقلد ہیں نہ کہ عقائد میں یعنی ہم توحید و رسالت حشر و نشر وغیرہ کو صرف امام اعظم

www.alahazratnetwork.org

کے قیاس سے نہیں جانتے بلکہ دلائل یقینیہ سے **چوتھا فائدہ:** گمراہ کن عالم اور اس کا پیرو جاہل دونوں برابر کے گمراہ ہیں اگرچہ عالم کا عذاب دوگنا ہے کیونکہ وہ گمراہ بھی ہیں اور گمراہ کن بھی **پانچواں فائدہ:** جیسے عالم پر فرض ہے کہ صحیح مسائل لوگوں کو بتائے اور خود بھی عمل کرے اسی طرح جاہل کا فرض ہے کہ سچے علماء کی صحبت اختیار کرے ہر چمکتی چیز کو سونا نہ سمجھے ورنہ وہ رب کے ہاں گرفتار ہوگا۔ **چھٹا فائدہ:** خود دین سے بالکل بے خبر رہنا سخت جرم ہے عقائد اور ضروری مسائل سیکھنا ہر مسلمان پر فرض عین ہے پورا عالم دین بننا فرض کفایہ ہے۔ اپنے بچوں کو اتنا علم دین سکھاؤ کہ وہ مسلمان رہیں کفار کا شکار نہ بن جاویں یہ خیال رہے کہ فقہ سیکھنا بھی کتاب اللہ سیکھنا ہے۔ فقط ترجمہ قرآن سیکھنا کتاب اللہ کا علم نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** **منہم امیون** سے یہ حاصل ہوا کہ رب نے جہالت دین پر عتاب فرمایا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظن یعنی گمان بری چیز ہے اور قیاس بھی ظن ہی ہے لہٰذا صرف قرآن و حدیث کو ماننا چاہئے (غیر مقلد) **جواب:** بیشک اصول دین میں ظن برا ہے وہاں یقینیات چاہییں فروعی اعمال میں ظن معتبر اگر یہاں بھی یقینیات کی ضرورت ہو تو بہت دشواری ہوگی کیونکہ اکثر حدیثیں اور قرآن پاک سے نکالے ہوئے بہت مسائل ظنی ہیں غرضیکہ اچھے ظن اچھے ہیں برے ظن برے رب فرماتا ہے۔ **لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون و المؤمنات بانفسہم خیرا** یہاں حضرت عائشہ صدیقہ پر نیک گمان نہ کرنے پر عتاب فرمایا گیا شرعی قیاسات اچھے ظن ہیں برے ظن نہیں **دوسرا اعتراض:** عوام کو علماء کی تقلید نہ چاہئے عام یہودی اپنے علماء کی تقلید سے ہی کافر ہوئے اور تم بھی اماموں کی تقلید کرتے ہو (غیر مقلد) **جواب:** اللہ رسول کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کی تقلید کرنا حرام ہی نہیں بلکہ کفر ہے عام یہودی قرآن اور حضور کے مقابل اپنے علماء کی پیروی کرتے ہیں۔ ہم حضور علیہ السلام کی اطاعت کے لئے اماموں کی پیروی کرتے ہیں کہ ان کے ذریعہ ہم کو حضور کی سچی اطاعت نصیب ہو جائے اس تقلید کا قرآن و حدیث میں سخت حکم ہے دیکھو ہماری کتاب جاء الحق۔ علم صرف و نحو اور اسماء رجال اور علم تجوید وغیرہ میں اس فن کے اماموں کی تقلید کرنا ہی پڑتی ہے۔ جس حدیث کو تم ضعیف یا صحیح کہتے ہو وہ محدثین کی تقلید سے ہی کہتے ہو۔ یہ قوت اور ضعف قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں۔ موتی نکلتے سمندر سے ہیں مگر ملتے جوہری کی دوکان سے ہیں ایسے ہی جواہر نکلیں گے قرآن سے مگر ملیں گے امام ابو حنیفہ قدس سرہٗ کی دوکان پر ہم قرآن و حدیث سمجھنے اس سے مسائل نکالنے کے لئے تقلید کرتے ہیں نہ کہ قرآن چھوڑنے کے لئے۔ **تیسرا اعتراض:** **امانی** کے پہلے معنے سے معلوم ہوا کہ بغیر ترجمہ جانے قرآن نہیں پڑھنا چاہئے کیونکہ عوام یہود میں یہ ہی عیب تھا (عام نیچری) **جواب:** تلاوت عقائد درست کرنے کے لئے ہے۔ تلاوت کرنے والا توحید و رسالت کا عقیدہ رکھتا ہے اور وہ اتنا سمجھتا ہے کہ **قل ہو اللہ احد** اور آیت **محمد رسول اللہ** کا یہی مطلب ہے عام یہودی توریت کے ان مضامین سے بھی بے خبر ہو چکے تھے اس کی برائی کی گئی ہے ورنہ خود قرآن پاک سے ثابت ہے کہ پورا علم دین سیکھنا ہر مسلمان پر فرض نہیں بعض کا سیکھ لینا کافی ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقۃ منہم طائفۃ لیتفقہوا فی الدین** نیز قرآن کا بغیر مطلب سمجھے ہوئے ترجمہ سیکھ لینا بیکار بلکہ گمراہی کی جڑ ہے۔ اگر بغیر ترجمہ جانے قرآن پڑھنا بیکار یا ناجائز ہو تو آیات متشابہات جن کے معنی جبریل بھی نہیں جانتے ان کی تلاوت ممنوع ہوتی حالانکہ صریح حدیث سے ثابت ہے کہ **الٓمّٓ** پڑھنے پر تیس نیکیاں ملتی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جہلا کو صحیح عالم کی پیروی کرنا ضروری ہے گمراہ کن عالم کی پیروی سے وہ خود گمراہ ہو جاتے ہیں مگر صحیح عالم کا پتہ لگانا ناممکن ہے اس میں طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔ جواب: جس طرح بیمار کامل اور ناقص طبیب میں فرق کر لیتا ہے کہ جس کی دوا سے تندرستی ملے وہ کامل ہے ورنہ ناقص اسی طرح ہر شخص کو چاہئے کہ صحیح اور جھوٹے عالم میں فرق کرلے۔ جن کی صحبت سے اللہ و رسول کی محبت اور سنت کی اتباع کا جذبہ ہو وہ سچا عالم ہے ورنہ جھوٹا یہ اصلی و نقلی عالم کے لئے کسوٹی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض نام نہاد صوفی شکل و صورت میں صوفی ہیں اور لباس صوفیانہ پہن لیتے ہیں کلام بھی صوفیوں کا سا کرتے ہیں لیکن ارادہ میں کچے اور عقیدے میں بچے نہیں۔ ہر غافل کی طرف مائل ہوتے ہیں اور ہر آواز پر کان لگا دیتے ہیں۔ ان کے ظاہری افعال کی نقل تو اتارتے ہیں لیکن ان کے اصل جذبے سے بے خبر نہ ان کی صحبت میں اخلاص اور نہ ان کو حق و باطل میں تمیز کرنے کا مادہ وہ ان بے پڑھے یہودیوں کی طرح ہیں جو اصل کتاب سے بے خبر رہ کر دوسروں کی خواہشات کی پیروی کرتے ہیں سالک پر لازم ہے کہ اس راستہ میں احتیاط سے قدم رکھے وہمیات سے دور بھاگے ظاہر حالت سے دھوکا نہ کھائے یہ راستہ نہایت باریک ہے اور یہ کنواں نہایت عمیق اس راستہ میں صدہا شکاری قسم قسم کے جال لگائے اور طرح طرح کے دانے ڈالے بیٹھے ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزاراں دام و دانہ است اے خدا! ماچو مرغان حریص بے نوا!!
دم بدم مابستہ دام نویم! ہر یکے گر باز و سیمرغ شویم

اسی کو صوفیاء کی اصطلاح میں ابو الہواس کہتے ہیں۔

حکایت: ایک شخص نے کسی بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہر خوبصورت چیز کو چوم لیتے ہیں۔ یہ بھی ان کے ساتھ اس نیت سے گیا کہ بہت خوبصورتوں کے بوسے ملیں گے ایک دن کسی لوہار نے بھٹی سے گرم اور سرخ لوہا نکالا ان بزرگ نے اس کو سینہ سے لگایا اور خوب چوما۔ یہ ابو الہواس پیچھے ہٹنے لگا۔ تب ان بزرگ نے ایک چپت رسید کی اور فرمایا کہ اس کو کیوں نہیں چومتا۔ ہم نے بعض حضرات کو دیکھا کہ بزرگوں کے نذرانے دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور اسی کی نیت سے پیر بن گئے یہ سب لوگ اس آیت کے مصداق ہیں۔

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۙ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ

پس خرابی ہے واسطے ان لوگوں کے جو لکھتے ہیں کتاب کو ساتھ ہاتھوں اپنے کے پھر کہتے ہیں

تو خرابی ہے ان کے لئے جو کتاب اپنے ہاتھ سے لکھیں پھر کہہ دیں یہ خدا

هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ

وہ یہ طرف سے اللہ کے ہے تاکہ خریدیں وہ ساتھ اس کے قیمت تھوڑی پس خرابی

کے پاس سے ہے کہ اس کے عوض تھوڑے دام حاصل کریں تو خرابی ہے ان کے

www.alahazratnetwork.org

مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ؕ

ہے واسطے ان کے اس سے جو لکھا ہاتھوں نے ان کے	اور خرابی ہے واسطے انکے اس سے جو کماتے ہیں وہ
ہاتھوں کے لکھے سے	اور خرابی ہے ان کے لئے اس کمائی سے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس سے پہلے یہود کی مختلف جماعتوں اور ان کی بدکرداریوں کا ذکر ہوا اب ان میں سے بدترین جماعت یعنی محرفین کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید ان سب گروہوں کی سزا یکساں ہوگی۔ کیونکہ ان سب کے ایمان سے مایوسی ہے۔ اس آیت میں اس شبہ کو دفع فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں بلکہ سزا بقدر جرم ہے چونکہ ان میں بڑے مجرم علماء یہود ہیں کیونکہ وہ کافر اور کافر گر ہیں۔ لہٰذا ان کی سزا بھی سخت تر ہے۔

شان نزول : جب حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو علماء یہود کو قوی اندیشہ ہوا کہ ہماری سرداری چھن جائے گی اور روزی بند ہو جائے گی۔ کیونکہ توریت شریف میں حضور علیہ السلام کا حلیہ شریف اور ان کے اوصاف مذکور ہیں جب لوگ حضور علیہ السلام کو اس کے مطابق پائیں گے فوراً" ایمان لے آئیں گے اور ہم کو چھوڑ دیں گے اس اندیشہ سے انہوں نے توریت شریف میں تحریف کر ڈالی اور آپ کا حلیہ بدل دیا۔ مثلاً"توریت شریف میں تھا کہ نبی آخر الزمان خوبصورت گھونگریلے بال سرگیں آنکھ والے اور میانہ قد ہیں انہوں نے اس کو مٹا کر یوں لکھ دیا کہ بہت دراز قد ہیں ان کی آنکھیں کنجی اور نیلی اور بال الجھے ہوئے ہیں جب عوام یہودی ان سے پوچھتے کہ کیا توریت میں نبی آخر الزمان کے صفات ہیں تو وہ یہی بدلی ہوئی توریت لا کر انہیں یہی بگڑا ہوا مضمون سنا دیتے اور کہتے کہ رب نے توریت میں یہ اوصاف بیان کئے۔ حضور علیہ السلام میں ان میں سے کوئی صفت موجود نہیں اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔

تفسیر : **فویل** چونکہ تمام اہل کتاب کی گمراہیوں کے ذمہ دار یہ حق بدلنے والے پادری تھے لہٰذا اسے ف سے شروع فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ سب کفر کی شاخیں تھیں اور یہ کفر کی جڑ ہے۔ ویل اور ویح اور ویس اور ویب عرب میں وہ کلمات ہیں جو مصیبت زدہ کو دیکھ کر بولے جاتے ہیں۔ لیکن ویح اور ویس کو ترس کھا کر بولتے ہیں جس کے معنی ہوتے ہیں افسوس اور ویل اور ویب بددعا کے لئے استعمال کرتے ہیں جس کے معنی ہیں خرابی اور خواری یعنی مصیبت سے کبھی نہ نکلے جیسے امیر آدمی فقیر بےنوا پر ترس کھا کر کہے افسوس تیری غریبی پر اور حاکم مجرم سے کہے افسوس تیرے حال پر پہلا افسوس عطا کی تمہید ہے دوسرا افسوس سزا کی تمہید پہلے افسوس کا ترجمہ ویح یا ویس ہے دوسرے کا ترجمہ ویل اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ ویح رحمت کا اور ویل عذاب کا دروازہ ہے ایک بار حضور علیہ السلام نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا **ویحک**۔ ام المومنین اس لفظ سے پریشان ہوئیں تو حضور نے فرمایا کہ اے عائشہ یہ کلمہ رحمت کا ہے اس سے پریشان نہ ہو ہاں ویل سے پریشانی چاہئے (تفسیر عزیزی) خیال رہے قرآن کریم نے یہودی علماء اور نماز میں سستی کرنے والوں اور کم تولنے والوں کے لئے ویل فرمایا اور احادیث شریفہ میں مسائل چھپانے والے علماء اور بے علم فتویٰ دینے والے جہلا کے لئے اور رب کی قدرتوں

www.alahazratnetwork.org

میں غور نہ کرنے والے عوام کے لئے ویل فرمایا۔ غرضکہ قرآن وحدیث میں مختلف مجرموں کے لئے یہ لفظ بولا گیا ہے۔ نیز ویل کی تفسیریں بھی مختلف آئی ہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں ہے کہ ویل جہنم میں ایک آگ کا پہاڑ ہے جو مجرموں پر گر کر ان کا جسم پاش پاش کردے گا اور بعض میں ہے کہ ویل جہنم میں ایک گہرا غار ہے۔ جس میں مجرمین ڈالے جائیں گے۔ بعض روایات میں ہے کہ ویل جہنم میں ایک نہایت گرم پتھر ہے۔ جس پر مجرموں کو چلایا جائے گا یا اتارا جائے گا بعض میں ہے کہ ویل ایک ندی ہے جس میں دوزخیوں کا خون اور پیپ بہتا ہو گا اور مجرموں کو وہی پلایا جائے گا بعض روایات میں ہے کہ ویل جہنم میں ایک کنوئیں کا نام ہے۔ جس میں کافر ڈالے جائیں گے اور چالیس برس تک اس کی تہ تک نہ پہنچیں گے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ویل ایک دردناک عذاب کا نام ہے (تفسیر کبیرو عزیزی) ان سب روائیتوں کو اس طرح کردو کہ ویل کے معنی ہیں، خواری اور سخت عذاب لیکن قیامت میں اس کا ظہور مختلف طرح سے ہو گا۔ جیسا مجرم کا جرم ویسا اس کے لئے ویل۔ محرفین علماء کا ویل آگ کا پہاڑ متکبروں کا ویل غار ظالم چوہدریوں کا ویل گرم پتھر، شراب خوروں کا ویل خون اور پیپ کی ندی عام کافروں کا ویل جہنم کا کنواں (تفسیری عزیزی) لہذا قرآن وحدیث میں ویل مختلف معنی میں ہے۔ کم تولنے والوں کا علیحدہ ویل۔ نماز میں سستی کرنے والوں کا علیحدہ **للذین یکتبون الکتب** یا تو کتاب سے، بدلی ہوئی کتاب مراد ہے اور یہی **یکتبون** کا مفعول ہے۔ یعنی ان علماء کے لئے ویل ہے جو بدلی ہوئی کتاب لکھتے ہیں۔ صحیح نہیں لکھتے۔ **یکتبون** کا مفعول اور کتاب سے پہلے ہی چھپا ہوا ہے۔ کس کی وجہ سے کتاب منسوب ہے یعنی اپنی طرف سے گھڑے ہوئے مضامین کتاب میں لکھتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ لغت میں ہر تحریر کو کتاب کہتے ہیں۔ چنانچہ بولتے ہیں **قد جاء کتاب لخی** میرے بھائی کی کتاب یعنی خط آیا۔ اصطلاح میں مختلف مضامین کے مجموعہ کو کتاب کہتے ہیں اور ایک مضمون کو رسالہ شریعت میں آسمان سے نازل شدہ ایک مضمون کو صحیفہ کہتے ہیں اور بہت سے مضامین کے مجموعہ کو کتاب اگر یہاں لغوی معنی مراد ہے تو مطلب ظاہر ہے یعنی اپنے ہاتھ سے تحریریں لکھ کر رب کی طرف نسبت کردیتے ہیں اور اگر شرعی معنی مراد ہوں تو فی پوشیدہ **بایدیھم** اپنے ہاتھوں سے یعنی نہ تو بگڑی ہوئی کتاب نقل کرتے ہیں اور نہ کسی سے کہہ کر بگڑواتے ہیں اور نہ بے خبری اور نادانی سے بگاڑتے ہیں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ توریت بدلنے والے۔ بدلی ہوئی کو نقل کرنے والے اس کی اشاعت کرنے والے، اس کے اس عیب کو چھپانے یوں ہی بدلنے والے سب مجرم ہیں۔ **ایدی** بمعنی قوت وطاقت جیسے چوری کرنے والا کرانے والا چوری کا مال گھر میں رکھنے والا۔ چور کا رازدار سب مجرم ہیں ایسے ہی یہ سب لوگ مجرم۔ پھر یہی نہیں کہ چپکے سے بگاڑ کر رکھ دیں بلکہ **ثم یقولون ھذا من عند اللہ** لوگوں کو وہ بدلی ہوئی عبارت دکھا کر کہتے ہیں کہ یہ رب کی طرف سے آئی ہوئی آیت ہے اس میں بگڑی عبارت کی طرف اشارہ ہے غرضیکہ وہ پے در پے تین جرم کرتے ہیں۔ ایک کتاب الٰہی کو بگاڑنا۔ دوسرے اس بگڑے ہوئے کو رب کی طرف نسبت دینا۔ تیسرے رب پر اتنا بڑا جھوٹ باندھنا جس سے کہ یہود کی موجودہ اور آئندہ نسلیں گمراہ ہوتی رہیں لطف یہ کہ انہوں نے اتنے بڑے بڑے جرم کیوں کئے محض اس لئے کہ **لیشتروا بہ ثمنا قلیلا** تاکہ ان بڑے گناہوں سے تھوڑے دام وصول کرلیں یا تو اس طرح کہ لوگ ایمان نہ لائیں بلکہ ہمارے پھندے میں پھنسے رہیں جس سے ہماری آمدنی برقرار رہے یا مالدار یہودیوں سے رشوت لے کر توریت کے سخت احکام نرم کردیتے تھے تھوڑے سے فنا ہونے والے نفع کے لئے ایمان جیسی دولت چھوڑ دینا بڑی بدبختی ہے۔ خیال رہے کہ **بہ** کا مرجع یا تحریف شدہ کتاب ہے یا ان کا تحریف کرنا یعنی تحریف کردہ کتاب کے عوض یا تحریف کرنے

www.alahazratnetwork.org

کے عوض تھوڑی قیمت لے لیتے ہیں دنیا آخرت کی قیمت ہے اور یہ کتنی بھی زیادہ ہو آخرت کے مقابلہ میں تھوڑی ہے۔ اس لئے اس کو ثمن قلیل فرمایا گیا۔ ثمن قلیل کے بہت نکات ہم اس سے پہلے بیان کر چکے ہیں۔ خیال رہے کہ ان سب جرموں کا بدلہ ایک ہی ویل نہیں بلکہ **فویل لھم** ان کو چند قسم کی خواریاں اور ویل ملیں گے جن میں سے ایک قسم کی بڑی خواری اور سخت ویل تو **مما کتبت ایدیھم** ان کے اس لکھنے اور کتاب الٰہی بگاڑنے کی وجہ سے ہوگی۔ **وویل لھم** اور دوسری قسم کا سخت ویل اور سخت رسوائی **مما یکسبون** ان کی حرام کمائی اور رشوت ستانی کی وجہ سے ہوگا **یکسبون** **کسب** سے بنا ہے کسب فاعل کو نفع دینے والے یا نقصان دور کرنے والے کام کو کہتے ہیں۔ اسی لئے خدا کے کام کو کسب نہیں کہتے اور نہ اس کو کاسب کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ذاتی نفع اور نقصان سے پاک ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **یکسبون** سے علماء یہود کی ساری بدعملیاں مراد ہیں **نکتہ:** اس جگہ **کتبت** ماضی اور **یکسبون** مضارع فرمایا گیا کیونکہ انہوں نے کتاب کی تحریف تو ایک بار کرلی تھی مگر اس تحریف شدہ کتاب سے روٹیاں عمر بھر کماتے رہے۔ جیسے کوئی جعل ساز جھوٹی سرکاری مہر بنا کر رکھ لے اور اس سے ہمیشہ غلط پروانے بنا کر روپیہ کمایا کرے۔

خلاصہ تفسیر : ان علماء یہود کا یہ حال ہے کہ امیروں کو راضی کرنے اور اپنی سرداری قائم رکھنے کے لئے غلط مسائل اور جھوٹی روایتیں توریت شریف میں لکھ کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے ہیں اور نہایت دلیری سے کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے یعنی توریت کی اصل عبارت ہے اگر یہ کسی پرانی لکھی ہوئی کتاب کو اپنی خوش عقیدگی سے من اللہ کہہ دیتے تو بھی ایک بات تھی۔ غضب تو یہ ہے کہ خاص اپنے ہاتھ کے لکھے ہوئے کو **من اللہ** کہہ دیتے ہیں یہ دین فروشی بے ایمانی خدا پر جھوٹ باندھنا اس کی کتاب کو بگاڑنا ایسے ایسے سنگین جرم کس لئے ہیں صرف چند پیسے کمانے کے لئے تف ہے ان کے اس لکھنے پر اور لعنت ہے ان کی اس کمائی پر۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گمراہ کن کتابیں اور جھوٹے مضامین گمراہ کرنے کے لئے لکھنا اور چھاپنا حرام ہے ہاں کسی کے غلط مضامین کو مع تردید شائع کر دینا جائز بلکہ سنت الٰہی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حرام کام پر اجرت لینا حرام اور اس کا استعمال کرنا سخت گناہ لہٰذا ناچ گانے وغیرہ کی اجرت حرام ہے **تیسرا فائدہ:** جانبین کی رضامندی سے دیا جائے مگر وہ حرام ہے علماء یہود کو ان کے جعلی تحریف کے عوض رضامندی سے مال دیتے تھے مگر وہ حرام رہا۔ اسی طرح رشوت و سود وغیرہ اگرچہ رضامندی سے دیا جائے مگر وہ حرام ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن پاک کا ترجمہ اس کی تفسیر سورتوں کے نام وقف اور ربع اور نصف اور ثلث کی علامتیں اس طرح لکھنا کہ جس سے قرآن میں اور ان میں فرق نہ رہے حرام ہے کیونکہ اس سے اصل قرآن مشتبہ ہو جائے گا اور یہ تحریف ہے اسی لئے نصف اور ربع اور رکوع کی علامتیں اس کے حاشیہ پر لکھی جاتی ہیں اور سورتوں کے نام اور ترجمہ اگرچہ قرآن کے ساتھ ہی لکھے جاتے ہیں مگر خطوط کھینچ کر اور تحریر وغیرہ میں بہت طرح فرق کر دیا جاتا ہے تاکہ رب کا کلام ہمارے کلام سے مل نہ جائے بلکہ فقہا فرماتے ہیں کہ کلام الٰہی کو نستعلیق (اردو خط) میں لکھنا منع ہے نسخ (یعنی عربی عبارت تحریر) میں لکھنا ضروری ہے بلکہ چاہئے کہ قرآن کی تحریر میں مصحف عثمانی کی پیروی کی جائے۔ اسی طرح پڑھنے میں بھی فرق ضروری ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حرام روپے سے جو چیز خریدی جائے وہ بھی حرام ہے۔ رشوت یا سود کے

www.alahazratnetwork.org

روپے سے غلہ وغیرہ جو خریدا جائے سب حرام۔ حرام مال کو راہ خدا میں خیرات کرنا حرام ہے اور اس پر ثواب کی امید رکھنا کفر ہے۔ جیسے **یکسبون** کے عموم سے معلوم ہوا چھٹا فائدہ: الحمد للہ کہ قرآن کریم جیسا آیا ویسا ہی محفوظ ہے۔ صحابہ کرام نے نہ قرآن بدلا نہ اس کا کوئی حکم ورنہ اگر ایک آیت یا ایک حکم بدلا ہو تا تو بدلنے والے بھی مجرم ہوتے اور بدلتا دیکھ کر خاموش رہنے والے اہل بیت بھی اس میں داخل ہو کر مجرم ہوتے۔ خیال رہے کہ اعراب قرآن بھی قرآن کی طرح نازل ہوئے کہ حضرت جبرائیل نے الحمد کے دال کو پیش اور اللہ کے لام کو زیر سے پڑھا مگر ان اعراب کا لگانا بعد میں ہوا تا کہ عربی سے ناواقف اترے ہوئے اعراب کو غلط نہ پڑھیں۔ یہ کتاب میں خلط نہیں بلکہ صحیح رہبری ہے۔ غرضیکہ قرآن کے اعراب' احکام سب محفوظ ہیں اس لئے حضرات خلفاء نے اپنی خلافت میں یہ ہی قرآن پڑھا اس پر عمل کیا۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں تین جگہ ویل کیوں فرمایا گیا۔ ایک ہی جگہ کافی تھا۔ **جواب**: پہلے ویل میں احتمال ہے۔ اس سے شبہ ہو تا تھا کہ شاید تحریف کرنے اور جھوٹ بولنے اور حرام کمائی کرنے پر ویل ہے۔ فقط ایک کام کرنے میں کوئی خرابی نہیں اس کو دفع کرنے کے لئے آگے ہر فعل میں علیحدہ ویل فرمایا۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن لکھ کر فروخت کرنا حرام ہے جو یہ کاروبار کرتے ہیں کیونکہ اس آیت میں کتاب الٰہی لکھ کر اجرت لینے پر **ویل** فرمایا گیا ہے۔ نیز ابراہیم نخعی اور اعمش نے قرآن لکھنے کی اجرت سے منع فرمایا۔ اس پر یہی آیت پیش کی عبداللہ ابن یزید تمیمی اور قاضی شریح نے فرمایا کتاب اللہ کی قیمت مت لو۔ حضرت مطرف فرماتے ہیں کہ ہم ایک جنگ میں ابو موسیٰ اشعری کے ساتھ تھے مال غنیمت میں دو کتابوں کے صندوق بھی آئے جن میں سے ایک میں توریت یا انجیل تھی لشکر میں ایک عیسائی مزدور تھا اس نے یہ کتاب خریدنا چاہی مسلمانوں نے کتاب اللہ کا بیچنا مکروہ جانا اس کو کتاب تو مفت دے دی اور صندوق دو درم میں فروخت کر دیا بہت سے بزرگان دین حتی کہ امام اعظم کے استاد حضرت حماد بھی قرآن کریم کی تجارت مکروہ جانتے تھے حضرات عبداللہ ابن عمر جب بازار میں کسی کو قرآن شریف بیچتے ہوئے دیکھتے تو فرماتے کہ کاش میری زندگی میں کوئی حاکم پیدا ہو جو قرآن بیچنے والے کے ہاتھ کٹوائے حضرت ابن عمر' عبداللہ ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام بھی قرآن کی تجارت بری جانتے تھے امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں قرآن بیچنے کا رواج نہ تھا بلکہ لوگ سادہ کاغذ اور قلم دوات لے کر منبر کے پاس بیٹھ جاتے اور ہر پڑھے لکھے مسلمان سے ایک دو ورق لکھوا لیتے تھے۔ اس آیت اور ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی لکھائی چھپائی کی اجرت حرام ہے۔ **جواب**: اس آیت کا ترجمہ غلط سمجھا گیا۔ علماء یہود صحیح توریت لکھ کر فروخت نہ کرتے تھے بلکہ اس میں اپنی طرف سے خلط کرتے تھے اور یہ فعل بغیر اجرت بھی حرام ہے اس لئے فرمایا گیا کہ **ثم یقولون ھذا من عند اللہ** نیز ان کے لکھنے پر ویل علیحدہ فرمایا گیا اور کمائی پر علیحدہ بیشک چاروں خلفاء کے زمانہ میں قرآن پاک کے فروخت کرنے کا رواج نہ تھا۔ یہ بدعت حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے آخر زمانہ میں مروج ہوئی لیکن یہ بدعت حسنہ ہے سیئہ نہیں۔ شروع شروع میں علماء نے اس آیت کی وجہ سے اس کو منع کیا۔ بعد میں غور سے معلوم ہوا کہ اس کے حرام ہونے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ روشنائی کاغذ کی قیمت ہے اور لکھنے کی اجرت اسی لئے عبداللہ ابن عباس محمد ابن حنیفہ امام جعفر صادق اور امام محمد باقر یہاں تک کہ حسن بصری رضی اللہ عنہم نے بھی اس کے جواز کا فتویٰ دیا اور بعد میں اس جواز پر علماء کا اجماع ہو گیا۔ (تفسیر عزیزی) **تیسرا**

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: اس آیت میں پہلے علماء یہود کے تین عیب بیان کئے گئے توریت کی تحریف کرنا اس کو رب کی طرف نسبت دینا اور اس پر روپیہ لینا۔ لیکن عذاب فقط تحریف اور کمائی پر بیان کیا گیا۔ کیا جھوٹ نسبت کرنے پر ویل نہ ہو گی۔ جواب: لکھنے میں یہ داخل ہو گیا تھا کیونکہ لکھنا اسی لئے تھا۔ لہذا اس کے علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ: گناہ نفس کی بیماری ہے اس کے چار درجے ہیں پہلا درجہ یہ ہے کہ گنہگار گناہ کو برا جان کر کرے اور اپنے کو اس پر ملامت بھی کرتا رہے۔ یہ حالت قابل علاج ہے۔ دوسرا یہ کہ گناہ کا احساس ہوتا رہے یہ حالت بھی قابل علاج تو ہے مگر بمشکل تیسرا درجہ یہ کہ گناہ کا احساس بھی نہ رہے اور نصیحت کرنے والے کو دشمن جانے اس کا علاج بہت مشکل ہے اگر تقدیر سے کوئی قابل روحانی طبیب مل گیا تب تو خیر ورنہ اس کا انجام ہلاکت روح ہے۔ چوتھا درجہ یہ کہ گناہ کو اچھا سمجھے اور اس پر فخر کرکے اس کی اشاعت کرے اور چاہے کہ لوگ اس کے گناہ کی تعریف کریں۔ اس کا علاج قریباً غیر ممکن ہے۔ علماء یہود کی بیماری اسی درجہ کی تھی جس کے متعلق رب نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شفا یعنی ایمان سے مایوس کر دیا۔ جو شخص اپنے گناہ پر تعریف کرائے اور اس تعریف سے خوش ہو۔ وہ اس بے وقوف کی طرح ہے جس سے کوئی مسخرہ کہے کہ آپ کے پاخانے کی خوشبو مشک و عنبر کی طرح ہے اور وہ اس پر خوش ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ویل ہے اس متکبر واعظ کے لئے جو لوگوں کی دست بوسی پر فخر کرے اور اپنے ہر کلام کی سامعین سے تعریف چاہے۔ حضرت جنید بغدادی نے ایک بار وعظ میں فرمایا کہ میں وعظ کہنے کی اس لئے ہمت کرتا ہوں کہ حضور نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ فاسق فاجر آدمی سے بھی اس دین کو قوت دے گا۔ میں فاجر فاسق ہوں شاید اللہ میرے وعظ سے دین کو قوت دے دے اس آیت سے ہم سب کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ اگر انسان کی زندگی اللہ کے لئے ہو تو اس کے ہر عمل پر بے نہایت ثواب ہے اور اگر نفس کے لئے ہو تو ہر عمل برباد' بلکہ باعث عذاب حضور کے اوصاف چھپانے کے لئے توریت و انجیل بلکہ قرآن ڈھونڈنا کفر ہے۔ حضور کے اوصاف ظاہر کرنے کے لئے ان میں ہر چیز یکتا' دیکھنا عبادت ہے۔ اگر صفروں کی کسی عدد سے وابستگی ہو تو ہر صفر شمار بڑھائے گا۔ ایک صفر دہائی بنائے گا۔ دوسرا سینکڑہ۔ تیسرا ہزار چوتھا دس ہزار حتی کہ اگر زیادہ صفر ہوں تو شمار ہمارے حساب سے باہر ہو گا۔ مگر صفروں کی یہ ساری بہار اس ایک عدد سے ہے۔ جس سے یہ وابستہ ہیں اگر یہ عدد ہٹ جائے تو سارا کھیل بگڑ جاوے دنیا کا ہر کام صفر ہے۔ حضور عدد اگر ان سے تعلق ہے تو ہر کام پر بے حد ثواب ورنہ ہر کام وبال ہے۔ زندگی موت' سونا جاگنا سب کا یہ حال ہے (از روح البیان)

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۚ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ

اور کہا انہوں نے ہرگز نہیں چھوئے گی ہم کو آگ مگر دن گنے ہوئے فرما دو کیا ہے لیا تم

اور بولے ہمیں تو آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دن تم فرما دو کیا خدا سے

عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

ے نزدیک اللہ کے وعدہ پس ہرگز نہ خلاف کرے گا اللہ وعدہ اپنا یا کہتے ہو تم

تم نے کوئی عہد لے رکھا ہے جب تو اللہ ہرگز اپنا عہد خلاف نہ کرے گا یا

مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَیِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ

اوپر اللہ کے وہ جو نہیں جانتے تم ہاں وہ جو کمائے گناہ اور گھیرے اس کو خطا

خدا پر وہ بات کہتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں ہاں کیوں نہیں جو گناہ کمائے اور اس کی خطا

خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

اس کی پس وہ لوگ آگ والے ہیں وہ لوگ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں

اسے گھیرے وہ دوزخ والوں میں ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس سے پہلے موجودہ یہودیوں کے دو عیب بیان ہو چکے اب ان کا تیسرا عیب بیان ہو رہا ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ ان کے عیب فعلی تھے اور یہ قولی۔ یعنی پہلے فرمایا گیا تھا کہ وہ یہ کرتے ہیں اور اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ یہ کہتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: اس سے پہلے موجودہ یہود کی بد عملیوں کا ذکر تھا اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ یعنی ان کو ان بدکاریوں کی اس لئے ہمت پڑی کہ انہوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ ہم جو چاہیں کریں ہم کو چند روز سے زیادہ عذاب نہ ہو گا۔ یا وہ سمجھ چکے ہیں کہ ہم کو چند روز عذاب ضرور ہو گا۔ خواہ نیکو کاری کریں یا بدکاری جب یہ ہونا ہی ہے تو ہم دنیا میں مزے کیوں نہ اڑالیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کی آس یا یاس نے انہیں گناہ پر دلیر کر دیا۔

شان نزول : حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود کہتے تھے کہ ہم دوزخ میں صرف اتنی مدت رہیں گے، جتنی کہ ہمارے باپ دادوں نے بچھڑے کی پوجا کی ہے۔ یعنی چالیس دن اس کے بعد عذاب سے چھوٹ جائیں گے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خزائن العرفان)

تفسیر : **وقالوا** یہ سارے یہودیوں کا قول ہے علماء تو اپنی طرف سے بنا کر کہتے تھے جاہل ان کی پیروی سے یعنی کہا ان سب یہودیوں نے کہ **لن تمسنا النار** ہم کو آگ چھوئے گی بھی نہیں۔ خواہ کتنے ہی بدکاریاں اور کفریات کریں۔ یعنی آگ میں رہنا تو کیا ہم کو اس کے شعلے بھی نہ پہنچیں گے **الا ایاما معدودۃ** مگر گنتی کے دن اس **الا** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم جہنم میں کبھی نہ رہیں گے ہاں کچھ دن ہم کو آگ کے شعلے پہنچ جائیں گے اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ گنتی کے دن سے کیا مراد ہے بعض نے فرمایا کہ تھوڑے دن، خواہ کتنے بھی ہوں جیسے کہا جاتا ہے وہاں گنتی کے آدمی تھے۔ بعض نے کہا سات دن کیونکہ ایام جمع قلت ہے جو دس تک بولی جا سکتی ہے اور وہ سات دن اس لئے کہتے تھے کہ بنی آدم کی زندگی کل سات ہزار سال ہے اور قیامت کا ایک دن ایک ہزار برس کے مقابلہ میں ہے۔ قرآن کریم بھی فرماتا ہے **وان یوما عند ربک**

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ انہوں نے سات دن بچھڑے کی پوجا کی تھی اور ایام اگرچہ جمع قلت ہے مگر مجازاً دس سے زیادہ پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے قرآن کریم نے ماہ رمضان کے بارے میں فرمایا۔ **ایاما معدودات** بعض نے فرمایا۔ چالیس سال جس قدر کہ وہ میدان تیہ میں پریشان رہے۔ بعض یہودی کہتے تھے کہ جہنم کے دو کناروں میں چالیس سال کا فاصلہ ہے جب ہم جہنم میں جائیں گے تو وہاں ٹھہریں گے نہیں بلکہ اپنے باپ دادوں کی شفاعت سے گزرتے رہیں گے اور چالیس برس میں اس فاصلہ کو طے کرلیں گے۔ ہمارے باپ دادا انبیاء کرام رب تعالیٰ کے ہاں ایسے دخیل کار ہیں کہ رب کو ان کی ہربات دب کرمانی پڑتی ہے۔ رب تو چاہے گا کہ ہم دوزخ میں گر جائیں مگر ہمارے باپ دادا زور دے کر ہم کو پار لگادیں گے۔ اس قسم کی شفاعت اور وسیلہ ماننا کفر بلکہ شرک ہے رب تعالیٰ دھونس ودباؤ سے پاک ہے۔ **لم یکن لہ ولی من الذل** اس پر گواہ ہے بعض یہودی کہتے تھے کہ ہر شخص کو بقدر گناہ عذاب ہوگا۔ یعنی بلوغ کے بعد جتنے دن اس نے گناہ یا کفر کیا اتنے ہی دن اسے عذاب رہے گا کیونکہ گناہ سے زیادہ عذاب دینا ظلم ہے اور خدا اس سے پاک ہے بعض کہتے تھے کہ روح اصل میں پاک صاف نورانی ہے برے کاموں سے کچھ مکدر ہو جاتی ہے مرنے کے بعد اس پر کچھ روز گناہوں کا غبار رہتا ہے۔ اسی کا نام عذاب ہے اور پھر وہ صاف ہو کر اپنی اصلی حالت پر آ جاتی ہے۔ جیسے پانی اصل میں ٹھنڈا ہے مگر آگ پر رکھنے سے گرم ہو جاتا ہے اور اس کے بعد بھی کچھ دیر گرم رہتا ہے۔ پھر خود بخود ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ ہم خدا کے پیارے اور اس کے بیٹے ہیں ہم کو وہ ہرگز عذاب نہ دے گا بلکہ پیارے باپ کی طرح کچھ دن بطور تنبیہ سزا دے دے گا۔ بعض کہتے تھے کہ گناہوں کی طرح کفر کا عذاب بھی دائمی نہیں بلکہ کافر کی بھی آخر میں نجات ہے۔ سبحان اللہ قرآن کریم نے ان کی اتنی بکواس کو ایک لفظ میں بیان فرمادیا۔ یہ تو ان کا عقیدہ تھا۔ اب ان کی کیا ہی نفیس تردید فرمائی جاتی ہے۔ **قل اتخذتم عند اللہ عھدا** اے محبوب ان سے پوچھو تو لو۔ کیا تم نے اس کا خدا سے کوئی وعدہ یا پروانہ لے رکھا ہے۔ یعنی آخرت کی باتیں عقل وقیاس سے معلوم نہیں ہو سکتیں اس کے لئے نقل اور سننے کی ضرورت ہے جو انبیاء کرام سے حاصل ہو سکتا ہے۔ تو کیا تم نے توریت وغیرہ میں کہیں یہ ہمارا عہد پڑھا ہے؟ لاؤ کتاب دکھاؤ اور یقیناً" کسی آسمانی کتاب میں تو ہے نہیں۔ خیال رہے کہ **اتخذتم** میں دو ہمزہ تھے۔ ایک استفہامیہ اور دوسرا باب افتعال کا مگر پہلے کی وجہ سے دوسرا گر گیا اور یہ استفہام انکاری ہے نیز یہاں عہد سے مراد فقط خبر ہے کیونکہ رب کی خبر بھی عہد کی طرح پختہ ہوتی ہے **او عند اللہ** ثابت کا ظرف بن کر عہد کا حال ہے یعنی کیا تم نے کوئی عہد کیا ہے جو اللہ کے نزدیک ثابت ہو۔ **فلن یخلف اللہ عھدہ** یہ یا تو چھپی شرط کی جزا ہے۔ اور یا عہد کا نتیجہ یعنی اگر تم نے عہد لیا ہے تو خدا ہرگز اس کے خلاف نہ کرے لیکن شرط تو غلط ہے تو جزا بھی ختم یا یہ مطلب ہے کہ کیا تم نے خدا سے عہد لیا ہے کہ اس کے خلاف نہ کرے یعنی نہ وہ ہے نہ یہ **ام تقولون علی اللہ مالا تعلمون** یا اللہ پر تم وہ بات کہتے ہو جس کو تم جانتے نہیں اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ آخرت کی باتیں نبی کے فرمان سے معلوم ہوتی ہیں نہ کہ اپنی رائے سے اور تم نے یہ باتیں رائے سے کہیں ہیں۔ لہٰذا ان کا اعتبار نہیں کیونکہ ان چیزوں میں رائے علم کا ذریعہ نہیں۔ **دوسری تفسیر:** یہ ہے کہ ان کے ہاں یہ مشہور تھا کہ حق تعالیٰ نے یعقوب علیہ السلام سے عہد کیا ہے کہ میں تمہارے بیٹوں کو عذاب نہ کروں گا مگر قسم پوری کرنے کے لئے اس بنا پر یہودی کہتے تھے چونکہ ہم بھی ان کی

www.alahazratnetwork.org

اولاد ہیں۔ لہذا ہم کو بھی ایسا ہی عارضی عذاب ہوگا۔ اول تو اس واقعہ کی معتبر سند تمہارے پاس موجود نہیں پھر تم نے اس پر یقین کیسے کرلیا دوسرے اگر یہ صحیح بھی ہو تو یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں سے مراد ان کے اپنے فیلی بیٹے ہیں نہ کہ سارے بنی اسرائیل۔ تیسرے ان بیٹوں کو عذاب نہ کرنے کی یہ وجہ ہے کہ انہوں نے خطا کرکے اپنے والد اور خود یوسف علیہ السلام سے معافی چاہ لی اور ان صاحبوں نے ان سب کے لئے دعائے مغفرت بھی کردی۔ جس سے حق اللہ اور حق العباد دونوں معاف ہوگئے اور وہ بخش دیئے گئے۔ اے اسرائیلیو تم کفر و گناہ پر قائم ہو اور اللہ اور بندوں کے حق مار رہے ہو اور پھر بھی اپنے کو اس بشارت میں داخل سمجھتے ہو۔ ہاں ان کی طرح توبہ کرلو تو تم بھی بخش دیئے جاؤ گے۔ اے اسرائیلیو کیا تم اللہ پر وہ بات کہتے ہو۔ جس کی تم نے تحقیق بھی نہیں کی اور جس کا تم نے مطلب بھی صحیح نہ سمجھا۔ **بلی** یہ حرف نفی کے بعد آتا ہے اور نفی کا ثبوت کرتا ہے اور نعم یا تو ایجاب کے بعد آتا ہے یا نفی کو ثابت کرتا ہے یعنی ہاں تم کو عذاب دائمی ہوگا۔ جیسے رب نے ارشاد فرمایا تھا **الست بربکم** کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے عرض کیا **قالوا بلی** یعنی ہاں تو رب ہے اگر وہ جواب میں نعم کہتے تو معنی ہوتے کہ ہاں تو رب نہیں **من کسب سیئۃ** قرآن کریم میں کسب دلی یا جسمانی اعمال کرنے کو کہا جاتا ہے مالی اعمال کو عموماً "کسب" نہیں کہتے رب فرماتا ہے **لھا ما کسبت** اور فرماتا ہے **لیس للانسان الا ما سعی** یعنی بدنی و قلبی اعمال خود کرنے والے کے لئے ہیں دوسرے کی طرف سے نہیں ہوسکتے مالی اعمال میں نیابت کی نفی **سیئۃ**' **سوء** سے بنا بمعنی برائی اس میں جسمانی روحانی جنانی برائیاں سب داخل ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ برائی بھلائی کا کوئی معیار یا کسوٹی چاہئے وہ حضور کی زبان پاک ہے۔ جس چیز جس شخص کو حضور برا کہیں اگرچہ دنیا بھر کی عقلیں اچھا کہیں تو وہ بری ہے۔ جیسے سود یا ابوجہل یونہی اس کے عکس جیسے زکوٰۃ یا حضرت بلال لہذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو کوئی بھی گناہ کرے یا تو **سیئۃ** سے مراد مطلق گناہ ہے یا گناہ کبیرہ اور یا کفر (روح البیان و عزیزی) اور اس کے نکرہ ہونے سے عموم کا فائدہ ہوا یعنی جو بھی کسی قسم کا کفر کرے یا کوئی سا گناہ کبیرہ کرے مگر حال یہ ہو کہ **واحاطت بہ خطیئتہ**' **خطیئۃ** خطا کی جمع ہے خطا کبھی عمد کے مقابل بولی جاتی ہے۔ بمعنی لغزش یا بھول چوک رب فرماتا ہے۔ **ان نسینا او اخطانا** اس معنی سے انبیاء کرام پر بھی بولی جاتی ہے۔ جیسے آدم علیہ السلام نے خطاءً گندم کھالیا اور کبھی صواب کے مقابل یعنی سیدھے راستے سے بھٹک جانا اس معنی سے گنہگاروں یا کفار پر بولی جاتی ہے یہاں دوسرے معنی میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا گناہ اس کو گھیرے اور احاطہ کرے۔ اگر **سیئۃ** سے مراد کفر تھا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ کفر اس کے دل و دماغ اور زبان کو گھیرلے یعنی وہ دل میں کفر کا عقیدہ رکھے اور زبان سے اس کا اظہار کرے لہذا جو مجبوراً منہ سے کلمہ کفر نکال دے وہ اس سے خارج ہے یا یہ کفر اس کی زندگی کو گھیرلے اور اس کا خاتمہ اس کفر پر ہو۔ جو کافر مرنے سے پہلے مسلمان ہوگیا وہ اس میں داخل نہیں کیونکہ کفر نے اس کی زندگی نہ گھیری اور اگر **سیئۃ** سے مراد گناہ ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ اس کے دل و دماغ اور ظاہری اعضا کو گھیرلے۔ اس طرح کہ ہاتھ پاؤں سے گناہ کرے اور دل سے اسے حلال جانے۔ لہذا گنہگار مسلمان اس میں داخل نہیں کیونکہ اس کا دل گناہ سے بچا ہوا ہے۔ یا وہ گناہ اس کی نیکیوں کو گھیرلے اور ان کو ضائع کردے۔ یعنی گناہ حد کفر تک پہنچ جائے۔ جس سے نیکیاں برباد ہوجائیں۔ **ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون** بہرحال اس سے کفر مراد ہے۔ **فاولئک اصحب النار** پس یہی لوگ آگ والے ہیں اگرچہ کچھ روز گنہگار بھی دوزخ میں رہیں گے لیکن وہ

www.alahazratnetwork.org

آگ والے نہیں آگ والا تو وہ ہے جس کی خاطر آگ بنی اور آگ اس کو لازم ہو جائے اگرچہ بعض کفار جہنم کے ٹھنڈے طبقے میں رہیں گے۔ مگر چونکہ وہاں کی ٹھنڈک آگ کی دوری کی وجہ سے ہوگی اس لئے وہ بھی آگ والے ہیں **هم فيها خلدون** یہ حقیقت میں اصحاب النار کا ترجمہ ہے یعنی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے چونکہ گناہ نے ان کو گھیر لیا تھا اس لئے عذاب ان کے سارے وقتوں کو گھیرے گا۔

خلاصہ تفسیر: ان یہود کی تمام بدعملیوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ یہ سمجھ چکے ہیں کہ ہمیں چند روزہ ہی عذاب ہوگا اس کے بعد آگ ہم کو چھوئے گی بھی نہیں لہٰذا ہم جو چاہیں سو کر لیں اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ ان سے اتنا تو پوچھیں کہ تم نے کوئی خدا سے اس قسم کا معاہدہ کر لیا ہے جس کے وہ خلاف نہ کرے یا ویسے ہی اس کے ذمہ ایسی بات لگاتے ہو جس کی تمہارے پس کوئی علمی سند نہیں۔ آخرت کے معاملہ میں محض قیاس کو دخل نہیں ہاں یقیناً" تم جہنم میں ہمیشہ رہو گے کیونکہ ہمارا یہ قانون ہے کہ جو شخص قصداً گناہ کرے اور وہ گناہ اس کے ظاہر و باطن کو گھیرے یا جو شخص کفر کرے اور اس پر ہی اس کا خاتمہ ہو جائے وہ دوزخی ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہاں عہد سے مراد کلمہ طیبہ ہے جو شخص صدق دل سے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے اور اسی پر اس کا خاتمہ ہو۔ رب تعالیٰ کا اس سے بخشش کا وعدہ ہے۔ اب آیت کی تفسیر یہ ہوئی کہ اے یہودیو! تم جو کہتے ہو کہ ہم کو چند روز عذاب ہو کر ختم ہو جاوے گا تو کیا تم کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے ہو؟ کیونکہ عذاب کے بعد بخشش ہونا گنہگار مسلمان کے لئے ہے جب تم نے اسلام قبول نہ کیا تو غلط امید کیوں رکھتے ہو تم تو ہمیشہ ہی دوزخ میں رہو گے کیونکہ تم کافر ہو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے بندوں سے وعدہ فرمانے کی چند صورتیں ہیں ایک براہ راست بلاواسطہ جو میثاق کے دن ہوا کہ بندوں نے رب سے اطاعت اور فرمانبرداری کا وعدہ کیا رب نے ان سے انبیاء کرام بھیجنے اور مطیعوں کو بخشنے کا وعدہ کرم فرمایا۔ دوسرے انبیاء کرام کے ذریعہ عمومی وعدہ جو مشروط طور پر کیا گیا۔ جیسے مومن و متقی سے جنت کا وعدہ اور سچے مومنوں سے سربلندی کا وعدہ تیسرے خود نبی کا کسی سے وعدہ فرمانا جیسے حضور نے حضرت عثمان سے جنت و کوثر کا وعدہ فرمایا کہ ارشاد ہوا۔ عثمان جو چاہیں کریں وہ جنتی ہو گئے یا طلحہ نے اپنے لئے جنت واجب کر لی یہ وعدہ بھی رب کا وعدہ ہے۔ وزیر خارجہ کے دورے کرنا حکومت کے وعدے ہوتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ رب تعالیٰ بذریعہ نبی کسی سے خاص اور غیر مشروط وعدہ فرمائے۔ جیسے قرآن کریم نے انصار و مہاجرین ابوبکر صدیق یا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے وعدے فرمائے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تم سے براہ راست یا پیغمبر کی معرفت رب نے یہ وعدے کئے ہیں یا موسیٰ علیہ السلام تم سے جنت کا وعدہ کر گئے ہیں۔ یا محض اپنی عقل سے اپنے جنتی ہونے کا یقین کر بیٹھے ہو۔ اگر رب کا وعدہ ہے تو توریت دکھاؤ اور اگر عقل کے اندازے سے کہتے ہو تو ان غیبی خبروں میں عقل کام نہیں آتی۔ (تفسیر عزیزی)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** رب سے بےخوفی ناامیدی انسان کو گناہ پر دلیر کرتی ہے۔ جیسا کہ ان یہود کی حالت سے معلوم ہوا۔ مسلمان کے لئے رب کا خوف اور اس سے امید ضروری ہے۔ **دوسرا فائدہ:** وعدہ خلافی عیب ہے اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک لہٰذا وہ وعدہ خلافی اور جھوٹ سے پاک ہے علماء کرام فرماتے ہیں کہ جھوٹ شان خدائی کے خلاف ہے۔ دیوبندی رب کا جھوٹ بولنا' وعدہ خلافی کرنا ممکن مانتے ہیں جس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے سلب

www.alahazratnetwork.org

الوہیت ممکن ہے۔ ہم اس مسئلہ کی تحقیق **ان اللہ علی کل شئی قدیر** کی تفسیر میں کر چکے وہاں دیکھو۔ **تیسرا فائدہ:** بے دلیل بات قابل قبول نہیں۔ حق تعالیٰ نے یہود کی یہ بے دلیل بات رد فرمادی۔ **چوتھا فائدہ:** ممکن چیز کے ہونے یا نہ ہونے کی نقلی دلیل چاہئے۔ محض قیاس سے یہ ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ (تفسیر کبیر) **پانچواں فائدہ:** جو کفر پر مر او ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ اس کی بخشش ناممکن ہے۔ اسی لئے اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا اسے مرحوم وغیرہ کہنا سخت منع ہے اور مسلمان خواہ کیسا ہی مجرم ہو آخر کار اس کی بخشش ضرور ہوگی وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ **چھٹا فائدہ:** قطعی گناہ کو جائز جاننا کفر ہے جیسا کہ **احاطت بہ خطیئتہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

مسئلہ: گنہگار مسلم کے متعلق بہت سے قول ہیں خارجی اس کو کافر کہتے ہیں معتزلی کہتے ہیں کہ وہ نہ مومن ہے نہ کافر بعض کے نزدیک کفار کی طرح وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا اور بعض نے بہت تفریط کی وہ کہتے ہیں کہ آخر کار کافر کی بخشش ہو جائے گی فرقہ مرجیہ کہتا ہے کہ ایمان کے ہوتے گناہ مضر نہیں انسان ایمان درست کرکے جو چاہے عمل کرے یہ تمام اقوال باطل ہیں مذہب اہل سنت یہ ہے کہ گنہگار مسلمان ہے اس کی نماز جنازہ پڑھی جائے اس کی تجہیز و تکفین کی جاوے اور وہ جہنم میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ بعض بغیر سزا اور بعض کچھ سزا پاکر آخر نجات پا جائیں گے۔ نیز ایمان کے ساتھ اعمال کی بھی سخت ضرورت ہے کوئی بھی اعمال سے بے پرواہ نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** اس سے خارجی و معتزلہ مذہبوں کی تردید ہوگئی۔ نیز فرماتا ہے **ان الذین امنوا وعملوا الصلحت کانت لھم جنت الفردوس نزلا** اس میں مذہب مرجیہ کا ابطال ہے یہ نہ سمجھو کہ مذہب مرجیہ ختم ہو چکا ہے۔ یہ مذہب موجود ہے مگر اب اس کا نام دوسرا ہے۔ پنجاب میں دستہ شاہی مذہب پھیل رہا ہے۔ عام ملنگ فقیر بھنگی چرسی اس عقیدے میں گرفتار ہیں کہ ایمان کے ساتھ اعمال کی کوئی ضرورت نہیں وہ دن رات بھنگ چرس میں مست ہیں بعض بے دین پیر لوگوں کو اس شرط پر مرید کرتے ہیں کہ وہ نمازیں چھوڑدیں۔ یہ سب درحقیقت مرجیہ ہی ہیں۔ حدیث پاک میں ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ میری امت کے دو گروہ ایسے ہوں گے جن کا اسلام میں کوئی حصہ نہیں ایک مرجیہ دوسرا قدریہ حق تعالیٰ ان سب فرقوں سے محفوظ رکھے اور مذہب اہل سنت پر خاتمہ نصیب فرمائے آمین۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس کرنا سخت گناہ بلکہ کفر ہے۔ کیونکہ یہود نے قیاس سے اپنا چند روزہ عذاب مانا اور آیت نے ان کی سخت تردید کردی اور حنفی شافعی وغیرہ تمام مقلدین قیاس کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ سب گمراہ ہیں۔ (غیر مقلد)

جواب: اس کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہودیوں نے عقائد میں قیاس کیا یہ واقعی ناجائز ہے۔ مقلدین فروعی اعمال میں قیاس کرتے ہیں نہ کہ عقائد میں۔ دوسرے یہ کہ یہود نے خبر میں قیاس کیا کہ قیامت میں ہماری بخشش ہو جائے گی اور خبر میں قیاس نہیں ہو سکتا اس کے لئے نقلی دلیل ضروری ہے۔ ہم لوگ احکام شرعیہ میں قیاس کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ انہوں نے نص کے مقابل قیاس کیا۔ توریت نے کفار کی بخشش کا انکار کیا۔ انہوں نے قیاس سے اس کو ثابت کیا اور نص کے مقابل قیاس کرنا حرام ہے ان کا حال شیطان کا سا ہوا۔ ہم ایسا قیاس نہیں کرتے۔ جہاں نص نہ ہو وہاں مجبوراً" قیاس ہوتا ہے۔ چوتھے یہ کہ ان کا قیاس فلسفی قیاس آرائی تھی کسی آیت سے اس کی تائید نہیں تھی۔ ہمارا قیاس شرعی ہوتا ہے۔ جس کی آیت یا حدیث سے

www.alahazratnetwork.org

تائید ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ ان کا قیاس بلا ضرورت تھا ہمارا قیاس شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے ہوتا ہے لہذا وہ قیاس بے دینی تھا۔ یہ قیاس دینی کوئی غیر مقلد بغیر قیاس زندہ نہیں رہ سکتا۔ فرق اتنا ہے کہ ہم مجتہدین کا قیاس لیتے ہیں اور وہ جہلا اور گمراہوں کا گویا ہم اماموں کے مقلد ہیں وہ نفس اور شیطان کے۔ **دوسرا اعتراض:** کافر کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا ظلم ہے۔ سزا جرم کے مطابق چاہئے نہ کہ ہمیشہ (آریہ) **جواب:** اس کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قانون سے زیادہ سزا دینا واقعی ظلم ہے اور قانونی سزائیں انصاف۔ رب کا قانون یہ ہے کہ حکومت الٰہیہ کے باغی یعنی کافر کی سزا ہمیشہ جہنم ہے لہذا یہ ہیشگی ظلم نہیں چور آدھے گھنٹے میں چوری کرتا ہے اور دو چار دن میں چوری کا مال کھا پی لیتا ہے مگر اس کو سات یا دس سال کی جیل ہوتی ہے۔ ڈاکو کو عمر قید ہوتی ہے وہاں کوئی نہیں کہتا کہ اس نے ایک گھنٹہ میں جرم کیا اس کو ایک گھنٹہ ہی جیل میں رکھو بلکہ قانون نے چونکہ اس کی سزا یہی رکھی ہے لہذا یہ عین انصاف ہے ہاں جو حاکم قانون سے زیادہ سزا دے وہ ظالم ہے اس کی اپیل وغیرہ ہو کر کمی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ کافر نے رب کی بے انتہا نعمتیں کھا کر بے انتہا نافرمانی یعنی بغاوت کی چاہئے کہ اس کو بے انتہا سزا دی جائے آج بھی باغی کی سزا عمر قید یا پھانسی ہے مگر چونکہ وہاں موت نہیں اس لئے اس سزا کی انتہا نہیں اور یہاں موت اس زندگی کی انتہا ہے اس لئے یہ اس سزا کی انتہا۔ تیسرے یہ کہ کافر اگر ہمیشہ زندہ رہتا تو ہمیشہ ہی کفر کرتا اور اگر دوبارہ بھی واپس کیا جاوے تو بھی کفر ہی کرے چونکہ اس کی سرکشی بے حد ہے لہذا سزا بھی بے حد قرآن کریم فرما رہا ہے **ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه** ڈاکو کی سزا پھانسی یا عمر قید ہے۔ بولو پنڈت جی تمہارے دھرم کا قانون ہے کہ جو چوری کرے وہ سات بار ہاتھی کی جون میں آوے۔ کیوں اس نے جرم تو صرف ایک گھنٹہ کیا اور اس کی سزا میں کم از کم سات سو سال تک ہاتھی بنا یہ جرم سے زیادہ سزا ہوئی یا نہیں اور یہ ظلم ہوا کہ نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** روح ایک پاک چیز ہے جسم کے گناہ سے عارضی ناپاکی اس میں آگئی تو چاہئے کہ مرنے کے بعد جب یہ ناپاکی جاتی رہے تب اس کی نجات ہو جاوے (نیچری) **جواب:** کفر و شرک ایسی گندگی ہے جس سے روح اصلاً گندی ہو کر ناقابل اصلاح ہو جاتی ہے جیسے کہ لوہا اور صاف شیشہ زنگ سے ناقابل اصلاح ہو جاتا ہے اب بھی بعض عادات و اخلاق سے انسان قابل اصلاح نہیں رہتا۔ لہذا ایسی گندی روح کو عذاب دائمی ہی ضروری ہے۔ کفر کی سمیت نے اس کی اصل بگاڑ دی۔ **چوتھا اعتراض:** چاہئے کہ روح کو سزا نہ ملے کیونکہ جرم جسم نے کیا ہے گناہ اعضاء سے ہوتے ہیں صرف جسم ہی کو سزا ہونی چاہئے (جہلا) **جواب:** ایک اندھا لنگڑے کو کندھے پر لے کر باغ میں چوری کرنے گیا۔ لنگڑے نے پھل توڑے اندھے نے وہاں تک پہنچایا۔ مالک نے ان دونوں کو پکڑ لیا تو دونوں ہی کی جوتہ کاری کرے گا۔ کیونکہ دونوں مجرم۔ جسم لنگڑا ہے اور روح اندھی ان دونوں نے مل کر رب کے احکام کے باغ کی چوری کی ہے لہذا دونوں عذاب کے مستحق ہیں۔ جسم بغیر روح کچھ نہ کر سکتا تھا اور روح بغیر جسم مجبور تھی (اعلیٰ حضرت قدس سرہ) نیز جسم بغیر روح عذاب نہیں پا سکتا کیونکہ تکلیف کا احساس روح سے ہوتا ہے اس لئے روح کو عذاب ضروری ہے۔ ہماری گفتگو سے معلوم ہوا کہ کفار کے چھوٹے بچے جو ناسمجھی میں فوت ہو گئے وہ دوزخی نہیں کہ دوزخ صرف اپنے کسب سے ملتی ہے دنیا میں کبھی بروں کی وجہ سے اچھوں پر عذاب آجاتا ہے مگر آخرت میں یہ نہ ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ: روح کا تعلق جسم سے بھی ہے اور دل سے بھی مگر بمقابلہ جسم دل سے قوی تعلق ہے۔ لہذا جسمانی گناہ سے

www.alahazratnetwork.org

روح کی اصل صفائی جاتی رہتی ہے اور اس سے روحانی اخلاق علم و کرم ' مروت و غیرت ' شکر و صبر وغیرہ نکل کر اس میں حیوانی بلکہ شیطانی صفات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس کی میقل صرف کلمہ طیبہ اور درستگی عقائد ہیں۔ اگر دنیا ہی میں یہ میقل کر لی گئی تو خیر ورنہ آخرت میں اس کی اصلاح ناممکن ہے اور اس کی سزا دائمی عذاب ہے 'علمائے بنی اسرائیل ان دو مرتبوں میں فرق نہ کر سکے اور دونوں کو یکساں سمجھ بیٹھے دیکھو روح کا تعلق ناخن ہاتھ پاؤں اور دماغ و دل سبھی سے ہے۔ مگر مختلف کہ ناخن اور بال کاٹنے سے روح کو تکلیف بھی نہیں ہوتی اور دوسرے اعضاء کے بیکار ہو جانے سے اس کو تکلیف تو ضرور ہوتی ہے۔ مگر موت نہیں ہوتی لیکن دل و دماغ پر آفت آجانے سے موت واقع ہو جاتی ہے۔ روح ایک ہے مگر اس کے تعلقات مختلف۔ ان یہودیوں نے دل و دماغ (عقائد) کو بال وغیرہ (اعمال) پر قیاس کر لیا اس کی تردید فرمائی گئی بادشاہ کا تعلق چوکیدار سے بھی ہے اور وزیر اعظم سے بھی۔ لیکن وزیر کے بگڑنے سے سلطنت جائے گی نہ کہ چوکیدار کے بگڑنے سے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

اور وہ جو ایمان لائے اور کیا انہوں نے نیکیوں کو یہ لوگ جنت والے ہیں

اور ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ جنت والے ہیں انہیں

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وہ لوگ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں

ہمیشہ اس میں رہنا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے دائمی جہنمیوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب دائمی جنتیوں کا تذکرہ ہو رہا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** اس سے پہلے جہنم میں پھنسانے والے عیوب بتائے گئے تھے اب جہنم سے بچانے والے صفات کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ ان سے بچیں اور یہ صفتیں اختیار کریں۔ **تیسرا تعلق:** اس سے پہلے علمائے یہود کی غلط بیانی بتا کر اس کی تردید کی گئی اب اس غلط بیانی کی وجہ بتائی جا رہی ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ توریت وغیرہ میں مومنین کے لئے وعدہ مغفرت کیا گیا تھا نہ کہ کفار کے لئے ان بیوقوفوں نے کفار کو بھی اس میں داخل سمجھ لیا۔ یہ آیت بھی پہلے کے تحت میں ہے **چوتھا تعلق:** اس سے پہلے رب کے قہر کا ذکر ہوا تھا۔ اب اس کی رحمت کا ذکر ہے تاکہ سننے والوں کو خوف اور امید حاصل ہو جس پر ایمان کا دار و مدار ہے۔

تفسیر : **والذین امنوا** جو لوگ علم الٰہی میں مومن ہیں یا وہ جو خاتمہ کے وقت ایمان پر رہے یا وہ جن کو ایمان معتبر نصیب ہوا اور اس کے ساتھ ہی **وعملوا الصلحت** انہوں نے شائستہ اعمال بھی کئے۔ یعنی بقدر طاقت عبادات معاملات میں درست رہے بقدر طاقت کی اس لئے قید لگائی کہ بعض مومنین کو اعمال کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا جیسے دیوانے اور نابالغ بچے اور وہ جو

www.alahazratnetwork.org

ایمان لاتے ہی مرجائیں اور موقعہ پانے والوں میں بھی مختلف لوگ ہیں۔ مساکین صرف نماز و روزہ کا موقعہ پاتے ہیں۔ سلاطین حج اور زکوٰۃ کا بھی وغیرہ وغیرہ یہ لفظ ان سب کو شامل ہے **اولئک اصحب الجنۃ** یہی لوگ جن کے دل نور ایمانی سے روشن اور بدن گناہوں کی گندگی سے پاک ہیں۔ وہ جنت والے ہیں یعنی جنت ان کو لازم ہے اور وہ دوزخ میں کبھی جائیں گے ہی نہیں۔ خیال رہے کہ نیک اعمال کی قید جنت والا ہونے کے لئے ہے کیونکہ گنہگار مسلمان اگرچہ جنت میں پہنچ تو جائیں گے لیکن ان کا جنت والا ہونا یقینی نہیں۔ جنت والا وہ ہے جو شروع سے جنت میں جائے۔ سزا بالکل نہ پائے۔ **ھم فیھا خلدون** وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یعنی جیسے پہلے فرقہ کی سزا دائمی ہے کیونکہ اس کے پاس نہ ایمان ہے نہ نیک عمل ایسے ہی اس فرقہ کی جزا دائمی کیونکہ اس کے پاس ایمان بھی ہے اور نیک عمل بھی۔ خیال رہے کہ دوزخ صرف اپنے کفر یا گناہ کے باعث ملے گی۔ مگر جنت ملنے کے تین طریقے ہیں اپنے اعمال سے یہ جنت کسبی ہے جیسے تمام مومنوں کا جنت میں جانا' دوسروں کے اعمال کے طفیل اسے جنت وہبی کہا جاتا ہے۔ جیسے مسلمانوں کے چھوٹے فوت شدہ بچے' بلا اعمال و بلا وسیلہ جسے جنت عطائی کہا جاتا ہے۔ جیسے وہ مخلوق جو جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی اس جیسی تمام آیات میں پہلی قسم یعنی کسبی کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیات پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ ہی یہ آیت دوسری آیتوں کے خلاف ہے۔

خلاصہ تفسیر : لوگ چار قسم کے ہیں ایک وہ جو ایمان اور اعمال دونوں سے خالی ہیں ان کا ذکر پہلی آیت میں ہوا کہ وہ ہمیشہ کے جہنمی ہیں دوسرے وہ جو ایمان اور نیک اعمال دونوں رکھتے ہیں۔ ان کا ذکر اس آیت میں ہوا کہ وہ ہمیشہ کے جنتی ہیں۔ دو فریق باقی بچے ایک وہ جن کا ایمان درست اور اعمال خراب یعنی فاسق مسلمان چونکہ یہ اگلے دونوں فریقوں سے ملے ہوئے ہیں کہ عقیدے میں مسلمانوں کے اور اعمال میں کفار کے مشابہ ہیں لہٰذا ان کی جزاء بھی دونوں فریقوں کی جزاء سے ملی ہوگی۔ یعنی کچھ دن جہنم میں رہیں گے پھر جنت میں مکان ہوگا۔ جنت میں رہ کر پھر دوزخ میں نہ آئیں کیونکہ وہاں کسی کو سربلند کرکے گرانا رب کی حکمت کے خلاف ہے ہاں گرے کو اٹھانا عین کرم ہے۔ نیز وہ قلب سے مسلمان تھے اور یہ قالب کے نار کے مشابہ اور قلب قالب سے اعلیٰ ہے۔ لہٰذا قالب کے جرم پر عارضی سزا پائیں گے اور قلب کی درستی کی وجہ سے بعد کو دائمی بہشت۔ خیال رہے کہ یہ قانونی سزا ہے لیکن اگر رب کریم خسروانہ یا بزرگوں کی شفاعت سے اس کو بالکل بخش دے تو اس کی رحمت ہے۔ چوتھا گروہ جو عقیدہ میں کافر مگر ان کے بعض اعمال اچھے جیسے صدقہ و خیرات کرنے والے کفار۔ ان کے متعلق خواہ یہ کہہ لو کہ جو کچھ انہوں نے دنیا میں کھا پی لیا اور آرام پالیا وہ ان کے اعمال کا بدلہ ہوگیا۔ آخرت میں ان کے لئے دائمی جہنم کیونکہ وہ قالب سے بد اور قلب اصل ہی طرح دنیا میں جو کہ عارضی مقام ہے ان کو جزا دے دی گئی اور آخرت میں جو اصل مقام ہے سزا پائی یا یوں کہہ لو کہ کفار کا کوئی عمل نیک ہوتا ہی نہیں کیونکہ نیک اعمال کے لئے ایمان شرط ہے۔ لہٰذا ان کے صدقہ و خیرات کو عمل صالح نہیں کہہ سکتے اگرچہ بظاہر صالح معلوم ہوتے ہیں جیسے لکڑی کا گھوڑا اور قالین کا شیر کہ یہ اصلی گھوڑے اور شیر کے ہم شکل تو ہیں مگر حقیقتاً نہ گھوڑا ہیں نہ شیر اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ کفار کے اعمال اس سفید چمکدار ریت کی طرح ہیں جس کو پیاسا دور سے دیکھ کر پانی سمجھتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: یہ کہ ایمان نیک اعمال پر مقدم ہے کیونکہ یہ شرط

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ دوسرا فائدہ: یہ کہ ایمان کے بغیر جنت نہیں مل سکتی۔ لیکن نیک اعمال کے بغیر جنت تو ملے گی مگر اس کا عذاب سے بچ جانا یقینی نہیں ممکن ہے کہ پہلے عذاب ہو جائے۔ لہٰذا اعمال سزا سے بچنے کے لئے ضروری ہیں۔ نیز ایمان سے جنت ملے گی اور اعمال سے وہاں کے درجات۔ تیسرا فائدہ: جنت میں پہنچ کر کوئی نہ نکلے گا مگر جہنم سے بہت مخلوق نکلے گی۔

پہلا اعتراض: جس طرح بدکار کو کچھ روز جہنم میں رکھ کر جنت میں بھیجا جائے گا۔ اسی طرح چاہئے تھا کہ نیکو کار کافر کو کچھ روز جنت میں رکھ کر جہنم میں بھیجا جاتا۔ جواب: اس کا نہایت نفیس جواب خلاصہ تفسیر میں گذر چکا آپ اپنے عمدہ قالین پر گندے پاؤں والے کو نہیں آنے دیتے رب تعالیٰ بھی اپنے جنت کے قالین پر کافر کی گندی روح کو کیوں آنے دے۔ دوسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ بعضے مسلمان تو سزا پا کر جنت میں جائیں گے مگر بعض کی ویسے ہی بخشش ہو جاوے۔ جواب: مقصود تو یہ ہے کہ کوئی میلی روح جنت میں نہ پہنچے پہلے ہی اس کو پاک کر دیا جائے۔ جس طرح دنیا میں ہم کسی چیز کو پانی سے پاک کرتے ہیں کسی کو آگ میں رکھ کر۔ اسی طرح پروردگار کسی گنہگار مسلمان کو رحمت کے پانی سے اور کسی کو دوزخ کی آگ سے پاک کر کے جنت میں بھیجے گا۔ یہ وہ خود جانتا ہے کہ کون کس لائق ہے۔ تیسرا اعتراض: پھر گندا شیطان آدم علیہ السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں کیوں پہنچا۔ جواب: اس کا جنت میں پہنچنا یقینی نہیں۔ جیسا کہ ہم آدم علیہ السلام کے قصے میں بتا چکے کہ اس نے باہر رہ کر ہی اپنا کام کیا اور اگر گیا بھی ہو تو وہ خدا کا بلایا ہوا نہ گیا بلکہ خود چور کی طرح وہاں گھس پڑا۔ پھر وہاں سے نکال دیا گیا۔ بلائے جانے میں اور خود گھس جانے میں بڑا فرق ہے۔ چوتھا اعتراض: جب جنت ہمیشگی کی جگہ ہے تو آدم علیہ السلام وہاں سے کیوں باہر بھیجے گئے۔ جواب: جب اعمال کی جزاء کے لئے جائیں گے تو وہاں ہمیشگی ہو گی آدم علیہ السلام کی وہ سکونت جزا کی نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ: جو طالبین کہ مومن ہوں اور شیخ طریقت کے اشارہ سے شریعت کے قانون کے مطابق ایسے نیک اعمال کریں جو حقیقت تک پہنچانے والے ہیں وہ ان اصول پر عمل کر کے جنت کے حصول میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور دیدار یار سے فیض یاب اور پھر وہ ہمیشہ اس میں سیر کرتے رہتے ہیں کیونکہ اس راستے کی منازل اور مقاصد کی اگرچہ انتہا ہے لیکن ان کے سیر کی کوئی حد نہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف
اور جب لیا ہم نے عہد اولاد سے یعقوب کی نہ پوجنا تم مگر اللہ کو
اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو
وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ
اور ساتھ ماں باپ کے احسان کا اور صاحب قرابت کے ساتھ اور یتیموں کے ساتھ اور غریبوں کے سے
اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے

www.alahazratnetwork.org

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ثُمَّ

اور کہو تم واسطے لوگوں کے اچھی بات اور قائم کرو تم نماز کو اور دو تم زکوٰۃ پھر

اور لوگوں سے اچھی بات کہو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو پھر تم

تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے اور تم لوگ منہ پھیرنے والے ہو

پھر گئے مگر تم میں سے تھوڑے اور تم رو گردان ہو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** اس سے پہلے بنی اسرائیل کے ایمان سے مایوسی کی چند وجہیں بیان ہو چکیں۔ توریت کو بدل ڈالنا تھوڑی قیمت پر خدا کے احکام بیچ ڈالنا اور پھر بھی اپنے کو جنت کا حقدار جاننا۔ اب اس مایوسی کی ایک اور بڑی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں علماء یہود سے مطالبہ تھا کہ تم اپنے جنتی ہونے کا توریت سے ثبوت دو۔ وہ نہ دے سکے اب اسی توریت سے ان کے جہنمی ہونے کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ تم نے توریت کے فلاں فلاں عہد توڑے اور حق تعالیٰ سے بد عہدی کرنے والا ہمیشہ کے عذاب کا مستحق ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں جنتی اور جہنمی کی پہچانیں بتائی گئی تھیں۔ کہ کفار بدکار جہنمی اور مسلمان نیک کار جنتی ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے یہودیو تم اپنے کو دیکھو کہ تم میں کون سی علامت ہے۔ تم میں جہنمیوں کی فلاں فلاں علامتیں ہیں لہٰذا تم کبھی جنتی نہیں ہو سکتے۔

تفسیر : واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل بنی اسرائیل سے پوری توریت شریف پر عمل کرنے کا عہد لیا گیا تھا۔ جس میں یہ احکام بھی موجود تھے لہٰذا ان کا بھی عہد ہو گیا۔ میثاق مضبوط عہد کو کہتے ہیں یعنی ہم نے بنی اسرائیل سے حسب ذیل چیزوں کا مضبوط عہد کرایا پہلے یہ کہ **لا تعبدون الا اللہ** غیر اللہ کی عبادت نہ کرو۔ یہ خبر بمعنی نہی ہے۔ جس سے کہ اس میں بہت اہمیت پیدا ہو گئی جیسے ہم اپنے کسی فرمانبردار غلام سے کہیں کہ تم فلاں جگہ جاؤ گے۔ یعنی اس حکم کی مخالفت کرنی چاہئے ہی نہیں اور تم سے اس کا اندیشہ بھی نہیں۔ اس لئے بجائے حکم کے خبر دے رہا ہوں۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں دو عہد ہیں ایک یہ کہ خدا کی عبادت کرو دوسرے یہ کہ غیر کی نہ کرو اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رب کی عبادت درستی عقائد پر موقوف ہے کہ اس کی ذات و صفات اس کے پیغمبروں اس کی کتابوں کو مان کر عبادت کی جائے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ عبادت وہ چاہئے جو اس کے ہاں مقبول ہو اور یہ انبیاء کرام کی تعلیم سے ہی معلوم ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اس مختصری عبارت میں توحید' رسالت' کتاب' ملائکہ اور ساری اعتقادیات پر ایمان لانے کا ذکر بھی آ گیا۔ کیونکہ یہ چیزیں عبادت کی شرطیں ہیں یہ بھی خیال رہے کہ عبادت صرف نماز ہی کا نام نہیں بلکہ جو جائز کام رب کی رضا کے لئے کیا جائے وہ عبادت ہے۔ لہٰذا اس میں سارے عبادات بھی داخل ہو گئے۔ غرضیکہ یہ دو لفظ سارے عقائد' سارے اعمال پر مقدم ہیں اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا گیا خیال رہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ہو سکتی ہے اور دینی اتباع صرف نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کی اور اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہو سکتی ہے۔ اس کے رسول کے بھی۔ ماں باپ و علماء مشائخ کی بھی کیونکہ عبادت وہ ہے کہ کسی کو اپنا خالق یا خالق کی مثل مان کر راضی کرنے کی کوشش کرنا۔

www.alahazratnetwork.org

اتباع کے معنی ہیں آنکھ بند کرکے کسی کے قدم بقدم چلنا اس کے ہر کام کی نقل کرنا یہ حضور کی ہو سکتی ہے کیونکہ رب کے سے کام ہم نہیں کرسکتے وہ مار تا جلاتا ہے خود نہیں کھاتا بلکہ کھلاتا ہے اور غیر نبی کے کام میں غلطی کا بھی احتمال ہے ان کے اچھے کاموں کی پیروی کرو مگر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ہر کام رب کی طرف سے ہے۔ وہاں نفس اور شیطان کو دخل نہیں۔ دوسرا عہد یہ کہ **وبالوالدین احسانا** معاملات میں سے یہ پہلا عہد ہے۔ یہاں ایک فعل **احسنوا یا تحسنون** پوشیدہ ہے۔ یعنی ماں باپ کے ساتھ احسان کردیا کرو گے۔ رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کی اطاعت کا ذکر فرمایا اس کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ ماں باپ اولاد کی پیدائش اور اس کی پرورش کا سبب ہے اور حق تعالیٰ کے فیض کا پہلا واسطہ جو نعمت بھی کسی کو ملے گی پیدائش کے بعد ہی ملے گی۔ لہذا خدا کے بعد ماں باپ کا ہی احسان ہے۔ دوسرے یہ کہ ماں باپ کا انعام خدا کے انعام سے مشابہت رکھتا ہے۔ جیسے حق تعالیٰ بلا طمع بندوں کو پالتا ہے ایسے ہی ماں باپ بغیر لالچ بچے کو پالتے ہیں اور دوسرے محسن بدلے کی امید پر احسان کرتے ہیں کفار ماں باپ جو قیامت جنت و دوزخ کے منکر ہیں۔ انہیں ثواب کی بھی امید نہیں۔ مگر بچہ پالتے ہیں لڑکیوں اور بے دست و پا لڑکوں کے پالنے میں دنیوی لالچ بھی نہیں ہوتا تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ انسان کی پیدائش میں حقیقی موثر ہے اور ماں باپ ظاہری موثر۔ چوتھے یہ کہ حق تعالیٰ اپنے نافرمان بندے پر انعام کرنے سے ملول نہیں ہوتا ایسے ہی ماں باپ ناخلف اولاد کی خیر خواہی اور شفقت سے ملول نہیں ہوتے۔ پانچویں یہ کہ جس طرح مخلوق کے دو خالق نہیں ہوسکتے اسی طرح بچے کے دو ماں یا دو باپ نہیں ہوسکتے کیونکہ سوتیلے ماں باپ حقیقت میں ماں باپ ہی نہیں چھٹے یہ کہ ماں باپ کبھی بھی اولاد کی ترقی میں کمی نہیں کرتے اور کبھی ان پر حسد نہیں کرتے۔ یہ انہیں کی خصوصیت ہے۔ ساتویں یہ کہ ماں باپ کی اطاعت سارے دینوں میں ضروری ہے اس میں کسی کا اختلاف نہیں بلکہ ان سے محبت انسانوں کے علاوہ بے عقل حیوانوں میں بھی پائی جاتی ہے۔ آٹھویں یہ کہ ہمیشہ ماں باپ اولاد کے مال کو بڑھاتے ہیں اور نقصان سے بچاتے ہیں جیسے رب تعالیٰ اپنے بندے کے نیک اعمال کو بڑھاتا ہے۔ (تفسیر کبیر و عزیزی) خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی عبادت شاہ و گدا نبی و امتی سب پر فرض ہے یوں ہی ماں باپ کی خدمت سب پر فرض عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وبرا بوالدتی** نیز رب کی عبادت ہر وقت لازم۔ یونہی ماں باپ کی خدمت ہر وقت فرض ان کی زندگی تندرستی میں بھی بیماری بڑھاپے میں بھی بعد موت بھی۔ رب کی عبادت ہر طرح کی ضروری۔ جانی بدنی مالی یوں ہی ماں باپ کی خدمت ہر طرح لازم جان و جسم، مال غرضکہ ہر شے ان پر صرف کرے۔ صرف نوکروں پر انہیں نہ چھوڑ دے بادشاہ بھی ہو تو بھی اپنے ہاتھ پاؤں سے ان کی خدمت کرے۔ نیز کوئی شخص دعویٰ نہیں کرسکتا میں نے حق عبادت ادا کردیا۔ غرضیکہ والدین کی خدمت کو رب کی عبادت سے بہت طرح مناسبت ہے۔ ماں باپ کی اطاعت میں چند ہدایتوں کا خیال رکھو پہلی ہدایت اگرچہ ماں اور باپ دونوں کی اطاعت لازم ہے لیکن چونکہ ماں نے بچے کو اپنا خون پلا کر پالا ہے اور باپ نے زر پلا کر۔ اس لئے ماں کا حق الخدمت باپ سے سات گنا زیادہ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے دوسری روایت میں ہے کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ دوسری ہدایت اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر ماں باپ کی بھی اطاعت اور تعظیم کرے۔ اس لئے کہ یہاں والدین میں ایمان کی قید نہیں لگائی گئی۔ نیز ان کی اطاعت حق پرورش کی وجہ سے ہے اور یہ حق تو کافر ماں باپ میں بھی ہے تیسری ہدایت والدین کے ساتھ احسان تین قسم کا ہے ایک یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

اپنے قول و فعل سے ان کو ایذا نہ پہنچائے دوسرے یہ کہ اپنے بدن و مال سے ان کی خدمت کرے۔ تیسرے یہ کہ جب وہ بلائیں تو فوراً حاضر ہو جائے پہلی اطاعت ہر حال واجب ہے کہ ماں باپ کو ایذا دینے والا عاق اور نافرمان کہلاتا ہے۔ دوسری اطاعت جب واجب ہے کہ ماں باپ حاجتمند ہوں اور اولاد میں اس خدمت کی قدرت ہو اگر انہیں حاجت نہیں۔ یا اولاد میں طاقت نہیں تو اس قسم کی اطاعت واجب بھی نہیں۔ تیسری قسم کی خدمت کی یہ شرط ہے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے سے کوئی شرعی خرابی پیدا نہ ہو اگر نماز کا وقت جا رہا ہے اور ماں باپ بلا رہے ہیں تو ان کے پاس نہ جائے بلکہ پہلے نماز پڑھے۔ چوتھی ہدایت ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا جو حدیث میں بیان آیا ہے وہ یہ ہے (1) ان سے دلی محبت رکھے (2) بات چیت اور اٹھنے بیٹھنے میں ان کا ادب کرے کہ راستے میں ان کے آگے نہ چلے اور ان کو نام لے کر نہ پکارے بلکہ ادب سے بلائے (3) جہاں تک ہو سکے اپنا مال و جان ان پر خرچ کرے (4) ہر کام اور ہر بات میں ان کی رضامندی کا خیال رکھے (5) ان کے مرنے کے بعد ان کی وصیت پوری کرے (6) اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرے (7) ان کے لئے کبھی کبھی صدقہ و خیرات کرتا رہے (8) ہر ہفتہ میں ان کی قبر کی زیارت کرے اور اگر ہو سکے تو سورۃ یٰسین پڑھ کر ان کو بخشے (9) ان کے دوستوں اور قرابت داروں سے محبت رکھے ان کے ساتھ سلوک کرے۔ سعادت مند بچے اپنے ماں باپ کے دوستوں کو ان کے بعد ماں باپ کی جگہ سمجھتے رہیں (تفسیر عزیزی) پانچویں ہدایت اگر ماں باپ گناہ کرنے کے عادی ہوں یا کسی بدمذہبی میں گرفتار ہوں تو ان کو نرمی کے ساتھ راہ راست پر لانے کی کوشش کرے چھٹی ہدایت اگر ماں باپ کافر یا منافق بھی ہوں تب بھی ان کا حق مادری 'پدری ادا کرے اور ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کی جو سخت کافر تھا' سختی کو برداشت کیا اور اس سے نرم کلام بھی فرمایا۔ حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باپ ابو عامر سخت کافر تھا۔ آپ نے حضور علیہ السلام سے اس کے قتل کی اجازت چاہی تو حضور علیہ السلام نے اجازت نہ دی (تفسیر کبیر و عزیزی) ساتویں ہدایت جب ماں باپ کا اللہ اور رسول سے مقابلہ ہو جائے تو اس وقت نہ ماں باپ کا لحاظ ہو گا نہ اور قرابتدار کا۔ مثلاً" ایک جنگ میں بیٹا غازی بن کر اور باپ کافروں کی طرف سے آیا ہے۔ تو اب اس کے حق پدری کا لحاظ نہیں کیونکہ اللہ اور رسول کا حق سب سے مقدم ہے اسی لئے جنگ احد میں حضرت ابو عبیدہ ابن جراح نے اپنے باپ جراح کو قتل کیا اور جنگ بدر میں حضرت ابو بکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو جو اس وقت کافر تھے اپنے مقابلہ کے لئے بلایا اور حضرت علی اور حضرت حمزہ اور ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اپنے اہل قرابت عتبہ اور شیبہ اور ولید کو قتل کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں اپنے ماموں عاص ابن ہشام کو قتل کیا (تفسیر خزائن العرفان آخر سورہ مجادلہ) جنگ بدر کے قیدیوں کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ہر مسلمان اپنے قرابتدار قیدی کو قتل کرے۔ اس کی قرآن کریم نے تائید فرمائی دیکھو سورۃ انفال **لولا کتب من اللہ سبق** خلاصہ یہ ہے کہ کافر ماں باپ کی بھی اطاعت ضروری ہے۔ مگر جب کہ ان کا حق اللہ و رسول کے حق کے مقابل ہو جائے تو اللہ و رسول کا حق مقدم ہو گا۔ صحابہ کرام کا اپنے کافر ماں باپ کی اطاعت کرنا اور یا انہیں قتل کرنا مختلف موقعوں کے لحاظ سے ہے۔ **وذی القربیٰ** اس کا والدین پر عطف ہے اور قربیٰ بمعنی قرابت ہے جیسے حسنیٰ یعنی اپنے اہل قرابت کے ساتھ احسان کرو چونکہ اہل قرابت کا رشتہ ماں باپ کے ذریعہ سے ہوتا ہے اور ان کا احسان بھی ماں باپ کے مقابلہ میں کم ہے اس لئے ان کا حق بھی ماں باپ کے بعد ہے اس جگہ بھی چند ہدایتیں ہیں۔

پہلی ہدایت ذی القربیٰ وہ لوگ ہیں جن کا رشتہ بذریعہ ماں باپ کے ہو جسے ذی رحم بھی کہتے ہیں۔ یہ تین طرح کے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ایک باپ کے قرابتدار جیسے دادا' دادی' چچا' پھوپھی وغیرہ دوسرے ماں کے جیسے نانا' نانی' ماموں' خالہ' اخیافی بھائی وغیرہ۔ تیسرے دونوں کے قرابتدار۔ جیسے حقیقی بھائی' بہن ان میں سے جس کا رشتہ قوی ہو گا۔ اس کا حق مقدم۔ لہٰذا اگر بھائی اور چچا حاجتمند ہوں تو پہلے بھائی کی خدمت کرے اور اگر چچا اور ماموں حاجتمند ہوں تو پہلے چچا کی۔ دوسری ہدایت۔ اہل قرابت دو قسم کے ہیں ایک وہ جن سے نکاح حرام ہے۔ انہیں ذی رحم محرم کہتے ہیں جیسے چچا' پھوپھی' ماموں' خالہ وغیرہ ضرورت کے وقت ان کی خدمت کرنا فرض ہے نہ کرنے والا گنہگار ہو گا۔ دوسرے وہ جن سے نکاح حلال جیسے خالہ ماموں چچا کی اولاد ان کے ساتھ احسان و سلوک کرنا سنت موکدہ ہے اور بہت ثواب لیکن ہر قرابتدار بلکہ سارے مسلمانوں سے اچھے اخلاق کے ساتھ پیش آنا ضروری اور ان کو ایذاء پہنچانی حرام (تفسیر عزیزی) تیسری ہدایت۔ سسرالی اور دودھ کے رشتہ دار ذی رحم نہیں' ہاں ان میں سے بعض محرم ہیں جیسے ساس اور دودھ کی ماں۔ بعض محرم بھی نہیں ان کے بھی حقوق ہیں۔ یہاں تک کہ پڑوسی کے بھی حق ہیں۔ مگر یہ لوگ اس آیت میں داخل نہیں۔ کیونکہ یہاں رحمی اور رشتہ والے افراد ہیں۔ **والیتمی** یہ جمع یتیم کی ہے۔ جیسے ندیم اور ندامی۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کا باپ مرجائے اور جانوروں میں وہ چھوٹا بچہ جس کی ماں نہ ہو۔ اور جواہرات میں وہ یتیم ہوتا ہے جس کی مثل نہ ہو اور سیپ میں اکیلا پیدا ہو۔ یتیم کی جمع قاعدے سے یتمی نہیں چاہیے تھی۔ لیکن چونکہ یہ آفت زدہ ہے اس لئے دوسرے آفت زدوں کی طرح اس کی جمع بھی لائی گئی۔ جیسے حبط حبالٰی۔ خیال رہے کہ یتیم پر احسان دو طرح کا ہے ایک یہ کہ اس کے مال کی حفاظت کریں اس کی خوراک و پوشاک کی خبرگیری رکھیں اس کو علم و ادب سکھائیں۔ یہ اس کے اہل قرابت پر واجب ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے ایذا نہ دیں۔ اس کے ساتھ نرمی اور مہربانی کریں اس کو مجلسوں اور محفلوں میں اپنے پاس بٹھائیں اس کے سر پر ہاتھ پھیریں۔ اس کو اپنے بچوں کی طرح گود میں لیں اور محبت ظاہر کریں یہ سب پر لازم ہے کیونکہ جس بچے کا باپ مر گیا اب مسلمان اس کے باپ ہیں۔

حکایت : انجمن حمایت اسلام کے یتیم خانہ کی لڑکی کا کسی سے نکاح کیا گیا۔ جس میں ڈاکٹر اقبال بھی لائے گئے۔ کسی نے مذاق سے دولہا سے کہہ دیا کہ آپ انجمن حمایت اسلام کے داماد۔ ڈاکٹر اقبال نے کہا کہ نہیں بلکہ مسلم قوم کے داماد کیونکہ یہ بچی سارے مسلمانوں کی بیٹی ہے۔ **والمسکین** یہ مسکین کی جمع ہے مسکین سکون سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ٹھہر جانا گویا کہ غریبی نے اس کو نقل و حرکت سے روک دیا۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور مسکین وہ ہے جو بالکل مال کا مالک نہ ہو یہ ہی احناف کا قول ہے۔ خضر علیہ السلام کے کشتی والوں کو جو مساکین فرمایا گیا **کانت لمسکین یعملون فی البحر** یا تو وہ مسکین لغوی معنی میں ہے یعنی بیچارے لاچار یا وہ کشتی ان کی اپنی نہ تھی یہ لوگ اس پر مزدوری کرتے تھے۔ اس لئے **یعملون فی البحر** فرمایا گیا۔ غرضیکہ مسکین فقیر سے زیادہ حاجتمند ہے۔ کبھی فقیر محتاج کو کہتے ہیں اور مسکین اسے۔ جس کے دل میں عجز و انکساری ہو اگرچہ کتنا ہی بڑا مالدار ہو اس معنی سے حضور نے فرمایا کہ مولا مجھے مسکین جلا مسکین وفات دے اور مسکینوں کے زمرے میں اٹھا۔ **وقولوا للناس حسنا** یہ **واذ اخذنا** پر معطوف ہے یعنی ہم نے بنی اسرائیل سے کہا تھا کہ تم لوگوں سے اچھی باتیں کہنا چونکہ ہر شخص کی بدنی اور مالی خدمت نہیں کی جا سکتی لہٰذا ماں باپ وغیرہ کی تو مالی اور بدنی خدمت لازم کی گئی اور باقی لوگوں کی صرف قولی۔ یعنی ان سے اچھا برتاؤ کرے اس عبارت کی دو تفسیریں ہیں۔ پہلی تفسیر سیدنا ابن عباس سے مروی

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ یہاں لوگوں سے عام لوگ مراد ہیں اور اچھی بات سے نیکیوں کی رغبت اور بدیوں سے روکنا مطلب یہ ہے کہ اے اسرائیلیو حضور علیہ السلام کی شان میں اچھی اور سچی بات کہو۔ ان کے کمالات اور اوصاف بالکل نہ چھپاؤ بلکہ ایمانداری سے سچ سچ کہہ دو۔ تفسیر خزائن العرفان' دوسری تفسیر یہ کہ ناس سے عام لوگ مراد ہیں اور حسنا عام بھلی باتیں۔ یہاں بھی چند ہدایتیں ہیں۔

پہلی ہدایت جیسا آدمی ویسے ہی اس کے ساتھ اچھی بات۔ متقی مسلمان کے ساتھ ادب و احترام کے ساتھ پیش آئے۔ ملاقات کے وقت سلام و مصافحہ کرے۔ نرم و شیریں گفتگو کرے۔ ناواقف مسلمان کو نرمی سے احکام شرعیہ بتائے اس کے ساتھ لڑائی جھگڑا نہ کرے۔

حکایت : ایک بزرگ نے کسی کو وضو کرتے ہوئے دیکھا تو فرمایا بھائی میرا وضو دیکھ لے اگر کچھ غلطی ہو تو بتا۔ یہ کہہ کر اپنا وضو دکھا دیا وہ سمجھ گیا۔ (2) عام مسلمانوں سے ملاقات میں دوستی ظاہر کرے۔ ان کی مزاج پرسی کرے ان کے رنج و غم میں شریک رہے ان کی دعوت میں شرکت کرے۔ ان کو اچھے لقب اور اچھے نام سے پکارے انہیں پیچھے بھلائی سے یاد کرے ضرورت کے وقت اچھا مشورہ دے۔ (3) مصیبت کے وقت ان کے کام آئے۔ مثلاً" بھولے ہوئے کو راستہ بتائے گرتے ہوئے کو سنبھال لے۔ جو کچھ خریدنا چاہتا ہو۔ بازار سے خرید دے جو کوئی مسئلہ پوچھے تو بتادے وغیرہ وغیرہ (4) فاسق و فاجر بدکار فسادی مسلمان کو اگر ہو سکے تو ملامت کرو۔ ان کو برا بھلا کہو بلکہ حاکم وقت ان کو سزا دے۔ اسی میں ان کی اصلاح ہے اور ان کے حق میں یہی قول حسن ہے۔ حضور علیہ السلام نے مجرموں کو سزائیں دیں۔ دوسری ہدایت اس آیت میں کافر بھی داخل ہیں کفار سے بھی اچھی بات کہو۔ جس کافر کے ایمان کی امید ہو اس سے نرم گوئی اور دلجوئی سے پیش آؤ۔ نہایت اخلاق سے دعوت اسلام دو۔ دیکھو فرعون سخت کافر تھا اور موسیٰ علیہ السلام بڑے پیغمبر مگر جب انہیں فرعون کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا تو حکم دیا گیا **فقولا له قولا لینا" لعله یتذکر او یخشی** یعنی اس سے نرم بات کرنا شاید وہ نصیحت قبول کرے اور خدا سے ڈر جائے چونکہ ابھی تک اس سے ایمان کی بظاہر ناامیدی نہ ہوئی تھی اس لئے اس سے نرم کلام کا حکم دیا گیا۔ نیز قرآن کریم ہمارے حضور کی تعریف فرماتا ہے **فبما رحمة من الله لنت لهم ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک** آپ اللہ کی رحمت سے ان کے لئے نرم ہو گئے۔ اگر سخت گو اور سخت دل ہوتے تو البتہ آپ کے پاس سے یہ لوگ بھاگ جاتے (تفسیر کبیر و عزیزی) شروع اسلام میں ایسے کفار کو زکوٰۃ دینا بھی جائز تھی۔ انہیں کو مولفتہ القلوب کہتے ہیں وہ حکم اب جاتا رہا۔ لیکن ان کے ساتھ اخلاق کا برتاؤ اور ان کی دلجوئی کرنے کا حکم اب بھی باقی ہے حضور علیہ السلام نے ایسے کفار کے ساتھ بہت پاکیزہ اخلاق سے برتاؤ فرمایا اور انہی اخلاق نے انہیں گرویدہ کر لیا اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس کے صدہا واقعات ہیں۔ در حقیقت اسلام اخلاق ہی سے پھیلا ہے۔ ضدی ہٹ دھرم کفار جن کے ایمان کی کوئی امید نہیں جو ہر وقت اسلام کے مٹانے کے درپے ہوں ان کے ساتھ بقدر طاقت نہایت سختی کی جائے۔ خدا نصیب فرمائے تو ان سے جہاد کیا جائے ان پر تلوار چلائی جائے ان کے حق میں یہ برتاؤ ہی قول حسن ہے اور ان کا فتنہ اس طرح رک سکتا ہے۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ کفار کو لعنت ملامت کرنا بھی ان کے لئے قول حسن ہے۔ کیونکہ اس سے نفع والی بات مراد ہے نہ کہ دل پسند بات۔ نالائق بچے کو مارنا ڈاکو کو سولی دینا اس کے لئے قول حسن

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام فرعون کے ایمان سے ناامید ہوئے تب آپ نے اس کے لئے بددعا فرمائی۔ **ربنا اطمس علی اموالہم و اشدد علی قلوبہم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** نرم کلام فرمانے کا اور وقت حکم تھا اور یہ بد دعا دوسرے وقت کی گئی۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب علیہ السلام سے فرمایا **یا ایہا النبی جاھد الکفار والمنفقین و اغلظ علیہم** مسلمانوں کے صفات یوں بیان فرمائے **اشداء علی الکفار رحماء بینہم** وغیرہ وغیرہ غرضیکہ اخلاق اور قسم کے کفار کے لئے ہیں اور سختی وجہاد دوسرے کفار کے لئے میٹھی اور لذیذ دوائیں اور بیماروں کے لئے ہیں اور کڑوی دوائیں اور آپریشن دوسرے بیماروں کے لئے کفار مرتدین کسی نرمی اور رعایت کے مستحق نہیں بلکہ اگر ان کے لوٹ آنے کی امید ہو تو ان کو ہدایت کی جائے اسلامی بادشاہ ان کو کچھ سوچنے کی مہلت دے پھر بھی باز نہ آئیں تو قتل کرادے ان کے حق میں یہ ہی قول حسن ہے اب جب کہ اسلامی حکومت نہیں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ اس کی صحبت سے دور بھاگیں قرآن و حدیث نے ان سے بچنے کا سخت حکم دیا ہر کافر اور بدمذہب سے دور رہنا ضروری ہے یہی حکم اس زمانہ میں دیوبندی وہابیوں اور تمام ان فرقوں کا ہے۔ تیسری ہدایت۔ اخلاق' مدارت اور مداہنت اور خوشامد میں فرق ہے۔ اخلاق اچھی چیز ہے اور مداہنت بری اخلاق یہ ہیں کہ اپنے نفس کے حق میں نرمی کی جائے۔ ذاتی قصور کو معاف کیا جائے۔ جو اپنے سے بدسلوکی کرے۔ اس کا بدلہ بھلائی سے دیا جائے۔ یہ نہایت پاکیزہ صفت ہے قرآن کریم نے فرمایا۔ **انک لعلی خلق عظیم** حضور علیہ السلام کے اخلاق نہایت پاکیزہ تھے لیکن دین میں سست اور پلپلا ہونا مداہنت ہے کہ کسی سے ناجائز باتیں سنے یا اس کو حرام کام کرتے ہوئے دیکھے اور اس پر سختی نہ کرے یہ نہایت بری صفت ہے۔ جو کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ جو شخص اپنی بیوی کے پاس کسی غیر شخص کو دیکھے اور غصہ نہ آئے بلکہ اس کی خاطر کرے وہ خلیق نہیں بلکہ دیوث ہے ایسے ہی جو کسی کو اللہ و رسول کی توہین کرتے ہوئے دیکھے اور غصہ نہ کرے اور اسے برا معلوم نہ ہو۔ وہ خلیق نہیں بلکہ بے غیرت بے دین ہے۔

دشمن احمد پہ شدت کیجئے ملحدوں سے کیا مروت کیجئے

چوتھی ہدایت۔ اس آیت میں **حسنا** فرمایا نہ کہ **مستحسن** حسن وہ بات ہے جو درحقیقت اچھی اور نافع ہو اور مستحسن وہ جس کو لوگ اچھا سمجھیں۔ کفار پر سختی ان کے نزدیک مستحسن نہیں مگر حسن ہے اور ان کی خوشامد ان کے نزدیک مستحسن ہے مگر حسن نہیں۔ ہم کو کلام حسن کا حکم ہے نہ کہ مستحسن کا۔ یہ مضمون بہت خیال میں رہے۔ یہاں اکثر لوگ دھوکہ کھا کر اخلاق اور خوشامد میں فرق نہیں کرتے۔ پانچویں ہدایت۔ اگرچہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ احکام بنی اسرائیل کو دیئے گئے تھے۔ مگر ہم سب مسلمانوں پر بھی لازم ہیں (اصول فقہ) جب بندوں کے حقوق سے فراغت ہوئی تو فرمایا گیا **و اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** کہ نماز قائم رکھو اور زکوۃ دو چونکہ نماز میں فقط رب سے ہی تعلق ہے اور زکوۃ میں بندوں سے بھی اس لئے نماز کو زکوۃ پر مقدم کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل پر بھی نماز اور زکوۃ فرض تھی لیکن ہماری نماز زکوۃ سے مختلف چنانچہ ان پر چوتھائی مال زکوۃ فرض تھی۔ ہم پر چالیسواں حصہ اگرچہ **لا تعبدون** میں یہ بھی آگئی تھی۔ مگر اس کی افضلیت کی وجہ سے اس کو علیحدہ بھی بیان کر دیا **ثم تولیتم** یا تو یہ موجودہ بنی اسرائیل سے خطاب ہے یا گزرے ہوؤں سے یعنی پھر تم یا تمہارے بزرگ ان تمام احکام سے منہ موڑ گئے اور ان کی پابندی نہ کی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ حیات شریف میں انہوں نے بچھڑا پوجنا شروع کر دیا۔ بعد میں اگرچہ ڈر خوف سے اس عبادت سے توبہ تو کرلی مگر بچھڑے کی محبت ان

www.alahazratnetwork.org

کے دلوں میں رچ گئی تھی **واشربوا فی قلوبھم العجل** پھر یہود نے تو حضرت عزیر کے فوٹو کی اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ و مریم کے فوٹو کی پوجا شروع کردی اصلی عبادت الٰہی کو چھوڑ بیٹھے نماز کی جگہ آٹھویں دن کی دعا رکھ لی۔ زکوٰۃ کا مسئلہ بالکل ختم ہی کردیا۔ لوگوں کو بجائے ہدایت دینے کے انہیں ایمان و ہدایت سے روکنے لگے۔ یتیموں غریبوں کی پرورش کا تو ابھی دستور ختم کردیا۔ اب جو غرباء کی امداد کی سوسائیٹیاں قائم ہیں وہ مذہبی نہیں قومی ہیں **الا قلیلا منکم** سو تم میں سے تھوڑوں نے یعنی تم میں سے بہت تھوڑے ایسے لوگ ہیں جو نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے اور انہوں نے سارے احکام کی پابندی کی جیسے عبداللہ بن سلام اور کعب احبار وغیرہ رضی اللہ عنہما یا تمہارے بزرگوں میں سے بہت تھوڑوں نے ان کی پابندی کی پھر تم نے یہ بھی نہ کیا کہ توبہ کرکے اس عہد شکنی کا بدلہ کردیتے بلکہ **وانتم معرضون** تم روگردان ہی رہے اور دن بدن عہد شکنی میں ترقی کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بد مزاجی بد خلقی خدا کے احکام سے منہ موڑنا تمہاری عادت بن گئی۔ پھر تم کیسے کہتے ہو کہ ہم عارضی عذاب پاکر چھوٹ جائیں گے ان عیوب سے دائمی عذاب آتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : یہ مختصری آیت انسانی زندگی کا مکمل دستور العمل ہے۔ اس میں عقائد عبادات معاملات مکمل طور پر بیان کئے گئے اور انسانی زندگی کے ہر شعبہ پر پوری روشنی ڈال دی گئی اس میں آٹھ احکام بیان ہوئے لیکن اگر تفصیل کی جائے تو آٹھ کروڑ سے بھی زیادہ ہیں۔ پھر ترتیب ایسی نفیس کہ سبحان اللہ 'چونکہ عقائد اعمال پر مقدم اور اللہ کا حق سارے حقوق سے اعلیٰ اس لئے پہلے اس کو بیان فرمایا گیا کہ تم غیر خدا کی عبادت نہ کرو۔ پھر مخلوق میں سب سے بڑا ماں باپ کا حق ہے۔ اس لئے اس کے بعد فرمایا گیا کہ والدین کے ساتھ بھلائی کرو۔ پھر ماں باپ کے رشتہ داروں کا حق اس لئے حکم ہوا کہ اہل قرابت سے سلوک کرو۔ پھر ان کا حق تھا جن سے اسلام کا رشتہ ہے خواہ بدنی رشتہ ہو یا نہ ہو۔ یتیم بچے اور مسکین مسلمان اگر یتیم زیادہ حاجتمند تھے۔ اس لئے ان کو مسکینوں پر مقدم کرکے فرمایا کہ یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی احسان کرو پھر سارے انسانوں کے تمام حقوق کو ان دو لفظوں میں بیان فرمایا کہ لوگوں سے اچھی بات کہو معاملات سے فراغت کے بعد ساری بدنی اور مالی عبادتوں کو ان دو لفظوں میں بیان فرمایا کہ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ کیونکہ جہاد وغیرہ بھی نماز قائم کرنے کے لئے ہی ہیں پھر ان تمام احکام کی پابندی کرانے کے لئے فرمایا کہ ان احکام کو چھوڑ کر نجات کی امید کرنا خیال خام ہے اگر اپنا چھٹکارا چاہتے ہو تو ان عقائد اور اعمال کی پابندی کرو ان کی کچھ تفصیل ہم نے تفسیر میں عرض کردی۔ اگر پوری تفصیل کی جائے تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** نجات دائمی کے لئے عقائد 'عبادت و معاملات سب ضروری ہیں۔ عقائد بنیاد ہے اور عبادات دیواریں اور معاملات چھت مکان کے لئے تینوں چیزیں ضروری ہیں ایسے ہی نجات دائمی کے لئے یہ تینوں ضروری یا یوں سمجھو کہ عقائد پرندہ اور اعمال پرندے کے دو پر ہیں۔ اگر ایک بھی ٹوٹ گیا تو اڑنا ناممکن۔ قیامت کے دن بد عمل مسلمان کو بڑی الجھنیں پیش آئیں گی۔ **دوسرا فائدہ:** یہ حق بقدر احسان ہے اسی لئے ماں باپ کا حق ساری مخلوق سے اعلیٰ۔ **تیسرا فائدہ:** یتیموں سے بھلائی کرنا علامت ایمان ہے۔ جس دستر خوان پر یتیم ہو اس پر شیطان نہیں ہوتا۔ جو یتیم کو پال کر جوان کردے۔ اس کے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں۔ بلکہ روایت میں یہ بھی ہے کہ جو اپنی تین بیٹیوں یا بہنوں کو بلکہ دو کو بھی پال کر جوان کرلے تو وہ اس کے لئے جہنم میں آڑ بن جائیں۔ ایک بار حضور علیہ السلام نے اپنی دو انگلیوں کو

www.alahazratnetwork.org

بلا کر فرمایا کہ ہم اور یتیم کا پالنے والا جنت میں ایسے رہیں گے۔ خیال رہے کہ دونوں مبارک انگلیاں چھوٹی بڑی تھیں جن سے درجات کا فرق معلوم ہوا (روح البیان) چوتھا فائدہ: اچھے اخلاق اور لوگوں سے اچھا کلام کرنا بھی علامت ایمان ہے۔ امام محمد باقر رحمۃ اللہ علیہ نے اچھے اخلاق کی نہایت عمدہ تفسیر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کر کلام ایسا ۔۔۔ کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

جو بات کسی سے کہو اچھی ہو بھلی ہو ۔۔۔ کڑوی نہ ہو کھٹی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو

پانچواں فائدہ: تارک الدنیا بننا کمال نہیں بلکہ کامل وہ شخص ہے جو خالق و مخلوق کے حقوق ادا کر کے دنیا سے جائے۔ چھٹا فائدہ: جب ماں باپ رشتہ دار اپنے اہل قرابت ہیں اور ان کے حقوق اپنے ذمہ ہیں تو حضور علیہ السلام کے اہل قرابت بھی سب مسلمانوں کے بزرگ ہیں ان کے حقوق بھی ہم پر ہیں۔ رب فرماتا ہے **قل لا اسئلکم علیہ اجرا الا المودۃ فی القربی** تاقیامت حضور کے اہل قرابت یا اولاد کا احترام انہیں پڑھانا لکھانا علم و ہنر سکھانا مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کے گھر سے ہمیں ایمان، قرآن بلکہ رحمان ملا۔ یہ حضرات روحانی ذوی القربیٰ ہیں اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اہل بیت اطہار یا صحابہ کبار کی شان میں گستاخیاں کرتے رہتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں نبی کا ذکر نہ آیا کیا نبی کا کوئی حق نہیں ہے جواب: تفسیر میں بتایا گیا کہ **لا تعبدون الا اللہ** میں خدا کے حق کے ساتھ پیغمبر کا حق بھی آگیا۔ در حقیقت ان کے حق کے بغیر خدا کے حق ادا ہو سکتے ہی نہیں۔ ساری عبادات بلکہ معاملات بھی نبی کا حق ہیں کیونکہ وہ نبی کے فرمانے سے ہی واجب ہوئے اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں عالم دین اور دینی استاد اور پیر کا ذکر نہ کیا کیا ان کا کوئی حق نہیں۔ جواب: یہ حضرات یا تو والدین میں داخل ہیں کیونکہ یہ روحانی ماں باپ ہیں بلکہ ان کا حق اطاعت ماں باپ پر بھی مقدم ہیں کیونکہ ماں باپ تو ہم کو اوپر سے نیچے لائے اور انہوں نے ہمیں پھر نیچے سے اوپر پہنچایا یوں کہ ہم کو ماں باپ نے حیوان بنایا اور انہوں نے ناطق یا انہوں نے جسم و جان کی پرورش کی اور انہوں نے روح و ایمان کی اور یا یہ حضرات **قولوا للناس حسنا** میں داخل ہیں کیونکہ جیسے ناس ویسا ان کے ساتھ کلام تیسرا اعتراض: اس آیت میں بیوی اور رضاعی ماں اور پڑوس وغیرہ کا حق نہیں آیا۔ جواب: یہ بھی الناس میں داخل ہو کر آگئے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں پہلے عبادت کا ذکر ہے اور پھر معاملات کا اور پھر نماز، زکوۃ کا۔ ایسی ترتیب کیوں رکھی گئی جواب: یہاں معاملات کا عبادت پر مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ بندے اپنے حقوق کے محتاج ہیں اور رب تعالیٰ سے بے نیاز۔ مگر چونکہ ان سب کے لئے ایمان شرط ہے اس لئے **لا تعبدون الا اللہ** فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ محسن حقیقی ہے اور ماں باپ وغیرہ محسن مجازی۔ لیکن محسن مجازی کا حق ادا کئے بغیر محسن حقیقی کا حق ادا نہیں ہو سکتا اسی لئے یہ قاعدہ مقرر ہے کہ مجاز حقیقت کا پل ہے تین چیزیں بغیر تین چیزوں کے قبول نہیں ہوتیں اسی لئے قرآنی آیت سے ان کو ملا دیا ہے۔ خدا کی اطاعت بغیر رسول **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** خدا کا شکر ماں باپ کے شکر کے بغیر **ان اشکرلی ولوالدیک** نماز بغیر زکوۃ **اقیمو الصلوۃ واتوا الزکوۃ** جو شخص بغیر وسیلہ مجاز حقیقت کو پانا چاہے

وہ ناتمام رہے گا۔ مجازی کشتی میں بیٹھ کر حقیقت کا دریا عبور کرو بلکہ حق تو یہ ہے کہ مجاز حقیقت کا مظہر ہے چاہئے کہ مجازی آئینہ میں محبوب حقیقی کو دیکھے مولانا فرماتے ہیں۔

اصل صد یوسف جمال ذوالجلال ۔۔۔ اے کم از زن شو فدائے آں جمال
اصل بیند دیدہ چوں اکمل بود ۔۔۔ فرع بیند چونکہ مرد احول بود
سرمہ توحید از کحال حال ۔۔۔ یافتہ رستہ زعلت اختلال

عبادت دو قسم کی ہے بلاواسطہ اور بالواسطہ جن افعال سے براہ راست رب کی رضا منظور ہو وہ بلاواسطہ عبادت ہے۔ اس کو شریعت میں عبادت کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ روزہ نماز حج و زکوۃ اور جن افعال سے مخلوق کو راضی کرنا منظور ہو۔ مگر یہ مخلوق کی رضا رضائے الہی کے لئے ہی ہو۔ وہ بالواسطہ عبادت ہے۔ اسی کو معاملات کہا جاتا ہے۔ جیسے خدمت والدین اور ادائگی حقوق۔ یہی فرق ہے صدقہ اور نذر میں جو کوئی معاملات سے رب کی رضاجوئی نہ کرے وہ اپنا وقت بیکار گزارتا ہے۔ ان تمام بندوں میں رب کا نظارہ کرو۔ اور سمجھو۔

حاصل نہ شود رضائے سلطان ۔۔۔ تا خاطر بندگان نہ جوئی

ورنہ تم ان زنان مصری سے بھی کم ہو۔ جنہوں نے حسن یوسف میں خالق یوسف کا جمال دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے اور درد تک محسوس نہ کیا بلکہ بجائے ہائے ہوائے کے جمال یوسفی کی تعریف کرتی رہیں۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ
اور جب کر لیا ہم نے عہد تمہارا کہ نہ بہاؤ گے خون اپنوں کے اور نہ نکالو گے تم
اور جب ہم نے تم سے عہد لیا کہ اپنوں کا خون نہ کرنا اور اپنوں کو اپنی بستیوں
اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۞
نفسوں اپنوں کو شہروں سے اپنے پھر اقرار کیا تم نے اور تم لوگ گواہ ہو
سے نہ نکالنا پھر تم نے اقرار کیا اور تم گواہ ہو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے پہلا تعلق: اس سے پہلے تہذیب اخلاق اور تدبیر منزل کے احکام کا ذکر تھا جن پر عمل کرنے سے انسان کے اخلاق درست ہو جائیں اور خانگی زندگی سنبھل جائے۔ اب سیاست مدنی کے احکام کا ذکر ہے۔ جس سے قومی اصلاح ہو اور ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہو۔ دوسرا تعلق: اس سے پہلے اختیار کرنے کے لئے اچھے صفات کا ذکر کیا تھا۔ اب ان عیوب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جن سے بچنا ضروری ہے۔ اسی لئے پہلی آیت میں امر تھا اور اس میں نہی تیسرا تعلق: پہلی آیت میں اسرائیلیوں کی نافرمانیوں کا دعویٰ کیا گیا تھا کہ ثم تولیتم اس آیت میں ان کے اعمال سے ثبوت دیا جا رہا ہے۔ چوتھا تعلق: موجودہ بنی اسرائیل پچھلی آیت کے مضمون کا انکار کرتے تھے کہ ہمارے بزرگوں نے یہ بد

www.alahazratnetwork.org

عہدیاں نہ کیں اور ہم بھی توحید الٰہی پر قائم اور لوائے حقوق میں ثابت قدم ہیں اور اگر انہوں نے یہ بد عہدیاں کی بھی ہوں تو اس سے ہم پر کیا الزام۔ اس کے جواب میں اس آیت میں دوسرا عہد یاد دلایا جا رہا ہے۔ جس کی یہ لوگ ظاہر ظہور مخالفت کر رہے ہیں۔ **پانچواں تعلق:** اس سے یہود کے ایمان کی مایوسی کی چند وجہیں بتائی گئی تھیں۔ اس آیت میں بھی اسی کی ایک وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جب یہ لوگ توریت شریف کے نہایت ظاہر اور رینتہ احکام کو نہیں مانتے تو نبی آخر الزماں پر ان کے ایمان لانے کی کیا امید ہے یہ عہد یا تو اس طرح لیا کہ توریت میں یہ احکام بھیجے اور جو شخص موسیٰ علیہ السلام کا کلمہ پڑھ کر دین موسوی میں داخل ہو تا تو گویا توریت کے سارے احکام پر عمل کرنے کا عہد کر لیتا ہے جیسے ہم کلمہ پڑھ کر سارے احکام قرآن و حدیث پر عمل کرنے کا عہد کر لیتے ہیں یا اس طرح موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے قریب بنی اسرائیل سے یہ عہد لیا تھا جیسے ہمارے حضور نے حج الوداع میں مسلمانوں کو خصوصی وصیتیں فرمائیں کہ میرے بعد ایک دوسرے کو قتل نہ کرنا اپنی بیویوں سے اچھے سلوک کرنا وغیرہ اور چونکہ نبی کا عہد لینا گویا رب کا عہد لینا ہے اس لئے **اخذنا** فرمایا گیا کہ ہم نے عہد لیا۔

تفسیر: واذ اخذنا میثاقکم یہاں وہی **اذکروا** فعل چھپا ہوا ہے یعنی اے یہودیو اس وقت کو یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے عہد لیا یہاں موجودہ بنی اسرائیل ہی سے خطاب ہے کیونکہ آئندہ انہی کی بد عہدی کا ذکر ہو رہا ہے اسی لئے یہاں **میثاقکم** فرمایا گیا اور پچھلی آیت میں **میثاق بنی اسرائیل** دراصل یہ عہد بھی ان کے باپ داداؤں سے ہی لیا گیا تھا۔ مگر چونکہ باپ داداؤں کا فعل ہوتا ہے اس لئے اس کا ان سے خطاب ہوا یہاں وعدہ کی نوعیت مراد ہے ورنہ حقیقت میں ان سے تین عہد لئے گئے تھے پہلا یہ کہ **لا تسفکون دماء کم** اپنا خون نہ بہانا یہ **سفک** سے بنا ہے **سفک و سکب** کے معنی ہیں انڈیلنا اور بہانا اس عبارت کے چند مطلب ہو سکتے ہیں۔ (1) دنیوی مصیبت سے گھبرا کر یا روحانی ترقی کی امید میں خود کشی نہ کرنا۔ (2) اپنے ہم قوم یا ہم مذہب کو قتل نہ کرنا یعنی آپس میں جنگ و جدال نہ کرنا کیونکہ اپنی قوم کو مارنا درپردہ اپنے ہی کو مارنا ہے۔ (3) کسی کو قتل کرنا کہ اس کے قصاص میں تم قتل کر دیئے جاؤ کیونکہ دوسرے کو ہلاک کرنا اپنے کو موت کے منہ میں دینا ہے۔ (4) جنگجو اور مفسد قوموں کا ساتھ نہ دینا ورنہ تم تباہ ہو جاؤ گے (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ یہاں بھی نفی میں نہی کے معنی ہیں اور چونکہ ایک دوسرے کا قتل و خون سخت گناہ ہے کہ شرک و کفر کے بعد اسی کا درجہ ہے اسی لئے اسی عہد کو بھی توحید کے عہد کی طرح نہایت اہتمام سے خبر کی صورت میں بیان فرمایا۔ دوسرا عہد یہ تھا کہ **ولا تخرجون انفسکم من دیارکم** اپنے کو اپنے گھروں میں سے نہ نکالنا یعنی اپنی قوم یا اپنے اہل قرابت یا اپنے پڑوسی کو اتنا تنگ نہ کرنا کہ وہ مجبور ہو کر اپنا گھر یا وطن چھوڑنے پر آمادہ ہو جائے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ تم ایسی بد عملیاں نہ کرنا جس سے تم کو جلاوطن کر دیا جاوے۔ یعنی حکومت تم کو ملک سے نکال دے یا یہ کہ تم خود تارک الدنیا ہو کر اپنا گھر بار چھوڑ کر جنگل میں آوارہ نہ پھرنا بہر حال یہاں بھی یا تو **انفس** سے اپنی جانیں مراد ہیں۔ یا اپنے ہم قوم چونکہ جلاوطن کرنا قتل کے بعد سب سے بڑا ظلم ہے۔ چنانچہ اب بھی پھانسی کا درجہ کالے پانی کی سزا ہے نیز جلاوطن قوم کبھی سلطنت نہیں کر سکتی جب اس کی اجتماعی قوت جاتی رہی اور لوگ بکھر گئے تو مخالف کو حملہ کرنے کی جرات ہو جائے گی اور وہ اس کو غلام بنا لے گا۔ اس لئے خونریزی کے بعد جلاوطنی کا ذکر کیا گیا اور اے اسرائیلیو یہ ہی نہ ہوا کہ تمہیں ان احکام کی خبر دے دی جاتی بلکہ **ثم اقررتم** تم نے اس کا بھی اقرار کر لیا کہ ہم اس پر عمل کریں گے پھر یہ اقرار خفیہ طریقہ پر یا ضمنی طور پر نہ تھا

www.alahazratnetwork.org

اتنا صاف اور صریح تھا کہ **وانتم تشھدون** تم اب بھی اس گزشتہ اقرار کی گواہی دے رہے ہو۔ خیال رہے کہ اقرار اور گواہی ایک شخص کی نہیں ہو سکتی مقر کوئی اور ہوتا ہے اور گواہ دوسرا اس لئے اس آیت کے یا تو یہ معنی ہیں کہ تمہارے بزرگوں نے اقرار کیا تھا اور تم اس کے گواہ ہو۔ یا یہ کہ تم سب نے اقرار کیا تھا اور بعض لوگ بعض پر گواہ تھے۔ یا تم نے پہلے اقرار کیا تھا اور اب گواہ ہو کہ ہاں ہم اقرار کر چکے ہیں اس سے مقصود یہ ہے کہ تم وہ اقرار اب تک بھولے نہیں ہو۔ سب کچھ تمہیں یاد ہے اور جان بوجھ کر اس کی مخالفت کر رہے ہو۔

خلاصہ تفسیر : اے اسرائیلیو تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے تم سے مضبوط عہد لیا تھا کہ تم آپس میں خونریزی نہ کرنا اور اپنی قوم کو ناحق جلاوطن نہ کرنا کیونکہ اس سے تمہاری قوت ٹوٹ جائے گی اور قومی شیرازہ بکھر جائے گا جو تمہاری ہلاکت کا باعث ہو گا تم نے اس کا پورا اقرار بھی کیا تھا۔ اور تم اب تک اس پر گواہ ہو مگر تم نے کیا کیا اور اس اقرار پر کتنے قائم رہے اس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اپنے دینی بھائی کو مارنا در حقیقت اپنے کو مارنا ہے۔ کیونکہ اس سے قوم میں کمزوری پیدا ہوگی۔ جس کا وبال سبھی بھگتیں گے۔ **دوسرا فائدہ**: اپنے دینی بھائی کو ذلیل کرنا در حقیقت اپنے کو ذلیل کرنا ہے کیونکہ اس سے غیر قوم کی نگاہ میں اپنی قوم کا وقار جاتا رہتا ہے اور جب اپنی قوم کا وقار گیا تو خود اپنا بھی گیا کاش کہ موجودہ مسلمان بھی یہ راز سمجھ جائیں اگر ہم مسلم قوم کی عزت کریں تو کوئی قوم ہم کو ذلیل نہیں کر سکتی۔ دوسری قوموں کو مسلمانوں کے مقابلہ کی اس لئے ہمت ہوئی کہ خود مسلمان ہی اپنی قوم کے دشمن بن گئے۔ **تیسرا فائدہ**: قوم کی عزت سے دین کی عزت ہے مومن کی عزت سے ایمان کی۔ مسلم سے اسلام کی۔ عالم دین کی عزت سے قرآن کی عزت ہے۔ دین کی عزت کے لئے دینداروں کی عزت کرو۔ اللہ پاک عمل کی توفیق عطا فرمائے آج انگریز کے دلدادہ دین و ملت سے بے قید مادر پدر آزاد لوگ اپنی ترقی علماء کو گالیاں دینے میں سمجھتے ہیں۔ جس کو دیکھو عالم کا بدگو ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ عالم کو آڑ بنا کر اسلام پر وار کرتے ہیں۔ روزے 'نماز' حج و زکوٰۃ و قربانی کو برا کہتے ہیں کہ دین کا نام لے کر ملاؤں نے اٹھک بیٹھک 'بھوکے مرنا ناحق جانوروں کا خون کرنا نکالا ہے۔ یہ بد نصیب نہ دین کے نہ دنیا کے ان کے اس عمل سے خود اپنی دینی و قومی تباہی ہے۔ یہ لوگ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ **چوتھا فائدہ**: مسلمانوں کو لازم ہے کہ اپنے گھر نہ چھوڑیں اور اپنی زمین فروخت نہ کریں۔ بلکہ زمین خریدنا اور اپنی آبادیاں بڑھانا اور محلے قائم کرنا ضروری ہے اگر ہندوستان سے مسلمان چلے جائیں تو یقیناً "یہاں کی مسجدیں ہند اور مسلمانوں کے قبرستان گئوشالے بنا لئے جائیں گے اور ان کی ساری وقف زمینوں پر غیر قبضہ کر لیں گے۔ **پانچواں فائدہ**: بعض جگہ سن کر یا شہرت پر یا علامتیں دیکھ کر بھی گواہی دی جا سکتی ہے۔ ہر گواہی میں دیکھنا ضروری نہیں۔ دیکھو موجودہ یہودیوں نے اپنے بزرگوں کے عہد و میثاق کا واقعہ خود نہ دیکھا تھا۔ محض قرابت دیکھ کر یا سن کر گواہی دی وہ معتبر ہوئی۔ اسی طرح آج بھی وقف نسب 'نکاح' تبرکات کی گواہی فقط سن کر یا علامتیں دیکھ کر دی جا سکتی ہے۔ لہٰذا دیو بندیوں اور وہابیوں کا تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کرنا محض غلطی ہے۔

اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل کو اپنے قتل نہ کرنے کا مکلف کیا گیا۔ انسان اپنے قتل سے تو خود ہی بچتا

www.alahazratnetwork.org

ہے اسے مکلف کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ بعض وقت انسان خودکشی کرتا ہے۔ بعض قومیں خودکشی کو ذریعہ نجات سمجھتی ہیں۔ اس لئے اس سے ان کو روکا گیا یا یہ مراد ہے کہ اپنی قوم کو قتل نہ کریں۔

تفسیر صوفیانہ: نفس کی پرورش کرنے میں روح کی ہلاکت ہے اور دنیا میں محبت کرنے سے اپنے اصلی وطن یعنی جنت سے محرومی۔ ہر انسان سے عہد لیا گیا ہے کہ وہ شیطان کی اطاعت اور نفس کی پیروی کر کے اپنی جان یا اپنی روح کو ہلاک نہ کر دے نیز اپنے کو دنیا میں پھنسا کر اپنے کو اصل وطن جنت سے نہ نکالے یا یوں سمجھو کہ ہمارا دین فطری اسلام ہے۔ ہم دنیا میں رہ کر بھی اپنے اصلی وطن یعنی اسلام میں موجود ہیں۔ ہم کو چاہئے کہ اسلامی حدود سے نکل کر بے وطن نہ بنیں۔ نیز صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ترقی روح کا ذریعہ شریعت کی پابندی ہے۔ یہ ہرگز جائز نہیں کہ روحانی ترقی کے لئے خودکشی کی جائے یا اپنے کو دنیوی بلاؤں میں پھنسایا جائے یا آبادی چھوڑ کر اپنے کو صحرانشین بنایا جائے۔ ان باتوں سے فقیری نہیں ملتی۔ یہ طریقہ سادھوؤں اور جوگیوں اور راہبوں کا ہے بعض صحابہ کرام نے دین کی خاطر دنیوی لذتیں چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ کسی نے کہا کہ میں نکاح نہ کروں گا۔ کسی نے کہا میں ہمیشہ روزہ رکھوں گا وغیرہ۔ حضور علیہ السلام نے ان سب کو اس ارادے سے روک دیا اور فرمایا کہ ہمارے دل میں بہت زیادہ خوف الٰہی ہے۔ لیکن ہم نماز بھی پڑھتے ہیں اور سوتے بھی رہتے ہیں اور افطار بھی کرتے ہیں نکاح بھی کرتے ہیں۔ نکاح میری سنت ہے۔ جس نے اس سے منہ پھیرا وہ میرے گروہ سے نہیں لطف یہ ہے کہ شرعی قیود میں عارف کی آنکھ دنیا کے ہر آئینہ میں رب کا جمال دیکھتی ہے۔ جب یہ حال ہو جائے گا تو پھر یہ لطف ہو گا کہ انسان جہاں جائے گا رب کو پائے گا۔ مسجد میں آئے گا تو اسی کو دیکھے گا اور گھر میں پہنچے گا تو اسی تک پہنچے گا اور دکان میں داخل ہو گا تو اسی کے قرب میں داخل ہو گا۔ اور پھر یہ آیت ظاہر ہو گی۔ فاینما تولوا فثم وجہ اللہ جہاں جاؤ رب کو پاؤ پھر قلب کی حالت یہ ہو گی کہ نہ دنیوی غم سے غمگین ہو گا اور نہ یہاں کی راحت سے خوشی۔ اسی کا ظہور کربلا کے میدان میں ہوا کہ امام حسین نے بزبان حال فرمایا۔

میں تیرا غیر نہیں میں ہوں آئے عین کرم ۔۔۔ تو ہی آتا ہے نظر مجھ کو بچشم پرنم

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِیْقًا مِّنْكُمْ
پھر تم یہ ہو کہ قتل کرتے ہو جانوں اپنی کو اور نکالتے ہو تم ایک گروہ کو اپنے سے
پھر یہ جو تم ہو اپنوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے میں سے ایک گروہ کو ان کے
مِّنْ دِیَارِهِمْ٘ تَظٰهَرُوْنَ عَلَیْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِؕ وَ اِنْ یَّاْ
ان کے گھروں سے اور دوں کو مدد دیتے ہو (بمقابلہ) ان کے ساتھ گناہ اور زیادتی کے اور اگر وہ آئیں
مدد دیتے ہو (یعنی ان کے مخالف کو) گناہ اور زیادتی میں اور اگر وہ

www.alahazratnetwork.org

تُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ
تمہارے پاس قیدی ہو کر تو فدیہ دیتے ہو تم ان کا اور شان یہ ہے کہ حرام ہے ان کا تمہارے
قیدی ہو کر تمہارے پاس آئیں تو بدلہ دے کر چھڑا لیتے ہو اور ان کا نکالنا تم پر حرام ہے
اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ
نکالنا ان کا کیا تم ایمان لاتے ہو ساتھ بعض کتاب کے اور کفر کرتے ہو ساتھ بعض کے پس کیا بدلہ ہے
تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے ہو اور کچھ سے انکار کرتے ہو تو جو تم میں سے ایسا کرے گا
يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ
اس کا جو کرے یہ تم میں سے مگر رسوائی بیچ زندگی دنیا کے اور دن قیامت
اس کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں
الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
کے لوٹائے جائیں گے وہ طرف سخت عذاب کے اور نہیں ہے اللہ بے خبر
سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے اور اللہ تمہارے کوتکوں
تَعْمَلُوْنَ ؕ
اس سے جو تم کرتے ہو۔
سے بے خبر نہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر احکام بھیجنے کا ذکر تھا اب ان کے اعمال کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کے اقرار اور عہد و پیمان کا ذکر تھا اب اس کے توڑنے کا تذکرہ ہے۔

شان نزول : توریت میں بنی اسرائیل سے عہد لیا گیا تھا کہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کریں اور وطن سے نہ نکالیں اور جو بنی اسرائیل کسی کی قید میں ہو اس کو مال دے کر چھڑا لیں۔ اس پر انہوں نے اقرار بھی کیا اور گواہ بھی ہوئے لیکن قائم نہ رہے اور اس سے پھر گئے۔ جس کا ذکر خلاصہ میں آتا ہے۔ اب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خزائن العرفان)

تفسیر : **ثم انتم هولاء تقتلون انفسكم۔** ثم یا تو رتبی تراخی کے لئے ہے یا زمانی یعنی باوجودیکہ یہ احکام عقلاً "نقلاً" نہایت اعلیٰ تھے جن پر ملکی اور قومی انتظام موقوف تھا۔ مگر تعجب ہے کہ پھر بھی تم اس کی مخالفت کرتے ہو۔ جس سے دین و دنیا میں تمہاری رسوائی ہے۔ یا یہ کہ بہت عرصہ تک تو تم ان احکام کے پابند رہے اتنے عرصے کے بعد اب تم نے ان کی مخالفت شروع کر

www.alahazratnetwork.org

دی۔ یاتو **انتم** مبتداء اور **تقتلون** اس کی خبر اور **ھٰؤلاء** سے اول لفظ یا تو پوشیدہ ہے یعنی اے وہ عہد کے توڑنے والو تم اپنے کو قتل کرتے ہو یا **انتم** مبتداء ہے اور **ھٰؤلاء** اس کی خبر اور **تقتلون** سے آخر تک اس کا بیان یعنی یا تو **ھٰؤلاء الذین** کے معنی میں ہے اور جملہ اس کا صلہ اور یا یہ اپنے ہی معنی میں ہے مگر **انتم** سے ان کی ذات مراد اور **ھٰؤلاء** سے ان کی صفات یعنی پھر تم وہ بد عہد لوگ ہو جو اپنے کو قتل کرتے ہو (تفسیر روح البیان) اس تقریر سے انشاء اللہ سارے وہ اعتراض اٹھ جائیں گے جو اس عبارت پر پڑتے ہیں **تقتلون انفسکم** کے یا تو یہ معنی ہیں کہ تم تارک الدنیا راہب بن کر اپنے آپ کو ہلاک کر لیتے ہو یا یہ کہ تم آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرتے ہو۔ دوسرے معنی ہی زیادہ صحیح ہیں (تفسیر کبیر) **وتخرجون** یعنی یا تو تم غلبہ پا کر اپنی ایک جماعت کو جلاوطن کر دیتے ہو اور یا ان کو اتنا پریشان کرتے ہو کہ وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ تم انہیں نکال دیتے ہو۔ **فریقا منکم** فریقاً "فرق" سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں جدا ہونا چونکہ ہر قبیلہ دوسرے قبیلوں سے ممتاز اور جدا ہوتا ہے اس لئے اس کو فریق کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ جہاں دنیوی وجہ سے جدائی ہو وہاں فریق بولا جائے اور جہاں دینی وجہ سے وہاں فرقہ اور کبھی اس کا عکس بھی ہوتا ہے **من دیارھم** دیار جمع دار کی ہے۔ جس کے معنی ہیں گھر، وطن ملک کو اس لئے دیار کہتے ہیں کہ وہاں بہت سے گھر ہوتے ہیں **ھم** کا مرجع فریق ہے جو لفظاً "واحد اور معناً" جمع ہے یعنی تم اپنی ایک جماعت کو ان کے وطن سے نکال دیتے ہو۔ **تظٰھرون علیھم** یہ قتل کرنے اور نکالنے کا بیان ہے۔ یعنی تم براہ راست خود تو یہ حرکت نہیں کرتے مگر ان کے دشمنوں کو ان کے مقابلہ میں امداد دیتے ہو۔ **تظٰھرون** ظہر سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پشت۔ مدد دینے کو اس لئے مظاہر کہتے ہیں کہ اس سے جنگ میں دوسرے کی پشت قوی ہوتی ہے۔ اسی لئے اپنے مددگار کو پشت پناہ کہتے ہیں۔ غضب تو یہ ہے کہ تمہاری یہ امداد کسی نیک کام کے لئے نہیں بلکہ **بالاثم والعدوان** گناہ اور زیادتی میں ہے یعنی دشمن ظلماً "تمہاری ایک جماعت پر حملہ کرتا ہے اور تم اس دشمن کی امداد کرتے ہو۔ لہذا تم بھی اس گناہ میں شریک ہوئے پھر لطف یہ ہے کہ تم اس مظلوم جماعت سے پوری دشمنی بھی نہیں کرتے بلکہ اولاً "تو انہیں دیس سے نکال دیتے ہو جس سے وہ قید ہو جاتے ہیں **وان یاتوکم اسٰرٰی** جمع اسیر کی ہے۔ اسیر وہ جس کو جبراً "پکڑ لیا جائے۔ خیال رہے کہ جو قیدی ہتھکڑی بیڑی میں ہو وہ اسریٰ کہلاتے ہیں اور جو فقط دوسرے کے قبضے میں ہوں وہ اساریٰ یعنی جب یہ مظلوم لوگ تمہارے پاس قیدی ہو کر پابجولاں آتے ہیں تو **تفٰدوھم** تم فدیہ دے کر انہیں چھڑا لیتے ہو۔ **تفٰدوا۔ فداء** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں۔ چیز کا معاوضہ خیال رہے کہ قیدی کو چھڑانا عیب نہیں بلکہ خوبی ہے یہاں اس فعل کی برائی کرنا منظور ہے کہ تم پوری کتاب پر عامل نہیں یا یہ کہ تم خود ہی قید کرا کر خود ہی چھڑاتے ہو۔ یہ تمہاری حماقت ہے تفسیر کبیر نے تفدو کے ایک یہ معنی بھی کئے کہ تم ان کا فدیہ لے لیتے ہو۔ یعنی اولاً "اپنی قوم کو قید کرتے ہو اور جب ان کا قرابتدار چھڑانے آئے تو مال لے کر چھوڑتے ہو۔ اس صورت میں یہ بھی ایک عیب ہی ہو مگر پہلے معنی زیادہ صحیح معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اگلی عبارت کا تقاضہ ہے **وھو** یہ ضمیر شان ہے یعنی تمہارا عمل تو یہ ہے اور تمہارا دین یہ کہ **محرم علیکم اخراجھم** کہ تم پر ان کا نکالنا ہی حرام تھا۔ نکال کر چھڑانا تو ایسا ہے جیسے کسی کے گھر میں آگ لگا کر پانی کے لئے دوڑنا **افتؤمنون** یہ استفہام انکار کے لئے ہے یا جھڑکنے کے لئے یا تو ایمان سے ماننا مراد ہے اور یا عمل کرنا یعنی تو کیا تم عمل کرتے ہو۔ یا مانتے ہو **ببعض الکتٰب** بعض توریت کو یعنی تم نے توریت کے حکم فدیہ پر تو عمل کیا **وتکفرون ببعض** اور بعض توریت کا انکار کرتے یا چھوڑتے ہو۔ کیونکہ اس میں تو آپس میں جنگ کرنا اور ایک دوسرے کو

www.alahazratnetwork.org

وطن سے نکالنا حرام کیا گیا تھا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام پر تو ایمان لاتے ہو۔ یہ بعض توریت پر ایمان لانا ہوا اور نبی آخر الزمان کا انکار کرتے ہو۔ یہ بعض توریت کا انکار یا اپنی خاطر خواہ اور دل پسند مسائل کو مان لیتے ہو اور آپس میں قتل، دیس نکالا اور اپنی قوم کا فدیہ لینا اس کو چھوڑتے نہیں وہ بعض پر عمل تھا یہ بعض کا ترک اب تم خود فیصلہ کرو کہ **فما جزاء** میں یا استفہام ہے یا نفیہ یعنی ایسے شخص کی کیا سزا ہو سکتی ہے یا کوئی بدلہ نہیں ہے **من یفعل** جو ایسی حرکت کرے کہ بعض کو مانے اور بعض کو نہ مانے یا بعض کو چھوڑے اور بعض پر عمل کرے۔ باوجودیکہ **منکم** ہو تم میں سے یعنی اپنے کو یہودی بھی کہتا ہو اور توریت کو ماننے کا مدعی بھی ہو۔ **الا خزی فی الحیوۃ الدنیا** خزی کے لفظی معنی ذلت ناراضی یا شرمندہ کرنا ہے۔ یہاں یا تو اس سے جزیہ مراد ہے یا قتل یا جلاوطنی یعنی اے اسرائیلیو ان حرکتوں کی وجہ سے تم پر اب دنیا میں ٹیکس لگے۔ تمہیں دوسری قوموں کی طرف سے قتل اور جلاوطن کیا گیا اور آئندہ بھی ایسا ہو گا کہ مسلمان تمہارے حاکم بنیں گے جو تم میں بعض کو قتل کریں گے اور بعض کو جلاوطن اور بعض پر ٹیکس لگائیں گے کیونکہ بگڑی ہوئی اور بگڑی قوم کا یہی انجام ہوتا ہے۔ قرآن پاک کی اس خبر کا آج تک ظہور ہو رہا ہے کہ اب تک یہود دوسروں کے غلام ہی ہیں اور ہمیشہ نکالے جاتے ہیں اور پھر اسی پر سزا بس نہیں بلکہ **ویوم القیامۃ** قیامت کے لفظی معنی ہیں کھڑا ہونا چونکہ اس دن ساری مخلوق ہی کھڑی ہو گی۔ یا تمام جہان کے سارے اولین و آخرین ایک میدان میں کھڑے ہوں گے۔ ایسے دن میں **یردون الی اشد العذاب** لوٹائے جائیں گے سخت عذاب کی طرف رد کے لفظی معنی ہیں پکڑ کر واپس کرنا یا پہلی حالت کی طرف لوٹانا یعنی لوٹا کر پکڑے جائیں گے یا جس طرح دنیا میں پہلے ذلیل و رسوا تھے پھر اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے مگر یہ رسوائی پہلے سے سخت ہو گی اور یہ عذاب یقینی ہے کیونکہ **وما اللہ بغافل عما تعملون** اللہ تمہارے کسی عمل سے غافل نہیں۔ جب اس کی قدرت بھی پوری اور علم بھی کامل تمہارے جرم بھی حد سے آگے رب تعالیٰ کا انصاف بھی اعلیٰ پھر کیا وجہ ہے کہ تم کو بڑے جرم کی سزا نہ دی جائے۔

خلاصہ تفسیر : مدینہ منورہ کے آس پاس یہود کے دو فرقے رہتے تھے۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر اور خاص مدینہ منورہ میں مشرکین کے دو فرقے تھے۔ اوس اور خزرج بنی قریظہ اوس کے حلیف تھے اور بنی نضیر خزرج کے یعنی ہر ایک قبیلہ نے اپنے ساتھی قبیلہ سے قسمیہ معاہدہ کر لیا تھا کہ اگر ہم میں سے کسی پر کوئی حملہ بھی کرے تو دوسرا اس کی مدد کرے گا یہ اوس اور خزرج تقریباً سو برس سے آپس میں جنگ کرتے رہتے تھے۔ جس میں بنی قریظہ کو اوس کی اور بنی نضیر دوسری طرف ہو کر آپس میں خوب کشت و خون کرتے تھے۔ جس کی وجہ سے بنی قریظہ کو بنی نضیر اور بنی نضیر کو بنی قریظہ قتل کرتے تھے اور ان کے گھر ویران کرتے اور ان کو جلاوطن کر دیتے تھے لیکن جب بنی نضیر اوس کے ہاتھوں یا بنی قریظہ خزرج کے ہاتھوں گرفتار ہو جاتے تو وہ ان کو مال دے کر چھڑا لیتے یعنی بنی قریظہ کو بنی نضیر اور بنی نضیر کو بنی قریظہ چھڑا لیا۔ جو ویکہ اگر وہی شخص جنگ کے وقت ان کے موقعہ پر آ جاتا تو اسے قتل کرنے میں ہرگز تامل نہ کرتے۔ جب لوگ ان سے کہتے کہ تم خود ہی انہیں قتل اور جلاوطن کرتے ہو اور پھر خود ہی تم قید سے آزاد کراتے ہو۔ یہ کیا حرکت ہے تو وہ کہتے کہ ہمیں توریت میں اپنے قوم کے قیدیوں کو چھڑانے کا حکم دیا گیا ہے۔ جب ان سے سوال ہوتا کہ پھر تم ان سے جنگ کیوں کرتے ہو تو کہتے کہ اپنے حلیف کو ذلت سے بچانے کے لئے اس آیت میں ان کے اس فعل پر ملامت کی جا رہی ہے کہ اے یہودیو تم سے تو چار عہد لئے گئے تھے۔ آپس میں قتل نہ کرنا، کسی کو جلاوطن

www.alahazratnetwork.org

نہ کرنا اپنی قوم کے مقابل دشمن کو مدد نہ دینا اور قیدیوں کو چھڑانا اس کے کیا معنی کہ تم نے تین حکموں کو تو نہ مانا اور ایک پر عمل کیا۔ کیا بعض کتاب ماننے کے قابل ہے اور بعض انکار کے لائق۔ جو قوم ایسی حرکتیں کرے گی وہ دنیا میں رسوا اور آخرت میں سخت عذاب کی مستحق ہوگی چنانچہ دنیا میں تو ان کی رسوائی ہوئی کہ 3 ہجری میں بنی قریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کر دیئے گئے کہ ایک دن میں ان کے سات سو آدمی مارے گئے اور بنی نضیر مدینہ منورہ سے نکال کر خیبر میں رکھے گئے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں وہاں سے بھی نکال دیئے گئے یہ لوگ بارگاہ مصطفوی سے ایسے نکلے کہ اب تک ان کا کہیں ٹھکانا نہیں ہے۔ اب بھی جرمنی وغیرہ کے نکالے ہوئے یہود دربدر مارے مارے پھر رہے ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک ایسے ہی پھریں گے ان کے قتل اور جلاوطنی کی وجہ آئندہ بیان ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اوس اور خزرج قبیلوں کو دولت ایمان دے کر ان کے آپس کی صد سالہ جنگ کو ختم فرمایا اور انہیں آپس میں شیر و شکر بنا دیا۔ اب انہیں جماعتوں کا نام انصار ہے۔ جن کے بہت فضائل قرآن پاک میں بیان ہوئے اور جن کی جانی اور مالی قربانیوں کی قیامت تک یادگار رہے گی بلکہ یوں سمجھو کہ یہ قوم ہی اشاعت اسلام کا ذریعہ بنی واہ رے تیری بے پروائیاں۔ جس سے چاہے اپنا کام لے لے۔ خیال رہے کہ ان یہود کی جنگیں نفسانی یا قومی تھیں جو تقیناً جرم ہے مگر صحابہ کی آپس کی جنگیں نہ نفسانی تھیں نہ قومی بلکہ ایمانی تھیں کہ ایک دوسرے فریق کو سمجھتا تھا کہ یہ شرعی غلطی کر رہا ہے اس کی اصلاح کرنا چاہئے۔ لہذا وہ حضرات اس آیت کی زد میں نہیں آتے۔ دیکھو قابیل نے ہابیل کو قتل کیا عورت کے لئے یہ نفسانی قتل ہوا۔ برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ السلام کو بلکہ یعقوب علیہ السلام کو پریشان کیا نفس کی یا عورت کی خاطر نہیں بلکہ یعقوب علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے۔ اس لئے ان میں فرق ہوا۔ حضرت علی مرتضی نے عائشہ صدیقہ یا حضرت معاویہ کے گرفتار شدہ سپاہی کو غلام نہ بنایا یا قید نہ کیا بلکہ ان کی مدارات کی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: ظلم اور حرام پر مدد دینا بھی حرام ہے۔ سود لینا دینا لکھنا گواہی دینا وغیرہ وغیرہ سب حرام ہے۔ **دوسرا فائدہ**: یہ کہ حرام قطعی کو حلال جاننا کفر ہے۔ بنی اسرائیل نے قتل و غارت کو حلال جانا انہیں کافر کہا گیا۔ **تیسرا فائدہ**: کتاب الہی کے ایک حکم کا انکار بھی کفر ہے۔ جیسے کہ ساری کتاب کا انکار اسی طرح ایک پیغمبر کا انکار بھی کفر ہے جیسے کہ سب کا انکار **چوتھا فائدہ**: کفر کے ہوتے نیک کام بیکار ہے کہ یہود کا قیدیوں کو چھوڑنا بیکار ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: کسی کی طرف داری میں دین کی مخالفت کرنے سے علاوہ اخروی عذاب کے کبھی دنیا میں بھی رسوائی آجاتی ہے۔ **چھٹا فائدہ**: جو دوسروں کی وجہ سے اپنی قوم کو ذلیل کرے گا وہ خود ذلیل ہو جائے گا۔ جوڑنے کے رشتوں کو جوڑو اور توڑنے کے رشتوں کو توڑو۔ تنبیہ۔ کاش کہ اس زمانہ کے عالم دیوبندی اور وہابی اس راز کو سمجھ جاتے انہوں نے ہمیشہ مشرکین اور کفار سے محبت رکھی اور مسلم قوم کو اس پر قربان کیا۔ نجدیوں نے حرمین شریفین کی زمین سے صحابہ کرام کی قبروں کو اکھڑوا دیا لیکن اسی زمین پاک میں عیسائیوں کو پہنچایا اور جدہ شریف میں عیسائیوں کی پختہ قبریں بننے کی اجازت دی بلکہ زمین حرم امریکی کمپنی کے ہاتھ کان کنی کے ٹھیکہ کے بہانے فروخت کر ڈالی۔ ہندوستان کے دیوبندیوں نے جمعیت علمائے احرار، حکومت الہیہ وغیرہ کے ناموں سے ہمیشہ ہندوؤں کی ہمنوائی کی اور مسلم قوم کو پامال کیا۔ یہود قتال کر کے اپنے قیدیوں کو چھڑا لیتے تھے ان سے یہ بھی نہ ہو سکا یہ یہودیوں سے بھی قومی دشمنی میں چار نمبر آگے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: جائز وعدوں کو پورا کرنا اور ناجائز

www.alahazratnetwork.org

وعدوں کو توڑ دینا ضروری ہے۔ بنی اسرائیل نے اوس اور خزرج سے ناجائز وعدے کئے اور پھر ان پر قائم رہے اس پر رسوائی اور عذاب کے مستحق ہوئے کیونکہ سب سے بڑھ کر وہ وعدہ ہے جو ہم نے رب سے کیا اس کے مقابل سارے وعدے باطل اور توڑنے کے قابل ہیں کسی نے اپنے دوست سے وعدہ کیا کہ آج شام کو ہم دونوں شراب پئیں گے۔ اس کا توڑنا ضروری ہے کیونکہ ہم نے مسلمان ہو کر رب سے وعدہ کیا ہے کہ شراب نہ پئیں گے۔ اسی لئے ناجائز کام کی قسم توڑنا اور کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا ظلم پر مدد کرنا بھی ظلم ہے۔ تو حق تعالیٰ نے ظالم کو ظلم پر قدرت کیوں دی یہ بھی ظلم پر مدد ہے۔ جواب: رب نے ظلم پر قدرت دے کر اس سے منع بھی فرمایا اور بہت ڈرایا ہے۔ مگر انسان جب ظالم کی مدد کرتا ہے تو اسے ظلم کی رغبت دیتا اور اس سے ظلم کرواتا ہے۔ لہٰذا رب کا قدرت دینا ظلم پر امداد نہیں۔ قدرت محض اس لئے دی گئی ہے کہ بندہ اس پر قابو پا کر اس سے بچے اور ثواب کا مستحق ہو۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان یہود کا آپس میں جنگ کرنا دنیوی وجہ سے تھا تو زیادہ سے زیادہ یہ حرام ہونا چاہئے اسے کفر کیوں کہا گیا آج بھی مسلمان بہت سی ناجائز حرکتیں کرتے ہیں۔ انہیں کافر نہیں کہا جاتا۔ جواب: یا تو وہ لوگ یہ حرکتیں حلال سمجھ کر کرتے تھے لہٰذا کافر ہوئے اور یا اس لئے کہ شریعت میں بعض بڑے، گناہ کو بھی کفر کہہ دیا جاتا ہے کہ وہ کافروں کا سا کام ہے۔ جس طرح ہم کسی ذلیل حرکت کرنے والے کو کہہ دیں کہ تو بھنگی ہے۔ یعنی بھنگیوں کے سے کام کرتا ہے اور اس سے مقصود یہ ہے کہ وہ اس کام کو نفرت کرکے چھوڑ دے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس نے قصداً نماز چھوڑی وہ کافر ہو گیا۔ خیال رہے کہ یہ دوسرا جواب مولوی اشرف علی صاحب کا ہے اور یہ سخت ضعیف ہے کیونکہ اس آیت اور اگلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حقیقی کفر ہی مراد ہے۔ لہٰذا جواب: اول جو حضرت صدر الافاضل دام ظلہم نے اپنی تفسیر خزائن العرفان میں دیا نہایت قوی ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ یہ یہودی سخت عذاب میں لوٹائے جائیں گے چاہئے یہ کہ سخت عذاب دہریوں کو ہو جو کہ خالق ہی کے منکر ہیں کیونکہ ان کا کفر بھی سخت ہے۔ جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ جس عذاب میں وہ جائیں گے وہ دنیا کے عذاب سے سخت ہوگا۔ اگرچہ بعض دیگر کفار کے عذاب سے نرم ہو۔ (تفسیر کبیر) چوتھا اعتراض: انتم هٰؤلاء میں اگر هٰؤلاء انتم کی خبر ہو تو ترکیب صحیح نہیں ہوتی کیونکہ مبتداء اور خبر میں فرق چاہئے یہاں دونوں ایک ہی ہیں نیز انتم حاضر ہے اور هٰؤلاء غائب۔ جواب: اس کے جوابات تفسیر میں گزر گئے کہ انتم سے ان کی ذات مراد ہے۔ اور هٰؤلاء سے ذات مع صفت وغیرہ۔ پانچواں اعتراض: الاخزی فی الحیوۃ الدنیا سے معلوم ہوا کہ یہودی دنیا میں ہمیشہ ذلیل ہی رہیں گے حالانکہ موجودہ زمانے کے یہود حکومت کر رہے ہیں۔ جواب: بسا اوقات مجرم کو سزا دینے کے لئے اونچے مقام پر چڑھا کر نیچے پھینکا جاتا ہے۔ اسی طرح عنقریب ہی موجودہ یہودی حکمرانی ان کی ذلت کا باعث بنے گی۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آپس میں لڑنا بھڑنا کفار کا کام ہے اور ایک دوسرے پر رحم و کرم ہونا صحابہ کی صفت ہے رب فرماتا ہے رحماء بینہم مگر صحابہ ایک دوسرے کے جانی دشمن لہٰذا یہ آیت درست نہیں یا صحابہ مومن نہ تھے۔ جواب: یہ جنگیں رحم و کرم کے خلاف نہیں۔ ذاتی امور میں وہ حضرات رحیم تھے اور دینی امور میں سخت تھے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : قیدی چھوڑنا بہت اچھا کام ہے اسی لئے اس آیت میں ان کے جلاوطن کرنے کو حرام فرمایا نہ کہ چھوڑانے کو۔ قیدی دو قسم کے ہیں ایک جسم کے قیدی دوسرے قلب کے جسم کے قیدی تو مال وغیرہ سے چھوٹتے ہیں اور قلب کے قیدی دیگر چیزوں سے کند ہوا کے قیدی کی رہائی ہدی (ہدایت) سے ہے اور محبت دنیا کے قیدی کی خلاصی ذکر موت ہے۔ وسواس شیاطین کے قیدی کا فدیہ دلائل و برہان اور یقین ہے تاکہ شکوک اور تخمین سے بچ جائے۔ تکبر کے قیدی کی نجات رہبری حق اکبر ہے لیکن بعض عشق کے قیدی ہیں ان کا نہ کوئی فدیہ ہے اور نہ کوئی چھٹکارے کا راستہ کیونکہ عشق کے قیدی کی دیت اس کے مقتول کا قصاص اس کے مربوط کا خلاص نہیں بلکہ اس تک ہر ایک کی رسائی بھی نہیں کیونکہ یہ مقام اولیائے کاملین کا ہے طالب صادق کو ضروری ہے کہ اپنے کو گزشتہ قیدوں سے نکال کر محبوب کے اس جال میں پھنسائے تاکہ دینوی رسوائی سے نجات پائے کیونکہ اس جگہ بہت جانچ پرکھ کر قبولیت ہوتی ہے۔

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۖ فَلَا
یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے خرید لیا زندگی دنیاوی کو بعوض آخرت کے بس نہ
یہ ہیں وہ لوگ جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا مول لی تو نہ
يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۞
ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ لوگ مدد کیے جائیں گے
ان پر سے عذاب ہلکا ہو اور نہ ان کی مدد کی جائے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پہلے یہود کے بعض عیوب اور کچھ خوبیاں (قیدی چھڑانا) بیان کی گئی تھیں۔ جس سے وہم ہوتا ہے کہ شاید ان کی جزا بھی ملے گی کچھ عذاب اور کچھ انعام۔ اس آیت میں اس وہم کو دفع کیا گیا کہ چونکہ وہ اپنی آخرت دنیا کے عوض بیچ چکے یعنی اس لئے وہ صرف عذاب ہی پائیں گے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے شبہ ہوتا تھا کہ وہ یہودی مومن تو ہیں اسی لئے وہ قیدیوں کو چھڑاتے ہیں ہاں کبھی دنیا میں پھنس کر گناہ بھی کر بیٹھتے ہیں یہاں فرمایا گیا کہ نہیں وہ جو نیک کام کرتے ہیں وہ بھی دینوی غرض کے لئے انہیں آخرت کا کوئی خوف نہیں۔ لہذا ان کی کوئی نیکی ہی نہیں۔ تیسرا تعلق: اس سے پہلے فرمایا گیا تھا کہ یہ یہودی دنیا میں خوار اور آخرت میں عذاب میں گرفتار ہوں گے اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ انہوں نے آخرت کے نفع کے لئے اپنے پاس کوئی چیز رکھی ہی نہیں یہ تو اس تاجر کی طرح ہیں جس نے اپنی اصل رقم بھی ضائع کردی ہو۔ لہذا ان کی یہ ہی سزا چاہئے۔ چوتھا تعلق: پہلے یہود کی حرکتوں کا ذکر تھا اب ان کی نوعیت اور حیثیت کا بیان ہے کہ یہ دنیا کے بندے ہیں جدھر دنیا ان کو لے جاتی ہے ادھر جاتے ہیں۔

تفسیر : اولئک الذین یہ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ اے مسلمانو تم نے جن کے اوصاف قبیحہ سن لئے جانتے ہو کون

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ یہ وہ ہیں جنہوں نے **اشتروا الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ** آخرت کے عوض دنیوی زندگی خریدلی۔ یعنی آخرت کے مقابل اسے اختیار کرلیا۔ مثلاً اگر ان کے سامنے کوئی ایسی چیز آئی جو دنیا کے واسطے نافع اور آخرت کے لئے مضر ہے تو انہوں نے آخرت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اسے بے تامل لے لیا اور جب کوئی ایسی چیز پائی جو آخرت کے لئے نافع ہے اور ان کی دنیا کے لئے مضر تو اسے بے کھٹک چھوڑ دیا۔ نیز رب کو چھوڑ کر دنیا والوں کی خوشامد میں مشغول رہے تو اب یہ لوگ آخرت کے کس نفع کے امیدوار ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ **فلا یخفف عنھم العذاب** کہ رب کی طرف سے ان کا عذاب کبھی ہلکا نہ کیا جائے گا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا اخروی نفع ہے اور رب کا کرم جس سے وہ بالکل محروم ہیں۔ **ولا ھم ینصرون** اور نہ ان کی بیرونی امداد کی جائے گی۔ یعنی جیسے کہ دنیوی مصیبت کے وقت اپنے حمایتیوں کی مدد کی امید رکھتے ہیں وہاں ایسا نہ ہوگا نہ تو کوئی ان کی شفاعت کرے گا اور نہ کوئی رب کے مقابلہ میں زور سے ان کی حمایت۔

خلاصہ تفسیر : یہ یہودی جن کے یہ کرتب ہیں کہ ہر کام دنیا کے لئے کرتے ہیں۔ آخرت کا کبھی دل میں خیال بھی نہیں لاتے اور آخرت کے عوض دنیا قبول کرچکے یہ کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہمیں کچھ روز عارضی عذاب ہو کر چھٹکارا ہو جائے گا۔ غلط ہے بلکہ ان کے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف نہ ہوگی۔ نہ تو موقوف کرکے اور نہ ہلکا کرکے اور نہ انہیں کوئی بیرونی امداد پہنچے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو شخص دنیا کی خاطر کوئی نیک کام کرے یا برائی سے بچے وہ کچھ نفع نہ پائے گا۔ مثلاً ایک شخص شراب سے اس لئے بچتا ہے کہ وہ اسے نقصان دیتی ہے چوری اس لئے نہیں کرتا کہ اس سے بدنامی اور جیل ہوگی۔ وہ اس کا کوئی ثواب نہ پائے گا کیونکہ اتباع شریعت سے نہ چھوڑا۔ جیسے کہ ان یہودیوں کا قیدی چھڑانا تھا بلکہ ریاکاری کی عبادت بھی بے فائدہ ہے۔ اگرچہ اس سے شرعی فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اس لئے وہ حضرات عبرت پکڑیں جو دکھلاوے اور نام نمود کے لئے ماں باپ کی خدمت میں یا اولاد کی شادیوں میں ہزارہا روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ لڑکیوں کو بھاری جہیز دیتے ہیں چونکہ یہ سب نام و نمود کے لئے ہے اس لئے اس پر ثواب نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** عذاب میں کمی نہ ہونا اور بیرونی امداد کا نہ پہنچنا صرف کفار کے لئے ہے۔ الحمد للہ گنہگار مسلمان کے لئے عذاب کی قبر و حشر میں بھی کمی ہوگی اور بیرونی امداد بھی پہنچے گی۔ چنانچہ جمعہ اور ماہ رمضان میں مومن کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ اور انشاء اللہ آخرت میں بھی عذاب منقطع ہو جائے گا اور ویسے بھی کمی ہوتی رہے گی۔ اسی طرح مومن کے بچے علماء اولیاء اللہ انبیائے کرام شفاعت اور ایصال ثواب سے اس کی امداد کرتے ہیں اور کریں گے اس لئے زندوں کو حکم ہے کہ اپنے مردوں کی صدقہ و خیرات سے امداد کریں۔ آج جو کہتے ہیں کہ ہمارا کوئی مددگار نہیں وہ در پردہ اپنے کفر کا اقرار کرتے ہیں۔ اور دیکھا یہ گیا ہے کہ جو صدقہ خیرات سے لوگوں کو روکتے ہیں ان کے مرنے کے بعد انہیں کوئی بھی فاتحہ و خیرات سے یاد نہیں کرتا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان کیسا بھی گنہگار ہو مگر آخرت کے عوض دنیا نہیں خریدتا گناہ کرتے شرمندہ ہوتا ہے۔ اور دل میں خوف رکھتا ہے بلکہ اگر اچھی صحبت پائے تو برائیوں سے بچنے بھی لگتا ہے لہٰذا یہ آیت اس پر ہرگز چسپاں نہیں ہو سکتی۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے عذاب میں کبھی تخفیف نہ ہوگی حالانکہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح کی روایت ہے کہ ابولہب کے عذاب میں اس لئے تخفیف ہو جاتی ہے کہ اس نے حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی منائی تھی۔

www.alahazratnetwork.org

اب اس آیت اور حدیث میں کس طرح مطابقت کی جائے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم خاص ان کافروں کے لئے ہے جن میں مذکورہ عیوب ہوں نہ کہ ہر کافر کے لئے۔ بعض کفار پر ان کے اعمال کی وجہ سے عذاب ہلکا ہو جاتا ہے۔ جیسے حاتم طائی وغیرہ دوسرے یہ کہ ایسے کافروں کے لئے اول ہی سے ہلکا عذاب مقرر ہوتا ہے نہ یہ کہ پہلے عذاب سخت ہو اور بعد میں ہلکا کیا جائے جس کی اس آیت میں نفی ہو رہی ہے۔ مثلاً "ابولہب کے لئے اول ہی سے یہ مقرر ہے کہ جب وہ جہنم میں اپنی انگلی چوسے تو اس کی پیاس بجھ جائے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کی امداد بھی نہ کی جائے گی۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے چچا ابو طالب کی ان کی وفات کے بعد بہت بڑی امداد فرمائی کہ انہیں جہنم میں پایا تو وہاں سے نکال کر آگ کے جھیرے میں رکھ دیا۔ لہٰذا اب وہ عین جہنم میں نہیں بلکہ اس سے علیحدہ ہیں جہاں اس کی تپش پہنچ رہی ہے یہ ہی کافر کی امداد ہے۔ جواب: اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ کفار کے لئے عذاب ختم کرنے کی امداد نہ ہوگی۔ تخفیف کی امداد ہو سکتی ہے دوسرے یہ کہ ان کی دوستوں کی امداد نہ ہوگی کہ کوئی رب تعالیٰ پر جبر کر کے ان کو چھوڑا دے ہم انشاء اللہ آیت الکرسی کی تفسیر میں عرض کریں گے کہ حضور کی شفاعت سات قسم کی ہے اور بعض شفاعتوں سے کفار بھی فائدہ حاصل کریں گے۔ خلاصہ یہ کہ کفار کو ان کے بتوں کی طرف سے مدد نہ پہنچے گی اگر نبی یا ولی کی مدد پہنچے گی تو یہ ممکن ہے یا یوں کہو کہ کفار دو قسم کے ہیں ایک محبت انبیاء کی زیادتی محبت سے کافر جیسے عیسائی دوسرے عداوت انبیاء سے کافر جیسے یہودی عداوت والے کفار کا نہ عذاب ہلکا ہو نہ انہیں مدد پہنچے۔ کفار محبت کے لئے یہ دونوں چیزیں ہو سکتی ہیں لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا اور آخرت ان سوکنوں کی طرح ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے جو چاہے کہ میں دنیا کی لذتوں میں پھنسا رہوں اور آخرت بھی ہاتھ سے نہ جائے وہ بیوقوف ہے حق تعالیٰ نے ہر شخص کو موقع دیا ہے کہ ان میں سے جو چاہے اختیار کر لے جو شخص کہ ان میں سے ایک کے حاصل کرنے میں مشغول ہوگا تو دوسری کھو بیٹھے گا یہود کے پاس توریت اور دامن نبی تھا انہوں نے اس کو چھوڑ کر دنیوی لذت کو اختیار کیا اور اس تجارت میں نفع نہ پایا یوں سمجھو کہ دنیا اور آخرت ترازو کے دو پلڑوں کی طرح ہیں کہ ایک کے بھاری ہونے سے دوسرا ہلکا ہو جاتا ہے خیال رہے کہ صوفیہ کے نزدیک دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کر دے بال بچوں کا پالنا سنت سمجھ کر حلال روزی تلاش کرنا عین دین ہے۔ چاہئے تو یہ کہ دل کے پلڑے میں دین رہے اور ظاہر اعضاء دنیوی کاروبار کریں اور زبان مثل ترازو کی ڈنڈی کے استعمال ہو۔ اسی لئے اس کو بھی لسان کہتے ہیں۔ اور ترازو کی ڈنڈی کو بھی لسان۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ز
اور البتہ تحقیق عطا کی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پیچھے بھیجا ہم نے ان کے بعد رسولوں کو
اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے
وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
اور عطا کیں ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو کھلی نشانیاں اور قوت دی ہم نے ان کو ساتھ روح پاک کے
اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلی نشانیاں عطا فرمائیں اور پاک روح سے اس کی مدد کی

www.alahazratnetwork.org

أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

پس جب کبھی لائے تمہارے پاس کوئی رسول اس کو جو کہ نہیں خواہش کرتے نفس تمہارے تو غرور کیا

تو کیا جب تمہارے پاس کوئی رسول وہ لے کر آئے جو تمہارے نفسوں کی خواہش نہیں تکبر کرتے ہو تم ان

فَفَرِيقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِيقًا تَقْتُلُونَ ۞

تم نے پس ایک گروہ کو جھٹلایا تم نے اور ایک گروہ کو قتل کرتے ہو تم

(انبیاء) میں اور ایک گروہ کو تم جھٹلاتے ہو اور ایک گروہ کو شہید کرتے ہو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے موجودہ بنی اسرائیل کے ایمان سے مایوسی کی چند وجہیں بیان کی گئیں اب بھی اس کی ایک بہت بڑی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ لوگ تو ایسے نفس پرست اور دنیادار ہیں کہ انہوں نے نفسانی خواہش کے ماتحت بہت سے پیغمبروں کو شہید کردیا ان کے ایمان کی کیا امید **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا آپس میں قتل کرنے کا ذکر تھا اب انبیاء کرام کو شہید کرنے کا تذکرہ ہے جو کہ اس سے کہیں بدتر گناہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے مضمون کا بنی اسرائیل انکار کرسکتے تھے کہ ہم ان حرکات کی وجہ سے بیشک گنہگار ہیں مگر کافر نہیں کیونکہ آپس میں جنگ فسق ہے کفر نہیں اور فاسق عارضی عذاب پاکر نجات پائے گا اس آیت میں اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ بعض گناہ انکار کی علامت ہیں ان کا کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ تم منکر ہو کر جنگ کرتے ہو اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ تم اس سے پہلے ہمارے پیغمبروں کو شہید کرچکے ہو کہو وہاں کیا بہانہ کروگے۔

تفسیر : **ولقد اتینا موسی الکتب** لفظ موسیٰ کی تحقیق **واذ وعدنا موسی** کی تفسیر میں ہوچکی۔ الکتاب سے خاص کتاب توریت مراد ہے جس میں رب تعالیٰ کے سارے عہد و پیمان موجود تھے اور سب سے بڑا عہد یہ تھا کہ ہر وقت کے پیغمبر کی اطاعت کرو۔ ان پر ایمان لاؤ۔ ان کی تعظیم و توقیر کرو۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو توریت کی تختیاں ملیں تو وہ اٹھا نہ سکے۔ حق تعالیٰ نے ایک ایک آیت اٹھانے کے لئے ایک ایک فرشتہ مقرر کیا۔ وہ بھی نہ اٹھا سکے پھر ایک ایک حرف کے لئے ایک ایک فرشتہ بھیجا اس سے بھی نہ اٹھ سکا۔ جب اس کتاب کی عظمت ظاہر ہوگئی تب اس کو موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہلکا کردیا گیا اور وہ اٹھا کر بنی اسرائیل کے پاس لائے۔ چونکہ پوری توریت یعنی لکھی ہوئی ایکدم عطا ہوئی تھی اور غالباً" بغیر فرشتہ کے ذریعہ براہ راست رب کی طرف سے ملی تھی اس لئے یہاں **اتینا** فرمایا گیا۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بڑی کتاب ایکدم عطا فرمائی اور اس کتاب کی حمایت کے لئے **وقفینا من بعدہ بالرسل** ان کے بعد ہم نے بہت سے پیغمبر بھیجے۔ لفظ **قفینا**۔ **قفا** سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پشت یا قدم کے نشان۔ رسل۔ رسولوں کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بھیجے ہوئے پیغمبر۔ نبی اور رسول میں یا تو محض اعتباری فرق ہے یعنی چونکہ وہ غیب کی خبر دیتے ہیں اس لئے وہ نبی ہیں اور چونکہ خدا نے انہیں تبلیغ کے لئے بھیجا ہے اس لئے وہ رسول۔ یا یوں کہو کہ جو تبلیغ احکام کے لئے آئے وہ نبی اور جو اس کے ساتھ ساتھ نئی یا پرانی کتاب بھی رکھتے ہوں۔ وہ رسول اور جو پیغمبر کہ نئی کتاب اور نئی شریعت لے کر آئیں۔ وہ مرسل اسی لئے کہا جاتا

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش ہیں اور رسول تین سو تیرہ یا کم و بیش مرسل چار ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام' داؤد علیہ السلام' عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پہلے معنی سے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیغمبر بھی رسول کہلائیں گے۔ دوسرے معنی سے ان حضرات کو نبی کہا جائے گا نہ کہ رسول اور رسولوں کا سلسلہ موسیٰ علیہ السلام سے شروع ہو گا کیونکہ آپ ہی صاحب کتاب پیغمبر ہیں۔ اس جملہ کے معنی یہ ہوئے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد اور پیغمبروں کو بھی ان کے قدم بہ قدم چلایا یا ان کے پیچھے ہم نے اور رسول بھیجے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے درمیان چار ہزار پیغمبر گزرے جن میں سے بڑے بڑے پیغمبر حضرت یوشع' الیاس' الیسع' شموئیل' داؤد' سلیمان' شعیا' ارمیا' یونس' عزیر' حزقیل' زکریا' یحییٰ' شمعون علیہم السلام ہیں۔ یہ سب حضرات توریت شریف کے احکام کی تبلیغ فرماتے تھے اور ان کی ایک ہی شریعت تھی (تفسیر کبیر و عزیزی) اور بنی اسرائیل سے احکام الٰہی ادا کرنے میں جو سستی ہو جاتی اس کو دور کرتے تھے۔ اسی طرح بے عمل عالم جو توریت کو بگاڑ دیتے تھے یہ انبیاء کرام اس کی اصلاح فرماتے تھے۔ ہمارے حضور علیہ السلام پر چونکہ سلسلہ نبوت ختم ہو گیا۔ لہٰذا اس دین کی حفاظت کے لئے علماء ربانی مجددین اور اولیاء پیدا فرمائے گئے۔ جن کا سلسلہ قیامت تک انشاء اللہ رہے گا۔ اسی لئے روایت میں آیا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح ہوں گے۔ یعنی ان کی طرح دین مصطفیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور اشاعت کریں گے۔ ابوداؤد شریف کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس امت میں ہر سو برس پر ایک مجدد بھیجے گا جو ان کے دین کی تجدید یعنی درستی اور تازگی کرے گا۔ سبحان اللہ اس پیش گوئی کا ظہور آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ جتنی خدمت اسلام علمائے اسلام نے کی اتنی خدمت کسی دین کے علماء نے اپنے دین کی نہ کی۔ کسی کتاب کی تفسیریں نہ لکھی گئیں۔ کسی نبی کی حدیثیں جمع نہ ہوئیں۔ کسی دین میں علم فقہ نہ بنا۔ یہ چیزیں صرف اسلام میں ملیں گی اور ان کی خدمات کا سہرا علماء کے سر ہے جو اس زبان سے نکلا وہ پورا ہوا حالانکہ علماء اسلام کی نہ کوئی حکومت خدمت کرتی ہے نہ قوم اس کسمپرسی میں بھی تمام خدمات ہو رہی ہیں اور اے اسرائیلیو اگر تم یہ بہانہ کرو کہ چونکہ ان پیغمبروں کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی طرح بڑے بڑے معجزے نہ تھے۔ جس سے ہمارے بزرگوں کو ان کے ثبوت میں شبہ ہوا۔ اور غلطی سے انہیں شہید کر ڈالا تو بھی تم جھوٹے ہو۔ کیونکہ **واتینا عیسی ابن مریم البینت** ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو کھلے ہوئے معجزے عطا فرمائے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے پیغمبر شریعت موسوی کے پیرو تھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے شریعت موسوی کے اکثر احکام منسوخ فرمائے۔ اس لئے آپ کا ذکر مستقل طور پر علیحدہ کیا گیا آپ کا اسم شریف یسوع ہے۔ جس کے معنی ہیں مبارک اسی سے لفظ عیسیٰ بنا یہ لفظ عیسیٰ بھی عبرانی ہے اور ان دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔ آپ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا کہ **وجعلنی مبرکا** رب تعالیٰ نے مجھے برکت والا بنایا۔ آپ کی ذات سے پہلے بھی بہت سی برکتیں ظاہر ہو چکیں اور قیامت کے قریب نازل ہونے پر بھی ظاہر ہوں گی۔ چونکہ آپ کی پیدائش بغیر باپ کے ہے اس لئے قرآن کریم نے انہیں ان کی والدہ کی طرف نسبت کرکے ابن مریم فرمایا باقی کسی پیغمبر کا نام مع ولدیت نہ لیا۔ مریم کے لفظی معنی ہیں خادمہ اور عابدہ۔ چونکہ ان کی والدہ نے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اور بچپن ہی سے نہایت عبادت گزار تھیں اس لئے ان کا نام مریم ہوا۔ ان کی یہ خصوصیت ہے کہ قرآن کریم نے سات جگہ انبیاء کرام کے ساتھ ان کا ذکر فرمایا ہے۔ انبیاء کرام کی طرح ہی خطاب بھی فرمایا۔ **واصطفک علی نساء العلمین۔** **البینت** یہ بینۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں روشن معجزہ۔ عیسیٰ علیہ السلام کو بہت

www.alahazratnetwork.org

بڑے بڑے معجزے عطا ہوئے۔ اولاً تو آپ بذات خود معجزہ تھے۔ پھر مردوں کو زندہ کرنا اور مادر زاد اندھے اور کوڑھیوں کو تندرست کرنا مٹی کا پرندہ بنا کر پھونک مار کر اصلی پرندہ بنا دینا۔ غیب کی خبریں دینا۔ توریت پاک کا خود بخود سیکھ لینا وغیرہ۔ یہ وہ معجزات ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کے علاوہ ایک خاص چیز ان کو عطا فرمائی گئی جو موسیٰ کو بھی نہ ملی وہ یہ کہ **وایدنہ بروح القدس** نے انہیں پاک روح سے قوت دی۔ **ایدنہ** اید سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں قوت اور مضبوطی۔ تائید قوی کرنا روح القدس صفت موصوف ہیں۔ جس کے معنی ہیں پاک روح روح ریح۔ ریح کے معنی ہیں ہوا اور روح وہ ہوا کہلاتی ہے جو جاندار کے مسامات میں پھر کر اس کو زندہ رکھتی ہے (تفسیر کبیر) قدس بمعنی پاکی اس سے یا تو حضرت جبریل علیہ السلام مراد ہیں۔ کیونکہ آپ خود روحانی ہیں اور آپ میں روح بخشنے کی تاثیر ہے۔ حضرت مریم کو پھونک سے فرزند دے دیا اور آپ کے گھوڑے کے سم کی خاک سے سامری کا بچھڑا زندہ ہو گیا یا اس لئے کہ آپ وحی لاتے ہیں جو کہ دلوں کی زندگی ہے عیسیٰ علیہ السلام تیس سال کی عمر شریف میں آسمان پر اٹھائے گئے۔ اس عرصہ میں جبریل ہر وقت آپ کے ساتھ رہے بلکہ یوں سمجھو کہ مریم کو بچپن شریف میں جنت سے میوے لا کر انہیں نے کھلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت انہیں نے ان کو شیطان سے محفوظ رکھا۔ ساری عمر یہودیوں کے فریب سے انہوں نے ان کو بچایا اور آخر کار یہی ان کو آسمان پر لے گئے غرض کہ حضرت جبریل عیسیٰ علیہ السلام کے خادم خاص ہیں یا روح القدس وہ اسم الٰہی ہے۔ جس سے عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ اور بیماروں کو تندرست کرتے تھے۔ یا روح القدس سے خود آپ کی ہی روح مراد ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی روح ملکی تھی اور آپ بہت سے بشری عوارض سے پاک تھے۔ تفسیر روح البیان شریف نے ایک جگہ فرمایا کہ آپ نصف بشر اور نصف ملک ہیں کیونکہ آپ کی پیدائش بھی بشر اور ملک سے ہی ہے کچھ بھی ہو آپ کی بڑی خصوصیت ہے **افکلما جاء کم رسول**۔ یہ موجودہ یہودیوں سے خطاب ہے اگرچہ یہ حرکات ان کے اگلوں نے کی تھیں۔ لیکن چونکہ یہ ان کے حامی اور طرفدار یہ کار تھے اس لئے ان سے ہی فرمایا گیا کہ جب کبھی ان پیغمبروں میں سے کوئی پیغمبر تمہارے پاس وہ احکام لے کر آئے کہ **بما لا تھوی انفسکم** جو تمہارے دل نہ چاہتے تھے اور تمہاری نفسانی خواہشوں کے خلاف تھے تو تم نے بجائے اطاعت کرنے کے اور توریت کے عہد کو پورا کرنے کے **استکبرتم** تکبر کیا اور اس کے قبول کرنے سے انکار کیا اور صرف اسی پر تم نے صبر نہ کیا بلکہ **ففریقا کذبتم** ان میں سے ایک جماعت کو تم نے جھوٹا کہا۔ یعنی خود تو اطاعت سے باز رہے اور دوسروں کو بھی باز رکھا بلکہ جس پر تمہارا بس چلا **وفریقا تقتلون** اس فریق کو تم قتل بھی کر دیتے تھے چونکہ جھٹلانا ایک بار ہی ہوتا ہے اور قتل کی تدبیریں اور سازشیں بار بار ہوتی ہیں۔ اور عرصہ تک رہتی ہیں اور قسم قسم کی ہوتی ہیں۔ اس لئے جھٹلانے کو ماضی کے صیغے سے **کذبتم** فرمایا گیا اور قتل کرنے کو مضارع کے صیغہ سے۔

خلاصہ تفسیر : اے بنی اسرائیل تمہارا یہ آپس کا کشت و خون یا نبی آخر الزمان کی مخالفت غلطی اور خطا سے نہیں بلکہ سرکشی اور عناد سے ہے۔ جس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کو توریت جیسی عظیم الشان کتاب عطا فرمائی اور اسی پر کفایت نہ کی بلکہ ان کے بعد ہزارہا پیغمبر بھیجے جو موسیٰ علیہ السلام کی حمایت اور توریت شریف کی اشاعت اور تم کو ہدایت کرتے رہے اور سب سے آخر میں تمہارے پاس کنواری بتول مریم کا جو پاک ستھرا بیٹا عیسیٰ ابن مریم بھی تشریف لایا

www.alahazratnetwork.org

علیہ السلام جو لولا " سر سے پاؤں تک خود معجزہ تھا۔ اس کے علاوہ اور بھی معجزات اس کے دست شریف میں تھے۔ اس کی مبارک پھونک سے بے جان جان دار ہوتے تھے۔ کیونکہ ان کی پیدائش شریف بھی روح الامین کی پھونک سے ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ لگنے سے مریض لاوا صحت پاتے تھے۔ وہ تمہاری کمائی ہوئی غذا اور گھر میں چھپائی ہوئی اشیاء کی خبر دیتے تھے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روح الامین جبریل جیسے عظیم الشان فرشتہ ان کے خاص خدمت گار اور حاضر دربار تھے یہ باتیں تمہارے ایمان پر رہنے کے لئے بہت کافی تھیں۔ لیکن بد نصیبو! تم نے ہمیشہ یہ کیا کہ جب رسولوں نے تمہاری خواہشات کے خلاف احکام سنائے تو تم نے ان کو جھوٹا کہا ان کی مخالفت کی۔ اسی پر صبر نہ کیا بلکہ ایک جماعت انبیاء کو قتل کرنے میں مشغول رہی۔ چنانچہ حضرت شعیب' زکریا' حضرت یحیٰی علیہم السلام تمہارے ہاتھوں ہی شہید ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام کو بھی تم نے اپنی دانست میں دار پر کھینچ ہی دیا۔ وہ تو ہماری حمایت سے بچ گئے اور ان نبیوں کے سرتاج صاحب معراج نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے میں تم نے کوئی کسر نہ چھوڑی کبھی تم نے ان پر جادو کیا۔ کبھی تم نے انہیں دیوار کے نیچے بٹھا کر ہاتوں میں لگا کر قتل کے ارادے سے دھوکہ سے ایک بھاری پتھر اوپر سے پھینکا کبھی ان کو زہر کھلایا۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان کی وفات بھی تمہارے ہاتھوں ہے کیونکہ تمہارے زہر کا اثر ہر سال ان پر لوٹتا۔ جس سے کہ ان کے گلے میں درد خناق پیدا ہوتا اور بروقت وفات اسی اثر کا ظہور ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے۔ لہٰذا تمہارا قتل انبیاء کرنا ابھی جاری ہے کیا تم اپنے انہیں کرتوت پر اپنے علماء کو پیارا سمجھتے ہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کی مخالفت بلکہ اس کو قتل کر دینا بھی کفر نہیں جب تک کہ قاتل کا عقیدہ خراب نہ ہو کہ یا تو اس کو جائز سمجھے یا اس کو ایمان کی وجہ سے قتل کرے اسی لئے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ نے یزید پلید جیسے ظالم کو بھی کافر کہنے میں تامل کیا کیونکہ اس کا یہ ظلم اپنی باطل حکومت کی خاطر تھا۔ نہ کہ دینی وجہ سے نیز حجاج وغیرہ ظالموں کو کسی نے کافر نہ کہا۔ لیکن نبی کی مخالفت یا ان کی ایذا ابھی ہی کیوں نہ ہو کفر ہے۔ کیونکہ سب مومن ہیں اور وہ ایمان یہاں تک کہ پیغمبر کے کسی فعل کی حقارت کرنا بھی کفر ہے دوسرا فائدہ: امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے علماء اور مشائخ بڑے درجے والے ہیں کہ ان سے وہ کام لیا جا رہا ہے جو اگلے بعض نبیوں سے لیا گیا۔ تیسرا فائدہ: بعض نبی بعض نبیوں کی اطاعت کرتے ہیں جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ان کے بعد والے پیغمبروں نے کی اسی طرح سارے پیغمبر اور رسول ہمارے حضور علیہ السلام کے امتی ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو۔ چوتھا فائدہ: تکبر و غرور نبوت سے دور اور خدا کی رحمت سے مجبور رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ کفار کے مقابل تکبر عبادت ہے۔ مسلمانوں کے مقابل تکبر حرام اور نبی کے مقابل تکبر کفر ہے۔ خاک میں عجز ہے۔ آگ میں تکبر باغ ہلاک میں لگائے جاتے ہیں آگ میں نہیں یہاں بنی اسرائیل کے تیسرے تکبر کا ذکر ہے یعنی نبی کے مقابل تکبر۔ پانچواں فائدہ: ہر مفید چیز سے تمام فائدہ نہیں اٹھاتے۔ سورج میں چمگادڑ۔ بارش سے بہت سی سبزیاں فائدہ نہیں اٹھاتیں۔ ایسے ہی نبوت سے سب فائدہ نہیں اٹھاتے۔ چھٹا فائدہ: بڑی مفید چیز سے اگر نقصان ہو گا تو بڑا ہی ہو گا۔ تانگہ گر جائے تو چار پانچ سواریاں ہلاک ہوں گی۔ بس ٹوٹ جائے تو پچاس اور ریل گر جائے تو ہزار ہلاک ہوں گے۔ نبی سے بڑا فائدہ ہوتا ہے لیکن ان کی مخالفت سے آفتیں بھی بہت آتی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت سے ستر لاکھ آدمی ہلاک ہوئے۔ نوح علیہ السلام کی مخالفت پر سارا جہان ڈوب گیا۔ بنی اسرائیل بندر سور وغیرہ بنے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : کسی نبی کا دوسرے نبی کی اطاعت کرنا خلاف عقل ہے کہ اس صورت میں اس کا دنیا میں آنا بیکار ہے۔ **جواب:** ان انبیاء کرام کے بھیجنے سے اگلی شریعت کو محفوظ رکھنا اور امت کو دین پر قائم رکھنا ہے تو گویا یہ مٹے ہوئے دین کو زندہ کرنے کے لئے آتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض:** پھر ان پیغمبروں میں اور موجودہ علماء میں کیا فرق رہا۔ **جواب:** بہت فرق ہے۔ ان کا تقرر رب کی طرف سے ہوتا ہے یہ خود محنت کر کے عالم بنتے ہیں۔ ان پر وحی ہوتی ہے ان پر نہیں وہ معصوم ہوتے ہیں یہ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض:** پھر یہ امت کس کی امت کہلائے گی آیا اس صاحب شریعت پیغمبر کی یا ان مبلغین کی۔ **جواب:** یہ لوگ اس صاحب شریعت کی ہی امت کہلائیں گے مگر نسبت ان انبیاء کی طرف ہو گی جیسے کہ ہندوستانی لوگ بادشاہ کی بھی رعایا کہلاتے ہیں اور وائسرائے اور گورنر کے بھی۔ **چوتھا اعتراض:** داؤد علیہ السلام خود صاحب کتاب تھے انہیں اس جگہ علیحدہ بیان کیوں نہ کیا گیا۔ **جواب:** ان کی کتاب زبور شریف اکثر احکام میں توریت شریف کے موافق تھی نہ کہ مخالف اس لئے اس پر عمل گویا توریت پر ہی عمل تھا۔ اور انجیل شریف توریت شریف کی ناسخ لہذا عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر علیحدہ۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور نبی آخر الزمان علیہ السلام سے بھی افضل ہیں کیونکہ ان کے معجزات نہایت اعلیٰ جبریل امین سے ان کو خاص امداد ان کی پیدائش بغیر باپ کے مردوں کو زندہ کرنا وغیرہ اس کے علاوہ۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تو ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو اور انشاء اللہ اس میں بھی **ورفع بعضہم درجات** کی تفسیر میں عرض کر دیا جائے گا۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ سارے انبیاء کرام کے معجزات حضور علیہ السلام میں جمع ہیں مگر ان کے ظہور کا طریقہ جداگانہ حضور کے طفیل حضور کے بعض غلاموں کو جبریل امین کی تائید ہوئی۔ حضور کے نعت خوان حضرت حسان رضی اللہ عنہ جب نعت شریف پڑھتے تو حضور علیہ السلام فرماتے **اللھم ایدہ بروح القدس** اے اللہ تو میرے حسان کی روح القدس سے امداد فرما۔ جنگ بدر میں پانچ ہزار ملائکہ صحابہ کرام کی امداد کے لئے حاضر ہوئے۔ اب بھی طالب علم کے نیچے اپنا پر بچھاتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کے غلام اور بعض دیگر صحابہ کرام کی نعشیں آسمان پر پہنچا دی گئیں۔ حضرت حبیب کی نعش زمین میں غائب کر دی گئی یہ تو اس سلطانی چاکروں کی عزت افزائی ہے۔ سلطان کونین کے درجات تک کسی کا وہم و گمان بھی نہیں پہنچ سکتا۔

تفسیر صوفیانہ : جس طرح معدہ اور دل کی گرمی غلط قبول نہیں کرتی اسی طرح نفس کی محبت دنیا۔ عیش پسندی سرداری کی طمع ایمان قبول نہیں کرتی کیونکہ اسلام میں جھکنا ہے اور اس نفس کی خواہش ہے اٹھنا بنی اسرائیل کے کفر کی اصل وجہ یہی تھی جو شخص کامل ایمان چاہتا ہے وہ ان عیوب سے نفس کو پاک کرے اپنے وجود کو خاموشی کے گوشہ میں دفن کر دو تاکہ اس سے پھل دار درخت پیدا ہو۔ شہرت کی خواہش دل سے نکال دو۔ کیونکہ شہرت نے بڑوں بڑوں کو گرا دیا۔

خود کو ایسا بنا کہ تو نہ رہے　　　تجھ میں اپنی خودی کی بو نہ رہے

اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ تمہیں جب اپنے اوصاف و کمالات نظر آئیں تو فوراً اپنے گناہوں پر نظر کر لو دوسرے یہ کہ اپنی اصل پر نظر رکھو کہ ہم ناپاک قطرے سے بنے حیض کا گندہ خون پی کر ماں کے پیٹ میں نو ماہ گزارے اب کس چیز پر فخر کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ دینی معاملات میں اپنے سے اعلیٰ کو دیکھو۔ خیال رہے کہ نفس میں سات عیب ہیں۔ (1) خود

www.alahazratnetwork.org

پسندی (2) غرور (3) ریا کاری (4) غصہ (5) حسد (6) مال کی محبت (7) اور عزت کی چاہت اور دوزخ کے دروازے بھی سات ہیں۔ جو ان سات عیبوں کو نکالے ان پر انشاء اللہ یہ دروازے بند ہوں گے۔ حضرت ابراہیم بن ادہم نے اپنے بعض دوستوں کو وصیت فرمائی کہ تم دم بننا سر نہ بننا کیونکہ سزا کے وقت سر پر آفت آتی ہے اور دم بچ جاتی ہے۔ سرداری بڑی مصیبت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تاتوانی بندہ شو سلطان مباش زخم کش چو گوئے شو چوگاں مباش

یعنی بادشاہ بننے کی خواہش نہ کرو۔ بندے بن کر رہو۔ گیند بنو۔ بلا نہ بنو۔ تسبیح کے ہر دانہ میں ایک ایک ڈورا ہوتا ہے اور امام میں دو کیونکہ وہ بڑا ہے۔

بڑوں کو دکھ بہت ہے چھوٹوں سے دکھ دور تارے سب نیارے رہیں گہن چاند اور سورج

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا
اور کہا انہوں نے دل ہمارے غلافوں والے ہیں بلکہ لعنت کی ان پر اللہ نے بوجہ کفر ان کے
اور یہودی بولے ہمارے دلوں پر پردے ہیں بلکہ اللہ نے ان پر لعنت کی ان کے کفر کے سبب
مَّا يُؤْمِنُوْنَ ۞
کے پس بہت کم ایمان لاتے ہیں یہ
تو ان میں تھوڑے ایمان لاتے ہیں۔

تعلق : اس آیت کی پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے موجودہ بنی اسرائیل کے ایمان کی مایوسی کی چند وجہیں بیان ہو چکیں۔ یہاں بھی اسی ایک بڑی وجہ کا ذکر ہے کہ اے مسلمانو تمہاری باتیں ان کے دل میں اترتی ہی نہیں پھر ان کے دل کا کفر کیسے نکلے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں گذشتہ انبیاء کے ساتھ یہود کی بد سلوکیوں کا ذکر تھا۔ اب خود حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ برتاوے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** یہود قتل انبیاء کے عذر میں فخریہ کہتے تھے کہ ان کو قتل کرنا ہماری پختگی ایمان کی دلیل ہے۔ ہمارے جہلاء ان کی عجیب باتیں دیکھ کر فریب کھا جاتے اور ان کے معتقد بن جاتے تھے۔ لیکن ہم اپنے دین میں اس قدر پختہ ہیں کہ کسی کی کرامات اور معجزات سے دھوکہ نہیں کھاتے اور جو ہمارے مذہب اور قاعدے کے خلاف ہو اسے ہرگز نہیں مانتے کیونکہ ہمارے دل نور کے غلافوں میں لپٹے ہوئے ہیں۔ اس آیت میں اس بکواس کی تردید کی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیتوں کے مضامین سے مسلمانوں کو امید ہو سکتی تھی کہ شاید موجودہ بنی اسرائیل اپنی ان حرکتوں کو سن کر نادم ہو جائیں۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے ان کی ایک بکواس نقل فرما کر مسلمانوں کی اس امید کو ختم فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **وقالوا** یہ ان یہودیوں کا قول ہے جنہوں نے حضور علیہ السلام کے مبارک وعظ وغیرہ اور اپنے گذشتہ عیوب سن کر یہ نامعقول بات کہی۔ **قلوبنا غلف** ہمارے دل پردوں میں ہیں۔ **غلف۔** اغلف کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں غلاف والا۔ اس عبارت کے چند مطلب ہیں ایک یہ کہ ہمارے دل ایسے غلافوں سے ڈھکے ہوئے ہیں جو آپ کی وعظ نصیحت وہاں تک نہیں پہنچنے دیتے دل یقین کا مقام ہے اور آنکھ 'زبان وغیرہ یقین ہونے کے ذریعہ ہیں۔ بعض کو سن کر بعض کو چھو کر بعض کو سونگھ کر مگر جب دل میں بیماری پیدا ہو جائے تو وہاں یقین نہیں آتا۔ جیسے دیوانہ ؛بعض صحابہ حضور کو دیکھ کر ایمان لائے۔ بعض آپ کا کلام سن کر۔ بعض معجزات دیکھ کر ہم لوگ صرف نام سن کر مگر جن کے دل میں بغض و عناد کی بیماری تھی وہ سب کچھ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے اور اس پر وہ فخر کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دل تو خود ہی علم کے غلافوں میں ہیں اور حکومت پر قائم اب ہمیں شریعت محمدیہ کی کوئی ضرورت نہیں اپنی باتیں جہلا کو سنایئے۔ تیسرے یہ کہ آپ کے اتنے وعظ و نصیحت سن کر بھی ہمارے دل خالی غلافوں کی طرح ہی ہیں وہاں تک کوئی بات نہ پہنچی (تفسیر کبیر) ان کا مطلب یہ تھا کہ ہمارے دل پیدائش سے ہی پردوں میں ہیں۔ وہاں تک کسی کے وعظ و نصیحت کی رسائی ہی نہیں ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس کلام میں استفہام انکاری ہو کہ کیا ہمارے دل پردوں میں ہیں؟ جو آپ کی بات مان لیں نہیں بلکہ بالکل صاف ہیں۔ ہم نے نہایت صفائی اور دیانتداری سے آپ کے دلائل میں غور کیا۔ مگر قابل قبول نہ پایا۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا کہ وہ جھوٹے ہیں۔ **بل لعنھم اللہ بکفرھم** بلکہ ان کے کفر کی وجہ سے ان پر خدا نے لعنت فرمادی ہے۔ لعنت کے لفظی معنی ہیں دور کرنا اللہ کی لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دور کرنا اور بندوں کی لعنت کے معنی ہیں دوری و رحمت کی دعا کرنا۔ یعنی ان کے کفر کی وجہ یہ ہے کہ وہ گزشتہ کفریات سے رحمت سے دور کر دیئے گئے اور انہوں نے اپنی لیاقت کو بگاڑ لیا مثلاً" جب انہوں نے ایک معجزے یا ایک پیغمبر یا ایک حکم الٰہی کا انکار کیا تو ان کے دلوں میں سختی اور سیاہی پیدا ہوئی جب دوسرے پیغمبر یا حکم کا انکار کیا تو وہ سختی اور بڑھ گئی۔ آخر کار انکار کرتے کرتے اب وہ سختی اس حد تک پہنچ گئی کہ اس میں کوئی وعظ وغیرہ اثر نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ کسی بات کا دل پر اثر جب ہوتا ہے جب کہ بات کرنے والے کا وقار دل میں ہو۔ چونکہ بنی اسرائیل کے دلوں میں انبیاء کرام کی عظمت نہ تھی اس لئے وہ انبیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم قبول نہ کرتے تھے اس لئے حضور نے پہلے تبلیغ میں کفار کو اپنی پہچان کرائی پھر احکام شرعیہ کی تبلیغ کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ **فقلیلا ما یؤمنون** ان میں بہت کم لوگ ایمان لاتے ہیں یا یہ لوگ بہت تھوڑی باتوں کو مانتے ہیں۔ یا یہ لوگ بہت کم یقین کرتے ہیں یہ قلیل یا تو مومن کی صفت ہے یا ایمان کی۔ آخری دو صورتوں میں ایمان کے لغوی معنی یعنی یقین مراد ہیں کیونکہ تھوڑا یا تھوڑی چیز پر تو ایمان ہو سکتا ہی نہیں ایمان تو پورا اور پوری چیزوں پر ہو گا۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے عربی میں کبھی بالکل نفی کرنے کے لئے بھی قلیلا" بولتے ہیں۔ **قلیلا" ما تنبت الارض** یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر بھی بہت کم ایمان لاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب مسلمان یہود کو وعظ و نصیحت کرتے اور ان کے گذشتہ عیوب سناتے تو وہ عذر یا مذاق کے لئے کہتے تھے کہ ہمارے دل نور یا رحمت کے پردے میں لپٹے ہوئے ہیں۔ جس طرح غلاف اپنے اندر کی چیز کو گرد و غبار سے محفوظ رکھتا ہے۔ ایسی ہی تمہاری باتیں جو گرد و غبار کی طرح ہیں۔ ہمارے دلوں کے اندر رونیاں ان کے قریب تک نہیں پہنچ سکتیں۔ تم سے پہلے بھی

www.alahazratnetwork.org

جن انبیاء کو ہم نے شہید کیا ان کی نصیحتیں بھی ہمارے دلوں میں نہ پہنچتی تھیں۔ کیونکہ ہم نہایت متصلب دیندار ہیں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہاں تمہارے دلوں پر غلاف تو ہیں مگر نور یا رحمت کے نہیں۔ بلکہ ظلمت اور لعنت کے اور یہ غلاف پیدائشی نہیں تاکہ تم معذور رہو بلکہ تمہارے خود پیدا کئے ہوئے ہیں کہ تم کفر پر کفر کرتے رہے اور تمہارے دلوں پر لعنت کی تہ پر تہ جمتی رہی جیسے کہ پانی اصل میں پتلی چیز ہے مگر سردی کے موسم میں ٹھنڈک سے جمنے لگتا ہے اور جب بار بار ٹھنڈک پہنچتی رہے تو پھر وہ پانی پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے کہ اس میں کیل بھی نہیں گھستی اور جو لعنت اپنی پیدا کی ہوئی ہو۔ اس میں کوئی عذر نہیں سنا جاتا لہٰذا یہ لوگ اپنے نبی پر بھی کم ایمان لاتے ہیں۔ تفسیر عزیزی نے یہاں ایک روایت نقل کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دل چار قسم کے ہیں ایک وہ جو صاف ہو اور اس میں چراغ چمکتا ہو۔ دوسرے وہ جو غلافوں میں لپٹا ہوا ہو۔ تیسرے وہ جو اوندھا ہو۔ چوتھے وہ جن کا ایک حصہ سفید اور ایک حصہ سیاہ ہو۔ پہلا قلب تو مومن کا جس میں چراغ ایمان روشن ہے۔ دوسرا قلب کافر کا جو کفر کے غلافوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اور تیسرا قلب منافق کا ہے کہ جس میں سے ایمان آکر نکل گیا۔ دورنگا دل اس کا ہے۔ جس میں ایمان و نفاق جمع ہوں۔ عقیدہ میں مومن ہو اور اعمال میں منافق۔ ایمان قلب میں سبزے کی طرح ہے جو وعظ و نصیحت کے پانی سے بڑھتا ہے اور نفاق اس ناسور کی مثل ہے۔ جس میں پڑ جائے تو پیپ و خون بن جاتا ہے اور اسے زیادہ خراب کر دیتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تعصب اور تصلب میں فرق ہے تصلب نہایت عمدہ خوبی ہے اور تعصب سخت عیب تصلب کے معنی ہیں دین پر پختگی کہ دین حق پر اس طرح مضبوط ہو کہ شیطان کی دھوکہ بازیاں اور کفار کے فریب میں نہ آئے اور دنیوی مصیبتوں اور پریشانیوں میں بھی دین پر قائم رہے تعصب یہ ہے کہ اپنی جھوٹی بات پر ضد کرے اور یاروں اور دوستوں کی جھوٹی بات میں بھی حمایت کرے اور اپنے مخالف کی حقانیت ظاہر ہونے پر بھی اس کا انکار ہی کئے جائے اور اپنے کو نیک اور دوسروں کو بد سمجھے۔ خلاصہ یہ کہ حق بات پر ثابت قدم رہنے کا نام تصلب ہے اور باطل پر ضد کرنے کا نام تعصب ان یہودیوں نے اپنے تعصب کو تصلب سمجھا اور اس پر فخر کیا۔ **دوسرا فائدہ:** چھوٹا عیب بڑے عیب کا ذریعہ ہے اور معمولی کفر سخت کفر کا راستہ ہے ان یہودیوں کے عارضی کفر کا انجام لعنت ابدی ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفس کے فریب سے بچنے کے لئے کسی بزرگ کی پناہ میں آنا ضروری ہے ورنہ انسان لعنت کو رحمت کفر کو ایمان اور عیب کو خوبی سمجھ کر اس پر فخر کرتا ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں ان کے دلوں پر پردے ہونے کا انکار کیا گیا۔ دوسری جگہ اس کا اقرار بھی کیا ہے۔ **انا جعلنا علی قلوبھم اکنۃ** دوسری جگہ ارشاد ہے **انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا** ایک جگہ ارشاد ہے **ختم اللہ علی قلوبھم** ایک جگہ فرمایا گیا **وجعلنا من بین ایدیھم سدا** ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے دلوں پر پردے بھی ہیں۔ ان کی گردنوں میں طوق بھی ان کے دلوں پر مہر بھی کردی گئی ہے ان کے سامنے دیوار بھی قائم کردی گئی ہے اب ان دونوں قسم کی آیتوں میں مطابقت کیوں کر ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ وہ لوگ پیدائشی پردوں کا دعویٰ کرتے تھے۔ یہاں اس کا انکار ہے اور ان آیتوں میں عارضی پردوں کا ثبوت یعنی کفر کی وجہ سے پردے پڑ گئے۔ مہر لگ گئی۔ سامنے دیوار قائم ہو گئی۔ دوسرے یہ کہ یہود نے کہا تھا کہ ہمارے قلوب پر رحمت کے پردے ہیں یہاں اس کا انکار ہے لعنت کے پردوں کا ثبوت دوسرا

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: اس آیت کامطلب یہ ہوا کہ ان پر کفر کی وجہ سے لعنت ہوئی اور لعنت کی وجہ سے کفر یہ دور ہے اور دور باطل۔
جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ہلکے کفر سے لعنت ہے اور لعنت سے سخت کفر۔ دوسرے یہ کہ کفر کرنے سے لعنت ہے اور لعنت سے کفر پر جمنا۔ یعنی آئندہ ایمان کے قابل نہ رہنا۔ لہذا کوئی دور نہیں۔ تیسرا اعتراض: اگر قلیلاً ایمان کی صفت ہو اور عبارت یوں ہے فایمانا قلیلا ما یومنون تولازم آئے گا کہ ایمان بھی زیادہ اور کم ہو حالانکہ زیادتی کی مقداری چیز میں ہوتی ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ایمان بمعنی یقین ہے یعنی بہت کم یقین کرتے ہیں دوسرے یہ کہ یہ کمی صفت کی ہے نہ کہ مقدار کی۔ یعنی ان کے دل میں آپ کی حقانیت کا ہلکا سا خیال آجاتا ہے اور پھر نکل جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ایمان قیمتی سامان ہے اور عقیدت اس کی قیمت علماء اور صوفیاء کی مجلس ایمان کا بازار جس طرح کہ بے زر بازار سے بیزار اور نامراد لوٹتا ہے۔ ایسے ہی بے عقیدت اس بازار ایمانی سے یعنی صحبت علماء و مشائخ سے محروم ہو واپس پھرتا ہے اور پھر اپنے کو بڑا اور ان کو برا سمجھتا ہے اور اپنی محرومی کو معصومی خیال کرتا ہے اس بازار میں عقیدت کی قیمت لاؤ اور متاع ایمانی لے جاؤ۔ اس باغ میں دامن اعتقاد لے کر آؤ اور ایمان و عرفان کے تازہ پھول بھر لے جاؤ۔ بہرحال عقیدت سے عقائد اور عقائد سے عرفان ملتا ہے۔ یہ یہودی عقیدت سے خالی تھے ایمان نہ لاسکے ہم کو بھی ان کی حالت سے عبرت پکڑنی چاہیے۔ جس ننگے کے پاس دامن نہ ہو اور پھر چمن سے محروم لوٹنے پر فخر کرے۔ تو وہ ننگا بھی ہے اندھا بھی۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا

اور جب کہ آئی ان کے پاس کتاب پاس سے اللہ کے تصدیق کرنے والی واسطے اس کے جو

اور جب ان کے پاس اللہ کی وہ کتاب (یعنی قرآن) آئی جو ان کے ساتھ والی کتاب (یعنی توراۃ)

مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ

ان کے پاس ہے اور تھے وہ پہلے سے فتح مانگتے اوپر ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا

کی تصدیق فرمائی اور اس سے پہلے وہ اسی نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے

كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۟ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ

پس جبکہ آیا ان کے پاس وہ جو پہچانا انہوں نے کفر کیا انہوں نے ساتھ اس کے پس

تو جب تشریف لایا ان کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے تو اللہ نے

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝۸۹

لعنت اللہ کی اوپر کافروں کے

لعنت کی منکروں پر

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے یہود کے مایوسی ایمان کی چند وجہیں بیان ہو چکیں اب بھی اسی کی ایک وجہ بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موجودہ یہودیوں کے وعظ و نصیحت نہ سننے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تو اپنی کتاب کی بھی نہیں سنتے۔ تمہاری کیا سنیں **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا یہودی متصلب اور دین ہی پر پختہ نہیں اور ان کے دلوں پر نور کے پردے نہیں بلکہ متعصب ضدی ہیں ان کے دلوں پر لعنت کے پردے ہیں اس آیت میں اس کی دلیل دی جا رہی ہے کہ وہ اس پیغمبر کو جان پہچان کر انکار کر رہے ہیں اور اسی کا نام ضد ہے۔ **چوتھا تعلق:** پہلے فرمایا گیا کہ ان کا اپنی کتاب پر بھی ایمان کم ہے۔ اسی کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔

شان نزول : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کے نازل ہونے سے پہلے یہودی اپنی حاجات کے لئے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے اور جنگ کے وقت بھی یہ الفاظ کہتے تھے۔ **اللھم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی** یارب ہمیں نبی امی کے صدقہ میں فتح و نصرت عطا فرما۔ مگر جب حضور تشریف لائے تو یہ دعا مانگنے والے صاف منکر ہو گئے اس پر یہ آیت اتری۔

تفسیر : **ولما جاء ھم** اس سے موجودہ بنی اسرائیل مراد ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم اور نبی آخر الزمان کو انہوں نے ہی پایا۔ یعنی جب ان موجودہ یہودیوں کے پاس کتاب آئی۔ قرآن ساری خدائی کے لئے آیا۔ اس لئے یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ حضور کے پاس قرآن آیا اور یہ بھی کہ مسلمانوں کے پاس آیا۔ یہ بھی کہ کفار کے پاس اس طرح حضور کے متعلق ہر مخلوق کہہ سکتی ہے کہ حضور ہمارے پاس آئے جیسے جب سورج نکلتا ہے تو ہر ملک و شہر والا کہتا ہے کہ ہمارے ہاں سورج نکلا کیونکہ اس کا فیض عام ہے۔ ہر جگہ دن نکلتا ہے۔ خیال رہے کہ بعض چیزیں بلا کر دیتے ہیں اور بعض آ کر دیتے ہیں جیسے کنواں اور بارش' قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آ کر دینے والے ہیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا **جاء ھم کتب** اور دوسری جگہ فرمایا **لقد جاء کم رسول۔ کتب** اس کتاب سے قرآن کریم مراد ہے اس لئے کہ توریت وغیرہ کی تصدیق اس نے ہی فرمائی جس کا آگے ذکر ہے اسے کتاب اس لئے فرمایا گیا کہ وہ پہلے بھی لوح محفوظ وغیرہ میں لکھی ہوئی تھی اور آئندہ بھی قیامت تک بکثرت لکھی جائے گی اگرچہ اتری ہے پڑھی ہوئی **من عند اللہ** اللہ کے پاس یہ قرب تشریفی ہے نہ کہ مکانی کیونکہ رب تعالیٰ مکان اور جگہ سے پاک ہے اور اس کا خدائی کتاب ہونے پر ان کو بھی یقین تھا کیونکہ اس کے مقابلہ سے ان کے سارے علماء عاجز رہ گئے تھے اور نیز وہ کتاب **مصدقا " لما معھم** اسی توریت کی تصدیق کرنے والی ہے جو ان کے پاس ہے حالانکہ نبی آخر الزمان نہ عبرانی خط پڑھے تھے اور نہ عربی اور ایسے بے پڑھے نبی کا توریت کے احکام کی تصدیق فرمانا اس کی کھلی دلیل ہے کہ وہ عالم علم لدنی ہیں۔ تصدیق کرنے کی چند صورتیں ہیں یا توریت کی حقانیت کا اقرار کرنا اور اسے خدائی کتاب ماننا یا لوگوں سے اس کی حقانیت کا اقرار کرانا قرآن کریم نے اگرچہ توریت کے احکام منسوخ کر دیئے مگر سب سے منوا لیا کہ وہ حق ہے۔ اگر توریت اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر قرآن کریم میں نہ ہو تا تو دیگر انبیاء اور صحیفوں کی طرح دنیا اسے بھی بھول جاتی یا یہ قرآن توریت کو سچا کرنے والا ہے کہ اس نے آخری کتاب کے آنے کی خبر دی تھی جو کہ اس قرآن کے آنے سے پوری ہوئی۔ اگر یہ قرآن حق نہیں تو یہودی بتائیں کہ آخری نبی اور آخری کتاب کب اور کہاں آئی اور یہ لوگ پہلے بے خبر نہ تھے۔ بلکہ **وکانوا من قبل** یہ یہودی اس

www.alahazratnetwork.org

کتاب کے اترنے سے پیشتر اس نبی کی عظمت کے قائل اور اس کتاب کی حقانیت کے ماننے والے تھے کیونکہ **یستفتحون علی الذین کفروا** کفار یعنی مشرکین عرب کے مقابلہ میں انہی کے نام پاک کے وسیلہ سے رب سے فتح مندی اور نصرت مانگتے تھے۔ تفسیر عزیزی میں اس جگہ فرمایا کہ انہیں یقین تھا کہ نبی آخر الزماں کا نام پاک تمام پیغمبروں کا مددگار ہے اور ان کا نام بھی کفر کو مٹانے اور باطل کو گھٹانے میں لشکر جرار ہے۔ (دیوبندیت فنا) مدینہ اور خیبر کے یہودی مشرکین عرب بنی اسد اور بنی غطفان کے مقابلہ میں شکست کھا جاتے تھے آخر کار انہوں نے اپنے علماء کی طرف رجوع کیا۔ انہوں نے یہودی سپاہیوں کو یہ دعا یاد کرائی اور کہا کہ جنگ کے وقت پڑھ لیا کرو۔ انہوں نے اس پر عمل کیا اور پھر ہمیشہ فتح پائی۔ **اللھم ربنا انا نسئلک بحق احمد النبی الامی الذی وعدتنا ان تخرجہ لنا فی اخر الزمان وبکتابک الذی تنزل علیہ اخر ما ینزل ان تنصرنا علی اعداء نا** یعنی اے رب ہمارے ہم تجھ سے اس نبی کا وای احمد کے حق سے سوال کرتے ہیں جن کے بھیجنے کا تو نے وعدہ کیا اور اس کتاب کی برکت سے کہ جو تو ان پر اتارے گا۔ سب کتابوں سے پیچھے کہ تو ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح دے۔ اسی تفسیر عزیزی میں اس جگہ یہ بھی ہے کہ سلمہ ابن قیس فرماتے ہیں کہ ہمارے محلے میں ایک یہودی رہتا تھا میں اس زمانہ میں کمسن تھا ایک دن ہمارے یہاں ایک محفل تھی وہاں وہ یہودی بھی آگیا اور پکار کر کہا کہ اے بت پرستو کیا نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا ہم سب نے کہا کہ تو ہی بتا۔ وہ بولا پھر سب کو زندگی ملے گی۔ اعمال کا حساب ہوگا میزان ہوگی' دوزخ ظاہر ہوگی ہر ایک کو اعمال کے موافق سزا اور جزا ملے گی۔ ہم سب نے کہا کہ یہ تو بڑی بعید بات ہے یہ کبھی نہیں ہو سکتی وہ بولا خدا کی قسم ضرور ہوگی۔ سب نے پوچھا تیری دلیل کیا ہے۔ اس نے کہا میری دلیل وہ آخر الزمان پیغمبر ہے جو مکہ اور یمن سے ظاہر ہوگا۔ وہ میرے کلام کی تصدیق کرے گا ہم نے کہا کہ وہ کب ہوگا۔ اس نے مجلس کے دائیں بائیں دیکھ کر میری طرف اشارہ کرکے کہا کہ اگر اس نوجوان کی عمر بڑھی تو یہ اس پیغمبر کو پالے گا۔ سلمہ کہتے ہیں کہ ابھی چند روز گزرے تھے کہ حضور کی نبوت کی خبر مشہور ہوئی اور جب حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ہم سب مسلمان ہوگئے ہم نے اس یہودی کو دیکھا وہ کافر رہا اور حسد کرتا تھا ہم نے اس سے کہا کہ تجھے کیا ہوگیا کہ ان کا منکر ہے کیا تجھے اپنی وہ بات یاد نہ رہی جو تو نے ہم سے کہی تھی وہ بولا یاد تو ہے لیکن یہ وہ نبی نہیں ہیں۔ ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہودی صرف جنگ میں ہی نہیں بلکہ مناظروں اور دیگر مصیبتوں میں بھی حضور کے نام پاک کو اپنا پشت پناہ بناتے تھے اور آپ کے نام پاک کے صفات' آپ کی جائے پیدائش اور وقت پیدائش سے بھی واقف تھے۔ اس قدر جان پہچان کے باوجود **فلما جاء ھم ما عرفوا** جب ان کے پاس جانی پہچانی چیز آئی۔ اس کلمہ سے یا تو کتاب مراد ہے اور یا صاحب کتاب صلی اللہ علیہ وسلم مگر دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ کتاب کا ذکر دور ہے اور نبی علیہ السلام کا ذکر **یستفتحون** میں قریب ہی گزرا۔ نیز کتاب کے آنے کا ذکر تو پہلے بھی ہو چکا لہٰذا بہتر یہی ہے کہ یہاں نبی کا آنا مراد ہو تاکہ کلام میں تکرار نہ ہو۔ چونکہ اس جگہ اوصاف والی ذات مراد ہے اس لئے ما فرمایا گیا۔ جیسے **لا تنکحوا ما نکح اباؤ کم** میں عورتوں کو جو ذی عقل ہیں ما فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے قرآن کی آمد کا ذکر ہوا۔ نہ کہ حضور کی تشریف آوری کا مگر چونکہ قرآن کی حضور کے ذریعہ ہے کہ قرآن خود نہیں آسکتا حضور کے ذریعے آیا۔ لہٰذا اس میں حضور کی آمد کا بھی ذکر ہو گیا تو یہاں حضور کی طرف ضمیر کا لوٹنا اور ما عرفوا سے حضور کا مراد ہونا درست ہوا۔ پچھلے اہل کتاب حضور کے... توسل سے دعائیں کرتے تھے نہ کہ قرآن کے وسیلہ سے لہٰذا آیت کے یہ معنی ہوئے کہ حضور کے توسل سے دعائیں کرتے تھے یعنی

www.alahazratnetwork.org

جب کہ ان کے پاس وہ چیز یا وہ ذات آئی جس کو وہ پہچانتے ہیں **عرفوا** میں دو احتمال ہیں یا یہ کہ ان اوصاف کی وجہ سے ان کو اب دیکھ کر پہچان لیا۔ کیونکہ ان میں وہ ساری توریت کی علامتیں موجود تھیں یا جس کو وہ توریت سے پہچان چکے تھے لہٰذا چاہیے تو یہ تھا کہ وہ سب فوراً ایمان لے آتے مگر ہوا یہ کہ **کفروا بہ** وہ صاف انکار کر گئے اور ان کی نعت اور صفات کو بدل ڈالا یا تو یہ جملہ دونوں **لما** کا جواب ہے یعنی جب وہ جانی ہوئی کتاب اور جانا ہوا نبی ان کے پاس پہنچا تو انہوں نے ان میں سے ہر ایک کا انکار کر دیا یا یہ فقط دوسرے **لما** کا جواب ہے اور پہلے **لما** کا جواب وہاں ہی پوشیدہ ہے۔ یعنی جب ان کے پاس کتاب آئی تو اس کا انکار کر دیا اور یہ کیوں نہ کرتے ان کا تو یہ حال ہے کہ جس نبی کے نام سے ان کی مشکلیں حل ہو جاتی تھیں۔ جب وہ نبی تشریف لائے تو ان کا بھی انکار کر بیٹھے اور اس انکار کا انجام یہ ہوا کہ **فلعنۃ اللہ علی الکفرین** جان بوجھ کر حق چھپانے والے کافروں پر اللہ کی لعنت ہے کیونکہ ان پر لازم تھا کہ یہ اس نبی کی خدمت اور مدد کرتے اگرچہ یہاں علیہم بھی کافی تھا۔ لیکن سبب لعنت بتانے کے لئے کافرین فرمایا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ وسیلہ پکڑنے سے ان پر لعنت ہوئی۔ اب معلوم ہوا کہ ان کا وسیلہ چھوڑنے سے ملعون ہوئے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم ان کے ایمان کی کب تک امید رکھو گے یہ تو بڑے ضدی کافر ہیں ان کی ضد کی تو یہ حالت ہے کہ اس قرآن کے آنے پر ان کی توریت کی سچائی موقوف تھی ان کو چاہیے تھا کہ اس کو آنکھوں سے لگاتے اور اس کے آنے پر خوشیاں مناتے اور کفار سے کہتے کہ دیکھو ہماری توریت کا ظہور آگیا۔ نیز قرآن نے اعلان کیا بنی اسرائیل کی آسمانی کتابیں بچی ان کے نبی سچے ان کے اولیاء و اصحاب کہف وغیرہ سچے اب قرآن کو جھوٹا کہہ کر اپنی کتابوں نبیوں کو جھوٹا کہتا ہے۔ مدعی اپنے گواہ کو ہمیشہ سچا ہی کہتا ہے۔ اگر جھوٹا کہے تو اس کا مقدمہ خارج ہو جائے جو صحابہ کو جھوٹا کافر کہتے ہیں وہ ضدی اور جھوٹے ہیں۔ کیونکہ اہل بیت کے فضائل کی آیات و احادیث انہیں سے مروی ہیں۔ اگر وہ حضرات سچے نہ ہوں تو یہ آیات و احادیث بھی سچی نہ ہوں گی۔ پھر اہل بیت کے فضائل کا انکاری کرنا پڑے گا گذشتہ کتب اور نبیوں کو برحق ماننے کے لئے قرآن اور حضور کو سچا مانو اور اہل بیت کی عظمت ماننے کے لئے صحابہ کو سچا مانو۔ نیز یہ نبی آخر الزمان وہ ہیں جن کے نام سے ان کے بگڑے کام بنے انہیں کے نام کے وسیلہ سے ان لوگوں نے رب سے دعائیں مانگیں اسی نام کی برکت سے انہوں نے مشرکین پر فتح پائی اسی کی برکت سے انہوں نے مناظرہ وغیرہ میں سرخروئی حاصل کی اور انہیں کے بل بوتے پر مشرکین سے کہتے تھے کہ ذرا ٹھہر جاؤ۔ نبی آخر الزمان آنے والے ہیں ہم ان کی مدد سے تم پر غالب آئیں گے۔ انہیں کا انتظار تھا انہیں کی دعائیں مانگی جا رہی تھیں چاہیے تو یہ تھا کہ ان کے قدم دھو دھو کر پیتے اور اپنی خوش نصیبی پر فخر کرتے مگر انہوں نے کیا یہ کہ منکر ہو کر ان کے پیچھے پڑ گئے ایسے کافروں پر خدا کی لعنت۔ ان ضدیوں کے ایمان کی کیا امید۔ **فائدے:** اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ والوں کے وسیلہ سے دعا قبول ہوتی ہے کیونکہ رب نے ان یہودیوں کے وسیلہ پکڑنے کا انکار نہ کیا۔ بلکہ ان کے کفر پر لعنت کی۔ اس واسطے علی الکافرین فرمایا نہ کہ علیہم۔ تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ وسیلہ پکڑنے والوں پر لعنت کی گئی **دوسرا فائدہ:** حضور علیہ السلام سے پہلے آپ کی تشریف آوری کی دھوم دھام ہو چکی تھی اور اس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔ جس سے معلوم ہوا کہ دیوبندی وہابی اس وقت کے یہودیوں سے بھی بدتر ہیں کہ وہ تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے نام کی مدد لیتے تھے اور یہ

www.alahazratnetwork.org

اسے شرک کہتے ہیں اور کلمہ گو ہو کر ان کے وسیلے سے منکر ہیں۔ دیکھو ان کی کتاب "تقویۃ الایمان" **تیسرا فائدہ:** کافروں پر لعنت کرنا جائز ہے لعنت کافروں کے حق میں رحمت سے دوری ہے اور گنہگار مسلمانوں کے حق میں عزت سے دوری۔ لعنت کے اسباب تین ہیں۔ کفر بدعت' فسق جیسے کہہ دیتے ہیں جھوٹے پر خدا کی لعنت۔ لعنت کے تین درجے ہیں (1) عام وصف سے لعنت کرنا جیسے کافر بدعتی یا فاسق پر لعنت (2) خاص وصف سے لعنت کرنا جیسے یہودی یا عیسائی یا خارجی یا زانی یا سود خوار پر لعنت یہ دو قسم کی لعنتیں ہر حال جائز ہیں (3) کسی کا نام لے کر لعنت کرنا۔ یہ صرف اسی کے حق میں جائز ہے۔ جس کے کفر کا شرعاً" ثبوت ہو جیسے کہ فرعون یا ابو جہل پر لعنت لہٰذا اب مرے بعد نام لے کر کسی کافر کو بھی لعنت جائز نہیں کیونکہ اس کا کفر پر مرنا دلیل شرعی سے معلوم نہیں ممکن ہے کہ مرتے وقت ایمان لے آیا ہو جس کی ہمیں خبر نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ رام لعل یا مرزا غلام احمد زندگی میں کافر ملعون تھے اسی لئے یہ کہنا بالاتفاق جائز ہے کہ قاتل حسین پر لعنت مگر یوں نہ کہے کہ یزید پر لعنت کیونکہ وصف پر لعنت جائز ہے اور یہ نام اور نام کی لعنت میں خدشہ ہے۔ ہر حال کسی پر بلاوجہ لعنت کوئی اچھی چیز نہیں۔ سب سے بڑا مردود شیطان ہے مگر اس پر بھی لعنت کرنا عبادت نہیں بہت سے لوگ اپنے جانور اور اپنے مال پر لعنت کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ جو غیر مستحق کو لعنت کرتے ہیں وہ لعنت خود اپنے پر لوٹتی ہے مسلمان تبرائی اور لعنتی نہیں ہو تا یہ روافض کی خصوصیت ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ عورتیں اکثر جہنمی ہیں کیونکہ وہ لعنت زیادہ کرتی ہیں خیال رہے کہ لعنت اور چیز ہے اور کفار پر سختی دوسری چیز۔ سختی کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** جاہل کافر سے عالم کافر کا عذاب سخت ہے۔ کیونکہ وہ بھولے سے کافر ہے اور یہ جان بوجھ کر اسی لئے اس آیت میں ملعون فرمایا۔ **پانچواں فائدہ:** ہر ایک کا نام اس کے ماں باپ رکھتے ہیں مگر حضور کا نام رب نے رکھا کہ ان کی ولادت سے صدیوں پہلے ہی عرش و فرش میں اسے چمکا دیا۔ **چھٹا فائدہ:** بعض دیوبندی وہابی مجبور ہو کر یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضور کی زندگی میں آپ کے وسیلے سے دعا کرنی جائز تھی۔ لیکن بعد وفات ناجائز کیونکہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں حضرت عباس کے ذریعہ سے دعا مانگی نہ کہ حضور کے طفیل وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور کی ولادت پاک سے پہلے ہی آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگی جا رہی تھیں۔ یہ حدیث تو ان کے واسطے زہر قاتل ہے۔ اس لئے کہ حضرت عباس کا اس لئے وسیلہ اختیار کیا گیا کہ وہ حضور کے چچا ہیں۔ یہ تو حضور کی نسبت کا وسیلہ ہے۔ اور پھر اس وسیلے سے حضور کے وسیلہ کی نفی کیوں کر ہو گئی۔ پھر وہ تو اب بھی زندہ ہیں کیونکہ ہم پڑھتے ہیں۔ محمد رسول اللہ۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ نہ یہ کہ تھے۔ وہ زندہ نہیں ہیں تو وصف رسالت کس کے لئے ثابت ہو رہا ہے۔ محمول کا ثبوت موضوع کا وجود ظرف اتصاف میں چاہتا ہے۔ **لطیفہ:** چونکہ اس آیت میں لفظ **یستفتحون** سے حضور علیہ السلام کا وسیلہ پکڑنا حضور کے نام سے مدد حاصل کرنا ثابت ہو تا تھا۔ جو کہ دیوبند کے لئے موت ہے اور ان کی توحید کے خلاف اس لئے دیوبندیوں کے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس لفظ کے معنی یہ کئے کہ یہ یہودی کفار سے بیان کیا کرتے تھے یعنی خود کفار عرب کو حضور کی آمد کی خبر دیا کرتے تھے اپنے نامعقول مذہب کی پاسداری کے لئے آیت کی تحریف معنوی کر ڈالی نہ تو یہ معنی کسی مفسر نے کئے اور نہ ہی عربی قواعد سے درست ہیں کیونکہ استفتاح فتح سے بنا اور استفعال میں آکر اس میں طلب یا وصول کے معنی پیدا ہوئے اور علیٰ نقصان و ضرر کے لئے آتا ہے۔ تو صاف معنی یہ ہوئے کہ کافروں کے مقابل فتح مانگتے یا فتح حاصل کرتے تھے۔ خواہ مناظرہ وغیرہ میں یا جنگ میں۔ خبر دینے اور بیان کرنے کے معنی کیسے ہو

www.alahazratnetwork.org

سکتے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اس معنی سے مولوی صاحب پر دوسری قیامت آگئی کہ یہود کا علم غیب ثابت ہو گیا۔ یہود نے حضور کی ولادت پاک سے پہلے آپ کی خبر دے دی۔ مگر وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے مصطفیٰ علیہ السلام کے علم کا انکار کیا ہے نہ کہ کفار کے علم کا۔ ہم تو شیطان کو بھی علم غیب مانتے ہیں۔ ہاں حضور کے لئے علم غیب ماننا شرک ہے۔ دیوبندیوں نے اس قسم کی بہت سی تحریفیں صرف تقویۃ الایمان کے درستی کے لئے کی ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن یہودیوں کے پاس جو توریت تھی اس کی تصدیق کرتا ہے حالانکہ وہ کتاب تو بدلی ہوئی اور محرف تھی اور قرآن نے اس کی سخت تردید کی ہے۔ جواب: اس کے چند جوابات ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں فرمایا گیا **معهم** نہ کہ **عندھم** یعنی ان کی ساتھ والی توریت کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ پاس والی توریت کی بدلی ہوئی کو وہ بھی غلط سمجھتے تھے۔ صرف کھانے کمانے کے لئے اس کو رکھ چھوڑا تھا اس پر ان کا بھی ایمان نہ تھا۔ دوسرے یہ کہ قرآن اصلی توریت کی تصدیق کرتا ہے نہ کہ اس کے ہر لفظ کی اور بدلی ہوئی کتاب میں کچھ تو اصل بھی تھی اس ہی کی تصدیق کی۔ یہاں ساری کتاب کی تصدیق کا ذکر نہیں۔ تیسرے یہ کہ مصدق کے معنی ہیں صدق کو ظاہر فرمانے والا۔ یعنی قرآن سے پہلے سچی اور جھوٹی توریت میں فرق ظاہر نہ تھا۔ اس نے آکر ان کی تحریفات کو ظاہر فرمایا اور توریت کی سچائی کو شائع کیا۔ چنانچہ رجم وغیرہ بہت سے توریت کے اصلی احکام قرآن سے کھلے اور یہودیوں کو اپنی تحریف کا اقرار کرنا پڑا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہودی قرآن اور صاحب قرآن کی حقانیت جانتے تھے۔ پھر انہیں کافر کیوں کہا گیا وہ تو مومن ہوئے کیونکہ دل سے جاننے ہی کا نام ایمان ہے۔ جواب: وہ جانتے تھے مانتے نہ تھے اور ایمان ماننے کا نام ہے نہ کہ صرف جان لینے کا۔ جاننا غیر اختیاری ہوتا ہے اور ماننا اختیاری۔ ثواب اختیاری خیر پر ہی ملتا ہے اگر جاننے کا نام ایمان ہو تو اس کا ثواب نہ ہونا چاہئے تھا یا یوں کہو کہ ایمان جاننے اور اقرار کرنے کا نام ہے یعنی اقرار ایمان کی شرط ہے جب انہوں نے انکار کیا تو ایمان صحیح نہ ہوا۔ جیسے کہ بغیر وضو نماز۔ تیسرا اعتراض: قرآن نے پہلے فرمایا تھا **وقولوا للناس حسنا** لوگوں سے اچھی بات کہو اور یہاں کافروں پر لعنت فرما رہا ہے۔ کیا لعنت بھی اچھی بات ہے۔ جواب: اس آیت میں گزر چکا کہ کفار کو برا کہنا در حقیقت اچھا ہے اور ان پر لعنت ہی ان کے لئے قول حسن ہے۔ (تفسیر کبیر) چوتھا اعتراض: تم ان کو کفار کہہ کر لعنت کرتے ہو اور وہ تم کو نہ معلوم اس میں سچا کون ہے اور جھوٹا کون (ستیارتھ پرکاش) جواب: چور پولیس کو برا کہتا ہے اور پولیس چور کو پنڈت جی اللہ نے عقل اور بدی اسی لئے دی ہے کہ نقل و اصل میں فرق کرے دنیا میں نقل و اصل ملی جلی بازار میں فروخت ہوتی ہے۔ مگر آنکھ والے کو چاہئے کہ دیکھ کر چیز خریدے اچھا بتاؤ کہ تم کو اپنے مذہب کی سچائی کیسے معلوم ہوئی۔ یہ اعتراض تو تم پر بھی پڑتا ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل قرآن کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے نہ کہ حضور کے وسیلہ سے کیوں **ما عرفوا** میں ما ہے جو غیر عاقل چیز کے لئے آتا ہے نیز اس سے پہلے اس آیت میں کتاب ہی کا ذکر ہے (دیوبندی) جواب: ان سوالوں کے جوابات تفسیر میں گزر چکے۔ بہت دفعہ عاقل کے لئے بھی ما بول دیتے ہیں۔ جیسے **لا تنكحوا ما نكح اباؤكم** اور چونکہ کتاب کی آمد میں حضور کی آمد کا بھی ذکر ہے۔ اس لئے حضور ہی کی آمد مراد ہے نیز یہود وغیرہ حضور ہی کو پہچانتے تھے نہ کہ قرآن کو قرآن کو تو صحابہ بھی نہ پہچانتے تھے جب تک کہ حضور نہ بتاتے کہ یہ قرآن ہے کیونکہ ایک ہی زبان سے قرآن بھی نکلتا تھا۔

www.alahazratnetwork.org

حدیث بھی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ یعرفونه کما یعرفون ابناء هم وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بصارت سے صورت اور بصیرت سے سیرت معلوم ہوتی ہے۔ ہم گھر میں جاکر سارے عزیزوں کی صورت تو آنکھ سے دیکھتے ہیں مگر ماں۔ بہن بیٹی بیوی کو بصیرت سے پہچانتے ہیں ان کا ماں۔ بہن ہونا آنکھ سے نظر نہیں آتا اور جیسے کہ بعض دوائیں بصارت کو قوت دیتی ہیں اور بعض بیماریاں بصارت مٹا دیتی ہیں اسی طرح عشق وہ کحل الجواہر (عمدہ سرمہ) ہے یا وہ دوربین یا خوردبین ہے۔ جس سے بصیرت قوی ہو جاتی ہے اور عاشق اپنے محبوب کی ہر خوبی کو معلوم کر لیتا ہے مگر کفر و بے دینی بغض و حسد بصیرت کو پھوڑنے والی بیماریاں ہیں۔ یہود کی بصیرت پر بغض و حسد کا جالا آچکا ہے۔ انہیں عشق کا سرمہ نصیب نہ ہوا۔ جس سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صورت کو تو دیکھ سکے گی۔ مگر سیرت پاک تک نظر نہ گئی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ السلام سے عشق پیدا کریں تاکہ ان پر حقیقت حال ظاہر ہو۔ حضور کو صرف بصارت سے دیکھنے والا کافر ہے اور بصیرت سے دیکھنے والا صحابی۔ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے بصیرت سے دیکھا سجدے میں گر گئے۔ ابلیس نے بصارت سے دیکھا اکڑ گیا۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

بری ہے وہ چیز کہ خریدا انہوں نے بدلے اس کے جانوں اپنی کو یہ کہ کفر کریں وہ ساتھ اس کے کہ اتاری

کس برے مولوں انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا کہ اللہ کے اتارے سے منکر

بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ

اللہ نے حسد سے اس کے کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے اوپر اس کے کہ چاہے بندوں

ہوں اس کی جلن سے کہ اللہ اپنے فضل سے اپنے جس بندے پر چاہے

عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ

میں سے اپنے پس لوٹے وہ ساتھ غضب کے اوپر غضب کے اور واسطے کافروں کے

وہ اتارے تو غضب پر غضب کے سزاوار ہوئے اور کافروں کیلئے

مُّهِیْنٌ ۞

عذاب ہے اہانت والا

ذلت کا عذاب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** موجودہ بنی اسرائیلیوں کے ایمان سے مایوسی کی یہ بھی ایک بڑی وجہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے۔ یعنی بنی اسرائیلیوں نے قرآن کا اس ضد سے انکار کیا کہ وحی ہمارے سوا پر کیوں ہوئی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان کے انکار کا ذکر تھا اب اس کی وجہ اور برائی بیان ہو رہی

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ منکرین یہودیوں نے انکار نبوت کو اپنی خلاصی اور بقاء سرداری کا ذریعہ بنایا۔ اب فرمایا جارہا ہے ان بیوقوفوں نے اس میں بڑی ہی غلطی کی۔

تفسیر: **بئسما۔ بئس** فعل ذم (برائی بتانے والا فعل) ہے اور **ما** **شیئا** کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ چیز بڑی ہی بری ہے۔ جو کہ **اشتروہ** یہ لفظ **شریٰ** سے بنا ہے اور **شری** جب ضرب یضرب سے آتا ہے تو بیچنے اور فروخت کرنے کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **وشروہ بثمن بخس** یعنی انہوں نے یوسف علیہ السلام کو کھوٹی قیمت میں بیچا۔ **من یشری نفسہ** اور باب افتعال میں آکر خریدنے کے معنی دیتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ **اشترو** **اشروا** کے معنی میں ہے۔ یعنی وہ چیز بری ہے جس کے عوض انہوں نے اپنی جانوں کو خریدا۔ اب اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہر شخص کی جان گویا گرو (رہن) مال ہے اور اس پر اعمال کا قرض ضروری ہے کہ نیک اعمال کرکے اپنی جانوں کو گرو سے چھڑالیں۔ گویا خریدلیں۔ ان بیوقوفوں نے بجائے چھڑانے کے اس کو سخت قیدی بنادیا۔ رب فرماتا ہے **کل نفس بما کسبت رھینۃ الا اصحاب الیمین** ہر نفس اپنے اعمال میں گروی ہے سوا دہنی طرف والوں کے ان کی مثال اس بیوقوف غلام کی سی ہے جو کسی کے ہاتھوں کچھ مال میں گرو ہو۔ وہ بجائے اس کے کہ مال ادا کرکے اپنے کو چھڑالے اسی مال کا انکار کرتا پھرے کہ مجھ پر کچھ نہیں اور یہ مالک دعوئی میں جھوٹا ہے۔ یہ غلام اپنی اس حرکت سے قید سے آزاد نہ ہوگا بلکہ زیادہ گرفتار اور مستحق مار ہوگا۔ ایسے ہی یہ لوگ ہیں۔ **انفسھم** تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ یہاں **انفس** سے مراد ایمان ہے چونکہ ایمان نفس میں رہتا ہے اس لئے محل بول کر حال مراد لیا اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جس کے عوض انہوں نے اپنا ایمان بیچ دیا وہ بہت بری چیز ہے اور دیگر مفسرین نے فرمایا کہ **انفس** سے جانیں ہی مراد ہیں اور اس کے معنی وہ کئے جو اوپر بیان ہو چکے یا یوں کہو کہ ہر انسان تاجر ہے زندگی دوکان سانسیں راس پونجی اعمال سودے جسے وہ سانسیں خرچ کرکے خریدتا ہے شریعت ترازو اس کے احکام حرام، حلال، مکروہ، مستحب وغیرہ باٹ، ہم ہر وقت تجارت کر رہے ہیں کیونکہ ہر سانس میں کوئی عمل ضرور کرتے ہیں جو سانس نیک عمل میں گزرا وہ نفع کا سودا ہوا اور جو سانس برے عمل میں گزرا وہ نقصان کا سودا ہوا۔ خیال رہے کہ گنہگار مسلمان گھاٹے کا سوداگر ہے اور کافر دیوالیہ تاجر۔ یہاں ان کے دیوالیہ ہونے کا ذکر ہے کہ انہوں نے کفر کے عوض جان کو خریدا یا بیچا۔ **ان یکفروا بما انزل اللہ** یہ جملہ بئس کا مخصوص بالذم ہے جس سے ما کی مراد ظاہر ہو رہی ہے۔ یعنی وہ چیز بڑی بری ہے کہ کتاب اللہ کا انکار اور یہ انکار بھی ناواقفی سے نہیں بلکہ بغیاً حسد سے ہے۔ یہ یکفروا کا مفعول لہ ہے اس کے لفظی معنی بغاوت ہیں چونکہ اکثر بغاوت حسد سے ہوتی ہے اور حاسد آخر کار باغی بن جاتا ہے۔ اس لئے یہاں یہ معنی کئے گئے (تفسیر روح البیان) اور یہ حسد بھی کوئی دینی فریضہ نہ تھا بلکہ اس بات کا تھا کہ **ان ینزل اللہ** اللہ اتارتا ہے یہاں علیٰ پوشیدہ ہے کیونکہ حسد علے کو چاہتا ہے۔ **من فضلہ** اپنا فضل یہاں فضل سے مراد وحی ہے کیونکہ وحی اپنی محنت یا استحقاق وغیرہ سے نہیں صرف اللہ کے فضل و کرم سے ملتی ہے **علیٰ من یشاء من عبادہ** اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے، واقعہ یہ ہے کہ یہود سمجھتے تھے کہ پہلے کی طرح نبی آخر الزماں بھی ہم بنی اسرائیل میں سے ہی ہوں گے۔ اب جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ درجہ عنایت ہوا۔ آپ بنی اسماعیل میں سے تھے۔ اس پر یہ اسرائیلی جل گئے کہ یہ عہدہ ہماری قوم کو کیوں نہ ملا، اور اس جلن کا یہ انجام ہوا کہ **فباء و بغضب علیٰ غضب** خدا کا غضب پر غضب لے کر

www.alahazratnetwork.org

لوٹے گویا یہ لوگ بازار عمل میں خریداری کرنے لگے لیکن اپنی حماقت سے اصلی رقم بھی ہاتھ سے کھو آئے اور بجائے سامان کے غضب الٰہی لے کر آئے۔ خیال رہے کہ اس سے دو غضب مراد نہیں بلکہ قسم قسم کے بیشمار غضب۔ جیسے کہا جاتا ہے نور علی نور یا اردو میں بولتے ہیں کہ فلاں کے پاس مال پر مال آرہا ہے۔ یعنی بیشمار مال۔ بات یہ ہے کہ ان یہودیوں نے چار قسم کے کفر کئے۔ (1) اپنی کتاب کو بدل دیا اور کیوں صرف اسی حسد سے (2) قرآن کو پہچان کر انکار کیا (3) اللہ کے انتخاب سے ناراض ہوئے کہ فلاں کو نبی کیوں بنایا ہمیں کیوں نہ بنایا۔ (4) نااہل کو اہل اور اہل کو نااہل سمجھا۔ یعنی ہم خواہ کتنے ہی نالائق ہیں۔ مگر نبوت کے ٹھیکیدار اور بنی اسماعیل میں خواہ کتنے ہی علمی اور عملی کمالات ہوں مگر نبوت کے لائق نہیں کیونکہ وہ ہم سے نہیں اور ان میں سے ہر کفر صدہا غضبوں کا ذریعہ ہے۔ لہذا وہ بیشمار غضب لے کر لوٹے اب جب کہ وہ غضب الٰہی کی گٹھریاں اٹھائے ہوئے ہیں پھر کس منہ سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے پیارے ہیں اور ہمیں چند روز عذاب ہوگا۔ حق یہ ہے **وللکفرین عذاب مھین** عام کافروں کے لئے یا خاص ان کافروں کے لئے اہانت اور ذلت والا عذاب ہے۔ مہین ہون سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ہلکا پن۔ آسان کام کو اسی لئے **ھین** کہتے ہیں کہ اس کا ذکر آسان ہے۔ ذلت اور رسوائی کو اسی لئے اہانت یا توہین کہتے ہیں کہ اس سے آدمی ہلکا ہو جاتا ہے۔ یعنی کافروں کو ذلیل اور ہلکا کرنے والا عذاب ہے۔

خلاصہ تفسیر : یہود نے قرآن اور صاحب قرآن کا انکار کیا کہ کیوں خدا تعالیٰ جس پر چاہے اپنے فضل سے وحی اتار دیتا ہے اور ہمارے خاندان کے لئے نبوت کو خاص کیوں نہیں فرمایا۔ ان بے وقوفوں نے وہ تجارت کی جس میں بجائے نفع کے غضب الٰہی کمایا یہ تاجر ہیں۔ ان کی جان اصل پونجی ہے اور ان کی بدعملیاں وہ مال کہ جو اپنی قیمتی عمریں خرچ کر کے حاصل کر رہے ہیں انہوں نے اپنی جانیں دے کر جو کچھ خریدا وہ یہ تھا کہ خدا کے پیغمبر کا ضد اور عناد سے انکار کیا۔ لہذا ان کا یہ سودا بہت ہی برا ہے یا یوں سمجھو کہ ان کی جانیں رب تعالیٰ کے یہاں رہن اور قید تھیں اور ان سے کہا گیا تھا کہ تم نے ہماری نعمتوں کے عوض اپنی جانیں گروی کر دی ہیں۔ اب نیک اعمال کر کے چھڑا لینا۔ انہوں نے یہ تو نہ کیا بلکہ اس کے لئے لونڈی چال چلے کہ کفر پر کفر کئے۔ جس سے کہ یہ بجائے چھوٹنے کے اور زیادہ گرفتار اور مستحق غضب قہار ہو گئے اور اپنے اس معاملہ میں بڑے برے رہے یا یوں سمجھو کہ انہیں نبی آخر الزماں کے تشریف لانے سے پیشتر ایمان حاصل تھا۔ ان کو مانتے تھے لیکن ان کے تشریف لانے پر انہوں نے الٹا بیوپار کیا کہ کفر کے عوض ایمان فروخت کر ڈالا۔ لہذا اس بازار سے بجائے نفع کے غضب اور قہر کے پشتارے اپنی پیٹھ پر باندھے ہوئے واپس آئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حسد ایسی بری بلا ہے جو خود حاسد کو کھاتی ہے۔ محسود کا کچھ نہیں بگاڑتی۔ اس سے حاسد کی تندرستی خراب ایمان برباد اور دل سیاہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ محسود تو آرام سے سوتا ہے۔ مگر یہ بیچارا حسد کی آگ میں جل کر اپنا عیش و آرام کھوتا ہے اور خون کے آنسوؤں سے منہ دھوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں کنی بر بے حسد مکر و حسد ... زاں حسد دل را سیاہی ہا رسد
خاک شو مرداں حق را زیر پا ... خاک بر سر کن حسد را ہم چو ما

یعنی حسد پر خاک ڈالو اور اللہ والوں کی پیروی کی خاک بن جاؤ۔ ورنہ خیال رکھو کہ حسد تمہارے قلب کو بہت سیاہ کر دے

www.alahazratnetwork.org

گی۔ حاسد کوئی ترقی نہیں کر سکتا کیونکہ اس کو جلن سے فرصت نہیں وہ ترقی کے ذریعے کب سوچے گا۔

مسئلہ : حسد اور غبطہ میں فرق ہے دوسرے کا زوال چاہنا حسد ہے اور دوسرے کی طرح اپنے لئے بھی کمال چاہنا غبطہ ہے۔ حسد بہر حال حرام ہے اور غبطہ دینی باتوں میں جائز دنیاوی باتوں میں حرام ہے۔ ہم کسی کو نیک کام کرتے ہوئے دیکھ کر خود نیک کام کرنے لگیں۔ یا اس کی تمنا کریں یہ عین ثواب ہے۔ صحابہ کرام نیکیوں میں ایک دوسرے پر بڑھنے کی کوشش کرتے تھے۔

دوسرا فائدہ: نبوت بلکہ ولایت محض اللہ کے فضل سے ملتی ہے نہ کہ اپنے کمال سے کیوں کہ یہاں وحی کو فضل فرمایا گیا۔ آدم و عیسیٰ علیہم السلام پیدا ہوتے ہی نبی تھے۔ ہمارے نبی علیہ السلام پہلے سے نبی تھے۔ معلوم ہوا کہ نبوت کمال پر موقوف نہیں۔

تیسرا فائدہ: اللہ کا کرم کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں۔ وہ فاعل مختار ہے۔ جس کو چاہے اپنے فضل سے نوازے۔ اسی قوم پرستی سے یہودی تباہ ہوئے اور اسی خاندان پرستی نے بہت سے مسلمانوں کو برباد کر دیا۔ **چوتھا فائدہ:** رافضی بھی انہیں یہودیوں کی طرح ہیں کہ انہوں نے نبوت کو بنی اسرائیل سے خاص مانا اور انہوں نے خلافت کو بارہ اماموں میں منحصر کر دیا۔ **پانچواں فائدہ:** اہانت کا عذاب صرف کفار ہی کو ہو گا۔ گنہگار مسلمانوں کے لئے درحقیقت وہ عذاب پاک کرنے کا ذریعہ ہے جیسے کہ مہربان باپ اپنے بیٹے کو سزا دے یا اس کا ختنہ حجامت اور حمام کرائے اور یہ کیوں نہ ہو رب کا فیصلہ ہے **وللہ العزۃ ولرسولہ وللمؤمنین** گنہگار بھی مومن ہی ہے دوزخ میں جانا اس کے لئے عزت ہے کہ یہ پاکی کا ذریعہ ہے **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے نبیوں اور ساری کتابوں کا انکار ہے۔ دیکھو ان اسرائیلیوں نے حضور کا انکار کیا تو رب نے فرمایا **ان یکفروا بما انزل اللہ۔ ما انزل** میں سارے نبی ان کی کتابیں ان کے معجزات سب داخل ہیں اس کی وجہ ظاہر ہے کیونکہ ساری کتابوں سارے نبیوں نے حضور کی خبر دی۔ انہوں نے حضور کا انکار کیا تو یقیناً ان سب نبیوں کتابوں کو جھٹلایا۔

پہلا اعتراض : غضب ایک مغلوبی حالت کا نام ہے۔ جو بری چیز دیکھ کر خون کے جوش کھا جانے سے پیدا ہوتی ہے۔ خدا کی ذات اس سے پاک ہونی چاہئے۔ **جواب:** حق تعالیٰ کے لئے یہ معنی محال ہیں یہاں ارادہ عذاب مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض:** نبوت کی خواہش عبادت ہے یہود نے یہی تو کیا تھا وہ عذاب کے مستحق کیوں ہو گئے؟ ہر شخص فضل الٰہی حاصل کرنا چاہتا ہے **جواب:** بیشک تمنا نبوت بہتر لیکن نبی سے حسد بدترین گناہ مال سے محبت کرنا جائز مگر مالدار کی چوری یا اسے قتل کرنا حرام۔

تفسیر صوفیانہ : رب نے انسانوں کو تاجر فرمایا ہے۔ تاجروں کا قاعدہ ہے کہ خوردہ فروش تھوک فروشوں سے خریدتے ہیں۔ وہ بڑی منڈیوں سے اور منڈی والے بڑی ولایت سے مال منگواتے ہیں۔ بڑی ولایت والے خود بناتے ہیں۔ اچھے سودوں کی دکانیں علیحدہ ہوتی ہیں۔ بروں کی علیحدہ۔ شراب کی دکانیں اور ہیں تسبیح و مصلے کی دکانیں اور ہم لوگ خوردہ والے ہیں۔ اپنے مشائخ سے اچھے اعمال خریدتے ہیں برے یاروں سے برے عمل پھر مشائخ کا سلسلہ تجارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہنچتا ہے جو ان اعمال کا ٹکسال ہے اور برے اعمال کا سلسلہ ابلیس تک جہاں پر بد عملیاں بنتی ہیں نیز ہر دوکان کے سودے خریداروں سے معلوم ہوتے ہیں مریضوں کا ہجوم دواخانہ پر ہوتا ہے۔ طلباء کا مجمع اسٹیشنری کی دوکانوں پر حضور کی دوکان پر نمازیوں غازیوں صحابیوں درد مندوں کی بھیڑ ہے۔ ابلیس کی دوکان پر بد معاشوں کا ہجوم۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ان لوگوں نے شیطانی دکان سے کفر خریدا تجربہ سے ثابت ہے کہ کسی پر رحمت دوسرے کے واسطے زحمت بن جاتی ہے بارش بعض

www.alahazratnetwork.org

درختوں کے واسطے رحمت ہے اور بعض کے لئے زحمت نبوت اور ولایت کا بھی یہی حال ہے کہ یہ بھی اپنے امتیوں کے واسطے رحمت ہے اور حاسدین کے واسطے زحمت بلکہ حق یہ ہے کہ حسد بھی حاسد کے لئے زحمت اور محسود کے واسطے رحمت ہے کہ اس سے اس کے درجے بڑھتے ہیں۔ بغیر حاسد اور دشمنوں کے کوئی ترقی نہیں کر سکتا۔ رب تعالیٰ نے جمال کا جلال کے ساتھ اور نور کا ظلمت کے ساتھ اور رحمت کا زحمت کے ساتھ جوڑا بنایا ہے گلزار مصطفیٰ کے ساتھ ابوجہل بھی ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

دریں چمن گل بے خار کس نہ چید آرے　　چراغ مصطفوی باشرار بولہبیت

مولانا روم کے استاد شیخ صلاح زرکوب فرماتے ہیں کہ مجھے رب نے آسمان گرانے کی قدرت دی ہے اگر میں چاہوں تو اللہ کے فضل سے سارے حاسدوں کو تباہ کردوں لیکن ہم فقراء کے لئے صبر بہتر ہے۔ (تفسیر روح البیان)

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ

اور جب کہا جائے واسطے ان کے ایمان لے آؤ ساتھ اس کے جو اتاری اللہ نے تو وہ کہتے ہیں کہ ایمان لاتے ہیں ہم

اور جب ان سے کہا جائے کہ اللہ کے اتارے پر ایمان لاؤ تو کہتے ہیں وہ جو ہم پر اترا اسی پر ایمان لاتے ہیں

اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا

ساتھ اس کے جو اتاری گئی اوپر ہمارے اور انکار کرتے ہیں وہ ساتھ اسکے جو سوا اسکے ہے حالانکہ وہ حق ہے تصدیق کرنیوالا

اور باقی سے منکر ہوتے ہیں حالانکہ وہ حق ہے ان کے پاس والے کی

لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ

واسطے اس کے جو ساتھ ہے انکے فرمادو تم پس کس واسطے قتل کرتے رہے تم پیغمبروں کو اللہ کے اس سے پہلے

تصدیق فرماتا ہوا تم فرمادو کہ پہلے اللہ کے نبیوں کو کیوں شہید کیا اس سے پہلے اگر تمہیں

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ

اگر تھے تم ایمان والے　　اور البتہ تحقیق لائے تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیوں کو

اپنی کتاب پر ایمان تھا　　اور بے شک تمہارے پاس موسیٰ کھلی نشانیاں لے کر تشریف لائے

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۞

پھر بنا لیا تم نے بچھڑے کو پیچھے ان کے اور تم تھے ظالم

پھر تم نے اس کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظالم تھے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ بھی یہودیوں کے ان عیوب کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ان کی مایوسی ایمان کا باعث ہے یعنی اے مسلمانوں تم ان کے ایمان کی کیسے امید کرتے ہو وہ پہلے ہی سے فیصلہ کر چکے ہیں اپنی ہی مانیں گے اور کی نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ یہودی اپنے کو نبوت کا ٹھیکیدار سمجھ کر حضور کی نبوت کے صرف حسد سے منکر ہیں چونکہ حسد ایک اندرونی عیب ہے اس لئے اب اس کا ثبوت ان کے قول سے دیا جا رہا ہے تو گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اور اس میں اس کی دلیل۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہودی غضب پر غضب لے کر لوٹے اب ان غضبوں کے اسباب بیان ہو رہے ہیں۔

تفسیر : **واذا قیل لھم** اس قول کے کہنے والے صحابہ کرام ہیں اور **ھم** کا مرجع مدینہ کے یہودی یعنی جب صحابہ کرام کی طرف سے یہود مدینہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ **امنوا بما انزل اللہ** ایمان لے آؤ۔ ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے اتاریں۔ اس جگہ **ما** عموم کے لئے ہے۔ کیونکہ بعض آسمانی کتابوں پر تو ان کا ایمان تھا اگر یہاں **ما** سے مطلق آسمانی کتابیں مراد ہوں تو یہ کلام بیکار ہو گا کیونکہ مطلق ایک فرد سے بھی پایا جاتا ہے نیز یہودیوں نے اس کے جواب میں توریت پر ایمان کا ذکر کیا تو اگر یہ **ما** عموم کے واسطے نہ ہوتا تو ان کا کلام اس کا رد نہ بنتا بلکہ اقرار۔ اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ اے یہودیو تم میں اور خالق میں بندگی اور ربوبیت کا تعلق ہے اور بندہ پر واجب ہے کہ اپنے مالک کا ہر حکم مانے خواہ کسی ذریعے سے آئے اور کسی پر آئے چونکہ قرآن وغیرہ بھی اسی کی کتابیں ہیں۔ جس کام کو بھی یقین ہو چکا لہٰذا اسی قاعدہ سے سب پر ہی ایمان لے آؤ۔ تم نے توریت کو اس لئے نہ مانا تھا کہ یہ موسیٰ علیہ السلام پر آئی بلکہ اس لئے کہ وہ رب کی طرف سے آئی اور یہ بات تو تمامی کتابوں میں موجود ہے۔ تو سب کو ہی مان لو۔ ان بیوقوفوں نے اس مدلل فصیح و بلیغ کلام کے جواب میں **قالوا نؤمن** کہا کہ ہم تو ایمان لائے ہیں۔ صرف **بما انزل علینا** ان کتابوں پر جو ہم پر اتاری گئی یعنی جو ہماری جماعت کے انبیاء حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ پر کتابیں اور صحیفے اترے وہ تو ہم مانتے ہیں اور مانتے رہیں گے چونکہ نبی پر کتاب آنا گویا ساری امت پر آنا ہے۔ یا اپنے خاندانی بزرگوں کی چیز خود اپنی ہوتی ہے اس لئے انہوں نے **علینا** کہا حالانکہ توریت ان سب پر نہ اتری تھی۔ **ویکفرون بما وراء**' یہ رب کا کلام ہے جو کہ یہودیوں کے کلام کی شرح کر رہا ہے۔ یہودیوں نے صرف یہ کہا تھا کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور دوسری کتابوں کے کفر کا ذکر نہ کیا تھا قرآن کریم نے فرمایا کہ ان کا مطلب یہ ہے کہ ان کتابوں کے سوا باقی کا انکار کرتے ہیں کیونکہ عام کے جواب میں خاص بولنے سے باقی کا انکار ہوتا ہے۔ جیسے کہ بادشاہ کہے کہ سب کو یہ چیز تقسیم کر دو۔ دوسرا جواب دے کہ میں تو پٹھانوں کو دوں گا تو اس کا مطلب یہ ہی ہو گا کہ پٹھان کے سوا اوروں کو نہ دوں گا۔ **وھو الحق** یہ ان کی نہایت نفیس تردید ہے کہ وہ تو اس کا انکار کر رہے ہیں حالانکہ یہ حق ہے اور حق کا انکار باطل ہی ہوتا ہے لہٰذا وہ باطل پر ہیں۔ لطف یہ ہے کہ قرآن وغیرہ **مصدقا" لما معھم** ان کی کتاب کو سچا کرنے والا ہے کہ اگر یہ نہ آتا تو توریت غلط ثابت ہوتی کہ اس نے اس کے آنے کی خبر دی تھی لہٰذا توریت کا ماننا قرآن کے ماننے پر موقوف ہے اور اس کا انکار توریت شریف کا انکار ہے۔ یہاں تک تو نہایت لطیف طریقہ سے سمجھایا گیا کہ یہ لوگ توریت کے بھی منکر ہیں۔ اب نہایت واضح طور پر بات ثابت کی جا رہی ہے کہ **قل** اے نبی علیہ السلام ان کی سرزنش یا ان کے قول و فعل میں فرق دکھانے کے لئے ان سے یہ تو فرما دو کہ اگر تم واقعی توریت کے ماننے والے ہو تو

www.alahazratnetwork.org

فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل تم نے اس سے پہلے اللہ کے نبیوں کو قتل کیوں کیا۔ جیسے حضرت شعیا، زکریا، یحییٰ علیہم السلام توریت میں تو انبیاء کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا نہ کہ ان کے قتل کا خیال رہے کہ **تقتلون** ماضی کی حکایت ہے جو صیغہ حال سے کردی گئی اس کی حکمت انشاء اللہ اعتراض و جواب میں بتائی جائے گی **ان کنتم مؤمنین** اس شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم توریت کے مومن تھے تو تم نے یہ حرکتیں کیوں کیں۔ اس الزام کے جواب میں شاید وہ کہہ دیتے کہ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ گزر چکا تھا اور ہم ان کی تعلیم بھول چکے تھے اس لئے ایسی خطا ہو گئی۔ لہٰذا اب دوسرا واقعہ سنا کر بتایا جا رہا ہے کہ تم نے خاص موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں کفر و عناد میں کون سی کمی کی۔ اس زمانہ میں تو تم نے اس سے بھی بڑھ چڑھ کر کفر کئے کہ **ولقد جاء کم موسی بالبینت** تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام ایک نہیں بلکہ بہت سے کھلے ہوئے معجزات لائے عصا تم نے دیکھا ید بیضا کی تم نے زیارت کی دریا چڑھتے۔ فرعون کو ڈوبتے اپنے کو اترتے تم نے دیکھا یہ سب کچھ دیکھنے کے باوجود **ثم اتخذتم العجل** پھر بھی تم نے اس بے عقل بچھڑے کو معبود بنایا جو تمہارے ہاتھوں ڈھلا اور بنا حالانکہ ابھی موسیٰ علیہ السلام نے وفات نہ پائی تھی۔ بلکہ **من بعدہ** صرف انہوں نے تم سے پیٹھ ہی پھیری تھی کہ توریت لینے طور پر گئے تھے اور تم نے یہ غضب ڈھایا۔ خیال رہے کہ یہاں **ثم** صرف رتبے کی تراخی کے لئے ہے نہ کہ تراخی زمانی کے لئے۔ کیونکہ ان کی گائے پرستی اس وقت ہوئی نہ کہ کچھ دنوں بعد اور پھر اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ شریعت موسوی منسوخ ہو چکی تھی یا موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے تھے بلکہ صرف اس لئے کہ **وانتم ظلمون** تم جنم کے عادی ظالم ہو کہ تمہاری خمیر اور تخم میں ظلم اور کفر ہے۔

خلاصہ تفسیر : مسلمانوں کی طرف سے یہود مدینہ سے نہایت مدلل طریقے سے کہا گیا کہ ان کو نہایت نفیس طریقے سے دعوت ایمان دی گئی کہ اے یہودیو! جس طرح تم نے توریت کو مانا ہے۔ اسی طرح انجیل و قرآن کو بھی مانو کیونکہ وجہ ایمان ان سب میں ایک ہی ہے انہوں نے یہاں سے کہا کہ ہم تو اس کو مانیں گے جو ہم بنی اسرائیل پر اتری رب تعالیٰ نے ان کے کلام کی شرح فرمائی کہ اے مسلمانو ان کا مطلب یہ ہے کہ اس کے ماسوا کسی کتاب کو نہ مانیں گے۔ پھر ان کی چار طریقہ سے تردید فرمائی گئی۔ اولا" یہ کہ قرآن حق ہے جس کا یہ بھی اقرار کرتے ہیں لہٰذا ان کا انکار باطل۔ دوسرے یہ کہ قرآن توریت کو سچا کرنے والا ہے۔ کیونکہ توریت میں اس کے آنے کی خبر تھی لہٰذا اس کا انکار توریت ہی کا انکار ہے۔ تیسرے یہ کہ تمہارے گذشتہ اعمال تمہارے دعوے کو توڑتے ہیں کہ توریت میں انبیاء کرام کی اطاعت کا حکم تھا تم نے انہیں قتل کیا اب بتاؤ تمہارا ایمان کیا رہا۔ نیز تم نے صاحب توریت علیہ السلام کی موجودگی میں ان کے غائب ہوتے ہی بدتر شرک کر ڈالا معلوم ہوا کہ تم ہمیشہ سے ہی ظالم ہو یہ انکار بھی اسی وجہ سے ہے ان آیات کے مضمون سے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ لگا کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف میں ہی دین بدلنے کی کوشش کی کہ شرک میں مبتلا ہو گئے مگر اصحاب رسول اللہ نے حضور کے بعد وفات دین کو وہ رونق دی کہ سبحان اللہ بکھرے قرآن کو جمع کیا احادیث کو لوگوں تک پہنچایا مسیلمہ کذاب اور مانعین زکوۃ کا فتنہ ختم کیا۔ تمام عالم میں اسلام پھیلایا غرضیکہ بنی اسرائیل یہودیت مٹانے والے تھے اور حضور کے اصحاب دین پھیلانے والے جیسے حضور تمام نبیوں کے سردار ہیں ویسے ہی حضور کے صحابہ تمام اصحاب انبیاء کرام کے سردار رضی اللہ عنہم۔

دوسری تفسیر : جب یہود سے کہا جاتا کہ تم ساری کتابوں پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے کہ چونکہ ہم توریت کے ماننے والے ہیں اس

www.alahazratnetwork.org

لئے قرآن کے صرف اس حصہ کو مانیں گے جو اس کے موافق ہے یعنی اس کے خلاف مضمون کو ہرگز نہ مانیں گے۔ اس کی تردید میں ارشاد ہوا کہ یہ مضمون بھی حق ہے اور اس تنخ میں بھی توریت کی تصدیق ہے کہ توریت نے اس تنخ کی خبر دی تھی اور اگر تم توریت کی حمایت میں اس کے ناسخ قرآن کو نہیں مانتے اور نبی آخر الزمان میں یہ عیب نکالتے ہو کہ یہ توریت کے منسوخ کرنے والے ہیں اس لئے ہم ان کو نہیں مانتے تو بتاؤ کہ ان سے پہلے جو پیغمبر توریت کی اشاعت و حمایت کرنے کے لئے آئے انہیں تم نے کیوں قتل کیا وہ تو ناسخ نہ تھے بلکہ حامی تھے۔ نیز موسیٰ علیہ السلام تو خود توریت لانے والے ہیں۔ تم نے ان کی موجودگی میں بت پرستی کیوں کی یہ تمہارے صرف بہانے ہیں انکار کی وجہ صرف یہ ہے کہ تم جدی اور موروثی ظالم ہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار سے مناظرہ کرنا سنت قرآنی ہے۔ دوسرا فائدہ: بے دینوں سے دین میں جھگڑا کرنا اور مناظرہ میں نقض وارد کرنا' مقابل کو الزامی جواب دینا طریقہ انبیاء ہے۔ تیسرا فائدہ: بعض انبیاء پر ایمان اور بعض کا انکار بالکل غلط بلکہ محال ہے۔ کیونکہ ہر نبی سب کی تصدیق فرماتے ہیں۔ ایک کا بھی انکار اس تصدیق کا انکار ہے۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم سچے اور ان کا قرآن حق ہے اب جو قرآن کا انکار کرتا ہے وہ موسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان کا منکر ہے۔

مسئلہ : یہی حال صحابہ کرام اور اہل بیت کا ہے کہ ان میں سے ایک کا انکار دوسرے کا انکار ہے۔ مثلاً صدیق اکبر کا اگر انکار کر دیا جائے تو قرآن شریف غلط ٹھہرا کیونکہ اس کے جمع کرنے والے وہی ہیں اور پھر اہل بیت کے فضائل کی حدیثیں بھی غلط ہوئیں کیونکہ یا تو وہ صدیق اکبر سے مروی ہیں یا ان کے معتقدین سے۔ جب دونوں راستے بند ہو گئے تو اہل بیت کے ماننے کا اور پہچاننے کا کون سا ذریعہ رہا۔ نیز سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اپنی تقریر اور تحریر میں ان کے فضائل بیان کئے دیکھو نہج البلاغہ (خطبات علی المرتضیٰ) لہٰذا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار سیدنا علی المرتضیٰ کے ان فرمانوں کا انکار ہے۔

سارے اصحاب نبی کا ہے جو دل سے معتقد ماننے والا وہ ہی ہے حیدر کرار کا

اسی لئے رافضیوں نے مولا علی میں تقیہ (منافقت) مانا کہ جو کچھ انہوں نے ابوبکر و عمر کے فضائل فرمائے یا ان کی خلافت کا اقرار کیا ان سے بیعت کی یہ دل سے نہیں محض منافقانہ چال تھی۔ معاذ اللہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کربلا میں سخت تکلیف کے باوجود تقیہ نہ کیا اب جو رافضی حضرات خلفاء ثلثہ میں عیب لگائے اس سے پوچھو کہ ان عیوب کی حضرت علی مرتضیٰ کو خبر نہ تھی تمہیں چودہ سو برس کے بعد خبر لگی۔ اگر تھی تو انہوں نے دست بیعت دراز کر کے ان حضرات کی خلافت کو کیوں تسلیم کر لیا اور ان کے نذرانہ وغیرہ کیوں قبول فرمائے۔ خیال رہے کہ بنی اسرائیل نفسانی طور پر یا اپنا دین مٹانے کے لئے آپس میں لڑے بھڑے مگر حضور کے اصحاب دین کی خاطر لڑے۔ دین مٹانے کو آپس میں نہیں لڑے ان کی آپس کی جنگیں کفر و اسلام یا عداوت یا نفسانیت کے لئے نہ تھیں بلکہ ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے متعلق یہ خیال تھا کہ وہ دینی غلطی کر رہا ہے اس لئے لڑے اس لئے رب نے قرآن کریم میں کہیں ان کی برائی نہ کی تعریف ہی کی۔ چوتھا فائدہ: انبیاء کرام کی مخالفت' انہیں قتل کرنا یا ایذا پہنچانا کفر ہے دیکھو بنی اسرائیل نے دعویٰ کیا تھا قرآن کریم نے ان کا یہ جرم (قتل انبیاء) دکھا کر انہیں جھٹلایا اور ان کا کفر ثابت کیا۔ پانچواں فائدہ: کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔ دیکھو موجودہ بنی اسرائیل نے انبیاء کرام کو قتل نہ کیا

www.alahazratnetwork.org

تھا محض اس سے راضی تھے قرآن کریم نے ان سے فرمایا تقتلون تم قتل کرتے ہو۔

مسئلہ : دیوبندیوں کے چند سردار حضور علیہ السلام کی توہین کرکے کافر ہوئے۔ اب جو بھی ان لوگوں کی حمایت کرے وہ اسی قاعدے سے ان جیسا کافر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** ایمانیات میں اپنی طرف سے قید لگانا خدا کا انکار اور اپنے خدا ہونے کا اقرار ہے اس کا ایمان رب پر نہیں اپنے پر ہے کہ رب کی بات صحیح نہیں۔ میری بات صحیح ہے۔ یہودیوں کو حکم تھا کہ جو اللہ نے اتارا اس پر ایمان لاؤ۔ انہوں نے کہا نہیں بلکہ جو کچھ اللہ نے ہم پر اتارا۔ اس پر ایمان لائیں گے۔ انہوں نے (ہم پر) یہ قید اپنی طرف سے لگائی۔ جس سے وہ رب کے منکر ہو کر کافر ہے۔

مسئلہ : روافض حضور علیہ السلام یا اہل بیت کو نہیں مانتے بلکہ صرف اپنے اس فہرست بنانے والے کو مانتے ہیں۔ جس نے انہیں بارہ اماموں کی فہرست بنا کر دے دی کہ ان کے علاوہ گالیاں دو ورنہ کیا وجہ ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی بیٹی حضرت فاطمہ کو مانیں۔ باقی بیٹیوں رقیہ کلثوم اور زینب کو گالیاں دیں پھر حضور کے ایک داماد حضرت علی کو مانیں اور دو دامادوں حضرت عثمان اور ابو العاص کو گالیاں دیں۔ پھر حضرت فاطمہ کے دو بیٹوں یعنی امام حسن و حسین کو تو مانیں اور باقی بیٹوں یعنی محمد ابن حنیفہ اور ابو بکر و عمر (سیدنا علی کے بیٹے) کو گالیاں دیں۔ پھر حضرت فاطمہ کے دو بیٹوں یعنی امام حسن و حسین کو تو مانیں اور ان کی بیٹی ام کلثوم کو گالیاں دیں۔ اس لئے کہ وہ حضرت عمر کے نکاح میں تھیں۔ اگر نبی یا اہل بیت پر ایمان ہوتا تو ان کی اولاد تو کیا ان کے غلاموں بلکہ گلی کے کتوں سے بھی محبت ہوتی۔

پہلا اعتراض : تقتلون سے زمانہ حال معلوم ہوتا ہے اور من قبل سے ماضی یہاں چاہیے تھا۔ قتلتم کیونکہ یہ واقعہ پہلے ہو چکا تھا۔ **جواب:** لازمی صفت صیغہ حال سے بیان کردی جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر) نیز یہاں تقتلون سے مراد ترضون ہے یعنی تم اپنے بڑوں کے قتل سے راضی ہوتے ہو۔ چونکہ رضائے جرم اور جرم ایک ہی حکم میں ہیں۔ اس لئے رضا کو قتل فرمادیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** بچھڑے کی پوجا توریت ملنے سے پہلے ہوئی تھی پھر اس کو توریت کی انکار کی دلیل کیوں بنایا گیا۔ **جواب** : چونکہ یہ توحید کی ہی مخالفت ہے نیز پیغمبر اور کتاب کی مخالفت یکساں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : صورت سے سیرت قالب سے قلب قال سے حال اور اعمال سے کمال کا پتہ چلتا ہے۔ جن کا قلب درست ہو گا۔ انشاء اللہ اس کی ساری چیزیں درست ہوں گی۔ جس شخص کے اعمال اس کے دعوی کے مطابق نہ ہوں۔ وہ دعوی میں جھوٹا ہے اس آیت کریمہ میں یہودیوں کے قول و فعل سے ان کی بے ایمانی کا ثبوت دیا گیا۔ نیز جو شخص کہ بارگاہ مصطفی علیہ السلام کا نکالا ہوا ہو کہیں سرخرو نہیں ہو سکتا جیسا کہ ان یہودیوں کا حال ہوا۔ اسی طرح جو شخص کسی ولی اللہ کے عتاب میں آ جائے وہ ہر جگہ سے دھتکارا ہی جائے گا۔ بعض بیوقوف مرید یہ سمجھتے ہیں کہ اپنے سلسلہ کے مشائخ کو مانیں باقی سے کوئی تعلق نہ رکھو۔ وہ بے عقل مشرب تصوف میں ان یہودیوں کی طرح ہیں۔ جنہوں نے کہا تھا کہ ہم اپنے پر اتری ہوئی کتاب کے مومن ہیں۔ وہ تو ایمان سے محروم رہے اور جھوٹا مرید عرفان سے محروم ہے۔ معرفت حاصل کرنے کے لئے ہر ولی کے زیر سایہ رہنا ضروری ہے ہاں یہ بات ضرور ہے جہاں سے فیض ملے تو یوں سمجھے کہ میرے مرشد کا فیض ہے۔ جو اس دروازہ سے مل رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ

اور جب کرلیا ہم نے عہد تمہارا اور اٹھایا ہم نے اوپر تمہارے طور کو تو تم وہ جو

اور یاد کرو جب ہم نے تم سے پیمان لیا اور طور کو تمہارے سروں پر بلند کیا لو جو

اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ق

دیا ہم نے تم کو ساتھ طاقت کے اور سنو تم کہا انہوں نے سنا ہم نے اور نافرمانی کی ہم نے

ہم تمہیں دیتے ہیں زور سے اور سنو تم بولے ہم نے سنا اور نہ مانا

وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ

اور پلا دیئے گئے وہ بیچ دلوں اپنے کے بچھڑا بوجہ کفر کے ان کے تم فرما دو بری ہے

اور ان کے دلوں میں بچھڑا رچ رہا ہے ان کے کفر کے سبب تم فرما دو کیا برا حکم

بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۞

وہ چیز کہ حکم کرتا ہے تم کو ساتھ اس کے ایمان تمہارا اگر ہو تم ایمان والے

ہے دیتا ہے تم کو تمہارا ایمان اگر ایمان رکھتے ہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کی بد عملیوں سے ثابت کیا گیا تھا کہ وہ توریت کے منکر ہیں۔ اب اس سے ترقی کر کے خود توریت قبول کرتے وقت کی حالت سے ان کی بے ایمانی ثابت کی جارہی ہے کہ تم لوگ توریت لیتے ہی کہاں تھے خوف کی وجہ سے چاروناچار صرف زبانی قبول کرلی تھی۔ **دوسرا تعلق**: اس سے پہلے یہودیوں کے اس دعوے کی تردید میں کہ ہم اپنے دین پر مضبوطی سے قائم ہیں اور ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ان پر لعنت کے پردے ہیں۔ اس دعوے کے ترتیب وار تین ثبوت دیئے جو کہ ایک دوسرے سے اعلیٰ ہیں ایک یہ کہ تم نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے ان کی دعائیں مانگتے تھے اور ان سے وسیلہ کرتے تھے اور جب وہ بنی اسمٰعیل میں سے تشریف لائے تو تم حسد سے ان کے منکر ہو گئے۔ یہ تعصب ہے دوسرے یہ کہ تمہارا یہ خیال ہے کہ توریت کے سوا کسی اور بچی بات کو بھی نہ مانیں گے۔ یہ بھی تعصب ہے اس وجہ سے تم نے توریت کے حامی نبیوں کو بھی قتل کر ڈالا۔ اب اس آیت میں تیسرا ثبوت دیا جارہا ہے کہ تم نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی اس توریت کو صحیح معنی میں نہ اختیار کیا اور یہی طریقہ مناظرہ کا ہے کہ دعویٰ کے چند ثبوت دیئے جائیں کہ ہر اگلا ثبوت پچھلے سے اعلیٰ ہو۔ **تیسرا تعلق**: اس سے پہلے فرمایا گیا تھا کہ تم اس قرآن کا انکار کر رہے ہو جو توریت کو سچا کرنے والا ہے اس سے توریت کا انکار لازم آئے گا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم توریت کے صراحۃً منکر ہو یعنی پہلے توریت کے انکار کا الزامی ثبوت دیا گیا تھا اور اب صریحی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ تم اپنے انبیاء بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام کے بھی متبع نہیں کہ تم نے ہمیشہ ان

www.alahazratnetwork.org

کی مخالفت کی اب بتایا جارہا ہے کہ تم توریت کے بھی معتقد نہیں کہ تم نے اسے نہ دل سے مانا تھانہ اب' چونکہ نبی کا ماننا کتاب کے ماننے پر مقدم ہے اور نبی کا انکار کتاب کا انکار ہے۔ اس لئے پہلے نبی کے انکار کا ذکر کیا پھر کتاب کے انکار کا۔

تفسیر : **واذا اخذنا میثاقکم** یہاں بھی وہی **اذکروا** فعل محذوف ہے۔ یعنی اے اسرائیلیو تم اس واقعہ کو بھی یاد کرو جب کہ ہم نے تم سے توریت پر عمل کرنے کا عہد لیا تھا اور تم نے اس سے صاف انکار کر دیا تھا کہ ہم سے ان بھاری احکام پر عمل نہ ہو سکے گا۔ اس لئے **ورفعنا فوقکم الطور** ہم نے تم پر شامیانے کی طرح طور پہاڑ کھڑا کر دیا اگر تم بلا حیل وحجت پہلے ہی سے مان لیتے تو تم پر طور کیوں آتا۔ اس کا آنا ہی تمہارے انکار کی کھلی دلیل ہے اور طور اٹھا کر ہم نے کہا۔ **خذوا ما اتینکم بقوۃ** جو کچھ ہم نے تم کو دیا پورے زور سے لے لو۔ یعنی اس سخت احکام پر عمل کرو اور تکلیفیں برداشت کرو۔ **واسمعوا** اور تم ساری توریت پوری توجہ سے سنو تاکہ کوئی حکم ملنے سے نہ رہ جائے۔ خیال رہے کہ یا توریت کے لینے سے اس پر عمل کرنا مراد ہے اور سننے سے قبول کرنا اور چونکہ عمل مقصود ہے اور قبول اس کی شرط اس لئے سننے کا ذکر لینے کے بعد کیا گیا یا لینے سے اس کا ماننا مراد ہے اور سننے سے اطاعت کرنا اور ماننا اطاعت سے پہلے ہے۔ لہذا پہلے لینے کا ذکر کیا گیا اور بعد میں سننے کا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ لینے سے مراد ہو اس پر قبضہ کرنا اور پکڑنا اور سننے سے مراد ہو۔ عمل کے لئے پڑھوا کر سننا جیسا کہ کوئی کتاب پہلے حاصل کرتے ہیں پھر پڑھوا کر سنتے ہیں یا لینے سے مراد ہو توریت میں عمل کرنا اور سننے سے موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے فرمانوں کا ماننا چاہئے تو یہ تھا کہ اس خوف کی حالت میں دل سے اطاعت کرتے مگر **قالوا** انہوں نے صرف منہ سے کہہ دیا **سمعنا** ہم نے سن تو لیا یہاں **قالوا** اور **سمعنا** فرمانے میں اس طرف باریک اشارہ ہے کہ ان کی یہ ساری باتیں فقط ظاہری تھیں۔ پہاڑ کے خوف سے کہہ رہے تھے کہ خیر مرتا کیا نہ کرتا سن لیا ہم نے مگر دل میں یہ تھا کہ **عصینا** جب چھوٹیں گے تب لوٹیں گے۔ جب اس خوف سے امن ملے گا تو موسیٰ ہم کریں گے تیری نافرمانی ہی معلوم ہوا کہ ان کے دل نہایت سخت تھے کہ ایسی خطرناک حالت میں بھی نرم نہ ہوئے۔ اس لئے کہ **فاشربوا** وہ پلا دیئے گئے تھے یا تو پلانے کے ظاہری معنی مراد ہیں یعنی جیسے کہ شراب معدہ میں پہنچ کر مست اور مخمور کر دیتی ہے ایسے ہی بچھڑے کی محبت کی شراب نے انہیں مخمور بنا دیا تھا۔ جس سے کہ وہ برے بھلے میں تمیز نہ کر سکے یا اس سے خلط کرنا مراد ہے جیسے کہ کپڑے کو رنگ میں غوطہ دے دیتے ہیں۔ جس سے اس کا تار تار رنگین ہو جاتا ہے اور رنگت اس کے رونگٹے رونگٹے میں سرایت کر جاتی ہے ایسے ہی ان کے دلوں کو بچھڑے کی محبت' بچھڑے کے رنگ میں ڈبو دیا گیا۔ جس سے کہ ان کے دل رنگ گئے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **اشربوا** سے رنگوں کی آپس کی آمیزش مراد ہو جیسے کہ عرب کہتے ہیں۔ **ثوب مشرب بحمرۃ** کپڑا مائل بہ سرخی ہے یعنی ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت کی جھلک تھی۔ غرض کہ اس کے تین معنی ہیں اور ہر معنی میں نیا لطف **فی قلوبھم** یہ **اشربوا** کا ظرف ہے یعنی اور شرابیں تو معدہ میں پہنچ کر دل و دماغ کو خراب کرتی ہیں اور یہ شراب خاص ان کے دل میں پہنچی جیسے کہ جب زمین پانی پیتی ہے تو اس سے قسم قسم کی سبزیاں پیدا ہوتی ہیں اسی طرح بچھڑے کی محبت کی شراب سے قسم قسم کی خراب حرکتیں ان سے ظاہر ہوئیں **العجل** یہاں حب محذوف ہے۔ یعنی گائے کی محبت سبحان اللہ کیا لطیف عبارت ہے بچھڑے کی محبت کو شراب قرار دیا اور یہودیوں کے دل کو اس کا جائے قیام اور ان کی ذات کو مظہر آثار یعنی یہ شراب ان کے دلوں میں پہنچی۔ جس سے وہ سرتاپا مخمور ہو گئے۔ یا بچھڑے کی محبت کو گہرا رنگ قرار

www.alahazratnetwork.org

دیا اور یہودیوں کے دلوں کو اس کا ظرف اور ان کی ذات کو اس کا مظہر یعنی بچھڑے کی محبت کے گہرے رنگ نے ان کے دلوں میں ایسا اثر کیا کہ وہ سرتاپا اس میں رنگ گئے اب جو کچھ ان کی حرکتیں تھیں یہ اس رنگ یا خمار کا اثر تھا۔ اصل عبارت یوں تھی **واشرب العجل فی قلوبھم** مگر اس طرح بیان کرنے میں عجیب سی نکات پیدا ہو گئے۔ یہ رنگ کیوں چڑھا **بکفرھم** ان کے پچھلے کفر کی وجہ سے یعنی ان کے دلوں پر اللہ کا رنگ نہ تھا۔ محبت نبی سے اگرچہ بہت حد تک منتقل ہوئی گئی تھی لیکن پھر بھی کفر کی ایک تہ باقی تھی وہ تھا کفر کی طرف میلان اسی لئے انہوں نے دریا سے نکلتے ہی موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ ہمارے لئے بھی ایک جسم والا خدا بنادو۔ اس میلان کفر کا نتیجہ یہ ہوا کہ موقعہ پاتے ہیں وہ بچھڑے کے پجاری بن گئے جیسے کہ بیمار میں کمزوری باقی ہو اور معمولی سردی گرمی پا کر پھر بیمار ہو جائے۔ تفسیر روح البیان نے یہ بھی فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس بچھڑے کی راکھ نہر میں پھنکوادی اور ان لوگوں نے جوش محبت میں وہ پانی پی لیا۔ جس کے اثر سے ان کے دل میں محبت باقی رہ گئی۔ اس صورت میں پلانے کے معنی بالکل ظاہر ہیں۔ **قل** اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجودہ یہودیوں کو یہ قصہ سنا کر ان سے یہ فرمادو۔ **بئسما یامرکم بہ ایمانکم** تمہارے دعویٰ کا ایمان تم سے بڑے برے کام کرالیتا ہے۔ کہنا تو یہ تھا کہ تمہارا ایمان بڑا برا ہے مگر فرمایا یہ کہ تمہارے ایمان نے جو تم سے بڑے برے کام کرالیتا ہے کہنا تو یہ تھا کہ تمہارا ایمان بڑا برا ہے مگر فرمایا یہ کہ تمہارے ایمان نے جو تم سے کام کرائے وہ بڑے برے ہیں تاکہ ان کے اعمال اور عقائد دونوں کی برائی بطور کنایہ بیان ہو جائے کہ بے ایمان تو کیا ایماندار کا ایمان اس سے ناشائستہ حرکتیں کراتا ہے رب نے ان کی بے ایمانی کو ایمان فرمایا ان کو ذلیل کرنے کے لئے جیسے کہ تھانیدار کسی چور سے کہے تو بڑا شریف ہے۔ تیری شرافت تجھ سے چوریاں کراتی ہے۔ **ان کنتم مؤمنین** اس شرط کی جزا محذوف ہے یعنی اگر تم توریت کے ماننے والے تھے تو تم سے یہ حرکتیں کیوں صادر ہوئیں معلوم ہوا کہ تم پہلے ہی سے توریت کے منکر ہو اب اپنے اس نئے کفر کے لئے توریت کو آڑ بنا رہے ہو۔

خلاصہ تفسیر : پہلے یہود کی بے دینی کے چند عملی ثبوت دیئے گئے۔ اب توریت کے قبول کرنے کا قصہ سنایا جا رہا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ توریت کے اول ہی سے منکر تھے فرمایا جا رہا ہے کہ اے یہودیو تم توریت کے ملنے کا وقت تو یاد کرو کہ جب تم نے توریت کے ملتے ہی انکار کر دیا اور اس کے منوانے کے لئے طور پہاڑ اکھیڑ کر تمہارے سروں پر شامیانے کی طرح کھڑا کر دیا گیا اور اس حالت میں تم سے کہا گیا کہ قبول کرو۔ اور سنو ورنہ پہاڑ گرتا ہے۔ تم نے یہ خطرہ دیکھ کر منہ سے تو کہہ دیا کہ سن لیا مگر دل تمہارے اس وقت یہی کہتے رہے کہ نافرمانی کریں گے چونکہ شریعت کا حکم ظاہر پر ہے اس لئے تمہارے اس کہہ دینے سے ہی پہاڑ ہٹا دیا گیا اور یہ کیوں نہ ہوتا تمہارے دل تو پہلے ہی سے بچھڑے کی محبت میں رنگے ہوئے تھے اور اس شراب سے مست و سرشار تھے یہ سب حرکتیں اس نشہ کی تھیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے فرمادو کہ اگر اسی کا نام ایمان ہے جو تم سے ایسی بری حرکتیں کرالیتا ہے تو اس ایمان کو دور سے سلام اگر تم مومن تھے تو تم سے یہ حرکتیں کیوں صادر ہوئیں اور جب تم نے توریت کو ہی اس مصیبت سے صرف زبانی مانا نہ کہ دل سے تو اگر آج قرآن کا انکار کرو تو کیا بعید ہے تمہارا یہ کفر و انکار توریت ملنے کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ اصل وجہ وہی ہے کہ تمہارے دلوں میں کفر کی محبت اب بھی موجود ہے اور اس محبت نے اس لئے زیادہ اثر کیا کہ پچھلے کفر کی وجہ سے تمہارے قلب کی زمین پہلے ہی ہموار ہو چکی تھی۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ڈر سے ایمان نہیں ملتا بلکہ فیضان الٰہی سے یہ یہودی اتنا بڑا خوف دیکھ کر بھی صحیح مومن نہ ہوئے۔ دوسرا فائدہ: شریعت کے احکام ظاہر پر ہیں نہ کہ فقط دل پر اسی لئے اسرائیلیوں نے جب منہ سے سمعنا کہہ دیا تو ان سے پہاڑ ہٹالیا گیا۔ تیسرا فائدہ: دنیوی ڈر اور خوف کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں اور اخروی ڈر اور خوف کا ایمان معتبر ہے۔ جو دوزخ کے ڈر یا جنت کے لالچ سے ایمان قبول کرے۔ عند اللہ معتبر اور جو دنیوی خوف سے ایمان لائے وہ غیر معتبر۔ چوتھا فائدہ: کفر کی طرف میلان کفر تک پہنچاتا ہے۔ جیسے کہ ان یہودیوں کا حال ہوا۔ پانچواں فائدہ: ان واقعات کو سن کر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اطاعت معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات نے اسلام کے احکام بخوشی قبول کئے اور اسلام کی وجہ سے مصیبتیں، ترک وطن و اولاد و جان کی قربانی خندہ پیشانی سے قبول کی۔ اولاً یہ حال تھا کہ مسلمان ہونا اپنے کو مصیبتوں اور ہلاکتوں میں ڈالنا ہوتا تھا ان بزرگوں نے سب کچھ قبول کیا مگر حضور کا ساتھ نہ چھوڑا۔ چھٹا فائدہ: اب بھی جو مسلمان قرآن کریم کو صرف کچہریوں میں اس کی جھوٹی قسمیں کھانے اور میت کے لئے ختم پڑھنے پر استعمال کرتے ہیں باقی عمل امریکہ و یورپ کے قوانین پر کرتے ہیں وہ بھی اسی سمعنا و عصینا پر عامل ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل سے جبراً توریت منوائی گئی حالانکہ دوسری جگہ فرمایا جارہا ہے **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر نہیں۔ جواب: اس کا پہلے جواب دیا جاچکا ہے کہ وہ لوگ ایمان تو پہلے لا چکے تھے اب توریت کو دیکھ کر مرتد ہو رہے ہیں اور ارتداد سے جبراً روکنا جائز ہے۔ یا اب وہ عمل سے انکار کر رہے تھے ان سے جبراً عمل کرایا گیا اس میں کوئی مضائقہ نہیں جیسے کہ کسی مسلمان کو جبراً نماز پڑھائیں یا اسے گناہ سے روکیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے اس مصیبت میں دونوں باتیں کہیں۔ سمعنا بھی اور عصینا بھی کیونکہ یہ دونوں **قالوا** کے مفعول ہیں اور یہ عقل میں نہیں آتا کہ ایسی مصیبت میں بھی وہ یہ کہنے کی ہمت کرتے اور اگر انہوں نے کہا بھی تو چاہیے تھا کہ پہاڑ گرجاتا کیونکہ انہوں نے ایمان قبول کیا ہی نہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں **قالوا** مطلق ہے یعنی انہوں نے منہ سے کہا سمعنا اور دل سے کہا عصینا۔ جیسے کہ منافقین یہود حضور علیہ السلام سے عرض کرتے تھے **واسمع غیر مسمع** یعنی آپ سنئے اور خدا کرے سننے کے قابل نہ رہیں یہ لوگ **واسمع** زبان سے کہتے تھے اور غیر مسمع دل سے اور یہ کوئی عجیب بات نہیں ہے۔ اب بھی بعض سرکش ڈاکو پٹتے ہیں۔ حاکموں کو گالیاں دیتے چلے جاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں ترتیب میں فرق ہے۔ یعنی جب ان پر پہاڑ آیا تو سمجھے یونہی ڈرانے کے لئے آیا ہے تو کہتے رہے **عصینا عصینا** مگر جب دیکھا کہ پہاڑ تو اور بھی نیچے آرہا ہے اور قریب ہے کہ گرجائے تو سمجھے کہ یہ نخرے کرنے کا وقت نہیں ہے تب کہا سمعنا۔ اس کی تفصیل دوسری آیت میں کردی گئی ہے۔ کہ **وظنوا انہ واقع بہم** تیسرے یہ کہ اسی وقت بعض نے سمعنا کہا تھا اور بعض نے عصینا۔ چوتھے یہ کہ ان سب نے سمعنا کہا تھا۔ مگر ان کی اولاد نے عصینا۔ پانچویں یہ کہ ان سب نے کہا تھا سمعنا اور عمل سے ثابت کیا عصینا۔

تیسرا اعتراض : یہی واقعہ پہلے بیان ہوچکا ہے اب دوبارہ کیوں بیان ہوا اس تکرار سے کیا فائدہ۔ جواب: اولاً تو بیان میں فرق ہے کہ وہاں سمعنا اور عصینا کا ذکر نہ تھا اور یہاں ہے۔ لہٰذا تکرار نہ ہوئی اور پھر مقصد میں فرق ہے کہ وہاں ان کے قبول

www.alahazratnetwork.org

کرنے کا طریقہ بتایا گیا تھا اور یہاں اس کی نوعیت کہ انہوں نے ظاہرا" قبول کیا نہ کہ حقیقتہ "نیز ایک بات چند جگہ بیان کرنے کا طریقہ کرنے میں تاکید کا فائدہ دیتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر کی وجہ سے ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت آئی۔ ان کا پہلا کفر کون سا تھا۔ جس سے یہ محبت پیدا ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ انہوں نے پہلے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر بت پرستی کی تمنا کی۔ پھر اگرچہ توبہ کرلی مگر اس کا اثر باقی رہا۔ **پانچواں اعتراض:** بچھڑا پوجنے والے سب قتل کردیئے گئے تھے اور توبہ کرکے شہید مرے تھے پھر ان کے دلوں میں محبت باقی کیسے رہی۔ **جواب:** یا تو اس لئے کہ سب پجاری قتل نہ ہوئے تھے اور توبہ کے چند درجے ہوتے ہیں۔ ان کی توبہ ہلکے درجے کی تھی جس کی وجہ سے قلب میں کچھ ظلمت باقی رہ گئی تھی۔ وہی کبھی کبھی اپنا رنگ دکھاتی تھی۔ اس لئے قرآن نے فرمایا **واشربوا** جیسے کہ ایک رنگ میں دوسرے رنگ کی آمیزش کردی جائے تو اس کی جھلک نظر آتی ہے ایسے ہی ان کی توبہ میں بچھڑے کی محبت کی جھلک تھی۔ روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ جب ان لوگوں نے اس نہر کا پانی پیا کہ جس میں بچھڑے کی راکھ پھینکی گئی تھی تو ان میں سے بت کے ہونٹ نیلے پڑ گئے جو کہ اس محبت کا اثر تھا یا یہ کہ جو بچھڑے کی پوجا سے محفوظ رہے تھے وہ پجاریوں سے پورے متنفر نہ تھے۔ جس کا اثر ان میں یہ پیدا ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: وہی بیج پھل دیتا ہے جو اچھی زمین میں صحیح حالت پر بو دیا جائے۔ پھر اسے مناسب ہوا اور پانی بھی ملتا رہے اور پھر زمینی آسمانی آفات سے محفوظ رہے برسات میں چھت اور دیواروں میں بعض دانے اگ جاتے ہیں۔ مگر وہ پھل نہیں دے سکتے۔ کیونکہ ان کی زمین درست نہیں اسی طرح کلمہ توحید جب ہی پھل دے، گا جب دل کی زمین میں بویا جائے۔ محبت الٰہی کا پانی پلایا جائے۔ رحمت الٰہی کی اس کو ہوائیں لگیں، مخالفت انبیاء و اولیاء کی آفات سے محفوظ رہے۔ بنی اسرائیل کا تخم ایمان صرف زبان پر اگا کہ انہوں نے سمعنا کہہ دیا اور اسے بچھڑے کی محبت کا پانی ملا۔ مخالفت نبی کی آفتیں اس پر آتی رہیں۔ اس کا الٹا نتیجہ نکلا جس سے وہ اور زیادہ مردود ہو گئے۔ اگر کلمہ توحید کی صحیح کاشت ہو جائے تو ایسے پھل دیتا ہے کہ سبحان اللہ ایک آن میں مردود کو مقبول بنا دیتا ہے۔ خطاؤں کو مٹاتا ہے رب کی عطائیں دلاتا ہے رب فرماتا ہے **مثل کلمتہ طیبتہ کشجرۃ طیبتہ** یعنی کلمہ طیبہ کی جڑ مومن کے دل میں ہے اور شاخیں آسمان میں۔ زندگی موت، قبر و حشر ہر جگہ پھل دیتا ہے اس درخت کے سایہ میں عالم آرام کرتا ہے مخلوق حضور غوث پاک و خواجہ اجمیری کے اس باردار درخت سے پھل کھا رہی ہے اور ان کے سایہ میں آرام کر رہی ہے اس جگہ تفسیر روح البیان میں ہے کہ جب دحیہ کلبی اسلام سے مشرف ہوئے تو رونے لگے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ تو خوشی کا وقت ہے روتے کیوں ہو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے زمانہ کفر میں اپنے قبیلہ کی ستر لڑکیاں اپنے ہاتھ سے ذبح کی ہیں میرا یہ گناہ کیونکر معاف ہو گا حضور علیہ السلام حیران ہوئے فورا" جبریل امین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا یا حبیب اللہ دحیہ کو رب کا پیغام پہنچا دو کہ جب میں نے اس کلمہ کی برکت سے تمہاری ساٹھ سال کی کفر اور خطائیں معاف کردیں تو ستر لڑکیوں کا خون کیوں نہ معاف کروں گا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا موسیٰ جب تو نے ایک بار کلمہ پڑھنے سے ستر خون معاف کردیئے جو دن رات کلمہ پڑھے۔ اس کو تو کیا کچھ نہ دے گا مگر خیال رہے کہ یہ صحیح کلمے کی برکتیں ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

لذکر اللہ کار ہر اوباش نیست   ارجعی برپائے ہر قلاش نیست

www.alahazratnetwork.org

کلمہ ایمان اور قرآن یا تو ہمارے گواہ ہیں یا ہم پر گواہ ہمیشہ رب کا فضل مانگنا چاہیے صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا بچھڑا ہے۔ نفس امارہ گویا سامری دنیا میں مشغولیت' رب سے غفلت ہی بچھڑے کی پوجا ہے۔ قلب گویا موسیٰ ہے۔ سید می رلو' رلو خدا گویا اسی موسیٰ کی توریت جیسے بچھڑے کی محبت اور توریت پر عمل ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ ایسے ہی دنیا کی محبت اور اللہ رسول سے الفت ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے محبت دنیاوی احکام کو مشکل بنا دیتی ہے۔ دنیاوی مشغولیت کو آسان اس لئے بنی اسرائیل نے توریت کو مشکل سمجھ کر کہہ دیا سمعنا و عصینا کہ ان کے دلوں میں بچھڑے کی محبت تھی اور اللہ و رسول کی الفت دین کے احکام کو آسان کر دیتی ہے دنیا کو مشکل شہدائے کربلا نے ہزار ہا مصیبتوں کا جام پیا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ

فرما دو تم اگر ہو واسطے تمہارے گھر پچھلا نزدیک اللہ کے نرا

تم فرما دو اگر پچھلا گھر اللہ کے نزدیک خالص تمہارے لیے ہو

دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ وَلَنْ

سوائے لوگوں کے پس تمنا کرو تم موت کی اگر ہو تم سچے اور ہرگز نہیں

نہ اوروں کے لیے تو بھلا موت کی آرزو تو کرو اگر ہو سچے اور ہرگز

يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ

تمنا کریں گے وہ اس کی کبھی بھی بوجہ اس کے آگے بھیجے ہاتھوں نے ان کے

اس کی آرزو نہ کریں گے ان بداعمالیوں کے سبب سے جو آگے کر چکے

بِالظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اب تک یہودیوں کی بے ایمانی ان کی گذشتہ بد عملیوں سے ثابت کی گئی۔ اب ان موجودہ حالات سے ان کی بے دینی ثابت کی جارہی ہے کہ اے یہودیو تم اب بھی توریت کو نہیں مانتے۔ **دوسرا تعلق**: اب تک مناظرانہ رنگ میں گفتگو تھی جس کو شاید جاہلانہ سمجھتے۔ اب ایک نہایت ظاہریات سے فیصلہ کرایا جارہا ہے جس کو بچہ بھی سمجھ جائے کہ اے یہودیو اگر تم توریت کے ماننے والے ہو تو صرف زبان سے ایک بار ہی اپنی موت مانگ لو۔ اگر تم نے موت مانگ لی تو تم جیتے اور اگر تمہارے منہ سے یہ لفظ نہ نکلا تو ہم سچے اور تم جھوٹے **تیسرا تعلق**: اب تک یہود کے صرف دعویٰ ایمان کی تردید تھی اور اب ایک دم ان کے چار دعوے باطل کیے جارہے ہیں۔ (1) ہم توریت کے مومن ہیں۔ (2) ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ (3) جنت ہمارے ہی لئے ہے۔ (4) ہم کچھ بھی کریں ہمارے باپ

www.alahazratnetwork.org

دلوا ہمیں بخشوالیں گے۔ **چوتھا تعلق:** یہود سے کہا گیا تھا کہ تم ساری آسمانی کتابوں پر ایمان لاؤ۔ اس کے جواب میں وہ کہہ سکتے تھے کہ بے شک ہم ساری کتابوں پر ہی ایمان لائے ہیں۔ انجیل اور قرآن آسمانی کتابیں ہی نہیں اور توریت قیامت تک کے لئے باقی ہے۔ اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ پھر اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ تم ہی سچے ہو اور باقی سب جھوٹے تو اچھا تم اپنے سچ کا یہ ثبوت پیش کرو۔

تفسیر: **قل** یا تو یہ ہر مسلمان سے اس وقت خطاب تھا کہ اے قرآن پڑھنے والو تم ان سے یہ تو کہو یا خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر یہ حکم اس وقت کے لئے خاص ہے آج ان سے یہ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ معجزہ کا ظہور اسی وقت ہوتا **ان کانت لکم** یہ لام خصوصیت کا ہے اور کم سے وہ سارے یہودی مراد ہیں یعنی اگر خاص تمہارے ہی واسطے ہو گیا چیز **الدار الاخرة** اگرچہ جہنم اور اعراف بھی آخری گھر ہیں مگر یہاں اس سے جنت ہی مراد ہے کیونکہ وہ اسی کے دعوے دار تھے نیز اعراف تو عارضی جگہ ہے اور جہنم جیل خانہ اور آخرت سے ہمیشہ کا آرام وہ گھر مراد ہے **عند اللہ** یہ ثابتہ کا ظرف ہے۔ یعنی تمہارا جنت کا حق دار ہونا اگر اللہ کے نزدیک ثابت ہو **خالصة** دار کا حال ہے یہ خلوص سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں غیر کی شرکت سے خالی ہونا (نرا) اس میں دو احتمال ہیں۔ یا تو عذاب سے خالص لوگوں سے یعنی تمہارے لئے جنت ہی ہو نہ کہ عذاب یا جنت تمہارے ہی لئے ہو۔ **من دون الناس** نہ کہ اوروں کے لئے یہاں الناس سے یہود کے علاوہ دیگر لوگ مراد ہیں۔ اور یہ یا تو خالصة کی تفسیر ہے اور یا اس کی ایک نوعیت کا بیان اگر واقعی تمہارا یہ عقیدہ ہے **فتمنوا الموت** تم ایک بار ہی موت کی تمنا تو کر لو اور یوں تو کہہ دو کہ اے اللہ ہمیں موت دے دے کیونکہ اپنے خیال میں تم جنتی ہو اور خدا کے پیارے اور ان دونوں کو حاصل کرنے کا ذریعہ موت ہے۔ تمنی منی سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں خواہش باب تفعل میں آ کر اس کے معنی ہوئے اظہار خواہش یعنی خواہش کا زبان سے ظاہر کرنا۔ لہٰذا اس جگہ منہ سے موت مانگنا مراد ہے نہ کہ فقط دلی رغبت **ان کنتم صدقین** اگر تم دعوئ ایمان یا ان چاروں دعووں میں سچے ہو جو تعلق میں بیان کئے جا چکے۔ وہ لوگ یہ سن کر آرزو نہ کر سکے رب نے آئندہ کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ **ولن یتمنوہ ابدا** جیسے **قط** زمانہ ماضی کے گھیرنے کے لئے ہے ایسے ہی ابدا" زمانہ مستقبل گھیرنے کے لئے یعنی یہ لوگ جب تک زندہ ہیں کبھی بھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔ کبھی کہیں گے کہ **یلیتنی کنت ترابا** اور کبھی کہیں گے **یلیتھا کانت القاضیة** اور یہ تمنا کریں بھی کیسے انہیں تو اپنے اعمال کی خبر ہے کہ ہمیں پوری سزا ملے گی۔ **بما قدمت ایدیھم** اپنے ان اعمال کی وجہ سے جو پہلے کر چکے تھے خیال رہے کہ چونکہ اکثر کام ہاتھ سے ہی ہوتے ہیں اس لئے کبھی ید سے ذات اور کبھی قدرت اور رحمت مراد لے لیتے ہیں یہاں ذات مراد ہے اور ید اللہ علی الجماعۃ وغیرہ میں رحمت **واللہ علیم بالظلمین** اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے لہٰذا انہیں سزا بھی خوب دے گا۔

خلاصہ تفسیر: یہود اپنی مقبولیت اور محبوبیت کے گیت گایا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جنت ہمارے ہی لئے ہے یا ہمارے لئے جنت ہی ہے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں وغیرہ وغیرہ رب تعالیٰ نے ان خرافات کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرمائیں کہ اگر تمہیں اپنے جنتی ہونے کا یقین ہے تو ذرا موت کی التجا تو کرو۔ کیونکہ دنیا تو مصیبتوں کا گھر ہے اور خاص کر ان نبی آخر الزمان کے تشریف لانے اور اسلام کی اشاعت ہونے سے تمہارا اور بھی ناک میں دم آ

www.alahazratnetwork.org

گیا ہے تو چاہیے کہ تم دار المحن سے چھوٹنے اور دار الامن میں جانے کی دعا مانگو۔ تفسیر عزیزی نے بیہقی کی روایت نقل کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے یہودیوں کو جمع فرما کر فرمایا کہ اگر تم ان دعوؤں میں سچے ہو تو ایک بار کہہ دو اللھم امتنا قسم رب کی جو بھی کہے گا وہ یہیں گلا گھٹ کر مر جائے گا۔ یہودی گھبرا کر انکار کر گئے۔ تب دوسری آیت اتری کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اب تو کیا جیتے جی بھی دعا نہ کریں گے الحمد للہ یہ غیب کی خبر سچی ہوئی کہ انہوں نے کبھی تمنائے موت نہ کی۔ تفسیر روح البیان نے حضرت نافع سے روایت کی کہ ایک دن ایک یہودی ہم سے کہنے لگا کہ میں تو تمنائے موت کرتا ہوں میں کیوں نہیں مرتا۔ عبد اللہ ابن عمر نے سنا تو فرمایا۔ ارے جاہل یہ ان علمائے یہود کے لئے تھا جو جان بوجھ کر نبوت مصطفیٰ کا انکار کرتے تھے اور جن کو اس وقت بارگاہ نبوت میں بلا کر کہا گیا تھا انہوں نے کبھی تمنائے موت نہ کی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کو اپنے دین کی حقانیت کا یقین نہیں۔ اسی لئے اس کے بھروسے پر کوئی بات نہیں کرتے بلکہ انہیں اپنے جھوٹے ہونے کا یقین ہے۔ اسی لئے وہ دنیا کو جنت اور آخرت کو قید سمجھتے ہیں اب بھی ہندو وغیرہ دنیوی زندگی کے بہت حریص ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** رب کی ملاقات اور حضور کے دیدار یا اپنے ایمان کی سلامتی کے لئے موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ سعد ابن ابی وقاص نے خوف سے اپنی موت کی دعا کی۔ حضور نے فرمایا کہ میرے ہوتے ہوئے موت مانگتے ہو اس کے حاشیے لمعات میں ہے کہ حضور پاک کی زندگی پاک میں دعاء موت کرنا منع ہے کیونکہ اس وقت زندگی دیدار مصطفیٰ کا ذریعہ تھی لیکن حضور کے وفات شریف کے بعد دیدار کے لئے تمنائے موت جائز ہے کیونکہ اب موت ذریعہ دیدار ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ کتاب الجنائز باب تمنی الموت۔ **تیسرا فائدہ:** مناظرہ میں دلائل کے علاوہ دیگر طریقوں سے بھی مقابل کو خاموش کرنا جائز ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قل، بعض جگہ قرآن شریف میں صرف حضور سے کہلوانے کے لئے آتا ہے دوسرے مسلمانوں سے کہلوانا مقصود نہیں ہوتا۔ دیکھو یہاں قل صرف حضور سے ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ ان سے فرماؤ کہ میرے سامنے اپنے موت کی دعا کر دیں میں آمین کہوں۔ دیکھو پھر کیا بنتا ہے دعا ختم ہونے سے پہلے تم ختم ہو جاؤ گے اب کوئی مسلمان یہود سے اس دعا کا مطالبہ نہیں کر سکتا اگر مطالبہ کرے اور وہ یہودی دعا کر کے موت کی تمنا کرے۔ پھر نہ مرے تو اس سے قرآن کی یہ آیت غلط نہ ہو گی یوں ہی سورہ جمعہ میں ارشاد ہوا ہے لہٰذا **قل انما انا بشر مثلکم** میں حضور سے ہی خطاب ہے صرف حضور اپنے کو بشر کہہ سکتے ہیں ہم لوگ نہیں کہہ سکتے۔ **پانچواں فائدہ:** جھوٹے کا جھوٹ ظاہر کرنا ضروری ہے تاکہ لوگ اس سے بچیں۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کی غیبی خبریں بالکل برحق ہیں جن کی حقانیت لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ رب نے اعلان فرمایا تھا کہ اے محبوب یہ لوگ آپ کے سامنے موت کی تمنا بھی نہ کریں گے انہوں نے یہ اعلان بھی سنا پھر مسلمانوں نے انہیں للکارا بھی ان کی حقانیت کا مدار اس دعا کو قرار دیا مگر ان میں سے کسی نے اس کی ہمت نہ کی اگر ایک نے بھی کی ہوتی تو یہ لوگ اسے خوب اچھالتے۔

پہلا اعتراض: مسلمان بھی سمجھتے ہیں کہ سوائے مومن کے کوئی جنت میں نہ جائے گا۔ لہٰذا وہ یہود بھی مسلمانوں سے کہہ سکتے تھے کہ ہم تمہیں قتل کر دیں تاکہ تم جنت میں جلدی پہنچ جاؤ۔ **جواب:** مسلمان یہود کی طرح اپنے جنتی ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے کہ ہم کچھ بھی کریں بہرحال جنتی ہیں بلکہ رب کی رحمت کے امیدوار اور اپنے گناہوں سے خوف کر۔

www.alahazratnetwork.org

زندگی کی اس لئے تمنا کرتے ہیں کہ نیک اعمال کرکے اپنی آخرت کا توشہ تیار کرلیں اور گذشتہ گناہوں سے توبہ کرلیں اور
دوسروں کو تبلیغ ایمان کرکے اپنے ساتھ ملالیں۔ دوسرا اعتراض: شاید وہ یہود بھی اپنے گناہوں سے ڈر کر دعا نہ کرتے ہوں۔
جواب: یہ غلط ہے ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ہمیں خالص جنت ملے گی۔ یعنی بغیر عذاب اور اگر کسی کو عذاب ہو گا بھی تو صرف
چالیس دن تو ان سے فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم زندہ رہے تو بہت دنوں میں جنت میں پہنچو گے اور مر گیا تو فوراً" یا کچھ تکلیف پا کر
جنتی ہو جاؤ گے تو تم جلدی مرتے کیوں نہیں۔ تیسرا اعتراض: شاید وہ موت کے خوف سے اس کی تمنا نہ کرتے ہوں جواب:
انسان بڑی راحت کے لئے تھوڑی تکلیف برداشت کرلیتا ہے جیسے کہ تندرستی کے لئے مریض کڑوی دوائیں پی لیتا ہے
آپریشن کرالیتا ہے بلکہ گلے ہوئے اعضاء کٹوا لیتا ہے۔ دیکھا تو یہ گیا ہے کہ غیرت مند آدمی طعنہ کے وقت جان دے دیتا ہے اس
وقت ان کو طعنہ دے کر شرمندہ کیا جارہا ہے انہیں چاہئے تھا کہ جان دے کر آبرو بچاتے پھر انہیں یہ بھی یقین کیسے تھا کہ ہم اس
وقت تمنائے موت کرتے ہی مر جائیں گے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ وہ اپنے کو جھوٹا اور جہنمی سمجھتے تھے اور حضور کو سچا۔ چوتھا
اعتراض: شاید انہوں نے دل سے تمنا کرلی ہو اور ممکن ہے کہ زبان سے بھی کرتا ہو جس کی خبر ہمیں نہ ملی۔ جواب: ہم تفسیر
میں بحوالہ روح البیان و عزیزی و کبیر بتا چکے ہیں کہ تمنا زبانی آرزو کو کہتے ہیں اور اگر انہوں نے ایک بار بھی تمنا کی ہوتی تو مخالفین
اسلام اسے بہت اچھالتے پانچواں اعتراض: قرآن و حدیث نے موت کی تمنا سے منع فرمایا۔ قرآن تو فرماتا ہے **یستعجل**
بھا الذین لا یؤمنون بھا والذین امنو مشفقون منھا یعنی بے ایمان تو قیامت آنے میں جلدی کرتے ہیں اور
مسلمان اس سے ڈرتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ کوئی شخص موت کی آرزو نہ کرے اور یہاں اس آیت میں مطلقاً اللھو
رہا ہے۔ جواب: یہ پیش کردہ آیت مشرکین کے حق میں آئی ہے جو قیامت کے منکر اور اس سے بے خوف تھے مسلمان
قیامت کے مقر اور اپنے اعمال سے خوف میں ہیں۔ مگر یہود قیامت کو مان کر اس کی مصیبتوں سے اپنے کو محفوظ سمجھتے ہیں لہٰذا وہ
آیت اس کے خلاف نہیں حدیث پاک میں یہ ہے کہ کوئی بھی دنیوی مصیبت کی وجہ سے تمنائے موت نہ کرے بلکہ نیک اعمال
کی خاطر زیادہ جینا بہتر ہے۔ لقائے حبیب کے لئے تمنائے موت جائز بلکہ صحابہ کرام سے ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ
عنہ ہر نماز کے بعد دعا کرتے تھے کہ اے اللہ مجھے اپنے محبوب کے شہر میں شہادت نصیب فرما۔ شہدائے بدر و احد تمناء موت میں
بیتاب تھے۔ صحابہ کرام بے دریغ اپنی جان و مال جہاد میں خرچ کرتے تھے۔ حذیفہ ابن یمان پر نزع کی حالت میں خوشی کے آثار
نمودار ہوئے اور چیخ کر فرمایا کہ میری پیاری موت عین انتظار کی حالت میں آگئی۔ حضرت عمار جنگ صفین میں خوشی کے نعرے
مارتے تھے کہ اب عنقریب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے دوستوں سے ملوں گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ ایک دفعہ
باریک کرتہ پہنے ہوئے جنگ کی صفوں میں گھوڑا کوداتے پھرتے تھے آپ کے فرزند امام حسن نے عرض کیا کہ ابا جان غازی کا یہ
لباس نہیں زرہ پہن کر آنا چاہئے تھا تو فرمایا بیٹا مجھے پرواہ نہیں کہ موت مجھ پر گرے یا میں موت پر گروں۔ ایک بار حضرت سعد
ابن ابی وقاص نے رستم ابن فرخ زاد کو خط لکھا کہ میرے ساتھ وہ قوم ہے جو موت کو اتنا ہی چاہتی ہے جتنا تم لوگ شراب کو (تفسیر
عزیزی) ان تمام باتوں سے معلوم ہوا کہ دنیوی تکلیف سے تمنائے موت کرنا منع ہے اور دینی راحت حاصل کرنے کے لئے جائز
اور یہاں یہود سے دینی راحت کے لئے ہی تمنا کرائی گئی تھی۔ نکتہ: بعض مفسرین نے اس آیت کا ایسا نفیس مطلب بیان کیا
ہے جس سے یہ اعتراض پڑتے ہی نہیں وہ یہ کہ ان سے اپنے دعوے کے ثبوت کے لئے بطور قسم تمناء موت کرائی گئی جیسے کوئی

www.alahazratnetwork.org

قاضی مدعی علیہ سے کہے کہ تو اپنے بیٹے کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہہ دے کہ میں سچا ہوں۔ اگر وہ یہ نہ کرے تو جھوٹا ایسے ہی سوال کیا گیا کہ سو یہ اگر تم سچے ہو تو قسم سے کہہ دو کہ اگر ہم جھوٹے ہوں تو مر جائیں۔ اس صورت میں تمام غلطیاں دور ہو گئے۔

تفسیر صوفیانہ : تین شخص موت کی تمنا کرتے ہیں۔ (1) موت کی مصیبت سے ناواقف (2) وہ بے صبر جو موت کو خدا کی پکڑ سے بچنے کا ذریعہ سمجھے (3) تیسرے وہ عاشق جانباز جو اللہ و رسول کی ملاقات چاہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

شد ہوائے مرگ طوق صادقاں — کہ جہوداں را بداں دم امتحاں

مثنوی کے مصنف جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کی جب موت کا وقت آیا تو ملک الموت شکل انسانی میں دروازے میں آکر کھڑے ہوئے۔ مولانا نے کمال شوق سے فرمایا۔

چشم آ چشم آ جان من — پیک باب حضرت سلطان من

(تفسیر روح البیان)

اے میری جان اے میرے سلطان کے دربان تو کہاں تھا۔ جلدی آ وہ یہودی چونکہ ان تینوں جماعتوں سے خارج تھے۔ تمناء موت نہ کر سکے ابو حازم فرماتے ہیں کہ مطیع کا رب کے پاس جانا ایسا ہے جیسے غائب عاشق کا محبوب کے پاس حاضری دینا بدکار کی موت ایسی ہے جیسے بھاگے ہوئے مجرم کی گرفتاری کا وارنٹ۔ مولانا فرماتے ہیں۔

انبیاء را تنگ آمد ایں جہاں — چوں شہاں رفتند اندر لا مکاں
چوں مرا سوئے اجل عشق و ہواست — نہی لا تلقوا بایدیکم مراست
زانکہ نہی از دانہ شیریں بود — تلخ را خود نہی حاجت کے شود

کافر موت کو کڑوا سمجھتا ہے اس لئے اس کو خواہش کا حکم ہے۔ مومن موت کو نہایت میٹھا اور لذیذ محسوس کرتا ہے اس کو خواہش موت منع ہے۔ انبیائے کرام کی موت عجیب پر لطف چیز ہے۔ ان کی تو یہ شان ہے۔

یہ دونوں گھر انہیں کے ہیں جہاں جی چاہا جا بیٹھے — کبھی اس گھر میں جا بیٹھے کبھی اس گھر میں آ بیٹھے

اضطراری موت سے پہلے اختیاری موت اختیار کر لو اور موتوا قبل ان تموتوا کے عامل بن جاؤ تاکہ موت اضطراری آسان ہو۔

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ
اور البتہ ضرور پائیں گے آپ ان کو زیادہ حریص لوگوں سے اوپر زندگی کے اور ان لوگوں سے جنہوں نے
اور بے شک تم ضرور پاؤ گے کہ سب لوگوں سے زیادہ جینے کی ہوس رکھتے ہیں اور مشرکوں
اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
شرک کیا تمنا کرتا ہے ایک ان کا کاش کہ عمر دیا جائے وہ ہزار سال اور نہیں ہے وہ
سے ایک کو تمنا ہے کہ کہیں ہزار برس جیئے اور وہ اسے

www.alahazratnetwork.org

بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا

دور کرنے والا اس کو عذاب سے یہ کہ عمر دیا جائے اور دیکھنے والا ہے

عذاب سے دور نہ کرے گا اتنی عمر دیا جانا اور اللہ ان کے

يَعْمَلُوْنَ ؑ

اس کو جو وہ کرتے ہیں

کوتک دیکھ رہا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس سے پہلے یہود کا موت سے گھبرانے کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب ان کا دنیوی زندگی کی محبت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: گذشتہ آیت کا مضمون بھی اسی بات کی علامت تھا کہ وہ اپنے کو گرا سمجھتے ہیں اور اس آیت کا مضمون بھی یہی بتا رہا ہے کہ وہ دنیوی زندگی کو غنیمت جانتے ہیں تاکہ انہیں کچھ آرام کی سانسیں میسر ہو جائیں آخر کار پھر جلنا تو ہے ہی **تیسرا تعلق**: پہلی آیت کے مضمون سے شبہ پیدا ہو تا تھا کہ شاید یہودی نہ موت کی تمنا کرتے ہوں نہ زندگی کی بلکہ راضی برضائے الٰہی ہوں جو کہ انسان کی بہترین صفت ہے۔ یا اعمال کے لئے زندگی کے خواہش مند ہوں اس آیت سے اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے۔

تفسیر : **ولتجدنہم** یہ بھی حضور علیہ السلام سے خطاب ہے اور یا قیامت تک کے قرآن پڑھنے والے مسلمان سے۔ تجدن۔ وجدان سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں پانا یہاں عقل اور تجربہ کا پانا مراد ہے جیسے میں نے زید کو عالم پایا۔ **ھم** سے مراد عام یہودی ہیں۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن کے پڑھنے والے تم ان عام یہودیوں کو پاؤ گے۔ **احرص الناس** لوگوں سے زیادہ حریص یہاں ناس سے یہود کے سوا باقی سب لوگ مراد ہیں کہ افضلیت اپنے پر لازم نہ آجائے۔ **علی حیوۃ** یہاں حیوۃ سے خاص کسی قسم کی زندگی مراد ہے لمبی اور آرام دہ علی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خود دراز اور آرام دہ زندگی کی ہی حرص ہے۔ اعمال کے لئے زندگی نہیں مانگتے۔ **ومن الذین اشرکوا** ظاہر ہے کہ واؤ عاطفہ ہے اور اس کا اس پر عطف ہے۔ یعنی یہودیوں کو عام لوگوں اور مشرکین سے بھی زیادہ حریص پائیں گے اگرچہ مشرکین ناس میں داخل تھے مگر چونکہ یہ لوگ حرص زندگی میں مشہور اس لئے ان کا ذکر خاص کیا گیا۔ اس صورت میں **یود احدھم** علیحدہ جملہ ہے۔ جس میں اس کا بیان ہے۔ بعض لوگوں نے فرمایا ہے کہ یہ واؤ استینافیہ ہے اور یہ مبتداء ہے۔ **یود** اس کی خبر یعنی مشرکین میں سے بعض تمنا کرتے ہیں بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ آپ یہود کو اور مشرکین کی ایک جماعت کو زندگی کا زیادہ حریص پائیں گے اس صورت میں **ومن الذین** **ھم** پر معطوف ہو کر تجدن کا مفعول ہو گا۔ بہرحال اس آیت کے تین معنی ہیں اور ہر معنی میں نیا لطف مشرکین سے عام مشرکین مراد ہیں یا خاص مجوسی' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجوسی آپس میں ایک دوسرے کو سلام میں کہتے تھے۔ زی ہزار یعنی تو ہزار سال جئے' بعض کہتے تھے۔ عش الف نیروز' بعض کہتے تھے۔ عش الف مہرجان یعنی تو ہزار نیروز یا ہزار مہرجان جئے گویا ان کے سلام و جواب سے ہی حرص دنیا ظاہر ہوتی تھی چونکہ مجوس کا عقیدہ ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

خدا ہیں ایک یزدان دوسرا اہرمن یزدان بھلائیوں کا خالق ہے اور اہرمن برائیوں کا۔ اس لئے ان کو مشرکین کہا گیا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مشرکین عرب مراد ہیں۔ **یود احدھم یود** ودسے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں دلی خواہش احد سے ہر ایک مراد ہے نہ کہ کوئی خاص ایک **ھم** کا مرجع یا یہود ہیں یا مشرکین۔ یعنی ان میں سے ہر ایک خواہش رکھتا ہے کہ **لو یعمر لو** شرطیہ نہیں بلکہ تمنا کا ہے۔ یعمر کے واحد لانے میں یہ بتایا گیا کہ ان میں ہر شخص صرف اپنی ہی دراز زندگی چاہتا ہے کہ دوسرے مریں یا جئیں۔ مجھے عمر مل جائے۔ یعنی کاش کہ عمر دیا جاوے۔ وہ **الف سنۃ** ہزار سال یا تو یہ مجوسیوں کے قول ذی ہزار سال کی نقل ہے اور یا اس سے لمبی مدت مراد ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ میں تو ہزار سال تک تیری بات نہ مانوں گا۔

ایک شاعر کہتا ہے۔

تم سلامت رہو ہزار برس   ہر برس کے ہوں دن پچاس ہزار

رب نے فرمایا ہے **وما ھو** **ھو** کا مرجع احد ہے اور یہ ما کا اسم ہے۔ یعنی نہیں ہے وہ شخص **بمزحزحہ** مزحزح زحزح کا اسم فاعل ہے۔ جس کے معنی ہیں دور رکھنا۔ اسی لئے کونین کی جگت اور آگ کے جھیرے کو زحزاح کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی پانی اور آگ سے دور ہوتا ہے۔ ہ ضمیر اس کا مفعول ہے اور **ان یعمر** اس کا فاعل یعنی کوئی بھی ایسا نہیں کہ جس کو اس کی دراز عمر عذاب سے دور کرنے والی ہو۔ یعنی لمبی عمر کے بعد بھی عذاب ہی ہوگا۔ اس کی خواہش بے کار۔ چاہئے کہ ایمان و اعمال کی کوشش کرو۔ **واللہ بصیر بما یعملون** عرب میں بصیر حقیقت حال جاننے والے کو کہتے ہیں۔ یعنی اللہ ان کے اعمال کی حقیقت سے خبردار ہے۔ یہ جتنی زیادہ عمر پائیں گے اتنے ہی زیادہ گناہ کمائیں گے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو، یہودیوں کا موت سے گھبرانا کسی نیک ارادہ سے نہیں بلکہ تم تجربہ اور امتحان کر کے دیکھ لو تو ان کو زندگی کا بڑا ہی حریص پاؤ گے کہ دنیا میں زندگی کے زیادہ خواہش مند مشرکین ہیں کیونکہ وہ قیامت اور سزا جزا کو مانتے نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد دوسری زندگانی نہیں۔ بلکہ محض فنا ہے۔ ان کے لئے یہ دنیا ہی بہشت ہے۔ اگر وہ اس زندگی پر حرص کریں تو بجا ہے لیکن یہ یہودی جو اپنے کو اہل کتاب کہیں۔ سزا جزا کا اقرار کریں جنت کو اپنی جائیداد مانیں اپنے کو خدا کا بیٹا جانیں۔ ان مشرکین سے بھی زیادہ حریص ہیں۔ جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں آئندہ دوزخ نظر آرہا ہے۔ اور ان کو اپنے کرتوت کی سزا کا پورا یقین ہے۔ ان کے حریص ہونے کی چند دلیلیں ہیں۔ ہر وقت زیادتی عمر کی فکر میں رہتے ہیں شفا حاصل کرنے کے لئے حرام حلال چیزیں استعمال کر لیتے ہیں۔ بیماری میں ہر طبیب ہر منتر پڑھنے والے ہر جادوگر کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ دنیوی زندگی کے لئے اپنا دین و ایمان برباد کر دیتے ہیں۔ دنیوی عیش کے لئے حرام و حلال مال لے لیتے ہیں۔ بڈھے ہو کر دانت گر جانے، بال سفید ہو جانے پر بھی آئندہ کی فکر نہیں کرتے۔ بلکہ دنیا میں پورے مشغول رہتے ہیں اور زیادتی عمر کی تجویزیں کرتے رہتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک اپنی زندگی کا خواہش مند ہے۔ اپنے پر دوسروں کو قربان کرنے کے لئے تیار ہزار سال تک کی عمر چاہتے ہیں حالانکہ ساٹھ ستر برس ہی میں انسان کے اعضا بیکار ہو جاتے ہیں۔ اور اس کی زندگی وبال جان ہوتی ہے۔ مگر ان کی حرص کی یہ حالت ہے کہ خواہ وہ کتنے ہی مصیبت میں رہیں مگر جیتے رہیں۔ ان بیوقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ لمبی عمر انہیں عذاب سے بچا نہیں سکتی اور جب موت یقینی ہے تو کیا دس برس اور کیا ہزار سال۔ اللہ ان کے اعمال سے خبردار ہے اور

www.alahazratnetwork.org

جانتا ہے کہ یہ جی کر گناہ ہی کریں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: فساد پھیلانے یا عذاب سے بچے رہنے کے لئے لمبی عمر مانگنا علامت کفار ہے۔ دوسرا فائدہ: زندگی کے لالچ میں دین کا لحاظ نہ رکھنا بڑی بد نصیبی ہے۔ تیسرا فائدہ: جو چیز یقینی آنے والی ہے وہ قریب ہے۔ چوتھا فائدہ: مجرم کا بست بھاگا پھرنا سخت سزا کا باعث ہے۔ ایسے ہی کافر کی دراز عمر زیادہ گرفتاری کا سبب ہے۔ پانچواں فائدہ: اسلامی سلام تمام دینوں کے سلام سے افضل ہے ہندو کہتے ہیں رام رام جواب دیتے ہیں جیتا رام۔ پنڈت کہتے ہیں پایں لاگن۔ جواب دیتے ہیں سکھی رہو۔ مجوسی کہتے ہیں ذی ہزار سال۔ عیسائی کہتے ہیں گڈ مارننگ۔ مسلمان جاہل عورتیں کہتی ہیں۔ سلام۔ جواب ملتا ہے جیتی رہو۔ بڑی عمر ہو۔ دنیا میں عیش سے رہو۔ یہ سب سلام و جواب بیہودہ ہیں۔ کیونکہ ان میں سے بعض میں تو شرک کی بو ہے اور بعض میں دنیا کی ہوس کا اظہار۔ سب سے بہتر ہے السلام علیکم جس کا مطلب ہوا تم سلامت رہو اس میں دینی دنیوی ہر معصیت سے سلامتی کا ذکر آگیا اسی لئے رب تعالیٰ نے ان کے سلام کی برائی فرمائی اور انشاء اللہ سلام کا مسئلہ سلام کی آیتوں میں آئے گا۔

نصیحت : ہم کو چاہئے کہ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر دیکھیں حق یہ ہے کہ ہم لوگوں میں بھی اس قسم کی بہت سی بیماریاں پیدا ہو چکی ہیں ہم میں سے بعض تو محبت دنیا میں یہود سے بھی چار نمبر آگے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ بچپن کی زندگی کالج میں گزاری۔ جوانی دنیا کمانے میں ختم کی بڑھاپے میں جب پنشن ہو گئی تو قدرت نے ان کو اللہ اللہ کرنے کا بہت اچھا موقعہ دیا تھا مگر اب انہیں ممبری اور مجسٹریٹی کی دھن لگی۔ ممبری کے زمانہ میں لوگ تو صبح شام اللہ اللہ کر لیتے ہیں مگر یہ پنشن یافتہ قریب الموت بزرگ رائے دہندوں کے دروازوں کے طواف میں مشغول نہ نماز کی فکر نہ روزے کا ذکر نہ زکوۃ کا ملال نہ حج کا خیال۔ دوستو جب یہ تینوں زمانے اس طرح گنوا دیئے تو اللہ اللہ کرنے کا وقت کب آئے گا۔ یہودیوں کی طرح اس حالت سے عبرت پکڑو۔ خیال رہے کہ زندگی تین طرح کی ہے شخصی زندگی۔ قومی زندگی۔ مذہبی زندگی۔ شخصی زندگی کی مدت بہت تھوڑی ہے۔ اس کے لئے تھوڑا انتظام کرو مگر مسلمان کی قومی و مذہبی زندگی ان شاء اللہ قیامت تک ہے۔ اس کے لئے بڑا انتظام کرو جہاں اشخاص قوم یا مذہب پر فدا ہوں گے وہاں عزت و بزرگی ہو گی اور جہاں قوم و مذہب اشخاص پر قربان ہوں گے وہاں ذلت و خواری ہو گی۔ یزیدیوں نے اپنے شخصی نفع کے لئے اس سید کا خون کیا دیکھو سب ذلیل ہو گئے۔ حضرت حسین نے اپنے مذہب پر اپنے کو قربان کیا تا قیامت سرخرو ہو گئے صدقات جاریہ اس لئے افضل ہیں کہ ان کا تعلق قومی نفع سے ہے بنی اسرائیل دین کو اپنی ذات پر قربان کرتے تھے کہ اپنے نفع کی خاطر دین کی بربادی کتاب اللہ کی تبدیلی گوارا کر لیتے تھے۔ اس آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ درازی عمر کی خواہش جرم ہے حالانکہ ہر مسلمان لمبی عمر چاہتا ہے حدیث شریف میں بھی ہے کہ مبارک ہے وہ شخص جس کی عمر لمبی اور اعمال اچھے ہوں۔ جواب: فساد کرنے یا عیش و آرام کے لئے یا زندگی کو اصل مقصود سمجھ کر اس کی تمنا کرنا بے شک برا ہے لیکن نیک اعمال کے لئے زندگی چاہنا بہتر سرکاری ملازم کی جتنی زیادہ سروس ہو گی اتنی زیادہ پنشن مسلمانوں کی زندگی نوکری کی مدت ہے دوسرا اعتراض: اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ

www.alahazratnetwork.org

زندگی بڑھانے کے اسباب اختیار کرنا برا ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ نیک اعمال سے زندگی بڑھتی ہے تو چاہئے کہ جو کوئی اس نیت سے نیکیاں کرے وہ گنہگار ہے۔ جواب: عمر بڑھانے کے جائز اسباب ضرور اختیار کرے ناجائز اسباب سے بچے

تیسرا اعتراض: اسلام میں بھی شفا حاصل کرنے اور جان رکھنے کے لئے حرام چیزوں کا استعمال جائز ہے تو اگر سودی بھی اپنی زندگی کے لئے حرام اسباب پر عمل کریں تو کیوں گنہگار ہوں۔ جواب: اسلامی حکم یہ ہے کہ جو بیماری وغیرہ کی سخت مصیبت میں پھنس جائے اس کے لئے حرام دوائیں وغیرہ حلال ہیں۔ شریعت نے مصیبت سے بچنے کے لئے اس کے حق میں حرام کو حلال ہی کر دیا یہ بالکل جائز ہے لیکن نفسانی خواہشوں کے لئے حرام چیزوں کا استعمال کرنا۔ مثلاً بھی برا ایک شخص قوت باہ زیادہ کرنے کے لئے مینڈک کا تیل یا سانپ کا گوشت یا شراب استعمال کرتا ہے وہ مجرم ہے۔ دوسرا شخص پیاس سے مر رہا ہے جان بچانے کے لئے شراب کا گھونٹ پیتا ہے۔ وہ مجرم نہیں کیونکہ پہلے شخص کا مقصد شہوت ہے اور اس کا مقصد مصیبت سے بچنا۔

تفسیر صوفیانہ: تمام گناہوں کی اصل دو چیزیں ہیں۔ محبت عمر محبت مال و جاہ۔ اگلی آسمانی کتابوں کی تحریف جھوٹے نبیوں کی پیداوار اب بعض علماء اور مشائخ کی گمراہی روزانہ نئے نئے مذہبوں کا نکلنا انہیں دو وجوں سے ہے۔ اس بیماری کے تین علاج ہیں۔ ایک تو علماء ربانی کی وعظ و نصیحتوں کی مجلسوں میں حاضری صالحین کے واقعات کا مطالعہ کرنا جس سے دل نرم پڑ جائے۔ دوسرے اکثر موت کو یاد کرنا اور یہ خیال رکھنا کہ دنیا کی ساری چیزیں فانی ہیں۔ تیسرے لوگوں کی جان نکلتے ہوئے دیکھنا میت کے ساتھ قبرستان جانا۔ زیارت قبور کرنا۔ حضرت کعب احبار سے کسی نے پوچھا کہ بتایئے موت کیا چیز ہے۔ فرمایا یوں سمجھو کہ درخت خار دار کسی انسان کے پیٹ میں ہو جس کا ہر کانٹا اس کی رگ رگ میں چبھ چکا ہو پھر اسے کوئی شخص نہایت طاقت سے کھینچے جس سے کہ وہ درخت رگوں کو چیرتا ہو اگوشت کو نوچتا ہوا باہر نکلے یہ وہ چیزیں ہیں کہ جن کے خیال سے انسان دنیا سے بے رغبت ہو جاتا ہے۔ (تفسیر روح البیان)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ

فرما دو وہ جو کہ ہو دشمن جبریل پس تحقیق اس نے اتارا اس کو اوپر دل تمہارے کے

تم فرماؤ جو کوئی جبریل کا دشمن ہو تو اس (جبریل) نے تمہارے دل پر اللہ کے

بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى

ساتھ حکم اللہ کے سچا کرنے والا واسطے اس کے درمیان دو ہاتھوں اس کے اور ہدایت اور خوشخبری

حکم سے یہ قرآن اتارا اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے اور ہدایت و بشارت

لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ

واسطے ایمان والوں کے وہ جو کہ ہو دشمن واسطے اللہ کے اور فرشتوں اس کے اور رسولوں اس کے

مسلمانوں کو جو کوئی دشمن ہو اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے رسولوں

www.alahazratnetwork.org

وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰىلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ۞
اور جبریل کے اور میکال کے پس تحقیق اللہ دشمن ہے واسطے کافروں کے
اور جبریل اور میکال کا تو اللہ دشمن ہے کافروں کا

تعلق : اس آیت کا گذری آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: یہ بھی ایمان یہود سے مایوسی کی ایک وجہ ہے کہ وہ قرآن تو کیا قرآن لانے والے جبریل کے بھی دشمن ہیں تو تمہارے دوست کیوں کر بن سکتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ وہ زندگی اور عیش و آرام کے بڑے ہی خواہش مند ہیں۔ اب فرمایا گیا کہ ان کی خواہش مندی اس حد تک ہے کہ جو ان کے آرام کے خلاف احکام لائے جبریل اس کے بھی دشمن ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کی ایک جماعت کا ذکر تھا کہ وہ عذاب سے بچنے کے لئے دراز عمر چاہتے ہیں۔ حالانکہ درازی عمر عذاب سے بچا نہیں سکتی بلکہ ان کے لئے یہ چیز اور زیادہ باعث عذاب ہے کیونکہ وہ زیادہ عمر میں زیادہ گناہ کریں گے اب ان کی دوسری حماقت کا ذکر ہے۔ وہ یہ کہ یہ لوگ عذاب سے بچنے کے لئے عذاب لانے والے فرشتے حضرت جبریل کے دشمن ہیں۔ ان بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ اس دشمنی سے عذاب گھٹے گا نہیں اور زیادہ بڑھے گا کیونکہ اللہ والوں کی مخالفت عذاب کا باعث ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں یہود سے کہا گیا تھا کہ توراۃ کے علاوہ اور باقی آسمانی کتابوں پر بھی ایمان لاؤ۔ وہ جواب دے سکتے تھے کہ ہم توراۃ اس لئے مانتے ہیں کہ بلاواسطہ رب کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو ملی اور یہ قرآن جبریل کے واسطہ سے نازل ہوتا ہے۔ اور یہ جبریل ہمارے سخت دشمن ہیں ہم نہیں چاہتے کہ دشمن کا احسان اٹھائیں کہ اس کے لائے ہوئے قرآن کو مانیں۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بنی اسرائیل انبیاء کے دشمن آسمانی کتابوں کے دشمن اپنی موت کے دشمن۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو بغیر دیکھے ہوئے حضرت جبریل کے دشمن ہیں۔ کہ قرآن کریم کو اس لئے نہیں مانتے کہ حضرت جبریل کا لایا ہوا ہے تو اے مسلمانو اگر یہ تمہارے دشمن ہیں تو ان سے کیا بعید ہے۔

شان نزول : تفسیر کبیر و عزیزی و روح البیان وغیرہ نے طبرانی اور بیہقی' مسند امام احمد وغیرہ سے روایت کی ہے کہ جب حضور علیہ السلام ہجرت فرما کر مدینہ تشریف لائے تو فدک کے ایک یہودی جماعت اپنے سردار عبداللہ ابن صوریا کو لے کر امتحان کی غرض سے آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی ابن صوریا بولا کہ ہماری کتابوں میں نبی آخر الزمان کی چند علامتیں لکھی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ وہ علامات دیکھیں فرمایا تحقیق کر لو وہ بولا بتایئے آپ کے سونے کا کیا حال ہے؟ فرمایا ہماری آنکھیں سوتی ہیں دل بیدار رہتا ہے بولا آپ نے سچ کہا۔ آخری نبی کی یہ علامت ہے پھر بولا اچھا چند باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ فرمایا پوچھو: پوچھا کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی ماں کے ہم شکل ہوتا ہے اور کبھی باپ کے فرمایا کہ بچہ ماں اور باپ دونوں کی منی سے بنتا ہے مگر ان میں سے جس کی منی اوپر رہے یا جس کی منی رحم میں پہلے داخل ہو یا جس کی منی زیادہ اور غالب ہو بچہ اسی کی شکل پر پیدا ہوتا۔ بولا بہت ٹھیک۔ اچھا بتایئے کہ بچے کا کون سا عضو باپ کی منی سے فرمایا ہڈی اور پٹھے باپ کی منی سے اور گوشت اور خون اور بال اور ناخن ماں کی منی سے بولا بالکل سچ ہے اچھا بتایئے کہ جنتیوں کو جنت میں پہلے کون سی غذا دی جائے گی فرمایا مچھلی اور بیل کا گوشت بعض روایات میں ہے کہ اور زمین کی روٹی بولا ٹھیک ہے۔ بتایئے کہ یعقوب علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام نے اپنے پر کون سی غذا حرام کی تھی اور کیوں کی تھی فرمایا ان کو عرق النساء کی بیماری تھی آپ نے نذر مانی کہ خداوند اگر مجھے اس بیماری سے نجات ملے تو میں اپنی مرغوب غذا یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ اپنے پر حرام کرلوں گا۔ بولا آپ کی تمام باتیں بالکل سچی ہیں۔ بس ایک بات اور بتا دیجئے تو میں اپنی جماعت کے ساتھ آپ پر ایمان لے آؤں گا" آپ پر وحی کون لاتا ہے۔ آپ کا رفیق و غمگسار کون فرشتہ ہے' فرمایا حضرت جبریل' یہ ہی سارے پیغمبروں پر وحی لاتے تھے اور یہی ان کے بھی رفیق تھے۔ بولا بس ہم ایمان نہ لائیں گے فرمایا کیوں بولا کہ جبریل تو یہود کا پرانا دشمن ہے اگر میکائیل قرآن لاتے ہوتے تو ہم ایمان لے آتے فرمایا اس نے تم سے کیا دشمنی کی۔ بولا ایک دو دشمنی نہیں بیسیوں رسالت ہمارے خاندان میں تھی اب انہی نے یہ عہدہ بنی اسمٰعیل کو دے دیا (2) ہمارے بزرگوں پر قسم قسم کے عذاب لانے والے یہی حضرت ہیں۔ ہمارے پیغمبر نے خبر دی تھی کہ ایک لڑکا بخت نصر عراق میں فلاں تاریخ کو پیدا ہو گا اور فلاں جگہ رہے گا۔ وہ بیت المقدس کو ویران اور بنی اسرائیل کو تباہ اور غارت کرے گا۔ ہمارے بزرگوں نے چند قاتل وہاں بھیجے تاکہ اسے کسی ترکیب سے قتل کریں انہوں نے اس بچے پر قابو بھی پالیا مگر انہی جبرئیل نے اسے بچایا جس پر اسی بخت نصر نے ہماری قوم کو ہلاک کر ڈالا بتایئے ان سے بڑھ کر ہمارا دشمن کون ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کی زمین مدینہ منورہ سے باہر تھی آپ اکثر اس کی دیکھ بھال کے لئے جاتے اور وہاں سے قریب ہی یہودیوں کا ایک مدرسہ تھا آپ جب بھی اپنی زمین میں جاتے تو اس مدرسہ میں ضرور تشریف لے جاتے اور یہودیوں کے وعظ نصیحت سنتے اتفاقاً" ایک دن اسی مدرسہ میں اس وقت پہنچے جب کہ وہاں سارے یہود علماء جمع تھے۔ سب نے کہا مرحبا۔ ہم آپ سے بہت محبت کرتے ہیں اور غالباً" آپ بھی ہم سے محبت رکھتے ہیں۔ کیونکہ آپ کے سوا اور کوئی صحابی ہمارے مدرسہ میں نہیں آتا۔ فرمایا کہ اے یہودیو میں اس لئے نہیں آتا ہوں کہ مجھے تم سے کوئی محبت ہے یا اپنے دین میں کوئی شک۔ یا تمہارے دین کی طرف کچھ میلان ہے میں تو صرف اس لئے آتا ہوں کہ تمہاری کتابوں سے قرآن کی حقانیت اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل معلوم کرکے اپنا ایمان اور قوی کروں' الحمد للہ اتنے روز کی آمدورفت میں اپنے دین پر میرا یقین اور بڑھ گیا اور تمہاری بدنصیبی پر افسوس کرتا ہوں کہ تم تورات میں اس نبی کے ایسے فضائل دیکھ کر بھی ان پر ایمان نہیں لاتے تب ان یہود نے یہ تقریر کی کہ جبریل ہمارے دشمن ہیں کہ ہمارے راز تمہارے نبی تک پہنچا دیتے ہیں اور ہم پر ساری مصیبتیں انہیں کے ہاتھوں آئیں میکائیل ہمارے دوست ہیں کیونکہ وہ بارش اور رحمت لاتے ہیں آپ نے فرمایا کہ جبرئیل اور میکائیل کا بارگاہ الٰہی میں کیا درجہ ہے وہ بولے کہ دونوں بہت ہی مقرب بارگاہ ہیں دونوں پر تجلی الٰہی ہوتی ہے۔ جبریل داہنی طرف اور میکائیل بائیں طرف رہتے ہیں حضرت عمر نے فرمایا کہ تم جیسے گدھوں سے زیادہ بے عقل کون ہو گا۔ جب وہ دونوں مقبول بارگاہ ہیں پھر جو ایک کا دشمن ہے وہ دونوں کا دشمن اور جو دونوں کا دشمن وہ رب کا دشمن یہ کہہ کر آپ حضور کی خدمت میں روانہ ہوئے۔ ابھی راستہ ہی میں تھے کہ حضور پر اسی مضمون کی یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب حاضر بارگاہ ہوئے تو حضور نے فرمایا کہ اے عمر رب نے تیرے کلام کی موافقت فرمائی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات متصل ہوئے ہوں اور یہ دونوں ہی اس آیت کے شان نزول ہوں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **قل من کان** یہ نہایت پرلطف کلام ہے کہنا تو یہ تھا کہ اے یہودیو تم خدا کے دشمن ہو مگر اس طرح کہا کہ جو دشمن جبریل کا ہے وہ ایسا ہے کیونکہ درپردہ بات ظاہر ہے بہتر ہے جیسے کوئی ہمیں گالی دے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ جو مجھے گالی دے گا میں اسے ماروں گا خیال رہے کہ اس آیت کو قل سے فرمایا گیا کیونکہ یہاں حضرت جبریل سے دشمنی کا ذکر ہے تو ارشاد ہوا کہ اے حبیب اس کا جواب تم دو تمہارے مخالفین کو ہم جواب دیں گے اور جبریل علیہ السلام جواب دیں گے مگر ہمارے اور فرشتوں کے دشمنوں کو تم جواب دو کیونکہ کیا خوب ہو ئی شعر

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تیرے سنی
اتنی ہے گفتگو تیری اللہ کو پسند

یہ لفظ "و" سے بنا ہے جس کے معنے ہیں حد سے بڑھ جانا بروزن فعول لانے میں دو واؤ جمع ہوئے۔ ان میں ادغام ہو گیا چونکہ دشمن بھی حد سے بڑھ کر مخالفت کرتا ہے اس لئے اسے عدو کہتے ہیں جبریل لفظ عبرانی ہے یہ جبر اور ویل سے بنا ہے۔ جبر کے معنے بندہ اور ویل اللہ کا نام۔ جس کے معنے ہوئے اللہ کا بندہ بعض نے فرمایا کہ ان کا نام عبد اللہ ہے اور جبریل لقب ہے یہ لفظ چھ طرح پڑھا جاتا ہے۔ جبرویل۔ جبرئیل۔ جبرائیل۔ جبرائیل اور جبرائیل۔ جبرین۔ تفسیر عزیزی نے فرمایا کہ جبریل اور میکائیل کا نام تو عبد اللہ ہے اور اسرافیل کا نام عبد الرحمن **فانہ نزلہ** بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے اور ف سے جزا کی علت ہے اور یہ ف تعلیلیہ ہے آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو جبریل سے دشمنی کرے وہ بڑا ہی بے وقوف ہے کیونکہ جبریل تو خدا کے حکم سے قرآن لاتے ہیں نہ کہ اپنی رائے سے بعض نے فرمایا کہ فا ہی جزا ہے اور کبھی جزا شرط کی علت ہوتی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ اگر آج اس نے تجھے مارا تو تو نے بھی کل اسے مارا تھا اب آیت کے معنے یہ ہوئے کہ جو جبریل سے دشمنی کرے گا یا کرتا ہے وہ اس لئے کرتا ہے کہ انہوں نے آپ پر قرآن بحکم الٰہی اتارا ہے گویا قرآن اتارنا دشمنی کی وجہ ہے۔ **علی قلبک** اگرچہ نزول قرآن آپ کی ذات پر ہوتا تھا مگر چونکہ مضمون قرآن قلب سمجھتا ہے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ اعتراض و جواب میں آئے گی۔ **باذن اللہ** نزول کے متعلق ہے یعنی جبریل خود نہ لائے۔ بلکہ اللہ کے حکم سے لائے ان سے عداوت دراصل رب سے عداوت ہے ان بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ قرآن تو ان کے لئے بھی باعث رحمت ہے انہیں چاہئے تھا کہ اس سے خوش ہوتے کیونکہ اس میں تین صفتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ **مصدقا لما بین یدیہ** ساری اگلی کتابوں کو سچا فرماتا ہے اگر یہ نہ آتا تو وہ سب غلط ہو جاتیں۔ دوسرے یہ کہ **ھدی** بمقابلہ اگلی کتب کے زیادہ کامل ہدایت دینے والا ہے کیونکہ اس کے احکام قیامت تک باقی ہیں۔ تیسرے یہ کہ **بشری للمؤمنین** مسلمانوں کو خوشخبری دینے والا اگر یہ بھی ایمان لے آئیں تو انہیں بھی بشارت دے ان کو چاہئے کہ جبریل امین کا احسان مانیں کہ وہ ان کے لئے ایسی اچھی کتاب لے آئے تفسیر خزائن العرفان نے اس جگہ فرمایا کہ اس میں اشارۃ "یہ بھی فرمایا گیا کہ وہ زمانہ گیا جب جبریل عذاب لاتے تھے اب تو بشارتیں لا رہے ہیں تم پھر بھی ان کی عداوت سے باز نہیں آتے یعنی پہلے حضرت جبریل کے دو کام تھے مسلمانوں کے لئے خوشخبریاں لانا اور کفار کے لئے عذاب۔ مگر اب سلطنت مصطفیٰ کا دور دورہ ہے اب ان کا کام صرف بشارت لانا ہی ہے۔ عذاب لانا بند ہو گیا خیال رہے کہ قرآن سارے عالم کے لئے ہدایت ہے کافروں کو ایمان کی مومنوں کو اعمال کی گنہگاروں کو توبہ کی نیکو کاروں کو بلندی درجات کی ہدایت دیتا ہے مگر بشارت صرف مومنوں کے لئے ہے لیکن ہم جیسے مومنوں کو مغفرت کی بشارت دیتا ہے کہ فرماتا ہے

www.alahazratnetwork.org

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ صحابہ کو بلندی درجات کی بشارت دیتا ہے۔ فرماتا ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ اور حضور کو بشارت دیتا ہے یا ایہا النبی انا ارسلنک شاھدا " الخ۔ غرض کہ اس کی ہدایتیں بھی مختلف ہیں اور اس کی بشارتیں بھی رنگ برنگی۔ یہاں تک ان کی حماقتوں کا ذکر ہوا۔ اب اس میں عداوت کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ فرمایا جا رہا ہے من کان عدو اللہ جو اللہ کا دشمن ہوا تو اس طرح کہ اس کی اطاعت نہ کرے یا یوں کہ اس کی رضا سے راضی نہ رہے یا اس طور کہ اس کے کسی فرشتہ کا مخالف وملئکتہ ورسلہ یا اس کے سارے فرشتوں اور سارے پیغمبروں کا دشمن ہو معلوم ہوا کہ ایک جبریل کی مخالفت ان سب کی دشمنی ہے وجبریل ومیکال اور جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو اگرچہ یہ دونوں بھی ملائکہ میں آ گئے تھے مگر چونکہ یہ دونوں سب فرشتوں میں افضل ہیں یا انہیں کا اس وقت تذکرہ تھا یا دشمنی یا دوستی انہیں سے ہی ہو سکتی ہے کیونکہ اسرافیل کا تعلق اس وقت دنیا سے ہے ہی نہیں اور عزرائیل سے کسی کو دشمنی نہیں بلکہ ان کا ڈر اور خوف ہے اور وہ بھی وحی کی وجہ سے نہیں بلکہ جان نکالنے کی وجہ سے اس لئے ان دونوں کا علیحدہ ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جبریل کی دشمنی کے ساتھ میکائیل سے دوستی بھی نہیں ہو سکتی کیونکہ ان دونوں کی ذمہ داریاں مشترک ہیں۔ خیال رہے کہ میکائیل کی بھی چند قراتیں ہیں۔ میکال۔ میکائیل۔ میکائل۔ میکئیل۔ میکئل۔ ان سب کے معنے ہیں عبداللہ معنے اللہ کا بندہ میک کا معنے بندہ اور ئیل اللہ۔ ان عداوتوں کا نتیجہ یہ ہوگا۔ فان اللہ عدو للکفرین کہ اللہ کافروں کا دشمن ہے یہ لوگ تو عداوت کر کے رب کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے مگر خود یہ دشمنوں کے گروہ میں آکر اپنا دین و دنیا تباہ کریں گے۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب خدا صلی اللہ علیہ وسلم ان بے وقوف یہودیوں کا ایک نامعقول عذر یہ بھی ہے کہ ہم قرآن کیسے مانیں اس کو تو جبریل لے کر آتے ہیں در حقیقت یہ عذر نہیں بلکہ نہ ماننے کا ایک بہانہ ہے مگر ان کا منہ بند کرنے کے لئے آپ ان سے کہہ دو کہ جو جبریل کا دشمن ہے وہ در حقیقت رب کا دشمن ہے کیونکہ جبریل اپنی طرف سے نہیں بلکہ رب کے حکم سے آپ پر قرآن لاتے ہیں ان سے ناراضی رب کے حکم سے ناراضی ہے ان کو چاہیے تھا کہ جبریل کا احسان مانتے کیونکہ وہ ایسی کتاب لائے ہیں کہ جو اگلی کتابوں کو سچا کرتی اور سب کو ہر طرح کی ہدایت دیتی ہے اور مسلمانوں کو خوشخبریاں سناتی ہے ان کی مثال تو اس اندھے کی سی ہے کہ کنوئیں میں گر رہا تھا کسی آنکھ والے نے اس پر ترس کھا کر اسے وہاں سے ہٹا دیا۔ وہ اندھا بجائے شکر گزار ہونے کے الٹی گالیاں دے کہ تو نے میرا ہاتھ کیوں پکڑا اور ضد میں آکر کنوئیں میں چھلانگ لگا دے اس نے اپنا ہی نقصان کیا بچانے والے کا کچھ نہ بگاڑا اعلان عام فرما دو کہ جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کے پیغمبروں کا اور جبریل و میکائیل کا دشمن ہو گا وہ کافر ہے اور اللہ کافروں کا دشمن ہے۔ انہوں نے بہت سے کفر کر ڈالے خدا کے فعل پر اعتراض کیا۔ اس کے خاص بندوں کو دشمن جانا جبریل جو کہ فرشتوں کے سردار اور حاضر باش دربار ہیں ان سے مقابلہ کی ٹھانی تو ایسے مصیبت میں گرفتار ہوئے کہ خدا کے دشمنوں کی فہرست میں ان کا نام آ گیا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ایک اللہ سے عداوت سارے محبوبان الٰہی بلکہ خود رب تعالیٰ سے عداوت ہے جس کا نتیجہ خود اپنی ہلاکت ہے دوسرا فائدہ: نبی کے لئے علم غیب ضروری ہے دیکھو ابن صوریہ نے علوم غیبیہ سے آپ کی نبوت آزمائی اور وہ باتیں پوچھیں جن تک ماہر طبیب اور کامل عقلمند کے ذہن کی رسائی نہیں اس پر

www.alahazratnetwork.org

حضور علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ میں تو سکھے بتانے آیا ہوں۔ مجھے غیبی خبروں سے کیا تعلق بلکہ ایسے نفیس جواب دیئے جس سے اس کا منہ بند ہو گیا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں کوئی شخص حضور کے برابر عالم نہیں ہو سکتا کیونکہ تمام لوگ توانسانوں سے سیکھ کر عالم بنتے ہیں مگر حضور انور نے تمام علوم خصوصاً" قرآن شریف اللہ تعالیٰ سے سیکھے کہ رب نے فرمایا **نزلہ علی قلبک** جبریل نے قرآنی علوم تمہارے دل پر اللہ کے حکم سے نازل کئے۔ جس سے تمام علوم تمہیں بغیر محنت حاصل ہو گئے **چوتھا فائدہ:** علمائے کاملین کو جائز ہے کہ مناظرہ کے لئے مندروں یا گرجوں یا یہودیوں کے کنیسوں میں جائیں اور اسلام کی حقانیت ثابت کرنے یا کفار کی تردید کے لئے ان کی کتابوں کا مطالعہ کریں مگر یہ انہیں علماء کے واسطے ہے جو حضرت فاروق جیسا قوی ایمان رکھتے ہوں عام لوگوں بلکہ عام علماء کو بھی بدمذہبوں کی کتابیں دیکھنا جائز نہیں ایسا نہ ہو کہ خود شبہ میں پڑ جائیں خاص علماء کو بھی مذکورہ صورتوں میں ہی جائز ہو گا بلا ضرورت ان کو بھی ایسی کتابیں پڑھنا حرام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایکبار عمر رضی اللہ عنہ کو بھی تورات کے دیکھنے سے منع فرمایا تھا دیکھو کتب احادیث۔ **پانچواں فائدہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وہ شان ہے کہ کبھی ان کی رائے کے مطابق قرآنی آئتیں اترتی تھیں بلکہ بہت سے قرآنی احکام بھی ان کے حسب منشاء آئے جن کا مختلف موقعوں پر ذکر کیا جائے گا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرت جبریل باقی ملائکہ سے افضل ہیں اسی لئے اس آیت میں ان کا ذکر میکائیل سے پہلے ہوا (2) نیز یہ قرآن' وحی اور علم لائے جو کہ غذائے روح ہیں۔ حضرت میکائیل بارش وغیرہ لاتے ہیں۔ جس سے بدن کو بقا ہے اور روح بدن سے افضل ہے۔ اسی لئے اس کی غذا بھی بدن کی غذا سے افضل اور پھر حضرت جبریل بھی حضرت میکائیل سے افضل (3) نیز قرآن کریم نے حضرت جبریل کی صفت میں فرمایا **مطاع ثم امین** جس سے معلوم ہوا کہ حضرت جبریل مطاع اور باقی سارے فرشتے ان کے مطیع اور فرمانبردار (4) نیز حضرت جبریل کے ذمہ انبیاء کرام کی خدمت رہی اور دوسرے انتظام کرنے والے فرشتوں کے ذمہ عام مخلوق کی خدمت اور بڑے مخدوم کا خادم بھی بڑا ہوتا ہے۔ تفسیر عزیزی نے طبرانی کی ایک روایت بیان فرمائی کہ فرشتوں میں افضل حضرت جبریل اور پیغمبروں میں افضل حضرت آدم دنوں میں افضل جمعہ مہینوں میں افضل ماہ رمضان راتوں میں افضل شب قدر اور عورتوں میں افضل حضرت مریم ہیں پیغمبروں میں آدم علیہ السلام اس لئے افضل ہیں کہ وہ تمام پیغمبروں کی اصل ہیں۔ جیسے کہ روئی کپڑوں کی اصل اس لئے سب سے افضل یا جڑ پھول و پھل کی اصل اس لئے ان سے افضل اور آدم علیہ السلام اس لئے افضل ہیں کہ وہ تمام پیغمبروں کی جڑ ہیں۔ مگر درجہ اور قیمت میں پھول پھل جڑ سے اعلیٰ ہے اور قیمتی کپڑے روئی سے بڑھ کر ایسے ہی حضور علیہ السلام درجات اور تقرب میں آدم علیہ السلام سے کہیں افضل ہیں۔

ساتواں فائدہ: رافضی بہت سی باتوں میں یہود سے ملتے جلتے ہیں یہود نے نبوت بنی اسرائیل سے خاص کی انہوں نے خلافت بارہ اماموں سے اور یہود نے پیغمبروں کو خدا کا بیٹا مان لیا اور بعض کو گالیاں دیں اور ایذائیں پہنچائیں رافضی نے بھی ایک خلیفہ یعنی حضرت علی کو خدا اور رسول سے بڑھ کر سمجھا اور باقی خلفاء پر تبرے کئے عام رافضی حضرت علی کو حضور سے افضل سمجھتے اور کہتے ہیں۔ مصرع مگر اپنے سے بڑھ کر ڈھونڈ کر داماد کرتے ہیں۔ نصیری فرقہ نے انہیں خدا مانا' عام رافضی یہ شعر پڑھا کرتے ہیں۔

دکھا دو یا علی جلوہ نصیری کے خدا تم ہو
یہ آنکھیں طالب دیدار ہیں حاجت روا تم ہو

یہود نے کہا حضرت جبریل نے نبوت بنی اسمٰعیل کو دے دی' رافضی بھی کہتے ہیں کہ حضرت علی وحی کے اصل مقصود تھے

www.alahazratnetwork.org

بظاہر حضور پر آگئی یہودی بھی دعویٰ کرتے تھے کہ فرشتے آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں رافضی بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ خلفاء راشدین ایک دوسرے کے دشمن تھے اور جیسے کہ ایک جبریل علیہ السلام سے دشمنی سارے ملائکہ رب سے دشمنی ہے ایسے ہی ایک صحابی سے عداوت رب سے عداوت ہے کہ خلفاء ثلاثہ کے مقابلہ میں خود جناب امیر علی مرتضیٰ دعویٰ خلافت نہ فرمائیں مگر یہ خیر خواہ سر پھوڑے مرے جاتے ہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن حضور کے قلب پاک پر آتا تھا نہ تمام ذات پر جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کا صرف مضمون ہی رب کی طرف سے ہے نہ کہ الفاظ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خود اپنے الفاظ ہیں کیونکہ الفاظ کان سے اور مضمون دل سے محسوس ہوتا ہے تو گویا بطور کشف قرآن کا القاء ہوتا تھا بعض موجودہ بے دین) جواب: قرآن کے الفاظ و مضامین سب ہی رب کی طرف سے ہیں رب فرماتا ہے۔ **انا انزلنه قرانا عربیا** کہیں فرماتا ہے **وهذا لسان عربی مبین** وغیرہ الفاظ ہی عربی فارسی ہوتے ہیں۔ نیز زبان سے الفاظ ہی ادا ہوتے ہیں نہ کہ مضمون اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ دل معنیٰ کی طرح الفاظ کو بھی سمجھتا ہے اور کان تو محض آلہ ہے جیسے آنکھ کے سامنے ایک عینک قرآن کے نزول کے وقت کان سنتے تھے اور دل سمجھتا دوسرے یہ کہ احادیث سے ثابت ہے کہ نزول وحی کے وقت حضور علیہ السلام پر غشی کی سی حالت طاری ہو جاتی تھی اس وقت بلاواسطہ کان الفاظ قلب پر ہی وارد ہوتے ہوں گے۔ تیسرے یہ کہ عام لوگ تو قرآن پاک اولاً کان سے سنتے ہیں اور بعد میں دل سے گویا کان دل کا راستہ ہیں۔ لیکن حضور علیہ السلام اولاً دل سے اور بعدہ کان سے محسوس فرماتے تھے جو کہ بڑا کمال ہے (تفسیر عزیزی) سبحان اللہ یہ عجیب فرق ہے قرآن کریم بواسطہ جبریل حضور تک پہنچا اور دو واسطوں سے (حضرت جبریل اور نبی علیہ السلام) مسلمانوں تک تو گویا قرآن نبی پر بھی اترا اور امت پر بھی فرق یہ ہی ہوا کہ امت کے دلوں نے بذریعہ کان قرآن سمجھا اور حضور علیہ السلام کے کان مبارک نے دل کے ذریعہ سنا ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں یہ ثابت کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نزول قرآن سے پہلے ہی عارف باللہ بلکہ اجمالاً قرآن سے آگاہ تھے اس کی نفیس تحقیق وہاں ہی دیکھو دوسرا اعتراض: اس آیت میں قرآن کی تین صفتیں بیان ہوئیں۔ اگلی کتابوں کی تصدیق، ہدایت اور خوشخبری ان صفات میں یہ ترتیب کیوں رکھی گئی جواب: اس میں بڑا نکتہ ہے کلام سننے والے تین طریق سے اس کو سچا جانتے ہیں عام لوگ تو اس طرح کہ وہ ان کے بزرگوں کے کلام کے موافق ہو۔ محققین دلائل سے، وہمی لوگ لالچ سے چونکہ یہود میں تینوں قسم کے لوگ موجود تھے اس لئے یہ تینوں صفتیں اس ترتیب سے بیان کی گئیں۔ تیسرا اعتراض: حضرت جبریل سے دشمنی کرنا خلاف عقل ہے، اس لئے موجودہ یہودی بھی اس کا انکار کرتے ہیں۔ جواب: ان بے وقوفوں سے یہ حماقت کچھ بعید نہیں انہوں نے تو موسیٰ علیہ السلام سے نیا خدا بھی مانگا تھا۔ موجودہ یہودی اپنے اس عیب کو چھپاتے ہیں جو بے وقوف قوم کہ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان سکتی ہے وہ حضرت جبریل سے دشمنی بھی کر سکتی ہے۔ چوتھا اعتراض: قرآن کریم پڑھا ہوا نازل ہوا اور پڑھی ہوئی چیز کان پر نازل ہوتی ہے نہ کہ دل پر لہٰذا قرآن دل پر نازل نہیں ہو سکتا جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ الفاظ کو سنتے کان، میں مگر انہیں محفوظ دل رکھتا ہے اس نسبت سے فرمایا گیا کہ دل پر اتارا یعنی دل میں جمع فرمادیا سننا کان کا کام ہے قبول کرنا اور رکھنا دل کا کام۔ کہا جاتا ہے تمہاری بات میرے دل میں اتر گئی دوسرے یہ کہ الفاظ

www.alahazratnetwork.org

قرآن کان پر نزول ہوئے مگر احکام قرآن و معنی و مسائل قرآن دل پر اترے جیسے اقیموا الصلوۃ کے الفاظ کان پر جب اترے تو رب کی طرف سے حضور نے یہ دل سے جان لیا کہ قائم کرنا کیا ہے اور صلوۃ کیا ہے اس کے مسائل کیا ہیں۔ تیسرے یہ کہ قرآن کے راز و رموز جو الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتے وہ حضور کے دل پر نازل ہوئے دنیا میں لاکھوں چیزیں صرف سمجھ میں آتی ہیں الفاظ سے ان کی تعبیر نہیں ہو سکتی' جیسے بھوک پیاس سفیدی وغیرہ کہ انہیں جانتے سب ہیں مگر لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتے۔

تفسیر صوفیانہ : تمام گناہوں سے بدتر گناہ اللہ والوں کی عداوت ہے اور تمام کفر میں بدترین کفر وہ جو محبوبان خدا کی عداوت کے سبب ہو اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قلب قابل فیضان نہیں رہتا اور ایسے بے دین کا رب بھی دشمن ہے صرف دو مجرموں کو حق تعالیٰ نے اعلان جنگ دیا ہے ایک سود خوار اور دوسرے محبوبان الٰہی کا دشمن۔ اس لئے چاہئے کہ ان دونوں بیماریوں سے خاص طور پر ڈریں محب گنہگار کی بخشش ہو جائے مگر دشمن عابد کی بخشش ناممکن ہے بلکہ حق یہ ہے کہ محبت کا کافر کچھ فائدے میں رہتا ہے مگر عداوت کا کافر ہر طرح خسارے میں ہے عیسائی کافر محبت ہیں دنیا میں سلطنت کر رہے ہیں۔ یہودی عداوت کے کافر دنیا میں ہمیشہ ذلیل ہی رہیں گے۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا
اور البتہ تحقیق اتاری ہم نے طرف تمہاری نشانیاں ظاہر اور نہیں کفر کریں گے
اور بے شک ہم نے تمہاری طرف روشن آیتیں اتاریں اور ان کے منکر نہ ہوں گے
الْفٰسِقُوْنَ ۞
ساتھ ان کے منکر نہ ہوں گے مگر فاسق لوگ
مگر فاسق لوگ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے یہود کا قلبی اندھا ہونا بیان ہوا تھا کہ وہ عداوت جبریل میں ایسے اندھے ہوئے کہ اس کی وجہ سے قرآن جیسی فائدہ مند کتاب کے منکر ہو گئے اب ان کا آنکھ کا اندھا ہونا بتایا جا رہا ہے کہ قرآنی آیتیں ایسی ظاہر ہیں کہ اندھوں کو بھی نظر آ جائیں مگر ان کو نظر نہیں آتیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت جبریل نے آپ پر قرآن ہمارے حکم سے اتارا اب فرمایا جاتا ہے کہ بلکہ ہم نے ہی اتارا وہ تو فقط ایک قاصد ہیں۔ یہود کو ہم سے کیا عداوت ہے جو ہماری کتاب نہیں مانتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ یہود عداوت جبریل کے سبب قرآن کے منکر ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے تو قرآن کے سوا اور صدہا آیات یعنی معجزات بلاواسطہ

www.alahazratnetwork.org

جبریل آپ پر اتارے ہیں۔ یہ لوگ ان کے کیوں منکر ہیں۔ ان میں تو جبریل کا واسطہ بھی نہیں۔ **چوتھا تعلق:** یہود نے اپنے انکار کی وجہ عداوت جبریل بتائی اس آیت میں ان کی تردید ہے کہ نہیں بلکہ اس کی وجہ ان کا ذاتی فسق اور بے دینی ہے۔

شان نزول : ابن صوریہ نے ایک دفعہ عرض کیا تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ ہمارے پاس کوئی ایسی چیز نہ لائے جسے ہم پہچانتے اور نہ آپ پر کوئی ظاہری آیت اتری جسے ہم دیکھتے اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ایک دفعہ معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے یہودیو پہلے تم اہل کتاب تھے اور ہم مشرک تم نے ان نبی آخر الزمان کی تعریفیں سنا سنا کر ہمیں ان کا شیدائی بنا دیا رب کی شان کہ ہم نے اور تم نے ان کو پا بھی لیا تو تمہاری بتائی ہوئی صفتوں سے ہم ان پر ایمان لے آئے تم کیوں محروم رہ گئے اس پر یہود نے کہا یہ تورات کی بتائی ہوئی نشانی لے کر نہ آئے جس سے ہم ان کو نبی مانیں تب یہ آیت اتری ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات ہوئے ہوں کہ ادھر تو ابن صوریا نے حضور سے عرض کیا ہو اور ادھر دوسرے یہود نے معاذ ابن جبل سے اور تب یہ آیت اتری ہو۔

تفسیر : **ولقد انزلنا الیک** انزال کے معنے ہیں ایک دم اتارنا۔ سارا قرآن تو ترتیب وار اترا۔ لیکن اس کے بعض رکوع ایک دم اترے ہیں۔ اس لئے یہاں انزلنا فرمایا گیا۔ نیز ہر رمضان میں جبریل امین پورا قرآن سنا جاتے تھے اس لحاظ سے انزلنا فرمایا گیا یا رب تعالیٰ نے آپ پر اتارنے کے لئے سارا قرآن ایک دم پہلے آسمان کی طرف اتار دیا پھر وہاں سے فرشتہ کے ذریعے ترتیب وار آتا رہا تو گویا بلاواسطہ تو ایک دم اترا اور بالواسطہ آہستہ یا آیات سے مراد معجزات ہیں۔ **ایت بینت** آیات آیت کی جمع ہے جس کے معنی ہیں نشانی یا علامت چونکہ قرآن کا ہر جملہ رب تعالیٰ کی نشانی ہے۔ اس لئے اسے آیت کہتے ہیں اور قرآن میں بہت سی آیتیں ہیں اس لئے آیات فرمایا گیا۔ یا قرآن کی ہر آیت صدہا طریق سے حضور کی نبوت ثابت کر رہی ہے۔ اس لئے آیت کو آیات کہا گیا۔ فصاحت' بلاغت' غیب کی خبر توحید و نبوت کے دلائل' احکام' مسائل قریب قریب ہر آیت میں موجود ہیں یا آیات سے مراد معجزات ہیں۔ بینات کے معنے ہیں ظاہر اور کھلے ہوئے کیونکہ اس کا معجزہ ہونا عام لوگ معلوم کر چکے تھے۔ اس لئے اسے بینات کہا گیا یعنی ہم نے آپ پر کھلی ہوئی نشانیاں اتاریں' **وما یکفربھا** کسی میں جرات اور ہمت نہیں کہ ان کا انکار کرے **الا الفسقون** جو حد انسانیت سے نکل چکے ہیں' فاسق فسق سے بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں نکل جانا جیسے کہ وہ مسلمان فاسق کہلائے گا جو گناہ کبیرہ کر کے تقویٰ کی حد سے نکل جائے ایسے ہی کافر کو بھی اس لئے فاسق کہا جاتا ہے کہ وہ حد ایمانی یا حد انسانی سے نکلا ہوا ہے۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جہاں قرآن کریم فسق کو کفر کے ساتھ جمع فرماتا ہے تو اس سے بدترین کفار مراد ہوتے ہیں۔ **خلاصہ تفسیر:** اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر وہ قرآن اتارا جو ہماری وحدانیت اور آپ کی نبوت پر کھلی ہوئی دلیل ہے ان کا کوئی بھی بے علمی اور نادانی یا کسی شبہ سے انکار نہ کرے گا۔ بلکہ محض خباثت نفس سے یا یوں کہو کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر یہود جبریل کی وجہ سے قرآن کو نہیں مانتے تو ہم نے تو قرآن کے علاوہ اور بہت سے معجزات بھی اتارے ہیں آپ کے فراق میں ستون رویا آپ سے درختوں نے کلام و سلام کیا آپ سے اونٹوں نے شکایت اور ہرنوں نے اپنے دکھ کی حکایت کی آپ کے اشارۂ انگشت سے چاند پھٹا' سورج لوٹا' انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹے' تھوڑے کھانے سے بڑی خلقت سیر ہوئی ان باتوں کو دیکھتے ہوئے پھر یہ کیوں آپ کے منکر ہیں معلوم ہوا کہ جبریل کا تو فقط بہانہ ہے ان کا

www.alahazratnetwork.org

نفس ہی خبیث ہے۔ خیال رہے کہ نبوت نبی کی ان کے معجزات سے معلوم ہوتی ہے۔ اور نبی کی پہچان کے بعد کتاب اللہ کو پہچانا اور مانا جاتا ہے۔ نبوت کی پہچان کتاب اللہ کے ماننے پر موقوف نہیں اس لئے بہت سے نبی ایسے بھی گزرے جن کے پاس کتاب اللہ تھی ہی نہیں اور بہت سے وہ ہوئے جن کے پاس پرانی کتاب تھی وہاں ان کی نبوت ان کے معجزات سے معلوم ہوئی فرمایا جارہا ہے کہ تم قرآن کو تو پیچھے ماننا پہلے اس محبوب کو ان کے معجزات کے ذریعے سے تو مان لو ان معجزات میں تو جبریل کا واسطہ نہیں تعجب ہے کہ تم قرآن کے بہانے سے نبی پر ایمان نہیں لاتے اس توجیہ پر یہ آیت بہت باریک ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ : قرآن و کفار کی مثال ایسی ہے جیسے کہ اندھیری کوٹھڑی میں خوبصورت اور بدشکل لوگ جمع تھے بدصورت اپنے حسن کی تعریف کر رہا تھا' وہ سمجھتا تھا کہ اس اندھیرے میں مجھے کون دیکھ رہا ہے جو چاہوں اپنی زور زبان سے منوالوں کہ اچانک وہاں شمع آگئی' یہ تیز زبان بدصورت اس کو اٹھ کر پھونکیں مارنے اور اس میں عیب نکالنے لگا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ شمع بری ہے وجہ یہ ہے کہ اس بھی کو اپنے عیب کھلنے کا اندیشہ ہے۔ اسی طرح سعید و شقی روحیں تاریک دنیا میں جمع تھیں مگر شقی اپنی تیز زبانی سے اپنی سعادت کے خطبے پڑھ رہے تھے کہ اچانک اللہ کا نور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک روشن شمع (قرآن) لے کر دنیا میں تشریف لائے جس روشنی میں ہر چیز صاف نظر آنے لگی۔ کفار نے اپنا کفر و فسق چھپانے کے لئے اس میں صدہا قسم کے عیب نکالنے شروع کر دیئے اور چاہا کہ اس شمع کو بجھا دیں مگر رحمانی شمع انسانی پھونک سے کبھی نہیں بجھ سکتی۔ آج تک قرآن کے ہزاروں دشمن ہیں مگر قرآن دن بدن ترقی کر رہا ہے کسی صوفی نے کیا خوب کہا۔

شمع رخشندہ دراں جمع نہ خواہند کہ تا　　　عیب شان در شب تاریک بماند مستور

وائے آں وقت کہ روشن شود ایں ہمہ زچوں روز　　　پردہ برخیزد و ایں حال بیاید بظہور

چمگادڑ کی آنکھ چاہتی ہے کہ آفتاب نہ نکلے مگر آفتاب نکل کر ہی رہتا ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ
کیا اور جب کبھی عہد کیا انہوں نے کوئی عہد پھینک دیا اس کو ایک گروہ نے ان میں سے بلکہ بہت سے
اور کیا جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں ان میں سے ایک فریق اسے پھینک دیتا ہے بلکہ ان میں بہتیروں کو
اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ
ان کے نہیں ایمان لاتے　　اور جب کہ آیا ان کے پاس' پیغمبر پاس سے
ایمان نہیں　　اور جب ان کے پاس تشریف لایا اللہ کے یہاں سے ایک رسول ان کی کتابوں
عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ
اللہ کے سچا کرنے والا واسطے اس کے جو ساتھ ہے انکے تو پھینک دیا ایک گروہ نے ان میں سے
کی تصدیق فرماتا تو کتاب والوں میں سے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب

www.alahazratnetwork.org

اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ

جو دیئے گئے کتاب　کتاب اللہ کی　پیچھے پیٹھوں　اپنی　کے

اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دی　گویا وہ　کچھ

لَا یَعْلَمُوْنَ ۝

گویا وہ نہیں جانتے

علم ہی نہیں رکھتے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ یہود عداوت جبریل کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی خباثت کی وجہ سے آیات کا انکار کرتے ہیں اب اس دعویٰ کا نہایت قوی ثبوت دیا جا رہا ہے کہ عہد شکنی ان کا عام دستور ہے۔ بتاؤ یہ عہد کا کیوں انکار کرتے ہیں ان میں تو حضرت جبریل کا واسطہ نہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کے نفس ہی خبیث ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا آیات الٰہی کے انکار کا ذکر ہوا تھا۔ اللہ کی آیتوں میں کفار شک بھی کرتے مگر اب ان کی عہد شکنی کا ذکر ہے۔ جو کہ ہر مذہب و ملت میں برا ہے تو گویا اس میں اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ وہ یہود تورات کو اس لئے مانتے ہیں کہ بغیر واسطہ جبریل آئی۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ یہ تو خود تورات کو بھی پس پشت ڈال چکے اس کے بھی عامل نہ رہے معلوم ہوا کہ جبریل کا بہانہ ہے اصل وجہ فسق و فجور ہے۔

شان نزول : ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود کے بڑے عالم مالک ابن سیف اور اس کی جماعت کو حق تعالیٰ کے وہ عہد و پیمان یاد دلائے جو کہ تورات میں نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کے متعلق لئے گئے تھے تو ابن سیف نے ان کا صاف انکار کر دیا کہ ہم سے اس کے متعلق کوئی عہد نہیں لیا گیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خزائن العرفان) خیال رہے کہ بعض گناہ گزشتہ چھپے گناہوں کو ظاہر کر دیتے ہیں اور گزشتہ نیکیوں کو چھپا لیتے ہیں اور بعض نیکیاں گزشتہ چھپی نیکیوں کو ظاہر کر دیتی ہیں اور گناہوں کو چھپا لیتی ہیں۔ یزید پلید نے نماز روزے صدقات جہاد کئے تھے مگر واقعہ کربلا نے اس کے یہ سب اعمال چھپا لئے اور اس کے سارے چھپے عیب زنا شراب خوری وغیرہ دنیا میں مشہور کر دی۔ صحابہ کرام کی صحابیت نے ان کے زمانہ جاہلیت کے سارے عیب چھپا لئے اور ان کی گزشتہ ساری نیکیاں ظاہر کر دیں۔ اسی طرح ان بنی اسرائیل کی عداوت جناب مصطفیٰ نے ان کی گزشتہ نیکیاں تو چھپا لیں مگر ان کی بد عہدیاں اور دیگر قصور دنیا کے سامنے کر دیئے اگر یہ لوگ حضور پر ایمان لے آتے تو معاملہ برعکس ہوتا۔ اس لئے رب نے پہلے تو ان کی گزشتہ بد عہدیوں کا ذکر کیا پھر لما جاء ھم سے اس جرم کا جس نے ان کے سارے جرم کھلوا دیئے رب کی پناہ۔

تفسیر : اوکلما یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے یا تو او کے بعد یا ہمزہ کے بعد اور واؤ سے پہلے یعنی اولم یکن ذلک کلما اور کیا یہ نہیں ہوا کہ جب بھی انہوں نے عہد کیا تو توڑ دیا اور اگر ہمزہ اور واؤ کے درمیان فعل پوشیدہ ہو تو یہ واؤ حالیہ ہے یا عاطفہ یعنی ینکرون ذالک وکلما الخ کیا یہود اپنے فسق کا انکار کر سکتے ہیں حالانکہ ہر عہد توڑتے رہے یا اکفروا بالایات

www.alahazratnetwork.org

وکلما کیا انہوں نے واضح آیتوں کا بھی انکار کیا اور ہر عہد بھی توڑا غرضکہ یہ سوال تو تعجب کا ہے یا انکاری۔ **عھدوا عھدا** عاھدوا معاہدہ سے بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں آپس میں عہد و پیمان کرنا عہدا" یا تو مفعول مطلق ہے یا مفعول اور اس عہد سے یا تو رب کا عہد مراد ہے کہ اس نے یہود سے توریت پر عمل کرنے انبیاء کی اطاعت کرنے آپس میں خونریزی نہ کرنے اور نبی آخرالزمان پر ایمان لانے کا عہد لیا تھا مگر انہوں نے وہ سارے عہد توڑ ڈالے یا نبی علیہ السلام کا عہد جو یہود مدینہ بنی قریظہ اور بنی نضیر نے حضور سے کیا تھا کہ ہم آپ کے دشمنوں کی آپ کے مقابل بھی مدد نہ کریں گے۔ مگر خندق وغیرہ کے موقع پر عہد شکنی کرکے مشرکین مکہ کی خوب مدد کی اس کے علاوہ بھی مسلمانوں کی خفیہ خبریں کفار قریش کو بھیجتے رہے یا موسیٰ علیہ السلام کا عہد مراد ہے کہ یہود نے ان سے صدہا عہد کئے اور توڑ دیئے یا مسلمانوں کا عہد یا خود ان کے آپس کا عہد کہ یہود اپنے کسی وعدے کے پابند نہ تھے عہد شکنی ان کی عادت ہو چکی تھی حالانکہ اس کو ہر دین و ملت برا کہتا ہے۔ **نبذہ فریق منھم** ان میں سے ایک گروہ اس عہد کو پس پشت پھینک دیتا ہے۔ نبذ سے یہ بتایا کہ یہود اپنے عہدوں کا ذرا بھی پاس اور لحاظ نہیں کرتے پیٹھ پیچھے کی چیز بالکل نظر نہیں آتی، دائیں بائیں کی کچھ نظر تو آتی ہے تو انہوں نے عہد دائیں بائیں نہ پھینکا کہ کچھ دکھائی بھی دے بلکہ پیچھے پھینکا کہ بالکل نظر ہی نہ پڑے۔ فریق سے یہ بتایا کہ عہد شکنی سارے یہود کا طریقہ نہیں ان میں سے بعض نہایت وفادار ہیں جیسے کہ سیدنا عبداللہ ابن سلام وغیرہ، فریق چھوٹی یا بڑی جماعت کو کہتے ہیں یہ لفظ فرق سے بنا ہے اس کے لفظی معنے ہم پہلے بتا چکے ہیں۔ **بل اکثرھم لا یؤمنون** لفظ فریق سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید بد عہد بہت تھوڑے یہودی ہوں گے اس کو باطل فرما کر فرمایا اکثرھم نہیں ان میں بد عہد بہت ہیں پھر بھی شبہ تھا کہ شاید یہود بد عہدی کو جرم اور اپنے کو مجرم سمجھتے ہوں گے فرمایا نہیں بلکہ **لا یؤمنون** وہ پابندی عہد پر ایمان نہیں لاتے یعنی اس عیب کو عیب نہیں بلکہ ہنر سمجھتے ہیں یا توریت کی ان آیات ہی کو نہیں مانتے جن میں وفاء عہد کا حکم ہے یا توریت ہی پر ایمان نہیں رکھتے پھر پابندی عہد کا کیا ذکر ہے۔ **ولما جاءھم رسول** یہ عہد اور عہد خلافیوں کے ایک بڑی وعدہ خلافی یہ ہے کہ جب کہ ان کے پاس وہ بڑے رسول تشریف لائے جن میں چند خاص صفات تھیں ایک یہ کہ **من عند اللہ** وہ رب کے پاس سے آئے اور بادشاہ کے پاس سے آنے والے حاکم کا بہت ادب و لحاظ چاہئے کہ اس کی مخالفت دراصل بادشاہ کی توہین ہے مگر انہوں نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی دوسری صفت یہ ہے **مصدق لما معھم** وہ پیغمبر خود ان کی کتابوں ان کے پیغمبروں کو سچا کرتے ہیں کہ انہوں نے ان کی آمد کی پیشین گوئی کی تھی اگر یہ نہ آتے تو یہ خبر جھوٹی ہو جاتی ان کے آنے سے وہ سچے ہو گئے یا یہ پیغمبر ان کو سچا کہتے ہیں یا ان پیغمبر کی برکت سے تمام دنیا میں اگلی کتابوں اگلے پیغمبروں کی صداقت کے قیامت تک خطبے پڑھے جائیں گے۔ خیال رہے کہ رب نے تمام مخلوقات کے لئے خلق ارشاد فرمایا مگر نبیوں اور حضور کے لئے جاء فرمایا کیونکہ ہم پہلے کچھ نہ تھے دنیا میں آکر سب کچھ ہوئے مگر وہ حضرات پہلے ہی سب کچھ تھے رب کے عابد، مومن، عارف تھے وہاں سے سیکھ کر یہاں آئے یہاں سکھانے آئے نیز دوسری جگہ ارشاد ہوا **لقد جاءکم رسول** یہاں فرمایا **ولما جاءھم رسول** وہاں دوست کے پاس آنے کا ذکر تھا یہاں دشمنوں کے پاس آنے کا ذکر ہوا معلوم ہوا کہ وہ دوست دشمن سب کے پاس آئے بارش ہر قسم کی زمین پر برستی ہے خواہ زمین گندی ہو یا ستھری، رسول فرما کر ارشاد ہوا کہ دنیا میں رسالت کی شان لے کر آئے اور معراج میں رب کے پاس عبدیت کی اداسے گئے اس لئے یہاں عبدہ ارشاد ہوا اللہ اکبر اسے عبد کے اور مخلوق

www.alahazratnetwork.org

اپنا رسول نبی کے وہاں کے لئے وہ لقب یہاں کے لئے یہ لقب مگر ان بد نصیبوں نے ان سے یہ سلوک کیا کہ **نبذ فریق من الذین اوتوا الکتب** مشرکین کفار کی کیا شکایت خود وہ لوگ جنہیں کتاب الٰہی ملی اور جن کو اس کی خبر تھی ان میں سے ایک گروہ نے پھینک دیا۔ **کتاب اللہ وراء ظھورھم** اللہ کی کتاب کو پیٹھوں کے پیچھے کہ اس پر کوئی توجہ ہی نہ کی خیال رہے کہ **اوتوا الکتب** سے یا تو علمائے یہود مراد ہیں جنہیں تورات کا علم تھا یا عام یہود اور کتاب اللہ سے یا تو قرآن کریم مراد ہے کیونکہ اس کے کتاب الٰہی ہونے کا ان کو بھی یقین تھا یا تورات شریف امام سدی فرماتے ہیں کہ یہود نے تورات کا قرآن سے مقابلہ کیا تو مطابق پایا قرآن کریم کی جلن میں تورات کو بھی چھوڑ دیا کہ ہم وہ کام نہ کریں گے جو قرآنی احکام کے موافق ہوں (تفسیر خزائن العرفان) پیٹھ پیچھے کی کتاب بالکل نظر نہیں آتی انہوں نے بھی تورات پر بالکل نظر نہ کی اور ایسے انجان بنے کہ **کانھم لا یعلمون** گویا وہ قرآن اور تورات کو جانتے ہی نہیں۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ یہود تورات شریف کو حریر و ریشم کے غلاف میں لپیٹتے اور اس کو سنہری رو پہلی رنگوں سے زینت دیتے تھے مگر اس کے احکام پر عمل نہیں کرتے تھے اس لئے رب نے فرمایا کہ انہوں نے تورات کو پھینک دیا۔

خلاصہ تفسیر : یہود کے چار فرقے تھے ایک تو صحیح معنے میں توریت پر عامل تھے جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے جیسے ابن سلام اور کعب احبار رضی اللہ عنہم اسی لئے قرآن نے فریق فرمایا کہ منکر سب نہیں ہیں بلکہ ایک گروہ ہے مگر یہ بہت تھوڑے اس لئے فرمایا گیا **بل اکثرھم لا یومنون** دوسری وہ جماعت جنہوں نے علانیہ عہد شکنی اور سرکشی و بغاوت کی ان کے لئے فرمایا **نبذہ فریق منھم** تیسرے وہ جہلا جنہوں نے بے علمی اور علماء کے بہکانے سے تورات سے منہ موڑا ان کے لئے فرمایا **بل اکثرھم لا یومنون** چوتھے وہ جو دیدہ و دانستہ جاہل بن گئے اور نبی آخر الزمان کو پہچان کر بے خبری ظاہر کرنے لگے ان کے لئے فرمایا گیا **کانھم لا یعلمون** ان میں سے پہلا فرقہ تو ناجی ہے باقی تینوں ناری۔ مگر جس کا جیسا جرم ویسی ہی سزا فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ حضرت جبریل کا بہانہ کر رہے ہیں ان کی تو یہ حالت ہے کہ سوا چند مخلص لوگوں کے باقی سب نے اپنے عہد و پیمان توڑ دیئے کسی نے کھلے بندوں کسی نے خفیہ کسی نے جہالت سے کسی نے جاہل بن کر یہ لوگ ایسے گندے عذر کہاں کہاں کریں گے آپ ان کی بکواس پر دھیان نہ دیں اللہ کے عہد انہوں نے توڑے رسولوں کے عہدوں کا انہوں نے خیال نہ کیا آپس کے عہد و پیمان توڑنے میں یہ بڑے ماہر کتاب اللہ کو پس پشت انہوں نے ڈال دیا قرآن کریم کی جلن میں تورات کو انہوں نے پھینک دیا۔ پھر ایسی ہٹ دھرم قوم کا کیا ٹھکانہ ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** وعدہ خلافی کرنا سخت جرم ہے اور نبی سے وعدہ خلافی کرنا اور بھی بہت سخت اور رب سے بے وفائی کرنا بڑا ہی سخت جرم ہے۔ جس کی بات ٹھیک نہیں اس کا باپ کا ٹھیک نہیں **دوسرا فائدہ** : عالم بے عمل اور جاہل برابر ہیں بلکہ ایسے عالم کی سزا سخت ہے کیونکہ جاہل تو کسی قدر معذور بھی ہے اسی لئے بزرگان دین فرماتے ہیں کہ زبانی وعظ صرف کان تک اور دل کا وعظ دل تک پہنچتا ہے جتنے بے عمل عالم کا وعظ اثر نہیں کرتا۔ لوگ سن کر بھول جاتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اگر کتاب اللہ پر عمل نہ ہو تو اس کا چومنا چاٹنا ظاہری طور پر اس کو پڑھنا بیکار ہے۔ جیسا کہ ان یہودیوں کے حال سے معلوم ہوا کہ بغیر عمل توریت کی تعظیم ان کے لئے کچھ کام نہ آئی اگر طبیب کا نسخہ ستھرے غلاف میں لپیٹ

www.alahazratnetwork.org

کر رکھا جائے روزانہ اس کو پڑھ لیا جاوے مگر اس پر عمل نہ ہو کبھی فائدہ نہ دے گا مگر خیال رہے کہ یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو کہ کتاب اللہ کو حق نہ جانیں یا بے دھڑک اس پر عامل نہ رہیں جیسے کہ یہود کا حال ہے جو گنہگار مسلمان نادانی سے قرآن پاک پر پورا عمل نہیں کرتا پھر اپنے کو قصور مند مجرم جانتا ہے اس کے لئے قرآن پاک کی تعظیم اس کی تلاوت اس کو دیکھنا ضرور باعث ثواب ہے قرآن کریم کے ایک حرف پڑھنے میں دس نیکیاں ہیں محبوب کا نام لینے سے بیماری ہلکی پڑ جاتی ہے پیارے کا دیدار شفاء بیمار ہے بعض دواؤں کے نام سے مرض دور ہو جاتا ہے جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔ لہٰذا قرآن دیکھنا اس کا پڑھنا اس کی تعظیم سب فائدہ مند ہے یہ نہیں کہ جو عمل نہ کر سکے وہ تلاوت اور تعظیم بھی چھوڑ دے **چوتھا فائدہ:** حضور علیہ السلام اپنے ظہور سے پہلے رب کے حضور میں حاضر تھے کیونکہ فرمایا گیا **من عند اللہ** یہ رسول اللہ کے حضور سے آئے۔ حضور الٰہی سے وہی آئے گا جو پہلے وہاں حاضر ہو گا۔ تفسیر روح البیان نے **لقد جاءکم رسول** کی تفسیر میں ایک حدیث نقل فرمائی کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے جبریل امین سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے عرض کیا یہ تو مجھے خبر نہیں ہاں اتنا جانتا ہوں کہ ایک تارا ستر ہزار سال کے بعد طلوع کرتا تھا میں نے اس کو 72 ہزار مرتبہ نکلتے دیکھا ہے فرمایا وہ تارا ہمارا ہی نور تھا **پانچواں فائدہ:** ایک شب پھول کی صحبت میں رہ کر تل بھی مہک جاتے ہیں کہ ان کا تیل جس دماغ پر پہنچے اس کو بھی معطر کر دے۔ جو ذات کریم کہ کروڑوں سال رب کے حضور حاضر رہے اس کو کیا کچھ فیض نہ ملے ہوں گے اور پھر وہ صحابہ جنہوں نے اس ذات کریم کی صحبت پائی وہ کیونکر نہ چمکے ہوں گے رافضی صحابہ کرام کے کمالات کا انکار کر کے در حقیقت حضور علیہ السلام کی توہین کرتے ہیں اور دیوبندی حضور کے کمالات کے منکر ہو کر رب کے کمال کے منکر ہیں عالم کے پاس جاہل کچھ سال رہے تو عالم بن جائے مگر حضور علیہ السلام کی صحبت میں رہ کر صحابہ کرام بے فیض رہیں اور رب کے پاس رہ کر حضور علیہ السلام کو فیض حاصل نہ ہو۔ **چھٹا فائدہ:** حضور علیہ السلام رب کا ہدیہ ہیں جو کہ مسلمانوں کو عطا ہوا۔ کیونکہ فرمایا گیا **من عند اللہ** اور بادشاہ اپنی حیثیت کے موافق ہدیہ دیتا ہے تو حق تعالیٰ کا ہدیہ تمام ہدیوں کا بادشاہ ہے۔ حضور علیہ السلام تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** اگرچہ سارے نبی اللہ کے پاس سے آئے اور حضور بھی مگر جتنا قرب اور جتنا زیادہ قرب رب سے حضور کو رہا اتنا کسی کو نہ ملا۔ لہٰذا جو فیض رب سے حضور نے لیا وہ کسی نے نہ لیا آپ کے گھر میں آپ کے پاس ماں باپ بیوی بچے خدام اور دوست سب رہتے ہیں مگر جتنا قرب آپ کے دوست کو آپ سے ہو گا اتنا کسی سے نہ ہو گا۔ اس لئے قیامت میں حضرت خلیل فرمائیں گے کہ میں تو باہر کا دوست تھا اس کے پاس جاؤ جو اندرونی دوست ہے اس لئے رب نے حضور کی خصوصی صفت فرمائی **من عند اللہ**

اعتراض : پہلا اعتراض: یہود توریت کو مانتے تھے پھر کیوں فرمایا گیا کہ انہوں نے توریت پھینک دی۔ **جواب:** صرف زبانی مانتے تھے عملاً "مخالف تھے اور عمل کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ صرف زبانی شیخی کا **دوسرا اعتراض:** جاہل معذور ہے چاہئے کہ وہ قرآن کا انکار کرنے پر سزا نہ پائے۔ **جواب:** جاہل پر لازم ہے کہ علم حاصل کرے وہ اس سے لاپرواہی حاصل کر کے گنہگار اور ملزم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : مشہور تو یہ ہے کہ علم ظاہری علم باطنی پر مقدم ہے اور بصارت یعنی آنکھ کی روشنی بصیرت یعنی قلبی روشنی سے پہلے مگر علم ظاہری کا فیض علم باطنی کے بعد ہے اور بصارت کا فائدہ بصیرت سے حاصل ہوتا ہے دیکھو یہود کے پاس علم ظاہری

www.alahazratnetwork.org

اور بصارت کی کمی نہ تھی مگر علم باطنی اور بصیرت نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے کتاب الٰہی کو اسی طرح پس پشت ڈال دیا جیسے کہ مجنون و دیوانہ بچے موتی کو کھلونا یا لعل کو ٹھیکری سمجھ کر اور ان کا یہ علم ظاہری و بصارت ان کے لئے زیادہ وبال جان بن گیا لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے علم میں علم باطنی پیدا کرے اور اللہ والوں کی صحبت سے بصیرت حاصل کرے اور رب کی پکڑ سے ڈر کر توبہ و استغفار میں جلدی کرے ندامت ہر قسم کی ہے ایک تو دن بھر کی ندامت جیسے کہ کوئی شخص بغیر ناشتہ کے گھر سے نکل جاوے تو دن بھر اپنے اس کئے پر نادم رہے گا۔ دوسرے سال بھر کی ندامت جیسے کہ کوئی وقت کے بعد بیج بوئے تو سال بھر تک نادم رہے گا کہ میں نے یہ سال برباد کر دیا۔ تیسرے عمر بھر کی ندامت جیسے کہ کوئی خراب عورت سے نکاح کرے وہ عمر بھر پریشان رہے گا چوتھے ہمیشہ کی ندامت اللہ و رسول کا باغی آخری قسم کا نادم ہے کہ ہمیشہ ہی روئے گا جیسے کہ تریاق دیکھنا زہر کو دور نہیں کر سکتا بلکہ اس کا استعمال شرط ہے ایسے ہی کتاب اللہ و رسول کو معمولی طرح دیکھ لینا زہر کفر نہیں مٹاتا بلکہ ان کی اطاعت و فرمانبرداری اس زہر کا علاج ہے۔

حکایت : نصیر الدین طوسی جو کہ علم ریاضی کا بڑا ماہر گذرا ہے ایک ولی کی ملاقات کرنے گیا کسی نے ان بزرگ سے عرض کیا کہ یہ دنیا کا اس وقت بڑا عالم ہے انہوں نے پوچھا کہ اس میں کیا کمال ہے کہا کہ علم نجوم میں کامل ماہر ہے فرمایا سفید گدھا اس سے زیادہ نجوم جانتا ہے طوسی کو بہت ناگوار گذرا اور وہاں سے اٹھ گیا۔ کمال اتفاق سے رات کو ایک چکی والے کے گھر پہنچا جس کے یہاں بہت سے گدھے پلے ہوئے تھے گدھے والا بولا کہ حضرت آج سخت بارش ہوگی۔ اندر آرام کرو طوسی نے پوچھا تجھے کیا خبر اس نے کہا کہ جب میرا گدھا اپنی دم تین بار ہلاتا ہے تو سخت بارش ہوتی ہے۔ آج اس نے دم ہلائی ہے چنانچہ کچھ دیر بعد تیز بارش آئی۔ تب یہ معلوم ہوا کہ واقعی گدھے بھی علم نجوم والے سے زیادہ واقفیت رکھتے ہیں 'ہوا میں اڑنا' دریا پر چلنا' بڑا عالم ہو جانا کوئی کمال نہیں۔ مکھی بھی اڑتی ہے۔ مچھلی بھی تیرتی ہے۔ چیل آندھی کو اور مینڈک بارش کو پہلے سے ہی معلوم کر لیتے ہیں یہ اوصاف جانوروں میں بھی ہیں بڑا علم شیطان کو بھی تھا۔ تصوف اور فقیری اطاعت مصطفیٰ علیہ السلام سے حاصل ہوتی ہے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا ۔۔۔ تصور میں ترے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا ۔۔۔ حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

صوفیاء فرماتے ہیں بنی اسرائیل توریت کے منکر نہ تھے اسے مانتے بھی تھے۔ اس پر عمل کا دعویٰ بھی کرتے تھے مگر رب نے فرمایا کہ انہوں نے اسے پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا کیونکہ حضور کا انکار کر کے توریت کا ماننا ماننا نہیں اس پر عمل عمل نہیں تمام چیزیں قالب ہیں حضور قلب۔ یوں ہی حضور سے منہ موڑ کر توحید توحید نہیں نماز وغیرہ عبادات عبادتیں نہیں قرآن پڑھنا تلاوت نہیں بلکہ ایسا شخص توحید وغیرہ کو پس پشت ڈالنے والا ہے۔ نیز جب توریت نے حضور کو برحق کہا تو اپنے کو حضور کی آمد پر منسوخ فرمایا۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا
اور پیروی کی انہوں نے اس کی جو پڑھتے ہیں شیطان اوپر سلطنت سلیمان کے اور نہیں
اور اس کے پیرو ہوئے جو شیطان پڑھا کرتے تھے سلطنت سلیمان کے زمانے میں اور

www.alahazratnetwork.org

كَفَرَ سُلَيْمٰنُ	وَلٰكِنَّ	الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا	يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ	
کفر کیا سلیمان نے	اور لیکن	شیطانوں نے کفر کیا	سکھاتے ہیں	
سلیمان نے کفر نہ کیا	ہاں	شیطان	کافر ہوئے	
السِّحْرَ ق				
لوگوں کو جادو				
لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں۔				

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ یہود نے اللہ کی کتاب کو پس پشت ڈال دیا۔ اب اس کی ایک بڑی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ جادو سیکھنے سکھانے میں مشغول ہو گئے اس لئے کتاب الٰہی کو پھینک بیٹھے **دوسرا تعلق:** پہلے کہا گیا تھا یہود حضرت جبریل کے مخالف ہیں اب فرمایا گیا کہ کیوں نہ ہوں یہ تو ان شیاطین کے دوست ہیں جنہوں نے علم جادو کو رواج دیا۔ رب کے دشمنوں سے دوستی کرنے والا راضی ہونے والا رب کے دین سے عداوت کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگلے پیغمبروں اور ان کی کتابوں کو سچا فرماتے ہیں اب اس کی زندہ مثال پیش فرمائی جا رہی ہے کہ دیکھو حضرت سلیمان کو عام یہودیوں نے جادوگر کہا ان کی نبوت کا انکار کیا حضرت سلیمان پر بھی اسی نبی کا کرم ہے کہ انہوں نے ان سے یہ الزام دور کیا اور دنیا میں ان کی نبوت کا اعلان فرمایا **چوتھا تعلق:** یہود نے کہا کہ اگر میکائیل قرآن لاتے تو ہم اس پر ایمان لے آتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے یہودیو یہ نہ کہو بلکہ یوں کہو کہ اگر یہ علم جادو ہوتا اور شیاطین اس کے لانے والے ہوتے تو ہم اس پر ایمان لے آتے کیونکہ تم جادو کے متوالے ہو۔

شان نزول : تفسیر کبیر نے فرمایا کہ علماء یہود کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر تعجب ہے کہ حضرت سلیمان کو نبی کہتے ہیں وہ تو صرف جادوگر تھے ان کی تردید میں یہ آیت اتری' تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا گیا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک تک یہ ہی مشہور رہا کہ سلیمان علیہ السلام جادوگر تھے جادو ہی کے زور سے انہوں نے اتنی بڑی سلطنت حاصل کر لی تھی۔ حق تعالیٰ نے یہود کی تردید اور حضرت سلیمان کی تائید کے لئے یہ آیت اتاری ان دونوں قولوں کا نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے ان میں کچھ اختلاف نہیں۔

تفسیر : **واتبعوا** یہ لفظ اتباع سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا' یہاں پیروی کرنا مراد ہے یا اس سے وہ یہود مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں موجود تھے کیونکہ یہ بھی جادو کے بہت دلدادہ تھے یا ان کے پیچھے لوگ عام یہودی کیونکہ یہ سب ہی حضرت سلیمان کی نبوت کے منکر تھے **ما تتلوا الشیطین** سے مراد جادو کی کتابیں یا ان کے منتر ہیں **تتلوا** تلاوت سے بنا ہے۔ جس کا مادہ تلو ہے اس کے معنے ہیں پیچھے ہونا یا پیچھے چھوڑنا اسی لئے منطق میں شرط کی جزا کو تالی کہتے ہیں کہ وہ مقدم سے پیچھے ہوتی ہے کیونکہ پڑھنے والا بھی کتاب کی عبارت کو پیچھے چھوڑتا ہے اور آگے بڑھتا رہتا ہے اسی لئے پڑھنے اور خبر دینے کو تلاوت کہا جاتا ہے اگر اس کے بعد لام آئے تو سچی خبر دینے کے معنی ہوں گے اور اگر علیٰ آوے تو جھوٹی خبر کے معنے تکوت لہ

www.alahazratnetwork.org

اور تکوت علیہ چونکہ یہاں علیٰ آرہا ہے لہٰذا اس کے معنی جھوٹی خبر کے ہوئے (تفسیر کبیر) شیاطین سے یا تو خبیث جن مراد ہیں
جیسا کہ روایت میں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد شیطان شکل انسانی میں یہود کے پاس جاکر بولا حضرت
سلیمان کی سلطنت جادو کے زور سے تھی آؤ میں تمہیں جادو کی کتابیں دکھاؤں یہ کہہ کر ان کے تخت کے نیچے کی زمین کھدوائی اور
وہاں سے جادو کی کتابیں نکلوائیں اس کا پورا قصہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا اور یا خبیث انسان مراد ہیں جیسا کہ روایت میں
ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے علوم کتابوں میں جمع فرما کر اپنے تخت کے نیچے داب دیئے۔ ان کی وفات کے بعد کچھ
عرصہ، منافقین نے چپکے سے وہ کتب نکال کر ان میں جادو شامل کر دیا۔ اور لوگوں سے کہا کہ ان ہی علوم کی وجہ سے وہ اتنے بڑے
بادشاہ بن گئے تھے (تفسیر کبیر) شیطان شطن سے بنا ہے جس کے معنی ہیں فساد اور فریب۔ ہر فسادی اور فریب کار لغتہ" شیطان
ہے۔ شریعت میں ابلیس کو شیطان کہتے ہیں۔ یہ تمام جنات کا باپ ہے اس کی پیدائش آگ سے ہے۔ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ
میں ہے کہ شیطان کے ایک ران میں مذکر کی علامت ہے اور دوسری میں مونث کی خود اپنے سے جماع کرتا ہے اور خود حاملہ ہوتا
ہے اور خود بچہ جنتا ہے اس کے علاوہ ان کی پیدائش کے بہت سے طریقے ہیں ہر انسان کے ساتھ ہی شیطان پیدا ہوتا ہے جسے ہمزاد
کہتے ہیں اسی کو لوگ بھوت وغیرہ بھی کہا کرتے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ اگر انسان جماع کے وقت بسم اللہ نہ پڑھے تو اس
جماع میں شیطان شریک ہو جاتا ہے اور بچے میں شیطانی صفات ہوتے ہیں۔ **علی ملک سلیمن** یا تو علیٰ فی کے معنے میں ہے
اور ملک سے پہلے عہد پوشیدہ ہے۔ یعنی یہود نے اس جادو کی پیروی کی جو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کے زمانہ میں لوگوں
کو بتاتے تھے یا معنی یہ ہیں کہ حضرت سلیمان کی سلطنت پر بہتان باندھتے تھے کہ شیاطین جادو سکھاتے تھے تفسیر کبیر نے اس کے
بہت نفیس معنے یہ بھی کئے کہ شیاطین حضرت سلیمان کی سلطنت پر بہتان باندھتے تھے کہ یہ سب کچھ اس جادو کی وجہ سے ہوا
اب علیٰ اپنے ہی معنی میں رہا اور کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی بھی ضرورت نہ رہی ملک سلیمان سے یا ان کی ظاہری بادشاہت مراد
ہے یا باطنی یا نبوت یا ان کی وحی اور شریعت (تفسیر کبیر) رب تعالیٰ ان کی براءت فرماتا ہے کہ **وما کفر سلیمن** حضرت سلیمان
نے کبھی کفر نہ کیا یعنی اکثر جادو میں کفر ہوتا ہے یا اس میں کفریہ شرائط پائی جاتی ہیں یا عملاً" کفر ہے یعنی جادو کرنا کفار کا کام ہے اور
چونکہ سلیمان علیہ السلام پیغمبر تھے اس لئے وہ جادو کر سکتے ہی نہیں۔ جب جادو اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے تو جادو اور نبوت میں
کیونکہ اجماع ہو گا بلکہ بات یہ ہے **ولکن الشیطن کفروا** کہ در اصل انسانی یا جنی شیطانوں نے کفر کیا کہ **یعلمون الناس
السحر** کہ لوگوں کو جادو سکھاتے ہیں سحر کے لفظی معنی ہیں چھپی چیز صبح صادق کو اسی لئے سحر کہتے ہیں کہ وہ رات کی اندھیری
میں کچھ چھپی ہوتی ہے سینہ کو بھی اسی لئے سحر کہا جاتا ہے کہ وہ کرتے یا قمیص سے چھپا رہتا ہے۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ
حضور علیہ السلام کی وفات **بین سحری و نحری** یعنی میرے سینے اور گلے کے درمیان ہوئی جادو کو بھی سحر اسی لئے کہتے ہیں کہ
اس کا سبب چھپا ہوتا ہے شریعت میں سحر کے معنی ہیں خفیہ طور پر کسی چیز کو خلاف اصل ظاہر کرنا یہ برا بھی ہے اور اچھا بھی کسی کو
فریب دینے کے لئے یہ حرکت کرنا برا ہے اپنے زور بیان سے غلط بات کو بھی ثابت کر دینا کمال ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے
ہیں۔ **ان من البیان لسحرا** بعض وعظ جادو ہوتے ہیں۔ یعنی بعض واعظ اپنے زور بیان سے مشکل بات کو واضح کرتے ہیں
اور ان کے کلام کا جادو کی طرح دلوں پر اثر ہوتا ہے آیت میں برا جادو ہی مراد ہے جادو کی قسمیں اور ان کے احکام انشاء اللہ فوائد
میں بیان ہوں گے اس زمانے کے بعض روشن دماغ لوگ جنات اور جادو کے منکر ہیں مگر یہ انکار گمراہی ہے یہ دونوں برحق ہیں

www.alahazratnetwork.org

حضور پر جادو کا اثر ہو گیا تھا جس کے اتارنے کے لئے سورۂ فلق اور سورۂ ناس نازل ہوئیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا جادوگروں سے مقابلہ قرآن کریم میں بہت تفصیل سے مذکور ہے یوں ہی جنات بھی انسانوں پر اثر کر دیتے ہیں رب فرماتا ہے **کالذی یتخبطہ الشیطن من المس۔**

خلاصہ تفسیر : حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے شیاطین جنات آسمان پر جاتے اور فرشتوں کے کلام سنا کرتے تھے جو آئندہ واقعات کی بابت آپس میں گفتگو کرتے ہوتے تھے یہ گفتگو سن کر کاہنوں کو سناتے تھے مگر اس میں بہت جھوٹ ملا کر پھر وہ کاہن (پنڈت نجومی) لوگوں کو یہ خبریں پہنچاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں چونکہ جنات سے عمارات بنوائی جاتی تھیں اور نہریں کھدوانے، عمدہ عمدہ حوض و قلعے بنوانے کا کام لیا جاتا تھا جس سے کہ شیاطین اور انسانوں سے خلط ملط رہتا تھا چونکہ جنات کی طاقت انسان سے زیادہ ہے اس لئے وہ انسانوں کو عجیب عجیب کرتب دکھا کر انہیں حیران کر دیتے تھے۔ انسان ان سے پوچھتے کہ تم یہ عجیب کام کیسے کر لیتے ہو تو وہ کہتے کہ فلاں منتر اور فلاں ٹوٹکے کے زور سے وہ لوگ ان منتروں اور ٹوٹکوں کو جن میں صدہا کفریہ اور شرکیہ باتیں ہوتی تھیں سیکھ لیتے بلکہ لکھ لیتے اور جب انسان بھی یہ منتر پڑھتے تو در پردہ شیطان کوئی عجیب کام کر دیتے تھے۔ جس سے انسانوں کو یقین ہو گیا کہ یہ منتر بہت تاثیر والے ہیں۔ یہاں تک کہ ان منتروں کی کتابیں تیار ہو گئیں۔ ہوتے ہوتے سلیمان علیہ السلام کی خبر لگی آپ نے اپنے وزیر آصف بن برخیا کو حکم دیا کہ شیطانوں کو جمع کر کے انہیں انسانوں سے ملاقات کرنے سے روک دو اور وہ تمام کتابیں جمع فرما کر صندوق میں بھر کر اپنے تخت کے نیچے دفن کر لویں اور حکم دیا کہ جو کوئی منتر یا جادو کرے گا سخت سزا پائے گا آپ کی وفات کے بعد شیطان یہود کے پاس انسانی شکل میں آیا اور بولا کہ تمہیں خبر ہے کہ حضرت سلیمان کو اتنی بڑی بادشاہت کیونکر ملی، صرف اس جادو سے ملی۔ جس کی کتابیں ان کے تخت کے نیچے جمع ہیں اگر تم بھی ان کتابوں پر عمل کرو تو ان کی ہی طرح بادشاہ بن جاؤ گے پھر کیا تھا یہود دوڑے اور زمین کھود کر کتابوں کا صندوق نکالا ان میں لکھے ہوئے جنتر منتروں پر عمل شروع کیا۔ چونکہ شیاطین چاہتے تھے کہ انسان ہماری پوجا کریں۔ ان منتروں میں بت پرستی کی شرائط تھیں۔ شیاطین سے مدد مانگنے کے الفاظ جب یہود یہ الفاظ پڑھتے شیطان چپکے سے ان کا کام کر دیتے رفتہ رفتہ تقریباً ساری قوم یہود نے توریت کو چھوڑ دیا اور ان واہیات میں پھنس گئے اور ان میں یہ مشہور ہو گیا کہ سلیمان علیہ السلام بادشاہ نہ تھے صرف جادوگر حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک یہی مشہور رہا۔ اس آیت نے اصلی بات بتائی۔ اور حضرت سلیمان علیہ السلام سے یہ اتہام دور کیا فرمایا کہ اے بے دین یہودیو! حضرت سلیمان پیغمبر ہیں اور جادو یا تو خود کفر ہے یا اس میں بت پرستی جنات پر بھینٹ قربانی ان کی نذر و نیاز وغیرہ کفریات کی شرطیں ہیں یا یہ کفار کا کام ہے۔ اتنا بڑا پیغمبر کفر کیسے کر سکتا ہے انہوں نے کبھی بھی کفر نہ کیا بلکہ شیاطین نے کفر کیا کہ ان کے زمانہ میں موقعہ پا کر لوگوں کو جادو سکھا دیا اور الٹا حضرت سلیمان علیہ السلام کو الزام لگایا وہ اس الزام سے بری ہیں اللہ کے مقبول پیغمبر ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جادو کے موجد دراصل شیاطین ہیں نہ کہ حضرت سلیمان اور نہ ہاروت ماروت، جب جادو پھیل گیا تو لوگوں کے بچانے کے لئے ہاروت و ماروت آئے جیسا کہ اگلی آیت میں معلوم ہو گا اسی لئے قرآن کریم نے پہلے شیاطین کا ذکر فرمایا اور پھر ہاروت و ماروت کا اور ساتھ ہی فرما دیا کہ ہاروت و ماروت اس سے

www.alahazratnetwork.org

لوگوں کو روکتے ہیں۔ دوسرا فائدہ: جادو اکثر کفری ہوتا ہے یا تو خود اس میں کفریہ الفاظ ہوتے ہیں یا کفریہ شرائط یہ کفار کا کام ہے اور کفر تیسرا فائدہ: کفر سکھانا کفر ہے جب کہ عمل کے لئے ہو اگر بچنے کے لئے سکھایا تو کفر نہیں شیطانوں نے عمل کے لئے جادو سکھایا اور وہ کافر ہوئے ہاروت و ماروت نے بچنے کے لئے جادو سکھایا وہ کافر نہ ہوئے علماء کرام کفریہ الفاظ بچنے کے لئے بتاتے اور کتب فقہ میں لکھتے ہیں یہ بہت ثواب ہے لیکن اگر یہ ہی الفاظ عمل کے لئے سکھائے جائیں تو سیکھنے سکھانے والے دونوں کافر۔ چوتھا فائدہ: انبیاء کرام کفر اور گناہ کبیرہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کو لوگوں نے جادوگری کی تہمت لگائی تو قرآن کریم نے ان کی سخت تردید فرما دی جو ان کو جادوگر یا ایک منٹ کے لئے کافر مانے وہ خود بے دین ہے پانچواں فائدہ: حضور علیہ السلام کی ذات سے گذشتہ پیغمبروں کو بھی فائدے پہنچے حضور سے ہی حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم کی پاک دامنی کے خطبے پڑھے گئے حضور سے ہی حضرت سلیمان علیہ السلام سے جادوگری کا الزام دور ہوا اور دنیا نے ان کو پیغمبر مانا اسی لئے انبیاء کرام حضور کی بشارتیں سناتے اور خوشیاں مناتے تھے کہ ان کے دم قدم سے ہماری بگڑی بنے گی۔

رب تعالیٰ حضور کے طفیل ہمارے عیب چھپالے اور ہماری بھی بگڑی بنائے۔ چھٹا فائدہ: بعض جادو خود کفر ہیں اور بعض میں کفریہ شرطیں ہیں بعض کفر تو نہیں مگر حرام ہیں اور بعض جادو حلال' جادو خواہ کیسا ہی ہو مگر اس کا سیکھنا کفر نہیں ہر علم سیکھنا اچھا ہے (تفسیر کبیر) ہاں عمل کے لئے سیکھنا کفر ہے اگر بعض جادو سیکھنا یا سکھانا کفر ہو تا تو ہاروت و ماروت معصوم فرشتے اس کی تعلیم کے لئے رب کی طرف سے نہ آتے نیز اس آیت سے حضرت سلیمان کے جادو کرنے کی نفی ہے نہ کہ جاننے کی حضرت خود جانتے تھے مگر کبھی کیا نہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو ساتواں فائدہ: تفسیر کبیر و عزیزی نے جادو سلیمان کی آٹھ قسمیں بتائیں اور ہر ایک کے علیحدہ علیحدہ احکام بتائے (۱) جادو کلدانیں یا جادو بابل یہ ہی ہاروت ماروت سے نکلا ہے یہ جادو تمام جادوؤں سے مشکل ہے اور اس سے عجیب عجیب کام ہوتے ہیں اس کی حقیقت یہ ہے کہ سارے اجسام میں ایک قدرتی روح ہے۔ چاند' سورج' تارے چاروں عناصر (پانی ہوا آگ مٹی) اس جادو میں تمام روح کو اپنے تابع کر لیا جاتا ہے۔ جن سے جو چاہے کام لیتے ہیں اسی جادو کا بابل میں بہت زور تھا اور اسی کی تردید کرنے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھیجے گئے۔ چونکہ اس قسم کا جادوگر عالم کی تمام چیزوں پر حکومت کرتا ہے اس لئے ابراہیم علیہ السلام کو رب نے سارے عالم کی چیزیں دکھا دیں۔ **وکذلک نری ابرھیم ملکوت السموت والارض** تاکہ وہ ان تمام چیزوں کو ملاحظہ فرما کر معلوم فرمالیں کہ سب رب کے حکم کے تابع ہیں اور آپ نے سیر کرکے فرمایا **انی وجھت وجھی للذی فطر السموت والارض** اے قوم تم ان چاند' سورج میں مستقل تاثیر مان بیٹھے میں تو ان کے خالق کو مانتا ہوں نمرود کے زمانہ میں اس جادو سے بہت ہی عجیب چیزیں بنائی گئیں تھیں۔

حکایت: نمرود کے زمانہ میں تانبے کی ایک بسط تھی' جس وقت کوئی جاسوس یا چور اس شہر میں آتا تو اس بسط سے آواز نکلتی جس سے وہ پکڑا جاتا۔ ایک نقارہ تھا کہ جب کسی کی کوئی چیز گم ہو جاتی اس میں چوب مارتے نقارہ اس چیز کا پتہ دیتا ایک آئینہ تھا جس سے غائب شخص کا حال معلوم ہوتا تھا جب بھی اس آئینہ میں نظر کی وہ غائب آدمی اس کا شہر اور قیام گاہ اس میں نمودار ہو گئی۔ نمرود کے دروازے پر ایک درخت تھا جس کے سایہ میں درباری لوگ بیٹھتے تھے جوں جوں آدمی بڑھتے جاتے اس کا سایہ پھیلتا جاتا تھا۔ ایک لاکھ آدمی تک سایہ پھیلتا رہتا تھا۔ اگر لاکھ سے ایک بھی زیادہ ہو جاتا سارے دھوپ میں آجاتے ایک حوض تھا

www.alahazratnetwork.org

جس سے مقدمات کا فیصلہ ہوتا تھا۔ مدعی اور مدعی علیہ باری باری اس میں گھستے جو سچا ہوتا اس کے ناف کے نیچے پانی رہتا تھا اور جو جھوٹا ہوتا اس میں غوطہ کھاتا تھا۔ اگر فوراً توبہ کر لیتا تو بچ جاتا ورنہ ہلاک ہو جاتا اس قسم کی طلسمات پر اس نے دعویٰ خدائی کر دیا تھا۔ جادو خالص کفر و شرک ہے کیونکہ اس میں جادوگر تمام چیزوں کی روحوں کو مستقل موثر جانتا ہے اور ان کی قربانی نذر و نیاز استمداد وغیرہ کرتا ہے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ جنات شیاطین کو تابع کر لیا جائے اور ان سے حسب منشاء کام لیا جاوے۔ اس کا اب بھی بہت رواج ہے اور یہ آسانی سے حاصل ہو جاتا ہے یہ بھی صریح کفر ہے کہ اس میں بتوں کی پرستش ان کے نام کی بھینٹ و قربانی وغیرہ کرنا ہوتی ہے۔ تیسری قسم یہ ہے کہ مردہ انسانوں کی روحوں کو منتر وغیرہ سے قبضہ میں کیا جاوے اور اس سے کام لئے جائیں اور اس کو عمل ہمزاد یا عمل بیر بھی کہتے ہیں یہ بھی کفر ہے کہ اس میں شیاطین کی پرستش اور ان سے استمداد وغیرہ ہوتی ہے کہ ہمزاد کو ہمارے قابو میں کر دو۔ اس قسم کا جادو شہوت پرستی اور غصہ وغیرہ میں کام آتا ہے۔ اس لئے عیاش جوگی وغیرہ اس کے عامل ہوتے ہیں۔ چوتھی قسم یہ ہے کہ کسی ذریعہ سے انسان کے خیالات اور حواس خراب کر دیئے جاتے ہیں۔ جس سے اس کو کچھ کا کچھ نظر آنے لگتا ہے۔ اس کو نظر بندی کہتے ہیں اسی جادو کا فرعون کے زمانے میں بہت زور تھا۔ قرآن کریم فرماتا ہے **یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی** وہ رسیوں کو سانپ کی طرح چلتا پھرتا دکھائی دیتے تھے آج بھی بعض جادوگر مٹی کا روپیہ بنا کر لوگوں کو دکھاتے ہیں اور پھر پیسہ پیسہ بھیک مانگتے ہیں اگر وہ مٹی واقعہ روپیہ ہو جاتی تو یہ بھیک کیوں مانگتے اس قسم کا جادو کفر نہیں۔ ہاں اولیاء اللہ کے مقابلہ میں کیا جاوے تو گناہ کبیرہ ہے انبیاء کے مقابلہ میں ہو تو کفر کیونکہ مقابلہ نبی کفر ہے۔ پانچویں قسم خیالی جادو ہے کہ مطلوب کی صورت کو سامنے رکھ کر اس پر نظر اور خیال خوب جمایا یہاں تک کہ مقصد حاصل ہو گیا۔ اس کو مسمریزم بھی کہتے ہیں کہ انسان کی نظر سے چیز کھینچ آتی ہے اور معلق ہو جاتی ہے وغیرہ وغیرہ یہ جادو اگر حلال کام کے لئے کیا جاوے تو حلال ہے اور حرام کے لئے ہو تو حرام ہے چھٹی قسم نیرنج ہے۔ جس میں بعض بعض دوائیں وغیرہ کے ذریعہ عجیب عجیب کام کئے جاتے ہیں مثلاً" کوئی شخص اپنی انگلی کو کالی سرکہ میں تر کر کے سمندر جھاگ میں ملا کر مالش کرے تو انگلیاں آگ میں نہ جلیں گی وغیرہ وغیرہ بعض گھڑیوں کے حروف رات میں چمکتے ہیں ان میں بھی کوئی مصالحہ ہی ہوتا ہے۔ ساتویں قسم سحر حیل ہے۔ جس میں سائنسی آلات کے ذریعہ عجیب عجیب کام ہوتے ہیں، جیسے ریڈیو، فوٹوگراف وغیرہ۔ آٹھویں قسم شعبدہ ہے۔ جس کو ہاتھ کی صفائی بھی کہتے ہیں اس میں اس چالاکی سے چیز بدلی جاتی ہے کہ دیکھنے والوں کو اس کا پتہ نہیں چلتا اور وہ سمجھتے ہیں کہ اس نے یہ چیز ہی بدل دی یہ تینوں قسمیں نہ کفر ہیں نہ حرام صوفیاء عظام نے آیات قرآنیہ اور اعمال جائز اور اسمائے الٰہیہ سے وہ وہ عجیب باتیں دکھائیں جن سے ساحر بھی حیران رہ گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** بزرگوں کے کمال یا اعمال کو نہ دیکھنا اور ان کا حال دیکھنا اور اسے ناجائز طریقوں سے حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور ان پر جھوٹے اتہام باندھنا کہ انہیں یہ مال فلاں ناجائز طریقے سے حاصل ہوا کفار کا طریقہ ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل نے حضرت سلیمان کے اعمال و کمال نہ تو دیکھے نہ ان کی پیروی کرنے کی کوشش کی ان کا مال و دولت دیکھا اور کہا کہ آپ نے یہ سب جادو سے حاصل کیا پھر اس کی ہوس میں خود جادو سیکھا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج مشائخ کے لنگروں ان کی دنیاوی مالداری کو دیکھ کر ان پر اعتراض کرتے ہیں جیسے حضور غوث پاک کی مالداری۔ انبیاء صفات الٰہی کے مظہر ہیں اس لئے ان کے رنگ بھی جداگانہ ہیں۔ حضور غوث پاک مالدار ہیں حضرت ابن ادھم مسکین۔ **نواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام سے کفار کے اعتراض اٹھانا سنت الٰہیہ ہے دیکھو کفار نے حضرت سلیمان کو جادو کی تہمت لگائی رب نے ان کی

www.alahazratnetwork.org

منقبت بیان کی۔ حمد الٰہی سنت انبیاء ہے نعت مصطفوی سنت الٰہیہ اور سنت انبیاء۔ دسواں فائدہ: ہمارے حضور کا سارے نبیوں پر احسان ہے کہ حضور کی برکت سے ان پر سے کفار کے الزام اٹھے۔ مسئلہ: تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا نظر بد وغیرہ کے لئے جائز اور دعائیں پڑھنا جائز ہیں۔ خود حضور علیہ السلام نے ایسی دعاؤں کی تعلیم دی اور صحابہ کرام نے عمل کے مسئلہ: جس دعا یا منتر کے معنے کی خبر نہ ہو ان سے پرہیز چاہئے ممکن ہے کہ ان میں کفریہ الفاظ ہوں۔ مسئلہ: کفریہ الفاظ سے منتر کرنا نجاست سے آیات قرآنیہ لکھنا (جیسے خون یا پیشاب وغیرہ) الٹی آیات پڑھنا یا لکھنا حرام ہیں اس سے بچنا ضروری ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: سحر وغیرہ خلاف عقل ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسانی الفاظ یا آواز میں ایسی عجیب تاثیریں ہوں کی یہ تو اس کے وہم ہیں (نیچری) جواب: الفاظ اور آواز میں بہت تاثیریں ہیں گالی سے رنج، صدمہ کی خبر موت، خوشی کی خبر سے فرحت حاصل ہوتی ہے یہ الفاظ ہی تو ہیں، فوجی حاکم کی سیٹی (بگل) سے فوج کا حملہ اور گارڈ کی سیٹی سے ریل کی روانگی ہو جاتی ہے جس ساحر کے قبضہ میں جنات ہوں وہ اس کا اشارہ پا کر کچھ حرکت کرتے ہیں تو کیا تعجب ہے۔ سانپ کی پھونک میں زہر نیولے کی پھونک میں تریاق ہے۔ ایسے ہی قرآن خوان کی پھونک میں شفا اور جادوگر کی پھونک میں بیماری ہونا کوئی مشکل نہیں۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے ایسی نقصان دہ چیزوں کو پیدا ہی کیوں فرمایا؟ جواب: دنیا کا انتظام مضر اور مفید چیزوں سے ہی قائم ہے اس نے سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور کیوں پیدا کئے آپ کو کیوں پیدا کیا۔ آپ کی ذات سے بجز زمین گندا کرنے کے اور کیا حاصل ہے۔ تیسرا اعتراض: حضرت سلیمان علیہ السلام نے وہ جادو کی کتابیں دفن کیوں کرائیں۔ جلوا کیوں نہ دیں تاکہ یہ مٹ جائیں۔ جواب: وہ رب کی مرضی سے واقف تھے ان کا ہر کام ادھر کے اشارے پر ہوا یہ ایسا ہی سوال ہے کہ کہا جاوے کہ انہوں نے سانپ وغیرہ مروا کیوں نہ دیئے۔ شیاطین کو زندہ ہی کیوں چھوڑا۔ خود رب نے شیطان کو ہلاک ہی کیوں نہ کیا۔ اس کو قیامت تک مہلت کیوں دے دی؟ تفسیر صوفیانہ پوری آیت کے بعد بیان ہوگی۔

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ

اور وہ جو اتارا گیا اوپر دو فرشتوں کے بیچ بابل کے ہاروت اور ماروت

اور وہ جادو جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت اور ماروت پر اترا

وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا

اور نہیں سکھاتے کسی کو یہاں تک کہ کہتے ہیں بجز اس کے نہیں کہ ہم آزمائش ہیں بس نہ

اور وہ دونوں کسی کو کچھ نہ سکھاتے جب تک یہ نہ کہہ لیتے کہ ہم تو نری آزمائش ہیں

تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ

کفر کر تو بس سیکھتے ہیں وہ چیز جو جدائی ڈالیں ساتھ اس کے درمیان

تو اپنا ایمان نہ کھو تو ان سے سیکھتے وہ جس سے جدائی ڈالیں

www.alahazratnetwork.org

زَوْجِهٖ
مرد اور بیبی اس کی کے
مرد اور اس کی عورت میں

تعلق : یہ جملہ پچھلے جملہ کا تتمہ ہے۔ پہلے مطلق سحر کا ذکر ہوا اب خاص کا ذکر ہو رہا ہے پہلے بتایا گیا تھا کہ شیاطین سے سحر حاصل کیا گیا اب بتایا جا رہا ہے کہ فرشتوں سے بھی حاصل کیا گیا۔

تفسیر : **وما انزل** یہ ما موصولہ ہے اس کا عطف یا تو سحر پر ہے یا **واتبعوا** کے ما پر یعنی سکھاتے ہیں شیاطین جادو اور وہ چیز جو ہاروت ماروت پر اتاری گئی یا پیروی کی یہود نے شیطانوں کے بتائے جادو کی اور اس کی جو ہاروت ماروت پر اتاری گئی یا ملک سلیمٰن پر عطف ہے یعنی شیاطین نے حضرت سلیمان پر تہمت باندھی اور ہاروت ماروت کے اتارے ہوئے پر بھی نہ تو سلیمان علیہ السلام نے جادو کیا اور نہ ہاروت ماروت نے بعض نے فرمایا کہ یہ ما نافیہ ہے اور اس کا عطف **ما کفر سلیمٰن** کے ما پر ہے یعنی نہ تو حضرت سلیمان نے کفر کیا اور نہ ہاروت ماروت پر کچھ اترا اس ما نے اس سارے جملہ کی نفی کر دی ان آخری دو صورتوں میں ہاروت و ماروت کے قصہ کی بالکل نفی ہی ہو جاوے گی۔ مگر پہلے دو معنے زیادہ صحیح ہیں۔ کیونکہ احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ہاروت و ماروت کا واقعہ بالکل صحیح اور ان ہی پہلے معنی میں آیت کی عبارت بھی بے جوڑ نہیں ہوتی۔ **انزل** یا علم کے معنے میں ہے یعنی وہ جادو جو ہاروت و ماروت کو سکھایا گیا یا ان کو الہام کیا گیا کیونکہ جادو بذریعہ وحی نہیں آیا بلکہ قدرتی طور پر ان کے دل پر القا ہوا قرآن شریف میں **انزال** خلق کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے اور القاء یعنی ڈالنے کے معنے میں بھی رب فرماتا ہے **وانزلنا الحدید** ہم نے لوہا پیدا کیا یا ان کانوں میں ڈالا کیونکہ لوہا برستا نہیں یہاں بھی انہیں معنی میں ہے چونکہ ہر چیز کا خزانہ آسمان ہے۔ جہاں سے خبریں آتی ہیں رب فرماتا ہے۔ **وفی السماء رزقکم وما توعدون** اس لئے انزال فرمانا درست رہتا ہے۔ **علی الملکین** مشہور قراءت ہے۔ ملکین لام کے زبر سے یعنی دو فرشتوں پر اور ایک قراءت میں **ملکین** ہے لام کے کسرہ سے یعنی دو بادشاہوں پر۔ تفسیر حقانی وغیرہ نے کہا کہ ہاروت و ماروت دو نیک سیرت فرشتہ صفت بادشاہ تھے۔ لہذا ملکین کی قراءت میں ان کی صفت مراد ہے مگر یہ صحیح ہے کہ دونوں فرشتہ ہیں تھے مگر چونکہ اپنی عبادت و ریاضت کی وجہ سے فرشتوں کے سردار تھے۔ اس لئے بعض قراءتوں میں ملکین (یعنی فرشتوں کی جماعت کے بادشاہ) آیا جیسے بعض ملائکہ کو ملک الجبال وغیرہ کہا جاتا ہے۔ یعنی جادو اتارا گیا دو ان فرشتوں پر جو دیگر فرشتوں کے بادشاہ ہیں لہذا دونوں قراءتیں مطابق ہو گئیں ان دونوں کا فرشتہ ہونا صحیح احادیث سے ثابت ہے اور ملکین کی قراءت بھی متواتر ہے۔ محض عقلی دلائل سے احادیث کو رد نہیں کیا جا سکتا اور متواتر قراءت کی مخالفت نہیں ہو سکتی۔ نیز ایک شہر بابل میں دو بادشاہ نہیں رہ سکتے اگر یہ بادشاہ ہوتے تو دو ملکوں میں رہتے۔

ببابل یا تو یہ **انزل** کے متعلق ہے یا پوشیدہ لفظ موجودین کے یعنے جادو دو فرشتوں پر بابل میں اتارا گیا۔ یا ان فرشتوں پر اتارا گیا جو کہ بابل میں اب موجود ہیں۔ دوسرے معنی کی احادیث سے تائید ہوتی ہے نیز وہ دونوں جادو جانتے ہوئے آسمان سے اترے تھے بابل میں نہیں سیکھا۔ بابل کوفہ عراق کا ایک بڑا شہر ہے غالب یہ ہے کہ یہاں کوفہ کا بابل مراد ہے۔ اس کو بابل اس لئے کہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کشتی سے اتر کر پہلے اسی جگہ پہنچے اور یہی شہر بسایا۔ اس کا نام ثمانین رکھا رب کی شان کہ ایک دن میں یہاں اسی زبانیں جاری ہو گئیں کسی کی عربی کسی کی فارسی وغیرہ تو آپ نے فرمایا **قد تبلبلت السنتھم** ان کی زبانیں مختلف ہو گئیں۔ بلبلہ کے معنے ہیں مختلف ہونا تب سے اس شہر کا نام بابل ہوا۔ یعنی اختلاف کی جگہ (تفسیر روح البیان) **ھاروت و ماروت** ملکین کا بیان ہے جنے وہ دو فرشتہ ہاروت و ماروت ہیں۔ **وما یعلمن من احد** اس میں ان کے طریق تعلیم کا ذکر ہے کہ وہ فرشتے شیاطین کی طرح جادو کی رغبت نہیں دیتے کسی سے جادو نہیں کراتے بلکہ جو خود بخود ان سے سیکھنے جاوے تو اس کو بھی فوراً نہیں سکھاتے بلکہ **حتی یقولا انما نحن فتنۃ** ان سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم رب کی طرف سے بندوں کے لئے آزمائش ہیں تاکہ ظاہر ہو جاوے کون سحر سے بچتا ہے اور کون اس کو اختیار کرتا ہے۔ خیال رہے کہ اس جگہ **انما حصر** اضافی کے لئے ہے جنے ہمارا سکھانا جواز کی علامت نہیں۔ ہم جائز کرنے والے نہیں بلکہ صرف ذریعہ آزمائش ہیں۔ فتنہ کے لفظی معنی ہیں جانچ یا پرتال عرب کہتے ہیں۔ **فتنت الذھب علی النار** میں نے سونے کو آگ پر آزمایا۔ جنے گلا کر معلوم کیا کہ کھرا ہے یا کھوٹا **فلا تکفر** لہذا تو اس کو سیکھ کر یا اس پر عمل کر کے یا اس کے شرائط لوا کر کے کفر اختیار نہ کر ہماری ان قیدوں کا فائدہ آئندہ معلوم ہوگا اگر وہ جانے والا یہ سن کر باز رہ جائے تو **فبہا** ورنہ **فیتعلمون منہما** لوگ ان دونوں سے وہ جادو سیکھ لیتے ہیں یہ ف جزائیہ ہے جس کی شرط پوشیدہ ہے جنے اگر یہ لوگ ان کی نصیحت نہیں مانتے تو ان سے سیکھ لیتے ہیں۔ **ما یفرقون بہ بین المرء وزوجہ** وہ تاثیر جادو کہ جس سے عورت و مرد میں جدائی ڈال دیتے ہیں یا تو ان میں دشمنی اور عداوت ڈال کر یا مرد کو عورت کے قابل نہیں رکھتے۔ جس سے وہ اپنی بیوی سے علیحدہ رہتا ہے۔ یعنی اس میں قوت مردی تو باقی رہتی ہے مگر اس جادو کے اثر سے اپنی عورت پر قابو نہیں پاتا۔ دوسری پر قادر ہو جاتا ہے۔

جادو کے علاج: جو شخص جادو کے باعث عورت پر قادر نہ ہو سکے وہ بانس کی آگ میں جو ڈولا بسولا گرم کرے یہاں تک کہ وہ سرخ ہو جاوے پھر آگ سے نکال کر اس پر پیشاب کرے (روح البیان) یہ بہت مجرب عمل ہے۔ (2) شامی نے باب العنین میں فرمایا کہ ایسے شخص کو چاہئے کہ بیری کے سات سبز پتے پیس کر پانی میں گھول لے وہ پانی کچھ تو پی لے اور باقی پانی سے غسل کرے۔ (3) جو شخص روزانہ صبح کو سات عجوہ چھوہارے کھا لیا کرے اس پر جادو اثر نہ کرے گا۔ (4) جو شخص صبح و شام آیت الکرسی پڑھ کر ہاتھوں پر دم کرے اور سارے جسم پر ہاتھ پھیرے وہ بھی انشاء اللہ جادو سے محفوظ رہے گا۔ (5) جو شخص پندرہ شعبان کی رات یعنی شب برات کو بعد مغرب غسل کرے وہ بھی انشاء اللہ جادو سے محفوظ رہے گا۔ (6) جس شخص کو جادو ہو گیا ہو وہ دریا کی بیچ دھار کے پانی سے گھڑا بھر کر لائے اور اس پر سورۂ فلق اور سورۂ ناس گیارہ گیارہ بار پڑھ کر دم کر کے اس سے غسل کرے انشاء اللہ صحت ہوگی۔ مگر یہ پانی بہنے نہ دے بلکہ کسی گڑھے میں کھڑے ہو کر غسل کرے۔ جس سے پانی وہاں جمع ہو جاوے بعد میں دفن کر دے۔

خلاصہ تفسیر: ان یہود نے اللہ کی کتابیں چھوڑ دیں اور شیاطین کے سکھائے ہوئے جادو پر عمل کیا اور جو ہاروت و ماروت فرشتوں سے سیکھا اس کے پیچھے لگ گئے حالانکہ یہ فرشتے جادو سکھانے میں اتنی احتیاط کرتے ہیں کہ کسی کو فوراً نہیں بتا دیتے بلکہ اولاً اس کو منع کرتے ہیں کہ ہم رب کی طرف سے آزمائش ہیں۔ تو جادو سیکھ کر کفر نہ کر جب وہ باز نہیں آتا تب کہیں تعلیم

www.alahazratnetwork.org

دیتے ہیں۔ ان کو چاہئے تھا کہ اس نصیحت سے ہی سبق لے لیتے اور اس کام میں مشغول نہ ہوتے اور پھر جادو سے کرتے بھی کیا ہیں ایذا رسانی، تکلیف پہنچانی، زوجین کو آپس میں جدا کر دینا یا مرد کو عورت کے قابل نہ رکھنا یہ باتیں محض ضرر ہیں۔

ہاروت ماروت کا قصہ : تفسیر عزیزی وغیرہ نے بحوالہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم اور حاکم و دیگر مفاسیر نے حضرت ابن عباس و علی مرتضیٰ و عبداللہ ابن مجاہد رضی اللہ عنہم اجمعین سے بیان کیا کہ حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے میں انسان بہت بد عمل ہو گئے۔ فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ انسان بہت بدکار ہے۔ خیال رہے کہ فرشتوں نے پیدائش آدم علیہ السلام سے پہلے اپنا استحقاق خلافت بیان کیا **ونحن نسبح بحمدک** الخ۔ اس موقع پر انسان کی نااہلیت کا اظہار مقصود ہے یعنی یہ خلافت کے لائق نہیں انہیں معزول کر دیا جائے یا کم از کم خلیفہ یہ رہیں اور وزیر ہم تا کہ ہم ان کے بگڑے کام سنبھال لیں کچھ بھی سہی۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ اس کو غصہ اور شہوت دیا گیا ہے۔ جس سے گناہ زیادہ کرتا ہے اگر یہ چیزیں تم کو ملیں تو تم بھی گناہ کرنے لگو۔ فرشتے بولے کہ مولیٰ کریم ہم تو گناہ کے پاس بھی نہ جائیں گے۔ خواہ کتنا ہی غصہ اور شہوت ہو۔ حکم ربی ہوا کہ اچھا تم اپنی جماعت میں سے اعلیٰ درجہ کے پرہیزگار فرشتے چھانٹ لو ان کو غصہ اور شہوت دے دیتے ہیں۔ پھر امتحان ہو جاوے گا۔ چنانچہ ہاروت و ماروت جو بڑے ہی عبادت گذار فرشتے تھے انتخاب میں آگئے حق تعالیٰ نے ان کو یہ چیزیں یعنی غصہ اور شہوت دے کر شہر بابل میں اتار دیا۔ اور فرمایا کہ تم قاضی بن کر لوگوں کا فیصلہ کیا کرو اور روزانہ اسم اعظم کے ذریعہ شام کو آسمان پر آجایا کرو یہ دونوں ایک مہینہ تک ایسے ہی آتے جاتے رہے اتنے عرصہ میں ان کے عدل و انصاف کا عام چرچہ ہو گیا اور بہت مقدمے ان کے پاس آنے لگے ایک روز ایک نہایت حسین و جمیل عورت نے جس کا نام زہرہ تھا یہ ملک فارس کی رہنے والی تھی۔ حضرت علی کی روایت میں ہے کہ اس کا نام بیدخت تھا زہرا لقب تھا اپنے خاوند کے خلاف مقدمہ دائر کیا یہ دونوں اسے دیکھتے ہی عاشق زار ہو گئے اور اس سے برے کام کی خواہش کی۔ اس نے کہا کہ میرا دین کچھ اور تمہارا دین کچھ ہے اور اختلاف ہوتے ہوئے یہ نہیں ہو سکتا۔ نیز میرا شوہر بہت غیرت مند ہے اگر اسے خبر لگ گئی تو مجھے قتل کر دے گا۔ لہٰذا پہلے تو آپ میرے بت کو سجدہ کرو اور پھر میرے شوہر کو قتل کرو پھر میں تمہاری اور تم میرے انہوں نے انکار کیا وہ چلی گئی۔ مگر ان کے دل میں اس کے عشق کی آگ بھڑک گئی۔ آخر اسے پیغام بھیجا کہ ہم تیرے گھر آنا چاہتے ہیں اس نے کہلا بھیجا سر اور آنکھوں پر یہ دونوں اس کے گھر پہنچے اس نے اپنے کو آراستہ کیا اور ان سے بولی کہ یا تو آپ لوگ مجھے اسم اعظم سکھا دیں یا بت کو سجدہ کریں یا شوہر کو قتل کریں یا شراب پی لیں۔ انہوں نے سوچا کہ اسم اعظم اسرار الٰہی ہے اس کو ظاہر کرنا بہت ظلم ہے۔ بت پرستی کرنا شرک ہے اور قتل حق العباد۔ لاؤ شراب پی لیں۔ چنانچہ شراب پی لی۔ جب شراب پی کر مست ہو گئے تو اس نے ان سے بت کو سجدہ بھی کرالیا۔ اپنے شوہر کو قتل بھی اور اسم اعظم بھی پوچھ لیا۔ وہ تو اسم اعظم پڑھ کر صورت بدل کر آسمان پر پہنچ گئی۔ حق تعالیٰ نے اس کی روح کو زہرہ ستارہ سے متصل کیا اور شکل اس کی زہرہ ستارے کی طرح ہو گئی۔ جب ان کا نشہ اترا تو یہ اسم اعظم بھول چکے تھے اور اپنے کئے پر نادم و شرمندہ تھے۔ حق تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا کہ انسان میری تجلی سے دور رہتا ہے یہ دونوں شام کو حاضر بارگاہ ہوتے تھے۔ پھر بھی شہوت سے مغلوب ہو کر سب کچھ کر بیٹھے اگر انسانوں سے گناہ سرزد ہوں تو کیا تعجب ہے تمام فرشتوں نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور زمین والوں پر بجائے لعن طعن کرنے کے ان کے لئے دعائے مغفرت کرنے لگے قرآن فرماتا ہے۔ **والملٰئکۃ**

www.alahazratnetwork.org

یسبحون بحمد ربھم ویستغفرون لمن فی الارض پھر یہ دونوں حضرت ادریس علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر شفاعت کے طالب ہوئے آپ نے ان کے حق میں دعائے مغفرت کی۔ بہت روز کے بعد حکم الٰہی آیا کہ ان کو اختیار دیجئے کہ یہ یا تو دنیاوی عذاب قبول کرلیں یا آخرت کا۔ حضرت ادریس علیہ السلام نے انہیں حکم الٰہی پہنچایا کہ ان کو اختیار دیجئے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا نبی اللہ دنیا کا عذاب فانی اور آخرت کا ابدالاباد تک باقی ہے ہم کو دنیاوی عذاب منظور ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم فرمایا کہ ان دونوں کو لوہے کی زنجیروں میں جکڑ کر بابل کے کنویں میں اوندھا لٹکادیں اس کنویں میں آگ بھڑک رہی ہے اور یہ لٹکے ہوئے ہیں اور فرشتے باری باری سے ہروقت ان کو کوڑے مارتے ہیں۔ سخت پیاس سے ان کی زبانیں باہر نکلی ہوئی ہیں یہ قصہ سنن بیہقی مسند امام احمد اور دیگر کتب احادیث میں بہ اسناد صحیح مروی ہے اور بعض لوگوں نے ہاروت و ماروت کو اس حالت میں دیکھا بھی ہے۔

حکایت : حاکم نے اپنی مسند میں اور بیہقی نے اپنی سنن میں حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ آپ فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام کی وفات کے بعد میرے پاس دومتہ الجندل کی ایک عورت آئی جو کہ حضور علیہ السلام کو تلاش کرتی تھی۔ میں نے کہا کہ سرکار کی وفات ہو چکی تم مجھ سے کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔ وہ کہنے لگی کہ میں اپنے شوہر کی سختیوں سے تنگ آگئی تو میں نے ایک عورت سے اپنی مصیبت بیان کی۔ اس نے مجھے ایک کتے پر سوار کرکے آن کی آن میں بابل پہنچادیا۔ میں نے ہاروت و ماروت کو ایک کنویں میں لٹکا دیکھا تو ان سے جادو سیکھنا چاہا انہوں نے بہت سمجھایا کہ یہ کفر ہے نہ سیکھ مگر میں نہ مانی۔ آخر کار انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ اس تنور میں پیشاب کرکے آ۔ میں نے جب اس میں پیشاب کیا تو دیکھا کہ ایک نورانی سوار میرے بدن سے نکلا اور آسمان کی طرف اڑ کر غائب ہو گیا۔ میں نے ان سے آکر یہ ماجرا بیان کیا انہوں نے فرمایا کہ یہ تیرا ایمان تھا جو تجھ سے چھن چکا اب جا تو جادو میں خوب ماہر ہو گئی۔ جب سے میں فن جادو میں بہت استاد ہوں گیہوں کا دانہ زمین میں دبا کر اس کو حکم کرتی ہوں تو وہ اگ آتا ہے اور فوراً اس میں سٹہ لگ جاتا ہے۔ پھر فوراً خشک ہو جاتا ہے اور میرے کہنے سے فوراً آٹا ہو کر روٹی بن جاتی ہے مگر میں اپنے دل میں ایمان کے جانے پر شرمندہ ہوں میں پوچھنے آئی تھی کہ کیا میری توبہ اب قبول ہو سکتی ہے میں نے کہا کہ تو حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام سے مل تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہوئی کسی نے اس کے ایمان کی امید نہ دلائی ہاں حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ تیرے ماں یا باپ ہوں تو ان کی خدمت کر۔ ان کی دعا سے تیرا ایمان واپس ہو گا۔ (تفسیر کبیر و عزیزی) اسی طرح ابن منذر نے اوزاعی سے نقل کیا کہ ہارون ابن رباب فرماتے ہیں کہ میں عبدالملک ابن مروان کے دربار میں بیٹھا تھا کہ ان کے پاس ایک شخص آیا جو کہ کسی جادوگر کا بیٹا تھا اس نے بھی اپنا قصہ اسی طرح بیان کیا کہ میں جادو کے شوق میں ہاروت ماروت کے پاس پہنچا مگر ان کے سمجھانے بجھانے پر بغیر جادو سیکھے واپس آیا ان روایات سے معلوم ہوا کہ ہاروت و ماروت ابھی تک چاہ بابل میں لٹکے ہوئے ہیں اور جو وہاں پہنچ جائے اس کو جادو سکھاتے ہیں۔

فائدے : اس آیت اور تفسیر سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کوئی شخص اپنے زہد و تقویٰ عبادت و ریاضت پر بھروسہ نہ کرے رب کا فضل طلب کرتا رہے دیکھو معصوم فرشتے بھی غصہ اور شہوت سے گناہ کر بیٹھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہمچو ہاروت ہمچو ماروت شہیر　　　از بطر خوردند زہر آلود تیر

www.alahazratnetwork.org

اتکوی بود شاں بر قدس خویش   چیست بر شیر اتکو کاو میش
گرچہ لوبا شاخ صد چارہ کند   شاخ شاخش شیر نر پارہ کند

یعنی ہاروت و ماروت جیسے مقدس فرشتے اپنی تقدیس پر اتکو کرکے گھائل ہو گئے۔ بیل شیر کے مقابل اپنے سینگ وغیرہ پر اتکو نہیں کر سکتا۔ دوسرا فائدہ: علم سحر بھی خدائی علموں میں سے ایک ہے۔ جس کی بقاعدہ اکو منظور ہے (تفسیر عزیزی) اسی لئے اس کی تعلیم بذریعہ فرشتہ کرائی کہ جادو سے فساد پھیلانا برا ہے۔ مگر جادو کا پیدا فرمانا برا نہیں شیطان برا ہے مگر شیطان کا پیدا کرنا برا نہیں ان چیزوں کے پیدا کرنے میں ہزار حکمتیں ہیں۔ تیسرا فائدہ: ہاروت و ماروت کا جادو کفری ہے یعنی اس میں شرکیہ الفاظ و کفریہ شرائط ہیں مگر وہ سحر کے لئے نہیں سکھاتے بلکہ اس کے ذریعے ایمان قوی کرنے کے لئے کہ لوگ یہ سیکھ کر جادو اور معجزہ میں فرق کریں اور نبی کو جادو گر سے ممتاز کریں جو اصل ایمان ہے۔ چوتھا فائدہ: کفر سیکھنا سکھانا کفر نہیں بلکہ اس کو ماننا یا اس پر عمل کرنا کفر ہے۔ دیکھو فرشتے سحر سکھاتے ہیں جو کہ کفر ہے مگر کافر نہیں اور سیکھنے والا بھی اگر فقط علم حاصل کرنے کے لئے سیکھے تو وہ کافر نہیں اسی لئے وہ پہلے فرما دیتے ہیں کہ لا تکفر تو اس کو سیکھ کر کفر نہ کر بیٹھنا یعنی اس پر اعتقاد یا عمل نہ کرنا۔ مسئلہ: جو سحر کفر ہے اس کا عامل مرتد ہے اگر مرد ہے تو قتل کیا جاوے اگر عورت ہے تو قید کی جاوے گی۔ مسئلہ: جو سحر کفر نہیں مگر اس سے جانیں ہلاک کی جاتی ہیں اس کا عامل ڈاکو کے حکم میں ہے کہ اس کو گرفتار کرکے قتل کیا جاوے اور اگر گرفتاری سے پہلے توبہ کرکے نیک صالح بن جاوے اور جادو چھوڑ دے تو معاف کیا جائے گا۔ مسئلہ: جادو گر کی توبہ قبول ہے۔ مسئلہ: کسی کو تکلیف پہنچانے یا حرام غرض سے جادو کرنا کفر ہے یا حرام۔ مگر جادو سے بچنے یا اس کو باطل کرنے کے لئے جادو کرنا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کلمات کفریہ نہ ہوں۔ پانچواں فائدہ: جب جادو گر ایک آن ہاروت و ماروت کی صحبت میں رہ کر لوگوں کے دلوں اور اندرونی قوتوں پر جادو کے ذریعہ تصرف کر سکتے ہیں کہ خاوند کو عورت سے متنفر کر دیں اور مرد کو نامرد بنا دیں تو حضور کے صحبت یافتہ صحابہ اور فیض یافتہ اولیاء اللہ بھی یقیناً" ہمارے دلی رنج و غم اور دکھ درد دور کر سکتے ہیں۔ جادو گروں کے تصرفات مان کر کرامات و معجزات اور اولیاء کے تصرفات بھی مان لو۔

قصہ ہاروت و ماروت پر اعتراضات و جوابات

اس قصہ میں بہت لوگوں کو بڑے بڑے اعتراضات پیش آئے یہاں تک کہ حضرت امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے قصہ زہرا وغیرہ کا انکار کیا اور فرمایا کہ یہ احادیث اصول اسلام کے خلاف ہیں لہذا قابل قبول نہیں۔ بعض مفسرین نے ہاروت و ماروت کے فرشتہ ہونے ہی کا انکار کر دیا مگر حق یہ ہے کہ یہ تمام واقعہ بالکل صحیح ہے۔ عقلی دلائل سے احادیث کا رد نہیں کیا جاسکتا بلکہ ضروری ہے کہ شبہات دور کئے جاویں ورنہ بظاہر حضرت یوسف و حضرت داؤد کا قصہ بھی خلاف اسلام معلوم ہوتا ہے تو جیسے ان قصوں سے اعتراضات اٹھائے جاتے ہیں اسی طرح اس سے بھی اٹھائے جاویں۔ اب ہم ان مفسرین وغیرہ کے سوالات مع جوابات عرض کرتے ہیں ان میں اکثر جوابات تفسیر عزیزی سے حاصل ہوئے ہیں اور بعض ہمارے اپنے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض : پہلا اعتراض: رب نے جادو کی تعلیم کیوں دلائی اس میں کیا حکمت ہے؟ خراب چیز کا روکنا ضروری ہے نہ کہ
شائع کرنا جواب: اس وقت بابل میں پہلے ہی سے جادو کا چرچا تھا۔ جہلاء جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکتے تھے۔ انبیاء اور
جادوگر کو یکساں سمجھتے تھے رب تعالیٰ نے دو فرشتے بھیج کر جادو دکھا کر اس میں اور معجزے میں فرق کر دکھایا جیسے کہ فقہاء کرام
کفریہ الفاظ بتا کر مسلمانوں کو ان سے بچنے کی ہدایت کرتے ہیں۔ اسی طرح ہاروت و ماروت نے کیا۔ دوسرا اعتراض: یہ کام
انبیاء سے ہی کیوں نہ لیا وہی جادو بھی بتا کر فرق کر دکھاتے۔ جواب: وجہ یہ ہے کہ خود ان انبیاء ہی کو تو جادوگروں سے جدا کرنا
منظور تھا وہ گویا اس معاملہ میں ایک فریق تھے لہٰذا اچھا یہ تھا کہ حاکم اور پنچ کوئی اور ہو (1) نیز اس سکھانے کے لئے الفاظ کفریہ جو
جادو میں ہوتے ہیں۔ انبیاء کو بولنے پڑتے اور یہ ان کی شان نبوت کے خلاف تھا کیونکہ وہ احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے آئے تھے
اور یہ الفاظ شرعاً" کفریہ ہیں مگر فرشتے خیر و شر ہر کام کرتے ہیں۔ ظالم کی پرورش 'موذی جانوروں کی تربیت وغیرہ ان سے ہی کرائی
جاتی ہے لہٰذا اس کے لئے بھی وہی موزوں تھے۔ (2) نیز تعلیم سحر اشاعت جادو کا ذریعہ بھی تھی۔ رب تعالیٰ کو منظور نہ ہوا کہ یہ
اشاعت حضرات انبیاء کرام کی طرف منسوب ہو کیونکہ ان سے شرعی احکام کا کام لیا جاتا ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء نے فلسفہ'
سائنس اور منطق وغیرہ کی تعلیم نہ دی۔ ہاں ان حضرات نے جادو کے اجمالا" احکام بتا دیئے کہ حرام ہے یہ نہ بتایا کہ جادو ایسے
کرتے ہیں یہ ان فرشتوں نے بتایا۔ تیسرا اعتراض: شیاطین نے جادو سکھایا تو کافر ہوئے اور ہاروت ماروت فرشتوں نے
سکھایا تو وہ کافر کیوں نہ ہوئے۔ جواب: شیطان نے عمل کرنے کے لئے رغبت دیتے ہوئے سکھایا اور انہوں نے بچنے کے لئے
ہدایت کرتے ہوئے سکھایا۔ ایک شخص کسی کو کافر بنانے کے لئے الفاظ کفریہ سکھائے وہ کافر ہے عالم دین بچنے کے لئے وہی الفاظ
بتا دیں تو وہ مومن چوتھا اعتراض: اس قصہ سے معلوم ہوا کہ فرشتوں نے رب تعالیٰ کا مقابلہ کیا کہ اس نے فرمایا کہ تم بھی
غصہ اور شہوت پا کر گناہ کر بیٹھو گے انہوں نے کہا کہ ہرگز نہیں اور رب کا مقابلہ کفر ہے اور ملائکہ معصوم؟ جواب: یہ
مقابلہ نہیں بلکہ اپنی اطاعت اور نیاز مندی کا اظہار ہے اور اپنے مصمم ارادہ کا تذکرہ کہ مولیٰ ہم نے تیری اطاعت اور فرمانبرداری
کا پورا ارادہ کر لیا ہے کہ بڑی مصیبت میں بھی نافرمانی نہ کریں گے۔ جیسے کوئی وفادار نوکر اپنے آقا سے مضبوطی ارادہ ظاہر کرے
پانچواں اعتراض: فرشتے معصوم ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یؤمرون** پھر
ہاروت و ماروت یہ تین سخت گناہ کیوں کر بیٹھے؟ یہ تو قرآن کے خلاف ہے۔ جواب: جب یہ دونوں شکل انسانی میں آ گئے اور ان
میں غصہ اور شہوت پیدا کر دیا گیا تو ان میں فرشتوں کے صفات نہ رہے۔ فرشتہ فرشتہ رہ کر معصوم نہ کہ انسانی خواص پا کر بھی۔
دیکھو حضرات انبیاء بشر ہیں اور بشر بعا" معصوم نہیں۔ مگر جب رب تعالیٰ ان کے غصہ اور شہوت کی اصلاح فرما دیتا ہے تو یہ
معصوم بن جاتے ہیں غرضکہ غصہ والا اصلاح سے معصوم اور معصوم غصہ پا کر غیر معصوم ہو سکتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب فرشتے
انسانی شکل میں ہوں گے تو ان پر انسانی عوارض جاری ہوں گے اگرچہ ان کی حقیقت نوری ہوگی۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی
لاٹھی جب سانپ بنی تو کھاتی پیتی تھی۔ رب فرماتا ہے **تلقف ما یافکون** حرکت بھی کرتی تھی سانس بھی لیتی تھی۔ حضرت
جبریل جب شکل انسانی میں آتے تو آپ کے کپڑے سفید اور بال سیاہ ہوتے تھے اسی طرح حضرات ہاروت ماروت جب شکل
انسانی میں آئے تو کھانے پینے جماع کرنے کے عادی ہو گئے اس سے ثابت ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور الٰہی ہیں۔ مگر شکلاً"
بشر ہیں لہٰذا کھاتے پیتے سوتے جاگتے ہیں ان کے کھانے پینے کو دیکھ کر ان کی نورانیت کا انکار نہ کرو پھر بھی حضرات انبیاء و اولیاء پر

www.alahazratnetwork.org

کبھی نورانیت کا جلوہ آشکارا ہوتا ہے تو کھانے پینے سے بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام صدہا سال سے بغیر کھائے پئے آسمان پر جلوہ گر ہیں۔ اصحاب کہف صدہا سال سے بغیر کھائے پئے سو رہے ہیں۔ حضور روزہ وصال میں اور معراج میں کھانے پینے سے بے نیاز تھے۔ غرضیکہ یار کے رنگ مختلف ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اگر یہ دونوں انسان بن گئے تھے تو آواگون درست ہوا (آریہ) **جواب:** ان کی فقط شکل بدلی تھی نہ کہ روح اور گناہ کرنا شکل و صورت اور جسم سے ہوتا ہے۔ روح جسم پا کر اعمال کرتی ہے۔ آواگون میں روح کی تبدیلی ہوتی ہے **ساتواں اعتراض:** جب ہاروت و ماروت اپنی ہی مصیبت میں گرفتار ہیں تو لوگوں کو تعلیم سحر کیوں کر دیتے ہیں؟ **جواب:** کامل اور تجربہ کار ماہر آدمی بیماری اور پریشانی میں بھی علمی مسائل بے تکلف بیان کر دیتا ہے یہ حضرات چونکہ اس فن میں بہت کامل ہیں لہذا بہت آسانی سے سکھا دیتے ہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** جب ان تک کوئی پہنچتا ہی نہیں تو ان سے جادو کیسے سیکھتے ہیں؟ **جواب:** "اولاً" تو ان تک عام مخلوق پہنچ جاتی تھی کیونکہ وہ اشاعت سحر کا وقت تھا پھر رفتہ رفتہ یہ کام بند ہوتا رہا۔ صحابہ کرام کے زمانے میں بھی بعض لوگ وہاں پہنچے مگر اب شیاطین تو وہاں پہنچ جاتے ہیں مگر انسان نہیں پہنچتے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ ہر سال بعض جن ان سے جادو سیکھتے ہیں (تفسیر عزیزی) **نواں اعتراض:** یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایک عورت تارہ بن کر آسمان پر چڑھ جائے **جواب:** آدمی کا بدن مر کر مٹی بن جاتا ہے۔ انسانی روح مر کر آسمان میں جاتی ہے جب بدن مٹی بن سکتا ہے تو تارہ کی شکل بھی بن سکتا ہے۔ اس میں شکل کی تبدیلی ہے کوئی تعجب نہیں۔ **دسواں اعتراض:** زہرا تارہ تو پہلے ہی سے موجود ہے اگر یہ عورت تارہ بن کر وہاں پہنچی تو چاہئے تھا کہ ادریس علیہ السلام سے پہلے یہ تارہ نہ ہوتا؟ **جواب:** اس کا مطلب یہ نہیں ہے۔ کہ زہرا تارہ وہ عورت ہے بلکہ یہ تارہ تو پہلے سے موجود تھا۔ اس وقت اس عورت کا تعلق اس تارے سے ہو گیا۔ بعض روحیں جنت میں اور بعض روحیں دوزخ میں اور بعض چاہ زمزم میں رہتی ہیں اس عورت کی روح زہرا تارے میں رہتی ہے۔ شہداء سبز پرندے کی شکل میں جنت میں سیر کرتے ہیں یہ اس تارے کی شکل میں آسمان کی سیر کرتی ہے **گیارھواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے ہاروت و ماروت کو دو عذابوں کا کیوں اختیار دیا چاہئے تھا کہ توبہ کا حکم دیتا توبہ گناہ کا کفارہ ہے؟ **جواب:** دنیاوی عذاب ہی ان کے لئے توبہ ہے جیسے کہ بچھڑے کے پجاری یہودیوں کے لئے قتل ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے گویا ان سے کہا گیا کہ یا تو یہ تکلیف برداشت کر کے توبہ کر لو ورنہ عذاب آخرت میں گرفتار ہو گے۔ انہوں نے توبہ اختیار کی۔ **بارھواں اعتراض:** زہرہ عورت کافرہ فاجرہ تھی اس کو تارے میں رہنے کی عزت کیوں ملی؟ کافر کی جگہ جہنم ہے نہ کہ تارا۔ **جواب:** اسم اعظم پڑھ کر مومنہ ہو گئی اور اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے جیسے کہ سو برس کا کافر کلمہ طیبہ پڑھ کر مومن بن جاتا ہے۔ پھر اسی اسم اعظم کے طفیل یہ دعا کی جو کہ قبول ہوئی اور وہ تارے میں رہنے لگی **تیرھواں اعتراض:** ہاروت و ماروت اسم اعظم کیسے بھول گئے؟ **جواب:** گناہ یا کفر سے کبھی حافظہ کمزور ہو جاتا ہے اور علم بھول جاتا ہے۔ دماغ سے خون نکل جانے پر نسیان کی بیماری ہو جاتی ہے اگر ایمان نکل جانے پر یہ مرض ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔

خاتمہ مضمون: زبیر ابن بکار اور ابن مردویہ اور دیلمی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ انسان کتنی صورتوں میں مسخ ہوا فرمایا تیرہ میں۔ (1) ہاتھی۔ (2) ریچھ (3) سور (4) بندر (5) مارماہی (6) گوہ (7) چمگادڑ (8) بچھو (9) عومس (دریائی چھوٹا جانور) (10) مکڑی (11) خرگوش (12) سہیل (تارہ) (13) زہرہ تارا یعنی بعض قومیں ہاتھی بنادی گئیں۔ بعض بندر بعض سور وغیرہ (تفسیر عزیزی)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : انسان میں سارا عالم ہے ہاروت و ماروت اس کی قوت نظر اور قوت عملی ہے اور اس کا نفس گویا زہرہ ہے اس نفس نے ان دونوں قوتوں سے وہ صفات سیکھے جن کی برکت سے یہ نفس عالم اجسام سے ترقی کرکے عالم ارواح سے مل سکے اور ملاء اعلیٰ میں اس کا شمار ہو۔ مگر یہ نفس ان دونوں قوتوں کو گناہوں پر رغبت دیتا رہا۔ جس سے کہ یہ عالم سفلیات میں ہی رہ جائیں۔ جب یہ دونوں قوتیں نفس کی اطاعت کرکے نادم ہوں تو شریعت پیغمبر کے حضور حاضر ہو کر اپنی شفاعت چاہیں ادھر سے حکم ملے کہ ان دونوں کو چاہ دنیا میں عمر بھر کے لئے قید کردو۔ جہاں کہ ان کو مصائب و آلام کی تکلیف برداشت کرنا پڑے یہ قوت عملی و نظری دیگر انسانی قوتوں کو دنیاوی امور سکھاتی ہیں مگر ساتھ ہی فرماتی ہیں کہ یہ دنیا جال ہے۔ اس سے بچے رہنا اس پر عمل نہ کرنا یہ تمام چیزیں تم کو بچنے کے لئے بتائی گئی ہیں نہ کہ عمل کے لئے جو ان کی مخالفت کرکے دنیا میں پھنس جاتا ہے وہ طریقت کا کافر ہے اور جو ان کی مان جاتا ہے وہ کامل مومن۔

دل دنیا کافران مطلق اند | روز و شب در زق زق و در بک بک اند
چیست دنیا از خدا غافل بدن | نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

دوسری تفسیر صوفیانہ : ہاروت و ماروت کی ایک گھڑی صحبت میں رہ کر ان سے کچھ فیض لے کر بندہ باذن الٰہی لوگوں کو نقصان پہنچانے پر قادر ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر تصرف کر سکتا ہے کہ خاوند کے دل میں بیوی سے نفرت پیدا کردے یا اسے بیوی پر قادر نہ ہونے دے اور اولیاء اللہ کا صحبت یافتہ باذن الٰہی لوگوں کو فائدہ پہنچانے پر قادر ہو جاتا ہے اور لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنے پر قادر ہو جاتا ہے وہ بچھڑوں کو ملا سکتا ہے بلکہ اللہ سے دور رہنے والے بندوں کو رب تک پہنچا سکتا ہے ہاروت ماروت کا یہ قصہ پڑھو اور تصرفات اولیاء میں غور کرو کہ ان کے قبضہ میں عالم کے عالم ہوتے ہیں جادو سے زیادہ کرامت کی تاثیر۔

وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ

اور نہیں ہیں وہ لوگ نقصان پہنچانے والے ساتھ اس کے کسی کو مگر ساتھ حکم اللہ کے

اور اس سے ضرر نہیں پہنچا سکتے کسی کو مگر خدا کے حکم سے

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا اور نہ نفع دے گا ان کو اور البتہ تحقیق جانا انہوں نے

اور وہ سیکھتے ہیں جو انہیں نقصان دے گا اور نہ نفع دے گا اور بے شک ضرور انہیں معلوم ہے

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛؕ وَلَبِئْسَ مَا

البتہ وہ جو خرید ے اس کو نہیں ہے اس کے واسطے بیچ آخرت کے کوئی حصہ اور البتہ

کہ جس نے یہ سودا لیا آخرت میں اس کا کچھ حصہ نہیں اور بے شک کیا

www.alahazratnetwork.org

شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا

برا ہے اور جو خریدا انہوں نے ساتھ اس کے جانوں کو اپنی اگر وہ ہوتے جانتے اور اگر تحقیق وہ

بُری چیز ہے جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانیں بیچیں کسی طرح انہیں علم ہوتا اور اگر وہ ایمان لاتے

وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

لوگ ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے البتہ ثواب نزدیک اللہ کے اچھا اگر ہوتے وہ جانتے

اور پرہیزگاری کرتے البتہ اللہ کے یہاں کا ثواب بہت اچھا ہے کسی طرح انہیں علم ہوتا

تعلق: یہ جملہ پچھلے جملہ کا تتمہ ہے اس میں کہا گیا تھا کہ جادوگر جادو سے زوجین میں جدائی ڈال دیتے ہیں تو شاید کسی کو وہم ہو تاکہ وہ اس اثر میں مستقل ہیں اس وہم کو دفع کرنے کے لئے فرمایا کہ بغیر اذن الٰہی کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ سب رب تعالیٰ کے حکم سے ہوتا ہے نیز پچھلے جملہ سے سمجھا گیا کہ جادوگر دوسروں کو کافی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ اس جملہ میں بتایا گیا کہ وہ سب سے بڑا اپنا نقصان کرتا ہے۔

تفسیر: **وما هم بضارين به من احد** یہ جادوگر اس جادو سے کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچا سکتے **ضارين** جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ تمام دنیا کے جادوگر مل کر سارا زور جادو پر خرچ کر کے بھی معمولی شخص کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ تو ایک دو جادوگروں کا تو ذکر کیا ہی ہے۔ **الا باذن الله** یہاں اذن سے یا تو ارادہ مراد ہے یعنی اذن تکوینی نہ کہ تشریعی تخلیہ یعنی خدا نے اس جادو میں تاثیر رکھ دی ہے۔ جس سے وہ نقصان پہنچا دیتے ہیں جیسے چھری میں کاٹنے کی تاثیر دی۔ جس سے زخم لگایا جا سکتا ہے وہ اس میں مستقل نہیں یا یہ مطلب ہے کہ جادو رب تعالیٰ کی اجازت سے اثر کرتا ہے اس لئے کبھی اثر کرتا ہے اور کبھی نہیں اور کسی پر کرتا ہے اور کسی پر نہیں اگر ہر جادو ہمیشہ اثر کیا کرتا تو ماہر جادوگر تمام بادشاہوں کو فنا کر کے ان کی فوجوں کو جادو سے ہلاک کر کے دنیا پر راج کرتے مگر ایسا نہیں۔ نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو بہت ترقی پر تھا۔ چاہئے کہ انہیں ہلاک کر ڈالتے مگر نہ کر سکے معلوم ہوا کہ جادو کبھی اثر کرتا ہے اور کبھی نہیں اور کسی پر اثر کرتا ہے اور کسی پر نہیں پھر اثر بھی مختلف کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام پر سخت جادو کیا گیا مگر صرف خیال مبارک پر اثر ہوا کہ کسی قدر نسیان بڑھ گیا لہٰذا مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ رب تعالیٰ ہی سے ڈرے کہ سب اسی کے تابع فرمان ہیں۔ **ويتعلمون ما يضرهم** یہاں جادوگر خود جادو سے ضرور نقصان پاتا ہے دوسرے کو نقصان ہو یا نہ ہو کیونکہ وہ یا تو اس پر عقیدہ رکھ کر یا الفاظ کفریہ بول کر یا شرائط کفریہ ادا کر کے کافر ہو جاتے ہیں یا ستاروں اور شیاطین میں اثر دیکھ کر ان کو مستقل مؤثر مان جاتے ہیں جو کہ کفر ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جادوگر گرفتار کر کے قتل بھی کر دیئے جاتے ہیں کبھی ایک دوسرے کے مقابلہ میں ہلاک بھی ہو جاتے ہیں غرضیکہ ان کے دینی یا دنیاوی نقصان بہت **ولا ينفعهم** یہ **لا يضر** کی تاکید ہے یعنی جادو خود جادوگر کو بہت نقصان دیتا ہے۔ جس میں نفع کا شائبہ بھی نہیں ہوتا دوسروں کو اگر نقصان دیا مگر نفع کے ساتھ اس میں اشارہ ہے کہ اگر کسی کو جادو سے نقصان پہنچا تو یا تو وہ شہید ہو کر مرا یا اسے صبر کا ثواب ملا جادوگر کا دین و ایمان تباہ ہوا جس میں محض نقصان ہی ہے۔ نفع بالکل نہیں۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ خود

www.alahazratnetwork.org

جادوگر اس نقصان سے بے خبر نہیں بلکہ **ولقد علموا لمن اشترٰہ** ''یقیناً'' جانتے ہیں کہ جو کوئی جادو خریدے یعنی ایمان چھوڑ کر کفر یا آسمانی کتابیں چھوڑ کر شیطانی باتیں یا قرآن کو چھوڑ کر جادو وغیرہ اختیار کرے۔ **تو مالہ فی الاخرۃ من خلاق** اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ یعنی اس سے کچھ دنیا کمالے مگر آخرت میں اسے کچھ نہ ملے گا۔ خیال رہے کہ یہود کے پاس توریت موجود تھی جس پر عمل کرکے وہ دین و دنیا کماتے یا ان کو قرآن پاک حاصل کرنے کا موقع تھا مگر ان بد نصیبوں نے توریت چھوڑی۔ قرآن سے منہ موڑا اور جادو کے شیدائی ہوئے اس چھوڑنے اور اختیار کرنے کو رب نے خرید و فروخت فرمایا۔ کیونکہ خریدار قیمت دے کر مال لیتا ہے۔ مگر ان کا یہ سودا گھاٹے کا ہوا کہ نافع چیز ہاتھ سے کھو بیٹھے اور نقصان دہ چیز لے بیٹھے **ولبئس ما شروا بہ انفسھم** یہ اس تجارت کا انجام ہے۔ کبھی تو تجارت نفع دیتی ہے اور کبھی حساب برابر رہتا ہے کہ نہ نفع نہ نقصان اور کبھی کچھ نقصان دیتی ہے اور کبھی تاجر کو بالکل تباہ کر ڈالتی ہے کہ اس کی اصل پونجی برباد مکان اور جائیداد نیلام ہو جاتی ہے اور تاجر دیوالیہ ہو کر قید اور ذلیل و خوار ہوتا ہے ان جادوگر یہود کی تجارت آخری قسم کی ہے کہ جادو سے ان کے گزشتہ اعمال برباد ایمان ختم۔ جنت کا استحقاق زائل ہو گیا اور جہنم کے حقدار بن گئے۔ روح البیان نے فرمایا کہ انفس سے ایمان مراد ہے کیونکہ وہ اصل مقصود ہے اور شراء سے فروخت کرنا۔ یعنی جادو کے عوض انہوں نے ایمان فروشی کی وہ جادو نہایت برا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دونوں لفظ اپنے اصلی معنی پر ہی ہیں یعنی ان کو چاہئے تھا کہ نیک اعمال کے ذریعہ رب تعالیٰ سے اپنی جانیں چھڑاتے مگر انہوں نے اس کے برعکس کیا اس کی پوری تحقیق پہلے گزر گئی **لو کانوا یعلمون** کاش کہ وہ یہ برائی بھی جانتے ہوتے یعنی یہ تو وہ جانتے ہیں کہ جادو میں ثواب نہیں کاش وہ یہ بھی جانتے کہ اس میں عذاب ہے اور اس سے آخرت برباد ہوتی ہے وہ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ جادو ایک مباح چیز ہے کہ جس کا نہ ثواب نہ عذاب اب رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگرچہ یہ یہودی بڑے بڑے جرم کر چکے لیکن اب بھی توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ اگر یہ چاہیں کہ جنت میں ہمیں بھی جگہ مل جائے تو **ولو انھم اٰمنوا** اگر یہ اب بھی ایمان لے آویں اور جادو کو حرام جان لیں توریت پر پورا عمل کریں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار بن جاویں تو ان کو بڑا ہی ثواب ملے گا اور **لمثوبۃ من عند اللہ خیر** تھوڑا سا ثواب بھی جو اللہ کے پاس ہے دنیا کے بڑے بھاری نفع سے بہت اچھا ہے۔ ہماری تفسیر سے معلوم ہوا کہ لو کی جزا پوشیدہ ہے اور یہ جملہ ایک پر لطف معنے دے رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ اب بھی ایمان لے آویں تو ہم ان کو بڑا ہی ثواب دیں اور اے اللہ کے بندو رب تعالیٰ کا تھوڑا ثواب بھی دنیا سے بہتر ہے تو بڑے ثواب کا کیا پوچھنا **عند اللہ** سے معلوم ہوا کہ تمام مزدوروں کی اجرت دنیا والے دیتے ہیں مگر انبیاء کی اطاعت کی اجرت رب تعالیٰ دیتا ہے اور رب تعالیٰ کی اجرت تمام اجرتوں سے بڑی ہے۔ **لو کانوا یعلمون** کاش یہ راز کو جانتے۔ انہیں تو یہ خبر ہے کہ فلاں منتر میں یہ اثر ہے فلاں جادو سے یہ تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر انہیں یہ خبر نہیں کہ کلام پاک میں کیا اثر ہے اس کے پڑھنے سے انسان کی کیسی کایا پلٹ جاتی ہے کہ سو برس کا مجرم بدکار ایک منٹ میں صالح پرہیزگار بن جاتا ہے کہ وہ منتر اور جادو بہتر ہیں یا یہ تدبیر کارآمد اور یہ عمل مفید ہے ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہیں۔ **ولو انھم** سے پہلے ان کی بد عملیوں اور بد عملیوں کے نقصان کا ذکر کرنے کے بعد اب اس کا علاج اور علاج کے فوائد بیان ہو رہے ہیں 'ایمان اور تقویٰ' چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے اس لئے پہلے ایمان کا ذکر کرنے کے بعد تقویٰ کا ذکر ہوا بہر حال یہ آیت گزشتہ آیات سے بے تعلق نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو بے شک جادو میں تاثیر ہے مگر یہ نہ سمجھنا کہ مستقل تاثیر ہے نہیں بلکہ جو کچھ ہے رب تعالیٰ کی اذن اور اس کے ارادے سے ہے جادوگر کے جادو سے دوسرے کو نقصان ہو یا نہ ہو اور اگر ہو تو پورا ہو یا تھوڑا مگر خود جادوگر یہ سیکھ کر اپنا نقصان کر لیتا ہے کہ اس کے اوقات بجائے ذکر اللہ کے فکر شیاطین میں گزرتے ہیں اور وہ بجائے آسمانی کتابوں کے شیطانی وسواس میں پھنسا رہتا ہے ایمان چھوڑ کر بے ایمان بن جاتا ہے اور اتنا تو خود جادوگر بھی جانتے ہیں کہ جادو کا آخرت میں کوئی ثواب نہیں کاش وہ یہ بھی جانتے کہ یہ بہت ہی بری چیز ہے جس کے عوض وہ اپنے جان و ایمان کو فروخت کر چکے ہیں لیکن ان سے کہہ دو کہ ہم بڑے غفور رحیم ہیں جس طرح کہ انہوں نے پہلے ہمیشہ خطائیں کیں اور ہم نے عطائیں۔ اگر یہ اس قدر جرم کر کے اب بھی ایمان لے آئیں تو ہماری رحمت انہیں گوش میں لینے کو تیار ہے۔ ہم تو دیتے ہیں کوئی لینے والا ہی نہیں ان کے ایک کلمہ پڑھ لینے سے ہم انہیں بہت بڑا ثواب دیں گے حالانکہ ہمارا تھوڑا ثواب بھی ساری دنیا کی نعمتوں سے بڑھ کر ہے کاش کہ یہ اس ثواب کی قدر جانتے تو ایسی حرکتیں نہ کرتے اے مولیٰ تیرے کرم کے قربان کس طرح اپنے مجرم بندوں کو رحمت کی طرف بلا رہا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جادو میں اثر ہے۔ جو اس کے اثر کا منکر ہے وہ اس آیت پر غور نہیں کرتا کہ یضرون سے صراحۃً "اثر کا ثبوت ہے اور الا باذن اللہ میں بھی نفی ٹوٹ کر اثر کا ثبوت ہو گیا نیز اس کے اثرات کا بارہا تجربہ بھی ہوا اور ہو رہا ہے اس کا انکار بالکل ظاہریات کا انکار ہے۔ دوسرا فائدہ: موثر حقیقی اللہ ہے باقی ساری چیزیں محض اسباب ہیں اسی لئے جادو سے کبھی بہت جلد فائدہ ہوتا ہے کبھی بہت دیر میں کبھی بالکل نہیں۔ کبھی ایک جماع سے ہی حمل قرار پا جاتا ہے اور کبھی بہت سے جماع سے کچھ بھی نہیں ہوتا۔ پھر کبھی جماع سے ایک بچہ ہو کبھی دو کبھی لڑکی کبھی لڑکا کبھی خوبصورت کبھی بدصورت غرضیکہ اثر مسبب الاسباب کے ہاتھ میں ہے۔ چاہئے کہ اسباب پر ضرور عمل کرے مگر نظر و اعتقاد خالق پر رکھے۔ تیسرا فائدہ: بغیر عمل علم بیکار بلکہ نقصان دہ ہے کہ یہود جادو کو بیکار جانتے تو تھے مگر عمل اس کے خلاف کرتے تھے۔ لہذا مردود ہوئے۔ چوتھا فائدہ: دنیاوی فائدے کے مقابلے میں آخرت کا تھوڑا فائدہ بھی زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں ایک کمان رکھنے کی جگہ دنیا سے بہتر ہے۔ پانچواں فائدہ: جادوگر کی توبہ قبول ہے کیونکہ جادوگر یہودیوں کو ایمان اور توبہ کی دعوت دی گئی ہے۔ چھٹا فائدہ: ایمان و تقویٰ انسان کی کایا پلٹ دیتے ہیں یہ جادو سے بڑھ کر موثر ہیں آدمی کو چاہئے کہ بجائے کیمیا، ریمیا، سیمیا جادو منتر کے ایمان کی کیمیا اور تقویٰ کا منتر سیکھے اولیاء اللہ کی نظر سے مٹی سونا بن جاتی ہے۔

کیمیا و ریمیا و سیمیا — کس ندانند جز بذات اولیاء

ساتواں فائدہ: کوئی علم بذات خود برا نہیں بلکہ اس کی برائی تین وجہ سے ہے ایک یہ کہ اس میں نقصان زیادہ اور نفع کم ہو جیسے کہ علم سحر و نجوم طلسمات وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ وہ علم خود تو مضر نہ ہو لیکن سیکھنے والے اس کی باریکیاں سمجھنے کی قابلیت نہیں جس سے اندیشہ ہو کہ یہ غلط سمجھ کر گمراہ ہو جائے جیسے علم فلسفہ، مسئلہ تقدیر، مسئلہ وحدت الوجود۔ صحابہ کرام کے اختلافات اور جنگوں کے اسباب اولیاء اللہ کے بولے ہوئے معمے جیسے کہ انا الحق۔ طریقت کے اسرار۔ قرآن کریم کی صوفیانہ تاویلات کہ عام

www.alahazratnetwork.org

لوگ اس کے اہل نہیں۔ تیسرے شرعی علموں میں بیجا تاویلات اور شرعی اعمال میں افراط و تفریط جیسے کہ علم عقائد اور توحید میں فلسفہ کو دخل دیتا اور علم فقہ میں غلط حیلے اور اصل روایتیں لیتا اور علم سلوک میں جوگیوں کے مشغلوں کو دخل دینا۔ آٹھواں فائدہ: جادو معجزے اور کرامت کے مقابلہ میں اثر نہیں کر سکتا۔ لیکن بغیر مقابلہ نبی یا ولی پر ضرور اثر کر دیتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے مقابل جادوگر فیل ہوئے مگر حضور علیہ السلام پر یہود کا جادو کسی قدر چل گیا کیونکہ وہاں معجزے کا مقابلہ تھا اور یہاں اثر حقیقتہ بغیر مقابلہ ہوا۔ نواں فائدہ: اگر جادوگر دعویٰ کردے تو اس کا جادو باقی رہتا ہے لیکن اگر دعویٰ نبوت کر بیٹھے تو وہ ہی جادو بیکار ہو گیا کہ یا تو اثر کرے گا ہی نہیں اگر کرے گا تو الٹا۔ دیکھو دجال دعویٰ خدائی کر کے بھی عجیب باتیں دکھائے گا لیکن مسلیمہ کذاب دعویٰ نبوت کر کے اپنے جادو سے کوئی کام نہ لے سکے۔ کیونکہ خدائی میں دھوکہ نہیں پڑ سکتا کہ انسان کا کھانا پینا سونا جاگنا ہی بتا رہا ہے کہ وہ خدا نہیں۔ مگر نبوت میں شبہ پڑ سکتا ہے کیونکہ انبیائے کرام بشری ہوتے ہیں اس لئے قدرت اس کا جادو بیکار کر دیتی ہے۔ یہ آخری تین فائدے **الا باذن اللہ** سے حاصل ہوئے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جادوگر خدا کے حکم سے لوگوں کو نقصان پہنچاتے ہیں تو کیا خدا بری باتوں کا حکم بھی دیتا ہے تو جادوگر برا کیوں ہے (آریہ) جواب: اس کے چند جواب ہیں (1) ایک یہ کہ یہاں اذن کے معنی نہ تو اجازت ہیں اور نہ امر و حکم' بلکہ اس کے معنے ہیں علق یا ایجاد یعنے اذن شرعی مراد نہیں بلکہ اذن تخلیقی یا تکوینی مراد ہے یعنے جادو خود اثر نہیں کرتا بلکہ اصل موثر پروردگار ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ یہاں اذن سے مراد اجازت ہی ہے مگر جادوگر کو جادو کرنے کی نہیں بلکہ جادو کو اثر کرنے کی یعنے جادو خدا کی اجازت سے اثر کرتا ہے جیسے کہ چھری خدا کی اجازت سے کاٹتی ہے لہٰذا جادو برا نہیں ہاں جادوگر برا ہے کہ اس نے بغیر اجازت جادو کیا تلوار بری نہیں قاتل برا ہے۔ (3) تیسرے یہ کہ اذن سے مراد موقعہ دینا ہے یعنے رب نے جادوگر کو موقعہ دے دیا جیسے کہ اس نے ساری برائیاں کرنے کا موقع دے دیا ہے۔ (4) چوتھے یہ کہ اذن سے مراد علم اور اطلاع ہے چنانچہ نماز کی اطلاع کو اذان کہتے ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا **واذان من اللہ و رسولہ** اور فرمایا **فاذنوا بحرب من اللہ** اطلاع کو اذان اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اذن یعنے کان سے سنی جاتی ہے۔ یعنی جادوگر اللہ کے علم کے بغیر ضرر نہیں پہنچا سکتے دوسرا اعتراض: اس آیت میں اول تو فرمایا گیا **ولقد علموا** یعنے وہ یقیناً" جانتے ہیں اور آخر میں فرمایا گیا۔ **لو کانوا یعلمون** کاش کہ وہ جانتے ہوتے یعنی نہیں جانتے تو جاننا اور نہ جاننا جمع کیسے ہو گیا۔ جواب: اس کے بھی چند جواب ہیں (1) ایک یہ کہ ان میں سے بعض جادو کی برائی جانتے تھے اور بعض نہ جانتے تھے لہٰذا جاننے والے اور ہیں اور نہ جاننے والے دیگر (2) دوسرے یہ کہ ان میں جو جانتے تھے مگر عمل نہ کرتے تھے لہٰذا پہلے علم بے عمل کا ثبوت ہے اور پھر علم باعمل کی نفی (3) تیسرے یہ کہ وہ جانتے تھے کہ جادو پر ثواب نہیں مگر یہ نہ جانتے تھے کہ اس پر عذاب بھی ہے۔ یعنی **لقد علموا** کا مفعول **لمن اشترلہ** ہے اور **لو کانوا یعلمون** کا **ولبئس** تیسرا اعتراض: آیت میں **لو انھم امنوا** شرط ہے اور **لمثوبۃ** اس کی جزا اور جزا شرط پر موقوف ہوتی ہے تو مطلب یہ ہوا کہ خدا کے ثواب کا ہونا ان کے ایمان لانے پر موقوف ہے یعنی اگر وہ ایمان لے آئیں تو ثواب اچھا ہو ورنہ نہیں حالانکہ رب کا ثواب بہت بہتر چیز ہے خواہ یہودی ایمان لائیں یا نہ لائیں۔ جواب: یہاں جزاء شرط پر حکم میں موقوف ہے نہ کہ واقعہ میں جیسے کہ قرآن کریم میں ہے کہ **وما بکم من نعمۃ فمن اللہ** یعنے ان کے لئے ثواب اچھے ہونے کا حکم جب ہو گا جب کہ وہ ایمان لائیں یوں کہو کہ اس کی جزاء پوشیدہ ہے اور **لمثوبۃ**

www.alahazratnetwork.org

علیحدہ جملہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : علم درحقیقت اچھی چیز ہے لیکن اس کا اثر مختلف۔ جس علم کے ساتھ نیک اعمال، کتاب و سنت کی پیروی، اللہ ورسول کا عشق و محبت ہو وہ علم نافع ہے اور جس کے ساتھ یہ اوصاف نہ ہوں وہ علم بیکار اور جو شخص علم سے غلط فائدہ حاصل کرے کہ اس کو دنیا کمانے اور اپنی آبرو بڑھانے کا ذریعہ بنائے وہ علم مضر ہے۔ شیخ ابوالحسن فرماتے ہیں کہ اگرچہ سارے علم حق ہیں لیکن جس علم کی طرف نفس مائل ہو اور طبیعت کو اس سے لذت حاصل ہو اسے اختیار نہ کرو انسان کے لئے وحدانیت کا علم اور اللہ رسول کی محبت کا عمل کافی ہے بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ برے آدمی کے لئے علم کی زیادتی ایسی ہے جیسے اندرائن اور خار دار درختوں کی جڑوں میں زیادہ پانی جیسے کہ وہاں پانی سے کانٹے اور کڑوے پھل بڑھیں گے ایسے ہی یہاں علم سے بد عملی اور بیدینی پھیلے گی جو شخص کہ دنیا کمانے اور اپنی آبرو بڑھانے کے لئے علم سیکھتا ہے وہ اس شخص کی طرح ہے جو کہ سونے کے چمچے سے گوبر کھاتا ہے اے علماء اگر تم چاہتے ہو کہ اپنا درجہ اللہ کے نزدیک معلوم کرو تو خود غور کر لو کہ تمہارے دل میں اللہ کا کیا درجہ ہے سمجھ لو کہ انسان کا نصف اسفل مثل ملک کے ہے اور نصف اعلیٰ مثل ملکوت کے۔ یوں کہو کہ طبیعت اور نفس ملک ہے اور روح ملکوت تم اپنے ملک و ملکوت پر قادر رہو۔ یہود نے ملک و ملکوت والے علوم چھوڑ کر علم سحر جیسے علم اختیار کئے وہ وبال میں پھنس گئے۔ خیال رہے کہ صوفیاء کے نزدیک ایمان کی حقیقت ہے اللہ اور رسول کا مل جانا ان کی عقیدت محبت اطاعت رضا میں ملانا ایمان ہے ان میں فرق کرنا کفر ہے رب فرماتا ہے۔ **ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ الخ اولئک ھم الکفرون حقا** شکر پانی ملنے سے شربت بنتا ہے گرم و سرد تار ملنے سے بجلی کا پاور بنتا ہے اللہ رسول کو ملانے سے ایمان بنتا ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ایمان۔ اطاعت رضا وغیرہ میں اللہ رسول کو ملایا کہ فرمایا۔ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** اور فرماتا ہے۔ **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** وغیرہ وغیرہ یہاں **ولو انھم امنوا** میں اسی طرف اشارہ ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، نہ کہو تم لوگ راعنا اور کہو تم نظر کیجئے ہم پر
اے ایمان والو راعنا نہ کہو اور یوں عرض کرو کہ حضور ہم پر نظر رکھیں اور
وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ
اور سنو تم اور واسطے کافروں کے عذاب ہے دردناک
پہلے ہی سے بغور سنو اور کافروں کیلئے دردناک عذاب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اب تک یہود کی ان بدکاریوں کا ذکر تھا جو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے کر چکے تھے۔ اب ان کے وہ عیوب بیان ہو رہے ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ان میں پیدا ہوئے یعنی صاحب قرآن میں عیب جوئی کرنا اور ان کے دین میں طعنے دینا۔ اس سلسلے میں پہلا عیب اس آیت میں بیان

www.alahazratnetwork.org

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں یہود کے جادو سیکھنے کا ذکر تھا اور جادوگر کچھ الفاظ ہی کے ذریعہ لوگوں کو ایذاء پہنچاتا ہے اب اس آیت میں ان لوگوں کی وہ تکلیف دینے والی باتیں بیان ہو رہی ہیں۔ جو جادو کی طرح حضور علیہ السلام کو ایذا پہنچاتی تھیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا جادوگر ہونا بتایا گیا اور جادوگر اپنے کو کراماتی ولی ظاہر کرتا ہے اور اپنے جادو کو کرامت بتاتا ہے مگر در حقیقت وہ موذی ہیں اور ان کا یہ لفظ گفتگو محبت نہیں بلکہ کلمہ ایذاء ہے۔ ان کے اس لفظ سے دھوکا نہیں کھانا چاہئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں جادو کا ذکر ہوا اور جادو کا موجد اور سکھانے والا تو اس کی حقیقت سے واقف ہے مگر سیکھنے والا شاگرد اس سے بے خبر رہ کر اندھا دھند منتر پڑھتا ہے اس آیت میں لفظ **راعنا** سے بے ادبی کرنے والے اس لفظ کی حقیقت سے واقف تھے۔ مسلمان بے خبری میں یہی لفظ بولتے تھے۔ انہیں اس سے روک دیا گیا' جیسے جادو کا موجد اور اس کا عامل دونوں گنہگار ہیں۔ ایسے ہی **راعنا** سے بے ادبی کرنے والے اور بے خبری میں اس کو استعمال کرنے والے دونوں مجرم ہوں گے۔ **پانچواں تعلق:** اس سے پہلے ایمان اور تقویٰ کا ذکر ہوا اور تقویٰ یہ ہے کہ انسان شبہ کی چیز سے بھی بچے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں متقی بنو کیونکہ لفظ **راعنا** میں فاسد معنی کا شبہ ہے اس سے بھی بچ جاؤ۔ **شان نزول:** حضور علیہ السلام جب صحابہ کرام کو کچھ تعلیم فرماتے تو حضرت کے درمیان کلام میں عرض کر دیتے تھے کہ راعنا یا رسول اللہ یعنی یا حبیب اللہ ہماری رعایت فرمایئے۔ یعنی یہ بات ہماری سمجھ میں نہ آئی دوبارہ ارشاد فرما دیجئے مگر اس لفظ راعنا کے ایک برے معنی بھی ہیں۔ جیسا کہ ہم اس تفسیر میں عرض کریں گے۔ یہود نے اس برے معنی کی نیت سے یہ لفظ عرض کرنا شروع کر دیا اور دل میں خوش ہوئے کہ ہمیں بارگاہ عالی میں نہایت چالاکی سے گستاخی کرنے کا موقعہ مل گیا ایک دن حضرت سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ نے ان کی زبان سے یہ لفظ سن کر فرمایا کہ اے دشمنان خدا تم پر اللہ کی لعنت ہو اگر میں نے اب کسی کی زبان سے یہ لفظ سنا تو اس کی گردن ماروں گا۔ یہود نے کہا کہ ہم پر تو آپ ناراض ہوتے ہیں مسلمان بھی تو یہی کہتے ہیں اس پر آپ غمگین ہو کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آئے ہی تھے کہ یہ آیت نازل ہوئی جس میں **راعنا** کہنے کی ممانعت فرما دی گئی اور اس معنی کا دوسرا لفظ **انظرنا** کہنے کا حکم دیا گیا (خزائن العرفان و عزیزی و کبیر)

تفسیر: یاایها الذین امنوا یہ خطاب قرآن کریم میں اٹھاسی جگہ ہے ان میں سے یہ پہلا موقعہ ہے پچھلی کتابوں میں صرف پیغمبروں سے خطاب ہوتا تھا امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عزت ہے کہ رب تعالیٰ نے براہ راست ان سے کلام فرمایا دنیا میں تو مسلمانوں کو **الذین امنو** کا خطاب دیا۔ جنے اے ایمان والو انشاء اللہ آخرت میں یہی خطاب ہو گا۔ مگر وہاں اس کے معنی ہوں گے اے امن میں رہنے والو کیونکہ ابتداء انتہا کو بتاتی ہے اور خطاب سے ثواب یا عتاب کا پتہ لگ جاتا ہے کسی کو پکارا او گدھے معلوم ہوا عتاب ہو گا۔ کسی کو پکارا او میرے بچے معلوم ہوا کہ کرم ہو گا۔ بعض روایات میں ہے کہ توریت و انجیل میں خطاب **یاایها المساکین** تھا کہ جس کا انجام یہ ہوا کہ **ضربت علیهم الذلة والمسکنة** کہ ان پر ذلت و خواری ڈال دی گئی ہمیں خطاب ہوا۔ **یاایها الذین امنوا** جس کا انجام ہوا کہ **وبشر المؤمنین بان لهم من الله فضلا کبیرا** خیال رہے کہ **الذین امنوا** کے خطاب میں حضور داخل نہیں ہوتے کیونکہ یہ ایمان والوں سے خطاب ہے اور حضور عین ایمان ہیں حضور کا خطاب ہے۔ **یاایها النبی۔ یاایها الرسول۔ یاایها المزمل۔** وغیرہ نیز بھی اس

www.alahazratnetwork.org

خطاب کے بعد ایسے احکام بیان ہوتے ہیں جو حضور انور پر شامل نہیں ہو سکتے۔ جیسے یہاں راعنا کہنے سے باز رہنے کا حکم یا رب کا فرمان کہ اے مومنو نبی کی آواز پر آواز اونچی نہ کرو' اے مومنو اللہ کے رسول سے آگے نہ بڑھو وغیرہ یہ نماز روزے کے ان خطابوں میں بھی حضور داخل نہیں کہ حضور تو ظہور نبوت سے پہلے ہی ان احکام پر عامل تھے۔ اگرچہ اس خطاب میں صحابہ' اولیاء' اولیا' علماء اور ہم جیسے گنہگار سب ہی داخل ہیں مگر ان کے لئے یہ خطاب اظہار کرم کے لئے ہے اور ہم جیسوں کو یہ خطاب غفلت سے بیدار کرنے کے لئے۔ چیز ایک ہے مگر تعلقات علیحدہ **لا تقولوا راعنا** ہمارے نبی سے آئندہ راعنانہ کہنا یہ لفظ مراعات کا امر ہے۔ جس کے معنے ہیں رعایت کرنا صحابہ کرام عرض کرتے تھے راع رعایت فرمایئے نا ہماری۔ مگر یہودی زبان میں یہ گالی تھی۔ یا وہ کسی قدر کھینچ کر بولتے تھے جو کہ راعینا بن جاتا تھا۔ یعنی ہمارا چرواہا (راعی چرواہے کو کہتے ہیں) یا وہ رعونت سے بناتے تھے جس کے معنے ہیں حماقت تو راعنا کے معنے ہوئے احمق اور دل میں خوش ہوتے تھے۔ نیز ویسے بھی اس لفظ میں بے ادبی کا احتمال ہے کیونکہ یہ باب مفاعلہ سے ہے۔ جس کے معنی ہوئے آپ ہماری رعایت کریں ہم آپ کی۔ اس میں نبی علیہ السلام کے ساتھ برابری کا شائبہ پایا جاتا تھا۔ یہ خود سری کا حکم معلوم ہوتا تھا کہ یا حبیب اللہ میرے کلام کی رعایت کیجئے اس سے بے پروائی نہ کیجئے کسی اور کے ساتھ مشغول نہ ہو جیئے ان وجوں کی بنا پر مسلمانوں کو اس سے روک دیا گیا کہ تم اگرچہ سادگی سے کہتے ہو مگر اس لفظ کے دوسرے خلاف معنی بھی ہیں یا اوروں کو اس سے بے ادبی کرنے کا موقع مل جاتا ہے لہٰذا تم اچھی نیت سے بھی نہ بولو بلکہ **وقولوا انظرنا** اگر یہ کہنا ہے تو یہ لفظ بولا کرو یا تو انظر انتظر کے معنے میں ہے۔ یعنی ہمیں مہلت دیجئے (نظر معنے مہلت) اور یہاں الیٰ پوشیدہ ہے۔ **انظر الینا** یعنی ہماری طرف نظر کرم فرمایئے (نظر معنے کرم) اس لفظ میں کسی فاسد معنی کا احتمال نہیں۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ **واسمعوا** پہلے سے فرمان عالی غور سے سن لیا کرو تاکہ تمہیں یہ عرض کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑے یا یہ مطلب ہے کہ یہ حکم بگوش ہوش سن لو خبردار اب بھی راعنانہ کہنا یا یہ مطلب کہ اطاعت کی غرض سے سنو یہود کی طرح **سمعنا وعصینا** نہ کہنا اس لئے کہ **وللکفرین عذاب الیم** ان کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے جو راعنا کہہ کر محبوب پاک کے قلب کو ایذا پہنچاتے ہیں انہوں نے زبان سے تکلیف دی ہم انہیں تکلیف دہ عذاب میں مبتلا کریں گے۔

خلاصہ تفسیر : اے ایمان والو! تم ہمارے نبی علیہ السلام سے نیک نیتی اور صفائی دل کے ساتھ لفظ راعنا بول دیتے ہو جس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ حضور ہم نے یہ بات نہ سنی ہم پر نظر کرم فرمائیں اور دوبارہ فرمادیں۔ مگر تمہارے اس لفظ کے خراب معنی بھی ہیں اور اس سے دشمنوں کو بے ادبی اور گستاخی کرنے کا موقع مل جاتا ہے لہٰذا تم یہ لفظ اچھی نیت سے بھی بولنا چھوڑ دو تاکہ گستاخی کا دروازہ بند ہو جائے اور بجائے اس کے انظرنا کہہ دیا کرو اس سے تمہارا مقصد پورا ہو جاوے گا۔ تاکہ اس عرض و معروض کی ضرورت ہی نہ پڑے یا ہمارا یہ حکم کان کھول کر سن لو۔ اب اس کی خلاف ورزی نہ ہو۔ اب جو کوئی راعنا کہے گا وہ کافر ہو گا کافروں کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کی بیحد عزت ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو عرض و معروض کرنے کا طریقہ بھی سکھایا اور عرضی دینے کے الفاظ بھی بتائے' قرآن کریم نے دربار

مصطفائی کی حاضری کے آداب بیٹھنے اٹھنے کے طریقے' کھانے پینے کے آداب' گفتگو کرنے کے ڈھنگ بھی سکھائے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اور مملکت کبریا کا مطالعہ کرو۔ دوسرا فائدہ: تعظیم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام عبادات سے مقدم ہے اور سب سے بڑھ کر اہم فرض کیونکہ قرآن کریم نے نماز روزہ کے احکام میں اتنی سختی نہ فرمائی جتنی کہ یہاں فرمائی کہ حکم کے بعد **اسمعوا** بھی کہا۔ یعنی خوب سن لو اور خلاف ورزی کرنے والوں کو کافر فرمایا۔ تیسرا فائدہ: للکافرین سے اشارۃً معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی شان میں بے ادبی کا لفظ بولنا کفر ہے اگرچہ اس قصد سے نہ ہو لہٰذا حضور علیہ السلام کی شان میں گستاخی کرنے والے دیوبندی کافر ہیں اگرچہ وہ یہ ہی کہیں کہ ہماری یہ نیت نہ تھی۔ گستاخی میں عرف کا لحاظ ہے نہ کہ نیت کا۔ نیک نیتی سے گالی دینے والا مجرم ہے۔ چوتھا فائدہ: برائیوں کے ذریعوں کو بند کرنا ضروری ہے لہٰذا وہ جائز کام بھی حرام ہے۔ جس سے محرمات کا دروازہ کھلے رب نے مشرکین کے بتوں کو گالیاں دینے سے منع فرمایا تھا کیونکہ اس سے مشرکین رب کو گالیاں دیتے۔ یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا منع تھا جنہوں نے حیلہ" پہلے سے تیاری کی وہ بھی عذاب الٰہی میں گرفتار ہو گئے کیونکہ یہ حرام کا ذریعہ تھا تصویر بنانا اور شوقیہ استعمال کرنا حرام کر دیا گیا کہ یہ بت پرستی کا ذریعہ ہے قبر کے سامنے نماز حرام ہے کیونکہ اس میں بت پرستی کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے کسی کے باپ کو گالی مت دو ورنہ وہ تمہارے باپ کو گالی دے گا مگر افسوس اس راز کو دیوبندی نہ سمجھے انہوں نے تقویۃ الایمان اور براہین قاطعہ جیسی گندی کتابیں شائع کیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آریوں نے رنگیلا رسول جیسی ملعون کتاب چھاپی اور اپنی اس گستاخی کے لئے تقویۃ الایمان کو آڑ بنایا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور علیہ السلام کی شان میں ایسے لفظ بولنا حرام ہیں۔ جن میں بے ادبی کا کوئی شائبہ بھی ہو اور ہم جوان کی شان کے خلاف ہوں اور اسی لئے اللہ کو میاں اور حضور علیہ السلام کو بھائی اور بشر کہنا حرام ہے کہ میاں شوہر کو اور بھائی بشر برابر والے کو بھی بولا کرتے ہیں۔ چھٹا فائدہ: حضور علیہ السلام سے رحم و کرم کی درخواست کرنا یا رسول اللہ انظر حالنا کہنا بالکل جائز ہیں کیونکہ یہاں نظر معنی دیکھنا نہیں بلکہ معنی مہربانی کرنا ہے۔ **لا ینظر الیہم** اور سب مسلمانوں کو خواہ کہیں ہوں کسی زمانے میں ہوں انظرنا کہنے کا حکم ہے کیونکہ قرآن کریم میں مطلقاً" ایمان والوں سے خطاب ہوا ہے الفاظ کے اطلاق کا اعتبار ہوتا ہے خیال رہے کہ سارے شرعی احکام ہمارے مرتے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر حضور سے نظر کرم کی درخواست وہ عبارت ہے۔ جو قبر و حشر میں رہے گی ہر جگہ حضور کے کرم کی ہمیں ضرورت ہے قیامت میں سب سے پہلے حضور کی تلاش پھر حضور کی شفاعت ہو گی۔ پھر دوسرے کام حساب و کتاب وغیرہ تو **قولوا انظرنا** پر ہر جگہ عمل ہو گا۔

اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعریض کرنا حرام ہے (دو معنی والے لفظ کے بعید معنی مراد لینا) حالانکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بیوی کو ایک بار بہن کہا تھا یعنی دینی بہن نیز فقہا فرماتے ہیں کہ تعریض جائز ہے جواب: مجبوری کی حالت میں تعریض بیشک جائز ہے بلا ضرورت نہ چاہئے نیز کفری تعریض کے احکام کچھ اور ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ضرورۃً" بیوی کو بہن فرمایا اور اس میں کفر کے معنی بھی نہ تھے۔ دوسرا اعتراض: شافعی لوگ کہتے ہیں کہ منقولہ الفاظ میں تبدیلی جائز نہیں لہٰذا نماز میں بجائے اللہ اکبر کے الرحمٰن اکبر وغیرہ کہنا منع ہے جیسے کہ بجائے انظرنا کے راعنا کہنا حرام ہے۔ جواب: اس مسئلے کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں راعنا کے فاسد معنے ہیں اس لئے وہ حرام ہے الرحمٰن اکبر میں کون سی خرابی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے وہ لوگو جو **قالوا بلیٰ** کہہ کر ازل میں مومن ہو چکے ہو تم دربار یار میں اغیار کے سامنے راعنا وغیرہ ایسے لفظ محبت سے بھی نہ بولو کہ جس سے اغیار کو دشمنی کرنے کا موقع ملے تمہارے اور احکام ہیں اور دوسروں کے لئے دوسرے احکام ایسا نہ ہو کہ تمہارے مقصد سے بے خبر ہو کر لوگ یہ باتیں بولیں اور کفر میں پھنسیں۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح — سندھیاں را اصطلاح سندھ مدح

موسیا آداب ، دانا دیگر اند — سوختہ جان روانان دیگر اند

ضروری ہے کہ اہل شریعت صوفیائے کرام کی اصطلاح اور ان کی باتوں سے علیحدہ رہیں دانا کو چاہئے کہ سوختہ جان روانا سے دور رہے انا الحق اور سبحانی ما اعظم شانی نہ تو ہر کوئی کہہ سکے نہ سمجھ سکے نیز دربار الٰہی مقام ناز ہے اور دربار مصطفائی مقام نیاز۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار

وہاں انا اللہ کہنے پر بھی کچھ نہیں بگڑتا اور یہاں راعنا کہنے پر ہی ایمان جاتا ہے۔ لہٰذا اس گلی میں ہوش سنبھال کر قدم رکھو۔

دوسری صوفیانہ تفسیر : مہربانی کا استحقاق رکھنے والا رعایت مانگتا ہے مگر جس کا کوئی حق نہ ہو وہ کرم کی نظر مانگتا ہے خریدار تاجر سے رعایت مانگتا ہے مگر بھکاری داتا سے نظر مہر کی درخواست کرتا ہے فرمایا جا رہا ہے کہ اے مومنو تم محبوب کے آستانہ میں تاجر یا خریدار بن کر رعایت مانگنے نہ آؤ بلکہ بھکاری بن کر ان کی عنایت مانگنے آؤ نہ تو بندوں کا رب پر کوئی حق ہے نہ ہمارا حضور پر کوئی استحقاق جو دے دیں ان کی عنایت ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی عنایت کی ہر شخص کو ضرورت ہے گنہگار ہو یا پرہیزگار ابر رحمت کی بارش کی ہر زمین کو حاجت ہے۔ اعلیٰ زمین ہو یا معمولی اس لئے ہر مسلمان کو حکم دیا گیا۔

مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ

نہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کتاب والوں میں سے اور نہ مشرکوں میں سے

وہ جو کافر ہیں کتابی یا مشرک وہ نہیں چاہتے

أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِنْ رَبِّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ

یہ کہ اتاری جائے اوپر تمہارے کوئی بھلائی طرف سے رب تمہارے اور اللہ خاص

کہ تم پر کوئی بھلائی اترے تمہارے رب کے پاس سے اور اللہ اپنی رحمت سے خاص

بِرَحْمَتِهِ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ۝

فرماتا ہے ساتھ رحمت اپنی کے جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

کرتا ہے جسے چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے ۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی عداوت اور بغض کا ذکر تھا کہ وہ نبی علیہ السلام کی دشمنی کرنے کے لئے موقعہ ہی تلاش کرتے رہتے ہیں اب مسلمانوں کو ان سے ڈرایا جارہا ہے کہ یہ تمہارے سخت دشمن ہیں تمہاری بھلائی انہیں گوارا نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ یہود نبی علیہ السلام کے ایسے دشمن ہیں کہ ان کے ساتھ کسی معاملہ میں کمی نہیں کرتے اب فرمایا جارہا ہے۔ مسلمانوں وہ تمہارے کیوں کر خیر خواہ ہو سکتے ہیں۔ جتنے پہلے مخالفت نبی کا ذکر تھا اب عداوت مومنین کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے بتایا گیا تھا کہ یہود برے ارادے سے راعنا کہتے ہیں اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ اس لئے ایسی حرکت کرتے ہیں کہ مسلمان بھی عام طور پر یہ بولنے لگیں۔ اور فیضان نبوت سے محروم ہو جائیں اور ان پر کوئی خدائی رحمت نازل نہ ہو نیز ان لوگوں کو یہ کہنے کا موقع ملے کہ جب مسلمان اور ان کے نبی ہماری بات نہیں سمجھتے تو رب کا فرمان کیا سمجھتے ہوں گے اور رب تعالیٰ ایسے بیدھے لوگوں پر اپنا کلام کیوں کر اتارتا ہوگا۔

شان نزول : یہود کی ایک جماعت مسلمانوں سے دوستی اور خیر خواہی ظاہر کرتی تھی اور میٹھی باتوں سے ان کا دل لبھانا چاہتی تھی ان کے جھٹلانے اور مسلمانوں کو بروقت خبردار کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری (جمل و خزائن العرفان)

تفسیر : **ما یود الذین کفروا** یود۔ ود سے بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں دل سے چاہنا اور پسند کرنا یا تمنی کہ اس کی نفی سے کراہت لازم آئی یعنی کفار نہیں چاہتے تھے بلکہ برا سمجھتے ہیں **کفروا** سے عام کافر مراد ہیں خواہ منافق ہوں یا ظاہری اور ظاہر کفار میں بھی اہل کتاب ہوں یا بت پرست اسی لئے فرمایا گیا کہ **من اھل الکتب ولا المشرکین** یعنی عام کفار مراد ہیں خواہ وہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین ان میں کوئی بھی کبھی نہیں چاہتا کہ **ان ینزل علیکم من خیر** کہ اے مسلمانو تم پر کوئی بھلائی اترے یا تو خیر سے مراد وحی ہے اور علیکم سے مراد نبی ہے اور یا خیر سے عام بھلائی مراد ہے اور علیکم اپنے ظاہری معنی پر یعنی کفار نہیں چاہتے کہ تم پر کوئی بھلائی یا تمہارے نبی پر وحی آئے **من ربکم** تمہارے رب کی طرف سے یہ من ابتدائیہ ہے یعنی وہ خود تمہارے لئے بھلائی کیا کرتے یا اور کسی ذریعہ سے تم تک بھلائی کیا پہنچنے دیتے وہ تو یہ بھی نہیں چاہتے کہ حق تعالیٰ بھی تم پر فضل فرمائے کیونکہ یہود تو اپنے کو نبوت اور وحی کا ٹھیکیدار سمجھے ہوئے ہیں اور مشرکین اپنے مال اور عزت کے گھمنڈ میں ہیں اور کہتے ہیں کہ نبوت کسی بڑے مالدار آدمی کو ملنی چاہئے تھی یا نعیم ابن مسعود طائفی کو ملتی یا ولید ابن مغیرہ مکی کو۔ مگر انہیں ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں کیونکہ **واللہ یختص برحمتہ من یشاء** رب تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص کر لیتا ہے اور اس کی مرضی میں کسی کو دخل نہیں رحمت سے مراد نبوت، وحی، حکمت، نصرت اور فتح مندی ہے پھر یہ نہیں کہ نااہل کو اپنی رحمت دیدے بلکہ **واللہ ذوالفضل العظیم** اللہ بڑے فضل والا ہے کہ جس پر رحمت کرنا چاہتا ہے پہلے اس میں لیاقت اور قابلیت بھی عطا فرماتا ہے تو جس ذات کریم پر اس نے وحی بھیجی اور جس قوم پر قرآن اتارا اسے پہلے ہی اس کی لیاقت اور قابلیت بھی عطا فرما دی فضل کے معنے ہیں محض کرم سے بغیر کسی کے استحقاق کے کچھ عطا فرمانا خلاصہ **تفسیر** اے مسلمانوں کفار کی چکنی چپڑی باتوں پر فریفتہ نہ ہو جانا ہم تمہیں ان کا دلی حال بتاتے ہیں کہ کوئی کافر خواہ کتابی ہو یا مشرک چاہتا ہی نہیں کہ تم پر خدا

www.alahazratnetwork.org

کا کوئی فضل بھی ہو اہل کتاب تو اپنے کو ہر فضل کا حقدار سمجھتے ہیں اور مشرکین آخرت کی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں پر قیاس کر کے کہتے ہیں کہ جس طرح مال اور عزت ملی ہے ایسے ہی نبوت بھی ملنی چاہئے تھی مگر ان بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت دیتا ہے اور جس پر چاہتا ہے اپنا فضل فرماتا ہے یہ تو ان بگڑے ہوئے خاندانی نوابوں کی طرح ہیں جو کہ نئے دولت مند اور صاحب کمال لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور اپنے کو خاندانی اور موروثی نواب سمجھے بیٹھے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: اللہ پر کچھ واجب نہیں اور نہ کسی کا اس پر ذاتی حق ہاں اس نے خود اپنے فضل سے جو حق جس کو دیدیا وہ درست ہے۔ دوسرا فائدہ: اللہ کی نعمت محض اس کے فضل سے ملتی ہے ہاں بعض نعمتوں میں بعض ظاہری اسباب کو بظاہر دخل ہوتا ہے۔ تیسرا فائدہ: نبوت محض وہبی ہے اس میں کسب کو دخل نہیں۔ چوتھا فائدہ: حق تعالیٰ نااہل پر فضل نہیں کرتا بلکہ پہلے اسے اہل بناتا ہے پھر رحمت دیتا ہے۔ ع

بجائے خویش بود آنچہ کرد گارد ہد

پانچواں فائدہ: حسد بڑی بری بیماری ہے اس میں حاسد خود اپنا ہی نقصان کرلیتا ہے محسود کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: جب اللہ جس کو چاہے رحمت سے خاص کرے تو تم نے نبوت اولاد ابراہیم کے ساتھ کیوں خاص مان لی اور حضور علیہ السلام پر اس کی انتہا کیوں مان بیٹھے ممکن ہے کہ مرزا جی پر اس نے رحمت کردی ہو یہ ختم نبوت یہود کا عقیدہ ہیں۔ جواب: یہ آیت اس اعتراض کا جواب ہے جب اس نے نبوت اولاد ابراہیم کے ساتھ ختم نبوت حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص فرمادی تو ہمیں اس اعتراض کا کیا حق ہے یہ تو رب سے کہو یا قرآن سے پوچھو دوسرا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ نااہل کو نعمت نہیں ملتی اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے قریب نااہلوں کو سلطنت اور مال ملے گا۔ اب بھی کفار اور ظالم لوگ بادشاہ بنے بیٹھے ہیں۔ جواب: یہ سلطنت اور مال و دولت نعمت نہیں بلکہ لعنت ہے اس سے مجرموں کو سزا دینا منظور ہے۔

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے   نہد ملک در پنجہ ظالمے

تفسیر صوفیانہ : اللہ کا فضل بہت وسیع ہے جو اس سے محروم رہا وہ فضل کی تنگی سے نہیں بلکہ خود اپنی کوتاہی کی وجہ سے ہے اس فضل کے لینے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک تو اہل اعمال جو کہ عبادت و زہد سے حاصل کرتے ہیں دوسرے اہل محبت جو کہ اپنے قرب اور دلی محبت کی وجہ سے فضل پاتے ہیں اور بدنصیب جب اس سے محروم رہتے ہیں تو دور بیٹھے ہوئے ان پر حسد کیا کرتے ہیں در حقیقت حاسد پانچ طرح رب کا مقابلہ کرتا ہے ایک یہ کہ اس نعمت سے بغض رکھتا ہے جو اس کے غیر کو ملی دوسرے یہ کہ وہ رب کی تقسیم سے راضی نہیں بلکہ اسے رائے دیتا ہے کہ اس طرح تقسیم فرما تیسرے یہ کہ رب کریم اپنے کرم سے دیتا ہے اور یہ بخیل اس پر بخل کرتا ہے چوتھے یہ کہ اللہ کے ولی سے دشمنی رکھتا ہے اور اس کی نعمت کا زوال چاہتا ہے پانچویں یہ کہ وہ ابلیس کی امداد کرتا ہے حاسد کی مثال اس شخص کی سی ہے جو دوسرے کو پتھر مارے مگر وہ لوٹ کر اس کی کھوپڑی پر پڑے اور اس کو زخمی کرے سب سے پہلا حاسد شیطان تھا انسانوں میں پہلا حاسد قابیل ہوا۔ ان دونوں کے انجام سے دنیا خبردار ہے۔ حسد

www.alahazratnetwork.org

تپ دق یا دمہ کی سی بیماری ہے جو دم کے ساتھ جاتی ہے یہود حسد کے ہی مارے ہوئے تھے۔

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰيَةٍ اَوۡ نُنۡسِهَا نَاۡتِ بِخَيۡرٍ مِّنۡهَاۤ اَوۡ مِثۡلِهَا ؕ

وہ جو منسوخ کردیں ہم کوئی آیت یا بھلادیں ہم اس کو لائیں گے ہم اچھی کر اس سے یا مثل اس کی کیا

جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلادیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے

اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ * اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ

جانا تو نے تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے کیا نہ جانا تو نے تحقیق واسطے اس

کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لئے

اللّٰهَ لَهٗ مُلۡكُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ؕ وَمَا لَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ

کہ ہے ملک آسمانوں اور زمین کا اور نہیں ہے واسطے تمہارے

ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ کے سوا تمہارا

اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ *

سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ مددگار

کوئی حمایتی اور نہ مددگار ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس سے پہلے یہود کی دشمنی حضور علیہ السلام اور مسلمانوں کے ساتھ بیان کی گئی اب ان کی کتاب اللہ سے عداوت کا ذکر ہے کہ وہ اس کتاب سے لوگوں کو ہٹانے کے لئے نسخ وغیرہ کے بیہودہ اعتراضات کرتے رہتے ہیں اور ان اعتراضوں کا منہ توڑ جواب دیا جارہا ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ وحی اللہ کا فضل ہے وہ جس کو چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس پر شبہ ہو سکتا ہے کہ جب وحی خدا کا فضل ہے تو کبھی منسوخ کیوں ہوتی ہے اور جب قرآن کی ہر آیت خیر ہے تو اس کے منسوخ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس کے بجائے شر آجائے اسی آیت میں اس شبہ کو دور فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول : مشرکین اور یہود مسلمانوں سے کہتے تھے کہ کیا تم تعجب نہیں کرتے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو آج کام کا حکم دیتے ہیں اور کل اس سے منع کر کے دوسرا حکم دیتے ہیں دیکھو پہلے زانی کے لئے فرمایا **فاٰذوھما** کہ انہیں زبانی ایذا دو پھر اس کے خلاف حکم دیا کہ انہیں گھروں میں تادم مرگ قید کرو پھر اس کو بدلا اور کہا کہ انہیں کو سو کوڑے مارو وغیرہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خود ان کا کلام ہے کہ کبھی بے خبری میں کچھ کہہ دیتے ہیں اور پھر نادم ہو کر اسے بدلتے ہیں اس کے جواب میں یہ

www.alahazratnetwork.org

آیت کریمہ آئی (تفسیر روح البیان و احمدی)

تفسیر : ما ننسخ یہ **ما** شرطیہ ہے۔ جس کے معنی ہیں جو کچھ **ننسخ** نسخ سے بنا جس کے معنی ہیں زائل کرنا باطل کرنا **فینسخ اللہ ما یلقی الشیطن** اللہ شیطانی وسوسے کو باطل فرماتا ہے اور نقل کرنا ہے **کنا نستنسخ ما کنتم تعملون** ہم تمہارے اعمال کو نامہ اعمال میں نقل کرتے تھے اسی لئے کتاب کی نقل کو نسخ اور ناقل کو ناسخ اور کتاب کو نسخہ کہتے ہیں اور زمانہ کی تبدیلی اور روحوں کے بدلنے کو تناسخ کہا جاتا ہے شریعت میں کسی حکم یا آیت کی انتہا بیان کرنے کو نسخ کہتے ہیں کیونکہ اس سے وہ حکم زائل یا ختم ہو جاتا ہے۔ انشاء اللہ نسخ کی پوری تحقیق اور اقسام خلاصہ تفسیر میں بیان ہوں گے۔ **من ایۃ** نسخ آیت کا بھی ہوتا ہے اور حدیث کا بھی پوری شریعت اور دین کا بھی بعض احکام کا بھی مگر چونکہ یہاں نسخ آیت پر ہی اعتراض تھا اس لئے اسی کا ذکر ہوا اور ممکن ہے کہ آیت سے مراد نشانی ہو جس میں دین حکم، شریعت سب داخل ہوں۔ خیال رہے کہ یہاں نسخ سے مراد نسخ حکم ہے نہ کہ نسخ تلاوت کیونکہ اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔ **او ننسھا** ایک قراءت میں **ننسئھا** ہے نون کے فتح اور ہمزہ سے یہ نساء سے بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں دیر لگانا **انما النسیء زیادۃ فی الکفر** اسی لئے ادھار کو نسیہ کہتے ہیں یعنی جس آیت کے اتارنے میں ہم دیر لگاتے ہیں لیکن مشہور قرات **ننسھا** ہے یہ نسیان سے بنا ہے۔ جس کے معنے ہیں بھول جانا **فنسی ولم نجدلہ عزما** یا چھوڑ دینا جیسے **فالیوم ننسھم** یعنی جس آیت کو ہم بھلا دیتے ہیں کہ اس کی تلاوت منسوخ فرما دیتے ہیں یا جس آیت کو ہم چھوڑ دیتے ہیں یعنی قرآن میں باقی نہیں رکھتے تو **نات بخیر منھا** اس سے اچھی ہم لے آتے ہیں اس سے آسان تر یا ثواب میں زیادہ یا موجودہ حالت کے مناسب مراد ہے **او مثلھا** یا اس منسوخ آیت کی مثل کہ یہ آیت ثواب اور مناسبت حالت میں منسوخ کی طرح ہوتی ہے اگرچہ نسخ آیت کا حدیث سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ لیکن چونکہ حدیث بھی رب کا فرمان ہے اس لئے وہاں بھی ناسخ رب تعالیٰ ہی سمجھیں **الم تعلم** یا تو کفار سے خطاب ہے اور یا مسلمانوں سے یعنی اے منکر کافر، اے قرآن پڑھنے والے مسلمان کیا تو نہیں جانتا اور ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہو اور استفہام انکاری یعنی بے شک آپ جانتے ہیں **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے کہ کائنات عالم کو ہر لحظہ اور ہر آن بدلتا ہے تو کیا وہ احکام بدلنے پر قادر نہیں اور جو مالک الملک دنیوی حاکموں کو بدلتا رہتا ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ مختلف احکام سے دین و دنیا کا انتظام قائم رکھے اچھا ہم پوچھتے ہیں کہ **الم تعلم** یہاں بھی یا تو ہر عقلمند سے خطاب ہے۔ یا خاص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ کیا تم نہیں جانتے کہ **ان اللہ لہ ملک السموت والارض** یہ سارے آسمان و زمین اللہ ہی کا ملک ہے اور ان میں تو دن رات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے دن رات اور موسم وغیرہ بدلتے ہیں اور زمین میں مختلف ملک اور قومیں ہیں جن کے علیحدہ قوانین ہیں اور مختلف طریقہ زندگانی تو اگر آیتوں کے تبادلہ سے قرآن خدائی کتاب نہیں رہتا تو چاہئے کہ ان حالات کے تبادلہ سے زمین و آسمان خدا کے ملک نہ رہیں اور یہ تو خدا کے ملک ہیں تو قرآن بھی خدا کی کتاب ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** رب کے سوا تمہارا کوئی حمائتی دوست نہیں تا کہ تم نسخ فرمانے والے رب کو چھوڑ کر اس کی پناہ میں آجاؤ اور نہ کوئی مددگار ہے کہ جب تم ناسخ احکام چھوڑ کر عذاب پاؤ تو تمہیں بچا سکے یا یوں کہو کہ تمہارے حالات میں تبدیلی فرمانے والا رب ہی ہے اس کے سوا کوئی دوسرا مالک نہیں تو آیات قرآن میں

www.alahazratnetwork.org

تبدیلی فرمانے والا بھی رب ہی ہے نہ کوئی اور خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں نسخ کی ایک حکمت بیان ہوئی یعنی ہر حکم کا اپنے وقت میں بندوں کے حالات کے زیادہ موافق ہونا جیسے ایک وقت بچہ و بیمار کو ایک غذا و دوا مناسب ہوتی ہے اور دوسرے وقت دوسری غذا و دوا اس کے علاوہ بھی نسخ حضور کی محبوبیت دکھانے کے لئے ہوا۔ جیسے تبدیلی قبلہ جو حضور کی رضاجوئی کے لئے ہوئی رب نے فرمایا **فلنولینک قبلۃ ترضھا** تاکہ قیامت تک کے مسلمان سمجھیں کہ جسے جو نعمت ملی حضور کے واسطے سے ملی کہ کعبہ اگر قبلہ بنا تو حضور کی مدد سے یہ بھی بتایا گیا کہ حضور کا فیض دور دور پہنچتا ہے دیکھو مدینہ میں بیٹھے ہوئے کعبہ کو جو مکہ معظمہ میں تھا قبلہ بنا دیا یوں ہی سرکار مدینہ منورہ سے تمام عالم کو فیض بحکم الٰہی دے رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: کفار اہل کتاب اور مشرکین جو کہ نسخ پر اعتراض کرتے ہیں ان کو جواب دو کہ ہم جو بھی آیت یا جو حکم یا جو شریعت یا جو دین منسوخ فرمادیتے ہیں یا تو اس کے صرف احکام بدل دیں مگر اس کا پڑھنا باقی رکھیں یا بالکل اس کو بھلا ہی دیں اور اس کا پڑھنا بھی ختم فرمادیں تو اس سے اچھی آیت یا اچھا حکم یا اچھا دین بھیج دیتے ہیں یا اسی کی مثل کیا تم نے نہ دیکھا کہ دین موسوی منسوخ ہو کر عیسوی آیا جو اس سے آسان تر تھا پھر اس کے بعد دین محمدی بھیجا گیا جو سب سے بہتر ہے کیا تم نے خدا کی قدرت کو محدود سمجھ رکھا ہے کہ وہ ایک حکم کے سوا دوسرے سے کام نہ چلا سکے نہیں بلکہ وہ رنگ برنگے احکام بھیج کر اپنی قدرت کا اظہار فرماتا ہے تم جانتے ہو کہ زمین و آسمان میں اللہ ہی کی بادشاہت ہے اور ایسی مستقل بادشاہت کہ اس کے سوا کوئی دوسرا بادشاہ تو کیا بندوں کا حامی اور مددگار بھی نہیں مگر اس کے باوجود زمین و آسمان میں ہر وقت انقلاب اور حالات کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے ہر دن ایک نئے حال کا ظہور ہوتا ہے اور نئی شان کی جلوہ گری کون سی چیز ہے جس کو قرار ہے اے یہودیو! اگر تم آیات کی تبدیلی سے قرآن کی مخالفت میں ایسے اندھے ہوئے کہ اپنا اصل دین ایمان کھوئے دیتے ہو۔ نسخ اور اس کے اقسام اور احکام: نسخ کے لغوی اور اصطلاحی معنی تفسیر میں معلوم ہو چکے یہ ضرور خیال رہے کہ نسخ ہمارے لئے تبدیلی ہے اور رب کے علم میں انتہاء مدت کا بیان نسخ "نقلا" اور "عقلا" ہر طرح جائز بلکہ واقع ہے "عقلا" تو اس لئے کہ احکام دو قسم کے ہیں تکوینی اور تشریعی تکوینی احکام کا تعلق عالم کی پیدائش سے ہے اور تشریعی احکام قابل عمل قوانین کا نام ہے ہم دیکھتے ہیں کہ تکوینی احکام میں ہمیشہ انقلاب رہتا ہے نہ زمین و آسمان کو ایک حال پر قرار ہے نہ ان کی کسی چیز کو جب تکوینی احکام دن رات بدل رہے ہیں تو تشریعی احکام کے بدلنے میں کیا مضائقہ ہے بلکہ حق یہ ہے کہ تشریعی احکام کو تکوینی احکام کے ساتھ خاص تعلق ہے۔ جیسے مخلوق کی حالت ویسے اس کے احکام بچے پر جسم ڈھانکنا فرض نہیں غریب پر زکوۃ واجب نہیں۔ مالدار کو زکوۃ کھانا جائز نہیں۔ حضرت آدم کے زمانہ میں بہن سے نکاح حلال تھا اور اس کے بعد حرام۔ یہ تبدیلی احکام کیوں ہے۔ تکوین بدلنے سے اگر انسان کی حالت بدلتی رہے مگر اس کے احکام نہ بدلیں تو زندگی دشوار ہو جائے بڑھاپے تک ماں کا دودھ ہی پینا پڑے اسی لئے اس آیت کریمہ میں تکوین کے اختلاف سے نسخ احکام ثابت کیا گیا۔ "نقلا" اس واسطے کہ آدم علیہ السلام سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک صدہا پیغمبر تشریف لائے مگر ان کے احکام میں سخت اختلاف رہا۔ آدم علیہ السلام کے دین میں اپنی بہن سے نکاح حلال تھا جو کہ شریعت نوح علیہ السلام سے منسوخ ہوا۔ پھر نوح علیہ السلام کی شریعت میں سارے چوپائے حلال تھے دین موسوی میں بہت سے حرام کر دیئے گئے۔ خود ہمارے اسلام میں "اولا" شراب حلال رہی بعد میں حرام ہوئی۔ پہلے وفات کی عدت ایک سال

www.alahazratnetwork.org

تھی الی الحول غیر اخراج پھر چار ماہ دس دن ہوئی پہلے حضور علیہ السلام سے عرض معروض کرنے کے لئے خیرات کرنا واجب تھی۔ فقدموا بین یدی نجوٰکم صدقۃ پھر یہ حکم ءاشفقتم کی آیت سے منسوخ ہوا پہلے پچاس نمازیں فرض تھیں۔ بعد میں پانچ رہیں پہلے بیت المقدس قبلہ تھا بعد میں کعبہ ہوا غرض کہ جیسے دن رات سے سردی گرمی سے بچپن جوانی سے تندرستی بیماری سے بہار خزاں سے منسوخ ہوتی ہے ویسے ہی آیت آیت سے۔ ایک حکم دوسرے سے ایک دین دوسرے دین سے منسوخ ہونے میں۔ افسوس ہے کہ اتنی ظاہربات کو عیسائی پادری اور ہندو وغیرہ نہ سمجھ سکے۔ ان کی کیا شکایت ہمارے علی گڑھی تہذیب کے مسلمان اور جاہل مفسر اس کا انکار کر رہے ہیں۔ مجھ سے ایک اچھے خاصے پڑھے لکھے نے کہا کہ قرآن شریف کی کوئی آیت منسوخ نہیں ہے ان کی خدمت میں عرض کیا کہ یہ آیات اب بھی قابل عمل ہیں؟ زانیہ عورت زانی یا مشرک سے نکاح کرے مسلمان پر حرام ہے یا خاوند کی وفات کے بعد عورت ایک سال تک عدت کرے یا کفار سے چشم پوشی کرو ان پر سختی نہ کرو یا زانیہ لونڈی کو گھر میں قید کردو حتی کہ اللہ تعالیٰ ان کے احکام بیان کرے آخر کار وہ حضرت خاموش ہوگئے غرضکہ نسخ کا انکار ایسا ہی ہے جیسے روز روشن کا انکار نسخ کی قسمیں نسخ کی تین قسمیں ہیں (1) نسخ تلاوت (2) نسخ حکم (3) نسخ تلاوت و حکم۔ نسخ تلاوت یہ ہے کہ آیت کے الفاظ قرآن میں نہ رہیں اور نماز وغیرہ میں اس کی تلاوت جائز نہ ہو مگر اس کے احکام باقی ہوں جیسے کہ یہ آیت الشیخ والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم یعنی جب بوڑھا اور بوڑھی زنا کر بیٹھیں تو ان کو سنگسار کردو اللہ سے ڈرانے کے لئے یہ آیت تلاوت منسوخ لیکن اس کا حکم باقی۔ تفسیر عزیزی نے اس قسم کی بہت سی منسوخ آیتیں بیان فرمائی ہیں خیال رہے کہ منسوخ الحکم آیتوں کی تلاوت ہوگی اس تلاوت پر ثواب ملے گا۔ لہذا یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ ان آیات کو پھر باقی کیوں رکھا گیا کیونکہ آیات قرآنیہ صرف احکام کے لئے نہیں اتریں جیسے متشابہات قصص۔ مثالیں۔ وغیرہ کہ صرف تلاوت کے لئے ہیں احکام کے لئے نہیں منسوخ فی الحکم یہ کہ آیت قرآن میں موجود ہے اس کی تلاوت بھی ہوتی ہو مگر اس کا حکم باقی نہ ہو جیسے متاعا الی الحول غیر اخراج سے عدت وفات ایک سال معلوم ہوتی ہے اور نہ تو آیت کا حکم باقی رہے اور نہ اس کی تلاوت جیسے ایک آیت تھی عشر رضعات معلومات جس سے معلوم ہوتا تھا کہ عورت کا دودھ دس گھونٹ پینے سے رضاعت ثابت ہوگی مگر اب نہ اس آیت کی تلاوت رہی اور نہ اس کا حکم بلکہ ایک گھونٹ سے یعنی رضاعت ثابت ہوجاتی ہے ان تینوں قسموں کو ما ننسخ من ایۃ او ننسھا میں بیان فرمایا۔ نسخ کی دوسری قسمیں پھر نسخ کی تین قسمیں ہیں (1) آسان حکم سے مشکل حکم کا نسخ: جیسے کہ وفات کی ایک سال کی عدت چار ماہ دس دن سے منسوخ ہوئی۔ (2) مشکل حکم سے آسان حکم کا نسخ: مگر اس مشکل میں ثواب زیادہ جیسے کہ ترک جہاد کا حکم جہاد کی آیات سے منسوخ ہوا کہ اگرچہ جہاد ہے تو مشکل مگر اس کا ثواب بہت (3) مساوی کا مساوی سے نسخ: یعنی منسوخ اور ناسخ آسانی اور ثواب میں برابر ہوں جیسے تبدیلی قبلہ کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا منسوخ ہوا اور کعبۃ اللہ قبلہ بنا مگر ان دونوں قبلوں میں ثواب اور آسانی برابر اسی تقسیم کی طرف اس عبارت میں اشارہ ہے نات بخیر منھا او مثلھا خیر سے مراد یا آسان یا زیادہ باعث ثواب ہے اور مثل سے مراد برابر ہے محل نسخ: قیاس اور اجماع نہ تو منسوخ ہو سکتے ہیں نہ ناسخ صرف قرآنی آیات اور احادیث میں نسخ ہوتا ہے ان میں بھی صرف قابل نسخ احکام کی آیتیں اور حدیثیں منسوخ ہو سکتی ہیں یعنی مستقل

www.alahazratnetwork.org

واجب اور مستقل حرام کی آیتیں منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ جیسے ایمان کے وجوب اور کفر کی حرمت کی آیتیں اس طرح حق تعالیٰ
کی ذات و صفات کی آیات و احادیث نسخ کے قابل نہیں۔ نیز قرآن، حدیث کی خبریں بھی منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ ہاں وہ قوانین
جو خبری شکل میں بیان ہوئے وہ یقیناً نسخ کے قابل ہیں جیسے **کتب علیکم الصیام** (تم پر روزے فرض کئے گئے) یا **ولله**
علی الناس حج البیت (لوگوں پر بیت اللہ کا حج فرض ہے) یہ بظاہر خبریں ہیں مگر در حقیقت شرعی قانون لہٰذا ان کا نسخ جائز ہے
اس لئے آیت **وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم به الله** (تم دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ رب سب کا
حساب لے گا) بظاہر خبر اور در حقیقت قانون ہے اس لئے آیت **لا یکلف الله نفسا** سے منسوخ ہو گیا۔ نیز **ما ادری ما**
یفعل بی ولا بکم کی آیت **لیغفرلک الله ما تقدم من ذنبک** سے منسوخ ہے غرضیکہ جہاں خبر کے نسخ سے جھوٹ
لازم آجائے وہ نسخ منع ہو گا۔ اس کے علاوہ جائز یہ قاعدہ خیال میں رکھنا چاہئے ہر خبر کا منسوخ التلاوت ہونا جائز ہے۔ جس کی بہت
سی مثالیں ہیں۔ دیکھو تفسیر عزیزی، اسی طرح جن احکام کو قرآن کریم نے دائمی فرمایا وہ بھی منسوخ نہیں ہو سکتے جیسے **خالدین**
فیها ابدا نسخ کی صورتیں: نسخ کی چار صورتیں ہیں۔ نسخ آیت کا آیت سے جیسے **لکم دینکم** کی آیت **فاقتلوا فی**
سبیل الله کی آیت سے منسوخ ہے یا **متاعا الی الحول** کی آیت **اربعة اشهر وعشرا** کی آیت سے منسوخ
دوسرے نسخ حدیث کا حدیث سے جیسے مثلہ کرنے کی حدیث اس کی ممانعت کی حدیث سے منسوخ ہے (مثلہ مقتول کے اعضا
کاٹنے کو کہتے ہیں) یا جیسے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے یا رفع یدین کرنے کی حدیثیں دوسری احادیث سے منسوخ۔ چنانچہ عینی
شرح بخاری میں ہے کہ حضرت براء ابن عازب نے کسی کو نماز میں رفع یدین کرتے دیکھا تو فرمایا کہ رفع یدین شروع اسلام میں
تھا پھر چھوڑ دیا گیا۔ اس واسطے حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ میں نے حضور کو نماز پڑھتے دیکھا حضور نے سوائے تکبیر تحریمہ
کے اور کسی وقت ہاتھ نہ اٹھائے۔ یوں ہی پہلے حکم تھا کہ مقتدی الحمد شریف پڑھے پھر فرمایا **واذا قرا فانصتوا** اور فرمایا کہ
امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے پہلی احادیث منسوخ ہیں یہ احادیث ناسخ تیسرے آیت کا نسخ حدیث سے جیسے غیر اللہ کو سجدہ
تعظیمی کا جواز قرآن سے ثابت **اسجدوا لآدم** وغیرہ۔ مگر حدیث سے منسوخ یا جیسے ماں باپ اور اہل قرابت کو وصیت کرنا
قرآن سے ثابت **الوصیة للوالدین والاقربین** مگر یہ حکم حدیث **لا وصیة للوارث** سے منسوخ یا **احل لکم**
ما وراء ذلکم کی آیت سے ثابت تھا کہ ماں بہن وغیرہ چند عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں۔ مگر یہ آیت اس حدیث
سے منسوخ ہے کہ **لا تنکح المرأة علی عمتها ولا علی خالتها** جس سے معلوم ہوا کہ پھوپھی بھتیجی اور خالہ
بھانجی کو نکاح میں جمع نہیں کر سکتے ہیں۔ اس قسم کی بہت سی آیتیں ہیں جو حدیث سے منسوخ ہیں۔ چوتھے نسخ حدیث کا قرآن
سے جیسے بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث سے ثابت تھا اور وہ اس آیت سے منسوخ ہوا۔ **فول وجهک شطر المسجد**
الحرام ایسے ہی رمضان کی راتوں میں بیوی سے جماع کی حرمت حدیث سے ثابت تھی مگر وہ اس آیت سے منسوخ ہوئی **احل**
لکم لیلة الصیام الرفث اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جو آیات سے منسوخ ہیں اس کی پوری تحقیق کتاب الاعتبار
مصنفہ علامہ حازمی شافعی میں دیکھو خیال رہے کہ قرآن و حدیث میں جس قدر نسخ ہوتا تھا حضور کی زندگی پاک میں ہو گیا اب
حضور کی وفات شریف کے بعد کسی قسم کا نسخ ممکن نہیں کیونکہ نہ اب وحی آسکتی ہے اور نہ نئی حدیث لہٰذا سارا قرآن اور ساری

www.alahazratnetwork.org

احادیث محکم ہیں۔ نسخ کی وجوہات: نسخ کی چند وجہیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ پہلا حکم عارضی طور پر ضرورۃً جاری کیا گیا تھا۔ بعد کو ختم کر دیا گیا۔ جیسے شریعت آدم علیہ السلام میں بہن سے نکاح اس لئے جائز تھا کہ دوسری عورتیں نہ ملتی تھیں بعد کو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ پہلے حکم کے لوگ عادی ہو چکے تھے اس کا ایک دم چھوڑنا مشکل تھا لہٰذا آہستگی سے بند کیا گیا۔ جیسے کہ اہل عرب شراب کے عادی تھے اس لئے پہلے شراب سے نفرت دلائی گئی پھر نشہ کی حالت میں نماز سے روکا گیا۔ پھر بالکل حرام کر دی گئی اسی طرح اہل عرب روزے کی مشقت برداشت نہ کر سکتے تھے اس لئے پہلے تو سال میں صرف عاشورے کا ایک روزہ فرض کیا گیا۔ پھر ہر مہینہ میں تین روزے پھر ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے۔ تیسرے یہ کہ نسخ سے محبوب کی عظمت کا اظہار ہو جیسے کہ معراج میں پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ پھر پانچ پانچ کٹ کر آخر کار پانچ رہیں تاکہ موسیٰ علیہ السلام کو عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگ جائے انہیں بارگاہ الٰہی میں بہت باریابی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

قصر دنیٰ تک کس کی رسائی　　جاتے یہ ہیں آتے یہ ہیں

نیز اسی نسخ سے پتہ لگا کہ اللہ کے پیارے بندے وفات کے بعد بھی مدد کرتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شب معراج میں پچاس نمازیں کم کرا کر پانچ کرا دیں حالانکہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو وفات پائے قریباً تین ہزار سال ہو گئے اس طرح حضور بھی بعد وفات ہم گنہگاروں کی مدد کر سکتے ہیں غرضیکہ اس نسخ میں بہت راز ہیں۔ اسی طرح تبدیلی قبلہ کا حکم جس سے حضور علیہ السلام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس سے خود ناسخ کی عظمت معلوم ہو۔ جیسے کہ اسلام سے دوسرے ادیان کا نسخ ہوتا اگر اول ہی سے دنیا میں اسلام آجاتا تو اس کے قوانین کی برتری ظاہر نہ ہوتی پانچواں یہ کہ ہر شے اپنے اصل پر پہنچ کر ختم اور منسوخ ہو جاتی ہے اور اس سے الگ رہ کر مضطرب رہتی ہے۔ جیسے تمام دریا سمندر کی طرف اس تیزی سے بھاگتے ہیں کہ جو درخت یا پل ان کو روکے اسے بھی اکھیڑ ڈالتے ہیں شور مچاتے ہوئے دوڑے چلے جاتے ہیں کیونکہ سمندر ان سب کی اصل ہے کہ سمندر ہی سے بادل اٹھ کر پہاڑوں پر برسا یا برف بن کر گرا اور اس سے دریا بنا اب یہ اپنے اصل کی طرف دوڑے مگر جب سمندر کے قریب پہنچے تو ان کا وہ شور بھی جاتا رہا اور زور بھی گھٹ گیا روانی میں بھی کمی آگئی اور سمندر میں پہنچ کر ایسے گم ہو گئے گویا تھے ہی نہیں اور بزبان حال یوں کہنے لگے۔

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی!　　تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

حضور علیہ السلام نبوت کا سمندر ہیں سارے انبیاء دریا تمام نبوتیں اس طرف دوڑی آرہی تھیں جو بھی فرعونی یا نمرودی طاقت ان سے ٹکرائی وہ پاش پاش ہو گئی نبوت مصطفیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سب گم ہو گئے۔

یہ انبیا و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبین　　سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

نسخ پر اعتراضات و جوابات

پہلا اعتراض: قرآن کریم فرماتا ہے ما یبدل القول لدی یعنی ہمارے قول میں تبدیلی نہیں اور نسخ میں تبدیلی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا نسخ ناجائز ہے۔ جواب: نسخ کو بندے اپنی بے علمی سے تبدیلی سمجھتے ہیں مگر در حقیقت وہ تو ایک حکم کی انتہاء کا

www.alahazratnetwork.org

بیان ہے نہ کہ تبدیلی مثلاً ایک سال کی عدت کچھ روز کے لئے تھی جب وہ مدت گذر گئی وہ حکم بھی ختم ہو گیا۔ لہٰذا یہ تبدیلی قول نہیں نیز تمہاری پیش کردہ آیت میں تبدیلی قول سے مراد وعدہ خلافی ہے اسی لئے وہاں ہے **وما انا بظلام للعبید** یعنی ہمارا وعدہ خلاف نہیں ہوتا اور ہم بندوں پر ظالم نہیں اور نسخ میں خبریں اور وعدے نہیں بدلتے صرف احکام بدلتے ہیں یوں ہی آیت کریمہ **لا تبدیل لکلمت اللہ** کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی آیتوں کو کوئی شخص نہیں بدل سکتا جیسے پہلی کتابوں میں تحریف و تبدیل ہوئی اس لئے یہاں کلمات اور تبدیلی فرمایا دوسرا اعتراض: قرآن فرماتا ہے **ولو کان من عند غیر اللہ لوجد وا فیہ اختلافا کثیرا** یعنی اگر قرآن غیر خدا کی کتاب ہوتی تو وہ اس میں اختلاف پاتے معلوم ہوا قرآن میں اختلاف نہیں اور نسخ اختلاف ہے چاہئے کہ قرآن میں نہ ہو؟ جواب: نسخ اختلاف نہیں بلکہ ایک حکم کی انتہاء کا بیان ہے اختلاف سے مراد یہ ہے کہ خبریں واقعات کے مخالف ہوں یا کلام فصاحت و بلاغت میں یکساں نہ ہو جیسے کہ شعراء کے قصیدوں میں بعض اشعار اعلیٰ درجے کے ہوتے ہیں اور بعض ادنیٰ درجے کے۔ قرآن از اول تا آخر یکساں فصیح و بلیغ ہے یا اختلاف سے مراد تعارض ہے کہ خبروں میں آپس میں مخالف ہو نسخ کو اس سے کوئی تعلق نہیں تیسرا اعتراض: نسخ قرآن کی کسی آیت سے ثابت نہیں **ما ننسخ** والی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو آیتیں ہم لوح محفوظ سے فرشتوں کے روزنامچوں میں نقل کرتے ہیں یا ان میں دیر لگاتے ہیں یہاں نسخ کے معنی نقل کرنا ہے نہ کہ بدلنا (مرزائی وغیرہ) جواب: معاذ اللہ یہ آیت کا ترجمہ نہیں بلکہ تحریف ہوئی اگر آیت کے یہ معنی ہیں تو **نات بخیر منہا او مثلہا** کے کیا معنی ہوں گے اس کے معنی وہی ہیں جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے اور سنو' رب فرماتا ہے **واذا بدلنا ایۃ مکان ایۃ** الخ جب ہم کسی آیت کو دوسری آیت کی جگہ بدلتے ہیں یہاں صاف لفظ تبدیلی موجود ہے۔ سنو' رب فرماتا ہے۔ **سنقرئک فلا تنسی الا ما شاء اللہ** اس سے معلوم ہوا کہ بعض آیتیں بھلا کر بھلا دی جائیں گی۔ یعنی ان کی تلاوت منسوخ ہو جائے گی۔ غرضیکہ نسخ کا انکار پوری جہالت ہے۔ چوتھا اعتراض: نسخ کلام والے کی جہالت یا اس کے بھولے سے ہوتا ہے اگر اس کو خبر ہوتی کہ یہ حکم ہمیشہ کام نہ دے گا تو پہلے ہی سے کار آمد بھیجتا جو حکم پیچھے بھیجا ہے وہ پہلے ہی کیوں نہ بھیجا آریہ ہا جواب: نسخ کی بہت سی وجہیں ہوتی ہیں انسانوں کے حالات کے اختلاف سے بھی احکام بدل جاتے ہیں طبیب اپنے بیمار کے لئے اس کی حالت کے موافق دوائیں اور غذائیں تجویز کرتا ہے جوں جوں مریض کی حالت بدلے گی طبیب کی تجویز بھی بدلے گی۔ یہ طبیب کی جہالت کی دلیل نہیں بلکہ کمال کی دلیل ہے رب کو معلوم تھا کہ انسان اولاً بچہ پھر جوان پھر ادھیڑ اور آخر کار بوڑھا ہو گا اس نے پہلے ہی سے کیوں نہ بوڑھا کر دیا پنڈت جی اگر آپ بوڑھے پیدا ہوتے تو آپ کا تو کچھ نہ بگڑتا اور آپ کی والدہ صاحبہ دنیا سے بے ٹکٹ روانہ ہو جاتیں۔ پانچواں اعتراض: تو چاہئے کہ اب بھی اسلام اور قرآن میں نسخ جاری رہے کیونکہ دنیا کے حالات اب بھی بدل رہے ہیں۔ جواب: ہر چیز کمال پر پہنچنے سے پہلے بدلتی ہے اور کمال پر پہنچ کر ٹھہر جاتی ہے۔ بچہ پہلے گھٹنی پھر میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ بیماری دوائیں بدلتی رہتی ہیں مگر آخر میں کوئی پیٹنٹ مقوی دوا تجویز کر دی جاتی ہے کہ اسے ہمیشہ استعمال کیا کرے بڑھاپے سے پہلے جسم انسانی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے مگر بڑھاپے پر پہنچ کر تبدیلی بند ہو جاتی ہے کیونکہ اب آدمی کمال پر پہنچ گیا اسی طرح ادیان میں تبدیلی ہوتی رہی اور مسائل میں نسخ کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک کہ بشارت الٰہی آ گئی کہ **الیوم اکملت لکم دینکم** اب کمال کے بعد نسخ اور تبدیلی کیسی؟ چھٹا اعتراض

www.alahazratnetwork.org

: جب اسلام مکمل دین ہے تو عیسیٰ علیہ السلام اس کے جزیہ وغیرہ کے احکام کیوں منسوخ فرمائیں گے؟ نیز حضرت عمر نے اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن کی بعض آیتیں کیوں منسوخ کیں؟ کہ زکوٰۃ کے مصرف قرآن نے آٹھ بیان فرمائے مگر انہوں نے مؤلفۃ القلوب (مائل بہ اسلام کفار) کو اس سے نکال کر صرف سات مصرف رکھے۔ **جواب:** عیسیٰ علیہ السلام جزیہ وغیرہ ہرگز نہ منسوخ فرمائیں گے۔ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اس کی حد بیان فرمادی کہ جزیہ وغیرہ کا حکم عیسیٰ علیہ السلام کی آمد تک ہے اس کے ناسخ حضور علیہ السلام ہی ہیں عیسیٰ علیہ السلام تو اسے جاری فرمائیں گے۔ نیز عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوئی حکم منسوخ نہیں کیا بلکہ حکم کی علت اٹھ جانے کی وجہ سے حکم خود اٹھ گیا۔ ضعف اسلام کی وجہ سے مؤلفۃ القلوب زکوٰۃ کے مصرف تھے جب خلافت فاروقی میں اسلام قوی ہو گیا تو یہ نکل گئے۔ جب زید مالدار تھا اس پر زکوٰۃ فرض تھی جب غریب ہو گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ رہی در حقیقت حکم زکوٰۃ منسوخ نہیں ہو گیا بلکہ علت بدل جانے سے حکم بدل گیا۔ **ساتواں اعتراض:** قرآن کریم فرماتا ہے **مصدقا لما بین یدیہ** یعنی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتا ہے اگر یہ انہیں منسوخ کر دے تو تصدیق کہاں رہی؟ **جواب:** اس کا جواب بارہا گزر گیا کہ ان کتابوں نے قرآن کے آنے کی خبر دی تھی اس کی آمد سے وہ سچی ہو گئیں نسخ تبدیلی کے خلاف نہیں حکیم اپنا نسخہ بدلتا ہے جس سے اس کا پہلا نسخہ غلط نہیں ہو جاتا بلکہ اپنے وقت پر وہ صحیح تھا اس وقت یہ صحیح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** حدیث میں ہے کہ **کلامی لا ینسخ کلام اللہ** میرا کلام خدا کے کلام کو منسوخ نہیں کر سکتا مگر تم کہتے ہو کہ حدیث سے قرآن منسوخ ہوتا ہے (شافعی) **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو کلام میں اپنی رائے سے فرمادوں وہ کلام الٰہی کو منسوخ نہیں کر سکتا۔ لیکن جو کلام رب کے الہام سے ہو وہ یقیناً منسوخ کر سکے گا۔ کیونکہ حدیث و قرآن ایک ہی ہیں یا یہ مطلب ہے کہ میرا کلام قرآن شریف کی تلاوت منسوخ نہیں کر سکتا یعنی آیت کا نسخ تلاوت صرف حدیث سے نہیں ہو سکتا اس لئے یہاں کلام اللہ فرمایا گیا۔ احکام اللہ نہ فرمایا گیا۔ کلام عبارت کو کہا جاتا ہے نہ کہ احکام کو۔ **نکتہ:** حکم اٹھ جانا نسخ ہے اور کسی وجہ سے حکم جاری نہ ہو نا نسخ نہیں غریب آدمی پر زکوٰۃ واجب نہ ہونا مجبور پر جہاد فرض نہ ہونا نسخ نہیں کہ یہ حکم تو باقی ہے ضرورۃً اس کا اجراء نہ ہوا اور رمضان کی راتوں میں جماع کی حرمت منسوخ ہے کیونکہ یہ حکم ہی اٹھ گیا۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا نہ کوئی مددگار نہ دوست پھر نبیوں ولیوں کو تم مددگار کیوں مانتے ہو۔ **جواب:** یہاں دون اللہ سے مراد اللہ کا مقابل ہے۔ یعنی ایسا دوست و مددگار تمہارا کوئی نہیں جو اللہ کے مقابل تمہاری مدد کرے کہ اس کے غضب سے تمہیں بچا لے ورنہ رب فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ** الخ اور فرماتا ہے **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** آج ہم بیماری اور مقدمہ میں مدد کے لئے حکیم و حاکم کے پاس جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** ان کے مددگاروں کو نصاریٰ اور حضور کے مددگاروں کو انصار کہا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جس طرح طبیب جسمانی مریض کے مزاج کے موافق نسخہ تجویز کرتا ہے اور پھر اس کے حالات کے لحاظ سے اپنے نسخہ میں تبدیلی کرتا ہے یوں ہی طبیب روحانی یعنی مرشد کامل اپنے مرید کی حالت کا خیال رکھتا ہے بعض اعمال کسی وقت اس کو مفید پھر وہی اعمال دوسرے وقت مضر ہوتے ہیں اس لئے وہ اپنی تعلیم میں اس کا لحاظ رکھتا ہے اور جیسے راستہ طے کرنے والے مختلف ہوتے ہیں بعض موٹر کار سے بعض سائیکل سے بعض دوڑ کر بعض آہستہ چل کر ایک ہی راستہ مختلف مدت میں

www.alahazratnetwork.org

طے کرتے ہیں یہ ہی حال راہ طریقت کا ہے کہ اس کے مسافر مختلف حال رکھتے ہیں لیکن بحمدہ تعالیٰ طالب جس منزل سے گزرتا ہے قرب الٰہی میں ترقی کرتا ہے اس کی ہر اگلی حالت پچھلی حالت سے بہتر ہوتی ہے ایک وقت ذکر جہری اس کا مشغلہ تھا یہ حالت منسوخ ہو کر ذکر خفی کی حالت پیدا ہوئی پھر وہ یہ منزل بھی طے کر کے ذکر اخفیٰ کے درجہ میں قدم رکھتا ہے۔ غرضیکہ **ما ننسخ من آیۃ او ننسھا نات بخیر منھا** کی وہاں ہر وقت جلوہ گری ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

رمز ننسخ آیۃ او ننسھا — نات خیر در عقب می دان مہا

آنکہ دانہ و وخت او دانہ درید — ہرچہ را بفروخت نیکو تر خرید

لہٰذا چاہیے کہ طالب خود کو شیخ کامل کے حوالہ کر دے اس کی تعلیم میں نکتہ چینی نہ کرے ورنہ الطاف ربانی سے محروم رہے گا حضرت موسیٰ علیہ السلام و خضر علیہ السلام کے قصہ سے سبق لے۔ آخری آیت **وما لکم** الآیۃ کی تین تفسیریں ہیں۔ جاہلانہ۔ عالمانہ۔ عاشقانہ۔ جاہلانہ۔ تقویۃ الایمان وغیرہ میں ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوست و مددگار نہیں۔ لہٰذا نبی' ولی' علی' وصی مددگار نہیں۔ یہ تفسیر دوسری آیتوں کے بھی خلاف ہے نبیوں' ولیوں بلکہ خود رب تعالیٰ کے اپنے عمل کے بھی خلاف۔ رب نے بندوں سے مدد مانگی **ان تنصروا اللہ ینصرکم** جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا بلکہ خود ان تفسیر کرنے والوں کے خلاف بھی ہے کہ وہ بھی کہتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا — نہیں ہے قاسم بے کس کا کوئی حامی کار

تفسیر عالمانہ وہ ہے کہ یہاں دون معنی مقابل ہے یعنی کوئی مخلوق رب کے مقابل ہو کر تمہاری دوست یا مددگار نہیں کہ رب تمہیں ہلاک کرنا چاہے تو وہ تمہیں بچا لے یہ ناممکن ہے بلکہ ہر ایک کی دوستی و مدد رب کی مہربانی سے ہے۔

سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام — ذرا سی جھاگی مہر کو تو لاکھوں کریں سلام

تفسیر عاشقانہ یہ ہے کہ ہر شے میں ظاہر و باطن ہے اعضاء ظاہر روح باطن' درخت کے برگ و بار ظاہر ہیں اندرونی رس باطن بجلی کی قمقمہ ظاہر ہے پاور باطن' ان میں سے باطن اصل ہے۔ ظاہر فرع۔ ظاہر مجاز ہے باطن حقیقت یوں ہی تمام دنیا ظاہر ہے' رب کا فضل باطن عالم مجاز ہے۔ خالق عالم حقیقت یہاں حقیقت امداد کی نفی ہے کہ تمہارا حقیقی دوست و مددگار ہمارے سوا اور کوئی نہیں اور آیات ثبوت میں مجازی مدد' دوستی کا ثبوت ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیات ہیں۔ **وان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ** وغیرہ مگر دنیا اور آخرت میں مجاز پر بھی احکام جاری ہیں۔ چور کا ہاتھ کٹتا ہے' ماں باپ کی اطاعت و خدمت ضروری ہے۔ اسی طرح نبی و ولی کے آستانے سے مدد لینا ضروری مگر مجازی مدد۔

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی
کیا ارادہ کرتے ہو تم یہ کہ سوال کرو پیغمبروں اپنے سے مثل اس کے کہ
کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے ویسا سوال کرو جو موسیٰ سے پہلے

www.alahazratnetwork.org

مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَنْ يَتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ

سوال کیا گیا موسیٰ سے پہلے اور وہ جو کہ بدل لے کفر کو بعوض ایمان کے بس بے شک گمراہ ہو گیا

ہوا تھا اور جو ایمان کے بدلے کفر لے وہ ٹھیک راستہ

السَّبِيلِ ﴿۱۰۸﴾

وہ سیدھے راستہ سے

سے بہک گیا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے معلوم ہوا تھا کہ یہود غیر منسوخ کتاب چاہتے ہیں جس کی بعض آیتیں منسوخ ہوں اس کے ماننے سے انکاری ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا یہ مطالبہ ایسا ہی نامعقول ہے جیسا کہ موسیٰ علیہ السلام سے انہوں نے اپنا من بھاتا خدا مانگا تھا۔ **دوسرا تعلق:** پہلے معلوم ہوا تھا کہ ناسخ حکم یا تو منسوخ سے بہتر ہوتا ہے یا اس کی مثل اس پر غالبا" انہوں نے تفصیل کا مطالبہ کیا ہو گا کہ ہمیں ہر ناسخ کی ہر منسوخ سے افضلیت بتایئے لہٰذا فرمایا گیا کہ یہ سوال ایسا ہی لغو ہے جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تھے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے معلوم ہوا کہ بعض احکام الٰہی بعض سے منسوخ ہوں گے اب پوچھا جا رہا ہے کہ کیا تم اطاعت کر کے مقبول بنو گے یا یہود کی سی کج بحثی کر کے مردود۔ **چوتھا تعلق:** پہلے معلوم ہوا تھا کہ بعض احکام بعض سے منسوخ ہوں گے اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ نسخ ہماری مرضی کے مطابق ہو گا۔ اے مسلمانو تم یہود کی طرح اپنی رائے کے مطابق خود ہی نسخ کا مطالبہ نہ کرنا کہ ان کا جو دل چاہتا تھا وہ مان لیتے تھے اور سخت احکام کے بدلنے کا پر زور مطالبہ کیا کرتے تھے بلکہ ہم موقعہ کے مطابق خود ہی نسخ فرماتے رہیں گے۔ **پانچواں تعلق:** معلوم ہوا تھا کہ احکام میں نسخ ہو گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو اگر تم ان احکام کو قبول نہ کرو گے تو ان ہی سرکش یہود کی طرح ہو گے جنہوں نے موسیٰ سے نہ کرنے کے سوال کیے تھے۔

شان نزول : بعض مفسرین نے فرمایا کہ ایک بار یہود نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ایسی کتاب لایئے جو آسمان سے یکبارگی نازل ہوئی ہو۔ ہم ایسی کتاب نہ مانیں گے جس میں ردو بدل ہوتا ہو۔ تفسیر خزائن العرفان، بعض نے فرمایا کہ عبداللہ ابن امیہ مخزومی قریش کی ایک جماعت کو لے کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں تو جب ایمان لاؤں گا کہ آپ زمین سے پانی کے چشمے جاری کر دیں یا آپ کے کھجور اور انار کے باغات ہوں یا آپ کے پاس سونے کا گھر ہو یا آپ آسمان پر چڑھ کر دکھا دیں یا میرے نام رب کی کوئی چٹھی آجائے جس میں لکھا ہو کہ اے عبداللہ ابن امیہ بے شک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے رسول ہیں تو ان کی پیروی کر جماعت قریش بولی کہ یہ تو بڑی باتیں ہیں انہیں جانے دیجئے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح مکمل کتاب ایک دم لا دیجئے تب یہ آیت کریمہ اتری۔ مجاہد سے روایت ہے کہ قریش نے ایک بار کہا تھا کہ صفا اور مروہ پہاڑ کو سونے اور چاندی کا بنا دو تب یہ آیت اتری۔ (تفسیر کبیر)۔ بعض نے یہ بھی کہا کہ بعض نو مسلموں نے حضور سے مطالبہ کیا تھا کہ مشرکین کی طرح ہمارے بھی چند معبود ہونے چاہئیں اور بعض لوگ محض امتحان کے لئے معجزات کا مطالبہ کیا

www.alahazratnetwork.org

کرتے تھے۔ ان کے حق میں یہ آیت کریمہ آئی لیکن یا تو پہلی روایت صحیح ہے یا آخری کیونکہ سورہ بقر مدنی ہے۔ اور عبداللہ بن امیہ مخزومی وغیرہ مکہ کے باشندے تھے ان کے سارے مطالبے ہجرت سے پہلے ہی ہوا کرتے تھے۔ نیز بہت دور سے یہود سے گفتگو چلی آرہی ہے۔ اور آئندہ بھی انہیں کا ذکر ہے۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اب بھی انہیں کا تذکرہ ہو۔ پچھلی روایت کی تائید خود اس آیت کی عبارت کرتی ہے اگر اس میں مسلمانوں سے خطاب ہو تو آیت میں کوئی تکلف نہیں کرنا پڑتا۔ جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوگا۔

تفسیر : **ام تریدون** یا تو او کے معنی میں ہے اور اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ یعنی کیا تم ناسخ احکام کی اطاعت کرو گے یا تم اسی قسم کی کج بحثی کا ارادہ کرتے ہو جو یہود کیا کرتے تھے اس صورت میں یہ مسلمانوں سے خطاب ہے یا ام بل کے معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ تم نسخ وغیرہ کا بہانہ کرتے ہو بلکہ تم انہیں بیہودہ سوالوں کا ارادہ کرتے ہو جو تمہارے بزرگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کئے تھے۔ اس صورت میں یہ یہود سے خطاب ہے۔ **ان تسئلوا رسولکم** کہ اپنے رسول سے وہ سوال کرو۔ اگر یہ مسلمانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہے کہ تم جس رسول کی امت ہو اس عالی شان پیغمبر سے ایسا سوال کرنا چاہتے ہو۔ اور اگر یہود سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہوا کہ جو رسول تمہاری ہدایت کے لئے بھیجے گئے ان سے یہ سوال کرنا چاہتے ہو۔ **کما سئل موسیٰ من قبل** جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا تھا کہ یہود نے ان سے رب تعالیٰ کے دیکھنے یا مشکل احکام بدلوانے یا نیا خدا بنانے کا مطالبہ کیا تھا۔ جس سے ان پر بہت مصیبتیں آپڑیں کیا تم بھی ایسے لغو مطالبے کرکے مصیبت مانگتے ہو۔ حالانکہ **ومن یتبدل الکفر بالایمان** جو ایمان کے عوض کفر لے کر رب کی اتاری آیتوں پر تو بھروسہ نہ کرے اور اپنی دل پسند باتوں کا مطالبہ کرے یا ایمان قبول کرکے شبہات میں پڑ جائے یا نبی کی اطاعت تو نہ کرے اور ان کی آزمائش میں مشغول رہے **فقد ضل سواء السبیل** یقیناً وہ سیدھے راستہ سے بہک گیا۔ سواء کے معنی ہیں متوسط اور درمیانی سڑک سیدھی اور آس پاس کی گلیاں ٹیڑھی ہوتی ہیں اس لئے سواء سے سیدھا راستہ مراد ہے۔ انبیاء کی اطاعت اور ان کی پیروی سیدھا راستہ ہے جس کو اختیار کرکے بے کھٹکے جنت تک پہنچنا ہوتا ہے ان کی مخالفت اور خواہشات نفس کی پیروی وہ ٹیڑھا راستہ ہے اور جہنم میں جائے گا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کیا تم بھی نسخ وغیرہ پر اعتراض یا نبی علیہ السلام سے غلط مطالبات یا ان سے امتحاناً معجزات طلب کرکے اسی قسم کے سوالات کرنے چاہتے ہو جیسے کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے کئے جاتے تھے تم ان یہود کا انجام سن چکے جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے سوالات سے پریشان کیا اور تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ جو ایمان لا کر کفر میں پھنسے وہ گویا سیدھے راستہ پر پڑ کر بہک گیا اور ایسا آدمی بہت ہی بد نصیب ہے۔ یا اے یہودیو کیا تم چاہتے ہو کہ اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے بھی ویسے ہی بیہودہ سوالات کرو جیسے کہ تمہارے باپ دادا موسیٰ علیہ السلام سے کیا کرتے تھے۔ خیال رہے کہ وہ اور وقت تھا یہ دوسرا زمانہ ہے اب سخت سزا پاؤ گے۔ تم نے ایمان اور ایمانیات کو پہچان لیا۔ قرآن آتے دیکھ لیا۔ صاحب قرآن کی زیارت کرلی۔ خیال رہے کہ مسلمانوں کی تبدیلی کفر تو یہ ہے کہ ایمان چھوڑ کر کفر قبول کرلیں۔ یعنی مرتد ہو جائیں اور یہود وغیرہ کفار کے لئے یہ ہے کہ ایمان اختیار نہ کریں اور کفر میں پھنسے رہیں اسی طرح سیدھے راستے سے بھٹکنا مسلمانوں کے لئے تو یہ ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ وہ یہ راستہ چھوڑ کر اور طرف چل دیں اور کفار کے لئے یہ کہ سیدھا راستہ دیکھ کر اسے اختیار نہ کریں۔ اور غلط راستوں پر ہی چلتے رہیں۔ لہٰذا یہ آیت مومنین اور کفار دونوں کے حق میں ہو سکتی ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے مسلمانوں کو دربار مصطفوی کے اور بہت سے آداب سکھائے کہ ان کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو۔ ان سے آگے نہ بڑھو اگر ان کے ہاں دعوت ہو تو کھانا پکنے سے پہلے نہ آجاؤ اور کھا کر بلا وجہ نہ بیٹھے رہو یونہی رب نے حضور سے پوچھنے سے بچنے کے آداب بھی سکھائے کہ ان سے اس قسم کے سوال نہ کرو ایسے کرو چنانچہ یہاں تو یہ فرمایا اور دوسری جگہ فرمایا کہ **لا تسئلوا عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم** ہمارے نبی سے وہ باتیں نہ پوچھو کہ اگر وہ ظاہر کر دی جاویں تو تم کو پچھتانا پڑے۔ ان احکام پر اکابر صحابہ نے حضور سے سوال کرنا ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ کوئی باہر سے سمجھدار آدمی آئے حضور سے سوال کرے حضور جواب دیں ہم سنیں اس لئے حضرت جبریل سائل کی شکل میں حضور کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اور حضور جواب دیتے صحابہ سنتے یہ عمل تھا ان آیات پر۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بزرگوں سے ایسا سوال نہ کرنا چاہئے جس سے نافرمانی ظاہر ہوتی ہو یا جس سے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔ دوسرا فائدہ: اللہ والوں کو اپنی رائے کا پابند نہ بنانا چاہئے بلکہ ان کے فرمان کی خود پابندی کرنی چاہئے۔ تیسرا فائدہ: انبیاء علیہم السلام کے فرمان میں کسی قسم کا شک کرنا یا عناد کے طریقہ پر سوالات کرنا یا ان کے فرمان سے ناراض ہونا یا ان کا مذاق سے امتحان لینا کفر ہے کیونکہ اس آیت میں اس قسم کے سوالات کو کفر قرار دیا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے بھی رسول ہیں۔ اور کفار حضور کے امتی کیونکہ **رسولکم** میں یہود سے خطاب ہے اور ان کی طرف ہے رسول کی نسبت۔ خیال رہے کہ امت دو قسم کی ہے۔ امت دعوت اور امت اجابت۔ امت دعوت وہ جس کو رسول علیہ السلام تبلیغ احکام کریں اور جن پر ان پیغمبروں کی اطاعت واجب ہو۔ امت اجابت وہ جو ان کے احکام قبول کرے مومنین حضور علیہ السلام کی امت اجابت ہیں۔ اور کفار بلکہ سارا عالم امت دعوت **لیکون للعلمین نذیرا** "حق تعالیٰ تو عالمین (تمام جہانوں) کا رب ہے اور حضور علیہ السلام عالمین کے نبی۔ انبیاء کرام' ملائکہ عظام تمام حیوانات' نباتات' سموات چاند سورج وغیرہ حضور علیہ السلام کی امت اجابت ہیں مگر ہر مخلوق کے جداگانہ احکام ہیں جن پر وہ پابند ہیں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی سے سوال نہ کیا جائے تو ہدایت کیسے حاصل ہو۔ جواب: سوال کے دو معنی ہیں پوچھنا اور مطالبہ کرنا۔ نہ تو ہر طرح کا پوچھنا کفر ہے اور نہ ہر مطالبہ بلکہ عناد یا مذاق کے لئے پوچھنا کفر۔ ہدایت حاصل کرنے کے لئے پوچھنا ضروری بیکار سوالات منع' ابو جہل تمسخر سے باتیں پوچھتا تھا۔ یہ کفر ہوا۔ مسلمان عمل کے لئے احکام الٰہی پوچھتے تھے بعض ضعیف الاعتقاد بلا وجہ پوچھا کرتے تھے۔ میری عورت حاملہ ہے اس کے لڑکا ہو گا یا لڑکی؟ یا کہ میرا باپ کون تھا؟ یہ منع اسی طرح معجزات کا مطالبہ کرنا۔ اگر پیغمبر کو عاجز کرنے کی نیت سے ہو تو کفر ہے جیسے کفار کہتے تھے کہ اگر آپ زمین سے چشمے نکال دیں یا باغات اگا دیں تو ہم ایمان سے لے آئیں اس سے ایمان لانا منظور نہ تھا بلکہ فقط عاجز کرنا یا مذاق اڑانا اور اگر ایمان لانے سے پیشتر سچائی معلوم کرنے کے لئے معجزہ طلب کیا جائے تو جائز ہے۔ جیسے کہ بعض حضرات نے ایمان لانے سے پہلے معجزہ مانگا اور دیکھ کر ایمان لے آئے جیسے کہ ابو بکر صدیق یا عبد اللہ ابن سلام رضی اللہ عنہما۔ نیز اگر مسلمان کفار کو دکھانے

www.alahazratnetwork.org

کے لئے معجزے کی خواہش کریں تو جائز ہے اس آیت میں انہیں سوالات اور انہیں مطالبوں کا ذکر ہے جو عنادا ہوں۔ اس لئے فرمایا گیا کما سئل موسی من قبل۔ دوسرا اعتراض: اگر اس میں یہود سے خطاب ہو تو ان کے پاس ایمان تھا ہی کہاں جسے وہ کفر سے بدلتے اور سیدھے راستہ پر تھے ہی کب جس سے وہ بہکتے۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ان کا ایمان قبول نہ کرنا تبدیلی کفر ہے۔ یعنی ان کے سامنے ایمان کفر دونوں موجود تھے۔ ایمان چھوڑ کر کفر اختیار کر لیا اسی طرح راہ ہدایت دیکھ کر اس پر نہ چلنا ہی ان کا بہکنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: شریعت احکام اور طریقت ادب' بے ادب مردود ہے۔ اگرچہ بظاہر احکام کا پابند ہو۔ جیسے ابلیس۔ ہو سکتا ہے اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کا ادب ایمان کی روح ہے' بارگاہ نبوت میں بے دھڑک سوالات کر دینا اور بے خوف ہر قسم کی بات کر ڈالنا بے ادبی ہے۔ اور بے ادب یا تو فوراً ہی کافر ہو جاتا ہے یا کبھی نہ کبھی کفر کر بیٹھتا ہے۔ ادب نفس کی قید ہے جب نفس اس قید سے نکل گیا تو اسے کفر میں جانے سے کون روکے گا۔ ایمان اس قلعہ کی طرح ہے جس کے آگے پیچھے پانچ دیواریں ہوں پہلے سونے کی' دوسری چاندی کی' تیسری لوہے کی چوتھی پتھر کی پانچویں کچی اینٹ کی' ایمان کی بھی پانچ دیواریں ہیں پہلی یقین کی دوسری اخلاص کی۔ تیسری ادائے فرض کی' چوتھی سنتوں کی پابندی کی' پانچویں دیوار کا لحاظ کریں جو کچی اینٹ کی ہے۔ اگر چور اس کو پار کر آیا یا اسے توڑ دیا تو اب اگلی دیواروں کی بھی خیر نہیں۔ اسی طرح اگر شیطان نے نازک دیوار کو توڑ دیا اور تمہیں بے ادب بنا دیا تو سمجھ لو کہ ایمان کی اگلی دیواروں کی بھی خیر نہیں پھر وہ آگے پیچھے سبھی کو توڑے گا اس آیت میں اس پانچویں دیوار کی حفاظت ہی کی تاکید ہے کہ دیکھو بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم کے بے ادب نہ بننا ورنہ تمہارے ایمان کی خیر نہیں۔ بزرگوں کے آستانہ سے سب کو فیض نہیں ملتا کوئی وہاں سے لے کر آتا ہے کوئی خالی اور کوئی ایمان کھو کر آتا ہے جو وہاں اپنے کو خالی سمجھ کر جائے گا ان شاء اللہ بھر کر لوٹے گا جو اپنے کو بھرا ہوا عالم سمجھ کر جائے پوچھ پوچھ کرے وہاں زیادہ بولے زیادہ سنے نہیں وہ خالی لوٹے گا۔ خالی ڈول کنویں سے پانی لاتا ہے۔ بھرا جاتا ہے تو کچھ لے کر نہیں آتا اور جو اپنے کو بھرا انہیں خالی سمجھ کر جائے تو اپنا سب کچھ کھو آئے گا۔ یہ بحثیں کرنے والے تیسری قسم کے تھے وہاں جا کر زیادہ بولنے کی کوشش نہ کرو زیادہ سننے کی کوشش کرو ادب بزرگان اصل عبادت ہے۔

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ
چاہا بہتوں نے کتاب والوں میں سے یہ کہ واپس کر دیں تم کو پیچھے سے ایمان تمہارے کے
بہت کتابیوں نے چاہا کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر کی طرف پھیر دیں
كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ
کافر حسد سے نزدیک نفسوں اپنے کے پیچھے سے اس کے کہ ظاہر ہو گیا
اپنے دلوں کی جلن سے بعد اس کے کہ حق ان پر خوب ظاہر ہو چکا۔

www.alahazratnetwork.org

لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ

واسطے ان کے حق بس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ لائے اللہ اپنا

ہے تم چھوڑ دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا حکم لائے

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۰۹

حکم تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے نسخ وغیرہ پر یہود کے اعتراضات کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان کے اعتراضات کے مقصود کا ذکر ہو رہا ہے کہ اے مسلمانوں در حقیقت انہیں خود کوئی شبہ نہیں وہ تو محض تمہارے دلوں میں شبہات پیدا کرنے کے لئے اعتراضات کرتے ہیں تاکہ تم ایمان چھوڑ کر پہلے کی طرح کافر بن جاؤ۔ **دوسرا تعلق:** پہلے یہود کی گذشتہ فریب کاریوں کا ذکر کیا گیا کہ وہ ان طریقوں سے مسلمانوں کو راہ ایمان سے پھیرنا چاہتے ہیں اب آئندہ کا تذکرہ ہے کہ مسلمانو ہوشیار رہنا یہود آئندہ بھی تمہارے شکار کے لئے بہت سے جال پھینکیں گے کیونکہ وہ تمہارے ایمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پہلے یہود کے اعتراضات بیان فرما کر ان کے جواب دیئے اور مسلمانوں کو ایسے واہیات سوالوں سے روکا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں یہ ہماری خاطر جواب دیئے جا رہے ہیں کہ تم ایمان پر قائم رہو انہیں تو ہدایت حاصل کرنا منظور ہی نہیں آئندہ ان کے ہر سوال کا جواب نہ دیا جائے گا کیونکہ وہ تمام سوالات تمہیں گمراہ کرنے کے لئے ہوں گے۔ خیال رکھنا اور ہوشیار رہنا۔

شان نزول : جنگ احد کے بعد فخاص ابن عازوراء اور زید بن قیس اور دیگر یہود نے حضرت حذیفہ ابن یمان اور عمار ابن یاسر سے کہا کہ اگر تم سچے ہوتے تو تمہیں جنگ میں شکست نہ ہوتی۔ لہذا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ۔ حضرت عمار نے فرمایا کہ بتاؤ عہد شکنی بے وفائی کیسی ہے انہوں نے کہا بہت بری آپ نے فرمایا کہ میں عہد کر چکا ہوں کہ اپنی آخری سانس تک حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے نہ پھروں گا اور کفر اختیار نہ کروں گا۔ یہودیوں نے کہا عمار تو ہمارے ہاتھوں سے نکل ہی گئے اب ان کے لوٹنے کی کوئی امید نہیں حذیفہ تم بولو کیا ہم سے ملو گے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ میں اللہ کے رب ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے نبی ہونے' اسلام کے دین ہونے قرآن کے ایمان کعبہ کے قبلہ ہونے اور مسلمانوں کے بھائی ہونے سے راضی ہوں' یہود بولے قسم رب موسیٰ کی تمہارے دلوں نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کا جام پی لیا اس کے بعد یہ دونوں صحابہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس واقعہ کی خبر دی آپ نے فرمایا کہ تم نے ٹھیک کیا اور کامیابی پائی۔ خلاصہ یہ ہے کہ کوئی کسی کو مانتا ہے لالچ سے' کوئی ڈر سے' کوئی عشق سے۔ صحابہ نے حضور کو عشق سے مانا تھا۔ عشق کا رنگ ایسا پختہ ہوتا ہے جو کسی چیز سے نہیں اترتا۔ ماں بچے کو کبھی نہیں چھوڑتی' عاشق معشوق سے ہزارہا مصیبتیں جھیلنے پر بھی منہ نہیں موڑتے۔ صحابہ نے ہر طرح کا لالچ ہر قسم کی مصیبتوں پر حضور کو نہیں چھوڑا۔ اللہ تعالیٰ عشق کی اطاعت نصیب کرے

www.alahazratnetwork.org

آمین۔ ڈر یا لالچ کی اطاعت تو منافق بھی کرتے تھے۔ ہر چیز کو فنا ہے مگر عشق کو فنا نہیں۔ بلکہ جس کی عبادت میں عشق کی ملاوٹ ہو جائے وہ بھی فنا سے بچ جاتی ہے۔

تفسیر: **ود کثیر**۔ ودّ ودٌ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں چاہنا محبت کرنا پسند کرنا کثیر سے معلوم ہوا کہ سارے اہل کتاب یہ نہ چاہتے تھے بلکہ ان میں سے اہل علم اور شیاطین کیونکہ عام کفار کو نہ تو کسی کو بہکانا آتا ہے۔ اور نہ ان میں اپنے دین کی تبلیغ کا جذبہ ہوتا ہے **من اهل الكتب** یعنی مشرکین کو یہ خواہش نہیں یہ ارادہ تو ان کا ہے جو اپنے کو اہل کتاب کہتے ہیں اور جو پچھلی کتابوں اور پچھلے نبیوں پر ایمان لانے کے دعویدار ہیں اور نسخ وغیرہ کی حکمتوں سے خوب واقف ہیں۔ وہ جان بوجھ کر چاہتے ہیں کہ **لو يردونكم** کہ تم کو پھیر دیں۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ لو حرف مصدریہ ہے۔ بمعنی ان کیونکہ جب لو ایسے فعل کے بعد آئے جس میں تمنا کے معنے ہوں تو ان کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے **ودوا لو تدهن** یعنی بہت سے اہل کتاب تم کو پھیرنا چاہتے ہیں مگر کب **من بعد ايمانكم** تمہارے ایمان لانے ایمان کی لذت چکھنے اور قرآن پاک کا لطف حاصل کرنے کے بعد اور **كفارا**" **يردونكم** کی ضمیر سے حال ہے یا اس کا مفعول دوم یعنی تم کو پھیر دیں کافر کرکے یا تمہیں کافر بنا دیں۔ **حسدا**"۔ ود کی علت ہے یعنی تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے نہیں بلکہ محض حسد کی بناء پر کہ ہم تو کافر رہے اور یہ مومن کیوں ہو گئے ہم تو ڈوبے ہیں مگر یار کو بھی لے ڈوبیں گے۔ **من عند انفسهم** یا تو یود کے متعلق ہے۔ یا **حسدا**" کے یعنی انہوں نے تم کو مرتد کرنا محض نفسانی خواہش سے چاہا نہ کہ اپنی دینداری سے یا اپنے نفسانی حسد سے تم کو مرتد کرنا چاہا خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان تو دینداری اور خلق کی خیر خواہی کے لئے دوسروں کو مسلمان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن کفار اس لئے نہیں فقط نفسانی خواہش اور عداوت سے مسلمانوں کے مرتد ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ **من بعد ما تبين لهم الحق** کہ ان کی ساری یہ حرکتیں حق ظاہر ہو چکنے کے بعد ہیں وہ خود سمجھتے ہیں کہ حضور علیہ السلام سچے ان کا دین برحق ان کے معجزات نہایت کامل ان کی صفات توریت شریف میں مذکور اگرچہ اس شرارت بدذاتی کا تقاضا تو یہ تھا کہ تم ان کو اس کی سزا دیتے اور ان سے اس کا بدلہ لیتے مگر تم رب کی مرضی کے تابع رہو ابھی ہم تم کو اس کی اجازت نہیں دیتے بلکہ حکم دیتے ہیں۔ **فاعفوا** انہیں چھوڑ دو۔ یہ لفظ عفو سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں مٹا دینا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **عفت الريح المنزل**۔ ہوا نے گھر کے آثار مٹا دیئے اصطلاح میں اس کے معنے ہیں جرم کی سزا نہ دینا۔ یعنی معاف کر دینا اور چھوڑ دینا۔ **واصفحوا** اور ان سے در گزر کرو۔ یہ صفح سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں کروٹ یعنی ان کی طرف سے کروٹ پھیر لو۔ ادھر توجہ نہ کرو خیال رہے کہ اس معافی دینے اور درگزر کرنے سے مراد رضامندی نہیں کیونکہ کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے بلکہ ان سے جنگ نہ کرنا اور ان کی بدکلامی کا جواب نہ دینا مقصود ہے جیسا کہ روایت میں آیا ہے کہ بعض صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام سے ان بہکانے والے یہود کے قتل کی اجازت چاہی اس پر یہ عبارت نازل ہوئی۔ (روح البیان)۔ اور اے مسلمانو یہ تحمل اور بردباری اور صبر کا حکم ہمیشہ نہ رہے گا' صرف اسی وقت تک برداشت کرلو کہ **حتى ياتى الله بامره** کہ اللہ جہاد کا حکم دے۔ امر سے یا تو اجازت جہاد مراد ہے یا حکم جہاد' پہلے تو مسلمانوں کو جہاد کرنا منع تھا پھر مباح کیا گیا کہ فرمایا گیا **اذن للذين يقتلون بانهم ظلموا و ان الله على نصرهم لقدير** پھر فرمایا گیا کہ **قاتلوا الذين لا يؤمنون بالله ولا باليوم الاخر** اور اے مسلمانوں یہ بھی نہ سمجھنا کہ

www.alahazratnetwork.org

تم کمزور ہی رہو گے۔ اور وہ قوی بلکہ **ان اللہ علی کل شیء قدیر** اللہ ہر چیز پر قادر ہے اس میں قدرت ہے کہ کمزوروں کو زور مندوں پر غالب کر دے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تمام اعتراضات سے یہود کا مقصود صرف یہ ہے کہ تمہارے دل میں اسلام کی طرف سے شبہات پڑ جائیں۔ جس سے تم مومن ہونے کے بعد 'کافر اور ایماندار ہونے کے بعد بے ایمان بن جاؤ اور ان کی یہ حرکتیں صرف اس جلن سے ہیں کہ تم کو ایمان جیسی دولت کیوں مل گئی اور وہ اس سے کیوں محروم رہ گئے ورنہ وہ خود جانتے ہیں کہ اسلام سچا ہے اور وہ جھوٹے مگر ان کی ان بیہودہ حرکتوں سے طیش میں نہ آجانا اور ان سے جنگ نہ کر بیٹھنا بلکہ اس وقت تک درگزر اور چشم پوشی کئے جانا جب تک کہ جہاد کی اجازت یا اس کا حکم رب کی طرف سے نہ آجائے اور اس تاخیر سے یہ مت سمجھ بیٹھنا کہ ہم فی الحال تمہاری مدد سے عاجز ہیں نہیں اللہ تو ہر وقت ہر چیز پر قادر ہے وہ اجل سے قبل مروا رہا ہے بلکہ اس تاخیر میں یہ حکمت ہے کہ اگر تم ابھی سے جہاد شروع کر دو گے تو لوگ بدگمان کریں گے کہ اسلام خونی دین ہے۔ اور مسلمان بداخلاق اور خونخوار کہ ہر ایک سے لڑتے رہتے ہیں محبت اور صلح سے کسی کو اپنی طرف مائل نہیں کر سکتے اس آیت سے پتہ یہ لگا کہ کفار بڑے سے بڑے مسلمان سے غافل نہیں انہیں بہکانے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں لہٰذا مسلمان کو کبھی ان سے بے فکر نہ ہونا چاہئے جب تک کھیت کٹ کر گھر میں نہ آجائے تب تک کسان بے فکر نہیں ہوتا یونہی جب تک ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو جائے تب تک مومن بے فکر نہیں ہوتا' آدم علیہ السلام معصوم تھے جنت جگہ محفوظ مگر وہاں بھی شیطان دشمن نے داؤ مار دیا۔ خیال رہے کہ معافی اور درگزر کی ساری آیتیں آیات جہاد سے منسوخ ہیں۔ تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت **قاتلوا الذین لا یؤمنون باللہ** سے منسوخ ہے اور امام باقر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اس وقت تک جہاد کا حکم نہ دیا جب تک حضرت جبریل یہ آیت لے کر نہ آئے۔ **اذن للذین یقاتلون** الآیۃ اس آیت پر حضرت جبریل نے حضور علیہ السلام کو تلوار سنائی اور سب سے پہلے عبد اللہ ابن جحش اور ان کے ساتھیوں نے بطن نخلہ میں جہاد کیا۔ پھر بخاری کی روایت پر حضور علیہ السلام نے پہلا جہاد ابوا' پھر ابواط' پھر اشیرا' پھر جنگ بدر فرمائی۔ تفسیر کبیر و دیگر کتب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور کا پہلا جہاد جنگ بدر ہے۔ یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں یعنی باقاعدہ پہلی جنگ' جنگ بدر ہوئی اس سے پہلے ابوا ابواط وغیرہ معمولی جھڑپیں تھیں۔ حضور علیہ السلام نے کل انیس غزوے فرمائے۔ خیال رہے کہ یہ آیت جہاد کی آیات سے منسوخ ہے کیونکہ ان کا نزول غزوۂ احد کے بعد ہوا ہے جبکہ جہاد کا حکم آچکا تھا بلکہ واقعہ یہ تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے مدینہ کے یہود سے اس شرط پر صلح کر لی تھی کہ وہ غیر جانبدار رہیں' ہمارے دشمنوں کی ہمارے مقابل مدد نہ کریں۔ جب یہود تو مسلموں کو خفیہ طور پر بہکانے لگے فرمایا اس بہکانے پر ان سے جہاد نہ کرو اور اپنی شرط صلح نہ توڑو بلکہ ان کے یہ قصور معاف کرو' جب اللہ اپنا حکم لاوے کہ ان کی طرف سے بدعہدی ظاہر ہو تب انہیں قتل بھی کرنا اور شہر بدر بھی چنانچہ غزوۂ خندق میں یہود مدینہ نے کھلم کھلا کفار مکہ کی مدد مسلمانوں کے مقابل کی تب بنی نضیر کو تو جلاوطن کیا گیا اور بنی قریظہ کو قتل' اور مدینہ میں سارے مسلمان ہی رہ گئے اس صورت میں آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ جہاد کا حکم تو پہلے آچکا تھا اب معافی کا حکم کیسا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار مسلمانوں سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے ان کے

اتفاق کی صرف دو ہی صورتیں ہیں یا تو وہ مومن ہو جائیں یا معاذ اللہ مسلمان مرتد کیونکہ ایمان نور ہے اور کفر تاریکی ایمان دن ہے اور کفر رات جو مومن اور کافر میں اتفاق کی کوشش کرتا ہے وہ فطرت اور قدرت سے مقابلہ کرتا ہے اسے کبھی کامیابی حاصل نہ ہوگی اور اس کا بارہا تجربہ ہو چکا مسلمانوں رواداری کا گیت نہ گاؤ اپنے میں خودداری پیدا کرو۔ **دوسرا فائدہ:** حسد بہت برا عیب ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ خشک لکڑی کو۔ دوسری روایت میں ہے کہ حاسد درحقیقت حق تعالیٰ کی نعمتوں کے دشمن ہیں۔ (تفسیر عزیزی) اس تفسیر عزیزی میں یہ بھی ہے کہ چھ گروہ دوزخ میں بت جائیں گے۔ (1) امیر لوگ ظلم کی وجہ سے (2) اہل عرب تعصب اور حمیت کے سبب۔ (3) گاؤں والے تکبر اور غرور کی وجہ سے (4) بیوپاری خیانت کی وجہ سے۔ (5) جنگلی لوگ جہالت کی وجہ سے۔ (6) عالم لوگ حسد کی وجہ سے روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے کسی ایک شخص کو عرش کے سایہ میں دیکھا۔ عرض کیا مولیٰ اس کو یہ درجہ کس عمل سے حاصل ہوا۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ تین عملوں سے ایک یہ کہ یہ کسی پر حسد نہ کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اپنے ماں باپ کا فرمانبردار تھا۔ تیسرے یہ کہ چغلخوری سے محفوظ تھا فضل ابن عباس فرماتے ہیں کہ تکبر سے بچو کہ شیطان اسی سے ہمیشہ کا لعنتی ہوا۔ ابی و استکبر حرص اور طمع سے بچو کہ اسی نے آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر کیا۔ حسد سے دور رہو کہ حسد ہی سے قابیل نے ہابیل کو قتل کیا اور حسد ہی سے برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام پر اتنی زیادتی کر ڈالی۔ **حسد کے درجے:** حسد کے چار درجے ہیں۔ پہلا یہ ہے کہ حاسد دوسروں کی نعمت کا زوال چاہے کہ خواہ مجھے نہ ملے مگر اس کے پاس سے جاتی رہے اس قسم کا حسد مسلمانوں پر گناہ کبیرہ ہے۔ اور کافر فاسق کے حق میں جائز مثلاً کوئی مالدار اپنے مال سے کفر یا ظلم کر رہا ہے اس کے مال کی اس لئے بربادی چاہنا کہ دنیا کفر و ظلم سے بچے جائز ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ حاسد دوسرے کی نعمت خود لینا چاہے کہ فلاں کا باغ یا اس کی جائیداد میرے پاس آ جائے یا اس کی ریاست کا میں مالک ہوں یہ حسد بھی مسلمانوں کے حق میں حرام ہے تیسرا درجہ یہ ہے کہ حاسد اس نعمت کے حاصل کرنے سے خود تو عاجز ہے اس لئے آرزو کرتا ہے کہ دوسروں کے پاس بھی نہ رہے تاکہ وہ مجھ سے بڑھ نہ جائے یہ بھی منع ہے۔ چوتھا مرتبہ یہ ہے کہ وہ تمنا کرے کہ یہ نعمت اوروں کے پاس بھی رہے مجھے مل جائے یعنی اوروں کا زوال نہیں چاہتا اپنی ترقی کا خواہش مند ہے اسے غبطہ یا تنافس کہتے ہیں یہ دنیوی باتوں میں منع اور دینی باتوں میں اچھا اور کبھی واجب بھی ہے رب فرماتا ہے۔ **وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون** حدیث شریف میں ہے کہ دو شخصوں پر حسد یعنی غبطہ جائز ہے۔ ایک وہ عالم دین جو اپنے علم سے لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہو۔ دوسرا وہ سخی مالدار جس کے مال سے فیض جاری ہو۔ **حسد کے اسباب:** حسد کے کل سات سبب ہیں۔ پہلا سبب عداوت اور بغض ہے۔ جس سے کسی کو ایذاء پہنچ جائے پہلے تو وہ بدلہ لینے کی کوشش کرتا ہے اور مجبور ہو کر چاہتا ہے کہ اس پر غیبی مار پڑے اس کی مصیبت سے خوش اور آرام سے ناخوش ہوتا ہے۔ **ان تمسسکم حسنۃ تسؤھم** دوسرا سبب تکبر کہ حاسد اپنی بڑائی کا خواہش مند ہے۔ **لولا نزل ھذا القراٰن علی رجل من القریتین عظیم** یہ اسی قسم کا حسد تھا۔ تیسرا سبب سرداری کی خواہش ہے کہ حاسد چاہتا ہے کہ سب میرے حاجت مند ہوں اور میں سب کا آقا کہلاؤں اس لئے وہ سب کو غریب دیکھنا چاہتا ہے۔ چوتھا سبب عجب اور بڑائی ہے حاسد دوسرے کو نعمت کا نااہل سمجھتا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ اس کے پاس نہ رہے رب فرماتا ہے۔ **اوعجبتم ان جاءکم ذکر من ربکم علی رجل منکم** (الخ)

www.alahazratnetwork.org

پانچواں: سبب یہ ہے کہ حاسد دوسروں کے کمال میں اپنا زوال سمجھے کہ اگر وہ کامیاب ہو گئے تو میں ناکام ہو جاؤں گا جیسے کہ پیشہ ور اپنے ہم پیشہ سے اسی قسم کا حسد رکھتے ہیں۔ تاجر طبیب واعظ اپنے ہم جنس کی ترقی سے ناراض ہوتے ہیں۔ چھٹا: سبب حب حکومت ہے کہ حاسد چاہتے ہیں کہ میں اپنے کمال میں بے نظیر رہوں کہ میرے برابر کوئی دوسرا نہ نکلے۔ ساتواں: سبب حاسد کی کم ظرفی اور کمینہ پن ہے کہ اس سے کسی کا عیش دیکھا نہیں جاتا یہ حسد سب حسدوں سے بدتر ہے۔ اللہ پاک ہر قسم کے حسد سے محفوظ رکھے یہود کو مسلمانوں سے کئی قسم کے حسد تھے۔

حسد کا علاج: خیال رہے کہ حسد ایک عالمگیر مرض ہے۔ جس سے بہت کم لوگ خالی ہیں اس لئے اس کا علاج بہت ضروری ہے اس کی صرف دو ہی علاج ہیں ایک علمی علاج دوسرا عملی علاج۔ علمی علاج یہ ہے کہ یہ حاسد یہ عقیدہ رکھے کہ ہر ایک چیز تقدیر سے ہی ہوتی ہے اور میں حسد کرکے اپنی بدنصیبی اور دوسروں کی نیک بختی کو بدل نہیں سکتا اور یہ بھی جانے کہ حسد ایمان کی آنکھ کا تنکا اور خاک ہے جیسے کہ دماغ کی آنکھ ان چیزوں سے گدلی ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی حاسد کا ایمان بلکہ اس کے دین و دنیا حسد سے مکدر ہو جاتے ہیں کہ دنیا میں رنج اور آخرت میں عذاب کے سوا کچھ نہیں ملتا (2) عملی علاج یہ ہے کہ حاسد محسود کے ساتھ طبیعت کے خلاف برتاؤ کرے مثلاً اگر دل چاہتا ہے کہ محسود کی غیبت کرو تو فوراً اس کی تعریف کرنے لگ جائے یا اگر نفس کہتا ہے کہ محسود کے سامنے اکڑ کر بیٹھوں تو فوراً اس کے سامنے عاجزی و نرمی کرے اگر دل یہ کہتا ہے کہ اس سے نفرت کروں تو بے تکلف اس سے محبت کرے انشاء اللہ ان علاجوں سے بہت فائدہ ہوگا۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ بے اختیاری نفرت یا محبت کی اللہ کے یہاں پکڑ نہیں (تفسیر کبیر و عزیزی)۔ نیز حسد کے علاج کے لئے کتب تصوف خصوصاً امام غزالی کی کتابیں جیسے احیاء العلوم وغیرہ کا مطالعہ کرو۔ تیسرا فائدہ: رب کے کام نہایت آہستگی سے ہوتے ہیں ہم کو بھی چاہئے کہ ہر کام میں جلدی نہ کریں۔ خود ہم میں حاسد و محسود موجود ہے۔ نفس امارہ حاسد اور دل محسود۔ نفس کی ہمیشہ یہ کوشش ہے کہ دل کو نیک راہ سے ہٹا کر بری راہ پر لگا دے کیونکہ قیامت میں ثواب دل کو ملے گا اور امارہ نفس تو وہاں فنا کر دیا جائے گا۔ نفس تو صرف اسی دنیا میں آرام یا تکلیف اٹھا رہا ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت کو منسوخ کہنا غلط ہے کیونکہ یہاں خود معافی اور درگذر کی حد بتا دی گئی ہے۔ کہ **حتی یاتی اللہ بامرہ** جیسے روزے کی حد ہے **الی اللیل** نہ روزہ رات سے منسوخ ہے اور نہ یہ احکام آیت جہاد سے۔ جواب: غیر معین ناسخ ہوتی ہے اور معین حد ناسخ نہیں بلکہ انتہا روزے کی حرارت ہے جو سب کو معلوم ہے۔ مگر معافی اور درگزر کی حد حکم جہاد ہے۔ جس کی خبر نہیں کہ کب آئے گا (تفسیر کبیر)۔ لہذا روزہ غیر منسوخ اور یہ احکام منسوخ یہ فرق خیال میں رکھو۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کے نزول کے وقت مسلمان کمزور اور کفار طاقتور تھے اور کمزور کا بدلہ نہ لے سکنا معافی نہیں کہلاتا معافی تو یہ ہے کہ انسان بدلہ لینے پر قادر ہو پھر چھوڑ دے لہذا ایساں **فاعفوا** کیوں فرمایا گیا جواب: اگرچہ اس وقت مسلمان اجتماعی حملہ یعنی لشکر کشی پر قادر نہ تھے مگر انفرادی جنگ کا بہت موقعہ تھا کہ گلی کوچوں میں جہاں کافر کو پاتے ٹھکانے لگا دیتے اس آیت میں اس سے بھی روکا گیا۔ تفسیر صوفیانہ: مشہور یہ ہے کہ دنیا میں گوشت کے بہت سے دشمن ہیں پرندے درندے چرندے دریائی جانور سب ہی اس کے تاک میں رہتے ہیں گوشت کی بوٹی پر ہوا سے چیل کوے گدھ وغیرہ گرتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

اور زمین کے کتے 'بلی' شیر' بچھو حملہ کرتے ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس کی بہت حفاظت کی جائے ورنہ بعد میں کف افسوس ملنا ہو گا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ایمان کے بیرونی اور اندرونی بہت دشمن ہیں۔ شیطان 'ہمزاد شیطان' انسان نما شیطان یعنی کفار اور حاسدین نفس امارہ دنیا کی دلکش چیزیں سبھی ایمان کی تاک میں ہیں مگر ایمان کی حفاظت کی بیمہ کمپنی بھی ہے جو اللہ کے فضل سے اس دولت کو منزل مقصود تک پہنچانے کا ٹھیکہ لیتی ہے اس کمپنی کا ہیڈ کوارٹر مدینہ منورہ میں ہے اور اس کی شاخیں بغداد اور اجمیر اور پیران کلیر وغیرہ میں کھلی ہوئی ہیں اور اس کی برانچ شاخیں تقریباً" ہر جگہ ہیں اور اس کے دلال ہر جگہ پھر رہے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر چالیس متقی مسلمانوں میں ایک ولی اللہ ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ نقد عقیدت دے کر اپنے ایمانوں کا بیمہ کرالیں قلب کا پتہ ہر وقت ہواؤں کے خطرے میں ہے۔ چاہئے کہ کسی پتھر کے نیچے آجائے۔ شعر

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ زور رجیم   الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

وَ مَا تُقَدِّمُوْا	وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ	وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ
اور جو کچھ آگے بھیجو گے	اور دو تم زکوٰۃ	اور قائم رکھو تم نماز کو
اور اپنی جانوں کے لئے	اور زکوٰۃ دو	اور نماز قائم رکھو
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا		
واسطے جانوں اپنی کے کوئی بھلائی پاؤ گے تم اس کو نزدیک اللہ کے تحقیق		
جو بھلائی آگے بھیجو گے اسے اللہ کے یہاں پاؤ گے بے شک اللہ		
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞		
اللہ اس کو جو تم کرتے ہو دیکھنے والا ہے۔		
تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔		

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو بتایا گیا کہ تمہارے ایمان کے چھیننے والے بہت سے دشمن ہیں۔ اب ان کو حفاظت ایمان کا طریقہ بتایا جارہا ہے تم نماز زکوٰۃ وغیرہ نیک اعمال سے ان کی حفاظت کرو۔ **دوسرا تعلق**: پہلے مسلمانوں کو ضبط اور تحمل کا حکم دیا گیا جو کہ ان پر بہت شاق تھا۔ اب نماز روزہ کا حکم دیا جارہا ہے جس سے ان کے دلوں کو برداشت کی طاقت پیدا ہو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کفار سے روکا گیا۔ اب انہیں جہاد نفس کا حکم دیا گیا کہ ابھی اس جہاد کا تو حکم نہیں اپنے نفس سے نماز روزے کے ہتھیار سے جہاد کرو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفار کی اصلاح کا طریقہ بتایا گیا کہ معافی اور درگزر سے ان کی اصلاح کرو۔ اب اپنے نفس کی اصلاح کا

www.alahazratnetwork.org

طریقہ سکھایا کہ نماز روزے سے اس کو درست کرو۔ پانچواں تعلق: پہلے کفار کی سختیاں جھیلنے کا حکم تھا اب نماز' زکوۃ کی پابندیاں برداشت کرنے کا فرمان ہے۔

تفسیر: **و اقیموا الصلوۃ** یہ فاعفوا پر معطوف ہے یعنی ان بے دینوں سے منہ پھیر لو اور نماز کی طرف متوجہ ہو کر اسے ہیشہ قائم رکھو قائم رکھنے کے معنے بارہا بیان کئے جاچکے ہیں کہ اچھی طرح پڑھو یا ہمیشہ پڑھو یا اس کے مستحبات وغیرہ کا لحاظ کر کے پڑھو اور صلوۃ سے مراد غالباً" فرض' واجب نمازیں ہیں کہ انہیں کے قائم رکھنے کا حکم ہوتا ہے۔ **و اتوا الزکوۃ** چونکہ نماز عبادت بدنی ہے اور زکوۃ عبادت مالی اور مالی عبادت بدنی کے بعد ہے۔ اس لئے زکوۃ کا ذکر نماز کے بعد ہوا اور اے مسلمانوں صرف فرائض وواجبات پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ نوافل اور مستحبات بھی ادا کرتے رہنا کیونکہ **وما تقدموا لا نفسکم من خیر** اپنے لئے جو بھلائی آگے بھیج لوگے بہتر۔ خیر ہر بھلائی کو شامل ہے یعنی نماز روزہ زکوۃ اچھے معاملات تلاوت قرآن درود پاک اور کلمہ طیبہ وغیرہ۔ مگر چونکہ نماز زکوۃ سب میں بہتر تھیں۔ اس لئے ان کو علیحدہ ذکر کیا ہے۔ جتنے اے مسلمانو! تم اپنے نفع کے لئے جو بھلائی کرو گے **تجدوہ عند اللہ** اسے اللہ کے نزدیک محفوظ پاؤ گے یا تو اس کا ثواب پانا مراد ہے یا خود ان اعمال کا ہی پانا جیسے کہ روایت میں ہے کہ قیامت میں اچھے اعمال اچھی شکل میں سامنے آئیں گے عنداللہ فرما کر بتا دیا یہاں جزا پانے کی طمع نہ رکھو اگر دنیوی مصیبت آجائے تو اس سے بددل نہ ہو جاؤ کیونکہ جزا کی جگہ تو آخرت ہے نیز جو یہاں کچھ آرام اور عیش پائے اس کی اخروی جزا میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ یہ تو اللہ کے فضل سے تنخواہ کے علاوہ راشن کا بھتہ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ **تجدوہ** سے یہ مراد نہیں ہے کہ جتنا کرو گے اتنا ہی پاؤ گے روایت میں تو یہ آتا ہے کہ معمولی صدقات پہاڑ کے برابر ہو کر ملیں گے۔

جب دنیوی بادشاہ اپنے نوکروں کے فنڈ کا روپیہ بڑھا کر دیتے ہیں تو وہ احکم الحاکمین نہ معلوم کتنا بڑھا کر دے گا اور یہ مت سمجھنا کہ معمولی نیکیاں حقیر چیز ہیں نہ معلوم وہ اتنے بڑے دربار میں شمار آئیں یا نہ آئیں۔ نہیں وہاں تو ذرہ ذرہ کی جزاء ملے گی کیونکہ **ان اللہ بما تعملون بصیر** حق تعالیٰ تمہارے چھوٹے بڑے ادنیٰ اعلیٰ اعمال کو دیکھ رہا ہے اور ان سے خبردار ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں یہ نہ سمجھنا کہ نیکیاں تو وہاں ملیں گی اور بدیاں ضائع ہو جائیں گی نہیں حق تعالیٰ تمہارے ہر قسم کے نیک وبد اعمال دیکھ رہا ہے۔ ہر ایک کی جزاء سزا دے گا اس صورت میں یہ آیت ترغیب کی بھی ہے اور ترہیب یعنی ڈرانے کی بھی۔ خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم بہکانے والوں کی طرف توجہ نہ کرو اور فی الحال ان سے بدلہ لینے کی کوشش نہ کرو۔ کسی کے بہکانے میں نہ آو۔ بلکہ ابھی خود ایمان پر ثابت قدم رہ کر عالم آخرت کے لئے جہاں تم کو ہمیشہ رہنا ہے۔ تیاری کرو بدنی عبادتوں میں سب سے اعلیٰ نماز ہے اس کو پابندی سے ادا کرتے رہو اور مالی عبادت یعنی زکوۃ وغیرہ سے بھی غافل نہ رہو۔ نماز زکوۃ کے علاوہ بھی جو ہو سکے نیکی کرلو۔ خلق سے بھلائی اپنے اور بیگانے کے ساتھ نیک سلوک سے پیش آو۔ یقین رکھو کہ تمہارا کوئی کام ضائع نہ جائے گا۔ تم اپنے سارے اعمال کا بدلہ مع نفع کے رب تعالیٰ کے پاس پاؤ گے یا خود اعمال ہی کو وہاں دیکھو گے۔

کیونکہ سارے اعمال عالم امثال میں موجود رہتے ہیں جن کو مرنے کے بعد ہر شخص ضرور پائے گا اور یہ بھی یقین رکھو کہ خدا تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے وہ کسی کے عمل اور اس کی سزا و جزا سے غافل نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نماز زکوۃ سے افضل ہے اسی لئے نماز کو اس سے پہلے بیان فرمایا اور نماز کے لئے اقیموا یعنی ہمیشہ قائم رکھو اور زکوۃ کے لئے اتوا یعنی دے دو کہا (1) نماز بدنی عبادت ہے اور زکوۃ مالی اور بدن مال سے افضل ہے تو اس کی عبادت بھی افضل۔ (2) نماز امیر غریب سب پر فرض اور زکوۃ صرف امیروں پر لہذا اس کا نفع عام۔ (3) نماز میں ہر عضو کام کرتا ہے۔ زکوۃ دینے میں صرف ہاتھ۔ (4) نماز روزانہ پانچ بار ادا ہوتی ہے اور زکوۃ سال بھر میں ایک بار۔ (5) نماز براہ راست حق تعالیٰ سے تعلق رکھتی ہے اور زکوۃ بذریعہ فقیر۔ (6) نماز معراج میں حضور علیہ السلام کو عرش پر بلا کر دی گئی' زکوۃ کے احکام یہاں ہی بھیج دیئے گئے۔ (7) نماز میں رب تعالیٰ سے ہم کلامی ہے اور زکوۃ میں فقیر سے وغیرہ وغیرہ۔ دوسرا فائدہ: انسان صرف نماز' زکوۃ پر ہی قناعت نہ کرے بلکہ جس بھلائی کا موقعہ مل جائے اسے کر گزرے معمولی نیکی اس ایک گھونٹ پانی کی طرح ہے جو کبھی پیاسے کی جان بچالیتا ہے اور معمولی گناہ اس چنگاری کی طرح ہے جو کبھی گھر جلادیتی ہے۔ تیسرا فائدہ: اس عالم کے سوا ایک دوسرا عالم بھی ہے جسے عالم المثال کہتے ہیں یہاں تو اعمال اور اعراض کی کوئی شکل نہیں۔ لیکن وہاں ہر چیز کی شکل اور اس کا وزن ہے وہاں بخیل کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اور قرآن و رمضان وغیرہ اچھی شکل میں سامنے آئیں گے۔ چوتھا فائدہ: دنیا میں حکام اور بادشاہ بڑے لوگوں سے باخبر اور چھوٹوں سے بے خبر رہتے ہیں۔ نیز اپنی رعایا کے بڑے اعمال کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور چھوٹے اعمال سے بے پرواہ مگر رب تعالیٰ کی نظر کرم ہر چھوٹی بڑی مخلوق پر اور ان کے ہر اعلیٰ و ادنیٰ اعمال پر ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی ہر نیکی کو وہاں پائے گا اور دوسری آیت میں معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے نیکیاں' برباد بھی ہو جاتی ہیں۔ ان تحبط اعمالکم ان آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں فرمایا گیا وما تقدموا تم جو بھلائی آگے بھیج دوگے اسے پاؤ گے اور وہی بھلائی آگے جاتی ہے جو شرائط ادا اور شرائط قبول کے ساتھ ہو اور پھر اس پر کوئی برباد کرنے والی آفت بھی نہ پہنچ جائے۔ لہذا جو نیکیاں خلاف قاعدہ کی گئیں یا جو یہاں ہی برباد ہو گئیں وہ آگے گئی ہی نہیں انہیں پائیں گے کیسے۔ دوسرے یہ کہ انسان اپنی ہر بھلائی کو وہاں دیکھ تو لے گا مگر ثواب اس کا ہی پائے گا جو بربادی سے بچ رہی۔ کافر مردہ بھی قبر میں جنت دیکھتا ہے مگر اس سے محروم یہاں فرمایا گیا۔ تجدوہ جو سب کو شامل ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ ہمارے انہیں کاموں کو دیکھتا ہے جو ہم کرتے ہیں۔ یعنی ہمارے کرنے سے پہلے وہ بے خبر ہوتا ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا بما تعملون بصیر اور یہ عیب ہے۔ ادھر ہر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ والے تو لوگوں کی پیدائش سے صدہا سال پہلے ان کو اور ان کے اعمال کو دیکھتے ہیں۔

بلکہ قبل از زادن تو سال ہا مر ترا بیند بچندیں حال را

تو کیا اولیاء اللہ کا علم خدا کے علم سے زائد ہے۔ جواب: حق تعالیٰ ہمیشہ سے سننے اور دیکھنے والا ہے مگر دنیا کی ہستی سے پہلے اس کا دیکھنا اور قسم کا تھا اور اس کی ہستی کے بعد دوسری قسم کا بلا تشبیہ۔ یوں سمجھو کہ ہم عمارت بنانے سے پہلے اس کا سارا نقشہ اپنے ذہن میں لے لیتے ہیں اور پھر اسے کاغذ پر مکمل طور پر کھینچ کر معمار کو بتادیتے ہیں۔ جس کے مطابق عمارت بنتی ہے تو ہم کو اس عمارت کا تین طرح علم حاصل ہوا۔ ایک خیالی خاکہ کا دوسرے کاغذ پر نقشہ کا۔ تیسرے بن چکنے کے بعد خود اس عمارت کا

www.alahazratnetwork.org

علم ظہور تو بن چکنے کے بعد ہوا۔ مگر دوسری قسم کا علم اس سے پہلے بھی تھا۔ رب تعالیٰ ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا اور دیکھتا ہے پھر اس نے علم کے مطابق لوح محفوظ میں عالم اور اس کے واقعات کا نقشہ کھینچا۔ فرشتوں نے اسی کے مطابق دنیاوی انتظامات کئے اور پھر اسی عالم بن جانے کے بعد بھی اس کو جانا اور دیکھا مگر یہ علم ظہور ہے اور وہ قبل ظہور یہاں کا جاننا دیکھنا مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب حق تعالیٰ ہمارے اعمال کو خود ہی دیکھتا اور جانتا ہے تو فرشتوں سے کیوں لکھواتا ہے۔ (آریہ) **جواب:** فیصلے کے لئے کیونکہ فیصلہ حاکم کے ذاتی علم پر نہیں بلکہ قانون کے مطابق ہوتا ہے۔ قانون قدرت یہ ہے کہ بندوں کا فیصلہ خفیہ پولیس کی رپورٹ اور خود ملزم کے اعضاء کی گواہی پر ہو۔ یہ سب کچھ اسی لئے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا انسان کے لئے کمانے کی جگہ ہے۔ جو کچھ یہاں کما کر اپنے وطن بھیج دے گا وہ وہاں پہنچ کر اس کے کام آئے گا۔ البتہ یہاں تو بھیجا ہوا روپیہ کبھی مارا بھی جاتا ہے اور کبھی وطن پر پہنچ کر برباد ہو جاتا ہے لیکن وہاں کے متعلق فیصلہ ربانی ہے کہ نہ مارا جائے اور نہ برباد ہو جب انسان مرتا ہے لوگ کہتے ہیں فلاں نے کیا چھوڑا اور ملائکہ پوچھتے ہیں کہ وہاں سے کیا لایا۔ ایک دن عمر رضی اللہ عنہ بقیع یعنی مدینہ پاک کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اے قبروں والو ہماری خبریں سن لو۔ تمہاری بیویوں نے دوسروں سے نکاح کر لیا اور تمہارے گھر اوروں سے آباد ہو گئے اور تمہارے مال تقسیم ہو چکے ایک غیبی آواز آئی کہ اے ابن خطاب ہماری خبریں بھی سن لو جو ہم نے آگے بھیجا تھا وہ پالیا اور جو کچھ راہ مولیٰ میں خرچ کر آئے تھے مع نفع کے وصول کر لیا جو کچھ چھوڑ آئے اس پر ندامت ہے۔ (روح البیان)۔ اے اللہ کے بندو جب یہ بات طے ہے کہ جو کماؤ گے سو پاؤ گے اور جو کچھ بھیجو گے اس میں سے کچھ نہ مارا جائے گا۔ لہٰذا "اپنا یہ موقعہ کیوں کھوتے ہو اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جو کچھ اپنے لئے اگلی بھلائی کر جاؤ گے یعنی ایسا عمل کر جاؤ گے کہ تمہارے بعد صدقہ جاریہ ہو کر باقی رہے تو اس کا اجر مرنے کے بعد بھی اللہ کے ہاں پاتے رہو گے۔ صوفیائے کرام حدیث کے مطابق فرماتے ہیں کہ انسان کے مرتے ہی اس کے سارے عمل بند ہو جاتے ہیں سوا اس کی چار اولادوں کے ایک تو مالی اولاد جیسے مسجدیں اور پل' دوسرے اس کی علمی اولاد جیسے دینی کتاب اور شاگرد تیسرے اس کی بدنی اولاد جیسے وہ نیک بچہ جو اس کے لئے دعائے خیر کرتا رہے اور چوتھے اس کی روحانی اولاد جیسے نیک مریدین۔ شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ بوستان میں فرماتے ہیں۔

از آں کس کہ خیرے بجا ماند رواں دما دم رسد رحمتش برروان

نمرد آنکہ ماند پس از وے بجائے پل و مسجد و خوان و مہمان سرائے

دگر رفت و آثار خیرش بجائے نہ شائد پس مرگ الحمد خواند

بندہ گنہگار احمد یار بارگاہ کرد گار میں عرض گزار ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی اس تفسیر میں اخلاص فرمائے اور اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور مصنفین مقبولین کے صدقہ میں اس کو میرے واسطے صدقہ جاریہ بنائے اور جو حضرات میرے الفاظ سے فائدہ اٹھائیں وہ میرے واسطے مغفرت و رحمت کی دعائیں مانگیں کہ میں نے اس لالچ میں یہ مشقت اٹھائی ہے اور کبھی مجھ کو اپنی دعاؤں میں یاد کر لیا کریں۔

اے کہ برما میروی دامن کشاں از سرے اخلاص احمدے نجواں

www.alahazratnetwork.org

وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ

اور کہا انہوں نے ہرگز نہیں داخل ہوگا جنت میں مگر وہ جو ہو یہودی یا

اور اہل کتاب بولے ہرگز جنت میں نہ جائے گا مگر وہ جو یہودی ہو یا

نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

عیسائی یہ خواہشات ہیں ان کی فرمادو لاؤ تم دلیل اپنی اگر ہو تم

نصرانی ہو یہ ان کی خیال بندیاں ہیں تم فرماؤ لاؤ تم دلیل اپنی ہو تم

صٰدِقِيْنَ * بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ

سچے ہاں جو جھکادے چہرہ اپنا واسطے اللہ کے اور وہ بھلائی

سچے ہو ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا منہ جھکایا اللہ کے لئے اور وہ

فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

کرنے والا ہو پس واسطے اس کے ثواب ہے اس کا پاس رب اس کے کے اور نہیں ہے ڈر

نیکوکار ہے تو اس کا نیگ اس کے رب کے پاس ہے، اور انہیں نہ کچھ اندیشہ

يَحْزَنُوْنَ *

اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہونگے

ہو اور نہ کچھ غم

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے بتایا گیا تھا کہ یہود مسلمانوں کو شبہات میں ڈال کر اسلام سے علیحدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ وہ جنت کا لالچ دے کر بھی مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ تم کتنے بھی اعمال کرو بغیر یہودی بنے ہوئے جنت کی بو نہیں پاسکتے۔ **دوسرا تعلق:** پہلے مسلمانوں کو نیک اعمال کی رغبت دی گئی تھی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہمیں اعمال کی ضرورت نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ جو کرو گے وہ رب کے نزدیک پاؤ گے۔ اب یہودی یہودی کا ذکر ہے کہ وہ بغیر کئے بھی پانے کے امیدوار بنے بیٹھے ہیں۔

شان نزول: ایک بار نجران کے عیسائی اور مدینہ کے یہودی حضور علیہ السلام کی خدمت میں جمع ہو کر آپس میں مناظرہ کرنے لگے ان میں سے ہر ایک نے دوسرے کو جھوٹا کہا۔ یہودی بولے کہ جنت میں یہود کے سوا کسی کا داخلہ نہیں ہو سکتا۔ عیسائیوں نے جواب دیا کہ عیسائیوں کے سوا کسی کو بھی جنت نہیں مل سکتی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر روح البیان)۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **و قالوا** اس کے قائل یہودی اور عیسائی دونوں ہیں۔ اگرچہ پہلے سے یہود کا ہی ذکر آرہا ہے لیکن یہاں ضمیر میں عیسائیوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ کیونکہ وہ دونوں کفر اور شیخی اور مسلمانوں کو بہکانے میں یکساں تھے۔ **لن یدخل الجنۃ** کہ جنت میں رہنا تو بہت بڑی بات ہے، کوئی وہاں داخل بھی نہ ہو گا بلکہ وہاں تک پہنچے گا بھی نہیں اگرچہ سارے پیغمبروں پر ایمان لائے اور اپنی ساری عمر عبادت الٰہی میں خرچ دے۔ **الا من کان ھودا** " سوائے اس کے جو یہودی ہو یہ یہود کا قول ہے اس لئے کہ عیسائی یہ نہ کہہ سکتے تھے یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ ہم نیک اعمال کریں یا نہ کریں۔ بہرحال جنتی ہیں کیونکہ ہم بذریعہ اسحاق حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ہمارے متعلق رب نے ابراہیم علیہ السلام سے جنت دینے کا وعدہ کر لیا۔ رب تعالیٰ پر اپنے وعدہ کا پورا کرنا لازم ہے۔ **ھود** جمع **ھائد** کی ہے۔ جس کے معنے ہیں توبہ کرنے والا۔ قرآن فرماتا ہے **انا ھدنا الیک** چونکہ انہوں نے بہت سخت توبہ کی تھی اس لئے ان کا یہ نام ہوا **او نصری** یہ عیسائیوں کا قول ہے کیونکہ یہودی یہ نہ کہہ سکتے تھے عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ ہم بہرحال جنتی ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکی **نصاریٰ** جمع **نصران** کی ہے۔ جیسے سکارے جمع سکران۔ اس کے معنے ہیں مددگار، چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں یعنے ساتھیوں نے ان سے مدد کرنے کا وعدہ کیا تھا اس لئے ان کا نام نصارے ہوا۔ یہود و نصاریٰ دونوں بڑے اچھے نام تھے لیکن اب ان کا علم بن کر رہ گئے جیسے کالے آدمی کو کہہ دیتے ہیں بھورے خاں، یہ آیت در حقیقت دو جملوں کا مختصر ہے۔ یعنے یہود تو کہتے تھے کہ یہود کے سوا جنت میں کوئی نہیں جائے گا اور عیسائی کہتے تھے کہ عیسائیوں کے سوا جنت میں کوئی داخل نہ ہو گا ان کی تردید میں ارشاد ہوتا ہے کہ **تلک امانیھم** یہ ان کی فقط خیالی باتیں ہیں **امانی** **امنیۃ** کی جمع ہے اور امنیہ اصل میں امونیۃ تھا اس کا مادہ ہے منی جس کے معنی ہیں خواہش جیسے **اعجوتہ** کی جمع **اعاجیت** اہل عرب ہر بے دلیل بات کو تمنی **امنیۃ** غرور اور ضلال اور احلام کہہ دیتے ہیں۔ (تفسیر روح البیان)۔ چونکہ اس کی قائل دو جماعتیں تھیں اس لئے امانی جمع بولا گیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تلک سے ان کی تمام بکواس اور برے ارادے مراد ہوں یعنی مسلمانوں کو مرتد بنانا اور ان پر کسی بھلائی کا نہ اترنا اور ان کا جنت سے محروم رہنا یہود و نصاریٰ کے غلط خیالات اور جھوٹی خواہشات ہیں ان کی تردید کے لئے فرمایا جاتا ہے کہ **قل ھاتوا برھانکم** اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانو ان دونوں قوموں سے فرما دو کہ اپنے اس دعوے پر دلیل لاؤ، **ھاتوا** اور اور اصل **اتوا** تھا۔ ایتاء کا امر جس کے معنی ہیں لانا ہمزہ ھ سے بدلا اور یہ امر یا تعجب کا ہے یا عاجز کرنے کا۔ کیونکہ ان کے پاس کوئی دلیل تھی ہی نہیں **برھان**۔ برہ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں روشن ہونا یا برھۃ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں مضبوطی، اصطلاح میں پکی اور قوی دلیل کو برہان کہتے ہیں کیونکہ اس سے دعوے مضبوط یا روشن ہوتا ہے یہاں برہان سے مراد صرف عقلی دلائل نہیں کہ یہ مسئلہ یعنی دوزخی ہونا وہاں کا مسئلہ ہے جہاں عقل کام نہیں کرتی بلکہ توراۃ کی صریح آیت یا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا صریحی فرمان مراد ہے جو ان تک بہ طریق تواتر پہنچا ہو۔ یعنی ان صحابہ کا جنتی ہونا قرآنی آیات اور نبی آخر الزمان کے قول سے ثابت ہے تم ان کا جنتی نہ ہونا توراۃ کی صریحی آیت سے ثابت کرو مگر اس تحریف شدہ توراۃ میں بھی کوئی ایسی آیت تم کو نہیں ملے گی۔ جس سے یہ اہم مسئلہ ثابت ہو۔ **ان کنتم صدقین** اگر تم سچے ہو کیونکہ کوئی دعویٰ بغیر دلیل قابل قبول نہیں۔ اس مختصر سے جملے میں ان دونوں قوموں کا اجمالی اور تفصیلی رد کر دیا گیا اور جب وہ دونوں قوی تو کیا ضعیف سی دلیل بھی نہ پیش کر سکے تو فرمایا گیا بلی

www.alahazratnetwork.org

یہ حرف ایجاب ہے۔ جس سے منفی کا ثبوت ہوتا ہے بلکہ اس جگہ تو اس میں ثبوت اور نفی دونوں ہیں' انہوں نے کہا تھا کہ ہم جنت میں جائیں گے اور ہمارے سوا کوئی نہیں جائے گا' ان کو جواب دیا گیا کہ ہاں تم نہ جاؤ گے' بلکہ تمہارے سوا وہ لوگ جائیں **من اسلم وجهه لله** جنہوں نے اپنا منہ رب کے سامنے جھکا دیا **اسلم** اسلام سے بنا ہے۔ جس کا مادہ ہے سلم اس کے معنی ہیں ظاہری اور باطنی آفات سے بچ جانا' اسلام' سلامتی میں داخل ہونا یا کوئی چیز بلا شرکت دوسرے کو سونپ دینا' شریعت میں اسلام کی دو صورتیں ہیں' ایک تو زبان سے دینی باتوں کا اقرار کرنا' دوسرے دل سے اعتقاد۔ اور زبان سے اقرار کرنا چونکہ ایسا شخص اپنے کو عذاب سے بچا لیتا ہے اور اپنی ذات اور اپنی عبادات اور اعمال کو خالص رب کے لئے قرار دیتا ہے اس لئے اس کو مسلم اور اس کے عقیدے کو اسلام کہتے ہیں یہاں اسلام کے دوسرے ہی معنی مراد ہیں یعنی عقائد اور اقرار میں درست **وجهه** کے لفظی معنی ہیں سامنے والی چیز اور چہرہ بھی سامنے ہی ہوتا ہے اس لئے اسے وجہ کہتے ہیں اور کبھی ذات کو یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں یعنی جس نے اپنی ذات یا اپنے چہرے یا اپنی توجہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر دیا یا جھکا دیا اور اپنے کو آفات سے بچا لیا' پھر فقط اسی پر قناعت نہ کی بلکہ **هو محسن** اور نیکوکار بھی رہا یعنی درستی عقائد اور اقرار کے ساتھ اپنے اعمال بھی سنبھالے وہ حکمت نظری تھی اور یہ حکمت عملی کیونکہ اسلام ایک بار ہی قبول کیا جاتا ہے اور اعمال بار بار اس لئے وہاں ماضی فرمایا اور یہاں جملہ اسمیہ جس نے یہ سب کچھ کر لیا۔ **فله اجره** اس کو اس کا ثواب ملے گا' اجر عمل کے اس معاوضہ کو کہتے ہیں جس کا پہلے سے وعدہ کر لیا جائے جیسے اجرت اور مزدوری یہاں اس سے جنت کا داخلہ مراد ہے اور اسے اجر اس لئے فرمایا کہ اس کا عمل سے قوی تعلق ہے اس کے بغیر جنت کی امید کرنا باطل خیال ہے۔ **عند ربه** اس اجر کے ضائع ہونے کا انشاء اللہ اندیشہ نہیں بلکہ وہ رب کے نزدیک ثابت ہو چکا ہے اور عادل بادشاہ مزدور کی اجرت نہیں روکتے اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ **ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون** قیامت کے دن یا جنت میں جاتے وقت نہ تو انہیں آئندہ کا ڈر ہو گا اور نہ پچھلی باتوں پر غم یا دنیا میں بھی انہیں' غیر خدا کا وہ خوف اور غم نہیں ہو گا جو انہیں ایمان و عمل سے روک دے اور انہیں مضر ہو۔ رب کا خوف جہنم کا ڈر' خرابی خاتمہ کا اندیشہ جو ان کے لئے مفید ہے۔ وہ ضرور ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اہل کتاب تمہیں بہکانے کی بہت تدبیر کرتے ہیں' اسلام پر اعتراض کرنے اور تمہارے دلوں میں شکوک ڈالنے کے علاوہ تمہیں غلط لالچ بھی دیتے ہیں کہ یہود تو کہتے ہیں کہ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہ جائے گا کیونکہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ ہم اکیلے ہی جنت کے ٹھیکیدار ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہم سب کی طرف سے سولی پا کر ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کر گئے' ہم کچھ بھی نہ کریں تو جنتی ہیں اور تم سب کچھ کرو تو بھی جنتی نہیں۔ مگر مسلمانو یہ ان کے فاسد خیالات اور محض نفسانی خواہشات ہیں۔ جن کا ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تم ان کی یوں آزمائش کرو کہ ان سے کوئی' قوی دلیل مانگو اور کہو اگر سچے ہو تو اپنی کتابوں سے ہی دلیل لاؤ' نہ وہ دلیل دے سکتے ہیں نہ دے سکیں گے' نہ توریت میں یہ ہے' نہ انجیل میں نیز یہ عقیدہ عقل کے بھی خلاف ہے کہ خداوند تعالیٰ تمام انسانوں کا رب ہے ہر قوم ہر ملک سے اس کی یکساں نسبت ہے' کوئی خاص قوم یا ملک اس کی رحمت کے حقدار نہیں بلکہ جو بھی عربی' عجمی' حبشی' چینی وغیرہ اس کے آگے اپنا سر جھکا دے اور اس کے ہر حکم کو بے چون و چرا مان لے اور نیکوکار بھی ہو' اس کا بدلہ ضرور ملے گا خدا کے پاس' جہاں اسے ہمیشہ رہنا ہے

www.alahazratnetwork.org

اور وہاں پہنچ کر نہ تو انہیں اپنے مرنے اور قرابتداروں سے چھوٹنے' بڑھاپا آنے' یا بیماریوں کے ستانے' یا تنگ دستی کے غالب آنے' یا جنت سے باہر نکالے جانے' یا دشمن' یا کسی بادشاہ کے ایذا دینے' یا خدا کے ناراض ہونے کا ڈر ہو گا اور نہ اپنی گزشتہ عمر برباد کرنے کا غم کہ ہائے میں دن رات دولت جمع کرنے' عمدہ مکان و باغ بنانے' دنیوی عزت حاصل کرنے میں سرگرداں رہا اور غلط مذہب کی پابندی سے بڑی بڑی محنت اٹھا تا رہا' رب کی نعمتیں چھوڑیں گنگا جمنا میں غوطے لگائے گرجوں میں صلیب کو پوجا اور ان میں سے کوئی چیز ہمارے کام نہ آئی بلکہ انہیں دائمی آرام خوشی میسر ہو گی۔ فائدے: خیال رہے کہ بعض باتیں بالکل ظاہر و بدیہی ہوتی ہیں جن پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی' جیسے دن کے وقت سورج کی ہستی و طلوع بعض چیزیں نہایت راز میں ہوتی ہیں۔ جنہیں نظری کہا جاتا ہے پھر یہ نظری چیزیں بعض بہت اہم ہیں۔ بعض معمولی اہم۔ دعوے کے لئے قوی دلیل چاہئے جیسے زنا' قتل کا ثبوت' معمولی دعوے کے لئے معمولی دلیل جیسے رمضان کا چاند جس میں صرف ایک کی خبر کافی ہے۔ چونکہ یہود کا دعوے تھا کہ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہ جیسی ہستیاں جنتی نہیں بلکہ دوزخی (معاذ اللہ) ہیں تو فرمایا گیا کہ اس مسئلہ پر معمولی دلیل کافی نہیں بلکہ برہان یعنی قوی دلیل لاؤ' قرآن مبین کا فرمان تو یہ ہے کہ یہ حضرات جنتی ہیں تم کہتے ہو کہ دوزخی ہیں۔ تم قرآن سے زیادہ قوی دلیل لاؤ جس سے ان کا غیر جنتی ہونا ثابت ہو۔ اس آیت سے روافض کو عبرت پکڑنی چاہئے کہ رب نے ان یہود سے برہان مانگی جو صحابہ کے جنتی ہونے کے انکاری تھے ان کے جنتی ہونے کے براہین موجود ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عقائد اور اعمال سے کوئی بھی مستغنی نہیں نبی زادہ' پیر زادہ' سید زادہ' شاہزادہ' مولوی زادہ جو بھی بے ایمان ہو جہنمی ہے اسی طرح ان میں کسی کے لئے نماز' روزہ معاف نہیں۔ ایسے عقیدے تو یہود اور نصاریٰ کے تھے۔ جن کی یہاں تردید کر دی گئی۔ دوسرا فائدہ: اسلام کے عقائد اور احکام پر قوی دلائل قائم ہیں۔ دیگر مذاہب ویسے ہیں اگر ہمیں اپنی کسی دلیل کی خبر نہ ہو تو ہمارا قصور ہے۔ تیسرا فائدہ: عقائد میں دلیل ضروری ہے کسی کو کشف و الہام یا تقلید کا اختیار نہیں یہاں صرف دلیل مانگی گئی' ہاں انبیاء کرام سے دیگر احکام کہ ان کا فرمان ہی قوی دلیل ہے۔ چوتھا فائدہ: ہر مدعی کو دلیل دینا ضروری ہے۔ خواہ وہ نفی کا دعویٰ کرے یا ثبوت کا' یہود و نصاریٰ نے یہاں نفی ہی کا دعویٰ کیا تھا جس پر دلیل کا مطالبہ ہوا۔ پانچواں فائدہ: اعمال پر ایمان مقدم ہے کہ بعض صورتوں میں بغیر عمل نجات ہو سکتی ہے لیکن بغیر ایمان نجات ناممکن اور بغیر ایمان عمل بے کار لیکن عمل بغیر ایمان نہیں اس لئے یہاں اسلام کا ذکر ہوا اور احسان کا بعد میں۔ چھٹا فائدہ: تمام اعضاء میں چہرہ اشرف اور افضل ہے اور ساری عبادات میں سجدہ اعلیٰ (تفسیر کبیر)۔ ساتواں فائدہ: نیک اعمال جب ہی مفید ہوں گے جب شریعت کے مطابق ہوں گے۔ اس واسطے فرمایا گیا **وهو محسن** آٹھواں فائدہ: صحابہ کا جنتی ہونا قطعی یقینی' برہانی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و کلا وعد الله الحسنی** اب جو انہیں جنتی نہ مانے وہ قرآن کی صریحی آیت ان کے کفر کی پیش کرے۔ ان کے جنتی ہونے کا انکار فعل یہود ہے اور انہیں دوزخی ماننے والا یہودی ہے۔ اس سے روافض عبرت پکڑیں۔ نواں فائدہ: جواز استحباب ثابت کرنے کے لئے بہت معمولی دلیل کافی کہ یہ مسئلہ معمولی ہے مگر کسی چیز کو حرام یا کسی کو کافر ثابت کرنے کے لئے بہت قوی دلیل درکار ہے۔ دیکھو یہود سے برہان مانگی گئی۔ اس سے وہابی لوگ عبرت پکڑیں جو ہم سے جواز استحباب کے لئے قرآن یا حدیث مانگتے ہیں اور خود بلا دلیل ہر بات کو حرام کہہ دیتے ہیں اور بزرگان دین کو

www.alahazratnetwork.org

جو عرس میلاد وغیرہ کے قائل ہیں انہیں مشرک قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ شرک و کفر ثابت کرنے کو بڑی برہان کی ضرورت ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: مسلمان یہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنتی نہیں، پھر یہود و نصاریٰ میں اور ان میں کیا فرق ہوا؟ جواب: اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہود، نصاریٰ اپنے کو اعمال اور صحیح عقائد سے بے نیاز مانتے تھے مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں، دوسرے یہ کہ ان کا یہ قول بلا دلیل ہے۔ جس کا ان کی کتابوں میں بھی ثبوت نہ تھا بلکہ ان کی کتابوں سے نبی آخر الزمان کی تشریف آوری اور ان کی امت کی نجات ثابت تھی اور مسلمانوں کے دعویٰ کا قرآن پاک سے ثبوت ہے ایک تو یہی آیت من اسلم پکار رہی ہے۔ دوسری آیت ومن یبتغ غیر الاسلام دینا" فلن یقبل منہ۔ الآیۃ صاف بتا رہی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہود و نصاریٰ نے اپنے اصلی عقائد بدل دیئے اور گھڑے ہوئے مشرکانہ عقائد کو مدار نجات سمجھ بیٹھے ہمسلمان اصل قرآنی عقائد کو مدار نجات سمجھتا ہے۔ اب بھی اگر کوئی مدعی اسلام جیسے قادیانی، دیوبندی وغیرہ غلط عقائد پر نجات مانے جھوٹا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجر کے لئے ایمان و عمل دونوں ضروری ہیں۔ تو چاہیے کہ گنہگار مسلمان کبھی نجات نہ پائے۔ جواب: خالص اور یقینی اجر کے لئے بے شک اعمال بھی ضروری ہیں گنہگار مسلمان کا اجر خالص ہونا یقینی نہیں۔ ممکن ہے کہ شفاعت وغیرہ سے معافی ہو جائے اور ممکن ہے کہ عذاب پا کر اجر ملے۔ نیز قیامت کے خوف و غم سے آزاد ہونے کے لئے بھی اعمال ضروری ہیں۔ گنہگاروں کو وہاں خوف بھی ہو گا اور غم بھی۔

تفسیر صوفیانہ : یہود کہتے ہیں کہ ان کی جنت یعنی جنت افعال اور جنت نفس اور عالم ملک میں وہی جائے گا جو یہودی ہو۔ اور عیسائی کہتے ہیں کہ جنت باطن یعنی جنت صفات اور جنت قلب اور عالم ملکوت میں وہی جائے گا جو عیسائی ہو۔ یہ سب ان کی خواہشات اور ان کی حدود ہیں کہ ملک و ملکوت اور نفس و قلب میں پھنس کر رب سے محجوب رہ گئے اور اس پر بھی ان کے پاس کوئی دلیل نہیں اگر سچے ہیں تو پیش کریں حق یہ ہے کہ جو اپنی ذات و صفات اور عوارضات کو بالکل محو کر کے ذات خالق میں فنا کر دے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ بقاء بعد فنا میں صحیح رہے کہ اپنے اعمال میں اپنے رب کا مشاہدہ کرے اور اپنے وجود حقانی نے اس کو ہر غیب شہود ہو جائے تو اس کو ملک ملکوت بلکہ اس سے بھی اعلیٰ اجر جس سے کہ یہود و نصاریٰ محروم رہ گئے ملے گا اور اس کے سوا نہ تو انہیں ذات کے حجاب اور نفس کے بقاء کا خوف ہو گا اور نہ انہیں جمال یار کے غائب ہونے کا اندیشہ۔ احسان کے تین درجے ہیں ایک احسان شرعی کہ ایسے اعمال کرنا جس پر شرعاً کوئی الزام نہ آئے۔ دوسرے احسان وصفی جس کی تفسیر یہ حدیث کرتی ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی ایسی عبادت کر گویا کہ تو اسے دیکھتا ہے "اگر اس پر قادر نہ ہو تو ایسی کہ وہ تجھے دیکھتا ہے" تیسرے احسان ذاتی یا احسان باطنی جس کی حقیقت اس حدیث قدسی میں بیان ہوئی کہ میں اپنے ذاکر شاغل بندے کا کان، آنکھ، ہاتھ، پاؤں بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا، دیکھتا، چھوتا، چلتا ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس بندے کا جسم صفات الٰہی کا آئینہ بن جاتا ہے اب ان کے لئے خوف ہو تو کس سے اور غم ہو تو کس کا وہ تو غم خوف کی چیزوں کو پہلے ہی سے اس آگ میں جلا چکے۔ مولانا فرماتے ہیں؎

ہر کہ ترسد مورا ایمن کنند مردے ترسندہ راسا کن کنند

آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس درس چہ دہی نیست او محتاج درس

(تفسیر روح البیان و ابن عربی' خدایا ہم کو ان حضرات کے غلاموں میں سے بنا دے' جو مشاہدہ ذات میں دنیا و مافیہا سے بے

www.alahazratnetwork.org

خبر ہو چکے)۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ وَّقَالَتِ

اور کہا یہود نے نہیں ہیں عیسائی اوپر کسی چیز کے اور کہا

اور یہودی بولے نصرانی کچھ نہیں اور

النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ

عیسائیوں نے نہیں ہیں یہود اوپر کسی چیز کے حالانکہ وہ تو تلاوت کرتے

نصرانی بولے کہ یہودی کچھ نہیں حالانکہ وہ کتاب پڑھتے

الْكِتٰبَ ۗ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ

کتاب اسی طرح انہوں نے جو کہ نہیں جانتے مثل قول ان کے

ہیں اسی طرح جاہلوں نے ان کی سی بات کہی تو

فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ

کے پس اللہ فیصلہ کرے گا درمیان ان کے دن قیامت کے بیچ اس کے

تو اللہ قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا

يَخْتَلِفُونَ ۝

کرتے وہ بیچ اس کے اختلاف کرتے

جس بات میں جھگڑ رہے ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پہلے عیسائیوں اور یہودیوں کا متفقہ دعویٰ بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک صرف اپنے ہی جنتی ہونے کا دعویدار ہے۔ اب ان کے آپس کا اختلاف بیان ہو رہا ہے۔ کہ ان میں سے ہر ایک بھی دوسرے کو جنتی نہیں سمجھتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے جھوٹے ہونے کی چند وجہیں بیان کی گئیں کہ ان کے یہ دعوے بلا دلیل ہیں وغیرہ اب ان پر الزامی دلیل قائم کی جا رہی ہے کہ وہ خود ایک دوسرے کو بے دین سمجھتے ہیں کس منہ سے مسلمانوں کے سامنے آتے ہیں۔ چونکہ جواب الزامی جواب تحقیقی کے بعد ہوتا ہے اس لئے اس مضمون کو پیچھے بیان کیا گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں سے معلوم ہوتا تھا کہ اہل کتاب قرآن و اسلام کو جھٹلاتے تھے۔ جس سے

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کو دلی صدمہ اور روحانی رنج ہوتا تھا۔ اب رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی تسلی کے لئے فرمایا کہ تم ان کی بکواس سے غم نہ کرو ان کی تو عادت ہی ہے۔ اگر یہ تمہیں جھٹلاتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے کی کب رعایت کرتے ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ جو مسلمان اور نیکوکار ہو وہ جنتی ہے' جسے اے اہل کتاب چونکہ تم میں یہ دونوں وصف نہیں لہٰذا تم جنتی نہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تم نے کہا تھا! دیکھو یہ خود اپنے منہ سے ایک دوسرے کے جہنمی ہونے کا اقرار کرکے ہماری تائید کر رہے ہیں۔

شان نزول: تفسیر عزیزی و خزائن العرفان وغیرہ نے اس جگہ وہ مناظرہ بیان کیا جس کا تذکرہ ہم پہلی آیت میں کر چکے کہ نجران کے عیسائی حضور علیہ السلام کی ملاقات کے لئے حاضر ہوئے مدینہ منورہ کے یہودی بھی انہیں دیکھنے آ گئے۔ رافع ابن حرملہ یہودی عالم نے عیسائیوں سے کہا کہ تم بے دین ہو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور انجیل کا کلام الٰہی سمجھتے بیٹھے ہو حالانکہ نہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) پیغمبر اور نہ انجیل کتاب اللہ' تمہارا دین اصل سے ہی غلط ہے۔ نجرانیوں میں سے ایک نصرانی بولا کہ تم بے دین ہو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر اور توراۃ کو کتاب الٰہی مانے ہوئے ہو۔ حالانکہ نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پیغمبر تھے اور نہ توراۃ آسمانی کتاب اسی پر خوب شور مچا انہوں نے ایک دوسرے کو کافر اور بے دین بتایا حضور علیہ السلام ناخوش ہوئے اور فرمایا کہ تعجب ہے کہ توراۃ و انجیل ایک دوسرے کی تصدیق کریں اور تم تکذیب حضور علیہ السلام کی تائید میں یہ آیت کریمہ اتری۔ ممکن ہے کہ اس واقعہ پر یہ دونوں ہی آیتیں آئی ہوں اور پہلی آیت میں تو ان کے دعوے کا اجمالی ذکر کیا گیا ہو۔ اور اس آیت میں تفصیلی' خیال رہے کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کی حقانیت کو نہ مانتے تھے مگر عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی اور توراۃ کو سچی کتاب مانتے تھے اس لئے یہود کا انکار تو اپنے عقیدے کی وجہ سے تھا۔ لیکن عیسائیوں کا انکار محض ضد اور ہٹ دھری سے کہ اگر تم ہمارے نبی کو نہیں مانتے تو ہم بھی تمہارے نبی کو نہیں مانتے جیسے بعض سنی شیعوں سے مناظرہ کرتے وقت کہہ دیں کہ اگر تم صحابہ کو نہیں مانتے تو ہم بھی اہل بیت کو نہیں مانتے' یا بعض جاہل مسلمان عیسائیوں کے مناظرہ میں کہہ دیں کہ اگر تم ہمارے نبی کو نہیں مانتے تو ہم بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہیں مانتے۔

تفسیر: **وقالت الیھود** اس سے یا تو وہ علمائے یہود مراد ہیں جو اس مجلس میں موجود تھے۔ اور قول سے زبانی قول اور یا یہود سے عوام یہودی اور قول سے اعتقاد مراد' یعنی ان علمائے یہود نے دعویٰ کیا یا عام یہود نے یہ اعتقاد رکھا کہ **لیست النصریٰ علی شیء** کہ عیسائی کسی چیز پر نہیں' یا تو شیء سے مراد سچا دین مراد ہے یا عام چیز یعنی عیسائی سچے دین پر نہیں یا ان کی کوئی بات صحیح نہیں۔ اس کے جواب میں **وقالت النصریٰ** عیسائی بولے یہاں بھی وہی دو احتمال ہیں کہ ان نصرانی عالموں نے یہ دعویٰ کیا یا عام عیسائیوں نے یہ عقیدہ رکھا کہ **لیست الیھود علی شیء** یہود سچے دین پر نہیں یا یہود کی کوئی بات سچی نہیں' خیال رہے کہ یہودی نہ عیسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر مانتے ہیں اور نہ انجیل کو آسمانی کتاب اور عیسائی حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کو صحیح تو مانتے ہیں مگر کہتے ہیں ان کی نبوت اور توراۃ دونوں منسوخ ہو چکیں۔ لہٰذا یہود کا تو یہ مطلب تھا کہ عیسائیوں کی اصل بنیاد کہ انجیل ہی غلط ہے اور عیسائی یہ دعوے کرتے تھے کہ یہودیوں کی کتاب کبھی قابل عمل تھی۔ لیکن اب اس کو ماننا حماقت ہے۔ ان دونوں کا کلام تو یکساں ہے مگر مطلب جدا گانہ۔ خیال رہے کہ آسمانی کتاب کا ماننا اور ہے اس پر عمل کرنا کچھ اور عیسائیوں نے کہا تھا

www.alahazratnetwork.org

کہ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توراۃ کا ماننا ہی غلط ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور توراۃ کوئی چیز ہی نہیں۔ اس وجہ سے ان پر یہ عذاب ہو رہا ہے ہم مسلمان توراۃ و انجیل کو قابل عمل تو نہیں سمجھتے مگر ان کو مانتے ہیں ان پر ایمان رکھتے ہیں ان کے انکار کو کفر سمجھتے ہیں لہذا ہمارے عقیدے اور ان کے اس قول میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ **و ھم یتلون الکتب** وہ سب ہی آسمانی کتاب پڑھتے ہیں یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں اپنی اپنی کتابوں کے ماہر ہیں کیسے غلط کہا جائے یا یہ کہ وہ دونوں اس وقت اپنی اپنی کتاب پڑھ کر ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں اور ہر ایک اپنی کتاب سے دلیل دے رہا ہے۔ لہذا چاہئے کہ ان دونوں کو سچا مان کر سب سے ایک جدا جاؤ۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کو پڑھ کر فرماتے تھے کہ **صدقوا واللہ** خدا کی قسم یہ سب اس بات میں سچے ہیں کہ ان میں سے کوئی بھی ہدایت پر نہیں۔ ہدایت تو تیسرے دین یعنی اسلام میں ہے۔ یہ بدنصیب پڑھ لکھ کر بھی جاہل بن گئے کیونکہ **و کذلک قال الذین لا یعلمون** ایسے ہی تو ان جاہلوں نے بھی کہا تھا جو کتب الٰہی کے جاننے والے نہیں۔ یعنی مشرکین و دیگر کفار تو ان علماء اور ان جہلاء میں کیا فرق رہا۔ **مثل قولھم** یا تو کذالک کا بدل گویا ہے اور یا قال کا مفعول یعنی ان جہلاء نے انہیں کی طرح اور انہیں کی سی بات کہی ان بے وقوف عالموں نے اپنی علمی شان گنوا دی اور اپنے کو ان جہلاء میں داخل کر دیا بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک خود اپنے ہی قول سے جھوٹا ہے کیونکہ یہود بھی عیسائیوں کی بعض باتوں کو سچا جانتے ہیں۔ اور عیسائی یہودیوں کی مگر ایک دوسرے کو یہ کہتے ہیں کہ اس کی کوئی بات سچی نہیں۔ اس صورت میں ان دونوں کے درمیان تیسرا حاکم چاہئے۔ **فاللہ یحکم بینھم یوم القیمۃ** ان کا قطعی فیصلہ قیامت میں رب تعالیٰ فرمائے گا۔ یعنی اگرچہ حضور علیہ السلام نے دنیا میں ہی صحیح فیصلہ فرما دیا۔ مگر انہوں نے وہ قبول نہ کیا اب پروردگار آخرت میں ان کا ایسا فیصلہ فرمائے گا۔ جو انہیں ماننا ہی پڑے گا **فیما کانوا فیہ یختلفون** ان ساری باتوں کا فیصلہ ہو گا جس کے اندر یہ دنیا میں جھگڑتے تھے کہ ہر ایک کو بقدر کفر اور بعد گناہ سزا دی جائے۔

خلاصہ تفسیر : اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کے اقوال بہت قوی دلائل سے باطل کئے گئے تھے۔ اب ایک عجیب دلیل سے اور باطل کیا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم اس کو روتے ہو کہ اہل کتاب ہمیں برا کہتے ہیں ذرا ان کی آپس کی جوتے بازی تو دیکھو کہ اہل کتاب کے بڑے بھائی تو کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا کوئی دین مذہب ہی نہیں ان کے چند ڈھکوسلے ہیں جو ان کے پیشواؤں نے گھڑ لئے ہیں بھلا اندھیر تو دیکھو کہ توراۃ میں خدا کو ایک کہا گیا اور انہوں نے اس کے تین حصے کر ڈالے۔ باپ بیٹا اور روح القدس نہ اس سے پہلے کسی پیغمبر نے یہ کہا تھا اور نہ کسی کے وہم و گمان میں یہ بات آئی تھی اور پھر اس کو خدا کا بیٹا مانا جو بقول ان کے ہمارے ہاتھوں صلیب پر چڑھا دیا گیا۔ ستم تو دیکھو کہ گناہ تو یہ کریں اور ان کے عوض خدا کا بیٹا صلیب کی تکلیف برداشت کرے اور انہیں جرم و گناہ کرنے کی عام اجازت دی جائے کہ آئندہ ان کے گناہ پوپ صاحب معاف کر دیا کریں بھلا یہ بھی کوئی مذہب ہے' عیسائی یہ کہتے ہیں کہ یہود نے پچھلے نبی کو نہ مانا اور توراۃ میں دس احکام اور کچھ رسمی قاعدوں کے سوا دھرا ہی کیا ہے۔ پولوس مقدس فرماتے ہیں کہ توراۃ ظلمت کا پردہ ہے۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام (معاذ اللہ) جادوں کے استاد تھے ہم کو ان سے کوئی تعلق نہیں وہ رسمی مذہب بھی مسیح کے آنے سے بیکار ہو گیا (تفسیر حقانی) رب فرماتا ہے کہ بے باکیاں اور گستاخیاں انہیں پر کیا موقوف ہیں۔ ہر جاہل مذہب والے کیا کرتے ہیں۔ ہندو بھی اپنے سوا سب کو ملیچھ اور ناپاک کہتے ہیں۔ آریہ وغیرہ بھی ایسے ہی

www.alahazratnetwork.org

بے سری باتیں ہانکتے ہیں۔ جب یہ بھی تعصب میں اس طرح ڈھول دھپا کرنے لگے تو ان علماء اور جہلاء میں کیا فرق ہے۔ اچھا ٹھہر جاؤ اب ان کے جھگڑوں کو ہم ہی چکائیں گے اور ان کا فیصلہ جہنم کی آگ ہی کرے گی مگر مسلمانو! یہ باتیں سن کر اب تم کو ان کی بکواس سے برانہ ماننا چاہئے۔ کیونکہ ان میں نفسانیت ہے حقانیت سے ان کو کوئی واسطہ نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار سے صحیح نیت سے مناظرہ کرنا باعث ثواب ہے اور جھگڑے اور لوے اور ایک دوسرے کو ہرانے کے لئے مناظرہ برا اور طریقہ یہود و نصارے کا ہے۔ پچھلی آیت میں تو مسلمانوں کو کفار سے مناظرہ کرنے کا حکم دیا گیا اور اس آیت میں ان کے آپس کے مناظرہ کی برائی بیان ہوئی بلکہ اس مناظرہ کو مسلمانوں کے لئے جواب الزامی بنایا گیا۔ لہٰذا اس زمانہ کے عام مناظروں سے پرہیز چاہئے کہ ان میں ضد اور ہٹ دھرمی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ دوسرا فائدہ: بدنیت مناظر کبھی ایسی بات کہہ جاتا ہے کہ جو خود اس کے بھی خلاف ہوتی ہے جیسے یہاں عیسائیوں اور یہودیوں نے ایک دوسرے سے کہہ ڈالا کہ تمہاری کوئی بات سچی نہیں۔ یہ قول ان کے عقیدے کے بھی خلاف ہے۔ مناظرہ میں بہت سوچ سمجھ کر منہ سے بات نکالو اگر رافضی مناظر حضرات شیخین کا انکار کر دے تو تم اس کے مقابلہ میں اہل بیت اطہار کا انکار نہ کر بیٹھو۔ تیسرا فائدہ: مناظرہ کے لئے علم ہونا چاہئے کہ یہاں رب تعالیٰ نے اہل کتاب کا مناظرہ بیان فرما کر اپنی حکومت کا ذکر فرمایا۔ چوتھا فائدہ: مناظر کو چاہئے کہ مقابل کی کتابوں پر نظر رکھے اور ان کے دین وغیرہ سے واقف ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو کفار کی بکواس سنا کر یاد کرائی تاکہ انہیں مناظرہ میں کام آئے۔ پانچواں فائدہ: متعصب عالم جاہل کی مثل بلکہ اس سے بدتر ہے کہ اس کے کسی قول کا اعتبار نہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: مسلمانوں کے فرقے بھی ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر کہتے ہیں تو چاہئے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی طرح یہ سب گمراہ ہوں اور ان میں سے کسی کا اعتبار نہ رہے یا ان سب کو سچا مان کر سب کو بے دین مانا جائے۔ (عام مرتدین)۔ جواب: یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کی کتاب کے منکر اور اللہ کے انبیاء علیہ السلام کے انکاری تھے کہ یہود تو عیسائیوں کو انجیل اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے کی وجہ سے بے دین کہتے تھے۔ ایسی باتیں کرنے والے سب بے دین ہیں لیکن ہم جو دیوبندیوں، مرزائیوں، رافضیوں وغیرہ کو گمراہ اور کافر کہتے ہیں۔ اس لئے نہیں کہ وہ قرآن کو مانتے ہیں یا ان کے پاس جو قرآن ہے وہ کتاب اللہ نہیں بلکہ اس لئے کہ انہوں نے کما حقہ، مانا نہیں اور اس کی بعض آیتوں کا درپردہ انکار کیا۔ یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو تورات انجیل ماننے پر کافر کہتے تھے۔ اور ہم نہ ماننے پر لہٰذا فرق ہو گیا اگر ہر مناظر گمراہ ہو تو ان آیتوں میں بلکہ سارے قرآن میں مناظرہ ہی ہے۔ ہم تو یہود و نصاریٰ کو بھی اسی لئے کافر نہیں کہتے کہ وہ تورات انجیل مانتے ہیں بلکہ اس لئے کہ قرآن کو نہیں مانتے اور ہمارے نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کے سارے مذہب سچے ہیں۔ دیکھو یہود و نصاریٰ نے ایک دوسرے کو کافر کہا۔ تو رب تعالیٰ نے ان دونوں پر ناراضگی فرمائی۔ معلوم ہوا کسی کو کافر نہیں کہنا چاہئے۔ (عام نیچری اور بعض مرزائی)۔ جواب: یہاں ناراضگی کی وجہ یہ ہے کہ ہر ایک نے جوش میں آکر دوسرے دین کے سچے پیغمبر کا انکار کر دیا اور ان کی اصل کتاب کا انکار کر ڈالا۔ یا ان کی ہر بات کو (علی شیء) کہہ کے غلط کہہ دیا۔ حالانکہ ان میں کوئی نہ کوئی بات تو اب بھی اچھی ہے اسی لئے ہم کو حکم ہے کہ موجودہ تورات و انجیل کا بے دھڑک انکار نہ کریں

www.alahazratnetwork.org

بلکہ یوں کہیں کہ جو اللہ نے اتاری اسی پر ہمارا ایمان اگر سارے دین سچے ہی ہیں تو ان آیتوں کے کیا معنی ہوں ان الدین عنداللہ الاسلام۔ الیوم اکملت لکم دینکم' و من یبتغ غیر الاسلام دینا"۔ قل یا یھا الکفرون وغیرہ بلکہ قرآن مجید کی تعلیم ہی غلط ہو جائے گی کیونکہ اس نے اول سے آخر تک کفار کی برائی اور مسلمانوں کی تعریف فرمائی بلکہ پھر تو خنزیر حلال بھی ہو گا حرام بھی۔ ماں بہن سے نکاح کرنا جائز بھی ہو گا اور ناجائز بھی۔ کیونکہ ان چیزوں کو بعض دین حلال کہتے ہیں اور بعضے حرام اور تمام دین سچے "ابوالکلام آزاد صاحب نے بھی 'ہندوؤں کو خوش کرنے کے لئے اپنی تفسیر سورۂ فاتحہ میں لکھا کہ ہر مذہب سچا ہے۔ جس میں رہ کر نیک اعمال کئے جائیں تو نجات ہو گی۔ انہوں نے ان جیسی آیات سے دھوکا کھایا اور لکھا کہ ہر اصلی مذہب اسلام ہے اور اس کا پیروکار مسلم ہے۔ جہاں کہیں فرمایا گیا۔ اللہ کا پسندیدہ دین اسلام ہے۔ وہاں مراد ہر دین ہے۔ (نعوذباللہ) ہر دین اسلام ہوتا تو رب کا یہ فرمان غلط ہو جاتا کہ" ھو سمکم المسلمین رب نے صرف تمہارا نام مسلمان رکھا پھر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے جہاد کن پر کیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا۔ دوسری جگہ فرمایا حتی یحکموک وہ آپ کو اپنا حاکم مانیں 'یہاں معلوم ہوا کہ قیامت کے دن فیصلہ ہو گا۔ دوسری جگہ فرمایا لتحکم بین الناس کہ آپ ان کا دنیا میں ہی فیصلہ فرمادیں۔ ان آیتوں میں مطابقت کیونکر ہوں۔ **جواب:** زبانی فیصلہ تو قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا میں فرمادیا لیکن سزا و جزا دے کر عملی فیصلہ قیامت میں رب تعالیٰ فرمائے گا۔ **چوتھا اعتراض:** کذالک ورمثل قولھم کے ایک معنی ہیں۔ پھر اس آیت میں دونوں لفظ کیوں لائے گئے 'ایک ہی تشبیہ کافی تھی۔ **جواب:** کذلک سے طریقہ گفتگو اور مثل قولہم سے کلام میں تشبیہ دی گئی۔ یعنی ایسی ضد اور ہٹ دھرمی سے اسی قسم کی بیہودہ باتیں ان جہلاء نے بھی کہی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ : ظاہر باطن کا حجاب ہے۔ ظاہر میں پھنسا ہوا آدمی باطن تک نہیں پہنچ سکتا۔ یہ عیسائی اور یہودی دوئی کی جنجھٹ میں پڑ کر ایک دوسرے کا انکار کر بیٹھے حالانکہ ان کے پاس حجاب پھاڑنے اور اصل دکھانے والی کتاب موجود تھی۔ لہٰذا ان کتاب کے الفاظ دیکھنے والوں اور عقلی ڈھکوسلوں کے ماننے والے مشرکین میں کوئی فرق نہ رہا۔ حق تعالیٰ قیامت کبریٰ کے وقت وحدت فیصلہ فرمائے گا۔ ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے عقائد کے موافق صورت میں تجلی فرمائے گا جس سے وہ اسے پہچان لیں گے پھر دوسری صورت میں تجلی ءذات ہو گی جس کے وہ منکر ہو کر گمراہ اور محجوب ہو جائیں گے قیامت میں وہی موحد کامیاب رہے گا جس نے رب کی ذات کو اپنے کسی عقیدے کی صورت میں مقید نہ مانا ہو۔ (تفسیر ابن عربی)۔ روح البیان نے فرمایا کہ ایک دوسرے کی مخالفت کرنا گمراہوں میں ہی خاص نہیں بلکہ علماء 'صوفیاء اور مشائخ میں بھی جاری ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو بغیر نفس کو صاف کئے ہوئے مرشد بننے کا دعویٰ کرے اور اس خرقہ کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنائے اس کا عذاب زانیہ عورت سے سخت تر ہو گا۔ کیونکہ زانیہ ناجائز بچہ پیدا کر کے اس کی زندگی برباد کرتی ہے۔ مگر یہ مدعی غلط مرید بنا کر اس کی آخرت تباہ کرتے ہیں 'اسی قسم کے حجاب والے لوگوں ہی میں اختلاف ہوتا ہے' یہ سارے جھگڑے اس حجاب کے ہیں اگر یہ حجاب اٹھ جائے تو نہ اختلاف رہے۔ نہ اختلاف والے۔

کفر و اسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

مولانا فرماتے ہیں کہ ایسے لوگ اصل چھوڑ کر سایہ کے شکار میں اپنی قیمتی عمر خرچ کرتے ہیں فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

مرغ بربالا پراں و سایہ اش — مے دود بر خاک پراں مرغ وش
ابلہے صیاد آں سایہ شود — مے دود چنداں کہ بے مایہ شود
تیر انداز و بسوئے سایہ او — ترکش خالی شود از جستجو
ترکش عمرش تہی شد عمر رفت — از دویدن در شکار سایہ تفت
سایہ یزداں چو باشد دایہ اش — وار ہاند از خیال و سایہ اش

طالب دنیا اپنے ترکش عمر کے سارے تیر زندگی کے دن جسم اور جسمانیات کے شکار میں صرف کر دیتا ہے اگر یہی محنت روح کے شکار پر کرتا تو بہت کامیاب رہتا۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ
اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو روکے مسجدوں اللہ کی یہ کہ ذکر کیا جائے بیچ
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ کی مسجدوں کو روکے ان میں نام خدا لیے جانے سے
وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ
اس کے نام اس کا اور کوشش کرے بیچ ویرانی اس کی کے یہ لوگ نہیں تھا واسطے ان کے
اور اس کی ویرانی میں کوشش کرے ان کو نہ پہنچتا تھا کہ مسجدوں میں جائیں
اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ
یہ کہ داخل ہوں ان میں مگر خوف کرتے واسطے ان کے بیچ دنیا کے رسوائی ہے بیچ آخرت کے
مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور انکے لئے آخرت میں
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۞
عذاب بڑا
بڑا عذاب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود اور عیسائیوں نے اللہ کی کتابوں اور اس کے نبیوں سے دشمنی کی اب فرمایا جاتا ہے کہ انہوں نے تو اللہ سے بھی دشمنی کی کہ اس کے ذکر کی مسجدوں کو ویران کرنے کی کوشش کی تو اے مسلمانو! تم کس شمار میں ہو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اے اہل کتاب جنتی وہ جس کے عقائد اور اعمال درست ہوں۔ تمہارے تو اعمال بھی خراب ہیں اور عقائد بھی پھر تم اس کے دعویدار کیسے اس کے بعد ان کے عقائد کی خرابی بتائی گئی کہ تم انبیاء کے منکر ہو اور اب ان کے اعمال کی خرابی بتائی جا رہی ہے کہ تم مسجدیں گرانے والے ہو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کے یہ اقوال مشرکین سے ملتے جلتے

www.alahazratnetwork.org

تھے اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کے اعمال بھی انہیں جیسے ہیں کہ وہ مشرکین بھی مسجدوں کے دشمن اور یہ بھی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ ان اہل کتاب نے جوش عداوت میں ایک دوسرے کے دین کی حقانیت کا بالکل انکار کردیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کی عداوت اس حد تک پہنچی کہ ایک دوسرے کے عبادت خانے گرانے کے بھی درپے ہوگئے۔ **پانچواں تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ بے دینوں کا فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ جن کی شرارت حد سے بڑھ جاتی ہے ان کو آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی کچھ سزا دی جاتی ہے۔

شان نزول : اس کے شان نزول میں بہت سے قول ہیں۔ روح البیان نے فرمایا کہ عیسائیوں کے بادشاہ طیطوس نے ایک بابنی اسرائیل (یہود) سے جنگ کی اور ان کے جوانوں کو قتل اور ان کے بچوں کو قید کیا توارات شریف کو جلادیا۔ بیت المقدس کو ویران کیا' اس میں مردار ڈالے اور سور ذبح کئے' خلافت فاروقی تک بیت المقدس اسی حال میں رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فتح کسریٰ کے بعد اس کو آباد کیا اور وہاں اذان و نمازیں شروع کرائیں اس کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری پھر بیت المقدس انگریزوں نے فتح کرلیا اور تقریباً" سوا سو (125) برس ان کے قبضہ میں رہا۔ یہاں تک کہ سلطان صلاح الدین ایوبی نے 585ھ میں فتح فرمایا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ آیت بخت نصر کے بارے میں اتری جس نے یہود کو تباہ کرکے بیت المقدس میں یہ حرکتیں کیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں اتری جبکہ انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز سے روکا۔ اور حدیبیہ میں مسلمانوں کو عمرہ سے روکا یہاں تک کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے دروازے پر سے نماز پڑھنے سے بھی منع کردیا" آخر کار ان کو وہاں سے ہجرت کرنی پڑی۔ مگر ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب "احکام القرآن" میں اول دو واقعات کا انکار کیا کیونکہ بخت نصر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہت پہلے گزرا ہے۔ اس وقت عیسائی تھے ہی کہاں؟ نیز یہ کیونکر ممکن ہے کہ بیت المقدس کو تباہ کریں جبکہ وہ خود بھی اس کی تعظیم کرتے ہیں۔ تیسرے قول پر امام رازیؒ نے اعتراض کیا کہ اس صورت میں آیتوں کا ربط ٹوٹتا ہے کہ اب تک تو یہود کی برائیاں ہورہی تھیں اور اب مشرکین کا ذکر شروع ہوگیا اور خود انہوں نے شان نزول یہ بتائی کہ تحویل قبلہ کے بعد یہود مدینہ کعبہ معظمہ کے دشمن ہوگئے اور مسلمانوں کو ادھر منہ کرکے نماز پڑھنے سے روکنے لگے۔ اور ممکن ہے کہ انہوں نے کعبۃ اللہ یا مسجد نبوی کو ویران کرنے کی در پردہ کوشش کی ہو۔ مگر شان نزول کے لئے نقل کی ضرورت ہے اس میں شاید کافی نہیں۔ امام رازی نے اس پر کوئی روایت پیش نہ فرمائی۔ اگر یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں آئی ہو تو بھی اس کا ربط نہایت درست ہے جیسا کہ ہم بیان تعلق میں بتا چکے کہ پچھلی آیت میں مشرکین کا ذکر ہوچکا ہے۔ اور اگر یہود و نصاریٰ کے بارے میں ہو تو بھی درست ہے۔ نیز ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ کا یہ فرمانا کہ عیسائی تو خود بیت المقدس کی تعظیم کرتے ہیں وہ اسے ویران کیوں کریں گے۔ یہ بھی قوی نہیں اہل دنیا دشمن کو مغلوب کرنے میں ہر جائز ناجائز کوشش کرتے ہیں۔ ابھی جرمنی نے لندن پر حملے کئے تو صدہا گرجے گرادیئے حالانکہ وہ خود عیسائی ہے۔ اسی طرح ممکن ہے کہ عیسائیوں نے یہودیوں کی مخالفت میں بیت المقدس کو ویران کیا ہو۔ بہرحال یہ آیت کریمہ یا تو یہود کے بارے میں آئی یا مشرکین کے۔

تفسیر : **و من اظلم**' من سوال کے لئے آتا ہے۔ لیکن یہاں استفہام انکاری نفی کے لئے ہے یعنی ان سے بڑھ کر ظالم کوئی

نہیں۔ ظالم۔ ظلم سے بنا یعنی کسی کا حق مارنا حق دنیاوی بھی ہوتا ہے اور دینی بھی۔ پھر لوگوں کا بھی اپنے پر حق ہے اللہ رسول کا بھی کعبہ معظمہ کا مسجد قرآن شریف کا بھی مسجد کو ویران کرنے والا اللہ رسول کا حق مارتا ہے۔ مسلمانوں کا بھی مسجد کا بھی اور خود اپنے نفس کا بھی کیونکہ اسے چاہئے تھا کہ خود مسجد میں حاضر ہو کر نمازیں پڑھتا تاکہ اس کا نفس عذاب دوزخ سے بچتا اس لئے رب نے اسے بڑا ظالم فرمایا چور مالی ظلم کرتا ہے۔ قاتل جانی ظلم مگر یہ ایمانی ظلم کر رہا ہے۔ نیز چور قاتل شخصی ظلم کرتا ہے مگر یہ شخصی قومی ملکی اور دینی ظلم کرتا ہے۔ لہٰذا بڑا ظالم ہے **ممن منع مسجد اللہ** جو اللہ کی مسجدوں کو روکے مساجد جمع مسجد کی ہے۔ جس کے معنی ہیں سجدہ گاہ لیکن اصطلاح میں اسلامی عبادت خانے کو مسجد کہتے ہیں جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **لهدمت صوامع و بیع و صلوت و مسجد** اگرچہ عیسائیوں کے گرجوں اور یہودیوں کے کنیسوں میں بھی سجدے ہوتے ہیں مگر انہیں قرآن نے مسجد نہ فرمایا اتنا فرق ہے کہ خاص سجدہ گاہ کو بھی مسجد جیم کی فتح سے اور پورے عبادت خانہ کو مسجد جیم کے کسرے سے کہتے ہیں اگرچہ عیسائیوں نے صرف ایک مسجد یعنی بیت المقدس کو اور مشرکین نے صرف بیت الحرام ہی کو ویران کیا مگر چونکہ ایک مسجد کو ویران کرنا گویا کہ کل کو ویران کرنا ہے۔ اس لئے یہاں مساجد اللہ کہا گیا ہے۔ جیسے ایک پیغمبر کا انکار کل کا انکار اور ایک فرشتہ کی دشمنی کل کی دشمنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے تو بیت المقدس اور اب بیت الحرام تمام مسجدوں کی اصل ہے۔ کیونکہ سب مسجدوں کا رخ اسی طرف ہوتا ہے لہٰذا انہیں مساجد فرمایا گیا۔ مساجد کو اللہ کی طرف نسبت کیا تاکہ مسجد ضرار وغیرہ نکل جائیں کیونکہ مسجد اللہ وہ جس پر رسول کی رجسٹری ہو جائے اسی طرح جو مسجد خلاف شرع ہو اس کے یہ احکام نہیں وہ مسجد ہی نہیں **ان یذکر فیها اسمه** یا تو یہ مساجد کا بدل ہے اور یہاں من پوشیدہ ہے۔ اور یا منع کا دوسرا مفعول جیسے **وما منعنا ان نرسل بالآيات** اور **وما منع الناس ان يؤمنوا** یعنی جو اللہ کی مسجدوں کو وہاں خدا کا نام لینے سے روکیا مسجدوں کو اس سے روکے کہ خدا کا ذکر کیا جائے۔ خیال رہے کہ یہاں بجائے نماز کے ذکر فرمایا کیونکہ ذکر اللہ میں بہت چیزیں داخل ہیں نماز اور درود شریف ' تلاوت قرآن مجید ' مجلس وعظ ' محفل میلاد شریف ' نعت خوانی ' دینی تعلیم وغیرہ۔ جو شخص ان میں سے کسی چیز کو بند کرتا ہے وہ اس میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ ذکر اللہ دو طرح کا ہے ایک بلاواسطہ اور ایک بالواسطہ اللہ کے پیاروں کا ذکر بالواسطہ خدا ہی کا ذکر ہے۔ بلکہ اس کے دشمنوں کا ذکر بھی بعض دفعہ ذکر اللہ بن جاتا ہے۔ سورہ تبت یدا میں ایک کافر ہی کا ذکر ہے مگر اس کا پڑھنے والا ذاکر کہلاتا ہے۔ **و سعی فی خرابها** خراب ' خرب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں ویرانی اس کا مقابل ہے۔ (عمار) آبادی یعنی جو مسجدوں کے ویران کرنے کی کوشش کرے یا تو زبان سے ہو یا قلم سے یا غلط فتووں سے۔ ایسے ہی ویرانی عام ہے مسجد کو گرا دینا' اذان یا جماعت کو روکنا نماز کے وقت اس میں قفل لگا دینا۔ مسلمانوں کو وہاں سے روکنا مسجد کے برابر دوسری مسجد بنانا تاکہ پہلی مسجد ویران ہو جائے وہاں کی زیب و زینت دور کر دینا یہ سب اس میں داخل ہیں۔ **اولئک** یہ دونوں قسم کے لوگ۔ جو ذکر اللہ سے روکیں یا مسجد کی کسی قسم کی بھی ویرانی کوشش کریں۔ **ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین** یا تو کان ماضی کے معنی میں ہے جیسے ان اہل کتاب کو خود اپنے دین کے اعتبار سے وہاں آنا جائز نہ تھا مگر اللہ سے خوف اور عاجزی کرتے ہوئے کیونکہ یہ ان کے بھی دینی مقامات ہیں یا مستقبل کے معنی میں اور آئندہ کی خبر دی جاری ہے کہ اے مسلمانوں غم نہ کرو عنقریب وہ وقت آ رہا ہے جبکہ ان مشرکین کو مسجد حرام میں آنے کی اجازت بھی نہ ہوگی مگر ڈر کر

www.alahazratnetwork.org

چھپ کر پس رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ فرمایا کہ ۹ھ میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام کے حکم سے اعلان فرمایا کہ آئندہ کوئی مشرک اس مسجد پاک میں داخل نہ ہو اور فاروق اعظم اور عثمان غنی رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں ملک شام بھی عیسائیوں کے ہاتھوں سے نکل گیا۔ اور بنی امیہ' بنی عباس کے زمانے میں قسطنطنیہ' رومیہ وغیرہ بھی ان کے ہاتھ سے جاتے رہے اور جزائر فرنگ میں آوارہ اور پریشان رہے' یا یہ مطلب ہے کہ انہیں مناسب نہیں کہ مسجدوں میں آئیں مگر رب سے ڈرتے ہوئے یہاں کسی بری غرض سے نہ آئیں مسجدوں کو سیاسی اڈہ نہ بنائیں غرضیکہ کان یا بمعنی ماضی ہے یا بمعنی حال یعنی مستقبل اور خوف سے مراد یا اللہ کا خوف ہے' یا مسلمانوں کا خوف۔ خیال رہے کہ مومن کو ہر جگہ ہی خوف خدا اچاہئے مگر بعض جگہ بعض وقتوں میں اور بعض بندوں کے سامنے زیادہ خوف خدا چاہئے ماہ رمضان شب قدر میں یونہی مسجدوں' خانہ کعبہ مسجد نبوی میں یونہی ماں باپ کے سامنے' شیخ و دینی استاد اور نبی کے سامنے زیادہ خوف خدا چاہئے۔ ہر جگہ گناہ کر کے تو یہاں بخشوائے جاتے ہیں یہاں گناہ کر کے کہاں بخشوائیں گے۔ غرضیکہ اس آیت میں کفار کا حال سنایا جارہا ہے مگر مسلمانوں کو مساجد کا ادب سکھایا جارہا ہے۔ باادب مسجد سے لے کر آتا ہے۔ بے ادب مسجد سے کچھ دے کر اور کھو کر آتا ہے۔ **لهم فی الدنیا خزی** مسجدیں ویران کرنے کا وبال یہ پڑے گا کہ ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہوگی خزی کے لفظی معنی ہیں شکست کا پہنچنا خواہ اپنی طرف سے ہو یا کسی اور کی طرف سے اہل کتاب اور مشرکین کو چند طریقوں سے رسوائی ہوئی۔ جنگوں میں انہوں نے شکست پائی۔ جزیے ان پر قائم ہوئے' حجاز سے یہ نکالے گئے' اپنی زمینوں سے بے دخل ہوئے اور اس پر بس نہیں بلکہ **و لهم فی الاخرة عذاب عظیم** ان کے لئے آخرت میں بھی بڑا عذاب ہے۔ چونکہ دنیوی مصیبت آخرت کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ اسی لئے اسے خزی کہا اور اسے عذاب۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تم ان کی کہاں تک شکایتیں کروگے ان کی گمراہی کا تو یہ حال ہے کہ باوجودیکہ ان کے دین میں بھی مسجدوں کی عزت ہے۔ مگر انہوں نے جوش تعصب میں اس کا بھی لحاظ نہ کیا اور انہیں ویران کیا تو اس سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو خدا کی مسجدوں کو خدا کے ذکر سے روکے اور ان کے ویران کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ عیسائیوں نے بیت المقدس میں کیا اور مشرکین نے بیت الحرام میں۔ واقعی یہ بہت بڑا ظلم ہے کیونکہ بعض تو مالی ظلم کرتے ہیں اور بعضے جانی بعضے آبرو کا مگر اس میں بڑا ظالم وہ ہے جو کسی کا گھر چھین لے انہوں نے گھر پر قبضہ کیا۔ دوسرا یہ کہ کوئی تو چیز کا غاصب ہوتا ہے اور کوئی اس کے نفع کا مگر بدتر وہ شخص ہے جو مالک کو کرنے ہی نہ ہونے دے۔ تیسرے یہ کہ بعض غاصب مغصوب پر اصل ملکیت کا دعویٰ کرتے ہیں اور بعض اس کے خریدنے کا مگر خبیث غاصب وہ ہے جو اصل چیز ہی کو تباہ کردے اور مالک کا نام بھی نہ لینے دے ان کم بختوں کو چاہئے تھا کہ خود بھی ان مسجدوں میں ڈرتے جھکتے آتے اب اس کا انجام یہ ہوگا کہ ان کے واسطے دنیا میں بھی رسوائی ہوگی اور آخرت میں بھی سخت عذاب ملے گا یا یہ کہ اس جرم کا انجام یہ ہوگا کہ مسجدیں تو پھر آباد ہوجائیں گی لیکن یہ خود وہاں سے ایسے نکلیں گے کہ پھر ان کا داخلہ بھی دشوار ہوگا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو شخص مسجد کو کسی طرح ویران کرے وہ بڑا ظالم ہے اور جو اسے آباد کرے وہ بڑا ہی ثواب کا مستحق۔ آبادی کی چند صورتیں ہیں۔ مسجد بنانا اس میں چٹائیوں اور تیل بتی کا انتظام کرنا'

www.alahazratnetwork.org

وہاں عمدہ امام مقرر کرنا جس سے جماعت ہو جائے۔ وہاں اللہ کا ذکر کرنا اس کی اعلیٰ سے اعلیٰ زینت کرنا اس کی پوری تحقیق انشاء اللہ **انما یعمر مسجد اللّٰہ** کی بحث میں آئے گی۔ حدیث شریف میں جو مسجدوں کے زینت کی ممانعت آئی ہے اس سے یا تو فخریہ زینت مراد ہے یا ناجائز زینت جان دار کی تصویروں اور فوٹوؤں سے مسجد کو آراستہ کرنا یا محض دوسری مسجدوں کے مقابلہ کی غرض سے نہ کہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے سجانا منع ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو وہ دیوبندی 'وہابی جو وہاں نعت خوانی اور چراغاں وغیرہ کو منع کریں اس میں داخل ہیں۔ دوسرا فائدہ: مسجد میں ہر طرح کا ذکر الٰہی جائز ہے۔ خواہ بلند آواز سے ہو یا آہستہ نعت خوانی ہو یا درود خوانی ذکر کے حلقہ کیونکہ اس آیت میں ان یذکر مطلق ہے۔ جماعت اول کے وقت بلند آواز سے ذکر کرنا صرف نمازیوں کی نماز کے خلل کے اندیشہ سے منع ہے۔ جماعت اولیٰ کے بعد ہر طرح کا ذکر جائز 'صحابہ کرام نے مسجدوں میں نعت خوانی کی ہے اور حضور علیہ السلام نے ہر نماز کے بعد ذکر بالجہر فرمایا اس کی بھی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ تیسرا فائدہ: جس چیز سے مسجد کی جماعت گھٹے وہ منع ہے کیونکہ یہ ویرانی کی کوشش ہے۔ لہٰذا وہاں بدمذہب یا سخت مزاج نراجاہل امام رکھنا منع بدبودار چیزیں لے جانا حرام کچا لسن پیاز کھا کر حقہ پی کر بدبودار زخم لے کر وہاں جانا ناجائز کیونکہ اس سے مسلمانوں کو ایذاء ہوگی اور وہ آنا چھوڑ دیں گے۔ چوتھا فائدہ: کوشش کی جائے کہ مسجد کی عمارت ہمارے اپنے مکانوں سے اعلیٰ اور بلند و بالا ہو۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ میں مسجد نبوی شریف نہایت اعلیٰ اور نفیس بنوائی۔ پانچواں فائدہ: مسجد کو ویران کرنے والا انشاء اللہ دنیا میں خوار و خستہ ہو گا اور اس پر غم اور خوف طاری رہے گا۔ اور آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ اس کا تجربہ بھی ہو چکا ہے بلکہ جن لوگوں نے مسجد کی چیزیں غصب کرکے گھر میں استعمال کیں وہ بھی آخر جلد برباد ہوئے۔ مسئلہ: سب مسجدیں اللہ ہی کی ہیں لیکن ان کے درجے مختلف 'سب سے افضل مسجد بیت اللہ پھر مسجد نبوی 'پھر بیت المقدس 'پھر ہر شہر کی جامع مسجدیں 'پھر محلہ کی مسجد 'پھر گھروں کی مسجدیں یعنی گھر میں جو جگہ نماز کے لئے صاف کر لی جاتی ہے۔ (تفسیر روح البیان) ۔ در مختار وغیرہ نے ترتیب یوں بیان کی کہ سب سے افضل مسجد مکہ معظمہ پھر مسجد مدینہ 'پھر بیت المقدس 'پھر قباء 'پھر ہر شہر کی پرانی مسجدیں 'پھر وہاں کی بڑی مسجد 'پھر اپنے گھر سے قریبی مسجد 'پھر اپنے استاد کی مسجد شامی نے اس کے علاوہ اور بھی مسجدوں کا ذکر کیا۔ مسئلہ تفسیر عزیزی نے فرمایا کہ مسجدوں میں جھاڑو دینا انہیں تھوک وغیرہ سے صاف کرنا انہیں معطر کرنا بہت بہتر ہے بلکہ مسجد کی جھاڑو حور ان بہشتی کا مہر ہے اور باقی مسائل کے لئے کتاب بہار شریعت کا مطالعہ کرو۔ مسئلہ: اگرچہ ہر مسجد کا ادب و احترام اور احکام شرعیہ یکساں ہیں مگر جو مسجدیں بزرگوں کے قریب میں واقع ہوں۔ ان کا ادب و احترام بہت زیادہ ایک تو مسجد کا ادب دوسرے اس بزرگ کا ادب جو مسجد کے قریب سو رہا ہے اس لئے مسجد نبوی' مسجد قدس مسجد کعبہ معظمہ میں عبادت کا ثواب بھی زیادہ ہے۔ اور وہاں کا احترام بھی بہت مسجد نبوی میں نبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم آرام فرما ہیں خود کعبہ شریف ہے اور وہاں طواف کی جگہ چار سو انبیاء سو رہے ہیں۔ مسجد قدس یعنی بیت المقدس میں بہت سے نبی سو رہے ہیں بزرگوں کے شہر کی بھی تعظیم 'رب نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا۔ **وادخلوا الباب سجدا** "اس شہر کے دروازے میں سر بسجود جاؤ۔ کیونکہ وہاں یعنی بیت المقدس میں انبیاء کے مزارات تھے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد کو ویران کرنے والا بڑا ظالم ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ان

www.alahazratnetwork.org

الشرک لظلم عظیم جس سے معلوم ہوا مشرک اور کافر بڑا ظالم ہے ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** ایک لحاظ سے مشرک بڑا ظالم ہے۔ دوسرے لحاظ سے مسجد کو ویران کرنے والا۔ مشرک تو اپنے نفس پر بڑا ظلم کرتا ہے کہ اسے آخرت کی نعمتوں سے محروم کرتا ہے اور مسجد کو ویران کرنے والا دوسروں کے لئے ظالم کہ انہیں ذکر اللہ سے محروم کرتا ہے لہٰذا دونوں آیتیں مطابق ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اسلام کا قانون ہے کہ دنیا تو عمل کی جگہ ہے اور آخرت جزاء کی تو مسجد کے ویران کرنے والے کو دنیا میں رسوائی کی سزا کیوں ملی۔ **جواب:** دنیا کی رسوائی اس کی حقیقی سزا نہیں۔ یہ تو صرف لوگوں کی عبرت کے لئے ہے۔ سزائے حقیقی تو آخرت ہی میں ہو گی۔ جیسے کہ چور کی سزا جیل خانہ ہے۔ حوالات تو اس کی ابتداء ہے۔ **تیسرا اعتراض:** مسجدوں کو اللہ کی طرف نسبت کیوں کیا گیا؟ کیا اور ساری چیزیں اللہ کی نہیں ہیں نیز اسے اللہ کا گھر کیوں کہتے ہیں کہ وہ اس میں رہتا ہے۔ (آریہ) **جواب:** اس لئے کہ مسجدوں پر کسی بندے کی ظاہری ملکیت بھی نہیں۔ دیگر گھروں پر بندوں کی ظاہری ملکیت ہے جنہیں وہ فروخت کر سکتے ہیں۔ نیز اور گھروں میں تو دنیوی کام بھی ہوتے ہیں۔ مگر مسجدوں میں صرف اللہ ہی کے کام نماز' تلاوت قرآن' نعت خوانی وغیرہ۔ دیکھو سارا ملک بادشاہ کا ہے۔ لیکن صرف کچہریوں' ڈاک خانوں' شفاخانوں ہی کو سرکاری عمارتیں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہاں صرف سرکاری ہی کام ہوتے ہیں۔ اور ان پر کسی رعایا کا ظاہری دخل و قبضہ نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین کو مسجد میں آنے کی اجازت نہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ یہ لوگ نہ آئیں مگر ڈرتے ڈرتے۔ پھر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کفار کا مسجد میں آنا کیوں جائز رکھا۔ **جواب:** اس کی پوری بحث تو انشاء اللہ **انما المشرکون نجس** (الخ) کی تفسیر میں آئے گی۔ یہاں سرسری طور پر چند جواب دیئے جاتے ہیں ایک یہ کہ **ما کان لہم** ممانعت نہیں بلکہ خبر ہے۔ یعنی آئندہ مشرکین کو مسجد حرام میں داخلہ تو کیا آنا بھی مشکل ہو گا۔ دوسرے یہ کہ خائفین کے معنی یہ ہیں اللہ سے خوف کرتے ہوئے یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ یہ کفار بھی مسجد میں ڈرتے ہوئے آتے لیکن یہ شرک کرتے ہوئے آئے۔ تیسرے یہ کہ خائفین میں مخلوق سے ڈر مراد ہے۔ یعنی یہ کفار مسجد میں نہ آئیں گے مگر مقدور لے کر کیونکہ مسلمان بعض مسجدوں میں ہی فیصلے کیا کریں گے جہاں یہ مظلوم بن کر آیا کریں گے چوتھے یہ کہ جب مشرک مسلمان کی اجازت سے مسجد میں آیا تو مسلمان جب چاہے نکال دے تو یہ بھی خوف سے ہی آنا ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم اپنے کفار مہمانوں اور دیگر سلطنت کے کافر ایلچیوں کو مسجد نبوی شریف میں ہی ٹھہراتے تھے۔ یہاں تک کہ ثمامہ بن اثال کو حالت کفر ہی میں مسجد کے ستون سے باندھا تھا۔ لہٰذا اس آیت کی یہ توجیہ کرنا ضروری ہے۔ **پانچواں اعتراض:** پھر اہلسنت اپنی مسجدوں سے قادیانی' وہابی' شیعہ وغیرہ ہم کو کیوں روکتے ہیں۔ حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے نجران کے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنی عبادت کر لینے کی اجازت دی' کسی کو مسجد میں نماز سے روکنا مسجد کو ذکر اللہ سے روکنا ہے۔ **جواب:** اس لئے روکتے ہیں کہ ان لوگوں کا ہماری مسجدوں میں آنے سے خصوصاً اپنی جماعتیں کرنے سے مسلمانوں میں فساد پھیلتا ہے۔ اور اہل مسجد کو ایذاء ہوتی ہے یہاں عبادت سے نہیں روکا جاتا بلکہ فساد سے روکا جاتا ہے۔ گندہ ذہن بدبودار منہ و لباس والے کو مسجد سے روکا جاتا ہے۔ تاکہ نمازیوں کو ایذاء نہ ہو۔ ایسے ہی گندے عقیدے اور بدمذہبوں کو روکنا بھی جائز ہے۔ کہ نمازیوں کو ایذاء نہ ہو یہ محض غلط ہے۔ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم نے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنی مذہبی عبادت کی اجازت دی بلکہ ہوا یہ تھا کہ

www.alahazratnetwork.org

مسلمان نماز پڑھنے لگے تو انہوں نے اپنی مذہبی عبادت شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے صحابہ کو ان کی عبادت بند کرنے کا حکم نہ دیا۔ بلکہ انہیں اپنی عبادت پوری کر لینے دی جیسے ایک بدوی مسجد میں پیشاب کرنے لگا تو صحابہ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے نہ روکو جب پیشاب کر چکا تو مسجد دھلوادی اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجدوں میں پیشاب کرنا جائز ہے ایسے ہی یہ ہے کیا تم مسجد میں ہندوؤں کو اجازت دو گے کہ وہ وہاں مورتیاں رکھیں اور گھنٹیاں بجایا کریں۔ (نعوذ باللہ)۔

تفسیر صوفیانہ : مسلمانوں کے دل اللہ کی مسجدیں ہیں بڑا مبارک وہ شخص ہے جو ان مسجدوں کو اس کے ذکر سے آباد رکھے اور بڑا ظالم وہ ہے جو ان میں دنیوی وسوسے پیدا کر کے انہیں اللہ کے ذکر سے خالی کر دے اور مختلف قسم کی تمناؤں سے ان کے ویران کرنے کی کوشش کرے۔ لہذا نفس اور شیطان بڑے ظالم ہیں کہ یہ تجلی گاہ رحمان یعنی قلوب انسان کو اس مسجد کے نمازیوں یعنی رب کے ذکر و فکر وغیرہ کو وہاں سے روکتے ہیں مگر یاد رہے کہ ایک وقت وہ بھی آئے گا جب رب تعالیٰ ان دلوں پر کسی شیخ کی برکت سے تجلی ڈالے گا تو ان چیزوں کو وہاں داخلہ بھی مشکل ہو جائے گا کہ وہاں نہ جائیں گے مگر ڈرتے ہوئے ان کے لئے دنیا میں رسوائی اور مغضوبیت ہے اور آخرت میں حق سے محجوب رہنے کا بڑا عذاب۔ (تفسیر ابن عربی)۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تین باتیں تو وطن میں ضروری ہیں اور تین چیزیں سفر میں لازم۔ وطن میں تو تلاوت قرآن، آبادی مسجد اور مسلمانوں سے محبت کرے، سفر میں خروج فراخی میں اخلاق کی درستی اور ساتھیوں سے جائز خوش طبعی کرے مسجدیں وطن ارواح ہیں وہ بڑا ظالم ہے جو روحانی وطن کو برباد کرے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ
اور واسطے اللہ کے ہے پورب اور پچھم پس جہاں کہیں پھیرو تم پس وہاں ہے وجہ اللہ کا
اور پورب پچھم سب اللہ ہی کا ہے تو تم جدھر منہ کرو ادھر وجہ اللہ (خدا کی رحمت تمہاری طرف
اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿﴾
تحقیق اللہ وسعت والا علم والا ہے
متوجہ ہے) بے شک اللہ وسعت والا علم والا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ مسجدوں کو ویران کرنے والا اور وہاں عبادت کو روکنے والا بڑا ظالم ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ظالم خیال رکھے کہ مسجدیں ویران کرنے سے خدا کا ذکر بند نہ ہو جائے گا۔ اللہ کی سلطنت تو مشرق و مغرب میں ہے۔ جدھر نظر اٹھا کر دیکھو وہاں اس کی عبادت ہو رہی ہے یہ بے دین کہاں کہاں سے اس کا ذکر روکیں گے۔ **دوسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ کفار مسلمانوں کو مسجدوں میں اللہ اللہ کرنے سے روکتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو اگر تم مسجدوں میں نہ جا سکو تو خدا کا ذکر نہ چھوڑو۔ پورب پچھم اللہ کا ہے جہاں بھی بیٹھ کر اللہ اللہ کرو گے وہاں اس کو پاؤ گے مسجد پر ہی عبادت موقوف نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ کفار آئندہ مسجدوں میں ڈرتے ہوئے آئیں گے۔ یعنی مسلمانوں کا غلبہ ہو گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو صرف مسجدوں پر ہی تمہارا قبضہ نہ ہو

www.alahazratnetwork.org

کا بلکہ سارا مشرق و مغرب اللہ کا ہے۔ تم جدھر بھی حملہ کرتے ہوئے پہنچ جاؤ گے اُدھر ہی رب کی نصرت پاؤ گے اور مشرق و مغرب کے بادشاہ کہلاؤ گے گویا پہلے کفار کی مغلوبیت کا ذکر تھا اور اب مسلمانوں کے غلبہ کا۔ **چوتھا تعلق:** پہلے تو کفار کے جرم کا ذکر ہوا اب ان کی سزاء کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ اے کافرو ابھی ہم نے تم کو مہلت دے رکھی ہے۔ جب ہماری پکڑ میں آؤ گے تو کہیں پناہ نہ پاؤ گے کیونکہ مشرق و مغرب اللہ کا ہے جدھر جاؤ گے اللہ کا عذاب پاؤ گے۔

شانِ نزول: اس آیت کے شانِ نزول میں بہت سے قول ہیں ایک یہ ہے کہ ایک بار صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اندھیری رات میں سفر کر رہے تھے۔ قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو سکا۔ جس کا جدھر دل جما اس نے اُدھر ہی نماز پڑھ لی۔ صبح کو یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا گیا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس نے بتایا کہ سب کی نمازیں ہو گئیں۔ دوسرا یہ کہ یہ آیت مسافر کے بارے میں اتری کہ وہ بحالت سفر سواری پر نفل ادا کر سکتا ہے۔ خواہ اس کی سواری کا رخ کدھر ہی ہو جائے اس کے نفل درست ہیں تیسرا قول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام سے عرض کیا گیا کہ دعا کدھر منہ کر کے مانگیں کیا نماز کی طرح اس کا بھی کوئی قبلہ ہے۔ تب یہ آیت اتری جس میں بتایا گیا کہ دعا کے لئے کوئی جہت لازم نہیں اللہ کی رحمت ہر طرف ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ یہ آیت نمازِ خوف کے بارے میں آئی کہ جنگ کی حالت میں سخت خوف کے وقت جس طرف بھی نماز پڑھ لیں ہو جائے گی۔ پانچواں قول یہ ہے کہ قبلہ بدلنے پر یہود نے مسلمانوں پر طعنہ کیا کہ تمہارا عجیب دین ہے جس کا کوئی قبلہ ہی مقرر نہیں کبھی بیت المقدس اور کبھی کعبہ معظمہ اس پر یہ اتری جس میں فرمایا گیا کہ اہل کتاب تو سمت کے تابع ہیں اور اے مسلمانو تم اللہ کے حکم کے۔ چھٹا قول یہ ہے کہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کو اختیار تھا کہ جدھر جائیں اُدھر ہی منہ کر کے نماز پڑھیں بیت المقدس یا خانہ کعبہ اس وقت کی یہ آیت ہے۔ (تفسیر کبیر و احکام القرآن و خزائن العرفان) لہذا یہ آیت یا منسوخ ہے یا ناسخ اور یا اپنے حال پر باقی۔

تفسیر: **و للہ المشرق والمغرب۔** للہ میں لام ملکیت کا ہے یعنی اللہ کی ملک ہیں۔ مشرق شرق کا ظرف ہے۔ جس کے معنی ہیں چمکنا **واشرقت الارض بنور ربھا** پورب کو اس لئے مشرق کہتے ہیں کہ اس طرف سے سورج اور تمام تارے چمکتے اور طلوع کرتے ہیں۔ مغرب غروب کا ظرف ہے۔ جس کے معنی ہیں ڈوب جانا اس لئے بڑے ڈول کو غرب کہتے ہیں کہ اسے پانی میں ڈبویا جاتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ مسافر اور انوکھی چیز کو بھی اس لئے غریب کہا جاتا ہے کہ وہ ڈوبے ہوئے کی طرح لوگوں کی نظر وغیرہ سے چھپے رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف پورب پچھم اللہ کا ہے۔ اور جنوب شمال کسی اور کا بلکہ اس سے سارا عالم اجمالاً مراد ہے۔ کیونکہ مشرق و مغرب کے دو کنارے بول کر پوری چیز مراد لی جاتی ہے۔ جیسے کہ فلاں کو سر سے پاؤں تک پسینہ آ گیا یعنی سارے جسم پر مطلب یہ ہوا کہ پورب پچھم یعنی سارا عالم اللہ کا ہے۔ لہذا اگر کفار تم کو مسجدوں میں اللہ کا ذکر نہ کرنے دیں۔ **فاینما تولوا** جدھر بھی تم رخ کر لو اینما این ظرف اور ما تکثیر سے بنا ہے۔ اور پیٹھ پھیرنا بھی ہے۔ یعنی قرب اور سلب۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی جدھر منہ کر لو یا مسجد سے پیٹھ پھیر کر جدھر جا کر نماز پڑھو۔ یعنی تم دعا یا نماز میں جدھر منہ کر لو۔ **فثم وجہ اللہ** ادھر ہی اللہ کی توجہ ہے ثم اور ھنا دونوں ظرف مکان ہیں۔ ھنا قریب جگہ کو بولتے ہیں اور ثم دور کو کہتے ہیں جیسے اردو میں یہاں اور وہاں مگر اس جگہ ثم ھنا کے معنی میں ہے۔ (روح البیان) وجہ کے چند معنی ہیں چہرہ

www.alahazratnetwork.org

ذات جیسے انی وجهت وجهی اور مرضی جیسے انما نطعمکم لوجه الله اور کل شیء هالک الا وجهه اور جہت' سمت یہاں چاروں معنی بن سکتے ہیں۔ اگر چہرہ مراد ہو تو اس کی اضافت اللہ کی طرف تشریفی ہو گی۔ جیسے ناقۃ اللہ و بیت اللہ یعنی اُدھر اللہ کا پیدا کیا ہوا چہرہ ہے۔ (تفسیر کبیر)۔ تو گویا کہ اللہ کے مقبول بندوں کے چہروں کو وجہ اللہ کہا گیا۔ یعنی جدھر بھی منہ کر لو گے اُدھر ہی مقبولانِ خدا خصوصاً "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ پاک ہے۔ تم ہر طرف ان کی سنت کو پاؤ گے کیونکہ انہوں نے سفر اور خوف کی حالت میں ہر طرف ہی نماز پڑھی ہے اور اگر ذات مراد ہو تو اس سے رب کا علم اور رحمت مقصود ہو گی یعنی جدھر بھی منہ کر لو گے اُدھر ہی اس کی رحمت پاؤ گے اور اگر رضاء ہو تو معنی ظاہر ہیں کہ ہر طرف اللہ کی رضا ہے اور اگر جہت اور سمت مراد ہو تو یہ معنی ہوں گے کہ تم جدھر بھی منہ کر لو گے۔ وہی اللہ کی پسندیدہ جہت ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ وجہ کے معنی قصد اور نیت کے بھی ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

استغفر الله ذنبا" لست احصيه　　　رب العباد اليه الوجه والعمل

یعنی قصد اب معنی یہ ہوئے کہ تم جدھر منہ کرو گے اُدھر ہی اللہ کا ارادہ ہے۔ غرضیکہ ہر طرف اللہ ہی اللہ ہے ان الله واسع لفظ واسع یا سعۃ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں لامحدود فراخی۔ خواہ مکان کے لحاظ سے ہو یا حالت کے یا فعل کے لحاظ سے حق تعالیٰ کا نام واسع بھی ہے جس کے معنی ہیں کہ اس کا علم اس کی ملکیت' اس کی قدرت اس کا خلق" تمام عالم کو گھیرے ہوئے مگر خود لامحدود جیسے فرمایا و رحمتی وسعت کل شی اور فرمایا وسع ربی کل شیء علما" علیم یہ گویا واسع ہی کا بیان ہے۔ یعنی اس کی سلطنت سب کو گھیرے ہوئے ہے اور پھر وہ کسی سے بے خبر نہیں بلکہ سب کو جانتا ہے۔ علیم میں بشارت بھی ہے اور ڈرانا بھی کہ مسلمانوں کو چاہئے کہ بقدر طاقت نیکیاں کئے جائیں۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت کی تفسیریں شان نزول اور تعلقات کے لحاظ سے بہت ہیں یا یہ کہ اے مسلمانوں اگر مشرکین تم کو مسجدوں میں اللہ کے ذکر سے منع کرتے ہیں تو تم اس کی پرواہ نہ کرو نہ تو اس سے اللہ کا ذکر رک سکتا ہے اور نہ تمہاری نمازیں کیونکہ اس کی عبادت صرف مسجدوں کی چار دیواری میں ہی محدود نہیں بلکہ سارا مشرق و مغرب اسی کا ہے اور سارے عالم میں اسی کی سلطنت ہے تم جہاں کہیں بھی موقعہ پا کر نماز پڑھ لو گے اُدھر ہی اللہ کی رحمت اور اس کی قبولیت ہو گی کیونکہ اللہ بڑی وسیع مملکت والا بڑے علم والا ہے۔ اے مسلمانو! تم بحالت خوف جب جہاد میں ڈرتے ہوئے نماز پڑھو تو جدھر بھی منہ کر لو گے اُدھر ہی اللہ کی رحمت ہے اس آخری صورت میں یہ آیت فولوا وجوهكم شطره سے منسوخ ہے یا اے لوگو تم جدھر منہ اٹھا کر دیکھو وہاں اللہ کی معبودیت ہے ہر جگہ اس کی عبادت ہو رہی ہے۔ لہٰذا تم بھی اس کی عبادت کرو یا اے صحابہ کرام تم جدھر بھی جہاد کے لئے جاؤ گے اُدھر ہی اللہ کی رحمت اس کی فتح و نصرت پاؤ گے۔ یا اے کافرو تم جدھر بھی بھاگ کر جاؤ گے اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ یعنی اس کے غضب و عذاب سے کہیں امان نہ پاؤ گے۔ خیال رہے کہ وسعتیں بہت سی ہیں۔ (1) وسعت علمی۔ (2) وسعت احسانی کہ اس کا علم اور اس کی نعمتیں ہر چیز پر حاوی ہیں۔ بعض مخلوقات کو کچھ وسعتیں خاص ملی ہیں لیکن مطلق وسعت والا رب ہی ہے۔ اگر اس کے علم کو دیکھو تو وہ ایک دریا ناپید اکنار ہے۔ اگر اس کے احسانات پر نظر کرو تو وہ بے حد و بے شمار ہے۔ اگر اس کی قدرتوں میں غور کرو تو وہ اندازے سے باہر لہٰذا کہنا پڑے گا کہ وہی حقیقی واسع ہے اور وہی حقیقی علم والا' یا واسع بمعنی وسعت و

www.alahazratnetwork.org

گنجائش والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے امت مصطفوی کو بہت وسعتیں اور گنجائش دینے والا ہے۔ چنانچہ اسلام میں رب نے بہت سی وسعتیں دی ہیں ہر جگہ نماز درست ہے۔ پانی نہ ہو تو مٹی سے تیمم جائز ہے ناپاک چیزوں کو پاک کرنے کے لئے بہت آسان طریقے مقرر ہیں۔ دودھ گھی تک پاک ہو سکتا ہے توبہ کے لئے بہت سہولتیں دے دیں۔ زکوٰۃ صرف چالیسواں حصہ ہے صوفیاء کرام کے نزدیک واسع کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے انسان کو عقل دی جو محدود ہے۔ عشق بخشا جو لا محدود ہے۔ پھر دنیا کو محدود بنایا آخرت کو غیر محدود۔ عقل محدود سے دنیا محدود کو جانو اور عشق غیر محدود سے غیر محدود آخرت کو پہچانو رب نے اپنے محبوب کو غیر فانی لا محدود صفات بخشے۔ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کو عقل سے نہ پرکھو عشق سے معلوم کرو۔ سمندر کا پانی 'ہوا اور سورج کی روشنی کسی ترازو سے نہیں تل سکتی یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل عقل کی ترازو سے مت تولو۔ عقلی 'اطاعتوں کا بدلہ جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں مگر عشق کا عوض دیدار الٰہی ہے۔ رب تعالیٰ اپنے محبوب کو وسعتیں دینے والا ہے۔ عاشقوں کے عشق میں وسعتیں بخشنے والا ہے اور جانتا ہے کون کس وسعت کے لائق ہے۔

فائدے : اس آیت اور اس کی تفاسیر سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** پہلی امتوں کی نمازیں عبادت خانوں کے سوا کہیں نہ ہو سکتی تھیں۔ اسلام میں مسلمانوں کے لئے ساری زمین مسجد ہے اگر کسی جگہ نماز کی ممانعت ہوگی تو کسی عارضے کی وجہ سے جیسے کہ قبرستان مذبح خانہ اور حمام وغیرہ۔ **دوسرا فائدہ:** اگر کسی کو سمت قبلہ نہ معلوم ہو سکے تو جدھر دل گواہی دے ادھر ہی نماز پڑھ لے۔ **تیسرا فائدہ:** سفر میں نوافل اور خوف میں ہر نماز اور خانہ کعبہ اور مکہ معظمہ کے نظر والے ملک میں جس طرف رخ کرکے پڑھ لی جائے جائز ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دعا کے واسطے کوئی سمت لازم نہیں امام کو بھی چاہئے کہ اکثر داہنی طرف رخ کرکے دعا مانگے کیونکہ سنت ہے مگر کبھی کبھی اور سمت بھی دعا مانگا کرے۔ **پانچواں فائدہ:** نیکی سے روکنا سخت گناہ ہے۔ کسی کے روکنے سے نیک کام تو نہ رکے گا مگر خود روکنے والے پر وبال پڑے گا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر مسلمان ایمان کا ہتھیار لے کر جہاد کریں تو ہر جگہ فتح و نصرت ان کے ساتھ ہوں۔

اعتراض : **پہلا اعتراض:** اگر ہر طرف اللہ کی رحمت ہے تو مسلمان نماز میں کعبہ کی طرف کیوں منہ کرتے ہیں؟ چاہئے کہ ہر طرف نماز پڑھ لیا کریں۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** تاکہ مسلم قوم میں اجتماعی شان پیدا ہو اسی لئے نماز' روزے' حج وغیرہ کے لئے وقت بھی مقرر کردیئے گئے اور مسجدوں میں حاضری کا حکم دیا گیا۔ نیز سمت مقرر ہونے سے دل میں سکون رہتا ہے۔ اسی لئے نمازی کی نظر بھی ایک جگہ رہنی چاہئے۔ ہر طرف دیکھنے سے دل بٹتا ہے نیز اس میں رب کی شان قہاری نظر آتی ہے کہ اس نے کروڑوں انسانوں کو ایک رخ پر جمع فرمادیا اور چونکہ خود کعبہ کو سجدہ کرنا مقصود نہیں لہٰذا بعض صورتوں میں ہر طرح نماز جائز کردی گئی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں کعبہ کو منہ کرنا فرض نہیں زیادہ سے زیادہ مستحب ہوگا۔ **جواب:** شان نزول اور تعلق میں اس کے جوابات تفصیل وار گزر گئے کہ یا تو یہ آیت دعا کے لئے ہے۔ اور یا مسافر اور خائف کے لئے اور یا کفار کو ڈرانے یا مسلمانوں کو خوش کرنے کے لئے ہے اور اگر اختیار دینے کے لئے ہے تو اس آیت سے منسوخ ہے۔ **فولوا وجوھکم شطرہ** وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ:** جب دعا کے لئے کوئی سمت مقرر نہیں تو مسلمان آسمان کی طرف ہاتھ کیوں اٹھاتے ہیں کیا وہاں خدا رہتا ہے؟ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ سنت انبیاء ہے ان کی اطاعت سے دعا

www.alahazratnetwork.org

زیادہ قبول ہوگی دوسرے یہ کہ آسمان تمام نعمتوں کا خزانہ ہے **وفی السماء رزقکم** تو اس طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ مولی تو ہمیں یہاں سے نعمتیں دے جیسے شاہی نوکر خزانہ پر جمع ہوتے ہیں اور وہاں سے ہاتھ پھیلا کر تنخواہیں لیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم کو بڑی بڑی نعمتیں آسمان ہی سے ملتی ہیں۔ بارش' دھوپ موسموں کا تبادلہ' تندرستی اور بیماری آسمانی اثرات سے ہوتی ہے۔ تو چونکہ اس طرف سے نعمتیں لینے کی عادت پڑچکی اس لئے اوہر ہی سے مانگتے ہیں۔ **نکتہ:** کعبہ قبلہ نماز ہے اور آسمان قبلہ دعاء اور بیت المعمور قبلہ ملائکہ اور کرسی قبلہ کروبین اور عرش قبلہ حاملین۔ عرش اور ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ قلب اور کعبہ روح ہے۔ جس کی طفیل یہ سارے **قبلے** پیدا ہوئے۔ اسی لئے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عین نماز پڑھانے کی حالت میں جب سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کو تشریف لاتے ہوئے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے اور اسی وقت سے حضور علیہ السلام امام کیونکہ قبلہ کو پیٹھ کرکے نماز نہیں ہوتی اور اسی لئے مسجد نبوی شریف میں صف کی بائیں جانب دائیں طرف سے افضل ہے کیونکہ اوہر روضہ مطہرہ ہے جیسے کہ دل سے جسم کی بقاء ہے اور دل بائیں پہلو میں ہے۔ ایسے ہی حضور سے نماز کی بقا ہے اسی لئے وہ مسجد کے بائیں طرف آرام فرماہیں۔

اے جوش دل گر ان کو یہ سجدہ روا نہیں اچھا وہ سجدہ کیجئے کہ سر کو خبر نہ ہو

وہ نماز قبول ہے جس میں سر کعبہ کی طرف ہو اور دل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا بھی جسم ہے کیونکہ اس کے لئے چہرہ بھی ثابت کیا گیا اور وسعت بھی۔ **جواب:** اس کا جواب ان دو لفظوں کی تفسیر میں گزر گیا ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ خدا کے جسم سے پاک ہونے کی یہ دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرش پر پہنچ کر بھی فرمایا انت اور یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں رہ کر فرمایا **لا الٰہ الا انت** نیز ہر مخلوق دریا' خشکی ہوا وغیرہ ہر جگہ سے اے انت ہی سے خطاب کرتے ہیں اگر جسم ہوتا تو کسی جگہ میں ہوتا اور ہر جگہ سے اس کو خطاب نہ ہوتا۔ (روح البیان)۔

تفسیر صوفیانہ : شریعت مشرق ہے اور طریقت مغرب ظاہر مشرق ہے اور باطن مغرب' نور مشرق ہے اور ظہور مغرب۔ شریعت میں رہ کر ظاہری عبادت کرو' سر سے سجدے کرو یا طریقت میں آکر قلبی سجدے گزارو غرض کسی طرف جاؤ رب کو پاؤ گے۔ شریعت اور ظاہر بھی اس لئے ہیں اور طریقت اور ظلمت اور ظہور بھی اس لئے نیز زاہدین حرم کے میدان میں کعبہ کی دیوار کے سایہ میں نماز شریعت پڑھتے ہیں مگر عاشقین کربلا کے میدان میں تلواروں کے سائے کے نیچے نماز عشق ادا کرتے ہیں مگر جہاں جاؤ رب کو پاؤ گے لیکن خیال رہے کہ جب عشق کی وادی سینا میں قدم رکھو تو طبیعت اور نفس کے جوتے اتار دو تاکہ **انا اخترتک** کا خطاب پاؤ۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : اے جماعت صحابہ تمہاری مشرق و مغرب یعنی پیدائش و ذات اللہ کے لئے ہے تو اے صحابہ جدہر تم منہ کرو گے اوہر ہی اللہ کی رحمت ہے اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا** اور وہ حدیث ہے کہ میری امت کے 73 فرقے ہوں گے ایک جنتی باقی دوزخی۔ جنتی فرقہ وہ ہے جو میرے صحابہ کے طریقے پر ہو جو صحابہ کو چھوڑ کر کلمہ' قرآن' نماز پڑھے' حج کرے وہ مردود ہے کیونکہ مقبولیت تو صحابہ کے ساتھ ہے دیکھو جب حضور انور اور

www.alahazratnetwork.org

صحابہ مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تو مسلمانوں کو بلا عذر مکہ میں رہنا حرام ہو گیا حالانکہ مکہ میں بیت اللہ وغیرہ سب کچھ تھا اور صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عثمان غنی صلح کا پیغام لے کر مکہ معظمہ گئے تو کفار نے آپ سے کہا کہ آپ کے لئے کعبہ حاضر ہے۔ طواف و سعی و عمرہ کرلیں حضرت عثمان نے فرمایا کہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے کعبہ ویران ہے میں عمرہ نہیں کر سکتا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم موجود نہ ہوں کعبہ جسم طواف کعبہ دل یعنی حضور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی کروں گا۔ لہٰذا جس مذہب میں صحابہ رضی اللہ عنہم ہوں۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جہاں صحابہ کی قبریں ہوں وہاں اللہ کی رحمتیں ہیں۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ
اور کہا انہوں نے بنایا اللہ نے بچہ پاک ہے اس کو بلکہ واسطے اس کے ہے جو بیچ آسمانوں
اور بولے خدا نے اپنی اولاد رکھی پاکی ہے اسے بلکہ اسی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں اور
وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۞ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
اور زمین کے ہے سب واسطے اس کے اطاعت کرنے والے ہیں ایجاد کرنے والا آسمانوں اور زمین کا
زمین میں ہے سب اس کے حضور گردن ڈالے ہیں نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا
وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞
اور جب فیصلہ کر دے کسی بات کا پس اس کے سوا نہیں کہتا ہے واسطے اس کے ہو جا پس وہ ہو جاتی ہے
اور جب کسی بات کا حکم فرمائے تو اس سے یہی فرماتا ہے کہ ہو جا وہ فوراً ہو جاتی ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار مسلمانوں کو مسجدوں میں اللہ کا ذکر کرنے سے روکتے تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ خود بھی اس کا ذکر نہیں کرتے بلکہ اسے گالیاں دیتے ہیں۔ یعنی ان مسلمانوں کو روکنا اپنی عبادت کے لئے نہیں ہے بلکہ خباثت نفس سے ہے۔ **دوسرا تعلق**: پہلے فرمایا گیا تھا کہ کفار مسجدوں کے دشمن ہیں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ خود خدا کے بھی دشمن ہیں کہ اس میں عیب نکالتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ سارے جہاں کا اللہ ہی مالک ہے۔ اور یہ ایسی کھلی ہوئی بات تھی جس کا کوئی بے وقوف بھی انکار نہیں کر سکتا اب فرمایا جا رہا ہے ان بے وقوفوں نے اس قدر صاف مسئلہ کا بھی انکار کر دیا کہ رب کے لئے اولاد مانی اور ظاہر ہے کہ اولاد والا ساری چیزوں کا مالک نہیں ہو سکتا جیسا کہ ان شاء اللہ تفسیر میں معلوم ہو گا۔

شان نزول : یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانا اور مشرکین عرب نے فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں بتایا کیونکہ یہ سب خدائی کام کرتے ہیں اور کسی کو نظر نہیں آتے لہٰذا وہ اس کی بیٹیاں ہیں ان سب کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **و قالوا** اس کا فاعل یہود' نصاریٰ' مشرکین سب ہیں۔ چونکہ **فمن اظلم ممن منع** میں ان سب کی طرف اشارہ ہوچکا ہے لہذا ان سب کی طرف ضمیر کالوٹنا صحیح ہوگیا۔ **اتخذ اللہ ولدا** " اتخاذ کے دو معنی ہیں ایک مشقت یعنی اختیار کرنا دوسرے تصویر یعنی بنانا پہلے معنی میں اس کا ایک ہی مفعول ہوتا ہے' اور دوسرے معنی میں دو اگر یہاں پہلے معنی مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ نے اپنے لئے کچھ اختیار کیا اور اگر دوسرے معنی مراد ہوں تو اس کا پہلا مفعول پوشیدہ ہوگا یعنی اللہ نے اپنی بعض مخلوقات کو اپنا (متبنیٰ) منہ بولا بیٹا بنایا اور یہ دونوں باتیں رب کے حق میں گالی ہیں۔ اگرچہ ہمارے واسطے درست جیسا کہ مفعول ہونا عورتوں کے لئے عیب نہیں مگر مردوں کے حق میں گالی ہے۔ اہل کتاب نے تو اس کے لئے بیٹا مانا تھا اور مشرکین نے بیٹی۔ اس لئے **ولدا** فرمایا جو کہ دونوں کو شامل ہے۔ یعنی بچہ۔ ولد مصدر ہے۔ جس کے معنی ہیں جننا۔ مگر یہاں مولود کے معنی میں ہے اپنے متبنیٰ کو بھی مجازاً "ولد کہہ دیتے ہیں جیسے **او نتخذہ ولدا** " مجازاً پیداوار کو بھی کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہ الارض گلاز عفران زمین جنتی نیز تربیت دینے اور پرورش کرنے کو بھی تولید کہہ دیتے ہیں۔ اس معنی سے رب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ **انا ولدتک** میں نے تمہاری پرورش کی بے وقوف عیسائیوں نے انہیں ولد یعنی خدا کا بیٹا سمجھ لیا نیز اس زمانہ میں رب کو باپ اور پیاری مخلوق کو اولاد کہا کرتے تھے۔ یہودیوں نے ان لفظوں کو غلط معنی میں استعمال کرنا شروع کردیا اور کہا **نحن ابناء اللہ و احباؤہ** یہاں **قالوا** سے مراد یا تو قائل ہونا اور معتقد ہونا ہے یا زبان سے کہنا۔ **قالوا** فرما کر اشارۃً "کہا گیا ہے کہ اس عقیدے اور قول کے وہ لوگ خود ذمہ دار ہیں نہ انہوں نے یہ اپنی طرف سے کہا ہے نہ تو ان سے ہم نے فرمایا نہ ہمارے نبیوں نے نہ ہماری کتابوں نہ ان سچے دینوں کے سچے مومنین نے رب تعالیٰ نے ان سب کی چند طرح تردید فرمائی اول یہ کہ **سبحنہ** اس کے لئے پاکی ہے سبحان سبح سے بنا ہے جس کے لغوی معنی ہیں تیرنا اور دور ہونا کل **فی فلک یسبحون** اصطلاح میں ہر عیب سے پاک ہونے کو بولتے ہیں کیونکہ پاک ذات ہم جیسوں کے وہم و گمان سے دور ہے اسی سے تسبیح بنا جس کے معنی ہیں رب کو پاک جاننا۔ خیال رہے کہ چونکہ سبحان میں ہر عیب سے کامل پاکی مراد ہے۔ اس لئے کسی مخلوق کے واسطے یہ لفظ نہیں بولا جاسکتا بخلاف حمد و تکبیر کے کہ اسے مخلوقات بھی آپس میں استعمال کرلیتی ہیں۔ (تفسیر عزیزی)۔ سبحان میں فرمایا کہ الوہیت باپ ہونے کے خلاف ہے اور رب **اب** نہیں ہوسکتا کیونکہ بیٹا باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔ رب جنسیت سے پاک ہے نیز بیٹا مجبوراً "اختیار کیا جاتا ہے اور رب مجبوری سے بھی پاک ہے۔ نیز بیٹا باپ کا جزو ہوتا ہے رب اس سے بھی پاک ہے۔ نیز بیٹے میں ماں کی امداد ضروری ہے۔ رب دوسرے کی امداد سے بھی پاک ہے نیز بیٹے کے لئے رب کی بیوی ماننا پڑے گی اور رب بیوی سے پاک ہے۔ نیز ضروری ہے کہ بیوی شوہر کی کفو یعنی مثل ہو۔ رب مثلیت سے پاک اسی لئے فرمایا گیا۔ **و لم یکن لہ کفوا احد** غرضیکہ الوہیت اور باپ ہونا کبھی جمع ہو ہی نہیں سکتے یہ سب دلائل سبحان میں بتائے گئے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تعجب کے لئے سبحان کہا گیا ہو ہم لوگ بھی ایسے موقعہ پر سبحان اللہ معاذ اللہ وغیرہ بولتے ہیں۔ دوسری دلیل: **بل لہ ما فی السموت والارض** یہ در حقیقت دو دلیلیں ہیں۔ اس آیت کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ کفار کا رب کے لئے **ولد** ماننا غلط ہے۔ بلکہ آسمان و زمین کی تمام چیزیں اس کی ملکیت ہیں اور ظاہر ہے کہ باپ بیٹے کا مالک نہیں ہوسکتا تو اگر اس کے لئے اولاد ہوتی تو رب تعالیٰ بعض کا تو مالک ہوتا اور بعض کا باپ یا یہ کہ ہر چیز رب کی مخلوق ہے اور بیٹا مخلوق نہیں بلکہ مولود ہوتا ہے۔ لہذا لازم آئے گا کہ بعض چیزیں رب کی مخلوق ہوں اور بعض مولود۔ دوسرے یہ کہ اولاد باپ کے مال کی ایک طرح مالک و قابض ہوتی

www.alahazratnetwork.org

ہے فرمایا گیا اللہ ہی کی ہیں آسمان و زمین کی چیزیں۔ اگر اس کی اولاد ہوتی تو یہ چیزیں رب کی بھی ہوتیں اور اولاد کی بھی۔ **تیسری دلیل:** یہ ہے کہ **کل لہ قنتون** ہر چیز اصل کی مطیع ہے۔ قانتون۔ قنوت سے بنا۔ جس کے چار معنی ہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری جیسے **اقنتی لربک** کھڑا ہونا جیسے طول القنوت چپ رہنا۔ جیسے **قوموا للہ قانتین** ہمیشہ رہنا یہاں چاروں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی ہر چیز رب کی فرمانبردار ہے اس کے سامنے کھڑے ہو کر عبادت گزار ہے اس کے احکام پر خاموش ہے اور ہمیشہ اس کی محتاج ہے یہ نہیں کہ صرف پیدا ہوتے وقت اس کی محتاج تھی بعد میں غنی ہو گئی۔ اولاد اولاً ماں باپ کی محتاج ہوتی ہے پھر ان سے بے پرواہ بلکہ اخیر میں خود ماں باپ اولاد کے محتاج۔ اگر رب کی بھی اولاد ہوتی تو معاذ اللہ یا تو وہ اس کا محتاج ہوتا یا کم از کم وہ اولاد اس سے غنی ہوتی۔ نیز خدا کی اولاد بھی خدا ہی ہونی چاہئے تھی اور خدا دوسرے کی عبادت نہیں کر سکتا۔ لہذا عالم کی بعض چیزیں تو اس کی مطیع ہوتیں۔ بعض نہ ہوتیں۔ **چوتھی دلیل:** یہ ہے کہ **بدیع السموات والارض** وہ آسمان و زمین کو ایجاد فرمانے والا ہے۔ **بدیع** بدع سے بنا جس کے معنی ہیں بغیر نمونہ کے بنانا اور جب رب کے لئے اس کا استعمال ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بغیر آلہ اور مادہ اور زمانہ اور مکان کے کسی چیز کو وجود دینا اسی سے بنا ہے بدعت یعنی دین میں نیا عقیدہ داخل کرنا۔ یہ بھی در حقیقت اولاد نہ ہونے کی دو دلیلیں ہیں اور اس کے بھی دو مطلب ہیں ایک یہ کہ بدیع بمعنی مبدع ہو اور **السموت والارض** اس کا مفعول یعنی رب تعالیٰ آسمان و زمین جیسی بڑی چیزوں کو بغیر نمونہ بغیر مثال بغیر مادہ اور بغیر آلہ کے پیدا فرمانے والا ہے تو انسان اور فرشتے بھی ایسے ہی پیدا فرمائے۔ اور باپ وہ۔ جس سے اس کی مثل اس کے مادہ سے اور آلہ سے بچہ بنے لہذا رب کسی کا باپ نہیں۔ دوسرے یہ کہ بدیع اپنے معنی میں ہو اور **السموت والارض** اس کا فاعل ہو۔ یعنی رب تعالیٰ انوکھے آسمان و زمین والا ہے۔ (روح البیان) اور لائق بیٹا وہ ہوتا ہے جو باپ سے بڑھ چڑھ کر کام کرے یا کم از کم اس کے برابر ہے اور اگر اس کی کوئی اولاد ہے تو بتاؤ اس کے آسمان و زمین کہاں ہیں۔ **پانچویں دلیل:** یہ ہے کہ **واذا قضی امرا**۔ **قضی** قضاء سے بنا ہے۔ اور **قضاء** قرآن کریم میں چند معنوں میں استعمال ہوا۔ (1) پیدا کرنا **فقضھن سبع سموت** (2) حکم دینا **وقضی ربک**۔ (3) فیصلہ کرنا۔ اسی لئے حاکم کو قاضی کہتے ہیں۔ (4) خبر دینا **وقضینا الی بنی اسرائیل** اس معنی کے لئے الیٰ ضروری ہے۔ (5) فارغ ہونا **فلما قضی ولوا الی قومھم** اور فرمایا گیا **لقضی الامر**۔ (6) پورا کر لینا جیسے **فلما قضی زید**۔ (7) ارادہ کرنا۔ یہاں یا تو فیصلہ کرنے کے معنی ہیں یا ارادہ کرنے کے یا حکم دینے کے خیال رہے کہ قضاء قدر میں یہ فرق ہے کہ قدر کے معنی ہیں اندازہ کرنا اور قضا کے معنی ہیں حکم یا فیصلہ دینا (ع) لہذا قدر اندازہ ہے اور قضا اس سے نافذ کرنا۔ پس قدر قضا سے پہلے ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ **نفر من قضاء اللہ الی قدر اللہ** یعنی ہم اللہ کے حکم سے اس کی قدر کی طرف بھاگتے ہیں قدر سے ہی تقدیر بنی۔ **فانما یقول لہ کن فیکون** یعنی وہ اپنے پیدا فرمانے میں کسی مادہ وغیرہ کا حاجت مند نہیں بلکہ صرف کن فرمانا اور ارادہ کا تعلق کافی ہوتا ہے اور بیٹے میں یہ بات نہیں لہذا وہ اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! یہ مسجدوں سے تم کو اس لئے نہیں روکتے کہ خود وہاں رب کی عبادت کریں گے یہ بد نصیب اس کی عبادت تو کیا کرتے اسے گالیاں دیتے ہیں اس کے لئے نہ ہوئی بات مانتے ہیں خیال تو کرو کہ کیسی گندی بات اس کے لئے مان بیٹھے۔ کہ کہتے ہیں کہ رب نے بھی ہماری طرح اپنے لئے اولاد اختیار فرمائی یا جس نے بعض مخلوق کو اپنا منہ بولا بچہ بنایا سبحان اللہ

www.alahazratnetwork.org

یہ کیونکر ممکن ہے رب تو پاک ہے آسمانی اور زمینی چیزوں کا واحد مالک ہے آسمان اور زمین جیسی زبردست مخلوقات کو بغیر نمونہ ' بغیر مادہ ' بغیر آلات و اسباب ایجاد فرمانے والا ہے اس کی شان تو یہ ہے کہ جب کسی بات کا فیصلہ فرمائے تو اس سے کن فرماتا ہے اور اس کا ارادہ اس چیز کے متعلق ہو جاتا ہے جس سے وہ چیز فوراً پیدا ہو جاتی ہے جس کی ایسی اعلیٰ صفتیں ہوں وہ اولاد ہونے سے بلند و بالا ہے۔ خیال رہے کہ یہود و نصاریٰ نے حضرت عزیر و مسیح علیہما السلام کا ایک ایک معجزہ دیکھ کر انہیں اللہ کا بیٹا کہہ دیا۔ کیونکہ ان قوموں میں اپنے انبیاء علیہ السلام کا میلاد شریف پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ ورنہ انہیں معلوم ہو تا رہتا کہ وہ حضرات ماں سے پیدا ہوئے ماں کا دودھ پیتے رہے۔ فلاں کی پرورش میں رہے اور جو پیدا ہو کر دودھ پئے پرورش کیا جائے وہ اللہ یا اللہ کا بیٹا نہیں ہو سکتا اس لئے رب تعالیٰ نے حضرت مسیح و موسیٰ وغیرہم انبیائے کرام علیہم السلام کا میلاد شریف قرآن کریم میں بہت تفصیل سے بیان کیا۔ مسلمان دن رات حضور کا میلاد شریف پڑھتے رہتے ہیں ہمیشہ ان میں یہ دستور ہے اسی لئے حضور کے ہزارہا معجزات دیکھ کر سن کر بھی کسی مسلمان نے حضور کو نہ خدا کہا نہ خدا کا بیٹا۔ یہ میلاد شریف کا ذکر شرک توڑ ہے۔ محض میلاد کی برکت سے ہی لوگ شرک سے بچے۔

رب کے اولاد سے پاک ہونے کے دلائل

حق تعالیٰ کے اولاد سے پاک ہونے کی بہت سی دلیلیں ہیں جن میں سے کچھ تو یہاں بیان ہوئیں اور کچھ سورہ اخلاص شریف میں کچھ دیگر آیتوں میں آئیں گی ہم قدرے تفصیل سے بطور اختصار کچھ بیان کرتے ہیں۔ **دلیل اول:** اولاد کی ضرورت مغلوب کو ہوتی ہے کبھی تو شہوت سے مغلوب ہو کر جماع کرتا ہے۔ جس سے اولاد ہو جاتی ہے کبھی دشمنوں کی قوت سے مجبور ہو کر اولاد کی خواہش کرتا ہے جو اپنا قوت بازو ہو اور اس کے ذریعہ رشتہ داریاں بڑھیں اور یہ مجبور ہو کر نہ رہے۔ رب تعالیٰ ہر قسم کی مغلوبی سے پاک ہے۔ لہٰذا اولاد سے پاک۔ **دوسری دلیل:** بدلنے والی چیز اولاد کی خواہش مند ہو سکتی ہے غیر متبدل کی اولاد نہیں انسان سمجھتا ہے کہ مجھ کو بڑھاپا بھی آنے والا ہے اس وقت عصاء پیری یعنی فرزند چاہئے' چاند' تارے' سورج وغیرہ چونکہ بدلتے نہیں اسی لئے ان کی اولاد بھی نہیں۔ رب تعالیٰ بھی تبدیلی سے پاک اس لئے اولاد سے بھی پاک۔ **تیسری دلیل:** فانی کو اولاد درکار تاکہ اس کی نسل باقی رہے۔ انسان اپنی نسل کی بقاء اپنے بعد اپنے گھر کی آبادی اور اپنے نام کو زندہ رکھنے کے لئے اولاد چاہتا ہے جانوروں کی نسل کی بقا بھی اولاد ہی سے ہے بعض علم طبیعات والے فرماتے ہیں کہ درختوں بلکہ پتھروں میں بھی توالد و تناسل ہے۔ بعض درخت نر اور بعض مادہ ہیں نر کی ہوا مادہ کو لگتی ہے جس سے وہ پھلوں سے حاملہ ہو جاتی ہے۔ بعض درختوں میں تو اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے جیسے ارنڈ کھجور وغیرہ کی حدیث تابیر نخل کا مطلب ہے۔ جس کو ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں بیان کیا چونکہ آسمانی چیزیں قیامت تک فانی نہیں اس لئے ان کی اولاد بھی نہیں اور رب تو واجب الوجود ہے۔ اس لئے اولاد سے پاک۔ **چوتھی دلیل:** اولاد باپ کی ہم جنس چاہیے۔ آپ کے جسم کے کیڑے۔ جوئیں وغیرہ آپ کی اولاد نہیں اگر رب کی اولاد ہوتی تو اس کے ہم جنس ہوتی اور جنس کے لئے فصل ضروری اور جنس فصل کے لئے مادہ ضروری اسی لئے رب کا مادی ہونا لازم آتا ہے۔ اور وہ تو مادہ سے پاک لہٰذا اولاد سے بھی پاک۔ **پانچویں دلیل:** اولاد میں ماں باپ کے سے

www.alahazratnetwork.org

ذاتی صفات چاہئے۔ انسان کا بچہ انسان کی طرح ضاحک، متعجب وغیرہ ہونا چاہئے اگر رب کے اولاد ہوتی تو وہ اس کی طرح واجب، قدیم، خالق وغیرہ ہوتی اور پھر اولاد ہونے کی وجہ سے اس سے پیچھے ہوتی۔ واجب قدیم ہونا پیچھے ہونے کے خلاف ہے۔ لہذا رب اولاد سے پاک ہے۔ **چھٹی دلیل:** اولاد جو اپنی جز یعنی نطفے سے پیدا ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بیٹے نہیں۔ سیدنا آدم مٹی کے بیٹے نہیں آپ کے سر کی جوں وغیرہ آپ کی اولاد نہیں کیونکہ وہ آپ کے نطفے سے نہیں اور رب تعالیٰ نطفے سے پاک لہذا وہ اولاد سے پاک۔ **ساتویں دلیل:** اولاد میں ماں کی شرکت ہوتی ہے کہ اس کے کچھ اعضاء باپ کے نطفے سے بنتے ہیں کچھ ماں کے۔ اگر رب کی اولاد ہوتی تو اس میں ماں کی شرکت ہو جاتی اور رب اس کا مستقل خالق نہ ہوتا اور یہ تو بڑا عیب ہے لہذا وہ اولاد سے پاک ہے۔ **آٹھویں دلیل:** اولاد ایک وقت تک ماں باپ کی محتاج پھر ان سے بے پرواہ اور پھر معاملہ برعکس کہ ماں باپ بعض کاموں میں اولاد کے محتاج اور رب تعالیٰ محتاجی سے پاک۔ لہذا وہ اولاد سے بھی پاک۔

نویں دلیل: اکثر اولاد والا خود بھی کسی سے نکلتا ہے جب رب کسی سے بنا نہیں تو اس کی بھی کوئی اولاد نہیں اسی لئے فرمایا۔ لم یلد و لم یولد آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے۔ (تفسیر عزیزی)۔ **دسویں دلیل:** باپ کی تربیت ناقص ہوتی ہے کہ وہ بچے کو پال کر استاد اور شیخ کے حوالہ کرتا ہے اور اگر خود ہی علم و معرفت کا اسے درس دے تو بھی باپ ہونے کی حیثیت سے نہیں بلکہ استاد اور شیخ ہونے کی حیثیت سے دے گا۔ اور رب کی پرورش کامل ہے کہ بندوں کے جسم اور روح و قلب اور قالب کو پالتا ہے لہذا وہ کسی کا باپ نہیں۔ **گیارہویں دلیل:** بیٹا باپ کا خادم ہوتا ہے نہ کہ عابد' اسی طرح اس کا شریک ہوتا ہے نہ کہ اس کی مخلوق تو اگر رب کی کوئی اولاد ہوتی تو خادم ہوتی اس کی عابد نہ ہوتی لہذا رب کی معبودیت ناقص رہ جاتی۔ **بارہویں دلیل:** بیٹا اپنے باپ کا شریک ہوتا ہے نہ کہ بندہ اور مملوک شہزادہ اپنے باپ کی رعایا نہیں کہلاتا بلکہ اس کی سلطنت کا حصہ اور اگر باپ اپنے بیٹے کو خریدے تو وہ فوراً" آزاد ہو جاتا ہے۔ لہذا اگر رب کا بیٹا ہوتا تو وہ اس کا بندہ نہ ہوتا۔ بلکہ اس کا برابر کا حصہ دار۔ **تیرہویں دلیل:** باپ بہت آہستگی سے بیٹا حاصل کر سکتا ہے نہ کہ ایک دم کہ اس کا نطفہ عورت کے پیٹ میں نو ماہ تک پرورش پاتا ہے۔ رب اپنے پیدا فرمانے میں آہستہ پر مجبور نہیں لہذا وہ اولاد سے پاک۔ **چودہویں دلیل:** بیٹا اپنے باپ کا نمونہ اور ہم شکل ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ ہم شکل اور کسی کا نمونہ بننے سے پاک ہے لہذا وہ اولاد سے بھی پاک۔ **پندرہویں دلیل:** بیٹے تین قسم کے ہیں۔ پوت' سپوت اور کپوت۔ پوت وہ ہے جو باپ کے برابر کمال دکھائے' سپوت وہ جو باپ سے بڑھ جائے' کپوت وہ جو باپ سے گھٹا ہوا رہے بلکہ اس کے نام کو ڈبو دے اگر رب کے بیٹا ہوتا تو سوال ہوتا کہ وہ کس قسم کا ہے۔ اگر سپوت ہے تو چاہئے اس کی مخلوق رب کی مخلوق سے بڑھی ہوئی ہو کہ رب کے سات آسمان ہیں تو اس کے کم از کم آٹھ تو ہوں اور اگر پوت ہے تو خالقیت اور مالکیت وغیرہ میں برابر ہونا چاہئے تھا اور کپوت ہوتا تو یہ بیٹے کے عیب اور باپ کی مجبوری پر دلالت کرتا ہے کہ بیٹا تو نالائق رہا اور باپ اسے درست نہ کر سکا۔ یہ پندرہ دلیلیں ہوئیں یہ تمام اور ان کے علاوہ اور بہت سے دلائل اسی آیت سے نکل سکتے ہیں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: مسلمان بھی کہتے ہیں کہ رب کے بعضے بندے محبوب اور بعضے خلیل اس کے حبیب ہیں جیسے کہ رب بیٹے سے پاک ہے چاہئے کہ دوست بنانے سے بھی پاک ہو۔ **جواب:** محبوبیت' خلت اصطفائی' عبدیت کے خلاف

www.alahazratnetwork.org

نہیں ہو سکتا ہے کہ بادشاہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو اپنا مقبول بارگاہ کرے اسی سے وہ غلام ہی رہیں گے مگر بیٹا ہو نا بندے ہونے کے خلاف ہے جیسا کہ ہم دلائل میں بیان کر چکے۔ لہٰذا رب اولاد سے پاک ہے ہاں! اس کے بعض بندے اس کے پیارے محبوب ہیں کہ اس کا حق بندگی خوب ادا کرتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: قانتون سے معلوم ہوتا ہے رب کے سارے بندے اس کے مطیع اور فرمانبردار ہیں حالانکہ بہت بندے کافر اور نافرمان بھی ہیں۔ جواب: یہاں فرمایا ہے کہ کل لہ قانتون یہ نہ کہا گیا لاحکامہ قانتون کفار اور شیاطین رب کے شرعی احکام سے منکر ہیں نہ کہ اس کے ارادے کے کہ جب چاہے جس کو چاہے فنا کر دے بیمار بنادے غنی یا فقیر کر دے ان احکام سے کوئی باہر نہیں۔ نیز ساری مخلوق تسبیح اضطراری کر رہی ہے کہ اس کی ہستی اپنے بنانے والے کی قدوسیت اور قدرت پر گواہی دے رہی ہے۔ تسبیح اختیاری کرے یا نہ کرے۔ تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا لہ ما فی السموت۔ ما بے عقل چیزوں کے لئے آتا ہے تو کیا بے عقل چیزیں رب کی ہیں اور عقل والی کسی اور کی۔ جواب: ہر بے عقل اور عقل والی اللہ کی مخلوق ہونے میں مثل بے عقل کے ہیں کیونکہ بمقابلہ عاقل کے بے عقل پر مالک کا زیادہ قبضہ ہوتا ہے غلام کے مقابل جانور وغیرہ بے عذر خدام ہیں۔ تو یہاں فرمایا گیا کہ ساری مخلوق بے عقل چیز کی طرح اس کی بے عذر مملوک ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہر چیز کن (ہو جا تو) کہہ کر پیدا فرماتا ہے۔ بتاؤ یہ حکم کس نے سنا اور کس کو سنایا گیا۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ نیز کن بھی تو ایک چیز ہے بتاؤ یہ کس کن سے پیدا ہوئی۔ نیز کن خود حادث چیز ہے کہ کاف اور نون سے بنا اور یہ عربی زبان کا ایک لفظ ہے۔ جس کے لئے مضارع اور مادہ ضروری تو کیا رب تعالیٰ اپنے خالق ہونے میں حادث چیز کا محتاج ہے۔ نیز اگر کن میں موجود کرنے کی تاثیر ہے تو ہمارے ہزار ہا کن سے کچھ نہیں بنتا۔ جواب: تفسیر عزیزی میں اس کا نہایت نفیس جواب دیا گیا کہ کن سے مراد ہے پیدا کرنا اور ارادہ کا متعلق کرنا اور فیکون سے مراد ہے فوراً چیز کا پیدا ہو جانا تو کن کہنا مقصود ہے۔ اور نہ کسی کو سنانا مراد تو مطلب یہ ہوا کہ باپ بیٹے کے حاصل کرنے میں بہت محنت کرتا ہے اور کاریگر چیز کے بنانے میں بہت سامان جمع کرتا ہے رب تعالیٰ کو مخلوق کے پیدا کرنے میں نہ صورت مادہ وغیرہ سامان کی ضرورت نہ محنت کی حاجت بلکہ اس کی شان یہ ہے کہ جس چیز کے کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ فوراً پیدا ہو گئی۔ پانچواں اعتراض: عقلاء اور علماء کی اتنی بڑی جماعت نے ایسی غلط بات کیسے کہہ دی یہ تو کوئی بے وقوف بچہ بھی نہیں کہہ سکتا۔ جواب: اس کی وجہ ہم تفسیر میں بتا چکے کہ پہلے رب کو باپ کہہ کر پکارتے تھے اور اپنے کو اس کا بیٹا کہتے تھے نیز رب نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ و لدتک وانت نبی۔ جس کے معنی تھے کہ ہم نے تم کو نبی پیدا فرمایا عیسائیوں نے نبی کو ابنی بنایا اور ولادت کو جننے کے معنی میں لیا اور ترجمہ یہ کیا کہ میں نے تم کو جنا ہے۔ اور تم میرے بیٹے ہو۔ نیز رب نے بنی اسرائیل کو خطاب کر کے فرمایا تھا یا احباری و یا ابناء رسلی یعنی اے میرے دین کے عالمو اور اے میرے پیغمبروں کی اولاد جس کو یہود نے یوں بنایا کہ یا احباءی و یا ابنائی یعنی اے میرے پیارے بیٹو (تفسیر روح البیان)۔ اور حق تو یہ ہے کہ خدا جب دین لیتا ہے تو سمجھ بھی چھین لیتا ہے۔ جب بے دین پیپل اور گائے کو خدا مان سکتے ہیں تو ان کے لئے خدا کا بیٹا ماننا کیا مشکل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ایک ہی پھول کا رس بھڑ کے پیٹ میں پہنچ کر زہر اور شہد کی مکھی کے پیٹ میں پہنچ کر شہد بن جاتا ہے ایسے

www.alahazratnetwork.org

ہی رب کا کلام اور اس کے احکام مومنین کے دماغ میں پہنچ کر باعث شفا بنتا ہے اور کفار کی بیماری بڑھاتا ہے اسی توارت اور انجیل سے بعض حضرات مومن کامل بنے تھے اور انہیں کتابوں سے بے نورے لوگ بے دین بنے کہ خدا کے لئے اولاد وغیرہ مان بیٹھے اور جیسا کہ خدا کے لئے اولاد ماننا کفر ہے ایسے ہی کسی مخلوق کو موجود مستقل ماننا بے دینی ہے **ما سوا اللہ بذاتہ** معدوم ہے۔ رب کے ارادے سے موجود اور اس کی ذات سے تمام وہی وجود مطلق ہے۔ باقی تمام اس کے تعینات جب تک کہ انسان اپنے کو دوئی کے بھنور سے نکال کر بحر توحید میں غرق نہ کرے اور اپنا دامن قلب شرک جلی و خفی سے پاک نہ کرے اس کی کوئی عبادت قبول نہیں مسلمان کے لئے تین قلعے ہیں ایک ذکر اللہ' دوسرے تلاوت قرآن' تیسرے اس کی ظاہری اور باطنی مسجد ظاہر مسجد تو مصلے ہے۔ اور باطنی مسجد صدق اور اخلاص خیال رہے کہ تسبیح گویا گولی ہے۔ اور اخلاص بارود اور الفاظ کارتوس اور زبان بندوق۔ بے شک گولی ہی شکار کرتی ہے مگر بارود اور رائفل کی مدد سے قلب میں اخلاص نہ ہو۔ عقیدہ درست نہ ہو' زبان جھوٹ وغیرہ سے پاک نہ ہو تو فقط الفاظ کیا کام کریں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہست تسبیحت بخار آب و گل مرغ جنت شدز نغ صدق دل

(ماخوذ از تفسیر ابن عربی و روح البیان)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ

اور کہا انہوں نے جو نہیں جانتے ہیں کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا آئی ہمارے پاس نشانی

اور جاہل بولے اللہ ہم سے کیوں نہیں کلام کرتا یا ہمیں کوئی نشانی ملے

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ

مثل اس کے کہا انہوں نے جو ان کے پہلے سے تھے مثل کلام ان کے مشابہ ہو گئے

ان سے اگلوں نے بھی ایسی ہی کہی ان کی سی بات ان کے دل

قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۞

دل ان کے بے شک ظاہر فرما دیں ہم نے نشانیاں واسطے اس قوم کے جو یقین رکھتی ہے

ایک سے ہیں بے شک ہم نے نشانیاں کھول دیں یقین والوں کے لیے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اب تک اہل کتاب کی بکواس کا ذکر تھا اب خالص مشرکین کے بیہودہ گفتار کا تذکرہ ہے۔ یا اس سے پہلے اہل کتاب اور خالص مشرکین کی مشترکہ باتیں بیان کی گئیں اب خالص جہلاء مشرکین کے اقوال کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی ان باتوں کا ذکر کیا گیا جو توحید کے خلاف ہیں اب ان

www.alahazratnetwork.org

کی اس گفتار کا سلسلہ ہے جو نبوت کے مخالف۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا تھا کہ کفار نے رب کی بعض مخلوق کو اتنا بڑھایا کہ اسے خدا کا بیٹا بنا لیا اب فرمایا جارہا ہے کہ انہوں نے خود اپنے کو اتنا اونچا سمجھا کہ ہم رب سے کلام کرنے کے لائق ہیں۔

شان نزول: ایک دفعہ رفیع ابن خزیمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں تو اللہ سے فرمادیجئے کہ وہ ہم سے کلام کرے اور ہم سنیں کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر خزائن العرفان)۔

تفسیر: **و قال الذین** جاہلوں نے کہا ظاہر یہ ہے کہ اس سے مشرکین عرب مراد ہیں۔ جو حقیقتہ" آسمانی کتابوں سے جاہل تھے اور ممکن ہے کہ اہل کتاب بھی مراد ہوں، جو دیدہ دانستہ جاہل بنتے تھے اور رب نے بھی ان کو جاہل اس واسطے فرمایا کہ یہ لوگ عالم بے عمل تھے جو کہ مثل جاہل کے ہوتا ہے یا بعض احکام کو غلط جانے بیٹھے تھے اور غلط جاننا نہ جاننے سے بدتر ہے۔ (روح و کبیر) **لولا یکلمنا اللہ** لولا جب ماضی پر آتا ہے تو نہ کرنے پر ملامت کے معنے دیتا ہے جیسے تو کل کیوں نہ آیا اور مضارع پر آکر فاعل کو راغب کرتا ہے جیسے کہ تو میرے پاس کیوں نہ آئے گا یعنی ضرور آ۔ یہاں کفار بظاہر رغبت کا کلمہ بول رہے تھے۔ لیکن حقیقتہ مذاق اڑاتے تھے یا تو یہ کہتے تھے کہ جب رب تعالیٰ بعض پیغمبروں سے بلاواسطہ کلام کرتا ہے۔ اور یا یہ کہ جب رب تعالیٰ آپ سے فرشتوں کے ذریعہ کلام فرماتا ہے تو ہم پر فرشتے کیوں نہیں آتے غرضیکہ وہ اپنے کو یا تو فرشتوں کی مثل سمجھتے ہیں یا پیغمبروں کی۔ علماء فرماتے ہیں کہ اس کفر کی وجہ یہ تھی کہ کفار اپنے میں اور نبی میں فرق نہ کرتے تھے نبی سے خبردار نہ تھے یہ بھی کہتے تھے کہ ہم اور نبی کھانے پینے، سونے جاگنے میں یکساں ہیں تو مرتبوں میں بھی برابر ہم کو ان کے واسطے وسیلے کی ضرورت نہیں جب مسجد کی اینٹ پاخانہ کی اینٹ کے برابر نہیں اور قرآن کا کاغذ ناول کے کاغذ کے برابر نہیں اگرچہ ایک ہی کارخانہ میں بنے تو نبی اور گندے لوگ کیسے یکساں ہوسکتے ہیں۔ جب تم ابوجہل کے برابر نہیں نبی تمہارے برابر کس طرح ہوسکتے ہیں تم نے حضور علیہ السلام کا کھانا پینا دیکھا ان کا معراج پر جانا اور پتھروں کا کلمہ پڑھنا نہ دیکھا **او تاتینا اٰیۃ** یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آئی؟ یعنی قرآن کریم و دیگر معجزات ان کے نزدیک نشانیاں ہی نہیں اپنی خاطر خواہ نشانی چاہتے تھے اور کہتے یہ تھے کہ قریب کا راستہ اختیار کرنا چاہئے رب تعالیٰ نے ہماری ہدایت کے لئے اتنا بعید راستہ کیوں اختیار کیا کہ وہ فرشتے سے اور فرشتہ آپ سے اور آپ ہم سے یا معمولی معجزات ہم کو دکھائے آسان طریقہ یہ تھا کہ یا تو براہ راست ہم سے کلام فرمالیتا اور کوئی ایسی نشانی بھیجتا جس سے ہم مجبوراً" آپ کو مان لیتے مثلاً یہ کہ مکہ مکرمہ کی بے آب و دانہ زمین میں چشمے جاری ہو جاتے یا آسمان پھٹ کر ہم پر گرتا یا فرشتے صف باندھ کر ہمارے سامنے آجاتے یا آپ کا گھر سونے چاندی کا ہو جاتا یا آپ ہمارے سامنے آسمان پر جاکر ساری کتاب ایک دم لے آتے ان بے وقوفوں کو اب تک ایمان تو میسر نہیں اور ملائکہ اور انبیاء کی ہمسری کا دعویٰ کر رہے ہیں ان کا یہ مطالبہ کرنا گویا اپنے لئے نبوت یا ملکیت کا مانگنا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی بکواس سے غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ آپ پر ہی پہلا سوال نہیں ہوا بلکہ **کذلک قال الذین من قبلھم** اسی طرح ان کے اگلے کفار نے بھی اپنے پیغمبروں سے مطالبے کئے یعنی جیسے کہ محض ضد سے نہ کہ طلب حق کے لئے یہ لوگ مطالبے کر رہے ہیں۔ ایسے ہی ان سے پہلوں نے بھی کئے تھے۔ **مثل قولھم** اور جو مطالبے انہوں نے کئے تھے وہی یہ کر رہے ہیں۔ خیال رہے کہ کذلک

www.alahazratnetwork.org

تشبیہ کلام کے لئے ہے اور مثل قولھم تشبیہ کلام کے لئے یعنی یہ لوگ اگلے کفار کی طرح بدنیتی سے اسی قسم کے سوالات کرتے ہیں جو انہوں نے کئے چنانچہ بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ رب دکھا دو۔ مشرکین کی طرح ہمارے لئے بھی چند خدا بنا دو۔ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ کیا آپ کا رب آسمان سے دسترخوان اتار سکتا ہے وغیرہ وغیرہ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ یہ لوگ اور وہ زمانہ، جگہ، زبان، جسم، قوت، عمر وغیرہ میں مختلف ہیں۔ مگر تشابھت قلوبھم دل ان سب کے ایک رنگ کے ہیں۔ یعنی عناد، سخت ضد اور اندھے پن میں یہ اور وہ یکساں ہیں کیونکہ زبان کا ترجمان قلب ہے جب ان کے کلام یکساں تو یقیناً دل بھی یکساں خیال رہے کہ تشابہ اور تشبیہ میں فرق یہ ہے کہ تشبیہ میں مشبہ بہ مشبہ سے اکثر اعلیٰ ہوتا ہے مگر تشابہ میں دونوں بالکل یکساں۔ اسی لئے یہاں تشابہت فرمایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ کفر میں اپنے اگلوں سے کم نہیں بالکل برابر ہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہے ہیں محض عناد سے ہے نہ کہ ایمان لانے کی نیت سے۔ رہا ان کا یہ اعتراض کہ ہم پر نشانی کیوں نہیں آتی اس کا جواب یہ ہے کہ قد بینا الایت ہم نے ایک نہیں دو نہیں بلکہ صدہا نشانیاں ظاہر فرمادیں اول تو سر سے پاؤں تک خود آپ ہی رب کی کھلی نشانی ہیں۔ پھر آپ کے حالات قرآن پاک کی آیات اور صاحب قرآن کے معجزات اسلام کی حقانیت پر گواہی دے رہے ہیں کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ آپ کے اشارے سے چاند پھٹ گیا آپ کو پتھروں نے سلام کیا آپ کے حکم سے کنکاروں نے کلمہ پڑھا، آپ کے اشارے پر درخت چلے، آپ کے فراق میں لکڑی کا ستون رویا۔ آپ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری ہوئے، آپ سے قیدی ہرنی نے شکایت اور بے زبان اونٹنی نے دردِ دل کی حکایت کی، آپ کے صدق کی بھیڑیوں نے گواہی دے دی۔ آپ کی برکت سے تھوڑے سے کھانے پر لشکر سیر ہوا، آپ کے ہاتھ لگنے سے سخت بیماریاں دور ہوئیں اور بلا جو دیکہ آپ نے کسی انسان سے علم نہ سیکھا مگر عرب کے فصحا اور بلغاء نے زانوئے ادب تہ کئے کیا یہ معجزات ناکافی ہیں ان کے ہوتے ہوئے اور کیا چاہتے ہیں لیکن بات یہ ہے کہ یہ تمام علامتیں لقوم یوقنون اس قوم کے لئے ہے جس میں یقین کرنے کا مادہ ہو یا جو یقین حاصل کرنے کے لئے ان پر نظر کرے یا جن کا ایمان اور یقین ازل میں مقدر ہو چکا ہو ضدی اور جھگڑالو جو کہ اپنے کو غالب اور دوسرے کے عاجز کرنے کی نیت سے مطالبہ کرتے ہیں وہ کسی چیز سے بھی فائدہ حاصل نہیں کرسکتے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے عالم و جاہل حماقت اور بے دینی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر ہیں ان کے علماء نے تو رب کے لئے اولاد مانی اور ان کے جہلاء نے تو حد ہی کردی کہنے لگے کہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو خدا تعالیٰ ہم سے منہ درمنہ کیوں نہیں کہہ دیتا کہ آپ نبی ہیں۔ اتنے واسطے درمیان میں کیوں رکھے اگر یہ نہیں تو ہمارے پاس ایسی نشانی کیوں نہیں آ جاتی جس سے ہم آپ کو مجبوراً مان لیں۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ نیا سوال نہیں ہے بلکہ گذشتہ انبیاء سے بھی کفار نے ایسی ہی خرافات بکی تھیں اگر ہر شخص میں رب سے کلام کرنے کی قابلیت ہوتی تو دنیا میں انبیاء کے بھیجنے کی ضرورت ہی کیا تھی ہر شخص رب سے پوچھ کر حلال و حرام عبادات و ریاضات کے مسائل حاصل کرلیا کرتا رب نور ہے اور مادہ ظلمت کیونکر ممکن ہے کہ ظلمت نور تک پہنچ سکے رب جس کو چاہتا ہے اسے ظلمت مادہ سے نکال کر عالم انوار میں لاتا ہے اور اس کے سر پر نبوت کا تاج رکھتا ہے پھر اس سے بلاواسطہ یا بالواسطہ ملائکہ کلام فرماتا ہے۔ یہ بے وقوف ظلمت مادہ تو کیا تاریکی کفر سے تو نکلے نہیں اور

www.alahazratnetwork.org

رب سے کلام کرنے کا حوصلہ کر رہے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ مجھے حکیم کی کیا ضرورت یا حاکم و بادشاہ کی کیا حاجت ہر شخص حاکم اور حکیم کیوں نہیں بن جاتا یہ نادانی اور جہالت ہے۔ ایک ملحد کسی بزرگ سے بولا کہ مجھ کو خدا دکھاؤ انہوں نے کہا کہ یہ کیا مشکل ہے اور اسے دھوپ میں کھڑا کر کے اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا۔ وہ آنکھیں بند کرنے لگا تو ان بزرگ نے چپت لگا کر فرمایا کہ آنکھ کھول وہ بولا کیسے کھولوں کھلتی نہیں تو فرمایا آفتاب کو رب کے نور سے کوئی نسبت ہی نہیں وہ تو **نور السموت والارض** ہے سورج تو اس کا پرتو بھی نہیں۔ جب تیری آنکھ میں اس کی تاب نہیں تو اس کی تاب کیسے لائے گا۔ رب کو دیکھنے والی آنکھ تو بنواؤ' دکھا میں دوں گا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ ان کفار کی زبانیں اور زمانہ مختلف ہے مگر دل سب کے یکساں ہیں کہ سب پر کفر کا یکساں غلاف چڑھا ہوا ہے۔ رہا ان کا دوسرا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ ہم نے آپ کے سچے ہونے کی صدہا کھلی نشانیاں بھیج دیں مگر کس کے لئے یقین والوں کے لئے جن میں یقین کا مادہ ہی نہیں ان کے لئے سب بیکار بہرے کے سامنے دلکش نغمے و اندھے کے سامنے حسن و جمال بیکار اور ان کے من مانے معجزات اور مجبور کرنے والے نشانات نہ بھیجے جائیں گے کیونکہ ایمان اختیاری پر ثواب ملتا ہے نہ کہ اضطراری پر اور نبوت ایمان لانے کے لئے ہے نہ کہ تماشے دکھانے کے لئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنے کو بڑا سمجھنا جہالت ہے عقلمند وہ ہے جو سب سے پہلے اپنا درجہ پہچانے دیکھو رب تعالیٰ نے ہم کلامی و رب کے مطالبہ کو جہالت فرمایا۔ **دوسرا فائدہ:** بیداروں کے لئے معمولی اشارہ کافی ہے اور قلب غافل کے لئے کھلے ہوئے معجزات بھی ناکافی چونکہ ان کفار کے قلب غافل تھے انہوں نے اتنی نشانیوں کو نشانی ہی نہ مانا لیکن قسمت والوں نے صرف سن کر ایمان قبول کر لیا۔ **تیسرا فائدہ:** یقین اور ایمان محض اپنی کوششوں سے نہیں ملتا یہ عطائے الٰہی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** وسیلہ انبیاء کا انکار کفر ہے بلاواسطہ اچھی چیز مانگنا بھی بے دینی۔ ان کفار نے رب سے بلاواسطہ ہی ہم کلامی چاہی تھی۔ جس پر عتاب فرمایا گیا اور فرمایا کیا اتنے بڑھ گئے تو آپ سے مستغنی ہو گئے۔ **پانچواں فائدہ:** جو وسیلہ انبیاء کا منکر ہے وہ نہ اپنے کو پہچانتا ہے نہ رب کو انسان اگر اپنی مجبوری اور رب کی قہاری کو جانتا ہے تو ایسی غلط خواہش کر سکتی نہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے فرمایا **لا یعلمون** -

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیتیں یقین والوں کے لئے ہیں جن کو پہلے ہی سے یقین ہے ان کو آیتوں کی ضرورت کیا؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اہل یقین سے مراد وہ لوگ ہیں جن میں یقین کی لیاقت اور استعداد ہے نہ وہ کہ جنہیں یقین بالفعل حاصل ہے دوسرے یہ کہ اہل متقین سے وہ مراد ہیں جو یقین حاصل کرنے کی کوشش کریں ضدی اور ہٹ دھرم نہ ہوں۔ تیسرے یہ کہ اہل یقین سے ایسے یقین والے مراد ہیں جن کا یقین علم الٰہی میں آچکا ہے چوتھے یہ کہ اس یقین سے فطری یقین مراد ہے یعنی یہ جو کہ یوم میثاق کے یقین پر قائم رہے دنیا کی بری صحبتوں نے اس کو وہم و شک کی ظلمتوں میں پھنسا نہ دیا ہو' **دوسرا اعتراض:** رب نے کفار کو جواب دیتے ہوئے اگلے کافروں کا ذکر کیوں کیا۔ **جواب:** تاکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کو ان اعتراضات سے تکلیف نہ پہنچے اور وہ خیال فرمالیں اور انبیاء کرام سے بھی ایسی کج بحثیاں کی گئی تھیں۔

تفسیر صوفیانہ : علم توحید تمام علوم کی اصل ہے جو توحید سے جاہل رہا وہ رب کی آیات اور اس کے کلام سے بھی ناواقف ہے

www.alahazratnetwork.org

چونکہ اگلے پچھلے کفار اس علم سے محروم رہنے میں یکساں تھے۔ اس لئے ان کی کج بحثیاں بھی یکساں۔ خیال رہے کہ علم اور ایمان ہر قوم کو یکساں فائدہ پہنچاتے ہیں۔ ایسے ہی جہالت و بے دینی ہر ایک کے لئے یکساں مضر دیکھو اگلے اور پچھلے کفار اگرچہ زمانہ اور زبان وغیرہ میں مختلف تھے۔ مگر چونکہ کفر میں شریک تو ان سے کلام بھی یکساں صادر ہوئے۔ اسی طرح حضرت صدیق اکبر اور حسن بصری وغیرہ بعد والے حضرات زمانہ وغیرہ میں مختلف تھے مگر چونکہ سلسلہ ایمانی میں سب جکڑے ہوئے تھے اور ہر قریب بعید پر ایک ہی آفتاب نے تجلی فرمائی تھی۔ لہذا وہ چمکنے میں یکساں رہے۔ اگرچہ درجات میں فرق ہو اسی لئے آخرت میں جہنم سب اگلے پچھلے کفار کو اپنے میں جمع کرے گی اور جنت سارے مومنین کو کیونکہ یہ دونوں قومیں دنیا میں بھی کفر یا ایمان میں جمع تھیں۔ نیز ایمان ہر چیز کو صحیح دکھاتا ہے اور کفر غلط کفار خود حقیر تھے مگر ان کے کفر نے انہیں عظیم دکھایا اور اللہ تبارک و تعالیٰ جل شانہ کی آیتیں عظیم تھیں۔ مگر انہیں حقیر معلوم ہوئیں۔ حق تعالیٰ ہمیں حق کو حق اور باطل کو باطل دکھائے۔ (آمین)

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْــَٔلُ عَنْ
تحقیق ہم نے بھیجا آپ کو ساتھ حق کے خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہ سوال کیے جائیں گے
بے شک ہم نے تمہیں حق کے ساتھ بھیجا خوشخبری اور ڈر سنایا اور تم سے دوزخ والوں کا
اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ۝۱۱۹
آپ بابت میں دوزخ والوں کے
سوال نہ ہوگا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ کفار نے عناداً معجزات مانگے اور رب نے ان کے جوابات بھی دیئے تھے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو ان سے مناظرہ کرنے کے لئے بھیجا ہی نہیں آپ ان کے بکواس سے تنگ دل نہ ہوں۔ آپ نے اپنا مقصد رسالت پورا فرما دیا گویا پہلے کلام کا رخ کفار کے جواب کی طرف تھا اور اب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے تسکین خاطر کی طرف۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے بہت سی آیتیں ظاہر فرمائی ہیں اب ان آیات کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے کہ مجموعہ آیات آپ کی ذات اور صفات ہیں۔ تیسرا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ کفار رب سے ہم کلامی کا مطالبہ کرتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ اگر ایمان لے آئیں تو ان کو یہ ہم کلامی کا درجہ حاصل ہے کیونکہ ہم نے آپ سے کلام کیا اور یہ لوگ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کریں۔ تو گویا یہ ہم سے ہی کلام کریں گے۔ جیسے عید کے ہلال میں تمام دنیا کے مسلمانوں کی نگاہیں جمع ہو جاتی ہیں سب طالب ہوتے ہیں وہ مطلوب ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی ذات بابرکات میں تمام نگاہیں جمع ہیں۔ تمام مخلوق بھی آپ کو دیکھتی ہے اور خالق عالم کی بھی نظر آپ پر ہے۔ جو رب سے ملنا چاہے وہ حضور سے ملے۔

www.alahazratnetwork.org

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور مصطفیٰ

اسی طرح جو رب کو دیکھنا چاہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی زیارت کرے۔ جن آنکھوں نے رب ذوالجلال کو دیکھا۔

جنہاں اکھیاں نے دلبر ڈٹھا اوہ اکھیں تک لیاں تو ملیوں تو ساجن ملیا ہن آساں لگ گیاں

شان نزول : تفسیر روح البیان و عزیزی نے صراحۃً اور تفسیر مدارک نے اشارۃً فرمایا کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ کاش میں اپنے والدین کا انجام معلوم کرلوں تب یہ آیت کریمہ اتری اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی اپنے والدین کا ذکر نہیں فرمایا۔ لیکن شیخ جلال الدین سیوطی نے اس روایت کو ضعیف فرمایا اور کہا کہ اس صورت میں یہ آیت گذشتہ سے بے ربط بھی ہو جائے گی۔

تفسیر : **انا ارسلنک** اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کو بھیجا ہے یعنی آپ مخلوق کی طرف ہمارا عزیز ہدیہ ہیں اور جو شخص کہ شاہی ہدیہ کی قدر نہ کرے وہ یقیناً بادشاہ کے عتاب میں آتا ہے۔ نیز آپ پہلے ہی سے ہماری بارگاہ میں حاضر تھے آپ کی تکمیل کرکے اور نبوت کا تاج آپ کے سر پر رکھ کر آپ کو بھیجا اب جو آپ میں عیب نکالے وہ در حقیقت ہم میں عیب نکالتا ہے کیونکہ سند یافتہ شاگرد میں عیب نکالنا در حقیقت سند دینے والے کا انکار ہے۔ نیز ہم نے اور تمام مخلوق کو تو پیدا کیا ہے تم کو بھیجا ہے یعنی دیگر لوگ اپنا کام کرنے اپنی ذمہ داری پر دنیا میں گئے اور تم ہمارا کام کرنے ہماری ذمہ داری پر گئے۔ **بالحق بشیرا ونذیرا** " حق سے یا تقاضاء حکمت مراد ہے یا صداقت و حقانیت یا معجزات و آیات یا دلائل قدرت یا سچا دین اور یا قرآن کریم اور یا **الحق** کا تعلق یا تو **ارسلنا** سے ہے یا **مبشرا** " یا **تبسا** " پوشیدہ سے اور یا بشیر ' نذیر سے یعنی ہم نے آپ کو بہ تقاضائے حکمت یا صداقت و حقانیت دے کر یا دلائل و معجزات سے مضبوط کرکے یا دین تو ہم نے قرآن عطا فرما کے بھیجا یا آپ کو سچا بشیر نذیر بنا کر بھیجا۔ **بشیر** تو **تبشیر** سے بنا جس کے معنی ڈرانا ہے نذر بھی اسی لئے نذر کہا جاتا ہے کہ اس کے پورا نہ کرنے میں عذاب کا ڈر ہے۔ اگرچہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں اور نذیر بھی مگر اطاعت کرنے والوں کے لئے بشیر اور نافرمانوں کے لئے نذیر نیز اور انبیاء بھی بشیر نذیر تھے لیکن وہ سن کر اور حضور دیکھ کر کیونکہ حضور نے معراج میں چشم سر رب کو دیکھا اور جنت کی وہ نعمتیں بھی ملاحظہ فرمائیں جو کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی کان نے سنیں۔ اور نہ کسی کے وہم و گمان میں آئیں۔ جہنم کی ساری چیزوں کو بھی دیکھا لہٰذا دیگر انبیاء کرام کی بشارت کامل ہے اور آپ کی اکمل **ترولا تسئل عن اصحب الجحیم** اس کی دو قراء تیں ہیں ایک **ولا تسئل** نفی مجہول اور ایک **لاتسئل** نہی معروف جحیم جحمۃ سے بنا ہے جس کے معنی ہیں شعلہ نار کی تیزی۔ پہلی قراءت پر اس عبارت کے تین معنی ہیں ایک یہ کہ جہنمی کفار کے متعلق آپ سے باز پرس نہ ہوگی کہ یہ ایمان کیوں نہ لائے کیونکہ آپ نے اپنا فرض تبلیغ پورا انجام دے دیا نیز تبلیغ آپ کا کام تھا ہدایت ہمارا کام ہم اپنے کام کا آپ سے سوال نہ کریں گے کہ انہیں ہدایت کیوں نہ دی دوسرے یہ کہ حدیث میں آتا ہے کہ اگلی امتوں کے کفار اپنے انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گے امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیاء کے حق میں گواہی دے گی۔ اس گواہی پر وہ کفار جرح کریں گے کہ تم نے وہ زمانہ نہ پایا بغیر دیکھے گواہی کیوں دے رہے ہو۔ جس کی توثیق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے اور آپ کی گواہی ہم

www.alahazratnetwork.org

انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہوگی۔ اور کفار کو بھی اب جرح کرنے کی جرات نہ ہوگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لتکونوا شهداء على الناس و يكون الرسول عليكم شهيدا** " یہی واقعہ اس آیت میں بتایا جارہا ہے کہ اے محبوب تم کلیم اللہ یا روح اللہ تو نہیں کہ قیامت کے میدان میں آپ کا کفار سے مقدمہ ہو بلکہ آپ حبیب اللہ ہیں کسی کافر کو آپ کی تبلیغ کے انکار کی جرات نہ ہوگی اور کسی کو آپ کی گواہی پر جرح کرنے کی جرات نہ ہوگی۔ تیسرے یہ کہ حضور کو اپنے والدین ماجدین کے متعلق فکر تھی کہ ان کا انجام کیا ہوا اور اگر وہ جنتی ہوئے تو لوگ سوال کریں گے کہ آپ کے والدین کو آپ سے فائدہ کیوں نہ ہوا تو تسکین دی گئی کہ اے محبوب کوئی شخص آپ سے یہ سوال نہیں کر سکتا کیونکہ وہ جہنمی ہیں ہی نہیں ' سوال تو جب ہو کہ جہنمی ہوں خیال رہے کہ قضیہ سالبہ موضوع کے وہ نہ ہونے پر بھی صادق آجاتا ہے۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں سوال تو جب ہو کہ اوروں سے تو اپنی ذات اور اپنی اولاد وغیرہ کے متعلق سوال ہو گا کہ تمہارے اہل و عیال گمراہ یا گنہگار کیوں ہوئے مگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے اس قسم کا نہ حساب کتاب ہو گا نہ سوال و جواب کیونکہ آپ تو خود معصوم ہیں اور آپ کے سارے اہل و عیال مومن اور گناہوں سے محفوظ اور کیوں نہ ہوں آسمان کا سورج ہزارہا میل سے گندی زمین کو سکھا کر پاک کر سکتا ہے تو دونوں جہاں کا سچا سورج صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو کیونکر نہ پاک فرمادے۔ آپ کے اہل قرابت میں سے جو لوگ ایمان نہ لائے ان کا اپنا قصور ہے آپ نے تبلیغ میں پوری کوشش فرمادی۔ چمگادڑ بے نور رہتے ہیں آفتاب بے قصور ہے لہٰذا آپ سے اس قصور کا کوئی سوال نہ ہوگا۔ دوسری قرات یعنی لا تسئل بصیغہ نہی کے یہ معنی ہیں کہ اے محبوب علیہ السلام برزخیوں یعنی آپ اپنے ماں باپ کا حال کچھ نہ پوچھو کیونکہ یہ آیت انہیں کے بارے میں آئی ہے۔ انشاء اللہ یہ بحث خلاصہ تفسیر میں آئے گی۔

خلاصہ تفسیر : کفار کے جوابات ارشاد فرما کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی جاتی ہے کہ آپ ان کے اوندھے سوالات سے ناخوش نہ ہوں خود ہم نے نہ کہ کسی اور نے آپ کو دین حق یا قرآن کریم یا معجزات دے کر بھیجا ہے تاکہ آپ ماننے والوں کو بشارت دیں۔ اور منکروں کو آنے والی مصیبت سے ڈرائیں جو اس بشارت اور خوف سے ایمان لائے گا وہ سچا مومن ہے کسی کو جبراً ایمان پر لانا ہمارا کام نہیں کیونکہ جبری ایمان پر کوئی ثواب نہیں ملتا جو آپ پر اعتبار نہ کرے اپنے دلائل پیش کرے کہ ثواب کس چیز کا ملتا ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی بد نصیب آپ کی بات نہ مانے تو آپ سے کوئی پرسش نہ ہو گی کیونکہ آپ نے تبلیغ میں کوئی کوتاہی نہیں فرمائی یا جو آپ کی بات نہ مانے وہ جہنمی ہے اور ان کی ذلت و خواری و رسوائی اور سختی عذاب کا حال کچھ مت پوچھو وہ بیان کے قابل نہیں۔ خیال رہے محبوب پاک جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو حجاز کی سرزمین میں تریسٹھ سال کے لئے بھیجا گیا۔ مگر رسالت شریف کو ہمیشہ کے لئے سارے عالم میں بھیجا گیا۔ جیسے سورج خود تو چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کی چمک دمک سارے جہاں میں۔ اس آیت میں حضور کی رسالت کا ذکر ہے **وانت حل بهذا البلد** آپ کے جسم پاک کے مکہ معظمہ میں رہنے کا تذکرہ ہے اسی لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ آپ کو کہاں بھیجا اور کب تک کے لئے بھیجا سرکار فرماتے ہیں۔ **خیر القرون قرنی** اس میں اپنی حیات جسمانی کا ذکر ہے اور فرماتے ہیں **انا والساعة کھاتین** اس میں حیات رسالت کا ذکر ہے غرضیکہ زمانہ نبی اور ہے اور زمانہ نبوت کچھ اور حضور کا زمانہ نبوت ابد الآباد تک ہے اور جہاں رب کی

www.alahazratnetwork.org

خدائی وہاں حضور کی مصطفائی ہے۔

حضور کے والدین کے ایمان کی بحث

حضرت آمنہ خاتون اور حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ایمان میں بہت گفتگو کی گئی ہے۔ بعض ظاہرین علماء نے اس آیت کریمہ سے ان کا جنتی ہونا سمجھا۔ ہم اس بارے میں نہایت منصفانہ تحقیقات کرتے ہیں۔ ناظرین سے امید انصاف ہے اور حضور سید المرسلین علیہ السلام اور ان کے پروردگار رب العالمین تبارک و تعالیٰ سے امید قبول۔ خیال رہے کہ اس مسئلہ میں چار قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ دونوں حضرات نہ زندگی میں مومن تھے نہ موت کے وقت اور نہ اب۔ یہ قول ملا علی قاری وغیرہ کا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں خاموشی چاہئے ان کا حال رب جانے۔ تیسرے یہ کہ دونوں حضرات بوقت موت تو ایمان پر نہ تھے لیکن اب مومن ہیں۔ چوتھے یہ کہ وہ زندگی میں موحد مومن تھے بوقت وفات بھی توحید پر قائم رہے اور اب وہ دین اسلام پر ہیں یہ اخیر قول ہی صحیح ہے۔ جمہور علماء کا یہی عقیدہ ہے سکوت کرنے والے کہتے ہیں کہ ان کے ایمان و کفر دونوں کے دلائل ملتے ہیں لہٰذا اس مسئلہ میں زبان نہ کھولنی چاہئے اور ان کے متعلق نیک گمان ہی لازم ہے۔ جو لوگ کہ انہیں زندگی میں کافر اور اب مومن مانتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ بعض روایتوں سے ان کا مشرک ہونا معلوم ہوتا ہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے انہیں حج وداع کے موقعہ پر زندہ کر کے کلمہ پڑھایا جیسے کہ شامی نے امام قرطبی اور امام ناصر الدین وغیرہم سے روایت کی جو لوگ کہتے ہیں کہ وہ پہلے بھی ایمان پر نہ تھے اور اب بھی نہیں۔ وہ کچھ آیتیں، کچھ احادیث، کچھ بزرگان دین کے اقوال اور دلائل عقلی پیش کرتے ہیں۔ **پہلی دلیل:** یہی آیت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے والدین کا حال دریافت کرنا چاہا تو فرمایا گیا کہ آپ جنمیوں کا حال نہ پوچھئے۔ معلوم ہوا کہ وہ حضرات اس وقت بھی جنمی ہیں۔ نعوذ باللہ من ذالک، ان کی **دوسری دلیل:** ایک بار حضور علیہ السلام نے اپنی والدہ کے لئے دعائے مغفرت کی اجازت چاہی تب یہ آیت اتری۔ **ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین ولو کانوا اولی قربی** جس میں فرمایا گیا کہ آپ مشرکین کے لئے دعائے مغفرت نہ کریں جس سے معلوم ہوا کہ معاذ اللہ وہ اب بھی مشرک ہیں ان کی **تیسری دلیل:** مشکوٰۃ باب زیارت القبور میں مسلم کی روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی خود بھی روئے اور دوسروں کو بھی رلایا۔ اور فرمایا کہ میں نے ان کی مغفرت کے لئے رب سے اجازت چاہی تھی نہ ملی۔ اور ان کی زیارت قبر کی اجازت چاہی مل گئی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمنہ خاتون مومنہ نہیں ہیں معاذ اللہ ان کی **چوتھی دلیل:** حضور علیہ السلام نے ایک بدوی سے فرمایا کہ میرے اور تمہارے والد دوزخ میں ہے نیز دوسری روایت میں آتا ہے کہ دو صاحبوں نے پوچھا ہماری مائیں کہاں ہیں تو فرمایا دوزخ میں۔ انہوں نے پوچھا آپ کی والدہ کہاں ہیں تو فرمایا کہ میری والدہ بھی تمہاری ماں کے ساتھ ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ دوزخ میں ہیں۔ ان کی **پانچویں دلیل:** امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں کہ حضور کے والدین ماجدین نے کفر پر وفات پائی۔ امام کے قول کے ہوتے ہوئے حنفیوں کو حق نہیں کہ ان

www.alahazratnetwork.org

کو مومن مانیں۔ ان کی چھٹی دلیل: والدین کریمین کو زندہ کر کے ایمان دینا عقل و نقل کے خلاف ہے۔ نقلاً تو اس لئے کہ یہ حدیث ضعیف ہے عقلاً اس واسطے کہ نزع سے پہلے کا ایمان معتبر ہے۔ وقت موت اور بعد موت کا ایمان ناقابل قبول بلکہ عذاب الٰہی دیکھ کر زندگی میں بھی معتبر نہیں ہوتا دیکھو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا تو فرمایا گیا **الئن وقد عصیت قبل** پہلے نافرمانی کر کے اب ایمان لاتا ہے تو ان دونوں حضرات کا وفات کے بعد والا ایمان کیسے معتبر ہوگا رب فرماتا ہے۔ **فیمت وھو کافر** نیز فرماتا ہے **ولا الذین یموتون وھم کفار** نیز قیامت سے پہلے مردوں کا اٹھنا بھی خلاف عقل ہے۔ محققین علماء یہ کہتے ہیں کہ وہ دونوں حضرات اپنی زندگی اور وفات میں موحد مومن تھے اور اب مسلمان بلکہ مسلمانوں کے سردار اور صحابی ہیں وہ جہنم کے قریب بھی نہیں ہمارے دلائل حسب ذیل ہے۔ ہماری پہلی دلیل: یہی آیت کریمہ ان کے متعلق جو شان نزول بیان کی جاتی ہے وہ ضعیف ہے۔ دیکھو کتاب التعظیم والمنہ مصنفہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ بلکہ اس کے معنی تو وہ ہیں جو کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ آپ سے جہنمیوں کے بارے میں سوال ہی نہ ہوگا کیونکہ آپ کے والدین جنتی ہیں۔ سوال کیسا؟ دوسری دلیل: رب فرماتا ہے **لقد جاء کم رسول من انفسکم** ایک قرات میں ف کے فتحہ سے ہے یعنی تمہارے پاس یہ عظمت والے رسول نفیس ترین جماعت میں سے تشریف لائے اور کافر نفیس نہیں بلکہ خبیث ہے معلوم ہوا کہ حضور کے والدین بلکہ سارے آباؤ اجداد اعلیٰ مومن ہیں۔ ہماری تیسری دلیل: رب فرماتا ہے **و تقلبک فی السجدین** اے نبی علیہ السلام ہم آپ کے مومنین کی پشتوں اور شکموں میں دورے کو دیکھ رہے ہیں یعنی از آدم تا عبداللہ آپ کے سارے آباؤ اجداد مومن اور عابد رہے دیکھو تفسیر مدارک و جمل وغیرہ ہماری چوتھی دلیل: مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں بروایت بخاری ہے کہ حضور فرماتے ہیں **بعثت من خیر قرون بنی ادم قرنا فقرنا حتی کنت من القرن الذی کنت منہ۔** جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام ہمیشہ انسانوں کی بہتر جماعت میں منتقل ہوتے رہے یعنی آپ کے نور کی گردش بھی پاک پیٹھوں اور پیٹوں میں رہی اور پیدائش شریف بھی بہترین پشت و شکم سے ہوئی اور مشرک خیر نہیں بلکہ شر ہے۔ ہماری پانچویں دلیل: مشکوٰۃ زیارت القبور کی وہ حدیث کہ حضور علیہ السلام کو آمنہ خاتون کی قبر کی زیارت کی اجازت ملی نہ کہ استغفار کی اگر وہ کافرہ ہوتیں تو زیارت قبر کی اجازت نہ ملتی قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ولا تقم علی قبرہ انھم کفروا باللہ و رسولہ وماتوا و ھم فسقون۔** جس سے معلوم ہوا کہ کفار کی قبر کی زیارت منع ہے۔ رہا استغفار کی اجازت نہ ملی وہ اس لئے نہیں کہ وہ کافرہ تھیں بلکہ اس لئے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ گنہگار تو وہ جس کو شرعی احکام پہنچیں اور وہ ان کی مخالفت کرے ان تک شریعت کے احکام پہنچے ہی نہیں اسی لئے بچے کی نماز جنازہ میں دعائے مغفرت نہیں ہوتی۔ رہا حضور کا گریہ فرمانا وہ محبت فرزندی کے جوش سے ہے کہ آج وہ زندہ ہوتیں تو ہماری اس شان کو دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی فرماتیں۔ ہماری چھٹی دلیل: آج تک دلیل قوی تو کیا کسی ضعیف دلیل سے بھی ان دونوں صاحبوں کی بت پرستی یا عقیدہ کفر ثابت نہیں ہوا بلکہ ان کے اقوال سے ان کے ایمان کا پتہ لگتا ہے۔ چنانچہ علامہ سیوطی نے اپنی کتاب التعظیم والمنہ میں بروایت دلائل النبوت مصنفہ ابو نعیم بیان کیا کہ آمنہ خاتون نے اپنی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ پاک پر حسرت سے نظر کی اور ان کی یتیمی پر خیال کر کے یہ اشعار پڑھے۔

www.alahazratnetwork.org

بارک اللہ فیک من غلامی یا ابن الذی من حومتہ الحمام
فانت مبعوث الی الانام من عند ذی الجلال والا کرام
تبعث فی الحل والحرام تبعث بالتحقیق والاسلام
دین ابیک البر براھام فاللہ انھاک عن الاصنام

یعنی اے اللہ بیٹے تجھے برکت دے۔ مجھے یقین ہے کہ تم رب کی طرف سے ساری مخلوق کے نبی ہو گے۔ اور حل و حرم' عرب و عجم میں اسلام پھیلاؤ گے۔ اللہ تمہیں بت پرستی سے بچائے گا۔ اور دین ابراہیمی تم سے پھیلائے گا اور پھر فرمایا:

"و کل حی میت و انا میتہ و ذکری باق و قد ترکت خیرا" و ولدت طھرا"

یعنی میں تو مرجاؤں گی مگر میرا ذکر قیامت تک رہے گا کیونکہ میں نے بہترین چیز پاک فرزند چھوڑا ہے۔ اس سے ان کے دین ابراہیمی پر قائم ہونے کا پتہ لگتا ہے۔ ہماری ساتویں دلیل: حضور کی پیدائش سے پہلے آپ کی تشریف آوری کی دھوم مچ گئی تھی۔ لوگ آپ کی نبوت' آپ کے بت شکنی اور دیگر صفات کے خطبے پڑھ رہے تھے حضرت عبد اللہ نے بہت سے عجائب خود دیکھے تھے۔ آمنہ خاتون نے حمل شریف اور ولادت پاک میں بہت معجزات مشاہدہ کیے حتیٰ کہ اصحاب فیل کا عجیب و غریب واقعہ دیکھا کہ اس حمل پاک کی برکت سے جماعت فیل کو ابابیل نے مار دیا زمانہ حمل میں ہر ماہ ایک پیغمبر خواب میں حضرت آمنہ کو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی بشارت' ان کے اوصاف کی خبر دیتے رہے۔ ایک دفعہ حلیمہ دائی نے آپ سے عرض کیا کہ تمہارے فرزند کا سینہ چاک کیا گیا ہے میں ڈرتی ہوں تو آپ نے فرمایا مت ڈر یہ بچے نبی ہیں انہیں شیطان وغیرہ نقصان نہیں پہنچا سکتے وغیرہ وغیرہ تو کیونکر ممکن ہے کہ یہ باتیں دیکھ کر بھی وہ بت پرست ہی رہیں۔ ہماری آٹھویں دلیل: ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی تھوڑی سی خوشی کی تو اسے عذاب میں تخفیف ہو گئی۔ آپ کی قبر انور عرش اعظم سے افضل جس مچھلی کے پیٹ میں یونس علیہ السلام رہے وہ عرش سے اعلیٰ جس سیپ میں موتی رہے وہ قیمتی تو جو والدہ پاک نو مہینہ اس در یتیم کو اپنے صدف شکم میں رکھے اور ان کے پیدا ہونے کی خوشیاں منائے کیونکر ممکن ہے کہ وہ جہنمی ہو۔ ہماری نویں دلیل رب فرماتا ہے وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا" یعنی ہم کسی قوم کو بغیر ان میں رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں دیتے تو ان دونوں صاحبوں کی طرف دعوت تبلیغ پہنچی ہی نہیں تو عذاب کیسا۔ دسویں دلیل: شیخ فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کی ماں کافرہ نہ ہوئیں تو حضور کی والدہ کا کافر ہونا کیونکر ممکن ہے۔ ہماری گیارہویں دلیل: اصحاب فترت یعنی عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی لوگوں کے لئے فقط عقیدہ توحید کافی ہے اور اسی سے ان کی نجات ہے یہ دونوں صاحب عین جوانی میں وفات پا گئے' چنانچہ حضرت عبد اللہ کی عمر پچیس سال ہوئی اور آمنہ خاتون کی اس سے بھی کم لہذا انہیں صحبت کفار کم ملی۔ ہماری بارہویں دلیل: ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر دعا کی تھی۔ و من ذریتنا امتہ" مسلمتہ" لک مولیٰ! ہماری اولاد میں ایک مسلمان جماعت رکھنا پھر فرمایا تھا وابعث فیھم رسولا" منھم اور اسی مسلمان جماعت میں آخری نبی بھیجنا وہ دعا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوری ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم جماعت سے پیدا ہوئے اس کی تفسیر ان آیات کی تفسیر میں دیکھو۔ قائلین کفر کے دلائل حسب ذیل ہیں اور ان کے جواب یہ ہیں۔ اول اس لئے کہ اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کے بارے میں ہے ہی نہیں۔ دیکھو شامی اور کتاب التعظیم والمنہ

www.alahazratnetwork.org

اور تفسیر کبیر و عزیزی وغیرہ۔ لیکن دوسری دلیل اس لئے کہ یہ آیت ما کان للنبی حق یہ ہے کہ ابو طالب کے بارے میں آئی یا ان مسلمانوں کے بارے میں جنھوں نے اپنے مشرک ماں باپوں کے لئے دعائے مغفرت کا ارادہ کیا تھا۔ بخاری نے بھی اس کا نزول ابو طالب کے حق میں مانا۔ جو روایت تم نے پیش کی ہے اس کو ناقدین حدیث نے سخت ضعیف کہا اور ضعیف حدیث سے کفر جیسا اہم مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ دیکھو تفسیر خزائن العرفان یہی آیت۔ ان کی تیسری دلیل زیارت قبر والی اس کا جواب ہم اپنے دلائل میں دے چکے۔ رہی چوتھی دلیل وہ اس لئے کہ محدثین نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث منسوخ ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان کی نجات کے علم سے قبل فرمایا تھا دیکھو شامی باب المرتدین یا یہ حدیث سخت ضعیف ہے اگرچہ مسلم نے روایت کی دیکھو کتاب التنظیم یا یہاں ابی سے مراد چچا ابو طالب ہیں اہل عرب چچا کو باپ کہہ دیا کرتے ہیں۔ قرآن فرماتا ہے لابیہ ازر اور چچا کو باپ فرمایا گیا نیز فرماتا ہے۔ اٰبائک ابرٰھیم و اسمٰعیل و اسحٰق پانچویں دلیل: اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ اکبر کے نسخوں میں بہت اختلاف ہے۔ بعض میں ہے کہ ماتا علی الکفر اور بعض میں ہے ما ماتا علی الکفر یعنی ان کا انتقال کفر پر نہ ہوا اور بعض نسخوں میں یہ مسئلہ بالکل ہے ہی نہیں۔ چنانچہ مولوی وکیل احمد صاحب سکندر پوری نے فقہ اکبر کا نہایت صحیح نسخہ حیدر آباد سے حاصل کر کے چھپوایا اور ثابت کیا کہ یہ صحیح ہے اور باقی نسخے غلط ہیں اس میں اس مسئلہ کا پتہ بھی نہیں بعض نسخوں میں ہے کہ ماتا علی الفطرۃ یعنی وہ حضرات دین فطرت یعنی توحید پر دنیا سے گئے۔ بعض نسخوں میں ہے ما ماتا علی الکفر یعنی وہ دونوں کفر پر فوت نہ ہوئے اتنے اختلاف کے ہوتے ہوئے ایک نسخہ پر کیسے یقین کیا جائے اور اگر صحیح مان بھی لو تو یہ مسئلہ اجتہادی یا تقلیدی نہیں تاکہ اس میں امام کی پیروی واجب ہو بلکہ یہ تاریخی واقعہ ہے اگر اس کے خلاف ثبوت ہو جائے تو اسی کو مانا جائے جیسے مسئلہ لعن یزید اور اطفال مشرکین وغیرہ۔ دلیل چھٹی: اس کا جواب یہ ہے کہ والدین کریمین کو زندہ کرنے کی حدیث بالکل صحیح شامی نے باب المرتدین میں فرمایا کہ امام قرطبی اور حافظ ہشام ابن ناصر الدین وغیرہ نے اسے صحیح بتایا شیخ جلال الدین نے کتاب الفضل میں انہی حافظ شمس الدین کے یہ اشعار نقل فرمائے۔

حبا اللہ النبی مزید فضل   علی فضل و کان بہ رءوفا

فاحیا امہ و کذا اباہ   لایمان بہ فضلا لطیفا

اور قاعدہ ہے کہ جرح پر تعدیل مقدم اور فضائل اعمال میں حدیث ضعیف بھی معتبر اور یہ بھی والدین کریمین کے فضائل ہی کی حدیث ہے نیز مردوں کو زندہ کرنا ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے حضرت عیسیٰ و موسیٰ و حزقیل علیہم السلام وغیرہم انبیاء نے مردے زندہ کئے حتی کہ قریب قیامت دجال کافر بھی لوگوں کو مار کر زندہ کرے گا حضور علیہ السلام نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے بچوں اور ایک جماعت کو زندہ فرمایا دیکھو شرح قصیدہ بردہ ' خرپوتی ' مدارج النبوۃ شامی باب المرتدین و کتاب الفضل وغیرہ۔ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کریمین کو بھی زندہ فرمایا ہو تو کون سی قباحت ہے اسی طرح بعد موت یا عذاب الٰہی دیکھ کر ایمان قبول ہونا بھی تعجب کی بات نہیں اصحاب کہف زندہ ہو کر حضرت امام مہدی کے ساتھ رہیں گے اور امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہو کر حج بھی کریں گے۔ (روح البیان یہی آیت و کتاب التنظیم) حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی جو کہ قبول ہو گیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے فلولا کانت قریۃ امنت فنفعھا ایمانھا الا قوم یونس جس

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوا کہ حضرت یونس علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ ان کی قوم کا ایمان یاس بھی قبول کرلیا گیا اسی طرح یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے والدین ماجدین کا ایمان بعد وفات قبول کرلیا گیا۔ خصوصیات قوانین کو خاص کردیتی ہیں۔ دیکھو حضور علیہ السلام نے ڈوبا ہوا سورج واپس فرما کر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو گئی ہوئی نماز تو پڑھادی جو شہنشاہ کہ قضا نماز کو سورج لوٹا کر لوا کرادیں وہ اپنے والدین کو زندہ فرما کر کلمہ بھی پڑھا سکتے ہیں۔ رہا قرآن پاک کا یہ فرمانا **ولا الذین یموتون وھم کفار** یا یہ فرمانا **فمت وھو کافر** ان کے بارے میں ہے جو مشرک و کافر ہو کر مرے ہوں۔ جب وہ دونوں حضرات موحد ہو کر وفات پائیں تو اس آیت میں کیونکر داخل ہوں گے اگر یہ حضرات مشرک ہوتے تو ان کا اسم شریف عبداللہ اور آمنہ نہ ہوتا بلکہ کفار کا سا نام ہوتا۔ عبداللہ کے معنی ہیں اللہ کا بندہ اور آمنہ کے معنی ہیں اللہ کی امانت رکھنے والی۔ یا دنیا کو امن دینے والی بی بی یا ایمان والی جو ان کو امنہ کہہ کر کافر کہتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کہ حضور کو محمد کو کہہ کر ان کی گستاخی کرے اور اگر معاذ اللہ وہ دونوں کفر میں وفات پاتے جب بھی حضور کی خصوصیت ان کے ایمان کو درست گرا کر انہیں جہنم سے بچالیتی اور کیوں نہ ہو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے۔ وہ کون سعادت مند بیٹا ہے جو اپنے والدین کے جہنمی ہونے پر راضی ہو جائے حضور علیہ السلام نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کے دستر خوان سے ہاتھ پونچھ لئے تھے تو وہ تنور کی آگ میں نہیں جلتا تھا تو کیا جن پستانوں کو حضور نے چوسا وہ جہنم میں جل سکتے ہیں۔ کیا آمنہ خاتون حضرت مریم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ماجدہ سے بھی کم رہیں گی کیا یہ رب کو پسند ہوگا کہ حضرت عیسیٰ اور موسیٰ علیہ السلام اپنی والداؤں کو جنت میں دیکھیں اور اس محبوب کی والدہ ماجدہ وہاں نظر نہ آئے بلکہ جہنم میں جائے۔ قسم ان کے رب کی یہ کبھی نہ ہوگا۔ لہٰذا حق یہ ہے کہ وہ دونوں حضرات اپنی زندگی پاک میں موحد مومن تھے۔ اور انہیں حجۃ الوداع میں حضور نے زندہ فرما کر کلمہ پڑھا کر مسلمان کیا۔ اور اب وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اولیاء کاملین میں سے ہیں۔ صحابہ ہیں۔

حکایت ضلع سیالکوٹ میں ایک دیوبندی مولوی نے وعظ میں کہا کہ تم لوگ حضور کی شفاعت کی آس لگائے بیٹھے ہو وہ تو اپنے ماں باپ کی بھی شفاعت نہ کرسکیں گے کہ وہ دونوں جہنم میں جائیں گے۔ وعظ ختم ہونے پر ایک جاہل کسان نے پوچھا کہ مولوی صاحب مولوی اور حافظ کا کیا درجہ ہے۔ دیوبندی بولا کہ عالم اپنی سات پشت کو اور حافظ اپنی تین پشت کو بخشوائے گا۔ کسان بولا کہ مولوی تو سات پشت کو بخشوائے اور معراج میں جانے والے قرآن لانے والے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ماں کو بھی نہ بخشوا سکے اس کے بعد دیوبندی مولوی ذلیل کرکے نکالا گیا۔ یہاں تو دلائل تھے لیکن مقام عقیدت میں ان دلائل سے میری آنکھیں اندھی اور میرے کان بہرے اور میری زبان گونگی ہے۔ جو حضور علیہ السلام کے والدین کریمین کا کفر ثابت کریں وہ احادیث ضعیف ہیں اور وہ دلائل باطل ہیں در حقیقت انہیں کے گھر کا یہ سارا باغ ہے وہی اس کے مالی اور خود اس سے محروم رہیں یہ کیونکر ممکن ہو سکتا ہے مسلم کی حدیث ضعیف مان لینا آسان ہے۔ راوی حدیث کی غلطی تسلیم کرنا سہل ہے۔ لیکن شہنشاہ کونین کے والدین کو کافر ماننا مشکل ہے۔ غضب ہے کہ مسلم کی روایت یا راوی حدیث کی حمایت میں حضور کے والدین کو کافر مان لیا جائے وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و آلہ وبارک وسلم اس مسئلہ کی زیادہ تحقیق کے لئے شمول الاسلام مصنفہ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب بریلوی قدس سرہٗ اور ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کا مطالعہ کرو۔

www.alahazratnetwork.org

وَلَنۡ تَرۡضٰى عَنۡكَ الۡيَهُوۡدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ

اور ہرگز نہیں راضی ہوں گے تم سے یہودی اور نہ عیسائی یہاں تک کہ پیروی کرو

اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی

مِلَّتَهُمۡ قُلۡ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الۡهُدٰى وَلَئِنِ

تم دین ان کے کی۔ تم فرمادو تحقیق ہدایت اللہ کی وہی ہدایت ہے اور البتہ اگر

پیروی نہ کرو۔ تم فرماؤ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور والے سننے والے (کسے بلاشبہ)

اتَّبَعۡتَ اَهۡوَآءَهُمۡ بَعۡدَ الَّذِىۡ جَآءَكَ مِنَ الۡعِلۡمِ ۙ

پیروی کرے تو نفسانی خواہشات کی ان کے پیچھے اس کی کہ آگیا تیرے پاس علم

اگر تو ان کی خواہشوں کا پیرو ہوا بعد اس کے کہ تجھے آچکا علم

مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنۡ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيۡرٍ ۱۲۰

نہیں ہے واسطے تیرے اللہ سے کوئی دوست بچانے والا اور نہ مددگار

تو اللہ سے تیرا کوئی بچانے والا نہ ہوگا نہ مددگار

تعلق : اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی کج روی کا ذکر تھا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ایمان سے مایوس کیا گیا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ اتنے سخت ہیں کہ اس پر بھی راضی نہیں کہ تم علیحدہ رہو اور وہ علیحدہ بلکہ وہ تو اس پر راضی ہیں کہ تم ان کے جھوٹے دین میں چلے جاؤ۔ اس صورت میں ان کے ایمان کی کیا امید ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے شبہ ہو سکتا تھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ ان یہود و نصاریٰ نے گزشتہ پیغمبروں کے معجزات پسند کرکے ان کا دین قبول کرلیا اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سے منہ پھیر گئے۔ اب جواب دیا جارہا ہے کہ اس کی وجہ محض حسد اور خود پسندی ہے کہ وہ اپنا پیشوا رہنما اور دوسروں کا اپنے تابع ہونا پسند کرتے ہیں۔ چونکہ پہلے نبی تو ان کی قوم کے تھے اس لئے انہیں مان لیا۔ اور یہ پیغمبران کی قوم کے نہیں اس لئے انکار کردیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب نے آپ کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا اب فرمایا جارہا ہے کہ اس بشارت اور ڈرانے میں کفار کی رضامندی کا لحاظ نہ کریں کیونکہ وہ تو تمہیں اپنے میں ملائے بغیر راضی نہیں ہو سکتے۔

تفسیر : **ولن ترضی عنک الیهود ولا النصرے** یہ غیب کی خبر ہے اور سارے کفار کا یہی حال ہے کہ وہ مسلمانوں سے مسلمان رہتے ہوئے کبھی راضی نہیں ہو سکتے۔ مگر چونکہ وہاں یہودیوں عیسائیوں سے ہی سابقہ تھا نیز عرب میں یہی لوگ اہل علم مشہور تھے اور وہ چاہتے تھے کہ سارا جہان ہمارا تابعدار رہے اور ہم سب کے سردار اس لئے یہاں انہی دو قوموں کا ذکر فرمایا گیا۔ **حتی تتبع ملتهم** یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہے اور اشارۃً بتایا جارہا ہے کہ ان کا آپ سے راضی ہونا محال ہے کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

محال پر موقوف بھی محال ہوتا ہے حضور علیہ السلام پیغمبر ہیں پیغمبر سے گناہ بھی ناممکن ہے چہ جائیکہ کفر تو فرمایا گیا ہے کہ ان کی رضا اس پر موقوف ہے کہ آپ ان کا دین اختیار کریں اور یہ تو قطعاً" محال لہٰذا وہ بھی محال خیال رہے کہ اطاعت کے معنی ہیں فرمانبرداری اور اتباع کے معنی ہیں کسی کے قدم بقدم چلنا یعنی ان کی نقل کرنا اسی لئے اطاعت تو اللہ تعالیٰ کی رسول کی علماء و سلاطین اسلامیہ کی ہو سکتی ہے مگر اتباع صرف حضور کی ہوگی رب فرماتا ہے۔ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** اور فرماتا ہے **فاتبعونی** یعنی اطاعت میں اللہ رسول اولی الامر کا ذکر فرمایا گیا اتباع میں صرف حضور کا کیونکہ مطلقاً" پیروی صرف حضور کی ہو سکتی ہے لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ یہود و نصاریٰ اسی وقت ہی آپ سے راضی ہو سکتے ہیں جبکہ آپ ان کی ملت کی اندھا دھند پیروی کریں کہ وہ کہیں کہ رب صاحب اولاد ہے تم کہو بالکل ٹھیک وہ کہیں کہ گائے' سور سب حلال تم کہو بالکل درست نعوذ باللہ۔ خیال رہے کہ ملت کے لفظی معنی ہیں لکھوانا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولیملل الذی علیہ الحق** چونکہ انبیائے کرام بھی شرعی قوانین اپنی امت کو لکھوا دیتے ہیں اس لئے انہیں ملت کہا جاتا ہے۔ اور چونکہ امت ان قوانین کی اطاعت کرتی ہے اس لئے وہ دین بھی کہلاتے ہیں۔ (دین بمعنی اطاعت) اور چونکہ وہی قوانین رب کے پانے کا راستہ بھی ہیں اس لئے انہیں شریعت بھی کہتے ہیں۔ شریعت بمعنی کھلا راستہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **شرعۃ" و منھاجا "** ' ملت اور دین میں یہ فرق ہے کہ دین تو رب' نبی اور مجموعہ امت اور ہر امتی کی طرف مضاف ہو سکتا ہے مگر ملت کی نسبت ہر امتی کی طرف نہیں ہوتی صرف رب تعالیٰ پیغمبر اور ساری امت کی طرف ہو سکتی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں یہودی اور عیسائی دو قوموں کے لئے ایک ملت فرمایا کیونکہ ساری ملتیں کفر ہیں ایک ہی ہیں **الکفر ملۃ واحدۃ** نیز اس جگہ پر لطف اشارہ یہ بھی ہے کہ ان دونوں کا راضی ہونا اجتماع ضدین پر موقوف ہے۔ لہٰذا محال کیونکہ دین عیسوی و موسوی ضدین ہی تھے اور ایک شخص ایک وقت میں عیسائی یہودی نہیں بن سکتا **قل ان ھدی اللہ ھو الھدی** اس میں ان دونوں کو کامیابی سے مایوس فرمایا گیا ہے۔ یعنی آپ اعلان فرما دو کہ اللہ کی ہدایت یعنی اسلام ہی سچی ہدایت ہے۔ پیغمبر سے یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ حق کو چھوڑ کر باطل اختیار کرے اگرچہ وہ دونوں دین بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایت تھے لیکن ان کے منسوخ ہو چکنے کے بعد ان کی پیروی کرنا گمراہی ہے نیز تم نے ان میں بہت ملاوٹ کر دی جس سے وہ اللہ کے دین نہ رہے بلکہ وہ تمہاری خود ساختہ خواہشات بن گئے۔ خیال رہے کہ اس جگہ یا تو پہلی ہدایت سے اسلام اور دوسری ہدایت سے ہدایت حقیقی مراد ہے یا اس کے برعکس یعنی اسلام ہی ہدایت حقیقی ہے یا ہدایت حقیقی اسلام ہی ہے اور تمہارے ادیان ہدیٰ نہیں بلکہ ہوی ہیں۔ (خواہشات نفسانی) بلکہ اگر یہاں قل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے تو ہدی اللہ سے مراد وہ الہامی ہدایت ہے جو حضور کو اول ہی سے دی گئی جس کی وجہ سے آپ ظہور نبوت سے پہلے بھی تمام برائیوں سے محفوظ رہے۔ ہر نیکی نماز وغیرہ ادا کرتے ہیں یعنی اللہ کی وہ ہدایت جس پر میں پیدا کیا گیا ہوں وہ سچی ہدایت ہے اور اگر قل میں مسلمانوں سے خطاب ہے تو ہدیٰ اللہ سے مراد یا اسلام ہے یا قرآن یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہے۔ **ولئن اتبعت اھواء ھم** بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ حضور علیہ السلام ہی سے خطاب ہے یعنی اگر بالفرض محال آپ ان کی خواہشات کی پیروی کریں **لو کان للرحمن ولد** نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن ہے اور نہ حضور علیہ السلام کا ان بے دینوں کی طرف مائل ہونا قضیہ شرطیہ محض تعلیق بتاتا ہے۔ اسے مقدموں کے امکان سے کوئی تعلق نہیں مگر تفسیر خازن اور تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا کہ یہ امت سے خطاب ہے یعنی اے مسلمان اگر تو

www.alahazratnetwork.org

نے یہ حرکت کی اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں پڑتا۔ خیال رہے کہ اہواء 'ہوا' کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں اوپر سے نیچے کرنا یا اڑتا پھرنا رب فرماتا ہے۔ **او تھوی بہ الریح** اصطلاح میں نفسانی خواہش کو ھوی کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی انسان کو نیچے گراتی ہے۔ شریعت میں گمراہ کن خیالات کو ھوی کہتے ہیں اسی لئے گمراہوں کو اہل ھوی بھی کہا جاتا ہے چونکہ ان دونوں دینوں سے حقانیت نکل کر ان میں نفسانیت شامل ہو گئی تھی اس لئے انہیں اہواء فرمایا گیا ان کے اس خیال کو کہ حضور علیہ السلام ان کی پیروی کریں اہواء کہا اور چونکہ ان میں سے ہر ایک شخص کی یہ خواہش تھی اس لئے جمع بولا گیا **بعد الذی جاء ک من العلم** علم کے معنی ہیں کسی چیز کا صحیح جاننا یہاں یا تو اس سے قرآن مراد ہے یا اسلامی قوانین یا ان دنیوی قوانین کا منسوخ ہو جانا۔ یعنی اے مسلمان اگر تو نے قرآن یا احکام اسلام یا یہودیت نصرانیت کا بطلان جان کر پھر اس کی پیروی کی تو **مالک من اللہ من ولی ولا نصیر** تمہارے لئے خدا کی طرف سے نہ سفارشی دوست مقرر ہے نہ کوئی مددگار جو کہ تمہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے۔ خیال رہے کہ ولی اور نصیر میں یہ فرق ہے کہ ولی جو دوستی اور آشنائی کی وجہ سے مدد کرے مگر اس کی کامیابی یقینی نہ ہو نصیر وہ جس کی کامیابی یقینی ہو اگرچہ وہ اجنبی ہو۔ لہٰذا ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ ہے (روح البیان)۔ اس آیت کی بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ کفار سے اچھی باتیں بھی یہ سمجھ کر لو کہ ہمارے اسلام کی تعلیم ہے یہ ہمارے کھیت کا دانہ اور ہمارے باغ کا پھل۔ بلکہ جھولی کا گرا ہوا موتی ہے جو غیروں نے اٹھا لیا ہے آج ہم امریکہ و برطانیہ کے سچے معاملات و دیانتداری کی تعریفیں کرتے ہیں کیونکہ یہ اسلامی تعلیم ہے۔

خلاصہ تفسیر : اگرچہ اس دین حق کی اندرونی اور بیرونی خوبیاں اس کی حقانیت کی کھلی ہوئی دلیل ہیں جن سے دل میں تو مخالفین بھی قائل ہیں مگر یہود و نصاریٰ کی ضد اور تعصب کا یہ حال ہے کہ جب تک آپ خود ان کی جہالت اور گمراہی کے جس کو انہوں نے اپنا دین و ملت بنا رکھا ہے تابع نہ ہو جائیں وہ آپ سے خوش بھی نہ ہوں گے آپ ان ازلی بدنصیبوں کے ہدایت پر آنے کی امید نہ رکھیں بلکہ انہیں علانیہ فرما دیں کہ حقیقی ہدایت تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہے یعنی دین اسلام پیغمبر تو لوگوں کو ہدایت دینے کے لئے آتے ہیں یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ خود کسی کے خیالات کی پیروی کریں اور اے قرآن کے پڑھنے والے مسلمان تو بھی خیال رکھنا کہ اگر تو نے حقانیت سے معلوم کر کے اور ہدایت تک پہنچ کر پھر ان کی خواہشات نفسانیہ کی پیروی کی تو تجھ سے سایہ فضل خداوندی اٹھ جائے اور تجھ میں بھی وہی زہر سرایت کر جائے گا اور پھر تیری غیبی رحمت باقی نہ رہے گی اور نہ کوئی تیرا دوست و مددگار ہو گا جو تجھے اللہ کے عذاب سے بچا لے۔ تفسیر حقانی نے کہا کہ اہل کتاب حضور علیہ السلام سے درخواستیں کرتے تھے کہ اگر آپ اپنا قبلہ بدل دیں اور جانوروں کے حلال و حرام ہونے میں ہم سے اتفاق کر لیں تو باقی تمام باتوں میں ہم آپ کی باتیں مان لیں گے۔ اس آیت میں حضور علیہ السلام سے ارشاد فرمایا گیا کہ آپ کسی مصلحت وقت سے بھی کسی کی نفسانی خواہش پوری نہ فرمائیں اور ان کے مسلمان ہو جانے کی امید پر فروعی مسائل میں بھی ان کا کہنا نہ مانیں۔ کیونکہ آپ پر ہر حقیقت حال ظاہر ہو چکی ہے اور ان پر آپ کی اطاعت ضروری ہے نہ کہ آپ پر ان کی خیال رہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہودیت یا نصرانیت کو اہواء یعنی نفسانی خواہشات کا مجموعہ بتایا تین وجہ سے ایک یہ کہ ان دینوں میں اہواء شامل کر دیئے گئے تو جیسے مفید دواء میں زہر ملا دینے سے وہ دوا قابل استعمال نہیں رہتی ایسے ہی تورات و انجیل وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

ملاوٹوں کی وجہ سے قابل عمل نہ رہیں۔ دوسرے یہ کہ توارت و انجیل نسخ سے پہلے ہدی تھیں منسوخ ہو کر ہوٰی بن گئیں کہ ان پر عمل حرام ہو گیا جیسے ماں کا دودھ جوان بچہ پر حرام ہے یا دن میں بجلی و قمقمہ بلاوجہ روشن کرنا فضول خرچی و حرام ہے حالانکہ یہ کبھی جائز تھے تیسرے یہ کہ توارت و انجیل کے نسخ سے پہلے ان پر عمل کرنے کا حکم ربانی تھا۔ بعد نسخ رب نے ان پر عمل کرنے سے منع فرمادیا تو اب اسے ماننا شیطانی یا نفسانی عمل ہو گیا۔ جیسے طبیب جب اپنے پچھلے نسخہ کا استعمال مریض کو منع کر دے تو اب اسے استعمال کرنا مریض کا ناجائز عمل ہے۔ جس کا وہ خود ذمہ دار ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کافر مسلمان سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے کیونکہ انہیں تو اسلام سے چڑ ہے نہ کہ مسلمان کی ذات سے 'ہندوستان کے مسلمانوں نے اس کا تجربہ بھی کر لیا۔ نئی روشنی کے مسلمان ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے انہوں نے اپنی مسلمان قوم ہی کو کچلا۔ کبھی خلافت کے بہانے سے صدہا نہ کرنے والے کام کر لئے۔ گاندھی جی کی جے انہوں نے لگائی قربانی کی گائے کو انہوں نے روکا۔ اپنی پیشانیوں پر قشقے انہوں نے لگائے مسلمانوں سے سرکاری نوکریاں چھوڑا کر ہندوؤں کو دلوائیں۔ ہجرت کرا کر بے گھر انہیں بنایا اب بھی احرار جمعیت علماء ہند اور دیو بند کا مدرسہ ہندوؤں کے اشارہ ابرو پر چل رہے ہیں مگر کفار اب تک ان سے راضی نہ ہوئے کاش کہ وہ لوگ اس آیت کریمہ پر غور کریں اور اس کفار پرستی اور گاندھی کی پوجا چھوڑ کر بجائے رو لولوی کے اپنے میں خودداری پیدا کریں اور سمجھ لیں کہ مسلمان اپنی ہی قوم سے عزت پا سکتے ہیں نہ کہ دوسری قوموں سے کفار کو راضی کرنے کے بجائے اللہ ستار غفار کو راضی کرنے کی کوشش کریں۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کے لئے باذن اللہ تعالیٰ رب کی طرف سے ولی بھی ہیں اور مددگار بھی کیونکہ یہاں بتایا گیا ہے کہ کافروں کے لئے کوئی ولی یا مددگار نہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار نہیں وہ اپنے آپ کو کافر سمجھتے ہوں گے۔ ہمارے لئے تو انبیاء اولیاء قرآن رمضان بلکہ چھوٹے بچے بھی باذن الٰہی مددگار ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** دلائل ظاہر ہونے کے بعد تقلید حرام ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ عالم مجتہد کو غیر کی تقلید ناجائز (تفسیر کبیر و عزیزی)۔ اس کی زیادہ تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ احکام محال پر بھی معلق ہو جاتے ہیں کافر قطعی کو ایمان کی رغبت دینا اور مومن قطعی کو بے ایمانی سے ڈرانا جائز ہے تاکہ دوسرے لوگ سن کر عبرت پکڑیں۔ (عزیزی) **پانچواں فائدہ:** علم الٰہی سے اسباب باطل نہیں ہوتے رب کو خبر ہے کہ زید قتل ہو گا مگر اس کے قاتل کو پھر بھی پھانسی دی جائے گی۔ اور قانون یہ بنایا جائے گا کہ قتل کا بدلہ قتل ہے۔ دیکھو نبی علیہ السلام بلکہ صدیق اکبر و فاروق اعظم وغیرہم کا کفار کی پیروی کرنا قریباً" ناممکن تھا لیکن پھر بھی اس پر عذاب کو معلق کر دیا۔ (تفسیر عزیزی)۔ **چھٹا فائدہ:** مجذوب لوگ علم الٰہی پر نظر کرتے ہوئے اسباب چھوڑ دیتے ہیں مگر سالکین اس آیت کو دیکھ کر اسباب پر عمل کرتے ہیں یعنی مجذوب رب کی قدرت کو دیکھتے ہیں اور سالکین اس کی حکمت کو اسی لئے سالک مجذوب سے افضل ہے انبیاء کرام اور اولیاء اللہ جانتے ہیں کہ فلاں بیمار کو شفا نہ ہو گی۔ مگر پھر بھی اسے دوا پلاتے ہیں مگر مجذوب دوا اور حکیم کے احسان سے سبکدوش رہتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** رب تعالیٰ بے خبر پر عذاب نہیں بھیجتا ہاں جو عمداً" بے خبر رہے اس کو عذاب ہو سکتا ہے۔ جب نے حق کے دلائل قائم فرما دیئے اب جو باطل پر رہے وہ مجرم ہے اسی لئے اس آیت میں علم آچکنے کی قید لگائی گئی۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض : پہلا اعتراض: جس مفسرین نے ولئن اتبعت میں حضور سے خطاب مانا ہے ان کے قول پر یہاں ان نہ آنا چاہئے تھا بلکہ لو آنا ضروری تھا کیونکہ ناممکنات کے نہ ہونے کا یقین ہے اور ان شک کے لئے ہے قرآن کریم نے فرمایا۔ لو کان فیھما الھتیا لو کان للرحمن ولد جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ان مفسرین کے نزدیک بھی بظاہر نبی علیہ السلام سے خطاب ہے مگر در حقیقت دوسروں کو سنانا منظور۔ اس لئے ان لایا گیا دوسرے یہ کہ جہاں ناممکن واقع فرض کیا جائے تو وہاں ان بولا جاتا ہے۔ جیسے ان کان زید حمارا" فھونا ھق یعنی اگر زید کو گدھا فرض کر لو تو وہ رینگنے والا ہے اس آیت میں فرض محال ہے اور لو کلف میں یہ فرض نہیں اس لئے یہاں ان لایا گیا دوسری جگہ لو۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مسلمانوں سے دوستی کرتے ہیں۔ حضور غوث پاک کی گیارہویں کرتے ہیں۔ نبی علیہ السلام کی نعتیں لکھتے ہیں ابو طالب ایمان پر نہ تھے مگر حضور سے راضی تھے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت فقط خاص متعصب یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں ہے۔ اسی لئے انہیں کا نام بھی لیا گیا۔ مگر یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ یہاں یہود و نصاریٰ میں کوئی قید نہیں نیز اور دوسری آیت میں مشرکین کو بمقابلہ عیسائیوں کے مسلمانوں کا زیادہ سخت دشمن بتایا گیا چنانچہ ارشاد ہوا لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا دوسرے یہ کہ اس قسم کے کفار صرف نام کے کافر رہ جاتے ہیں حقیقتاً دل میں خود اپنے دین سے بیزار ہوتے ہیں چنانچہ ابو طالب صرف نام ہی کے کافر رہ گئے تھے ابو طالب کے متعلق کچھ گفتگو ہم کر بھی چکے ہیں اور مکمل بحث ان آیتوں کی تفسیر میں کریں گے جہاں ان کا ذکر آئے گا۔ امام احمد ابن دحلان مکی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب السنی المطالب فی ایمان ابی طالب میں فرماتے ہیں کہ ابو طالب نے اپنے نعتیہ اشعار میں ساری ایمانیات کا اقرار کر لیا صرف حضور کے آرام کی خاطر صراحۃً" ایمان ظاہر نہ کیا کہ میرے بظاہر کافر رہنے پر میری زندگی میں اور بعد موت کفار حضور علیہ السلام کا لحاظ کریں گے اور انہیں ایذا نہ پہنچائیں گے۔ یعنی انہوں نے نار بھی اختیار کی تو حضور کے آرام کی خاطر اسی لئے حضور علیہ السلام نے ان کو جہنم سے نکال کر اس کے جھیرے میں رکھ دیا دیکھو مشکوٰۃ باب صفت النار بحوالہ بخاری۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس قسم کے عام کفار در حقیقت اسلام اور مسلمانوں سے راضی نہیں۔ بلکہ بعض کفار تو محض دنیوی نفع کی خاطر گیارہویں کرتے ہیں اور عام شعراء داد لینے کے لئے نعت لکھتے ہیں۔ اگر دل سے راضی ہوتے تو مسلمان ہو جاتے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسائل میں کفار کی بالکل رعایت نہ کی جائے حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تالیف قلوب کے لئے بہت موقعوں پر ان کی رعایت فرمائی۔ شروع اسلام میں ان کو زکوٰۃ دینا جائز رہا۔ انہیں کی خاطر سترہ مہینے تک بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ رہا وغیرہ لہٰذا اگر ہم بھی ہندوؤں کو راضی کرنے کے لئے قربانیء گائے چھوڑ دیں تو کیا حرج ہے جائز باتوں میں ان کو راضی کر لیا کریں جواب: کفار کے راضی کرنے کے لئے دین کے جائز کام بھی چھوڑنا گناہ ہے عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہودیت کی خاطر اونٹ کے گوشت سے پرہیز کیا تھا تو آیت ادخلوا فی السلم کافۃ" ولا تتبعوا خطوت الشیطن اسلام میں پورے آجاؤ شیطان کے قدم بقدم نہ چلو حضور علیہ السلام نے زکوٰۃ اور قبلہ وغیرہ میں کسی کافر کی خواہش پر عمل نہ کیا بلکہ رب کے حکم پر رب نے خواہ اسی لئے فرمایا ہو لیکن ہم تو اس کے فرمان پر عمل کریں گے ایسی کوئی مثال نہ ملے گی کہ جہاں کفار کی خواہش پر آپ نے احکام اسلامیہ میں فرق کیا ہو اسلام کا ہر قانون

www.alahazratnetwork.org

اپنی جگہ قائم رہے گی۔ ہندوؤں کی خاطر اذان و قربانی گائے وغیرہ نہیں بند کی جاسکتی۔

تفسیر صوفیانہ: نفس امارہ کافر ہے اور روح مومن۔ شیطان نفس کا مددگار اور فرشتہ روح کا وزیر۔ ضروری ہے کہ نفس کو مغلوب رکھنے کے لئے اس کی ہر خواہش پامال کی جائے اور اس کی پوری پوری مخالفت کی جائے اگر کوئی چاہے کہ نفس و روح میں اس طرح صلح کرادے کہ روح تو نفس کی بعض خواہشات پوری کرے اور نفس بعض چیزوں میں روح کی اطاعت کرے یہ ناممکن ہے نفس امارہ روح سے اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسے بالکل اپنے ہم رنگ نہ کرے نفس اس شیر خوار بچہ کی طرح ہے کہ اگر اس کی بعض ضدیں پوری کی جائیں تو اور زیادہ ضدی بنتا ہے اور اگر مہربان دایہ جبرا" اس کا دودھ نہ چھڑاوے تو وہ کبھی اس پر راضی نہ ہو لہذا اے روح اگر تو نے علم حاصل ہونے کے بعد نفس کی تھوڑی بھی پیروی کی تو رب کی خاطر سے جو تیرا معاون اور مددگار فرشتہ مقرر ہے وہ تجھ سے جاتا رہے گا اور پھر تو اس پردیس میں بے یار و مددگار ٹھوکریں کھاتی پھرے گی پس چاہئے کہ۔

راہ ہے راہ مار پھرتے ہیں
بائیں رستے نہ جا مسافر سن

خیال رہے کہ ولایت یعنی دوستی اور مدد تین قسم کی ہے۔ جسمانی 'طغیانی' ایمانی 'پہلی دو قسم کی دوستیاں رکھنے والے ولی من دون اللہ ہیں اور تیسری دوستی اور ولایت والے ولی من اللہ جسمانی محبت مرتے ہی مٹ جائے گی رب فرماتا ہے **یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ** دوسری محبت بعد موت دشمنی میں بدل جائے گی مگر تیسری محبت و مدد ابد الاباد تک قائم رہے گی۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** قیامت میں ولی من دون اللہ ہرگز کام نہ آئیں گے بلکہ نقصان پہنچائیں گے۔ رب فرماتا ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر۔** اور ولی من اللہ مومنوں کو ہر جگہ کام آئیں گے قبر و حشر و دنیا میں ان کی مدد برحق ہے رب فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے **واجعل لنا من لدنک ولیا و اجعل لنا من لدنک نصیرا**" اور فرماتا ہے **فان اللہ ھو مولہ و جبریل و صالح المؤمنین والملئکۃ بعد ذلک ظھیر** یہاں اس آیت کا منشا ہے کہ اگر تم نے یہود و نصاریٰ کی پیروی کی تو تمہارا ولی من اللہ کوئی نہ ہو گا رہے ولی من دون اللہ وہ اگرچہ بہت بن جائیں گے مگر ان کی ولایت تمہیں مضر ہو گی جیسے شیطان اور کفار کہ اگرچہ یہ تمہارے اس وقت ظاہری دوست بن جائیں مگر بعد موت دشمن ہوں گے اور اگر تم مومن رہے تو تمہارا ولی من اللہ بہت ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ و سلم صالح مسلمان فرشتے یہ سب دنیا و آخرت میں تمہارے ولی بھی نصیر بھی۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِکَ
جو کہ دی ہم نے انہیں یہ کتاب تلاوت کرتے ہیں وہ اس کی حق تلاوت اس کی کا یہ لوگ
جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ جیسے چاہیئے اس کی تلاوت کرتے ہیں وہی

www.alahazratnetwork.org

يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۱۲۱

ایمان لاتے ہیں ساتھ اس کے اور جو انکار کرے اس کا پس یہ لوگ وہ ٹوٹا پانے والے ہیں		
اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کے منکر ہوں پس یہ لوگ تو وہی لوگ زیاں کار ہیں		

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کی ہٹ دھرمی اور ان کے سخت عناد کا ذکر کیا گیا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ سارے اہل کتاب کلیۃ حال نہیں ان میں سے بعض حق پرست بھی ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے دین کو اہواء یعنی نفسانی خواہشات فرمایا گیا ہے اب اس کی وجہ بتائی جاری ہے کہ انہوں نے در حقیقت اس کتاب کو پڑھا نہیں جنہوں نے صحیح پڑھا ہے وہ مسلمان ہو گئے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ اسلام حقیقی ہدایت ہے اب اس کی دلیل دی جاری ہے کہ توریت و انجیل کو صحیح پڑھنے والوں نے بھی اسے قبول کر لیا۔

شان نزول : بعض صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ہجرت سے پیشتر حبشہ کی طرف ہجرت کی تھی اور حبشہ کے بادشاہ نجاشی وغیرہ کو قرآن سنا کر اسلام کا دلدادہ کر لیا تھا۔ جب حضور علیہ السلام نے مدینہ پاک کی ہجرت کی تو یہ لوگ بھی بذریعہ کشتی وہاں آگئے کیونکہ انہوں نے مجبوراً اتنے روز تک حضور علیہ السلام کا فراق گوارا کیا ان کے ہمراہ چالیس اہل کتاب تھے جن میں سے بتیس اہل حبشہ اور آٹھ شامی راہب تھے۔ انہیں میں بحیرہ راہب بھی شامل تھے ان سب کے سردار حضرت جعفر بن ابی طالب تھے۔ (از تفسیر خزائن العرفان)۔ خیال رہے کہ چالیس تو حبشہ اور شام کے عیسائیوں اور یہودیوں کی تعداد تھی مکہ کے مہاجرین کی تعداد ان کے علاوہ ہے ان حبشی اور شامی اہل کتاب کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری جو قرآن پاک سن کر اور اپنی کتابوں میں حضور علیہ السلام کی نعت دیکھ کر ایمان لا کر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

تفسیر : **الذین اتینھم** پہلی آیت میں فرمایا تھا **ملتھم** اور یہاں **اتینھم** جس سے معلوم ہوا کہ مفسدین اہل کتاب کا دین اپنا خود ساختہ اور مومنین اہل کتاب کا علم و عرفان رب کا عطا فرمایا ہوا ہے اس لئے وہ کافر ہے اور یہ نور ایمانی سے چمک گئے۔ **الکتب** یا تو اس سے قرآن کریم مراد ہے کیونکہ آئندہ تلاوت کی رغبت اور ایمان کا ذکر ہو رہا ہے لہذا یہ صفات قرآن کے ہیں توریت و انجیل کی نہ تو کوئی باقاعدہ تلاوت ہوئی اور نہ وہ اب ذریعہ ہدایت ہے یا اس سے توریت ہی مراد ہے اس لئے کہ اس آیت کے آگے پیچھے بنی اسرائیل ہی کا ذکر ہے اور یہ کشتی والے لوگ توریت وغیرہ پڑھ کر اسی کی رہبری سے حضور علیہ السلام پر ایمان لائے تھے **یتلونه** اگر کتاب سے قرآن مراد ہو تو تلاوت کے معنی ہیں پڑھنا اور اگر اس سے توریت و انجیل مراد ہے تو تلاوت کے معنی ہیں پیروی کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **والقمر اذا تلھا** یہاں تلاوت بمعنی اتباع ہے نہ کہ پڑھنا بلکہ پڑھنے کو بھی تلاوت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں لکھے ہوئے کی اتباع ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر)۔ **حق تلاوته** یہ مصدر محذوف کی صفت ہے یعنی وہ تلاوت ایسی کرتے ہیں جیسی وہ چاہتے ہیں اور جیسے اس کا حق اگر یہاں اہل کتاب مراد ہیں تو حق تلاوت سے مقصود ہے صحیح پڑھنا ان کتابوں میں تحریف و تبدیل نہ کرنا اس کے احکام پر عمل کر کے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آنا اور یا کتاب سے قرآن اور لوگوں سے مسلمان مراد ہیں تو حق تلاوت سے اس کا صحیح پڑھنا اس کے معانی میں غور کرنا

www.alahazratnetwork.org

خشوع و خضوع سے پڑھنا مراد ہے۔ یتلون مضارع فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ مومن صرف ایک بار تلاوت کر کے قرآن کریم چھوڑ نہیں دیتے بلکہ وہ ہمیشہ تلاوت کرتے رہتے ہیں مومن کی شان یہ ہے کہ وہ مرتے دم تک تلاوت قرآن کرتا ہے بلکہ اس کے مرتے وقت سورۂ یٰسین کی تلاوت اس کے پاس کی جاتی ہے اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اور دوست اسے تلاوت قرآن کا ثواب پہنچاتے رہتے ہیں بلکہ مومن میت قبر میں تلاوت کرتا رہتا ہے اور انشاء اللہ محشر و جنت میں بھی تلاوت کرے گا جیسا کہ روایات میں ہے لہٰذا یتلون میں بہت وسعت ہے۔ اولٰئک یؤمنون بہ یہی لوگ جن کی یہ صفتیں ہیں۔ وہ درحقیقت اس کتاب کے مومن ہیں نہ کہ بدلنے والے اور اس کو عملاً چھوڑنے والے۔ خیال رہے کہ فعل کو جب مبتدا پر مسند کیا جائے تو حصر کا فائدہ دیتا ہے جیسے کہ اللہ یستہزئ بہم (روح البیان)۔ ومن یکفر بہ اور جو کوئی اہل کتاب اس کا انکار کرے یا تو اس طرح کہ اسے بدل دے یا اس طرح کہ اس قرآن یا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر دے جس کی اس کتاب میں بشارت ہے۔ فاولٰئک ہم الخٰسرون پس وہ لوگ بہت ٹوٹا پانے والے ہیں کہ قرآن پر ایمان بھی ان کو حاصل نہ ہوا اور اپنی کتاب سے بھی بے بہرہ ہو گئے اور دنیا میں مقتول، قیدی، جلاوطن ہوئے اور آخرت میں دوزخی رہے اگر اس قسم کے لوگ آپ کی نبوت کا انکار کریں تو آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں کیونکہ یہ درحقیقت اہل کتاب ہی نہیں اگرچہ بظاہر گدھے کی طرح کتاب اٹھائے ہوئے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ آیت اگر قرآن اور مسلمانوں کے حق میں ہو تو اس اخیر جملہ کا مطلب یہ ہو گا کہ جو قرآن کریم میں معنوی تحریف کر کے منکر ہو جائے وہ سخت نقصان میں ہے کہ اس کے قریب آ کر نکل گیا اور اس کے ماننے کا کوئی فائدہ حاصل نہ کر سکا۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ سب ہی بنی اسرائیل اپنے کو اہل کتاب کہتے ہیں اور بظاہر سب ہی کتاب پڑھتے ہیں مگر درحقیقت کتاب انہیں کو ملی جنہیں ہم نے دی اور جنہوں نے اس کو صحیح طور پر پڑھا اس کی تلاوت کا حق ادا کیا اس کے احکام پر عمل کیا اور جو اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلا جن میں یہ صفتیں ہیں وہی اس کے پہچاننے والے ہیں اور انہیں کا اس پر صحیح ایمان ہے اور جو کہ زبان سے تو کتاب پڑھتا رہا اور عملاً اس کا منکر رہا وہ خسارے والا تاجر ہے کہ اس نے بجائے نفع حاصل کرنے کے اپنی اصل پونجی بھی کھو دی۔

دوسری تفسیر : جنہیں ہم نے قرآن کریم عطا فرمایا وہ اس کی ایسی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کا حق ہے اور یہی حق تلاوت ادا کرنے والے ہیں صحیح معنی میں اس کے ماننے والے ہیں اور جو قرآن کریم کے ماننے کا دعویٰ کرے اور اپنے کو قرآنی یا اہل قرآن کہتا ہے اور در پردہ اس کے احکام کا منکر ہو وہ سخت نقصان میں ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: قرآن کریم کا صحیح پڑھنا بھی باعث ثواب ہے جو لوگ کہتے ہیں کہ اس کے پڑھنے کی کیا ضرورت ہے عمل چاہیے وہ سخت غلطی پر ہیں اگر قرآن شریف صرف عمل کے لئے ہوتا اور اس کا دوسرا فائدہ نہ ہوتا تو اس میں منسوخ اور متشابہ آیات نہ ہوتیں جن پر عمل نہیں ہو سکتا قرآن کریم کی محکم آیات عمل کے لئے ہیں اور سارا قرآن کریم تلاوت، شفاء، تازگی ایمان کے لئے ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ بغیر ترجمہ جانے قرآن شریف بلکہ نماز

www.alahazratnetwork.org

بھی نہ پڑھنا چاہئے کیونکہ تلاوت و نماز بارگاہ خداوندی میں درخواست ہے اور جب درخواست دینے والے کو یہی خبر نہ ہو کہ درخواست میں کیا لکھا گیا ہے تو درخواست بے کار ہے مگر یہ خیال غلط ہے اگر قرآن شریف محض درخواست ہوتا تو اردو زبان میں بھی تلاوت کر لیا جاتا صرف عربی کی قید نہ ہوتی۔ اس کی تلاوت کا مقصد یہ ہے کہ جو الفاظ حضرت جبریل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ نے اپنے منہ سے پڑھے وہ ہماری زبان پر بھی جاری ہو جائیں۔ جن سے باطنی طہارت نصیب ہو' برکت حاصل ہو' مرکب دواء مریض کو مفید ہے خواہ ہمیں اس کے اجزاء کی خبر ہو یا نہ ہو۔ ولایتی پیٹنٹ دوائیں بلا تحقیق اجزاء ہر بیمار استعمال کرتا ہے قرآن طب ایمانی کی دوا ہے۔ جو کارخانہ قدرت میں تیار ہوئی نیز یہ قرآن حضور کی بولی ہے رب کو اپنے محبوب کی بولی پیاری ہے تم کو طوطے مینا کی بولی پیاری اگرچہ وہ یہ نہ سمجھیں۔ رب کو جناب مصطفیٰ کی بولی پیاری بولنے والا اسے سمجھے نہ سمجھے۔ دوسرا فائدہ: قرآن پاک کا صحیح طور پر باادب خشوع خضوع سے پڑھنا ایمان کی علامت ہے۔ تیسرا فائدہ: اس تلاوت سے فائدہ ہو گا جو نیک نیتی سے ایمان کے ساتھ ہو ایمان چھوڑ کر صرف تلاوت کرنا قرآن کریم کو اپنے خلاف گواہ بنانا ہے۔ چوتھا فائدہ: حق تلاوت میں بہت گفتگو ہے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت یہ ہے کہ قرآن کریم کے حلال کو حلال جانے اور اس کے محرمات کو حرام سمجھے اور اس کے حروف کو صحیح ادا کرے غفلت سے غلط پڑھنا حرام ہے اور عمداً غلط پڑھنا کفر ہے۔ کیونکہ یہ بھی قرآن کریم کی تحریف ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ حق تلاوت یہ ہے کہ جب جنت کا ذکر آئے تو رب سے مانگے اور جہنم کے ذکر میں اس سے پناہ مانگے۔ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ حق تلاوت یہ ہے کہ اس کے حلال کو حلال جانے اور اس کے حرام کئے ہوئے کو حرام مانے اور جس طرح اترا ہے ویسے ہی پڑھے اس کے کلمات میں تحریف نہ کرے اور اس کے معنی کی غلط تاویل نہ کرے دنیاداروں کی خاطر اس کے احکام نہ چھپائے۔ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تلاوت یہ ہے کہ قرآن کی ظاہر آیتوں پر عمل کرے متشابہات پر ایمان لائے اور جو آیت سمجھ میں نہ آئے وہ علماء سے پوچھ لے اپنی عقل کو اس میں دخل نہ دے۔ (تفسیر عزیزی)۔

مسئلہ: تلاوت قرآن کے آداب یہ ہیں کہ پڑھنے والا باوضو قبلہ رو ہو کر پڑھے۔ سننے والا ادب اور تعظیم سے خاموش ہو کر سنے۔ جہاں لوگ کام کاج میں مشغول ہوں وہاں بلند آواز سے تلاوت نہ کی جائے پڑھنے والا یکسو ہو کر اطمینان قلب سے پڑھے' پڑھتے وقت حضور قلب اور خشوع خضوع ضروری ہے اگر معانی جانتا ہو تو ان پر غور کرتا جائے۔ ورنہ فقط عبارت قرآن پر ہی دھیان رکھے کہ اس کی عبارت بھی بہت لذیذ اور پر لطف ہے۔ مسئلہ: چند آدمی مل کر قرآن کریم بلند آواز سے نہ پڑھیں یا تو سب آہستہ پڑھیں یا ایک بلند آواز سے پڑھے اور باقی سب سنیں مسئلہ: قرآن یاد کرنے والے بچوں پر یہ پابندیاں نہیں وہ سب مل کر بلند آواز سے پڑھ سکتے ہیں کیونکہ وہ تلاوت قرآن نہیں بلکہ تعلیم قرآن ہے۔ اسی لئے شامی نے فرمایا کہ تلاوت کرتے وقت اعوذ پڑھے مگر استاد کو سناتے وقت نہ پڑھے کیونکہ اعوذ باللہ سنت تلاوت ہے نہ کہ سنت تعلیم۔ (شامی باب صفت الصلوۃ)۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اگر اس آیت میں کتاب سے قرآن شریف مراد ہے تو یہ آیت شان نزول کے مطابق نہ رہے گی کیونکہ یہ حبشہ کے یہودیوں اور عیسائیوں کے بارے میں آئی جواب: چونکہ یہود اور عیسائی قرآن کریم پر ایمان لا کر ایمان

www.alahazratnetwork.org

لانے کے لئے حاضر دربار ہوئے تھے۔ اس لئے انہیں قرآن کریم مل چکا ہے اور یہ اس کے صحیح معنی میں تلاوت کرنے والے تھے۔ لہٰذا شان نزول سے اس کی کوئی مخالفت نہیں روایات میں تو یہ آیا ہے کہ حضرت جعفر طیار نے جب نجاشی کے دربار میں سورۂ مریم اور سورۂ طٰہٰ کی تلاوت فرمائی تو خود بادشاہ اور اس کے درباری زار و قطار رونے لگے اسی طرح نجاشی کی قوم کے ستر (17) آدمی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے تو حضور سے سورۂ یٰسین سن کر بہت روئے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **و اذا سمعوا ما انزل الی الرسول** نیز یہ لوگ ادب اور تعظیم سے تلاوت قرآن کرنے لگے تھے دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو قرآن کریم کو حق تلاوت پڑھے وہی مسلمان ہے تو کیا قرآن پاک کو نہ پڑھنے والا کافر ہے۔ جواب: اس کے چند جواب یہ ہیں۔ ایک یہ کہ تلاوت قرآن اہل کتاب کی علامت ہے اور شئی کے لئے علامت لازم نہیں دوسرے یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تلاوت قرآن کرنے والا کامل مومن ہے اور یقیناً جو اس نعمت سے محروم ہے وہ ایمان کے کمال سے محروم۔ تیسرے یہ کہ بے شک بغیر قرآن مجید پڑھے کوئی مومن ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ ایمان کے لئے کم از کم کلمہ پڑھنا ضروری ہے اور کلمہ طیبہ قرآن ہی کی آیتیں ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کا جو منکر ہے وہی کافر ہے حالانکہ تم کہتے ہو کہ حدیث متواتر اور اجماع کا منکر بھی کافر ہے جیسے کہ تعداد رکعات اور نصاب زکوٰۃ۔ جواب: حدیث یقینی کا انکار بھی قرآن کریم ہی کا انکار ہے بلکہ اجماع مسلمین کا انکار بھی ایسا ہی ہے کیونکہ قرآن کریم میں اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اطاعت اجماع مسلمین کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک کا انکار ان آیتوں کا انکار ہے قرآن نے فرمایا **و من یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی و یتبع غیر سبیل المؤمنین**

تفسیر صوفیانہ: فرق ہے کتاب الٰہی کے خود حاصل کرنے میں اور رب کے عطا فرمانے میں اس آیت میں ان قسمت والوں کا ذکر ہے جنہیں کتاب خود رب تعالیٰ نے عطا فرمائی یعنی اولیاء کرام ان کی صفت یہ ہے کہ حق تلاوت یہی ادا کرتے ہیں قرآن کا حق تلاوت یہ ہے کہ اس کے پڑھتے وقت دل دنیا سے سرد ہو آواز میں درد ہو "آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہو" دنیا اور دنیاوی چیزوں سے ایک دم غافل ہو جائے فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مزے سے ایسا مست ہو کہ ان اپنی تلاوت ہی سے اوروں پر بھی رنگ جماتا ہے اور اس تلاوت کی برکت سے اوروں کو ایمان بخش دیتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہجرت سے پہلے اپنے دروازے پر قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو مشرکین کی عورتیں اور بچے آپ کے گرد جمع ہو جاتے" آپ روتے بھی تھے اور ان سب کو رلاتے بھی تھے۔ بہت لوگ ان دردوالی آوازوں سے قرآن پاک سن کر ایمان لے آتے تھے انہی کی یہ صفت ہے کہ **اولئک یؤمنون بہ** کہ وہ اس تلاوت کے ذریعہ لوگوں کو ایمان بخش دیتے ہیں اور سب کو ایمان میں لے لیتے ہیں لیکن **و من یکفر بہ** جو ایسے پاک بازوں سے قرآن پاک سن کر بھی کافر رہے یا ان کے ورد کا انکار کرے وہ بہت نقصان والا ہے۔ ان لوگوں نے تو اس تلاوت ہی کے ذریعہ روحانی بیماریوں کے سوا جسمانی بیماروں کو بھی شفا بخشی وہی قرآن کریم صحابہ کرام بھی پڑھتے تھے کہ ان کی ایک آیت سے سانپ کاٹے ہوئے کو بھی شفا مل جاتی تھی اور وہی قرآن کریم ہم بھی پڑھتے ہیں مگر اس میں یہ تاثیر نہیں کیونکہ وہ تلاوت کا حق ادا کرتے تھے اور ہم یہ نہیں کرتے رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو وہ دل و زبان عطا فرمائے جس سے حق تلاوت ادا ہو صوفیاء فرماتے ہیں کہ نقش قرآن کی جگہ کاغذ ہے الفاظ قرآن کی جگہ سننے والے کے کان اور تلاوت

کرنے والے کی زبان مضامین قرآن کی جگہ مومن کا دماغ انوار و تجلیات قرآن کی جگہ مومن کا دل ہے۔ نقوش و مضامین و معنی واسطوں کے ذریعہ مل جاتے ہیں۔ مگر انوار قرآن صرف عطیہ ربانی ہے جسے فرمایا گیا **تمنهم الكتب** جو کسی کو بلاواسطہ اور کسی کو کسی صاحب نظر کی نظر عنایت سے نصیب ہوتا ہے صاحب نظر تو پتھروں پر نقش جما دیتے ہیں چہ جائیکہ مومن کے دل حضرت خواجہ بہاؤ الدین نقشبند نے ایک کمہار کے پکے ہوئے آوے کو نگاہ بھر کر دیکھا تو نار کو نور بنا دیا اور ہر ہر برتن پر اسم ذات کندہ کر دیا اس دن سے ان کا لقب نقش بند ہوا' اسی طرح حضور کے جسم کا مقام اور 'لور دل کا مقام اور 'لور روح کا مقام اور 'لور حضور کی نورانی تجلیات کی جگہ اور ہے' جسم پاک عرب میں رہا دل رب کے قرب خصوص میں کہ فرماتے ہیں **ابيت عند ربي يطعمني و يسقيني** اور روح پاک کا مقام وہاں ہے جہاں فرشتوں کا گمان نہ پہنچے فرماتے ہیں۔ **لي مع الله وقت لا يسعني فيه ملك مقرب ولا نبي مرسل** اور حضور کی تجلیات کا مقام ہر مومن کا دل ہے۔ سورج آسمان پر ہے مگر شعاعیں ہر گھر میں ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
اے اولاد یعقوب کی یاد کرو تم نعمت میری جو کہ کی میں نے اوپر تمہارے
اے اولاد یعقوب یاد کرو میرا احسان جو میں نے تم پر کیا اور وہ جو میں نے اس
وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ * ١٢٢ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ
اور تحقیق میں نے بزرگی دی تم کو اوپر جہانوں کا اور تم ڈرو اس دن سے نہ بدلے گی
زمانہ کے سب لوگوں پر تمہیں بڑائی دی اور ڈرو تم اس دن سے کوئی جان
نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا
کوئی جان کسی جان سے کسی چیز کا اور نہ قبول کیا جائے گا اس جان سے فدیہ اور نہ نفع دے گی
دوسرے کا بدلہ نہ ہوگی اور نہ اس کو کچھ لے کر چھوڑیں اور نہ کافر کو کوئی سفارش
شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ * ١٢٣
اس کو سفارش اور نہ وہ لوگ مدد کیے جائیں گے
نفع دے گی اور نہ ان کی مدد ہو

تعلق: اس آیت کے پچھلی آیتوں سے چند تعلق ہیں۔ **پہلا تعلق:** شروع سیپارہ میں بنی اسرائیل کو ندا دے کر ان سے خطاب شروع فرمایا گیا۔ اب بہت کچھ کلام فرما کر قریباً ان سے خطاب ختم ہو رہا ہے لہذا پھر وہی خطاب ہوا۔ جیسے کہ ایک حساب دان پہلے اجمالی حساب بتا کر اس کی تفصیل بیان کرتا ہے اور پھر تفصیل کے آخر میں دوبارہ اجمالی حساب کا ذکر کر دیتا ہے یا منطق

www.alahazratnetwork.org

دعویٰ قائم کرکے دلائل قائم کرتا ہے۔ اور پھر بطور نتیجہ اس دعویٰ کو دہراتا ہے تاکہ یاد رہے یہاں بھی پہلے فرمایا کہ اے اسرائیلیو میری نعمت کو یاد کرو پھر اپنی نعمتیں اور ان کی نافرمانیوں کی تفصیل وغیرہ بتا کر فرمایا کہ ان نعمتوں کو یاد رکھو۔ دوسرا

تعلق: پہلے کی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ بنی اسرائیل نبی علیہ السلام کو اپنا تابع کرنا چاہتے ہیں۔ اور وہ سب سرداری کرنے کے عادی ہیں اب ان سے خطاب کرکے فرمایا جا رہا ہے کہ تم کو جو کچھ نعمتیں اور بزرگیاں گزشتہ زمانہ میں ملی تھیں وہ انبیاء کرام کی غلامی کی برکت سے تھیں۔ اگر تم ان نعمتوں کی بقا چاہتے ہو تو اس نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ تیسرا

تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ یہود و نصاریٰ نے کتاب اللہ کو نخوت اور غرور اور نفسانیت و تعصب کا ذریعہ بنایا جس سے وہ کتاب ان کے لئے حجاب بن گئی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے اسرائیلیو! تم انہیں انعامات کو یاد کرکے پھر اختیار کرلو جس کی وجہ سے تمہیں پہلے بزرگی ملی تھی۔

تفسیر: **بنی اسرائیل** ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ کبھی خطاب عتاب کے لئے آتا ہے اور کبھی رحمت کے لئے آتا ہے یہاں بظاہر عتاب کا خطاب ہے لیکن ممکن ہے کہ رحمت کا خطاب ہو اسی لئے ان کو برگزیدہ نبی یعقوب علیہ السلام کی نسبت کرکے پکارا گیا۔ یعنی اے اسرائیلیو! اگرچہ تم بڑے مجرم اور خطاکار ہو مگر چونکہ ہم ستار و غفار ہیں اور تم اللہ کے ایک بندۂ خاص کی اولاد ہو اگر اب بھی ہماری طرف رجوع کرو تو ہماری رحمت تمہیں لینے کو تیار ہے۔ خیال رہے کہ رب نے قرآن کریم میں دیگر انبیائے کرام کو نام لے کر پکارا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب کریمہ سے ایسے ہی دیگر امتوں کو ان کے نسبی ناموں سے پکارا اور امت مصطفیٰ کو **الذین امنوا** کے پیارے خطاب سے پکارا یہ اس امت کا احترام ہے **اذکروا نعمتی** میری نعمت کو یاد کرو۔ ذکر سے یا تو ان نعمتوں پر غور کرنا مراد ہے۔ یا ان کا شکریہ اور کرنا **اذکروا** کے معنی ہیں یاد کرو 'یاد دلاؤ' یعنی اے بنی اسرائیل میری ان نعمتوں کو یاد کرو 'یاد رکھو یا اے علماء بنی اسرائیل میری وہ نعمتیں اپنی قوم کو یاد دلاؤ' یاد سے زبانی 'دلی اور عملی یاد مراد ہے زبانی یاد میں تحریری یاد تقریری یاد سب داخل ہیں رب کی عبادات اس کی نعمتوں کی عملی یاد ہے جیسے عاشورہ کا روزہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی عملی یاد اور شکریہ ہے نعمت سے جنس نعمت مراد ہے جو ساری نعمتوں کو شامل ہے۔ **التی انعمت علیکم** جو خاص تم پر ہم نے کیں بنی اسرائیل کو کچھ تو عام نعمتیں ملی تھیں جن میں سارے انسان شریک ہیں جیسے ہوا 'پانی' روشنی وغیرہ اور کچھ خاص نعمتیں جیسے توریت اور اولاد انبیاء ہونا 'من و سلویٰ کا اترنا 'بحیرہ قلزم کا ان کے لئے پھٹنا وغیرہ وغیرہ۔ اور ان سب سے اعلیٰ نعمت یہ تھی کہ **وانی فضلتکم علی العلمین** کہ میں نے تم کو تمام جہانوں پر بزرگی عطا فرمائی تھی۔ اور بزرگوں کو چاہئے کہ اپنی بزرگی قائم رکھنے کے لئے رب کی اطاعت زیادہ کریں۔ کیونکہ فرمانبرداری بقدر تنخواہ ہونی چاہئے اولاً" تو اس احسان کے شکریہ میں تمہیں انسان بن کر رہنا چاہئے اور اگر تم میں اتنی انسانیت باقی نہ رہی کہ منعم کا احسان مانو تو کم از کم **واتقوا یوما**" قیامت کے دن سے ہی خوف کرکے ایمان لے آؤ ایسا نہ ہو کہ تم دنیا میں عالمین کے سردار رہے اور وہاں سب کے سامنے ذلیل و خوار ہو اور تمہاری رسوائی پر سرباز ار ہو اور یہ نہ خیال کرنا کہ دنیا کی طرح کوئی کسی کو بچالے وہاں کے حالات ہی اور ہیں اس دن میں چار خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ **لا تجزی نفس عن نفس شیئا**۔ **لا تجزی** میں دو احتمال ہیں لازم ہو یا متعدی۔ یعنی کوئی جان کسی کا بالکل بدلہ نہ ہوگی کہ اس کے عوض سزا بھگت لے یا کوئی کسی کی طرف سے کچھ بدلہ نہ دے گا کہ اس

www.alahazratnetwork.org

کے حقوق اپنے اعمال وغیرہ سے ادا کردے کیونکہ اپنی اپنی پڑی ہوگی **ولا یقبل منھا عدل** اور نہ یہ ہوسکے گا کہ مجرم سے کچھ فدیہ قبول لیا جائے عدل کے لغوی معنی ہیں برابری اس لئے انصاف کو عدل کہتے ہیں کہ اس میں ظالم مظلوم برابر کردیا جاتا ہے۔ دو طرفہ برابر وزن کو عدل کہتے ہیں فدیہ کو اس لئے عدل کہتے ہیں کہ مال جرم کے برابر قرار دیا جاتا ہے فدیہ نہ قبول کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مجرم مال پیش کرے مگر حاکم قبول نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ مجرم کے پاس مال ہی نہ ہو جو قبول کیا جائے یہاں دوسری صورت مراد ہے کیونکہ وہاں کسی کے پاس مال نہ ہوگا۔ خیال رہے کہ جزاء اور عدل میں اس جگہ فرق یہ ہے کہ جزاء تو وہ جو دوسرا کسی کی طرف سے دے عدل یہ کہ خود مجرم اپنا بدلہ ادا کرے۔ **ولا تنفعھا شفاعۃ** اور نہ یہ ہی ممکن ہے کہ کوئی کسی کافر کی سفارش کرکے چھڑالے ہم شفاعت کے معنی اور اس کے اقسام اس سے پہلے شفاعت کی آیت میں بتاچکے شفاعت اور جزاء میں یہ فرق ہے کہ جزاء کچھ دے کر چھڑانے کو کہتے ہیں اور شفاعت صرف سفارش کرکے چھوڑالینے کہ **ولا ھم ینصرون** اور نہ کفار کی مدد کی جائے کہ کوئی شخص بزور انہیں عذاب سے بچالے غرضیکہ دنیا میں کسی کو چھوڑانے کے جو اسباب ہیں کفار کے واسطے وہاں کام نہ آئیں گے لہٰذا صرف اپنے اولاد نبی ہونے پر بھروسہ کرکے ایمان اور اعمال سے بے نیاز ہو جانا بڑی ہی بے وقوفی ہے۔ خیال رہے کہ قیامت میں مومنوں کے لئے انشاء اللہ یہ چاروں چیزیں ہوں گی کہ نیکیوں کے طفیل برے بخشے جائیں گے اور صالحین کے صدقہ بے عمل درجات پائیں گے جیسے مسلمانوں کے فوت شدہ بچے وغیرہ اور کفار مومنوں کا فدیہ ہوں گے مومنوں کی شفاعت بھی ہوگی اور مختلف اطراف سے ان کی مدد بھی ہوگی کہ انبیاء اولیاء چھوٹے بچے رمضان شریف کعبہ شریف وغیرہ ان کی مدد کریں گے یہ آیت صرف کفار کے لئے ہے کہ ان کا ہی پہلے ذکر ہوچکا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے ہمارے بندہ خاص حضرت یعقوب علیہ السلام کی نا سمجھ اولاد بنی اسرائیل ان گذشتہ نعمتوں کو یاد رکھو اور ان کا شکریہ ادا کرو جو ہم نے تم پر پہلے کی تھیں کہ مصر سے فرعون کو نکال کر تمہیں وہاں کا بادشاہ بنایا‘ اسے ڈبویا‘ تمہیں بچایا تم پر من سلویٰ برسایا تم میں انبیاء اور اولیاء پیدا فرمائے وغیرہ وغیرہ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایک زمانہ میں تم کو تمام جہانوں پر بزرگی دے دی کہ تمہارے پایہ کا دنیا میں کوئی نہ پایا گیا ذرا عقل سے کام لو تو تم نبی زادے ہو تم پر اطاعت الٰہی زیادہ لازم ہے تاکہ تم دوسروں کے واسطے نمونہ ہو اور تم سے تمہارے باپ دادوں کے نام روشن ہوں گے کہ لوگ تمہیں دیکھ کر کہیں کہ جن کی اولاد ایسی نیک ہے ان کے باپ دادا کیسے نیک ہوں گے تم اپنے ان فضائل سے غلط فائدے حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس نبی پر ایمان لاکر سچے مسلمان بن جاؤ‘ کافر کا شکریہ ہے کہ مومن ہو جائے اور مومن کا شکریہ ہے کہ نیک اعمال کرے۔ حضور کی غلامی رب کی تمام نعمتوں کا شکریہ ہے جو بادشاہ کو راضی کرنا چاہے وہ اس کے شہزادے کو راضی کرے یہ نہ سمجھو کہ نبی زادے ہونے سے ایمان و اعمال کی ضرورت نہیں رہتی۔ خیال رکھو کہ تمہارے سامنے قیامت کا دن ہے جس دن نہ تو کوئی نفس کسی کافر نفس کا فدیہ ہے نہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ ادا کرے اور نہ خود اس کافر سے کوئی فدیہ وغیرہ لے کر چھوڑا جائے نہ اس کافر کو کسی کی سفارش نفع دے اور نہ ان کی کسی اور قسم کی امداد کی جائے لہٰذا اپنی پیغمبر زادگی کے دھوکے میں نہ رہنا بلکہ ہماری بارگاہ میں ایمان و اعمال لے کر آنا دنیا میں نالائق بیٹے کو ماں باپ منہ نہیں لگاتے اسی طرح آخرت میں انبیاء اور اولیاء بے ایمان اولاد کو نہ پوچھیں گے۔ خیال رہے کہ دنیا میں مجرم چار صورتوں سے ہی حاکم کے عذاب سے چھوٹ سکتے ہیں ایک یہ کہ اس کے والی

www.alahazratnetwork.org

وارث ضمانت دے کر چھڑالیں یا اس کی طرف سے جرمانہ وغیرہ بھگت دیں اس کی نفی **لا تجزی** کہہ کر فرمادی دوسرے یہ کہ خود مجرم اپنے مال سے جرمانہ یا فدیہ یا دیت دے کر چھوٹ جائے **لا تقبل الایۃ** کہہ کر اس کی بھی نفی کردی گئی۔ تیسرے یہ کہ مجرم کے قرابت دار عزت والے ہوں وہ سفارش کرکے چھڑالیں **لا تنفعھا شفاعۃ** فرماکر اس سے بھی مایوس کردیا کہ اللہ کے پیارے کفار کی شفاعت کریں گے ہی نہیں چوتھے یہ کہ مجرم کے جرگے اور قبیلہ والے بڑے بہادر لوگ ہوں وہ حکومت کی بغاوت کرکے اس پر غالب آجائیں اور مجرم کو بزور چھڑالیں **ولا ھم ینصرون** فرماکر یہ امید بھی باقی نہ رکھی اب چھٹکارے کی اس کے سوا کوئی صورت نہیں کہ بندہ وفادار بن کر رب کی بارگاہ میں حاضری دے اور اس سے رحم کی درخواست کرے وہ بڑا غفور رحیم ہے مومن کے بڑے بڑے گناہ معاف فرماتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اولاد نبی ہونا خدا کی بڑی نعمت ہے سادات کرام دوسروں سے افضل ہیں بشرطیکہ مومن ہوں کیونکہ رب نے بنی اسرائیل کو اسی نسبت سے یاد فرمایا کہ اے یعقوب علیہ السلام کی اولاد نیز ان بنی اسرائیل کو جو تمام جہان پر افضلیت ملی تھی وہ محض اپنے اعمال سے نہ تھی نیک اعمال تو بعض تبلیغوں اور دوسری قوموں نے بھی کیے تھے بلکہ ان کی فضیلت اولاد انبیاء ہونے کی وجہ سے تھی دنیا میں حاکم کی اولاد کو دوسروں پر عزت حاصل ہوتی ہے تو کیا انبیاء کی اولاد کو اوروں پر بزرگی حاصل نہ ہوگی مگر خیال رہے: کہ اس عظمت کے لئے ایمان ضروری ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ کی نعمت کو یاد کرنا اس کا چرچا کرنا بہت بہتر کام ہے بنی اسرائیل سے فرمایا گیا کہ ہماری گذشتہ نعمتیں یاد کرو اور ان پر غور کرو لہذا محفل میلاد شریف بہت بہتر کام ہے کہ اس میں حضور علیہ السلام کی آمد کا ذکر ہوتا ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ **تیسرا فائدہ** بطور شکریہ اپنے اوصاف بتانا جائز ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا **انا سید ولد آدم** وغیرہ میں سارے انسانوں کا سردار ہوں یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے کہا تھا کہ **انی حفیظ علیم** میں بڑا محافظ اور علم والا ہوں یہاں بھی بنی اسرائیل کو اپنے ان فضائل اور بزرگیوں کے ذکر کرنے کا حکم ہوا گیا جو رب نے انہیں عطا فرمائی تھیں ہاں فخریہ طور پر شیخی مارنے کے لئے بیان کرنا منع **چوتھا فائدہ:** بڑوں کی اولاد کو چاہئے کہ بڑوں کے سے کام کرے علماء مشائخ سادات کو نیک اعمال نہایت ضروری ہیں نیز قانون دان اور سلطنت کے اراکین اگر قانون توڑیں تو بڑے مجرم ہیں کیونکہ دوسرے ان کی پیروی کریں گے۔ **پانچواں فائدہ:** بغیر ایمان پیغمبرزادگی اور کوئی نیکی کام نہیں آسکتی مردے کو مقوی دوائیں بیکار ہیں۔ ایمان جان ہے اور یہ چیزیں دوائیں اور غذائیں دیکھو۔ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتوں گدھوں کی جگہ تھی مگر کافر انسان کے لئے نہ تھی جن میں خود کنعان بھی تھا رب کفار کے لئے فرماتا ہے۔ **اولئک ھم شر البریۃ** لہذا کافر و مشرک اگرچہ اولاد علی مرتضیٰ ہو مگر سید سردار کو کہتے ہیں اور رب انہیں شر البریہ تمام مخلوق سے بدتر کہہ رہا ہے اشرار لوگ سردار نہیں ہوسکتے۔ **پہلا اعتراض:** احسان جتانا عیب ہے پھر رب نے احسان کیوں جتائے۔ **جواب:** طعنہ دینے اور دوسروں کو شرمندہ کرنے کے لئے احسان جتانا واقعی ہی عیب ہے مگر اپنا حق احسانی ثابت کرنے اور دوسروں کو اپنی طرف مائل کرنے کے لئے احسان جتانا بڑا وصف ہے جس سے دوسروں کی اصلاح ہو باپ نالائق بیٹے کو اپنی گزشتہ مہربانیاں یاد دلائے تاکہ وہ لائق ہوجائے عیب نہیں بلکہ کرم ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے نیز خالق و مخلوق کے احکام یکساں نہیں بندے کے لئے احسان جتانا اس لئے منع ہے کہ وہ حقیقی محسن نہیں چونکہ حق

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ محسن ہے اس لئے اپنے احسانات جتانا اس کا حق ہے۔ **دوسرا اعتراض:** کیا بنی اسرائیل پہلے زمانہ میں انبیاء کرام اور فرشتوں سے بھی افضل تھے کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ تم کو عالمین پر بزرگی دی اور عالمین میں یہ سب حضرات داخل ہیں۔ **جواب:** بعض بنی اسرائیل یعنی ان کے انبیاء اور خاص اولیاء بے شک فرشتوں سے افضل تھے۔ آیت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ سارے بنی اسرائیل سب سے افضل تھے اور عالمین سے انبیاء کرام باستثناء عقلی علیحدہ ہیں قوم بنی اسرائیل کو اسی لئے تو بزرگی ملی کہ وہ انبیاء کی اولاد ہیں پھر وہ انبیاء سے کیونکر افضل ہوں گے کہا جاتا ہے کہ کام بسم اللہ سے شروع کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ خود بسم اللہ کو بھی بسم اللہ سے شروع کیا کرو یا کہتے ہیں کہ حضور کے نام پر درود شریف پڑھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خود درود شریف میں جو نام پاک آجائے اس پر بھی درود شریف پڑھو یا حضور علیہ السلام سارے انسانوں کے سردار ہیں اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنے بھی سردار ہیں ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی نفس کسی کا فدیہ نہ بنے گا۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مسلمانوں کے فدیہ بنیں گے کہ مسلمانوں کے جہنم کی جگہ کافر سنبھال لیں گے اور کافر کے جنتی مقام پر مسلمان قابض ہوگا کیونکہ ہر انسان کے لئے دو مقام تیار کئے گئے ہیں۔ **جواب:** یہ چاروں حالتیں کفار کی ہیں مسلمان کا فدیہ بھی ہے شفاعت بھی اور باذن الٰہی بعض کی بعض کو مدد بھی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** **لا تجزی نفس** الخ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص دوسرے کی طرف سے کچھ فدیہ ادا نہ کرے گا حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ مقروض کی نیکیاں قرض خواہ کو دی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں تو قرض خواہ کے گناہ اسے دے دیئے جائیں گے۔ **جواب:** اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ کوئی کسی کی طرف سے بخوشی فدیہ نہ دے گا۔ قرض خواہ اور مقروض کا معاملہ رب کے قانون سے ہوگا نہ کہ اس کی اپنی خوشی سے۔ (روح البیان) **پانچواں اعتراض:** اگر کافر کا مسلمان پر قرض رہ گیا تو کیا اس کی نیکیاں بھی کافر کو دی جائیں گی۔ **جواب:** نہیں بلکہ بقدر قرض کافر کے عذاب میں کچھ تخفیف کر دی جائے گی اور اگر مسلمانوں کا کافر پر قرض رہ گیا تو کافر کا عذاب اور مسلمان کا ثواب بڑھا دیا جائے گا۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا **ولا تنفعھا شفاعۃ** اور کہیں فرمایا گیا **ولا شفاعۃ** اگلی دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ کفار کے لئے شفاعت ہوگی ہی نہیں ان میں مطابقت کیونکر ہو اور اگر تینوں آیتوں کے یہ معنی ہیں کہ شفاعت ہوگی ہی نہیں تو مختلف عبارتوں سے اس کا کیوں ذکر کیا گیا؟ **جواب:** انبیاء کرام کی شفاعت دو قسم کی ہے۔ ایک شفاعت عامہ، دوسری خاصہ، شفاعت عامہ میں بظاہر کفار بھی داخل ہوں گے۔ مگر ان کے حق میں قبول نہ ہوگی۔ اور نہ ان کے لئے نافع۔ مثلاً وہ عرض کریں گے کہ اے اللہ مومنوں کو یا میری اطاعت کرنے والوں کو بخش دے بعض کفار جو اپنے کو مومن اور انبیاء کرام کا مطیع سمجھے ہوئے تھے وہ سمجھیں گے کہ ہم بھی اس شفاعت میں داخل ہیں لیکن اس کا اثر یہ ہوگا کہ مومن بخشے جائیں گے اور یہ لوگ محروم یہ شفاعت تو ہوئی مگر ان کے حق میں غیر نافع اس کے لئے فرمایا گیا ہے۔ **لا یقبل منھا** یا **لا تنفعھا** رہی شفاعت خاصہ یعنی کسی خاص شخص کی شفاعت وہ کفار کے لئے ہوگی ہی نہیں۔ اس کے لئے فرمایا گیا **ولا شفاعۃ** بعض روایات میں آیا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اپنے چچا آزر کی شفاعت کریں گے۔ لیکن ان کو نہایت بدترین طریقے سے بھاکر آزر کو جہنم میں پہنچا دیا جائے گا اس بھگانے میں ابراہیم علیہ السلام کی اظہار شان ہوگی نہ کہ توہین اس روایت کی بناء پر **لا یقبل منھا** اور **لا تنفعھا** بھی شفاعت خاصہ کے متعلق ہیں۔ غرضیکہ شفاعت کفار کی ہوگا اور حیثیت سے ہے اور قبول نہ ہونا دوسری حیثیت سے ہوگا اس جواب پر بہت غور کیا جائے بہت دقیق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : انسان کو دو چیزیں حاصل ہیں ایک نفس اور دوسری روح۔ روح اور اس کی صفات گویا بنی اسرائیل ہیں کیونکہ ان پر انبیاء کرام کی توجہ ہے اور نفس امارہ اور اس کے صفات گویا کفار اور مشرکین ہیں روح سے خطاب کرکے فرمایا گیا ہے کہ اے روح و صفات روح تو ہماری گذشتہ نعمتوں کو یاد کر کہ تجھ کو عالم ارواح میں طرح طرح کی نعمتوں سے نوازا گیا اور تجھ کو عالم علویات، عالم ظلمات وغیرہ بہت سے جہانوں پر بزرگی دی اب تو صحبت اغیار میں اپنے کو خراب نہ کر لینا یہ نفس جو تجھے سبز باغ دکھا کر بہکانا چاہتا ہے اس کے دھوکے میں نہ آنا اگر تو اس کی اطاعت کرکے گمراہ ہو گئی تو نہ تو قیامت میں یہ تیری فدیہ بنے گی نہ تیری سفارش کرے گی اور نہ اس سے تجھے کسی قسم کی مدد پہنچے اے پردیسی مسافر تیرے پاس دولت ایمانی ہے کہیں لٹ نہ جائے۔

سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے	تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے مت ہی تیری نرالی ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اتقوا تقویٰ سے بنا۔ تقویٰ وہ خوف ہے کہ جس کے ساتھ اطاعت ہو خوف و خشیت میں یہ قید نہیں شیطان کو رب کا خوف تو ہے وہ کہتا ہے انی اخاف اللہ رب العلمین مگر تقویٰ نصیب نہیں۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں۔ دوزخ سے قیامت سے آگ کے ڈر سے یہ تقویٰ کی ابتدائی حد ہے چونکہ یہاں کفار کو خطاب ہے لہذا انہیں فرمایا گیا قیامت سے ڈر کر ایمان و پرہیزگاری اختیار کرو پھر دوسرا اور جہ رب سے خوف و ہیبت کہ گناہ نہ کرے مگر رب سے ہیبت رکھے یہ خوف انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کو میسر ہوتا ہے اس خوف کی بناء حضرات انبیاء قیامت میں رب سے کسی کی شفاعت کی ہمت نہ کریں گے تیسرا درجہ یہ ہے کہ انسان کو خدا سے خوف نہ ہو کہ وہ تو غفور و رحیم ہے بلکہ اپنی خودی سی خوف ہو کہ ہم تو لئیم ہیں یہ خوف بعض حالات میں محبوبوں پر طاری ہوتا ہے جب ان پر رب سے امید غلبہ کرتی ہے اس بناء پر حضرت شیخ عطار منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود	کز تو نیکی دیدہ ام و از خویش بد

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ

اور جب آزمایا ابراہیم کو رب انکے نے ساتھ چند باتوں کے پس پورا کر دیا انہیں فرمایا تحقیق

اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے کچھ باتوں میں آزمایا تو اس نے پوری کر دکھائیں فرمایا میں تمہیں

لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى

میں بنانے والا ہوں تم کو واسطے لوگوں کے پیشوا عرض کیا اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد

لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں عرض کی اور میری اولاد سے فرمایا میرا عہد

الظّٰلِمِيْنَ ۞

ظالموں کو نہیں پہنچتا

ظالموں کو نہیں پہنچتا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے بنی اسرائیل کو رب سے ڈرنے اور نیک اعمال کرنے کی رغبت دی گئی اور بتایا گیا کہ نجات کے لئے فقط پیغمبرزادگی کافی نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ تم سب کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام جن کی اولاد ہونے پر تم فخر کرتے ہو ان کو بھی رب نے اتنی بزرگیاں اس لئے دیں کہ وہ اس کے مطیع و فرمانبردار تھے تم اطاعت الٰہی سے کیونکر بے نیاز ہو سکتے ہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کو تقویٰ اور طہارت کا حکم دیا گیا اب بتایا جارہا ہے کہ تم کو یہ صفات اسلام لانے پر حاصل ہوں گے۔ کیونکہ اسلام میں وہ چیزیں موجود ہیں جو دین ابراہیم میں تھیں جیسے حج، ختنہ اور خانہ کعبہ کا قبلہ ہونا وغیرہ **تیسرا تعلق:** بنی اسرائیل اپنے اولاد ابراہیمی ہونے کو نجات کے لئے کافی سمجھتے تھے اس آیت میں بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہی کہہ دیا گیا تھا کہ آپ کی بعض اولاد ظالم بھی ہوگی۔ اور وہ دینی پیشوا نہ بن سکے گی لہذا چونکہ تم ظالم ہو تم لوگوں کے سردار تو کیا عذاب سے نجات بھی نہیں پا سکتے لہذا تمہیں چاہئے کہ نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ تاکہ تمہاری عظمت برقرار رہے۔

تفسیر : وَاِذِ ابْتَلٰی یہ لفظ بلو یا بلاء سے بنا ہے اس کے لفظی معنی ہیں آفت یا جانچ ابتلے کے معنی ہیں مشقت میں ڈالا یا جانچا اور امتحان لیا کبھی تو خود اپنی واقفیت کے لئے کسی چیز کو جانچا جاتا ہے اور کبھی دوسروں پر اسی کی برائی بھلائی ظاہر کرنے کے لئے حق تعالیٰ کا امتحان یا جانچ دوسرے فائدے کے لئے ہے کیونکہ وہ خود تو ہر ایک کے سارے حال کا جاننے والا ہے یہ جانچ صرف اسی لئے ہوتی ہے کہ جب ان کو بزرگیاں دی جائیں تو دوسرا اعتراض نہ کر سکے لہذا پہلے جانچتے ہیں پھر انعامات سے نوازتے ہیں۔ **ابراھیم** یہ لفظ سریانی ہے اس کے معنی ہیں اب رحیم یعنی "مہربان باپ" چونکہ آپ بچوں پر بہت مہربان تھے۔ نیز مہمان نوازی اور رحم و کرم میں آپ مشہور ہیں اسی لئے آپ کو ابراہیم کہا جاتا ہے۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ مسلمانوں کے جو چھوٹے بچے مر جاتے ہیں ان کی پرورش آپ اور آپ کی بیوی حضرت سارہ ہی فرماتی ہیں۔ (تفسیر روح البیان)۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ابراہیم اصل میں ابرم تھا جس کے معنی ہیں بزرگ چونکہ آپ بہت سے انبیاء کرام کے والد ہیں اور سارے دینوں میں آپ کی عزت۔ حتیٰ کہ مشرکین عرب بھی آپ کی عظمت کرتے تھے اس لئے آپ کا نام نامی ابراہیم ہوا عام قرات میں رب کا نصب اور ابراہیم کا فتح ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کی ان کے رب نے آزمائش کی یا تو امامت عطا فرمانے سے پیشتر جیسا کہ **جاعلک للناس** سے معلوم ہوتا ہے اور یا اس کے بعد جیسا کہ بکلمت سے ظاہر ہے مگر حضرت ابن عباس اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما کی قرات میں ابراہیم کا رفع اور رب کا نصب ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے چند دعائیں مانگ کر اپنے رب کی رحمت کا اندازہ کیا کہ وہ مجھ پر کتنا مہربان ہے رب نے اس کی ساری دعائیں پوری فرمالیں۔ (تفسیر کبیر)۔ خیال رہے کہ یہاں سخت امتحان کے موقع پر ربّہ فرمایا گیا جس میں بتایا گیا کہ بندوں کا امتحان لینا انہیں بلاؤں آفتوں میں گھیر دینا بھی رب کی ربوبیت مطلقہ کا تقاضا ہے۔ جس میں صدہا حکمتیں ہیں وہ آرام دے تو اس کی مہربانی اور تکلیف بھیجے تو اس کا کرم ہے اگر باپ تربیت کے لئے بچے کو مارے پیٹے تو بھی اس کی مہربانی ہے۔

نا خوش او خوش بود در جان من   جان فدائے یار دل رنجاں من

گندہ لوہا بھٹی کی تپش اور ہتھوڑے کی چوٹیں کھا کر صاف ہوتا ہے سونا سنار کی آگ میں تپ کر مار کھا کر محبوب کے پہننے کے

www.alahazratnetwork.org

قائل بنتا ہے۔ بکلمات یہ جمع کلمۃ کی ہے جس کے لفظی معنی ہیں ایک بات اور کلمات بہت سی باتیں۔ لیکن یہاں مضمون و احکام وغیرہ مراد ہیں۔ جیسے **و تمت کلمت ربک** یا **مداد لکلمت ربی** نیز اس سے یا تو دعائیں مراد ہیں یا چند مصیبتیں یا چند احکام یعنی ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی رحمت کو چند دعاؤں سے آزمایا۔ رب نے ابراہیم علیہ السلام کو چند مصیبتوں سے آزمایا یا ان کو سخت احکام سے آزمایا ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں تو یہ تھیں کہ سوکھے جنگل حرم کو شہر بنادے وہاں کے باشندوں کو قسم قسم کے پھل دے یا نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں پیدا فرما وغیرہ وغیرہ۔ آپ پر بڑی مصیبتیں سات آئیں۔ (1) آفتاب اور چاند سے آزمائش۔ (2) سلطنت نمرودی کا مقابلہ۔ (3) بڑی عمر میں ختنہ۔ (4) آگ میں ڈالا جانا۔ (5) لاڈلے فرزند کا ذبح کرنا۔ (6) اللہ کی راہ میں ترک وطن کرنا۔ (7) اپنی پیاری بیوی اور اکلوتے فرزند کو بحکم الٰہی جنگل میں چھوڑ آنا جن میں سے اکثر عطاء امامت سے پہلے ہوئیں احکام میں اختلاف ہے بعض نے فرمایا کہ وہ ارکان حج تھے بعض نے کہا دس اور بعض نے کہا تیس دس کی تفصیل یہ ہے کہ ان میں سے پانچ شرح کے متعلق تھے کلی کرنا۔ ناک میں پانی ڈالنا۔ سر کی مانگ نکالنا۔ مونچھیں کتروانا اور مسواک کرنا۔ پانچ باقی بدن میں ختنہ، زیر ناف کے بال اکھیڑنا، ناخن کتروانا اور ڈھیلوں کے بعد پانی سے استنجا کرنا تیس کی تفصیل یہ ہے کہ دس تو وہ جن کا ذکر سورۂ برأت میں ہوا۔ (1) توبہ۔ (2) عبادت۔ (3) حمد الٰہی۔ (4) سیاحت۔ (5) رکوع۔ (6) سجدہ۔ (7) اچھی باتوں کا حکم کرنا۔ (8) بری باتوں سے روکنا۔ (9) حدود الٰہی کی نگہبانی کرنا۔ (10) خدا کو ہر وقت حاضر و ناظر جاننا اور دس سورہ احزاب میں مذکور ہیں۔ (1) اسلام۔ (2) ایمان۔ (3) اطاعت۔ (4) صبر۔ (5) عاجزی۔ (6) صدقہ۔ (7) روزہ۔ (8) شرمگاہ کی حفاظت۔ (9) نظر کی حفاظت۔ (10) ہر وقت زبان سے ذکر الٰہی اور دس سورۂ مومنون اور مسائل میں مذکور ہیں۔ (1) قیامت کی تصدیق۔ (2) نماز میں حضور قلبی۔ (3) مستحبات کی پابندی۔ (4) بیکار باتوں سے پرہیز۔ (5) زکوٰۃ بخوشی ادا کرنا۔ (6) بیوی اور لونڈی کے سوا اوروں سے شرمگاہ کی حفاظت کرنا۔ (7) وعدہ پورا کرنا۔ (8) امانت کا پورا کرنا۔ (9) مذاق اور دل لگی سے پرہیز کرنا۔ (10) سچی گواہی نہ چھپانا۔ **فاتمھن** یعنی ابراہیم علیہ السلام نے ان سب مصیبتوں پر صبر کیا یا سارے احکام بخوشی ادا کئے اس لئے رب نے فرمایا **و ابرھیم الذی وفی** یا رب نے ان کی ساری دعائیں پوری فرمائیں **قال انی جاعلک للناس اماما** رب نے فرمایا کہ ہم تمہیں لوگوں کا پیشوا بنانے والے ہیں یا امامت سے نبوت مراد ہے یا تمام لوگوں کا دینی پیشوا ہونا کہ تمام ادیان میں آپ کی عزت و عظمت ہو اور آپ کے بعد تمام شریعتوں میں آپ کے قوانین پر عمل رہے اور ہزارہا انبیاء کے آپ والد ماجد ہوں۔ خیال رہے کہ امام امم سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں قصد کرنا۔ لغت میں ہر پیشوا کو امام کہتے ہیں۔ **و جعلنهم ائمۃ یدعون الی النار** ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ کرم میری بعض اولاد پر بھی فرما ذریت یا ذرء سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پیدا کرنا یا ذرّ سے جس کے معنی ہیں پھیلانا چھوٹی چیونٹی اور ریت کے ذروں کو بھی ذرہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ زمین میں پھیلے ہوتے ہیں اصطلاح میں چھوٹی اولاد کو ذریت کہا جاتا ہے اور کبھی چھوٹوں بڑوں سب پر بھی بولا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کرتے ہوئے **قال لا ینال عھدی الظلمین** فرمایا کہ ہمارا یہ وعدہ ظالموں کو نہیں پہنچتا۔ **عھدی** سے وعدہ امامت مراد ہے اگر امامت سے نبوت مقصود ہو تو معنی یہ ہیں کہ ہماری نبوت فاسقوں کو نہ ملے گی اور دینی پیشوائی مراد ہو تو معنی یہ ہیں کہ کفار دینی پیشوائی کے مستحق نہیں یعنی اے خلیل آپ کی یہ دعا کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہے کہ تمہاری اولاد کو بھی امامت دی جائے گی لیکن تمہاری اولاد میں بعض کافر بعض مومن اور فاسق بھی ہوں گے۔ دینی پیشوائی کفار کو نہ ملے

www.alahazratnetwork.org

گی اور نبوت سے فساق محروم رہیں گے۔ متقی اولاد ہماری امامت سے سرفراز فرمائی جائے گی اس سے معلوم ہوا کہ جو حضرت علی کی اولاد سے ہو مگر مرزائی 'شیعہ' وہابی' دیوبندی وغیرہ بن جائے تو وہ امامت و پیشوائی کے لائق نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان یہود و نصاریٰ بلکہ سارے ان کفار کو جو ابراہیم علیہ السلام کو اپنا آقو پیشوا سمجھتے ہیں فرمادو کہ تم طریقہ ابراہیمی پر نہیں وہ ہمارے نہایت فرمانبردار بندے تھے ہم نے انہیں کئی باتوں میں آزمایا وہ بچے نکلے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا وہ تیار ہو گئے۔ ستارہ پرستوں کی محبت توڑنے بلکہ وطن چھوڑنے کو فرمایا انہوں نے ویسا ہی کر دکھایا کہ سب کو چھوڑ کر ملک شام میں آ بسے ریگستان عرب کو بسانے اور خانہ کعبہ بنانے کا حکم دیا فوراً اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسمٰعیل کو وہاں بسا دیا اور خانہ کعبہ بنایا۔ ایمان پر رہ کر نمرود کی آگ میں پڑنا منظور کیا اس کے علاوہ بہت سے ہمارے احکام نماز زکوٰۃ' ظاہری باطنی طہارت ختنہ وغیرہ بجالائے اس کے صلہ میں ہم نے ان سے کہا کہ ہم تم کو تمام لوگوں کا پیشوا بنانا چاہتے ہیں کہ تمام دینوں میں تمہارا چرچا رہے انبیاء تمہاری اولاد میں ہوں قیامت تک تمہارے کعبہ کا حج ہوتا رہے دور و قریب سے اس کی طرف گردنیں جھکتی رہیں لوگ تمہاری اور تمہارے بیٹے اسمٰعیل کی اور حضرت ہاجرہ کی نقل کر کے حاجی بنا کریں نبی آخر الزماں کی امت اپنی نمازوں اور خطبوں میں اس محبوب کے ساتھ تم پر بھی درود بھیجا کرے قیامت میں بھی تمہاری پیشوائی ظاہر ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ مولا میری اولاد میں بھی بابرکت لوگ پیدا کرنا تاکہ تیری فرمانبرداری ہمیشہ میرے خاندان میں رہے ہم نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے کہا کہ اچھا تم سے اس کا وعدہ کرتے ہیں لیکن اس اقرار وعدہ میں تمہاری وہ اولاد شامل نہیں جو بدکار ہو ان کو یہ برکت نصیب نہ ہو گی لہٰذا اے اسرائیلیو تم کو لازم ہے کہ اپنے جد امجد کی پیروی کرو اور ان نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ جن کے لئے انہوں نے دعائیں مانگیں اور یہ مت سمجھو کہ نبوت بنی اسحاق کے لئے خاص ہے بنی اسمٰعیل بھی انہیں کی اولاد ہیں اور وہ بھی اس وعدہ میں داخل ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کے حالات :

ابراہیم علیہ السلام تارخ ابن ناحور کے فرزند ہیں۔ آپ کا نام ابراہیم اور آپ کا لقب ابوالضیفان ہے آپ کا نسب یہ ہے ابراہیم ابن تارخ ابن ناحور ابن ساروع ابن رعو ابن فالغ ابن عابر ابن شالخ ابن ارفخشد ابن سام ابن نوح ابن مالک ابن متوشلخ بن ادریس علیہ السلام ابن یارد ابن مہلئیل ابن قینان ابن انوش ابن شیث ابن آدم علیہ السلام۔ (تفسیر حقانی)۔ آپ کی پیدائش طوفان نوح سے سترہ سو نو سال بعد اور عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً" دو ہزار تین سو سال پیشتر شہر بابل سے قریب قصبہ کوثی میں ہوئی۔ (تفسیر عزیزی) خزائن العرفان میں فرمایا کہ آپ کی پیدائش اہواز کے علاقہ مقام سوس میں ہوئی آپ بچپن ہی سے بہت عقلمند اور ہونہار تھے اپنی قوم سے توحید الٰہی پر مناظرہ کرتے تھے یہاں تک کہ ایک بار آپ نے بتوں کو بھی توڑ دیا نمرود نے آپ کو آگ میں ڈالا مگر رب نے آپ کو صحیح سلامت رکھا تب آپ بحکم الٰہی اپنا وطن ترک کر کے حران وہاں سے شام اور فلسطین میں ہجرت کر گئے اور فلسطین ہی کو اپنا قیام بنایا آپ نے جانی اور مالی بہت سی قربانیاں کیں چار ہی چیزوں سے امتحان ہو سکتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ جان، مال، فرزند اور وطن آپ نے جان کو آگ میں ڈالا۔ مال اور وطن کو خیرباد کہا پیارے بچے اور بیوی کو ایک دفعہ جنگل میں چھوڑا اور ایک بار بیٹے کی قربانی کرنے کو تیار ہو گئے اسی برس کی عمر میں ختنہ کا حکم ملا۔ اسی وقت گھر سے تیشہ لے کر خود اپنا ختنہ کر لیا وحی آئی کہ اے ابراہیم تم نے اس کام میں جلدی کی عرض کیا مولیٰ تیری اطاعت میں شتابی منظور تھی۔

ابراہیم کے اولیات :

سب سے پہلے (1) آپ ہی نے اپنا اور اپنی اولاد کا ختنہ کیا آپ سے پہلے پیغمبر ختنہ شدہ پیدا ہوتے تھے۔ ہمارے حضور علیہ السلام بھی ختنہ شدہ پیدا ہوئے۔ (1) سب سے پہلے آپ ہی کے بال سفید ہوئے۔ (3) پہلے آپ نے ناخن اور مونچھ کٹوائے اور زیر ناف کے بال دور کرنے کو رواج دیا کہ آپ کے دین میں یہ باتیں فرض تھیں اور ہمارے ہاں سنت۔ (4) پہلے آپ ہی نے سلا ہوا پاجامہ پہنا۔ (5) پہلے آپ ہی نے بالوں میں خضاب لگایا۔ (6) پہلے آپ ہی نے منبر بنایا اور اس پر خطبہ پڑھا۔ (7) پہلے آپ ہی نے ہاتھوں میں عصا لیا۔ (8) پہلے آپ ہی نے راہ خدا میں جہاد کیا جبکہ رومی کافر آپ کے بھتیجے لوط علیہ السلام کو قید کر کے لے گئے آپ نے ان سے جہاد کر کے انہیں چھڑا لیا۔ (9) پہلے آپ ہی نے مہمان نوازی کی کہ بغیر مہمان کبھی ناشتہ بھی نہ کیا اور مہمان کی تلاش میں چار چار کوس نکل جاتے تھے۔ (10) پہلے آپ ہی نے شیر مال پراٹھے پکوا کر مہمانوں کو کھلائے۔ (11) پہلے آپ ہی نے معانقہ کیا (گلے ملنا)۔ آپ سے پہلے سجدہ تحیت کا رواج تھا۔ (12) آپ ہی کو بہت مال اور خدام دیئے گئے۔ (13) پہلے آپ ہی نے ثرید پکایا (شوربے میں پکی ہوئی روٹی)۔

ابراہیم کے فضائل :

(1) آپ ہی اپنے مابعد سارے پیغمبروں کے والد ہیں۔ (2) ہر آسمانی دین میں آپ ہی کی پیروی اور اطاعت ہے۔ (3) ہر دین والے آپ ہی کی تعظیم کرتے ہیں۔ (4) آپ ہی کی یاد قربانی ہے۔ (5) آپ ہی کی یادگار حج کے ارکان ہیں۔ (6) آپ ہی خانہ کعبہ کی پہلی تعمیر کرنے والے ہیں یعنی اسے گھر کی شکل بنانے والے جس کا ذکر اگلی آیت میں آنے والا ہے۔ (7) جس پتھر پر کھڑے ہو کر آپ نے خانہ کعبہ بنایا اس کی طرف قیام اور سجدے ہونے لگے یعنی مقام ابراہیم جس کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ (8) قیامت میں سب سے پہلے آپ ہی کو لباس فاخرہ عطا ہو گا اس کے فوراً بعد ہمارے حضور علیہ السلام کو۔ (9) ایک دفعہ آپ کے زمانہ میں قحط سالی ہوئی غلہ کہیں میسر نہ ہوتا تھا۔ آپ نے بوریوں میں سرخ ریت بھروا کر منگوا لیا جب کھولا گیا تو شریف گیہوں تھے جب اسے بویا گیا تو اس کے درختوں میں جڑ سے اوپر تک بالیاں لگیں۔ (11) امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم اور بیہقی وغیرہ محدثین نے نقل کیا کہ مسلمانوں کے مردہ بچوں کی آپ اور سارہ عالم برزخ میں پرورش کرتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)۔

www.alahazratnetwork.org

ابراہیمی سنتوں کے فائدے اور احکام :

ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کلمات سے دس چیزیں مراد ہیں جو ان پر واجب تھیں اور ہمارے لئے سنت۔ (1) کلی کرنا۔ (2) ناک میں پانی ڈالنا۔ (3) سر میں مانگ نکالنا۔ (4) مونچھیں کتروانا۔ (5) مسواک کرنا۔ (6) ختنہ کرنا۔ (7) ناف کے نیچے کے بال صاف کرنا۔ (8) بغل کے بال اکھیڑنا۔ (9) ناخن کتروانا۔ (10) پانی سے استنجا کرنا۔ ان کے فائدوں کی پوری تفصیل ہماری کتاب اسلامی زندگی میں دیکھو یہاں اجمالاً" کچھ عرض کئے دیتے ہیں اولاً" تو سمجھنا چاہئے کہ سرکاری چیز پر سرکاری نشان ہوتے ہیں فوجیوں پر سرکاری وردی اور سرکاری گھوڑوں پر شاہی مہر ہوتی ہے۔ مومن سلطنت الٰہیہ کا نوکر ہے چاہئے کہ اس کی پیٹی وردی علیحدہ ہو یہ دس باتیں شاہی پیٹی وردی ہیں ان کے فوائد حسب ذیل ہیں۔ (1) کلی کھانے سے پہلے اور اس کے بعد اور اس کے علاوہ بھی کلی کرنا نہایت مفید ثابت ہوا ہے اگر کھانے میں دانت کا میل شامل ہو جائے تو تندرستی کو مضر ہے نیز اس میل سے منہ میں بدبو آتی ہے۔ جس سے لوگ نفرت کرتے ہیں ان سب کا علاج کلی ہے۔ (2) مسواک سے دانتوں کی ریخوں میں میل جمع ہو کر زہریلا مادہ بن جاتا ہے اگر وہ دور نہ کیا جائے تو مسوڑھوں سے خون یا پیپ بہنے لگتا ہے۔ اس لئے مسواک بڑی مفید ہے مسواک بہت سی بیماریوں کو مفید ہے اس سے ہاضمہ درست رہتا ہے آنکھیں خراب نہیں ہوتیں گندہ ذہنی اور منہ کے امراض کو دور کرتی ہے۔ جان کنی میں آسانی ہوتی ہے وغیرہ مگر چاہئے کہ مسواک پیلو یا کسی کڑوے درخت کی ہو پھل پھول والے درخت کی نہ ہو ایک بالشت سے زیادہ نہ ہو۔ (3) ناک میں پانی لینا دماغ کو صاف کرتا ہے اسی لئے وضو کرنے والے لوگ دیوانے کم ہوتے ہیں مگر چاہئے کہ اگر روزہ نہ ہو تو بانسہ تک پانی چڑھائے۔ (4) مونچھ کتروانا اس قدر مونچھ کتروانا سنت ہے۔ جس سے ہونٹ کا پورا کنارہ کھل جائے کہ کھانے اور پینے میں اس کے بال نہ ڈوبیں ان بالوں میں زہریلا اثر ہوتا ہے اگر کھانا یا پانی اس سے لگ کر جائے گا تو بیماری پیدا ہوگی۔ مونچھ منڈوانا منع ہے کیونکہ اس سے ضعف باہ پیدا ہوتا ہے مونچھوں کے کنارے کاٹنے کی ضرورت نہیں کیونکہ نہ تو اس سے منہ ڈھکتا ہے اور نہ کھانے میں ڈوبتی ہیں لمبی مونچھوں والوں کو سگریٹ پینا۔ ناک صاف کرنا کچھ کھانا پینا وبال ہوتا ہے۔ (5) داڑھی ایک مشت رکھنا سنت ہے اور مشت سے زیادہ کاٹنا بہتر ہے۔ مرد کی داڑھی عورت کے سر کے بالوں کی طرح چہرے کی زینت ہے' داڑھی مقوی باہ بھی ہے چھوٹے بچوں اور عورتوں اور خصی انسانوں کی داڑھی نہیں ہوتی' اچھے بھلے آدمی کے خصیے نکال لئے جائیں تو داڑھی جھڑ جاتی ہے۔ داڑھی والوں کی اولاد بمقابلہ داڑھی منڈوں کے زیادہ ہوتی ہے اور قوی بھی۔ (6) ناخن کتروانا بھی سنت ہے کیونکہ ناخن کا میل بھی زہریلا اثر رکھتا ہے اگر کھانے میں مل کر جائے گا بیمار کر دے گا جو شخص جمعرات کے دن عصر کے بعد ناخن اس طرح کاٹے کہ داہنے ہاتھ کی شہادت انگلی سے شروع کر کے چھنگلیا پر ختم کرے پھر بائیں ہاتھ کی چھنگلیا سے شروع کر کے انگوٹھے پر ختم کرے پھر داہنے انگوٹھے کا ناخن بھی کاٹ لے اس کے بعد داہنے پاؤں کی چھنگلیا سے شروع کر کے ترتیب وار بائیں پاؤں کی چھنگلیا پر ختم کر دے تو انشاء اللہ تنگ دستی دنیوی پریشانی اور آنکھ کی خرابی سے محفوظ رہے گا۔ (از روح البیان و شامی)۔ (7) ختنہ یہ بھی پیشاب وغیرہ کی بہت سی بیماریوں کا علاج ہے قوت باہ کے لئے مفید ہے' مختون کی اولاد قوی اور اس کی بیوی پاک

www.alahazratnetwork.org

دامن رہے کی روح البیان وغیرہ میں ہے کہ بہتر یہ ہے کہ پیدائش سے ساتویں روز عقیقہ کے ساتھ ختنہ بھی کرا دیا جائے اور سات اور دس سال کی درمیانی عمر میں تو ضروری کروایا جائے۔ امام حسین فرماتے ہیں کہ بڈھے نو مسلم کا ختنہ ضروری نہیں دیگر علماء نے فرمایا کہ بہتر یہ ہے کہ اس کا نکاح کسی ایسی عورت سے کروایا جائے جو ختنہ کر سکے اور بعد نکاح وہ اس کا ختنہ کر دے۔ تفسیر عزیزی نے فرمایا ہے کہ بیہقی میں ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسحاق علیہ السلام کا ختنہ پیدائش سے ساتویں دن اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا ختنہ تیرہویں سال کرایا اور حضور علیہ السلام نے امام حسن و حسین کا ختنہ ساتویں روز کرایا۔ (8) موئے زیر ناف کا صاف کرنا آٹھویں روز یا پندرہویں دن یا زیادہ سے زیادہ چالیسویں دن ضروری ہے یہ بال رہنے سے خارش پیدا ہوتی ہے اور باہ کمزور پڑتی ہے۔ (9) مانگ نکالنا یا تو مرد سر کے کل بال رکھے یا کل کٹوائے بعض کاٹنا اور بعض کا رکھنا منع ہے جیسے انگریزی بال اور پان چھے حضور علیہ السلام کے بال شریف اکثر تا گوش اور کبھی تا بدوش ہوتے تھے جس کے بال ہوں وہ انہیں پراگندہ نہ رکھے کہ اس سے نیستی آتی ہے بلکہ ان کو درست رکھے اور بیچ سر کے مانگ نکالنا سنت ہے بعض عورتیں جو دائیں بائیں مانگ نکالتی ہیں وہ سنت کے خلاف ہے۔ (10) بغل کے بال مونڈھنا بھی جائز مگر اکھیڑنا سنت ہے اور ناک کے بالوں کا کٹوانا بہتر اور اکھیڑنا منع ہے کیونکہ اس سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** انبیاء کرام نبوت سے پہلے اور اس کے بعد گناہ کبیرہ اور حقیر حرکات سے معصوم ہیں کیونکہ فاسق ظالم کو نبوت نہیں مل سکتی۔ **دوسرا فائدہ:** کافر مسلمانوں کا دینی پیشوا نہیں بن سکتا کیونکہ کافر ظالم ہے اور ظالم امامت کا حقدار نہیں۔ خیال رہے کہ چونکہ نبوت کا بڑا درجہ ہے اس لئے وہاں فسق سے معصوم ہونا بھی ضروری ہے دیگر اماموں میں یہ پابندی نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی اکثر نعمتیں محنتوں کے بعد ملتی ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** ابراہیم علیہ السلام امتوں بلکہ پیغمبروں کے بھی امام ہیں کہ سارے پیغمبر اپنے ابراہیمی ہونے پر فخر کرتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اپنی اولاد یا اہل قرابت کو پیشوا بنانے کی دعا یا کوشش حرام نہیں سنت خلیل ہے موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور پر عرض کیا تھا کہ مولا میرے بھائی ہارون کو نبی بنا دے۔ **واجعل لی وزیرا" من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری** لہٰذا حضرت امیر معاویہ کا اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین بنانے کی کوشش کرنا ہرگز جرم نہیں اور اس بناء پر اس صحابی رسول کو طعن نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ یزید پلید کا فسق بعد میں ہوا اس وقت تک وہ بظاہر نیک تھا۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے امامت کی دعا کی جو کچھ ترمیم سے شروع ہوئی اس دعا کی برکت سے سارے نبی آپ کی اولاد میں ہوئے اور تاقیامت قطب سید ہی ہوں گے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اگر ظالم نبی نہیں ہو سکتا ہے تو خود انبیاء نے اپنے کو ظالم کیوں کہا؟ حضرت یونس علیہ السلام نے عرض کیا **انی کنت من الظلمین** آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** اگر انہوں نے صحیح کہا تو ان کا گناہ ثابت ہوا اور اگر غلط کہا تو جھوٹ ہوا اور یہ بھی گناہ۔ **جواب:** یہاں ظلم سے مراد لغزشیں اور خطائیں ہیں بڑے لوگ عاجزی اور استغفار کے موقعہ پر اپنی معمولی چوک کو بھی ظلم کہہ دیتے ہیں اس کی پوری بحث ہم آدم علیہ السلام کے واقعہ میں عصمت انبیاء کے ماتحت کر چکے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر ابراہیم علیہ السلام سارے جہان کے امام ہیں تو وہ حضور علیہ السلام کے برابر

www.alahazratnetwork.org

بلکہ ان سے بڑھ گئے کیونکہ ان کی دعوت بھی عام ہو گئی پھر تم حضور علیہ السلام کو سید المرسلین کیوں کہتے ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا۔ **للناس اماما** حضور علیہ السلام کے متعلق فرمایا گیا **للعلمین نذیرا** " جس سے معلوم ہوا کہ وہ تو لوگوں کے امام اور حضور علیہ السلام ملائکہ اور جنات وغیرہ ساری خلق کے امام یعنی پیشوا ہیں اور حضور علیہ السلام نذیر یعنی نبی ہیں لہٰذا حضور علیہ السلام کی دعوت عام ہے دوسرے یہ کہ ابراہیم علیہ السلام سارے لوگوں کے امام ہیں نہ کہ نبی اور حضور علیہ السلام تمام جہانوں کے نبی یعنی سارے جہان پر حضور کا کلمہ پڑھنا لازم ہے اور تمام دینوں کا دین ابراہیمی کے موافق ہونا اس کی حقانیت کی دلیل ہے اسی لئے بعد کے تمام پیغمبروں کا دین' دین ابراہیمی کے موافق ہوا بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ ہم جس کو نماز کا امام بنائیں اس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ہم اس کی سی اور اس کے ساتھ نماز پڑھیں گے نہ یہ کہ اس کے امتی بن جائیں۔ **تیسرا اعتراض:** جب سارے آسمانی دین ملت ابراہیمی کے موافق ہیں تو ان میں اختلاف کیوں ہے۔ **جواب:** کلی قوانین میں اس کے موافق ہیں جزئیات میں اختلاف جیسے صاحبین حنفی ہیں مگر بعض مسائل میں امام ابو حنیفہ کی مخالفت بھی کرتے ہیں یا جیسے سارے یونانی طبیب بو علی سینا کے پیرو ہیں مگر ان کے آپس کے طریقہ علاج مختلف اس کے یہی معنی ہیں کہ قواعد اور قوانین میں سب ان کے تابع اور جزئیات میں اختلاف اور پھر ان کے جزئیات بھی قوانین کے موافق رہتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اگر ابراہیم علیہ السلام نبیوں کے بھی امام ہیں تو سب نبی ان کے امتی بن گئے حالانکہ تم کہتے ہو کہ حضور علیہ السلام نبی الانبیاء ہیں نیز قرآن کریم فرماتا ہے کہ **قل بل ملتہ ابرھیم حنیفا** " یعنی اے نبی فرماؤ کہ ہم ملت ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب دوسرے اعتراض کے جواب میں گزر گیا یہاں اتباع کے صرف یہ معنی ہیں کہ ہمارے احکام ان کے موافق ہوں خلاف نہ ہوں جیسے کہ آخری بادشاہ اگلے بادشاہوں کے قوانین سلطنت باقی رکھتا ہے اس سے یہ بادشاہ اگلوں کا رعایا نہ بن گیا بلکہ اس نے طریقہ حکومت میں ان کی موافقت کی **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کی خلافت صحیح نہیں کیونکہ یہ حضرات اولاً " شرک میں مبتلا تھے بعد میں مومن ہوئے اور شرک بڑا ظلم ہے اور مشرک بڑا ظالم جو کبھی ظالم رہ چکا ہو امام نہ بننا چاہئے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی الزامی یہ ہے کہ پھر خلافت مرتضوی کی بھی خیر نہیں کیونکہ وہ بھی پیدائشی مسلم نہ تھے خود فرماتے ہیں۔ مصرع۔

سبقتکموا الی الاسلام طرا "

یعنی میں تم سب سے پہلے اسلام لایا اور اسلام وہ لاتا ہے جو پہلے سے مسلمان نہ ہو جواب تحقیقی یہ ہے کہ نبوت کے لئے معصوم ہونا ضروری ہے کہ کبھی بھی نبی سے شرک و کفر اور گناہ وغیرہ صادر نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی کی اطاعت اور اس کی تعظیم بہرحال لازم ہے مگر خلافت و امامت وغیرہ کے لئے فی الحال فاسق نہ ہونا کافی۔ لہٰذا جو شخص پہلے فاسق یا کافر ہو اور پھر مسلمان متقی پرہیزگار بن جائے تو خلیفہ بن سکتا ہے کیونکہ خلیفہ کی اطاعت بہرحال لازم نہیں بلکہ اگر خلاف شرع حکم دے اس کی مخالفت ضروری۔ روافض کی معتبر کتاب نہج البلاغہ میں سیدنا مولا علی کا فرمان موجود ہے۔ **لابد للناس من امیر برا و فاجر** لوگوں کے لئے ایک امیر ضروری ہے چاہے نیک ہو یا فاجر' فاسق اس قول کے مطابق تو فاجر فاسق بھی امیر بن سکتا ہے۔ افسوس ہے کہ شیعہ مخالفت شیخین میں قرآن کریم سے بھی آنکھیں بند کر لیتے ہیں کہ یہ تو توبہ کرنے والے کو فاجر اور فاسق کہتے ہی کہتے ہیں مگر قرآن کریم فرماتا ہے **اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت** یعنی رب تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے گناہوں کو نیکیاں بنا دیتا ہے بلکہ

www.alahazratnetwork.org

حق یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق نے اسلام سے پہلے بھی کبھی شرکیہ عقیدہ نہ رکھا بھی بت پرستی نہ کی' بھی شراب نہ پی بھی زنا کے قریب نہ گئے۔ آپ خود تو بت پرستی کیا کرتے جب اپنی والدہ کے شکم میں تھے تو اپنی ماں کو بت کے آگے جھکنے نہ دیتے تھے پیٹ میں اس طرح سکڑ جاتے کہ وہ جھک نہ سکتیں ایک بار آپ کے والد ابو قحافہ آپ کو بت کے سامنے جھکنے کے لئے لے گئے آپ نے فرمایا کہ اے بت میں بھوکا ہوں مجھے روٹی دے' میں پیاسا ہوں مجھے پانی پلا' بیمار ہوں مجھے شفا دے۔ جب وہ کچھ نہ بولا تو آپ نے اس کو جڑ تھمارے اور فرمایا کہ تو سجدے کے لائق کیسے ہو سکتا ہے۔ جب تجھ میں طاقت ہی کوئی نہیں۔ سبحان اللہ۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کا روحانی درجات طے کرنے کا امتحان لیا کہ انہیں فرمایا کہ تم صبر' تسلیم' توکل اور رضا وغیرہ پر سوار ہو کر قلب' سر' روح خفا وحدت احوال اور مقامات کے درجات طے کرو وہ الی اللہ اور فی اللہ کے راستے کو طے کر کے منزل فنا تک پہنچے۔ تب الطاف ربانی نے ان پر توجہ فرمائی اور فرمایا کہ ہم تم کو فنا کے بعد بقاء اور حق سے خلق کی طرف رجوع عطا فرمائیں گے تاکہ آپ خلق کے امام بنیں اور ان کو اسی راستہ پر چلنا سکھائیں اور وہ سب آپ کی پیروی کر کے ہم تک پہنچیں تب آپ نے عرض کیا کہ مولا میری اولاد سے بھی بعض کو درجہ امامت عطا فرمانا فرمان الٰہی ہوا کہ ان میں سے بعض تمہاری اقتداء چھوڑ کر ظالم ہو جائیں گے اور ہماری خلافت اور امامت ظالموں کو نہیں ملتی۔ (ابن عربی) رلو تصوف میں ابراہیم علیہ السلام امام الائمہ ہیں اور یہ راستہ بغیر امام طے ہونا محال۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہن تسلیم شو ہم چو موسیٰ زیر حکم خضر رو

وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَأَمْنًا وَاتَّخِذُوا مِن
اور جب بنایا ہم اس گھر کو جائے رجوع واسطے لوگوں کے اور امن اور بناؤ تم جائے قیام
اور یاد کرو جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کیلئے مرجع اور امان بنایا اور ابراہیم کے
مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى ۖ وَعَهِدْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ
سے ابراہیم کی جائے نماز اور عہد لیا ہم نے طرف ابراہیم اور اسماعیل
کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کا مقام بناؤ اور ہم نے تاکید فرمائی ابراہیم و اسماعیل کو
أَن طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿١٢٥﴾
کی اس کا کہ پاک رکھو تم میرا گھر واسطے طواف والوں کے اور اعتکاف والوں اور رکوع والوں اور سجدہ والوں کے
کہ میرا گھر خوب ستھرا کرو طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکوع والوں اور سجود والوں کیلئے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بہت سے احکام کا مکلف کیا جن پر انہوں نے بخوشی عمل کیا اور اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کو بیت اللہ شریف کے خدمت جیسے اہم کام کی بھی تکلیف دی گئی جو انہوں نے برداشت کر لی **دوسرا تعلق** : پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی امامت کا

www.alahazratnetwork.org

ذکر تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ان کی امامت عامہ کا ظہور اس طرح ہو رہا ہے کہ ان کے بنائے ہوئے گھر کی طرف سب کا رجوع ہے اور جس پتھر پر انہوں نے قدم رکھ دیا ہے یعنی مقام ابراہیم وہ بھی قیامت تک کے لئے معظم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ابراہیم کو کئی باتوں میں آزمایا تو پورا پایا دیگر باتوں کو تو اہل کتاب بھی مانتے ہیں مگر تعمیر کعبہ اور اس کا حج ہونا اس کے وہ منکر تھے اور کہتے تھے کہ نہ تو حج طریقہ ابراہیمی ہے اور نہ کعبہ ان کی تعمیر۔ حج مشرکانہ رسم ہے۔ جس کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ملک و قوم کی محبت میں باقی رکھا ہے۔ اس آیت میں ان کے اس خیال باطل کی تردید ہے کہ ہم ہی نے ابراہیم سے کعبہ بنوایا اور ہم ہی نے حج کے احکام مقرر فرمائے۔

شان نزول: اس آیت کا ایک جملہ یعنی **واتخذوا** سے **مصلی** تک کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے عمر رضی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑ کر وہ پتھر دکھلایا جس کا نام مقام ابراہیم ہے حضرت عمر نے عرض کیا کہ جب یہ اتنا معظم پتھر ہے تو ہم اسے مصلی کیوں نہ بنالیں یعنی اس کے سامنے کھڑے ہو کر کعبہ کو رخ کر کے نماز کیوں نہ پڑھیں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا اب آفتاب ڈوبنے سے پہلے ہی آیت کریمہ آگئی۔ (تفسیر مدارک و احمدی) لہذا یہ آیت ان آیتوں میں سے ہے جو کہ حضرت عمر کی رائے کے موافق اتریں۔

تفسیر: **واذ جعلنا** یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی اے نبی علیہ السلام یہ واقعہ یاد کرو یا ان لوگوں کو بتاؤ یا اے لوگو! یہ واقعہ یاد کرو ہم نے بنایا خیال رہے کہ بیت اللہ کا زیارت گاہ ہونا آدم علیہ السلام کے وقت سے ہے جیسے کہ خلاصہ تفسیر میں ان شاء اللہ معلوم ہو گا چونکہ اس مقام پر گھر کی شکل میں عمارت بنانے والے ابراہیم علیہ السلام ہی ہیں اس لئے اس کا بیت کی شکل میں مرجع خلائق ہونا ان کے وقت سے ہوا لہذا قصہ ابراہیمی میں یہ واقعہ بیان کیا گیا۔ **البیت** یہ **بیتوتتہ** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں رات گزارنا۔ بیت وہ کوٹھڑی یا عمارت جس میں رات گزاری جائے اب بیت ہر کوٹھڑی یا عمارت کو کہنے لگے اس معنی میں کعبہ کو بیت کہا جاتا ہے بلکہ مطلق البیت سے خانہ کعبہ ہی مراد ہوتا ہے کیونکہ وہ سب سے پرانا گھر ہے نیز اس کو شعر بنانے والی بڑی معظم ہستیاں ہیں لہذا اس وصف میں یہ کامل ہے **مثابتہ** **ثوب** سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں رجوع کرنا جزاء خیر کو بھی اسی لئے ثواب کہتے ہیں کہ وہ کرنے والے کی طرف لوٹتی ہے عاتا کپڑے کو بھی ثوب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کے جسم سے لوٹ کر آتا ہے **مثابتہ** اسم ظرف ہے۔ جس کے معنی ہیں لوٹ کر آنے یا متفرق ہو کر ملنے کی جگہ چونکہ اس مقام پر سارے جہان کے لوگ جمع ہوتے ہیں یا جو ایک بار وہاں آتا ہے وہ بار بار آنا چاہتا ہے راستہ کی مصیبتوں کی پرواہ نہیں کرتا یا جو دنیاوی مشاغل سے فارغ ہو جاتا ہے اور اپنی اخیر عمر میں قدم رکھتا ہے تو اللہ اللہ کرنے کے لئے کعبہ معظمہ جانے کی کوشش کرتا ہے یا جن انبیاء کی امتیں ہلاک ہوئیں عموماً یہاں آکر رہے جیسے صالح علیہ السلام وغیرہ اس لئے اس مثابتہ کہا یوں سمجھو کہ کعبہ معظمہ وہ آشیانہ ہے جس کی طرف پرندے شام کے وقت لوٹتے ہیں یا ہر جگہ سے مسلمان اسی طرف منہ کر کے نماز و غیرہ عبادات کرتے ہیں یا ہر جگہ سے مرنے والے مسلمان کو موت کے وقت اور قبر میں ادھر منہ کر کے لٹایا جاتا ہے۔ (تفسیر عزیزی) **للناس** اس میں الف لام عہدی ہے یعنی حاجیوں یا عمرہ کرنے والوں یا سارے مومنوں کا ملجا و ماوی مومن جنات کی بھی جائے رجوع کعبہ معظمہ ہی ہے کہ وہ بھی اسی طرف منہ کر کے نماز و غیرہ عبادات کرتے ہیں مگر چونکہ اصل مقصود انسان ہیں وہ جنات وغیرہ ان کے تابع اس لئے

خصوصیت سے انسانوں کا ذکر ہوا نیز حج کعبہ صرف انسانوں پر فرض ہے رب فرماتا ہے **وللہ علی الناس حج البیت** اس لئے انسانوں کیلئے یہ کئی طرح مرجع ہے **وامنا** یہ مصدر بمعنی اسم فاعل یا اسم ظرف ہے یعنی امن پانے کی جگہ یا امن دینے والا یہاں جنون جذام اور برص سے لوگوں کو امن ہے یا حاجی کو عذاب آخرت سے امن ہے یا اس مجرم کو جو وہاں داخل ہو جائے قانون سزا سے امن ہے یا خود یہ مقام ظالموں کے قبضے سے محفوظ ہے کہ جو بیدین اسے ویران کرنا چاہے وہ تباہ ہو جائے جیسے اصحاب فیل وغیرہ یا یہ جگہ شکار کو شکاری جانوروں اور انسانوں سے امن دینے والی ہے کہ اس مقام میں بھیڑیا اور شیر بھی حملہ نہیں کرتے خیال رہے کہ یہاں بیت سے سارا حرم مراد ہے یعنی مکہ مکرمہ کی وہ حدود جہاں شکار کرنا حرام ہے کیونکہ اس رقبہ کی یہ حرمت بیت کی وجہ سے ہے اس لئے اس کا ذکر ہوا دوسری جگہ فرمایا گیا **انا جعلنا حرما امنا**۔ **واتخذوا** اس کی دو قراءتیں ہیں۔ خ کی فتح سے یعنی لوگوں نے ہمارے امام سے مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنا لیا اس صورت میں جعلنا پر عطف بلا تکلف صحیح ہے دوسرے خ کے کسرہ سے تو یہاں **قلنا** پوشیدہ ہے یعنی ہم نے کہا کہ تم اسے مصلیٰ بناؤ کیونکہ انشاء کا عطف خبر پر جائز نہیں **من مقام ابرهیم** مقام قیام کا ظرف ہے یعنی کھڑے ہونے کی جگہ اس کے شان نزول اور دیگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر آپ نے کھڑے ہو کر عمارت کعبہ بنائی اور پھر اسی پر کھڑے ہو کر سارے جہان کو حج کے لئے پکارا ایک بار اس پر قدم رکھ کر اپنی بہو یعنی اسمٰعیل علیہ السلام کی بیوی سے اپنا سر دھلوایا جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو گا **مصلےٰ** اس کے لفظی معنی ہیں جائے نماز مگر یہاں مجاز قبلہ مراد ہے جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ میری مسجد آخر مساجد ہے مسجد بمعنی قبلہ کیونکہ کوئی بھی اس پر کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھتا بلکہ امام کی طرح اس کو سامنے رکھ کر نماز پڑھتے ہیں یا مقام ابراہیم کے مصلیٰ بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی متصل زمین کو جائے نماز بناؤ اسی لئے یہاں من فرمایا گیا **وعهدنا الی ابرهیم واسمعیل** عہد کے لفظی معنی وعدے کے ہیں مگر یہاں تاکیدی حکم مراد ہے یعنی ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کو تاکیدی حکم دیا اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے بڑے فرزند کا نام ہے جو حضرت ہاجرہ کے شکم سے پیدا ہوئے حضرت ہاجرہ کسی شاہی خاندان سے تھیں اور شاہ مصر کے یہاں قید تھیں جن روایتوں میں ان کو لونڈی یا خادمہ بتایا گیا وہ اس لحاظ سے ہے کہ اس کو شاہ مصر نے قبطی لونڈی بنا کر رکھا تھا کیونکہ پہلے قیدیوں کو لونڈی ہی بنایا کرتے تھے (تاریخ ابن خلدون) ابراہیم علیہ السلام آخر عمر تک لاولد تھے بیٹے کی دعائیں مانگ کرتے تھے **اسمع ایل** اسمع لفظ عربی ہے اور ایل عبرانی میں خدا کا نام جس کے معنی ہوئے اے خدا میری سن لے جب آپ پیدا ہوئے تو اس دعا کی یادگار میں آپ کا نام اسمٰعیل رکھا گیا (روح البیان وغیرہ) **ان طهرا** یعنی یہ لفظ تطہیر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پاک کرنا اور پاک رکھنا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی میرے اس گھر کو نجاستوں اور گندی چیزوں سے پاک و صاف رکھو یہ نہیں کہ اب تک ناپاک تھا اور اب پاک کرو چونکہ کعبہ اللہ ہی عبادت کے لئے ہے اور اسی کے حکم سے بنایا گیا اور کسی انسان کا اس پر قبضہ اور ملکیت نہیں اس لئے رب نے اسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ بیتی یعنی میرا گھر یہ مطلب نہیں کہ رب تعالیٰ وہاں رہتا ہے جیسے ناقۃ اللہ و روح اللہ **للطائفین** یہ طواف سے بنا جس کے معنی ہیں کسی کے آس پاس گھومنا شہر طائف کو بھی اسی لئے طائف کہتے ہیں کہ اس کا راستہ حرم کے گرد گھومتا ہوا گیا ہے اس سے مراد یا تو وہ پردیسی لوگ ہیں جو خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے یہاں پھیر اتار جاتے ہیں یہ عام طواف کرنے والے خواہ دیسی ہو یا پردیسی

www.alahazratnetwork.org

ابراہیمی پر عمل کیا قریش کے فرقوں کو دور کیا حطیم کو خانہ کعبہ میں داخل کیا اور اس میں زمین سے متصل شرقاً غرباً دروازے رکھے یمن سے خوشبودار مٹی منگوا کر جس کو ارس کہتے ہیں چونہ میں مخلوط کرکے بجائے گارے کے استعمال کی اور اس کی دروازوں پر اندر باہر مشک و عنبر سے کہگل کی دیواروں پر نہایت قیمتی ریشمی غلاف چڑھایا جسے غلاف کعبہ کہتے ہیں اور جس کا اب بھی رواج ہے غلاف کعبہ سب سے پہلے پہنانے والے کا نام اسعد ہے، جو شاہ یمن تھا جسے تبع کہتے ہیں یہ ہی مدینہ منورہ کو آباد کرنے والا ہے حضور انور کے شوق ملاقات میں اس نے یہاں ہی سکونت اختیار کرلی اس کی کچھ قوم والے جرہ بھی یہاں رہ گئے یہ ہی مدینہ پاک کی پہلی آبادی ہے جیسے قوم جرہم نے مکہ معظمہ کو پہلے آباد کیا اس کا پورا واقعہ روح البیان پارہ 25-26 قوم تبع کی تفسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔ 27 رجب 46 ہجری کو اس کام سے فراغت حاصل ہوئی پھر 74ھ میں حجاج ابن یوسف نے جو کہ عبدالملک ابن مروان کا نائب تھا یہ عمارت گرا کر قریش کی طرح ہی بنوایا۔ پھر ہارون الرشید نے چاہا کہ عبداللہ بن زبیر کے طریقہ پر بنائے مگر علماء نے منع کیا بار بار بنانا اور گرانا کھیل ہو جائے گا پھر اسلامی بادشاہ اس کی مرمت تو کرتے رہے مگر کسی نے دوبارہ نہ بنایا پھر 1040ھ میں سلطان مراد ابن احمد خان شاہ قسطنطنیہ نے جب دیکھا کہ اس کی عمارت بہت کہنہ ہو گئی ہے تو سوائے اس رکن کے (گوشہ یا کونہ) جس میں سنگ اسود لگا ہوا ہے سب کو گرا کر پھر نئے سرے سے بنیاد حجاج کے موافق کعبہ بنایا جس کے اندر سنگ مرمر کا فرش بچھایا اور اندر چھت پر نہایت نفیس مخملی چھت گیری لگائی اور باہر کی دیواریں سنگ خارا سے چونہ میں چنیں نہایت نفیس ریشمی سیاہ پردہ تمام خانہ کعبہ پر ڈالا جس پر کلمہ **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** بنا اور طول دیوار میں کئی بالشت سرا چپکا لگایا جس میں کار چوبی حروف سے سلطان کا نام لکھا گیا اب موجودہ کعبہ سلطان مراد کا بنایا ہوا ہے اور مصر سے ہر سال غلاف کعبہ تیار ہو کر بڑے جشن اور دھوم دھام سے آتا رہا اور 1382ھ میں غلاف کعبہ لاہور سے تیار ہو کر گیا اور دستور یہ رہا کہ ہمیشہ حج کے موقعہ پر پرانا غلاف اتار کر خدام کعبہ کو دے دیا جاتا جس کو حاجی لوگ تبرکاً ٹکڑے ٹکڑے خرید لیتے نیا غلاف چڑھا دیا جاتا میں نے 1350ھ میں وہاں دیکھا کہ نجدیوں کی حکومت ہے ملک عبدالعزیز ابن سعود وہاں کا بادشاہ ہے اس کے ظلم و ستم کی وجہ سے مصر سے غلاف آنا بند ہو گیا اب خود نجد میں ہی تیار ہوتا ہے۔ جس کے اوپری حصہ میں ابن سعود کا نام لکھا جاتا ہے ہماری اس تحقیق سے معلوم ہو گیا ہو گا کہ کعبہ معظمہ کو عمارتی شکل میں سب سے پہلے ابراہیم علیہ السلام نے بنایا اور پھر پانچ بار کعبہ بنتا رہا اور کعبہ کی موجودہ عمارت 339 سال کی ہے کیونکہ 1040ھ میں بنی اور اب 1379ھ ہے۔

مقام ابراہیم و سنگ اسود : اس لفظ کی تحقیق ہم ابھی تفسیر میں کر چکے ہیں حدیث شریف میں ہے کہ رکن اور مقام دو جنتی یاقوت ہیں پہلے بہت نورانی تھے اللہ نے ان کا نور محو کر دیا اگر ایسا نہ ہوتا تو یہ مشرق و مغرب کو چمکاتے مقام ایک پتھر ہے جس پر تین بار حضرت خلیل کھڑے ہوئے اولاً تو جب کہ ان کی بہو حضرت اسمٰعیل کی بیوی نے ان سے عرض کیا کہ میں آپ کا سر دھلا دوں تب آپ نے گھوڑے سے اتر کر اس پتھر پر قدم رکھا اور ان سے یہ خدمت لی جس کا پورا قصہ ان شاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا دوسرے جب کہ کعبہ کی دیواریں اونچیں ہوئی تب آپ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے واسطے کوئی پتھر لاؤ جس پر ہم کھڑے ہو کر دیوار بنائیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پتھر کی تلاش میں ابو قبیس پہاڑ پر تشریف لے گئے راہ میں حضرت جبریل ملے اور کہا کہ آیئے میں آپ کو ایک پتھر بتاؤں جو آدم علیہ السلام کے ساتھ دنیا میں آیا اور ادریس علیہ السلام نے

www.alahazratnetwork.org

طوفان نوحی کے خوف سے اس پہاڑ میں دفن کر دیا ہے اس جگہ چھوٹے بڑے دو پتھر دفن ہیں چھوٹے کو تو کعبہ کی دیوار میں دروازے کے قریب لگا دو کہ ہر طواف کرنے والا اس کو چوما کرے یعنی سنگ اسود اور بڑے پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر عمارت بنائیں چنانچہ آپ وہ دونوں پتھر لے آئے اور یہ پیغام الہٰی بھی پہنچایا ابراہیم علیہ السلام نے حکم الہٰی کے مطابق سنگ اسود کو تو ایک گوشہ میں لگا دیا اور بڑے پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام جاری کیا جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی یہ پتھر بھی اونچا ہو تا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ تعمیر سے فارغ ہوئے اور پتھر کی ضرورت نہ پڑی روایت میں ہے کہ جب سنگ اسود دیوار کعبہ میں قائم کیا گیا تو اس کی روشنی چاروں طرف دور تک جاتی تھیں جہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حرم کے حدود مقرر ہوئے جس میں شکار کرنا منع ہے اور سنگ اسود کا رنگ بالکل سفید تھا گنہگاروں کے ہاتھوں سے سیاہ ہو گیا۔ تیسرے جب کہ آپ تعمیر سے فارغ ہوئے تب بحکم الہٰی کوہ ابو قبیس پر بھی مقام ابراہیم رکھا اور اس پر چڑھ کر چو طرفہ آواز دی کہ اے اللہ کے بندو حج کے لئے آؤ جس کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا **واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا و علی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق** یہ آواز قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں نے سنی جو خاموش رہی اسے حج نصیب نہ ہو گا اور جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنے ہی حج کرے گا (حدیث و عام تفاسیر) اس وقت اسی پتھر میں حضرت خلیل کی انگلیوں کا نشان نمودار ہو گیا بہت عرصہ تک لوگوں نے یہ نشان دیکھا مگر چومنے والوں کی کثرت سے کچھ محو ہو گیا اب کچھ خفیف سا نشان باقی ہے پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کے متصل رکھا ہوا تھا حضرت عمر کے زمانہ میں ایک عظیم سیلاب آیا جس کا نام ہے سیل ام نشل اس سیلاب سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دور جا گرا حضرت عمر خود تشریف لائے اور مطاف کے کنارے چاہ زمزم کے پاس اس کو رکھا اور اس پر ایک پتھر کی عمارت بنا دی اب تک وہی عمارت ہے اور اسی جگہ یہ پتھر موجود ہے اس کے سامنے کچھ تھوڑی جگہ اور پاٹ دی گئی جس میں آگے پیچھے کل بارہ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں اس کی پوری تفصیل تفسیر عزیزی و غیرہ بڑی اور معتبر تفاسیر میں دیکھیں۔

تنبیہ : مکہ مکرمہ میں پندرہ جگہ دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ ملتزم یعنی سنگ اسود اور دروازہ کعبہ کے درمیان میزاب یعنی کعبہ معظمہ کے پرنالے کے نیچے رکن یمانی کے پاس صفا مروہ کے درمیان سنگ اسود اور مقام ابراہیم کے پاس خانہ کعبہ کے اندر منیٰ شریف میں اور مزدلفہ میں عرفات میں تین جمروں کے پاس اور چاہ زمزم پر اور زمزم پیتے وقت (عزیزی) جس کو وہاں کی حاضری نصیب ہو دعائیں مانگیں اور فقیر کے لئے بھی دعا کرے **دوسری تنبیہ**: کعبہ کو کعبہ کہنے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ کعب کے لغظی معنی ہیں اٹھا ہوا ہونا یا اونچا ہونا ٹخنہ کو کعب اور کنواری لڑکی کو کاعبہ اسی لئے کہتے ہیں **وکواعب اترابا** چونکہ کعبہ کی سطح سمندر سے بہت اونچی ہے اس لئے اسے کعبہ کہا جاتا ہے یا کعب بقاعدہ اقلیدس وہ ہے جس کو چھ برابر کی سطح گھیریں اگرچہ بناء ابراہیمی میں کعبہ بشکل مستطیل تھا لیکن نزول قرآن کے وقت بشکل مکعب تھا یعنی اس کی لمبائی چوڑائی اور بلندی برابر اس لئے اسے کعبہ کہا گیا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے ہوئے **پہلا فائدہ**: بزرگوں کی چیزوں کی تعظیم کرنا اور اس سے برکت لینا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ساری امت کا اس پر عمل مقام ابراہیم ایک پتھر ہے اس کی یہ تعظیم صرف اسی لئے نہیں ہے کہ وہ جنتی ہے بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پر قدم خلیل علیہ السلام پڑے ہیں اس لئے زمانہ ابراہیمی سے پہلے اس کی وہ تعظیم نہ ہوتی تھی

www.alahazratnetwork.org

جواب ہے کہ تمام لوگوں کے سر اس کی طرف جھکتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے اس پتھر کو مقام ابراہیم کہا نہ کہ جنت کا پتھر تاکہ معلوم ہو کہ اس پتھر کی تعظیم و توقیر اس لئے ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا جائے قیام ہے تبرکات کی تعظیم بہت سی آیتوں اور احادیث سے ثابت ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کریں بلکہ بزرگوں کے تبرکات سے بیماریاں جاتی رہیں رب کی رحمتیں آتی ہیں دیکھو یوسف علیہ السلام کی قمیض سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوئیں اور ایوب علیہ السلام کے پاؤں کی دھوون سے آپ کو شفا ہوئی اور آج تک آب زمزم شفاء کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات سے طالوت کو جنگ میں فتح ہوئی **دوسرا فائدہ:** مسجدوں کو گندگی اور کوڑے سے پاک رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ مسجد کی تعظیم کعبہ معظمہ کی طرح ہے اسی لئے کعبہ کی طرح مسجد کی چھت پر بھی بلا ضرورت چڑھنا منع ہے اور کعبہ کی صفائی کا تو اس آیت میں حکم دیا گیا لہٰذا تمام مسجدوں کے لئے بھی یہی حکم ثابت ہوگا **تیسرا فائدہ:** مسجد اور کعبہ معظمہ کا کوئی متولی بھی چاہئے جس کے ذمے وہاں کی ساری خدمات ہوں کیونکہ رب نے کعبہ کو پاک رکھنے کا حکم ابراہیم اور اسمٰعیل علیہ السلام کو دیا کہ وہ اپنے اہتمام سے کریں **چوتھا فائدہ:** مسجدوں میں اعتکاف نماز وغیرہ دینی کام ہی کریں گے کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا کہ یہ صفائی اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لئے ہے **پانچواں فائدہ:** مسافروں کو ہر مسجد اور مسجد حرام میں ٹھہرنا اور سونا وغیرہ جائز ہے کیونکہ عاکفین کے معنی مسافرین بھی کئے گئے ہیں **چھٹا فائدہ:** تمام مسجدیں بلکہ سارے سجدے کعبہ معظمہ کی طرف ہونے چاہئیں کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا کہ ہم نے کعبہ کو لوگوں کا جائے رجوع بنایا لوگوں کے رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہاں جا کر حج کریں دوسرے یہ کہ ہر جگہ سے ادھر رخ کر کے سجدہ کریں **ساتواں فائدہ:** جو مجرم حرم شریف میں جا کر امن لے لے اسے نہ تو وہاں گرفتار کر سکتے ہیں اور نہ وہاں سزا دے سکتے ہیں بلکہ اس تک رزق وغیرہ نہ پہنچنے دیں تاکہ وہ خود مجبور ہو کر نکلے کیونکہ اسے مقام امن فرمایا گیا **آٹھواں فائدہ:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق نہ تو تبرکات بزرگان کے خلاف تھے نہ انہیں مٹانا چاہتے تھے دیکھو مقام ابراہیم جو ابراہیم کی یادگار اور ان کا تبرک ہے حضرت عمر فاروق کی رائے سے عظمت والا اور مصلیٰ بنا بیعۃ الرضوان کا درخت حضرت عمر نے ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ اصل درخت گم ہو گیا تھا لوگوں نے دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے وہ دوسرا درخت کٹوایا۔ دیکھو بخاری شریف **نواں فائدہ:** عین نماز کی حالت میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم جائز ہے۔ دیکھو جو نماز مقام ابراہیم کی طرف ہوگی اس میں نماز کی حالت میں اس پتھر کا احترام بھی ہوگا حضرت صدیق اکبر نے بحالت نماز حضور کا ادب کیا خود مصلیٰ سے پیچھے آ گئے حضور درمیان نماز میں امام ہوئے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نماز میں حضور کا خیال کرنا گدھے بیل کے خیال سے بدتر ہے وہ مقام ابراہیم کے متعلق کیا کریں گے بلکہ صفا و مروہ کی سعی و تعظیم پر حج و عمرہ موقوف ہے صفاء و مروہ حضرت ہاجرہ کی گزرگاہ **دسواں فائدہ:** جب مقام ابراہیم اسلئے قابل عزت ہوا کہ حضرت ابراہیم کا قدم اسے لگ گیا تو حضور کی ازواج و صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی عزت کا کیا پوچھنا کہ انہیں حضور انور سے بہت قرب رہا۔ (مدارک وخزائن العرفان)

اعتراض: **پہلا اعتراض:** حج کی کیا ضرورت ہے اور دنیا بھر کو وہاں جمع کرنے سے کیا فائدہ کہ لوگ اپنے کام کا نقصان

www.alahazratnetwork.org

طوفان نوحی کے خوف سے اس پہاڑ میں دفن کر دیا ہے اس جگہ چھوٹے بڑے دو پتھر مدفون ہیں چھوٹے کو تو کعبہ کی دیوار میں دروازے کے قریب لگا دو کہ ہر طواف کرنے والا اس کو چوما کرے یعنی سنگ اسود اور بڑے پر ابراہیم علیہ السلام کھڑے ہو کر عمارت بنائیں چنانچہ آپ وہ دونوں پتھر لے آئے اور یہ پیغام الٰہی بھی پہنچایا ابراہیم علیہ السلام نے حکم الٰہی کے مطابق سنگ اسود کو تو ایک گوشہ میں لگا دیا اور بڑے پر کھڑے ہو کر تعمیر کا کام جاری کیا جس قدر عمارت بلند ہوتی جاتی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا یہاں تک کہ آپ تعمیر سے فارغ ہوئے اور پتھر کی ضرورت نہ پڑی روایت میں ہے کہ جب سنگ اسود دیوار کعبہ میں قائم کیا گیا تو اس کی روشنی چاروں طرف دور دور تک جاتی تھیں جہاں تک اس کی روشنی پہنچی وہاں تک حرم کے حدود مقرر ہوئے جس میں شکار کرنا منع ہے اور سنگ اسود کا رنگ بالکل سفید تھا گنہگاروں کے ہاتھوں سے سیاہ ہو گیا۔ تیسرے جب کہ آپ تعمیر سے فارغ ہوئے تب بحکم الٰہی کوہ ابو قبیس پر بھی مقام ابراہیم رکھا اور اس پر چڑھ کر چو طرفہ آواز دی کہ اے اللہ کے بندو حج کے لئے آؤ جس کا ذکر خود قرآن کریم نے فرمایا **واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق** یہ آواز قیامت تک پیدا ہونے والی روحوں نے سنی جو خاموش رہی اسے حج نصیب نہ ہو گا اور جس نے جتنی بار لبیک کہا اتنے ہی حج کرے گا (حدیث و عام تفاسیر) اس وقت اسی پتھر میں حضرت خلیل کی انگلیوں کا نشان نمودار ہو گیا بہت عرصہ تک لوگوں نے یہ نشان دیکھا مگر چومنے والوں کی کثرت سے کچھ محو ہو گیا اب کچھ خفیف سا نشان باقی ہے پہلے یہ پتھر خانہ کعبہ کے متصل رکھا ہوا تھا حضرت عمر کے زمانہ میں ایک عظیم سیلاب آیا جس کا نام ہے سیل "ام نہشل" اس سیلاب سے یہ پتھر اپنی جگہ سے ہٹ کر دور جا گرا حضرت عمر خود تشریف لائے اور مطاف کے کنارے چاہ زمزم کے پاس اس کو رکھا اور اس پر ایک پتھر کی عمارت بنا دی اب تک وہی عمارت ہے اور اسی جگہ یہ پتھر موجود ہے اس کے سامنے کچھ تھوڑی جگہ اور پاٹ دی گئی جس میں آگے پیچھے کل بارہ آدمی نماز پڑھ سکتے ہیں اس کی پوری تفصیل تفسیر عزیزی وغیرہ بڑی اور معتبر تفاسیر میں دیکھیں۔

تنبیہ: مکہ مکرمہ میں پندرہ جگہ دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ ملتزم یعنی سنگ اسود اور دروازہ کعبہ کے درمیان میزاب یعنی کعبہ معظمہ کے پرنالے کے نیچے رکن یمانی کے پاس صفا مروہ کے درمیان سنگ اسود اور مقام ابراہیم کے پاس خانہ کعبہ کے اندر منیٰ شریف میں اور مزدلفہ میں عرفات میں تین جمروں کے پاس اور چاہ زمزم پر اور زمزم پیتے وقت (عزیزی) جس کو وہاں کی حاضری نصیب ہو دعائیں مانگیں اور فقیر کے لئے بھی دعا کرے **دوسری تنبیہ:** کعبہ کو کعبہ کہنے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ کعب کے لفظی معنی ہیں اٹھا ہوا ہونا یا اونچا ہونا ٹخنہ کو کعب اور کنواری لڑکی کو کاعب اسی لئے کہتے ہیں **وکواعب اترابا** چونکہ کعبہ کی سطح سمندر سے بہت اونچی ہے اس لئے اسے کعبہ کہا جاتا ہے یا کعب بقاعدہ اقلیدس وہ ہے جس کو چھ برابر کی سطح گھیریں اگرچہ بناء ابراہیمی میں کعبہ بشکل مستطیل تھا لیکن نزول قرآن کے وقت بشکل مکعب تھا یعنی اس کی لمبائی چوڑائی اور بلندی برابر اس لئے اسے کعبہ کہا گیا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے ہوئے **پہلا فائدہ:** بزرگوں کی چیزوں کی تعظیم کرنا اور اس سے برکت لینا قرآن کریم سے ثابت ہے اور ساری امت کا اس پر عمل مقام ابراہیم ایک پتھر ہے اس کی یہ تعظیم صرف اسی لئے نہیں ہے کہ وہ جنتی ہے بلکہ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس پر قدم خلیل علیہ السلام پڑے ہیں اس لئے زمانہ ابراہیمی سے پہلے اس کی وہ تعظیم نہ ہوتی تھی

www.alahazratnetwork.org

جواب ہے کہ تمام لوگوں کے سر اس کی طرف جھکتے ہیں اس لئے قرآن کریم نے اس پتھر کو مقام ابراہیم کما نہ کہ جنت کا پتھر تاکہ معلوم ہو کہ اس پتھر کی تعظیم و توقیر اس لئے ہے کہ وہ ابراہیم علیہ السلام کا جائے قیام ہے تبرکات کی تعظیم بہت سی آیتوں اور احادیث سے ثابت ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کریں بلکہ بزرگوں کے تبرکات سے بیماریاں جاتی رہیں رب کی رحمتیں آتی ہیں دیکھو یوسف علیہ السلام کی قمیض سے یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں روشن ہوئیں اور ایوب علیہ السلام کے پاؤں کی دھون سے آپ کو شفا ہوئی اور آج تک آب زمزم شفاء کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے پیدا ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تبرکات سے طالوت کو جنگ میں فتح ہوئی دوسرا فائدہ: مسجدوں کو گندگی اور کوڑے سے پاک رکھنا بہت ضروری ہے کیونکہ مسجد کی تعظیم کعبہ معظمہ کی طرح ہے اسی لئے کعبہ کی طرح مسجد کی چھت پر بھی بلا ضرورت چڑھنا منع ہے اور کعبہ کی صفائی کا تو اس آیت میں حکم دیا گیا لہٰذا تمام مسجدوں کے لئے بھی یہی حکم ثابت ہوگا تیسرا فائدہ: مسجد اور کعبہ معظمہ کا کوئی متولی بھی چاہئے جس کے ذمے وہاں کی ساری خدمات ہوں کیونکہ رب نے کعبہ کو پاک رکھنے کا حکم ابراہیم اور اسمٰعیل علیہ السلام کو دیا کہ وہ اپنے اہتمام سے کریں چوتھا فائدہ: مسجدوں میں اعتکاف نماز وغیرہ دینی کام ہی کریں گے کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا کہ یہ صفائی اعتکاف کرنے والوں اور نمازیوں کے لئے ہے پانچواں فائدہ: مسافروں کو ہر مسجد اور مسجد حرام میں ٹھہرنا اور سونا وغیرہ جائز ہے کیونکہ عاکفین کے معنی مسافرین بھی کئے گئے ہیں چھٹا فائدہ: تمام مسجدیں بلکہ سارے سجدے کعبہ معظمہ کی طرف ہونے چاہئیں کیونکہ اس آیت میں بتایا گیا کہ ہم نے کعبہ کو لوگوں کا جائے رجوع بنایا لوگوں کے رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہاں جا کر حج کریں دوسرے یہ کہ ہر جگہ سے ادھر رخ کرکے سجدہ کریں ساتواں فائدہ: جو مجرم حرم شریف میں جا کر امن لے لے اسے نہ تو وہاں گرفتار کرسکتے ہیں اور نہ وہاں سزا دے سکتے ہیں بلکہ اس تک رزق وغیرہ نہ پہنچنے دیں تاکہ وہ خود مجبور ہو کر نکلے کیونکہ اسے مقام امن فرمایا گیا آٹھواں فائدہ: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر فاروق نہ تو تبرکات بزرگان کے خلاف تھے نہ انہیں مٹانا چاہتے تھے دیکھو مقام ابراہیم جو ابراہیم کی یادگار اور ان کا تبرک ہے حضرت عمر فاروق کی رائے سے عظمت والا اور مصلیٰ بنا بیعۃ الرضوان کا درخت حضرت عمر نے ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ اصل درخت گم ہو گیا تھا لوگوں نے دوسرے درخت کی زیارت شروع کردی تھی آپ نے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے وہ دوسرا درخت کٹوایا۔ دیکھو بخاری شریف نواں فائدہ: عین نماز کی حالت میں بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم جائز ہے۔ دیکھو جو نماز مقام ابراہیم کی طرف ہوگی اس میں نماز کی حالت میں اس پتھر کا احترام بھی ہوگا حضرت صدیق اکبر نے بحالت نماز حضور کا ادب کیا خود مصلیٰ سے پیچھے آگئے حضور درمیان نماز میں امام ہوئے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ نماز میں حضور کا خیال کرنا گدھے بیل کے خیال سے بدتر ہے وہ مقام ابراہیم کے متعلق کیا کریں گے بلکہ صفا و مروہ کی سعی و تعظیم پر حج و عمرہ موقوف ہے صفاء و مروہ حضرت ہاجرہ کی گزرگاہ دسواں فائدہ: جب مقام ابراہیم اسلئے قابل عزت ہوا کہ حضرت ابراہیم کا قدم اسے لگ گیا تو حضور کی ازواج و صحابہ کرام و اہل بیت عظام کی عزت کا کیا پوچھنا کہ انہیں حضور انور سے بہت قرب رہا۔ (مدارک وخزائن العرفان)

اعتراض : پہلا اعتراض: حج کی کیا ضرورت ہے اور دنیا بھر کو وہاں جمع کرنے سے کیا فائدہ کہ لوگ اپنے کام کا نقصان

www.alahazratnetwork.org

کرکے اور پیسہ برباد کرکے وہاں کا چکر لگائیں. جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ قدرت نے انسان میں دو قوتیں رکھی
ہیں ایک عقل دوسرا عشق جو اس کے لئے دو پاؤں کی طرح ہیں نہ تو فقط عقل کافی ہے نہ صرف عشق سے کامیابی اسی لئے
عبادات دو قسم کی ہیں بعض میں اطاعت غالب اور بعض میں عشق کامل لیکن ہر عبادت میں یہ دونوں موجود ضرور ہیں نماز زکوۃ
وغیرہ میں اطاعت کا غلبہ ہے اور روزہ اور حج وغیرہ میں عشق کا اظہار چنانچہ حج میں دعا اور استغفار کا تعلق عقل سے ہے مگر احرام
باندھ کر عاشقانہ حالت پیدا کرنا بیت اللہ کے آس پاس گھومنا عرفات وغیرہ میں لبیک پکارنا وغیرہ یہ سب حضرت عشق کی جلوہ گری
ہے دوسرے یہ کہ انسان کے علوم و کمالات آپس کے اجتماع سے بڑھتے ہیں اس لئے جنگلی لوگ اکثر جاہل اور بے تہذیب اور
شہری لوگ عام طور پر مہذب ہوتے ہیں کیونکہ شہر میں ہر قسم کے لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے ضرورت تھی کہ دنیا بھر کے مسلمان
کبھی ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے حالات سے خبردار ہوں جس سے ہر ایک کی عقل اور علم ترقی کرے اور عالم کے
مسلمانوں میں اجتماعی شان پیدا ہو اس کے لئے دنیا کے آباد حصہ کا مکان یعنی مکہ معظمہ منتخب کیا گیا کہ وہاں ہر سال اسلامی کانفرنس
ہوا کرے آج دوسری قومیں اپنی کانفرنس کرنے میں بہت دشواریاں برداشت کرتی ہیں مسلمانوں کی یہ کانفرنس بہت آسانی سے
ہو جاتی ہے تیسرے یہ کہ انسانی روح شیشے کی طرح صاف ہے جس میں ایک دوسرے کا عکس پڑتا ہے جب بہت سی روحیں ایک
جگہ جمع ہوں گی تو ان سے قوی نورانیت پیدا ہو گی جیسا کہ چراغوں کے اجتماع سے ہوتی ہے اسی لئے اسلام میں جمعہ اور جماعتیں
ہیں دوسرا اعتراض: تو اس اجتماع کے لئے عرب کا خشک ریگستان ہی کیوں منتخب کیا گیا کوئی اور جگہ ہونی چاہئے تھی جواب:
چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ جگہ آبادی عالم کے تقریباً بیچ میں واقع ہوئی ہے تو گویا یہ حکومت الٰہیہ کا دارالخلافہ ہے دوسرے یہ کہ
عبادت میں اپنی اصل کی طرف رجوع کرنا بہتر ہے نماز میں زمین پر سر رکھا جاتا ہے کیونکہ زمین ہی ہماری اصل ہے ایسے ہی کعبہ
معظمہ زمین کی اصل ہے ضروری تھا کہ مسلمان اپنی اصل پر پہنچ کر حج کے ارکان ادا کریں اسی لئے نماز میں ادھر منہ کر لیتے ہیں اور
حج میں وہاں پہنچ جاتے ہیں تیسرے یہ کہ عرب کے اس مقام پر جو بھی آئے گا خاص اس عبادت ہی کی نیت سے آئے گا دنیاوی
اغراض کا بالکل دخل نہ ہو گا کیونکہ وہاں دنیاوی کاروبار ہوتے ہی نہیں پہاڑی علاقہ یا تفریحی مقامات پر زرخیز خطہ میں لوگ سیرو
تفریح کی نیت سے بھی جا سکتے ہیں مگر اس خشک بیابان میں سوائے عبادت دوسرا مقصد ہو سکتا ہی نہیں تیسرا اعتراض: حج میں
بت پرستی سے مشابہت ہے کہ بزرگوں کے تبرکات کی تعظیم کرنا پتھریلی عمارت کے آس پاس گھومنا کہیں پتھر پھینکنا کہیں دوڑنا ان
باتوں سے فائدہ کیا ہے (آریہ) جواب: اس میں چند حکمتیں ہیں ایک یہ کہ ان کاموں سے گزشتہ مقبول بندوں کی یاد تازہ ہوتی
ہے جس سے ان کی اتباع کا جذبہ پیدا ہوتا ہے مثلاً صفا مروہ کے درمیان دوڑنے میں حضرت ہاجرہ کی بے بسی یاد آتی ہے جمروں پر
کنکر مارنے میں اسماعیل علیہ السلام کی شیطان سے نفرت اور قربانی کا جذبہ یاد آتا ہے قربانی کرنے میں حضرت خلیل کا راہ مولیٰ میں
اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنا یاد آتا ہے۔ جس سے ہر شخص میں شوق عبادت کی آگ بھڑکتی ہے کہ ہم بھی انہیں کی طرح نفس کشی اور
اطاعت الٰہی کریں۔ دوسرے یہ کہ ہر زمین کی علیحدہ تاثیر ہے جہاں نافرمان رہتے ہوں وہاں مدتوں تک قہر کے آثار نمودار ہوتے
ہیں اور فرمانبرداروں کی جگہ میں آثار رحمت نمایاں رہتے ہیں۔ حکومتیں باغیوں کے شہروں کو بم برسا کر تباہ کرتی ہیں۔ اور اس تباہ
شدہ بستی سے عرصہ تک لوگ عبرت پکڑتے ہیں وفادار سلطنت کے مکانات کو اچھی حالت میں رکھا جاتا ہے ملک عرب میں
حکومت الٰہیہ کی وفادار جماعت گزری ہے جہاں جگہ جگہ ان کے نشانات موجود ہیں ہم بھی وہاں پہنچ کر ان کے سے کام کرکے اپنی

www.alahazratnetwork.org

وفاداری کا اظہار کرتے ہیں چوتھا اعتراض کعبہ سے پہلے رب نے کوئی پاک مکان بنایا تھا یا نہیں اگر بنایا تھا تو کعبہ کی کیا ضرورت تھی اور اگر نہیں تو اگلے لوگ اس پاکی سے محروم رہے (ستیارتھ پرکاش) جواب: کعبہ انسانوں کی پیدائش کے وقت سے نہیں بلکہ زمین کے بننے کے وقت سے پاک اور مقدس جگہ ہے کہ ہمیشہ انسانوں نے وہاں سے برکت حاصل کی ابراہیم علیہ السلام نے تو اس پر عمارت بنائی تاکہ اس کی پہچان رہے لہذا یہ سوال ہی حماقت ہے اور نیز اگر کعبہ بعد بھی بنتا تو بھی اس میں کوئی خرابی نہ تھی ہو سکتا تھا کہ اگلوں کے لئے پاک جگہ دوسری ہو اور پچھلوں کے لئے یہ کعبہ پانچواں اعتراض: کسی خاص جگہ کو عزت دینے میں خدا ۔ حضوں کا طرفدار ٹھہرتا ہے کہ وہاں کے رہنے والے تو بے تکلف فائدہ اٹھائیں گے مگر دور کے رہنے والے لوگ بہت دشواری سے 'رب کو تو سب بندوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے (ہندو) جواب: پنڈت جی! تمہارا خدا ابھی غیر جانبدار نہیں اس نے بھی متھرا 'اجودھیا' بندرابن وغیرہ تیرتھ کے مقام بنا کر اپنی طرف داری کا ثبوت دے دیا کہ گنگا باشی تو بے تکلف روز وہاں غوطے لگایا کریں مگر دور والوں کو دشواری ہو پنڈت جی! دنیا کا انتظام ایسے ہی قائم ہے کوئی امیر کوئی فقیر کہیں جنگل بیابان اور کہیں کھیتی باڑی سے آبادان چھٹا اعتراض: اگر مقام ابراہیم پتھر کی اس لئے یہ تعظیم ہے کہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم لگے ہیں تو چاہیے کہ جس جس پتھر و ذرے کو آپ کے قدم لگے ہوں وہ سب مسجود اللہ ہوں آپ تو زندگی بھر ہزارہا پتھروں ذروں پر چلے پھرے تھے۔ (وہابی) جواب: بے شک اس سرزمین کے تمام ذرات عظمت والے ہیں جہاں جناب خلیل کے قدم لگے تھے جیسے مدینہ پاک کی ساری مٹی خاک شفا ہے مگر خاص یہ حرمت و تعظیم آپ کے خاص قیام سے۔ ان کی جو بھی ادا رب کو پسند آگئی اس ادا کی یادگاریں قائم کر دی جیسے حج کے طواف قدوم میں اکڑ کر چلنا حضور کی خاص ادا تھی جو رب کو پسند آئی اب اس کی یادگار قائم ہے التحیات میں کلمہ شہادت پر انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ ہر جگہ پر نہیں اٹھائی جاتی کہ یہ محبوب کی کسی ادا کی نقل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قلب کعبہ ہے۔ جس کو ماسوی اللہ کی گندگی سے پاک رکھنے کا حکم ہے اس کے آباد کرنے والے کو حکم ہے کہ اس کعبہ کو تمام غیروں سے پاک کرو تاکہ یہاں نور الٰہی اعتکاف کریں اور اسرار رحمانی یہاں تک پہنچیں جو بندہ اس درجہ کو پہنچ گیا وہی در حقیقت رب کا ساجد ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ تعمیر خلیل اطہر است — دل نظر گاہ جلیل اکبر است

صوفیاء کے ہاں کعبہ میں جانے کا وہی حقدار ہے۔ جس کا دل سلامت زبان سچی ہاتھ صاف اور فرج پاک ہو گندے دل جھوٹی زبانیں گناہوں میں لتھڑے ہوئے ہاتھ زانی شرمگاہیں پلیدی اور گندگیاں ہیں۔ جس سے کعبہ کو پاک و صاف رکھو۔ (روح البیان) دوسری تفسیر: ہم نے بیت اللہ یعنی قلب کو لوگ کا جائے رجوع اور مقام امن بنایا کہ جہاں پہنچ کر نفس کے دعووں شیطان کے وسوسوں کے خیال اور وہم کے فریبوں سے امن ملتی ہے اسی کعبہ کے پاس ایک مقام ابراہیم یعنی روح کی تجلی گاہ بھی ہے۔ اے طالبان حق تم اس پر مشاہدہ انوار الٰہیہ اور ذوق و شوق کی حقیقی نماز ادا کرو اور ہم نے حکم دیا ہے کہ اس کعبہ قلب کو شیطانی وسوسوں اور شہوانی خیالات سے پاک صاف رکھو تاکہ سالکین اپنی سیر میں اس قلب کا طواف کریں اور واصلین یہاں توکل کے ساتھ اعتکاف کریں اور خاشعین یہاں رکوع اور رضا اور سجود فنا ادا کریں۔ (ابن عربی)

www.alahazratnetwork.org

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے بنا دے تو اس کو شہر امن والا اور

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے میرے رب اس شہر کو امن والا بنا دے اور اس

ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ

روزی دے رہنے والوں کو اس سے بعض پھل اور جو ایمان لائے اور ان میں سے ساتھ اللہ

شہر کے رہنے والوں کو طرح طرح کے پھلوں سے روزی دے اور جو ان میں سے

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ

کے اور دن پچھلے کے فرمایا اور جو کفر کرے گا بس سامان دوں گا اس کو تھوڑا پھر مجبور

اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لائیں فرمایا اور جو کافر ہوا تھوڑا برتنے کو بھی دوں گا

اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾

کروں گا اسکو طرف عذاب آگ کے اور برا ہے جائے رجوع

پھر اسے عذاب دوزخ کی طرف مجبور کروں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے پلٹنے کی

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے دو حال بیان ہو چکے ہیں انہیں امامت کا ملنا اور بیت اللہ کی تولیت کا سپرد ہونا اب ان کا تیسرا حال یعنی مکہ مکرمہ کو بسانا بیان ہو رہا ہے اگرچہ آبادی مکہ ان دونوں واقعات سے پہلی ہوئی چونکہ وہ دونوں اس سے افضل و اعلیٰ تھے نیز وہ اصل مقصود تھے اور یہ ان کا ذریعہ لہٰذا خلاف ترتیب پہلے انہیں بیان کیا اور بعد میں اسے یوں سمجھو کہ ان واقعات کے ذکر میں ترتیب رتبی کا لحاظ ہے نہ کہ ترتیب قومی کا دوسرا تعلق: اہل کتاب کے مسلمانوں پر دو اعتراض تھے ایک بیت اللہ کی تعظیم کرنا دوسرے شہر مکہ کو معظم جاننا اگلی آیتوں میں پہلے اعتراض کا جواب دیا گیا اب دوسرے کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ دونوں کام ابراہیم علیہ السلام نے کئے انہیں باقی رکھا تم کیسے اہل کتاب ہو جو ابراہیمی سنتوں کا انکار کر رہے ہو۔

تفسیر : **واذ قال ابرهم** یہاں بھی ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی اے نبی علیہ السلام انہیں یہ واقعہ بھی یاد دلاؤ کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ **رب اجعل هذا** یہاں ہذا سے اس بے آب و دانہ جنگل کی طرف اشارہ ہے جہاں حضرت خلیل علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو چھوڑ چلے ہیں یعنی اے مولیٰ بنا دے تو اس جنگل کو **بلدا امنا** امن والا شہر اس میں دو باتیں عرض کیں ایک یہ کہ یہاں بڑا شہر آباد ہو جائے دوسرے یہ کہ وہ شہر قحط تنگ سالی دھنسنے، زلزلوں، جنون جذام، برص وغیرہ دنیوی مصیبتوں اور دجال ظالم سلاطین وغیرہ دینی مصیبتوں سے امن رہے خیال رہے کہ یہاں امن کے معنی ہیں امن والا جیسے لابن، کے معنی دودھ والا اور تامر، تمر والا اور بلد وہ محدود جگہ ہے جس کے رہنے والوں

www.alahazratnetwork.org

میں اجتماعی شان اور انس ہو اور جیسے کہ فقط بیت سے خانہ کعبہ مراد ہوتا ہے ایسے ہی بلد سے مکہ مکرمہ۔ **وارزق اهله من الثمرت** یہ آپ کی تیسری عرض ہے پہلی دونوں دعائیں اس خطہ کے لئے تھیں اور یہ وہاں کے رہنے والوں کے لئے مختلف قسم کے پھل اور میوے دے اگر غور کیا جائے تو یہ تینوں معروضات در حقیقت ایک ہی ہیں یعنی اس جگہ کو معظم بنا اور عظیم کے لئے اس کا شہر ہونا بھی ضروری ہے ورنہ اس کی حفاظت کون کرے گا پھر یہاں امن بھی چاہئے ورنہ لوگ آباد کیسے رہیں گے اور پھر یہاں غلے اور دانے بھی چاہئیں کہ اس کے بغیر زندگی ناممکن اور یہاں ہر ملک کے پھل بھی چاہئیں تاکہ یہاں کے باشندے میوے کھانے کے شوق میں میوہ دار ملکوں میں نہ جائیں بلکہ میوے خود ان کے پاس آئیں خیال رہے کہ زندگی کی بقاء کے لئے غلے اور دانے کھائے جاتے ہیں اور لذت کے لئے میوے یعنی غلہ غذا ہے اور میوے مزہ میوے غذا کے بعد کھائے جاتے ہیں لہٰذا میوے کی دعا میں دانہ غلہ خود بخود ہی آ گیا لہٰذا یہ دعا بہت جامع ہے اگر آپ مِنْ نہ فرماتے تو تمام میوے وہاں نہ پہنچتے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے امامت مانگی تھی تو اس میں رب کی طرف سے ایمان کی قید لگائی گئی تھی۔ آپ نے خیال فرمایا کہ شاید رب کی روزی کے بھی مومنین ہی مستحق ہوں اس لئے عرض کیا **من امن منهم بالله واليوم الاخر** خدایا یہاں روزی انہیں دینا جو تجھ پر اور قیامت پر ایمان لائیں اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خداوند یہاں مومنین ہی آباد ہوں کفار نہ رہیں تاکہ تیرے گھر کی پوری پوری عظمت ہو۔ اس مطلب کو اس طرح ادا کیا کیونکہ بغیر روزی انسان کا رہنا محال ہے یا کفار سے اپنی بیزاری کا اظہار مقصود ہے کہ مولیٰ جو کافر ہو اگرچہ مکہ معظمہ کا رہنے والا ہو۔ اگرچہ میری اولاد ہو مگر میں ان کے لئے روزی کی بھی دعائیں نہیں کرتا رب تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے وسعت دیکر فرمایا **قال ومن كفر** یا تو یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی میں یہ کفار کو بھی کچھ رزق دوں گا اور یہ مبتداء ہے جس کی خبر آگے آ رہی ہے یعنی اے ابراہیم علیہ السلام تمہاری دعا بالکل قبول لیکن یہ امامت نہیں بلکہ رزق ہے امامت میں ہماری نیابت ہے جسے پاک صاف لوگ ہی پا سکتے ہیں۔ اور رزق میں ہماری پرورش ہم رب العالمین ہیں خار و گلزار 'بدکار و ایماندار دونوں کو رزق دیتے ہیں لہٰذا جو کفر بھی کرے گا اس کو بھی **فامتعه قليلا** کچھ تھوڑا دنیوی سامان ہم دیں گے اس کلام کے دو معنی بن سکتے ہیں ایک یہ کہ مومن کو جسمانی باقی اور فانی رزق کے مقابلہ میں نفع بہت کم ہے یا یہ کچھ روز تو اس مکہ میں بت پرست بھی رہیں گے۔ اور خانہ کعبہ میں بت پرستی بھی ہوگی مگر تمہاری دعا کا ظہور اس طرح ہو گا کہ وہاں محمدی نور چمکے گا جو قیامت تک کے لئے اس جگہ کو بت پرستی اور شرک سے پاک کر دیگا تاکہ اس سے اس نبی کی عظمت و شوکت کا پتہ چلے اگر رات نہ ہو تو سورج دور کسے کرے گا اگر پیاس نہ ہو تو پانی بجھائے کسے وہ نبی ان ہی میں سے صدیق و فاروق بنائے گا۔ لہٰذا یہ ان کی دعاء کی قبولیت ہے نہ کہ تردید (تفسیر کبیر) **ثم اضطره الى عذاب النار** ثم فاصلے کے لئے آتا ہے چونکہ کافر کو سزا پانے اور جہنم میں جانے کے درمیان کچھ مدت کا فاصلہ ہے اس لئے ثم' فرمایا گیا اضطرار سے یا تو مجبور کرنا مراد ہے اور یا ادھر ادھر جبراً" کھینچنا چنانچہ قرآن کریم نے ایک جگہ فرمایا **يوم يدعون الى نار جهنم دعا** دوسری جگہ فرمایا **يوم يسحبون فى النار على وجوههم** یہ دونوں آیتیں اس جملہ کی تفسیریں ہیں یعنی اسے جہنم میں جانے پر مجبور کروں گا یا کھینچ کر پھینکوں گا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ضرر سے بنا ہو جس کے معنی ہیں مصیبت کا قریب کرنا اسی لئے عورت کی سوکن کو ضرہ کہتے ہیں کہ وہ اس کے لئے مصیبت بن کر قریب رہتی ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی میں اسے عذاب نار کے قریب کروں گا دوزخ میں اگرچہ ٹھنڈا عذاب بھی ہو گا مگر چونکہ وہ ٹھنڈک بھی آگ کی وجہ سے ہوگی یعنی آگ

www.alahazratnetwork.org

سے قریب طبقے گرم ہوں گے اور اس سے دور طبقہ ٹھنڈا لہٰذا وہ بھی آگ کا ہی عذاب ہوگا وبئس المصیر۔ مصیر' صیر سے بنا ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں پھاڑنا اور اصطلاح میں اس کے معنی ہیں ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہو جانا مصیر وہ حالت یا وہ جگہ جس کی طرف آخر کار انسان پہنچے۔ بئس فرما کر یہ بتایا کہ دنیا میں بدتر سے بدتر جگہ میں بھی کچھ نہ کچھ خوبی ہوتی ہے مگر دوزخ وہ جگہ ہے کہ جہاں مصیبت ہی مصیبت اور برائی ہی برائی ہے یعنی وہ حالت اور وہ جگہ ہر طرح بری ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ واقعہ بھی یاد دلاؤ جبکہ ابراہیم علیہ السلام نے اس جنگل میں جہاں آج کعبہ ہے اپنے بال بچوں کو چھوڑ کر دعا کی تھی کہ اے مولا اس جنگل کو امن والا شہر بناوے اور یہاں کے رہنے والوں کو جو مومن ہوں قسم قسم کے دانے میوے عطا فرما۔ یا اس جگہ کو مومنین سے آباد کر حق تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے ابراہیم کافروں کو بھی ان کی زندگی میں کچھ رزق دوں گا پھر بعد موت عذاب جہنم کی طرف مجبور کروں گا اور وہ بہت بری جگہ ہے۔ رہے مسلمان انہیں مرنے سے پہلے دنیوی سامان ملے گا اور مرنے کے بعد لازوال نعمتیں عطا ہوں گی یعنی کافر کی موت تو اس کی نعمتوں کو ختم کر دیگی۔ مگر مسلمان کو موت اسے بڑھائے گی یا یہ کہ اس شہر میں کچھ روز تو کافر رہیں گے مگر آخر کار یہاں اسلام کا آفتاب چمکے گا جس سے شرک و کفر کی تاریکی ہمیشہ کے لئے دور ہو جائے گی۔ اس دعا کی قبولیت کا اثر اس طرح ظاہر ہوا کہ کچھ دنوں بعد ہی یہاں شہر بن گیا اور ہمیشہ یہاں کا ادب اور احترام ہوتا رہا۔ انسان تو کیا یہاں کے جانور بھی محفوظ ہو گئے۔ جس طرح بیت المقدس پر بادشاہوں کے ہاتھ سے مصیبتیں پیش آئیں اور صلیبی جنگ اور چنگیز خانیوں کے حملوں کی آگ ہر جگہ پھیلی۔ الحمد للہ کہ یہاں نہ پھیلی اور حضرت جبریل کو حکم ہوا وہ اپنے پروں پر شام یا فلسطین سے کچھ زمین اٹھا کر لائے اولاً تو اس کو خانہ کعبہ کے گرد سات بار طواف کرایا۔ اور پھر اسے مکہ معظمہ سے چند میل دور دو پہاڑوں پر رکھ دیا اسی لئے اس کا نام طائف ہوا۔ (تفسیر عزیزی) قدرت کا تماشا دیکھو کہ عرب جیسے گرم و خشک ملک میں مکہ معظمہ سے بالکل قریب ہی وہ جگہ بھی رکھ دی جہاں کی ہوا خوب سرد رہتی ہے اور قسم قسم کے نفیس میوے بکثرت پیدا ہوتے ہیں جس سے مکہ مکرمہ کی منڈی میووں سے بھری رہتی ہے نیز قریباً" ہر ملک کے غلے اور میوے خلاف موسم بھی وہاں پہنچ جاتے ہیں میں نے وہاں بے موسے میٹھے انار اور خشک پان کھائے مکہ مکرمہ کی آبادی اور تعمیر خانہ کعبہ کا قصہ اگلی آیت میں آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: مکان کی عزت مکین سے ہے۔ مکہ مکرمہ چونکہ بزرگوں کی دعا سے آباد ہوا اور وہاں نبیوں نے قیام فرمایا اس لئے سارے شہروں سے افضل ہوا سیدنا امام مالک کے نزدیک شہر مدینہ شہر مکہ سے افضل ہے کیونکہ مکہ مکرمہ کے لئے خلیل نے دعائیں فرمائیں اور مدینہ منورہ کے لئے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ مکرمہ میں اجسام کا کعبہ ہے اور مدینہ منورہ میں عرفان کا کعبہ اس کی نہایت نفیس اور مکمل بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں دیکھیں نیز ان شاء اللہ اس تفسیر میں بھی لا اقسم بھذا البلد کی آیت میں آئے گی دوسرا فائدہ: اللہ والوں کی جگہ کو متبرک سمجھنا جائز ہے مکہ مکرمہ کے متبرک ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ بزرگوں کا جائے قیام رہا۔ تیسرا فائدہ: اپنے بال بچوں اور وطن والوں کے لئے رب سے عمدہ رزق اور اچھے پھل مانگنا جائز بلکہ سنت انبیاء ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے سارے مکے والوں کے لئے ہی چیزیں طلب کیں۔ چوتھا فائدہ: دعا کا اثر کبھی دیر میں بھی ظاہر ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا کہ

www.alahazratnetwork.org

مکہ مکرمہ میں ایمان و مومن ہی رہیں ہمارے حضور کے زمانہ میں ظاہر ہوئی **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ مقام امن ہے اور کوئی ظالم بادشاہ اس پر قابو نہ پائے گا اور جو ظالم یہاں آنا چاہے گا تباہ ہو گا تو حجاج ابن یوسف یہاں کا حاکم کیوں بن گیا جس نے کہ اسی شہر میں عبداللہ ابن زبیر سے جنگ کی وہاں کے باشندوں کو تکلیفیں پہنچائیں اور خانہ کعبہ کو ویران کیا یزید پلید نے بھی یہاں بڑے ظلم ڈھائے یہاں تک کہ اس کے حملے سے غلاف کعبہ بھی جل گیا۔ یہ لوگ اصحاب فیل کی طرح تباہ کیوں نہ ہوئے۔ **جواب:** اس شہر کے امن والا ہونے کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہاں جنگ وغیرہ کرنا حرام ہے نیز قدرتی طور پر عام دلوں میں اس کا رعب اور احترام ہے دوسرے یہ کہ جو ظالم خانہ کعبہ کی ہلاکت کا قصد کرے وہ برباد ہو جائے گا اصحاب فیل نے خود کعبہ گرانے کا قصد کیا تھا برباد ہو گئے حجاج اور یزید کا مقصود خود کعبہ کی ویرانی نہ تھی بلکہ اپنے مخالفوں کو مغلوب کرنا ان کی جنگ تو مخالفوں سے تھی اتفاقاً "کعبہ معظمہ کی بے حرمتی بھی ہو گئی یزید کو تو اس کی اصلاح کا موقعہ ہی نہ ملا وہ جلد مر گیا مگر حجاج نے اس پر افسوس بھی کیا اور دوبارہ پہلے سے بڑھ کر اسے آراستہ کر دیا۔ **دوسرا اعتراض:** ابراہیم علیہ السلام نے مکہ والوں کے لئے امن رزق اور پھلوں کی دعا کی یہ تمام چیزیں دنیوی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آپ طالب دنیا تھے۔ (بعض بے دین) **جواب:** دین کے دنیا حاصل کرنا دین ہے نماز کے لئے روٹی کھانا۔ جہاد کے لئے اپنے جسم کو فربہ کرنا علم دین کے لئے مقوی دماغ غذائیں اور دوائیں کھانا دین ہی ہے حضرت خلیل نے یہ چیزیں اس لئے طلب کیں تاکہ یہاں آبادی اور رونق رہے جس سے کعبہ معظمہ کی حرمت قائم ہو۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن نے یہاں دعاء خلیل ان الفاظ میں نقل کی کہ **ھذا بلدا "امنا** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہ جنگل تھا اور سورہ ابراہیم میں اس طرح فرمایا کہ **ھذا البلد امنا** یعنی اس شہر کو امن والا بنادے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہاں شہر تھا یہ اختلاف کیوں ہے۔ **جواب:** آپ نے دو بار دعا فرمائی ہے ایک حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہ السلام کو یہاں چھوڑتے وقت جب کہ یہ جنگل تھا اس کا ذکر اس آیت میں ہے دوسرے خانہ کی تعمیر کے بعد جب کہ وہاں شہر بن چکا تھا اس کا ذکر سورۃ ابراہیم میں ہے لہذا آیتوں میں کوئی اختلاف نہیں **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ دعا ابراہیم سے امن والی ہوئی۔ اس سے پہلے نہ تھی۔ نیز حدیث شریف میں آیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ اے اللہ میں مدینہ کو حرم بناتا ہوں جیسے ابراہیم نے مکے کو حرم بنایا۔ (تفسیر کبیر و مشکوٰۃ بروایت مسلم) نیز دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ اس شہر کو اللہ نے اسی دن سے حرم بنایا ہے جب زمین آسمان پیدا فرمائے (مشکوٰۃ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جگہ ہمیشہ ہی سے حرم ہے ان میں مطابقت کیسے ہو۔ اور یہ جگہ حرم کب سے ہے۔ **جواب:** یہ جگہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے اور معنی سے حرم تھی۔ کہ یہاں قدرتی طور پر ظلم و جبر نہ ہوتے تھے اور حضرت خلیل سے شرعی طور پر حرم بنی کہ یہاں ظلم وغیرہ شرعاً" حرام کئے گئے۔ یعنی اس کی پہلی قدرتی حرمت تھی اور آپ کے دعا سے شرعی حرمت ہوئی کہ اس کا قانون بن گیا۔ لہذا دونوں روایتیں مطابق ہیں **پانچواں اعتراض:** ابراہیم علیہ السلام نے ایمان میں صرف اللہ اور قیامت کے دن کا ذکر کیوں کیا ایمان تو انبیاء و کتب آسمانی وغیرہ سب پر چاہئے۔ **جواب** آپ نے ایمانی حدود کے دو کناروں کا ذکر فرمایا توحید مبداء و قیامت منتہی باقی چیزیں درمیان میں آگئیں۔ جیسے کہا جائے کہ آسمان و زمین اللہ کا ہے درمیانی چیزیں خود بخود آگئیں۔ یہاں اللہ اور قیامت کے جاننے اور ماننے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ ان پر ایمان لانے کا ذکر ہے ایمان وہی ہو گا جو کہ نبی اور آسمانی کتاب کے بتانے پر جانا مانا جاوے تو نبی کا ذکر ا من میں آگیا۔ دیکھو شیطان سب کچھ مانتا ہے مگر مومن نہیں کہ بغیر

www.alahazratnetwork.org

تعلیم نبی مانتا ہے یا اللہ پر ایمان لانے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سارے نبیوں پر ایمان لایا جائے کسی کو اپنا والد ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے سارے عزیزوں کو اپنا عزیز مانے کہ والد کا باپ دادا اس کا بھائی چچا اس کی اولاد بھائی بہن وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ : قلب کعبہ ہے اور سینہ اس کا حرم اور باقی بدنی قوتیں وہاں کے باشندے اور نفسانی صفات اور شیطانی وسواس چور و دشمن دعا یہ کی گئی کہ مولا کعبہ قلب کو حرم یعنی سینہ کو امن والا مدینہ بنا دے جہاں کی رہنے والی قوتیں شیطان اور نفس سے محفوظ رہیں اور ان میں سے جو اللہ کی توحید اور معاش و معاد کا قائل ہو کر مومن بن جائے اسے روحانی معارف اور حکمت پھل عطا فرما۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ اس مدینہ سینہ کے رہنے والے جو ایک حد میں محدود رہ کر محبوب کے دیدار سے محجوب ہوں گے اور شریعت عشق کے کافر ہوں گے انہیں بھی کچھ علوم عقلیہ کا سامان دیا جائے گا مگر آخر کار محرومی اور حجاب کی آگ کی طرف دھکیلے جائیں گے اور بہت برا ٹھکانہ ہے کیونکہ اس میں ہمیشہ نار فراق میں جلنا ہے۔ (ابن عربی) نیز صورت جسمانی گویا کہ مکہ ہے اور قلب اس کا ظاہری کعبہ مگر حقیقی کعبہ بارگاہ الٰہی ہے۔ جس کا قلب مومن طواف حقیقی کرتا ہے جو شخص اس کعبہ حقیقی کا حقیقی طواف کر سکے تو یہ کعبہ اس کی زیارت کرتا ہے بیت کا طالب بیت اللہ جاتا ہے اور رب البیت کے طالب کے پاس بیت اللہ آتا ہے حق اس کا قبلہ ہے اور وہ تمام کا قبلہ جیسے آدم علیہ السلام قبلہ ملائکہ قرار پائے تھے اس میں کیا راز تھا۔ حضرت شیخ عطار منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

حق تعالیٰ گفت آدم غیر نیست ۔۔۔ کور چشمی و تبرا ایں سیر نیست

شد نفخت فیہ من روح آشکار ۔۔۔ سر جاناں گفت بر خاک استوار

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

از دم حق آدمی آدم توئی ! ۔۔۔ اصل کرمنا بنی آدم توئی

قبلہ کل آفرینش آدمی ! ۔۔۔ پائے تا سر عین بینش آدمی

تاکہ ابلیس نے سیدنا آدم کا خاکی بدن دیکھا لہٰذا وہ سر جھکنے سے انکار کر دیا۔ تاکہ ملائکہ نے اس خاک پر یار کے آثار دیکھے اور فوراً جھک گئے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا ۔۔۔ اور پروانے ہیں ہوتے ہیں جو کعبہ پہ نثار

آنکھ والے کہتے ہیں کہ یہ کعبہ تمام عالم کا کعبہ ہے اور حضور علیہ السلام اس کے بھی کعبہ اسی لئے ولادت سرکار کے وقت خانہ کعبہ نے آمنہ خاتون کے گھر کی طرف سجدہ کیا۔ (مدارج وغیرہ)

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰھٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ ؕ
اور جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں اس گھر کی اور اسمٰعیل
اور جب اٹھاتا تھا ابراہیم اس گھر کی نیویں اور اسمٰعیل

www.alahazratnetwork.org

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ۖ إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۷﴾

اے رب ہمارے قبول فرما ہم سے تحقیق تو ہی سننے والا اور جاننے والا

اے رب ہمارے ہم سے قبول فرما بے شک تو ہی سنتا جانتا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کے تین واقعات بیان ہو چکے ہیں اب چوتھا بیان ہو رہا ہے۔ مگر یہاں ترتیب وقوعی نہیں رہتی دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں شہر مکہ بسانے کا واقعہ بیان ہوا اب بیت اللہ بنانے کا واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ جو اس شہر کا اصل مقصود ہے گویا پہلے درخت کا ذکر ہوا اب اس کے پھل کا تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام کی چند دعاؤں کا ذکر تھا۔ اب اس کا ذریعہ قبولیت اور ظہور اثر کا ذکر ہو رہا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام نے وہ گھر بنا دیا جس کی برکت سے اس شہر میں امن رہے اور رزق و پھل کی بہتات بھی ہو۔

تفسیر : واذ یرفع یہاں بھی ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی اے نبی علیہ السلام انہیں وہ واقعہ بھی یاد دلاؤ جب کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام تعمیر کعبہ کر رہے ہیں اس میں گزشتہ واقعہ حال سے بیان کیا جا رہا ہے گویا کہ اب ایسا ہو رہا ہے جیسے خواب دیکھنے والا بیان کرتے وقت کہتا ہے کہ میں نے دیکھا کہ وہاں جا رہا ہوں وغیرہ خیال رہے کہ رفع کے معنی اٹھانا بھی ہیں اور بلند کرنا بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی بلند کرتے ہیں۔ ابراہیم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سے تعمیر کیا کسی دوسرے معمار اور مستری کو اس میں شامل نہ کیا تاکہ یہ ثواب صرف مجھے ہی حاصل ہو اور کعبہ بیت المقدس سے افضل رہے کیونکہ اسے حضرت سلیمان جنات سے بنوائیں گے گویا اس کو تو نبی نے بنوایا اور اسے پیغمبر نے اپنے ہاتھ سے بنایا۔ القواعد من البیت قواعد جمع قاعدہ کی ہے جس کے لفظی معنی ہیں ثابت رہنے والی چیز۔ اسی لئے بیٹھنے والوں کو قاعدہ کہتے ہیں کہ وہ اپنے حال پر ثابت رہتے ہیں۔ یہاں بنیادیں یا دیواریں ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنیاد پہلے ہی سے موجود ہے۔ حضرت خلیل نے اس پر عمارت چن دی جیسا کہ ہم خانہ کعبہ کے قصے میں بیان کر چکے ہیں اور ممکن ہے کہ قواعد سے وہ پتھر مراد ہوں جن سے دیواریں چنیں۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کے پتھر چنتے تھے واسمٰعیل یا تو یہ ابراہیم پر معطوف ہے یعنی ابراہیم اور اسمٰعیل دونوں چن رہے تھے چونکہ حضرت اسمٰعیل چننے میں حقیقتاً شریک نہ تھے بلکہ پتھر و گارا وغیرہ امداد کر رہے تھے اسی لئے کچھ فاصلہ سے ان کا ذکر کیا گیا اور امداد کی وجہ سے انہیں بھی چننے والا مانا گیا اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ پوشیدہ فعل کا فاعل ہے یعنی امداد کرتے تھے ان کی اسمٰعیل اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ مبتداء ہو اور اگلی عبارت اس کی خبر یعنی حضرت ابراہیم تو دیواریں چن رہے تھے اور اسمٰعیل علیہ السلام یہ دعا کر رہے تھے (تفسیر کبیر) مگر پہلی توجیہ قوی ہے کیونکہ حدیث سے ثابت ہے روح البیان نے یہاں فرمایا کہ اس وقت حضرت ابراہیم کے چار بیٹے تھے اسمٰعیل، اسحاق، مدین اور مدائن مگر یہ شرف صرف اسمٰعیل علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ ربنا تقبل منا یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی وہ دونوں عرض کرتے تھے کہ اے ہمارے پروردگار ہماری اس خدمت کو قبول فرما یا تو بنانے کی حالت میں یہ کہتے جاتے تھے یا اس سے فارغ ہو کر خیال رہے کہ قبول اور تقبل میں یہ فرق ہے کہ قبول اعلیٰ چیز کے منظور کرنے کو کہتے ہیں اور تقبل حقیر ہدیہ کو محض اپنے کرم و مہربانی سے منظور فرما لینے کو یعنی یہ کام اپنے کرم سے قبول فرمالے۔ تفسیر

www.alahazratnetwork.org

کبیر و عزیزی و روح) مطلب یہ ہوا کہ اے مولا ہماری یہ حقیر محنت تیری بارگاہ میں گو قابل قبول نہ ہو مگر مولیٰ ہماری کوتاہیوں پر نظر نہ فرما۔ محض اپنے کرم سے قبول فرمالے نیز یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ ہم اس کا ثواب نہیں مانگتے صرف تیری منظوری مانگتے ہیں کہ ثواب تو تیرے کرم سے ملے گا عقلمند خادم کو مولیٰ کی خوشنودی ثواب سے زیادہ پیاری ہے (کبیر) اس میں انتہائی انکسار ہے اس لئے دعاؤں میں تقبل ہی کہا جاتا ہے رب تعالیٰ ان محبوبوں کے صدقے سے اس تفسیر اور فقیر کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو بھی اپنے کرم سے قبول فرمائے اور اسے میرے لئے صدقہ جاریہ اور گناہوں کا کفارہ بنائے خیال رہے کہ نہ ہم قیمتی اور نہ ہمارا کوئی کام قیمتی ہم تو گندگی کا ڈھیر اور بد اعمالیوں کا مجموعہ ہیں اگر رب تعالیٰ قبول فرمائے تو اس کے فضل کی کوئی انتہا نہیں وہ قیمتوں سے وراء ہے کرم کرے تو ہم کھوٹے کھرے بن جاویں۔

بہائے خویش می دانم بہ نیم جو نے آرزد　　　وگر تو فضل فرمائی بہائم بے بہا گردد
تم کو پا کر تو سالک براہ بھلا بن جائے　　　کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس کندن سبھی بنائے

انک انت السمیع العلیم اے مولا تو ہی ہماری دعا سننے والا اور ہماری نیت کا جاننے والا ہے تمام کی سننا اور سب کی جاننا خدا ہی کی صفت ہے اسی لئے حصر کے طریقے پر فرمایا گیا۔ حضور علیہ السلام روزہ افطار کے وقت یہی دعا پڑھتے تھے۔ (عزیزی)

خلاصہ تفسیر: اے نبی علیہ السلام انہیں یہ واقعہ بھی سنا دو کہ جب حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ کی دیواریں بناتے تھے اس طرح کہ ابراہیم علیہ السلام تو بہ نفس نفیس چن رہے تھے اور حضرت اسمٰعیل گارا اور پتھر دے رہے تھے اور نہایت عجز و انکسار سے یہ دعا کرتے جاتے تھے کہ الٰہی ہماری اس کوشش کو قبول فرما ہم جو کچھ زبان سے دعا کرتے ہیں تو خوب سنتا ہے اور ہمارے دل کی حالت سے تو خوب واقف ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ بنیاد کعبہ پہلے ہی سے موجود تھی یہاں روح البیان اور عزیزی نے فرمایا کہ زمین سے پہلے پانی ہی پانی تھا۔ قدرتی طور پر ہزار سال پہلے کعبہ کی جگہ اس پر سفید جھاگ پیدا ہوا کچھ روز میں اسی کو پھیلا کر زمین کر دیا گیا پھر جب فرشتوں کو رب نے آدم علیہ السلام کی پیدائش کی خبر دی تو انہوں نے اپنا خلافت کا استحقاق پیش کیا اور آدم علیہ السلام کی پیدائش کی حکمت پوچھی۔ مگر اس جرأت کی معذرت میں توبہ کی نیت سے سات برس عرش اعظم کا طواف کیا حکم الٰہی ہوا کہ زمین میں بھی اسی جھاگ کی جگہ نشان لگاؤ۔ جہاں میرے بندے خطا کر کے اس کے طواف سے مجھے راضی کیا کریں پھر آدم علیہ السلام کا خمیر اس کعبہ کی جگہ ہوا اور چالیس سال تک ان کا جسم پاک یہاں ہی رہ کر خشک ہوا اور آپ یہاں سے ہی جنت میں گئے۔ اور جنت سے ہندوستان میں اترے اور آپ نے پاپیادہ چالیس حج کئے کعبہ کے باقی حالات ہم اس سے پہلے آبادی مکہ میں بیان کر چکے ہیں۔

آبادی مکہ مکرمہ: تفسیر عزیزی میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ہاتھ سے نجات پائی اور بابل والوں کے ایمان سے مایوس ہوئے تو وہاں سے ہجرت کر کے اپنے چچا ہاران کے گھر مقام حران میں آگئے ہاران کی ایک نہایت خوبصورت بیٹی تھی سارا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم کی سعادت مندی دیکھ کر حضرت سارا کا ان سے نکاح کر دیا ابراہیم علیہ السلام کچھ روز وہاں تبلیغ فرماتے رہے مگر سوائے حضرت سارا اور لوط علیہ السلام کے کوئی ایمان نہ لایا بلکہ ہاران نے غصے ہو کر اپنی بیٹی اور داماد کو اپنے گھر سے نکال دیا۔ آپ نے حضرت سارا سے معاہدہ کیا کہ تم ہمیشہ میری فرمانبرداری کرنا اور میں تمہاری بات مانوں گا اور یہ تینوں

www.alahazratnetwork.org

حضرات حران سے مصر روانہ ہو گئے مصر کا بادشاہ بڑا ظالم اور سرکش تھا جب کسی خوبصورت عورت کو دیکھتا تو اس کے شوہر کو قتل کرا کر عورت پر قبضہ کر لیتا تھا جب یہ چھوٹا سا قافلہ مصر پہنچا تو شاہی پولیس نے بادشاہ کو خبر دی کہ مصر میں بے مثل حسینہ جمیلہ عورت آئی ہے۔ خیال رہے کہ مردوں میں حضرت یوسف اور عورتوں میں حضرت سارا بے مثل حسین ہوئے بلکہ حضرت یوسف کا حسن حضرت سارا کی میراث تھا ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا کو سمجھا دیا کہ اگر تمہیں پولیس گرفتار کر کے بادشاہ کے پاس لے جائے تو تم یہ نہ کہنا کہ ابراہیم میرے شوہر ہیں بلکہ یہ کہنا کہ وہ میرے بھائی ہیں کیونکہ میں تمہارا دینی بھائی ہوں۔ حق تعالیٰ تمہیں اس ظالم سے محفوظ رکھے گا یہ گفتگو ہو ہی رہی تھی کہ ان دونوں کو پولیس نے گھیر لیا اور حضرت سارا کو بادشاہ کے پاس لے گئے۔ ابراہیم نے یہ حالت دیکھ کر نماز شروع کر دی اور دعا میں مشغول ہو گئے۔ بادشاہ حضرت سارا کو دیکھتے ہی ان پر عاشق ہو گیا چاہا کہ کچھ بے ادبی کرے۔ حضرت سارا نے فرمایا کہ مجھے اتنی مہلت دے کہ میں غسل کر کے کچھ عبادت کر لوں ظالم نے فوراً غسل کا انتظام کر دیا آپ نے وضو کر کے نماز کی نیت باندھی اور بدرگاہ قاضی الحاجات دعا میں مشغول ہوئیں جب ظالم نے دیکھا کہ دیر لگی تو وہ آپ کے حجرہ میں داخل ہوا اور چاہا کہ عین نماز کی حالت میں آپ پر دست درازی کرے اچانک اس کے دونوں ہاتھ خشک ہو گئے اور بے ہوش ہو کر گر پڑا سانس پھول گیا اور منہ سے جھاگ ڈالنے لگا۔ حضرت سارا نے دعا کی اے مولا اگر یہ مر گیا تو مجھ پر اس کے قتل کا الزام آئے گا تو پھر میری خیر نہیں یہ دعا کرنی تھی کہ اسے ہوش آ گیا پھر وہی ارادہ کیا پھر ویسا ہی حال ہوا غرضیکہ تین بار یہ معاملہ پیش آیا تب وہ بولا کہ یہ انسان نہیں یا جن ہے یا جادوگرنی میرے پاس ایک عورت اور بھی ہے جس کو میں نے قبطیوں سے حاصل کیا تھا۔ اور میں اس پر بھی قابو نہ پا سکا (حضرت ہاجرہ) اسے بھی اس کے حوالے کرو اور ان دونوں عورتوں کو مصر سے نکال دو غرض حضرت سارا ہاجرہ کو لے کر حضرت ابراہیم کے پاس آئیں آپ اس وقت نماز میں ہی مشغول تھے۔ حضرت سارا سے پوچھا مہیم یعنی کیا حال ہے سارا خاتون نے عرض کیا کہ خیر سے رب نے ظالم کو ذلیل کیا اور مجھے خادمہ دی جس کا نام ہاجرہ ہے ابراہیم علیہ السلام بہت خوش ہوئے اور یہاں سے چاروں اصحاب روانہ ہو کر فلسطین پہنچے وہاں کے لوگوں نے ان بزرگوں کو غنیمت جانا اور بہت زمین نذر کی رب نے اس زمین میں اتنی برکت دی کہ کچھ دنوں میں آپ کے پاس کھیتی باڑی جانور غلام وغیرہ بے شمار ہو گئے آپ نے مسافر خانے اور لنگر جاری کئے اور لوط علیہ السلام کو تبلیغ دین کے لئے سدوم کی طرف روانہ کیا ایک دن حضرت سارا عرض کرنے لگیں کہ ہمارے گھر میں اللہ کا دیا بہت کچھ ہے مگر فرزند نہیں تم ہاجرہ سے نکاح کر لو شاید ان سے ہی کوئی بچہ پیدا ہو آپ نے نکاح کر لیا حضرت ہاجرہ کے شکم سے اسمٰعیل علیہ السلام پیدا ہوئے حضرت سارا نہایت محبت سے انہیں پالتی تھیں اور حضرت ہاجرہ صرف دودھ پلاتی تھیں مگر ابراہیم علیہ السلام حضرت سارا کی تکلیف کے خیال سے فرزند کو گود بھی نہ لیتے تھے اللہ کی شان کہ ایک دن اسمٰعیل علیہ السلام کو تنہا حجرے میں لیٹا ہوا دیکھ کر محبت پدری سے گود میں لے لیا ان کے رخسار اور پیشانی کو بوسہ دے رہے تھے کہ حضرت سارا آ گئیں اور ان پر غیرت نے اتنا غلبہ کیا کہ فرمایا اس وقت اس کو اور اس کی ماں کو میرے گھر سے نکال کے بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ آپ نے بہت کچھ سمجھایا مگر کچھ پیش نہ گئی۔ ادھر تو آپ حران والے معاہدے کے پابند تھے ادھر وحی آئی کہ سارا کی ہر بات مانو اس میں ایک راز ہے سچ ہے ’بڑوں کی لڑائی میں بھی راز ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود
کفر گیرد کاملے ملت شود

www.alahazratnetwork.org

ان دو مقبول بیویوں کی لڑائی کی برکت سے عرب کا ملک بنا مکہ شہر ہوا بیت اللہ آباد ہوا۔ برادران یوسف علیہ السلام کے غصے کی برکت سے یوسف علیہ السلام مصر کی سلطنت پر جاگزین ہوئے اور بنی اسرائیل کنعان گاؤں سے نکل کر مصر اور دیگر شہروں میں پھیلے صحابہ کرام کی آپس کی جنگوں کی برکت سے بہت سی قرآنی آیات کی تفسیر ہوئی۔ جن میں باغی گروہ سے جنگ کے احکام مذکور ہیں اور اہل بیت اطہار حجاز سے نکل کر عراق میں پہنچے جس سے سارا عراق جبر کو معظم ہو گیا ان جنگوں میں اللہ کے راز ہیں۔ لہذا ہم کسی صحابی کو ظالم نہیں کہہ سکتے جیسے کہ بی بی سارا کو ظالم نہیں کہہ سکتے۔ برادران یوسف علیہ السلام کی اہانت نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات آسمانی ہدایت کے تارے ہیں یوسف علیہ السلام نے انہیں تاروں کی شکل میں خواب میں دیکھا صحابہ کرام کو برا کہنے والے بی بی سارا اور برادران یوسف علیہ السلام کو کیا کہیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام ان دونوں کو سواریوں پر لے کر روانہ ہوئے وہ منزل بمنزل وہاں پہنچے جہاں آج خانہ کعبہ ہے حکم الٰہی پہنچا کہ ان دونوں کو یہاں ہی چھوڑ دو اور ہمارے سپرد کر جاؤ۔ زمزم کے مقام پر ایک درخت تھا اور باقی سب جنگل بیابان تھا۔ نہ وہاں سایہ نہ دانہ پانی نہ آدمی آپ ایک ٹوکری خرما اور کچھ روٹی کے ٹکڑے ایک مشکیزہ میں پانی حضرت ہاجرہ کے حوالے کر کے لوٹ آئے حضرت ہاجرہ پیچھے دوڑیں اور کہنے لگیں کہ مجھ کو اس بے آب و دانہ جنگل میں کہاں چھوڑے جاتے ہو۔ جہاں نہ کوئی غم خوار ہے نہ کوئی مکان سایہ دار آپ نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر کار حضرت ہاجرہ بولیں کہ کیا تمہیں خدا نے حکم دیا ہے سر کے اشارے سے فرمایا کہ ہاں تب آپ نے فرمایا کہ پھر مجھے کچھ پروا نہیں۔ میرا رب مجھے ضائع نہ کرے گا۔ واپس لوٹیں اور اپنے بچے کو گود میں لے کر اکیلی بیٹھ گئیں اور دودھ پلانے لگیں ابراہیم علیہ السلام پہاڑ کی آڑ میں آکر رکے اور کعبہ کی طرف منہ کر کے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا ربنا انی اسکنت الخ مولیٰ میں نے اپنے بال بچے بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دیئے۔ جب تک کھجور اور پانی رہا حضرت ہاجرہ اطمینان سے گزر کرتی اور فرزند کو دودھ پلاتی رہیں مگر پانی ختم ہونے پر پیاس نے ستایا۔ لخت جگر نے بے اختیار رونا شروع کر دیا تو اپنی تو اتنی فکر نہ ہوئی مگر نور نظر کی بے قراری دیکھی نہ گئی۔ اٹھیں اور صفا پر چڑھیں کہ شاید کہیں پانی کا نشان ملے مگر نہ ملا مایوس ہو کر نیچے اتریں۔ مروہ پہاڑ کی طرف روانہ ہوئیں مگر نظر فرزند پر تھی راہ کے کچھ حصہ میں فرزند سے آڑ ہو گئی تو آپ اسے جلد طے کرنے کے لئے دوڑ کر چلیں اس آڑ سے نکل جانے پر پھر آہستہ چلیں یہاں تک کہ مروہ پر پہنچ گئیں وہاں چڑھ کر بھی پانی کہیں نہ دیکھا پھر صفا کی طرف روانہ ہوئی۔ اسی طرح سات چکر کئے ہر دفعہ درمیان میں دوڑتی تھیں۔ (صفا و مروہ کی سعی اسی کی یادگار ہے) اخیر بار مروہ پر چڑھیں تو ایک دہشت ناک آواز کان میں پڑی۔ دوڑ کر فرزند کے پاس آئیں دیکھا کہ وہ روتے ہوئے اپنی ایڑیاں زمین پر رگڑ رہے ہیں جس سے شیریں پانی کا چشمہ جاری ہے بہت خوش ہوئیں اور اس کے گرد مٹی جمع کر کے فرمانے لگیں یا ماء زم زم اے پانی ٹھہر ٹھہر اس لئے اس کا نام آب زم زم ہوا بعض علماء نے فرمایا کہ آپ فرماتی تھیں یا ماء زم زم پانی میٹھا ہے بعض نے فرمایا ماء زم زم پانی بہت کافی ہے بعض نے فرمایا کہ زمزمہ اور صمتہ گن گنا کر گانے کو کہتے ہیں چونکہ آپ خوش ہو کر کچھ گن گناتی جاتی تھیں۔ اس لئے اس کا نام زمزم ہوا واللہ اعلم بالصواب (من بعض اساتذتنا) حدیث شریف میں آیا ہے کہ اگر حضرت ہاجرہ اس پانی کو گھیر نہ دیتیں تو یہ چشمہ بن جاتا اور آخر کار آپ وہ پانی خود پیتیں اور اپنے پسر کو بھی پلاتی تھیں اسی پر بہت روز تو گزر اوقات کرتی رہیں کیونکہ اس پانی میں غذائیت بھی ہے اتفاقاً یمن کی ایک قوم جرہم کسی طرح اس طرف آ پہنچی اور مقام کدا میں اتری اس نے دیکھا کہ کچھ فاصلہ پر پرندے بہت اڑ رہے ہیں۔ کہنے لگے کہ یہاں پانی ضرور ہے۔ کیونکہ ہم یہاں

www.alahazratnetwork.org

بارہا آئے کبھی پرندے نہ دیکھے انہوں نے تحقیق کے لئے اپنے میں سے ایک شخص بھیجا اس نے آکر خبر دی کہ یہاں پانی کا غیبی چشمہ ہے۔ جس کے پاس ایک بی بی اپنے فرزند کو لئے بیٹھی ہے یہ سن کر وہ سارے لوگ حضرت ہاجرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ اگر آپ کی اجازت ہو تو ہم یہاں ہی رہنے سہنے لگیں۔ چونکہ حضرت ہاجرہ بھی تنہائی میں گھبرا گئی تھیں۔ اس شرط پر اجازت دے دی کہ اس پانی پر کسی کا حق نہ ہو یعنی سب استعمال تو کریں مگر حق میرا ہو ان سب نے یہ شرط قبول کرکے وہاں خود بھی رہائش اختیار کرلی اور اپنے دوسرے اہل موالی کو بھی بلالیا جس سے کہ یہاں ایک اچھی خاصی بستی بس گئی۔ کچھ دنوں میں اسمٰعیل علیہ السلام بھی سمجھ دار بن گئے۔ آپ نے اس قوم جرہم سے زبان عربی سیکھی۔ نہایت ذکی قابل اور ہونہار جوان ہوئے اور جماعت جرہم کے سردار نے آپ سے اپنی بیٹی کا نکاح کردیا۔ ادھر حضرت ہاجرہ نے وفات پائی۔ جب حضرت اسمٰعیل کی عمر 14 سال کی ہوئی تو حضرت سارا کے شکم سے بھی ایک فرزند ہوئے جن کا نام اسحاق رکھا گیا۔ حضرت سارا ان کی پرورش میں مشغول ہوئیں اور اتنے عرصے میں کچھ جوش غیرت بھی کم ہو گیا تب ابراہیم علیہ السلام نے ان سے کہا کہ اگر تم اجازت دو تو میں اسمٰعیل کو دیکھ آؤں انہوں نے اس شرط پر اجازت دی کہ وہاں زمین پر قدم نہ رکھیں اور بہت نہ ٹھہریں آپ روانہ ہوئے یہاں آکر معلوم ہوا کہ فرزند جوان اور خانہ دار ہے اور ان کے والدہ وفات پاچکیں تلاش کرتے کرتے حضرت اسمٰعیل کے دروازہ پر آئے آپ اس وقت شکار کے لئے جنگل گئے تھے کیونکہ آپ کی گزر اوقات شکار کے گوشت اور زمزم کے پانی پر تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان کی بیوی کو دروازہ پر بلا کر ان کی زندگی کے حالات دریافت کئے۔ بیوی نے کہا کہ ہم بہت غریب مسکین ہیں۔ بہت تنگی اور مشقت سے گزران کرتے ہیں اور کچھ تواضع خاطر نہ کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم اپنے شوہر سے ہمارا اسلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازے کی چوکھٹ بدل دو کہ ایسی چوکھٹ اس گھر کے لائق نہیں شام کے وقت جب حضرت اسمٰعیل شکار سے لوٹے تو مکہ کی گلی کوچوں میں نبوت کے برکات و انوار دیکھے سمجھ گئے کہ میرے والد ماجد تشریف لائے ہوں گے۔ اپنی بیوی سے پوچھا کہ کیا کوئی آج آیا ہے اس نے سارا واقعہ عرض کیا آپ نے فرمایا کہ وہ بزرگ میرے والد تھے اور تو میرے گھر کی چوکھٹ ہے مجھے تجھ کو طلاق دینے کا حکم دے گئے ہیں اسے طلاق دیکر اس کے میکے پہنچایا اور قبیلہ جرہم کی دوسری لڑکی سے نکاح کرلیا پھر ایک مدت بعد ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا سے کہا کہ میں نے پہلی بار اسمٰعیل کو نہ دیکھا تھا میری تسلی نہیں ہوئی تھی۔ آپ نے پچھلی شرط پر دوبارہ جانے کی اجازت دی جب حضرت اسمٰعیل کے دروازہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ وہ شکار کے لئے گئے ہیں۔ ان کی نئی بیوی نے آپ کو دیکھ کر کہا کہ حضرت تشریف لائیے۔ ہمارے غریب خانہ میں کچھ قیام کیجئے۔ آپ کے سر مبارک میں گرد و غبار ہے۔ مجھے اجازت دیں کہ میں دھو دوں۔ حضرت نے فرمایا کہ مجھے اترنے کا حکم نہیں وہ نیک بی بی ایک بڑا اونچا پتھر اٹھا کر لائیں (یہ وہی مقام ابراہیم تھا) اور ان کی رکاب کے پاس رکھ کر عرض کیا کہ اس پتھر پر قدم پاک رکھ کر اپنا سر شریف کچھ جھکا دیجئے۔ جس سے کہ آپ اپنے معاہدہ پر بھی قائم رہیں اور مجھے خدمت کا موقعہ بھی مل جائے حضرت اس ذکاوت سے بہت خوش ہوئے اور ایسا ہی کیا۔ ان بی بی نے آپ کا سر خوب دھو کر کنگھی کردی اس درمیان میں آپ نے اپنی بہو سے گھر کے سارے حالات پوچھے اس نیک بی بی نے آپ سے عرض کیا کہ الحمد للہ ہم بہت آرام سے ہیں حق تعالیٰ نے ہمیں کسی مخلوق کا محتاج نہیں کیا۔ ہمارے شوہر جنگل سے شکار لاتے ہیں۔ اور آب زم زم ہمارے پاس ہے اس گوشت اور اس پانی سے ہماری بخوبی گزر ہوتی ہے آپ نے ان کی حق میں دعائے خیر کی اور فرمایا۔ حق تعالیٰ تمہارے گوشت اور پانی میں برکت دے اس دعا کا یہ اثر ہے کہ اب بھی وہاں

www.alahazratnetwork.org

گوشت بکثرت ہے میں نے خود قربانی کے لئے ڈیڑھ روپیہ کی بکری خریدی اور دیکھا کہ پانچ روپے میں گئے چھ روپے میں دنبہ اور پچیس روپے میں قربانی کا اونٹ فروخت ہوتا تھا جب کہ ہندوستان میں چھ روپے کی بکری آتی تھی۔ القصہ آپ نے فرمایا کہ اپنے شوہر کو ہمارا اسلام کہنا اور کہہ دینا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ بہت اچھی ہے اسے غنیمت جانو اور بخوبی محفوظ رکھو شام کو جب حضرت اسمٰعیل آئے تو انہوں نے بھروہی انوار و تجلیات دیکھے۔ بیوی سے پوچھا کیا آج کوئی بزرگ تشریف لائے تھے۔ اس نے کہا ہاں اور سارا واقعہ بیان کیا آپ نے فرمایا کہ وہ میرے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے تمہارے متعلق سفارش فرما گئے کہ تمہیں اپنے ساتھ رکھوں اور تمہارے ساتھ اچھا برتاؤ کروں۔ پھر کچھ مدت بعد ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا سے فرمایا کہ میں دوبارہ فرزند کو دیکھنے گیا مگر نہ دیکھ سکا اب تم اجازت دو کہ میں اسے دیکھو اور اس کے پاس چند روز رہوں۔ حضرت سارا نے بخوشی بلا شرط اجازت دی حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں پہنچے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو دیکھا کہ زمزم کے پاس ایک درخت کے نیچے تیروں کو درست کر رہے ہیں۔ باپ بیٹے نے ایک دوسرے کو پہچانا فرزند بے اختیار اٹھے پیر رنے لگے لگایا۔ پیشانی پر بوسے دیئے اور اس قدر روئے کہ پرندے ہوا میں رونے لگے اور وہاں کچھ قیام فرمایا ایک دن فرمایا کہ اے اسماعیل رب نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس جگہ خانہ کعبہ کی تعمیر کروں چاہتا ہوں کہ یہ کام صرف اپنے ہاتھ سے کروں اور تم اس میں میری مدد کرو آپ نے فرمایا بسرو چشم ابراہیم علیہ السلام نے پہلی ذیقعدہ کو تعمیر کعبہ شروع فرمائی اور اسی مہینہ کی پچیسوں تاریخ کو ختم فرمادی پھر آٹھویں ذی الحجہ آپ کو خواب میں فرزند کے ذبح کا حکم ہوا اور دسویں کو ذبح اسمٰعیل علیہ السلام کا واقعہ پیش آیا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اس سال یا اس سال کے بعد' روح البیان نے 23 ویں سیپارے میں فرمایا کہ ذبح کے وقت اسمٰعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال کی تھی مگر تفسیر عزیزی کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت عمر کہیں زیادہ تھی کیونکہ ان کی چودہ سال کی عمر میں اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے اور اس کے بعد کچھ فاصلے سے ابراہیم علیہ السلام تین بار مکہ معظمہ تشریف لائے تیسری بار حضرت اسمٰعیل سے آپ کی پہلی ملاقات ہوئی نیز یہ مشہور ہے کہ حضرت ہاجرہ کی موجودگی میں ذبح کا واقعہ در پیش آیا اس روایت کے رو سے غلط ہے کیونکہ اس سے معلوم ہوا کہ آپ حضرت ہاجرہ کی زندگی میں مکہ شریف تشریف لائے ہی نہیں۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ذبح کا واقعہ تعمیر کعبہ کے بعد ہوا کیونکہ پہلی ملاقات میں 25 ذیقعدہ تک تعمیر ہوئی اور دس ذی الحجہ کو واقعہ ذبح ہوا واللہ اعلم بالصواب۔

فائدے : اس آیت اور تفسیر سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** بیت اللہ قبول دعا کی جگہ ہے اس لئے حضرت خلیل نے اسی جگہ یہ دعا قبولیت اور اگلی دعائیں مانگیں **دوسرا فائدہ:** عمل خواہ کتنا ہی نیک ہو اور کیسے ہی اخلاص سے ہو اس کی قبولیت کی دعا کرنی چاہئے اس سے ہرگز غفلت نہ کی جائے تعمیر کعبہ بہت اچھا کام ہے اور رب کے حکم سے ہوا تھا مگر آپ نے پھر بھی اس کی قبولیت کی دعا کی **تیسرا فائدہ:** اپنے معاہدہ کی پابندی کرنا لازم ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا کے سارے عہدوں کو بہت پابندی سے نبھایا کہ ان کے بغیر اجازت اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے بھی نہ آئے۔ **چوتھا فائدہ:** کعبہ معظمہ بیت المقدس سے اس لئے بھی افضل ہے کہ اسے حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے بنایا اور بیت المقدس کو حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنات سے بنوایا جیسے تعمیر کرنے والوں میں فرق ویسے ہی تعمیروں میں فرق جیسے آب زمزم کا متبرک ہونا اسی لئے

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ یہ ایک نبی کی ایڑی سے جاری ہوا اب اس میں دوسری بزرگی یہ ہے کہ حضور سید الانبیاء کا لعاب دہن بھی اس میں مل گیا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ تمام دنیا کے پانیوں میں زمزم افضل ہے مگر زمزم سے بھی وہ پانی افضل ہے جو ایک موقع پر حضور علیہ السلام کی انگلیوں سے جاری ہوا کیونکہ یہ تو ایک نبی کی تلووں سے جاری ہوا اور وہ سید الانبیاء کی انگلیوں سے صلی اللہ علیہ وسلم پانچواں فائدہ: بزرگوں کی مانگی ہوئی دعائیں اور ان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ مقبول بارگاہ الٰہی ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے ان کی دعائیں قرآن شریف میں بیان فرمائیں تاکہ مسلمان یہ دعائیں مانگا کریں کہ ان میں الفاظ کی تاثیر کے ساتھ ان زبانوں کی بھی تاثیر ہے چھٹا فائدہ: نیک عمل کرتے وقت اور کر چکنے کے بعد اس کے توسل سے دعا کرنا افضل ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بناتے وقت دعا مانگی اس لئے نماز کی حالت میں اور اس کے بعد دعائیں کی جاتی ہیں ساتواں فائدہ: قبولیت عمل رب کی بڑی نعمت ہے کہ انبیاء کرام نے اس کی دعائیں مانگی ہیں آج حکومت جو کتاب منظور کرے اسے یونیورسٹی کے نصاب میں جگہ دے جاتی ہے جسے پڑھ کر لوگ سند پاتے ہیں اور پاس ہوتے ہیں۔ جسے رب قبول کرے وہ عمل تاقیامت لوگوں کی نجات کلدار بن جاتا ہے صحابہ کرام اس قبولیت کے لئے حضور کے ذریعہ خیرات کرتے تھے اب ہم لوگ حضور اور حضور کی آل پاک کے طفیل دعائیں کرتے ہیں۔ شعر

الٰہی بحق بنی فاطمہ ! کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

اعتراض: پہلا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام نے حضرت سارا کے کہنے پر اپنی بیوی اور بچے پر ظلم کیوں کیا کہ ان کو ہلاکت کی جگہ چھوڑ دیا اور ان سے اتنے عرصہ تک تعلق نہ رکھا اور حقوق زوجیت ادا نہ کئے ناجائز معاہدے کی پابندی نہ کرنی چاہئے جواب: گناہ وہ ہے جو مرضی رب کے خلاف ہو یہ سارے کام جب رب کی مرضی سے اور اس کے حکم سے ہو رہے تھے تو گناہ کیسے حضرت ابراہیم تو رب کی مرضی پا کر بے قصور فرزند کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے یہ معاملات تو اس سے کہیں ہلکے ہیں جناب ہاجرہ کا سخت امتحان اور مکہ مکرمہ کی آبادی کا انتظام اور خانہ کعبہ کی تعمیر کا اہتمام' سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تشریف آوری کی دھوم دھام تھی پھول کے لئے درخت لگاتے وقت باغ والے کو بلکہ خود زمین والے اور زمین اور بیج کو تکلیف ہی ہوتی ہے یہ چمن خلیلی کے آخری بیج کے کاشت کرنے کا وقت تھا ان سب کو تکلیف ہونی ہی چاہئے۔ دوسرا اعتراض: حضرت سارا جیسی پاک ہستی نے ایسے ظلم کا کیوں حکم دیا۔ جواب: اس کا جواب پہلے سوال کے جواب میں گزر گیا کہ یہ بھی الہام ربانی سے ہوا اور اس میں بھی وہی راز تھے جو ہم بیان کر چکے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے ایک بار تو موسیٰ علیہ السلام کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیا اور دوبارہ دریا میں بہا دیا یہ بھی الہام الٰہی تھا اس میں کوئی گناہ نہیں۔ تیسرا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام نے قبولیت کی دعا میں اپنے عمل کا ذکر کیوں نہ فرمایا کہ خدایا ہماری تعمیر قبول فرما جواب: یا تو اس لئے آپ نے اس دعا میں تاقیامت حجاج کو داخل فرما لیا۔ یعنی اے مولا میری تعمیر اور حجاج کے سارے اعمال حج بلکہ یہاں آ کر نیکیاں کرنے والوں کی ساری نیکیاں قبول فرما لے اسی دعا کا اثر ہے کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے یا اس لئے کہ جب رب تعالیٰ ایک نیکی قبول فرماتا ہے تو اس ایک کے صدہا اجزاء کر کے ہر ایک کا علیحدہ ثواب دیتا ہے ایک نماز پڑھو۔ وضو مسجد میں آنے کے لئے ہر قدم پر پھر مسجد میں بیٹھے نماز کا انتظار کرنے پر مختلف ثواب دیگا چونکہ اس تعمیر پر بہت سے اجر ملنے والے تھے اس لئے آپ نے کسی چیز کا ذکر نہ کیا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : قلبی اور روحانی بنیادیں ہر انسان میں فطرتاً موجود ہیں یہ قلب بیت اللہ ہے اس کو بنانے والا شیخ طریقت اور تعلیم میں مدد دینے والا عالم شریعت ہے تو شریعت کو شیخ کے حوالے کرتا ہے جس کو شیخ طریقت کے چونے سے جوڑ کر اس پر تصوف کی عمارت قائم کرتے ہیں جس میں تجلی ربانی پڑتی ہے اور یہی قلب نفس اور سارے اعضاء کا قبلہ اور سجدہ گاہ قرار پاتا ہے یہ حضرات اس محنت کے وقت رب سے دعائے قبولیت کرتے ہیں کہ مولیٰ تیرے بندوں کو تیری بارگاہ تک لانا ہمارا کام تھا اور انہیں قبول فرمانا تیرا کام جیسے کہ بغیر معمار ظاہری گھر کی تعمیر نہیں ہو سکتی ویسے ہی بغیر شیخ اور عالم دین کے روحانی گھر بننا ناممکن ہے۔

رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَیْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّیَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً

اے رب ہمارے اور بنا ہم کو مطیع واسطے اپنے اور اولاد سے ہماری جماعت

اے رب ہمارے اور کر ہمیں تیرے حضور گردن رکھنے والا اور ہماری اولاد میں سے

لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَیْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ

مطیع واسطے اپنے اور دکھا ہمیں ارکان حج ہمارے اور توبہ قبول فرما ہم پر

ایک امت تیری فرمانبردار ہمیں ہماری عبادت کے قاعدے بتا دے اور ہم پر اپنی رحمت کے ساتھ

الرَّحِیْمُ ﴿۱۲۸﴾

بے شک تو ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

رجوع فرما بے شک تو ہی ہے بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں تعمیر کعبہ کا ذکر فرمایا گیا اب عظمت کعبہ کا ذکر ہے کہ بیت اللہ نگاہ خلیل میں کوئی معمولی چیز نہ تھی بلکہ نہایت عظیم الشان جس کی وجہ سے انہوں نے اس کے مقبول ہونے اور ہمیشہ باقی رہنے کی دعا فرمائی دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کعبہ کا ذکر کیا گیا اور اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ مقبول الٰہی وہی ہے جو اس گھر کا خدمت گار ہے اور حج کا پابند کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں تعظیم بیت اللہ اور طریقہ حج سکھانے کی دعا فرمائی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کعبہ کے حق ہونے کا ذکر تھا اور اب دین اسلام کے سچا ہونے کا تذکرہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے زمین حرم میں ایک جماعت مسلمہ رہنے کی دعا کی اور وہ جماعت سوا مسلمانوں کے کوئی نہیں۔

تفسیر : ربنا یہاں یا پوشیدہ ہے یعنی اے ہمارے پالنے والے اور اللہ سے جب کچھ مانگنا ہو ویسے ہی نام سے پکارا جائے رزق کے لئے یا رزاق شفا کے لئے یا شافی الامراض دشمن کو مغلوب کرنے کے لئے یا قہار وغیرہ واجعلنا یہ جعل سے بنا جس کے چند معنی ہیں کرنا، بنانا، دینا، بیان کرنا، تعلیم دینا، رہبری کرنا۔ (کبیر) مسلمین لکھیہ لفظ مسلم کا تثنیہ ہے جو اسلام سے بنا جس کے معنی ہیں سپرد کرنا فرمانبرداری کرنا محفوظ ہو جانا مومن کو مسلم اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو رب کے

www.alahazratnetwork.org

سپرد کرتا ہے۔ اور اس کا فرمانبردار ہو جاتا ہے اور شیطان اور جہنم وغیرہ سے بچ جاتا ہے اصطلاح میں جب اسلام مطلق آتا ہے تو ایمان اور درستی اعتقاد کے معنی دیتا ہے اور لام کے ساتھ اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کے معنی رکھتا ہے (کبیر و روح البیان) لہٰذا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی اے اللہ ہمیں اپنا فرماں بردار رکھ یا بنا۔ پہلی صورت میں یہ دعا تعلیم کے لئے ہے دوسری صورت میں اپنے اور تمام لوگوں کے لئے طلب استقامت کے لئے اس میں بتایا گیا کہ رب کی اطاعت بڑی نعمت ہے اور اطاعت پر استقامت خاص رب کی عطا ہے اپنی بماری نہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزار کرامت سے بہتر ہے۔ **ومن ذریتنا** ذریت کے معنی ہم پہلے عرض کر چکے من سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ نے اپنی بعض اولاد کے لئے ہدایت کی دعا فرمائی کیونکہ آپ کو معلوم ہو چکا تھا کہ ان میں بعض کفار بھی ہوں گے اور ارادہ الٰہی کے خلاف دعا کرنا منع ہے لفظ نا سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام دونوں کی اولاد میں ہوں یعنی بنی اسمٰعیل لہٰذا یہ دعا بنی اسرائیل کے لئے نہیں **امۃ مسلمۃ لک**' امت ام سے بنا بمعنی اصل 'ماں کو بھی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بچے کی اصل ہے اور اصطلاح میں امت وہ جماعت ہے جو کسی ایک چیز میں بالاختیار یا بلا اختیار جمع ہو شریعت میں وہ جماعت امت کہلاتی ہے جو کسی ایک دین میں متفق ہو۔ لہٰذا ایک باپ کی اولاد ایک پیر کے مریدین ایک گھر کے لوگ لغۃ "امت ہیں شرعاً" نہیں کیونکہ یہاں دین میں جمع ہونا ملحوظ نہیں **وارنا** یہ اراۃ سے بنا جس کے معنی آنکھ سے دکھانا بھی ہیں اور عقل و خیال سے اور اک کرانا بھی اور یہاں مناسک کے معنی کے لحاظ سے دونوں ہی بن سکتے ہیں یعنی دکھا اور بتا ہم کو **مناسکنا** یہ منسک بفتح سین کی جمع ہے یا منسک بکسر سین کی۔ یہ نسک سے بنا ہے جس کے معنی ہیں عبادت کرنا اسی لئے عابد کو ناسک اور قربانی کو نسیکہ کہتے ہیں منسک بفتح سین عبادت کی جگہ اور بکسر سین عبادت کے اعمال عرف میں زیادہ تر حج کے افعال و مقامات کو مناسک کہتے ہیں یعنی خدایا ہمیں حج کے مقامات یعنی عرفات 'منیٰ' مزدلفہ وغیرہ دکھا دے یا حج میں کرنے کے احکام احرام تلبیہ 'رمی وغیرہ بتا دے خیال رہے کہ جس کام سے رب کو راضی کیا جائے وہ عبادت ہے عبادت تین طرح کی ہے عبادت نفسانی عبادت 'شیطانی عبادت' رحمانی عبادت نفسانی یہ ہے کہ انسان اپنی عقل و رائے سے نیکیاں کرے انبیاء کی تعلیم سے منہ موڑے رہے جیسے کفار مشرکین کا صدقہ و خیرات وغیرہ کرنا۔ عبادت شیطانی یہ ہے کہ شیطان کی تعلیم سے عبادت کی جائے جیسے مشرکین کا بت پرستی کرنا جس سے وہ خدا کو راضی کرنا چاہتے ہیں پہلی عبادت بیکار ہے۔ دوسری شرک۔ عبادت رحمانی وہ ہے جو رب تعالیٰ کے بتانے سے کی جائے اور نا میں عرض کیا گیا مولا ہمیں عبادت تو سکھا نفس و شیطان سے بچا خیال رہے انبیاء کرام کو رب تعالیٰ تین طرح عبادت سکھاتا ہے فطری طور پر جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا پیدا ہوتے ہی فرمانا **اوصنی بالصلوۃ** الہامی طور پر خواہ خواب میں الہام ہو یا بیداری میں جیسے حضرت خلیل نے خواب کے ذریعہ قربانی معلوم فرمائی وحی ظاہر کے طور پر حضرت خلیل نے اورنا فرما کر ان تینوں طریقوں کی طرف اشارہ فرمایا کہ ہمیں دکھا دے خواہ الہام سے خواہ وحی وغیرہ سے اور میرے مولیٰ چونکہ حج بڑی مشکل چیز ہے لہٰذا اگر آئندہ ہم حاجیوں سے کوئی خطا ہو جایا کرے تو **وتب علینا** تو ہماری توبہ قبول فرما ہمیں توبہ کی توفیق دینا۔ یا ہم پر کرم سے رجوع فرما خیال رہے کہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات یہ ہے **وارھم مناسکھم وتب علیھم** (تفسیر کبیر) یہ قرات مشہور قرات کی گویا تفسیر ہے لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں **انک انت التواب الرحیم** تو ہی بار بار اور بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے خیال رہے کہ توبہ کے معنی ہیں رجوع کرنا۔ بندے کی توبہ گناہوں سے اور رب کی توبہ غضب سے رجوع کرنا

www.alahazratnetwork.org

ہے اس لئے تواب رب کی بھی صفت ہے اور بندے کی بھی۔

خلاصہ تفسیر : ابراہیم علیہ السلام نے فراست سے معلوم کرلیا کہ اس تقریب اور تعمیر کعبہ کے رنگ میں کوئی دوسری دنیا ظاہر
ہوگی اور عشق اپنے نئے کرشمے دکھائے گا اس بیت اللہ کے ذریعہ باطن ظاہر کالباس پہنے گا اور آدمی ملائکہ کی طرح خلاف
عقل اطاعت الٰہی کریں گے اور اس میدان میں لبیک کاشور مچا کرے گا چونکہ تعمیر کعبہ ہم سے کرائی گئی ہے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ
اس کاسہرا ہمارے سر ہے گا پس آپ نے خوش ہوکر رب سے پہلے اپنے لئے اور پھر اپنی مسلم اولاد کے لئے چند دعائیں کیں۔
عرض کیا مولیٰ ہم دونوں کو ہمیشہ اپنا مطیع اور فرماں بردار رکھنا کہ تیرے احکام کے قبول کرنے میں کبھی حیل وحجت نہ کیا کریں اور
میری مسلمان اولاد کو بھی اسی طرح اپنا مطیع اور فرماں بردار بنانا کہ حج کے ارکان ادا کرنے میں عقلی اعتراضات نہ کیا کریں۔ اس
لئے کہ حج میں عقل کی مخالفت اور عشق کی پیروی ہے مجنونوں کی سی وضع قطع بناناکہ ننگے سر کفنی پہنے بال بکھیرے شور مچاتے
پھرنا۔ اس گھر کے گرد پروانہ کی طرح گھومنا۔ کہیں پتھروں کو چومنا کہیں دشمن کو بغیر دیکھے محض خیال پر پتھر مارنا کہیں جانوروں کا
خون بہانا ہے مولیٰ انہیں ایسی توفیق دینا کہ بلا حیل وحجت ہر سال یہ کام کیا کریں اور چونکہ یہ ارکان حج عقل سے سمجھ میں نہیں آ
سکتے۔ اس لئے تو خود ہمیں یہ کام بھی سکھا اور ہر کام کی جگہ بتا کہ کون ساکام کہاں ہوگا۔ احرام کہاں بندھے گا قربانی کہاں ہوگی
اور پتھر کہاں پھینکے جائیں گے اور چونکہ یہ سارے کام بہت دشوار بھی ہیں اور اکثر لوگوں کو عمر میں ایک بار ہی نصیب ہوا کریں
گے اس لئے جو کوتاہیاں ہو جایا کریں انہیں معاف فرمادیا کرنا رب نے ان کی یہ ساری دعائیں حرف بحرف قبول فرمائیں کہ وہ
دونوں حضرات زبردست احکام پر بلا تکلف عمل کر گزرے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے کو ذبح کے لئے پیش کردیا اور
خلیل اللہ بلا تامل بیٹے پر چھری لے کر کھڑے ہوگئے اور ان کی ذریت میں ہمیشہ مومن رہے اور خانہ کعبہ کا ہمیشہ حج بھی ہوتا رہے
گا سیدنا علی وابن عباس سے روایت ہے کہ اس دعا کے بعد حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم ہوا کہ ہمارے خلیل کو حج دکھا دو۔
بلکہ کرادو چنانچہ آپ حاضر ہوئے اور آٹھویں ذی الحجہ سے تیرھویں تک سارے اعمال حج کرائے اسی حالت میں تین دن
دسویں 'گیارہویں' بارہویں تین جگہ شیطان ملا آپ نے اسے دفع کرنے کے لئے سات سات کنکر مارے حضرت جبریل نے
عرض کیا۔ کہ آئندہ آپ کی اولاد بھی اس جگہ کنکر مارا کرے گی (عزیزی) اللہ کی شان کہ آپ کی ایک جماعت کانام مسلمان ہی
رکھا گیا۔ لفظ مسلمۃ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا خاص امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھی کیونکہ ہم سے پہلے کسی
امت کانام مسلمان نہ ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ملۃ ابیکم ابرٰہیم ھو سمّٰکم المسلمین من قبل**

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** دعا کے وقت رب کو پکارنا طریقہ انبیاء ہے **دوسرا فائدہ:**
پہلے اپنے لئے پھر اپنی اولاد اور سب مسلمانوں کے لئے دعا کرنی چاہئے **تیسرا فائدہ:** عقائد اور دین کی دعا اعمال اور دنیوی
حاجات سے پہلے کی جائے جیساکہ اس آیت میں ہے **چوتھا فائدہ:** اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ موحدین صالحین رہے
کوئی وقت ایسا نہ آیا کہ سارے مشرک ہو جاتے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی زید ابن عمرو اور قیس ابن ساعدہ اور عبدالمطلب ابن
ہاشم حضور علیہ السلام کے جد امجد اور عامر ابن ضرب وغیرہ اسلام پر تھے کہ خدا کو ایک جانتے تھے ثواب وعذاب حشر ونشر کے
قائل تھے نہ مردار کھاتے تھے اور نہ بت پرستی کرتے تھے۔ (تفسیر کبیر وعزیزی) **نوٹ:** حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین کو

www.alahazratnetwork.org

کافر کہنے والے اس آیت اور تفسیر کبیر کی اس عبارت پر غور کریں اگر حضور علیہ السلام سے پہلے سارے نبی اسمٰعیل مشرک ہو گئے تھے تو لازم آتا ہے کہ حضرت خلیل کی یہ دعا قبول نہ ہوئی یقیناً ایک جماعت ایمان پر رہی اور اسی جماعت میں حضور کے آباء و اجداد تھے نیز قیامت تک سارے سید و قریش بھی گمراہ نہ ہوں گے کیونکہ یہ لوگ ابراہیمی ہیں کہ ان میں مومن رہنا ضروری ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بیت اللہ کے پاس دعا مانگنا سنت ابراہیمی ہے **چھٹا فائدہ:** عبادت اپنی محض اپنی رائے سے معلوم نہیں کر سکتے اس کے لئے تعلیم الٰہی ضروری ہے جیسا کہ **ارنا** سے معلوم ہوا یہ تعلیم خاص بندوں کو الہام یا وحی سے ہوتی ہے اور عام بندوں کو ان خاص کے ذریعہ سے اصول عبادت میں خصوصی تعلیم ضروری ہے اور فروعی عبادات میں عمومی تعلیم کافی ہے جیسا کہ مناسکنا سے معلوم ہوا۔ **ارنا** مناسکنا میں بہت گنجائش ہے کیونکہ دکھانے میں الہام، وحی، اجتہاد سب داخل ہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام ہمیشہ سے مسلمان نہ تھے۔ ورنہ آپ اپنے ایمان کی دعا نہ کرتے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک تو وہ جو تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے کہ مسلمین سے مطیع، فرماں بردار مراد ہے۔ **اجعلنا** کے معنی ہیں رکھ ہمیں یعنی اپنا مطیع رکھ تو یہ دعاء استقامت ہے نہ کہ دعائے ایمان دوسرے یہ کہ یہاں زیادتی کی درخواست ہے یعنی ہمیں اطاعت کی زائد توفیق عطا فرما۔ انبیاء کرام اگرچہ معصوم مگر رب سے مستغنی نہیں۔ تیسرے یہ کہ یہ دعاء تعلیم کے لئے ہے تاکہ مسلمان بھی ایسے ہی دعا کیا کریں جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم** رب تعالیٰ اپنے لئے کسی سے ہدایت نہیں مانگ رہا ہے بلکہ بندوں کو سکھا رہا ہے کہ ایسے دعا مانگو غرض کہ اس آیت سے ابراہیم علیہ السلام کو گنہگار یا گمراہ ماننا بے دینی ہے **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں حضرات معصوم نہ تھے ورنہ توبہ نہ کرتے توبہ گنہگار کرتے ہیں **جواب:** اس کے بھی چند جواب ہیں ایک وہ جو تفسیر میں معلوم ہوا کہ اس کے معنی ہیں کہ ہم حاجیوں کی توبہ قبول کر اور ہماری اولاد سے حج کی ادائیگی میں کچھ کوتاہی ہو جائے اس کو درگزر فرما دوسرے یہ کہ یہاں بھول چوک سے توبہ مراد ہے انبیاء کرام سے بغیر قصد کے خطائیں ہو جاتی ہیں۔ جس سے توبہ کرتے رہتے ہیں تیسرے یہ کہ یہ بھی تعلیم امت کے لئے ہے کہ کعبہ معظمہ میں آکر توبہ کر لیا کریں یہ قبولیت کی جگہ ہے **تیسرا اعتراض:** ابراہیم علیہ السلام نے صرف اپنی اولاد کے لئے کیوں دعا کی چاہئے تھا کہ سارے بندوں کے لئے دعا کرتے **جواب:** اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اولاد ماں باپ کی دعا کی زیادہ حق دار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قوا انفسکم و اھلیکم نارا** دوسرے یہ کہ جب پیغمبروں کی اولاد درست ہو جائے تو ان کی وجہ سے دیگر لوگ بھی درست ہو جائیں گے بڑوں کی اصلاح سے چھوٹوں کی اصلاح خود بخود ہو جاتی ہے **چوتھا اعتراض:** ابراہیم علیہ السلام پہلے اپنی اولاد کے لئے امامت مانگ چکے اب ان کے لئے ہدایت کیوں مانگی امامت میں ہدایت آگئی تھی **جواب:** امامت تو ایک وقت میں ایک ہی کو ملتی ہے مگر ہدایت جماعت کو ہو گی وہ دعا افراد کے لئے تھی اور یہ جماعتوں کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ : ابراہیم علیہ السلام کی اس دعا میں دو لطیف اشارے ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی طرف سے قبول کیا ہوا ایمان معتبر نہیں بلکہ رب کا دیا ہوا چاہئے اس لئے عرض کیا کہ مولیٰ ہمیں اپنی نفوس کے حوالے نہ کر کہ ہم خود ایمان لائیں بلکہ توفیق دے کہ تجھ ہی سے تیرے بتانے سے تجھ ہی پر ایمان لائیں بلکہ یوں کہو کہ تیری ہی دی ہوئی توفیق سے تیری ہی بات مانیں اپنا ایمان

شیطان کا تھا جو مفید نہ ہو اور دوسرے یہ کہ دینداروں سے آخرت قائم ہے اور دنیاداروں سے یہ جہاں آباد ہے دنیا کی آبادی تین چیزوں سے ہے ایک کھیتی وباغ ' دوسرے جنگ و جدال ' تیسرے تجارتی سامان کی نقل و حرکت یہ تینوں ہی چیزیں موت و حساب کو بھلانے والی ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر بیوقوف نہ رہیں تو دنیا برباد ہو جائے۔ لہٰذا حکمت یہ ہے کہ نہ سارے سب بدکار ہوں اور نہ سب نیک کار اس لئے حضرت خلیل نے بعض کے لئے دعا کی مشائخ عظام کو بھی چاہئے کہ اپنے سارے مریدین کی ہدایت کا یقین نہ کریں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

استن این عالم اے جان غفلت است ‏ ‏ ہوشیاری این جہاں را آفت است
ہوشیاری زاں جہاں است و چوں آں ‏ ‏ غالب آید پست گردد این جہاں
ہوشیاری آفتاب و حرص یخ ‏ ‏ ہوشیاری آب و این عالم وسخ

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِیۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِكَ وَ

اے رب ہمارے اور بھیج ان کے ایک رسول ان میں سے جو تلاوت کرے اوپر ان کے

اے رب ہمارے بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت کرے

یُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَیُزَكِّیۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِیۡزُ

آیتیں تیری اور سکھائے انہیں کتاب اور حکمت اور پاک فرمائے

اور انہیں پختہ علم سکھائے تیری کتاب کا اور انہیں خوب ستھرا فرمادے

الۡحَكِیۡمُ ﴿۱۲۹﴾

انہیں تحقیق تو ہی غالب حکمت والا ہے

بیشک تو ہی ہے غالب حکمت والا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر تھا کہ جو خاص جماعتوں کو مفید ہوں کہ مکہ مکرمہ کے امن وہاں کے پھلوں سے وہ فائدہ اٹھائیں جو وہاں ہوں ایسے ہی خانہ کعبہ کی تعمیر سے خصوصی فائدہ حجاج اٹھاویں۔ اب اس عالمگیر دعا کا ذکر ہے جس سے عربی عجمی ' شرقی غربی ' فرشی عرشی مخلوق ہمیشہ فائدہ اٹھائے۔ یعنی حضور کی بعثت شریفہ یعنی خاص دعاؤں کے بعد عام دوسرا تعلق: اہل کتاب بیت اللہ کی عزت اور مکہ معظمہ کی حرمت اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کے منکر تھے گزشتہ آیتوں میں پچھلی دو باتیں ثابت فرمائیں گئیں کہ کعبہ معظمہ اور مکہ مکرمہ وہ مقامات ہیں جنہیں حضرت خلیل نے بڑی محنت اور جانفشانی سے بنایا اور بسایا اور

www.alahazratnetwork.org

اب حضور علیہ السلام کی نبوت کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ وہ نازنین پیغمبر ہیں۔ جس کی حضرت نے دعائیں مانگیں اور عیسیٰ نے ان کے گن گائے۔

گن گائیں جن کے انبیاء مانگیں رسل جن کی دعا
وہ دو جہاں کے مدعا صل علیٰ یہی تو ہیں

بے دوقو قوم تم کیسے بد نصیب ہو کہ ان تینوں کی برکتوں سے محروم ہو **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کی پانچ چھ دعاؤں کا ذکر ہوا۔ جن میں سے بعض دنیاوی نقطہ نگاہ سے تھیں اور بعض دینی نقطہ نگاہ سے۔ اب ان کی اس جامع دعا کا ذکر ہے جس میں دین اور دنیا دونوں ہیں۔ یعنی حضور علیہ السلام کا بھیجنا **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام نے ارکان حج بتانے کی دعا کی۔ اب بتایا جارہا ہے کہ انہوں نے اس معلم کی بھی دعا مانگی جو تمام عالم کو یہ باتیں سکھائے یعنی پہلے علم کا ذکر تھا۔ اور اب معلم کا **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ خلیل اللہ نے امت مسلمہ کی دعا کی اب بتایا جارہا ہے کہ انہوں نے اس کی بھی دعا فرمائی۔ جس سے یہ جماعت قائم رہے۔ یعنی پہلے مقتدیوں کا ذکر ہوا اب مقتدی کا۔

تفسیر : **ربنا** اگر یہ دعائیں علیحدہ وقتوں میں مانگی گئیں تب تو ہر دعا کے اول میں ربنا عرض کیا گیا اور اگر ایک ہی وقت میں کی گئیں تو ایک ہی دعا میں ربنا بار بار عرض کیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ دعا میں بار بار رب کو پکارنا بہتر ہے۔ **وابعث فیھم** یہ بعث سے بنا جس کے معنی ہیں اٹھانا یا بھیجنا یہاں دونوں ہی بن سکتے ہیں۔ **فیھم** کی ضمیر یا تو مکہ والوں کی طرف لوٹتی ہے یا امت مسلمہ کی طرف مگر روح البیان اور تفسیر مدارک نے دوسری بات اختیار کی یعنی اے مولا میری اولاد میں جو مسلمان جماعت ہو اس میں بھیجنا خیال رہے کہ ارسال اور بعث قریباً ہم معنی ہیں مگر کبھی اس میں یوں فرق کرتے ہیں کہ عارضی بھیجے کو ارسال اور وہاں رہنے کو بعث کہتے ہیں حضور انور کو بھیجنا جسم اطہر کے لحاظ سے ارسال ہے اور فیضان کے لحاظ سے بھیجنا بعث ہے حضور انور کی حیات ظاہری کا زمانہ تریسٹھ سال ہے مگر حضور کی رسالت کا زمانہ ابد الآباد تک' پہلے لحاظ سے فرماتے ہیں **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم** الآیہ اور دوسرے لحاظ سے فرماتے ہیں **انا والقیامۃ کھاتین** اور تریسٹھ سال میں لوگ صحابی بنتے تھے اور اب ہمیشہ تک لوگ حضور کے فیض سے مومن بنتے رہیں گے یعنی مولا اس رسول کو ان میں مبعوث فرما جو آکر نہ جائیں یہ بھی خیال رہے کہ ارسال کے بعد واپسی آتا ہے اور بعث کے بعد نفی یعنی شان رسالت سے حضور سب سے کنارہ پر ہیں اور شان بعثت میں حضور ہم سب میں ہیں حضور شرف کے لحاظ سے وہاں ہیں جہاں جبریل کا خیال تک نہ پہنچ سکے اور کرم اور فیض سے ہر ٹوٹے دل میں ہیں ہر ویر اور ہر اجڑے دیار میں رونق افروز ہیں۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو آس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

قیامت سے پہلے حضور کے شرف کا اظہار ہوگا یہاں تک کہ تمام دنیا صدہا سال ڈھونڈتی پھرے گی نہ ملیں گی پھر کرم جلوہ گری کہ مجرموں کے میزان پر ہوں گے پل صراط پر گرتوں کو سنبھالتے ہوں گے جیسے سورج چوتھے آسمان پر رہتا ہے مگر اس کی تجلی ہر جگہ رہتی ہے اس لئے نماز میں پڑھا جاتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** اس لئے یہاں **فیھم** فرمایا **رسولا** ایک رسول نبی اور رسول میں بعض علماء اعتباری فرق کرتے ہیں یعنی ایک ہی ذات کو رسول تو اس لئے کہتے ہیں کہ رب کا بھیجا ہوا ہے۔ اور

www.alahazratnetwork.org

نبی اس لئے کہ مخلوق کو خالق کی خبر دیتا ہے بعض فرماتے ہیں کہ رسول کتاب والا پیغمبر اور نبی اس سے عام بعض کہتے ہیں کہ رسول نئی کتاب والا پیغمبر اور نبی اس سے عام اور بعض نے نئی کتاب والے کو مرسل اور مطلق کتاب والے کو رسول اور مطلق پیغمبر کو نبی کہا اس لئے کہا جاتا ہے کہ نبی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار اور رسول 313 اور مرسل 4 یہاں رسول سے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں اور یہ دعا خاص انہیں کے لئے ہے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ اس سے نبی اسمٰعیل یا مکہ کا پیغمبر مراد ہے اور وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں کیونکہ نبی اسمٰعیل اور مکہ میں صرف آپ ہی نبی آئے اور دوسرے اس لئے کہ یہاں رسول واحد فرمایا۔ یعنی صرف ایک رسول بھیج اور بنی اسرائیل میں صدہا رسول تشریف لائے۔

مگر بنی اسمٰعیل میں صرف حضور ہی۔ تیسرے اس لئے کہ اس رسول کی یہ صفت بیان کی کہ جو لوگوں کو آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کا تزکیہ نفس کرے جس سے معلوم ہوا کہ جس نبی کی کتاب باقاعدہ پڑھی جائے اور اس کے بعد سلسلہ نبوت ختم ہو کر ولایت باقی رہ جائے اور یہ دونوں صفتیں حضور ہی کی ہیں کہ تلاوت اور قرأت عموم و عام سے انہیں کی کتاب کی ہوئی اور آپ ہی خاتم النبین ہوئے چوتھی اس لئے کہ رب تعالیٰ نے دوسری آیت میں حضور کی یہی صفت بیان فرمائی کہ فرمایا **اذ بعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیتہ ویزکیھم الخ** معلوم ہوا کہ جو حضرت ابراہیم نے عرض کیا وہی رب نے کیا۔ پانچویں اس لئے کہ مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین میں ہے کہ حضور فرماتے ہیں کہ میں دعاء ابراہیم اور بشارت عیسیٰ ہوں اور اپنی والدہ کا وہ خواب ہوں جو انہوں نے میری پیدائش پاک کے وقت دیکھا کہ ان کے لئے ایک نور ظاہر ہوا جس سے شام کے محل نظر آگئے۔ چھٹے اس لئے کہ اسی پر تمام امت کا اجماع ہے کہ آپ ہی دعاء خلیل ہیں کیونکہ آپ ہی سے خلیل اللہ علیہ السلام کا دین اور نام پھیلا۔ پھر عرض کیا کہ **منھم** یعنی اے مولا وہ شاندار رسول اس ذریت ہی میں سے ہو۔ **فیھم** اور **منھم** کہہ کر یہ بتایا کہ یہاں یہ پیدا ہوں اور میری ہی اولاد میں ہوں تاکہ ان کی طفیل اس مکان اور مجھ کو اور میرے سارے خاندان کو شرف حاصل ہو اور میری ذریت ان سے فیض لینے میں عار نہ کرے کیونکہ اعلیٰ خاندانوں والوں کو غیر کی سرداری برداشت نہیں ہوتی اپنے کی سرداری بخوشی قبول کر لیتے ہیں آج بھی سادات کرام سید عالم کی بات جلد مان لیتے ہیں۔ نیز وہ لوگ اس صورت میں اس پیغمبر کے حسب و نسب صدق و امانت سے بخوبی واقف ہوں گے۔ نیز ہر شخص اپنی اولاد کی خیریت کا حریص ہوتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے بھی تمنا کی کہ نبی آخر الزمان کا فخر مجھ کو اور میری اولاد کو حاصل ہو۔ اور یہ پھول میرے ہی چمن میں کھلے۔ پھر عرض کیا کہ **یتلوا علیھم اٰیتک** ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں کیونکہ تلاوت انہیں کی ہوتی ہے مگر روح البیان میں فرمایا کہ اس سے توحید و رسالت کے دلائل مراد ہو سکتے ہیں یعنی وہ رسول پہلا کام تو یہ کرے کہ تیرے بندوں کو خاص کر میری ذریت کو قرآنی آیتیں اور ان کا پڑھنا سکھائے اور صرف پڑھا کر ہی نہ چھوڑ دے بلکہ **ویعلمھم الکتٰب** انہیں اس کتاب کے معنی اور علم ظاہر یعنی شریعت بھی سکھائے کیونکہ بغیر مضامین کے صرف الفاظ یاد کر لینا کافی نہیں خیال رہے کہ یعلم تعلیم سے بنا ہے جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ اور اچھی طرح سکھانا اور الکتٰب میں الف لام عہدی ہے۔ یعنی وہ خاص کتاب ’’قرآن‘‘ آہستگی سے ان کے خوب ذہن نشین کرائے اور حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کی طرح ساری کتاب ایک دم نہ لے آئے اور اس کے بعد **والحکمۃ** انہیں علم باطن اور قرآن کریم کے اسرار بھی سکھائے کیونکہ علم ظاہر بغیر علم باطن بے دینی ہے اور علم باطن کے بغیر علم ظاہر جعل سازی (تفسیر عزیزی) خیال رہے کہ حکمت حکم سے بنا۔ جس کے لغوی معنی ہیں پھیر دینا۔ روک لینا‘ پالینا علم

کو اس لئے حکمت کہا جاتا ہے کہ اس سے نفس جہالت سے پھر جاتا ہے۔ بری باتوں سے رک جاتا ہے اور حق کو پالیتا ہے بعض نے فرمایا کہ یہاں حکمت سے مراد فقہ ہے بعض نے کہا کہ حدیث و سنت بعض کہتے ہیں قرآن پاک کے اسرار بعض نے کہا کہ حق و باطل میں فیصلے کرنے والی چیز' بعض نے کہا کہ کتاب سے مراد صحیح قول و عمل اسی لئے عالم باعمل کو حکیم کہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر) اور ممکن ہے کہ ساری ہی چیزیں مراد ہوں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے سب ہی کچھ سکھایا۔ اور اے مولیٰ انہیں فقط علم ہی نہ سکھائے بلکہ **ویزکیھم** ان سے اچھے اعمال کرا کر ان کے جسموں اور دلوں اور سینوں اور خیالات کو وہم وغیرہ سے بھی پاک فرمادے خیال رہے کہ یزکی زکوۃ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں صاف کرنا اور بڑھانا اسی لئے فرضی صدقہ کو زکوۃ کہتے ہیں کہ اس سے باقی مال صاف بھی ہو جاتا ہے اور بڑھتا بھی ہے یہاں اس کے چند معنی ہیں ایک یہ کہ اعمال صالح کرا کر اور اچھے عقیدے بتا کر کفر اور گناہوں کے میل سے پاک کرے۔ (روح البیان) دوسرے یہ کہ ان کے دل کو کدورت سے ایسا صاف کرے جس سے سارے حجاب اٹھ جائیں پھر اس آئینہ قلبی میں غیبی چیزیں نقش ہوں اور بغیر سیکھے سکھائے انہیں علم حاصل ہو۔ اور حقائق خود بخود ان میں جلوہ گر ہو جائیں۔ (عزیزی) تیسرے یہ کہ قیامت کے دن وہ رسول تیری بارگاہ میں ان کے گواہ صفائی ہوں **ویکون الرسول علیکم شہیدا** ابراہیم علیہ السلام کی اس ترتیب سے اس طرف اشارہ ہے کہ بندے آیات قرآنیہ تلاوت کرکے علم و حکمت سیکھ کر بھی پاک نہیں ہو سکتے جب تک حضور کی نگاہ انہیں پاک نہ کرے اسی لئے تلاوت وغیرہ کے بعد تزکیہ کا ذکر فرمایا اس تزکیہ کو حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا خیال رہے کہ ظاہری پاکی کو طہارت اور قلبی پاکی کو طیب کہا جاتا ہے مگر جسمانی' قلبی' روحانی خیالات وغیرہ کی مکمل پاکی کو تزکیہ کہتے ہیں مردار جانور کا گوشت کھال سوکھ کر پاک ہو جاتی ہے مگر مزکی نہیں۔ مزکی فرما کر بتایا گیا کہ وہ محبوب مسلمانوں کو ہر طرح پاک و صاف کریں اور یزکیھم کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا حضور انور ہر مسلمان کے ایمان تقویٰ اور سارے اعمال سے خبردار ہیں کیونکہ گواہ کی صفائی وہ بتا سکتا ہے جو گواہ کے سارے حالات سے خبردار ہو خیال رہے کہ ساری امت رسول اللہ انبیاء کی گواہی کے لئے پیش ہوگی مگر گواہی سب کی نہ ہوگی وہ تو بیشمار ہیں مخصوص کی گواہی ہوگی ان کی صفائی صراحۃً حضور دیں گے۔ ہم جیسے گنہگار ان مخصوصین کے ساتھ جمع ہوں گے لہذا اس آیت پر اعتراض نہیں کہ حضور انور قیامت میں سب کی صفائی فرمادیں گے اور ان میں بعض فساق اور ناقابل گواہی ہوں گے (عزیزی) تیسرے یہ کہ قیامت کے دن وہ رسول تیری بارگاہ میں ان کے گواہ صفائی ہوں گے **ویکون الرسول علیکم شہیدا** (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ سارے پیغمبر اپنی نافرمان امتوں کے خلاف گواہی دیں گے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطا پوش ہیں کہ اپنی امت کی نیکیاں ظاہر فرمائیں گے اور گناہوں پر پردہ ڈالیں گے اور اے مولا ہم یہ دعا اس لئے مانگتے ہیں کہ **انک انت العزیز الحکیم** تو ہی عزت و حکمت والا ہے۔ تیری عزت کا یہ تقاضا نہیں کہ کسی کو بغیر علم کے چھوڑ دے لہذا عزت و حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ضرور بھیجے جائیں۔ خیال رہے کہ عزیز عزت سے بنا جس کے معنی ہیں غلبہ اور انوکھا اور بے مثل ہونا عزیز یعنی غالب اور بے مثل۔

خلاصہ تفسیر: ابراہیم علیہ السلام جب یہ سارے کام کر چکے اور کعبہ اور مکہ بنا اور بسا چکے تو آخیر میں ان کاموں کا ذکر کیا جن کے طفیل دعائیں قبول ہوتی ہیں اور جن کے دم سے یہ ساری بہار ہے۔ جن کے طفیل خلیل اور کعبہ' مقام و منیٰ دنیا میں جلوہ گر ہوئے عرض

www.alahazratnetwork.org

کیا کہ اے مولیٰ ان لوگوں میں ایک ایسا جلیل القدر پیغمبر بھیج دے جن میں یہ سات صفتیں ہوں۔(1) انہیں مکہ والوں میں سے ہو۔(2) ابراہیمی ہو (فیھم) یعنی مکی مدنی ہو ابراہیمی ہاشمی مطلبی ہو۔(3) اپنی شان رسالت میں اکیلا ہو یعنی خاتم النبیین اور امام المرسلین ہو (رسولا)۔(4) سب کو اور خصوصاً میری اولاد کو آیتیں سنائے بتائے اور پڑھنا سکھائے یعنی انہیں حفظ بھی کرائے اور علم قرات بھی سکھائے (یتلوا الایہ)۔ (5) انہیں تیری کتاب کے مضامین سکھا کر عالم فقیہ اور مجتہد بنادے (ویعلمھم الایہ) اور انہیں قرآنی اسرار سکھائے اور تیرا رازدار بنادے اور طریقت کے مدارج انہیں طے کرادے (والحکمۃ) یعنی انہیں صاحب حال و قال کردے۔ 7 ان کے دل اور روح پاک و صاف کرکے غیوب سے خبردار کردے اور بے پڑھوں کو اپنے فیض سے غوث و قطب کا سردار بنادے کہ ان کے دروازوں سے ولایت تقسیم ہوا کرے میرے مولیٰ اس نبی کو اپنی ساری صفات کا مظہر بنا کر بھیج کہ اسے دیکھ کر تو یاد آجایا کرے (انک انت الایۃ) خلاصہ دعا یہ ہوا کہ لوگ حافظ سے قرآن مجید پڑھتے ہیں اور قاری سے اس کے الفاظ سیکھتے ہیں۔ اور مولوی سے اس کے معنی معلوم کرتے ہیں پیر کامل سے اس کے اسرار تک پہنچتے ہیں۔ غرض صرف قرآن کریم کے سیکھنے کے لئے چند آستانوں پر حاضری دینی پڑتی ہے ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے مولا وہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تنہا یہ سارے فیوض دے اس کی بارگاہ کا بیٹھنے والا کسی کے دروازے پر نہ جائے بلکہ سارا جہاں اس کے غلاموں کے غلاموں کے پاس آئے وہ اپنے غلاموں کو حافظ قاری مجتہد صوفی فقیر بادشاہ قاضی سب کچھ بنادے بلکہ خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ بعض صحابہ وہ بھی ہیں جو اسلام لاتے ہی آن کی آن میں قاضی عالم حافظ اور قاری بنا کر بھیج دیئے گئے۔

جو فلسفیوں سے حل نہ ہوا اور نکتہ وروں سے کھل نہ سکا   وہ راز ایک رحمت والے نے سمجھا دیا چند اشاروں میں

خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی گزشتہ دعاؤں کا قرآن میں نقل فرمانا تعلیم اولاد کے لئے تھا کہ آپ نے لوگوں کی تعلیم کے لئے وہ دعائیں کی ہوں گی مگر اس دعا میں تعلیم کا احتمال نہیں۔ کیونکہ حضور تشریف لاچکے پھر نبی کی بعثت کیسی اس دعا کو رب نے قرآن و توریت و انجیل وغیرہ آسمانی کتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ظاہر کرنے کے لئے نقل فرمایا کہ تا قیامت لوگوں کو پتہ لگے کہ حضور وہ شان والے رسول ہیں کہ حضرت خلیل ان کے دعاگوؤں میں ہیں۔ جیسے قرآن کریم کی وہ آیات جن پر صرف صحابہ عمل کرگئے ان پر عمل ناممکن ہے مگر قرآن میں اس لئے رکھی گئی ہیں کہ شان مصطفوی معلوم ہو۔

فائدے : پہلا فائدہ؛ اپنی قوم اور اہل قرابت کی خیر خواہی کرنا سنت انبیاء ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم پہلے اپنے اہل بیت کی پھر بنی ہاشم کی پھر اہل قرابت قریش کی پھر ساری امت کی شفاعت کریں گے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم اگر بہشت کی کنجی میرے ہاتھ میں ہو تو میں کسی بنی امیہ کو جنت سے باہر نہ چھوڑوں۔ (تفسیر عزیزی) **دوسرا فائدہ:** حضور علیہ السلام کا میلاد شریف کرنا سنت الٰہیہ اور سنت انبیاء ہے کہ اس آیت میں حضور علیہ السلام کی تشریف آوری ہی کی تو دعا ہے اور تشریف آوری کا ذکر ہی میلاد ہے۔ بلکہ نماز و کلمہ میں بھی میلاد شریف ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کریں **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں کیونکہ آپ خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا اور ان کے سارے اعمال کا اصل مقصود ہیں **چوتھا فائدہ:** قرآن کے ساتھ حدیث کی بھی ضرورت ہے اور قرآن کے ظاہری معنی کے

www.alahazratnetwork.org

ساتھ کچھ باطنی معنی بھی ہیں کیونکہ کتاب کے ساتھ حکمت کا بھی ذکر ہے اور صفائی قلبی کا بھی پانچواں فائدہ: کوئی شخص قرآن پاک فقط اپنے علم سے نہیں سمجھ سکتا۔ اس لئے کہ اس دعا سے معلوم ہوا کہ وہ نبی اس قرآن کو سکھائیں گے۔ فلسفہ منطق اور ریاضی آسان ہے کہ وہ انسان کے بنائے ہوئے علوم ہیں اور دنیوی ماسٹروں سے پڑھے جاتے ہیں مگر قرآن مشکل کہ وہ خدا کا کلام ہے اور اس کے لئے رب نے خود معلم بھیجا چھٹا فائدہ: یہ کہنا جائز ہے کہ حضور علیہ السلام تمام عالم کو پاک فرماتے ہیں انہیں علم و حکمت اور خدا کی ساری رحمتیں دیتے ہیں جیسے کہ اس آیت سے معلوم ہوا ساتواں فائدہ: دعا کے اخیر میں رب کی حمد اور حضور پر درود بھیجنا چاہئے جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہاں کیا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اگر حضور علیہ السلام سید الانبیاء ہیں تو درود ابراہیمی میں ابراہیم علیہ السلام کا نام حضور علیہ السلام کے نام کے ساتھ کیوں ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ درجہ میں وہ حضور کے برابر ہیں جواب: چند وجہ سے ایک یہ کہ انہوں نے اللہ کے حبیب کے لئے دعا کی۔ رب نے فرمایا کہ اے مسلمانوں چونکہ انہوں نے میرے حبیب کے لئے دعا کی ہے۔ تم ان کے لئے قیامت تک دعا کرتے رہو۔ ان کا درجہ اسی لئے ہے کہ وہ حضور کے دعا گو ہیں۔ دوسرے یہ کہ ابراہیم علیہ السلام دینی والد ہیں۔ ملۃ ابیکم ابرھیم اور حضور علیہ السلام رحم والے والد ہیں جیسے کہ ابن مسعود کی قرآت میں النبی اولی بالمومنین کے ساتھ ہے وھو ابوھم یعنی حضور علیہ السلام مسلمانوں کے والد ہیں۔ لہٰذا والدین کا ذکر والد کے ساتھ چاہئے۔ تیسرے یہ ابراہیم علیہ السلام حج کی ندا دینے والے ہیں وافن فی الناس بالحج اور حضور علیہ السلام دین کے منادی منادیا ینادی للایمان رب نے دونوں منادیوں کو درود میں جمع فرمایا چوتھے: یہ کہ حضرت ابراہیم نے عرض کیا تھا واجعل لی لسان صدق فی الاخرین یعنی اے رب میرا اچھا ذکر آئندہ لوگوں میں باقی رکھ حق تعالیٰ نے ان کی یہ دعا اس طرح قبول فرمائی کہ ان کا نام اپنے حبیب کے نام کے ساتھ درود میں ملا دیا کہ اس کی برکت سے ان کا ذکر خیر باقی رہے ان وجوہ سے حضور علیہ السلام کی افضلیت کا صاف پتہ لگتا ہے۔ دوسرا اعتراض: درود ابراہیمی کو شبہ بنایا گیا کما صلیت علی ابرھیم اور شبہ بہ شبہ سے بڑھ کر ہوتا ہے جیسے کہ زید شیر کی طرح ہے یقیناً شیر زید سے زیادہ بہادر ہے۔ جواب: بے شک ایک چیز میں ابراہیم علیہ السلام واقعی بہت بڑھ چڑھ کر ہیں کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فرزند ملا جس سے ان کی شہرت اور عزت و حرمت کو چار چاند لگ گئے اور درود میں یہی رحمت مراد ہے کہ اب ابراہیم علیہ السلام بڑھ کر ہیں یا نہیں بے شک افضل ہیں مگر حضور ہی کے طفیل اور بھی اس کے بہت جواب ہو سکتے ہیں عام علماء یہ فرماتے ہیں کہ یہاں صرف شہرت کی وجہ سے تشبیہ دی گئی واللہ اعلم بالصواب تیسرا اعتراض: اس آیت میں تمام ضمیریں ذریت کی طرف لوٹ رہی ہیں کہ اس ذریت میں نبی آخری بھیجے جو انہیں علم و حکمت سکھائے اور انہیں پاک کرے تو کیا حضور انور صرف ذریت ابراہیمی کے معلم ہیں اور صرف انہیں کو پاک کرتے ہیں جواب: حضور تمام خدائی کے معلم و مزکی ہیں مگر اس ذریت پاک و صحابہ کرام کو بلاواسطہ اور دوسرے لوگوں کو ان کے واسطے سے انجن ساری ریل کو کھینچتا ہے مگر پہلے ڈبہ کو بلاواسطہ اور دوسرے ڈبوں کو اس کے واسطے سے چوتھا اعتراض: اگر حضور ساری خدائی کو پاک کرتے ہیں تو سب لوگ پاک کیوں نہ ہوئے کافر کیوں رہے۔ جواب: حضور سب کو پاک کرتے ہیں مگر سب آپ سے پاکی لیتے نہیں سورج سب کو چمکاتا ہے مگر چمگادڑ چمکتا نہیں لہٰذا سورج میں کمی نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : اگر گھر میں سب کچھ ہو مگر روشنی نہ ہو۔ تو کوئی بھی اس گھر سے نفع حاصل نہیں کر سکتا ساری متاع ابراہیمی ان کے بھرے گھر کا سامان ہے۔ اور حضور علیہ السلام اس گھر کا نور اسی لئے کعبہ کو بیت اللہ اور حضور علیہ السلام کو نور اللہ کہتے ہیں حضرت خلیل نے سب کچھ بنا کر اس نور کی دعا کی جس سے ظاہر و باطن چمکے اور عالم میں شریعت، طریقت کا انتظام قائم رہے۔ اب بھی وہی نور بذریعہ اولیاء کاملین ہر دل تک پہنچ رہا ہے۔ اگر انسان عبادت اور ریاضت کا سارا سامان جمع کرے اور شیخ کا ہاتھ نہ پکڑے تو وہ اس سے فائدہ نہیں پا سکتا اس بیابان دنیا میں ایسے محافظ رہبر کی ضرورت ہے جو ہماری دولت ایمانی کو شیطان ڈاکو سے بچا کر اصل مقصود تک پہنچا دے۔ شیخ کامل ہی سالک کے نفس کو التفات ماسوی اللہ کے میل سے پاک صاف کرتا ہے اور اس پر اندرونی اور بیرونی آیات قدرت تلاوت کرتا ہے جس سے کہ وہ زمرہ صدیقین میں داخل ہو جاتا ہے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم　　که من بخویش نمودم صد اہتمام نشد

بارگاہ الہی عزیز ہے اس تک ہر بے تمیز نہیں پہنچ سکتا چاہئے کہ کسی صاحب تمیز کا دامن پکڑ لیا جائے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ روشنی ظاہری بہت قسم کی ہوتی ہے چراغ کی بھی روشنی ہے بجلی و گیس کی بھی روشنی ہے چاند تاروں کی بھی روشنی ہے مگر ان میں سے کوئی روشنی رات کو دفع نہیں کر سکتی ان میں دوسری روشنیوں کی گنجائش رہتی ہے۔ مگر سورج کی روشنی وہ ہے جو رات کو دفع کر دیتی ہے۔ دن بنا دیتی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے کسی روشنی کی ضرورت نہیں اس لئے سورج نکلتے ہی آسمانی تارے چاند زمینی چراغ وغیرہ سب بجھ جاتے ہیں ایسے ہی سارے انبیاء نور تھے ہمارے حضور سورج ہیں جن کے آنے پر سارے چراغ گل ہو گئے دن چڑھ گیا اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے رسول واحد فرمایا یعنی ایک ایسا رسول بھیج جو اکیلا تمام دنیا کو کافی ہو۔

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ

اور کون ہے رغبتی کرے گا دین ابراہیم سے سوا اس کے جو جاہل کرے جان اپنی کو

اور ابراہیم کے دین سے کون منہ پھیرے سوا اس کے جو دل کا احمق ہے

وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ

اور البتہ تحقیق چن لیا ہم نے ان کو بیچ دنیا کے　اور تحقیق وہ بیچ آخرت کے البتہ

اور بے شک ضرور ہم نے دنیا میں اسے چن لیا　اور بے شک وہ آخرت میں ہمارے خاص

الصّٰلِحِيْنَ ۞ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ

نیکوں میں سے ہیں　جب کہا واسطے ان کے رب ان کے نے اسلام لا کہا انہوں نے اسلام لایا

قرب کی قابلیت والوں میں ہے　جب اس سے اس کے رب نے فرمایا گردن رکھ عرض کیا میں نے

الْعٰلَمِيْنَ ۞

میں واسطے پالنے والے جہانوں کے

گردن رکھی اس کے لئے جو رب ہے سارے جہان کا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پہلے کعبہ معظمہ مکہ مکرمہ کی عظمت اور حضور علیہ السلام کی نبوت جن کے اہل کتاب منکر تھے ان کو ملت ابراہیمی کی اصل ثابت کیا گیا اب اس کا نتیجہ بتایا جارہا ہے کہ یہ تین چیزیں دین ابراہیمی میں اصل الاصول ہیں۔ جو ان کا منکر ہے وہ دین ابراہیمی سے علیحدہ ہے اہل کتاب ان تین چیزوں کا انکار کرکے کس منہ سے اپنے ملت ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں دوسرا تعلق: اس سے پہلے دین ابراہیمی کا نمونہ دکھلایا گیا اب فیصلہ فرمایا جارہا ہے کہ جو اس نمونہ کے مطابق ہو وہ دین ابراہیمی پر ہے اور اس کا مخالف اس ملت سے کوسوں دور اور اے اہل کتاب تم تو ہربات میں ابراہیم علیہ السلام کے خلاف ہو اور مسلمان ساری باتوں میں ان کے مطابق حج' طواف' قربانی نبی علیہ السلام کی پیروی وہی کرتے ہیں نہ کہ تم لہٰذا وہی ابراہیم علیہ السلام کے سچے متبع ہیں تم دعویٰ اتباع میں جھوٹے ہو۔

تیسرا تعلق : پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد میں ایسے نبی کی تشریف آوری کی درخواست کی کہ جو لوگوں کو قرآن کی آیتیں پڑھائے اور ان کے دلوں کو پاک و صاف کرے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس نبی میں ہی وہ ساری صفتیں موجود ہیں۔ اے اسرائیلیو! نہ تمہارے پاس روحانی صفائی ہے اور نہ تلاوت لہٰذا دین ابراہیمی پر وہ ہیں نہ کہ تم۔

شان نزول : حضرت عبداللہ بن سلام نے جو کہ یہود کے بہت بڑے عالم تھے مسلمان ہو کر اپنے دو بھتیجوں مہاجر اور سلمہ کو دعوت اسلام دی اور ان سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ حق تعالیٰ نے توریت میں فرمایا ہے کہ میں اولاد اسمٰعیل سے ایک نبی پیدا کروں گا جن کا نام احمد ہوگا۔ جو ان پر ایمان لائے گا ہدایت پائے گا اور جو ان پر ایمان نہ لائے گا وہ ملعون ہوگا یہ سن کر سلمہ تو ایمان لے آئے مگر مہاجر نے اسلام سے انکار کردیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان و روح البیان)

تفسیر : ومن یرغب عن ملۃ ابرٰھم' من استفہامیہ ہے۔ جس سے اس دعویٰ کا بہت ظاہر ہونا بتایا جارہا ہے یرغب رغب سے بنا۔ جس کے لغوی معنی ہیں وسعت و گنجائش چونکہ خواہش اور آرزو میں ارادہ کو وسعت ہوتی ہے۔ اس لئے اصطلاح میں اسے رغبت کہا جاتا ہے۔ جب اس کے بعد عن آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ نفرت و کراہت اور جب اس کے بعد فی یا الیٰ آتا ہے تو اس کے معنی ارادہ یا خواہش ہوتے ہیں جیسے الی ربنا راغبون چونکہ یہاں 'عن' آرہا ہے اس لئے اس سے خواہش اور ارادہ کا پھر جانا مراد ہے یعنی دین ابراہیمی سے کون بے رغبتی کرسکتا ہے تفسیر عزیزی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی یرغب کے بعد فی والی عبارت اور عن ملتہ سے پہلے ایک اور عبارت پوشیدہ ہے یعنی وہ ابراہیم علیہ السلام جن پر سارے بنی اسرائیل و بنی اسمٰعیل فخر کرتے ہیں۔ ان سے کون منہ پھیرے گا الا من سفہ نفسہ سوا اس کے جو ولی احمق ہو سفہ' سفہ سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں ہلکا پن بیوقوف اور جاہل کو اس لئے سفیہ کہتے ہیں کہ وہ عقل کا ہلکا ہوتا ہے یہ لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی ہلکا ہونا اور ہلکا کرنا نفسہ کے زبر میں چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں سفہ متعدی ہے اور یہ اس کا مفعول بہ دوسرے یہ کہ سفہ کے معنی جہل اور خسر ہیں تیسرے یہ کہ اس کے معنی اھلک ہیں چوتھے یہ کہ اس کے معنی اضل ہیں یعنی جو اپنے کو ہلکا کردے یا اپنے کو نقصان میں ڈال دے یا ہلاک کردے یا گمراہ کردے بعض نے فرمایا کہ یہ سفہ لازم ہے اور نفسہ کا زبر فی کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے ہے۔ ایک قرأت میں سفہ ف کی تشدید سے ہے تب تو بالکل ظاہر ہے چونکہ ملت ابراہیمی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے خلیل اللہ کی عظمت کا اظہار ضروری تھا کہ طبیب کی عظمت سے نسخہ کی عزت ہے بانی کے احترام سے

www.alahazratnetwork.org

بنائی تو قیر ہے اس لئے رب نے ان کے فضائل بیان کئے۔ (تفسیر کبیر) **ولقد اصطفینہ فی الدنیا** ' **اصطفینا** ' صفو سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کا ملاوٹ سے پاک ہونا اور کسی کو اپنے لئے خاص کر کے چن لینا ہمارے حضور علیہ السلام کا نام پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ آپ عیبوں سے پاک ہیں اور رب نے آپ ہی کو اپنے لئے چن لیا یعنی حضرت ابراہیم کی شان اور ان کا حال تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کو دنیا ہی میں بہت سی صفات میں چن لیا ہے آپ ہی نبوت ' رسالت ' کرامت ' ولایت ' ابوت انبیا کے جامع ہیں آپ کے متبعین قیامت تک رہیں گے خلیل آپ ہی کا لقب ہے افعال حج آپ پر ہی ظاہر ہوئے آپ ہی کا بنایا ہوا کعبہ ہمیشہ کے لئے باقی رکھا گیا آپ ہی کا بسایا ہوا مکہ مکرمہ جائے امن بنا آپ ہی کی تمام آسمانی دین والے تعریف کرتے ہیں خیال رہے کہ چناؤ دو قسم کا ہوتا ہے عمومی و خصوصی جس عہدہ پر چند آدمی رہ سکیں ان کا چناؤ عمومی ہوگا جیسے حکومت کے اہل کار جس عہدے پر صرف ایک شخص ہی رہ سکے اس کے لئے چناؤ بھی خصوصی ہوگا جیسے وزارت عظمیٰ کیلئے چناؤ رب تعالیٰ نے بندوں کا چناؤ ایمان ' تقویٰ ' ولایت نبوت ' کے لئے فرمایا یہ تمام عمومی چناؤ تھے اگرچہ بعض بہت عام تھے بعض کم مگر محبوبیت کے لئے جناب مصطفیٰ کا خصوصی چناؤ ہوا اس محبوبیت عظمیٰ میں دوسرے کی گنجائش نہیں اس لئے صرف حضور کو مصطفیٰ کہا جاتا ہے یا یوں کہو کہ ایک زمانہ میں خلت وغیرہ خصوصی اوصاف کے لئے صرف حضرت ابراہیم کا خصوصی انتخاب و چناؤ ہوا تھا اب صرف حضور کا خصوصی چناؤ ہوا جیسے یہود سے فرمایا گیا **وانی فضلتکم علی العلمین** یا بی بی مریم سے فرمایا گیا **واصطفک علی نساء العلمین** لہٰذا اب ابراہیم علیہ السلام کو مصطفیٰ نہیں کہہ سکتے یا یوں کہو کہ جیسے عوام میں سے ممبروں کا انتخاب پھر ممبروں میں وزراء کا پھر وزراء سے وزیر اعظم کا انتخاب یوں ہی مقبولوں میں سے انبیاء کا انتخاب پھر انبیاء میں سے رسولوں کا پھر رسولوں میں مرسلین کا پھر مرسلین میں حضور مصطفیٰ کا۔ لہٰذا آیت واضح و بے غبار ہے اور پھر یہ ہی نہیں کہ فقط دنیا میں آپ کا یہ چناؤ ہوا بلکہ **وانہ فی الاخرۃ لمن الصلحین** وہ آخرت میں بھی خاص صالحین میں سے ہوں گے یعنی اگرچہ اس دن ان کی نبوت اور رسالت اور امامت ظاہر نہ ہوگی کیونکہ سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و جلالت سامنے ہوگی مگر پھر بھی خاص ولایت کا تاج ان کے سر پر ہوگا۔ (تفسیر عزیزی) کہ تمام لوگ قبروں سے ننگے اٹھیں گے اور سب سے پہلے آپ ہی کو خلعت ربانی ملے گی سب بے داڑھی والے ہوں گے آپ کے چہرۂ انور پر داڑھی پاک ہوگی وغیرہ **اذ قال لہ ربہ** ' یہ اذیا تو ظرف ہے اور پوشیدہ فعل کا مفعول یا اصطفینا کا ظرف یا علیہ اور اصطفینا کی علت یعنی وہ وقت بھی یاد کرو جب ان سے رب نے یہ کہا یا رب نے انہیں جبھی چن لیا تھا جب ان سے یہ فرمایا گیا تھا یا انہیں رب نے اس لئے چنا کہ ان سے یہ فرمایا خیال رہے کہ یہاں قول سے وحی خفی یعنی الہام مراد ہے کیونکہ اس واقعہ کے وقت آپ کی نبوت ظاہر نہ تھی۔ (تفسیر عزیزی) یعنی آپ کے رب نے ان کے قلب میں اشارۃً **"اسلم"** فرمایا ' اسلام لاؤ یہاں اسلام کے عرفی معنی مراد نہیں کیونکہ انبیاء کرام ہمیشہ ہی سے مومن ہوتے ہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں یعنی اپنے کو رب کے سپرد کرو اور اس کے حضور سر جھکاؤ تفسیر عزیزی نے فرمایا کہ رب نے یہ فرما کر انہیں اپنے میں ایسا جذب کر لیا کہ وہ فنا فی اللہ ہو گئے اور بے اختیار پکار اٹھے کہ **قال اسلمت لرب العلمین** میں نے اپنے کو رب کے سپرد کر دیا عزیزی نے فرمایا کہ رب نے ان میں سارے کمالات کی قابلیت دیکھ کر کمالات عطا فرمائے اور انہوں نے اپنی جان و اولاد و اہل قرابت اور زن و فرزند سب کچھ راہ مولیٰ میں قربان کر کے اپنے جذب کا عملی ثبوت دے دیا روح

www.alahazratnetwork.org

البیان نے فرمایا کہ یہاں اسلام سے عرفی اسلام ہی مراد ہے اور اس کے معنی ہیں اسلام پر ثابت قدم رہو آپ نے اس کا اقرار کیا اور ثابت کر دکھایا اور یہ واقعہ جب ہوا جب کہ آپ ایک غار میں پرورش پا رہے تھے اور سات سال کی عمر شریف میں ہی چاند تاروں اور سورج کی ربوبیت کا انکار اور حق کی ربوبیت کا اقرار کیا۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ ساتویں پارہ میں اس آیت کی تفسیر میں آئے گا۔ **فلما را الشمس بازغة** چونکہ وہ زمانہ نمرود کی سلطنت کا تھا اس وقت ایمان پر قائم رہنا اور اپنے اسلام کا اعلان کرنا آسان نہ تھا مگر آپ نے تمام کفار اور نمرود کا مقابلہ کر کے اپنے اسلام کا اعلان فرمایا اور اس پر جس قدر مصیبتیں پڑیں جھیلیں اس لئے رب نے آپ کے اس عمل شریف پر آپ کو عظمت بخشی اس سے معلوم ہوا کہ مصیبت کے زمانہ میں اسلام کا اعلان اور اس پر قائم رہنا بڑے درجہ کا باعث ہے۔ لہٰذا ہم صحابیوں کی طرح نہیں ہو سکتے کہ ہم آرام کے وقت مومن ہیں وہ مصیبتوں کے زمانہ کے مومن اور حضور پر قربان یہ بھی معلوم ہوا کہ تقیہ اسلام کے خلاف ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے اہل کتاب تم جو کعبہ کی عظمت مکہ مکرمہ کی عظمت نبی آخر الزمان کی نبوت کا انکار کرتے ہو۔ تو درحقیقت ملت ابراہیمی کے منکر ہو کیونکہ یہ چیزیں جو اسلام کے اصول ہیں ملت ابراہیمی کی بھی اصل ہیں اور دین ابراہیمی کا اس کے سوا کون انکار کرے گا۔ جو خود نادان اور نرا احمق ہو کیونکہ ابراہیم علیہ السلام وہ ہیں کہ جنہیں خدا تعالیٰ نے دنیا میں بھی برگزیدہ کیا کہ سارے موحد ان کو اپنا پیشوا جانتے ہیں اور ہر جگہ ان کا ذکر خیر جاری ہے اور عرب و عجم میں ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں اور آخرت میں بھی ان کے مرتبے بلند ہیں اور وہ خاص درجہ والوں سے ہیں اور یہ بزرگیاں انہیں کیوں نہ ملتیں جب ان کی فرماں برداری اور اطاعت شعاری کا یہ عالم ہے کہ جب ہم نے ان سے فرمایا کہ تم ہر طرح ہمارے مطیع ہو جاؤ اور ہمارے حضور اپنا سر نیاز جھکا دو تو اگرچہ ان کو بہت سے دنیوی رکاوٹیں درپیش تھیں اور بڑی مصیبتوں کا سامنا تھا مگر بلا تامل فرمایا کہ میں دل و جان سے اپنے رب کا تابعدار ہوں اور اس پر عمل کیا کہ یاد ہو شاید جب انہیں آگ میں ڈالا گیا تو جبریل نے عرض کیا کہ کیا آپ کو کچھ حاجت ہے؟ فرمایا تم سے کچھ نہیں عرض کیا رب سے ہے فرمایا وہ خود جانتا ہے۔ عرض کرنے کی ضرورت نہیں۔ (روح البیان) یہ ہی مقام) ہمارا اشارہ پا کر فرزند کی قربانی کے لئے تیار ہو گئے ہماری رضا کے لئے گھر بار چھوڑ دیا غرض کہ جو کچھ کہا تھا وہ کر کے دکھایا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** صحیح مذہب کی پہچان یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کے مطابق ہو کیونکہ وہ ہدایت کا نمونہ ہیں دیکھو رب نے اسلام کی حقانیت کا یہاں یہ ثبوت دیا کہ دین ابراہیمی کا ذکر فرما کر اسلام کی اس سے مطابقت فرما دی آج بے قیدی کا حال یہ ہے کہ ہر کس و ناکس نیا دین نکال لیتے ہیں اور بے دھڑک گزشتہ بزرگوں کو کافر کہہ دیتے ہیں۔ جیسے دیوبندی، نیچری وغیرہ کہ ان بے دینوں کے ہاں وہ کام شرک ہیں جنہیں بزرگان دین متبرک سمجھ کر کرتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ہم کو چاہئے کہ اگرچہ خود اچھے نہ ہوں مگر کسی اچھے کے پیچھے لگ جائیں دیکھو اس آیت میں یہی تو بتایا کہ اس ہستی ابراہیم کی پیروی کا تو بیوقوف ہی انکار کرے گا کیونکہ عقلمند تو سمجھتا ہے کہ انجن اپنے پیچھے والے ہر قسم کے ڈبوں کو کھینچ لے جاتا ہے خواہ وہ سیکنڈ، فسٹ ہو یا تھرڈ مال گاڑی کا ڈبہ مگر چاہئے کہ اس سے کڑی مضبوط ملی ہو **تیسرا فائدہ:** کبھی بالواسطہ بھی کسی کی پیروی کی جاتی ہے دیکھو اس آیت نے حضور کی پیروی کو ابراہیم علیہ السلام کی پیروی قرار دیا ہم کو بھی چاہئے کہ حضور کی

www.alahazratnetwork.org

پیروی کے لئے موجودہ علماء ربانی اور کامل مشائخ کی غلامی کریں۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام ظہور نبوت سے پہلے بھی رب کے پاس بچے مطیع فرمانبردار ہوتے ہیں کیونکہ یہاں اسلم اور اسلمت کی گفتگو ابراہیم علیہ السلام کی نبوت سے پہلے کی ہے جو ان کو کسی وقت بے دین مانے وہ خود بے دین ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جو شخص اپنے کو ابراہیمی کہے مگر ان کے ایک فرزند حضرت اسحاق کو مانے حضرت اسماعیل کا انکار کرے اور ان کے لگائے ہوئے باغ مکہ معظمہ کعبہ شریف اور حضور کی ذات کریم کا منکر ہو وہ ملت ابراہیمی پر ہی نہیں بلکہ ان کا دشمن ہے لہٰذا وہ روافض جو حضور کی اولاد میں صرف فاطمہ زہرا کو مانیں باقی سے دشمنی رکھیں حضرت علی کی اولاد میں صرف حسن و حسین کو مانیں باقی کو گالیاں دیں حضور کے دامادوں میں صرف حضرت علی کو مانیں باقی دامادوں کو گالیاں دیں وہ حضور کے دین کے منکر ہیں وہ اپنی فہرست کو مانتے ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **چھٹا فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں وہ عاقل ہے جو اللہ رسول کا مطیع ہو ان سے پھر جانے والا احمق و بے عقل ہے اگرچہ دنیاوی کاموں میں بڑا چالاک ہو۔ دیکھو رب نے چالاک اہل کتاب کو سفیہ واحمق فرمایا **ساتواں فائدہ:** دین و ملت کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے نبی کی تعریف کرنی ضروری ہے۔ دیکھو رب نے پہلے ملت ابراہیمی کی عظمت بیان کی پھر اس کی دلیل میں جناب خلیل اللہ کی تعریفیں کیں اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضور کی تعریف کو رب کی یا اسلام کی توہین سمجھتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** گنہ گار کو چاہئے کہ اپنی بخشش کے لئے کسی مقبول کا دامن پکڑے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اگر **اذ قال** **اصطفینا** کا ظرف ہو تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ابراہیم علیہ السلام کو رب نے خاص اس وقت چنا نہ کہ اس سے پہلے تو کیا پہلے وہ برگزیدہ نہ تھے۔ **جواب:** آپ کی برگزیدگی ہمیشہ سے ہے مگر بعض وقت اس کے آثار لوگوں پر بھی ظاہر ہوتے رہے یہ وقتوں کی قید آثار کے ظہور کے لحاظ سے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ زید میدان جنگ میں بہادر ہے یا کمدرسہ میں پہنچ کر علم کا دریا ہے۔ ظاہر ہے کہ زید میں شجاعت تو ہر وقت ہے مگر اس کا ظہور میدان جنگ میں **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں کہا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کو رب نے چنا تو چاہئے کہ انہیں بھی مصطفیٰ کہا جائے حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوا کسی کا یہ لقب نہیں **جواب:** بے شک رب نے انہیں برگزیدہ فرمایا مگر یہ لقب حضور ہی کا ہے۔ وصف ہونا اور بات ہے لقب ملنا دوسری بات حق تعالیٰ سارے مسلمانوں سے فرماتا ہے **ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ** مگر انبیاء کرام کے سوا کسی بھی مسلمان کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہا جاتا **تیسرا اعتراض:** یہاں اسلم فرمانے سے معلوم ہوا کہ کبھی ابراہیم علیہ السلام اسلام سے خالی بھی تھے۔ حالانکہ انبیاء کفر سے ہمیشہ پاک ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا اس سے یا تو اطاعت کرنا مراد ہے یا اسلام پر قائم رہنا اپنے کو رب کے سپرد کر دینا یا خلائق سے منہ موڑ کر رب کی طرف جذب ہو جانا اور اگر ظاہری معنی اسلام ہی مراد ہوں تو یہ واقعہ عالم ارواح کا ہے نہ کہ اس دنیا کا اس عالم میں تمام روحیں صفات سے خالی پیدا ہوئیں پھر نوری چھینٹے سے ان کے مختلف حالات ہوئے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **چوتھا اعتراض:** کیا وجہ ہے کہ خدا نے ابراہیم ہی کو پسند کیا اگر پارسا ہونے سے کیا تو پارسا تو اور بھی ہو سکتے ہیں اور اس کی کیا وجہ ہے؟ کہ جو دین ابراہیمی کو نہ مانے وہ بے عقل ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** شاید پنڈت جی کی آنکھیں دکھتی ہیں جس سے وہ پوری آیت دیکھ نہ سکے رب تعالیٰ سارے پارساؤں کو پسند فرماتا ہے۔ چونکہ ابراہیم علیہ السلام اعلیٰ درجہ کے پارسا ہیں۔ اس

www.alahazratnetwork.org

لئے وہ اعلیٰ درجہ کے مقبول اور ان کا دین رب کا سیدھا راستہ ہے جو سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرے اس سے بڑھ کر بیوقوف کون ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں نہایت نفیس دو اشارے ہیں ایک یہ کو جو اپنے نفس کو پہچان لے گا۔ وہ رب کو ضرور پہچانے گا بت پرست اور دنیا پرست دراصل اپنے سے ناواقف ہے اگر اپنے کو جانتا تو رب سے کبھی بے خبر نہ رہتا اپنے ضعف سے رب کی قوت کا اپنے عجز سے رب کی قدرت کا اپنے فنا سے رب کی بقا کا پتہ لگتا ہے نفس پردہ ہے جس کی رو او جلوہ محبوب ہے۔ مولانا اس کو خوف حل فرماتے ہیں۔

جملہ معشوق است عاشق پردہ — زندہ معشوق است و عاشق مردۂ
چیست توحید خدا آموختن — خویشتن را پیش واحد سوختن
ہستیت در ہست آں ہستی نواز — ہمچو مس در کیمیا اندر گداز

رب نے بھی اپنا پتہ اس طرح دیا **وفی انفسکم افلا تبصرون** ہمارے جلوے تمہارے نفسوں میں ہیں تم دیکھتے کیوں نہیں۔ دوسرا اشارہ یہ ہے کہ رب کے راستہ میں ایک عظیم الشان دریا ہے۔ جس کا نام ہے شریعت اس کی کشتی ہے طریقت یوں سمجھو کہ شریعت اسلام ہے اور طریقت استسلام جو بہادر اس کشتی کے ذریعہ دریا پار کر گیا تو پھر وہ رب کا ہے اور رب اس کا دیکھو رب نے ابراہیم علیہ السلام کو اصطفٰی کا تمغہ کب دیا۔ جب ان سے اسلم فرمایا کہ یہ دریا عبور کرا لیا۔ محبوب بننے کے لئے ضروری ہے۔ کہ محبوبیت کے پردے پھاڑ دیئے جائیں اور رب جانے کہ اسلم فرمایا کہ ان کے کتنے حجاب اٹھوا دیئے اور انہوں نے اسلمت کہہ کہ کتنے پردے پھاڑ ڈالے معراج میں اپنے حبیب کو ادن کہہ کر قریب کیا یہاں خلیل کو اسلم فرما کر صحیح سلامت اپنے سے واصل کر لیا اللہ ہمیں واصلین میں سے فرمائے صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام خصوصاً ابراہیم علیہ السلام کی دعائیں اور کلام قرآن ہی نے نقل کیئے حضور نے ان کے وظیفے کئے تاکہ لوگوں میں ان بزرگوں کا چرچا رہے۔ اور لوگوں کو ان کی طرح عبادات کا شوق ہو اور ان کلمات کی برکت سے رب تعالیٰ لوگوں کو نیکیوں کی توفیق دے ان کلمات میں بھی تاثیر ہے۔ چنانچہ ہم نماز پڑھتے وقت **انی وجہت** الخ معیت کے وقت **لا الہ الا انت** پڑھتے ہیں۔

وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ
اور وصیت کی ساتھ اس کے ابراہیم نے بیٹوں اپنے کو اور یعقوب نے اے بچو میرے تحقیق
اور اسی دین کی وصیت کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے کہ اے میرے بیٹو بیشک
اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ
اللہ نے چن لیا واسطے تمہارے یہ دین پس ہرگز نہ مرو تم مگر اس حال میں کہ
اللہ نے یہ دین تمہارے لیے چن لیا تو نہ مرنا مگر

www.alahazratnetwork.org

مُّسۡلِمُوۡنَ ۱۳۲
تم مسلمان ہو
مسلمان

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے ذاتی کمال کا ذکر فرمایا گیا وہ خود کامل بلکہ کامل تر ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ کامل گر بھی ہیں یعنی اوروں کو بھی اپنے فیوض سے کامل فرماتے ہیں۔ گویا پہلے ان کے کمال کا ذکر تھا اور اب ان کے اکمال کا **دوسرا تعلق:** کمالات ابراہیمی کو سن کر کوئی کہہ سکتا تھا کہ ان کی ملت انہیں کے ساتھ تھی کہ اس پر یا تو وہ خود عامل ہوں یا بڑے بڑے پیغمبر۔ ہم عوام کو یہ حق نہیں کہ انکے دین کی پیروی کریں کیونکہ یہ ہماری استعداد سے بڑھ کر ہے۔ اب اس وہم کی تردید فرمائی جارہی ہے کہ ان کا دین بہت آسان اور واضح ہے۔ جس کی انہوں نے اپنی ساری اولاد کو وصیت فرمائی اگر وہ ان کی خصوصیات سے ہوتا۔ تو اس کا دوسروں کو حکم نہ فرماتے **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ دین ابراہیمی سے بے وقوف ہی علیحدہ رہے گا۔ اس کی ایک وجہ تو اسی آیت میں بیان کردی گئی کہ وہ نہایت کامل دین ہے۔ دوسری وجہ اب بتائی جارہی ہے کہ اس پر قائم رہنے کی انہوں نے وصیت بھی کی تھی اور جو اپنے بزرگوں کی وصیت نہ مانے وہ بڑا بے وقوف ہے **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ اسلام کی عملی تبلیغ کا ذکر فرمایا کہ آپ نے دنیا والوں کو اس طرح عبادات کرکے دکھائیں اس آیت میں آپ کی قومی تبلیغ کا ذکر کیا ہے کہ اپنی اولاد کو عبادات کی یوں وصیت فرمائی۔ بزرگوں کے اعمال بھی تبلیغ ہوتے ہیں رب تعالیٰ نے ان کے اعمال و اقوال قرآن کریم میں اس لئے نقل کیے کہ لوگوں کو تبلیغ ہو۔

تفسیر : ووصی یہ وصیۃ سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں کسی پر کوئی نیک بات پیش کرنا۔ اصطلاح میں تاکیدی حکم کو وصیت کہا جاتا ہے۔ اسی لئے مرنے والے کے آخری پیغاموں کو وصیت کہتے ہیں کہ ان کے پورا کرنے کی بہت تاکید ہے۔ نیز رب فرماتا ہے **یوصیکم اللہ فی اولادکم** لہٰذا وصی کا یہ مطلب نہیں کہ انہوں نے اپنی زندگی پاک میں تو اپنے فرزندوں کو تبلیغ اسلام نہ فرمائی صرف وصال کے وقت فرمائی۔ بلکہ یہ مطلب ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بتاکید حکم دیا یا وفات کے وقت بھی حکم فرما گئے **بھا** اس اسلام کا یا اس ملت کا چونکہ اسلمت میں تو اسلام کا ذکر آگیا تھا اور **عن ملتہ** میں ملت کا لہٰذا دونوں طرف ضمیر لوٹ سکتی ہے اگرچہ ضمیر مونث ہے۔ **ابراھیم بنیہ** بنی ابن کی جمع ہے یعنی بیٹے اگرچہ آپ کی وصیت سب کے لئے ہی تھی مگر بیٹوں کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا کہ وہ آپ کا نمونہ بنیں اور دنیا میں تبلیغ کریں۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تین بیویوں سے آٹھ بیٹے تھے حضرت ہاجرہ کے شکم سے اسمٰعیل علیہ السلام جو سب سے بڑے تھے اور حضرت سارا کے شکم سے اسحاق علیہ السلام جو حضرت اسمٰعیل سے چودہ سال عمر میں چھوٹے تھے۔ اور قنطورا بنت مقطن کنعانیہ کے شکم سے چھ بیٹے مدین' مدائن' زمران' یقشان' نشیق اور نوح (تفسیر روح البیان' عزیزی' حقانی قدرے اختلاف) خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے چچا ہاران کی بیٹی سارا سے نکاح کیا۔ پھر حضرت ہاجرہ سے حضرت سارا کی وفات کے بعد قنطورا سے

www.alahazratnetwork.org

آپ کے دو بیٹے یعنی اسمٰعیل اور اسحاق علیہم السلام تو پیغمبر ہوئے باقی چھ متقی مسلمان۔ اسمٰعیل علیہ السلام کو مکہ معظمہ میں بسایا۔ اور اسحاق علیہ السلام کو اپنے ساتھ کنعان رکھا۔ اور مدین کو وہاں رکھا جہاں انہیں کے نام سے شہر مدین بسا شعیب علیہ السلام انہیں کی اولاد سے تھے۔ مدائن وغیرہ کو شام و روم وغیرہ میں بحکم الٰہی آباد کیا پھر اسمٰعیل کے بارہ بیٹے ہوئے جن میں سے منجھلے بیٹے (چھوٹے سے بڑے) قیدار تھے۔ جس کی نسل سے ہمارے نبی ہیں (از عزیزی و حقانی) **و یعقوب** ہماری قرات میں یعقوب ب کے پیش سے ہے یعنی یعقوب نے بھی اپنی اولاد کو یہ ہی وصیت کی تھی اور ایک قراءت میں یعقوب کا نصب بھی ہے یعنی ابراہیم نے سارے بیٹوں اور اپنے پوتے یعقوب علیہ السلام کو وصیت کی (تفسیر کبیر) یعقوب عقب سے بنا جس کے معنی ہیں پاؤں کی ایڑی چونکہ آپ اپنے بھائی عیص کے ساتھ ہی اس طرح پیدا ہوئے کہ آپ کے ہاتھ ان کی ایڑی سے لگے ہوئے تھے اس لئے آپ کا نام یعقوب ہوا خیال رہے کہ اسحاق علیہ السلام کا نکاح لوط علیہ السلام کی دختر سے ہوا۔ ان کے شکم سے یعقوب علیہ السلام پیدا ہوئے لہٰذا آپ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت لوط کے نواسے آپ کے دو بیبیوں اور چند لونڈیوں کے بطن سے بارہ بیٹے تھے۔ آپ نے اپنے ماموں لایاں کی بیٹی لیا سے نکاح کیا۔ جن سے روحیل۔ شمعون اور لاوا یسودا ہوئے لیا کے انتقال کے بعد ان کی ہمشیرہ یعنی اپنی چھوٹی سالی راحیل سے نکاح کیا جن سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین ہوئے باقی چھ بیٹے زبتون' یشاخر' دان' نفتالی اور کلو اور انترا کہ یہ سب بلہ' زلفہ وغیرہا لونڈیوں سے پیدا ہوئے۔ (عزیزی و حقانی) یعقوب علیہ السلام کی عمر 147 سال کی ہوئی اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے مصر میں وفات پائی اور آپ کی وصیت کے مطابق بیت المقدس میں اسحاق علیہ السلام کی قبر کے پاس دفن کیا گیا۔ **یبنی** اے میرے بچو یہاں **بنین** کو' متکلم کی طرف مضاف کیا گیا **ان اللہ اصطفٰی لکم الدین** اللہ نے تمہارے واسطے یہ دین یعنی اسلام جو کہ تمام دینوں سے چھنا ہوا دین ہے پسند کیا اور چن لیا **الدین** میں یا تو الف لام عہدی ہے یا جنسی یعنی اس خاص دین کو یا مطلق دین کو چن لیا۔ گویا اسلام ہی دین ہے اس کے سوا اور ادیان دین ہی نہیں اور جو بھی اعتقاد و عمل اس کے خلاف ہو رب کے ہاں مقبول نہیں۔ لہٰذا خبردار **فلا تموتن الا وانتم مسلمون** تم اسلام کے سوا کسی اور دین پر نہ مرنا۔ یہاں مرنے سے ممانعت نہیں اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ تم زندگی میں تو کفر کرتے رہنا اور موت کے وقت ایمان لے آنا بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر وقت اسلام پر قائم رہنا۔ کیونکہ موت کا ہر وقت ہی اندیشہ ہے لہٰذا کوشش کرنا کہ موت تمہیں اسلام پر آئے ایک روایت میں ہے کہ یعقوب علیہ السلام جب مصر تشریف لائے تو وہاں بعض لوگوں کو بت پرستی کرتے دیکھا۔ تو آپ نے اپنے سب فرزندوں کو جمع فرما کہ یہ وصیت فرمائی۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو ابراہیم علیہ السلام خود تو کامل اور اکمل تر تھے۔ مگر انہوں نے چاہا کہ میرے جانشین بھی میرے ہی قدم بقدم چل کر میرا نمونہ بنیں۔ تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر میرے راستہ پر چل سکیں اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے تو اپنے بیٹوں کو اور یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو بتاکید حکم دیا کہ اے بچو! جھوٹے دین تو لوگوں کے اپنے بنائے ہوئے ہیں۔ مگر اپنے بندوں کے لئے جو رب نے دین بھیجا ہے۔ وہ یہ دین اسلام ہے لہٰذا تم ہمیشہ اسی دین پر قائم رہنا اور کوشش کرنا کہ دنیا سے اسی دین پر جاؤ۔ اور چونکہ موت کا ہر وقت اندیشہ ہے لہٰذا ہر وقت ہی اسلام پر جمے رہنا خیال رہے کہ انبیاء کے مال میں چونکہ میراث نہیں لہٰذا ان کی وصیت بھی نہیں ان کے مال کی میراث یا وصیت نہیں بلکہ ان کے اعمال یا کمال یا حال کی میراث یا وصیت ہے

www.alahazratnetwork.org

قرآن کریم نے حضرت داؤد زکریا علیہما السلام کی وراثت کا ذکر کیا ہے مگر وراثت مال نہیں بلکہ وراثت علم و وراثت دینی ہے اور ابراہیم و یعقوب علیہما السلام کی وصیتوں کا ذکر ہے۔ مگر وصیت مال نہیں بلکہ وصیت دینی اس سے روافض عبرت پکڑیں جو حضور کی مالی میراث بھی مانتے ہیں اور مالی وصیت بھی انہوں نے حضور کی شان پہچانی ہی نہیں یہاں وصی فرمانے میں چند خوبیاں ہیں۔ 1 ایک یہ کہ وصیت عام طور پر خوف یا موت کے وقت ہوتی ہے اور ان وقتوں میں انسان بہت احتیاط سے کام لیتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ ان حضرات نے بہت احتیاط فرماتے ہوئے تاکید ایہ حکم فرمایا۔ 2 دوسرے یہ کہ اپنے بچوں کو خاص طور پر یہ وصیت فرمائی اور ظاہر ہے کہ ماں باپ اولاد پر زیادہ مہربان ہوتے ہیں تو اگر اسلام سے زیادہ ان کی نگاہ میں کوئی اور چیز پیاری ہوتی تو اس کی وصیت فرماتے لہذا اسلام ہی بڑی لذیذ اور افضل چیز ہے۔ 3 تیسرے یہ کہ ان حضرات نے یہ وصیت عام طور پر اپنے فرزندوں کو کی۔ 4 چوتھے یہ کہ اسی وصیت میں کسی جگہ اور وقت کی قید نہ لگائی۔ 5 پانچویں یہ کہ اس کے سوا اور کوئی وصیت نہ کی ان تمام وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کی نگاہ میں دین بڑی ضروری چیز تھی۔ جو بد نصیب کہ ان کی وصیت پوری نہ کرے وہ ان کی روح کو تکلیف دیتا ہے اور وہ اپنے کو ابراہیمی کہنے کا حق دار نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: بزرگوں کو چاہئے کہ سب سے پہلے اپنی اولاد کو سنبھالیں پھر دیگر لوگوں کو جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا اور حضور علیہ السلام کو بھی یہ ہی حکم دیا گیا **وانذر عشیر تک الاقربین** جس پر عمل کرتے ہوئے آپ نے اپنے اہل قرابت کو ہی تبلیغ فرمائی یہاں تک کہ اپنی لخت جگر فاطمہ زہرا سے فرمایا کہ اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا اور غضب الہی جوش میں آگیا تو میں دور نہ کروں گا۔ دوسرا فائدہ: اپنی اولاد اور اہل قرابت کو آہستگی سے بار بار سمجھانا چاہیے جیسا کہ وصی کی تشدید سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات نے عمدہ طریقہ سے ہمیشہ تبلیغ فرمائی تیسرا فائدہ: اسلام اور ایمان کا فائدہ جب ہی ہے کہ جب اس پر موت ہو اسی لئے ان حضرات نے موت تک اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیا چوتھا فائدہ: انبیاء کرام کی نگاہ میں اہم چیز دین ہے نہ کہ دنیوی مال۔ اسی لئے وہ حضرات وصیت بھی دین ہی کی فرماتے ہیں نہ کہ دنیا کی حضور علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ ہماری میراث علم ہے ہم جو کچھ مال چھوڑیں وہ صدقہ ہے روافض کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کو اپنے آخیر وقت میں بھی فدک وغیرہ مال کی فکر تھی اور آپ اس ہی کی حضرت علی اور فاطمہ زہرا کو وصیت فرما گئے اس سے لازم آتا ہے کہ ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام حضور سے بڑھ جائیں کہ وہ تو دین کی وصیت کریں اور آپ چند درخت کھجوروں کی پانچواں فائدہ: بغیر ایمان پیغمبر زادگی بیکار ہے بلکہ بڑوں کی اولاد کو زیادہ کامل الایمان ہونا چاہئے تاکہ ان سے ان کے بزرگوں کا نام روشن ہو اور لوگ راہ ہدایت پائیں۔ چھٹا فائدہ ماں باپ کو چاہئے کہ کبھی اپنی اولاد سے بے خبر نہ رہیں۔ ہمیشہ اس کو نصیحت کرتے رہیں اور ان کے اعمال کی کڑی نگرانی کریں۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام وفات کے وقت بھی اس طیب و طاہر اولاد سے بے فکر نہ ہوئے اپنے بعد کے لئے انہیں وصیت فرما گئے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: موت غیر اختیاری چیز ہے تو لاتموتن فرما کہ اس سے منع کرنے کے کیا معنی؟ حکم اور ممانعت اختیاری چیز میں ہوتی ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں موت سے ممانعت نہیں بلکہ غیر مسلم ہو کر مرنے سے ہے اور در حقیقت یہ اسلام پر رہنے کا حکم ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ نماز مت پڑھو بغیر حضور قلب اس میں نماز سے روکنا

www.alahazratnetwork.org

نہیں بلکہ دل حاضر رکھنے کا حکم ہے **دوسرا اعتراض:** ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کے دین کا نام اسلام نہ تھا تو انہوں نے اسلام پر قائم رہنے کی کیوں وصیت کی؟ **جواب:** یہاں اسلام کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی۔ ہر پیغمبر کی امت لغۃً مسلمان یعنی رب کی فرمانبردار تھی اس وصیت میں لطیف اشارہ یہ بھی ہے کہ میری اولاد میں جو بھی جس پیغمبر کا زمانہ پائے اس کی اطاعت کرے کیونکہ یہ ہی رب کی اطاعت اور یہ ہی اسلام ہے یہ ضد نہ کرے کہ ہم تو دین یعقوبی ہی مانیں گے یہ دین نسخ سے پہلے اسلام ہے نہ کہ اس کے بعد **تیسرا اعتراض:** ابراہیم اور یعقوب علیہما السلام کا زمانہ ایک نہیں تو ان کو اس آیت میں جمع کیوں کیا گیا۔ **جواب:** اہل کتاب ان دونوں حضرات کو بڑا بزرگ مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ اپنے دین کو ابراہیمی دین اور اپنے کو یعقوب علیہ السلام کی اولاد کہتے ہیں اس لئے ان دونوں کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ تم عملاً نہ ابراہیمی ہو اور نہ اسرائیلی فرق زمانہ کے لحاظ سے ایسی عبارت فرمائی گئی ورنہ عبارت یوں ہوتی۔ **وصی بها ابرهيم و يعقوب بنيهما**

تفسیر صوفیانہ : ہوائے نفس ہاویہ کا راستہ ہے اور نفس کی شرارت کی اصل یہ ہے کہ وہ اپنی بھلائی دیکھتی ہے برائیوں پر نظر نہیں کرتی اہل کتاب کی نظر اس پر تھی کہ ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں اس پر نہ تھی کہ ہم عملاً ان سے دور ہیں اس بیماری سے بچانے کے لئے ان دونوں پیغمبروں نے اپنی اولاد کو حکم دیا کہ تم مرتے دم تک اپنی ایمانی اور عملی حالت پر نظر کرنا یہ خیال نہ کرنا کہ ہم ابراہیمی اور اسرائیلی ہیں ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا بیکار ہے۔ اس کا گرم کرنا ضروری ہے اسی طرح نفس کو اعمال کی بھٹی میں گرم کرو پھر تصوف کے ہتھوڑے سے کوٹو تاکہ وہ کچھ کام کا بن جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض بد عمل یہ سمجھتے ہیں کہ رب غفور و رحیم ہے ہمیں اس کی بخشش کی امید ہے مگر وہ جھوٹے ہیں اگر انہیں امید ہوتی تو اس کی اطاعت بھی کرتے رب سے امید عین ایمان ہے اور اس پر امن کفر (روح)۔

دوسری تفسیر : ابراہیم و یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو کلمہ توحید کی وصیت کی اور فرمایا کہ یہی دین وہ ہے جسے موحد اختیار کرے اس کے سوا نہ کوئی دین ہے اور نہ کوئی ذات دین اللہ کا دین ہے اور ذات اس کی ذات لہٰذا تم جہالت کی موت نہ مرنا بلکہ اپنے کو رب میں فنا کر کے ایسا مرنا کہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاؤ۔ بدن کی موت اس حال میں آئے کہ تمہارا قلب قابل موت نہ رہا ہو لوگ تمہیں مردہ کہیں اور رب **بل احياء عند ربهم** فرما کر تمہاری زندگی کا اعلان فرمائے یہی اسلام و استسلام توحید اور تصوف کی حقیقت ہے۔

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ
کیا تھے تم موجود جبکہ حاضر ہوئی یعقوب کو موت جب کہا
بلکہ تم خود موجود تھے جب یعقوب کو موت آئی جبکہ
لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِيْ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ
کہا انہوں نے واسطے بیٹوں اپنے کے کیا پوجو گے تم پیچھے میرے. بولے وہ پوجیں گے
اس نے اپنے بیٹوں سے فرمایا میرے بعد کس کی پوجا کرو گے بولے ہم پوجیں گے

www.alahazratnetwork.org

اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ
ہم معبود تمہارا اور معبود باپ دادوں تمہارے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کا
اسے جو خدا ہے آپ کا اور آپ کے آباد ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کا
وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ * ۱۳۳
معبود ایک اور ہم اسی کے لئے اسلام لانے والے ہیں
ایک خدا اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اب تک ابراہیم و یعقوب علیہم السلام کی عظمت' اطاعت الٰہی کا ذکر فرمایا اب ان پر سے وہ تہمت دور کی جارہی ہے جو بنی اسرائیل نے انہیں لگائی یعنی پہلے ان کے فضائل کا ثبات تھا اب ان کی تہمت کا دفعیہ **دوسرا تعلق:** اب تک ان حضرات کی دینی استقامت کا رب نے ذکر فرمایا۔ اب خود مخالفین کی گواہی سے اس کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا ایک حصہ بیان کیا گیا۔ اب اس کا دوسرا حصہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی پہلے بتایا گیا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو دینی استقامت کا حکم دیا اور اب فرمایا جارہا ہے کہ اس کا ان سے اقرار بھی لیا۔

شان نزول : یہود کہتے تھے کہ ہم کو وصیت ابراہیمی کی تو خبر نہیں یہ ہم جانتے ہیں کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی وفات کے دن اپنی اولاد کو وصیت کی تھی کہ تم ہمیشہ دین یہودیت پر قائم رہنا۔ ان کے اس بہتان کے رد میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (خازن و خزائن العرفان) خیال رہے کہ اہل کتاب نے جیسے توریت و انجیل میں مسخ و تبدیلی کردی یوں ہی رب کی ذات و صفات انبیاء کرام کی تعلیم اور ان کے حالات میں بہت کتر بیونت کردیتے تھے چنانچہ تمام اہل کتاب نے حضرت سلیمان کو نبوت کی فہرست سے نکال کر جادوگروں کے زمرے میں داخل کردیا تھا۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح کو صف انبیاء سے نکال کر خدا مان لیا یہود نے اس کنواری پاک کو بہتان لگائے اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہہ دیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہودی یا عیسائی بنایا یعقوب علیہ السلام کے متعلق مشہور کیا کہ وہ ہمیں یہودی رہنے کی وصیت کر گئے ہیں وغیرہ وغیرہ قرآن نے ان کی اس بکواس کی جگہ جگہ تردید کی اور انبیاء کرام کی شان' ان کی تعلیم صحیح طرح دنیا پر ظاہر کی۔ ان تمام نبیوں پر حضور کا احسان ہے یہ آیت کریمہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں حضرات یعقوب علیہ السلام کی وصیت کو صحیح طور پر شائع کیا تاکہ مسلمان بھی اسی وصیت پر عمل کریں۔

تفسیر : **ام کنتم شهداء** بعض نے ام متصلہ مانا ہے' بعض نے منقطع بمعنی استفہام انکاری یعنی آیا تم اس وصیت کے وقت موجود تھے یعنی نہ تھے اور تم بغیر دیکھے غلط گواہی دے رہے ہو۔ لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ (روح البیان) یا یہ مطلب ہے کہ بلکہ تم اس وصیت کے وقت موجود تھے۔ یعنی تمہارے بڑے یعقوب علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کے پاس تھے ان کو علم ہے کہ انہوں نے وہی وصیت کی جو ہم نے بیان کی پھر تم دیدہ و دانستہ ان پر کیوں اتہام باندھتے ہو۔ (تفسیر کبیر) بہر حال اس میں یا

www.alahazratnetwork.org

توان کے موجود ہونے کا انکار ہے۔ یا اثبات دوسری تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ اس میں الزام زیادہ سخت۔ شہداء جمع شہید کی ہے۔ جیسے رحماء جمع رحیم کی۔ جس کے معنی حاضر بھی ہیں اور گواہ بھی بلکہ گواہ کو بھی اس لئے شہید کہتے ہیں کہ وہ موقع واردات پر حاضر ہوتا ہے **اذ حضر یعقوب الموت** یہ **اذ** یا کنتم کا ظرف ہے یا شہداء کا اور موت کے حاضر ہونے سے اسباب و علامات موت کا موجود ہونا مراد ہے کیونکہ وصیت موت آنے پر نہیں کی جاتی بلکہ موت کے قریب یعنی اے اسرائیلیو تمہارے بڑے تو سب موجود تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام پر موت کے آثار نمودار ہوئے۔ **اذ قال لبنیہ** پہلے اذ کا بدل ہے اور اسی کنتم یا شہداء کا ظرف یعنی جب کہ انہوں نے اپنے سارے بیٹوں کو جمع فرما کر ایک عجیب طریقہ سے استقامت دین کی وصیت فرمائی کہ خود حکم نہ دیا بلکہ ان سے پوچھا کہ **ما تعبدو من بعدی** اب تک تو تم رب کی عبادت کرتے رہے مگر یہ بتاؤ کہ میری وفات کے بعد کس کی عبادت کروگے لفظ **ما** اگرچہ بے عقل چیزوں کے لئے آتا ہے مگر ابہام کے موقع پر سب کو شامل ہوتا ہے (روح) اور بعدی سے مراد بعد موت ہے یعنی تم اس خدا ہی کی عبادت کروگے جس کی اب تک کرتے رہے یا ان بتوں وغیرہ کی جن کی مصر والے کرتے ہیں **قالو نعبد الٰھک والٰہ اٰبائک ابرھیم واسمعیل واسحٰق** وہ بولے کہ ہم اس رب کی اطاعت کریں گے جو آپ کا اور آپ کے باپ دادوں کا رب ہے اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جس کی آپ نے اور آپ کے باپ دادوں نے عبادت کی ہے یا جسے ہم نے آپ کے اور آپ کے باپ دادوں کے ذریعے پہچانا ہے یعنی ان بتوں کو تو کفار نے بنایا۔ اور سچے رب کو آپ نے پہچنوایا ہم آپ کے بتائے ہوئے رب کے عابد ہوں گے نہ کہ ان کے بتائے ہوئے کے۔ آباء **اب** کی جمع ہے۔ جس کے حقیقی معنی ہیں باپ مگر مجازاً" دادا" چچا بلکہ استاد وغیرہ کو بھی اب کہہ دیتے ہیں اور یہاں اس سے باپ دادے مراد ہیں۔ اسمٰعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں۔ چونکہ چچا بھی باپ ہی کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے آپ کا ذکر بھی آباء کے سلسلہ میں کیا گیا اور چونکہ آپ اسحاق علیہ السلام سے عمر میں چودہ سال بڑے بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد۔ اس لئے اسحاق علیہ السلام سے پہلے آپ کا ذکر کیا۔ اس جملہ میں دو جگہ **الٰہ** سے شاید کوئی وہم کرتا کہ اس سے دو معبود مراد ہیں۔ آپ کا اور معبود اور باپ دادوں کا دوسرا۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے عرض کیا کہ **الٰھا واحدا** ایک ہی معبود کی جو کہ ذات و صفات میں اکیلا ہے اور پھر یہ بھی نہیں عبادت ایک ہی طریقہ کی کریں اور اسی پر ڈٹے رہیں بلکہ **ونحن لہ مسلمون** ہم تو اس کے حکم کے تابع ہیں۔ جس زمانہ میں جس پیغمبر کے ذریعہ جو بھی احکام آئیں گے اور ہمیں جو بھی طریقہ عبادت بتایا جائے گا۔ اس پر کاربند رہیں گے۔ (تفسیر عزیزی) غرضیکہ گزشتہ جملوں میں توحید کا ذکر تھا اور اس میں نبوت کا تذکرہ۔

خلاصہ تفسیر : اے بنی اسرائیل تم ہماری بیان کی ہوئی وصیت کا انکار کیسے کرتے ہو۔ یعقوب علیہ السلام نے تو یہ وصیت تنہائی میں نہ کی تھی۔ بلکہ علانیہ اور سب کے سامنے تاکہ ان کی اولاد اپنی اطاعت شعاری کا اقرار کرے اور دوسرے لوگ سن کر عبرت پکڑیں چنانچہ خود تمہارے بڑے بھی اس مجلس میں موجود تھے جب کہ یعقوب علیہ السلام پر آثار موت نمودار تھے اس موت کی کشمکش میں بھی انہوں نے اپنی اولاد کو جمع کرکے یہی پوچھا تھا کہ میرے بچو! تم میری وفات کے بعد عبادت کس کی کروگے ان سب نے عرض کیا تھا کہ والد مہربان آپ مطمئن رہیں۔ ہم اس ایک واحد قہار کے عابد رہیں گے۔ جسے آپ کے اور آپ کے باپ دادا اور دیگر انبیاء کے ذریعہ پہچانا۔ اور جس کی آپ نے اور انہوں نے عبادت کی ہے اور ہم اب بھی اس کے فرمانبردار ہیں

www.alahazratnetwork.org

اور آئندہ بھی رہیں گے کہ جس پیغمبر کے ذریعہ جو حکم ملے ہمیں اس کے ماننے میں عذر نہ ہوگا جب تمہارے بڑے یہ وصیت اپنے کانوں سے سن چکے اور آنکھوں سے دیکھ چکے اور وہاں ان کی موجودگی تھی تو تم جان بوجھ کر یعقوب علیہ السلام کو تہمت کیوں لگاتے ہو کہ انہوں نے یہودیت پر رہنے کی وصیت کی تھی۔ خیال رہے کہ یعقوب علیہ السلام کی وفات، صحیح یہ ہے کہ مصر میں ہوئی وہاں ہی آپ کے تمام بیٹے اور بیٹیاں موجود تھے کہ یوسف علیہ السلام نے ان سب حضرات کو مصر بلالیا تھا۔ پھر بعد وفات حسب وصیت آپ کا تابوت شریف شام میں بھیجا گیا۔ اور اسحاق علیہ السلام کے پہلو میں دفن کیا گیا اگرچہ آپ نے یہ وصیت اپنے بیٹے بیٹیوں سب ہی کو کی تھی مگر چونکہ لڑکے تبلیغ کرتے ہیں۔ نیز ان کی زندگی بیرونی ہوتی ہے جسے سب دیکھتے ہیں۔ اور لڑکی کی زندگی خانگی ہوتی ہے جسے سب نہیں دیکھتے نیز بمقابلہ مردوں کے عورتوں کا ایمان خطرے میں کم ہوتا ہے اس لئے یا تو اپنے بیٹوں کو زیادہ تاکید فرمائی یا قرآن کریم نے صرف بیٹوں کا ذکر فرمایا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ کہ یعقوب علیہ السلام کے سارے بیٹے متقی و مومن ہیں۔ جن سے یوسف علیہ السلام کو جدا کرنے کا قصور ہوا تھا ان کی معافی ہو چکی قرآن کریم نے ان کی اطاعت شعاری اور ایمان کی گواہی دی بلکہ بعض علماء نے ان سب کو نبی مانا ہے اور انہیں ولی اور صحابی نبی تو سب مانتے ہیں اس کی نہایت نفیس اور لذیذ تحقیق ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو جس میں برادران یوسف علیہ السلام اور قابیل میں عمدہ فرق کر کے دکھایا ہے کہ ان کی اس خطا میں بھی صدہا راز تھے جو انہیں اب بے دین یا گنہگار کہے وہ خود بے دین ہے **دوسرا فائدہ:** قرآن کریم چچا کو باپ فرماتا ہے جیسے کہ یہاں ہوا لہذا جن علماء نے آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا مانا اور لابیہ میں اور حدیث ان ابی واباک فی النار میں اب کے معنی چچا کئے ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے کہ اسمٰعیل علیہ السلام کو جو کہ یعقوب علیہ السلام کے چچا تھے اباء میں داخل کیا گیا **تیسرا فائدہ:** امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دادا کو باپ کہنا حقیقتاً ہے نہ کہ مجازاً اسی لئے ان کے نزدیک حقیقی بہن بھائیوں کو باپ کی طرح دادا بھی میراث سے محروم کر دیتا ہے۔ بعض نے یہ مسئلہ اس آیت سے نکالا مگر یہ دلیل ضعیف ہے۔ (تفسیر عزیزی) بلکہ اس کی اصل حضرت ابو بکر صدیق و حضرت عائشہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ **چوتھا فائدہ:** رب کی حقیقی پہچان پیغمبروں کی ذریعہ ہوتی ہے کیونکہ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے یہ نہ کہا کہ ہم عقل سے پہچانے ہوئے رب کی عبادت کریں گے بلکہ یہ کہا کہ تمہارے باپ دادوں کے رب کی عبادت کریں گے۔

اعتراض : ایک لفظ سے حقیقی اور مجازی معنی مراد لینا منع ہے۔ پھر یہاں لفظ آباء سے چچا اور والد دونوں کیوں مراد ہو گئے **جواب:** یا تو یہاں عموم مجاز کے طریقے پر آباء سے بزرگ مراد ہیں۔ جن میں باپ اور چچا دونوں داخل ہیں اور یہاں تغلیب ہے جیسے کہ تغلیباً ماں باپ کو ابوین اور چاند و سورج کو قمرین اور حضرت ابو بکر اور عمر فاروق کو عمرین کہہ دیتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اباءک کے بعد تین پیغمبروں کے نام کیوں لئے گئے وہ تو اس میں آگئے تھے **جواب** تاکہ اس میں سارے باپ دادے شامل نہ ہو جائیں صرف انبیاء کرام ہی داخل رہیں کیونکہ ان کے آباء میں تو آزر بھی تھا **تیسرا اعتراض:** یہاں جواب میں اتنی دراز عبارت کیوں بولی صرف یہ کہہ دیتے کہ ہم اللہ کی یا اپنے خالق و مالک کی عبادت کریں گے **جواب:** اس لئے کہ مصر کے لوگ ستاروں اور بتوں کو خالق، مالک اور الہ جانتے تھے یہ الفاظ بولنے پر پتہ نہ چلتا کہ کون مراد ہے **چوتھا اعتراض:** اس آیت

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوا کہ معرفت الٰہی میں تقلید جائز ہے کیونکہ ان صاحبوں نے اللہ کو نبیوں کے کہنے سے جانا حالانکہ عقائد کا مسئلہ ہے کہ معرفت الٰہی دلائل سے چاہئے نہ کہ کسی کے بتانے سے اسی لئے جو نور نبوت سے دور رہا اسے بھی لازم ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء کرام کی ذات و معجزات رب کی دلیل ہیں بلکہ سارے عالم کی ہستی اسے بتارہی ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کو رب کی دلیل بتایا کہ **قد جاء کم برھان من ربکم** انہوں نے ان پیغمبروں کے کمالات سے رب کو پہچانا نہ کہ محض ان کے فرمانے سے دوسرے یہ کہ عقل سے صرف اتنا معلوم ہو سکتا ہے کہ عالم کا کوئی خالق ہے اور وہ اکیلا ہے باقی اس کی ذات و صفات کی پوری تحقیق انبیاء کے بتانے سے ہی ہوگی لور یہاں یہ ہی ہے (از عزیزی و تفسیر کبیر)

پانچواں اعتراض: بنی اسرائیل کو حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت یاد دلانا بیکار ہے۔ کیونکہ موجودہ یہودی بت پرست نہ تھے خدا کو ایک مانتے تھے۔ اس کا انہوں نے یعقوب علیہ السلام سے اقرار کیا تھا۔ **جواب:** یہود تو عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنے لگے تھے لور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو لہٰذا وہ اپنے اس اقرار سے پھر گئے۔ کیونکہ یعقوب علیہ السلام نے حضرت عزیر و عیسیٰ علیہما السلام کو نہ خدا مانا تھا نہ خدا کا بیٹا پھر ان یہود نے حضرت یعقوب کے رب کو خدا کہا تھا۔ نیز **نحن لہ مسلمون** کا وعدہ وفا نہ کیا۔ نیز حضرت یعقوب علیہ السلام تو اس خدا کو ماننے والے تھے۔ جو بیوی بچوں سے پاک ہے ان بد نصیبوں نے وہ خدا مانا، جو بیوی بچوں والا تھا۔ غرض کہ یہ لوگ اقرار کے دونوں جزوں سے ہٹ گئے۔

تفسیر صوفیانہ: **ما تعبدون من بعدی** میں فقط شرعی عبادت ہی مراد نہیں بلکہ ہر قسم کی اطاعت مراد ہے۔ جو جھوٹے معبودوں کو پوجے وہ شرعاً مومن نہیں لور جو نفسانی خواہشات میں پھنس کر رب کو بھولے وہ صوفیاء کے نزدیک مومن موقن نہیں نفس بھی ایک بت ہے جس کے اہل دنیا پجاری لور جس کام میں رب کی رضا ملحوظ نہ ہو وہ بت پرستی ہے جو اللہ سے دور کرے وہ طاغوت ہے کوئی درم کا بندہ ہے۔ کوئی دینار کا جیسا کہ حدیث میں ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے دنیا اور یہاں کی دل فریب چیزوں کو دیکھ کر اپنے بچوں پر غفلت کا اندیشہ کیا۔ تب ان سے اقرار کرالیا کہ تم ہوا کی پرستش نہ کرنا اور ان پر بت پرستی کا اندیشہ تھا۔ (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

اہل دنیا کافران مطلق اند — روز و شب در زق زق و در بک بک اند

چیست دنیا از خدا غافل بودن — نے قماش و روزیء فرزند و زن

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ

یہ گروہ ہے کہ بے شک گزر گیا واسطے اس کے ہے جو وہ کمائے لور واسطے تمہارے

یہ ایک امت ہے کہ گزر چکی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کمایا اور تمہارے

وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۴﴾

وہ جو کماؤ تم اور نہ سوال کیے جاؤ گے تم اس سے کہ تھے وہ کرتے

لئے ہے جو تم کماؤ اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہوگی

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو ایمان اور اعمال کی وصیت کی جس سے سمجھا گیا کہ کوئی اپنے باپ دادوں کی بزرگی پر نہ بھولے بلکہ خود بھی پرہیزگار بنے اب اس وصیت کو موجودہ بنی اسرائیل پر چسپاں کیا جا رہا ہے کہ جب ان کی خاص اولاد کو پرہیزگاری کی ضرورت تھی تو تم تو کہیں دور ہو تم پر یہ وصیت جاری کیوں نہ ہو **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے وعدہ کیا کہ ہم ہر پیغمبر کی اطاعت کریں گے۔ شریعت یعقوب پر رہنے کی ضد نہ کریں گے۔ جیسا کہ ہم مسلمون کی تفسیر میں بتا چکے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب انہوں نے یہ اقرار کر لیا تھا تو تم پر بھی لازم ہے کہ موجودہ پیغمبر کی اطاعت کرو اسی شریعت کی غلط پابندی کی ضد نہ کرو **تیسرا تعلق:** بنی اسرائیل جب دلائل سے ہار جاتے تھے تو آخر کار یہ کہہ دیتے تھے کہ یعقوب علیہ السلام ہمارے دادا ہیں۔ اگر ہمارے یہ اعمال غلط بھی ہوئے تو ہم ان کے اعمال پیش کر کے آخرت میں نجات پالیں گے اس آیت میں ان کے اس وہم کی تردید کر دی گئی۔ (تفسیر روح البیان)

تفسیر: **تلک امۃ** تلک سے ان انبیاء کرام اور ان کی اولاد کی طرف اشارہ ہے جن کا پچھلی آیت میں ذکر تھا تلک اشارہ بعید فرما کر بتایا گیا کہ وہ بزرگوں کی جماعت تم سے بہت دور ہے وہ عظمت کی بنا پر اعلیٰ علیین میں ہے اور تم اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے اسفل السافلین میں پھر تم کس منہ سے ان کی اولاد ہونے کا دعویٰ کرتے ہو اگر ان کی بارگاہ تک پہنچنا چاہتے ہو تو ان کے سے کام کرو۔ امت یا تو ام سے بنا ہے بمعنی اصل یا ام سے بمعنی قصد چونکہ جماعت بھی ایک اصل کی طرف رجوع کرتی ہے اور اس کا ایک مشترک مقصد ہوتا ہے۔ اس لئے اسے امت کہا جاتا ہے (روح) خیال رہے کہ یہاں امۃ سے صرف لغوی جماعت مراد ہے نہ کہ کسی پیغمبر کی امت کیونکہ ان مذکورہ حضرات میں ابراہیم و یعقوب علیہم السلام امت والے نبی ہیں۔ کسی اور نبی کی امت نہیں چونکہ یہ سارے حضرات توحید اور اطاعت الٰہی اور نسب میں شریک تھے اس لئے ان سب کو ایک امت کہا گیا قد خلت یہ خلو سے بنا جس کے معنی ہیں خالی یا اکیلا ہونا اسی لئے تنہائی کو خلوت و تنہائی کی جگہ کو بیت الخلاء اور فضائے آسمانی کو خلا کہا جاتا ہے اور جب یہ زمانہ کے لحاظ سے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں گزر جانا یہاں یہ ہی مراد ہے گویا دنیا سے ان کا تعلق جاتا رہا۔ اور وہ خدا سے جا ملے یعنی تمہارے بزرگوں کی یہ جماعت تو گزر چکی۔ گزشتہ انبیاء کرام میں بعض وہ حضرات بھی ہیں جن کی وفات ابھی تک نہیں ہوئی وہ زندہ ہیں جیسے زمین پر الیاس و خضر علیہما السلام اور آسمان پر حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام اس لئے رب نے خلت فرمایا یعنی ان کا زمانہ گزر گیا ماتت نہ فرمایا یعنی وہ فوت ہو چکے لہٰذا اس آیت پر مرزائی دلیل نہیں پکڑ سکتے **لھا ما کسبت** لہا کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا اور لام نفع کیلئے آتا ہے۔ لہٰذا اس ما سے نیک اعمال مراد ہیں۔ یعنی اس گزشتہ جماعت کے نیک اعمال خود اس کو ملیں گے تم ان سے فائدہ حاصل نہیں کر سکتے۔ **ولکم ما کسبتم** یہاں بھی وہی نفع کلام ہے اور ما سے نیکیاں مراد اور لکم کی تقدیم سے حصر کا فائدہ ہے یعنی تمہاری نیکیاں صرف تمہاری ذات کے لئے ہوں گی اس سے وہ فائدہ حاصل نہ کریں گے خلاصہ یہ کہ باپ دادوں کے اعمال اولاد کے کام نہیں آتے اور اولاد کی نیکیاں باپ دادوں کو نہیں مل جاتیں اور تم اس خیال میں نہ رہو کہ ہم ان کے اعمال پیش کر کے نجات حاصل کر لیں گے کیونکہ **ولا تسئلون عما کانوا یعملون** تم سے ان کے اعمال کا سوال ہی نہ ہو گا تم پیش تو جب کرو جب تم سے ان کی پرسش ہو بغیر پرسش پیشی کیسی۔

خلاصہ تفسیر : اے نافرمان اسرائیلیو! تم اس بات پر ناحق مغرور نہ ہو کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں۔ اگر ہمارے اعمال سے باز پرس ہوئی تو ان کے اعمال پیش کر دیں گے تم کو ان سے کیا تعلق۔ وہ پاکباز لوگ تھے جو گزر گئے ان کے اعمال سے ان ہی کو نفع ہو گا تم کو اپنے اعمال کی جواب دہی کرنی ہو گی تم کو چاہئے کہ ان کی وصیت سنو اور نیک اعمال میں جلدی کرو۔ جب وہ اپنی خاص اولاد کو آخر دم تک ایمان و اعمال کی وصیت کرتے رہے تو تم ان سے کیونکر بے نیاز ہو گئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: آخر میں اپنا کسب کام آئے گا نہ کہ نسب اسی لئے روایت میں آتا ہے کہ جس کو عمل نے پیچھے کر دیا اسے نسب آگے نہ بڑھا سکے گا۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے بنی ہاشم ایسا نہ ہو کہ لوگ تو نیکیاں لائیں اور تم صرف نسب (روح) دوسرا فائدہ: باپ دادوں کے اعمال اولاد کے کام نہیں آتے۔ ایسے ہی اولاد کے اعمال باپ دادوں کے لئے بے کار تیسرا فائدہ: باپ دادوں کے کفر سے اولاد کو عذاب نہ ہو گا جب تک کہ وہ اس سے راضی نہ ہوں۔ یہ یہود کا عقیدہ تھا کہ ہمیں اتنے روز جہنم میں رہنا ہو گا۔ جتنے دن ہمارے بزرگوں نے بچھڑا پوجا (کبیر) چوتھا فائدہ: بندہ اپنے اعمال کا خالق نہیں کاسب ضرور ہے۔ اسی پر اس کو ثواب و عذاب ہے کسب کے معنی ہیں وجود کے اسباب کو ارادۃً جمع کر دینا اور خالق کے معنی ہیں غیر موجود کو وجود بخش دینا مثلاً چھری کا کسی کے گلے پر چلا دینا کسب ہے اور جان نکالنا خلق موت۔ پہلا کام بندے کا تھا اور یہ رب کا۔ بندے کے غیر اختیاری کام کسب نہیں کہلاتے اور نہ ان پر ثواب و عذاب (از تفسیر کبیر) اسی لئے اس آیت میں کسبت فرمایا گیا نہ کہ صدرت کام کرنا اور ہے اور صادر ہونا کچھ اور پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی نیکیاں دوسرے کو کار آمد نہیں حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ اولاد کی نیکیوں سے ماں باپ کی رہائی ہوتی ہے۔ حافظ کی تین پشت اور عالم کی سات پشت کی بخشش ہو گی عام مسلمان ایصال ثواب بھی کرتے ہیں کہ نیک کام کر کے اس کا ثواب مردوں کو بخش دیتے ہیں۔ یہ ساری باتیں اس آیت کے خلاف ہیں نیز روایت میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے اپنے غریب امتیوں کی طرف سے قربانی فرما دی دیکھو یہاں بزرگوں کے عمل غلاموں کے کام آرہے ہیں جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت کفار کے حق میں ہے کیونکہ یہاں اسرائیلیوں سے خطاب ہے جو اپنی اولاد پیغمبر ہونے کی وجہ سے ایمان کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ دوسرے یہ کہ اس سے بدنی اعمال مراد ہیں۔ اسی لئے یہاں کسب فرمایا گیا نہ کہ ثواب یعنی کوئی شخص دوسرے کی طرف سے بدنی اعمال نہیں کر سکتا کہ باپ کی طرف سے بیٹا نمازیں پڑھ کر دے یا روزے رکھ دے زکوٰۃ مالی عبادت ہے اور حج مشترکہ عبادت لہٰذا وہ ایک دوسرے کی طرف سے ادا ہو سکتے ہیں ثواب بخشنے میں میت کو محض ثواب ملتا ہے اس کے ذمہ سے فرائض ادا نہیں ہو جاتے تیسرے یہ کہ اس کی مراد یہ ہے کہ عمل کرنے والا اپنے اعمال سے کبھی محروم نہ ہو گا یعنی اس کا ثواب بخشنے کے بعد بھی ثواب پائے گا ایصال ثواب کی متعدد آیتیں ہیں اور بہت احادیث رب فرماتا ہے **الحقنا بهم ذريتهم وما التنهم من عملهم من شئ** اور فرماتا ہے **اولئك مع الذين انعم الله عليهم من النبين والصديقين** حضور علیہ السلام اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر ایصال ثواب کرتے تھے حضرت سعد نے اپنی ماں کی طرف کنواں کھدوا کر فرمایا **هذه لام سعد** حضرت ابوہریرہ نے فرمایا کہ کوئی شخص عشاء میں دو رکعت پڑھ کر کہہ دے **هذا لابی هريرة** لہٰذا یہ آیت ان آیات واحادیث کے خلاف نہیں دوسرا

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی دوسرے کی بدعملی سے نہ پکڑا جائے گا۔ حالانکہ روایت میں آتا ہے کہ ہر شخص سے سوال اپنے متعلق بھی ہوگا اور اپنی بیوی اور اولاد کے متعلق بھی کہ وہ گمراہ یا بے دین کیوں ہوئے تو اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** بیشک اولاد کی بدعملی کا حساب ماں باپ سے ہوگا مگر کب جب انہوں نے اس کی تعلیم میں کوتاہی کی ہو اور یہ حقیقت میں اس کی کوتاہی کی پکڑ ہے جو کہ خود اس کا فعل ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **قوا انفسکم واھلیکم نارا**

تیسرا اعتراض: **قد خلت** سے معلوم ہوتا ہے کہ وفات یافتہ حضرات کو دنیا سے تعلق نہیں رہتا۔ پھر تم ان سے استمداد وغیرہ کیوں کرتے ہو؟ **جواب:** یہاں تعلق ظاہری کا ٹوٹ جانا مراد ہے۔ یعنی اب وہ تم سے بات چیت نہیں کرتے رہا تعلق باطنی وہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا اسی لئے ہم اپنے بزرگوں کی میراث پاتے ہیں۔ ان کی اولاد کہلاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نفس اور ظاہری اعضاء کو چاہئے کہ خود عمل کریں روح کی طہارت اور صفائی پر پھولے نہ رہیں۔ نیز میثاق کے دن جو ایمان لا چکے ہیں اس پر مغرور نہ ہوں۔ سزا اور جزا کے لئے یہاں کے اپنے عمل معتبر ہیں اسی طرح ہر عضو اپنے کام میں مشغول رہے۔ دوسرے اعضاء کے عمل سے دھوکا کھا کر خود معطل نہ ہو جائے قلب کا عمل ہے ایمان، پاؤں کا عمل ہے نیک مجلسوں کی طرف چلنا، آنکھ کا عمل آیات الٰہی کو دیکھنا اور خوف و شوق میں رونا، زبان کا عمل حق بولنا، ہاتھ کا عمل قرآن کریم چھونا اور نماز میں رب کے سامنے بندھا رہنا وغیرہ۔ چاہئے کہ ہر عضو سے اس کا عمل کرائے جاؤ فقط ایمان لا کر نماز سے غافل نہ ہو اور فقط نماز پڑھ کر ایمان سے بے پرواہ مت ہو جاؤ اور یہ نہ سمجھو کہ اچھے اصل کی شاخیں بھی اچھی ہوتی ہیں۔ بسا اوقات اچھے سے برے اور بروں سے اچھے ظاہر ہو جاتے ہیں انگور سے شراب اور گنے سے شکر شہد کی مکھی کی قے سے شہد جنگلی ہرن کے خون سے مشک بنتا ہے اسی طرح آدم علیہ السلام کی پشت سے قابیل اور ابوجہل کی پشت سے عکرمہ پیدا ہوئے۔ **یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی** رب کی بے نیازی سے ڈرتے رہو۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ

اور کہا انہوں نے ہو جاؤ تم یہودی یا عیسائی ہدایت پا جاؤ گے فرما دو بلکہ پیروی کریں گے

اور کتابی بولے یہودی یا نصرانی ہو جاؤ راہ پاؤ گے تم فرما دو بلکہ ہم تو

اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۳۵

ہم دین کی ابراہیم کے مائل اور نہ تھے وہ مشرکین سے

ابراہیم کا دین لیتے ہیں جو ہر بات سے جدا تھے مشرکوں سے نہ تھے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کسی کو دوسرے کے اعمال کافی نہیں اس سے وہم ہو سکتا ہے کہ ہر شخص کو اپنا مذہب بھی علیحدہ اختیار کرنا چاہئے کہ ہر ایک کے اعمال بھی علیحدہ ہوں اور مذہب بھی علیحدہ اس وہم کو رفع فرمانے کے لئے اب بتایا گیا کہ دین میں ابراہیم علیہ السلام کی اطاعت اور اعمال میں ان کی

www.alahazratnetwork.org

موافقت چاہئے۔ اعمال نہ کرنا اور چیز ہے اور موافقت کرنا اور چیز دوسرا تعلق: اب تک اہل کتاب کی غلطی پر نہایت قوی دلائل قائم کئے گئے اب خود ان ہی کے قول سے انہیں الزام دیا جارہا ہے کہ یہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کے قائل ہیں مگر یہودیت یا نصرانیت میں ہدایت کو محدود مانتے ہیں اگر ہدایت خاص ان دو دینوں میں ہوتی تو خود ابراہیم علیہ السلام ہدایت پر نہ ہوتے کیونکہ یہ دونوں دین ان کے وقت میں تھے ہی نہیں تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کے شبہات کے تحقیقی جوابات دیئے گئے تھے اور دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کی گئی تھی اب انہیں الزامی جواب دیا جارہا ہے کہ اگر تم دین کے قبول کرنے میں اپنے بڑوں کی پیروی ہی کرتے ہو اور دلائل سے کام نہیں لیتے تو تمہیں چاہئے کہ ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے کیونکہ وہ سب کے مانے ہوئے بزرگ ہیں۔ اور ان کے دین کی حقانیت میں کسی کو اختلاف نہیں اور یہودیت اور نصرانیت میں تم آپس میں بھی متفق نہیں لہذا اس کا ماننا بہتر۔ (کبیر)

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس اس فرماتے ہیں کہ ایک بار یہود کے سرداروں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام سب نبیوں سے افضل ہیں اور ان کی کتابوں توریت تمام کتاب سے اعلیٰ اور یہودی دین تمام دینوں سے بڑھ کر اور قرآن شریف و انجیل کا انکار کرتے ہوئے انہیں یہودی بننے کی رغبت دی اسی طرح نجران کے عیسائیوں نے اپنے دین اپنی کتاب کی افضلیت جانتے ہوئے مسلمانوں کو عیسائیت کی دعوت دی ان دونوں کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان)

تفسیر: **وقالوا** اس کا فاعل یہودی اور عیسائی دونوں ہی ہیں کیونکہ ایک جماعت دو دین کی دعوت نہیں دے سکتی اور ہوسکتا ہے کہ بعض خبثاء نے یوں کہا ہو کہ اسلام چھوڑ دو خواہ یہودی بن جاؤ یا عیسائی ان دینوں میں تو ہدایت ہے اسلام میں بالکل ہدایت نہیں کیونکہ اہل کتاب اسلام کے مقابل ایک ہو جاتے تھے۔ یہود تو مکہ معظمہ جاکر اسلام کے خلاف مشرکین کو لڑانے کے لئے کعبہ کے بتوں کو سجدہ کر آتے تھے اور کہا تھا کہ مسلمانوں کے مقابل تم حق پر ہو ممکن ہے کہ یہ قول بعض منافقوں کا ہو جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے خلاف سازشیں کرتے تھے ان صورتوں میں آیت کریمہ اپنے ظاہر معنی پر ہے **کونوا ھودا او نصریٰ** پہلا قول یہود کا ہے اور دوسرا قول عیسائیوں کا یعنی یہود نے تو کہا کہ تم یہودی بن جاؤ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب کتاب نبی ہیں اور ان کی بڑی شان ہے ان سے رب نے کلام فرمایا اور عیسائیوں نے کہا کہ عیسائی ہو جاؤ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہیں اور بغیر والد کے پیدا ہوئے اور چونکہ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا۔ اس لئے وہ مردہ دلوں کو بھی زندگی بخش سکتے ہیں۔ اگر تم یہ دین اختیار کرلو گے تو **تھتدوا** ہدایت پاجاؤ گے۔ کیونکہ ہدایت ہمارے ہی دین میں ہے **قل** یا تو یہ ہر مسلمان سے خطاب ہے۔ اور یا خاص نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور یہی ظاہر ہے کیونکہ مسلمانوں سے خطاب آئندہ آیت میں ہو رہا ہے یعنی اے نبی علیہ السلام آپ ان اہل کتاب سے فرمادو یا مسلمانوں کو یہ جواب سکھادو کہ **بل ملۃ ابرھیم حنیفا** ایک لفظ تو بل سے پہلے پوشیدہ ہے اور ایک عبارت ملت سے پہلے یعنی ہم تمہاری بات نہ مانیں گے بلکہ ملت ابراہیمی پر رہیں گے۔ اور اس کی اتباع کریں گے یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ اے اہل کتاب ہم تو اس دین پر نہ آئیں گے بلکہ تم کو چاہئے کہ ملت ابراہیمی کو قبول کرلو۔ (تفسیر کبیر) اور یہاں کا مطلب یہ ہے کہ اسلام میں آجاؤ کیونکہ یہ دین ملت ابراہیمی کے موافق ہے۔ حنیفا یہ

www.alahazratnetwork.org

لفظ حنف سے بنا حنف اور جنف دونوں کے معنی ہیں پھرنا اور مائل ہونا مگر حنف میں گمراہی سے ہدایت کی طرف پھرنا ہے اور جنف میں ہدایت سے گمراہی کی طرف لوٹنا۔ حنیف کے معنی ہیں افراط و تفریط سے علیحدہ اور تمام باطل دینوں سے دور اور حق پر قائم اور یہ یا تو ملتہ کا حال ہے بتاویل حال اور یا ابراہیم کا یعنی ہم اس دین ابراہیمی کی یا ان ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرتے ہیں جو خدا کی اور تمام باطل چیزوں سے علیحدہ ہیں تم لوگ رب کو چھوڑ کر غیروں کی طرف جھک گئے کہ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کو اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا مان لیا جس سے وہ مشرک ہو گئے اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ حال ہے کہ **وما کان من المشرکین** کہ وہ خود تو شرک کیا ہوتے مشرکین میں سے تھے بھی نہیں کہ ہر قسم کے شرک اور مشرک سے سخت بیزار تھے۔

خلاصہ تفسیر : یہود و نصاریٰ نے اپنے دینوں میں کاٹ چھانٹ کر کے ایک نیا دین بنا رکھا تھا جس پر ان کو بڑا ناز تھا اسی کو ذریعہ نجات سمجھ کر یہود تو کہتے تھے کہ ہمارا دین پرانا ہے اس کے بغیر ہدایت ناممکن تم سب یہودی بن جاؤ اور عیسائی کہتے تھے کہ ہمارا دین بنی اسرائیل میں آخری ہے اور سب کا ناسخ نجات اسی میں ہے کہ عیسائی بن جاؤ ان سب کے جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم کہہ دو کہ تمہارے مذہبوں میں شرک کی آمیزش ہے اور ابراہیم علیہ السلام کا دین اس سے بالکل پاک صاف کہ نہ تو وہ مشرک تھے اور نہ اب تک ان کے دین میں شرک ملا اور ان بزرگ کا طریقہ طریقہ اسلام تھا ہم اس ملت کے پیرو ہیں اور اس لحاظ سے یہ ہی دین اسلام پرانا دین ہے تمہاری یہ کیفیت ہے کہ عبادت میں حرام حلال کے احکام میں عالم کی خلقت میں اپنے بزرگوں کو خدا کا شریک جانتے کہ خدا کے حرام کیے ہوئے کو ان کی طرف نسبت کر کے حلال جانتے اور رب کے ساتھ اپنے پیغمبروں کی عبادت کرتے ہو۔ اور تمہارا یہ بھی عقیدہ ہے کہ ہمارے پیغمبر اپنے رب کی مرضی کے خلاف ہم کو فتح و نصرت دیتے ہیں ہمیں روزی پہنچاتے ہیں ہمیں اولاد دیتے ہیں اور ہمیں آخرت میں بجز خدا کے عذاب سے بچالیں گے۔ لہٰذا تم در حقیقت مشرک ہو۔ (تفسیر عزیزی)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: ہر شخص اپنے دین کو اچھا کہتا ہے مگر اچھائی کی بہت سی پہچانیں ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بزرگوں کے مطابق ہو۔ اس آیت میں اہل کتاب کی اس طرح تردید کی گئی کہ تمہارا دین ملت ابراہیمی کے خلاف ہے آج جس مذہب کی طرف ہمیں دیوبندی یا قادیانی بلاتے ہیں وہ اسی قاعدے سے جھوٹے ہیں کہ ان کے عقائد بزرگان دین کے خلاف ہیں **دوسرا فائدہ**: اختلاف مٹانے کے لئے مسلمہ بزرگوں کی طرف رجوع کرنا چاہئے دیکھو یہاں تین مذہبوں یعنی یہودیت نصرانیت اور اسلام کے اختلاف پر ابراہیم علیہ السلام کی طرف رجوع کیا گیا اسی لئے فقہاء کے اختلاف کے وقت صحابہ کرام کی طرف اور احادیث کے ظاہری تعارض کے وقت قرآن پاک کی طرف رجوع کیا جاتا ہے **تیسرا فائدہ**: دین کی عظمت دکھانے کے لئے بانیان دین کی تعریف کرنا ضروری ہے دیکھو یہاں ملت ابراہیمی کی عزت کا اظہار ابراہیم علیہ السلام کے مناقب بیان کر کیا گیا یہ ہی محفل میلاد شریف وغیرہ کا مقصود ہے اور یہی اہل سنت کا دین و ایمان ہے کہ اسلام کی عظمت دکھانے کے لئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گیت گاتے ہیں دیوبندی وغیرہ حضور علیہ السلام کی توہین کر کے در پردہ اسلام کی بیخ کنی کرتے ہیں طبیب کی عزت سے اس کے نسخہ کی قدر ہوتی ہے اور بولنے والے کے دبدبہ سے کلام کا وقار۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام ملت ابراہیمی کے بالکل مطابق ہے نہ کہ یہودیت اور عیسائیت اگر اسلام سارے عقائد و اعمال میں اس کے موافق ہے تو نبی آخر الزمان کی تشریف آوری بیکار رہی اور اسلام کا آنا بے فائدہ کیوں کہ ان کا مقصد ابراہیم علیہ السلام سے پورا ہو چکا اور اگر اسلام عقائد میں اس کے موافق اور اعمال میں اس کے خلاف ہے تو یہ بات تو یہودیت اور عیسائیت میں بھی تھی بلکہ سارے آسمانی دین عقائد میں متفق ہیں رب فرماتا ہے **شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابرھیم و موسی و عیسی** پھر اسلام کو اس ملت کے موافق کہنا اور دگر دینوں کو خلاف کیونکر صحیح ہوا خیال رہے کہ الوہیت مسیح یا سیدنا عزیر کے ابن اللہ ہونے کا عقیدہ ان لوگوں کی اپنی ایجاد ہے ہمارا سوال اصلی یہودیت اور عیسائیت سے ہے پہلا جواب: اسلام اور ملت ابراہیمی سارے عقائد اور اعمال کے اصول میں متفق ہیں اسی لئے اسلام ملت ابراہیمی کے موافق ہے نہ کہ شریعت ابراہیمی کے کیونکہ ملت میں صرف اصول کا لحاظ ہوتا ہے اور شریعت میں جزئیات کا بھی لہٰذا اسلام ملت ابراہیمی اور شریعت محمدی ہے۔ باقی دیگر دین صرف عقائد میں دین ابراہیمی کے موافق تھے اور قوانین اعمال میں خلاف لہٰذا وہ ادیان ملت ابراہیمی نہ کہلائے جیسے کہ صاحبین فروعات میں امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہم اجمعین کی مخالفت کر کے بھی حنفی کہلاتے ہیں نہ کہ شافعی۔ کیونکہ یہ حضرات امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے اصول میں بھی مخالف ہیں لہٰذا تمام دینوں کا عقائد میں ایسا اتفاق ہے جیسے مجتہدین کا قرآن حدیث کے ماننے میں یا تمام طبیبوں کا اصل علاج میں اور پھر ان کا آپس میں اختلاف ہے جیسے کہ مجتہدین کا آپس میں اصولی اختلاف یا یونانی اور ڈاکٹری طبیبوں کی اصل علاج میں مخالفت پھر اسلام کی ملت ابراہیمی سے ایسی موافقت ہے جیسے صاحبین کی ابوحنیفہ سے اس لئے قرآن کریم نے فرمایا **ان اولی الناس با برھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی** دوسرا جواب: یہ ہے کہ شریعت محمدیہ اپنے میں شریعت ابراہیمی کو پورا پورا لئے ہوئے ہے۔ یعنی عقائد اصول اعمال اور سارے جزئیات میں اس سے متفق ہے۔ ہاں تکمیل کے لئے ہزارہا جزئیات اس پر زائد ہیں۔ لہٰذا ملت ابراہیمی گویا متن ہے اور شریعت مصطفوی اس کی شرح کہ شرح کرنے والا اگرچہ ہزارہا باتیں زیادہ بتاتا ہے مگر پھر بھی متن کے ساتھ ہوتا ہے اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے **ملتہ ابیکم ابرھیم** نیز فرماتا ہے **ثم اوحینا الیک ان اتبع ملتہ ابرھیم حنیفا** چنانچہ کفار سے جہاد' بتوں کو توڑنا' ختنہ' عقیقہ' مہمانوں کی دعوت' اچھا لباس پہننا' نماز میں ہاتھ اٹھانا' نماز چاشت پڑھنا' نکاح میں گواہ' مہر کا ہونا' نماز میں سجدہ سے پہلے رکوع کرنا' مال کی زکوۃ دینا' ستر ڈھانپنا' کعبہ کو قبلہ بنانا' حج اور قربانی کرنا' مجرم کا شفقہ نہ ہونا' کاہنوں سے دور بھاگنا' کسی تاریخ یا دن کو منحوس نہ ماننا' مصیبت میں صبر کرنا کھیل کود سے بچنا' تصویر و فوٹو سے دور رہنا۔ تارک الدنیا ہونے اور جوگی بننے سے بچنا گھر بار اور بال بچے رکھنا اور روزی کمانا وغیرہ سب ملت ابراہیمی کے مسائل ہیں جو ہمارے ہاں ویسے ہی محفوظ دیگر دینوں میں یہ بات نہیں۔ لہٰذا اسلام ملت ابراہیمی ہے نہ کہ دیگر ادیان (تفسیر عزیزی) اگر کوئی کہے کہ پھر تمہارے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام کے امتی ہوئے نہ کہ افضل نبی اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ اتباع ایسے ہی ہے۔ جیسے کہ پچھلا بادشاہ اگلے سلاطین کے قانون باقی رکھتا ہے۔ گویا ملت ابراہیمی تخم ہے اور دین محمدی سایہ دار پھل والا درخت کہ تخم اجمال ہے درخت اس کی تفصیل دوسرا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام کو حنیف کہہ کر پھر یہ کیوں کہا گیا کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے یہ بات تو حنیف میں آچکی تھی۔ جواب: اس میں موجودہ یہودیوں اور عیسائیوں پر چوٹ ہے کہ تم تو اپنے اصلی دین پر بھی قائم نہ رہے بلکہ مشرک ہو گئے پھر کس منہ سے اپنے کو

www.alahazratnetwork.org

براہیمی کہتے ہو وہ تو شرک سے بہت دور ہے اور تم اس میں مخمور ہو۔ **تیسرا اعتراض:** دین ابراہیمی بھی خدائی دین ہے اور دین موسوی و عیسوی بھی پھر کیا وجہ ہے کہ اسلام نے دین موسوی و عیسوی کو تو منسوخ کیا کہ اب ان کی اتباع گمراہی ہے اور دین براہیمی کی اتباع کو لازم قرار دیا **جواب:** دین ابراہیمی دین فطرت ہے جسے رب نے حضور کے ذریعہ تاقیامت باقی رکھا ہے دین موسوی و عیسوی ہنگامی حالات کے ماتحت عارضی احکام کے حامل کہ حالات بدل جانے پر وہ سب ختم ہو گئے جیسے ایک شخص پر بیماری طاری ہو جانے پر غذائیں و دوائیں مخصوص طور پر لازم ہو جاتی ہیں اس بیماری کے جاتے ہی سب غذائیں اصل حالت پر آ جاتی ہیں بیماری کی غذائیں بند کر دی جاتی ہیں۔ چنانچہ دین موسوی کے احکام اسرائیلیوں کی سرکشی کی وجہ سے بہت سخت تھے کہ توبہ میں مجرم کو قتل کیا جاتا ناپاک کپڑے یا جسم کو کاٹا جاتا تھا۔ جانوروں کی چربی حرام تھی، رب فرماتا ہے **فبظلم من الذین هادوا حرمنا** دین عیسوی میں نہایت نرمی تھی کہ شراب بھی حلال کسی پر جہاد نہیں وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا ایک خطرناک جنگل ہے اور ہم لوگ یہاں کے نو وارد مسافر ہمارا ایمان اصل پونجی اس جنگل میں قزاقی ڈکیتی، رامار ی بہت ہوتی ہے ہر ڈاکو مسافروں کو اپنے گھات کی طرف بلاتا ہے مگر قدرت نے اصل مقصود پر ایک شمع روشن کر دی ہے جو ہر شخص کو دور سے نظر آ رہی ہے اور اس راستہ میں بھی جگہ جگہ پولیس کی چوکیاں اور راہبر موجود ہیں اور کامیاب مسافروں کے نشان قدم بھی نظر آ رہے ہیں مسافر کو چاہئے کہ اس شمع مقصود کی سیدھ پر جائے اور ان رہبروں کی حفاظت میں رہے ان کے قدموں کے نشانوں کو اپنا رہنما بنائے ادھر ادھر دھیان نہ کرے ورنہ مارا جائے گا اور یہ مجبوبوں کی آوازیں محبوب سے روک دیں گی۔ بارگاہ الٰہی سب کی اصل مقصود شمع نبوت اس کا نشان اور شیخ طریقت اس راستہ کے رہبر اہل اللہ کے مزارات وغیرہ اس راستہ کی حفاظت کی چوکیاں گزشتہ نیک بندوں کے حالات یہاں کے آثار قدم اگر مقصود پر پہنچنا ہے تو شیخ کامل کے پیچھے جاؤ۔ جماعت مومنین کے ساتھ رہو اور شمع نبوت پر نظر رکھو **قل بل ملة ابرهیم حنیفا** پر غور کرتے رہو ہر مذہب کی آواز پر نہ چل پڑو۔

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا
ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
کہو تم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور اس کے جو اتارا گیا طرف ہمارے اور اس کے جو اتارا
یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا اور جو اتارا گیا
وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰى
گیا طرف ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد کے اور جو دیا گیا موسیٰ
ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کی اولاد پر اور جو عطا کیے گئے

www.alahazratnetwork.org

وَعِیۡسٰی وَمَاۤ اُوۡتِیَ النَّبِیُّوۡنَ مِنۡ رَّبِّہِمۡ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَیۡنَ اَحَدٍ
اور عیسیٰ کو اور جو دیئے گئے تمام نبی رب ان کے سے نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی
موسیٰ اور عیسیٰ اور جو عطا کیے گئے باقی انبیاء اپنے رب کے پاس سے ہم ان میں سے
مِّنۡہُمۡ ۫ۖ وَنَحۡنُ لَہٗ مُسۡلِمُوۡنَ ﴿۱۳۶﴾
کے ان میں سے اور ہم واسطے اسی کے اسلام والے ہیں
کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے حضور گردن رکھتے ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حضور علیہ السلام سے جواب دلوایا گیا اب کسی قدر تفصیل کے ساتھ مسلمانوں سے جواب دلوایا جارہا ہے اسی لئے وہاں قل تھا اور یہاں قولوا دوسرا تعلق: یہ آیت پچھلی آیت کی گویا تفسیر ہے کہ وہاں فرمایا گیا تھا۔ کہ ہم دین ابراہیمی کی پیروی کرتے ہیں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ اس پیروی کے معنی یہ ہیں کہ سب پیغمبروں کو مانتے ہیں تیسرا تعلق: پچھلی آیت پر اہل کتاب اعتراض کرسکتے تھے کہ تم نے یہودیت اور عیسائیت کو دائرہ ہدایت سے خارج کیا اور ان دونوں کو اشارۃً "مشرک کہا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تم شریعت موسوی اور عیسوی کے منکر ہو۔ لہٰذا تم کافر۔ اس آیت میں جواب دیا گیا کہ ہم ان کے اصلی دین کے منکر نہیں اس کو حق مانتے ہیں تمہاری ایجادات کے منکر ہیں اور اسی کو شرک کہتے ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ یہود یہودیت کی طرف دعوت دیتے ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ کہہ دو ہم سارے پیغمبروں پر ایمان رکھتے ہیں۔ یعنی تم تو اپنے پیغمبروں کو قومیت کے لحاظ سے مانتے ہو کہ وہ اسرائیلی تھے اور غیر اسرائیلی پیغمبروں کا انکار کرتے ہو۔ لہٰذا تمہارے ایمان میں نفسانیت کو دخل ہے ہم جس پیغمبر کو بھی مانتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے اور صاحب معجزات ہیں خواہ اسرائیلی ہوں یا اسمٰعیلی یا کوئی اور لہٰذا یہ ماننا اللہ کے لئے ہے۔

تفسیر : **قولوا** یہ تمام مسلمانوں سے خطاب ہے اس کا مفعول یا تو اگلی عبارت ہے اور یا پوشیدہ عبارت یعنی کہہ دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے الخ یا کہہ دو کہ ہم کفر نہیں کرسکتے اور تمہاری باتوں میں نہیں آسکتے کیونکہ ہم تقیہ باز نہیں اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ یہ خطاب صحابہ سے ہو۔ یعنی اے صحابہ تم دیوار اسلام کی پہلی اینٹ ہو تم اپنے ایمان کا ان الفاظ میں اعلان کرو تاکہ تاقیامت مسلمان تمہاری طرح ایمان لائیں۔ تم تمام مسلمانوں کے معلم ہو سب تمہارے شاگرد۔ اس لئے آگے ارشاد ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا** یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ یہود و نصاریٰ سے خطاب ہو۔ یعنی اے یہودیو، عیسائیو تم لوگوں کو یہودی، عیسائی بنانے کی کوشش نہ کرو بلکہ یوں عرض کرکے مسلمان ہوجاؤ یہ خیال نہ کرو کہ عمر بھر تو کفر کیا اب آخر میں کیا ایمان لائیں سورج پانچ منٹ میں رات بھر کی برف، شبنم کو ختم کردیتا ہے ہم ایک آن میں عمر بھر کے کافر کو بخش سکتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کا حال **امنا بالله** ہم تو اللہ پر ایمان لائے نہ کہ اپنے نفس اور خواہشات پر لہٰذا اس کی ساری کتابوں اور سارے پیغمبروں کو مانیں گے۔ مگر ہاں ان میں بعض بعض سے افضل ہیں اور ہماری کتاب ساروں کی

www.alahazratnetwork.org

جامع ہذا پہلے **وما انزل الینا** اس پر ایمان لائے جو ہم پر اتار آگیا اگرچہ قرآن کا نزول آہستگی سے ہوا مگر چونکہ رمضان یا شب
قدر میں ایک دم بھی اترا ہے اس لئے یہاں انزل فرمایا گیا ہے یعنی ایک دم اتار آگیا اگرچہ قرآن حضور علیہ السلام پر آیا مگر چونکہ
وہ ہمارے مولیٰ ہیں اور ہم ان کے غلام اور محض ہماری ہی ہدایت کے لئے آیا نہ کہ ان کی وہ تو پہلے ہی سے ہدایت پر تھے اس لئے
فرمایا گیا **الینا** کہ ہم سب کی طرف پھر **وما انزل الی ابرھیم** اس پر بھی ایمان لائے جو کہ ابراہیم علیہ السلام پر اتار آگیا کیونکہ
ان کا دین ہمارے دین کے بہت مشابہ ہے خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر کتاب نہ اتری بلکہ دس صحیفے آئے (روح البیان)
اسی لئے دوبارہ انزل فرمایا گیا کہ منزل میں فرق ہے۔ یعنی اتارنے والا۔ مگر اس نے نبی آخر الزمان پر کتاب اتاری اور ان پر صحیفے
واسمٰعیل واسحٰق و یعقوب ان حضرات پر علیحدہ کتاب یا صحیفے نہ آئے بلکہ یہ ابراہیمی صحیفوں کے تابع تھے اور ان پر جو وحی
آتی تھی وہ شریعت ابراہیمی کو کامل کرنے والی تھی۔ اس لئے یہاں علیحدہ انزل نہ فرمایا گیا اور اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اس
پر بھی ایمان لائے جو ابراہیم و اسمٰعیل وغیرہم علیہم السلام پر نازل ہوئے (تفسیر عزیزی) ان کے ناموں میں ترتیب زمانی بھی ہے اور
رتبی بھی۔ **والاسباط** یہ سبط کی جمع ہے جس کے لغوی معنی ہیں شاخوں والا درخت اصطلاح میں خاندان اور قبیلہ کی سبط اسی
لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی ایک شخص سے پھیلتا ہے پھر اس کو سبط کہنے لگے جو قبیلہ کا اصل اور قبیلہ اس کی نسل سے اسی لئے امام
حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو سبطین کہتے ہیں کہ وہ حسنی اور حسینی سیدوں کے اصل ہیں۔ (کبیر و حقانی) قرآن کریم میں اسباط
یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کو کہا جاتا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک ایک قبیلہ کا جد اعلیٰ ہے وہی یہاں بھی مراد ہے ان بارہ میں
سے یوسف علیہ السلام کی نبوت قطعی اور یقینی ہے دوسروں کی نبوت میں اختلاف اور صحیح یہ ہے کہ وہ پیغمبر نہ تھے (عزیزی) اور
اس کی زیادہ تحقیق ہماری کتاب قہر کبریا میں دیکھو ان شاء اللہ سورہ یوسف کی تفسیر میں بھی کی جائے گی۔ لہٰذا ان پر صحیفوں کا اترنا
ایسا ہے۔ جیسا ہم مسلمانوں پر قرآن کا اترنا اگرچہ ان میں سارے اسرائیلی پیغمبر آگئے تھے مگر چونکہ کلام یہود و نصاریٰ سے ہو رہا
ہے نیز موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام ان میں عظیم الشان پیغمبر ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا **وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ** کہ ہم اس پر
بھی ایمان لائے جو ان پیغمبروں کو دیا گیا۔ چونکہ انہیں توریت انجیل کتاب کی شکل دی گئی تھی۔ اس کے علاوہ بہت سے بڑے
بڑے معجزات بھی عطا ہوئے تھے۔ اس لئے یہاں بجائے انزل کے اوتی فرمایا گیا **وما اوتی النبیون من ربھم** ہمارا ایمان
فقط ان مذکورہ پیغمبروں ہی میں محدود نہیں اور نہ صرف ان کی کتابوں پر بلکہ از آدم تا این دم مذکور اور غیر مذکور جس قدر بھی پیغمبر
آئے انہیں کتاب صحیفے' وحی معجزات جو کچھ ملے۔ ان سب پر ایمان ہم لائے یعنی ہمارا ایمان ان پر کچھ تفصیلی بھی ہے اور اجمالی
بھی اے اسرائیلیو تم تو ایمان لانے میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی پیغمبروں میں فرق کرتے ہو۔ لیکن ہمارا یہ حال ہے کہ **لا
نفرق بین احد منھم** ہم ایمان میں کسی میں فرق نہیں کرتے کہ تمہاری طرح بعض پر ایمان لائیں اور بعض پر نہ لائیں بلکہ
سب پر ایمان رکھتے ہیں۔ اور یہاں احد کے معنی ہیں کسی' نہ کہ ایک کیونکہ لفظ بین کثرت کو چاہتا ہے۔ یعنی ان میں سے کسی کے
درمیان اور یہ کیوں نہ ہو کہ **ونحن لہ مسلمون** ہم تو رب کے فرماں بردار ہیں نہ کہ اپنے نفس کے اس کا جو حکم جس وقت بھی
جس پیغمبر پر جس زبان میں آوے۔ ہمارے سر آنکھوں پر۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو تمہیں یہود و نصاریٰ نفسانیت سے اپنے اپنے دینوں کی طرف بلاتے ہیں جن دینوں میں ان

www.alahazratnetwork.org

کے نفس کو دخل ہے۔ تم انہیں جواب دے دو کہ ہمارا ایمان تو اللہ پر ہے اور قرآن کریم پر جو تمام شریعتوں کا جامع اور تمام کی اصل ہے کہ جس کا ماننا سب کا ماننا ہے ہم اللہ پر اور اپنی کتاب پر بھی ایمان لائے اور جو نبیوں کے جد امجد ابراہیم علیہ السلام اور ان کے فرزند ارشد اسمٰعیل علیہ السلام اور اسرائیلی پیغمبروں کے والد ماجد اسحاق علیہ السلام اور ان کے فرزند یعقوب علیہ السلام کے سارے فرزندوں پر اترا اور ان کتب معجزات وغیرہ کو بھی دل سے مانتے ہیں جو موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دی گئیں۔ اور انہیں میں کیا منحصر ہے ہم تو ان ساری کتابوں اور نعمتوں کو حق جانتے ہیں جو سارے پیغمبروں کو ان کے رب سے ملیں ہم تمہاری طرح اپنی طرف سے پیغمبروں میں فرق نہیں کرتے کہ جس کو چاہا مان لیا۔ اور جس کو چاہا نہ مانا کیونکہ ہم تو رب کے مطیع ہیں نہ کہ اپنے نفسوں کے جسے وہ بڑا بنادے ہم اسی کے ماننے کو تیار ہیں خیال رہے کہ انبیاء میں تفریق کی تین صورتیں ہیں نبیوں میں فرق کہ بعض کو مانیں، بعض کو نہیں۔ جیسے یہود کا طریقہ تھا ان کی نبوتوں میں فرق کہ بعض کو اصلی نبی مانیں بعض کو عارضی یہ دونوں تفریقیں کفر ہیں۔ ہاں ان کے مراتب میں فرق کرتے ہیں۔ یہ تفریق رکن یا ایمان ہے رب فرماتا ہے **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** جیسے سارے قرآن پر ایمان ہے مگر بعض آیتیں بعض سے افضل ہیں۔ سارا کعبہ قبلہ ہے مگر رکن اسود و رکن یمانی افضل سارے ماہ رمضان پر ہمارا اعتقاد ہے۔ مگر شب قدر باقی اوقات سے افضل ہے پھر جیسے ہم سب انبیاء کو مانتے ہیں فرق نہیں کرتے ایسے ہی ہم اولیاء اللہ صحابہ کرام اور اہل بیت کو مانتے ہیں۔ فرق نہیں کرتے اگرچہ ان کے فرق مراتب کے قائل ہیں غرضیکہ لانفرق میں بہت وسعت ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے رب کا ماننا آسمانی کتاب کے ماننے پر موقوف نہیں بلکہ ایمان باللہ سارے پیغمبروں اور کتابوں کے ماننے کی اصل ہے دیکھو یہاں اللہ کو ساری کتابوں کے ماننے سے پہلے بیان کیا گیا۔ (تفسیر کبیر) یعنی ہم نے پیغمبروں اور کتابوں کو خدا کیلئے مانا اور اس لئے کہ وہ خدا کے بھیجے ہوئے ہیں خدا کو اس لئے نہ مانا کہ نبی نے فرمایا اسی لئے نبوت سے بے خبر رہنے والے پر بھی خدا کا ماننا ضروری ہے۔ یہ درست ہے کہ نبی خدا کی ذات و صفات کو ظاہر کرتے ہیں تو پیغمبروں سے خدا کا پہچاننا ایسا ہے جیسا کہ دھوپ سے آفتاب کا یہ بہت باریک فرق ہے خیال رہے جیسے حضور علیہ السلام سے اور ان کے بتائے ہوئے قاعدوں سے مشائخ کو پہچانا پھر بذریعہ مشائخ بارگاہ نبوت تک پہنچے جن صوفیاء نے فرمایا کہ میں خدا کو بھی اسی لئے مانتا ہوں کہ وہ رب محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم یا جنہوں نے کہا کہ اگر پروردگار بشکل مصطفیٰ تجلی فرمائے تب میں اسے پہچانوں۔ ان سب کا یہ ہی مطلب ہے اسی طرح جو قرآن پاک میں فرمایا گیا **واذا اخذ ربک من بنی ادم** پھر فرمایا گیا **الست بربکم** اس میں بھی یہ ہی اشارہ ہے کہ رب نے بندوں کو اپنی پہچان یوں کرائی کہ ہم رب محمد ہیں اور پھر ان سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا تو اس عہد میں رب کی ربوبیت کے ساتھ حضور علیہ السلام کی نبوت کا بھی ذکر ہے دوسرا فائدہ: جیسے سو کے عدد میں ساری اکائیاں اور دہائیاں داخل ہیں ایسے ہی حضور کی پہچان میں سارے انبیاء کی پہچان اور قرآنی عرفان میں ساری کتابوں کا عرفان شامل ہے دیکھو اس آیت میں پہلے **ما انزل الینا** فرمایا گیا اور پھر کچھ تفصیل اسی لئے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی زیارت سارے پیغمبروں اور سارے اولیاء کی زیارت ہے مدینہ منورہ کی حاضری سارے آستانوں کی حاضری ہے تیسرا فائدہ: ضروری ہے کہ ایمان میں پیغمبروں کی تعداد کا لحاظ نہ کرے بلکہ اجمالاً "سارے پیغمبروں کو مانے کیونکہ ان کی صحیح تعداد ہم

www.alahazratnetwork.org

کو یقین سے معلوم نہیں اسی لئے یہاں اخیر میں سارے پیغمبروں کا اجمالی ذکر بھی کیا گیا۔ چوتھا فائدہ جس طرح ایمان لانے میں

پیغمبروں میں فرق نہیں۔ ایسے ہی ان کی نبوتوں میں بھی فرق نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ بعض کی نبوت اصلی ہو اور بعض کی عارضی

جیسے کہ اصلی حاکم کی غیر موجودگی میں دوسرا عارضی حاکم چند روز کے لئے کام کرتا ہے اس لحاظ سے سارے پیغمبر اصلی ہی نبی ہیں۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ سب کی نبوت حضور علیہ السلام کے طفیل ہے مگر ہے اصلی جیسے کہ چاند تاروں کا نور آفتاب کے طفیل قصیدہ

بردہ شریف میں ہے۔

فانہ شمس فضل ہم کواکبہا یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

لہٰذا مولوی قاسم صاحب کا دیگر پیغمبروں کو عارضی نبی ماننا غلط ہے اور آیت لا نفرق کے خلاف۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساری کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے۔ پھر تم انہیں منسوخ کیوں

مانتے ہو جواب: اس کا جواب ہم نسخ کی بحث میں دے چکے۔ ایمان اس پر ہے کہ وہ ساری کتابیں رب کی ہیں نسخ کے یہ معنی کہ

وہ اپنے زمانے میں قابل عمل تھیں اب نہیں جیسے حبیب سارے نسخے سچے ہیں مگر پچھلے اب استعمال نہ ہوں گے دوسرا

اعتراض: اس جگہ فرمایا گیا کہ **لا نفرق** دوسری آیت میں ہے **تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض** اور

مسلمان انبیاء کے درجات میں فرق بھی کرتے ہیں اور اپنے پیغمبر کو سید الانبیاء بھی کہتے ہیں ان آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو

جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ایمان میں فرق نہیں کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں درجات میں فرق ہے

دوسرے یہ کہ نبوت میں فرق نہیں بعض کی اصلی اور بعض کی عارضی ہو دیگر درجات میں فرق ہے تیسرے یہ کہ ہم اپنی طرف

سے فرق نہیں کرتے جو خود رب نے فرق بتا دیا ہے۔ اسے مانتے ہیں اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ **لا نفرق** کہ ہم بندے فرق نہیں

کرتے وہاں ہے کہ **فضلنا** رب نے بزرگی دی۔ چوتھے یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایسا فرق نہیں کرتے جس سے دیگر

انبیاء کی توہین ہو جائے جیسے مولوی قاسم صاحب دیوبندی نے تحذیر الناس میں لکھا کہ دوسرے پیغمبر ہمارے حضور علیہ السلام

کے دریوزہ گر یعنی بھکاری ہیں یہ حرام ہے ہاں ادب کا لحاظ رکھتے ہوئے فرق کرتے ہیں اسی لئے ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہم

سارے انسانوں کے سردار ہیں دوسری روایت میں ہے کہ ہم کو یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی مت دو اس کا یہی مطلب ہے کہ

ایسی بزرگی نہ دو کہ جس میں ان کی توہین ہو۔

لطیفہ: ایک نعت خواں نے اعلیٰ حضرت کے سامنے یہ پڑھا۔

شان یوسف جو دبی وہ بھی یہیں آکے دبی

آپ نے فرمایا یوں نہ کہو بلکہ کہو شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اسی گھر سے بڑھی حضور علیہ السلام سب کو بڑھانے والے

ہیں کسی کو گھٹاتے نہیں۔ انہوں نے سارے پیغمبروں کو چمکایا اور سب کی شانیں دوبالا کر دیں۔ تیسرا اعتراض: جو ارکان

ایمان اس آیت میں مذکور ہیں وہ آج سارے کلمہ گو مرزائی وغیرہ مانتے ہیں پھر تم ان سب کو مسلمان کیوں نہیں مانتے اور پھر

حضور نے یہ کیوں فرمایا کہ میری امت کے 73 فرقوں میں ایک ناجی ہے۔ باقی 72 ناری جواب علامات ایمان وقت اور موقع کے

لحاظ سے مختلف ہوتے رہتے ہیں۔ اول اسلام میں حکم تھا کہ **لا الٰہ الا اللہ** پڑھنے والا جنتی ہے۔ پھر بعد ہجرت فرمایا گیا کہ جو

www.alahazratnetwork.org

لا الہ الا اللہ پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے ہمارا ذبیحہ کھائے وہ جنتی ہے اس قاعدے سے یہاں اہل کتاب کے مقابلہ میں گفتگو ہے جو بعض انبیاء کے انکاری تھے لیکن جو تمام نبیوں کو مانتے ہوئے کسی اور رکن اسلامی کے انکاری ہوں ان کے متعلق اور گفتگو ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ : . ایمان گویا کہ جال ہے اور اعمال شکار اسی جال سے شکار ہو سکتا ہے۔ جس کے سارے پھندے مضبوط ہوں اگر ایک پھندا بھی کھل گیا تو جال شکار کے قابل نہ رہا اور پھر دوسرے پھندے بھی کھل جائیں گے۔ سارے انبیاء کرام کو ماننا۔ ساری کتابوں کو حق جاننا اس جال کے پھندے ہیں ایک پیغمبر کے بھی انکار سے ایمان بیکار ہے اور اس سے دوسرے پیغمبروں کا بھی انکار یہ ہی حال اولیاء اور علماء کا ہے تم خواہ کسی سلسلہ میں ہو اور کوئی مذہب رکھتے ہو۔ سارے اولیا اور سارے آئمہ مجتہدین کو حق جانو اور ان کی عظمت کرو ایک ولی کا انکالا ہوا ہمارے اولیاء اللہ کے ہاں سے پھٹکارا جاتا ہے۔ بےشک اپنے ہی شیخ سے لو مگر تعظیم سب کی کرو جیسے ایمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ ایمان میں انبیاء کرام کے درمیان فرق نہ کرے سب پر ایمان لائے۔ ایسے ہی مومن ہونے کیلئے یہ عین شرط ہے کہ ایمان میں اللہ و رسول کے ملانے کا نام ایمان ہے انہیں علیحدہ سمجھنے کا نام کفر۔ قرآن کریم فرماتا ہے **ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ ویقولون نؤمن ببعض ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا اولئک ہم الکفرون حقا** دیکھو یہاں اللہ رسول میں فرق کرنے والوں کا پکا کافر فرمایا گیا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا

پس اگر وہ ایمان لائیں وہ ساتھ مثل اس کے کہ ایمان لائے تم ساتھ اس کے تو بے شک ہدایت پاگئے اور اگر

پھر اگر وہ بھی یوں ہی ایمان لائے جیسا تم لائے جب تو وہ ہدایت پاگئے اور اگر منہ پھیریں تو وہ

هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿﴾

منہ پھیریں پس اس کے سوا نہیں وہ بیچ مخالفت کے ہیں پس عنقریب کفایت کرے گا تمہیں ان کے مقابلہ میں اللہ

نری ضد میں ہیں تو اے محبوب عنقریب ان کی طرف سے تمہیں کفایت کرے گا اور وہی سنتا

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ

اور وہ سننے والا جاننے والا ہے رنگ اللہ کا اور کون ہے زیادہ اچھا اللہ کے رنگ سے اور ہم

جانتا ہے ہم نے اللہ کی رینی لی اور اللہ سے بہتر کس کی رینی ہے اور ہم

عٰبِدُوْنَ ﴿﴾

اس کے لیے عبادت کرنے والے ہیں

اس کو پوجتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یعقوب علیہ السلام کی اولاد کو اسباط فرمایا کہ ان کی بہت عزت افزائی کی گئی تھی۔ شاید موجودہ بنی اسرائیل اس پر فخر کرتے اس لئے اب بتایا جارہا ہے۔ کہ اگر تم صحیح ایمان لے آؤ تو تم اس بزرگی میں داخل ہو ورنہ نہیں **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں اور اہل کتاب میں یہ فرق ہے کہ مسلمان تو سارے پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ بعض پر جس سے شاید مسلمان دھوکہ کھاتے کہ اہل کتاب میں اور ہم میں بہت تھوڑا فرق ہے اور وہ بھی قریبا" ہدایت پر ہی ہیں ہمارے بھائی ہیں کیونکہ صرف ایک دو پیغمبروں کے ماننے ہی میں تو اختلاف ہے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اب فرمایا جارہا ہے کہ جب تک کہ وہ بالکل تمہاری طرح ایمان نہ لے آئیں تب تک ہدایت پر نہیں اور نہ تم سے قریب بلکہ بالکل بے دین اور تمہارے دشمن ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تبلیغ کا حکم تھا کہ تم اہل کتاب کے سامنے اپنا ایمان پیش کرو اب اس کا نتیجہ بیان فرمایا جارہا ہے کہ اگر وہ تمہاری بات سن کر تم جیسے بن جائیں تو فبہا ورنہ وہ گمراہ ہیں **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارکان اسلام میں سے صرف توحید و رسالت کا ذکر تھا باقی ارکان کا ذکر نہ ہوا تھا اب بقیہ تمام ارکان کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اے صحابہ وہ لوگ صرف ان دو باتوں کو ماننے پر کفایت نہ کریں بلکہ تمہاری طرح تمام ایمانیات حشر نشر دوزخ جنت ملائکہ سب پر ایمان لائیں اور توحید و رسالت کو بھی تمہاری طرح جانیں۔

تفسیر : **فان امنوا** اس کا فاعل وہ ہی یہود و نصاری ہیں جو ہدایت کو اپنے میں محدود سمجھے ہوئے تھے اور جن پر ایمانی باتیں پیش کی گئی تھیں۔ یعنی اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں **بمثل ما امنتم بہ** یا تو ما سے ایمان مراد ہے یا دین یعنی اگر یہ تمہارے ایمان کی طرح ایمان قبول کرلیں یا ان چیزوں پر ایمان لے آئیں جن پر تم لے آئے ہو اس کی زیادہ تحقیق ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں آئے گی۔ ہو سکتا ہے کہ امنو میں تمام جن و انس مراد ہوں اور امنتم میں صحابہ کرام سے خطاب ہو۔ یعنی تا قیامت جو جن و انس اے صحابہ تمہاری طرح کا ایمان لائے وہ ہدایت پر ہو گا یعنی مجھے میرے رسولوں کو میری کتابوں کو اس طرح مانے جیسا تم نے مانا ہے۔ تب وہ ہدایت پر ہے اور اگر سب کچھ مانے مگر تمہاری طرح نہ مانے تو گمراہ کا گمراہ ہے تم تمام جن و انس کے ایمان کی کسوٹی ہو۔ **فقد اھتدوا** تو یہ بھی تمہاری طرح ہدایت پا جائیں گے۔ **اھتدوا** افتعال میں آکر یا تو شرکت کے معنی دے رہا ہے یا کمال کے یعنی تمہارے ساتھ ہدایت میں شریک ہو جائیں گے یا کامل ہدایت پالیں گے۔ اس میں اوھر اشارہ ہے کہ ہدایت ان میں محدود تو کیا ہوتی سرے سے ہے ہی نہیں اگر ایمان قبول کرلیں تو وہ بھی تمہارے ساتھ ہدایت میں شریک ہوں گے نیز یہ نہ ہو گا کہ تم پرانے مومن ہونے کی وجہ سے ان سے افضل رہو۔ اور یہ نو مسلم ہونے کی وجہ سے تم سے گھٹیا بلکہ کلمہ پڑھتے ہی تمہاری طرح کامل ہوں گے۔ **وان تولوا** یہ ولی سے بنا جس کے معنی ہیں قریب ہونا۔ باب تفعل میں آکر سلب قرب یعنی دور ہونے کے معنی بنے چونکہ پیٹھ پھیر کر جانے والا دور ہو جاتا ہے اس لئے تولی کے معنی منہ پھیرنا یا پیٹھ پھیرنا کئے جاتے ہیں۔ پھر نہ ماننے کو بھی تولی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہماری رائے سے دور ہو گیا یعنی اگر تمہاری ساری باتیں مان لیں مگر ایک عقیدے سے بھی منہ موڑلیں یا سب کچھ مان کر تمہاری مشابہت سے منہ موڑلیں۔ تو وہ ہدایت پر نہیں اور نہ وہ تمہارے دوست۔ تولوا کی پانچ صورتیں ہیں۔ مسلمانوں کے عقائد سے علیحدہ ہو جائیں مسلمانوں کے اعمال سے ہٹ جائیں۔ جس کلام کو مسلمان اچھا اور

www.alahazratnetwork.org

کار ثواب جانتے ہیں اسے یہ حرام یا شرک کہنے لگے یا صحابہ کرام کے عقائد سے علیحدگی اختیار کریں یا سنت صحابہ کو برا جانیں اور خود صحابہ کرام سے بغض رکھیں یہ سب شیطانی دھڑے میں چلے جائیں گے۔ سنن صحابہ سنن رسول بلکہ سنن الٰہیہ کے ساتھ ایسی ملی ہوئی ہیں۔ جیسے چوکی کے تختوں کے ساتھ کیلیں۔ دیکھو نماز جمعہ فرض 'اذان ثانی' سنت رسول اللہ اور اذان اول سنت عثمانیہ یوں ہی روزہ رمضان فرض تراویح سنت 'تراویح کی ہمیشہ جماعت 'ختم قرآن سنت فاروقی۔ بلکہ قرآن کلام اللہ اس کلورد سنت رسول اللہ اس کا جمع سنت صدیقی مسجد نبوی کی زمین صدیقی عمارت نبوی بلکہ **فانما ھم فی شقاق** وہ تمہاری کھلی ہوئی مخالفت میں ہیں۔ شقاق شق سے بنا جس کے لفظی معنی ہیں شگاف اور علیحدگی **شققنا الارض شقا** ٹکڑے کو بھی شقہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کٹ کر علیحدہ ہو جاتا ہے۔ مخالفت کو بھی شقاق اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس نے ضد کرکے شق مخالفت اختیار کر لی اور شق کے معنی مشقت کے بھی آتے ہیں **الا بشق الانفس** دشمنی کو اس لئے شقاق کہتے ہیں کہ ہر دشمن دوسرے کو مشقت میں ڈالنے کی فکر کرتا ہے (تفسیر کبیر) یعنی وہ ضد میں تمہاری جناب مخالفت میں ہیں اور تم کو مشقت میں ڈالنے کی فکر میں یہاں یہ نہ کہا گیا کہ ان میں ضد ہے بلکہ وہ ضد میں ہیں کہ ضد میں ہیں کہ ضد اور دشمنی ان پر چھا گئی اور غالب آگئی لامحالہ تمہاری ان کی جنگ ہوگی مگر تم یقین رکھو کہ **فسیکفیکھم اللہ** اے نبی علیہ السلام اللہ تمہیں ان کی شرارت سے کافی ہوگا۔ اس پر بھروسہ کرو خیال رہے کہ اس سے پہلی عبارت میں خطاب مسلمانوں سے تھا اور اب صرف حضور علیہ السلام سے ہوا تاکہ معلوم ہو جائے کہ رب کی فتح اور نصرت اپنے حبیب کے لئے ہوگی جو ان کے دامن میں آجائے گا وہ بھی اس سے نفع پائے گا اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ رب تمہاری امداد نہ کرے **وھو السمیع العلیم** وہ تو تمہاری اور ان کی باتوں کو سننے والا اور نیتوں کو جاننے والا ہے تمہاری باتوں میں حقانیت اور نیتوں میں اخلاص ہے ان کے کلام میں شرارت ہے اور دل میں فساد' اور مفسد مغلوب اور مخلص غالب ہوتا ہے۔ یہاں تک ایمان کے ارکان اور اعتقادی مسائل بیان فرما کر ترقی کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم ان سے بھی کہہ دو کہ **صبغتہ اللہ**' یہ صبغ سے بنا جس کے معنی ہیں رنگ بروزن **فعلتہ** کے آکر نوعیت اور حالت کے معنی دے رہا ہے کیونکہ جیسے نماز کے لئے شرط جواز اور ہیں جو علماء بتاتے ہیں اور شرائط قبول کچھ اور جو مشائخ بتاتے ہیں اسی طرح ایمان کے ارکان شرعی اور ہیں جو پہلے بیان ہوئے۔ توحید و رسالت پر ایمان۔ صحابہ جیسا مومن بظاہر بن جانا اور ارکان عشق کچھ اور ہیں یعنی دل میں اللہ کا رنگ چھا جانا تم پہلے ارکان بتانے کے بعد اب دوسرے ارکان بتاؤ کہ **صبغتہ اللہ** صبغتہ یعنی ہم کو اللہ نے خاص رنگ میں رنگ دیا ہے۔ جس سے ہمارا ظاہر و باطن ایسا رنگین ہو گیا کہ کسی پانی سے چھوٹ سکتا ہی نہیں یا تو اس رنگ سے مراد فطرت سلیمہ ہے یا دین اسلام یا تقویٰ اور پرہیزگاری یا وہ نور کے چھینٹے جو ارواح کی پیدائش کے وقت مومنوں پر پڑے تھے یا صوفیائے کرام کے کشف کے رنگ کچھ بھی مراد ہو مطلب یہی ہے کہ ہم اللہ کے خاص رنگ میں رنگے ہوئے خیال رہے کہ جیسے عالم اجسام میں بعض رنگوں سے کپڑے رنگے جاتے ہیں۔ بعض سے لکڑی لوہا وغیرہ ایسے ہی عالم ارواح میں بعض رنگوں سے دماغ و خیالات رنگے ہوئے ہیں۔ بعض سے عقل بعض سے دل ایمان تقویٰ' عشق الٰہی دل کے رنگ ہیں۔ انہیں کو صبغتہ اللہ کہا جاتا ہے چونکہ دل اللہ کا گھر ہے۔ اس لئے اس دل کے رنگ کو اللہ کا رنگ کہا گیا اس کی پالش نیک اعمال ہیں اور اس رنگ کا کاٹ تکبر اور بے صبری ہے **ومن احسن من اللہ صبغتہ** یہ تو بتاؤ کہ اللہ کے رنگ سے بڑھ کر کس کا رنگ ہے کہ دنیوی رنگ پرانے ہو کر پھیکے پڑ جاتے ہیں اور دھل کر یا دوسرے رنگ کے غلبہ سے چھوٹ جاتے ہیں اس کا رنگ

www.alahazratnetwork.org

ایسا ہے کہ نہ پھیکا پڑے اور نہ چھوٹے دیکھو کہ چہرو اور پتھروں کے رنگ کیسے پختہ ہوتے ہیں اور پھر ہم اس رنگ پر ہی نہیں پھولتے بلکہ اس کی جلا کے لئے **ونحن له عبدون** ہم اس اللہ کے لئے یا اس رنگ کے لئے بغیر کسی دوسری لالچ کے رب کی عبادت کرتے رہتے ہیں تاکہ عبادت کے صیقل سے باطنی زنگ دور ہوتی رہے۔

خلاصہء تفسیر : اے مسلمانوں تم یہ نہ سمجھنا کہ اہل کتاب کچھ ہدایت پر ہیں اور تم سے قریب کیونکہ بجز بعض پیغمبروں اور بعض کتابوں کے ساری باتیں مانتے ہیں نہیں بلکہ اگر وہ بالکل تمہاری طرح اسلام کو پورے طور پر قبول کرلیں تو تمہارے ساتھ ہدایت میں شریک ہیں اور تمہارے بھائی اور اگر ایک عقیدے سے بھی الگ رہیں تو یقین کرلو کہ وہ ضدی تمہارے پورے دشمن ہیں اور تم سے ان کے مقابلے مجادلے مقاتلے ضرور ہوں گے مگر اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ مسلمانوں کی کمی اور غریبی پر نظر نہ فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے لئے ان کے مقابلے میں کافی اور وافی ہے آپ اور آپ کی چھوٹی سے مخلص جماعت ان سب پر غالب آئے گی اور یہ اللہ کی رسی سے بندھی ہوئی مٹھی بھر جماعت کفر کے سارے بکھرے ہوئے کوڑے کو جھاڑ کر پھینک دیگی رب نے یہ وعدہ پورا فرمایا کہ چند سال کے اندر یہود میں سے بنی قریظہ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوئے اور بنی نضیر جلاوطن اور اہل خیبر مسلمانوں کی رعایا بنے چونکہ عیسائیوں نے اس وقت کوئی خاص شرارت نہ کی بلکہ ان کے بادشاہ نجاشی نے اسلام قبول کیا۔ نجران کے عیسائیوں نے صلح کرلی ہرقل قیصر روم نے تکبر و عناد نہ کیا بلکہ عقیدت مندی ظاہر کی اس لئے عیسائی اس قہر میں گرفتار نہ ہوئے یا اے محبوب کے صحابہ قیامت تک کے جن وانس اگر تم جیسا ایمان اختیار کریں تب تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے اور اگر تمہاری رہنمائی سے منہ پھیریں تو اگرچہ تمام ایمانیات کے ماننے کا دعویٰ کریں مگر وہ دنیا میں مرتے وقت اور قیامت میں مومنوں میں نہ ہوں گے بلکہ مومنوں کے مقابل جانب کفار کی صفوں میں ہوں گے کیونکہ تم صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ ہو۔ تمام دنیا کے ایمان کے کسوٹی ہو۔ خیال رہے کہ مومن و کافر دنیا میں اگرچہ ایک گھر میں ہی رہتے ہوں مگر الگ ہیں۔ اور دو مومن اگر مشرق و مغرب میں ہوں مگر ساتھ ہیں اس طرح اگر مومن و کافر ایک ہی قبر میں دفن ہوں مگر الگ ہیں دو مومن اگرچہ مشرق و مغرب میں دفن ہوں مگر ساتھ ہیں۔ قیامت کے دن پہلے سارے مومن و کافر ایک جگہ جمع ہوں گے۔ پھر فرما کر چھانٹ کردی جائے گی مومن عرش کے داہنے طرف اور کافر بائیں طرف **فانما وامتازوا الیوم ایها المجرمون** ھم فی شقاق کی جلوہ گری ہر جگہ ہوگی۔ حاکم نے مستدرک میں روایت کی کہ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک روز عثمان غنی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے فرمایا کہ اے عثمان تم سورت بقر پڑھتے ہوئے شہید ہوگے اور تمہارا خون اسی آیت پر پڑے گا **فسیکفیکهم الله** محدثین و مؤرخین فرماتے ہیں کہ جب مصری لوگ قتل کے ارادہ سے حضرت عثمان کے گھر میں گھسے تو وہ قرآن شریف کھولے ہوئے یہی رکوع پڑھ رہے تھے ایک شقی نے آپ کے ہاتھ پر تلوار ماری۔ جس سے خون نکل کر اسی لفظ پر پڑا آپ قرآن پاک کو صاف کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ خدا کی قسم سب سے پہلے اسی ہاتھ نے قرآن لکھا ہے بہت عرصہ کے بعد لوگوں نے اس قرآن پاک کی زیارت کی اور اس پر خون کا اثر دیکھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان مصریوں میں سے سب برے حال پر مرے۔ (عزیزی) بلکہ خون عثمانی ہی کا یہ اثر ہوا کہ مسلمانوں کا شیرازہ بکھر گیا اور قیامت تک کے لئے ان میں کشت و خون جاری ہوگیا۔ اب ہم پھر تفسیر کی طرف آتے ہیں۔ عیسائی اپنے بچوں کی پیدائش کے ساتویں

www.alahazratnetwork.org

سال اور دو سروں کو عیسائی بناتے وقت زرد پانی کے حوض میں غوطہ دیتے تھے جس کا بپتسمہ رکھتے اور کہتے کہ یہ اب عیسائی بنا اور عیسائیت کے رنگ میں رنگا گیا۔ اور وہ سمجھتے تھے کہ اس پانی میں عیسیٰ علیہ السلام کے غسل کا پانی ملا ہوا ہے جگہ جگہ حوضوں میں وہ پانی ملا دیا گیا تھا اس پانی کا نام ماء معمودیہ تھا۔ اور سنا گیا ہے کہ اب بھی عیسائی بناتے وقت اس پر پانی چھڑکتے ہیں یا اوری کے بدن کا صوون ڈالتے ہیں رب تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ اس رنگ سے کیا ہوا جس سے فقط دو چار دن کے لئے جسم رنگین ہو گیا اور بعد میں کچھ نہ رہا مسلمانوں تم کہ دو ہمیں اللہ نے دین کے رنگ میں ایسا رنگا ہے کہ ہمارا ظاہر و باطن ہمیشہ کے لئے رنگ گیا کہ دل و دماغ رب کے متوالے بن گئے ہاتھ اس کے آگے بندھ گئے سر سے پاؤں تک وضع قطع شکل و صورت لباس سب مسلمانوں کی طرح ہو گیا اخلاق و آداب' چال چلن۔ رنگ ڈھنگ ان سب میں کسی اور ہی محبوب کا جلوہ نظر آنے لگا اور پھر شریعت نے اس رنگ پر عبادت کی پالش کر دی اور ہمیں عابد بنا دیا خیال رہے کہ دنیا کے سارے رنگ کچے اور نافانی ہیں ظاہری رنگ فقط کھال پر فلسفہ کا رنگ فقط عقل پر بدعات اور ناجائز رسموں کا رنگ فقط وہم پر منسوخ دینوں کا رنگ فقط عادت پر دنیوی محبت کا رنگ فقط شہوت پر حکومت کا رنگ مال پر یا غضب پر اور پھر یہ سارے رنگ جلد مٹنے والے لٰلّٰہ کا رنگ وہ رنگ ہے۔ جو ظاہر و باطن سب پر چڑھ جائے اور کبھی نہ چھوٹے اللہ ان رنگے ہوئے محبوبوں کے طفیل ہمیں بھی رنگ دے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مومن بننے کے لئے سارے عقائد کا ماننا ضروری ہے ایک عقیدے کا منکر بھی ویسے ہی پورا کافر ہے جیسے سارے عقائد کا منکر لہٰذا جو لوگ قادیانیوں یا دیوبندیوں یا دیگر مرتدین کو اپنا بھائی سمجھیں اور انہیں اسلام سے قریب جانیں وہ سخت غلطی پر ہیں **دوسرا فائدہ:** ہر کافر مسلمانوں کا پورا دشمن ہے۔ ان سے دوستی کی امید غلطی ہے۔ قرآن مجید کی ساری خبریں سچی ہیں اس نے فرمایا **فانما ھم فی شقاق** **تیسرا فائدہ:** فتح و نصرت اور غلبہ رب تعالیٰ سے ملے گا نہ کہ سب سے سب کو راضی کرنے کے لئے رب تعالیٰ کو ناراض نہ کرو۔ بلکہ خود صحیح مسلمان بنو اور اللہ اور رسول کے مخلص فرمانبردار بندے اپنی جماعت بڑھانے کے لئے بے دینوں کو اپنے میں نہ ملاؤ عطر بڑھانے کے لئے اس میں پیشاب مت بڑھاؤ کیونکہ اس سے عطر فنا ہو جائے گا **چوتھا فائدہ:** یقیناً مسلمانوں کو اللہ کافی مگر حضور علیہ السلام کی طفیل اسی لئے فرمایا گیا **فسیکفیکھم اللہ** **پانچواں فائدہ:** بغیر صفائی باطن ظاہری زینت بیکار ہے اور بغیر صفائی ظاہر کے باطنی صفائی ناقص کامل وہی ہے جس کی سیرت و صورت دونوں اسلامی رنگ میں رنگے ہوں جو کہتے ہیں کہ داڑھی میں کیا رکھا ہے کہ دل پاک چاہئے وہ اس آیت کو غور سے پڑھیں **چھٹا فائدہ:** جسے اللہ رنگ دے وہ کبھی۔ خفقلہ تعالیٰ بے رنگ نہیں ہو سکتا جو مسلمان مرتد ہوئے سمجھو وہ اللہ کا رنگ ہوا نہ تھا **ساتواں فائدہ:** دین رنگ ہے اور عبادت اس کی پالش یا دافع زنگ۔ فاسق مسلمان کا رنگ گناہوں کے غبار سے پھیکا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** صحابہ کرام درستی ایمان کی کسوٹی ہیں کہ قیامت میں جس کا ایمان صحابہ سا ہو گا وہ مومن صادق ہے۔ جس کا ایمان ان کے خلاف ہو گا وہ بے ایمان ہے۔ اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا میری امت کے 73 فرقے ہوں گے ایک کے سوا سارے دوزخی ہوں گے عرض کیا گیا حضور وہ فرقہ کون سا فرمایا **ما انا علیہ واصحابی** دیکھو یہاں رب نے فرمایا اے صحابہ اگر وہ تمہارا سا ایمان لائیں تو ہدایت پائیں گے۔ نیز حضور نے فرمایا میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی پیروی کرلو ہدایت پاؤ گے۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض : پہلا اعتراض: بمثل ما آمنتم به سے سمجھا گیا کہ اہل کتاب کو چاہئے کہ ہمارے دین کی مثل پر ایمان لائیں حالانکہ اسلام بے مثل ہے کیونکہ ہمارا رب بے مثل ہے ہمارے پیغمبر ہمارا قرآن ہمارا کعبہ وغیرہ سب ہی بے مثل ہیں پھر اس آیت کا مطلب کیا؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ما مصدریہ ہے اور ب استعانت کی تو مطلب یہ ہوا کہ تمہاری طرح خالص اور نفاق سے پاک وصاف ایمان قبول کریں لہٰذا یہاں ایمان کی ایمان سے تشبیہ ہے نہ کہ دین کی دین سے کہ ان کا ایمان تمہارے ایمان جیسا ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں مثل زائد ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اس پر ایمان لائیں جس پر تم لائے ہو یعنی تمہاری طرح قرآن شریف اور نبی آخر الزمان کو مانیں۔ تیسرے یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنی کتابوں پر ایسا ایمان لائیں جیسا کہ تم قرآن پر لائے یعنی انہیں بغیر تحریف تبدیل کے مانیں اور ظاہر ہے کہ اس صورت میں وہ ضرور مسلمان ہو جائیں گے کیونکہ ان کی کتابوں میں اسلام لانے کا حکم ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ 'ب' استعانت کی ہے اور ما سے مراد دلائل ہیں یعنی اہل کتاب تمہاری طرح دلائل سے ایمان لائیں نہ کہ نفسانی خواہش سے۔ دوسرا اعتراض: فقد اهتدوا سے معلوم ہوتا ہے اہل کتاب ہدایت پر تو ہیں مگر اسلام لانے سے اس میں ترقی ہو جائے گی کیونکہ اهتدوا کے معنی ہیں کہ ہدایت میں کامل ہو جائیں گے حالانکہ وہ تو بالکل کافر ہیں۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا تو اس سے مراد ہے ہدایت میں مسلمان کے ساتھ شریک ہو جانا یہ کہ اسلام لاتے ہی کامل ہدایت پر ہوں گے نہ کہ ناقص۔ تیسرا اعتراض: یہاں دین کو رنگ کہا گیا؟ جواب: اس لئے کہ جیسے رنگ کپڑے کے تار تار میں سرایت کر جاتا ہے ایسے ہی ایمان مسلمان کے رگ و ریشہ میں اثر کرتا ہے کہ دل و دماغ کو برے خیالات اور ظاہری اعضاء کو گناہ سے بچاتا ہے۔ چوتھا اعتراض: بمثل ما آمنتم به سے معلوم ہوا کہ ہدایت اسلام میں محدود ہے دوسری آیتوں میں اس کی تصریح بھی ہے اور اہل کتاب بھی اپنے دین میں ہدایت محدود مانتے تھے ان کی تردید کی گئی تو اسلام کے اور اہل کتاب کے عقیدہ میں فرق کیا؟ جواب: چند فرق ہیں ایک یہ کہ اہل کتاب میں نفسانیت ہے اور اسلام میں للہیت دوسرے یہ اہل کتاب بعض انبیاء کا انکار کرتے ہیں مسلمان سب کا اقرار تیسرے یہ کہ اہل کتاب کو کتابوں نے قرآن اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی خبر دی تھی اور بتایا تھا کہ ان کی آمد پر ہم سب منسوخ ہو جائیں گے اسلام کی کتاب یعنی قرآن نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے اب دروازہ نبوت کے بند ہونے کی خبر دی لہٰذا اہل کتاب کا اپنے میں ہدایت کو محدود ماننا غلط ہے اور اسلام کا یہ دعویٰ کہ صرف قرآن ہی میں ہدایت ہے صحیح ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ نفسانیت میں ہدایت نہیں للہیت میں ہے۔ انبیاء کرام کے انکار میں ہدایت نہیں ان کے ماننے میں ہے رب تعالیٰ کی مخالفت میں ہدایت نہیں اس کی اطاعت میں ہے۔ کوئی اندھا ہی اس کا انکار کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ : زندگی ایک دراز سفر ہے دنیا خطرناک جانوروں، چور، ڈاکوؤں سے بھرا ہوا جنگل ایسے سفر میں مسافر کو تین چیزیں درکار ہوتی ہیں اچھی سواری کافی توشہ زاد راہ اور اچھے قافلے کی ہمراہی ورنہ مسافر راستہ میں ہلاک ہو جائے گا۔ منزل مقصود تک نہ پہنچے گا۔ ایمان اس راستہ کی سواری ہے نیک اعمال توشہ اور صحابہ کی جماعت اچھا قافلہ ہے جس کے ساتھ رہنا ہر مسافر کو لازم ہے۔ خیال رہے کہ جسمانی ہمراہی کے لئے جگہ اور وقت کا ایک ہونا ضروری ہے مگر ایمانی روحانی ہمراہی کے لئے یہ کچھ بھی ضروری نہیں بلکہ رشتہ ایمانی میں بندھا ہوا ہونا کافی ہے تاقیامت ہر جگہ کے مسلمان۔ بفضلہ تعالیٰ صحابہ کرام کے ساتھ

www.alahazratnetwork.org

ہیں اس لئے ارشاد ہوا کہ جو صحابہ کی طرح ایمان لائے گا وہ منزل مقصود کی ہدایت پائے گا۔ جو ان سے منہ پھیرے گا۔ وہ دوسرے کنارہ یعنی ہلاکت میں پڑے گا۔ صوفیائے فرماتے ہیں اللہ تعالٰی تاقیامت حضور کے لئے کافی ہے اور آپ کا فوق الاسباب اور اسباب کے ساتھ مددگار ہے۔ ہر مسلمان کو حضور کی تائید غیبی پہنچتی رہتی ہے اور فسیکفیکھم اللہ کے جلوے نظر آتے رہیں گے۔

دوسری تفسیر : رنگ کے لئے چند چیزیں چاہئیں۔ رنگ بنانے والا۔ رنگ جمانے والا۔ رنگ قبول کرنے والا۔ دین اسلام رنگ ہے جو کہ کارخانہ قدرت میں تیار ہوا۔ رب نے تیار کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رنگ جمایا۔ مسلمانوں کے دل و دماغ اور ظاہر و باطن نے قبول کیا اور عبادت اور ریاضت نے اس میں جلا دی اور پالش کی اللہ کا رنگ اولا" بندوں کے دل پر چڑھتا ہے۔ اور پھر اس کا اثر ہر اوپر ظاہر ہوتا ہے۔ اور یہ میخانہ طیبہ سے بنتا ہے اسی رنگ نے نہ معلوم کسے کیا کیا کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

رنگ ہائے نیک از خم صفا است
رنگ زشتاں از سیاہ آب جفاست
صبغۃ اللہ نام آں رنگ لطیف
لعنۃ اللہ بوئے ایں رنگ کثیف

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی صحبت پاک سے بعض حضرات کے ظاہری رنگ بھی بدل گئے کالے تھے گورے ہو گئے۔ حبشی تھے رومی ہو گئے۔

حکایت : مثنوی شریف میں ہے کہ ایک جنگل میں لشکر اسلام پیاسا تھا۔ کسی کافر کا غلام پانی کے مشکیزے اونٹ پر لادے ہوئے اپنے مولی کے پاس جا رہا تھا سرکار کے حکم سے اسے روک کر اس کے مشکیزوں سے سارے لشکر کو پانی پلا دیا گیا اور لشکر کے مشکیزے بھر دیئے گئے لیکن غلام کا پانی اتنا ہی رہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کالے غلام کو سینہ سے لگا کر فرمایا کہ جا۔ اللہ جانے ایک آن میں اسے کیا دے دیا کہ وہ نہایت حسین و جمیل خوبصورت جوان ہو گیا۔ جب وہ اپنے مولی کے پاس پہنچا تو وہ اسے پہچان نہ سکا اور کہنے لگا کہ تو کون ہے اور میرا غلام کہاں گیا؟ وہ بولا کہ میں ہی تیرا غلام ہوں۔ مولی نے کہا وہ کالا تو گورا وہ حبشی تو رومی اس نے جواب دیا۔

صدر را دیدم و بدرے گشتہ ام
صاحب رفعتے و قدرے گشتہ ام
صبغۃ اللہ ہست رنگ خم او
پیشہا یک رنگ گردد اندر او

یعنی میں تھا تو حبشی ہی مگر کچھ دیر صدر نبوت کے پاس بیٹھ کر بدر بن گیا اور میری عزت و قدر بڑھ گئی اس کے پاس اللہ کے رنگ کی ایک کنٹ تھی۔ جس میں غوطہ دے کر رنگ برنگوں کو یک رنگ بنا تا تھا اور بے رنگوں کو رنگ برنگ اس کنٹ کے رنگ سے کوئی صدیق بن گیا کوئی فاروق۔ اس غلام کے طفیل اللہ وہ رنگ ہم پر بھی چڑھا دے ونحن لہ عبدون سے معلوم ہوا کہ عارفین تو رضائے الٰہی کے لئے عبادت کرتے ہیں نہ کہ جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف سے اگر رب تعالٰی جنت و دوزخ نہ بناتا تو کیا عبادت کا مستحق نہ ہوتا؟ خیال رہے کہ عبادت اور ہے اور عبودیت کچھ اور۔ اور عبودیت کا کچھ اور ہی طور عبادت جسم سے ہوتی ہے۔ عبودیت نفس اور روح سے صوفیاء فرماتے ہیں کہ عابد وہ ہے جو چاروں چیزوں سے نہ گھبرائے۔ بھوک ننگ

www.alahazratnetwork.org

ہونا فقیری اور دولت بعض نے فرمایا کہ بندہ پر چار وقت آتے ہیں ہر وقت کی علیحدہ عبادت نعمت اور بلا۔ معصیت اور اطاعت نعمت میں شکر۔ بلا میں توبہ اور اطاعت میں استقامت عبادت ہے اور یہ وہی کر سکتا ہے کہ جس کا نفس مردہ ہو نفس کی موت روح کی زندگی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تازہ کن ایمان زاز گفت زبان — اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں
تا ہوا تازہ است ایمان تازہ نیست — کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ایمان ہرا بھرا باغ ہے، شیطان چور، خواہش نفسانی پالا۔ اس باغ کو ان دونوں سے بچاؤ۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا

کہہ دو کیا جھگڑا کرتے ہو تم ہم سے بیچ اللہ کے حالانکہ وہ رب ہے ہمارا اور رب ہے تمہارا اور
تم فرماؤ کیا اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو حالانکہ وہ ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی اور ہماری کرنی ہمارے

وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿١٣٩﴾

واسطے ہمارے اعمال ہیں ہمارے اور واسطے تمہارے اعمال ہیں تمہارے اور ہم واسطے اس کے اخلاص والے
ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ اور ہم نرے اس کے ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں کہا گیا تھا کہ اے مسلمانو اہل کتاب سے کہہ دو کہ ہم خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں۔ جس پر وہ کہہ سکتے تھے کہ تم تو آج نئے مومن اور عابد ہوئے اب تک مشرک تھے ہم صدیوں سے ان خدائی رنگ میں رنگین اور اس کی عبادت میں مشغول ہیں لہٰذا ہم اس رنگ میں ہیں نہ کہ تم اس کے جواب میں بتایا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ کے ہاں نئے پرانے کا لحاظ نہیں اعمال کا لحاظ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے مضمون پر اہل کتاب اعتراض کر سکتے تھے کہ اسلام اللہ کا رنگ نہیں اور نہ حضور علیہ السلام اس کے نبی نہ تم خدا کے پیارے کیونکہ ہمارا دین پرانا سارے پیغمبر ہمارے ہی نسب میں ہم ہی رب کے محبوب تمہیں اطاعت پر وہ ثواب نہیں مل سکتا جو ہم گناہ کر کے پا لیتے ہیں کیونکہ ہم اس کے پیارے ہیں اور پیارے کی نافرمانی غیروں کی فرمانبرداری سے بڑھ کر ہے۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ رب کی محبوبیت اعمال سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ نسب سے تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں رنگ اور رنگنے والے دونوں کا ذکر ہوا۔ چونکہ اے یہودیو! تمہارے دلوں پر نفسانی، شیطانی رنگ چڑھے ہوئے ہیں تو ان پر روحانی رنگ کیسے چڑھے ہم اپنے دل ان رنگوں سے دھو کر خالص مخلص بندے ہو گئے۔ لہٰذا ہم رنگین ہیں۔ جیسے صاف کردہ تختی پر لکھا جاتا ہے نہ کہ پہلے نقش والی پر۔

شان نزول: یہود نے مسلمانوں سے کہا کہ ہماری کتاب سب سے پہلی، ہمارا قبلہ پرانا، ہمارا دین قدیم سارے انبیاء ہم ہی میں لہٰذا ہم ہی سچے اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوتے تو ہم میں سے ہوتے نہ کہ عرب کے بت پرستوں میں سے ان کی

www.alahazratnetwork.org

تردید میں یہ آیت کریمہ اتری۔

تفسیر : قُل شان نزول اور اگلی ضمیروں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمانوں سے خطاب ہے کہ اے مسلمانوں تم اہل کتاب سے کہہ دو اور ہو سکتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہو یعنی اے محبوب علیہ السلام آپ مسلمانوں سے فرماویں کہ وہ اہل کتاب سے کہیں کہ **اتحاجوننا** کیا تم ہم سے حجت بازی کرتے ہو یہ لفظ **محاجتہ** سے بنا جس کا مادہ حجت ہے اس کے معنی ہیں ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنے دعویٰ پر دلیلیں قائم کرنا یعنی آپس میں جھگڑا **فی اللّٰہ** یا تو یہاں دین وغیرہ پوشیدہ ہے یا نہیں یعنی تم ہم سے اللہ کے دین کے بارے میں جھگڑے ہو کہ ہم تو کہیں کہ ہمارا دین سچا اور تم کہو کہ ہمارا یا خدا کے بارے میں جھگڑتے ہو کہ تم کہو کہ خدا ہمارا ہی ہے مسلمانوں کا نہیں تمہارا یہ دعویٰ غلط ہے خیال رہے کہ اللہ کے بارے میں جھگڑے کی پانچ صورتیں ہیں اللہ کی ہستی کا جھگڑا کہ رب کی ذات ہی کا انکار کیا جاوے۔ اس کی صفات میں جھگڑا اس کے احکام میں جھگڑا یا اس کے کسی سچے نبی میں جھگڑا اس کے اولیاء میں جھگڑا یہاں آخری تین جھگڑے مراد ہیں۔ رب پر الزام لگانا کہ ہم گناہ بھی کریں تو اس نے ہمیں رنگ دیا ہے یا حضور کی نبوت کا انکار یا صحابہ کی حقانیت کا انکار کیونکہ **وھو ربنا و ربکم** ہمارا بھی مالک ہے اور تمہارا بھی یعنی اس کی ربوبیت سب کو شامل ہے اور بندہ ہونے میں ہم تم برابر پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ تمہارے تو گناہ بھی بھلے ہوں اور ہماری نیکیاں بھی بری اس کی بارگاہ میں یہ ناممکن ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے ربوبیت جسمانی کے لئے کچھ قوانین مقرر کئے ہیں جن میں نبی زادے 'بادشاہ زادے 'فقیر زادے 'سب وابستہ ہیں کہ ہر شخص انسانی غذا کھا کر ہی جی سکتا ہے کوئی بادشاہ بھی سونا چاندی ہیرے جواہرات یا مٹی کھا کر نہیں جیتا۔ یوں ہی روحانی ربوبیت کیلئے قواعد مقرر ہیں جن میں سارے انسان وابستہ ہیں۔ نبی زادے کفر کر کے محبوب رحمانی نہیں بن سکتے سب کو ایمان و اعمال کی ضرورت ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کفار کا رب ہے قہر کے ساتھ اور مسلمانوں کا رحم کے ساتھ جیسے حکومت پھانسی کے مجرم کو بھی کھلاتی ہے اور اپنے خاص ملازم کو بھی اب رہی عبادات اس کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ جو اس کے فرمان کے مطابق ہو گی وہ قبول ورنہ مردود لہٰذا **ولنا اعمالنا** ہمارے اعمال ہمارے واسطے مفید کیونکہ اس کے قوانین کے مطابق ہیں اور پھر یہ بھی ہم نہیں کہتے کہ تمہاری ساری نیکیاں برباد بلکہ **ولکم اعمالکم** تمہاری بھی وہ نیکیاں کار آمد تھیں جو تم نے پہلے اپنے دین کے مطابق کی تھیں جب کہ تمہارا دین منسوخ نہ ہوا تھا۔ (تفسیر عزیزی) اس صورت میں اعمال سے ان کی گزشتہ نیکیاں مراد ہیں جو ان کے بزرگوں نے ان کے فتح دین سے پہلے کیں۔ جن کی نسبت ان کی طرف مجازاً" ہے یا لکم کلام علی کے معنی میں ہیں یعنی اب جو تم بد عملیاں اور منسوخ احکام پر عمل کئے جا رہے ہو وہ تمہارے لئے سخت نقصان دہ ہیں کیونکہ رب کے قوانین کے خلاف ہیں۔ (روح البیان) خلاصہ یہ کہ تمہارے اعمال میں نفسانیت اور رسم و رواج کی پابندی کو دخل ہے لہٰذا برباد اور ہمارے اعمال کار آمد کیونکہ **ونحن له مخلصون** ہم خالص اس اللہ کے بندے ہیں اور اسی کے رضا کے لئے سب کچھ کرتے ہیں رسم و رواج کو دخل نہیں دیتے۔

خلاصہ تفسیر : اے یہودیو! تم اللہ کے بارے میں ہم سے کج بحثی نہ کرو اور اپنے کو رب کا پیارا بلاوجہ نہ جانو یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ تم بد عملی کر کے بھی پیارے ہی بنے رہو اور ہم نیکیاں کر کے بھی اس سے دور رہیں جب ہم بھی اس کے بندے اور تم بھی اور وہ ہمارا بھی رب ہے اور تمہارا بھی تو وہ ناحق طرف داری کیوں کرے گا اس کی بارگاہ میں قبولیت بذریعہ اعمال ہے آؤ ہم تم

www.alahazratnetwork.org

اپنے اپنے اعمال کو اخلاص کی کسوٹی پر کسیں ہمارے اعمال تو رب کے لئے ہیں اور اس کے قانون کے مطابق اور تمہارے اعمال اپنی قوم کے لئے ہیں اور برادری کے قانون کے مطابق لہذا یہ مقبول اور وہ مردود خیال رہے کہ جیسے تختی صاف ہونے میں پانی ' کھریا پھر دھوپ کی ضرورت ہے ایسے ہی دل کی تختی صاف ہونے میں آنکھوں کے پانی عبادت کی کھریا اور عشق کی تپش کی ضرورت ہے۔ نحن له مخلصون ان تمام کی طرف اشارہ ہے پہلے روئی کو بنولوں سے خالص کرو پھر اسے صدہا چکر دو پھر کپڑا تیار ہو گا۔

دوسری تفسیر : اے اہل کتاب ہم تمہاری طرح صرف اپنی ذات کو جنت کا ٹھیکیدار نہیں سمجھتے۔ اللہ ہمارا تمہارا دونوں کا رب ہے لہذا ہمارے موجودہ عمل جو اس دین کے موافق ہیں وہ قبول اور تمہارے بزرگوں کے گزشتہ اعمال جو اس دین کے موافق تھے وہ قبول اور ہم یہ انصاف کیوں نہ کریں ہم تو رب کے خالص بندے ہیں اس کے فرمان پر سر جھکانا نفسانیت سے دور رہنا ہمارا پہلا فرض ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ دنیا میں ہر برا بھلا بندہ رب کی ربوبیت سے فائدہ حاصل کرتا ہے یہاں کی امیری غریبی سے کسی کی مقبولیت یا مردودیت کا پتہ نہیں چل سکتا۔ ہاں اس کا ظہور تو ان شاء اللہ قیامت میں ہو گا دوسرا فائدہ: آسمانی دین اپنے اپنے وقتوں میں بندوں کے لئے ذریعہ نجات تھے۔ لہذا انہیں گزشتہ یہودی اور عیسائیوں کو کافر فاسق نہیں کہنا چاہئے اس زمانے میں ان میں بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں تیسرا فائدہ: منسوخ دین اختیار کرنا گمراہی ہے اور ان کے اعمال جو پہلے نیکیاں تھیں اب گناہ جو ان آدمی ہاں کا دودھ پیتے تو گنہگار بچے کے لئے اس کا پینا ضروری کیونکہ یہ بچپن کی غذا ہے نہ کہ جوانی کی چوتھا فائدہ: نفسانیت سے کسی کی برائی نہ کرو ہاں للہیت سے بدوں کو برا کہنا ثواب کہ له مخلصون سے معلوم ہوا سب کو برا کہنا بھی برا اور سب کو اچھا کہنا بھی برا بروں کو اچھا اور اچھوں کو برا کہنا کفر ہے صلح کل اور نیچری اس آیت سے عبرت پکڑیں شریعت کے فرمان کے مطابق نرم و گرم ہونا چاہئے پانچواں فائدہ: اپنے کمال ایمان ' اخلاص ' وغیرہ نعمتوں کو بیان کر کے لوگوں میں اس کا اعلان عبادت ہے۔ جس کا قرآن نے حکم دیا بشرطیکہ اپنی شیخی کے لئے نہ ہو رب کے شکر کے لئے ہو۔ چھٹا فائدہ: تمام صحابہ کرام مخلصین کاملین تھے کہ رب نے انہیں اپنے اخلاص کے اعلان کا حکم دیا جو ان کے اخلاص کا انکار کرے وہ اس آیت پاک کا منکر ہے افسوس ہے کہ جن بزرگوں کے ایمان و اخلاص کا رب گواہ اس کا تو انکار ہے اور اپنے ایمان کا دعویٰ جس پر نہ تو قرآن کی گواہی ہے نہ حدیث کی قرآن صحابہ کرام کے ایمان ' اخلاص ' تقویٰ کی گواہیاں جگہ جگہ دے رہا ہے ان آیتوں کو ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

اعتراض : پہلا اعتراض: جب دنیا میں رب کی ربوبیت کی جلوہ گری ہے اور وہ سب کا ہی رب ہے تو سب کو آرام میں کیوں نہیں رکھتا۔ بعضوں کو تکلیف کیوں دیتا ہے؟ جواب: یہ بھی ربوبیت ہی کا تقاضا ہے اگر سب ایک حال میں ہو جائیں تو دنیا برباد ہو جائے جو جس کے لائق ہے اسے وہی دیا گیا ہے چیونٹی کو کن ہاتھی کو من دیتا ہے باپ کے پاس شہد بہت ہے مگر بیٹے کا مزاج بہت گرم ہے کیسے دے (گلستان) دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہر مذہب میں رہ کر مقبول خدا بن سکتا ہے اور ہر دین کی نیکیاں کار آمد ہیں (بعض بے دین) کیونکہ کفار سے فرمایا گیا ولکم اعمالکم تمہاری نیکیاں

www.alahazratnetwork.org

تمہارے واسطے مفید کلام نفع کا ہے جواب: اس کے نہایت نفیس جواب تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں اعمال سے ان کے گزشتہ اعمال مراد ہیں جو انہوں نے تبع دین سے پہلے کئے تھے یا لکم کالام علی کے معنی میں ہے جیسے کہ کبھی علی لام کے معنی میں آتا ہے ویکون الرسول علیکم شھیدا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں ان کے اعمال کا دنیوی نفع مراد ہو جیساکہ روایت میں آیا ہے کہ مشرکین اور کفار کی نیکیوں کا بدلہ انہیں دنیا ہی میں دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس کے عوض یہاں آرام پالیتا ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں آخرت ہی کا نفع مراد ہو کہ بعض کفار اپنے صدقہ اور خیرات کی وجہ سے عذاب میں تخفیف پائیں گے جیسے کہ حاتم طائی' ابولہب' اور نوشیرواں وغیرہ یعنی ان کے اعمال کا نفع تخفیف عذاب ہے جیساکہ روایات میں ہے اور ممکن ہے کہ اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ اگر تم ایمان لاکر ہماری طرح اعمال کرو تو ہمیں تمہیں یکساں ثواب ملے گا نو مسلم اور پرانے مسلم ہونے کا اعتبار نہ ہو گا جیساکہ تم کرتے ہو یہ بھی ممکن ہے کہ اس کلام سے اظہار بیزاری مراد ہے یعنی تمہیں اپنے اور ہم کو اپنے اعمال کافی ہیں جیسے اردو میں کہتے ہیں کہ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی یہ چھ جواب یاد رکھو کیونکہ گزشتہ آیت سے بھی معلوم ہو چکا اور دوسری آیتوں میں بھی صاف فرمایا گیا کہ اسلام کے سوا سارے دین باطل ہی ہیں کہ جن میں رہ کر کوئی نیکی قبول نہیں اور یہ تو کوئی اندھا بھی نہ کہے گا ہر دین سچا ہے اور اس کے قاعدے صحیح۔ آریہ' عیسائی حتیٰ کہ بھنگی چمار بھی لوگوں کو اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں اگر ان کے نزدیک سب دین تھے تو وہ اپنے دین کی طرف کیوں بلاتے ہیں اگر سب دین سچے ہیں تو اسلام کی تبلیغ بیکار بلکہ پھر تو یوں کہنا چاہئے کہ اے ہندو' سکھو اپنے اپنے مذہب پر جمے رہو نجات پا جاؤ گے قرآن پاک فرماتا ہے ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون دوسری جگہ ان الدین عند اللہ الاسلام تیسری جگہ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ فرمایا جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر اسلام قبول کئے کوئی نیکی قبول نہیں لہٰذا اس آیت کے وہی مطالب ہیں جو ہم نے عرض کئے۔

تفسیر صوفیانہ : مخلوق طالب ہے اور خالق کل کا مطلوب' ساری خدائی اس کی شیدائی ہے اور وہ سب کا محبوب ہر ایک کو اس کی طلب اور اس کی جستجو ہے کافر ہو یا مومن مخلص ہو یا منافق سب اسی کے جویاں ہیں ہاں یہاں بعض کا جذبہ بھڑکا ہوا ہے اور بعض کا دبا ہوا کل قیامت میں وہ جذبہ بھڑک اٹھے گا اسی لئے کفار کا سب سے بڑا عذاب محبوب کی مجوبی ہو گی ولا ینظر الیھم یوم القیمۃ ولا یزکیھم ولھم عذاب الیم اس پر گواہ ہے کافر کی بت پرستی اور مومن کی حق پرستی اپنی اپنی سمجھ میں اس کی رضا کیلئے ہے۔ یعنی ہندو مندر میں اسی کو ڈھونڈ رہا ہے اور مسلمان مسجد میں اور پس پردہ ہر عاشق سمجھ رہا ہے کہ رب میرا ہے اس کی رضا ہی کا جھگڑا ہے جس کا اس آیت میں ذکر ہے قل اتحاجوننا فی اللہ مگر یہ سارے جھگڑے پردے کے ہیں۔

کفر و اسلام کے جھگڑے تیرے چھپنے سے بڑھے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے!

پردہ اٹھتے ہی کوئی کافر نہ رہے گا رب تعالیٰ فرماتا ہے لکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید اس مقام پر ضرورت تھی کہ کوئی اندرون راز والا محبوب آئے اور رب کا راز بتائے محبوبوں کے جھگڑے چکائے اور انہیں بتائے کہ رب

www.alahazratnetwork.org

کس کا ہے اسی راز دان محبوب یزدان کا نام پاک محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم جس نے ان پر سے والوں کا فیصلہ فرمایا اور جس کی ذات پاک حق کی کسوٹی ہے کہ جس کی زندگی اس شہنشاہ کے نقش قدم پر ہے وہ اللہ کا ہے اور اللہ اس کا اور جو ان کا نہیں رب اس کا نہیں اس لئے ارشاد ہوا ونحن لہ مخلصون کہ ہم تو نرے اسی کے ہیں کیونکہ اس کے حبیب ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے جو حق سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اخلاص اللہ کی نعمت ہے اور اخلاط رب کا عذاب۔ مخلوط سونا دودھ گھی گھٹیا ہے خالص سونا وغیرہ بڑھیا۔ یوں ہی بازار قیامت میں اخلاط والے ایمان و عبادت کی کوئی قیمت نہیں۔ اخلاص کی قیمت ہے اخلاص تین طرح کا ہے۔ اخلاص فی الایمان' اخلاص فی العبادات' اخلاص فی العبودیت۔ اخلاص عبودیت انبیاء کرام اور خاص اولیاء کو عطا ہوتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے مخصوص نبیوں کے لئے فرمایا انہ کان عبدا شکورا معراج کے ذکر میں فرمایا اسری بعبدہ اخلاص فی عبودیت وہ ہے جو فنافی الرسول ہو کہ اس کا کھانا پینا' مرنا جینا اللہ کے لئے ہی ہو۔ ومحیای و مماتی للہ رب العلمین اخلاص ہم کو فنافی الشیخ پھر فنافی الرسول کے بعد میسر ہوتا ہے صحابہ کرام فنافی الرسول ہو کر فنافی اللہ ہوئے ان سے کہلایا گیا ونحن لہ مخلصون۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ

یا کہتے ہو تم تحقیق ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق و یعقوب

بلکہ تم یوں کہتے ہو ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق و یعقوب

وَالْاَسْبَاطَ کَانُوْا ھُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ

اور انکی اولاد تھے یہودی یا نصرانی تھے فرما دو کیا تم زیادہ جاننے والے ہو

اور ان کے بیٹے یہودی یا نصرانی تھے تم فرماؤ کیا تمہیں علم زیادہ ہے

اللّٰہُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَھَادَۃً عِنْدَہٗ مِنَ اللّٰہِ ؕ

یا اللہ اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو چھپائے گواہی کہ جو پاس ہے اس کے اللہ کی طرف سے

یا اللہ کو اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جس کے پاس اللہ کی طرف سے گواہی ہو اور وہ اسے

وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝

اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے ہو تم

چھپائے اور خدا تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** اہل کتاب نے دو دعوے کئے تھے۔ ایک یہ کہ ہم کچھ بھی کریں بہرحال اللہ کے پیارے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم بڑے پیغمبر یعنی ابراہیم علیہ السلام کے ہم مذہب ہیں وہ بھی ہمارے ہی دین پر تھے۔ پچھلی آیت میں ان کی ایک بکواس کی تردید کی گئی اب دوسری بات کا رد ہو رہا ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے رب تعالیٰ پر اتہام لگانے کی تردید تھی کہ ہمارے عیبوں سے بھی راضی ہے اب ان کے اس اتہام کی تردید ہے جو انہوں نے پیغمبروں پر باندھا کہ وہ یہودی تھے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کہا گیا تھا کہ مسلمان ہی اللہ کے مخلص بندے ہیں اور اس پر وہ کہہ سکتے تھے کہ نہیں ہم مخلص ہیں کیونکہ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے ہم مذہب ہیں اس وہم کی اب تردید کی جارہی ہے۔

تفسیر : **ام تقولون** یا تو ام متصلہ ہے یعنی اے اہل کتاب کیا تم خدا کو اتہام لگاتے ہو کہ وہ ہمارا ہے یا ان پیغمبروں کو کہ وہ ہمارے دین پر تھے یا منفصلہ یعنی تم خدا پر ہی اتہام نہیں باندھتے بلکہ پیغمبروں پر بھی کہ تم ان کے متعلق کہتے ہو کہ **ان ابرھم واسمعیل واسحق ویعقوب والاسباط** کہ یہ سارا خاندان نبوت۔ خیال رہے کہ اسحٰق علیہ السلام کی اولاد کو اسباط اور اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد کو قبائل کہا جاتا ہے۔ (قبیلے) (روح البیان) **کانو ھودا او نصری** یہودی تھے یا عیسائی اور ہم ان کے پیروکار لہٰذا ہم بہرحال محبوب کردگار یہ ایک جماعت کا کلام نہیں بلکہ یہود تو ان سب حضرات کے یہودی ہونے کا اور عیسائی ان سب کے عیسائی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے اور ان دونوں کا یہ دعویٰ نہایت ہی باطل ہے کیونکہ یہودیت تو موسیٰ علیہ السلام اور عیسائیت عیسیٰ علیہ السلام سے دنیا میں آئی اور وہ سب حضرات ان سے پیشتر گزرے کہ ان کے زمانہ پاک میں نہ توریت تھی نہ توریت والے نہ انجیل نہ انجیل والے۔ شاید اس پر وہ کہیں ان حضرات کا دین ہمارے دین کے موافق اور ان کی شریعت شریعت موسوی یا عیسوی کے مطابق تھی۔ اس لئے ہم انہیں یہودی یا عیسائی کہتے ہیں تو اس کا جواب میں **قل ء انتم اعلم ام الله** اے محبوب آپ فرماؤ کہ اس کے متعلق تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ۔ ظاہر ہے کہ اللہ کو زیادہ علم ہے کیونکہ وہ عالم کل ہے اور وہ تو خبر دے رہا ہے کہ **ما کان ابرھیم یھودیا ولا نصرانیا ولکن کان حنیفا مسلما** کہ ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے نہ عیسائی۔ وہ تو ان سب سے علیحدہ رب تعالیٰ کے مطیع تھے رہی شریعت اس پر بھی غور کر لو کہ ان کا قبلہ کعبہ تھا تمہارا بیت المقدس ان کے ہاں ختنہ تھا تمہارے ہاں نہیں ان کی نماز میں رکوع و سجدہ تھا تمہارے ہاں یہ غائب ان کی شریعت میں حج کعبہ تھا تمہارے ہاں ندارد تمہارے ہاں ہفتہ کے دن کی تعظیم ہے ان کے ہاں نہ تھی پھر تمہاری ان کی شریعت میں شرکت کیسی۔ لہٰذا نہ تمہارا دین ان کا سا اور نہ تمہاری شریعت اور سب سے بڑا غضب تو یہ ہے کہ توریت و انجیل نے بھی خبر دی کہ ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد دین حنیفی پر تھی اور ان پر یہودیت کے احکام نہ تھے۔ (عزیزی) اب فیصلہ کر لو کہ **ومن اظلم ممن کتم شھادۃ عندہ من الله** کہ اس بدبخت سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ جس کے پاس اللہ کی گواہی موجود ہو اور وہ اسے چھپائے یعنی تمہاری کتابوں میں رب کی گواہی موجود ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی، عیسائی نہ تھے اور پھر تم اسے چھپاتے ہی نہیں بلکہ بدل کر پیش کرتے ہو کہ رب تعالیٰ کہتا ہے کہ وہ یہودی نہ تھے اور تم کہتے ہو کہ تھے۔ جب شہادت الٰہیہ کو چھپانے والا بڑا ظالم، تو تم بدلنے والوں کا کیا درجہ خیال رہے کہ من اللہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ شہادۃ کا صلہ ہے یعنی اللہ

www.alahazratnetwork.org

کی گواہی کو چھپالے۔ دوسرے یہ کہ کتم کا متعلق یعنی جو اللہ سے گواہی چھپائے یعنی اے یہودیو! تمہاری کتابوں اور نبیوں نے ابراہیم علیہ السلام کے حنفی ہونے کی گواہی دی اور وہ گواہی تم نے رسول اللہ سے چھپائی تو گویا اللہ سے چھپائی اور رب سے چھپانے والا بڑا ظالم تو تم بڑے ظالم خیال رکھو کہ **وما اللہ بغافل عما تعملون** اللہ تمہارے ظاہری باطنی اعمال اور کتب الٰہی میں کاٹ چھانٹ کرنے اور رب کی گواہیوں کے چھپانے سے بے خبر نہیں تم دنیا پر مغرور نہ ہو جاؤ۔ اور اپنے گناہوں سے توبہ کرو اور نبی آخر الزمان کی مخالفت میں اپنے بزرگوں بلکہ رب تعالیٰ پر اتہام پر نہ لگاؤ خیال رہے کہ قرآن کریم کا یہ قاعدہ تا قیامت ہمارے ایمان کی حفاظت کا ذریعہ ہے آج وہابی وغیرہ کہتے ہیں کہ حضور غوث پاک و صحابہ کرام ہمارے ہم عقیدہ تھے ان سے پوچھو کہ کیا ان کے عقائد و اعمال تمہارے جیسے تھے ہرگز نہ تھے حضور غوث پاک فرماتے ہیں کہ اللہ کے سارے ملکوں پر میری حکومت ہے یا رب کے سارے ملکوں کو میں رائی کے دانہ کی طرح دیکھ رہا ہوں صحابہ کرام حضور سے جنعمہ لگتے تھے۔ ہر معیبت میں آپ سے فریادیں کرتے تھے بولو کیا تمہارے عقائد یہ ہیں ہرگز نہیں تو پھر تو وہ حضرات تمہارے خلاف تھے جنہیں تم شرک کہتے ہو وہ ان کا ایمان ہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب یہودیت اور نصرانیت کے عقائد اور خانہ ساز مسائل پر جرح ہوتی جس کا جواب ان سے نہ بنتا تو عاجز ہو کر بڑے انبیاء کرام کی آڑ لیتے اور کہتے تھے کہ ہمارا ہی مذہب مدار نجات ہے کیونکہ یہ ہی عقائد حضرات ابراہیم و اسمٰعیل و اسحاق علیہم السلام کا دین ہے۔ مسلمانوں کو اس کا جواب بھی سکھایا جا رہا ہے کہ عیسائیوں اور یہودیوں کا یہ دعویٰ بھی سراسر غلط ہے بھلا یہ تو سمجھو کہ عیسائیت اور یہودیت ہزار ہا سال کے بعد دنیا میں آئی تو وہ یہودی عیسائی کیسے ہوگئے اور اگر کہہ دیں کہ ان کے اور ہمارے اصول دین یکساں ہیں تو بھی غلط ہزاروں برس پہلے کی بات تمہیں معلوم ہے یا خدا کو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ نہ یہودیوں کے موافق تھے نہ عیسائیوں کے بھلا ان حضرات کے زمانہ میں ہفتہ کی تعظیم عزیز علیہ السلام کے خدا کا بیٹا ہونے کا عقیدہ رب تعالیٰ کی شکل ہونے کا خیال کہاں تھا۔ اسی طرح ان کے زمانہ میں الوہیت مسیح تثلیث کا گندہ عقیدہ اور یہ خیال کہ عیسیٰ علیہ السلام کی سولی سب کے گناہوں کا کفارہ ہے اور پوپ صاحب کا سب بدکاریوں کو معاف کرنا اور بپتسمہ وغیرہ جو کہ عیسائی مذہب کے اصول ہیں کب تھے اور ان میں سے کسی نے ایسے گندے عقیدے کب رکھے تھے لہٰذا ان کے عقیدے اور ان کے اعمال سب ان کے خلاف ہیں پھر لطف یہ ہے کہ خود ان کی کتابیں بھی کہہ رہی ہیں کہ وہ حضرات عیسائی یہودی نہ تھے یہ اپنی بات پالنے کے لئے غلط بیانی کر رہے ہیں اور ان سے بڑھ کر ظالم کون؟ انہیں خدا کا خوف بھی نہیں کہ وہ ان کے اعمال سے خبردار ہے۔ اگر سرکاری خفیہ پولیس کسی کے پیچھے لگ جائے تو وہ ڈر کے مارے حکومت کی مخالفت نہیں کرتا یہ کیسے نڈر اور بے خوف ہیں کہ رب ان کی حرکات پر نگہبان اور انہیں بالکل اطمینان۔

لطیفہ : ایک مسلمان نے کسی پادری سے پوچھا کہ ایمان کے جزو کتنے ہیں۔ اس نے کہا تین ایک رب کی ربوبیت جاننا دوسرے روح القدس عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کو ماننا تیسرے کفارے کا عقیدہ رکھنا کہ مسیح کی سولی سب کے گناہوں کا کفارہ ہے۔ مسلمان بولا تمہارا ایمان بڑھ کر ہے یا ابراہیم علیہ السلام کا وہ بولا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مسلمان نے کہا کہ یہ ناممکن ہے ان کا ایمان تہائی اور تمہارا ان سے تگنا کہ انہیں فقط خدا پر ایمان لانا میسر ہوا کہ وہ مسیح علیہ السلام سے پہلے تھے اور تمہارے ہاتھ تینوں

www.alahazratnetwork.org

لگے۔ عیسائی شرمندہ تو ہو اگر جھینپ اتارنے کے لئے کہنے لگا کہ تمہارے ہاں بھی ایمان کے دو جز ہیں ایک **لا الہ الا اللہ** دوسرے **محمد رسول اللہ** اور ابراہیم علیہ السلام جب محمد علیہ السلام سے پہلے ہوئے تو انہیں محمد صاحب کی نبوت ماننے کا موقعہ نہ ملا مسلمان نے کہا ذرا پادری صاحب ہوش میں آؤ اسلام میں ایمان کے لئے توحید اور نبوت کا عقیدہ کافی ہے جس نبی کا زمانہ پائے اس پر صراحۃً "ایمان لائے اور اگلے پچھلے پیغمبروں پر اجمالاً "اور تمہارے ہاں الوہیت مسیح کا جھگڑا ہے۔ آخر کار عیسائی شرمندہ ہو گیا یعنی جیسے ہم تمام گزشتہ پیغمبروں پر اجمالاً "یوں ایمان لاتے ہیں کہ سارے پیغمبر برحق ہیں خواہ ہمیں ان کے نام و حالات معلوم ہوں یا نہ ہوں اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی امت آئندہ ہونے والے رسولوں پر بھی اجمالاً "ایمان لائے کہ جتنے نبی آئندہ ہوں گے ان سب پر ہمارا ایمان ہے اور حضرت ابراہیم حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو واقف تھے کہ آپ کے لئے رب سے دعائیں مانگیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: انبیاء کرام سے مخالفین کے اتہامات اٹھانا سنت الٰہیہ ہے دیکھو اہل کتاب نے ان پیغمبروں پر یہودیت اور عیسائیت کا الزام لگایا اور رب نے اسے دفع فرمایا اسی طرح زمانہ موجودہ میں کفار و مرتدین نے جو حضور علیہ السلام پر الزامات لگائے ان کو دفع کرنا عبادت ہے اور سنت الٰہیہ پر عمل **دوسرا فائدہ**: گواہی چھپانا ظلم ہے اور بدلنا بڑا ظلم گواہ پر لازم ہے کہ ضرورت کے وقت گواہی دے **تیسرا فائدہ**: گواہی دینے والوں کے مختلف ثواب ہیں اور چھپانے والوں کے مختلف عذاب جیسی گواہی ویسا ہی اس پر ثواب و عذاب سب سے بڑی گواہی عقائد کی ہے کہ اس کا چھپانا کفر اور اس کو ظاہر کرنا ایمان پھر گواہی آپس کے معاملات کی ہے اگر گواہی کے چھپانے سے کسی کا حق مارا جائے تو چھپانے والا گنہگار اسی طرح چاند وغیرہ کی گواہی ضروری ہے کہ اس پر مسلمانوں کی عبادات موقوف ہیں۔ بعض گواہیاں وہ ہیں جن کا چھپانا ثواب اگر تمہیں کسی مسلمان کے خفیہ عیب کی خبر ہے اس کا پردہ ڈھک لو اللہ تمہارے عیب چھپائے گا ہاں شریر اور مفسد کا عیب ضرور ظاہر کر دو تاکہ لوگ اس کے فتنہ سے بچیں اسی لئے یہاں شہادت میں **من اللہ** کی قید لگائی۔ یعنی اللہ کی گواہی چھپانے والا بڑا ظالم ہے نہ کہ ہر گواہی کا چھپانے والا **چوتھا فائدہ**: بارگاہ مصطفیٰ علیہ السلام بارگاہ خدا تعالیٰ ہے کہ ان کا مجرم رب کا مجرم ہے جیسا کہ من اللہ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا یعنی حضور سے گواہی چھپانا گویا خدا سے چھپانا ہے۔ **پانچواں فائدہ**: انبیاء کرام خصوصاً "سید الانبیاء کے فضائل چھپانا اور آپ کی نعت کی آیتیں ظاہر نہ کرنا ہمیشہ ان میں نقص ثابت کرنے کی کوشش کرنا طریقہ یہود ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہمیشہ **انما انا بشر** سناتے ہیں کبھی حضور کے فضائل کی آیات کا ذکر نہیں کرتے کیونکہ وہ اس عمل میں ہو واللہ " یہود کے مستحق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : تمام گناہوں کی اصل اپنی بڑائی اور ریاکاری ہے یہودیوں کی یہ ساری حرکتیں 'خدا کو الزام لگانا' پیغمبروں پر اتہام باندھنا صرف اپنی بات پالنے کے لئے تھا کہ ہماری بات کسی طرح رہ جائے اس کا علاج اخلاص ہے جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ اخلاص بندے اور رب کے درمیان ایک راز ہے جسے نہ فرشتہ جانتا ہے تاکہ لکھ سکے نہ شیطان پہچانتا ہے کہ اسے بگاڑ سکے اور نہ نفس کو اس کی خبر ہے کہ ڈکیتی کرے قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ لوگوں کے لئے نیکی کرنا بھی ریا ہے اور لوگوں کی وجہ سے عمل چھوڑنا بھی ریا (روح البیان) یعنی اس لئے عمل چھوڑ دینا کہ کہیں لوگ مجھے عابد نہ کہیں بیوقوفی ہے ریاکار اس شخص کی

www.alahazratnetwork.org

طرح ہے جو کھوٹے پیسے تھیلے میں بھر کر بازار پہنچے کہ دیکھنے والے اسے مالدار جانیں مگر دوکاندار دھتکارے ایسے ہی دنیا دار تو ریاکار کو عابد شمار کرتے ہیں مگر پروردگار کے ہاں دھتکار کا انعام پاتا ہے اور یہ سارے فساد "میں" کے ہیں جو ان میں ہے وہاں "تو" نہیں سیار کے لئے اغیار سے خانہ قلب خالی کرو۔ ان یہودیوں میں اگر میں نہ ہوتی تو مسلمان ہو جاتے یہ بھی خیال رہے کہ بزرگوں پر طعنہ کرنا اپنے کو رسوا کرنا ہے اہل کتاب نے پیغمبروں پر طعنہ کر کے اپنے کو تاقیامت رسوا کر لیا مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد
میلش اندر طعنہ پاکاں برد

صوفیاء فرماتے ہیں کسی کا حق مارنا ظلم ہے جسمانی حقوق ہزار ہا ہیں ماں باپ بھائی برادر پڑوسی کے مختلف حقوق ہیں ایسے ہی روحانی حقوق صدہا ہیں شیخ نبی ولی اللہ تعالیٰ کعبہ مظہر رمضان قرآن کے مختلف حقوق ہیں لہٰذا ظلم کی ہزارہا قسمیں پس جتنا بڑا حق مارے گا اتنا ہی بڑا ظالم ہو گا اس کا نافرمان بڑا ظالم ہے ایسے ہی سب سے بڑا حق اللہ کا پھر رسول کا لہٰذا ان کا حق مارنے والا بڑا ہی ظالم ہے آیات نعت چھپانے میں اللہ کا بھی حق مارنا ہے اور رسول کا بھی اس لئے قرآن کریم نے اسے بڑا ظالم فرمایا نیز اس گواہی کو چھپانے سے ہزاروں لوگ ایمان سے محروم ہو جاتے ہیں۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ
یہ ایسی جماعت ہے بیشک گزر گئی واسطے اس کے وہ ہے جو کمایا اس نے اور واسطے تمہارے وہ جو کمایا تم نے
وہ ایک گروہ ہے جو گزر گیا اُن کے لیے ان کی کمائی اور تمہارے لیے تمہاری کمائی
وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝
اور نہ سوال کیے جاؤ گے تم اس سے جو کرتے تھے وہ
اور ان کے کاموں کی تم سے پرسش نہ ہو گی.

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: اہل کتاب نے ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے یہودی یا عیسائی ہونے کا دعویٰ کیا اس کی نہایت نفیس عقلی اور نقلی تردید کر دی گئی اس پر وہ کہہ سکتے تھے کہ اچھا اگر ہم ان کے دین پر نہیں تو ان کے نسب میں تو ہیں ہمارے واسطے اتنی ہی نسبت کافی ہے اب اس کی بھی تردید کی جا رہی ہے کہ اللہ کے نزدیک بغیر ایمان نسبی رشتہ کار آمد نہیں وہ بزرگ اپنی بزرگی اور نیکیاں اپنے ساتھ ہی لے گئے تمہارے لئے چھوڑ نہ گئے بے دین بیٹا اپنے مسلمان باپ کی مالی میراث بھی نہیں پاتا تم ان کی عملی میراث کیسے پاؤ گے اس خیال خام کو دماغ سے نکال دو **دوسرا تعلق**: گزشتہ آیتوں میں اہل کتاب کی باتوں کا نہایت محققانہ جواب دیا گیا اب ان کا دعویٰ مان کر جواب دیا جا رہا ہے کہ اچھا بفرض محال مان لو کہ وہ حضرات یہودی یا عیسائی مذہب رکھتے تھے مگر تمہیں کیا وہ اور وقت تھا اور اب نیا تخت ہے نیا تاج نیا راج اب وہ دین ختم ہو چکا اور وہ اعمال بھی گئے اگر آج وہ بھی زندہ ہوتے تو اس سلطان کونین کی اطاعت ہی کرتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے اب جب تم نے انکار نہ کیا تم ان کی غلامی کرو رات میں بہت تارے اپنی اپنی جگہ چمک لئے اور دنیا والوں نے چراغ گیس اور بجلی وغیرہ سے روشنی لی اب آفتاب نبوت چمک چکا دن نکل آیا سورج کو چھوڑ کر چراغ کی طرف بھاگنا نادانی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : اس آیت کی پوری تفسیر ہم قریب ہی میں کر چکے ہیں یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ یہ آیت بلا وجہ نہیں دہرائی گئی بلکہ وہاں اور لطف دے رہی تھی اور یہاں کچھ اور رنگ دکھا رہی ہے یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اے اہل کتاب اپنے باپ دادوں کے دین پر نہ اڑے رہو جیسے کہ انہوں نے اپنے سے پہلی شریعتوں کو منسوخ کیا تھا کہ نوح علیہ السلام سے آدم علیہ السلام کی شریعت منسوخ اور ابراہیم علیہ السلام سے پچھلی شریعتیں ختم ایسے ہی نبی آخر الزمان سے شریعت موسوی اور عیسوی منسوخ ہو گئی تو کیوں چیختے ہو یہ تو پہلے سے چلا آ رہا ہے اگر آج کوئی شریعت آدم علیہ السلام کی آڑ لے کر اپنی بہن سے نکاح کرنا چاہے تو دیوانہ ہے ایسے ہی دین مصطفائی کی موجودگی میں جو توریت پر عمل کرے گا وہ پاگل ہے (از تفسیر کبیر) خیال رہے کہ گروہ انبیاء کو **تلک** اشارہ بعید سے ذکر فرمانا ان اہل کتاب کے لحاظ سے ہے کہ یہ لوگ زمان و مکان کے لحاظ سے ان بزرگوں سے بہت دور ہیں نہ کہ ان حضرات کے لحاظ سے ان مقبولوں کے لئے زندگی اور بعد وفات زمان و مکان کا قرب یکساں ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت عرصہ بعد ہونے والے واقعات کو ھذا فرمایا جیسے ارشاد فرمایا **ھذا اوان یختلس فیہ العلم** وہ وقت ہے جب کہ علم اٹھ جاوے گا حالانکہ علم دین اٹھ جانا بالکل قیامت کے قریب ہو گا رب فرماتا ہے **فذلکم اللہ فذلک** اشارہ بعید ہے حالانکہ رب تعالیٰ شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔

یار نزدیک تراز من بمن است　　　　این عجب بین کہ من ازوے دورم

فائدے : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے بزرگوں کے عمل اولاد کو کام نہیں آتے مگر یہ اس صورت میں ہے کہ اولاد کو عمل کرنے کا وقت ملے اور نہ کرے جو بچپن میں مر جائیں وہ یقیناً اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر ان سے درجات پائیں گے متقی مسلمانوں کے فوت شدہ بچے جنت میں اعلیٰ مقام پائیں گے اور فاسق مسلمانوں کے چھوٹے بچے وہ مراتب حاصل نہ کر سکیں گے حضور انور علیہ السلام کے چاروں فرزند طیب' طاہر' قاسم اور ابراہیم جو کہ بچپن میں وفات پا گئے ہمارے چھوٹوں سے کہیں اعلیٰ اور افضل ہیں یہاں تک کہ بعض روایتوں میں آیا کہ مشرکین کی چھوٹی اولاد اپنے باپ کے تابع ہو کر جہنم میں ہی جائے گی امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ان کے بارے میں سکوت فرمایا اور یہ تو تم دن رات دیکھتے ہو کہ کفار کے بچوں پر نماز جنازہ پڑھی جائے نہ اس کا باقاعدہ کفن دفن ہو آخر یہ کیوں؟ ان بچوں نے کون سا کفر کیا ہے مگر بات یہ کہ وہ اپنے عاقل بالغ ہونے سے پہلے اپنے ماں باپ کے حکم میں ہیں ان کی مثال یوں سمجھو کہ زبان کسی کو گالی دے تو سر پٹتا ہے اور زبان اچھا وعظ کہے تو ہاتھ پاؤں چومے جاتے ہیں دیکھو یہ بدی تو زبان نے کی مگر اس کا نتیجہ دوسرے اعضاء نے بھی بھگتا کیونکہ اس کے تابع تھے ایسے ہی یہاں سمجھ لو۔ اسی لئے فرمایا گیا **ولکم ما کسبتم** جس سے معلوم ہوا کہ یہ خطاب اس وقت ہے کہ اولاد سمجھ دار ہو کہ کسب کے قابل ہو جائے اس کے باقی قاعدے اور اس کے متعلق اعتراضات و جوابات ہم کچھ پہلے اسی آیت کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

مولوی و صوفی

چونکہ اس تفسیر میں عالمانہ و صوفیانہ تفسیریں بیان ہوئی ہیں لہذا ہم مولوی و صوفی کا فرق بتاتے ہیں مولوی مولیٰ کی طرف سے نسبت ہے یعنی مولا والا یائے نسبتی سے مولا کا الف واؤ بن گیا جیسے کہ عیسیٰ سے عیسوی اور موسیٰ سے موسوی ایسے ہی مولا سے مولوی۔ صوفی صوف سے بنا جس کے معنی ہیں پشینہ یا اون چونکہ پچھلے صوفیائے کرام کمبل وغیرہ اونی سادے کپڑے استعمال کرتے تھے۔ اس لئے ان کا لقب صوفی ہوا یعنی کمبل پوش یا اونی لباس والے یہ تو ان لفظوں کی تحقیق تھی اب ان حضرات میں کیا فرق ہے ملاحظہ ہو۔ (1) قرآن کریم کے کچھ ظاہری معنی ہیں اور کچھ باطنی راز دیکھو مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن وغیرہ اس کے ظاہری معنی پر بحث کرنے والا مولوی اور باطنی اسرار سے گفتگو کرنے والا صوفی۔ (2) دینی علم دو ہیں علم ظاہر یعنی شریعت علم باطن یعنی دل و دماغ وغیرہ' ظاہر کی اصلاح کرنے والا مولوی اور باطن کو سنبھالنے والا صوفی۔ ایک بادشاہ نے چینی اور رومی کاریگروں کو بلا کر کہا کہ تم اپنا اپنا کمال دکھاؤ ان دونوں نے عرض کیا کہ ہمیں ایک بند کمرہ دے دیا جائے جس کی دو دیواروں پر علیحدہ علیحدہ ہم دونوں کام کریں گے مگر بیچ میں پردہ رہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا چینیوں نے تو اپنی دیوار پر نقش و نگار کرکے اسے چمن بنا دیا رومیوں نے اپنی دیوار کی گھٹائی کرکے اسے آئینہ کر دیا ان کی فراغت کے بعد بادشاہ ان کا امتحان لینے پہنچا اور حکم دیا پردہ ہی کا جھگڑا ہے اسے پھاڑو اور پھر مقابلہ کرکے دکھاؤ۔ پردہ اٹھتے ہی جب دیواریں مقابل ہوئیں تو چینیوں کے نقش و نگار رومیوں کی دیوار میں نظر آنے لگے کیونکہ وہ مثل آئینہ کے تھی حق تعالیٰ بادشاہ ہے انسان بند کمرہ ہیں مولوی چینی کاریگر جو کہ شریعت کی اتباع کرا کر انسان کے ظاہری اعضاء پر نقش و نگار کرتا ہے صوفی رومی کاریگر جو کہ الا اللہ کی ضربوں اور مراقبوں کے ذریعہ دل میں جلا دیتا ہے سانس کا ہی پردہ ہے جب یہ زندگی کا پردہ اٹھا اور انسان کی موت آئی تو مولوی کے سارے نقش اس صاف آئینہ میں جگمگانے لگے اسی کا قبر میں امتحان ہے وہاں نماز روزہ کا سوال نہیں یار کے پہچاننے کا امتحان ہے کہ اس ہرے گنبد والے کو پہچانو کہ وہ کون ہے دیکھنا یہ ہے کہ تمہارا آئینہ دل کاشانہ یار رہا یا خانہ اغیار۔ (4) مولوی وہ جو کلام کا منشاء سمجھے صوفی وہ جو کلام کا جذبہ پہچانے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے رب نے فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے کیا رب کو خبر نہ تھی کہ ان کے ہاتھ میں لاٹھی ہے۔ منشاء کچھ اور ہی تھا مولوی کہتا ہے کہ یہ سوال آئندہ گفتگو کی تمہید تھی کہ وہ جواب میں عرض کریں کہ لاٹھی ہے اور پھر رب فرمائے کہ اچھا اسے پھینک دو تو کلیم اللہ پھینکیں وہ سانپ بن جائے تاکہ اس لاٹھی کی تاثیر موسیٰ علیہ السلام یہاں ہی دیکھ لیں ایسا نہ ہو کہ فرعون کے یہاں پہنچ کر یہ تاثیر ظاہر ہو اور خود ڈر جائیں صوفی کہتا ہے کہ اس کلام کا جذبہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس وادی محبت میں نیا قدم رکھا ہے ابھی اگر ان سے کوئی اجنبی بات فرمائی گئی تو شاید انہیں اضطراب ہو پہلے ان کی لاٹھی کا ذکر کیا گیا جو ان کی عرصے کی ساتھی تھی تاکہ کلام سے وحشت سے نہ ہو موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع کو غنیمت جانا آج مجھ پر یہ کرم ہے کہ خالق اپنی ہم کلامی سے مجھے نواز رہا ہے تو کلام کو طول دینے کے لئے عرض کیا کہ مولیٰ یہ میری لاٹھی ہے میں اس پر ٹیک لگاتا ہوں اپنی بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور بہت سے کام کرتا ہوں وہ چاہتے یہ تھے کہ رب یہ پوچھ لے کہ تم اور کیا کام کرتے ہو تاکہ اس بہانہ سے ساری زندگی اس کلام میں گزار دوں جب اس نے مجھ سے ایک بات پوچھی ہے تو جواب سنتا ہی پڑے گا وہ کلام کا منشاء تھا اور یہ ہوا جذبہ۔ (5) مولوی وہ جو تاکر سمجھائے اور صوفی وہ جو

www.alahazratnetwork.org

دکھا کر مسئلہ حل کر دے۔

حکایت : حج میں میرے ساتھ ایک پنجابی بزرگ تھے جن کا نام تھا صوفی محمد حسین وہ مجھ سے فرمانے لگے کہ ایک بار میں شاہ عبدالحق مہاجر الہ آبادی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ حدیث شریف میں تو آتا ہے کہ ہمارا مدینہ بھٹی ہے جیسے کہ بھٹی لوہے کی میل کو نکال دیتی ہے ایسے ہی زمین مدینہ نااہل کو اپنے سے نکال دیتی ہے حالانکہ مرتد اور منافق بھی مدینہ پاک میں مر کر یہاں ہی دفن ہو جاتے ہیں پھر اس حدیث کا مطلب کیا شاہ صاحب نے مجھے کان پکڑ کر نکلوا دیا میں حیران تھا کہ مجھے کس قصور میں نکالا گیا رات کو خواب میں دیکھا کہ مدینہ منورہ کے قبرستان یعنی جنت البقیع میں کھدائی ہو رہی ہے اور اونٹوں پر باہر سے لاشیں آ رہی ہیں اور یہاں سے باہر جا رہی ہیں میں ان لوگوں کے پاس گیا اور پوچھا کہ کیا کر رہے ہو وہ بولے کہ جو نااہل یہاں دفن ہو گئے ہیں ان کو باہر پہنچا رہے اور عشاق مدینہ کی ان لاشوں کو جو اور جگہ دفن ہو گئی ہیں یہاں لا رہے ہیں اور دوسرے دن پھر شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا کہ اب سمجھے حدیث کا مطلب یہ ہے اور کل تم نے مجھ سے اغیار میں اسرار پوچھے تھے جس کی تمہیں سزا دی گئی تھی۔ (6) مولوی جس کی گفتار سے مسائل حل ہوں صوفی وہ کہ جس کے دیدار سے منازل طے ہوں گے مگر خیال رہے کہ دلی را وی می شناسد مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانی یار راز پنہاں می شود زاں آشکار

ایک جگہ فرماتے ہیں۔ ع

اے لقائے تو جواب ہر سوال

(7) مولوی جو دلائل سنا کر سائل کے مسائل میں تسلی کرے صوفی وہ جو مطلوب تک پہنچا کر بذریعہ کشف تشفی کر دے کہ جہاں دلائل کی ضرورت ہی نہ رہے مولانا فرماتے ہیں۔

پائے استد جو بید بود پائے چوبیں سخت و بے تمکیں بود

(8) مولوی وہ جو صاحب قال ہو اور صوفی وہ جو صاحب حال ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو زیر پائے کاملے پامال شو

(9) مولوی وہ جس پر اطاعت غالب ہو صوفی وہ جس پر عشق غالب ہو۔

نہ مسجد میں نہ کعبہ میں نہ بیت اللہ کے سائے میں نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سائے میں

(10) مولوی وہ جو شریعت کا کھلا ہوا راستہ طے کرے صوفی وہ جو طریقت کا نہایت تنگ و دشوار اور پیچیدہ راستہ کو قطع کرے اور وہاں پہنچے جہاں سے نہ لوٹے۔

یہ حکم ہوا ہے کہ کوئی آنے نہ پائے اور جو کوئی آ جائے تو پھر جانے نہ پائے

(11) مولوی وہ جو اپنے کو سب پر ظاہر کرے اور شور مچا تا سب کو بلا تا جل مقصود کو جائے۔ صوفی وہ جو اپنے کو چھپائے اور سوا ارواح کے کسی کو نہ بلائے گویا مولوی شاہی نشان ہے اور صوفی پردہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضور علیہ السلام سے دو علم ملے ایک کو تو سب میں پھیلا دیا دوسرے کو میں ظاہر کروں تو مارا جاؤں (بخاری و مشکوٰۃ کتاب العلم)۔ (12) مولوی وہ جو عبادات کا قالب تیار کرے صوفی وہ جو عبادات کا قالب بنائے اور ان میں روح پھونکے نماز کی شرائط

www.alahazratnetwork.org

او امولوی بتائے گا لور شرائط قبول صوفی سے معلوم ہوں گے۔(13) حضرت خواجہ فرید الدین شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہے جو میلے کچیلوں کو صاف کرے اور خود ان سے گندلا یا میلا نہ ہو۔(از اخبار الاخیار شریف) خیال رہے کہ تھوڑا پانی گندے کو پاک نہیں کرتا بلکہ اس کی گندگی سے خود گندا ہو جاتا ہے اور دریا تمام میلوں کو اجلا گندوں کو پاک بنا دیتا ہے مگر خود نہ گدلا ہو نہ میلا نہ نجس ان صوفیا کرام میں کوئی تالاب ہے کوئی دریا حضور انور علیہ السلام سمندر رحمت ہیں سارے دریا بنتے ہیں اور پھر سارے دریا وہاں ہی گرتے ہیں خیال رہے کہ بعض حضرات شریعت طریقت کے جامع گزرے جیسے مولانا جامی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور بعض حضرات وہ ہیں جو علم ظاہری میں مشہور تے جیسے ملا علی قاری اور امام فخر الدین رازی مولانا فرماتے ہیں۔

گر بہ استدلال کار دید بودے   فخر رازی راز دار دین بودے

بعض وہ حضرات ہیں جو صرف تصوف میں مشہور ہوئے اور ان سے فیوض باطنی جاری ہوئے جیسے حضرت امام العارفین محی الدین ابن عربی یہ بھی خیال رہے کہ ہم کو شریعت طریقت دونوں کی ضرورت ہے یہ دونوں چیزیں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں کہ اگر ایک پہیہ بھی نہ ہو تو گاڑی بیکار ہم عالم دین کے بھی محتاج اور شیخ طریقت کے بھی کسی نے اعلیٰ حضرت قبلہ قدس سرہ سے پوچھا کہ امام ابو حنیفہ اور حضور غوث پاک میں سے افضل کون ہے فرمایا کہ وہ شریعت کے امام اعظم ہیں اور یہ طریقت کے امام اعظم مجھے اس فرق کی کیا ضرورت تو دونوں ہی آنکھوں کا حاجت مند ہے وہ بولا اچھا یہ بتا دیجئے کہ ان میں داہنی آنکھ کون ہیں اور بائیں کون؟ آپ نے فرمایا اور اس سلسلہ میں سارے داہنی ہی ہیں بائیں کوئی نہیں سبحان اللہ کیا حکیمانہ جواب ہے فضیلت ایک محکمہ کے حکام میں نہیں دیکھی جاتی وائسرائے یا کمانڈر انچیف یا کپتان پولیس اور سول سرجن میں اعلیٰ ادنیٰ کیسا یہ سارے اپنے اپنے محکمے میں چوٹی کے حکام ہیں اور ہر ایک کو دوسرے سے تعلق کپتان صاحب سول سرجن سے علاج کراتے ہیں اور سول سرجن کپتان سے چوری کی تحقیقات اسی طرح صوفیاء سے بیعت ہوتے ہیں اور صوفیاء علماء کے شاگرد ہم غلاموں کو کیا حق ہے کہ اس بحث میں پڑیں خیال رہے کہ صوفیاء اور اولیاء علمائے حق تاقیامت اسلام کی حقانیت اور مذہب اہل سنت کے برحق ہونے کی زندہ جاوید دلیلیں ہیں کیونکہ یہ حضرات درخت اسلام کے پھل پھول ہیں اسی درخت میں پھل پھول ہوتے ہیں جس کی جڑ زندہ ہو دیکھو بنی اسرائیل میں صدہا اولیاء و علمائے حق ہوئے مگر جب سے ان کا دین منسوخ ہوا تب سے ان میں کوئی ولی نہیں چونکہ حضور کا دین تاقیامت ہے لہٰذا قیامت تک یہ جماعتیں رہیں گی نیز اسلام کے تہتر فرقوں میں سوا مذہب اہل سنت کے اولیاء صوفیاء کسی مذہب میں نہیں معلوم ہوا کہ اسلام کی اصل اصول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق ہے باقی تمام مذاہب سوکھی ہوئی شاخیں ہیں جو لے میں جلانے کے قابل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وکونو مع الصٰدقین اور فرماتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم اسی جماعت میں رہو جس میں یہ سچے لوگ یعنی علماء حقانی اولیاء صوفیاء ہوں۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بانچیز احمد یار خاں نعیمی قادری
مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پاکستان
27 ذیقعدۃ الحرام 1363ھ یوم چہار شنبہ

www.alahazratnetwork.org

بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بَلَغَ العُلیٰ بِکَمالِہٖ

کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمالِہٖ

حَسُنَتْ جَمِیعُ خِصالِہٖ

صَلُّوا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہٗ گوہر قلم

www.alahazratnetwork.org

اسم تاریخی

اشرف التفاسیر

۱۳۶۳

تفسیر نعیمی

(پارہ دوم)

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار ★ لاہور

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ دوم)
مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات ——— ۵۲۸
کمپوزنگ ——— لیزر کمپوزنگ ان، سٹار سائنس مارکیٹ،
تکیہ املی والا، آبکاری روڈ، نیو انار کلی، لاہور
پرنٹر ——— پیر بھائی پرنٹرز
ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ، 40 اردو بازار، لاہور۔
قیمت ———

www.alahazratnetwork.org

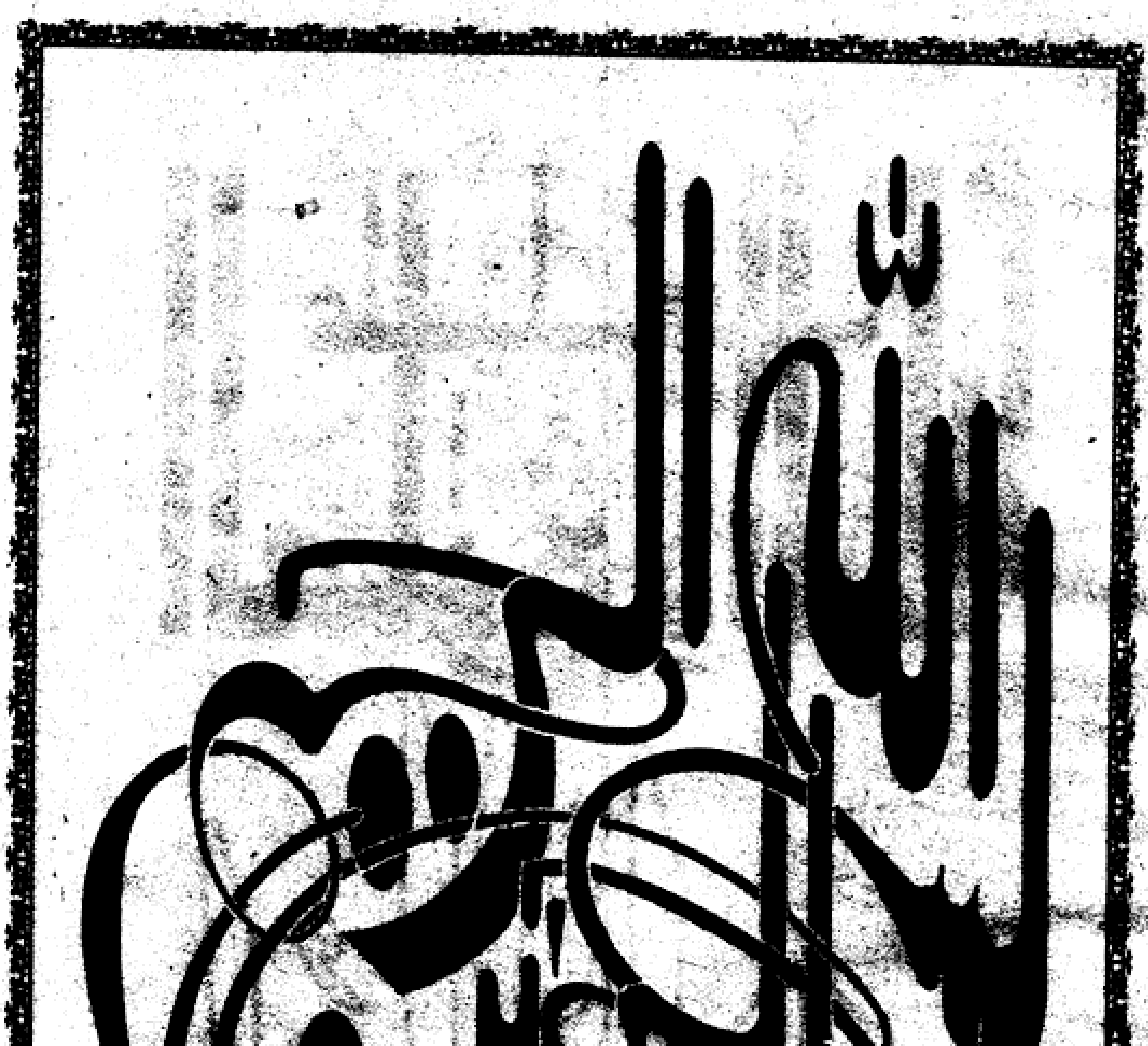

www.alahazratnetwork.org

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

صلی اللہ علیہ وسلم

خوشنویس، اعجاز احمد ساقی، مجلہ نعیمیہ لاہور

www.alahazratnetwork.org

فہرست تفسیر نعیمی پارہ سَیَقُولُ جلد دوم

مضمون	صفحہ
سَيَقُولُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ	13
تبدیلی قبلہ کا واقعہ اور اس کی حکمتیں	15
کعبہ معظمہ کی خصوصیات	17
تبدیلی قبلہ کتنی دفعہ اور کب ہوئی	18
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	19
مسلمانوں کی گواہی دنیا و آخرت میں	22
قیامت میں چار گواہیاں ہوں گی مسلمانوں کی خصوصیات	22
علم غیب، حاضر ناظر گیارہویں کا ثبوت	23
اسلام کے اولیاء اور دوسری امتوں کے اولیاء میں فرق	24
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ	25
قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ	30
تبدیلی قبلہ کی تاریخ، دن، وقت و طریقہ	33
وسیلہ کا اعلیٰ ثبوت	36
فضائل نبی علیہ السلام	37
حضور کعبہ ایمان ہیں	37
وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ	38
کفار کا آپس کا اختلاف سخت ہے	40
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ	42
اپنے بیٹے اور باپ اور اپنی ذات کی پہچان میں نفیس فرق	43
حضور ہر طرح حق ہیں	47
وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا	48
قبلہ ملائکہ و قبلہ ارواح و دعا کیا ہے	50
حضور کا قبلہ رب اور رب کا قبلہ حضور ہیں	51
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ	52
انبیاء کی خطا سے رب راضی ہے اس پر عطا فرماتا ہے بلکہ ان سے جو خطا صادر ہو اس کو قانون بنا دیتا ہے	54
وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ	55
كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا	61
خلق اور ارسال اور بعث میں فرق	62
حضور رب کا عطیہ ہیں باقی نعمتیں حضور کا عطیہ حضور نے چار پانیوں کے ذریعہ ہم کو چار طرح پاک کیا	67
فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ	67
ذکر مقبول و محبوب و مردود کا فرق	69
ذکر و شکر	70
ذکر کی قسمیں	71
ذکر بالجہر اور افضل ذکر کیا ہے	71
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ	74
صبر و صلوٰۃ۔ صبر کے فوائد	77
صبر شکر سے افضل ہے۔ نماز کے برکات	77
نماز کے برکات نماز کے احکام و اقسام	78
وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	80

مضمون	صفحہ
شہداء بدر کی تعداد اور نام	
شہید اور اس کی زندگی اور وجہ تسمیہ۔ شہادت کو نبوت	80
روح کی قسمیں اور نیند و موت میں فرق	84
خواب کی حقیقت نبی و شہید کی برزخی زندگی میں فرق	85
حیات النبی کی نفیس بحث	86
سید الشہداء کون ہے	86
وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ	89
صرف و جذب میں فرق	93
اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنے کی تحقیق	93
اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ	96
قبور اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں برائی مل جانے سے	
نیکی نہ چھوڑو	97
کفار کی ہر مشابہت حرام نہیں اور اشتراک مشابہت	
میں فرق	99
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَا اَنْزَلْنَا	102
توبہ کی شرطیں۔ حکم لعنت۔ تقیہ کی بحث	105
نبوت ظہور۔ نبوت اور اعلان نبوت کے زمانے	106
دعا و تعویذ پر اجرت	106
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا	107
یزید و ابو طالب کا ایمان۔ ان پر لعنت ناجائز ہے	109
حضور کے والدین مومن اور صحابی ہیں	110
وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ	112
اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	114
کشتی کے موجد نوح علیہ السلام ہیں اور کل سمندر	
اور ان کی لمبائی چوڑائی علاقے	116
ہوا کی قسمیں۔ تاروں کے رنگ آسمانوں کی تعداد	118
آسمانوں کی رفتار	119
شطرنج کی چال سے زیادہ عجیب انسان کا چہرہ ہے	120
ہوا کے فیوض و برکات	120
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ	123
الاسواء غیر سوون میں فرق اور محبت جسمانی'	
روحانی' ایمانی' طفیلی میں فرق	124
اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا	129
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ	133
کھانا کبھی فرض ہے کبھی سنت کبھی مکروہ یا حرام	134
حلال و طیب ہیں اور سوء اور فحش میں فرق	135
شیطان کے چھ فریب ہیں	136
کسب کے فائدے اور کس نبی نے کیا پیشہ کیا	137
وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا	139
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا	144
کھانا کب فرض ہے اور کب حرام	145
رزق کے معانی اور اقسام	145
چند جگہ پر تکلف کھانے کا حساب نہیں	146
افضل پیشہ کون سا ہے اور تعلیم و امامت کی اجرت	
جائز ہے	147
اِنَّمَا حَرَّمَ ... وَمَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ	148
بشر کے عجیب معانی۔ حرام کے معانی	149
اہل کے معنی ذبح ہی ہیں	150
حرام و حلال جانوروں کی پہچان اور جانور کے کتنے عضو	
حرام ہیں	152
اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ	155
شرعی احکام چھپانے کی چند صورتیں	156
کون سے احکام چھپانے کے لائق ہیں کون سے نہیں	158

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
رشوت ـ ہدیہ ـ نذرانہ وغیرہ میں فرق	158
گنہگار مومن اور کافر کے عذاب میں فرق	158
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ	160
لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ	163
ایمان کے معنی امن میں آنا امن میں ملانا امن میں لینا	165
صحیفوں اور کتابوں کی تعداد کتنی ہے	167
کیا حضرت عثمان کو اعمال کی ضرورت نہ تھی	168
وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ	170
حق اللہ اور حق العبد کی پہچان	173
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ	174
کن قتلوں میں قصاص نہیں	176
سزائے قتل سے بچنے کی کوشش ممنوع ہے	179
سزائے زنا سے بچنے کی کوشش جائز	179
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ	181
قصاص کے فوائد اور اس آیت کی فصاحت	181
كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ	184
وصیت میراث کی تابع ہے	185
مال حرام میں نہ وصیت ہو نہ میراث	186
پیغمبر کے مال کی نہ وصیت ہو نہ میراث	186
نبی کی مطلقہ بیوی حلال ہے	187
فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ	189
حضور کے وصیت مال نہ کرنے پر نہایت قوی دلیل	191
كَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا	192
چند جگہ جھوٹ جائز ہے	192
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ	193

مضمون	صفحہ
کس نبی پر کتنے روزے فرض تھے	194
اسلام میں روزے کی تبدیلی کا واقعہ اور روزہ کب فرض ہوا	195
روزے کے عجیب و غریب اسرار و فضائل	195
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ	198
پسنجر گاڑی کے ڈرائیور مسافر نہیں	
سفر کی حد اور اس کے احکام	
روزے صرف ایک ماہ کے کیوں ہوئے	201
شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ	203
پہلی آیت کس ماہ کس تاریخ میں آئی	205
کون سی کتاب کس ماہ میں آئی اور رمضان کے معنی	205
رمضان کے عجیب فضائل اور اس کے نام	208
جمعۃ الوداع میں رونا افسوس کرنا بہتر ہے	209
خوشی میں نعرہ تکبیر اور نعرہ رسالت کا ثبوت	209
جب قرآن کی وجہ سے رمضان افضل ہے تو حضور بھی بے مثل ہیں	210
بیس رکعت تراویح کا ثبوت	210
وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ	211
پکار چار قسم کی ہے ان قسموں میں فرق	213
دعا کے فوائد اور اس کا طریقہ	214
قبول دعا کے اوقات و مقامات اور کس کی دعا زیادہ قبول ہے	214
شرائط دعا ـ حضور رب کا بلکہ سارے عالم غیب کا پتہ ہیں	215
دعا قبول نہ ہونے کے اسباب	217
اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ	219

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
لباس کے معانی اور زوجین لباس کیوں ہیں	220
صحابہ کرام عادل ہیں ان کی خطا ہماری نیکیوں سے افضل	223
توبہ اور معافی میں فرق	224
وَكُلُوا وَاشْرَبُوا ۔ اعتکاف	225
کھانا پینا کب فرض ہے کب سنت و حرام	226
اعتکاف کے فضائل و مسائل اور اعتکاف کو روزہ سے کیا مناسبت ہے؟	228
جہاں کئی ماہ کا دن ہو وہاں روزے نماز کا حکم	230
وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ	231
حلال و حرام کی پہچان ۔ کون آمدنی حلال ہے کون حرام	
ختم و فاتحہ کا کھانا حرام نہیں	233
قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرتا	235
يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ	236
ہلال ۔ قمر ۔ بدر میں فرق	237
حضور سے کل 14 سوال امت نے کیے	239
قمری مہینوں کی افضلیت	239
وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ	242
جہاد کے فضائل اور حکمتیں	246
مسجد حرام دوسری مسجدوں سے کیوں افضل ہے	247
وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ	249
کتنے شخصوں کا قتل جائز ہے	251
عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے اس کی حکمتیں	252
اسلامی جہاد اور موجودہ جنگوں میں فرق	252
الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ	253
فرضیت جہاد کی ترتیب	256

مضمون	صفحہ
وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا تُلْقُوا	258
ہلاکت میں ڈالنے کی صورتیں	261
وَأَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ	262
حج کے مسائل و فضائل	265
حج کس سن میں فرض ہوا ۔ حج اصغر و اکبر	266
حج کے فرائض و واجبات ۔ عورتوں کو بال کٹوانا حرام ہے	266
انگریزی بالوں کا حکم	267
فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ	268
حج کی قسمیں اور قران و تمتع کا قاعدہ	271
ذبیحہ کے اقسام و احکام	272
بیوی اہل بیت حقیقی ہے اور بیٹی اہل بیت مجازی اس کی نہایت قوی دلیل	272
حضرت عمر نے کون سے تمتع سے منع کیا	273
اَلْحَجُّ أَشْهُرٌ مَعْلُومَاتٌ	274
کس نبی کے زمانہ میں حج میں کیا اضافہ ہوا	275
استقرار حمل شریف ماہ رجب میں ہوا جو اس سال ذی الحجہ بنایا گیا تھا	276
دینی مناظرے بہترین عبادت ہیں	278
لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا	279
یوم الترویہ و یوم العرفہ کی وجہ تسمیہ	283
عرفہ و عرفات کے نام اور وجہ تسمیہ	283
حضرت حوا سانپ و ابلیس کہاں کہاں اتارے گئے	283
عرفہ کے کل اسی نام ہیں	284
یوم النحر و مزدلفہ کی وجہ تسمیہ اور عرفات کے فضائل	
جس اونٹ پر سات حج کرلیے جاویں وہ اونٹ جنتی ہے	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
تجارت اعلیٰ پیشہ ہے	284
فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ	286
حج کا طریقہ و حاضری مدینہ پاک	289
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ	292
جلد حساب لینے کے معنی	293
دعا کے آداب	295
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ	297
مدینہ پاک کی حاضری۔ منیٰ کی وجہ تسمیہ	299
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ	301
عزت اور وقار میں فرق اور عزت کے اقسام	305
وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ	308
غیر صحابی۔ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا	311
ان کی خطا ہماری عبادت سے افضل	311
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا	312
ہمارا اسلام میں آنا اور اسلام کا ہم میں آنا	317
هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ	318
سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	322
بنی اسرائیل اور یہود و نصاریٰ میں فرق	322
صفات انبیا بدلنا یہود کی میراث ہے	323
زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا	324
دنیا میں زندگی دنیا کی زندگی اور دنیاوی زندگی کا فرق	325
كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً	329
انسان کب تک سب مومن رہے	330
قرآن کی مدت اور آدم و نوح علیہما السلام میں دس قرن کا فاصلہ ہے	332
مسلمان حق پر کیوں ہیں	333
گذشتہ کتب کیوں بدل گئیں قرآن کیوں نہ بدلا	333

مضمون	صفحہ
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ	336
يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ	340
مال خیرات کون سا مال ہے یتیم کون ہے؟	341
سب خیرات کر کے خود فقیر نہ ہو	342
كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ	344
جنگ کی چار قسمیں اور ان کے احکام	345
جہاد کے عقلی فوائد	346
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ	349
محترم مہینے چار ہیں	350
رب تعالیٰ حضرات صحابہ کی صفائی بیان فرماتا ہے	353
اللہ تعالیٰ دشمنان صحابہ کے عیب کھول دیتا ہے	353
ماہ حرام میں قتال جائز ہے حرمت منسوخ ہے	353
خطاء اجتہادی پر بھی ثواب ہے	354
صحابہ کرام متقی ہیں معصوم نہیں	354
کام کا گناہ ہونا اور ہے کام والے کا گنہگار ہونا کچھ اور	354
وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ	355
مرتد بعد ایمان حج دوبارہ کرے نماز لوٹانے میں تفصیل ہے	357
روافض وغیرہ مرتد کیوں ہیں وہ تو اسلام میں آئے ہی نہیں	357
اہل قبلہ کون اور کلمہ والے کو کافر نہ کہنے کے معنی	358
قتل مرتد کی وجہ اور لا اکراہ و اللعن کے معنی	358
حفاظت ایمان کی دعا	359
اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا	360
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ	364

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
صحابہ کرام نے حضور سے کل تیرہ سوال کئے جو قرآن میں مذکور ہیں	365
شراب حرام ہونے کا واقعہ	367
انگوری و غیر انگوری شراب بھنگ افیون چرس، حقہ، تمباکو کے فقہی احکام	368
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ	369
انسان، جانور، موتی میں یتیم کون ہے حرامی بچہ یتیم نہیں ہوتا بھائی کتنی قسم کے ہیں	371
کون سا خرچ حرام ہے کون حلال کون سا واجب	323
میت کے متروکہ مال سے فاتحہ وغیرہ خیرات کرنا حرام ہے جب اس مال میں یتیموں کا حق بھی ہو	373
سبحان اللہ والحمد للہ کہنے کے فضائل اور پہلے کس نے پڑھی اور حضرت صدیق پر معرفت عمر پر شریعت عثمان پر طریقت علی مرتضیٰ پر حقیقت غالب تھی۔	375
وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ	375
نکاح بمعنی عقد و بمعنی جماع ہونے کے قواعد اور نبی کا منکر مشرک ہے	377
اہل کتاب عورت سے نکاح کی تین شرطیں ہیں مگر بہتر پھر بھی نہیں اس لئے حضور نے اور خلفاء نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح نہ کئے	377
کفار سے نکاح کیوں حرام ہے	378
موجودہ عام انگریز عیسائی نہیں عام میموں سے نکاح خطرناک ہے	379
حضرت عمر نے عیسائی عورت کو طلاق دلوادی	380
مشرک و اہل کتاب میں فرق کی وجہ	380
وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ	382

مضمون	صفحہ
نجس اور اذی میں فرق خبث کے معنی	383
حیض میں صحبت کرنے کے نقصانات	384
حیض و نفاس و استحاضہ کے فرق اور احکام	386
عورت کے سانپ پیدا ہوا اس کا حکم	386
نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ	387
حرث و زرع میں فرق بیویوں کو کھیت کیوں کہا	388
دبر میں جماع حرام ہونے کے دلائل۔ زنا و شراب پر بسم اللہ پڑھنا کفر ہے	390
زبان عربی کی تہذیب، ہندی کی بدتہذیبی اور ستیارتھ پرکاش کی گندی عبارت کا ثبوت	391
کسی امام نے لوطی و دبر کی اجازت نہ دی ان پر بہتان باندھا گیا	392
وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ	393
بر اور تقویٰ میں چند طرح فرق ہے	394
زیادہ قسم سے رزق گھٹتا ہے۔ جگہ ورود منع ہے	395
ہماری اور رب کی قسموں میں فرق	396
لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ	396
نذر اور قسم میں فرق اور ان کے اقسام	398
بے ارادی قسم پر کفارہ واجب ہے	399
لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ	400
چار ماہ میں ایک بار بیوی سے ضرور جماع کرے	402
اسلام نے لونڈی غلام ختم کیوں نہ کئے	405
وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ	406
نو طرح نکاح ختم ہوتا ہے ان کی تفصیل	407
وہ صورتیں جن میں مرد پر عدت ہے	407
شوہر بیوی کے حقوق اور ان کی تفصیل و احکام	409

مضمون	صفحہ
عمر میں ایک بار مجامعت ضروری ہے چار ماہ میں ایک بار بہتر	410
مرد کی فضیلت اور فضیلت کی وجہ میں اس کے دلائل کہ عدت طلاق حیض سے ہے نہ کہ طہر سے	411
کس عورت کی کیا عدت ہے طلاق والی بچی کی عدت کاله	412
اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ	414
ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں نہ کہ ایک چند چیزیں ہبہ کی واپسی ناجائز کر دیتی ہیں	418
فسخ نکاح و طلاق میں فرق اور خلع طلاق ہے	419
خلع اور طلاق بالمال میں فرق نذرانہ ہدیہ اور عطیہ میں فرق اور ان کے احکام	419
اس کا کیا مطلب کہ حضور کے زمانہ میں تین طلاقیں ایک طلاق تھی	420
عورت کے مملوکہ مال کتنی قسم کے ہیں ان کے احکام	421
فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ	422
نکاح بمعنی عقد کب ہوتا ہے اور بمعنی صحبت کب	423
حلالہ اور متعہ میں فرق	426
متعہ نکاح ہی نہیں زنا ہے طریقت میں بھول معاف نہیں	426
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَاَمْسِكُوْهُنَّ	427
طلاق میں مرد مستقل ہے فسخ نکاح میں دونوں کا حق ہے	431
وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ	433
بالغہ عورت کو اپنے نکاح کا اختیار ہے	436
کس صورت میں ولی کو نکاح سے روکنے کا حق ہے	436

مضمون	صفحہ
وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ	438
والدہ اور ام میں والد اور اب میں نفیس فرق	440
بچے کو دودھ پلانے کی مدت اڑھائی سال ہے	442
فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ	444
ماں اور دائی کا اثر بچے پر پڑتا ہے	446
وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ	448
عدت مسلمان عورت پر ہے کافرہ پر نہیں	449
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ	452
قلبی ارادت کے درجے اور ان کے حکم	454
لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ	457
طلاق والی عورتوں کے اقسام اور ان کے احکام	459
وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ	461
حضرت فاطمہ اور ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر	465
کم از کم مہر کی حد	466
بیوی کا جسم چھو لینے سے وضو نہیں ٹوٹتا	466
طلاق کا حق صرف مرد کو ہے	466
حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ	467
صلوۃ وسطی سے مراد نماز عصر ہی ہے	469
نمازیں پانچ ہیں	470
قنوت نازلہ اور اس کے احکام	472
صوفیاء کے نزدیک نماز کی شرائط	473
وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ	474
عدت کا خرچ مرد کے ذمہ ہوگا	477
اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا	480
انبیائے علیہم السلام کے ذریعہ مردے زندہ ہوئے	481

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
حضرت حزقیل علیہ السلام کا واقعہ	482
اللہ اپنے محبوبین کی خواہش پوری فرماتا ہے	484
وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ	486
قرض اور دین میں فرق	488
قرض حسنہ کی شرائط	490
اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ	493
حضرت شموئیل علیہ السلام کا واقعہ	495
جہاد کے لئے امام وسلطان شرط ہے	496
خلفائے راشدین برحق خلیفہ ہیں	497
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ	499
حکومت کرنے کے لئے علم ضروری ہے نہ کہ مال ونسب	501
طالوت کے بادشاہ ہونے کا واقعہ	502
حضرت امیر معاویہ سلطان برحق تھے	503
نسب بھی باعث عزت ہے	504
وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖ	505
تابوت سکینہ کا عجیب واقعہ	508
تبرکات کی بے حرمتی طریقہ کفار ہے	509
فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ	511
اطاعت انبیاء میں راحت ہے	513
فَلَمَّا جَاوَزَهٗ	514
مخلصین وصابرین کی تھوڑی جماعت فتح پالیتی ہے	516
وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ	518
قتل جالوت	521
نیک کام پر معاوضہ قبول کرنا بھی جائز ہے	522
وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ	524
اسلامی جہاد فساد نہیں بلکہ دافع فساد ہے	525
حکومت وسلطنت نعمت ہے اس کے بغیر امن قائم نہیں ہوسکتا	525
امت مصطفٰی میں اولیاء کی تعداد	528

انگلیاں میری ہیں اور ان میں قلم ہے تیرا
ہاتھ میرا ہے مگر اس پر کرم ہے تیرا

حکیم الامت

www.alahazratnetwork.org

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا

عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے کس نے پھیر دیا ان کو قبلہ سے ان کے وہ جو تھے اوپر

اب کہیں گے بیوقوف لوگ کس نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے اس قبلہ سے جس پر تھے

عَلَيْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ

اس کے فرمادو اللہ کے واسطے ہے پورب اور پچھم ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے طرف

تم فرمادو کہ پورب اور پچھم سب اللہ ہی کا ہے جسے چاہے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

راستہ سیدھے کے

سیدھی راہ چلاتا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیتوں میں یہود کے ان اعتراضوں کا ذکر تھا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر تھے اب ان کے اس اعتراض کا ذکر ہے جو انہوں نے اسلام پر کیا اس کے نہایت نفیس جوابات دیئے جارہے ہیں۔ دوسرا تعلق اب تک دستور یہ تھا کہ کفار نے اعتراض کیا اور قرآن کریم نے جواب دیا۔ اب ان کے اعتراض سے پہلے ہی مسلمانوں کو جواب کی تعلیم دی جارہی ہے کہ کفار یہ اعتراض کریں گے اور تم ان کے یہ جوابات دے دینا۔ تیسرا تعلق اس سے پہلے اہل کتاب کی چند بے وقوفیوں کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے بزرگوں کی نیکیوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اب ان کی ایک بڑی بے وقوفی کا ذکر ہے کہ وہ اس تبدیلیء قبلہ پر اعتراض کرتے ہیں جو اسلام کی حقانیت پر کھلی ہوئی دلیل ہے۔

شان نزول : تفسیر خزائن عرفان میں ہے کہ یہ آیت یہود یا مشرکین مکہ یا منافقین یا ان سب کے جواب میں نازل ہوئی جن کو تبدیلی قبلہ پر اعتراض تھا اور جنہیں یہ تبدیلی ناگوار تھی۔

تفسیر : **سیقول** بعض علماء نے کہا کہ یہ آیت تبدیلی قبلہ کے بعد اتری اور **قد نری تقلب** نزول میں اس سے پہلے ہے اور ترتیب میں اس کے بعد یعنی اے نبی علیہ السلام ہم نے قبلہ تو تبدیل کر دیا مگر اب عنقریب مخالفین یہ اعتراض کریں گے اور بعض نے فرمایا کہ اس کا نزول تبدیلی قبلہ سے پہلے ہے یعنی ہم آپ کی مرضی کے موافق قبلہ تبدیل تو کردیں گے لیکن یہ بھی خیال رہے کہ کفار اس پر یہ اعتراض کریں گے اور آپ اس کا جواب یہ دیں اور اس سے مقصود یہ ہے کہ مسلمانوں پر کفار کا یہ اعتراض گراں نہ پڑے۔ تفسیر کبیر نے یہ بھی کہا کہ اعتراض کفار کے بعد یہ آیت اتری اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ ایسا بیہودہ اعتراض کر بھی چکے اور آئندہ بھی کریں گے مگر دوسرا قول صحیح ہے اور اس میں ایک غیبی خبر ہے۔ خیال رہے کہ ہماری اردو میں اچھی بات کو فرمانا بری بات کو بکنا جائز بات کو کہنا کہا جاتا ہے۔ مگر عربی میں ہر بات کے لئے قول استعمال ہوتا ہے۔ اب اس کے معنی

www.alahazratnetwork.org

فاعل اور اس کی گفتگو کے لحاظ سے ہوتے ہیں اگر رب تعالیٰ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف قول منسوب ہو تو اسی کے معنی ہوں گے۔ فرمایا اگر کفار یا شیاطین کا قول ہو تو معنی ہوں گے بکواس کی یا کریں گے۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ خیال رہے کہ زبان ریڈیو کی پچلی ہے اور دل اس کی سوئی جس سے دل کا تعلق ہو گا۔ اسی کی سی بات زبان سے نکلے گی۔ **السفھاء** جمع سفیہ کی ہے جو سفہ سے بنا جس کے معنی ہیں عقل کا ہلکا ہونا اسی لئے نا سمجھ بچوں اور دیوانوں کو سفیہ کہا جاتا ہے **ولا توء توا السفھاء اموالکم** یہاں یا تو منافقین مراد ہیں کہ قرآن کریم نے ان کے بارے میں فرمایا ہے **الا انھم ھم السفھاء** یا یہود مشرکین کیونکہ یہ دین ابراہیمی سے دور ہیں اور جو اس سے دور ہے وہ بے وقوف ہے **الا من سفہ نفسہ** یعنی سارے کفار یہ اعتراض نہ کریں گے کیونکہ علماء اہل کتاب جانتے ہیں کہ نبی آخر الزمان کی پہچان توریت میں یہ بیان کی گئی کہ وہ صاحب قبلتین ہیں معترض وہ ہی بے عقل ہوں گے جو صرف ظاہری صورت میں **من الناس** انسانوں میں سے ہیں ورنہ بے عقلی اور بے وقوفی میں جانوروں سے بدتر کیونکہ جانور بھی اپنے برے بھلے کی تمیز رکھتا ہے۔ ان میں یہ بھی نہیں **ماولھم** یا استفہام انکاری ہے یا تو حیرت سے یا دل لگی کرتے ہوئے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کر رہے ہیں **ولی تولی** سے بنا جس کے معنی ہیں دور ہونا یا پھر جانا۔ اسی لئے منہ موڑنے اور پیٹھ پھیرنے کو **تولی** کہتے ہیں یعنی ان مسلمانوں کو کس چیز نے پھیر دیا **عن قبلتھم** ان کے اس قبلہ سے جس پر اب تک تھے قبلہ بروزن فعلہ سامنے کی چیز یا سامنے کی جہت یا اس حالت کو کہتے ہیں جو کسی کے سامنے ہونے سے پیدا ہو۔ اسی لئے پیشوائی کرنے کو استقبال اور دشمن کے سامنے آنے کو مقابلہ کہتے ہیں۔ قبلہ کو قبلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ نمازی کے سامنے ہوتا ہے (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہما) قبلہ کی اضافت مسلمانوں کی طرف اسی لئے ہے کہ وہ تقریباً سترہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ اور یہاں قبلہ سے مراد بیت المقدس ہی ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **التی کانوا علیھا** وہ جس پر اب تک تھے یعنی یہ بیت المقدس سے کعبہ کی طرف کیوں پھر گئے۔ یہاں تک تو ان کے سوال کا ذکر تھا اب اس کے نہایت نفیس جواب بتائے جا رہے ہیں کہ **قل** یا تو یہ حضور علیہ السلام سے خطاب ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے اس کے معنی یہ نہیں کہ کہہ دو کیونکہ ابھی یہ اعتراض ہوا ہی نہیں بلکہ یہ کہ اے نبی علیہ السلام یا اے قرآن کے پڑھنے والے جب بھی یہ اعتراض کیا جائے تو کہہ دینا کہ ہم تعصب' جانبداری یا جہت پرستی کی وجہ سے نہیں پھرے بلکہ صرف اس لئے کہ **للہ المشرق والمغرب** ہماری عبادت اللہ ہی کے لئے ہے اور مشرق و مغرب یعنی سارا جہاں اسی کا ہے ہم سے جدھر چاہے اپنے لئے ادھر ہی سجدہ کرائے اور جس جگہ کو چاہے ہمارا قبلہ بنادے اور جس قبلہ کو چاہے موقوف کر دے۔ اس کی وجہ ہم سے پوچھنا بے وقوفی ہے۔ غلام سے نہ پوچھو کہ تو پہلے یہ کیوں کرتا تھا اب کیوں نہیں کرتا وہ تو اپنے مولیٰ کا تابع ہے۔ وہ جب جو کام چاہے لے نیز تمہیں یہ بھی اختیار نہیں کہ رب سے پوچھو کیونکہ **لا یسئل عما یفعل** اس قادر مطلق کے افعال پر کون جرح کرے اس کی شان تو یہ ہے کہ **یفعل ما یشاء ویحکم ما یرید** جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنے ارادہ پر فیصلہ کرتا ہے یہ تو تھا اصل جواب۔ اب اگر حکمت پوچھنا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ قبلہ اصل عبادت نہیں بلکہ راہ عبادت ہے اور رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مختلف راہیں دکھائیں کسی کو کسی راہ سے اور کسی کو کسی طور (تفسیر عزیزی) اور **یھدی من یشاء الی صراط مستقیم** جس بندہ کو چاہتا ہے دور کے ٹیڑھے راستوں سے اپنی طرف بلاتا ہے اور جس کو چاہتا ہے بلاواسطہ قریبی راہ کی ہدایت دیتا ہے۔ چنانچہ عبادت کے لئے مشرق یا مغرب کی سمت مقرر کرنا دور کا راستہ ہے اور کبھی بیت المقدس کی طرف منہ کرا

www.alahazratnetwork.org

کر پھر کعبہ کو پھیر دینا اولٰی قریب (روح البیان) کہ اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ تبدیلی کعبہ اور اس کی حکمتیں انشاء اللہ خلاصہ تفسیر کے بعد بیان ہوں گی۔

خلاصہ تفسیر: عبادات میں بدنی عبادت سب سے افضل ہے اور بدنی عبادات میں نماز اور نماز میں سجدہ سب سے اعلیٰ جیسا کہ قرآنی آیات سے ثابت ہے قیامت کے دن کوئی عبادت نہ ہوگی مگر رب کے جمال کا مشاہدہ کرکے اسے سجدہ مسلمان کریں گے رب فرماتا ہے **یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود** بقیہ عبادات ہر وقت ہر جگہ ہر طرح ہو سکتی ہیں مگر نماز و سجدہ کے لئے جگہ اور وقت مقرر ہے اسی کے لئے سمت بھی اسی سمت کو جس طرف نماز و سجدہ ہو قبلہ کہا جاتا ہے۔ روزہ' زکوٰۃ حج میں قبلہ رو ہونا یا رہنا ضروری نہیں مگر نماز میں رو بقبلہ ہونا لازم ہے تمام انبیاء کا قبلہ ایک ہی رہا مگر اسلام میں قبلے دو ہوئے کہ ہجرت سے پہلے اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا جس پر مشرکین مکہ کو اعتراض تھا کہ یہ اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں مگر قبلہ میں ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ ہجرت کے بعد سترہ ماہ تک وہی قبلہ رہا تو یہود اور عیسائیوں کا بھی یہی اعتراض رہا کہ نبی آخر الزمان علیہ السلام ہر بات میں ہماری مخالفت کرتے مگر ہمارے ہی قبلہ کو اپنا قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ ہمارا قبلہ کعبہ ہو رب نے حضور کی مرضی کے موافق قبلہ کی تبدیلی فرمائی مگر اس سے پہلے بطور تمہید فرمایا گیا کہ اس تبدیلی پر یہ اعتراض ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے قبلہ کو کیوں بدل دیا اگر بیت المقدس ناقص تھا تو اب تک اودھر نمازیں کیوں پڑھیں اور وہ نمازیں ناقص ہوئیں یا کامل اور اگر وہ کامل تھا تو اسے کیوں چھوڑ دیا اور ناقص کیوں اختیار کر لیا اور اب نمازیں ناقص ہوں گی یا کامل۔ نیز مشرکین مکہ یہ اعتراض کریں گے کہ لوگوں کی مخالفت کرنا ان کا کام ہی ہے۔ مکہ مکرمہ میں رہے تو ہم کو جلانے کے لئے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے اور جب مدینہ طیبہ پہنچے تو وہاں اہل کتاب کو چڑانے کے لئے ان کے معظم گھر بیت المقدس کو چھوڑ دیا۔ تم ان عقل کے اندھوں کے جواب میں کہہ دینا کہ ہمارے اس عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ نہ ہم متعصب ہیں نہ خوشامدی نہ قوم پرست نہ یہودی اور عیسائیوں کی طرح پورب پچھم کے پجاری کہ یہودیوں نے تو صرف اس لئے پچھم کو اپنا قبلہ بنایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر پہلی وحی مغربی جانب میں آئی جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما کنت بجانب الغربی اذ قضینا الی موسی الامر** اور عیسائیوں نے اس خیال پر مشرق کو قبلہ اختیار کیا کہ حضرت مریم پر مشرقی حصہ میں جبریل علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کی خوشخبری لائے۔ **اذ انتبذت من اھلھا مکانا شرقیا** پھر فرماتا ہے **فارسلنا الیھا روحنا** (تفسیر روح البیان) غرض کہ یہ مشرق مغرب کے پجاری اور ہم ان کے خالق کے عابد ہیں اگر ہم میں ریاکاری ہوتی تو مکہ معظمہ میں مشرکین کو خوش کرنے کے لئے کعبہ کو قبلہ بناتے اور مدینہ پاک میں اہل کتاب کی رضا کے لئے بیت المقدس کو مگر ہوا اس کے برعکس ہماری اس پر نظر ہے کہ سب رب کا ہے اور اس کو راضی کرنا منظور وہ جس طرف چاہے اپنے کو سجدہ کرائے یہی راہ مستقیم ہے اور رب جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ یعنی ہدایت اپنی رائے سے نہیں ملتی بلکہ رب کے کرم سے۔

قبلہ کی تبدیلی

پارہ الم میں آپ تاریخ کعبہ معلوم کر چکے۔ اب یہ سمجھئے کہ عبادت کے لئے کوئی سمت ضرور چاہئے' جیسا کہ ہم آئندہ

www.alahazratnetwork.org

بیان کریں گے۔ ملائکہ اور جن وانس سب کی عبادتوں کے لئے سمتیں مقرر ہیں جسے ان کا قبلہ کہا جاتا ہے۔ چنانچہ حاملین عرش کا قبلہ عرش اعظم اور ملائکہ بررہ کا قبلہ کرسی اور ملائکہ سفرہ وغیرہ کا قبلہ بیت المعمور ہے (کبیر) ضرورت تھی کہ فرشیوں کا بھی کوئی قبلہ ہو۔ ان کے لئے از آدم تا موسیٰ علیہم السلام کعبۃ اللہ قبلہ رہا۔ جس کی حکمت ہم آئندہ بیان کریں گے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک بیت المقدس قبلہ بنا۔ مگر یہودیوں نے اس کا غربی حصہ اور عیسائیوں نے شرقی حصہ اختیار کیا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم معراج اور موجودہ نماز کی فرضیت سے پہلے بھی رب کے عابد و ساجد تھے۔ مگر آپ کی وہ عبادت موجودہ نماز سے مختلف تھی بلکہ حق یہ ہے کہ بچپن ہی سے رب کی عبادت کا ذوق شوق تھا مگر چونکہ آپ کسی وقت بھی کسی پیغمبر کے امتی نہ ہوئے۔ اس لئے آپ کی عبادت کسی دین کی اتباع میں نہ تھی بلکہ اپنے کشف سے اور یہ کشف قدرتی طور پر شریعت ابراہیمی کے مطابق تھا۔ چنانچہ نبوت سے چھ ماہ پیشتر جو غار حرا میں عبادت فرمائی وہ بھی اپنے کشف کے مطابق تھی (شامی شروع کتاب الصلوۃ) عطاء نبوت کے بعد اور معراج سے پہلے جو سجدے اور سجود کئے وہ بیت اللہ ہی کی طرف شب معراج میں جب بیت المقدس میں تمام انبیاء کی امامت فرمائی تو یہ نماز بیت المقدس کی طرف ہوئی۔ یہاں حضرت جبریل علیہ السلام نے اذان و تکبیر کہی (در مختار باب الاذان) رب جانے یہ اذان اور نماز کیسی تھی کیونکہ یہ فرضیت نماز سے پہلے کا واقعہ ہے۔ جب معراج میں نماز فرض ہوئی تو بیت المقدس ہی قبلہ مقرر ہوا کیونکہ یہاں سے ہی آسمانی سفر شروع ہوا تھا اور وہاں ہی انبیاء کرام کا اجتماع اور وہاں ہی حضور علیہ السلام کی سلطنت کا ظہور گویا یہ ان واقعات کی یادگار تھی۔ معراج کے بعد جب تک کہ مکہ مکرمہ میں قیام رہا بیت المقدس ہی کی طرف نماز ہوتی رہی مگر کعبہ معظمہ کو سامنے لے کر یعنی بیت المقدس کی طرف اس طرح منہ کرتے کہ کعبہ معظمہ بھی سامنے آجاتا (عزیزی و تفسیر احمدی) مدینہ منورہ پہنچ کر اس طرح دو قبلوں کا اجتماع ناممکن تھا لہذا بیت المقدس کی طرف نماز ہوتی رہی مگر حضور کو شوق یہ ہی تھا کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو چنانچہ ہجرت سے ایک سال ساڑھے پانچ مہینے کے بعد پندرھویں رجب پیر کے دن مسجد بنی سلمہ میں آپ نماز ظہر پڑھا رہے تھے دو رکعتیں بیت المقدس کی جانب ہو چکی تھیں کہ عین نماز کی حالت میں جبریل علیہ السلام یہ آیت لائے **قد نری تقلب وجھک فی السماء** الخ۔ فوراً آپ مع صحابہ کرام جانب کعبہ پھر گئے یہ نماز نماز قبلتین ہوئی اور مسجد جامع قبلتین (تفسیر احمدی و عزیزی) یہ مسجد اب تک موجود ہے اور اس کا یہ ہی نام ہے۔ اس میں جنوباً" شمالاً" دو محرابیں بھی ہیں میں نے اس کی زیارت کی۔ مسلم کی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ تبدیلی قبلہ کی آیت ظہر عصر کے درمیان آئی مگر ہو سکتا ہے کہ یہ وقت ظہر و عصر کے مابین ہو اور اسی وقت نماز ہو رہی ہو ورنہ پھر مسجد قبلتین کے کیا معنی قبا میں رہنے والے صحابہ کرام کا بھی ایسا ہی واقعہ ہوا کہ انہیں تبدیل قبلہ کی خبر نہ تھی درمیان نماز میں کسی نے خبر دی اور اسی وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔ مگر قبا دوسری طرف واقع ہے۔ واللہ اعلم۔ اس پر مشرکین منافقین اہل کتاب نے بہت شور مچایا جس کی خبر معہ جواب اس آیت میں پہلے ہی دی جا چکی تھی۔

قبلہ اور تبدیلی قبلہ کی حکمتیں

اب ہم تفسیر کبیر و عزیزی وغیرہما سے قبلہ مقرر کرنے اور تبدیل کرنے کی حکمتیں بیان کرتے ہیں نماز کے لئے قبلہ مقرر

www.alahazratnetwork.org

کرنے میں چند حکمتیں ہیں۔ پہلی حکمت یہ کہ انسان میں قوت عقلیہ بھی ہے اور قوت خیالیہ بھی اور یہ دونوں ایک دوسرے کی ساتھی۔ اسی لئے کوئی عقلی بات سمجھاتے وقت کوئی خیالی صورت سامنے رکھ لی جاتی ہے تاکہ عقلی معنی جلد سمجھ میں آجائیں۔ اقلیدس والے مثلث، مربع کے خطوط کھینچ کر ضلع اور زاویہ وغیرہ سمجھاتے ہیں۔ علم ہیئت والے کرہ سامنے رکھ کر آسمانی خطوط معدل النہار اور منطقۃ البروج وغیرہ بتاتے ہیں۔ رعایا بادشاہ کے سامنے کھڑے ہو کر اس سے عرض معروض کرتی ہے تاکہ خیال نہ بٹے جب رب کے بندے اس کی عبادت کریں تو چونکہ وہ سامنے ہونے اور دنیا میں نظر آنے سے پاک ہے تو چاہیے کہ خیال جمانے کے لئے کسی طرف منہ کر لیا جائے اسی جہت کا نام قبلہ ہے۔ دوسری حکمت۔ نماز میں دل کی حاضری ضروری ہے اور یہ سکون سے حاصل ہو گی اور سکون جب ہی ہو گا کہ کسی طرف دھیان نہ ہو اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ ایک ہی طرف رخ رہے۔ اسی طرف کا نام قبلہ ہے۔ تیسری حکمت۔ مسلمانوں میں اتفاق و محبت رب کی بڑی نعمت ہے اگر ہر شخص علیحدہ جہت پر نماز پڑھے تو اختلاف ظاہر ہو گا۔ ضروری تھا کہ ایک اللہ کے بندے اور ایک نبی کے امتی ایک ہی طرف نماز پڑھیں کہ ظاہری اتفاق سے دلی اور روحانی اتفاق بھی پیدا ہو۔ چوتھی حکمت۔ بعض جگہ بعض سے افضل ہے۔ جن سے لوگ فیض پاتے ہیں قبلہ زمین کے دوسرے حصوں سے بہتر ہے جہاں رب کی خاص تجلی ہے۔ اسی طرف نماز پڑھنے میں انوار الٰہی حاصل ہوں گے۔

تبدیلی قبلہ کی حکمتیں : قبلہ بدلنے میں صدہا حکمتیں ہیں جن میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔ پہلی حکمت۔ پچھلی کتابوں میں حضور علیہ السلام کا لقب نبی القبلتین ہے۔ یعنی دو قبلوں والے پیغمبر گذشتہ پیغمبروں نے بھی خبر دی تھی کہ نبی آخر الزمان نبی الحرمین اور امام القبلتین ہوں گے یعنی ان کی ایک حرم یعنی مکہ میں تو پیدائش ہو گی اور دوسرے حرم یعنی مدینہ طیبہ میں رہائش و وفات اور ان کی ابتدا ایک قبلہ یعنی بیت المقدس پر ہو گی اور انتہا دوسرے قبلہ یعنی کعبہ پر یہ تبدیلی آپ کے نبی آخر الزمان ہونے کی علامت ہے۔ دوسری حکمت۔ بعض پیغمبروں نے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھی اور بعض نے کعبہ کی طرف حضور علیہ السلام میں سارے انبیاء کرام کے کمالات ہیں۔ لہٰذا ضروری تھا کہ آپ دونوں طرف نماز پڑھیں۔ تیسری حکمت۔ قبلہ سے حضور علیہ السلام کی عظمت نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے قبلہ کی عزت ہے مرضی الٰہی یہ تھی کہ دونوں قبلوں کو حضور کے سجدوں سے عزت دی جائے۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کو کعبہ میں بھی امام بنایا گیا اور معراج کی رات بیت المقدس میں بھی۔ چوتھی حکمت۔ یہود اور عیسائی مشرق یا مغرب پر اڑ گئے۔ اس تبدیلی سے پتہ لگا کہ مسلمان کسی سمت کے پجاری نہیں بلکہ رب کے عابد ہیں کہ اس کے حکم پر جھک جاتے ہیں۔ پانچویں حکمت۔ تبدیلی قبلہ سے عزت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار ہے کہ انہی کی خواہش سے کعبہ، قبلہ بنا۔ جیسا کہ اگلی آیت میں معلوم ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ بغیر تبدیلی یہ عظمت کیسے ظاہر ہوتی اب معلوم ہوا کہ رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کو عالم کا مسجود الیہ بنا دیا۔

کعبہ معظمہ کی خصوصیات : کعبہ شریف چند وجہ سے بیت المقدس سے افضل ہے۔ ایک یہ کہ یہ تعمیر ابراہیمی ہے بلکہ تعمیر دیگر انبیاء بھی اور بیت المقدس جنات کی تعمیر اس کی زیادہ تحقیقات ان اول بیت کی تفسیر میں آئے گی۔ دوسرے یہ کہ کعبہ بیت اللہ ہے مسلمان عباد اللہ نماز عبادت اللہ ان کے پیغمبر حبیب اللہ اور ان کا قرآن کلام اللہ تو گویا جب اللہ کے بندے رسول اللہ کے فرمان سے اللہ کی عبادت میں کلام اللہ پڑھیں تو بیت اللہ کو منہ کر لیں تاکہ انہی نسبتوں سے ان کا قلب اللہ کی

www.alahazratnetwork.org

طرف رہے۔ تیسرے یہ کہ مشرق مطلع انوار ہے کہ ادھر سے سورج نکلتا ہے اور مکہ معظمہ مطلع سید الانوار یعنی جائے ولادت نبی صلی اللہ علیہ وسلم چاہئے کہ بجائے مشرق کے نماز میں ادھر منہ کیا جائے۔ چوتھے یہ کہ کعبہ معظمہ وسط زمین میں ہے تو چاہئے کہ نماز میں ادھری منہ ہو تاکہ معلوم ہو کہ مسلمان امت وسط یعنی درمیانی امت ہیں۔ پانچویں یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب اور کعبہ معظمہ حضور کا محبوب لہذا کعبہ رب کا محبوب۔ تو چاہئے کہ نماز اس کی طرف ہو تاکہ ہمیں بھی محبوبیت ملے۔ نیز رب نے دنیا میں حضور کو راضی کیا کہ فرمایا **قبلۃ ترضھا** یہ نہ کہا کہ **ارضھا** اور آخرت کے متعلق فرمایا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کہ رب آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ سارا جہان تو میری رضا چاہتا ہے اور میں کونین میں تمہاری رضا (تفسیر کبیر) چھٹے یہ کہ اخیر پارہ الم میں معلوم ہو چکا کہ خانہ کعبہ پانچ پہاڑوں کے پتھروں سے بنا۔ طور سینا' طور زیتا' جودی' لبنان اور حراء گویا جو ادھر نماز پڑھے یا کعبہ کا حج کرے وہ اگر گناہوں کے پہاڑ بھی لے کر آئے سب مٹا دیئے جائیں گے۔ ساتویں یہ کہ کعبہ معظمہ کی زمین ساری زمین کی اصل ہے کہ اسی جگہ زمین کا جھاگ پیدا ہوا اور اس سے زمین پھیلی نیز انسان کی بھی اصل ہے کہ اسی جگہ جسم حضرت آدم خشک کیا گیا۔ چاہئے کہ نماز میں اپنے اصل مبدا کی طرف رخ ہو تاکہ دل کا رخ اصل خالق کی طرف رہے۔ آٹھویں یہ کہ روایت میں ہے کہ جب رب تعالیٰ نے زمین آسمان کو حکم دیا کہ **ائتیا طوعا و کرھا** کہ حاضر ہو میری بارگاہ میں خوش یا ناخوش تو سب سے پہلے اس جگہ سے ذرات محمد نے یہ حکم قبول کیا اور اس کے مقابل کے ساتوں آسمان کے حصوں نے اس کی موافقت کی اور عرض کیا کہ **اتینا طائعین** کہ مولیٰ ہم خوشی سے حاضر ہیں جس سے معلوم ہوا کہ رب کی اطاعت کرنے والی پہلی یہ زمین ہے چاہئے تھا کہ مسلمان بھی اطاعت میں اسی طرف جھکیں (تفسیر عزیزی) نویں یہ کہ بیت المقدس کا حج کبھی نہ ہوا۔ حج ہمیشہ سے کعبہ ہی کا ہوا تو بہتر تھا کہ مسلمانوں کا حج اور نماز ایک ہی طرف ہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بڑا بے وقوف وہ ہے جو دینی باتوں پر اعتراض کرے اگرچہ دنیوی کاروبار میں بڑا ماہر ہو۔ دیکھو رب نے تبدیلی قبلہ پر اعتراض کرنے والوں کو سفہاء فرمایا۔ حالانکہ وہ دنیا میں عقلمند مانے جاتے تھے کیونکہ جب مال برباد کرنے والا بے وقوف کہلاتا ہے تو اعمال بلکہ عمر اور ایمان کی دولت برباد کرنے والا بے وقوف کیوں نہ ہو گا۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے محبوب ہیں کہ رب انہیں دشمنوں کے مقابل جوابات سکھاتا ہے۔ تیسرا فائدہ جن اہم کاموں پر مخالفین کے سخت اعتراضات پڑیں ان کا رب تعالیٰ براہ راست حکم دیتا ہے تاکہ حضور کی ذات پاک ان اعتراضات سے محفوظ رہے جیسے کہ تبدیلی قبلہ وغیرہ ورنہ بہت سے وہ احکام ہیں جو حضور علیہ السلام نے بغیر انتظار وحی خود ہی جاری فرمائے اس کی تحقیق کے لئے دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ ان جیسے کاموں میں وحی کے انتظار سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ مختار نہیں۔ اعتراض: پہلا اعتراض آپ کی اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ ایک بار ہوئی اور بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ دوبار ہوئی۔ جواب انہیں دھوکہ ہو گیا معراج سے پہلے حضور علیہ السلام نے اپنے کشف سے کعبہ کو قبلہ بنایا اور معراج کے بعد بیت المقدس ہی قبلہ تھا مگر کعبہ کو اس طرح سامنے رکھا گیا جیسے حاجی طواف کے نفلوں میں مقام ابراہیم کو سامنے رکھتا ہے کہ سجدہ کعبہ کی طرف ہے اور مقام درمیان میں اور کشف کا نسخ وحی سے نہیں ہوتا۔ جب مدینہ منورہ میں بلاواسطہ کعبہ

www.alahazratnetwork.org

بیت المقدس کو منسوخ کیا گیا تو لوگ اس کو فتح سمجھ گئے تھے حالانکہ یہ قیاسات غلط۔ دوسرا اعتراض: آپ کی تفسیر سے معلوم کہ سترہ مہینے بیت المقدس کی طرف نماز ہوئی۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سولہ مہینے۔ جواب چونکہ دونوں باتیں صحیح ہیں شروع ربیع الاول میں ہجرت ہوئی اور پندرہ رجب کو تبدیلی قبلہ تقریباً ساڑھے سولہ مہینے بیت المقدس قبلہ رہا۔ تیسرا اعتراض اس آیت میں اعتراض سے پہلے کیوں جواب سکھایا گیا کہ کفار یہ اعتراض کریں گے اور تم یہ جواب دینا۔ جواب اس میں غیب کی خبر ہے مسلمانوں کی عزت افزائی اور حضور علیہ السلام کی تسلی و تشفی کہ اچانک مصیبت زیادہ سخت ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موحد اور مشرک میں یہ فرق ہے کہ مشرک توجہات کا پجاری ہے اور موحد رب کا بندہ۔ مشرک کی عقل پردوں تک پہنچتی ہے۔ موحد کی پردے والے تک۔ جھگڑے جب ہی تک ہیں جب تک حقیقت سامنے نہیں حجاب کا اٹھنا جھگڑے مٹاتا ہے اہل کتاب مشرق و مغرب پر اسی لئے اڑے ہوئے تھے کہ حق ان سے چھپا تھا انہیں یہ خبر نہ تھی کہ توحید کا تقاضہ یہ ہے کہ ہر جہت میں اسی کو دیکھیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

جہاں مرآت حسن شاہد ما است — فشاہد وجہہ فی کل ذرات

یوں تو عالم کے ہر ذرہ میں رب کی جلوہ گری ہے مگر مومن کا سر ادھر جھکے گا جدھر وہ فرمائے کیونکہ مومن خود بھی اس کی تجلی گاہ ہے یوں سمجھو کہ مشرک مخلوق کا مقید ہے اور موحد جہات کی قیدوں سے آزاد بلکہ اس کے حکم کا پابند اسی لئے جب قبلہ معلوم نہ ہو تو جدھر دل جھکے ادھری قبلہ ہے ہر جہت حق میں ہے حق کی ہے حق کے لئے ہے فاینما تولوا فثم وجہ اللہ (تفسیر روح البیان و ابن عربی)

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ
اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو گروہ درمیانی تاکہ ہو تم گواہ اور لوگوں کے اور
اور بات یوں ہی ہے کہ ہم نے تمہیں سب امتوں پر افضل کیا کہ تم لوگوں پر گواہ
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا
ہو یہ رسول اوپر تمہارے گواہ
ہو اور یہ رسول تمہارے نگہبان و گواہ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے تبدیلی قبلہ کی تمہید فرمائی گئی اب اس کی چند حکمتیں بیان جاری ہیں کہ تم چونکہ بہترین امت ہو اور تمہارے پیغمبر اور کتب سب نبیوں اور کتابوں میں افضل تو چاہئے کہ تمہارا کلام بھی افضل ہو اور قبلہ بھی۔ کلام تو یہ کہ دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھو اور آخری قبلہ کعبہ۔ دوسرا تعلق کفار کے

www.alahazratnetwork.org

اعتراض کا پچھلی آیت میں جلالی رنگ میں جواب دیا گیا کہ مشرق و مغرب اللہ کا ہے جدھر چاہے نماز پڑھائے تم اعتراض کرنے والے کون؟ اب رنگ جمال جواب ہے کہ چونکہ تم درمیانی امت ہو تمہارا قبلہ بھی کعبہ چاہئے جو درمیان زمین میں ہے یا جو مدینہ منورہ میں مشرق و مغرب کے درمیان ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت سے مسلمانوں کی اطاعت شعاری اور کفار کی سرتابی معلوم ہوئی تھی کہ مسلمان تو بے حجت ادھر پھر جائیں گے مگر بے وقوف حجت بازی کریں گے۔ اب مسلمانوں کے انعام کا ذکر ہے کہ اے بلا حجت پھر جانے والو ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں پر خاص انعام کا ذکر ہوا کہ ہم تمہیں کعبہ عطا فرماتے ہیں اب دیگر نعمتوں کا ذکر ہے کہ ہم نے تمہیں اور بھی بہت سے فضائل عطا فرمائے ہیں۔

تفسیر : **وکذلک** یہاں "ک" تشبیہ کا ہے اور ذالک اسم اشارہ اس میں بہت گفتگو ہے کہ تشبیہ کس سے دی جاری ہے اور ذالک سے کدھر اشارہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے **یھدی** کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسے کہ تمہیں ہدایت دی ایسے ہی تم کو بہتر بنایا بعض نے کہا کہ **ولھم** کی طرف یعنی جیسے تمہیں درمیانی قبلہ کی طرف پھیرا ایسے ہی تمہیں افضل کیا۔ بعض نے کہا کہ **اصطفینا** کی طرف یعنی جیسے ابراہیم علیہ السلام کو دنیا میں بزرگی دی ایسے ہی تمہیں امت وسط بنایا۔ بعض نے کہا کہ پورے جملے **للہ المشرق الخ** کی طرف ہے یعنی جیسے کہ مشرق مغرب سب ہی اللہ کا ہے لیکن بعض جگہ کو عزت دی ہے کہ اسے قبلہ بنایا ایسے ہی بندے سب اللہ کے ہیں لیکن تمہیں یہ عزت دی کہ سب سے افضل کیا اور سب کا گواہ بنایا کہ تمہاری گواہی پر ان کا فیصلہ ہو۔ بعض نے کہا کہ یہ اشارہ غیر مذکور چیز کی طرف ہے جیسے کہ کبھی ضمیر بغیر ذکر مرجع آجاتی ہے (تفسیر کبیر) مگر ان سب میں بہتر ترجمہ اعلیٰ حضرت کا ہے کہ **کذالک** ایک پوشیدہ لفظ کی مبتدا یا خبر ہے اور **ذلک** سے آئندہ کلام کی طرف اشارہ یعنی بات یہ ہی ہے کہ ہم نے تمہیں افضل کیا اس لئے کہ اس میں محذوفات بھی کم ہیں اور کلام بھی نیا۔ گذشتہ صورتوں میں پورا جملہ محذوف ماننا پڑتا ہے **جعلنکم** ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب ساری امت سے ہے کیونکہ آئندہ اوصاف بھی سب ہی کے ہیں اور **جعل** بنانے کے معنی میں ہے کیونکہ اس کے دو مفعول آرہے ہیں یعنی اے مسلمانوں ہم نے تمہیں بنایا نیز **جعلنا** میں دو معنی کا احتمال ہے ہم نے تمہیں بہترین امت بنایا تھا یا بنایا ہے یعنی جیسے ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے افضل الرسل ہیں ویسے ہی تم اول ہی سے خیر الامم ہو کہ عرش و کرسی کی پیدائش سے پہلے تم کو ان محبوب کی امت ہونے کے لئے چن لیا۔ تم اول ہی سے ہمارے انتخاب میں آچکے ہو نیز گذشتہ کتابوں و صحیفوں میں تمہارے فضائل و مناقب تفصیل وار مذکور تھے۔ رب فرماتا ہے **ذلک مثلھم فی التورٰۃ و مثلھم فی الانجیل** یا اے مسلمانوں ہم نے تمہیں تا قیامت بہترین امت بنایا کہ تمہیں قرآن دیا تم میں اولیاء و علماء رکھے پہلی صورت میں رب کے انتخاب کا ذکر ہے اور اس صورت میں انتخاب کے ظہور کا تذکرہ **امۃ وسطا** " درمیانی امت۔ وسط سین کی حرکت سے مستقل اسم ہے یعنی درمیانی چیز اور اسی کے سکون سے ظرف جیسے وسط البیت گھر کے بیچ میں۔ یہاں پہلے معنی میں ہے اس میں چند احتمال ہیں ایک عادل و منصف کیونکہ انصاف افراط اور تفریط کے بیچ میں ہے رب فرماتا ہے **قال اوسطھم** اوسط بمعنی عادل دوسرے بہتر کیونکہ رب فرما رہا ہے **کنتم خیر امۃ** وہ آیت اس کی تفسیر ہے نیز بہتر چیز درمیان میں رہتی ہے۔ مجلس کا صدر بیچ میں اور تسبیح کا امام درمیان ہی میں رہتا ہے۔ تیسرے بیچ کی چیز یعنی افراط و تفریط سے خالی اس لئے کہ کناروں میں کوتاہی اور کمی رہتی ہے اور بیچ

www.alahazratnetwork.org

کا حصہ پر نیز کنارے بیچ کی طرف رجوع کرتے ہیں دائرے کا مرکز بھی بیچ ہی میں ہوتا ہے یعنی اے مسلمانوں ہم نے تمہیں انصاف کرنے والا یا بہتر یا بیچ کی امت بنایا کہ تمام لوگ تمہاری طرف رجوع کریں۔ جیسے کہ مرکز کی طرف دائرہ لتکونوا **شهداء علی الناس** تاکہ تم لوگوں کے مقابل گواہ ہو۔ شہداء جمع شہید کی ہے جس کے معنی ہیں حاضر۔ گواہ کو شہید اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ موقعہ پر حاضر ہوتا ہے اگر یہاں آخرت کی گواہی مراد ہے تو ناس سے گذشتہ امتوں کے کفار مراد ہیں اور اگر دنیا کی گواہی مراد ہے تو ناس سے سارے انسان مراد جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو گا یعنی تمہیں یہ صفات اس لئے دیئے ہیں کہ ایک بڑا کام یعنی گواہی تمہارے سپرد کی گئی اور اے مسلمانوں تم اپنی عظمت قائم رکھنا کیونکہ تمہاری شان یہ بھی ہے کہ **ویکون الرسول علیکم شهیدا** اور یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے نگہبان اور گواہ۔ یہاں الرسول سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور علی یا تو لام کے معنی میں ہے اور یا شہید میں رقیب کے معنی کا لحاظ یعنی تم تو اور امتوں کے خلاف گواہی دو گے اور نبی علیہ السلام تمہاری تائید و تصدیق فرمائیں گے کہ یہ سچے ہیں یا نبی علیہ السلام تمہارے عادل ہونے کی گواہی دیں گے کہ یہ فاسق فاجر نہیں قابل گواہی ہیں کیونکہ وہ دنیا میں تم میں سے ہر ایک کے سارے حالات سے پورے واقف ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں جیسے ہم نے تمہیں بہتر قبلہ بہتر پیغمبر بہتر کتاب عطا فرمائی ایسے ہی تم پر یہ بھی کرم فرمایا کہ تمہیں عقائد و اعمال کے لحاظ سے درمیانی امت بنایا کہ نہ تم یہودیوں کی طرح انبیاء کے دشمن اور نہ عیسائیوں کی طرح ان کو خدا کو نہ دہریوں کی طرح خدا کے منکر اور نہ مشرکین کی طرح چند معبودوں کے قائل نہ جبریوں کی طرح بندے کو بالکل مجبور مانو اور نہ قدریوں کی طرح تقدیر کا انکار کرو غرضیکہ تمہارا عقیدہ درمیانہ ہے یہی اعمال کا حال کہ نہ تو تم عیسائی راہبوں اور ہندو جوگیوں کی طرح تارک الدنیا اور نہ دیگر دنیاداروں کی طرح آخرت سے غافل۔ بلکہ تمہارے ایک ہاتھ میں دنیا ہے اور دوسرے ہاتھ میں دین بلکہ تمہاری دنیا بھی دین ہے یہ کہ ہم نے تمہیں ساری امتوں کا صدر اور سردار بنایا جیسے مجلس کے بیچ میں سردار اور بہار کے بیچ میں بڑا موتی یا شہر کے بیچ میں بڑی عمارت یا دائرے کے بیچ میں مرکز یا صف کے بیچ میں امام یا دیوار قبلہ کے بیچ میں محراب ایسے ہی تمام امتوں میں تم صدر نشین ہو کہ سب تمہاری پیروی کریں اور تم سب کے استاد یا ہم نے تمہیں سب سے بہتر امت بنایا کہ تمہیں شریعت بھی دی اور طریقت بھی اور تم میں قیامت تک کے لئے علماء اور اولیاء چھوڑے۔ تمہارا کام تھوڑا اور ثواب زیادہ۔ تم اس بارش کی طرح ہو جس کا اول بھی بہتر اور آخر بھی تمہارے اول صحابہ تمہارے درمیان اولیاء و علماء تمہارے آخر میں امام مہدی و عیسیٰ علیہم السلام یا تمہیں عادل امت بنایا کہ تمہاری گواہیوں سے مقدمات میں فیصلے ہوں اور تمہاری گواہی سب پر جاری ہو اور تم پر کسی کی نہ ہو یہ فضائل تمہیں اس لئے دیئے تاکہ تم دنیا میں لوگوں پر گواہ ہو اس طرح کہ تمہاری گواہی کافر پر بھی معتبر ہو اور اس طرح کہ تم جس کو ولی اور جنتی کہہ دو وہ حقیقت میں ولی ہی ہو اور جسے تم برا اور جہنمی کہہ دو وہ ایسا ہی ہو اور اس طرح کہ جس کام کو تم جائز اور مستحب کہہ دو وہ ایسا ہی ہو اور جس چیز کو تم بہتر جانو وہ بہتر گویا تمہاری زبان حق کا قلم ہے اور اس طرح کہ تمہارا اجماع شرعی دلیل ہے۔ یعنی جس چیز کے حلال و حرام ہونے پر تم متفق ہو جاؤ وہ یقیناً ایسی ہی ہو یا تاکہ تم پچھلے کفار کے خلاف گواہ ہو۔ جب کہ قیامت میں گذشتہ پیغمبروں کی نافرمان امتیں انبیاء کی تبلیغ کا انکار کریں گی اور انہیں رب کے سامنے الزام لگائیں گی کہ مولیٰ ہم تک تیرے احکام انہوں نے پہنچائے ہی نہیں۔ انبیاء عرض کریں گے کہ یہ جھوٹے ہیں ہم نے

www.alahazratnetwork.org

تبلیغ کی انہوں نے نہ مانی۔ پیغمبروں کو حکم الٰہی ہو گا کہ آپ تبلیغ کے مدعی ہو اور یہ لوگ انکاری اپنے گواہ پیش کرو وہ اس امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کریں گے۔ مسلمان انبیاء کی گواہی دیں گے جس پر کفار جرح کریں گے کہ تم پیچھے آئے بغیر دیکھے گواہی کیونکر دے رہے ہو، مسلمان عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم نے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ تب حضور علیہ السلام کی طلبی ہو گی اور آپ مسلمانوں کے متعلق دو گواہیاں دیں گے۔ ایک یہ کہ یہ سچے ہیں ہم نے واقعی ان سے فرمایا تھا کہ اگلے پیغمبروں نے تبلیغ کی اور ان کی قوم نے سرکشی کی۔ دوسرے یہ کہ خدایا یہ مسلمان گواہ فاسق فاجر نہیں بلکہ پرہیزگار اور قابل گواہی ہیں۔ تب انبیاء کرام کے حق میں ڈگری ہو گی اور اے مسلمانوں ہمارا یہ آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بھی تمہارا گواہ ہے کہ اس نے فرمایا کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا (مشکوٰۃ) اور اس نے فرمایا کہ تم لوگ زمین میں اللہ کے گواہ ہو جسے تم جنتی کہو وہ جنتی اور جسے دوزخی کہو وہ دوزخی (مشکوٰۃ باب المشی الجنازۃ) اور انہوں نے فرمایا کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو گی اور انہوں نے فرمایا کہ میری امت میں ایک جماعت ہمیشہ حق پر رہے گی وغیرہ نیز آخرت میں بھی وہ تمہارے عیب چھپائیں گے اور تمہاری خوبیوں کی گواہی دیں گے۔ خیال رہے کہ قیامت میں چار گواہیاں ہوں گی ایک کاتبین اعمال فرشتوں کی قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وجاءت کل نفس معها سائق و شهيد** دوسرے انبیاء کرام کی رب فرماتا ہے۔ **فكيف اذا جئنا من كل امة بشهيد** تیسرے امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جس کا یہاں ذکر ہوا۔ چوتھے مجرم کے ہاتھ پاؤں کی **وتكلمنا ايديهم وتشهد ارجلهم** نوٹ۔ یہ تمام تفسیر، تفسیر کبیر و عزیزی و خزائن العرفان و روح البیان و احادیث صحیحہ سے لی گئی۔

امت مصطفیٰ علیہ السلام کی خصوصیات : مسلمانوں میں رب کے فضل سے بہت سی خصوصیتیں ہیں جن میں سے کچھ یہاں بیان کی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ امت سب سے پچھلی ہے تاکہ اگلی امتوں کی طرح اس کی بدنامی نہ ہو اور اس کے عیب نہ کھلیں۔ گزشتہ امتوں کے عیوب قرآن کریم نے بیان کیے جس سے وہ قیامت تک بدنام ہو گئیں۔ ہمارے بعد نہ کوئی آسمانی کتاب آئے گی اور نہ ہمارے عیب کھلیں گے۔ دوسرے یہ کہ یہ امت سب سے پچھلی ہے تاکہ سب کی گواہی دے سکے کیونکہ گواہی واقعہ کے بعد ہوتی ہے نہ کہ پہلے۔ تیسرے یہ کہ خدا کے فضل سے یہ امت یہود کی تفریط اور عیسائیوں کی افراط سے پاک ہے اس کے عقائد و اعمال درمیانی۔ چوتھے یہ کہ انشاء اللہ اس میں ہمیشہ علماء اور اولیاء رہیں گے۔ پچھلی امتوں کی طرح سب گمراہ نہ ہو جائیں گے۔ پانچویں یہ کہ ان کے جسم شریعت سے اور ان کے قلب طریقت اور معرفت سے منور رہیں گے۔ چھٹے یہ کہ ان کی زبان حق کا قلم ہے جس چیز کو یہ اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی اور جس کو برا کہیں وہ بری۔ ساتویں یہ کہ یہ امت سارے نبیوں کی گواہ اور ظاہر ہے کہ گواہ مدعی کو بڑا پیارا ہوتا ہے کہ وہ گواہی سے مقدمہ جیتے گا لہٰذا یہ سب پیغمبروں کے محبوب۔ آٹھویں یہ کہ سب لوگ مسلمانوں کے حاجتمند ہیں مسلمان کسی قوم کے محتاج نہیں۔ اسی لئے دنیوی حکومتیں اسلام سے قوانین لیتی ہیں اور کفار قرآن سے فائدے اٹھاتے ہیں مگر افسوس کہ مسلمان اس سے بے پرواہ ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے۔ نویں یہ کہ اسی امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کی طرح دین کے مددگار ہیں۔ انہیں میں مفسرین، محدثین، فقہاء ہوئے اور تا قیامت ہوتے رہیں گے۔ دسویں یہ کہ اسی امت میں تاقیامت اولیاء غوث و قطب و ابدال ہوتے رہیں گے۔ گیارہویں یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

اسی امت کے نبی کی سوانح عمریاں بے شمار لکھی گئیں۔ قرآن کریم کی بے اندازہ تفسیریں ہر زبان میں ہوئیں۔ حضور کی زندگی کا ایک ایک حال حدیثی شکل میں دنیا کے سامنے آگیا کسی نبی کی امت کو یہ خوبیاں میسر نہ ہوئیں۔ یہ فضائل تو دنیا کے تھے آخرت میں بھی یہ امت تمام امتوں سے افضل و بہتر ہوگی کہ تمام جنتیوں کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں سے اسی صفیں اس امت کی باقی چالیس صفیں تمام دیگر امتوں کی۔ اس امت کے گناہوں کا حساب خفیہ ہوگا نیکیوں کا علانیہ اس امت کے لئے حوض کوثر کی نہر میدان محشر میں بھی آوے گی۔ پہلے یہ امت جنت میں جاوے گی پیچھے دوسری امتیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ گواہی لینا اور واقعہ کی تحقیقات کرنا علم غیب کے خلاف نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ علام الغیوب ہے مگر گواہی اور تحقیقات کے بعد فیصلہ فرمائے گا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام نے جو عائشہ صدیقہ کی تہمت یا دیگر واقعات کی تحقیقات فرمائیں اس سے آپ کی بے علمی ثابت نہیں ہوتی۔ یہ دشمن کا منہ بند کرنے کے لئے ہے کہ کوئی طرفداری کا الزام نہ لگائے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے واقعات کی خبر ہے اور آپ سب پر مطلع اور حاضر و ناظر ہیں اس لئے کہ قیامت میں سنی گواہی تو مسلمان بھی دے چکے تھے۔ اگر حضور کی گواہی سنی ہوئی ہوتی تو کفار اس پر بھی جرح کر دیتے نیز **علیکم شهیدا** سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ شہید معنی مطلع بھی آتا ہے **والله علی کل شیء شهید** نیز تفسیر ابن عربی و عزیزی و روح البیان وغیرہ نے اسی آیت میں فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نور نبوت سے ہر شخص کی ایمانی حالت اس کا ایمانی درجہ اور اس کی محبوبی اور محجوبی اور نیک و بد اعمال اور اخلاص و نفاق اور تمام صفات جانتے ہیں اسی لئے آپ کی گواہی دنیا اور آخرت میں معتبر بلکہ حضور علیہ السلام کے بعض امتی بھی حضور ہی کے نور سے یہ ساری باتیں جانتے ہیں اور کیوں نہ ہو حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد الله جمعا کخردلة علی حکم اتصالی

اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول میں دیکھو۔ اس آیت سے حضور کا جیسے کہ علم غیب کلی ثابت ہوا۔ ویسے ہی آپ کا حاضر ناظر ہونا بھی اس کی زیادہ تحقیق **انا ارسلنک شاهدا** کی تفسیر میں ہوگی اور "جاء الحق" میں بھی دیکھو۔ تیسرا فائدہ میلاد شریف گیارھویں، عرس وغیرہ سارے امور خیر مستحب ہیں کیونکہ عرب و عجم کے مسلمان علماء و مشائخ اسے مستحب جانتے ہیں اور چونکہ یہ خدا کے گواہ ہیں اس لئے یہ چیزیں اللہ کے نزدیک بھی مستحب جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہو چکا۔ چوتھا فائدہ مسلمانوں کا اجماع شرعی دلیل ہے۔ پانچواں فائدہ حضور علیہ السلام دنیا اور آخرت میں مسلمانوں کے گواہ ہیں لہذا صحابہ کرام اہل بیت عظام یا اویس قرنی اور امام مہدی وغیرہم یقیناً" جنتی ہیں کیونکہ ان کے جنتی ہونے کی حضور نے گواہی دی ہے جو اس میں شک کرے وہ خود اس آیت کا منکر اور بے دین جہنمی ہے۔ چھٹا فائدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کے سردار اور تمام نبیوں سے افضل و اشرف ہیں کہ جب ان کی نسبت سے ان کی امت تمام امتوں سے افضل ان کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے افضل ان کے اہل بیت تمام نبیوں کے اہل بیت سے افضل ان کے شہر مکہ و مدینہ تمام نبیوں کے شہروں سے افضل تو جن کے دم کی یہ ساری بہاریں ہیں خود ان کی افضلیت کا کیا پوچھنا ساتواں فائدہ گواہی عملی بھی ہوتی ہے اور قولی بھی رب تعالیٰ کا نبیوں کے ہاتھ پر معجزات ظاہر فرمانا رب کی عملی گواہی ہے اور ان کی نبوت کا کتاب میں ذکر فرمانا قولی گواہی۔ قیامت

www.alahazratnetwork.org

کے دن یہ امت انبیاء کرام کی قولی گواہ ہوگی۔ مگر دنیا میں یہ امت عملی گواہ بھی ہے اور قولی گواہ بھی مسلمانوں کا کسی کو ولی اللہ سمجھنا یا کسی کار خیر کو اچھا سمجھنا اس کی ولایت کی عملی گواہی ہے اور قدرتی طور پر ان کا کسی کو ولی اللہ کہنا کسی کار خیر کو اچھا کہنا قولی گواہی ہے۔

پہلا اعتراض : کیا یہ امت پچھلے پیغمبروں سے افضل ہے کہ رب نے قیامت میں ان کی تو نہ مانی اور اس امت کی مان لی (آریہ) جواب افضل تو وہ ہی ہیں مگر چونکہ وہ اس مقدمہ میں ایک فریق ہیں اس لئے گواہی دوسرے کی چاہیے۔ اگرچہ وہ ان سے اونچا ہو جیسے کہ تحصیلدار پر حملہ دعویٰ کرے تو اگرچہ تحصیلدار حاکم ہے مگر اس مقدمہ میں اپنا گواہ کسی اور ہی کو بنائے گا اگرچہ وہ گواہ کوئی معمولی آدمی ہی ہوں۔ **دوسرا اعتراض** جب حضور علیہ السلام کی گواہی ہی پر فیصلہ ہونا تھا تو مسلمانوں کو درمیان میں کیوں رکھا گیا۔ جواب فیصلہ تو مسلمانوں کی گواہی پر ہوا۔ حضور علیہ السلام کی گواہی تو مسلمانوں کی توثیق کے لئے ہے اور اس میں مسلمانوں کی خاص عزت افزائی۔ **تیسرا اعتراض** مسلمانوں میں تو فاسق فاجر اور بدکار بھی ہیں کیا حضور علیہ السلام ان سب کی وہاں تعریف کریں گے اگر تعریف کریں تو غلط بیانی ہے اور اگر ان کے عیب کھول دیں تو ان کی بدنامی بھی ہے اور گواہی بھی رد ہوتی ہے۔ جواب آخرت میں شہادت کے لئے متقی اور پرہیزگار مسلمان ہی پیش ہوں گے۔ جھوٹے اور وعدہ خلاف لوگ لعن طعن کرنے والے نہ کسی کی شفاعت کریں اور نہ گواہی دیں (خزائن العرفان) نیز صحاح کی روایت بھی اس پر شاہد ہے اسی لئے قرآن کریم نے یہاں فرمایا کہ تم کو امت وسط بنایا تاکہ تم گواہ ہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ اس امت کی گواہی ہے نہ کہ ہر ایک کی۔ دوسرا جواب فاسق فاجر گواہ تو بن سکتا ہے مگر گواہی دے نہیں سکتا۔ اسی لئے فاسقوں کی موجودگی میں نکاح جائز ہے اگرچہ بعض مسلمان دنیا میں فاسق فاجر ہیں مگر یہ گواہ بننے کا وقت ہے لیکن آخرت میں بخشش یا عذاب پا کر سب بے گناہ ہوں گے۔ تو ممکن ہے کہ بعض گنہگار بھی معافی پا کر گواہوں میں شامل ہو جائیں۔ **چوتھا اعتراض** اگر مسلمانوں کی گواہی سے کاموں کی خوبی ثابت ہو تو داڑھی منڈانا شراب پینا چوری کرنا سب ہی جائز ہونا چاہئے کیونکہ بعض مسلمان اسے اچھا سمجھتے ہیں۔ جوب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی گواہی اللہ و رسول کے خلاف معتبر نہیں چونکہ ان چیزوں کو شریعت نے صراحۃً حرام کر دیا لہٰذا تمام جہان کی گواہی سے بھی اچھی نہیں ہو سکتیں۔ گواہی تو سکوتی احکام میں ہے۔ جیسے محفل میلاد شریف۔ دوسرا جواب۔ کوئی مسلمان بھی انہیں اچھا سمجھ کر نہیں کرتا اپنے کو گنہگار ہی جانتا ہے اور جو اچھا سمجھنے لگے وہ کافر ہو گیا۔ مسلمان ہی کہاں رہا تاکہ اس کی گواہی معتبر ہو۔ **پانچواں اعتراض** قادیانی مرزا غلام احمد کے اور دیوبندی مولوی اشرف علی کے جنتی ہونے کے گواہ ہیں تو کیا یہ لوگ جنتی ہو گئے۔ جواب اس کا جواب چوتھے اعتراض و جواب میں سمجھ لو۔ **چھٹا اعتراض** مسلمان سب سے اخیر میں آئے پھر انہیں بیچ کی امت کیوں کہا گیا۔ جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں بیچ سے درمیانی عقائد و اعمال والے یا عادل یا بہتر مراد ہیں نہ کہ زمانے کے لحاظ سے بیچ۔ **ساتواں اعتراض** رب کو تو علم تھا کہ اس امت میں بڑے بڑے گنہگار و بدکار بھی ہوں گے۔ دیکھو آج مسلمان ایسے جرم کر رہے ہیں جو پچھلی امتیں نہ کر سکیں پھر اس امت کو بہترین امت کیوں فرمایا۔ جواب اس لئے کہ اس امت میں تاقیامت اولیاء و حقانی علماء ہوتے رہیں گے نیز اس امت جیسے اولیاء کسی امت میں نہ ہوئے گذشتہ امتوں میں غوث پاک و خواجہ اجمیری وغیرہم جیسے اولیا کہاں ہوئے اشرف افراد کی وجہ سے قوم اشرف ہو جاتی ہے۔ اگرچہ قوم میں بد لوگ بھی ہوں۔ انسان کو اشرف المخلوق قرار دیا ولقد کرمنا بنی ادم حالانکہ بعض انسان وہ

www.alahazratnetwork.org

جرم کر لیتے ہیں جو ابلیس سے نہ ہو سکیں۔ سارا مکہ معظمہ ایک بیت اللہ کی وجہ سے اشرف ہو گیا اگرچہ وہاں پاخانے اور روڑیاں بھی ہیں۔ خیال رہے کہ اگرچہ بنی اسرائیل میں حضرت مریم، اصحاب کہف، آصف بن برخیا، جریج جیسے اولیاء اللہ پیدا ہوئے مگر ان سے وہ فیضان جاری نہ ہوئے جو خواجہ اجمیری یا حضور غوث پاک سے جاری ہوئے ان کی ولایتیں وقتی تھیں کیونکہ ولایت دیوار نبوت کا سایہ ہوتی ہیں۔ دیوار گئی سایہ بھی گیا اولیاء آفتاب نبوت کے ذرے ہوتے ہیں جب سورج غروب ہو گیا تو ذروں کی چمک بھی جاتی رہی۔ چونکہ ہمارا یہ والا سورج کبھی غروب ہونے والا نہیں لہٰذا دین محمدی کے اولیاء کی چمک بھی ختم ہونے والی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ دوربین کے ذریعے آنکھ دور تک کی چیز محسوس کر لیتی ہے ایسے ہی نبوت اور ولایت بلکہ ایمانی دوربین سے ظاہر و باطن دور و نزدیک ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ مسلمان کی دانائی سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رب تعالیٰ کامل مومن کی آنکھ اور کان ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے قیامت میں اسی دوربین سے حضور علیہ السلام تمام کی حالت کی گواہی دیں گے بلکہ دنیا میں بھی تجربہ ہے کہ نیک کار کے لئے قدرتی طور پر مسلمانوں کے منہ سے تعریف نکلتی ہے اور بدکار کی برائی یہ نور ایمانی ہی کی برکت ہے۔

حکایت: جب ہم پہلے حج کو گئے تو مکہ معظمہ میں عجیب واقعہ درپیش آیا کہ حرم شریف کا نجدی امام جو جامع ازہر مصر کا تعلیم یافتہ تھا وعظ کہہ رہا تھا اس نے اولیاء اللہ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ جنہیں لوگ ولی کہتے ہیں ان کے ایمان کا بھی یقین نہیں کیا خبر کہ وہ کافر مرے ہوں۔ ہم نے کہا کہ مسلمانوں کا انہیں ولی جاننا ان کی ولایت کا ثبوت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے **انتم شھداء اللہ فی الارض** وہ گھبرا کر بولا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ جسے وہ جنتی کہیں وہ جنتی ہو کیونکہ اس میں انتم ہے ہم نے کہا غلط ہے۔ قرآن کریم کے سارے مخاطب ہی کے ہیں۔ **اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ** مگر قیامت تک کے مومنوں پر سارے احکام جاری ہیں۔ پھر بولا کہ اگر سب مسلمان جنتی کہیں تو جنتی ہے ہم نے کہا یہ بھی غلط یہاں **انتم** ہے نہ کہ **کلکم** مسلمانوں کا عام طور پر کسی کو جنتی کہنا کافی ہے اور جس موقعہ پر یہ حدیث آئی ہے وہاں میت کو سب نے جنتی نہ کہا تھا بلکہ عام نے اس پر وہ خاموش ہو گیا اس آیت سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ
اور نہیں بنایا ہم نے قبلہ کو وہ جو کہ تھے آپ اوپر اس کے مگر تاکہ جانیں ہم کہ کون پیروی کرتا ہے رسول
اور اے محبوب تم پہلے جس قبلہ پر تھے ہم نے وہ اسی لئے مقرر کیا تھا کہ دیکھیں کون رسول کی پیروی
مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَى عَقِبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى
کی اُن میں سے جو پھر جاتا ہے اوپر ایڑی اپنی کے۔ اگرچہ تھا وہ بھاری مگر اوپر ان لوگوں کے کہ
کرتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے اور بے شک یہ بھاری تھی مگر ان پر جنہیں اللہ نے

www.alahazratnetwork.org

اللّٰہُ ؕ وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُضِیْعَ اِیْمَانَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۱۴۳)

ہدایت دی اللہ نے اور نہیں ہے اللہ کہ ضائع کرے ایمان تمہارے تحقیق اللہ ساتھ لوگوں کے البتہ رؤف و مہربان ہے۔

ہدایت کی اور اللہ کی شان نہیں کہ تمہارا ایمان اکارت کرے بے شک اللہ آدمیوں پر بہت مہربان مہر والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق گذشتہ آیتوں میں تبدیلی قبلہ کی نہایت باریک حکمتیں بیان کی گئیں۔ اب اس کی ظاہر حکمتیں بیان ہو رہی ہیں۔ دوسرا تعلق پہلے تبدیلی قبلہ پر کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا اب اسی کے متعلق مسلمانوں کے خطرات دور کر کے ان کی تسکین فرمائی جا رہی ہے۔ تیسرا تعلق پہلے تبدیلی قبلہ کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ درحقیقت قبلہ کی تبدیلی نہیں بلکہ مسلمانوں کو عارضی قبلہ سے اصلی قبلہ پر لایا گیا ہے۔

شان نزول : بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنے کے زمانہ میں جن صحابہ نے وفات پائی ان کے رشتہ داروں نے تبدیلی قبلہ کے بعد دریافت کیا کہ ان نمازوں کا کیا حکم ہے اس پر **وما کان اللہ** کا جملہ نازل ہوا جس میں اطمینان دلایا گیا کہ ان کی نمازیں برباد نہیں ان پر ثواب ملے گا (تفسیر خزائن العرفان) نوٹ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت تبدیلی قبلہ کے بعد کی ہے۔

تفسیر : **وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیھا** اس جملہ کے چند معنی ہیں ایک یہ کہ جعل کے معنی بنانا ہے اور التی اس کا دوسرا مفعول اور کنت میں گذشتہ واقعہ کی حکایت اور التی سے بیت المقدس مراد ہو یعنی نہیں بنایا تھا ہم نے قبلہ اس بیت المقدس کو جس پر آپ اس سے پہلے تھے اور جدھر نمازیں پڑھتے تھے یہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ اسی پر تفسیر عزیزی و کبیر وغیرہ کا اتفاق اور اسی پر اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ۔ دوسرے یہ کہ جعل کے معنی بنانا ہوں مگر یہ موجودہ وقت کا ذکر ہو اور التی سے کعبہ معظمہ مراد ہو اور **کنت علیھا** سے گزشتہ واقعہ کی حکایت یعنی اے نبی اب ہم نے اس کعبہ کو جس پر آپ ہجرت سے پہلے تھے کہ اس کو سامنے لے کر نماز پڑھتے تھے قبلہ نہیں بنایا مگر اسی لئے کہ الخ۔ خلاصہ یہ کہ مکہ مکرمہ میں جو آپ کے کشف وغیرہ سے قبلہ تھا یعنی کعبہ معظمہ اب اسی کو بذریعہ وحی قبلہ اس لئے بنایا خیال رہے اس توجیہ کی وجہ سے تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ تبدیلی قبلہ دوبار ہوئی۔ اس کی تحقیق ہم پہلی آیت میں کر چکے۔ تیسرے یہ کہ جعل کے معنی مقرر کرنا ہوں جیسے کہ **ما جعل اللہ من بحیرۃ** الخ۔ اور قبلہ سے مراد کعبہ معظمہ ہو اور التی قبلہ کی صفت اور کنت صرت کے معنی میں جیسے **کنتم خیر امۃ**۔ (تفسیر کبیر) یعنی نہیں مقرر اور مشروع کیا ہم نے اس کعبہ کو جس پر اب آپ نے رجوع کیا **الا لنعلم** مگر تاکہ ہم جان لیں علم کے معنی جاننا بھی ہیں پہچاننا بھی اور کبھی دیکھنا اور الگ الگ کرنا تمیز دینا کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض لغات میں ہے کہ جہاں علم کے بعد من آئے وہاں اس کے معنی چھانٹنا اور الگ الگ کرنا ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ من ہے اس لئے یہ معنی بخوبی بن سکتے ہیں یعنی تاکہ ہم دیکھ لیں یا ظاہر کر کے جان لیں یا الگ کر دیں۔ چونکہ مدینہ منورہ میں چار قسم کے لوگ تھے کھلے کافر (مجاہرین) خالص مومن (**مخلصین**) چھپے کافر کھلے مومن (منافقین) اور **ضعفاء** جن کے دل میں نور ایمانی پورا پورا رچا نہ تھا۔ منافقین و مخلصین کی چھانٹ کے لئے رب کی طرف سے کبھی کچھ مصیبتیں آتی تھیں۔ کبھی خلاف عقل کھلے احکام کہ ان موقعوں پر مخلص تو بے تامل ہر بات بخوشی قبول کر لیتے تھے اور منافق فوراً بکواس بکنے لگتے تھے جس سے ان کے دل کا چھپا نفاق ظاہر ہو جاتا تھا **ضعفاء**

www.alahazratnetwork.org

کفار کے اعتراض سن کر گھبرا کر مسلمان سے جواب پوچھ کر تسلی کر لیتے تھے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ تبدیلی قبلہ بھی کھرے کھوٹے مخلص منافق میں چھانٹ کے لئے ہے حضور کو محض دلائل سے نہ مانو عشق سے مانو دلائل والا ایمان ٹوٹ جاتا ہے۔ عشق والا ایمان کبھی ختم نہیں ہوتا۔ من یتبع الرسول کہ کون تو رسول کی پیروی کر کے ان کی ہدایات پر سر جھکاتا ہے ممن ینقلب علی عقبیہ ینقلب قلب سے بنا جس کے معنی ہیں لوٹنا اور پھرنا کھوٹے روپے کو اسی لئے قلب کہتے ہیں کہ وہ ہر جگہ سے واپس ہوتا ہے۔ عقب کے لفظی معنی ہیں پیچھے والی چیز مگر اصطلاح میں ایڑی کو کہتے ہیں کہ یہ بھی قدم کے پیچھے ہوتی ہے ایڑی کے بل پھرنے سے یہاں اسلام سے پھر جانا مراد ہے یعنی حق سے باطل کی طرف لوٹ جانا مراد ہے یعنی یہ معاملہ اس لئے ہوا کہ منافقین اور مخلصین ملے جلے تھے اس سے چھٹ جائیں گے کہ منافقین تو اعتراض کریں گے اور مومنین اطاعت وان كانت لکبیرۃ یہ واؤ حالیہ ہے جس کے معنی ہیں اگرچہ اور کانت کی ضمیر یا تو قبلہ کی طرف لوٹ رہی ہے یا مناولی کے مصدر تولیۃ کی طرف یا اس پورے معاملہ کی طرف۔ کبیرۃ۔ ثقیلۃ " کے معنی میں ہے جیسے کبرت کلمۃ تخرج (الخ)۔ (کبیر) یعنی وہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا قریش پر بھاری تھا اور قبلہ کی تبدیلی اہل کتاب وغیرہ پر بھاری اور ناگوار ہے کہ مانوس چیز کو چھوڑنا گراں گزرتا ہے الا علی الذین ھدی اللہ مگر ان پر بھاری نہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی اور وہ قبلہ اور تبدیلی قبلہ کے راز کو سمجھ گئے اور انہوں نے سمجھ لیا کہ [illegible] اللہ و رسول کا فرمان ہے جس میں ہم راضی ہیں یہی ہمارا قبلہ بلکہ بعض تو اس پر خوش ہوئے ہوں گے کہ یہ نبی آخر الزمان کی ایک علامت کا ظہور ہے اور گزشتہ پیغمبروں کی تصدیق اور جب تبدیلی قبلہ میں یہ راز ہے تو وما کان اللہ لیضیع ایمانکم اللہ کی یہ شان نہیں کہ تمہارا ایمان برباد کرے۔ لیضیع ضیع سے بنا جس کے معنی ہیں بربادی۔ منقول سامان کو بھی ضیاع اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ جلد ٹوٹ پھوٹ کر برباد ہو جاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ ایمان سے وہ نمازیں مراد ہیں جو بیت المقدس کی طرف پڑھی گئیں کہ نماز ایمان کا بڑا نشان ہے نیز اس کا نزول بھی نماز کے سوال پر ہوا اگرچہ مردوں کی نمازوں کے بارے میں سوال ہوا تھا مگر رب کی [illegible] ان کی اور تمہاری نمازیں برباد نہ گئیں بلکہ زیادہ قابل قبول ہیں کہ تمہیں کعبہ پیارا تھا مگر ہمارے فرمان سے اپنے پر جبر کر کے ادھر نمازیں پڑھتے رہے (عزیزی) اور ممکن ہے کہ ایمان سے عقیدہ ہی مراد ہو کہ تمہارا اب تک بیت المقدس کو قبلہ ماننا رائیگاں نہ جائے گا اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے ان اللہ بالناس لرءوف رحیم اللہ تو لوگوں پر بہت مہربان اور مہربان ہے۔ رءوف رافت سے بنا اور رحیم رحمت سے۔ رافت خاص اور اعلیٰ درجہ کی رحمت کو کہتے ہیں۔ یعنی مصیبت دور کرنا جیسے لا تاخذکم بھما رافۃ اور رحمت عام فضل و کرم کو (کبیر) یعنی رب تعالیٰ مسلمانوں سے مصیبتوں کو دفع فرمانے والا اور نعمتیں عطا فرمانے والا ہے اسی لئے ان کو اچھے احکام سے بہت اچھے احکام کی طرف منتقل کرتا ہے بیت المقدس اچھا تھا اور کعبہ معظمہ بہت اچھا۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ ہم تفسیر میں بتا چکے زیادہ مشہور یہ ہے کہ عرب میں عام طور سے بنی اسرائیل اور بنی اسمٰعیل تھے۔ بنی اسرائیل تو بیت المقدس سے قدرتی طور پر محبت کرتے تھے مگر بنی اسمٰعیل کعبۃ اللہ کی تعظیم کے عادی تھے اور اس کی خدمت گزاری پر فخر کرتے تھے انہیں یہ کبھی گوارا نہ تھا کہ بیت المقدس کو قبلہ مانیں۔ منظور الٰہی یہ تھا کہ بیت المقدس کی بھی عظمت ان کے دل میں قائم کی جائے کہ وہ بھی قبلہ انبیاء رہا ہے نیز ان کے قبلہ بنانے سے کھرے

www.alahazratnetwork.org

کھوٹے مسلمانوں کا امتحان بھی ہو جائے گا کہ کون تو اخلاص سے مسلمان ہوا ہے اور کون قومی حمیت سے لہٰذا کچھ روز کے لئے بیت المقدس ہی قبلہ بنا اس کے متعلق فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانوں تمہارا اصلی قبلہ تو کعبہ ہی ہے جس پر تمہیں قیامت تک رہنا ہے بیت المقدس تو عارضی طور پر اس لئے قبلہ بنایا گیا تھا کہ ہمارے ملائکہ اور رسول علیہ السلام اور مسلمانوں کو کھوٹے کھرے نظر آجائیں گویا یہ ذریعہ امتیاز تھا ہم یہ جانتے ہیں کہ بیت المقدس کا کعبہ ہونا لوگوں پر بھاری اور ناگوار تھا کیونکہ ان کے دل میں کعبہ کی محبت تھی ہاں وہ لوگ جو اس راز سے واقف تھے وہ بالکل خوش تھے اور اے مسلمانوں یہ کبھی نہ ہوگا کہ تمہاری اور تمہارے اگلوں کی وہ نمازیں ضائع ہو جائیں جو ادھر پڑھی گئیں وہ تو تمہارے لئے زیادہ باعث ثواب ہیں کہ تم نے خلاف طبیعت اس پر عمل کیا اور یہ کیسے ہو سکتا ہے نسخ کلیہ مقصد ہی نہیں ہوتا اس میں پچھلے اعمال برقرار رہتے ہیں اللہ تو رءوف رحیم ہے پڑھی ہوئی نمازیں برباد کرنا اس کی شان کے خلاف ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ رب کے کام حکمت سے خالی نہیں۔ ہاں غرض سے پاک۔ غرض تو اپنے فائدے کو کہتے ہیں اور حکمت اوروں کی مصلحت پر بولا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ اپنے فائدہ کے لئے نہیں بلکہ مخلوق کے فائدے کے لئے احکام بھیجتا ہے۔ دوسرا فائدہ نسخ اور تبدیلی میں مخلص اور منافق کا امتحان ہے کہ نسخ پر اعتراض کرنے والا منافق اور بے چون وچرا مان لینے والا مخلص ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ نسخ سے گزشتہ اعمال ضائع نہیں ہوتے بلکہ اس وقت وہ صحیح تھے اور اب دوسرے۔ چوتھا فائدہ نفس کے خلاف کام کرنا ثواب ہے اسی لئے جاڑوں کا وضو اور عشاء اور فجر کی نمازیں زیادہ باعث ثواب کہ ان میں نفس پر جبر زیادہ ہے۔ دیکھو بیت المقدس کی طرف نمازوں کا ثواب اس لئے بڑھ گیا کہ اس میں مسلمانوں کے نفس پر جبر تھا۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ کی صرف اطاعت واجب ہے اس کی اتباع نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی ہے اتباع بھی رب فرماتا ہے **واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** اور فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** اطاعت فرمان ماننے کو کہتے ہیں اتباع کسی کے نقش قدم پر چلنے کا نام ہے یعنی اس کی دیکھا دیکھی اس کا سا کام کرنا۔ قرآن کریم کی نہ اطاعت ہے نہ اتباع اس پر عمل ہے وہ بھی حضور کے فرمان کے ماتحت۔ جس آیت پر عمل کرنے سے حضور منع کردیں اس پر عمل نہ کرو جس پر عمل کا حکم دیں۔ جس طرح حکم دیں اس پر عمل کرو کعبہ معظمہ کی ان تین چیزوں میں سے کچھ نہیں اس کا صرف احترام و تعظیم لازم ہے لہٰذا ایمان میں ہی اہم چیز حضور کی ذات گرامی ہے اسی لئے یہاں **من یتبع الرسول** ارشاد ہوا نہ رب کا ذکر ہے نہ قرآن کا نہ کعبہ کا یعنی تبدیلی قبلہ آپ کی سچی اور بناوٹی اتباع دکھانے کے لئے ہے کہ کون آپ کا سچا متبع ہے کون بناوٹی۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ایمان و اتباع کا امتحان تین طرح لیتا ہے۔ مصیبتیں بھیج کر تاکہ لالچ سے اتباع کرنے والے چھٹ جاویں' راحتیں دے کر کہ ڈر سے اتباع کرنے والے الگ ہو جاویں' جب بے خوفی و آرام دیکھیں کہہ دیں کہ ہمارا منشا پورا ہو گیا۔ خلاف عقل و خلاف طبع احکام بھیج کر کہ صرف دلائل سے ماننے والے حیران ہو کر پھر جاویں صرف وہ متبعین رہ جائیں جن کے اتباع کی بنیاد عشق پر ہے۔ عاشق کسی حال میں محبوب کو نہیں چھوڑتا۔ ماں کسی حال میں بچہ کو نہیں چھوڑتی۔ موسیٰ علیہ السلام جب خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو جناب خضر نے آپ کا تیسری قسم کا امتحان لیا کہ وہ کام کرکے دکھائے جو عقل کے بھی خلاف تھے اور دلائل کے بھی۔

www.alahazratnetwork.org

کا مشاہدہ کرتی تھیں۔ منظور الٰہی یہ تھا کہ بصارت اور بصیرت والوں میں فرق پیدا کیا جائے۔ بلکہ یوں کہو کہ بصارت والوں کو بھی بصیرت حاصل کرنے کی رغبت دی جائے لہٰذا قبلہ قالب میں انقلاب کیا گیا کہ معلوم ہو جائے کہ اس کو بخوشی قبول کرنے والے قبلہ قلب تک پہنچے ہوئے ہیں اور شک' تردد کرنے والے قبلہ قالب میں پھنسے ہوئے رب تعالیٰ ہم کو کعبہ ذات کی طرف توجہ کی توفیق عطا فرمائے۔

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠

تحقیق دیکھتے ہیں ہم پھرنا چہرہ آپ کا بیچ آسمان کے۔ پس البتہ پھیرتے ہیں ہم آپ کو اس قبلہ پر کہ راضی ہوتے

ہم دیکھ رہے ہیں بار بار تمہارا آسمان کی طرف منہ کرنا۔ تو ضرور ہم تمہیں پھیر دیں گے اس قبلہ کی طرف جس میں

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْ

ہیں آپ اس سے پس پھیرو چہرہ اپنا طرف مسجد حرام کے۔ اور جہاں کہیں ہوؤ تم پس پھیرو منہ اپنے طرف

تمہاری خوشی ہے۔ ابھی اپنا منہ پھیر دو مسجد حرام کی طرف۔ اور اے مسلمانو! تم جہاں کہیں بھی ہو اپنا منہ اسی

هَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

اس کی اور تحقیق وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ تحقیق وہ حق ہیں طرف سے

کی طرف کرو اور جنہیں کتاب ملی ہے ضرور جانتے ہیں کہ یہ اُن کے رب

رَّبِّهِمْ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝

رب اُنکے کی اور نہیں اللہ بے خبر اُس سے جو وہ کرتے ہیں۔

کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ اُن کے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی چند آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق اب تک تبدیلی قبلہ کی تمہید تھی اور آئندہ ہونے والے اعتراضوں کے جوابات کا بیان۔ اب اس کے اصل حکم کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق اب تک تبدیلی قبلہ کے اسباب بعیدہ اور باریک حکمتوں کا ذکر تھا اب اس کے سبب قریب اور سب سے بڑی وجہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یوں تو اس میں صدہا حکمتیں ہیں مگر اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تمہاری خوشی ہے اور چونکہ تم اس خواہش میں بار بار چہرہ انور آسمان کی طرف اٹھاتے ہو ہم تمہارے اشارے جانتے اور تمہاری مرضی چاہتے ہیں اس لئے تمہارے چہرہ کو ادھر ہی پھیرتے ہیں جدھر تمہارے دل کی خوشی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیتوں میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا ایک وہ جنہوں نے تبدیلی قبلہ بخوشی قبول کر

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں ۔ عشق پر اعمال کی بنیاد رکھ

تبدیلی قبلہ میں یہ تیسرا امتحان تھا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تبدیلی قبلہ کے بعد کی آیت ہے اور قلنری تقلب وجھک اس سے پہلے آچکی تھی کیونکہ یہاں جعلنا اور کنت ماضی ہیں۔ جواب بعض علماء تو یہ ہی کہتے ہیں مگر بعض نے فرمایا کہ یہ آیت تبدیلی قبلہ سے پہلے آئی اور یہاں آئندہ باتوں کو ماضی سے تعبیر کیا گیا کیونکہ وہ یقینی ہیں جیسے کہ قرآن کریم نے قیامت کے واقعات کو ماضی سے تعبیر کیا۔ دوسرا اعتراض الا لنعلم سے معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ ہمیشہ سے عالم نہیں بلکہ واقعہ ہو چکنے کے بعد اسے جانتا ہے (آریہ) جواب اس کے کئی جواب ہیں۔ ایک یہ کہ علم الٰہی دو قسم کا ہے ایک معلوم کے موجود ہونے سے پہلے وہ قدیم اور اس میں کبھی قسم کی تبدیلی نہیں دوسرا چیزوں کے موجود ہونے کے بعد جس کا نام ہے علم ظہور اس میں چیزوں کے ہونے اور مٹنے سے علم میں فرق ہوتا رہتا ہے یہاں دوسرا علم مراد ہے یعنی تاکہ ہم ظاہر کر کے دیکھیں اور مشاہدہ سے معلوم کریں بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ جو عمارت بنانا چاہتا ہے وہ پہلے اس کا نقشہ اپنے ذہن میں لیتا ہے پھر کاغذ پر کھینچتا ہے پھر اس کے مطابق تعمیر کرتا ہے دیکھ کر علم تو بننے کے بعد ہی ہوا مگر اس سے پہلے بھی بغیر دیکھے جانتا تھا ایسے ہی رب ہمیشہ سے ہر چیز کو جانتا ہے پھر لوح محفوظ پر اس کا نقشہ قائم کیا پھر اس کے مطابق عالم بنایا مشاہدہ کا علم ظہور کے بعد ہی ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تاکہ رسول اور مومنین جان لیں جیسے بادشاہ کہتا ہے کہ ہم نے فلاں شہر فتح کیا حالانکہ لشکر نے فتح کیا تیسرے یہ کہ ہمارے کار کن فرشتے پہچان لیں تاکہ ہر ایک کو عمل کے مطابق جزا و سزا دیں۔ چوتھے یہ کہ ہم ان سب کو چھانٹ دیں اور الگ الگ کر دیں۔ تیسرا اعتراض۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ بنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہاد سے تھا نہ کہ وحی الٰہی سے کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے کنت علیہا جس قبلہ پر آپ تھے نہ فرمایا کہ جس پر ہم نے آپ کو رکھا تھا۔ جواب۔ بعض علماء نے یہ ہی کہا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ بیت المقدس کا قبلہ ہونا وحی الٰہی تھا کیونکہ یہاں فرمایا جا رہا ہے وما جعلنا القبلۃ التی کنت علیہا کہ ہم نے اس قبلہ کو اسی لئے مقرر کیا تھا جس سے معلوم ہوا کہ مقرر کرنے والا رب ہے اور اس پر عمل کرنے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ چوتھا اعتراض کیا تبدیلی قبلہ سے کچھ لوگ مرتد بھی ہو گئے تھے جیسا کہ ممن ینقلب علی عقبیہ سے معلوم ہوتا ہے۔ جواب۔ تفسیر روح البیان نے تو یہ ہی کہا ہے مگر صحیح روایت سے اس کا ثبوت نہیں مفسرین نے یہاں انقلاب کے معنی ارتداد نہیں کئے بلکہ شبہات میں پڑ جانا یعنی بعض کے دل میں اس سے کچھ شبہات پڑ گئے جو بعد میں جاتے رہے اور بعض نے بلا شبہ اسے مان لیا۔ جیسے کہ بعض مریض طبیب کامل کا نسخہ بلا شک و شبہ استعمال کرتے ہیں اور بعض کچھ شک و شبہ سے یا انقلاب سے مراد ہے منافقوں کے نفاق کا کھل جانا چونکہ منافقین پہلے بظاہر مسلمان ہو چکے تھے مگر دل میں کافر تھے اب تبدیلی قبلہ پر اعتراضات کر کے ظاہری طور پر بھی کافر ہو گئے یعنی اپنے پہلے دین کی طرف لوٹ گئے اس لئے انقلاب فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا میں ظاہر باطن کا آئینہ ہے اور آخرت میں باطن بلا واسطہ ظاہر ہوگا یہاں قلب کی کیفیت قالب پر نمودار ہوتی ہے۔ قالب کا قبلہ کبھی بیت المقدس کبھی کعبہ لیکن قلب کا قبلہ وہ جس کے قبضہ میں یہ دونوں قبلے ظاہر پرست قبلہ قالب میں ہی پھنس کر قبلہ قلب تک نہ پہنچے۔ مگر حقیقت بین نگاہیں بصارت سے ظاہری قبلہ کا اور بصیرت سے حقیقی قبلہ

www.alahazratnetwork.org

لی وہ تو ہدایت پر ہیں دوسرے وہ جنہیں اس میں تردد اور شبہ ہوا۔ وہ ضعیف الاعتقاد۔ اب اس ذات کریم کا ذکر ہے جو ہدایت کا سرچشمہ ہے اور چونکہ وہ خود کامل اسی لئے کامل ہی کو چاہتی ہے یعنی آپ کے کمال نبوت کا اقتضا یہ تھا کہ کامل قبلہ کی خواہش کریں۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں رب کی رحمت کا ذکر ہوا اب حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس کی رحمتیں ان کی طفیل آتی ہیں کہ ان ہی کی برکت سے تمہیں بہتر قبلہ نصیب ہوا اور انہیں کی طفیل تمہارے گذشتہ اعمال بربادی سے محفوظ رہے۔

شان نزول : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کا قبلہ بنایا جانا پسند خاطر تھا اور حضور اس امید میں آسمان کی طرف نظر فرماتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور آپ نماز ہی کی حالت میں کعبہ کی طرف پھر گئے۔ مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ اس طرف رخ کیا (خزائن العرفان) تفسیر روح البیان و کبیر نے فرمایا کہ آپ نے حضرت جبریل سے فرمایا تھا کہ میری خوشی ہے کہ کعبہ ہمارا قبلہ ہو جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں تو مامور ہوں آپ رب کے بندۂ محبوب۔ آپ دعا فرمائیں یعنی میں تو رب کی صرف ماننے والا ہوں آپ ماننے والے بھی ہیں منوانے والے بھی رب تعالیٰ آپ کی رضا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر آسمان پر گئے حضور علیہ السلام ان کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے تھے۔ تب یہ آیت آئی۔

تفسیر : قد نری یا تو یہ **قد** تحقیق کے لئے ہے یا کمی بیان کرنے کے لئے یعنی بے شک دیکھ رہے ہیں ہم یا کبھی کبھی دیکھا کرتے ہیں یعنی آپ جو کبھی کبھی چہرہ انور آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں وہ ہم دیکھتے ہیں لہٰذا دیکھنے میں کمی نہیں ہے بلکہ چہرہ اٹھانے میں (تفسیر کبیر) پہلے معنی زیادہ قوی ہیں اور اس پر مفسرین کا اتفاق اس صورت میں معلوم ہوتا ہے کہ چہرہ انور اٹھاتے وقت یہ کلام ہو رہا ہے کہ اے پیارے ہم تمہاری اس محبوبانہ ادا کو دیکھ رہے ہیں۔ خیال رہے کہ تحقیق اور قسم کے کلمات غیروں سے تو اعتبار دلانے کے لئے کہے جاتے ہیں مگر پیاروں سے اظہار کرم کے لئے جیسے پیارے تیری جان کی قسم رب فرماتا ہے **فلا و ربک لا یؤمنون** اس آیت میں خطاب چونکہ صرف محبوب سے ہے لہٰذا یہ **قد** اظہار محبت کے لئے ہے نیز رب کا دیکھنا آنکھ سے نہیں کہ وہ آنکھ وغیرہ اعضاء سے پاک ہے ہم بھی خواب و خیال اور کشف میں بغیر آنکھ دیکھ لیتے ہیں۔ رب تمام خلق کو دیکھتا ہے مگر کفار کو غضب سے ہم گنہگاروں کو رحم سے اور حضور کو محبت سے جیسے شکاری نشانہ تاکتے وقت شکار کو بھی دیکھتا ہے اور خیرات کرتے وقت فقیر کو بھی اور اپنے پیارے بچوں کو بھی یہاں محبت و کرم کا دیکھنا مراد ہے اللہ تعالیٰ حضور کی ہر ادا کو محبت سے دیکھتا ہے بلکہ خود حضور کو بھی فرماتا ہے **الذی یرٰک حین تقوم و تقلبک فی السجدین** اور فرماتا ہے **فانک باعیننا** جو حضور کے دامن سے وابستہ ہو جائے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی نظر محبت میں آجاوے گا جب تم کسی کو دیکھو تو اس کے کپڑے جوتے بھی دیکھ لیتے ہو۔ حضور انور وہ عید کا چاند ہیں کہ انہیں خدا بھی دیکھتا ہے اور ساری خدائی بھی لہٰذا جو چاہے کہ رب کا منظور نظر ہو جائے وہ حضور کے دامن سے وابستہ ہو جائے۔ خیال رہے حضور کو کافر مومن سب ہی دیکھتے ہیں مگر جو اللہ والی محبت کی نظر اور صدیق والی عقیدت کی آنکھ سے دیکھے وہ صحابی بن جاتا ہے اور جو شیطانی نظر اور بوجہلی آنکھ سے دیکھے وہ پکا کافر ہو جاتا ہے غرضکہ چہرہ ایک ہے مگر نظریں علیحدہ **تقلب وجھک فی السماء** یہاں باب تفعل تکرار کے لئے ہے اور وجہ سے مراد چہرہ ہے اور بعض علماء نے کہا کہ لفظ **فی** الی کے معنی میں ہے یعنی ہم دیکھ رہے ہیں آپ کے چہرہ انور کا آسمان کی طرف بار بار پھرنا اور اس سے آپ

www.alahazratnetwork.org

کی مرضی جان گئے۔ آپ کی آرزو قبول کرنے کے قابل ہے اور تمنا پوری کرنے کے لائق۔ **فلنولینک** بعض علماء نے فرمایا کہ یہ مضارع حال کے معنی میں ہے اور بعض نے کہا کہ بمعنی استقبال نیز بعض نے کہا کہ یہاں تولی کے معنی پھیرنا ہیں۔ بعض نے کہا کہ والی بنانا یا قریب کرنا (روح البیان و عزیزی) یعنی ہم آپ کو پھیرے دیتے ہیں یا عنقریب پھیرویں گے یا ہم آپ کو والی بنائے دیتے ہیں یا بنادیں گے یا ہم آپ کو قریب کردیتے ہیں یا کردیں گے۔ خیال رہے کہ تبدیلی قبلہ کو اس تمہید کے ساتھ بیان فرمانے میں اشارۃً بندوں کو تعلیم ہے کہ جب ہم نے رب ہو کر ان محبوب کو راضی کرنے کے لئے وہ قبلہ تبدیل کردیا جو قبلہ انبیاء اور مسجود انبیاء سجدہ گاہ نماز معراج رہ چکا تھا تو تم بھی اپنے اس محبوب کو راضی کرنے کے لئے اپنے کسی قبلہ کو بدل دو کسی کا قبلہ مال بنا ہوا ہے کسی کا قبلہ عزت کسی کا قبلہ سلطنت کسی کا قبلہ گناہ و معاصی ان قبلوں میں تبدیلی کرکے اللہ رب العلمین کی رضا کو قبلہ بناؤ تاکہ تم سے حضور راضی ہوں اگر تم نے حضور کو راضی کرلیا تو ہم تم کو ہمیشہ راضی کرتے رہیں گے **قبلۃ ترضھا** اس قبلہ کے جس سے آپ راضی ہیں۔ خیال رہے کہ یہ رضا خوشی اور محبت کے معنی میں ہے ناراضی کا مقابل نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ بیت المقدس سے ناراض تھے۔ رب کے حکم سے ناراضی کیسی۔ آپ بیت المقدس سے بھی راضی تھے مگر کعبہ سے زیادہ خوش (کبیر) **فول وجھک** یہ گزشتہ وعدہ کا پورا کرنا ہے ابھی کہا تھا کہ ہم پھیرے دیتے ہیں اب فرمایا کہ پھیر لیجئے وجہ کے معنی صرف چہرہ ہیں مگر یہاں پورا جسم مراد کیونکہ قبلہ کی طرف تمام جسم چاہئے نہ کہ صرف چہرہ۔ چونکہ چہرہ ایک بہتر عضو تھا اس لئے اسی کا ذکر کیا۔ ہوسکتا ہے کہ وجہ سے مراد ذات ہو جیسے **فثم وجہ اللہ** یعنی اپنے کو پھیرلو **شطر المسجد الحرام** شطر کے معنی جانب اور طرف کے بھی ہیں اور آدھے اور نصف کے بھی۔ یہاں پہلے معنی ظاہر ہیں مسجد سے یا تو وہ مسجد شریف مراد ہے جس کے درمیان میں کعبہ شریف ہے اور حرام یا حرمت سے بنا یا حلال کا مقابل ہے یعنی حرمت والی مسجد یا وہ مسجد جس میں شکار و قتل وغیرہ حرام ہے تو خلاصہ یہ ہوا کہ اپنا منہ مدینہ سے مسجد حرام کی طرف پھیرو کیونکہ اس طرف منہ کرنا گویا کعبہ ہی کو منہ کرنا ہے یا اس سے خاص کعبہ ہی مراد ہے اور مسجد کے معنی سجدہ کی جگہ نہ کہ سجدہ گاہ اور حرام بمعنی محترم یا یہ کہ وہاں کی بے ادبی حرام ہے۔ یعنی کعبہ کی طرف منہ پھیرو۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں شطر کے معنی نصف بھی ہوسکتے ہیں اور مسجد حرام سے مسجد ہی مراد ہے جس کے بالکل درمیان میں کعبہ ہے یعنی اس طرف منہ پھیرو جو مسجد حرام کے بیچ بیچ ہے اور یہ حکم صرف آپ کے یا مدینہ پاک کے لئے نہیں بلکہ اے مسلمانو **وحیث ما کنتم** تم جہاں کہیں بھی ہو دریا میں یا خشکی پر زمین میں یا پہاڑ پر مشرق میں یا مغرب میں جنوب میں یا شمال میں اور نماز پڑھنا چاہو تو **فولوا وجوھکم شطرہ** اپنا منہ اسی کی طرف کیا کرو۔ خیال رہے کہ نماز میں قبلہ کو رخ کرنا اکثر فرض ہے اس کے سوا قربانی تلاوت قرآن اور مرنے کے وقت ادھر منہ کرنا مستحب۔ اور ظاہر ہے کہ یہ امر وجوبی ہے اور نماز کے متعلق اگرچہ جہلا اس پر اعتراض کریں مگر **وان الذین اوتوا الکتب** سچ یہ ہے کہ جنہیں آسمانی کتاب ملی۔ یہاں کتاب سے علم کتاب مراد ہے کہ عوام اہل کتاب اس واقعہ سے بے خبر تھے اور ان کتابوں پر ان کی نظر ہی نہ تھی یعنی یہود اور عیسائیوں کے علماء **لیعلمون انہ الحق من ربھم** جانتے ہیں کہ وہ کعبہ معظمہ یا تبدیلی قبلہ یا ان نبی مکرم کا دو قبلوں کی طرف نماز پڑھنا حق اور صحیح ہے اور ان کی رائے سے نہیں بلکہ ان کے رب کی طرف سے ہے کیونکہ پچھلی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی یہ علامت بیان کی گئی ہے کہ وہ امام القبلتین ہیں اور گزشتہ انبیاء کرام نے بھی یہ خبر دی تھی مگر

www.alahazratnetwork.org

راہب اور پادری جان بوجھ کر چھپاتے ہیں۔ لوگوں سے کہتے ہیں کہ اگر یہ سچے نبی ہوتے تو ایک ہی قبلہ پر قائم رہتے۔ مگر خیال رہے کہ وما اللہ بغافل عما یعملون اللہ ان کی ان حرکتوں سے غافل نہیں انہیں سخت سزا دے گا۔ کچھ روز کی ڈھیل ہے۔

خلاصہ تفسیر : بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہوئے تقریباً سترہ مہینے ہو گئے تھے مشرکین عرب کو تو یہ شکایت تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمٰعیل ہو کر بیت المقدس کی طرف نماز کیوں پڑھتے ہیں۔ یہود کا یہ طعنہ تھا کہ مسلمان ہماری تو مخالفت کریں اور ہمارے ہی قبلہ کو منہ کریں اگر ہم لوگ برے ہیں تو ہمارا قبلہ کیوں اختیار کیا گیا اور یہ بھی شیخی مارا کرتے تھے کہ اگر ہم نہ ہوتے تو مسلمانوں کو قبلہ کی بھی خبر نہ ہوتی۔ ہماری امداد سے ان کی نمازیں درست ہوتی ہیں اور جیسے کہ قبلہ میں یہ ہماری اطاعت کر رہے ہیں عنقریب ہماری ساری باتیں مان لیں گے ان وجوہ سے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا تھی کہ ہمارا قبلہ کعبہ ہو جائے۔ پندرھویں رجب دو شنبہ کے دن ظہر کے وقت جبریل امین حاضر خدمت ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ اے جبریل ہمارا دل چاہتا ہے کہ اللہ ہمیں کعبہ معظمہ کی طرف پھیر دے۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ رب کی بارگاہ میں بڑی عزت والے ہیں دعا فرمائیں۔ یہ کہہ کر حضرت جبریل تو آسمان پر چلے گئے اور آپ نے ظہر کی نیت باندھ لی۔ مگر اللہ جانے آج اس نماز میں کیا راز ہے اور کس ناز کا اظہار کہ محبوب علیہ السلام انتظار وحی میں آسمان کو بار بار تک رہے ہیں اسی حال میں یہ آیت کریمہ آئی۔ جس میں آپ کے اس انداز اور محبوبانہ ناز کا ذکر فرمایا گیا کہ اے محبوب ہم آپ کا یہ بار بار آسمان کو دیکھنا دیکھ رہے ہیں اچھا آپ یہ ہی تو چاہتے ہیں کہ آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا جائے۔ جس قبلہ سے آپ راضی ہیں ہم اسی طرف آپ کو پھیرے دیتے ہیں لہٰذا آپ سلام کا بھی انتظار نہ کریں اسی وقت اور اسی حال میں کعبۃ اللہ یا مسجد حرام یا کعبہ معظمہ کی طرف پھر جائیں اور اے مسلمانوں یہ حکم خاص محبوب علیہ السلام یا خاص اس وقت کے لئے نہیں بلکہ تم سب کو ہمیشہ کے لئے حکم دیا جاتا ہے کہ سفر و حضر بحر و بر خشک و تر مشرق و مغرب جہاں کہیں بھی ہو ان نبی مختار کی متابعت میں بوقت نماز کعبہ ہی کو منہ کیا کرو اور خیال رہے کہ اہل کتاب تم پر اعتراض کریں گے مگر ان کے علماء یقیناً جانتے ہیں کہ یہ تبدیلی مع قبلہ برحق اور رب کے حکم سے ہے مگر نفسانیت اور ضد سے حق ظاہر نہیں کرتے اور اپنی کتابوں کی خبریں چھپاتے ہیں یہ بھی نہ سمجھنا کہ رب ان کی نفسانیت سے راضی یا بے خبر ہے ناراض بھی ہے خبردار بھی مگر سزا کے لئے وقت مقرر ہے ابھی کچھ انہیں مہلت ہے۔ مسلم شریف کی روایت سے ثابت ہے کہ تبدیلی قبلہ نماز ظہر کے بعد ہوئی اور تفسیرات احمدیہ میں ہے کہ عین نماز میں ہوئی دونوں روایتیں یوں جمع ہو سکتی ہیں کہ فرض ظہر کے بعد سنت ظہر میں ہوئی نہ کہ خارج نماز ورنہ یہ نہ فرمایا جاتا فول وجھک منہ پھیر لو اگر حضور اس وقت نماز میں نہ ہوتے تو یہ نہ فرمایا جاتا کہ ادھر منہ پھیر لو کیونکہ کعبہ کو منہ کرنا صرف نماز میں فرض ہے تلاوت قرآن، وضو، قربانی وغیرہ کے وقت سنت۔ خطبہ جمعہ، رمی جمار وغیرہ کے وقت مکروہ اور پیشاب پاخانہ کی حالت میں حرام پس فول فرضیت کے لئے ہے تو نمازی کی حالت چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ کعبہ معظمہ کا تاقیامت قبلہ ہونا حضور علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے ہے کیونکہ قبلہ کی صفت ترضھا ہے اور اس ترضھا کے بعد فول میں ترتیب کی فے ہے یعنی چونکہ آپ کعبہ سے راضی ہیں اس لئے ادھر آپ منہ کر لیں جس سے معلوم ہوا کہ سب تو قانون کے پابند ہیں اور قانون مرضی محبوب کا

www.alahazratnetwork.org

منتظر بلکہ ان کی مرضی ہی قانون ہے- دوسرا فائدہ- کعبہ معظمہ کو حضور علیہ السلام سے یہ عزت ملی کہ وہ تاقیامت سارے مسلمانوں کا سجدہ گاہ بن گیا- انہیں کی مرضی نے کعبہ کو قیامت تک کے لئے قبلہ بنایا ورنہ ہو سکتا تھا کہ پچھلے پیغمبروں کی طرح شروع سے آپ کا قبلہ کعبہ ہی ہوتا یہ سب کچھ اسی لئے ہوا تاکہ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کعبہ کے بھی کعبہ ہیں اسی لئے آپ کی ولادت پاک پر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے مکان یا مقام ابراہیم کی طرف سجدہ کیا(مدارج وغیرہ) -

جن کے سجدہ کو محراب کعبہ جھکی! ان بھنوؤں کی لطافت پہ لاکھوں سلام

اسی لئے نمازی کو حضور علیہ السلام کے بلانے پر نماز ہی کی حالت میں خدمت اقدس میں حاضر ہونا ضروری ہے اور اس آنے جانے اور کلام وغیرہ کرنے سے اس کی نماز فاسد نہ ہوگی- دیکھو مشکوۃ بحوالہ بخاری کتاب فضائل قرآن اور اس کی شرح مرقاۃ اور دیکھو قسطلانی شرح بخاری کتاب التفسیر اور نمازیوں جائے کہ اگرچہ وہ کعبہ سے پھر اگر کعبہ کے کعبہ کی طرف اور اگرچہ کلام کیا مگر ان سے کیا جنہیں نماز میں سلام کرنا واجب ہے- اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن دیکھو- یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کو جو رب کی نعمت ملی حضور کے طفیل ملی- اور حضور دور سے بھی فیض دیتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں حضور جلوہ گر ہیں اور یہاں سے ان کے طفیل کعبہ کو قبلہ بنایا جارہا ہے- سورج چوتھے آسمان میں رہ کر گندی زمین کو پاک کردیتا ہے- بادل دور سے خشک زمین کو سرسبز کردیتا ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی درجہ میں پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا- جس کو جو عظمت ملے گی حضور سے ملے گی دیکھو کعبہ بیت اللہ اور تعمیر خلیل ہونے کے باوجود حضور کی نگاہ کرم سے قبلہ بنا لوگ کہتے ہیں کہ حضور کچھ نہیں دیتے مگر حق یہ ہے کہ خدا تعالٰی بغیر واسطہ حضور کسی کو کچھ نہیں دیتا دیکھو ہم کو کلمہ' قرآن 'ایمان' نماز جو کچھ ملا' دیا رب نے مگر ملا حضور کے ہاتھ سے رب نے بلاواسطہ کسی کو کچھ نہ دیا جب کعبہ معظمہ حضور کے بغیر بتوں سے پاک نہ ہو سکا تو ہمارے دل بھی حضور کی نگاہ کرم کے بغیر کفر' شرک' حسد' کینہ کے بتوں سے پاک نہیں ہو سکتے- تیسرا فائدہ کعبہ کو منہ کرنے میں حضور علیہ السلام کی عزت کا اظہار ہے کہ یہ اس واقعہ کی یادگار- حق تو یوں ہے کہ ساری عبادات میں ان کی تعظیم بلکہ قیامت کے دن بھی ان کی سلطنت کا ظہور ہے قبر میں انہیں کے نام پر بیڑا پار لگے قیامت میں انہیں کی تلاش ہوا انہیں کی جستجو میں خلق ماری ماری پھرے انہیں کے فرمان پر حساب کتاب شروع ہو انہیں کے ہاتھوں شفاعت کا دروازہ کھلے- انہیں کے جنبش لب پر ہم جیسے سیاہ کاروں کا چھٹکارا ہو- خدا کرے کہ انہیں کے نام پر ہماری زندگی گزرے اور انہیں کا نام لیتے ہوئے ہماری زبان بند ہو- چوتھا فائدہ حضور علیہ السلام کعبہ معظمہ سے افضل ہیں کبھی سجدہ کرنے والا مسجود الیہ سے اعلیٰ ہوتا ہے جیسے یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا اگرچہ ان سے اعلیٰ تھے- پانچواں فائدہ مسجد حرام والوں کے لئے عین کعبہ کی طرف منہ کرنا واجب ہے اور مکہ والوں کو مسجد حرام کی طرف- دیگر ملک والوں کے لئے کعبہ کی جہت کو رخ کرنا کافی ہے جیسے ہندوستان والوں کے لئے مغرب- اسی لئے آیت میں فرمایا گیا شطر المسجد الحرام- چھٹا فائدہ- حضور کو راضی کرنے کے لئے اچھے اعمال کرنا شرک نہیں دیکھو رب نے جو کعبہ کو قبلہ بنایا جو تمام نیکیوں کی اصل ہے حضور کی رضا کے لئے بنایا لہٰذا اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے نماز' روزہ' حج ادا کرنا ان عبادات کو کامل کرے گا رب فرماتا ہے- واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ- ساتواں فائدہ قرآن شریف سے حدیث کا نسخ ہو سکتا ہے دیکھو بیت المقدس کو رخ کرنے کی کوئی آیت نہیں وہ حضور کے عمل

www.alahazratnetwork.org

سے ثابت تھا جسے قرآن شریف کی اس آیت نے منسوخ کیا۔

مسئلہ : کعبہ کو منہ کرنے کے یہ معنی نہیں کہ کعبہ معظمہ بالکل ناک کی سیدھ میں رہے بلکہ پیشانی کا کوئی حصہ اس طرف ہونا کافی ہے لہذا اگر کوئی شخص نصف زاویہ قائمہ یعنی 45 ڈگری سے کم کعبہ سے ہٹ کر نماز پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔ مسئلہ! کعبہ عمارت کا نام نہیں بلکہ زمین سے آسمان تک کی فضا کا نام ہے اسی لئے گہرے تہ خانہ اور اونچے پہاڑ پر بھی نماز جائز ہے۔ مسئلہ۔ مسافر نفل کی نماز شروع تو کعبہ کی طرف کرے پھر جدھر بھی سواری کا رخ ہو جائے پڑھتا رہے۔ مسئلہ۔ جب جنگل میں قبلہ کا پتہ نہ لگے تو جدھر دل گواہی دے ادھر ہی نماز پڑھے وہ ہی اس کا کعبہ ہے اور اگر نماز میں اپنی غلطی معلوم ہو تو گذشتہ رکعت درست ہے اور اب اس وقت سے رخ بدل لے۔ مسئلہ۔ لیٹ کر نماز پڑھنے والا کعبہ شریف کی طرف پاؤں کرے اور تکیہ پر سر رکھے تاکہ اس کا منہ کعبہ کی طرف ہو جائے کیونکہ لیٹ کر نماز میت کو غسل دیتے وقت اور میت کو مشرقی قبرستان کی طرف لے جاتے وقت کعبہ کو پاؤں کر دینا جائز ہے۔ مسئلہ۔ تلاوت قرآن شریف اور قربانی اور وضو کرتے وقت کعبہ پاک کو منہ کرنا مستحب ہے اور خطبہ جمعہ اور جمرہ کی رمی کے وقت ادھر پیٹھ کرنا سنت باقی مسائل کے لئے کتاب بہار شریعت دیکھو۔

پہلا اعتراض : کعبہ کی طرف نماز پڑھنا بت پرستی ہے کیونکہ بت پرست بت کی طرف منہ کر کے خدا کی عبادت کرتے ہیں نہ کہ بت کی اور ہم کعبہ کو منہ کر کے تو تم میں اور ان میں کیا فرق ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب۔ اس کا جواب ہم بارہا دے چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ بت پرست کا سر بت کا تابعدار ہے کہ جدھر بت ادھری اس کا سر مسلمان کا سر کعبہ شریف کے پتھروں کا تابعدار نہیں اگر کوئی ساری عمارت کعبہ کو اٹھا کر اور جگہ رکھ دے تو کوئی بھی ادھر نہ جھکے بلکہ صرف اس جگہ کی طرف رخ کیا جاتا ہے خواہ وہاں عمارت ہو یا کوئی کپڑے کا نشان یا کچھ بھی نہ ہو۔ نیز ہر بت پرست بت کو سامنے رکھ کر سجدہ کرتا ہے مسلمان کے لئے کعبہ کا سامنے ہونا ضروری نہیں ہندوستان سے مکہ شریف ہزاروں میل ہے مگر سجدہ یہاں سے ہو رہا ہے۔ نیز مسلمان نماز کی نیت ہی ایسے باندھتا ہے کہ نماز واسطے اللہ کے منہ کعبہ شریف کی طرف۔ اگر یہ کعبہ کا پجاری ہوتا تو یوں کہتا کہ نماز واسطے کعبہ کے مگر بت پرست کہتا ہے کہ مہادیو کی پوجا۔ کالی کی پوجا۔ سو وہ پوجا اور عبادت کو بتوں کی طرف نسبت کرتا ہے ہر ایک کا نام نام سے ہی ظاہر ہے نیز بت پرست بتوں کے ذریعہ دیو یا کالی وغیرہ کو ہی پوجتا ہے نہ کہ رب کو کہ وہ ان ہی کے نام پر پتھر بناتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ مہادیو کا بت ہے یہ کالی کا کعبہ رب ہی کے نام کا ہے بیت اللہ کہا جاتا ہے نیز بہت صورتوں میں کعبہ کی طرف منہ نہیں کیا جاتا جیسے سواری کے نفل یا سخت خوف کی نماز کہ جدھر منہ ہو ادھری پڑھ لو۔ مگر پنڈت جی کی پوجا آگ پتھر کے بغیر نہیں ہو سکتی کعبہ کی طرف منہ کرنے میں وہ حکمتیں ہیں جو ہم آیت سیقول السفہاء کی تفسیر میں بتا چکے۔ دوسرا اعتراض حضور علیہ السلام نے نماز کی حالت میں آسمان کی طرف کیوں دیکھا وہاں تو سجدہ گاہ کی طرف نظر چاہیے۔ جواب وحی الہی کے شوق میں اور اس وقت ادھر دیکھنا ہی اعلیٰ عبادت تھی۔ صحابہ کرام تو کبھی بجائے سجدہ گاہ کے نماز میں حضور کو دیکھا کرتے تھے۔ دیکھو وفات شریف کے دن فجر کی جماعت ہو رہی تھی کہ حضور علیہ السلام نے دروازہ کا پردہ اٹھا کر جماعت پر نظر کی صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہماری خوشی کی یہ کیفیت ہوئی کہ قریب تھا ہم نماز توڑ دیں انہیں حضور کا دیکھنا محسوس کیسے ہوا۔ آپ کا دولت خانہ تو بائیں ہاتھ پہ تھا نہ کہ سامنے کبھی ایسا بھی ہوا کہ عین جماعت کی حالت میں حضور علیہ السلام تشریف لے آئے۔ اسی وقت سے حضرت صدیق اکبر مقتدی ہو گئے اور حضور امام تشریف آوری پیچھے سے ہے نمازیوں کو احساس کیسے ہو لیہ ہی کہا جائے گا کہ وہ چھپی نگاہوں سے قبلہ

www.alahazratnetwork.org

نماکو دیکھتے تھے اور کیوں نہ دیکھتے مسجد حرام کا نمازی نماز میں کعبہ کو دیکھے اگر یہ قبلہ کعبہ کو دیکھیں تو کیا حرج ہے۔ **تیسرا اعتراض** نماز کی حالت میں وحی آنے سے نماز کیوں نہ گئی۔ **جواب** اس لئے کہ وہ رب سے ہمکلامی ہے نہ کہ معمولی بندہ سے جب التحیات میں حضور کو سلام کرنے سے نماز نہیں جاتی تو رب سے کلام کرنے سے نماز کیا جائے۔ **چوتھا اعتراض** تبدیلی قبلہ بعد ہجرت کیوں ہوئی اور اس کا حکم دوسرے احکام کی طرح کیوں نہ دے دیا گیا یہاں حضور کی خواہش بلکہ آپ کا آسمان کی طرف چہرہ اٹھانا اور اس قبلہ پر آپ کی رضا کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** اس لئے کہ رب جانتا تھا کہ محبوب کی امت میں قریب قیامت ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو کہیں گے حضور کے وسیلہ یا مدد کی ضرورت نہیں سب کچھ براہ راست خدا سے ملتا ہے یا کہیں گے کہ حضور دور سے کچھ نہیں دے سکتے یا ہم بڑے نمازی و عالم ہیں ہم کو حضور کے توسل کی ضرورت نہیں۔ ان تینوں باتوں کی تردید اسی واقعہ سے کی گئی کہ کعبہ معظمہ کو یہ عظمت حضور کے وسیلہ سے ہم نے دی نیز مدینہ منورہ سے حضور کی مدد کعبہ معظمہ کو ملی یعنی تین سو میل دور سے نیز کعبہ معظمہ بھی حضور سے بے نیاز نہیں کہ انہیں کی طفیل وہ قبلہ بنا اور ان ہی کے ہاتھوں بتوں سے پاک ہوا۔ خیال رہے اسلام آخری دین ہے کہ قیامت تک نہ کوئی نبی آوے گا نہ نیا دین لہٰذا رب نے اور اس کے حبیب نے تا قیامت ظاہر ہونے والے فتنوں کا انتظام فرمایا حضور نے دجال منکرین حدیث وغیرہ کے نام لے کر ان کے فتنوں سے آگاہ کیا اور رب نے وہابیوں کے فتنوں سے ہم کو خبردار فرمایا دیکھو معراج کی رات نمازیں پچاس فرض کرکے موسیٰ علیہ السلام کے توسل سے پانچ کیں تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مقبول بندے بعد وفات مدد نہیں کرتے۔ **پانچواں اعتراض** حیث ما کنتم سے معلوم ہوا کہ مسلمان ہر حالت میں ہر جگہ سے ہر زمانہ میں قبلہ رو نمازیں پڑھا کریں کیونکہ حیث ما سے اسے جگہ کا عموم معلوم ہوا اور کنتم سے وقت کا عموم معلوم ہوا تو بحالت خوف اور سواری پر نفل اور اندھیرے جنگل میں نماز غیر قبلہ کو کیوں جائز کردی گئی۔ **جواب** ان تمام صورتوں میں بھی قبلہ کعبہ ہی ہے مگر اس طرف منہ کرنے کا طریقہ اور ہو گیا ہے اسی لئے وہاں بھی نیت میں یہی کہا جاوے گا منہ طرف کعبہ شریف کے۔ جیسے نماز کے لئے وضو بھی شرط ہے اور سجدہ و رکوع بھی فرض مگر بعض صورتوں میں وضو تیمم کے ذریعہ کرا دیا جاتا ہے اور رکوع سجدہ محض اشاروں سے لیٹ کر نماز پڑھنے والا زمین پر سر نہیں لگاتا مگر سجدہ ادا ہو جاتا ہے تو وہاں سجدہ یا وضو معاف نہیں ہو گیا بلکہ طریقہ ادا میں وسعت ہو گئی ایسے ہی یہاں توجہ الی القبلۃ میں دل کی توجہ کافی مان لی گئی معاف نہیں ہوئی ان حالات میں نمازی نیت کعبہ ہی کی کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق میں رہ کر خالق میں مشغول تھے اور تبلیغ اور دعوت آپ کو وحدت سے کثرت کی طرف نہیں پھیر سکتی تھی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کا آسمان روح کی طرف متوجہ ہونا ہم پر مخفی نہیں ہم آپ کا سینہ پاک کھول کر آپ کو قبلہ کی طرف متوجہ کرتے ہیں جو ہمارا خاص تجلی گاہ ہے۔ لہٰذا آپ اس مسجد قلب کی طرف متوجہ ہوں جس تک نفس اور خواہشات نفس اور شیطان کا پہنچنا حرام ہے اور اے اہل توحید تم خواہ مشرق روح کی طرف ہو یا مغرب نفس کی جانب مگر اپنے کو قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہمیشہ متوجہ رکھنا کہ وہ تمہارا قبلہ ایمان اور کعبہ عرفان ہے خلاصہ یہ کہ حضور علیہ السلام کا کعبہ آپ کا قلب پاک ہے جہاں رب کی تجلی ہے اور شیطان وغیرہ کی رسائی نہیں اور سارے عالم کا قبلہ ایمان ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

سر تو سوئے حرم جھکا دل سوئے کوئے مصطفیٰ　　　دل کا خدا بھلا کرے یہ نہیں اختیار میں

www.alahazratnetwork.org

اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

عشاق روضہ سجدہ میں سوئے حرم جھکے ۔۔۔ اللہ جانتا ہے نیت یہ کدھر کی ہے

رموز قرآن سمجھنے والے اور صاحب اسرار جانتے ہیں کہ یہ کعبہ ایمانی حق ہے اور رب کی طرف سے مقرر کیا ہوا اور اللہ ان کے ظاہری اور باطنی اعمال سے بے خبر نہیں (ماخوذ از تفسیر ابن عربی) لطف تو جب ہے کہ کعبہ سر میں قبلہ دل نظر آئے اور قبلہ دل میں کعبہ سر کی جلوہ گری ہو۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا شعر

غور سے سن تو رضا کعبہ سے آتی ہے صدا ۔۔۔ میری آنکھوں سے میرے پیارے کا روضہ دیکھو

کعبہ کا پرنالہ بالکل روضہ مطہرہ کے مقابل ہے اور جس کی دو کان گلی میں ہو اس کا اشارہ کرنے والا سائن بورڈ سڑک پر ہوتا ہے۔ جو انگلی سے ادھر رہبری کرتا ہے اور پڑھے لکھے لوگوں کے لئے اس پر دو کاندار کا پتہ بھی لکھا ہوتا ہے تو گویا یہ کعبہ عرفان کا سائن بورڈ ہے جو بے پڑھوں کو ہاتھ سے اور آنکھ والوں کو زبان سے بتا رہا ہے کہ اے لوگو! اپنا دھیان اس طرف رکھنا۔ دیکھو کعبہ ایمان وہ ہرے گنبد میں آرام فرما رہا ہے۔ اب یہ آیت پڑھو وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ خواہ تم کعبہ کی محراب میں ہو یا حطیم میں میزاب کے نیچے صفا مروہ پر ہو یا مزدلفہ منیٰ اور عرفات میں جہاں بھی ہو فولوا وجوھکم شطرہ اپنی توجہ اس شہنشاہ مدینہ کی طرف ہی رکھنا اور الحمدللہ ہر مسلمان ہر جگہ ہر حتیٰ پر نظر رکھتا ہے یہ اس آیت پر عمل ہے اور کیوں نہ ہو۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ ۔۔۔ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

نیز صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نماز و روزہ وغیرہ اکثر شرعی احکام اصل میں ہم پر فرض ہیں اور ہمیں سکھانے سمجھانے اور عادی بنانے کے لئے حضور پر فرض جہاز میں مسافروں کو سوار کرنا مقصود ہے مگر مسافروں کو پار لگانے کے لئے کپتان بھی جہاز میں سوار رہتا ہے اسی لئے دوسرے احکام میں براہ راست ہم سے خطاب ہے تم لوگ نماز قائم کرو زکوۃ دو وغیرہ مگر تبدیلی قبلہ میں اصلی مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ہم حضور کے طفیل۔ اسی لئے رب نے پہلے اپنے حبیب کو اس کا حکم دیا پھر ہم کو نیز فرماتے ہیں شرعی احکام دو قسم کے ہیں بعض جو عارضی تھے بعد کو منسوخ ہو گئے بعض وہ جو اٹل و محکم ہیں جن میں تبدیلی ناممکن جن احکام کی بنا کسی عارضی وجہ پر تھی وہ احکام بھی عارضی تھے۔ وجہ گئی احکام بھی گئے اور جن کام کی بنا کسی اٹل اور نہ مٹنے والی وجہ پر تھی وہ احکام بھی محکم ہوئے۔ چونکہ کعبہ کے قبلہ ہونے کی وجہ محبوبیت جناب مصطفیٰ ہے یعنی حضور رب کے محبوب اور کعبہ حضور انور کو پیارا اور پیارے کا پیارا اپنا پیارا ہوتا ہے اور یہ دونوں محبوبیتیں اٹل ہیں نہ کسی وقت حضور کی محبوبیت ختم ہو سکتی ہے نہ کہ کعبہ کی مقبولیت لہذا کعبہ کا قبلہ ہونا محکم و اٹل ہوا اسی لئے ارشاد ہوا وحیث ما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ اسی طرح دیکھو دنیاداروں کی عزتیں عارضی ہیں۔ مال، دولت، ذخر وغیرہ فنا ہو لیہ عزتیں بھی فنا ہوئیں مگر اولیاء اللہ کی عزتیں دائمی باقی کیونکہ ان کی بنا مضبوط ہے یعنی غلامی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب فرماتا ہے۔ العزۃ للہ ولرسولہ وللمؤمنین مولانا فرماتے ہیں۔

گفت آں خواہم کہ دائم شد بقائش ۔۔۔ بشنو اے غافل کم از جوے بمائش

www.alahazratnetwork.org

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ

اور البتہ اگر لائیں آپ ان کے پاس جو دیئے گئے کتاب ہر نشانی تو نہ پیروی کریں گے وہ قبلہ تمہارے کی

اور اگر تم ان کتابیوں کے پاس ہر نشانی لے کر آؤ وہ تمہارے قبلہ کی پیروی نہ کریں گے۔ اور نہ تم انکے قبلہ

وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَلَئِنِ

اور نہیں ہیں آپ پیروی کرنے والے قبلہ انکے کی۔ اور نہیں ہے بعض ان کا پیروی کرنے والا قبلہ بعض کا۔

کی پیروی کرو اور وہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے قبلہ کے تابع نہیں اور (اے سننے والے کسے باشد)

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا

اور البتہ اگر پیروی کی تم نے خواہشوں ان کی بعد اس کے کہ آگیا تمہارے پاس علم تو تحقیق

اگر تو ان کی خواہشوں پر چلا بعد اس کے کہ تجھے علم مل چکا تو اس وقت

لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تم اس وقت ظالموں میں سے ہو۔

تو ضرور ستمگار ہوگا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے تو کتابیوں کے اعتراضات کے جواب سکھائے گئے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس سے تمہاری تسلی اور ان کا منہ بند کرنا مقصود ہے تم یہ امید نہ رکھنا کہ وہ ان جوابات سے ایمان لے آئیں کیونکہ وہ تو غلط فہمی سے نہیں بلکہ محض ضد سے مخالف ہیں۔ جس کا کوئی علاج نہیں۔ دوسرا تعلق پہلے فرمایا گیا تھا کہ علماء اہل کتاب تبدیلی قبلہ کو حق جانتے ہیں عناداً منکر ہیں اب بتایا جارہا ہے کہ یہ آئندہ بھی ایسے ہی ضدی رہیں گے یعنی پہلے ان کی موجودہ حالت کا ذکر ہوا اور اب آئندہ کی خبر۔ تیسرا تعلق اس تبدیلی قبلہ سے شاید کوئی بے وقوف امید کرتا کہ گزشتہ کی طرح پھر بھی بیت المقدس قبلہ اسلام بنے گا۔ اس آیت میں اس امید کو منقطع کیا جارہا ہے کہ قیامت تک کے لئے قبلہ کعبہ بن چکا۔ اب کبھی تبدیلی نہ ہوگی لہٰذا یہ آیت محکمات سے ہے۔

تفسیر : **ولئن اتیت الذین اوتوا الکتب** یا تو اہل کتاب سے ان کے علماء مراد ہیں جیسے کہ پچھلی اور اگلی آیتوں میں ہے یا اس سے کتابیوں کی خاص وہ جماعت جن کا بے دین رہنا علم الٰہی میں آچکا اگر ان کے پاس آپ لے آئیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں لفظ **اوتوا الکتب** تین قسم کے لوگوں کے لئے استعمال ہوا ہے ایک توریت و انجیل کے ماننے والے اہل کتاب یعنی عام عیسائی یہودی۔ دوسرے توریت و انجیل کے جاننے والے یعنی ان کے پوپ پادری وغیرہ تیسرے توریت و انجیل کے رموز و اسرار سے خبردار جن کے اللہ نے سینے کھول دیئے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ علماء یہود جو مسلمان ہوئے یہاں **اوتوا الکتب** دوسرے معنی میں ہے یعنی جنہیں توریت و انجیل کا علم دیا گیا مگر حسد کی وجہ سے یہ علم انہیں ایمان سے روکے

www.alahazratnetwork.org

رہا۔ انہیں مفید نہ ہوا لہٰذا آیت واضح ہے بکل اٰیۃ ہر قسم کی عقلی اور نقلی قوی دلیل اور ان کی کتابوں توریت انجیل میں بھی دکھادیں کہ تبدیلی قبلہ حق ہے۔ خیال رہے کہ آیت کے معنی دلیل 'برہان' علامت ذات اور جماعت ہیں اس کی اصل ایۃ بروزن فعلۃ ہے۔ ی کو الف سے بدلا گیا۔ قرآن کے جملہ کو اس لئے آیت کہا جاتا ہے کہ وہ رب کی دلیل یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی علامت یا حروف کا مجموعہ یا اگلے کلام سے اور یا انسانی کلام سے علیحدہ ہونے کی پہچان ہے (تفسیر کبیر) اور کل اٰیۃ سے یا تو ہر قسم کی دلیل یا ہر ایک دلیل مراد ہے یعنی بے شمار دلائل ہم نے آپ کو بتادیئے لیکن اگر اس کے علاوہ سارے دلائل بھی آپ ان کے سامنے پیش کردیں تو بھی ما تبعوا قبلتک یہ یہود و نصاریٰ آپ کے قبلہ کو نہ مانیں گے کیونکہ دلائل شبہات کو دفع کرسکتے ہیں نہ کہ ضد کو یہاں قبلہ کی اتباع نہ کرنے سے مراد اسلام قبول نہ کرنا ہے کیونکہ ہر مسلمان کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھتا ہے اور مسلمانوں کے سواء کوئی قوم اپنی عبادات میں کعبہ کو رخ نہیں کرتی یہ توجہ الی الکعبۃ مسلمانوں کی خاص نشانی ہے یہ ضدی ہیں اور اگر انہیں امید ہو کہ آپ پھر ان کے قبلہ کی طرف رجوع فرمائیں گے تو انہیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ وما انت بتابع قبلتھم کہ آپ بھی کبھی ان کے قبلہ کو رخ کرنے والے نہیں۔ تفسیر کبیر اور روح البیان نے کہا کہ اہل کتاب نے آپس میں مشورہ کرکے لوگوں سے کہا کہ اگر یہ نبی ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم کہہ سکتے تھے کہ شاید وہی نبی ہوں گے جن کی توریت و انجیل نے خبر دی۔ اب جبکہ وہ اس پر قائم نہ رہے تو ہمیں یقین ہو گیا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کا انتظار ہے وہ چاہتے یہ تھے کہ شاید آپ یہ سن کر ہمارے ایمان کے لالچ میں پھر بیت المقدس کو منہ کرلیں۔ اس جملہ سے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا گیا اور بتادیا گیا کہ قبلہ حکم الٰہی سے بدلتا ہے نہ کہ لوگوں کی امیدوں سے۔ اور ہمارا حکم تو تبدیل ہوگا نہیں لہٰذا قبلہ بھی نہ بدلے گا۔ تفسیر عزیزی اور تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ ان کے قبلہ کی پیروی کرسکتے ہی نہیں کیونکہ ان کا قبلہ مختلف ہے کہ یہود نے صخرہ (جو پتھر بیت المقدس میں لٹکا ہوا ہے) کو اور نصاریٰ نے بیت المقدس کے شرقی حصہ کو جہاں حضرت مریم حاملہ ہوئیں اپنا اپنا قبلہ بنا رکھا ہے پھر ان دونوں قبلوں کی پیروی کیونکر ممکن۔ ان کا تو خود یہ حال ہے کہ وما بعضھم بتابع قبلۃ بعض ایک دوسرے کے قبلہ کی پیروی نہیں کرسکتے کہ عیسائی تو صخرہ کی طرف اور یہودی مشرقی حصہ کی طرف منہ نہیں کرسکتے جب وہ آپس میں جمع نہیں تو تیسری جماعت ان دونوں کے قبلوں کو کیونکر جمع کرسکتی ہے یا یہ مطلب کہ وہ دونوں جھوٹے ہو کر بھی اپنے غلط قبلوں پر جمے ہوئے ہیں تو مسلمان اپنے سچے قبلہ پر کیوں نہ مضبوطی سے قائم رہیں۔ یا یہ مطلب کہ پہلے صخرہ قبلہ تھا پھر وہ منسوخ ہو کر مشرقی حصہ قبلہ بنا جب قبلہ منسوخ ہوسکتا ہے بلکہ ہو بھی گیا جس کا ثبوت ان کے آپس کی مخالفت ہے تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ دونوں قبلے منسوخ ہو کر کعبہ معظمہ قبلہ بن جائے اور جب یہ کعبہ قبلہ مقرر ہوچکا تو اہل کتاب کا اس پر جمارہنا صرف خیال شیطانی اور ہوائے نفسانی ہے۔ لہٰذا اے قرآن پڑھنے والے ولئن اتبعت اھواءھم اگر تو نے ان کی نفسانی خواہش کی پیروی کی بعض نے کہا کہ اتبعت میں حضور علیہ السلام سے خطاب ہے۔ بعض نے کہا کہ نبی اور امت دونوں سے ایک قول یہ ہے کہ اس خطاب سے صرف امت ہی مراد ہے نہ کہ نبی (تفسیر مدارک و کبیر) اور یہ تیسری وجہ ہی زیادہ صحیح ہے۔ کیونکہ کعبہ کا قبلہ ہونا حضور علیہ السلام کی خوشی پر ہی تو ہوا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ خود چاہ کر کعبہ کو قبلہ کرائیں اور پھر خود ہی اس سے پھر جائیں اسی پر اعلیٰ حضرت قبلہ کا ترجمہ ہے اھواء ہوی کی جمع ہے الف مقصورہ سے ہوی کے معنی ہیں ارادہ و محبت

www.alahazratnetwork.org

اور نفسانی خواہش اور الف ممدودہ سے یہ چلنے والی ہوا اور ان دونوں کو ہوی اس لئے کہا جاتا ہے کہ ہوی سے بنا جس کے معنی ہیں گرانا چونکہ وہ ہوا عمارتوں اور درختوں کو نیچے گرا دیتی ہے اور نفسانی خواہش جہنم میں گراتی ہے اس لئے انہیں ہوا کہتے ہیں یہ بھی خیال رہے کہ اصطلاح میں ہوا وہ عقیدہ کہلاتا ہے جسے انسان باطل سمجھتے ہوئے اختیار کرے اور اگر باطل بات کو حق سمجھ کر مانتا ہے تو اسے کفر یا ضلالت تو کہا جائے گا۔ ہوی نہیں چونکہ یہ لوگ جان بوجھ کر قبلہ کے مخالف تھے اس لئے **اھواء** کہا گیا **من بعد ما جاء ک من العلم** یہاں بھی کاف سے قرآن پڑھنے والا مراد ہے اور علم سے کعبہ معظمہ کا ہمیشہ کے لئے قبلہ ہونا یعنی اگر یہ سمجھتے ہوئے کہ کعبہ دائمی قبلہ ہے اہل کتاب کو خوش کرنے کے لئے ادھر سے روگردانی کی **تو انک اذا لمن الظلمین** تو بھی ان کی طرح ظالم ہو گا ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو بے محل صرف کرنا یا کسی کی چیز بے اجازت خرچ کرنا۔ نفس کی مخالفت کرنا چاہئے اب جو اس کی پیروی کرے وہ اسے بے موقع استعمال کرتا ہے چونکہ یہ فعل قیامت میں ظلمت یعنی تاریکی میں لے جائے گا اس لئے اسے ظلم کہا جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہ خیال نہ فرمائیں کہ ان دلائل اور سوال جواب سے یہ ضدی پادری اور ہٹ دھرم یہودیوں کے راہب ایمان لے آئیں گے یہ تو فقط ان کی زبان بندی کے لئے ہے ان کے دل کا تو یہ حال ہے کہ اگر آپ انہیں ہر قسم کی قوی سے قوی دلیل اور مضبوط سے مضبوط برہان سنائیں بلکہ خود توریت و انجیل سے بھی نکال کر دکھاویں تو بھی اس قبلہ کو نہ مانیں کیونکہ دلیل سے شبہات دور ہوتے ہیں نہ کہ حسد اور اب وہ بھی کان کھول کر سن لیں کہ آپ کچھ اسرار کی بنا پر بیت المقدس کی طرف رخ کئے رہے۔ اب قیامت تک کبھی بھی ادھر نہ پھیرے جائیں گے اور نہ یہ قبلہ منسوخ ہو گا۔ وہ آپ کی تو کیا مانیں آپس ہی میں ایک دوسرے کے قبلہ کے قائل نہیں آپ کی مخالفت میں ان کی زبانیں متفق ہیں لیکن ان کے دل بکھرے ہوئے اور اے مسلمانو تم بھی خیال رکھنا کہ جو انہیں راضی کرنے یا ان کی خوشامد کی غرض سے جان بوجھ کر ان کے قبلہ کو رخ کرے یا ان کی کوئی بات مانے تو وہ بھی ان کی ہی طرح بے دین اور ظالم ہے۔ سب کو راضی نہ کرو رب کو راضی کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ مسلمانوں کے فرقے آپس میں بہت مخالف ہیں مگر پھر بھی اہل کتاب سے کم کیونکہ یہ سب توحید، رسالت، قرآن مجید، قبلہ قیامت وغیرہ پر متفق ہیں ان کا تو قبلہ بھی ایک نہ ہو سکا۔ ہندوؤں کے ہاں اب تک یہ بھی فیصلہ نہ ہوا کہ وید کتنے ہیں اور کس پر آئے ان میں کوئی کہتا ہے کہ چار انسانوں پر۔ اور کوئی کہتا ہے کہ آگ و پانی وغیرہ پر۔ سناتنی بتوں کو پوجیں آریے انہیں توڑ کر آگ کا ہون کریں۔ عیسائیوں میں یہ ہی فیصلہ نہ ہو سکا کہ عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ خدا کے بیٹے ہیں یا تیسرے خدا یا خدائی نے ان میں حلول کیا۔ اگر تحقیقات کی جائے تو سارے کفار کا یہ ہی حال ہے کہ وہ اصل الوہیت اور کتب میں ہی ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر لطف یہ ہے کہ ڈھول جوتی مسلمانوں میں زیادہ یعنی یہاں اختلاف کم اور شور زیادہ اور ان میں اختلاف زیادہ اور شور کم۔ وہ ہمارے مقابل ایک۔ ہم ان کے مقابل بھی ایک نہیں۔ ایسا دیکھا گیا کہ اہل سنت کا آریوں سے مناظرہ ہوا تو بعض دیوبندیوں نے درپردہ آریوں کو اعتراض سکھائے۔ خود مراد آباد میں میرا کلی چرن دھرم بھکشو آریوں سے مناظرہ ہوا جس میں مجھے یہ تلخ تجربہ ہوا اللہ رحم کرے۔ دوسرا فائدہ جن صحابہ کرام نے تبدیلی قبلہ کے بعد بھی بے خبری میں کوئی نماز پہلے قبلہ کی طرف پڑھ لی یا اب جو مسلمان غلطی سے ادھر نماز پڑھ لے وہ

www.alahazratnetwork.org

اس آیت کی وعید میں داخل نہیں کیونکہ یہاں دو قیدیں ہیں ایک جان بوجھ کر دوسرے ان کی اطاعت کی غرض سے ایسی حرکت کرنا۔ تیسرا فائدہ ضد اور حسد کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ اسی سے شیطان مارا گیا۔ اسی سے قابیل تباہ ہوا۔ اسی سے کنعان برباد ہوا۔ اسی سے برادران یوسف علیہ السلام مصیبت میں پھنسے اگرچہ بعد میں توبہ کر کے چھوٹ گئے۔ اسی سے یہود و عیسائی گمراہ رہے۔ غرضیکہ اس آگ نے بہت خاندان تباہ کر دیئے اسی کی برکت سے آج مسلمانوں میں خانہ جنگیاں جاری ہیں۔ چوتھا فائدہ معرفت ایمان و ہدایت خاص عطیہ ربانی ہے جو اس کے کرم سے نصیب ہوتا ہے محض علم و دلائل سے ایمان نہیں ملتا دیکھو علماء یہود کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر آپ انہیں ہر قسم کے قولی، عملی، علمی دلائل سنائیں، دکھائیں معجزات ظاہر کریں اور ان کے پاس بھی توریت و انجیل کا علم ہے مگر ان سب کے باوجود یہ ایمان نہ لائیں گے جو بصرت دیکھ کر صحابہ ایمان لائے وہ معجزات ابوجہل وغیرہ نے بھی دیکھے تھے مگر ایمان نہ لائے۔ دلائل مضبوط ستون کی طرح ہیں جو آفتیں ہتھیاروں اور دوسرے آلات سے ٹوٹ سکتے ہیں اگر ایمان کی چھت محض دلائل کے ستونوں پر قائم ہو ٹوٹ جانے کا اندیشہ ہے اس چھت کو عشق کے ستونوں پر قائم کرو یہ دلائل غذا، دوا کی طرح اگرچہ مفید تو ہیں مگر مستقل مفید نہیں اصل شے رب کا کرم ہے دیکھو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے چار سو دلائل توحید ابلیس نے توڑ دیئے۔ پانچواں فائدہ جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حسد یا عناد ہو اس میں کوئی روشنی نہیں پہنچ سکتی دیکھو علماء یہود کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگرچہ تمام دلائل انہیں بتائے جاویں ایمان نہ لائیں گے کیونکہ وہ حضور کے حاسد ہیں چھٹا فائدہ۔ شرعی حکم منسوخ ہونے سے پہلے علم یعنی ہدایت رہتا ہے مگر منسوخ ہونے کے بعد ھوی یعنی نفسانی خواہش بن جاتا ہے دیکھو رب نے اب بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کو اھواءھم فرمایا۔ ساتواں فائدہ اسلام میں کفار کی رعایت کرنا ظلم و کفر ہے دیکھو رب نے فرمایا کہ اب جو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھے یہود وغیرہ کو راضی کرنے کے لیے وہ ظالم ہے لہذا گنگا کی تعظیم ہولی دیوالی کے دن کا احترام کرنا کفر ہے۔ ہندوؤں کو خوش کرنے کو گائے کا ذبیحہ بند کرنا ظلم ہے اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو کفار کی صورت و سیرت اختیار کرتے ہیں انہیں خوش کرنے کو۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں اہل کتاب کے کافر رہنے کی پیشین گوئی ہے حالانکہ بہت سے اہل کتاب بلکہ یہودیوں کے بڑے عالم عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار اور عیسائیوں کا بادشاہ نجاشی اسلام سے مشرف ہوئے جس سے معلوم ہوا کہ یہ پیشین گوئی درست نہ ہوئی۔ جواب اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد سارے اہل کتاب ہیں یعنی یہ سب ایمان نہ لائیں گے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس سے علماء مراد ہیں اور عبداللہ ابن سلام وغیرہ اس سے پہلے ایمان لا چکے تھے اس آیت کے بعد کوئی ان کا عالم ایمان نہ لایا۔ تیسرے یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جیسے تم نے مسلمان رہ کر ان کے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھیں یہ کبھی ایسا نہ کریں گے کہ کبھی تمہارے کعبہ کی طرف نماز پڑھ لیں۔ جس کی حقانیت کا انہیں بھی علم ہے۔ معلوم ہوا کہ تم میں نفسانیت نہیں۔ ان میں ہے۔ چوتھا جواب وہ بھی ہو سکتا ہے جو تفسیر میں گزرا کہ اس سے وہ خاص کتابی مراد ہیں جن کا گمراہ رہنا خدا کے علم میں آچکا تھا۔ دوسرا اعتراض۔ اہل کتاب کی خواہش تو ایک ہی تھی کہ مسلمان بیت المقدس کی طرف پھر جائیں۔ پھر یہاں اھواء یعنی بہت سی خواہشیں کیوں فرمایا گیا جواب۔ اس کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہود کی خواہش تھی کہ مسلمان صخرہ کی طرف اور عیسائیوں کی خواہش تھی کہ مشرق کی طرف پھریں۔ یہ دو خواہشیں ہوئی اور عربی میں کبھی دو کے لئے بھی جمع کا صیغہ بول دیا جاتا ہے۔ جیسے قلوبکما دوسرے یہ کہ ان میں سے ہر شخص کی یہ تمنا

www.alahazratnetwork.org

تھی یعنی ایک چیز کی بہت لوگوں نے خواہش کی لہٰذا خواہشات بہت ہوئیں تیسرے یہ کہ اس ایک خواہش میں ان کی بہت سی دیگر خواہشات مضمر تھیں مثلاً مسلمانوں کو طعنہ دینا۔ بیت المقدس کی عظمت کا اظہار۔ اپنی سرداری کی برقراری مسلمانوں کو بہکانا کہ اسلام اصولاً دین ہے کہ اس کا قبلہ کا بھی ٹھیک نہیں وغیرہ وغیرہ گویا یہ ایک خواہش مجموعہ خواہشات ہوئی۔ اس لئے اسے **اھواء** جمع فرمایا گیا (عزیزی) **تیسرا اعتراض**۔ رب نے یہاں فرمایا اے محبوب تم ان کے قبلہ کے تابع نہیں تو کیا تبدیلی قبلہ سے پہلے حضور اس میں یہود کے تابع تھے یہ بات تو شان نبوت کے خلاف ہے۔ **جواب**۔ پہلے حضور نے محض رب کے حکم سے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھی تھیں نہ کہ ان کفار کی خوشی سے کیونکہ مکہ معظمہ میں تو یہ یہود وغیرہ تھے ہی نہیں لیکن اب یہود و نصاریٰ کی خواہش تھی کہ حضور پھر ادھر ہی نمازیں پڑھیں اب اگر ادھر نمازیں ہوتیں تو ان کی اتباع لازم آتی پہلے اور نوعیت تھی اب دوسری نوعیت لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : ترقی دینا رب غفور کا دستور ہے۔ کسی کا تنزل بلا قصور نا ممکن۔ مسلمانوں کا کعبہ کو رخ کرنا ان کی ترقی تھی فرما دیا گیا کہ اب تمہیں اسی قبلہ پر قائم رکھا جائے گا۔ تمہارا تنزل نہ ہو گا اور جیسے کہ پورب پچھم دو متضاد سمتیں ہیں کہ پورب کا جانے والا پچھم نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے ہی **ھدیٰ** اور **ھویٰ** (ہدایت و خواہشات نفسانی) قلب کی مختلف جہتیں **ھویٰ** کا پابند **ھدیٰ** تک نہیں پہنچ سکتا اور **ھدیٰ** والا **ھویٰ** کا پابند نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فرمایا کہ اے مسلمانوں تم **ھدیٰ** پر ہو اور اہل کتاب **ھویٰ** پر اگر تم نے یہ جہت بدلی تو تم بھی انہیں کی طرح ہو گے اگر منزل پر پہنچنا ہے تو یہ راہ نہ چھوڑنا اور اپنی سمت نہ بدلنا۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا

وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب پہچانتے ہیں انہیں جیسا کہ پہچانتے ہیں بیٹوں اپنے کو

جنہیں ہم نے کتاب عطا فرمائی وہ اس نبی کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے

مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ

اور تحقیق ایک گروہ ان میں سے البتہ چھپاتے ہیں وہ حق کو حالانکہ وہ جانتے ہیں حق جانب

اور بے شک ان میں ایک گروہ جان بوجھ کر حق چھپاتے ہیں (اور سننے والے) یہ حق ہے

مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

رب تیرے کے ہے پس ہرگز نہ ہونا تو شک کرنے والوں سے

تیرے رب کی طرف سے (یا حق وہ ہی ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہو) تو خبردار تو شک نہ کرنا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پہلے مسلمانوں کو اہل کتاب کی پیروی کرنے سے ڈرایا دھمکایا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم کیسے قبلہ وغیرہ میں شک کر سکتے ہو۔ خود اہل کتاب کا یہ حال ہے کہ تمہارے پیغمبر اور ان کی ساری صفات کو دل سے جان کر زبان سے انکار کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ وہ تمام علامات و آیات

www.alahazratnetwork.org

دیکھ کر بھی تمہارا قبلہ نہ مانیں گے۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ پہلے ہی سے جانتے پہچانتے ہیں۔ ضدو حسد سے منکر ہیں پھر آیات سے کیسے قبول کریں۔ حسد نے ان کے دل و دماغ اور ظاہری اعضاء کو ایسا بیگانہ کر دیا کہ اب نہ یہ دلائل سمجھ سکیں نہ معجزات دیکھ کر ان میں غور کر سکیں نبی سے حسد کی آگ نے بہت سے باغ اجاڑ دیئے ہیں دیکھو ابلیس نے آدم علیہ السلام کی خلافت کا اعلان الٰہی سنا فرشتوں کو سجدہ کرتے دیکھا انہیں جنت میں نہایت عزت سے رہنے سہنے کا مشاہدہ کیا مگر صرف حسد کی وجہ سے ان کے آگے نہ جھکا یہی ان یہود کا حال ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اہل کتاب تبدیلی قبلہ کو حق جان کر منکر ہیں اب فرمایا کہ وہ صرف قبلہ ہی کو نہیں بلکہ خود صاحب قبلہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہچانتے ہیں۔ چوتھا تعلق پہلے مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اگر تم نے حق کو جان پہچان کر اہل کتاب کی پیروی کی تو تم ظالمین میں سے ہو گے اور ظالم تو صدہا قسم کے تھے مشرکین' کفار' رب کے منکر اب ظالم کی تعیین کی جا رہی ہے کہ اس قسم کے ظالموں میں تمہارا شمار ہو گا۔

تفسیر : **الذین اتینھم الکتب** یہاں کتاب سے آسمانی کتاب یعنی توریت و انجیل مراد ہیں کہ مدینہ منورہ میں انہی کے ماننے والے یعنی یہود و نصاریٰ تھے اور کتاب دینے سے علم کتاب کی عطاء مراد یعنی جن علماء یہود و نصاریٰ کو توریت و انجیل کا علم عطا ہوا وہ **یعرفونہ** انہیں پہچانتے ہیں۔ رہے ان کے جاہل وہ اپنی کتاب ہی سے بے خبر ہیں تو اس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ان پہچانوں اور علامتوں کو کیا جانیں جو ان میں بیان ہوئیں خیال رہے کہ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ **الذین** سے آخر جملہ تک ظالمین کی صفت ہے جو پہلی آیت میں گزرا یعنی تم ان ظالموں میں سے ہو جاؤ گے جن میں یہ عیوب ہیں۔ سیاق مفسرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے کہ **الذین** مبتدا اور **یعرفون** خبر۔ یہ بھی خیال رہے یہ ضمیر یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے کہ آپ کا ذکر **وما انت بتابع** میں ہو چکا ہے یا کعبہ معظمہ کی طرف یا تبدیلی قبلہ کی طرف مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے (تفسیر کبیر) کیونکہ آئندہ بیٹوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ یعنی علماء اہل کتاب کعبہ معظمہ کے قبلہ ہونے یا تبدیلی قبلہ یا اس پیغمبر آخر الزمان کی صرف صورت پاک ہی دیکھ کر ایسا پہچانتے ہیں **کما یعرفون ابناء ھم** جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں کہ اگر ہزار بچوں میں بھی کھڑا ہو تو پہچان جاتے ہیں کہ میرا بیٹا وہ ہے اور کسی وقت بھی تردد نہیں کرتے کہ شاید یہ میرا بچہ نہ ہو کوئی اور ہو بلکہ دور سے اس کی آواز سن کر چال ڈھال دیکھ کر بھی پہچان لیتے ہیں کہ یہ میرے بچے کی گفتار ہے یا اسی کی سی رفتار ایسے ہی اس پیغمبر کی شکل و شباہت' رفتار و گفتار بلکہ ہر ہر ادا سے ان کی نبوت ظاہر ہو رہی ہے ان کے یہ سارے صفات پچھلی کتابوں میں موجود ہیں ان کے ظہور کا تو یہ کمال مگر ان کا یہ حال کہ ان میں ایک گروہ تو ایمان لے آیا جیسے عبداللہ ابن سلام اور کعب احبار وغیرہ۔ خیال رہے کہ ہم کو بھی کچھ لوگ جانتے پہچانتے ہیں اور حضور کو بھی مگر ان دونوں پہچانوں میں چار طرح فرق ہے ایک یہ کہ ہم کو ہماری پیدائش سے پہلے کوئی نہ پہچانتا تھا۔ حضور انور کو ہمیشہ سے سب پہچانتے تھے۔ پہلے انسان' آدم علیہ السلام نے پیدا ہو کر پہلے حضور کا نام ساق عرش پر رب کے نام کے ساتھ پڑھا۔ دوسرے یہ کہ ہم کو مرنے کے کچھ بعد کوئی نہ پہچانے گا مگر حضور کے چرچے قیامت بلکہ ابدالآباد تک ہوتے رہیں گے ان کی دھومیں مچی رہیں گی۔ تیسرے یہ کہ ہم کو پیدائش کے بعد بھی صرف انسان ہی پہچانتے ہیں مگر حضور کو ساری خدائی پہچانتی ہے اور حضور کی اطاعت کرتی ہے۔ چوتھے یہ کہ ہم کو انسان بھی تھوڑے پہچانتے ہیں مگر حضور کی ولادت کی خبر سارے جہان میں ایسی دیدی گئی کہ سبحان اللہ شکم مادر میں آتے ہی عالمگیر بارش

www.alahazratnetwork.org

ہوئی پارسیوں کا پرانا آتش کدہ بجھ گیا قصر کسری کے چودہ کنگرے گر گئے وغیرہ وغیرہ غرضیکہ ساری دنیا میں ان کی تشریف آوری کی اطلاع دے دی گئی اور **وان فریقا منھم** ان علماء کا وہ گروہ جو ہٹ دھرم اور ضدی ہے جس نے دنیا کو دین پر مقدم رکھا ہوا ہے وہ **لیکتمون الحق** حق پر خوب پردہ ڈالتے ہیں اور اچھی طرح اسے چھپاتے ہیں پھر بھولے سے نہیں بلکہ **وھم یعلمون** وہ خوب جانتے ہیں یعنی خوب جان کر خوب چھپاتے ہیں کہ ان کی حقانیت اور اپنی نفسانیت دونوں سے باخبر ہیں پھر دونوں ہی کو چھپاتے ہیں کہ اپنے ناحق کو حق اور اس حق کو ناحق بتاتے ہیں یہاں حق سے مراد حضور کے وہ اوصاف حمیدہ ہیں جو توریت و انجیل میں مذکور تھے چونکہ وہ حق تعالی کی طرف سے تھے بناوٹی یا جعلی نہ تھے نہ نفسانی تھے نیز وہ حق تعالی کے ظاہر کرنے والے تھے جنہیں جان کر رب یاد آتا تھا نیز ان اوصاف میں سے ہر وصف حق تھا باطل کوئی نہ تھا اس لئے انہیں حق فرمایا گیا اس حق کو چھپانے کی دو صورتیں تھیں لوگوں سے بیان نہ کرنا اور ان میں تبدیلی کر دینا یا ان کے کلمات کی ایسی تاویلیں توجیہیں کرنا جس سے کمال کمال نہ رہے **الحق من ربک** بعض قرات میں حق کو زبر ہے اور یہ پہلے حق سے بدل یعنی وہ اس حق کو خوب جانتے ہیں کہ آپ کے رب کی طرف سے ہے اور عام قرات میں پیش لہذا **الحق** مبتدا اور **من ربک** خبر یا **الحق** ھذا کی پہلی خبر اور **من ربک** دوسری خبر اور **الحق** میں الف لام عہدی یا جنسی (تفسیر کبیر) یعنی یہ تبدیلی قبلہ یا یہ کعبہ یا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں آپ کے رب کی طرف سے یا یہ حق چیز یعنی کعبہ یا تبدیلی قبلہ یا یہ نبی رب کی طرف سے ہیں اور یا حق وہ ہے جو رب کی طرف سے ہو نہ وہ جو نفس و شیطان کی طرف سے ہو۔ بعض لوگوں نے کہا کہ **من ربک** وغیرہ میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہے نہ کہ آپ سے کیونکہ یہاں حق سے مراد حضور علیہ السلام ہیں یا ان کے صفات تو آپ کے متعلق لوگوں کے شبہات دور کئے جا رہے ہیں آپ کو تو اپنے بارے میں شک ہونا عقلاً محال ہے۔ حضور کے اسماء طیبہ میں سے ایک نام شریف حق بھی ہے صادق وہ ہے جو واقع کے مطابق ہو اور حق وہ ہے کہ واقع اس کے مطابق ہو کہ خود وہ کہہ دے ویسا ہی ہو جاوے حضور بذات خود سراپا حق ہیں کہ جو ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ ہو جاتا ہے۔

تیرے اشارہ سے سب کی نجات ہو کے رہی — تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا کہ دن ہے تو دن نکل آیا — جو دن کہہ دیا سب ہے تو رات ہو کے رہی

یعنی اے مسلمان محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں **فلا تکونن من الممترین** جب حق یہ ہے تو تم اس میں شک کرنا تو کیا شک کرنے والی جماعت میں سے بھی نہ ہو یعنی خواہ اس قبلہ یا صاحب قبلہ کی اہل کتاب تصدیق کریں یا نہ کریں اس کی موافقت کریں یا مخالفت۔ اے مسلمانوں تم کسی قسم کا تردد نہ کرنا کیونکہ ان کی نبوت معجزات اور بعض علماء اہل کتاب کے اقرار سے ثابت ہو چکی اور تبدیلی قبلہ کے راز تمہیں بتا دیئے گئے نیز عبداللہ ابن سلام وغیرہ نے بھی اس کی تائید کر دی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانوں ان دلائل سے اہل کتاب کے ایمان کی امید نہ رکھو کیونکہ وہ شک سے نہیں بلکہ حسد سے انکاری ہوئے ورنہ ان کا حال یہ ہے کہ اپنی کتابوں کی پیشین گوئیوں اور موجودہ معجزات سے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف صورت پاک سے ایسا پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے لڑکوں کو پہچان لیتے ہیں کہ اس کی صورت دیکھ کر اس کی آواز سن کر اس کی

www.alahazratnetwork.org

چال ڈھال ملاحظہ کرکے بے تردد کہہ دیتے ہیں کہ یہ میرا بچہ ہے لاکھوں بچوں میں اس کی شناخت کرلیں بلکہ اس کے کپڑے کو بھی پہچانیں اس کی چیزوں کو بھی جانیں کہ یہ میرے بچے کی ہے مگر اس کے باوجود ان کے تین گروہ ہو گئے "ایک منصف علماء جو ایمان لے آئے۔ دوسرے جہلا جن سے آسانی کتابیں چھپالی گئیں۔ تیسرے ضدی اور ہٹ دھرم پادری و راہب۔ وہ حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہیں لہذا اے قرآن پڑھنے والے تو ان کی تائید یا تصدیق پر موقوف نہ رہ حق تو وہ جو رب کی طرف سے ہو نہ وہ جسے ان کے دل پسند کریں تم ان کا انکار یا تردد دیکھ کر خود شک نہ کرنا بلکہ شک والی جماعت سے نہ ہونا۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس آیت کے نزول کے بعد حضرت عبداللہ ابن سلام سے پوچھا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح جانتے ہو اور اس آیت یعرفونہ میں جو معرفت بیان کی گئی اس کی کیا شان ہے انہوں نے فرمایا کہ میں حضور پر اپنے فرزند سے بھی زیادہ یقین رکھتا ہوں۔ آپ نے فرمایا یہ کیسے عرض کیا کہ حضور کے اوصاف ان کے معجزات ان کی علامت ہماری کتابوں کی گواہیاں آپ پر یقین دلا رہی ہیں اپنے فرزند پر یہ یقین کہاں نہ معلوم کہ اس کی ماں نے کیا کیا ہو دوسرے کے فرزند کو میرا کہہ دیا ہو۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کا سر چوم لیا (تفسیر کبیر و عزیزی و خزائن العرفان)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ علم و معرفت میں بہت فرق ہے۔ اوصاف جاننے کو علم اور ذات پہچاننے کو معرفت کہتے ہیں۔ کلیات یا جزئیات کا اجمالی جاننا علم ہے اور جزئیات کی تفصیل کو جاننا معرفت ہے۔ جانی ہوئی چیز جو خیال سے اتر جاوے اس کو پھر جاننے کو معرفت اور بلا قید جاننے کو علم کہتے ہیں۔ اختیاراً" جاننا جس کے ساتھ اقرار بھی ہو علم کہلاتا ہے اور بلا اختیار جاننا جس کے ساتھ اقرار کی قید نہ ہو معرفت (از عزیزی وغیرہ) لہذا حضور کا یہ علم ایمان ہے مگر ان کی محض معرفت ایمان نہیں اس لئے یہ کفار معرفت کے باوجود بھی کافر رہے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان علم پر موقوف نہیں ہے۔ جیسے ہر جاہل و عالم اپنے فرزند کو بلا دلیل پہچانتا ہے ویسے ہی ذرا سے غور پر ہر شخص حضور کو پہچان سکتا ہے۔ اسی لئے یہاں بیٹوں کی معرفت سے تشبیہ دی گئی بلکہ ان کو بے عقل جانور، سوکھی لکڑیاں، کنکر بلکہ چاند و سورج کافر و مومن سارا عالم پہچانتا ہے کہ جانور انہیں سجدے کریں لکڑیاں فراق میں رو دیں۔ کنکر ان کا کلمہ پڑھیں۔ ڈوبا ہوا سورج اشارے پر واپس ہو۔ پورا چاند اشارہ پر پھٹ جائے۔ بادل ان کے اشارہ ابرو پر آکر برس بھی جاویں اور واپسی کے حکم پر برس کر لوٹ بھی جاویں۔ آج بھی اگر ذرا سا غور کر لیا جاوے تو حضور کی نبوت ظاہر ہو رہی ہے کہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی اسلام کی سلطنت اور بانی اسلام کی بادشاہت ہے اگرچہ مسلمان دوسروں کے غلام بن گئے۔ گورنمنٹ نے ٹیکس وصول کرنے اپنے قوانین چلانے کے لئے جیل، جرمانہ، پھانسی گھر وغیرہ رکھے ہیں تو بھی قوانین پر پورا عمل نہیں ہوتا مگر یہ سرکاری ٹیکس، زکوٰۃ، قربانی، فطرہ وغیرہ لاکھوں روپیہ ہر سال مسلمانوں سے بہت آسانی سے وصول ہو رہا ہے اور سخت سے سخت حکم پر عمل جاری ہے معلوم ہوا کہ وہ دلوں کے بادشاہ ہیں۔ تیسرا فائدہ ہر شخص اپنے فرزند کی چیزوں اس کے دوستوں اور دشمنوں کو پہچانتا ہے اسی طرح سارا عالم حضور کے غلاموں اور دشمنوں کو اسی طرح مدینہ پاک اور ان کے تبرکات کو جانتا ہے۔ حضرت سفینہ نے شیر سے کہا کہ میں حضور کا غلام ہوں تو وہ کتے کی طرح دم ہلاتا ہوا آگے ہو لیا۔ ابولہب کے بیٹے عتبہ نے گستاخی کی تو شیر نے اس کو سوتے ہوئے منہ کی بو سونگھ کر پھاڑ ڈالا اور گوشت بھی نہ کھایا کہ گستاخ کا گوشت جانور بھی نہیں کھاتے۔ دیکھو

www.alahazratnetwork.org

ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن۔ چوتھا فائدہ اپنے پیارے کی پیشانی و سر محبت میں چومنا جائز ہے جیسا کہ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ثابت ہوا بشرطیکہ وہ محل شہوت نہ ہو۔ پانچواں فائدہ وحی کے بعد کسی تائید کی ضرورت نہیں مگر کشف و الہام ولی بغیر تائید وحی قابل قبول نہیں (عزیزی) یعنی اولیاء اللہ کا وہی کشف و الہام معتبر ہے جو خلاف شرع نہ ہو اور پیغمبر کی وحی و کشف وغیرہ بہر حال قبول جیسا کہ یہاں فرمایا گیا۔ **الحق من ربک** ساتواں فائدہ حضور کے اوصاف چھپانا بھی ان کا ذکر نہ کرنا بدترین گناہ ہے جس میں علماء یہود گرفتار تھے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج حضور کے اوصاف بیان نہیں کرتے اور حضور کی نعت خوانی سے لوگوں کو ہزار حیلوں بہانوں سے روکتے ہیں ان کے اوصاف بیان کرنا بہترین عبادت ہے۔

حی باقی جس کی ثنا مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا ایسے پیارے سے محبت کیجیے۔

پہلا اعتراض : جب حضور علیہ السلام کو ہر شخص بلکہ ہر چیز پہچانتی ہے تو یہاں علماء اہل کتاب کا خصوصیت سے کیوں نام لیا گیا کہ وہ پہچانتے ہیں۔ جواب۔ اس لئے کہ بیٹے کی پہچان کی طرح تشریف آوری کو پہلے سے وہ ہی جانتے ہیں دوسروں نے تو تشریف آوری کے بعد معجزات وغیرہ دیکھ کر ہی پہچانا یا اگلی کتابوں کی بشارت سے صرف یہ علماء ہی پہچانتے ہیں دوسرے لوگ دوسری علامات سے یا تبدیلی قبلہ کی حقانیت کعبہ معظمہ کی حرمت علماء ہی جانتے ہیں۔ نیز یہاں جان کر پہچان کر انکار کرنے اور نہ ماننے کا ذکر ہے یہ کام صرف علماء یہود ہی کا تھا تمام مخلوق جانتی پہچانتی بھی ہے اور حضور کو مانتی بھی ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں بیٹوں کا ہی ذکر کیوں فرمایا گیا یا تو لڑکیوں کا بھی ذکر ہوتا یا اولاد فرمایا جاتا جو سب کو شامل تھا۔ جواب اس لئے کہ بیٹے کو باپ کے سواء دوسرے بھی پہچانتے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا ہے اگر یہ اس کے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرے تو سب گواہی دینے کو تیار ہوں۔ بیٹی کو دوسرے نہیں پہچانتے ایسے ہی علماء اہل کتاب کے علاوہ دوسرے بھی نبوت سرکار کے دل سے اقراری تھے۔ نیز بیٹا قریباً ہر دم باپ کے ساتھ رہتا ہے بیٹی برسوں غائب۔ لہٰذا بیٹی بھولی جاسکتی ہے نہ کہ بیٹا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں یہ کیوں نہ فرمایا گیا کہ **کما یعرفون انفسہم** جیسا کہ وہ اپنے آپ کو جانتے ہیں اپنی پہچان زیادہ قوی ہے۔ جواب۔ اس لئے کہ اپنی پہچان دنیا میں آکر کچھ ہوش سنبھال کر ہوتی ہے۔ ماں کے پیٹ اور شروع ولادت میں اپنی خبر نہیں ہوتی مگر بیٹے کے نطفہ قائم ہوتے ہی باپ اس کو پہچانتا ہے اور بچپن سے اس کے نام و اوصاف سے واقف ہوتا ہے علماء اہل کتاب بھی حضور علیہ السلام کو ولادت سے پہلے جانتے اور لوگوں کو خوشخبریاں دیا کرتے تھے بلکہ ان کے نام و کام سے باخبر تھے کہ عیسیٰ علیہ السلام پہلے ہی فرما گئے تھے **اسمہ احمد**۔ چوتھا اعتراض۔ نبی امت کے والد کی مثل ہوتے ہیں یہاں اولاد کی معرفت سے کیوں تشبیہ دی۔ یوں کہا ہوتا کہ جیسے اپنے باپ کو پہچانتے ہیں۔ جواب۔ باپ کی پہچان سے بیٹے کی پہچان تین وجہ سے قوی ہے ایک یہ کہ بیٹا اپنے باپ کو صرف لوگوں کے کہنے سے پہچانتا ہے نہ کہ دلائل سے مگر باپ دلائل سے کہ اس کی ماں سے اس کا نکاح' قرار نطفہ' پیدائش' پرورش وغیرہ بھی جانتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بیٹا باپ کو ہوش سنبھالنے پر جانتا ہے اس سے پہلے نہیں مگر باپ بیٹے کو قرار نطفہ کے وقت سے۔ تیسرے یہ کہ باپ بیٹے کو قرار نطفہ سے پہلے بھی اجمالاً جانتا ہے کہ میرے کوئی بچہ ہوگا۔ اہل کتاب کو حضور علیہ السلام کا علم پیدائش سے پہلے دلائل سے تھا لہٰذا اپنے بیٹے کے علم سے تشبیہ دینا زیادہ بہتر ہوا۔ پانچواں اعتراض نبی کی پہچان بیٹے کی پہچان

www.alahazratnetwork.org

سے زیادہ قوی ہے جیسا کہ عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا۔ پھر اعلیٰ کو ادنیٰ سے کیوں تشبیہ دی۔ جواب۔ نبوت کی پہچان یقینا" زیادہ قوی ہے کہ معجزات وغیرہ سے اس کا پتہ لگتا ہے مگر صورت پاک دیکھتے ہی بلا تامل نبی کو پہچان لینا یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ بیٹا پہچانا جاتا ہے یا صرف شہرت کی بنا پر تشبیہ ہے۔ چھٹا اعتراض۔ نبی کی معرفت ہی ایمان ہے چاہئے کہ پہچاننے والے کفار مومن ہوں کہ وہ حضور کو پہچانتے ہیں۔ جواب۔ اس کا جواب تفسیر میں ہی گذر گیا۔ تصدیق و اقرار کا نام ایمان ہے نہ کہ فقط غیر اختیاری قلبی پہچان کا۔ اگر کسی کی قابلیت و کمال بلا اختیار کسی کے دل میں بیٹھ جائے مگر وہ اس کی مخالفت ہی کرتا رہے تو یہ مومن نہیں دوست وہ جسے دلی گرویدگی اور زبانی اقرار ہو اسی گرویدگی کا نام تصدیق ہے اور یہ ہی ایمان ہے کفار کو یہ حاصل نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ : علم دو ہیں اضطراری اور اختیاری مگر حسد و عناد ان دونوں کا حجاب۔ جو نفسانی ظلمات میں گرفتار اور حسد و عناد کے حجاب میں محجوب ہے وہ ان دونوں علموں کے فوائد سے محروم نہ تو اس کو کسی کا کلام مفید نہ لوم ملام۔ پھر عالم تین گروہ ہیں۔ مقلد جن کا علم تقلیدی ہے یہ عوام کو حاصل۔ محقق جن کا علم تحقیقی۔ یہ شریعت و طریقت کے مجتہدین کا حصہ۔ مشاہد جن کا علم مشاہدہ و معائنہ ہے یہ عارفین کاملین کا نصیب۔ جب تک انسان نفسانی خواہشات اور اغواء شیطانی سے پاک و صاف نہ ہو کیسا ہی عالم و عاقل ہو معرفت کے پھل نہیں کھا سکتا۔ شیطان کو کامل علم و عقل حاصل تھے مگر طغیان ہی ہاتھ آئی۔ یہ ہی علماء اہل کتاب کا حال ہوا کہ ان کو معرفت حاصل تھی مگر اس کے فوائد سے محروم رہے۔ لہٰذا علم سے پہلے تزکیہ نفس چاہئے۔ علم بغیر تزکیہ نفس نقصان دہ ہے جیسے کہ دیوانہ کی تلوار جس سے وہ خود اپنے کو ہی ہلاک کرتا ہے (روح) صوفیاء فرماتے ہیں کہ پہلی آیت میں حق سے مراد حضور کے اوصاف ہیں اور دوسری آیت میں حق سے مراد حضور انور کی ذات بابرکات حق مقابل باطل کا بھی ہوتا ہے اور مقابل زائل کا بھی حضور انور کی ذات ان کی ہر ادا حق ہے باطل کوئی نہیں لہٰذا آپ کا نام حق ہے ہمارے سر سے پاؤں تک ہر عضو سے حق کام بھی صادر ہوتے ہیں باطل بھی۔ نیز ہمارے نام و کام وغیرہ سب فانی ہیں۔ حضور انور کی ذات ' نام ' کام تمام باقی غیر فانی ہیں بحکم الٰہی سب کو بقا ہے لہٰذا حضور حق یعنی غیر زائل ہیں دیکھو حضور کا دین ' کلمہ ' نبوت ' عزت کسی کے لئے فنا نہیں نیز حضور کی ذات حق و باطل کی پہچان کا معیار ہے جسے وہ حق کہہ دیں وہ حق ہے جسے باطل فرما دیں وہ باطل ہے ہماری عقلیں حق و باطل کی پہچان میں ناکام ہیں۔ لہٰذا حضور کا نام حق ہے خیال رہے کہ دنیا میں برا بھلا ملا جلا ہے جسمانی برے بھلے کی پہچان آنکھ ناک کان زبان سے ہوتی ہے اور جہاں یہ حواس چھانٹ نہ کر سکیں تو حکومتوں نے کچھ ایسی مشینیں ایجاد کی ہیں جن سے کھرے کھوٹے میں چھانٹ ہو جاتی ہے اور روحانی برائی بھلائی یعنی حق و باطل کی چھانٹ نہ تو ہمارے اعضاء ظاہری کر سکیں نہ عقل انسانی نہ کوئی انسانی آلہ' ضرورت تھی کہ رب تعالیٰ بندوں کی اس مجبوری پر رحم فرما کر کوئی چھانٹ کرنے والا بھیجے اسی چھانٹ کرنے والے کا نام حضور محمد مصطفیٰ ہے جس کی یہاں اور دوسری آیات میں خبر دی گئی ہے جیسے آنکھ سے اچھے برے مزے محسوس نہیں کر سکتے اس کے لئے ناک زبان کی مدد چاہئے ایسے ہی انسانی عقل سے حق و باطل نہیں پہچان سکتے اس کے لئے فرمان مصطفوی درکار ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا
اور واسطے ہر ایک کے ایک سمت ہے کہ وہ منہ کرنیوالا ہے اُدھر پس بڑھو بھلائیوں کی طرف جہاں کہیں ہوؤ گے تم
اور ہر ایک کے لئے توجہ کی ایک سمت ہے کہ وہ اسی طرف منہ کرتا ہے تو یہ چاہیے کہ نیکیوں میں اوروں سے آگے
يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝
لائے گا تم کو اللہ اکٹھا۔ تحقیق اللہ اوپر ہر چاہنے کے قدرت والا ہے
نکل جائیں تو کہیں ہو اللہ تم سب کو اکٹھا لے آئے گا۔ بے شک اللہ جو چاہے کرے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پہلے تبدیلی قبلہ کی کچھ حکمتیں بیان ہو چکیں اب ان کے علاوہ ایک اور حکمت بیان ہو رہی ہے کہ عادت الٰہی یہ ہے کہ اس نے ہر دین و ملت کے لئے کوئی قبلہ مقرر فرمایا اسی طرح اگر تمہارے لئے بھی کعبہ قبلہ بن گیا تو کیا حرج ہوا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب اس قبلہ کو کبھی نہ مانیں گے اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہر قوم کی توجہ علیحدہ ہے ان سب کا اتفاق ناممکن لہٰذا اے مسلمانو تم انہیں متفق کرنے کی کوشش میں اپنا کام نہ چھوڑو تم خیر کی طرف دوڑو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہوا کہ وہ نبی علیہ السلام کو پہچان کر نہیں مانتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہر نفس کا رخ علیحدہ ہے۔ ولا ان سے نفس کا رخ نہیں پلٹتا تو اے مسلمانو! تم اپنی منزل مقصود کی طرف دوڑے جاؤ۔ جب وہ غلطی پر ایسے اڑے ہوئے ہیں تو تم کو چاہئے کہ حق پر جمے رہو۔

تفسیر : **ولکل وجھۃ** وجہ اور وجہۃ قصد و ارادہ کو اور جہۃ اور وجہۃ مقصد کو کہا جاتا ہے۔ جس کی طرف قصد کیا جائے۔ یہاں وجہۃ دوسرے معنی میں ہے یعنی جہت و سمت اور مقصد۔ اس جملہ کی دو قرأتیں ہیں ایک وجہۃ کا پیش اور لکل کی تنوین ہے۔ اس صورت میں کل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے یا تو دین ہے یا قوم یا امۃ یعنی نصرانیت و یہودیت وغیرہ ہر دین کے لئے کوئی نہ کوئی جہت و قبلہ ہے جدھر رخ کر کے وہ عبادت کرتے ہیں یا ہر شخص اور ہر نفس کا کوئی منزل مقصود ضرور ہے یا مسلمانوں میں سے ہر قوم کے لئے قبلہ کی ایک خاص جہت ہے کہ ہر جماعت کعبہ ہی کو منہ کرے گی مگر ہر ملک کے لحاظ سے ان کی سمتیں مختلف ہوں گی کسی کی جنوبی کسی کی شمالی کسی کی شرقی کسی کی غربی۔ (تفسیر کبیر) لہٰذا وجہۃ سے سمت یا راستہ یا دین یا قبلہ مراد ہے دوسری قرأت میں وجہۃ کو زیر ہے۔ کل کا مضاف الیہ اس صورت میں اس کا تعلق مولیھا سے ہے۔ یعنی ہر جہت کی طرف **ھو مولیھا** ھو کا مرجع یا رب تعالیٰ ہے یا کل۔ یعنی وہ اللہ ہر ایک کو اس کی جہت کی طرف پھیرنے والا ہے کہ جس کے لئے ازل میں جو کچھ مقرر کر دیا ادھر ہی اس کی رغبت بھی دے دی یا اہل کتاب میں سے جس کے لئے جو قبلہ مقرر کر دیا ادھر ہی اسے پھیر دیا یا وہ شخص اور وہ جماعت ادھر اپنا رخ کئے ہوئے ہے۔ ممکن ہے کہ مولی بمعنی محب ہو یعنی ہر شخص اپنے ہی دین اور اپنی ہی رائے کو پسند کر رہا ہے (کبیر) ایک قرأت میں مولی ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے دین و قبلہ کی طرف پھیر دیا گیا ہے جب ہر شخص کو اپنا دین پسند ہے تو اے مسلمانو! **فاستبقوا الخیرات** تم بھلائی حاصل کرنے میں سب سے آگے بڑھ جاؤ۔ خیرات خیرۃ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں بہتر

www.alahazratnetwork.org

اور فاضل چیزیا تو اس سے ہر بھلائی مراد ہے یعنی ہر نیکی میں تم سب سے آگے رہو اور یا کعبہ معظمہ کیونکہ وہ صد ہا بھلائیوں کا ذریعہ ہے ادھر ہی نماز ہو وہاں ہی حج ہو اور وہاں سے ہی رب کی رحمت ہر طرف جائے یعنی اے مسلمانو تم اس کعبہ کی طرف حج کے لئے دوڑو جو ہزار ہا بھلائیوں کی اصل ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ دنیا کی طرح آخرت میں بھی لوگ ایسے ہی مختلف رہیں گے نہیں بلکہ **این ما تکونوا** اس میں یا تو صرف مسلمانوں سے خطاب ہے یعنی تم مشرق و مغرب کہیں بھی ہو اور تمہاری سمت قبلہ کوئی سی بھی ہو یا ہر دین والے سے خطاب ہے یعنی اے لوگو تم کدھر ہی رخ کرو اور کوئی بھی دین اختیار کرو جہاں بھی اور جس حال میں ہو گے **یات بکم اللہ جمیعا** قیامت میں حق تعالیٰ تم سب کو جمع فرمائے گا اس طرح کہ سارے ایک میدان میں ہوں گے اور ہر ایک کو دوسرے کے کفر و اطاعت سے نقصان یا فائدہ بھی پہنچے گا کہ کفار کے سردار تو اپنے معتقدین کے باعث سخت سزا پائیں گے اور مشائخ و علماء اپنے معتقدین اور مریدین کے ذریعے بڑے مراتب حاصل کریں گے اسی طرح ناقص لوگ کاملوں کی برکت سے کامل ہو جائیں گے (عزیزی) اور ان بکھروں کا جمع کرنا اور ناقصوں کو کامل فرمادینا رب کے نزدیک کوئی مشکل نہیں کیونکہ **ان اللہ علی کل شیء قدیر** اللہ ہر چاہے پر قادر ہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے تم کو چاہئے کہ ہمیشہ اس سے ڈرتے رہو۔

خلاصہ تفسیر : ہر شخص اور ہر قوم اور ہر ملک کی کوئی سمت' جہت یا قبلہ یا دین و رائے ضرور ہے جس طرف اس کا دلی رجحان ہے تم سب کو ایک رائے پر متفق کرنے کا خیال دل سے نکال دو اور کسی کے اعتراض کی پرواہ نہ کرو بلکہ اپنی فکر میں رہو کہ بھلائیوں کی طرف سب سے آگے بڑھو۔ نماز و روزہ' ذکر خدا' اچھے اخلاق نفسانی خواہشات سے دوری شیطان سے نفرت اور رحمٰن سے محبت میں سرگرم رہو اور اس کعبہ ابراہیمی پر جمے رہو جو سب سے اعلیٰ و افضل ہے اور یہ بھی خیال رکھو کہ یہ جہتوں کا اختلاف اور ایک دوسرے سے دوری اسی عالم میں ہے ورنہ آخرت میں تو سب کو اللہ تعالیٰ ایک ہی جہت اور ایک ہی روش پر جمع فرمائے گا اور سب اسی کی طرف متوجہ ہوں گے اور اسی کے تخت کو قبلہ بنائے کھڑے ہوں گے۔

دوسری تفسیر : اے مسلمانو تم سے پہلے ہر قوم کے لئے ایک خاص جہت مقرر رہی اور تم میں بھی ہر ملک والے کے لئے علیحدہ سمت قبلہ ہے کسی کا شرقی کسی کا غربی کسی کا جنوبی کسی کا شمالی تمہارے واسطے ہر جہت نیک بختی حاصل کرنے کا میدان ہے تم بھلائیوں کی طرف دوڑو اور یہ خیال نہ کرو کہ تم اس میدان میں ادھر ادھر ہو جاؤ گے اور تمہارا ایک دوسرے میں اتفاق نہ ہو گا اور کسی کو کسی سے فیض نہ ملے گا۔ نہیں بلکہ رب تم سب کو اپنی بارگاہ خاص میں جمع فرمائے گا وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تیسری تفسیر : اے مسلمانو تم دنیا کے مسلمانو کا تو قبلہ ایک کعبہ ہی ہے مگر ہر ملک والے کے لئے سمت قبلہ علیحدہ علیحدہ ہے جدھر وہ نماز وغیرہ میں رخ کرتا ہے ہر سمت والا نیکیوں میں جلدی کرے نہ معلوم موت کب آجاوے یا نیکیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرے۔

چوتھی تفسیر : اے لوگو تمہارے دل' دماغ' نفس' روح' خیال' اعمال کا الگ الگ قبلہ ہے۔ نفسانی قبلہ دنیا اور دنیا کی ٹیپ ٹاپ ہے۔ شیطانی قبلہ گناہ و بدکاری۔ قلبی قبلہ ایمان' دینداری۔ روحانی قبلہ اطاعت پروردگار ہے۔ لہٰذا تم دل و روح کے قبلہ پر رہو اور نیکیوں میں جلدی کرو۔

www.alahazratnetwork.org

پانچویں تفسیر : اے لوگو تمہاری ہر ساعت کا قبلہ علیحدہ چاہئے تمہارا اول آنا "فانا" پلٹ جاتا ہے صبح متقی دوپہر کو بدکار شام کو اور حال لہٰذا جب نیکی کا ارادہ ہو تو جلدی کر لو۔

چھٹی تفسیر : نیک بخت و بدبخت میں سے ہر ایک کا قبلہ الگ ہے۔ جس پر نور کا چھینٹا پڑ گیا ہے اس کا قبلہ سعادت ہے اور جو اس چھینٹے سے دور رہا اس کا قبلہ شقاوت و بدبختی ہے سعید اگر بت خانے میں بھی جائے گا تو وہاں بت پرستوں بلکہ بتوں کو کلمہ پڑھائے گا۔ بدبخت اگر مسجد میں بھی پہنچے گا تو جوتیاں چرائے گا ہر قسم کا آدمی ہر جگہ اپنے قبلہ پر رہتا ہے اس سے ہٹتا نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ ایک دوسرے پر دینیات میں آگے بڑھنے کی کوشش کرنا بہت بہتر ہے۔ دوسرا فائدہ۔ جیسے ہر ملک کی سمت قبلہ علیحدہ مگر کعبہ سب کا ایک لہٰذا ان سب کی نماز قبول اور یہ سب اللہ کے مقبول۔ ایسے ہی طریقت میں ہر جماعت کا طریقہ ذکر علیحدہ اور شریعت میں حنفی 'شافعی' مالکی 'حنبلی مذاہب کے اعمال کچھ مختلف لیکن قبلہ مقصود سب کا ایک یعنی حبیب رب ودود صلی اللہ علیہ وسلم لہٰذا یہ سب اللہ کے پیارے ہاں جو ان سے الگ ہو کر خواہشات نفس پر چل دیا وہ ضدی اہل کتاب کی طرح مردود خیال رہے کہ شریعت و طریقت کے چاروں سلسلوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح گھیر لیا ہے جیسے روئے زمین کی چار سمتوں نے کعبہ معظمہ کو یا جیسے چار شیشہ والی لالٹین کے شیشوں نے اندرونی شمع کو کہ کوئی ان سے علیحدہ رہ کر نہ کعبہ کو رخ کر سکتا ہے نہ شمع کا فیض پا سکتا ہے اسی طرح کوئی ان سلسلوں سے علیحدہ ہو کر فیضان نبوی حاصل نہیں کر سکتا آج منکرین تقلید بھی ہر مسئلہ میں کسی نہ کسی امام کا ہی نام لیتے ہیں ان کے پاس علیحدہ کوئی چیز بھی نہیں جو ان چاروں سلسلوں سے حقیقتاً الگ رہے وہ کعبہ ایمان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا۔ تیسرا فائدہ۔ ازل میں جو جس کے لئے لکھ دیا گیا اس کو ادھر ہی راغب کر دیا گیا۔ چوتھا فائدہ۔ انسان کو چاہئے کہ ہر کام میں رضاء الٰہی تلاش کرے۔ جیسا کہ **فاستبقوا الخیرٰت** سے معلوم ہوا پانچواں فائدہ۔ دنیاوی حرص بری چیز ہے مگر دینی حرص نہایت اعلیٰ عبادت ہے صحابہ کرام ہمیشہ نیکیوں میں ایک دوسرے پر بڑھ چڑھ کر رہنے کی کوشش کرتے تھے رب نے ہم کو بھی حکم دیا کہ **فاستبقوا الخیرٰت** نیکیوں میں دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو۔ دنیاوی چیزوں میں اپنے سے نیچے کو دیکھو تاکہ خدا کا شکر کرو دینی کاموں میں اپنے سے اعلیٰ کو دیکھو تاکہ اپنی عبادات پر فخر نہ ہو اور زیادہ عبادت کرنے کا شوق ہو۔ چھٹا فائدہ۔ قیامت میں تمام امتیں اور ان کے اولیاء وعلماء جمع ہوں گے۔ ان کے اعمال پیش ہوں گے لہٰذا امت محمدیہ کو چاہئے کہ ان سب امتوں سے زیادہ نیکیاں کریں تاکہ حضور انور خوش ہوں۔ اسی لئے رب نے فرمایا **اینما تکونوا**۔ الخ۔

پہلا اعتراض : عربی قاعدہ کے موافق وجہۃ کی واؤ گر جانی چاہئے۔ جیسے کہ زنۃ اور عدۃ سے گر گئی۔ یہاں واؤ کیوں باقی رہی۔ جواب اس لئے کہ واؤ یا تو فعل سے گرتی ہے یا فعل کی اتباع میں مصدر سے اور یہ نہ مصدر ہے نہ فعل بلکہ اسم تام ہے اور زنۃ وعدۃ مصدر (عزیزی) **دوسرا اعتراض** مذہب شافعی میں عشاء کے سوا ہر نماز اول وقت پڑھنا بہتر ہے مگر مذہب حنفی میں مغرب اور موسم سرما کی ظہر کے سوا ہر نماز دیر سے پڑھنا مستحب۔ اس آیت میں بھلائی کی طرف جلدی کرنے کا حکم ہے اور نماز بھی تو بھلائی ہے۔ چاہئے کہ اس میں بھی جلدی کی جائے۔ نیز حدیث شریف میں ہے کہ تین کاموں میں دیر نہ کی جائے

www.alahazratnetwork.org

نماز میں جب اس کا وقت آجائے۔ نماز میت میں جب جنازہ تیار ہو جائے اور بیوہ کے نکاح میں جب اس کا کفو مل جائے نیز نماز میں دیر لگانا کسل اور سستی ہے اور سستی خدا کو ناپسند نیز زندگی کا اعتبار نہیں ممکن ہے کہ نماز کے اخیر وقت تک عمر وفا نہ کرے۔ ان دلائل کے ہوتے ہوئے حنفی مذہب میں تاخیر نماز کیوں مستحب ہے۔ جواب وقت نماز آتے ہی اس کی تیاری کرنا فوری کاروبار چھوڑ دینا ضروری ہے اور سبقت خیرات کے یہ ہی معنی ہیں پھر نماز کے انتظار میں بیٹھنا زیادہ ثواب۔ جلدی نماز پڑھنے والے انتظار کے ثواب سے محروم ہیں۔ حنفی دو ثواب پاتے ہیں۔ اولاً "انتظار کا پھر نماز کا آپ کی پیش کردہ حدیث حنفیوں کے خلاف نہیں وقت مستحب سے نماز مؤخر کرنا واقعی منع ہے اور اس وقت مستحب تک تاخیر کرنا دیر میں داخل نہیں اگر کوئی شخص وقت کے اندر نماز بغیر پڑھے مرجائے تو گنہگار نہیں کیونکہ وہ نماز کا ارادہ کر رہا تھا آپ لوگ بھی نماز عشاء دیر سے ہی پڑھنے کا حکم دیتے ہیں نیز ہر نماز کی تاخیر کا احادیث میں حکم ہے۔ صحیح حدیث میں ہے کہ فجر اجالا کر کے پڑھو اس میں ثواب زیادہ ہے دوسری حدیث میں ہے کہ ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو کیونکہ دوپہری کی گرمی جہنم کی بھڑک ہے۔ تیسری روایت میں ہے کہ اگر امت پر مشقت کا اندیشہ نہ ہوتا تو ہم انہیں حکم دیتے کہ عشاء میں تہائی رات تک دیر لگائیں۔ دیکھو مشکوۃ باب تعجیل الصلوۃ اور طحاوی شریف وغیرہ جن روایتوں میں اول وقت نماز پڑھنے کا حکم ہے وہاں وقت مستحب کا اول مراد ہے نہ کہ پورے وقت کا۔

تفسیر صوفیانہ : دینی اور دنیاوی لحاظ سے ہر جماعت کی سمت اور قبلہ علیحدہ ہے دینی لحاظ سے تو اس طرح کہ ملائکہ مقربین کا قبلہ عرش اعظم اور روحانین کا قبلہ کرسی کروبین کا قبلہ بیت المعمور قبلہ دعا آسمان قبلہ انبیاء بنی اسرائیل بیت المقدس اور آدم و نوح و ابراہیم علیہم السلام اور اسی طرح نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا قبلہ کعبہ اور قبلہ ارواح سدرۃ المنتہی ہے (کبیرو عزیزی وغیرہما) دنیا میں اس طرح کہ کوئی تو کھیتی کرتا ہے کوئی کپڑا بنتا ہے کوئی روٹی پکاتا ہے غرضیکہ مختلف قوم کے مختلف پیشے ہیں۔ شریعت میں اس طرح کہ کوئی قرآن حفظ کر رہا ہے کوئی حدیث کا جامع کوئی فقہ کی طلب میں ہے اور کوئی اصول فقہ کی جستجو میں۔ راہوں میں اس طرح کہ کوئی بت کا عاشق ہے کوئی قصہ کوئی پر فریفتہ کوئی بت خانہ جا رہا ہے کوئی مسجد کی طرف دوڑ رہا ہے۔ یہ لوگ بظاہر مختار اور حقیقت میں حکم پروردگار کے تابعدار ہیں (روح المعانی) دنیوی کاروبار اور دینی مشاغل میں کامیاب وہ ہے جو ہر جگہ رہ کر رب کو تلاش کرے ہو مولیھا میں ظاہری اختیار کا اظہار ہے اور یات بکم اللہ جمیعا میں قدرت ربانی کا ظہور اور فاستبقوا الخیرات میں ہر جگہ اسی کا شہود۔ یایوں سمجھو کہ ہر عضو اپنے محبوب کا طالب ہے آنکھ جمال کی جویاں ناک خوشبو کی تلاش میں جسم راحت کی جستجو میں تو چاہئے کہ روح رب کی جستجو میں رہے۔ اس جگہ روح المعانی نے فرمایا کہ ہر ایک کا قبلہ علیحدہ ہے ملائکہ کا قبلہ عرش انبیاء کا بیت المقدس حضور کا قبلہ، جسم کعبہ معظمہ اور آپ کا کعبہ، روح رب تعالیٰ اور خود رب کا قبلہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی رب تعالیٰ کی نظر کرم ہر وقت اپنے نبی پاک پر ہے اور مثنوی میں تو اس کا فیصلہ ہی فرمادیا کہ فرماتے ہیں۔

قبلہ شاہاں بود تاج و کمر — قبلہ ارباب دنیا سیم و زر
قبلہ صورت پرستاں آب و گل — قبلہ معنی شناساں جان و دل
قبلہ زہاد محراب قبول — قبلہ بد سرتاں کار فضول

www.alahazratnetwork.org

قبلہ تن پر وراں خواب و خورش   قبلہ انساں بدانش پرورش
قبلہ عاشق وصال بے زوال   قبلہ عارف جمال ذوالجلال

رب تعالیٰ ہمیں صورت سے سیرت کی طرف ظاہر سے باطن کی جانب اور لفظ سے معانی کی جانب منتقل ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ

اور جس جگہ سے نکلو تم بس پھیرو منہ اپنا طرف مسجد حرام کے   اور تحقیق وہ البتہ

اور جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو   اور وہ ضرور تمہارے

لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ۝

حق ہے طرف رب آپ کے۔ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو کرتے ہو تم

رب کی طرف سے حق ہے۔ اور اللہ تمہارے کاموں سے غافل نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پہلے معلوم ہوا تھا کہ ہر ملک والے کی سمت علیحدہ ہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ سمت خواہ کوئی ہو مگر منہ کعبہ ہی کو ہونا چاہئے۔ اختلاف سمت صرف اس لئے ہے کہ کعبہ کا رخ مختلف ہے۔ یعنی اہل کتاب سمت کے پابند مگر تم سمت سے آزاد اور کعبہ معظمہ کے پابند۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں تبدیلی قبلہ کا واقعہ بیان ہوا۔ اب اس حکم کی تعمیم فرمائی جارہی ہے کہ یہ حکم صرف آج یا اس مسجد کے لئے خاص نہیں بلکہ جہاں جاؤ وہاں سے کعبہ ہی کو رخ کرو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ آپ کی رضا کے لئے یہ تبدیلی ہوئی۔ اس پر سوال پڑ سکتا تھا کہ کعبہ کا قبلہ ہونا بھی حضور کی ذاتی خواہش پر ہے تو اہل کتاب کے قبلہ اور اس قبلہ میں کیا فرق ہوا اس آیت میں جواب دیا جارہا ہے کہ **وانہ للحق** یہ قبلہ حق اور مرضی الٰہی کے مطابق ہے۔ حضور علیہ السلام کے دل میں ہم نے ہی تو یہ خواہش پیدا کی اور پھر ہم نے ہی تبدیلی کی۔ لہٰذا یہ واقعہ ان کی خواہش اور ہماری رضا سے ہوا۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیت میں خاص اس مسجد نبی سلم سے کعبہ کو منہ کرنے کا حکم ہوا اب ہر جگہ سے ادھر رخ کرنے کا فرمان ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم کہیں رہو کہیں مرو کہیں دفن ہو اللہ تم سب کو قیامت میں ایک ہی جگہ جمع فرمادے گا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ قیامت کا کچھ نقشہ بعض اسلامی احکام میں بھی دکھایا گیا ہے کہ ہر جگہ سے ہر قسم کے لوگ ہمیشہ نماز کے وقت ایک ہی کعبہ کو منہ کرکے ایک ہی زبان میں ایک رب کی ایک سی عبادت کریں جیسے آج کعبہ جامع الناس ہے ایسی ہی کل میدان قیامت جامع الناس ہو گا۔

تفسیر : **ومن حیث خرجت فول وجھک** یا تو علیحدہ جملہ ہے اور من زائدہ اور لفظ حیث خرجت کا ظرف مگر چونکہ اس

www.alahazratnetwork.org

میں شرط کی بو ہے اس لئے فولوا میں ف آئی یعنی اس مسجد سے نکل کر آپ جہاں کہیں بھی جائیں اور وہاں نماز پڑھیں تو رخ کعبہ کو کریں یا من ابتدائیہ ہے یعنی جہاں سے نکل کر کہیں جاؤ منہ کعبہ کو کرو یا یہ جملہ فاستبقوا پر معطوف ہے۔ اس صورت میں من ابتدائیہ ہے اور حیث خرجت کا ظرف اور ترکیب میں فول کے متعلق اور ف صلہ کی یعنی جہاں کہیں جائیں وہاں سے رخ کعبہ کو کریں یا یہ کہ ہر وہ جگہ جہاں آپ چل کر پہنچیں اور نماز پڑھیں تو وہاں سے اپنا منہ کعبہ کو ہی کرلیں (روح المعانی) خیال رہے کہ نماز میں قبلہ رخ ہونا فرض ہے اس کے سوا تلاوت قرآن و قربانی وغیرہ میں استحبابی اور ظاہر یہ ہے کہ یہاں نمازی کی حالت مراد ہے اور یہ امر وجوبی اور ہو سکتا ہے کہ ساری عبادتیں مراد ہوں اور یہ امر ارشادی ہو۔ اگرچہ نماز میں سینہ بھی کعبہ کو ہوتا ہے مگر چونکہ چہرہ اصل ہے کہ اسی سے انسان سامنے اور پیچھے ہوتا ہے اس لئے صرف چہرے کا ذکر ہوا اور ممکن ہے کہ وجہ سے مراد ذات ہو جیسے فثم وجہ اللہ اس صورت میں کسی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ اگرچہ سجدہ اور رکوع میں کعبہ کو منہ نہیں رہتا مگر سینہ ادھر ہی کی رہتی ہے شطر المسجد الحرام یہاں الی پوشیدہ ہے اور مسجد حرام سے یا تو کعبہ معظمہ مراد ہے یا حرم شریف یا پورا مکہ معظمہ کیونکہ وہ سب حرم ہے اور اسی میں بیت اللہ واقع یعنی یہاں سے باہر جا کر اپنا رخ اس مسجد کی طرف نہ کرنا جہاں تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا بلکہ ادھر کرنا جس میں کعبہ ہے۔ شطر فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ دور سے بالکل کعبہ کا مقابل ہونا ضروری نہیں صرف سمت کعبہ کا پالینا کافی ہے اور یہ نہ سمجھنا کہ یہ سب کچھ صرف آپ کی رائے سے ہے ٗنہیں بلکہ وانہ للحق یہ کعبہ یا تبدیلی قبلہ یا ہر جگہ سے ادھر رخ کرنا عین حق اور حکمت کے موافق ہے یہ عبارت حصر کا فائدہ دے رہی ہے یعنی یہ ہی قبلہ حق ہے باقی سب باطل اور ہو سکتا ہے کہ للحق میں الف لام عہدی ہو یعنی یہ وہی حق ہے جس کا ذکر توریت و انجیل میں ہوا۔ یا حق زائل کا مقابل ہے یعنی اب تک جس قبلہ کی طرف تمہیں رکھا گیا وہ قابل نسخ تھا مگر یہ قبلہ حق یعنی ابد الآباد تک باقی ہے کبھی زائل یا منسوخ نہ ہوگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک میں کعبہ کا شوق پیدا ہونا نفسانی خواہش یا شیطانی وسوسہ نہیں بلکہ من ربک آپ کے رب کی طرف سے ہے کہ اس کی مرضی ہی یہ تھی کہ آپ کعبہ کو چاہیں اور پھر وہ قبلہ بنے تاکہ نمازی کا سر کعبہ اور آپ کی رضا کی طرف جھکے اور کعبہ کی عظمت کے ساتھ تمہاری محبوبیت کا سارے عالم میں ڈنکہ بج جائے اور اے مسلمانو یا اے لوگو یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے پچھلے یا موجودہ اور آئندہ عمل بیکار جائیں گے یا بیت المقدس کی طرف نمازیں فائدہ مند نہ ہوں گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ وما اللہ بغافل عما تعملون اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور باطنی اعمال سے بے خبر نہیں وہ جانتا ہے کہ تم پہلے بھی اس کے مطیع تھے اور اب بھی۔ تمہیں تو اطاعت کا ثواب ملے گا اور وہ ہر وقت موجود ہے یہ تبدیلی ہماری طرف سے ہے نہ کہ تمہاری لہٰذا تمہارے ثواب میں کیوں فرق آئے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو یہ حکم قبلہ اس جگہ کے لئے ہی نہیں اور تم کسی سمت کے پابند بھی نہیں۔ جہاں جا کر نماز پڑھو وہاں سے اپنا رخ کعبہ معظمہ کی طرف ہی کرو اور یہ نہ سمجھنا کہ کعبہ بھی یہود و نصاریٰ کے قبلہ کی طرح نفسانی خواہش کا نتیجہ ہے نہیں یہ تو بالکل حق ہے اور تمہارے رب کی طرف سے ہے جس کا ذکر گذشتہ کتابوں میں بھی ہے اور حضور علیہ السلام کے دل میں یہ خواہش پیدا ہونا بھی رب کی طرف سے تھا اور یہ بھی نہ سمجھنا کہ رب تعالیٰ تمہیں نیکیوں کی جزا اور مذاق اڑانے والوں کو سزا نہ دے گا یا تمہاری ان نمازوں کا ثواب کم عطا فرمائے گا جو بیت المقدس کی طرف ہوئیں۔ یہ نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ تمہارے

www.alahazratnetwork.org

ظاہری و باطنی اعمال سے بے خبر نہیں تم نے ہمیشہ اس کی اطاعت کی چونکہ تمہاری اطاعت ہروقت یکساں رہی لہٰذا ثواب بھی یکساں ہوگا۔ خیال رہے کہ پچھلے دین بالکلیہ قابل نسخ تھے اس لئے منسوخ ہوتے رہے دین اسلام بالکل ناقابل نسخ ہے مگر اسلامی احکام بعض شخصی تھے بعض ملکی اور بعض عالمگیری نیز بعض ہنگامی حالات کے احکام تھے اور بعض دائمی ہنگامی حالات کے احکام قابل نسخ تھے اور دائمی احکام ناقابل نسخ بعض قرآنی آیات اور بہت سی احادیث ہنگامی حالات بیان کر رہی ہیں جو منسوخ ہو چکیں مگر قرآن مجید میں اور کتب احادیث میں موجود ہیں رب فرماتا ہے زانیہ سے زانی یا مشرک نکاح کرے مومنوں پر حرام ہے اور فرماتا ہے بیوہ عورت ایک سال تک عدت کرے متاعا" الی الحول غیر اخراج "حضور فرماتے ہیں جس نے کلمہ پڑھ لیا جنتی ہو گیا حضور نے فرمایا جس گھر یا قوم میں کھیتی باڑی کے آلات ہوں گے وہ ذلیل ہو جاوے گی یا پختہ مکان بنانے سے پختہ قبریں بنانے سے منع کیا یہ سب موقع و محل کے لحاظ سے احکام تھے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اہل کتاب کی سمت مقرر ہے عیسائیوں کی مشرق یہود کی مغرب مشرکین کی نہ سمت مقرر اور نہ ان کا کوئی قبلہ مگر مسلمانوں کی سمت تو مقرر نہیں قبلہ معین حاجی جہاز میں مختلف سمتوں پر نماز پڑھتے ہیں جیسا کہ جہاز کا رخ بدلتا ہے ویسے ہی ان کا۔ جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان حکم الہی کے پابند ہیں نہ کہ مخلوق کے۔ اسی لئے اسلامی مہینوں کے نہ تو دن مقرر ہیں نہ موسم۔ ماہ رمضان کبھی 29 کا کبھی 30 اور کبھی سردی میں کبھی گرمی میں۔ دوسرا فائدہ۔ انبیاء کرام کی خواہشات رب کی رضا سے ہیں دوسرے میں یہ وصف نہیں دیکھو بظاہر تبدیلی قبلہ حضور کی مرضی سے ہوئی مگر حق تعالیٰ نے فرمایا من ربک یہ سب کچھ آپ کے رب کی طرف سے ہوا بلکہ حق تو یہ ہے کہ ان حضرات کی خطائیں بھی اگرچہ بظاہر امر الٰہی کے خلاف ہوں مگر رضاء الٰہی کے خلاف نہیں اسی لئے ان کی خطا پر ہزاروں رحمتیں نازل ہوتی ہیں دیکھو آدم علیہ السلام کا گندم کھانا بظاہر حکم **ولا تقربا هذه الشجرة** کے خلاف تھا اور خطا مگر اس خطا پر ہی عالم انسانی کی بنیاد قائم ہوئی اور رب کا منشاء ہی یہ تھا اس نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ **انی جاعل فی الارض خلیفة** انہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا اسی لئے جو کچھ انہیں خطا پر عتاب ہوتا ہے وہ بظاہر قہر در حقیقت مہر یعنی محبت ہے لطف تو دیکھو کہ حضور علیہ السلام نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا جس پر عتاب آیا مگر ساتھ میں یہ بھی حکم آیا کہ جو کفار سے مال لے لیا ہے وہ کھاؤ اور آئندہ بھی فدیہ لے کر چھوڑ دیا کرنا رب جانے یہ کیا راز ہے کہ جس کام پر عتاب ہے وہی قانون بنا دیا گیا۔ وہاں گندم کھانے پہ عتاب تھا مگر پھر سارے جہان کو ہزار طریقوں سے گندم ہی کھلایا گیا۔ تیسرا فائدہ۔ سواری کے نفل میں بھی نماز کی نیت باندھتے وقت منہ کعبہ کو رکھنا چاہئے بعد میں خواہ کدھر ہو جائے کیونکہ **فول وجهک** ہر حالت کے لئے ہے اسی طرح لیٹ کر نماز پڑھنے میں بھی چہرہ ضرور کعبہ کو ہو۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں خرجت اور فول واحد حاضر کے صیغے ہیں اور **تعملون** صیغہ جمع اس فرق کی کیا وجہ۔ جواب۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم ہر مسلمان کو ہے اور چونکہ مسلمان بڑی جماعت ہیں لہٰذا اول میں ہر شخص کے لحاظ سے صیغہ واحد فرمایا گیا اور آخر میں جماعت کے لحاظ سے جمع اور ہو سکتا ہے کہ اولا" حضور علیہ السلام سے خطاب ہو اور آخر میں عام لوگوں سے جیسے کہ **یا ایها النبی اذا طلقتم النساء** دوسرا اعتراض۔ حکم فول میں کچھ تفصیل نہیں تو چاہئے کہ ہر نماز میں ہر وقت

www.alahazratnetwork.org

منہ کعبہ کو رہے مسافر کی نفل میں اس کی معافی کیوں ہو گئی- جواب- ہر حکم ہیشگی اور تکرار نہیں چاہتا- اس آیت سے صرف منہ کرنے کا حکم ہوا- کب تک منہ رہے اس سے سکوت ہے- حدیث نے اس کی تفصیل کی کہ شہر میں تو پورے قیام اور قعود میں ادھر منہ ہو اور سواری کے نفل میں صرف تکبیر تحریمہ کے وقت وہ حدیث اس آیت کی ناسخ نہیں بلکہ تفسیر ہے-

تفسیر صوفیانہ : مومن کا دل مسجد حرام ہے اور اس کے حواس اور دنیوی کاروبار مختلف راستے چونکہ قلب تجلی گاہ الٰہی ہے اور وہاں شیطان کی گذر حرام- اس لئے اسے مسجد حرام قرار دیا گیا تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ظاہری حواس اور دنیوی کاروبار کے راستے سے جہاں کہیں آپ آئیں اپنی توجہ قلب کی طرف ہی رکھئے جو کہ حق کی تجلی گاہ اور تمام اعضاء کا سجدہ گاہ ہے ہر حال میں وہاں رب کا مشاہدہ فرمایئے تاکہ تمہارے سارے کام اللہ سے ہوں نہ کہ نفس سے اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تمہاری ہر بات حق اور تمہارا ہر کام جانب رب سے ہو گا- اپنے حرکات اور کلمات کے مظہر تم ہو گے اور فاعل تمہارا خالق- مولنا فرماتے ہیں- ؎

گرچہ قرآں از لب پیغمبر است ہرچہ گوید نیست از حق کافر است

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَحَيْثُ مَا

اور جہاں کہیں سے نکلیں آپ پس پھیریئے منہ اپنے طرف مسجد حرام کے اور جہاں کہیں

اور اے محبوب جہاں سے آؤ اپنا منہ مسجد حرام کی طرف کرو اور اے مسلمانو تم

كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا

ہو تم پس پھیرو چہروں اپنے کو طرف اس کے تاکہ نہ ہو واسطے لوگوں کے اوپر تمہارے حجت

جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف کرو کہ لوگوں کو تم پر کوئی حجت نہ رہے

الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ

مگر وہ جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے بس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو تم مجھ سے

مگر جو ان میں ناانصافی کریں تو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور یہ اس لئے

وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ۝

اور تاکہ پوری کروں میں نعمت اپنی اوپر تمہارے اور تاکہ تم ہدایت پاؤ-

ہے کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کروں اور کسی طرح تم ہدایت پاؤ-

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے- پہلا تعلق- پچھلی آیتوں میں تبدیلی قبلہ کی چند حکمتیں بیان کی گئی تھیں- حضور علیہ السلام کا پسند فرمانا گزشتہ کتابوں میں نبی آخر الزمان کی یہ علامت ہونا- علماء اہل کتاب کا اس کو حق جاننا- اب اس کی دو حکمتیں اور بتائی جاری ہیں- کفار کا اعتراض اٹھانا اور نعمت کا پورا فرمانا- دوسرا تعلق- پہلے حکم قبلہ کو مکان کے

www.alahazratnetwork.org

لحاظ سے عام فرمایا گیا۔ اب زمانہ کے لحاظ سے عام فرمایا جارہا ہے (کبیر و روح المعانی) یعنی ہمیشہ جہاں بھی نماز پڑھو منہ کعبہ کو کرلیا کرو۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضری حالتوں کو عام کیا گیا یعنی اس مسجد سے نکل کر مدینہ کے جس گلی کوچہ اور گھر میں جاکر نماز پڑھو منہ کعبہ کو کرلو۔ اب مقامات سفری تعمیم کی جارہی ہے یعنی مدینہ سے نکل کر عالم کے جس خطہ میں جاکر نماز پڑھو رخ کعبہ ہی کو کرنا (کبیر) **چوتھا تعلق**۔ گزشتہ آیتوں میں وہم ہو سکتا تھا کہ حکم قبلہ صرف وطن کے لئے ہو سفر میں جیسے کہ بجائے چار فرضوں کے دو پڑھے جاتے ہیں یا روزہ رمضان رکھنے اور نہ رکھنے کا اختیار ہوتا ہے قبلہ میں بھی ایسی ہی آسانی کردی گئی ہو کہ یا تو مسافر بیت المقدس کو رخ کرے یا اسے ہر طرف کا اختیار ہو۔ اب یہ وہم دفع فرمایا جارہا ہے کہ نہیں حکم قبلہ سفر و وطن میں نماز فرض کے لئے یکساں ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر: **ومن حیث خرجت فول وجھک** گزشتہ آیت کی طرح اس کی بھی تین ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ من زائدہ ہو اور حیث خرجت کا ظرف یعنی مدینہ پاک سے نکل کر جہاں بھی جاؤ۔ دوسرے یہ کہ من ابتدائیہ ہو۔ اور خروج کے معنی ہوں نکل کر آنا یعنی تم جہاں کہیں سے آؤ۔ تیسرے یہ کہ من ابتدائیہ ہو اور **حیث خرجت** کا ظرف معنوی اور من حیث کا تعلق ول سے ہو اور ف صلہ کی اور اصل عبارت یہ ہو **فول وجھک من حیث خرجت** یعنی وہاں سے ہی اپنا منہ پھیرو جہاں کہیں پہنچو (روح المعانی) کدھر **شطر المسجد الحرام** کعبہ شریف یا مسجد حرم یا مکہ معظمہ کی طرف۔ یہاں الی محذوف ہے۔ اصل میں الی شطر تھا۔ پھر اے مسلمانو یہ نہ سمجھنا کہ یہ حکم فقط نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے نہیں بلکہ **وحیث ما کنتم** تم بھی عالم میں جہاں کہیں ہو سفر میں یا حضر میں عرب میں یا عجم میں دریا میں یا خشکی میں اور نماز فرض پڑھنے لگو تو **فولوا وجوھکم شطرہ** اپنا منہ اس کعبہ ہی کی طرف پھیرنا یہ حکم قیامت تک کے لئے دے دیا گیا۔ اب اور آئندہ اسی پر عمل ہو گا کیونکہ **لئلا یکون للناس علیکم حجۃ** لوگوں کا تم پر کوئی اعتراض و حجت نہ رہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں **الناس** سے اہل کتاب مراد ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ سارے کفار اس میں داخل کیونکہ مشرکین تو کہتے تھے کہ مسلمان ابراہیمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور قبلہ ابراہیمی کی مخالفت۔ اہل کتاب کہتے تھے کہ یہ عجیب لوگ ہیں کہ ہر بات میں ہمارے مخالف اور قبلہ میں ہمارے تابعدار۔ اب ان دونوں کے منہ بند ہو جائیں گے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کہتے تھے کہ اگلی کتابوں میں نبی آخر الزمان کی صفت امام القبلتین ہوتا ہے اگر یہ وہ ہی ہیں تو ان کا قبلہ کیوں نہیں بدلتا۔ اس تبدیلی سے ان کا یہ اعتراض اٹھ گیا۔ پہلی تفسیر میں حجت سے مراد محض مجادلہ اور اعتراضات فاسدہ ہیں اور دوسری تفسیر میں حجت سے قوی دلیل مراد۔ کیونکہ اہل کتاب کا یہ قول صحیح تھا۔ کچھ بھی ہو سمجھداروں اور منصفوں کا تو اب منہ بند ہو گیا۔ **الا الذین ظلموا منھم** مگر ان میں سے ناانصاف اور جھگڑالو لوگ اب بھی کج بحثی اور زبان درازی کئے ہی جائیں گے۔ کہ اہل کتاب تو کہیں گے کہ اسلام عجیب دین ہے کہ اس کا کوئی قبلہ ہی مقرر نہیں یا یہ کہ مسلمانوں نے محض اپنی قوم اور ملک کی محبت میں قبلہ انبیاء یعنی بیت المقدس چھوڑ کر کعبہ معظمہ اختیار کرلیا۔ مشرکین عرب کہیں گے کہ مسلمان آہستہ آہستہ ہمارے قریب آرہے ہیں آج تو انہوں نے اپنا قبلہ بدلا آئندہ اپنا دین بدل کر ہم میں مل جائیں گے۔ چونکہ اس قسم کے خیالات انہیں اسلام سے روکتے اور کفر پر جماتے تھے اور کفر و شرک تو بڑا ظلم ہے۔ اس لئے انہیں یہاں ظالم فرمایا نیز للناس کے بعد الا کے ساتھ ان کا ذکر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ یہ ظالم حقیقتہ "انسان ہی نہیں بلکہ انسانیت

www.alahazratnetwork.org

سے خارج ہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو! **فلا تخشوھم** ان سے بالکل خوف نہ کرو یہ تو ہمیشہ ایسے ہی اعتراضات کرتے رہیں گے۔
اس سے اسلام کی ترقی نہ رکی ہے نہ رکے گی **واخشونی** مجھ سے ڈرو اور ہمارے کسی حکم کی مخالفت نہ کرو اور ہمارے نبی کی
اطاعت میں اگر سارا جہان تمہارا دشمن بنے تو بن جانے دو **ولاتم نعمتی علیکم** بظاہر یہ **لئلا یکون** پر عطف ہے اور **فولوا** کا
متعلق یعنی کعبہ کو منہ کرو تاکہ تم پر اعتراض نہ رہے اور تم پر نعمت الٰہی پوری ہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ پوشیدہ فعل کا متعلق ہو۔ یعنی
ہم نے اس لئے تبدیلی قبلہ کی تاکہ تمہیں دین و دنیا کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ دنیوی نعمت تو مخالفین کا اعتراض اٹھانا اور اخروی
نعمت رحمت کا مکمل کرنا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ نعمت پورا کرنے سے مراد کعبہ کو پھیرنا ہے کہ بیت المقدس نعمت ہے کیونکہ
بارکنا حولہ والی زمین میں واقع ہے۔ انبیاء کرام کی آرام گاہ حضرت سلیمان کی تعمیر حضور کی معراج آسمانی کا منبر۔ تمام انبیاء کے
حضور کے پیچھے نماز پڑھنے کی جگہ اور قیامت کا مقام ہے کہ یہاں ہی قیامت کا حساب و کتاب ہوگا۔ کعبہ معظمہ تمام نعمت۔
کیونکہ یہ زمین کا مبدا آدم علیہ السلام کے جسم پاک کے خشک ہونے کی جگہ ملائکہ اور سارے پیغمبروں کا حج کا مقام آباد دنیا کا
درمیانی حصہ 'ارواح سے میثاق لینے کی جگہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ خیال رہے کہ کسی کو اس کے کام کا معاوضہ
مقررہ دینا اجرت ہے اور بغیر معاوضہ کچھ دینا نعمت یا انعام ہے رب تعالیٰ کے تمام عطیے دنیاوی ہوں یا اخروی ہماری اجرتیں
نہیں بلکہ انعامات ہیں پھر سائل کو اس کی شان یا اس کی کارکردگی کے لائق دینا نعمت ہے اور دینے والے کا اپنی شان کے لائق بخشنا
اتمام نعمت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کعبہ معظمہ کو تمہارا قبلہ بنانا تم پر نعمت کا اتمام ہے جو رب نے اپنی شان کے لائق تم کو بخشی
کعبہ معظمہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے خود عظمت والا تھا۔ خلیل اللہ کے بعد مقام ابراہیم 'صفا و مروہ کی عظمت منیٰ کی قربانی
عرفات کے اہتمام کی وجہ سے اس کا احترام اور بڑھ گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی برکت نے اس کی عظمت کو
اور چار چاند لگ گئے اس لئے اب اس کا قبلہ بننا اتمام نعمت ہو گیا لہٰذا جن گزشتہ نبیوں کا قبلہ کعبہ تھا ان کے لئے یہ نعمت تھا اور
مسلمانوں کے لئے کامل نعمت۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہیں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھوا دینا اتمام نعمت ہے کہ سب کے لئے
ایک ایک قبلہ اور تمہارے لئے دو قبلے ہوئے اور بعض نے فرمایا کہ تمام نعمت دخول جنت ہے (روح المعانی) یعنی اس کعبہ کے
ذریعہ نعمت وہیں پوری ہوگی۔ خیال رہے کہ نعمت دو قسم کی ہے ایک وہبی جیسے تندرستی 'اعضاء کی سلامتی' دوسری کسبی
جیسے ایمان اور نیک اعمال اور گناہوں سے بچنا۔ کعبہ معظمہ دونوں نعمتیں حاصل کرنے کا وسیلہ ہے۔ **ولعلکم تھتدون** اور اس
میں یہ بھی حکمت ہے کہ تم ہمارے اصل منشاء اور دین حنیفی اور احکام شرعیہ کی طرف ہدایت پاؤ کیونکہ ہمارا قدیمی ارادہ یہ ہی تھا
کہ آخر کار تم کو ادھر پھیریں اور تمہارے حج اور نماز کی ایک ہی جگہ ہو تمہارے ذریعہ دعاء ابراہیمی کا ظہور ہو اور بیت اللہ میں
تمہیں صدہا رحمتیں اور ہدایتیں ملیں۔ خیال رہے کہ مسلمانوں کو ہدایت ایمان 'ہدایت تقویٰ ہدایت عرفان تو پہلے ہی مل
چکی تھیں مگر ہدایت رضاء رحمٰن اب تبدیلی قبلہ سے ملی کہ پہلے رب تعالیٰ بیت المقدس کے قبلہ ہونے سے راضی تھا اور اب
کعبہ کی طرف منہ کرنے سے راضی ہوگا ادھر منہ کرنے سے ناراض ہدایت بہت سی قسم کی ہے جن میں سے ایک ہدایت یہاں
مراد ہے لہٰذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا صحابہ اب تک گمراہ تھے نعوذ باللہ۔

خلاصہ تفسیر: چونکہ تبدیلی قبلہ نہایت شاندار کام تھا اور اس کے متعلق صدہا احکام اور مخالفین کا اس پر زیادہ شور اس لئے

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ نے مختلف آیتوں میں اس کے خاص خاص احکام مختلف پہلوؤں سے اور مختلف حکمتیں بیان فرمائیں۔ پہلے تو تبدیلی فرماتے وقت فرمایا کہ ابھی ادھر منہ کرلو پھر فرمایا کہ اس کے علاوہ بھی نمازوں میں ادھر ہی منہ کیا کرنا پھر فرمایا کہ اس مسجد کی خصوصیت نہیں کوچہ اور بازار مکان و میدان سے ادھر ہی منہ کرنا اب فرمایا جارہا ہے کہ وطن کی بھی قید نہیں اے نبی سفر و حضر ہر جگہ سے آپ بھی کعبہ ہی کو رخ کیا کریں اور اے مسلمانوں تم بھی بحر و بر خشک و تر، عرب و عجم غار و پہاڑ میں جہاں بھی ہو ہمیشہ کعبہ ہی کی طرف نماز پڑھنا یہ ہمیشہ کے لئے قطعی فیصلہ کر دیا گیا۔ کیونکہ اس میں تمہارے دینی اور دنیوی بے شمار فائدے ہیں کہ اب تم پر کسی کافر کا کوئی اعتراض نہ رہے کاہاں متعصب جاہل اس پر بھی بکواس کریں تو کرنے دو۔ ان سے کچھ خوف نہ کرو۔ ہمیشہ ہمارا خوف رکھو اور ہمارے حکم کر گردن جھکاؤ نیز اس کعبہ کے ذریعہ ہم نے تم پر اپنی نعمت کامل کردی تمہارا دین کامل، تمہارا پیغمبر کامل، چاہئے تھا کہ تمہارا قبلہ بھی کامل ہو نیز ہمارا منشاء یہ ہے کہ تم ہدایت پاؤ اور یہ کعبہ ہی تمہاری ہدایت گاہ ہے کہ یہیں سے چشمہ ہدایت یعنی نبی آخر الزمان ظاہر ہوئے اور یہاں ہی دین ابراہیمی کے ارکان حج اور قربانی وغیرہ قائم ہوں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر جگہ قبلہ رخ نماز پڑھنا فرض ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **ومن حیث خرجت** من سے معلوم ہوا کہ شروع سفر سے ہی یہ حکم ہے۔ جس سے راستہ اور منزل سب کا حال معلوم ہو گیا۔

مسئلہ : چار صورتوں میں غیر قبلہ کی طرف نماز ہو جاتی ہے۔ نمازی جنگل یا اندھیرے میں ہو اور سمت قبلہ کا پتہ نہ لگے اس صورت میں جدھر دل گواہی دے ادھر ہی پڑھ لے۔ مسافر سواری پر نفل پڑھے تو نیت کے وقت کعبہ کو رخ کرے پھر جدھر بھی رخ ہو جائے نماز پڑھتا رہے۔ سخت جنگ کی حالت میں جب کعبہ کی طرف نماز پڑھنے کا موقعہ نہ ملے۔ لشکر کے بھاگتے وقت کہ جب خدانخواستہ اسلامی لشکر شکست کھا کر بھاگے اور وقت نماز آجائے اس کی بحث ہم کچھ کر بھی چکے ہیں اور آئندہ بھی کریں گے۔ دوسرا فائدہ بزرگوں کے قدم سے زمین کی عظمت اور زمین کی عظمت سے عبادات کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ دیکھو خلیل اللہ و حبیب اللہ علیہم السلام کی بدولت کعبہ معظمہ کو کامل نعمت فرمایا گیا۔ مدینہ منورہ کی نماز پچاس ہزار کے برابر ہے اسی طرح مقابر اولیاء اللہ کے پاس نماز کا ثواب بڑھے گا۔ تیسرا فائدہ کوئی مخلص خلقت کی زبان سے نجات نہیں پاسکتا دیکھو رب نے خبر دے دی کہ ظالمین کے اعتراض سے تمہیں اب بھی امن نہ ملے گی لہٰذا چاہئے کہ مخلوق کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خالق کی اطاعت کرے۔ چوتھا فائدہ تقیہ حرام ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ قبلہ کے معاملہ میں تم لوگوں سے نہ ڈرو اور ان کے خوف سے اپنا رخ نہ بدلو بلکہ ہماری اطاعت اور ان کی مخالفت کئے جاؤ۔ تقیہ کی پوری بحث انشاء اللہ **الا ان تتقوا منهم تقتة** کی تفسیر میں ہو گی۔ پانچواں فائدہ دین میں کج بحثی اور ضد کرنے والا ظالم ہے دیکھو یہاں ضدی لوگوں کو ظالم فرمایا گیا کیونکہ اکثر ضد کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ چھٹا فائدہ محترم چیزوں کی بھی بزرگوں کی نسبت سے عزت بڑھ جاتی ہے دیکھو خانہ کعبہ بذات خود اعلیٰ درجہ کا ہے پھر حضرت ابراہیم کے تعلق اور حضور کی ولادت پاک کی برکت سے کامل نعمت بن گیا رب نے اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا **فيه ايت بينت مقام ابراهيم** اور فرمایا **لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد** اور فرمایا **ان الصفا والمروة من شعائر الله** یہ تمام آیات ان عظمتوں کی طرف اشارہ کر رہی ہیں۔ لہٰذا حضرت مریم سے حضرت فاطمہ زہرا افضل ہیں کہ مریم کو حضرت مسیح کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہے مگر فاطمہ

www.alahazratnetwork.org

نبی کی لاڈلی' بانو ولی کی' ماں شہیدوں کی
یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

حضرت مریم ایمان کا بیت المقدس ہیں اور بی بی فاطمہ ایمان کا کعبہ وہ نعمت ہیں مگر آپ کامل نعمت۔ ساتواں فائدہ۔ اگر محترم چیز میں برائیاں داخل ہو گئی ہوں تو اس سے اس محترم کی عزت میں فرق نہ آوے گا۔ دیکھو جب کعبہ قبلہ بنا تو وہاں اندر باہر صدہا بت تھے مگر اس کے باوجود رب تعالیٰ نے اسے اتمام نعمت فرمایا لہٰذا اگر بزرگوں کے مزارات پر لوگ بیہودگیاں شروع کر دیں تو ان سے ان مقامات کی حرمت کم نہ ہوگی نہ وہاں حاضری دینا حرام ہو جاوے۔

پہلا اعتراض : کعبہ کو منہ کرنے کا حکم تین جگہ کیوں دیا گیا ایک جگہ ہی کافی تھا۔ جواب اس کے چند جواب ہیں جن میں سے بعض تعلق اور تفسیر سے ہی معلوم ہو چکے۔ ایک یہ کہ پہلا حکم **فولوا وجوھکم** مسجد کے متعلق ہے یعنی تم مسجد کے جس حصہ میں بھی ہو کعبہ کو رخ کرو۔ دوسرا حکم **ومن حیث خرجت** سوائے مسجد شہری آبادی کے متعلق ہے۔ تیسرا حکم سفر کے متعلق۔ دوسرا جواب۔ یہاں تبدیلی کعبہ کی چند حکمتیں بیان کی گئیں اور ہر حکمت کے ساتھ ادھر رخ کرنے کا حکم دیا گیا۔ پہلی آیت میں فرمایا گیا کہ اسے اہل کتاب بھی حق جانتے ہیں۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم بھی اس کے حق ہونے کی گواہی دے رہے ہیں۔ تیسری آیت میں فرمایا کہ اب کفار کے اعتراضات اٹھ جائیں گے۔ اور ہر دلیل کے ساتھ دعویٰ کو دہرانا بلاغت ہے تیسرے یہ کہ پہلے تو تبدیلی قبلہ کا حکم ہوا۔ دوسری آیت میں ہر جگہ کی اور تیسری میں ہر وقت کی تعمیم کی گئی یعنی پہلے حکم ہوا کہ ادھر منہ کرو پھر یہ کہ ہر جگہ سے ادھر ہی منہ کرنا پھر یہ کہ ہمیشہ ادھر ہی رخ کیا کرنا چوتھے یہ کہ تبدیلی قبلہ بڑا اہم واقعہ تھا اور سب سے پہلے قبلہ ہی منسوخ ہوا لہٰذا تاکید کے لئے اس کا بار بار حکم دیا۔ پانچویں یہ کہ پہلا حکم حرم والوں کے لئے دوسرا عرب والوں کے لئے تیسرا سارے جہان کے لئے (کبیر و عزیزی وغیرہما) دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں کہا ہے کہ قرآن خدائی کلام نہیں کیونکہ اس میں ایک مضمون بار بار ہے خدائی چیزیں بار بار کیسی اگر پنڈت جی کی یہ بات درست ہو تو سورج بار بار نکلتا ہے دن رات بار بار آتے جاتے ہیں۔ باغ بار بار پھل دیتا ہے۔ کھیت سے بار بار دانے لئے جاتے ہیں۔ پنڈتانی بار بار پنڈت جنتی ہیں۔ چاہئے کہ ان میں سے کوئی بھی خدائی چیز نہ ہو۔ بلا فائدہ کسی چیز کو بار بار کہنا فصاحت کے خلاف ہے مگر لذیذ مضمون کو بار بار بیان کرنا تاکید کے لئے بار بار حکم دینا عین بلاغت ہے یہاں رب نے تبدیلی قبلہ کا بار بار ذکر فرمایا اور پہلے اپنے نبی کو پھر مسلمانوں کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا کیونکہ یہ پہلا نسخ تھا اب تک لوگ نسخ سے بے خبر تھے اور تبدیلی قبلہ بہت اہم واقعہ اس لئے بار بار حکم دیا گیا۔ دوسرا اعتراض۔ کفار کے بیہودہ اعتراضات کو قرآن نے حجت کیوں فرمایا۔ حجت تو صحیح اور قوی دلیل کو کہتے ہیں۔ جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ کفار اسے حجت ہی سمجھ کر پیش کرتے تھے لہٰذا اسے حجت کہنا ان کے خیال کے لحاظ سے ہے نہ کہ حقیقی طور پر۔ دوسرے یہ کہ حجت کے لفظی معنی ہیں غلبہ یا یہ **محجۃ الطریق** سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں اختیار کیا ہوا راستہ لہٰذا جس کلام کو غلبہ کے لئے اختیار کیا جائے وہ حجت ہے صحیح ہو یا غلط۔ تیسرے یہ کہ قرآن نے مجادلہ اور جھگڑا کو بھی حجت فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے **حجتھم داحضۃ عند ربھم** اور فرماتا ہے **فمن حاجک فیہ** اور فرماتا ہے **فما کان حجتھم الا ان قالوا** چوتھے یہ کہ یہاں حجت سے بیہودہ اعتراض مراد ہے جو تبدیلی قبلہ سے پہلے

www.alahazratnetwork.org

کرتے تھے کہ ان کا قبلہ بدلتا کیوں نہیں جو کہ نبی آخر الزمان کی علامت ہے۔ **تیسرا اعتراض** — **الا الذین** سے معلوم ہوتا ہے کہ ظالمین کی حجت اب بھی باقی ہے کیونکہ نفی کے بعد استثناء ثبوت کا فائدہ دیتا ہے۔ **جواب** — اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حجت سے مراد جھگڑا اور عناد ہے اور واقعی ان واقعات اور دلائل سے ظالموں کا منہ بند نہ ہوا کیونکہ دلائل سے ضدی آدمی خاموش نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ **الا الذین** '**علیکم** کی ضمیر سے بدل ہے یعنی لوگوں کو تم پر حجت نہ ہوگی۔ بلکہ ظالمین پر ہوگی کہ اب وہ دلائل حقانیت دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ تیسرے یہ کہ **الا** واو عاطفہ کے معنی میں ہے اور **الذین** '**الناس** پر معطوف یعنی تاکہ لوگوں اور ظالمین کی تم پر حجت نہ رہے۔ چوتھے یہ کہ استثناء منقطع ہے یعنی تبدیلی قبلہ سے حقیقی اعتراضات تو اٹھ گئے لیکن ظالمین بکواس اب بھی کئے جائیں گے (کبیر و معانی) **چوتھا اعتراض** — اس آیت سے معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ سے نعمت الٰہی پوری ہو گئی اور سورۂ مائدہ کی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حجۃ الوداع میں پوری ہوئی کہ وہاں ارشاد ہے **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی** یہ دونوں آیتیں مخالف معلوم ہوتی ہیں۔ **جواب** — یہاں نعمت قبلہ کا پورا کرنا مراد ہے ایک قبلہ سے اعلیٰ وافضل کی طرف تبدیلی ہوئی اور وہاں ارکان دین کی تکمیل مراد کہ اس کے بعد کوئی حکم منسوخ نہ ہوا لہٰذا دونوں آیتوں میں مخالفت نہیں۔ انشاء اللہ اس کی نہایت نفیس تحقیق سورۂ مائدہ میں ہی کی جائے گی۔ **پانچواں اعتراض** — یہاں علیکم جمع کی ضمیر کیوں ارشاد ہوئی اور فول میں واحد کا صیغہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** — اس لئے کہ تبدیلی قبلہ حضور کی منشاء سے ہوا اور حضور ادھر منہ کرنے میں اصل ہیں باقی لوگ حضور کے تابع اسی لئے وہاں واحد ارشاد ہوا۔ مگر تبدیلی قبلہ ہم لوگوں کے لئے نعمت وہدایت ہے نہ کہ حضور کے لئے کعبہ ہمارے لئے نعمت ہے اور حضور انور کعبہ کے لئے نعمت ورحمت ہیں اس لئے یہاں علیکم جمع میں ہم سے خطاب ہوا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور رحمۃ للعالمین ہیں اور عالمین میں کعبہ بھی شامل ہے لہٰذا حضور اس کے لئے بھی رحمت نیز حضور کعبہ بلکہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے عابد و ساجد تھے حضور کے وہ سجدے کعبہ کی طرف نہ تھے رب کی طرف تھے۔

تفسیر صوفیانہ : قلب حقیقت ہے اور قالب مجاز۔ دین حقیقت ہے اور دنیا مجاز۔ نور حقیقت ہے اور ظلمت مجاز مجاز میں صدہا حجاب ہیں حقیقت کھلتے ہی مطلع صاف ہے وہاں باقی اللہ ہے اور ماسوا اللہ فانی اللہ۔ تو اے مسلمانوں تمہیں قبلہ قالب سے قبلہ قلب کی طرف منتقل کیا یعنی حجاب اٹھا کر مجاز سے حقیقت میں پہنچایا تاکہ تمہاری نگاہ میں ماسوا اللہ کی کوئی وقعت نہ رہے اور ان کے قول و فعل کا اعتبار مٹ جائے اور سب تمہارے اور تم رب کے مطیع ہو جاؤ۔ کیونکہ تم حزب اللہ (اللہ کی جماعت) ہو اور یہ جماعت ہی سب پر غالب مگر ہاں کچھ کفار مردود دین حق سے مجوبین لکڑی کے پاؤں لگا کر تم پر اونچا ہونا چاہیں گے اور تمہاری اطاعت سے منہ موڑیں گے مگر تمہیں ان سے کوئی خوف نہیں کیونکہ جیسے آسمان کا تھوکا اپنے منہ پر آتا ہے چاند و سورج کو اس سے کوئی ضرر نہیں۔ یہ ہی ان کا انجام ہے تم میری کبریائی اور تجلی ذات پر نظر رکھنا ایسا نہ ہو کہ میرا خوف تمہارے قلب سے نکل جائے۔ اگر ایسا ہوا تو سب کی ہیبت تم پر چھا جائے گی۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ خالق کی عظمت پہچانو تو تمہاری آنکھ میں ساری مخلوق حقیر ہوگی لہٰذا ہمیشہ اسی کے حضور مراقب رہو (از تفسیر ابن عربی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مردودوں کے پاس قال بہت ہے حال بالکل نہیں اور مقبولوں کے پاس حال کی فراوانی ہے قال کم اور کبھی بالکل نہیں دل گھر ہے منہ دروازہ خالی گھر کا دروازہ

www.alahazratnetwork.org

کھلا ہوتا ہے بلکہ کواڑ اتار لئے جاتے ہیں۔ بھرے گھر کے دروازے پر مضبوط قفل بلکہ بھرے خزانہ پر پہرا ہوتا ہے۔ جہاں دل میں کچھ نہیں وہاں زبان کھلی ہوتی ہے جہاں دل میں سب کچھ ہے وہاں منہ پر قفل پڑا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

بر لبش قفل و در دل رازہا   لب خموش و دل پر از آوازہا

ایک جگہ فرماتے ہیں ۔

قال را بگذار مرد حال شو   زیر پائے کاملے پامال شو!

شیخ سعدی فرماتے ہیں ۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر آنند   آں را کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

یہاں **الا الذین ظلموا** میں وہی مردود لوگ مراد ہیں جو قال کے بلا رہیں حال سے خالی جن کا کام صرف اعتراض ہی کرنا ہے یہ ہمیشہ محروم ہیں یعنی حال والے تو یہ دلائل سن کر ایمان کامل حاصل کرلیں گے مگر صرف زبان کے تیز کچھ نہ کچھ ہانکے ہی جائیں گے۔ قال والوں کے پاس کیوں زیادہ ہے کہ یہ کیوں ہوا۔ مگر حال والوں کے پاس کیوں نہیں وہاں تو کیا پر عمل ہے کہ رب نے کیا فرمایا۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ
جیسے کہ بھیجا ہم نے بیچ تمہارے بڑا پیغمبر تم میں سے جو تلاوت فرماتا ہے اوپر تمہارے آیتیں ہماری اور پاک
جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾
فرماتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور اسرار علم اور سکھاتا ہے تم کو وہ باتیں جو تھے تم جانتے ۔
اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور وہ تمہیں تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے کعبہ کو تمہارا قبلہ بنا کر تم پر نعمت پوری کردی اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ تم پر نیا فضل نہیں ہے ہم تمہیں پہلے بھی کامل نعمتیں دے چکے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ تم کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی عطا فرمائی جس سے تمہارے سارے میل دھل گئے اور گندگیاں دور ہو گئیں۔ **دوسرا تعلق**۔ اب تک قبلہ کا ذکر تھا اب صاحب قبلہ کا تذکرہ ہے۔ جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے یعنی اب تک چمن کا ذکر تھا اب پھول کا۔ یا اب تک باغ کا تذکرہ تھا اب اس کے والی کا چرچا۔ **تیسرا تعلق**۔ قبلہ کی بحث سے پہلے بانی کعبہ خلیل اللہ کا ذکر ہوا اور اب اس بحث کے خاتمہ پر والی کعبہ حبیب اللہ کا تذکرہ ہے تاکہ اس بحث کا آغاز بھی شاندار ہو اور انجام بھی اور معلوم ہو کہ اس دین میں کعبہ کا قبلہ ہونا تعجب کی بات نہیں کیونکہ کعبہ بنائے ابراہیم ہے اور یہ رسول دعائے ابراہیم کہ انہوں نے اس عمارت کے قبول ہونے کی اور اس فرزند ارجمند کے رسول ہونے کی دعائیں مانگی تھیں ہم نے ان کی دونوں دعائیں اس طرح قبول کیں کہ اس پیغمبر کے ذریعہ اس کعبہ کو ہمیشہ کے لئے آباد کردیا۔ **چوتھا تعلق**۔ اب تک بیت اللہ کا ذکر تھا اب نور اللہ کا تذکرہ ہے کیونکہ گھر میں نور ہی سے رونق ہے۔ **پانچواں تعلق**۔ بہت دور سے حقانیت اسلام کے دلائل

www.alahazratnetwork.org

اور کفار کے جوابات بیان ہو رہے ہیں کہ یہ دین 'دین ابراہیمی ہے اس کے ارکان اسی دین کے ارکان سے ملتے ہیں اس کا قبلہ کعبہ کردیا گیا وغیرہ۔ اب بہت بڑی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ یہ وہ ہی دین ہے جسے سید المرسلین علیہ السلام سے خاص نسبت ہے۔

چھٹا تعلق۔ اب تک کعبہ کے فضائل بیان ہوئے جو نماز کا قبلہ ہے اب حضور کے مناقب کا تذکرہ ہے جو ایمان کا قبلہ ہیں۔ کعبہ سے نماز جسم درست ہوتی ہے حضور انور سے نماز ایمان و عرفان ادا ہوتی ہے۔ حضور دلوں کے 'ارواح کے قبلہ ہیں۔

تفسیر : **کما ارسلنا** یا تو کما کا تعلق اگلے کلام **اتم نعمتی** یا **جعلنکم امۃ** سے یا کسی پوشیدہ فعل سے ہے یعنی تاکہ اس کعبہ کے ذریعہ تم پر نعمت پوری کروں جیسے کہ اس سے پہلے یہ پیغمبر بھیج کر نعمت پوری کی یا ہم نے تمہیں افضل امت بنایا جیسے کہ تمہیں افضل رسول دیا یا یہ کہ ہم نے بنائے ابراہیمی قبول کی جیسے کہ دعا قبول فرمائی کہ ان کی اولاد میں یہ پیغمبر بھیجا۔ ان صورتوں میں **تھتدون** پہ نہ ٹھہرنا چاہئے یا اس کا تعلق اگلی آیت **فاذکرونی** سے ہے یعنی تم مجھے یاد کرو جیسا کہ میں نے تم پر فضل کیا۔ کما جاتا ہے کہ تم باپ کی خدمت کرو جیسے کہ اس نے تمہاری پرورش کی یا کاف مقابلہ کا ہے یعنی تم خدا کو یاد کرو اس کی اس نعمت کے شکریہ میں (کبیر) اس صورت میں **تھتدون** پر ٹھہرنا چاہئے کیونکہ یہ علیحدہ آیت ہے اسی لئے یہاں 'لا' والی آیت ہے کہ وقف' وصل دونوں جائز ہوں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہماری آمد کو خلق فرمایا۔ مگر حضور کی تشریف آوری کو 'ارسل۔ بعث۔ جاء سے فرمایا کیونکہ ہم یہاں آنے سے پہلے بالکل نیست تھے یہاں آکر کچھ ہوئے مگر حضور یہاں آنے سے پہلے سب کچھ تھے نبی تھے رسول تھے خلق نیست سے ہست کرنے کو کہتے ہیں ارسال سب کچھ سکھا کر بھیجنا ہوتا ہے۔ نیز ہم دنیا میں اپنی ذمہ داری پر اپنا کام کرنے آئے حضور سرکاری کام کے لئے۔ یہ کار سرکار 'دنیا کو درست کرنے آئے۔ خیال رہے کہ یہاں ارسلنا ماضی فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ قرآن 'کعبہ' 'کلمہ' نماز وغیرہ پیچھے ہیں۔ حضور ان سب سے پہلے کہ حضور درخت اسلام و ایمان کی جڑ ہیں باقی چیز شاخیں یا پھل پھول جڑ پہلے ہوتی ہے۔ بہت لوگ صرف حضور کو مان کر بغیر اعمال جنتی ہوئے مگر کوئی شخص حضور کا انکاری ہو کر اعمال سے جنتی نہیں ہوا۔ **فیکم رسولا منکم** رسول کی تنوین تعظیم کی ہے اور ان دونوں ضمیروں میں خطاب یا تو اہل عرب سے ہے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے عرب والو تم پر یہ خاص عنایت ہے کہ یہ نبیوں کے سردار تم میں آئے اور تمہاری نسل اور خاندان سے آئے۔ اگر دوسری جماعت میں آتے تو تمہیں ان کی اطاعت بھاری پڑتی۔ اب تمام جہان تمہارا مطیع ہوگا تم کسی کے مطیع نہ ہو گے یا اے مسلمانو! تم میں وہ تشریف لائے جس پر ساری نسل انسانی ہمیشہ فخر کرے گی جن کی وجہ سے انسان ملائکہ اور دیگر مخلوقات سے افضل ہے رب نے رسول میں کوئی قید نہ لگائی کہ کس کے رسول جس سے معلوم ہوا کہ حضور عالم خلق کے رسول مطلق ہیں۔ جس کا رب اللہ ہے اس کے حضور رسول ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **لیکون للعلمین نذیرا**۔ نیز حضور انور دنیا میں تشریف لائے 'رسول' نبی 'نور' حق ہونے کی شان سے۔ اس لئے تشریف آوری کی آیات میں آپ کو ان القاب سے یاد کیا مگر معراج میں رب کے پاس حاضر ہوئے عبدیت کی شان سے لہذا وہاں فرمایا **اسری بعبدہ** جیسے حاکم کچہری میں شان حاکمیت سے جاتا ہے مگر گھر میں آتا ہے اپنے والدین کا بیٹا' اولاد کا والد ہونے کی شان سے غرضیکہ حضور یہاں وکیل بن کر نہیں بلکہ رسول بن کر آئے پھر وہ خالی نہ آئے بلکہ صدہا نعمتیں ساتھ لائے ایک یہ کہ **یتلوا علیکم ایتنا** تمہارے سامنے قرآنی آیتیں تلاوت فرماتے ہیں۔ یعنی قرآن لائے بھی اور تمہیں سنایا بھی سکھایا بھی اسی میں اشارۃ "دو صفتیں بیان ہوئیں ایک یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

وہ تم میں ہی رہے کہیں کسی سے پڑھنے نہ گئے اور پھر اچانک ایسا بلیغ کلام بولنے لگے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سچے نبی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بخیل نہیں بلکہ یہ نعمت بے دریغ تقسیم فرماتے ہیں۔ اور اس کا پڑھنا' حروف کا مخارج سے ادا کرنا بلکہ لکھنا بھی سکھاتے ہیں پھر دوسرے معلموں کی طرح صرف سبق دیکر چھوڑ نہیں دیتے بلکہ ویزکیکم تمہیں ظاہری باطنی لحاظ سے پاک فرماتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ لفظ تزکیہ سے بنا جس کا مادہ زکوۃ ہے اس کے معنی پاک کرنا صفائی بیان کرنا اور بڑھانا ہے یہاں تینوں معنی درست ہیں یعنی وہ تمہارے جسموں کو ظاہری گندگیوں سے پاک فرماتے ہیں کہ تمہیں پاکی کے طریقے سکھاتے ہیں اور تمہارے

فضائل بیان کرتے ہیں کہ تم بہترین امت ہو اور آخرت میں بھی رب کے سامنے تمہاری صفائی بیان فرمائیں گے کیونکہ وہ تمہارے ظاہری باطنی حالات سے خبردار ہیں اور یا یہ کہ تمہاری جماعت بڑھاتے ہیں کہ پہلے تم میں صرف وطنی اجتماع تھا اور اس میں بھی تم ایک دوسرے کے دشمن ہو کر تھوڑے رہ گئے تھے اور اب تم میں ایمانی اجتماع پیدا ہوگا جس سے تم آپس میں بھی ایک ہو جاؤ گے اور سارا عالم تمہاری اس انجمن میں داخل ہوگا۔ (تفسیر کبیر) یا حضور تمہارے اعمال اور تمہارے درجات کو بڑھاتے ہیں کہ جس معمولی نیکی کو حضور سے نسبت ہو جاوے تو وہ بڑے سے بڑا بن جاتی ہے نیز اگر کسی معمولی آدمی کو حضور سے نسبت ہو جاوے وہ فرشتوں سے زیادہ شاندار ہو جاتا ہے حضرت علی کی خیرات کی ہوئی روٹیاں اور حضرت بلال کی شان ہمارے خیالوں سے وراء ہیں ہم تو صفر ہیں۔ یعنی اگر حضور سے الگ ہوں تو کچھ نہیں اور اگر حضور سے منسوب ہو جائیں تو سب کچھ صفر عدد سے مل کر بہت کچھ ہو جاتا ہے الگ رہے تو خالی ہے اور پھر فقط پاک کر کے ہی تم کو نہیں چھوڑتے بلکہ **ویعلمکم الکتب والحکمۃ** تمہیں یہ کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ یعلمکم سے معلوم ہوا کہ وہ آہستہ آہستہ تعلیم دیتے ہیں تاکہ ذہن نشین ہو جائے اور کتاب سے قرآن کریم اور تعلیم سے اس کے معنی اور احکام اور اسرار کا سکھانا مراد ہیں اور حکمت سے صحیح اعمال یا قوی دلائل یا اصول شیا فقہ مراد کیونکہ یہ حکم سے بنا جس کے معنی ہیں مضبوط کرنا فیصلہ کرنا اور واپس کرنا (روح البیان) اسی لئے جج کو حکم اور بادشاہ کو حاکم اور مضبوط چیز کو محکم اور عالم باعمل کو حکیم کہتے ہیں۔ پھر اس پر ہی بس نہیں بلکہ **ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون** وہ تمہیں رب کی ذات' صفات' اچھے عقائد' صحیح راستہ بتاتے ہیں جو زمانہ جاہلیت میں چھپ گیا تھا نیز قرآن پاک کے اجمالی احکام جیسے نماز' روزہ' زکوۃ وغیرہ پر عمل کر کے بتاتے ہیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے جملوں میں تکرار نہیں بلکہ ہر ایک کے نئے معنی ہیں۔ یہاں حکمت سے مراد حدیث شریف ہی ہو سکتی ہے کیونکہ نقوش قرآن لکھنا' الفاظ قرآن پڑھنا' احکام قرآن جاننا' اسرار قرآن سمجھنا تو تعلیم کتاب میں آ چکا نیز زبان سے بتانا عمل کر کے دکھانا قلم سے لکھ دینا بلاواسطہ یا بالواسطہ بتانا سب تعلیم کتاب میں داخل ہے لہذا تعلیم حکمت سے مراد حدیث کی تعلیم ہے چونکہ حضور کی حدیث ایسی مضبوط ہے جسے نہ کوئی منسوخ کر سکے نہ اسے زمانہ مٹا سکے نہ اسے کوئی اپنی عقل سے دبا سکے لہذا یہ حکمت ہے یعنی مضبوط چیز۔ نیز حضور کا کوئی قول و عمل عبث و لغو نہیں ہر ایک میں ہزارہا فائدے ہیں لہذا حدیث حکمت ہے۔ اس آیت میں منکرین حدیث کی پوری تردید ہے۔ آخری جملہ یعنی وہ تمہیں سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے اس سے مراد یا تو ابتداء خلق سے اس وقت تک کے حالات ہیں' یا اس وقت سے قیامت تک کے حالات یا جنت و دوزخ ذات و صفات الٰہی' غیبی چیزیں مراد ہیں جن کی خبریں حضور انور نے سنائیں یا ہمارے اپنے نفسانی عیوب مراد ہیں جن سے ہم بے خبر ہیں۔ جیسے طبیب ہماری بیماریاں ہم کو بتاتا

www.alahazratnetwork.org

ہے ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ہمارے عیوب پر اطلاع دی۔ اگرچہ حدیث میں یہ چیزیں بھی شامل ہیں مگر اہتمام کے لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کعبہ کی نعمت پہلی نعمت نہیں بلکہ اس سے پہلے تم پر اور بھی نعمتیں ہو چکیں کہ تمہیں باقی امتوں سے افضل کیا۔ تمہیں بہترین عطا فرمایا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم میں اپنا یہ بڑا پیغمبر بھیجا جو سرتاپا رحمت الٰہی ہیں۔ یوں تو ان کے تم پر لاکھوں احسان ہیں مگر پانچ احسان بالکل ظاہر۔ ایک یہ کہ وہ تم تک رب کی آیتیں پہنچاتے ہیں تمہیں پڑھ کر سناتے اور پڑھنا سکھاتے ہیں تمہارے الفاظ صحیح کراتے' تلاوت کے آداب بتاتے ہیں بلکہ اس کے لکھنے کی جانچ بتاتے ہیں پھر تمہیں شرک' بت پرستی' کفر و گندے اخلاق' بدتمیزی' عداوت' آپس کے جھگڑے' جدال' جسمانی گندگی غرضیکہ ہر ظاہری اور باطنی عیوب سے پاک فرماتے ہیں کہ عرب جیسے سخت ملک کو جو انسانیت سے گر چکا تھا اور جہاں کے باشندے انسان نما جانور ہو چکے تھے ان کو عالم کا معلم بنا دیا۔ بت پرستوں کو خدا پرست' رہزنوں کو رہبر' شرابیوں کو نشہ محبت الٰہی کا متوالا' بے غیرتوں کو شرمیلا' جاہلوں کو عالم اور نہ معلوم کے کیا کیا بنا دیا غرضیکہ مخلوق کو خالق تک پہنچا دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمہیں کتاب الٰہی کے اسرار' اپنے کلمات کے راز سکھاتے ہیں اور تمہیں دین و دنیا کی وہ سب باتیں بتاتے ہیں جن سے تم بے خبر تھے اور علوم غیبیہ کے وہ دروازے کھولتے ہیں جو آج تک بند تھے۔ غرضیکہ وہ خود بھی رحمت ہیں اور ہزاروں لازوال نعمتیں تمہارے لئے اپنے ساتھ لائے ہیں۔ خیال رہے کہ سب سے زیادہ گندہ اور بدتر دشمن ہمارا نفس ہے کہ سانپ بچھو وغیرہ دشمن ہم سے دور رہتے ہیں مگر یہ دشمن مسجد و کعبہ میں ہمارے ساتھ نیزا لاٹھی' تلوار' توپ' ایٹم بم کسی ہتھیار سے نفس امارہ نہیں مرتا۔ نیز یہ دوست کی شکل میں دشمن ہے۔ سب کا دشمن ہے۔ گنہگار سے لے کر غوث و قطب تک کا دشمن ہے اسے پاک کر دینا بڑا احسان ہے حضور نے صرف ہمارے اجسام پاک نہ کئے بلکہ نفس امارہ بھی پاک کر دیا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تمام نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے پہلے **ارسلنا** فرما دیا گیا اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ساری نعمتیں فانی اور یہ دین دنیا میں باقی کہ ہاتھ پاؤں مال دولت ایک وقت سب جواب دے جاتے ہیں مگر وہ کبھی نہیں۔ دوسرے یہ کہ دین دنیا کی تمام نعمتیں انہیں کی طفیل۔ **لولاک لما خلقت الافلاک** یہ حدیث صحیح ہے دیکھو موضوعات کبیر مصنفہ ملا علی قاری۔ تیسرے یہ کہ ساری نعمتیں صحیح استعمال ہوں تو رحمت ورنہ زحمت۔ مال دولت اور اعضاء ہمارے لئے ثواب بھی ہیں اور باعث عذاب بھی۔ ان کا صحیح استعمال سکھانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو گویا کہ آپ نعمتوں کو نعمت بنانے والے ہیں۔ چوتھے یہ کہ ہمارے اعضاء قیامت میں ہمارے عیب کھولیں اور ہمارے خلاف گواہی دیں لیکن وہ سرکار ہمارے عیب چھپائیں۔ دوسرا فائدہ۔ قرآن پاک کا تلاوت کرنا بھی ضروری ہے اور اس پر عمل کرنا بھی۔ کیونکہ تلاوت اور تعلیم کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہوا تو جو لوگ کہتے ہیں کہ تلاوت کی ضرورت نہیں عمل کافی ہے وہ بھی جھوٹے اور جو تلاوت پر قناعت کر کے عمل سے بے نیاز ہو جائیں وہ بھی بدنصیب۔ تیسرا فائدہ۔ ظاہری باطنی طہارت حضور ہی سے ملتی ہے ان کو چھوڑ کر قرآن لینے والا بھی پاک نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ فرمایا گیا **ویزکیکم** وہ رسول تمہیں پاک کرتے ہیں قرآن کریم تو پاکی کا ذریعہ ہے۔ چوتھا فائدہ قرآن کریم صرف عقل یا

www.alahazratnetwork.org

لغت سے حل نہیں ہو سکتا اس کے لئے تعلیم نبی کی ضرورت ہے یہاں تک فرمایا گیا۔ [illegible] تمہیں قرآن سکھاتے ہیں
پانچواں فائدہ قرآن کے ساتھ حدیث کی اور حدیث کے ساتھ فقہ کی بھی ضرورت ہے نیز قرآن کے ظاہری معنی کے علاوہ اس
کے باطنی معنی اور معرفت کے اسرار بھی ہیں یہ سب باتیں لفظ حکمت سے حاصل ہوئیں۔ چھٹا فائدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ
وسلم کو رب نے سارے علوم غیبی عطا فرمائے کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ وہ تمہیں سکھاتے ہیں وہ جو تم نہ جانتے تھے اس
کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ایک دن حضور علیہ السلام نے ہمیں قیامت تک کے سارے چھوٹے بڑے
واقعات بتائے۔ یہاں تک کہ جو پرندہ پر مارے گا یا ذرہ حرکت کرے گا وہ بھی بتایا [illegible]
بخاری اور مشکوٰۃ باب بدء الخلق مسند امام احمد۔ ساتواں فائدہ قرآن کریم کا سمجھنا بہت دشوار ہے اور خود قرآن بہت مشکل
کتاب ہے کہ رب نے قرآن سکھانے کے لئے رسولوں کے سردار کو بھیجا [illegible]
ہیں۔ رب نے تعلیم قرآن دنیاوی استادوں یا محض عقل سے نہ دی۔ قرآن آسان ہے [illegible] یسرنا
القرآن للذکر لہذا یہ آیت اس کے خلاف نہیں دیکھو سائنس اور تمام [illegible] علوم سکھانے کے لئے [illegible]
کے حوالہ کر دیئے گئے مگر قرآن کی تعلیم کے لئے سید الانبیاء بھیجے گئے۔ آٹھواں فائدہ۔ حضور علیہ السلام ہر مسلمان کے
اندرونی و بیرونی حالت سے واقف ہیں جیسا کہ ہم یزکیکم کی تفسیر میں عرض کر چکے [illegible]
کا جو اس کے سارے حالات سے واقف ہو۔ نواں فائدہ۔ رب کے فعل کو حضور علیہ السلام کی طرف نسبت کر دینا جائز
ہے دیکھو پاک فرمانا خدا کا کام ہے یہاں حضور علیہ السلام کی طرف [illegible]
حضور کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ اللہ اور رسول نے انہیں اپنے فضل سے غنی کر دیا [illegible] کے
[illegible] فرمایا گیا کہ جو اپنے گھر سے اللہ رسول کی طرف ہجرت کر کے [illegible] اللہ رسول
نے عزت دی اور دولت دی رسول اللہ اولاد بخشتے ہیں رسول اللہ سب کو [illegible]
بیماری سے نجات دیتے ہیں مگر یہ سب نسبتیں مجازی ہیں۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے [illegible]
وغیرہ وغیرہ۔ اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق دیکھو۔ دسواں فائدہ۔ تلاوت [illegible]
رب نے تلاوت کا ذکر علیحدہ کیا اور تعلیم قرآن کا ذکر علیحدہ۔ یہ دو مرکب دوائے [illegible]
آیات قرآنیہ مرکب دوائیں ہیں۔ بلبل، مینا، طوطا بغیر سمجھے ہماری بولی بولتے ہیں ہم کو پیارے ہیں۔ ایسے ہی ہم رب کا کلام بغیر
سمجھے بھی پڑھیں تو رب کو انشاء اللہ پیارے ہوں گے۔ گیارہواں فائدہ۔ حضور کے سارے صحابہ و اہل بیت طیب و طاہر پاک
ہیں کہ وہ حضرات بلاواسطہ حضور سے پاک ہوئے ہم ان کے واسطے سے اگر وہی پاک نہیں تو دنیا میں کوئی پاک نہیں اور یزکیکم
ہی غلط ہو گیا۔ حضور نے گزشتہ نبیوں کی، حضرت مریم کی صفائیاں بیان کیں۔ اسی طرح حضرات صحابہ کے فضائل بیان فرمائے
اب ان میں سے کسی چیز کا انکار کفر ہے۔ بارہواں فائدہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت اپنے ہر امتی کے حالات سے باخبر
ہیں۔ تب ہی تو قیامت میں رب کے حضور اس امت کا تزکیہ اور ان کی توثیق فرمائیں گے۔ جیسا کہ یزکیکم کی تیسری تفسیر سے
معلوم ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : تعلیم کتاب میں تلاوت و حکمت اور نہ جانی ہوئی باتوں کا علم سب داخل تھا پھر انہیں علیحدہ کیوں بیان کیا۔ جواب۔ اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ تعلیم کتاب سے قرآن پاک کے مضامین اور مسائل سمجھانا مراد ہیں حکمت سے اسرار قرآنی یا حدیث یا فقہ مقصود اور تلاوت سے قرآن کریم پڑھانا اور سکھانا مراد ہے اور نہ جانی باتوں کو سکھانے سے عملاً" احکام سکھانا یا علوم غیبیہ بتانا مقصود لہٰذا ہر لفظ نیا فائدہ دے رہا ہے۔ **دوسرا اعتراض** پاکی کا ذکر آخیر میں چاہئے تھا کیونکہ یہ کتاب و حکمت کی تعلیم کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ پھر اس کا ذکر بیچ میں کیوں کیا گیا۔ جواب۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں پاکی سے گندگی کفر دور کرنا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ تعلیم کتاب اس کے بعد ہی ہوگی یعنی آیتیں سنا کر مخلوق کو مسلمان کیا پھر مسلمان کرکے انہیں علوم سکھائے۔ دوسرے یہ کہ تزکیہ میں نفی اور تعلیم میں ثبوت ہے اور نفی ثبوت سے مقدم جیسے **لا الہ الا اللہ** میں یعنی یہ نبی پہلے تمہیں عیوب سے پاک کرتے ہیں پھر صفات سے موصوف۔ تیسرے یہ کہ پاکی اصل مقصود ہے اور علم اس کا ذریعہ اگرچہ پاکی بعد میں حاصل ہوتی ہے لیکن اس کا خیال پہلے ہی سے کہ تزکیہ کے لئے ہی علم ہے لہٰذا اصل مقصود کو پہلے بیان کیا اور ذریعہ کو بعد میں۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان یا کم از کم ہر صحابی عالم الغیب ہو۔ کیونکہ یہاں ما عام ہے یعنی وہ نبی تم کو ہر نہ جانی بات سکھاتے ہیں۔ جیسے **وعلمک مالم تکن تعلم** میں جب تم وہاں ما کی وجہ سے حضور کے لئے علم غیب کلی مانتے ہو تو یہاں بھی اسی ما کی وجہ سے سب کو کلی علم غیب مانو اور اگر یہاں ما سے صرف شرعی احکام مراد لیتے ہو تو وہاں بھی یہ ہی تسلیم کرو۔ جواب۔ ما سے عام علوم ہی مراد ہیں بے شک حضور نے صحابہ کرام کو ساری چیزیں سکھائیں مگر انہیں وہ سب یاد نہ رہیں لہٰذا یہاں تعلیم عام ہے علم عام نہیں مگر رب نے نبی کو سب کچھ سکھایا اور فرمایا **علمک ما لم تکن تعلم** اور نبی علیہ السلام نے سب کچھ سیکھ بھی لیا کہ فرمایا ہے **فتجلی لی کل شی و عرفت**۔ ہم تفسیر میں بخاری مشکوۃ اور مسند امام احمد ابن حنبل کی حدیث نقل کر چکے کہ خود صحابہ فرماتے ہیں جسے یاد رہا اسے یاد رہا۔ جو بھولا وہ بھولا بعض جگہ فرماتے ہیں **اعلمنا احفظنا** ہم میں بڑا عالم وہ تھا جسے وعظ زیادہ یاد رہا یہاں عموم تعلیم کا ذکر ہے نہ کہ عموم علم کا۔

تفسیر صوفیانہ : بغیر تعلق فیض دینا اور لینا ناممکن اگر ادنیٰ کو اعلیٰ سے ذاتی تعلق نہ ہو تو درمیان میں ایسا برزخ چاہئے جو جانبین سے متعلق ہو دیکھو ہڈی گوشت کے درمیان پٹھے کا واسطہ ہے اور تمام اعضاء میں رگوں کا سلسلہ موجود خالق و مخلوق میں بے تعلقی تھی لہٰذا ایسی ذات کی ضرورت پڑی جو ان میں تعلق قائم کرے اور حرف مشدد کی طرح خود جانبین سے وابستہ ہو۔ اسی ذات کا نام رسول ہے۔ وہ رسول بظاہر ہمارے اور بباطن رب کے ہیں جسماً" بشر اور روحاً" ملک سے وراء ان پر مخلوقیت کے سارے مدارج کی انتہا اور ان کے بعد صرف خالق کا درجہ وہ کرم سے سب کے قریب ہیں اور شرف میں عقل و گمان اور وہم سے بالاتر۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب کے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

قیامت کے دن پہلے تو ساری مخلوق انہیں ڈھونڈھے گی ان ہی کی تلاش میں در در کی خاک چھانے گی یہ حضور کے شرف کا اظہار ہوگا پھر وہ اپنے ایک ایک گنہگار کو ایسے ڈھونڈیں گے جیسے مہربان ماں باپ گم ہوئے بچے کو یہ ان کے کرم کا ظہور ہوگا۔ بظاہر بعض

www.alahazratnetwork.org

کے بعد ہیں مگر در حقیقت سب سے پہلے بظاہر بعض کی اولاد ہیں اور بباطن سب کے باپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ ان کی تعریف
آوری تمام نعمتوں سے بالا و اعلیٰ ہے۔ اسی لئے دست قدرت نے بھی انہیں پر ناز فرمایا کہ ھو الذی ارسل رسولہ اور رسالت
بھی تعلیم کتاب وغیرہ سب سے پہلے "ارسال یعنی بھیجنے" کا ذکر کیا اور اس بھیجنے کو اپنی طرف اور باقی تمام نعمتوں کو حضور کی طرف
نسبت دی یعنی ہم نے بلاواسطہ انہیں تمہارے پاس بھیجا۔ باقی ہماری ساری نعمتیں تمہیں ان کے ہاتھوں ملیں۔ لہٰذا آپ کا وجود
اصل وجود باقی ہر شے ان کے طفیل موجود۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آیات قرآنیہ عرشی تھیں اور ہم فرشی نہ ہم کو عرش تک رسائی
نہ آیتیں ہم پر آسکتی تھیں حضور وہ ہیں جنہیں عرشیوں سے عرشی چیزیں لینا آتا ہے اور فرشیوں کو دینا آتا ہے اسی لئے یتلوا
علیکم ارشاد ہوا کہ اگر زبان مصطفوی کا واسطہ نہ ہوتا تو تم آیات الٰہیہ نہ پاتے۔ پھر حضور انور شریعت کے پانی سے ہمارے
جسموں کو اور طریقت کے پانی سے ہمارے دلوں کو معرفت کے پانی سے ہمارے خیالات کو اور حقیقت کے پانی سے ہماری روح کو
پاک فرماتے ہیں ناپاک کو پانی جب ہی پاک کرتا ہے جب کوئی پاک کرنے والا ہاتھ بھی درمیان میں ہو یہ چاروں پانی ہماری چار
گندی چیزوں کو حضور کے کرم سے پاک کریں گے۔ اب رہا ہمارا نفس امارہ یہ نجس العین ہے جو کسی پانی سے پاک نہیں ہوتا اس
کی پاکی کا ایک ہی ذریعہ ہے وہ یہ کہ اسے عشق الٰہی کی آگ میں جلا کر راکھ کر دیا جاوے یا کان فنا میں اس کی حقیقت بدل کر اسے
نفس مطمئنہ بنا دیا جاوے۔ دیکھو نجس گوبر راکھ ہو کر پاک ہی نہیں بلکہ پاک کر ہو جاتا ہے کہ پھر اس سے برتن پاک و صاف
ہوتے ہیں اور کتا، گدھا نمک کی کان میں جاکر نمک بن کر پاک ہو جاتے ہیں اسی لئے فرمایا ویزکیکم تمہیں ہر طرح ہر قسم کے
پانیوں اور عشق کی آگ سے پاک کرتے ہیں حضور نے عثمان غنی سے فرمایا جو چاہو کرو تم جنتی ہو گئے اس میں انہیں گناہوں کی
اجازت نہیں دی بلکہ ان کے نفس کو پاک بنا دیا اب نفس سوائے خیر کچھ چاہے گا ہی نہیں جیسے جنت میں حکم ہو گا جو چاہو کرو
کیونکہ وہاں نفس فنا یا پاک ہو چکے ہوں گے۔ عثمان غنی کے لئے یہاں ہی جنت بنا دی گئی۔ ایسی پاکی و صفائی کے بعد حضور نے
قرآن کا علم سکھایا کیونکہ علم قرآن پاک دلوں میں قائم ہوتا ہے۔ نقش قرآن کاغذ میں الفاظ قرآن زبان میں۔ معانی قرآن دماغ
میں اسرار قرآن دل میں رموز قرآن روح ہی میں رہتے ہیں پھر جیسے نقش قرآن کو بے وضو ہاتھ نہیں لگا سکتے الفاظ قرآن کو بے
غسل نہیں پڑھ سکتا ایسے ہی معانی قرآن کو ناپاک دل نہیں سمجھ سکتے اسی لئے ویزکیھم کا ذکر پہلے ہوا ویعلمھم کا بعد میں کیونکہ
زبان ان عام پانیوں سے پاک ہوتے ہیں دل و جان مدینہ پاک کے پانی سے۔

فَاذْكُرُونِيْ أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ
پس یاد کرو تم مجھے میں یاد کروں گا تمہیں اور شکر کرو تم واسطے میرے اور نہ ناشکری کرو میری۔
تو میری یاد کرو میں تمہارا چرچا کروں گا اور میرا حق مانو اور میری ناشکری نہ کرو۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اب تک رب تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر ہوا
دین ابراہیمی سے تعلق ہونا کعبہ کا قبلہ ہونا ایسے عظیم الشان پیغمبر کی غلامی نصیب ہونا مسلمانوں کا بہترین امت ہونا وغیرہ اب
ان نعمتوں کے شکر کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ یہ ہمارے پاس باقی رہیں اور بڑھیں۔ **دوسرا تعلق:** اب تک رب کی دینی نعمتوں کا

www.alahazratnetwork.org

ذکر تھا جن میں ہمارے کسب کو دخل نہ تھا اور اب کسبی نعمتوں کا ذکر ہے یعنی اے مسلمانوں اب تک ہم نے تمہاری بغیر کوشش تمہیں یہ نعمتیں دی اب ہمیشہ کی نہ ہوا کرے گا بلکہ تمہیں بھی کچھ عمل کرنا ہوں گے۔ **تیسرا تعلق:** اب تک نعمتوں کی عطا کا ذکر تھا اب ان کی بقا کے اسباب بتائے جا رہے ہیں اور چھن جانے کے اسباب سے بھی خبردار کیا جا رہا ہے تاکہ ہم احتیاط سے کام کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں علم کا ذکر تھا اب عمل کا حکم ہے کہ ہمارے نبی نے تمہیں سب کچھ سکھا تو دیا عمل کرنا تمہارا کام ہے۔

تفسیر: **فاذکرونی اذکرکم** ف یا تو جزائیہ ہے اور یہ عبارت پوشیدہ شرط کی جزا اور علیحدہ جملہ یعنی جب تم میری نعمتوں کو پہچان چکے تو میرا ذکر کرو یا ف صلہ کی ہے اور اس کا گزشتہ آیتوں سے تعلق یعنی جیسے کہ ہم نے تمہیں رسول دیا ایسے ہی تم بھی ہمیں یاد کرو۔ ذکر کے چند معنی ہیں یاد کرنا یا د رکھنا تعریف کرنا بزرگی دینا شہرت دینا نصیحت کرنا۔ رب فرماتا ہے **انه لذکر لک** اور فرماتا ہے **والقران ذی الذکر** ان آیتوں میں ذکر بمعنی شرف ہے اسی لئے قرآن کا نام بھی ذکر ہے یہاں یا تو دونوں ذکروں سے یاد کرنا یا یاد رکھنا یا تعریف کرنا مراد ہے۔ یعنی تم میری تعریف کرو یا مجھے یاد کرو یا یاد رکھو تو میں بھی تمہاری تعریف کروں گا یا یاد رکھوں گا یعنی تم پر نظر کرم رکھوں گا کہ رب بھول چوک سے پاک ہے یا دوسرے ذکر کے معنی چرچا کرنا عزت دینا ہے یعنی تم مجھے یاد کرو تو میں زمین آسمان میں تمہاری شہرت کروں گا کہ انسان تو کیا جنات ملائکہ بھی تمہاری طرف کھچے چلے آئیں گے اور تم سارے عالم میں ولی مشہور ہو جاؤ گے یا تم مجھے یاد کرو تو میں تمہیں دنیا اور آخرت میں عزت دوں گا۔ خیال رہے کہ اس ذکر میں بہت عموم ہے۔ جس کی شرح انشاء اللہ تفسیر کے بعد کی جائے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ذکر تین قسم کا ہے۔ ذکر لسانی جو زبان سے ہو ذکر جنانی جو دل سے ہو۔ ذکر ارکانی جو ہاتھ پاؤں سے ہو۔ ان میں سے بعض بعض سے اعلیٰ ہیں۔ جس درجہ کا ہمارا ذکر ہو گا اسی درجہ کا رب ہمارا ذکر فرمائے گا کیونکہ یہاں دونوں ذکر عام ہیں اور صرف ذکر پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ **واشکروالی** میری نعمتوں کا شکریہ بھی ادا کرنا۔ شکر کے لفظی معنی ہیں ظاہر کرنا اسی لئے رب کا نام بھی شاکر اور شکور ہے ہم تو رب کی نعمتوں کا اقرار اور اظہار کر کے شاکر کہلاتے ہیں اور وہ اپنے کرم سے ہماری ناچیز عبادت قبول فرماتا ہے ملائکہ پر ظاہر کرتا ہے اس لئے اس کا نام شاکر اصطلاح میں نعمت کے سبب منعم کی اظہار عظمت کو شکر کہا جاتا ہے شکر بھی ذکر کی طرح بہت عام ہے اور ہر نعمت کا علیحدہ شکریہ۔ صحت کا شکریہ نماز مال کا شکریہ زکوٰۃ رزق کا شکریہ روزہ قوت و طاقت کا شکریہ۔ کمزوروں کی مدد ہے نعمتیں کھا کر فقط منہ سے شکر کہہ دینا کافی نہیں۔ خیال رہے کہ شکر کے بعد لام لانے میں دو نفیس اشارے ہیں۔ ایک یہ کہ شکر میرے لئے ہو نہ کہ کسی اور کے لئے اور اگر دنیا میں کسی اور کا شکریہ بھی ادا کرو تو میرا ہی حکم سمجھ کر۔ کہ اس کو حقیقی منعم جان کر۔ دوسرے یہ کہ ذکر تو میرا کرنا خواہ تمہیں نعمت ملے یا زحمت اور شکر نعمت کی وجہ سے کرنا یعنی ذکر میں ذات پر نظر ہو اور شکر میں انعام اور صفات پر اور شکر کے ساتھ **ولا تکفرون** میری ناشکری نہ کرنا۔ کفر کے لفظی معنی چھپانا ہیں انکار کو بھی اسی لئے کفر کہتے ہیں کہ اس سے نعمت چھپائی جاتی ہے۔ بے ایمانی اور ناشکری کو بھی کفر اور کفران اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں خدا کی نعمت کا انکار ہے۔ حکم شکر کے بعد کفر سے منع کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ شکر میں کفر کو شامل نہ کرو یعنی کہ زبان سے شکر اور عمل سے کفران کرو مثلاً مالدار زبان سے شکر ادا کرے اور زکوٰۃ ادا نہ کرے یہ شکر مع کفران ہے تو گویا یہ شکر کی تفسیر اور

تفصیل ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو جب میں نے تم کو محض اپنے کرم سے بلا عمل اتنی نعمتیں عطا فرمائیں تو تم بھی دو کام کرنا ایک میرا ذکر دوسرے میری نعمتوں کا شکر۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ میرے ذکر سے عالم میں تمہارا چرچا ہوگا اور شکر سے تمہاری نعمتیں بڑھیں گی۔ ناشکری نہ کرنا کہ اس میں نعمت کے چھن جانے کا خطرہ ہے تم مجھے اطاعت سے یاد کرو میں تمہیں رحمت سے یاد کروں گا تم مجھے دعا سے یاد کرو میں تمہیں عطا سے یاد کروں گا۔ تم مجھے شکر اور اطاعت سے یاد کرو میں تمہیں ثواب اور رفعت سے یاد کروں گا۔ تم مجھے دنیا میں یاد کرو میں تمہیں آخرت میں یاد کروں گا تم مجھے زمین پر یاد کرو میں تمہیں قبر میں یاد کروں گا۔ تم مجھے آبادی اور مکانوں میں یاد کرو میں تمہیں جنگلوں اور وحشت کے میدانوں میں یاد کروں گا۔ تم مجھے راحت میں یاد کرو میں تمہیں بلا میں یاد کروں گا۔ تم مجھے مجاہدہ سے یاد کرو میں تمہیں ہدایت سے یاد کروں گا تم مجھے صدق و اخلاص سے یاد کرو میں تمہیں خلاص (چھٹکارا) اور اختصاص سے یاد کروں گا۔ تم مجھے زندگی میں ربوبیت سے یاد کرو میں تمہیں مرتے وقت محبوبیت سے یاد کروں گا۔ تم گویا یوں میں کہوں گا یا عبدی تم کہو میں گنہگار ہوں میں کہوں گا میں غفار ہوں (کبیر) چار نعمتیں چار چیزوں سے ملتی ہیں۔ رب کے ذکر سے خدا کے ہاں اس کا ذکر ہونا جیسا کہ اس آیت میں ہے دعا سے قبولیت ادعونی استجب لکم شکر سے زیادتی نعمت لئن شکرتم لازیدنکم اور استغفار سے مغفرت (روح البیان) علماء فرماتے ہیں کہ ذکر الٰہی یعنی اللہ کی یاد تین طرح ہے۔ ذکر مقبول ذکر محبوب ذکر مردود۔ ذکر مقبول تو وہ ہے جو دوزخ کے خوف یا جنت کی امید سے کیا جائے اس کا نتیجہ دوزخ سے امان اور جنت کی عطا ہے ذکر محبوب یہ ہے کہ محض محبت الٰہی کی بنا پر اس کی یاد کی جاوے نہ جنت ملنے کے لئے نہ دوزخ سے بچنے کے لئے یہ ذکر پہلے ذکروں سے افضل ہے کہ ان ذکروں میں ذاکر کی اپنی غرض بھی تھی اس ذکر میں اپنی غرض کچھ نہیں اس ذکر کا نتیجہ یہ ہے کہ بندہ اللہ کا محبوب بن جاتا ہے پھر دنیا میں اللہ اس بندے کے آنکھ، ناک، منہ، پاؤں بن جاتا ہے کہ اس کے اعضاء میں خدائی طاقتیں آجاتی ہیں اور بندے سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں۔ دیکھو حضرت مریم کا ہاتھ لگتے ہی خشک کھجور درخت سرسبز ہوئی پھل لگے اور فوراً پک بھی گئے جیسا کہ سورۂ مریم میں صراحۃً مذکور ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردہ کو زندہ ہو جانے کا حکم دیتے وہ فوراً زندہ ہو جاتا تھا دیکھو سورج کے سامنے شیشہ ہو جاوے تو اس شیشے میں چمک شعاعیں گرمی وغیرہ ظاہر ہوتی ہیں کوئلہ آگ سے متصل ہو کر جلاتا ہے کوئلہ اپنا جسم چھپا ڈالتا ہے۔ آئینہ سورج نہیں ہو گیا اور کوئلہ آگ نہیں بن گیا مگر یہ دونوں سورج و آگ کے سے کام کرتے ہیں اسی طرح بندہ خدا نہیں بن جاتا بلکہ رب کی تجلی گاہ ہو کر اس کے سے کام کرنے لگتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے۔ بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب حاصل کرتا ہے تو میں اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ بن جاتا ہوں۔ غرضیکہ ذکر اللہ عجیب عجیب کرشمے دکھاتا ہے۔ بعض گروہ بندے اس حالت میں ایسے فانی ہو جاتے ہیں کہ کہہ بیٹھتے ہیں۔ انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی۔ اس حالت میں ان کا انا الحق کہنا ایسا ہی ہوتا ہے جیسے طور پر درخت سے موسیٰ کو انی انا اللہ کی صدا سنواتا فرماتے ہیں۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت
کے روا نبود کہ گوید نیک بخت

www.alahazratnetwork.org

ذکر و شکر

(ذکر اللہ) اللہ کا ذکر بہترین عبادت ہے احادیث میں اس کے بڑے فضائل آئے۔ ہم مشکوۃ و تفسیر درمنثور اور مسلم و بخاری وغیرہ سے کچھ نقل کرتے ہیں۔ (1) جو قوم اللہ کا ذکر کرے اسے فرشتے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں اور رحمت انہیں گھیر لیتی ہے اور انہیں سکون قلب نصیب ہوتا ہے اور اللہ ملائکہ میں ان کا ذکر کرتا ہے (مسلم)۔ (2) بندہ نوافل سے رب کا پیارا بن جاتا ہے۔ جس سے کہ رب اس کے کان ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ سنتا ہے اس کی آنکھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ دیکھتا ہے۔ اس کے ہاتھ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ پکڑتا ہے اور اس کے پیر ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ چلتا ہے (بخاری) یعنی اللہ کے ذاکر کو ربانی قوتیں ملتی ہیں اور اس سے عجیب کرامتیں ظاہر ہوتی ہیں جیسے کوئلہ آگ میں رہ کر آگ کا سا کام کرتا ہے۔ (3) بہتر عمل یہ ہے کہ انسان کی زبان ذکر اللہ سے تر رہے اور اسی حال پر دنیا سے جائے (احمد و ترمذی)۔ (4) ذکر کے حلقے جنت کے باغ ہیں (ترمذی)۔ (5) شیطان انسان کے دل پر چپا رہتا ہے اور اللہ کے ذکر سے بھاگتا ہے (بخاری)۔ (6) غافلوں میں ذاکر ایسا ہے جیسے بھاگے ہوئے لشکر میں حملہ کرنے والا اور جیسے خشک درخت میں ہری شاخ اور جیسے اندھیرے گھر میں چراغ (رزین)۔ (7) جو رب کو دل میں یاد کرے رب بھی اسے ایسے ہی یاد کرتا ہے اور جو جماعت میں یاد کرے تو رب تعالیٰ اسے ملائکہ کی جماعت میں یاد کرتا ہے (مسلم بخاری)۔ (8) ہر گھری کچھ زینت ہے اور مسجدوں کی زینت ذکر اللہ اور ذاکرین ہیں (درمنثور)۔ (9) قیامت میں کچھ نورانی لوگ نور کے منبروں پر ہوں گے لوگ ان پر رشک کریں گے یہ وہ لوگ ہیں جو ذکر اللہ اللہ کرتے تھے (طبرانی اور درمنثور)۔ (10) کچھ ملائکہ ذکر کے حلقوں کو ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ جہاں پاتے ہیں انہیں گھیر لیتے ہیں پھر رب سے عرض کرتے ہیں کہ ہم ان بندوں کے پاس سے آ رہے ہیں جو تیری کتاب اور نبی علیہ السلام پر درود پڑھ رہے تھے۔ رب فرماتا ہے ہم نے انہیں بخش دیا وہ عرض کرتے ہیں کہ ان میں بعض بلا قصد اتفاقیہ آ گئے تھے فرماتا ہے کہ وہ بھی بخش دیئے گئے ذاکرین کا ساتھی بھی محروم نہیں رہتا (بزاز و درمنثور)۔

ذکر اللہ کے فائدے : اس کے بہت سے فائدے تو معلوم ہو چکے کچھ اور فائدے بھی حسب ذیل ہیں۔ (1) ذکر اللہ زنگ آلود دل کی صیقل ہے۔ (2) ذکر اللہ گندے دل کے لئے آب رحمت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق پاکیست چوں پاکی رسید　　رخت بر بندد بروں آید پلید
چوں بیاید ذکر حق اندر دہاں　　نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

(3) ذکر اللہ بے چین دل کا چین ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** (4) ذکر اللہ ہمارے اصلی وطن کا خط ہے۔ جیسے مسافر کو پردیس میں وطن کے خط سے تسکین ہوتی ہے ایسے ہی رب کے ذکر سے دل اور روح کو سکون۔ (5) ذکر اللہ مصیبتوں کو ٹالتا ہے آدم علیہ السلام کی توبہ اسی سے قبول ہوئی **فتلقی ادم من ربہ کلمت** یونس علیہ السلام نے اسی کی برکت سے مچھلی کے پیٹ سے رہائی پائی۔ **فلولا انہ کان من المسبحین** ذکر ہی کی برکت سے کشتی نوح پار لگی۔ **بسم اللہ مجریھا و مرسھا** اب بھی ہر مصیبت میں ذکر ہی کام آتا ہے۔ (6) مصیبت کے وقت نماز حاجت پڑھو خشک سالی میں نماز استسقاء ادا کرو۔ کوئی کام

www.alahazratnetwork.org

ورپیش آجائے تو اس کے لئے دعا استخارہ پڑھو۔ چاند سورج کو گرہن لگے تو نماز کسوف خسوف پڑھو بلکہ ہر حال میں اللہ اللہ کرو۔ بچے کے کان میں اذان کہو، مرتے وقت کلمہ پڑھو، چھینک پر الحمد للہ، تعجب پر سبحان اللہ، بری بات پر معاذ اللہ، عزائم پوری پر الحمد للہ، غصہ میں لا حول ولا قوۃ الا باللہ غرضیکہ ہر حال میں اللہ ہی اللہ ہے۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اسی کا ذکر کرو۔

ذکر اللہ کی قسمیں : اس کی تین قسمیں ہیں۔(1) ذکر باللسان یعنی زبان سے تسبیح، تحمید اور تلاوت کرنا۔(2) ذکر بالجنان یعنی قلبی ذکر اس کی تین صورتیں ہیں ایک تو رب کی ذات و صفات کے دلائل میں غور کرنا اور منکرین کے جوابات سوچنا۔ دوسرے شریعت کے احکام کے فائدے سوچنا اور رب کے وعدے اور وعیدوں کا خیال رکھنا۔ تیسرے مخلوقات الٰہی کے اسرار میں اتنا غور کرنا کہ عالم کا ہر ذرہ جمال یار کا آئینہ بن جائے اور ہر چیز میں اسی کی تجلی ہو۔(3) ذکر بالارکان یعنی ظاہری اور باطنی اعضاء کو اچھے کام میں مشغول رکھنا اور برے کام سے روکنا (روح البیان) پھر ذکر کی دو قسمیں ہیں ذکر اللہ بلاواسطہ اور بالواسطہ۔ ذکر بلاواسطہ اللہ کی ذات و صفات کا یاد کرنا اور بالواسطہ اس کے پیاروں کا ذکر ہے لہذا درود شریف، نعت شریف، اولیاء کرام کے قصے سب ذکر اللہ ہیں بلکہ رب سے ڈرانے کے لئے اس کے دشمنوں کا ذکر بھی ذکر اللہ ہے۔ دیکھو تلاوت قرآن رب کا ذکر ہے مگر اس میں محبوبین اور مردودین کے تذکرے بھی ہیں اور ان سب پر ثواب ملتا ہے۔

افضل الذکر : زبانی ذکر سے قلبی ذکر کو اس لئے بزرگی ہے کہ مرتے وقت کبھی زبان بند ہو جاتی ہے مگر دل بند نہیں ہوتا جس کا دل ذاکر ہو وہ انشاء اللہ ذکر پر ہی مرے گا۔ نیز زبان باتیں کرنے اور سونے کی حالت میں ذکر الٰہی نہیں کر سکتی مگر ذاکر دل سوتے جاگتے کھاتے پیتے ہر وقت اللہ اللہ کرتا ہے۔ بعضے ذاکر قلبی ایسے ہیں کہ جس مجلس سے گزر جائیں وہاں سب کو ذاکر بنا دیں بلکہ جہاں بیٹھ جائیں وہاں کا ہر ذرہ اور در و دیوار ذاکر بن جائے۔

ذکر بالجہر : خاندان نقشبندیہ میں ذکر خفی اختیار کیا گیا ہے کیونکہ اس میں ریا کا شائبہ نہیں اور رب کا حکم ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیۃ وغیرہ کہتے ہیں۔

دل میں ہو یاد تیری گوشہ تنہائی ہو پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

دیگر سلسلوں میں بلند آواز سے ذکر مرغوب کیونکہ ذکر کی ضرب سے دل پر خاص اثر پڑتا ہے آنکھوں سے نیند دور رہتی ہے۔ دوسروں کو ذکر کا شوق ہوتا ہے اس سے شیطان بھاگتا ہے اور جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک کی ہر چیز ایمان کی گواہی دیتی ہے۔ رب فرماتا ہے فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا نیز مجلس ذاکر کا رب کے ہاں بھی ملائکہ میں ذکر ہوتا ہے ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدۂ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

دونوں حضرات اللہ کے پیارے ہیں اور سب جنتی اس کی زیادہ تحقیق جاء الحق میں دیکھو۔

افضل الاذکار : کون سا ذکر افضل ہے اس میں مختلف روایتیں ہیں۔ بعض میں ہے کہ افضل ذکر کلمہ طیبہ ہے کہ اس سے دل کی صفائی ہے۔ بعض میں ہے کہ تلاوت قرآن کہ اس میں ایک حرف پر دس نیکیاں ہیں۔ بعض میں ہے کہ افضل ذکر توبہ و استغفار ہے کہ اس میں بلاؤں سے نجات اور رزق میں برکت وغیرہ ہے بعض میں ہے کہ افضل ذکر درود شریف ہے۔ اور بعض

www.alahazratnetwork.org

میں ہے کہ افضل ذکر یہ ہے: سبحان اللہ و بحمدہ سبحان اللہ العظیم کہ اس سے قیامت میں میزان بھر جائے گی (بخاری)۔ بعض میں ہے کہ افضل ذکر تسبیح فاطمہ ہے۔ یعنی سبحان اللہ اور الحمد للہ 33,33 بار۔ اللہ اکبر 34 بار بعد نماز فجر و مغرب مگر سلطان عشق کا فیصلہ یہ ہے کہ افضل ذکر درود شریف ہے کیونکہ اس میں خدا کا ذکر بھی ہے اور نبی پاک کا بھی اور حدیث شریف میں ہے کہ درود شریف پڑھنے والے کا درود ملائکہ گنبد خضرا میں پیش کرتے ہیں لہٰذا اس کا ذکر گنبد خضرا میں بھی ہوگا اور عرش الٰہی پر بھی کیونکہ وہ رب کا بھی ذاکر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی نیز قیامت میں درود پڑھنے والا حضور سے قریب ہوگا۔ حبیب الٰہی کا پھل یا پھول مل گیا تو برگ اور شجر کی پرواہ نہیں لہٰذا ہر ذکر بہتر مگر درود شریف بہت بہتر۔

شکر: شکر بھی رب کی بڑی عبادت ہے اس کے چند درجے ہیں۔ اوّل درجہ یہ ہے کہ ہر نعمت کو رب کی طرف سے جانے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر نعمت پر رب کی تعریف کرے اس سے بڑھ کر یہ کہ گناہوں سے بچے اس سے بڑھ کر یہ کہ رب کی کسی نعمت کو گناہ میں خرچ نہ کرے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ ہر نعمت کو عبادت میں صرف کرے یہ شکر کا اعلیٰ درجہ ہے اور یہی شریعت و طریقت کا اصل ہے۔ عوام کا شکر تو یہ ہے کہ رب کی ہر نعمت میں سے رب کا حصہ نکالے بعض سانسیں رب کے کام میں خرچ کرے مال میں سے کچھ رب کے لئے کرے دن رات کی بعض گھڑیاں رب کے کام کے لئے وقف کرے خواص کا شکریہ ہے کہ

[illegible] تیرا   سب تو تیرا ہے پھر کس لئے میرا تیرا

یعنی ہر ساعت ہر سانس رب کے لئے صرف ہو۔ کھائے تو رب کے لئے سوئے تو رب کے لئے کہ ان کے ذریعہ قوت حاصل کرکے عبادت کرے ہر کام میں سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عمل کا خیال رکھے سمجھے کہ سونا جاگنا مرنا جینا سنت ہے۔

حکایت: کسی نے ابو حازم سے پوچھا کہ آنکھ کا شکر کیا فرمایا یہ کہ بھلائی دیکھ کر ظاہر کرو اور برائی دیکھ کر چھپالو۔ کہا کان کا شکر کیا فرمایا کہ اچھی بات سن کر یاد کرلو اور بری بات بھول جاؤ۔ پوچھا کہ ہاتھوں کا شکر کیا تو فرمایا کہ ان سے وہ چیز نہ پکڑو جس کے لئے وہ بنائے نہ گئے۔ پوچھا کہ پیٹ کا شکر کیا فرمایا اس کے نیچے حصہ میں کھانا اور اوپر کے حصہ میں علم ہو۔ پوچھا شرمگاہ کا شکر کیا فرمایا کہ بیوی اور لونڈی کے سوا کسی پر استعمال نہ کرو۔ پوچھا کہ پیروں کا شکر کیا فرمایا کہ بے دست و پا کی خدمت کے لئے چلو۔ جس میں یہ بات ہو وہ پورا شاکر ہے (تفسیر درمنثور)۔ خیال رہے کہ دنیوی احسان کرنے والوں کا شکریہ ادا کرنا بھی اشد ضروری ہے۔ اس کی پوری بحث انشاء اللہ لئن شکرتم کی بحث میں آئے گی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا صرف اس کو یاد کرتا ہے جو اسے یاد کرے تو کیا وہ غافلوں سے غافل ہے۔ یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ذاکر پر خاص نظر کرم فرماتا ہے یا اسے رحمت سے یاد کرتا ہے یا اس کی عزت یا اس کا چرچا کرتا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی اللہ کو یعنی خدا کو یاد کرے خدا اسے یاد کرتا ہے تو اگر چور چوری کرتے وقت یا شرابی شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھ لے یا بت پرست بت پرستی کرتے وقت خدا کا نام لے لے کیا خدا اسے بھی یاد کرتا ہے؟ جواب: ہاں ضرور یاد کرتا ہے مگر لعنت اور عذاب کے ساتھ۔ یہی عبداللہ ابن عباس و ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا اور آپ نے یہی جواب دیا (درمنثور) لہٰذا اگر

www.alahazratnetwork.org

ناشکری کرنے والا اس کی شکایت کرنے والا بھی رب کا نام تو لیتا ہے مگر یہ ذکر لعنت کا باعث ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بنی اسرائیل سے کہا گیا کہ اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم اور مسلمانوں کو حکم ہوا کہ فاذکرونی یعنی بنی اسرائیل کو نعمتوں کی یاد کا حکم دیا اور ہم کو اپنی یاد کا اور ظاہر ہے کہ نعمت کی یاد سے رب کی یاد افضل ہے کیونکہ وہ گویا لالچ ہے اور اس میں رب کا عشق اور یہ آیت بھی گذشتہ کی طرح مسلمانوں کی افضلیت جاری ہے کہ تم کو سید الانبیاء کی غلامی دی۔ ایسے ہی اپنا عشق عطا فرمایا۔ نیز ذکر اللہ کی تین صورتیں ہیں۔ جنت کی امید سے ' جہنم کے خوف سے اور رب کے عشق سے۔ آخری صورت سب سے افضل جو بیماری یا ناداری یا مصیبت ذکر اللہ کی طرف رہبری کرے وہ اس تونگری اور مالداری اور راحت سے بہتر ہے جو رب سے غافل کردے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

مولا ہم کتنے بھلے کہ جب تب بھجے نام ۔۔۔ واری بپتی دیکھ تو کہ جہاں نہیں رحمان
دکھ میں ہر کو ہر بھجے اور سکھ میں بھجے نہ کوئے ۔۔۔ جو کوئی سکھ میں ہر بھجے تو دکھ کاہے کو ہوئے

صوفیاء کے ہاں ذکر شکر سے افضل ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ تم اوقات میں مجھے یاد کرو میں تمہیں حال مقصود پر پہنچا کر یاد کروں گا اور تم اس توفیق کا شکر کرو کہ ہر وقت میں مجھے یاد کرو۔ شکر کرو میں تمہیں مراتب زائد دوں گا اور دین و دنیا کی نعمتوں کو شکر سے جاذب بناؤ۔ کیونکہ برکت قرآن یہ ہے کہ شکر نعمتوں کی زیادتی کا سبب ہے۔ تفسیر ابن عربی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ تم میری تعظیم کرو میں تمہیں عزت دوں گا۔ ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ کی براہ راست تعظیم نہیں ہو سکتی اس کی تعظیم کی صرف یہ صورت ہے کہ اس کی محبوب چیزوں کی تعظیم کی جائے لہٰذا انبیاء' اولیاء' قرآن کریم اور ماہ رمضان ' مسجد ' خانہ کعبہ ' علماء دین سب ہی کی تعظیم ذکر اللہ ہے یہ تعظیم ساری عبادات سے افضل ہے کہ ساری عبادتیں تو جسم کا تقویٰ ہیں مگر یہ تعظیم دل کا تقویٰ رب فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** یہ تعظیم اصل ایمان ہے اور توہین اصل کفر۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگروں نے حضرت کلیم اللہ کا ادب کیا تو رب نے انہیں ایمان ' تقویٰ ' صحابیت ' صبر ' شہادت تمام نعمتوں سے نواز دیا۔ حضرت شبلی قرآن کریم کے کاغذ کے ادب کی وجہ سے ولی ہو گئے۔ حضرت جنید بغدادی پہلے شاہی پہلوان تھے ایک سید صاحب کے مقابل اکھاڑے میں گر جانے کی وجہ سے سرتاج اولیاء بن گئے اور ابلیس صرف حضرت آدم علیہ السلام کی توہین کی وجہ سے کافر بلکہ دل پر مہر والا کافر ہو گیا کہ اس نے کہا خلقتنی من نار و خلقتہ من طین' میں ناری اس مٹی کے ڈھیر کے آگے کیسے جھکوں۔ خیال رہے کہ شیطان نہ تو سجدہ نہ کرنے سے ایسا مردود ہوا کیونکہ آج بے نماز ہزار ہا سجدے نہیں کرتے وہ کافر نہیں ہوتے اور نہ سجدے کے انکار کی وجہ سے ایسا سخت لعنتی ہوا اور نہ ہزار ہا کفار تمام ارکان اسلام کے انکاری ہوتے ہیں کہ ایمان لا کر فرشتوں سے بھی بڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں لہٰذا یہی درست ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی بے ادبی جان کر سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے ایسا سخت مردود ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے	مدد لو	ساتھ صبر کے	اور نماز کے	تحقیق اللہ	ساتھ صبر والوں کے ہے۔		
اے ایمان والو	صبر اور نماز سے مدد چاہو	بے شک اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔					

تعلق : اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ذکر و شکر کا حکم دیا گیا تھا جو ساری بدنی و مالی عبادات کو شامل ہے اور کفران سے منع فرمایا گیا جس میں سارے گناہ داخل اس پر پورا عمل کرنا سخت دشوار تھا لہٰذا اب صبر و نماز کا حکم دیا گیا جس سے ان میں مدد ملے یعنی صبر و نماز سے ذکر و شکر میں مدد لو۔ **دوسرا تعلق:** پہلے ذکر و شکر کا حکم تھا۔ ذکر کا قوی تعلق بدن سے تھا اور شکر کامال سے اب صبر و نماز کا حکم دیا جارہا ہے۔ جس کا تعلق قلب و روح و بدن سب سے ہے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے ذکر و شکر کا حکم دیا۔ اب اس صبر و نماز کا حکم دیا جارہا ہے۔ جس میں وہ دونوں بلکہ ساری عبادات داخل ہیں گویا پہلے مفرد نسخے بتائے گئے اور اب مرکب معجون۔ **چوتھا تعلق:** پہلے بلاواسطہ ذکر و شکر کا حکم تھا اب بالواسطہ کا کیونکہ صبر و نماز بالواسطہ ذکر بھی ہیں اور شکر بھی۔ **پانچواں تعلق:** پہلے ذکر و شکر کا حکم تھا اور کفران کی ممانعت اور ان میں سے ہر ایک کی لاکھوں قسمیں تھیں جن سب کا ادا کرنا بظاہر دشوار۔ اب اس چیز کی تعلیم دی جارہی جس میں سب پر عمل ہو جائے کیونکہ صابر اور نمازی بفضلہ تعالیٰ ہر قسم کا ذکر و شکر کرتا ہے۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیت میں شکر کا حکم تھا اب صبر کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ تم پر ہمیشہ نعمتیں ہی نازل نہ ہوں گی تاکہ تم ہمیشہ شکر ہی کرتے رہو بلکہ کبھی مصیبتیں بھی آئیں گی تاکہ تم کو صابر بنا کر صبر کا ثواب بھی دیا جاوے صبر و شکر بندگی کے دو پر ہیں جن سے بندہ پرواز کر کے دروازہ محبوب تک پہنچتا ہے گویا ایک پر کا ذکر پہلی آیت میں تھا دوسرے کا اس آیت میں ہے۔

تفسیر : **یاایھا الذین امنوا** اگرچہ پہلے ہی سے مسلمانوں سے خطاب ہو رہا ہے مگر چونکہ اب دشوار باتوں کا حکم ہے لہٰذا نئے خطاب سے ان کی عزت افزائی فرمائی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا کر اپنا جان و مال ہمارے ہاتھ فروخت کر چکے تم یہ دو عمل کرو کیونکہ اب تمہاری ہر چیز ہماری ہے۔ نیز اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ ایمان کے بغیر صبر و نماز ساری عبادات بیکار ہیں عبادتوں کے لئے ایمان ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز کے لئے جسم و کپڑے کی پاکی اسی لئے ایمان کو ماضی فرمایا اور صبر و نماز کا حکم دیا جو مستقبل پر دلالت کرتا ہے۔ حق یہ ہے کہ مومنوں کے خطاب میں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے ان کا خطاب **یا ایھا النبی** ہے۔ نیز انداز خطاب سے ہی منشاء کا پتہ لگ جاتا ہے۔ کسی سے کہا او بیوقوف! معلوم ہوا عتاب ہوگا۔ اگر کہا او پیارے معلوم ہوا کرم ہوگا اگر کہا او بہادر معلوم ہوا کہ کوئی سخت کام دیا جائے گا۔ عرض کیا اے مالک و مولیٰ معلوم ہوا کہ معافی چاہی جائے گی۔ رب نے ہم کو مومن کے لفظ سے خطاب فرما کر کرم خاص کا اظہار فرمایا تاکہ مشقتیں آسان ہوں۔ ایمان کی حقیقت علماء کے نزدیک یہ ہے کہ تمام ضروریات دین کو مانا جائے کسی کا انکار نہ ہو۔ صوفیاء کے نزدیک یہ ہے کہ سید المرسلین رحمۃ للعالمین کو اس طرح مانا جاوے کہ "عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ"۔ اس خطاب سے معلوم ہوتا ہے کہ ہماری عزت مال و دولت سے نہیں مومن ہونے سے ہے نیز موحد ہونا کمال نہیں موحد تو ابلیس بھی ہے مومن ہونا کمال ہے۔ قبر میں توحید کے

www.alahazratnetwork.org

سوال کے بعد حضور کی پہچان کرائی جاتی ہے کیونکہ ایمان کا امتحان ہے اصلی دین نبوت سے بنتے ہیں نہ کہ توحید سے دیکھو یہودیت عیسائیت اسلام الگ الگ دین ہیں مگر توحید سب میں موجود ہے۔ منسوخ نہ ہوگی نبوت ہی میں فرق ہے وہی منسوخ ہوتی ہے۔ استعینوا استعانت کے معنی اور اس کے احکام "و ایاک نستعین" میں گزر چکے۔ اب اتنا سمجھ لو کہ یہاں تھوڑی سی عبارت پوشیدہ ہے یعنی ہر بھلائی کرنے اور ہر برائی چھوڑنے میں صبر و نماز سے مدد لو بے نمازی کا کوئی ورد وظیفہ نہ قبول ہے نہ تاثیر والا نیز تارک فرض کے نفل قبول نہیں ہیں اور تاثم وہی لگا سکتا ہے جو ڈیوٹی پوری دے فرائض ڈیوٹی ہیں اور نوافل اوور ٹائم بالصبر صبر کے لفظی معنی رکنا یا روکنا ہے چونکہ رب تعالیٰ بھی گنہگاروں کی جلدی پکڑ نہیں فرماتا انہیں مہلت دیتا ہے لہذا اس کا نام صبور ہے۔ یعنی رب کے لئے صبر کے معنی ہیں مہلت دینا۔ خیال رہے کہ رب کا مہلت دینا کسی کے لئے رحمت ہے اور کسی کے لئے عذاب جسے اس لئے مہلت دی جائے کہ آخر کار توبہ کرکے نیکوں کے زمرہ میں آنے والا ہے تو یہ مہلت اس کے لئے رحمت ہے اور اگر مہلت کا منشاء یہ ہے کہ بندہ اور زیادہ گناہ کرکے بڑے عذاب کا مستحق ہو جائے تو اس کے لئے عذاب ہے دیکھو رب نے فرعون کو بھی مہلت دی تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں کو بھی مگر فرعون کے لئے یہ مہلت غضب تھی اور جادوگروں کے لئے رحمت تھی اور ہمارے لئے صبر کے معنی ہیں برائیوں سے رکنا۔ خیال رہے کہ صبر کی بہت سی قسمیں اور بے شمار فوائد ہیں جن کا ذکر انشاء اللہ خلاصہ تفسیر کے بعد ہو گا یہاں اتنا سمجھ لو کہ صبر کی دو قسمیں ہیں جسمانی اور نفسانی۔ صبر جسمانی بدن پر مشقتیں جھیل جانے کا نام ہے۔ اور صبر نفسانی نفس کو برائیوں سے روکنے اور بھلائیوں پر قائم رکھنے کو کہتے ہیں۔ تفسیر عزیزی سے ظاہر ہوتا ہے کہ صبر کی بناء عقل و شہوت پر ہے فرشتوں میں عقل ہے شہوت نہیں۔ اور جانوروں میں شہوت ہے عقل نہیں پھر انسان بھی بچپن میں عقل سے خالی جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے کا خواہش مند اس لئے انہیں صبر کا حکم نہیں جوانی میں جب شہوت و عقل جمع ہوئے تب صبر کا حکم ہوا چونکہ صبر میں چھوڑنا ہے اور نماز میں عمل اور ظاہر ہے کہ ترک عمل سے پہلے ہے لہذا صبر کو پہلے بیان کیا اور فرمایا کہ مسلمانو ہر موقعہ پر صبر سے مدد لو اور اگر صبر دشوار ہو تو ایک تریاق مجرب اور بتاتے ہیں جو چند چیزوں سے مرکب ہے وہ کیا والصلوۃ اگرچہ نماز میں ذکر، فکر، شکر، دعا وغیرہ ساری عبادات ہیں مگر صبر اس کا رکن اعلیٰ ہے۔ کیونکہ کھانا پینا، چلنا پھرنا، ہنسنا بولنا بلکہ ادھر ادھر دیکھنا غرضیکہ سارے دنیوی کاموں سے نماز روک دیتی ہے اور نمازی ان سب پابندیوں کو بخوشی برداشت کرتا ہے۔ لہذا اسے صبر کے ساتھ رکھا گیا۔ اسی لئے نماز، روزہ اور زکوۃ سے اعلیٰ مانی گئی ہے کہ ان میں صرف دو چار پابندیاں ہیں اور اس میں صدہا۔ اسی لئے نماز ہر مصیبت میں کام آتی ہے اور یہ مسلمانوں کی معراج ہے ان دونوں کے بے شمار دنیوی اور دینی فائدے ہیں سب سے بڑا یہ کہ ان اللہ مع الصبرین دیگر نیک کاروں کو جنت وغیرہ دے کر بہلا دیا جاتا ہے مگر صابرین کو جنت والا ملتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ رب نمازیوں کے ساتھ نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ صبر تو نماز کا ایک جزو ہے جب صابر کے ساتھ اللہ ہے تو نمازی کے ساتھ بدرجہ اولیٰ ہے نیز رب اگرچہ سب کے ساتھ ہے مگر ان کے ساتھ احسان اور کرم کے ساتھ اور جس قدر نماز و صبر میں کمال اسی قدر رب کی معیت کامل اور جب رب ساتھ ہو گیا تو پھر کس کی مجال ہے جو بال بیکا کر سکے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانوں تمہیں ذکر و شکر کا حکم دیا گیا اور کفران سے روکا گیا اگر تمہیں ان پر عمل کرنا بھاری پڑے تو

www.alahazratnetwork.org

تمہیں دو چیزیں بتاتے ہیں۔ جس سے تم ہر کام پر بخوبی ثابت قدم رہ سکو گے۔ ایک صبر دوسرے نماز۔ تمہارا نفس شریر گھوڑا ہے اس کے منہ میں صبر کی لگام دو اور نماز کے راستہ پر چلاؤ اور لگام شریعت کے قبضہ میں رکھو جس سے وہ اِدھر اُدھر نہ بھاگے۔ اگر تم نے ان دو چیزوں کو مضبوطی سے پکڑ لیا تو سمجھ لو کہ ساری نیکیوں پر تو جنت اور حور و قصور ملیں گے اور ان پر خود رب غفور اور جب رب اس کا ہے تو سب اس کا یاد رکھو کہ بادشاہ کا غلام غلاموں کا بادشاہ ہے۔

مالک کشور شود بندہ کہ سلطان خرید

لہٰذا تم نیک کاروں کے بادشاہ ہو گے۔ رب تعالیٰ نے یہاں تو نماز کا فائدہ بیان فرمایا حل مشکلات دوسری جگہ اس کا فائدہ بتایا تنہیٰ عن الفحشاء والمنکر لیعنی نماز بے حیائی اور بری باتوں سے روک دیتی ہے۔ یہ تمام فوائد اس نماز کے ہیں جو صحیح نماز ہو نماز کے جسمانی ارکان تو نماز کا قالب اور ڈھانچہ ہیں دل کا حضور اور خشوع اس کا قلب ہے۔ اگر کوئی نمازی بدکاریوں سے نہیں بچتا یا اس کی مشکلات حل نہیں ہوتیں تو قرآن کی ان آیات کا انکار نہ کرے بلکہ اپنی نماز کو مکمل درست کرے بلب ضرور روشنی دیتا ہے مگر جبکہ پاور آرہی ہو۔ لیکن اگر کسی کو نماز میں حضور میسر نہ ہو تو وہ نماز چھوڑ نہ دے بلکہ پڑھے جاوے اور دعا کرے مکھیوں کی وجہ سے کھانا نہ چھوڑ دے کبھی تو رب تعالیٰ کرم کرے گا۔

صبر و صلوۃ : صبر کی حقیقت یہ ہے کہ آدمی کسی سخت کام میں دل پر کدورت نہ آنے دے اور اگر آبھی جائے تو اس کی پرواہ نہ کرے اور کام کو سخت نہ جانے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ صبر بدن اور صبر نفس۔ صبر بدن یہ ہے کہ رضاء مولا کے لئے سخت محنت برداشت کرے۔ روزہ ' نماز ' حج سردی کے موسم کے وضو وغیرہ کی سختی پر خیال نہ کرے یا بدنی امراض پر رب سے ناراض نہ ہو۔ علاج اور دعا خلاف صبر نہیں۔

صبر نفس : یہ ہے کہ نفس کو اس کی ناجائز خواہشوں سے روکے۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر قسم کا علیحدہ نام۔ پیٹ اور شرمگاہ کی غلط خواہش سے رکنے کو عفت کہتے ہیں مال دولت کی ہوس سے باز رہنے کو قناعت اور مصیبت میں تحمل کرنے کو صبر عرفی تونگری میں غرور تکبر سے بچنے کو حوصلہ جہاد کفار میں قائم رہنے کو شجاعت اور غصہ میں آپے میں رہنے کو حلم اور زبان سے کسی کا راز فاش نہ کرنے کو رازداری کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ کسی کی موت وغیرہ پر آنکھ سے آنسو بہنا یا چہرہ کا رنگ بدل جانا یا صبر کے الفاظ بولنا بے صبری نہیں۔ حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے حضور پاک کی وفات شریف پر بے شمار آنسو بھی بہائے اور کچھ الفاظ بھی فرمائے مثلاً ہائے میرے والد آپ جنت میں پہنچ ہائے میرے والد اب وحی آنا بند ہوگئی وغیرہا کہ اے انس تمہارے دل نے کیسے گوارا کیا کہ تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبر پاک میں سلا دیا (بخاری و مشکوۃ) حالانکہ وہ صابرین کی سردار ہیں بلکہ کپڑے پھاڑنا ' بال نوچنا ' منہ پر تھپڑ مارنا ' رب کی شکایت کرنا یہ بے صبری ہے یہ بھی یاد رکھو کہ خاص مصیبت کے وقت برداشت کرنا صبر ہے۔ بے صبری اور بے قراری سے تھک کر خاموش ہو جانے کا نام صبر نہیں بلکہ تسلی ہے اور نہ اس پر صبر کا ثواب۔ خیال رہے کہ صبر کے تین درجے ہیں۔ مصیبت میں صبر ' رب کی اطاعت پر صبر ' معصیت سے صبر ' مصیبت میں صبر ہے اللہ کی فرمانبرداری ہمیشہ کرنا نفس کو عبادت پر قائم رکھنا روکے رہنا۔ نرمی گرمی عیش و تنگی میں دروازہ رب سے نہ ہٹنا اطاعت پر صبر ہے جب مالداری اور دنیا کی وسعت آئے اور گناہوں کے بہت مواقع ملیں اس وقت نفس کو گناہوں سے

www.alahazratnetwork.org

روکنا معصیت سے صبر ہے استقامت بھی صبر کی ہی ایک قسم ہے۔

صبر کے فائدے : صبر بہترین عبادت ہے۔ اس کے بے شمار فضائل اور فوائد ہیں ان میں سے کچھ عرض کیے جاتے ہیں۔ (1) قرآن شریف میں 70 یا 75 جگہ صبر کا ذکر فرمایا۔ (2) ہر عبادت پر ثواب مقرر ہے مگر صبر پر نہیں بلکہ اس کا ثواب بے اندازہ ہے چونکہ روزہ میں بھی خاص صبر کا اظہار ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ روزہ میرا ہے اس کی جزا میں ہی دوں گا (حدیث)۔ (3) ساری عبادتوں کی جزا جنت ہے اور صبر کا ثواب خود رب تعالیٰ جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا۔ (4) وعدہ الٰہی ہے کہ اگر تم صبر کرو گے تو ہم پانچ ہزار فرشتے بھیج کر تمہاری مدد کریں گے (قرآن کریم)۔ (5) صبر والوں پر رب کی خاص رحمت ہے۔ (6) صبر نصف ایمان ہے (حدیث)۔ کیونکہ برائیوں سے بچنا صبر ہے اور عبادات کرنا شکر بلکہ حضرت علی اور عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ صبر ہی ایمان ہے کیونکہ شکر بھی بغیر صبر ناممکن (عزیزی)۔ (7) صبر سے استقلال اور ثابت قدمی حاصل ہوتی ہے جو کہ کامیابی کا منہ دکھاتا ہے بے صبری سے بے چینی اور بے قراری بڑھتی ہے جس سے ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اوسان جاتے رہتے ہیں۔ عقل کھو جاتی ہے اور بنے بنائے کام بگڑ جاتے ہیں۔ (8) انسانیت کا تقاضا ہے کہ جس کی نعمتیں کھائے اس کی خاطر تکلیف بھی برداشت کرے۔ کتا مالک کا ٹکڑا کھا کر ہزار دفعہ اس کی لاٹھی بھی کھالیتا ہے۔ بے صبر انسان جانور سے بدتر۔ (9) نعمت و معصیت بندے کا امتحان ہے جو ان دونوں حالتوں میں راضی برضا ہو وہ اصلی بہادر ہے اور جو نعمتوں میں راضی معصیت میں ناراض ہے وہ رب کا بندہ نہیں پیٹ کا بندہ ہے۔ (10) صبر سنت انبیاء اور اولیاء ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنا سارا مال خیرات کر کے اپنے فرزند کو ذبح کر کے نمرودی آگ میں اپنے کو پہنچا کر صبر کی مثال قائم فرمادی۔ ایوب علیہ السلام نے سخت بیماری برداشت فرما کر دوسری مثال قائم کی۔ ہمارے نبی علیہ السلام نے کفار مکہ کی سختیاں جھیل کر طائف والوں کی سختی پر ان کو دعائیں دے کر گذشتہ صبروں پر رجسٹری فرمادی۔ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے میدان کربلا میں اپنے بچوں کو سامنے ذبح کرا کر تین دن کا روزہ رکھ کر پیاسے حلق پر خنجر چلوا کر اس آیت کریمہ کی قیامت تک نہ مٹنے والی تفسیر کردی۔ ہمیں چاہیے کہ اپنی مصیبتوں میں ان حضرات کے واقعات سامنے رکھ کر صبر کر لیا کریں۔

حکایت : ایک دفعہ لوگوں نے دیکھا کہ ایاز ہاتھی پر سوار ہیں اور نہایت شان و شوکت سے ان کا جلوس نکالا جا رہا ہے کچھ دن بعد دیکھا کہ ایاز پولیس کے ہاتھ میں گرفتار ہیں گلے میں جوتوں کا ہار اور ساتھ میں لوگوں کی قطار ہے۔ پوچھا ایاز وہ کیا تھا اور یہ کیا۔ ہنس کر جواب دیا کہ وہ تو **و تعز من تشاء** کا ظہور تھا اور یہ **و تذل من تشاء** کی جلوہ گری۔ نہ وہ اپنا تھا نہ یہ اپنا۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تیری رضا ہے

ان خوبیوں سے سلطان محمود ایاز کا غلام بن گیا (تذکرہ غوثیہ)۔

حکایت : ایک دفعہ ایاز کو محمود نے کوئی کڑوا پھل کھانے کو دیا۔ اس نے بہت مزے لے کر کھالیا۔ لوگوں نے کہا کیا دیوانہ ہوا ہے تجھے کڑوے میٹھے کی تمیز نہیں۔ کہا پھل تو کڑوا تھا مگر اس کے ہاتھ سے آیا تھا جس نے پہلے مٹھائیاں کھلائی ہیں۔

صبر و شکر : حق یہ ہے کہ صبر شکر سے اعلیٰ ہے اور صابر شاکر سے افضل، چند وجہوں سے۔ ایک یہ کہ شکر کی جزا زیادتی نعمت ہے لئن شکرتم لا زیدنکم اور صبر کی جزا رب تعالیٰ اور ظاہر ہے کہ جتنا ثوابوں میں فرق ہے اتنا ہی کاموں میں ہے

www.alahazratnetwork.org

دوسرے یہ کہ شکر سے دنیوی سامان بڑھتا ہے اور رب فرماتا ہے کہ متاع الدنیا قلیل اور صبر سے رضاء الٰہی ملتی ہے و رضوان من اللہ اکبر رب کی رضا ساری دنیا سے بہتر۔ تیسرے یہ کہ شاکر راہ مولا میں مال خرچ کرتا ہے اور صابر اپنی جان اور یقیناً مال سے جان بہتر۔ رب فرماتا ہے لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون تم پیاری چیز خرچ کئے بھلائی نہ پاسکو گے۔ چوتھے یہ کہ گروہ انبیاء میں شاکرین سے صابرین زیادہ ہیں۔ دیکھو سوائے سلیمان' داؤد اور یوسف علیہم السلام کے باقی سارے پیغمبروں نے مسکینیت اختیار فرمائی۔ پانچویں یہ کہ خود ہمارے حضور علیہ السلام نے دعا فرمائی کہ مولا میری زندگی وفات اور حشر مساکین میں ہو۔ معلوم ہوا کہ صبر کو اختیار فرمایا۔ سلیمان علیہ السلام نے بھی غنا سے تنگ آکر فرمایا کہ رب اغفرلی و ھب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی مولا سلطنت کے بوجھ مجھ پر ہی ڈال دے میرے بعد کسی پیغمبر کو یہ مصیبت نہ دینا کیونکہ یہ ان کے مناسب نہیں نماز بھی مصیبتوں کا بہترین علاج اور رحمتیں حاصل کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہے۔ نماز سے بدن کی صفائی' لباس کی پاکی' اخلاق پاکیزہ' آخرت کی الفت' دنیا سے بے رغبتی' رب سے محبت حاصل ہوتی ہے۔ بشرطیکہ حضور قلب کے ساتھ ادا ہو۔ جیسے کہ مختلف دواؤں میں مختلف تاثیریں ہیں۔ ایسے ہی نماز میں یہ تاثیر ہے کہ وہ برائیوں اور بدکاریوں سے بچاتی ہے اور جیسے کہ پہاڑوں کی ہوا تندرستی کے لئے مفید۔ ایسے ہی مسجد کی ہوا ایمان کی درستی کے لئے فائدہ مند۔ نماز میں ایک خاص بات یہ ہے کہ یہ انسان کے دھیان کو ہٹا دیتی ہے یعنی دنیا سے ایکدم غافل کرکے رب کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ جس سے خواہ مخواہ انسان دنیوی غم بھول جاتا ہے اور فارغ ہو کر ایسا مسرور ہوتا ہے کہ پھر قلب میں مصیبت کا زیادہ احساس نہیں ہوتا دیکھو مصری عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر انگلیاں کاٹ لیں اور انہیں بالکل تکلیف محسوس نہ ہوئی۔ بجائے ہائے ہائے کرنے کے یہ کہتی رہیں کہ ما ھذا بشر ان ھذا الا ملک کریم یہ بشر نہیں فرشتہ ہیں رب کی قسم اگر نزع کی حالت میں جمال مصطفائی نصیب ہو جائے تو اس وقت بھی کوئی تکلیف محسوس نہ ہو بلکہ کیفیت یہ ہو کہ جان تو نکل رہی ہو اور زبان پر یہ جاری ہو کہ مولیٰ تمہارے خدوخال پر قربان تمہارے بال کے صدقے تمہارے تبسم کے نثار صلی اللہ علیہ وسلم علی خیر خلقہ سیدنا محمد و آلہ وبارک وسلم۔ یہی نقشہ نماز کا ہے۔ نماز سے مراد نماز پنجگانہ ہیں یا خاص ضرورتوں پر خاص نمازیں اگر پہلے معنی مراد ہو تو اس آیت کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ حضور انور نے فرمایا جس کا دھیان نماز کی طرف رہے ہمیشہ باجماعت مسجد میں نماز پڑھے۔ مسجد سے فوراً نہ نکل جائے کچھ دیر بیٹھ کر جائے تو اس کی حیوۃ طیبہ ہوگی۔ جس کے بارے میں رب فرماتا ہے۔ من عمل صالحا من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ ایسے شخص پر یا مصائب آتے نہیں یا آتے ہیں تو فوراً چلے بھی جاتے ہیں اور اگر نہیں جاتے تو دل میں ان کا اثر نہیں ہوتا ان مصیبتوں پر اس کا دل ایسے تیرتا ہے جیسے دریا میں کشتی۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است

مگر نماز چاہئے ایسی کہ اس میں کبھی تو خدا سے عرض معروض ہو۔ ایاک نعبد اور کبھی مصطفیٰ علیہ السلام سے کہ السلام علیک ایھا النبی پھر رنج و غم کا خیال کیسا اس لئے فرمایا گیا کہ اے لوگو مصیبتوں میں صبر اور نماز سے مدد لو۔ خدا تعالیٰ ایسی کی نماز نصیب فرمائے۔ احادیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام کو جب کوئی معاملہ درپیش آتا تو آپ نماز میں مشغول ہو جاتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز مشکل کشا ہے۔ نماز بہت سی قسم کی ہے۔ نماز پنجگانہ جو سب پر فرض ہے۔ نماز جمعہ جو شہر

www.alahazratnetwork.org

والوں پر فرض نماز وتر جو سب پر واجب۔ نماز عید جو شہر والوں پر واجب۔ نماز تہجد یہ سنت موکدہ علی الکفایہ یعنی اگر شہر میں ایک بھی پڑھ لے تو کافی۔ نماز اشراق نماز چاشت نماز اوابین ضرورت کے وقت نماز حاجت۔ رب سے مشورہ کرنے کے لئے نماز استخارہ وغیرہ مگر جس کے ذمہ فرض نماز باقی ہو اس کی نفل قبول نہیں۔

فائدے : اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر خدا سے بھی مدد لینی جائز ہے دیکھو یہاں صبر و نماز سے مدد لینے کا حکم ہے حالانکہ یہ ہمارے اعمال ہیں۔ دوسرا فائدہ: خاص ضرورتوں کے وقت فرض نمازوں کے علاوہ بھی اور نمازیں پڑھنی چاہئیں جیسے کہ قحط میں نماز استسقاء اور مصیبت میں نماز حاجت۔ تیسرا فائدہ: جب صبر و نماز کی برکت سے مشکلیں آسان ہو سکتی ہیں تو بزرگوں کے توسل اور ان کی دعاؤں سے بھی آسان ہو سکتی ہیں کہ ہماری صبر و نماز سے ان کی دعائیں زیادہ قبول ہیں اور وہ خود مقبول ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ صابرین کے ساتھ ہے اور رب کے لئے ساتھ یا آگے پیچھے ہونا ناممکن کیونکہ وہ جگہ سے پاک ہے۔ جواب: اس سے مراد ہے اللہ کا کرم اور اس کی رحمت ان کے ساتھ ہے یہاں ہمراہی سے مکانی ہمراہی مراد نہیں۔ دوسرا اعتراض: تو کیا رب اوروں کے ساتھ نہیں ہے۔ جواب: وہ سب کے ساتھ ہے کافروں کے ساتھ قہر سے۔ متقی مسلمانوں کے ساتھ رحمت سے صابرین کے ساتھ خاص رحمت سے۔

تفسیر صوفیانہ : ایمان دو قسم کا ہے دیکھ کر اور سن کر۔ یہاں عیانی یعنی دیکھا ہوا ایمان مراد ہے یعنی اے وہ لوگو جو میری بارگاہ میں پہنچ کر عیانی ایمان لا چکے۔ تم میری کبریائی اور عظمت کی جھلک پا کر صبر کرو کیونکہ یہ بہت دشوار مقام ہے اور اس صبر کے لئے حقیقی مشاہدہ والی نماز کی پابندی کرنا جس میں مسجود کے مشاہدہ پر سجدہ حقیقی ادا ہو اور جہاں مجاز کا حجاب اٹھ چکا ہو اور خیال رکھنا کہ اللہ ان صابرین کے ساتھ ہے۔ جو تجلیات انوار الٰہی جھیل سکیں کیونکہ سننا آسان اور مشاہدہ مشکل ہے (از ابن عربی)۔ نیز یار کی تجلی اس گھر میں ہوتی ہے جو اغیار سے خالی ہو۔ وہاں دوئی کی گنجائش نہیں۔ چونکہ صابر کا دل دنیا اور غموم دنیا سے ایکدم خالی ہے اور وہ غفلت سے بے خبر ہے اس لئے رب بھی اس کے ساتھ ہے۔ بے صبرے کے دل میں دنیوی رنج و غم کی پلیدی موجود پھر اسے یہ عزت کیونکر حاصل ہو۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اس کا دل تجلی یار کے قابل ہو تو اولاً صبر کے جھاڑو سے اسے صاف کرے پھر نماز کا پانی کا چھڑکاؤ دے تاکہ گرد و غبار بیٹھ جائے اور پھر شکر کا فرش بچھائے جب یہ آداب بجا لائے تو کیا تعجب کہ محبوب کرم فرما دے (از روح البیان)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام مشکلات کو صبر و نماز آسان کر دیتے ہیں مگر یہ دونوں خود بھی تو مشکل ہیں انہیں کون آسان کرے۔ بخار کڑوی دوا سے جاتا ہے مگر کڑوی دوا پیٹ میں کیسے جائے اس کا پینا کیسے آسان ہو فرماتے ہیں انہیں آسان کرنے والی تین چیزیں ہیں۔ خوف، شوق، ذوق یعنی رب کے عذاب کا خوف۔ اس کی نعمتوں کا شوق، اس کی جھلک یا اس کے حبیب کے عشق کا ذوق ہر قسم کے صبر کو بھی آسان کر دیتا ہے اور نماز کو سہل بنا دیتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وانها لكبيرة الا على الخشعين الذين يظنون انهم ملقوا ربهم** جب گناہ کرنے یا نماز چھوڑنے کو دل چاہے تو غور کرو کہ کیا تم رب سے بچ سکتے ہو یا اس کا عذاب جھیل سکتے ہو جب یہ دونوں کام نہیں کر سکتے تو معصیت سے صبر کرو ایک بزرگ ہر نماز کے بعد اپنے نفس سے تین خطاب کرتے۔ اے نفس اگر تو رب کی اطاعت نہیں کرتا تو رب کی روزی بھی نہ کھا کہ

www.alahazratnetwork.org

نوکر تنخواہ کا مستحق نہیں اگر تو راضی بہ قضا نہیں تو دوسرا رب تلاش کر لے۔ اگر تو گناہ کی ہمت کرتا ہے تو وہاں جا کر گناہ کر جہاں تو رب کے قبضہ میں نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں صبر کے ساتھ زکوۃ و حج وغیرہ عبادات کا ذکر نہ ہوا۔ صرف نماز کا ذکر ہوا۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ ساری بقیہ عبادتیں صرف فرش پر ہوتی ہیں مگر نماز کے ارکان فرش و عرش ہر جگہ کہ فرشتے رکوع سجود میں مشغول ہیں چونکہ نماز میں فرشتوں کی مشابہت بھی ہے اس لئے اس میں فرشتوں کا اثر بھی ہو گا یعنی بے غمی دوسرے یہ کہ دھیان بانٹ دینے سے رنج و غم بھول جاتے ہیں نماز میں ایسا دھیان بٹتا ہے کہ انسان عرش کی سیر کرتا ہے رب سے ہمکلامی کی لذت پاتا ہے اور اگر احسانی نماز نصیب ہو جائے تو زہے نصیب جس میں بندہ سمجھے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں۔ دیکھو مصری عورتوں کا دھیان جب حسن یوسفی میں جم گیا تو انہیں ہاتھ کٹنے کا درد محسوس نہیں ہوا۔

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ
اور نہ کہو تم واسطے اُن کے جو قتل کئے جاویں بیچ راستے اللہ کے مردے۔ بلکہ وہ زندہ ہیں اور
اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں
لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
لیکن نہیں شعور رکھتے تم
ہاں تمہیں خبر نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں صبر کی عظمت کا ذکر تھا اب صابرین (شہداء) کے درجات کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ہر صبر کا ذکر ہوا اب صبر خاص یعنی شہادت کا تذکرہ فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نماز کا حکم تھا اور چونکہ کبھی نماز کی بقاء کے لئے جہاد کی ضرورت پڑتی ہے جس میں مسلمان شہید بھی ہوتے ہیں لہٰذا اب شہادت کی عظمت بیان ہوئی یعنی مصیبتوں میں صبر نماز سے مدد لو اور اگر نماز کے لئے جہاد کرنا پڑ جائے اور مسلمان اس میں شہید ہو جائیں تو انہیں مردہ نہ کہو۔ **چوتھا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ صبر والوں کے ساتھ اللہ ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان صابرین میں بعض وہ لوگ بھی ہیں جو نہ مٹنے والی زندگی پا کر اللہ کے حضور حاضر رہتے ہیں یعنی صبر کی ایک عظمت پہلے بیان ہوئی اور دوسری اب۔

شان نزول : جنگ بدر میں مسلمان صرف 313 تھے اور کفار تقریباً 1000 مسلمان بے سامان تھے اور کفار کا ساز و سامان بے شمار۔ نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو فتح ہوئی اور کفار کو شکست فاش۔ اس جنگ میں 14 مسلمان شہید ہوئے۔ 6 مہاجرین۔ (1) عبیدہ ابن حارث ابن عبدالمطلب۔ (2) عمر ابن ابی وقاص۔ (3) ذوالشمالین۔ (4) عمر ابن نفیلہ۔ (5) عامر ابن بکر۔ (6) مجع ابن عبداللہ۔ اور آٹھ انصاری۔ (1) سعید ابن خثیمہ۔ (2) قیس ابن عبدالمنذر۔ (3) زید ابن حارث۔ (4) تمیم ابن ہمام۔ (5) رافع ابن معلی۔ (6) حارثہ ابن سراقہ۔ (7) معوذ ابن عفراء۔ (8) عوف ابن عفراء اس کے بعد مسلمان تو کہتے تھے کہ فلاں فلاں اس جنگ میں مرے اور لوگ اس جنگ میں مرے اور کفار منافقین کہتے تھے کہ یہ ایسے دیوانے ہیں کہ تھوڑے اور بے سرو سامان

www.alahazratnetwork.org

لوگ بڑی بڑی جماعتوں پر حملہ کر دیتے ہیں اور صرف حضور علیہ السلام کی خوشنودی کے لئے بے فائدہ اپنی جانیں کٹواتے ہیں ان کے حق میں یہ آیت کریمہ اتری (کبیر)

تفسیر: **ولا تقولوا** روح المعانی نے کہا کہ یہ **واستعینوا** پر معطوف ہے یعنی اے مسلمانو تم خود صبر سے مدد لو اور صابرین شہداء کو مردہ نہ کہو اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہو اور اس میں سب سے خطاب ہو یعنی اے لوگو یہ نہ کہو۔ خیال رہے کہ کسی کو کچھ کہنے سے روکنا تین نوعیت کا ہوتا ہے ایک یہ کہ وہ بات اچھی ہو مگر دل میں رکھنے کے قابل ہو دوسروں پر ظاہر کرنے کے لائق نہ ہو جیسے شب معراج میں اللہ رسول کے اسرار کی باتیں جو لامکان میں ہوئیں **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دوسرے یہ کہ وہ بات فی نفسہ سچی ہو۔ مگر اس میں بے ادبی کی گنجائش نکلتی ہو۔ جیسے **لا تقولوا راعنا** ان میں بات بری نہیں مگر کہنا برا۔ تیسرے یہ کہ وہ بات ہی حرام یا کفر ہے اور اس کا بولنا بھی حرام یا کفر ہو جیسے **لا تقولوا ثلثۃ** یہاں **لا تقولوا** تیسری صورت کا ہے یعنی شہداء کو مردہ کہنا یہ بات بھی بری ہے اور اس کا کہنا بھی جرم ہے۔ جیسے دو خدا کہنا کفر ہے ایسے ہی اب اس آیت کا انکار کرتے ہوئے شہداء کو مردہ کہنا بھی کفر ہے۔ خیال رہے کہ اکثر احکام کی آیتوں میں خطاب صرف انسانوں سے ہوتا ہے دیکھو نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ' جہاد کی آیتوں کو فرشتوں سے کوئی تعلق نہیں مگر عقائد اور آداب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات میں خطاب جن و انس و فرشتے سب ہی سے ہے **لا تقولوا ثلثۃ** کے سب مکلف ہیں۔ نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ کے مکلف فرشتے تک ہیں۔ یہاں جو فرمایا گیا کہ شہیدوں کو مردہ نہ کہو اس کے مکلف بھی جن و انس و فرشتے سب ہی ہیں اور **لا تقولوا** میں سب سے خطاب خلاصہ یہ کہ حضور کے نام پر کٹ مرنے والے شہیدوں کو بھی مردہ نہ کہو تو خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات کا کیا کہنا اور کیا پوچھنا۔ حضور ہی کے نام پر کٹ مرنے کا نام شہادت ہے اگر آریہ وغیرہ موحدین توحید پر مشرکوں سے لڑیں مریں تو شہید نہیں **لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ** قتل سے بنا جس کے معنی ہیں جاندار کے بدن کی بناوٹ بگاڑ ڈالنا (روح البیان) یعنی قتل تو بکھری ہوئی چیز کا بانٹنا ہے اور قتل بنے ہوئے بدن کا کھول ڈالنا [illegible] پاؤں یا دیگر عضو پر چوٹ مار کر مار ڈالنے کا نام قتل ہے۔ سبیل' طریق' شرع' منہاج۔ ان سب کے معنی ہیں راستہ مگر سبیل وہ راستہ کہلاتا ہے جس میں سہولت ہو اس کی جمع سبل ہے۔ پھر ہر اس ذریعہ کو بھی سبیل کہہ دیا جاتا ہے جس سے کسی تک پہنچ سکیں جیسے **ادع الی سبیل ربک** لہٰذا سبیل اللہ وہ راستہ ہے جس سے خدا تک پہنچ سکیں جیسے **لنھدینھم سبلنا**۔ **اموات** یا تو موتی کی جمع ہے یا میتہ کی موتی بمعنی مردہ اور میتہ بمعنی مردار جو بے کار ہو اور اس میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ تم شہداء کو اب مردہ نہ کہو ایک وقت ان پر موت طاری ہوئی اور پھر انہیں دائمی زندگی بخش دی گئی۔ دوسرے یہ کہ تم ان کی وفات کو موت اور ان کو مردہ نہ کہو کیونکہ یہ الفاظ ان شان والوں کے لائق نہیں بلکہ ان کی وفات کو شہادت اور ان کو شہید کہو۔ تیسرے یہ کہ انہیں بے کار اور ان کی اس قربانی کو بے فائدہ نہ جانو جیسے کہ مردار بے کار ہوتا ہے۔ وہ کار آمد ہیں اور ان کی وفات بہت فائدہ مند (کبیر) خیال رہے کہ **اموات**' **ھم** کی خبر ہے اور جملہ بن کر لا تقولوا کا مفعول **بل احیاء** بھی ھم کی خبر ہے اور یا تو ولا تقولوا پر معطوف ہے یعنی بلکہ یہ کہو کہ وہ زندہ ہیں یا اموات پر یعنی بلکہ وہ زندہ ہیں۔ دوسرے معنی ہی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ رب تعالیٰ ان کی زندگی کی خبر دے رہا ہے نہ کہ انہیں زندہ کہنے کا فقط حکم۔ اس زندگی میں چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

حقیقتاً اس عالم میں زندہ ہیں اور انہیں رب کی طرف سے رزق ملتا ہے اور جنت کی سیر بھی کرتے ہیں۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **یرزقون فرحین بما اتٰھم اللہ من فضلہ** حدیث شریف میں ہے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں جنت کی سیر کرتی ہیں اور وہاں کے میوے اور نعمتیں کھاتی ہیں (جلالین اور خزائن العرفان) دوسرے یہ کہ وہ زندوں کی طرح ہیں کہ ان کا ثواب جاری رہتا ہے کہ جب تک دین قائم ہے اور جہاد جاری ہے انہیں ثواب مل رہا ہے کیونکہ انہوں نے دین پر جان دی اور شہادت کا طریقہ جاری کیا۔ تیسرے یہ کہ ان کی روحوں کا خاکی جسم کے ساتھ قوی تعلق ہے کہ یہ جسم نہ سڑتے ہیں نہ گلتے۔ پہلی دو صورتوں میں تو حیات سے روحانی زندگی مراد ہے اور اس صورت میں جسمانی بھی اور یہ تینوں ہی درست ہیں کہ ان کی تائید قرآن و حدیث سے ہے وہ ہر لحاظ سے زندہ ہیں البتہ یہ ضرور ہے کہ **ولکن لا تشعرون** تمہیں ان کی زندگی کا احساس نہیں اور ان کے عیش و معاش تمہیں نظر نہیں آتے یعنی ان کی زندگی کامل ہے تمہارے احساس کے لحاظ سے فرق ہے کہ پہلی زندگی تمہیں نظر آتی تھی یہ نظر نہیں آتی نیز پہلے انہیں دنیوی سامان اور رزق کی ضرورت تھی۔ اب وہ اس سے بے نیاز ہو چکے۔ اس لئے ان پر ظاہری احکام مردوں کے سے جاری کر دیئے گئے کہ ان کی میراث تقسیم ہو گئی اور ان کی بیبیوں کا نکاح دوسروں سے جائز ہو گیا کہ یہ چیزیں ظاہر سے متعلق تھیں جیسے کہ جب سوار نے گھوڑا بیچ دیا۔ تو اس کی زین وغیرہ بھی علیحدہ کر دی اور جب تاجر نے دکان بند کر دی تو باٹ و ترازو سے بھی بے نیاز ہو گیا کیونکہ اس کا پسلا جمع کیا ہوا مال ہی کیا کم ہے کہ اب کمانے کی مشقتیں برداشت کرے۔ خیال رہے کہ **تشعرون** شعور سے بنا جس کے معنی ہیں ظاہری اعضاء سے احساس اور یہاں علم کی نفی نہیں کی گئی بلکہ احساس کی کیونکہ بفضلہ تعالیٰ ہر مسلمان شہداء کی زندگی کو جانتا مانتا اور اس پر ایمان رکھتا ہے۔ اگرچہ دیکھ نہ سکے۔ نیز اس میں عام لوگوں سے خطاب ہے ورنہ انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ ان کی زندگی دیکھتے بھی ہیں بلکہ ان سے ملاقاتیں اور گفتگو کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو جو لوگ صبر کے اول درجہ میں ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہو کر شہید ہو گئے انہیں مردہ نہ کہو۔ وہ تو اسی طرح زندہ ہیں لیکن تمہیں ان کی زندگی محسوس نہیں ہوتی۔ رب نے یہاں تو شہداء کو مردہ کہنے سے روکا۔ دوسری جگہ فرمایا **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا** شہداء راہ خدا کو مردہ سمجھو بھی نہیں جس سے معلوم ہوا کہ شہداء کی زندگی ایسی یقینی ہے کہ انہیں مردہ سمجھنا اور کہنا بھی گناہ ہے نیز سبیل اللہ یعنی اللہ کی راہ میں بہت گنجائش ہے جو بھی دین سے رکاوٹ دور کرنے کے لئے مارا جائے وہ شہید فی سبیل اللہ ہے لہذا اگر کفار اذان "نماز" قربانی گائے، درود پاک وغیرہ کو بند کرنا چاہیں اور مسلمان ان سے جنگ کر کے مارا جائے تو شہید ہے ایسے ہی اگر مسلمان کفار کے ملک پر حملہ کریں اور اس میں کچھ مر جائیں تو شہید فی سبیل اللہ ہیں کیونکہ وہ وہاں بھی اسلام پھیلانے کے لئے اور دینی رکاوٹیں دور کرنے کے لئے جا رہے ہیں۔ مرزائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ اب جہاد منسوخ ہو چکا اور جب جاری تھا تب بھی حملہ کفار کو دفع کرنے کے لئے تھا نہ کہ ان پر حملہ کرنے کے طریقہ پر مگر یہ محض غلط ہے نہ تو اب جہاد منسوخ ہوا ہے اور نہ قیامت تک منسوخ ہو گا۔ نیز سوائے جنگ احد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں صحابہ کرام ہی نے کفار پر حملہ کیا انشاء اللہ جہاد کی پوری بحث مع اس کے فوائد کے آیات جہاد میں کی جائے گی۔

www.alahazratnetwork.org

شہید اور اس کی زندگی

شہید کے معنی اور وجہ تسمیہ : شہید کے لفظی معنی حاضر یا گواہ کے ہیں مگر عرف میں شہید وہ مسلمان بالغ ہے جو ظلماً مارا جائے اور قاتل پر اس کے قتل سے مال واجب نہ ہو۔ اس کو شہید کہنے کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دیگر مسلمان قیامت کے حساب و کتاب سے فارغ ہو کر جنت میں پہنچتے ہیں اور اس سے پہلے ان کی قبروں میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے مگر شہید مرتے ہی جنت میں حاضر ہو جاتا ہے اور وہاں سیر بھی کرتا ہے اور رزق بھی کھاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اسے بارگاہ الٰہی میں حاضر کرکے فرمایا جاتا ہے۔ تمنا کرو وہ عرض کرتا ہے کہ مجھے دنیا میں پھر بھیجا جائے تاکہ پھر شہادت کی لذت پاؤں۔ حکم الٰہی ہوتا ہے کہ ہم ایک بار آزما کر پھر نہیں آزماتے (شہید بمعنی حاضر) تیسرے یہ کہ عام مسلمان قیامت میں گزشتہ انبیاء کے گواہ ہوں گے۔ مگر شہداء سرکاری گواہ۔ جیسے کہ اب بھی بعض مقدمات میں خفیہ پولیس یا ڈاکٹر وغیرہ سرکاری گواہ ہوتے ہیں یا دنیا میں باقی مسلمان تو اپنی زبان، قلم وغیرہ سے حقانیت اسلام کی گواہی دیتے ہیں مگر شہید اپنے خون سے توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے کہ اس کا ہر قطرۂ خون کہتا ہے **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** (شہید بمعنی گواہ) یوں تو جو بھی ظلماً مارا جائے شہید ہے یہاں تک کہ اپنے مال اولاد، آبرو کی حفاظت میں قتل ہونے والا بھی شہید۔ مگر شہید فی سبیل اللہ وہ ہے جو دین کی حفاظت میں جان کی قربانی دے۔

شہید دو قسم کے ہیں : (1) شہید فقہی (2) شہید حکمی۔ شہید فقہی وہ ہے جو مسلمان عاقل بالغ اور طاہر ہو پھر ظلماً ہتھیار سے مارا جائے یا زخمی ہو کر بغیر دنیوی آرام لئے مرجائے اس کو نہ غسل دیں گے نہ کفن بلکہ انہی خون آلودہ کپڑوں میں نماز پڑھ کر دفن کر دیا جائے گا شہید حکمی وہ جن پر اگرچہ فقہ کے یہ احکام جاری نہیں مگر آخرت میں ان کو درجہ شہادت ملے گا جیسے جل کر ڈوب کر طلب علم وغیرہ میں مرنے والا۔

شہادت کے مراتب : شہید کے بہت بڑے درجات ہیں۔ (1) شہید کو نبی سے بہت قرب حاصل ہے کہ پیغمبر کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی۔ (2) نبی کے فضلات شریف امت کے لئے پاک اور شہید کے جسم کا خون پاک یعنی اگر نبی کا پیشاب شریف یا شہید کا خونی کپڑا کنوئیں میں گر جائے تو کنواں ناپاک نہیں (3) نبی بعد وفات زندہ دیکھو (مشکوٰۃ باب الجمعہ) شہید بھی بعد وفات زندہ (4) نبی کو بعد وفات رزق الٰہی ملتا ہے (مشکوٰۃ باب الجمعہ) اور شہید کو بھی (قرآن شریف) (5) شہید سوالات قبر سے محفوظ (6) شہید کا گوشت و خون زمین نہیں کھا سکتی۔ (7) شہید دنیا سے گناہوں سے ایسا پاک ہو کر جاتا ہے گویا آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ (8) شہید موت سے پہلے جنت دیکھ لیتا ہے۔ (9) شہید 70 آدمیوں کی شفاعت کرے گا۔ (10) شہید کا عمل و رزق قیامت تک جاری رہے گا۔ (11) شہید قیامت کے دن گھبراہٹ سے محفوظ رہے گا بلکہ تیاری جہاد کرنے والے کی ایک نماز 500 کے برابر اور ایک درم کی خیرات 700 کی مثل (درمختار و شامی) غرضیکہ شہید کے بہت مراتب ہیں جیسے فوجی سپاہی سلطان کو پیارا کہ وہ اپنی جان سے سلطنت کی حفاظت کرتا ہے ایسے ہی غازی و شہید رب کو پیارا کہ اس نے اپنے خون سے دین الٰہی کی حفاظت کی۔ (12) جیسے ظاہری بادشاہوں کے مختلف محکمے ہیں اور ہر محکمہ کے نام و کام بلکہ وردی وغیرہ علیحدہ

ہیں ایسے ہی سلطنت مصطفوی کے بہت سے محکمے ہیں۔ علماء اولیاء غازی شہید وغیرہ پھر علماء کے محکمہ کی بہت سی شاخیں ہیں۔ فقہاء محدثین مجتہدین مفسرین وغیرہ محکمہ ولایت کی بہت سی قسمیں ہیں۔ غوث و قطب و ابدال وغیرہ۔ غازیوں اور شہیدوں کا بھی یونہی ایک مستقل محکمہ ہے۔ حکومتیں فوجیوں کو بہت رعایتوں و مہربانیوں سے نوازتی ہیں۔ ان کے قتل ہوجانے کے بعد ان کے یتیموں بیوگان کی پرورش کرتی ہیں۔ فوج کو علاوہ تنخواہ کے کھانا کپڑا بھی دیتی ہیں۔ ایسے ہی رب تعالیٰ غازیوں اور شہیدوں پر خاص مہربانیاں فرماتا ہے کہ فانی زندگی کے عوض انہیں حیات جاودانی بخشتا ہے ان کے طفیل ان کے اہل قرابت پر کرم فرماتا ہے۔

شہید کی زندگی : روح البیان نے فرمایا کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک روح سلطانی جس کا مقام دل ہے اسی سے زندگی قائم۔ دوسرے روح حیوانی جس کا مقام دماغ ہے جس سے ہوش و حواس برقرار۔ روح حیوانی سونے کی حالت میں نکل جاتی ہے اور روح سلطانی بوقت موت خارج ہوتی ہے یعنی روح حیوانی کے نکلنے کا نام نیند ہے اور روح سلطانی کے نکلنے کا نام موت پھر نیند کی حالت میں روح حیوانی جسم سے نکل کر عالم کی سیر کرتی ہے اسی سیر کا نام خواب ہے مگر جسم سے پھر بھی اس کا تعلق ایسا رہتا ہے جیسے بجلی کے بٹن کا پاور ہاؤس سے کہ جونہی کسی نے جسم کو ہاتھ لگایا یا پکارا فوراً ہی روح کو خبر ہوئی اور آنا فاناً اگر جسم میں داخل ہو گئی اور سونے والا جاگ گیا۔ ایسے ہی بعد موت روح انسانی کا کچھ تعلق جسم سے باقی رہتا ہے کہ جو کوئی قبر پر آنے کے لئے آئے روح کو خبر ہو اس سے اتنا معلوم ہوا کہ موت نہ تو روح کی فنا کا نام ہے نہ جسم کی۔ صرف روح کے تعلق ضعیف ہو جانے کا نام ہے اب یہ روح اس جسم کی پرورش نہیں کرتی۔ اسی لئے بعد موت جسم گل سڑ جاتا ہے۔ مگر چونکہ کچھ تعلق باقی رہتا ہے اس لئے قبر میں نیک کاروں کے جسم کو راحت اور بد کاروں کے جسم کو عذاب دیا جاتا ہے اور روح اس کا احساس کرتی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ قبر یا جنت کا باغ ہے یا دوزخ کا غار۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ روح جسم لطیف نورانی ہے جس کا خاص مقام تو دل یا دماغ ہے مگر وہ سارے جسم میں ایسے پھیلی ہوئی ہے جیسے کوئلہ میں آگ اور گلاب کے پھول میں عرق اور بعد موت سرایت کی یہ کیفیت نہیں رہتی بلکہ جسم سے باہر رہ کر اس کا تعلق رہتا ہے۔ جیسے بادشاہ کا رعایا سے جب یہ سمجھ لیا تو اب سمجھو کہ نبی کی برزخی زندگی عام لوگوں سے بہت زائد قوی ہے کہ ان کا جسم گلنے سے محفوظ اور ان کا مال اور ان کی میراث تقسیم اور نکاح کے قابل نہیں اور ان کی ارواح دونوں جہان میں بلا تکلف سیر فرماتی ہیں۔ یہاں اس زندگی کا عام لوگوں کو احساس نہیں اور ان پر شریعت کی تکالیف بظاہر جاری نہیں یہ سب ظاہری گفتگو ہے۔ ورنہ حقیقت میں وہ حضرات نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور ذکر فکر میں بھی مشغول رہتے ہیں۔ شب معراج اگلے پیغمبروں نے حضور کے پیچھے بیت المقدس میں نماز ادا کی۔ حجۃ الوداع میں گزشتہ پیغمبروں نے بھی حج کیا۔ جس کی حضور نے خبر دی۔ انشاء اللہ اس کی پوری بحث معراج کی آیت میں کی جائے گی۔ خیال رہے کہ ازواج مطہرات کا مسلمانوں کی ماں ہونا احترام و ادب کے لحاظ سے ہے نہ کہ احکام شرعیہ کے لحاظ سے اسی لئے ان سے پردہ فرض ان کی اولاد سے مسلمانوں کا نکاح درست دیکھو حضرت فاطمہ و زینب و کلثوم سے جو حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی صاحبزادیاں ہیں۔ حضرت علی، ابو العاص، عثمان غنی کے نکاح ہوئے۔ نہ انہیں مسلمانوں کی میراث ملے نہ مسلمانوں کو ان کی میراث معلوم ہوا کہ وہ حضرات "ماں" سے افضل مگر شرعی حکم میں ماں نہیں۔ حضور انور کی وفات کے بعد ان سے نکاح اس

www.alahazratnetwork.org

لئے حرام ہے کہ حضور انور زندہ ہیں وہ حضرات بیوہ نہیں اسی لئے حضور انور پر ازواج مطہرات کا خرچہ نفقہ ہے جو حضور کے چھوڑے ہوئے مال سے لیا ہوگا یہ میراث نہیں کیونکہ زندہ کی میراث نہیں بٹتی بلکہ نفقہ زوجیت ہے اسی لئے رب نے فرمایا **ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا** دیکھو حضور انور کی وفات کے بعد بھی بیویوں کو حضور کی ازواج فرمایا گیا معلوم ہوا کہ وہ زندہ ہیں۔

اس کی ازواج سے جائز ہے نکاح ‏ ‏ ‏ اس کا ترکہ بٹے جو فانی ہے!
روح تو سب کی ہے زندہ ان کا ‏ ‏ ‏ جسم پرنور بھی روحانی ہے!

اسی لئے مطلقہ زوجہ نبی امت پر حرام نہیں رب فرماتا ہے **فتعالین امتعکن واسرحکن سراحا جمیلا**۔ اگر مطلقہ کا بھی نکاح درست نہ ہو تو طلاق دینا بیکار بلکہ مضر ہوتا ہے بہرحال اس آیت سے دو طرح حیات النبی ثابت ہے۔ نیز کلمہ "کان" نماز ان سب سے حیات النبی کا ثبوت ہے۔ **محمد رسول اللہ** کے معنی ہیں محمد مصطفیٰ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر آپ عام لوگوں کی طرح موت پاچکے ہوتے تو کہا جاتا وہ اللہ کے رسول تھے۔ نیز حضرت سلیمان بعد قبض روح عرصہ تک نماز میں کھڑے رہے۔ دیمک نے جب لاٹھی کھائی تب آپ کی وفات کا پتہ لگا جسم شریف نہ گلا نہ خراب ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا۔ اجعلنا من دون الرحمن الھۃ یعبدون** اگلے رسولوں سے پوچھو کہ کیا ہم نے جھوٹے معبود بنائے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وفات یافتہ رسول زندہ بھی ہیں ان سے مقبول بندے ملاقات و گفتگو بھی کرلیتے ہیں وہ دنیا کی سیر بھی کرتے ہیں۔ ان دلائل سے حیات انبیاء' حیات شہداء' حیات اولیاء بخوبی ثابت ہے۔

شہداء کی زندگی : اس درجہ قوی تو نہیں مگر پھر بھی عام مسلمانوں سے بدرجہا قوی۔ اس لئے ان کی میراث تو تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیبیاں اوروں سے نکاح کرسکتی ہیں مگر یہ ملائکہ کی طرح لطیف جسموں کی شکل میں جنت کی سیر بھی کرتے ہیں اور عالم میں تصرفات بھی۔ خیال رہے کہ دنیوی زندگی تو برزخ کے مقابلہ میں ایک خیال ہے اور برزخی زندگی حشری زندگی کے مقابلہ میں خواب و خیال یعنی مرنے کے بعد دنیوی واقعات خواب کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور مردہ سمجھتا ہے کہ میں سو کر اٹھا اور حشر میں برزخی حالات خواب اور دنیوی حالات خواب کے اندر خواب معلوم ہوں گے لہٰذا انبیاء و اولیاء و شہداء کا بعد وفات ہی جنت میں پہنچنا فقط روحانی ہے نہ کہ اس جسم سے اور بعد حشر مع جسم ہوگا اور پہلا داخلہ مثل خواب کے معلوم ہوگا اور عوام حشر سے پہلے نہ جسما" وہاں پہنچیں نہ روحا" بلکہ دور سے جنت کو دیکھتے ہیں پھر انبیاء اور شہداء کے اس داخلہ میں بھی ایک بڑا فرق ہے جیسے کہ ان خوابوں میں فرق۔ ہم لوگ خواب میں اگر کچھ کھائیں پئیں تو اس کی لذت تو محسوس کرتے ہیں مگر صبح کو بھوکے اٹھتے ہیں اور پیغمبر جو کچھ خواب میں کھاتے پیتے ہیں اس کی لذت بھی پاتے ہیں اور صبح کو سیر اٹھتے ہیں۔ اس لئے حدیث پاک میں وارد ہوا **یطعمنی ربی و یسقینی** مجھے میرا رب کھلاتا پلاتا ہے۔ حتی کہ بعض خاص اولیاء جو انبیاء کرام کے قدم پر ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ انہوں نے خواب میں کچھ کھایا۔ صبح کو اس کھانے کی خوشبو ان کے منہ میں تھی اور شکم سیر تھے مگر ان کے لئے یہ بھی ہوتا ہے اور نبوی وراثت سے لہٰذا شہداء کی زندگی اس معنی میں تو جسمانی بھی ہے کہ ان کا جسم گلنے سے محفوظ اور پہلی وجہ سے روحانی یہ فرق بہت خیال میں رہے کہ اس سے بہت سے اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کا

www.alahazratnetwork.org

جنت میں پہلے رہنا حضور کا جسماً معراج کی رات وہاں جانا اور یس علیہ السلام کا اب بھی وہاں رہنا یہ ثواب کے لئے نہیں اس کی دوسری نوعیت ہے جیسے کہ ملائکہ کا وہاں قیام۔

ہماری تحقیق : زندگی کی تین قسمیں ہیں اور اس کے مقابل موت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ایک زندگی حسی جو محسوس ہو اور اس کے مقابل موت حسی جو بظاہر معلوم ہو۔ اسی لحاظ سے فرمایا گیا **انک میت وانهم میتون** یہاں موت سے حسی موت مراد ہے جو بظاہر دیکھنے میں آئے اور جسم بے حس و حرکت نظر آئے دوسرے زندگی حقیقی جیسے روح کی زندگی کہ وہ جسم سے جدا ہو کر بھی برقرار ہے اس کے مقابل موت حقیقی ہے جیسے کہ قیامت کے دن جانوروں کو آپس میں بدلہ دلا کر فنا کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا۔ **کونوا تراباً** " مٹی ہو جاؤ اس دن ان کی روحیں ہی فنا ہوں گی۔ تیسرے زندگی حکمی جو دیکھنے میں نہ آئے۔ مگر اس پر زندگی کے بہت سے احکام جاری ہوں جیسے انبیاء کرام کی وفات کہ اس پر بہت سے زندگی کے احکام شرعیہ جاری ہیں مثلاً "میراث تقسیم نہ ہونا اور ان کی بیبیوں کا اوروں سے نکاح نہ کرنا وغیرہ اور کچھ موت کے احکام بھی جاری جیسے کفن دفن، نماز جنازہ وغیرہ اور جیسے کہ شہداء کی موت کہ جس پر بقائے جسم اور عطائے رزق وغیرہ کی زندگی کے احکام جاری اور دفن و نماز جنازہ، موت کے احکام اس کے مقابل حکمی موت ہے کہ وہ بظاہر زندہ ہو مگر اس پر موت کے احکام جاری ہوں۔ جیسے مرتد کہ وہ چلتا پھرتا نظر آتا ہے مگر اس کا مال حکماً" ملکیت سے نکل چکا اور بیوی نکاح سے خارج لہٰذا یہاں احیاء سے حیات حکمی مراد ہے نہ کہ حسی یا یوں کہو کہ نبی اور شہید کی روح جسم سے علیحدہ کر دی جاتی ہے سرکار فرماتے ہیں۔ **فانی امرء مقبوض** مگر اس قبض روح کے باوجود ان کی حیات باقی رہتی ہے۔ لہٰذا **انک میت** میں قبض روح مراد ہے اور **بل احیاء** میں وہی باقی رہ جانے والی حیات جیسے کہ شق صدر کے موقعہ پر حضور کا دل نکال لیا گیا مگر حیات باقی رہی۔ خیال رہے کہ قبض روح موت نہیں بلکہ سبب موت ہے ہو سکتا ہے کہ سبب پایا جاوے اور موت نہ آئے۔ حیوۃ اس صفت کا نام ہے جس سے علم و ادراک وغیرہ قائم ہے لہٰذا انبیاء شہداء مقبوض ہیں میت نہیں اسی لئے بعد وفات ان کے جسم گلتے نہیں کہ روح کا تعلق ان سے قائم ہے دیکھو کسی کا ہاتھ سوکھ جاتا ہے تو سڑتا گلتا نہیں کہ روح کا کچھ تعلق اس سے قائم ہے غرضیکہ جیسے ہماری نیند میں روح سلطانی نکل جاتی ہے مگر وہ غافل نہیں ہوتے اس لئے ان کی نیند پر بعض احکام تو نیند کے طاری ہوتے ہیں تبلیغ نہ کرنا نماز میں امام نہ بننا وغیرہ اور بعض احکام بیداری کے جاری جیسے وضو نہ ٹوٹنا خواب کا وحی الٰہی ہونا حتی کہ ان کے خواب سے احکام شرعیہ منسوخ ہو جاتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے خواب سے ذبح فرزند کا ارادہ فرمالیا اسی طرح ہماری موت میں روح حیوانی جسم سے نکل بھی جاتی ہے اور ہمارا جسم بے جان ہو کر سڑ گل بھی جاتا ہے مگر حضرات انبیاء کی وفات میں روح حیوانی جسم سے نکل تو جاتی ہے اسی لئے ان کا دفن کفن نماز جنازہ وغیرہ ہو جاتی ہے۔ مگر وہ جسم بے جان نہیں ہوتے۔ پرورش روح باقی رہتی ہے اسی لئے ان کے اجسام سڑتے گلتے نہیں اور ان پر بہت سے احکام زندگی جاری ہوتے ہیں۔

سید الشہداء کون ہے؟ : بعض اسباب سے شہادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے اور اسی وجہ سے شہید کو سید الشہداء کہا جاتا ہے مثلاً "ایک شہید کفن دفن پاتا ہے۔ دوسرا شہید شہادت سے پہلے بھوک پیاس کی تکلیف اٹھاتا ہے اور بعد وفات اسے گور و کفن بھی میسر نہیں ہوتا بلکہ اس کا جسم گھوڑوں سے پامال کر دیا جاتا ہے۔ یقیناً" دوسرا پہلے سے افضل ہے اس میں گفتگو ہے کہ صحابہ

www.alahazratnetwork.org

کرام میں سید الشہداء کون ہے بعض نے کہا کہ حضرت حمزہ ہیں بعض نے فرمایا حضرت عمر فاروق کسی کا خیال ہے کہ حضرت عثمان غنی بعض نے فرمایا امام حسین مگر اس کا فیصلہ یہ ہے کہ ع

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

ان میں سے تمام حضرات مختلف لحاظ سے سید الشہداء ہیں حضرت ابو بکر صدیق اس لئے کہ ان کی وفات وفات مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا نمونہ ہے کہ حضور کی وفات خیبر کے زہر کے اثر سے اور اس یار غار کی وفات سار غار کے زہر کے اثر سے ہوئی یعنی ان حضرات پر گزشتہ زہر کا اثر ظاہر ہوا۔ حضور کی وفات دو شنبہ کے دن میں صدیق اکبر کی وفات بھی دن گزار کر سہ شنبہ کی رات میں حضور علیہ السلام کی وفات کی رات چراغ میں تیل نہیں۔ صدیق کے گھر میں وفات کے دن کفن کے لئے پیسہ نہیں چنانچہ وہاں تو تیل قرض مانگ کر روشنی کی گئی اور یہاں پہنے ہوئے کپڑے دھو کر ان میں کفن دیا گیا۔ حضرت عمر اس لئے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ کی زمین پاک مسجد نبوی شریف حضور علیہ السلام کا مصلے نماز فجر میں مشغولیت اس حال میں آپ کی شہادت اور پھر یہ دونوں حضرات پہلوئے مصطفی علیہ السلام میں مدفون حضرت عثمان غنی اس لئے سید الشہداء ہیں کہ مدینہ پاک کی زمین قرآن پاک کی تلاوت اور ایسا صبر کہ قاتل کا مقابلہ تو کیا اس تلوار روکنے کے لئے ہاتھ بھی نہ اٹھایا اور لوگوں کو مقابلہ سے روکتا کہ میری وجہ سے زمین مدینہ خونی نہ ہو۔ اس حال میں شہید ہونا اور پھر قرآن پر خون گرنا تین دن گھر میں پانی کا نہ پہنچنا۔ امام حسین اس لئے سید الشہداء کہ آدم تا ایں دم کسی نے ان کی سی مصیبتیں نہ اٹھائیں۔ آپ غازی بھی سید بھی پردیسی مسافر بھی بے یارو مددگار بھی تین دن کے متواتر روزہ دار بھی اور بیمار بچے اور گھر والوں کو صرف اللہ پر چھوڑنے والے بھی اور نماز میں مشغول بھی اور اس حال میں شہید بھی اور ان کے بعد جسم پاک کو گور و کفن بھی میسر نہیں اور ان کی بیوی بجائے عدت میں ایک جگہ رہنے کے قیدی بنا کر شہر بہ شہر پھرائی گئیں۔ اگر یہ حضرات سید الشہداء نہ ہوں تو کون ہو گا رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پہلا اعتراض: اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ شہداء کی روح سبز پرندوں کے جسم میں داخل ہو کر جنت میں جاتی ہے اور اسی کا نام تناسخ یا آواگون ہے جو کہ اسلامی عقیدے کے خلاف اور آریوں کا عقیدہ ہے۔ جواب: وہ بدن روح کا پنجرہ نہیں ہوتا بلکہ روح اس میں ایسی داخل ہے جیسے گھر میں آدمی۔ روح کا بدن وہ ہے جس کو روح پالے بڑھائے اور ترقی دے۔ لہذا یہ آواگون نہیں۔ بلکہ وہ بدن مادی نہیں بلکہ یا تو روح کی ایک لطیف شکل ہے یا نورانی جسم۔ آواگون کے یہ معنی ہیں کہ مثلاً "روح انسانی اولاً جسم انسانی کی پرورش کرے اور موت کے بعد کتے بلی گدھے وغیرہ کے جسموں میں داخل ہو کر اسے پالے پوسے کہ وہ اب تک کسی کا باپ بیٹا کہلاتا تھا۔ اب وہ مار کتا یا گدھا کہلائے۔ دوسرا اعتراض: خدا کی راہ میں مرنے مارنے کی کیا ضرورت ہے یہ ان باتوں سے مسلمانوں کو اشتعال دلا کر لڑانا اور دوسروں کا مال لوٹنا مقصود ہے (ستیارتھ پرکاش) جواب: جہاد کی ضرورت تو پہلے بتائی گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ کوئی تو بات سے مانتا ہے۔ کوئی لات سے بات ماننے والوں کے لئے قرآنی وعظ اور نصیحتیں موجود اور سرکشوں کے لئے جہاد ہے جہاد ہی سے شہادت۔ بغیر جہاد دنیا میں امن قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی قوم اس کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ اگر گورنمنٹ کے پاس فوج اور توپ خانہ نہ ہو تو دوسری حکومتیں اسے فنا کر ڈالیں اور اگر جیل خانہ اور سزائیں نہ ہوں تو شریفوں کو بدمعاش زندہ نہ رہنے دیں۔ اگر گلے ہوئے عضو کو نہ کاٹا جائے تو سارا جسم گل جائے اگر کھیت کی زائد گھاس نہ اکھیڑی

www.alahazratnetwork.org

جائے تو پودے دب کر فنا ہو جائیں۔ پنڈت جی تم اپنی زندگی کے لئے ہزاروں جانور ترکاریاں اور ساگ پات کیوں کاٹ کر کھا جاتے ہو اور سانس کے ذریعے صدہا ہوائی کیڑوں کو کیوں فنا کر ڈالتے ہو۔ اپنے آرام کی خاطر سانپ' بچھو' کھٹمل' جوں وغیرہ کو کیوں مار ڈالتے ہو۔ جب شخصی زندگی کے لئے اتنی جانیں قربان کی جاسکتی ہیں تو قومی زندگی کے لئے بھی موذی لوگوں کو دبایا جا سکتا ہے۔ جب جانی دشمنوں کو مارنا درست ہے تو دینی اور انسانیت کے دشمنوں کو بھی دبانا صحیح ہے۔ مگر یہ راز وہ جانے جس کے سر میں دماغ ہو اور دماغ میں عقل۔ تیسرا اعتراض: بہت سے شہداء کے جسم گلے ہوئے دیکھے گئے اس کی کیا وجہ؟ جواب: غالباً ان کی شہادت قبول نہ ہوئی ہوگی۔ لہٰذا وہ شہید فی سبیل اللہ نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: شہداء کی زندگی قطعی یقینی ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کیونکہ قرآن کریم میں اس کی تصریح ہے ہاں نوعیت حیات ظنی ہے جن میں کسی خاص نوعیت کا انکار کفر نہ ہوگا۔ انبیاء کرام کی زندگی کا انکار سخت گمراہی ہے۔ دوسرا فائدہ: اگرچہ شہادت کی بہت قسمیں اور شہید کئی طرح کے ہیں مگر اول درجہ کی شہادت یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں دینی خدمت کے سلسلہ میں نصیب ہو مومن جنگ کفار میں صرف ملک گیری یا صرف قومی خدمت یا غنیمت حاصل کرنے کی نیت نہ کرے کلمۃ اللہ بلند کرنے کی نیت کرے۔

جنگ شاہان فتنہ و غارت گری است جنگ مومن سنت پیغمبری است

تیسرا فائدہ: شہیدوں کی زندگی عوام کے شعور سے وراء ہے مگر خواص محسوس کر لیتے ہیں ان سے ملاقات بلکہ کلام سلام کرتے ہیں رب نے یہ نہ فرمایا کہ وہ زندگی قابل شعور نہیں بلکہ فرمایا کہ تم لوگ شعور نہیں کرتے وہ تو قابل شعور ہے۔ صوفیاء کے ہاں جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی عرفان (معرفت الٰہی) سے دل کی زندگی عشق جاناں سے وراء نفس کی زندگی طغیاں سے نفس کو مارو تاکہ دل و جان زندہ ہو۔ کھیت سے گھاس صاف کرو تاکہ گندم کے پودے زندہ رہیں۔ جہاں زندہ دل دفن ہو جاوے وہاں کے ذرات و گھاس وغیرہ کو معرفت الٰہی اور حیات ابدی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسی لئے حضور کی قبر انور عرش سے افضل ہے کہ قبر کو حضور سے قرب ہے اور عرش کو بعد کیا تم نے نہ سنا کہ ابو جہل کی مٹھی کی کنکریوں نے کلمہ پڑھا۔ استن حنانہ حضور کے فراق میں رویا۔ بی بی مریم کا ہاتھ لگنے سے خشک درخت کھجور سبز اور بار دار ہو گیا۔ زندوں کی صحبت سے زندگیاں اسی طرح ملتی ہیں۔ اصحاب کہف کا کتا تا قیامت زندہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جہاد دو ہیں۔ جہاد کفار' یہ جہاد اصغر ہے اور جہاد نفس' یہ جہاد اکبر۔ جہاد کفار میں لوہے کی تلوار سے کام ہے اور جہاد نفس میں جبار کی تلوار سے۔ جہاد کفار میں جسم ہلاک ہوتا ہے اور جہاد نفس میں نفس کے حیوانی صفات برباد لہٰذا اے لوگو! جو نفوس کے جہاد اکبر میں تلوار عشق کے ذریعہ فانی اللہ ہو گئے انہیں مردہ نہ کہو کیونکہ اگرچہ ان کے اوصاف وجود مٹ گئے مگر ان میں اوصاف شہود موجود ہیں اور جس کی فنافی اللہ ہوتی ہے اور اس کی بقاباللہ۔ ان کا محبوب کبھی تو انہیں صفات جلال کی تجلی سے فنا کرتا ہے اور کبھی الطاف جمال کی ہواؤں سے زندہ ان کا یہ حال ہے۔

www.alahazratnetwork.org

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است
ہرگز نہ میرد آنکہ دلش شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

یہ حضرات باغات جمال کی سیر کرتے ہیں اور درخت وصال کے پھل کھاتے ہیں مگر تم ان کے احوال سے بے خبر ہو کیونکہ تم حجاب کے باہر ہو اندرون خانہ اگرچہ ان کی اشباح (صورتیں) فنا ہو چکیں مگر ان کے ارواح باقی۔ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ جس کی زندگی سانس سے ہے وہ روح کے نکلنے سے مرجاتا ہے اور جس کی زندگی رب سے ہے وہ روح نکلنے سے مجازی زندگی سے منتقل ہو کر حقیقی زندگی میں قدم رکھتا ہے گویا میلے اور تکلیف دہ لباس کو اتار کر صاف لباس پہنتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مے کند دندان بدرا آں طبیب تا رہد از درد و بیماری حبیب!
پس زیادت ہا درون نقصہا است مر شہیداں را حیات اندر فنا است
گر یکے سر را ببرو از بدن! صد ہزاراں سر بر آرد در زمن (روح)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس سے جہاد اس لئے جہاد اکبر ہے کہ نفس بڑا کافر بڑا سرکش ہے کہ یہ ہمیشہ حربی کافر ہی رہتا ہے کبھی ذمی نہیں بنتا ہر جگہ ہر وقت ہمارے ساتھ رہتا ہے سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو نفس نے گمراہ کیا اور بڑے کافر سے جہاد بھی جہاد اکبر ہے۔ رب فرماتا ہے قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ اپنے قریبی کافروں یعنی نفس و شیطان سے قتال و جنگ کرو۔ مجاہدہ کی تلوار ہمیشہ کام میں لاؤ ان سے مجاہدہ کرنے والا ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ
اور البتہ آزمائیں گے ہم تم کو ساتھ کسی قدر ڈر اور بھوک اور کم کرنے کچھ مالوں اور جانوں
اور ضرور ہم تمہیں آزمائیں گے کچھ ڈر اور بھوک سے اور مالوں اور جانوں اور

وَالثَّمَرٰتِ ؕ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِیْنَ اِذَاۤ اَصَابَتْهُمْ مُّصِیْبَةٌ ۙ قَالُوْۤا اِنَّا
اور پھلوں کے اور خوشخبری دو صبر کرنے والوں کو۔ وہ جو کہ جب پہنچے ان کو کوئی مصیبت تو کہتے
پھلوں کی کمی سے اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے۔ تو

لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۟ وَ
ہیں تحقیق ہم واسطے اللہ کے ہیں اور تحقیق ہم طرف اس کے لوٹنے والے ہیں۔ یہ لوگ اوپر ان کے رحمتیں
کہیں کہ ہم اسی کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے یہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں

اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾
ہیں طرف سے رب ان کے اور رحمت ہے اور یہ لوگ وہ ہدایت پائے ہوئے ہیں۔
ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اولاً "مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا گیا اب صبر کے موقع بتائے جارہے ہیں کہ خوف و بھوک وغیرہ کی تکلیفیں پڑیں گی صبر کرنا۔ **دوسرا تعلق:** پہلے صبر کی اعلیٰ قسم یعنی شہادت کا ذکر ہوا۔ اب چھوٹی چھوٹی مصیبتوں کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بارگاہ الٰہی میں اعلیٰ صبر کی طرح چھوٹے صبروں کی بھی قدر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ صبرو نماز سے مدد لو۔ اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ اس لئے مدد لو کہ ہم تمہارا ان مصیبتوں سے امتحان لیں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں شکر کا حکم ہوا تھا۔ جس سے سمجھا گیا کہ کچھ نعمتیں ملنے والی ہیں۔ اب بتایا جارہا ہے کہ یہ نعمتیں یوں ہی بغیر مشقت برداشت کئے نہ ملیں گی بلکہ کچھ مصیبتیں پڑیں گی۔ ان پر صبر کرنا پھر نعمتیں حاصل ہوں گی ان کا شکر کرنا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں بڑی آزمائش اور بڑے صبر یعنی جہاد و شہادت کا ذکر تھا جو اتفاقاً" ہی نصیب ہوتی ہے ہر مسلمان کو ہر وقت میسر نہیں ہوتی اب ان چھوٹی آزمائشوں اور چھوٹے صبروں کا ذکر ہے جو قریباً" ہر مسلمان کو نصیب ہوتی رہتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ شہادت کے بڑے درجے ہیں لیکن اس کی انتظار میں دوسرے صبروں سے محروم نہ رہو۔ حسب ذیل آزمائشوں کے لئے تیار رہو۔

تفسیر : **ولنبلونکم** یہ لفظ بلی سے بنا۔ جس کے معنی ہیں پرانا ہونا۔ گل جانا یا ظاہر ہونا ہے۔ آزمانے جانچنے اور امتحان لینے کو ابتلاء اس لئے کہتے ہیں کہ زیادہ آزمائش سے آدمی کمزور ہو کر گل جاتا ہے نیز اسی سے کھرا کھوٹا ظاہر ہوتا ہے۔ مصیبت اور راحت کو بھی اس لئے بلا کہا جاتا ہے کہ اس سے نیک و بد کا ظہور ہوتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **ونبلوکم بالشر والخیر** لہذا اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں گے یا تم میں سے کھرے کھوٹے کو ظاہر کریں گے بظاہر یہ خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے **بشیء من الخوف والجوع** کسی قدر ڈر اور بھوک سے پہلے لفظ سے گھبراہٹ پیدا ہو سکتی تھی کہ نہ معلوم کتنا سخت امتحان ہو گا۔ **بشیء** فرما کر تسکین دے دی کہ گھبراؤ نہیں تھوڑا سا خوف و بھوک وغیرہ سے آزمایا جائے گا۔ ان سب چیزوں کو اس لئے تھوڑا کہا کہ یہ آخرت کی مصیبتوں کے مقابل تھوڑی ہیں جو کوئی گھبرا کر ایمان چھوڑ دے وہ تو بڑی مصیبت میں مبتلا ہو گا اور دین پر قائم رہنے والے کا تھوڑے صبر سے ہی بیڑا پار ہو جائے گا اس لئے کہ بے صبری کرنے سے بڑی مصیبت آپڑتی ہے اور صبر کی برکت سے تھوڑے ہی پر گزر جاتی ہے۔ مثلاً" حملہ کفار کے وقت اگر صبر سے مقابلہ کیا جائے تو نقصان کم ہو گا اگر بے صبری سے ہتھیار ڈال دیئے جائیں تو بڑی مصیبت آپڑے گی کہ وہ ہر چیز پر قادر ہو جائیں گے یا اس لئے کہ رب تعالیٰ تھوڑی مصیبت کی برکت سے بڑی مصیبت ٹال دیتا ہے **ونقص من الاموال والانفس والثمرت** یہ سب شیء کا بیان ہے یعنی جس معمولی چیز سے تمہارا امتحان ہو گا وہ یہ چیزیں ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ خوف سے دشمنوں یا مخالفین یا استقامت دین کی وجہ سے خود اپنے دوستوں کی مخالفت کا ڈر مراد ہے یعنی کبھی دشمنوں سے تمہیں خطرہ ہو گا اور کبھی تمہاری استقامت کی وجہ سے تمہارے اپنے بھی بیگانے بن جائیں گے اور ان سے تمہیں کھٹکا پیدا ہو گا۔ بھوک سے قحط سالی' تنگدستی' افلاس اور روزہ وغیرہ مراد ہے اور مالوں کی کمی سے چوری ڈکیتی راستہ میں لٹ جانا' مال مویشی کا ہلاک ہو جانا۔ جہادوں کی وجہ سے کھیتوں کا برباد ہونا۔ صدقہ خیرات میں مال صرف ہونا مراد ہے چونکہ مختلف آفتوں سے ہر طرح کے مال' زمین' باغات روپیہ پیسہ میں کمی آتی ہے اس لئے یہاں اموال جمع فرمایا گیا۔ جانوں کے نقصان سے دوست اور قرابت داروں کا جہاد میں قتل

www.alahazratnetwork.org

ہوجانا ان کا مرجانا یا وبائی امراض میں مبتلا ہونا مراد ہے اور پھلوں کی کمی سے باغات اور کھیتوں پر آسمانی آفتیں آجانا جیسے کہ اولے پالا ٹڈی وغیرہ یا جلد کی وجہ سے ان کا پیدا ہو جانا مراد ہے یعنی تمہارے امتحان کے لئے یہ چیزیں ہوں گے۔ سو جو ان میں تم پورے نمبر لینا۔ اس کا حقیقی فائدہ تو آخرت میں حاصل ہو گا مگر اس امتحان کا نتیجہ ہمیں بتائے دیتے ہیں کہ **وبشر الصبرین** اور صبر والوں کو خوش خبری دے دو۔ اس میں یا تو حضور علیہ السلام سے خطاب ہے یا عام قرآن پڑھنے والے سے اور چونکہ مختلف مصیبتوں پر صبر کرنے والے بھی مختلف تھے اور پھر ان کے درجے بھی علیحدہ علیحدہ۔ اس لئے صابرین جمع فرمایا گیا یعنی ہر قسم کے صابر کو خوشخبری دو۔ مگر خیال رہے کہ صبر صرف یہی نہیں کہ مصیبت پر شکایت نہ کی جائے بلکہ **الذین اذا اصابتھم مصیبۃ** خیال رہے کہ مصیبۃ اصاب مصیب سے بنا ہے جس کے معنی ہیں پہنچنا یا نشانہ پر لگنا چونکہ بلا بھی ٹھیک طور پر اس پر آتی ہے جس پر حکم الٰہی ہو۔ اسی لئے اسے مصیبت کہتے ہیں **اصابتھم** کہہ کر بتایا کہ کوئی بلا اپنی مرضی سے نہیں ٹل سکتی وہ ٹھیک گرتی وقتی ہے پہلی تو جب انہیں مصیبت پہنچے تو **قالوا** وہ بجائے بے قراری اور ناشکری کے یہ کہتے ہیں کہ ہم خود اپنے جان و مال کے مالک نہیں بلکہ **انا للہ** اللہ کی ملک اور اسی کے قبضہ میں ہیں ہر چیز اسی کی ہے اگر مالک اپنی چیز لے لے تو بندہ کو کیا شکایت نیز اس کا مصیبت بھیجنا ہمارے حق میں عین مصلحت اور حکمت ہے جیسے مہربان طبیب بد پرہیزی میں کھانے سے روکتا اور بہتر دوا اور بے پالوالا "کڑوی دوائیں پلاتا ہے جس سے شفا حاصل ہوتی ہے۔ ایسے ہی ہمارا رب اس کا بدلہ عطا فرمائے گا۔ اگر یہاں بدلہ نہ بھی ملے تو کیا ہے **وانا الیہ رجعون** ہم تو اسی کی طرف رجوع کریں گے سو وہ جس میں راضی ہم بھی اس میں راضی۔ اس کی رضا ہی بہترین جزا ہے یا یہ کہ ہم آخرت میں وہاں پہنچیں گے جہاں کسی کا نہ کھٹکا اور خطرہ نہ ہو گا اور بلا واسطہ ہر طرح اس کے قبضہ میں ہوں گے۔ یقیناً جو کچھ صبر پر وعدے فرمائے گئے ہیں وہاں سب ملیں گے اور وہاں کی بخشش کے مقابل یہاں کی مصیبت کی کوئی حقیقت نہیں ہو سکتا ہے کہ راجعون اسم فاعل معنی حال ہو یعنی ہم وہ ہیں کہ رنج و راحت میں رب کا دروازہ چھوڑ دیں ہم تو ہر حال میں رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں تب اس میں بندہ کا اپنی استقامت کا اظہار ہے۔ خیال رہے کہ جو نظر نہ آئے جس سے ملاقات ناممکن ہو تو اس کی طرف رجوع کرنے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جس کو اس سے نسبت ہو وہاں پہنچے۔ رب تعالیٰ تک ہماری رسائی نہیں تو اس کی طرف رجوع کرنے کے یہ معنی ہیں کہ مسجد کعبہ معظمہ مقدس مقامات کی طرف رجوع کیا جاوے جیسے رعایا کا کچہری میں حاضر ہونا۔ جج کے سامنے پیش ہونا سلطان کی طرف رجوع ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ہجرت کے وقت فرمایا **انی ذاھب الی ربی سیھدین** میں اپنے رب کے پاس جا رہا ہوں وہ مجھے ہدایت دے گا حالانکہ آپ شام کی طرف جا رہے تھے۔ لہذا انبیاء اولیاء اللہ کے آستانوں پر حاضری رب کی طرف رجوع ہے اور بتوں شیاطین جو اعداء اللہ ہیں ان کے پاس پناہ لینی رب کی بغاوت ہے آب زمزم کی تعظیم رکن ایمان ہے۔ گنگا جل کی تعظیم کفر ہے۔ **اولئک علیھم صلوت من ربھم و رحمۃ** اولئک سے ان تمام صابرین کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر ابھی گزرا۔ یعنی خوف یا بھوک وغیرہ میں صبر کرنے والے۔ **علیھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی یہ جزا صرف انہیں صابرین کے لئے ہے دیگر متقین کے لئے اور قسم کی رحمتیں۔ **صلوت** صلوۃ کی جمع جس کے معنی یہاں رحمت ہیں۔ **من ربھم** فرما کر یہ اشارہ فرمایا کہ جب ان پر بہت سی رحمتیں اتریں تو دنیا اور آخرت کی کوئی مصیبت ان کا بال بیکا نہیں کر سکتی۔ صلوۃ کے بعد رحمت فرمانے میں

www.alahazratnetwork.org

اور صلوٰت کو جمع لانے اور رحمت کو واحد لانے میں کئی خوبیاں ہیں۔ ایک یہ کہ صلوٰت سے خصوصی رحمتیں مراد ہوں اور رحمت سے عام رحمت جیسے دنیا میں تقسیم انعام کے موقعہ پر دعوت طعام سب کو دی جاتی ہے مگر روپے اور جوڑے وغیرہ بقدر خدمت عطا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی وہاں جنت تو عام صابروں کو عطا ہوگی مگر جنت کی خاص نعمتیں خاص بڑے صابرین کے لئے۔ دوسرے یہ کہ صلوٰت سے گناہوں کی معافی مراد ہے اور چونکہ گناہ مختلف قسم کے ہیں اس لئے معافیاں بھی مختلف اور رحمت سے فضل و کرم مراد۔ تیسرے یہ کہ صلوٰت سے تعریف یا تعظیم مراد یعنی ایسے صابرین کی دنیا اور آخرت میں طرح طرح کی تعریفیں ہوں گی اور قسم قسم کی تعظیمیں اور رحمت سے رب کے عام انعامات یا تو ہر صابر کے لئے ساری صلوٰت ہیں یا ہر قسم کے صابر کو خاص قسم کی صلوٰۃ۔ خلاصہ یہ کہ ان بہادر صابروں پر رب کا صرف ایک یا دو کرم نہیں بلکہ بہت سے خاص کرم ہیں اور عام رحمت بھی۔ اور اس کے ماسوا واولئک ھم المھتدون یہ لوگ دنیا اور آخرت میں پوری ہدایت پر ہیں۔ دنیا میں تو اس طرح کہ ہر حالت میں رب سے قرب حاصل کر لیتے ہیں۔ راحت میں شکر کر کے اور مصیبت میں صبر کر کے اور پوری ہدایت یہ ہی ہے کہ انسان ہر جگہ سے اپنے مقصد کا پتہ لگانے اور اپنا دین حاصل کرنے اور آخرت میں اس طرح کہ کوئی تو اطاعت سے جنت کماتا ہے اور کوئی تقویٰ کے ذریعہ دوزخ سے بچ جاتا ہے۔ کوئی عبادات سے حور و قصور حاصل کرتا ہے۔ مگر یہ صبر کے ذریعہ رضائے رب غفور پا لیتے ہیں غرضیکہ یہ نہایت ہی عقلمند لوگ ہیں۔ خیال رہے کہ ہدایت پر استقامت بھی صبر ہی کے ذریعہ ہو سکتی ہے بے صبر اور اسی تکلیف یا راحت میں نماز بلکہ ایمان چھوڑ دیتا ہے۔ انسان کا دل وہ ہلکا پتہ ہے جسے رنج و غم خوشی و راحت کی ہوائیں ہر طرف اڑائے پھرتی ہیں صبر وہ وزنی پتھر ہے جس کی وجہ سے دل ان ہواؤں سے اڑتا نہیں اس لئے ارشاد ہوا کہ یہ صابرین ہی ہدایت پر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے مصیبتوں سے پہلے ہی اس کی خبر دے کر اس کا علاج بتایا اور صابرین کے درجات بیان کئے تاکہ وقت مصیبت صبر آسان ہو کیونکہ بے خبری کی اچانک بلا بہت بھاری ہوتی ہے نیز اس لئے کہ کفار مصیبتوں میں مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر اسلام کی حقانیت کا یقین کریں۔ نیز اس لئے کہ ابھی سے منافق اور مومن کی پہچان ہو جائے کہ منافق تو گھبرا جائے اور مومن صبر کے لئے تیار ہو جائے نیز اس لئے کہ اس میں غیب کی خبر ہو اور نبی علیہ السلام کا معجزہ تا کہ آئندہ مصیبتیں دیکھ کر ان کا ایمان اور کامل ہو جائے کہ دیکھو جو ہمارے پیغمبر نے خبر دی وہ پوری ہو گئی۔ غرضیکہ صد ہا وجوہ سے مسلمانوں کو پہلے سے اطلاع دی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو چونکہ تم بہترین امت ہو اور بڑوں کا امتحان بھی بڑا ہوتا ہے اس لئے کئی مضمونوں میں ہم تمہارا امتحان لیں گے کبھی دشمن کے خوف سے۔ کبھی قحط سالی اور فقر و فاقہ سے کبھی تمہارے مالوں کا نقصان کر کے کبھی تمہارے اہل قرابت اور دوست احباب کو قتل کرا کے اور کبھی تمہارے باغات اور کھیتوں کے پھل کم کر کے تمہیں جانچیں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں خوف سے اللہ کا ڈر بھوک سے رمضان کے روزے مالوں کی کمی سے زکوٰۃ و صدقات دنیا جانوں کی کمی سے بیماریوں کے ذریعے موتیں ہونا۔ پھلوں کی کمی سے اولاد کا مرنا مراد ہے۔ کیونکہ اولاد بھی دل کا پھل ہے (کبیر و خزائن وغیرہ) اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان صابرین کو جو مصیبت کے وقت زبان اور عمل سے انا للہ کہتے ہیں۔ تین انعامات کی خوشخبریاں دے دیجئے۔ ایک یہ کہ ان پر رب کی خاص عنایات ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

عام رحمت سے بھی مستفیض ہیں۔ تیسرے یہ کہ وہ دنیا اور آخرت میں ہر طرح ہدایت پر ہیں۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نعم العدلان و نعمت العلاوہ یعنی ایک صبر پر تین نعمتیں نہایت ہی اچھی ہیں۔ صلوۃ اور رحمت اور اس کے اوپر ہدایت۔ عربی میں اونٹ کے دو طرفہ برابر کے بوجھوں کو عدل کہتے ہیں اور خاص بوجھ پر جو اوری وغیرہ ہو جس کا تعلق دو طرفہ سے وہ علاوہ کہلاتا ہے۔ (کبیر و عزیزی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رضا بالقضاء کے دو طریقے ہیں ایک صرف دوسرے جذب دنیوی نعمتوں کو رحمت بنا کر اس سے دل پھیر دینے کا نام صرف ہے اور اپنا جمال دکھا کر اسوا سے بے خبر کر دینا جذب ہے دیکھو یعقوب علیہ السلام کا دل یوسف علیہ السلام میں بہت مشغول تھا اور ان یوسف کے دل میں دشمنی پیدا کر کے باپ بیٹے میں جدائی کرا کر چالیس سال تک یعقوب علیہ السلام کو بہت رنج و ملال پہنچایا۔ آدم علیہ السلام کو جنت بہت پیاری تھی ان کو وہاں سے علیحدہ کر کے تین سو برس رلایا۔ حضور علیہ السلام کو اپنے وطن مکہ اور اہل مکہ سے محبت تھی وہاں سے انہیں جدا کر کے مدینہ پاک پہنچایا کہ جس دل میں ہم رہیں وہاں غیر کا کیا کام۔ یہ ہوا صرف۔ پھر ان کو اپنی اتنی محبت عطا فرمائی جس سے وہ سب غم بھول گئے۔ جیسا کہ روایت میں ہے کہ مہاجرین کو مکہ مکرمہ میں ٹھہرنا مشکل ہو تا تھا۔ یعقوب علیہ السلام بظاہر یوسف کا نام لے کر روتے تھے لیکن نہاں میں خالق یوسف کی تڑپ سے بے قرار کرتی تھی یہ ہوا جذب صلوۃ ور رحمت میں صرف کی طرف اشارہ ہے اور مہتدون میں جذب کی طرف (کبیر و عزیزی) اسی لئے صابر کو رب ملتا ہے۔

عشق لیلیٰ نیست ایں کار منست حسن لیلیٰ عکس رخسار منست!

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے نائب خاص اور مختار عام ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان صابروں کو براہ راست خود بشارت نہ دی بلکہ اپنے محبوب سے فرمایا آپ بشارت دو۔ سلاطین وعلماء کو براہ راست سے کچھ دیتے ہیں تو اپنے مقرر کردہ حکام کی معرفت دیتے ہیں براہ راست بہت کم ہیں کچھ دیتے یا ان سے گفتگو کرتے ہیں۔ اسی لئے حضور کا لقب ہے بشیر و نذیر۔ یعنی رب کی نیابت میں ڈرانے بشارت دینے والے۔ دوسرا فائدہ: دنیا مصیبتوں کی جگہ ہے یہاں آرام کی طلب بے کار ہے۔ ان مصیبتوں میں چند فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مصیبتیں نہ ہوں تو انسان دعویٰ خدائی کر بیٹھے دیکھو فرعون نے راحت پا کر دعویٰ خدائی کیا اور دریا کی مصیبت دیکھ کر آواز دی کہ میں رب موسیٰ و ہارون پر ایمان لاتا ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس میں کھرے کھوٹے کی پہچان ہے کہ کون نفس کا پجاری ہے اور کون رب کا۔ ہر حال میں راضی برضا رہنے والا کھرا ہے اور دنیوی انقلابات سے پھسلنے والا کھوٹا۔ تیسرے یہ کہ بغیر بھٹی کی آگ اور کاریگر کے ہتھوڑے کے نہ تو میلا لوہا صاف ہو سکتا ہے اور نہ سونا محبوب کے گلے میں آنے کے قابل کہ سونا اگرچہ خود قیمتی ہے اور ریشمی کپڑا اگرچہ خود نفیس مگر ان دونوں کو وصال جب ہی ہو گا جب سنار کی بھٹی اور درزی کی مشین کی مصیبتیں برداشت کر لیں گے۔ ایسے ہی گنہگار کی صفائی اور نیک کار کی رب تعالیٰ تک رسائی بغیر مصائب ناممکن۔ اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ مصیبت بقدر رتبہ ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ آخرت میں نہ تو سب جنت کے قابل ہیں اور نہ تمام دوزخ کے لائق۔ پھر جنت میں بھی ایک درجہ نہیں۔ مصیبتوں ہی کے ذریعہ ہر شخص اپنے اپنے درجہ میں پہنچے گا۔ پانچویں یہ کہ مصیبتوں ہی کے ذریعہ کوئی بھی رب پر طرفداری کا الزام نہیں لگا سکتا ورنہ کوئی گستاخ کہہ سکتا تھا کہ ہم پر ظلم اور دوسروں کی طرفداری ہوئی۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹے یہ کہ مصیبتوں کی برکت سے دنیا سے دل سرد ہو تا ہے اور آخرت کی خواہش' رب کی طلب' جنت کی قدر حاصل ہوتی ہے۔
تیسرا فائدہ: مصیبت کے وقت اناللہ ضرور پڑھنی چاہئے حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام چراغ گل ہونے نعلین کا تسمہ ٹوٹ جانے اور ہاتھ میں پھانس لگ جانے پر بھی اناللہ پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ یہ بھی مصیبت ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ حضور یہ تو معمولی باتیں ہیں فرمایا کہ کبھی معمولی بات بھی بڑی ہو جاتی ہے (در منثور و عزیزی وغیرہ) اناللہ پڑھنے میں عقلی اور نقلی بہت فائدے ہیں۔ (1) طبرانی اور بیہقی میں ہے کہ اناللہ ہماری ہی امت کو ملا۔ اس سے پہلے پیغمبروں کو بھی عطا نہ ہوا۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کے غم میں یا اسفی علی یوسف تو فرمایا مگر اناللہ نہ کہا۔ (2) نیز بیہقی میں ہے کہ جس میں چار باتیں ہوں اس کا گھر جنت میں ہے ایک یہ کہ ہر کام میں رب سے التجا کرے۔ دوسرے یہ کہ مصیبت پر اناللہ پڑھے۔ تیسرے یہ کہ نعمت پر الحمد للہ پڑھے۔ چوتھے یہ کہ گناہ پر استغفر اللہ پڑھے۔ (3) احمد اور بیہقی نے امام حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب پرانی مصیبت یاد آئے تب بھی اناللہ پڑھے نئے صبر کا ثواب پائے گا۔ (4) جو شخص مصیبت پر اناللہ پڑھے تو رب تعالیٰ ثواب کے علاوہ یا تو گئی ہوئی نعمت واپس فرماتا ہے یا اس سے بہتر بدلہ (عزیزی و کبیر وغیرہ) (5) اناللہ پڑھنے سے رب کی طرف دھیان ہو جاتا ہے۔ جس سے اس کا غم غلط ہو جاتا ہے کیونکہ دھیان کا بٹنا بھی تکلیف کو ہلکا کر دیتا ہے۔ (6) اناللہ کا مضمون نہایت نفیس ہے جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ اگر ہمارا فلاں قرابت دار مر گیا تو ہمیں بھی یہاں رہنا نہیں ہم بھی اللہ کی ملک ہیں جب چاہے بلالے اور اسی طرف جانے والے ہم دوسروں کو کیا روئیں اپنی فکر کریں۔

ہم دیکھیں جگ جات ہے اور جگ دیکھے ہم جائیں ہم خود بیٹھے راہ پر اوروں کو پچھتائیں!

یا یہ کہ ہم اور ساری چیزیں اللہ کی امانت ہیں مالک اپنی امانت لے تو اس پر غم کیسا یا یہ کہ ہم اللہ کے بندے ہیں وہ ہمارا رب۔ رب کے ہر کام میں ہزاروں حکمتیں ہیں اس میں بھی صدہا حکمتیں ہوں گی۔ جیسے کہ کڑوی دوا کا انجام شفا اور پرہیز کا انجام صحت ہے۔ ایسے ہی اس مصیبت کا انجام بھی بہت عمدہ ہو گا۔ ان مضامین سے انشاء اللہ غم ہلکا پڑ جائے گا۔ (7) اناللہ سے شیطان مایوس ہو جاتا ہے اور اس کو وہاں سے بھاگنا ہی پڑتا ہے اور ہائے واے کرنے میں شیطان کی شرکت ہوتی ہے۔ (8) اناللہ سن کر دوسرے بھی اس کی پیروی کرتے ہیں اور صابرین کے دفتر میں نام لکھاتے ہیں۔ (9) جو زبان سے اناللہ کہتا ہے اس کے دل میں اچھا اعتقاد اور رضا بالقضاء پیدا ہوتی ہے۔ (10) مصیبت سے انسان کا ہوش اڑ جاتا ہے ممکن ہے کہ اس حالت میں کچھ غلطی کر بیٹھے۔ اناللہ سے ہوش ٹھکانے آتے ہیں حالت درست ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض: رب کو امتحان کی کیا ضرورت کیا اسے ہر ایک حالت کا علم نہیں؟ جواب: اس کا جواب مصیبت کے فائدہ میں گزر گیا۔ خیال رکھو کہ امتحان ہمیشہ اپنے ہی علم کے لئے نہیں ہوتا کبھی خود امتحان دینے والے کو بتانا منظور ہوتا ہے اور کبھی دوسروں کو۔ اگر ہم بغیر امتحان تقسیم انعام کریں۔ جس میں کسی کو معمولی اور کسی کو بھاری انعام دیں اور کسی کو بالکل محروم رکھیں تو یقیناً سب کو شکایت ہو گی۔ بعد امتحان جیسے پرچے کے نمبر ویسا انعام دینے میں کسی کو کوئی شکایت نہیں۔ اگر امام حسین جنتیوں کے سردار ہیں تو کوئی اعتراض نہیں کر سکتا کیونکہ وہ یہاں صابرین کے بھی سردار۔ دوسرا اعتراض: وانا الیہ رجعون۔

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تم خدا سے دور ہو صبر کر کے اس کے پاس پہنچو گے نیز رب کس جگہ میں رہتا ہے جہاں تم بذریعہ سفر پہنچو گے (آریہ) جواب: اس کی طرف لوٹنے سے ایسی جگہ پہنچنا مراد ہے جہاں اس کے سوا کسی کی ظاہری بادشاہت بھی نہ ہو یعنی آخرت نہ کہ اس کی ذات تک پہنچنا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مصیبتوں سے ہی آزمائش ہوتی ہے اور دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے۔ **ونبلوکم بالخیر والشر فتنۃ** خیر و شر سب سے ہی امتحان ہے اور فرماتا ہے **انما اموالکم و اولادکم فتنۃ** تمہارے مال و اولاد آزمائش ہیں ان آیات میں تقابل کیوں ہے۔ جواب: رب تعالیٰ کے امتحانات دو طرح کے ہیں۔ دے کر بھی اور لے کر بھی مگر یہاں ایک امتحان کا ذکر ہے کیونکہ پچھلی آیتوں میں صبر کا ذکر ہو چکا ہے اور آئندہ بھی صابرین کا ذکر آرہا ہے نیز جو جزا اور نتیجہ یہاں مذکور ہے وہ صابرین ہی کا ہے شاکرین کی جزا کا ذکر دوسری آیات میں ہے اس لئے صرف صبر کے امتحانوں کا ذکر ہوا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ انبیاء و اولیاء عام مسلمان تمام ہی کا خوف وغیرہ سے امتحان ہو گا مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔** یعنی اولیاء اللہ کو نہ خوف نہ رنج آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ جواب: وہاں خوف سے نقصان دہ خوف مراد ہے اسی کی نفی ہے اسی لئے علی ارشاد ہوا یعنی اولیاء اللہ کو مخلوق کا وہ خوف نہیں ہوتا جو خالق کی اطاعت سے روک دے یا اس کی نافرمانی کرا دے اور یہاں دوسرے خوف مراد ہیں جو اس نوعیت کے نہ ہوں ورنہ ہر ایک ولی کو رب کا خوف خاتمہ کی خرابی کا خوف ہوتا ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبت میں صرف اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے تم جو نبیوں ولیوں کی طرف رجوع کرتے فریادیں کرتے ہو مشرک ہو۔ جواب: اور تم بھی مشرک ہو کہ بیماری میں طبیبوں کی طرف اور مصیبت میں حکام کی طرف رجوع کرتے ہو۔ اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ انبیاء اولیاء کی بارگاہ میں حاضری رب کی بارگاہ میں حاضری ہے یہ لوگ رب کے دروازے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک۔**

تفسیر صوفیانہ : نیبی مطالبات چند قسم کے ہیں جس نے رب کو مال سے ڈھونڈا اس کے لئے نجات ہے اور جس نے نفس سے ڈھونڈا اس کے لئے درجات۔ جس نے اہل قرابت کی جدائی پر صبر کیا اس کے لئے قربات اور جس نے روح کو خرچ کیا اس کے لئے دائمی وصال ہے خوشی اور راحت جیل میں پھنسانے والی چیزیں ہیں۔ رنج و غم اور صبر اس سے آزادی کا ذریعہ۔

حکایت : سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک شخص نے ہزار درہم میں ایک بلبل خریدی جو خوب بولتی تھی۔ ایک دن اس کے پنجرے پر طوطا بول کر اڑ گیا اور اس بلبل نے بولنا چھوڑ دیا۔ اس شخص نے حضرت کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ ماجرا بیان کیا۔ آپ نے بلبل کا پنجرا منگا کر اس سے خاموشی کا سبب پوچھا وہ بولی کہ میں اپنے وطن اور اولاد کو یاد کر کے روتی تھی اور لوگ اسے گیت سمجھتے تھے۔ مجھے طوطے نے سمجھایا کہ تیری بے صبری ہی اس قید کا باعث ہے اگر تو صبر کرے اور خاموش ہو جائے تو چھوٹ جائے۔ لہٰذا اب میں نہ بولوں گی۔ آپ نے مالک سے کہا کہ تو اس کے بولنے سے ناامید ہو جا۔ وہ بولا پھر مجھے اس کے پالنے کی کیا ضرورت ہے میں تو اس کی آواز کا عاشق تھا اور اسے آزاد کر دیا۔ وہ یہ کہتی ہوئی اڑ گئی کہ پاک ہے وہ جس نے مجھے انڈے میں بنایا اور ہوا میں اڑایا اور پنجرے میں صبر دے کر وہاں سے چھڑا لیا۔ یہی ہمارا حال ہے جب تک کہ بے صبری ہے تب تک

www.alahazratnetwork.org

ہی قید اور دنیا کی ہزار مصیبتوں کا پیش خیمہ اور یہاں کی نامرادی وہاں کی کامیابی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

دانہ باشی مرغ کانت برچند غنچہ باشی کودکانت برکنند

ہر کہ کرد او حسن خود را در مزاد! صد قضائے بد سوئے او رو نہاد

یعنی اگر تم دانہ بنو گے تو پرندے چگ جائیں گے اگر پھول کی طرح غنچہ ہو گے تو تمہیں بچے توڑ ڈالیں گے جتنی اپنے میں خوبی پیدا کرو گے اتنی ہی مصیبتیں تم پر آئیں گی لہذا بجائے راحت طلب کرنے کے یہاں سے چھوٹنے اور وطن چلنے کی فکر کرو اور یہ سمجھو۔

تن قفس شکل است و تن شد خار جاں در فریب داخلاں و خارجاں!

وجود حقیقی کے دریا میں اپنی انانیت فنا کر دو تاکہ مقصود حاصل ہو۔ (روح البیان)

دوسری تفسیر : اے مسلمانو اگر تم ہم تک پہنچنا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ ہماری راہ بہت خار دار ہے اس میں مصیبتیں بے شمار ہیں کبھی ہمارے خوف کا غلبہ ہے جس سے ہمت ٹوٹ جاتی ہے کبھی بھوک میں الجھتا ہے جس سے بدنی قوتیں کمزور اور خواہشات کے جالب دور اور شیطان کے راستے بند ہو جاتے ہیں کبھی شہوانی مادے کم کیے جاتے ہیں جو نفس کا مال ہیں کبھی خود نفس برباد کیا جاتا ہے جو دل پر غالب ہے اور اس کے وہ دوست اور اہل قرابت ہلاک کیے جاتے ہیں جو اسے یہاں آنے سے روکتے ہیں کبھی اسے دنیوی لذات سے محروم کیا جاتا ہے اور اس کے باغ کو ریاضتوں کی آگ سے جلایا جاتا ہے جو لوگ ان سب مصیبتوں کو گوارا کریں اور اپنے کو میری ملک سمجھ کر یہ کہہ دیا کریں کہ انا للہ ہم اللہ ہی کی ملک ہیں جو چاہے کرے وانا الیہ رجعون اور ہم وہاں پہنچ کر ہی رہیں گے۔ ان لوگوں پر ہم رحمتیں اتاریں گے کہ انہیں فنا کے بعد وجود اور ظلمتوں کے بعد نور اور اپنی صفات کی تجلی عطا فرمائیں گے اور رحمت یعنی وہ نور بھی دیں گے جس سے ان کے ذریعہ اور لوگ بھی ہم تک پہنچ سکیں اور وہ ہی اصلی ہدایت پر ہیں کہ کہیں نہیں بہکتے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
تحقیق صفا اور مروہ نشانیوں اللہ کی سے ہیں پس جو حج کرے کعبہ کا یا عمرہ کرے
بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں سے ہیں تو جو اس گھر کا حج یا عمرہ کرے
عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۗ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾
پس نہیں ہے گناہ اوپر اس کے یہ کہ طواف کرے ان دونوں کا اور جو کوئی خوشی کرے بھلائی پس تحقیق اللہ قدر فرمانے والا ہے
اس پر کچھ گناہ نہیں کہ ان دونوں کے پھیرے کرے اور جو کوئی بھلی بات اپنی طرف سے کرے تو اللہ نیکی کا صلہ دینے والا خبردار ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں صبر کے فضائل بیان ہوئے تھے۔ اب صفا اور مروہ پہاڑوں کا ذکر ہے جہاں حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ہر قسم کی مصیبتوں پر صبر کیا تھا بتایا یہ گیا کہ دیکھو صابروں پر ایسی رحمت ہوتی ہے کہ حضرت ہاجرہ کی امتحان گاہ کو قیامت تک کے لئے عزت دے دی گئی تو خود امتحان دینے

www.alahazratnetwork.org

وہاں کا کیا رتبہ ہوگا۔ دوسرا تعلق: شروع مضمون میں کعبہ کے قبلہ ہونے پر کفار کے اعتراضات دفع کیے گئے۔ اب صفا اور مروہ کے متعلق خود مسلمانوں کے شبہات دور کیے جا رہے ہیں۔ تیسرا تعلق: رب تعالیٰ نے کعبہ کو قبلہ بنا کر فرمایا تھا کہ ولاتم نعمتی علیکم اور چونکہ صفا اور مروہ میں دوڑنا بھی اس کی نعمت تھی اس لیے اب اس کا ذکر ہوا۔ چوتھا تعلق: رب کے احکام تین قسم کے ہیں بعض وہ جو عقلاً اور شرعاً ہر طرح اچھے ہوں اس کا اس آیت میں حکم دیا گیا کہ فاذکرونی اذکرکم دوسرے وہ جو بظاہر برے معلوم ہوتے ہیں مگر شرعاً اچھے جیسے مصیبتیں اور تکالیف۔ اس کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہوا کہ ہم تمہارا ڈر و بھوک سے امتحان کریں گے۔ تیسرے وہ جو بظاہر بے فائدہ معلوم ہوں اور شرعاً فائدہ مند ہوں۔ جیسے پہاڑوں کے درمیان دوڑنا وغیرہ اس کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

شان نزول: پچھلے زمانہ میں ایک شخص تھا اساف اور ایک عورت تھی نائلہ انہوں نے خانہ کعبہ میں ایک دوسرے کو بدنیتی سے ہاتھ لگایا۔ عذاب الٰہی سے دونوں پتھر ہو گئے اور عبرت کے لیے اساف کو تو صفا پہاڑ پر رکھ دیا گیا اور نائلہ کو مروہ پر تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر ایسا گناہ کے خیال سے بچیں کچھ زمانہ کے بعد جب جہالت کا زور ہوا تو لوگوں نے ان کی پرستش شروع کر دی کہ جب صفا اور مروہ کے درمیان دوڑتے تو تعظیم کے ارادہ سے انہیں بھی چھو لیتے۔ مسلمانوں کو صفا مروہ کے درمیان دوڑنا ناپسند ہوا کیونکہ اس میں بت پرستوں اور بت پرستی سے مشابہت تھی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں ان کی تسلی فرمائی گئی کہ تمہارا یہ کام رضاء الٰہی کے لیے ہے تم اس میں حرج نہ سمجھو (کبیر و خزائن و عزیزی وغیرہا) بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ تم توحید کا دعویٰ کر کے بت پرستی کرتے ہو۔ ان کے جواب میں یہ آیت آئی۔ اور ہو سکتا ہے کہ اہل کتاب نے بھی اعتراض کیا ہو اور مسلمانوں کے دل میں بھی یہ خلجان ہو اور اس پر یہ آیت آئی ہو۔

تفسیر: ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ صفا۔ صفاۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں صاف اور مضبوط پتھر رب فرماتا ہے کمثل صفوان علیہ تراب یعنی پتھر کی چٹان مروہ چھوٹے سفید کنکروں کو کہتے ہیں۔ اب یہ ان دو پہاڑوں کے نام ہیں جو خانہ کعبہ کے مقابل شرقی جانب ہیں۔ صفا تو جنوبی جانب ابو قبیس پہاڑ کی جڑ میں واقع ہے اور مروہ شمالی جانب کوہ قیقعان کے آگے ناک کی طرح ہے ان میں تخمیناً "770" گز کا فاصلہ ہے اور حجر اسود سے صفا کا فاصلہ 262 گز اور 18 انگل (عزیزی) روح البیان و معانی نے کہا کہ صفا کو اس لیے صفا کہتے ہیں کہ وہاں صفی اللہ آدم علیہ السلام نے قیام فرمایا تھا یعنی صفی کا جائے قیام۔ اور مروہ پر امراۃ یعنی حضرت حوا نے قیام کیا تو گویا مروہ دراصل امراۃ تھا یعنی ایک بی بی کا جائے قیام۔ شعائر جمع شعیرہ یا شعارہ کی ہے۔ جس کا مادہ ہے شعر یعنی باریک نشانی۔ ان شعائر سے ہر وہ چیز مراد ہے جن کی تعظیم رب کی عبادت کی نشانی ہو یا وہ نشان جن کے قیام کا رب نے حکم دیا ہو لہٰذا وہ جگہ اور وہ وقت اور وہ علامات جو دین کی نشانیاں ہوں سب شعائر اللہ ہیں۔ کعبہ، عرفات، مزدلفہ، صفا مروہ، منیٰ، مسجدیں، بزرگان دین کے مقابر وغیرہ ایسے ہی رمضان، عید، جمعہ وغیرہ ایسے ہی اذان، تکبیر، جماعت، نماز، ختنہ، داڑھی وغیرہ شعائر دین ہیں یعنی دین کی پہچان۔ دیکھو یہاں رب نے شعائر جمع کثرت ارشاد فرمایا اور من تبعیضیہ جس سے معلوم ہوا کہ شعائر اللہ تو بہت ہیں ان میں سے ایک صفا و مروہ بھی ہیں لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ قرآن سے صرف صفا مروہ پہاڑ اور ہدی کے جانور کا شعائر اللہ ہونا ثابت ہے اور چیزیں شعائر اللہ کہاں سے ہو گئیں کیونکہ شعائر جمع کثرت ہے جو دس سے زیادہ پر بولی جاتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

قرآن نے بتایا کہ اسلام میں بہت سی چیزیں شعائر اللہ ہیں۔ صفا مروہ کی طرح جس کو مقبول بندوں سے نسبت ہو وہ شعائر اللہ ہے۔ جیسے سرکاری ملازموں کے لئے ڈنڈا بیچ اور سرکاری عمارتوں پر جھنڈے وغیرہ اسی لئے سورۂ حج میں قربانی کے جانوروں کو شعائر اللہ فرمایا گیا۔ ان پہاڑوں کو دو وجہ سے شعائر اللہ کہا جاتا ہے۔ ایک یہ کہ رب نے ان کو گذشتہ صابرین کی یادگار اور نشانی بنایا کہ انہیں دیکھ کر حضرت ہاجرہ یاد آجائیں۔ دوسرے یہ کہ یہ اللہ والوں کی نشانی ہے کہ یہاں حاضری دینا مسلمانوں کی پہچان یعنی صفا اور مروہ اللہ کی قائم کردہ نشانیاں یا اللہ کے دین اور اطاعت کے نشان ہیں لہٰذا اے مسلمانو **فمن حج البیت او اعتمر**۔ حج کے لغوی معنی ارادہ کرنا یا کسی کے پاس آنا جانا ہیں شریعت میں خاص ارکان کا نام حج ہے کیونکہ اس میں بیت اللہ کا ارادہ بھی ہے اور وہاں بار بار حاضری بھی۔ اور اس کے گرد بار بار چکر بھی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ حج کے معنی ہیں مونڈنا چونکہ اس میں سر منڈایا جاتا ہے یا حاجی کے گناہ ایسے گر جاتے ہیں جیسے حجامت سے بال۔ اس لئے حج کہا جاتا ہے (کبیر) **اعتمر** عمرۃ سے بنا جس کے معنی ہیں آباد کرنا۔ رب فرماتا ہے **وعمروھا اکثر مما عمروھا** زمانہ و زندگی کو بھی اسی لئے عمر کہتے ہیں کہ اس مدت میں بدن روح سے آباد رہتا ہے۔ مکان کو عمارت اور تعمیر اسی معنی سے کہا جاتا ہے۔ ملاقات اور زیارت کو بھی عمرہ اسی لحاظ سے کہتے ہیں اس سے محبت آباد اور قائم رہتی ہے۔ شریعت میں عمرہ بھی ایک خاص کام کا نام ہے۔ حج اور عمرہ میں یہ فرق ہے کہ حج صرف بقر عید کے مہینہ میں ہوتا ہے اور عمرہ ہمیشہ اور حج میں عرفات میں ٹھہرنا بھی پڑتا ہے اور عمرہ میں نہیں بلکہ صرف احرام باندھ کر طواف کعبہ کرنے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنے کا نام عمرہ ہے اس کو عمرہ کہتے ہی اس لئے ہیں کہ اس کا کرنے والا ملاقات کرنے والے دوست کی طرح جب چاہے تب مل کر فوراً" واپس لوٹ آئے یعنی جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ **فلا جناح علیہ ان یطوف بھما** جناح اور جنوح کے لغوی معنی مائل ہونا اور جھکنا ہے۔ **وان جنحوا للسلم** پرندے وغیرہ کے بازو کو بھی اس لئے جناح کہتے ہیں کہ وہ اس کے ذریعہ مڑتا اور مائل ہوتا ہے۔ رات کی تاریکی کو بھی اسی لئے جنح کہتے ہیں کہ اس میں انسان سیدھا چل نہیں سکتا اِدھر اُدھر مائل ہو جاتا ہے گناہ کو بھی جناح اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو خوبی سے برائی کی طرف مائل کر دیتا ہے یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں یعنی گناہ۔ **یطوف** طوف سے بنا جس کے معنی ہیں ارد گرد گھومنا یہاں اس سے صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا مراد ہے یعنی حج و عمرہ میں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا گناہ نہیں چونکہ لوگوں نے اسے گناہ سمجھا تھا اس لئے اس کی نفی بھی کر دی گئی۔ ورنہ یہ سعی ہمارے ہاں واجب اور شافعیوں کے نزدیک فرض ہے۔ اس کی بحث انشاء اللہ تعالیٰ اعتراض و جواب میں آئے گی بلکہ **یطوف** باب تفعل سے لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کوشش اور محنت سے ان کا ضرور طواف کرے جس سے وجوب معلوم ہو رہا ہے ورنہ طوف باب نصر سے ہی کافی تھا اور چونکہ صفا مروہ کے درمیان دوڑنا صرف حج اور عمرہ میں ہی واجب ہے نہ کہ ہر وقت اس لئے اسے حج اور عمرہ کے ساتھ بیان کیا گیا مگر طواف کعبہ بہر حال ثواب (کبیر) حج تو عمر میں ایک بار فرض اور عمرہ بھی ایک بار ہی ضروری اس لئے اب فرمایا جا رہا ہے **ومن تطوع خیرا** **تطوع**۔ طوع سے بنا جس کے معنی ہیں خوشی اور رضامندی اس کا مقابل ہے کرھا یعنی مجبوری ائتیا طوعا" او کرھا" اسی سے ہے اطاعت اور استطاعت اور طوعت لہ نفسہ۔ نفلی عبادت کو تطوع اسی لئے کہتے کہ وہ اپنی خوشی سے کی جاتی ہے۔ فرض چار و ناچار کرنی پڑتا ہے یعنی جو شخص فرض و واجب کے سوا نفلی حج یا عمرہ یا کوئی بھلائی کرے **فان اللہ شاکر علیم** رب اس سے غافل بھی نہیں اور ناقدری بھی نہیں فرماتا وہ سب کچھ جانتا ہے اس کی جزا ضرور دے گا شکر کے معنی ہم بارہا بتا چکے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تم صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنے سے اس لئے نہ ڈرو کہ اس میں مشرکین کی مشابہت یا بت پرستی کا شائبہ ہے ان کفار نے تو بعد میں وہاں بت پرستی شروع کر دی یہ پہاڑ تو اول ہی سے اللہ کی نشانیاں ہیں۔ جس سے تمہارے بزرگوں کی قربانی کی یادگاریں قائم ہیں اور یہاں بہت سے دینی کام ہوتے ہیں۔ ان کی عزت و عظمت ذاتی ہے عارضی چیزوں کی گندگی سے ان کا جوہر ذاتی کہاں جاتا ہے کیا خاص خانہ کعبہ میں بھی بت رہے اور بیت اللہ بت خانہ بنا تو کیا اس گندگی سے اس کی عزت گھٹ گئی یا اس کا طواف اور اس کی طرف نماز بت پرستی کے مشابہ ہو گیا۔ نہیں ایسے ہی یہاں بھی سمجھو لہٰذا ہم تمہیں آگاہ کرتے ہیں کہ جو بھی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان دوڑنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ وہ رضائے الٰہی کے لئے یہ کر رہا ہے نہ کہ پوجا کی نیت سے اور رب کا یہ دستور ہے کہ جو کوئی نیت خیر سے کوئی بھی اچھا کام کرے اسے اچھا بدلہ عطا فرماتا ہے ایسے ہی تمہاری یہ سعی بے فائدہ نہ جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: صفا مروہ کے درمیان دوڑنا حج اور عمرے میں واجب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ اس پر عمل کیا اس کے چھوڑنے سے قربانی واجب ہوتی ہے۔ دوسرا فائدہ: اگر معظم جگہ میں کچھ خرابیاں پیدا ہو جائیں تو اس سے اس جگہ کی عزت نہ گھٹے گی اور نہ اس جگہ کو مٹایا جائے لہٰذا بزرگان دین کے مزارات پر عرس وغیرہ میں ناجائز کام بھی ہوتے ہوں جب بھی قبروں کو نہ مٹاؤ۔ جیسے کہ اسلام نے بت پرستی کی وجہ سے خانہ کعبہ یا صفا مروہ کو نہ مٹایا۔ ہاں کوشش کرو کہ وہاں سے ناجائز چیزیں مٹ جاویں۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ فرما کر صفا مروہ بلکہ خود بیت اللہ شریف سے بت نکال دیئے اگر مسجد میں کتا آ جاوے تو کتے کو نکالو مسجد نہ گراؤ۔ مزارات اولیاء پر موجودہ ناچ گانے حرام ہیں۔ وہاں زیارت قبر اور فاتحہ خوانی، قرآن خوانی چاہیے۔ ناچ گانے ویسے ہی حرام اور ایسی مقدس جگہوں پر تو بہت زیادہ وبال کا باعث ہیں۔ مسجد میں گناہ کرنا زیادہ جرم ہے۔ تیسرا فائدہ: ناجائز کاموں کی وجہ سے سنت نہیں چھوڑی جا سکتی لہٰذا قبور اولیاء پر گانے وغیرہ کی وجہ سے زیارت قبر جو سنت ہے نہ چھوڑی جائے گی۔ جیسے بتوں کی موجودگی میں خانہ کعبہ کا طواف اور صفا مروہ کی سعی بند نہ ہوئی۔ چوتھا فائدہ: دینی شعائر یعنی علامتوں کا برقرار رکھنا سنت الٰہی ہے جیسے صفا مروہ کو رب نے باقی رکھا کیونکہ یہ بزرگوں کی یادگار ہیں لہٰذا بزرگان دین کے تبرکات اور ان کے روضے وغیرہ ضرور باقی رکھے جائیں تاکہ لوگ انہیں دیکھ کر اپنے ایمان تازہ کریں۔ پانچواں فائدہ: کفار کی ہر تشبیہ حرام نہیں اگر کوئی کام اصل میں اسلامی ہو اور کفار اسے اختیار کر لیں تو مسلمان اس لئے نہ چھوڑ دیں گے کہ یہ کافروں کا کام ہے۔ اب سکھ داڑھی رکھاتے ہیں اور مسلمان منڈاتے ہیں تو اس سے داڑھی بری نہ ہو جائے گی۔ اشتراک اور مشابہت میں بڑا فرق ہے۔ کفار و مسلمانوں میں جو کام مشترکہ طور پر جائز ہے کفار یا کفر کی علامت نہیں وہ جائز ہے۔ جیسے انگریزی پاجامہ وغیرہ پہننا مگر جو کفار کا شعار و نشان بن گیا ہو وہ مسلمانوں کے لئے حرام۔ جیسے دھوتی لنگوٹی اور ہندوانی ٹوپی یا انگریزوں کے ہیٹ اور جو کام کفر کی علامت ہو وہ مسلمانوں کے لئے موجب کفر ہوتا ہے جیسے زنار یا صلیب کا جسم پر لگانا یا ہولی دیوالی یا گنگا وغیرہ کا احترام۔ یہ فرق بہت خیال میں رکھنا چاہئے۔ چھٹا فائدہ: صفا اور مروہ پہاڑوں کو اسی لئے شعائر اللہ فرمایا گیا کہ ان پر کچھ اللہ کے پیاروں کا گذر ہوا تھا جب کچھ دیر ان کے ٹھہر جانے سے یہ پہاڑ شعائر اللہ بن گئے تو بزرگان دین کی قبریں اور روضے مطہرہ یقیناً شعائر اللہ ہیں کیونکہ یہاں وہ حضرات ہمیشہ

www.alahazratnetwork.org

کے لئے آرام فرما رہے ہیں بلکہ انبیاء کرام کی مائیں جنہوں نے نور نبوت اٹھایا وہ بھی اسی میں داخل ہیں دیکھو ھدی کے جانور جن کو بیت اللہ سے نسبت ہے انہیں قرآن کریم نے شعائر اللہ فرمایا تو جن مبارک ماؤں کو انبیاء کرام سے نسبت ہو وہ بدرجہ اولیٰ شعائر اللہ اور واجب تعظیم ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** جب بے جان پتھر اللہ والوں کے قدم بوسی کی برکت سے شعائر اللہ بن گئے تو حضرت آمنہ خاتون بی بی حلیمہ کی گودیں۔ حضرت ابو بکر صدیق کا زانو عائشہ صدیقہ کا پہلو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ و خواب گاہ بنا وہ یقیناً "شعائر اللہ ہی نہیں بلکہ شعائر گر ہو گا۔ جو ان میں سے کسی کی گستاخی کرے وہ اس آیت سے عبرت پکڑے۔ **آٹھواں فائدہ:** جیسے سارے پہاڑ رب کے بنائے ہوئے ہیں مگر کشمیر کے سرسبز پہاڑ ان دو خشک پہاڑوں یعنی صفا و مروہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے۔ ایسے ہی نبی و غیر نبی برابر نہیں ہو سکتے جو صرف ظاہری کھانا پینا دیکھ کر برابری کا قائل ہو وہ ایسا ہی بے وقوف ہے جو کاغذ کی لکھائی چھپائی دیکھ کر معمولی ناول اور قرآن مجید کو برابر سمجھے نہ قرآن دوسری کتابوں کی طرح نہ صاحب قرآن اوروں کی مثل۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا صرف جائز ہے واجب نہیں کیونکہ اس سے گناہ کی نفی کی گئی جس سے صرف مباح ہونا ثابت ہو سکتا ہے پھر تم لوگ اسے واجب یا فرض کیوں کہتے ہو۔ **جواب:** حدیث کی وجہ سے کہ وہاں حکم ہوا کہ اللہ نے تم پر سعی لازم کی لہٰذا سعی کیا کرو (کبیر) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ سعی کی اور قرآن کریم نے فرمایا کہ تمہارے لئے رسول اللہ کی اقتداء ضروری ہے۔ **دوسرا اعتراض:** جب قرآن و حدیث میں تعارض معلوم ہو تو قرآن پاک پر عمل چاہئے جب قرآن کریم نے اسے صرف جائز کہا اور حدیث نے واجب تو چاہئے کہ جائز ہی مانا جائے۔ **جواب:** قرآن نے جائز ہونے کا صراحۃً حکم نہ دیا بلکہ یہ کہا کہ سعی میں گناہ نہیں اور ظاہر ہے کہ نہ مباح میں گناہ ہوتا ہے نہ واجب میں لہٰذا یہ لفظ دونوں کو شامل ہے۔ رب فرماتا ہے **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ** اے مسافرو تم پر نماز قصر پڑھنے میں گناہ نہیں مسافر پر قصر پڑھنا واجب ہے مگر کہہ دیا گیا کہ گناہ نہیں ایسے ہی یہاں بھی ہے چونکہ ان پہاڑوں پر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید یہاں سعی کرنا گناہ ہو۔ اس آیت میں وہ وہم مٹا دیا گیا جیسے کہ اگر کسی کے کپڑے میں روپے بھر سے کم پلیدی لگی ہو یا کوئی بت خانہ گرا کر وہاں مسجد بنا دی گئی ہو لوگ میں کہوں کہ اس کپڑے میں یا اس جگہ نماز پڑھنا گناہ نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ نماز فرض نہ رہی بلکہ چونکہ یہاں نماز ناجائز ہونے کا وہم تھا وہ دور کر دیا گیا ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام صفا مروہ پہاڑ کی سعی سے ناراض تھے۔ جس پر قسم قسم کے شبہات کرتے تھے اور رب کے حکم سے ناراضی سخت جرم ہے۔ **جواب:** نعوذ باللہ وہ حضرات حکم ربانی سے ناراض کیسے ہو سکتے ہیں جب حضور انور کے اشارہ چشم پر جانوں پر کھیل جاتے تھے ان حضرات کو یہ خبر نہ تھی کہ اسلام میں صفا مروہ کے طواف کا حکم ہو گیا نہیں وہ سمجھے شاید اس کا حکم نہ آئے کیونکہ اس میں کفار سے مشابہت ہے۔ ناپسندیدگی تو جب ہو جبکہ معلوم ہو کہ یہ حکم الٰہی ہے پھر اس کا انکار کرے ابھی تک اس کا حکم آیا ہی نہ تھا۔ **چوتھا اعتراض:** صحابہ کو صفا مروہ کی سعی پر کیوں تردد ہوا۔ طواف کعبہ میں تردد کیوں نہ ہوا۔ وہاں بھی تو بت ہی تھے بلکہ صفا مروہ پر تو ایک ایک بت

www.alahazratnetwork.org

تھا کعبہ میں تین سو ساٹھ بت۔ جواب: اس لئے کہ مکہ معظمہ کی عظمت دلوں میں پہلے ہی سے جاگزیں تھی اور طواف کعبہ حج و عمرہ کے علاوہ بھی ہر وقت ہوتا رہتا تھا اور سب کو یہ معلوم تھا کہ کعبہ معظمہ میں بت بعد کو رکھے گئے ہیں جب حضرت ابراہیم نے کعبہ بنایا تھا تو اس میں کوئی بت وغیرہ نہ تھا مگر صفا مروہ اور اس کے درمیان دوڑنا اس طرح لوگوں پر ظاہر نہ تھا وہ سمجھے کہ یہ سعی کفار مکہ کی ایجاد ہے وہ بھی اساف و نائلہ بتوں کی تعظیم کے لئے تھی۔ خیال رہے کہ جیسے سجدہ نماز کے علاوہ بھی عبادت ہے۔ سجدہ تلاوت، سجدہ شکر کیا جاتا ہے مگر قیام، رکوع، قعدہ علیحدہ عبادت نہیں صرف نماز میں عبادت ہیں۔ ایسے ہی ارکان حج میں سے طواف کعبہ علیحدہ بھی عبادت ہے مگر صفا مروہ پر دوڑنا، منیٰ، مزدلفہ، عرفات میں قیام صرف حج یا عمرہ میں تو عبادت ہیں مگر علیحدہ عبادت نہیں اس لئے یہ ارکان صرف حج یا عمرہ میں ہوتے ہیں مگر طواف ہر وقت جاری رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل صفا پہاڑ ہے اور نفس مروہ اور روح حاجی تو فرمایا گیا کہ دل اور نفس کا وجود دین الٰہی کی نشانیاں ہیں جہاں کہ روحانی حج کے ارکان یعنی یقین، توکل، رضا، اخلاص یا صبر، شکر، ذکر فکر ادا ہوتے ہیں تو جو شخص کہ بیت اللہ یعنی مقام توحید میں پہنچے یا فنا فی اللہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں داخل ہو یا صرف وہاں کا عمرہ کرے اس طرح کہ مقام مشاہدہ میں پہنچ کر اور جلال و جمال کی تجلیات میں فنا ہو کر اس بارگاہ کی زیارت کرے تو اس حاجی اور عمرہ کرنے والے پر گناہ نہیں کہ اس قلب و نفس کی طرف رجوع کرکے اپنے اس وجود سے جو بعد فنا ملا ہے ان مقامات کا بھی گشت لگائے اور جو کوئی بخوشی اس تعلیم کی تکمیل کرے اور تقویٰ اور پرہیزگاری اور ساکین کی مدد سالکین کی رہبری میں کمال حاصل کرے تو اللہ اس کے عمل کا ثواب دے گا کیونکہ وہ سب کچھ جانتا ہے۔

خلاصہ: یہ کہ بعض بیت اللہ کے حاجی ہیں اور بعض رب البیت کے۔ رب البیت کے حاجی کے لئے دنیا پر نظر رکھنا گناہ نہیں۔ مولینا فرماتے ہیں:

یا خفی الذات محسوس العطا   انت کالماء ونحن کالرجاء
انت کالریح ونحن کالغبار   یختفی الریح وغبراہ جہار

(روح البیان و ابن عربی)

رب کی ذات سر کی آنکھ سے چھپی ہے مگر اولیاء اللہ کے دل و نفس صفا اور مروہ کی طرح اس کی نشانیاں ہیں لہٰذا جو اس بارگاہ کا قصد کرے یعنی وہاں کے حج کو جائے اس پر واجب ہے کہ وہ ان مقبولوں کے قلوب و نفوس کا پہلے طواف کرے یعنی ان کی اطاعت کرے اور جو اس کے علاوہ بھی ان کی خدمت کرکے خیر کمالے رب اسے اجر دے گا جیسے صفا و مروہ میں دوڑے کعبہ کا حج نہیں ہو سکتا ایسے ہی بغیر اولیاء اللہ کی گلیوں میں چکر لگائے رب کعبہ کا حج ناممکن ان حضرات کا نکالا ہوا رب تک نہیں پہنچ سکتا۔

www.alahazratnetwork.org

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِن بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو اتارا ہم نے کھلے دلائل اور ہدایت سے پیچھے اس کے کہ ظاہر کیا ہم نے واسطے

بے شک وہ جو ہماری اتاری ہوئی روشن باتوں اور ہدایت کو چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ لوگوں کے لئے ہم اسے

لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ ۙ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ

لوگوں کے بیچ کتاب کے۔ یہی لوگ ہیں کہ لعنت کرتا ہے اللہ لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے۔ مگر وہ لوگ جنہوں

کتاب میں واضح فرما چکے۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے اور لعنت کرنے والوں کی لعنت۔ مگر وہ جو توبہ کریں

تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾

نے توبہ کی اور درست کیا اور ظاہر کیا یہ لوگ ہیں کہ توبہ قبول کروں گا اوپر ان کے اور میں بہت توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہوں۔

اور سنواریں اور ظاہر کریں تو میں ان کی توبہ قبول فرماؤں گا اور میں ہی ہوں بڑا توبہ قبول فرمانے والا مہربان۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صبر کا ثواب اور صابرین کے درجات بیان ہوئے۔ اب بے صبروں یعنی ان علماء یہود کے عذاب کا ذکر ہے۔ جنہوں نے محض دنیوی نقصان کے اندیشہ سے توریت کے احکام چھپائے اگر یہ صبر سے کام لیتے تو فائدے میں رہتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں شکر کا حکم دیا گیا اور شاکرین کے درجے بیان ہوئے۔ اب ان ناشکرے یہودیوں کے عذاب کا ذکر ہے جنہوں نے نبی آخر الزمان جیسی نعمت کی ناشکری کی کہ ان کے اوصاف کو چھپایا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو یہودی اور عیسائی صفا مروہ کی سعی پر کرتے تھے اور مسلمانوں کے دلوں میں شبہ ڈالتے تھے کہ یہ بت پرستی ہے۔ اب ان معترضین کے عذاب کا ذکر ہے جو صفا مروہ کی حقانیت جان کر بھی اس پر اعتراض کرتے ہیں کیونکہ یہ جانتے تھے کہ صفا اور مروہ کی سعی پہلے ہی سے ہوتی آئی ہے اور یہ دین ابراہیمی کا رکن ہے ان پر بت تو بعد میں رکھے گئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ صفا اور مروہ پہاڑ دین کی نشانیاں ہیں اس کی تعظیم اور سعی میں گناہ نہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان نشانیوں کے منکرین اور ان کی عظمت چھپانے والے ملعون ہیں کیونکہ اہل کتاب توریت سے جانتے تھے کہ یہ پہاڑ عزت والے ہیں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ صفا مروہ شعائر اللہ ہیں اگر ان پر بت رکھ دیئے گئے تو اس سے ان کی اصل عظمت نہیں جاتی رہی۔ اللہ کی مقبول چیز کی شان بت نہیں گھٹا سکتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب ایمان اور صفاء عرفان اور مروہ رحمت رحمٰن یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شعائر اللہ ہیں ان کی عظمت علماء یہود کے چھپانے سے چھپ نہیں سکتی ان کی عزت ان بے وقوفوں کے گھٹانے سے گھٹ نہیں سکتی۔ کسی کے دھول اڑانے سے سورج کی روشنی مٹ نہیں سکتی۔

شان نزول : معاذ ابن جبل اور سعد ابن معاذ اور خارجہ ابن زید نے علمائے یہود سے توریت کی بعض باتیں پوچھیں۔ انہوں نے وہ احکام چھپائے اور نہ بتائے اس پر یہ آیت کریمہ اتری (در منثور) اسی در منثور میں ہے کہ ثعلبہ ابن غنمہ انصاری کا ایک یہودی دوست تھا۔ انہوں نے اس یہودی سے پوچھا کہ کیا تم اپنی کتابوں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر پاتے ہو۔ اس نے کہا کہ

www.alahazratnetwork.org

نہیں۔اس پر یہ آیت اتری۔

تفسیر : **ان الذین یکتمون** اگرچہ یہ آیت اہل کتاب کے بارے میں آئی لیکن اس کے الفاظ عام ہیں۔**الذین** سے وہ سب لوگ مراد ہیں جو دین کو چھپائیں۔ **یکتمون** کتم یا **کتمان** سے بنا جس کے معنی ہیں کسی ضروری چیز کو ضرورت کے وقت جان بوجھ کر چھپانا (روح) اور غیر ضروری چیز کو چھپانا ستر کہلاتا ہے۔ ستر اچھا اور کتم برا۔ اسی لئے رب کا نام ستار ہے کتام نہیں۔ پھر کتم کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چیز چھپا ہی لی جائے۔ دوسرے یہ کہ اسے ہٹا کر اس کی جگہ دوسری چیز رکھ دی جائے۔ بنی اسرائیل کا چھپانا اسی دوسری قسم کا تھا یعنی تحریف اور تبدیل لیکن اس وعید میں دونوں قسم کے چھپانے والے داخل ہیں یعنی وہ لوگ جو چھپاتے ہیں چونکہ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ آج تو یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کی وہ آیات چھپا رہے ہیں جن میں حضور کی نعت پاک ہے اور آئندہ مسلمانوں میں ایسے علماء پیدا ہوں گے جو قرآنی آیات نعت کو چھپائیں گے جن کی آیات تو نبیوں پر پڑھیں گے مگر نعت شریف کی آیتوں کو کبھی ہاتھ نہ لگائیں گے بلکہ ان میں تحریفیں تاویلیں ایسی کریں گے جن سے نعت ثابت ہی نہ ہو اس لئے **الذین یکتمون** کو مطلق فرمایا یعنی جو لوگ بھی یہودی عیسائی یا مسلمان نعت مصطفوی چھپائیں **ما انزلنا من البینت والهدی** بینات۔ بینۃ کی جمع ہے جس کے معنی ہیں بہت کھلی ہوئی چیز۔ جسے نشانیوں سے بھی پہچانا جا سکے اور اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور تبدیلی قبلہ کے احکام اور صفا مروہ وغیرہ علامات دین کی تعلیم ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں بہت ظاہر تھیں اور ھدی سے توریت شریف کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی آخر الزمان کی اطاعت کا حکم دیا گیا یعنی یہ ان چیزوں کو چھپاتے ہیں جو بالکل ظاہر ہیں اور ان آیات کو مٹاتے ہیں جن کے ظاہر کرنے کا حکم تھا۔اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل کی نعت والی آیتوں کو بینات تو اس لئے فرمایا کہ سورج کی طرح کسی کے چھپائے چھپ نہ سکیں گی کیونکہ انہیں ہم نے خوب واضح و روشن کیا ہے یہ چھپانے والے رب سے لڑنا چاہتے ہیں اور ھدی اس لئے فرمایا کہ اگرچہ توریت و انجیل کی آیات احکام منسوخ ہو چکنے کے بعد ہدی یعنی ہدایت نہ رہیں بلکہ اب ھوی یعنی نفسانی خواہش بن گئیں۔ مگر ان کتابوں کی آیات توحید و آیات نعت مصطفوی اسی طرح اب بھی ہدایت ہیں۔ یہ ناقابل نسخ ہیں۔ انہیں کوئی اڑا نہیں سکتا ہو نہیں سکتا مٹا نہیں سکتا۔ **من بعد ما بینه للناس فی الکتب** من کا تعلق **یکتمون** سے ہے اور بینہ کی ضمیر ھدی کی طرف لوٹتی ہے اور ناس سے عام لوگ مراد ہیں اور کتاب سے توریت و انجیل یعنی ہم نے توریت میں یہ آیتیں سارے لوگوں کے لئے اتاری تھیں نہ کہ صرف ان علماء کے لئے۔ مگر انہوں نے ہمارا مقابلہ کرتے ہوئے انہیں چھپایا بینہ کی ضمیر بینت اور ھدی دونوں کی طرف لوٹتی ہے اور کتاب سے مراد قرآن شریف ہے یعنی ہم نے تو قرآن شریف میں توریت کی وہ آیتیں اور یہ سارے احکام لوگوں پر خوب ظاہر کر دیے اور ان کی حکمتیں خوب سمجھا دیں اب ان یہودیوں سے یہ چیزیں چھپ نہ سکیں گی۔ مگر پھر بھی یہ اپنی خباثت سے اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر و روح البیان نے فرمایا کہ بینت سے مراد وحی اور آسمانی کتابیں ہیں اور ھدی سے عقلی، نقلی دلائل اور ہو سکتا ہے کہ للناس میں الف لام استغراقی ہو یعنی توریت و انجیل کی آیات احکام تو صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی تھیں مگر آیات نعت تا قیامت سارے انسانوں کے لئے بھیجی گئیں۔ یہ لوگ ان کے ٹھیکیدار کیوں بن بیٹھے لوگوں کو بتاتے کیوں نہیں **اولئک یلعنهم الله** لعن کے لفظی معنی ہیں دور کرنا۔ جب اس کا فاعل اللہ ہو تو رحمت سے

www.alahazratnetwork.org

دور کرتا ہے یا کرے گا اور ان پر لعنت فرماتا ہے کیونکہ انہوں نے رب کا مقابلہ کیا کہ رب ہدایت پسند کرتا ہے اور یہ گمراہی **ویلعنھم اللعنون** اور سب لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں حق یہ ہے کہ ان سے ساری مخلوق مراد ہے کہ ان چھپانے والوں پر انبیاء، مومنین، خود کفار، جانور، درخت، پتھر بلکہ چاند ستارے، سورج اور زمین و آسمان لعنت کریں گے۔ مومنین اس واسطے کہ یہ ان سے جنگ و جدال کرتے ہیں۔ حیوانات اور درخت وغیرہ اس لئے کہ ان کی شامت اعمال سے دنیا میں ویرانی ہوتی ہے قحط پڑتا ہے۔ بلائیں نازل ہوتی ہیں زمین و آسمان اور چاند تارے وغیرہ اس لئے کہ یہ رب کے دشمن ہیں۔ خود کافر بلکہ یہ خود بھی اپنے پہ لعنت کرتے ہیں کہ کہتے ہیں خدایا جھوٹے پر لعنت اور جھوٹے خود ہیں اور دوزخ میں بھی کفار اپنے سرداروں پر لعنت کریں گے کہ انہوں نے حق کو چھپا کر ہمیں یہاں پہنچایا۔ یہ عذاب ان پر ہے جو اس گناہ پر آخر دم تک قائم رہیں توبہ کرنے والوں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ **الا الذین تابوا** مگر وہ جو اپنے اس برے فعل پر شرمندہ ہو گئے اور رب کے عذاب سے ڈر کر آئندہ کے لئے اس حرکت سے باز آگئے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ **واصلحوا** نیک اعمال کر کے اپنی حالت درست کر لی یا ان کے حق چھپانے سے جو دوسروں کے عقائد و اعمال بگڑ گئے تھے ان کو بھی سنبھال دیا اور جو شبے لوگوں کے دلوں میں پیدا کئے تھے خود ان کا جواب بتایا اور ان سب کے ساتھ **وبینوا** وہ ساری باتیں لوگوں کو بتا دیں جو ان سے چھپائی تھیں اور ان سے کہہ دیا کہ مسئلہ یہ ہے توریت کی آیت یہ ہے وغیرہ جو لوگ یہ تین کام کریں گے تو اگرچہ وہ کتنے ہی گناہ کر چکے ہوں مگر **فاولئک اتوب علیھم** ہم ان کی توبہ قبول کریں گے اور انہیں لعنت سے نکال کر رحمت میں داخل کر لیں گے عذاب کے عوض ثواب دیں گے۔ ذلت کے عوض عزت بخشیں گے اور یہ کیوں نہ ہو **وانا التواب الرحیم** ہم تو بار بار توبہ قبول فرمانے والے اور بڑے مہربان ہیں کسی آنے والے کو اپنے دروازے سے نکالتے نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے ایمان والو یہ یہود و عیسائی تمہارے پیغمبر کی نبوت اور حج و صفا مروہ کی حقانیت بخوبی جانتے ہیں کیونکہ ان کی کتابوں میں ان چیزوں کا ذکر ہے اور عقل سے بھی یہ باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ مگر وہ چھپاتے ہیں اور جو شخص ان دلائل اور صاف باتوں کو ضرورت کے وقت بلاوجہ چھپائے جو ہم نے اتاری ہیں اور لوگوں پر ظاہر کرنے ہی کے لئے کتاب میں انہیں بیان کی ہیں۔ ان بے دینوں پر اللہ بھی لعنت فرماتا ہے کیونکہ در پردہ یہ اس کا مقابلہ کرتے ہیں اور ساری مخلوق بھی انہیں لعنت سے یاد کرتی ہے کیونکہ ان کی وجہ سے ان سب کو تکلیف پہنچی خواہ یہ لعنت دنیا میں بھی ہو یا صرف آخرت میں۔ تفسیر در منثور میں ابن جریر کی روایت سے ہے کہ قیامت کے دن کافر کو کھڑا کیا جائے گا۔ اولاً تو اس پر رب لعنت فرمائے گا پھر فرشتے اور پھر تمام لوگ بلکہ دنیا میں بھی ہر شخص کہتا ہے کہ ظالموں پر لعنت اور ظالم یہ ہی ہیں ہاں جو توبہ کر لے اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال درست کر لے اور چھپائی ہوئی باتیں ظاہر کر دے ان لوگوں کی توبہ ہماری بارگاہ میں قبول ہے اور ان کے لئے دروازۂ رحمت کھلا ہوا ہے کیونکہ ہم بہت توبہ قبول کرنے والے مہربان ہیں۔ خیال رہے رہے کہ توبہ میں صرف زبان سے توبہ کرنا کافی نہیں بلکہ اس کے لئے ان دو باتوں کی بھی ضرورت ہے۔ جس کا یہاں ذکر ہوا یعنی اصلاح اعمال اور گزشتہ گناہوں کا کفارہ۔ خیال رہے رہے کہ جیسے آج چودہ صدیاں گزر جانے کے باوجود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات اور آپ کا چرچا دین نہ مثانہ کم ہوا ہر جگہ آپ کی دھوم مچی ہوئی ہیں ایسے حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک ہر جگہ آپ کے چرچے تھے خود یہ علماء یہود

www.alahazratnetwork.org

پہلے تو آپ کے نام کے ڈنکے بجاتے تھے مگر تشریف آوری پر آپ کا ذکر سنانے اور آیات توریت جو نعت کی تھیں انہیں چھپانے لگے ان کی اس حرکت پر انہیں سخت ملامت کی گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تمام جرموں میں بدترین جرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آیات نعت چھپانا یا ان کے معنی میں ردوبدل کرنا یا لوگوں کو حضور انور کی نعت سے روکنا ہے۔ یہ ہی علماء یہود کا عمل تھا اور اس ہی پر وہ سخت وعید و لعنت ارشاد ہوئی جو یہاں مذکور ہے۔ اس آیت سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی تحریروں تقریروں میں بھول کر بھی نعت پاک مصطفوی کا ذکر نہیں کرتے بلکہ طرح طرح کے حیلے بہانوں سے ذکر شریف کو روکتے ہیں۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

دوسرا فائدہ: کتاب اللہ کی ہر آیت تمام لوگوں کے ماننے کے لئے تو ہے مگر جاننے کے لئے نہیں۔ جیسے متشابہات آیات اور قرآنی اسرار ان کی تفسیر نہ کرنی چاہئے نہ اسرار کی اشاعت درست جو آیات عوام کی تعلیم کے لئے ہیں ان کی اشاعت لازم ہے جیسا کہ ما بینه للناس سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: جیسے حضور کی نعت چھپانا بدترین جرم ہے۔ جس پر رب کی تمام رحمتوں سے محرومی ہے ایسے ہی حضور کے اوصاف کی اشاعت کرنا بہترین عبادت ہے۔ جس پر ہر طرح کی رحمت کی امید ہے کیونکہ حضور تمام رحمت الٰہیہ کی اصل ہیں جیسے باران رحمت کہ جو ملک باران رحمت سے محروم ہے وہ تمام غلوں پھلوں سے محروم ہے۔ جہاں رحمت کی بارش ہے وہاں ہر قسم کی غذا ہے یوں ہی حضور باران رحمت ہیں جو حضور سے قریب ہے وہ ہر رحمت سے قریب جو حضور سے محروم ہے وہ ہر رحمت سے محروم۔ لعنت کے معنی ہیں رب کی ہر رحمت سے محرومی کہ دنیا میں ہدایت اور مرتے وقت ایمان امتحان قبر میں کامیابی حشر میں نجات ان میں سے کچھ نہیں رہا۔ زندگی میں کمائی ایسا کہ ان کے لئے عذاب ہے جیسے پھانسی کے ملزم کو غذا ئیں دینا۔ چوتھا فائدہ: دین اور دینی علموں کا ظاہر کرنا فرض ہے بوقت ضرورت ان کا چھپانے والا سخت گنہگار اور لعنت کا مستحق۔ علماء کو چاہئے کہ اس سے عبرت پکڑیں اور مسائل دینیہ کے اظہار میں تامل نہ کریں۔ ہاں جو چیزیں غیر ضروری ہوں اور ان کی اشاعت میں فساد کا خطرہ ہو اسے شائع نہ کیا جائے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کعبہ شریف کی موجودہ عمارت بنیاد خلیلی سے کچھ کم ہے اور اس کی شکل میں بھی کچھ فرق ہے کہ بجائے دو کے ایک ہی دروازہ ہے مگر اسے شہید کر کے درست نہ فرمایا کیونکہ اس فرق سے دین میں کوئی خرابی نہ آئی مگر اس کی اصلاح سے لوگوں میں فساد پھیلتا۔ اس لئے قرآن کریم نے یہاں یکتمون فرمایا یعنی جو ضروری چیزیں چھپائیں۔ پانچواں فائدہ: انبیاء کرام نے کوئی بھی دینی مسئلہ نہ چھپایا کیونکہ یہ کفر اور باعث لعنت ہے جو رافضی کہے کہ حضور علیہ السلام خلافت نامہ علی رضی اللہ عنہ کے لئے لکھنا چاہتے تھے مگر حضرت عمر رضی اللہ کے منع کرنے سے نہ لکھا وہ بے دین ہے کیونکہ وہ جناب عمر پر نہیں بلکہ حضور علیہ السلام پر دین کے چھپانے کا الزام لگاتا ہے کہ روافض کے ہاں مسئلہ خلافت نبوت کی طرح دین کا رکن ہے۔ چھٹا فائدہ: تقیہ کرنا یعنی دین کو چھپانا باعث لعنت ہے لہٰذا روافض کا جناب مولیٰ علی رضی اللہ عنہ اور اہل بیت اطہار پر یہ الزام لگانا بے دینی ہے کیونکہ تقیہ والا لعنت کا مستحق ہے۔ ساتواں فائدہ: توبہ گزشتہ گناہوں کو مٹا دیتی ہے مگر اس میں شرط یہ ہے کہ گزشتہ کا کفارہ اور آئندہ کے لئے بچنے کا عہد کرے مثلاً "بے نمازی پچھلی نمازیں قضا کرے آئندہ پڑھنے کا ارادہ کرے اسی طرح چور اور خائن پچھلی چوریوں کا مال واپس

www.alahazratnetwork.org

کرے یا مالکوں سے معافی لے اور امانتیں واپس کرے تب توبہ قبول ہوگی جیساکہ **اصلحوا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** توبہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ اس گناہ سے جو کچھ فساد پھیل چکا ہے اس کی اصلاح کرے مثلاً "اگر مفتی کے غلط فتوے سے لوگ غلطی میں پڑ چکے یا کسی کی غلط کتاب سے لوگوں کے عقائد بگڑ گئے تو اس عالم اور مصنف پر لازم ہے کہ خود ہی اپنے فتویٰ اور کتاب کی تردید کرکے شائع کرے اسی لئے فقہا فرماتے ہیں کہ چھپے گناہ کی چھپی توبہ اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ غرضیکہ توبہ بقدر حوبہ جیساکہ **وبینوا** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** مستحق لعنت پر لعنت کرنا جائز ہے مگر کافر پر نام لے کر بھی اور گنہگار پر عام صفت کے ساتھ جیسے کہا جائے کہ ظالم پر لعنت یا جھوٹے پر لعنت یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ مثلاً "زید جھوٹا ہے اس لئے اس پر لعنت دیکھو شامی باب اللعان۔ نیز قرآن کریم سے ثابت ہے کہ جو کوئی اپنی بیوی کو زنا کی تہمت لگائے اور گواہ نہ رکھتا ہو تو لعان کرے اور لعان میں لعنت ہی ہوتی ہے اس کی کچھ اور تحقیق انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گی۔ **دسواں فائدہ:** حضور کے نبی ہونے کا زمانہ تو اس وقت سے ہے جبکہ حضرت آدم مٹی و پانی میں تھے اور حضور کو نبی کہنے کا زمانہ اس سے بھی پہلا ہے کہ فرشتے حضور پر درود بھیجتے تھے بلکہ خود رب تعالیٰ رحمتیں نازل فرماتا تھا پھر ہر نبی نے اپنی امتوں سے حضور کو نبی کہلوایا۔ زمین کے ذروں درختوں کے پتوں نے آپ کی نبوت کی گواہی حضور کے بچپن شریف بلکہ ولادت کے پہلے ہی سے دی مگر حضور نے اپنی نبوت کا اعلان وحی آنے پر کیا غرضیکہ نبوت 'ظہور نبوت 'اعلان نبوت کے زمانوں میں فرق ہے۔ سورج ہر وقت ہی روشن ہے مگر رات میں اس کا ظہور نہیں۔ پھر ظہور کی حالت میں صبح دوپہر شام کو نور کے رنگ مختلف ہیں۔ یہ اس کی حرکت کے حالات میں دیکھو۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور کی ولادت سے صدہا برس پہلے توریت و انجیل نے حضور کی نبوت ظاہر کردی تھی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی بات چھپانا لعنت کا باعث ہے پھر صوفیائے کرام طریقت کے راز کیوں چھپاتے ہیں اور سیدنا ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم پائے جس میں سے ایک ظاہر کیا اگر دوسرا ظاہر کروں تو تم میرا گلا کاٹ دو۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ غیر اہل پر علم پیش کرنا ایسا ہے جیسے سور کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالنا (مشکوٰۃ کتاب العلم وغیرہ) پھر اس آیت اور ان احادیث میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس آیت میں دین کی ضروری باتیں مراد ہیں جن کے ظاہر کرنے کا حکم ہے جیسے عقائد اور فرائض اعمال وغیرہ کہ جن کے بغیر مسلمانوں کے عقائد یا اعمال میں خلل واقع ہو اور ان روایات میں وہ اسرار اور راز مراد ہیں جن کی ایسی ضرورت نہیں۔ یہاں **ما بینہ للناس** فرما کر اسی جانب اشارہ فرمادیا کہ جو احکام لوگوں کے اظہار کے لئے بیان کئے گئے انہیں چھپانا گناہ ہے اور اسرار اظہار کے لئے ہیں ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعلیم دین پر تنخواہ یا اجرت لینا حرام ہے کیونکہ یہ فرض ہے اور فرض پر اجرت کیسی دیکھو روزہ نماز پر اجرت ناجائز ہے پھر متاخرین علماء نے اسے کیوں جائز قرار دیا۔ **جواب:#** مدرسین کی تنخواہیں تعلیم کی اجرت نہیں بلکہ پابندی وغیرہ کا معاوضہ ہے جیسے کہ مسئلہ شرعی بتانے کی اجرت حرام لیکن لکھ کر دینے کی جائز کیونکہ یہ کاغذ روشنائی کا معاوضہ اور لکھنے کی اجرت ہے ایسے ہی وعظ و تعویذ وغیرہ کا حکم ہے دیکھو شامی کتاب الاجارۃ

تفسیر صوفیانہ: مسافرین راہ طریقت پر کچھ منزلیں طے کرنے کے بعد تجلیات الٰہی ہوتی ہیں اور ان کے دلوں پر معرفت کے انوار چمکتے ہیں۔ چہروں پر اس کے آثار نمودار ہوتے ہیں تو جو شخص ان قلبی تجلیات کو اپنے مشائخ سے چھپائے جو رب نے ان

www.alahazratnetwork.org

کے چہروں سے کہ ذریعہ اس پر ظاہر کر دی وہ در حقیقت اس نعمت کا ناشکرا ہے وہ بارگاہ الٰہی سے نکالا جاتا ہے کہ کاملین اولیاء اہل اور کاملین کی عنایت سے محروم ہوگا کیونکہ وہاں ناشکرے کی گنجائش نہیں اور اس کا دل سیاہ ہونے کے بعد مکدر ہو جائے گا ہاں جو اپنے ان گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے کو ریاضت اور مشقت سے درست کرے اور خالق و مخلوق کے ساتھ سچا معاملہ کرکے ان امور کو ظاہر کردے ان کی توبہ قبول ہے کیونکہ رب تواب رحیم ہے بہت لطف ہے کہ رب نے ہمیں تو چھپانے کا حکم دیا اور خود ہزار ہا علامات سے ظاہر کر دیا (از ابن عربی)۔

اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کر دیا!
تو تو پردے میں رہا اور مجھ کو رسوا کر دیا!

خلاصہ یہ ہے کہ یہ راز بھی صرف نا اہلوں سے چھپانا لازم ہے۔ صاحب حال سے چھپانا جرم کیونکہ یہ در پردہ ان نعمتوں کا انکار ہے اور اس کا ناشکری میں شمار۔ قال کی چیزیں اہل قال اور حال کی باتیں اہل حال سے نہ چھپاؤ یا یہ کہ مشائخ کو طالبین راہ طریقت سے راز چھپانا منع ہے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : اللہ کی نعمتیں بعض خصوصی ہیں۔ بعض عمومی۔ چراغ گیس بجلی گیس وغیرہ ہر گھر کی علیحدہ علیحدہ مگر چاند و سورج ساری زمین کے لئے۔ ہر کھیت کا کنواں الگ مگر بادل کی بارش سارے کھیتوں کے لئے۔ اسی طرح ہمارے اعضاء ظاہری مال و اولاد حتی کہ سلطنت وغیرہ خصوصی نعمتیں ہیں مگر دین اسلام رب کی رحمت عام۔ قرآن شریف کے احکام کی آیات خصوصی نعمتیں ہیں کہ نماز حائضہ وغیرہ پر نہیں زکوٰۃ غریبوں پر نہیں۔ حج مجبور پر نہیں۔ سارے احکام شرعیہ کفار پر نہیں۔ آیات متشابہات صرف حضور انور کے لئے باقی لوگوں کی فہم سے وراء احکام شرعیہ کے استنباط کی آیات صرف علماء کے لئے دوسرے ان سے مسائل نہیں نکال سکتے قل انما انا بشر یا انی کنت من الظلمین وغیرہ آیات صرف ان حبیبوں کے لئے اگر ہم انہیں انبیاء کو ظالم وغیرہ کہیں تو بے ایمان ہو جائیں مگر اللہ کی ذات و صفات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت و صفات کی آیات ہر مومن کافر گنہگار نیک کار نبی غوث وغیرہ سب کے لئے ہیں اسی لئے رب نے احکام کی آیتوں میں مسلمانوں سے خطاب کیا یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام وغیرہ مگر حضور انور کی تشریف آوری کی آیات میں تمام آدمیوں سے خطاب فرمایا یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم الخ۔ اور حضور انور کے متعلق فرمایا وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین اب جو احکام قرآنی چھپائے وہ مسلمانوں کا حق مارتا ہے اور جو سرکار کے اوصاف چھپائے وہ خالق و ساری مخلوق کے حقوق پامال کرتا ہے۔ لہٰذا بڑا مجرم یہ ہے اس لئے اس پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور ساری مخلوق کی بھی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
تحقیق وہ لوگ جو کافر ہوئے اور مر گئے حالانکہ وہ کافر تھے یہ لوگ ہیں کہ اوپر اُن کے لعنت اللہ کی اور فرشتوں
بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہی مرے اُن پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں سب کی۔

www.alahazratnetwork.org

وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ
کی اور لوگوں سب کی ہے ۔ ہمیشہ رہنے والے ہیں بیچ اس کے نہ ہلکا کیا جاوے گا
ہمیشہ رہیں گے اُس میں نہ اُن پر سے عذاب ہلکا ہو
يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾
اُن سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے۔
اور نہ انہیں مہلت دی جاوے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ دینی احکام چھپانے والے علماء لعنت کے مستحق ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ لعنت ان علماء تک ہی محدود نہیں بلکہ عام لوگ جو ان کے بہکانے سے کافر ہو جائیں وہ بھی اس میں شامل ہیں گویا یہ آیت گزشتہ آیت سے ایک وہم دور کرتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دین چھپانے والے پر لعنت کا ذکر تھا اب اس لعنت کے دوام کا ذکر ہے یعنی یہ نہ ہو گا کہ صرف ایک بار لعنت ہو کر انہیں نجات ہو جائے بلکہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ توبہ سے ہر گناہ معاف ہو جاتا ہے۔ اب توبہ کا وقت بتایا جارہا ہے کہ موت سے پہلے کی توبہ قبول ہے۔ موت پر تو سب ہی توبہ کرتے ہیں مگر بے فائدہ۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں دین چھپانے والوں پر لعنت کی گئی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ لعنت انہیں مجرموں سے خاص نہیں بلکہ ہر کافر اس کا مستحق ہے بلکہ ان پر بھی اسی لئے لعنت ہوئی کہ وہ بھی کافر تھے۔

تفسیر : **ان الذین کفروا** ظاہر یہ ہے کہ اس سے عام کفار مراد ہیں خواہ دین چھپانے والے اہل کتاب ہوں یا الوہیت یا نبوت وغیرہ کے منکر۔ روح المعانی نے کہا اس سے بھی وہ ہی دین چھپانے والے مراد ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ مگر یہ خلاف ظاہر ہے۔ پہلی ہی بات زیادہ صحیح ہے یعنی جنہوں نے کسی قسم کا کوئی بھی کفر کیا۔ خیال رہے کہ زمانہ فطرت کا کفر بھی ایک تھا اور ایمان بھی ایک۔ یعنی جن لوگوں تک نبوت کی روشنی نہ پہنچی تھی ان کے لئے صرف عقیدہ توحید ایمان تھا اور شرک کرنا کفر۔ مگر جن تک نبوت کا نور پہنچا ان کے لئے کفر تو ہزاروں ہیں مگر ایمان صرف ایک' جتنی باتوں کو مان کر مومن ہوتے ہیں ان سب کا ماننا ایمان ہے اور ان میں سے ایک بات کا انکار کفر لہذا توحید کا منکر یا نبوت کا انکاری یا فرشتوں یا جنت و دوزخ یا قیامت غرضیکہ ان میں سے ہر شخص کافر ہے اور یہ سب علیحدہ علیحدہ قسم کے کافر ہیں لہذا حضور انور کے والدین کریمین کو اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مومن' موحد تھے وہاں سوال یہ نہیں پیدا ہو سکتا کہ انہوں نے قیامت و قرآن وغیرہ کو کیسے مانا **وما توا وھم کفار** اور کفر پر یہاں تک اڑے رہے کہ اسی حال میں مرے۔ ان کی سزا یہ ہے کہ **اولئک علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔** **علیھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی یہ لعنت صرف انہیں کافروں پر ہے نہ گنہگار مسلمانوں پر اور نہ ان کفار پر جو ایمان پر مرے اور ناس سے یا صرف مسلمان مراد ہیں کیونکہ حقیقت میں وہ ہی انسان ہیں رہے کافر وہ تو جانور بلکہ ان سے بھی بد تر ہیں (قرآن شریف) ان کا اعتبار نہیں لہذا مسلمانوں کی لعنت سارے لوگوں کی لعنت

www.alahazratnetwork.org

ہے اوریا کفار و مومن سارے انسان مراد کیونکہ قیامت اور دوزخ میں کفار بھی ایک دوسرے کو لعنتیں کریں گے۔ رب فرماتا ہے **ثم یوم القیمۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا** نیز دنیا میں بھی کفار کہتے ہیں کہ بے دینوں پر لعنت اور خود بے دین ہیں ان سارے کفار پر رب کی، تمام فرشتوں کی اور سب لوگوں کی لعنت ہے اور پھر یہ لعنت کبھی ختم نہیں بلکہ **خلدین فیھا** یہ خلود سے بنا جس کے معنی ہیں بہت مدت تک لازم رہنا اور کبھی ہمیشگی کے لئے بھی بولا جاتا ہے اور اگر اس کے بعد **ابدا** آجائے تو ہمیشگی ہی کے معنی کی تائید کرتا ہے۔ یہاں ہمیشگی ہی مراد ہے جیسا کہ دوسری آیتوں سے ظاہر ہے اور یہ **علیھم** کی ضمیر سے حال ہے اور فیھا کی ضمیر یا تو لعنت کی طرف لوٹتی ہے یا آگ کی طرف جو لعنت سے سمجھ میں آئی (کبیر) یعنی اس لعنت یا جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ پھر یہ بھی نہیں کہ کبھی انہیں وہاں رہ کر چین بھی مل جائے بلکہ **لا یخفف عنھم العذاب** ان سے کبھی عذاب ہلکا بھی نہ ہوگا۔ دنیا میں مزدور دن بھر کام کرکے رات کو آرام کرتا ہے وہاں یہ نہ ہوگا بلکہ ہر وقت عذاب۔ نیز جیل میں اولاً سخت تکلیف دی جاتی ہے پھر بعد میں کچھ رعایت ہو جاتی ہے وہاں یہ بھی نہ ہوگا نیز دنیا میں مصیبت شروع میں بھاری معلوم ہوتی ہے اور پھر انسان اس کا عادی ہو کر ہلکا محسوس کرتا ہے وہاں یہ بھی نہ ہوگا ہر وقت تکلیف تازہ بہ تازہ بلکہ پہلے سے زیادہ غرضیکہ عذاب ہمیشہ اور یکساں یا سخت تر ہوگا اور اس کے ساتھ ہی یہ بھی **ولا ھم ینظرون** یہ نظر سے بنا جس کے معنی ہیں مہلت دینا۔ **فنظرۃ الی میسرۃ** اور انتظار کرنا اور دیکھنا۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں (روح البیان) یعنی نہ تو انہیں مہلت دی جائے گی کہ آرام پائیں اور نہ انہیں وقت دیا جائے گا کہ توبہ کرلیں یا دنیا میں آکر نیک اعمال کر جائیں اور نہ ان پر نظر رحمت ہوگی۔

خلاصہ تفسیر: یہ نہ سمجھو کہ صرف کافر سرداروں پر ہی لعنت ہے اور ان کے پیروکار اس سے بری ہیں بلکہ ہر کافر لعنت میں گرفتار ہے اور یہ بھی خیال نہ کرنا کہ توبہ کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا اور ہر شخص کو ہمیشہ اس کا موقعہ دیا جائے گا نہیں بلکہ جنہوں نے دنیا میں کسی قسم کا کفر کیا اور وہ کفر ہی کی حالت میں مرے ان پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور سارے فرشتوں کی بھی اور سب لوگوں کی بھی کیونکہ یہ رب کے باغی ہیں اور فرشتوں کو ان پر ناراضی اور لوگوں کو ان سے تکلیف پھر یہ نہیں کہ کبھی اس لعنت سے چھٹکارا پائیں۔ نہیں بلکہ ہمیشہ رہے گی اور یہ بھی نہیں کہ کبھی ان کا عذاب ہلکا ہو بلکہ یکساں رہے گا اور یہ بھی نہیں کہ انہیں آرام کرنے کے لئے مہلت دی جائے یا ان پر نظر رحمت کی جائے۔ لہذا عاقل وہ جو مرنے سے پہلے توبہ کرلے ورنہ پھر پچھتائے سے کچھ نہ ہوگا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاتمہ کا اعتبار ہے دیکھو یہاں کفر پر مرنے کا ذکر کیا گیا۔ لہذا زندگی میں کسی کو اپنے حال پر مطمئن نہ ہونا چاہئے۔ رب کا خوف کرے اور اس کی پناہ مانگے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر شخص کی موت اس کے لئے توبہ کا دروازہ بند ہونے کا وقت ہے اور چونکہ کسی کو موت کی خبر نہیں لہذا ہر وقت ہی توبہ چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** بعد موت کسی کافر پر بھی نام لے کر لعنت نہیں کرسکتے جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم نہ ہو یا اس کی قرآن و حدیث میں خبر دی گئی ہو یا ہم نے اسے کفر بکتے بکتے مرتے ہوئے دیکھا ہاں یوں کہنا جائز ہے کہ فلاں شخص بڑا ملعون تھا۔ یہ کہنا کہ رام لال یا گنگا رام پر اب لعنت ہے ناجائز۔ **چوتھا فائدہ:** یزید پلید اور حجاج ابن یوسف وغیرہ ظالموں پر نام لے کر لعنت کرنا جائز نہیں

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ ان کا زندگی میں بھی کوئی کفر ثبوت کو نہ پہنچا چہ جائیکہ کفر پر مرنا ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل پر یا قتل کی امداد کرنے والوں پر یا اس سے راضی ہونے والوں یا ظالموں پر لعنت کیونکہ یہ لعنت بالوصف ہے نہ کہ نام لے کر (شامی باب اللعان) پانچواں فائدہ: ابو طالب پر لعنت ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ ان کے کفر پر مرنے کی کوئی دلیل نہیں بلکہ شیخ عبدالحق نے مدارج میں ان کی ایمان پر موت کی روایت نقل کی نیز روح البیان نے ایک جگہ ان کا بعد موت زندہ ہونا اور ایمان لانا ثابت کیا۔ بفرض محال اگر ان کی موت کفر پر ہوئی بھی ہو تب بھی چونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بہت خدمت کی اور حضور کو ان سے بہت محبت تھی اس لئے ان کو برا کہنا حضور کی ایذا کا باعث ہوگا ان کا ذکر خیر ہی سے کرو یا خاموش رہو۔ چھٹا فائدہ: حضور کے والدین کریمین اس آیت سے خارج ہیں کیونکہ وہ نہ زندگی میں کفر کی نجاست سے ملوث تھے نہ ان کا خاتمہ خراب ہوا۔ ان کا ایمان پر رہنا اور ایمان پر وفات پانا قرآن کریم سے ثابت ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی **ربنا وابعث فیھم رسولا** خدایا اسی امت مسلمہ میں آخری رسول بھیج اور رب فرماتا ہے **وتقلبک فی السجدین** ہم تمہارا نور پاک سجدہ کرنے والوں میں گردش کرتا دیکھ رہے ہیں جن بد نصیبوں نے ان بزرگوں کو اس آیت میں داخل مان کر ان پر طعن جائز رکھا وہ خود ملعون ہیں وہ حضرات زندگی میں مومن تھے اور اب صحابی رسول ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں زندہ فرما کر جمال پاک دکھایا انہیں صحابی بنایا۔

پہلا اعتراض: چند روزہ کفر پر ہمیشہ کا عذاب کیوں دیا گیا عذاب کی کچھ حد ہونی چاہئے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کفر بغاوت ہے جس کی سزا دنیا میں تو قتل ہے اور چونکہ وہاں موت ناممکن اس لئے ہمیشہ کا عذاب۔ دوسرے یہ کہ چونکہ ان کی نیت ہمیشہ کفر کی تھی بلکہ اگر وہ پھر بھی دنیا میں بھیجے جائیں تو بھی کفر ہی کریں لہذا سزا بھی دائمی۔ رب فرماتا ہے۔ **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ**۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے عذاب میں تخفیف نہ ہوگی حالانکہ بخاری شریف کتاب الرضاع کی روایت ہے کہ ابولہب پر بھی عذاب کم ہوتا ہے یا ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے پھر ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ نہ ہوگا کہ اولاً انہیں سخت عذاب دیا جائے پھر ہلکا ہو جائے یا شروع میں بہت تکلیف محسوس ہو پھر کم بلکہ اس میں یکسانیت ہوگی ابولہب وغیرہ کو اول ہی سے یہ تخفیف ہے کفار کا عذاب بقدر کفر ہے۔ جتنا کفر سخت اتنا عذاب بھی سخت ہاں ان کے بعض نیک اعمال ان کا عذاب ہلکا کردیں گے۔ جیسے حاتم طائی و ابولہب وغیرہ۔ تیسرا اعتراض: یزید قتل امام حسین سے راضی ہوا۔ اور یہ رضا کفر ہے کیونکہ ان کی تکلیف حضور کی ایذا کا باعث ہے نیز روایت میں ہے کہ واقعہ کربلا کے بعد اس نے کہا کہ اگر میرے دادا ابو سفیان زندہ ہوتے تو انہیں دکھاتا کہ میں نے ان کا بدلہ حضور کے نواسوں سے لے لیا۔ یہ بھی صریح کفر ہے پھر فقہاء نے اس کی طرفداری کیوں کی۔ نیز ابو طالب کا کفر پر انتقال بہت سی احادیث سے ثابت ہے انہیں کے حق میں یہ آیت آئی کہ **انک لا تھدی من احببت** پھر ان کی رعایت کیسی؟ جواب: یزید کے متعلق مختلف روایتیں ہیں بعض سے یہ بھی ثابت ہے کہ وہ قاتلین پر ناراض ہوا اور کہا میں نے تو گرفتار کرنے کو کہا تھا نہ کہ قتل کو۔ اگر راضی ہوا بھی تو محض دنیاوی وجہ سے کہ یہ میرے سلطنت کے مخالف ہیں نہ اس لئے کہ حضور کے اہل بیت ہیں ورنہ باقی اہل بیت اطہار کو عزت و حرمت سے مدینہ پاک واپس نہ کرتا اور دنیوی مخالفت کفر نہیں۔ خود

www.alahazratnetwork.org

صحابہ کرام کے آپس میں جنگ و جدال ہوئے۔ اب بھی سیدوں سے دنیاوی جھگڑے ہو جاتے ہیں۔ رہی دوسری روایت اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ فتویٰ کفر کے لئے یقین چاہئے۔ ابو طالب کی کفر پر موت بھی احادیث سے ثابت ہے۔ جس پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ پھر بڑے بڑے علماء کا اس میں اختلاف ہے چنانچہ علامہ احمد دحلان مکی رحمتہ اللہ علیہ نے ان کے ایمان پر ایک مستقل رسالہ لکھا۔ "اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب" **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر سب لوگوں کی لعنت ہے حالانکہ کوئی بھی اپنے ہم مذہبوں پر لعنت نہیں کرتا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے گزر چکا کہ یا تو یہاں لوگوں سے مسلمان مراد ہیں یا قیامت کے دن کفار بھی ایک دوسرے پر لعنت کریں گے یا دنیا میں ہر ایک کا بروں پر لعنت کرنا یہ بھی لعنت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر عذاب ہلکا نہ ہو گا اور بخاری کی روایت میں ہے کہ ابو لہب کو دو شنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے حضور کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے چونکہ وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے نیز وہاں خواب کا ذکر ہے لہٰذا قابل قبول نہیں یہ آیت برحق ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آیت کریمہ کا مطلب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرا یعنی دوزخی کافر کو جتنی شدت اولاً محسوس ہو گی اتنی ہی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی دنیا کی طرح سہارنہ پیدا ہو گی اور ابولہب کے لئے یہ رعایت اول ہی سے ہے۔ بعض کفار اول ہی سے ہلکے عذاب میں ہوں گے بعض سخت عذاب میں ورنہ دوزخ کے سات طبقے کیوں بنے اور ان کے عذاب مختلف کیوں ہوئے۔ دوسرے یہ کہ آیت کریمہ میں قانون کا ذکر ہے۔ وہاں خصوصی کرم کا قانون و خصوصیات میں فرق ہے لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جو لوگ کہ حق سے محجوب ہو گئے اور ان کے دلوں پر پردہ غفلت پڑا یہاں تک کہ ان میں قبول حق کی قابلیت بھی نہ رہی اور دنیوی اور شہوانی ہواؤں سے ان کا فطری نور بجھ گیا اور ہدایت دینے والے اسباب بھی ختم ہو چکے۔ موت بھی ان کے حجاب کو نہ پھاڑ سکی وہ رب سے بھی دور ہیں اور اس کے کرم سے بھی مجبور عالم ملکوت سے نکالے ہوئے ہیں فطرت انسانیہ سے گر گئے۔ جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں طمس کہتے ہیں۔ اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے کیونکہ رب جس کا چراغ بجھا دے اسے کوئی روشن نہیں کر سکتا۔ نیز جب چراغ میں روغن اور بتی نہ ہو تو صرف مٹی کا دیا کس کام آئے۔ ان کے جسم مٹی کا دیا ہیں۔ جس میں نہ روغن نہ بتی۔ اب ان سے یہ عذاب ہلکا نہ ہو گا کیونکہ اسباب عذاب ان کے نفسوں میں داخل ہو چکے اور نہ ان پر کبھی نظر رحمت ہو (از ابن عربی) خلاصہ یہ ہے کہ مشائخ عظام اور بزرگان دین چراغ کے روشن کرنے والے ہیں مگر جو قدرتی طور پر روغن و بتی سے خالی ہے کوئی کیسے روشن کرے 'یہ خالی ہونا ہی موت ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ روغن اور بتی موجود لیکن تیز ہوا سے چراغ گل ہو جائے ان کی اصلاح ممکن ہے۔ ابو جہل اور دیگر لوگوں میں یہی فرق تھا اللہ تعالیٰ اپنی حفظ و امن میں رکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفر تین طرح کے ہیں۔ غفلت کا کفر' عناد کا کفر' بے جا محبت کا کفر' یہود کا کفر عنادی تھا۔ نصاریٰ کا کفر عیسیٰ علیہ السلام سے بے جا محبت کا عوام کا کفر غفلت کا ہوتا ہے مگر کفر پر مرنے کی وجہ دل کی سختی ہے اگر کسی کلمہ گو کا دل سخت ہے تو اس کے کفر پر مرنے کا اندیشہ ہے اور اگر کسی کافر کے دل میں نرمی ہے تو اس کے ایمان کی امید ہے۔ سختی دل دور ہونے کی تین تدبیریں ہیں۔ نرم دل والوں کی صحبت اختیار کرنا یا ان کے حالات یا ان کی کتب کا مطالعہ یا کثرت سے درود شریف۔ بغیر نرمی دل کلمہ شریف پڑھنا یا نیک اعمال سب بیکار ہیں۔ کسان پہلے زمین نرم کرتا ہے پھر تخم بوتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۠ (۱۶۳)
اور معبود تمہارا معبود ایک ہے۔ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے وہ بہت رحمت والا مہربان ہے
اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہ ہی بڑی رحمت والا مہربان

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب ہلکا نہ ہوگا۔ اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ دنیا میں بادشاہ یا مالک چند ہوتے ہیں یہاں تو ممکن ہے کہ ایک کی ناراضی پر دوسرے کی پناہ لے لی جائے مگر رب ایک ہی ہے اس کی ناراضی پر کس کی پناہ لے لٰہذا اس کے غضب کو کوئی ہلکا نہیں کر سکتا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر نظر رحم نہ ہوگی۔ اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ غضب ناک لوگ جلد غصہ کر کے فوراً مہربان بھی ہو جاتے ہیں مگر رب تعالیٰ رحمٰن رحیم ہے وہ کسی پر بلا وجہ غضب نہیں فرماتا اور جو خود ہی اس کی رحمت کا دروازہ اپنے پر بند کرلے تو پھر کھولتا بھی نہیں۔ **تیسرا تعلق:** اب تک کی آیتوں کا تعلق نبی اور نبوت اور ارکان اسلام سے تھا اب الوہیت کا ذکر ہے جو کہ ان سب کی اصل الاصول ہے۔

شان نزول : ایک بار کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپ اپنے رب کی صفتوں کا ذکر کیجئے تاکہ ہم اس میں اور اپنے معبودوں میں فرق کر سکیں۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں اس کی ذات اور عام صفتوں کا ذکر ہے۔ یہ آیت ذات و صفات کے بیان میں اول درجہ کی ہے بلکہ ابوداؤد اور ترمذی میں ہے کہ رب کا اسم اعظم دو آیتوں میں ہے ایک تو یہی دوسری **الم اللہ لا الہ الا ھو** (خزائن)

تفسیر : **والٰھکم الہ واحد** ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب سارے ہی لوگوں سے ہے مومن ہو یا کافر' بے دین ہو یا دین دار۔ **الہٰ**' **الہ** سے بنا اس کے معنی کی تحقیق بسم اللہ کی تفسیر میں کر دی گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سے مراد ہے مستحق عبادت۔ عبادت انتہائی عاجزی کو کہتے ہیں۔ لفظ الہ جھوٹے معبودوں پر بھی بولا جاتا ہے اسی لئے اس کی جمع **الھۃ** آتی ہے کیونکہ وہ کفار کے عقیدہ میں مستحق عبادت ہیں مگر یہاں حقیقی اور سچا معبود مراد ہے یعنی اللہ پہلے الہ سے اس کی ذات مراد۔ اور دوسرے الہ سے وصف معبودیت۔ واحد' وحدۃ سے بنا۔ جس کے معنی ہیں اکیلے ہونا کبھی بے نظیر اور بے مثل کو بھی واحد یعنی یگانہ کہہ دیتے ہیں۔ واحد تو مخلوق و خالق سب پر بولا جاتا ہے مگر احد مطلق خدا کے سوا کسی پر نہیں بولتے واحد حقیقی تو وہ ہے جس کا کوئی جز نہ ہو اور کٹ بٹ نہ سکے۔ ایک انسان کو بھی اسی لئے ایک کہتے ہیں کہ اس میں سے کٹ کر دو انسان نہیں نکل سکتے۔ ہاں ہاتھ پاؤں وغیرہ اجزا نکلیں گے۔ مگر وہ انسان نہیں اور جہاں واحد رب کی صفت ہو اس سے مراد ہوتا ہے کہ ذات و صفات و افعال میں اکیلا اور بے مثل کہ نہ اس کے اجزا اور نہ وہ کسی کا جز۔ نہ اس میں کثرت اور زیادتی اور نہ وہ کثرت میں' نہ وہ کسی کی حقیقت نہ اس کی کوئی حقیقت و ماہیت وغیرہ سے پاک ہاں اس کی شانیں بے شمار یعنی اے لوگو حقیقی مستحق عبادت وہ ایک ہی معبود ہے کہ جس میں کسی لحاظ سے شرکت کا احتمال نہیں۔ پھر اس کی تاکید فرماتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے **لا الہ الا ھو** اس کے سوا کوئی اور سچا معبود نہیں لٰہذا اسی کو جانو۔ اسی کو پہچانو۔ اسی سے ڈرو' امید رکھو اس کے سوا غیر کی عبادت نہ کرو۔ وہ شرکت سے پاک

www.alahazratnetwork.org

ہر صفات سے خالی نہیں۔ اس کی صفتیں بے شمار ہیں انہیں میں سے ہے الرحمن الرحیم ان دونوں لفظوں کی تحقیق ہم بسم اللہ کی تفسیر میں کرچکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یا تو رحمٰن عام رحمتیں دینے والا جیسے رزق و وجود وغیرہ اور رحیم خاص رحمتیں عطا فرمانے والا جیسے نبوت، سلطنت وغیرہ یا رحمٰن بلا واسطہ نعمتیں دینے والا جیسے غلہ اور کپڑا وغیرہ یا رحمٰن دنیا میں سب پر رحم کرنے والا اور رحیم خاص مسلمانوں پر کرم فرمانے والا یعنی حقیقی منعم خدا ہی ہے اس کے سوا نعمت ہے یا نعمتیں پہنچانے والا لہٰذا وہ رب ہی مستحق عبادت۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو تم کدھر بھٹکے پھرتے ہو اور اپنی پیشانیاں جھوٹے معبودوں کے سامنے کیوں رگڑتے ہو مستحق عبادت تو وہی ایک ہے جو ہر طرح ایک اور اکیلا ہے اس کا کوئی ہمسر و ساتھی نہیں، تمہیں یہاں اور وہاں نعمتیں دیتا ہے۔ چاہئے کہ جس کا کھاؤ اس کا گاؤ۔ قدرت کا قانون یہ ہے کہ حقیقتاً فیض دینے والا ایک ہی ہوتا ہے اور اس سے پہلا فیض لینے والا چاند بھی ایک درخت میں مبدا فیاض جڑ ایک اور اس سے پہلا فیض لینے والا تنا بھی ایک اسی قاعدے سے لازم ہے کہ عالم کا مبدا فیاض رب بھی ایک ہی ہو اور اسی سے پہلا فیض والا یعنی حقیقت محمدیہ بھی ایک ہی ہو لہٰذا ارشاد ہوا کہ لوگو تمہارا معبود ایک ہے جس میں دوئی کی گنجائش نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ دیکھو رب نے اپنی معرفت بسم اللہ، الحمد میں اور یہاں رحمت سے کرائی نہ کہ غضب و قہر سے۔ دوسرا فائدہ: رحمت رب تعالیٰ کی صفت اصلیہ ہے قہر و غضب ہماری بدکاریوں کی بنا پر اسی لئے رب تعالیٰ بغیر کسی عمل کے جنت تو عطا فرما دے۔ جیسے مسلمانوں کے فوت شدہ بچے یا دیوانہ مگر بلا قصور کسی کو دوزخ نہ دے گا۔ تیسرا فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کو تبلیغ کرتے وقت رب کی رحمتوں کا ذکر زیادہ کریں جب وہ ضد کریں تو اس کے قہر و غضب کا ذکر کریں دیکھو رب نے اول تبلیغ میں اپنی رحمت کا ذکر فرمایا نرمی سے امید دلا کر تبلیغ کرنا دل میں اثر کرتا ہے۔

اعتراض : یہ آیت مدنیہ ہے کیونکہ ساری سورہ بقرہ مدنیہ ہے اور مدینہ منورہ میں کفار اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ تھے وہ تو توحید کے قائل تھے انہیں یہ آیت سنانا یا ان کے پوچھنے پر یہ جواب دینا فائدہ مند نہیں یہ آیت تو مشرکین کے جواب میں آنی چاہئے تھی۔ جواب: اہل کتاب در حقیقت خدا تعالیٰ کو واحد یا احد نہیں مانتے تھے کیونکہ رب تعالیٰ کے واحد یا احد ہونے کے معنی ہر طرح ایک۔ جب انہوں نے رب کے لئے اولاد مان لی تو اسے ہر طرح ایک نہ مانا بلکہ بعض عیسائی تو تثلیث کے قائل تھے یعنی تین خدا مانتے تھے باپ بیٹا روح القدس لہٰذا ان کے پوچھنے پر اس آیت کا نزول بالکل ٹھیک ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے توحید والو جس کی تم عبادت کرتے ہو وہ ایک معبود ہے اور بالذات ایک موجود اس کے ماسوا سب معدوم ہے جو ہے اسی کا پرتو۔ سائے کو اصل سمجھ کر ادھر گردن جھکانا جہالت ہے پھر اس کی رحمت ہر موجود کو شامل۔ لہٰذا وہ رحمان ہے اور اس کی ہدایت مومنین کے لئے خاص لہٰذا وہ رحیم (ابن عربی) ذات تک پہنچنے والے اسے الا ھو سے پہچانیں اور

www.alahazratnetwork.org

جن کی رسائی فقط صفات تک ہو وہ اسے رحمٰن، رحیم سے جانیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک لفظ ھو خالص اسم ہے جو محض ذات کو بتاتا ہے اور ھو کو وہ جانے جو ہوا (خواہشات) سے خالی ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از ہوا ہا کے رہی بے جام ہو — اے زہو قانع شدہ با نام ہو
اسم خواندی رو مسمی را بجو — مہ بیالا داں نہ اندر آب جو
گر زنام و حرف خواہی بگذری — پاک کن خود راز خود ہاں یکسری
خویش را صافی کن از اوصاف خویش — تابہ بینی ذات پاک و صاف خویش
بینی اندر دل علوم انبیاء! — بے کتاب و بے معید و اوستاد
علم کال نبود زہو بے واسطہ — آں نہ پاید ہمچو رنگ ماشطہ

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ
تحقیق بیچ پیدائش آسمانوں اور زمین کے اور بدلنے میں رات اور دن کے اور کشتی میں وہ جو کہ تیرتی ہے
بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش اور رات دن کا بدلتے آنا اور کشتی کہ دریا میں لوگوں کے
الَّتِیۡ تَجۡرِیۡ فِی الۡبَحۡرِ بِمَا یَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ
بیچ دریا کے ساتھ اس کے جو نفع دیتا ہے لوگوں کو اور وہ جو اتارا اللہ نے طرف سے آسمان کے پانی پس
فائدے لے کر چلتی ہے۔ اور وہ جو اللہ نے آسمان سے پانی اتار کر مردہ زمین کو اس سے جلا دیا
مَّآءٍ فَاَحۡیَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِیۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصۡرِیۡفِ
زندہ کیا بذریعہ اس کے زمین کو پیچھے مرنے اس کے اور پھیلایا بیچ اس کے ہر طرح کا جانور اور پھرانا ہواؤں کا
اور زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہواؤں کی گردش اور
الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَیۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ
اور بادل جو مطیع ہیں بیچ میں آسمانوں اور زمین کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو
وہ بادل جو آسمان و زمین کے بیچ میں حکم کا باندھا ہے۔ ان سب میں عقلمندوں کیلئے
یَّعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۴﴾
عقل رکھتی ہے
ضرور نشانیاں ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں توحید کا دعویٰ تھا اب اس کی دلیل کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پہلے رب کی پوشیدہ صفات کا ذکر تھا یعنی توحید اور رحمت۔ اب اس کے ظاہری صفات کا اظہار ہے یعنی زمین و آسمان کی پیدائش۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت پر شبہ ہو سکتا تھا کہ ایک رب تمام عالم کو کیونکر کافی ہو سکتا ہے۔ چاہیے کہ اتنی بڑی دنیا کو بہت سے معبود سنبھالیں۔ اب یہ وہم دفع کیا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں رب کی عام اور خاص رحمت کا ذکر تھا۔ اب آسمان و زمین' رات و دن وغیرہ کا تذکرہ ہے جو اس کے مظہر ہیں۔

لطیفہ : کسی نے ایک بڑھیا سے پوچھا کہ تو نے خدا کی ہستی کیونکر جانی۔ وہ بولی اپنے چرخے سے کہ جب میرا معمولی چرخہ بغیر میرے ہاتھ لگائے نہیں گھومتا تو آسمان کا اتنا بڑا چرخہ بغیر گھمانے والے کے کیونکر گھوم سکتا ہے وہ بولا کہ تو نے توحید کیونکر پہچانی کہنے لگی۔ اپنے چرخے سے کہ اسے اکیلی میں ہی گھما سکتی ہوں۔ اگر اس میں دو ہاتھ جمع ہوں تو کبھی گھیج نہ گھومے لہٰذا آسمان کا چرخہ گھمانے والا بھی ایک ہی چاہیے ورنہ یہ ٹوٹ پھوٹ جائے گا۔

شان نزول : مشرکین نے جب آیت توحید سنی تو تعجب سے بولے کہ اتنی بڑی دنیا کے لئے ایک رب کافی نہیں اور حضور سے عرض کیا کہ اس پر کوئی قوی دلیل قائم کیجئے۔ ان کے جواب میں یہ آیت اتری۔ ان بیوقوفوں نے دنیا کی وسعت تو دیکھی مگر خالق کی قدرت کا اندازہ نہ لگا سکے تو چیخ پڑے کہ ایک خدا نے اتنے بڑے عالم کو اکیلے کیسے سنبھال سکتا ہے جیسے کوئی دیہاتی جس نے کبھی ریل نہ دیکھی ہو تو وہاں گاڑی کے بہت سے ڈبوں کو دیکھ کر کہہ دے کہ اتنی بڑی گاڑی کو اکیلا انجن نہیں کھینچ سکتا کیونکہ ڈبے تو اس کے سامنے ہیں مگر ڈرائیور اور انجن کی طاقت اس سے پوشیدہ ہے۔ خیال رہے رہے کہ مشرکین عرب کا عقیدہ یہ تھا کہ تمام عالم کا خالق' مالک' مدبر تو صرف اللہ تعالیٰ ہی مگر اپنے شرکاء کی مدد سے وہ اکیلے یہ کام نہیں کر سکتا اپنی کمزوری و مجبوری کی وجہ سے اسے یہ شرکاء رکھنے پڑے ان کی تردید کے لئے رب نے ایک جگہ فرمایا **لم یکن لہ ولی من الذل وکبرہ تکبیرا**۔ دوسرا قول ' ابن ابی حاتم اور ابن مردویہ نے عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ قریش نے نبی علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب سے دعا کیجئے کہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے تب ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ حضور نے دعا فرمائی۔ ارشاد الٰہی ہوا کہ ہم یہ تو کر دیں گے لیکن اگر پھر بھی یہ کافر رہے تو انہیں ایسا عذاب دیں گے جو آج تک کسی کو نہ دیا ہو۔ اس پر حضور نے عرض کیا کہ مولیٰ ایسی نشانی میں نہیں چاہتا تب یہ آیت اتری (در منثور)

تفسیر : **ان فی خلق السموت والارض**۔ خلق کے لفظی معنی ہیں معدوم کو وجود بخشنا مگر بے مثال ایجاد کرنا مراد ہے (کبیر و روح) قرآن میں لفظ خلق بنانا' گھڑنا کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر** اور رب کفار سے فرماتا ہے۔ **وتخلقون افکا** مگر کسی کو رب کے سواء خالق نہیں کہہ سکتے بحالت اطلاق خالق کے معنی ہوتے ہیں نیست کو ہست کرنے والا۔ یعنی آسمان و زمین کے پیدا فرمانے یا آسمان و زمین کی پیدائش میں۔ سموت سماء کی جمع اور سمو سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں بلندی' شبعاً" ہر اونچی چیز کو سماء کہہ سکتے ہیں مگر اصطلاح میں آسمان کو کہتے ہیں۔ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمین بھی سات۔ مگر قرآن کریم میں اکثر آسمان کو جمع اور زمین کو واحد لایا گیا ہے۔ کیونکہ آسمان علیحدہ علیحدہ ہیں کہ ہر دو آسمانوں میں 500 سال کا راستہ ہے مگر زمین کے طبقے پیاز کے چھلکوں کی طرح ملے ہوئے کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

سب مل کر ایک معلوم ہوتے ہیں نیز ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ کوئی چاندی کی طرح اور کوئی سونے کی مثل مگر ہر زمین کا مادہ ایک ہی یعنی مٹی۔ زمین کی پیدائش آسمان سے پہلے ہے اور پھیلاؤ بعد میں مگر چونکہ آسمان دینے والے ہیں اور زمین لینے والی اور درجہ دینے والے کا لینے والے سے اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے آسمان کا ذکر پہلے فرمایا اور زمین کا بعد میں۔ زمین ہروقت آسمان سے لپٹی ہی رہتی ہے کبھی اس سے بے نیاز نہیں ہوتی کبھی بارش میں آسمان کی محتاج ہے اور کبھی دھوپ میں اس کی نیاز مند (روح البیان) **واختلاف الیل والنهار** یہ لفظ خلف سے بنا۔ جس کے چند معنی ہیں آنا جانا اور یکساں نہ ہونا اور گھٹنا بڑھنا اور پیچھے ہونا۔ یہاں ہر معنی درست ہیں یعنی رات و دن کا آنا جانا یا ایک دوسرے کے پیچھے آنا۔ یا ان دونوں کا یکساں نہ ہونا کہ دن روشن رات اندھیری بلکہ خود رات بھی کبھی چاند سے نورانی کبھی بالکل سیاہ اور دن بھی صبح و شام ہلکا اور دوپہر کو خوب روشن یا رات و دن کا گھٹنا بڑھنا کہ سردی میں رات بڑی اور دن چھوٹا اور گرمی میں اس کا الٹ یا مختلف ملکوں میں ان کا علیحدہ حال۔ کہیں چھ ماہ کا دن اور چھ ماہ کی رات۔ کہیں اس کے خلاف پھر ایک ہی وقت کہیں رات کہیں دن۔ دیکھو جب یہاں رات تو امریکہ میں دن اور کسی جگہ صبح اور کہیں ظہر کہیں عصر۔ **نھار** نہر سے بنا جس کے معنی ہیں چیرنا۔ چونکہ صبح صادق کی روشنی رات کی تاریکی کو چیر ڈالتی ہے اس لئے اسے نہار کہتے ہیں۔ پانی کی نہر کو بھی اسی لئے نہر کہتے ہیں کہ وہ دریا سے چیر کر نکلتی ہے۔ شریعت میں صبح صادق سے سورج ڈوبنے تک کا وقت نہار یعنی دن ہے نجومی سورج چمکنے سے ڈوبنے تک کو دن کہتے ہیں یعنی دن و رات کے اختلاف میں بھی ربانی دلیل ہے۔ صوفیاء کے ہاں زمین دل پر کبھی غفلت کی رات آتی ہے اور کبھی بیداری کا دن بیداروں کے لئے رات میں بھی دن ہوتا ہے غافلوں کے لئے دن میں بھی رات۔ دل کے حالات ہر شخص کے مختلف ہوتے رہتے ہیں قبض و بسط کا سلسلہ لگا ہی رہتا ہے۔ **والفلک التی تجری فی البحر۔** فلک کے لفظی معنی ہیں گھومنا۔ ہر گول چیز کو بھی اسی لئے فلک کہتے ہیں کہ وہ گھومتی ہے آسمان کو فلک اور چرخے کے چکریوں کو اسی لئے فلکہ کہتے ہیں کشتی کو فلک کہنے کی یہ ہی وجہ ہے کہ وہ دریا میں چکر لگاتی رہتی ہے۔ یہ جمع بھی ہے اور واحد بھی۔ کشتی کے موجد نوح علیہ السلام ہیں کہ بذریعہ الہام آپ نے تیار کی (عزیزی) **تجری** جری سے بنا جس کے معنی ہیں بہنا اور تیرنا ہر سبک رفتار کو بھی جاری کہہ دیتے ہیں جیسے **تجری الریح** بحر کے لفظی معنی ہیں وسعت اور پھیلاؤ۔ بڑے عالم کو بحر العلوم یعنی علموں کا دریا کہا جاتا ہے۔ بعض نے یہ کہا کہ اس کے معنی ہیں چیرنا۔ اسی سے بحیرہ بنا۔ یعنی وہ اونٹنی جو بتوں کے نام پر چھوڑ کر اس کا کان چیر دیا جائے۔ بحر دریا کو بھی کہتے ہیں اور کھاری سمندر کو بھی۔ مشہور یہ ہے کہ سمندر سات ہیں مگر تفسیر کبیر اور عزیزی وغیرہ نے فرمایا کہ پانچ سمندر بڑے ہیں۔ بحر ہند جسے بحر چین بھی کہتے ہیں۔ بحر مغرب۔ بحر شام۔ بحر نیطش۔ بحر جرجان۔ بحر ہند کی لمبائی آٹھ لاکھ میل اور چوڑائی دو ہزار سات سو میل ہے۔ بحر مغرب اسی کا نام بحر اوقیانوس ہے یہ بحر ہند سے متصل ہے۔ اس کا شرقی کنارہ معلوم نہ ہو سکا۔ مغربی کنارہ پر روس اور صقالیہ واقع ہے۔ اسی میں حبشہ کے مقابل چھ جزیرے ہیں۔ جنہیں جزائر خالدات کہتے ہیں۔ بحر شام اس کا نام بحر روم افریقہ و مصر ہے اس کی لمبائی پانچ ہزار میل اور چوڑائی چھ سو میل ہے۔ اس دریا میں ایک سو باسٹھ (162) جزیرے آباد ہیں جس میں سے پچاس بڑے اور باقی چھوٹے۔ بحر نیطش یہ لاذقیہ سے نکل کر قسطنطنیہ سے گزرتی ہوئی روس اور صقالیہ میں پہنچتی ہے اس کی لمبائی ایک ہزار تین سو میل اور چوڑائی صرف تین سو میل ہے۔ بحر جرجان اس کی لمبائی مشرق سے مغرب کی طرف تین سو میل اور

www.alahazratnetwork.org

چوڑائی چھ سو میل۔ اس کا نام بحر آب سکون بھی ہے۔ یہ ہی دریا طبرستان دیلم نہوان وغیرہ سے گزرتا ہے۔ یہ پانچ بڑے سمندر ہیں۔ اس کے علاوہ چھوٹے سمندر بھی ہیں جنہیں بحیرہ کہتے ہیں۔ جیسے بحیرہ طبریہ اور بحیرہ خوارزم (کبیر) یعنی یہ بھاری کشتیاں پھلکے پانی میں تیرتی پھرتی ہیں خدا کی قدرت ہی تو ہے پھر خالی نہیں بلکہ **بما ینفع الناس** ہزارہا من مال وغیرہ لے کر جس سے لوگ طرح طرح کے تجارتی فائدے حاصل کرتے ہیں کہ تاجر نفع کماتے ہیں اور جہاں مال پہنچتا ہے وہ اس سے آرام پاتے ہیں۔ صوفیاء کے ہاں حالات دنیا چھوٹے چھوٹے دریا ہیں۔ جن کے لئے رب نے مختلف کشتیاں پیدا فرمائیں۔ رنج و غم کا دریا صبر کی کشتی میں طے کرو راحت و خوشی کا دریا شکر کی کشتی سے پار کرو۔ دنیاوی تفکرات کا دریا ذکر اللہ کی کشتی سے مگر معرفت الٰہی کا سمندر شریعت کے جہاز سے طے کر کے کعبہ قرب تک پہنچو جس کا کپتان اپنا شیخ طریقت ہے **وما انزل اللہ من السماء من ماء** یا تو سماء سے بلندی مراد ہے جیسے چھت کو سماء البیت کہتے ہیں یا آسمان یعنی بلندی (بادل) سے یا آسمان کی طرف سے پانی اتارا حالانکہ وہ پانی کی جگہ نہیں۔ نیچے گرنے والی چیز اوپر کیسے ٹھہرے مگر رب کی شان کہ کھاری سمندروں کا پانی جو نہ پیاس بجھا سکے نہ کھیتوں کو سیراب کر سکے نہ کسی اور کام آسکے اسے بھاپ بنا کر اڑایا اور میٹھا اور نافع بنایا اور برسایا جس سے کہ **فاحیا بہ الارض بعد موتہا** خشک زمین کو تر اور چٹیل میدانوں کو طرح طرح کی گھاس پھوس درختوں سے ہرا بھرا کر دیا۔ زمین کی خشکی اس کی موت ہے اور تری زندگی کہ خشکی سے بدصورت اور بے کار ہو جاتی ہے اور تر ہو کر فائدہ مند اور خوشنما۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شرعی احکام اور نبوت کے فیضان ایمانی و روحانی بارش ہے۔ جس سے چمن ایمان کی ترو تازگی اور باغ عرفان کی سرسبزی و شادابی وابستہ ہے بارش دو قسم کی ہوتی ہے۔ مقامی اور عالمگیری مقامی بارش خاص خاص جگہ ہوتی ہے اور عالمگیر بارش تمام دنیا میں۔ گزشتہ انبیاء کرام کی نبوتیں خاص مقامی بارشیں تھیں جن سے بنی اسرائیل یا مقام مصر وغیرہ شاداب ہوئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان عالمگیر بارش ہے۔ جس سے تمام عالم روحانیات سرسبز ہوا نیز ان انبیاء کی نبوتیں ہنگامی بارشیں تھیں۔ جن کے بعد پھر بارشوں کی ضرورت تھی اور حضور انور فصل ایمان کی آخری بارش ہیں جس کے بعد بارش کی ضرورت نہیں۔ ارشاد ہوا **الیوم اکملت لکم دینکم** خیال رہے کہ بارش بوئے ہوئے تخم کو اگاتی ہے اسے بدلتی نہیں۔ اسی طرح حضور انور کے فیض سے جس سینہ میں جو تخم و دیعت تھا وہ ظاہر ہو گیا کہیں صدیقیت کی جلوہ گری ہوئی کہیں زندیقیت کا ظہور ہوا **وبث فیہا من کل دابۃ**۔ بث۔ بث سے بنا جس کے معنی ہیں پراگندہ کرنا۔ اٹھانا اور پھیلانا۔ حیاء "منبثا" غم کو بھی بث اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ فکر کو پراگندہ کرتا ہے۔ **دابۃ**۔ دب یا دبیب سے بنا جس کے معنی ہیں ہلکا چلنا۔ لغت میں ہر زمین پر چلنے والے کو دابہ کہا جاتا ہے۔ فرشتے یا پرندے اور دریائی جانور اس سے خارج ہیں۔ یہاں ہر جانور مراد ہے۔ جانور دو قسم کے ہیں ایک خود بخود پیدا ہونے والے جیسے پروانے۔ مینڈک، ٹڈی وغیرہ دوسرے نر و مادہ کے میل سے پیدا ہونے والے جیسے گائے بھینس، انسان وغیرہ۔ پہلی قسم کے جانور تو بارش سے پیدا ہوتے ہیں اور دوسری قسم کے اس سے باقی رہتے ہیں غرضیکہ ان سب کا پھیلاوا بارش ہی سے ہے۔ نیز دریائی جانور بھی بارش نہ ہونے سے اگرچہ مرتے نہیں مگر اندھے ہو جاتے ہیں (عزیزی) غرضیکہ زمینی جانوروں کا پھیلاوا بارش ہی کی برکت سے ہے بارش کی تاثیر دیکھ کر یقین کرو کہ قیامت میں الصنا بر حق ہے جب بارش کے قطرے خشک تنوں کو سبز سوکھی مٹی کو زندہ کر سکتے ہیں تو صور کی آواز بھی بے جان جسموں میں جان ڈال سکتی ہے **وتصریف الریح** تصریف۔ صرف سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا۔ تصریف

www.alahazratnetwork.org

بار بار پھیرنے کو کہتے ہیں۔ ریاح ریح کی جمع جس کے معنی ہیں حرکت والی ہوا۔ ٹھہری ہوئی کو ہوا کہتے ہیں۔ قرآن شریف میں ریح' عذاب کی ہوا کو ریاح رحمت کی ہواؤں کو فرمایا گیا ہے جیسے **ریحا صرصرا** اور **ریح فیھا صر یا اشتد بہ الریح** اور ریاح جیسے کہ الریح مبشرات اسی لئے حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہوا چلتے وقت دعا فرماتے تھے کہ خدایا اسے ریاح بنا۔ ریح نہ بنا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں۔ چار رحمت کی اور چار عذاب کی رحمت کی ہوائیں ناشرات' مبشرات' مرسلات اور ذاریات۔ عذاب کی ہوائیں دو خشکی کی ہیں عقیم اور صرصر اور دو دریائی عاصف اور قاصف پروائی ہوا رحمت کی ہے کہ اس سے قوم احزاب دفع کی گئی اور پچھوا عذاب کی کہ اس سے قوم عاد تباہ ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنوبی ہوا جنت کی ہے جس سے پھل پیدا ہوتے ہیں (در منثور) یعنی ہواؤں کے منقلب ہونے میں بھی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ خود ہوا بھی نشان قدرت ہے اور ہوا کی گردش بھی نشان قدرت جاندار کی زندگی غذا پانی اور ہوا سے وابستہ ہے ان سب میں ہوا زیادہ ضروری کہ اس کے بغیر دو منٹ بھی کوئی زندہ نہیں رہ سکتا تو رب نے اسے اتنا سستا کر دیا کہ سارے خلا میں ہوا بھر دی۔ مکانوں اور پہاڑوں غاروں میں یہ موجود پھر یہ کسی کے قبضہ میں نہیں آتی اس کی حقیقت کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ ہے کیا ہر وقت سب کے ساتھ رہتی ہے مگر اسے آج تک کسی نے دیکھا نہیں کہ کالی ہے یا پیلی غرضیکہ بے حجاب ہو کر بھی حجاب میں ہے۔ یہ نہیں پتہ لگتا کہ چلتی ہے تو کیوں اور ٹھہرتی ہے تو کیوں اور رخ بدلتی ہے تو کیوں **والسحاب المسخر بین السماء و الارض** سحاب سحب سے بنا جس کے معنی ہیں کھینچنا **یسحبون فی النار** بادل کو اس لئے سحاب کہتے ہیں کہ ہوا سے کھچ کر آتا ہے یا پانی کو کھینچ کر لاتا ہے۔ مسخر۔ تسخیر سے بنا جس کے معنی ہیں حقیر کرنا یا کسی کو کام پر لگانا یا کسی کی تحقیر کے لئے اس پر ہنسنے کو تسخر کہتے ہیں۔ یہاں دو معنی بن سکتے ہیں یعنی اتنے عظیم الشان بادل اس کی قدرت کے آگے حقیر ہیں یا اس کے حکم سے کام پر لگے ہوئے۔ سحاب کا عطف یا تو ریاح پر ہے یا سموٰت پر اور یا خلق پر یعنی بادلوں کے پھیرنے میں یا ان کی پیدائش میں یا خود ان میں **لآیٰت لقوم یعقلون** سمجھدار قوم کے لئے ایک نہیں دو نہیں ہزارہا نشانیاں ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں سے ہر ایک میں قدرت کے صدہا دلائل موجود ہیں جنہیں انسان بقدر علم اور عقل سمجھ سکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت میں قدرت ربانی کی آٹھ نشانیاں بیان ہوئیں۔ (1) آسمان و زمین کی پیدائش۔ (2) رات دن کی تبدیلی (3) کشتی کا دریا میں تیرنا (4) بارش کا آسمان سے اترنا (5) زمین کا بعد موت زندہ ہونا (6) ہر قسم کے جانوروں کا زمین میں پھیلنا (7) ہواؤں کی گردش (8) بادلوں کا آسمان و زمین کے بیچ میں تابع فرمان ہونا ان میں سے ہر ایک صدہا نشانیوں کو لئے ہوئے ہے دیکھو آسمان نو ہیں: فلک قمر اس پر فلک عطارد پھر فلک زہرہ پھر فلک شمس (سورج) پھر فلک مریخ پھر فلک مشتری پھر فلک زحل پھر فلک ثوابت جسے شریعت میں کرسی کہتے ہیں۔ پھر فلک اعظم یعنی عرش۔ ان میں مختلف اور رنگ برنگے تارے کہ پہلے آسمان پر چاند دوسرے پر عطارد تیسرے پر زہرہ چوتھے پر سورج وغیرہ۔ سات آسمانوں پر ایک ایک تارا اور آٹھویں پر سارے تارے۔ نواں بالکل خالی پھر ان تاروں کی روشنی اور رنگ مختلف کہ زہرہ سفید۔ زحل مائل بہ سیاہ مشتری سنہرا۔ مریخ سرخ۔ عطارد پیلا چاند سفید مگر اس میں سیاہی سورج بالکل صاف۔ اسی طرح ان آسمانوں کی حرکتیں مختلف۔ فلک اعظم یعنی عرش کی حرکت مشرق سے مغرب کی طرف باقی کی مغرب سے مشرق پھر عرش کی حرکت اتنی تیز کہ ایک دن میں پورا دورہ کر جائے آٹھویں آسمان کی اپنی

www.alahazratnetwork.org

رفتار اتنی سست کہ 36 ہزار سال میں دورہ پورا کر سکے۔ پہلا آسمان جس پر چاند ہے تقریباً ''اٹھائیس دن میں دورہ طے کر جائے اور چوتھا آسمان سورج والا 365 دن یعنی ایک سال میں آسمان زحل 30 سال میں اور آسمان مشتری بارہ سال اور آسمان مریخ دو سال ہیں۔ اس کی زیادہ تحقیق کے لئے علم ہیئت یا تفسیر کبیر کا مطالعہ کرو۔ ایسے ہی ہر آسمان علیحدہ علیحدہ فرشتوں کی قیام گاہ نیز ہر ایک میں کارخانہ قدرت نیا' نرالا اور ہر ایک کے ساتھ خاص انبیاء اور اولیاء کو تعلق۔ حدیث معراج میں سنا ہو گا کہ مختلف آسمانوں پر مختلف پیغمبروں سے حضور نے ملاقات کی غرضیکہ ان حرکتوں کا اختلاف تاروں کا رنگ پر لگا ہونا مختلف تاثیروں کا ظہور قدرت رب غفور ہے اگر یہ چیزیں خود بخود بنتیں تو یکساں ہوتیں۔ اسی طرح زمین کہ قدرت نے اس کا کچھ حصہ پانی سے باہر رکھا اور بہت سا سمندر کے نیچے اس اوپری حصہ کو جانوروں اور انسانوں کی قیام گاہ بنایا۔ مگر اس کے مختلف حصوں میں مختلف تاثیریں دیں کہیں بکثرت پھلوں کی پیداوار کہیں سبزہ زار کہیں آبادیاں کہیں جنگل کہیں دریا اور نہریں کہیں سونے چاندی کی کانیں' کہیں پہاڑ کہیں غار کہیں بالکل کھاری زمین مخلوق کی پلیدیں اور ظلم برداشت کرے' شاہ و گدا کو روٹی دیتی ہے کسی پر احسان نہیں کرتی۔ اسی سے آدم علیہ السلام کی پیدائش یہیں ان کی اولاد کا قیام اسی پر بندوں کی سجدہ گاہ کسی جگہ مدفن حضرت حبیب خدا۔ غرضیکہ ایک زمین اور اس میں صدہا خاصیتیں اور تاثیریں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے تمام زمین بظاہر یکساں ہے مگر اپنی قابلیت میں مختلف پنجاب کی زمین ہر قسم کے پھل پھول اگا سکتی ہے کشمیر کی زمین دوسرے قسم کے پھل پھول' پنجاب میں زعفران نہیں پیدا ہوتا کشمیر میں آم نہیں ہوتے۔ اسی طرح بعض زمینوں میں تیل کے چشمے ہیں تو بعض میں سونے چاندی کی کانیں۔ اسی طرح انسان ہے کہ سارے انسان شکل و شباہت میں یکساں نظر آتے ہیں مگر اندرونی جوہر میں مختلف ہیں۔ صدیق و زندیق کو یکساں نہ سمجھو جب دو قسم کی زمین یکساں نہیں تو مومن و کافر نبی و غیر نبی یکساں کیسے ہو سکتے ہیں **قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون**۔ رات و دن۔ ان کا آپس میں ذاتی اختلاف کہ رات تاریک' دن نورانی' رات سیاہ' دن سفید' رات سرد دن گرم دونوں ایک دوسرے کے دشمن مگر پھر ان میں ایسا اتفاق کہ کبھی رات اپنا ایک حصہ دن کو بخش دے اور خود گھٹ کر اسے بڑھاوے کبھی اس کے عوض دن اپنا کچھ حصہ رات کو عطا کر کے اسے بڑھا کر خود گھٹ جائے۔ پھر کہیں چھ ماہ دن اور چھ مہینے رات اور کہیں کئی کئی روز آفتاب ندارد۔ دونوں آپس میں ایک دوسرے کے مخالف مگر دونوں مل کر خلق خدا کے خدمت گار۔ رات سب کو سلا کر موت کا نمونہ قائم کرے۔ دن سب کو جگا کر زندگی بعد موت کا مزہ چکھائے یہ تمام باتیں بغیر قادر حکیم کے ناممکن۔ کشتی کا دریا میں تیرنا۔ یہ بھی ایک عجیب سی چیز ہے پانی ہلکی سی چیز کو بھی نہیں اٹھاتا۔ یہ یا لوہے کا ٹکڑا اس میں نہیں ٹھہرتا۔ مگر ہزارہا من کا جہاز صدہا من سامان لے کر تنکے کی طرح تیرتا پھرتا ہے پھر قدرت نے زمین کے ہر حصہ میں مختلف میوے پیدا کئے تاکہ ان کے منتقل کرنے میں دریائی سفر کی ضرورت پڑے کہ ہندوستان سے عرب کو غلہ جائے اور وہاں سے کھجوریں آئیں۔ پھر دریا بعض میٹھے بعض کھاری ان کو ایک دوسرے سے ایسا علیحدہ رکھا کہ کوئی کسی میں مل نہ سکے یہ تمام باتیں اس کی قدرت کی گواہی دے رہی ہیں۔ اسی طرح بارش۔ کہ پانی کا خزانہ یعنی سمندر زمین پر ہے مگر اسے ہوا بنا کر اوپر اڑایا۔ پھر وہاں سے پانی بنا کر نیچے پھینکا اور تلخی وغیرہ دور کر کے اسے پینے اور کھیت کو سیراب کرنے کے قابل بنایا۔ اس پر جانداروں کی زندگی موقوف رکھی۔ اسی کو برف بنا کر پہاڑوں پر گرایا اور گرمی کے موسم میں اسے پگھلا کر دریا بہائے۔ بعض وہ جگہ بھی ہیں جہاں بارش کا پانی ہی پیا جاتا ہے یہ اس کی قدرت ہی تو ہے۔ پھر اسی طرح زمین کی زندگی یہ بھی عجیب سی چیز ہے۔ خدا کی شان تو

www.alahazratnetwork.org

دیکھو کہ خشک زمین یکساں معلوم ہوتی ہے۔ جگہ جگہ گرد و غبار اڑ رہا ہے پانی پڑتے ہی اس زمین میں ہزارہا قسم کے بیل بوٹے صدہا پھول پھل مختلف میوے پیدا ہو جاتے ہیں۔ ایک ہی زمین اور ایک ہی پانی مگر اس کی مختلف تاثیریں۔ پھر ایک ہی درخت میں لکڑی پتے کانٹے پھول پھل وغیرہ۔ غرضیکہ صدہا چیزیں اور کچھ دنوں بعد یہ سب فنا یہ اس کی قدرت ہی ہے۔ ایسے ہی جانوروں کا پھیلاوا یہ بھی صدہا قدرتیں دکھا رہا ہے۔ تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی نے عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ مجھے شطرنج سے بہت تعجب ہے کہ گز بھر کپڑے کے ٹکڑے پر اگر کوئی دس لاکھ بار شطرنج کھیلے تو ہر بار جداگانہ ہی (کھیل) چال ہو گی۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر حیرت ناک انسان کا چہرہ ہے کہ ایک بالشت ٹکڑے میں قدرت نے آنکھ' ناک' کان وغیرہ بنا ڈالے اور کروڑوں آدمی ایک دوسرے کے ہم شکل نہیں۔ سیدنا علی فرماتے ہیں کہ پاک ہے وہ۔ جس نے چربی میں دیکھنے کی ہڈی میں سننے کی اور گوشت میں بولنے کی طاقت دی (کیسا شان) تو دیکھو کہ ہاتھی اور چیونٹی میں اعضاء قریبا" برابر ہیں بارش سے مٹی کو دانہ بنایا اسے آٹا بنا کر خون بنایا رحم میں پہنچا کر صدہا چکر دیکر انسان کیا۔ حیض کا خون پلا کر پیٹ کے جیل خانہ میں رکھا۔ پھر باہر نکال کر اس کی پرورش کی اسے تخت و تاج کا مالک بنایا۔ تمام جگہ اس کے ڈنکے بجوائے۔ انتہائی عروج دے کر پھر آن کی آن میں جہاں سے بھیجا تھا وہیں لاڈالا یعنی مٹی بنا کر ہوا میں اڑا دیا اور رب جانے کہ اس نے اس بارش سے کتنی مخلوق پیدا کی۔ ایک ہی ماں کے پیٹ کے چند بچے جن میں کوئی گورا کوئی کالا کوئی بدنصیب کوئی نصیبہ ور کسی کا مزاج بلغمی کسی کا صفراوی کوئی تیز زبان کوئی گونگا غرضیکہ ماں باپ ایک اولاد رنگ برنگی یہ اس کی قدرت ہی ہے۔ اسی طرح ہواؤں کا انقلاب۔ ایک ہی ہوا مگر تاثیریں مختلف۔ پچھوا زمین وغیرہ کو خشک کرے۔ پروائی تر۔ شمالی بادل جمع کرے جنوبی انہیں پھاڑے۔ اسی سے زندے سانس لے کر جئیں۔ یہ ہی لقوہ اور فالج بن کر انہیں ہلاک کرے۔ اسی سے کشتیاں دریا میں تیریں۔ یہ ہی تیز چل کر انہیں تباہ کر دے ماں کے پیٹ میں بہت سے پردوں کے اندر بھی بچے تک پہنچ جاتی ہے مگر باہر آکر ناک پر کپڑا رکھ دیا جائے تو بچہ مر جاتا ہے اسے پلٹا کھاتے دیر نہیں لگتی یہ بھی رب کی قدرت ہی ہے۔ ہوا اثر لینے اور دینے میں بے مثل ہے گلشن سے گزرے تو مہک جائے اور دور تک کو مہکا دے غلاظت پر گزرے تو گندی ہو جائے اور دور تک کے لوگوں کو پریشان کر دے درخت چنار وغیرہ سے لگ کر بیماروں کو شفا بخش دے۔ سانپ وغیرہ زہریلے جانوروں کے منہ سے لگ کر آئے تو ہلاک کر دے ایسے ہی آیات قرآنیہ یا دعا وغیرہ پڑھ کر بیمار پر دم کرو تو شفا ہو جاوے کیونکہ یہ ہوا اس زبان سے لگ کر آئی جس سے قرآن پڑھا گیا۔ حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت جبریل کی پھونک یعنی سانس سے ہوا قیامت بھی نفخ صور یعنی حضرت اسرافیل کی سانس سے ہی قائم ہو گی غرضیکہ کہیں کی ہوا وبا ہے کہیں کی ہوا شفا اسی طرح بادل کہ کروڑوں من وزنی پانی بادل کی شکل میں آسمان زمین کے درمیان لٹکا رہتا ہے نہ تو کسی زنجیر میں معلق ہے اور نہ کسی میز پر رکھا ہوا ہے۔ پھر اسی بادل سے بہت پانی گر کر بربادی بھی ہو جاتی ہے اور معمولی برس کر آبادی بھی اسی بادل سے بجلی گرج' قوس' قزح اولا" معمولی بارش پھر تیز بارش غرضیکہ صدہا چیزیں ظاہر ہوتی ہیں کبھی آکر بغیر برسے ہوئے واپس جاتا ہے اور کبھی برس کر پھر اتنا وزنی بادل ہوا میں روئی کے گالے کی طرح اڑتا پھرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قدرتی ہاتھ اس کے پیچھے کام کر رہا ہے اسی لئے قرآن کریم نے فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک میں قدرت کی ہزارہا نشانیاں ہیں مگر کس کے لئے اس کے لئے جس کے سر میں دماغ اور دماغ میں عقل ہے۔ شعر:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

www.alahazratnetwork.org

بادل کے متعلق فلاسفہ نے جو قواعد مقرر کئے وہ سب ٹوٹ جاتے ہیں ان کے ہاں آفتاب کی گرمی سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر چڑھتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ بہت دفعہ جون جولائی کی سخت گرمی میں بھی بادل نہیں ہوتا اور بہت دفعہ دسمبر جنوری کی سردی میں بادل بن جاتا ہے جبکہ آفتاب کی شعاعیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں۔ پھر بتاؤ کہ بادل تو پانی کی بھاپ ہے اس میں بجلی جو خالص آگ ہے کہاں سے پیدا ہوئی یہ آگ و پانی کا اجتماع کیسا ہے جو بجلی گرتی ہے یہ کیا چیز ہے یہ آگ کا گولہ بھاپ میں کیسے محفوظ رکھا گیا۔ پھر بھاپ میں گرج کی آواز کہاں کہاں سے پیدا ہوئی آخر کار کہنا پڑتا ہے کہ رب کی باتیں رب ہی جانے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جغرافیہ اور علم ہیئت و فلسفہ مبارک علم ہیں بشرطیکہ قدرت الٰہی معلوم کرنے کے لئے حاصل کئے جائیں اور فلاسفہ کی بے دینیوں سے صاف ہوں کیونکہ ان علوم سے آسمان و زمین کے حالات کا پتہ لگتا ہے جس سے رب کی قدرت معلوم ہوتی ہے دوسرا فائدہ: کشتی کی سواری دریا کی سیر اور تجارتی سامان کا جہازوں سے منتقل کرنا جائز ہے۔ کیونکہ رب نے اسے دلیل قدرت بنایا (تفسیر کبیر) تیسرا فائدہ: عقائد میں تقلید جائز نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات کے لئے نشانیاں قائم فرمائیں اور سب کو ان میں غور کرنے کا حکم دیا۔ چوتھا فائدہ: علوم عقائد بالکل ظاہر نہیں اور نہ ہر ایک کو الہام سے حاصل ہوں۔ بلکہ ان میں کچھ غور و فکر کی ضرورت ہے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ ان چیزوں میں قدرتی نشانیاں تو ہیں مگر ان کے لئے جن میں عقل ہو اور وہ عقل سے کام لیں۔ پانچواں فائدہ: اگرچہ عالم کی ہر چیز رب کی نشانی ہے مگر یہ آٹھ چیزیں نشانیاں بھی ہیں اور نعمتیں بھی۔ اسی لئے مخلوق کو انہیں پر توجہ دلائی گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ خشک دلائل سے تر اور لذیذ دلائل زیادہ کار آمد ہیں۔ چھٹا فائدہ: درستی حواس اور سلامتی عقل تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہیں۔ کیونکہ ان کی برکت سے ہر دنیوی چیز دین بن سکتی ہے۔ اسی لئے آخر میں عقل کا ذکر فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش آسمان سے آتی ہے یہ تو غلط ہے بارش سمندر سے ہوتی ہے اور سمندر زمین پر ہے۔ جواب: اس کا جواب پہلے پارہ میں دیا جا چکا ہے کہ من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے آتی ہے یا آسمان کے سبب سے کہ سمندر کا پانی سورج کی گرمی سے بھاپ بن کر اوپر چڑھتا ہے پھر اوپر کی سردی پا کر بھاپ جم کر بادل بن جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ بارش وغیرہ کا سارا انتظام آسمانی احکام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم اس پر بھی قادر تھے کہ سمندر کا پانی ہر جگہ نیچے نیچے ہی پہنچا دیتے مگر اس صورت میں درختوں کو غسل نہ ہوتا صرف جڑیں بھیگتیں اس لئے اوپر چڑھا کر برسایا پانی نیچے کا ہے برستا اوپر سے ہے۔ دوسرا اعتراض: ان نشانیوں سے خالق کی ہستی کا تو پتہ لگتا ہے مگر توحید نہیں معلوم ہوتی۔ مشرکین کہہ سکتے ہیں کہ چند خالقوں نے یہ کام کئے بلکہ یہ ہی ان کا عقیدہ ہے۔ ان کے مقابلہ میں یہ چیزیں پیش کرنا بے کار ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک تو بالکل ظاہر دوسرا باریک مگر نہایت نفیس۔ ظاہری جواب تو وہی بڑھیا کا چرخہ ہے جو بیان تعلق میں ذکر کیا گیا کہ جب دو بادشاہوں سے ایک ملک بلکہ دو مستقل حاکموں سے ایک ضلع بلکہ دو چلانے والوں سے ایک چرخہ درست نہیں رہ سکتا تو دو خداؤں سے عالم بھی نہیں سنبھل سکتا۔ ضروری ہے کہ چھوٹے خدام کی باگ ڈور ایک مستقل حاکم کے ہاتھ میں ہو کثرت کی انتہا وحدت پر ضروری ہے۔ دوسرا تحقیقی جواب یہ ہے کہ اگر خدا دو ہوں تو سوال یہ ہے کہ دونوں مل کر ایک کام کریں گے اور ان میں سے ہر ایک اکیلا کچھ بھی نہ کر سکے گا یا ہر ایک اکیلا ہی سب پر قادر ہوگا۔ پہلی

www.alahazratnetwork.org

صورت میں تو ان میں سے کوئی خدا نہ رہا کیونکہ مجبور ہوا۔ دوسری صورت میں ایک کافی دوسرا بے کار نیز دوسرا خدا پہلے کی مخالفت پر قادر ہو گایا نہیں۔ اگر نہیں تو مجبور اور ہے تو اس کا چاہا ہو گایا نہیں اگر نہ ہوا تو مجبور رہا اور اگر ہو گیا تو ضدین کا اجتماع اور جہان کا فساد لازم آیا۔ مثلاً "ایک نے چاہا کہ اب دن ہو جائے تو دوسرا اس وقت رات کو چاہ سکتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں چاہ سکتا تو مجبور۔ اور اگر چاہ سکتا ہے تو اس کے چاہنے پر اس وقت رات ہوگی یا نہیں اگر نہ ہوئی تو وہ مجبور ہوا کہ اس کی نہ چلی اور اگر ہو گئی تو بیک وقت دن رات جمع ہوئے لہٰذا رب ایک ہی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں عقلمندوں کے لئے نشانیاں ہیں۔ بے وقوفوں کے لئے نہیں تو چاہئے کہ بے وقوف شرک سے گنہگار بھی نہ ہوں کیونکہ ان کے لئے کوئی نشان توحید تھا ہی نہیں۔ **جواب:** اتنی عقل تو تقریباً" سب میں ہے مگر بعض لوگ اس سے کام نہیں لیتے وہ اس کے مجرم ہیں اور جو عقل سے محروم ہیں جیسے دیوانے اور بچے ان کو سب کچھ معاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ : روح اور دل و عقل مختلف آسمان ہیں اور نور معرفت اور ظلمت حجاب رات دن کا اختلاف ہے۔ بدن خاص کشتی ہے۔ جسم مطلق دریا ہے۔ جسمانی اعمال وہ تجارتی مال ہے جو اس کشتی کے ذریعہ منتقل ہوتا ہے۔ آسمان روح سے رب نے علم کا پانی برسایا جس سے زمین نفس زندہ ہوئی جو جہالت کی خشک سالی میں مر چکی تھی۔ پھر اس زمین میں مختلف حیوانی قوتوں کے جانور پھیلائے۔ خدائی کلام مختلف ہوائیں ہیں اور روح و نفس کے درمیان ربانی تجلیاں مسخر بادل ہیں ان سب چیزوں میں دلائل قدرت موجود مگر اس کے لئے عقل ضروری ہے جو نور شریعت اور طریقت سے منور اور وہم سے خالی ہو (از ابن عربی)

دوسری تفسیر : انسان آیت الٰہی کا مظہر ہے اور رب کے جمال کا آئینہ ان میں انبیاء خصوصاً" سید الانبیاء مثل آسمان کے ہیں اور عام لوگ فیض لینے والی زمین۔ ہدایت و گمراہی دن و رات ہیں۔ اس آسمان نبوت سے بارش برسی جس سے طریقت کا دریا بہا۔ اس دریا کو شریعت کی کشتی سے اعمال صالح کے ساتھ طے کرو پھر وقتاً" فوقتاً" اسی سمندر نبوت سے اولیاء علماء مثل بادل کے پیدا ہو کر امتوں پر علم کا پانی برساتے ہیں۔ جس سے قسم قسم کے اعمال صالح دنیا میں پھیل جاتے ہیں پھر ان اعمال پر ریا اور اخلاص وغیرہ کی مخالف اور موافق مختلف ہوائیں چلتی ہیں۔ مسلمانو! ان چیزوں کو دیکھ کر رب کو پہچانو۔ انبیاء کرام کو آسمان فرمانے اور عام لوگوں کو زمین فرمانے میں اس جانب اشارات ہیں کہ زمین کا کام ہے لینا آسمانوں کا کام ہے دینا ایسے ہی انبیاء خصوصاً" سید الانبیاء دینے آئے۔ ہم ان سے لینے۔ آسمان' زمین کو بارش' نور' فصلیں' موسم' پیداوار ہر طرح کے پھل پھول دیتا ہے کہ یہ سب کچھ بارش اور دھوپ اور چاندنی سے بنتی ہیں۔ ایسے ہی حضور انور ہم کو ایمان' عرفان' تقویٰ وغیرہ سب دیتے ہیں پھر زمین کسی حالت میں آسمان کی مثل نہیں ہو سکتی اسی طرح کوئی مسلمان حضور کی مثل نہیں ہو سکتا۔ پھر کیسی ہی اعلیٰ زمین ہو مگر آسمان سے کسی وقت بے نیاز نہیں ہو سکتی ایسے ہی انسان کسی درجہ پر پہنچ کر حضور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ پھر آسمان لاکھوں کوس سے زمین کو سب کچھ بخش دیتا ہے ایسے ہی حضور انور مدینہ منورہ سے ہر جگہ فیض پہنچاتے ہیں پھر لینے والی زمین کے طبقے مختلف ہیں۔ جن کو ایک سورج مختلف فیض پہنچاتا ہے۔ ایسے ہی حضور انور مختلف انسانوں کو مختلف فیض دیتے ہیں۔ پھر جیسے آسمان زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ ایسی ہی حضور انور کی نبوت تمام انسانوں کو گھیرے ہوئے ہے کہ کوئی حضور کی نبوت سے خارج نہیں ہے۔ **لیکون للعلمین نذیرا** - صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں قوموں اور افراد پر دو جہ اقبال و زوال کی ہوائیں آتی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ایک قوم ہے ایک مجلس پر آج اقبال کی ہوا چل رہی ہے کل ادبار بادلوں کی ہوا اس تبدیلی سے معلوم ہوتا ہے کہ ہم سب ہوائی پتنگ ہیں۔ ڈوری کسی اور ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مبارک وہ ہے جو ہواؤں سے نہ بدلے بلکہ ہواؤں کو بدلے اور ہر حال میں خالق کے آستانہ پر رہے۔ یوسف علیہ السلام کبھی کنوئیں میں ہیں کبھی جیل میں کبھی تخت حکومت پر مگر ہر حال میں رب کے آستانہ پر ہیں یہ ہے **وتصریف الریاح**۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ

اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو بناتے ہیں سوائے اللہ کے شریکوں کو محبت کرتے ہیں ان سے مثل محبت اللہ کے

اور کچھ لوگ اللہ کے سوا اور معبود بنالیتے ہیں کہ انہیں اللہ کی طرح محبوب رکھتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ

اور وہ جو کہ ایمان لائے زیادہ سخت ہیں محبت میں واسطے اللہ کے اور اگر دیکھیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا جب دیکھیں گے

اور ایمان والوں کو اللہ کے برابر کسی کی محبت نہیں اور کیسے ہو اگر دیکھیں ظالم وہ وقت جبکہ

اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

عذاب کو یہ کہ طاقت واسطے اللہ کے ہے سب اور تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے

عذاب ان کی آنکھوں کے سامنے آئے گا اس لئے کہ سارا زور خدا کو ہے اور اس لئے کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں دلائل توحید بیان ہوئے اب مشرکین کی غلطی اور ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** اہل عقل کو بات کافی ہوتی ہے اور بے عقل کو لات۔ پچھلی آیت میں عقل والوں کے لئے سمجھانے کی باتیں بیان ہوئیں اور اس آیت میں بے عقلوں کے انتظام کے لئے عذاب کا ذکر ہوا تاکہ وہ ڈر کر ایمان لائیں۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں نشانات کے ذریعہ توحید کی خوبی بیان ہوئی۔ اب شرک کی برائی بتا کر اسی توحید کی خوبی ظاہر کی گئی کیونکہ ضد کی برائی سے چیز کی بھلائی کا پتہ لگتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ دنیا کی چیزیں عقلمندوں کے لئے معرفت الٰہی کا ذریعہ ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بے وقوفوں کے لئے نقصان دہ ہیں کہ وہ انہیں کو معبود سمجھ بیٹھے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب نے مخلوق کے ذریعہ اپنا پتہ اور نشان بتایا کہ ہم کو ان میں دیکھو۔ اب بلا واسطہ اپنی جلوہ گری کا ذکر ہے یعنی وہاں حجاب میں رہ کر گفتگو تھی یہاں بلا حجاب۔

تفسیر: **ومن الناس من یتخذ۔** ناس انسان کا اسم جمع ہے۔ یہاں ناس فرمانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ انسان بہت

www.alahazratnetwork.org

بھولنے والا ہے (ناس بھولنے والا) کہ اپنے پرانے عہد کو بھولا اور دلائل قدرت کے سمجھنے میں غلطی کر گیا۔ **من** تبعیضیہ ہے یہ بتایا کہ سب کا یہ حال نہیں۔ جو نور نبوت سے دور رہے وہ رب سے مجور قرآن کریم میں لفظ ناس کبھی تمام انسانوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ جس میں انبیاء اولیاء مومن وغیرہم سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے **قل اعوذ برب الناس** اور کبھی صرف کافروں کے لئے جیسے **من الجنۃ والناس** یہاں صرف کفار کے لئے فرمایا گیا۔ جیسے اگلے مضمون سے واضح ہے چونکہ سارے کافر مشرک نہ تھے بعض دہریئے بھی تھے اور بعض توحیدیئے بھی یعنی نبوت کے منکر اس لئے **من الناس** ارشاد ہوا۔ **یتخذ** اتخاذ سے بنا۔ جس کے معنی بنانا بھی ہیں اور اختیار کرنا بھی۔ بنانے کے معنی میں دو مفعول چاہتا ہے اور اختیار کے معنی میں ایک ہی مفعول۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ یعنی انسانوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اختیار کرتے ہیں یا بناتے ہیں محض اپنی عقل سے چند معبود۔ خیال رہے کہ عقل نبوت کی روشنی میں ایمان بناتی ہے مگر اس سے علیحدہ ہو کر کفر و شرک ہی بناتی ہے۔ پہلی عقل رحمانی ہے۔ دوسری عقل شیطانی۔ خود ابلیس پاگل نہ تھا عاقل تھا مگر عقل سے کفر بنا سکا۔ علم عمل بلکہ اعضاء کی قوتوں کا بھی یہ ہی حال ہے کہ نبوت کے سایہ میں رہیں تو اچھی چیزیں بنائیں گے ورنہ خراب۔ شعر

عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں ز دل از اوشد شیطانی است

من دون اللہ اندادا من یا ابتدائیہ ہے اور یتخذ کا متعلق یا اس کی ضمیر کا حال یا اس کا مفعول اول (روح البیان و روح المعانی) دون اگرچہ ظرف کے لئے وضع ہوا لیکن یہاں غیر کے معنی میں ہے۔ عربی میں غیر۔ سواء۔ الا۔ دون تقریباً ہم معنی ہیں مگر دون اس کٹے ہوئے غیر کو کہتے ہیں جس کا تعلق نہ ہو۔ دون کے معنی قطع اکٹ جانا۔ جیسے کہ مفردات راغب میں ہے لہذا **من دون اللہ** کا اطلاق اللہ کے دوستوں پر نہیں ہوتا بلکہ اس کے دشمنوں پر ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ اور اولیاء **من دون اللہ** میں یہ ہی فرق ہے۔ بندہ اللہ سے کٹ کر کچھ بھی نہیں اور اللہ سے واصل ہو کر خدائی کام کا مظہر بن جاتا ہے۔ ڈبہ انجن سے کٹ کر اور بجلی کی فٹنگ پاور ہاؤس سے کٹ کر کچھ نہیں۔ ان سے وابستہ ہو کر سب کچھ ہے۔ انداد۔ ند کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں مثل۔ یہاں مضاف الیہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ کے مثل یا ان میں سے بعض بعض کی مثل۔ اس مثل سے یا تو بت مراد ہیں یا کفار کے سردار یعنی یہ کفار غیر خدا کو خدا کی مثل بنا بیٹھے یا انہوں نے چاند' سورج' درخت' جانور' انسانوں کو یکساں خدا مانا اور ان کی عبادت کی۔ مشرکین فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے اور اپنے بتوں کو اللہ کا بندہ مان کر اس کا ساجھی شریک کیونکہ ان کا عقیدہ تھا کہ اکیلا اللہ اتنا بڑا جہان نہیں سنبھال سکتا ہمارے بت خدائی چلانے میں اس کا ہاتھ بٹا رہے ہیں اس لئے انہیں شرکاء یا الہ کہتے تھے لہذا انداد اور اولیاء اللہ میں بڑا فرق ہے۔ **یحبونھم کحب اللہ** یہ انداد کا بیان ہے۔ **یحبون** حب سے بنا۔ جس کے معنی ہیں دانہ اور دل کے بیچ میں ایک سیاہ نقطہ ہوتا ہے جسے حبہ سوداء کہا جاتا ہے یعنی کالا دانہ۔ دلی میلان و محبت کو اس لئے حب کہتے ہیں کہ محبوب کا اثر اس قلبی دانہ میں ہو جاتا ہے۔ محبت جانی بھی ہوتی ہے روحانی بھی' جسمانی بھی' احسانی بھی اور ایمانی بھی طغیانی بھی۔ پھر جسمانی محبت بہت قسم کی ہے۔ ماں باپ سے محبت اور قسم کی ہے بیوی بچوں سے اور قسم کی۔ یہاں بتوں سے ایمانی و روحانی محبت کرنا مراد ہے۔ بندوں کی اللہ سے محبت کا نتیجہ اس کی اطاعت اور اس کی فرمانبرداری ہے۔ رب کی محبت کا انجام بخشش اور عطائے انعام بلکہ بقائے دائمی اور اسے نیکیوں کی توفیق دینا اور گناہوں سے بچاتا ہے۔ جیسے کہ دانہ زمین میں جا کر

www.alahazratnetwork.org

عجب عجب آثار دکھاتا ہے- ایسے ہی محبت دل میں جاگزیں ہو کر عجب تماشا دکھاتی ہے- حب اللہ میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور فاعل ضمیر ہے جو یا تو کفار کی طرف لوٹتی ہے یا اہل ایمان کی جانب یعنی یہ کفار بتوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے کہ کچھ عبادت اللہ کی کرتے ہیں کچھ ان کی- کچھ رب سے امید و خوف رکھتے ہیں کچھ ان سب سے یا یہ کفار بتوں سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسے مسلمان اللہ سے کہ مسلمان سارے کام اللہ کے لئے کرتے ہیں اور یہ ہر چیز میں بتوں کا دم بھرتے ہیں مگر یہ سب ظاہری باتیں ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ **والذین امنوا اشد حبا للہ** مسلمان اللہ سے بہت محبت کرتے ہیں کہ ان کے مقابل کفار کی بتوں سے محبت عشر عشیر بھی نہیں- مسلمان ہر رنج و راحت میں طالب مولیٰ- یہ راحت میں تو بتوں کے پجاری اور مصیبت میں انہیں پھینک کر رب کی طرف متوجہ- نیز مسلمان اللہ سے اللہ کے لئے ہی محبت کرتا ہے اور کافر اپنے نفس کے لئے لہذا مسلمان بے غرض ہے اور کافر خود غرض- یہ محبت انہیں عذاب کی طرف لے جائے گی- **ولو یری الذین ظلموا**' **یری** رای سے بنا جس کے معنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہیں اور دل سے جاننا بھی- دیکھنے کے معنی میں ایک مفعول چاہتا ہے اور جاننے کے معنی میں دو- یہاں دونوں صحیح ہیں اور لو کا جواب پوشیدہ ہے- یعنی کیسی مصیبت ہو اگر یہ ظالم دیکھ لیں یا جان لیں- **اذ یرون العذاب** اذ ظرف کے لئے وضع ہوا اگر یہاں **یری** کا مفعول اول ہے اور **یرون** اذ کا مضاف الیہ بمعنی دیکھنا یعنی اس وقت کو جانیں جب یہ عذاب دیکھیں گے- (روز قیامت) **ان القوۃ للہ جمیعا** اگر یری دیکھنے کے معنی میں ہو تو یہ جملہ علت ہے اور اگر جاننے کے معنی میں ہو تو یہ جملہ اس کے دو مفعولوں کے قائم مقام- معنی یہ ہوئے کہ اگر یہ ظالم عذاب کے وقت کو دیکھیں تو کیسی مصیبت آئے- کیونکہ تمام طاقت اللہ کی ہے اس کے عذاب کو کوئی دفع نہیں کر سکتا یا اگر یہ ظالم جان لیں اس وقت کو بھی جبکہ عذاب دیکھیں گے اور یہ بھی جانیں کہ ساری قوت اللہ کی ہے تو کبھی شرک نہ کریں شرک کی وجہ ہی یہ ہے کہ انہیں خدا کی قوت کی خبر نہیں **وان اللہ شدید العذاب** یہ پہلے ان پر معطوف ہے اور یری کا مفعول یا اس کی علت یعنی اور اگر یہ جان لیں کہ اللہ سخت عذاب والا ہے تو کبھی شرک نہ کریں- عذاب عذب سے بنا- جس کے معنی ہیں میٹھا پانی جیسے کہ میٹھا پانی پیاس کو روکتا ہے- ایسے ہی عذاب الٰہی گناہوں سے باز رکھتا ہے-

خلاصہ تفسیر : عقلمند لوگ عالم کی چیزوں کو دیکھ کر خالق کا پتہ لگا لیتے ہیں مگر بے وقوفوں کے لئے خود یہ چیزیں ہی حجاب بن جاتی ہیں جن میں وہ پھنس کر خالق تک نہیں پہنچ سکتے- عالم ان کے لئے کانٹے والا جنگل ہے- جس میں الجھ کر منزل مقصود سے رہ گئے- چنانچہ لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو ان ماسوا اللہ کو اللہ کا مثل مان بیٹھے کہ ان کو خلق اور ملک میں خدا کی طرح سمجھ لیا اور ان سے اسی قسم کی اور اتنی ہی محبت و اطاعت کرنے لگے- جتنی اللہ سے کرتے ہیں کہ بعض کام رب کے لئے کریں- بعض ان کے لئے- رب سے بھی خوف و امید کرتے ہیں اور ان سے بھی رب سے بھی مرادیں مانگتے ہیں اور ان سے بھی مگر کچھ بھی ہو جتنی محبت اللہ سے مسلمانوں کو ہے- اتنی کسی کو نہیں- چند وجہ سے ایک یہ کہ کفار کی نظر چند شرکاء پر مسلمانوں کی نظر صرف ایک اللہ پر اور دو کی محبت سے ایک کی محبت زیادہ قوی ہے- دوسرے یہ کہ کفار کی محبت نفسانی خواہشات کے لئے مسلمانوں کی محبت صرف اللہ کے لئے کفار تو رب کو اس لئے مانیں کہ وہ ہمارے کام آتا ہے- مسلمان کام کاج' دوست احباب اولاد و ماں باپ بلکہ اپنی جان سے بھی اسی لئے محبت کرتا ہے کہ رب کا حکم ہے- اسی لئے بوقت ضرورت اپنا سب کچھ اس کے راہ میں قربان کر

www.alahazratnetwork.org

ڈالتا ہے۔ تیسرے یہ کہ کفار مصیبت میں بتوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور مسلمان ہر حال میں اس کا ہو کر رہتا ہے۔ روح البیان نے فرمایا کہ بت پرست کچھ دن ایک پتھر پوجتے ہیں اور جب اس سے اچھا پتھر مل گیا تو پہلے کو حقیر جان کر پھینک دیتے ہیں اور دوسرے کو اختیار کر لیتے ہیں۔ بنی باھلہ نے غلہ کا بت بنایا تھا قحط سالی میں اسی کو پیس کر کھا گئے۔ اب بھی مشرکین آٹے اور کھانڈ کے بت بنا کر پہلے تو ان کی پوجا کرتے ہیں پھر بغیر ڈکار ہضم کر جاتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ کفار و مشرکین نے اپنی طرف سے رب کی محبت اپنے دل میں قائم کی مگر مومنوں کے دل میں اللہ کی محبت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے قائم کی حضور کی قائم کردہ محبت یقینی طور پر قوی ہے۔ خیال رہے کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں کے قاسم ہیں ایسے ہی محبت الٰہیہ جو کہ رب کی بڑی نعمت ہے۔ اس کے بھی قاسم ہیں۔ پانچویں یہ کہ کفار کی محبت الٰہی کی آگ غیر محفوظ ذرا سے جھونکے میں بجھ سکتی ہے مگر مومن کی محبت الٰہی کی آگ نبوت کی چمنی سے محفوظ ہے جسے کوئی تیز و تند ہوا کا جھونکا نہیں بجھا سکتا اس لئے مومن کی محبت الٰہی زیادہ قوی ہے۔ یہ سب حرکتیں اس لئے ہیں کہ نہ تو ان مشرکین کو عذاب قیامت کی خبر ہے نہ رب کی قدرت کی اور نہ اس کی کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور مسلمان ان سب باتوں سے بذریعہ نبی علیہ السلام خبردار اگر کفار بھی نور نبوت کے ذریعے یہ باتیں جان لیں تو کبھی شرک نہ کریں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: عالم کی کوئی چیز کسی طرح رب کی مثل نہیں۔ ذات و صفات یا افعال میں کسی کو اس کی طرح ماننا کفر اور بے دینی ہے جیسے کہ اندادا سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: غیر خدا سے خدا کی سی محبت کرنا جس کے ساتھ اس کی عبادت بھی ہو شرک ہے جیسا کہ کحب اللہ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: غیر خدا سے بھی محبت کرنا جائز جیسے کہ اشد حبا سے معلوم ہوا زیادتی محبت جب ہی معلوم ہوگی جب دوسروں سے ادنیٰ محبتیں بھی ہوں اگر کسی سے محبت کرنا جائز ہی نہ ہوتی تو محبت خدا کی زیادتی کیونکر معلوم ہوتی۔ **چوتھا فائدہ**: انسان بے خبر رہ کر ہی کفر و شرک اور بت پرستی کر سکتا ہے۔ رب کی خبر رکھنے والا ان سب سے بے خبر ہو جاتا ہے جیسا کہ ولو یری سے کھلا۔

پہلا اعتراض : تم بھی مشرکوں کی طرح نبیوں ولیوں اور پیروں سے محبت کرتے ہو اور انہیں حاجت روا جانتے ہو لہٰذا تم میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ (دیوبندی)۔ **جواب**: ہم ان حضرات سے رب کی سی محبت نہیں کرتے۔ رب سے خالق ہونے کی محبت کرتے ہیں اور ان سے وسیلہ خالق ہونے کی محبت اور ہم انہیں ایسا ہی حاجت روا جانتے ہیں جیسا کہ دیوبندی مالداروں کو اپنا حاجت روا ان کے پیسہ کو اپنا مشکل کشا ڈاکٹروں اور طبیبوں کو دافع بلا سمجھتے ہیں اس کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے۔ **دوسرا اعتراض**: ہم اپنے ماں باپ اور اہل قرابت سے بھی محبت کرتے ہیں تو اگر غیر خدا سے محبت کرنا شرک ہے تو اب مسلمان کون رہا؟ **جواب**: جیسی محبت کہ اللہ سے رکھنی چاہئے وہ مخلوق سے رکھنی شرک ہے۔ دیگر قسم کی محبتیں دوسروں سے بھی جائز۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ محبت پانچ قسم کی ہے۔ ایک وہ جو ایمان کا دارومدار ہے وہ تو اللہ و رسول کی محبت ہے قرآن کریم نے فرمایا کہ اگر تم میری محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میرے رسول کی اطاعت کرو اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں جب تک کہ میں اسے اس کے ماں باپ و اولاد سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں نیز حدیث شریف میں صحابہ کرام اور اہل بیت عظام کی محبت کا حکم دیا گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ کے متعلق اللہ سے ڈرو میرے بعد انہیں

www.alahazratnetwork.org

اپنی طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بناؤ جس نے ان سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا اور فرمایا کہ جس کا میں دوست ہوں اس کے علی دوست ہیں غرضیکہ اللہ کی محبت کے لئے اس کے رسول کی محبت ضروری ہے اور رسول اللہ سے محبت کے لئے ان کے تمام صحابہ و اہل بیت سے محبت لازم یہ محبتیں داخل ایمان بلکہ عین ایمان ہیں دوسری محبت وہ جو باعث ثواب ہے جیسے اپنے والدین یا اہل قرابت یا نیک مسلمانوں سے اس لئے محبت کرنا کہ اس میں رب کی رضا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحیں مختلف قسم کی پیدا فرمائیں ہر روح کو اپنی ہم جنس روح سے الفت ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

نوریاں مر نوریاں را طالب اند ناریاں مرناریاں را جاذب اند

اگر کوئی جاننا چاہے کہ میں مومنوں میں سے ہوں یا کافروں میں سے تو وہ اپنے دل کے میلان کو دیکھے۔ جس جماعت کی طرف اس کا دلی میلان ہے اس جماعت سے ہے۔ غرضیکہ نیک بندوں سے محبت باعث ثواب ہے۔ تیسری وہ محبت جس پر نہ عذاب نہ ثواب جیسے عام دنیاوی محبتیں' چوتھی بیوی بچوں سے طبعی محبت جس میں رضا الٰہی کی نیت نہ ہو۔ پانچویں وہ محبت جو کفر ہے جیسے جھوٹے معبودوں کو خدا سمجھ کر ان سے محبت کرنا۔ یہاں پانچویں قسم کی محبت ہی کو کفر بتایا گیا اور الحمدللہ مسلمان اس قسم کی محبت سے محفوظ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بہت سے مسلمان بیوی بچوں یا نفسانی خواہشات کی خاطر گناہ کر لیتے ہیں ان کو بمقابلہ رب کے ان سے زیادہ محبت ہے کیونکہ وہ انہیں راضی کرنے کے لئے رب کو ناراض کر لیتے ہیں تو چاہئے کہ وہ مسلمان نہ رہیں۔ **جواب:** الحمدللہ ہر مسلمان کو رب ہی سے زیادہ محبت ہے ہاں کبھی حجاب غفلت کی وجہ سے اس کا ظہور نہیں ہوتا۔ اس کی آزمائش اعمال پر نہ کرو عقائد میں کرو۔ گنہگار عورتیں بھی اپنے اکلوتے پیارے بیٹے کو تھوک کر چھوڑ دیتی ہیں۔ جب دیکھتی ہیں کہ وہ آریہ یا عیسائی ہو گیا جو کوئی مرتد بیٹے کو بھی چاہے اور اس کی اس حرکت کو پسند کرے وہ خود بھی مرتد ہو گیا۔ رہے اعمال اس میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ دیکھو ہر شخص کو اپنی جان پیاری مگر کبھی طبیب بیمار کو پرہیز بتاتا ہے' بیمار جانتا بھی ہے کہ بد پرہیزی میں جان کو تکلیف ہوگی مگر پھر بھی نقصان دہ چیز کھا لیتا ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ اسے اپنی جان سے محبت نہیں۔ محبت ضرور ہے مگر یہ غفلت سے کیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں الناس سے مراد مسلمان ہیں اور **من دون اللہ** سے مراد پیر و فقیر ہیں۔ اندادسے مراد ان کو حاجت روا یا مشکل کشا جاننا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض مسلمان پیروں فقیروں نبیوں کو حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہیں۔ یہ پورے مشرک ہیں۔ **جواب:** یہ ترجمہ بھی غلط ہے اور تفسیر بھی محض باطل ہے تحریف ہے۔ تین وجہ سے ایک یہ کہ اس آیت میں مومنوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے **والذین امنوا** الخ۔ تو چاہئے کہ یہاں **الناس** سے مراد کفار ہوں تا کہ مقابلہ درست ہو۔ دوسرے یہ کہ آیت کے نزول کے وقت صحابہ کا زمانہ تھا۔ بتاؤ صحابہ میں پیر پرست قبر پرست مشرک کون تھے ان کی تفصیل بتاؤ۔ تیسرے یہ کہ اگر کسی کو حاجت روا مشکل کشا جاننا' مدد مانگنا شرک ہے تو حکام اور حکیموں' بادشاہوں سے مدد لینا بھی شرک ہو گا اور شرک سے کوئی نہ بچے گا۔

تفسیر صوفیانہ : جو چیز رب سے غافل کرے وہ انداد ہے کوئی بیوی بچوں کو پوجتا ہے کوئی باپ دادوں کو کوئی دوست احباب کو کوئی حکام اور بادشاہوں کو کوئی اپنی گائے بھینس اور روپیہ پیسہ کو کہ ہر وقت انہیں کی فکر میں لگا رہتا ہے اس کی محبت للہ نہیں

www.alahazratnetwork.org

بلکہ مع اللہ ہے۔ یہ محبوب ان کے معبود بن گئے مگر جو لوگ کہ جمال یار کی جھلک دیکھ کر مشاہدہ کا ایمان لائے وہ ہر چیز سے اللہ کے لئے ہی محبت کرتے ہیں۔ اللہ اور ماسوا اللہ کو اسی کے لئے چاہیں' بعض صوفیاء نے فرمایا کہ ہم خالق کو بھی چاہتے ہیں مخلوق کو بھی۔ مگر جب ان میں اختلاف ہو جائے تو مخلوق پر نظر بھی نہیں کرتے۔ ان کے نزدیک ہر شے کو جہت الہیت سے چاہو۔ اور جب اس میں یہ جہت نہ رہے تو چھوڑ دو۔ نیز کوئی تو کسی سے اپنے لئے محبت کرتا ہے اور کوئی اس چیز کے لئے اور کوئی اللہ کے لئے نیز کوئی نفس کے لئے محبت کرتا ہے کوئی قلب کے لئے اور کوئی روح کے لئے۔ پہلی محبتیں فانی اور آخری باقی۔ اگر رب کی محبت رب کے لئے ہے تو اس کی بھیجی ہوئی مصیبتوں پر بھی راضی رہو کہ وہ اس سے راضی ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

ارید وصاله و یرید هجری فاترک ما ارید لما یرید

یعنی وصال مجھے پیارا اور فراق میرے محبوب کو پیارا اللہ امیں اپنے پیارے کو اس کے پیارے پر قربان کرکے فراق ہی اختیار کرتا ہوں۔ اگر یہ تمام حجاب میں پھنسنے والے ظالمین اس حجاب کا عذاب دیکھیں اور یہ سمجھ لیں کہ قوت سب اللہ ہی کی ہے اور یہ تمام پیاری چیزیں آگ کی زنجیریں ہیں تو انہیں کبھی اختیار نہ کریں (ابن عربی)۔

دوسری تفسیر : ہر عارضی چیز کی انتہاء اصل پر ہے۔ دنیوی چیزوں سے عارضی محبت اور رب سے اصلی محبت چاہئے دیکھو ہم نوکری کرتے ہیں روپے کے لئے روپیہ کماتے ہیں۔ غذا و لباس کے لئے اور غذا و لباس اختیار کرتے ہیں۔ عیش و آرام کے لئے مگر عیش آرام کس لئے وہ کسی کے لئے نہیں بلکہ خود مقصود۔ اسی طرح بندہ اعمال کرتا ہے' عذاب سے بچنے کے لئے۔ عذاب سے بچتا ہے جنت کے لئے۔ جنت لیتا ہے حور و قصور کے لئے اور حور و قصور رب غفور کے لئے۔

حکایت : ابراہیم علیہ السلام کے پاس ملک الموت قبض روح کے لئے آئے تو آپ نے فرمایا کہ کیا کوئی دوست بھی دوست کو مارتا ہے۔ فوراً" وحی آئی کیا کوئی دوست بھی دوست کی ملاقات سے گھبراتا ہے۔ آپ نے چیخ کر فرمایا کہ اے ملک الموت جلدی جان نکالو۔

دوسری حکایت : عیسیٰ علیہ السلام نے ایک قوم کو دیکھا جن کے جسم دبلے اور رنگ پیلے تھے۔ پوچھا تمہارا یہ حال کیوں ہے؟ عرض کیا کہ آگ کے خوف سے آپ نے فرمایا اللہ تمہیں اس سے بچائے۔ دوسری جماعت پر گزرے جو ان سے زیادہ دبلی پتلی تھی۔ پوچھا تمہارا یہ حال کیوں ہوا۔ عرض کیا جنت کے شوق میں۔ فرمایا اللہ تمہیں عطا فرمائے۔ تیسری قوم پر گزرے جن کے چہرے چاند کی طرح چمک دمک رہے تھے۔ پوچھا تمہیں یہ درجہ کیوں ملا۔ عرض کیا رب کی محبت سے۔ فرمایا تم اس کے مقرب ہو۔ غرضیکہ عشق الٰہی عجیب شے ہے (تفسیر کبیر) اس جگہ روح البیان نے حضرت سعید ابن جبیر سے نقل فرمایا کہ قیامت کے دن کفار کو حکم ہو گا کہ تمہارے بت جہنم میں جا رہے ہیں تم بھی ان کے ساتھ جاؤ۔ وہ نہ جائیں گے۔ پھر مسلمانوں کو حکم ہو گا کہ تم میرے پیارے ہو تو اپنے کو دوزخ میں ڈالو۔ یہ فوراً" تیار ہو جائیں گے ان کو تو روک لیا جائے گا اور کفار کو جبراً" دوزخ میں ڈالا جاوے گا اور فرمایا جاوے گا کہ مسلمان اللہ کے بڑے پیارے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم ارواح میں سب کی روحیں اللہ کی ذات و صفات بلکہ عالم غیب کی ساری ایمانیات کو جانتی بھی پہچانتی بھی تھیں۔ دنیا میں آکر یہ روحیں چار جماعتیں بن گئیں یاد رکھنے والی روحیں جیسے اولیاء' یاد دلانے والی' جیسے حضرات انبیاء رب فرماتا ہے فذکر انما انت مذکر بھول

www.alahazratnetwork.org

جانے والی چیز جیسے تمام مومنین جو انبیاء کے یاد دلانے پر مان گئیں اور بھول رہنے والی روح میں جو اپنے آپ کو بھی بھول گئے اور رب کی ذات و صفات کو بھی اور بھولے بھی ایسے کہ نہ تو نبی کے یاد دلانے سے مانے اور نہ دنیاوی مصیبتیں و تبدیلیاں انہیں بیدار کر سکیں۔ انہوں نے جھوٹے خدا بنا لئے یعنی سچے خدا نے انہیں بنایا اور جھوٹے خداؤں کو انہوں نے بنایا یہ لوگ ہر غافل کرنے والی چیز سے محبت کرنے لگے جو چیز اللہ سے غافل کرے وہی انداد ہے یہاں ان ہی سے خطاب ہے غرضیکہ بھول جانے والے ناس ہیں اور یاد کرلینے والے الذین امنوا۔ عمل: اگر کسی سے جائز محبت کرنی ہو تو شکر پر یہ آیت کریمہ کحب اللہ تک گیارہ بار پڑھ کر دم کرکے وہ شکر مطلوب کو کھلا دے یا سرمہ پر دم کرکے طالب اپنی آنکھوں میں لگوائے تو ان شاء اللہ مطلوب اس کی طرف مائل ہوگا۔ اول آخر درود شریف 3'3 بار۔ ناجائز محبت پر فائدہ نہ ہوگا۔

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِیْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَ

جبکہ بیزار ہوجائیں گے وہ جو کہ پیروی کیے گئے اُن سے جنہوں نے پیروی کی اور دیکھیں گے وہ عذاب کو

جب بیزار ہوں گے پیشوا اپنے پیروؤں سے اور دیکھیں گے عذاب اور کٹ جائیں گی ان سب

تَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾ وَقَالَ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً

اور ٹوٹ جائیں گے ان کے اسباب۔ اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیروی کی کاش تحقیق ہوتا واسطے

کی ڈوریں۔ اور کہیں گے وہ جنہوں نے پیرو کاش ہمیں لوٹ کر جانا ہوتا

فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ یُرِیْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

ہمارے لوٹنا پس بیزار ہوتے ہم اُن سے جس طرح کہ بیزار ہوئے وہ ہم اسی طرح دکھائے گا

(دنیا میں) تو ہم ان سے توڑ دیتے جیسے انہوں نے ہم سے توڑ دی۔ یوں ہی اللہ انہیں دکھائے گا اُن کے

عَلَیْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِیْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

ان کو اللہ کام اُن کے ندامتیں اوپر اُن کے اور نہیں ہیں وہ نکلنے والے آگ سے

کام اُن پر حسرتیں ہوکر اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں عذاب آخرت کو سخت فرمایا گیا۔ اب اس کی سختی کی کیفیت بیان ہو رہی ہے کہ وہ عذاب دیکھ کر اپنے بیگانے ہو جائیں گے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مشرکین کی بد عقیدگی کا ذکر تھا اب ان کی سزا کی کچھ تفصیل ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتوں کے قابل عبادت نہ ہونے پر کھلے ہوئے دلائل بیان کیے گئے کہ رب خالق ہے اور یہ مخلوق اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔ اب دوسری طرح اسی پر دلائل قائم کیے جا رہے ہیں کہ آئندہ مصیبت کے وقت بھی یہ بت مجبور رہیں گے کسی کی امداد نہ کرسکیں گے لہٰذا ان کی عبادت بے کار بلکہ نقصان دہ ہے۔ چوتھا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ اگر مشرکین عذاب دیکھتے تو شرک نہ کرتے بلکہ جھوٹے معبودوں سے بیزار ہو جاتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب یہ عذاب دیکھیں گے تو یہ تو بیزار ہوں گے ہی وہ بھی ان سے بھاگیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **اذ تبرا الذین اتبعوا** یہاں **اذ** یا تو پہلے **اذ** کا بدل ہے یا **شدید العذاب** کا یا **اذکر** فعل پوشیدہ کا ظرف **تبرا** - **تبری** سے بنا جس کا مادہ **برء** یا **براء** ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز سے نفرت کرکے الگ ہو جانا۔ اسی لئے مقدمہ سے چھوٹ جانے یا کسی سے علیحدہ ہو جانے کو یا شفا پانے کو یا مصیبت سے چھٹکارا پانے کو برات کہا جاتا ہے۔ جیسے **انا برء ٰؤا منکم**۔ یہاں نفرت کرکے ہٹ جانے یا بیزاری ظاہر کرنے کے معنی میں ہے۔ **اتبعوا** یہاں تو مجہول ہے اور آگے معروف اور اس سے یا تو مشرکین کے سردار یا شیاطین یا بت یا چاند سورج وغیرہ۔ جس کی وہ پوجا کرتے تھے مراد ہیں۔ خیال رہے کہ اتباع کے معنی ہیں کسی کے قدم بقدم چلنا اسی کی ذمہ داری پر یہ اتباع ایمان بھی ہے ثواب بھی ہے گناہ بھی ہے اور کفر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع رکن ایمان ہے۔ علماء و صالحین کی اتباع ثواب۔ بدکاروں کی برائیوں میں اتباع سخت جرم اور اسلام کے مقابلہ میں کفار کی اتباع شیاطین کی پیروی کفر ہے۔ یہاں آخری قسم کی اتباع مراد ہے اس اتباع سے نبی کی اولیاء کی صلحاء کی اتباع مراد نہیں جیساکہ بعض جہلاء نے سمجھا کیونکہ یہاں اسی کی اتباع کا ذکر ہے جو وبال بن جاوے گی اور حضور کی اتباع کا تو حکم ہے رب فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** اس اتباع سے اللہ کی محبوبیت نصیب ہوتی ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ نازک وقت بھی یاد دلا دو جب ان کے جھوٹے معبود یا پیشوا بجائے مدد کرنے کے ان سے متنفر اور بیزار ہوں گے **من الذین اتبعوا** یہاں **اتبعوا** معروف ہے اور اس سے تابعدار اور پجاری کفار مراد ہیں۔ یعنی وہ معبودین ان سے گھبرائیں گے اور دور بھاگیں گے اور انہیں لعنت ملامت کریں گے یا رب کے سامنے اپنی شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے اپنی برات ظاہر کریں گے اور عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم نے انہیں کفر کی رغبت نہ دی تھی اور یہ کب ہوگا **وراوا العذاب** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ پہلے **الذین** سے حال ہے اور **و راوا** کا فاعل یا تو کفار کے پیشوا ہیں یا خود وہی کفار یعنی اس نازک وقت میں ان کا ساتھ چھوڑیں گے۔ جب عذاب سامنے ہوگا یا اس لئے ساتھ چھوڑیں گے کہ عذاب دیکھ کر خود ان پیشواؤں کا قافیہ تنگ ہوگا انہیں اپنی پڑ جائے گی انہیں کیسے دیکھیں۔ غرضیکہ **راوا** کا فاعل یہ متبعین ہیں یا ان کے متبوعین اور پیشوا۔ خیال رہے کہ انشاء اللہ مسلمان گنہ گار وہاں عذاب نہ دیکھیں گے بلکہ رب کا عتاب دیکھیں گے۔ دوزخ میں کچھ روز ان کا رہنا گناہوں سے پاک و صاف ہونے کے لئے ہوگا یعنی اس عتاب کا انجام رحمت الٰہی جیسے سونے کے لئے بھٹی کی آگ اس کے قرب و درجات کا ذریعہ ہے لہٰذا یہ جملہ بھی کفار ہی کے لئے ہے۔ مسلمانوں کو اس سے کوئی تعلق نہیں اور اس کے علاوہ **وتقطعت بھم الاسباب**۔ یہ **تبرا** پر معطوف ہے اور **ب** یا تو بمعنی عن ہے یا سببیہ ہے اور کفر مضاف محذوف ہے اور یا تعدیہ کی ہے اور اسباب سبب کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں وہ رسی جس سے چڑھا اترا جائے۔ رب فرماتا ہے **فلیمدد بسبب الی السماء** پھر ہر ذریعہ اور وسیلہ کو سبب کہہ دیتے ہیں کیونکہ وہ رسی کی طرح مقصود تک پہنچاتے ہیں۔ یہاں یا وسیلے ہی مراد ہیں یا تعلقات یعنی ان کے کفر کی وجہ سے ان کے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ یا ان کو یہ ظاہری اسباب ہی رب سے دور کردیں گے یا ان کے سارے رشتے اور تعلقات ان کے ہاتھوں سے نکل جائیں گے تب بے بس ہو کر ہاتھ ملتے ہوئے **وقال الذین اتبعوا** یہ پیروی کرنے والے نادم ہو کر کہیں گے یا تو آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے یا ہر ایک کافر اپنے دل میں کہے گا یعنی سوچے گا یا کفار رب تعالیٰ سے عرض کریں گے یا مسلمانوں سے کہیں گے **لو ان لنا کرۃ** یہاں **لو** تمنا کا ہے۔ جس کے معنی ہیں کاش اور "کرۃ" کے معنی ہیں لوٹنا

www.alahazratnetwork.org

لڑائی جھگڑے کو اسی لئے تکرار کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک دوسرے کی بات لوٹاتا ہے **فنتبرا منھم** ہم بھی دنیا میں پہنچ کر ان سرداروں یا بتوں کی اطاعت و عبادت سے علیحدہ اور بیزار ہو جاتے **کما تبرءوا منا** جیسے کہ وہ آج ہماری امداد سے علیحدہ اور ہم سے بیزار ہو گئے۔ یہاں کاف مصدر محذوف کی صفت ہے اور تشبیہ صرف بیزاری میں ہے **کذالک یریھم اللہ اعمالھم حسرت علیھم** اس **ذالک** سے یا تو بیزاری کی طرف اشارہ ہے یا عذاب کی طرف اور اعمال دکھانے سے یا تو نامہ اعمال دکھانا مراد ہے یا خود اعمال اجسام کی شکل میں دکھانا۔ اعمال عمل کی جمع ہے۔ عمل جاندار کے ارادی کام کو کہتے ہیں اور فعل ہر کام کو خواہ اختیاری ہو یا غیر اختیاری۔ **حسرت۔ حسرۃ** کی جمع ہے جس کے لفظی معنی ہیں کھل جانا۔ تھکے ہوئے کو حاسر یا محسور اسی لئے کہتے ہیں کہ اس تھکنے سے اس کی قوت کا پتہ لگ گیا کہ اتنی تھی مجبور کو محسور اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس کی اصل حالت کھل جاتی ہے۔ شرمندگی و ندامت کو حسرۃ کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس سے دلی غم و رنج ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ ہر معنی میں استعمال ہوا مگر یہاں شرمندگی یا ندامت کے معنی میں ہے۔ یعنی جیسے کہ انہوں نے اپنے بڑوں کی بیزاری یا عذاب جہنم دیکھا ایسے ہی اللہ ان کے سارے اعمال حسرتیں بنا کر انہیں دکھائے گا یا تو اعمال سے ان کا کفر و کفریہ مراد ہے یا وہ ظاہری اعمال جنہیں اچھا سمجھ کر کرتے تھے مگر حقیقت میں برے تھے جیسے گائے کی تعظیم وغیرہ یا واقعی اچھے کام جن کے ثواب کی انہیں امید تھی یعنی یہ وہاں کفر و شرک اور کفریہ اعمال پر حسرت کریں گے اسی طرح اپنے نیک اعمال جیسے صدقہ و خیرات۔ خدمت والدین کی بربادی دیکھ کر شرمندہ ہوں گے کہ ہائے افسوس اگر ہم کفر نہ کرتے تو یہ برباد نہ ہوتے یہ حسرت و ندامت بھی صرف کفار کو ہوگی انشاء اللہ مسلمان اس سے محفوظ ہیں۔ یعنی مسلمانوں کے عقائد و نیک اعمال قبول ہوتے اور اپنے عقائد و نیکیاں رد ہوتے دیکھ کر یا مسلمانوں کے گناہ معاف ہوتے اور اپنے گناہوں کی سزا بلکہ ان پر سخت پکڑ دیکھ کر اور مسلمانوں کی شفاعت ہوتے اور اپنی شفاعت سے محرومی دیکھ کر ایک حسرت نہیں بلکہ صدہا حسرتیں کریں گے۔ حسرات جمع سے یا حسرت کے افراد مراد ہیں یا حسرت کی بہت سی نوعیتیں مراد **علی** نقصان کے لئے آتا ہے یعنی یہ حسرتیں بھی ان کے لئے وبال ہوں گی ورنہ دنیا میں مسلمان کا کسی کی نیکیاں دیکھ کر حسرت کرنا بھی ثواب ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے **وما ھم بخرجین من النار** اور یہ لوگ کبھی بھی آگ سے نہ نکل سکیں گے کیونکہ آگ ان کے لئے بنی اور وہ آگ کے لئے اب اپنی اصل جگہ پہنچے یہاں سے نکلنا کیسا۔

خلاصہ تفسیر : یہ مشرکین و کفار اس امید پر بت پرستی کر رہے ہیں کہ یہ بت وغیرہ مصیبت میں ان کے کام آویں مگر جب مصیبت و عذاب دیکھیں گے تو وہ ان کی امداد تو کیا کرتے الٹے ان سے بیزار ہوں گے کہ ان کی صورت سے نفرت اور انہیں ملامت کریں گے اور رب سے اپنی برأت ظاہر کریں گے کہ مولیٰ یہ لوگ اپنے اعمال کے خود ہی ذمہ دار ہیں۔ ہم نے ان سے کفر نہ کرایا تھا۔ اس کے سوا ان کے دیگر رشتے تعلقات و اسباب بھی ٹوٹ جائیں گے اور کچھ کام نہ آئیں گے ماں باپ بیٹے کل قرابت سب انہیں پیٹھ دکھاویں گے تب یہ کہیں گے کہ کاش اب دنیا میں جانے کا ہمیں موقعہ مل جاتا تو ہم بھی ان سے ایسے ہی علیحدہ ہو جاتے جیسے آج انہوں نے کر دکھایا اس کے علاوہ ان کے سارے نیک و بد اعمال ان کے سامنے حسرت و شرمندگی ہو کر آئیں گے کہ کفر کرنے اور ایمان نہ لانے پر شرمندہ ہوں گے اور بدکاری کرنے اور نیک اعمال کی بربادی پر نادم۔ غرضیکہ صرف کفر کی وجہ سے صدہا مایوسیاں در پیش ہوں گی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ کبھی ان مصیبتوں سے نجات مل جاوے بلکہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** پیشواؤں کا پیرو کاروں سے نفرت کرنا اور بیزار ہونا کفار کے لئے خاص ہے کیونکہ یہ بھی کفر کا ہی عذاب ہے۔ مسلمان انشاء اللہ اس سے محفوظ۔ **دوسرا فائدہ:** تعلقات اور رشتہ داروں کا کام نہ آنا بھی کفار ہی کی سزا ہے نہ کہ مسلمانوں کی۔ کیونکہ قرآن کریم میں جو کفار کے عذاب بیان ہوئے ان سے مسلمان محفوظ رہیں گے اور جو مسلمانوں پر الطاف و کرم مذکور ہیں ان سے کفار محروم ہیں۔ ورنہ ان چیزوں کا ذکر بیکار ہوتا۔ **تیسرا فائدہ:** قیامت میں صرف کفار ہی دنیا میں واپس آنے کی تمنا کریں گے نہ کہ مسلمان۔ کیونکہ دنیا مسلمان کی جیل ہے اور کافروں کی جنت۔ **چوتھا فائدہ:** آگ سے نہ نکلنا اور وہاں ہمیشہ رہنا کفار کی خصوصیت ہے جیسا کہ **وما هم** کے حصر سے معلوم ہوا۔ گنہگار مسلمان سزا بھگت کر چھٹکارا پا جائیں گے۔

پہلا اعتراض : حدیث شفاعت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں اول وقت اہل قرابت بلکہ پیغمبر مسلمانوں سے بھی بیزار ہوں گے تو یہ بیزاری کفار کے ساتھ خاص نہ رہی۔ **جواب:** بیزار نہ ہوں گے بلکہ شفاعت کی جرأت نہ فرمائیں گے اور یہ بھی کچھ مدت ہوگا پھر شفاعت وغیرہ سب کچھ ہوگی۔ کفار کے سردار انہیں لعنت ملامت بھی کریں گے اور رب سے معذرت بھی کہ ہم ان کے کفر کے ذمہ دار نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث شریف میں آیا ہے کہ شہید بھی دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار ہی یہ آرزو کریں گے۔ **جواب:** شہید تو قیامت سے پہلے یعنی مرنے کے بعد ہی یہ تمنا کرتا ہے نہ کہ قیامت میں اور کفار کی تمنا قیامت میں ہوگی نیز شہید کی یہ خواہش زیادتی اعمال اور دوبارہ شہادت حاصل کرنے کے لئے ہے۔ کفار کی تمنا اپنے بزرگوں سے بدلہ لینے کے لئے ان دونوں آرزوؤں میں بڑا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں نیک کاروں کو بھی حسرت ہوگی اور بدکاروں کو بھی۔ اور اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ صرف کفار ہی کو۔ **جواب:** ان دونوں حسرتوں میں فرق ہے۔ کفار کو تو نیکیاں برباد ہونے کا غم ہوگا اور گنہگار مسلمانوں کو نیکیاں نہ کرنے کا اور نیک کاروں کو زیادہ بھلائی نہ کرنے کا رنج۔ **چوتھا اعتراض:** خدا تعالیٰ کیا صرف کفار ہی کو سخت عذاب دینے والا ہے یا ہر مذہب کے بدکاروں کو اور صرف مسلمانوں پر ہی رحم کرنے والا ہے یا ہر مذہب کے نیک کاروں پر۔ پہلی صورت میں تو خدا مسلمانوں کا طرفدار ٹھہرتا ہے اور دوسری صورت میں اسلام قبول کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ ہر دین میں رہ کر نیک اعمال کے ذریعہ جنت حاصل کی جا سکتی ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** بغیر اسلام لائے کوئی بھی نیک کار نہیں بن سکتا۔ نیکی کی شرط ایمان ہے۔ بغیر جڑ قائم ہوئے پھل نہیں لگ سکتے۔ پنڈت جی یہ سوال ہی تم سے ہے کہ صرف آریہ کی نجات ہوگی یا ہر نیک کی۔ اگر ہر نیک کی تو آریہ بننا بیکار ہے تم لوگوں کو شدھی کیوں کرتے ہو اور آریہ ہی کی نجات ہے تو پرماتما طرفدار ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کفار گفتگو کریں گے مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دن بالکل خاموش ہوں گے۔ رب فرماتا ہے **فلا تسمع الا همسا** اور فرماتا ہے **ولا يؤذن لهم فيعتذرون**۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** قیامت کے حالات مختلف ہیں قبروں سے میدان حشر کی طرف جاتے ہوئے زبانیں بند ہوں گی مگر قدموں کی آہٹ معلوم ہوگی۔ پھر وہاں پہنچ کر یہ آہٹ بھی بند ہو جاوے گی۔ ایک دم خاموشی ہوگی۔ پھر کچھ عرصہ بعد شفیع کی تلاش کے لئے دوڑ بھاگ پھر حساب کتاب شروع ہو جانے پر گفتگوئیں شروع ہو جاویں گی۔ ان آیات میں قیامت کے اول حال کا ذکر ہے اور یہاں اس آیت میں بعد کے حالات کا تذکرہ یہاں دل میں کہنا اور سوچنا مراد ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : اللہ باقی اور ماسوا اللہ فانی ہیں۔ جن چیزوں سے اللہ کے لئے محبت کی گئی وہ آخرت میں کار آمد ہیں اور جن سے دنیا کے لئے محبت ہوئی وہ وہاں بے کار اور جن سے اللہ کے مقابل الفت ہوئی وہ بیزار بلکہ باعث عذاب ہار۔ وہاں لطف یہ ہوگا کہ ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ محبت میں بندھا ہوا ہوگا اور محبوب تو جہنم میں جائے گا جس کی وجہ سے اس کو بھی جہنم میں جانا پڑے گا نیز روحانی محبتیں روحانی ہیں ان کی جان پہچان بھی ازلی ہے اور جسمانی محبتیں فانی ہیں۔ چونکہ روح باقی لہذا اس کے تعلقات بھی قائم اور جسم فانی لہذا اس کی محبت بھی برباد۔ انہیں سب سے بڑا عذاب اس انقلاب کا ہوگا کہ غیر اللہ کی محبت کے جال میں پھنسے تو ہوں گے مگر اس کے فائدوں سے محروم۔ اسی لئے ان کی یہ محبتیں حسرتیں ہو جائیں گی۔ اسی طرح وہ روحانی قومیں جو نفسانی خواہشوں کے تابع ہوں۔ ان کا بھی یہی حال ہوگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سارے انسان زندگی گزارتے ہیں مگر مقصود زندگی میں فرق ہے کسی کا مقصود مال ہے کسی کا مقصود تحصیل کمال ان دونوں کے لئے زوال ہے اور یہ زندگی وبال اور متقین کا مقصود حیات اعمال ہیں مگر عاشقین کا مقصد حیات رضاء ذو الجلال جیسے برات میں سب ایک ہی گھر سے جاتے ہیں اور دلہن کے گھر میں جاتے ہیں مگر براتیوں کا مقصود ہے کھانا کھانا، دولہا کے عزیزوں کا مقصود ہے جہیز مگر دولہا کا مقصود صرف دلہن۔ یہ دنیا برات ہے۔ جس میں طالبین مولیٰ نوشہ ہیں۔ مومنین کہتے ہیں لا معبود الا ہو۔ عاشقین کہتے ہیں لا مقصود الا ہو لا محبوب الا ہو بلکہ لا موجود الا ہو۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ کل قیامت میں دنیا کے پیچھے مرنے والے اسے مقصد حیات بنانے والے اس مصیبت میں گرفتار ہوں گے کہ مال و اولاد ان سے نفرت کریں گے اور انہیں اسی غفلت کی وجہ سے ہر طرح کا عذاب ہوگا اور ان میں سے کوئی چیز ان کے لئے سبب مغفرت نہ بنے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی یا نفسانی ہے یا شیطانی یا ایمانی ہے یا رحمانی جو زندگی غفلت میں گزرے وہ نفسانی ہے جو بدکاریوں میں گزرے وہ شیطانی جو نیکیوں میں گزرے وہ روحانی ہے اور جو زندگی اللہ رسول ہی میں فنا ہو کر گزرے وہ رحمانی۔ قرآن کریم نے پہلی دو زندگیوں کو حیوۃ دنیا فرمایا اور اسی کو لہو و لعب قرار دیا حب دنیا لہو و لعب۔ روحانی اور رحمانی زندگی حیوۃ دنیا ہے ہی نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اے لوگو! کھاؤ اس میں سے جو کچھ زمین کے ہے حلال مزے دار اور نہ پیروی کرو قدموں کی

اے لوگو! کھاؤ جو کچھ زمین میں حلال پاکیزہ ہے اور شیطان کے قدم پر قدم نہ رکھو بے شک

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْۗءِ وَالْفَحْشَاۗءِ وَ

شیطان کے تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے کھلا ہوا۔ اس کے سوا نہیں کہ حکم کرتا ہے تم کو ساتھ برائی اور

وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ وہ تو تمہیں یہی حکم دے گا بدی اور بے حیائی کا اور یہ کہ اللہ پر

اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

بے حیائی کے اور یہ کہو کہ تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں جانتے ہو تم

وہ بات جوڑو جس کی تمہیں خبر نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اور اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں کفار کی بد اعتقادیوں کا ذکر تھا اب ان کی بعض بد عملیوں کا ذکر ہے۔ جیسے سانڈ وغیرہ کی تعظیم۔ یعنی روحانی غذاؤں کی اصلاح کے بعد جسمانی غذاؤں کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے۔ عقائد و اعمال روحانی غذائیں ہیں اور یہ ظاہری روزیاں جسمانی غذائیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں شرک کی برائی اور توحید کے دلائل بیان ہوئے۔ اب اپنے عام احسانوں اور نعمتوں کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ کفر اور نافرمانی رب کی دنیوی نعمتوں کو بند نہیں کرتی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں دلائل سے سمجھا کر اور عذاب سے ڈرا کر لوگوں کو ایمان کی رغبت دی گئی۔ اب انہیں نعمتیں دکھا کر ایمان کی طرف مائل کیا جا رہا ہے یعنی اے لوگو مسلمان ہو جاؤ تو تمہیں اسلام کی برکت سے حلال و طیب روزیاں عطا ہوں گی اور تمہاری اپنی لگائی ہوئی پابندیاں اٹھ جائیں گی۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں کفر کے اخروی عذاب کا ذکر تھا اب اس کی دنیوی تکلیف کا ذکر ہے کہ کفار اس کی وجہ سے رب کی بہت سی نعمتوں سے محروم ہو گئے۔ مسلمانو تم کھاؤ۔

شان نزول : مشرکین عرب کچھ جانور بتوں کے نام پر چھوڑ کر انہیں حرام جانتے تھے۔ جیسے ہندوستان کے مشرکین سانڈ چھوڑتے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری (2) بعض روایات میں ہے کہ عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مسلمان ہو کر بھی اونٹ کے گوشت سے بچتے تھے کیونکہ یہ ان کے پچھلے دین یہودیت میں حرام تھا۔ ان کے متعلق یہ آیت آئی۔ بعض روایات میں ہے کہ ثقیف اور بنی عامر اور خزاعہ کے کچھ لوگوں نے کھجوریں اور پنیر وغیرہ لذیذ چیزیں اپنے پر ترک دنیا کے لئے حرام کر لی تھیں۔ ان کے خیال میں دنیوی نعمتوں سے محروم ہو جانا کار ثواب تھا جیسا کہ ہندو سادھوؤں کا عقیدہ ہے ان کی تردید میں یہ آیت اتری (روح المعانی و کبیر)

تفسیر : یا ایھا الناس میں یہاں ناس سے یا تو صرف مسلمان مراد ہیں یا صرف کفار یا دونوں جیسا شان نزول ویسی مراد مگر ان عام خطابوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ان کے لئے یہ خطاب ہے ہی نہیں ان کے خطاب قرآن کریم میں یہ ہیں۔ یا ایھا النبی یا ایھا الرسول وغیرہ حضور انور تو اس آیت کی نزول سے پہلے ہی کبھی حرام غذا کے قریب نہ گئے۔ کلوا مما فی الارض ظاہر یہ ہے کہ کلوا اجازت اور اباحت کا امر ہے نہ کہ وجوب کا کیونکہ یہاں ان کے حرمت کے عقیدہ کا باطل کرنا منظور ہے اور ہو سکتا ہے کہ امر وجوبی ہو۔ اور اس سے یا تو کھانا ہی مراد ہو یا کھانے کو جائز ماننا۔ اس لئے کہ جان رکھنے کے لئے کھانا فرض ہے اور حلال چیزوں کو حلال جاننا نہایت ضروری بعض مسلمان ہندوؤں کی پیروی میں بھوک ہڑتال یا مرن بھرت رکھتے ہیں حرام ہے۔ کہ کلوا امر کے خلاف ہے نماز روزے کی طرح کھانا بھی فرض ہے بلکہ اہم فرض کہ اس سے بقاء جان ہے اور جان سے سارے اعمال ہوتے ہیں پھر جب کھانا فرض ہوا تو کمانا بھی فرض ہے کہ فرض کا موقوف علیہ فرض ہوتا ہے جیسے نماز کے لئے وضو فرض خیال رہے کہ کھانا کبھی فرض ہے کبھی سنت کبھی مکروہ کبھی حرام۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے مما میں من سے اشارۃ "یہ بتایا کہ ہر چیز نہ کھاؤ بلکہ بعض" یعنی حلال کیونکہ حرام چیزوں سے بچنا ضروری ہے اور حلال بھی بعض کھائی جاتی ہیں نہ کہ کل۔ پھلوں کا گودا کھاؤ گٹھلی چھلکے پھینکو۔ بکری کا گوشت کلیجی وغیرہ کھاؤ پتہ مثانہ نہ کھاؤ۔ فی الارض سے معلوم ہوا کہ زمین کے اوپر اور نیچے والی چیزیں سب حلال ہیں۔ مچھلی اور ٹڈی اگرچہ پانی اور ہوا میں رہتی ہیں مگر

www.alahazratnetwork.org

چونکہ خود پانی اور ہوا زمین پر ہے اس لئے وہ چیزیں زمین ہی کی ہیں۔ **حلالا** یہ لفظ حل سے بنا جس کے لفظی معنی ہیں کھولنا **واحلل عقدۃ من لسانی** لواء قرض کو **حل اللغۃ** احرام سے نکلنے کو حل بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں قرض اور احرام کی پابندیوں سے کھلنا ہوتا ہے۔ کپڑوں کا جوڑا حلہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ پہننے کے لئے کھلتا ہے۔ شہر کے آباد حصوں کا نام محلہ کیونکہ وہاں مسافر آکر اپنا سامان کھولتے ہیں اترنے کو بھی حلول کہتے ہیں۔ جیسے او تحل قریبا من دارھم۔ شریعت میں حلال وہ ہے جس کی ممانعت نہ ہو یعنی مباح کیونکہ اس پر سے حرمت کی گرہ کھول دی گئی یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اور یہ حرام کا مقابل ہے۔ رب نے جمادات' نباتات' حیوانات سب ہی ہمارے استعمال کے لئے پیدا فرمائے مگر ان میں حلال و حرام کا فرق رکھا معدنیات اور نباتات میں قاعدہ یہ ہے کہ ہر مضر چیز کھانا حرام اور غیر مضر چیز حلال۔ دیکھو سنکھیا کھانا حرام ہے کہ مضر ہے لیکن اگر مار کر حکیم کھلائے تو جائز ہے۔ سونا' چاندی' لوہا موتی وغیرہ مضر طریقہ سے کھلائے جائیں تو حرام ہیں لیکن ان کا کشتہ اور موتی کی راکھ جو مضر نہ ہو حلال ہے یہ ہی حال گھاس سبزیوں وغیرہ کا ہے۔ حیوانات میں حلال و حرام کے مختلف قاعدے ہیں کہ دریائی جانور سب حرام سوائے مچھلی کے (بے خون والے جانور حرام) سوائے ٹڈی کے۔ پرندے چرندے جو شکاری ہیں یعنی پنجے والے یا کیل والے وہ حرام باقی حلال تفصیل فقہ میں دیکھو۔ **طیبا** یہ لفظ **طیب** سے بنا جس کے معنی ہیں عمدگی اور پاکیزگی مدینہ منورہ کو اس لئے طیبہ کہتے ہیں کہ وہ جگہ شریف کفری گندگیوں۔ وبائی بیماریوں جسمانی بلاؤں سے پاک ہے اور دجال کے داخلہ سے محفوظ اس کا مقابل خبیث ہے۔ نجس و طاہر' حرام و حلال' خبیث و طیب میں فرق خیال میں رکھنا چاہئے۔ یہاں حلال اور طیب میں چند طرح فرق ہے (1) حلال وہ جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ جو بد مزا یا گھنونی نہ ہو اپنا تھوک و رینٹ حلال ہے مگر طیب نہیں (2) حلال وہ جو حرام نہ ہو اور طیب وہ جو حرام ذریعہ سے حاصل نہ ہوئی ہو۔ سور کھانا حرام ہے۔ غیر کی بکری چوری کا مال رشوت و سود کا پیسہ خبیث ہے طیب نہیں (3) حلال وہ جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ جو تندرستی کو مضر نہ ہو۔ حاذق طبیب کے حکم سے جیسے کہ بیمار کو حرام چیز حلال ہو جاتی ہے ایسے ہی حلال چیز منع (4) حلال وہ جو یقینا" حرام نہ ہو طیب وہ جس میں حرمت کا شبہ بھی نہ ہو۔ شبہ کی چیزیں حلال ہیں طیب نہیں۔ (5) حلال وہ جسے شرع پسند کرے طیب وہ جسے طبیعت پسند کرے (عزیزی و روح وکبیر) غرضیکہ یہاں اس چیز کے کھانے کا حکم دیا گیا جس میں یہ دونوں باتیں جمع ہوں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ظاہری گندہ کو نجس اور باطنی گندہ کو خبیث کہتے ہیں یوں ہی ظاہری پاک کو طاہر اور اندرونی پاک کو طیب کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں تو فرما دیا کہ حلال و طیب چیزیں کھاؤ مگر نہ حلال کی تفصیل فرمائی نہ طیب کی وضاحت کی کہ فلاں فلاں چیزیں حلال ہیں اور فلاں فلاں طیب بلکہ سارے قرآن مجید میں ان کی مکمل فہرست ارشاد نہ ہوئی تاکہ قرآن پڑھنے سمجھنے والے مسلمان حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو جاویں۔ صرف حلال و طیب کا نام لے دیا اور ان کی تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر چھوڑ دی کہ ان سے پوچھو جیسے رب نے نماز و زکوۃ کا حکم دیا۔ مگر تفصیل سے خاموش رہا تاکہ حضور کی ضرورت باقی رہے **ولا تتبعوا خطوت الشیطن** اتباع پیچھے چلنے کو کہتے ہیں اور تابع پیچھے چلنے والا۔ خطوات خطوہ کی جمع ہے۔ خطوہ خ کے زبر سے معنی قدم اور خ کے پیش سے دو قدموں کا درمیانی فاصلہ (روح البیان) یہاں دونوں ہی معنی بن سکتے ہیں یعنی شیطان کے آثار قدم پر قدم نہ رکھو یا شیطان کے راستوں پر نہ چلو کہ رب نے اسے سجدہ آدم کا حکم دیا اور اس نے مقابلہ کرکے انکار کیا۔ چونکہ اس کے راستے بہت سے ہیں اس لئے خطوات جمع فرمائی گئی۔ یعنی شیطان کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال یا شیطانوں کے اختیار کئے

www.alahazratnetwork.org

ہوئے عمل و عقیدے نہ اختیار کرو۔ خیال رہے کہ شیطان خود برائیاں کرتا نہیں بلکہ کراتا ہے اسی طرح وہ شرک و کفر اختیار کرتا نہیں لوگوں کو مشرک و کافر بناتا ہے وہ خود تو موحد ہے جنت و دوزخ کا قائل ہے یہ بھی جانتا ہے کہ حضرات انبیاء رب کے بھیجے ہوئے ہیں مگر انہیں مانتا نہیں انہ لکم عدو مبین' عدو' عدو سے بنا جس کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھ جانا۔ دشمنی کو عداوت اور دشمن کو عدو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ محبت کی حد سے نکل جاتا ہے۔ مبین ابانتہ سے بنا جس کا مادہ ہے بون معنی جدائی اور دوری۔ ابانت جدا کرنا اور کاٹنا اسی سے ہے طلاق بائنہ اصطلاح میں ظاہر کرنے یا ظاہر ہونے کو ابانت اور ظاہر یا ظاہر کرنے والی چیز کو مبین کہتے ہیں۔ یہاں دونوں اصطلاحی معنی بن سکتے ہیں یعنی وہ شیطان تمہارا ظاہر دشمن ہے یا ظاہر کرنے والا دشمن ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو سجدہ کے انکار سے اپنی عداوت ظاہر کردی اور اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ وہ تمہیں تین باتوں کا مشورہ دیتا ہے ایک انما یامرکم بالسوء انما حصر کے لئے ہے اور امر سے مراد مشورہ یا وسوسہ یا برا اور کھلا یا خفیہ حکم ہے۔ سوء ساء کا مصدر ہے معنی رنج یا برائی ہر گناہ کو خواہ صغیرہ ہو یا کبیرہ سوء کہا جاتا ہے کیونکہ وہ برائی بھی ہے اور باعث رنج و غم بھی یعنی تمہیں ہمیشہ گناہ ہی کا حکم کرتا ہے۔ دوسرے والفحشاء اس کا مادہ فحش ہے جس کے معنی ہیں اندازہ سے بڑھ جانا۔ اسی لئے زنا کو فحش اور زانیہ کو فاحشہ کہتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہر گناہ فحش ہے اور یہ عطف تفسیری ہے مگر صحیح یہ ہے کہ فحش گناہ سے خاص ہے گناہ تو ہر چھوٹی بڑی برائی اور فحش گناہ کبیرہ' یا گناہ ہر ظاہری باطنی برائی اور فحش صرف ظاہری یا گناہ ہر حرام چیز اور فحش وہ برائی جو عقلاً" بھی بری معلوم ہو یا گناہ وہ جو خالق کو ناپسند ہو اور فحش وہ جو مخلوق کو برا معلوم ہو جیسے بے غیرتی' بے حیائی اور بے مروتی کی باتیں سوء و فحشاء میں کئی طرح فرق ہے گناہ صغیرہ سوء ہے اور گناہ کبیرہ فحشاء یا خفیہ گناہ سوء ہے اور اعلانیہ گناہ فحشاء یا کبھی کبھی گناہ کرلینا سوء ہے ہمیشہ گناہ کرنا فحشاء یا گناہ کو گناہ سمجھ کر کرنا سوء ہے اسے گناہ نہ جاننا اور کرنا فحشاء یا محض گناہ سوء ہے قومی فحشاء اور تیسرے یہ کہ وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون قول کے معنی کہنا ہیں مگر جب اس کے بعد علی آجائے تو اس کے معنی الزام لگانا افتراء کرنا اور کسی کی طرف غلط بات منسوب کرنا ہوتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے اور یہ جرم سب سے بدتر کیونکہ پچھلی دو باتیں بد عملی تھیں۔ اور یہ بد عقیدگی اور خدا پر بہتان ہے۔ یعنی وہ تمہیں یہ مشورہ دیتا ہے کہ بعض احکام اپنے آپ گھڑ کر رب کی طرف نسبت کردو کہ یہ خدا نے فرمایا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو! جیسے توحید اختیار کرنا اور کفر سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی صحیح غذا کھانا اور حرام اور گندی چیزوں سے بچنا لازم کہ غذا کا اخلاق پر اثر پڑتا ہے نیز حلال اور طیب چیزوں سے بچنا محرومی لہذا جو کچھ زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور خواہ مخواہ انہیں حرام سمجھ کر شیطان کی راہ نہ چلو کیونکہ وہ تو تمہارا اپنے ہی کھلا دشمن ہے۔ جن باتوں کو اچھی کرکے دکھاتا ہے وہ در پردہ بری ہیں وہ تو تمہیں ہمیشہ برائیوں اور بیحیائیوں کا ہی مشورہ دے گا اور تمہیں یہ بھی بتائے گا کہ خود مسائل گھڑ کر رب کی طرف نسبت کردیا کرو لہذا تم اس کی باتوں میں نہ آؤ۔ روح البیان نے فرمایا کہ شیطانی وسوسے کے چھ درجے ہیں۔ پہلا یہ کہ ایمان سے ہٹا کر کفر میں پھنسائے۔ اگر یہاں اس کا داؤ چل گیا تو پھر انسان کے پیچھے نہیں پڑتا۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کو گمراہی و بدعات میں مبتلا کردے کہ فساد عقیدہ گناہوں سے بدتر ہے۔ تیسرے یہ کہ صحیح العقیدہ مسلمان کو کبیرہ گناہوں میں پھانس دے۔ چوتھے یہ کہ پرہیزگار مسلمان سے معمولی گناہ کرادے کہ کبھی معمولی باتیں بھی گناہ کبیرہ بن جاتی ہیں۔ چھوٹی

www.alahazratnetwork.org

چنگاری سے بھی گھر جل جاتا ہے۔ پانچویں یہ کہ عبادت حق پر پہنچ کر انسان کو بے کار باتوں میں لگا دے تاکہ وہ ثواب نہ کما سکے۔ اگر کہیں بھی داؤ نہ چلا تو چھٹا فریب یہ ہے کہ افضل کام سے روکنے کے لئے مفضول کام میں لگا دے تاکہ آدمی زیادہ ثواب سے محروم رہے۔ جیسے کہ مفتی اور عالم کو خدمت دین سے روک کر نفل نمازوں میں مشغول کر دے یا حج سے روک کر روزے میں لگا دے غرضیکہ اس کے شر سے بچنا سخت مشکل ہے ہر انسان کے پاس بھیس بدل کر آتا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے منہ کے کام یعنی کھانے پینے میں سے بعض حلال ہیں بعض حرام ایسے ہی تمام اعضاء کے کاموں سے بعض حلال ہیں بعض حرام بعض نظریں حلال جیسے اپنی بیوی کو دیکھنا بعض حرام جیسے غیر عورت کو یا لڑکی کو بد نظری سے دیکھنا یوں ہی کانوں سے خوش الحان قاری کی تلاوت سننا حلال اور غیبت چغلی حرام جائز باتیں سننا حلال۔ کان سے گانا بجانا سننا حرام ہے۔ مباح باتیں سننا حلال پاؤں سے چل کر مسجد کو جانا حلال سینما دیکھنے جانا حرام ہے۔ جائز جگہ جانا حلال، ہاتھ سے غیر کا مال چھونا یا غیر عورت کو شہوت سے چھونا حرام، درست جگہ ہاتھ استعمال کرنا حلال۔ یہ آیت صرف کھانوں کے لئے ہے مگر دوسری چیزیں بھی اس سے معلوم کرنا چاہئیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام ترک دنیا نہیں سکھاتا۔ حلال لذتوں سے بچنا تقویٰ نہیں۔ تقویٰ حرام کے چھوڑنے میں ہے۔ دوسرا فائدہ: بلا دلیل کسی چیز کو حرام جاننا سخت بے حیائی اور خدا پر تہمت شیطان کی پیروی ہے۔ بعض لوگوں کو چاہیے کہ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ جو لوگ حرام کہتے ہیں منت وغیرہ کو وہ حلال کے لئے ثبوت مانگتے ہیں مگر خود حرام کے لئے ثبوت نہیں پیش کرتے۔ تیسرا فائدہ: غیر خدا کے نام پر پالا ہوا جانور حرام نہیں جب تک کہ اسے غیر اللہ کے نام پر ذبح نہ کر لیا جائے۔ دیکھو مشرکین عرب بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام جانتے تھے۔ انہیں کی اس آیت میں تردید ہوئی اور ان کے اس عقیدے کو کھلی بے حیائی اور خدا پر بہتان فرمایا گیا۔ اس کی بحث انما حرم علیکم اور وما اھل بہ لغیر اللہ میں آئی ہے۔ چوتھا فائدہ: ہر حلال چیز پاک ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک حلال ہو مٹی پاک ہے مگر حلال نہیں۔ پانچواں فائدہ: حلال روزی کے لئے جائز پیشہ اختیار کرنا عبادت ہے کیونکہ یہاں کھانا حلال کا حکم دیا گیا اور یہ کسب پر ہی موقوف ہے۔ کسب میں چند فائدے ہیں۔ (1) کسب سنت انبیاء ہے چنانچہ آدم علیہ السلام نے زراعت اور سارے پیشے کئے۔ داؤد علیہ السلام زرہ بناتے تھے۔ نوح علیہ السلام نے لکڑی کا پیشہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بکریاں چرائیں۔ ہمارے حضور علیہ السلام نے حضرت خدیجہ کے مال کی تجارت کی (2) کسب سے مال بڑھتا ہے جس سے صدقہ خیرات کی جا سکتی ہے۔ (3) کسب کھیل کود اور صدہا جرموں سے روکتا ہے۔ چوری ڈکیتی سب بے کاری کے نتیجے ہیں۔ (4) کسب سے انسان میں محنت کی عادت پڑتی ہے اور دل سے غرور نکل جاتا ہے۔ (5) کسب فرشتہ فقیری سے امن ہے اور غریبی دین و دنیا برباد کر کے دونوں جہان میں منہ کالا کرتی ہے۔ (6) جو حلال کمائی کے لئے نکلتا ہے تو اعمال لکھنے والے فرشتے کہتے ہیں کہ اللہ تیری اس حرکت میں برکت دے اور تیری کمائی کو جنت کا ذخیرہ بنائے۔ اس دعا پر زمین و آسمان کے فرشتے آمین کہتے ہیں (روح البیان)۔ مسئلہ: بعض پیشے جیسے تجارت، کھیتی باڑی، لوہار، بڑھئی یعنی لکڑی کا پیشہ وغیرہ کا کام ہے۔ چھٹا فائدہ: حلال چیزوں کو قسم وغیرہ سے اپنے پر حرام کر لینا شیطانی وسوسہ ہے چاہیئے کہ ایسی قسمیں توڑ کر کفارہ ادا کر دیا جائے۔ ابن مسعود اور حسن بصری اور جابر ابن زید رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اپنے نفس پر حلال کو حرام کر لینا شیطانی وسوسہ ہے (درمنثور)۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو مشرکین عرب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کو تو حرام سمجھتے تھے مگر بتوں کے نام پر ذبح کئے ہوئے جانوروں کو حلال حالانکہ حکم خداوندی اس کے برعکس ہے جیسے فتاوی رشیدیہ میں محرم شریف کے شربت و حلیم کو حرام لکھا مگر ہولی دیوالی کی کچوریوں کو حلال یہ ہے بے عقلی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان سب کا دشمن ہے مگر دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔ **اولیٰھم الطاغوت** شیطان کفار کا دوست ہے ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: یہاں حقیقت کا ذکر ہے اور وہاں ظاہر کا۔ حقیقت میں وہ کھلا ہوا دشمن ہے مگر دوستی کے لباس میں کفار کے پاس آتا ہے۔ جب وہ آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا تو کیونکر ہو کہ ان کی اولاد کا دوست بن جائے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان بری باتوں کا ہی حکم دیتا ہے حالانکہ روایات سے ثابت ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس نے نماز فجر کے لئے اٹھایا (مثنوی) ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو آیت الکرسی کا عمل بتایا (مشکوۃ شریف) بعض انبیاء کرام سے بھی اس نے اچھی باتیں کیں پھر اس آیت کا کیا مطلب۔ جواب: اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں گزر چکا کہ متقی بندوں کو اچھے کام میں لگا کر بہت اچھے کام سے روک دیتا ہے تاکہ وہ زیادہ ثواب نہ حاصل کر سکیں اس کا یہ فعل بھی بری نیت سے ہی ہوتا ہے۔ امیر معاویہ نماز قضا ہو جانے پر اس قدر روئے تھے کہ انہیں پانچ سو نماز کا ثواب مل گیا تھا۔ دوسرے دن اس نے اس لئے اٹھایا کہ زیادہ ثواب نہ لے لیں۔ ابو ہریرہ کے جوتے کے خوف سے وہ انہیں یہ عمل بتا گیا نہ کہ نیک نیتی سے انبیاء کرام سے بھی پھنس کر کبھی کچھ نیک باتیں کر جاتا ہے غرضیکہ اس کی فطرت تو بری ہے اور یہ حالات عارضی ہیں۔ تیسرا اعتراض: رب نے شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا اگر کہو کہ انسان کی آزمائش کے لئے تو آزمانا کم علموں کا کام ہے خدا عالم الغیب ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: پیدائش شیطان کی حکمتیں ہم پہلے سپارے میں آدم علیہ السلام کے قصہ کے ماتحت بیان کر چکے۔ رب کے امتحان کی حکمت اس سیپارہ میں **ولنبلونکم** کی تفسیر میں بیان کر چکے۔ وہاں دیکھ لو۔ چوتھا اعتراض: اگر شیطان نے سب کو بہکایا تو شیطان کو کس نے بہکایا۔ اگر کہو خدا نے تو خدا (نعوذ باللہ) شیطان کا شیطان ہوا (ستیارتھ پرکاش) جواب: شیطان کو اس کے نفس نے بہکایا۔ شیطان انسان کو برائیوں کا حکم دیتا ہے۔ رب نے شیطان کو اس کا حکم نہ دیا محض موقعہ دیا۔ جس میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ پنڈت جی بتاؤ تو کہ گائے کو قصائی نے کاٹا اور قصائی کو یہ قدرت کس نے دی اور پرماتما نے چھری، تلوار، سانپ، بچھو کیوں پیدا کئے اگر کہو کہ یہ چیزیں خود بخود پیدا ہو گئیں تو یہ پرماتما ہو گئیں اگر پرماتما نے پیدا کیں تو کیوں؟

تفسیر صوفیانہ: نفس و بدن زمین ہے اور روح یہاں بسنے والی یہاں کی لذتیں اور نفعے اس زمین کی پیداوار۔ روح سے خطاب کر کے فرمایا گیا کہ تو نفسانی اور جسمانی خواہشات میں سے حلال چیزیں حاصل کر۔ حرام چیزوں کی طرف نظر نہ اٹھا اور ہر موقعہ پر عقل و شرع کا فتویٰ حاصل کرتی رہ شیطان سے بچتا کیونکہ وہ تیرا ازلی دشمن ہے اور وہ تجھے گناہ یعنی زیادتی غصہ اور فحش یعنی زیادتی شہوت کا مشورہ دیتا ہے اور زیادہ گفتار سے رب غفار کے راستہ سے ہٹا دیتا ہے (ابن عربی)

دوسری تفسیر: حلال وہ جس کی ممانعت نہ ہو۔ طیب وہ جس کا قیامت میں حساب نہ ہو اور یہ وہ ضروریات زندگی ہیں جو نفسانی خواہش کے لئے استعمال نہ کی جائیں۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ضروری کپڑا ضروری غذا اور ضروری گھر کا قیامت میں

www.alahazratnetwork.org

حساب نہ ہوگا۔ حلال و طیب چیز عبادت کا شوق محبت کا ذوق اور دعا کی قبولیت پیدا کرتی ہے۔ درمنثور اور عزیزی میں ہے کہ ایک روز سعد ابن ابی وقاص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا کیجئے کہ میں مستجاب الدعاء بن جاؤں تو حضور نے فرمایا کہ حلال غذا اختیار کر تیری دعا قبول ہوا کرے گی۔ حرام لقمے سے چالیس دن کی عبادت قبول نہیں ہوتی جو گوشت کہ حرام اور رشوت سے پلا ہو اس میں دوزخ کی آگ جلد اثر کرے گی۔ مولٰنا فرماتے ہیں۔ شعر

علم و حکمت زاید از لقمہ حلال عشق و رقت زاید از لقمہ حلال
لقمہ تخم است و برش اندیشہ ہا لقمہ بحر و گوہرش اندیشہ ہا
زاید از لقمہ حلال اندر دہاں میل خدمت عزم سوئے آں جہاں
چوں ز لقمہ تو حسد بینی و دام جہل غفلت زاید آں را داں حرام

شیطان ہمارا ذاتی دشمن ہے کہ وہ آگ سے بنا ہے ہم خاک سے اور خاک و آگ ذاتی دشمن ہیں کہ آگ خاک کو پکا ڈالتی ہے اور خاک آگ کو دبا کر فنا کر دیتی ہے اور اسی لئے بھی دشمن ہے کہ ہماری وجہ سے وہ جنت سے نکالا گیا اس کی عبادات مردود ہوئیں۔ عزت والا تھا ذلیل ہو گیا لہٰذا یہ ہمارا ازلی دشمن ہے اور اتنا خطرناک ہے کہ ہر جگہ ہمارے ساتھ رہتا گولی توپ ایٹم بم وغیرہ سے مرتا نہیں کسی بادشاہ کے ذریعہ بھی گرفتار ہوتا نہیں پھر نظر آتا نہیں پہچانا جاتا نہیں۔ دوستی کے لباس میں آتا ہے اس کا مددگار یعنی نفس امارہ ہماری آستین کا سانپ ہے یہ نہ ہمارے نماز و روزے سے مرے نہ ظاہری عبادات سے اس کی عداوت سے بچنے کا ذریعہ صرف ایک ہے محبت کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے فنا ہوتی ہے۔ عداوت شیطان کو توڑنے کے لئے اللہ نے محبت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا فرمائی۔ ہمارے نیک اعمال چراغوں کی طرح ہیں جن سے رات جاتی نہیں ہاں روشنی ہو جاتی ہے اور محبت سرکار صلی اللہ علیہ وسلم مثل سورج کے ہے جو رات کو فنا کرکے دن نکال دیتا ہے۔ اگر شیطانی عداوت کے شر سے بچنا چاہو تو محبت رسول کے زیر دامن آجاؤ۔ صوفیاء کے ہاں محبت دنیا تو سوء یعنی برائی ہے جو تمام برائیوں کی جڑ ہے اور دین سے نفرت فحشاء یعنی بے حیائی شیطان پہلے انسان کے دل میں محبت دنیا کا تخم بوتا ہے پھر اسے کینہ و حسد وغیرہ کا پانی دیتا ہے۔ جس سے اس درخت کو پروان چڑھالیتا ہے تو اس میں نفرت دین عداوت اہل اللہ کے پھول لگتے ہیں اور اللہ رسول پر جھوٹ باندھنے کے پھل دنیا وہ جو رب سے غافل کرے۔ حب دنیا یہ کہ اسے حاصل کرنے میں حلال و حرام کی پرواہ نہ کرے۔ یزید نے حب دنیا میں قتل حسین کا جرم کیا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ

اور جب کہا جاتا ہے واسطے ان کے کہ پیروی کرو اس کی جو اتارا اللہ نے کہتے ہیں بلکہ پیروی کریں گے ہم اس کی پایا ہم نے

اور جب ان سے کہا جاوے کہ اللہ کے اتارے پر چلو تو کہیں گے بلکہ ہم تو اس پر چلیں گے جس پر اپنے باپ دادا کو

www.alahazratnetwork.org

اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ
اوپر اس کے باپوں کو اپنے۔ اگرچہ ہوں باپ دادے انکے نہ عقل رکھتے کچھ بھی اور نہ ہدایت پاتے اور مثال اُن لوگوں
پایا کیا اگرچہ اُن کے باپ دادا نہ کچھ عقل رکھتے ہوں نہ ہدایت اور کافروں
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ
کی جنہوں نے کفر کیا مثل اس کے ہے جو آواز دے اس کو جو نہ سنے مگر بلانا اور پکارنا بہرے گونگے اندھے
کی کہاوت اُس کی سی ہے جو پکارے ایسے کو کہ خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سنے بہرے
صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
پس وہ نہیں عقل رکھتے
گونگے اندھے تو اُنہیں سمجھ نہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطان کے گمراہ کرنے کے طریقے بتائے گئے اب کفار کے گمراہ ہونے کی وجہ بتائی جارہی ہے یعنی جاہل باپ دادوں کی پیروی **دوسرا تعلق**: گزشتہ آیت میں شیطان کی پیروی سے روکا گیا تھا۔ اب بتایا جارہا ہے کہ کافر باپ دادوں کی اتباع شیطان کی اتباع سے کم خطرناک نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مشرکین کی غلطی کا بیان تھا۔ اب اس پر قوی دلیل قائم کی جارہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی غلطی کا ذکر تھا کہ وہ رب کا راستہ چھوڑ بیٹھے۔ اب اس سے بڑی بے دینی کا ذکر ہے کہ وہ باپ دادوں کے غلط راستہ پر اڑ گئے یعنی قابل قبول چیز کو انہوں نے چھوڑا نکمی چیز کو اختیار کیا۔

شان نزول : عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور علیہ السلام نے یہود کو اسلام کی دعوت دی اور انہیں عذاب الٰہی سے ڈرایا تو رافع ابن خارجہ اور مالک ابن عوف وغیرہ یہودیوں نے کہا کہ ہم تو اپنے باپ دادا کے دین پر قائم رہیں گے کیونکہ وہ ہم سے بڑھ کر عقلمند اور واقف کار تھے۔ تب یہ آیت اتری۔ (درمنثور و کبیر)

تفسیر : **واذا قيل لهم** یا تو ھم کی ضمیر من یتخذ کے 'من' کی طرف لوٹتی ہے یا الناس کی طرف یا ان یہود کی طرف جن کے بارے میں یہ آیت اتری۔ اگرچہ یہاں ان کا ذکر نہ ہو مگر موقعہ محل سے معلوم ہو جانا کافی ہے یعنی جب ان مشرکین سے یا شیطان کی پیروی کرنے والوں سے یا یہود سے کہا جاتا ہے کہ **اتبعوا ما انزل الله** اتباع کے لفظی معنی پیچھے چلنا ہیں مگر یہاں اطاعت کرنا مراد ہے۔ یہاں صاف قرآن کا نام نہ لیا تاکہ معلوم ہو کہ حضور علیہ السلام کے سارے فرمان اور اعمال شریف کی اطاعت ضروری ہے کیونکہ یہ سب رب کی طرف سے ہیں۔ یعنی ان چیزوں ہی کی پیروی کرو جو رب نے اتاریں۔ خیال رہے کہ اگرچہ توریت و انجیل بھی اللہ کی اتاری ہوئی کتابیں ہیں مگر یہاں وہ وحی مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی یعنی قرآن یا حضور انور کے فرمان کیونکہ قرینہ اسی پر دلالت کرتا ہے نیز منسوخ احکام قابل اتباع نہیں ہوتے ایمان سارے **ما انزل**

www.alahazratnetwork.org

اللہ پر ہے مگر عمل خاص اسلامی احکام پر تو قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اباءنا یہاں بل سے پہلے ایک چھوٹی سی عبارت پوشیدہ ہے یعنی ہم آپ کی پیروی نہ کریں گے بلکہ ان رسم و رواج پر چلیں گے جن پر اپنے باپ دادوں کو پایا الفینا باب افعال سے ہے۔ اس کا مادہ لفو یا لفی ہے سو اس باب کی ماضی کے دیگر طرح اس کا استعمال دیکھا نہ گیا۔ اس کے معنی ہیں پایا ہم نے جیسے کہ الفوا اباءھم یا الفینا۔ سیدھا دوسری جگہ رب نے فرمایا ما وجدنا علیہ اباءنا لہٰذا یہ افعال غیر متصرفہ میں سے ہے اور ما سے مراد کفریہ عقیدے حلال جانوروں کو حرام جاننا اور مشرکانہ رسم و رواج سبھی ہیں۔ رب تعالیٰ ان کی تردید میں فرماتا ہے کہ اولو کان اباؤھم ہمزہ استفہامیہ ہے اور اس کے بعد ایک جملہ پوشیدہ اور واؤ حالیہ یعنی کیا یہ بے وقوف انہیں کی رسمیں اختیار کریں گے اگرچہ وہ ایسے جاہل ہوں کہ لا یعقلون شیئا سے یہاں دینی اعمال مراد ہیں کیونکہ وہ لوگ دنیوی کاموں میں بہت چالاک تھے یعنی وہ دین کی کوئی بات بھی نہ سمجھتے ہوں اور ساتھ ہی ولا یھتدون ایسے ضدی بھی ہوں کہ کسی کے بتانے سے بھی راہ ہدایت اختیار نہ کریں۔ یعنی وہ بے وقوف بھی تھے اور ضدی بھی اور ممکن ہے کہ پہلی عبارت سے اعمال اور اس سے عقائد مراد ہوں یعنی وہ بدکار بھی تھے اور گمراہ بھی یہاں تک تو موجودہ کفار کی ضد کا بیان ہوا۔

اب ایک نہایت نفیس مثال دے کر ان کی حالت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ ومثل الذین کفروا کمثل الذی ینعق کفروا سے وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا اور جن کا نام عند اللہ کفار کی فہرست میں درج ہے جو میثاق کے دن نوری چھینٹے سے محروم رہے یعنی وہ جو شقی ازلی ہیں اور رب کے ہاں کافر ہو چکے ہیں یا کفروا سے نبی کے حاسد کفار مراد ہیں یعنی جو آپ کے حاسد ہو کر کافر ہوئے کیونکہ حسد کافر انسان کے سارے حواس معطل کر دیتا ہے اور مثل میں تشبیہ مرکب مراد ہے نہ کہ تشبیہ مفرد بالمفرد۔ ینعق نعق سے بنا جس کے معنی ہیں چرواہے کی آواز جس سے جانوروں کو پکارے اور نعق غین سے کوے کی آواز نہیق ھائے گدھے کی آواز۔ یہاں پہلے مثل کے بعد داعی پوشیدہ ہے یا دوسرے مثل میں تاویل ہے یعنی ان کفار کو حق کی طرف پکارنے والے کی مثال اس چرواہے کی سی ہے جو جانوروں کو بلائے یا ان بت پرستوں کی مثال اس کی سی ہے جو پہاڑ یا گنبد میں آواز دے۔ پھر پلٹ کر وہ حروف سن لے جس کے کوئی معنی نہ ہوں بما لا یسمع الا دعاء و نداء دعاء دعوت سے بنا جس کے معنی ہیں بلانا نداء ندی سے بنا جس کے معنی ہیں تری پکارنے کو اس لئے نداء کہا جاتا ہے کہ جس کے منہ میں تری زیادہ ہو اس کی آواز بلند اور اچھی ہوتی ہے۔ دعا اور ندا میں فرق یہ ہے کہ دعا محض پکارنے کو کہتے ہیں۔ خواہ کوئی سنے یا نہ سنے۔ ندا بلند آواز کو کہا جاتا ہے جو دوسرا سن بھی لے (چیخنا چلانا) یعنی جیسے کہ جانور محض آواز تو سن لیتا ہے مگر یہ نہیں سمجھتا کہ مالک کیا کہہ رہا ہے۔ ایسے ہی کفار قرآن اور وعظ کی فقط آواز سن لیتے ہیں اس کے مقصد سے بے خبر بلکہ جانور بغیر سمجھے بوجھے مالک کا اشارہ سمجھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں مگر غافل آدمی ان سے بدتر ہے کہ اللہ رسول کے حکم کی اطاعت نہیں کرتا۔ شعر

ہاں ہاں مانے تمک تمک مانے اور چمکارے ہوئے کھڑا
کہیں کبیر سنو بھئی سادھو تجھ مورکھ سے بیل بھلا

اسی لئے رب تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا اولئک کالانعام بل ھم اضل یا یہ بیچاری پوجا کے الفاظ یاد کر کے استعمال

www.alahazratnetwork.org

کرتے ہیں اور اپنے الفاظ خود ہی سنتے ہیں۔ نہ کہ بت لہذا **صم بکم عمی فهم لا یعقلون** یہ لوگ چونکہ کان' زبان اور آنکھوں کو صحیح معنی میں استعمال نہیں کرتے اور اس کے ذریعہ حق تک نہیں پہنچتے۔ تو گویا وہ ان سب قوتوں سے محروم ہیں بہرے بھی ہیں اور گونگے بھی اور اندھے بھی اور بے عقل بھی۔

خلاصہ تفسیر : کفار کا فطری نور اس قدر بجھ چکا کہ جب ان پر توحید کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں اور انہیں اتباع حق کی دعوت دی جاتی ہے تو یہ بجائے غور کرنے کے جہالت کا جواب دیتے ہیں کہ ہم تو اپنے باپ داداؤں کے طریقے پر چلیں گے۔ کیونکہ وہ ہم سے زیادہ عقلمند تھے تو کیا یہ احمق اپنے باپ داداؤں کو ہی پکڑے رہیں گے۔ اگرچہ وہ کیسے ہی گمراہ اور بے وقوف ہوں اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی ضد سے غمگین نہ ہوں ان کو ہدایت کی طرف بلانے کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کہ چرواہا بھیڑ بکریوں کو آواز دے کہ وہ اس کی آواز سنتی تو ہیں مگر کچھ سمجھتی نہیں۔ یہی حال ان کا ہے کہ آپ کی آواز مبارک سن تو لیتے ہیں لیکن اس کا مقصود دل میں نہیں اتارتے کیونکہ رب کی طرف سے جو انہیں فیض لینے کی باطنی قوتیں عطا ہوئی تھیں۔ انہوں نے انہیں بیکار کر دیا۔ اب گویا یہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ اس لئے ہدایت پر نہیں آتے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شریعت کے مقابل باپ دادا کے رسم و رواج پکڑنا طریقہ کفار ہے۔ مسلمان بھی اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ جنہوں نے شادی بیاہ اور مرنے جینے میں خلاف شرع رسمیں جاری کر رکھی ہیں اور سمجھانے پر بے دھڑک کہہ دیتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا سے ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ ان تمام باتوں کے لئے ہماری کتاب "اسلامی زندگی" پڑھیں۔ **دوسرا فائدہ:** اس آیت میں ان جاہل مفسرین کو عبرت ہے۔ جو قرآن مجید کے محض الفاظ یا ظاہری معنی تک پہنچتے ہیں اس کے مضامین اور اسرار تک نہیں پہنچ سکتے اور پھر بھی تفسیر لکھنے کی ہمت کرتے ہیں۔ آج کل اردو کے چند رسالے پڑھ کر بھی لوگوں نے تفسیر لکھنے کی ہمت کی۔ **تیسرا فائدہ:** جو چیز دینی کام میں نہ آئے وہ بے کار ہے اگرچہ اس سے دنیاوی صدہا کام نکلتے ہوں۔ دیکھو کفار اپنے آنکھ ناک کان سے دنیا کے سارے کام لیتے تھے مگر جب انہیں دین پر صرف نہ کیا تو انہیں بہرہ گونگا کہہ دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** بے معنی الفاظ بے کار ہیں۔ الفاظ کی عظمت مضامین سے ہے۔ اسی طرح وعظ سن کر اثر نہ لینا بے کار ہے۔ کیونکہ وہ شخص اس جانور کی طرح ہے جو محض آواز سنے۔ **پانچواں فائدہ:** حسد کا کفر جو دل میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پیدا کر دے دل پر مہر لگ جانے کا باعث ہے۔ جس کے بعد قرآن کے الفاظ تو کان تک پہنچتے ہیں مگر اس کے مضامین دل تک نہیں اترتے وہ ہی دل قرآنی مضامین کے لائق ہوتا ہے۔ جس کا وضو محبت مصطفوی کے پانی سے ہو جاوے۔ **چھٹا فائدہ:** جاہل باپ داداوں کی پیروی کرنا کفر کا سبب ہے۔ مگر جو باپ دادے اللہ والے ہوں۔ ان کی پیروی عین ایمان ہے۔ رب فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** سچوں کے ساتھ رہو اور فرماتا ہے۔ **صراط الذین انعمت علیھم**۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقلید کفار کا طریقہ ہے آج مقلدین بھی کفار کی طرح اماموں اور باپ داداوں کے راستہ پر چلتے ہیں اسی آیت میں اس کی برائی ہے (وہابی) **جواب:** شریعت کے مقابل ناجائز رسمیں اختیار کرنا اور کفار اور جاہل باپ داداوں کی پیروی کرنا بے شک طریقہ کفار ہے۔ ہمارے بزرگان مومنین بلکہ اللہ کے نیک بندے تھے۔ ان کی پیروی در

www.alahazratnetwork.org

حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہے۔ اس تقلید کے لئے یہ آیت پڑھو کہ صراط الذین انعمت علیھم حدیث شریف میں ہے کہ مسلمانوں کے بڑے گروہ کے ساتھ رہو۔ کیونکہ شیطان بھیڑیے کی طرح جماعت سے دور رہنے والے کو شکار کرتا ہے۔ ہاں وہابیوں کے بزرگ واقعی کفار ہوں گے جن پر یہ آیت چسپاں ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس اور اجماع کی پیروی ناجائز ہے صرف اسی کی اطاعت کی جائے جو اللہ نے اتاری یعنی قرآن و حدیث۔ **جواب:** قرآن و حدیث کے خلاف قیاس و اجماع پر عمل حرام ہے وہی اس آیت کا مقصود ہے جو مسئلہ کہ ہمیں ان میں نہ ملے وہاں قیاس و اجماع پر عمل کرنا قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے۔ رب فرماتا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار اور فرماتا ہے کہ جو شخص مسلمانوں کے راستہ کے سوا اور راہ چلے تو نولہ ما تولی و نصلہ جھنم ہم اسے جہنم میں پہنچائیں گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن کی ہی پیروی چاہئے کیونکہ اللہ کا اتارا ہوا وہی ہے حدیث کی پیروی نہ کی جاوے کہ یہ تو خود حضور کی اپنی باتیں ہیں (چکڑالوی) **جواب:** یہ درست نہیں اگر صرف قرآن کی پیروی ہوتی تو یہاں اتبعوا القران کہہ دینا کافی ہوتا اتنی بڑی عبارت کہ ما انزل اللہ فرمائی جاتی قرآن بھی رب کا اتارا ہوا اور حدیث بھی رب کی اتاری ہوئی رب فرماتا ہے وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی ہماری زبان پر نفسانی، شیطانی، رحمانی ہر طرح کی باتیں آتی ہیں مگر حضور کی زبان پر رحمانی باتیں ہی آتی ہیں وہ سب ما انزل اللہ ہے ارشاد باری ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول۔ **چوتھا اعتراض:** اگر یہاں یہود سے خطاب ہو تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم ما انزل اللہ کی پیروی کرتے ہیں کیونکہ توریت بھی ما انزل اللہ میں داخل ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے صرف قرآن مراد ہے یعنی جو اللہ نے حضور پر اتارا اور اگر توریت بھی مراد ہو تب بھی مطلب یہ ہوگا کہ ساری توریت کی اتباع کرو اس توریت میں یہ بھی تھا کہ نبی آخر الزمان کی پیروی کرنا۔

تفسیر صوفیانہ: میثاق کے دن ارواح کی چار صفیں تھیں۔ پہلی صف ارواح انبیاء کی۔ دوسری میں اولیاء اللہ کی روحیں۔ تیسری میں عام مسلمانوں کی ارواح۔ چوتھی میں کافروں کی ارواح۔ رب نے فرمایا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں۔ انبیاء کرام نے جمال الٰہی دیکھا اور یہ کلام بلا حجاب سنا اور عرض کیا کہ بلیٰ یعنی ہاں اسی لئے وہ دنیا میں نبوت اور رسالت اور کلام الٰہی یعنی وحی کے مستحق ہوئے۔ اولیاء اللہ نے ارواح انبیاء کے حجاب سے یہ انوار دیکھے اور کلام سن کر بلیٰ کہا لہٰذا وہ نبیوں کے پیرو اور الہام کے مستحق ہوئے۔ عام مسلمانوں نے یہ خطاب دو واسطوں یعنی اولیاء اور انبیاء کے ذریعے سن کر الوہیت کا اقرار کیا لہٰذا وہ دنیا میں بھی انبیاء کے امتی، اولیاء اللہ کے مطیع بنے اور ایمان بالغیب اختیار کیا۔ انہیں تین جماعتوں کا اس آیت میں ذکر ہے کہ ما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا او من وراء حجاب او یرسل رسولا وحی والے تو پیغمبر ہوئے۔ حجاب سے سننے والے اولیاء اور جن تک پیغام پہنچا وہ عام مسلمان رہے۔ کفار انہوں نے بہت سے پردوں کے پیچھے اس خطاب کی آواز تو سنی مگر مقصد نہ سمجھا۔ ایسے ہی بلیٰ کا شور سنا خود بھی بے سوچے سمجھے منہ سے بلیٰ کہہ دیا۔ جب دنیا میں آئے تو سب کچھ بھول گئے دل پر کفر کا ایسا غلاف چڑھا جس نے ان کی آنکھوں کو اندھا اور کانوں کو کلام انبیاء سننے سے بہرا اور زبان کو اس بلیٰ سے گونگا کر دیا۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ ان کی ہوائے نفس نے حباب کی طرح ان کا خانہ خراب کر دیا۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

چراغ غیر شکایت کنم کہ ہم چو حباب ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

انبیاء کا اثر لکڑی اور پتھر لیتے ہیں مگر کافر کے قلب نہیں لیتے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

زانبیاء ناسح تر و خوش لہجہ تر! کے بود کہ رفت و مشاں در حجر

زاں چہ کوہ و سنگ در کار آمدند می شد بد بخت راگشادہ بند

چاہئے کہ میثاق کے دن کی طرح اب بھی انبیاء اور اولیاء کے تربیت میں رہو اگرچہ حجاب غفلت رب کے فضل سے اٹھتا ہے مگر اس مرض کے علاج کے لئے کسی طبیب کامل کو نبض دکھانا ضروری ہے اور وہ مرشد کامل ہے (روح البیان)۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ
اے وہ لوگو! جو ایمان لائے کھاؤ تم پاکیزہ چیزوں میں سے وہ جو ہم دیں تم کو اور شکر کرو واسطے اللہ کے
اے ایمان والو! کھاؤ ہماری دی ہوئی ستھری چیزیں اور اللہ کا احسان مانو
كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
اگر ہو تم اس کی عبادت کرتے۔
اگر تم اسی کو پوجتے ہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اب تک توحید و رسالت اور ان کے دلائل کا بیان ہوا مشرکین اور اہل کتاب کی گمراہی بتائی گئی۔ اب مسلمانوں کو کچھ کھانے پینے کے احکام دیئے جارہے ہیں کہ جس طرح صحیح دلائل سے عقیدے درست ہوتے ہیں ایسے ہی صحیح غذا سے اخلاق اور جیسے کہ صحیح عقائد غذائے روح ہیں یوں ہی حلال نعمتیں جسم کی صحیح غذا نیز عقائد کے بعد غذا بڑی ضروری چیز ہے کہ اس سے نفس کا نباہ ہے جس پر سارے احکام کا مدار ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں غذا کے متعلق کفار کی افراط و تفریط کا ذکر تھا کہ وہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال سمجھتے تھے۔ اب مسلمانوں کو ان کی پیروی سے روکا جارہا ہے تاکہ وہ ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں۔ **تیسرا تعلق**: پہلے کفار کی گمراہی بیان ہوئی کہ وہ اپنی خوراک وغیرہ ہر چیز میں رسم و رواج کی پیروی کرتے ہیں۔ اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم اپنے ہر کام میں ہمارے تابع رہو جو ہم کھلائیں وہ کھاؤ جس سے بچائیں وہ چھوڑ دو۔

تفسیر : یاایھا الذین امنوا کلوا یہ پہلے یہی حکم عام لوگوں کو دیا گیا تھا جس کا اثر کفار نے کچھ نہ لیا اب خاص مسلمانوں سے خطاب ہے کہ اگر وہ کفار نہیں مانتے تو نہ مانیں تم تو اس پر عمل کرو چونکہ غذاؤں پر پابندی لگانا نفس پر بھاری بھی ہے اور غذا کا مسئلہ بڑا اہم بھی ہے کہ غذا و شکل پر شرعی پابندی ہی انسان و جانوروں میں فرق کا باعث ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے اس حکم کو الذین امنوا کے خطاب سے شروع فرمایا خطاب کرکے حکم کرنا مضمون کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے نیز اس لئے کہ وہ حکم نفس پر بھاری ہے۔ اس الذین امنوا کے خطاب میں جن و انس سارے مسلمان داخل ہیں فرشتے اس

www.alahazratnetwork.org

لئے کچھ اور ان کی طیب روزی اور ہے انسانوں کے لئے طیب روزی اور ہے انسانوں کے لئے کچھ اور ان کی طیب سے خارج کیونکہ فرشتے کھانے پینے سے پاک ہیں۔ مگر جنات کے لئے طیب روزی اور ہے انسانوں کے لئے کچھ اور ان کی طیب روزی کوئلہ وہڈیاں وغیرہ ہیں جہاں **الذین امنوا** کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کا حکم ہو وہاں اس خطاب میں جن 'انسان فرشتے سب ہی داخل ہیں۔ جیسے اے مومنو ہمارے نبی کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی نہ کرو یا ہمارے نبی سے آگے نہ بڑھو وغیرہ وغیرہ ان احکام میں سارے مومن 'انسان 'جن 'فرشتے سب داخل ہیں۔ خیال رہے کہ جیسے بعض غذائیں حلال بعض حرام بعض مکروہ وغیرہ ایسے ہی کھانا کبھی فرض کبھی واجب کبھی مستحب کبھی مکروہ کبھی حرام ہے۔ چنانچہ جان بچانے کے لئے کھانا پینا فرض جس پر بڑا ثواب اس قدر کھانا واجب ہے جس سے عبادات آسانی سے ادا ہو سکیں کیونکہ فرض کا موقوف علیہ بھی فرض یا واجب ہوتا ہے روزانہ دو وقت کھانا کھانا سنت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غدا و عشاء یعنی دوپہر سے پہلے اور بعد کھانا کھایا ہے۔ جیسے مرد کے لئے ناف سے گھٹنوں تک کا جانگھیہ پہننا فرض ہے باقی کرتا' تہبند' عمامہ' ٹوپی' اچکن وغیرہ پہننا سنت ہے فرض و سنت کا چولی دامن کا ساتھ ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ مہمان کی خاطر یا عبادات کی نیت سے کھانا مستحب روزہ اور نوافل اور تعلیم دین کے لئے مقوی غذائیں کھانا مستحب' پیٹ سے زیادہ کھانا مکروہ۔ اسی طرح نقصان دہ غذاؤں کا استعمال گناہ ہے چند کھانے میوہ کھانا جائز۔ محض لذت کے لئے کھانوں میں زیادتی کرنا مکروہ سنت یہ ہے کہ تہائی پیٹ غذا کھائے۔ تہائی پانی کے لئے خالی رکھے اور باقی سانس کے لئے یہاں لفظ کلوا میں بہت گنجائش ہے ظاہر یہ ہے کہ یہ اباحت کے لئے ہے (کبیر و در مختار) **من طیبت ما رزقنکم** طیب اور حلال کا فرق ہم پچھلی آیت میں بیان کر چکے ہیں چونکہ طیب حلال کو بھی شامل ہے۔ اس لئے یہاں حلال کا ذکر نہ کیا۔ من یا تو ابتدائیہ ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر تبعیضیہ ہو تب یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایک آدمی ساری طیب چیزیں نہیں کھا سکتا ان میں سے بعض ہی کھائے گا یا ہر طیب چیز کھانے میں ہی نہیں آتی بلکہ بعض کھانے میں اور بعض پہننے میں اور بعض دیگر استعمالات میں یا طیب کا ہر حصہ کھانے کے قابل نہیں۔ پھلوں کا صرف گودا کھایا جاتا ہے نہ کہ چھلکا و گٹھلی بکری اور گائے کے بھی گوشت کلیجی وغیرہ ہی کھانے کے قابل ہیں نہ کہ خون وغیرہ۔ اس لئے یہاں من فرمایا۔ **رزقنا رزق** سے بنا۔ جس کے معنی ہیں باقی رہنے والا عطیہ خواہ دینی ہو یا دنیوی۔ بھی حصہ نصیب غذا پر بھی بولا جاتا ہے یہاں غذائیں اور لباس وغیرہ سب ہی مراد ہیں۔ بلکہ حرام کمائی بھی رزق الٰہی ہے۔ اسی لئے یہاں طیب فرمایا یعنی ہمارے عطیہ میں سے طیب یعنی حلال و پاک اور لذیذ چیزیں کھاؤ اور اگر تمہیں خوف ہو کہ دنیوی لذت عبادت الٰہی سے محروم کر دے گی تو ہم تمہیں ایسی تدبیر بتائیں کہ عین کھانے کی حالت میں تم رب کی عبادت میں ہی مشغول رہو وہ یہ کہ **واشکروا للہ** یہ لفظ شکر سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں پھیرنا۔ اصطلاح میں اعضاء کو اصل مقصود کی طرف پھیرنے کا نام شکر ہے۔ اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ انسان ہر نعمت کو رب کی طرف سے جانے اور اعلیٰ درجہ یہ کہ ہر نعمت پر اس کے مطابق عبادت کرے یعنی مال سے زکوۃ دے۔ ہاتھ پاؤں سے حج کو جائے۔ زبان سے ذکر الٰہی کرے وغیرہ اور ان کے درمیان بہت سے مراتب ہیں ادنیٰ شکر فرض ہے اس کے سوا دیگر شکر کچھ فرض کچھ مستحب یعنی تم عادتوں کو عبادت بنا لو اور رب کی نعمت کا شکر کرتے ہوئے کھاؤ۔ **ان کنتم ایاہ تعبدون۔** اگر تم اسی کے عابد ہو۔ یا تو یہ ان' اذ کے معنی میں ہے اور کلوا کی علت جیسے **فاتقوا اللہ ان کنتم مومنین** میں یعنی چونکہ تم اس کے عبادت گزار ہو۔ لہٰذا اس کا دیا ہوا رزق بھی کھاؤ۔ آقا نوکروں کو کھلایا ہی کرتے ہیں اور یا شرط کے معنی میں ہے اور اس کی جزا یا تو کلوا ہے یا پوشیدہ یعنی اگر تم رب کے عابد ہو تو طیبات ہی کھاؤ نہ کہ خبیث چیزیں۔ ورنہ

www.alahazratnetwork.org

تمہاری عبادت قبول نہ ہو گی یا اگر تم اس کے پجاری ہو تو نفس کشی اور فقر و فاقہ اور خشک خوری میں عبادت کو محدود نہ جانو بلکہ ہم کبھی تمہارے فاقہ سے راضی ہیں اور کبھی کھلا کر تم ہماری رضا کے لئے رمضان وغیرہ میں فاقہ کیا کرو اور اس کے ماسوا شکر کرتے ہوئے نعمتیں بھی کھایا کرو تاکہ تم شاکر بھی ہو اور صابر بھی۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ جسمانی غذاؤں سے جسم کی بقاء ہے اور روح کا ارتقاء کہ حلال غذا سے دل میں جلا پیدا ہوتی ہے جیسے حرام غذا سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے نماز و روزہ کی طرح حلال غذا کا بھی حکم دیا کہ فرمایا۔ اے مسلمانوں خدا کی محبت اور ایمان کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ تم لذیذ کھانوں اور اچھی نعمتوں سے ایکدم محروم ہو جاؤ بلکہ تقاضاء ایمان یہ ہے کہ ہر چیز کی حکمت پیدائش سمجھو اور تقاضائے محبت یہ ہے کہ محبوب جو عطا کرے اسے بخوشی استعمال میں لاؤ۔ معشوق کے ہاتھ کی کڑوی چیز بھی میٹھی کی طرح کھائی جاتی ہے پس ہم تم سے کہتے ہیں کہ ہماری دی ہوئی حلال پاک اور لذیذ چیزیں شوق سے کھاؤ خواہ وہ مہنگی ہی ہوں ہاں خطرہ بد ہضمی کا ہے اس کے لئے شکر کا چورن تمہیں بتایا جاتا ہے کہ ہر نعمت پر رب کا شکر بھی کرتے رہو۔ تاکہ تمہارا کھانا پینا بھی عبادت ہو جائے۔ اگر تم اللہ کی عبادت کرتے ہو تو اس میں اپنی رائے کو دخل نہ دو بلکہ اس کے حکم کی اطاعت کرو کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دین خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

اگر رب طمع سے راضی ہے تو قناعت کرنا کیا ہے۔ علماء کے ہاں طیب رزق وہ ہے جو نہ خود برا ہو نہ برے ذریعے سے حاصل کیا گیا ہو جو کھانا خود برا ہے وہ حرام ہے جیسے سور یا کتے کا گوشت اور جو خود تو برا نہ تھا مگر برے ذریعے سے حاصل کیا گیا وہ خبیث ہے جیسے بکری کا گوشت جو سود یا چوری یا رشوت کے پیسہ سے خریدا گیا کہ یہ حرام تو نہیں مگر خبیث ہے لہٰذا ایک بکری کا گوشت ایک خریدار کے لئے طیب ہے دوسرے کے لئے خبیث۔ رب نے طیب فرما کر بہت سی چیزیں ارشاد فرمادیں چونکہ انسان کا رتبہ زیادہ ہے کہ اسے اشرف الخلق فرمایا گیا **ولقد کرمنا بنی ادم** اور جتنا رتبہ زیادہ اتنی ہی پابندی زیادہ عام آدمی کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے میں آزاد ہوتے ہیں مگر حکام و بادشاہ بہت محتاط زندگی رکھتے ہیں جس سڑک سے گزریں وہ پہلے سے مقرر ہوتی ہے جہاں باقاعدہ پہرا وغیرہ ہوتا ہے۔ ان کی باتیں بلکہ اوائیں ملک ملک کے اخباروں میں چھپتی ہیں ان کا کھانا پینا ٹیسٹ ہوتا ہے پھر وہ کھاتے ہیں تاکہ دشمن نے زہر نہ ملا دیا ہو اے انسان تو تمام مخلوق کا سردار ہے تیری ہر ادا پر پابندی ہے تو ٹیسٹ کر کے کھا پی اور کلام کر کہیں شیطان تیری غذا میں حرام کا زہر نہ ملا دے جو لوگ ان قیدوں سے آزاد ہونا چاہتے ہیں وہ در حقیقت انسانیت سے گر کر جانور بننا چاہتے ہیں تفسیر عزیزی نے حضرت زید ابن علی ابن حسین رضی اللہ عنہم سے نقل کیا کہ تین قسم کے کھانے میں تکلف کا قیامت میں حساب نہ ہو گا۔ مہمان کے واسطے اگرچہ خود بھی اس سے کھائے۔ اور سحری و افطار کے لئے اگرچہ خود ہی روزہ دار ہو اور بیمار کے لئے جب کہ وہ لذیذ غذا سے رغبت کرتا ہو۔ صحابہ کرام بلکہ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بعض اوقات لذیذ نعمتیں کھانا ثابت ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کی بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت ہے کہ جس چیز کا جن الفاظ میں پیغمبروں کو حکم دیا اس چیز کا مسلمانوں کو دوسری جگہ حکم فرمایا **یا یھا الرسل کلوا من الطیبت و اعملوا**

www.alahazratnetwork.org

صالحا۔ دوسرا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنی چال درمیانی رکھے نہ تو لذیذ نعمتوں سے ایکدم پرہیز کرے اور نہ اس کا عادی ہو جائے۔ اسی لئے یہاں کلوا کے ساتھ من فرمایا تاکہ ہر حالت میں خوش رہے۔ تیسرا فائدہ: حرام بھی خدا کا رزق ہے ورنہ حرام خور انسان کے حق میں خدا رازق نہ ہوتا۔ خنزیر اور سود و رشوت کا مال کھانے والا بھی خدا کا رزق ہی کھاتا ہے مگر چونکہ اس کی بے اجازت کھایا لہٰذا گنہگار ہے اسی لئے یہاں ما رزقنا میں طیبت کی قید لگائی۔ چوتھا فائدہ: رب کی نعمتوں کا شکر واجب ہے اسی لئے یہاں کھانے کے ساتھ شکر کا ذکر کیا۔ پانچواں فائدہ: مومن کا کھانا پینا بلکہ ہر دنیوی کام عبادت ہے کیونکہ وہ سب کچھ رضائے الٰہی کے لئے کرتا ہے یہ سمجھنا کہ صرف ترک دنیا ہی عبادت ہے غلطی ہے۔ اسی لئے روایت میں آیا کہ مسلمان کا کچھ دیر کے لئے بہ نیت اعتکاف مسجد میں بیٹھنا اس کے لئے ترک دنیا ہے۔ چھٹا فائدہ: رازق رب ہی ہے خواہ کسی ذریعہ سے دے باقی اس کی عطا کے دروازے ہیں لہٰذا حقیقی شکر رب ہی کا کرنا چاہئے۔ ظاہری شکریہ مخلوق کا بھی جیسا کہ رزقنا اور واشکروا للہ سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: ہم گزشتہ آیت میں یہ عرض کر چکے کہ بہترین کمائی جہاد ہے پھر تجارت پھر کھیتی باڑی پھر ہنر یہاں اتنا اور معلوم کر لو کہ پیشوں میں بھی ترتیب ہے کہ بعض بعض سے اعلیٰ ہیں۔ جن پیشوں سے دین یا دنیا کی بقاء ہے وہ دوسروں سے افضل۔ چنانچہ کتابت سب سے افضل پیشہ کہ اس سے قرآن و حدیث اور سارے دینی علوم کی بقا ہے۔ پھر آٹے کی پسائی اور چاول وغیرہ کی صاف کرائی کیونکہ اس سے نفس انسانی باقی رہتا ہے پھر روئی دھنا' کاتنا' کپڑا بننا وغیرہ کیونکہ اس سے ستر پوشی ہے پھر درزی گری وغیرہ کہ اس کا بھی وہی فائدہ ہے۔ پھر روشنی کا سامان بنانا کہ اس کے ذریعہ روشنی ہے پھر معماری' اینٹ سازی چونہ وغیرہ کی تیاری کہ اس سے شہر کی آبادی ہے۔ رہی زرگری' نقاشی' کارچوبی' حلوا سازی' عطر کا پیشہ یہ نہ ناجائز ہیں اور نہ ان کا کوئی خاص درجہ کیونکہ یہ فقط زینت کے سامان ہیں۔ معتزل اور بے مروتی کے پیشے مکروہ جیسے غلہ کا روکنا۔ مردہ کا غسل اور کفن سینے کا پیشہ اور دلالی اور وکالت وغیرہ۔ ہاں بوقت ضرورت ان میں حرج نہیں بشرطیکہ حرام باتوں سے بچے علمائے متقدمین' امامت' اذان' خدمت مسجد' علم دین کی تعلیم پر بھی اجرت لینے کو مکروہ فرماتے تھے۔ متاخرین نے دینی ضرورت دیکھ کر اسے بلا کراہت جائز جانا مگر جس کو اللہ دنیوی وسعت دے وہ اب بھی ان کی اجرت سے بچے تو بہتر ہے اور فی سبیل اللہ یہ خدمت انجام دے۔ ناجائز پیشے حرام ہیں۔ جیسے ناچنے گانے شکرے وغیرہ سے کھیلنا' جھوٹی گواہی وغیرہ کے پیشے (تفسیر عزیزی)۔ یہ سب چیزیں من طیبت سے حاصل ہیں۔ آٹھواں فائدہ: طیب غذا سے انسان بھی طیب بن جاتا ہے اور خبیث غذا سے انسان بھی خبیث ہو جاتا ہے حتی کہ بزرگوں کا جھوٹا کھانا یا ان کی دی ہوئی معمولی روٹی تبرک بن جاتی ہے۔ جس سے انسان نورانی ہو جاتا ہے حضور کی کلی کے پانی سے فلانہ کی زمین مسجد کے لئے موزوں ہو گئی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا پانی اور حضرت اسماعیل کے پاؤں کا دھوون آب زمزم لوگوں کے لئے شفا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں کی شفاء ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ : جانور بھی کھاتے ہیں اور کفار و مومنین بھی۔ مگر ان میں چند طرح فرق ہے۔ اس لئے ان کا کھانا باعث ثواب نہیں اور مومن کی غذا عبادت جانور اور کفار کا کھانا نفسانی خواہش سے اور مومن کا کھانا رب کے حکم سے۔ اسی لئے یہاں کلوا فرمایا۔ جانور و کفار کا کھانا دوسرے ہم جنسوں کی دیکھا دیکھی مومن کا کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دیکھا دیکھی جانور و کفار

www.alahazratnetwork.org

کا کھانا دنیوی کاروبار کے لئے مومن کا کھانا عبادت غفار کے لئے۔ جانور و کفار کا کھانا اغیار کے لئے۔ مومن کا کھانا یار کے لئے یعنی جانور کھا کر مالک کا کام کاج کریں۔ کافر کھائے رب کا اور گائے سب کا۔ مگر مومن جس کا کھائے اسی رب کا گائے اسی کا شکر بجا لائے اسی لئے **یا یھا الناس کلوا** کے بعد **یا یھا الذین امنوا کلوا** فرمایا گیا۔ اور یہاں شکر و عبادت کا ذکر بھی کیا گیا۔ مومن کی یہ شان ہے کہ محبوب جو کھلائے۔ جب کھلائے۔ جتنا کھلائے۔ جیسے کھلائے ویسے ہی کھائے بلکہ جب وہ کھلاتا ہے تو کھاتے ہیں۔ جب پلاتا ہے تو پیتے ہیں۔ جب بلواتا ہے تو بول لیتے ہیں۔ اگر وہ پیار افاقہ سے راضی ہے تو ہزار سیری اس پر قربان اور اگر سیری میں اس کی رضا ہے تو ہزار فاقے اس پر نثار صوفیاء کے ہاں طیب رزق وہ ہے جو نہ خود برا ہو نہ اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ برا نہ اس کے استعمال کا مقصد برا مجرم یا کفار کا کھانا پینا خبیث ہے کہ اگرچہ وہ حلال ذریعہ سے ہی کھائیں کہ ان کا مقصد نفسانی ہے مومن کی حلال روزی طیب ہے کہ اس کا مقصد رحمانی ہے طیب روزی اللہ کی رحمت ہے۔ خبیث روزی رب کا عذاب پھانسی کے ملزم کو جیل میں اچھی غذا دی جاتی ہے مگر وہ غذا عذاب ہے سرکاری نوکر بھی اسی ہی سے کھاتے ہیں مگر وہ ان کے لئے رحمت صوفیاء فرماتے ہیں۔ طیب و خبیث ہر چیز میں ہے ماں کی گود طیب بھی ہے خبیث بھی۔ بچے کی پرورش طیب بھی ہے خبیث بھی سونا جاگنا طیب بھی ہے خبیث بھی بلکہ جینا و مرنا طیب بھی ہے خبیث بھی **کلوا من طیبات** میں جسمانی روحانی جنانی تمام روزیوں کا ذکر ہے کہ طیب روزی کھاؤ۔ طیب پیٹ کے بچے جن کی پرورش طیب ہو۔ ان کی زندگی بھی طیب ہوتی ہے اور موت بھی طیب۔ رب فرماتا ہے **ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی وھو مومن فلنحیینہ حیوۃ طیبۃ**۔

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ

اس کے سوا نہیں کہ حرام کیا اوپر تمہارے مردار اور خون اور گوشت سور کا اور وہ جو ذبح کیا گیا

اس نے یہی تم پر حرام کئے ہیں مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جانور جو غیر خدا کا نام لے کر

لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ

اس کو واسطے غیر خدا کے۔ پس جو کوئی مجبور ہو نہ خواہش کرنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا

ذبح کیا گیا۔ تو جو ناچار ہو نہ یوں کہ خواہش سے کھائے اور نہ یوں کہ ضرورت سے آگے بڑھے

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

پس نہیں ہے گناہ اوپر اس کے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تو اس پر گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو پاک اور حلال چیزیں کھانے کا حکم ہوا۔ اب حرام چیزوں سے بچنے کا فرمان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں طیبات کھانے کا ذکر تھا جن کی تفصیل بہت دشوار تھی۔ اب حرام چیزوں کا ذکر ہے تاکہ اس سے حلال کا پتہ لگ جائے کہ ان کے سوا سب حلال۔ تیسرا

www.alahazratnetwork.org

تعلق: پچھلی آیتوں میں غذا کے متعلق مشرکین کی غلطی اور مومنین کی درستی کا ذکر تھا کہ مشرکین نہ کھانے کی چیز کھا جاتے اور کھانے کی چیز سے بچتے ہیں اور مومنین اس کے برعکس ہیں۔ اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر: **انما حرم علیکم۔** انما حصر کے لئے ہے جس کی تحقیق انشاء اللہ سوال و جواب میں کی جائے گی۔ **حرم** کلمہ حرم ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں محرومی یا باز رہنا۔ بزرگ چیزوں کو محترم اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کی بے ادبی سے باز رہنا چاہئے زمین مکہ کو حرم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہاں شکار وغیرہ سے باز رہنا پڑتا ہے۔ ناجائز چیزوں کو حرام کہنے کی یہی وجہ ہے کہ ان کے استعمال سے باز رکھا گیا۔ غرضیکہ لفظ حرام ایک ہے لیکن اگر اس کی نسبت کعبہ یا مسجد کی طرف ہو تو یہ لفظ عزت کا ہے اور اگر کتے بلے کی طرف ہو تو یہ لفظ اہانت کا دیکھو لفظ بشر جب یہ نبی کی صفت ہو تو اس کے معنی ہیں اللہ کی ہاتھ کی بنائی ہوئی صنعت **لما خلقت بیدی۔** اگر ہماری صفت ہو تو معنی ہیں ظاہری بشرہ والی چیز۔ جب کفار کی صفت ہو تو معنی ہوں گے شر والی چیز۔ شر خیر کے مقابل غرضیکہ ایک لفظ کے معانی منسوب الیہ سے ہوتے ہیں۔ اگرچہ لفظ حرم مطلق ہے مگر گزشتہ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے کھانے کی حرمت مراد ہے کیونکہ مردار وغیرہ کا کھانا ہی حرام ہے باقی کھال بال پٹھے وغیرہ استعمال میں آسکتا ہے۔ اس کی چربی وغیرہ سے روشنی کرنا لکڑی میں ملنا جائز ہے۔ علیکم میں یا تو مسلمانوں ہی سے خطاب ہے یعنی اے مسلمانو اگرچہ کفار بھی تمہاری طرح انسان ہیں مگر تم اس پاک محبوب کی پاکیزہ امت ہو تمہاری غذا بھی پاکیزہ چاہئے۔ بلبل پھول چوس کر جیتی ہے گندگی کا کیڑا گندگی کھا کر۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام عالم پر نہ کر ہے جدا تعمیر میں قوم رسول ہاشمی

جو مسلمان کفار کو دیکھ کر سود، جوا، سینما کی خواہش کرے وہ ایسا ہی ہے جیسے بلبل پلیدی کھائے کافر سود لے کر جئے گا۔ مومن زکوۃ دے کر زندہ رہے گا یا سارے انسانوں سے۔ کیونکہ صحیح یہ ہی ہے کہ کفار احکام کے مخاطب ہیں کہ آخرت میں انہیں اس کا بھی عذاب ہوگا۔ یعنی اے لوگو تم پر صرف یہ ہی چیزیں حرام کی گئی ہیں **المیتۃ۔** میت سے اور میتۃ۔ موت سے بنا۔ لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ میتۃ بے کار مردہ کو کہا جاتا ہے اور میت فائدہ مند کو۔ اسی لئے مومن مردہ کو میت کہتے ہیں۔ نیز جو جسم کٹ کر مرے وہ مقتول ہے اور جو اس کے بغیر مرے وہ میت یا میتۃ گویا میت مردہ اور میتۃ مردار۔ اصطلاح شریعت میں میتۃ وہ جانور ہے جو قابل ذبح ہو۔ مگر بغیر ذبح شرعی اس کی جان نکل جائے۔ لہذا مری ہوئی مچھلی اور ٹڈی اور شکاری جانور جو تیر یا کتے سے مر جائے میتہ نہیں کیونکہ اول دونوں تو قابل ذبح تھیں ہی نہیں اور یہ شکار ذبح شرعی سے مرا اور جو جانور گلا گھونٹ کر یا لاٹھی، پتھر، ڈھیلے، غلے، بندوق کی گولی سے مرا یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ سے یا کسی درندے سے ہلاک ہوا یا اپنی موت مرا وہ سب میتہ ہیں۔ اسی طرح زندہ جانور کا جو عضو کاٹ لیا گیا یا کسی کو سوا حلق کے اور جگہ زخم کر کے مار گیا یا الٹی طرف سے ذبح کیا گیا اور وہ رگیں کٹنے سے پہلے مر گیا تو وہ بھی مردار ہے **والدم** یہاں دم سے بہتا ہوا خون مراد ہے کیونکہ تلی اور کلیجی بھی اگرچہ خون ہیں مگر جمے ہوئے۔ مگر جو بہتا ہوا خون باہر آکر جم جائے وہ بھی حرام۔ دوسری جگہ قرآن پاک میں ارشاد ہوا۔ **او دما مسفوحا ولحم الخنزیر۔** سور حرام بعینہ ہے کہ اس کا کوئی جز کسی کام میں نہیں آسکتا ہاں ضرورۃً اس کے بال سے کھال سینا جائز ہے (تفسیر احمدی)۔ مگر یہاں گوشت خاص طور پر اسی لئے بیان کیا گیا کہ وہی اصل مقصود ہے۔ جب گوشت ہی حرام ہو

www.alahazratnetwork.org

گیا تو ہڈی وغیرہ دیگر چیزیں خود بخود حرام ہوئیں۔ **وما اھل بہ لغیر اللہ۔ اھل۔ ھلال** سے بنا۔ جس کے لفظی معنی پہلی یا دوسری تاریخ کا چاند۔ اس کا مصدر ہے **اھلال** یعنی چاند دکھانا۔ چونکہ اس وقت شور مچتا ہے کہ چاند وہ ہے اس مناسبت سے ہر پکارنے کو **اھلال** کہہ دیتے ہیں بچے کی چیخ کو بھی اسی لئے استھلال اور احرام کو اھلال کہا جاتا ہے مگر عرف میں ذبح کرنے کے وقت کی آواز کو اھلال بولا جاتا ہے۔ وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں (1) عبداللہ ابن عباس (2) مجاہد (3) ضحاک (4) قتادہ رضی اللہ عنہم نے یہ ہی معنی بیان کئے۔ عام مفسرین جیسے (1) بیضاوی (2) جلالین (3) خازن (4) لباب التاویل (5) مدارک (6) احمدی (7) تفسیر ابو السعود وغیرھم نے بھی یہ ہی معنی کئے یعنی جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے وہ حرام ہے۔ فقہا بھی یہ ہی فرماتے ہیں چنانچہ شامی باب الذبح میں ہے کہ ذبح کے وقت کا اعتبار ہے۔ اس زمانہ میں بعض مفسرین نے یہاں **اھل** کے معنی مطلقاً "پکارنا" کئے اور کہا کہ جس جانور پر زندگی میں بھی غیر خدا کا نام پکارا جائے وہ بھی حرام ہے اگرچہ خدا کے نام پر ذبح ہو۔ مگر یہ تفسیر عقلاً" و نقلاً" غلط ہے۔ نقلاً" تو اس لئے کہ عام مفسرین و صحابہ کرام کی تفسیر کے خلاف ہے۔ دیکھو درمنثور اور کبیر و روح البیان وغیرہ عقلاً" اس لئے کہ اس صورت میں آیت کا مقصود ہی بدل جائے گا۔ کیونکہ یہ مشرکین کے رد میں آئی ہے اور اب ان کی تائید کرے گی۔ مشرکین سمجھتے تھے کہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام ہو جاتے ہیں اس آیت نے ان کی تردید کی کہ نہیں تم جھوٹے ہو وہ حلال ہیں۔ اب اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہاں تم سچے ہو واقعی وہ حرام ہیں نیز اس صورت میں کوئی چیز حلال نہ رہے گی۔ زید کا غلہ عمر کی روٹی بکر کے باغ کے پھل وغیرہ کیونکہ یہاں ما میں جانور کی قید نہیں نیز اس صورت میں کوئی ذبیحہ بھی حلال نہ ہو گا۔ زید کی گائے عمر کی بکری عقیقہ کا دنبہ سب ہی میں غیر اللہ کا نام پکار آگیا یہ سب حرام ٹھہرے اسی لئے ان مفسرین کو دو قیدیں اپنی جیب سے نکال کر لگانی پڑیں گی۔ ایک ما میں جانور کی قید اور **اھل** میں تقرب کی نیت مگر قرآن میں کسی کی قید نہیں لگ سکتی۔ اگر **اھل** کے معنی ذبح ہوں تو آیت بلا تکلف درست ہے۔ نیز اس تفسیر پر لازم آئے گا کہ ہندوؤں کے سانڈ اور کفار عرب کے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام ہوں۔ یہ قرآن کریم اور عام مفسرین کے فرمان کے خلاف ہے۔ رب نے فرمایا **ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب** جس سے معلوم ہوا کہ بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کا حرام جاننا کفار کا فریب ہے۔ پھر صاف فرمایا کہ **کلوا مما رزقکم اللہ ولا تتبعوا خطوت الشیطن** جس سے معلوم ہوا کہ یہ جانور حلال ہیں۔ انہیں حرام جاننا شیطان کی پیروی ہے۔ اس آیت ماجعل اللہ کی تفسیر میں تفسیر فتح البیان اور نووی شرح مسلم میں ہے کہ کفار کے حرام جاننے سے یہ جانور حرام نہ ہو گئے۔ ان آیات میں ان کے اس عقیدہ کی تردید ہے۔ حضرت سعد نے اپنی والدہ کے نام پر کنواں کھدوایا اور فرمایا ہذہ لام سعد یہ کنواں سعد کی ماں کے نام پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور کے سامنے فرماتے **اللھم ھذہ لامۃ محمد** خدایا یہ امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ کوئی شخص مسجد عشاء میں دو رکعت نفل پڑھ کر کہے ھذہ لابی ہریرۃ" الٰہی یہ نماز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کی ہے غرضیکہ بہت احادیث سے ایصال ثواب کا ثبوت ہے۔ جس میں کھانے وغیرہ کی نسبت دوسرے کی طرف ہوتی ہے۔ اگر اس آیت کی یہ تفسیر کی جاوے تو ان تمام کے خلاف ہو جاوے گی۔ تفسیر احمدی میں اس آیت "اھل بہ" کی تفسیر میں ہے کہ جو گائے اولیاء کے لئے نذر کی گئی ہو جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے وہ حلال طیب ہے کیونکہ ذبح کے وقت اس پر خدا کا ہی نام لیا جاتا ہے عالمگیری باب

www.alahazratnetwork.org

للذبح ہے کہ مجوسی نے آگ کے لئے یا کافر نے بتوں کے لئے جانور پالا اور مسلمان سے ذبح کرایا۔ اس نے اللہ کے نام پر ذبح کردیا وہ حلال ہے غرضیکہ یہ تفسیر قرآن و حدیث و اقوال مفسرین و فقہاء سب ہی کے خلاف ہے اس لئے محض باطل۔ تفسیر اول ہی صحیح ہے۔ مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اسی جگہ بہت ایچ پیچ کے بعد یہ مان لیا کہ واقعی اس آیت سے اس جانور کی حرمت ثابت نہیں بلکہ سکوت ہے۔ وللہ الحمد' اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔ اس زمانہ کے بعض جہلاء نے تو غضب کردیا کہ ما اھل کو بہت ہی عام کردیا کہنے لگے کہ روپیہ' پیسہ' شیرینی وغیرہ جو چیز بھی خدا کے سواء کسی کی نذر کسی کے نام پر ہو حرام ہے وہ ما سے مراد جانور یا غیر جانور سب ہی چیزیں لیتے ہیں یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے لطف یہ ہے کہ یہ حضرات گیارہویں کی شیرینی' میلاد شریف کے کھانے کو تو اس آیت سے حرام بتاتے ہیں مگر ہولی دیوالی کی پوری کچوری' ولیمہ کا کھانا حلال مانتے ہیں (فتاویٰ رشیدیہ) اس صورت میں تو غضب ہو جاوے گا اگر قصائی ذبح کے لئے بکریاں لے جارہا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کہ یہ سب بکریاں حضور غوث پاک کے نام کی ہیں تو سب حرام ہو گئیں (نعوذ باللہ) **فمن اضطر** یہ لفظ ضر سے بنا جس کے معنی ہیں تنگی اور ضرورت بھی اسی سے ہے۔ اس کا مصدر ہے اضطرار۔ یعنی مجبور یا حاجت مند ہو جانا یا تنگی میں پھنس جانا۔ شرعاً اس کی تین صورتیں ہیں۔ (1) بھوک یا پیاس سے جان نکل رہی ہے کوئی حلال چیز موجود نہیں (2) کوئی شخص حرام کھانے پر مجبور کر رہا ہے اور نہ کھانے پر قتل کئے ڈالتا ہے۔ (3) سخت بیمار کو قابل طبیب نے مشورہ دیا کہ تم بجز فلاں حرام دوا کے کسی چیز سے بچ نہیں سکتے۔ ان تینوں صورتوں میں حرام کا استعمال منع نہیں۔ پہلی دو میں تو واجب ہے کہ نہ کھائے تو گنہگار مرے گا۔ سوم میں جائز کیونکہ علاج کرنا ہی فرض نہیں' چہ جائیکہ حرام دوا سے کیونکہ دوا کا صحت بخش یقینی نہیں **غیر باغ ولا عاد**۔ باغی یا تو بغی سے بنا یعنی خواہش یا بغاوۃ سے یعنی زیادتی۔ یہاں دونوں درست ہیں یعنی لذت کا خواہشمند نہ ہو۔ یا دوسرے بھوکے پر زیادتی نہ کرے کہ خود کھا جائے اور اسے مرنے دے (روح البیان) عاد۔ عدو سے بنا (حد سے بڑھنا) یعنی حد ضرورت سے نہ بڑھے۔ اگر ایک لقمہ سے جان بچتی ہو تو دوسرا نہ کھائے۔ جو کوئی بصورت مجبوری حرام استعمال کرے تو **فلا اثم علیہ** اس پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ضرورتیں حرام کو حلال کردیتی ہیں اس لئے کہ **ان اللہ غفور رحیم**۔ غفور۔ غفر سے بنا جس کے معنی ہیں چھپانا چھلکے کو اسی لئے غفر کہتے ہیں کہ اس سے گودا ڈھکا ہوتا ہے۔ رب بھی گناہوں کو چھپانے والا ہے اسی لئے غفار ہے یعنی اللہ گناہ بخشنے والا مہربان ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانوں تم بے وقوف کفار کی باتوں میں نہ آؤ۔ ہماری پیدا کی ہوئی چیزوں میں سے حلال طیب چیزیں مزے سے کھاؤ۔ تم پر ہم نے حسب ذیل چیزیں حرام فرمائی ہیں ان سے بچنا باقی سب کچھ کھانا (1) مردار (2) بہتا ہوا خون (3) سور کے اجزاء خصوصاً گوشت اور وہ جانور جسے غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس میں بھی تمہارے واسطے یہ آسانی ہے کہ جو کسی مصیبت میں پھنسے کہ اس کی جان پر بن جائے تو جان بچانے کے لئے بقدر ضرورت انہیں کھالے ہاں مزے کے لئے یا ضرورت سے زیادہ ہرگز استعمال نہ کرے اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔ بندوں کے لئے اس نے بہت آسانی فرمادی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا کہ یا تو رب کا نام لیا ہی نہ گیا یا رب کے ساتھ بطریق عطف دوسرے کا نام بھی لیا گیا وہ حرام ہے۔ جیسے بسم اللہ و محمد رسول اللہ۔ اگر بغیر عطف کے ملایا

www.alahazratnetwork.org

گیا تو جائز ہے مگر مکروہ جیسے بسم اللہ محمد رسول اللہ اور اگر ذبح سے پہلے یا بعد کسی کا نام لیا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں (تفسیر احمدی) دوسرا فائدہ: جو جانور عقیقے ولیمہ میلاد شریف فاتحہ بزرگان کی نیت سے پالا جائے وہ حلال و طیب ہے (تفسیر احمدی) تیسرا فائدہ: چیزوں میں مباح ہونا اصل ہے یعنی جس کو شریعت حرام نہ کرے وہ حلال ہے کیونکہ رب نے حرام چیزوں کا ذکر کیا نہ کہ حلال کا کیونکہ وہ تو حلال ہیں ہی (تفسیر احمدی)

مسئلہ: کل حرام جانور یہ ہی نہیں ہیں بلکہ اس کے علاوہ کتا بلی گدھا وغیرہ سب حرام ہیں عالمگیری میں اس کی پہچان کا عجیب قاعدہ بیان کیا۔ وہ یہ کہ جانور دو قسم کے ہیں۔ دریائی اور خشکی کے۔ دریائی سب حرام سوائے مچھلی کے۔ خشکی والے پھر دو طرح کے ہیں۔ پرندے اور چرندے یعنی ہوائی اور زمینی پرندے پھر دو قسم کے ہیں ایک خون والے ایک بے خون۔ بغیر خون سب حرام سوائے ٹڈی کے۔ خون والے جو پنجے سے پکڑ کر چیز کھائیں وہ حرام باقی حلال۔ زمینی جانور بھی دو طرح کے ہیں۔ خون والے اور بے خون بے خون سب حرام۔ خون والے کیڑے کوڑے (سانپ بچھو) اور جو کیل والے ہوں۔ جیسے کتا بلی وغیرہ وہ حرام باقی سب حلال۔ اس قاعدہ سے صرف تین جانور خارج ہیں۔ اونٹ گھوڑا اور طوطا۔ مسئلہ: حلال جانوروں کے یہ اعضاء حرام ہیں۔ خون، پتہ، مثانہ، ذکر، کر، مادہ کی فرج، دبر، فوطہ اور تلی و گردہ حضور کو ناپسند تھے۔ ایسے ہی اوجڑی وغیرہ۔ بکری کا دست و سینہ زیادہ پسند تھا۔ مسئلہ: تین صورتوں میں خدا کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور بھی حرام ہے۔ ایک یہ کہ ذبح کرنے والا مشرک یا مرتد یا دہریہ ہو۔ ذبیحہ صرف مسلمان یا اہل کتاب ہی کا درست ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان کسی تھان پر بھینٹ چڑھانے کی نیت سے بسم اللہ سے ذبح کرے یہ حرام ہے رب فرماتا ہے **وما ذبح علی النصب**۔ تیسرے وہ جو بادشاہ کی آمد پر لوگ اس سے تقرب و پرستش کے لئے قربانیاں دیں کہ اگرچہ بسم اللہ سے ذبح کریں تب بھی حرام ہے۔

پہلا اعتراض: **انما** حصر کے لئے ہے تو چاہئے کہ سوا ان چار جانوروں کے اور کوئی حرام نہ ہو حالانکہ خود قرآن کریم نے دوسری آیت میں اور بھی جانور جیسے گر کے مرنے والا۔ درندے کا کھایا ہوا وغیرہ حرام کیا اور حدیث نے تو بے شمار جانوروں سے ممانعت فرما دی ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس آیت کے تمام جانور سوال میتہ میں داخل ہیں اور **انما** یا تو فقط اس وقت کے لئے تھا۔ دیگر چیزیں بعد میں حرام ہوئیں یا بلاواسطہ حرمت کے لئے یعنی رب نے تو یہ ہی چیزیں حرام فرمائیں باقی اس کے رسول نے حرام کیں۔ اسی لئے ارشاد ہوا **ویحرم علیهم الخبٰئث** یعنی وہ رسول ان پر خبیث چیزیں حرام فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دینی اہم چیزیں جیسے نماز، زکوٰۃ، حرام، حلال وغیرہ میں بہت اختصار بلکہ نہایت اجمال فرمایا تاکہ مسلمان قرآن پڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو جاویں۔ بلکہ ہر قدم پر ان کے محتاج رہیں دیکھو حرام چیزیں جن کے بیان پر دین و دنیا کا انتظام قائم ہے۔ کل چار بیان کیں اور لاکھوں حرام چیزیں حضور نے بتائیں۔ پھر ان چار میں بھی ایسا اجمال رکھا کہ بغیر حضور کے بتائے یہ بھی سمجھ میں نہیں آتیں۔ حتیٰ کہ سور کا صرف گوشت حرام کیا۔ چربی، کلیجی، گردے وغیرہ حضور نے حرام فرمائے۔ دنیا میں کوئی شخص اہل قرآن ہو کر زندہ نہیں رہ سکتا۔ حدیث ماننے پر ایسا مجبور ہو گا جیسے کھانا کھانے والا پانی کا۔ جتنند ہوتا ہے یا حصر کفار کے لحاظ سے ہے کہ اے مشرکو! تم نے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام مان لئے حالانکہ رب نے انہیں حرام نہ فرمایا بلکہ صرف انہیں۔ دوسرا اعتراض: عجیب لطف ہے کہ خدا کا مارا ہوا جانور تو حرام ہو یعنی مردار اور انسان کا مارا ہوا یعنی

www.alahazratnetwork.org

ذبیحہ حلال (ستیارتھ پرکاش) جواب: ہر جانور خدا کا پیدا کیا ہوا ہے۔ موت اور زندگی اسی کے قبضہ میں ہے۔ مقصود صرف یہ
ہے کہ جس کا گندہ خون خدا کے نام پر نکال دیا جائے وہ حلال ہے۔ باقی حرام۔ تیسرا اعتراض: خدا نے مفید جانور بلاوجہ کیوں
ذبح کرادیئے ان کا قصور کیا تھا (ستیارتھ پرکاش) جواب: ہر ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے اور ایک کی موت دوسرے کا ذریعہ زندگی
ہے۔ پنڈت جی ترکاریوں وغیرہ سب میں جان ہے تم انہیں کاٹ کر کیوں کھاجاتے ہو۔ نیز جانوروں کی کھال کے جوتے کیوں پہنتے
ہو۔ ہوا میں صدہا باریک کیڑے ہیں۔ جنہیں تم سانس لے کر مار ڈالتے ہو تم نے پیدا ہو کر اپنی ماں کا خون یعنی دودھ کیوں کیا۔ اگر
جیوھتیا (قتل جاندار) بری چیز ہے تو مہربانی کر کے سانس لینا اور پانی پینا چھوڑ دو تاکہ جلدی بیکنٹ کو سدھارو۔ دنیا تم سے پاک
ہے۔ چوتھا اعتراض: تو چاہیے کہ سارے جانور کھایا کرو کیونکہ سب خدا کی مخلوق ہیں۔ بعض پر مہربانی کیوں کرتے ہو (آریہ)
جواب: پنڈت جی ساری عورتیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ پھر بیوی کا کام اپنی ماں بہن سے کیوں نہیں لیتے۔ یہ فرق کیسا۔ رب کی
مخلوق خالق کی اجازت پر خرچ کی جائے گی۔ بری غذا کا اثر کھانے والے کے اخلاق پر پڑتا ہے۔ اس لئے وہ حرام کی گئیں مثلاً سور
بے غیرت جانور ہے کہ اپنی مادہ کے لئے نر خود تلاش کرتا ہے۔ سور خور قومیں یعنی ٹھاکر و عیسائی وغیرہ کیسی بے غیرت ہیں۔ اسی
طرح بعض جانور کے گوشت تندرستی بگاڑنے والے ہیں۔ انہیں بھی شریعت نے حرام فرمایا۔ پانچواں اعتراض: شاہ
عبد العزیز صاحب نے تفسیر عزیزی میں اس جگہ فرمایا کہ **اهل** کے معنی مطلق پکارنا ہیں۔ اس سے ذبح مراد لینا خلاف لغت ہے
لہذا اولیاء کے نام پر پالے ہوئے جانور حرام ہیں۔ جواب: شاہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ یہاں سخت غلطی کر گئے۔ **اهل** کے
عرفی معنی بوقت ذبح آواز دینا ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد۔ جیسے صلوۃ کے لغوی معنی مطلق دعا ہیں مگر عرفی معنی نماز اور یہ ہی معنی
اقیموا الصلوۃ میں مراد شاہ صاحب کی وجہ سے قرآنی آیات اور اقوال صحابہ کرام کی مخالفت نہیں کی جاسکتی۔ ملا احمد جیون
نے تفسیر احمدی میں اس کے جواز کی تصریح بھی فرمادی۔ وہ شاہ صاحب سے اعلیٰ اور افضل ہیں۔ چھٹا اعتراض: فقہا فرماتے
ہیں کہ بادشاہ کے آنے پر جو تقرب کی نیت سے جانور ذبح کئے جائیں۔ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر ہوں تب بھی حرام ہیں۔ اس سے
معلوم ہوا کہ قبل ذبح کی آواز بھی معتبر ہے۔ جواب: یہ دوسرا مسئلہ ہے یہ وہ صورت ہے کہ جہاں گوشت مقصود نہ ہو۔
صرف کسی کے نام پر خون بہانے کا مقصد ہو یعنی بھینٹ جیسے قربانی اور عقیقہ میں ہوتا ہے۔ یہ بھینٹ غیر خدا کی عبادت ہے اس
لئے حرام بلکہ کفر ہے۔ اس سے فاتحہ بزرگان کو کوئی نسبت نہیں۔ اسی لئے تفسیر روح البیان پارہ چھ آیت ما اهل بہ کی تفسیر میں
اور نووی شرح مسلم کتاب الاضاحی کے اخیر میں فرمایا کہ امام رافعی فرماتے ہیں کہ اگر بادشاہ کی آمد کی خوشی میں جانور ذبح کئے جائیں
تو حلال۔ جیسے بچے کی آمد کی خوشی میں عقیقہ کا جانور۔ اسی لئے تمام فقہاء نے حرمت میں تقرب کی قید لگائی۔ یعنی عبادت غیر
خدا۔ ساتواں اعتراض: گیارھویں والے جانور کا بدلہ گوارا نہیں کرتے۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ جناب غوث کا تقرب ہی
کرتے ہیں لہذا یہ جانور حرام (تفسیر عزیزی و مولوی اشرف علی) جواب: نہ بدلنا عبادت کیسے بن گیا۔ یہ محض اہتمام کے لئے
ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے جانور خوب پال کر فربہ کیا ہے۔ دوسرا گوشت ایسا نہ ہوگا اس لئے ایسا نہیں کرتے۔ عام مسلمان فاتحہ
کے برتن بھی نہیں بدلتے محض اہتمام کے لئے اور اگر وہ لوگ تبدیلی ناجائز بھی سمجھتے ہوں تو یہ ایک غلطی ہے مگر یہ فعل غیر کی
عبادت کیسے ہوگیا۔ اس کے عبادت ہونے کے لئے آیت قرآنی یا حدیث پیش کرو۔ آٹھواں اعتراض: **فلا اثم علیہ**

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرورت کے وقت حرام چیز کھانا محض جائز ہے نہ کہ واجب۔ تم نے بعض صورتوں میں واجب بھی کہا۔ جواب: اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم غلطی سے ایک آدھ لقمہ ضرورت سے زیادہ بھی کھا گئے ہو تو گناہ نہیں۔ کیونکہ بھوک کے وقت صحیح اندازہ مشکل ہوتا ہے۔ نواں اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ حرام میں شفا نہیں پھر تم نے من اضطر میں حرام دوائیں کیوں داخل کیں۔ جواب: حکیم حاذق کے فرمانے پر حرام چیز حرام ہی نہیں رہتی بلکہ حلال بن جاتی ہے۔ حلال میں شفا ہے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینہ والوں کو علاج کے لئے اونٹ کے پیشاب پینے کا حکم دیا۔ جب حلال دوا ممکن ہو تو حرام میں شفا نہیں۔ کیونکہ اب وہ حرام ہے۔ دسواں اعتراض: سور کے سارے اجزاء ایسے حرام ہیں کہ انہیں کھانے کے سوا دوسرے کام میں بھی نہیں لاسکتے۔ پھر وہاں گوشت کی قید کیوں لگادی کہ لحم الخنزیر مردار وغیرہ کے اجزاء کھانے کے سوا اور کام میں آسکتے ہیں وہاں گوشت کی قید کیوں نہ لگائی اور مردار و سور کو یکساں طریقہ سے کیوں حرام نہ فرمایا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ عالمانہ جواب تو یہ ہے کہ مردار۔ نطیحہ۔ متردیہ وغیرہ حرام بعینہ نہیں بلکہ مردار ہو جانے چھت سے گر کر مرنے وغیرہ سے حرام ہو گئے۔ بذات خود حلال تھے اور سور بذات خود حرام ہے کسی عارضہ کی وجہ سے نہیں تو ان جانوروں میں علت حرمت بیان کرنے کے لئے میتہ متردیہ کے الفاظ سے کہا اور سور کے گوشت کو بذات خود نام لے کر حرام فرمایا اور جب اس کا گوشت ہی حرام ہوا تو باقی اجزاء بھی حرام ہو گئے۔ وجہ فرق یہ ہے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب کا مقصود منشاء یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز میں حضور انور سے بے نیاز نہ ہو۔ سور جیسی حرام چیز میں بھی صرف گوشت کا ذکر فرمایا باقی اجزاء کی تحریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرمادی ان کے متعلق ارشاد فرمایا **ویحرم علیھم الخبٰئث** ہمارے محبوب لوگوں پر خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ شرعاً یہ ظاہری چیزیں حرام ہیں۔ ایسے ہی طریقت میں باطنی خباثت بھی حرام چنانچہ دنیا مردار ہے جیسا کہ روایت میں آیا کہ دنیا مردار اس کے طالب کتے۔ طالب مولیٰ پر اس سے بچنا لازم۔ شیطانی خواہش دم یعنی خون ہیں جیسا کہ روایت میں ہے کہ شیطان انسان کے خون کے ساتھ دورہ کرتا ہے۔ نفس خنزیر اور اس کے برے عقیدے اس خنزیر کا گوشت کیونکہ یہ مثل سور کے حریص اور اس کا ظاہر و باطن خسیس ہے۔ ریا والی عبادات ما اھل بہ لغیر اللہ ہیں کہ یہ غیر خدا کی نیت سے کی گئیں۔ مردان خدا پر یہ سب چیزیں حرام۔ اگر نفسانی یا شرعی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے کچھ دنیا حاصل کی جائے یا غیر خدا سے تعلقات رکھے جائیں بشرطیکہ حرص دنیا اور خلط حرام سے خالی ہوں اور حد قناعت سے آگے نہ بڑھے تو گناہ نہیں۔ رب تعالیٰ اپنی رحمت سے ان سب کو دین بنا دے گا مگر ان مذکورہ شرائط کی پابندی لازم ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لفظ غیر بمعنی سواء بھی آتا ہے۔ بمعنی اجنبی بھی اور بمعنی دشمن بھی۔ جیسے مسجد، مکہ معظمہ، مدینہ پاک، کعبہ معظمہ کی زمین رب کی خاص اپنی ہیں۔ بازار وغیرہ کی زمین گویا اجنبی، بت خانہ کوڑی وغیرہ کی زمین گویا دشمنی والی زمین ہے ایسے ہی بعض بندے اللہ کے اپنے ہیں۔ جیسے انبیاء و اولیاء بعض رب سے اجنبی جیسے عام غافل لوگ بعض رب کے دشمن جیسے کفار بت، ابلیس وغیرہ، رب فرماتا ہے **اولٰئک حزب الشیطٰن** جیسے ہر چیز دشمنان خدا کی طرف کوئی چیز منسوب ہو کر ناقص ہو جاتی ہے ایسے ہی محبوبان خدا کی طرف نسبت سے درجہ میں بڑھ جاتی ہے۔ دیکھو گنگا کا پانی مردود ہے آب زمزم محبوب۔ خیال رہے کہ جان رکھنا بڑی عبادت ہے کہ ساری عبادات اسی پر موقوف ہیں۔ لہٰذا جب جان کا مقابلہ احکام سے ہو گا تو احکام نرم کر دیئے جائیں

www.alahazratnetwork.org

گے حتی کہ مردار کھانا بھی درست ہو گا مگر جب مقابلہ ایمان سے ہو تو جان قربان کر دی جاوے گی کیونکہ ایمان جان سے اعلیٰ ہے کہ جان فانی ہے ایمان باقی اور ہمیشہ ادنیٰ اعلیٰ پر قربان ہوتا ہے۔ جمادات نباتات پر قربان کہ کھیت کے لئے زمین کو درہم برہم کر دیا جاتا ہے اور نباتات حیوانات پر نثار۔ انسان پر قربان تو چاہئے کہ انسان بھی اپنے سے اعلیٰ پر قربان ہو۔ صدیق اکبر نے حضور کی نیند پر جان قربان کر دی۔ کہ سانپ کاٹتا رہا مگر جنبش نہ کی اس میں اسی قربانی کی تعلیم ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْتُمُوْنَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ یَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا
تحقیق وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو اتارا اللہ نے کتاب سے اور خریدتے ہیں بدلے اس کے قیمت تھوڑی
وہ جو چھپاتے ہیں اللہ کی اتاری کتاب اور اس کے بدلے ذلیل قیمت لے لیتے ہیں۔
قَلِیْلًاۙ اُولٰٓىٕكَ مَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا یُكَلِّمُهُمُ
یہ لوگ ہیں کہ نہیں کھاتے بیچ پیٹوں اپنے کے مگر آگ اور نہ بات کرے گا اللہ ان سے
وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں اور اللہ قیامت کے دن ان سے بات
اللّٰهُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَ لَا یُزَكِّیْهِمْۖۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۷۴)
دن قیامت کے اور نہ پاک کریگا ان کو اور واسطے ان کے عذاب دردناک
نہ کرے گا اور نہ انہیں ستھرا کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ان محرمات کا ذکر تھا جو براہ راست رب نے حرام فرمائیں۔ اب ان محرمات کا ذکر ہے جو خود بندے کی نالائق حرکت سے حرام ہوئیں ورنہ اصل میں حلال تھیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان حرام چیزوں کا ذکر تھا جو اللہ کے حق سے حرام ہیں۔ اب ان مالوں کا ذکر ہے جو انسانی حق کی وجہ سے حرام ہیں یعنی رشوت کا پیسہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان محرمات کا ذکر تھا جن کی حرمت عام ہے۔ اب وہ محرمات بیان ہو رہے ہیں۔ جن کی حرمت بعض کے لئے ہے نہ کہ کل کے لئے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بعض حرام چیزوں کا ذکر تھا۔ اب بعض حرام کاموں کا ذکر ہے۔ یعنی حق چھپانا۔

شان نزول : علمائے یہود نے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے نام شریف اور آپ کی صفات کو لوگوں میں خوب مشہور کیا تھا اور کہا کرتے تھے کہ نبی آخر الزمان ہم ہی میں سے ہوں گے۔ لوگ اس لئے انہیں نذرانے دیتے تھے اور ان کی خدمتیں کرتے تھے کہ یہ بزرگ جماعت ہے اور نبی آخر الزمان کے ہم قوم۔ حضور انور کی برکت سے پہلے بھی لوگوں کی

www.alahazratnetwork.org

عیب پوشی ہوتی تھی اور روزیاں ملتی تھیں۔ اب بھی ہو رہی ہے۔ آج علماء، مشائخ، سید حضور کی نسبت سے پل رہے ہیں جب آپ قبیلہ بنی اسمٰعیل میں تشریف لائے تو ان کو اپنے نذرانے بند ہونے کا اندیشہ ہوا۔ لہٰذا انہوں نے حضور کی ان صفتوں کو بدل دیا جو توریت میں تھیں اور کہا نبی آخر الزمان یہ نہیں ہیں وہ ابھی آنے والے ہیں۔ ہم میں ہی سے آئیں گے تاکہ لوگوں کو ان کا انتظار باقی رہے اور ان کے نذرانے بند نہ ہو جائیں۔ ان کے حق میں یہ آیت اتری (درو منثور) غرضیکہ یہ لوگ پہلے بھی حضور کے نام پر کھاتے تھے اور بعد میں بھی مگر پہلے دوست بن کر بعد میں دشمن ہو کر اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سید نہیں مگر اپنے کو سید کہتے ہیں کہ یہ کام ان یہود کا سا ہے جو اپنے کو حضور کا ہم قوم کہتے تھے وہ بھی عبرت پکڑیں جو حضور کے نام پر پلیں اور حضور کی نعت چھپائیں۔

تفسیر: **ان الذین یکتمون ما انزل اللہ من الکتب** یہ اگرچہ خاص علماء یہود کے بارے میں آئی مگر الذین میں ایسی حرکت کرنے والے سارے ہی داخل ہیں خواہ عیسائی و یہودی ہوں یا مسلمان کہلانے والے علماء۔ چونکہ آئندہ زمانے میں ایسے لوگ بھی پیدا ہونے والے تھے جو حضور کے اوصاف چھپانے بلکہ انکار کرنے کو دین کی بڑی خدمت سمجھیں گے۔ اس لئے اس مضمون کو **ان** سے شروع فرمایا گیا۔ **یکتمون** کتم سے بنا۔ جس کے معنی ہیں چھپانا۔ اس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں۔ **ما انزل اللہ** بھی عام ہے۔ عقائد، حضور کی نعت شریف، شرعی احکام جو بھی اظہار کے لئے اتارے گئے۔ ان کا چھپانا حرام ہے۔ **انزل** کے لفظ میں اشارہ ہے کہ تصوف کے اسرار اور علمی باریکیوں کا ظاہر کرنا ضروری نہیں بلکہ نااہل سے چھپانا واجب ہے۔ اسی لئے ساتھ ہی **من الکتب** بھی فرما دیا۔ جس سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے۔ احکام چھپانے کی تین صورتیں ہیں۔ (۱) کسی مسئلہ شرعی کی ضرورت درپیش ہو اور عالم اس کے بتانے سے انکار کرے (2) عالم دین دنیوی لالچ سے امیروں کی صحبت اختیار کرے اور ان کے عیوب اور گناہوں کو باطل تاویلوں سے صحیح کرنے کی کوشش کرے تاکہ اس ذریعہ سے روپیہ ہاتھ آئے (3) قرآن و حدیث کی وہ تاویل کرے جو عقائد اسلامی کے خلاف ہو اور جو سلف صالحین و صحابہ کرام کے مسلک کے خلاف ہو۔ ان تینوں کا ایک ہی حکم ہے مگر یہ تیسری زیادہ سخت ہے اس کو تحریف بھی کہتے ہیں یعنی جو لوگ اللہ کی اتاری کتاب کو چھپاتے ہیں اور اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ **ویشترون بہ ثمنا قلیلا** بہ کی ضمیر یا تو یکتمون کے مصدر کتمان یا اس کے مفعول مکتوم یا ما کی طرف لوٹتی ہے۔ دنیوی مال آخرت کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جیسے قیمت سامان حاصل کرنے کا وسیلہ غیر مقصود اس لئے اسے ثمن فرمایا گیا۔ ثمن یعنی قیمت اگر سامان خریدنے کا ذریعہ ہے تو اس کی عزت ہے۔ ورنہ بیکار وہ کھوٹ نہ کھانے میں آئے نہ پینے میں نہ اوڑھنے بچھانے میں مگر اس لئے پیارا ہے کہ یہ سامان ملنے کا ذریعہ ہے اگر نوٹ کا چلن بند ہو جائے تو بیکار ہے یوں ہی دنیا قیمت ہے رضاء الٰہی لقاء مصطفیٰ جنت وغیرہ اصل سامان کی اگر دنیا ان چیزوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہو تو اس کی عزت ہے جیسے حضرت عثمان غنی کی دنیا اور اگر نفس کے لئے ہو کہ اسے آخرت کے حصول کا ذریعہ نہ بنایا جاوے تو بیکار۔ لیکن اگر دین کے عوض دنیا خریدی جاوے تو زہر قاتل ہے۔ جیسے یزیدیوں کی دنیا ان یہود و نصاریٰ نے یہ تیسرا جرم کیا کہ دین کے عوض دنیا خریدی جس پر یہ عتاب آئے اور یہ کتنی بھی زیادہ ہو مگر آخرت کے مقابل بہت حقیر و ذلیل اور تھوڑی ہے تمام دنیا جنت کی بکری کے ایک موتی کی قیمت نہیں ہو سکتی۔ نیز دنیا سے تو چند سال تک لطف اٹھا سکتے ہیں مگر آخرت کا

www.alahazratnetwork.org

نفع دائمی- فانی چیز قلیل ہے باقی کثیر لہٰذا آخرت خریدنے کی کوشش کرو رب سے جب مانگو ایمان پر خاتمہ اس کی رضا، عشق جناب مصطفیٰ مانگو۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب　　　سوز صدیق و علی از حق طلب

اس لئے اسے قلیل بھی کہا گیا۔ یشترون سے ان کی حماقت کا بیان ہے یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ دنیا سے آخرت خریدتے مگر یہ بے وقوف اصل پونجی (آخرت) کے عوض تھوڑی قیمت یعنی دنیا خریدتے ہیں۔ لہٰذا اولئک ما یاکلون فی بطونھم الا النار یہ لوگ اپنے پیٹ میں مال نہیں بلکہ آگ بھر رہے ہیں یا تو یاکلون بمعنی حال ہے یا بمعنی مستقبل یعنی فی الحال آگ ہی کھا رہے ہیں کہ حرام کھانا پیٹ میں پہنچ کر آگ کا کام کرتا ہے کہ دل کا سوز، عشق، اخلاص، آنکھ کے آنسو قبولیت دعا وغیرہ کو ایسے جلا ڈالتا ہے جیسے آگ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر کر دیتی ہے۔ زہر و شہد پیٹ میں جاکر مختلف اثر دکھاتے ہیں۔ ایسے ہی حرام و حلال روزی کی تاثیریں الگ الگ ظاہر ہوتی ہیں یا چونکہ یہ مال آخر کار آگ کھلائے گا۔ اس لئے اسے آگ کہا گیا۔ دنیا کے نیک اعمال آخرت ہی میں لذیذ میوے، دودھ، شہد بن کر سامنے آئیں گے اور یہاں کے برے اعمال دوزخ کے سانپ، بچھو، آگ بن کر عذاب دیں گے۔ جیسے یہاں بعض غذائیں پیٹ میں جاکر کیڑے گینڈے بن جاتی ہیں۔ یا آئندہ جہنم میں انگارے کھائیں گے۔ بطون کہہ کر یہ بتایا کہ تہائی پیٹ نہ کھائیں گے بلکہ خوب پیٹ بھر کر اور یہ بھی نہ ہوگا کہ مسلمانوں کی طرح جہنم میں کچھ روز رہ کر گناہوں سے پاک صاف ہو جائیں بلکہ ولا یکلمھم اللہ یوم القیمۃ قیامت کے دن رب ان سے کلام بھی نہ فرمائے گا یا تو اس سے بلاواسطہ کلام کرنا مراد ہے۔ یا محبت و کرم کا کلام یعنی آج تو رب ظاہر طور پر کسی سے کلام نہیں فرماتا۔ مگر قیامت کا دن عدل و انصاف کا دن ہوگا ہر نیک و بد رب کا کلام سنے گا جیسے کچہری میں مجرم بھی جج سے کلام کر لیتا ہے مگر احکام چھپانے والے بدنصیب اس دن بھی اس محبوب کے کلام سننے سے محروم رہیں گے اور آتش فراق میں جلیں گے۔ وہاں ہر شخص کے دل میں عشق الٰہی کی آگ بھڑک رہی ہوگی۔ پھر رب کے دیدار و کلام سے محرومی سخت عذاب ہوگی مومن کے لئے سب سے بڑی نعمت اللہ کا کلام سننا اس کا جمال دیکھنا ہوگا۔ اس کے ساتھ ہی ولا یزکیھم یہ لفظ تزکیہ سے بنا جس کے معنی ہیں پاک کرنا یا صفائی بیان کرنا اور تعریف کرنا یعنی گنہگار مومنین کو رب تعالیٰ کچھ روز آگ میں رکھ کر پاک کر دے گا مگر انہیں کبھی پاک نہ فرمائے گا کہ یہ میرے نیک بندے ہیں مگر ان کی کبھی تعریف نہ کرے گا کیونکہ انہوں نے پاک کرنے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ کی ٹھانی جو یہاں رحمت کے پانی سے پاک ہے وہ ہی وہاں اس کی مہربانی سے پاک ہوگا اور اس کے ساتھ ہی ولھم عذاب الیم انہیں ہر وقت ہر طرف سے ہر طرح کا دردناک عذاب ہوگا کیونکہ انہوں نے اپنے سرمایہ نجات کو برباد کر لیا۔

خلاصہ تفسیر : مسلمانوں حرام گوشت تو مصیبت اور سخت بھوک کی حالت میں مباح بھی ہو جاتے ہیں ایک حرام چیز وہ بھی ہے جو کبھی کسی حال میں حلال نہیں ہوتی۔ وہ کیا؟ رشوت کا پیسہ، غاصب کردہ رشوت جو دین بیچ کر حاصل کی جائے۔ یہ خوب یاد رکھو کہ اللہ نے کتاب میں جو احکام اتارے جن کا پھیلانا اور ظاہر کرنا مقصود تھا تاکہ لوگ اس کے ذریعہ ہدایت پائیں جو عالم اور راہب کہ انہیں چھپاتے ہیں اور اس کے عوض کچھ دنیوی مال عزت سرداری حاصل کرتے ہیں جو کہ ثمن قلیل ہے۔ یاد رکھو کہ ایسے لوگ روٹی نہیں کھاتے بلکہ پیٹ بھر کر آگ کھاتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے دنیا میں لوگوں کو رب کے کلام سے محروم

www.alahazratnetwork.org

رکھا۔ اسی لئے انہیں قیامت کے دن رب اپنے کلام سے محروم رکھے گا اور وہ چونکہ دنیا میں کلام الٰہی بولنے سے بچے لہٰذا آخرت میں کلام ربانی سننے سے محروم رہیں گے نہ انہیں رب تعالیٰ کبھی گناہوں سے پاک و صاف فرمائے گا اور نہ ان کی تعریف ہوگی بلکہ وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں مبتلا رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: شرعی ضروری احکام کا چھپانا حرام ہے اور بدلنا کفر اور ریا وجہ غلط تاویلیں کرنا بے دینی ہے۔ تفسیر عزیزی نے اس جگہ فرمایا کہ بغیر نذرانہ لئے مسئلہ نہ بتانا بھی اسی میں داخل ہے اور وہ نذرانہ کا پیسہ مردار اور خنزیر سے بدتر ہے۔ دوسرا فائدہ: مسئلہ کی تحریر یا کہیں جا کر بتانے کا معاوضہ لینا جائز ہے۔ کیونکہ یہ جانے اور لکھنے کی اجرت ہے نہ کہ مسئلہ کی جیسے کہ قرآن پاک کی تجارت کہ یہ مسائل کی قیمت نہیں بلکہ کاغذ وغیرہ کی ہے۔ تیسرا فائدہ: رشوت لینا حرام ہے رشوت وہ مال ہے جو فرض منصبی کے عوض لیا جائے یعنی جو کام بغیر معاوضہ ضروری تھا وہ معاوضہ لے کر کرے۔ قاضی پر انصاف واجب ہے اگر وہ اس پر روپیہ لے تو رشوت خور ہے اور کچھ لے کر ظلم کرے تو ظالم خونخوار لہٰذا عالم یا شیخ کا نذرانہ، ماں باپ کی خدمت ایک دوسرے کا ہدیہ رشوت نہیں کہ یہ کسی واجب کام کا بدلہ نہیں ہدیہ، نذرانہ، صدقہ، رشوت ان سب میں فرق نہایت ضروری ہے۔ چوتھا فائدہ: گنہگار مومن پلید کپڑے کی طرح ہے اور کافر پاخانہ کی مثل کہ وہ دھل کر پاک ہو سکتا ہے مگر یہ خود تو پاک نہ ہو گا پانی کو بھی گندا کر دے گا۔ پانچواں فائدہ: گنہگار مومن اور کافر دونوں جہنم میں جائیں گے مگر مختلف حیثیت سے وہ تو پاک و صاف ہونے کے لئے اور یہ ہمیشہ جلنے کے لئے جیسے کوئلہ اور سونا دونوں بھٹی میں جاتے ہیں۔ کوئلہ وہاں رہنے کے لئے سونا پاک و صاف ہو کر نکلنے کے لئے۔ اسی لئے کافروں کو وہاں ہیشگی ہوگی نہ کہ گنہگار مسلمانوں کو یوں سمجھو کہ یہ نار لقاء یار کا ذریعہ ہے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ انہیں پاک نہ کرے گا اور دردناک عذاب کافروں ہی کو ہو گا نہ کہ مسلمانوں کو۔ چھٹا فائدہ: شریعت و طریقت کے اسرار اور وہ غیر ضروری مسائل جن سے فتنہ اٹھے ان سب کا چھپانا ضروری ہے۔ اسی لئے ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور سے دو علم پائے۔ ایک تو تم میں پھیلا دیا دوسرا اگر پھیلاؤں تو قتل کر دیا جاؤں۔ خود حضور نے فرمایا کہ نااہل کو علم سکھانے والا ایسا ہے جیسا سور کے گلے میں موتیوں کا ہار ڈالنے والا۔

ساتواں فائدہ: یہ چاروں عذاب یعنی اپنے پیٹ میں صرف آگ کھانا، قیامت میں اللہ کا کلام نہ فرمانا، انہیں پاک نہ کرنا ان کے لئے دردناک عذاب ہونا صرف کفار کے لئے ہے۔ مسلمان بفضلہ تعالیٰ اگرچہ گنہگار ہو مگر ان سے محفوظ ہے اگر مسلمان حرام روزی بھی کھاتا ہے تو پیٹ بھر آگ نہیں کھاتا۔ درستی عقیدہ کی وجہ سے اس کے دل میں نور بھی ہے نیز قیامت میں رب تعالیٰ آخر اس سے کلام کرے گا۔ نیز اللہ نے مسلمانوں کے لئے پاکی جسم کے لئے ظاہری پانی بھی پیدا کیا ہے اور باطنی پانی عبادات کا بھی پیدا فرمایا اور آخرت میں یا شفاعت کے پانی سے یا کچھ روز دوزخ کی آگ سے اسے پاک کر کے آخر کار جنت میں پہنچا دیا جاوے گا اور اگرچہ گنہگار مسلمان کو عذاب ہو جاوے مگر دردناک عذاب نہ ہو گا۔ کافر کے عذاب سے چند طرح اس کے عذاب میں فرق ہو گا۔ ایک یہ کہ دوزخ کی آگ اس کے دل و دماغ اور اعضاء وضو کو نہ جلائے گی۔ کفار کے ظاہر و باطن بالکل جلائے گی۔ رب فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** دوسرے یہ کہ مومن کو یاس نہ ہوگی۔ ہر وقت اللہ کی رحمت اور حضور کی شفاعت کی آس لگی رہے گی یاس صرف کفار ہوگی۔ تیسرے یہ کہ مومن کو دوزخ میں خلود و ہیشگی نہ ہوگی آخر کار وہاں سے نکل جاوے

www.alahazratnetwork.org

گا کفار کو وہاں ہیشگی ہے۔ چوتھے یہ کہ مومن کی رسوائی نہ ہوگی۔ اس طرح اسے عذاب دیا جاوے گا کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو کفار کی رسوائی بھی ہوگی ان وجوہ سے مومن کا عذاب الیم یعنی ایسا دردناک نہ ہوگا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کے احکام چھپانا منع ہیں تو کیا حدیث و فقہ کے مسائل چھپانا جائز ہیں۔ جواب: وہ بھی در حقیقت کتاب اللہ کے ہی مسائل ہیں ان کا اظہار بھی واجب نیز چونکہ یہ آیت علماء یہود کے بارے میں آئی اور وہ کتاب الٰہی ہی چھپاتے تھے اس لئے اس کا ذکر کیا گیا۔ دوسرا اعتراض: پیٹ میں ہی کھایا جاتا ہے پھر یہاں فی بطونہم فرمانے کی کیا ضرورت تھی؟ جواب: کبھی کھانا مجازی معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیسے سردی گرمی کھانا' غصہ کھانا' اس احتمال سے بچنے کے لئے یہ فرمایا گیا نیز دنیا میں پیٹ کے بعض حصہ میں کھانا بعض میں پانی بعض میں ہوا رہتی ہے۔ یہاں فی بطون کہہ کر یہ بتایا کہ سارے حصہ میں آگ ہی ہوگی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے قیامت کے دن رب کلام نہ فرمائے گا۔ دوسری آیت میں ہے لنسئلنھم اجمعین جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام سب سے ہوگا ان میں مطابقت کیسے؟ جواب: یا تو یہاں بلاواسطہ کلام مراد ہے اور وہاں فرشتوں کے ذریعہ یعنی جو کچھ کہنا سننا ہوگا فرشتے کہیں گے یا یہاں کلام محبت مراد ہے اور وہاں کلام غضب۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ ظاہری اعضاء کا تعلق باطنی اعضاء سے ہے اور ان کا روح سے ایسے ہی اس ظاہری پیٹ کا تعلق باطنی شکم سے ہے۔ باطنی شکم ہی حقیقی پیٹ ہے اور ظاہری اس کا غلاف یا کھال (عزیزی) جیسے کہ نقصان دہ کھانے پیٹ میں پہنچ کر جسم میں آگ پھونک دیتے ہیں اور قسم قسم کی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی حرام غذائیں حقیقی پیٹ میں جا کر حرص' ہوس' شہوت اور غصہ کی آگ بھڑکا دیتی ہیں اور نیکیوں کو اس طرح جلا ڈالتی ہیں۔ جیسے دنیوی آگ خشک لکڑیوں کو لہٰذا یہ کھانے حقیقت میں آگ ہی ہیں۔ اکثر گناہ حرام غذا سے ہی پیدا ہوتے ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حرام غذا نافرمانی رب کی آگ بھڑکاتی ہے۔ حلال اور تقویٰ کی غذا اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا کرتی گناہوں کو جلاتی ہے۔ تقویٰ اور طہارت کی غذا دل میں محبت کی آگ بھڑکاتی ہے۔ جس سے قلب' قالب' روح سب روشن ہو جاتے ہیں اور غیر اللہ جل کر راکھ بن کر اڑ جاتے ہیں۔ اس سے نفس کی صفائی' ایمان میں روشنی' اعمال میں چمک' نیت کی سچائی' اخلاق کی پاکیزگی' دل میں شجاعت' چہرے پر نور' رضائے رب غفور حاصل ہوتی ہے۔ سیدنا علی اور خالد ابن ولید وغیرھما بادام پستہ پراٹھے نہ کھاتے تھے ان کی یہ طاقتیں تقویٰ کی خشک روٹیوں سے تھیں۔ اس غذا سے سیدنا علی اسد اللہ ہوئے اور حضرت خالد سیف اللہ۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر
کہ کمال طاقت حیدری تو نمال ہے نان شعیر میں

حکایت : کسی نے شیخ ابو مدین سے شیطان کی شکایت کی کہ وہ ہمیں بہت پریشان کرتا ہے۔ آپ نے شیطان سے اس کی وجہ پوچھی اس نے کہا کہ ان لوگوں نے میری دنیا پر قبضہ کر رکھا ہے۔ میں نے ان کے دین پر قابو کر لیا۔ یہ میری دنیا چھوڑ دیں۔ میں ان کا دین چھوڑ دوں گا۔ جس نے دین کے عوض دنیا لی وہ بڑا بے وقوف تاجر ہے (تفسیر روح البیان)۔

www.alahazratnetwork.org

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ

یہ لوگ وہ ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلہ ہدایت کے اور عذاب کو بدلہ بخشش کے پس کس

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے گمراہی مول لی اور بخشش کے بدلے عذاب تو کس درجہ

فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ

نے صبر دلایا ان کو اوپر آگ کے۔ یہ اس لئے ہے کہ تحقیق اللہ نے اتارا کتاب کو ساتھ حق کے

انہیں آگ کا سہار ہے۔ یہ اس لئے کہ اللہ نے کتاب حق کے ساتھ اتاری اور بیشک

الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾

اور تحقیق وہ جنہوں نے اختلاف کیا بیچ کتاب کے البتہ بیچ مخالفت دور کی میں ہیں۔

وہ لوگ جو کتاب میں اختلاف ڈالنے لگے وہ ضرور پرلے سرے جھگڑالو ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں علمائے اہل کتاب کے اخروی عذاب کا ذکر کیا گیا۔ اب دنیوی و اخروی دونوں عذابوں کا بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں علمائے اہل کتاب کی سخت سزاؤں کا ذکر تھا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اتنی سخت سزا اس لئے ہے کہ ان کا جرم بھی بڑا بھاری ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حسی محرمات کا ذکر تھا یعنی حرام جانور اور رشوت کا پیسہ اب معنوی حرام کا بیان ہے جو کہ اس سے بدتر ہے یعنی ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کرنا۔

تفسیر : **اولئک الذین اشتروا الضللۃ بالھدیٰ** اولئک سے ان یہود عالموں کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے آیات الٰہیہ چھپائیں۔ اشترٰی کے لفظی معنی خریدنا ہیں۔ مگر یہاں کسی کے عوض دوسری شے اختیار کرنا مراد ہے۔ ضلالۃ ہر گمراہی کو کہہ سکتے ہیں مگر یہاں بڑی گمراہی یعنی کفر مراد ہے۔ ایسے ہی ہدایت سے بڑی ہدایت یعنی ایمان مقصود دنیا میں بھٹکنے والے دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنے شہر کے سوا دوسرے شہر میں پہنچ جائیں بھٹک کر۔ یہ لوگ تکلیف تو اٹھاتے ہیں مگر مرتے نہیں۔ دوسرے وہ جو صحرائے عرب میں بھٹک کر ریگستان میں پھنس جائیں یہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی بھٹک کر گناہ کر لینے والا بھی ضلالۃ میں ہے مگر ہلاک نہ ہو گا لیکن بھٹک کر کافر ہو جانے والا ہلاکت میں ہے۔ یہاں ضلالت فرما کر اسی جانب اشارہ ہے کہ ان علماء یہود کی گمراہی مہلک ہے کہ عقائد کی گمراہی ہے یعنی ان کے سامنے ہدایت 'گمراہی دونوں راستے تھے مگر انہوں نے ہدایت کے عوض گمراہی اختیار کی۔ یہ نہ سمجھو کہ ان کا معاملہ یہیں ختم ہو گیا بلکہ **والعذاب بالمغفرۃ** عذاب کا مادہ عذب اور مغفرت کا غفر ہے۔ جس کے معنی پہلے بیان ہو چکے یعنی انہوں نے مغفرت کے مقابلے عذاب کو اختیار کر لیا کہ اگر نبی آخر الزمان پر ایمان لے آتے تو ان کی گزشتہ بدکاریاں معاف کر دی جاتیں۔ مگر اس حرکت سے گزشتہ عذاب تو باقی رہا۔ نئے عذاب کے بھی مستحق ہو گئے۔ **فما اصبرھم علی النار**' ما تعجب کا ہے استفہامیہ بھی ہو سکتا ہے۔ **اصبر**' صبر سے بنا جس

www.alahazratnetwork.org

کے لغوی معنی ہیں اپنے کو روک رکھنا۔ مگر بعض وقت جرات اور ہمت کے معنی میں بھی آتا ہے۔ حضرت قتادہ نے یہ ہی معنی مراد لئے (درمنثور) یعنی کس چیز نے ان کو گناہوں پر دلیر کر دیا جو آگ کا ذریعہ ہیں یا یہ لوگ آگ پر کیسے صابر ہیں کہ جانتے ہیں کہ یہ بدکاریاں جہنم میں لے جانے والی ہیں۔ پھر بھی بے دھڑک کئے جا رہے ہیں۔ **ذلک بان اللہ نزل الکتب بالحق** ذلک سے یا تو گزشتہ عذاب کی طرف اشارہ ہے یا ان کے آیات کتاب چھپانے کی طرف یا گمراہی خریدنے کی طرف یا ان کی ہمت اور جرات کی طرف اور بان سے اس کی وجہ بیان ہوئی۔ الکتب سے یا تو قرآن شریف یا توریت یا ساری آسمانی کتابیں مراد ہیں یعنی ان کا یہ عذاب یا گمراہی یا جرات اس وجہ سے ہے کہ رب نے تو یہ قرآن یا توریت شریف یا ساری آسمانی کتابیں حق کے ساتھ اتاری تھیں۔ چاہئے تھا کہ یہ اسے مان لیتے اور گزشتہ کتابوں کو ظاہر کرتے مگر انہوں نے اس کتاب کا تو انکار کیا اور ان کتابوں کو چھپایا۔ جس وجہ سے یہ اس عذاب کے مستحق ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہو اور حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور بالحق کی با الصاق کے لئے ہو یعنی ہم نے قرآن شریف کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی ملی ہوئی اور لازم اتاری جیسے آفتاب سے اس کی روشنی لازم اور آگ سے گرمی کہ جہاں قرآن ہو گا وہاں وہ محبوب اور جہاں محبوب ہوں گے وہاں قرآن۔ خیال رہے کہ اگر حضور کو حبیب اللہ مانا جاوے تو قرآن بھی کلام اللہ ہو گا۔ غرضیکہ قرآن اپنے لانے والے سے ملحق ہے۔ دیکھو حضور انور عربی تھے تو قرآن بھی عربی ہوا اور جب حضور مکی تھے تو اس وقت کی آیات مکی ہوئیں اور جب حضور مدنی ہو گئے تو آیات بھی مدنی ہوئیں۔

ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور زاں سبب آمدہ قرآں بہ زبان عربی

وان الذین اختلفوا فی الکتب۔ **اختلفوا** کا مادہ خلف ہے۔ جس کے معنی ہیں پیچھے ہونا۔ اس کی زیادہ تحقیق ہم واختلاف الليل کی تفسیر میں کر چکے۔ یہاں پیچھے پڑ جانا' رد کرنا' مخالفت کرنا' متفرق ہونا' سب ہی معنی ہو سکتے ہیں اور کتاب سے یا قرآن شریف یا توریت یا ساری آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ یعنی جنہوں نے قرآن یا توریت کے احکام کی مخالفت کی کہ قرآن کا انکار کیا اور توریت کو چھپایا یا جنہوں نے قرآن کریم کے بارے میں مختلف کیا۔ کہ بعض کو ظاہر کیا اور بعض کو چھپا لیا۔ بلکہ بدل دیا یا جنہوں نے قرآن پاک کی تردید کی یا جنہوں نے توریت میں اختلاف کیا کہ بعض کو ظاہر کیا اور بعض کو چھپایا بلکہ بدل دیا یا جنہوں نے کتاب توریت میں اختلاف ڈالا کہ اپنا کلام اس میں ملا دیا جس سے وہ ساری کلام الہی نہ رہی بلکہ انسانی اور ربانی کلاموں کا مجموعہ بن گئی وہ **لفی شقاق بعید** شقاق' شق سے بنا جس کے معنی ہیں کروٹ یا جانب چونکہ مخالفت میں ہر ایک مخالف دوسرے کے جانب مقابل میں رہتا ہے۔ اس لئے اسے شقاق کہتے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق پہلے کی جا چکی پھر مخالفت اور جھگڑا بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک قابل صلح دوسرا ناقابل صلح جھگڑے کو شقاق بعید کہا جاتا ہے۔ یعنی صلح سے دور یا پرلے سرے کا جھگڑا ایسا ہر ایک مخالف دوسرے سے دور۔ یہاں یا تو حضور علیہ السلام سے دوری مراد ہے یا ان کی آپس میں ایک دوسرے سے دوری یا رب سے دوری یعنی یہ اختلاف کرنے والے پرلے درجہ کے جھگڑے میں ہیں یا آپ سے یا رب سے یا آپس میں ایک دوسرے سے دور ہیں کیونکہ تحریف تو وہ سب کرتے ہیں مگر کیفیت تحریف میں ایک دوسرے کے مخالف۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! کتاب الہی کے چھپانے والوں کی سزا اس لئے سخت ہے کہ ان کا جرم بہت سے جرموں پر مشتمل ہے۔ انہوں نے فقط رشوت ہی نہ کھائی بلکہ ہدایت کے عوض گمراہی اور مغفرت کے عوض عذاب بھی اختیار کر لیا۔

www.alahazratnetwork.org

شاباش ہے ان کی جرات کو کہ یہ دوزخ میں جانے کے لئے کیسے باہمت اور بہادر ہیں کہ جان بوجھ کر اسباب آگ کو ایسے اختیار کر رہے ہیں گویا کہ انہیں آگ پیاری ہے ایک چیز میں مختلف درجات کی صدہا چیزیں ہوتی ہیں سورج' چاند' تارے' گیس' چراغ کی روشنائی نوری کہلاتی ہے مگر ان کے درجے مختلف ایسے ہی اندھیریوں کا حال ہے۔ ایمان کفر کا بھی یہ حال ہے حرام کے صدہا درجے ہیں۔ دوسرے کی بکری بلا اجازت ذبح کرلی جاوے' حرام ہے مردار بکری حرام ہے' کتا حرام ہے سور حرام ہے۔ مگر ان کی حرکتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ پھر جیسا حرام ویسا ہی عذاب شیطان کا ایک سجدہ نہ کرنا ایسا حرام ہوا کہ ہمارے ہزارہا سجدے نہ کرنا اس کی برابر نہیں کیونکہ اس کی بنا ہی سے حسد پر تھی۔ ایسے ہی ان علماء یہود کی یہ رشوتیں حضور پر حسد کی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا بڑا جرم ہے اس لئے ان کی سزائیں اس قدر سخت ہوئیں ان کی یہ گمراہی اور عذاب اس لئے ہے کہ اللہ نے تو آسمانی کتابیں حق کے ساتھ اس لئے اتاری تھیں کہ لوگ اس کو حاصل کرکے گمراہی سے بچیں۔ انہوں نے کتابیں ان تک پہنچائی ہی نہیں۔ لہٰذا سب کی گمراہی کا باعث یہ لوگ ہیں اور لطف یہ ہے کہ جنہوں نے کتاب الٰہی میں اختلاف کیا کہ کسی نے انجیل کو مانا اور کسی نے نہ مانا یا بارہ انجیلیں بنا کر ہر جماعت نے ایک ایک اختیار کرلی یا خود اپنی کتاب میں یہ اختلاف کر بیٹھے۔ یہ لوگ آپس میں بھی ایک دوسرے کے سخت مخالف ہیں پھر اگر آپ کی مخالفت کریں تو کیا تعجب ہے لہٰذا ان کی مخالفت کی پروا نہ کیجئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بعض گناہ کفر تک پہنچا دیتے ہیں۔ دیکھو علماء یہود کی رشوتیں ان کی گمراہی اور کفر کا باعث ہوئیں۔ **دوسرا فائدہ:** واقعی جان بوجھ کر کفر کرنے والا بڑا بہادر ہے کہ دیدہ دانستہ تیز آگ میں کودتا ہے مگر یہ سب اس لئے ہے کہ ابھی وہ آگ دیکھی نہیں اللہ اس بہادری سے بچائے۔ **تیسرا فائدہ:** کتاب میں اختلاف کرنے والی قوم کبھی متفق نہیں ہو سکتی۔ صحیح تنظیم وہ ہے جو دین پر ہو قومی اور بے دینی کی تنظیمیں محض دھوکہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** پیغمبر سے عناد بدترین کفر ہے۔ دیکھو جن علمائے یہود نے حضور علیہ السلام کے فضائل چھپائے ان کی ایک نہیں دو نہیں چھ سزائیں بیان کی گئیں۔ (1) وہ آگ کھاتے ہیں۔ (2) ان سے رب کلام نہ کرے گا (3) انہیں پاک نہ کرے گا (4) ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ (5) انہوں نے گمراہی خرید لی۔ (6) انہوں نے عذاب خرید لیا۔ **پانچواں فائدہ:** اب بھی جو علماء فضائل کی آیات و احادیث بیان نہیں کرتے یا ان کے ایسے معنی کرتے ہیں جس سے فضیلت ثابت نہ ہو۔ جیسے دیوبندی اور وہابی یہ بھی اسی زمرے میں اور ان کے لئے بھی یہ ہی عذاب ان اللہ کے بندوں کو سارے قرآن شریف میں یہ ہی آیت ملی۔ کہ **انما انا بشر مثلکم** اور اس کو ہی بگاڑ کر ہر جگہ پیش کرتے ہیں۔ ایمان ہو تو معلوم ہو جائے کہ سارا قرآن میرے آقا کی نعت ہے۔ مگر یاد رہے کہ وہ توریت و انجیل تھی' جو ان علماء کے چھپانے سے چھپ گئیں۔ یہ دین محمدی ہے کسی سے چھپ نہ سکے گا۔ اللہ علمائے اہل سنت کو باقی رکھے کہ یہ ہمیشہ اپنے شہنشاہ کے گن گائیں گے۔ اور بول بولیں گے۔ دیکھ لو دیوبندیوں کو شرک و بدعت کے فتوے دیتے ہوئے عرصہ ہو گیا۔ مگر ان کا چرچا کچھ بھی کم نہ ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ علمائے بنی اسرائیل نے ہدایت کے عوض گمراہی خریدی۔ ان کے پاس ہدایت تھی ہی کہاں؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک وہ جو تفسیر میں گزر چکا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہدایت کے مقابل گمراہی اختیار کرلی۔ دوسرے یہ کہ توریت کی اصل آیتیں ہدایت تھیں اور ان کی ملاوٹ گمراہی۔ انہوں نے اصل چھوڑ کر ملاوٹ

www.alahazratnetwork.org

اختیار کی یعنی ہدایت سے مراد توریت کی ہدایت ہے نہ کہ ان کی اپنی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ میں اختلاف بے دینی ہے۔ قرآن کریم میں بھی بہت اختلاف ہے قاریوں کا اس میں اختلاف مفسرین اور فقہاء اور صوفیاء کا اس میں اختلاف پھر اسلام کے تہتر فرقے قرآن ہی کی پناہ لیتے ہیں اور سب اس میں اختلاف کرتے ہیں۔ چاہئے کوئی بھی دین پر نہ ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اختلاف سے کتاب کی مخالفت مراد ہے۔ یا بعض کا قبول بعض کا انکار یا اس میں خلط ملط کر دینا یا اس کے متعلق مختلف بکواس بکنا کہ کوئی جادو ہے کوئی کہانت کوئی شعر مسلمانوں کا یہ اختلاف علمی تحقیق کا نتیجہ ہے جو در حقیقت رحمت الٰہی ہے کوئی قرآن کا مخالف نہیں بے دین فرقوں کی مخالفت واقعی لائق عذاب اختلاف ہے مگر اس کا وبال ان پر ہو گا جنہوں نے پیغمبر اسلام کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ کر نیا راستہ نکالا۔

تفسیر صوفیانہ: جو کوئی سیدھے راستے کو چھوڑ کر غلط راہ چلے وہ یقیناً کنوئیں یا کھائی میں گر کر ہلاک ہو گا۔ ایسے ہی جو شخص عقل کی آنکھ سے کام نہ لے اور دین کے سیدھے راستے پر نہ جائے وہ بھی اپنی اخروی زندگی برباد کرے گا۔ روح مسافر ہے عقل اس کی آنکھ اور دین سیدھا راستہ اور عقائد و اعمال اس مسافر کے چلنے والے پاؤں اور پیغمبر رہبر ہیں۔ شیطان و نفس چور ڈاکو۔ چاہئے کہ اس راستہ میں ہر چیز سے کام لے اور ڈاکو سے بچے تاکہ منزل مقصود پر پہنچ جائے۔ نیز کتاب اللہ بکھروں کو جمع کرنے والی ہے۔ لوگ رنگت و ضع قطع لباس و غذا بول چال وغیرہ میں مختلف ہیں۔ کتاب اللہ ان سب کو جمع کرنے والی ہے۔ شہر میں لوگ مختلف گلی کوچوں میں رہتے ہیں مگر شارع عام پر سب ایک ہو جاتے ہیں وہی یہاں ہے۔ جو کوئی کتاب اللہ میں بھی متفق نہ ہوا وہ کہیں بھی کبھی بھی متفق نہ ہو گا۔ اس لئے فرمایا گیا **لفی شقاق بعید**۔ دنیوی مخالفتوں کو دین مٹا سکتا ہے مگر دینی مخالفت کون مٹائے وہ تو رب العالمین ہی مٹائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اعضاء ظاہری کی قوتیں اور بیماریاں عارضی ہیں جو موت پر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر دل و روح کی بیماریاں اصلی ہیں جو ابد الآباد تک قائم رہتی ہیں۔ انسان مر کر نہ اندھا رہتا ہے نہ لولا نہ لنگڑا نہ گونگا بہرہ نہ پہلوان نہ جوان مگر کافر یا مومن رہتا ہے۔ اسی لئے گناہوں کی سزا کم ہے۔ بد عقیدگیوں کی سزا زیادہ **خلدین فیھا ابدا** چونکہ علماء یہود حسد نبی کے بیمار تھے اس لئے ان کے جرموں کی سزائیں اتنی سخت تجویز ہیں۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
نہیں ہے بھلائی یہ کہ پھیرو تم منہ اپنے سامنے پورب اور پچھم کے اور لیکن بھلائی وہ ہے
کچھ اصل نیکی یہ نہیں کہ منہ مشرق یا مغرب کی طرف کرو ہاں اصل نیکی یہ ہے کہ ایمان لائے
وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ
جو ایمان لائے ساتھ اللہ اور دن پچھلے اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں کے
اللہ اور قیامت اور فرشتوں اور کتاب اور پیغمبروں پر اور اللہ کی

www.alahazratnetwork.org

وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى	
اور دے مال اُوپر محبت اُس کی کے قرابت والوں اور یتیموں اور غریبوں	
محبت میں اپنا عزیز مال دے رشتہ داروں اور یتیموں اور	
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ ۚ	
اور مسافروں اور بھکاریوں کو اور بیچ گردنوں کے۔	
مسکینوں اور راہ گیر اور سائلوں کو اور گردنیں چھڑانے میں۔	

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں علمائے بنی اسرائیل کا عذاب بیان ہوا اب ان سے خطاب کر کے فرمایا جارہا ہے کہ تم فقط پورب، پچھم رخ پر نماز پڑھ لینے کو ان بدکاریوں کا کفارہ مت سمجھ لینا۔ اگر توبہ کرنا چاہو تو یہ اعمال کرو۔ **دوسرا تعلق**: گزشتہ آیتوں میں مسلمانوں کی حمایت اور کفار کی تردید کی گئی۔ اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم فقط کعبہ کو منہ کرکے نماز پڑھ لینا ہی کافی نہ سمجھنا بلکہ ضروری ہے کہ ان مذکورہ باتوں پر عمل کرو۔ **تیسرا تعلق**: شروع سورت سے یہاں تک قریباً" آدھی سورہ بقر ہوئی۔ جس میں زیادہ تر توجہ منکرین کی طرف تھی آئندہ باقی سورت میں زیادہ توجہ مسلمانوں سے ہے اگرچہ کہیں ضمناً" کوئی خطاب کفار سے بھی ہو جائے گا۔ لہٰذا اولا" اجمالی ہدایتیں بیان فرمائی جاری ہیں اور پھر اس کی تفصیل ہوگی۔

شان نزول : یہود نے بیت المقدس کے مشرقی حصہ کو اور نصاریٰ نے اس کے مغربی حصہ کو قبلہ بنا رکھا تھا اور ہر فریق کا گمان تھا کہ اس طرف منہ کرکے نماز پڑھ لینا ہی کافی ہے ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں ان کے اس خیال باطل پر عتاب فرمایا گیا۔

تفسیر : **لیس البر ان تولوا**' لیس بعض نحویوں کے نزدیک لا اور ایس سے مرکب ہے۔ لا معنی نہیں۔ ایس معنی موجود۔ جیسے کہتے ہیں کہ رب نے لیست سے ایسیت میں نکالا۔ یعنی عدم سے وجود میں ہمزہ تخفیف کے لئے اور الف دو ساکنوں کے جمع ہونے سے گر گیا۔ اس کے معنی ہیں موجود نہیں ہے۔ یہ فعل مشابہ حرف ہے اسی لئے اسے فعل ناقص کہتے ہیں۔ بر کے لفظی معنی ہیں وسعت اور گنجائش۔ اس کا مقابل ہے اثم اور بجور اسی لئے تری کو بحر اور وسیع خشک میدان کو بر کہتے ہیں۔ قسم کے پورا ہونے کو بر کہتے ہیں کیونکہ اس سے قسم کی پابندیاں اٹھ کر گنجائش مل جاتی ہے۔ اصطلاح میں بر نیکیوں میں وسعت کرنے کو بولتے ہیں بعض قراتوں میں یہاں اس کو پیش ہے۔ مگر ہمارے ہاں زبر ہے کیونکہ لیس کی خبر ہے۔ یا تو بر سے مطلقاً" بھلائی مراد ہے یا اصل بھلائی یا بڑی بھلائی۔ اس کا مطلب آگے معلوم ہوگا۔ **تولوا**' ولی سے بنا۔ جس کے معنی ہیں قرب باب تفعیل میں پہنچ کر سلب کے معنی پیدا ہوئے اور اس سے مراد ہوا پھیرنا۔ یا تو اس میں اہل کتاب سے خطاب ہے یا مسلمانوں سے یا سب سے **وجوھکم قبل المشرق والمغرب** وجوہ وجہ کی جمع ہے۔ اس کے حقیقی معنی ہیں چہرہ۔ اور مجازاً" ذات کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں چہرہ مراد ہے مشرق' شرق سے بنا جس کے معنی ہیں چمکنا۔ اور مغرب غرب سے۔ جس کے معنی ہیں

www.alahazratnetwork.org

ڈوبتا۔ چونکہ پورب سے سورج چمکتا ہے اور پچھم کی طرف ڈوبتا ہے۔ اس لئے اسے مشرق و مغرب کہا جاتا ہے۔ بڑے ڈول کو بھی اس لئے غرب کہا جاتا ہے کہ وہ کوئیں میں ڈوبتا رہتا ہے یعنی اے اہل کتاب اب بیت المقدس کے شرقی غربی طرف منہ کرنا بھلائی نہ رہا۔ کیونکہ وہ قبلہ منسوخ ہو چکا یا مدینہ کی شرقی غربی جانب منہ کرنا بھلائی نہیں کیونکہ یہاں سے کعبہ جنوبی سمت پر ہے یا صرف شرقی غربی طرف منہ کر لینا اصل نیکی یا بڑی نیکی نہیں کہ جس سے ساری بدکاریاں معاف ہو جائیں۔ اصل نیکی ہم بتاتے ہیں کہ **ولکن البر من امن باللہ** یہاں یا تو بر اسم فاعل کے معنی میں ہے یا من سے پہلے دو سرا بر پوشیدہ ہے۔ یا مبالغہ کے طور پر کہا گیا یعنی نیک وہ ہے جو اللہ پر ایمان لائے۔ یا اصل نیکی اس کی نیکی ہے جو رب کو مانے یعنی خدا کی ذات و صفات کو صحیح مانے۔ کفار کی طرح اسے صاحب اولاد یا شرکاء کا محتاج یا کمالات سے خالی نہ جانے۔ خیال رہے کہ اللہ کی ذات و صفات کو جان مان لینا اس وقت ایمان کہلاتا ہے جب نبی کی معرفت جانا مانا جاوے۔ محض اپنے علم یا عقل سے جان مان لینا توحید تو کہلائے گا مگر ایمان نہ کہا جاوے گا اور نجات کا مدار ایمان پر ہے نہ کہ توحید پر اسی لئے کلمہ توحید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا بھی ذکر ہے اسی واسطے یہاں **امن باللہ** فرمایا۔ ایمان امن سے بنا ہے ایمان کے لغوی معنی ہیں امن میں آنا یا امن میں لانا یا امن میں لینا۔ یعنی امان دینا اگر یہ ایمان ہماری صفت ہو تو معنی ہیں امن میں آنا۔ ہم لوگ اچھے عقائد اختیار کر کے اللہ کی امان میں آتے ہیں اور اگر پیغمبر کی صفت ہو تو معنی ہیں امن میں لانا کہ وہ حضرات ہم لوگوں کو اللہ کی امن و پناہ میں لاتے ہیں اور اگر اللہ کی صفت ہو تو معنی ہوں گے امن میں لینا کہ رب تعالیٰ ہم کو اپنی امن میں لیتا ہے لفظ ایمان ایک ہے مگر اس کے معانی مختلف ہیں۔ پھر **والیوم الاخر** قیامت کے متعلق بھی صحیح عقیدہ رکھے۔ یہود کی طرح یہ نہ جانے کہ انہیں صرف چالیس دن آگ پہنچے گی۔ یا اس کے باپ دادے کافر اولاد کو بھی شفاعت کر کے چھڑا لیں گے۔ یا اس دن جنت ہماری قوم کے لئے خاص ہو گی اگرچہ ایمان باللہ اور بالیوم الآخر میں درمیان کی تمام چیزوں پر ایمان داخل ہو گیا تھا مگر اہمیت ظاہر کرنے کے لئے فرشتوں کتابوں نبیوں کا ذکر خصوصیت سے فرمایا اور جنت دوزخ کا ذکر نہ کیا۔ **والملئکۃ** اور سارے فرشتوں پر بھی صحیح ایمان لائے نہ تو مشرکین کی طرح انہیں خدا کی بیٹیاں مانے اور نہ اہل کتاب کی طرح جبریل علیہ السلام سے عداوت رکھے اور نہ ان کی آپس میں مخالفت جانے **والکتب** اس میں الف لام جنسی ہے یعنی ہر آسمانی کتاب پر ایمان لائے۔ یہود کی طرح انجیل اور قرآن کا اور عیسائیوں کی طرح توریت و قرآن کا انکار نہ کرے اور اہل کتاب کی طرح کتاب الٰہی میں تحریف لفظی یا معنوی نہ کرے **والنبین** یا تو نباء سے بنا یا نبوۃ سے جس کے معنی ہیں خبر دینے والا یا بڑے درجے والا۔ صحیح یہ ہے کہ نبی رسول سے عام ہے کہ نبی تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول تین سو تیرہ اور اس کو جمع ذکر لانے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ سارے پیغمبر مومن تھے (تفسیر احمدی) یعنی از آدم تا نبی آخر الزمان سب پر ایمان لائے۔ اہل کتاب کی طرح بعض کے درجے میں افراط اور بعض کا انکار نہ کرے کہ انہوں نے بہت سے پیغمبروں کو قتل کر ڈالا اور عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے حضور علیہ السلام کے قتل کی کوشش کی اور حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ یہ نہ کرے بلکہ سب کی نبوت پر یکساں ایمان رکھے۔ یہ مانے کہ حضرات انبیاء نہ تو ہماری طرح محض بشر ہیں ورنہ مخلوق کو ان کی حاجت ہی نہ ہوتی اور نہ فرشتوں کی طرح محض نور ہیں ورنہ وہ ہم کو تبلیغ نہ کر سکتے بلکہ وہ بشر بھی ہیں نور بھی یعنی نورانی بشر ہیں کیونکہ وہ حضرات رب سے لیتے ہیں۔ رب ہے نور تو نور سے لینے والا بھی نوری چاہئے اور خلق کو تبلیغ کرتے ہیں تو انہیں عملی قولی تبلیغ کرنے والا بھی بشری چاہئے یہ لینا دینا چاہتا ہے کہ نور بھی ہوں بشر بھی وہ خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں دیکھو

www.alahazratnetwork.org

دل و جسم کے درمیان رگیں واسطہ ہیں اور ہڈی گوشت کے درمیان پٹھے وسیلہ اسی لئے النبین بعد میں مذکور ہوا۔ یہاں تک عقائد کا ذکر ہوا۔ چونکہ علمائے یہود مال کے حریص تھے کہ اس کے لئے دولت دین بھی کھو بیٹھے اس لئے پہلے مالی عبادت کا ذکر کیا اور اس میں بھی نفلی صدقات کو فرضی زکوۃ پر مقدم کیا لہٰذا فرمایا **واتی المال علی حبہ** صحیح یہ ہے کہ یہاں صدقہ نفل مراد ہے کیونکہ زکوۃ کا ذکر آگے آرہا ہے اور مال سے ہر قسم کا مال ' روپیہ' پیسہ' کھانا' کپڑا وغیرہ مقصود۔ اور حبہ میں ہ ضمیر یا تو مال کی طرف لوٹتی ہے یا دینے کی طرف یا رب کی جانب۔ یعنی وہ مال خرچ کرے باوجود اس کی محبت کے یعنی خود بھی حاجت مند' تندرست اور صاحب اولاد ہو اور پھر فقراء کو دے جیساکہ عبداللہ ابن عباس کی روایت میں ہے یا خوش ہو کر خیرات کرے نہ کہ بوجھ سمجھ کر یا رب کی محبت میں مال خرچ کرے۔ پھر ایک بار ہی اور ایک ہی مال نہ خرچ کرے بلکہ ہمیشہ ہر طرح کا مال ہمیشہ خرچ کرنا چاہئے۔ جس مال کے خرچ کی زیادہ ضرورت ہو وہ ہی خرچ کرے۔ نیز اولیاء اللہ و انبیاء کرام کی محبت بھی بالواسطہ اللہ کی ہی محبت ہے لہٰذا حضور کی محبت یا سرکار بغداد کی محبت میں جو مال خیرات کیا گیا وہ اللہ ہی کی محبت میں خرچ ہوا اور جو نام و نمود کے لئے خرچ کیا وہ برباد ہوا غرضیکہ یہ دونوں کلمے بہت جامع ہیں۔ یعنی اللہ کی محبت کی بنا پر خرچ کرے۔ مال اگر صحیح مصرف پر خرچ ہو جاوے تو درخت بار دار ہے اور اگر غلط جگہ خرچ ہو تو درخت خار دار ہے۔ اس لئے رب نے مصارف کو تفصیل سے بیان فرمایا اور کسے دے۔ **ذوی القربی**' ذوی۔ ذو کی جمع ہے۔ بمعنی والا۔ قربی ' بمعنی قرابت ہے یعنی رشتہ داروں کو کہ قریبی رشتہ داروں کو دور والے پر مقدم رکھے اس میں اولاد ماں باپ' بہن بھائی چچے تائے وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔ **والیتمی** یتیم کی جمع ہے۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ جس کا باپ نہ ہو۔ جانوروں میں یتیم وہ جس کی ماں مرجائے۔ موتی وہ یتیم جو سیپ میں اکیلا ہو چونکہ یتیم غریب بھی ہے اور بے یار و مددگار بھی۔ اس لئے دوسرے غرباء سے اسے مقدم رکھا۔ **والمسکین** یہ جمع مسکین کی ہے یعنی وہ لوگ جن کی آمدنی خرچ سے کم ہو۔ یہاں وہ صابر فقراء مراد ہیں جو کسی سے سوال نہیں کرتے اور صبر و سکون سے گزارا کرتے ہیں۔ جیساکہ صحاح کی حدیث میں ہے۔ بھکاریوں کا ذکر آگے آرہا ہے۔ چونکہ ایسے غریب کو دینا بھکاریوں کے دینے سے افضل ہے اس لئے اسے پہلے بیان کیا **وابن السبیل** یا تو اس سے مسافر مراد ہے یا مہمان۔ ابن کا معنی بیٹا اور سبیل کا معنی راستہ۔ اس کے معنی ہوئے راستہ کا بیٹا۔ چونکہ مسافر راستہ سے ایسا لگتا ہے جیسے ماں سے بچہ اس مناسبت سے اسے ابن السبیل کہتے ہیں یا ابن ' موافق اور ملازم کو کہہ دیتے ہیں۔ جیسے ابن الوقت یا دریائی پرندے کو ابن الماء اور ڈاکو کو ابن الطریق چونکہ یہ بھی اکثر راستہ ہی میں رہتا ہے۔ لہٰذا ابن السبیل ہے (روح البیان) **والسائلین** اور ضرورت مند بھکاریوں کو' سائل سوال سے بنا۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کی خواہش کرنا۔ مسئلہ پوچھنے والے اور بھکاری فقیر کو سائل کہتے ہیں۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی مال دے بھکاریوں کو اور ان طالب علموں کو جو علم طلب کرنے کے لئے کمائی سے معذور ہوں۔ تفسیر کبیر و عزیزی نے بیان فرمایا کہ سائل مسلمان ہو یا کافر حاجتمند ہو یا نہ ہو اس کا حق ہے۔ **وفی الرقاب**' رقبۃ کی جمع ہے بمعنی گردن۔ یہ رقوب سے بنا بمعنی حفاظت اسی لئے نگران پولیس اور ایک معشوق کے دو عاشقوں کو رقیب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ رعایا' محبوب کی نگرانی کرتے ہیں چونکہ عموماً" انسان کو گردن سے مارا جاتا ہے۔ ذبح بھی گردن ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ ہی قابل حفاظت ہے۔ اس لئے گردن کو رقبہ کہتے ہیں۔ ذکر خفی کو اسی لئے مراقبہ کہتے ہیں کہ یا تو وہ گردن جھکا کر ہوتا ہے یا اعلان سے محفوظ رکھا جاتا ہے۔ کبھی ذات کو بھی رقبہ کہہ دیتے ہیں اور یہ ہی یہاں مراد یعنی مال خرچ کرے قیدیوں یا مقروضوں کے آزاد

www.alahazratnetwork.org

کرانے اور ان کی گردنیں چھوڑانے میں یا غلاموں یا مکاتبوں کو آزادی دلانے میں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں یا اے لوگو نیکی صرف یہ ہی نہیں کہ تم پورب، پچھم منہ کر کے عبادت کر لو۔ اصل نیک وہ شخص ہے جو اللہ پر ایمان لائے یعنی اللہ کو ایک، علیم، حکیم، غنی، قدیر، اولاد سے پاک، دوسرے کی مدد سے بے نیاز مانے۔ قیامت پر ایمان لائے اس کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ دن حق ہے اس میں بندوں کا حساب ہو گا اعمال کی سزا اور جزا دی جائے گی۔ اللہ کے پیارے شفاعت کریں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نیک بختوں کو حوض کوثر سے سیراب فرمائیں گے۔ سب کو پلصراط سے گزرنا ہو گا اور اس دن کے متعلق جو خبریں حضور علیہ السلام نے دی ہیں وہ سب حق ہیں۔ سارے فرشتوں پر ایمان لائے۔ کہ وہ اللہ کے فرمانبردار بندے ہیں۔ کھانے پینے اور گناہ سے پاک ہیں۔ نہ مرد ہیں نہ عورتیں۔ ان کی تعداد رب ہی جانے۔ ان میں سے بعض صرف عبادت میں مشغول ہیں اور بعض کے ذمہ عالم کا انتظام ہے۔ پہلوں کو مقربین اور دوسروں کو مدبرات امر کہتے ہیں ان میں سے چار بہت بڑے درجے والے ہیں۔ جبریل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السلام۔ آسمانی کتابوں پر ایمان لائے کہ جس پیغمبر پر اللہ نے جو کتاب یا صحیفہ اتارا وہ حق ہے۔ ان میں چار کتابیں بہت بڑی ہیں۔ توریت جو موسیٰ علیہ السلام پر، زبور جو داؤد علیہ السلام پر، انجیل جو عیسیٰ علیہ السلام پر اور قرآن شریف جو ہمارے نبی علیہ السلام پر نازل ہوئیں اور کل سو صحیفے ہیں۔ پچاس شیث علیہ السلام پر۔ تیس ادریس علیہ السلام پر۔ دس آدم علیہ السلام پر اور دس ابراہیم علیہ السلام پر اترے۔ سارے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ وہ سب اللہ کے بھیجے ہوئے اور گناہوں سے معصوم ہیں۔ سب مرد ہیں کوئی عورت نہیں اور ان کی بھی صحیح تعداد رب ہی جانے۔ ان میں سب سے افضل ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر ابراہیم علیہ السلام پھر باقی اولوالعزم پیغمبر (از تفسیر احمدی و خزائن) یہ تو ایمان مفصل تھا۔ ایمان مجمل یہ ہے کہ کہہ دے **امنت باللہ و بجمیع ما جاء بہ محمد رسول اللہ** یعنی میں اللہ پر اور حضور علیہ السلام کی ساری لائی ہوئی چیزوں پر ایمان لایا (احمدی) اور اس کے علاوہ مال سے زیادہ محبت نہ کرے بلکہ اسے ان چھ مقاموں پر خرچ کرے۔ قرابت داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، بھکاریوں پر اور غلاموں کے آزاد کرنے یا مکاتبوں کے چھڑانے یا قیدیوں یا قرض خواہوں کی گردن چھڑانے میں۔ اور علمائے بنی اسرائیل میں ان میں سے کوئی بات بھی نہیں پھر وہ کس منہ سے رب کے پیارے ہونے کی شیخی مارتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرابت داروں کو دینے میں دو ثواب ہیں صدقہ کا اور قرابت داری کا حق ادا کرنا نیز اکثر اہل قرابت سے جھگڑے وغیرہ ہوتے رہتے ہیں۔ نفس کہتا ہے کہ ان سے سلوک نہ کرو۔ اب انہیں دینا گویا نفس پر جبر بھی ہے اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی تواضع خاطر بھی کی اور ان کی قیمت بھی واپس کر دی۔ مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ کی تہمت میں شرکت کی۔ حضرت صدیق نے ان کا وظیفہ بند کر دیا تو رب نے فرمایا **ولا یاتل اولو الفضل منکم**۔ الخ۔ اور یتیم کے ساتھ سلوک کرنے میں کسی عوض کی امید نہیں لہذا اس کا ذکر بھی اہل قرابت کے بعد کیا۔ اہل قرابت میں اپنی اولاد اور اصول نیز ماں کی طرف سے رشتہ دار نانا، ماموں، خالہ وغیرہ اور باپ کی طرف سے رشتہ دار چچا، تایا وغیرہ بیوی کی طرف سے اہل قرابت ساس، سسر، سالا وغیرہ دور کے رشتہ دار سب ہی داخل ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: متقی بننے کے لئے ہر قسم کی جانی اور مالی قربانی اور بدنی

www.alahazratnetwork.org

اور ملی اعمال ضروری ہیں۔ صرف ایک فعل کا کافی سمجھنا طریقہ یہود ہے۔ لہٰذا زمانہ موجودہ کے نیچری یا خاکسار جنہوں نے خدمت خلق کو تقویٰ کے لئے کافی مانا۔ بالکل جھوٹے ہیں۔ خاکساروں نے تو محض بیلچے اور پریڈ کو اصل ایمان سمجھا اور نیچریوں نے یہ کہا۔

یہ ہی ہے عقیدہ یہ ہی دین و ایماں　　کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

جیسے جسمانی زندگی کے لئے ہوا' غذا' لباس' مکان' میوہ جات وغیرہ ہزارہا چیزوں کی ضرورت ہے۔ صرف ایک ہی چیز کافی نہیں ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے صدہا نیکیوں کی ضرورت اور جیسے بعض غذائیں ضروری ہیں اور بعض محض لذت کے لئے۔ ایسے ہی فرائض و واجبات تو ضروری غذا ہیں۔ اور مستحبات' نوافل' لذت کے میوے۔ دوسرا فائدہ: کوئی شخص ایمان یا اعمال سے بے پرواہ نہیں جب انبیاء کرام کو اعمال کی ضرورت تھی تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ لہٰذا نوشاہی' دتہ شاہی' بھنگی چرسی' ملنگوں کا اپنے کو اعمال سے بے پرواہ جاننا بے دینی ہے۔ ایمان جڑ ہے اور اعمال شاخیں اگر پھل کھانا ہے تو ان دونوں کی نگرانی کرو۔ تیسرا فائدہ: تندرستی میں صدقہ دینا مرتے وقت کے صدقہ سے افضل ہے۔ کیونکہ وہاں خود بھی مال کی ضرورت ہے اس لئے یہاں علی حبہ فرمایا گیا۔ چوتھا فائدہ: اسی علی حبہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پیارا مال اللہ کی راہ میں دے سڑی گلی روٹی سالن یا بے کار چیزوں کے خیرات کرنے کا ثواب نہیں۔ لہٰذا میت کی فاتحہ میں جو عمدہ کھانے خیرات کئے جاتے ہیں بہت بہتر ہیں۔ جس کو جس مال سے زیادہ رغبت ہو وہ ہی خیرات کرے۔ پانچواں فائدہ: رشتہ دار کو صدقہ دینے میں دو ثواب ہیں۔ ایک صدقہ کا دوسرے صلہ رحمی کا۔ اسی لئے یہاں ذوی القربیٰ کا پہلے بیان ہوا۔ چھٹا فائدہ: محتاج کی جس قدر حاجت سخت اسی قدر اس کے دینے میں ثواب زیادہ۔ یہاں حاجت کے لحاظ سے ترتیب ہے۔ ساتواں فائدہ: فقط کعبہ کو منہ کر کے نماز پڑھ لینا نجات کے لئے کافی نہیں۔ منافق بھی پڑھ لیتے ہیں اور آج مرزائی وغیرہ تمام فرقے پڑھ لیتے ہیں بلکہ درستی عقائد پر نجات موقوف ہے۔ امام ابو حنیفہ نے جو فرمایا ہے کہ ہم اہل قبلہ کو کافر نہیں کہتے وہاں اہل قبلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے سارے عقائد درست ہوں نہ کہ وہ جو طرف کعبہ کو منہ کر کے نماز پڑھ لیں۔ دیکھو شرح فقہ اکبر ملا علی قاری کی۔

پہلا اعتراض: علمائے اہل کتاب اللہ کو بھی مانتے تھے اور قیامت اور فرشتوں وغیرہ کو بھی۔ صدقات بھی کرتے تھے۔ پھر ان سے یہ خطاب کیوں فرمایا گیا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ انہوں نے ان میں سے کوئی بات بھی توریت کی تعلیم کے مطابق نہ مانی۔ بلکہ اپنی طرف سے ہر چیز میں پچر لگائی۔ یہاں صحیح ماننا مراد ہے یوں تو خدا کو مشرکین بھی مانتے ہیں مگر ایسا ماننا بے کار۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کعبہ کو منہ کر کے نماز پڑھنا نیکی نہیں بلکہ صدقہ و خیرات نیکی ہے۔ جواب: اس کے کئی جواب تفسیر میں گزر گئے یعنی صرف یہ ہی نیکی نہیں ہے بلکہ نیکیاں اور بھی ہیں یا بیت المقدس کو منہ کرنا نیکی نہیں کیونکہ وہ منسوخ ہو چکا یا مدینہ والوں کے لئے پورب پچھم کو منہ کرنا نیکی نہیں کیونکہ وہاں کعبہ جنوبی سمت ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعمال کی ضرورت ہے مگر حضور علیہ السلام نے عثمان غنی سے خوش ہو کر فرمایا۔ تم جو چاہو کرو تمہیں کوئی نقصان نہ دے گا۔ اس میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اے عثمان حفاظت الٰہی تمہاری دستگیری کرے گی۔ تم کوئی گناہ کر سکتے ہی نہیں۔ شیطان سے محفوظ ہو۔ پرندے کو اسی لئے پنجرے میں

www.alahazratnetwork.org

رکھتے ہیں کہ یا تو اس کے اڑ جانے کا خطرہ ہے یا شکاری جانوروں کے ہلاک کر دینے کا جب اسے پال لیا- درندوں سے حفاظت کر دی پھر پنجرے میں سے نکال دو بکری کے گلے سے رسی کھول دو- اب وہ کہاں جائے- جب حضرت عثمان کو اپنا بنالیا تب کہا جو چاہو کرو- اب وہ کریں کیا اور اڑیں کدھر- محبت کی قینچی سے پر تو پہلے ہی کاٹ دیئے ان کے دل بلکہ خطرات اور خیالات پر اپنا قبضہ کر لیا پھر کہا کہ جاؤ- اب وہ کہاں جائیں- چوتھا اعتراض: اس آیت سے لازم آتا ہے کہ غریب آدمی کبھی نیک نہ بن سکے کیونکہ صدقے کے قابل نہیں- جواب: مالدار تو دے کر نیک بنتے ہیں اور غرباء لے کر علیا بادشاہ کو ٹیکس دیتی ہے- مگر شاہی نوکر اور اس کے پیارے اس سے تنخواہ اور انعام لیتے ہیں وہ دے کر محبوب بنے یہ لے کر- لطیفہ: ایک بار کسی تونگر نے فقیر سے کہا کہ ہم رب کے پیارے ہیں- کیونکہ رب نے ہم سے قرض طلب فرمایا فقیر بولا- نہیں پیارے تو ہم ہیں کیونکہ ہمارے لئے طلب فرمایا-

تفسیر صوفیانہ : عبادات کی کچھ تو شرائط جواز ہیں اور کچھ شرائط قبول- جواز کی شرطیں شریعت بتاتی ہے اور قبول کی طریقت جیسے نماز کہ اس کے شرائط جواز وضو، کپڑے کی پاکی، نیت، قبلہ رو ہونا وغیرہ ہیں مگر شرائط قبول یہ ہیں کہ اگر جسم حکمی گندگی سے پاک ہو تو دل بد عقیدگی کی گندگی سے صاف اگر کپڑا حقیقی نجاست سے محفوظ ہو تو خیالات ریا، تکبر کی گندگیوں سے علیحدہ ہوں- ظاہری کنوئیں کے پانی سے جسم کا وضو ہے اور عشق کے پانی سے دل کا وضو اگر منہ کعبہ معظمہ کی طرف ہے تو دل کا رخ خالق کعبہ کی طرف ہو اگر نماز میں امام کی اطاعت ضروری ہے تو پیر طریقت کا لحاظ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب از بس ضروری- یہ ہی یہاں بتایا جا رہا ہے کہ عبادت مقبول یہ نہیں ہے کہ صرف اپنا منہ پورب پچھم کو کر لو بلکہ عبادت قبول جب ہے جبکہ دل کی توجہ خالق مشرق کی طرف ہو- اس کی سزا و جزا پر نظر ہو اور اس کے مقبول بندوں کا ادب ملحوظ ہو اور اپنی پیاری چیزیں رب کی محبت میں ہر جگہ بکھیر دو- دینی قرابت دار یعنی مشائخ طریقت اور پھر ان کے سرداروہ آمنہ کے در یتیم جو خزانہ الہی کی زینت ہیں اور وہ جو سکون و قرار سے گوشہ نشین حضرات ہیں اور وہ جو راستوں کی گمراہی کرنے والے رہبر ہیں اور وہ جو بلا رہے ہیں اس سب پر اپنا سب کچھ قربان کر دو- تب خدا کے پیارے بننے کے مستحق ہو گے- شریعت میں مال کی خیرات کی جاتی ہے- طریقت میں کمال، احوال، اعمال وغیرہ سب کی یعنی اے کمال والو، اعمال والو! احوال والو! اللہ کی خلق پر ان چیزوں کی خیرات کرو- اپنے مال، اعمال، کمال، احوال میں سے یتیم و غریب و مسکین کو حصہ دو-

دوسری تفسیر : دولت مقفل صندوق میں رہتی ہے اور وہ صندوق کوٹھڑی میں اور کوٹھڑی کے آس پاس بہت سی مضبوط دیواریں بنائی جاتی ہیں- چور کی نگرانی پہلی دیوار پر کرو- اگر وہ اس میں نقب لگا کر اندر گھس آیا تو باقی دیواروں کا توڑ لینا اسے آسان ہو گا- دولت ایمان دل میں محفوظ ہے- جانی اور مالی نیک اعمال اس کی دیواریں ہیں- اگر شیطان چور نے تمہیں گناہوں میں پھنسا دیا تو سمجھ لو کہ وہ ایک دیوار کو توڑ چکا- آگے بڑھنے کی کوشش کرے گا- یہیں سے اس کو نکالو- اس آیت میں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ صرف پورب پچھم منہ کر لینے سے اس دولت کی نگرانی نہ ہو سکے گی- ضرورت ہے کہ اس کے لئے اعمال کی اور دوسری دیواریں تیار کرو- جب دنیاوی فانی دولت کی حفاظت بہت دیواروں سے کرتے ہو- تو ایمان جیسی لازوال

www.alahazratnetwork.org

دولت کے لئے کتنی دیواریں چاہئیں۔

وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ

اور سیدھی کرے نماز اور دے زکوٰۃ اور پورا کرنے والے عہد کو اپنے جبکہ عہد کریں اور

اور نماز قائم رکھے اور زکوٰۃ دے اور اپنا قول پورا کرنے والے جب عہد کریں اور صبر والے

وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

صبر کرنے والے بیچ مصیبت کے اور تکلیف کے اور بوقت لڑائی کے یہ لوگ وہ ہیں

مصیبت اور سختی میں اور جہاد کے وقت یہی ہیں جنہوں نے بات سچی کی

صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

جو سچ بولے اور یہ لوگ ہی پرہیزگار ہیں۔

اور یہی پرہیزگار ہیں۔

تعلق : یہ جملہ پچھلی آیت کا جز ہے۔ پہلے جز میں عقائد کی درستگی اور معاملات کی اصلاح فرمائی گئی تھی اب کچھ اخلاقی باتیں بتائی جارہی ہیں اگرچہ نماز مالی عبادات سے افضل ہے۔ مگر چونکہ یہاں علمائے بنی اسرائیل کو سنانا منظور ہے جو کہ مال کے بہت بڑے حریص تھے۔ اس لئے پہلے مالی عبادتوں کا ذکر کیا گیا پھر نماز وغیرہ کا۔

تفسیر : **واقام الصلوۃ** اس کی لفظی تحقیق شروع پارہ الم' **ویقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں کی گئی نماز قائم کرنے سے یا تو ہمیشہ اور پابندی سے پڑھنا یا درست پڑھنا یا ظاہری اور باطنی اعضاء کا اس میں مشغول کرنا مراد ہے۔ غرضیکہ اقامت کے تین معنی حاصل ہوں گے۔ صحیح وقت پر پڑھا کرنا صحیح رخ پر ادا کرنا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز قائم کرنا یہ ہے کہ ارکان لسان اور جنان سے ادا کی جاوے۔ جو نماز صرف ارکان ولسان سے ہو وہ نماز کا ڈھانچہ اور قالب ہے۔ دل کا خشوع وحاضر رہنا یہ نماز کا قلب ہے۔ جس سے نماز جاندار ہوتی ہے۔ بے جان گھوڑے کی قیمت نہیں تو بے جان نماز کی قیمت کیا ہو سکتی ہے۔ اگر اپنی نماز جاندار نہ ہو سکے تو کسی جاندار نمازی سے اسے وابستہ کردو۔ کمزور دیوار کے پیچھے اگر مضبوط دیوار بن جاوے تو وہ پشتے کا کام دیتی ہے۔ **واتی الزکوۃ** زکوۃ کی لفظی تحقیق بھی پہلے ہو چکی۔ یہاں اس کے دینے کا ذکر ہوا یہ نہ بتایا گیا کہ کس کو دے۔ کیونکہ یہ اشارۃ" پچھلے جملے میں معلوم ہو چکا۔ مگر سودیوں میں نہ نماز کا چرچا ہے نہ زکوۃ کا ذکر۔ ایسے نفس پرست جو دنیا کی خاطر دین فروخت کر ڈالیں۔ وہ زکوۃ کیا نکالیں لہذا یہ لوگ نیک کار نہیں یہاں تک تو رب کی واجب کی ہوئی چیزوں کا ذکر ہوا۔ اب وہ باتیں بتائی جارہی ہیں جسے بندہ اپنے پر خود لازم کرے۔ ارشاد ہوا کہ **والموفون بعھدھم** _ موفون "ایفاء" سے بنا جس کا مادہ ہے وفا"

www.alahazratnetwork.org

معنی پورا ہونا۔ موت کو وفات اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے زندگی پوری ہو جاتی ہے۔ عہد' وعدہ' میثاق کا فرق ہم شروع پارہ **الم** میں بیان کر چکے۔ یہاں عہد کو بندوں کی طرف نسبت دے کر یہ بتایا کہ سارے عہدوں کا پورا کرنا ضروری ہے۔ خواہ خالق سے کریں یا مخلوق سے یا پیغمبر سے۔ پھر مجبوراً "نہ کریں بلکہ **اذا عاهدوا** عہد کرتے وقت ہی وفا کی نیت ہو۔ وفاء عہد اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ فرماتا ہے **ان الله لا يخلف الميعاد** اور انبیاء کرام کی صفت ہے۔ رب فرماتا ہے **انه كان صادق الوعد وكان رسولا نبيا**۔ اور فرماتا ہے۔ **انه كان صديقا نبيا** حضور کی جالیوں میں لکھا ہے **محمد رسول الله صادق الوعد الامين** وعدہ خلافی شیطانی عیب ہے۔ ابلیس قیامت میں کہے گا۔ **ووعدتكم فاخلفتكم** ایفاء عہد سے نظام سلطنت' بنک' کاروبار چلتے ہیں۔ نوٹ پر لکھا ہوتا ہے میں وعدہ کرتا ہوں کہ حامل هذا کو وہ جس وارالاجراء سے چاہے سو روپیہ ادا کروں گا۔ اسی وعدے پر ایک پائی کا کاغذ سو روپیہ کا ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ ایفاء عہد تو ڑدیئے کہ اس کی کتاب میں کاٹ چھانٹ کردی۔ اس کے پیغمبروں کو قتل کر ڈالا اور تقریباً" ہر بات میں اس کی مخالفت کی۔ لہٰذا یہ نیک کار نہیں۔ یہاں تک تو کرنے کے کام ذکر ہوئے۔ اب ان کاموں کا ذکر ہے جن کے نہ کرنے پر ثواب ملتا ہے۔ ارشاد ہوا **والصبرين** امام کسائی نے فرمایا کہ یہ ذوی القربٰی پر معطوف ہے نہ کہ موفون پر۔ اسی لئے منصوب ہے اور اقام کا جملہ معترضہ ہے یعنی قرابت داروں وغیرہ کو مال دے اور صابرین کو دے (کبیر) بعض نے فرمایا کہ یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی میں محبت کرتا ہوں صابرین سے یعنی یہ مدح کی وجہ سے منصوب ہے یا اے نبی علیہ السلام آپ ان نمازیوں اور شاکرین کے ساتھ خصوصیت سے صبر والوں کا بھی ذکر کرو۔ کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کے لوگ ہیں (عزیزی) صبر کے معنی ہم بتا چکے۔ اس کی بعض قسمیں یہاں بتائی جارہی ہیں یعنی جو اپنے کو گھبراہٹ اور جزع فزع اور رب کی شکایت سے روکتے ہیں کب **في الباساء والضراء وحين الباس**' باساء' باس اور بوس تینوں کے معنی ہیں' سختی اور ناپسندیدہ چیز یہاں باساء سے سخت فقیری یا فاقہ مراد ہے اور باس سے جنگ کہا جاتا ہے لاباس علیک یعنی تجھ پر سختی نہیں۔ ضراء' ضر سے بنا جس کے معنی ہیں بدحالی خواہ نفسانی ہو جیسے کمی علم و فضل یا جسمانی' یہاں مرض و رنج و غم بلکہ ہر مصیبت مراد ہے باساء کا مقابل نعماء اور ضراء کا مقابل سراء ہے یعنی صبر کرنے والے فقیری' بیماری اور قحط سالی جنگ اور دشمنوں کے ہجوم میں۔ اہل کتاب اس صفت سے محروم ہیں۔ ان کے علماء رشوت لے کر احکام بدل دیتے ہیں۔ ان کے عوام قحط سالی میں کہنے لگتے ہیں کہ **يد الله مغلولة**' کہ اللہ کے ہاتھ بندھ گئے۔ انہوں نے ہی موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ **لن نصبر على طعام واحد**۔ ہم ایک کھانے پر صبر نہ کرسکیں گے۔ انہوں نے ہی تھوڑے پیسے لے کر پیغمبروں کو قتل کرڈالا انہوں نے ہی موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ **اذهب انت وربك فقاتلا** تم اور تمہارا رب دشمن کے مقابل جا کر جنگ کرو۔ ہم تو یہیں بیٹھے رہیں گے۔ معلوم ہوا کہ بھوک' تکلیف اور جنگ کسی حال میں بھی صابر نہیں۔ لہٰذا یہ دعویٰ ایمان میں جھوٹے ہیں۔ جن میں یہ عمدہ صفات ہوں **اولئك الذين صدقوا** سچی بات کو صدق اور سچے عقیدے کو حق کہتے ہیں یہاں صدق بمعنی حق ہے یا اپنے ہی معنی میں پھر کسی بات پر عمل کر دکھانے کو صدق کہا جاتا ہے۔ جیسے **صدقوا ما عاهدوا الله** یعنی ان خوبیوں کے لوگ عقیدہ میں سچے دعویٰ ایمان میں سچے یا جو انہوں نے کہا تھا وہ کر دکھایا۔ لہٰذا عمل میں سچے اور اس سے بڑھ کر یہ کہ **واولئك هم المتقون** اس کی لفظی تحقیق **هدى للمتقين** کی تفسیر میں کردی گئی اس کے معنی ہیں بچنے والا یا دنیا میں یا آخرت میں یعنی یہ لوگ دنیا میں ان اعلیٰ صفات کو اختیار کئے ہوئے اور ان کے مقابل برائیوں سے بچے ہوئے ہیں یا

www.alahazratnetwork.org

آخرت میں رب کی ناراضی اس کے عذاب اور دوزخ کی آگ سے بچے رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر : ایمان دار کی دو کسوٹیاں بتادی گئیں۔ تیسری کسوٹی یہ ہے کہ وہ نماز کا پابند رہے اور اسے خوبی سے ادا کرے بعض نمازیں فرض ہیں۔ جیسے پنج وقتی اور جمعہ اور منت کے نوافل اور بعض واجب جیسے وتر اور عیدین بعض سنت موکدہ جیسے ظہر اور مغرب کی سنتیں بعض ناجائز جیسے طلوع و غروب کے وقت نوافل۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں ساری ضروری نمازیں مراد ہیں۔ اس کے ساتھ ہی زکوۃ بھی دیتا ہے۔ زکوۃ وہ فرضی صدقہ ہے جس کی حد مقرر ہے۔ اس کا نصاب چاندی ہے۔ ساڑھے باون تولے موجودہ سکے سے چھپن روپیہ (56) سونے سے ساڑھے سات تولے تجارتی مال چھپن روپے کا قیمتی۔ ان سب میں چالیسواں حصہ واجب ہے۔ جانوروں میں اونٹوں میں پانچ گائے میں تیس بکری میں چالیس عدد نصاب ہے بشرطیکہ جنگل میں چرتی ہوں۔ زراعتی پیداوار میں دسواں حصہ یا بیسواں حکومت کے ٹیکس سے زکوۃ معاف نہ ہوگی۔ یہاں ہر زکوۃ مراد ہے۔ اپنا عہد پورا کرے ' عہد کی بہت قسمیں ہیں۔ بندے کا رب سے ' مرید کا پیر سے ' شاگرد کا استاد سے ' شوہر و بیوی کا ایک دوسرے سے مسلمان کا مسلمان سے بلکہ کافر سے غرضیکہ جس سے جو بھی جائز وعدہ کیا ہو وہ پورا کرے۔ سخن مرداں جان دارد۔ یہاں سارے عہد مراد ہیں۔ ہاں ناجائز حرام وعدے ہرگز پورے نہ کئے جاویں۔ اگر کوئی ناجائز بات پر قسم بھی کھائے کہ قسم رب کی میں زنا کروں گا ایسی قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کردے اور نفسانی ' جسمانی مالی مصیبتوں پر صابر رہے۔ کسی وقت میں ہائے وائے نہ کرے۔ ناشکری کے لفظ منہ سے نہ نکالے کہ اس سے مصیبت تو کم نہ ہوگی مگر ثواب جاتا رہے گا دفع مصیبت کی کوشش کرنا بیماری کا علاج یا مقدمہ میں کوشش خلاف صبر نہیں۔ ایسے لوگ واقعی سچے اور متقی مسلمان ہیں جو بھی اپنے میں یہ صفات رکھتا ہو وہ نیک کار ہے ورنہ محض نیکی کا مدعی مکار' خیال رہے کہ مصیبت میں صبر بہت ہی مشکل چیز ہے بغیر رب کے فضل کے میسر نہیں ہوتا۔ مگر عالم اسباب میں صبر حاصل کرنے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک تو صابرین کے حالات خصوصاً شہداء کربلا کے صبر اپنے سامنے رکھنا اسی لئے رب نے فرمایا **فاصبر كما صبر اولوا العزم من الرسل** اور صابرین کے قصے بیان کئے اور دوسرے یہ غور کرنا کہ اس مصیبت میں اللہ کی حکمت ہے اگر حکیم ڈاکٹر کڑوی دوا پلائے یا آپریشن کرے تو حکمت سے خالی نہیں۔ تیسرے یہ کہ یقین کرے کہ مصیبت ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ سونا بغیر بھٹی میں جائے زیور نہیں بنتا۔

تندیء باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

چونکہ دنیا میں نفس امارہ بھی ہمارے ساتھ ہے اور دنیا دار العمل بھی ہے۔ اسی لئے یہاں مصیبتیں بھی ہیں اور صبر کی بھی ضرورت ہے۔ جنت میں یہ دونوں باتیں نہ ہوں گی اس لئے نہ وہاں مصیبتیں نہ صبر جیسے تعلیم کے زمانہ میں کتب کی پابندیاں اور طلب علم کی مشقتیں جھیلنا پڑتی ہیں۔ بعد فراغت پھر راحت ہی راحت ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یہ آیت ایمانیات اور نیک اعمال کی عمدہ فہرست ہے۔ تفسیر عزیزی نے کہا کہ ایک شخص نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایمان کیا ہے۔ حضور نے یہ ہی آیت پڑھی اسے کچھ تسکین نہ ہوئی۔ حضور نے پاس بلا کر ارشاد فرمایا کہ اپنی نیکی پر خوش ہو اور ثواب کی امید رکھ اور بدی پر غمگین ہو اور عذاب سے ڈرو۔ واقعی اگر غور کیا جائے تو دینی و دنیوی سارے احکام اس آیت سے نکل سکتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** فرائض کے ساتھ نوافل

www.alahazratnetwork.org

بھی ادا کرنے چاہئیں۔ دیکھو یہاں زکوٰۃ کے ساتھ دیگر صدقات اور خیرات کا ذکر بھی کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** زکوٰۃ کے علاوہ اور جگہ مال خرچ کرنا بھی فرض ہے۔ جیسے اولاد اور مجبور ماں باپ کی پرورش پر۔ چنانچہ عزیزی نے ترمذی اور ابن ماجہ کی روایت نقل کی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مال میں سواء زکوٰۃ کے اور بھی حقوق ہیں اور یہ آیت ہی پڑھی۔ **چوتھا فائدہ:** وفائے عہد ایمانی صفات میں سے ہے۔ جھوٹا آدمی دین و دنیا میں کہیں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ تجارتی لین دین جنگی معاملات آپس کے تعلقات خالق و مخلوق کی محبت اسی سے قائم ہے۔ بے اعتبار آدمی نہ دین کا نہ دنیا کا کفار سے بھی وعدہ کرکے پورا کرو۔ **پانچواں فائدہ:** وفاداری کی طرح صبر بھی کامیابی کا زینہ ہے اس کے فوائد ہم **وبشر الصبرین** کی تفسیر میں بیان کر چکے افسوس کہ یہ صفات مسلمانوں سے دوسری قوموں نے لے لئے۔ بے صبری سے اوسان خطا ہو جاتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں پھول جاتے ہیں اور صحیح راستہ نظر نہیں آتا جس سے انسان کچھ سے کچھ کر بیٹھتا ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے سواء اور بھی مالی عبادات واجب ہیں اور حدیث شریف میں ہے کہ زکوٰۃ نے سارے حقوق مالیہ منسوخ کر دیئے۔ یعنی اب مال میں سوائے زکوٰۃ کے کوئی حق نہیں رہا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مال میں کوئی حق اللہ مقرر ہو کر فرض نہیں رہا۔ ماں باپ اور بچوں کی پرورش اولاً تو حق اللہ نہیں بندے کا حق ہے دوسرے مقرر نہیں بقدر ضرورت واجب صدقہ فطر و قربانی اگرچہ حق اللہ بھی ہیں اور مقرر بھی مگر فرض نہیں حنفی واجب کہتے ہیں اور شافعی سنت۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں عہد کے ساتھ اذا عٰھدوا کی قید کیوں لگائی۔ **جواب:** اس کا جواب اشارۃً تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ عہد کرتے وقت ہی پورا کرنے کی نیت ہو۔ اگر بد عہدی کی نیت سے وعدہ کیا تھا مگر بعد میں لوگوں کے خوف سے پورا کرنا پڑ گیا تو اس کا کوئی ثواب نہیں اور اگر وفا کی نیت سے عہد کیا اور پھر مجبوراً پورا نہ کر سکا تو گنہگار نہیں کیونکہ اعمال کا دارو مدار نیت پر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** وفاء عہد اللہ کا حق ہے یا بندوں کا اور ان دونوں حقوق کی پہچان کیا ہے۔ **جواب:** بندے کا حق وہ جسے بندہ معاف کر سکے جیسے قرض اور حق اللہ وہ جو بندے کی معافی سے معاف نہ ہو۔ جیسے نماز اور روزہ وغیرہ بعض وعدے حق اللہ ہیں۔ اور بعض بندوں کا حق۔ جس میں کسی خاص بندے کا نفع ہے وہ بندے کا حق ہے اس قسم کی وعدہ خلافیوں میں بندہ سے معافی چاہے اور حقوق اللہ کی مخالفت میں رب سے توبہ کرے لہٰذا نماز کی قضا اور قضا کرنے کی توبہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سائلین یعنی بھکاریوں کو خیرات دینی چاہئے مگر احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بھیک مانگنا حرام ہے حتی کہ حضور انور نے بھیک سے بچنے پر لوگوں سے بیعت لی ہے اور یہ کہ بھکاریوں کو دینا بھی جرم ہے لہٰذا قرآن و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں سائلین سے مراد دینی طلباء ہیں۔ یعنی اپنے استادوں سے علم دین پوچھنے والے کہ ان پر خیرات خرچ کرنا فرض ہے تاکہ علماء پیدا ہوں اور علماء کی بقاء سے اسلام باقی رہے کہ علم دین مکمل سیکھنا فرض کفایہ ہے اور فرض کے موقوف علیہ بھی فرض ہوتے ہیں۔ جیسے راج مستری طبیب ہر شہر میں ہونا لازمی ہے۔ ایسے ہی ہر شہر میں ایک عالم کا ہونا ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ سائل سے مراد بھکاری ہیں مگر بھکاری دو قسم کے ہوتے ہیں۔ پیشہ ور بھکاریوں کو دینے کی ممانعت فرمائی اور قرآن شریف نے ضرورت مند بھکاری کو دینے کا حکم دیا۔ لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔ اگر مسلمان سوچ سمجھ کر بھیک دیں تو آج مسلمانوں میں بھانڈ، قوال، گویئے، ہیجڑے، کنجر

www.alahazratnetwork.org

نہ ہوتے جو مسلم قوم کے دامن پر بدنما داغ ہیں یہ قومیں مسلمانوں کے سوا کسی فرقہ میں نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ مکان بنیاد' دیواروں اور چھت کے مجموعہ کا نام ہے اور پھر اس میں اینٹ' چونہ' لکڑی' لوہا ہر چیز ضروری ہے اور ہر خرابی کو درست کرنے والے مستری علیحدہ کہ زنجیروں اور قبضوں کے لئے لوہار چوکھٹ کواڑ کے لئے بڑھئی اور دیوار کے لئے معمار۔ ایسے ہی تقوے کی عمارت کے لئے بے شمار چیزوں کی ضرورت ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی عمارت کے اسباب بتائے گئے اگرچہ وہ ہزاروں ہیں مگر تین قسم کے ہیں۔ (۱) درستی عقیدہ جو اس کی بنیاد ہے اس کی طرف من امن سے والنبین تک کی عبارت میں اشارہ کیا گیا (2) نفس کی اصلاح جو اس کی دیوار و چھت ہیں جس کی طرف اقام الصلوۃ سے باس تک کی عبارت میں اشارہ ہوا۔ (3) خلق سے اچھا معاملہ جو کہ اس عمارت کے کواڑ و زنجیر وغیرہ ہیں۔ اس کی طرف واتی المال سے فی الرقاب تک اشارہ ہوا۔ جس نے بنیاد اور چھت و دیوار' چوکھٹ و کواڑ کی درستی کر لی وہی سچا پرہیزگار ہے۔ جس پر گواہی پروردگار ہے۔ اس عمارت کی بنیاد دل پر قائم اور اس کے معمار صوفیائے کرام تختے اور کواڑ کا تعلق شریعت اور علماء ظاہر سے ہے۔ اس کو تباہ کرنے والا محبت مال اور طلب عزت و جاہ کا سیلاب ہے۔ جس نے اس عمارت کو اس ہولناک طوفان سے بچالیا وہ مرد میدان ہے۔ اسی لئے یہاں صابرین کا خصوصیت سے ذکر فرمایا گیا (از روح البیان)۔

دوسری تفسیر : مال سے مراد علم ہے کیونکہ اس سے دل کی قوت ہے یعنی متقی وہ جو اپنا محبوب علم' روحانی قرابت داروں اور تیموں یعنی نفسانی قوتوں پر خرچ کرے کیونکہ یہ نور' روح سے (جو اس کا باپ ہے) علیحدہ ہے اور طبعی قوتوں کے مسکینوں پر بکھیرے کہ انہیں اخلاق' آداب' سیاسیات وغیرہ سکھائے۔ جب اپنے کو علم سے آراستہ کرلے تو راہ طریقت کے مسافروں اور سائل طلباء کو دے۔ پھر جو لوگ دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں انہیں وعظ سنا کر دنیا کی شہوتوں سے ان کی گردنیں چھڑائے۔ علمی خدمات سے فارغ ہو کر حاضری و مشاہدہ کی نماز قائم کرے اور نفس کی زکوۃ نکالے کہ صفات الٰہی میں محو ہو کر غیر کی طرف توجہ نہ کرے۔ پھر اپنا ازلی عہد پورا کرے کہ فانی کو اس باقی میں فنا کردے اور ہمیشہ رب کے محتاج رہنے کی تکلیف میں صبر کرے۔ خواہشات نفس کی مخالفت اور شیطان کے ساتھ جنگ کرنے کی مصیبت پر صابر رہے۔ جس میں یہ صفتیں ہوں۔ اس نے قالو بلیٰ کے عہد کو سچا کر دکھایا اور وہی شرک خفی سے بچا رہا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرض کیا گیا اوپر تمہارے خون کا بدلہ بیچ مقتولین کے آزاد بدلے
اے ایمان والو تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں۔ ان کے خون کا بدلہ لو۔ آزاد کے بدلے آزاد
اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ
آزاد کے اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے۔ پس وہ جو کہ معاف کیا گیا
اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ تو جس کے لئے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ

www.alahazratnetwork.org

مِنْ اَخِیْهِ شَیْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَیْهِ بِاِحْسَانٍ

واسطے اس کے طرف سے بھائی اس کے کے کچھ۔ پس تقاضا ہے ساتھ بھلائی کے اور ادا کرنا ہے

معافی ہو جائے تو بھلائی سے تقاضا ہو اور اچھی طرح ادا کرنا۔ یہ تمہارے رب کی طرف

ذٰلِكَ تَخْفِیْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ

طرف اس کے ساتھ خوبی کے۔ یہ ہلکا کرنا ہے طرف سے رب تمہارے کے اور رحمت۔ پس جو زیادتی کرے

سے تمہارا بوجھ ہلکا کرنا ہے اور تم پر رحمت تو اس کے بعد جو زیادتی کرے

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۱۷۸﴾

بعد اس کے پس واسطے اس کے عذاب ہے دردناک

اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں نیکی کے اصول بیان کئے گئے۔ اب اس کے متعلق کچھ فروعی مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں صابرین کے فضائل بیان ہوئے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اگر تمہارا رشتہ دار کسی کے ہاتھوں قتل کیا جائے تو تم بے صبری کرکے آپے سے باہر نہ ہو جاؤ اور اندھا دھند اس کا بدلہ نہ لو بلکہ اگر ہو سکے تو معاف کر دو ورنہ شرعی قاعدہ سے صرف قاتل کی جان لو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں نیک کاروں کے اعمال بیان ہوئے۔ اب بدکاروں کو نیک کار بننے کا طریقہ سکھایا جارہا ہے کہ حقوق العباد سے اپنے کو اس طرح ہلکا کرو **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں راہ خدا میں مال خرچ کرنے کے کچھ مصرف بتائے گئے۔ اب بھی مال ہی کا ایک اور مصرف بیان ہو رہا ہے جو خود اپنے جرم سے لازم ہو گیا ہو یعنی لوائے خون بہا۔

شان نزول : اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں (1) ایک یہ کہ مدینہ منورہ میں دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ جن میں سے ایک قبیلہ دوسرے سے تعداد اور مال و عزت میں زیادہ تھا۔ اس نے قسم کھائی تھی کہ ہم اپنے غلام کے بدلے دوسرے قبیلہ کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک کے بدلے دو کو قتل کریں گے۔ اسلام سے پہلے بڑے لوگ چھوٹوں پر ایسے ظلم کرتے تھے۔ یہ معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں انصاف اور برابری کا حکم دیا گیا۔ اور وہ لوگ اس پر راضی بھی ہو گئے (خزائن) (2) دوسری روایت یہ ہے کہ دین موسوی میں قتل کا بدلہ قتل ہی تھا۔ دیا معافی کا حق نہ تھا۔ دین عیسوی میں معافی لازم تھی۔ قصاص کا اختیار نہ تھا۔ کفار عرب کبھی تو خون کے عوض قتل کرتے تھے اور کبھی مال لیتے تھے۔ لیکن دونوں میں زیادتی کرتے تھے کہ خاندانی آدمی کے خون کے عوض چند لوگ قتل کئے جاتے یا بہت سا مال لیا جاتا اور غریب آدمی کے خون کا بدلہ نہایت معمولی ہوتا۔ ان تمام باتوں کو مٹانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری۔ (3) تیسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کے موقعہ پر آئی (کبیر و درمنثور)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **یا یھا الذین امنوا کتب علیکم القصاص** یہاں **الذین امنوا** سے یا تو حکام مراد ہیں یا قاتلین یا سارے مسلمان بلکہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں ذمی کفار سے بھی خطاب ہے اگرچہ صرف مسلمانوں ہی کا نام لیا گیا۔ کیونکہ جانی و مالی معاملات کفار پر بھی جاری ہیں چونکہ قصاص کے احکام بہت اہم ہیں کہ ان سے عالم کا نظام قائم ہے اور یہ نفس انسانی پر قدرے گراں بھی ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے یہاں پہلے مسلمانوں کو خطاب کرکے پھر حکم سنایا انہیں حکمتوں سے ہوتا ہے یعنی اے مومنو تم ہم کو مان چکے۔ ہمارے حبیب پر ایمان لا چکے تو اب ہمارے سارے احکام مانو تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں غلام مولیٰ کے حکم پر جرح نہیں کرتا عمل کرتا ہے۔ کتب کتب سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں جمع کرنا۔ اسی لئے لشکر کو کتیبہ اور کتاب کو کتاب کہا جاتا ہے کہ اس میں تو مختلف انسان اور اس میں مختلف مضامین جمع ہوتے ہیں۔ لکھنے کو کتابت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں مضمون جمع رہتا ہے۔ اصطلاح میں ثابت کرنا۔ قائم کرنا۔ اندازہ لگانا واجب اور لازم کردینا اور ارادہ کرنا بھی مراد ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ سب معنی لغوی معنی سے مناسبت رکھتے ہیں۔ اسی لئے غلام کی آزادی پر مال مقرر کردینے کو بھی کتابت کہتے ہیں۔ یہاں اور دیگر بہت سی آیتوں میں فرض یا مقرر کردینے کے معنی مراد ہیں۔ جیسے کتب علیکم الصیام۔ اسی لئے کبھی کتاب اللہ سے اللہ کا حکم بھی مراد ہوتا ہے بلکہ کتب میں سخت تاکید معلوم ہوتی ہے کیونکہ لکھے ہوئے قوانین بولے ہوؤں سے زیادہ لازم ہوتے ہیں۔ حاکم پہلے ارادہ کرتا ہے پھر حکم دیتا ہے پھر لکھ کر شائع فرماتا ہے گویا حکم کی ابتدا ارادہ ہے اور انتہا تحریر۔ علیکم۔ یہاں بھی یا تو حکام سے خطاب ہے۔ یا قاتلین سے یا عام مسلمانوں سے اور یا ہر ذمی کفار سے بھی۔ القصاص۔ قص سے بنا جس کے معنی ہیں نقش قدم پر چلنا۔ **فارتدا علی اثارھما قصصا** اور جیسے کہ **وقالت لاخته قصیه** اصطلاح میں برابری کرنے کو قص کہا جاتا ہے۔ کہانی کو قصہ کہتے ہیں۔ کیونکہ یہ واقعہ کے برابر ہوتی ہے اور قینچی کو مقص۔ کیونکہ اس کی دونوں طرفیں برابر ہوتی ہیں۔ قصاص خون کے بدلے خون کرنے کو کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے قاتل مقتول میں برابری ہو جاتی ہے۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں یعنی اے حاکمو تم پر قصاص لینا فرض کیا گیا یا اے قاتلو تم پر اپنے مقتول کے ورثاء کے حوالے کر دینا فرض کیا گیا۔ خبردار قصاص سے بچنے کی کوشش نہ کرنا یا اے مسلمانو اور ذمی کافرو تم سب پر قتل میں قصاص فرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ قصاص میں صرف قتل کیا جاوے گا۔ طریقہ قتل میں برابری ضروری نہیں۔ قاتل گولی سے خنجر یا تلوار سے یا گلا گھونٹ کر کسی صورت سے بھی مار دے مگر اسے قتل ہی کیا جاوے گا۔ یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ شوافع کے ہاں طریقہ قتل میں بھی برابری چاہئے کیونکہ حضور انور نے اس یہودی کو جس نے ایک لڑکی کا سر کچل دیا تھا اس کا سر ہی کچلوا دیا۔ مگر یہ دلیل ضعیف سی ہے کیونکہ اگر کوئی شخص کسی عورت کو زنا سے ہلاک کردے تو وہاں برابری کیسے ہوگی۔ غرضیکہ مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ **فی القتلی** فی سبب کے لئے ہے اور قتلی۔ **قتیل** بمعنی مقتول کی جمع یعنی مقتولین کے سبب سے۔ اگرچہ یہاں قتلی عام ہے لیکن اس سے بعض مقتولین علیحدہ ہیں کہ ان کے قاتل کو قتل نہ کیا جائے گا۔ باپ بیٹے کے عوض۔ مولیٰ غلام کے عوض۔ مسلمان حربی کافر کے عوض۔ خطاً قتل کرنے والا مقتول کے عوض قتل نہ ہوگا کیونکہ اسی طرح اگر باپ مولیٰ استاد مرشد نبی اپنے ماتحتوں کو بلاوجہ بھی کچھ مار پیٹ دے بعد میں اپنی غلطی معلوم ہو تو تب بھی اس پر قصاص نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے غلط فہمی سے حضرت ہارون کو مارا بھی اور ملامت بھی کی۔ مگر اپنی غلطی پر مطلع ہو کر نہ قصاص دیا نہ معافی مانگی۔ رہا حضور انور کا اپنے کو

www.alahazratnetwork.org

قصاص کے لئے پیش فرمانا ہاں تعلیم مساوات کے لئے تھا۔ نیز وہ صورۃ "قصاص تھا حقیقت میں ان صحابی نے حضور کا سینہ پاک چومنا تھا **الحر بالحر والعبد بالعبد والانثی بالانثی** ' الحر۔ مبتدا ہے اور بالحر خبر۔ یہاں ایک لفظ پوشیدہ ہے۔ ایسے ہی عبد اور انثی میں یعنی آزاد آزاد کے عوض اور غلام غلام کے عوض اور عورت عورت کے عوض قتل کئے جائیں گے۔ اور ان میں نسبی فضل و شرافت و رذالت خوبصورتی بدصورتی اور تقویٰ اور فسق کا لحاظ نہ ہو گا اور ایسے ہی غیر قاتل کو ہرگز قتل نہ کیا جائے گا۔ چونکہ شرفاء عرب عورت کے بدلے مرد غلام کے بدلے آزاد اور ایک کے عوض چند کو قتل کرتے تھے۔ اس لئے اس طرح فرمایا گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ غلام مقتول کے عوض آزاد قاتل کو یا عورت مقتولہ کے عوض قاتل مرد کو یا ذمی مقتول کے عوض مسلمان قاتل کو قتل نہ کیا جائے بلکہ ان میں سے جو بھی کسی کو قتل کرے اس سے قصاص لیا جائے اور اس فرق کا لحاظ نہ ہو گا۔ اس کی تفسیر دوسری آیت کر رہی ہے کہ **ان النفس بالنفس** بعض علماء نے فرمایا کہ **الحر بالحر** الخ۔ **ان النفس بالنفس** سے منسوخ ہے۔ **فمن عفی لہ'** من سے مراد قاتل ہے اور عفی کا مادہ عفو ہے۔ یعنی مٹ جانا۔ معافی کو اس لئے عفو کہا جاتا ہے کہ اس سے جرم مٹ جاتا ہے۔ کبھی اس کی نسبت مجرم کی طرف لام سے ہوتی ہے اور کبھی جرم کی طرف عن سے' کبھی اس کا عکس بھی جیسے عفی اللہ عنک۔ یہاں مجرم کی طرف نسبت ہے اور عن جنایتہ محذوف ہے۔ معافی کی دو صورتیں ہیں۔ ایک کامل جس میں مال بھی نہ لیا جائے۔ دوسرے ناقص کہ جان چھوڑ کر مال لے لیا جائے۔ یہاں دونوں بن سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم ابھی عرض کریں گے انشاء اللہ یعنی وہ قاتل جس کی معافی کر دی جائے **من اخیہ شئی** ' اخ (بھائی) سے مراد مقتول کا وارث ہے اور ضمیر کا مرجع وہ قاتل ہی ہے۔ اسے بھائی کہہ کر معافی کی رغبت دی گئی کہ اگرچہ وہ تمہارے قریبی کا قاتل ہے مگر تمہارا اسلامی بھائی تو ہے اس رشتہ سے اس کی رعایت کرو۔ شئی عفی کا نائب فاعل ہے۔ اس کے معنی ہم پارہ الم میں **شئی فلعو** کے ماتحت بتا چکے اور اس سے مراد یا تو تھوڑی معافی یا تھوڑے خون کی معافی ہے یعنی جس قاتل کو اس کے بھائی (وارث مقتول) کی طرف سے تھوڑی سی معافی بھی مل گئی یا تو اس طرح کہ سب وارثوں نے خون چھوڑ کر مال منظور کر لیا۔ یا بعض نے یا ان میں سے ایک نے بھی معافی دے دی۔ لہذا عفی سے ناقص و کامل دونوں عفو مراد ہو سکتے ہیں تو کسی وارث کو بھی قصاص کا حق نہ رہا۔ بلکہ ان وارثوں پر **اتباع بالمعروف** اتباع کا مادہ تبع ہے یعنی پیچھے پڑنا۔ یہاں مال کا تقاضا مراد ہے کیونکہ اس میں بھی حق والا دوسرے کے پیچھے پڑ جاتا ہے۔ معروف کا مادہ عرف یعنی پہچانتا ہے۔ بھلائی کو اس لئے معروف کہتے ہیں کہ اس کا ثواب شرعاً مشہور و معروف ہے یعنی اب وارث لوگ نرمی اور مہربانی سے تقاضا کریں نہ تو مقرر مال سے زیادہ لیں اور نہ وقت مقررہ سے پہلے مانگیں اور نہ کج خلقی سے پیش آئیں۔ معافی کے بعد اس کا جرم قتل بھول جائیں اور رہا قاتل اس کے ذمہ یہ ہے کہ **واداء الیہ باحسان**۔ الیہ کا مرجع وارث مقتول ہے اور احسان کا مادہ حسن بمعنی خوبی ہے یعنی قاتل کو چاہئے کہ جس قدر مال پر صلح ہو گئی وہ مقتول کے وارثوں کو نیکی اور خوبی سے ادا کر دے۔ نہ تو حکام کو رشوت دے کر اسے محروم کرے نہ مقدمہ چلا کر اس کا کچھ خرچ کرائے نہ ترش روئی سے پیش آئے اور نہ وقت مقررہ سے دیر لگائے اور نہ کھرے روپوں میں کھوٹے ملائے **ذلک تخفیف من ربکم و رحمتہ'** ذلک سے دیت یا معافی یا اس اختیار کی طرف اشارہ ہے۔ تخفیف کے معنی ہیں ہلکا کرنا۔ یہاں مراد ہے گنجائش دینا۔ کیونکہ اس میں پابندی کا بوجھ اٹھ جاتا ہے۔ ایسے ہی رحمت سے مراد ہے قید نہ لگانا یعنی یہ دیت یا معافی کا حکم یا وارث مقتول کو اتنے اختیارات کا ملنا محض رب کا کرم اور فضل ہے ورنہ دین موسوی اور عیسوی میں

www.alahazratnetwork.org

یہ گنجائش نہ تھی۔ اس میں قاتل کو اپنی جان بچانے اور وارث مقتول کو ثواب پانے کا موقعہ ہے لیکن اس گنجائش کے باوجود **فمن اعتدی بعد ذلک**' من سے قاتل اور ورثاء مقتول دونوں ہی مراد ہیں اور ذلک سے معافی کی طرف اشارہ ہے یعنی اس معاف کر دینے یا مال قبول کر لینے کے بعد اگر قاتل زیادتی کرے کہ ادا میں دیر لگائے یا وارثین مقتول حد سے بڑھیں کہ اس کو پھر قتل کرنا چاہیں یا زیادہ مال مانگیں یا وقت مقرر سے پہلے تقاضا کریں تو **فلہ عذاب الیم** اس کے لئے دردناک عذاب ہے یا تو دنیا میں کہ وارث مقتول اگر اب قاتل کو قتل کرے تو اسے قتل کیا جائے گا۔ یا اگر قاتل مال نہ دے تو جبراً وصول کیا جائے گا یا آخرت میں جہنم کا مگر جیسا جرم ہو گا ویسا عذاب۔

خلاصہ تفسیر : یہاں قتل کے متعلق دو احکام صراحۃً اور ایک اشارۃً مذکور ہوا۔ قصاص۔ دیت۔ معافی یعنی اے مسلمانوں تم پر مقتولین کی وجہ سے قصاص فرض کیا گیا۔ اس میں برابری ضروری ہے کہ قاتل ہی سے بدلہ لیا جائے نہ کہ کسی اور سے لہذا اگر آزاد کو آزاد قتل کرے تو تم آزاد قاتل ہی کو مارو اور اگر غلام کو غلام قتل کرے تو تم قاتل غلام ہی کو مار دو اور اگر عورت کو عورت مار ڈالے تو تم قاتلہ عورت سے ہی بدلہ لو۔ یہ نہ ہو کہ قاتل غلام کو چھوڑ کر بے گناہ آزاد کو مار دو یا خالہ عورت سے کچھ نہ کہو کسی بے گناہ مرد پر ہاتھ صاف کر دو یا ایک کے عوض ایک تو مجرم اور دوسرے بے قصور کو قتل کر ڈالو۔ جانیں سب برابر ہیں۔ بدن اور وصف کی برابری ناممکن ہے اس کے علاوہ اگر مقتول کے ورثاء میں سے کوئی بھی قاتل کا خون معاف کر دے تو دوسروں کو قصاص کا حق نہ رہا۔ اب وہ یا تو آپس کا طے کیا ہوا مال لیں یا شریعت کی مقرر کی ہوئی دیت اور پھر یہ وارثین تو بھلائی سے تقاضا کریں اور قاتل خوش اسلوبی سے مال ادا کر دے۔ سمجھ لو کہ رب کا خاص تم پر ہی یہ کرم ہے جو تمہیں اتنے اختیارات دے دیئے ورنہ پچھلی قوموں میں یہ احکام نہ تھے کسی دین میں صرف قصاص کا حق تھا اور کسی میں صرف معافی کا۔ اب جو شخص اس معافی کے بعد بھی زیادتی کرے کہ یا تو قاتل ادائے مال میں ڈھیل کرے یا وارث معافی دے کر جان لینا چاہیں یا زیادہ مال مانگیں تو اس کو دردناک عذاب ہو گا تو دنیا میں اور یا آخرت میں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کسی بڑے سے بڑے گناہ کی وجہ سے انسان کافر نہیں ہوتا۔ جب تک کہ عقائد خراب نہ ہوں دیکھو قاتل کو مقتول کے ورثہ کا بھائی کہا گیا اگرچہ قاتل بڑا گنہگار ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں اپنے بھائی سے یعنی مسلمان بھائی مراد ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و ان طائفتن من المومنین اقتتلوا** اگرچہ لڑنے والی دو جماعتوں میں بہت کشت و خون بھی ہو جائے مگر انہیں مومنین فرمایا گیا۔ فرماتا ہے **کل کل انما المومنون اخوۃ** دوسرا فائدہ: بھائی چارے بہت قسم کے ہیں وطنی بھائی' قومی بھائی' نسبی بھائی' دینی بھائی وغیرہ۔ مگر ان سب میں دینی بھائی چارہ بہت قوی ہے۔ دیکھو قاتل بھائی مقتول بھائی کا وارث نہیں رہتا۔ معلوم ہوا کہ قتل سے بھائی چارہ ٹوٹ گیا مگر دینی بھائی رہتا ہے۔ تیسرا فائدہ: صحابہ کرام اگرچہ آپس میں لڑ پڑے مگر ان میں سے کوئی اس جنگ کی وجہ سے کافر یا فاسق نہ ہوا کہ وہ جنگ غلط فہمی کی تھی۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے پر زیادتی کرنے والے بھائیوں کو بھائی فرمایا۔ کہ فرمایا **من بعد ان نزغ الشیطن بینی و بین اخوتی**۔ حضرت سارہ نے حضرت ہاجرہ کو مع ان کے شیر خوار بچے کے ایسے جنگل میں ڈلوایا جہاں نہ سایہ تھا نہ دانہ پانی گویا تڑپا کر مارنے کی کوشش کی مگر پھر بھی وہ دونوں بہنیں رہیں ایسے ہی آپس میں لڑنے والے صحابہ بھائی بھائی ہی رہے۔ چوتھا

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: قتل صرف قصاص کا سبب ہے نہ کہ معافی یا خون بہا کا بھی (جیسا کہ امام شافعی فرماتے ہیں) مال اور معافی وارث مقتول کی مرضی سے ہے۔ کیونکہ کتب کے بعد صرف قصاص کا ذکر ہوا اور معافی کا ذکر دوسری طرح کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: قاتل پر فرض ہے کہ اپنے کو قصاص کے لئے پیش کردے۔ بھاگنے کی کوشش نہ کرے کیونکہ یہ بندے کا حق ہے۔ زانی اور شرابی اپنی سزا سے بھاگ بھی سکتے ہیں اور دفع کرنے کی کوشش بھی کرسکتے ہیں (روح البیان وکبیر) اسی لئے زانی کا عیب چھپانا جائز مگر قتل چھپانا گناہ۔ چھٹا فائدہ: قصاص وارث مقتول کا حق ہے اسی لئے وہ معاف بھی کرسکتا ہے۔ ساتواں فائدہ: مسلمان گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ دیکھو یہاں مجرم قاتل کو مقتول کے وارث کا دینی بھائی کہا گیا۔ آٹھواں فائدہ: قصاص جان کا بدلہ ہے نہ کہ جسم اور طریقہ قتل کا۔ اسی لئے چھوٹے بچے کے عوض جوان قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ ان کی جانیں یکساں ہیں اگرچہ جسم مختلف۔ نواں فائدہ: اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک بھی قاتل کو معاف کردے پھر بقیہ وارث قصاص نہیں لے سکتے۔ جیسا کہ شئی سے معلوم ہوا کیونکہ بعض خون کی معافی ناممکن ہے۔

مسئلہ: مقتول کے وارثوں کو اختیار ہے کہ قاتل کو بلا عوض معاف کردیں یا کچھ مال پر صلح کرلیں یا قصاص لیں (خزائن) مگر معافی کے بعد پھر قصاص نہیں لے سکتے۔ مسئلہ: چند قاتلوں پر قصاص نہیں۔ (1) مسلمان جو کافر حربی کو قتل کرے (2) مسلمان کو خطاءً قتل کرے۔ خطا کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو پہچاننے میں خطا کہ مسلمان کافر حربی کے لباس میں تھا اسے مار دیا گیا۔ دوسرے فعل میں خطا کہ شکار پر گولی چلائی۔ درمیان میں انسان آگر مر گیا۔ (3) جو شخص اپنے بیٹے بیٹی یا پوتے پوتی یا نواسے نواسی وغیرہ کو قتل کردے۔ ان ہر دو صورتوں میں خون بہا واجب ہوگا۔ (4) مالک اپنے غلام یا لونڈی کو قتل کردے۔ اس صورت میں نہ قصاص ہے نہ خون بہا محض کفارہ واجب ہے۔ خلاصہ یہ کہ پہلی صورت میں کچھ نہیں دوسری اور تیسری صورت میں خون بہا اور چوتھی میں کفارہ ہے۔ (عزیزی)

پہلا اعتراض: کتب سے معلوم ہوا کہ قصاص فرض ہے حالانکہ کسی پر بھی فرض نہیں نہ تو قاتل پر اپنے کو قتل کرانا واجب نہ حاکم پر نہ وارث مقتول پر نہ کسی دوسرے مسلمان پر کیونکہ معافی اور خون بہا کا موقعہ دیا گیا ہے۔ فرضیت اور اختیار جمع کیسے ہو گئے اور علیکم سے خطاب کن کو ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ حاکم پر قصاص قائم کرنا یعنی مقتول کے ورثاء کو اس کا موقع دینا اور نیز قاتل پر اپنے کو حوالے کردینا فرض ہے۔ غرضیکہ یہاں قصاص سے قصاص قائم کرنا مراد ہے لہٰذا فرضیت حاکم اور قاتل کے حق میں ہے اور اختیار ولی مقتول کو۔ دوسرا اعتراض: قصاص کے معنی ہیں برابری تو چاہئے کہ طریقہ قتل میں بھی برابری ہو یعنی جس طرح قاتل نے مقتول کو مارا تھا ویسے ہی مقتول کا وارث اسے قتل کرسکے۔ حدیث شریف میں بھی ہے کہ ایک یہودی نے ایک بچی کا سر کچل دیا تھا حضور علیہ السلام نے بھی اس کو سر کچلوا کر ہی مروایا۔ حنفی کہتے ہیں کہ قصاص میں تلوار ہی سے قتل کیا جائے گا یہ کیوں؟ (شافعی) جواب: آیت میں فی القتلی ہے نہ کہ فی القتل اور قتلی مقتول کو کہتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قتل میں برابری واجب نہیں بلکہ مقتول میں نیز یہ برابری ناممکن بھی ہے اگر قاتل نے کسی کو جلا دیا یا چھوٹے بچے کو لواطت وغیرہ سے ہلاک کیا ہو تو اب بولئے ولی مقتول کیا کرسکتا ہے کہ یہ فعل تو حرام ہیں۔ حدیث شریف میں بعض صورتوں میں برابری قتل کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اس کے ہم بھی قائل ہیں وجوب نہیں۔ خیال رہے کہ اسلام میں

www.alahazratnetwork.org

بعض ہنگامی قوانین ضرورت زمانہ کے لحاظ سے جاری ہوئے۔ پھر حالات جب معمول پر آگئے تو وہ احکام بھی ختم ہو گئے جیسے عرینہ والوں کے ہاتھ پاؤں ناک کان کٹوا کر اندھا کر کے انہیں جنگل میں پھکوا دینا اور وہاں تڑپا کر مارنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔ مگر وہ وقتی احکام تھے جو بعد میں بند ہو گئے۔ اگر شروع میں اتنی سختی نہ کی جاتی تو عرب کا صدیوں کا قتل و خون وغارت گری کیسے بند ہوتی اس یہودی کا سر کچلوا دینا بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر چند آدمیوں نے مل کر ایک کو قتل کیا تو ان سب ہی کو قتل کیا جاتا ہے۔ اب مقتول میں بھی برابری نہ رہی کہ ایک کے بدلے میں چند مارے گئے۔ **جواب:** ان میں سے ہر شخص قاتل ہے اور ہر قاتل کو مقتول کی طرح (مردہ) کر دینا چاہئے لہذا سب ہی قتل کئے جائیں گے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غلام کے بدلے آزاد اور عورت کے بدلے مرد نہ قتل کیا جائے کیونکہ فرمایا گیا۔ **الحر- بالحر-** الخ (شافعی) **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو یہ حکم **ان النفس بالنفس** سے منسوخ ہے یا اس میں کفار عرب کے فعل کی تردید ہے اچھا بتاؤ کہ مرد کے بدلے عورت کو اور آزاد کے بدلے غلام کو تم کیوں قتل کراتے ہو چاہئے کہ یہ بھی نہ ہو۔

نوٹ: امام شافعی صاحب کے ہاں عورت کے قاتل مرد اور غلام کے قاتل آزاد سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ مگر مرد کی قاتلہ عورت اور آزاد کے قاتل غلام سے قصاص لیا جائے گا۔ یہ آیت **ان النفس بالنفس** کے بھی خلاف ہے اور حدیث **المسلمون تتکافا دماء ھم** کے بھی مخالف۔ اسی طرح امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں ذمی کافر کے قاتل مسلمان سے قصاص نہ لیا جائے گا۔ ہمارے ہاں لیا جائے گا۔ کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جب کفار نے جزیہ قبول کر لیا تو **فدماء ھم کدماء نا** ان کے خون ہمارے خونوں کی طرح ہیں۔ وہ جو حدیث میں ہے کہ مسلمان کو کافر کے بدلے نہ قتل کرو۔ اس سے کافر حربی مراد ہے تاکہ حدیثوں میں مخالفت نہ ہو۔ **پانچواں اعتراض:** کفر قتل سے بدتر گناہ ہے اور وہ تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے تو چاہئے کہ یہ بھی توبہ سے معاف ہو جائے۔ **جواب:** بے شک قتل بھی توبہ ہی سے معاف ہو جاتا ہے مگر ہر جرم کی توبہ علیحدہ اس کی توبہ قصاص کی تیاری ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دل حاکم ہے نفس امارہ ظالم نیک اعمال مظلوم مقتول اور روح ان کی وارث۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے دل یا اے دل والو! جب نفس روح کے قرابت داروں یعنی نیک اعمال کو برباد کر کے گناہ کرا دے تو تم پر نفس سے بدلہ لینا واجب ہے کہ جس درجہ کا نفس نے ظلم کیا ہو اسی درجہ کی اس کو سزا دو۔ اگر بڑا گناہ کرایا ہے یا بڑی نیکی سے روکا تو اس کے عوض اسے سخت سزا دو اور اس سے بھاری نیکیاں کراؤ۔ اگر ایک فرض قضا کرا دیا تو دس نفل پڑھو۔ اگر زکوٰۃ سے روکے تو اس کے ساتھ ہی بہت سے صدقہ نفلی بھی کر دو اور اگر کسی موقعہ پر شرعی مجبوری کی وجہ سے بدلہ نہ لیا جائے تو اس کا دوسری طرح عوض کر لو۔ مگر ساتھ ہی خیال رکھو کہ نفس و روح وطنی بھائی ہیں۔ لہٰذا وہ تدبیر اختیار کرو کہ نفس بھی باقی رہے اور روح کا عوض بھی ہو جائے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کبھی نفس فرض نماز سے روکے تو بہت سے نفل بھی پڑھ لو۔ پھر اس سے کہو کہ اگر آئندہ تو نے یہ خواہش کی تو اس سے دگنے نفل پڑھوں گا۔

حکایت: سلطان العارفین بایزید بسطامی کے نفس نے ایک بار بے موقعہ ٹھنڈا پانی مانگا۔ آپ نے تین سال تک ٹھنڈا پانی

www.alahazratnetwork.org

ہی نہ پیا اور پھر فرمایا کہ اگر اب ایسی حرکت کرے گا تو چھ سال تک ٹھنڈا پانی چھوڑ دوں گا۔

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
اور واسطے تمہارے بیچ قصاص کے زندگی ہے اے عقل والو! شاید کہ تم پرہیزگار بنو۔
اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے اے عقلمندو! کہ تم کہیں بچو۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں قصاص کا حکم تھا۔ اب اس کے بے شمار فائدے بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے مضمون پر کوئی شبہ کر سکتا تھا کہ قصاص بے کار سا ظلم ہے۔ بلکہ درحقیقت ظلم ہے۔ کیونکہ اس سے مقتول تو لوٹ نہیں آتا اور قاتل کو بھی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ الغرض قتل بری چیز ہے تو تم نے قصاص لے کر اس میں زیادتی کیوں کر دی۔ اس آیت میں یہ شبہ مٹایا جا رہا ہے کہ قصاص موت نہیں بلکہ درحقیقت زندگی ہے۔

تفسیر: **ولکم فی القصاص حیوۃ** لکم میں یا تو حکام سے خطاب ہے اور یا قاتلین سے اور یا سارے لوگوں سے۔ قصاص ہماری قرأت میں تو الف سے ہے اور بعض قرأتوں میں بغیر الف قصص ہے۔ معنی قصاص یعنی قصاص میں تمہاری زندگی ہے (کبیر)۔ القصاص میں الف لام یا تو استغراقی ہے یا عہدی یعنی ہر قسم کے بدلے میں زندگی ہے۔ جان کا بدلہ جان۔ اعضاء کا بدلہ اعضاء اور مال کا بدلہ مال یا اسلامی قصاص میں کیونکہ کفار کے قصاص میں تو موت اور فتنہ و فساد تھا۔ حیوۃ سے یا تو دنیوی زندگی مراد ہے یا اخروی یعنی اے قاتلو! قصاص دینے میں تمہارے لئے اخروی زندگی ہے کہ تم گناہ سے پاک صاف ہو کر بارگاہ الٰہی میں پہنچو گے اور عذاب قبر و دوزخ سے نجات پاؤ گے یا اے حاکمو! تمہارے لئے قصاص قائم کرنے میں زندگی ہے کیونکہ تمہاری حکومت ملکی انتظام سے قائم ہے اور یہ انتظام بغیر قصاص نہیں رہ سکتا۔ اگر تم قصاص نہ لینے کا اعلان کر دو تو تمہارے ملک سے امن اٹھ جائے گا اور خود تمہاری اپنی زندگی خطرہ میں پڑ جائے گی۔ یا اے لوگو! قصاص میں تم سب کی زندگی ہے کہ اس ڈر سے کوئی کسی کے قتل کی ہمت نہ کرے گا جس سے کہ مقتول کی جان بھی بچے گی اور خود قاتل کی بھی اور ہر شخص کو اطمینان کی زندگی بھی نصیب ہو گی۔ یا اے لوگو! اسلامی قصاص میں زندگی ہے تمہارے بناوٹی قصاصوں میں تو موت تھی کہ ایک خون کے عوض قاتل و مقتول کے دو قبیلے لڑ پڑتے تھے جس سے عام خونریزی ہوتی تھی اور اس کا سلسلہ پشت ہا پشت چلتا تھا۔ للذا اے قاتلو! تم قصاص دینے میں کوتاہی نہ کرو اپنے کو بلا تامل قصاص کے لئے پیش کر دو یا اے حاکمو! تم قصاص لینے میں پس و پیش نہ کرو ثبوت جرم ہو جانے پر فوراً جاری کر دو یا اے مسلمانو! تم قصاص جاری کرانے میں تامل نہ کرو۔ قاتل کو قصاص سے بچانے کی کوشش نہ کرو۔ وکیل ظالم ملزم کو بچانے کی تدبیریں نہ کریں کہ اس سے دنیا کا انتظام بگڑے گا۔ قصاص میں سب ہی کا بھلا ہے اور سب کے لئے اس کے بہت فائدے ہیں۔ مگر یہ فوائد صرف اہل عقل ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ یا ولی

www.alahazratnetwork.org

الالباب' اولی' ذو کی جمع ہے معنی والے۔ الباب لب کی اس کے لغوی معنی ہیں لپیٹنا۔ لبیتہ' بو دانی۔ میں نے اسے چادر سے لپیٹ لیا کلمتہ (حدیث)۔ اصطلاح میں لب عقل کو کہتے ہیں کیونکہ عقل ہاتھ پاؤں کی قید ہے کہ برے کام نہیں کرنے دیتی۔ یعنی اے عقلمندو! اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ عقلمند ہی قصاص سے زندگی حاصل کر سکتے ہیں۔ بے وقوف تو اب بھی مرتے مارتے ہی رہیں گے۔ کیونکہ غصہ میں اندھے ہو کر وہ کچھ سے کچھ کر بیٹھتے ہیں اس لئے فرمایا گیا کہ **لعلکم تتقون** تاکہ تم قتل سے بچے رہو یا دوزخ کی آگ سے بچو یا مسئلہ قصاص پر اعتراض سے پرہیز کرو یا تاکہ امن کی زندگی پاکر متقی پرہیزگار بن جاؤ کہ تقویٰ اعمال سے اور اعمال اطمینانی زندگی سے میسر ہوتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : پچھلی آیت میں قصاص کا حکم اور مال یا معافی کی اجازت دی گئی تھی۔ بظاہر معلوم ہوتا تھا کہ معافی قصاص سے بہتر ہے اس لئے چاہئے تھا کہ معافی کا تو حکم ہوتا اور قصاص کا یا تو قانون ہی نہ بنایا فقط اس کا اختیار دیا جاتا کیونکہ یہ وحشیانہ فعل ہے اس آیت میں نہایت نفیس طریقہ سے قصاص کی بہتری اور معافی کا اس سے نیچے ہونا بتایا جا رہا ہے کہ اگرچہ بظاہر قصاص میں ایک جان لیتی ہی ہے مگر در حقیقت جان بخشی ہے۔ اگر قصاص واجب نہ ہوتا۔ تو قاتل مال دینے یا معافی چاہنے پر کیوں مجبور ہوتا اور وارث مقتول معافی دے کر رحمت الٰہی کا حقدار اور قاتل کا محسن کیونکر بنتا۔ اب قاتل معافی پا کر ہمیشہ اس کا احسان مند رہے گا اگر قصاص واجب نہ ہوتا تو مقتول خون بہا دینا کیوں گوارا کرتا اور یہ مال اس سے کیوں کر وصول ہوتا۔ اب جان بچانے کے لئے وہ بخوشی مال دے گا۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو مقتول کے خون کی وقعت کیونکر معلوم ہوتی۔ دن رات انسان بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح ہوا کرتے۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو قاتل قتل کے گناہ سے کیونکر نجات پاتا۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو مقتول اپنی قبر میں کیونکر آرام سے رہتا۔ اسے اس خیال سے صدمہ ہوتا کہ میرا خون رائیگاں گیا۔ اگر قصاص نہ ہوتا تو دنیا میں امن کیونکر قائم ہوتا۔ بادشاہ سے فقیر تک ہر ایک کی جان خطرہ میں رہتی۔ اگر تمہارا اپنا قصاص جاری ہوتا تو قبیلوں کی لڑائیاں کیونکر ختم ہوتیں۔ تم ایک کے بدلے دو کو مارتے۔ وہ موقعہ یا قوت پا کر دو کے بدلے آٹھ کو ٹھکانے لگا دیتے۔ تم بے گناہ کو قتل کرتے اس کے ورثاء موقعہ پا کر تم سے بدلہ لیتے جیسا کہ اب بھی افغانی پٹھانوں اور دیہاتی راجپوتوں میں کہیں کہیں جاری ہے اگر قصاص نہ ہوتا تو تم کو بے فکری کی زندگی کیونکر حاصل ہوتی۔ ہر ایک کو ہر وقت اپنے مقتول کے بدلے کی فکر رہتی۔ اب قانون بن جانے سے تم بے فکر رہو گے۔ حاکم بدلہ لے گا لہٰذا عقل سے کام لو اور اس کے فوائد سے خبردار رہو۔ خلاصہ یہ کہ اگرچہ بظاہر قصاص ناپسندیدہ کام ہے کہ مرنے والا مقتول تو قصاص سے لوٹ نہیں آتا۔ اب قاتل کو مار کر قوم کا ایک فرد اور کم کر دیا جاتا ہے اور اس فرد کی کمی سے مظلوم مقتول کو کوئی فائدہ بھی نہیں پہنچتا۔ یہ سب وہمیات نفس امارہ کے ہیں مگر عقل والے جانتے ہیں کہ قصاص سے آئندہ لوگوں کی جانیں بچ جاتی ہیں۔ ایک فرد کو کم کر کے ہزارہا افراد کی جان بچالی جاتی ہے۔ یہ مخلص قربانی قومی بقا کے لئے بہت مفید ہے۔ مخلص کو مار کر قوم کو جلاؤ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قصاص بہت بہتر چیز ہے۔ اس سے قتل تو کیا لڑائیاں بھی بند ہو جاتی ہیں۔ کیونکہ جنگ میں خون کا اندیشہ ہوتا ہے اور خون سے اپنی جان کا خطرہ۔ لہٰذا یہ فعل صلح اور امن کا ذریعہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** قصاص سے قصاص جان ہی مراد نہیں۔ بلکہ ہر قسم کا قصاص یعنی قصاص جان بھی اور قصاص اعضاء وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

بھی۔ جس کی تفسیر سورہ مائدہ میں یوں ہے کہ جان کے بدلے جان "آنکھ کے بدلے آنکھ ناک کے بدلے ناک" دانت کے بدلے دانت غرضیکہ والجروح قصاص ' ہر زخم کا بدلہ اسی قسم کا زخم ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حق یہ ہے کہ بعض کی موت میں بعض کی زندگی ہے۔ ظالم کی موت میں مظلوم کی زندگی۔ شہید کی موت میں اسلام کی زندگی کفار حربی کی موت میں مسلم قوم کی زندگی بلکہ یوں کہو کہ جانوروں کی موت میں انسانوں کی زندگی کہ اگر گائے بھینس وغیرہ ذبح نہ ہوں تو چارہ نہایت گراں اور دودھ گھی نہایت سستا ہو جائے۔ تمام پیداوار جانور ہی کھا جایا کریں۔ انسان کی ضروریات بند ہو جائیں بلکہ اگلے انسانوں کی موت میں پچھلوں کی زندگی ہے کہ اگر پیداوار جاری رہے اور موت نہ ہو تو زمین میں رہنے کو بھی جگہ نہ ملے اگر ریل میں مسافر چڑھتے رہیں کوئی کہیں نہ اترے تو یقیناً "ریل جیل بن جائے۔ چاہئے کہ مختلف سٹیشنوں پر لوگ اترتے بھی رہیں۔ **چوتھا فائدہ:** یہ آیت انتہائی فصیح و بلیغ ہے کہ قصاص جو کہ موت ہے اسے زندگی کا ظرف بنایا گیا۔ عرب میں اس مضمون کو اس عبارت سے ادا کرتے تھے کہ **القتل انفی للقتل** یعنی قتل قتل کو مٹاتا ہے۔ اور اس کی فصاحت پر ناز کرتے تھے۔ مگر اس جملہ نے سارے فصحائے عرب کو حیران کر دیا دیکھو کتنا کامل کلام ہے کہ وہ عبارت بڑی تھی جس میں چودہ حرف تھے یہ عبارت اس سے چھوٹی اس میں لفظ قتل مکرر تھا۔ آیت میں یہ نہیں۔ اس کا مضمون بھی غلط آیت کا مضمون صحیح کیونکہ ہر قتل، قتل کو نہیں مٹاتا۔ بلکہ ظلماً "قتل تو اسے بڑھاتا ہے اور ہر قصاص قتل کو مٹاتا ہے اس میں فقط قتل کا ذکر قصاص میں قتل و زخم و حقوق مال سب ہی شامل ہے اس میں بتایا گیا کہ قتل، قتل کو مٹائے۔ یہاں فرمایا گیا کہ قصاص زندگی بخشے یعنی موت اپنی ضد کا سبب ہے۔ وہ عبارت بیبت ناک ہے کہ موت ہی کا ذکر ہے اس آیت میں نیک فال ہے کہ اس میں زندگی کا ذکر ہے۔

پہلا اعتراض: جب قصاص میں زندگی ہے تو معافی اور مال کا اختیار کیوں دیا گیا۔ **جواب:** یہاں قصاص سے مراد قانون قصاص یا اس کا قائم کرنا ہے اور ظاہر ہے کہ معافی اور مال اس کی شاخیں ہیں اگر یہ قانون نہ ہو تو دونوں بھی ختم ہو جائیں۔
دوسرا اعتراض: لعل۔ امید کے لئے آتا ہے۔ امید بے علم کر سکتا ہے۔ رب علیم و خبیر ہے اس کے لئے لعل کیسا؟
جواب: اس کا جواب شروع پارہ الم' **لعلکم تتقون** کی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ امید ہمارے لحاظ سے ہے کہ تم تقویٰ کی امید پر گناہوں سے بچو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ خون کا بدلہ خون ہے۔ ایسے ہی گناہ کا بدلہ نیکی ہے۔ برے اعمال دل کا میل ہیں اور نیکیاں اس کا صاف کرنے والا صابن۔ گناہ کے بعد نیکی اس کا کفارہ ہے۔ اگر کوئی گناہ کرتا رہے نیکی کی طرف رخ نہ کرے تو سمجھو کہ وہ روحانی طور پر مر گیا۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ اے دل والو! گناہ کے بدلے نیکیاں کرنے میں تمہاری روحانی زندگی ہے۔ جس درجہ کی برائی کر بیٹھو' اس درجہ کی نیکی بھی کرو۔ کفر کا قصاص ایمان اور گناہ کا قصاص توبہ بقدر گناہ۔ حضرت وحشی نے سیدنا امیر حمزہ کو قتل کیا تھا' جب یہ ایمان لائے تو انہیں اپنے اس جرم پر بڑی ندامت ہوئی اور کفارہ کی فکر میں رہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جھوٹے نبی مسلیمہ کذاب سے جنگ ہوئی۔ حضرت وحشی نے موقعہ پا کر خاص مسلیمہ کو قتل کیا اور یہ کہتے ہوئے گرا دیا کہ لے امیر حمزہ کا بدلہ اور بعد میں بھی کہتے تھے کہ اگر خون حمزہ قیامت کے دن میرے گناہوں کے پلے میں رکھا گیا تو انشاء اللہ خون مسلیمہ میری نیکیوں کے پلے میں ہوگا۔ ممکن ہے کہ یہ اس کا کفارہ ہو جائے کیونکہ وہ مومنین کے سردار کا خون ہے اور یہ مرتدین

www.alahazratnetwork.org

کے سروار کلسیہ ہے قصاص گناہ جس میں قلب کی حقیقی زندگی ہے۔

دوسری تفسیر : اے بندو! جیسے کہ اللہ نے تم پر تمہارے مقتولین کا قصاص لازم کیا۔ ایسے ہی اپنے مقتولین کے قصاص میں اپنے پر رحمت لازم فرمائی کہ جس کو اپنے عشق میں مارتا ہے اسے نہ مٹنے والی زندگی عطاء فرماتا ہے ایک سر لے کر ہزار سر بخشتا ہے۔ مولنا فرماتے ہیں۔

گر یکے سر را بجو از بدن   صد ہزاراں سر بر آرد در زمن

اقتلونی یا ثقاتی لائما   ان فی قتلی حیاتی دائما

اس قصاص کے لالچ میں عشاق اپنے سر ہتھیلی پر لئے پھرتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

شیر دنیا جویدا شکارے و برگ   شیر مولی جوید آزادی و مرگ!

چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود   ہمچو پروانہ بسو زاند وجود!

دنیا کا شیر شکار اور خوراک ڈھونڈھتا ہے۔ اللہ کا شیر اپنے شکاری کو تلاش کرتا ہے کیونکہ اس فنا میں بقا اور اس بقا میں فنا ہے پروانے کا یہی کمال ہے کہ اپنے کو شمع میں فنا کردے۔ ہر بیمار شربت شفا کا جویاں ہے۔ مگر بیمار عشق شربت لقا کا طالب۔ جس سے رب تعالیٰ دنیا میں ہی قصاص لے۔ لے کہ اس کے گناہوں پر یہاں ہی تکلیف وغیرہ بھیج کر اسے صاف و پاک کردے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے کہ پاک و صاف ہو کر دنیا سے جاتا ہے۔ اس قصاص میں دائمی زندگی ہے یہ کشتہ ہو کر ایسا زندہ ہو جاتا ہے کہ سینکڑوں کو زندہ کر دیتا ہے۔ سونا کشتہ ہو کر شفا بن جاتا ہے تو اللہ کا بندہ کشتہ ہو کر مردوں کو زندہ کرے تو کیا بعید ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ

فرض کی گئی اوپر تمہارے جبکہ حاضر ہو ایک کو تم میں سے موت اگر چھوڑے مال وصیت واسطے ماں باپ

تم پر فرض ہوا کہ جب تم میں سے کسی کو موت آئے اور کچھ مال چھوڑے تو وصیت کر

لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ؕ

اور قرابت داروں کے ساتھ بھلائی کے واجب ہے اوپر پرہیزگاروں کے

جائے اپنے ماں باپ اور قریب کے رشتہ داروں کے لئے موافق دستور یہ واجب ہے پرہیزگاروں پر

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں قصاص کا ذکر ہوا جو کہ موت کا سبب ہے۔ اب وصیت کا ذکر ہے۔ جس کا سبب موت ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی خونی معاملات میں بے قاعدگیوں کی اصلاح کی گئی۔ اب مالی معاملات میں ان کی بے ہودگیوں کی درستی کی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں

www.alahazratnetwork.org

مقتول پر مال لینے کا ذکر تھا یعنی خون بہا۔ اب میت کا کمایا ہوا مال بانٹنے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قاتلوں کو حکم تھا کہ اپنے کو قصاص کے لئے پیش کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے قاتلو! قصاص دینے سے پہلے اپنے مال کی وصیت صحیح طور پر کرو تاکہ تم خون کے جرم سے چھوٹ کر مال کے جرم میں گرفتار نہ ہو جاؤ۔ غرضیکہ وصیت کو قصاص سے بہت ہی مناسبت ہے اس لئے قصاص کے ساتھ وصیت کا ذکر بہت ہی مناسب و موزوں ہے۔

شان نزول: اسلام سے پہلے کفار عرب اپنے نام پر بہت مرتے تھے۔ زندگی و موت میں اسی کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ وہ لوگ مرتے وقت اپنا مال کسی اجنبی مشہور آدمی یا کسی کمیٹی انجمن اور سوسائٹی کے نام کر جاتے تھے کہ میرے بعد یہ مال فلاں انجمن کو ملے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اہل قرابت کو دینے سے ہمارا نام نہ ہو گا۔ یہ لوگ چپکے سے کھا کر ختم کر دیں گے۔ مگر اس طرح ہماری سخاوت اور دریا دلی کا خوب چرچا ہو گا کہ فلاں آدمی بڑا کام کر گیا۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت اتری۔ جس میں حکم دیا گیا کہ اپنے مال سے اہل قرابت کو محروم نہ کرو۔ خیال رہے کہ قومی خدمت ' ملکی خدمت ' جب ہی اچھی ہے جب اللہ رسول کی رضا کے لئے ہو نام و نمود کے لئے تو نماز بھی باعث ثواب نہیں چہ جائیکہ یہ سیاسی چیزیں اسی لئے رب تعالیٰ نے انہیں ان جھوٹی ملکی خدمت سے روک دیا۔

تفسیر: **کتب علیکم** چونکہ تقسیم مال کا تعلق محض ایمان سے نہیں ہے وارثوں کے لئے مال چھوڑنا انسان کی پیدائشی عادت ہے ہر فرقہ میں اس کا رواج ہے۔ اس لئے یہ آیت **یا ایھا الذین** سے شروع نہ کی گئی (عزیزی) ممکن ہے کہ اس کا تعلق پہلے کتب سے ہو اور مسلمانوں ہی سے یہاں بھی خطاب ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ کتب بمعنی فرض ہے کیونکہ شروع اسلام میں کچھ روز کے لئے وصیت فرض تھی۔ پھر میراث کی آیتوں سے اس کی فرضیت منسوخ ہوئی۔ صرف جواز یا مستحب ہونا باقی رہا۔ نیز قرآن کریم میں کتب ' فرض ہی کے معنی میں بولا جاتا ہے۔ نیز علیکم اور حقا" سے فرضیت ہی معلوم ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ علیکم میں سارے ہی انسانوں سے خطاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں ہی سے ہو۔ **اذا حضر احدکم الموت**۔ یہ کتب کا ظرف ہے کیونکہ مرتے وقت ہی وصیت کرنا فرض ہے نہ کہ اس سے پہلے موت سے مراد یا تو اسباب موت ہیں۔ جیسے قصاص اور سخت بیماری وغیرہ یا علامات موت جیسے سخت کمزوری اور طبیب کا شفا سے مایوس کر دینا ہو سکتا ہے کہ حضر سے قریب ہونا مراد ہو یعنی جب تم میں سے کسی پر علامات موت طاری ہو جائیں یا موت قریب ہو یہ توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ موت سے تمام فرض اٹھ جاتے ہیں۔ اس وقت وصیت کی فرضیت کیسی۔ نیز اس وقت نہ تو ہوش و حواس قائم ہوتے ہیں نہ زبان قابو میں۔ **ان ترک خیرا**۔ خیر کے معنی ہیں بھلائی یہاں وہ مال مراد ہے جس کا لینا بھلائی ہو۔ یعنی مال حلال اور کفن دفن و قرض سے زیادہ۔ دوسرے کا مال یا رشوت و چوری کا مال اگر پتہ چل جائے تو اصل مالک کو دینا ضروری ہے نہ کہ ورثاء کو۔ یونہی بقدر کفن دفن مال میں بھی وصیت جاری نہیں اور بھی اس میں بہت سے نکات ہے جو انشاء اللہ فائدوں اور تفسیر صوفیانہ میں بیان ہوں گے۔ یہ کتب کی شرط ہے اور ترک سے مراد قریب ترک ہے کیونکہ وصیت موت سے پہلے ہوتی ہے اور مال بعد موت چھوٹتا ہے یعنی اگر بیمار اپنا مال ' کفن و دفن سے زیادہ چھوڑنے لگے یا اپنا مملوکہ ' مقبوضہ مال چھوڑنے لگے یا قابل میراث مال چھوڑنے لگے تو اس پر فرض ہے۔ **الوصیۃ** لغت میں وصیت بوقت موت معاملہ کو کہتے ہیں شرعاً" اس تملیک کو کہتے ہیں جو

www.alahazratnetwork.org

بعد موت ہو۔ مجازاً" تاکیدی احکام کو بھی وصیت کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے **یوصیکم اللہ** کیونکہ اہل عرب وصیت پورا کرنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے۔ یہاں پانچ چیزیں ہیں۔ وصیت 'موصی' موصی لہ 'موصی بہ اور وصی وصیت 'وصیت کرنا ہے۔ وصیت کرنے والا موصی جس کے لئے وصیت کی جائے وہ موصی لہ' جس کی وصیت کی جائے وہ موصی بہ' جس کو وصیت جاری کرنے کا حق دیا جائے وہ وصی۔ زید نے عمرو سے مرتے وقت کہا کہ تہائی مال میرے بھانجے بکر کو دے دینا۔ زید موصی ہے بکر موصی لہ ہے۔ تہائی مال موصی بہ اور عمرو وصی۔ اور زید کا یہ قول وصیت۔ یہاں وصیت بمعنی مصدر ہے۔ وصیت کرنا خیال رہے کہ جس مال کی میراث نہیں اس کی وصیت بھی نہیں دیکھو اپنا وقف کیا ہوا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔ یوں ہی نبی کا مال قابل میراث نہیں تو لائق وصیت بھی نہیں۔ لفظ خیر نے ان سب صورتوں کو لے لیا۔ چونکہ مومن کا مال بہت سی خیرو بھلائی حاصل کرلینے کا ذریعہ ہے۔ اس لئے اسے خیر فرمایا۔ غنیمت تعالیٰ مومن کی غنا بھی خیر ہے کہ شکر کا ذریعہ ہے اور اس کا فقر بھی خیر کہ صبر کا وسیلہ ہے اس لئے اس مال کو خیر فرمایا۔ **للوالدین والاقربین**۔ چونکہ عرب میں یہ رواج بھی تھا کہ میت کا مال اس کے زن و فرزند لے لیتے تھے اور ماں باپ اور دیگر رشتہ داروں کو کچھ نہ دیتے تھے۔ اس لئے والدین کا ذکر پہلے ہوا۔ باقی قرابت داروں کا بعد میں یعنی مرنے والے پر فرض ہے کہ ماں باپ کے لئے خصوصاً" اور دوسرے اہل قرابت کے لئے عموماً" وصیت کر جائے مگر بالمعروف 'شرع کے موافق ہو یعنی اللہ کے لئے ہو نہ کہ نام و نمود کے لئے۔ فقیر رشتہ دار کو کم اور غنی کو زائد نہ دے۔ قریب کے رشتہ داروں کو زیادہ اور دور والوں کو کم دے۔ حقیقی بھائیوں کو چچازاد بھائیوں کے برابر نہ کرے بلکہ کچھ زائد دے۔ **حقا" علی المتقین' حقا** ایک پوشیدہ فعل کا مفعول ہے اور متقین سے یا تو ڈرنے والے مراد ہیں یا بچنے والے یعنی ہم وصیت ان پر فرض فرماتے ہیں جو اپنے مال کی بربادی اور آخرت کے عذاب سے ڈریں یا نافرمانی الٰہی سے بچیں۔

خلاصہ تفسیر : عرب میں تقسیم مال میت کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا۔ ہاں وصیت پر بہت اہتمام سے عمل ہوتا تھا اکثر مرنے والے بھی وصیت میں اپنے نام و نمود کا خیال رکھ کر شہرت کی جگہ مال دے جاتے تھے اور اگر کوئی وصیت نہ کرتا تو اس کے بال بچے سارے مال پر قبضہ کرلیتے۔ ماں باپ اور دیگر اہل قرابت کو کچھ نہ دیتے "لہٰذا اسلام میں پہلے وصیت ہی فرض کی گئی اور فرمایا گیا کہ اے مسلمانو تم سب پر فرض ہے کہ جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور کفن و دفن اور قرض سے زائد مال چھوڑنے لگے تو وصیت کر جائے مگر یہ وصیت ظلم کی نہ ہو بلکہ خصوصیت سے ماں باپ کے لئے ہو کہ ان کا حق بہت ہے اور عام طور پر اہل قرابت کے لئے بھی مگر دستور شرعی کے موافق وصیت کرے کہ محتاجوں پر مالدار قرابت داروں کو ترجیح نہ دے اور بقدر رشتہ ہر ایک کو مال دے۔ یہ معمولی بات نہیں ہے بلکہ پرہیزگاروں پر واجب ہے کہ جو متقی بننا چاہے وہ اس آخری عمل پر ضرور کاربند ہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تقوے کے لئے عبادات کے ساتھ معاملات کی درستی بھی ضروری ہے۔ دیکھو وصیت میں انصاف کرنا شرعاً" واجب قرار دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** مال کو خیر کہہ کر یہ بتایا کہ وصیت خود اپنے مال میں ہو گی نہ کہ دوسرے کے مال میں لہٰذا اگر مرنے والے کے پاس دوسرے کی امانت ہے یا مال تو اپنا ہے مگر قرض بھی ہے یا چوری وغیرہ حرام کاموں کا پیسہ ہے کہ جہاں قبضہ سے ملکیت حاصل نہیں ہوتی اس میں وصیت جائز نہیں بلکہ اس قسم کے مال مالکوں کو واپس کئے جائیں۔ اگر مالک کا پتہ نہ لگے تو ان کے نام پر خیرات کر دیئے جائیں۔ کیونکہ یہ مال ورثاء کے لئے خیر نہیں

www.alahazratnetwork.org

شر ہے۔ تیسرا فائدہ: صحیح یہ ہے کہ خیر سے مطلق بچا ہوا مال مراد ہے تھوڑا ہو یا زیادہ۔ قرآن شریف نے تھوڑی چیز کو بھی خیر فرمایا ہے۔ مثقال ذرۃ خیر یرہ اور فرمایا لما انزلت الی من خیر فقیر۔ نیز جیسے کہ اب ہر تھوڑے بہت مال میں میراث فرض ہے ایسے ہی اس وقت وصیت فرض تھی جن مفسرین نے خیر سے زیادہ مال مراد لیا ان کی مراد کفن دفن اور قرض سے بچا ہوا مال ہے یعنی ضروریات سے زیادہ (کبیر)

مسئلہ : یہ آیت دو طرح منسوخ ہے ایک یہ کہ پہلے وصیت فرض تھی اب نہ رہی۔ کیونکہ اس وقت تقسیم مال وصیت پر ہی ہوتا تھا پھر آیات میراث نے سب کے حصے مقرر کر دیئے جس سے وصیت ضروری نہ رہی۔ دوسرے یہ کہ یہاں ماں باپ وغیرہ قرابت داروں کے لئے وصیت کرنے کا حکم ہے۔ پھر حدیث شریف میں آیا کہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں۔ لہذا یہ منسوخ اب وصیت غیر وارث ہی کو ہو سکے گی (احمدی وغیرہ) مسئلہ: اب بھی وصیت چار قسم کی ہے۔ (1) ادائے زکوۃ و کفارات اور قرض اور روزہ نماز کا فدیہ اس کی وصیت فرض ہے۔ (2) غنی کے لئے جائز (3) فاسق کے لئے مکروہ۔ (4) دیگر امور خیر کے مستحب (در مختار) مسئلہ: اگر وارثین محتاج ہوں تو وصیت نہ کرنا بہتر اور تہائی مال سے کم کی وصیت بہتر ہے تہائی تک جائز۔ اس سے زیادہ ناجائز۔ مسئلہ: قابل میراث مال کی وصیت ہو سکتی ہے۔ اسی لئے مقروض اور غلام وصیت نہیں کر سکتے کیونکہ ان کا مال قابل میراث نہیں۔ مسئلہ: پیغمبر کا مال قابل میراث نہیں کیونکہ وہ زندہ ہیں اور میراث مردہ کے مال کی بٹتی ہے اسی لئے ان کی بیویوں سے نکاح حرام ہے 'جو ان کی وفات کے بعد رہ جائیں۔ طلاق والی بی بی کا یہ حکم نہیں۔ دیکھو اسمہ بنت جون جو حضور کی مطلقہ بیوی تھی اوروں کے نکاح میں گئی۔ دیکھو بخاری شروع باب الطلاق۔ نیز پیغمبر مثل مولیٰ کے ہیں اور امتی ان کی لونڈی 'غلام۔ میراث کیسے پائیں۔ اسی لئے ان پر زکوۃ فرض نہیں کہ کسے دیں نیز پیغمبروں کا چھوڑا ہوا مال صدقہ ہوتا ہے۔ جب ان کا مال قابل میراث نہیں تو قابل وصیت بھی نہیں۔ لہذا روافض کا سیدنا علی کو حضور کا وصی ماننا باطل ہے۔ ہاں ہر مسلمان ان کا وصی تقوی ہے اور علماء ان کے وارث علم اسی لئے انہیں وارث نبی کہا جاتا ہے۔ یہ سب فائدے خیر سے حاصل ہیں۔ مسئلہ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ یہاں کتب سے حکم استحبابی اور والدین وغیرہ سے محروم ورثاء مراد ہیں یعنی اگر تمہارے ماں باپ وغیرہ میراث سے محروم ہو جائیں تو بہتر ہے کہ تم انہیں وصیت سے مال دے دو۔ واللہ اعلم۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وارثوں کے لئے وصیت جائز ہے پھر یہ حکم حدیث سے جو خبر واحد ہے کیونکر منسوخ مانا گیا اور اب کیوں نہ باقی رہا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم اجماع امت سے منسوخ ہے نہ کہ خبر واحد سے (تفسیر احمدی) دوسرے یہ کہ وہ حدیث اگرچہ واحد ہے لیکن قبول امت کی وجہ سے مثل متواتر کے ہو گئی اور متواتر سے نسخ قرآن جائز ہے (کبیر) تیسرے یہ کہ یہ حکم منسوخ نہیں بلکہ علت نہ رہنے کی وجہ سے اٹھ گیا۔ جیسے قرآن پاک میں زکوۃ کے مصرف آٹھ بیان ہوئے۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مؤلفۃ القلوب (مائل بہ اسلام کفار) علیحدہ ہو گئے اور مصرف کل سات رہ گئے۔ یہ نسخ نہ ہوا بلکہ تبدیلی علت سے تبدیلی حکم ہوئی (از تفسیر کبیر)۔ دوسرا اعتراض: حضرت علی و عائشہ صدیقہ وغیرھم رضی اللہ عنھم سے مروی ہے کہ یہاں خیر سے بہت زیادہ مال مراد ہے۔ حضرت علی نے سات سو درہم کو اور حضرت عائشہ نے چار ہزار درہم کو تھوڑا مال فرمایا اور فرمایا کہ یہ خیر میں داخل نہیں۔ جواب: ان حضرات کا مقصود یہ تھا کہ

www.alahazratnetwork.org

وصیت کرنا اس وقت مستحب ہے جبکہ مال وارثوں کی ضرورت سے زیادہ ہو ورنہ بہتر نہیں۔ اس قدر مال زیادہ اولاد والے کے لئے تھوڑا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وصیت کرنا خیر جب ہے کہ جب ورثاء غنی ہوں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی مال چھوڑے وہ وصیت کرے۔ اگر وصیت نہ کرے تو میراث میں مال ملے گا خواہ نبی چھوڑے یا ولی قرآن کریم فرما رہا ہے۔ **و ورث سلیمن داود** حضرت سلیمان داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے۔ دیکھو حضرت سلیمان وارث ہوئے اور حضرت داؤد مورث لہٰذا وہ حدیث کہ انبیاء نہ وارث ہوں نہ مورث۔ اس قرآنی آیت کے خلاف ہے۔ انبیاء کی میراث و وصیت ہونی چاہئے (شیعہ) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر حضور کی میراث بٹنی چاہئے تھی تو حضرت علی نے صحابہ کو اس میراث بانٹنے کا حکم کیوں نہ دیا۔ خاموش کیوں رہے اور اپنے دور خلافت میں کیوں نہ تقسیم کی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں کتب علیکم میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور نہ انبیاء کا مال قابل وارثت ہے۔ ان کا مال بلکہ تمام سلاطین کی سلطنتیں وقف علی القوم ہوتی ہے۔ جس کا متولی قوم چنتی ہے دیکھو خلفائے راشدین کے مفتوحہ علاقے ان کی اولاد کو نہ ملے۔ آج قائد اعظم نے پاکستان بنایا تو ان کے بعد ان کی بہن یا ان کی بیٹی کو پاکستان نہ ملا بلکہ ان کی جگہ ایک بنگالی شخص خواجہ ناظم الدین متولی ہوئے۔ حضرت سلیمان، داؤد علیہ السلام کے مال کے وارث نہ ہوئے بلکہ کمال یا حال یا اعمال کے وارث ہوئے ورنہ حضرت داؤد کے بارہ بیٹے تھے سب وارث ہوتے نہ کہ فقط سلیمان علیہ السلام اسی لئے قرآن کریم نے اسی وراثت کا ذکر وہاں ہی فرمایا کہ **قال یایها الناس علمنا منطق الطیر** معلوم ہوا کہ وراثت علم مراد ہے نہ کہ وراثت مال۔

تفسیر صوفیانہ : اغنیاء پر مال کی اور اولیاء اللہ پر حال، کمال، اعمال، وصال ذوالجلال کی وصیت ضروری ہے۔ اغنیاء آخر عمر میں تہائی مال کی وصیت کر سکتے ہیں۔ مگر اولیاء اللہ اول حال میں ہی کل سے غنی ہو جاتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ اے دل والو! تم پر ضروری ہے کہ جب تم میں سے کوئی درجہ فنا کی طرف منتقل ہونے لگے اور اپنے نفس امارہ کی موت سے **موتوا قبل ان تموتوا** میں داخل ہونے لگے اور خیر یعنی صفات حمیدہ چھوڑ کر آگے بڑھنے لگے تو اپنے والدین یعنی روح اور بدن کے لئے اور دیگر اہل قرابت یعنی دل اور سر اور باقی بشری حالات کے لئے ایسی وصیت کر جائے کہ جو اسراف وغیرہ سے خالی ہو اور انہیں بتا جائے کہ ہم تو آگے چلتے ہیں تم شہوات اور رسوم و عادات کی پابندی سے الگ رہنا۔ جیسے کہ فرمایا گیا **ووصی بها ابراهیم بنیه** اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ **حقا علی المتقین** یعنی یہ وصیت ان پر واجب ہے جو شرک خفی سے بچے ہوئے ہوں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم جس طرح کہ اہل ظاہر کے لئے اترا یونہی اہل باطن کے لئے بھی آیا۔ ظاہر والوں کے لئے احکام ہیں جن میں نسخ و تبدیلی کا احتمال باطن والوں کے لئے اس کے حقائق و اسرار ہیں جن میں نہ کبھی تبدیلی ہو نہ نسخ۔ لہٰذا یہ آیت اہل شریعت کے لئے منسوخ ہے۔ اہل طریقت کے لئے باقی (روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ

پس وہ جو بدل دے اُس کو بعد اس کے کہ سنے اُسے پس اس کے سوا نہیں کہ گناہ اُس کا اوپر اُن لوگوں کے ہے

تو جو وصیت کو سن سنا کر بدل دے تو اس کا گناہ انہیں بدلنے والوں پر ہے ۔ بے شک اللہ

اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا

جو بدلتے ہیں اُسکو تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے۔ پس وہ جو ڈرے وصیت کرنے والے سے کجروی یا

سنتا جانتا ہے ۔ پھر جسے اندیشہ ہوا وصیت کرنے والے نے کچھ بے انصافی یا گناہ کیا تو

فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

گناہ کا پس صلح کرا دے درمیان ان کے پس نہیں ہے گناہ اوپر اسکے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

اس نے اُن میں صلح کرادی اُس پر کچھ گناہ نہیں بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں صحیح وصیت کرنے کا حکم تھا۔ اب اس کے جاری کرنے کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں مرنے والوں کو ورثاء کے متعلق ہدایت کی گئی تھی۔ اب میت کے وصی کو تقسیم میراث میں احتیاط کا حکم ہے۔ **تیسرا تعلق:** دیگر کام انسان خود کر سکتا ہے۔ وصیت وہ چیز ہے کہ خود جاری نہیں کی جا سکتی۔ بلکہ دوسرے مددگار کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لئے پہلے فاعل کو احتیاط کا حکم دیا گیا۔ اب اس کے مددگار کو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں غلط وصیت کرنے سے روکا گیا تھا اب صحیح وصیت کو غلط بنانے سے روکا جا رہا ہے۔

تفسیر : **فمن بدله** یا تو یہ ف عاطفہ ہے اور کتب پر یہ جملہ معطوف اور یا جزائیہ اور شرط اس کی محذوف ہے۔ من سے مراد موصی لہ، وصی، کاتب، حکام، وکیل، گواہ اور جو بھی وصیت سے خبردار ہو پھر اسے بدلتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہے غرضیکہ جس کو اس تبدیلی سے ذرا بھی تعلق ہو وہ سب مراد ہیں **بدل** تبدیل سے بنا۔ جس کے معنی ہیں بدلنا اور بدلوانا، بدلوانے کی کوشش کرنا، بدلتے ہوئے دیکھ کر خاموش رہنا، تبدیل پر راضی ہونا یہاں یہ تمام معنی درست ہیں۔ ہ کا مرجع وصیت ہے کیونکہ وہ مصدر ہے جس کی طرف ضمیر مذکر لوٹ سکتی ہے۔ یعنی جب میت صحیح وصیت کرنے لگے یا کر جائے۔ تو گواہ، وصی، حاکم، وارث یا عام مسلمانوں میں سے جو بھی وصیت بدلے کہ یا تو کاتب غلط لکھے یا گواہ غلط گواہی دے یا حاکم رشوت لے کر غلط جاری کرے یا کوئی موصی لہ، دوسرے کا حق کم کردے یا ان میں سے جو کوئی مرنے والے کو غلط مشورہ دے کر وصیت بدلوا دے کہ وہ صحیح کرنا چاہتا تھا مگر اس نے غلط مشورہ دیا **بعد ما سمعه** اس کو صحیح سن چکنے کے بعد۔ اس کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جسے صحیح وصیت کی خبر ہی نہ لگی ہو وہ گنہگار نہیں یا تبدیلی وصیت میں گواہ کی شرط نہیں یعنی جو کوئی بغیر گواہ بنے ہوئے یہی سن لے اس پر بھی واجب ہے کہ صحیح جاری کرائے۔ یا اب جو مسلمان اس اسلامی قانون کو سننے کے بعد تبدیلی وصیت میں تعاون کرے۔ خیال رہے کہ قانون اسلامی سے بے خبری عذر نہیں۔ قانون کا اعلان حاکم یا سلطان کے ذمہ ہے اور اسے معلوم کرنا رعایا کے ذمہ۔

www.alahazratnetwork.org

فانما اثمہ علی الذین یبدلونہ انما حصر کے لئے ہے۔ الذین کو جمع فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ تبدیلی کرنے والے کرانے والے اس سے راضی ہونے والے اس پر قدرت رکھتے ہوئے خاموش رہنے والے سب گنہگار ہیں (کبیر) یعنی اب مرنے والا گنہگار نہیں کیونکہ وہ وصیت صحیح کر گیا تھا بلکہ گنہگار یہ لوگ ہیں جیسے ایک نیکی کے ذریعہ بہت لوگوں کی بخشش ہوگی۔ نیکی کرنے والا کرانے والا نیکی کا مشورہ دینے والا نیکی میں مدد کرنے والا نیکی سے خوش ہونے والا نیکی کی تمنا کرنے والا کرانے والا۔ مال مسروقہ اپنے گھر میں رکھنے والا اسے بیچنے والا خریدنے والا سب مجرم ہیں۔ ایسے ہی وہاں عدالت الٰہیہ میں ایک گناہ کی لپیٹ میں سب آجائیں گے اور خیال رکھو کہ **ان اللہ سمیع علیم** اللہ مرنے والے کی وصیت اور تبدیل کرنے والوں کی باتوں کو خوب سنتا ہے اور اسے ہر ایک کی نیت کا بھی علم ہے۔ دنیا کے حکام کی پکڑ سے ہم چھوٹ سکتے ہیں کہ انہیں دھوکہ دے دیں۔ بتاؤ عدالت الٰہیہ سے کیسے چھوٹو گے لہٰذا ہر شخص اس سے خوف کرتا رہے۔ چونکہ اس آیت سے مطلقاً "تبدیلی کی ممانعت ظاہر ہوئی۔ اب اگلی آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں ایک تبدیلی جائز بھی ہے وہ یہ کہ **فمن خاف من موص جنفا او اثما۔** من سے وہ لوگ مراد ہیں جو بوقت وصیت مرنے والے کے پاس موجود ہیں۔ خوف سے یا ڈرنا مراد ہے یا فقط جاننا۔ اگر وصیت سے پہلے یا وصیت کے وقت پتہ لگ گیا کہ مرنے والا ناجائز وصیتیں کرے گا یا کر رہا ہے تو یہ خوف ہوا اور اگر مرنے کے بعد کسی کو میت کی غلطی کا پتہ لگا تو یہ علم ہوا (کبیر) بعض نے فرمایا کہ بعد موت کا جاننا بھی خوف ہے اور اس صورت میں جنف اور اثم سے مراد آخرت کا عذاب ہے یعنی جو میت کے ظلم پر واقف ہو کر اس کے عذاب پانے کا خوف کرے تو وہ وصیت درست کردے۔ جنف کے معنی ہیں مائل ہو جانا۔ یہاں مراد ہے غلطی سے برا کام کر بیٹھنا۔ اثم' جان بوجھ کر گناہ کرنا یعنی جو شخص بوقت وصیت خوف کرے کہ مرنے والا خطاءً "یا دیدہ دانستہ خلاف شرع وصیت کردے گا یا جو کوئی بعد موت میت کی غلط وصیت پر واقف ہو تو **فاصلح بینھم اصلح۔** کا فاعل من ہے اور اصلح کے معنی ہیں صلح کرا دے اور ھم کا مرجع وہ لوگ ہیں جن کے لئے وصیت ہوئی۔ یعنی پس وہ حاکم یا اولیا وصی وارثوں میں اس طرح صلح کرا دے کہ جس کو زیادہ مال کی وصیت ہو گئی ہے اسے کم لینے پر راضی کردے اور جو محروم کر دیا گیا ہے اسے دلوا دے یا مرنے والے سے صلح کرا دے کہ اس کو مشورہ دے کہ تو اپنی وصیت میں تبدیلی کر اور ورثاء کو اس پر راضی کرلے غرضیکہ یا تو اس کے مرچکنے کے بعد خود بدل دے یا حاکم سے بدلوا دے یا مرنے سے پہلے خود مرنے والے سے ہی بدلوا دے خلاصہ یہ کہ اس تبدیلی کی تین صورتیں ہیں وصیت کرتے وقت مرنے والے کو صحیح مشورہ دے کرا سے غلط وصیت سے روک دینا۔ وصیت کی تحریر ہو چکنے پر خود مرنے والے ہی سے غلط وصیت منسوخ کرا کے درست وصیت کرا لینا میت کے مرچکنے کے بعد اولیاء میت کو راضی کر کے غلط وصیت کو بدل کر درست کر دینا ان سب صورتوں میں اگرچہ وصیت میں تبدیلی تو ہوئی مگر **فلا اثم علیہ** علیہ کی ضمیر کا مرجع تبدیل ہے نہ کہ صلح یعنی اس تبدیلی میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور صلح کا ثواب ملے گا۔ بلکہ اگر صلح کرانے میں اس سے کوئی ناجائز کام بھی سرزد ہو جائے تو وہ بھی معاف ہوگا۔ کیونکہ **ان اللہ غفور رحیم۔** اللہ نیک نیتوں کے گناہوں کو بخشنے والا مہربان ہے (تفسیر کبیر) اور ممکن ہے کہ یہ معنی بھی ہوں کہ اس تبدیلی کی برکت سے اللہ میت کی غلطی بخشنے والا ہے اور دیدہ دانستہ غلط وصیت کرنے والے کو اپنے رحم سے معاف فرمانے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ مرنے والے کا کام ہے وصیت کرنا اور بعد والوں کا کام ہے اسے جاری کرنا۔ پچھلی آیت میں تو مرنے

www.alahazratnetwork.org

والوں کو صحیح وصیت کی تاکید کی گئی اور اب روئے سخن جاری کرنے والوں کی طرف ہے تاکہ وصیت کی اہمیت کا پتہ لگ جائے۔ لہٰذا ارشاد ہے کہ جائز وصیت کو موصی لہ' گواہ' وصی' حاکم یا کوئی سننے والا مسلمان جو بھی جان بوجھ کر کسی طرح بدلے یا بدلوائے۔ تو اب میت گنہگار نہیں کیونکہ وہ تو جائز کام کر گیا۔ اس بدلنے کا گناہ ان لوگوں پر ہو گا جو بدلیں یا بدلوائیں یا بدلتا ہو اور دیکھ کر طاقت کے باوجود خاموش رہیں یا جو اس سے دل سے راضی ہوں۔ جیسا جرم ویسا گناہ۔ اللہ ہر ایک کی بات سنتا ہے اور سب کی نیت جانتا ہے۔ لہٰذا بدلنے والوں کو اس سے ڈرنا چاہئے۔ ہاں ایک صورت میں تبدیلی جائز ہے وہ یہ کہ کسی کو پتہ چل جائے کہ مرنے والا غلطی سے یا جان بوجھ کر خلاف شرع وصیت کرنا چاہتا ہے یا کر رہا ہے کہ بعض کو محروم کئے دیتا ہے اور بعض کو بہت دیتا ہے یا غنی کو زیادہ اور فقیر کو کم دے رہا ہے تو اس کو مشورہ دے کر اس سے صحیح وصیت کرا دے اور موصی لہم کو اس پر راضی کر لوے یا اگر میت کے مرنے کے بعد اسے غلط وصیت کا پتہ لگے جس سے میت کے عذاب کا اندیشہ ہو تو وہ وصیت درست کر کے وارثوں میں جاری کرے اور ان کو اس پر راضی کرے تو یہ تبدیلی کا گنہگار نہ ہو گا' بلکہ صلح کرانے اور غلط کو صحیح کرنے کا ثواب پائے گا۔ اور اگر اس کی کوشش میں اس سے ناجائز کام بھی ہو گیا تو اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔ ہماری اس تفسیر سے بحمدہ تعالیٰ بہت سے اعتراضات اٹھ گئے۔ جن کا ذکر ہم آگے کریں گے انشاء اللہ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: وصیت بڑی اہم چیز ہے اس میں تبدیلی کرنا سخت گناہ۔ حضور علیہ السلام نے ہر مسلمان کو تقویٰ کی وصیت فرمائی۔ بے نماز اور دیگر جرم کرنے والوں کو خوف کرنا چاہئے۔ اللہ توفیق عمل عطا فرمائے۔ جب معمولی مسلمان کی وصیت بدلنا یا جاری نہ کرنا اتنا سخت گناہ ہے تو حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کی تبدیلی یا اس کو جاری نہ کرنا کتنا سخت جرم ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری تین سانسوں میں سے ایک سانس میں فرمایا۔ الصلوٰۃ۔ دوسری میں فرمایا **وما ملکت ایمانکم** تیسری میں فرمایا۔ **اللھم بالرفیق الا علیٰ** ایسی اہم وصیت پر عمل نہ کرنا سخت محرومی ہے حضور اکثر وعظوں میں فرماتے تھے **اوصیکم بتقوی اللہ** میں تم کو اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ ہم سب کو ان وصیتوں کے پورا کرنے کی توفیق بخشے۔ دوسرا فائدہ: وصیت بدلنا' بدلوانا اور اس پر خاموش رہنا سخت گناہ ہے۔ لہٰذا اگر مولیٰ علی کو حضور علیہ السلام نے خلافت کی وصیت کی ہوتی تو وہ ضرور صدیق و فاروق سے کہتے بلکہ ان سے جنگ کر کے حضور کی وصیت جاری کراتے اور عام مسلمان ان کی اس میں مدد کرتے۔ جیسے کہ جنگ صفین و جمل میں کی۔ یا کم سے کم اور جگہ جا کر اپنی خلافت کا اعلان کرتے۔ انہوں نے کچھ بھی نہ کیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وصیت تھی ہی نہیں۔ صرف یاروں کی گھڑنت ہے۔ ورنہ اگر صدیق اکبر پر وصیت مصطفیٰ بدلنے کا الزام ہے تو حضرات اہل بیت پر اس پر خاموش رہنے کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک اسرائیلی نیک آدمی کی میراث محفوظ رکھنے کے لئے حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام سے گری دیوار درست کرائی تاکہ اس صالح کے یتیم اپنے حق سے محروم نہ رہ جائیں اگر حضور کا مال قابل میراث ہوتا تو رب تعالیٰ ان کی میراث کبھی ضائع نہ ہونے دیتا اگر صحابہ انصاف نہ کرتے تو آسمان سے فرشتے بھیج کر اس کی حفاظت فرماتا۔ کیا حضور کی شان اس اسرائیلی نیک آدمی سے بھی کم تھی کہ رب نے انہیں محروم ہو جانے دیا۔ تیسرا فائدہ: مرنے والا اپنی وصیت بدل سکتا ہے اور دوسری وصیت ہی جاری ہو گی نہ کہ پہلی۔ جس سے ثابت ہوا کہ موت کے بعد وصیت پختہ

www.alahazratnetwork.org

ہوتی ہے۔ چوتھا فائدہ: بندے کا حق خطا اور جان بوجھ کر مارنا باطل ہے۔ جیسا کہ جنفا" اور اثما" سے معلوم ہوا اگر کسی کی ٹھوکر سے دوسرے کا برتن ٹوٹ جائے تو اسے قیمت دینا پڑے گی۔ پانچواں فائدہ: شرعی احکام میں لاعلمی کا عذر نہیں سنا جاتا چاہئے کہ احکام سیکھیں یا سیکھنے والے سے پوچھ کر عمل کریں۔ چھٹا فائدہ: جھگڑا کرنے والوں میں صلح کرانا بہت اچھی بات ہے کیونکہ جھگڑا گناہوں کی جڑ ہے اور صلح اس کا آرا۔ ساتواں فائدہ: صلح میں جھوٹ بولنے پر عذاب نہیں جیسا کہ غفور رحیم سے معلوم ہوا (کبیر) عزیزی نے فرمایا کہ تین جگہ جھوٹ بولنا جائز ہے۔ دو مسلمانوں میں جائز صلح کراتے وقت، جنگ کی حالت میں دشمن کو غافل کرنے کے لئے۔ اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے کہ ہم تم کو زیور بنوادیں گے وغیرہ مگر شرط یہ ہے کہ اس میں بد عہدی نہ ہو۔ آٹھواں فائدہ: اگر میت غلط وصیت کر گیا ہو بعد میں اس کی اصلاح ہو جائے تو وہ ظلم کا گنہگار نہ ہو گا اور ممکن ہے کہ اس غلطی کی بھی معافی ہو جائے۔ نواں فائدہ: وصیت، وقف، نسب، شرائط وقف وغیرہ کی گواہی سن کر بھی دی جا سکتی ہے۔ جیسا کہ بعد ما سمعہ سے معلوم ہوا دیکھو حضرت صدیق اکبر نے حضرت جابر کے محض کہنے پر کہ حضور نے مجھ سے اتنی رقم دینے کا وعدہ فرمایا تھا وہ رقم دے دی ان سے گواہی نہ مانگی یہ تھا بعد ما سمعہ پر عمل۔ دسواں فائدہ: بچہ اپنے ماں باپ کے کفر پر عذاب نہ پائے گا میت زندوں کے رونے پر عذاب نہ پائے گی۔ غرضیکہ کوئی بھی دوسرے کے گناہ کی سزا نہ بھگتے گا۔ کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر صحیح وصیت کو بدل دیا گیا تو گناہ بدلنے والوں پر ہے نہ کہ میت پر۔ گیارہواں فائدہ: اگر مقروض ادائے قرض کی وصیت کر جائے اور وارث ادا نہ کریں تو قرض کا بوجھ میت پر نہیں وارثوں پر ہے۔ بارہواں فائدہ: بہتر یہ ہے کہ اگر مال زیادہ ہو تو محروم قرابت داروں کے لئے وصیت کر جائے اور ان میں ترتیب یوں رکھے کہ اول نسبی محرم جیسے خالہ بھانجی پھوپھی، بھتیجی، چچا، ماموں وغیرہ پھر دودھ شریکے محرم۔ پھر سسرال کے رشتہ دار اور پھر پڑوسی اور پھر دوسرے کار خیر جیسے مسجدیں بنوانا کنوئیں کھدوانا وغیرہ (عزیزی)

مسئلہ: اب وارث کے لئے وصیت اور تہائی مال سے زیادہ کی ہوئی وصیت جاری نہ ہو گی ہاں اگر ورثاء اس پر راضی ہوں تو جاری ہو جائے گی۔ اب بھی یہ واجب ہے کہ امانتوں اور مالی حقوق اور ادائے قرض کی وصیت کر جائے تاکہ ورثاء اس سے بے خبر نہ رہیں۔ یونہی اگر اپنا قرض دوسروں پر ہے تو اس کی بھی خبر کر دے بلکہ بہتر ہے کہ یہ سب باتیں اپنے پاس لکھی ہوئی رکھے کہ موت کی خبر نہیں۔

پہلا اعتراض: صلح کرانا ثواب ہے اس کے متعلق یہ کیوں کہا گیا کہ گناہ نہ ہو گا اور جب گناہ نہیں تو غفور رحیم کا ذکر کیوں ہوا۔ جواب: اس کے جوابات تفسیر و خلاصہ تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ یا تو یہ مطلب ہے کہ میت گناہ سے پاک ہو گیا یا یہ کہ تبدیلی کا بدلنے والے پر گناہ نہیں اور صلح کرانے والا صلح میں جو برے کام کر بیٹھے گا وہ گنہگار نہ ہو گا۔ صلح کرانے میں کبھی جھوٹ بھی بولنا پڑ جاتا ہے اور کبھی اپنے اثر و رسوخ سے ایک فریق پر دباؤ بھی ڈالا جاتا ہے نہ یہ جھوٹ بولنا گناہ نہ یہ دباؤ ڈالنا گناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قرضخواہ و مقروض کی صلح اسی طرح کرائی کہ قرض خواہ سے آدھا قرض کہہ کر معاف کرا دیا اور مقروض سے فوراً" قرض ادا کرا دیا یہ دباؤ ناجائز نہیں بلکہ صلح کے لئے ہے اس پر گناہ نہیں۔ دوسرا اعتراض: بعد ما سمعہ کیوں فرمایا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جو سن کر اور جان کر تبدیلی کرے وہ گنہگار جو بے خبری میں ایسا کر بیٹھے وہ گنہگار

www.alahazratnetwork.org

نہیں۔ اگر ورثاء نے حاکم کے سامنے غلط وصیت پیش کی اور اس نے وہی جاری کردی تو وہ بری الذمہ ہے دوسرے یہ کہ تبدیلی کا گناہ فقط ورثاء اور اولیاء پر ہی نہ ہوگا بلکہ جو مردے کی وصیت سن بھی لے اور تبدیلی کرکے نہ روکے وہ بھی گنہگار ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے مال والوں کی وصیت میں تبدیلی کرنا جرم ایسے ہی حال والوں کی وصیتوں میں فرق کرنا سخت گناہ یعنی علماء پر واجب ہے کہ امت تک پیغمبر کے سارے فرمان بلا تبدیلی پہنچاویں۔ یونہی صوفیاء پر لازم ہے کہ اللہ والوں کے حال و قول مسلمانوں تک پہنچائیں۔ ان میں تبدیلی کرنا سخت گناہ ہے۔ ہاں اگر عالم دین یا شیخ وقت کو یہ اندیشہ ہو کہ ان حضرات کے فرمانوں سے یا حالات سے لوگ غلطی یا خطا میں مبتلا ہوں گے کیونکہ وہ چیزیں ان کی عقل سے بالاتر ہیں تو انہیں جائز ہے کہ ان کی شرح کرکے قابل فہم بنا کر لوگوں تک پہنچائیں یعنی ان مضامین میں عوام کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا کردیں تو یہ گنہگار نہیں بلکہ ثواب کے مستحق ہیں اس کلام سے لوگوں کی غلط فہمی یا تو جنف یا اثم ہے اور ان عالی مضامین کی شرح کرکے انہیں قابل فہم بنانا اس کی اصلاح ہے۔ اسی لئے شامی نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کے عقل سے بالا کلام مثل قرآنی متشابہات کے ہیں۔ ان کے ولی راز تک ان کے مشرب ہی کا آدمی پہنچ سکتا ہے یا تو کسی نکتہ والے سے اس کا مطلب پوچھو ورنہ ان میں غور کرو۔ دیکھو شامی باب المرتدین وہ حضرات رب کے پیارے ہیں مگر نااہل کو ان کی کتابیں دیکھنا منع۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرض کیا گیا اوپر تمہارے روزہ رکھنا جیسے کہ فرض کیا گیا اوپر ان لوگوں
اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسے کہ اگلوں پر فرض ہوئے
قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝
کے جو پہلے تھے تمہارے تاکہ تم پرہیزگار ہو۔
کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے ؕ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں قصاص و وصیت کا ذکر تھا۔ جس کا تعلق جسمانی موت سے ہے اب روزہ کا ذکر ہے جس کا تعلق نفس امارہ کی موت سے ہے کیونکہ روزہ سے یہ مرتا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ موذی کو مارنا اور بے گناہ کی زندگی میں کوشش کرنا ثواب ہے۔ اسی لئے وصیت کا جاری کرنا فرض ہے کیونکہ اس میں میت کے حکم کا زندہ کرنا ہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ روح کو زندہ رکھو اور نفس کو مارو یعنی روزہ رکھو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں معلوم ہوا کہ جان کا قصاص لینا ضروری ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اعمال کا قصاص یعنی بدلہ بھی ضروری ہے کہ اگر کسی کے روزے قضا ہو جائیں تو وہ اس کے عوض دوسرے رکھے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **یایھا الذین امنوا** چونکہ روزہ کا حکم دیا جارہا ہے جو نفس پر بھاری ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکار کر ان کی عزت افزائی فرمائی اور ہمت بڑھائی یا چونکہ روزے کا عبادت ہونا عقل انسانی سے وراء ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ بھوکا پیاسا رہنا عبادت کیوں ہو گیا۔ اسی لئے اس طرح خطاب کیا گیا۔ یعنی تم ہو مومن اور بندہ وفادار تمہاری شان یہ ہے کہ ہمارا ہر حکم مانو سمجھ میں آئے یا نہ آئے کالج کے طلبا ہربات عقل سے سمجھتے ہیں مگر فوج و پولیس کے ملازم ہسپتال کے مریض بغیر سوچے سمجھے اطاعت کرتے ہیں۔ لہٰذا تم روزوں پر عمل کرو جہاں سلطان عشق ہے وہاں عقل کی گنجائش نہیں۔ چنانچہ یا کہہ کر پیاروں کو پکار اور **ایھا** کی تنبیہہ سے ان کی غفلت دور کی اور **امنوا** فرما کر ان کے محبوب ہونے کی گواہی دی کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا کر ہمارے ہو چکے ہماری ہر سخت و نرم بات بھی قبول کرو۔ اگر آگ میں گرنے کو فرمائیں تو کود جاؤ۔ اگر تمہیں کسی مرغوب چیز سے ہٹائیں تو ہٹ جاؤ۔ کیونکہ یہ محبت کا تقاضا ہے۔ لہٰذا تم سے فرماتے ہیں کہ **کتب علیکم الصیام**' کتب کے معنی ہیں۔ لکھے گئے یا لازم کئے گئے یعنی آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے لوح محفوظ میں یہ روزے تمہارے نامزد کئے گئے تھے یہ فرضیت محض اتفاقی طور پر نہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہے لہٰذا تم اس پر ضرور عمل کرو یا توریت و انجیل میں لکھا جا چکا تھا کہ امت محمدیہ پر یہ روزے فرض ہوں گے ان کتب میں تمہاری نیک نامی ہو چکی ہے۔ اب روزہ چور یا روزہ چھوڑیا روزہ توڑ ہو کر اپنے نام کو بٹہ نہ لگانا یا اب تک تو تم پر روزہ اختیاری عبادت تھی کہ تمہیں فدیہ کا بھی حق تھا مگر اب روزے لازم کر دیئے گئے۔ وہ اختیار ختم ہو الہٰذا یہ آیت محکم ہے اختیار کی آیت منسوخ۔ صیام کا مادہ صوم ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں باز رہنا' چھوڑنا اور سیدھا ہونا (کبیر) اسی لئے خاموشی کو صوم کہتے ہیں۔ **انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم** کیونکہ اس میں کلام سے باز رہنا ہے دوپہر کو صوم النھار کہتے ہیں کہ یہ وقت سورج کے قیام کا ہے۔ کہتے ہیں۔ **صامت الریح** ہوا درست ہو گئی اور صام الفرس۔ گھوڑا کھڑا ہو گیا (کبیر) شریعت میں مسلمان کا صبح صادق سے آفتاب ڈوبنے تک بہ نیت عبادت کھانا پینا اور ہم بستری ترک کرنے کا نام صوم ہے۔ یعنی روزہ کیونکہ اس میں کھانا پینا چھوڑنا اور نفس کی درستی ہے۔ صیام اس کا مصدر ہے۔ یعنی روزہ رکھنا جیسے قیام اور صوم و صائم کی جمع بھی صیام ہی آتی ہے۔ جیسے نائم کی جمع نیام اور قائم کی جمع قیام۔ یہاں معنی مصدری مراد ہیں (کبیرو احمدی) یعنی فرض کیا گیا تم پر روزہ رکھنا اور ممکن ہے کہ صیام صوم کی جمع ہو یعنی فرض کئے گئے تم پر روزے خیال رہے کہ یہاں صیام سے مراد رمضان کے روزے ہیں نہ کہ عاشورہ یا ہر ماہ کے درمیانی تاریخوں کے روزے لہٰذا یہ آیت ان احادیث کی ناسخ ہے جن سے عاشورہ یا ہر ماہ کے تین روزوں کی فرضیت ثابت ہے۔ نسخ حدیث بالقرآن درست ہے۔ **کما کتب علی الذین من قبلکم** چونکہ روزہ نفس پر دشوار تھا اسے آسان کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ یہ تم پر ہی فرض نہیں ہوا بلکہ اگلی امتوں پر بھی تھا ذرا ہمت سے کام لینا کہیں ان کے مقابلہ میں فیل نہ ہو جاؤ۔ تفسیر کبیر و احمدی میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک ہر امت پر روزے فرض رہے چنانچہ آدم علیہ السلام پر ہر قمری مہینہ کی تیرھویں' چودھویں' پندرھویں کے روزے اور موسیٰ علیہ السلام کی قوم پر عاشورہ کا روزہ فرض رہا۔ بعض روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے روزے رکھے (در منثور) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عیسائیوں پر ماہ رمضان کے روزے فرض تھے۔ چونکہ قمری مہینے موسموں میں گھومتے رہتے ہیں اور گرمی کے روزوں میں انہیں تکلیف ہوتی تھی اس لئے انہوں نے شمسی مہینے سے موسم بہار کے روزے لازم کئے تاکہ گرمی سے بچے رہیں اور بدلنے کے عوض میں روزے اور بڑھا کر بجائے تیس کے پچاس بنا دیئے۔ ایسے ہی یہودیوں پر بھی رمضان ہی

www.alahazratnetwork.org

کے روزے فرض تھے۔ جنہوں نے یہ چھوڑ کر ایک عاشورہ کا روزہ اختیار کیا کیونکہ اس دن موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے نجات ملی۔ غرضیکہ یا تو صرف روزہ میں تشبیہ ہے اور یا اس کی مقدار میں بھی اور **الذین** سے یا تو ساری اگلی امتیں مراد ہیں یا اہل کتاب **لعلکم تتقون** اس کا تعلق کتب سے ہے اور اس میں روزہ کی حکمت کا ذکر ہے یعنی تم پر روزے اس لئے فرض کیے گئے تاکہ تم جہنم کی آگ سے بچ جاؤ یا پرہیزگار ہو جاؤ۔ کیونکہ گناہ کرانے والا نفس ہے اور یہ کھانے پینے سے قوی ہوتا ہے۔ جب روزہ سے اس کی قوت ٹوٹے گی تو تمہیں گناہ کی طرف رغبت بھی کم ہو گی اور پرہیزگاری بھی حاصل ہو گی۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تمہیں ایک ایسا عمل بتاتے ہیں جو تقویٰ کی اصل ہے وہ یہ کہ تم پر روزے فرض کیے جاتے ہیں مگر یہ تمہارے واسطے نئی بات نہیں۔ تم سے پہلے اوروں پر بھی فرض رہ چکے ہیں تم اس پر کاربند رہو تاکہ تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل ہو۔

روزہ

روزہ نبوت کے پندرھویں سال یعنی دس شوال 2 ہجری میں فرض ہوا۔ (خزائن العرفان، درمختار و خازن) اولاً صرف ایک روزہ یعنی عاشورہ کے دن کا فرض ہوا۔ پھر یہ منسوخ ہو کر ہر چاند کی تیرھویں، چودھویں، پندرھویں کے روزے فرض کیے گئے۔ پھر یہ بھی منسوخ ہو کر ماہ رمضان کے روزے فرض ہوئے مگر لوگوں کو اختیار تھا چاہے روزہ رکھیں چاہے فدیہ ادا کریں یعنی ہر روزہ کے عوض آدھا صاع (175 روپیہ اٹھنی بھر) گیہوں کا ایک صاع جو (351 روپیہ بھر) صدقہ کر دیں۔ پھر یہ اختیار منسوخ ہو کر روزے لازم ہوئے مگر یہ پابندی رہی کہ رات کو سونے سے پیشتر جو چاہو کھاؤ۔ پھر حضرت صرمہ کا واقعہ پیش آنے پر صبح تک کھانے پینے کا اختیار دیا گیا۔ مگر جماع پھر بھی حرام رہا۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آنے پر رات میں یہ بھی حلال کر دیا گیا۔ ان سب چیزوں کا ذکر اگلی آیتوں میں آ رہا ہے اس آیت میں اجمالی حکم ہے۔ (تفسیر احمدی) یوں سمجھو کہ اولاً کلمہ پڑھنا فرض ہوا۔ پھر نماز، پھر زکوٰۃ، پھر روزے، پھر جہاد، پھر حج (روح البیان) درمنثور نے فرمایا کہ نماز میں بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ اور روزہ میں بھی۔ نماز معراج میں پچاس وقت فرض ہو کر پانچ پانچ کم ہو کر پانچ رہیں۔ پھر اولاً ہر وقت میں دو دو رکعتیں فرض تھیں بعد ازاں سفر میں دو رہیں اور اقامت میں بعض چار یا تین کر دی گئیں۔ کچھ روز بیت المقدس کی طرف پھر کعبہ معظمہ کی طرف ادا ہوئیں اور روزہ میں مذکورہ چھ تبدیلیاں واقع ہوئیں۔

روزے کے اسرار : روزہ میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اسی لئے ہر قوم اس کو عبادت جانتی رہی اور جانتی ہے اگرچہ طریقوں میں قدرے اختلاف ہو۔ ہم کچھ حکمتیں بیان کرتے ہیں۔ (1) روح عالم اجسام میں آنے سے پہلے کھانے پینے وغیرہ سے پاک و صاف تھی۔ اسی لئے گناہوں سے بھی محفوظ رہی۔ اجزاء جسم کا بھی یہی حال تھا مگر جب یہ دونوں ملے تو جسم روح کی وجہ سے غذاؤں کے حاجتمند ہوئے اور گناہوں میں مبتلا۔ ضرورت تھی کہ اب بھی کچھ روز ان کو مرغوب غذاؤں سے باز رکھا جائے تاکہ انہیں اپنی پہلی حالت یاد رہے اور پہلے کی طرح اب بھی گناہوں سے بچتے رہیں۔ (2) نفس اور روح دو دشمن ہیں۔ جن کا مقام جسم انسان ہے ان میں سے ایک کی قوت دوسرے کے ضعف کا سبب ہے۔ نفس جسمانی غذاؤں اور لذتوں سے قوی ہوتا ہے اور

www.alahazratnetwork.org

روح نیک اعمال سے۔ ضرورت تھی کہ کچھ روز بھوکا رکھا جائے تاکہ نفس کمزور ہو۔ (3) روزہ میں بھوک اور پیاس کی تکلیف کا پتہ چلتا ہے۔ جس سے غذا اور پانی کی قدر ہوتی ہے اور انسان خدا کا شکر کرتا ہے۔ (4) روزہ سے بھوکوں پیاسوں پر مہربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ غنی اپنی بھوک یاد کر کے فقیر کی بھوک کا پتہ لگاتا ہے یہاں روح البیان میں ہے کہ انسانوں کے تیسرا بادشاہ طہمورث کے زمانہ میں سخت قحط سالی ہوئی تو مالداروں کو روزہ کا حکم دیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ تم دوپہر کا کھانا فقیروں کو دو تاکہ شام کو تم اور وہ دونوں کھاؤ۔ (5) روزہ سے بھوک کے برداشت کرنے کی عادت رہتی ہے۔ اگر کبھی کھانا میسر نہ ہو تو انسان گھبراتا نہیں۔ (6) بھوک بہت سی بیماریوں کا علاج ہے۔ اب بھی ڈاکٹر و طبیب کہتے ہیں کہ فاقہ بہت بیماریوں کا علاج ہے۔ کیونکہ اس سے معدہ کی اصلاح ہے۔ (7) نفس دن میں تو کھانے پینے اور شب کو سونے کی رغبت کرتا ہے۔ شریعت نے اس کی مخالفت یوں کرائی کہ کبھی دن میں تو روزوں کا اور رات میں نمازوں کا حکم دیا کہ ماہ رمضان میں دن کو کھانے سے باز رہو اور رات کو تراویح اور تہجد پڑھو۔ خیال رہے کہ نماز سجدہ وغیرہ فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی ادا کرتے ہیں مگر روزہ صرف انسان ہی کی عبادت ہے فرشتے' دوسری مخلوق بلکہ غالبا" جنات پر بھی روزے فرض نہیں۔ یہ انسانی خصوصیات سے ہے اسی لئے علیکم میں انسانوں سے خطاب ہوا جیسے رب فرماتا ہے **وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا** حج صرف انسانوں پر ہی فرض ہے۔

روزہ کے فضائل : روزہ کے فضائل بے شمار ہیں۔ یہاں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (1) حدیث قدسی میں ہے کہ رب فرماتا ہے کہ **الصوم لی وانا اجزی بہ** روزہ میرا ہے اور میں ہی اس کی جزا دوں گا اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ساری عبادات میں ریا ہو سکتی ہے روزہ میں نہیں ہو سکتی کیونکہ سب میں کرتا ہے اور اس میں چھوڑتا ہے لہٰذا اس کی جزا بھی کوئی مقرر نہیں۔ رب دینے والا اور بندہ لینے والا۔ یا یہ مطلب ہے کہ دیگر عبادات قیامت کے دن قرض خواہ اور دوسرے اہل حقوق چھین سکتے ہیں مگر روزہ نہیں چھین سکتے۔ وہاں ان سے فرمایا جائے گا کہ روزہ ہمارا ہے کسی کو نہ ملے گا۔ ایک روایت میں ہے **وانا اجزی بہ** میں اس کا بدلہ ہوں (عزیزی) یعنی تمام عبادات کا بدلہ جنت اور روزہ کا بدلہ خالق جنت۔ (2) تمام عبادات میں اطاعت کا غلبہ ہے اور روزہ میں عشق کا کیونکہ اس میں رب کے لئے دنیوی چیزوں کا چھوڑنا ہے۔

عاشقاں را شش نشاں است اے پسر — آہ سرد و رنگ زرد و چشم تر
گر ترا پرسند سہ دیگر کدام — کم خور و کم گفتن و خفتن حرام

یہ سب باتیں روزہ میں ہیں اور مطیع کا بدلہ تو انعام ہے مگر عاشق کا بدلہ لقاء حبیب۔ (3) روزہ میں انسان ہر وقت عابد رہتا ہے سونا' بولنا' چلنا' پھرنا سب عبادت کیونکہ بہر حال روزہ منہ میں ہے۔ (4) جیسے کہ وضو غسل گندگی و جسم کو دور کر کے انسان کو عبادت' تلاوت اور مسجد میں آنے کے قابل بناتا ہے۔ ایسے ہی روزہ روح کو پاک کر کے دربار یار کے لائق بناتا ہے اور مشاہدۂ جمال اور ہمکلامی رب ذوالجلال کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام کوہ طور جاتے تو روزہ رکھ کر جاتے اور توریت لینے کے لئے چالیس روزے رکھے۔ (5) روزہ سے شہوت ٹوٹتی ہے غفلت دور ہوتی ہے۔ جس کی غفلت اس سے بھی نہ جائے اسے چاہئے کہ اپنے کو رنج و غم اور فکر آخرت میں جلا رکھے کیونکہ یہ نفس کا آخری علاج ہے۔ (6) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن ماہ رمضان اور قرآن روزہ دار کی شفاعت کریں گے۔ (7) تین شخص بہت بد نصیب ہیں ایک وہ جو حضور پاک کا

www.alahazratnetwork.org

نام شریف سنے اور درود پاک نہ پڑھے دوسرے وہ جو ماں باپ کا بڑھاپا پاکر جنت حاصل نہ کرلے۔ تیسرے وہ جو ماہ رمضان پاکر جہنم سے آزاد نہ ہوجائے۔ (حدیث)

پہلا اعتراض : روزہ دن میں کیوں ہوا۔ رات میں کیوں نہ مقرر ہوا۔ جواب: رات میں تو انسان عادۃً بھی کچھ نہیں کھاتا پیتا سونے ہی میں گزارتا ہے اگر رات میں روزہ ہوتا تو عادت و عبادت اور طبیعت اور شریعت میں فرق نہ ہوتا۔ نیز دن میں انسان چیزوں کو بھی دیکھتا ہے اور لوگوں کو کھاتے پیتے بھی عورت کا حسن و جمال بھی اس کا لباس زینت اور چلنا پھرنا بھی ملاحظہ کرتا ہے جس سے کھانے پینے اور جماع کی رغبت پیدا ہوتی ہے اس وقت صبر کرنا واقعی کمال اور باعث ثواب ہے۔ دوسرا اعتراض: لعل شک کے لئے ہے پھر رب نے کیوں فرمایا۔ جواب: یہ شک انسان کے لئے ہے یعنی تم تقویٰ کی امید پر روزہ رکھو اس پر یقین نہ رکھو کیونکہ قبولیت رب کے قبضہ میں ہے۔ تیسرا اعتراض: روزہ دار کو رات میں کھانے پینے کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ چاہئے تھا کہ دن و رات کا روزہ ہوتا۔ جواب: یہ بات طاقت انسانی سے باہر ہے۔ جس سے وہ ہلاک ہوکر عبادات سے بھی محروم ہوجائے گا نفس کی اصلاح منظور ہے نہ کہ اس کا ہلاک کرنا۔ چوتھا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ساری عبادتیں واحد سے تعبیر فرمائیں صلوۃ، زکوۃ، حج وغیرہ روزوں کے لئے جمع کا لفظ کیوں ارشاد ہوا۔ یہاں بھی بجائے صیام کے صوم فرمانا چاہئے تھا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں صیام صوم کی جمع نہیں بلکہ مصدر ہے بمعنی روزہ رکھنا جیسے قیام بمعنی کھڑا ہونا اور اگر جمع ہو تب اس میں روزے کی اہمیت کا اظہار ہے کہ ہر روزہ مستقل اور بہت ثواب والی عبادت ہے لہٰذا ایک ماہ رمضان میں متعدد عبادتیں ہوتی ہیں۔ ہر روزہ مستقل عبادت اس میں ترغیب ہے یا روزے سے مختلف قسم کے روزے مراد ہیں۔ رمضان کے نذر کے کفاروں کے وغیرہ۔

تفسیر صوفیانہ : اے وہ لوگو! جو انوار حضوری کا مشاہدہ کے رب کے امن میں آچکے تم پر جسمانی، قلبی، سری، روحانی، روزہ فرض کیا گیا جسمانی روزہ یہ ہے کہ روزہ دار کا ہر عضو گناہوں سے محفوظ رہے۔ آنکھ حرام چیز نہ دیکھے۔ کان جھوٹ غیبت و بد کلامی باجے کی آوازیں نہ سنے۔ زبان بری باتوں سے بچے وغیرہ۔ قلبی روزہ یہ ہے کہ وہ برے خیالات سے محفوظ رہے۔ روحی روزہ یہ کہ وہ عالم روحانیات میں رب کے سوا کسی کو نہ دیکھے۔ سری روزہ یہ کہ اپنے کو غیر اللہ سے بچائے۔ جو ان مفطرات سے بچا ہوا وہ حقیقی روزہ دار ہے۔ شرعی روزہ تجلی آفتاب دیکھ کر شروع ہوتا ہے اور تاریکی رات دیکھ کر ختم۔ مگر طریقت کے روزے کی ابتداء تجلی جلال پر اور انتہا مشاہدہ جمال پر ہے۔ شریعت میں رمضان کا چاند دیکھ کر روزہ شروع کرو اور عید کا چاند دیکھ کر ختم جیسا کہ حدیث میں ہے کہ صوموا لرویتہ وافطروا لرویتہ اہل طریقت فرماتے ہیں کہ رب کا جمال دیکھ کر روزہ شروع کرو اور جمال ہی دیکھ کر افطار کرو۔ عوام کے روزے حلق کے ہیں۔ خواص کے دل کے اور خاص الخواص کے روزے قلب و قالب دونوں کے کیونکہ علیکم میں دونوں ہی سے خطاب ہے یہ روزے تم پر ہی فرض نہیں ہیں بلکہ تم سے پہلے روح اور جسم دونوں روزہ دار تھے۔ تم اس پر عمل کرو تاکہ اغیار سے بچ کر دربار یار کی حاضری کے قابل ہوجاؤ۔

www.alahazratnetwork.org

أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ ۚ فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ

دن گنتے ہوئے پس جو ہو تم میں سے بیمار یا اوپر سفر کے پس شمار کرنا ہے

گنتی کے دن ہیں تو تم میں جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو تو اتنے روزے اور

أَيَّامٍ أُخَرَ ۚ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ ۖ فَمَن

دن دوسروں سے اور اوپر ان لوگوں کے جو نہیں طاقت رکھتے فدیہ ہے کھانا فقیر کا پس جو زیادہ

دنوں اور جنہیں اس کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔ پھر جو اپنی طرف سے نیکی

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ ۚ وَأَن تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ إِن كُنتُمْ

کرے بھلائی پس وہ بہتر ہے واسطے اس کے اور یہ کہ روزہ رکھو تم بہتر ہے واسطے تمہارے

زیادہ کرے تو وہ اس کے لئے بہتر ہے اور روزہ رکھنا تمہارے لئے بھلا

تَعْلَمُونَ ﴿١٨٤﴾

اگر ہو تم جانتے ☆

ہے۔ اگر تم جانو ☆

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح سے تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں روزوں کا اجمالی حکم دیا گیا۔ اب اس کی مدت اور کچھ دیگر احکام کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ روزے سب پر فرض ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم میں سے بعض کو مہلت بھی ہے اور بعض کے لئے دوسری آسانی بھی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو یہ فرما کر تسلی دی گئی تھی کہ اگلوں پر بھی روزے فرض رہ چکے ہیں اب دوسری طرح بھی تسکین دی جارہی ہے۔

تفسیر : ایاما معدودت ایام جمع یوم کی ہے۔ جس کے حقیقی معنی ہیں دن کبھی مجازاً "وقت کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں اس کا زبر یا تو اس لئے ہے کہ کتب کا ظرف ہے یا صیام کی تفسیر یعنی اعنی کا مفعول یا صوموا فعل پوشیدہ کا ظرف۔ معدودات جمع معدودۃ کی ہے اس کا مادہ ہے عد جس کے معنی ہیں ملانا' گنتی شمار' پھر کبھی کمی یا تیار کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں تو گنے ہوئے دن مراد ہیں یا تھوڑے یا تیار و مقرر کئے ہوئے یعنی تم پر روزے فرض ہیں گنتی کے یا تھوڑے دنوں میں یا ان دنوں میں جو اس عبادت کے لئے پہلے سے مقرر کر دیئے گئے۔ (روح و کبیر) گھبرانہ جانا۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ ایام سے مراد ہر مہینہ کے تین دن ہیں کیونکہ ایام بھی جمع قلت ہے اور معدودات بھی جو تین سے نو تک کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ اگر ماہ رمضان مراد ہوتا تو جمع کثرت فرمائی جاتی۔ یہ آیت اس وقت کی ہے جب یہ ہی تین روزے فرض تھے پھر فمن شهد منكم الشهر سے منسوخ ہو گئی۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے ماہ رمضان ہی مراد ہے اس کی کمی بتانے کے لئے جمع

www.alahazratnetwork.org

قلت لائی گئی۔ جیسے کہہ دیتے ہیں ایام دنیا۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ ان تین روزوں کی ناسخ ہے اور **من شهد منكم الشهر** اس کا بیان معدودات سے یا تو رمضان کے دنوں کی کمی بیان کی گئی یا ان کی افضلیت یعنی تھوڑے سے گنتی کے دن ہیں جب نفس کے لئے گیارہ ماہ کھاتے پیتے رہتے ہو تو ان گنے چنے دنوں میں رب کے لئے روزے بھی رکھ لیا کرو۔ یا یہ دن اور ان دنوں کی گھڑیاں گنی جاتی ہیں دوسرے مہینے کی تاریخیں کسی کو یاد نہیں ہوتیں مگر رمضان کی ہر تاریخ اور ہر ساعت مسلمان شمار میں رکھتے ہیں یا یہ مہینہ روزہ داروں کے لئے ہلکا ہوتا ہے کہ گنتے شمار کرتے گزر جاتا ہے روزہ چوروں کو بھاری جیسے قیامت کے دن مومن کو بقدر چار رکعت نماز اور کافروں کو پچاس ہزار سال کا یا ان تاریخوں کو اور ان میں ہونے والے کاموں کو فرشتے گنتے رہتے ہیں تاکہ ان کے ہر لقمہ ہر پانی کے قطرے ہر مومن کی ہر لواپر ثواب دیا جاوے۔ غرضیکہ معدود تو یہ دن ہیں مگر عاد یعنی گننے والے مسلمان ہیں یا فرشتے رحمت **فمن كان منكم مريضا** یہ قضا کرنے کی صورتوں میں سے ایک صورت ہے اور بیماری سے وہ مرض مراد ہے جس میں روزہ نقصان دے من شرطیہ ہے کان سے مراد بیماری موجود ہونا یا اس کا قوی اندیشہ ہونا ہے۔ اس کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ کوئی بیمار ہے اور روزہ سے بیماری بڑھنے کا خوف ہو۔ دوسرے یہ کہ روزہ سے بیماری لمبی ہونے کا اندیشہ ہے تیسرے یہ کہ فی الحال تو تندرست ہے مگر تجربہ یا طبیب حاذق بتاتا ہے کہ روزہ سے بیمار ہو جائے گا ان سب صورتوں میں قضا کر سکتا ہے۔ مریض 'مرض سے بنا جس کے معنی ہیں کسی کے اعضاء کا صحیح حالت پر نہ رہنا یعنی تم میں سے جو کوئی بیمار ہو **او على سفر** علیٰ بمعنی فی ہے اور سفر کے معنی کھلنا ہیں۔ چونکہ پردیس میں جانے سے دنیا کے حالات ظاہر ہوتے ہیں اس لئے اسے سفر کہتے ہیں۔ اسی لئے جاڑو کو مسفرہ ایلچی کو سفیر صبح کے اجالے کو اسفر اور کتاب کو سفر۔ عورت کے بے نقاب ہونے کو اسفرار کہا جاتا ہے۔ ان سب میں کھلنے کے معنی موجود ہیں۔ (کبیر) شریعت میں ستاون میل کا ارادہ کر کے وطن سے نکل جانے کا نام سفر ہے اور جب تک کہ کہیں پندرہ روز ٹھہرنے کی نیت نہ کرے وہ مسافر ہی ہو گا چونکہ بیماری کے اندیشہ سے بھی قضا جائز مگر سفر کے ارادہ سے قضا جائز نہیں بلکہ اس کے لئے سفر میں رہنا ضروری۔ اسی لئے یہاں **على سفر** فرمایا گیا۔ مسافرانہ کہا اور وہاں علی مرض نہ فرمایا یعنی جو شخص سفر میں ہو یا سفر پر سوار ہو تو ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ **فعدة من ايام اخر** عدة پوشیدہ علیہ کی خبر اور عدت کا مصدر ہے یا تو مصدری معنی ہی میں ہے یا بمعنی مفعول۔ ایام اخر سے بیمار کے لئے تو تندرست ہو جانے کا زمانہ مراد ہے اور مسافر کے لئے وطن واپس آنے یا کہیں پندرہ روز کی نیت سے ٹھہر جانے کا وقت یعنی ان پر دوسرے زمانہ میں اتنے ہی گئے ہوئے روزے رکھنا ضروری ہیں یا ان پر اس زمانہ کی شمار دوسرے وقت پوری کرنا واجب ہے۔ ان دونوں صورتوں میں روزہ بالکل ساقط نہیں بلکہ موخر کر دیا گیا آگے اس عذر کا ذکر ہے جس میں روزہ بالکل ساقط ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اگر کوئی شخص پورے ماہ رمضان بے ہوش رہے کہ دن رات میں ایک گھڑی کے لئے ہوش میں نہ آئے۔ اس پر روزہ بالکل معاف ہے کہ نہ قضا واجب ہے نہ فدیہ۔ **وعلى الذين يطيقونه** یہ تیسرے گروہ کا ذکر ہے۔ جس پر نہ روزہ واجب نہ قضا۔ یطیقون اطاقۃ سے بنا جس کا مادہ طوق ہے یعنی گلے کا ہار گلے کی زنجیر کو بھی اسی لئے طوق کہا جاتا ہے کہ وہ ہار کی طرح گردن کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے پھر قدرت انسانی کو طاقت کہنے لگے۔ کیونکہ وہ کام کو گھیر لیتی ہے۔ کبھی مشقت کر سکنے کو بھی طاقت کہتے ہیں یعنی آسانی سے کر لینے کو سہولت اور مشقت سے کرنے کو طاقت کیونکہ اس صورت میں کام انسان کو گھیر لیتا ہے یہاں اس میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے طاقتور اور قدرت رکھنے والے انسان مراد ہیں اور یہ آیت **فليصمه** سے منسوخ ہے کیونکہ پہلے روزے کا اختیار

www.alahazratnetwork.org

تھا کہ جو چاہے رکھے اور جو چاہے فدیہ دیدے پھر من شہد آیت سے یہ اختیار منسوخ ہو کر روزہ ہی فرض ہوا۔ دوسرے یہ کہ اس سے وہ بڈھے مراد ہیں جنہیں روزہ میں مشقت ہو اور آئندہ طاقت آنے کی امید نہ ہو انہیں فدیہ کی اجازت دی گئی۔ تیسرے یہ کہ اس کا مصدر اطاقۃ باب افعال سے ہے اور اس کا ہمزہ سلب کے لئے اور اس سے وہ بیمار وغیرہ مراد ہوں جنہیں تندرست ہونے کی امید نہ ہو۔ ان دونوں صورتوں میں یہ آیت غیر منسوخ ہے (کبیر) یعنی ان لوگوں پر جو روزہ کی طاقت رکھیں یا ان بڈھوں پر جو بہت تکلیف سے روزہ رکھ سکیں یا ان بیماروں وغیرہ پر جو روزہ کی طاقت نہ رکھیں نیز جس شخص پر روزے ہوں اور وہ بغیر قضا کے مرگیا اگر فدیہ کی وصیت کر گیا ہو تو ورثہ تہائی مال سے فدیہ ادا کردیں یہ مجبور بھی اسی آیت میں داخل ہے سب سے زیادہ مجبور تو یہ شخص ہے اور اگر میت وصیت بھی نہ کر گیا ہو تب بھی ورثہ استحباباً اس کا فدیہ دے دیں۔ **فدیۃ طعام مسکین** یہ **علی الذین** کا ابتداء ہے بجب فعل محذوف کا فاعل۔ فدیۃ فدی یا فداء سے بنا جسکے معنی ہیں مصیبت سے حفاظت اور لازم بدلہ، نچھاور اور قربان ہونے کو فدا ہو جانا اس لئے بولتے ہیں کہ اس سے دوسرے کی جان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ جرمانہ کو اسی لئے فدیہ کہا جاتا ہے کہ وہ لازم معاوضہ ہے۔ طعام اسم مصدر ہے بمعنی مطعوم یعنی خوراک اگرچہ یہ مطلق ہے جس میں ہر غذا داخل مگر اس سے مراد ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کھانا کھلا دینا ہے یا آدھا صاع گیہوں یا ایک صاع جو یا کشمش یا اس کی قیمت کی دوسری چیز باجرہ، مکی، چاول وغیرہ کا مالک کر دینا۔ یہ ایک روزہ کا فدیہ ہے یعنی جو لوگ روزہ کی طاقت نہ رکھتے ہوں ان پر ہر دن کے عوض ایک مسکین کی خوراک واجب ہے۔ **فمن تطوع خیرا** تطوع، طوع سے بنا جس کے لفظی معنی ہیں شوق، خوشی نفلی عبادت کو تطوع اسی لئے کہا جاتا ہے کہ انسان اپنی خوشی سے اسے کرتا ہے نہ کہ شرعی مجبوری سے خیر کے معنی بھلائی ہیں۔ یہاں زیادتی فدیہ مراد ہے یعنی جو شخص اپنی خوشی سے یہ مقدار مقرر سے زیادہ دے دے۔ **فھو خیر لہ** یہ زیادتی اس کے لئے بہتر ہے۔ اس زیادتی کی تین صورتیں۔ ایک یہ کہ ایک روزہ کے عوض چند مسکینوں کو کھلا دے۔ دوسرے یہ کہ ایک ہی مسکین کو مقدار مقرر سے زیادہ غلہ دے دے۔ تیسرے یہ کہ روزہ بھی رکھے اور فدیہ کی مقدار غلہ بھی خیرات کردے (روح البیان) کچھ بھی کرے کار خیر کی زیادتی بہتر ہے **وان تصوموا خیر لکم** یا تو مسافروں اور ان بیماروں کو خطاب ہو رہا ہے جو مشقت روزہ رکھ سکیں یا ان بڈھوں سے گفتگو ہے جنہیں فدیہ کی اجازت دی گئی تو خیر سے مراد مستحب ہے اور اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں (روح البیان) یعنی اے مسافروں اور بیماروں اگرچہ تمہیں قضا کرنے کی اجازت ہے یا اے بڈھو اگرچہ تمہیں فدیہ کا اختیار ہے لیکن اگر ہمت کر کے روزہ رکھ لو تو تمہیں زیادہ ثواب ملے گا کیونکہ رمضان میں سب تو روزہ دار ہوں گے اور اے مسافروں تم بے روزہ چھپ کر کھاؤ پیو گے پھر بعد رمضان سب کے منہ کھلے تم روزہ دار تو روزہ بھاری پڑے گا۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ رمضان ہی میں روزہ رکھ لو قضا نہ کرو یہ بھی احتمال ہے کہ اس میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہو۔ اور خیر سے مراد بھلائی یعنی فرکا مقابل ہو۔ جیسے **وان تصوموا خیر لکم** یعنی تمہاری خیر اس میں ہے کہ روزہ رکھو تب بھی یہ آیت غیر منسوخ اور یہ احتمال بھی ہے کہ تصوموا میں سب ہی سے خطاب ہو اور خیر سے مراد مستحب ہو یعنی اگرچہ فدیہ کا تمہیں اختیار ہے مگر روزہ بہتر۔ اس صورت میں یہ منسوخ ہے مگر ظاہر ہے کہ بلاوجہ آیتوں کا منسوخ ماننا مناسب نہیں لہذا پہلے تین معنی ہی کرنے چاہئیں۔ **ان کنتم تعلمون** اس میں بھی یا بیماروں، مسافروں سے خطاب ہے کمزور بڈھوں سے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے مسافرو اگر تم جانتے ہو تو سمجھ لو کہ قضا کرنے سے روزہ بہتر کیونکہ زندگی کا اعتبار نہیں ایسا نہ ہو کہ قضا کی مہلت نہ ملے

www.alahazratnetwork.org

اور اس عبادت سے محروم ہو جاؤ یا اسے بدمزہ کرو اگرچہ فدیہ دینے سے تم بری الذمہ تو ہو جاؤ گے لیکن اگر ہمت کرکے روزہ رکھ لو تو بہت اچھا اے مسلمانوں اگرچہ تمہیں اس وقت فدیہ کا اختیار تو دیا گیا لیکن اگر سمجھو تو روزہ ہی اچھا کیونکہ روزہ کا مقصد یعنی نفس کشی روزہ ہی سے حاصل ہوگی نہ کہ کچھ خیرات کر دینے سے۔

خلاصہ تفسیر : چونکہ روزہ نفس پر گراں تھا لہذا پچھلی آیت میں بھی مسلمانوں کو تسکین دی گئی۔ اب اور طرح تسلی دی جا رہی ہے کہ اے مسلمانوں گھبراؤ مت یہ مشکل کیا ہے نہ تو ساری عمر کے روزے واجب ہیں اور نہ اکثر کے چند گنتی کے دن ہیں یعنی گیارہ مہینے خوب کھاؤ پیو۔ صرف ایک ماہ کے روزے رکھ لو۔ اس میں بھی تمہیں اتنی آسانی دی جا رہی ہے کہ جو تم میں بیمار ہو یا بیماری کا صحیح اندیشہ کرتا ہو۔ مگر بیماری بھی ایسی ہو جس کے لئے روزہ مضر ہو یا جو سفر میں ہو تو اسے اختیار ہے کہ رمضان میں روزہ نہ رکھے۔ آئندہ قضا کرلے اور جو بڈھے یا مریض موت اس کی طاقت ہی نہ رکھتے ہوں تو ان پر ہر روزہ کے عوض ایک مسکین کی خوراک بدلہ دے دینا واجب ہے جو کوئی ہمت کرکے زیادہ کر دے تو اس کے لئے اور بھی اچھا ہاں اے مسافرو اور بیمارو اگرچہ تمہیں روزہ قضا کرنے کی اجازت تو ہے مگر بہتر یہی ہے کہ ہمت کرکے روزے ہی رکھ لو کیونکہ خبر نہیں کہ آئندہ کیا ہو۔ عبادت میں جلدی بہتر ہے اگر تم اس کے فائدے جانتے ہو تو ادا کر گزرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قرآن سے حدیث کا نسخ جائز ہے دیکھو ہر ماہ کے تین روزے اور عاشورے کے روزہ کا وجوب حدیث سے ثابت تھا مگر اس کا نسخ اس آیت سے ہوا۔ دوسرا فائدہ: ہر بیماری میں روزہ کی قضا جائز نہیں۔ صرف اس میں جائز ہے۔ جس میں روزہ نقصان دے مگر ہر سفر میں قضا جائز خواہ سفر نقصان دے یا نہ دے جیسا کہ علی سفر سے معلوم ہوا یعنی علیکم سفر نہ کہا گیا کہ تم پر سفر سوار ہو بلکہ فرمایا گیا کہ تم سفر پر سوار ہو۔ اور سفر تمہیں کوئی تکلیف نہ دے۔ جب بھی روزہ قضا کر سکتے ہو۔ تیسرا فائدہ: مجبوری دور ہوتے ہی قضا واجب ہے مثلاً مسافر کے چند روزے رہ گئے گھر آکر پانچویں روز مر گیا تو ان پانچ روزوں کی پکڑ ہوگی جن میں گھر رہا۔ چاہئے کہ سفر سے آتے ہی اور بیماری سے اچھا ہوتے ہی قضا شروع کر دے۔ چوتھا فائدہ: سفر میں روزہ رکھنا بہتر۔ نہ رکھنا جائز جیسا کہ خیر لکم سے معلوم ہوا مگر مسافر پر نماز کا قصر واجب کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ یہ نماز کی اللہ کا صدقہ ہے فاقبلوھا تم اسے قبول کرو۔ اقبلوا امر ہے اور امر وجوب کو چاہتا ہے۔ خیال رہے کہ مسافر کے روزے اور نماز میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ اسے روزے قضا کرنا جائز ہے واجب نہیں مگر نماز کا قصر اس پر فرض ہے۔ دوسرے یہ کہ مسافر چھوٹے روزوں کی قضا کرے گا مگر ان دونوں رکعتوں کی جو اسے معاف کر دی گئیں قضا نہ کرے گا لہذا مسافر کے روزوں پر اس کی نماز کو قیاس کرنا درست نہیں اور اس کے متعلق مذہب حنفی نہایت قوی ہے۔ پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدنی عبادت کا فدیہ مال بن سکتا ہے۔ دیکھو روزہ بدنی عبادت ہے مگر اس کے فدیہ میں مسکین کو کھانا کھلانا درست ہے۔ لہذا موت کے وقت اگر نمازیں رہ گئی ہوں تو ان کا فدیہ دے دینا درست ہے ایک نماز کا فدیہ ایک روزے کے فدیہ کی طرح ہے اور اگر سارا فدیہ نہ دیا جا سکے تو حیلہ اسقاط کرنا درست ہے۔ چھٹا فائدہ: عزیمت پر عمل کرنا رخصت پر عمل کرنے سے بہتر ہے دیکھو معمولی بیمار معمولی کمزور بوڑھے کو فدیہ دے دینا اور مسافر کو روزہ قضا کر دینے کی رخصت ہے مگر روزہ رکھ لینا عزیمت ہے۔ ارشاد باری ہوا کہ روزہ رکھنا بہتر ہے نیک اعمال میں مشقت اٹھانا بھی

www.alahazratnetwork.org

عبادت ہے۔

مسئلہ : سال میں پانچ دن روزہ رکھنا حرام ہے۔ عید اور بقر عید اور بقر عید کے بعد تین دن یعنی گیارھویں 'بارھویں' تیرھویں ذوالحجہ۔ لہٰذا مریض و مسافر ان دنوں کے علاوہ میں قضا کریں۔ **مسئلہ:** فقط بیماری کے وہم پر روزہ نہ رکھنا جائز نہیں یا تجربہ یا نیک اور قابل طبیب کے کہنے سے بیماری کا اندیشہ معتبر ہے۔ **مسئلہ:** حاملہ یا دودھ پلانے والی عورت کو روزہ سے اپنی یا بچے کی جان یا بیماری کا اندیشہ ہو تو اسے بھی افطار جائز ہے۔ **مسئلہ:** جو شخص کہ ستاون میل کے فاصلہ پر جانے کا قصد کرتا ہو اور اس درمیان میں سفر توڑنے کا ارادہ بھی نہ ہو تو وہ مسافر ہے۔ لہٰذا ڈاک گاڑی کا ڈرائیور گارڈ جن کی گاڑیاں ستاون میل پر ہی ٹھہرتی ہیں مسافر ہیں اور پسنجر کے ملازمین مسافر نہیں کیونکہ یہ ہر اسٹیشن پر کام کرتے ہوئے یعنی سفر توڑتے ہوئے جاتے ہیں۔ لہٰذا ان پر پوری نماز بھی واجب اور روزہ بھی۔ **مسئلہ:** جو شخص صبح سے پہلے سفر کو نکل جائے وہ افطار کر سکتا ہے اور جو صبح کے بعد وطن سے نکلے اس پر روزہ واجب ہے کیونکہ یہاں علیٰ سفر فرمایا گیا (خزائن)۔ **مسئلہ:** اگر مقیم نے روزہ رکھ کر توڑ دیا پھر وہ مسافر ہو گیا تو کفارہ ساقط نہ ہو گا اور تندرست نے روزہ رکھ کر توڑا اور اسی دن بیمار ہو گیا تو کفارہ معاف ہے۔ (تفسیر احمدی)۔ **مسئلہ:** روزوں کی قضا لگاتار واجب نہیں الگ الگ بھی رکھ سکتا ہے جیسا کہ ایام اخر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : روزے ایک مہینے کے کیوں فرض ہوئے کم و بیش کیوں نہ ہوئے۔ **جواب:** زمانہ کی تین مشہور مدتیں ہیں۔ ہفتہ' مہینہ' سال ہفتہ چھوٹی مدت ہے اور سال بڑی اور مہینہ درمیانی۔ چونکہ مسلمان امت وسط ہیں اس لئے ان کا ہر کام درمیانی ہے۔ لہٰذا یہ ہی مقرر ہوا نیز نیکی کا ثواب دس گنا ہوتا ہے لہٰذا ماہ رمضان کے روزوں کا ثواب دس ماہ کے برابر اور پھر شوال کے چھ روزوں کا ثواب ساٹھ دن یعنی دو ماہ کے برابر ہو کر سال کا ثواب ملے گا اور گویا یہ دائمی روزہ دار ہو گا۔ **دوسرا اعتراض:** روزہ کے لئے شمسی مہینہ کیوں مقرر نہ ہوا۔ چاند کا مہینہ اور وہ بھی رمضان مقرر کرنے میں کیا حکمت ہے۔ **جواب:** کیونکہ چاند کے مہینے موسموں میں گردش کرتے رہتے۔ لہٰذا مسلمان ہر موسم میں روزے رکھیں گے۔ کبھی سردی کی آسانی سے فائدہ اٹھائیں گے اور کبھی گرمی کی مشقت سے زیادہ ثواب پائیں گے۔ شمسی مہینوں میں موسم پرستی کا وہم ہے۔ اسلامی سارے کام قمری مہینہ سے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ مسلمان خالق موسم کے پرستار ہیں نہ کہ موسم کے ماہ رمضان تمام مہینوں میں افضل ہے۔ جس کی وجہ بیس اگلی آیت میں بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسافر کے لئے روزہ رکھنا افضل ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ سفر میں روزہ رکھنا بھلائی نہیں ہے دوسری روایت میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے مسافر روزہ داروں کو دیکھ کر تین بار فرمایا کہ یہ گنہگار ہیں پھر آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** وہ حدیثیں مجاہدین کے بارے میں آئیں کہ وہ لوگ روزہ کی وجہ سے جلدی کی تیاری نہ کر سکے بلکہ ان میں سے بعض روزہ کی شدت اور سفر کی محنت سے بیہوش ہو کر گر گئے ان کے متعلق فرمایا گیا کہ یہ گنہگار ہیں اور عام سفروں میں روزہ بہتر۔ غرضیکہ ہنگامی حالات کے احکام اور ہیں۔ نارمل حالات کے کچھ اور جیسے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خیبر کے سفر میں صحابہ کو نعرۂ تکبیر لگانے اور ذکر بالجہر سے منع فرمایا تھا کیوں' تاکہ دشمن ہماری آمد سے خبردار نہ ہو جائے اور جنگ کی تیاری نہ کرے یا کھیتی باڑی کے آلات کے متعلق فرمایا تھا کہ جس گھر میں یہ ہوں گے وہاں ذلت ہو گی کیوں' تاکہ لوگ زراعت میں مشغول ہو کر جہاد نہ چھوڑ بیٹھیں لہٰذا آیات و احادیث

www.alahazratnetwork.org

متعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیمار اور بڈھے کو روزہ رکھنا بہتر ہے تو چاہئے کہ اگر کوئی بیمار روزے سے مرجائے تو ثواب پائے حالانکہ گنہگار ہوتا ہے۔ جواب: روزہ اس بیمار کو بہتر ہے جو قدرے تکلیف سے پورا کر سکے۔ مطیقون کے یہ ہی معنی ہیں۔ روزہ سے جان دینا جائز نہیں۔ کیونکہ جان کی حفاظت روزے سے زیادہ ضروری ہے پنجاب کے بعض جاہل لوگ اس مسلمان کی نماز جنازہ نہیں پڑھتے جو روزے کی حالت میں فوت ہو جاویں اور روزہ نہ توڑیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ شخص حرام موت مرا کرتے ہیں جملا' روزہ چوروں' روزہ توڑوں' جواریوں' شرابیوں' زانیوں کی نماز جنازہ پڑھ لیتے ہیں۔ یہ ان کی محض جہالت ہے۔ اگر کوئی شخص نماز میں یا سفر حج میں یا سفر جہاد میں مرجائے تو وہ حرام کی موت نہیں مرتا تو جو روزے کی حالت میں مرجائے وہ حرام موت کیونکر مرے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ شخص گنہگار ہوا اور گنہگار کی نماز جنازہ درست ہے۔

پانچواں اعتراض: روزہ میں صرف کھانے پینے اور جماع سے ہی کیوں روکا گیا۔ دیگر چیزیں بھی منع ہونی چاہئے تھیں یا رات کو بھی روزہ ہونا چاہئے تھا جیسا کہ ہندوؤں میں ہے۔ جواب: روزہ کا مقصد نفس امارہ کو توڑنا اور جان باقی رکھنا ہے سانس وغیرہ بند کرنے سے جان جاتی رہتی ہے اور کچھ کھانے پینے کی اجازت سے تکلیف محسوس نہ ہوتی اور نفس نہ ٹوٹتا۔ ہندوؤں کے روزے عجیب واہیات ہیں کہ بعض میں تو وہ غلہ کے سوا باقی سب چیزیں کھاتے پیتے رہتے ہیں اور کبھی رات کو بھی نہیں کھاتے۔ اس کی بے ہودگی ظاہر ہے کہ جب دودھ' دہی اور پھل وغیرہ کھاتے رہے تو نفس مرا نہیں بلکہ موٹا ہوا اور دوسرے جسم کے روزوں میں تمام کاروبار چھوٹ جاتے ہیں اور جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔ جیسا کہ گاندھی کے مرن برت سے تجربہ ہوا ایسا روزہ وہی رکھ سکے گا جو مرنے کو تیار ہو۔ اسلامی روزہ ہر شخص بلا تکلف رکھ سکتا ہے اور عبادت وہ ہے جو ہر شخص کر سکے۔

تفسیر صوفیانہ: اعمال درخت ہیں اور جزا ان کا پھل۔ دنیوی درخت عام طور پر بڑے ہوتے ہیں اور پھل چھوٹے مگر دینی درخت یعنی اعمال تھوڑے مگر ان کے پھل بہت بڑے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ تم پر تھوڑی سی مدت کے روزے فرض ہیں مگر ان کے پھل دائمی' درختوں کو ساری آفات سے بچاؤ تاکہ پھل اچھا پاؤ۔ ایسے ہی روزے تمام بری حرکتوں سے پاک رکھو۔ جسمانی اور روحانی کھاد اور پانی انہیں دیئے جاؤ۔ مگر جو تم میں سے مرض نفسانی میں مبتلا ہو یا سرائے دنیا میں مسافرانہ زندگی گزارنے کی وجہ سے اس کا بھی پورا اہتمام نہ کر سکے تو مایوس ہو کر چھوڑ نہ دے بلکہ ممکن ہو ادا کرے۔ اور آئندہ اس کے بدلے کی کوشش کرے اور جو ایسے روزہ کی طاقت نہ رکھیں وہ کچھ فدیہ بھی ادا کر دیا کریں۔ مگر صحیح روزہ ہی بہتر ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ
مہینہ رمضان کا وہ ہے کہ اتارا گیا بیچ اس کے قرآن جو ہدایت والا ہے واسطے لوگوں کے اور
رمضان کا مہینہ جس میں قرآن اترا لوگوں کے لئے ہدایت اور راہ نمائی اور فیصلہ کی روشن
مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۗ وَ
کھلی نشانیاں ہدایت اور فیصلہ کی پس جو پائے تم میں سے یہ مہینہ۔ پس چاہئے کہ روزہ رکھے اس کا
باتیں تو تم میں سے جو کوئی پائے یہ مہینہ تو ضرور اس کے روزے رکھے اور جو بیمار یا سفر میں

www.alahazratnetwork.org

مَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ

اور جو ہو بیمار یا اوپر سفر کے پس شمار ہے دوسرے دنوں سے۔ ارادہ کرتا ہے اللہ ساتھ تمہارے

ہو تو اتنے روزے اور دنوں کے رکھے۔ اللہ تم پر آسانی چاہتا ہے اور تم پر دشواری

الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى

بھلائی کا اور نہیں ارادہ کرتا ساتھ تمہارے تنگی کا اور تاکہ پورا کرو تم شمار کو اور تاکہ تکبیر کہو

نہیں چاہتا اور اس کے لئے کہ تم گنتی پوری کرو اور اللہ کی بڑائی بولو

مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

تم اللہ کی اوپر اس کے کہ ہدایت کی تم کو اور تاکہ تم شکر کرو۔

اس پر کہ اس نے تمہیں ہدایت کی اور کہیں تم شکر گزار رہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ چند دن کے روزے فرض ہیں۔ اب ان دنوں کا تقرر ہو رہا ہے یعنی پہلے اس مدت کا اجمالی ذکر تھا۔ اب اس کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ روزہ بہترین عبادت ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ روزوں کا مہینہ بہترین مہینہ ہے یعنی روزہ تو اچھا ہی اور وقت بھی اعلیٰ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں روزہ کی حکمتیں بیان ہوئیں کہ یہ تقویٰ کا ذریعہ ہے اب روزہ کے لئے ماہ رمضان مقرر ہونے کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نزول قرآن کا زمانہ ہے۔ لہٰذا روزوں کے لئے یہی موزوں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں روزہ کے فضائل و احکام بیان ہوئے اب وقت روزہ یعنی رمضان کے فضائل و احکام بیان ہو رہے ہیں۔

تفسیر : شهر رمضان الذی ہماری قراءت میں شهر کو پیش ہے کیونکہ یا تو یہ الصیام کا بدل ہے یا پوشیدہ مبتداء کی خبر اور یا خود مبتداء ہے اور الذی اس کی خبر یا شهر موصوف ہے الذی صفت اور هدی اس پوری عبارت کی خبر یعنی فرض کئے گئے تم پر روزے وہ کون ہے۔ ماہ رمضان کے یا وہ گنتی کے دن ماہ رمضان ہیں۔ یا ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن اتر لیا ماہ رمضان لوگوں کا ہادی ہے۔ شهر کے معنی ہیں ظاہر ہونا اسی سے شہرت اور مشہور اور اشتہار ہے۔ تلوار سونتنے کو شہر السیف کہتے ہیں۔ چونکہ چاند دیکھتے ہی مہینہ کی شہرت ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسے شہر کہا جاتا ہے اور بہت ممکن ہے کہ بڑی بستی کو فارسی میں اسی لئے شہر کہتے ہوں کہ وہ دیہات میں مشہور ہوتا ہے۔ رمضان یا تو رحمٰن کی طرح اللہ کا نام ہے۔ چونکہ اس مہینہ میں دن رات اللہ کی عبادت ہوتی ہے لہٰذا اسے شہر رمضان یعنی اللہ کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ یہ نہ کہو کہ رمضان آیا اور گیا بلکہ کہو کہ ماہ رمضان آیا اور گیا جیسے مسجد و کعبہ کو اللہ کا گھر کہتے ہیں کہ وہاں اللہ کے ہی کام ہوتے ہیں۔ ایسے ہی رمضان اللہ کا مہینہ ہے کہ اس مہینہ میں اللہ کے ہی کام ہوتے ہیں۔ روزہ و تراویح وغیرہ تو ہیں ہی اللہ کے مگر بحالت روزہ نوکری، تجارت

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ کی جاتی ہے وہ بھی اللہ ہی کے کام قرار پاتے ہیں۔ اس لئے اس ماہ کا نام رمضان یعنی اللہ کا مہینہ ہے یا یہ رمضاء سے مشتق ہے رمضاء موسم خریف کی بارش کو کہتے ہیں۔ جس سے کہ زمین دھل جاتی ہے اور ربیع کی فصل خوب ہوتی ہے چونکہ یہ مہینہ بھی دل کی گرد و غبار دھو دیتا ہے اور اس سے اعمال کی کھیتی ہری بھری رہتی ہے۔ اس لئے اسے رمضان کہتے ہیں۔ ساون میں روزانہ بارشیں چاہئے اور بھادوں میں چار بار اساڑھ میں ایک اس ایک سے کھیتیاں پک جاتی ہو اسی طرح گیارہ مہینے برابر نیکیاں کی جاتی ہیں پھر رمضان کے روزوں نے ان نیکیوں کی کھیتی کو پکا دیا۔ یا یہ رمض سے بنا جس کے معنی ہیں گرمی یا جلنا چونکہ اس زمانہ میں مسلمان بھوک پیاس کی تپش برداشت کرتے ہیں یا یہ گناہوں کو جلا ڈالتا ہے اس لئے اسے رمضان کہا جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ جب مہینوں کے نام رکھے گئے تو جس موسم میں جو مہینہ تھا اسی سے اس کا نام ہوا جو مہینہ گرمی میں تھا اسے رمضان کہہ دیا گیا اور جو موسم بہار میں تھا اسے ربیع الاول اور جو سردی میں تھا جب پانی جم رہا تھا اسے جمادی الاولیٰ کہا گیا وغیرہ انشاء اللہ مہینوں کے ناموں کی تحقیقات ان عدۃ الشھور کی تفسیر میں کی جاوے گی۔ اسلام میں ہر نام کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور نام کام کے مطابق رکھا جاتا ہے۔ دوسری اصطلاحوں میں یہ بات نہیں ہمارے بڑے جاہل کا نام محمد فاضل ہوتا ہے اور بزدل کا نام شیر بہادر یا خان بہادر اور بدصورت کو یوسف خاں کہتے ہیں اسلام میں یہ عیب نہیں۔ رمضان بہت خوبیوں کا جامع تھا اسی لئے اس کا نام بھی رمضان ہوا۔ (کبیر و روح وغیرہ) **انزل فیہ القرآن** نازل انزال سے بنا جس کے معنی ہیں ایک دم اتارنا فیہ کا مرجع ماہ رمضان ہے۔ قرآن کی پوری تحقیق ہم مقدمہ میں بیان کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ روح البیان اور کبیر نے فرمایا کہ یہ قرء سے بنا جس کے معنی ہیں جمع ہونا چونکہ اس میں غیبی خبریں اور اولین و آخرین کے علم جمع ہیں۔ اسی لئے اسے قرآن کہا جاتا ہے کبیر نے یہ بھی فرمایا کہ یہ قرینہ بمعنی علامت سے ہے یہ بھی قدرت کے قرائن ہیں۔ چونکہ رمضان شریف میں قرآن کریم لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف آیا اور بیت العزت میں محفوظ کیا گیا۔ پھر وہاں سے تیئس سال میں حضور علیہ السلام پر اترتا رہا حضور پر اترنے کی ابتداء رمضان میں ہوئی۔ اس طرح کہ پہلی وحی یعنی **اقرا باسم ربک** پانچ آیتیں سترہ رمضان دو شنبہ کے دن سحر کے وقت نازل ہوئیں۔ (روح البیان سورہ علق) بعض روایات میں چوبیس رمضان بھی ہے یا جبریل امین ہر رمضان میں پورا قرآن کریم حضور علیہ السلام کو سنایا کرتے تھے اس لئے فرمایا گیا کہ رمضان میں قرآن اترا بلکہ کبیر و روح المعانی و روح البیان وغیرہ میں ہے کہ ابراہیمی صحیفے رمضان کی پہلی رات کو اور توریت شریف رمضان کی چھٹی رات کو اور انجیل تیرھویں رات کو اور قرآن کریم چوبیسویں رمضان کو اتریں غرضیکہ بہت سی کتابیں اسی مہینہ میں اتریں۔ **ھدی للناس** یا تو یہ قرآن کا حال ہے یا شہر رمضان کی خبر۔ اور **ھدی** یا مصدری معنی میں ہے یا اسم فاعل کے۔ یعنی یہ رمضان یا قرآن لوگوں کو ہدایت دینے والا ہے یا اس میں لوگوں کو ہدایت ہے۔ ہدایت کے معنی اور اس کی اقسام ہم **ھدی للمتقین** میں بیان کر چکے ہیں۔ قرآن کی ہدایت بذریعہ حدیث کے ہے کہ اگر حدیث کا انکار کر دیا جاوے تو نہ نماز کے معنی سمجھ میں آتے ہیں نہ زکوٰۃ کے۔ اسی لئے یہاں تو قرآن کو ہدایت فرمایا گیا اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا** اس قرآن سے بہت لوگوں کو ہدایت ملتی ہے اور بہت کو گمراہی' رمضان کا ہادی ہونا اس طرح ہے کہ رمضان لوگوں کا دل بدل دیتا ہے کہ اس کے آتے ہی مسجدوں میں رونق آ جاتی ہے۔ تلاوت و ذکر کثرت سے شروع ہو جاتے ہیں غرضیکہ گیارہ مہینہ وعظ وہ اثر نہیں کرتے جو صرف رمضان کی آمد اثر کرتی ہے۔ پھر فقط ہدایت ہی نہیں بلکہ **وبینت من الھدی** ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں یا تو پہلی ہدایت سے ہدایت خفی اور دوسری سے جلی

www.alahazratnetwork.org

یعنی ظاہر ہدایت مراد ہے یعنی اس میں شریعت کے احکام کی ظاہری ہدایتیں بھی ہیں اور اسرار طریقت کی باطنی رہبریاں بھی جیسا آدمی ویسی اس کی ہدایت یہ قرآن و رمضان کافر کو ایمان کی مومن کو تقویٰ و اعمال کی متقی کو عرفان کی عارف کو لقاء و رحمان کی ہدایت دیتا ہے۔ پاور یکساں ہے مگر بلبوں کی قوتیں جداگانہ ہر بلب اپنی طاقت کے مطابق اس سے ہدایت لیتا ہے۔ دینے والے کا فیض یکساں مگر لینے والوں کی جھولیاں مختلف ہیں یا پہلی سے اصول دین کی ہدایت اور دوسری سے فروع دین کی یا پہلی ہدایت سے خود قرآن کی اپنی ہدایت مراد ہے اور دوسری سے گزشتہ کتابوں کی ہدایتیں مراد ہیں یعنی قرآن میں اصولی اور فروعی ہدایتیں ہیں یا خفی اور ظاہری ہدایتیں ہیں یا گزشتہ کتابوں کی کھلی ہدایتیں بھی اس میں موجود ہیں اور خود اپنی خاص ہدایتیں بھی۔ **والفرقان** یہ الھدیٰ پر معطوف ہے اور من کے تحت میں ہے۔ اس کی معنوی تحقیق ہم پارہ الم کے شروع میں **ذلک الکتٰب** کے تحت تفسیر میں کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ سبحان کی طرح مصدر یا اسم مصدر ہے یہاں یا تو مصدری معنی میں استعمال ہوا یا بمعنی اسم فاعل۔ یعنی اس میں فرق کی نشانیاں بھی موجود ہیں۔ جس سے مومن و کافر، متقی اور فاجر، دیندار اور بے دین میں کھلا فرق ہو سکے۔ یہ صفت رمضان میں بھی ہے اور قرآن میں بھی۔ جب رمضان میں ایسی خوبیاں ہیں تو **فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ** فمن کی ف یا زائدہ یا تفریع کی یا ترتیب کی یا جزائیہ ہے۔ اور من سے مراد عاقل بالغ مسلمان ہیں۔ شہد یا تو شہود سے بنا۔ جس کے معنی ہیں حاضری یا حضر میں ہونا (سفر کا مقابل) اس صورت میں الشھر مفعول فیہ ہوگا۔ یعنی جو اس مہینہ میں مسافر نہ ہو بلکہ مقیم ہو تو روزے رکھے (کبیر و روح و مدارک) یا مشاہدہ سے بنا اس صورت میں الشھر مفعول بہ ہے۔ فلیصمہ کی ضمیر بہرحال مفعول فیہ ہے یعنی تم میں سے جو کوئی ماہ رمضان کا سن کر یا چاند دیکھ کر یا حساب لگا کر یا عقل سے مشاہدہ کرلے تو اس میں روزہ رکھے یا تم میں سے جو بھی ماہ رمضان پالے اس طرح کہ اسے اس مہینہ میں ایک منٹ کے لئے ہوش آجائے تو وہ سارے مہینے کے روزے رکھے۔ غرضیکہ یہ کلمہ بہت سے فقہی مسائل کی اصل ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص رمضان کا چاند دیکھ لے اور اس کی گواہی کسی وجہ سے قبول نہ ہو تو اس پر روزہ فرض ہے لیکن عید کے چاند کا یہ حکم نہیں اس مسئلہ کا ماخذ یہ آیت ہے۔ من شھد عام ہے اور الشھر سے مراد ماہ رمضان ہی ہے۔ اس آیت سے فدیہ کا حکم منسوخ ہو گیا کہ پہلے طاقت ور مسلمانوں کو بھی فدیہ کا اختیار تھا کہ پچھلی آیت میں ایک قول بیان ہوا۔ اب ہر امیر غریب پر روزہ ہی فرض ہے۔ چونکہ اس میں احتمال تھا کہ شاید یہ بیماروں اور مسافروں کی رعایت بھی اس حکم سے منسوخ ہو چکی ہو۔ اس وہم کو دفع کرنے کیلئے ان دونوں کا حکم پھر دوہرا دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ رعایتیں باقی ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **ومن کان منکم مریضا او علی سفر** جو ایسا بیمار ہو جسے روزہ نقصان دے یا سفر میں ہو یا سفر میں سوار ہو یعنی نہ تو وطن میں ہو اور نہ کہیں پندرہ روز کے ٹھہرنے کی نیت کی ہو تو اس پر **فعدۃ من ایام اخر** تندرستی یا اقامت کے زمانہ میں قضا روزوں کی گنتی پوری کرنا یعنی رکھ لینا واجب ہے۔ ماہ رمضان کو روزوں کیلئے اس واسطے مقرر کیا کہ **یرید اللہ بکم الیسر** یسر کے معنی ہیں سہولت یا آسانی اسی لئے مالداری کو یسار کہتے ہیں کہ اس میں آسانی ہوتی ہے۔ بائیں ہاتھ کو یسری کہا جاتا ہے کہ داہنے ہاتھ کی مدد کرکے کام کو آسان کرتا ہے۔ جنت کا نام بھی یسر ہے کہ وہاں ہر طرح کی آسانی ہے۔ یعنی رب تم پر آسانی چاہتا ہے۔ اس لئے اس نے بچوں دیوانوں پر روزہ معاف کر دیا اور بیمار و مسافر کو مہلت دے دی اور اسی لئے روزوں کے واسطے ماہ رمضان مقرر کیا تاکہ تمہیں حساب اور قضاء میں آسانی ہو **ولا یرید بکم العسر** عسر یسر کا مقابل ہے بمعنی دشواری اور سختی یعنی تم پر سختی نہیں چاہتا ورنہ روزے کسی اور مہینے میں فرض

www.alahazratnetwork.org

فوائد **ولتکملوا العدۃ** واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف علیہ پوشیدہ ہے (تعلموا) اور لام معنی کی ہے۔ **تکملوا** اکمال سے بنا جس کے معنی ہیں پورا کرنا اور عدت معنی شمار ہے۔ یعنی روزہ کیلئے ماہ رمضان اس لئے مقرر ہوا تاکہ تم جانو اور تمہیں شمار پوری کرنے میں آسانی ہو۔ چونکہ شمسی مہینوں کی جنتری کتابوں میں ہوتی ہے اور قمری مہینوں کی آسمان پر کہ ہر شخص چاند دیکھ کر تاریخ کا پتہ لگا سکتا ہے۔ اور اس کی ابتداء و انتہا کی خبر دے دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ چاند دیکھ کر روزے شروع کرو اور چاند دیکھ کر ہی افطار۔ اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ رمضان خواہ 29 کا ہو یا 30 کا تم ثواب کامل پاؤ گے **ولتکبروا اللہ علی ما ھدکم** یہ لتکملوا پر معطوف ہے اور روزوں کیلئے ماہ رمضان مقرر ہونے کی تیسری وجہ اور تکبروا تکبیر سے بنا۔ جس سے یا تو اللہ کی حمد کرنا مراد ہے یا تکبیر عید کہنا۔ اور ہدی سے مراد یا تو ماہ رمضان کی ہدایت کرنا ہے یا روزہ کی توفیق دینا یعنی تم خدا کا شکر کرو کہ اس نے تمہیں ایسا اچھا مہینہ روزوں کے لئے بتایا یا رمضان ختم کر کے شوال کا چاند دیکھ کر تکبیر کہو یا عید الفطر کے دن تکبیر کہتے ہوئے عید گاہ کو جاؤ (کبیر و احمدی) یا زائد تکبیروں والی نماز یعنی نماز عید ادا کرو کیونکہ اس نے تمہیں ان روزوں کی توفیق دی **ولعلکم تشکرون** یہ بھی گزشتہ فعلوں پر معطوف ہے اور رمضان کی چوتھی حکمت یعنی تاکہ تم اس مہینہ کا شکریہ ادا کرو یا روزوں سے فارغ ہو کر عید کی خوشیاں مناؤ کہ رب کی نعمت پر خوش ہونا بھی شکر ہے۔ ارشاد فرماتا ہے۔ **قل بفضل اللہ فلیفرحوا**

خلاصہ تفسیر : مسلمانو تم یہ سن چکے کہ تم پر چند دن کے روزے فرض ہیں۔ اب ہم بتاتے ہیں کہ وہ مدت ماہ رمضان ہے جو تمام مہینوں سے افضل ہے۔ یہ وہی رمضان ہے جس میں قرآن پاک لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف اترا یا جس میں تمہارے پیغمبر پر قرآن اترنے کی ابتدا ہوئی جو رب کی بڑی نعمت ہے۔ اس میں لوگوں کو اصولی ہدایتیں بھی ہیں اور فروعی عملی ہدایتیں بھی یا یہ قرآن شرعی احکام کی سراپا ہدایت ہے اور طریقت کے رموز و اسرار کی طرف اشارۃً" وکنایتہً" ہدایت کرتا ہے جیسے سگنل ریل کے ڈرائیور کو لائن صاف ہونے یا نہ ہونے' اسٹیشن پر آنے کی اجازت ملنے یا نہ ملنے کی ہدایت' اشارۃً دیتا ہے۔ اور اس میں حق و باطل کی پہچان بھی ہے۔ چونکہ قرآن رب سے قریب کرنے والا ہے اور روزہ بھی تو چاہئے کہ روزہ بھی اسی مہینہ میں رکھو تاکہ اس میں دوہری برکت ہو۔ نیز اس مہینہ میں رب کی خاص رحمتوں کا بھی نزول ہے تو چاہئے کہ تمہاری خاص عبادت روزہ بھی اسی میں ہو۔ لہٰذا تمہیں حکم دیا جاتا ہے کہ تم میں سے جو بھی امیر و غریب یہ مہینہ پالے وہ اس پورے مہینہ کا روزہ ہی رکھے بلاوجہ فدیہ نہ دے ہاں جو بیمار ہو یا سفر میں ہو اسے یہ اجازت ہے کہ کچھ روزے قضا کردے اور اتنے ہی روزے وطن میں آکر یا تندرست ہو کر رکھ لے۔ رب نے یہ اجازتیں اس لئے دی ہیں کہ وہ تمہاری آسانی چاہتا ہے تم پر تنگی نہیں چاہتا۔ یا وہ تمہیں جنت میں پہنچانا چاہتا ہے۔ دوزخ میں ڈالنا نہیں چاہتا۔ ورنہ محض تمہارے یہ معمولی نیک اعمال جنت کی قیمت نہیں بن سکتے تم لوگ دنیا کی معمولی نعمتیں حاصل کرنے کے لئے بہت محنت و مشقت کرتے ہو۔ بہت وقت اور روپیہ خرچ کرتے ہو پھر بھی ان نعمتوں کے ملنے کا یقین نہیں ہوتا اور مل کر بھی تمہارے پاس نہیں رہتیں تو خود سوچ لو کہ جنت جیسی یقینی اور لازوال نعمت کی قیمت کیا ہونی چاہئے مگر رب تم سے قیمت نہیں مانگتا صرف بہانہ کر لو جنت عطا فرما دے گا چونکہ وہ تمہیں جنت دینا چاہتا ہے۔ اسی لئے تم پر جنت کے کام آسان کر دیئے۔ دوسرے یہ کہ اسے نیک لوگوں سے محبت ہے۔ نوری چیز نور کی طرف دوڑتی ہے۔ روزوں کیلئے ماہ رمضان مقرر ہونے میں یہ بھی حکمت ہے کہ تم اس عبادت کو اچھی طرح جان لو۔ اور آسانی سے گنتی پوری کر لو اس کے ختم ہونے پر جب عید کا چاند دیکھو تو خوشی میں اللہ کی حمد کرو یا تکبیر کہو یا عید کے دن تکبیر کہتے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

عید کھو جاؤ کیونکہ اس نے تم کو روزوں کی توفیق دی اور تاکہ تم رب کا شکر کرو۔ ماہ رمضان کی عبادتوں پر فخر نہ کرو کہ یہ تمہارا کمال نہیں بلکہ اس پر خدا کا شکر کرو۔ جس نے تمہیں اس کی توفیق دی یہ اسکی مہربانی ہے۔

ماہ رمضان

رمضان بڑا مبارک مہینہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جیسے ہفتے کے دنوں میں جمعہ افضل۔ ایسے ہی سال کے مہینوں میں رمضان شریف افضل۔ اور بعض نے کہا کہ ربیع الاول افضل۔ اس کے کل چار نام ہیں۔ ماہ رمضان، ماہ صبر، ماہ مواسات اور ماہ وسعت رزق (مشکوٰۃ کتاب الصوم) رمضان کی وجہ تسمیہ ہم تفسیر میں بتا چکے۔ روزہ صبر ہے۔ جس کی جزا رب ہے اور وہ اسی مہینہ میں رکھا جاتا ہے۔ اس لئے اسے ماہ صبر کہتے ہیں۔ مواسات کے معنی ہیں بھلائی کرنا۔ چونکہ اس مہینہ میں سارے مسلمانوں سے خاص کر اہل قرابت سے بھلائی کرنا زیادہ ثواب ہے اس لئے اسے ماہ مواسات کہتے ہیں۔ اس میں رزق کی فراخی بھی ہوتی ہے کہ غریب بھی نعمتیں کھالیتے ہیں۔ اسی لئے اس کا نام ماہ وسعت رزق بھی اس کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) کعبہ معظمہ مسلمانوں کو بلا کر دیتا ہے اور یہ آکر رحمتیں بانٹتا ہے۔ گویا وہ کنواں ہے اور یہ دریا ہے یا وہ دریا ہے اور یہ بارش۔ (2) ہر مہینہ میں خاص تاریخیں اور تاریخوں میں بھی خاص وقت میں عبادت ہوتی ہے مثلاً بقر عید کی چند تاریخوں میں حج، محرم کی دسویں تاریخ افضل مگر ماہ رمضان میں ہر دن اور ہر وقت عبادت ہوتی ہے۔ روزہ عبادت افطار عبادت۔ افطار کے بعد تراویح کا انتظار عبادت۔ تراویح پڑھ کر سحری کا انتظار میں سونا عبادت۔ پھر سحری کھانا عبادت۔ غرضیکہ ہر آن میں خدا کی شان نظر آتی ہے۔ (3) رمضان ایک بھٹی ہے جیسے کہ بھٹی گندے لوہے کو صاف اور صاف لوہے کو مشین کا پرزہ بنا کر قیمتی کر دیتی ہے اور سونے کو زیور بنا کر محبوب کے استعمال کے لائق کر دیتی ہے۔ ایسے ہی ماہ رمضان گناہ گاروں کو پاک کرتا ہے اور نیک کاروں کے درجے بڑھاتا ہے۔ (4) رمضان میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ثواب ستر گنا ملتا ہے۔ (5) بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو رمضان میں مرجائے اس سے سوالات قبر بھی نہیں ہوتے۔ (6) اس مہینہ میں شب قدر ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن رمضان میں آیا اور دوسری جگہ فرمایا **انا انزلنه في ليلة القدر** یعنی ہم نے قرآن شب قدر میں اتارا۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ شب قدر رمضان میں ہی ہے اور وہ غالباً ستائیسویں شب ہے۔ کیونکہ لیلۃ القدر میں نو حرف ہیں اور یہ لفظ سورہ قدر میں تین بار آیا جس سے ستائیں حاصل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ وہ ستائیسویں شب ہے (روح البیان، سورہ قدر)۔ 7 رمضان میں ابلیس قید کر دیا جاتا ہے اور دوزخ کے دروازے بند ہو جاتے ہیں۔ جنت آراستہ کی جاتی ہے۔ اس کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اسی لئے اس زمانہ میں نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں کی کمی ہوتی ہے۔ جو لوگ گناہ کرتے بھی ہیں وہ نفس امارہ یا اپنے ساتھی شیطان (قرین) کے بہکانے سے۔ (8) رمضان کے کھانے پینے کا حساب نہیں۔ (روح البیان)۔ (9) قیامت میں رمضان و قرآن روزہ دار کی شفاعت کریں گے کہ رمضان تو کہے گا کہ مولیٰ میں نے اسے دن میں کھانے پینے سے روکا تھا اور قرآن عرض کرے گا یا رب میں نے اسے رات میں سونے سے روکا شبینہ اور تراویح کی وجہ سے)۔ (10) حضور صلی اللہ علیہ وسلم رمضان میں ہر قیدی کو چھوڑ دیتے تھے اور ہر سائل کو عطا

www.alahazratnetwork.org

فرماتے تھے (مشکوۃ) رب تعالیٰ بھی رمضان میں جہنمیوں کو چھوڑتا ہے۔ لہٰذا چاہئے کہ رمضان میں نیک کام کئے جائیں اور گناہوں سے بچا جائے۔ (11) قرآن کریم میں صرف رمضان شریف ہی کا نام لیا گیا اور اسی کے فضائل بیان ہوئے کسی دوسرے مہینہ کا نہ صراحۃً "نام ہے نہ ایسے فضائل مہینوں میں صرف ماہ رمضان کا نام قرآن شریف میں لیا گیا عورتوں میں صرف بی بی مریم کا نام قرآن میں آیا۔ صحابہ میں صرف حضرت زید ابن حارثہ کا نام قرآن میں لیا گیا جس سے ان تینوں کی عظمت معلوم ہوئی۔ (12) رمضان شریف میں افطار اور سحری کے وقت دعا قبول ہوتی ہے۔ یعنی افطار کرتے وقت اور سحری کھا کر۔ یہ مرتبہ کسی اور مہینہ کو حاصل نہیں۔ رمضان میں پانچ حرف ہیں۔ ر'م'ض'ا'ن' ر سے مراد ہے رحمت الٰہی 'میم سے مراد ہے محبت الٰہی 'ض سے ضمان الٰہی 'الف سے امان الٰہی 'ن سے نور الٰہی اور رمضان میں پانچ عبادات خصوصی ہوتی ہیں۔ روزہ 'تراویح' تلاوت قرآن 'اعتکاف 'شب قدر میں عبادات 'جو کوئی صدق دل سے یہ پانچ عبادات کرے وہ ان پانچ انعاموں کا مستحق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جب وقت یا جس جگہ کو کسی بڑی چیز سے نسبت ہو جائے اس وقت اور اس جگہ کو بھی عظمت و عزت حاصل ہوتی ہے۔ ماہ رمضان کی عزت یہ بیان کی گئی کہ اس میں قرآن کریم اترا۔ اسی قاعدہ سے حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا مہینہ و تاریخ و دن و وقت بہت افضل ہے۔ کیونکہ اس میں صاحب قرآن تشریف لائے۔ بلکہ بعض عاشق ربیع الاول کو رمضان سے افضل مانتے ہیں کیونکہ نبی علیہ السلام قرآن سے افضل ہیں۔ اسی لئے کعبہ دیکھنے والا حاجی اور قرآن پڑھنے والا قاری اور حضور کو دیکھنے والا صحابی ہے اور صحابی کا درجہ بہت بڑا ہے کوئی ولی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا مگر کلام الٰہی جو رب کی صفت ہے وہ تمام مخلوق سے اعلیٰ ہے۔ دوسرا فائدہ: رب کی نعمت ملنے پر تکبیریں کہنا۔ خوشی منانا شکریہ ادا کرنا بہت بہتر ہے۔ جیسا کہ ولتكبروا الله سے معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رمضان کی آمد پر صحابہ کرام کو مبارکباد اور خوشخبری دیتے تھے۔ اس جگہ روح البیان میں ہے کہ خوشی پر مبارکباد دینا حدیث سے ثابت ہے۔ لہٰذا شب ولادت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہر جائز خوشی منانا بہت ثواب ہے۔ تیسرا فائدہ: جس کی آمد پر خوشی کرنا بہتر اس کے وداع پر اظہار غم بھی ثواب۔ دیکھو نکاح کے وقت خوشی سنت اور طلاق اور شوہر کی وفات پر اظہار غم اور عدت میں سوگ کرنا بھی ضروری۔ لہٰذا رمضان شریف کے وداع پر غمناک ہونا جمعۃ الوداع میں فراقیہ الفاظ کہنا جائز ہے۔ اس سے مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ بقیہ وقت کی قدر کریں اور کچھ رب کی عبادت کرلیں اسے شرک یا بدعت کہنا نادانی ہے۔ چوتھا فائدہ: نماز عید اور اس میں زائد تکبیرات کا ہونا عید گاہ کے راستہ میں تکبیریں کہتے ہوئے جانا اسی آیت سے ثابت ہے۔ بلکہ تفسیر کبیر نے عبد اللہ ابن عباس سے نقل فرمایا کہ عید کا چاند دیکھ کر تکبیریں کہنا اور شب میں بھی تکبیریں کہنا بہتر ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عید کے تمام دن تکبیریں کہی جائیں۔ پانچواں فائدہ: خوشی پر نعرۂ تکبیر لگانا بہتر ہے اور اس آیت سے ثابت ہے نیز مسلم شریف کے اخیر میں حدیث ہجرت ہے۔ جس میں ارشاد ہوا کہ حضور پاک کے مدینہ پاک پہنچنے پر انصار بازاروں میں یا محمد یا رسول اللہ کے نعرے لگاتے پھرتے تھے۔ چھٹا فائدہ: رمضان کے چاند میں ایک مسلمان کی گواہی معتبر بلکہ اگر قاضی اس کی گواہی نہ مانے تو صرف اس دیکھنے والے پر ہی روزہ واجب ہو گا کیونکہ اس آیت میں صرف رمضان کے مشاہدہ پر روزہ واجب کیا گیا مگر شوال کے چاند میں کم از کم دو گواہیاں ضروری ہیں کیونکہ وہاں عبادت میں داخل ہونا تھا اور یہاں اس سے نکلنا اور ثبوت عبادت آسان ہے۔ (تفسیر کبیر) ساتواں فائدہ: اگر دیوانہ یا بے ہوش ماہ رمضان میں ایک منٹ کے لئے ہوش میں آجائے۔

www.alahazratnetwork.org

اس پر سارے مہینے کے روزے فرض ہیں کیونکہ اس نے مہینہ پالیا اور اس کا مشاہدہ کرلیا اور جو پورے مہینہ میں بے ہوش رہا اس پر روزے واجب نہ ہوئے کہ اس نے مہینہ پایا ہی نہیں۔ آٹھواں فائدہ: جب ماہ رمضان اس لئے سارے مہینوں سے افضل ہوا کہ اس میں قرآن اترا شب قدر ہزار مہینوں سے اس لئے بہتر ہوئی کہ اس میں نزول قرآن ہوا تو جس ذات پاک پر قرآن اترا وہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلق سے افضل ہیں کوئی مہینہ رمضان کی طرح نہیں تو کوئی فرشتہ یا انسان یا کوئی مخلوق حضور کی مثل نہیں۔ رمضان میں الفاظ قرآن کا نزول ہوا اور حضور کے کان شریف پر الفاظ قرآن کا نزول ہے دماغ شریف پر معانی قرآن کا اور دل مبارک پر اسرار قرآن کا نزول رب فرماتا ہے **نزلہ علی قلبک**. نقش قرآن کی جگہ کاغذ ہے الفاظ کی جگہ کان و زبان جب اوراق قرآن کو ناپاک ہاتھ نہیں لگا سکتا جہاں نقوش قرآن رہتے ہیں تو دل پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ناپاک و گندے خیالات کیسے پہنچ سکتے جو اسرار قرآن کی منزل ہے۔ **لا یمسہ الا المطھرون**۔ نواں فائدہ: ماہ رمضان کی ایک تاریخ میں نزول قرآن ہوا۔ مگر اسی ایک تاریخ کی برکت سے سارا مہینہ افضل ہو گیا بلکہ رمضان کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے شعبان کو عزت مل گئی جیسے جمعہ کے پڑوسی ہونے کی وجہ سے جمعرات کو لہذا حضور کے صدقہ سے تمام صحابہ و اہل بیت کا درجہ بڑھ گیا خصوصاً" حضرت صدیق و فاروق جو ہمیشہ کے لئے دامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سو رہے ہیں غرضیکہ حضور کا قرب افضلیت کا باعث ہے۔

مسئلہ: ماہ رمضان میں افطار اور سحری کا وقت بڑا مبارک ہے۔ اس وقت دعائیں مانگی جائیں اور بہتر یہ ہے کہ افطار کسی حلال چیز سے کرے۔ خرمے یا پانی سے افطار کرنا سنت ہے۔ مسئلہ: روزہ دار کو افطار کرانے میں روزہ کا ثواب ہے۔ مگر اس سے روزے والا ثواب سے محروم نہ ہو گا اور افطار کرانے والے پر روزہ معاف نہ ہو گا۔ مسئلہ: افطار میں جلدی اور سحری میں دیر کرنا مستحب ہے مگر اتنی جلدی یا دیر نہ کرے کہ روزے میں ہی شبہ ہو جائے بلکہ سحری رات کے آخری چھٹے حصہ میں کھائے۔ مسئلہ: رمضان میں بیس رکعت تراویح سنت موکدہ ہے آٹھ تراویح کا ثبوت نہیں۔ یہ غیر مقلدوں کی ایجاد ہیں۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب لمعات المصابیح علی رکعات التراویح میں دیکھو جس میں بیس تراویح کے قوی دلائل دیئے گئے ہیں اور غیر مقلدوں کے اعتراضات کے مکمل جواب ہیں۔ ایک تھوڑی سی بات یہاں سمجھ لو کہ اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتی تو قرآن پاک کے رکوع 216 ہوتے۔ کیونکہ رکوع اس حصہ کا نام ہے جو عثمان رضی اللہ عنہ تراویح کی ایک رکعت میں پڑھ کر رکوع فرماتے تھے۔ ستائیسویں رمضان کو آپ قرآن ختم فرماتے چونکہ تراویح بیس ہیں اور صحابہ کرام ستائیسویں رمضان کو ختم کرتے تھے۔ اس حساب سے 540 رکوع بنتے ہیں اور تقریباً" اتنے ہی ہیں۔ 578

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیمار و مسافر کو روزے قضا کر دینے واجب ہیں کیونکہ عدۃ سے پہلے علیہ پوشیدہ ہے اور علیٰ وجوب کے لئے آتا ہے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علیہ پوشیدہ ہونا یقینی نہیں ہو سکتا ہے کہ لہ ہو۔ دوسرا جواب: علیٰ کا وجوب کیلئے ہونا ضروری نہیں قرآن کریم میں بہت جگہ جواز کے لئے بھی استعمال ہوا۔ تیسرا جواب: پوری عبارت یوں ہے کہ جو بیمار یا مسافر ہو اور رمضان میں روزے نہ رکھ سکے تو اس پر دوسرے زمانہ میں گنتی پوری کرنا واجب ہے۔ یعنی وجوب قضا روزہ چھوڑ دینے کی صورت میں ہے۔ چوتھا جواب: اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تم پر آسانی

www.alahazratnetwork.org

چاہتا ہے اگر مسافر وغیرہ پر روزہ چھوڑنا واجب ہوتا تو بجائے آسانی کے دشواری ہوتی۔ کیونکہ رمضان میں روزہ آسان ہے اور بعد میں مشکل۔ دوسرا اعتراض: اگر لتکبروا اللہ میں نماز عید یا تکبیریں مراد ہوں تو چاہیے کہ یہ فرض ہو جائیں کیونکہ جس کا ثبوت قرآن کریم سے ہو وہ فرض ہوتا ہے حالانکہ اسے فرض کوئی نہیں کہتا۔ جواب: فرض وہ جس کا ثبوت بھی قطعی ہو اور مراد بھی قطعی۔ یہاں ثبوت تو قطعی ہے مگر دلالت اور طلب قطعی نہیں لہٰذا فرض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ نے ارواح پیدا فرما کر ان پر اپنے نور کی تجلی ڈالی۔ اس تجلی کا وقت گویا رمضان ہے اس وقت میں ان ارواح کو قرآن یعنی علم اجمالی حاصل ہوا۔ جس کو صوفیاء کی اصطلاح میں عقل قرآنی کہتے ہیں اس علم میں علوم تفصیلیہ کے دلائل و مسائل ہیں۔ جس کا نام عقل فرقانی ہے۔ جو شخص اس وقت میں حاضر ہو یعنی اسے حضور دولت حاصل ہو تو اسے چاہیے کہ روزہ رکھے یعنی اپنے کو قول و فعل و حرکت سے باز رکھے اور جو کوئی قلبی بیماریوں میں مبتلا ہو اور نفسانی حجاب اسے اس حضور سے روکیں یا جو سفر میں ہو یعنی ابھی راہ محبت طے کر رہا ہو اس منزل حضور تک نہ پہنچا ہو تو اس پر واجب ہے کہ دوسرے مراتب حاصل کرے کہ انہیں طے کرکے اس مقام پر پہنچے۔ رب چاہتا ہے کہ مقام توحید تک پہنچانے پر تم پر آسانی کرے۔ وہ یہ نہیں چاہتا کہ عاجز نفسوں پر بھاری تکلیفیں ڈال کر انہیں مصیبت دے اور تمہیں چاہیے کہ ان مراتب و حالات اور مقامات کے سارے درجے پورے کرلو اور رب کی تکبیریں کرتے ہوئے اور نعمت ہدایت کا شکر ادا کرتے ہوئے اس راستہ کو طے کرتے چلے آؤ۔

(ابن عربی)

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا
اور جبکہ پوچھیں آپ سے بندے میرے میرے متعلق۔ تو تحقیق میں نزدیک ہوں قبول کرتا ہوں دعا۔ دعا والے
اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب
دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ (۱۸۶)
کی جب کہ دعا کرتا ہے مجھ سے پس چاہیے کہ قبول کریں وہ واسطے میرے اور چاہیے کہ ایمان لاویں ساتھ میرے تاکہ وہ ہدایت پاویں
مجھے پکارے تو انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں وہ راہ پائیں ؕ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تکبیر کا حکم دیا جس سے بظاہر چاند دیکھنے کے وقت کی تکبیریں اور تکبیر تشریق مراد ہیں جو کہ کبھی بلند آواز سے بھی ہوتی ہے۔ اس پر شبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید رب تعالیٰ دور ہے کہ بلند ذکر کو تو سنتا ہے۔ آہستہ کو نہیں سنتا۔ یہ وہم دور کرنے کیلئے اب اگلا مضمون بیان ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بندوں کو تکبیر اور شکر کا حکم دیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم قریب ہیں تمہارا ذکر و شکر سنتے ہیں۔ تمہاری یہ محنت برباد نہیں جائے گی۔ یعنی پہلے بندوں کے عمل کا ذکر تھا اور اب اپنے کرم کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو رب کی حمد و شکر کا حکم دیا گیا۔ اب دعا کا حکم ہو رہا تاکہ معلوم ہو کہ دعا مانگنا بھی عبادت ہے اور طریقہ دعا یہ ہے کہ حمد کے ساتھ بلکہ اس کے بعد ہو۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول : اس آیت کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔(1) صحابہ کرام کی ایک جماعت نے جذبہ عشق الٰہی میں حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ہمارا رب کہاں ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خزائن)۔(2) ایک اعرابی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہمارا رب قریب ہے تاکہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اسے پکاریں۔ اس پر یہ آیت آئی (درمنثور و کبیر)۔(3) ایک غزوہ میں صحابہ کرام نعرہ تکبیر لگاتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے تم تو سمیع و قریب کو پکارتے ہو۔ اس کی تصدیق میں یہ آیت اتری۔ یہ واقعہ غزوہ خیبر کو جاتے ہوئے پیش آیا تھا۔ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا تھا کہ ہم چپکے سے خیبر پر جا پڑیں اور وہ گھبرا کر ہتھیار ڈال دیں بغیر خون و خرابہ ملک فتح ہو جاوے صحابہ نے نعرے لگائے تب یہ ارشاد ہوا کہ یہ حکم اس موقعہ کے لحاظ سے ہے ورنہ ذکر بالجہر ممنوع نہیں (کبیر)۔(4) حضرت عطاء نے فرمایا کہ صحابہ کرام نے پوچھا کہ ہم رب سے کس وقت دعا کریں۔ تب یہ آیت اتری۔(کبیر)۔

تفسیر : **واذا سالک عبادی عنی** عباد سے مراد مرحوم بندے ہیں کیونکہ بندے کو رب تعالیٰ کا اپنی طرف نسبت دینا اکثر علامت رحمت ہوتی ہے۔ اس جگہ یا تو رب کی ذات سے سوال مراد ہے یا اس کی صفات یا افعال سے۔ عنی میں تینوں احتمال ہیں مگر جواب میں صفت کو مقرر کیا۔ یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے میرے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ ان سے فرمادو کہ **فانی قریب** قریب قرب سے بنا جو بعد کا مقابل ہے بمعنی نزدیکی نزدیکی زمانی بھی ہوتی ہے اور مکانی بھی۔ کرم کی بھی ہوتی ہے۔ اور درجہ کی بھی۔ کہتے ہیں کہ جمعرات جمعہ سے قریب ہے۔ یا دہلی رہتک سے قریب ہے۔ وزیر درجہ میں سلطان کے قریب ہے وغیرہ۔ یہاں علم و قدرت کرم و رحمت کی نزدیکی مراد ہے نہ کہ زمانی یا مکانی (کبیر و روح البیان وغیرہما) کیونکہ رب تعالیٰ جگہ اور وقت سے پاک ہے۔ نیز قرب مکانی سب بندوں سے نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے بعض بندے عرش کے قریب رہتے ہیں۔ اور بعض تحت الثریٰ میں پھر بعض مشرق میں بعض مغرب میں اس کی تفسیر یہ آیت ہے۔ **ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین** رب تعالیٰ کی رحمت بندوں سے قریب ہے اور نیک بندے مرتبہ یا رعایت میں اس سے قریب ہیں۔ ان کے لئے فرمایا گیا **اولئک المقربون** تمام قرب کی آیتوں میں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ جیسے **وھو معکم** یا جیسے **ونحن اقرب الیہ من حبل الورید** مسلمان جو کہتے ہیں کہ اللہ ہر جگہ ہے اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ اس کی سلطنت، رحمت، علم، قدرت وغیرہ ہر جگہ ہے۔ غرضیکہ ربوبیت، علم و قدرت کا قرب ہر مومن و کافر سے ہے مگر کرم، عنایت، مہربانی کا قرب صرف مومنوں سے ہے پھر اس قرب کی دو نوعیتیں ہیں۔ قرب عمومی جو ہر مومن سے ہر وقت ہے اور قرب خصوصی جو خاص لوگوں سے خاص وقتوں میں ہوتا ہے۔ یوں تو اس قرب کے اوقات بہت ہیں مگر تین وقت بہت اہم ہیں تلاوت قرآن کے وقت سجدوں خصوصاً تہجد کے سجدوں کے وقت کہ بندہ ان سجدوں کے ذریعہ رب سے اتنا قریب ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ، کان، زبان بن جاتا ہے کہ بندہ سے خدائی کام ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آئینہ سے سورج کے آثار نمودار ہونے لگتے ہیں یا پانی آگ سے قریب رکھ کر آگ کا سا کام کرنے لگتا ہے غرضیکہ بندے سے خدائی کام ظاہر ہوتے ہیں۔ تیسرے کسی مقرب بندے کی صحبت سے اللہ تعالیٰ بہت ہی قریب ہوتا ہے۔ حتی کہ صحبت سے تقدیریں بلکہ طینتیں بدل جاتی ہیں۔ دیکھو حضور انور کا قرین شیطان حضور کی برکت سے مسلمان ہو گیا۔ خیال رہے کہ رب کا بندے سے قریب ہونا اور ہے اور بندے کا رب سے قریب

www.alahazratnetwork.org

ہوتا کچھ اور جب بندہ رب سے قریب ہو جائے تو اسے ولی اللہ کہا جاتا ہے۔ بندے کے قرب کے دو درجے ہیں۔ پہلے درجہ میں بندہ سمجھتا ہے کہ رب مجھے دیکھ رہا ہے تب وہ گناہ و غفلت سے بچا رہتا ہے۔ دوسرے درجہ میں بندہ سمجھتا ہے کہ میں رب کو دیکھ رہا ہوں۔ اسی درجہ میں سوز و گداز لذت عبادات اعلیٰ طریقہ سے حاصل ہوتا ہے اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ احسان یہ ہے کہ بندہ جانے مجھے رب دیکھ رہا ہے یا رب کو میں دیکھ رہا ہوں۔ سعید ہے وہ جس کا سر آستان پر ہو اور شقی وہ ہے جس کا سر آسمان پر ہو (کبیر) **اجیب دعوۃ الداع اذا دعان** یہ اس کی نزدیکی کا بیان ہے۔ اجیب جوب سے بنا بمعنی کاٹنا' تراشنا' تالاب کو جوبہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کی زمین پستی کی وجہ سے دوسرے حصہ سے کٹ جاتی ہے۔ **جابو الصخر بالواد** کلام کے جواب کو اسی لئے جواب کہتے ہیں کہ وہ ہوا کو کاٹتا ہوا سننے والے کے کان تک پہنچتا ہے۔ کسی کی بات قبول کرنے کو اس لئے استجابتہ کہا جاتا ہے کہ اس سے سوال کا سلسلہ کٹ جاتا ہے۔ یہاں یا جواب دینے کے معنی میں ہے یا قبول کرنے کے معنی ہیں۔ دعوۃ' داع اور دعان سے یا پکارنا مراد ہے یا دعا کرنا۔ یعنی جب مجھے پکارنے والا پکارتا ہے تو میں اس کے جواب میں لبیک فرماتا ہوں (کبیر وغیرہ) یا جب مجھ سے کوئی دعا مانگتا ہے تو اس کی دعا پر یا لبیک فرماتا ہوں یا قبول فرماتا ہوں۔ ممکن ہے کہ الداع میں الف لام عہدی ہو اور اس میں خاص پکارنے والے یعنی مومنین یا متقین وغیرہ مراد ہوں۔ کیونکہ کفار کے بارے میں فرمایا گیا کہ **وما دعوء الکفرین الا فی ضلال** کہ کافروں کا پکارنا برباد جاتا ہے۔ پکار چار قسم کی ہے۔ گنہگار کی پکار' ابرار کی پکار' دلفگار کی پکار اور بیقرار کی پکار پھر ان میں سے دلفگار اور بے قرار کی پکار بہت ہی پر تاثیر ہے۔ یہ پکار عرش کو ہلا دیتی ہے۔ رب فرماتا ہے **امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء** جب ریڈیو کے ذریعہ بجلی کی مدد سے تمام دنیا میں آواز پہنچ سکتی ہے تو بے چینی دل کی بجلی کے ذریعہ بھی آواز عرش تک پہنچ سکتی ہے اگر خود اپنے میں بے قراری نہیں ہے تو کسی بے قرار سے پکڑو اور ریڈیو والوں کے ذریعہ اعلانات کرائے جاتے ہیں۔ اضطرار والوں کے ذریعے سے دعائیں کرائی جاتی ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے سارے ہی دعا کرنے والے مراد ہوں کیونکہ دنیا میں کفار کی بھی بعض دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ اس کی بحث انشاء اللہ خلاصہ تفسیر کے بعد ہو گی۔ **فلیستجیبوا لی** بواسطہ محبوب علیہ السلام بندوں سے غائبانہ کلام ہے اور یہاں استجابت کے معنی قبول کرنا اور بات ماننا ہے یعنی ان بندوں کو بھی چاہئے کہ میرے فرمان مانیں یا میری وجہ سے شریعت کی اتباع کریں۔ **ولیومنوا بی** یا تو اس سے ایمان لانا مراد ہے یا ایمان پر قائم رہنا یعنی ایمان کے ساتھ اطاعت کریں کیونکہ بغیر ایمان اعمال معتبر نہیں اور یا یہ کہ ایمان پر قائم رہیں **لعلھم یرشدون** یہ رشد سے بنا' بمعنی ہدایت پانا' لعل بندوں کے لحاظ سے ہے یعنی ہدایت کی امید پر یہ سارے کام کریں نہ کہ دنیا کی خاطر۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں کہ میں دور ہوں یا نزدیک تو آپ فرما دو کہ میں ان سے بہت قریب ہوں۔ ایک آن کے لئے بھی ان سے دور نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ میں دعا مانگنے والوں کی دعائیں قبول کرتا ہوں۔ اگر قریب نہ ہوتا تو مجھے ان کی دعا کا کیسے علم ہوتا اور میں ان کے کام کیسے بناتا۔ جب میں غنی ہو کر ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور ان کی تمنائیں پوری کرتا ہوں تو انہیں بھی چاہئے کہ وہ میرے احکام مانیں اور اطاعت کریں اور مجھ پر بغیر دیکھے ایمان لائیں تاکہ راہ جنت کی ہدایت پائیں۔ خیال رہے کہ قبولیت دعا کی شرط علماء کے ہاں اکل حلال'

www.alahazratnetwork.org

صدق مقال ہے اور صوفیاء کے ہاں چشم گریاں۔ دل بریاں ہے۔ **ام من یجیب المضطر اذا دعاہ** مگر یہ سب فرماتے ہیں کہ تم رب کی مانو وہ تمہاری مانے گا۔ اسی لئے فرمایا **فلیستجیبوالی** پھر رب کی مانو بے چون و چرا جیسے رعایا حاکم کی مریض حکیم کی اولاد ماں باپ کی شاگرد استاد کی بے چون و چرا مانتا ہے۔ اسی لئے فرمایا **ولیؤمنوابی** مجھ پر ایمان لائیں۔ اعتقاد رکھیں کہ ہم جو کچھ حکم دیتے ہیں وہ غلط نہیں دیتے کیونکہ ہم رب ہیں۔ تمہاری ضروریات ہم تم سے زیادہ جانتے ہیں۔

مانبودیم و تقاضا مانبود! لطف تو ناگفتۂ ما مے شنود

دعا

دعا مانگنا بھی عبادت بلکہ عبادات کا مغز ہے اس کے عقلی و نقلی بے شمار فائدے ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) دعا سے اظہار بندگی ہوتا ہے اور دعا نہ مانگنا بے پرواہی کی نشانی ہے بندے کی شان یہ ہے کہ اپنے مولیٰ سے ہر وقت دعا مانگتا رہے۔ (2) دعا سے محبت الٰہی پیدا ہوتی ہے کیونکہ انسان اپنے حاجت روا کو محبوب جانتا ہے۔ (3) دعا سے اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے کیونکہ اس سے اپنی محتاجی اور رب کی بے نیازی کا پتہ لگتا ہے رعایا اپنی مجبوری اور حاکم کے اختیارات جان کر ہی اس کی اطاعت کرتی ہے۔ (4) دعا سنت انبیاء ہے ہر پیغمبر نے ہر موقع پر دعائیں مانگیں۔ (5) دعا رب کو پیاری ہے اسی لئے اس نے جگہ جگہ اس کا حکم دیا۔ (6) ہر مذہب نے دعا کی رغبت دی۔ کفار بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ (7) دعا سے آنے والی مصیبت ٹل جاتی ہے اور بد نصیبوں کے نصیب کھل جاتے ہیں۔ (8) دعا سے رب کی رحمتیں قائم رہتی ہیں۔ (9) ہر عبادت بغیر دعا معلق رہتی ہے دعا اس کا پر ہے جس سے وہ بارگاہ الٰہی میں پہنچتی ہے۔ (10) رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ ایک کام تمہارا ہے اور ایک کام ہمارا۔ تمہارا کام دعا مانگنا ہے ہمارا کام قبول کرنا۔ (درمنثور)۔ (11) حق تعالیٰ اس سے حیا فرماتا ہے کہ بندے کے پھیلے ہوئے ہاتھ خالی واپس کرے۔ (مشکوٰۃ کتاب الدعوات)۔

دعا کے آداب : دعا کے بہت سے آداب ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) دعا کے وقت چاہئے کہ ہتھیلیاں آسمان کی طرف پھیلی ہوں۔ دونوں ہاتھوں میں کچھ فاصلہ ہو۔ نہ بہت نیچے ہوں۔ نہ بہت اونچے بلکہ کندھے کے مقابل رہیں اور دعا کے بعد ان کو منہ پر پھیرلیا جائے۔ (مشکوٰۃ) (2) ضروری ہے کہ دعا کرنے والے کا رزق حلال ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دعا آسمان کے دروازہ کی کنجی ہے اور غذا حلال اس کنجی کے دانتے (روح البیان)۔ (3) دعا کے وقت دل حاضر ہو۔ (4) دعا کے وقت قبول کی قوی امید ہو۔ ناامیدوں کی دعا قبول نہیں ہوتی ہے۔ (5) طریقہ دعا یہ ہے کہ اولاً حمد الٰہی کرے پھر حضور پر درود بھیجے پھر اپنے گناہوں کو یاد کرکے توبہ کرے اور پھر عرض حاجات کرے۔ پھر درود شریف پر ختم کرے۔ (6) دعا کے وقت اپنے مقصد کو دھیان میں رکھے کیونکہ خیال کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ (روح البیان)۔ (7) بہتر ہے کہ صرف اپنے ہی لئے دعا نہ کرے بلکہ اور مسلمانوں کیلئے بھی کرے۔ مگر ابتداء اپنے سے کرے۔

دعا کے اوقات : چند وقتوں میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (1) جمعہ کے دن دو خطبوں کے درمیان۔ (2) خطبہ اور نماز کے درمیان۔ (3) جمعہ کے دن سورج غروب ہوتے وقت۔ 4 بارش کے وقت۔ (5) مرغ کے اذان دیتے وقت۔ (6) ہر رات کے

www.alahazratnetwork.org

اخیری چھٹے حصہ میں۔ (7) رمضان میں افطار سحری کے وقت۔ (8) قرآن پاک ختم ہوتے وقت۔ (9) اذان کے بعد۔ (10) فرض نمازوں کے بعد۔ (11) شب قدر میں۔

دعا کے مقامات : چند جگہ دعا بہت قبول ہوتی ہے۔ (1) بیت اللہ شریف پر پہلی نظر پڑنے کے وقت۔ (2) طواف میں ملتزم کے پاس۔ (3) بیت اللہ میں چاہ زمزم کے پاس۔ (4) زمزم پیتے وقت۔ (5) صفا اور مروہ پر۔ (6) مقام ابراہیم کے پیچھے 'عرفات' مزدلفہ اور منیٰ میں۔ (8) تینوں جمروں کے پاس۔ (9) انبیائے کرام کے مزارات کے پاس۔ (10) بزرگان دین کی قبروں کے پاس (روح البیان) بلکہ بزرگوں کے پاس دعا مانگنا سنت انبیاء ہے زکریا علیہ السلام نے بی بی مریم کے پاس کھڑے ہو کر اولاد کی دعا کی۔ قرآن فرماتا ہے **ھنالک دعا زکریا ربہ قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ** اولیاء اللہ رحمت رب کے اسٹیشن ہیں یہاں سے رحمت ملتی ہے۔

کن کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے : چند شخصوں کی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ (1) روزہ دار کی افطار کے وقت۔ (2) عادل بادشاہ کی۔ (3) مظلوم کی۔ (4) ماں باپ کی۔ (5) مسافر کی۔ (6) بیمار کی (مشکوۃ شریف)۔ (7) گھر پہنچنے سے پہلے حاجی کی۔ (8) مسلمان کے لئے اس کے پیچھے دعا۔ (9) مجاہد کی۔

مسئلہ : ناجائز کاموں کے لئے دعا کرنا منع ہے۔ **مسئلہ:** محال چیز کی دعا کرنا منع ہے۔ **مسئلہ:** اگر قبول دعا میں دیر لگے تو بے صبری نہ کرے۔ ورنہ دعا قبول نہ ہوگی۔

حافظ وظیفہ تو دعا کردن است و بس   دربند آں مباش کہ نشنید یا شنید!

دعا تو اظہار بندگی ہے اگر قبول نہ ہو تو بھی مانگنا نہ چھوڑے اور سمجھے کہ اس میں ہماری بہتری ہے۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں   میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب کا پتہ ہیں کہ انہیں کے پاس آکر اس کا نشان ملتا ہے۔ صحابہ کرام نے حضور سے پوچھا کہ رب کہاں ہے تو پتہ لگا کہ وہ قریب ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

کونین کی ہر چیز کا سامان محمد ہیں   توحید کے مضمون کا عنوان محمد ہیں!

دوسرا فائدہ : رب کو دور سمجھ کر اسے بلند آواز سے پکارنا جہالت ہے کیونکہ وہ قریب ہے۔ انشاء اللہ اس کی بحث **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** میں آئے گی۔ **تیسرا فائدہ:** سچی دعا ضرور قبول ہوتی ہے۔ خواہ اس کا ظہور کسی طرح ہو۔ اس کی بحث اعتراض و جواب میں ہوگی۔ **چوتھا فائدہ:** جو چاہے کہ 'رب میری بات مانے تو اسے چاہئے کہ وہ رب کی مانے جیسا کہ **فلیستجیبوا لی** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا ذکر ان آیات میں ہے۔ **لقد جاء کم رسول عزیز علیہ ما عنتم' النبی اولی بالمومنین من انفسھم ارسلنا**

www.alahazratnetwork.org

الیکم رسولا شاھدا علیکم' ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین اور رحمتہ کا بیان یوں فرمایا وما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین الحمدللہ مومن سے اللہ تعالیٰ بھی قریب ہے اور اس کے رسول بھی قریب اسی لئے مومن اللہ کو بھی پکارتا ہے۔ ربنا لک الحمد وغیرہ اور حضور کو بھی السلام علیک ایہا النبی چھٹا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ بلکہ سارے عالم غیب کا پتہ ہیں۔ صحابہ کرام رب کا پتہ حضور سے پوچھتے ہیں بلکہ صحابیہ عورتیں اپنے فوت شدہ بچوں کے بارے میں پوچھتی تھی کہ ہمارا بچہ کہاں ہے۔ حضور بتاتے تھے کہ جنت کے فلاں درجہ میں۔ ساتواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو پکارنا بھی عبادت بلکہ بہترین عبادت ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جواب خود دیتا ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قرآن میں پکارا ہے۔ مگر کبھی کافروں کو پکارا اظہار غضب کے لئے غافلوں کو پکارا جگانے کے لئے مگر بندہ رب کو پکارتا ہے کبھی اپنا دکھ درد سنانے کو جیسے ربنا ظلمنا انفسنا اور کبھی اس کی حمد ادا کرنے کو جیسے اللھم ملک الملک غرضیکہ رب کی پکار اور بندے کی پکار کے منشاء مختلف ہیں لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تو علیم وخبیر ہے اسے کیوں پکارتے ہو۔

پہلا اعتراض: جب رب تعالیٰ سب سے قریب ہے تو کبھی اپنے بندوں کو بصیغہ غائب کیوں خطاب کرتا ہے جیسے کہ فلیستجیبوا میں جواب: وہ تو سب سے قریب ہے مگر بندے بعض وقت غافل ہو کر اس سے دور رہتے ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

دوست نزدیک تر از من بمن است! وین عجب تر کہ من ازوے دورم

اور بھی اس میں حکمتیں ہیں۔ دوسرا اعتراض: تو چاہئے کہ رب کا ذکر بلند آواز سے نہ کیا جائے کیونکہ وہ قریب ہے۔ جواب: بلند آواز سے ذکر کرنے میں چند فائدے ہیں۔ اس سے قلب کی غفلت دور ہوتی ہے۔ شیطان بھاگتا ہے دوسروں کو ذکر کی رغبت ہوتی ہے جہاں تک آواز پہنچے وہاں تک کی چیزیں اس کے ایمان کی گواہ بنتی ہیں دیکھو مشکوٰۃ باب الاذان۔ اسی مشکوٰۃ باب صلوٰۃ الیل میں ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام صحابہ کرام کا امتحان لینے ان کے گھروں پر تشریف لے گئے۔ فاروق اعظم کو خوب بلند آواز سے قرآن پاک پڑھتے ہوئے پایا۔ صبح کو جب یہ حاضر بارگاہ ہوئے تو اس کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں سوتوں کو جگا رہا تھا شیطان کو بھگا رہا تھا۔ رب کو منا رہا تھا۔ اس آیت میں ان کی تردید ہے۔ جو رب کو دور سمجھ کر پکاریں۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ اور اس پر کچھ گفتگو انشاء اللہ ادعوا ربکم تضرعا وخفیۃ میں کی جائے گی۔ ذکر بالجہر بھی افضل ہے اور ذکر خفی بھی جیسا موقعہ ویسا ذکر تیسرا اعتراض: دعا مانگنا بے کار ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کچھ ہونے والا ہے وہ سب لکھا جا چکا۔ لہٰذا تقدیری بات ضرور ہو کر رہے گی۔ دعا مانگیں یا نہ مانگیں نیز رب ہماری حاجتیں خود جانتا ہے کہنے کی کیا ضرورت نیز دعا میں حکم سا معلوم ہوتا ہے کہ خدایا یہ تو کردے اور رب کو حکم دینا بے ادبی ہے۔ نیز حدیث میں ہے کہ جو میرے ذکر میں مشغول ہو کر دعا نہ مانگ سکے تو میں اسے مانگنے والوں سے زیادہ دوں گا۔ غرضیکہ دعا سے کوئی فائدہ نہیں۔ جواب: دعا کے فائدے ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہ اعتراضات محض بے کار ہیں خود اس آیت سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ بندو نے رب کا پتہ معلوم کرنے کی خواہش کی جو پوری ہوئی اور جیسے کہ لوح محفوظ میں ساری چیزیں لکھی ہیں ویسے ہی بندے کی دعا بھی لکھی ہے کہ فلاں چیز مانگے گا تو ہم دیں گے اور اگر نہ مانگے تو نہ پائے گا۔ دعا مثل دوا کے ضروری ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

اگرچہ شفارب کے حکم سے ہے مگر دوا کے ذریعہ۔ اور بے شک وہ علیم و خبیر ہے۔ مگر رب قدیر بھی ہے اور رب کی شان یہ ہے کہ اس کے دروازے پر بھکاری آئیں اور مرادیں لے کر جائیں دعا مانگنے میں ہماری بندگی اور اس کی ربوبیت کا اظہار ہے۔ اسی لئے اس نے جگہ جگہ دعا کا حکم دیا اور انبیاء کرام اور اولیاء نے دعائیں مانگیں۔ ذکر والی حدیث کا منشاء دعا سے روکنا نہیں بلکہ دعا کی رغبت دینا ہے کیونکہ رب کی حمد و ثناء بلکہ درود شریف بھی درپردہ دعا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** پھر ابراہیم علیہ السلام نے آگ نمرود میں جاتے وقت دعا کیوں نہ کی۔ بلکہ حضرت جبریل نے پوچھا کہ کیا آپ کو کچھ رب سے حاجت ہے تو فرمایا کہ وہ خود جانتا ہے کہنے کی کیا ضرورت ہے اور ان کا دعا نہ مانگنا بہت پسند کیا گیا۔ **جواب:** وہ وقت امتحان تھا کہ آپ کو خطرہ تھا کہ کہیں عرض کرنا بے صبری میں شمار نہ ہو جائے جیسے کہ ہمارے حضور علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی خبر دی مگر امام حسین رضی اللہ عنہ کے لئے دعا صبر کی نہ کہ دفع مصیبت کی دعا اور اظہار بندگی کے وقت حضرت خلیل اللہ نے بھی خوب دعائیں مانگیں اور حضور علیہ السلام نے بھی ہمیں چونکہ اس کی تمیز نہیں لہٰذا چاہئے کہ ہر وقت دعا کیا کریں۔ **پانچواں اعتراض:** جب ہم رب کی آواز سنتے ہی نہیں تو اس کے جواب دینے سے فائدہ کیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ 'دوسرا عاشقانہ' عالمانہ جواب تو یہ ہے کہ دنیا عالم اسباب ہے۔ یہاں تمام کام واسطوں اور سببوں سے ہوتے ہیں پالتا خود ہے مگر ماں باپ 'روزی وغیرہ کے ذریعہ سے اسی طرح رب کا جواب بذریعہ انبیاء 'قرآن' علماء 'مشائخ کے ذریعہ ہم سن رہے ہیں لہٰذا جواب بیکار نہیں۔ عاشقانہ جواب یہ ہے کہ ہر آواز کان سے ہی نہیں سنی جاتی بعض آوازیں دل سے بھی سنی جاتی ہیں۔ خواب میں ہم دیکھتے 'سنتے' کھاتے' پیتے مگر ان کان آنکھ زبان سے نہیں صوفیاء کشف میں آنکھ 'کان بند کر کے سب دیکھ 'سن لیتے ہیں۔ اسی طرح رب کی آواز دل سے اب بھی سنی جا رہی ہے۔ کسی وقت دل میں سوز و گداز جوش کا پیدا ہو جانا اسی لئے ہوتا ہے کہ رب کی آواز دل سنتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست — ایں گدازوسوز و درد از پیک ماست

ہاں مرنے کے بعد انشاء اللہ بغیر واسطہ و اسباب کے رب کا کلام سنا جاوے گا اور جنت میں بلاواسطہ اس کا دیدار ہوگا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں قبولیت دعا کا وعدہ ہے حالانکہ ہماری صدہا دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں کہ ایک یہ کہ یہاں اجیب کے معنی جواب دینا ہیں نہ کہ قبول کرنا اور بے شک ہر اخلاص کی دعا پر رب کی طرف سے لبیک کا جواب ملتا ہے۔ جس کو ہم نے بواسطہ پیغمبر علیہ السلام سنا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مطلق ہے۔ رب کے ہاں دعا قبول ہوتی ہے نہ کہ ہر دعا تیسرے یہ کہ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء** یعنی جو دعائیں مرضی الٰہی کے مطابق ہوں گے وہ قبول ہوں گی۔ دعا خلاف قضا نا مقبول ہے۔ بعض دفعہ انبیاء کرام کو دعا سے روک دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو فرمایا گیا کہ **اعرض عن ھذا** چوتھے یہ کہ قبولیت دعا کی چند صورتیں ہیں اگر بندے کی دعا اس کے لئے بہتر ہے تو وہ قبول ہو جاتی ہے۔ ورنہ دعا کی برکت سے کوئی اور بلا ٹل جاتی ہے یا اسے دعا کا دنیا یا آخرت میں ثواب دے دیا جاتا ہے غرضیکہ دعا رائیگاں نہیں جاتی۔ حاجت پوری ہو یا نہ ہو پانچویں یہ کہ بندہ کبھی بری چیز کو اچھی سمجھ کر مانگ لیتا ہے تو رب اپنے کرم سے نہیں دیتا۔ جیسے کہ نادان بیمار کامل طبیب سے نقصان دہ غذائیں مانگے اور وہ نہ دے تو اس صورت میں دعا نہ قبول ہونا ہی بہتر ہے۔ چھٹے یہ کہ کبھی دعا کی شرائط پوری ادا نہیں ہوتیں۔ اس لئے قبول نہیں ہوتی۔ جیسے بغیر پرہیز دوا فائدہ نہیں کرتی۔ **ساتواں اعتراض**

www.alahazratnetwork.org

: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بندے کی دعا قبول ہے خواہ مومن ہو یا کافر۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ **وما دعئو الکفرین الا فی ضلال** کہ کافروں کی دعا برباد جاتی ہے۔ ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت دنیا کے لئے ہے اور وہ آیت آخرت کے متعلق یعنی جہنمی کفار کی پکار نہ سنی جائے گی دنیا میں ان کی بھی بعض دعائیں قبول ہیں۔ دیکھو شیطان نے زیادتی عمر کی دعا کی تھی جو قبول ہوئی۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ کافر کی دعا پر رب لبیک نہیں فرماتا اگرچہ ان کی حاجت پوری کر دے۔ تیسرے یہ کہ مسلمان کی دعا اس کی عزت افزائی کیلئے قبول ہوتی ہے اور کافر کی حاجت اس لئے پوری کر دے۔ تیسرے یہ کہ مسلمان کی دعا اس کی عزت افزائی کے لئے قبول ہوتی ہے اور کافر کی حاجت اس لئے پوری کر دی جاتی ہے کہ وہ رب سے زیادہ بات نہ کرے جلد دور ہو جائے۔ چوتھے یہ کہ کافر کی دعا دنیا میں بھی قبول نہیں ہوتی۔ ان کی حاجت روائی ان کی دعا کی وجہ سے نہیں بلکہ ویسے ہی ہو جاتی ہے۔ شیطان نے قیامت تک کی زندگی مانگی تھی۔ عرض کیا تھا **فانظرنی الی یوم یبعثون** وہ موت سے بچنا چاہتا تھا اس کی دعا رد کر دی گئی اور موت اس کے لئے مقرر ہوئی۔ رہی لمبی عمر یہ پہلے ہی سے اس کے لئے مقرر تھی۔ **آٹھواں اعتراض:** دعا میں رب تعالیٰ کو اپنی حاجتیں سنانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا وہ ہماری حاجتیں نہیں جانتا۔ **جواب:** یہ عرض و معروض اسے بتانے کے نہیں ہے بلکہ اپنی نیاز مندی کے اظہار کے لئے ہے تاکہ اس کا دریائے رحمت جوش میں آئے۔

تا نہ گرید ابر کے خندد چمن　　تا نہ گرید طفلکے جوشد لبن!
زرد را بگزار و زاری را بگیر　　رحم سوئے زاری آید اے فقیر!

تفسیر صوفیانہ: اے نبی علیہ السلام راہ محبت طے کرنے والے بندے آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہماری منزل کتنی دور ہے اور مجھ تک آنے والے سوال کرتے ہیں کہ ہمارا رب کہاں ہے۔ ان سے فرما دو۔ کہ ہمت کر کے چلے آؤ۔ ہم بہت قریب ہیں۔ ہماری شان یہ ہے کہ جو کوئی ہم سے بزبان حال کچھ مانگتا ہے۔ ہم اسے اس کی استعداد کے موافق دے دیتے ہیں۔ کسی کو ایمان کسی کو عرفان کسی کو جنان اور کسی کو لقائے رحمان۔ غرضیکہ جیسی بھکاری کی جھولی ویسی داتا کی دین۔ انہیں چاہئے کہ وہ اپنے کو میرے لائق بنائیں کہ زہد اور عبادت سے اپنی قابلیت بڑھائیں۔ اپنے آئینہ دل کو صاف کریں تاکہ میں اس میں تجلی فرماؤں۔ اور وہ مجھے اس آئینہ میں دیکھیں اور بذریعہ استقامت مجھ تک پہنچیں۔ (ابن عربی)۔

دوسری تفسیر: دعا کرنے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک تو دعا کے الفاظ بولنے والے۔ ایک **حقیقتہ** "دعا مانگنے والے۔ دعا پڑھنے والوں کو رب کا قرب حاصل نہیں۔ حقیقی دعا گو وہ ہیں۔ جن کا رزق حلال 'زبان سچی دل نورانی ہو۔ اور ان کی روح غیر اللہ کے ڈھونڈنے سے پاک ہو۔ اس کی دعا یقیناً قبول ہے اور رب اس کے قریب ہے اور حقیقت یہ ہے کہ رب سے رب ہی کو مانگے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خلاف طریقت بود کا ولیاء　　تمنا کنند از خدا جز خدا

بعض عاشق یوں کہتے ہیں کہ خدا سے بارگاہ مصطفیٰ مانگو اور مصطفیٰ علیہ السلام سے بارگاہ خدا۔

محمد از تو مے خواہم خدا را　　خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

www.alahazratnetwork.org

زبان کی دعا کان تک پہنچتی ہے اور جان (دل) کی دعا آسمان بلکہ عرش رحمان تک اور جو آخرت کی دعا مانگے اس کی دنیوی آرزوئیں بغیر مانگے پوری ہوں گی۔ یہی دعا یہ ہے۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی — جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے صورت محمد کی

تیسری تفسیر: اے محبوب جب میرے بندے آپ سے میرے متعلق پوچھیں یا میرے بندے جب آپ سے میرا سوال کریں یعنی آپ سے مجھے مانگیں تو میں ان سے بہت قریب ہوں اور صرف قریب ہی نہیں بلکہ پھر تو میں ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں اگر آپ کے ہاں آکر مجھے پکاریں تو ان کی پکار کا جواب دیتا ہوں اور اگر آپ سے دور رہیں تو میں بھی ان سے دور ہی ہوں خواہ میری کتنی ہی عبادت کریں اسی لئے یہاں عبادی فرمایا یعنی میری عبادت کرنے والے۔ دیکھو شیطان کے پاس عبادتوں کی کمی نہ تھی۔ مگر نہ اللہ اس سے قریب ہوا نہ وہ اللہ سے قریب کیونکہ وہ نبی سے قریب نہ ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیاء

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلٰى نِسَآئِكُمْ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ
حلال کیا گیا واسطے تمہارے رات میں روزوں کی جانا طرف عورتوں اپنی کے۔ وہ لباس ہیں واسطے تمہارے
روزوں کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لئے حلال ہوا۔ وہ لباس ہیں اور تم ان کے
اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ
اور تم لباس ہو واسطے ان کے۔ جانا اللہ نے کہ تم تھے خیانت میں ڈالتے جانوں اپنی کو پس توبہ قبول
لباس۔ اللہ نے جانا تم کہ اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے تھے تو اس نے تمہاری توبہ قبول کی۔
عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ
کی اوپر تمہارے اور معاف کیا تم سے پس اب جماع کرو ان سے اور تلاش کرو وہ جو لکھا اللہ نے واسطے تمہارے
اور تمہیں معاف فرمایا۔ تو اب ان سے صحبت کرو اور طلب کرو جو اللہ نے تمہارے نصیب میں لکھا ہو۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں رب نے اپنے قریب ہونے کی دلیل یہ بیان فرمائی تھی کہ ہم دعا مانگنے والے کی دعا قبول کرتے ہیں۔ اب اس کی دوسری دلیل یہ بیان ہو رہی ہے کہ ہم تمہارے اندرونی حالات کی بھی خبر رکھتے ہیں۔ کہ جنہوں نے روزہ کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کیا ہم کو معلوم ہو گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں خبر دی گئی تھی کہ ہم دعا والوں کی دعا قبول کرتے ہیں۔ اب اس وعدہ کا ظہور ہے کہ مسلمانوں نے رمضان کی رات میں جماع جائز ہونے کی خواہش کی تو ہم نے ان کی آرزو پوری کر دی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ تم پر روزے ویسے ہی فرض کئے گئے جیسے کہ پچھلی امتوں پر فرض تھے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں اتنا فرق کئے دیتے ہیں کہ ان کے لئے روزوں کی راتوں میں عورتوں سے جماع حرام تھا۔ تمہارے لئے حلال کیا گیا۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول : اگلی شریعتوں میں افطار کے بعد سے عشاء تک کھانا پینا اور عورتوں سے جماع کرنا حلال تھا بعد نماز عشاء یہ سب چیزیں رات میں بھی حرام ہو جاتی تھیں۔ شروع اسلام میں بھی یہ ہی حکم رہا۔ پھر صرمہ ابن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کا واقعہ پیش آجانے پر صبح تک کھانا پینا درست ہوا جس کا تفصیلی واقعہ اسی آیت کریمہ کے اگلے جزو میں آرہا ہے پھر واقعہ یہ پیش آیا کہ ایک دفعہ عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے عشاء کی نماز کے بعد بیویوں سے جماع کرلیا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے جب غسل کیا تو رونے لگے اور اپنے کو ملامت کرنے لگے۔ پھر حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کی بارگاہ میں اپنے خطاکار نفس کی معذرت کرتا ہوں۔ میں نے عشاء کے بعد اپنی بیوی سے جماع کرلیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمر تمہارا یہ کام نہ تھا۔ اس پر کچھ دوسرے حضرات بھی کھڑے ہو کر معذرت کرنے لگے کہ ہم سے بھی یہ خطا ہو گئی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں گزشتہ خطا کی معافی اور آئندہ کیلئے صبح تک جماع کی اجازت دی گئی۔ (تفسیر کبیر و درمنثور و روح وغیرہ)

تفسیر : **احل لکم لیلۃ الصیام** احل' حل سے بنا۔ جس کے معنی ہیں کھل جانا۔ جائز کاموں کو حلال اور زمین حرم کے ماسوا کو حل اسی لئے کہتے ہیں کہ ان پر سے پابندی ہٹادی گئی۔ یہاں احل اگرچہ ماضی ہے لیکن اب حلال فرمانا مراد ہے جیسے کتب علیکم میں تھا۔ لکم میں سارے ہی مسلمانوں سے خطاب ہے اور لام نفع کا ہے۔ یعنی یہ حکم تمہارے نفع کے لئے ہے لہٰذا روزوں کی راتوں میں نہ تو صحبت تم پر حرام ہے نہ فرض بلکہ محض مباح و جائز ہے کیونکہ حرام میں نہ کرنے کی پابندی ہوتی ہے اور فرض میں کرنے کی پابندی ان پابندیوں سے تم پر تنگی ہوگی اور مقصود ہے تم پر آسانی کرنا۔ لیلۃ الصیام سے وہ رات مراد ہے جس کی صبح کو روزہ ہو۔ لہٰذا تیسویں شعبان کی رات اس میں داخل ہے کہ اس کے بعد روزہ ہے اور تیسویں رمضان کی رات اس سے خارج کیونکہ اس کی صبح عید ہے بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں لیلۃ بمعنی جمع ہے کیونکہ چند روزوں کی راتیں بھی چند ہوں گے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنس ہے۔ (کبیر) لیلۃ الصیام۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ احل کا ظرف ہے اور ممکن ہے کہ رفث کا ظرف مقدم ہو۔ یعنی اے مسلمانوں تمہارے لئے روزوں کی رات میں حلال کیا گیا۔ الصیام میں الف لام عہدی ہے اور اس سے رمضان کے روزے مراد ہیں کیونکہ نفلی روزوں میں تو پہلے بھی یہ پابندی نہ تھی صرف رمضان میں تھی۔ رمضان میں اگرچہ اور عبادتیں بھی ہوتی ہیں۔ تراویح' اعتکاف' شب قدر کی عبادت وغیرہ مگر چونکہ ان سب میں اصل مقصود روزہ ہے۔ اسی لئے اسے ماہ صیام کہا جاتا ہے یعنی روزوں کا مہینہ یہاں بھی صیام سے مراد ماہ صیام یعنی رمضان ہے۔ **الرفث الی نسائکم** رفث' کے لغوی معنی فحش بات کرنا ہے جو سب کے سامنے نہ کی جاسکے۔ اصطلاح میں عورت سے جماع کی باتیں کرنا رفث کہلاتا ہے مگر یہاں جماع ہی مراد ہے کیونکہ پہلے یہ ہی حرام تھا نہ کہ جماع کی باتیں۔ چونکہ اس میں جانے کے معنی بھی تھے۔ اس لئے بعد الی لایا گیا۔ نساء کم سے مراد اپنی بیبیاں یا لونڈیاں ہیں یعنی تمہارے لئے رمضان کی راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جماع کے لئے جانا حلال ہے۔ اس لئے کہ **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن** لباس' لبس سے بنا جس کے معنی ہیں ڈھانکنا اور چھپانا۔ دھوکہ کو التباس مشتبہ لگنے کو لبس اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں اصل شئی چھپ جاتی ہے۔ کپڑے کو بھی لباس اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے ستر چھپایا جاتا ہے۔ یہاں چند وجہ سے عورت کو مرد کا اور مرد کو عورت کا لباس کہا گیا۔ (۱)

www.alahazratnetwork.org

بوقت جماع ہر ایک دوسرے سے اس طرح ملتے ہیں۔ جیسے بدن سے لباس۔ (2) شوہر بیوی اور بیوی شوہر کے خفیہ راز ایسے چھپاتا ہے جیسے بدن کو لباس۔ (3) عورت مرد کیلئے ایسی خاص رہتی ہے جیسے بدن کیلئے اسکا کپڑا۔ (4) عورت مرد کے اور مرد عورت کے عیبوں کو ایسے چھپالیتے ہیں جیسے لباس بدن کے عیب۔ (5) عورت کو مرد اور مرد کو عورت کی ہروقت ایسی ضرورت ہے جیسے ہر موسم میں کپڑے کی۔ (6) مرد کی وجہ سے عورت اور عورت کی وجہ سے مرد تمام دنیوی طعنے' الزام اور بہتان سے بچ جاتے ہیں۔ کنواری لڑکی اور کنوارے لڑکے کو ہر طرح عیب لگ سکتے ہیں۔ نکاح کی وجہ سے یہ دونوں ایسے محفوظ ہوگئے جیسے کپڑے کی وجہ سے سردی گرمی سے بدن۔ اسی لئے بعض علماء نے لباس کے معنی پردہ کئے۔ بعض نے فرمایا کہ لباس سے مراد ہے سکون واطمینان۔ جس کی تفسیر سورۂ اعراف میں یوں کی گئی کہ **لیسکن الیھا** سورۂ روم میں فرمایا گیا **لتسکنوا الیھا** رات کو بھی قرآن کریم نے لباس فرمایا ہے۔ **وجعلنا الیل لباسا** کہ وہ سکون وچین کا وقت ہے یعنی وہ بیبیاں تمہارے لئے سکون وچین کا باعث ہیں اور تم ان کے لئے اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ زوجین کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے عیب پوش ہوں۔ نبھانے کے ارادہ سے نکاح کریں لہٰذا مرد اپنے لئے نیک خصلت دیندار بیوی اختیار کرے اور لڑکی دیندار مرد کو پسند کرے موجودہ زمانہ کی کالج کی تیتریاں خاوند کے لئے لباس نہ بن سکیں گی۔ پردہ دار ہوں گی پردہ پوش نہ ہوں گی۔ **علم اللہ** یہاں اللہ کے علم سے یا تو اس کا ازلی علم مراد ہے یا علم مشاہدہ یعنی اللہ نے ازل ہی میں جان لیا تھا یعنی یہ تبدیلیء قانون وغیرہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا ہے۔ اتفاقاً" یا اچانک نہیں ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیاوی بادشاہ اپنے قوانین اپنی بے علمی کی وجہ سے بدلتے ہیں۔ اولاً" غلط قانون بنادیتے ہیں۔ پھر درست رب کے ہاں یہ تبدیلی مخلوق کی مصلحتوں کی بناء پر ہوتی ہے نہ کہ رب کی بے علمی کی بناء پر یا تم سے جو خطائیں ہوئیں وہ اللہ نے جان لیں کہ **انکم کنتم تختانون انفسکم' تختانون'** خیانت سے بنا۔ جس کا مادہ ہے خون۔ اس کے معنی ہیں بے وفائی' حال کا بدلنا' امانت مارلینا' بد عہدی کرنا (کبیر) یہاں یا بے وفائی کے معنی میں ہے یا امانت مارنے کے معنی ہیں بعض نے فرمایا کہ 'خون افتعال میں آکر ارادۂ خیانت کے معنی میں ہے (کبیر) یہ ماضی ناتمام یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی مستقبل (کبیر وروح البیان) انفس کا زبر یا تو مفعولیت کی وجہ سے ہے اور یا فی کے پوشیدہ ہونے سے اور اب تختانون کا مفعول (لفظ اللہ) پوشیدہ ہوگا۔ یعنی اللہ نے ازل میں جانا تھا کہ اگر تم پر جماع حرام رہا تو تم اپنے نفسوں کے بارے میں اللہ سے بد عہدی کر بیٹھو گے یا اللہ کی امانت میں خیانت کر ڈالو گے یا اللہ نے جان لیا کہ تم اپنے نفسوں کی خیانت کرتے تھے۔ یا اپنے نفسوں کے بارے میں رب کی خیانت کرتے تھے کہ باوجود ممانعت کے اپنی بیویوں سے جماع کرلیتے تھے۔ خیال رہے کہ ہمارے نفس اللہ کی امانتیں ہیں اور گناہ اس امانت میں خیانت نیز ہمارے نفس کا ہم پر حق ہے کہ نیک کام کرکے اسے جنت میں پہنچائیں گناہ کرنا نفس کا حق مارنا ہے اسی لئے یہاں خیانت فرمایا گیا **فتاب علیکم وعفا عنکم** یہ علم پر معطوف ہے اور اگر اس سے علم ازلی مراد ہو اور تختانون بمعنی مستقبل ہو تو توبہ سے مراد اجازت جماع اور عفو سے مراد اس میں گنجائش اور وسعت دینا ہے اور دوسری صورت میں یہ دونوں اپنی معنی ہیں (کبیر) یعنی رب نے تمہاری توبہ قبول فرمائی اور تمہاری خطا کو معاف فرما دیا۔ **فالئن باشروھن** ف جزائیہ ہے اور **الئن باشروا** کا ظرف ہے باشروا بشرہ سے ہے۔ جس کے معنی ہیں ظاہری کھال۔ مباشرت کے معنی ہیں کھال کا کھال سے ملانا۔ یہاں مراد جماع کرنا ہے۔ یہ امر وجوب کا نہیں بلکہ جواز کا ہے یعنی جب کہ رب نے

www.alahazratnetwork.org

تمہیں اجازت دے دی تو تم اپنی بیویوں سے روزوں کی رات میں جماع کر سکتے ہو۔ خیال رہے کہ عمر میں ایک بار بی بی سے صحبت کرنا ضروری ہے یہ اس کا حق ہے کہ اس کے بغیر وہ فسخ نکاح کا دعویٰ کر سکتی ہے اور قاضی مرد کو ایک سال کی مہلت علاج کیلئے دے کر ایک سال کے بعد نامردی کی وجہ سے نکاح فسخ کر سکتا ہے اور کم از کم چار ماہ میں ایک بار صحبت کرنا دیانۃً ضروری ہے کہ بلا وجہ دیر لگانا ممنوع ہے اسی لئے ایلاء کی مدت چار ماہ ہے اور حضرت عمر فاروق نے اپنے کسی سپاہی کو چار ماہ سے زیادہ باہر رہنے کی اجازت نہ دی اس سے زیادہ صحبت کرنے میں اپنی قوت کا لحاظ چاہئے۔ نقصان وہ حد تک نہ کرے۔ **وابتغوا ما كتب الله لكم** یہاں سے ملنے سے مراد یا اولاد ہے یا اپنی بیبیاں اور لونڈیاں یا ان کا حیض و نفاس سے پاک ہونا یا جماع کی جگہ یعنی فرج یا شب قدر یا رمضان کی بافراغت عبادات' اور کتب یا تو جعل کے معنی میں ہے۔ جیسے **فاكتبنا مع الشهدين** یا قضاء (فیصلہ) یا بمعنی قدر (تقدیر میں لکھا) یا اپنے معنی میں ہے یعنی جماع سے وہ اولاد تلاش کرو جو رب نے تمہارے نصیب میں لکھی۔ یا جماع ان عورتوں سے کرو جو تمہارے لئے حلال کی گئیں یا اس حالت میں اور اس مقام میں جو تمہارے لئے حلال کیا گیا۔ حیض و نفاس اور دبر میں نہ کرو یا جماع کر کے بافراغت شب قدر اور رمضان کی عبادات تلاش کرو۔ جس کا تمہارے لئے فیصلہ کیا گیا ہے۔ کیونکہ غلبہ شہوت سے تمہارا دل مطمئن نہ ہو تا۔ اب جب کہ جماع کی اجازت ہوئی تمہارے قلب کو سکون رہے گا جس سے تم بخوبی عبادت کر سکو گے۔ خیال رہے کہ نیک اولاد کے حاصل کرنے کے لئے صحبت کرنا ثواب ہے اور اس کی دعا مانگنا سنت انبیاء ہے۔ ابراہیم علیہ السلام' زکریا علیہ السلام نے نیک فرزند کی دعائیں مانگیں۔ حضرت مریم کی والدہ حنہ نے نیک بچہ کی دعا مانگی مگر یہ دعا اسی لئے ہو کہ بچہ دین کی خدمت کرے ہمارے لئے صدقہ جاریہ ہو۔ اسی طرح اس لئے صحبت کرنا کہ اس سے دل کو سکون میسر ہو۔ اور عبادات میں دل لگے ثواب ہے۔ (کبیر و احمدی)۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تمہارے لئے روزوں کی راتوں میں اپنی بیویوں سے جماع کرنا حلال کیا گیا۔ کیونکہ وہ تو تمہارا پردہ ہیں اور تم ان کا یا وہ تمہارے دل کی چین ہیں اور تم ان کے دل کی راحت۔ تم ایک دوسرے کے بغیر گزر نہیں سکتے۔ رب جانتا ہے کہ تم اپنی جانوں کو خیانت میں ڈال لیتے ہو یعنی غلبہ شہوت سے جماع کر بیٹھتے تھے اور پھر شرمندہ ہو کر توبہ کرتے تھے۔ اس نے تمہاری توبہ قبول کر لی اور گزشتہ خطاؤں کو معاف کر دیا اور آئندہ کے لئے جماع حلال فرمادیا۔ اب تم کو اجازت ہے کہ روزوں کی راتوں میں جماع کرو مگر جانوروں کی طرح صرف شہوت پوری کرنے کے لئے نہ کرنا بلکہ اولاد حاصل کرنے کے لئے یا یہ نیت کرنا کہ دلی فراغت حاصل ہو کہ رمضان کی عبادتیں اطمینان سے ہو سکیں۔ اس نیت سے تمہارا جماع بھی عبادت اور باعث ثواب ہو گا ورنہ گناہ گار تو نہ ہو گے مگر ثواب سے محروم رہو گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بڑوں کی خطا چھوٹوں کے لئے باعث عطا ہے۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ سے خطاء جماع ہوا اس کی برکت سے تاقیامت مسلمانوں کو آسانی حاصل ہوئی تمام دنیا کا ظہور آدم علیہ السلام کی ایک خطا کی برکت سے ہوا۔ عائشہ رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہا کا ہار گم ہوا مسلمانوں کو تیمم کا حکم ملا۔ دوسرا فائدہ: جس خطا کی بدولت رب کریم سے خطاب فرمائے وہ ہزار نیکیوں سے افضل ہے۔ دیکھو عمر رضی اللہ عنہ سے ایک خطا ہوئی۔ رب نے ان سے کئی خطاب فرمائے۔ معافی کی خوش خبری دی۔ ہم صدہا نیکیاں کریں کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ کوئی رسید ہی نہیں آتی۔ یقیناً وہ

www.alahazratnetwork.org

خطا ہماری نیکیوں سے افضل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کا اکثر قانون یہ ہے کہ اپنے بندوں کو رعایتیں کسی مقبول کے طفیل دیتا ہے تاکہ قیامت تک کے مسلمان اس مقبول بندے کے احسان مند رہیں۔ دیکھو رب جانتا تھا کہ اسلام میں رمضان کی راتوں میں عورتیں حلال رہیں گی۔ مگر پہلے حرام رکھیں۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ذریعہ حلال فرمائیں اسلام میں اولاً" تیمم نہ تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہو جانے پر تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ معراج میں اولا" نمازیں پچاس فرض ہوئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر پانچ رہیں۔ یہ وسیلے درمیان میں کیوں رکھے تاکہ بندے کبھی ان سے بے نیاز نہ ہوں۔ زمین کبھی بھی آسمان' سورج سے بے نیاز نہیں۔ ایسے ہی ہم کبھی ان بزرگوں سے مستغنی نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی امر محض جواز کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے کہ یہاں باشروا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن کریم سے حدیث کا نسخ جائز ہے۔ دیکھو روزوں کی رات میں جماع کی حرمت حدیث سے ثابت تھی مگر آیت نے اسے منسوخ کیا۔ **چھٹا فائدہ:** رب کا عتاب علامت کرم ہے دیکھو خود ہی فرماتا ہے کہ تم نے خیانت کی۔ اور پھر فرماتا ہے کہ معاف کر دیا اس عتاب عشاق وجد کرتے ہیں۔ صحابہ کرام ان الفاظ کو فخریہ بیان کرتے تھے جو کبھی حضور نے ان سے بطور عتاب فرمائے۔ حضرت ابوذر غفاری کے لئے علی رغم انف ابی ذر فرمایا حضرت عائشہ کو عقری حلقی فرمایا کسی کو **ثکلتک امک** (تجھے تیری ماں روئے) فرمایا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ یہ حضرات ہمیشہ اس پر فخر کرتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** اگر دنیوی کام بھی نیک ارادہ اور نیت خیر سے کئے جائیں تو ان پر ثواب ملتا ہے۔ دیکھو جماع میں نیک اولاد حاصل ہونے یا اطمینان عبادت کرنے کی نیت کا حکم دیا گیا۔ کھانے پینے چلنے پھرنے کا بھی یہ ہی حال ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** گالیاں بکنا حرام ہے کیونکہ اس میں جماع و محل جماع کے صاف صاف نام لئے جاتے ہیں۔ رب نے اس فعل کو کنایہ سے بیان کیا نہ کہ صاف صاف۔ **نواں فائدہ:** عزل (انزال باہر کرنا) بلاوجہ منع ہے کیونکہ جماع سے اولاد مقصود ہے اور اس سے اولاد رکتی ہے۔

پہلا اعتراض: خفیہ گناہ کی توبہ بھی خفیہ ہونی چاہئے گناہ کا اعلان بھی گناہ ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خفیہ خطا حضور پر کیوں ظاہر کی اور خطا کے بعد یہ گناہ کیوں کیا۔ (رافضی) **جواب:** بے خبر لوگوں سے اپنا گناہ ظاہر کرنا واقعی گناہ ہے۔ حضور علیہ السلام ہر ایک کی حالت سے باخبر ہیں ان پر اظہار عین ایمان ہے۔ نیز حضور کو اپنے گناہ کی خبر دینا ذریعہ مغفرت ہے۔ رب نے فرمایا **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک** خفیہ بیماری لوگوں سے چھپاؤ۔ مگر طبیب کو بتا کر علاج کراؤ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و دیگر صحابہ خیانت کرتے تھے اور خائن خلافت کے قابل نہیں لہذا ان کی خلافت باطل ہے نیز تمہارا یہ عقیدہ بھی باطل ہے کہ کوئی صحابی فاسق نہیں۔ اس آیت سے ان کی خیانت ثابت ہوئی جو کہ اول درجہ کا فسق ہے۔ (رافضی) **جواب:** ہم صحابہ کرام کو معصوم نہیں مانتے عادل مانتے ہیں یعنی وہ گناہ پر قائم نہیں رہتے بلکہ اگر غلطی ہو جائے تو توبہ کر کے رب سے معافی حاصل کر لیتے ہیں۔ یہاں بھی یہ ہی ہوا نیز یہاں خیانت سے انسانی امانت میں خیانت مراد نہیں۔ بلکہ فقط بے اختیاری گناہ مراد ہے کیونکہ انہوں نے کسی کا مال نہ مارا تھا۔ اپنی حلال بیبیوں سے جماع کیا تھا۔ اسی لئے فرمایا **انفسکم** اپنے نفسوں کی خیانت کی۔ کسی کا مال یا کسی کا باپ نہ مارا۔ نیز جب رب انہیں معافی کا پروانہ دے چکا تو تمہیں ان کے عیب نکالنے کا کیا حق ہے۔ رب تو معاف کرے اور تم شور مچاؤ۔ بلکہ اس آیت سے ان کی عظمت ثابت ہوتی ہے کیونکہ رب

www.alahazratnetwork.org

نے ان کے نفسوں کو اپنی ملک قرار دیا۔ اور فرمایا کہ اے عمر تمہارا نفس تو جنت کے عوض میں خرید چکا۔ اب تو نام تمہارا رہ گیا۔ چیز ہماری ہو گئی۔ تم نے مجھ سے بغیر پوچھے اپنے اختیار سے جماع بھی کیوں کر لیا۔ سبحان اللہ کوئی ایسا خوش نصیب بھی تو ہو۔ جس کے نفس کو رب اپنی ملک بتائے اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم** **تیسرا اعتراض:** بھلا یہ بھی کوئی روزہ ہے کہ دن بھر کچھ نہ کھاؤ اور رات کو مجامعت بھی کر لیا کرو اور جتنی دفعہ چاہو رات میں کھا پی لیا کرو یہ قانون تو قوانین صحت کے خلاف ہے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** دن میں نہ کھانے اور رات میں کھانے پینے کی اجازت میں بہت سی حکمتیں ہیں جو ہم پچھلی آیت میں بیان کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اسلام دین فطرت ہے اس نے سب کے لئے عام قانون بنائے ہیں۔ لہٰذا ایسی آسانیاں بھی رکھی ہیں۔ جس سے ہر ایک عمل کر سکے۔ ماہ رمضان عبادتوں کا مہینہ ہے۔ اگر نفس فارغ نہ ہو تو کوئی عبادت اطمینان سے نہیں ہو سکتی۔ کبھی غلبہ شہوت سے نہ نماز میں دل لگتا ہے نہ تلاوت میں۔ خیالات پراگندہ رہتے ہیں۔ جماع سے یکسوئی حاصل ہوتی ہے اور اطمینانی عبادتیں ادا ہوتی ہیں۔ اسی لئے اس کی اجازت دی گئی۔ اب ہر شخص روزہ رکھ سکتا ہے۔ اسلام آریہ دھرم کی طرح بے اصولا دین نہیں کہ مردوں کو برہم چاری بنا کر عورتوں سے الگ رکھیں۔ اور پھر عورتوں کو بارہ مردوں سے نیوگ (زنا) کی اجازت دیکر دنیا میں بدکاری پھیلائے۔ اس نے انسان کی حالت کا صحیح اندازہ فرما کر مناسب احکام دیئے۔ یہ حکم اصول صحت کے خلاف نہیں۔ جس کا دن رات تجربہ ہے۔ اکثر بھی پیٹ کی بیماروں کو اسلامی روزہ کا مشورہ دیتے تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تاب اور عفا دونوں کو جمع کیوں فرمایا اور توبہ و معافی میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** اس خطا میں شریعت کا حق تھا۔ جس کی وجہ سے اس روزے کی قضا یا کفارہ ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اس زمانہ میں رمضان کی رات صحبت کرنا ایسا تھا جیسا آج کل بحالت روزہ دن میں صحبت کرنا۔ اور اللہ کا حق بھی جس کا بدلہ آخرت میں ہونا چاہئے تھا۔ دونوں حقوں سے براءت کا ذکر فرمانے کیلئے توبہ اور معافی کا ذکر ہوا یعنی ہم نے تمہاری توبہ قبول کر لی لہٰذا تم پر اس روزے کی نہ تو قضا ہے نہ کفارہ اور تمہیں معافی دے دی۔ لہٰذا آخرت میں بھی تمہاری پکڑ نہیں اسی لئے کسی روایت میں یہ نہیں آیا کہ حضرت عمر سے اس روزے کی قضا کرائی گئی ہو۔

تفسیر صوفیانہ : حاضری بارگاہ کا زمانہ گویا ماہ رمضان ہے۔ نفس گویا بی بی ہے اور حقوق نفس کا ادا کرنا گویا مجامعت ہے۔ فرمایا گیا کہ زمانہ حضور میں غفلت کے وقتوں میں اپنے نفوس کے حصے ان کو دے سکتے ہو۔ کیونکہ اس کو روح کے ساتھ وہ تعلق ہے جو لباس کو جسم سے ہوتا ہے جیسے جسم کی حفاظت کیلئے کپڑے کا لحاظ رکھا جاتا ہے یونہی روحانی نگرانی کیلئے نفس کا بھی خیال رکھو۔ رب جانتا ہے کہ راہ طریقت طے کرنے کی حالت میں تم سے کبھی خطا بھی ہو جاتی ہے اس کی معافی دی گئی اور آئندہ کیلئے تمہیں اجازت ہے کہ بقا بعد فنا کی حالت میں کبھی دنیوی حقوق بھی ادا کرو مگر اس کو ذریعہ تقویٰ سمجھ کر اور یہ جان کر کہ معبود نے اپنے بندوں کے حقوق ادا کرنے کا حکم دیا اور یہ اس کی رضا کا ذریعہ ہے۔ (از ابن عربی) خلاصہ یہ کہ ترک دنیا کمال نہیں کمال یہ ہے کہ دنیا کو دین بنا لیا جائے۔ لہٰذا چاہئے کہ کبھی تو تارک الدنیا ہو کر ملائکہ مقربین کی طرح عبادت میں مشغول رہے۔ یہ ہے روزہ اور کبھی دنیا میں مشغول ہو کر ملائکہ مدبرین کی طرح دنیوی انتظام کرے۔ یہ ہیں روزے کی راتیں۔ اس صورت میں ہر وقت عابد ہی رہے گا۔

www.alahazratnetwork.org

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ

اور کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ ظاہر ہو جاوے واسطے تمہارے ڈورا سفید ڈورے کالے سے فجر

اور کھاؤ اور پیئو یہاں تک کہ تمہارے لئے ظاہر ہو جاوے سفیدی کا ڈورا سیاہی کے ڈورے سے

الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ وَلَا تُبَاشِرُوْ

سے پھر پورا کرو تم روزوں کو رات تک۔ اور نہ صحبت کرو ان عورتوں

پو پھٹ کر پھر رات آنے تک روزے پورے کرو۔ اور عورتوں کو ہاتھ نہ لگاؤ

هُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا

سے حالانکہ تم ٹھہرنے والے ہو بیچ مسجدوں کے یہ حدیں ہیں اللہ کی پس نہ قریب جاؤ

جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو۔ یہ اللہ کی حدیں ہیں ان کے پاس نہ جاؤ۔

تَقْرَبُوْهَا كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ان کے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ آیتیں اپنی واسطے لوگوں کے تاکہ وہ پرہیزگار ہوں۔

اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے لوگوں سے اپنی آیتیں کہ انہیں پرہیزگاری ملے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق: یہ جملہ پچھلی آیت ہی کا جز ہے۔ پہلے روزوں کی رات میں جماع کی اجازت دی گئی اور اب صبح تک کھانے پینے کی اجازت دی جا رہی ہے کیونکہ یہ چیزیں جماع سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلے جملے میں جماع کی اجازت کا ذکر تھا اب جماع وغیرہ کی انتہا کا ذکر ہے کہ صبح ہونے پر یہ سب کام بند کر دو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں روزوں کا ذکر ہوا اب اعتکاف کے احکام بیان ہو رہے ہیں کیونکہ اکثر اعتکاف روزہ کے ساتھ ہی ہوتا ہے اور اس کو روزہ سے بہت مشابہت بھی ہے کہ روزہ میں کھانے پینے سے پرہیز ہوتا ہے اور اعتکاف میں مسجد سے نکلنے سے۔

شان نزول : شروع اسلام میں روزہ کی راتوں میں سونے سے پہلے کھانے پینے کی اجازت تھی سونے یا عشاء کے بعد سب کچھ حرام ہو جاتا تھا۔ ایک صحابی تھے صرمہ ابن قیس یہ محنتی آدمی تھے کہ دن بھر محنت کرتے تھے۔ ایک دن روزہ کی حالت میں دن بھر کام کیا۔ شام کو گھر آئے۔ بیوی سے کھانا مانگا وہ پکانے میں مصروف ہوئیں۔ یہ لیٹ گئے۔ تھکے تو تھے ہی۔ آنکھ لگ گئی۔ جب بیوی نے کھانا تیار کر کے انہیں بیدار کیا تو انہوں نے کھانے سے انکار کر دیا۔ کیونکہ اب کھانا حرام ہو چکا تھا۔ اور اسی حالت میں دوسرا روزہ رکھ لیا۔ جس سے بہت کمزور ہو گئے اور دوپہر کو غشی آ گئی۔ ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن) عدی ابن حاتم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں سفید و کالے ڈورے سے دنیاوی دھاگے سمجھا میں نے دونوں قسم کے دھاگے اپنے تکیہ کے نیچے رکھے اور رات کو اٹھ اٹھ کر دیکھتا تھا کہ ان کا رنگ کب ظاہر ہو۔ مجھے تو کچھ بھی نظر نہ پڑا۔ صبح کے وقت بارگاہ

www.alahazratnetwork.org

نبوت میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا کہ تب تو تمہارا تکیہ بڑا فراخ ہے یعنی وہ ڈورے جو یہاں مراد ہیں تمہارے تکیہ کے نیچے نہیں آسکتے۔ اس سے تو دن کی سفیدی اور رات کی سیاہی مراد ہے تب لفظ من الفجر اترا۔ جس سے آیت کا مقصد ظاہر ہوا (کبیر) اس اجازت کے بعد صحابہ کرام اعتکاف کی حالت میں بھی عورتوں سے جماع کر لیتے تھے کہ رات کو مسجد سے گھر گئے اور جماع کیا غسل کر کے پھر مسجد میں آبیٹھے تب اعتکاف کے احکام نازل ہوئے جس میں فرمایا گیا کہ رات کی اجازت اس کیلئے ہے۔ جو معتکف نہ ہو (روح البیان) غرضیکہ اس آیت میں مختلف جملوں کے مختلف شان نزول ہیں۔

تفسیر سمجھنے سے پہلے یہ بات لحاظ میں رہے کہ پہلے رمضان میں صبح تک کھانے پینے کی اجازت دی گئی۔ پھر صحبت کی اجازت ہوئی مگر ترتیب میں پہلے صحبت کی اجازت کا ذکر ہے بعد میں صبح تک کھانے کی اجازت کا کیونکہ ترتیب آیات تو لوح محفوظ کی ترتیب کے موافق ہے۔ مگر نزول حسب حاجت ہوا۔ ترتیب تو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ جمع صحابہ نے کیا۔

تفسیر: **کلوا واشربوا** یہ حکم بھی جواز کے لئے ہے۔ اور روزہ داروں سے خطاب ہے یعنی رمضان کی راتوں میں کھاتے پیتے رہو۔ **حتی یتبین لکم** یہ کھانے پینے اور جماع تینوں ہی کی انتہا ہے **یتبین** بین سے بنا جس کے معنی ہیں ظاہر ہونا۔ باب تفعل میں آکر معنی ہوئے کہ خوب ظاہر ہو جائے یا تو اس طرح کہ تم خود دیکھ لو۔ یا اس طرح کہ علم اوقات (جنتری) سے معلوم کرو۔ فقط شبہ معتبر نہیں **الخیط الابیض من الخیط الاسود** خیط دھاگے کو کہتے ہیں اسی لئے سوئی کو خیاط اور درزی کو خیاط کہا جاتا ہے کہ انہیں ڈورے سے تعلق ہے چونکہ سب سے پہلے صبح کی سفیدی مشرق میں ڈورے کی طرح باریک سی نمودار ہوتی ہے۔ جس کے ساتھ رات کی سیاہی بھی باریک ڈورے کی طرح بن جاتی ہے۔ اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ کالے اور سفید دو ڈورے ملے ہوئے ہیں لہذا اس حالت کو سفید اور کالے ڈوروں سے بیان کیا تاکہ معلوم ہو کہ روزہ پو پھٹتے ہی شروع ہو جاتا ہے چونکہ صبح کاذب میں بھی کالے اور سفید دو لمبے ڈورے پڑتے ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا **من الفجر** جس سے معلوم ہوا کہ "شرقاً غرباً" لمبے ڈورے مراد نہیں کیونکہ اس وقت رات ہی ہوتی ہے بلکہ جنوباً شمالاً ڈورے مراد ہیں۔ جس سے وقت فجر ہو جاتا ہے۔ فجر کے لغوی معنی ہیں جاری ہونا' ظاہر ہونا اور پھیلنا اور چرنا' علانیہ گنہگار کو فاجر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا فسق ظاہر ہے چونکہ صبح کے وقت نور پھیل جاتا ہے اور رات کی ظلمت اس سے چر جاتی ہے۔ اس لئے اسے فجر کہا جاتا ہے من بیانیہ ہے اور یہ سفید اور کالے دونوں ہی ڈوروں کا بیان ہے۔ (کبیر و روح) یہاں تک سحری کی انتہاء اور روزہ کی ابتداء بیان ہوئی۔ اب روزہ کی انتہا کا بیان ہے کہ **ثم اتموا الصیام الی اللیل** چونکہ فجر اور مغرب میں پورے دن کا دراز فاصلہ ہے۔ اس لئے ثم فرمایا گیا۔ اتمام سے روزہ کی پابندیوں کا پورا کرنا مراد ہے الی انتہا کا ہے اور لیل سے مراد مطلق رات ہے یعنی روزہ شروع کر کے پھر تم سارا دن کھانے پینے اور جماع سے باز رہو۔ رات تک کہ رات کے آتے ہی روزہ ختم کر دو کہ نہ تو رات میں روزہ رکھو نہ شفق غائب ہونے اور سیاہی پھیلنے کا انتظار کرو اور نہ روزہ وصال (روزہ پر روزہ) رکھو یہ امر وجوبی ہے کیونکہ جیسے صبح سے روزہ شروع کر دینا فرض ہے۔ ایسے ہی رات آنے پر افطار کرنا فرض۔ خیال رہے کہ چند صورتوں میں کھانا پینا فرض شرعی ہے۔ ایک' جب کہ بھوک و پیاس سے جان نکلنے کا خطرہ ہو کیونکہ جان رکھنا فرض ہے۔ دوسرے' روزہ افطار کے وقت کہ وصال کا روزہ حرام ہے۔ تیسرے' جس کسی کو سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کھانے پینے کا حکم دیں اور حکم بھی شرعی ہو' محض مشورہ نہ ہو۔ باقی عام حالات میں کھانا پینا سنت یا مباح

www.alahazratnetwork.org

ہے روزہ میں نماز میں حرام۔ لہٰذا مرن برت رکھ کر جان دے دینا یا بھوک ہڑتال کرنا سخت منع ہے کہ حکم کلوا کے خلاف ہے۔ یہاں تک روزہ کی ابتداء' انتہاء اور اس کی پابندیاں بیان ہوئیں۔ چونکہ بعض لوگوں کو گمان تھا کہ اعتکاف بھی روزے ہی کی طرح ہے لہٰذا اس میں بھی دن بھر جماع حرام اور رات کو جائز۔ یہ وہم دور کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ **ولا تباشروھن** اس کے لفظی معنی ہم پہلے بتا چکے۔ یہاں جماع مراد ہے نہ کہ فقط چھونا۔ یعنی ان عورتوں سے جماع نہ کرو۔ جب کہ **وانتم عکفون فی المسجد** عاکفون' عکف سے بنا۔ جس کے معنی ہیں ٹھہرنا اور پکڑنا۔ مقیم کو بھی عاکف کہا جاتا ہے **یعکفون علی اصنام لھم** شریعت میں بہ نیت عبادت مسجد میں ٹھہرنے کا نام اعتکاف ہے۔ مساجد مسجد کی جمع ہے۔ مسجد بفتح جیم سجدہ گاہ کو کہتے ہیں۔ مسجد بکسر جیم نماز کی جگہ یا مکان۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ مردوں کے لئے وہ مسجدیں مراد ہیں جن میں پنجگانہ نماز ہوتی ہے عورتوں کے حق میں وہ جگہ مراد ہے جسے وہ اپنے گھر میں نماز کیلئے خاص کر لیں وہ وہاں ہی اعتکاف بھی کر سکتی ہیں۔ اگرچہ یہاں مردوں سے خطاب ہے لیکن عورتیں بھی اس میں داخل ہیں۔ لہٰذا شوہر اور بیوی میں سے کوئی بھی اعتکاف میں ہو تو جماع حرام ہو گا۔ **تلک حدود اللہ** اس میں روزہ اور اعتکاف کے سارے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔ حدود' حد کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں انتہا یا آڑ اور روکنا۔ محروم کو محدود کہتے ہیں کہ وہ رزق سے رکا ہوا ہے۔ دربان کو حداد کہا جاتا ہے کہ وہ غیروں کو اندر جانے سے روکتا ہے۔ لوہے کو حدید۔ چھری کی دھار کو حد۔ تیز نظر کو حدید کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں بھی منع اور روک ہے۔ منطقی لوگ جامع اور مانع تعریف کو حد کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی غیر کو داخل نہیں ہونے دیتی۔ (کبیر) یہاں آڑ کے معنی میں ہے یعنی یہ احکام اللہ کی مقرر کی ہوئی حدود اور آڑیں ہیں۔ جس پر حق و باطل کی انتہا ہے اور ان کی مخالفت اور ان سے آگے بڑھنا منع۔ **فلا تقربوھا** تمہیں چاہئے کہ ان کے قریب بھی نہ آؤ۔ شبہ کی جگہ سے دور رہو۔ تاکہ اس میں پھنس نہ جاؤ **کذلک یبین اللہ ایتہ للناس** ذلک سے گزشتہ بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور آیات سے مراد یا تو قرآنی آیتیں ہیں یا شرعی احکام یا دلائل قدرت۔ یعنی جیسے کہ ہم نے روزہ اور اعتکاف کے احکام نہایت صاف و واضح بیان فرمائے ایسے ہی اور احکام بھی بیان کرتے ہیں یا کریں گے **لعلھم یتقون** تاکہ مسلمان بے تکلف تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کریں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو جیسے کہ تمہیں روزہ کی راتوں میں جماع کی اجازت ہے ایسے ہی تمہیں یہ بھی اختیار دیا جاتا ہے کہ رات میں کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ صبح کا سفید ڈورا رات کے کالے ڈورے سے ظاہر ہو جائے یعنی پو پھٹ کر صبح صادق نمودار ہو جائے پھر اس وقت سے شروع کر کے رات آنے تک روزے پورے کرو اور یہ بھی خیال رکھو کہ اعتکاف میں کس قدر پابندی ہے وہ یہ کہ جب تم مسجدوں میں اعتکاف سے ہو تو کسی وقت بھی بیبیوں سے جماع نہ کرو نہ دن میں نہ رات میں کیونکہ روزہ تو شام کو ختم ہو جاتا ہے۔ مگر اعتکاف کسی وقت ختم نہیں ہوتا۔ یہ جو کچھ احکام بیان ہوئے یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان کو توڑنا تو کیا معنی ان کے قریب بھی نہ جاؤ اور حرام سے بچنے کے لئے شبہ کی چیزوں سے بھی بچو۔ جیسے کہ ہم نے روزہ اور اعتکاف کے احکام صاف صاف بیان فرما دیئے۔ ایسے ہی سارے ہی احکام واضح کر کے بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ آسانی سے عمل کر کے تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل کریں۔ خیال رہے کہ چند وجوہ سے اعتکاف روزے سے مناسبت رکھتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے روزے کے ساتھ اعتکاف کا ذکر فرمایا۔ ایک یہ کہ اعتکاف کے لئے روزہ ایسا لازمی ہے جیسے نماز کیلئے رو بہ قبلہ

www.alahazratnetwork.org

ہوتا۔ دوسرے یہ کہ روزے کی طرح اعتکاف میں بھی عشق کا غلبہ ہے۔ اسی لئے عقل اس کے سمجھنے سے قاصر ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ مسجد میں بیٹھ جانا عبادت کیوں بن گیا۔ تیسرے یہ کہ جیسے روزے میں حلال روزیوں کو حرام فرمادیا گیا ہے ایسے ہی اعتکاف میں بھی حلال چیزوں پر پابندی لگادی گئی ہے۔ چوتھے یہ کہ جیسے روزہ روزہ دار پر لازم ہو جاتا ہے کہ سوتے جاگتے چلتے پھرتے روزہ منہ میں رہتا ہے اور روزہ دار ہر حال میں عابد رہتا ہے۔ ایسے ہی اعتکاف معتکف کو لازم ہو جاتا ہے کہ سوتے جاگتے کھاتے پیتے معتکف عبادت میں رہتا ہے۔ بہرحال اعتکاف روزے سے بہت ہی مناسبت رکھتا ہے۔ ان وجوہ سے اس کے احکام روزے کے احکام کے ساتھ ذکر ہوئے۔

اعتکاف کے فضائل و مسائل

اعتکاف بہت پرانی عبادت ہے گزشتہ پیغمبروں کے دین میں بھی جاری تھی۔ رب تعالیٰ نے سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل کو حکم دیا تھا کہ **ان طهرا بيتى للطائفين والعكفين** میرے گھر یعنی کعبہ معظمہ کو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں کے لئے پاک و صاف رکھو معلوم ہوا کہ دین ابراہیمی میں اعتکاف تھا۔ اس کے بے شمار فضائل ہیں ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (1) بعض دینوں میں ترک دنیا بہترین عبادت ہے۔ اسلام نے اس طرح ترک دنیا کرایا جس سے دنیوی کاروبار بھی بند نہ ہوں اور لوگ تارک الدنیا بھی ہو جائیں یعنی ماہ رمضان میں کچھ دن گھربار چھوڑ کر بال بچوں سے منہ موڑ کر خانہ خدا میں آ بیٹھیں اور جلوت سے نکل کر خلوت کے مزے لیں۔ یہ ترک دنیا جوگی اور سادھو بننے سے بدرجہا بہتر ہے۔ (2) معتکف اس بھکاری کی طرح ہے جو غنی کے دروازہ پر اڑ کر بیٹھ جائے اور کہے کہ میں تو لے کر ہی جاؤں گا۔ ایسے ہی یہ بھی اللہ کے دروازے پر اڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ بغیر لئے نہیں ہٹنا۔ دروازے والے کو اپنے دروازہ کی لاج ہوتی ہے مسجد والے کو اپنے دروازے کا لحاظ ہے وہ ضرور دیکر ہی بھیجے گا۔ مگر اخلاص شرط ہے۔ (3) اعتکاف میں دل ماسوا اللہ سے خالی ہو کر اللہ ہی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ (4) اعتکاف میں لوگوں سے علیحدگی اور رب سے قرب ہوتا ہے۔ جس سے کہ یہ تو لوگوں سے اور لوگ اس سے محفوظ رہتے ہیں۔ (5) اعتکاف میں نفس کی آگ بجھ جاتی ہے۔ (7) اعتکاف میں رب سے انس، اس پر توکل تھوڑے رزق پر رضا ہوتی ہے۔ (8) اعتکاف میں انسان تمام گناہوں سے محفوظ رہتا ہے کیونکہ لوگوں سے میل جول کی حالت میں جھوٹ، غیبت وغیرہ بہت سے گناہ ہوتے رہتے ہیں۔ معتکف کو صرف نمازیوں سے ہی ملاقات کا موقعہ ملتا ہے۔ (9) اعتکاف سے انسان رب کی رحمت خاص کے قابل ہو جاتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے چالیس دن کا اعتکاف کرا کر انہیں توریت دی گئی۔ ہمارے حضور علیہ السلام نے بھی غار حرا میں چھ ماہ کا اعتکاف فرمایا تب آپ کو نبوت اور قرآن کریم عطا ہوئے اگرچہ وہ موجودہ اعتکاف سے کچھ مختلف تھے مگر ان میں دنیا سے علیحدگی تو تھی۔ (10) صوفیائے کرام بھی خاص اعمال کے لئے چلے کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک قسم کا اعتکاف ہے جس سے انہیں صفائی قلب ہوتی ہے۔ (11) اعتکاف میں انسان کو غور و فکر کا موقعہ ملتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ایک سال کے ذکر سے افضل ہے انسان اس زمانہ میں اپنے گناہوں اور رب کی رحمتوں کو یاد کر کے توبہ استغفار بھی کر لیتا ہے اور اعتکاف ہی میں آئندہ زندگی کے لئے پروگرام بنا سکتا ہے کہ اگلی زندگی اس طرح گزارنی چاہیے۔

www.alahazratnetwork.org

مسائل : بیسویں رمضان کی عصر سے عید کے چاند دیکھنے تک اعتکاف کرنا سنت موکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر بستی میں کسی نے نہ کیا تو سب سنت چھوڑنے کے گنہ گار ہوئے اور اگر ایک نے بھی کرلیا تو سب بری ہو گئے چاہئے یہ کہ بیسویں رمضان کی عصر پڑھنے جب مسجد میں آئے تو عید کا چاند دیکھ کر وہاں سے نکلے۔ **مسئلہ:** معتکف ضروریات انسانی (پیشاب پاخانہ، غسل وضو وغیرہ) کے سوا کسی کام کے لئے بھی مسجد سے باہر نہیں نکل سکتا۔ **مسئلہ:** مسجد سے مراد داخل مسجد ہے۔ جہاں نماز پڑھی جاتی ہے۔ غسلخانے وضو کی جگہ وغیرہ اس سے خارج ہیں۔ بلا ضرورت معتکف یہاں بھی نہ آئے۔ **مسئلہ:** معتکف کو مسجد میں کھانا پینا سونا دنیوی جائز کلام سب جائز ہے۔ **مسئلہ:** اعتکاف میں عورتوں سے جماع ان سے بوس و کنار سب حرام ہے۔ **مسئلہ:** مرد اس مسجد میں اعتکاف کرے جہاں پنجگانہ نماز ہوتی ہو یعنی وہاں امام و مؤذن مقرر ہوں اور عورت مسجد بیت (گھر کی مسجد) میں اعتکاف کرے یعنی گھر کی وہ جگہ جو نماز کے لئے خاص کرلی جائے۔

اعتکاف کی مدت : یہ تو آپ معلوم کرچکے کہ اعتکاف سنت کی مدت نو یا دس دن ہیں۔ اس میں روزہ بھی شرط ہے اعتکاف فرض نذر کا اعتکاف ہے اس کی مدت کم از کم ایک دن اور رات ہے۔ اس میں بھی روزہ شرط ہے۔ مگر اعتکاف نفل جسے حکمی اعتکاف کہتے ہیں۔ اس کے لئے نہ کوئی مدت مقرر ہے نہ روزہ شرط انسان جب بھی مسجد میں آئے تو داہنے پاؤں سے اس میں داخل ہو اور یہ کہہ لے کہ میں نے اعتکاف کی نیت کی اس سے چار فائدے حاصل ہوں گے۔ ایک تو جب تک مسجد میں رہے گا اعتکاف کا ثواب پائے گا۔ دوسرے مسجد میں کھانا پینا بھی جائز ہو جائے گا۔ تیسرے مسجد میں سو بھی سکے گا۔ چوتھے مسجد میں دنیوی جائز بات بھی کرسکے گا (بہار شریعت و شامی وغیرہ)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** روزہ کا وقت شرعی دن ہے نہ کہ عرفی یعنی صبح صادق سے شروع ہو کر آفتاب ڈوبتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہاں من النھار الی اللیل نہ فرمایا بلکہ ختم کیلئے الی اللیل ارشاد ہوا اور شروع کیلئے اتنی بڑی عبارت۔ **دوسرا فائدہ:** کھانے پینے اور جماع کا ایک ہی حکم ہے کہ ہر ایک سے کفارہ واجب ہو گا کیونکہ یہاں ان تینوں کو ایک ساتھ ہی رکھا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** نفلی روزہ بھی شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے کیونکہ **اتمو الصیام** میں ہر روزہ داخل ہے اور اس کا پورا کرنا فرض **چوتھا فائدہ:** علماء نے اس آیت سے ثابت کیا ہے کہ روزے کی نیت ضحوائے کبریٰ یعنی نہار شرعی کے نصف (دوپہر) تک جائز ہے۔ **پانچواں فائدہ:** روزہ وصال یعنی روزہ پر روزہ رکھنا منع ہے۔ کیونکہ رات میں افطار واجب۔ **چھٹا فائدہ:** حضور علیہ السلام پر یہ حکم جاری نہیں کیونکہ آپ ایسے روزے رکھتے تھے چنانچہ آپ نے اولاً "سات دن کا۔ پھر پانچ دن کا اور پھر تین دن کا روزہ رکھا ہے۔ جب صحابہ کرام نے بھی ایسا روزہ رکھنا چاہا تو انہیں منع فرمادیا اور فرمایا تم میں ہم جیسا کون ہے ہمیں تو رب کھلاتا پلاتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** مرد کا اعتکاف مسجد ہی میں ہو گا جیسا کہ **فی المسجد** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** اعتکاف میں بیوی سے جماع اور جماع کے کام یعنی بوس و کنار وغیرہ حرام ہیں۔ باقی بغیر شہوت چھونا جائز۔ یہاں مباشرت سے جماع ہی مراد ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور علیہ السلام کے سر مبارک میں بحالت اعتکاف کنگھی کرتی تھیں۔ **دسواں فائدہ:** اگر کسی کو سحری میں صبح کا شبہ ہو جائے اور وہ کھائے تب بھی روزہ ہو جائے گا کیونکہ کھانا بند کرنے کے لئے صبح کا یقین ضروری ہے جیسا کہ یتبین سے معلوم ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ روزہ رات میں افطار کیا جائے تو جس جگہ کئی کئی ماہ کا دن ہوتا ہے وہاں روزہ کی کیا صورت ہے۔ **جواب**: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ایسی جگہ آبادی ہی نہیں کیونکہ وہاں سخت سردی ہے۔ دوسرا جواب اگر وہاں آبادی بھی ہو تو وہاں کے باشندے ماہ رمضان پائینگے ہی نہیں لہذا ان پر روزہ واجب ہی نہیں جیسے کہ بہت سے علمائے کرام نے فتویٰ دیا کہ جس زمانہ میں بلغاریہ لندن میں عشاء کا وقت آتا ہی نہ ہو یعنی شفق غائب ہی نہ ہوتا ہو ان پر نماز عشاء واجب نہیں کیونکہ انہوں نے وقت ہی نہیں پایا۔ یا جیسے کہ جس شخص کے ہاتھ و پاؤں نہ ہوں اس پر وضو کے فرض فقط دو ہیں منہ دھونا اور سر کا مسح کیونکہ اس کے پاس باقی فرضوں کا محل ہی نہیں۔ (شامی کتاب الصلوۃ) رب فرماتا ہے **فمن شهد منكم الشهر فليصمه** جو رمضان پائے وہ روزہ رکھے۔ انہوں نے رمضان پایا ہی نہیں۔ تیسرا جواب ایسے لوگوں پر روزہ کا فدیہ واجب ہے اور ان پر یہ آیت صادق ہے۔ **وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين** یہ جواب اعلیٰ حضرت نے دیا اور یہ ہی قوی ہے۔ **دوسرا اعتراض**: جب ماہ رمضان روزہ کا سبب ہے اور وہ انہیں نہ ملا تو ان پر فدیہ کیوں واجب ہو۔ فدیہ تو روزہ کا عوض ہے۔ **جواب**: حدیث شریف میں ہے کہ دجال کے ظہور کا پہلا دن ایک سال کا ہوگا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے لئے اس دن حکمی وقت معتبر ہے اور چونکہ وہ دن ایک سال کا ہے لہذا روزے بھی ضرور رکھے جائیں گے کیونکہ روزہ بھی نماز کی طرح فرض ہے۔ اگرچہ حدیث میں اس کا ذکر نہیں۔ اس کی بحث شامی کتاب الصلوۃ باب الاوقات میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض**: اسلام میں ایک فرقہ تھا جس کا عقیدہ یہ تھا کہ جیسے دن غروب آفتاب سے جاتا ہے۔ ایسے ہی طلوع آفتاب سے آتا ہے۔ لہذا سورج نکلنے تک کھانا پینا جائز۔ مگر یہ فرقہ مٹ گیا۔ رافضی اب بھی کہتے ہیں کہ جیسے آفتاب کے آثار نمودار ہونے یعنی پو پھٹنے سے دن آتا ہے۔ ایسے ہی آفتاب کے آثار جانے یعنی شفق غائب ہونے سے جاتا ہے لہذا اسی وقت روزہ افطار کرنا چاہئے۔ نہ کہ سورج ڈوبے اس کا کیا جواب ہے دن کے آنے اور جانے میں اتنا فرق کیوں ہے۔ **جواب**: ان دونوں فرقوں کا قیاس عقل کے بھی خلاف ہے اور نقل کے بھی۔ عرف میں فجر دن میں اور مغرب رات میں شمار کیا جاتا ہے احادیث میں بھی اس کی بہت تصریح ہے۔ قرآن کریم نے بھی یہاں یہ ہی بتایا کہ ختم سحری کے لئے دراز عبارت ارشاد فرمائی اور سفید اور کالے ڈورے کا ذکر کیا اور افطار کے لئے فقط **الى الليل** فرمادیا۔ اگر دونوں کا حال یکساں ہوتا تو قرآنی عبارت بھی دونوں جگہ یکساں ہی ہوتی۔ لہذا ان کا یہ قیاس باطل ہے۔ **چوتھا اعتراض**: چاہئے کہ رات بھی روزہ میں داخل ہو۔ جیسے کہ کہنی ہاتھ دھونے میں داخل ہے اس کے لئے ارشاد ہوا **الى المرافق** یہاں فرمایا گیا **الى الليل** ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ **جواب**: ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ کہنی ہاتھ کی جنس ہے لہذا ہاتھ کے حکم میں داخل۔ اور رات روزہ کی جنس نہیں لہذا اس حکم سے خارج اور اگر رات داخل بھی ہوتی تو چاہئے تھا کہ صبح کے قوت روزہ افطار اجاتا نہ کہ عشاء میں تاکہ پوری رات اس میں آجائے۔

تفسیر صوفیانہ : اے راہ محبت طے کرنے والو! تم اس وادی کو طے کرتے ہوئے نفس کے حقوق بھی ادا کئے جاؤ اور کھاتے پیتے جاؤ۔ یہاں تک کہ شب فراق کی ظلمت ختم ہو اور صبح وصال طلوع ہو اور مشرق حضور سے شعاع نور کا ظہور ہو اس وقت تم دنیوی سارے کام ترک کر کے راغب الی اللہ ہو جاؤ۔ پھر جب اس میں فتور واقع ہو اور بھی غفلت کی رات آجائے تو پھر نفس کے حقوق ادا کرلو۔ اپنی زندگی یوں ہی گزار دو کہ بوقت ظہور ترک کردینا اور بوقت غفلت ادائے حقوق تاکہ تمہارا دین بھی قائم رہے اور دنیا بھی یہ بھی خیال رکھنا کہ جب تم مساجد قلب میں اعتکاف سے ہو تو اس وقت نفوس سے تعلق بالکل ترک کردو

www.alahazratnetwork.org

ورنہ تمہارا وقت عزیز ضائع ہوگا اور قلبی انہماک ٹوٹ جائے گا ہم نے سارے احکام کھول کر بیان کردیئے تاکہ تمہیں ہم تک پہنچنے میں آسانی ہو اور تم کو پہلے تو شرک سے پھر گناہوں سے اور پھر شہوات سے امن ملے پھر فضول باتوں کو بھی چھوڑ کر حقیقی متقی بن جاؤ۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

چو پاک آفریدت بہش باش و پاک — کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک
مبر وزیر بار گناہ اے پسر! — کہ حمال عاجز بود در سفر!
مکن عمر ضائع بافسوس و حیف — کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

یعنی جب رب کے ہاں سے پاک آئے ہو تو پاک ہی جاؤ۔ پاک خاک میں اپنا جسم ناپاک کرکے نہ لے جاؤ۔ اور جہاں تک ہو سکے گناہوں کا بوجھ زیادہ نہ بڑھاؤ۔ کیونکہ مسافر کے ساتھ جتنا سامان اتنی ہی مصیبت (از ابن عربی و روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان اپنی حد میں رہے تو انسان ہے اگر حد سے بڑھے تو جانور بلکہ شیطان ہے۔ دریا کا پانی اپنی حد میں ہے تو آب رواں ہے حد سے آگے بڑھے تو طغیان ہے۔ سلطنت کی بھی حدیں ہوتی ہیں اور کھیتوں باغوں کی بھی۔ مکانات کی بھی جو کوئی اپنی حد سے نکل کر دوسرے کی حد میں دخل دے وہ مجرم ہے ایسے ہی مسلمان کیلئے بھی اللہ نے حدود مقرر کی ہیں روحانی 'نفسانی' شیطانی حدود جدا جدا ہیں ہماری آنکھ 'کان' ہاتھ 'پاؤں کی حدیں مقرر ہیں۔ سچ بولتے رہے ایمانی حد میں رہے۔ جھوٹ بولا تو نفسانی حد میں داخل ہو گئے۔ کفر بکا تو شیطانی حد میں چلے گئے۔ قرآن و کعبہ و مدینہ منورہ کو دیکھو تو رحمانی حد میں رہے لیکن اگر اسی آنکھ سے حرام چیزیں دیکھیں تو نفسانی یا شیطانی حد میں پہنچ گئے۔ اسی لئے ارشاد ہوا **تلک حدود اللہ** جو جانور مالک کے مقرر کردہ باڑے کی حدود میں رہتا ہے وہ شیر بھیڑیئے سے بچا رہتا ہے جو اس کی حد کو توڑتا ہے وہ ان کا شکار ہو جاتا ہے دنیا میں شیطان نفس امارہ شکاری جانور ہیں۔ اسلام اللہ تعالیٰ کا باڑہ اسلامی احکام اسی باڑے کی حدود ہیں۔ جو ان حدود میں ہے۔ شیطان سے محفوظ ہے۔ جس نے انہیں توڑا وہ کسی چیز کا شکار ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اپنی حدود میں رہنے کی توفیق بخشے۔

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا

اور نہ کھاؤ مال اپنے درمیان اپنے ساتھ ناحق کے اور نہ لے جاؤ اُن کو طرف حاکموں کی تاکہ

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ اور نہ حاکموں کے پاس اُن کا مقدمہ اس لئے

فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

کھاؤ تم کچھ حصہ مالوں سے لوگوں کے ساتھ گناہ کے حالانکہ تم جانتے ہو

پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھا لو جان بوجھ کر ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں روزہ کا ذکر تھا جس میں مطلقاً کھانے پینے کی ممانعت تھی اب ناجائز طور پر کھانے پینے کی ممانعت کی جا رہی ہے یعنی پہلے جائز مال کا ناجائز طور پر کھانا حرام کیا گیا تھا اب ناجائز مال کا کھانا حرام فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں رمضان کی راتوں میں کھانے پینے کی اجازت دی

www.alahazratnetwork.org

گئی اور افطار کا بھی حکم فرمایا گیا اب یہ بتایا جارہا ہے کہ اس اجازت کے یہ معنی نہیں کہ تم ہر قسم کا جائز و ناجائز مال کھالو۔ بلکہ سوچ سمجھ کر حلال مال کھانا۔ تاکہ تمہاری عبادتوں میں نور پیدا ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم اعتکاف کی حالت میں اپنی حلال خواہشیں (شہوتیں) بھی پوری نہ کرو۔ اب بتایا جارہا ہے کہ حرام خواہشیں کبھی پوری نہ کرو اس کا اعتکاف ہمیشہ باقی اور اس کا روزہ ہمیشہ موجود۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کی مقرر کردہ حدوں کے قریب بھی نہ جاؤ اس میں حدود کا اجمالی ذکر تھا اب ان حدود کی کچھ تخصیص ارشاد ہو رہی ہے چونکہ کھانا پینا بڑا اہم کام ہے کہ اس کے درست ہو جانے سے عبادات' معاملات' دعائیں وغیرہ درست ہو جاتی ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے کھانے پینے کی شرعی حدود کا خصوصیت سے اس آیت میں ذکر فرمایا۔

شان نزول : عبدان حضرمی اور امراء القیس کندی میں کچھ زمین کے متعلق جھگڑا تھا ان دونوں نے یہ مقدمہ حضور علیہ السلام کی بارگاہ میں پیش کیا جس میں عبدان تو مدعی تھے اور امراء القیس مدعی علیہ عبدان کے پاس کوئی گواہ نہ تھا امراء القیس کو قسم کا حکم ہوا۔ انہوں نے قسم کھانے کی تیاری کی۔ حضور علیہ السلام نے وہ آیت کریمہ پڑھی کہ **ان الذین یشترون بعھد اللہ** جس پر امراء القیس قسم سے باز رہے اور وہ دونوں مدعی اور مدعی علیہ رونے لگے۔ جن میں سے ہر ایک یہ کہتا تھا کہ یہ زمین میری نہیں میرے اس بھائی کی ہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ حضور علیہ السلام نے ان کو جنت کی خوش خبری دی۔ (احمدی و روح البیان)

تفسیر : **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** اگرچہ **تاکلوا** اکل سے بنا جس کے معنی ہیں کھانا مگر یہاں کھانا پینا پہننا وغیرہ ہر قسم کے استعمال کی ممانعت مقصود ہے۔ اسی لئے اموال کو جمع فرمایا گیا۔ اور اموا لکم سے یا تو خود اپنے ذاتی مال مراد ہیں یا ایک دوسرے کے مال مگر بینکم سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ایک دوسرے کے مال مراد ہیں۔ باطل بطل سے بنا جس کے معنی ہیں جاتا رہنا اور مٹ جانا۔ اس کی جمع بواطل اور البطولہ کی جمع اباطیل ہے (کبیر) شریعت میں ہر ناجائز اور غلط چیز کو باطل کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مٹنے والی ہے یہاں اس سے خرچ اور آمدنی کے تمام ناجائز طریقے مراد ہیں شراب خوری' حرام کاری' فضول خرچی یہ سب باطل خرچ ہیں اور رشوت' غصب' لوٹ' چوری' جھوٹی قسمیں' جوا' کہانت' خیانت وغیرہ ناجائز پیشے یہ سب باطل آمدنیاں ہیں یعنی نہ تو تم اپنے مال غلط طرح خرچ کرو اور نہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرکے استعمال کرو۔ **وتدلوا بھا الی الحکام** یہ **لاتاکلوا** پر معطوف ہے اور لا کے تحت میں ہے اور تدلوا ادلاء سے بنا جس کا مادہ ہے دلو۔ اس کے معنی ہیں لٹکانا۔ ڈول کو دلو اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کنوئیں میں لٹکایا اور چھوڑا جاتا ہے۔ قال ولوہ' نسبی رشتہ کو بھی اسی لئے ادلاء بولتے ہیں کہ جیسے ڈول سے پانی حاصل کرتے ہیں۔ ایسے ہی اس سے میراث پاتے ہیں۔ یہاں مراد مقدمہ لے جانا ہے۔ کیونکہ اس کے ذریعہ مال حاصل کیا جاتا ہے۔ اسی لئے حکام کے نذرانہ کو رشوت کہا جاتا ہے کہ وہ رشاء سے بنا۔ جس کے معنی ہیں رسی۔ جیسے بذریعہ رسی بھرا ہوا ڈول کھنچتا ہے۔ ایسے ہی بذریعہ رشوت مال حاصل ہوتا ہے۔ (کبیر) **بھا** کا مرجع اموال ہے اور مراد مالی مقدمات۔ حکام جمع حاکم کی اور اس سے یا تو شرعی قاضی مراد ہیں اور یا ظالم حکام (احمدی) یعنی مال کے غلط مقدمات حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔ **لتاکلوا فریقا من اموال الناس** یہ تدلوا کے متعلق ہے یہاں بھی اکل یعنی کھانے سے مراد لفظ

www.alahazratnetwork.org

یعنی لینا ہے کیونکہ کھانا اصل مقصود ہے۔ فریق کی لغوی تحقیق ہم پہلے کر چکے۔ اس سے مراد یہاں کچھ حصہ ہے۔ کیونکہ مقدمات میں مقابل کا سارا مال نہیں لیا جاتا بلکہ بقدر دعوٰی پر ہی قبضہ کیا جاتا ہے۔ اسی لئے آگے' من اموال الناس فرمایا گیا یا تو من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ بالاثم تاکلوا کے متعلق ہے اور اس سے جھوٹی گواہی جھوٹی قسم جھوٹے مقدمہ کی پیروی غرضیکہ ہر ناجائز بات مراد ہے یعنی حکام کے پاس مال کے جھوٹے مقدمے اس لئے نہ لے جاؤ کہ حکام کو رشوتیں وغیرہ دیکر لوگوں کا کچھ مال کھا جاؤ۔ وانتم تعلمون یہ تدلوا کے فاعل سے حال ہے اور تعلمون کا مفعول پوشیدہ۔ یعنی تم اپنا جھوٹا ہونا اور مقدمہ کا غلط ہونا جانتے ہوئے ایسے معاملات حکام کے پاس نہ لے جاؤ۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! تم آپس میں ایک دوسرے کے مالوں پر ناجائز قبضہ نہ کرو اور انہیں غلط طریقہ سے استعمال میں نہ لاؤ اور اپنے ظلم پر مدد لینے کے لئے جھوٹے مقدمات حاکموں کے پاس اس نیت سے نہ لے جاؤ کہ انہیں کچھ دے دلا کر یا جھوٹی گواہی قائم کر کے یا غلط ثبوت پہنچا کر اور حکام کو فریب دیکر ان سے غلط فیصلے لے کر لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھا جاؤ۔ حالانکہ تم یہ جانتے بھی ہو کہ ہم اس مقدمہ میں جھوٹے ہیں۔

حرام وحلال کی پہچان

تفسیر کبیر نے بحوالہ احیاء العلوم حرام وحلال پہچاننے کا نہایت عمدہ قاعدہ بیان کیا۔ وہ یہ کہ مال یا تو خود بخود ہی حرام ہو گیا یا خود تو حلال مگر غلط کمائی کی وجہ سے اس کا استعمال حرام ہو گیا جو خود حرام ہے اسے حرام بعینہ کہتے ہیں۔ اس کی تحقیق یہ ہے کہ مال تین قسم کے ہیں۔ (1) معدنیات (ہیرے' موتی' پتھر وغیرہ)۔ (2) نباتات (ترکاریاں سبزیاں اور جڑی بوٹیاں)۔ (3) حیوانات (جانور) معدنیات میں سے جو صحت کو نقصان دیں وہ حرام باقی سب حلال لہذا موتی اور دیگر جواہرات جو مضر نہ ہوں وہ حلال ہیں۔ اگر سنکھیا بھی کسی خاص طریقہ سے کھائی جائے جس سے نقصان نہ ہو تو حلال 'سکھڑی' گیرو' چونہ وغیرہ دواؤں اور پان وغیرہ میں کھائے جاتے ہیں اور نقصان دہ چیزیں حرام 'مٹی' پتھر' راکھ وغیرہ حرام ہیں کیونکہ یہ بیمار کر دیتی ہے۔ نباتات میں سے مہلک اور مضر صحت اور نشہ پیدا کرنے والی چیزیں حرام باقی سب حلال بھنگ' چرس' افیون نشہ دیتی ہے لہذا حرام ہیں۔ یوں ہی قاتل جڑی بوٹیاں حرام اس کے سوا باقی ہر ایک ترکاری گھاس وغیرہ سب حلال۔ حیوانات کی تفصیل پچھلی آیتوں میں گزر گئی کہ کون حلال ہیں اور کون حرام۔ رہے وہ مال جو خود تو حلال ہوں مگر غلط کمائی کی وجہ سے ان کا استعمال حرام ہو گیا ہو اس کی تفصیل یہ ہے کہ مال کی ملکیت یا تو اپنے اختیار سے حاصل ہو گی یا بغیر اختیار' بے اختیاری جیسے میراث مل جانا اختیاری والی ملکیت یا تو بغیر عطائے مالک حاصل ہو گی۔ جیسے شکار کا جانور اور گھر میں دفینہ کا نکل آنا یا مالک سے۔ مالک سے لینے کی پھر دو صورتیں ہیں یا جبراً جیسے مال غنیمت یا حق شفع وغیرہ یا اسکی خوشی سے۔ خوشی کی صورت میں یا تو کسی عوض سے ہو گی جیسے تجارت' مہر' اجرت وغیرہ یا بغیر عوض جیسے ہبہ' وصیت وغیرہ خلاصہ یہ کہ آمدنی کی چھ صورتیں ہیں۔ (1) ایک غیر مملوکہ مال جس پر قبضہ کیا جاوے۔ جیسے کان' شکار' جنگل کی لکڑیاں یا وہاں کی گھاس لینا اور نہر کا پانی پینا۔ (2) دوسرے یہ کہ مالک سے جبراً لیا جائے' جیسے رعایا سے ٹیکس اور

www.alahazratnetwork.org

جنگ میں کفار کا مال غنیمت وغیرہ۔ (3) تیسرے وہ جو مالک کی رضامندی سے بالعوض حاصل کیا جائے۔ جیسے کہ جائز تجارت و نکاح۔ (4) چوتھے یہ کہ مالک کی رضا سے بلا عوض حاصل ہو۔ جیسے جائز ہبہ، صدقہ، وصیت وغیرہ۔ (5) پانچویں یہ کہ جو کسی کا مال بغیر اختیار لیا جاوے۔ جیسے میراث۔ (6) چھٹے یہ کہ کسی کا مال ناجائز طریقہ سے حاصل کیا جاوے۔ جیسے چوری، سود اور حرام پیشے جو ان پانچ طریقوں سے حاصل ہو وہ حلال باقی سب حرام۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حرام طریقوں سے حاصل کیا ہوا مال بھی حرام ہے مثلاً شراب کی تجارت حرام۔ تو اس کے ذریعہ جس طرح بھی مال حاصل کیا جائے وہ حرام ہی ہوگا۔ شراب بیچ کر کوا کر کھینچ کر پہنچوا کر خریدار کے گھر پہنچا کر غرضیکہ ہر ذریعہ کا پیسہ حرام ہے مگر اس جگہ اس کی تین صورتیں ہیں۔ (1) بیع باطل اور باطل مزدوریوں سے حاصل کیا ہوا پیسہ تو کمانے والے کی ملک میں آئے گا ہی نہیں۔ سود کا، شراب کا، رشوت کا، گانے بجانے اور ناچنے کا پیسہ کمانے والے کی ملک ہی نہیں اس پر واجب ہے کہ یا تو مالکوں کو واپس کرے اور اگر ان کا پتہ نہ چلے تو ان کے نام پر خیرات کر دے۔ (2) فاسد بیع سے حاصل کیا ہوا پیسہ قبضہ سے ملک میں آجائے گا۔ اگرچہ ایسی تجارت کرنا گناہ ہے۔ بیع بالشرط اور اجارہ فاسدہ وغیرہ کا یہ ہی حال ہے۔ (3) حلال کمائیوں کا پیسہ حلال ہے اگرچہ کوئی اس سے گناہ بھی کرے مثلاً کسی کو مکان یا دکان کرایہ پر دی کرایہ دار نے اس میں شراب خانہ وغیرہ لگایا مالک مکان کو کرایہ کا پیسہ حلال ہے کہ اس نے مکان رہنے کے لئے دیا تھا جو حلال ہے۔ شراب خانہ لگانا رہنے والے کا اپنا گناہ ہے یہ سب مسائل بالباطل سے حاصل ہوئے اور اس کی زیادہ تحقیق شامی و عالمگیری کتاب البیوع و اجارات میں دیکھو۔ دوسرا فائدہ: ختم بزرگان فاتحہ و ایصال ثواب کے کھانے اور نذرانہ حرام نہیں۔ کیونکہ جب یہ کام باطل نہیں تو ان کے کھانے بھی حرام نہیں فقراء مساکین بلکہ متبرک کھانے عامۃ المسلمین کو بھی جائز ہیں۔ تیسرا فائدہ: ناجائز فائدہ لینے اور جھوٹے مقدمے بنانے کے لئے حکام سے ملنا۔ ان پر اثر ڈالنا انہیں رشوتیں وغیرہ دینا حرام ہیں بلکہ اس مقصد سے حاکم بننا بھی ناجائز۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اسی احتیاط کیلئے قضا قبول نہ کی۔ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے عدل و انصاف قائم کرنے کیلئے ہارون الرشید کی قضا قبول کی۔ استاد کا قبول نہ کرنا اور شاگرد کا قبول کرنا دونوں باعث ثواب۔ دیکھو یوسف علیہ السلام نے خواہش سے حکومت حاصل کی کہ فرمایا اجعلنی علی خزائن الارض وہ سمجھتے تھے کہ میرے بغیر یہاں عدل و انصاف قائم نہ ہو سکے گا۔ چوتھا فائدہ: حاکم کا غلط فیصلہ حرام کو حلال نہ کردیگا۔ حضور علیہ السلام نے مدعی مدعی علیہ سے فرمایا کہ تم میرے پاس اپنے مقدمے لاتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی تیز زبان ہو اس کے دلائل سن کر ہم اس کے حق میں فیصلہ کردیں اگر واقعی وہ اس کا حقدار نہ ہو تو یہ چیز اس کے لئے جہنم کا ٹکڑا ہے مگر یہ مال احکام میں ہے اس کی زیادہ تفصیل اعتراضات و جوابات میں آئے گی خیال رہے کہ حاکم کے فیصلے اپنے علم پر نہیں ہوتے بلکہ شرعی ثبوت پر ہوتے ہیں۔ اگر کوئی حاکم کسی کو صرف اپنی آنکھ سے زنا کرتے دیکھ لے مگر شرعی گواہی یا مجرم کا اقرار نہ ہو تو اسے رجم نہیں کر سکتا ورنہ ظالم حکام اس آڑ میں بڑے بڑے ظلم کر ڈالتے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے علم ذاتی پر شرعی فیصلے نہ فرماتے تھے بلکہ شرعی ثبوت پر لہٰذا حدیث پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ حضور کو تو رب نے سارے علوم بخشے پھر آپ یہ کیوں فرماتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: بے خبری کی غلطی معاف ہے اسی لئے یہاں وانتم تعلمون کی قید لگائی۔ لہٰذا اگر کوئی کسی چیز کو غلطی سے اپنا سمجھ کر اس پر

www.alahazratnetwork.org

قبضہ کرلے یا حاکم جھوٹی گواہیوں پر بے خبری میں فیصلہ کردے تو وہ گناہ گار نہیں خیال رہے کہ مسئلہ کی بے خبری معتبر نہیں۔ یہ واقعہ کی بے خبری کا ذکر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ناجائز ذریعوں سے مال حاصل کرنا ناجائز ہے تو تلاوت قرآن پر مال لینا کیوں حرام ہے۔ تلاوت تو باطل چیز نہیں۔ جواب: تلاوت تو اچھی چیز ہے مگر جب اس پر اجرت لینا منع ہے تو یہ عقد باطل ہوا۔ اسی لئے یہاں بالباطل فرمایا گیا نہ کہ علی الباطل۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان اپنے مال تو ناجائز طریقوں سے نہ کھائے مگر بیگانوں کے مال جس طرح چاہے کھالے کیونکہ فرمایا گیا اموالکم جواب: یہ مطلب جب ہوتا جب کہ فرمایا جاتا اپنوں کے مال ناجائز طرح نہ کھاؤ یہ نہ فرمایا بلکہ فرمایا اپنے مال۔ اور اپنے مال سے مراد ہے "اپنی قوم کے مال" جیسے حضور کا فرمانا کہ تم پر تمہارے خون' تمہارے مال' تمہاری آبروئیں حرام ہیں ان مالوں کو اپنے مال کہنے میں اشارۃً "بتایا گیا کہ دوسروں کے مال کا ایسا ہی درد رکھو جیسے اپنے مال کا درد رکھتے ہو۔ اسے اپنا ہی مال تصور کرکے اس کے خیر خواہ رہو یا مطلب یہ ہے کہ جائز ناجائز کی بحث مملوک مالوں میں ہوتی ہے۔ جنگل کے شکار دریا کا پانی سب کے لئے مباح ہے وہ حرام نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حاکم کا غلط فیصلہ حرام کو حلال نہیں کرتا یعنی اس کا فیصلہ فقط ظاہر پر ہوتا ہے نہ کہ حقیقت پر تو امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے حاکم کا فیصلہ ظاہر و باطن پر کیوں مانا اور انہوں نے یہ کیوں فرمایا کہ اگر حاکم جھوٹی گواہیوں پر کسی کے نکاح کا فیصلہ کردے تو وہ عورت حقیقتاً اس کی بیوی ہے کہ اس سے جماع بھی حلال ہے اور اس کی اولاد بھی حلال۔ (امام بخاری) جواب: یہ آیت مالی معاملات کیلئے ہے ان میں امام صاحب بھی وہ ہی فرماتے ہیں جو آیت فرما رہی ہے ہاں نکاح و طلاق وغیرہ وہ معاملات جنہیں قاضی ابتداء خود بھی جاری کر سکتا ہے ان میں اس کا فیصلہ ظاہر و باطن دونوں طرح جاری ہو گا لہٰذا اگر اس نے جھوٹی گواہیوں پر نکاح یا طلاق وغیرہ کا حکم دے دیا تو حقیقتاً وہ اس کی بیوی ہی ہو گئی یا نکاح سے نکل گئی۔ کیونکہ قاضی بھی رعیت کے نکاح بھی کرتا ہے اور فسخ نکاح بھی ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص نے کسی عورت سے اپنا نکاح ہونے پر دو گواہ قائم کر دیئے۔ آپ نے نکاح کا حکم دے دیا۔ اس عورت نے عرض کیا کہ میرا نکاح اس سے نہ ہوا تھا۔ یہ جھوٹی گواہیاں ہیں۔ اب آپ نکاح ہی پڑھا دیجئے تاکہ جماع حرام نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ ان گواہوں کی گواہی اور میرا فیصلہ ہی تیرا نکاح ہے۔ (روح المعانی و شرح بخاری) اس سے معلوم ہوا کہ ایسے معاملات میں قاضی کا فیصلہ ہر طرح نافذ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : مال نفس کیلئے پیدا کیا اور نفس عبادت کے لئے چاہئے کہ ان سب میں بغیر رب کی اجازت اپنا عمل در آمد نہ کیا جائے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانوں اپنے مال' باطل یعنی نفسانی خواہش حرص و شہوت فضول خرچی سے استعمال میں نہ لاؤ۔ بلکہ حق سے کھاؤ یعنی قناعت اور قیام عبادت اور بقائے عبودیت کیلئے خرچ کرو اور مالی فیصلے شریعت کے پاس لے جاؤ۔ جھوٹے حکام یعنی نفس امارہ اور شیطان کے پاس نہ لے جاؤ اور اس کی رائے سے خرچ نہ کرو چونکہ مال ذریعہ تقویٰ ہے لہٰذا اسے گناہ میں برباد مت کرو یعنی قطع رحمی' غفلت اور معصیت پر صرف نہ کرو۔ ورنہ تم جانوروں سے بدتر ہو گے اور تمہارا ٹھکانا جہنم ہو گا۔ (روح البیان) جو بلا تحقیق ہر مال کھالے۔ حرام حلال کی تحقیق نہ کرے۔ وہ کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر چیز میں منہ ڈالتا ہے اور یہ مردار دنیا میں بغیر تحقیق کے منہ میں ڈال دیتا ہے۔ حکیم سنائی نے کیا خوب کہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

این جہاں بر مثال مردار است — کرگساں اندراں ہزار ہزار
ایں مراں راہمے زند مخلب — واں مریں راہمے زند منقار
آخر الامر بگذرند ہمہ! — وزہمہ بازماند ایں مردار

انسان کو یہ کوشش چاہئے کہ بندوں کے حقوق سے ہلکا ہو کر دنیا سے جائے۔

حکایت : نوشیرواں کا جب انتقال ہوا تو اس کے تابوت کو تمام سلطنت میں گھمایا گیا اور ساتھ میں ایک شخص آواز دیتا جاتا تھا کہ آج یہ بادشاہ دنیا سے جارہا ہے جس کا اس پر کوئی حق ہو وہ آکر لے لے۔ تاکہ یہ مسافر ہلکا پھلکا ہو جائے مگر ساری سلطنت میں کسی کا اس پر ایک پیسہ بھی نہ نکلا۔ (روح البیان)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ وَلَيْسَ الْبِرُّ
پوچھتے ہیں وہ آپ سے چاندوں کے متعلق۔ فرماؤ وہ علامات وقت ہیں واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں ہے بھلائی
تم سے نئے چاند کو پوچھتے ہیں تم فرما دو وہ وقت کی علامتیں ہیں لوگوں اور حج کے لئے اور یہ کچھ بھلائی
بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا
اس میں کہ آؤ تم گھروں میں طرف سے پچھیتوں ان کے اور لیکن بھلائی وہ ہے جو پرہیزگار ہو
نہیں کہ گھروں میں پچھیت توڑ کر آؤ اور ہاں بھلائی تو پرہیزگاری ہے
الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾
اور آؤ گھروں میں طرف سے دروازوں ان کے اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو۔
اور گھروں میں دروازوں سے آؤ اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح سے تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں رمضان اور اعتکاف کا ذکر ہوا۔ اور ماہ رمضان چاند ہی سے آتا ہے اور اس سے ہی جاتا ہے۔ اعتکاف بھی چاند کی تاریخوں سے ہوتا ہے۔ اس لئے اب چاند کے گھٹنے بڑھنے کے فائدے بیان فرمائے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مال غلط طریقوں سے نہ کھاؤ اور مالی معاملات کو تاریخوں سے بہت تعلق ہے۔ قرض وغیرہ کی مدت اسی سے پوری ہوتی ہے۔ اس لئے اب چاند کا ذکر ہوا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں روزوں اور اعتکاف کا ذکر تھا اب حج اور اس کے مسائل بیان ہو رہے ہیں کیونکہ یہ بھی رمضان کی طرح سال میں ایک بار آتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کے دو جزوں کے دو شان نزول ہیں۔ یسئلونک سے والحج تک کا ایک شان نزول ہے اور لیس البر سے تفلحون تک دوسرا۔ پہلے جزو کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار حضرت معاذ ابن جبل اور ثعلبہ ابن غنم نے حضور علیہ السلام سے پوچھا کہ یا حبیب اللہ چاند کا کیا حال ہے کہ یکساں نہیں رہتا۔ شروع تاریخوں میں ڈورے کی طرح باریک ہوتا ہے پھر بڑھتے بڑھتے پورا ہو جاتا ہے اور پھر گھٹتے ہوئے پہلی کی طرح باریک۔ ان کے جواب میں یہ آیت اتری (درمنثور

www.alahazratnetwork.org

خزائن) اور دوسرے جزو کا شان نزول یہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں حج کا احرام باندھ کر اپنے گھروں میں دروازے سے نہ آتے جاتے تھے بلکہ خیموں کے پیچھے سے اور مکانوں کے پچھیت توڑ کر اس طرف سے۔ ہاں بنی قریش و بنی خزاعہ اور بنی عامر و بنی ثقیف کے لوگ دروازہ ہی سے آمدورفت رکھتے تھے۔ ان قبیلوں کے سوا جو کوئی دروازوں سے آتا جاتا تھا اسے فاجر کہتے تھے۔ ایک بار حضور علیہ السلام اور رفاعہ انصاری احرام باندھے ہوئے دروازے سے نکلے۔ لوگ رفاعہ کو فاجر کہنے لگے حضور علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ تم تو انصار سے ہو بنی قریش سے نہیں۔ تم دروازے سے کیوں نکلے۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں بھی قریش سے ہی ہوں۔ کیونکہ آپ کے دین پر ہیں اور آپ کا فرمانبردار اور غلام کا شمار مولیٰ کے ساتھ ہے ان کے اس پیارے جواب کی تائید میں یہ آیت کریمہ آئی جس سے اس قاعدہ کو مٹایا گیا۔ (احمدی و درمنثور)۔

تفسیر: **وسئلونک عن الاهلة** اگرچہ چاند کی بابت دو صاحبوں نے ہی سوال کیا تھا مگر چونکہ یہ سوال سب کو پیدا ہو سکتا ہے اس لئے سب کو حکمی سائل مان کر جمع کا صیغہ لایا گیا۔ **اهلة** ہلال کی جمع ہے۔ پہلی و دوسری رات کے چاند کو ہلال کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد قمر اور چودھویں کے چاند کو بدر یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے نئے چاند کے متعلق سوال کرتے ہیں کہ یہ باریک کیوں ہوتا ہے اس **یسئلونک** میں صحابہ کرام کی منقبت بھی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت بھی۔ منقبت تو اس طرح کہ سارے مسلمانوں پر اس پوچھنے والے صحابی کا احسان ہے۔ جس کے سوال کی وجہ سے یہ آیت مسلمانوں کو ملی۔ صحابہ کے سوالات و حالات آیات کے شان نزول ہیں۔ توریت و انجیل کی آیتوں کے شان نزول نہ تھے وہ سب یکدم آگئی تھیں۔ قرآنی آیات کے شان نزول ہیں۔ جن سے صحابہ کے احسانات تاقیامت لوگوں پر رہیں گے۔ نعت اس طرح کہ حضور سے سوال گویا رب تعالیٰ سے سوال ہے کہ پوچھتے ہیں حضور سے اور جواب رب دیتا ہے' رب **قل هی مواقیت للناس والحج** اگرچہ جواب خود رب نے دیا مگر قل فرما کر حضور سے کہلوایا کہ سوال بھی آپ ہی سے ہوا **قل هی** کا مرجع **اهلة** ہے۔ اور مواقیت میقات کی جمع جس کا مادہ وقت ہے۔ وقت کسی کام کے زمانہ کو کہتے ہیں۔ میقات وقت معلوم کرنے کا آلہ اور ذریعہ جیسے وعدے سے میعاد بھی وقت کی انتہاء کو بھی میقات کہہ دیتے ہیں جیسے ختم میقات ربہ حلال مہینہ کا اختتام ہے اور احرام باندھنے کی جگہ حلت ختم ہونے کا مقام۔ اس لئے ہلال کو مہینہ کا میقات اور ان مقامات کو حج کا میقات کہا جاتا ہے۔ **للناس** سے مراد لوگوں کے دنیوی اور دینی کاروبار ہیں چونکہ دینی معاملات میں حج کو ایک خاص عزت حاصل تھی کہ ساری عبادتیں زمین کے ہر حصہ میں ہو جاتی ہیں مگر حج صرف مکہ معظمہ میں ہی ادا ہوتا ہے نیز حج کے ذریعے تمام جہان کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو کر ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو سکتے ہیں نیز حج کے موقعہ پر حاجی متبرک مقامات اور متبرک چیزوں کی زیارت کرتے ہیں۔ دیار محبوب کے ذروں کو اپنی آنکھوں سے لگا لیتے ہیں نیز حج ہی سے اہل عرب کی روزی وابستہ ہے کہ وہاں پیداوار کوئی نہیں۔ حج پر زندگی کا مدار ہے۔ اس لئے اسے علیحدہ بیان کیا۔ یعنی آپ فرما دو کہ یہ چاند لوگوں کے کاروبار اور عبادات خصوصاً حج کے اوقات کی علامتیں اور ان کے معلوم کرنے کا ذریعہ ہیں کہ اس سے قرض کی مدت' عورتوں کی عدت' سالوں کے شمار' لوگوں کی عمریں' ماہ رمضان اور عید بقر عید کا پتہ لگتا ہے اور اسی سے حج اور اس کی تاریخیں معلوم ہوتی ہیں اور اسی کے ذریعہ ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں۔ چونکہ چاند کے ضمن میں حج کا ذکر بھی آ گیا اسی لئے اس کے متعلق ایک ضروری مسئلہ بھی بیان فرمایا گیا اور لوگوں کو ان کی سخت غلطی پر

www.alahazratnetwork.org

خبردار کیا گیا۔ ارشاد ہوا کہ **ولیس البر بان تاتوا البیوت من ظہورھا** بیوت۔ بیت کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں شب گزارنے کا گھر یا کوٹھڑی میں چونکہ رات گزاری جاتی ہے۔ اس لئے اسے بیت کہتے ہیں۔ یعنی مقام بیتوتت۔ ظہور جمع ظہر کی ہے یعنی کھلی ہوئی چیز یا کھلا ہوا حصہ۔ چونکہ انسان کی پیٹھ اور گھر کی پچھیت (پچھلی دیوار) بالکل ظاہر ہوتی ہے اس لئے اسے ظہر کہا جاتا ہے یعنی موسم حج میں گھروں میں پچھیت سے آنا جانا نیکی نہیں بلکہ ایک بے کاری مصیبت ہے **ولکن البر من اتقی** یا تو بر اسم فاعل کے معنی میں ہے یا من سے پہلے ایک بر پوشیدہ ہے اتقی کا مفعول چھپا ہے یعنی حقیقی بھلائی اس کی بھلائی ہے جو گناہوں سے بچے یا حقیقی نیک وہ ہے جو پرہیزگار ہو گھروں میں پیچھے سے آنا جانا بے کار ہے لہٰذا **واتوا البیوت من ابوابھا** یہ امر اباحت کا ہے۔ جس میں ان کے غلط عقیدہ کی تردید ہے اور ممکن ہے کہ وجوب کا ہو کہ ان کی رسم جاہلیت توڑنے کے لئے دروازوں سے آنا اس وقت واجب کر دیا گیا ہو۔ ابواب' باب کی جمع ہے باب دروازہ کو کہتے ہیں خواہ شہر کا ہو یا مکان کا یا کوٹھڑی وغیرہ کا۔ کبھی ذریعہ کو بھی باب کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے **فتحنا علیھم ابواب کل شئی** یہاں گھر کے اصل دروازے مراد ہیں جو آنے جانے کیلئے بنائے جاتے تھے نہ کہ وہ سوراخ جو پچھیت میں پھوڑ لئے جاتے تھے کیونکہ وہ تو نقب (سوراخ) تھے نہ کہ دروازے یعنی تم بزمانہ حج گھروں میں دروازوں سے جا سکتے ہو یا ضرور دروازوں سے ہی جاؤ تاکہ یہ غلط رسم ٹوٹے مگر ساتھ ہی خیال رکھنا **واتقوا اللہ** اللہ سے ڈرتے رہو اور اس کے شرعی احکام کو نہ بدلو اور نہ اس کے افعال پر اعتراض کرو **لعلکم تفلحون** تاکہ تم حقیقی بھلائی اور ہدایت پا کر دونوں جہان میں کامیابی حاصل کرو۔ خیال رہے کہ کفار عرب میں عبادات چار قسم کی رائج تھیں۔ بت پرستی و شرک کو وہ عبادت سمجھ بیٹھے تھے۔ بعض حرام کاموں کو عبادت جان بیٹھے۔ جیسے خانہ کعبہ کا ننگے بدن طواف۔ بعض عبث کاموں کو عبادت سمجھتے تھے جیسے گھروں میں پیچھے سے آنا یا کعبہ کے پاس تالیاں' سیٹیاں بجانا۔ بعض اچھے کام بھی عبادۃ" کرتے تھے۔ جیسے کعبہ کی خدمت آب زمزم پلانا وغیرہ حضور انور نے پہلے دو کام تو جبراً بند فرما دیئے۔ تیسرے کام کو نرمی سے بند کیا۔ دیکھو یہاں رب نے ان دیواروں میں سوراخ کرنے کو کفر شرک یا حرام نہ فرمایا بلکہ نرمی سے فرمایا کہ یہ کام نیکی نہیں اور چوتھے قسم کے کاموں کو باقی رکھا مگر جو معمولی کام کسی نبی کی نقل بن گئے وہ عبادت ہو گئے جیسے جمروں کو کنکر مارنا طواف میں اکڑ کر چلنا وغیرہ۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے سے متعلق پوچھتے ہیں چونکہ یہ ایک علمی مسئلہ ہے اور قدرت کا راز۔ اور اس سے انہیں کوئی فائدہ بھی نہیں۔ لہٰذا آپ انہیں اس کی وجہ تو نہ بتاؤ۔ اس کی حکمتیں بتادو کہ اس کے گھٹنے بڑھنے میں کیا فائدہ ہے فرما دو کہ یہ اس کا گھٹنا بڑھنا ہی لوگوں کے سارے دنیوی اور دینی کاروبار چلنے کا ذریعہ ہے اگر سورج کی طرح یہ بھی ہمیشہ یکساں ہی رہتا تو لوگوں کے کاروبار فیل ہو جاتے اب اس سے اپنے سارے معاملات و عبادات اور خصوصاً" حج کے اوقات بخوبی معلوم کر سکتے ہیں۔ دوسری قومیں اپنے اوقات کا تعلق صرف سورج سے رکھتی ہیں مگر اسلام نے نماز کے اوقات سورج سے وابستہ کئے اور زکوۃ' روزے' حج' عدت' بچوں کی شیرخوارگی وغیرہ کے اوقات چاند سے تاکہ رب کی دونوں چیزوں سے فائدہ اٹھایا جائے اور ان تعلقات کی وجہ سے مسلمان سورج کی رفتار کی بھی پیمائش کریں اور چاند کی رفتار کی بھی۔ مگر چونکہ چاند سے زیادہ عبادتوں کا تعلق ہے اس لئے اسلام میں چاند کی تاریخوں پر زیادہ زور دیا جاتا ہے۔ جیسے نماز کے تعلق کی وجہ سے سورج کا طلوع' غروب' زوال وغیرہ کا بہت خیال رہتا ہے۔ ان سے یہ بھی فرما دو کہ حج کے موسم میں گھروں کے

www.alahazratnetwork.org

دروازے بیکار کر دینا اور پیچھے سے سوراخوں کے ذریعہ ان میں آنا جانا بھلائی نہیں بلکہ ایک بے کار سا کام ہے۔ نیک تو وہ جو گناہوں سے بچے نہ کہ دروزوں سے لہٰذا گھروں میں تو ہمیشہ دروازوں ہی سے آیا جایا کرو مگر رب سے ڈرتے رہو تاکہ تمہیں دونوں جہان میں کامیابیاں ملیں اس آیت کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر یہ ہی زیادہ بہتر۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو کہ نماز و روزہ چھوڑ کر سینہ کوبی یا بھنگ چرس پینے یا آگ جلانے اس پر دعونی رما کر بیٹھنے یا آج کل کے حرام گانے بجانے کو قوالی کہہ کر انہیں اصل عبادت سمجھ بیٹھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سچی سمجھ نصیب کرے ہمیں حق کو حق دکھائے اور حرام' باطل کو باطل۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ اس نے اپنے نبی سے سوالات بہت کم کئے۔ دوسری امتوں کی طرح اپنے پیغمبر کو سوالات سے پریشان نہ کیا چنانچہ قرآن کریم نے ان کے کل چودہ سوالات نقل فرمائے۔ آٹھ سورہ بقر میں۔ (1) رب کہاں ہے (2) چاند کیوں گھٹتا بڑھتا ہے چھ آگے آتے ہیں ایک سورۂ مائدہ میں کہ کیا کیا چیزیں حلال ہیں۔ ایک سورۂ انفال میں کہ انفال کا کیا مصرف ہے۔ ایک سورۂ بنی اسرائیل میں کہ روح کیا ہے ایک سورۂ کہف میں کہ ذوالقرنین کے حالات کیا ہیں۔ ایک سورۂ طٰہٰ میں پہاڑوں کے متعلق ایک سورۂ نازعات میں قیامت کے بارے میں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور علیہ السلام کی امت بڑی عزت والی ہے کہ اس کے سوالات کی رب تعالیٰ قدر و منزلت فرماتا ہے کہ خود جواب بھی دیتا ہے۔ اور ان کے سوالات کا بھی ذکر فرماتا ہے کہ یہ بات میرے پیارے بندوں نے پوچھی تھی جس کا یہ جواب دیا گیا تاکہ قیامت تک ان کا ذکر خیر رہے۔ پہلی کتابیں ایک دم بغیر کسی سوال و جواب کے نازل ہو جاتی تھیں۔ دوسرا فائدہ: بارگاہ الٰہی میں حضور علیہ السلام کا بڑا درجہ ہے کہ سوال تو ان سے ہو اور جواب رب دے مگر اپنا جواب ان سے کہلوائے۔ تیسرا فائدہ: قمری مہینے شمسی مہینوں سے افضل ہیں کہ رب نے تاریخیں معلوم کرنے ہی کیلئے چاند کو گھٹایا بڑھایا نیز شمسی مہینوں کی جنتری زمین پر قمری مہینوں کی آسمان پر شمسی مہینوں کی جنتری انسانوں نے بنائی قمری کی خود رب نے شمسی تاریخیں بے دلیل قمری تاریخوں کی دلیل موجود کہ جاہل آدمی بھی چاند کی حالت دیکھ کر تاریخ کا پتہ لگالیتا ہے نیز شمسی مہینوں میں موسم پرستی ہے۔ قمری میں یہ نہیں شمسی مہینوں میں چند سال کے بعد فرق کرنا پڑتا ہے کہ چار سال پر فروری 29 دن اور کچھ سال کے بعد ہندی سال بجائے 12 مہینہ کے 13 کا کرنا پڑتا ہے تاکہ موسم میں ٹھیک بیٹھیں۔ مگر قمری مہینہ ان مصیبتوں سے آزاد۔ چوتھا فائدہ: اسلامی کام قمری مہینہ سے ہوں گے لہٰذا روزے' زکوٰۃ' حج' عدت وغیرہ سب میں قمری مہینہ معتبر ہوں گے نہ کہ شمسی کیونکہ چاند کو میقات یعنی جنتری (وقت کا آلہ) فرمایا گیا نیز چاند میں جمال ہے سورج میں جلال اور امت مصطفیٰ علیہ السلام بھی مرحومہ ہے اس کی تاریخیں بھی جمالی۔ پانچواں فائدہ: چاند کے گھٹنے بڑھنے میں بہت سے بہت فائدے ہیں۔ (1) اس سے تاریخ کا پتہ چلتا ہے۔ (2) اس کی زیادتی کمی انسانوں کے کمال و زوال کی علامت ہے کہ انسان بھی اسی طرح کبھی عروج اور کبھی زوال میں ہو گا کہ پہلے معدوم پھر موجود مگر کمزور یعنی بچہ پھر قوی' طاقتور یعنی جوان پھر بڈھا ہو کر کمزور پھر پہلے کی طرح فنا۔ لہٰذا انسان اپنی زندگی و تندرستی کو غنیمت جانے اور جو ہو سکے نیکی کرے۔ ترقی کسی قوم یا کسی شخص کا ٹھیکہ نہیں۔ نیز ایک چیز کا کمال زوال کی علامت ہے۔ چاند' بدر ہو کر گھٹنے لگتا ہے الیوم اکملت لکم کی آیت سن کر بعض صحابہ نے سمجھ لیا تھا کہ حضور انور کی وفات نزدیک ہے۔ کمال ہو چکا ہے اب زوال کی باری ہے۔ (3) اس سے

www.alahazratnetwork.org

ستارہ پرست قوموں کو تنبیہ ہے کہ وہ چیزیں پوجا کے قابل نہیں جن کی ترقی و تنزل دوسرے کے قبضہ میں ہے وہ تمہاری مدد کیا کریں گی۔ **چھٹا فائدہ:** بے کار سوال کا بہتر جواب دینا چاہئے۔ دیکھو پوچھنے والے نے چاند کی تبدیلی کی وجہ پوچھی جو اس کے لئے فائدہ مند نہ تھی مگر رب نے اس کی حکمت بتائی۔ جس سے انہیں بہت فائدہ ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** بے کار کام چھوڑ دینے چاہئیں کہ ان سے کوئی فائدہ نہیں دیکھو مکانوں کے پیچھے سے آنا عبث تھا اس سے منع کر دیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں چاند سورج سے افضل ہے اور چاند کے مہینے اور چاند کی تاریخیں سورج کے مہینوں و تاریخوں سے افضل ہیں کہ سواء نماز کے باقی ساری عبادات چاند کے مہینوں سے وابستہ ہیں اور متبرک تاریخیں چاند سے وابستہ ہیں۔ شب قدر، روز عرفہ وغیرہ چاند کی تاریخوں سے ہوتے ہیں۔ دیکھو مسجدیں دیگر عمارتوں سے افضل ہیں کیونکہ ان سے دینی عبادات نماز اعتکاف وغیرہ وابستہ ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ و اہل بیت پھر علماء و اولیاء دوسروں سے افضل ہیں۔ کیونکہ ایمانیات بلکہ ایمان ان سے وابستہ ہے۔ کلمہ نماز قرآن ان سے ہی ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب نہیں۔ کیونکہ حضور نے سائل کا جواب خود نہ دیا بلکہ رب نے دیا۔ پھر بھی چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ نہ بتائی۔ اگر آپ کو علم غیب ہوتا تو بغیر انتظار وحی خود ہی وجہ بتا دیتے۔ (دیوبندی) **جواب:** آپ نے بڑا ہی کام کیا کہ رب پر بے علمی کا الزام نہ لگایا اور یہ نہ کہہ دیا کہ سائل نے پوچھا تو کچھ تھا جواب کچھ اور۔ معلوم ہوتا ہے کہ رب کو بھی اس گھٹنے بڑھنے کی وجہ معلوم نہ تھی۔ افسوس ہے کہ آج ہر علم ہیئت جاننے والا جانتا ہے کہ چونکہ چاند کا نور آفتاب سے ہے اور چاند بھی گول ہے اور سورج بھی اور جب گول چیز کسی گول چیز سے روشنی لے تو آدھی روشن ہوگی اور آدھی تاریک لہٰذا چاند بھی آدھا روشن اور آدھا تاریک رہتا ہے۔ پھر چونکہ چاند کبھی تو آفتاب سے قریب ہوتا ہے کبھی دور اس لئے کبھی تو اس کا پورا نورانی حصہ زمین کی طرف ہوتا ہے کبھی بعض حصہ اور کبھی پورا تاریک رخ اس طرف ہوتا ہے اس لئے یہ اختلاف ہے۔ آٹھویں کلاس والے بچہ کو یہ علم ہو مگر اعلم الاولین والآخرین کو نہ ہو یہ کیسے ممکن ہے جناب ان کو اس اختلاف کی وجہ کا بھی علم تھا اور اس کا بھی کہ اس سوال پر آیت آئے گی۔ جس میں یہ جواب دیا جاوے گا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی طرف سے عبادات ایجاد کرنا جرم ہے دیکھو کفار عرب نے گھر کے پیچھے سے آنا عبادت جانا جس کی تردید کر دی گئی لہٰذا ختم خواجگان اور میلاد وغیرہ کو عبادات یا باعث ثواب جاننا مردود ہے۔ (دیوبندی) **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ان کا یہ کام عبث تھا جو عبادت نہیں بلکہ گناہ ہے میلاد و ختم خواجگان عبث نہیں بلکہ اس میں صدہا خوبیاں ہیں قرآن خوانی نعت خوانی خیرات وغیرہ لہٰذا یہ باعث ثواب دوسرے یہ کہ کفار عرب اس عبث فعل کو فرض جانتے تھے کہ جو اس پر پابندی نہ کرے اسے فاجر کہتے تھے اور واقعی جائز کام کو فرض جاننا سخت غلطی ہے کوئی مسلمان ان امور خیر کو فرض نہیں جانتا ہاں منکر کو وہابی جانتا ہے۔ کہ یہ وہابیوں کی علامت ہے تیسرے یہ کہ رب نے کفار کے اس فعل کو شرک یا کفر یا حرام نہ فرمایا بلکہ صرف یہ فرمایا کہ اس کو بھلائی جاننا غلطی ہے۔ بھلائی تقویٰ میں ہے۔ یہ تو بے فائدہ کام ہے آپ کی طرح شرک و کفر نہ کہا چوتھے یہ کہ اگر اپنی طرف سے کار خیر ایجاد کرنا گناہ ہے تو مدرسہ دیوبند وہاں کی تعلیم قرآن پاک میں اعراب سب ہی گناہ ہوں گے کیونکہ یہ بھی اس زمانہ میں نہ تھے بعد کی ایجاد ہے۔ میلاد پاک کی عداوت میں اپنے گھر کو آگ کیوں لگاتے ہو۔ پانچویں یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

کسی جائز چیز کو حرام جاننا سخت جرم ہے رب فرماتا ہے۔ **کلو من طیبت ما رزقنکم ولا تتبعوا خطوت الشیطن** اہل عرب حج کے زمانہ میں گھر کے دروازوں سے آنا جو مباح تھا اسے حرام جانتے تھے اسی لئے ان پر یہ عتاب ہوا تم لوگ بھی میلاد شریف وغیرہ حلال و مباح چیزوں کو بلادلیل حرام جانتے ہو تو انہیں کی طرح مجرم ہو۔ خیال رہے کہ جیسے مباح چیز کو فرض سمجھنا جہالت یا بے دینی ہے ایسے ہی مباح چیز کو حرام جاننا بھی بے دینی ہے جس میں آپ حضرات گرفتار ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : روح سورج ہے اور دل چاند کہ اس پر روح سے مختلف طرح روشنی آتی ہے لوگ پوچھتے ہیں کہ قلبی نور کا حال مختلف کیوں رہتا ہے۔ یکساں کیوں نہیں۔ اے محبوب آپ فرمادو کہ یہ اختلاف سفر فی سبیل اللہ کا میقات ہے۔ جس سے اس راہ کا پتہ لگتا ہے اس کے ذریعے روحانی حج یعنی بیت قلب کا طواف صفائی کے صفا اور مروت کے مروہ کی سعی 'عرفان کے عرفات میں قیام ہوتا ہے۔ اس قلب کا دروازہ رب کی طرف اور پشت دنیا اور ظاہری حواس اور بدن کی طرف ہے تم اس گھر میں بدن کی طرف سے نہ جاؤ کہ یہ اس کی چھیت ہے بلکہ دروازے سے جاؤ پرہیزگار وہ ہے جو شیطانی وسوسوں نفسانی خواہشوں سے بچے۔ تم کو چاہئے کہ ان گھروں میں اصلی دروازوں یعنی روح کی طرف سے آؤ۔ جس سے حق کی طرف بھی راستہ جاتا ہے۔ اور ماسوی اللہ میں مشغولیت سے بچو تاکہ دارین کی کامیابی پاؤ۔ (ابن عربی)

دوسری تفسیر : صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کو اپنی زندگی کے چار حصے کرنے چاہئیں۔ بچپن کھیل کود کیلئے' پھر بعد کی عمر پڑھنے کمال حاصل کرنے کے لئے' جوانی کھانے کمانے کے لئے' بڑھاپا رب کو منانے اور سفر آخرت کی تیاری کے لئے جو عمر کا ہر حصہ غفلت میں گزارے وہ سخت غلطی پر ہے' بال سفید پڑ گئے گویا سویرا ہو گیا اب سونے کا وقت نہیں جاگ جاؤ چاند کا اوتار چڑھاؤ گویا لوگوں کا میقات یعنی زندگی کی تقسیم معلوم کرنے کا آلہ وذریعہ ہے۔ والحج۔ اور رب کی بارگاہ میں حاضری کے مقصد کا ذریعہ ہے۔ پھر خیال رہے کہ ہر گھر کا راستہ اور دروازہ ہوتا ہے بلایا ہوا تو اس دروازے سے جاتا ہے مگر چور چھیت سے بلائے ہوئے کو وہاں جگہ ملتی ہے اور چور کو سزا۔ اسی طرح بارگاہ الٰہی کا دروازہ تقویٰ اور اس کا راستہ شریعت مصطفیٰ علیہ السلام ہے جو اس راہ اور اس دروازے سے جائے گا وہاں جگہ پائے گا اور جو کوئی شیطان کی طرح غلط راہ اور جھوٹی پرہیزگاری سے جانا چاہے گا دھکے دیکر نکالا جاوے گا غرضیکہ علماء کے نزدیک آیت کے معنی یہ ہیں کہ اپنے گھروں میں ان کے دروازوں سے جاؤ۔ صوفیاء کے نزدیک اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے گھروں میں ان کے دروازوں سے جاؤ جو عبادت نبوت کے سایہ میں کی جاوے۔ وہ اللہ کے گھر کا دروازہ ہے اور جو عبادت بغیر نبوت کے سایہ کے ہو وہ دنیا کا دروازہ۔ ابلیس کی عبادات دنیا کا دروازہ تھی۔ مگر یہ دروازے ہمارے کھولے نہیں کھلتے۔ ان کا کھولنے والا کوئی اور ہی ہے۔ ہماری زمین کی اندرونی پیداوار ولایت کے محققین آکر بتاتے ہیں کہ یہاں تیل کا چشمہ ہے یہاں فلاں چیز کی کان ہے ایسے ہی ہمارے دلوں کے خفیہ خزانے کوئی ماہر ہی بتا سکتا ہے ہم خود نہیں معلوم کر سکتے۔ پھر صرف ظاہر سنبھالنا تقویٰ نہیں تقویٰ حقیقی یہ ہے کہ ظاہر کے ساتھ اپنا باطن بھی درست کرلے کہ رب کی اطاعت کرلے نہ کہ نافرمانی۔ شکر کرے نہ کہ کفران۔ اسے یاد رکھے کبھی نہ بھولے اور رب کی پناہ میں یہ راہ طے کرے تاکہ شیطان و نفس امارہ سے امن میں رہے۔ (از تفسیر روح البیان) یعنی ہمارے قرب کے گھروں میں صحیح راستے اور دروازوں سے آؤ تاکہ عزت پاؤ' غلط راستے سے آنے کی کوشش نہ کرو کہ اس میں بھلائی اور خیر نہیں۔ تقویٰ اور خوف خدا کا انجام ہے فلاح و

www.alahazratnetwork.org

کامیابی۔ صوفیاء کے ہاں مومن کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ واصل باللہ ہو جائے انسان واصل باللہ ہو کر اللہ کے سے کام کرنے لگتا ہے۔ گھڑے لوٹے کنوئیں کے پانی میں روانی نہیں کیونکہ وہ حدود میں محدود ہے پنجرے کی قید میں پرندے کے پاس پر ہیں مگر پرواز نہیں لیکن اگر گھڑے کا پانی دریا میں ڈال دیا جائے تو اس میں روانی ' طغیانی ' موج ' دھار پاٹ سب کچھ پیدا ہو جاتی ہے اور پرندہ میں بھی آزاد ہو کر پرواز پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی جب تک روح یا قلب دنیا یا نفس امارہ کے پنجرے میں پھنسا ہے تب تک اس میں پرواز ہے نہ روانی مگر جب ان قیدوں سے آزاد ہو جاوے واصل باللہ ہو جائے تو اس میں سب کچھ پیدا ہو جاتا ہے۔ عمر فاروق نے مدینہ منورہ سے ساریہ کو پکار کر نقشہ جنگ سمجھا دیا حضرت آصف ایک پل میں تخت بلقیس اٹھا لائے یہ اسی پرواز اور روانی کا نتیجہ تھا۔

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰہَ
اور جنگ کرو بیچ راستے اللہ کے ان سے جو جنگ کرتے ہیں تم سے اور نہ حد سے بڑھو۔ تحقیق اللہ نہیں پسند فرماتا
اور اللہ کی راہ میں لڑو ان سے جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے نہ بڑھو اللہ پسند نہیں رکھتا حد سے
لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ
حد سے بڑھنے والوں کو اور قتل کرو ان کو جہاں پاؤ تم ان کو اور نکالو ان کو جہاں سے
بڑھنے والوں کو اور کافروں کو جہاں پاؤ مارو اور انہیں نکال دو جہاں سے انہوں نے
مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ
نکالا انہوں نے تم کو اور فساد زیادہ سخت ہے قتل سے اور نہ جنگ کرو ان سے پاس مسجد حرمت
تمہیں نکالا تھا اور ان کا فساد تو قتل سے بھی سخت ہے اور مسجد حرام کے پاس ان سے نہ لڑو
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ؕ کَذٰلِکَ
والی کے یہاں تک کہ جنگ کریں وہ تم سے بیچ اس کے۔ پس اگر جنگ کریں وہ تم سے پس جنگ کرو تم
جب تک وہ تم سے وہاں نہ لڑیں اور اگر تم سے لڑیں تو انہیں قتل کرو کافروں کی یہی سزا ہے۔
جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۲﴾
ان سے مثل اس کے بدلہ ہے کافروں کا پس اگر باز رہیں پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
پھر اگر باز رہیں تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حج کا ذکر تھا جو مکہ معظمہ میں ہوتا ہے۔ چونکہ یہ شہر اس وقت کفار کے قبضہ میں تھا کہ ان سے بغیر تیاری جنگ کے ہوئے حج دشوار تھا اس لئے حج کے بعد جہاد کا ذکر فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حج کا ذکر تھا جس میں وطن چھوڑنا اور مال کی قربانی کرنا پڑتی ہے۔ اب جہاد کا حکم

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ جس میں مالی اور جانی قربانی ہے غرضیکہ حج اور جہاد میں قربانی کے لحاظ سے بہت مناسبت ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ہلال اور قمری مہینوں کا ذکر تھا چونکہ قمری مہینوں میں چار مہینے محترم بھی تھے۔ رجب' ذیقعد' ذی الحجہ اور محرم جن میں جنگ وغیرہ حرام تھی اس لئے اب جنگ کا ذکر ہوا یعنی چاند اور مہینوں کو بھی جہاد سے قوی تعلق ہے۔ **چوتھا تعلق:** پہلے فرمایا گیا کہ گھروں میں دروازوں سے آؤ اور چونکہ جہاد عزت و حرمت کا دروازہ ہے اس لئے اب اس کا ذکر ہوا یعنی فتح مندی اور کامیابی کی عمارت میں جہاد کے دروازے سے داخل ہو۔

شان نزول: اس کے شان نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ (۱) حضرت ربیع اور ابن زید فرماتے ہیں کہ یہ آیت اجازت جہاد کی پہلی آیت ہے کہ اولاً مسلمانوں کو حکم تھا کہ کفار کی ایذائیں برداشت کریں۔ ان کے ہاتھوں مار کھائیں مگر اف نہ کریں۔ اس میں اجازت دی گئی کہ جو تم سے لڑے تم اس سے جنگ کرسکتے ہو یعنی حملہ کو دفع کرو خود حملہ نہ کرو۔ اس صورت میں یہ آیت اقتلوا المشرکین سے منسوخ ہے۔ (کبیر) دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذیقعدہ 6 ہجری میں صحابہ کرام کو لے کر عمرہ (چھوٹا حج) کے ارادہ سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے۔ مشرکین مکہ نے آپ کو وہاں داخل ہونے سے روکا اور آپ نے مقام حدیبیہ میں جو حدود حرم میں کنوئیں کے پاس ایک جنگل ہے وہاں ایک ماہ قیام فرمایا۔ بہت ردو کد کے بعد اس پر صلح ہوئی کہ حضور علیہ السلام تو بغیر عمرہ ہی واپس جائیں۔ سال آئندہ آئیں اور تین دن مکہ مکرمہ میں قیام کرکے عمرہ ادا کریں۔ چنانچہ آپ مدینہ منورہ واپس ہوگئے اور اگلے سال یعنی سات ہجری میں عمرہ قضا کے لئے چودہ سو صحابہ کرام کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لائے مسلمانوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ کفار بے وفائی کریں اور ہمیں ان سے جنگ کرنا پڑ جائے اور ماہ حرام یعنی ذیقعدہ اور حرم شریف میں بحالت احرام جنگ کرنا سخت گناہ ہے اگر ایسا واقعہ درپیش آیا تو ہم کیا کریں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں انہیں اجازت دی گئی کہ اگر وہ جنگ کی ابتداء کریں تو تمہیں بھی لڑنے کی اجازت ہے۔ مہینہ محترم اور حرم وغیرہ تم کو جنگ سے نہ روکیں گے (کبیر و احمدی و خزائن وغیرہ) اس صورت میں یہ آیت غیر منسوخ ہے اور اس کا حکم اب بھی باقی۔

تفسیر: **وقاتلوا فی سبیل اللہ** بظاہر یہ امر وجوب کا ہے۔ سبیل اللہ سے مراد اللہ کا دین ہے کیونکہ یہ رب تک پہنچنے کا ذریعہ ہے یعنی لائے جنگ تم اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ دین الٰہی کی خاطر جنگ کرو خیال رہے کہ بعض مذہبوں نے انسانی طاقتوں کو معطل کردینے کو عبادت قرار دیا مگر اسلام نے ہر طاقت کو اچھی جگہ خرچ کرنے کو عبادت بنایا شہوت کو جائز جگہ خرچ کرنے کیلئے نکاح عبادت ہے۔ اسی طرح غصہ کو برمحل خرچ کرنے کیلئے جہاد عبادت ہے۔ بارش میں چھت کا پانی پرنالہ سے نکال دو اگر روکوگے تو چھت توڑ دے گا۔ غصہ تین قسم کا ہے۔ شیطانی' نفسانی' رحمانی عبادات اور نیکیوں پر غصہ شیطانی ہے دنیاوی کاروبار میں غصہ نفسانی ہے اور کفر یا معاصی پر غصہ رحمانی ہے۔ نیز ہر چیز کی بقاء و ترقی کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں اس کے اسباب کا جمع کرنا اور موانع کا دفع کرنا ہم شخصی زندگی میں غذا کے ساتھ دوا کے ساتھ حاجتمند ہیں اور قومی زندگی میں شفاخانہ' ڈاکخانہ وغیرہ کے ساتھ جیل خانہ و پھانسی گھر کے بھی محتاج اسی طرح ہم دینی و ایمانی زندگی کے لئے نماز و روزہ حج کے بھی محتاج ہیں اور جہاد کے بھی حاجتمند ہیں۔ غرضیکہ مسئلہ جہاد بقاء قوم کے لئے بہت ضروری ہے۔ **الذین یقاتلونکم** یا تو الذین سے کفار مکہ مراد ہیں یا عام کفار۔ **یقاتلون** میں تین احتمال ہیں۔ جنگ کی ابتداء کرنا' جنگ کی تیاری کرنا' جنگ کرنا یعنی ان کافروں سے لڑو جو جنگ کی ابتداء کریں خود ان پر حملہ نہ کرو۔ اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے یا ان کفار مکہ سے لڑو جو تم پر حملہ کریں۔ ذی اور امن میں

www.alahazratnetwork.org

آنے والے کفار سے نہ لڑو صرف حربی کفار سے ہی جنگ کرو جو جنگ کی تیاری کرتے رہتے ہیں یا ان کفار سے لڑو جو بلاواسطہ یا بالواسطہ میدان جنگ میں آکر تم سے لڑیں۔ بچوں، عورتوں، بوڑھوں اور مذہبی کفار کو جنہیں جنگ سے کوئی واسطہ نہ ہو نہ مارو۔ ان صورتوں میں یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ جہاد کے اب بھی یہ ہی احکام ہیں۔ خیال رہے کہ قتال فی سبیل اللہ اور ہے اور قتل فی سبیل اللہ کچھ اور قتال فی سبیل اللہ کی تین صورتیں ہیں۔ کفار سے جنگ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور عہد فاروقی و عثمانی کے جہاد۔ مرتدین سے جنگ جیسے حضرت صدیق کا منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کے لوگوں سے جہاد باغیوں سے جنگ جیسے عہد مرتضوی کے زمانہ کی جنگیں کہ اگرچہ انہیں جہاد نہ کہا جاوے گا مگر قتال فی سبیل اللہ ضرور ہیں۔ ان حضرات صحابہ کی یہ لڑائیاں اس آیت کی تفسیریں ہیں۔ اور قتل فی سبیل اللہ کی بھی تین صورتیں ہیں۔ مرتد کا قتل، زانی کا رجم "ظلماً" قاتل کا قتل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کا قتل کہ حضور کا گستاخ اگرچہ ہمارا بھائی برادر ہو مگر ہے مستحق قتل عبداللہ ابن ابی کے بیٹے نے ایک گستاخی پر اپنے باپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ ایک صحابی نے اپنی گستاخ ماں کو قتل کر دیا۔ **ولا تعتدوا** یہ عدو سے بنا۔ معنی حد سے بڑھنا، یعنی حد سے نہ بڑھو اس کے بھی تین معنی ہیں۔ ابتداء کفار پر حملہ نہ کرو صرف ان کا حملہ دفع کرو اس صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کیونکہ اب حملہ کرنے کی بھی اجازت ہے یا ذمی اور مستامن یا جنگ سے دور رہنے والے کفار یا بچوں و عورتوں وغیرہ کو قتل کر کے حد سے نہ بڑھو۔ یہ احکام اب بھی باقی ہیں۔ تفسیر احمدی نے یہ بھی کہا کہ بغیر دعوت اسلام جنگ نہ چھیڑو یا مقتول کفار کا مثلہ نہ کرو یعنی ان کے ناک کان وغیرہ نہ کاٹو کیونکہ یہ حد سے بڑھنا ہے یہ احکام بھی اب تک باقی ہیں کیونکہ **ان اللہ لا یحب المعتدین** اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ اور تم چونکہ رضاء الہی کے لئے لڑتے ہو نہ کہ کسی ذاتی غرض سے لہذا کوئی کام اس کے خلاف مرضی نہ کرو۔ اور جب کفار مکہ جنگ چھیڑ دیں اور تم کو بھی جواب میں جنگ کرنی پڑ جائے تو ماہ حرام یا مسجد حرام وغیرہ کا کوئی فرق نہ کرو بلکہ **واقتلوھم حیث ثقفتموھم** یہ لفظ ثقف سے بنا جس کے معنی ہیں پانا پکڑنا یا پکڑنے کی تدبیر کرنا یعنی حل یا حرم ماہ حرام یا دیگر وقت جب بھی اور جہاں بھی ان کافروں کو پاؤ قتل کر ڈالو کیونکہ حرم شریف کی حرمت انہوں نے توڑی نہ کہ تم نے جنگ کی ابتداء ان کی طرف سے ہوئی نہ کہ تمہاری طرف سے لہذا اس کے ذمہ دار بھی وہی ہیں نہ کہ تم اور پھر فقط جنگ پر ہی قناعت نہ کرو بلکہ **واخرجوھم من حیث اخرجوکم** یہ امر بھی وجوب کا ہے اور ھم سے مراد کفار مکہ اور **من حیث** سے مراد مکہ مکرمہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ حیث تعلیلیہ ہو یعنی تم بھی ان کو مکہ مکرمہ سے نکال دو۔ جیسے کہ انہوں نے پہلے تم کو نکالا تھا یا چونکہ انہوں نے تم کو نکالا۔ تم بھی انہیں نکال کر مکہ مکرمہ کی زمین شرک و کفر سے پاک کر دو۔ اس میں در پردہ مسلمانوں کی فتح کی بھی پیشینگوئی ہے اور اسکی بھی کہ عنقریب یہ مبارک شہر کفار کی نجاست سے پاک ہو جائے گا۔ نیز اشارۃ" یہ بھی فرمایا کہ بحالت جنگ اپنے کسی کافر عزیز کی رعایت نہ کرو اس وقت صرف کفر و اسلام تمہاری مد نظر ہو نیز اس حالت میں مال غنیمت پر نظر نہ کرو اگر فتح تمہاری ہو گئی تو پھر سب مال تمہارا ہی ہے نیز کفار خواہ میدان میں ڈٹے ہوں یا بھاگ جائیں یا کسی آڑ، مکان میں چھپ جاویں جہاں ہوں۔ جس حال میں ہوں انہیں قتل کرو جب تک کہ وہ ہتھیار ڈال کر اپنے کو تمہارے حوالہ نہ کر دیں کیونکہ دوران جنگ میں بہت چالیں چلی جاتی ہیں۔ اسی ایک جملہ میں جنگ کے بہت سے قوانین ارشاد فرمادیئے۔ چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ زمین حرم میں جہاں شکار کی بھی ممانعت ہے انسانی خون کی اجازت کیوں دی گئی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ **والفتنۃ اشد من القتل** فتنہ، فتن سے بنا۔ جس کے معنی ہیں سونے کو بھٹی میں تپا کر صاف کرنا۔ پھر ہر سخت

www.alahazratnetwork.org

امتحان کو فتنہ کہنے لگے۔ پھر کفار کے ان دکھوں اور مصیبتوں کو بھی فتنہ کہنے لگے جو مسلمانوں کو پہنچاتے ہیں جیسے **فتنوا المؤمنین** یہاں یا تو اس سے کفار کی ایذائیں اور تکلیفیں مراد ہیں جو مسلمانوں کو پہنچیں یا ان کا کفر اور بے دینی یا عذاب جہنم یعنی ان کفار کی ایذا رسانی قتل سے بڑھ کر ہے یا ان کا زمین مکہ میں کفر و شرک کرنا قتل سے سخت یا عذاب جہنم ان کے قتل سے بڑھ کر کہ یہ تو ایک آن کا ہے اور وہ دائمی۔ جب وہ یہاں کفر و شرک سے باز نہیں رہتے تو تم ان کے حملے کا جواب دینے میں کیوں دغدغہ کرتے ہو۔ (تفسیر کبیر) یا جب یہ حاجیوں کو حج سے روکتے ہیں جو کہ قتل سے بدتر گناہ ہے تو ان کو قتل کرنے میں کیا حرج ہے مگر ہم پھر صاف کہہ دیتے ہیں کہ **ولا تقتلوھم عند المسجد الحرام** یہ گویا پچھلے حکم کی شرح ہے مسجد حرام سے مراد یا تو بیت اللہ ہے یا مسجد پاک۔ عند سے مراد حدود حرم ہیں۔ جن کی حد مکہ مکرمہ سے ہر چہار طرف تقریباً" تین تین میل ہے یعنی تم حدود حرم میں ان سے ابتدائی جنگ نہ کرو۔ **حتی یقتلوکم فیہ** یہ **لا تقاتلوا** کی انتہاء ہے اور فیہ کی ضمیر حرم شریف کی طرف لوٹتی ہے یعنی یہاں تک کہ وہ تم سے حدود حرم میں جنگ کریں کہ اس صورت میں مجرم وہ ہیں نہ کہ تم لہٰذا **فان قتلوکم فاقتلوھم** قاتلوا کا فاعل کفار مکہ ہیں اور یہاں فیہ پوشیدہ یعنی پس اگر کفار مکہ حرم میں تم سے جنگ کریں تو تم بھی انہیں بے دریغ قتل کرو کیونکہ **کذلک جزاء الکفرین** ظاہر یہ ہے کہ الکفرین سے حرم پاک کی بے حرمتی کرنے والے کافر مراد ہیں۔ یعنی ایسے کافروں کو ایسی ہی سزا ہے لیکن اس قدر ظلم و شرک کرنے کے بعد بھی **فان انتھوا** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اگر یہ لوگ جنگ اور کفر سے اب بھی باز آجائیں تو دروازہ رحمت کھلا ہے **فان اللہ غفور رحیم** اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے کہ ان کے پچھلے سارے گناہ معاف کر دیگا۔ اور مہربان ہے کہ آئندہ ان پر رحم بھی فرمائے گا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تم عبادات اور خصوصاً" حج میں مشغول رہو اور اگر تمہیں اس کے لئے کسی قوم سے جنگ بھی کرنا پڑے تو درگذر نہ کرو۔ جنگ کے موقعہ پر جنگ کرو اور اس سے پہلے جنگ کی تیاری کرو جیسا زمانہ ویسی تیاری کہ فرض کے اسباب جمع کرنا فرض ہے نماز کے لئے طہارت بھی فرض ہے مگر یہ سب کچھ فتنہ فساد 'مال' زمین 'نفسانی خواہشوں کے لئے نہ ہو۔ بلکہ اللہ کے دین کی عزت اور عبادات کی آزادی کے لئے ان کفار سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کریں مگر خیال رہے کہ حد سے آگے نہ بڑھنا کہ نہ تو نفس کے لئے جنگ کرنا۔ نہ ضرورت سے زیادہ نہ بے خبر عورتوں اور چھوٹے بچوں کو قتل کرنا' نہ ذمی اور مستامن کافروں پر ہاتھ صاف کرنا۔ نہ بد عہدی کرنا کیونکہ یہ حد سے بڑھنا ہے اور اللہ حد سے بڑھنے والے کو پسند نہیں فرماتا۔ اور جنگ چھڑ جائے تو کسی کافر کی رعایت نہ کرو بلکہ جہاں کہیں انہیں پاؤ قتل کر دو۔ اور جیسے کہ انہوں نے تمہیں مکہ معظمہ میں نہیں رہنے دیا تمہیں وہاں سے نکل جانے پر مجبور کر دیا۔ بلکہ اب عمرہ کرنے سے روکا تم بھی انہیں وہاں سے نکال دو۔ اگرچہ حرم شریف میں جنگ کرنا سخت بات ہے مگر ان کا حرم میں فساد مچانا فتنے پھیلانا وہاں قتل کرنے سے زیادہ سخت ہے اور بڑے فتنہ کو دبانے کے لئے تھوڑی سختی بری نہیں بلکہ اچھی ہے۔ ہاں یہ خیال رہے کہ جہاں تک ہو سکے حدود حرم میں ان سے جنگ نہ کرو۔ جب تک کہ وہ خود وہاں جنگ کی ابتداء نہ کریں اور اگر وہاں رہ کر جنگ سر پر آ ہی پڑے کہ اس کے بعد کوئی چارہ ہی نہ ہو اور وہ تم سے وہاں لڑنے ہی لگیں تو تم انہیں وہاں ہی قتل کرو کیونکہ ایسے بے غیرت کافروں کی یہ ہی سزا ہے اور اگر یہ کافر اتنے گناہ کے بعد بھی جنگ سے باز رہیں اور کفر سے توبہ کر لیں تو ان کے لئے دروازہ رحمت اب بھی کھلا ہوا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جہاد : اللہ کی راہ میں جنگ کرنا بہترین عبادت ہے اس کے بے شمار عقلی اور نقلی فائدے ہیں۔ ہم یہاں ان میں سے کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) جیسے کہ مالداروں کا امتحان زکوۃ سے اور دنیاداروں کا امتحان نماز سے لیا گیا کہ وہ راہ مولیٰ میں اپنا مال و وقت صرف کریں۔ ایسے ہی جانداروں کا امتحان جہاد سے ہے کہ وہ بوقت طلب اپنی جان بھی حاضر کریں۔ گویا میدان جنگ محبت کی کسوٹی ہے۔ (2) محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے جہاد سے یہ محبت مٹتی ہے کیونکہ غازی جنگ میں جاتے وقت مال و اولاد و جان سب سے منہ پھیر کر رب کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ (3) دنیا میں شجاع اور سخی آدمی ہی عزت و آبرو سے رہ سکتا ہے۔ کمزور دوسروں کے رحم و کرم پر زندگی گزارتا ہے۔ دیکھو ہندوستانی مسلمان دس کروڑ ہیں اور ترک پانچ لاکھ سے بھی کم مگر دنیا میں جو عزت ان تھوڑوں کی ہے وہ ہم بہت سوں کی نہیں کیونکہ ان میں جہاد ہے ہم اس سے محروم بلکہ ہماری جو کچھ رہی سہی عزت ہے وہ انہیں اسلامی سلطنتوں کی بدولت اللہ انہیں قائم رکھے اور ترقی دے جہاد سے شجاعت بھی حاصل ہوتی ہے اور سخاوت بھی کیونکہ جو جان کی سخاوت کر سکتا ہے وہ مال کی بھی کر سکتا ہے۔ (4) زندگی عبادت کے لئے ہے مگر عبادت آزادی سے اور آزادی جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر ہمارے پاس جہاد کی طاقت نہ ہو تو زبردست قومیں مسجدیں بھی شہید کر سکتی ہے اور ہمیں نماز سے بھی روک سکتی ہیں۔ (5) جیسے کہ تندرستی کے لئے بیماریوں کے اسباب دور کرنا ضروری ہیں۔ ایسے ہی دینی قوت کے لئے غلبہ کفر کے اسباب مٹانا لازمی۔ یہ بات جہاد سے حاصل ہوگی۔ (6) حدیث شریف میں ہے کہ بعد موت دنیا میں آنے کی کوئی تمنا نہیں کرتا سواء مجاہد شہید کے وہ عرض کرے گا کہ مولیٰ مجھے پھر اس گرم ریت کی تمنا ہے اور زخم کھانے کی آرزو اور پھر تلوار کی جھنکار جو میدان جہاد میں سنی تھی۔ مگر چونکہ رب تعالیٰ کسی کو پاس کرکے دوبارہ امتحان نہیں لیتا اس لئے انہیں واپس نہ کیا جاوے گا وہ تو اس کی تمنا کرتے ہیں۔ (7) مجاہد شہید کو جان کنی کی تکلیف نہیں ہوتی بلکہ چیونٹی کے کاٹنے جیسی چمک۔ (حدیث) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں تمنا کرتا ہوں کہ راہ الٰہی میں جہاد کروں اور شہید ہوں پھر زندہ ہوں۔ پھر شہید ہوں۔ پھر زندہ ہوں۔ پھر شہید ہوں (مشکوۃ باب الجہاد)۔ (8) جنت کے سو درجے مجاہدین کے لئے خاص ہیں جن کے درمیانی حصہ کا نام فردوس ہے۔ اسی پر عرش الٰہی ہے اور اس سے جنت کی نہریں نکلتی ہیں۔ (مشکوۃ)۔ (9) تیاری جہاد کرنے والا حساب قبر اور عذاب قبر سے محفوظ ہے اگرچہ اسے جہاد میسر نہ ہو۔ (شامی)۔ (10) جیسے کہ بغیر نلائی (کھیت کو گھاس سے صاف کرنا) کھیتی نہیں ترقی کر سکتی یونہی بغیر جہاد مومن ترقی نہیں کر سکتے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد محض رضاء الٰہی اور دینی ترقی کی نیت سے چاہئے۔ ملکی اور قومی یا بیہودہ سیاسی جنگ جہاد نہیں اور نہ اس میں کچھ ثواب جیسا کہ فی سبیل اللہ سے معلوم ہوا۔ موجودہ مسلمانوں کی تحریکیں زیادہ تر اسی لئے فیل ہوتی ہیں کہ ان کی غرض ملک گیری یا ذاتی عزت ہے جیسے کہ خاکسار تحریک کا حال ہوا۔ اسی لئے عام تحریک والے شرعی پابندیوں پر نہیں رہتے اللہ نیت درست کرے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر کافر حربی سے جہاد جائز ہے خواہ وہ حملہ کرے یا نہ کرے جیسا کہ **یقتلونکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جن کافروں کو جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو انہیں قتل کرنا منع۔ ایسے ہی مردوں کے ناک کان کاٹنا سخت جرم ہے کہ یہ حد سے بڑھنا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حرم شریف میں قتل اور جنگ ناجائز ہے۔ ہاں حملہ دفع کیا جا سکتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اگر کوئی مجرم حرم شریف میں داخل ہو جائے تو اسے نہ تو وہاں قتل کیا جا

www.alahazratnetwork.org

سکتا ہے اور نہ گرفتار بلکہ اسکا دانہ پانی بند کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا جائے گا۔ جب وہاں کفر کی سزا نہ دی گئی تو دوسرے جرم تو اس سے ہلکے ہیں۔ **چھٹا فائدہ :** زمین حرم میں جرم کرنے والے کو وہاں ہی سزا دی جاوے گی۔ وہاں چوری یا زنا کرنے والا۔ شرابی اور مرتد سزا پائے گا (شامی کتاب الحج) جیساکہ فاقتلوھم سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** یوں تو ہر مسجد ہی حرمت والی ہے کہ وہاں جنبی' حائضہ کو داخل ہونا حرام ہے۔ گندے بدبودار شخص کو آنا ممنوع۔ مگر مسجد بیت اللہ شریف کی حرمت بہت زیادہ ہے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ جگہ آدم علیہ السلام کی عبادت گاہ ہے اور کعبہ حضرت ابراہیم کی تعمیر عمارت کی عزت تعمیر کرنے والے کی عظمت سے ہوتی ہے۔

کعبہ را ہر دم کہ عزت مے فزود   ایں ز اخلاصات ابراہیم بود

دوسرے یہ کہ یہ مسجد حضور سید الانبیاء کی مسجد و عبادت گاہ خاص ہے۔ تیسرے یہ کہ مطاف شریف میں قریباً" چار سو پیغمبروں کے مزارات ہیں۔ پانچویں یہ کہ حطیم کعبہ میں حضرت ہاجرہ و اسمٰعیل علیہ السلام کے مزارات ہیں۔ چھٹے یہ کہ یہ مسجد اپنے میں کعبۃ اللہ شریف کو لئے ہوئے ہے۔ جس مسجد میں کعبہ واقع ہے وہ تمام مسجدوں سے افضل ہے تو جس مسجد قلب میں مدینہ والے سرکار جلوہ گر ہو جائیں وہ دل تمام ہی دلوں سے بہتر ہو گا ہم نے عرض کیا ہے۔

سینہ میں جو آ جاؤ بن آئے مرے دل کی   سینہ تو مدینہ ہو دل اس کا ہو سودائی
یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن   پھر کعبہ و طیبہ کی پہلو میں ہو یکجائی

جس شہر میں کعبہ ہے وہاں امن ہے۔ جس دل میں حضور ہیں وہاں انشاء اللہ عذاب سے امن ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو صرف کفار کا حملہ روکنے کی اجازت ہے۔ ابتداء" ان پر حملہ کرنا سخت منع کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ تم صرف انہیں سے لڑو جو تم سے جنگ کریں۔ ان پر حملہ کرنا تم نے کہاں سے نکالا۔ (مرزائی)

جواب: ہماری تفسیر میں اس کے چند جواب گزر گئے۔ ایک یہ کہ یہ آیت حرم شریف کی جنگ کے بارے میں ہے اور جگہ کے لئے نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے حربی کفار مراد ہیں۔ جو کہ ذمی (مسلمانوں کی رعایا) اور مستامن نہ ہوں۔ تیسرے یہ کہ اس سے جنگجو کفار مراد ہیں۔ مندروں کے پجاری یا کفار کی عورتیں بچے جنہیں جنگ سے کوئی تعلق نہ ہو۔ انہیں قتل نہ کیا جائے گا۔ چوتھے یہ کہ یہ آیت منسوخ ہے کہ پہلے مسلمانوں کو صرف جوابی حملہ کی اجازت دی گئی اور پھر ابتدائی حملہ کی بھی۔ مرزائی اتنا نہیں سمجھتے کہ سوا جنگ احد اور خندق کے باقی تمام غزوات میں حضور علیہ السلام نے ہی کفار پر حملے کئے۔ بدر' حنین' فتح مکہ میں کفار نے اولاً" حملہ نہ کیا تھا۔ نیز عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جنگ قادسیہ و یرموک وغیرہ میں بھی مسلمانوں ہی نے کفار پر حملے کئے کیا یہ جنگیں ناجائز ہوئیں۔ نیز یہ کون سی عقل مندی ہے کہ کفار کو جنگ کی تیاری کی مہلت دے دو جب وہ پنپنے لگیں سر بچا لو ضروری ہے کہ جس قوم سے جنگ کا خطرہ ہو اس کی پوری سرکوبی کر کے جنگ کے قابل نہ رکھا جائے۔ بیچارے مرزائی جہاد کے راز کیا جانیں۔ جن کے نبی کی نبوت دوسروں کے زیر سایہ پھلی پھولی ہو جہاد مردوں کا کام۔ سانپ کو کاٹنے کا موقعہ مت دو پہلے ہی سے مار دو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قتل اور خونریزی سے ہی پھیلا۔ اگر اس میں کوئی خوبی ہوتی تو اس کی اشاعت میں یہ ظلم کیوں کرنے پڑتے اور مظلوم غیر مسلموں کو بلا قصور کیوں قتل کیا جاتا۔ (ستیارتھ پرکاش)

www.alahazratnetwork.org

جواب: پنڈت جی ہم مانتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ یہ ہی اس کی حقانیت کی دلیل ہے۔ ہر اچھی چیز تلوار اور قوت سے ہی پھلتی ہے بری چیز خود بخود بڑھتی رہتی ہے۔ بدامنی 'بیماری' حرامکاری خود بخود پھیلتی ہے۔ مگر امن و تندرستی پھیلانے اور حرامکاری روکنے کے لئے بہت قوت اور دولت خرچ کرنی پڑتی ہے تمہارا دھرم گھاس پھوس اور بیماری کی طرح خود بخود پھیلا ہو گا ہمارا اسلام تو بے شک طاقت اور جہاد سے ہی پھیلا۔ پنڈت جی تمہارے دھرم نے طاقتوروں کے سایہ میں رہنا سکھایا۔ ہمارے اسلام نے خود طاقت ور بن کر دوسروں کو اپنے سایہ میں رکھنے کی تعلیم دی۔ انہیں غلط اصولوں سے ہندوستان ہمیشہ دوسروں کا غلام رہا۔ آپ جو آرام کر رہے ہو یہ بھی برٹش گورنمنٹ کی تلوار کے سایہ صدقہ ہے۔ اسلام نے بے قصوروں سے جنگ نہ کی بلکہ مذہبی آزادی کے لئے آڑ کو ہٹایا۔

تفسیر صوفیانہ : روح مومن ہے۔ نفس امارہ اور شیطان جنگجو کافر دل بیت اللہ۔ کیونکہ تجلی گاہ الٰہی ہے۔ سینہ اس کا حرم۔ یہاں روح سے خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اے روح تو اپنے ساتھی ملائکہ وغیرہ کو لے کر شریعت کے ہتھیار اور طریقت کی ڈھال کے ذریعہ نفس و شیطان سے جنگ کر جو ہر وقت تیری تباہی کے فکر میں رہتے ہیں مگر حد سے نہ بڑھنا کہ نفس کے شرعی حقوق بھی مار کر اسے بالکل تباہ کر دے بلکہ اس کی سرکشی مٹا کر راہ راست پر لگا دے۔ اللہ تعالیٰ محبت اور توحید و عدالت کی حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اے روح تو جہاں کہیں نفس اور اس کے افعال کو پائے اسے قتل کر ڈال جیسے کہ اس نے کعبہ دل اور حرم سینہ سے تجھے نکالنے کی کوشش کی اور اس کعبہ میں لذتوں اور شہوتوں کے بت رکھ دیئے تو بھی وہاں سے اسے نکال کر اپنا قبضہ کر اور اس دل کو بجائے بیت الاصنام (بت خانہ) کے بیت الحرام بنا دے۔ پھر جب یہ کافر نفس عاجزی کرتا ہوا اس کعبہ میں آنا چاہے تو اس سے قتل نہ کر جب تک وہ تجھ سے جنگ نہ کرے کیونکہ اب وہ نفس تیرا مددگار ہو گا نہ کہ دشمن غرضیکہ کعبہ دل کو دنیوی بتوں سے پاک کر کے اسے خانہ خدا بناؤ۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ پہلے قریبی کافروں کو مارو پھر دور والوں کو انسانی کفار دور کے کافر ہیں مگر بہت قریب اور سخت تر کافر نفس اور شیطان ہے۔ وہ کفار تو صلح وغیرہ سے بھی راضی ہو جاتے ہیں۔ مگر یہ بغیر دین برباد کئے راضی نہیں ہوتا۔ مثنوی شریف میں مولانا فرماتے ہیں۔

اے شہاں کشتیم ماخصم بروں!	ماند خصمے زوبتر در اندروں
کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست	شیر باطن سخرہ خرگوش نیست
سہل شیرے داں کو صفہا بشکند	شیر آں است آنکہ خودرا بشکند

غیر کو مارنا آسان ہے اپنے کو مارنا بہت مشکل۔ قتل کفار سہل مگر نفس ناہنجار کا قتل سخت دشوار۔ (تفسیر روح البیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے مگر اسکی قسمیں بہت ہیں۔ بت خانہ 'کوڑی' عام زمین مسجد 'کعبہ معظمہ کی زمین سب اللہ کی زمینیں ہیں مگر ان کے فوائد و فضائل یکساں نہیں۔ اسی طرح انسانوں کے دل اللہ ہی کی مخلوق ہیں مگر کفار کا دل جس میں کفر و عناد ہے۔ بت خانہ ہے اور جن دلوں میں حسد 'کینہ' طمع 'بخل وغیرہ بھرے ہیں وہ گویا کوڑی ہیں جن دلوں میں غفلت ہے وہ عام زمین شورہ کی طرح ہیں 'جن دلوں میں اطاعت الٰہی کا جذبہ ہے۔ وہ مسجدیں ہیں اور جن میں عشق الٰہی' محبت مصطفوی ہے وہ کعبۃ اللہ یا حرم کعبہ 'میں تمام مسجدیں کعبہ کی طرف ہیں مگر مسجد حرام میں کعبہ واقع ہے لہٰذا یہ مسجد تمام

مسجدوں سے افضل اسی طرح ملیعوں کے دل رب کی طرف ہیں مگر عشاق کے دل میں رب کا نور رہتا ہے لہٰذا یہ دل ان دلوں سے افضل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در دل مومن بگنجم اے عجب! گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

اللہ وہ دل دے جو کاشانہ عیار ہے وہ دل نہ دے جو پاخانہ اغیار ہے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا
اور جنگ کرو اُن سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جاوے دین واسطے اللہ کے پس اگر باز آ جائیں
اور اُن سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ نہ رہے اور ایک اللہ کی پوجا ہو۔ پھر اگر وہ باز آئیں
فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِیْنَ
تو نہیں ہے زیادتی مگر اوپر ظالموں کے
تو زیادتی نہیں مگر ظالموں پر

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں حرم شریف میں جنگ کی ابتداء کا ذکر تھا۔ اب اس کی انتہا کا تذکرہ ہے۔ جنگ و جہاد کے تین حالات ہوتے ہیں۔ ابتداء، دوران جنگ کے حالات انتہا ان میں سے کسی حال میں ذرا سی غلطی قوم کو تباہ کر دیتی ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو جنگ کے پہلے دو حالات کی تعلیم دے کر اب جنگ ختم کرنے کی تعلیم دی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر کفار حرم میں جنگ کریں تو تم بھی انہیں قتل کرو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ فقط قتل ہی مقصود نہیں بلکہ اگر وہ جنگ چھیڑ کر بعد میں ایمان لے آئیں تو بھی تم جنگ ختم کر دو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر کفار باز رہیں تو اللہ غفور رحیم ہے یہ نہ معلوم ہوا کہ کس چیز سے باز رہیں۔ اب اس کی شرح فرمائی جا رہی ہے کہ فتنہ سے۔

تفسیر : **وقاتلوھم** یہ **قاتلوا فی سبیل اللہ** پر معطوف ہے اور ظاہر یہ ہے کہ جنگ چھڑ جانے کے بعد کا حکم ہے اور ھم سے مراد کفار مکہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس قاتلوا سے ابتداء جنگ مراد ہو اور ھم کا مرجع کفار مکہ یا عام کفار ہوں۔ اس صورت میں یہ آیت پچھلی آیت کی ناسخ ہے کہ اس میں جہاد کی بلا قید اجازت دی گئی۔ یہی تفسیرات احمدیہ نے اختیار کیا یعنی جب کفار مکہ سے جنگ چھڑ جائے تو تم انہیں اس وقت تک قتل کرو یا اے مسلمانو ماہ حرام اور حرم کی کوئی قید نہیں تم ہر حال ہر وقت ہر جگہ ان سے یہاں تک جنگ کرو کہ **حتی لا تکون فتنۃ** بعض نے فرمایا کہ فتنہ سے مراد غلبہ کفار ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ان کی ایذا رسانی ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اس سے شرک، کفر مراد ہے۔ کیونکہ یہی تمام فتنوں کی جڑ ہے یعنی تم کفار مکہ سے یہاں تک

www.alahazratnetwork.org

جنگ کرو کہ اس زمین پاک میں کفر شرک باقی نہ رہے۔ جزیہ یا صلح پر فیصلہ نہ کرلو۔ کیونکہ کفار حرم سے جزیہ وغیرہ کی اجازت نہیں۔ ان کو اسلام ہی لانا پڑے گا۔ مقصد یہ ہے کہ مسلمانوں جب کفار سے جنگ چھڑ جائے تو ان کی پوری سرکوبی کئے بغیر جنگ بند نہ کرو ان کی ظاہری خوشامد اور پالیسی کی صلح کی درخواست پر کان نہ دھرو کہ اس سے تم دھوکہ کھاجاؤ گے اس وقت تک جنگ کرو کہ فتنہ بالکل نیست و نابود ہو جائے۔ **و یکون الدین للہ** ظاہر یہ ہے کہ 'الدین میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور اس کا مضاف الیہ یا کفار ہیں یا حرم۔ للہ کا لام خصوصیت کا ہے۔ یعنی کفار مکہ کا دین یا اس زمین پاک کا دین 'دین الٰہی (اسلام) ہو جائے کہ خدا کے سوا کسی اور کی پرستش نہ ہو۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دین سے مراد عبادت ہو یعنی اس زمین پاک میں اللہ ہی کی عبادت ہوا کرے نہ کہ بتوں اور درختوں وغیرہ کی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے فقط کفار مکہ ہی مراد نہیں بلکہ عام کفار مقصود ہیں اور یہ آیت جزیہ کی آیت سے منسوخ ہے گویا پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ کفار کو اسلام لانے پر ہی مجبور کریں۔ پھر جزیہ کی بھی اجازت دی گئی۔ تفسیر احمدی نے اس کی نہایت نفیس تفسیر اور بھی کی ہے۔ وہ یہ کہ **قاتلوھم** میں 'ھم سے مراد سارے ہی مشرکین ہیں اور حتیٰ کلام کے معنی میں ہے اور الدین سے مراد دین غالب ہے یعنی تم کفار سے شرک مٹانے کی نیت سے جنگ کرو اور اس لئے جہاد کرو کہ دین الٰہی غالب ہو کہ یا تو کفار ایمان لے آئیں یا جزیہ قبول کریں۔ اس صورت میں یہ آیت عام کفار کے حق میں ہے اور منسوخ بھی نہیں۔ **فان انتھوا** یہ پچھلے جزء کا بیان ہے یعنی اگر یہ کفار جنگ کی حالت میں یا جنگ سے پہلے ہی شرک یا تمہارے مقابلہ سے باز آجائیں اور جزیہ قبول کرلیں یا اگر یہ کفار مکہ اسلام لے آئیں **فلا عدوان الا علی الظلمین** اگر انتھوا سے ایمان لانا مراد ہے تو ظالم سے مرتد' ڈاکو' زانی' قاتل و باغی مراد ہے اور اگر وہاں جنگ سے باز آنا مراد تھا تو یہاں ظالم سے باغی اور جزیہ کا منکر مراد ہے یعنی اسلام قبول کرنے کے بعد مرتدین' باغی' زانی' قاتل وغیرہ ظالموں کے سوا کسی پر سختی نہ کرو یا کفار کے ہتھیار ڈال دینے کے بعد سوا سرکش ظالموں کے اور کسی پر زیادتی نہ کرو۔ خلاصہ یہ کہ پہلے تو ان سے مذہبی جنگ لڑی جائے گی مگر ان کے اطاعت کرلینے پر یہ جنگ تو ختم ہو جائے گی۔ پھر اگر کوئی جرم کریں گے تو اس کی سزا ہو گی۔

خلاصہ تفسیر: جنگ پانچ قسم کی ہے۔ دو' مدعیان اسلام سے سیاسی جنگیں اور تین' کفار سے مذہبی لڑائیاں۔ باغیوں' خارجیوں سے جنگ پہلی قسم کی جنگیں ہیں۔ کفار عرب سے جنگ' کفار عجم سے جنگ' مرتدین سے جنگ۔ یہاں کفار سے پہلی دو قسموں کی جنگوں کا ذکر ہے یعنی کفار عرب سے جنگ یا کفار عجم سے جنگ اور **فان انتھوا** میں باغیوں' خوارج سے جنگ کی طرف اشارہ ہے اور ڈاکوؤں' چوروں' زانیوں کی سزا کی طرف بھی یعنی اے مسلمانوں تم کفار عرب سے یہاں تک جنگ کرو کہ اس زمین پاک میں شرک' کفر' بے دینی بالکل نہ رہے اور اس خطہ میں خالص اللہ کا دین یعنی اسلام ہی رہ جائے۔ کیونکہ یہاں کفار سے جزیہ یا صلح جائز نہیں۔ اس زمین کا کفر سے پاک ہونا ہی ضروری ہے۔ کیونکہ یہ جگہ عبادت الٰہی کے لئے خاص ہے۔ پس اگر یہ بے دینی اور کفر سے باز آجائیں تو ان پر کوئی دست درازی نہ کرو۔ ہاں مجرموں کو سزا ضرور دو۔ زانی' قاتل' مرتد ضرور سزا کے مستحق ہیں۔

دوسری تفسیر: اے مسلمانو! کفار سے جنگ اس نیت سے کرو کہ زمین میں فتنہ اور فساد نہ رہے اور غلبہ دین الٰہی یعنی اسلام کو ہو جائے۔ یا تو اس طرح کہ کفار ایمان لے آئیں یا جزیہ قبول کریں۔ پس اگر یہ جنگجو لوگ اسلام لاکر یا جزیہ قبول کرکے جنگ

www.alahazratnetwork.org

سے باز آجائیں تو ان پر کوئی زیادتی نہ کرو۔ ہاں باغیوں' جزیہ سے انکار کرنے والوں یا ڈاکوؤں وغیرہ کو ضرور سزا دو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد خدمت اسلام سمجھ کر کرنا چاہئے۔ اس میں دنیوی فائدہ مد نظر نہ ہو۔ اسی کا ثواب ہے اور یہی حقیقی جہاد۔ **دوسرا فائدہ:** عرب اور دیگر ممالک کے کفار میں یہ فرق ہے کہ عرب کے کفار سے جزیہ یا صلح قبول نہ کی جائے گی یا تو وہ مسلمان ہوں یا زمین عرب خالی کریں کیونکہ یہ جگہ عبادت الٰہی کے لئے بنی۔ وہاں دو دین نہیں رہنے چاہئیں۔ حضور نبی کریم علیہ السلام نے حکم دیا کہ یہود و نصاریٰ کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔ نیز خود آپ نے یہودیوں کو مدینہ پاک سے خیبر کی طرف نکالا اور عمر رضی اللہ عنہ نے وہاں سے بھی ان کو نکالا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کے دیگر احکام میں تو خود حکم پر عمل کرنا ہر ایک پر لازم ہے ہر مسلمان نماز پڑھے' ہر مالدار زکوٰۃ دے' حج کرے' ہر مومن روزہ رکھے مگر قاتلوا کے حکم میں ہر شخص پر قتال لازم نہیں۔ بلکہ مجاہدین میں کوئی لڑے گا کوئی لڑائے گا کوئی غازیوں کا کھانا پکائے گا کوئی وطن میں رہ کر ملک کی حفاظت کرے گا کوئی غازیوں کے بال بچوں کی خدمت کرے گا۔ یہ سب لوگ قاتلوا کے امر پر ہی عامل ہوں گے۔ جہاد نام ہے شمشیر و تدبیر کا۔ ان دونوں پر فتح و نصرت کی عمارت بنتی ہے۔ فتح کے لئے تدبیر مثل بنیاد کے ہے اور جوانوں کی شمشیر مثل دیوار کے۔ شمشیر کے لئے نوجوان بہادر بھرتی کرو اور تدبیر کے لئے جہاندیدہ بوڑھے حضرات کی خدمات حاصل کرو خالد ابن ولید کی شمشیر اور ابو عبیدہ ابن جراح کی تدبیر پر فتوحات فاروقی کا سہرا ہے۔

مسئلہ : جزیرہ عرب میں کفار کو وطن بنانے کی اجازت نہیں اور اگر بزور رہنا چاہیں تو غیر حرم میں جنگ کر کے بھی ان کو نکال دیا جائے گا اور حدود حرم میں اولاً ان سے جنگ نہ کی جائے بلکہ تنگ کر کے یہاں سے نکل جانے پر مجبور کیا جائے اور اگر وہ کسی طرح وہاں سے نہ ہٹیں اور نکالنے پر لڑنے کو آمادہ ہو جائیں تو اس وقت ان سے جنگ بھی جائز ہے۔ غیر عرب کے کفار جو عارضی طور پر وہاں جائیں ان کا یہ حکم نہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں کفار بادشاہوں کے ایلچی (قاصد) حاضر ہوا کرتے تھے۔ **مسئلہ:** چند شخصوں کا قتل جائز ہے۔ کافر حربی' باغی' مرتد' قاتل' ڈاکو اور شادی شدہ زانی۔ یہ سب مسائل اسی آیت سے حاصل ہوئے۔ اور درمختار و ردالمحتار وغیرہ میں ان کی پوری تشریح ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو ایمان لانے پر مجبور کیا جائے اور دنیا میں فقط اسلام ہی باقی رکھا جائے۔ حدیث میں بھی ہے **امرت ان اقاتل الناس حتی یشھدوا ان لا الٰہ الا اللہ** (مشکوٰۃ کتاب الایمان)۔ یعنی مجھے حکم دیا گیا کہ میں لوگوں سے یہاں تک جنگ کروں کہ وہ کلمہ پڑھ لیں۔ مگر قرآن پاک میں دوسری جگہ فرمایا گیا **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر جائز نہیں۔ نیز قرآن کریم نے جزیہ کے احکام بتائے۔ اور حضور علیہ السلام نے بھی جزیہ لیا۔ ان دونوں باتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** تفسیر میں اس کے چند جواب گزر گئے۔ ایک یہ کہ یہ آیت اور حدیث کفار عرب کے لئے ہے اور جزیہ کی آیتیں دیگر کفار کے لئے کیونکہ عرب میں دو دین نہیں رہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت و حدیث میں حتیٰ لام کے معنی میں ہے یعنی تم دنیا کے لئے نہیں بلکہ فساد مٹانے اور اسلام پھیلانے کی نیت سے جہاد کرو اور ریاکاری سے دور رہو۔ تیسرے یہ کہ فتنہ سے مراد جنگ اور دین سے مراد دین غالب ہے۔ یعنی اس وقت تک جنگ کرو جب تک کہ جنگ کی آگ بجھ نہ جائے اور اسلام سے دینی رکاوٹیں اٹھ نہ جائیں کہ مسلمانوں کو دینی آزادی حاصل ہو۔ **دوسرا اعتراض:** عرب میں کفار کے

www.alahazratnetwork.org

رہنے کی اجازت کیوں نہیں۔ یہ تو ایک قسم کا ظلم ہے۔ **جواب:** جیسے کہ شاہی محل میں صرف شاہی نوکر چاکر اور خدام رہتے ہیں کسی اور کو رہنے کی اجازت نہیں۔ باقی زمین میں جو چاہے رہے ایسے ہی وہ زمین رب کی خاص زمین ہے۔ وہاں اس کے خاص بندے مسلمان ہی رہ سکتے ہیں۔ گرجا اور مندر کے حدود میں غیروں کو نہیں رکھا جاتا۔ کیونکہ عیسائیوں اور ہندوؤں کے عقیدوں میں وہ جگہ خاص رب کی ہے ایسے ہی یہ ملک خاص اسی کا ہے۔ اب دنیوی حکومتوں نے بھی افریقہ وغیرہ ممالک کے لئے یہ قانون بنا دیئے ہیں کہ وہاں دوسرے ملک کے باشندے وطن بنا کر نہیں رہ سکتے۔ ایسے ہی یہاں بھی کیا گیا نیز زمین عرب صرف عبادت کے لئے ہے کیونکہ وہاں بیت اللہ واقع ہے چاہئے کہ وہ جگہ سیاسی اڈہ اور جنگی اکھاڑہ نہ بنے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ جگہ وہاں صرف مسلمان آباد ہوں۔ مختلف قوموں میں فساد یقینی ہے۔ اسی لئے قدرت نے وہ زمین دنیوی خوبصورتیوں سے پاک صاف رکھی۔ خشک ریگستان ہے تاکہ وہاں دنیاداروں کو جانے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ **تیسرا اعتراض:** مذہبی آزادی چاہئے۔ جہاد در حقیقت غیر مذہب والوں پر ظلم ہے۔ برٹش گورنمنٹ نے مذہبی آزادی دی۔ آپس کی محبت بندوں پر مہربانی اچھی چیز ہے۔ مگر قرآن اس سے خالی ہے۔ انجیل نے اس کا بہت اچھا سبق دیا۔ ہندو مذہب تو بڑا ہی رحم والا ہے جس میں آدمی تو کیا جانور کا بھی قتل روا نہیں (نیچری)۔ **جواب:** اخلاق اور چیز ہے اور ملکی سیاست دوسری چیز ہے۔ اپنے ذاتی معاملات میں محبت، مہربانی، سلوک بہتر ہے جس کی قرآن کریم و حدیث شریف نے جگہ جگہ تعلیم دی۔ فرمایا **ادفع بالتی ھی احسن**۔ برائی کا بدلہ بھلائی سے کرو۔ دوسری جگہ فرمایا **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان**۔ اللہ انصاف اور نیک سلوک کا حکم دیتا ہے۔ اس جیسی بہت سی آیتیں ہیں۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا **صل من قطعک واعف عمن ظلمک** جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو۔ جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کر دو۔ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مہربانیاں اور معافیاں دنیا بھر میں مشہور و معروف ہیں۔ یہ سب ذاتی معاملات ہیں۔ مگر عدل و انصاف کے قانون سرکشوں اور گمراہوں کو سزا، بدمعاشوں اور نالائقوں پر سختی ملکی قانون ہے۔ اگر ہر جگہ معافی اور مہربانی ہی استعمال کی جائے تو دنیا سے امن اٹھ جائے۔ پچھلے پیغمبروں نے بھی کفار سے جنگ کی۔ عیسائی بادشاہوں نے دنیوی حقوق کے لئے اور انسانی آزادی ہٹا کر سب کو اپنا غلام بنانے کے لئے بڑی بڑی خونریزیاں اور لڑائیاں کیں اور کر رہے ہیں۔ اسپین میں مسلمانوں پر بڑے بڑے ظلم ہوئے، ہندوؤں میں بھی ویدیوں اور بدھ مذہب والوں سے سالہا سال قتل عام ہوئے۔ ہندوؤں کی مہابھارت اور کوروؤں پانڈوؤں کی لڑائیاں اب تک مشہور ہیں۔ ہندوؤں اور عیسائیوں کے یہ معافی کے قانون فقط زبانی ہیں۔ ان پر عمل ناممکن مگر اسلام چونکہ عملی مذہب ہے اس میں اخلاق کی بھی تعلیم ہے اور سیاست کی بھی۔ مسلمانوں کی لڑائیاں ان جنگوں کے مقابلہ میں سراپا رحمت تھیں۔ حضور علیہ السلام کی ساری جنگوں میں 1008 آدمی مارے گئے۔ عورتیں، بچے، بیمار، ہمیشہ قتل سے محفوظ رہے مگر اب وحشیانہ بمباری میں پہلے عورتوں بچوں پر ہی ہاتھ صاف ہوتا ہے۔ اور ہزار آدمی تو ایک منٹ میں مرتے ہیں اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا۔ مسلمانوں کی آنکھ میں تنکا ڈھونڈا جاتا ہے۔ اس کی پوری تحقیق کے لئے تفسیر حقانی کی یہی آیت دیکھو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظالموں پر عدوان یعنی ظلم جائز ہے۔ ظلم تو کسی پر بھی اچھا نہیں۔ اور مجرم کی سزا جرم نہیں۔ پھر یہاں عدوان کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** عدوان کے معنی سبیل اور حجت کے بھی ہیں۔ جیسے **ایما الاجلین** قضیت فلا عدوان علی، ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی عدوان کے یہی معنی ہوں۔ اور ممکن ہے کہ سزاء ظلم کو مجازاً "ظلم" کہا گیا ہو۔ جیسے کہا جاتا ہے نتیجہ کار بد کار بد ہے۔ یا جزاء

www.alahazratnetwork.org

نسلفہ سبتنہ(مواہب الرحمٰن)۔

تفسیر صوفیانہ : نفس نے کعبہ دل پر قبضہ جمایا اور حرم سینہ میں فتنہ پھیلایا۔ روح کو حکم ہوا اے روح تو اس نفس سے یہاں تک جنگ کر کہ اس حرم و کعبہ میں اس کا کوئی فساد باقی نہ رہے کہ نہ برے خیالات پیدا ہوں اور نہ عبادات میں بے لطفی سب کی توجہ رب کی طرف ہی ہو جائے اور وہاں رحمانی سلطنت قائم ہو۔ شیطان اور طغیان کا یہاں سے دخل جاتا رہے اگر نفس ان حرکتوں سے باز آجائے تو اے روح تو بھی اس پر زیادتی نہ کر اور اگر پھر بھی یہ حدود شریعت توڑنا چاہے تو تو اس ظالم کو سخت سزا دے کر اس سے باز رکھ۔ غرضیکہ اسے اس حرم میں رکھ تاکہ عذاب الٰہی سے محفوظ رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ روح انسانی ہزارہا کفار کے نرغہ میں گھری ہے۔ نفس امارہ' شیطان' برے یار' دنیاوی کاروبار یہ وہ لشکر ہے جو روح و دل کو رب سے غافل کرتا ہے۔ روح کو چاہئے کہ شریعت کے ہتھیار' طریقت کی ڈھال' شیخ وقت کی مدد قرآن کریم' صبر کے ذریعے نفس پر حملہ آور کرے۔ نفس کو مغلوب کرنے والا ہتھیار اس کی مخالفت ہے۔ اگر دو رکعت نماز سے روکے تو چھ نفل پڑھو۔ اور کہو کہ اگر آئندہ روکے گا تو بارہ پڑھوں گا اگر دو پیسہ خیرات سے روکے تو ایک روپیہ صدقہ کرو اور کہو کہ اگر آئندہ تو نے مجھے خیرات سے روکا تو دو روپیہ خیرات کروں گا۔ انشاء اللہ چند دن میں نفس رام ہو جائے گا بلکہ کچھ عرصہ بعد یہی نفس امارہ' مطمئنہ بن کر اچھی باتوں کا مشورہ دینے لگے گا۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا ان النفس الامارۃ بالسوء الا ما رحم ربی یہ نفس مرحوم جس پر اللہ کا رحم ہے۔ یہی تابع کیا ہوا نفس ہے۔ رب توفیق بخشے۔

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ فَمَنِ اعْتَدٰى
مہینہ حرمت والا ہے بدلے مہینے حرمت والے کے ہے اور عظمتیں بدلہ ہیں پس جو زیادتی کرے
ماہ حرام کے بدلے ماہ حرام اور ادب کے بدلے ادب ہے تو جو تم پر زیادتی کرے اس پر
عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
اوپر تمہارے پس زیادتی کرو اوپر اس کے مثل اسی کے جو زیادتی کی اوپر تمہارے اور ڈرو اللہ سے
زیادتی کرو اتنی ہی جتنی اس نے کی۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو
وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ پرہیزگاروں کے ہے۔
اور جان رکھو کہ اللہ ڈر والوں کے ساتھ ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** عمرہ قضا میں مسلمانوں کو اندیشہ تھا کہ اگر کفار نے بدعہدی کی اور ہمیں جنگ کرنی پڑ گئی تو ہم پر تین گناہ ہوں گے۔ حرم شریف اور احرام کی بے حرمتی کا اور ماہ حرام یعنی ذیقعد کی بے حرمتی کا۔ پہلے دو اندیشے تو پچھلی آیت میں دفع کر دیئے گئے کہ تمہیں وہاں حملہ روکنے اور جوابی حملہ کرنے کی اجازت ہے۔

تیسرا شبہ اب دور کیا جارہا ہے کہ ماہ حرام کی حرمت بے شک اچھی ہے مگر جان بچانا بھی فرض ہے اگر جان پر آپڑے تو ضرور بچاؤ۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں محترم جگہ یعنی مسجد حرام کا ذکر تھا اب محترم وقت یعنی ماہ ذیقعد کی حرمت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ظالموں کو سزا دو۔ اب گویا اس کی شرح ہو رہی ہے کہ جو ماہ حرام کا لحاظ نہ کرے اور تم پر اس میں حملہ کرے تم اس کو ضرور جواب دو۔ کیونکہ اس میں اس مہینہ کی بے حرمتی نہیں بلکہ بے حرمتی کرنے والوں کو سزا ہے۔ جس سے اس کی حرمت کا بچاؤ ہے۔

تفسیر: **الشهر الحرام بالشهر الحرام** ۔ یہاں شہر جنسی معنی میں ہے۔ جس میں چاروں محترم مہینے یعنی رجب، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم داخل ہیں۔ حرام یا تو بمعنی محترم ہے یا حلال کا مقابل۔ محترم مہینے یا وہ مہینے جن میں جنگ حرام ہے اور بالشھر سے پہلے مقابل فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی محترم مہینہ کی حرمت، حرمت کے مقابلہ میں کی جائے گی۔ کہ اگر مشرکین اس کا ادب کرتے ہوئے جنگ سے باز رہیں تو تم بھی باز رہو اور اگر وہ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جنگ شروع کردیں تو تم اس کا لحاظ کیے اپنے کو ہلاک نہ کرا دو۔ تفسیر روح المعانی و روح البیان وغیرہ نے یہ بھی کہا کہ سال حدیبیہ میں کفار مکہ نے مسلمانوں پر کچھ پتھر اور تیر پھینکے تھے جس کا انہوں نے کوئی جواب نہ دیا اللہ القضاء عمرہ کے وقت فرمایا گیا کہ اگر تمہیں جنگ کرنا پڑ جائے تو تم پر کوئی کافر اعتراض کرے تو جواب دے دینا کہ یہ گذشتہ سال کی بے حرمتی کا بدلہ ہے کہ تم نے پچھلے سال ماہ حرام میں ہی ہم پر تیر چلائے تھے اب تمہیں سزا دی جارہی ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جنگ کفر سے ہلکی ہے۔ جب تم ماہ حرام میں کفر سے باز نہیں رہتے تو اگر ہم تم سے جنگ کریں اور سزا دیں تو تم کیوں اعتراض کرتے ہو تو ماہ حرام پر ہی کیا موقوف ہے بلکہ **و الحرمت قصاص** ۔ ساری عزتیں، حرمتیں بدلے کی ہیں۔ حرم، احرام، حرام ماہ حرام کی حرمتوں کا یہی حال ہے بلکہ جانی مالی عزت وغیرہ کی حرمت کا بھی یہی حال کہ تم ہماری حرمت کرو ہم تمہاری عزت کریں گے اگر تم ہمارا لحاظ نہ کرو تو ہم سے بھی لحاظ کی امید نہ رکھو (روح البیان)۔ اگر تم ہم کو یہاں سے روکتے ہو تو ہم جبراً داخل ہوں گے۔ اسی ایک جملہ والحرمات قصاص میں بڑا اصلاحی قانون بتا دیا گیا۔ جس سے دنیا کا امن اور عالم کا انتظام قائم ہے اگر یہاں کا ادب شرعی سزاؤں سے مانع ہو جایا کرے تو دنیا میں کوئی امن سے نہ رہے۔ چور، ڈاکو، لٹیرے، زانی چھپ کر وہیں جو چاہیں ظلم کریں۔ وہیں قانون توڑیں حاکم ان کے ہاتھ ہی جوڑے تو امن ختم ہو گیا۔ اگر کفار جنگ میں قرآن شریف یا مسلمانوں کو سامنے کردیں ہم ادب کی وجہ سے حملہ نہ کرسکیں تو سارے مسلمان مارے جائیں۔ ان موقعوں پر ادب پر قانون کا احترام غالب رہے گا۔ غرضیکہ یہ جملہ صوفیانہ عالمانہ بہت سے مسائل کو حاوی ہے۔ **فمن اعتدى عليكم** اعتدیٰ اگرچہ ہر زیادتی کو شامل ہے مگر یہاں ماہ حرام کی زیادتی مراد ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہو رہا ہے یعنی جو کافر تم پر ماہ حرام میں زیادتی کرے تو تم برداشت نہ کرتے رہو بلکہ **فاعتدوا عليه** تم بھی اس پر زیادتی کرو یعنی اس کا جواب دو کہ اگر تمہیں بیت اللہ سے روکیں تو تم جبراً وہاں جاؤ اور اگر اسی میں تمہیں ان سے لڑنا پڑ جائے جس سے زمین حرم انسانی خون سے رنگین ہو جائے تو اس کی پرواہ نہ کرو۔ خیال رہے کہ اعتدیٰ عدو سے بنا بمعنی حد سے بڑھ جانا جیسے عالم اجسام میں گھر، محلہ، شہر، گلی کوچے، ضلع، ملک، سلطنت کی حدیں مقرر ہوتی ہیں۔ ایسے ہی عالم ارواح میں عقائد، عبادات، معاملات کی حدیں مقرر ہیں حتی کہ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کی حدود ہیں مگر یہ حدود

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کے لئے ہیں۔ لہذا یہاں ان حدود سے بڑھنا مراد ہے۔ جو صلح حدیبیہ میں فریقین میں طے ہوئے تھے کہ آئندہ سال تین دن مکہ معظمہ میں مسلمان ٹھہریں ہم ان کو مثل مہمانوں کو ٹھہرائیں گے۔ اگر ان شرطوں کی حدود سے کفار مکہ آگے بڑھیں تو تم بھی ان طے شدہ شرطوں کے خلاف کر سکتے ہیں۔ مگر حد سے بڑھ کر نہیں بلکہ **بمثل ما اعتدی علیکم** اسی قدر جتنی اس نے تم پر کی۔ خیال رہے کہ یہاں مثل سے برابری مراد ہے نہ کہ مشابہت کیونکہ بعض جرموں کی سزا اس کی مثل دی جاتی ہے۔ چپت کا جواب چپت اور جوتے کا جواب جوتا اور بعض جرموں کی سزا اور طریقہ سے۔ چوری کا بدلہ ہاتھ کاٹنا' زنا کا بدلہ رجم یعنی سنگسار کرنا۔ پھر یہ برابری ہم اپنی عقل سے معلوم سے نہ کریں بلکہ شریعت نے جو سزا جس جرم کے برابر قرار دی وہی اس کی برابری ہو گی لہذا ہاتھ کاٹ ڈالنا چوری کی اور رجم کرنا زنا کی مثل ہے اگرچہ ہماری عقل اس کی مثلیت محسوس نہ کرے۔ روئی کا ایک من کے باٹ کے برابر ہونا آنکھ سے معلوم نہیں ہوتا ترازو سے معلوم ہوتا ہے۔ شریعت ترازو ہے عقل مثل آنکھ کے بیکار ہے۔ غرض یہ ہے کہ نہ تو تم جنگ کی ابتدا کرو اور نہ زیادتی کی سزا حد سے زیادہ دو۔ **واتقوا اللہ** بدلے لیتے وقت اللہ سے ڈرتے رہو کہ نہ تو جرم سے زائد بدلہ اور نہ ناجائز کام کرو لہذا ایک تھپڑ کا بدلہ دو سے نہ لو۔ اور زنا کے بدلے زنا نہ کرو۔ **واعلموا ان اللہ مع المتقین** یہ ہمیشہ خیال رکھو کہ پرہیزگاروں کے ساتھ رب ہے کہ ان کی ہمیشہ مدد کرتا ہے اور ان کو غلبہ اور شوکت دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر قضا عمرہ کے وقت کفار بدعہدی کریں اور تمہیں ان سے جنگ کرنا پڑ جائے تو تم ضرور جنگ کرو۔ اگر وہ تم سے کہیں کہ تم نے جنگ کر کے ماہ ذیقعد کی بے حرمتی کی تو انہیں جواب دے دو کہ ان مہینوں کی حرمت عوضی اور بدلے کی ہے۔ اگر تم حرمت کرو گے تو ہم بھی کریں گے اور اگر تم اس کا لحاظ نہ کر کے ہم سے جنگ کرو گے۔ اور اس بہانہ سے ہمیں قتل کرنا چاہو گے تو ہم خاموش رہ کر قتل نہ ہوں گے تم ان مہینوں کو ہمارے قتل کی آڑ نہ بناؤ۔ ماہ حرام پر ہی کیا موقوف ہے ساری حرمتیں اور عظمتیں بدلہ کی ہیں۔ عزت کرو عزت کرالو لہذا تم پر جو کوئی زیادتی کرے تم اس کو ضرور جواب دو۔ مگر خیال رکھنا کہ تم بھی جواب میں حد سے نہ بڑھ جانا۔ ورنہ پھر ظالم تم ہو گے اور مظلوم وہ۔ عیش و طیش بلکہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کا مددگار ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بے ادب کا کوئی ادب نہیں۔ جن دیوبندیوں یا دیگر کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کی ان کا ادب کرنا جرم ہے۔ کعبۃ اللہ کی بے حرمتی کرنے والے کفار سزا کے مستحق ہوئے تو حبیب اللہ کے گستاخ دیوبندی وغیرہ عزت و عظمت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ **والحرمت قصاص** اسی طرح جو اپنے کو سید کہے اور صحابہ کبار یا اہل بیت اطہار پر تبرا کرے وہ تعظیم کا مستحق نہیں وہ سید تو کیا مسلمان بھی نہیں اگر بیٹا حاکم لگا ہو اور باپ اس کی کچہری میں مجرم ہو کر پیش ہو تو اب باپ کا ادب نہ ہو گا۔ بلکہ اس پر شرعی سزا جاری ہو گی۔ استاد' پیر سب کی عزت و حرمت کا یہی حال ہے کہ اگر یہ شرعی مجرم یا بے ادب ہو تو ان کا ادب کوئی نہیں یہ قانون بہت صورتوں پر حاوی ہے۔

دوسرا فائدہ: بدلہ لینے میں بھی شرعی احکام کی پابندی لازم ہے بلکہ بہتر ہے کہ نفس کی خاطر بدلہ نہ لے بلکہ رب کے لئے لے۔ بہادر شاہ ظفر نے کیا خوب کہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

تیسرا فائدہ: بدلہ میں برابری ضروری ہے نہ کہ مشابہت لہذا چپت کا بدلہ چپت ہے مگر زنا کا بدلہ زنا نہیں۔ چوتھا فائدہ: اگر غاصب کے پاس چیز ہلاک ہو جائے تو مثلی چیز کا مثل واپس کرے اور غیر مثلی کی قیمت لہذا غلہ کے عوض غلہ دے اور جانور کے عوض قیمت۔ پانچواں فائدہ: اسلام میں ماں باپ قرآن کعبہ، رمضان، نماز وغیرہ کا بھی ادب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی ادب مگر ان سب میں نبی کا ادب و احترام زیادہ ہے کہ ان کے مقابل کسی کا ادب نہیں۔ دیکھو اس موقعہ پر خانہ کعبہ کا بھی ادب درپیش تھا اور ماہ حرام ذیقعد کا بھی اور احرام کا بھی مگر قرآن شریف نے ان تمام ادبوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب کے مقابل ختم فرما دیا اور فرمایا کہ جو کافر تم پر یا تمہارے نبی پر اس وقت حملہ کرے تو تم جواب دو۔ ظاہر ہے کہ کفار کا حملہ مسلمانوں پر حضوری کی نسبت سے تھا۔ ورنہ کعبہ، ماہ ذیقعد، احرام کا ادب تو وہ بھی کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے دامن سے غلامی کا داغ دور کرنے کے لئے تمام جہان کو سات سال کے قحط میں گرفتار کرکے سب کے مال و اسباب کو یوسف علیہ السلام کے ہاں پہنچوا دیا بلکہ ساتویں سال تمام لوگ گندم کے عوض اپنے کو آپ کے ہاتھ فروخت کر گئے۔ حضرت صدیق اکبر نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک بے ادب کافر سے فرمایا **امصص بذکر اللات** بھلا صدیق اکبر کی پاک و ستھری زبان اور ایسی سخت گالی مگر الحرمات قصاص۔

مسئلہ: چور کے گھر سے اپنا چرایا ہوا مال جبراً اور چھپا کر لینا جائز ہے۔ جبکہ اور طریقہ سے حاصل نہ ہو سکے یہی حکم سودی پیسہ کا ہے بشرطیکہ بعینہ اپنا پیسہ موجود ہو۔

ترتیب فرضیت جہاد: اس جگہ تفسیر احمدی میں ہے کہ اولاً حضور علیہ السلام پر صرف تبلیغ فرض تھی۔ جنگ وغیرہ کی اجازت نہ تھی۔ حکم تھا **وما علیک الا البلاغ**۔ کفار کی سختی جھیلنے اور ان سے درگزر کرنے کی سخت تاکید تھی۔ حکم تھا **فاعفوا واصفحوا** انہیں معافی کی آیتیں کہتے ہیں۔ یہ تقریباً 70 بلکہ تفسیر اتقان میں فرمایا کہ 124 ہیں۔ پھر یہ ساری آیتیں اس آیت سے منسوخ ہوئیں۔ **فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین** جس سے آٹھ مہینے جنگ جائز رہی اور چار محترم مہینوں میں حرام۔ پھر ماہ محترم کی حرمت بھی اس آیت سے منسوخ ہو گئی **وقاتلوا المشرکین کافۃ**" اب حرم کے سوا ہر جگہ ہر وقت حربی کفار سے جنگ جائز ہے۔ ایک زمانہ میں ابتداً جنگ کرنے کی بھی ممانعت تھی۔ صرف کفار کے حملہ کے جواب کی اجازت تھی پھر وہ بھی منسوخ ہو کر جنگ کی ہر طرح اجازت ہو گئی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار ماہ حرام کی عزت نہ کریں۔ تو مسلمان بھی نہ کریں۔ یہ عجیب تعلیم ہے کیا اگر کافر، قرآن، نماز، مسجد وغیرہ کی بے ادبی کریں تو مسلمان بھی بے ادبی کرنے میں ان کے ساتھ شریک ہو جائیں گے۔ گناہ کا جواب گناہ نہ ہونا چاہئے بلکہ مجرم کو سمجھا کر سیدھے راستہ پر لگانا چاہئے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: معترض بھی عجیب عقلمند ہیں۔ آیت کا مقصد ہی نہ سمجھا۔ آیت تو یہ فرما رہی ہے کہ اگر کفار کسی بزرگ چیز کو ظلم کا بہانہ بنا کر مسلمانوں کو جنگ کا نشانہ بنائیں تو انہیں اس سے روک دو۔ اگر کوئی مسجد میں نمازی کو قتل کرنا چاہے تو یہ مظلوم نماز یا مسجد کا خیال نہ کرتے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

نماز توڑ کر اپنی جان بچائے نہ یہ مطلب کہ بے حرمتی کرنے میں اس کی لڈ لو دے۔ ایسے نفیس مضامین ساگ کھانے والے آریوں کے ذہن میں کیسے آئیں؟ بولو پنڈت جی! اگر تمہیں کوئی مندر میں قتل کرنا چاہے تو تم جان بچاؤ گے کہ نہیں؟ یا اگر مسلمانوں سے تمہاری جنگ ہو اور لشکر اسلام کے سامنے گائیں ہوں اور تمہیں خطرہ ہو کہ ان پر حملہ کرنے سے بہت سی گائیں مریں گی اور رجو' ہتیا ہوگی تو کیا تم اس ڈر سے ہتھیار پھینک کر اپنا ملک دشمن کے حوالے کر دو گے۔ اگر کر دو تو واقعی تم بڑے عقل مند ہو۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان بچانے کے لئے حرم و احرام کا احترام کرنا ضروری نہیں حالانکہ تاریخ سے ثابت ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ زمین مدینہ میں کچھ مصریوں کے ہاتھوں شہید تو ہو گئے مگر اپنے غلاموں یا دیگر اہل مدینہ کو جنگ کی اجازت نہ دی بلکہ جب قاتل نے گھر میں گھس کر تلوار کا وار کیا تو آپ قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ آپ نے روکنے کے لئے ہاتھ بھی نہ اٹھایا۔ بتاؤ کہ انہوں نے جان کے مقابل زمین مدینہ کا کیوں احترام کیا۔ اس آیت پر کیوں عمل نہ کیا۔
جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت جواز کے لئے ہے نہ کہ وجوب کے لئے انہیں جان بچانے کی کوشش جائز تھی نہ کہ واجب۔ اگر اس کی کوشش کرتے تب بھی گنہگار نہ ہوتے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت عبادات اور دین کے متعلق ہے یعنی اگر کفار عبادت سے روکنے کے لئے قتل کرنا چاہیں تو اپنی جان بچا کر عبادت کر لو۔ وہاں یہ صورت نہ تھی۔ تیسرے یہ کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی سے معلوم ہو چکا تھا کہ ہماری شہادت یقینی ہے۔ تو جان تو بچے گی نہیں اس زمین پاک کی بے حرمتی بھی کیوں کرائیں۔

تفسیر صوفیانہ: جو وقت یا دن یا مہینہ یا سال اللہ کی یاد میں گزر جائے وہی ماہ حرام' جمال حرام' وقت حرام ہے اور جو غفلت میں گزرے وہ غیر محترم' فرمایا گیا کہ اے روح اگر نفس امارہ تیرے ذکر اللہ کے محترم وقتوں میں تجھ پر حملہ کر کے ان میں فتور ڈالے تو تو بھی اس کے آرام کے وقتوں میں حملہ کر کے اسے آرام نہ کرنے دے۔ دن کا بدلہ دن سے' مہینہ کا بدلہ مہینے سے' سال کا بدلہ سال سے' ساعت کا ساعت سے کرلے اگر نماز کے وقت سو گیا تو کام کے وقت نماز پڑھنے لگ اگر روزوں کے زمانہ میں کھاتا پیتا رہا تو کھانے کے زمانے میں روزے رکھ لے۔ اسی طرح نفس تجھ پر جتنا اور جس طرح ظلم کرے تو بھی اتنی اور اسی طرح بدلہ لے بخل کا سخاوت سے غصہ کا بردباری سے اور حرص کا ترک دنیا سے' شہوت کا ریاضت سے بدلہ لے مگر اس میں زیادتی نہ کرنا کہ مجاہدہ سے نفس کو ہلاک ہی کر ڈالے۔ اس کو زندہ رکھ اور حق کی راہ پر لگا۔ یاد رکھ کہ اللہ ایسے مجاہدوں کی مدد فرماتا ہے اور ان کے ساتھ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان پر تین قسم کے حالات گزرتے ہیں۔ نارمل حالت' شہوت یا غضب کی حالت' جب نفس گناہ کی طرف مائل ہو۔ رب کی رحمت و کرم کی حالت۔ جب نفس نیکی کی طرف مائل ہو ان تینوں حالتوں میں رب کا خوف چاہئے۔ نارمل حالت میں تو اس لئے کہ نفس و شیطان آنا" فانا" گناہ اس طرح کرا دیتا ہے کہ ہم کو احساس بھی نہیں ہوتا بد نظری' بدکلامی' ہر وقت کے ہمارے معمولات ہیں آدم علیہ السلام معصوم اور جنت مقام محفوظ پھر اتنا کس طرح کریں۔ شہوت و غضب میں بھی خدا کا خوف کرے کہ کچھ گناہ چند منٹ میں ہو گا مگر اس کی سزا بہت سخت و دراز ہوگی۔ حاکم فیصلہ کرتے وقت بھی' دکاندار سودا تولتے وقت' اولاد کی تربیت و تعلیم کے وقت' دشمن سے بدلہ لیتے وقت خوف خدا کرے۔ عبادت کے وقت بھی خوف خدا کرے کہ نہ تو نفس کے بہکانے سے عبادت سے رک جائے اور نہ عبادت کرنے کے بعد فخر و تکبر کرے اللہ تعالیٰ اسی قول کو حال بنادے۔ اسی لئے رب تعالیٰ جگہ جگہ واتقو اللہ فرماتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ

اور خرچ کرو بیچ راستہ اللہ کے اور نہ ڈالو ہاتھوں اپنے کو طرف ہلاکت کے

اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو

وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

اور بھلائی کرو تحقیق اللہ پسند فرماتا ہے بھلائی والوں کو

اور بھلائی والے ہو جاؤ بے شک بھلائی والے اللہ کے محبوب ہیں۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا جو کہ بغیر ہتھیار اور اسباب نہیں ہو سکتا اور یہ سامان مال ہی سے جمع ہو سکتا ہے لہذا اب صدقہ اور خیرات کا حکم دیا جا رہا ہے گویا جانی قربانی کے بعد مالی قربانی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں جہاد کا حکم تھا بعض کمزور مالدار اپنے ضعف کی وجہ سے جہاد نہیں کر سکتے۔ اب انہیں حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم خود مجبور ہو تو کسی غریب بہادر کو سامان جنگ دے کر جہاد کراؤ یعنی پہلے جہاد کرنے کا حکم تھا اب کرانے۔ **تیسرا تعلق**: گذشتہ آیتوں میں حج کرنے کا حکم تھا اب غریبوں کو حج کرانے کا ذکر ہے یعنی اے مالدارو! غرباء اور مساکین پر پیسہ خرچ کر کے انہیں حج کراؤ۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ چونکہ مالی عبادت بھی تقویٰ کا ذریعہ ہے لہذا اب اس کا حکم ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب فتوحات اسلامیہ کافی ہو گئیں اور اسلام خوب پھیل گیا تو ہم نے مشورہ کیا کہ ہم اب تک اپنے گھر بار اور مال وغیرہ سے غافل رہ کر اشاعت اسلام میں مشغول رہے۔ اب جبکہ رب نے دین کو پھیلا دیا تو آؤ گھروں میں بیٹھ کر دنیوی کام و کاج کریں اور باقی زندگی آرام سے گزاریں۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں انہیں جہاد چھوڑنے اور گھر بیٹھ رہنے کی سخت ممانعت کی گئی کہ جہاد چھوڑ کر اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو فنا نہ کر لو۔ چنانچہ ابو ایوب انصاری آخر عمر تک جنگ کرتے رہے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں قسطنطنیہ میں شہید ہوئے اور وہاں ہی شہر پناہ کے نیچے دفن کئے گئے۔ مسلمان اب تک ان کی قبر شریف سے شفا اور برکت پاتے ہیں (روح البیان و کبیر و احمدی)۔ دوسری روایت میں یہ ہے کہ جب مسلمان عمرہ قضا کے لئے مکہ معظمہ چلنے لگے تو ایک جماعت فقراء صحابہ کی حاضر خدمت ہو کر عرض کرنے لگی کہ ہمارے پاس نہ پیسہ ہے نہ توشہ یہ فریضہ کیونکر ادا ہو۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں مالدار مسلمانوں کو ایسے غرباء کی مدد کرنے کی رغبت دی گئی (احمدی)۔

تفسیر : **وانفقوا فی سبیل اللہ۔ انفقوا** "انفاق" سے بنا جس کے لفظی معنی اور معنوی تحقیق ہم شروع پارہ الم میں کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ جائز جگہ خرچ کرنے کو نفقہ یا انفاق کہا جاتا ہے۔ فضول خرچی کو اسراف اور ناجائز جگہ خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں۔ یہاں **انفقوا** کا مفعول ظاہر نہ کر کے اشارۃً یہ بتا دیا کہ جان' مال' علم' عزت آبرو جس چیز کی اسلام کو ضرورت پڑ جائے خرچ کر ڈالو مگر کہاں' اللہ کی راہ میں۔ سبیل اللہ سے دین اور ساری دینی چیزیں مراد ہیں۔ جہاد' زکوٰۃ' حج' عمرہ' غریبوں کی

www.alahazratnetwork.org

مدد' بال بچوں کی پرورش غرض کہ جس چیز میں رضائے الٰہی ہو وہ سب اس میں شامل ہے (روح البیان)۔ یعنی اپنی ہر چیز ہر عبادت اور دینی کام میں خرچ کرو۔ غرضیکہ اسی مختصر سے جملہ نے چند باتوں کا اجمالی ذکر کیا کہ کیا چیز خرچ کرو۔ کہاں خرچ کرو' کس طرح خرچ کرو اور کب خرچ کرو؟ ہندی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دھن دے تن کو رکھئے اور تن دے رکھئے لاج تن من دھن سب واریئے ایک دھرم کے کاج

اسی جملہ کی اگر تفصیلی شرح دیکھنی ہو تو واقعہ کربلا پر نظر کرو حضرت حسین اسی کی تندہ جاوید تفسیر اپنے خون سے کربلا کے ذرات پر ایسے لکھ گئے جو کسی کے مٹائے نہ مٹے گی۔ اللہ تعالیٰ نے مالدار مسلمانوں کو غازیوں' حاجیوں بھلاوں پر خرچ کرنے کا بہت جگہ تاکیدی حکم دیا تاکہ قوم میں ان چیزوں کا شوق پیدا ہو۔ بازار میں وہی مال زیادہ آتا ہے جس کی قوم میں کھپت ہو۔ اسی قسم کے افراد زیادہ پیدا ہوتے ہیں جن کی قوم میں قدر ہو اگر غازیوں' حاجیوں' عالموں کی قوم میں قدر ہو گی تو یہ طبقے زیادہ پیدا ہوں گے۔ دیکھو آج قوال' میراثی' ڈنگے' ڈوم صرف مسلم قوم میں ہیں۔ سکھ' ہندو' عیسائی وغیرہ میں یہ قومیں نام کو نہیں کیوں صرف اسی لئے کہ مسلم قوم عموماً "عیاش ہے ان طبقوں کی قدر و پرورش کرتی ہے اس لئے یہ بد معاش طبقے صرف مسلمانوں میں ہیں اور یہ طبقے مسلم قوم کے دامن پر بد نما داغ ہیں۔ **ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة**۔ یہ لفظ القلء سے بنا۔ جس کے معنی ہیں ڈالنا اور ملانا' یہ اپنے آپ متعدی ہے۔ بایدیکم کی ب' یا زائدہ ہے اور ایدی سے مراد جان اور ذات جیسے ید اللہ چونکہ اکثر کام ہاتھ سے ہوتے ہیں اس لئے ید سے ذات اور جان مراد لے لیتے ہیں یا' ب استعانت کی ہے۔ اور تلقوا کا مفعول انفسکم پوشیدہ ہے اور ایدی بمعنی ہاتھ یعنی اپنی جانوں کو نہ ڈالو یا اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں سے ہلاکت میں نہ ڈالو (روح المعانی)۔ الی اس لئے لایا گیا کہ القاء میں پہنچانے کے معنی کا بھی لحاظ ہے۔ تہلکة اسم مصدر ہے بمعنی ہلاکت' ہلک اور ہلاکت موت کو بھی کہتے ہیں۔ اور کسی چیز کے ہاتھ سے نکل جانے کو بھی جیسے **هلك عنی سلطنیه**۔ اور بگاڑ اور فساد کو بھی ہلاک کہا جاتا ہے۔ جیسے **یهلك الحرث والنسل**۔ اور تہلکہ ہلاکت کے اسباب کو بھی کہتے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ اصل میں تہلکة لام کے زیر سے ہے جیسے تجربہ اور تبصرہ' پھر لام کو پیش دیا گیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ لام کا پیش اصلی ہے (کبیر) یعنی اے مسلمانو تم بخیل بن کر' یا جہاد چھوڑ کر' یا دنیا میں مشغول ہو کر' یا لوگوں کی امداد ترک کر کے' یا فضول خرچی سے اپنا مال برباد کر کے' یا بے موقعہ جہاں شکست یقینی ہو جنگ کر کے' یا بے سرو سامان کسی طاقتور سے لڑ کر اپنی جانوں کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو (کبیر و روح المعانی)۔ پھر یہ بھی نہیں کہ ہمیشہ خونخوار بنے رہو بلکہ **واحسنوا** مسلمانوں سے یا اپنے اہل قرابت سے یا فقراء سے یا کفار رعایا سے یا بحالت جنگ لوگوں سے بھلائی اور مہربانی کرو کیونکہ **ان الله یحب المحسنین** اللہ بھلائی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے کہ انہیں ثواب دے گا۔ بعض علماء نے اس جملہ کے یہ معنی کئے کہ نیک اعمال کر کے اللہ کے ساتھ نیک گمان رکھو کہ وہ ضرور قبول فرمائے گا یا گناہ کر کے رب سے مایوس نہ ہو بلکہ بخشش کی امید پر توبہ کرو۔ توبہ کرتے وقت تو یہ خیال کرو کہ اگر رب تعالیٰ ہم کو بخشنا نہ چاہتا تو توبہ کی توفیق ہی نہ دیتا۔ بخشنا تھا تو توبہ کی توفیق دی۔ نیک اعمال پر یہ خیال کر لو کہ اس نے ہمیں اپنے دروازہ پر بلایا ہے تو کچھ دینے ہی کو بلایا ہے۔ کریم فقیر کو بلائے تو فقیر یہی سمجھ کر جھولی پھیلائے دوڑتا ہے کہ کچھ ملے گا۔

جھولیاں کھول کے یونہی نہیں دوڑے آئے ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری

اللہ نیک گمان والوں کو پسند فرماتا ہے۔ مایوسوں سے ناراض ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! بخیل نہ ہو بلکہ جہاد' حج' صدقات' کفارات وغیرہ میں اپنی جان و مال عزت و آبرو بقدر ضرورت خرچ کرو اور بخیل یا بزدل بن کر' یا جہاد چھوڑ کر' یا ہلاکت کی جگہ بلا ضرورت جا کر اپنے کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ ڈالو۔ لوگوں سے سلوک کرو' ہمیشہ اچھے کام کرو اور رب سے نیک گمان رہو۔ مایوس نہ ہو جاؤ' اللہ تعالیٰ ایسے ہی نیک کاروں کو پسند فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ خرچ تین طرح کے ہیں اللہ کی راہ میں۔ دنیا کی راہ میں' شیطان کی راہ میں' جس خرچ سے رضاء الٰہی مقصود ہو دنیوی کاموں کے لئے ہو یا دینی وہ فی سبیل اللہ ہے اسی کا یہاں حکم۔ کسی دنیوی جائز کام میں روپیہ صرف کرنا جس میں رضاء الٰہی کا خیال نہ ہو وہ دنیا کی راہ میں ہے اور گویا بیکار کہ نہ اس پر عذاب نہ ثواب۔ حرام رسموں' نام نمود کے کاموں' ناجائز موقعوں پر خرچ کرنا فی سبیل الشیطان یا تبذیر ہے یہ سخت گناہ کہ اس میں پیسہ بھی برباد اور رب کی بھی ناراضی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بخل اور اسراف دونوں ہی ہلاکت کا سبب ہیں۔ ان دونوں سے بچ کر درمیانی چال اختیار کرنا چاہئے۔ دوسرا فائدہ: شیر کے منہ میں جانا' سانپ سے اپنے کو کٹوانا' زہر پینا غرضکہ کسی طرح خود کشی کرنا حرام ہے۔ تیسرا فائدہ: خطرہ کی جگہ بلا احتیاط' بلا ضرورت جانا جیسے بے ہتھیار میدان جنگ میں جانا منع کہ یہ بھی اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ چوتھا فائدہ: بھوک ہڑتال کرنا۔ مرن برت رکھنا حرام ہے کہ اس میں اپنی ہلاکت کا سامان خود مہیا کرنا ہے فی زمانہ مسلمانوں نے یہ حرکتیں ہندوؤں سے سیکھی ہیں اسلام یہ چیزیں نہیں سکھاتا۔

مسئلہ : جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ کیونکہ اس میں بھی اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے مگر جہاں تم ہو اور طاعون آجائے تو وہاں سے نہ بھاگو (تفسیر احمدی و خزائن العرفان)۔ مسئلہ: خود کشی کرنے والے پر نماز جنازہ پڑھی جائے ہاں اپنے ماں یا باپ کے قاتل پر نماز جنازہ نہ پڑھو۔ ویسے ہی دفن کر دو' آٹھ شخصوں پر نماز جنازہ نہ پڑھو جن میں سے یہ شخص بھی ہے (در مختار صلوۃ الجنازۃ)۔ مسئلہ: امت موسوی میں توبہ کے لئے خود کشی جائز تھی فاقتلوا انفسکم مگر ہمارے ہاں حرام لہذا زانی یا قاتل خود کشی نہیں کر سکتا بلکہ اپنے کو قاضی کے سپرد کرے وہ اسے قتل کرائے (از تفسیر احمدی)۔ مسئلہ: بحالت جنگ مسلمانوں کی چھوٹی جماعت کا کفار کی بڑی جماعت پر حملہ کر دینا خود کشی نہیں بلکہ یہ بڑی بہادری ہے۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے اس جگہ ایک روایت نقل کی کہ ایک لڑائی میں کسی مہاجر نے اکیلے ہی لشکر کفار پر حملہ کر دیا لوگوں نے یہی آیت پڑھی اور کہا کہ یہ اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ ابو ایوب انصاری فرمانے لگے کہ نہیں یہ مجاہد ہے اور یہ آیت جہاد چھوڑ دینے کے بارے میں آئی ہے۔ اس کا مقصد میں خوب جانتا ہوں کہ میرے ہی متعلق اتری پہلے تو دس مسلمانوں کو سو کافروں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام تھا اب دگنوں کے مقابلہ سے بھاگنا حرام اور زیادہ کے مقابلہ سے نہ بھاگنا مستحب اور بھاگ جانا جائز۔ مسئلہ سلطان اسلام کو چاہئے کہ یقینی شکست کے موقعہ پر جنگ نہ کرے صلح وغیرہ سے ٹال دے (کبیر)۔ مسئلہ: سارا مال خیرات کر کے خود فقیر بن جانا ٹھیک نہیں کیونکہ اس آیت کے یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ اللہ کی راہ میں خرچ تو کرو مگر سب خیرات کر کے اپنے کو فقیری سے ہلاک نہ کر لو۔ مسئلہ: کوئی نیکی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے اور کبھی کوئی گناہ معمولی سمجھ کر نہ کر لو کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے۔ بعض گنہگار صرف اسی لئے بخش دیئے جائیں گے کہ انہوں نے ایک دفعہ راستہ سے کانٹا ہٹا دیا تھا جیسا کہ احسنوا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ خیرات لے کر حج کر سکتے ہیں بلکہ حج یا عمرہ کے لئے سوال بھی کر سکتے ہیں۔ حالانکہ مسئلہ یہ ہے کہ غریب پر حج فرض نہیں اور حج نفل کے لئے سوال جائز نہیں۔ پھر فقراء صحابہ نے نفلی عمرہ کے لئے صدقات کیوں لئے اور رب نے کیوں دلوائے؟ جواب: نفل کی قضا فرض ہے جس کا ادا کرنا ضروری ہے چونکہ ان سب نے پہلے سال عمرہ کا احرام باندھ کر بغیر ادا کئے ہوئے کھول دیا تھا جس کی قضا فرض ہو گئی تھی مگر اس سال بعض کے پاس مال نہ رہا اور قضا واجب تھی۔ اب ان کے لئے صدقات لینا بلکہ سوال کرنا بھی جائز تھا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا منع ہے۔ تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ہجرت کی رات غار ثور میں سانپ سے اپنے انگوٹھے میں کیوں کٹوایا اور خطرناک غار میں کیوں گھس گئے۔ جواب: بلاوجہ جان دینا گناہ ہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ حضور علیہ السلام کی حفاظت اور ان کے آرام کی خاطر کیا۔ اس میں جان جانا جان کی حقیقی قیمت ہے اس سے بہتر جان کا کوئی مصرف ہی نہیں۔ تیسرا اعتراض: اگر سارا مال خیرات کرنا منع ہے تو ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ ایسا کیوں کیا کہ سب کچھ حضور کی خدمت میں حاضر کر کے گھر میں اللہ رسول کا نام چھوڑا تھا۔ جواب: یہ حکم ان لوگوں کے لئے ہے جو غریبی پر صبر نہ کر سکیں۔ صدیق اکبر اور ان کے بال بچے صابرین کے سردار ہیں ان کے لئے یہ سب کچھ جائز ہے۔

موسیا آداب دانا دیگر اند ۔۔۔ سوختہ جان ور واناں دیگر اند

تفسیر صوفیانہ: رب نے مسلمانوں کا جان و مال جنت کے عوض خرید لیا۔ رب خریدار اور مسلمان تجار ہیں۔ ان کے جان و مال در حقیقت رب کی امانت ہے۔ میدان جنگ ادائے امانت کے مقامات' فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! میدان جلد میں آ کر ہماری امانت ہمیں دو اپنی جنت تم لو۔ اس امانت کو روک کر جنت سے محروم نہ ہو جانا اور اپنے کو ہلاکت میں مت ڈال لینا اور ہر ہر ایک کے ساتھ بھلائی کرو۔ نفس کو شہوتوں سے' دل کو غفلتوں سے' روح کو غیر اللہ کے تعلقات سے' سر کو مطالعہ کونات سے بچاؤ۔ نیز خلق سے بھلائی کے ساتھ اور رب سے عبادت کے ساتھ معاملہ کرو۔ بلاؤں پر صبر' نعمتوں پر شکر' ساری مشکلوں میں توکل' رب کی قضا پر رضا اور ذات قدیمہ میں فنا اختیار کرو کہ یہی حقیقی بھلائی ہے۔ اللہ بھلائی کرنے والوں کو پسند کر کے انہیں اپنے دربار تک بلا لیتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو چاہتا ہے کہ ملائکہ کے ساتھ اڑے وہ مہربانی میں سورج کی طرح' پردہ پوشی میں رات کی طرح' عاجزی میں زمین کی طرح بردباری میں میت کی طرح اور سخاوت میں نہر جاری کی طرح رہے (روح البیان) دنیا والوں کے لئے اپنے کو ہلاک کرنا حرام ہے۔ مگر دل والوں کو موت سے پہلے مر جانا حلال۔ مثنوی شریف میں ہے۔

مرگ بے مرگے بود ما را حلال	برگ بے برگے بود ما را نوال!
چوں مرا سوئے اہل عشق و ہواست	نہی لا تلقوا بایدیکم مراست
زانکہ نہی ازدانہء شیریں بود	تلخ را خود نہی حاجت کے شود
دانہء مردن مرا شیریں شدہ است	بل ھم احیاء پئے من آمدہ است

(روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَلَا
اور پورا کرو حج اور عمرہ کو واسطے اللہ کے پس اگر روک لئے جاؤ پس جو کچھ میسر ہو ھدی سے اور نہ
اور حج و عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو۔ پھر اگر تم روکے جاؤ تو قربانی بھیجو جو میسر آئے اور
تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا
منڈاؤ تم سر اپنے یہاں تک کہ پہنچ جائے ھدی جگہ میں اپنی۔ پس جو ہو تم میں سے بیمار یا ہو ساتھ
اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے۔ پھر جو تم میں بیمار ہو یا اس
اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ
اس کے تکلیف سر اس کے میں پس فدیہ ہے روزوں یا صدقہ یا قربانی سے
کے سر میں کچھ تکلیف ہے تو بدلہ دے روزے یا خیرات یا قربانی

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس رکوع میں اصل مضمون حج ہے جنگ کا ذکر جملہ معترضہ کے طور پر آگیا۔ لہٰذا اب حج و عمرہ پورا کرنے اور مجبوری کی حالت میں ھدی دینے کا حکم دیا جا رہا ہے یعنی پہلے حج کی ابتدا کا ذکر تھا اور اب اس کی انتہا کا تذکرہ۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حج کی رکاوٹ دور کرنے کے لئے اگر تمہیں جنگ بھی کرنا پڑے تو کرو اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ اگر یہ رکاوٹ دور نہ ہو سکے تب کیا کرنا چاہئے اور احرام کیسے کھولنا چاہئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس کا مقصود بیان ہو رہا ہے یعنی خرچ کر کے حج و عمرہ پورا کر لو اور اگر حج نہ کر سکو تو ھدی پر کچھ خرچ کر ڈالو۔

شان نزول : علی ابن امیہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں تھے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں جبہ پہنے اور خوشبو لگائے حاضر ہوا اور پوچھنے لگا کہ یا رسول اللہ میں عمرہ کیونکر ادا کروں یعنی یہ محرم تھا مگر بے خبری سے سلا کپڑا اور خوشبو استعمال کر رہا تھا۔ اس نے یہ سوال کیا ہی تھا کہ یہ آیت کریمہ اتری۔ علی فرماتے ہیں کہ مجھے بہت روز سے تمنا تھی کہ وحی اترتے ہوئے دیکھوں۔ یہ کہہ کر انہوں نے چہرہ انور سے چادر اٹھائی۔ میں نے چہرہ پاک دیکھا آپ اس وقت خراٹے لے رہے تھے اور منہ میں کچھ جھاگ سے تھے۔ جب یہ حالت ختم ہوئی اور وحی آچکی تو حضور نے فرمایا سائل کہاں ہے۔ اسے بلا کر حکم دیا کہ خوشبو دھو ڈال اپنا جبہ اتار دے۔ (بغیر سلے کپڑے پہن اور جو حج میں کرتا ہے وہ عمرہ میں کر (درمنثور)۔

تفسیر : **واتموا الحج والعمرۃ۔** اتموا اتمام سے بنا۔ جس کے معنی ہیں پورا کرنا کامل کرنا انتہا کو پہنچانا۔ یہاں ہر معنی بن سکتے ہیں۔ حج ح کے زبر سے بمعنی قصد و ارادہ۔ حج ح کے زیر سے بمعنی سال اور برس ہے چونکہ حج سال میں ایک بار ہوتا ہے اور اس میں بیت اللہ کا ارادہ بھی کیا جاتا ہے لہٰذا اسے حج کہتے ہیں۔ عمرہ عمر سے بنا بمعنی زندگی چونکہ یہ عبادت عمر بھر

www.alahazratnetwork.org

میں ہر وقت کی جاسکتی ہے اس لئے عمرہ کہا جاتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ عمرہ بمعنی آبادی ہو۔ چونکہ بیت اللہ اس عبادت کے بدولت ہر وقت آباد رہتا ہے لہٰذا اسے عمرہ کہا جاتا ہے **ان یعمروا مسجد اللہ** یہ حکم یا تو استحبابی ہے۔ کیونکہ پہلے حج فرض نہ تھا صرف مستحب تھا **و للہ علی الناس حج البیت** سے فرض ہوا۔ اور عمرہ بھی سنت ہے نہ کہ فرض یا حج و عمرہ ایک ساتھ ختم کرنا یعنی قران مستحب ہے یا سارے مستحبات اور سنتوں کے ساتھ ادا کرنا مستحب یا گھر سے احرام باندھ کر جانا کہیں سستی نہ کرنا دنیوی غرض سے خالی ہونا مستحب ہے ان وجوہ سے یہ حکم استحبابی ہوا اور ممکن ہے کہ امر وجوبی ہو۔ کیونکہ عمرہ بھی شروع کر دینے سے واجب ہو جاتا ہے۔ اس لئے پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور یہ بھی ممکن ہے کہ **اتموا** حج کے تعلق سے وجوب کے لئے اور عمرہ کے لحاظ سے استحباب کے لئے ہو۔ جیسے صلوا علیہ میں کہ ایک بار درود پڑھنا فرض اور اس سے زیادہ مستحب یا سنت۔ خیال رہے کہ جیسے رب تعالیٰ نے نماز پڑھنے کا حکم نہ دیا بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا یعنی ہمیشہ پڑھنا' درست پڑھنا وغیرہ ایسے ہی رب نے حج کرنے کا یہاں حکم نہ دیا بلکہ حج تمام و کامل کرنے کا کہ حج صحیح طور پر کیا جاوے عمر میں ایک دو بار تو یہ نعمت نصیب ہوتی ہے بہت مشقت و خرچ سے نصیب ہوتی ہے پھر مکمل کیوں نہ ادا کی جاوے نیز جوانی میں حج کیا جاوے۔

کیونکہ بڑھاپے میں حج مکمل نہیں ہو سکتا **اتموا** میں اس جانب بھی اشارہ ہے افسوس کہ اکثر حجاج اس اتمام کا اہتمام نہیں کرتے۔

حاجی تو سارے کہلاویں حج کرے کوئی ایک ہزاروں میں تو ہے نہیں لاکھوں میں جا دیکھ

غرضیکہ حج و عمرہ کے اتمام کی چند صورتیں ہیں۔ صحیح طور پر ادا کرنا' حلال کمائی سے کرنا' حج و عمرہ ملا کر کرنا یعنی قران جب ان میں سے کسی کا احرام باندھ لے تو پھر پورا کرنا۔ ایام حج میں گھر سے احرام باندھ کر جانا وغیرہ اور حضور کے پردہ فرمانے کے بعد سے تاقیامت مدینہ پاک کی حاضری بھی حج کے اتمام ہی سے ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس نے حج کیا مگر میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر جفا کی' حضور کی حیات میں جو حج ہوا اس میں حضور انور خود حج میں تھے اس لئے ان حجاج کو مدینہ پاک حاضر ہونا ضروری نہ تھا۔ اب وہ بات نہیں غرضیکہ حج کے متمات پانچ چھ ہو گئے (از تفسیر احمدی)۔ یعنی اے مسلمانو حج و عمرہ شروع کر کے ناقص نہ چھوڑو۔ بلکہ پورا کرو' مگر خیال رہے یہ دنیوی غرض سے نہ ہو بلکہ للہ رضاء الٰہی کے لئے ہو۔ کفار کی طرح فقط میلہ دیکھنے بازار سے چیز خریدنے اپنی قومی بڑائی بیان کرنے کے لئے نہ ہو بلکہ بہتر ہے کہ اس میں تجارت یا اور کوئی دنیوی غرض بھی شامل نہ کرو۔ پیسہ بھی حلال خرچ کرو' یہ سب باتیں **اتموا** اور **للہ** سے حاصل ہوئیں۔ چونکہ حج سے انسان کا نام حاجی پڑ جاتا ہے نماز و روزے سے نام نمازی یا صائم نہیں پڑتا۔ نیز حج سے لوگ حاجی کی عزت' عظمت' خدمت بھی کرتے ہیں نیز حج میں ملکوں کی سیر بھی ہوتی ہے۔ حج میں تجارت کا موقع بھی ہاتھ آتا ہے۔ اندیشہ تھا کہ حاجی ان اغراض سے حج کرے اس لئے فرمایا گیا کہ حج و عمرہ پورا تو کرو مگر عزت' خدمت' تجارت' سیر و تفریح کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کی رضا کے لئے کرو **فان احصرتم** اس کا مصدر احصار اور مادہ حصر ہے۔ بمعنی روکنا' اسی لئے چٹائی کو حصیر کہتے ہیں کہ وہ ایک جگہ پڑی رہتی ہے۔ بعض نے کہا کہ حصر تو بیماری کے روکنے کو اور احصار دشمن اور بیماری دونوں کے روکنے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں بھی دونوں ہی رکاوٹیں مراد ہیں یعنی اے مسلمانو اگر تم احرام باندھنے کے بعد کسی دشمن یا بیماری کی وجہ سے روک لئے جاؤ کہ حج یا عمرہ ادا نہ کر سکو تو **فما استیسر من الھدی** یہاں علیکم یا الواجب یا فھدوا پوشیدہ ہے۔ **استیسر** یسر سے بنا۔ بمعنی آسانی اور یہ تیسر کے

www.alahazratnetwork.org

معنی میں ہے۔ من یا تبعیضیہ ہے یا بیانیہ 'ھدی' ھدیۃ کی جمع ہے بمعنی تحفہ بھدیتکم تفرحون شریعت میں ھدی وہ اونٹ یا گائے یا بھیڑ بکری ہے جو خانہ کعبہ قربانی کے لئے لے جائی جائے۔ گویا حاجی رب کی بارگاہ میں یہ تحفہ لے کر حاضر ہوتا ہے یعنی اگر تم بعد احرام حج سے روک لئے جاؤ تو تم پر وہ ھدی واجب ہے جو تمہیں میسر ہو ولا تحلقوا رء وسکم۔ تحلقوا۔ حلق سے بنا بمعنی مونڈانا۔ یہاں سر منڈانے سے حلال ہونا مراد ہے یعنی تم اس وقت تک سر منڈا کر حلال نہ ہو۔ جب تک کہ حتی یبلغ الھدی محلہ ھدی اپنی جگہ پہنچ جائے۔ محل حلول سے بنا بمعنی نزول۔ یہ ظرف زمان بھی ہوتا ہے اور مکان بھی قرض کی میعاد ختم ہونے کو محل الدین کہتے ہیں۔ ھدی کی قربانی کی جگہ یا وقت کو محل ھدی کہا جاتا ہے۔ مذہب حنفی میں اس قربانی کی جگہ حرم ہے اس کو دم احصار کہتے ہیں۔ کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ ثم محلھا الی البیت العتیق وہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو معذور بعد احرام مکہ معظمہ پہنچ سکے تو وہ کسی کے ہاتھ ایک اونٹ یا گائے یا بکری وہاں بھیج دے اور اس سے پوچھ لے کہ تم یہ جانور کس تاریخ کو ذبح کرو گے اس دن تک احرام ہی میں رہے جب وہ دن آئے تب یہ اپنا سر منڈا کر احرام کھولے اور سال آئندہ اس کی قضا کرے۔ یہاں ہی ذبح کرنا جائز نہیں ہاں اگر حدود حرم میں پہنچ کر معذوری پیش آئی تو وہاں خود ہی ذبح کر کے احرام کھول دے جیسا کہ حضور علیہ السلام نے صلح حدیبیہ میں کیا فمن کان منکم مریضا " مریض سے وہ بیمار مراد ہے جسے سر منڈانا ہی پڑ جائے۔ یعنی بحالت احرام سر منڈانا حرام مگر جو بیمار ہو۔ او بہ اذی من راسہ اذی " سے مراد عام سر کی تکلیف ہے زخم ہو یا درد سر یا شقیقہ یا جوں وغیرہ کوئی بھی وہ تکلیف جو بغیر سر منڈائے نہ دور ہو یعنی جو شخص بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو وہ حرم تک ھدی پہنچنے کا انتظار نہ کرے بلکہ پہلے ہی سر منڈا دے پھر اس کے بعد ففدیۃ یہاں علیہ یا وجب پوشیدہ ہے۔ فدیۃ۔ فدا سے بنا۔ جس کے معنی ہیں نثار ہونا 'فدا ہونا' کسی پر قربان ہو جانا 'یہاں بدلہ مراد ہے کیونکہ وہ بھی جرم کو مٹا دیتا ہے یعنی اس پر اس کوتاہی کا بدلہ واجب ہے۔ وہ کیا من صیام او صدقۃ او نسک یا تین روزے رکھے یا تین صاع گیہوں چھ مسکینوں پر صدقہ کرے یا اونٹ۔ گائے 'بکری' ان میں سے جو چاہے ذبح کرے او اختیار کے لئے ہے۔ مجبورا" سر منڈانے والے کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو چاہے کرے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس جملہ میں حج کے دو ضروری مسئلے بیان ہوئے۔ ایک حج و عمرہ کا پورا کرنا۔ دوسرے احرام باندھ کر بوجہ معذوری حج نہ کر سکنا۔ للہ 'تک پہلا مسئلہ ہے اور نسک 'تک دوسرا یعنی اے مسلمانو حج وغیرہ شروع کر کے ضرور پورا کرو یا بہتر یہ ہے کہ حج 'عمرہ ایک ساتھ ختم کرو یعنی قران کرو کہ یہ افضل ہے۔ اب اگر تم حج یا عمرہ کا احرام باندھ کر بیماری یا دشمن کی وجہ سے ادا سے معذور ہو جاؤ یعنی محصر ہو جاؤ تو تم پر جو بھی ھدی میسر ہو واجب ہے اور اس میں یہ کرو کہ اونٹ یا گائے یا بکری کسی ذریعہ سے حرم میں بھیج دو اور لے جانے والے سے کوئی دن یا تاریخ مقرر کر لو کہ وہاں پہنچ کر ھدی ذبح کرے۔ تم اس وقت تک سر وغیرہ منڈا کر احرام نہ کھولو۔ جب وہ تاریخ آئے تو سر منڈاؤ۔ ہاں جو کوئی سخت بیمار ہو جائے کہ بغیر سر منڈائے آرام نہ ہو سکے (جیسے سر سام وغیرہ) یا اس کے سر میں جوں آدھا سیسی یا درد سر کی تکلیف ہو۔ وہ پہلے ہی سر منڈا لے اور اس کے عوض یا تین روزے رکھ لے یا چھ مسکینوں کو آدھا آدھا صاع گیہوں صدقہ کر دے اور یا اونٹ یا گائے 'بکری ذبح کر دے۔ خلاصہ یہ کہ اس پر دو چیزیں لازم ہوئیں ایک احصار (حج سے رک جانا) کی قربانی جو حرم میں ذبح کی جائے دوسرے تاریخ مقررہ سے پہلے احرام کھولنے کا کفارہ جو کہ یہاں ہی ادا کیا جائے۔

www.alahazratnetwork.org

حج کے فضائل و مسائل : حج کے بے شمار عقلی و نقلی فضائل اور فائدے ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) ساری عبادتیں ہر جگہ ادا ہو سکتی ہیں مگر حج اللہ کے گھر پہنچ کر اور اس کا مہمان بن کر معمولی ڈگریاں ہر جگہ مل جاتی ہیں مگر اعلیٰ ڈگری ولایت جا کر حاصل کی جاتی ہے۔ اپنے گھر میں رہ کر کوئی ولایت پاس نہیں ہو سکتا۔ جیسے ولایت پاس دوسرے اہل علم سے اعلیٰ ہے۔ ایسے ہی حاجی دوسرے عابدوں سے افضل اسی لئے دوسری عبادات ہیں اکثر اخفاء بہتر ہے مگر حج میں اعلان افضل سب کو اطلاع دے کر علانیہ حج کو روانہ ہو تاکہ اگر کسی نے پیام سلام ہدیہ و سوغات وہاں بھیجنا ہو تو اس کے ذریعہ بھیج سکے اور دوسروں کو بھی حج کی رغبت ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خوب اعلان فرما کر حج کیا تھا۔ دیکھو ساری عبادتیں کرو تو کوئی خاص لقب نہیں ملتا مگر حج کرتے ہی حاجی کا لقب مل جاتا ہے۔ (2) دیگر عبادات میں اطاعت غالب ہے مگر حج میں عشق کہ حاجی عاشقوں کی سی کفنی پہن کر چیختا' شور مچاتا گرد و غبار میں بھرا ہوا بڑے ناخن' بڑے بال لئے ہوئے دربار الٰہی میں حاضر ہو کر کعبہ کے ارد گرد ایسے گھومتا ہے جیسے شمع کے آس پاس پروانہ۔ پھر کہیں دوڑتا ہے کہیں پتھر پھینکتا ہے کہیں ٹھہرتا ہے یہ سب کام عشق کے ہیں اور پچھلے عاشقوں کی یادگاریں اور ظاہر ہے کہ اطاعت میں ترقی آہستہ ہوتی ہے اور عشق میں ایک دم۔ تمام عبادات کا عبادت ہونا کچھ سمجھ میں آتا ہے اس لئے وہ کام ہر جگہ عبادت ہیں مگر ارکان حج کا عبادت ہونا سمجھ سے وراء ہے کہ کودنا دوڑنا کنکر پھینکنا عبادت کیوں ہو گئے اسی لئے یہ کام اور جگہ کرنا عبادت نہیں۔ اطاعت عقل کے اندر رہوتی ہے مگر عشق عقل سے وراء عبادت' اطاعت کی جزاء انعام' اکرام' تنخواہ پنشن وغیرہ ہے مگر عشق کی جزا دیدار یار لقاء محبوب لہٰذا نماز روزے کی جزاء جنت ہے مگر حج کی جزاء رضاء رب ذوالجلال' اطاعات و عبادات میں اصل ہے۔ مگر حج میں اچھوں کی نقل کہ حضرت ہاجرہ اسماعیل ابراہیم خدا کے پیارے حضور محمد مصطفیٰ علیہم الصلوۃ والسلام کی مقبول حرکات و اعمال کی نقل کا نام ہے۔ طوطا مینا تمہاری نقل کریں تمہیں پیارے ہیں تم اللہ کے مقبولوں کی نقل کرو۔ (3) باقی عبادتیں یا صرف بدنی ہیں یا صرف مالی مگر حج میں دونوں عبادتیں داخل ہیں۔ (4) حج کے ذریعہ دنیا بھر کے مسلمان ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں جس سے سارے عالم کا نظام قائم رہ سکتا ہے دنیوی سلطنتیں اپنی کانفرنسوں میں لاکھوں روپیہ خرچ کر کے مختلف بادشاہوں کو جمع کر کے نظام چاہتی ہیں مگر اسلامی کانفرنس یعنی حج ہر سال عرب کی زمین میں بے تکلف ہو جاتی ہے۔ مختلف بادشاہ جمع ہو کر مشورہ کر سکتے ہیں۔ (5) ہر میزبان کو اپنے مہمان کا خیال ہوتا ہے بلکہ غنی میزبان غریب مہمانوں کو خالی نہیں بھیجتے۔ حج میں بندے مہمان اور رب میزبان ہوتا ہے وہ بھی انہیں خالی نہیں بھیجتا بلکہ دین و دنیا کی نعمتوں سے مالا مال کر دیتا ہے بشرطیکہ حج مقبول نصیب ہو۔ (6) حدیث شریف میں ہے کہ حج عمرہ ملا کر کرو کیونکہ یہ دونوں فقر اور گناہ کو ایسے مٹا دیتے ہیں جیسے بھٹی سونے چاندی کے میل کو۔ (7) بعض دیگر عبادات سے صرف گناہ معاف ہوتے ہیں مگر حج سے گناہوں اور حقوق العباد دونوں کی معافی ہو جاتی ہے۔ دیکھو مشکوۃ و درمنثور وغیرہ اس کا یہ مطلب نہیں کہ حج سے حق مٹ جاتے ہیں بلکہ یہ کہ ادائے حقوق کی کوتاہیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ جیسے قرض کی وعدہ خلافی' باقی فضائل کے لئے مشکوۃ شریف وغیرہ دیکھو۔ (8) حج میں دراز سفر بھی کرنا پڑتا ہے جس سے دنیوی تجربہ بڑھتا ہے۔ (9) متبرک مقامات دیکھ کر اللہ والوں کی محبت بڑھتی ہے اور عبادت کا شوق و ذوق پیدا ہوتا ہے۔ (10) حج سے دل میں نرمی اخلاق میں پاکیزگی پیدا ہوتی ہے مگر یہ حج مقبول کی صفت ہے۔ حج غیر مقبول سے تو دل میں الٹی سختی پیدا ہو جاتی ہے اسی لئے کہتے ہیں کہ بعض حاجی بنتے ہیں اور بعض پاجی۔

www.alahazratnetwork.org

حج کے مسائل : حج ۹ھ میں فرض ہوا۔ حج دو ہیں۔ حج اکبر اور حج اصغر یعنی عمرہ حج عمر میں ایک بار مالدار پر فرض ہے اور عمرہ سنت۔ حج کے لئے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہیں۔ مگر عمرہ میں نہیں۔ جب چاہو کرلو۔ عمرہ میں احرام شرط ہے اور طواف اور صفا مروہ کے درمیان دوڑنا رکن یعنی عمرہ صرف یہ ہے کہ حرم سے باہر احرام باندھ کر طواف کرے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول دے۔ حج میں تین فرض ہیں اور پانچ واجب۔ احرام 'عرفات میں ٹھہرنا اور طواف زیارت تو فرض اور مزدلفہ میں ٹھہرنا' صفا مروہ کی سعی کرنا اور جمروں پر کنکر مارنا اور طواف وداع کرنا اور سر منڈانا یا کٹوانا (تفسیر احمدی و خزائن العرفان) حج کی قسمیں انشاء اللہ اگلی آیت میں بیان ہوں گی۔ باقی مسائل کے لئے کتاب بہار شریعت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تمتع یا افراد سے قران افضل ہے جیسا کہ **الحج والعمرۃ** سے معلوم ہوا **دوسرا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ حج میں دنیوی کام کی نیت نہ کرے جیسا کہ **للہ** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفل شروع کردینے سے واجب ہو جاتے ہیں جیسا کہ **اتموا** سے معلوم ہوا۔ جب نفلی حج و عمرہ شروع کردینے سے واجب ہو جاتے ہیں تو نفل نماز و روزہ کا بھی یہی حال ہے کہ ابتداءً یہ نفل ہوتے ہیں مگر شروع کردینے سے واجب ہو جاتے ہیں کہ ان کا توڑنا منع اور اگر توڑ دیا گیا تو قضا واجب رب فرماتا ہے۔ **لا تبطلوا اعمالکم** لہذا یہ آیت احناف کی قوی دلیل ہے۔ شوافع کے خلاف ہے ان کے ہاں نفلی عبادت توڑ دینے سے قضا واجب نہیں ہوتی۔ **چوتھا فائدہ:** احصار کی قربانی حرم میں ہی ذبح ہو سکتی ہے جیسا کہ **محلہ** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** معذوری دشمن سے بھی ہو سکتی ہے اور بیماری سے بھی جیسا کہ **احصرتم** کے اطلاق اور اس کے ساتھ مریض کا ذکر کرنے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جو محرم مجبوراً سر منڈا دے اسے کفارہ میں اختیار ہے مگر جو بلا عذر سر منڈائے اس میں اختیار نہیں۔ بلکہ چوتھائی سے کم منڈانے میں صدقہ اور چوتھائی منڈانے میں قربانی ہی واجب ہوگی (تفسیر احمدی)۔ **ساتواں فائدہ:** ھدی بکری کی بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ **استیسر** سے معلوم ہوا (روح البیان وغیرہ)۔ **آٹھواں فائدہ:** حج کی طرح عمرہ کا بھی احصار ہو سکتا ہے کیونکہ احصرتم مطلق ہے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوائے عمرہ سے ہی روکا گیا تھا اور دونوں احصاروں کا یکساں حکم۔ **نواں فائدہ:** حج میں مرد کے لئے بال کٹوانے سے سر منڈانا افضل کیونکہ یہاں سر منڈانے کا ہی ذکر کیا گیا۔ نیز حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سر منڈانے والوں کے لئے تین بار کتروانے والوں کے لئے ایک بار دعا فرمائی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی احرام کھولتے وقت سر منڈایا ہی تھا۔ **دسواں فائدہ:** ھدی کا جانور صرف حرم شریف میں ہی ذبح ہو سکتا ہے۔ دوسری جگہ نہیں جیسا کہ **حتی یبلغ الھدی** سے معلوم ہوا اگر یہ جانور ہر جگہ ذبح ہو جاتا تو پھر اسی جگہ ذبح کر دیتا جہاں روکا گیا۔ حرم میں بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ **گیارھواں فائدہ:** ھدی کے لئے حرم شریف کی زمین شرط ہے کہ اور جگہ ذبح نہیں ہو سکتی مگر قربانی کے لئے حرم شرط نہیں وہ ہر جگہ ہو سکتی ہے۔ جن لوگوں نے قربانی کا انکار کرتے ہوئے حرم کی شرط لگائی اور ان آیات سے استدلال کیا۔ انہوں نے سخت غلطی کی قربانی اور ہے۔ ھدی کچھ اور۔

مسئلہ : عورت کے لئے سر منڈانا' بال کٹوانا حرام ہے۔ حضور علیہ السلام نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی جو مردوں کی سی شکل بنائیں۔ صرف احرام کھولتے وقت بالوں کا کچھ اوپری حصہ کاٹ دیں۔ **مسئلہ:** حج کے علاوہ مردوں کے لئے بال رکھنا سنت

www.alahazratnetwork.org

نبوی ہے اور سر منڈانا سنت مرتضوی مگر چونکہ حدیث شریف میں وہابیوں کی علامت سر منڈانا فرمائی گئی ہے اس لئے اس سے بچے سر کا بعض حصہ کتر انایا منڈانا اور بعض رکھنا مکروہ ہے جیسے انگریزی بال وغیرہ۔ **مسئلہ:** مردوں کو عورتوں کی طرح لمبے بال رکھنا چوٹی باندھنا عورتوں کی طرح مانگ نکالنا مکروہ ہے۔ **مسئلہ:** حج کا فرض چھوٹ جانے سے حج جاتا رہتا ہے۔ مگر واجب چھوٹ سے قربانی واجب اور سنت رہ جانے سے صدقہ لازم ہے۔ جیسے نماز کا فرض رہ جائے تو نماز فاسد' واجب رہ جائے تو سجدہ سہو واجب۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** حج بت پرستی سے مشابہ ہے۔ جیسے ہندو گنگا پر' عیسائی صلیب پر میلے لگاتے ہیں۔ ایسے ہی مسلمان کعبہ پر نیز جیسے کہ ہندو پتھروں کو چومتے ہیں۔ مسلمان سنگ اسود اور رکن یمانی کو (بعض ملحد)۔ **جواب:** اس کا نہایت نفیس فرق ہم قبلہ کی آیتوں میں بیان کر چکے یہاں اتنا سمجھ لو کہ کہیں جمع ہونا بت پرستی نہیں۔ شادی بیاہ عام جلسے اور بازار اور دنیوی کاروبار کے لئے ہزاروں میلے ہوتے ہیں۔ یہ بھی عبادت الٰہی کا میلہ ہے نیز چومنے اور پوجنے میں فرق ہے۔ ماں باپ کے ہاتھ چومے جاتے ہیں استاد کے پاؤں بھی' اولاد کی پیشانی بھی' بیوی کا رخسار بھی' روٹی اور رزق بھی۔ بزرگوں کی یادگاریں بھی۔ ان سب بوسوں کا حال یکساں نہیں۔ سنگ اسود کا بوسہ صرف اسی لئے ہے کہ بزرگوں نے اسے چھوایا چوما ہے اور اس کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت حاصل ہے۔ اگر مسلمان پتھروں کے پجاری ہوتے تو خانہ کعبہ کو بتوں سے پاک صاف نہ کرتے مقامات حج میں نہ تو کہیں بت ہے نہ دیوی نہ کسی کا اس میں تھان نہ کسی پانی کا اشنان۔ خانہ کعبہ میں نہ کوئی نبی پیدا ہوا نہ دفن۔ یہ تو مسلمانوں کے قومی اور مذہبی اجتماع کا ذریعہ ہے۔ چونکہ یہ جگہ زمین کا مرکز (ناف) اور اس کا مبدا ہے۔ اسی جگہ پہلے انسان یعنی آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی جگہ نبیوں کے والد ماجد ابراہیم علیہ السلام کا خاندان آباد ہوا۔ لہٰذا اس بڑی عبادت کے لئے یہ مقام مقرر ہوا۔ افسوس کہ عیسائیوں کو اپنی صلیب پرستی اور آریوں کو اپنی روح' مادہ پرستی نہیں سوجھتی مسلمانوں کے خالص توحیدی افعال پر بیہودہ اعتراضات کرتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حج و عمرہ دونوں فرض ہیں کیونکہ ان دونوں کے لئے ایک صیغہ اتموا بولا گیا۔ **جواب:** اس کے چند جواب تفسیر گزر گئے کہ یا تو اس وقت حج فرض ہی نہ ہوا تھا یا (اتموا) کے معنی ہیں شروع ہو چکنے کے بعد پورا کرنا یا اتموا حج کے لئے وجوبی حکم ہے اور عمرہ کے لئے استحبابی۔ اسے حقیقت و مجاز کا اجتماع نہیں کہتے وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض:** اگر بیماری سے بھی احصار ہو جاتا ہے تو اس آیت میں احصار کے بعد بیمار کا علیحدہ کیوں ذکر کیا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ احصار صرف دشمن سے ہوتا ہے (شافعی)۔ **جواب:** احصار میں وہ مرض داخل ہے جو مکہ معظمہ کی حاضری سے روک دے اور بعد والے مرض سے وہ بیماری مراد ہے جو وقت سے پہلے سر منڈانے پر مجبور کرے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر ھدی کا جانور صرف حرم شریف میں ذبح ہو تا اور جگہ نہ ہو سکتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ ہی میں ھدی ذبح کیوں فرما دیں مکہ معظمہ کیوں نہ بھیجیں معلوم ہوا کہ ہدی ہر جگہ ذبح ہو سکتی ہے (شافعی)۔ **جواب:** حدیبیہ ایک بڑے میدان کا نام ہے۔ جس کا ایک حصہ حل میں ہے اور دوسرا حرم میں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں ہدی ذبح کیں وہ حصہ حرم میں تھا لہٰذا احناف پر کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عوام کا حج بیت اللہ کا قصد اور اس کی زیارت ہے اور خواص کا حج رب البیت کا قصد اور اس کی بارگاہ کی

www.alahazratnetwork.org

حاضری ہے۔ انی ذاھب الی ربی سیھدین۔ عوام میقات پر پہنچ کر دنیاوی لباس اور زینتیں چھوڑ کر لباس احرام پہنتے ہیں اور خواص اول ہی سے اپنے مال اور اولاد کی محبت ترک کر دیتے ہیں۔ فانھم عدو لی الا رب العلمین۔ عوام جانور کی قربانی کرتے ہیں مگر خاص لوگ اپنے نفس کی۔ ان خواص میں بھی بعض رب کا حج کرنے جاتے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام کو ان کا حج طور اور شام میں ہوا۔ مگر خاص الخاص اس حج کے لئے بلائے جاتے ہیں۔ سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا " من المسجد الحرام الی المسجد الاقصی۔ مسجد حرام دوسروں کے حج کی انتہا ہے۔ مگر حضور کے حج کی ابتداء آپ کی انتہا دور کی مسجد (مسجد اقصیٰ) یعنی عرش اعلیٰ ہے۔ یہ انتہا تو ظاہری ہے حقیقی انتہا فکان قاب قوسین او ادنی جہاں دوئی یکی میں فنا ہے اور عبد فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جاتا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا احصار ہوا تو آپ نے اسمٰعیل کی قربانی دی۔ حبیب اللہ کا روکنے والا کون تھا۔ وہاں نہ احصار تھا نہ اس قربانی کی ضرورت ما زاغ البصر و ما طغی اس کے بعد تجلی صفات کا ظہور ہوا جس میں محب محبوب کے درمیان خاص راز تھے (از روح البیان مع زیادتی)۔

دوسری تفسیر: اے توحید ذات کے حاجی اور توحید صفات کے عمرہ کرنے والے تو یہ حج عمرہ دونوں ہی پورے کر تمامی مقامات طے کرتا ہوا اللہ سے اللہ کی طرف اللہ میں اللہ کے لئے جا۔ اگر کافر نفس امارہ تجھے روکے تو تو اس نفس کی قربانی کعبہ قلب میں بھیج دے اور جیسی قربانی تجھے آسان ہو وہ کر ڈال خود نفس کی یا اس کی صفات کی اور جب تک کہ یہ نفس اپنے قربانی گاہ میں نہ پہنچ جائے تب تو سر نہ منڈا یعنی دل کو غموں سے جسم کو دنیوی تعلقات سے اور خیال کو عادات سے خالی نہ کر۔ جب یہ نفس قتل ہو جائے تب یہ سب بال کو بال دور کر دے۔ مگر جو کوئی بیمار ہو یعنی اس کی استعداد کمزور اور دل دنیوی عوارض سے بھرا ہوا ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو یعنی برے خیالات کا ہجوم ہو جس وجہ سے اس راستہ کو طے نہ کر سکے اور منازل قلب پر قناعت کرنا چاہے تو اس پر فدیہ لازم ہے کہ جائز مشغلے اختیار کرے اور ناجائز چھوڑ دے۔ عبادات اور مخالفت نفس میں مشغول رہے (از ابن عربی)۔ حاجی ذات کا کعبہ معظمہ بھی طواف کرتا ہے۔ شامی میں ہے کہ کعبہ معظمہ بعض اللہ والوں کی زیارت کے لئے جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔

شمع اک تو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا
اور پروانے ہیں ہوتے ہیں جو کعبہ پہ نثار

کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا
سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف

ابراہیم ادہم اور رابعہ بصریہ کے استقبال کے لئے کعبہ گیا۔ اس پر بہت سے مسئلے متفرع ہیں۔ (از شامی جلد دوم باب العدت)۔

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ

پس جب امن سے ہو تم پس جو نفع حاصل کرے ساتھ عمرے کے طرف حج کے پس اس پر وہ ہے جو میسر ہو	
پھر جب تم اطمینان سے ہو تو جو حج سے عمرہ ملانے کا فائدہ اٹھائے اس پر قربانی ہے جیسی میسر آئے	

www.alahazratnetwork.org

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ

بدلے سے پس جو نہ پائے پس اس پر روزے ہیں تین دن کے بیچ حج کے اور سات جب لوٹو تم۔ یہ دس

پھر جسے مقدور نہ ہو تو تین روزے حج کے دن میں رکھے اور سات جب اپنے گھر پہنچ

عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِى الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا

ہیں پورے۔ یہ واسطے اس کے ہے کہ نہ ہوں گھر والے اس کے موجود مسجد حرمت والی میں اور

یہ پورے دس ہوئے یہ حکم اس کے لئے ہے جو مکے کا رہنے والا نہ ہو اور اللہ سے

اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۹۶

ڈرو تم اللہ سے اور جانو تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ جملہ پچھلی آیت کا ہی جز ہے۔ اس میں محصر حج کے احرام کھولنے کا طریقہ بتایا گیا تھا۔ اس میں حج کرنے کے احکام فرمائے جا رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جزء میں حج و عمرہ پورا کرنے یعنی قران یا تمتع کا اجمالی حکم دیا گیا۔ اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلے جزء میں دم احصار (یعنی حج سے رک جانے کی قربانی کا طریقہ بتایا گیا۔ اب دم تمتع یعنی تمتع کے شکریہ کی قربانی کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **فاذا امنتم** یہ امن سے بنا۔ جس کے معنی اطمینان بلاء کا مقابل۔ یہاں احصار کے مقابلہ میں بولا گیا کیونکہ وہ بھی گویا بلاء ہی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس امن سے صرف احصار کے بعد امن حاصل ہونا ہی مراد نہیں بلکہ خواہ احصار کے بعد ہو' اس طرح کہ دشمن راستے دیدے یا بیماری جاتی رہے یا پہلے ہی سے کہ کوئی واقعہ در پیش ہی نہ آئے۔ یعنی پس جبکہ تم دشمن کے خوف سے امن میں آ جاؤ یا بیماری سے شفا پا جاؤ اور حج کا وقت باقی ہو یا پہلے ہی سے امن اور وسعت میں ہو کہ کوئی عذر پیش نہ آئے۔ **فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج**' تمتع' متاع سے بنا۔ بمعنی نفع یا نفع حاصل کرنا۔ سامان اسی لئے متاع کہتے ہیں کہ اس سے نفع ملتا ہے۔ شریعت میں عمرہ کا حج کے ساتھ ملانا تمتع کہلاتا ہے۔ اس کی کچھ تفصیل انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کی جائے گی۔ یہاں لغوی معنی مراد ہیں یا شرعی اور اسی میں قران و تمتع دونوں داخل ہیں کیونکہ دونوں ہی میں قربانی واجب ہوتی ہے کہ ان دونوں میں حاجی عمرہ و حج سے فائدہ اٹھاتا ہے۔ ب اور الی یا تمتع کا صلہ ہے یا ب سببیہ اور تمتع کا متعلق پوشیدہ۔ یعنی جو کوئی عمرہ کے ذریعہ حج تک قرب الٰہی کا نفع حاصل کرے اس طرح کہ مکہ معظمہ پہنچ کر حج سے پہلے عمرہ کرے احرام باندھتا تو بغیر حج کئے نہ کھول سکتا۔ وہ یہ کرے کہ عمرہ کا احرام باندھ کر جائے اور عمرہ ادا کر کے احرام سے کھل جائے اور حج کے وقت تک حلال رہے پھر حج کا احرام باندھ کر حج کرے تو گویا یہ عمرہ دنیوی نفع کا ذریعہ بنا۔ اس تفسیر سے ب اور الی کے معنی خوب واضح ہو گئے (احمدی و روح المعانی و روح البیان وغیرہ)۔ یہ تمام صورتیں غیر حدی والے تمتع کی ہیں۔ اس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں انشاء اللہ

www.alahazratnetwork.org

آئے گا۔ **فما استیسر من الھدی** یہاں علیہ پوشیدہ ہے اور من الھدیٰ ما کا بیان۔ یعنی اس پر قربانی واجب جو بھی میسر ہو۔ اونٹ یا گائے یا بکری۔ خیال رہے کہ مذہب حنفی میں یہ شکریہ کی قربانی ہے۔ لہذا دسویں ذی الحجہ کو ذبح ہوگی اور خود کرنے والا بھی اسے کھا سکے گا۔ گویا یہ حج و عمرہ کے جمع ہونے کا شکریہ ہے جیسے کہ قران کی قربانی اور عام قربانیاں۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک گویا کفارہ کی قربانی ہے چونکہ اس نے میقات کو چھوڑ کر مکہ سے حج کا احرام باندھا اس کوتاہی کے عوض قربانی دلائی گئی۔ لہذا دسویں ذی الحجہ سے پہلے ذبح ہوگی۔ اور قربانی کرنے والا اس میں سے کچھ نہ کھا سکے گا جیسے کہ دیگر کفارات کی قربانیاں لیکن آیت کی عبارت مذہب حنفی کی حمایت کرتی ہے کیونکہ **فما استیسر** کی ف من تمتع کے جواب میں ہے اور تمتع خدا کی نعمت ہے نہ کہ جرم اور نعمت کا شکریہ ہوتا ہے نہ کہ جرمانہ **فمن لم یجد** جو کوئی قربانی کا جانور نہ پائے کہ یا تو جانور ہی میسر نہ آئے یا اس کے پاس قیمت نہ ہو یا کوئی بازاری قیمت سے بہت مہنگی بیچ رہا ہو (کبیر) **فصیام ثلثۃ ایام فی الحج** یہاں یا تو علیہ پوشیدہ ہے یا یجب اور صیام یا صوم کا مصدر ہے ثلثۃ اس کا مفعول فیہ مضاف الیہ اور یا صوم کی جمع اور اضافت فی کی۔ فی الحج یا صیام مصدر کے متعلق ہے اور یا یجب فعل پوشیدہ کے۔ حج سے مراد حج کے مہینے ہیں۔ یعنی شوال' ذیقعد اور دس دن ذی الحجہ کے۔ مگر چاہئے کہ یہ روزے حج و عمرہ کے احراموں کے درمیان میں ہوں۔ خواہ لگاتار رکھے یا علیحدہ اگرچہ یہ تین روزے شوال سے ذی الحجہ تک ہر وقت رکھ سکتا ہے مگر بہتر یہ ہے کہ ساتویں آٹھویں نویں ذی الحجہ میں لگاتار رکھے **و سبعۃ اذا رجعتم** سبعۃ کا عطف ثلثۃ ایام پر ہے اور اس کو بھی صیام ہے وہی تعلق ہے جو ثلثۃ کو تھا۔ رجعتم میں غائب سے التفات ہے کہ لم یجد غائب تھا اور رجعتم حاضر اگرچہ رجوع کے معنی پلٹنا ہیں مگر یہاں حج سے فارغ ہونا مراد ہے کیونکہ حاجی فارغ ہو کر ہی واپس ہوتے ہیں۔ مسبب سے سبب مراد لیا گیا یعنی جو قربانی نہ پائے وہ تین روزے تو حج کے مہینوں میں حج سے پہلے ادا کرے اور سات روزے حج سے فارغ ہو کر تین اور سات کل کتنے **تلک عشرۃ** کاملۃ یہ پورے دس ہوئے۔ چونکہ پچھلی عبارت سے وہم پڑ سکتا تھا کہ یہ واؤ او کے معنی میں ہو اور مطلب یہ ہو کہ یا تو حج سے پہلے تین روزے رکھ لو۔ اور یا حج کے بعد سات یعنی اگر پہلے رکھو تو تین اور بعد میں رکھو تو سات۔ جیسے حی مثنیٰ و ثلث و ربع کا (القرآن) ہو او بمعنی او ہے نہ کہ جمع کا۔ نیز احتمال تھا کہ شاید سبع سے مراد بہت سے روزے ہوں نہ کہ صرف سات۔ نیز احتمال تھا کہ کوئی کاتب غلطی سے سبع کو تسع لکھ جائے یا پڑھنے والا تسع (نو) پڑھ لے۔ نیز احتمال تھا کہ سبع (سات) سے اگلے تین روزے مل کر سات مراد ہوں۔ یعنی تین تو حج سے پہلے اور چار حج کے بعد۔ کل سات۔ ان تمام وہموں کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ یہ کل دس ہوئے۔ پھر شاید کوئی وہم کرتا کہ ان روزوں کا ثواب قربانی سے کم ہے اور اس سے تمتع ناقص ہوگا اس لئے فرمایا گیا کہ کاملۃ کہ یہ دس روزے قربانی کی طرح ہی کامل ہیں کہ ان سے تمتع بھی کامل ہی ہوگا۔ **ذلک لمن لم یکن اھلہ حاضری المسجد الحرام** ذلک سے تمتع کی طرف اشارہ ہے۔ اھلہ سے گھر والے یعنی بال بچے مراد ہیں۔ حاضر غائب کا مقابل ہے۔ بمعنی موجود۔ یہاں مقیم ہونا یا وہاں کا باشندہ ہونا مراد۔ مسجد حرام سے حرم شریف بلکہ سارا داخل میقات مراد ہے۔ یعنی یہ تمتع ان لوگوں کو جائز ہے جو میقات کے اندر رہاشندہ نہ ہوں۔ باہر سے حج کے لئے آئے ہوں (احمدی وغیرہ) کیونکہ مکہ یا میقات والوں کو زمانہ حج میں عمرہ کرنا منع ہے۔ چونکہ باہر کے لوگ بار بار یہاں نہیں آسکتے انہیں ایک ہی سفر میں حج و عمرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ مکہ والے ہر وقت کر سکتے ہیں۔ وہ زمانہ حج میں عمرہ کرکے پردیسیوں کی تکلیف کا باعث نہ بنیں۔ **واتقوا اللہ** اے مسلمانو ادائے عبادات میں رب سے ڈرتے رہو۔ اس کے

www.alahazratnetwork.org

احکام کی مخالفت نہ کرو۔ خصوصاً حج اور احرام اور زمین حرم میں۔ **و اعلموا ان اللہ شدید العقاب** یہ دھیان رکھو کہ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے تاکہ تم سے کوئی گناہ صادر نہ ہو۔ چونکہ حج کے جواز کے لئے شرعی مسائل ہیں اور حج کی قبولیت کے لئے عشقی قواعد ہیں۔ شرعی قوانین پورا کرلینا آسان ہے مگر عشقی قواعد بمشکل ادا ہوتے ہیں اس لئے فرمایا گیا ہے کہ بحالت حج اللہ کا خوف رکھو اس کا عذاب سخت ہے۔ عشقی قواعد حرمین طیبین اور وہاں کی ہر چیز ہر شخص کا ادب ہے۔ ادب والا وہاں سے گناہوں سے پاک ہو کر لوٹتا ہے اور بے ادب نیکیوں سے صاف ہو کر واپس ہوتا ہے۔ غرضیکہ کوئی لے کر آتا ہے کوئی دے کر۔ دریا نمک کو گلا دیتا ہے مگر روئی کو زیادہ بھاری کر دیتا ہے۔ وہاں گناہوں کا نمک لے کر جاؤ۔ غداری کی روئی لے کر نہ جاؤ۔ اللہ حج مقبول نصیب کرے حج مردود سے بچائے۔

خلاصہ تفسیر : زمانہ جاہلیت میں حج کے زمانہ میں عمرہ کرنا سخت گناہ سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ جب اونٹوں کے زخم اچھے ہو جائیں اور ماہ صفر آجائے۔ تب عمرہ حلال ہے۔ اسلام نے ان کا یہ عقیدہ توڑا اور عمرہ کو حج میں داخل فرمایا۔ اسی لئے یہ آیت کریمہ اتری (درمنثور) جس میں فرمایا گیا کہ اے مسلمانوں یہ تو احصار یعنی معذوری کے حکم تھے اگر تمہاری معذوری دفع ہو جائے اور حج کا وقت باقی ہو کہ تم حج پاسکو یا اگر تم محصر نہ ہو امن میں ہو تو جو کوئی عمرہ اور حج کا تمتع کرے کہ انہیں ملا کر ادا کرے۔ تو اس پر اس بڑی نعمت کے شکریہ میں قربانی واجب ہے۔ اونٹ گائے یا بکری جو میسر آئے ذبح کر دے۔ ہاں جو غریبی یا مجبوری یا جانور کی نایابی کی وجہ سے قربانی نہ کر سکے۔ اس پر دس روزے واجب ہیں۔ تین تو ادائے حج سے پہلے مگر حج کے مہینوں اور دونوں احراموں کے بیچ میں ہوں۔ اور سات حج سے فارغ ہو کر ان تین اور سات سے مل کر کامل کل دس روزے ہیں اور قربانی ہی کی طرح کامل اور مکمل مگر خیال رہے کہ تمتع انہی لوگوں کو جائز ہے جو حدود میقات کے رہنے والے نہ ہوں۔ دوسرے حج کرتے ہوئے ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو اس کا عذاب سخت ہے۔ لہذا حج کرنے اور حاجی بن جانے کے بعد بھی اس سے ڈرتے رہو یہ نہ سمجھو کہ اب تو ہم حاجی ہو گئے جو ٹھیک ہے بد اعمال چاہیں کریں۔ جیسے روپیہ کمانا آسان مگر اس کا سنبھالنا مشکل ایسے ہی حج کرلینا آسان ہے مگر حج کا سنبھالنا سخت دشوار ہر وقت ڈرتے رہو کہ کہیں ایسی حرکت نہ ہو جائے جس سے حج وغیرہ سارے اعمال برباد ہو جاویں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے اس حج کے مضمون کو ختم کرتے وقت اپنے عذاب کا ذکر فرمایا اے گنہگار مایوس نہ ہو اللہ غفار ہے اور اے نیک کار دلیر نہ ہو اللہ قہار و جبار ہے۔

حج کی قسمیں : حج و عمرہ کے چار طریقے ہیں۔ (1) افراد بالحج (2) افراد بالعمرہ (3) قران (4) تمتع۔ افراد بالحج یہ ہے کہ صرف حج کا احرام باندھ کر وہی ادا کرے اس کے ساتھ عمرہ نہ کرے۔ اس کا احرام دسویں ذی الحج کو طواف زیارت سے کھلے گا خواہ کب ہی باندھے۔ افراد بالعمرہ یہ ہے کہ صرف عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ہی کرے یا تو اس سال حج کرے ہی نہیں یا گھر لوٹ آئے اور پھر نئے سفر سے حج کرے اس واپسی کا نام المام ہے۔ اگر اسی سفر میں اسی سال حج کرلیا تو تمتع ہو گیا اس کا احرام مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال یعنی طواف و سعی کرتے ہی کھل جاتا ہے۔ قران یہ ہے کہ حج و عمرہ دونوں کو ایک ہی احرام میں جمع کرلے۔ یعنی دونوں کا احرام باندھ لے۔ مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے عمرہ کے افعال ادا کرے پھر بغیر احرام کھولے حج کے افعال بھی ادا کرکے دسویں ذی الحجہ کو احرام کھولے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ شخص مکہ معظمہ پہنچ کر پہلے طواف اور سعی عمرہ کے لئے کرے۔ پھر حج کا طواف

www.alahazratnetwork.org

قدوم ہو سعی کرے پھر احرام پر ہی قائم رہ کر آٹھویں ذی الحجہ سے دسویں تک افعال حج یعنی قیام منیٰ اور وقوف عرفات و مزدلفہ اور دوبارہ منیٰ میں حاضر ہو کر جمرہ کی رمی کرکے قربانی اور حلق کرے پھر طواف زیارت کرکے احرام کھول دے۔ تمتع کی دو صورتیں ہیں ایک ہدی والا دوسرا بغیر ہدی کا" ہدی والے تمتع کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور حج کے مہینوں میں عمرہ کرکے احرام بغیر کھولے مکہ معظمہ میں رہے اور آٹھویں ذی الحجہ کو اسی احرام پر حج کا احرام بھی باندھ کر حج بھی ادا کرے۔ بغیر ہدی کا تمتع یہ ہے کہ اولاً" صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ معظمہ پہنچ کر عمرہ کرکے احرام کھول دے آزادی سے رہے پھر آٹھ تاریخ حج کا احرام باندھ کر حج کرے آج کل عام حاجی یہی کرتے ہیں اور یہی تمتع اس آیت میں مراد ہے (احمدی وغیرہ)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: مکہ والوں بلکہ میقات والوں کے لئے نہ تمتع ہے نہ قران کیونکہ انہیں زمانہ حج میں عمرہ کرنا ہی منع۔ اگر وہ لوگ تمتع یا قران کر بھی لیں تو ان پر کفارہ جرم کی قربانی واجب ہوگی نہ کہ شکریہ کی کیونکہ انہوں نے یہ جرم کیا (روح البیان)۔ لہٰذا وہ خود اس قربانی سے کچھ نہیں کھا سکتے۔ دوسرا فائدہ: تمتع کی قربانی شکریہ کی ہے۔ نہ کہ جرم کی۔ کیونکہ زمانہ حج میں عمرہ کی اجازت ملنا خدا کی نعمت ہے۔ نیز ایک سفر میں چھوٹے بڑے دو حج کرکے جانا بھی خدا کا مین کرم۔ قربانی اس کا شکریہ ہے نہ کہ گناہ کا کفارہ۔ خیال رہے کہ ذبیحہ دو قسم کے ہیں۔ ذبیحہ عادت و ذبیحہ عبادت ذبیحہ عادت تو وہ ہے جو دن رات ہم کھانے کے لئے جانور ذبح کرتے رہتے ہیں۔ ان پر نہ عذاب نہ ثواب ذبیحہ عبادت وہ ہے جو رب کو راضی کرنے کے لئے کیا جاوے۔ اس ذبیحہ کی دو قسمیں ہیں۔ ذبیحہ جنایت و ذبیحہ شکر۔ ذبیحہ جنایت تو حج یا عمرہ میں ہی ہوتا ہے جبکہ کوئی واجب چھوٹ جاوے اس ذبیحہ کی نہ تاریخ مقرر ہے نہ اس میں سے مجرم خود کھا سکتا ہے۔ ذبیحہ شکر تین قسم کے ہیں۔ بچہ کا عقیقہ۔ بقر عید کی قربانی۔ تمتع یا قران کا ذبیحہ۔ اس ذبیحہ کی تاریخ بھی مقرر ہے اور خود کرنے والا کھا بھی سکتا ہے۔ تیسرا فائدہ: مرد اپنے بیوی بچوں کے مقیم ہونے سے مقیم مانا جائے گا کیونکہ اس آیت میں اہل یعنی بال بچوں کے مقیم ہونے کا ذکر کیا لہٰذا جہاں کسی کی بیوی مقیم ہو کر موجود ہو وہاں پہنچ کر یہ شخص مقیم ہوگا نہ کہ مسافر نماز پوری پڑھے گا نہ کہ قصر جیسا مشہور ہے کہ سسرال کے سفر میں قصر نہیں مگر یہ رخصت سے پہلے ہے جبکہ بیوی وہاں مقیم ہو۔ چوتھا فائدہ: حقیقی اہل بیت بیوی بچے ہیں۔ لڑکی نکاح کے بعد جب شوہر کے گھر چلی جائے تو وہ اس کی اہل بیت مجازی رہی۔ دیکھو یہاں اہل سے بیوی اور اپنے گھر میں رہنے والے بچے ہی مراد ہیں اگر کسی کی بیٹی مکہ معظمہ میں رہتی ہو مگر یہ خود کہیں اور کا رہنے والا ہو تو بھی اسے تمتع جائز ہوگا لہٰذا رافضیوں کا ازواج مطہرات کو حضور کا اہل بیت نہ ماننا باطل ہے۔ وہ اس آیت کا کیا مطلب کریں گے۔ دیکھو ایک وقت حضرت زینب بنت رسول اللہ مکہ مکرمہ میں اپنے شوہر ابو العاص کے پاس رہتی تھیں اور حضور علیہ السلام مدینہ منورہ میں مگر حضرت زینب کے وہاں رہنے سے حضور علیہ السلام کرکے مقیم نہ مانے گئے اور جب عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے مکہ معظمہ میں بھی ایک نکاح کر لیا۔ اور اپنی اس بیوی کو وہاں ہی رکھا۔ تب آپ نے یہاں آکر قصر نہ کیا۔ پوری نماز پڑھی جیسا کہ حدیث جاننے والوں پر ظاہر ہے لہٰذا اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جو فضائل قرآن کریم میں وارد ہوئے اس میں ازواج پاک حقیقۃً" داخل ہیں اور اولاد شریف مجازاً" یا بطریقہ عموم مجاز اہل بیت سکونت اور اہل بیت ولادت۔ بدنی عبادت مالی کی قائمقام ہو جائے یا مالی بدنی کی تو دونوں کا فائدہ یکساں ہوتا ہے۔ لہٰذا روزہ کا فدیہ روزے کی مثل ہے اور قربانی کا روزہ قربانی کی مثل۔

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ : بدنی عبادت کا فدیہ مالی عبادت ہو سکتی ہے۔ جیسے کہ مالی عبادت کا فدیہ بدنی عبادت ہو جاتی ہے' دیکھو تمتع والے پر قربانی واجب ہے مگر قدرت نہ ہونے پر اس کے عوض دس روزے' قربانی' مالی عبادت ہے اور روزہ بدنی عبادت۔ دوسری جگہ قرآن نے روزے کا کفارہ ایک مسکین کا کھانا قرار دیا۔ لہذا میت کی طرف سے حیلہ اسقاط کرنا جائز ہے کہ اس میں میت کی چھوٹی ہوئی نمازوں کا فدیہ مال سے دیا جاتا ہے۔ ساتواں فائدہ: دو عبادتوں کا جمع کرنا حرام نہیں بلکہ بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے دیکھو حج بھی عبادت ہے اور عمرہ بھی عبادت ان دونوں کے جمع پر شکریہ قربانی سے ادا کرایا گیا۔ لہذا ختم فاتحہ جائز ہے کہ اس میں دو عبادتوں کا اجتماع ہے۔ آٹھواں فائدہ: خدا کی نعمت کا شکریہ کرنا ضروری ہے۔ دیکھو حج و عمرہ کے اجتماع کی نعمت کا شکریہ قربانی سے کرایا گیا لہذا محفل میلاد عید معراج منانی اس دن عبادتیں کرنی جائز ہے۔ مسئلہ: حج کے میقات پانچ ہیں۔ یمن اور ہند والوں کے لئے یلملم پہاڑ۔ مدینہ والوں کے لئے ذوالحلیفہ' عراق والوں کے لئے ذات عرق' شام والوں کے لئے جحفہ' نجد والوں کے لئے قرن' ان حدود کے اندر رہنے والوں کو میقاتی کہتے ہیں۔ انہیں کے لئے تمتع منع ان سے باہر رہنے والوں کو آفاقی کہتے ہیں جن کے لئے تمتع وغیرہ سب حلال۔ مسئلہ: اس آیت میں تمتع کا ذکر ہے کیونکہ قران تمتع کی مثل یا اس سے بڑھ کر ہے۔ اس لئے اس میں قربانی واجب کی گئی۔ مسئلہ: جو قارن یا متمتع ادائے حج سے پہلے یعنی نویں ذی الحجہ تک تین روزے نہ رکھ سکے اس کو قربانی ہی دینی پڑے گی۔ جیسے بھی ہو سکے۔ مسئلہ: حنفیوں کے نزدیک سب سے افضل قران ہے پھر تمتع پھر افراد۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے تمتع کا جواز بلکہ اس کا بہتر ہونا معلوم ہوا۔ مگر عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں تمتع کو بند کر دیا اور فرمایا کہ دو متعہ حضور کے زمانہ میں تھے میں ان سے منع کرتا ہوں اور کرنے والے کو سزا دوں گا۔ ایک متعہ نکاح۔ دوسرے متعہ حج انہوں نے قرآن پاک کی صریح مخالفت کی (رافضی)۔ جواب: متعہ نکاح کا جواب تو ہم انشاء اللہ نکاح کی آیتوں میں دیں گے کہ یہ حضور پاک کے زمانہ میں ہی منسوخ ہو چکا تھا۔ حج کے ہر تمتع سے منع نہ کیا۔ بلکہ خاص اس تمتع سے جو صحابہ کرام نے حج وداع کے موقع پر کیا تھا یعنی حج کا احرام باندھ کر اس پر عمرہ کر کے کھل جانا چونکہ زمانہ جاہلیت میں اس کو بہت گناہ جانتے تھے۔ اس رسم کو توڑنے کے لئے ضرورۃ "حضور علیہ السلام نے یہ کرایا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اب ایسا تمتع کوئی نہیں کر سکتا کیونکہ اب وہ ضرورت نہ رہی اور واقعی مسئلہ بھی یہی ہے (تفسیر کبیر)۔ ان کے فرزند عبداللہ ابن عمر اس زمانہ میں بھی موجودہ تمتع کیا کرتے تھے۔ دوسرا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اہل بیت بیوی ہے مگر حدیث میں آتا ہے کہ جب یہ آیت کریمہ **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت** نازل ہوئی تو حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا حسن و حسین و علی رضی اللہ عنہم کو کمبل شریف میں لے کر فرمایا کہ اے اللہ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں پاک فرمادے۔ حضور کی بیوی ام سلمہ نے بھی اس کمبل میں آنا چاہا مگر انہیں یہ کہہ کر روک دیا **مکانک انت علی خیر** وہاں ہی رہو تم بھی خیر پر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت میں بیوی داخل نہیں بیٹی داخل ہے۔ جواب: یہ حدیث تو ہمارے ہی کلام کی تائید کرتی ہے کہ ام سلمہ سے حضور نے فرمایا کہ تم تو خیر پر ہو یعنی اس آیت میں داخل ہی ہو اور تمہیں رب نے پاک فرما ہی دیا۔ تمہارے لئے دعا کی چنداں ضرورت نہیں۔ میں رحمت الٰہی کو وسیع کرنے کے لئے اپنے دیگر اہل قرابت کو بھی اہل بیت کہہ کر ان کے لئے طہارت مانگ رہا ہوں۔ دیکھو حضرت علی کو بھی اسی کمبل شریف میں داخل فرمایا۔ دوسرے دن حضرت عباس کے

گھر جا کر ان کو اور ان کے بچوں پر بھی یہی کرم فرمایا۔ حالانکہ سیدنا علی اور آل عباس حضور کی اولاد نہیں۔ جیسے کوئی بادشاہ وزیر سے کہے کہ تم اپنے اہل قرابت کو ہمارے پاس لاؤ ہم ان سب کو انعام دیں گے۔ وزیر اپنے پڑوسیوں بلکہ محلہ والوں کو بھی لے جا کر کہے کہ حضور یہ بھی میرے قریبی ہیں انہیں انعام سے نوازا جائے۔ یہ وزیر کا کرم ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوا (تحفہ) غرضیکہ صحیح یہی ہے کہ حضور علیہ السلام کی بیبیاں اور اولاد دونوں ہی اہل بیت ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** حج تو بہترین عبادت ہے پھر حج کی آیت کو عذاب کے ذکر پر کیوں ختم فرمایا گیا یہاں تو رحمت و قبولیت کا ذکر ہونا چاہئے تھا۔ عذاب کا ذکر گناہوں کے ساتھ مناسب ہوتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ حج مقبول رب کی رحمت کا باعث ہے اور حج مردود اس کے عذاب کا سبب ہے عذاب کا ذکر فرما کر بتایا گیا کہ حج مقبول ادا کرنا۔ حج مردود سے بچنا ورنہ ہمارا عذاب بہت سخت ہے۔ خیال رہے کہ حج مقبول کی علامت تین ہیں۔ حج کے بعد ہمیشہ کے لئے دل نرم ہونا۔ گناہوں سے نفرت ہو جانا نیک اعمال کی رغبت ہو جانا۔ حج مردود کی علامت ان کے برعکس ہیں۔ دل سخت ہو جاتا ہے گناہوں کی طرف میلان نیکیوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اے ذات الٰہی کے حاجیو اور وادی سلوک طے کرنے والو جب تم نفس امارہ دشمن سے امن پالو تو تم میں سے جو کوئی تجلی صفات کی لذت چکھ کر تجلی ذات کا حج کرنا چاہے اور ان دونوں کمالات سے تمتع (نفع) حاصل کرے۔ تو اس پر اپنے حال کے لائق قربانی واجب ہے اور جو کوئی کمزوری نفس اور اس کے سکون کی وجہ سے قربانی نہ کر سکے۔ تو اس پر پہلے تو تین روزے یعنی عقلی اور وہمی اور خیالی وسوسوں سے باز رہنا ضروری ہے کیونکہ کبھی یہ چیزیں بھی انسان کو اوپر سے نیچے گرا دیتی ہیں اور سات روزے اس حج سے فارغ ہو کر یعنی وحدت سے کثرت کی طرف اجمال سے تفصیل کی طرف لوٹتے وقت واجب ہیں۔ وہ سات روزے کیا ہیں یہ پانچوں حواس ظاہری اور غضب شہوت کے فسادات سے بچنا اور محفوظ رہنا۔ یہ دس روزے بہت کامل بنانے والے ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ذاکر کے کان ہو جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے آنکھ ہو جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے (الخ) یہ تمام پابندیاں اس کے لئے ہیں جس کا قلب اور روح بارگاہ الٰہی میں پہلے سے موجود نہ ہوں بلکہ دور سے چل کر آئیں وادی محبت طے کر کے وہاں قدم رکھیں۔ جو حاضرین بارگاہ ہیں انہیں نہ ایسے مجاہدات کی ضرورت اور نہ اتنی ریاضات کی حاجت۔ وہ تو شروع ہی سے واصل حق ہیں اور حجلہ نشین محبوبین میں سے ہیں۔ تم ان پر اپنے کو قیاس نہ کرو اور اللہ تک پہنچنے میں گناہوں کے بوجھ سے بچو کہ اس سے راستہ میں بہت تکلیف ہوگی۔ اس کا عذاب بھی سخت ہے اور راستہ بھی کٹھن ہے۔

مرو زیر بار گنہ اے پسر — کہ حمال عاجز بود در سفر
تو پیش از عقوبت در عفو کوب — کہ سودے نہ دارد فغاں زیر چوب

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَ

حج چند مہینے ہیں جانے ہوئے۔ پس جو فرض کرے بیچ اُن کے حج کو پس نہیں ہے جماع اور نہ فسق کی باتیں اور

حج کے کئی مہینے ہیں جانے ہوئے تو جو ان میں حج کی نیت کرے تو نہ عورتوں کے سامنے صحبت کا تذکرہ ہو

www.alahazratnetwork.org

لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ

نہ جھگڑا ہے حج کے اور جو کچھ کرو گے بھلائی سے جانتا ہے اس کو اللہ اور توشہ لو پس تحقیق بہتر

اور نہ کوئی گناہ، نہ کسی سے جھگڑا حج کے وقت تک ہو اور تم جو جو بھلائی کرو اللہ اسے جانتا

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى وَاتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾

توشہ پرہیزگاری ہے اور ڈرو مجھ سے اے عقل والو۔

ہے اور توشہ ساتھ لو کہ سب سے بہتر توشہ پرہیزگاری ہے اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقل والو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت میں تمتع کا ذکر تھا اور تمتع میں عمرہ حج کے مہینوں میں ادا کرنا ضروری ہے۔ لہٰذا اب حج کے مہینے بیان کئے جا رہے ہیں تاکہ تمتع کا پورا پتہ لگ جائے۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیتوں میں حج کا بھی ذکر تھا اب اس کا وقت بتایا جا رہا ہے تو گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حج و عمرہ پورا کرو جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ حج بھی عمرہ کی طرح ہمیشہ ہی کیا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اب فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں حج کے لئے کچھ مہینے مقرر ہیں۔ عمرہ کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ **چوتھا تعلق** : پچھلی آیت میں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا۔ اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ حج میں جماع، گناہ اور جھگڑا چھوڑنا چوری اور بھیک وغیرہ سے بچنے کے لئے توشہ ساتھ لے جانا تقویٰ ہے۔

شانِ نزول : بعض یمنی لوگ بے سروسامان ہی حج کے لئے چل پڑتے تھے اور اپنے کو متوکل کہتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے مہمان اور اس کے گھر کے حاجی ہیں کیا ہمیں روٹی نہ کھلائے گا اور مکہ مکرمہ پہنچ کر لوگوں سے سوال شروع کر دیتے تھے بلکہ کبھی غربت کی وجہ سے غصب، خیانت اور لوٹ مار بھی کر لیتے تھے۔ ان کے حق میں آیت کا آخری جملہ وَ تَزَوَّدُوْا سے الباب تک نازل ہوا۔ جس میں انہیں ہدایت کی گئی کہ توشہ لے کر حج کو چلو تاکہ تمہیں آخرت کا بہترین توشہ یعنی تقویٰ حاصل ہو۔

تفسیر : **الحج اشھر معلومت** حج سے پہلے وقت پوشیدہ ہے کیونکہ حج چند کاموں کا نام ہے۔ اس کی خبر اشھر یعنی مہینے نہیں بن سکتی۔ الحج میں الف لام عہدی ہے یعنی وہ حج جو گزشتہ انبیاء کرام کے زمانہ سے چلا آ رہا ہے۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں حج طواف اور وقوف عرفات کا نام تھا پھر زمانہ ابراہیمی سے اس میں رمی، قربانی، صفا مروہ کی سعی کا اضافہ ہوا۔ ہمارے حضور کے زمانہ میں طواف قدوم، وداع اور طواف قدوم میں رمل یعنی اکڑ کر چلنے کا اضافہ ہوا ارکان حج میں زیادتی ہوتی رہی ہے۔ مشرکین نے اس میں بت پرستی، ننگے طواف کرنا زمانہ حج میں دروازوں کی راہ مکان میں نہ جانے کا اضافہ کیا جسے اسلام نے مٹا دیا معنی یہ ہوئے کہ وہ اصل حج جو زمانہ آدم علیہ السلام سے چلا آ رہا ہے وہ معلوم مہینوں میں ہے۔ **اشھر** شہر کی جمع ہے بمعنی مہینہ اگرچہ جمع کم سے کم تین پر بولتے ہیں مگر یہاں دو ماہ دس دن یعنی شوال اور ذیقعد اور دس دن ذی الحجہ کے مراد ہیں کیونکہ کبھی ایک سے زیادہ کو بھی جمع سے تعبیر کر دیتے ہیں جیسے **قلوبکما** اور اشہر سے عربی مہینے مراد ہیں نہ کہ شمسی کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

اسلامی کام چاند کے مہینوں سے ہوتے ہیں اس کی حکمتیں پہلے عرض کی جا چکی ہیں۔ معلومات سے 'پہلے جانے پہچانے ہوئے مہینے مراد ہیں کیونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی حج کے یہی مہینے تھے۔ شریعت نے وقت حج میں تبدیلی نہ کی بلکہ کفار جو مہینوں میں تبدیلی کر دیتے تھے کہ رجب کو شوال کر دیتے اور شوال کو صفر اسے بند کر دیا یعنی حج کے مہینے وہ ہیں جو پہلے سے جانے پہچانے ہوئے ہیں' جو دنیا کی پیدائش کے وقت سے مقرر ہیں تمہارے بنائے ہوئے نہیں۔

نکتہ : آمنہ خاتون کو استقرار حمل بارھویں ذی الحجہ منیٰ شریف میں ہوا کہ حضرت عبداللہ جمار کی رمی کر کے آئے اور مقاربت کی مگر وہ در حقیقت رجب تھا جسے کفار مکہ نے اس سال ذی الحجہ قرار دے کر حج کیا تھا اسی حساب سے ربیع الاول تک نو ماہ پورے ہوتے ہیں اگر اصل ذی الحجہ ہو تو ربیع الاول تک چار ماہ ہونگے یعنی اے مسلمانو! حج کا وقت وہی دو مہینے اور دس دن ہیں جو تمہیں پہلے سے معلوم ہیں۔ رہی یہ بات کہ حج تو فقط نویں ذی الحجہ کو ہوتا ہے پھر اس کا وقت اڑھائی مہینے کیونکر ہوئے۔ اس کی وجہ انشاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کی جائے گی۔ **فمن فرض فیھن الحج** فرض کے لفظی معنی ہیں کاٹنا' کھودنا۔ چونکہ کاٹنے کا اثر چیز میں لازم ہو جاتا ہے اس لئے لازم اور ضروری کو بھی فرض کہہ دیتے ہیں یا فرض کے معنی ہیں جدا کرنا جیسے **سورۃ انزلنھا و فرضنھا** چونکہ ضروری چیز بھی غیر ضروری سے جدا ہوتی ہے اس لئے اسے فرض کہہ دیتے ہیں۔ یہاں **فرض** بمعنی اوجب ہے یعنی جو کوئی ان مہینوں میں احرام' تلبیہ یا ھدی تیار کر کے اپنے پر حج فرض کرے۔ خیال رہے کہ حج تو رب نے عمر میں ایک بار فرض کیا۔ مگر جب بھی کوئی احرام باندھ لے اس پر ضرور فرض ہو جاتا ہے جیسے تکبیر تحریمہ سے نماز۔ **فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج** یہ ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ مَن کی جزا۔ رفث کے معنی ہیں۔ جماع' مگر یہاں جماع اور اس کے اسباب بوسہ وغیرہ بلکہ عورت کے سامنے اس کا تذکرہ بھی اسی میں داخل ہے۔ فسوق کے معنی ہیں شریعت کے حدود توڑنا اور گناہ کرنا جیسے غیبت گالی گلوچ وغیرہ۔ جدال مفاعلت کا مصدر ہے اس کا مادہ جدل بمعنی فتل (بٹنا و لپٹنا) ہے۔ لگام کو جدیل کہا جاتا ہے۔ جھگڑا کو اسی لئے جدال کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک دوسرے کو اپنے جال میں لپیٹتا ہے۔ یہاں یا تو نوکر چاکر' ساتھیوں یا کرایہ داروں وغیرہ سے جھگڑا کرنا مراد ہے یا تاریخ حج کے بارے میں اختلاف کرنا کہ کوئی کہے کہ اس سال حج غلط ہوا۔ چاند چھوٹا ہے کوئی کہے کہ حج صحیح ہوا یا امیر حج کی مخالفت کرنا یا حج کی شیخی مارنا یعنی اگرچہ گناہ ہمیشہ ہی برا ہے مگر جو حج کا احرام باندھ لے اس پر جماع بلکہ جماع کی باتیں گالی گلوچ جھگڑے وغیرہ بہت سخت منع بلکہ مکہ معظمہ پہنچ کر گناہ کرنا تو خدا کی پناہ کہ جیسے وہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کا ہے ایسے ہی وہاں ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ کا اسی لئے وہاں تو گناہ سے بہت ہی ڈرو **وما تفعلوا من خیر** جو کچھ تم بھلائی کرو گے صدقہ و خیرات فرضی' نفلی نماز' طواف' بارگاہ الٰہی میں خشوع و خضوع وغیرہ **یعلمه الله** اللہ اسے جانتا ہے تمہیں اس کا اجر دے گا۔ اس جملہ کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اے حاجیو تم حج کے زمانہ میں جو بھلائی ہو سکے کر گزرو یہ موقع پھر میسر ہونا مشکل ہے یا اے انسانو اپنی زندگی میں جو ہو سکے خیر کما لو ہر دم کو آخری دم سمجھو تمہارے اعمال سے نہ تو ہم بے خبر ہیں نہ ہمارے خزانوں میں کمی ہے نہ ہم بخیل ہیں تمہیں اجرت اپنی شان کے لائق دیں گے نہ کہ تمہارے عمل کے لائق۔ اس کے سوا خیال رکھو کہ **و تزودوا** اس کا مادہ ہے زاد بمعنی بڑھانا اور زیادتی کرنا۔ **و نزداد کیل بعیر** توشہ کو اسی لئے زاد کہتے ہیں کہ وہ کسی قدر زیادہ لیا جاتا ہے تاکہ کام آئے۔ تزودوا کے معنی ہیں توشہ ساتھ لینا یعنی

www.alahazratnetwork.org

حج کے لئے توشہ ساتھ لے لیا کرو۔ فان خیر الزاد التقوی یہاں یا تو تقوے 'سے بھیک 'لوٹ مار سے بچنا مراد ہے یا پرہیزگاری یعنی حج میں آکر گناہوں اور بھیک سے بچنا بہتر توشہ ہے یا دنیوی توشہ اطمینان قلب اور تقوی کا ذریعہ ہے پھر یہ تقوی آخرت کا توشہ۔ واتقون یا ولی الالباب الباب 'لب کی جمع ہے بمعنی عقل 'اسی لئے عقلمند کو لبیب کہا جاتا ہے یعنی اے عقل والو! ہمیشہ ہم سے خوف کرتے رہو۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! عمرہ کی طرح حج ہمیشہ ادا نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے لئے وہی مقرر مہینے ہیں جو تمہیں پہلے سے معلوم ہیں۔ اب کبھی زمانہ جاہلیت کی طرح مہینوں میں ردوبدل کر کے حج کو آگے پیچھے نہ کرنا جو کوئی ان مہینوں میں احرام باندھ کر اپنے پر حج لازم کرے اسے چاہئے کہ نہ تو اپنی بیوی سے جماع کرے نہ جماع کے اسباب یعنی بوسہ وغیرہ نہ اس کا ذکر نہ کسی کی چغلی غیبت وغیرہ نہ کسی سے لڑائی جھگڑا اور دنگہ فساد۔ یہ باتیں ہمیشہ ہی بری ہیں مگر حج میں بہت بری اور صرف گناہ سے بچنے پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ یہاں نیکیاں کمانا۔ کیونکہ تم جو نیکی بھی کرو گے وہ ہمارے علم سے باہر نہیں۔ ہم ضرور اس کی جزا دیں گے اور غلط پرہیزگاری سے بچو کہ توشہ نہ لاؤ اور متوکل بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاؤ۔ توشہ ضرور ساتھ لو۔ بہترین توشہ گناہوں سے بچنا ہے ہم سے ڈرتے رہو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ حج میں عشق الہی کا ظہور ہے۔ اس لئے اس میں بعض وہ حلال چیزیں جو جذبہ عشق کو کم کریں حرام کر دی گئیں۔ اپنی بی بی سے جماع۔ عمامہ باندھنا' سلا لباس پہننا اس لئے حرام ہوا تاکہ جذبہ عشق کی آگ ٹھنڈی نہ پڑ جائے اور رب کی محبت میں غیر کی محبت کی ملاوٹ نہ رہے۔ دوسرا فائدہ: حج میں اسلامی مساوات دکھلانا منظور ہے۔ اسی لئے شاہ و گدا' امیر و فقیر ایک ہی وردی یعنی کفنی میں اللہ کے سامنے حاضر کر دیئے گئے اور' لا جدال فرما کر امیروں وزیروں کو اپنے غلاموں کی مار پیٹ بلکہ جھڑکنے سے بھی روک دیا گیا کہ وہاں سب کی عزت و آبرو محفوظ ہے۔ تیسرا فائدہ: چونکہ حج روحانیت کی آخری منزل ہے اور گناہ دل میں تاریکی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے لا فسوق فرما کر ہر چھوٹے بڑے گناہ سے روک دیا گیا۔ چوتھا فائدہ: چونکہ حج محبت الہی کا زینہ ہے اس لئے فرمایا کہ تم صرف گناہ سے باز رہنے پر قناعت نہ کرو بلکہ نیکیوں میں کوشش کرو۔ پانچواں فائدہ: چونکہ حاجی رب کے مہمان ہیں اور میزبان کبھی گوارا نہیں کرتا کہ میرا مہمان بھیک مانگتا پھرے لہذا انہیں حکم دیا کہ ہماری دی ہوئی نعمتیں یہاں لا کر کھاؤ۔ کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلاؤ۔ چھٹا فائدہ: غریب پر حج فرض نہیں کیونکہ توشہ لانے کا حکم ہے اور توشہ میں سواری کا کرایہ اور راستہ کا خرچ سب ہی داخل ہیں۔ ساتواں فائدہ: مال کمانا بڑا اہم فرض ہے کیونکہ یہ صدہا گناہوں سے روک دیتا ہے دنیوی توشہ اخروی توشہ کا ذریعہ ہے۔ آٹھواں فائدہ: محترم جگہوں اور محترم وقتوں میں گناہ کا زیادہ عذاب ہے۔ دیکھو لڑائی جھگڑا فسق و فجور ہمیشہ ہی منع مگر بحالت حج زیادہ گناہ جیسے کہ مرد کو ریشم پہننا ہر وقت منع مگر نماز میں سخت گناہ 'باجے گانے ہر وقت منع' مگر قرآن کریم باجے پر گانا زیادہ باعث عذاب۔ اس لئے حرم شریف میں جیسے ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر' یونہی وہاں کا ایک گناہ لاکھ کی طرح۔ نواں فائدہ: حرام کے اسباب بھی حرام ہیں دیکھو جب احرام میں جماع حرام ہوا تو عورتوں کے سامنے اس کا ذکر کرنا بھی حرام کر دیا گیا۔ دسواں فائدہ: نفلی عبادت شروع کر دینے سے فرض ہو جاتی ہیں دیکھو نفلی حج و عمرہ شروع کر دینے سے فرض ہو گئے۔ رب

www.alahazratnetwork.org

نے فرمایا فمن فرض فیھن الحج

مسئلہ : محرم کو جماع تو حرام مگر نکاح حرام نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے بحالت احرام ہی نکاح فرمایا (احمدی)۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حج رب نے فرض نہیں کیا بلکہ انسان نفل نماز کی طرح خود اپنے پر فرض کر لیتا ہے کیونکہ یہاں فرض کا فاعل انسان ہے۔ جواب: حج عمر میں ایک بار ہی فرض ہے جب چاہے ادا کرے مگر احرام باندھنے سے وہ معین ہو جاتا ہے جیسے نماز عشاء کا وقت ساری رات ہے مگر جس وقت شروع کر دی گئی تب تو لازم ہو گئی۔ لہذا فرضیت تو خدا کی طرف سے ہے اور اس کا تقرر بندہ کی طرف سے نیز جن پر حج فرض نہیں ان پر بھی احرام باندھنے سے فرض ہو جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض: حج تو چند روز میں ادا ہوتا ہے پھر اس کے کیا معنی کہ اس کا وقت اڑھائی مہینے ہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ ان مہینوں میں احرام بلا کراہت جائز ہے کہ رمضان میں حج کا احرام باندھنا مکروہ اور شوال میں بلا کراہت جائز۔ چونکہ ان مہینوں میں حج کے بعض کام یعنی احرام ہو سکتے ہیں۔ اس لئے انہیں حج کا وقت قرار دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ جو کوئی ایک سفر میں ان مہینوں میں عمرہ کر کے حج کر لے وہ متمتع ہو جاتا ہے۔ رمضان میں عمرہ کرنے والا متمتع نہ کہلائے گا تو عمرہ کے لحاظ سے یہ زمانہ وقت حج ہے۔ تیسرے یہ کہ کام کے وقت کے دو حصے ہوتے ہیں ایک حصہ تیاری کے لئے دوسرا ادا کے لئے۔ سارا رمضان روزہ کا وقت ہے مگر اس کی راتیں تیاری روزہ کے لئے مقرر ہیں اور دن روزہ کے لئے۔ ایسے ہی عید کا چاند دیکھتے ہی حاجی سفر کی تیاری کرتے ہیں اور مکہ والے حاجیوں کے لئے اپنے مکانوں وغیرہ کی مرمت صفائی قلعی وغیرہ کراتے ہیں اس لئے ان مہینوں کو وقت حج کہا گیا۔ تیسرا اعتراض: تو چاہیے کہ شوال سے پہلے احرام بالکل ناجائز ہو پھر حنفی رمضان وغیرہ میں احرام کیوں جائز مانتے ہیں۔ جواب: اس لئے کہ دوسری جگہ فرمایا گیا ہے **یسئلونک عن الاھلۃ قل ھی مواقیت للناس والحج** اس میں سارے قمری مہینوں کو حج کا وقت قرار دیا گیا اور اس آیت میں صرف اڑھائی مہینوں کو۔ یہ دونوں آیتیں اس طرح جمع کی گئیں کہ ہر وقت احرام با کراہت جائز اور ان مہینوں میں بلا کراہت۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی مناظرے ناجائز ہیں۔ اگر یہ عبادت ہوتے تو حج میں ان کی ممانعت نہ کی جاتی۔ **لا جدال فی الحج** سے ہر دینی اور دنیوی جھگڑا سخت منع کر دیا گیا۔ نیز رب فرماتا ہے **ولا تنازعوا فتفشلوا و تذھب ریحکم** آپس میں جھگڑا نہ کرو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ جواب دینی مناظرے بہترین عبادت ہیں۔ رب نے فرمایا **و جادلھم بالتی ھی احسن** نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے عرض کیا تھا **ینوح قد جادلتنا فاکثرت جدالنا**۔ حق یہ ہے کہ جھوٹ پر اڑنے یا مال و عزت کی طلب کے لئے جھگڑا بہت بری چیز ہے مگر اظہار حق، تبلیغ دین کے لئے مناظرہ وغیرہ بہتر۔ یہاں جھگڑوں سے دنیوی جھگڑے مراد ہیں اور حج میں اسی کی ممانعت ہے (کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے حج بیت اللہ کے لئے چند مہینے مقرر ہیں ویسے ہی حج رب البیت کے لئے بھی ایک وقت مقرر یعنی دنیوی زندگی کہ موت کے وقت یا بعد موت کوشش کرنا بیکار اور جیسے کہ اس حج کے لئے میقات معین ویسے ہی اس حج کے لئے جوانی کا زمانہ مقرر کہ بلوغ سے چالیس سال تک کی عمر میں جو کچھ ہو سکے کما لے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ چالیس سال کے بعد

www.alahazratnetwork.org

صوفی بننا بہت مشکل ہے پھر اس حاجی کے لئے ضروری ہے کہ رفث یعنی شہوانی خیالات اور فسوق یعنی غضب و غصے اور جدال یعنی وہمیات وغیرہ سے دور رہے اور شیطانی وسوسوں سے بھاگے۔ عقل پر زور دے اور اپنے میں فرشتہ کی خصلتیں پیدا کرے۔ اس میں جتنی ترقی کرے گا اتنا ہی نفع میں رہے گا نیز اس سفر کے لئے شریعت کی سواری اور تقویٰ کا توشہ ضروری ہے۔ پہلے یہ توشہ اختیار کرو پھر وادی محبت میں قدم رکھو۔ امام باقر فرماتے ہیں کہ جو شخص تین چیزیں نہ لائے اس کا حج فائدہ مند نہیں۔ ایک یہ کہ کامل تقویٰ جو اسے حرام سے بچائے۔ دوسرے بردباری جو اسے غضب و غصے سے محفوظ رکھے۔ تیسرے مسلمانوں خصوصاً اپنے ساتھیوں سے اچھا برتاؤ الخ۔ ضروری ہے کہ حاجی سفر حج سے پہلے اپنے کو بندوں کے حقوق سے پاک و صاف کر لے ورنہ کامیابی نہ پائے گا۔ شاہی دربار میں جانے سے پہلے غسل و کپڑوں کی صفائی اور درباری لباس پہننا ضروری ہے۔ اس دربار کی حاضری سے پہلے بھی اپنا قلب و قالب اور روح کی صفائی بہت لازم ہے (روح البیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ عقل انسانی تین طرح کی ہے۔ عقل شیطانی جو کفر و معاصی کی طرف رہبری کرتی ہے اسی عقل سے شیطان مارا گیا۔ عقل نفسانی جو دنیاوی کاروبار چلاتی ہے۔ اسی عقل سے سائنسی ایجادات ہیں۔ عقل رحمانی جس کے ذریعہ رب کی اطاعت آخرت کی تیاری نصیب ہوتی ہے یہاں اولی الالباب میں انہیں عقل رحمانی والوں سے خطاب ہے جیسے آنکھ بغیر خارجی نور کے بیکار ہے ایسے ہی عقل بغیر ایمانی نور اور رحمانی کرم کے بیکار ہے اسی لئے ارشاد ہوا کہ اے عقل والو! تقویٰ کا توشہ لو۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ
نہیں ہے اوپر تمہارے گناہ یہ کہ تلاش کرو فضل طرف سے رب اپنے کے۔ پس جب چلو عرفات سے
تم پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو تو جب تم عرفات سے پلٹو تو اللہ کی یاد کرو
عَرَفٰتٍ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْکُرُوْہُ کَمَا ھَدٰىکُمْ ۚ وَ
تو ذکر کرو اللہ کا نزدیک مشعر حرام کے۔ اور یاد کرو اس کی جس طرح کہ ہدایت دی تم کو
مشعر حرام کے پاس اور اس کا ذکر کرو جیسے اس نے تمہیں ہدایت فرمائی اور بیشک اس سے پہلے تم بھٹکے ہوئے تھے
اِنْ کُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِہٖ لَمِنَ الضَّآلِّیْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِیْضُوْا مِنْ حَیْثُ اَفَاضَ
تحقیق تھے تم پہلے سے البتہ بھٹکے ہوؤں سے۔ پھر چلو تم جہاں سے کہ چلیں لوگ اور دعائے
پھر بات یہ ہے کہ اے قریشیو تم بھی وہیں سے پلٹو جہاں سے لوگ پلٹتے ہیں
النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۹۹﴾
مغفرت کرو اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔
اور اللہ سے معافی مانگو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حج میں جھگڑے سے منع کیا گیا تھا جس سے شبہ ہو تا تھا کہ شاید حج میں تجارت بھی منع ہو کیونکہ اس میں بھی قیمت طے کرنے میں جھگڑے ہوتے ہیں۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے اب فرمایا جارہا ہے کہ تجارت جائز ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حج میں جماع نہ کرو۔ نیز سلے کپڑے پہننا، سر ڈھکنا اور بہت سے جائز کام منع کر دیئے گئے۔ خیال ہو تا تھا کہ تجارت بھی حرام ہو گی۔ اس آیت میں یہ وہم دفع کیا گیا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں حج میں توشہ لینے کا حکم دیا گیا اور توشہ میں سواری بھی داخل ہے اور سواری کرایہ سے ہی حاصل ہو سکتی ہے لہٰذا اب تجارت کی اجازت دی جارہی ہے تاکہ کرایہ کی بھی اجازت ہو جائے۔ چوتھا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ حج و عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو جس سے وہم ہو تا تھا کہ اس سفر میں سوا ادائے حج کوئی دنیوی کام جائز نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ نہیں تجارت بھی کر سکتے ہو۔ مگر اصل مقصود ادائے حج ہو۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ توشہ لے کر حج کو آؤ اب اس حکم میں وسعت دی گئی کہ اگر کوئی صاحب کمال شخص کما تا کھا تا حج کر آوے تو بھی حرج نہیں حج میں چوری، قزاقی، بھیک منع ہے۔ بہت سے غریب غرباء جو کچھ ہنر جانتے ہیں حج میں اپنے ہنر سے کمائی بھی کرتے ہیں، حج بھی۔ ہم نے بعض نائی، درزی دیکھے جو حجامتیں کرتے، کپڑے سیتے ہوئے گئے حج کر آئے۔

شان نزول : اس کے شان نزول کے متعلق چند روائتیں ہیں۔ (۱) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگ زمانہ حج میں تجارت سے سخت پرہیز کرتے تھے بقر عید کا چاند دیکھتے ہی بازار کے قریب بھی نہ جاتے اور حج میں تجارت کرنے والے کو کہتے تھے کہ یہ حاجی نہیں داجی ہے۔ یعنی کمائی کرنے والا (اس سے دجاجہ بنا بمعنی مرغی) بلکہ بعض تو اس زمانہ میں مہمان نوازی، کمزوروں کی مدد اور دوسرے نیک کام بھی بند کر دیتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ صرف حج ہی کا زمانہ ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (2) عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک شخص حاضر ہو کر کہنے لگا کہ ہم لوگ اونٹ کرایہ پر چلاتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ تمہارا حج نہیں ہو تا کیا یہ سچ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں بھی ایک ایسا ہی سوال پیش ہوا تھا۔ جس پر یہ آیت کریمہ اتری تھی۔ لہٰذا حج میں تجارت، مزدوری، کرایہ کا کاروبار جائز ہے۔ (3) عرب میں عکاظ۔ مجنہ اور ذوالمجاز بڑے بڑے بازار تھے۔ جہاں حج کے موسم میں بڑے بڑے کاروبار ہوتے تھے اس پر ان کی گزر اوقات تھی جب اسلام دنیا میں تشریف لایا اور لوگوں کے دلوں میں تقویٰ کا جذبہ پیدا ہوا۔ تب انہوں نے حج میں تجارت بھی گناہ سمجھی اور حضور علیہ السلام سے دریافت کیا۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر کبیر و روح المعانی و بخاری وغیرہ)۔ مگر ان تینوں روایتوں میں کچھ اختلاف نہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ یہ ساری ہی صورتیں جمع ہو گئی ہوں۔ جن پر یہ آیت کریمہ اتری ہو۔

تفسیر : **لیس علیکم جناح**، **جناح**، **جنح** سے بنا ہے، جس کے معنی ہیں میلان۔ **فان جنحوا للسلم**۔ گناہ کو جناح اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ صحیح راستہ سے ہٹا دیتا ہے۔ یعنی اے حاجیو تم پر گناہ نہیں بعض نے فرمایا کہ اکثر گناہ کبیرہ کو سیہ، عیا معصیت وغیرہ کہتے ہیں اور گناہ صغیرہ کو جناح یعنی درستی سے قدرے ہٹ جانا اسی صورت میں اس آیت کے یہ معنی ہوئے کہ زمانہ حج میں کمائی کرنا گناہ کبیرہ تو کیا گناہ صغیرہ بھی نہیں بلکہ کبھی یہ کاروبار باعث ثواب بن جاتے ہیں۔ کہ بغیر کاروبار حج ناممکن ہے اگر مکہ معظمہ منیٰ عرفات وغیرہ میں دکانیں نہ ہوں تو حجاج کہاں سے کھائیں اگر وہاں سواریاں اور خیمے کرایہ پر نہ دیئے جائیں تو

www.alahazratnetwork.org

حجاج عرفات وغیرہ کیسے پہنچیں اور وہاں کس جگہ ٹھہریں۔ غرضیکہ تجارت و کرایہ پر حج موقوف ہے۔ نیز اہل مکہ کا گزارہ حج پر ہے اس زمانہ میں وہ کماتے ہیں سال بھر کھاتے ہیں اگر حج میں سارے کام ممنوع ہوں تو اہل مکہ گزارہ نہیں کر سکتے۔ **ان تبتغوا فضلا " من ربکم** ان سے پہلے فی پوشیدہ ہے۔ تبتغو کا مادہ بغی ہے۔ جس کے معنی حد سے نکلنا' کوشش کرنا' تلاش کرنا' ڈھونڈنا ہیں۔ یہاں آخری معنی ہی مراد ہیں۔ فضل کے معنی ہیں زیادتی' خواہ کسب سے حاصل ہو یا بغیر کسب' چونکہ تجارتی نفع وغیرہ اصل مقصود (حج سے) زیادہ ہیں۔ اس لئے انہیں یہاں فضل فرمایا گیا اور فضل میں تجارت' کرایہ' مظلوموں کی امداد' ضعیفوں کی دستگیری غرضیکہ ہر جائز اور نافع کام سب ہی شامل ہیں یعنی حاجیوں پر اس میں گناہ نہیں کہ وہ حج کے ساتھ ہی اللہ کا فضل تجارتی نفع وغیرہ بھی تلاش کرلیں۔ ناجائز دھندے عموما" نہ کریں اور حج میں خصوصا" اس سے بچیں لہذا کوئی گویا گانا بجانا اس سے روزی کماتا حج کو نہ جاوے۔ مگر ضروری ہے کہ یہ تجارت ادائے حج میں نقصان نہ پیدا کرے اس لئے اس کے ساتھ ہی ذکر اللہ اور عرفات سے روانگی وغیرہ کا بیان ہوا کہ **فاذا افضتم من عرفات' افضتم** افاضہ سے بنا۔ جس کا مادہ ہے فیض بمعنی زور سے بہنا۔ آنسو بہنے کو بھی فیض کہتے ہیں۔ تفیض من الدمع کسی جگہ سے لوگوں کے ایک دم نکلنے کو بھی اسی لئے فیض کہہ دیتے ہیں کہ وہ مثل بہتے پانی کے بہہ رہے ہیں بلکہ بڑی مہربانی کو فیض اور سپرد کرنے کو تفویض کہا جاتا ہے چونکہ عرفات سے لوٹتے وقت انسانوں کا بے پناہ ہجوم ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں افضتم فرمایا گیا۔ عرفات عرفہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں جاننا' پہچاننا یا خوشبو یا اعتراف و اقرار۔ اصطلاح میں اس میدان کا نام ہے جو مکہ مکرمہ سے نو میل فاصلہ پر مزدلفہ سے آگے واقع ہے۔ اسی جگہ ٹھہرنے کا نام حج ہے چونکہ یہ علم نہیں بلکہ اس جنگل کے ہر حصہ کا اسم ہے۔ اس لئے غیر منصرف نہ ہوا فقط تانیث غیر منصرف نہیں کر سکتی۔ اس کی وجہ تسمیہ اور فضائل وغیرہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں بیان کئے جائیں گے یعنی پس جب تم عرفات سے نکلو تو سیدھے منیٰ یا مکہ معظمہ آجاؤ **فاذکروا اللہ عند المشعر الحرام** ذکر اللہ سے تلبیہ' تسبیح' رب کی حمد و ثنا' دعا وغیرہ سارے ہی ذکر مراد ہیں۔ عند سے معلوم ہوا کہ مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے اگرچہ سارے مزدلفہ میں ٹھہرنا جائز ہے۔ مشعر مشعور یا شعار سے بنا۔ اس کے معنی ہیں نشان اور علامت حرام بمعنی محترم اور عزت والا۔ مشعر حرام مزدلفہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے اسی کو قزح اور مقیدہ بھی کہتے ہیں۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ عرفات سے واپس ہو کر تمام رات اس پر آگ جلاتے تھے۔ اسلام نے حکم دیا کہ یہ بیہودہ بات ہے۔ یہاں آکر اللہ کا ذکر کرو۔ پھر ذکر بھی اپنی رائے سے نہیں بلکہ **واذکروہ کما ھدکم** اسے ایسے ہی یاد کرو جیسے اس نے تمہیں بتایا۔ عاجزی' زاری' ڈر اور امید کے ساتھ۔ پہلے جملہ میں مقام ذکر کا بیان تھا۔ اور اس میں طریقہ ذکر کا کہ مشعر حرام کے پاس ذکر کرو اور ایسا کرو جیسا کہ اس نے تمہیں بتایا **وان کنتم من قبلہ لمن الضالین** قبلہ میں 'ہ' کا مرجع یا تو اسلام ہے اور یا ہدایت جو کہ ھدکم سے معلوم ہو چکے۔ واؤ ابتدائیہ ہے یا عاطفہ اور لمن۔ ان سے بنا۔ ان کا اسم یعنی کم پوشیدہ ہے یعنی اس میں شک نہیں کہ تم ہمارے بتانے یا اسلام سے پہلے بھٹکے ہوئے تھے کہ حج تو کرتے تھے مگر غلط طریقہ سے عبادات میں عادات شامل ہو گئی تھیں جہالت کی رسموں کو اس میں داخل ہو گیا تھا۔ **ثم افیضوا من حیث افاض الناس۔** ثم صرف ترتیب ذکری کے ہے نہ کہ واقعہ کی ترتیب کے لئے۔ کیونکہ عرفات سے روانگی کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ افیضوا میں قریش سے خطاب ہے۔ اور ناس سے قریش کے علاوہ دیگر لوگ مراد ہیں۔ کیونکہ اسلام سے پہلے قریش تو مزدلفہ میں ہی ٹھہر جاتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم حرم کے رہنے والے ہیں۔ حدود حرم سے باہر نہ جائیں گے اور دیگر لوگ

www.alahazratnetwork.org

عرفات تک پہنچتے تھے۔ واپسی کے وقت قریش تو مزدلفہ سے اور دیگر لوگ عرفات سے پلٹتے تھے۔ قریش اپنی شیخی کی وجہ سے سنت ابراہیمی سے محروم رہتے تھے۔ عرفات تک پہنچنا اور وہاں سے لوٹنا سنت ابراہیمی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ اے قریش! پھر یہ بھی خیال رکھو کہ تم بھی وہیں سے لوٹو جہاں سے باقی لوگ لوٹیں یعنی عرفات سے اور لوٹنے کے لئے وہاں پہنچنا ضروری ہے۔ خیال رہے کہ عرفات سے لوٹنے کو رب تعالیٰ نے یہاں افاضہ سے تعبیر فرمایا ہے کہ پہلے فرمایا **افضتم** پھر **افیضوا**۔ کیونکہ افاضہ کے معنی ہیں بہنا۔ یا اس لئے کہ اس میں اشارۃً "غیبی خبر ہے کہ ابھی تو صرف اہل عرب ہی حج کرتے ہیں مگر آئندہ اسلام تمام دنیا میں پھیلے گا اور لوگ ہر ملک سے یہاں حج کے لئے اتنی کثرت سے آیا کریں گے جب عرفات سے حجاج لوٹیں گے تو انسانوں کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا محسوس ہوا کرے گا یا اشارۃً" فرمایا گیا کہ جیسے دریا میں غوطے لگانے اور بہہ جانے سے ناپاک آدمی پاک ہو جاتا ہے ایسے ہی عرفات میں آتے ہی گنہگار بے گناہ بن جاتا ہے۔ **واستغفروا اللہ** اور اللہ سے اپنی کوتاہیوں کی معافی مانگو کیونکہ **ان اللہ غفور رحیم** اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔ اس جملہ استغفروا اللہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ روئے سخن سرداران قریش سے ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ تم لوگ جو زمانہ کفر میں اپنے حج برباد کرتے رہے ہو کہ عرفات نہ آتے تھے وغیرہ وغیرہ ان کی رب سے معافی مانگو اس طرح کہ مسلمان ہو کر زبانی 'جنانی' ارکانی استغفار کرو اگرچہ کفار احکام شرعیہ کے دنیا میں مکلف نہیں مگر آخرت کے لحاظ سے مکلف ہیں کہ انہیں عقائد و اعمال دونوں کی سزا ملے گی۔ **قالوا لم نک من المصلین** اسی لئے معافی مانگو وہاں کے عذاب سے بچو دوسرے یہ کہ روئے کلام مسلمان حجاج سے ہو یعنی اے حاجیو! یہاں آکر دوسرے کاموں میں مشغول نہ ہو زیادہ توبہ و استغفار کرو اور پھر حاجی بن چکنے کے بعد شیخی نہ مارو کہ ہم تو حاجی ہو گئے بلکہ ہمیشہ ہم سے معافی مانگتے رہو ہم تو ایسے غفور رحیم ہیں کہ برسوں کے گنہگار کو ایک دم میں معافی دے دیتے ہیں۔ سورج پانچ منٹ میں رات بھر کی برف گلا دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے حاجیو! تم یہ نہ سمجھنا کہ جماع و جدال وغیرہ کی طرح حج میں تجارت بھی منع ہے۔ نہیں اس کی تمہیں اجازت ہے کیونکہ تجارت اور کرایہ وغیرہ کے بغیر حج ناممکن ہے۔ لہذا تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ حج کے ساتھ ہی ساتھ تجارتی نفع، محنت مزدوری وغیرہ اور خدا کے دیگر فضل بھی حاصل کرلو۔ تو جب تم تمام ارکان ادا کر کے عرفات سے پلٹو تو مزدلفہ میں آکر مشعر حرام کے پاس بھی ٹھہر کر اللہ کا ذکر ایسا کرو جیسا تمہیں اس نے بتایا تم پہلے بہکے ہوئے تھے۔ عبادات بگاڑ کر کرتے تھے۔ غلطیوں میں پھنسے تھے۔ اس نے تمہیں ہدایت دی پھر اے قریش یہ بھی خوب یاد رکھو کہ تم مزدلفہ سے ہی مت لوٹ آیا کرو بلکہ دوسروں کی طرح عرفات جا کر سب کے ساتھ وہاں سے ہی لوٹا کرو کہ یہ سنت ابراہیمی ہے اور اللہ سے اپنے گناہوں اور خطاؤں کی معافی مانگو کہ وہ تو غفور رحیم ہے اور یہ حرم کی زمین وہ ضرور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ استغفار ہر طرح کا چاہئے زبانی بھی کہ زبان سے استغفر اللہ پڑھا کرے یہ ہمارے جد امجد کی سنت ہے کہ آپ نے دنیا میں آکر پہلی عبادت یہی کی۔ جنانی استغفار یعنی ندامت و شرمندگی اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عہد بھی کرو۔ ارکانی استغفار بھی کرو کہ آئندہ عمل میں تبدیلی ہو جاوے حاجی کو چاہئے کہ اپنے حج کی یادگار میں کوئی گناہ چھوڑ دے کہ کبھی وہ گناہ نہ کرے۔

www.alahazratnetwork.org

عرفات، مزدلفہ وغیرہ

آٹھویں ذی الحجہ کو یوم الترویہ اور نویں کو یوم عرفہ دسویں کو یوم النحر کہتے ہیں۔ حاجی مکہ معظمہ سے چل کر منیٰ، مزدلفہ اور عرفات میں قیام کرتے ہیں جس کا پورا ذکر ان شاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا۔ ہم یہاں ان الفاظ کے معنی اور کچھ فضائل بیان کرتے ہیں۔

یوم الترویہ : یہ روی سے بنا جس کے معنی ہیں غور کرنا یا پانی پلانا۔ اس دن کو ترویہ کہنے کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ جب آدم علیہ السلام کو بیت اللہ بنانے کا حکم دیا گیا تو آٹھویں ذی الحجہ کو آپ نے غور کیا اور رب سے عرض کیا کہ مجھے اس کی کیا اجرت ملے گی۔ حکم الٰہی آیا کہ اس کے اول طواف میں تمہاری تمام خطائیں معاف ہو جائیں گی۔ عرض کیا مولا کچھ اور دے۔ فرمایا کہ تمہاری اولاد میں بھی جو طواف کرے گا اس کے گناہ بخش دیے جائیں گے۔ عرض کیا کچھ اور دے۔ حکم ہوا کہ حاجی طواف کرتے وقت جس کے لئے دعا بھی کر دیں گے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ عرض کیا بس مجھے کافی ہے چونکہ اس تاریخ آدم علیہ السلام نے غور و فکر کیا اس لئے اس کا نام یوم الترویہ ہوا (کبیر)۔ دوسرے یہ کہ ابراہیم علیہ السلام نے آٹھویں ذی الحجہ کی شب میں خواب دیکھا تھا جس میں بیٹے کی قربانی کا حکم تھا۔ دن بھر غور کیا کہ یہ سچی خواب ہے یا شیطانی۔ یہ دن غور میں گزرا۔ نویں کی شب کو پھر یہی خواب دیکھا تو پہچانا کہ سچا خواب ہے۔ اس لئے آٹھویں کا نام یوم الترویہ یعنی غور کرنے کا دن اور نویں کا نام یوم عرفہ یعنی پہچاننے کا دن رکھا گیا۔ تیسرے یہ کہ مکہ والے آٹھویں ذی الحجہ کو منیٰ میں دعائیں سوچا کرتے تھے کہ کل عرفات میں رب سے کیا کیا مانگیں لہٰذا اس کا نام یوم الترویہ یعنی دعائیں سوچنے کا دن رکھا گیا۔ چوتھے یہ کہ مکہ والے آٹھویں ذی الحجہ میں اپنے جانوروں کو بھی پانی پلاتے تھے اور عرفات میں اپنے پینے کے لئے بھی جمع کر لیتے تھے اس لئے اسے یوم الترویہ یعنی پانی پلانے کا دن کہا جاتا ہے۔

عرفہ یا عرفات : اس کے دس نام ہیں۔ (1) عرفہ۔ (2) یوم ایاس۔ (3) یوم اکمال۔ (4) یوم اتمام۔ (5) یوم رضوان۔ (6) یوم حج اکبر۔ (7) شفع۔ (8) وتر۔ (9) شاہد۔ (10) مشہود۔ یہ سب نام قرآن سے معلوم ہوئے۔ عرفہ یا تو معرفت سے بنا یا عرف یا اعتراف سے۔ چونکہ اس میدان میں حاجیوں کی یک رنگی دیکھ کر خالق کی معرفت اور پہچان ہوتی ہے اور سخت دل والوں پر بھی ہیبت اور گریہ زاری طاری ہو جاتی ہے لہٰذا اسے عرفہ ہے نیز اسی میدان میں جبریل علیہ السلام نے آدم علیہ السلام کو ارکان حج بتائے اور آپ نے اس کا طریقہ جانا اور پہچانا لہٰذا عرفہ کہا گیا۔ نیز جنت سے آدم علیہ السلام تو سراندیپ میں اور حضرت حوا جدہ میں اور ابلیس میسان میں اور سانپ اصفہان میں اتارے گئے۔ تین سو برس کے بعد آدم علیہ السلام نے اس میدان عرفات اور نویں ذی الحجہ کے دن حضرت حوا سے ملاقات کی اور انہیں پہچانا لہٰذا اس میدان کو عرفہ اور یہ تاریخ یوم عرفہ کہی گئی نیز ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیوی بچے بیت اللہ کے پاس چھوڑے اور خود شام کی طرف لوٹ گئے۔ کئی سال کے بعد نویں ذی الحجہ میدان عرفات میں اپنے لخت جگر سے ملے اور انہیں پہچانا لہٰذا اسے عرفہ کہا گیا نیز اسی میدان میں پہنچ کر حاجی اپنے گناہوں اور رب کی رحمت کا

www.alahazratnetwork.org

اعتراف و اقرار کرتے ہیں۔ اس لئے اسے عرفہ کہتے ہیں یعنی اقرار کرنے کی جگہ نیز حضرت آدم و حوا نے اسی میدان میں کھڑے ہو کر اپنے قصور کا اقرار ان الفاظ سے کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** تب ارشاد الٰہی ہوا **الان عرفتما انفسکما** تم نے اپنے کو اب پہچانا (کبیر) ممکن ہے کہ عرف، بمعنی خوشبو سے بنا ہو جیسے کہ روزہ دار کے منہ کی بو۔ رب کو مشک سے زیادہ پیاری ہے۔ ایسے ہی حاجی کا عرفات والا پسینہ اسے پیارا ہے اسی لئے اسے عرفہ کہا گیا۔ چونکہ حج وداع سے پہلے کفار کو اسلام کے مٹ جانے کی امید تھی مگر حج وداع میں عرفہ کے دن وہ اس سے مایوس ہوئے۔ رب نے فرمایا **الیوم یئس الذین کفروا** ۔ اسی تاریخ اور اسی جگہ میں یہ آیت کریمہ بھی اتری **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا** "۔ جس میں دین کے کامل ہونے نعمت کے پورا ہونے اور اسلام کے پسندیدہ دین ہونے کی خوشخبری دی گئی۔ اس لئے اس دن کا نام یوم ایاس یوم اکمال اور یوم رضوان رکھا گیا۔ چونکہ بڑا حج یعنی حج اسی تاریخ میں ہوتا ہے اور چھوٹا حج یعنی عمرہ ہمیشہ لہذا اس کا نام یوم حج اکبر بھی ہوا۔ رب نے فرمایا **والشفع والوتر**۔ قسم ہے جفت اور طاق کی۔ اور یہ دن یوم ترویہ کا جفت ہے اور چونکہ نویں تاریخ ہے لہذا طاق بھی۔ اس لئے اسے یوم الشفع اور یوم الوتر بھی کہا جاتا ہے نیز رب نے فرمایا **و شاھد و مشھود** قسم ہے اس دن کی جو لوگوں کے پاس حاضر ہو اور لوگ بھی اس میں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں اور یہی وہ دن ہے۔ اس لئے اس کا نام شاہد و مشہود بھی ہوا (کبیر)۔

یوم النحر : دسویں ذی الحجہ کا نام ہے۔ نحر کے معنی ہیں قربانی **فصل لربک وانحر** چونکہ اس دن میں ہر جگہ عموماً اور منیٰ میں خصوصاً قربانیاں ہوتی ہیں لہذا اس کا نام یوم النحر ہوا۔

مزدلفہ : یہ زلف سے بنا۔ بمعنی قرب **و لیقربون الی اللہ زلفی** "یہ باب افتعال کا اسم فاعل یا مفعول ہے چونکہ ف کلمہ زتھا۔ اس لئے افتعال کی ت دال بن گئی۔ اس کے معنی ہیں قریب کرنے والی جگہ۔ چونکہ یہاں حاجیوں کو قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے نیز آدم علیہ السلام حضرت حوا سے پہلی بار اسی مقام پر قریب ہوئے لہذا اس جگہ کا نام مزدلفہ ہوا (کبیر)۔

فضائل : ان دنوں اور ان مقامات کے بے شمار فضائل ہیں جن میں سے ہم کچھ عرض کرتے ہیں۔ (1) سیدنا عبادہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا بقر عید کے عشرہ میں ہر روزہ کا ثواب ایک ماہ کے برابر ہے اور آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ ایک سال کے برابر اور نویں کا دو سال کے برابر (2) حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آٹھویں ذی الحجہ کے روزہ رکھنے والے کو رب تعالیٰ صبر ایوب کا ثواب اور نویں کے روزہ دار کو عیسیٰ علیہ السلام کا ثواب عطا فرماتا ہے (کبیر)۔ (3) حضور علیہ السلام نے عرفات میں حاجیوں کی بخشش کی دعا فرمائی تو حقوق اللہ معاف کر دیئے گئے۔ پھر مزدلفہ میں دعا کی تو حقوق العباد بھی بخش دیئے گئے (مشکوۃ)۔ (4) نویں ذی الحجہ کو شیطان بہت ذلیل اور حقیر ہوتا ہے۔ (5) ایک حج مقبول بیس جہادوں سے افضل ہے۔ (6) علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جس اونٹ پر سات حج کر لئے جائیں اللہ اسے جنت کے باغوں میں چرنے کی اجازت دیتا ہے۔ (7) امام شعرانی نے فرمایا کہ ایک تنور والے نے ایک اونٹ کی رسی کو تنور میں جلانا چاہا مگر وہ نہ جلی۔ بہت کوشش کرنے پر بھی کامیاب نہ ہوا۔ ہاتف سے آواز آئی کہ یہ اونٹ کی وہ رسی ہے۔ جس پر دس بار حج کیا گیا۔ اسے آگ کیونکر جلائے (روح البیان)۔ (8) آٹھویں ذی الحجہ کا روزہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہے اور نویں کا روزہ دو سال کے (کبیر)۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ۔** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شخصی عبادت سے قومی عبادت بہتر ہے اکیلے نماز سے جماعت کی نماز افضل کہ ایک کی قبول تو سب کی قبول۔ دیکھو قریش کا مزدلفہ سے لوٹ آنا گویا ان کی شخصی عبادت تھی اور عرفات سے واپس ہونا قومی عبادت تھی۔ رب نے انہیں عرفات سے لوٹنے کا حکم دیا تاکہ عبادت قومی بنے جس میں امیر غریب، سردار ماتحت سب یکساں ہوں۔ دنیا اور دنیا کی چیزیں باعث امتیاز ہیں آخرت اور وہاں کی چیزیں اسی امتیاز کی اٹھانے والی گھر پہنچ کر امیر، فقیر، مکان، لباس، غذا وغیرہ میں ممتاز ہو جاتے ہیں مگر مسجد میں پہنچتے ہی سب یکساں۔ حج میں اس یکسانیت کا وہ نمونہ قائم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اسی لئے حکم ہوا کہ جہاں سے سب آئیں وہاں سے تم بھی آؤ۔ **دوسرا فائدہ:** تجارت بہت بہتر چیز ہے کہ حج جیسی عبادت میں بھی اس کی اجازت دی گئی۔ تجارت ہی سے دنیا کا بقا ہے اور یہی ذریعہ حج اگر سواریاں کرایہ پر نہ لی جائیں اور احرام کا لباس اور قربانی کے جانور نہ خریدے جائیں تو حج کیونکر ہو۔ اسی لئے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بارہا تجارت فرمائی۔ تجارت مسلمانوں کا خاص فن تھا۔ افسوس کہ وہ اس کو بھی کھو بیٹھے۔ **تیسرا فائدہ:** لوائے عبادت کے وقت قومی امتیاز اور دنیوی بڑائیاں محرومی کا باعث ہیں دیکھو قریش کو حکم ہوا کہ تم بھی عام لوگوں کے ساتھ عرفات ہی پہنچا کرو۔ اور ان کے ساتھ ہی واپس ہوا کرو۔ **چوتھا فائدہ:** ہمیشہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ جماعت سے علیحدگی ہلاکت ہے۔ **پانچواں فائدہ:** عرفات و مزدلفہ اور مسجد وغیرہ کی زمینیں کسی کی ملک نہیں۔ بادشاہ بھی فقیر کو کہیں سے نہیں ہٹا سکتا۔

حکایت : مشہور ہے کہ ایک دفعہ سلطان ہارون الرشید نے اپنی بیوی زبیدہ خاتون سے کہا کہ اگر تو آج شام تک میری سلطنت سے باہر نہ نکل جائے تو تجھے طلاق۔ بعد میں سلطان بہت پچھتائے اور زبیدہ بھی پریشان ہوئیں۔ کیونکہ اس زمانہ میں تیز سواریاں نہ تھیں اور اس کی سلطنت مشرق و مغرب میں تھی۔ امام ابو یوسف رحمتہ اللہ علیہ نے زبیدہ کو فرمایا کہ تو مسجد میں چلی جا کہ وہاں سلطان کی بادشاہت نہیں۔ سلطان نے امام پر زرو جواہر نچھاور کئے۔ **چھٹا فائدہ:** حلال پیشے اور حلال تجارتیں اختیار کرنی چاہئیں۔ گانے بجانے کا پیشہ اور شراب وغیرہ کی تجارت حرام ہے اسی لئے یہاں فرمایا گیا۔ **فضلا" من ربکم** رب کا فضل یعنی حلال کمائی تلاش کرو۔ **ساتواں فائدہ:** حج میں تجارت جائز مگر اس شرط سے کہ لوائے حج میں اس کی وجہ سے کوئی نقصان نہ ہو اور اصل مقصود حج ہو نہ کہ تجارت۔ پھر بھی علماء فرماتے ہیں کہ بہتر یہی ہے کہ اس سے بچے اور حج خالص کرے (روح البیان)۔ **آٹھواں فائدہ:** اگرچہ سارا مزدلفہ حاجیوں کا قیام گاہ ہے مگر مشعر حرام کے پاس ٹھہرنا زیادہ بہتر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں ذکر اللہ کا حکم دو جگہ کیوں دیا گیا۔ ایک ہی کافی تھا؟ **جواب:** پہلے تو ذکر کی جگہ بتائی گئی اور پھر اس کا طریقہ یا پہلے ذکر سے ذکر زبانی۔ اور دوسرے سے ذکر قلبی مراد ہے یا پہلے ذکر سے مغرب و عشاء جمع کرنا اور دوسرے ذکر سے عام دعائیں مراد یا چونکہ کفار مکہ یہاں رات بھر آگ جلاتے تھے۔ یہ رسم توڑنے کے لئے ذکر اللہ کا بار بار حکم دیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** **ثم افیضوا** ' **و اذ کروہ** پر معطوف ہے اور ثم ترتیب چاہتا ہے تو لازم آیا کہ قیام عرفات مزدلفہ کے بعد ہو۔ **جواب:** اس سے پہلے **فاذ کروا اللہ' فاذا افضتم** کی جزا بن کر آچکا ہے۔ جس سے صاف معلوم ہو گیا کہ مزدلفہ کا قیام عرفات کے بعد ہے۔ **ثم افیضوا** سے محض قریش کی رسم توڑنا مقصود ہے نہ کہ بیان ترتیب۔ بعض لوگوں نے یہ فرمایا کہ ثم

www.alahazratnetwork.org

افیضوا سے مزدلفہ سے منیٰ کی طرف چلنا مراد ہے اور ناس سے قریش مراد ہیں۔ یعنی مزدلفہ سے فارغ ہو کر صبح کے بعد سب لوگوں کے ساتھ منیٰ جاؤ۔ رات ہی میں بلا ضرورت نہ چلے جاؤ (کبیر و احمدی)۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے تمام حاجیوں کو بخشش مانگنے کا حکم دیا حالانکہ ان میں ایسے نیک بھی ہیں جنہوں نے کبھی گناہ نہ کیا اور جو گنہگار حاجی ہیں ان کے سارے گناہ عرفات میں معاف ہو چکے آج وہ گناہوں سے ایسے پاک ہیں جیسے آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ پھر معافی کس چیز کی مانگی گئی۔ **جواب:** استغفار کرنا نماز روزہ کی طرح ایک عبادت ہے جسے نیک کار بھی کریں اور بدکار بھی۔ اس سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوں گے اور نیک کاروں کے درجے بڑھیں گے۔ جس عمل سے ہمارے گناہ معاف ہوتے ہیں اسی سے نیکوں کے درجے بڑھتے ہیں۔ (کبیر)

تفسیر صوفیانہ : اے ذات الٰہی کے حاجیو! تم معرفت الٰہی کے عرفات سے لوٹو اور وحدت سے کثرت کی طرف رجوع کرو تو راستہ میں ایک مقام سر روحی ملے گا جسے مشعر حرام بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں مشاہدہ جمال ہوتا ہے اور عقل و شعور بھی درست ہوتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر بھی رب کا ذکر کرو مگر ہر جگہ اپنی رائے سے اس کا ذکر نہ کرنا بلکہ جب ہے کہ اس کا ذکر اسی کے بتانے سے اسی کی توفیق سے اسی کے لئے ہو۔ اولاً " اس کا ذکر زبانی کرو پھر ذکر نفسانی پھر ذکر قلبی۔ جس میں خدا کی نعمتوں کا شکر بھی ہے پھر ذکر سری جس میں تجلیات صفات کا کشف ہو۔ پھر ذکر روحی جس میں تجلیات صفات کے ساتھ انوار ذات کا مشاہدہ ہوتا پھر ذکر خفی جس میں جمال ذات کا مشاہدہ تو ہو مگر دوئی میں رہ کر پھر ذکر ذات یا اخفیٰ جس میں شہود ذاتی اس طرح ہو کہ فنا باقی میں اور ذاکر مذکور میں فنا ہو جائے اور ذکر و ذاکر و مذکور اور مذکور لہ کو رب میں فرق نظر نہ آئے۔ تم معرفت کے عرفات میں حاضر ہونے سے پہلے ان ذکروں سے غافل تھے۔ پھر جب یہاں سے آگے بڑھو تو ظاہری عبادات اور اطاعت اور شرعی احکام اور معاملات سب لوگوں کے ساتھ ادا کرو اور ان میں سے بن جاؤ۔ کسی نے حضرت جنید سے پوچھا کہ انتہا کیا ہے؟ فرمایا ابتدا کی طرف لوٹ جانا۔ ابتدا پر لوٹنے سے ہی دائرہ بنتا ہے مگر اے حاجیو! اپنے اس حج پر اطمینان نہ کر لینا ہمیشہ نفس کی سرکشی اور شیطان کے دھوکوں سے استغفار پڑھتے رہو۔ اللہ بڑا غفور رحیم ہے سب معاف فرمائے گا (ابن عربی)۔ غرضیکہ اس حج میں وحدت میں کثرت ہے اور کثرت میں وحدت۔

فَاِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ اٰبَآءَکُمْ اَوْ اَشَدَّ

پس جب ادا کر لو تم ارکان حج اپنے کے پس ذکر کرو اللہ کا مثل ذکر کرنے تمہارے باپ دادوں

پھر جب اپنے حج کے کام پورے کر چکو تو اللہ کا ذکر کرو جیسے اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ

ذِکْرًا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَا لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ

اپنے کا یا زیادہ سخت ذکر۔ پس لوگوں میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہم کو بیچ دنیا کے

اس سے زیادہ۔ اور کوئی آدمی یوں کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں دے اور آخرت میں

www.alahazratnetwork.org

مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾
اور نہیں ہے واسطے اس کے بیچ آخرت کے کوئی حصہ
اس کا کچھ حصہ نہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پہلے عین حج میں ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب بعد حج اس ذکر کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: اب تک حج کا طریقہ بیان ہوا۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ حج کے بعد کیا کرنا چاہئے گویا پہلے عبادت کا ذکر ہوا۔ اب اس سے فراغت کا گویا پہلے روزہ کا ذکر تھا اب افطار کا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حج کی اصلاح فرمائی گئی اور کفار مکہ نے اس بہترین عبادت میں جو رسم و رواج داخل کرلئے تھے اس کی تردید ہوئی۔ اب حج کے بعد کی بے قاعدگیاں مٹائی جارہی ہیں۔

شان نزول : اہل عرب حج سے فارغ ہو کر ایک جلسہ کرتے تھے جس میں اپنے باپ دادوں کے فضائل اور نسبی خوبیاں نظم و نثر میں بیان کرتے تھے۔ بہت پہلے سے اس کے لئے قصیدے اور غزلیں تیار ہوتی تھیں۔ ہر ایک دوسرے سے بڑھنے کی کوشش کرتا تھا۔ بعض لوگ اپنے علمی کمالات کا اظہار بھی اسی موقعہ پر کرتے تھے کہ بہترین غزلیں سنا کر لاتے تھے۔ امراء القیس کے قصیدے انہیں میلوں کی یادگار ہیں۔ یہ بری رسم مٹانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں بجائے باپ دادوں کی تعریف کے ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا (درمنثور)۔

تفسیر : **فاذا قضيتم مناسككم** یہ ف تعقیبیہ ہے **قضیتم** **قضا** سے بنا۔ اگر قضا اپنے کام سے متعلق ہو۔ تو فراغت کے معنی میں آتا ہے۔ جیسے **فاذا قضيتم الصلوة** اور اگر دوسرے کے کام یا دوسروں کی ذات کے متعلق ہو تو معنی الزام ہوتا ہے۔ جیسے **فقضهن سبع سموت** اور جیسے **و قضينا الى بنى اسرائيل**۔ یہاں چونکہ خود اپنے فعل سے متعلق ہے اس لئے پورا کرنا اور فارغ ہونا ہی مراد ہے (کبیر)۔ **مناسک** نسک کی جمع ہے۔ اس کا مادہ ہے نسک بمعنی عبادت یہاں یا تو ظرف کے معنی میں ہے اور یا بمعنی مصدر چونکہ حج میں بہت سی جگہ جانا پڑتا ہے اور بہت سی عبادات ہوتی ہیں۔ اس لئے جمع لایا گیا۔ یعنی اے حاجیو! جب تم ان متبرک مقامات سے فارغ ہو کر آجاؤ یا وقوف عرفات اور قیام مزدلفہ وغیرہ عبادات پورے کرلو تو اپنے باپ دادوں کی تعریفیں نہ کرو بلکہ **فاذكروا الله** بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم وجوبی ہے اور ذکر سے مراد نماز کے بعد کی تکبیریں ہیں یعنی تکبیر تشریق جن کا پڑھنا واجب ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد دعائیں اور ادائے شکر ہے جو کہ قریب قریب واجب ہی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ امر استحبابی ہے یعنی ادائے حج کے بعد بجائے اپنی شیخی مارنے اور خاندانی فخر بیان کرنے کے اللہ کا ذکر کرو **كذكركم آباءكم** یہاں ذکر سے گذشتہ ذکر مراد ہے اور کاف طریقہ ذکر کی تشبیہ کے لئے ارشاد ہوا اور آباء سے نسب و خاندان مراد ہے۔ یعنی جیسے جوش و خروش اور محنت سے تم لوگ اپنے خاندانی فخر بیان کرتے تھے اب بجائے اس کے خلوت و جلوت میں کوشش سے اللہ کا ذکر کرو۔ یہی معنی اس آیت کے شان نزول کے مطابق ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ذکر سے موجودہ ذکر مراد ہو اور آباء سے ماں باپ یعنی جیسے بچہ مصیبت میں ہر وقت ماں باپ کا ہی ذکر کرتا ہے ایسے ہی

www.alahazratnetwork.org

تم رب کا ذکر کیا کرو جیسے تم اپنے ماں باپ کے اوصاف کا فخریہ ذکر کرتے ہو۔ ایسے ہی رب کے صفات کا ذکر کیا کرو جیسے کہ تم اپنے کو ایک باپ کا بیٹا کہتے ہو اگر تمہیں کوئی دوسرے باپ کی اولاد کہے تو اس سے لڑتے ہو ایسے ہی اپنے کو ایک رب کا بندہ کہو جیسے کہ بچہ ہر حاجت کے وقت اپنے باپ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ایسے ہی تم بھی ہر ضرورت میں رب کی طرف رجوع کرو جیسے کہ تم ماں باپ کی قسمیں کھایا کرتے ہو بجائے ان کے رب کی قسمیں کھایا کرو جیسے کہ تم ماں باپ کی برائی کسی سے نہیں سن سکتے۔ ان کا اچھا ذکر چاہتے ہو ایسے ہی رب کو عیب نہ لگاؤ بلکہ اسے اچھی صفتوں سے یاد کرو مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ . اشد ذکرا " او بمعنی بل ہے اور اشد پہلے ذکر پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور ذکرا ' اشدا کی تمیز اور ہو سکتا ہے کہ اہلہ کم پر عطف ہو اور ذکر مصدر مجہول۔ یا اشد 'فعل ناقص پوشیدہ کی خبر ہو یعنی لکن ذکر اللہ اشدیا یہاں 'کونوا' فعل پوشیدہ ہو۔ (روح المعانی)۔ یعنی بلکہ خدا کا ذکر اپنے باپ دادوں کے ذکر سے بھی زیادہ کرو۔ کیونکہ باپ دادوں کی غلط تعریف جھوٹ ہے اور بچی تعریف شیخی۔ غرضیکہ اس میں جھوٹ بھی خطرناک اور سچ بھی۔ رب کی جتنی بھی تعریف کرو بچی ہی ہوگی اور اس پر ثواب بھی ملے گا۔ خیال رہے کہ اگرچہ ذکر اللہ ہر وقت ہی چاہئے مگر اس کی خصوصی نعمتوں پر خصوصیت سے ذکر زبانی بھی ہوتا ہے۔ جو زبان اللہ کے ذکر میں تر رہے وہ دوزخ میں نہیں جلے گی۔ دوسرے ذکر جنانی یعنی دل کا ذکر کہ دست بکار ہو مگر دل یار میں رہے یا یار دل میں بسیرا کرے۔ تیسرے ذکر ارکانی کہ ہر عضو اللہ کی یاد کرے ہر عضو کا ذکر علیحدہ ہے اس کی مفصل بحث فاذ کرونی اذ کر کم میں گزر گئی۔ یہاں تک تو کفار عرب کی غلط رسم کو رد کیا گیا۔ اب ان کی غلط دعاؤں کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے کہ یہ بے وقوف رب سے دعا بھی مانگیں تو بھی غلط فمن الناس من یقول۔ ظاہر یہ ہے کہ ناس سے حاجی مراد ہیں اور من سے کفار اور یقول سے ان کی دعا یعنی حاجیوں میں سے کفار حاجی یہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ناس سے عام لوگ مراد ہوں حاجی ہوں یا غیر حاجی۔ اور یقول سے بھی عام دعائیں مقصود۔ اور من سے جاہل مسلمان اور عام کفار مراد ہو (کبیر و روح المعانی) یعنی بعض بے عقل لوگ دعا میں صرف دنیا پر نظر رکھتے ہوئے یہ کہتے ہیں کہ ربنا اتنا فی الدنیا۔ خدایا ہمیں جو کچھ دینا ہے دنیا ہی میں دے دے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین عرفات میں کہتے تھے۔ اے اللہ ہمیں اونٹ 'گائے 'بکریاں 'غلام و لونڈیاں دے۔ اپنے گناہوں کا بھی ذکر نہ کرتے تھے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ یہ لوگ حج میں بارش اور دشمنوں پر فتح ہی مانگا کرتے تھے ان سب کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے (تفسیر کبیر)۔ وما لہ فی الاخرۃ من خلاق۔ خلاق 'خلق بمعنی لائق ہونا سے بنا۔ یا خلق بمعنی پیدائش ہے نصیب اور حصہ کو اسی لئے خلاق کہتے ہیں کہ وہ حصہ دار کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اور وہ اس کے لائق ہے (روح المعانی)۔ یعنی ایسے لوگوں کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ جنہیں وہاں کی طلب نہ ہو۔ اگر اس سے کفار مراد ہیں تو خلاق سے ساری رحمتیں مقصود اور اگر جاہل مسلمان بھی اس میں شامل ہیں تو خلاق سے کامل حصہ مراد۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو تم ارکان حج ادا کر کے اپنے باپ دادوں کی تعریف میں مشغول نہ ہو جایا کرو بلکہ خدا کا ذکر و شکر کیا کرو۔ عبادت پر شکر کرنا ضروری ہے اور ایسے اہتمام سے رب کو یاد کیا کرو۔ جیسے پہلے اپنے باپ دادوں کا چرچا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ کیونکہ تمہارے باپ دادوں کے اوصاف بناوٹی ہیں۔ رب تعالیٰ کے حقیقی 'تمہارے باپ دادوں کے صفات تھوڑے سے ہیں۔ اس کے بے شمار نسب پر فخر بیکار بلکہ جھگڑے فساد کی جڑ' رب کا ذکر فائدہ مند۔ اس لئے اس کا خوب ذکر کرو یا

www.alahazratnetwork.org

تو اس کی ذات و صفات کے چرچے کرو یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گیت گاؤ یا اس کے دشمنوں کا برائی سے ذکر کرو یا اپنے گناہ رب کی عطاؤں کے تذکرے کرو کہ یہ سب بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ ہی کا ذکر ہے اور فاذ کروا اللہ سب کو شامل ہے معلوم ہوا کہ منیٰ شریف میں میلاد شریف کے جلسے کرنا بہت بہتر ہے۔ مگر خیال رکھو کہ دعا میں بھی کم ہمتی نہ کیا کرو ہمارے دربار میں بعضے کم ہمت صرف دنیا مانگتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا ہمیں دنیا ہی میں جو کچھ دینا ہے دیدے۔ ان کی یہ دعا قبول ہو یا نہ ہو اور وہ دنیوی نعمتیں پائیں یا نہ پائیں آخرت سے تو محروم ہو ہی گئے ان کے لئے وہاں کوئی حصہ نہ رہا۔ چاہیے کہ بڑے دربار میں بڑی چیز مانگو۔ رب تعالیٰ نے اس دعا کی دو برائیاں بیان فرمائیں۔ ایک یہ کہ اس میں صرف دنیا مانگی گئی ہے آخرت کا ذکر بھی نہیں حالانکہ دنیا تو کھیتی ہے آخرت اس کا پھل۔ پھل کے بغیر کھیتی بیکار ہے۔ دوسرے یہ کہ اس دعا میں دنیا کی بھلائی نہ مانگی گئی بلکہ کہا یہ گیا کہ دنیا میں ہر خیر یا شر دے دے حالانکہ دنیا کی خیر مانگنا چاہیے۔ زندگی، مال، اولاد خیر بھی ہوتی ہے شر بھی خیر زندگی اچھی ہے شر بری۔

حج کرنے کا طریقہ

یہاں تک اعمال حج متفرق بیان ہوئے۔ اب ہم مختصر مکمل طریقہ عرض کرتے ہیں چونکہ آج کل عام حاجی بغیر ھدی والا تمتع کرتے ہیں لہٰذا اسی کا طریقہ عرض کیا جا رہا ہے۔ ہندوستانیوں کا میقات یلملم ہے جو کہ کامران سے آگے جہاز میں ہی آجاتا ہے وہاں پہنچ کر صرف عمرہ کا احرام باندھے یعنی غسل یا وضو کر کے مرد بے سلے کپڑے یعنی صرف ایک چادر اور تہبند پہنے۔ اور عورت سلے ہوئے ہی پہنے مگر منہ نہ ڈھکے۔ پھر دو رکعت نفل احرام کی نیت سے پڑھ کر تلبیہ کہے احرام بندھ گیا۔ مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کی نیت سے طواف کعبہ کرے اور صفا مروہ کے درمیان دوڑ کر احرام کھول ڈالے عمرہ ختم ہوا۔ پھر ساتویں ذی الحجہ کو مکہ معظمہ سے ہی حج کا احرام باندھے۔ حرم شریف میں بعد ظہر خطبہ ہوتا ہے۔ جس میں طریقہ حج بیان ہوتا ہے۔ پھر طواف قدوم اور صفا مروہ کے درمیان سعی کرے۔ آٹھویں ذی الحجہ کو نماز فجر پڑھ کر منیٰ روانہ ہو جائے اور وہاں نویں کی فجر تک قیام کرے پھر فجر پڑھ کر عرفات روانہ ہو۔ راستہ میں مزدلفہ پڑے گا وہاں نہ ٹھہرے سیدھا عرفات پہنچے۔ اور بہتر ہے کہ جبل رحمت کے پاس قیام کرے اگر جماعت سے نماز میسر ہو تو ظہر و عصر ملا کر ظہر کے وقت میں ادا کرے اور اگر اکیلے پڑھے تو اپنے اپنے وقتوں میں پھر اگر ہو سکے تو خاص جبل رحمت پر کھڑے ہو کر سورج چھپے تک دعائیں مانگتا رہے۔ بہتر ہے کہ ان چٹانوں کے پاس کھڑا ہو جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیام فرمایا تھا قبلہ رخ رہے۔ آفتاب ڈوبنے کے بعد بغیر نماز مغرب پڑھے ہوئے مزدلفہ روانہ ہو جائے۔ وہاں پہنچتے ہوئے عشاء کا وقت آجائے گا اب مزدلفہ میں مغرب و عشاء ملا کر عشاء کے وقت میں پڑھے۔ خواہ جماعت سے ہو یا اکیلے اور بہتر ہے کہ جبل قزح یعنی مشعر حرام کے پاس ٹھہرے۔ یہاں سے چھوٹے چھوٹے کنکر چنے کے دانے سے کچھ بڑے منٹھی دو منٹھی لے لے۔ تمام رات یہیں رہے فجر کی نماز اندھیرے ہی میں پڑھ کر دعا میں مشغول ہو جائے۔ روشنی ہو جانے پر آفتاب نکلنے سے پہلے منیٰ کی طرف روانہ ہو۔ یہ دسویں ذی الحجہ ہے۔ یعنی بقر عید کا دن مگر حاجی پر نماز بقر عید معاف ہے منیٰ میں سب سے پہلے جمرہ عقبہ کی رمی کرے یعنی اسے سات کنکر مارے پھر قربانی کرے۔ پھر سر منڈ لوے۔ اب حج کا احرام بھی کھل گیا۔

www.alahazratnetwork.org

سوا عورتوں کے جماع کے ساری چیزیں حلال ہو گئیں۔ بہتر ہے کہ دسویں ہی کو طواف کعبہ کرکے پھر منیٰ میں لوٹ آئے اور چاہے تو گیارہویں یا بارہویں کو کرے۔ منیٰ میں تیرہویں ذی الحجہ تک ٹھہرنا بہتر ہے اور بارہویں تک ضروری کہ گیارہویں اور بارہویں کو بعد نماز ظہر تینوں جمروں کی رمی کرلیا کرے کہ پہلے جمرہ اولیٰ کو پھر بیچ والے جمرہ کو پھر جمرہ عقبہ کو سات سات کنکر مارا کرے پھر مکہ مکرمہ لوٹ آئے۔ جب وہاں سے وطن کی طرف چلے تو طواف وداع کرے اور زمزم کا پانی ضرور پیئے بلکہ چاہ زمزم پر کھڑا ہو کر کنوئیں میں جھانکے اور ملتزم سے لپٹ کر روئے اور دوبارہ آنے کی دعائیں کرے اور کعبہ معظمہ کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا ہوا الٹے پاؤں باب الوداع تک چلے۔ مدینہ پاک کی حاضری کے آداب انشاء اللہ جاء و ک کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ حج فرض میں پہلے حج کرنا پھر مدینہ پاک حاضر ہونا افضل ہے اور حج نفل میں پہلے حاضری دربار بہتر۔ مگر میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ نے فرمایا کہ جذبہ عشق کہتا ہے کہ پہلے مدینہ پاک حاضر ہونا کہ وہاں سے روانگی حج کے لئے ہو نہ کہ وطن کے لئے یعنی وطن کے لئے مدینہ نہ چھوڑو۔ اللہ پاک اس قال کو حال بناوے۔ اور وہاں کی دائمی حاضری نصیب فرمائے جو کوئی یہ کتاب پڑھے جب بھی مدینہ پاک حاضر ہو مجھ فقیر بے نوا کی طرف سے شکستہ دوسرا کی بارگاہ میں ضرور صلوۃ و سلام عرض کردے اللہ اسے ثواب دے گا۔ خیال رہے کہ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بحکم شرع واجب ہے۔ اس کے چھوڑنے پر سخت وعیدیں ہیں۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا مگر بحکم عشق اہم فرض بلکہ حج کی روح ہے کیونکہ کعبہ اور منیٰ انہیں کے صدقہ میں بنا۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ہوتے کہاں خلیل و بناء کعبہ و منیٰ ۔۔۔ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: عبادت کے بعد دعا اور ذکر کرنا بہت بہتر ہے۔ دیکھو حج کے بعد ذکر الٰہی کا اس آیت میں حکم دیا گیا لہذا نماز عید اور نکاح وغیرہ کے بعد بھی دعا بہتر ہے بعض دیوبندی بلاوجہ اس سے روکتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: بلند آواز سے بلکہ جماعت کے ساتھ ذکر اللہ کرنا رب کو پسند ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ جیسے اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے تھے ویسے بلکہ اس سے بھی بڑھ چڑھ کر رب کا ذکر کرو۔ اور ظاہر ہے کہ وہ لوگ اپنے باپ دادوں کا ذکر مجمع میں بلند آواز سے ہی کیا کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد مع صحابہ کرام کے اس قدر بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتے تھے کہ سارا محلہ گونج جاتا تھا۔ جن آیات یا روایت میں جہری ذکر سے منع کیا گیا ہے۔ ان میں خاص حالات مراد ہیں۔ جیسے جب کہ جہر میں ریا کا اندیشہ ہو یا دشمن کے ملک میں جہری ذکر سے کوئی جنگی مصلحت فوت ہوتی ہو لہذا نہ تو آیات متعارض ہیں نہ آیات و روایات متعارض۔ **تیسرا فائدہ**: رب ایسا کریم ہے کہ زیادہ مانگنا پسند فرماتا ہے۔ جن لوگوں نے اس سے فقط دنیا مانگی ان پر ناراضی کا اظہار فرمایا اور بتایا کہ دین و دنیا دونوں چیزیں مانگو۔ **چوتھا فائدہ**: طالب دنیا دین سے محروم رہ جاتا ہے اور دنیا بھی بقدر نصیب ہی ملتی ہے۔ یہاں انہیں کے حق میں فرمایا گیا کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں مگر طالب دین۔ خفند تعالیٰ دین بھی پالیتا ہے اور دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: نسبی فخر اور باپ دادوں پر پھولنا جاہلا کا طریقہ ہے اور رب کو ناپسند۔ اس کی بجائے اللہ اللہ کرنی چاہئے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب کی یاد باپ دادوں کی یاد کی طرح چاہئے۔ حالانکہ یہ ناممکن ہے رب کو اور صفتوں سے یاد کریں اور انہیں دیگر صفات سے۔ جب رب بے مثل ہے تو اس کا ذکر بھی بے مثل ہی چاہئے۔ جواب: یہاں طریقہ ذکر کی مثال ہے نہ کہ ذکر کی یعنی جس مشغولیت اور محبت و شوق سے ان کا ذکر کرتے ہو اسی قدر بلکہ اس سے بھی زیادہ شوق و جذبے سے رب کا ذکر کیا کرو۔ دوسرا اعتراض: کیا دنیا کی دعا کرنے والے آخرت سے بالکل محروم ہیں اگر یہ صحیح ہے تو بہت سے مصیبت زدہ مسلمان دنیا کی ہی دعا کرتے ہیں۔ ان کا کیا حال ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یا تو یہاں کفار مراد ہیں جو دعائے آخرت اس لئے نہ کرتے تھے کہ وہ اس کے قائل ہی نہ تھے۔ وہ تو واقعی آخرت سے بالکل ہی محروم اور یا اس میں کم ہمت مسلمان بھی شامل ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ آخرت میں کامل مسلمانوں کا سا حصہ نہ پائیں گے جو دین و دنیا دونوں مانگتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : صاحب دل کو چاہئے کہ اپنا وقت عزیز بیکار باتوں میں صرف نہ کرے۔ ذاتی بڑائیاں اور نسبی فخریا عزت یا اعمال پر اترانا دل کو خراب کرتا ہے۔ جیسے کہ طالب علم سبق پڑھ کر آپس میں تکرار کرتے ہیں ایسے ہی حاجی ذات کو چاہئے کہ اپنے ہم پیشوں کے ساتھ رب کا ذکر کرے کہ اس سے صفائی میں ترقی اور نورانیت میں برکت ہوتی ہے بعض کم ہمت صوفی نما بے صبرے وہ بھی ہیں جن کا یہ سارا کاروبار محض دکھلاوے کے لئے ہے۔ گدڑی اور تصوف کا لباس فقط لوگوں کے شکار کا جال ہے وہ بزبان حال ہر وقت یہی کہتے رہتے ہیں کہ ہمیں دنیا ملے۔ ایسے کم ہمتوں کو آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ پھول بلبل کو ہی ملتا ہے کیونکہ وہ گندگی پر نظر نہیں کرتی۔ کم ہمت کوے کے نصیب میں غلاظت اور گندگی ہی ہے ایسا صوفی مثل کوے کے محروم ہے (از ابن عربی)۔

دوسری تفسیر : جیسے کہ بچہ ماں باپ کے نام پر زبان کھولتا ہے کہ پہلے ابا ماں ہی بولتا ہے۔ ایسے ہی صوفی کو چاہئے کہ پہلے رب پر ہی نظر کرے۔ پھر یہ بھی خیال رکھے کہ جیسے سیکھا ہوا علم بغیر مشق جاتا رہتا ہے ایسے ہی طے کیا ہوا راہ سلوک بھی بے پرواہی سے بھول جاتا ہے۔ لہذا طریقت کا حج کر چکنے کے بعد بھی اس سے غافل نہ ہو جاؤ۔ شیطان اور نفس کبھی عبادات کو عادات بنا کر برباد کر دیتے ہیں۔ رب کی بارگاہ میں فقط دنیا کی طلب لے کر حاضر ہونا محرومی ہے۔ ہمت تو یہ ہے کہ وہاں حور و قصور جنت وغیرہ کی خواہش لے کر بھی نہ جاؤ۔ اس کی بارگاہ میں اسی کو حاصل کرنے کی خاطر حاضر ہو۔ صوفیاء کی اصطلاح میں ماسوا اللہ دنیا ہے۔ جنت بھی اسی لئے مانگو کہ وہاں لقائے مصطفیٰ اور دیدار خدا ہو گا نہ اس لئے کہ وہاں حور و قصور اور نہریں ہیں۔ غرضیکہ طالب دنیا رب کی رضا سے محروم۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ طالب مولیٰ رب تعالیٰ کو ہر حال میں ایسے یاد رکھے جیسے بچہ گہوارے میں ہر وقت ماں باپ کو یاد رکھتا ہے کہ ہر وقت بچہ کو ماں کا دھیان رہتا ہے اور ہر چیز رو رو کر مانگتا ہے ایسے ہی مومن ہر وقت خدا کو یاد رکھے اور ہمیشہ ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے رو رو کر مانگے بادل کے رونے سے چمن ہنستا ہے اور بچے کے رونے سے ماں کا دودھ پستان میں جوش مارتا ہے ایسے ہی مومن کی گریہ وزاری سے ایمان کا چمن ہنستا ہے اور دریائے رحمت الٰہی جوش میں آتا ہے **فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم**

تانہ گرید ابر کے خندد چمن تانہ گرید طفلکے جوشد لبن

www.alahazratnetwork.org

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً

اور اُن میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں اے رب ہمارے دے ہمیں بیچ دُنیا کے بھلائی اور بیچ آخرت

اور کوئی یوں کہتا ہے کہ اے رب ہمارے ہمیں دُنیا میں بھلائی دے اور آخرت میں بھلائی دے

وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۚ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ

کے بھلائی اور بچا ہم کو عذاب آگ سے ۔ یہ لوگ وہ ہیں کہ واسطے اُن کے حصہ ہے اُس سے

اور ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔ ایسوں کو اُن کی کمائی سے بھاگ ہے۔ اور اللہ جلد

الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

جو کمایا انہوں نے اور اللہ جلد حساب فرمانے والا ہے۔

حساب کرنے والا ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں غلط دعا کا ذکر تھا اب دعا کا صحیح طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کم ہمت حاجیوں کا ذکر تھا جو فقط دنیا کے طالب تھے۔ اب باہمت لوگوں کا ذکر ہے جو دین و دنیا دونوں ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں غلط دعا مانگنے والوں کے عذاب یعنی محرومی کا ذکر تھا۔ اب صحیح دعا مانگنے والوں کے ثواب یعنی انہیں کونین کی نعمتیں ملنے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

تفسیر : **و منهم من یقول** ھم کا مرجع حاجی ہیں۔ اور من سے مراد مسلمان یعنی حاجیوں میں سے مسلمان یہ دعا عرض کرتے ہیں 'یقول' فرما کر یہ بتایا گیا کہ دعا میں زبانی عرض و معروض ضروری ہے صرف دل میں اپنا مقصد سوچ لینا کافی نہیں کیونکہ اسی عرض و معروض میں بندے کی عبدیت اور رب کی ربوبیت کا اظہار ہے اور یہ اظہار ہی دعا کا مقصد اعلیٰ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام کا آگ نمرود میں جاتے وقت کچھ زبان سے عرض نہ کرنا اس لئے تھا کہ وہ وقت امتحان کا تھا نہ کہ اظہار عبدیت کا اس وقت دعا کا نہ کرنا ہی قرین مصلحت تھا اور یہاں اظہار عبدیت کے اوقات کا تذکرہ ہے کیونکہ 'منہم کی ضمیر یا تو حجاج کی طرف لوٹ رہی ہے یا عبادی کی طرف نہ کہ امتحان دینے والوں کی طرف لہٰذا یقول بالکل واضح ہے۔ **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ** ربنا سے پہلے 'یا' پوشیدہ ہے چونکہ یہ کلمہ دعائیہ ہے۔ اس لئے خدا کو رب کے نام سے پکارا کیونکہ پالنے والے سے ہی نعمتیں مانگی جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ خاص دعاؤں پر رب تعالیٰ کو اس کے مخصوص ناموں سے پکارنا بھی مناسب ہے جیسے یا غفار مجھے بخش دے۔ اے ستار مجھ یمی کے عیب چھپالے وغیرہ مگر عموماً" دعاؤں میں اللّٰھم میں اللہ تو رب کا ذاتی نام ہے اور میم میں تمام ان ناموں کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے۔ جیسے مالک 'ملک' منان 'مجید وغیرہ اور ربنا میں اپنے استحقاق طلب کا ذکر ہے کہ تو ہے ہمارا رب ہم ہیں تیرے پالے اور پالے ہمیشہ رب سے مانگا ہی کرتے ہیں۔ نیز مربی اپنے گندے پالے سے نفرت نہیں کرتا' بلکہ اسے پاک و صاف کرتا ہے۔ ماں گندے بچے سے بھاگتی نہیں بلکہ اسے نہلا دھلا کر گلے سے لگا لیتی ہے۔ ایسے ہی اے

www.alahazratnetwork.org

مولا ہم ہیں گناہوں سے بھرے ہوئے گندے۔ تو ہے ہم کو پاک فرمانے والا ہم کو نہ دیکھ بلکہ اپنی شان ربوبیت پر نظر فرما۔ اسی لئے آدم علیہ السلام نے جو پہلی مقبول دعا مانگی اس میں ربنا ہے یعنی **ربنا ظلمنا انفسنا**۔ اتنا میں بتایا گیا کہ دعا صرف اپنے واسطے نہ ہونی چاہئے سب کے لئے ہو چونکہ دنیا آخرت سے پہلے بھی ہے اور اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ بھی۔ اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ **حسنۃ** قبیح کا مقابل ہے۔ جس کے معنی ہیں بھلائی اور خوبی۔ اس کے اطلاق میں دنیا کی ساری خوبیاں آ گئیں۔ تندرستی‘ رزق‘ اعمال کی توفیق‘ امن وامان غرضیکہ کوئی چیز باقی نہ رہی۔ کسی نے اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔

اے خالق ہر بلند و پستی … شش چیز عطا بکن زہستی
علم و عمل و فراغ دستی … ایمان و امان و تندرستی

و فی الاخرۃ حسنۃ آخرت سے اس زندگی کے علاوہ ساری ہی حالتیں مراد ہیں۔ موت‘ قبر‘ حشر‘ پل سے گذرنا جنت اور وہاں کی نعمتیں وغیرہ اور ہر جگہ کی بھلائی۔ اسی کے مناسب خاتمہ بالخیر‘ نزع کی بھلائی‘ عذاب قبر سے نجات‘ برزخ کی بھلائی‘ ہول قیامت سے امن‘ محشر کی بھلائی‘ صراط پر آسانی وہاں کی بھلائی غرضیکہ آخرت کی ہر بھلائی اس میں شامل ہے۔ چونکہ بھلائی کا حاصل کرنا بغیر مصیبت سے بچے ناممکن ہے۔ اس لئے عرض کیا **و قنا عذاب النار** ہم سب کو آگ کے عذاب سے بچا۔ اس لفظ میں بھی بہت گنجائش ہے۔ قبر‘ حشر‘ پل صراط وغیرہ۔ ہر جگہ آگ کا ہی عذاب ہو گا۔ اس سے بچ گئے تو ہر جگہ خیریت سے رہے نیز دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں بھی آگ کا ہی عذاب ہے کہ کہیں تو آگ کے قرب سے گرمی ہے اور کہیں اس کی دوری سے ٹھنڈک۔ جیسے دنیوی گرمی اور سردی سورج کے قریب و دور ہونے سے ہے اس لئے یہاں آگ کا ہی ذکر ہوا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آگ سے بچا کر وہاں ٹھنڈے طبقے میں ڈال دے۔ نیز جہنم کہنے میں قبر اور حشر کا ذکر نہ آتا۔ **اولئک** ظاہر یہ ہے کہ اس میں دوسری جماعت یعنی مومنین کی طرف اشارہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے دونوں جماعتیں مراد ہوں۔ یعنی یہ مسلمان یا دونوں جماعتیں **لھم نصیب مما کسبوا** ‘ **لھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا کہ ہر شخص اپنے عمل کا بدلہ خود ہی پائے گا۔ **نصیب** کی تنوین یا عموم کے لئے ہے یا تعظیمی‘ **مما** کا من یا تبعیضیہ ہے یا بیانیہ۔ **کسبوا** کا مادہ کسب ہے بمعنی کمانا۔ ہر نفع بخش کام اور کمائی کو کسب کہا جاتا ہے یعنی ان مسلمانوں کو اپنے کمائے ہوئے اعمال کا بڑا ثواب ملے گا یا ان دونوں گروہوں کو اپنے اپنے اعمال کا حصہ ملے گا۔ کفار کو محرومی اور مومنوں کو کرم الٰہی یا یہ کہ ان مسلمانوں کو ان کے اعمال کا کچھ حصہ دنیا میں بھی ملے گا اور آخرت میں تو ہے ہی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہوس سے دنیا بڑھ نہیں جاتی اور قناعت سے گھٹتی نہیں۔ **واللہ سریع الحساب** سریع‘ سرعت سے بنا۔ بمعنی جلدی اور تیزی۔ حساب کا مادہ حسب ہے۔ جس کے معنی ہیں تیار کرنا‘ گمان کرنا‘ جزا اور کافی ہونا معاملات کے حساب و کتاب کو اسی لئے حساب کہتے ہیں کہ اس سے بقدر ضرورت مال علیحدہ ہو جاتا ہے اور فاضل علیحدہ اس عبارت کے چند معنی ہیں۔ (1) اللہ قیامت کے دن ایک آن میں سارے ہی بندوں کا حساب لے لے گا۔ (2) اللہ عنقریب حساب لینے والا ہے قیامت دور نہیں۔ (3) اللہ بہت جلد سزا اور جزا دینے والا ہے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قیامت میں طریقہ حساب یہ ہو گا کہ ہر ایک کے نامہء اعمال اس کے دائیں یا بائیں ہاتھوں میں دے دیئے جائیں گے اور کہا جائے گا۔ **اقرا کتبک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا** ” تو اپنا نامہ اعمال خود ہی پڑھ کر خود ہی حساب لگا لے (کبیر)۔ مگر یہ تقسیم ایک آن میں ہو جائے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ سارے حساب میں اتنی دیر بھی نہ لگے گی جتنی اونٹنی

www.alahazratnetwork.org

دوبنے میں (کبیر)۔ رہا وزن اعمال اور کفار کی جرح قدح یہ اس کے علاوہ ہے مگر یہ بھی بہت جلدی ختم ہو گی۔ تفسیر کبیر نے یہ بھی کہا کہ یہ جملہ دنیوی حساب کے متعلق ہے یعنی رب تعالیٰ روزانہ سب کی روزیاں بانٹتا ہے لوگوں کی دعائیں قبول فرماتا ہے۔ ہر ایک کی سنتا ہے مگر اتنے بڑے حساب میں نہ اسے کچھ دشواری ہے نہ لکھنے اور شمار کرنے کی حاجت۔ روزانہ کا اتنا بڑا حساب آن کی آن میں طے ہو جاتا ہے۔ اب اس کا تعلق نصیب سے پورا پورا ہو گیا کہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینا اور آخرت میں بلا تکلف نہایت آسانی سے مل جائے گا کیونکہ اللہ بہت جلد حساب فرمانے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : دعا دو قسم کی ہے۔ دعا صراحۃً اور دعا اشارۃً "صراحۃً" دعا تو یہ ہے کہ بندہ صاف صاف عرض مدعا کردے "اشارۃً" دعا کی تین صورتیں ہیں۔ رب کی حمد کرنا کہ کریم کی ثنا بھی دعا ہے۔ حضور پر درود شریف بھیجنا کہ کریم کے محبوبوں کو دعائیں دینا بھی دعا ہے۔ ہمارے بھکاری ہمارے بچوں کو دعا دیتے ہیں اپنے عجز و نیازمندی کا بیان کرنا کہ یہ بھی دعا ہے۔ یہ چاروں قسم کی دعائیں قرآن کریم میں مذکور ہیں۔ یہاں پہلی قسم کی دعا کا تذکرہ۔ قرآن شریف میں چاروں طرح کیا ہے۔ ایک تو اپنے نبیوں ولیوں کی دعائیں نقل فرمائیں۔ جیسے فرمایا کہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں یہ دعا مانگی **لا الہ الا انت** یا موسیٰ و یوسف علیہما السلام نے یہ دعا مانگی **انت ولی فی الدنیا والاخرۃ** دوسرے یہ کہ اپنے حبیب کو خاص دعاؤں کا حکم دیا جیسے **قل اللھم ملک الملک** (الخ) ان دونوں طریقوں کا منشاء یہ ہے کہ مسلمانو تم بھی یہ دعائیں مانگو کہ ان میں الفاظ اور زبان دونوں کی تاثیریں جمع ہیں۔ گولی کے ساتھ بندوق کی تاثیر ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ خود ہم کو دعا کے الفاظ بتائے۔ چوتھی یہ کہ ہم کو عام دعاؤں کا حکم دیا کہ جو چاہو مانگو۔ فرمایا **ادعونی استجب لکم**۔ یہاں پہلا طریقہ بیان فرمایا گیا ہے یعنی محبوبوں کی دعاؤں کی نقل لہذا ارشاد ہوا اے مسلمانو کم ہمتوں کا ذکر تو سن چکے۔ جو لوگ کہ آخرت کے ماننے والے باہمت ہیں۔ وہ حج میں آکر یہ دعا کرتے ہیں کہ مولیٰ ہم دنیا ہی نہیں مانگتے۔ ہم تو یہ عرض کرتے ہیں کہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے یعنی یہاں کی ہر قسم کی نعمتوں سے مالا مال کر۔ اور انہیں ذریعہ آخرت بنا اور نزع قبر' حشر' پلصراط پر گزر اور جنت میں بھی ہر مقام کے مناسب نعمتیں عطا فرما کہ خاتمہ بالخیر دے۔ حساب قبر میں کامیابی بخش' محشر میں اپنے حبیب کے دامن کے سایہ میں رکھ۔ پلصراط پر نور دے۔ جنت میں حور و قصور بلکہ رضائے رب غفور عطا فرما اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے کہ دنیا میں دوزخ کے کاموں سے بچیں۔ قبر میں وہاں کی گرم ہوا سے محفوظ رہیں۔ میدان قیامت میں سورج کی تپش سے امن میں رہیں اور پلصراط پر آگ کی تیزی سے سلامت نکل جائیں ایسی دعا مانگنے والوں کو ان کی کمائیوں کا پورا پورا بدلہ ملے گا اور اللہ پر یہ بات کوئی دشوار نہیں کیونکہ وہ بہت جلد حساب فرمانے والا ہے۔ اعمال کی شمار اس پر سزا اور جزا کا تقسیم فرمانا اس کے نزدیک کوئی مشکل نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کی دنیا بھی بہتر ہے کیونکہ وہ اسے بھی دین ہی کے لئے حاصل کرتا ہے۔ اسی لئے دنیوی بھلائیاں مانگنے کا حکم دیا گیا۔ دوسرا فائدہ: بڑی ذات سے صرف چھوٹی چیز مانگنا گویا اس کی ہتک ہے اسی لئے رب نے حکم دیا کہ ہم سے دین و دنیا کی بھلائیاں مانگو۔ تیسرا فائدہ: دعا اور اعمال بھی کسب میں داخل ہیں۔ دیکھو رب نے دعا کو **کسبوا** میں داخل فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

دعا کے آداب : دعا میں چند باتوں کا خیال رکھیں۔(1) نہ تو صرف دنیا ہی کی دعا مانگے اور نہ صرف آخرت کی بلکہ دونوں کی۔ (2) یہ نہ کہے کہ مولیٰ اگر تو چاہے تو دے بلکہ جزم اور وثوق سے مانگے کہ دے ہی دے۔ دعا کے وقت قبولیت کی پوری امید رکھے۔ مایوس کی دعا غیر مقبول ہے۔(3) کبھی بھول کر بھی اپنے لئے بددعا نہ کرے کہ شاید یہی ساعت قبولیت کی ہو۔(4) رب سے عدل نہ مانگے فضل مانگے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام ایک بیمار صحابی کی مزاج پرسی کے لئے تشریف لے گئے۔ ان کو سخت بیمار اور کمزور پایا۔ فرمایا کیا تم نے اپنے لئے بددعا کی تھی۔ عرض کیا کہ یہ کہا کرتا تھا کہ خدایا مجھے گناہوں کی سزا دنیا ہی میں دیدے۔ آخرت کے عذاب سے بچالے۔ فرمایا سبحان اللہ اس کا قہر کون برداشت کر سکتا ہے۔ تم نے یہ دعا کی ہوتی **ربنا اتنا** (الخ) جامع دعائیں مانگے جن کے الفاظ تھوڑے ہوں اور معنی زیادہ۔ یہ **ربنا اتنا** جامع دعا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ایک شخص انس رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر دعا کا طالب ہوا۔ آپ نے اس کے لئے یہی دعا کی **ربنا اتنا** (الخ) اس نے عرض کیا۔ اور دعا کیجئے آپ نے پھر یہی دعا کی اس نے کہا کچھ زیادہ دعا کیجئے۔ آپ نے پھر یہی دعا کی اور فرمایا کہ اب اس کے بعد بھی کیا چیز جو مانگوں۔ دین دنیا کی ساری بھلائیاں اس میں آگئیں۔(6) حج میں خصوصاً طواف میں خاص کر رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یہ دعا ضرور مانگے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رکن اسود پر اسی دن سے ایک فرشتہ بیٹھا ہوا ہے۔ جب سے آسمان و زمین بنے اور آمین آمین کہہ رہا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ رکن یمانی پر ستر فرشتے آمین کہتے رہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں **ربنا اتنا** پڑھا کرو۔ (درمنثور)۔(7) دعا میں اچھی عبارت سے بچے خشوع و خضوع کی کوشش کرے۔ اچھی عبارت بھی حجاب بن جاتی ہے۔(8) دعا صرف اپنے لئے نہ کرے سب مسلمانوں کو شامل کرے۔(9) صرف مصیبت ہی میں دعا نہ مانگا کرے بلکہ رنج و راحت، غم و خوشی ہر وقت اپنے ہاتھ اس بارگاہ میں پھیلائے رکھے۔

پہلا اعتراض : اس دعا میں آگ کے عذاب سے بچنے کی دعا کیوں ارشاد ہوئی یہ کیوں نہ کہا گیا کہ ہمیں آگ سے بچالے۔ **جواب:** اس لئے کہ جنت کو جاتے وقت ہر شخص پل صراط پر گزرے گا۔ جس کے نیچے آگ ہے اور جنت میں پہنچنے کے بعد جنتی لوگ جنتی گنہگاروں کو نکالنے کے لئے دوزخ میں بارہا جائیں گے مگر عذاب پانے کے لئے نہیں بلکہ دوسروں کو عذاب سے نکالنے کے لئے اسی لئے آگ سے بچنے کی دعا نہ کی گئی بلکہ عذاب آگ سے بچنے کی دنیا میں آگ نعمت بھی ہے عذاب بھی ایسے ہی دوزخ کی آگ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو اپنے ہی اعمال کا بدلہ ملے گا۔ حالانکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اولاد کے اعمال کی ماں باپ کو بھی جزا اور سزا ملتی ہے۔ **جواب:** اولاد بھی اپنی کمائی ہے اور ان کی نیکیاں اور برائیاں اصل میں ماں باپ ہی کا کسب ہے۔ بچے کو نیک و بد بنانا انہیں کا کام ہے۔ بچے کی نماز کا ثواب ماں باپ کو بھی اس لئے ملا کہ انہوں نے ہی اسے نمازی بنایا تھا۔ اس کے اور جواب بھی ہو سکتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** ان آیات میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا ایک تو طالبین دنیا۔ دوسرے طالب کونین مگر تیسری جماعت کا ذکر نہ ہوا یعنی فقط طالب دین جو آخرت ہی کی دعا کریں۔ دنیا پر نظر نہ اٹھائیں۔ **جواب:** ایسے لوگ موجود ہی نہیں کہ جنہیں دنیا کی بالکل طلب نہ ہو۔ کم از کم اعمال کی توفیق اور ایمان تو طلب کریں گے اور یہ چیزیں بھی دنیا کی بھلائی میں سے ہیں۔ نماز کے لئے غذا کپڑا پانی سب ہی درکار ہیں۔ لہٰذا ایسوں کا ذکر نہ کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس دعا سے معلوم ہوا کہ دین و دنیا کی ہر چھوٹی بڑی بھلائی صرف اللہ سے مانگنا چاہئے۔ تم لوگ پیروں، نبیوں،

www.alahazratnetwork.org

ولیوں سے اولاد و دولت مانگتے ہو۔ اس آیت کے منکر ہو۔ جواب: اور تم بھی منکر ہو کیونکہ تم بھی حاکم سے داد حکیم سے دوا مانگتے ہو امیروں سے چندے کرتے ہو جناب اللہ کے بندوں کو وسیلہ سمجھ کر ان سے کچھ مانگنا بالواسطہ اللہ تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے۔ حضرت ربیعہ نے تو حضور سے جنت مانگی جو عطا فرمائی گئی۔ پانچواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قیامت کا حساب ایک آن میں ہو جائے گا۔ حالانکہ قرآن پاک فرمارہا ہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حساب میں بھی اتنا ہی وقت صرف ہو گا۔ جواب: اس دن حساب کے سوا اور بہت سے کام بھی ہوں گے۔ بہت وقت تو حساب کے انتظار میں صرف ہو گا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں۔ پھر آپ کے سجدہ فرمانے اور باب شفاعت کھولنے میں پھر آپ کو دولہا بنانے۔ تخت شاہی یعنی مقام محمود پر جلوہ گری فرمانے اور لوگوں کو وہ نظارہ دکھانے اور سب کی تعریف کرنے اور ان کی نعت خوانی میں پھر شفاعت کرنے والوں کی شفاعت۔ رب تعالیٰ کے ظہور رحمت کے لئے بھی وقت ہی درکار غرضیکہ حساب تو تھوڑے وقت میں مگر اس کے علاوہ دیگر کاموں میں بہت وقت اور حقیقت تو یہ ہے کہ۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا   کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

ورنہ علیم خبیر اور مالک مختار کو حساب کی کیا ضرورت۔ چھٹا اعتراض: مما کسبوا سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال کی جزا ملے گی نہ کہ کل کی کیونکہ من تبعیضیہ ہے۔ جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یا تو یہ من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ بیانیہ کی صورت میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ تبعیضیہ کی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ ان کے بعض اعمال کی جزا کامل ہے کہ دنیا میں بھی ملے۔ اور آخرت میں بھی۔ مگر بعض کی فقط آخرت میں۔

تفسیر صوفیانہ : بے وقوف لوگ باغ میں پہنچ کر وہاں کے پتوں اور کانٹوں اور سبزی وغیرہ میں مشغول ہو کر پھول کو بھول جاتے ہیں اور دل بہلانے والی چیزوں یعنی گھاس پتے وغیرہ پر پھول جاتے ہیں مگر عقلمند پھول اور وہاں کی گھاس دونوں چیزیں لے کر گلدستہ بناتے ہیں۔ ایسے ہی بے وقوف لوگ باغ عالم میں آکر اصل پھول یعنی آخرت کو بھول گئے۔ اور گھاس پھوس یعنی غذا اور لباس پر ہی مطمئن ہو کر اس کی طلب میں لگ گئے مگر اہل وصول دونوں ہی چیزوں کے طالب رہے۔ انہوں نے دنیا و آخرت یعنی قلب و قالب سب نعمتوں کو جمع کر لیا اور دعا یوں مانگی کہ خداوندا ہمیں دنیوی بھلائی یعنی جسمانی ظاہری نعمتیں عافیت، صحت، وسعت، رزق، فراغت، اطاعت اور بدن کی استطاعت اور وجاہت، ارشاد اخلاق وغیرہ عطا فرما اور آخرت کی بھلائی اور قلبی باطنی نعمتیں یعنی کشف، مشاہدہ، قربت وصال بھی دے اور ہمیں فراق کی آگ سے بچا کر وصال کے باغ میں پہنچا ان مردوں کو مطابق نیات کے مقامات، کرامات، درجات خیرات اور حسنات عطا ہوں گے کہ ہم حساب سے بقدر رحمت ہی عطا فرماتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک دنیوی نعمتیں تو سعادت کی زندگی اور شہادت کی موت ہے اور اخروی بھلائی قبر میں بشارت اور صراط پر سلامتی ہے۔ رب تعالیٰ اپنے کاملوں کے طفیل ہم ناقصوں کو بھی یہ نعمتیں عطا فرمائے۔ علماء کے ہاں دنیا دو قبروں کے درمیان زمانہ کا نام ہے یعنی ماں کا پیٹ اور قبر کا غار اور حسنہ سے وہ چیز مراد ہے۔ جس کا انجام اچھا ہو اگر انجام خراب ہے تو وہ قبیح ہے۔ صوفیاء کے ہاں غفلت کا نام دنیا ہے اور بیداری کا وقت آخرت ہے اور جو چیز دل کو مفید ہو وہ حسنہ ہے اور جو دل کو مضر ہو وہ قبیح ہے ان کے ہاں اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ اے رب جب ہم پر نفس کا ظہور ہو اور غفلت طاری ہو اس وقت میں بھی

www.alahazratnetwork.org

ہم کو بھلائی دے یعنی یہ غفلت دل پر نہ چھا جائے دل اس سے محفوظ رہے تو یہ غفلت بھی مفید ہے کہ تقاضاء بشریت ہے اور بیداری کا زمانہ' آخرت ہے اس وقت میں ہم کو حسنہ یعنی عجز و نیاز نصیب فرما۔ قبیحہ یعنی فخرو تکبر سے بچالے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خوف خدا اور عشق جناب مصطفیٰ دنیا کی بھلائی ہے اور دیدار خدا و قرب جناب مصطفیٰ آخرت کی بھلائی جسے یہ نعمتیں مل گئیں اس نے سب کچھ پالیا اللہ نصیب کرے۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ
اور ذکر کرو اللہ کا بیچ دنوں گنے ہوؤں کے ۔پس جلدی کرے بیچ دو دن کے پس نہیں ہے گناہ
اور اللہ کی یاد کرو گنے ہوؤں دنوں میں ۔ تو جو جلدی کر کے دو دن میں چلا جاوے اس پر کچھ
عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا
اوپر اس کے اور جو دیر لگائے پس نہیں ہے گناہ اوپر اس کے واسطے اس کے جو ڈرے اور ڈرو
گناہ نہیں اور جو رہ جائے تو اس پر گناہ نہیں پرہیزگار کے لئے اور اللہ سے
اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۰۳﴾
اللہ سے اور جانو کہ تحقیق تم طرف اس کے جمع کئے جاؤ گے ۔
ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اسی کی طرف اٹھنا ہے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں وقوف عرفات اور مشعر حرام میں ٹھہرنے وغیرہ کا ذکر کیا گیا بلکہ وہاں کی دعائیں بھی بتائی گئیں۔ اب منیٰ میں ٹھہرنے اور وہاں ارکان ادا کرنے کا طریقہ بتایا جارہا ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں غلط دعاؤں کی اصلاح فرمائی گئی۔ اب قیام منیٰ کے متعلق جو غلط فہمی تھی اسے دور کیا جارہا ہے۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں دعا کا طریقہ اور اس کے الفاظ بلکہ قبولیت کی جگہ بتائی گئی۔ اب قبولیت دعا کا وقت اور اس کا زمانہ بتایا جارہا ہے۔

شان نزول : بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض اہل عرب منیٰ میں تین دن یعنی تیرہویں تک ٹھہرنا ضروری سمجھتے تھے اور جو کوئی بارہویں ذی الحجہ کو لوٹ آتا اسے گنہگار بتاتے اور بعض کا خیال اس کے برعکس تھا وہ کہتے تھے کہ بارہویں کو چلا آنا ضروری ہے۔ تیرہویں تک وہاں ٹھہرنا گناہ۔ ان دونوں کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ دونوں باتیں جائز ہیں نہ یہ گناہ ہے نہ وہ (خزائن العرفان و احمدی)۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **واذکروا اللہ فی ایام معدودت** یا تو ذکر اللہ سے مراد فرض نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہنا ہے۔ یا قربانی کرتے وقت بسم اللہ اللہ اکبر کہنا تب تو یہ امر وجوبی ہے کہ یہ دونوں ذکر واجب ہیں اور یا اس ذکر سے جمروں کی رمی میں ہر کنکر پر اللہ اکبر کہنا مراد ہے تو یہ حکم استحبابی کہ اگرچہ جمروں کی رمی واجب مگر تکبیر سنت (احمدی) اس آیت میں اشارۃ" فرمایا جارہا ہے کہ منیٰ کے قیام کا اصل مقصد ذکر اللہ ہے باقی تمام کام اس کے تابع ہیں تو جو اس زمانہء قیام کو دنیاوی مشاغل اور کھیل کود میں کھو دے وہ بڑا بیوقوف ہے۔ ایام سے اشارۃ" معلوم ہوا کہ رمی دن میں چاہئے نہ کہ رات میں۔ قربانی بھی دن ہی میں مستحب ہے اور اگر ذکر اللہ سے تکبیر تشریق مراد ہو تو ایام بمعنی اوقات ہوگا کہ یہ تکبیریں رات میں بھی ہوتی ہیں۔ معدودات سے بتایا کہ وہ دن بہت سے تھوڑے سے ہیں۔ جیسے **دراھم معدودۃ** " یہاں تو معدودات فرمایا اور سورۂ حج میں معلومات اس سے بقرعید کے بعد آنے والے تین دن یعنی گیارھویں' بارھویں' تیرھویں مراد ہیں۔ گیارھویں کو یوم القر (منیٰ میں قرار کا دن) کہتے ہیں اور بارھویں کو یوم النفر الاول (پہلی روانگی کا دن) کہا جاتا ہے کہ کام کاج والے لوگ اسی دن چلے جاتے ہیں اور تیرھویں کو یوم النفر الثانی (دوسری روانگی کا دن کہا جاتا ہے کہ اس دن عام لوگ روانہ ہو جاتے ہیں۔ یعنی کچھ دن منیٰ میں رہ کر تکبیر تشریق یا قربانیوں پر تکبیریں یا رمی پر تکبیریں کہو۔ ایام کی شرح یہ ہے کہ **لمن تعجل فی یومین فلا اثم علیہ** ظاہر یہ ہے کہ یہاں تعجل' استعجل کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اپنے ہی معنی ہوں۔ **یومین** سے بقرعید کے بعد کے "دن یعنی گیارھویں' بارھویں ذی الحجہ مراد ہیں اور **لا اثم** میں ان لوگوں کی تردید ہے جو تیرھویں کا قیام ضروری جانتے تھے۔ اگرچہ اب بھی مستحب یہی ہے کہ تیرھویں کی رمی بھی کرے یعنی جو کوئی بقرعید کے بعد صرف گیارھویں' بارھویں دو دن ہی میں رمی کر کے جلد **مکہ معظمہ** واپس جانا چاہے یا واپس ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں **ومن تاخر فلا اثم علیہ** یہاں بھی یا تو **تاخر** بمعنی **استاخر** ہے یا اپنے ہی معنی میں یعنی اور جو کوئی تیسرے دن تیرھویں ذی الحجہ کو بھی وہاں ٹھہرنا چاہے یا ٹھہر جائے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے چونکہ کچھ لوگ اسے گناہ سمجھتے تھے اس لئے گناہ کی ہی نفی کی گئی۔ ثواب کا ذکر نہ فرمایا۔ مگر خیال رہے کہ **لمن اتقی** یہاں **ھذا** محذوف ہے یعنی یہ گناہ نہ ہونا اس پرہیزگار کے لئے ہے جو حج اور حج کے بعد قانون شکنی اور گناہوں سے بچا رہے۔ ورنہ اگرچہ فرض تو ادا ہو ہی جائے گا مگر اس پر ثواب نہ ملے گا۔ جب تقویٰ اتنا ضروری ہے تو **واتقوا اللہ** تم ہمیشہ ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ **واعلموا انکم الیہ تحشرون** یہ بھی جانتے رہو کہ تم آخر کار سب جمع ہو کر رب ہی کی بارگاہ میں حاضری دو گے لہذا حاجی بن کر پاجی نہ بننا بلکہ ہمیشہ تقویٰ اختیار کرنا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! دسویں بقرعید کے بعد کاموں سے فارغ ہو کر ہی' واپس نہ لوٹ جاؤ۔ بلکہ چند روز اور بھی منیٰ میں قیام کر کے اللہ کا ذکر کرو کہ نمازوں کے بعد تکبیر تشریق کہو اور قربانیوں پر بھی تکبیر کہو اور جمروں کی رمی میں بھی ہر کنکر پر تکبیر کہو۔ مگر اب تمہیں اختیار دیا جاتا ہے کہ جسے جلدی ہو اور دو دن ہی رہ کر وہاں سے واپس ہونا چاہے۔ وہ بھی گنہگار نہیں وہ واپس جا سکتا ہے اور جو زیادہ ثواب کی نیت سے وہاں تیرھویں ذی الحجہ تک قیام کرے تو اس پر بھی گناہ نہیں مگر یہ اس کے لئے جو تقویٰ اختیار کرے۔ اگر کھیل کود یا دیگر بیکار باتوں یا گناہوں کی نیت سے وہاں ٹھہرے۔ تو اس نیت کا ضرور گنہگار ہوگا اور خیال رکھنا کہ اپنے حج کے دھوکے میں آئندہ گناہوں پر دلیر نہ ہو جانا۔ بلکہ ہمیشہ رب سے ڈرتے رہنا۔ جان رکھو کہ حشر و نشر' حساب و کتاب اخیر

www.alahazratnetwork.org

ہی میں ہوگا اور تم سب آخر کار رب کی بارگاہ میں حاضر ہوگے۔ ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے تم سے کوئی ایسا گناہ سرزد ہو جائے۔ جو نیکیاں برباد کردے۔ اس لئے ہمیشہ تقویٰ اختیار کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نویں ذی الحجہ کی فجر سے تیرہویں ذی الحجہ کی عصر تک پنجگانہ نماز باجماعت کے بعد باواز بلند ایک بار تکبیر کہنا واجب ہے اور تین بار مستحب۔ دوسرا فائدہ: دسویں ذی الحجہ کے بعد دو دن یعنی گیارہویں بارہویں کو منیٰ میں قیام کرنا واجب ہے اور تیرہویں کا قیام مستحب لیکن جو بارہویں کو لوٹنا چاہے وہ تیرہویں کی صبح صادق سے پہلے ہی وہاں سے چل دے تیرہویں کی صبح صادق تک ٹھہر جانے سے اس دن کی رمی بھی واجب ہو جاتی ہے۔

مسئلہ : گیارہویں' بارہویں میں زوال کے بعد رمی کرے۔ مگر تیرہویں میں زوال سے پہلے بھی رمی کرکے لوٹ سکتا ہے۔
مسئلہ۔ قیام منیٰ کی تاریخوں میں راتیں بھی منیٰ میں ہی گزارنا' ضروری ہیں ہاں چرواہوں اور پانی پلانے والوں کو اجازت ہے کہ دن میں رمی کو جایا کریں اور راتیں گھر ہی میں گزارا کریں۔ تیسرا فائدہ: کسی عمل پر پھول کر عذاب الٰہی نہ بھولے۔ کیونکہ خاتمہ کا اعتبار ہے اور وہ ابھی باقی ہے۔ تقویٰ شہد یا قوام کی طرح نیکیوں کی باقی رکھتا ہے۔ جیسے کہ قوام میں کوئی چیز نہیں بگڑتی۔ ایسے ہی تقویٰ سے نیکیاں برباد نہیں ہوتیں۔ چوتھا فائدہ: متبرک مقامات اور متبرک تاریخوں میں دعا مستحب ہے اور زیادہ قابل قبول۔ اسی لئے منیٰ میں خوب دعائیں مانگے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ منیٰ کو اس لئے منیٰ کہتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام قبول توبہ کے بعد عرفات سے یہاں پہنچے تو حضرت جبریل نے فرمایا کچھ تمنا کرو۔ آپ نے جنت کی آرزو کی۔ لہٰذا اس کا نام منیٰ ہوا یعنی امنیہ (خواہش) کی جگہ (درمنثور)۔ ممکن ہے کہ اس لئے منیٰ کہا جاتا ہو کہ منیٰ کے دنوں میں روزہ حرام ہے۔ یہ دنیوی خواہشات یعنی حلال غذا اور جماع حاصل کرنے کا زمانہ ہے۔ پانچواں فائدہ: جیسے حج کو جانا ثواب ایسے ہی وہاں سے واپسی میں بھی ثواب ہے۔

مدینہ پاک کی حاضری

اس کا پورا بیان تو انشاء اللہ جاءوک کی تفسیر میں ہوگا۔ یہاں اس کے کچھ فضائل و مسائل تفسیر درمنثور وغیرہ سے نقل کئے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے اور وہاں کی حاضری نصیب فرمائے۔ حق یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہء اطہر کی حاضری واجب ہے۔ جس سے محروم رہنا گناہ بھی ہے اور بد نصیبی بھی بعض اہل دل تو کہتے ہیں کہ مدینہ پاک کی حاضری حج کی جان ہے جس کے بغیر حج کا قالب تیار ہوتا ہے مگر اس میں جان نہیں پڑتی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا" رحيما** "یعنی اے محبوب اگر یہ لوگ جب بھی اپنی جانوں پر ظلم کریں تو تمہارے آستانہ پر آجائیں پھر اللہ سے معافی مانگیں اور تم بھی ان کی سفارش کرو تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربان پائیں گے۔ اسی لئے بعض مکہ والے بھی ہر سال حج کرتے ہیں تو بعد حج ہر سال مدینہ پاک بھی حاضری دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ بغیر حاضری کے حج قبول ہی نہیں ہوتا۔ (۱) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے حج کیا

www.alahazratnetwork.org

اور میری زیارت نہ کی اس نے مجھ پر ظلم کیا (دار قطنی)۔ (2) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس نے میری وفات کے بعد میری قبر شریف کی زیارت کی۔ اس نے گویا میری زندگی میں میری ملاقات کی (بیہقی وغیرہ)۔ (3) فرماتے ہیں جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اس کے لئے میری شفاعت واجب ہو گئی (ابن خزیمہ وغیرہ)۔ (4) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم جو صرف میری زیارت کے لئے آیا نہ کہ دنیوی غرض سے تو مجھ پر واجب ہے کہ اس کا قیامت کے دن شفیع بنوں (طبرانی)۔ (5) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو حرمین میں سے کہیں مرے وہ قیامت میں امن سے ہو گا (بیہقی طیالسی)۔ (6) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کو جو مدینہ پاک میں رہے اور یہاں کی بلاؤں پر صبر کرے وہ قیامت کے دن میری امن میں ہو گا اور میں اس کا گواہ ہوں گا (عقیلی)۔ (7) فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو کوئی میری قبر پر آ کر مجھے سلام کرے اللہ اس پر ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے دین و دنیا کے کام سنبھالتا رہے گا اور میں اس کا قیامت میں شفیع ہوں گا (بیہقی)۔ (8) محمد ابن منکدر فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جابر کو حضور کی قبر شریف کے پاس روتے ہوئے دیکھا اور فرماتے تھے کہ یہاں آنسو بہائے جاتے ہیں' میں نے حضور سے سنا کہ فرمایا میری قبر شریف اور منبر شریف کے درمیان جنت کا باغ ہے (بیہقی)۔ (9) انس ابن مالک قبر انور کے پاس ایسے کھڑے ہوتے تھے جیسے نمازی نماز میں (ابن ابی الدنیا)۔ (10) سلیمان ابن سحیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ عشاق روضہ پاک پر آ کر سلام عرض کرتے ہیں کیا آپ سنتے ہیں۔ فرمایا ہاں! بلکہ ہر ایک کا جواب بھی دیتا ہوں (بیہقی)۔ (11) عمر ابن عبد العزیز مدینہ پاک کی طرف قاصد بھیجا کرتے تھے تاکہ حضور کو سلام پہنچا آئیں (بیہقی)۔ (12) جو کوئی روضہ پاک پر کھڑے ہو کر ایک بار آیت **ان اللہ و ملئکته** الخ پڑھے اور ستر بار صلی اللہ علیک یا محمد کہے تو فرشتہ جواب دیتا ہے کہ صلی اللہ علیک یا فلاں۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ اب تیری کوئی حاجت نہ رکے گی (۔ابن ابی الدنیا و بیہقی)۔ (13) ابی حرب ہلال فرماتے ہیں کہ ایک بدوی مسجد نبوی میں حاضر ہوئے اور روضہ پاک پر کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ میں گناہوں اور خطاؤں کا بوجھ اپنے سر پر لایا ہوں۔ خود نہ آیا بلکہ مجھے قرآن کریم نے بھیجا ہے کہ فرمایا **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وك** (الخ) میں آپ کی شفاعت چاہتا ہوں۔ رب سے میرے گناہ معاف کرا دیجئے۔ پھر یہ پڑھنے لگے۔

یا خیر من دفنت فی الترب اعظمه
فطاب من طیبهن القاع والاکم
نفسی الفداء لقبر انت ساکنه
فیه العفاف و فیه الجود والکرم (بیہقی)

جس کا ترجمہ حضرت مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قبلہ نے یوں کیا۔

اے بہتر ان سب سے کہ جو زیر زمیں مدفون ہوں!
ہو معطر ان کی خوشبوؤں سے گورستاں کی خاک!
میری جاں اس قبر پر قرباں کہ جس میں آپ ہیں
اس میں ہو جود و کرم اور موہبت اے جان پاک!

www.alahazratnetwork.org

بعض روایتوں میں ہے کہ ابی حرب ہلالی پر نیند طاری ہوئی۔ خواب میں حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دوڑ و اور بدوی سے کہہ دو کہ تو بخشا گیا۔ رب تعالیٰ ہم کو بھی وہاں کی مقبول حاضری نصیب فرمائے۔

مسئلہ: حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جب تم میں سے کوئی سفر سے اپنے گھر آئے تو کچھ نہ کچھ لے کر آئے۔ اگرچہ کچھ ڈھیلے ہی ہوں (درمنثور از بیہقی)۔ لہذا حاجی کو چاہئے کہ حرمین شریفین کے تحفے لے کر گھر آئے۔ کچھ نہ بن پڑے تو مدینہ پاک کی خاک شفا ہی لے آئے۔ جس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں سلام عرض کرنے کو کہا ہو اس کا سلام ہم لے کر ضرور پہنچائے کہ اس میں کوتاہی کرنے پر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوتے ہیں۔ مسئلہ: جب بھی مواجہہ شریف میں سلام عرض کرے تو ہاتھ باندھ کر ایسا کھڑا ہو کہ جیسے نمازی نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور نیچی نگاہ رکھے نرم آواز سے صلوۃ و سلام عرض کرے وہاں چیخنا چلانا ضبطی اعمال کا سبب ہے۔ مسئلہ۔ جب بھی مواجہہ شریف میں حاضر ہو تو یہ سمجھ کر حاضر ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی قبر انور میں زندہ ہیں مری ہر حرکت ہر ادا کو ملاحظہ فرما رہے ہیں۔ اپنی گذشتہ کوتاہیاں پچھلے گناہ یاد کر کے عرض کرے کہ یا رسول اللہ یہ منہ اس قابل نہ تھا کہ حضور کے سامنے ہو تا مگر سواء حضور کے بروں کا ٹھکانہ کہاں ہے اچھوں کے سب ہیں ہم بروں کا سواء تمہارے کوئی نہیں۔

پہلا اعتراض: اگر اس آیت میں ذکر اللہ سے تکبیر تشریق یا قربانی کی تکبیریں مراد ہوں تو چاہئے کہ مسلمانوں کو اختیار ہو کہ بقرعید کے بعد دو دن تکبیریں اور قربانی کریں یا تین دن حالانکہ تکبیر تشریق تین دن یعنی تیرہویں تک ضروری ہیں اور قربانی کی مدت صرف بارہویں تک ہے۔ پھر اختیار کے کیا معنی؟ جواب: یہ اختیار منیٰ میں ٹھہرنے اور وہاں رہ کر تکبیریں کہنے میں ہے یعنی جو چاہے وہاں دو دن رہ کر تکبیریں کہے اور جو چاہے تین دن رہ کر۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اختیار پرہیزگاروں کے لئے نہ کہ گنہگاروں کے لئے۔ کیونکہ **فلا اثم علیہ** میں **لمن اتقی** کی قید لگائی گئی ہے۔ جواب: روح المعانی میں فرمایا کہ **لمن** کلام تعلیلیہ ہے۔ یعنی پرہیزگاروں کی رعایت کے لئے یہ اختیار دیا گیا کہ ان میں سے بعض تو بارہویں کو جا کر کچھ نیکی کریں گے اور بعض تیرہویں تک رہ کر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **لمن** میں لام صلہ کا ہی ہو مگر **لا اثم** میں گناہ سے عام گناہ مراد ہوں یعنی حاجی خواہ بارہویں تاریخ منیٰ سے روانہ ہو جائے خواہ تیرہویں۔ اس پر گناہ کوئی نہ رہا۔ اور وہ سارے گناہوں سے ایسا پاک ہو گیا گویا کہ آج ہی وہاں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔ مگر یہ درجہ پرہیزگار حاجی کا ہے۔ جو کہ اخلاص کے ساتھ مال حلال سے حج مقبول کرے۔ عبداللہ ابن عباس نے یہی تفسیر کی (روح المعانی)۔

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمانو! تم حج ذات سے فارغ ہو کر لوٹو تو چند مرتبوں میں ذکر الٰہی کر لیا کرو۔ اور وہ مراتب مرتبہ روح، مرتبہ قلب اور مرتبہ نفس ہیں۔ جو کوئی صرف مرتبہ روحی اور قلبی کا ہی ذکر کرے اور مرتبہ نفس پر توجہ نہ کرے۔ اس پر بھی کوئی گناہ نہیں کیونکہ اس مقام پر ترقی بلا تاخیر ہے اور جو کوئی مرتبہ نفس کا بھی ذکر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ مگر یہ اجازت اس کو ہے جو نفس میں آکر اس کے وسوسوں سے بچا رہے۔ کیونکہ یہاں بہت قدم پھسل جاتے ہیں اور یہاں کے حجاب بہت تاریک ہیں اور ان تینوں مقامات میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ کبھی شیخی میں نہ آجاؤ۔ اپنا تعلق رب سے رکھو۔ قلب، روح اور نفس میں پھنس کر نہ رہ جاؤ اور یاد رکھو کہ تم رب کے پاس حاضر کئے جاؤ گے تم ہی کو بڑا خطرہ ہے۔ **مخلصین** ہر وقت خطرہ

www.alahazratnetwork.org

میں ہیں۔ حدیث قدسی میں ہے کہ یارسول اللہ گنہگاروں کو خوشخبری دے دو کہ میں غفور ہوں اور صدیقین کو ڈرا دو کہ میں غیور ہوں۔ یہاں مخلصین مذنبین سے زیادہ خطرہ میں ہیں (ابن عربی)۔ روح البیان نے فرمایا کہ حاجی قیامت میں بے گناہ آئے گا۔ بشرطیکہ حج کے بعد باقی عمر گناہوں سے بچا رہے۔ حج مقبول کی علامت یہ ہے کہ حاجی دنیا سے بے رغبت اور آخرت میں راغب ہو جائے۔ ایسا شخص مغفور ہے اور دعا اس کی مقبول۔ لوگوں کو چاہئے کہ واپسی کے وقت حاجیوں سے ملاقات کریں اور اپنے لئے دعاء مغفرت کرالیں۔ مقبولیت حج کی پہلی شرط مال حلال ہے۔ جس کو یہ میسر نہ ہو وہ قرضہ لے کر حج کرے اور اپنے مشکوک مال سے یہ قرضہ ادا کرے۔ حکیم ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ قرض سے اپنی ضروریات پوری کرتے اور سلطانی وظیفہ سے قرض ادا کرتے تھے (روح البیان)۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى

اور لوگوں میں سے وہ ہے کہ تعجب میں ڈالے تمہیں بات اُس کی بیچ زندگی دنیا کے اور گواہ بناتا ہے وہ اللہ کو اوپر

اور بعض آدمی وہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں اُس کی بات تجھے بھلی لگے اور اپنے دل کی بات پہ اللہ کو گواہ

مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ

اس کے جو بیچ دل اُس کے ہے اور سخت دشمنی والا ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرے تو کوشش کرے بیچ زمین

لائے اور وہ سب سے بڑا جھگڑالو ہے۔ اور جب پیٹھ پھیرے تو زمین میں فساد ڈالتا پھرے اور

فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ

کے تاکہ فساد پھیلائے بیچ اس کے اور ہلاک کرے کھیتی اور نسل کو اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد اور جب کہا جاوے واسطے

کھیتی اور جانیں تباہ کرے اور اللہ فساد سے راضی نہیں۔ اور جب اُس سے کہا جاوے

لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾

اُس کے کہ ڈر اللہ سے تو پکڑے اُس کو عزت ساتھ گناہ کے پس کافی ہے اُسے دوزخ اور البتہ بُرا ہے وہ بستر ❁

کہ اللہ سے ڈر تو اُسے ضد چڑھے گناہ کی ایسے کو دوزخ کافی ہے اور وہ ضرور بہت بُرا بچھونا ہے ❁

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار اور مسلمانوں کی دعاؤں کا ذکر ہوا۔ اب منافقین کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار تو رب سے ایسی بیہودہ دعائیں کرتے ہیں اور منافقین آپ سے ایسے بیہودہ کلام۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کعبہ اجسام میں پہنچ کر کفار تو دنیا سازی کی دعائیں اور مسلمان دونوں جہان کی دعائیں مانگتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کعبہ ارواح یعنی بارگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے والے دو قسم کے ہیں بعض محض زبان سے میٹھی باتیں کرنے والے اور دل میں کافر یعنی منافقین اور بعض قلب و قالب دل و زبان دونوں سے مومن۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حج کے تفصیلی احکام بیان ہوئے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حج کر کے مدینہ منورہ بارگاہ محبوب میں ضرور حاضری دو کہ اس کے بغیر حج بے جان ہے بلکہ حج اگر نفلی ہو تو گھر سے مدینہ منورہ کی نیت سے چلو مگر خیال رکھنا کہ راستے میں

www.alahazratnetwork.org

چونکہ کعبہ معظمہ بھی ملے گا۔ حج بھی کر لو۔ شعر

اصل مقصود حاضری اس پاک در کی ہے
ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیئے

اے مسلمانو! اس راہ میں راہ مار بہت ہیں اور ذیاب فی ثیاب کثرت سے (کپڑے پہنے ہوئے بھیڑیئے) ایسا نہ ہو کہ تمہیں میٹھی باتوں میں لے کر حج سے محروم کردیں یا مدینہ پاک کی حاضری سے محروم کردیں۔ (نوٹ) خیال رہے کہ اب بھی راہ مار بہت ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ حج کی کیا ضرورت۔ اتنا روپیہ قومی فنڈ' غریب فنڈ' یتیم خانہ میں لگادو تاکہ قوم کی ترقی ہو۔ ریلوے اور جہاز کمپنی کو مدد دینے سے کیا فائدہ۔ کوئی کہتا ہے کہ قربانی بیکار ہے اس میں روپے کی بربادی۔ جانوروں کی خونریزی اور قومی فساد یعنی ہندو مسلم جھگڑے ہوتے ہیں۔ جانور کی قیمت خیرات کرنا بہتر ہے۔ ایسے ڈاکوؤں سے اس آیت میں خبردار کیا گیا۔

شان نزول : یہ تین آیتیں' اخنس ابن شریق منافق کے متعلق نازل ہوئیں جو بڑا فصیح و بلیغ اور بہت تیز زبان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بہت لجاجت سے میٹھی میٹھی باتیں کرتا اور اپنے اسلام اور آپ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتا اور قسمیں کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلاتا اور در پردہ فتنہ و فساد میں مشغول رہتا تھا اس نے کئی مسلمانوں کے جانور ہلاک کر ڈالے اور ان کے کھیتوں کو آگ لگادی۔ کچھ مسلمانوں نے اس سے کہا کہ خدا سے ڈر اور فساد سے باز آجا۔ تو اور بھی ضد میں آگیا۔ اس کے متعلق یہ آیتیں نازل ہوئیں (از خزائن العرفان و کبیر و روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر : **و من الناس من یعجبک** من تبعیضیہ ہے اور ناس سے یا کفار مراد ہیں یا منافقین یا عام لوگ۔ یعجب' عجب سے بنا۔ جس کے معنی ہیں حیرت۔ بڑائی خوشی اور پسند آنا۔ اسی لئے انوکھی بات کو دیکھ کر جو حالت طاری ہوتی ہے اسے تعجب کہا جاتا ہے اور شی کو عجیب۔ یہاں پسندیدگی کے معنی میں ہے۔ یعنی لوگوں یا کفار یا منافقین میں سے بعض ایسے پرلے درجے کے چالاک ہیں کہ آپ کو خوش کر دیتا ہے۔ **قولہ فی الحیوۃ الدنیا**۔ قول۔ یعجب کا فاعل ہے اور فی کا تعلق یا تو یعجب سے ہے اور یا قول سے حیوۃ دنیا سے یا دنیوی زندگی ہی مراد ہے یا اس کے اسباب (روح المعانی) یعنی آپ کو دنیوی زندگی میں تو اس کی باتیں پسند آتی ہیں۔ مگر آخرت میں پسند نہ آئیں گی۔ کیونکہ وہاں اس کی یہ بولنے والی زبان گونگی ہو جائے گی۔ مومن کا کلمہ دل و جان میں رہتا ہے اسی لئے وہ ایمان پر دونوں جہان میں قائم رہتا ہے۔ منافق کا کلمہ صرف زبان پر ہے اس لئے وہ مرتے وقت ہی بھول جاتا ہے۔ اسی لئے مومن بغیر دیکھے ہوئے بھی قبر میں حضور کو پہچان لے گا اور منافق جس نے عمر بھر تک حضور کو دیکھا تھا حضور کو نہ پہچان سکے گا۔ مومن کا کلمہ اس درخت کی طرح ہے۔ جس کی جڑ مضبوط ہو ہمیشہ پھل دے۔ منافق کا کلمہ ان پودوں کی طرح ہے جو برسات میں چھتوں دیواروں پر اگ جاتے ہیں بعد میں پھینک دیئے جاتے ہیں یا دنیوی کاروبار کے متعلق اس کی باتیں آپ کو پسند آتی ہیں نہ کہ آخرت کے متعلق۔ کیونکہ ان باتوں میں اس کی زبان لکنت کرتی ہے یا دنیوی تدابیر میں بڑا ہوشیار وہ تدبیریں سوچتا ہے اور ایسی باتیں کرتا ہے کہ آپ کو بھی خوش کردے مگر آخرت کی تدبیروں میں اس کا ذہن کند ہے اور زبان گنگ۔ منافق کی عقل دنیا خوب بنالیتی ہے دین نہیں بنا سکتی۔ مومن کی عقل دین بھی بناتی ہے اور دین کی تابع دنیا بھی **و یشھد اللہ علی ما فی قلبہ** یعجب پر معطوف ہے۔ ہماری قرات ی کے پیش اور ہ کے زیر سے ہے۔ باب افعال کا مضارع اور سیدنا عبداللہ ابن عباس کی قرات میں۔ یشھد سمع' یسمع سے ہے اور لفظ اللہ اس کا فاعل۔ ہمارے ہاں یہ معنی ہیں کہ وہ اپنی دلی

www.alahazratnetwork.org

بات پر اللہ کو گواہ بناتا ہے یعنی کہتا ہے کہ خدا میرا گواہ کہ میرے قلب میں آپ کی بڑی محبت ہے یعنی اپنی ادعائی محبت پر خدا کو گواہ بناتا ہے۔ اس قرات کے یہ معنی ہیں کہ اللہ اس کے قلبی نفاق پر گواہی دیتا ہے۔ اس صورت میں اگلا جملہ اس کی تفسیر ہے (روح المعانی)۔ **و ھو الد الخصام** ھو کا مرجع من ہے۔ الد' لد سے بنا بمعنی سخت جھگڑا **"قوما لدا"** گردن کی آس پاس سخت رگوں کو لدیدہ کہتے ہیں۔ الد بمعنی بہت سخت۔ خصام یا تو قتال و جدال کی طرح مصدر ہے۔ بمعنی دشمنی یا خصم بمعنی دشمن کی جمع۔ جیسے صعب کی جمع صعاب اور ضخم کی جمع ضخام۔ پہلی صورت میں اضافت ق کی ہے اور دوسری صورت میں من ولی یعنی اور وہ دشمنی میں بہت سخت ہے یا دشمنوں میں سے سخت دشمن ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ **و اذا تولی سعی فی الارض۔** **اذا** یا شرطیہ ہے یا ظرفیہ۔ تولی یا تو ولی سے بنا۔ بمعنی پشت پھیرنا اور چلا جانا یا ولایت سے بمعنی غالب ہونا اور حاکم بن جانا۔ سعی سعی سے بنا ہے۔ جس کے معنی دوڑنے کے بھی ہیں اور کوشش کرنے کے بھی۔ **فاسعوا الی ذکر اللہ۔ الارض** سے مراد ساری زمین عرب ہے اسی لئے اس کا ذکر بھی کیا گیا یعنی جبکہ آپ کی مجلس سے پیٹھ پھیرتا اور غالب ہوتا ہے تو ساری زمین میں دوڑتا اور کوشش کرتا پھرتا ہے یا اگر یہ حاکم بن جائے تو تمام زمین میں کوشش کرے کہ **لیفسد فیھا و یھلک الحرث والنسل** ' لام بمعنی کے ہے اور اس کا تعلق سعی سے ہے فساد کے معنی ہیں بگاڑنا اور فتنہ پھیلانا۔ یہاں مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ڈالنا۔ انہیں کفار سے ڈرانا اور کفار کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کی رغبت دینا اور انہیں طریقہ جنگ سکھانا مراد ہے۔ یہلک' ہلاک سے بنا بمعنی برباد کرنا۔ حرث کے لفظی معنی ہیں زمین چیرنا۔ کھیتی کو اسی لئے حرث کہتے ہیں کہ اس میں زمین چیر کر غلہ بوتے ہیں۔ نسل کے لفظی معنی ہیں علیحدہ ہونا اور تیزی سے نکل آنا **الی ربھم ینسلون** اولاد کو اسی لئے نسل کہتے ہیں کہ باپ کی پیٹھ اور ماں کے پیٹ سے نکلتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں کھیتی سے غلہ کی کھیتیاں اور نسل سے جانور مراد ہیں کیونکہ اخنس نے مسلمانوں کے کھیتوں کو جلایا اور گدھوں کو ذبح کیا تھا مگر تفسیر کبیر نے یہ بھی فرمایا کہ حرث سے مراد عورتیں اور نسل سے مراد بچے ہیں۔ یعنی یہ خبیث آپ سے غائب ہو کر کوشش کرتا پھرتا ہے کہ جنگ کرا کر زمین میں فساد پھیلاوے اور عورتوں بچوں کو ہلاک کرادے کہ جنگ میں ان پر بھی بڑی مصیبت آتی ہے یا زمین میں گناہ کرتا ہے تاکہ اس کی شامت سے بارش رک جائے۔ جس سے کھیتیاں اور جانور ہلاک ہو جائیں یا مسلمانوں کو کافر بنانے کی کوشش کرتا ہے اور ان کے کھیتوں کو آگ لگاتا ہے اور جانوروں کو قتل کرتا ہے۔ **واللہ لا یحب الفساد** فساد میں الف لام جنسی ہے یعنی اللہ' جانی' مالی' جنگی کسی قسم کا فساد پسند نہیں فرماتا۔ لہٰذا مفسد اس کی بارگاہ میں مردود ہے۔ **و اذا قیل لہ اتق اللہ** یا تو اذا ظرفیہ ہے یا شرطیہ ظاہر یہ ہے کہ کسی مسلمان نے اس کو یہ نصیحت کی تھی۔ اور ممکن ہے کہ اس کی بختی قلب کی حالت بتائی جا رہی ہو یعنی جب اس سے کہا جاتا ہے کہ تو اللہ سے ڈر اور ان حرکتوں سے باز آجا۔ یا اس کی بدبختی اس درجہ کی ہے کہ اگر اس سے کہا جائے تو خدا سے خوف کر تو بجائے اسے قبول کرنے اور فساد سے باز آنے کے **اخذتہ العزۃ بالاثم** یا تو اخذ کے معنی ہیں بھڑکانا۔ عزت سے مراد ہے ضد اور با لاثم کی ب علی کے معنی میں ہے یا اخذ کے معنی ہیں گرفتار کر دینا عزت سے مراد ہے آبرو اور ب بمعنی فی۔ ان دونوں صورتوں میں اثم سے مراد اگلے گناہ ہیں یا اخذ کے معنی ہیں لازم پکڑنا' عزت سے مراد ہے شیخی اور غرور اور ب سببیہ اور اثم سے مراد پچھلے گناہ یعنی اس کو ضد اور زیادہ گناہ پر بھڑکا دیتی ہے کہ ضد میں آ کر زیادہ گناہ کرتا ہے یا اس کی آبرو اور بڑائی اسے اور بھی

www.alahazratnetwork.org

زیادہ گناہ میں گرفتار کر دیتی ہے کہ وہ کہتا ہے کہ مجھ عزت والے کو اس معمولی مسلمان نے نصیحت کیوں کی۔ اب تو ڈبل گناہ کروں گا اور یا گزشتہ گناہوں کی وجہ سے اس پر نصیحت کا الٹا اثر ہوتا ہے کہ اسے شیخی کا خیال زیادہ چٹ جاتا ہے (کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ عزت بمعنی آبرو دو قسم کی ہے۔ عزت خیالی جسے شیخی کہتے ہیں کہ انسان اپنے کو بڑا جانے لوگوں کی نگاہوں میں ذلیل ہو۔ دوسری عزت واقعی جسے وقار کہتے ہیں کہ لوگ بھی اس کی عزت کریں۔ وقار دو قسم کا ہے' وقار عارضی جو فانی ہے وقار اصلی جو باقی ہے۔ جو وقار دولت' حکومت' فوج سے حاصل ہو وہ عارضی ہے۔ جیسے گھڑے یا حوض کا پانی جو عنقریب فنا ہو جاوے گا اور جو وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے نصیب ہو وہ اصلی اور باقی ہے جیسے سورج کی روشنی یا سمندر کا پانی اللہ تعالیٰ نے جیسے تاروں کے لئے سورج کو نور کا مرکز بنایا دنیا والوں کے لئے سمندر کو پانی کا مرکز بنایا۔ اسی طرح رب نے حضور کو عزت اور وقار کا مرکز بنایا ہے کہ ان کی دی ہوئی عزت فنا نہیں ہوتی **العزۃ للہ و لرسولہ و للمؤمنین** یہاں عزت سے مراد پہلی عزت یعنی شیخی ہے۔ پھر عزت کی تین قسمیں ہیں ایک وہ عزت جو گناہوں سے روک دے جیسے عالم دین جوئے' شراب' سینما سے بچے کہ میری ذلت ہو گی دوسری وہ عزت جو نیکیوں سے روک دے۔ ابلیس کو سجدہ سے صرف اسی کی عزت نے روکا۔ ابو جہل' فرعون وغیرہ اپنی عزت کے خیال سے ایمان سے محروم رہے۔ تیسری وہ عزت جو گناہ کرائے جیسے نمبردار چودھری کا اپنی عزت کے لئے کنجر نچانا۔ یہاں یہ آخری تیسری قسم کی عزت مراد ہے یعنی یہ اپنی مفروضہ عزت کی وجہ سے گناہ کرتا ہے۔ ایسی عزت والے کا انجام یہ ہے کہ **فحسبہ جھنم** حسب کے معنی کافی ہونا۔ **حسبک اللہ** جہنم یا تو عربی لفظ ہے۔ اصل میں **جھنام** تھا بمعنی گہرا غار۔ یا عجمی لفظ ہے اصل میں چاہ نم تھا بمعنی بہت گہرا کنواں چونکہ دوزخ بھی بہت گہرا ہے اس لئے جہنم کہلایا جاتا ہے (کبیر)۔ روح المعانی نے کہا کہ اس کی اصل جہم سے ہے بمعنی برا جاننا اور سخت ہونا نون کی زیادتی سے بروزن فعنل ہو گیا یا تو حسب کا فاعل ہے یا اس کا مبتداء یعنی ایسے مغرور اور شیخی والے کو دوزخ ہی کافی ہے کیونکہ وہ متکبرین کی جگہ ہے۔ **و لبئس المھاد** مہاد مہد سے بنا۔ جس کے معنی ہیں قدرت اور موقعہ **فنعم الماھدون**' گہوارہ' فرش' بستر اور ٹھکانے کو اسی لئے مہد کہا جاتا ہے کہ وہ آرام کا موقعہ ہے۔ شروع کلام کو تمہید اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے بولنے پر قدرت ہوتی ہے۔ یہاں بستر یا ٹھکانہ مراد ہے یعنی دوزخ بڑا برا بستر یا برا ٹھکانا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سے بعض وہ بھی ہیں کہ دنیوی کاروبار کے متعلق ان کی باتیں آپ کو بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ اپنا اطمینان بڑھانے کے لئے اپنی او عائی محبت اور بناوٹی خلوص پر قسمیں کھا کھا کر رب کو گواہ بنا کر آپ کو اطمینان دلاتا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ دشمنی میں بہت سخت ہے اور تمام دشمنوں سے بڑھ کر موذی اگر اسے حکومت مل جائے تو سب کو پتہ چل جائے کہ یہی محب قوم زمین میں فساد پھیلا ڈالے اور انسانوں اور کھیتی باڑیوں کو تباہ کر ڈالے یا جب آپ کی مجلس سے غائب ہوتا ہے تو زمین میں اس کی یہی کوشش ہوتی ہے کہ فساد برپا کر دے' کھیتوں کو بھی برباد کرتا ہے اور جانوروں کو ہلاک۔ اللہ تو کسی قسم کا فساد پسند نہیں فرماتا۔ پھر ایسا موذی اس کا پیارا کیونکر ہو سکتا ہے۔ اس کی سختی قلب کا یہ حال ہے کہ جب اسے کوئی نصیحت کے طور پر کہتا ہے کہ رب سے ڈر۔ تو وہ ضد میں آکر اور بھی زیادہ گناہ کرتا ہے۔ ایسے ضدی کو دوزخ کافی ہے اور وہ تو بہت برا ٹھکانہ ہے برے آدمیوں کو بری ہی جگہ چاہیے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض مخلوق کو فیض

www.alahazratnetwork.org

دینے والا بنایا اور بعض کو لینے والا آسمان 'بادل' سورج دینے والی مخلوق ہے اور زمین 'کھیت' باغ تمام جانور وانسان لینے والی مخلوق سب دینے والوں میں بڑے دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور نے ہی ایمان 'عرفان' کلمہ 'قرآن' رحمان سب کچھ عطا فرمایا مگر لینے دینے کے لئے جیسے یہ شرط ہے کہ دینے والے میں دینے کی طاقت ہو ایسے ہی یہ شرط ہے کہ لینے والے میں لینے کی صلاحیت ہو۔ زمین شورہ بادل سے فیض نہیں لیتی۔ چمگاڈر سورج سے روشنی نہیں لیتا کیوں؟ اس لئے کہ دینے والا تو زور دار ہے مگر لینے والے میں زور نہیں ہے وہ کمزور ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں دینے کا تو زور ہے مگر منافقین و کفار میں لینے کی قوت نہ تھی محروم رہے آج جو کہتے ہیں کہ نبی ولی کچھ نہیں دے سکتے وہ اپنی کمزوری اس طرف منسوب کرتے ہیں انہیں کہنا چاہئے کہ ہم نبی ولی سے کچھ نہیں لے سکتے۔ یہ بدنصیب تو خدا سے بھی کچھ نہیں لے سکتے۔ غرضیکہ حضرت صدیق و فاروق میں لینے کی طاقت تھی۔ انہوں نے سب کچھ لے لیا۔ ابوجہل وغیرہ میں یہ طاقت نہ تھی وہ محروم رہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیوی غرض سے دینی کام کرنا بھی دنیا ہی میں داخل ہے۔ دیکھو اخنس کا کلمہ پڑھنا چاپلوسی ہے۔ حضور علیہ السلام کی تعریف کرنا۔ ان سب چیزوں کو رب نے حیوۃ دنیا یعنی دنیوی کاروبار فرمایا۔ اعمال کا مغز اچھی نیت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کھلے کافر سے منافق بدتر ہے کہ اسے رب نے **الد الخصام** یعنی سخت تر دشمن فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** قول کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے نہ کہ فقط جھوٹی قسموں سے۔ رب نے اخنس کے قول کی اس کے عمل سے تردید کی اور اس کی قسم کو جھوٹا قرار دیا۔ چاہئے کہ اپنے اعمال قول کے مطابق رکھو۔ **چوتھا فائدہ:** بدترین شخص وہ ہے جو نصیحت کی بات یا رب کا نام سن کر الٹا ضد میں آجائے۔ حدیث شریف میں اسے گناہ کبیرہ فرمایا گیا کسی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اے عمر اللہ سے ڈرو۔ آپ نے فوراً اپنا منہ مبارک زمین پر رکھ دیا (درمنثور) دیکھو رب کے نام پر الٹی ضد کرنے والے کے متعلق فرمایا گیا کہ اسے جہنم کافی ہے۔ اگر کسی کو سخت غصہ ہو اور کوئی رب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف لے دے تو چاہئے کہ فوراً غصہ جاتا رہے۔ **پانچواں فائدہ:** گناہوں کی نحوست سے کبھی بارش بھی بند ہو جاتی ہے۔ جس سے بے گناہ انسانوں اور جانوروں کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور اس کا وبال گنہگاروں پر ہوتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہر چمکدار چیز سونا نہیں اور ہر میٹھی باتیں کرنے والا دوست نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** افسوس ہے کہ جو چیزیں اسلام میں نفاق تھیں ان کا نام آج پالیسی ہو گیا۔ عیب ہنر بن گئے۔ آج مہذب قومیں ظلم کرنے اور دوسروں کو ذلیل کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھتیں۔ موجودہ مسلمان قرآنی راستہ چھوڑ کر ان کے پیچھے ہو لئے۔ مسلمانوں میں بہت سی تحریکیں اسی قسم کی ہیں جن کے دعوے لمبے چوڑے مگر مقصود عیاشی 'خود غرضی' قوم فروشی غرضیکہ ہم میں منافقوں کے صفات آگئے۔ خدمت قوم کا دعویٰ کرنے والے درحقیقت قوم کے سخت دشمن ہیں کہ موقعہ پا کر کسی عہدہ پر پہنچ کر اپنی ہی قوم کی جڑیں کاٹتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** حکومت کا مقصد دین کی عظمت 'خلق کی ہمدردی' زمین کی آبادی اور شادابی ہے نہ کہ اپنی بڑائی اور خلق خدا کی تباہی۔ **نواں فائدہ:** الحمد للہ سچے مومن کو قسمیں کھانے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ منافق لوگ قسمیں کھا کر اپنا ایمان ثابت کرتے ہیں۔ اصلی سونے والا قسمیں نہیں کھاتا نقلی سونے والا ہر طرح خریدار کو پھانسنے کی کوشش کرتا ہے۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی منافقوں سے دھوکہ نہ ہوا اور نہ آپ نے کسی منافق کو کبھی مسلمان یا

www.alahazratnetwork.org

متقی جانا جیسا کہ قولہ ' سے معلوم ہوا یعنی آپ کو ان کا صرف قول پسند ہے نہ خود وہ پسند ہیں نہ ان کے اعمال نہ ان کا دلی حال۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلص صحابہ کی تعریفیں فرمائیں کہ صدیق جنتی ہیں۔ حسنین جنتیوں کے سردار ہیں کبھی کسی منافق کی تعریف نہ کی جیسے رب نے کبھی شیطان کے اعمال 'عبادات کی تعریف نہ کی تھی۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں اور نہ آپ کو لوگوں کی جنت کی خبر۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ آپ کو منافقین کی باتیں بڑی پسند آتی ہیں اگر آپ ان کے دل سے واقف ہوتے تو ان کی باتیں کیوں پسند فرمالیتے (دیوبندی)۔ نیز رب فرماتا ہے **لا تعلمهم نحن نعلمهم** "اے محبوب منافقوں کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔ صاف فرمایا کہ حضور منافقوں کو نہیں جانتے تھے۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یعجبک میں ہر مسلمان یا قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہے نہ کہ خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اگرچہ شان نزول خاص ہو مگر آیت کی عبارت عام ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہی ہو۔ مگر یہ آیت ہی بتا رہی ہے کہ آپ کو علم غیب ہے کیونکہ یہاں یہ نہ کہا گیا کہ آپ بولنے والے کو پسند کرتے ہیں بلکہ یوں فرمایا کہ آپ کو اس کی میٹھی باتیں بھلی معلوم ہوتی ہیں۔ باتیں تو اس کی واقعی بھلی تھیں وہ خود بھلا نہ تھا روزہ دار کے سامنے کوئی گنہگار پانی پی رہا ہے روزہ دار کو پانی بھلا معلوم ہوتا ہے نہ کہ پینے والا۔ یہاں بھی بات بھلی معلوم ہوتی ہے نہ کہ بولنے والا۔ اگر کافر قرآن شریف پڑھے تو مسلمان کو قرآن شریف تو اچھا ہی معلوم ہوگا مگر کافر برا جب منافق بارگاہ پاک میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ واقعی اللہ ایک ہے آپ سچے رسول ہیں۔ اسلام سچا دین ہے تو ان کی باتیں واقعی اچھی تھیں اور اچھی ہی معلوم ہوتی تھیں۔ اگرچہ وہ برے معلوم ہوتے تھے۔ خیال رہے کہ بھلا معلوم ہونا اور بات ہے۔ اور اس کی بات کو قبول کرنا اس سے راضی ہونا دوسری چیز۔ رہا رب کا فرمانا کہ منافقوں کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں یہ منافقوں پر غضب ظاہر فرمانے کے لئے ہے۔ جیسے نالائق بیٹے کو باپ مارنے لگے ماں بچائے تو باپ کہے کہ اس مردود کو تو نہیں جانتی اسے تو میں ہی جانتا ہوں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو نہ جانتے ہوتے تو آج ہم کو کیسے پتہ لگتا کہ فلاں فلاں منافق تھے اور فلاں فلاں مخلص صحابہ۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ تو پھر اس نے مسلمانوں کو جہاد کا کیوں حکم دیا۔ یہ بھی تو فساد ہے نیز رب تعالیٰ خود بھی بہت چیزوں کو تباہ و برباد کرتا ہے یہ بھی تو فساد ہے' (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب**: فساد کے معنی ہیں کسی چیز کو بلاوجہ بگاڑنا۔ مصلحت اور حکمت سے بگاڑنا فساد نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ بلاوجہ کسی کو قتل کر دینا فساد مگر قاتل کو پھانسی دینا اصلاح ہے۔ کسی کا ہاتھ کاٹ ڈالنا فساد مگر گلے ہوئے ہاتھ کو چیرنا پھاڑنا کاٹنا اصلاح۔ لہذا اسلامی جہاد اور بعض مفسد قوموں کا زوال اصلاح ہے اسی طرح انسان کی غذا کے لئے جانور کا ذبح فساد نہیں عین اصلاح ہے کیونکہ وہ انسان ہی کے لئے بنے۔ جیسے کھیت کاٹنا اور باغ کے پھل توڑنا۔

تفسیر صوفیانہ : بعض جھوٹے صوفی تصوف کا لباس پہن کر ایسی عمدہ باتیں کرتے ہیں کہ لوگ انہیں قطب وقت سمجھیں اور قرآن و حدیث پڑھ کر لوگوں کو دھوکا دیتے ہیں حالانکہ وہ روح اور قلب کے سخت دشمن ہیں ان کی دشمنی شیطان و نفس سے بھی زیادہ سخت ہے اور ان کی یہ خدارسی کی باتیں سب دنیوی سامان جمع کرنے کے لئے لہذا وہ دنیادار بلکہ پکے دکاندار ہیں اور ان کی یہ ساری باتیں دنیا سازی۔ جب موقعہ پائیں تو اپنے معتقد کی اعمال کی کھیتی برباد کر ڈالیں اور رہی سہی استعداد بھی خراب کر

www.alahazratnetwork.org

دیں۔ یہ محبت الٰہی کے دعویدار در حقیقت مفسد بدکار ہیں۔ ایسے مفسدین خدا کے پیارے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رب فساد اور فسادی کو پسند نہیں فرماتا۔ جب کوئی اللہ کا بندہ ایسے جھوٹے صوفی کو خدا سے ڈراتا ہے اور کہتا ہے کہ اپنے مریدوں کے حال پر رحم کرو تو اسے اور ضد چڑھ جاتی ہے اور زیادہ گناہ کرتا ہے ایسا شخص خواہشات نفس کے جہنم میں گرفتار ہے جہاں سے کبھی نہیں نکل سکتا اور یہ اس کے لئے کافی عذاب ہے (از ابن عربی)۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست

پس بہر دست نباید داد دست

بہت سے شیطان انسانی لباس میں ہیں۔ ہر ایک کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دے دو۔ پانی پینا چھان کر مرشد کرنا جان کر۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان دکاندار ہے۔ زندگی دکان اعمال اس کے سودے ہیں۔ اگر اعمال اچھے ہیں تو ان کا خریدار خدا ہے اور قیمت جنت رب فرماتا ہے **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم** (الخ) اور اگر اعمال خراب ہیں تو شیطان خریدار ہے دوزخ اس کی قیمت۔ جیسے سودے ویسے خریدار' شراب کی دکان پر شرابی خریدار۔ تسبیح و مصلے کی دکان پر نمازی خریدار۔ ان جھوٹوں کی دکان پر فریب' جھوٹ' دھوکے کے سودے ہیں۔ ان کے پاس سے جسے ملے گا یہی ملے گا۔ اور فرماتے ہیں کہ جو عقل دل کے ماتحت ہو وہ یزدانی' رحمانی عقل ہے۔ جس سے ایمان' عرفان وغیرہ بنتا ہے اور جو عقل جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے آزاد ہو وہ شیطانی عقل ہے۔ جس سے طغیان بنتا ہے۔ منافقوں کی عقل شیطانی تھی کہ رب نے فرمایا **وھو الد الخصام** جب تک کعبہ پر حضور کا راج نہ تھا کعبہ بت خانہ تھا اور جب حضور کا راج آگیا تو خدا خانہ بن گیا جس عقل و دل پر حضور کا راج ہے وہ دل کعبہ ذات الٰہی ہے اور جو ان کے راج سے آزاد ہے وہ پاخانہ شیطان ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ
اور لوگوں میں سے وہ ہیں جو خریدتے ہیں جان اپنی تلاش کرتے ہوئے رضا اللہ کی اور اللہ
اور کوئی آدمی جان بیچتا ہے اللہ کی مرضی چاہنے میں اور اللہ
رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
بہت مہربان ہے ساتھ بندوں کے ۞
بندوں پر مہربان ہے ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کا ذکر ہوا اب مخلصین مومنین کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان دنیاداروں کا تذکرہ تھا جو دنیا کے عوض دین فروخت کر دالیں۔ اب ان دینداروں کا ذکر ہے۔ جو دین کے لئے دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور گھر بار مال اولاد سب پر لات ماردیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی

www.alahazratnetwork.org

آیت میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کا قول زیادہ اور عمل کوئی نہیں۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو کہیں کم مگر عمل کریں زیادہ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں خدا کو ناراض کرنے والے عیوب کا ذکر تھا۔ اب خدا کو راضی کرنے والی صفات کا ذکر ہے۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں بہت روایتیں ہیں۔ جن میں سے ہم چند بیان کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت صہیب ابن سنان اور عمار ابن یاسر اور ان کی والدہ سمیہ اور والد یاسر اور حضرت بلال و خباب رضی اللہ عنہم مکہ معظمہ سے ہجرت کے ارادہ سے مدینہ طیبہ روانہ ہوئے۔ راستہ میں تھے کہ مشرکین نے آن گھیرا۔ حضرت خباب اور ابوذر تو بھاگ کر نکل گئے۔ حضرت یاسر کو قتل کر دیا اور حضرت سمیہ کے دونوں پاؤں دو اونٹوں کے پیروں سے باندھ کر ان کو علیحدہ علیحدہ سمتوں میں ہانک دیا۔ جس سے وہ بھی شہید ہو گئیں۔ حضرت صہیب سو برس کے بڈھے تھے اور نہایت تیر انداز۔ انہوں نے اپنا تیر و کمان سنبھالا اور فرمانے لگے اے قریش جب تک میرے تیر ختم نہ ہو جائیں تم میرے پاس نہیں آسکتے۔ ایک ایک تیر سے کئی کئی آدمیوں کو ہلاک کروں گا۔ تیروں کے بعد تلوار کی باری ہے تمہاری جماعت کو کھیت کی طرح کاٹ کر رکھ دوں گا۔ میں بڈھا آدمی ہوں میرے چلے جانے سے تمہارا کوئی نقصان نہیں اور رہنے سے تمہیں کچھ فائدہ نہیں اگر تم مجھے میرے مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلا جانے دو تو مکہ مکرمہ میں میرا بہت سا سامان مدفون ہے میں تمہیں اس کا پتہ بتاتا ہوں تم جا کر سب لے لو۔ کفار اس پر راضی ہو گئے اور آپ نے اپنے مال کا پتہ بتا دیا اور مدینہ پاک آگئے۔ مدینہ منورہ آکر سب سے پہلے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اے صہیب تم بڑے نفع کا بیوپار کر کے آئے۔ صہیب نے پوچھا کون سا بیوپار۔ تب ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ آیت کریمہ پڑھی اور فرمایا کہ تم اپنا سارا مال دے کر کفار سے جان چھڑا رہے تھے اور یہاں یہ آیت اتر رہی تھی جس میں تمہاری تجارت کی تعریف ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ آیت حضرت صہیب کے بارے میں آئی (کبیر و روح البیان وغیرہ)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ہجرت کی رات جب کفار نے حضور علیہ السلام کے دولت خانہ کا محاصرہ کر لیا۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بستر پاک پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لٹا کر خود روانہ ہو گئے۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری اور حضرت جبریل مولیٰ علی کے سرہانے اور حضرت میکائیل ان کے پاؤں کی طرف کھڑے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اے ابو طالب کے فرزند مبارک ہو آج تم پر رب فخر فرماتا ہے کہ تم نے اپنی جان کو اس کے محبوب پر نثار کر دیا (کبیر)۔ مگر روایت اول زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ آیت بلکہ ساری سورہ بقر مدنی ہے اور اس روایت کی بنا پر مکی ہو گی۔ روح المعانی میں یہ بھی ہے کہ یہ آیت حضرت زبیر ابن عوام اور مقداد ابن اسود کے حق میں نازل ہوئی۔ جب انہیں حضور علیہ السلام نے خبیب کی لاش کو سولی پر سے اتارنے کے لئے مکہ معظمہ بھیجا جبکہ انہیں مشرکین مکہ نے سولی دی تھی۔ یہ حضرات اپنی جان پر کھیل کر وہاں پہنچے اور لاش اتارنے میں کامیاب ہو گئے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر: و من الناس من یشری نفسہ۔ ناس سے مراد مومنین ہیں۔ خیال رہے کہ لفظ ناس سے مراد کبھی تو سارے انسان ہوتے ہیں۔ مومن ہوں یا کافر متقی ہوں یا فاجر اور کبھی مراد صرف کفار ہوتے ہیں۔ تب یہ لفظ حقارت و توہین کا ہوتا ہے اور کبھی اس سے مراد صرف مومن و پرہیزگار ہوتے ہیں تب یہ لفظ عظمت کا ہوتا ہے۔ دیکھو ابھی چند آیات سے پہلے بھی و من الناس آیا تھا اور وہاں اس سے کفار مراد تھے یعنی دنیا میں پھنس کر آخرت کو شہوات نفسانی میں پھنس کر طریقہ رحمانی کو بھول

www.alahazratnetwork.org

جانے والے اور یہاں ناس سے مراد صحابہ ہیں یعنی عشق مصطفوی میں گرفتار ہو کر دنیا و مافیہا کو بھول جانے والے حضرات اور یشری یا فروخت کرنے کے معنی میں ہے۔ جیسے و شروہ بثمن بخس یا بمعنی خریدنا یا بمعنی خرچ کرنا۔ حضرت صہیب کا اپنا مال خرچ کرکے اپنی جان بچالینا یہ گویا کفار سے اپنے کو خریدنا ہوا۔ حضرت علی یا حضرت زبیر کا رضاء الٰہی کے لئے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال دینا گویا اپنے کو رب کے ہاتھ فروخت کرنا ہوا۔ یا عام مجاہدین کا جہاد' تبلیغ' نیک اعمال کرنا اپنی جان خرچ کرنا ہے۔ یعنی مسلمانوں میں سے بعض وہ بھی ہیں جو اپنے کو کفار سے بعوض مال خرید لیتے ہیں۔ جیسے صہیب یا مسلمانوں سے بعض وہ ہیں جو اپنے کو بعوض جنت خدا کے ہاتھ فروخت کر ڈالتے ہیں اور اس کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جیسے حضرت علی' یا حضرت زبیر' یا مسلمانوں میں سے بعض وہ ہیں جو اپنی جان' روزہ' نماز وغیرہ نیک کاموں میں صرف کرتے ہیں مگر منافقوں کی طرح دنیوی لالچ سے نہیں بلکہ ابتغاء مرضات اللہ ابتغاء' یشری کا مفعول لہ ہے۔ اور مرضات مصدر بمعنی رضا۔ جیسے مدعات بمعنی دعا (روح المعانی) ابتغاء کا مادہ بغی ہے بمعنی چاہنا اور ڈھونڈنا جیسے دنیاوی نعمتیں مختلف طریقوں سے تلاش کی جاتی ہیں۔ آنکھ سے زبان سے قلم سے اور بھاگ دوڑ کرکے بھی حکام و سلاطین سے مل کر اسی طرح رضاء الٰہی تلاش کرنے کے بہت طریقے ہیں اسے عبادات سے بھی تلاش کرتے ہیں۔ ریاضات سے بھی اسی طرح مجاہدات سے بھی کبھی ترک عادات سے اسے ڈھونڈتے ہیں اور جان دے کر۔ ان حضرات نے اسی موقع پر آخری طریقہ سے رضاء یار تلاش کی تھی۔ یعنی ان کا یہ بیوپار رضاء رب کی طلب کے لئے ہے نہ کہ کسی نفسانی لالچ میں۔ تو یہ بیوپاری بھی یاد رکھیں کہ واللہ رءوف بالعباد۔ رءوف۔ رافتہ سے بنا۔ بمعنی بڑی رحمت۔ پھر بروزن فعول آکر اور بھی زیادتی کے معنی پیدا ہوئے۔ عباد سے یا تو عام بندے مراد ہیں یا یہ انوکھے بیوپاری جنہوں نے رضائے الٰہی کے عوض اپنا سب کچھ دے ڈالا یعنی اللہ اپنے ایسے پیارے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ اس نے ان کی یہ تجارت قبول فرمالی۔

خلاصہ تفسیر : منافقین کا تو حال تم سن چکے وہ سب ہی پاجی ہیں مگر ان میں بعض بہت ہی خبیث' اب مخلصین کا حال بھی سنو کہ یہ سب ہی اچھے ہیں مگر ان میں بعض تو ایسے جانباز بہادر ہیں جو محض رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان بھی فروخت کر ڈالتے ہیں اور پھر مالک کے سپرد کرکے اسی کی مرضی پر صرف کر دیتے ہیں۔ وہ بھی یاد رکھیں کہ ایسوں پر اللہ بھی بہت ہی مہربان ہے کہ اس نے نہایت قدر و عزت سے ان کی جان و مال کو خرید لیا۔ اور اسے اپنی خالص ملک بنا کر پھر بطور وکیل انہیں کے حوالہ کر دیا اب وہ جو کچھ کریں گے ہماری طرف سے کریں گے ان کا کام ہمارا کام ہو گا گویا کرنے والے وہ ہیں کرانے والے ہم۔ سبحان اللہ اس سے بڑھ کر جان کی اور کیا قیمت ہو سکتی ہے کہ وہ رب کی ہو جائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور کی محبت میں جان و مال صرف کرنا در حقیقت رب سے سودا کرنا ہے۔ حضرت علی یا صہیب یا دیگر حضرات نے جو کچھ بھی کیا۔ حضور ہی کے عشق میں تو کیا تھا مگر رب نے اسے مرضات اللہ فرمایا لہٰذا اب بھی مسلمانوں کا حضور کی محبت و عشق میں جان و مال خرچ کرنا رب سے ہی تجارت ہے۔ غرضیکہ حضور کی اطاعت رب کی اطاعت ہے حضور کی سننا رب کی سننا ہے۔ حضور کی نافرمانی رب کی نافرمانی ہے۔ حضور پر یا حضور کے خدام پر یہ خرچ کرنا رب کے ذمہ کرم پر قرض ہے۔ رب فرماتا ہے من ذا الذی یقرض اللہ قرضا" حسنا۔ بلا تشبیہ

www.alahazratnetwork.org

یوں سمجھو کہ ہمارے پیارے بیٹے کا دوست ہمارا دوست ہے اس کا دشمن ہمارا دشمن ہے حتیٰ کہ جو ہمارے بچے پر کچھ خرچ کرلے وہ ہم پر قرض ہوتا ہے۔ نیوتہ وغیرہ میں دن رات اس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ عالم شہادت عالم غیب کا نمونہ ہے۔ دوسرا فائدہ: کوئی غیر صحابی صحابی کے رتبہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ ہمیں اپنی کسی نیکی کی قبولیت کی خبر نہیں۔ ان حضرات کی نیکیوں کی رب کی طرف سے رسیدیں بھی آگئیں اور انہیں قبولیت کا سرٹیفکیٹ بھی مل گیا۔ بلکہ ہماری نیکیوں سے ان کی خطائیں افضل۔ جن کی معافی کا قرآن میں اعلان ہوگیا۔ تیسرا فائدہ: جیسے کہ خریدار چیز کا مالک ہے ایسے ہی رب تعالیٰ مسلمانوں کی جان و مال کا مالک ہے یعنی خالقیت کی ملکیت سب پر ہی ہے۔ اس پر کوئی ثواب نہیں۔ یہ تملیک اختیاری ہے۔ جس پر بہت بڑا ثواب۔ چوتھا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنا آرام' مال' اولاد' عزت' جان یہ پانچوں چیزیں اسلام کی ملکیت سمجھے۔ جس وقت جس چیز کی اسلام کو ضرورت ہو تو فوراً" حاضر کردے۔ پانچواں فائدہ۔ ہر قسم کی نیکی کرنے والا اس آیت میں داخل ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے کرے (کبیر)۔

پہلا اعتراض : جان مال سب اللہ کا ہی ہے پھر بیچنے خریدنے کے کیا معنی؟ کیونکہ تجارت میں مال بیوپاری کا ہونا چاہئے اور قیمت خریدار کی۔ جواب: اس معاملہ کو تجارت فرمانا مسلمانوں کی عزت افزائی ہے۔ اس کی مثال بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ مالک اپنے اس غلام سے کوئی چیز خریدے جسے تجارت کی اجازت دے دی ہو۔ اسے بھی تجارت ہی کہا جاتا ہے اگرچہ غلام اور اس کا سارا مال مولیٰ کا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ بعض لوگ اللہ کی رضا تلاش کرنے کے لئے اپنی جان کا سودا کرتے ہیں تو رب تعالیٰ ان سے پہلے راضی نہ تھا اگر ناراض تھا تو وہ لوگ مومن کیسے ہوئے تھے اور اگر راضی تھا تو حاصل چیز کو حاصل کرنا' تلاش کرنا عبث ہے۔ جواب: اللہ تعالیٰ کی رضا بہت قسم کی ہے رضا عامہ یہ تو ہر مسلمان کو نصیب ہوتی ہے۔ اگرچہ گنہگار ہو اس لئے آخر کار گنہگار مومن بھی جنتی ہوں گے رضائے خاصہ' یہ متقی مسلمان کو میسر ہے۔ رضاء خاص الخاص یہ ابرار و اخیار کو نصیب ہوتی ہے جیسے باپ اپنے نالائق بیٹے سے بھی راضی ہوتا ہے اسی لئے اس کو کھو نہیں برداشت کرتا اور لائق بیٹے سے بھی اور کماؤ پوت سے بھی اور اس فرزند سے بھی جو والدین کی مرضی میں فنا ہو مگر یہ رضائیں مختلف ہیں اللہ تعالیٰ ان حضرات سے پہلے بھی راضی تھا کہ وہ مومن صحابی تھے اور اب جس رضا کی جستجو میں وہ لوگ جان کی بازی لگا رہے ہیں وہ رضا وہ ہے جو عشاق کو میسر ہوتی ہے۔ مومنین کی رضا اور ہے متقین کی رضا کچھ اور مگر عاشقین' خاشعین کی رضا کچھ اور۔ رب فرماتا ہے۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ

تفسیر صوفیانہ : عام مسلمانوں نے تو اپنی جانیں جنت کے عوض فروخت کردیں۔ مگر خاص اولیاء اللہ نے رضائے الٰہی کے عوض۔ تو گویا عام جانوں کی قیمت جنت اور نفوس اولیاء کی قیمت رضاء الٰہی ہے ایسے خواص کو چاہئے کہ وطن بشریت سے نکل کر میدان محبوب میں مسافر بن کر حاضر ہوں اور اسی کی راہ میں مجاہد بن کر شہید معنوی ہوں۔ حدیث شریف میں ہے طوبیٰ للغرباء یعنی ان مسافروں کو خوشخبری ہو۔ یہ مسافر وہی ہیں جو خلق سے رشتہ توڑ کر خالق سے جوڑ بیٹھے اور عادات و شہوات میں عوام کے مخالف ہوگئے۔ جیسے کہ ظاہری پاکیزگی' ظاہری رزق بڑھاتی ہے۔ ایسے ہی باطنی وضو باطنی رزق یعنی معرفت' کمالات' واردات میں برکت دیتا ہے اور اس سے دل زندہ اور نفس مردہ ہو جاتا ہے۔ اسی سے انسان قید نفس سے چھوٹ کر موت اختیاری حاصل

www.alahazratnetwork.org

کرکے موتوا قبل ان تموتوا پر عمل کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے بسا نفس شہید معتمد مردہ در دنیا و زندہ مے رود

اس بندہ کو چاہئے کہ خلق سے خالق کی طرف عروج کرے۔ جو رب کی طرف بھاگے اور اس کے جمال کو پالے اور مشاہدہ جلال میں غرق ہو جائے۔ وہ قل اللہ' ثم ذرھم کے اسرار سے واقف ہو جاتا ہے۔ اولاً "ترک مال پھر ترک اولاد کرکے آخرکار نفس سے منہ موڑ بیٹھتا ہے۔ ترک مال پر توحید افعال کی اور ترک اولاد پر توحید صفات کی تجلی ہوتی ہے اور ترک نفس پر تجلی توحید ذات جو کہ اعلیٰ درجات ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ ذکر اللہ کے صیقل سے آئینہ قلب کو صاف کرتا رہے کہ یہی طالب کو مطلوب تک اور مسافر کو منزل مقصود تک پہنچاتا ہے۔ تاجر کو چاہئے کہ مال خریدار کے حوالہ کرے۔ ایسے ہی عاشق پر لازم ہے کہ اپنا سب کچھ رب کے سپرد کردے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے داخل ہو جاؤ بیچ اسلام کے پورے اور نہ پیروی کرو قدموں کی شیطان کے

اے ایمان والو اسلام میں پورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو بے شک

الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝٢٠٨ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ

تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے کھلا ہوا پس اگر پھسل جاؤ تم پیچھے سے اس کے کہ آئیں

وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور اگر اس کے بعد بھی پھسلو کہ تمہارے پاس

الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝٢٠٩

تمہارے پاس کھلی نشانیاں پس جانو کہ تحقیق اللہ عزت والا حکمت والا ہے ۞

روشن حکم آچکے تو جان لو کہ اللہ زبردست حکمت والا ہے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی رغبت دی گئی اور راہ مولیٰ میں مال و اولاد پر لات مار دینے کے فضائل بیان ہوئے اب تقویٰ میں بے جا غلو اور غلط افراط سے روکا جا رہا ہے کہ بلاوجہ حلال چیزوں سے محروم ہو جانا اور شرعی اجازتوں سے فائدہ نہ اٹھانا پرہیزگاری نہیں۔ گویا پہلے تقوے کی تعریف تھی اب اس کی حد بندی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقین کا حال بیان کیا گیا کہ ان کا ظاہر اسلام کے موافق اور باطن اس کے خلاف ہے۔ اب مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تم اپنا ظاہر و باطن دونوں اسلام کے موافق رکھو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ایک تجارت کا ذکر ہوا کہ مسلمانوں نے اپنی جانیں رب کے ہاتھ فروخت کیں۔ اب انہیں قبضہ دینے کا حکم ہو

www.alahazratnetwork.org

رہا ہے کہ اپنی بچی ہوئی جانیں رب کے حوالے کرو۔ اس طرح کہ اسلام میں پورے آجاؤ اور شیطان کی راہ نہ جاؤ۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کا ذکر تھا جن کے دل میں کفر تھا زبان پر اسلام۔ اور مسلمانوں کو اس حرکت سے منع فرمایا گیا تھا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے دل میں ایمان ہے مگر ظاہر پر کفر و کفار کی رعایت تاکہ مسلمان اس سے بھی بچیں۔ انسان چار قسم کے ہیں مجاہر یعنی کھلے چھپے کافر مخلص یعنی کھلے چھپے مومن۔ منافق یعنی کھلے مومن چھپے کافر۔ ساتر یعنی کھلے کافر چھپے مومن۔ مخلص ہونا کمال ہے۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن اسلام اور ان کے بعض ساتھی اسلام لانے کے بعد بھی شریعت موسوی کے بعض احکام پر قائم رہے۔ سنیچر کی تعظیم کرتے اس دن شکار سے بچتے تھے۔ اونٹ کے دودھ اور گوشت سے پرہیز کرتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ چیزیں اسلام میں ضروری نہیں محض جائز ہیں اور توریت میں سخت منع تو ان کے چھوڑ دینے میں اسلام کی مخالفت نہیں اور دین موسوی پر بھی عمل ہو جاتا ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں انہیں اس سے روکا گیا (خزائن العرفان)۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت منافقین کے حق میں آئی انہیں دو رنگی سے منع کیا گیا (کبیر) مگر خزائن عرفان کی روایت قوی ہے کیونکہ اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے نہ کہ منافقین سے۔ منافقین کو الذین امنوا میں داخل کرنا تکلف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس آیت کا نزول یہود کے بارے میں ہوا۔ اور اس میں ان کو دعوت اسلام دی گئی (کبیر)۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا**۔ بعض احکام مسلمانوں کو پکار کر سنائے گئے ہیں تاکہ اس ندا سے مسلمان میں عشق الٰہی کی آگ بھڑکے کہ رب بندے کو پکار رہا ہے اور عشق سے مشکل احکام آسان ہو جاتے ہیں عشق سے ہی حضرت ابراہیم نار نمرود میں بے خطر چلے گئے مشکلات عقل کے لئے ہیں۔ عشق کے لئے نہیں۔ چونکہ اسلام میں پورا پورا داخل ہونا نفس پر شاق تھا اس شاق کو آسان فرمانے کے لئے پہلے ندا سے عشق کی آگ بھڑکائی پھر حکم سنایا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں مخلص مومنین سے خطاب ہے اور ایمان سے ایمان شرعی مراد۔ جیساکہ اس کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ رب کی بڑی نعمت دنیا میں ایمان ہے۔ آخرت میں دیدار الٰہی۔ اس لئے ہم کو امنوا کہہ کر خطاب کیا یہ نہ فرمایا کہ اے مال والو گے کو ٹھیوں جائید او' والو بلکہ فرمایا اے ایمان والو ہو سکتا ہے کہ اس سے منافقین مراد ہوں۔ اور ایمان سے ان کا زبانی اسلام اور ممکن ہے کہ یہود مراد ہوں اور ایمان سے توریت و انجیل پر ایمان۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارے ہی انسانوں سے خطاب ہو۔ اور ایمان سے میثاق والا ایمان مراد جو ملی سے حاصل ہو اتھا۔ یعنی اے وہ لوگو جو قرآن پاک پر حقیقی ایمان لا چکے یا اے وہ منافقو! جو زبان سے ایمان کا دعویٰ کر چکے یا اے وہ یہودیو! جو توریت و انجیل کو مان چکے یا اے وہ لوگو جو میثاق کے دن بلیٰ کہہ کر فطری ایمان لا چکے **ادخلوا فی السلم** داخل ہو جانے سے یا تو دین میں آجانا مراد ہے یا قائم رہنا۔ سلم کے معنی راضی ہونا۔ مطمئن ہونا' صلح کرنا' جنگ چھوڑ دینا اور اطاعت فرمانبرداری کرنا ہیں۔ اسلام اور استسلام اسی سے بنا کیونکہ مسلمان رب کی قضا پر راضی اس کی مخالفت سے علیحدہ اور اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔ اور یہاں اسلام ہی مراد ہے (کبیر)۔ **کافۃ**' کف سے بنا بمعنی روکنا اور آڑ۔ آدمی کو کفاف کہا جاتا ہے کہ وہ فقیری کو روکتی ہے۔ ہتھیلی کو اسی لئے کف کہتے ہیں کہ اس سے مار وغیرہ روکی جاتی ہے۔ نابینا کو مکفوف البصر بھی اس لئے کہتے ہیں۔ پوری چیز یا پورے اجتماع کو اسی لئے کافۃ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنے سارے افراد کو گھیر کر انہیں نکلنے سے روکتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

یعنی سب کی سب۔ اس کی ت تانیث کی نہیں بلکہ مبالغہ کی ہے یا تو ادخلوا کی ضمیر سے حال ہے یا سلم سے یعنی تم سب اسلام میں داخل ہو جاؤ یا پورے اسلام میں آجاؤ اور اس کے سارے احکام مان لو۔ عقائد و اعمال ہر حیثیت سے مسلمان بنو۔ خیال رہے کہ اسلام گویا عمارت ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں وارد ہوا کہ اسلام کے ستون نمازیں ہیں جو کوئی عمارت سے باہر رہ کر اس کی دیوار کی آڑ لے لے وہ اگرچہ سایہ حاصل کرے گا مگر گرمی ' سردی ' بارش ' چوری سے محفوظ نہیں رہ سکتا جو مکان میں داخل ہو جائے اس طرح کہ مکان ہر طرف سے اسے ایسے گھیرے جیسے مرکز کو دائرہ کہ سر پر مکان کی چھت ہو نیچے اس کا فرش آگے پیچھے داہنے بائیں اس کی دیواریں تو اب مکان اسے سردی گرمی چوری وغیرہ سے بچائے گا۔ منافقین نے کلمہ پڑھ کر اسلام کی آڑ لے لی۔ جس سے وہ قتل سے تو بچ گئے۔ مگر شیطان چور اور دوزخ کی سردی گرمی سے نہ بچ سکے۔ مومن اسلام میں اس طرح داخل ہو گئے کہ دل میں اسلام کے عقائد آ گئے۔ دماغ میں عشق نبی کا سودا اعضاء میں اسلام کے احکام۔ وہ بفضلہ تعالیٰ ہر طرح محفوظ ہو گئے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ اسلام میں داخل ہو جاؤ یعنی محض اس کی آڑ نہ لو۔ **ولا تتبعوا خطوت الشیطن** یہ اتباع سے بنا بمعنی پیچھے چلنا۔ خطوات ' خطوۃ (خ کے پیش سے) کی جمع ہے بمعنی دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ یہاں اس سے راستہ مراد ہے چونکہ شیطانی راستے بہت ہیں۔ اس لئے جمع فرمایا گیا۔ یعنی شیطان کے پیچھے مت چلو یا شیطان کے بنائے ہوئے راستے پر نہ جاؤ اور اس کے وسوسوں اور شبہات میں نہ آؤ۔ کیونکہ **انہ لکم عدو مبین**۔ وہ تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے کہ تمہارے والد آدم علیہ السلام کی بھی مخالفت کر چکا ہے اور اب بھی تمہارے پیچھے پڑا ہے۔ لکم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانوں خاص کر مسلمانوں کا ہی زیادہ دشمن ہے کہ وہ انہیں کی بدولت جنت سے نکلا۔ فرشتوں اور جنات سے اسے اتنی عداوت نہیں۔ نیز چور بھرے گھر میں ہی جاتا ہے۔ مسلمانوں کے دل چونکہ نور ایمانی سے معمور ہیں اسے انہیں کی زیادہ فکر ہے۔ کفار کا پہلے ہی سے بیڑا غرق کر چکا ان سے مطمئن اور خیال رکھو کہ **فان زللتم** یہ لفظ زلل سے بنا بمعنی پھسلنا۔ چکنی جگہ کو زلہ اسی لئے کہتے ہیں کہ پھسلن ہے یعنی اگر تم عقیدوں میں یا فرائض ' واجبات ' مستحبات کسی عمل میں بھی سیدھے راستے سے ڈگمگائے (کیسے) **من بعد ما جاءتکم البینت** یہ بینۃ کی جمع ہے بمعنی کھلی دلیل یا تو اس سے قرآنی آیتیں مراد ہیں یا حقانیت اسلام کے عقلی ' نقلی دلائل یا حضور علیہ السلام کے معجزات یا خود حضور علیہ السلام کی ذات پاک کیونکہ ان کی ہر ادا رب کی دلیل اور ان کا ہر کمال مظہر ذوالجلال ہے یعنی اگر تم قرآن کریم یا معجزات یا اسلام کی حقانیت کے دلائل یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کے بعد بھی اسلام سے ڈگمگا گئے تو **فاعلموا ان اللہ عزیز حکیم** یہ وہم بھی نہ کرنا کہ تم رب کی پکڑ سے باہر ہو وہ تم پر ہر وقت غالب ہے اور تم ہر دم اس کے قبضہ میں۔ اپنی حکمت سے ہی تمہیں کچھ مہلت دے کر تمہاری سخت پکڑ فرمائے گا۔ جس جرم کے بعد واللہ غفور رحیم یا ستار وغیرہ آئے تو اس میں اشارۃً فرمایا جاتا ہے کہ یہ گناہ بخش دیا جائے گا اور اگر بعد میں عزیز ذو انتقام یا عزیز حکیم وغیرہ آئے تو مطلب ہوتا ہے کہ اس جرم کی سزا ملے گی۔ یہاں دوسری جانب اشارہ ہو رہا ہے یعنی یہ پھسلنا قابل معافی نہیں اس پر پکڑ ہوگی۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! دو رنگی سے بچو اور ڈھیلے پن سے دور رہو۔ اسلام میں ظاہر و باطن پورے طور سے داخل ہو جاؤ۔ مسلمان ہو کر دوسرے مذاہب یا کفار کی رعایت کیسی۔ مضبوط مسلمان بنو اور راہ حق کو چھوڑ کر شیطانی راستے اختیار نہ کرو اور نہ

www.alahazratnetwork.org

اس کے قدموں پر چلو کیونکہ وہ صرف تمہارا ہی کھلا دشمن ہے چونکہ تمہاری وجہ سے وہ ذلیل ہوا۔ جنت سے نکالا گیا۔ اب وہ تمہیں بھی جنت سے دور رکھنا اور ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ دولت ایمان تمہارے پاس ہے۔ جس کی وہ تاک میں ہے تم غفلت سے کام نہ لو۔ یا اے وہ لوگو جو میثاق کے دن ایمان لا چکے تھے اب پورے مسلمان بنو کہ دنیا میں اسلام لاؤ کیونکہ اسی فطری اسلام پر جزا و ثواب۔ وہاں تمہیں اسلام سے روکنے والی کوئی چیز نہ تھی اب یہاں اسلام لاؤ تاکہ جزا پاؤ یا اے یہود و نصاریٰ جو توریت و انجیل پر ایمان لا چکے ہو پورے مسلمان بنو کہ قرآن' آخری نبی پر بھی ایمان لاؤ کہ اس کے بغیر تمہارا اپنی کتاب' اپنے رسول پر بھی ایمان ناقص ہے کیونکہ انہوں نے یہ بھی خبر دی تھی کہ قرآن اور آخری نبی آئیں گے اگر تم نے انہیں نہ مانا تو تم نے ان آیات کو نہ مانا اور اگر قرآن سچی کتاب نہیں تو توریت و انجیل کی وہ آیات بھی غلط ہو گئیں جن میں اس قرآن کی آمد کی خبر دی گئی ہے۔ یا اے منافقو جو زبان سے ایمان لا چکے پورے مسلمان ہو جاؤ کہ دل سے ایمان لاؤ اس کے بغیر اسلام ناقص ہے اسلام کے دو رکن ہیں دل سے تصدیق زبان سے اقرار جب تم نے دل سے تصدیق نہ کی تو تم مسلمان کیسے بنے یا اے مخلص مسلمانوں تم سب مسلمان بن جاؤ کہ اپنا طور طریقہ ایسا رکھو کہ تمہیں دیکھ کر تمہارے بال بچے بلکہ تمہارے نوکر چاکر بلکہ تمہارے پڑوسی محلہ والے مسلمان ہو جائیں سب کو اسلام کے رنگ میں رنگ دو۔ جیسے صلح حدیبیہ کے بعد جو مکہ سے کافر دو چار دن کے لئے مدینہ منورہ آ جاتا وہ مسلمانوں کے اخلاق دیکھ کر دل سے مسلمان ہو جاتا تھا غرضیکہ اس کی عالمانہ تفسیریں پانچ ہیں۔ آگے ارشاد ہو رہا ہے یہ بھی یاد رکھو تمہارے پاس حقانیت اسلام کی کھلی ہوئی دلیلیں آ چکیں۔ قرآن کریم' صاحب قرآن' ان کے معجزات سب کچھ پہنچ گئے۔ اب بھی اگر تم سیدھے راستہ سے ڈگمگا گئے تو یاد رکھو کہ اللہ بہت غالب بھی ہے۔ تم اس سے بچ نہیں سکتے اور حکمت والا بھی ہے کہ بے دینوں کو جنت میں اور پرہیزگاروں کو جہنم میں نہ بھیجے گا۔ ہر ایک کو اس کا حق دینا تقاضاء حکمت ہے لہٰذا نیک بن کر آؤ تاکہ اچھی جزا پاؤ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بدمذہبوں اور بے دینوں کی رعایت کرنا سخت جرم ہے۔ دیکھو اونٹ کا گوشت کھانا اور ہفتہ کے دن شکار کرنا اسلام میں واجب نہیں بہت سے مسلمان نہیں کرتے مگر چونکہ عبداللہ ابن سلام وغیرہ نے یہودیت کی رعایت کرتے ہوئے اس سے بچنا چاہا۔ عتاب الٰہی آ گیا اور اس رعایت کو شیطانی راستہ کہا گیا۔ مسلمان ہو کر کفر کی رعایت کیسی؟ دوسرا فائدہ: محفل میلاد شریف وغیرہ فرض یا واجب نہیں۔ مگر جو کوئی دیوبندیت یا وہابیت کی رعایت کرتے ہوئے اس سے بچے اور کہے کہ اہلسنت کے نزدیک یہ واجب نہیں اور دیوبندیوں کے نزدیک حرام ہے۔ لہٰذا اس سے بچنا بہتر۔ وہ بھی اسی آیت میں داخل ہے۔ مسلمان اس بلاء میں بہت گرفتار ہیں۔ اللہ رحم فرمائے۔ تیسرا فائدہ: اس آیت میں بہت ہی وسعت ہے سارے اسلامی عقیدے اور سارے اعمال اس میں داخل داڑھی منڈا' مشرکین کا سا لباس پہننے والا' کفار کے سے نام رکھنے والا سب اس میں داخل ہیں۔ عقیدے بھی اسلامی اختیار کرو اور اعمال بھی صورت بھی مسلمانوں کی سی رکھو اور سیرت بھی' نام بھی مسلمانوں کا سا رکھو اور کام بھی' زندگی بھی اسلامی ہو اور موت بھی' شادی بھی اسلامی ہو اور رسم و رواج بھی۔ غرضیکہ مرنا جینا اسلامی ہو اس کی پوری تفصیل کے لئے ہماری کتاب "اسلامی زندگی" کا مطالعہ کرو۔ جڑ بھی درست کرو۔ اور شاخیں بھی تاکہ ایمانی پھل کھا سکو۔ چوتھا فائدہ: ہر قلب کا قالب پر قالب کا قلوب پر اثر پڑتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

مسلمان اپنے اہل قرابت خصوصاً" بال بچوں کو سچا مسلمان بنانے کی کوشش کرے کہ اس کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ تم صرف اکیلے ہی مسلمان نہ بنو۔ سب مل کر مسلمان ہو جاؤ۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا **قوا انفسکم و اھلیکم نارا**" **پانچواں فائدہ:** گناہ کبیرہ سے بھی بچے اور صغیرہ سے بھی۔ صغیرہ کو ہلکا جاننا بے وقوفی ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **فان زللتم** اگر تم پھسل بھی جاؤ۔ جس میں صغائر بھی داخل ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** بے خبری رب کے ہاں پکڑ نہیں۔ دلائل آنے کے بعد جو پھسلے اس کی پکڑ ہے۔ **ساتواں فائدہ:** دلائل سے بے خبر رہنا عذر نہیں کیونکہ یہاں دلائل آنے کا ذکر فرمایا گیا نہ کہ جاننے کا۔ آج اسلام کے دلائل بے شمار موجود ہیں جو اس سے غافل رہے وہ اس کا قصور ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** غیر ممنوع چیز کو منع جاننا بے دینی ہے دیوبندی' وہابی بھی اس میں داخل ہیں کہ تمام امور خیر جنہیں شریعت نے حرام نہ کیا انہیں حرام جانتے ہیں وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں۔ حلال چیز کو حرام کر لینا تقویٰ نہیں بلکہ حرام سے بچنا' نیک کام کرنا تقویٰ ہے۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ظاہری فقیر بن کر گوشت' نکاح وغیرہ سے بچتے ہیں۔ مگر جھوٹ' غیبت بھنگ وغیرہ سے نہیں بچتے۔ تقویٰ تو حضور کی پیروی میں ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوسرے مذاہب کی رعایت منع ہے۔ حالانکہ حنفی بارہا شافعیوں کی رعایت کرتے ہیں اور شافعی مذہب حنفی کی۔ فقہا فرماتے ہیں کہ حنفی امام جب اس کے پیچھے شافعی بھی نماز پڑھتے ہوں تو عورت یا ذکر کے چھونے سے وضو کر لے یہ رعایت کیسی؟ **جواب:** کفار کی رعایت جرم ہے یہ چاروں مذہب حق ہیں اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔ فقہاء کے اختلاف سے بچنا بہت بہتر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **زللتم** سے معلوم ہوا کہ خطاء" گناہ کی بھی پکڑ ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ میری امت سے بھول چوک معاف ہے۔ **جواب:** خطاء" گناہ کی معافی ہے نہ کہ بدعقیدگی کی۔ یہاں اصل مقصود یہی ہے۔ یعنی جو غلطی سے برے عقائد اختیار کر لے اس کی پکڑ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نسیان یعنی بھول چوک اور خطا معاف ہے مگر مسئلہ سے بے خبری معاف نہیں یا گناہ صغیرہ ہلکا جان کر کرتے رہنا معاف نہیں۔ متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالتے وقت شیطان پہلے سنت و مستحب کی دیوار توڑتا ہے۔ پھر واجبات کی پھر فرائض کی پھر عقائد کی پہلی دیوار مضبوط کرو۔ یا خطاء" بدعقیدگی اختیار کر لینا معاف نہیں۔ معاف اور چیز ہے پکڑ کسی اور چیز پر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا صرف اسلام ہی کو پسند کرتا ہے تو مسلمانوں کا خدا ہوا نہ کہ سارے جہان کا اسے چاہئے کہ سب بندوں کو پسند کرے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اسلام رب کی اطاعت ہے اور کفر اس کی نافرمانی اور اطاعت کو پسند کرنا نافرمانی سے ناراض ہونا عین انصاف ہے۔ شائد آریوں کا بھگوان گائے پوجنے والوں اور گائے کھانے والے ملیچھوں سب ہی کو پسند کرتا ہوگا۔ اسلام میں ایسی اندھیر نگری اور چوپٹ راج نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** دل میں ایمان چاہئے مولویوں نے شکل پر پابندی کیوں لگا دی؟ **جواب:** صورت اور سیرت دونوں درست کرنا ضروری ہیں۔ اچھا کھانا اچھے ہی برتن میں کھاؤ۔ صورت شاخیں ہیں اور دل جڑ۔ دونوں کی ہی اصلاح کرو "اسلامی زندگی" کا مطالعہ کرو۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدعت بڑی بری چیز ہے۔ دیکھو جن لوگوں نے ترک گوشت کو ضروری جانا ان پر عتاب آ گیا۔ ایسے ہی جو کوئی غیر شرعی چیز کو ثواب جانے وہ گمراہ ہے (اشرف علی تھانوی تفسیر)۔ **جواب:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی غیر ممنوع چیز کو ممنوع جانے وہ بے دین ہے اونٹ کا گوشت منع نہ تھا اسے حرام جاننا گناہ ہوا۔ امور خیر میلاد وغیرہ منع نہیں۔ انہیں منع سمجھنا بے دینی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

بدعت حسنہ اچھی چیز ہے۔ جیسے قرآن کے اعراب یا مدرسہ دیوبند۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت میں عام لوگوں کو عام خطاب ہے اور خاص لوگوں کو خاص۔ خطاب عام تو وہ ہے جس کی تفسیر حدیث شریف میں ہوئی کہ مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مومن وہ جس سے لوگ امن میں رہیں۔ خطاب خاص' خاص لوگوں سے ہے کہ اے لوگو اپنے ظاہری و باطنی سارے اعضاء کو اسلام میں داخل کر دو کہ سب سے رضائے الٰہی کا کام لو۔ آنکھ سے ایمانی چیزیں دیکھو۔ کان سے ایمانی آوازیں سنو۔ منہ سے اسلامی غذائیں کھاؤ اور شرمگاہ اسلامی اجازت پر کام میں لاؤ۔ ہاتھ سے ایمانی چیزیں پکڑو۔ اور پیر سے ایمانی جگہ میں جاؤ۔ بلکہ کسی عضو کو بھی بیکار کام میں خرچ نہ کرو۔ اسی طرح باطنی اجزاء کہ نفس کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرو بری عادتیں چھوڑ کر اچھے صفات پیدا کرو تاکہ ارجعی الی ربک کا خطاب پاؤ۔ اسی طرح قلب کو نفسانی اخلاق سے بچا کر روحانی اخلاق سے موصوف کرو۔ روح کو اخلاق اللہ سے متصف بناؤ۔ ماسوای اللہ سے بچاؤ اللہ کا بنا دو۔ اپنے سر کو فنا فی اللہ کر کے باقی باللہ بنا دو۔ ظاہری کام تو منافقین کے بھی درست تھے۔ باطن سنبھالنا مردوں کا کام ہے۔ انکار اور غرور شیطانی راستے ہیں اس سے بچو اور شیطان تمہاری فطرت کا دشمن ہے وہ تمہارا فطری نور بجھانا چاہتا ہے اس کی کوشش ہے کہ تم نور سے نار میں آجاؤ۔ اے مسلمانو! اگر تم تجلیات دیکھ کر بھی راہ مولیٰ سے پھسل گئے تو یاد رکھو کہ رب کی بارگاہ بڑی عزت ہے وہاں تک پہنچنا ہر ذلیل اور کم ہمت کا کام نہیں اور وہ حکمت والا بھی ہے اہل ہی کو اپنے تک پہنچاتا ہے نااہلوں کا وہاں کام نہیں۔ اگر وہاں کا شوق ہے تو اپنے میں اہلیت پیدا کرو۔ اس تمام کی تفسیر یہ دو شعر ہیں۔

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا — حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں
سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر — تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

دوسری تفسیر : مومن کا ابتدائی دور تو یہ ہے کہ وہ اسلام میں پورا پورا آجائے اور انتہائی دور یہ ہے کہ اسلام اس میں پورا پورا آجائے کہ نور اسلام اس کی رگ رگ میں سرایت کر جائے روٹی آگ میں گئی تو صرف گرم ہو کر پک گئی مگر آگ نہ بن سکی۔ کوئلہ میں آگ گئی تو کوئلہ خود آگ بن گیا کہ اس کا نام کام رنگ روپ سب آگ کا سا ہو گیا کالا تھا سرخ ہو گیا ہاتھ یا کپڑے پر پہنچا تو اسے جلا دیا۔ ایسے ہی اگر تم میں اسلام آگیا تو تم سراپا نور ہو جاؤ گے کہ جہاں بیٹھو گے آگ لگا دو گے۔ جہاں دفن ہو گے وہاں میلے لگ جائیں گے جس جگہ بیٹھ جاؤ گے وہ جگہ نور بن جائے گی۔

جس طرف کو اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے — میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

چور اندھیری کوٹھڑی میں چوری کرتا ہے اگر نور ایمانی رگ رگ میں رچ جائے تو شیطان چوری نہ کر سکے۔ صوفیاء کرام کا قاعدہ تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہمارے پاس چار چیزیں ہیں۔ جسم' دل' دماغ' روح اور اسلام میں بھی چار چیزیں ہیں۔ شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت اسلام میں پورے آجانے کے معنی یہ ہیں کہ جسم پر شریعت دل میں طریقت دماغ میں حقیقت اور روح میں معرفت رچ جائے اس وقت مومن تو آئینہ ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دار' آئینہ کا فوٹو اپنے اصل کی نقل ہوتا ہے کہ اصل پر جو حرکت و سکون طاری ہوتا ہے وہی آئینہ کے عکس پر طاری ہوتا ہے۔ اسی طرح مومن کے جسم و دل و دماغ و

www.alahazratnetwork.org

روح پر وہ واردات طاری ہوتی ہیں جو اس مدینے والے سرکار کی طرف سے وارد ہوں۔

تیسری تفسیر: مسلمانو! تم اپنے جان و مال رب کے ہاتھ فروخت کر چکے اب اسے سپرد بھی کردو کہ ہر کام میں اسی کی اطاعت کرو۔ شیطان تمہارا فطری دشمن ہے کہ وہ ناری ہے تم نوری۔ وہ تمہارے پاس دوستانہ شکل میں آکر تمہیں خیانت پر آمادہ کرے گا۔ خبردار امانت میں خیانت نہ کرنا۔ اگر تم نے تسلیم سے سر پھیرا تو خدا غالب ہے جبراً اپنی چیز تم سے لے گا اور پھر تمہیں کچھ ثواب بھی نہ ملے گا (ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا پھسلن بھی ہے اور یہاں اندھیرا بھی جب راستہ میں پھسلن اور اندھیرا دونوں ہوں تو مسافر کو ایک لاٹھی بھی چاہئے جس کی ٹیک سے وہ پھسلنے سے بچے اور روشنی کی بھی ضرورت ہے تاکہ غار، خار وغیرہ میں پھنس نہ جائے۔ عشق مصطفوی دنیا کی شمع ہے اور شریعت مصطفوی یہاں کی لاٹھی اگر مسافر کے پاس یہ دونوں چیزیں ہیں تو انشاءاللہ بخیریت منزل مقصود پر پہنچ جائے گا لیکن اگر ان دونوں سے الگ رہا تو پھسل کر غار میں گرے گا خار میں الجھے گا اسی لئے رب نے فرمایا **فان زللتم من بعد ما جاء تکم البینت الخ**۔

ذرۂ عشق نبی از حق طلب سوز صدیق و علی از حق طلب

یعنی جب تمہارے پاس یہ دونوں چیزیں بھیج دیں تم پھر بھی ان سے کام نہ لو اور پھسل جاؤ تو تمہاری سخت پکڑ ہوگی۔ یہاں بینات سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کیونکہ حضور حق و باطل نیک و بد میں ایسا فرق فرماتے ہیں جیسے کسوٹی کھرے کھوٹے سونے میں اسی لئے حضور کا نام بینات بھی ہے یعنی روشن دلائل کا مجموعہ کہ آپ کی ہر بات ہر ادا روشن دلیل ہے جو آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کی پیروی کرے وہ ایسا ہی بے وقوف ہے۔ جیسے دھوپ میں بیٹھ کر چراغ سے کتاب پڑھنے والا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ
نہیں انتظار کرتے ہیں وہ مگر اس کا کہ آئے اُن کے پاس اللہ بیچ سائبانوں بادلوں کے اور
کاہے کے انتظار میں ہیں مگر یہی کہ اللہ کا عذاب آئے چھائے ہوئے بادلوں میں اور فرشتے
وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾
فرشتے اور فیصلہ کیا جائے معاملہ کا۔ اور طرف اللہ کے ہی لوٹائے جاتے ہیں معاملات۔
اتریں اور کام ہو چکے اور سب کاموں کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں جان بوجھ کر غلط راستہ اختیار کرنے سے روکا گیا تھا۔ اب اس کی سزا کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر انہوں نے اب بھی گمراہی اختیار کی تو عذاب کی سزا دی جائے گی۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ حقانیت اسلام کی روشن دلیلیں آچکیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جو اب بھی ایمان نہ

www.alahazratnetwork.org

لائے شاید وہ اللہ اور فرشتوں ہی کے دیکھنے کا منتظر ہے مگر اس کا دیکھنا ان کے لئے بہتر نہیں پھر فیصلہ ہی ہو جائے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب کے قہر' غلبہ اور حکمت کا ذکر ہوا۔ اب اس کی قدرے تفصیل ہو رہی ہے۔

تفسیر: **هل ينظرون** ہل سوال بمعنی نفی ہے۔ **ينظرون** نظر سے بنا جس کے معنی ہیں دیکھنا' غور کرنا' انتظار کرنا' یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی کفار اس قدر دلائل سن چکنے کے بعد بھی ایمان قبول نہیں کرتے۔ اب انہیں اور کسی چیز کا انتظار نہیں۔ **الا ان ياتيهم الله** ظاہر یہ ہے کہ یہاں امر یا عذاب پوشیدہ ہے کیونکہ اللہ جانے آنے سے پاک ہے۔ یعنی مگر یہ کہ ان پر اللہ کا عذاب یا حکم ہلاکت آجائے۔ اور ممکن ہے کہ کوئی مضاف پوشیدہ نہ ہو اور باعتبار عقیدہ یہود یہ کلام فرمایا جا رہا ہو کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم بغیر رب کو دیکھے آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب علیہ السلام یہ تو آپ پر ایمان لانے کے لئے بھی اسی بات کے منتظر ہوں گے کہ رب کو دیکھیں پھر آپ کو مانیں (کبیر)۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے قیامت مراد ہو۔ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن رب تعالیٰ بادلوں میں سے عرش سے کرسی کی طرف تجلی فرمائے گا (درمنثور)۔ یہ بھی احتمال ہے کہ **ياتى** لانے کے معنی میں ہو اور "فی" ظلل میں فی بمعنی ب ہو یعنی یہ اسی انتظار میں ہیں کہ اللہ ان پر کالے بادل اور ملائکہ بھیجے (کبیر)۔ **فى ظلل من الغمام** ظلل ظلۃ کی جمع ہے جیسے قلہ کی جمع قلل۔ سایہ کو ظل اور سایہ کرنے والی چیز یعنی سائبان کو ظلہ کہتے ہیں۔ مگر قرآن کریم میں یہ عذاب ہی کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **عذاب يوم الظلة** یا جیسے **ظلل من النار** یا جیسے **موج كالظلل** غمام غم سے بنا بمعنی چھپنا اور ڈھانپنا۔ رنج کو اسی لئے غم کہا جاتا ہے کہ وہ دل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اصطلاح میں غمام اکثر سفید بادل کو اور کبھی ہر بادل کو کہہ دیتے ہیں (روح المعانی)۔ یعنی اللہ کا عذاب سائبان کی طرح چھائے ہوئے بادلوں میں آئے۔ من بیانیہ ہے۔ اور غمام ظلل کا بیان ہے اور ہو سکتا ہے کہ من ابتدائیہ ہو۔ **والملئكة** یہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور اس سے عذاب کے فرشتے مراد ہیں۔ یعنی یا تو ان پر عذاب ہی آجائے یا عذاب کے فرشتے۔ **وقضى الامر** یہ یاتی پر معطوف ہے اور قضا بمعنی پورا کرنا ہے۔ امر سے مراد ان کی ہلاکت کا فرمان یا حساب و کتاب یعنی ان سب کا کام تمام کر دیا جائے یا قیامت کا حساب کتاب ختم ہو جائے **والى الله ترجع الامور** الی اللہ کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اور امور سے خلق کا حساب اور ان کے سارے اعمال مراد ہیں یعنی مخلوق کے اعمال ان کے سارے حساب و کتاب کا رجوع صرف اللہ ہی کی طرف ہے نہ کہ کسی اور کی طرف بندوں کو چاہئے کہ اس سے ڈریں اور اسی کی عبادت کریں کیونکہ اس کی پکڑ سے کوئی چھڑانے والا نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار حقانیت اسلام کے دلائل سن کر بلکہ قرآن اور صاحب قرآن کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔ تو اب صرف اسی انتظار میں ہیں کہ عذاب کے بادل ان پر چھا جائیں۔ جنہیں یہ رحمت سمجھ کر خوش ہوں اور اس سے ان پر عذاب آئے اور عذاب کے فرشتے بھی ان پر اتریں اور ان کا کام تمام کر دیا جائے۔ اب بجز عذاب اور کوئی چیز انہیں ہدایت نہیں دے سکتی۔ مگر عذاب دیکھ کر ایمان لانا بیکار۔ تمام کاموں کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔ یہ کس کے بھروسے پر اس کی مخالفت کر رہے اس کی پکڑ سے انہیں کون بچائے گا۔

دوسری تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار دنیا میں تو ایمان لانے کے نہیں۔ اب انہیں قیامت کا انتظار ہے۔ جبکہ

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ بادلوں میں عرش سے کرسی پر تجلی فرمائے گا اور حساب کے فرشتے ان کے سامنے آئیں گے اور کفار کے عذاب اور مومنوں کے ثواب کا فیصلہ کر دیا جائے گا۔ تب یہ چیخیں گے اور چلائیں گے اور ایمان لائیں گے اور دنیا کی طرف لوٹنا چاہیں گے مگر اس وقت کی ساری کوششیں بیکار ہوں گی۔ تمام معاملات کا تعلق پروردگار سے ہے۔ اوھر ہی سے سارے احکام جاری ہوتے ہیں پھر یہ کس کے بھروسے پر اس سے بگاڑ رہے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بدبخت کے لئے دلائل بیکار ہیں اس کا انجام عذاب نار ہے۔ جیسے کہ اصلی اور عارضی نور مل کر چیز نظر آتی ہے کہ نہ اندھا کچھ دیکھ سکے نہ اندھیرے میں انکھیارا۔ آنکھ اور سورج یا چراغ کی دونوں روشنیاں ضروری ہیں ایسے ہی دل اور دلیل دونوں کی روشنی چاہئے۔ بے بصیرت اور بے رہبر بھی مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔ **دوسرا فائدہ:** بے وقوف بھی مان جاتا ہے مگر اس وقت جب ماننا کام نہیں آتا۔ ہر کافر عذاب یا موت دیکھ کر ایمان لائے گا مگر بے فائدہ۔

آنچہ دانا کند کند ناداں! لیک بعد از خرابی بسیار!

تیسرا فائدہ: جن آیتوں کے ظاہری معنی نہ بن سکیں ان میں تاویل ضروری ہے۔ چونکہ رب کے لئے آنا اور جانا ناممکن لہٰذا یہاں تاویل کر کے عذاب کا آنا مراد لیا گیا۔ بلکہ بعض علماء نے اسے متشابہات میں قرار دیا (روح البیان)۔

پہلا اعتراض : یہاں بادل کی قید کیوں لگائی گئی کہ اللہ کا عذاب بادلوں میں آئے۔ **جواب:** اس لئے کہ بادل سے رحمت یعنی بارش آتی ہے۔ ادھر سے عذاب آنا بہت تکلیف اور مایوسی کا سبب ہے۔ جہاں خیر کی امید ہو وہاں سے بلا آنے میں بہت مصیبت ہوتی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام معاملات کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے حالانکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی قیامت میں خلقت رجوع کرے گی۔ ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** وہ بھی رب ہی کی طرف رجوع ہے شاہی حاکم کے پاس جانا در حقیقت بادشاہ ہی کے پاس جانا ہے کہ وہ اسی لئے مقرر کیا ہوا ہے نیز ان کے پاس جانا اسی غرض سے ہے کہ وہ رب تک پہنچا دیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ جاء وک کی تفسیر میں عرض کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ : جو راہ محبت کا مسافر ادھر سے بہک جائے اور رب کے قائم کئے ہوئے نشانات نہ دیکھے وہ اسی کا منتظر ہے کہ رب تعالیٰ صفات قہریہ کے پردے سے تجلی فرمائے اور آسمانی بلاؤں کے فرشتے اس پر نازل ہوں اور جو ناکامی اور محرومی اس کے مقدر میں تھی اس کا فیصلہ ہو کر ظہور میں آجائے۔ چاہئے کہ پھسلنے کے بعد بھی رب کے قائم کئے ہوئے نشانات کے ذریعے راستہ کا پتہ لگا لے۔ محبوبان خدا نشان ہدایت ہیں۔ اور اس سے غافل کرنے والی چیزیں پھسلن والجھن لہٰذا چاہئے کہ اس راستہ میں کاملین کے قدم بہ قدم چلے (از روح البیان و ابن عربی)۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : جو چیزیں ظاہری حواس سے معلوم نہ ہو سکیں انہیں دلیل دکھاتی ہے اور دل دیکھتا ہے مگر دلیل سے دل جب ہی دیکھ سکتا ہے جبکہ دل میں خود روشنی یعنی بصیرت ہو بغیر بصیرت دلیل بیکار ہے جیسے سورج دکھاتا ہے اور آنکھ دیکھتی ہے مگر کب جبکہ خود آنکھ میں بھی روشنی اور بصارت ہو دیکھو معجزات نبوت کی دلیل ہوتے ہیں مگر وہ صحابہ کے کام آئے

www.alahazratnetwork.org

ابو جہل ان سے فائدہ نہ اٹھا سکا پھر جیسے آنکھ کی بعض بیماریاں آنکھ کی روشنی ضائع کر دیتی ہیں ایسے ہی حسد و بغض ' کینہ و عناد ' وغیرہ دل کو اندھا کر دیتی ہیں اور جیسے بعض سرمے دوائیں آنکھ کی بینائی بڑھا دیتی ہیں۔ ایسے ہی خاک در اولیاء دل کی بصیرت زیادہ کر دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء ' تابہ بینی ز ابتداء تا انتہاء

نیز رب کے اس کے رسول کے فرمان ہدایت کے نشان ضرور ہیں۔ مگر فیضان کے بغیر یہ سب غیر مفید۔ جیسے پاور کے بغیر بجلی کی فٹنگ بیکار ہے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ یہ غیبی فیضان اس دل پر آتا ہے جہاں نرمی و عاجزی فروتنی ہوتی ہے۔ مٹی نرم ہو کر برتن بن سکتی ہے ' لوہا نرم ہو کر مشین کا پرزہ بنتا ہے ' زمین نرم ہو کر کاشت کے قابل ہوتی ہے ' انسان کا دل نرم ہو جائے تو وہ ولی غوث قطب بن سکتا ہے۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جن بدبختوں کو تمہاری نصیحت کام نہ دے کہ وہاں فیضان نہ ہو تو اس پر عذاب ہی آئے گا۔

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ كَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍؕ وَ مَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ

پوچھو بنی اسرائیل سے کتنی دیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئی اور جو بدلے نعمت اللہ

بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن نشانیاں انہیں دیں اور جو اللہ کی طرف سے آئی ہوئی

اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ (۲۱۱)

کی پیچھے سے اس کے کہ آئیں اُن کے پاس۔ پس تحقیق اللہ سخت عذاب والا ہے۔

نعمت کو بدل دے تو بے شک اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب کی قائم کردہ دلیلوں پر غور نہ کرنا اور اس کی نعمتوں کی ناقدری کرنا بدبختی کی دلیل اور سزا کا باعث ہے۔ اب ایک واقعہ سنا کر اس کی شہادت دی جا رہی ہے کہ پہلے بنی اسرائیل نے بھی یہی حرکتیں کیں۔ دیکھ لو ان کا کیا حال ہوا۔ اس سے عبرت پکڑو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ عزیز و حکیم ہے یعنی اس کا فیصلہ نہ تو رشوت یا زبردست سفارش سے ٹل سکتا ہے کیونکہ وہ عزیز ہے اور نہ کوئی قابل وکیل اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی کر سکتا ہے کیونکہ وہ حکیم ہے لہذا اس کی پکڑ سے بچنے کی کوئی سبیل نہیں۔ اب اس کے ثبوت میں گذشتہ بنی اسرائیل کا واقعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مشرکین و کفار کی رعایت کرنے والے مسلمین کو ہدایت کی گئی تھی۔ اب اہل کتاب کا ایک واقعہ سنا کر انہیں ڈرایا جا رہا ہے کہ اپنی موجودہ نعمت پر دھوکہ نہ کھاؤ۔ ہمیں دے کر چھیننا بھی آتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** بادشاہوں کا قاعدہ ہے کہ پہلے قانون کی اشاعت کرتے ہیں پھر خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا اعلان ' پھر اس سزا کی مثال کہ فلاں قوم نے خلاف قانون حرکت کی تو انہیں یہ سزا ملی۔ رب تعالیٰ نے پہلے قانون بیان فرمایا کہ مسلمان پختہ مسلمان بنیں پھر خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا بیان کیا اب اسی سزا کی مثال دی جا رہی

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ بنی اسرائیل نے اسلام میں کفر ملا تو انہیں یہ سزا ملی۔

تفسیر: **سل بنی اسرائیل** سل' اسئل' سے بنا۔ درمیانی ہمزہ کا زبر سین کو دے کر پہلا ہمزہ گرا دیا گیا تخفیف کے لئے۔ یا تو حضور علیہ السلام کو خطاب ہے یا ہر قرآن شریف پڑھنے والے کو اور اس سوال سے پوچھنا منظور نہیں بلکہ ان سے اقرار کرانا مقصود ہے۔ جیسے کوئی آقا نافرمان غلام کے سامنے کسی سے کہے کہ تم اس کمبخت سے پوچھو کہ میں نے اس پر کتنے احسانات کئے اور اگر ہر مسلمان سے خطاب ہے تو مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانوں ان بنی اسرائیل کی تواریخ کا مطالعہ کرو۔ ان کے علماء سے دریافت کرو کہ ان پر ہم نے کیا احسان کئے اور انہوں نے کیسی ناشکریاں کیں تاکہ تمہیں عبرت ہو۔ دوسروں کی حالت سے تم عبرت لو تاکہ دوسرے تمہاری حالت سے عبرت نہ لیں۔ بنی اسرائیل سے یا تو عام موجودہ بنی اسرائیل مراد ہیں یا ان کے تاریخ دان علماء یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانو! ذرا ان بنی اسرائیل سے یہ تو پوچھو۔ ان لوگوں کا مذہبی و دینی نام تو ہے 'یہود اور نصاریٰ کیونکہ انہوں نے کہا تھا **انا ھدنا الیک** اور عیسائیوں نے کہا تھا **نحن انصار اللہ** اور قومی نام ہے۔ بنی اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کی اولاد لفظ یہود میں سارے موسوی داخل ہیں خواہ کسی قوم سے ہوں اور لفظ نصاریٰ میں سارے عیسائی داخل خواہ کسی جماعت کے ہوں مگر لفظ بنی اسرائیل میں صرف اولاد یعقوب داخل ہو گی۔ چونکہ اولاد نبی ہونا رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ انہیں اس خطاب سے پکارتا ہے۔ یہ لوگ ایک زمانہ میں سارے جہاں سے افضل رہے ہیں۔ صرف اولاد انبیاء ہونے کی وجہ سے رب فرماتا ہے۔ **انی فضلتکم علی العلمین**' **کم اتینھم من ایتہ بینتہ** کم اصل میں کما تھا الف گرا کر میم کو ساکن کر دیا گیا۔ کاف تشبیہ اور ما استفہامیہ ہے۔ اس سے عدد کا سوال یا اس کی خبر دی جاتی ہے بمعنی کتنا اور اتنا ظاہر یہ ہے کہ یہ استفہامیہ ہے (کبیر)۔ آیت سے مراد یا تو گذشتہ پیغمبروں کے معجزات ہیں۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا' ید بیضا' فرعونیوں پر مینڈک' خون' جوں وغیرہ کا عذاب یا رب تعالیٰ کے انعامات جیسے فرعون کا غرق کرنا۔ دریا کا چیرنا میدان تیہ میں ان پر بادل سے سایہ کرنا۔ من سلویٰ اتارنا' پہاڑ اکھیڑنا' موسیٰ علیہ السلام سے رب کا کلام فرمانا توریت دینا' ان کے لئے پتھر سے پانی جاری کرنا وغیرہ یہ تمام چیزیں اگرچہ ان کے باپ دادوں کو ملیں مگر چونکہ یہ ان کی اولاد تھے تو گویا ان کو بھی ملیں یا آیت سے توریت شریف یا توریت کی آیتیں یا قرآن پاک یا رب تعالیٰ کے دلائل قدرت مراد ہیں چونکہ یہ تمام چیزیں گمراہی سے نجات دینے والی ہیں اس لئے انہیں نعمت بھی فرمایا گیا یعنی ہم نے انہیں کتنی بہت سی کھلی نشانیاں یا کھلی ہوئی نعمتیں عطا فرمائیں مگر ان بد نصیبوں نے صرف لاپرواہی نہ کی بلکہ انہیں بدل بھی ڈالا۔ مگر یاد رکھیں کہ **و من یبدل نعمتہ اللہ** تبدیل سے بنا بمعنی بدل دینا۔ کسی چیز کی حالت بدل دینے کو تغیر کہتے ہیں اور اصل بدل دینے کو تبدیل۔ نعمت اللہ سے مراد یا توریت کی آیتیں ہیں کہ انہوں نے ان میں تحریف کی یا پچھلی نعمتیں جو ان کی ناشکری کی وجہ سے بدل دی گئیں۔ من و سلویٰ کے عوض ساگ پات دیا گیا۔ مصر کی بادشاہت کے عوض دوسروں کا غلام بنایا گیا۔ نبوت کی ناقدری کی وجہ سے ولایت بھی ہاتھ سے گئی وغیرہ یا نعمت سے تندرستی' فراغت' عیش و آرام مراد ہیں۔ جس کی ناشکری میں یہ دن رات مشغول یعنی جو کوئی اللہ کی دی ہوئی نشانیاں یا رحمتیں یا آیتیں یا کتابیں یا دلائل بدلے یا گناہ کر کے انہیں بدلوائے **من بعد ما جاءتہ** بے خبری میں نہیں بلکہ ان کے پہنچ جانے انہیں پہچان لینے کے بعد جان بوجھ کر تو **فان اللہ شدید العقاب** اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ جس سے چھٹکارا ناممکن۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! تم موجودہ بنی اسرائیل سے تو پوچھو کہ ہم نے انہیں کتنی نشانیاں دی تھیں اور ان پر کتنی رحمتیں کی تھیں۔ ہزاروں پیغمبر ان میں بھیجے۔ توریت 'زبور' انہیں پر اتاریں۔ آسمانی صحیفے انہیں کو دیئے۔ اولیاء ان میں پیدا کئے۔ نیز فرعون کی مصیبت سے انہیں کو نجات دی۔ دولت 'عزت 'شوکت 'حشمت 'سلطنت انہیں عطا ہوئی۔ من و سلویٰ انہی پر اترا۔ مقام تیہ میں صدہا طریقہ سے ان کی دستگیری کی۔ انہیں کی خاطر فرعون اور فرعونیوں کو غرق کیا۔ مگر انہوں نے ہمیشہ رب کی نعمتیں بدلیں یا گناہ کرکے بدلوائیں موسیٰ علیہ السلام سے بت پرستی کی اجازت مانگی۔ توریت ماننے سے انکار کیا۔ انہیں قسم قسم کی تہمتیں لگائیں اور پیغمبروں کو قتل کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی کوشش کی۔ کتابوں کو بدل ڈالا۔ من و سلویٰ خود کہہ کر بند کرایا غرضیکہ ہمیشہ اوندھے ہی چلے۔ جس قدر ان کی ناز برداری کی گئی۔ اسی قدر انہوں نے نئے نئے انداز سے نافرمانی ہی کی۔ اور جو کوئی ناشکری کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے سزا بھی سخت دیتا ہے۔ چنانچہ دیکھ لو۔ اب ان کا کیا حال ہے مگر ان کی آنکھ اب بھی نہیں کھلتی۔ مسلمانو ان سے عبرت پکڑو اور ان کی صفات سے بچو۔ خیال رہے کہ تبدیلی نعمت تین طرح ہوتی ہے۔ (1) نعمت قبول نہ کرنے سے۔ (2) اس کو ظاہر یا خفیہ بدل دینے سے۔ (3) اس کا شکر ادا نہ کرنے سے۔ بنی اسرائیل نے یہ تینوں ہی حرکتیں کیں۔ لہٰذا انجام یہ ہوا کہ بجائے عزت و عظمت کے **ضربت علیھم الذلۃ والمسکنۃ**۔ ان پر ہمیشہ کی ذلت اور خواری ڈال دی گئی کہ انہیں کہیں ٹھکانا ہی نہیں ملتا اور قیامت تک کے لئے ان پر سختی کرنے والے بادشاہ مقرر ہوتے رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پوچھنا ہمیشہ جاننے کے لئے نہیں ہوتا۔ اور نہ یہ بے علمی کی دلیل۔ رب تعالیٰ بھی قیامت میں کفار سے ان کے گزشتہ اعمال کا سوال فرمائے گا۔ فضلاء دیوبند اس آیت سے نصیحت حاصل کریں کہ وہ پوچھنے کو بے علمی کی دلیل سمجھتے ہیں۔ دوسرا فائدہ: نعمت کی ناشکری اس کے چھن جانے کا ذریعہ ہے۔ ہر نعمت کی قدر کرنی چاہئے مگر ہر نعمت کی قدر جدا گانہ ہے۔ تیسرا فائدہ: انبیائے کرام کی صفات گھٹانا اور ان کی شان میں بکواس بکنا نعمت الٰہی کی تبدیلی ہے اور بیہودانہ حرکت نہ معلوم وہابیوں 'دیوبندیوں کو یہ میراث کہاں سے ملی۔ یہ جرم قابل معافی نہیں۔ چوتھا فائدہ: تبدیلی نعمت بے علمی سے جرم ہے اور جان بوجھ کر سخت جرم۔ اسی لئے گنہگار یا بے عمل عالم جاہل سے بد تر ہے اور اس کا عذاب بھی سخت۔ پانچواں فائدہ: نصیحت کے لئے گزشتہ قصے سننا سنانا سیکھنا بہت ضروری ہیں۔ تاکہ لوگوں کو عبرت اور نصیحت حاصل ہو۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ اپنے کسی خاص بندے پر دروازہ ملکوت کھول دیتا ہے اور اسے ملک اور ملکوت کی بعض نشانیاں دکھا دیتا ہے۔ اگر وہ اس حال میں صحیح رہے تو آگے ترقی کرتا ہے مگر کبھی بعض بندے اس حالت پر فخر اور غرور کرنے لگتے ہیں۔ اور اظہار کرامات اور خرق عادات نفسانی شہوات کے لئے کرتے ہیں۔ یعنی اپنے اس کمال کو دنیا حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ اس صورت میں ان کی یہ نعمت چھن جاتی ہے اور ان کا حال بدل جاتا ہے۔ ان کا کمال جاتا رہتا ہے۔ اس کا ذکر قرآن کریم نے اس طرح فرمایا کہ رب تعالیٰ کسی قوم کا حال اس وقت تک نہیں بدلتا جب تک وہ اپنا حال خود نہ بدل لیں۔ اسی طرح جو کوئی گناہ صغیرہ کرکے توبہ نہ کرے تو پھر آئندہ گناہ کبیرہ کی جرات اس میں پیدا ہوتی ہے۔ اگر اس کی بھی پرواہ نہ کرے تو دنیوی و

www.alahazratnetwork.org

اخروی نعمتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ اسی طرح جو عالم یا شیخ طریقت اپنے علم اور تقویٰ کو دنیا سازی کا ذریعہ بنالے وہ بھی علم کے فوائد سے محروم رہتا ہے اور یہ علم اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے اور وہ **واضلہ اللہ علی علمہ** کے ماتحت آتا ہے۔ یہ تمام صورتیں تبدیلی نعمت کی ہیں یہ نہ سمجھو کہ یہ آیت صرف بنی اسرائیل ہی کے لئے ہے۔ ہمیشہ رب کی پناہ مانگو اور اپنے علم و عمل پر بھروسہ نہ کرو (از روح البیان)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی نعمتوں پر اگر فخر کیا جائے تو رحمتیں ہیں اور اگر شکر کیا جاوے تو رحمتیں بنی اسرائیل کے لئے وہ نعمتیں عذاب کا باعث اس لئے بن گئیں کہ انہوں نے ان پر فخر کیا۔ شکر نہ کیا تبدیلی نعمت کے معنی یہ ہیں کہ بندہ ایسی حرکتیں کرے جس سے رب تعالیٰ نعمتیں چھین لے یا تو اس طرح کی نعمتیں پا کر رب سے غافل ہو جائے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

یا اس طرح کہ رب کی نعمتوں کو اپنے کمال سے سمجھے نہ کہ عطاء ذوالجلال سے قارون اس لئے ہلاک ہوا کہ اس نے اپنے خزانوں کے متعلق کہا تھا **انما اوتیتہ علی علم** مجھے یہ خزانے میرے علم کی فراوانی کی وجہ سے ملے اگر ان پر خدا کا شکر کرتا نفع میں رہتا بنی اسرائیل کو رب تعالیٰ نے تمام عالم پر بزرگی دی تھی وہ سمجھے کہ اس میں ہمارا کمال ہے اس لئے وہ بزرگی ذلت سے بدل گئی۔

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ
زینت دی گئی واسطے ان کے جنہوں نے کفر کیا زندگی دنیاوی اور دل لگی کرتے ہیں ان سے جو ایمان لائے اور جو
کافروں کی نگاہ میں دنیا کی زندگی آراستہ کی گئی اور مسلمانوں سے ہنستے ہیں اور ڈر والے ان سے اوپر ہوں گے
اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾
پرہیزگار ہوئے اوپر ان کے ہیں دن قیامت کے۔ اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے بغیر حساب کے۔
قیامت کے دن اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کا حال بیان ہوا کہ انہوں نے رب کی نعمتیں بدلیں۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ان تمام بدکاریوں کی وجہ محبت دنیا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ دلائل نہ ماننے والے عذاب یا قیامت کے انتظار میں ہیں۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ان کی غفلت اس حد تک پہنچ گئی کہ اپنی دنیوی نعمتوں کو دلیل حقانیت سمجھنے لگے اور مسلمانوں کی بے سروسامانی کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل بنانے لگے۔ ایسے عاقلوں کی ہدایت کی کیا امید۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابوجہل اور دیگر سرداران قریش حضرت بلال و عمار و خباب وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

فقرائے مسلمین کا مذاق اڑاتے تھے کہ اگر رب ان سے راضی اور ہم سے ناراض ہے تو انہیں فقیر اور ہمیں امیر کیوں کیا۔ اس پر یہ آیت اتری (کبیر و روح المعانی) مگر یہ قول کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ سورہ بقر پوری مدنیہ ہے اور اس صورت میں یہ آیت مکیہ ہوگی لہذا اگلی دو روایتیں ہی قوی ہیں اور یہ آیت مدنیہ ہی ہے نیز اس سے پہلے یہود و نصاریٰ کا ذکر ہو رہا تھا اب بھی انہی کا چاہئے ورنہ آیت کچھ بے ربط سی ہو جائے گی۔ واللہ و رسولہ اعلم۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب مہاجرین مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ پہنچے۔ جن میں بعض بڑے مالدار تھے مگر وہاں پہنچ کر ایک دم غریب ہوگئے کیونکہ سارا مال مکہ ہی میں چھوڑ گئے تھے تو رؤسائے یہود نے انہیں بے عقل کہہ کر ان کا مذاق اڑایا کہ یہ کون سی عقلمندی ہے کہ امیری پہ لات مار کے دین کی خاطر غریبی لے لی جائے۔ تب یہ آیت اتری۔ حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ جو اپنے کو عقلمند اور غریب مسلمانوں کو بے وقوف بتا کر ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ ممکن ہے کہ اس کا نزول ان سارے ہی موقعوں پر ہو (کبیر)۔

تفسیر: **زین للذین کفروا الحیوۃ الدنیا**۔ زین کا مصدر تزئین اور مادہ زان یا زین ہے۔ جس کے معنی ہیں کسی چیز کا حسن ظاہر کرنا۔ قول سے ہو یا فعل سے یعنی زینت دینا۔ ظاہر یہ ہے کہ زینت دینے والا رب تعالیٰ ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا **انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لها لنبلوهم**۔ یعنی ہم نے زمین کی چیزوں کو خوشنما بنایا تاکہ لوگوں کا امتحان لیں۔ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے بعض نے کہا کہ زینت دینے والے شیطان یا کفار یا نفس ہیں۔ جیسا کہ ایک اور آیت میں ہے **زین لهم الشیطن ما کانوا یعملون** اور دوسری جگہ ہے **زین لکثیر من المشرکین قتل اولادهم شرکاؤهم**۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا کو خوشنما دکھانا شیطان یا بتوں کا کام ہے۔ کیونکہ یہ عیب ہے اور رب تعالیٰ عیب سے پاک۔ اس کا جواب تو انشاء اللہ ہم اعتراض و جواب میں دیں گے۔ یہاں اتنا سمجھو کہ فرمایا گیا ہے کہ '**للذین کفروا**' جس میں سارے ہی کفار داخل ہیں شیاطین بھی اور سردار بھی اور دیگر کفار بھی تو چاہئے کہ زینت دینے والا کوئی اور ہو نہ کہ خود کفار۔ ورنہ دور لازم آئے گا۔ دنیا یا تو دنو سے بنا یا دناءۃ سے یعنی قریب الفنا یا حقیر چیز دنیا دو قبروں کے درمیان کی چیز کا نام ہے یعنی ماں کے پیٹ اور قبر۔ بچہ پیدا ہوا اور دنیا میں آیا' مر گیا دنیا سے چلا گیا۔ یہ زندگی برزخ کے مقابل بہت حقیر ہے اور برزخ آخرت کے مقابل معمولی ہے۔ حیوۃ دنیا سے دنیوی زندگی اور اس کے سارے ساز و سامان مراد ہیں اور زینت دینے سے ان چیزوں کا خوشنما بنانا مراد ہے۔ جس سے کفار کے دل ادھر مائل ہو جائیں یعنی کافروں کے لئے دنیوی زندگی اور یہاں کی ٹیپ ٹاپ بڑی خوشنما بنائی گئی کہ ان کو آراستہ و پیراستہ معلوم ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ یہ زندگی تین قسم کی ہے۔ دنیا میں زندگی' دنیاوی زندگی' دنیا کی زندگی' دنیا میں زندگی ہر مومن کو حاصل ہے کہ یہ دنیا میں رہتا ہے دنیا اس میں نہیں رہتی اور دنیا کی زندگی غافل کی ہے کہ دنیا اس کے دل میں اتر جاوے اور دنیاوی زندگی کفار کی ہے کہ دنیا اس کی زندگی بن جائے۔ جیسے سمندر میں موتی بھی ہے' مچھلی بھی اور پانی کی موج و بلبلے بھی مگر موتی سمندر میں ہے وہاں عارضی ہے وہاں سے نکل کر شاہی تاج میں پہنچتا ہے۔ مچھلی میں دریا سرایت کر گیا کہ پانی سے نکلتے ہی مر جاتی ہے۔ بلبلہ کی زندگی عین پانی ہے مومن دنیا میں موتی کی طرح رہتا ہے۔ غافل مچھلی کی طرح کافر بلبلے کی طرح یہاں تیسری زندگی کا ذکر ہے اسی وجہ سے **ویسخرون من الذین امنوا** یسخرون۔ سخر سے بنا۔ جس

www.alahazratnetwork.org

کے معنی ہیں کسی کو اپنے ماتحت کرلینا یا کسی پر ہنسنا اور اس کا مذاق اڑانا۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ مومنین سے یا تو فقراء مراد ہیں یا سارے مسلمان یعنی یہ کفار اپنی دنیا پر پھول کر غریب مسلمانوں سے مذاق اور دل لگی کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہوں نے دنیوی لذات چھوڑیں۔ یہاں کی راحت و کرامات پر لات ماری اور اپنے کو عبادات کی مصیبت میں پھنسالیا۔ خیال رہے کہ کبھی سخریہ کے بعد ب آتی ہے اور کبھی من مگر من سے سخت مذاق اور دل لگی مراد ہوتی ہے۔ **والذین اتقوا فوقھم یوم القیمۃ** یہ جملہ یا تو حال ہے اور واؤ حالیہ یا علیحدہ جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ تقویٰ سے یا تو برے عقیدوں سے بچنا مراد ہے یعنی ایمان اور یا بدکاریوں سے بچنا مراد یعنی پرہیزگاری۔ فوق سے یا تو جگہ کی بلندی مراد ہے یا درجہ کی۔ اور ممکن ہے کہ اس سے زیادہ مذاق مراد ہو یعنی قیامت کے دن مسلمان یا پرہیزگار اونچی جگہ یعنی جنت میں ہوں گے اور کفار نیچے یعنی جہنم میں یا دنیا میں ان کو جتنا مسلمانوں پر رتبہ ہے۔ اس سے کہیں بڑھ چڑھ کر مسلمانوں کو ان پر بلندی ہوگی یا آج کفار مسلمانوں سے معمولی سا جھوٹا اور چند روزہ مذاق کرتے ہیں۔ آئندہ مسلمان کفار کا سچا' دائمی اور سخت مذاق اڑائیں کہ انہیں جوتے کھاتے ہوئے دیکھ کر ان پر ہنسا کریں گے۔ رہی دنیوی مالداری اس پر مغرور نہ ہونا چاہئے کیونکہ اس کا مدار قسمت پر ہے نہ کہ کمال اور مقبولیت پر کیونکہ **واللہ یرزق من یشاء بغیر حساب** یہاں رزق سے دنیوی رزق مراد ہے یا آخرت کا۔ اگر دنیوی مراد ہو تو یرزق یا معنی مستقبل ہے یا معنی حال۔ حساب سے یا اندازہ مراد ہے یا حساب کتاب یا گمان اور خیال یعنی اللہ جس کو چاہے گا ایسے رزق دے گا کہ اس کے خیال و گمان میں بھی نہ ہوگا۔ انہیں غریب مسلمانوں کو عرب و عجم کا مالک بنا دے گا اور ایسے ہی ہوا یا آخرت میں انہیں بغیر حساب کتاب رزق دے گا کہ دنیوی رزق کا حساب بھی ہے۔ جنتی نعمتوں کا کوئی حساب نہیں۔ یا مسلمانوں کو اتنا دے گا کہ ان سے حساب نہ لگ سکے کیونکہ عرب میں ہزار تک گنتی ہے اور انہیں کروڑوں روپے ملیں گے۔ یا جسے چاہے اللہ بے حساب دے۔ حساب لگا کر وہ دیتا ہے جسے اپنا خزانہ گھٹنے کا اندیشہ ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنت کی بعض نعمتیں اعمال کے عوض ہوں گی اور بعض محض رب کے فضل سے عوض والی نعمتیں حساب سے اور فضل والی بے حساب یا بعض کو اعمال سے جنت ملے گی اور بعض کو فضل ذوالجلال سے۔

خلاصہ تفسیر : کافروں کی نگاہ میں دنیا بڑی آراستہ کردی گئی کہ وہ انہیں بڑی خوشنما معلوم ہوتی ہے اور ان کے دل اس پر فریفتہ ہیں۔ اس لئے وہ دنیا کی خاطر دین کی پرواہ نہیں کرتے اور اسی گھمنڈ میں ان مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں جنہوں نے دین کی خاطر دنیا چھوڑی اور انہیں بیوقوف بناتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ قیامت کے دن مسلمان ان سے کہیں اعلیٰ و افضل ہوں گے۔ اور اس مذاق کا بدلہ وہاں اچھی طرح لیں گے۔ دنیوی رزق پر پھول کر رب کو نہ بھولنا چاہئے۔ کیونکہ یہ چلتی پھرتی چاندنی ہے اور اس کا تعلق تقدیر سے ہے نہ کہ اپنے کمال اور مقبولیت سے۔ جسے رب چاہتا ہے بے شمار مال دے دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے غریب بنا دیتا ہے۔ پھر ایک ہی آدمی کبھی دولت مند ہوتا ہے اور کبھی فقیر۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ بے وقوف مالدار اور چالاک فقیر اس کو مقبولیت کی نشانی بنانا حماقت ہے۔ قارون مالدار تھا اور ایوب علیہ السلام کچھ دن تکلیف میں رہے۔ غرضیکہ مومن کی دنیا اور ہے کافر کی دنیا کچھ اور۔ مومن کی دنیا آخرت کا تخم ہے۔ جس کا پھل اسی جہان ملے گا۔ کافر کی دنیا اس کی تمام کوششوں کا نتیجہ ہے مومن کا دنیا سے محبت کرنا عبادت ہے۔ کافر کا اپنی دنیا سے محبت کرنا غفلت۔

www.alahazratnetwork.org

لو فلوست　در　جہاں　بسیار　　بے　ہنر　ارچند　عاقل　خوار

غفلت کے چار درجہ ہیں جن میں سے پہلے دو قابل علاج ہیں اور تیسرا لاعلاج۔ پہلا درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ کر کے نادم ہو جائے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ انسان گناہ بھی کرے اور نادم بھی نہ ہو۔ تیسرا درجہ یہ ہے کہ گناہ کرے اور اس پر خوش ہو کہ میں نے بہت اچھا کیا۔ چوتھا درجہ یہ ہے کہ گناہ پر خوش ہو' اپنے کو بہادر سمجھے' اور گناہ سے بچنے والوں کو حقیر و ذلیل جانے' ان کی نیکیوں کا مذاق اڑائے' یہ درجہ لاعلاج ہے۔ اس آیت میں کفار کے اس آخری درجہ کا ہی ذکر ہے اسی غفلت کو رب تعالیٰ نے یہاں کفر قرار دیا اور غافل کو کافر کیونکہ یہ درجہ کہ گناہ کو اچھا جاننا نیکی کو برا اور نیک کاروں کا مذاق اڑانا یقیناً کفر ہے۔ اللہ محفوظ رکھے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** محبت دنیا اور اس کے مقابلہ میں دین سے بے رغبتی کفار کی نشانی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** غریب کا غریبی کی وجہ سے مذاق اڑانا حرام ہے اور ایمان کا مذاق اڑانا کفر۔ کیونکہ اس میں ایمان کی توہین ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کفار کا مذاق اڑانا ایسے ہی مذاق کے عوض مذاق کرنا جائز ہے۔ فو قہم کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ مسلمان قیامت میں ان سے بڑھ چڑھ کر مذاق کریں گے۔ قرآن پاک فرماتا ہے۔ **و یسخرون من الذین کفروا۔** **چوتھا فائدہ:** جنت اوپر اور جنم نیچے ہے۔ اس طرح کہ وہاں سے جنم نظر آئے گی جیساکہ فو قہم کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **علی الارائک ینظرون۔** **پانچواں فائدہ:** دنیا بڑھانے اور جمع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ کچھ آخرت کے لئے بیج بوئے کہ یہ وقت کھیتی کا ہے۔ پھر ہاتھ نہ آئے گا۔ زیادتی دنیا بھی ہلاکت کا باعث ہے۔

حکایت : عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ایک یہودی سفر کر رہا تھا۔ آپ کے پاس تین روٹیاں تھیں۔ آپ نے وہ یہودی کو سپرد کیں اور خود کسی کام کیلئے تشریف لے گئے واپس لوٹ کر روٹیاں مانگیں اس نے دو حاضر کیں۔ کیونکہ ایک چھپا کر کھا چکا تھا۔ آپ نے پوچھا کہ تیسری روٹی کہاں گئی۔ اس نے کہا مجھے آپ نے دو ہی دی تھیں۔ ہر چند کوشش کی مگر اس نے اقرار نہ کیا اور بے شمار جھوٹی قسمیں کھا گیا۔ کچھ دور چلے تھے کہ سونے کی تین اینٹیں پڑی ملیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں سے ایک اینٹ تیری ایک میری اور ایک روٹی کھانے والے کی۔ تب وہ بولا کہ حضرت روٹی میں نے ہی کھائی تھی آپ وہ تینوں اینٹیں اس کے حوالے کر کے چل دیئے۔ وہ ان کی حفاظت کے واسطے وہیں بیٹھ گیا۔ تین چوروں نے اسے آگھیرا اور ہلاک کر دیا۔ ان میں سے دو اس کی نگرانی کے لئے بیٹھے اور ایک چور کو بازار کھانا خریدنے بھیجا۔ اس کے پیچھے ان دونوں نے مشورہ کیا کہ جب تیسرا آدمی بازار سے لوٹے تو اسے قتل کر دو تاکہ زیادہ سونا ہمارے ہاتھ آئے۔ اس تیسرے نے خود تو کھا لیا اور ان دو کے لئے کھانے میں زہر ملا دیا تاکہ سارا سونا اس کے ہاتھ آئے۔ جب لوٹا تو ان دونے تو اس تیسرے کو مار دیا اور پھر زہریلا کھانا کھا کر خود بھی لیٹ رہے۔ دوسرے دن عیسیٰ علیہ السلام کا وہاں سے گزر ہوا تو دیکھا کہ وہ سونا ویسے ہی پڑا ہے اور اس کے پاس چار آدمی ہمیشہ کی نیند سو رہے ہیں (روح البیان) یہ دنیوی ہوس کا انجام ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب نے دنیا کفار کی آنکھ میں خوبصورت بنائی۔ حالانکہ یہ دھوکا ہے۔ اگر دنیا واقعی اچھی تھی تو اس میں پھنسنے والے گنہگار نہ ہونے چاہئیں۔ اور اگر بری تھی تو اسے دلفریب بنانا سخت معیوب۔ جواب:

www.alahazratnetwork.org

بری چیز کو اچھا کہنا جھوٹ بھی ہے اور عیب بھی لیکن اس کی برائی بتا کر اور خوش نما بنا کر سامنے رکھ دینا جھوٹ نہیں بلکہ بہترین امتحان ہے۔ رب نے یہی کیا ہے نیز دنیوی چیزیں غلط استعمال سے بری ہو جاتی ہیں۔ اگر ان کے ذریعے دین کمایا جائے تو بہتر ہے۔ گھر والے نے لذیذ کھانا مہمان کے آگے رکھا اور بتایا کہ عمدہ کھانا تم کھالو۔ ہڈیاں کتے کو ڈال دو۔ پھلوں کے چھلکے پھینک دو۔ اگر بے وقوف مہمان ہڈی چھلکا سب کھا جائے اور ضرورت سے زیادہ کھا کر بیمار ہو جائے تو اس میں خود اس کا قصور ہے نہ کہ مکان والے کا۔ یہی حال کفار کا ہے۔ نیز ممکن ہے کہ یہاں خوشنما بنانے سے مہلت دینا مراد ہو جیسا کہ تفسیر کبیر نے فرمایا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ پرہیزگار کفار سے افضل و اعلیٰ ہوں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار بھی جنت میں ہوں گے۔ مگر مسلمان ان سے اعلیٰ جیسے کہتے ہیں کہ فلاں 'مل میں فلاں سے اونچا ہے یعنی مالدار دونوں مگر ایک زیادہ۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو اس سے اونچی جگہ مراد ہے یعنی جنت یا مذاق میں اعلیٰ یا عزت میں اعلیٰ یعنی جتنی بڑائی دنیا میں کفار کو مسلمانوں پر حاصل ہے اس سے زیادہ مسلمانوں کو ان پر حاصل ہوگی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پرہیزگار تو قیامت میں کفار سے افضل ہیں مگر گنہگار مسلمان ان سے افضل نہیں بلکہ ان کی طرح ہمیشہ عذاب میں مبتلا۔ جواب: تفسیر سے معلوم ہوا کہ یا تو متقی سے مراد مومنین ہیں یعنی شرک و کفر سے بچنے والے یا پرہیزگار مراد تو گنہگار بھی کچھ دن جہنم میں رہ کر یا معافی پا کر متقیوں کے زمرہ میں ہی شامل کر دیئے جائیں گے۔ گویا وہ بھی حکمی متقی ہوں گے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا بغیر استحقاق ہی رزق دیتا ہے تو پھر نیکی کرنا بیکار ہے۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی مرضی پر چلا کریں کیونکہ رزق تو انہیں یقیناً ملے گا (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: اولاً "تو حساب کے معنی استحقاق ہے ہی نہیں۔ اس کے وہ معانی ہیں جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے اور اگر مان بھی لیا جائے تو بھی صحیح ہے۔ اعمال تو رضاء الٰہی کے لئے ہیں نہ کہ دنیوی رزق حاصل کرنے کے لئے۔ پنڈت جی اگر رزق اعمال سے ملتا تو پاپی مہاپاپی ہمیشہ بھوکے مرتے۔ ہم نے تو دیکھا ہے کہ قصائی جیسے ہتھیارے مالدار بنے بیٹھے ہیں اور جگہ جگہ پنڈت اور برہمن یا تو امیروں کی رسوئی میں روٹی پکا رہے ہیں یا ان کی غلامی کر رہے ہیں۔ کیوں پنڈت جی یہ کیا معاملہ ہے؟ ذرا ہوش کی پیؤ۔ خدا پر واقعی اپنا ذاتی حق کسی کا نہیں۔ اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے کہ کفار کا رزق ان کی نیکیوں کا بدلہ ہے مگر مسلمانوں کا رزق ایسا نہیں ان کا بدلہ آخرت میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حیوۃ دنیا وہ ہے جو غفلت میں گزرے یہی کفار کو پیاری ہے اور اگر یہ زندگی آخرت کی تیاری میں گزرے تو وہ حیات آخرت ہے۔ مومن اس زندگی کو پسند کرتا ہے کافر کی وہ پسند مردود ہے مومن کی یہ پسند محبوب۔ خیال رہے کہ دنیا کی مالداری کو رضاء الٰہی کی علامت سمجھنا پوری حماقت ہے۔ بارات کے تین حال ہوتے ہیں راستہ میں جانے کی حالت اس وقت جو دولہا پر نچھاور ہوتی ہے وہ اپنے پرائے سب ہی لوٹتے ہیں۔ دولہن کے گھر پہنچ کر چھانٹ ہو جاتی ہے کہ بلائے ہوئے لوگ تو کھانا کھاتے ہیں مگر اجنبی لوگ وہاں دسترخوان پر پھٹکنے بھی نہیں پاتے۔ پھر کھانے کے بعد جوڑے گھوڑے دولہا کے خاص خدام نائی، دھوبی وغیرہ یا خاص عزیزوں کو ملتے ہیں۔ دنیا ایک بارات ہے جہاں کی بکھیر دوست دشمن سب ہی لوٹ رہے ہیں۔ یہاں کی دولت محبوبیت الٰہی کی دلیل نہیں کہ بکھیر میں جو زیادہ لوٹ لے وہ دولہا کا محبوب نہیں ہو جاتا آخرت میں بخشش کے جوڑے جنت کی نعمتیں انہی کو ملیں گی جو مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام یا خاص پیارے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ اسی لئے فرمایا والذین اتقوا فوقھم یوم القیمۃ' یہ بھی خیال رہے بدکاریوں کی مختلف سزائیں ہیں جن میں سے سخت تر سزا وہ ہے جو اس آیت میں بیان ہوئی یعنی دل کا دنیا کی طرف مائل ہو جانا اور اللہ والوں کو ذلیل جاننا۔ جب تک گیدڑ کے دل میں انسان کی ہیبت رہتی ہے زندہ رہتا ہے۔ جب یہ ہیبت اٹھی اور یہ سمجھ کر آبادی میں آیا کہ انسان میرا کیا کر سکتا ہے۔ تب ہی مارا جاتا ہے۔ مثل مشہور ہے کہ گیدڑ کی جب موت آتی ہے تو بستی کو بھاگتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ رازش کس درد　　　میلش اندر طعنہء پاکاں وحد

اولیاء اللہ کی ہیبت ایمان کی نشانی ہے۔ ان پر جرأت بے ایمانی کی علامت گنہگار مسلمان اگر جہنم میں بھی کچھ روز کے لئے گئے تو بھی کفار سے اوپر ہی رہیں گے یعنی جہنم کے اونچے طبقوں میں یہ لوگ ہوں گے جہاں عذاب ہلکا اور نیچے طبقوں میں کفار جہاں عذاب زیادہ دنیادار کا رزق مصیبت سے خالی نہیں کہ حرام رزق کا عذاب ہے اور حلال کا حساب مگر اللہ والوں کا رزق ان دونوں مصیبتوں سے پاک وہ حرام سے محفوظ ہیں اور حلال کے حساب سے بے خوف کیونکہ وہ دنیا کے لئے رزق حاصل ہی نہیں کرتے۔ ان کا کھانا پینا آخرت کے لئے ہے۔ گویا وہ یہاں رہ کر بھی جنت ہی میں ہیں (از روح البیان)۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا۔

دونوں کی ہے پرواز اسی ایک فضا میں　　　کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

کافر دنیا حاصل کرنے میں صرف سلطانی قانون کا خیال رکھتا ہے کہ میں قانونی زد میں نہ آجاؤں۔ مومن تحصیل دنیا میں رحمانی قانون کو مدنظر رکھتا ہے کہ رب مجھ سے ناراض نہ ہو جائے اس لئے مومن کی دنیا باقی ہے اور مومن کو بھی بقا کافر کی دنیا بھی فانی اور خود کافر بھی فانی۔

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ
تھے لوگ جماعت ایک۔ پس بھیجا اللہ نے پیغمبروں کو بشارتیں دینے اور ڈرانے والے　اور　اتاری ساتھ
لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ نے انبیاء بھیجے خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے　اور ان کے ساتھ سچی
وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا
ان کے کتاب ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کرے　درمیان لوگوں کے بیچ اس کے کہ اختلاف کیا آپس میں اور
کتاب اتاری کہ وہ لوگوں میں ان کے اختلافوں کا فیصلہ کر دے　اور کتاب میں اختلاف انہیں نے
اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا ۢ
نہیں اختلاف کیا اس میں مگر انہوں نے جو دیئے گئے وہ کتاب پیچھے سے اس کے کہ آئیں ان کے کھلی نشانیاں
ڈاہ　جن کو دی گئی تھی بعد اس کے کہ ان کے پاس روشن حکم آچکے　آپس کی سرکشی سے

www.alahazratnetwork.org

بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ

سرکشی سے درمیان اپنے پس ہدایت دی اللہ نے انہیں جو ایمان لائے اس کی اختلاف کیا بیچ اس کے حق کے

تو اللہ نے ایمان والوں کو وہ حق بات سمجھا دی جس میں جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے

وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

ساتھ حکم اپنے کے اور اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہے طرف راستے سیدھے کے۔

اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ موجودہ کفار کی ضد محبت دنیا کی وجہ سے ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کوئی نئی بات نہیں بلکہ پہلے ہی سے ہوتا آیا ہے کہ لوگ ایک ہی دین پر تھے۔ حسد اور حب دنیا کی وجہ سے ان میں اختلاف پیدا ہوئے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار مسلمانوں کا مذاق اڑاتے ہیں مگر انجام کار مسلمان ہی اعلیٰ رہیں گے۔ اب گذشتہ واقعات سے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی حب دنیا کا ذکر فرمایا گیا اب بتایا جا رہا ہے کہ یہ حب دنیا بیماری کی طرح خود بخود ہی لوگوں میں پھیلتی ہے مگر اسے کم کرنے اور دل میں حب آخرت پیدا کرنے کے لئے بڑی کوشش کرنا ہوتی ہے دیکھو رب نے اس مرض سے شفا دینے کے لئے ہزارہا انبیاء بھیجے۔

تفسیر : **كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً** "کان ماضی کے لئے بھی آتا ہے۔ معنی تھا اور ہمیشگی کے لئے بھی جیسے **کان الانسان کفورا** "کبھی معنی صار بھی آتا ہے جیسے **و کان من الکافرین** شیطان کافروں میں سے ہو گیا۔ یہاں کان دوسرے معنی میں نہیں ہو سکتا لہذا یا تو پہلے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں یعنی لوگ ایک جماعت تھے یا ایک جماعت ہو گئے۔ کہ سب کافر بن گئے تھے لہذا آیت بالکل واضح ہے اسے دوام کے لئے سمجھنا غلطی ہے۔ **الناس** میں الف لام یا تو استغراقی ہے اور اس سے سارے انسان مراد یعنی میثاق کے دن بلیٰ کہنے والے سارے ہی مومن تھے اسی ایمان پر دنیا میں آئے پھر یہاں مختلف صحبتیں پا کر مختلف ہو گئے۔ جیسے بارش کا پانی سارا کا سارا صاف و شفاف اترتا ہے۔ پھر زمین پہ آکر کچھ تو مٹی سے مل کر میلا گدلا ہو جاتا ہے کچھ صاف جگہ گر کر صاف ہی رہتا ہے یا عہدی ہے اور اس سے خاص لوگ مقصود یا آدم علیہ السلام کی اپنی اولاد اوریا آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک کے لوگ یا اس سے کشتی نوح کے لوگ مراد ہیں کہ یہ سب مومن تھے۔ ہود علیہ السلام کے زمانہ تک ایمان پر متفق رہے (روح المعانی) **امۃ** **ام** سے بنا معنی قصد یا اطاعت۔ متفق جماعت کو اسی لئے امت کہتے ہیں کہ ان میں بعض بعض کی اطاعت کرتے ہیں یعنی دنیا میں آتے وقت تک سب لوگ ایک گروہ یعنی مومن تھے یا آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک سب ایمان پر متفق تھے یا طوفان نوحی کے بعد سے ہود علیہ السلام تک سب مومن تھے۔ ان تمام صورتوں میں امت واحدہ سے مومن جماعت مراد ہے۔ عبداللہ ابن عباس و دیگر مفسرین رضی اللہ عنہم نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے جماعت کفار مراد ہے (درمنثور)۔ یعنی ایک زمانہ وہ بھی گزرا ہے جب گذشتہ پیغمبروں کا نور نبوت دنیا سے غائب

www.alahazratnetwork.org

ہو گیا تھا۔ اور سب کافر ہی رہ گئے۔ یہی قول حضرت حسن اور عطا کا بھی ہے (کبیر) بعض لوگ توقف کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ سب لوگ تھے تو ایک ہی جماعت۔ یہ خبر نہیں کہ کفار تھے یا مومن۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کان الناس سے یہودی مراد ہیں۔ یعنی سارے یہودی پہلے ایک ہی دین یہودیت پر قائم تھے (کبیر) فبعث اللہ النبین مبشرین و منذرین۔ اگر پچھلے جملے میں امت واحدہ سے مراد مسلمان ہوں تو یہاں ایک عبارت چھپی ہے۔ یعنی پہلے تمام لوگ مومن ہی تھے مگر پھر نفسانیت و حسد سے اختلاف کر بیٹھے کہ بعض کافر ہو گئے تب اللہ نے پیغمبر بھیجے اور اگر امت واحدہ سے کفار مراد ہوں تو کوئی عبارت پوشیدہ نہیں یعنی لوگ سب کافر ہو چکے تھے۔ لہذا اللہ نے ان کی دستگیری فرماتے ہوئے ان میں پیغمبر بھیجے۔ خیال رہے کہ یہ ف تعقیب پر دلالت نہیں کرتی بلکہ حملیہ ہے اور نبیین سے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد کے پیغمبر مراد ہیں۔ کیونکہ اختلاف کا فیصلہ کرنے یہ ہی حضرات تشریف لائے یعنی سب لوگ مومن تھے مگر پھر اختلاف کر بیٹھے۔ لہذا رب نے خوشخبریاں دینے کے لئے پیغمبر بھیجے یا ایک زمانہ میں سارے لوگ کافر ہو چکے تھے۔ رب نے پیغمبر بھیجے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے متعلق فرماتا ہے۔ خلقکم اس نے تمہیں پیدا فرمایا مگر حضرات انبیاء کرام کے لئے یا تو بعث فرماتا ہے۔ یا ارسل یا جاء اسی وجہ سے ان حضرات کو رسول یا مبعوث کہتے ہیں ہم کو رسول نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ ہم لوگ یہاں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے۔ یہاں آکر سب کچھ بنے وہ حضرات سب کچھ بن کر یہاں آئے اسی لئے ہم تو دنیا کے ماحول کے مطابق ہوتے ہیں وہ حضرات ماحول کے مطابق نہیں ہوتے بلکہ ماحول کو اپنے مطابق کر لیتے ہیں۔ دیکھو یہاں فرمایا کہ لوگوں کا فیصلہ فرمانے کے لئے نبی بھیجے گئے معلوم ہوا کہ انہیں فیصلہ کرنا پہلے ہی سکھا دیا گیا تھا۔ کشتی و اسلام میں ہم بھی سوار ہیں اور حضرات انبیاء بھی مگر ہم پار لگنے کو سوار ہیں اور وہ حضرات پار لگانے کو۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرات انبیاء نے خصوصی بشارت و نذارت کی اور عمومی بھی نیز مسلمانوں کو بشارتیں دیں انہیں ڈرایا بھی۔ کسی کو عذاب نار سے کسی کو غضب جبار سے کسی کو فراق یار سے ڈرایا اسی طرح کسی کو جنت کی کسی کو حور و قصور کی کسی کو دیدار رب غفور کی بشارتیں دیں۔ و انزل معھم الکتب بالحق الکتب میں الف لام جنسی ہے۔ اس میں صحیفے بھی داخل ہیں چونکہ ہر پیغمبر پر نئی کتاب یا نیا صحیفہ نہ اترا تھا بعض مستقل کتاب یا صحیفہ لے کر آئے اور بعض پیغمبروں نے اگلی ہی کتاب کی تبلیغ کی اس لئے یہاں معھم فرمایا گیا نہ کہ علیھم اور کتاب واحد فرمایا گیا نہ کہ جمع تاکہ معلوم ہو کہ ہر ایک پر علیحدہ کتاب نہ آئی۔ ہم یہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ کتابیں کل چار ہیں۔ توریت' زبور' انجیل' قرآن اور صحیفوں میں اختلاف ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ وہ کل سو تھے۔ آدم علیہ السلام پر دس' شیث علیہ السلام پر تیس۔ ادریس علیہ السلام پر پچاس۔ اور موسیٰ علیہ السلام پر توریت سے پہلے دس۔ بالحق یا تو انزل کے متعلق ہے یا کتاب کی صفت یعنی رب نے ان پیغمبروں کو سچی کتابیں بھی عطا فرمائیں گویا کتاب قانون تھیں۔ اور وہ حضرات ان قوانین کو جاری فرمانے والے لیحکم بین الناس یہ انبیاء کے بھیجنے کی حکمت کا بیان ہے۔ یحکم' حکمۃ سے بنا جس کے معنی ہیں روکنا۔ مضبوط کرنا۔ فیصلہ کرنا لازم کرنا اور حکم کرنا۔ جب اس کے بعد علیٰ آئے تو حکم کے معنی ہیں ہوتا ہے اور اگر بین ہو تو معنی فیصلہ یعنی جھگڑا چکانا لہذا یہاں معنی فیصلہ ہے اس کا فاعل یا اللہ ہے یا کتاب یا پیغمبروں کو کتاب دے کر اسی لئے بھیجا گیا تاکہ اللہ یا وہ کتاب یا پیغمبر لوگوں میں فیصلہ کردیں۔ فیما اختلفوا فیہ' ما سے مراد حق ہے اور فیہ کی ضمیر اسی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس حق میں فیصلہ کردیں۔ جس میں یہ لوگ متفق رہ کر اختلاف کر بیٹھے تھے۔ و ما اختلف فیہ الا الذین اوتوہ۔ فیہ کا مرجع کتاب ہے یا اس کتاب کی حق باتیں۔ اوتوہ۔ ایتاء سے بنا

www.alahazratnetwork.org

معنی ویتا۔ الذین سے علماء اہل کتاب مراد ہیں جنہیں کتاب کا علم دیا گیا۔ کیونکہ حقیقتا" کتاب علماء ہی کو ملتی ہے یعنی یہ کتابیں تو اختلاف مٹانے اور فیصلہ کرنے کے لئے آئی تھیں۔ مگر علمائے اہل کتاب نے خود ان کتابوں میں ہی اختلاف ڈال دیا۔ اور کتاب کے مقصد کو بدل دیا اور پھر لطف یہ ہے کہ دھوکے سے نہیں بلکہ **من بعد ما جاء تھم البینت** بینات کے معنی ہیں روشن نشانیاں۔ اور یہاں اس سے آیات کتاب کے علاوہ دیگر دلائل مراد ہیں۔ جس سے حق و باطل ظاہر ہو گیا (کبیر) یعنی بہت سے روشن دلائل دیکھ کر بھی وہ کتاب میں اختلاف کر بیٹھے **بغیا" بینھم** آپس کے حسد اور سرکشی کی وجہ سے کہ ہر فرقہ کے راہب نے اپنی بات پالنی چاہی اور اپنی بڑائی کی کوشش کی دلائل سے آنکھیں بند کر لیں۔ جب اہل کتاب کا بھی اختلاف حد کو پہنچا تو **فھدی اللہ الذین امنوا** یہاں اہل ایمان سے یا تو اہل کتاب کے مومنین مراد ہیں (کبیر و روح البیان) اور یا مسلمان۔ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے اور ہم خلاصہء تفسیر میں عرض کریں گے۔ **لما اختلفوا فیہ من الحق** ما سے مراد حق ہے۔ اختلفوا کا فاعل اہل کتاب اور فیہ کی ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ یعنی جس حق میں اہل کتاب اختلاف کر بیٹھے اور اس کی مخالفت کر کے کھو بیٹھے رب نے مسلمانوں کو اس کی ہدایت دے دی ان کے اپنے کمال سے نہیں بلکہ **باذنہ** اپنے حکم اور کرم سے۔ یہ ھدی کے متعلق ہے اور کیوں نہ ہو کہ ہدایت رب کے قبضہ میں ہے **واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم** اللہ اپنے کرم سے جسے چاہے سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا ہے کسی کا اس پر زور نہیں۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

خلاصہ تفسیر : اس آیت کا مضمون سمجھنے کے لئے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حضرت آدم نوح علیہ السلام کے درمیان دس قرن کا فاصلہ ہے۔ ہر قرن اسی برس کا۔ اس حساب سے آٹھ سو سال کا فاصلہ ہوا (روح البیان)۔ اور اگر سو سال کا قرن ہو تو کل ہزار سال ہوئے۔ اس زمانہ میں کل دس پیغمبر آئے۔ ہر قرن میں ایک (در منثور) ادریس علیہ السلام تک لوگ عموما" مومن رہے اگرچہ قابیل گمراہ ہوا اور کچھ لوگ اس کے ساتھی بن گئے۔ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں کفر بہت پھیل چکا تھا اور آپ ان کی اصلاح کے لئے بھیجے گئے (روح المعانی) اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ پہلے وہ نبی ہیں جو کفار کی ہدایت کے لئے آئے۔ اگلے پیغمبر مومنین ہی کو ہدایت پر رکھنے کے لئے آتے تھے پھر طوفان نوحی میں سارے کفار ڈبو دیئے گئے۔ صرف کشتی والے مسلمان بچے۔ اور اب پھر دنیا میں اسلام ہی رہ گیا۔ ہود علیہ السلام تک یہی حالت رہی جیسا کہ ہم تفسیر میں روح المعانی سے نقل کر چکے۔ پھر یہ حال رہا کہ کوئی پیغمبر آکر اصلاح کر دیتے۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب شریعت پیغمبر ہوئے جن کے بعد بہت عرصہ تک لوگ ہدایت پر قائم رہے اور دیگر بڑے بڑے پیغمبر بھی آتے رہے۔ پھر لوگوں نے ان کتابوں میں بھی خلط ملط کر دیا اور ان کی تعلیم بگاڑ دی۔ یہاں تک کہ دنیا میں اندھیرا ہی چھا گیا تب۔

یکایک ہوئی غیرت حق کو حرکت — بڑھا جانب بو قبیس ابر رحمت!
ادا خاک بطحا کی وہ ودیعت — چلے آتے تھے جس کی دیتے شہادت!
ہوئے پہلوئے آمنہ سے ہویدا — دعائے خلیل اور نوید مسیحا!

خیال رہے کہ گزشتہ کتابیں اور گزشتہ دین بدل جانے اور قرآن و اسلام نہ بدلنے کی چار وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ کسی دین میں ان کے نبی کی حدیثیں جمع نہ کی گئی تھیں۔ اسلام میں قرآن کے ساتھ احادیث رسول بھی محفوظ ہوئیں۔ حدیث رسول اللہ صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم قرآن کی شرح ہیں۔ جن کے بغیر قرآن کا سمجھنا ناممکن ہے۔ اگر حدیث نہ ہو تو صلوٰۃ و زکوٰۃ اور قیام احکام کی تفصیل کون کرے۔ دوسرے یہ کہ کسی دین میں ان کے نبیوں کا میلاد نہ منایا گیا اسلام میں اول سے ہی میلاد شریف کا رواج رہا۔ اس میلاد شریف کی وجہ سے کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ خدا کہہ سکا نہ خدا کا بیٹا کیونکہ جو پیدا ہو، جو دودھ پیئے، جو ماں کی گود میں پرورش پائے وہ عبداللہ ہے۔ اللہ نہیں ہے۔ میلاد میں انہی باتوں کا ذکر ہوتا ہے وہ لوگ اپنے نبی کو یا خدا کہہ بیٹھے یا خدا کا بیٹا۔ اسی لئے قرآن شریف میں حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کی ولادت شیر خوارگی کئی رکوعوں بیان فرمائی۔ تیسرے یہ کہ ان قوموں میں کتاب اللہ کی تلاوت کا قرآن کی طرح رواج نہ تھا۔ ہمارے ہاں روزانہ اور پنجگانہ نمازوں میں اور ختم وغیرہ میں تلاوت قرآن کے لئے حافظ طریقہ ادا کے لئے قاری بقاء مسائل کے لئے علماء بقاء اسرار قرآنیہ کے لئے صوفیاء پیدا کئے یہ جماعتیں ان لوگوں میں موجود نہ تھیں ان وجوہ سے قرآن و اسلام محفوظ رہا اور وہ دین و کتب پہلے بگڑے اب بالکل فنا ہو گئے اسی کا اس آیت میں بیان ہے۔ اب تفسیر سمجھو کہ آدم علیہ السلام سے ادریس علیہ السلام تک تقریباً سارے لوگ مومن تھے۔ پھر زمانہ ادریس سے ان میں اختلاف پیدا ہوا۔ تو اللہ نے حضرت نوح وغیرہم کو ڈرانے اور خوشخبری سنانے کے لئے کتابیں اور صحیفے دے کر بھیجا۔ تاکہ لوگوں کا اختلاف دور کریں۔ مگر افسوس کہ جو آسمانی کتابیں جھگڑا مٹانے کے لئے آئی تھیں اہل کتاب نے انہیں میں اختلاف ڈال دیا اور آپس کی حسد کی وجہ سے روشن دلائل سے آنکھیں بند کر لیں۔ جب ان کا اختلاف حد کو پہنچ چکا تو رب نے قرآن اتارا اور اس کے ذریعہ مسلمانوں کو اس حق کی ہدایت دے دی۔ جس میں اہل کتاب مختلف تھے۔ چنانچہ عیسائیوں کا قبلہ مشرقی بیت المقدس تھا اور یہودیوں کا مغربی مسلمانوں کا قبلہ دونوں سے افضل یعنی خانہ کعبہ ہوا۔ ان میں سے بعض کی نماز میں رکوع تھا اور سجدہ غائب اور بعض میں اس کا برعکس مسلمانوں کی نماز میں دونوں۔ ان میں سے بعض لوگ نماز میں بات چیت بھی کرتے تھے اور بعض نماز میں چلتے پھرتے تھے۔ اسلامی نماز میں یہ کوئی عیب نہیں۔ روزوں کے دنوں میں وہ لوگ اختلاف ہی کرتے رہے۔ اصل مہینہ یعنی رمضان کوئی نہ پا سکا۔ وہ مسلمانوں کو ملا۔ ہفتہ کے بڑے دن میں بھی جھگڑا ہی رہا۔ یہودیوں نے سنیچر اور عیسائیوں نے اتوار پکڑ لیا۔ مگر صحیح دن یعنی جمعہ مسلمانوں کے سوا کسی کے ہاتھ نہ لگا۔ اسی طرح عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق وہ جھگڑتے ہی رہے کہ عیسائیوں نے انہیں خدا کا بیٹا مان لیا اور یہودیوں نے ان کی کنواری پاک والدہ مریم بتول کو عیب لگا دیا۔ مسلمانوں نے حق بات کہی کہ عبداللہ و رسولہ۔ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں جھگڑا ہی رہا۔ کسی نے انہیں یہودی کہا۔ کسی نے عیسائی۔ قرآن نے ان کی صفائی بیان فرمائی کہ **ما کان ابراھیم یھودیا" ولا نصرانیا" الخ** حضرت سلیمان علیہ السلام کو بھی لوگ تہمت لگانے سے باز نہ آئے۔ قرآن کریم نے ان کی شانیں لوگوں کو بتائیں کہ فرمایا **وما کفر سلیمٰن** وغیرہ۔ غرضیکہ اسلام اور بانی اسلام علیہ السلام کا سب پر احسان ہے ماننا نہ ماننا ہمارا کام ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم دنیا میں آخر ہیں۔ اور قیامت میں اول ہوں گے۔ اور جنت میں اول ہم ہی جائیں گے۔ اہل کتاب کو پہلے کتاب ملی اور ہمیں ان کے بعد۔ رب نے اس حق کی ہمیں ہدایت کر دی۔ جس میں وہ مختلف رہے۔ جمعہ ہی وہ بزرگ دن ہے جو رب نے ہمیں عطا فرمایا۔ یہ لوگ پیچھے ہی رہے کہ ہفتہ یہود نے لیا اور اتوار عیسائیوں نے (درمنثور)۔

دوسری تفسیر: ایک زمانہ میں سب لوگ کافر ہو گئے تھے۔ اللہ نے دستگیری فرمائی کہ ان میں ڈرانے والے اور خوشخبری دینے والے پیغمبر بھیجے اور انہیں کتاب بھی عطا فرمائی تاکہ ان کے اختلاف کا فیصلہ فرمائیں اور ان کے جھگڑے چکائیں۔ پھر اہل

www.alahazratnetwork.org

کتاب نے ان کتابوں میں ہی جھگڑا ڈال دیا اور محض حسد سے روشن دلائل کی پرواہ نہ کی اور دین حق کو چھوڑ ڈالا۔ لہٰذا رب نے مسلمانوں کو وہ حق سمجھا دیا جو انہوں نے چھپایا تھا۔ ہدایت رب کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ ہدایت کی بنیاد فضل الٰہی پر ہے۔ اور گمراہی کی بنیاد حسد اور ضد پر ہدایت رب کی عطا ہے اور گمراہی اپنے بڑوں کی تقلید۔ کیونکہ گمراہی کے لئے "بغیا" اور ہدایت کے متعلق باذنہ فرمایا۔ دوسرا فائدہ: ہر تنظیم اچھی نہیں۔ گمراہی کا اتفاق مٹا دینا چاہئے۔ جیسا کہ دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلے سب لوگ کفر پر متفق تھے۔ اسی اتفاق کو توڑنے کے لئے انبیاء بھیجے گئے۔ عرب میں بھی اسلام سے پہلے اسی تنظیم و اتفاق کا دورہ دورہ تھا۔ حضور علیہ السلام نے اسی اتفاق کی دھجیاں اڑا دیں۔ موجودہ مسلمان اس آیت سے عبرت پکڑیں اور ہر تنظیم و اتفاق کے فدائی نہ بنیں ہدایت اور ایمان پر اتفاق بہت مبارک ہے۔ تیسرا فائدہ: ہر پیغمبر کے ساتھ کتاب یا صحیفہ ضروری ہے خواہ نیا ہو یا پرانا کتاب اور پیغمبر لوگوں کے فیصلہ کے لئے ہی تشریف لاتے ہیں۔ ان کے فیصلوں پر راضی نہ ہونا بے دینی ہے۔ چوتھا فائدہ: نفسانیت کا اختلاف عذاب ہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ میں ہوا۔ تحقیق کا اختلاف رحمت جیسا کہ آئمہ دین میں ہے کہ اس میں ضد کو دخل نہیں۔ بلکہ اس سے دین کی تحقیق ہو گئی۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں ملاحظہ کرو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ علماء کا اختلاف بڑی بری چیز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس اختلاف کو برائی سے بیان فرمایا مگر حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کا اختلاف رحمت ہے تو حدیث و قرآن میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں عناد و حسد کی بناء پر اختلاف کی برائی بیان ہوئی اور حدیث شریف میں تحقیقی اختلاف کی تعریف ہے۔ جس کی بناء تحقیق مسئلہ ہو۔ اس لئے رب نے فرمایا! بغیا" بینھم لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔ دوسرا اعتراض: مسلمانوں میں بھی بڑے اختلاف ہیں۔ حنفی، شافعی وغیرہ میں اختلاف ہے یونہی قادری، چشتیوں میں اختلاف تو ان دینوں اور اسلام میں فرق ہی کیا ہوا۔ جواب: ان اختلافوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ ان دینوں کے اختلاف حسد کے تھے ہمارے یہ اختلاف تحقیق کے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے اختلاف اصل دین میں تھے۔ خدا کی ذات و صفات، انبیاء کے ذات و صفات، کتاب اللہ کی تعداد ان سب ہی میں اختلاف تھے۔ خدا ایک ہے یا تین حضرت عیسیٰ خود خدا ہیں یا خدا کے بیٹے۔ انجیل ایک ہے یا چار حضرت سلیمان نبی ہیں یا نہیں وغیرہ ہمارے اختلاف صرف فروعی مسائل میں ہیں غرضیکہ وہاں اختلاف عقائد تھا یہاں اختلاف مسائل لہٰذا وہ اختلاف عذاب تھا۔ یہ اختلاف رحمت ہے۔ تیسرا اعتراض: مسلمانوں میں بھی بہت فرقے دینی اختلاف رکھتے ہیں۔ جیسے مرزائی، چکڑالوی وغیرہ لہٰذا ان دینوں اور اسلام میں کیا فرق رہا۔ جواب: بے شک اسلام میں یہ اختلافات بھی موجود ہیں مگر یہود و نصاریٰ میں تو سارے فرقے بے دین ہو گئے تھے ایک بھی حق پر نہ رہا تھا۔ اسلام میں تاقیامت ایک فرقہ اہلسنت و الجماعت حق پر رہے گا اور غالب رہے گا۔ اصل اسلام نہ مٹ سکے گا۔ لہٰذا اس اختلاف اور اس اختلاف میں بڑا فرق ہو گیا۔ چوتھا اعتراض: پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ از آدم تا ادریس علیہ السلام سب مومن رہے تو کیا قابیل اور اس کے ساتھی بھی مومن تھے؟ جواب: تفسیر ہی میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہاں ناس سے عام لوگ مراد ہیں نہ کہ سب لوگ یعنی اس زمانہ میں عام لوگ مسلمان ہی تھے۔ دو چار کافروں کا اعتبار نہیں اور اگر اس سے سب لوگ مراد ہوں تو الناس سے میثاق یا نوح علیہ السلام کی کشتی

www.alahazratnetwork.org

والوں کی طرف اشارہ ہے۔ **پانچواں اعتراض:** دوسری تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب کسی پیغمبر کی نبوت نہ تھی اور دنیا میں سب کافر ہی تھے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے **و لکل قوم ھاد**۔ ہر قوم میں ہادی اور رہبر ہوئے۔ **جواب:** کوئی وقت و زمانہ نبوت سے خالی نہیں۔ کسی نہ کسی نبی کی نبوت دنیا میں ضروری ہے ہاں کبھی ایسا بھی ہوا کہ نبوت ظاہر نہ رہی لوگوں نے اس کی اطاعت چھوڑ دی۔ جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی علیہ السلام کا درمیانی زمانہ اس کو فترۃ کہتے ہیں۔ نبوت کا ہونا اور چیز ہے ماننا دوسری چیز۔ اس آیت میں ہونے کا ذکر ہے اور یہاں نہ ماننے کا۔ **چھٹا اعتراض:** دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلے سب لوگ کفر پر متفق ہو گئے۔ بعد میں پیغمبر آئے۔ حالانکہ چاہیے یہ تھا کہ پہلے ہی پیغمبر آتے تاکہ کفر پر اتفاق نہ ہو سکے۔ **جواب:** اس آیت کے یہ معنی نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ چونکہ لوگ کفر پر متفق ہو گئے لہذا پیغمبر آئے۔ ف جزائیہ ہے نہ کہ تعقیبیہ۔ نبی آتے ہی رہتے تھے مگر ایک نبی کے بعد لوگ جلدی ہی گمراہ ہو جاتے تھے۔ یہ ہمارے آقا کی شان ہے کہ قیامت تک ان کا دین باقی ہے۔ **ساتواں اعتراض:** کیا اس گمراہی سے پہلے نبی نہ آئے تھے۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب لوگ گمراہ ہوئے تو نبی بھیجے گئے۔ **جواب:** تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں وہ پیغمبر مراد ہیں جو کفر مٹانے کے لئے آئے۔ ان سے اگلے پیغمبر مسلمانوں کو ہدایت پر قائم رکھنے کے لئے آتے تھے نہ کہ کفر مٹانے کہ ان کے زمانہ میں کفر تھا ہی نہیں۔

نوٹ: ان دشواریوں کو دیکھتے ہوئے قادیانیوں نے اس آیت کی تحریف کی اور اس کے معنی یہ کئے کہ لوگ ایک ہی گروہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کا سب سے یکساں ہی معاملہ ہوتا رہا کہ سب میں نبی آتے رہے یہ نہیں کہ بعض لوگ نبوت سے محروم رہے اور ہر نبی نئی کتاب لے کر ہی آئے یہ نہیں کہ کوئی کتاب سے محروم رہا۔ دیکھو بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری مرزائی۔ یہ تفسیر نہیں بلکہ آیت کی تحریف ہے۔ الحمد للہ ہماری اس تحقیق سے آیت پر کوئی خدشہ باقی نہ رہا۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے یہاں بہت تحقیقات فرمائی ہیں۔ وہاں مطالعہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ ماں کے پیٹ سے بچہ صحیح و سالم پیدا ہوتا ہے بعد میں بیماریاں اور مرض لگتے ہیں ایسے ہی ہر بچہ دین فطرت اور عقیدہ توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر دنیوی صحبتیں اسے بگاڑتی ہیں۔ عالم اجمال میں سب دین حق پر تھے اور روحانیات میں سب متفق۔ عالم تفصیل میں آکر طبیعت اور نفس کی صحبت سے اختلاف پیدا ہوا۔ اور بعض کا مادہ بدن رب سے حجاب بن گیا۔ رب نے پیغمبروں کو اسی لئے بھیجا کہ انہیں اختلاف سے اتحاد کی طرف اور کثرت سے وحدت کی طرف عداوت سے محبت کی جانب دعوت دیں۔ نیکوں نے ان کی اطاعت کی جس سے وہ اعلیٰ علیین میں پہنچے۔ بدلوگ مخالفت کرکے اسفل السافلین میں گئے۔ گویا انبیائے کرام کے ذریعے دودھ کا دودھ ہو گیا اور پانی کا پانی (از روح البیان و روح المعانی وغیرہ)۔

دوسری تفسیر: میثاق کے دن سب ہی بلے کہہ کر بظاہر مومن تھے اور سارے ایک گروہ معلوم ہوتے تھے۔ منشاء الٰہی یہ تھا کہ ایسی چھلنی قائم فرمائی جائے۔ جس سے آٹا بھوسی سے علیحدہ ہو جائے۔ اور کھرے کھوٹوں سے ممتاز ہو جائیں لہذا ان میں انبیاء اور کتابیں بھیجیں جنہوں نے صدق دل سے بلے کہا تھا۔ وہ اپنی اصلی صفائی پر باقی رہے اور ان کی اطاعت کرکے دیدار یار سے مشرف ہوئے۔ جنہوں نے بے دلی سے منافقانہ طریقہ پر بلیٰ کہا تھا ان کی اصلیت اب ظاہر ہو گئی غرضیکہ انبیائے کرام کی ذات کھرے کھوٹے میں فرق کرنے والی ہے۔ اس آیت نے بتایا کہ کتاب اللہ بھی رب کی طرف سے آتی ہے اور رسول اللہ

www.alahazratnetwork.org

بھی مگر حق و باطل کا فیصلہ صرف کتاب اللہ سے نہیں ہوتا بلکہ رسول اللہ کرتے ہیں رب نے فرمایا **لیحکم بین الناس** تاکہ رسول و نبی لوگوں کے درمیان فیصلہ فرمادیں۔ دوسری جگہ فرمایا **انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس**۔ اے محبوب ہم نے تم پر حق کے ساتھ قرآن اس لئے اتارا کہ تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ صرف کتاب سے ایمان و ہدایت نہیں ملتے بلکہ رسول کے ذریعے میسر ہوتے ہیں۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر　　　علم و حکمت از کتب دیں از نظر

کتاب دل کا نور ہے اور نبوت سورج کا نور ان دونوں نوروں کے بغیر ہدایت غیر ممکن ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بے شمار نعمتیں بخشیں مگر سب نعمتوں سے اعلیٰ ہدایت ہے۔ ہدایت اسی کو ملتی ہے۔ جس پر رب کا خاص کرم ہو اگر منزل کا راستہ معلوم نہ ہو تو موٹر کار بس وغیرہ سب بیکار ہیں اگر راستہ خراب ہو مستقیم نہ ہو تو یہ ہی بسیں الٹ کر مسافروں کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ غرضیکہ سید ھارلو اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ بڑا احسان اسی کا ہے جو راستہ بتائے ریگستان میں رہبر بڑی بڑی رقمیں صرف رہبری کی وصول کرتے ہیں دنیا ریگستان ہے جہاں راہ حق کا پتہ نہیں چلتا رو دھواس پر جس نے ہمیں یہاں رب کا راہ دکھایا۔

اَمۡ حَسِبۡتُمۡ اَنۡ تَدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ وَلَمَّا يَاۡتِكُمۡ مَّثَلُ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا مِنۡ
کیا گمان کیا تم نے یہ کہ داخل ہو جاؤ تم جنت میں حالانکہ اب تک نہ آئی تم پر مانند ان لوگوں کے جو گزرے
کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی تم پر اگلوں کی سی روداد نہ آئی
قَبۡلِكُمۡ مَسَّتۡهُمُ الۡبَاۡسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلۡزِلُوۡا حَتّٰى يَقُوۡلَ الرَّسُوۡلُ
پہلے سے تمہارے۔ کہ پہنچی ان کو سختی اور ضرر اور شدت اور جھنجھوڑے گئے یہاں تک کہ کہنے لگے رسول
پہنچی انہیں سختی۔ اور شدت اور ہلا ہلا ڈالے گئے یہاں تک کہ کہہ اٹھا رسول اور
وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ مَتٰى نَصۡرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصۡرَ اللّٰهِ قَرِيۡبٌ ۝
اور وہ جو ایمان لائے ساتھ اُن کے کہ کب ہے مدد اللہ کی خبردار تحقیق مدد اللہ کی قریب ہے۔
اس کے ساتھ کے ایمان والے کب آئے گی اللہ کی مدد سن لو بے شک اللہ کی مدد قریب ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ جسے چاہے ہدایت دے۔ اب ہدایت لینے کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ اس کے لینے کے لئے سخت مصیبتیں اور تکلیفیں برداشت کرنا پڑتی ہیں۔ یہ مفت نہیں مل جاتی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ دنیا سے اختلاف مٹانے کے لئے مسلمانوں کو قرآن کریم عطا فرمایا گیا اور انہیں سب سے افضل و اعلیٰ بنایا گیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو تم اس دینی فضیلت کے برقرار رکھنے کے لئے سخت مصیبتیں اور مشقتیں جھیلنے پر آمادہ ہو جاؤ کیونکہ دنیا کی اصلاح آسان نہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ گمراہوں کی گمراہی اور ان کے جھگڑے فساد ہمیشہ سے ہوتے چلے آئے ہیں۔ اب نئے نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ اللہ والوں کی استقامت اور دین حق کی تبلیغ کے لئے کوشش اور مخالفین کے مقابلہ میں صبر بھی ہمیشہ سے ہی ہوتے رہے ایسا نہ ہو کہ

www.alahazratnetwork.org

تم ان صفات میں ان سے پیچھے رہ جاؤ۔

شان نزول : غزوۂ احزاب میں مسلمانوں کو سخت مصیبتوں کا سامنا تھا۔ سردی اور بھوک کی تکلیفیں سخت دشمن کا مقابلہ اپنی بے سروسامانی پھر اس حال میں خالی پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کی کھدائی' ممکن تھا کہ مسلمان جی چھوڑ جاتے۔ قرآن کریم نے فرمایا **و بلغت القلوب الحناجر** خود مدینہ منورہ میں یہود و نصاریٰ اور منافقین کی یورش بھی تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں مسلمانوں کو گذشتہ لوگوں کے واقعات سنا کر صبر دلایا گیا (کبیر و خزائن العرفان وغیرہ)۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب مہاجرین اپنا گھر بار مال دولت مشرکین کے قبضہ میں چھوڑ کر مدینہ منورہ پہنچے تو یہاں یہود نے ظاہر و خفیہ عداوتیں شروع کر دیں اور ہر طرح انہیں ایذائیں پہنچائیں۔ مسلمانوں کو ایک تو گھر بار چھوٹنے کا صدمہ تھا دوسرے یہ غم تھا۔ اس پر یہ آیت اتری جس میں فرمایا گیا تھا کہ راہ خدا میں مصیبتیں برداشت کرنا اللہ والوں کا کام ہے۔

تفسیر : **ام حسبتم ان تدخلوا الجنة**۔ ام ' درمیانی سوال کے لئے آتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں کیا گھر میں زید ہے یا عمر۔ یہاں بھی ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ جس کے بعد یہ ام ہے۔ یعنی کیا تم گذشتہ صابر مسلمانوں کا طریقہ اختیار کرو گے یا یہی سمجھے رہو گے کہ بغیر محنت جنت پالو (کبیر) بعض نے فرمایا کہ ام بمعنی بل ہے مگر پہلے معنی بہت مناسب ہیں۔ حسبتم میں مسلمانوں سے خطاب ہے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی یہ خیال فرمایا اور نہ فرما سکتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس خطاب میں حضور علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ اس کا مطلب یہی ہے کہ خطاب پیغمبر سے ہے مگر مسلمانوں کو سنانا منظور۔ خیال رہے کہ اس قسم کے مضامین سامعین کو شوق دلانے کے لئے ہوتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ نہیں ہوتا کہ سامع کے دل میں ایسا خیال پیدا ہو چکا ہے لہٰذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ حضرات صحابہ کو یہ خیال پیدا ہو چکا تھا یا وہ بزدل ہو چکے تھے یہ آیت تو مدنیہ ہے جو بعد ہجرت نازل ہوئی۔ حضرات صحابہ نے ہجرت سے پہلے وہ جانبازیاں کیں کہ زمانہ انہیں ہمیشہ یاد رکھے گا۔ بعد ہجرت بھی اس آیت کے نزول سے پہلے ان کی قربانیاں زندہ جاوید رہیں گی **ولما یاتکم** یہ واو حالیہ ہے اور جملہ **تدخلوا** کی ضمیر سے حال۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ لما ایک ہی لفظ ہے اور بعض کے نزدیک لم اور ما نافیہ سے مل کر بنا ہے (روح المعانی) **مثل الذین خلوا من قبلکم** یا تو مثل بمعنی صفت ہے اور یا بمعنی کہاوت یا قصہ عجیبہ جیسے **و للہ المثل الاعلیٰ** (کبیر) یا بمعنی مشابہ و مماثل' الذین سے گذشتہ امتوں کے مجاہدین و صابرین مراد ہیں۔ یعنی کیا تم یہ سمجھ گئے کہ جنت میں پہنچ جاؤ۔ حالانکہ اب تک تم پر اگلوں کی سی مصیبتیں اور محنتیں نہ پہنچیں **مستھم الباساء و الضراء** یہ جملہ مثل کا بیان ہے۔ باساء ' بؤس کے معنی میں ہے۔ بمعنی شدت و فقیری و مسکنت یعنی وہ تکلیف جس کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو جائے۔ ضراء ' ضر سے بنا بمعنی خارجی مصیبتیں یعنی ان کو بہت سی اندرونی تکلیفیں خوف و غربت بھوک اور بہت سی بیرونی مصیبتیں دشمنوں کا مقابلہ وغیرہ پہنچیں۔ **و زلزلوا** اس کا مصدر زلزلہ ہے بمعنی ہلانا اور جگہ سے ہٹانا زمین کی جنبش میں بھی مکانات جگہ سے ہٹ جاتے ہیں لہٰذا اسے بھی زلزلہ کہتے ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ زل سے بنا بمعنی پھسلن مکرر کرنے سے بار بار ہٹانے کے معنی پیدا ہوئے۔ جیسے کف سے کفکف اور قل سے قلقل اور صلصل اور صر سے صرصر وغیرہ یعنی بار بار ہلائے گئے اور انہیں خوب جھنجھوڑا گیا۔ **حتی یقول الرسول والذین امنوا معہ** یہ مستقبل کی حکایت ہے اور قول سے بے قراری اور اضطرابی حالت میں پکار الفتاح مراد ہے۔ یعنی انہیں یہاں

www.alahazratnetwork.org

تک مصیبتیں پہنچیں کہ بے قرار ہو کر پیغمبر اور ان کے ساتھی مسلمان پکار اٹھے متی نصر اللہ متی کے بعد ایک قول پوشیدہ ہے اور مدد سے وہ مدد مراد ہے جس کا وعدہ ہوا تھا یعنی اللہ کی مدد موعود اب کب آئے گی اور اس سے بڑھ کر کون سی مصیبت کا انتظار ہے۔ **الا ان نصر اللہ قریب** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ ان پیغمبروں کی دعا کا جواب ہے۔ یعنی تب ہم نے ان سے فرمایا کہ مت گھبراؤ اللہ کی مدد بہت قریب ہے اور ممکن ہے کہ موجودہ مسلمانوں سے خطاب ہو یعنی اے مسلمانوں گھبراؤ نہیں مدد الٰہی بہت قریب ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جنت جیسی اعلیٰ نعمت یونہی بغیر محنت حاصل کر لو اب تک تم پر وہ مصیبتیں نہ آئیں جو تم سے اگلوں پر آچکیں تم تو ان سے اعلیٰ ہو۔ تمہیں چاہئے کہ صبر کا اچھا نمونہ پیش کرو اور کسی وصف میں ان سے پیچھے نہ رہو۔ انہیں تو اندرونی بیرونی مصیبتیں اور تکلیفیں بہت پہنچیں اور انہیں ہلا ہلا ڈالا گیا اور بار بار سخت مصیبتوں کا سامنا ہوا اور شدت کی انتہا اس حد تک پہنچی کہ ان امتوں کے رسول اور ان کے فرمانبردار مومن بھی طلب مدد میں جلدی کرنے لگے اور بے قرار ہو کر پکار اٹھے کہ مولا اب تیری مدد کب پہنچے گی اور اس سے بڑھ کر کون سی مصیبت آئے گی حالانکہ رسول بڑے صابر ہوتے ہیں اور ان کے ساتھی بھی باوجود ان انتہائی مصیبتوں کے وہ لوگ اپنے دین پر قائم رہے اور دنیا ان کا عمل نہ بدل سکی۔ تب انہیں تسلی اور خوشخبری دی گئی کہ مت گھبراؤ رب کی مدد قریب ہے۔ ان حالات کو دیکھو اور صبر اختیار کرو۔ بخاری شریف میں حضرت خباب ابن ارت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام خانہ کعبہ کے سایہ میں چادر مبارک کا تکیہ لگائے تشریف فرما تھے۔ ہم نے حضور سے اپنی مصیبتوں کی شکایت کی اور عرض کیا کہ حضور ہمارے لئے دعا کیوں نہیں فرماتے تو آپ نے فرمایا کہ تم سے پہلے لوگ زمین میں داب دیئے جاتے تھے۔ آرے سے چیر کر دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے۔ لوہے کی کنگھیوں سے ان کے سر کے گوشت نوچ لئے جاتے تھے مگر انہیں کوئی مصیبت دین سے نہ روک سکتی تھی۔ قسم رب کی یہ دین پورا ہو کر رہے گا۔ دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا کہ صنعاء سے حضر موت تک لوگ بے دھڑک جائیں گے۔ مگر تم جلدی کرتے ہو (درمنثور و خزائن العرفان) الحمد للہ کہ صحابہ کرام نے استقامت اور صبر کی مثالیں قائم فرمادیں جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبروں کے سردار ہیں ویسے ہی ان کے صحابہ اصحاب انبیاء کے سردار اگر ان کی صبر و استقامت دیکھنا ہو تو تاریخ کا مطالعہ کرو اور قرآن پاک میں بھی ان کی بہت تعریفیں کی گئی ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ۔** نیکی کی رغبت دینے کے لئے گزشتہ لوگوں کے کارنامے سنانا سنت الہیہ ہے۔ واعظین کا یہ دستور اسی آیت سے ماخوذ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** نیکی میں دوسروں کی حرص کرنا اور سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا جائز بلکہ باعث ثواب ہے دنیوی حرص گناہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** بغیر عمل جنت کی خواہش کرنا حماقت ہے بے شک شفاعت اور رب کی رحمت حق ہے مگر شفاعت اور رحمت حاصل کرنے کے لئے نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** انسان کو چاہئے دینی معاملات میں ہمیشہ اپنے سے اونچے کو دیکھے تاکہ دل میں شیخی نہ پیدا ہو۔ **پانچواں فائدہ:** دنیوی رنج و غم اور پریشانی کا دل پہ اثر ہونا خلاف نبوت نہیں۔ جیسے کہ زہر یلی اور نقصان دہ چیزوں کا اثر انبیاء کرام کے جسم پر ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی دنیا کی پریشانیوں کا اثر ان کے دل پر بھی ہو سکتا ہے۔ ہاں کوئی پریشانی ان کو اپنی جگہ سے ہٹا نہیں سکتی۔ چھٹا

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: دنیوی تکلیفیں رب کی ناراضی کی علامت نہیں۔ ایسے ہی یہاں کے آرام رضاء الٰہی کی دلیل نہیں۔ بہت دفعہ رب کے پیاروں کو غم اور دشمنوں کو راحتیں مل جاتی ہیں بلکہ روح البیان شریف نے شروع سورۂ کہف میں فرمایا کہ رنج و غم ترقی کا زینہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت بغیر سخت مشقت نہیں ملتی تو چاہئے کہ مسلمانوں کے چھوٹے بچے' دیوانہ مسلمان یا جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہو جائیں وہ جنتی نہ ہوں کہ انہوں نے کوئی مشقت جھیلی ہی نہیں۔ جواب: حصول جنت تین قسم کا ہے۔ کسبی' وہبی' عطائی اپنے عمل سے میسر ہو تو کسبی ہے۔ دوسرے کے طفیل ہو تو عطائی' بلاواسطہ رب کے فضل و کرم سے ہو وہ وہبی ہے یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے عطاو فضل دوسری چیز ہے۔ دوسرا اعتراض: بعض مسلمانوں کو ہمیشہ ہر طرح آرام رہتا ہے وہ تکالیف مشقت سے آشنا بھی نہیں ہوتے تو چاہئے کہ وہ جنتی نہ ہوں۔ جواب: اس آیت میں مسلمانوں کو مصائب جھیلنے پر آمادہ کیا گیا ہے کہ اگر آفات آپڑیں تو گھبرائیں نہیں آگے رب کی مرضی ہے کہ وہ مصیبت بھیجے یا نہ بھیجے امام حسین ہمیشہ آرام سے رہے مگر جب مصیبت آپڑی تو نہایت خندہ پیشانی سے جھیل گئے۔ مصیبت جھیلنا اور ہے اور جھیلنے کے لئے آمادہ رہنا کچھ اور۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلے پیغمبر بھی مصیبتوں سے گھبرا گئے اور رب کے وعدۂ مدد میں شک کرکے کہنے لگے کہ مدد کب آئے گی۔ دوسری جگہ قرآن کریم میں فرمایا **و ظنوا انهم قد كذبوا** حالانکہ گھبراہٹ بھی جرم ہے اور رب کے وعدوں میں شک کرنا سخت جرم اور انبیائے کرام معصوم ہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک وہ جو تفسیر میں گزرا کہ تکلیف کی بے چینی تقاضائے بشریت ہے۔ نبوت کے خلاف نہیں۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ انبیائے کرام پر زہر اور تلوار و جادو کا اثر ہونا خلاف نبوت ہے دوسرے یہ کہ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ مسلمانوں نے تو کہا تھا کہ مدد کب آئے گی اور انبیاء کرام نے کہا گھبراؤ نہیں عنقریب آتی ہے۔ یعنی دو جماعتوں کے دو قول ہیں۔ اب کوئی اعتراض نہیں۔ تیسرے یہ کہ متی نصر اللہ شک کا کلمہ نہیں بلکہ پریشانی کا اظہار ہے۔ کہ مولیٰ اب تو تکلیف انتہا کو پہنچ چکی۔ تو کب مدد فرمائے گا۔ وہ آیت جو معترض نے پیش کی اس کے معنی غلط کئے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ انبیاء کرام کو قوم کے جھٹلانے کا اندیشہ ہو گیا کہ ایسا نہ ہو دیر میں مدد آنے سے لوگ سمجھیں کہ پیغمبروں نے ہم سے غلط وعدہ کیا تھا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بغیر عمل جنت حاصل کرنا چاہتے تھے اسی لئے رب نے انہیں اس ارادہ سے روکا اور فرمایا ام حسبتم الخ جواب: کبھی سوال کے پیرایہ میں ممانعت کی جاتی ہے تاکہ سننے والا وہ کام نہ کر سکے یہاں بھی ایسا ہی ہے جیسے کوئی اپنے عزیز قریب سے کہے کہ کیا تم نوکری چھوڑنا چاہتے ہو۔ مطلب یہ ہے کہ نہ چھوڑو۔ ایسے ہی یہاں فرمایا گیا کہ یہ خیال نہ کرنا۔ حضور کے صحابہ نے حضور کی اطاعت اور اسلام کی خدمت میں وہ مصیبتیں جھیلیں جن کی مثال نہیں ملتی۔ حضرت بلال نے امیہ ابن خلف کے ہاتھوں کیسے دکھ دیکھے۔ حضرت عمار ابن یاسر نے اپنی آنکھوں سے اپنی ماں کو کفار کے ہاتھوں چرتے دیکھا۔ حضرت نضر ابن انس نے جنگ احد میں اتنے زخم کھا کر جام شہادت نوش کیا کہ صورت نہیں پہچانی جاتی تھی صرف انگلیوں کے پوروں سے پہچانا گیا۔ آخر میں حضرت سید الشہداء جناب حسین نے ہر قسم کے صبر کے جو نمونے قائم کئے وہ تو ازل تا قیامت مثال نہیں رکھتے۔ غرضیکہ حضور کے صحابہ پچھلی امتوں کے صحابہ سے ہر طرح آگے رہے کسی طرح

www.alahazratnetwork.org

پیچھے نہ رہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے راہ محبت کے مسافرو کیا تم یہ خیال کئے ہوئے ہو کہ دیدار یار کی جنت میں بغیر مشقت داخل ہو جاؤ اور تمہیں پچھلوں کی سی دشواریاں درپیش نہ آئیں۔ یہ کبھی خیال نہ کرنا' پچھلے مسافروں کو ترک دنیا' ترک وطن' فقیری مسکینی کی سخت مشقتیں اور مجاہدہ ریاضت' مخالفت نفس اور عبادات کی سخت تکلیفیں درپیش آئیں اور ان کو شوق محبت۔ سفر کی مصیبتوں سے ہلا ہلا ڈالا گیا تاکہ ان کی استعداد اور قابلیت پوری پوری ظاہر ہو جائے۔ یہاں تک کہ رہبر اور مسافر دونوں درازی فراق اور مشقت جہاد اور دوری منزل شوق وصل اور راستہ کی دشواری سے گھبرا کر رب سے مدد مانگنے لگے کہ مولی تو ہی ہمیں صبر سے سفر طے کرنے کی توفیق اور مشقتیں برداشت کرنے کی طاقت دے۔ جب ان کی مشقتیں انتہاء کو پہنچیں اور طاقتیں ختم ہوئیں تب ان کے کان میں غیبی آوازیں آئیں کہ مت گھبراؤ منزل قریب ہے اور رب کی مدد آنے والی ہے اور تب ہی آثار جمال ظاہر ہوئے۔ حجاب اٹھے جب تم دنیوی کامیابیاں حاصل کرنے میں بڑی مصیبتیں جھیل جاتے ہو اور معشوق مجازی کے وصال کے لئے ہزاروں مشقتیں برداشت کرتے ہو تو یہ اخروی کامیابی ہے اور محبوب حقیقی کا وصال ہے۔ یہاں ہر بوالہوس کا کام نہیں۔ بہت ٹھونک بجا کر آزمائش کرکے اہل کو بلایا جاتا ہے۔

محبوب یہ کہتا ہے کوئی آنے نہ پائے
اور جو کوئی آ جائے تو پھر جانے نہ پائے

اے اچھو ہم بدوں کو بھی اپنے ساتھ لے لو۔ ہوا اخبار کو بھی آسمان پر پہنچا دیتی ہے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا ہے وہ جو خرچ کریں۔ فرمادو جو کچھ خرچ کرو تم بھلائی سے پس واسطے ماں باپ
تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تم فرمادو جو کچھ مال نیکی میں خرچ کرو تو وہ ماں باپ اور
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ
اور قرابت داروں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں کے لئے ہے اور جو کچھ کرو گے
قریب کے رشتہ داروں اور یتیموں اور محتاجوں اور راہگیر کے لئے ہے اور جو
خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾
بھلائی پس تحقیق اللہ اس کو جاننے والا ہے۔
بھلائی کرو بے شک اللہ اسے جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جانی قربانی کے لئے آمادہ کیا گیا اب انہیں مالی قربانی کرنے پر متوجہ کیا جا رہا ہے تاکہ نقد نعمتوں میں مشغول ہو کر آئندہ کی کامل نعمتوں سے غافل نہ ہو جائیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اشارۃً آنے والی مصیبتوں کی خبر دی گئی۔ جس میں جہاد بھی داخل ہے اور

www.alahazratnetwork.org

جہاد میں مال خرچ کرنے کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے۔ اب انہیں خیرات کے مصرف بتائے جا رہے ہیں تاکہ انہیں راہ خدا میں خرچ کرنے کی عادت پڑے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ربانی امتحان کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اس امتحان کی دو ہی صورتیں ہیں۔ ایک تو آئی ہوئی مصیبت پر گھبرانہ جانا دوسرے کمائی ہوئی نعمت کو اس کی رضا کے لئے بخوشی خرچ کر دینا پچھلی آیت میں پہلے امتحان کا ذکر تھا اور اب دوسرے امتحان کا ذکر ہے۔

شان نزول : حضرت عمرو بن جموح بہت مالدار اور بڈھے تھے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ کیا خرچ کروں اور کس پر خرچ کروں۔ ان کے جواب میں یہ آیت اتری (خزائن و در منثور وغیرہ) سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک دینار ہے کیا کروں۔ فرمایا اپنی جان پر خرچ کر عرض کیا دو ہیں فرمایا اپنے گھر والوں پر خرچ کر۔ عرض کیا تین ہیں۔ فرمایا اپنے خادم پر خرچ کر۔ عرض کیا چار ہیں۔ فرمایا اپنے ماں باپ پر خرچ کر۔ عرض کیا پانچ ہیں فرمایا اپنے رشتہ داروں پر خرچ کر عرض کیا چھ ہیں فرمایا راہ الٰہی میں خرچ کر اس کی تائید میں یہ آیت اتری (کبیر و معانی)۔

تفسیر : یسئلونک ما ذا ینفقون اگرچہ سوال کرنے والا ایک ہی شخص تھا۔ مگر چونکہ یہ جواب سب کے لئے کار آمد ہے۔ اس لئے سب ہی کو سائل قرار دے کر جمع کا صیغہ فرمایا گیا۔ چونکہ سائل نے سوال حضور ہی سے کیا تھا نہ کہ رب تعالیٰ سے اس لئے فرمایا گیا کہ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں یعنی پوچھتے آپ سے ہیں مگر جواب ہم بتاتے ہیں۔ کیونکہ آپ سے پوچھنا در اصل ہم سے ہی پوچھنا ہے ایسے ہی جو حضور سے مانگے تو اسے دیتا رب تعالیٰ ہے کہ حضور سے مانگنا در حقیقت رب تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے۔ چونکہ اس آیت کا نزول اس صحابی کے ایک سوال پر ہوا ہے اس لئے ان کے سوال کا بھی ذکر فرمایا تاکہ تاقیامت مسلمان ان کے احسان مند رہیں۔ جن کے سوال کے صدقے سے انہیں یہ آیت ملی بعض آیات کی عطا بعض صحابہ کے طفیل ہوئی ہے۔ جیسے بعض احکام بعض صحابہ کے صدقے سے ملے دیکھو تیمم کے احکام حضرت عائشہ صدیقہ کے طفیل رمضان میں رات بھر کھانے پینے کی اجازت حضرت صرمہ ابن قیس کی طفیل رمضان کی رات میں عورتوں سے صحبت کی اجازت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے صدقے سے تو ان آیات کے نزول میں ان صحابہ کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے۔ جن کے سبب یہ آیات اتریں۔ ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے اور ینفقون کا مفعول۔ او ریا 'ما' استفہامیہ ہے اور ذا بمعنی الذی۔ اس صورت میں ما مبتداء کا ہو گا اور ذا اگلے فعل سے مل کر اس کی خبر (کبیر) ماذا سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یہ تھا کہ کس قسم کا مال خرچ کریں اور ممکن ہے کہ دونوں ہی سوال ہوئے ہوں کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں مگر ایک سوال کا ذکر فرمایا۔ ینفقون 'نفقتہ' سے بنا بمعنی خرچ کرنا اور بکھیرنا چونکہ خرچ میں بھی جمع شدہ مال بکھیرا جاتا ہے اس لئے اسے نفقہ کہتے ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں یا کیا ہے وہ مال جو خرچ کریں **قل ما انفقتم من خیر** 'ما' موصولہ ہے اور من خیر اس کا بیان خیر سے یا تو زیادہ مال مراد ہے یا مال حلال۔ روح البیان نے فرمایا کہ جو مال کار خیر میں خرچ ہو جائے وہ خیر ہے۔ خیر میں چند احتمال ہیں۔ مال حلال 'اچھی جگہ خرچ کیا ہوا مال۔ نیت خیر سے خرچ والا مال۔ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال۔ زندگی و تندرستی میں دیا ہوا مال کہ مرتے وقت کی خیرات کا ثواب آدھا ملتا ہے۔ اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت سے خیرات کیا ہوا مال۔ ریاکاری کی

www.alahazratnetwork.org

خیرات کا ثواب نہیں۔ غرضیکہ جیسے پیداوار حاصل کرنے کے لئے تخم بھی اعلیٰ ہونا چاہیے زمین بھی زرخیز اور وقت کاشت بھی مناسب اور پھر دھوپ بارش ملتی رہنی چاہیے کھیت کی خدمت بھی چاہیے۔ اسی طرح خیرات کیلئے مال حلال مصرف بہترین نیت خیر زندگی و تندرستی کا زمانہ مناسب ہے۔ بہرحال یہ جملہ ان کے سوال اول کا جواب ہو گیا یعنی جو کچھ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال یا حلال مال یا کسی قسم کا کوئی سامان بھی خرچ کرو **فللوالدین والاقربین** چونکہ دنیا میں بڑے احسان والے ماں باپ ہیں کہ انہیں کی بدولت انسان نیستی سے ہستی میں آیا اور انہوں نے ہی پالا اور پرورش کیا لہٰذا پہلے ان کا ذکر ہوا۔ لہٰذا پہلے ان کا ذکر ہوا۔ پھر ان میں بھی حق خدمت ماں کا زیادہ کیونکہ اس نے خون پلا کر پالا ہے اور حق مالی باپ کا مقدم کہ اس نے زر سے پالا۔ پھر قرابتداروں سے بھی انسان کی عزت آبرو بڑھتی ہے نیز انہیں سے قوت اور طاقت حاصل ہوتی ہے اگر ہمارے قرابتدار فقیر ہوں تو ہماری آبرو نہیں۔ اس لئے ماں باپ کے بعد ان کا ذکر کیا۔ جس قدر قرابت قوی اسی قدر اس کا حق زیادہ۔ خیال رہے کہ ماں باپ اور اہل قرابت پر خرچ کرنا کبھی واجب ہے اور کبھی صرف مستحب **والیتمی والمسکن وابن السبیل** یتمی یتیم کی جمع ہے۔ یتیم وہ نابالغ بچہ ہے۔ جس کا باپ مرگیا ہو مسکین مسکین کی جمع یہ وہ محتاج ہے۔ جس کے پاس اپنی حاجت روائی کیلئے بھی مال نہ ہو۔ ابن السبیل سفر میں مشغول مسافر کو کہتے ہیں یعنی راہ گیر۔ پردیس میں رہنے والے کو مسافر تو کہہ سکتے ہیں مگر ابن السبیل نہیں کہہ سکتے۔ اگر مالدار آدمی بھی سفر میں محتاج ہو جائے تو اس کی بھی امداد کرنی چاہیے یعنی جو کچھ مال خرچ کرو وہ ماں باپ اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں میں کرو۔ چونکہ ابھی خرچ کی جگہ اور بہت سی باقی تھیں اس لئے اجمالاً فرمایا کہ **وما تفعلوا من خیر** اس خیر سے ہر نیک کام مراد ہے۔ صدقات خیرات نماز روزے حج مسافر خانے اور مسجدیں بنانا وغیرہ یعنی اور جو کچھ بھلائی کرو گے۔ **فان اللہ بہ علیم** اللہ اس کو جانتا ہے۔ بے خبر نہیں۔ بقدر اخلاص ثواب عطا فرمائے گا۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے خرچ کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں انہیں دونوں سوالوں کا جواب دے دو کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال راہ الٰہی میں خرچ کرو۔ صحیح جگہ خرچ کرو۔ غلط مصرف پر خرچ کرنا فضول یا نقصان دہ ہے۔ لہٰذا اپنے ماں باپ کو دو۔ کیونکہ انہیں کے دم سے تم دنیا میں آئے۔ اپنے قرابت داروں کو دو کیونکہ ہر شخص کو اپنے قرابت داروں کے حال کی زیادہ خبر ہوتی ہے اگر تمہارے قرابتدار دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں تو اس میں تمہاری بھی ذلت ہے۔ بہتر ہے کہ تمہاری ضرورتیں آپس میں ہی پوری ہو جایا کریں۔ لاوارث غریب یتیموں کو بھی دو کیونکہ ان کا لاوارث کوئی نہیں جو ان کی حاجتیں پوری کرے اور نہ وہ خود کمانے پر قادر ہیں اور مسکینوں اور راہ گیروں کو بھی دو تاکہ ان کی فوری ضرورتیں پوری ہو جائیں۔ اس پر ہی کیا موقوف ہے۔ جہاں تک ہو سکے ہر بھلائی کی کوشش کرو تمہارے کسی کام سے رب غافل نہیں۔ وہ تمہیں ضرور جزا دے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خرچ کرنا چاہیے خیرات کر کے خود محتاج بن جانا اور بھیک مانگنا ناجائز ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حلال مال خرچ کرنا چاہیے پاک بارگاہ میں پاک مال بھیجو۔ **تیسرا فائدہ:** ہر قسم کا مال خرچ کرنا بہتر ہے۔ بھوکے کو کھانا ننگے کو کپڑا محتاج کو پیسہ وغیرہ دو۔ زمین والے زمین بھی خیرات کریں کہ مسجد مدرسہ مسافر خانہ بنوائیں۔ یہ تینوں فائدے لفظ خیر سے حاصل ہوئے۔ **چوتھا فائدہ:** خرچ میں قرابت اور

www.alahazratnetwork.org

حاجت کی ترتیب کا خیال رکھے۔ زیادہ قریب پر پہلے خرچ کرے اس کے بعد دور کے رشتہ دار پر اسی طرح سخت ضرورت مند کو پہلے دے۔ پھر معمولی حاجت مند کو جس کے اہل قرابت حاجتمند بیٹھے ہوں اور وہ اوروں کو خیرات دے وہ مقبول نہیں کیونکہ یہاں واؤ اگرچہ ترتیب کے لئے نہیں مگر ذکری ترتیب فائدہ سے خالی بھی نہیں۔

مسئلہ : ماں باپ کو زکوۃ فطرہ اور کوئی صدقہ واجبہ دینا جائز نہیں۔ ایسے ہی بیوی اور اپنی اولاد کو (از خزائن العرفان) مسئلہ: یہاں انفاق سے صدقہ نفلی مراد ہے۔ اور اگر صدقہ واجبہ مراد ہو تو یہ آیت حکم زکوۃ سے منسوخ ہے۔ (در منثور) مسئلہ: اس یتیم اور مسافر کو صدقہ واجبہ دے سکتے ہیں جن کے پاس مال نہ ہو۔ غنی یتیم اور مالدار مسافر جو اپنے ساتھ مال رکھتا ہو صدقہ واجبہ نہیں لے سکتا پانچواں فائدہ: انسان کو جس نیکی کا موقع ملے کر ڈالے ہلکا سمجھ کر چھوڑ نہ دے۔ ممکن ہے کہ معمولی ہی نیکی اسے نجات دلا دے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یہ تھا کہ کیا خرچ کریں مگر جواب یہ دیا گیا کہ کہاں خرچ کرو۔ یہ جواب سوال کے مطابق نہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ سوال دو تھے اور ان دونوں کے جواب دیئے گئے۔ پہلے سوال کا جواب من خیر ہے یعنی حلال اور اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خرچ کرو۔ اور دوسرے کا جواب فللوالدین سے اخیر تک۔ دوسرے یہ کہ سوال اگرچہ ایک ہی ہے مگر دوسرا جواب اسی لئے دیا گیا کہ یہ زیادہ ضروری تھا۔ تیسرے یہ ان کا سوال معمولی تھا کیونکہ ہر شخص جانتا ہے کہ بچا ہوا مال خرچ کرنا چاہئے انہیں جواب میں بہت ضروری بات بتائی گئی۔ جیسے بیمار طبیب سے پوچھے کہ کیا کھاؤں۔ طبیب جواب دے کہ جو بھی کھاؤ بھوک سے زیادہ مت کھانا اور وقت ہی کھانا یہ نہایت حکیمانہ جواب ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں خیرات کے پورے موقع کیوں نہ بیان کئے۔ بھکاری اور غلاموں کے آزاد کرانے کا ذکر نہ فرمایا گیا جیسا کہ دوسری آیت میں ہے۔ جواب: وما تفعلوا من خیر میں اجمالاً سارے موقع آگئے بعض صراحۃً اور بعض اشارۃً۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم سوالات کیوں نقل فرماتا ہے۔ چاہئے کہ صرف مسئلہ فرمایا کرے یہ کیا کہ لوگ یہ پوچھتے ہیں آپ یہ جواب دیں کلام کو یکادور از فرمانے سے کیا فائدہ۔ جواب: قرآن پاک توریت و انجیل کی طرح ایک دم نہ آیا بلکہ بقدر ضرورت اس کی آیات اتریں سوال نقل فرمانے میں اس ضرورت کا اظہار ہے کہ فلاں ضرورت پر یہ آیت آئی نیز اس سے مسلمان سائلین کی عزت بڑھ گئی۔ قیامت تک ان کی یادگار قائم ہو گئی جب بھی کوئی اس آیت کی تفسیر کرے ان کا نام بھی لے اس میں محبوب کے غلاموں کی عزت افزائی ہے۔ چوتھا اعتراض: جب مسئلہ یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے بچا ہوا مال خیرات کرے تو ایک بار حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا گھر راہ خدا میں کیوں خیرات کر دیا یہ عمل اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: یہ حکم عام لوگوں کے لئے عام حالات میں ہے جو آج سب خیرات کر کے کل بھیک مانگے وہ گنہگار ہے جو ابوبکر صدیق جیسا صابر و شاکر متوکل ہو اس کے بال بچے بھی انہیں سرکار جیسے متوکل ہوں ان کے لئے یہ حکم نہیں۔

موسیا آداب دانا دیگر اند! سوختہ جان و رواناں دیگر اند

پانچواں اعتراض: من خیر کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اپنی اور اپنے بال بچوں کی ضروریات سے بچا ہوا مال باپ پر خرچ

www.alahazratnetwork.org

کرنا چاہئے حالانکہ ان کا حق تو سب پر مقدم ہے۔ **جواب:** ماں باپ کا حق احسان سب پر مقدم ہے مگر حق قانونی بیوی بچوں کے بعد ہے۔ بیوی اگر لکھ پتی بھی ہو تب بھی اس کا خرچہ خاوند پر واجب ہے لیکن اگر ماں باپ امیر ہوں تو ان کا خرچ اولاد پر واجب نہیں۔ نیز بیوی اپنے نفقہ میں خاوند کا سامان قاضی کے ذریعے بکوا سکتی ہے مگر ماں باپ ایسا نہیں کر سکتے۔ بہر حال حق قانونی بیوی کا مقدم ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یہاں روح سے خطاب ہے کہ اے روح تو جو خیر یعنی کشف و الہام پائے اسے حاجتمندوں پر صرف کر جسم و نفس تیرے والدین کی طرح ہیں کہ انہیں کے ذریعے تو اس عالم میں آئی پہلے ان پر علوم ربانی خرچ کرکے ان ہی کی اصلاح کر پھر دیگر اہل قرابت قلب و دماغ کو بھی اپنے علم سے فائدہ پہنچا کہ ان سے تجھے قوت حاصل ہوتی ہے۔ اگر یہ جہنم میں گئے تو تو بھی مصیبت میں گرفتار ہو گی تیری نجات ان کی نجات سے ہے۔ پھر اپنے خیالات' افعال' حرکات و سکنات پر بھی اپنا علم صرف کر۔ تجھے ان سے بھی بہت قوی تعلق ہے۔ جب ان سب کی اصلاح کر لے۔ تب دوسرے مسافران راہ خدا کی دستگیری کر اپنی اور اہل قرابت مریدین متوسلین کی دستگیری کر۔ رب کی بارگاہ میں تنہا نہ آ۔ اپنی جماعت کو ساتھ لا رب کا فرمان ہے **قوا انفسکم و اھلیکم نارا** اپنے کو اور اپنے اہل کو آگ سے بچاؤ اس کے ماسوا جس کسی بندہ خدا سے کسی قسم کا بھی تو سلوک کرے گی۔ رب تجھے اس کی جزا دیگا۔ چاہئے کہ تیرا فیض خاص نہ ہو' عام ہو۔ مدرس کی ترقی اس کے شاگردوں کی کامیابی سے ہے۔ تیری ترقی بھی تیرے ساتھیوں کی ترقی میں ہے غرضیکہ پہلے اپنی پھر دوسروں کی اصلاح کر۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّهُوَ

فرض کیا گیا اوپر تمہارے جہاد حالانکہ وہ ناگوار ہے واسطے تمہارے اور قریب ہے یہ کہ برا سمجھو تم کسی

تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے۔ اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بری لگے

خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْئًا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

چیز کو حالانکہ وہ بہتر ہو واسطے تمہارے اور قریب ہے یہ کہ پسند کرو تم کسی چیز کو حالانکہ وہ بری ہو واسطے

اور وہ تمہارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور تمہارے حق میں بری

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

تمہارے۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

ہو اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں پہلے تو مسلمان کو جانی قربانی کیلئے آمادہ کیا گیا پھر مالی قربانی کا صاف صاف حکم دیا گیا۔ اب جانی قربانی یعنی جہاد کا صاف حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ جہاد جان و مال کا بہترین مصرف ہے گویا یہ آیت پچھلی آیتوں کا تتمہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ تم جو بھی بھلائی کرو گے۔ رب اس

سے خبردار ہے اب اعلیٰ شکل یعنی جہاد کا حکم دیا گیا گویا یہ آیت پچھلے مضمون کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مال باپ اہل قرابت مساکین اور مسافروں کے لئے مال خرچ کرو تا کہ انہیں راحت حاصل ہو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اسلام و مسلمانوں کی خاطر اللہ کے لئے جان خرچ کرو یعنی جہاد کرو کہ جہاد کی قربانی سے ملک و قوم و دین و ملت سب ہی کا بھلا ہے۔ گویا پہلے بھی دینی و قومی خدمت کا ذکر تھا اور اب بھی اسی کی اعلیٰ قسم کا ذکر ہے اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف رجوع ہے۔

تفسیر: **کتب علیکم القتال '** کتب بمعنی فرض ہے اور اس سے جہاد فرض فرمانا مقصود ہے گویا یہ خبر بمعنی حکم ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے خبر دینا مقصود ہو یعنی ازل سے ہی تمہارے ذمہ جہاد لکھا گیا تھا لوح محفوظ میں تھا کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جانباز اور سرفروش ہو گی یا پچھلی آسمانی کتب توریت و انجیل وغیرہ میں تمہارے اوصاف و حالات میں لکھا گیا تھا کہ امت مصطفوی مجاہد ہو گی ان پر جہاد فرض ہو گا لہٰذا یہ فرضیت جہاد تمہاری حقانیت کی دلیل ہے جیسے تبدیلی قبلہ وغیرہ علیکم ظاہر یہ ہے کہ اس میں سب مسلمانوں سے خطاب ہے اور کتب سے مراد فرض کفایہ ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ خاص صحابہ کرام یا خاص ان مسلمانوں سے خطاب ہو جن پر کفار حملہ کریں کہ اس صورت میں جہاد فرض عین ہے یہ بھی ممکن ہے کہ سب مسلمانوں پر جہاد یا جہاد میں امداد دینا فرض ہو گیا قتال سے شرکت جہاد مراد ہے (از کبیر و درمنثور) مگر حق یہی ہے کہ اسلام میں تا روز قیامت جہاد فرض ہے مگر اس فرضیت کے ظہور کے لئے کچھ شرائط ہیں جیسے نماز و روزہ و حج تو تمام مسلمانوں پر فرض ہے مگر اس کے ظہور کے لئے کچھ شرائط ہیں کہ بغیر ان کے فرضیت نماز و روزہ کا ظہور نہیں اور استطاعت نہ ہونے کی صورت میں فرضیت حج کا ظہور نہیں فرضیت اور ہے ظہور فرضیت کچھ اور القتال میں الف لام عہدی ہے کہ فرض ہے اور اس سے کفار سے جنگ کرنا مراد ہے یعنی اے عام مسلمانو! یا اے خاص کفار میں گھرے ہوئے مسلمانو تم پر کفار سے جنگ کرنا یا اس جنگ میں مدد دینا فرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ جنگ و قتال چار قسم کے ہیں۔ جنگ شیطانی، جنگ نفسانی، جنگ روحانی، جنگ رحمانی۔ ناجائز چیز پر لڑنا جنگ شیطانی ہے جیسے غیر عورت کے لئے جنگ، نفسانی وہ ہے جو دنیاوی چیزوں کے حصول کیلئے لڑیں اور زمین، راستہ، دنیا کی لڑائیاں جائداد اور زمین، مال یا جان کے لئے جو لڑائیاں ہوتی ہیں وہ جنگ نفسانی ہیں۔ مسلمانوں کا کفار سے لڑنا تاکہ اسلام کو فروغ ہو جنگ رحمانی ہے اور محض اس لئے کفار سے لڑنا کہ رب تعالیٰ راضی ہو جائے جنگ روحانی و عرفانی ہے یہاں جنگ رحمانی کا ذکر ہے۔ **وھو کرہ لکم** واو عاطفہ ہے اور جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر جائز ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حالیہ ہو اور جملہ حال ہو۔ مگر حال ہو کر واؤ نہیں آ سکتا (معانی) ھو کا مرجع یا تو قتال ہے یا کتب کا مصدر یعنی فرضیت جہاد۔ کرہ (کاف کے پیش سے) اور کرہ (کاف کے زبر سے) کے ایک ہی معنی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ کرہ بمعنی مجبوری اور کرہ بمعنی ناگواری (کبیر) بعض نے فرمایا کہ عارضی مشقت کو کرہ (مفتوح) کہتے ہیں اور اصلی مشقت کو کرہ (مضموم) بہر حال یہاں یہ لفظ گرانی یا طبعی مشقت کے معنی میں ہے نہ کہ بمعنی ناراضی کیونکہ مسلمان رب کے حکم سے ناراض نہ تھے یعنی وہ جہاد تمہیں طبعاً گراں ہے۔ کبیر نے فرمایا کہ یہ فرضیت جہاد سے پہلے کا حال بتایا جا رہا ہے یعنی اب تک تمہیں جہاد بہت دشوار تھا کہ تمہارے دشمن زیادہ ہیں اور تم بظاہر کمزور مگر خیال رکھو کہ **عسیٰ ان تکرھوا شیئا وھو خیر لکم '** عسیٰ کسی چیز کا قریب ہو جانا ہے۔ شک کیلئے نہیں۔ درمنثور نے فرمایا کہ قرآن کریم میں عسیٰ ضروری چیزوں پر فرمایا گیا سوا دو جگہ کے ایک تو عسیٰ ربہ ان طلقکن اور دوسرے **عسیٰ ربکم ان یرحمکم۔ تکرھوا** کراہت سے بنا بمعنی گرانی و ناگواری۔ **شیئا** سے تمام عبادات و فرائض مراد ہیں کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

عبادت کی مشقت نفس کو ناگوار ہے۔ خیر سے نافع اور فائدہ بخش مراد ہے۔ یعنی قریب ہے کہ تم کسی چیز کو طبعاً ناپسند کرو اور وہ درحقیقت تمہارے لئے فائدہ مند ہو۔ **وعسی ان تحبوا شیئا وھو شرلکم** یہاں محبت سے دلی میلان اور طبیعت کا رجحان مراد ہے۔ شئی سے تمام لذیذ ممنوع و حرام چیزیں مراد ہیں شر کے لفظی معنی ہیں پھیلنا۔ کہا جاتا ہے کہ شررت الثوب میں نے کپڑا سوکھنے کے لئے پھیلا دیا (کبیر) آگ کے شعلوں کو شرر کہتے ہیں کہ وہ بھی پھیلتے ہیں چونکہ برائی و معصیت بہت جلد پھیل جاتی ہے اس لئے اسے شر کہا جاتا ہے۔ یعنی بہت ممکن ہے کہ تم کسی ممنوع چیز کو طبعاً پسند کرو اور تمہارا دل ادھر مائل ہو اور وہ تمہارے حق میں مصیبت ہو۔ خوب یاد رکھو کہ **واللہ یعلم وانتم لا تعلمون** اللہ تمہاری بھلائی برائی جانتا ہے۔ تم نہیں جانتے تم تو ظاہر پر مائل ہو جاتے ہو۔ حقیقت کا علم رب کو ہے لہذا اس کے احکام بلا توقف قبول کر لیا کرو۔

خلاصہ تفسیر : ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو جہاد کی اجازت نہ تھی بعد ہجرت جب کتابی و غیر کتابی کفار نے بہت پریشان کیا اور مسلمانوں کی زندگی دوبھر ہو گئی تب انہیں بدلہ لینے کی اجازت دی گئی کہ جو تم پر ظلم کرے اور لڑے تم بھی اس سے بدلہ لو۔ اس پر بھی مخالفین ظلم و ستم سے باز نہ آئے۔ اور ایمان والوں کو ہر جگہ اور ہر طرح ستانا شروع کیا۔ تب انہیں جہاد کی عام اجازت دی گئی۔ یہ آیت عام اجازت بلکہ فرضیت کی ہے۔ چونکہ جنگ میں جانی و مالی قربانی کرنا ہوتی ہے اور یہ نفس پر بہت شاق ہے نیز مسلمانوں کو اب تک جنگ کی عادت نہ تھی۔ لہذا فرمایا گیا کہ اے مسلمانو تم پر راہ خدا میں کفار سے جنگ کرنا فرض کیا گیا۔ تمہیں جہاد گراں ضرور ہے مگر رب کے حکم پر سر جھکاؤ بہت ممکن ہے کہ تم کو کوئی چیز ناگوار ہو مگر حقیقت میں وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ممکن ہے کہ کوئی چیز تمہیں بھلی معلوم ہوتی ہو مگر دراصل وہ تمہارے لئے مصیبت ہو۔ لہذا تم رب کے حکم کی اطاعت کرو۔ اپنی پسند و ناپسند کا خیال نہ کرو۔ کڑوی دوا مریض کو ناگوار ہے مگر صحت اسی میں ہے۔ اگر شروع بیماری میں ہی علاج نہ کر لیا گیا تو آئندہ مرض لاعلاج ہو جاوے گا اگر ابھی تم نے کفار کا زور نہ توڑا تو آئندہ تمہاری زندگی ناممکن ہو جاوے گی اور پھر کفر کا سیلاب روکے نہ رکے گا۔ تمہاری نگاہ فقط ظاہری عیش و آرام پر ہوتی ہے ہم حقیقت کو جانتے ہیں لہذا تم ہمارا حکم بلا تامل قبول کر لو۔ اسوقت کی تکلیف تمہیں آئندہ آرام دے گی اور اس وقت کا آرام بعد میں بہت مصیبت ڈال دیگا۔ خیال رہے کہ اسلامی جنگیں چند قسم کی ہیں حربی کفار سے جنگ۔ مرتدین سے جنگ۔ باغیوں یا خوارج سے جنگ عہد صدیقی میں اکثر جنگیں مرتدین سے ہوئیں اور عہد فاروقی و عثمانی میں کفار حربی سے جنگیں رہیں اور عہد مرتضوی میں باغیوں خارجیوں سے جنگ ہوئی۔ ان جنگوں کی اقسام و احکام جداگانہ ہیں۔ جن کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو اور خوارج و باغیوں کا فرق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر میں دیکھو۔ قرآن کریم میں عموماً کفار سے جنگ کا ذکر ہوتا ہے یہاں بھی حربی کفار سے ہی جنگ مراد امام حسین کی یزید سے جنگ ایسی تھی جیسے محافظ ملک کی ڈاکوؤں سے جنگ کہ یزید دین کا چور ڈاکو تھا اور حضرت حسین دین کے محافظ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جہاد بہت بہتر عبادت ہے۔ اس میں عقلی و نقلی بے شمار فائدے ہیں جو ہم پہلے تفصیل وار بیان کر چکے۔ یہاں چند عقلی فائدے عرض کرتے ہیں۔ (1) جہاد سے دنیاوی رغبت کم اور عقبیٰ کی طرف میلان زیادہ ہوتا ہے جو کہ اطاعت کی اصل ہے۔ (2) سپاہیانہ زندگی بقاء کا ذریعہ ہے نہ کہ عیش کی زندگی۔ کمزور مصاحب سپاہی کے بل بوتے پر زندہ رہتا ہے اور سپاہیانہ زندگی جہاد سے حاصل ہوتی ہے۔ (3) اگر دشمن کو ہماری بزدلی کا پتہ چل جاوے تو

www.alahazratnetwork.org

ہم کو پیس دے کیونکہ طاقتور کمزور سے ہر بات منوا سکتا ہے لیکن اگر ہم طاقت ور رہے تو دشمن یا تو ہماری اطاعت پر مجبور ہوگا یا ہم سے دور ہی رہے گا۔ (4) جیسے انسان میں آگ، پانی، ہوا، مٹی، چار دشمن جمع ہیں۔ انہیں کے اجتماع کا نام مزاج ہے اس نظام کے قیام کیلئے قوت و طاقت کی ضرورت ہے۔ صدہا مقویات اسی طاقت کیلئے استعمال کرائی جاتی ہیں۔ اگر جسم میں طاقت نہ ہو تو ہر بیماری دبا لیتی ہے۔ نزلہ عضو ضعیف پر گرتا ہے۔ ایسے ہی دنیا میں مختلف انسان جمع ہیں اور ایمان کے بہت دشمن۔ اگر مسلمانوں میں طاقت نہ ہو تو وہ دشمن ہلاک کر ڈالیں لہذا ضروری ہے کہ ایمانی مقویات کا استعمال رہے اور وہ جہاد ہے۔ (5) آج یورپ والوں کو عزت بھی ہے اور حکومت بھی صرف اس لئے کہ ان کے پاس قوت ہے۔ موجودہ مسلمان اسی لئے کمزور ہو گئے کہ ان میں جہاد کی طاقت نہ رہی۔ (6) گلے عضو کو کاٹ ڈالنا کھیت سے خودرو گھاس کو اکھیڑ دینا جسم اور کھیتی کی اصلاح ہے۔ طاقت کفر کو زائل کر دینا ایمان کی کھیتی کی حفاظت ہے اور یہ بات جہاد ہی سے حاصل ہوگی۔ (7) جہاد ہی سے امن و امان کا قیام ہے۔ اسی سے نسل انسانی کی بقاء چوروں کو سزا دینا ملک کی امن ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر بات میں عقل کو دخل نہ دینا چاہئے۔ بہت سی باتیں بظاہر خلاف عقل ہوتی ہیں۔ مگر مفید اس آیت سے نئی تعلیم یافتہ عبرت پکڑیں۔ شریعت کے اسرار معلوم کرنا اچھا ہے مگر عقل کی اطاعت بری۔ اطاعت اللہ و رسول ہی کی کرو خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے۔ **تیسرا فائدہ:** نفس کی ناپسندیدگی پر عذاب نہیں بلکہ اگر اسکی مخالفت کرکے رب کی اطاعت کی جاوے تو زیادہ ثواب ہے۔ دیکھو سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو بارش میں مسجد کی حاضری نفس پر گراں ہے مگر ان پر ثواب زیادہ ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کو مجبور کرکے یہ کام بخوبی ادا کرے تو ڈبل ثواب پائے۔ **چوتھا فائدہ:** عقل انسانی برائی بھلائی کے پہچاننے میں کافی نہیں اس کے لئے شرعی معیار کی ضرورت ہے اسی لئے انبیاء کرام کو بھیجا گیا دیکھو اس آیت کریمہ میں سارے عاقلوں سے خطاب ہے۔ ہو سکتا ہے کہ تم کسی چیز کو اچھا سمجھو اور وہ ہو بری۔ اس لئے عقل پر ان چیزوں کا مدار نہیں۔

مسئلہ : جہاد فرض ہے جبکہ اس کے شرائط پائے جاویں۔ اگر کسی ملک پر کفار چڑھائی کریں تو وہاں کے مسلمانوں پر فرض عین۔ اگر وہ مقابلہ سے عاجز ہوں تو ان سے قریبی مسلمانوں پر فرض۔ ورنہ فرض کفایہ کہ اگر کسی نے نہ کیا تو سب گنہگار اور بعض نے کرلیا تو سب بری۔ جیسے کہ نماز جنازہ یا جواب سلام **مسئلہ:** مجاہد کی مدد کرنا بھی فرض کفایہ ہے اگر اس کو ضرورت ہو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ **کتب علیکم الصیام** اور **کتب علیکم القتال** یکساں عبارتیں ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ روزے تو فرض عین ہوں اور جہاد فرض کفایہ۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یا تو خاص ان مسلمانوں سے خطاب ہے جن پر کفار نے حملہ کر دیا ہو۔ ان پر واقعی فرض عین ہے یا القتال سے جنگ اور جنگ میں مدد دونوں ہی مراد ہیں واقعی مسلمانوں پر لازم ہے کہ مجاہد کی امداد کریں اگرچہ دعائے خیر سے ہی ہو۔ دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا **وما کان المؤمنون لینفروا کافۃ** سب مسلمان جہاد میں نہ جاویں۔ روزے کے متعلق کوئی ایسی آیت نہ آئی لہذا وہ فرض عین رہا اور جہاد فرض کفایہ۔ بارہا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ میں تشریف نہ لے گئے۔ صحابہ کرام ہی کو بھیج دیا اور بارہا کچھ حضرات کو چھوڑ کر خود جہاد میں تشریف لے گئے۔ آپ کا یہ فعل اس آیت کی تفسیر ہے اگر جہاد فرض عین ہوتا تو ہر جہاد میں سب جایا کرتے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو حکم جہاد ناپسند تھا

www.alahazratnetwork.org

حالانکہ حکم الٰہی سے ناراضی کفر ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیری میں گزر گیا کہ انہیں حکم سے ناراضی نہ تھی بلکہ دشمنوں کی زیادتی اپنی کمزوری اور عادت جنگ نہ ہونے کی وجہ سے جہاد شاق معلوم ہوتا تھا یہ ناگواری باعث ثواب ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں۔ دیکھو رب نے عام خطاب فرمایا کہ تم نہیں جانتے اس میں حضور علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ کو بھی فوائد جہاد کی خبر نہ تھی (دیوبندی) جواب: اس آیت میں اول سے آخر تک مسلمانوں سے ہی خطاب ہے۔ انہیں کو جہاد گراں معلوم ہوا تھا۔ حضور علیہ السلام کو کبھی بھی اس سے ناگواری نہ ہوئی بلکہ آپ نے ہمیشہ اس کی رغبت دی اور فضائل بیان فرمائے۔ اگر آپ کو بھی فوائد جہاد کو خبر نہ تھی تو امت کو کیسے معلوم ہوئے کیا کسی دیوبندی پر وحی آئی تھی اور اگر مان لیا جاوے تب بھی اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ حضور کو فوائد جہاد کی خبر دی بھی نہ گئی واقعی بالذات علم تو اللہ کا ہے اس کی عطا سے حضور کو ملا۔

تفسیر صوفیانہ : اے مسلمانو! تم پر نفس امارہ و شیطان سے جہاد کرنا فرض ہے چونکہ تم نفسانیات میں مبتلا ہو۔ اس لئے وہ تمہیں فی الحال ناگوار ہے۔ نفس کے حجاب میں سے اچھی چیز تو بری معلوم ہوتی ہے اور بری چیز اچھی۔ یہ ہی تمہارا حال ہے۔ جب یہ حجاب اٹھے گا تب تمہیں اس جہاد کا فائدہ معلوم ہوگا۔ تم جسمانی لذات کو پسند کرتے ہو اور روحانی لذات کو ناپسند۔ یہ نفس کا اثر ہے اس پسندیدگی میں بھی راز ہے کہ رب نے عبادات کو تمہارے لئے شاق اور گناہ کو پسندیدہ بنایا تاکہ تم مخالفت نفس سے ثواب پاؤ۔ نفس کی موت میں قلب کی زندگی ہے اور قلب کی موت میں نفس کی حیات۔ خیال رکھو کہ تمہیں اور رب میں تمہاری خودی آڑ ہے۔ جب آڑ کو پھاڑ دیا تو سامنے دربار یار ہے۔ کسی نے خوب کہا ہے۔

بینی و بینک انی قد یزاحمنی
فارفع بجودک لی انی من البینی

مولیٰ تجھ میں اور مجھ میں میری خودی آڑ ہے اپنے فضل سے میری خودی دور کردے تاکہ میں نہ رہوں تو ہی ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اقتلونی اقتلونی یا ثقات
ان فی قتلی حیاتاً فی حیات!
خنجر و شمشیر و شد ریحان من!
مرگ من شد زم و ز گسدان من

عاشق خود بخود جاتے ہیں اغیار کو جبراً ادھر کھینچا جاتا ہے قلب و روح خود جا رہے ہیں۔ نفس ادھر سے کتراتا ہے۔ اسے جبراً ادھر لے چلو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما التصوف قال وجدان الفرح
فی الفواد عند اتیان الترح!
جملہ در زنجیر بیم و ابتلاء
مے روند ایں رہ بغیر اولیاء

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ چھ چیزوں سے مخلوق خراب ہوئی۔ نیت کا فساد، شہوات کا غلبہ، لمبی امیدیں، مخلوق کو راضی رکھنے کی کوشش۔ خواہشات کی پیروی اور سنت سے بے پرواہی۔ بزرگان دین کی عبادات سے غفلت اور ان کی عیب جوئی کی کوشش۔ لہذا نفس سے ایسا جہاد کرو کہ اس میں یہ عیوب نہ رہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادات کی گرانی بھی رب کی رحمت ہے جس سے ثواب زیادہ ہو جاتا ہے۔ جس کا دل عبادات میں لگے اس کو قرب الٰہی زیادہ ہے۔ حضور فرماتے ہیں جعلت قرۃ عینی فی

www.alahazratnetwork.org

الصلوٰۃ اور جس پر نماز یا تلاوت گراں ہو مگر وہ نفس کو مجبور کر کے عبادات پر قائم رہے اس کا ثواب زیادہ ہے دیکھو فرشتوں کو عبادات کا ثواب نہیں کہ وہاں گرانی طبع نہیں۔ نیز بعد موت مردے قبر میں تلاوت و نماز ادا کرتے ہیں مگر ان پر ثواب نہیں بلکہ زندے انہیں ایصال ثواب کرتے ہیں۔ کیونکہ وہاں گرانی نفس ختم ہو چکی جنت میں لوگ ذکر اللہ کریں گے مگر اس ذکر پر ثواب نہیں کہ وہاں نفس امارہ ختم ہو چکا گرانی جاتی رہی ثواب بھی جاتا رہا غرضیکہ گرانی طبع زیادتی ثواب کا موجب ہے اور وھو کرہ لکم صحابہ کی تعریف ہے۔ برائی یا تنقیص نہیں یوں ہی محبت شئی کی تین صورتیں ہیں۔ اسے اچھا جاننا۔ طبعاً پسند کرنا دل کا میلان اگر کسی بری شئی کی طرف میلان ہو مگر اس سے رہے علیحدہ تو اس پر ڈبل ثواب ہے حضور فرماتے ہیں کہ جیسے حسینہ عورت زنا کے لئے بلائے اور وہ خوف الٰہی کی بنا پر اس سے الگ رہے تو قیامت میں عرش کے سایہ میں ہوگا۔ یہاں ان تحبوا شیئا میں یہ ہی میلان مراد ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے باریک یا دور کی چیز دیکھنے کیلئے خوردبین یا دوربین آنکھ پر لگانا پڑتی ہے ایسے ہی عقل پر عشق و اطاعت کی حقیقت بین عینک لگانا ضروری ہے جس سے عقل اصل حقیقت پا سکے ورنہ ٹھوکریں کھائے گی۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ
پوچھتے ہیں آپ سے بابت مہینہ حرمت والے کے جنگ سے بیچ اس کے۔ فرمادو جنگ کرنا بیچ اس کے بڑا
تم سے پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنے کا حکم۔ تم فرمادو اس میں لڑنا بڑا گناہ ہے اور اللہ کی راہ سے
صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ
ہے۔ اور روکنا راستہ سے اللہ کے اور انکار کرنا اس کا اور مسجد حرمت والی سے۔ اور نکالنا رہنے والوں کا
روکنا اور اس پر ایمان نہ لانا اور مسجد حرام سے روکنا اور اس کے بسنے والوں کو نکال دینا اللہ
مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ
اس کے اس سے بہت بڑا ہے نزدیک اللہ کے اور فتنہ بہت بڑا ہے قتل سے اور رہیں گے وہ جنگ کرتے
کے نزدیک یہ گناہ اس سے بھی بڑے ہیں اور ان کا فساد قتل سے سخت تر ہے اور ہمیشہ تم سے لڑتے
يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ
تم سے یہاں تک کہ پھیر دیں تم کو دین سے تمہارے اگر طاقت رکھیں ؕ
رہیں گے یہاں تک کہ تمہیں تمہارے دین سے پھیر دیں اگر بن پڑے ؕ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پہلی آیت میں فرضیت جہاد کا ذکر تھا اب وقت جہاد کے متعلق کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں گویا عبادت کے بعد اس کے اوقات بیان ہوئے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کبھی ظاہر کچھ اور ہوتا ہے اور واقعہ کچھ اور اب اسی کے متعلق ایک واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ جس میں صحابہ کرام کا ایک

www.alahazratnetwork.org

کام بظاہر گناہ تھا اور حقیقت میں ثواب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد بہت ضروری چیز ہے۔ اب دشمنی کفار کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ جہاد کی ضرورت ثابت ہو جائے۔

شان نزول : ہجرت کے دوسرے سال جنگ بدر سے دو مہینہ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پھوپھی زاد بھائی عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ کو آٹھ مہاجرین کا سردار بنا کر کفار کی خبر لینے بھیجا اور انہیں ایک فرمان نامہ لکھ کر دیا اور فرمایا کہ اسے ابھی نہ پڑھو۔ دو دن کا راستہ طے کر کے کھول کر پڑھنا۔ حضرت عبداللہ نے ایسا ہی کیا جب دو دن کے بعد فرمان نامہ کھولا تو اس میں لکھا پایا کہ تم بطن نخلہ پہنچ کر قریش کے قافلہ کی خبر لو اور اپنے ساتھ جانے پر کسی کو مجبور نہ کرو۔ جو چاہے جائے جو چاہے نہ جائے۔ حضرت عبداللہ نے یہ فرمان اپنے آٹھوں ساتھیوں کو سنایا۔ وہ سب آپ کے ساتھ ہی روانہ ہو گئے جب فرع منزل میں پہنچے تو حضرت سعد ابن ابی وقاص اور عتبہ ابن غزوان کا اونٹ گم گیا جس کی تلاش میں یہ دونوں یہاں ہی رہ گئے باقی چھ عکاشہ اور ابو حذیفہ، سہیل، عامر، واقد، خالد ابن بکیر آپ کے ساتھ روانہ ہو کر بطن نخلہ میں پہنچے جو مکہ مکرمہ اور طائف کی درمیانی منزل ہے۔ یہ جمادی اخری کی اخیر تاریخیں تھیں۔ کچھ عرصہ کے بعد قریش کا ایک قافلہ طائف سے تجارتی سامان لئے ہوئے یہاں سے گزرا۔ جس میں عمر ابن حضرمی اور حکم ابن کیسان اور نوفل ابن عبداللہ تھے۔ یہ لوگ صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ کر ڈر گئے۔ عبداللہ ابن جحش اور ان کے ساتھیوں نے مشورہ کیا کہ آج جمادی اخری کی آخری تاریخ ہے۔ اگر ابھی ان پر حملہ نہ کیا گیا تو آج شام کو رجب کا چاند ہو جائے گا۔ جس میں جنگ حرام ہو جائے گی۔ چنانچہ انہوں نے اس قریشی قافلہ پر حملہ کر کے عمرو ابن حضرمی کو تو قتل کر دیا اور دو کو گرفتار کر کے اور مال غنیمت لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ خدا کی شان کہ اس حملہ کے دن رجب کی پہلی تھی۔ چاند انتیس کا ہو چکا تھا مگر انہیں پتہ نہ لگا اور اس دن کو تیسویں جمادی اخری سمجھے۔ اس پر کفار عرب نے شور مچا دیا کہ مسلمانوں نے ماہ حرام کی بھی عظمت نہ کی۔ ہوتے ہوتے یہ خبر حضور علیہ السلام کو بھی ملی۔ تو آپ نے عبداللہ سے فرمایا کہ ہم نے تم کو کفار کی خبر لانے بھیجا تھا نہ کہ جنگ کرنے۔ تم نے جنگ کیوں کی۔ حضرت عبداللہ سخت پریشان ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے نہ تو یہ مال غنیمت قبول فرمایا اور نہ ان قیدیوں کے متعلق کچھ فیصلہ کیا۔ حضرت عبداللہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم سے جو کچھ ہوا غلطی سے ہوا۔ ہم اس دن کو جمادی اخری سمجھے ہمیں چاند کا پتہ نہ لگا۔ اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں عبداللہ کی تائید اور کفار مکہ کی سخت تردید کی گئی۔ اس آیت کے نزول کے بعد حضور نے مال غنیمت تقسیم فرمایا اور قیدیوں کا فیصلہ فرمایا۔ یہ اسلام میں پہلی جنگ تھی اور پہلی غنیمت اور پہلے قیدی ان دو قیدی میں سے حکم ابن کیسان تو مسلمان ہو گئے اور بیر معونہ میں شہید ہوئے اور عثمان ابن عبداللہ اسلام نہ لایا۔ (روح البیان و در منثور وغیرہ)۔

تفسیر : **یسئلونک** اس فعل کا فاعل یا تو مسلمان ہیں کیونکہ اس سے پہلے مسلمانوں ہی سے خطاب تھا۔ اور انہیں کے سوالات کے جوابات دیئے گئے تھے اور یا کفار ہیں۔ کیونکہ آئندہ کفار ہی کے حالات بیان ہو رہے ہیں یعنی اے محبوب یہ عبداللہ اور ان کے ساتھی مجاہدین یا کفار عرب آپ سے پوچھتے ہیں۔ **عن الشھر الحرام** حرام سے محترم مہینہ مراد ہے۔ جس میں جنگ و جدال ناجائز ہے وہ چار مہینے ہیں۔ رجب، ذیقعد، ذی الحجہ اور محرم یعنی یہ لوگ محترم مہینے کے متعلق پوچھتے ہیں مسلمان تو مسئلہ دریافت کرنے کی نیت سے اور کفار عناد و سرکشی کے لئے **قتال فیہ** یہ شہر حرام کا بدل اشتمال ہے یعنی جنگ کے متعلق

www.alahazratnetwork.org

دریافت کرتے ہیں کہ ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے۔ قل قتال فیہ کبیر جواب تو رب نے دیا مگر حضور سے کہلوایا۔ کیونکہ سوال بھی آپ ہی سے تھا۔ کبیر کے معنی ہیں بڑا مگر بڑی برائی پر یہ لفظ خصوصیت سے بولا جاتا ہے۔ جیسے کبرت کلمتہ اسی لئے بڑے گناہ کو کبیرہ کہتے ہیں۔ یعنی فرماؤ کہ ماہ حرام میں جنگ کرنا بڑا گناہ ہے خیال رہے کہ اس عبارت میں دونوں جگہ قتال نکرہ لایا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان سے مختلف لڑائیاں مراد ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ لوگ عبداللہ ابن جحش کی جنگ کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ یہ حلال تھی یا حرام۔ آپ فرماؤ کہ ماہ حرام میں وہ جنگ منع ہے جو جان بوجھ کر ہو۔ یہ جو کچھ ہوا خطاء ہوا جس کی کوئی پکڑ نہیں (کبیر) کیونکہ جب نکرہ دوبار لایا جاوے تو دوسرے نکرہ سے پہلے کے سوا کچھ اور مراد ہوتا ہے۔ جیسے فی السماء الہ وفی الارض الہ رب تعالیٰ کی معبودیت آسمان میں اور نوعیت کی اور زمین میں دوسری نوعیت کی لہذا یہاں پہلے قتال سے اور قسم کا قتال مراد ہے اور دوسرے قتال سے دوسری قسم کا قتل یعنی قتل عمداً یعنی لوگ آپ سے خطاء ً جنگ کے بارے میں یا مطلقاً جنگ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ آپ فرماؤ کہ عمداً جنگ بری ہے۔ لہذا اس میں حضرت عبداللہ کی بے قصوری بیان ہوئی نہ کہ ان کا گناہ۔ اب معترضین کی طرف اشارہ کرکے ان کے چار عیب بیان فرمائے جارہے ہیں ایک یہ کہ وصد عن سبیل اللہ صد کے معنی پھرنا اور رک جانا بھی ہیں اور دوسرے کو پھیرنا اور روک دینا بھی۔ یہاں دونوں ہی بن سکتے ہیں مگر دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں سبیل اللہ سے مراد ہے یعنی اسلام سے باز رہنا یا اوروں کو روکنا۔ خیال رہے کہ کسی کو اسلامی عقائد یا نیک اعمال سے قولاً یا فعلاً روکنا طریقہ کفار ہے اور بہت برا اس میں بڑی وسعت ہے کسی کو نماز کے وقت باتوں میں لگا کر مسجد نہ جانے دینا اولاد کو اسلامی طرف سے روک کر انہیں صرف کالج سینما کی طرف بھیج دینا اپنے گھر والوں کو اچھے کام کی رغبت نہ دینا سب اسی میں داخل ہیں۔ دوسرے وکفر بہ یہ صد پر معطوف ہے اور بہ کا مرجع لفظ اللہ ہے یعنی اللہ کا انکار کرنا۔ اگرچہ کفار رب کے منکر نہ تھے مگر انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کا انکار گویا رب ہی کا انکار ہے اور رب کا انکار یا اس کی اطاعت نہ کرنا وہ عیب ہے جسے کتے بھی عیب سمجھتے ہیں وہ بھی مالک کی نمک حلالی کرتے ہیں۔ تیسرے والمسجد الحرام یہ سبیل اللہ پر معطوف ہے اور مسجد حرام سے کعبہ معظمہ یا مکہ مکرمہ مراد ہے یعنی مسجد حرام سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو روکنا اور انہیں وہاں نماز ادا کرنے اور عمرے سے محروم کردینا یا حدیبیہ کے موقع پر انہیں مکہ معظمہ میں نہ جانے دینا کہ اگرچہ صلح حدیبیہ اس واقعہ کے بعد ہوئی مگر رب کے تو علم میں تھی ہی (کبیر) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہو کہ ابو جہل نے ایک بار کہا تھا کہ اگر میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ میں سجدہ کرتے دیکھا تو انہیں ایذا دوں گا۔ جس پر سورۂ اقراء کی آخری آیات آئیں ارء یت الذی ینھی عبدا اذا صلی چوتھے واخراج اھلہ منہ ان دونوں ضمیروں کا مرجع مسجد حرام ہے اور اہل سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مراد ہیں کیونکہ یہ مکہ کے رہنے والے تھے بلکہ اب بھی اس کے حقدار مسلمان اگرچہ مسجد سے دور رہو مگر وہ مسجد والا ہے کافر اگرچہ مسجد ہی میں رہتا ہے لیکن مسجد والا نہیں نیز آئندہ بھی مکہ میں مسلمان ہی رہیں گے نہ کہ کفار۔ اس لحاظ سے بھی مسجد حرام والے وہی ہوئے (روح البیان) یعنی مسجد حرام والوں کو وہاں سے نکالنا اکبر عنداللہ اکبر کے بعد منہ پوشیدہ ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک یہ چار گناہ ماہ حرام میں جہاد کرنے سے بدتر ہیں کیونکہ کفر وغیرہ بے دینی ہے اور یہ جنگ فقط گناہ نیز ان مسلمانوں نے غلطی سے جنگ کی۔ تم یہ گناہ جان بوجھ کر کرتے ہو۔ نیز تمہاری حرکتیں دین حق میں فتنہ ہیں اور وہ جنگ دین کی خدمت والفتنۃ اکبر من القتل الفتنۃ میں الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اور القتل میں عہدی۔ یعنی اے

www.alahazratnetwork.org

کفار تمہارے یہ فتنے ایسے قتلوں سے بڑھ کر گناہ ہیں۔ کیونکہ اس قتل سے دین حق کو کوئی نقصان نہ پہنچا اور تمہاری حرکتوں سے دین کو نقصان پہنچتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں فتنہ سے یا تو کفر مراد ہے اور یا کفار کا مسلمانوں کو ایذا دینا یا انہیں وہاں سے نکالنا یا ملک میں ناحق فساد پھیلانا۔ اس کے لفظی معنی ہیں مصیبت میں ڈالنا اور جانچنا۔ جیسے انما اموالکم و اولادکم فتنۃ اسی لئے دیوانہ کو بھی مفتون کہتے ہیں جیسے بایکم المفتون (کبیر) اب مسلمانوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ ولا یزالون یقاتلونکم یزالون زوال سے بنا جس کے معنی ہیں ہٹنا اور رفتہ۔ اس پر لا داخل ہو کر ہمیشگی کے معنی پیدا ہو گئے یعنی یہ کفار تمہاری جنگ سے نہ ہٹیں گے اور باز نہ آئیں گے بلکہ ہمیشہ کرتے رہیں گے۔ خواہ گرم جنگ لڑیں شمشیر سے یا سرد جنگ کریں تدبیر سے۔ بہرحال تمہارے دین کے پیچھے پڑے رہیں گے دیکھو آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے ہندوستان کے مسلمانوں کی ایمانی قوت کیسی تھی اور آج انگریزوں کی مہربانی سے ہم کیا ہو گئے صورتیں سیرتیں سب ہی بگڑ گئیں یہ ہے ان کی سرد جنگ حتی یردوکم عن دینکم ان استطاعوا یہاں حتی یا تو کی معنی کے ہے (روح البیان) یا انتہا کے لئے یردوا رد سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پھیرنا۔ استطاعوا طوع سے بنا بمعنی فرمانبرداری۔ طاقت کو استطاعت اسی لئے کہتے ہیں کہ طاقتور کی فرمانبرداری کی جاتی ہے یعنی یہ کفار تمہیں تمہارے دین سے پھیرنے کے لئے تم سے لڑتے ہی رہیں گے۔ اگر یہ طاقت رکھیں یا یہ کفار تم سے اس وقت تک جنگ کریں گے جب تک کہ تمہیں اپنے دین سے پھیر دیں اگر طاقت رکھیں۔ خلاصہ یہ کہ کفار تمہاری جان، مال، عزت کے ہی دشمن نہیں بلکہ وہ تمہارے ایمان کے دشمن ہیں۔ جس طرح ہو سکے گا تمہیں اسلام سے ہٹائیں گے تو جیسے تم جان و ایمان کی حفاظت کیلئے مضبوط عمارتیں بناتے ہو حکومتیں تمہاری حفاظت کیلئے پولیس وغیرہ رکھتی ہیں ایسے ہی تم ایمان کی حفاظت کیلئے مضبوط قلعوں میں رہو اولیاء علماء تمہاری حفاظتی پولیس ہے ان کے سایہ میں رہو۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے ماہ حرام میں جنگ کرنے کے متعلق پوچھتے ہیں کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ فرما دو کہ اس زمانہ میں جنگ کرنا بڑا ہی گناہ ہے۔ مگر اے معترضین تم لغزش کرنے والوں پر تو اعتراض کرتے ہو۔ اپنے جرموں کو نہیں دیکھتے تم میں حسب ذیل عیوب ہیں تم ہی نے لوگوں کو ایمان سے روکا۔ تم ہی نے رب کا انکار کیا۔ تم ہی نے مسلمانوں کو مسجد حرام میں نماز پڑھنے اور عمرہ کرنے سے باز رکھا۔ تم ہی نے حرم میں رہنے والوں کو تنگ کر کے وہاں سے نکالا۔ تم ہی آئندہ ماہ حرام میں مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکو گے کیا مکہ کی زمین حرم نہیں اور وہاں جرم کرنا گناہ نہیں۔ جس زمین پاک میں جانور کو بھی ایذا نہیں دے سکتے وہاں اللہ والوں کو ستانا کیسا سخت گناہ ہے۔ جہاں سے شکاری جانور کو بھی نکالنا حرام ہے کیا وہاں کے حقدار باشندوں کو نکال دینا بے ایمانی نہیں۔ یقیناً تمہارے یہ گناہ رب کے نزدیک قتل سے بدتر ہیں کیونکہ یہ افعال فتنہ ہیں اور فتنہ قتل سے بڑھ کر جرم ہے کہ اس کے ذریعہ عام خونریزی ہوتی ہے۔ فتنہ لہٰذا دوسروں پر اعتراض کرنے سے پہلے اپنے گریبان میں منہ ڈال لو اور اے مسلمانوں تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ کفار ماہ حرام کی عظمت کیلئے تم پر اعتراض کرتے ہیں۔ نہیں بلکہ یہ سب کچھ تمہاری عداوت میں ہے ان کی دشمنی اور عداوت تو یہاں تک ہے کہ تم سے ہمیشہ جنگ کرتے ہی رہیں گے۔ جب تک کہ تمہیں اپنا جیسا نہ بنالیں۔ لہٰذا تم ان سے غافل نہ رہو۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بارگاہ الٰہی میں ایسے مقبول و محبوب ہیں کہ ان کے فعل پر اعتراض ہو تو رب تعالیٰ ان کی صفائی بیان فرماتا ہے کہ نہیں وہ گنہگار نہیں ہیں تم غلطی پر ہو۔ دیکھو عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو رب نے ان کی براءت بیان کی حضرت صدیق کی نیت و اخلاص پر اعتراض ہوا تو رب نے ان کی صفائی بیان کی کہ فرمایا **وما لاحد عندہ من نعمۃ تجزی الا ابتغاء وجہ ربہ الاعلی** صحابہ کرام کے صدقات پر لوگوں نے ریاکاری کا الزام لگایا تو فرمایا **ومنھم من یلمزک فی الصدقت** الخ ان کے بارے میں فرمایا **ان تستغفر لھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم** اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے دعاء مغفرت کریں ہم نہیں بخشیں گے۔ حضرت ابو امیہ زمری نے تو منہ سے کفر بولا۔ رب نے ان کی صفائی بیان فرمائی کہ **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان۔** دوسرا فائدہ: صحابہ کرام کے اعمال ان کی نیتوں پر اعتراض کرنا طریقہ کفار ہے اور ان کی صفائی بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے الحمد للہ۔ اہل سنت والجماعت سنت الٰہیہ پر عامل ہے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ دشمنان صحابہ کے عیب کھول دیتا ہے۔ جیسے حضور کے دشمن ولید ابن مغیرہ کے دس عیب کھولے۔ **عتل بعد ذلک زنیم** ایسے ہی یہاں ان معترضین کے چار عیب بیان فرمائے۔ چوتھا فائدہ: بدنیتی سے کچھ پوچھنا بھی گناہ ہے۔ کفار کا یہ سوال عناداً تھا۔ جس پر عتاب ہوا۔ پانچواں فائدہ: بھول چوک اور خطا معاف ہے۔ عبداللہ ابن جحش نے خطاءً ماہ رجب میں جنگ کرلی جو کہ گناہ تھا مگر رب نے ان کی حمایت کی۔ چھٹا فائدہ: معترض کو چاہئے کہ اعتراض سے پہلے اپنے پر بھی نظر کرلے۔ اپنے عیوب بھی دیکھے۔ عیب دار کو دوسروں کی عیب جوئی کرنا برا ہے۔

نہ تھی اپنے جو عیبوں کی ہم کو خبر رہے دیکھتے اوروں کے عیب و ہنر
پڑی اپنی برائیوں پر جو نظر تو جہان میں کوئی برا نہ رہا

دوسروں کی عیب جوئی اور اپنے عیبوں سے چشم پوشی کفار کا طریقہ ہے۔ ساتواں فائدہ: زمین حرم کی عزت ماہ حرام سے بڑھ کر ہے۔ وہاں گناہ کرنا سخت جرم ہے مگر کفار کی نگاہ میں کسی کی عزت نہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں مسلمانوں کی ایذا کیلئے کرتے ہیں۔ آٹھواں فائدہ: کافر مسلمان سے کبھی بھی محبت نہیں کرسکتا۔ وہ تو مسلمان کے ایمان کا دشمن ہے اس کو راضی کرنے کی کوشش بے کار ہے سب کو راضی نہ کرو رب کو کرو۔

مسئلہ : ماہ حرام میں ممانعت جنگ منسوخ ہوچکی۔ اب ہر وقت کفار سے جنگ جائز ہے۔ رب فرماتا ہے **فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** جب صلح کے مہینے گزر جاویں تو مشرکین کو جہاں پاؤ قتل کرو (روح المعانی) عبداللہ ابن عباس سفیان ثوری وغیرہ کا یہی قول ہے۔ اسی پر عام علماء متفق (کبیر) بلکہ روح المعانی نے فرمایا کہ اس آیت کے منسوخ ہونے پر امت کا اتفاق ہے۔ مسئلہ: خطاء اجتہادی معاف ہے بلکہ اگر مجتہد صحیح اجتہاد کرے تو دو ثواب پائے گا ایک اجتہاد کا دوسرے صحت کا اور اگر غلطی کرے تو تب بھی اجتہاد کا ایک ثواب ضرور پائے گا۔ دیکھو عبداللہ ابن جحش رضی اللہ عنہ نے اجتہادی غلطی کی مگر اس جہاد کا ثواب پایا جو کوئی جنگل میں کعبہ کا رخ نہ پاسکے اور دوسری طرف نماز پڑھ لے تب بھی نماز کا ثواب پائیگا کیونکہ خطاء اجتہادی معاف ہے۔ نواں فائدہ: حق پر لڑنا فتنہ نہیں ناحق جنگ کرنا ظلم بھی ہے اور فتنہ

www.alahazratnetwork.org

بھی۔ دیکھو قرآن کریم نے کفار کی ایذا رسانی کو فتنہ فرمایا نہ کہ عبداللہ ابن جحش کی جنگ کو لہٰذا اگر عالم دین کی حق گوئی پر لوگ فتنہ برپا کریں تو وہ لوگ گناہ گار ہوں گے نہ کہ یہ عالم جو لوگ علمائے حق کو فتنہ گر کہتے ہیں وہ اس آیت سے عبرت حاصل کریں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام فاسق تھے دیکھو عبداللہ ابن جحش کی اس جنگ کو رب نے گناہ کبیرہ فرمایا اور گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق۔ پھر اہل سنت تمام صحابہ کو متقی کیوں مانتے ہیں۔ (رافضی) جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک تو وہی جو تفسیر میں گزرا کہ یہاں قتل سے جان بوجھ کر ماہ حرام میں جنگ کرنا مراد ہے اور عبداللہ ابن جحش کی یہ جنگ غلطی سے تھی اسی لئے رب نے کبیرہ نہ فرمایا۔ بلکہ علیحدہ قتال کا ذکر کیا۔ دوسرے یہ کہ یہ جنگ واقعی گناہ تھا۔ مگر جنگ کرنے والے گناہ گار نہ ہوئے۔ رب نے جنگ کو گناہ فرمایا۔ مجاہدین کو گناہ گار نہ کہا۔ فعل کا گناہ ہونا اور بات ہے۔ اور فاعل کا گناہ گار ہونا دوسری بات۔ روزے میں کھانا گناہ ہے مگر بھول کر کھانے والا گناہ گار نہیں۔ کفری بات منہ سے نکالنی گناہ ہے مگر مجبور کے منہ سے نکل دینے سے وہ مجبور گنہگار نہیں۔ یہ ہی نیکیوں کا حال ہے کہ عمل کا نیکی ہونا اور ہے اور عامل کا نیک ہونا کچھ اور تلاوت قرآن نماز نیکیاں ہیں مگر منافق و کفار یہ دونوں کام کریں نیک کار نہیں۔ تیسرے یہ کہ فاسق وہ جو گناہ کبیرہ سے توبہ نہ کرے۔ توبہ کرنے والا مثل بے گناہ کے ہو جاتا ہے۔ ہم نے صحابہ کرام کو متقی مانا ہے نہ کہ معصوم یعنی وہ حضرات گناہ پر قائم نہیں رہے حضرت ماعز سے زنا کا قصور ہو گیا مگر خود سزا لے کر تائب ہوئے اور متقیوں کے سردار رہے۔ غرضیکہ معصوم، محفوظ اور عادل و ثقہ میں بڑا فرق ہے معصوم وہ جو گناہ کر نہ سکے جیسے انبیاء اور فرشتے محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے جیسے بعض اولیاء و بعض صحابہ اور ثقہ عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے جیسے تمام صحابہ۔ دوسرا اعتراض: قرآن پاک نے اس جگہ کفار کے اعتراض کا جواب تو نہ دیا بلکہ معترضین کے عیب گنا دیئے کہ تم اپنے عیوب کو دیکھو۔ یہ تو لاجواب ہو جانے کی علامت ہے کہ جب معترض کا جواب نہ بن تو اس کو دو چار سنا دی جاویں (آریہ) جواب: یہاں اعتراض کے دو جواب دیئے گئے ایک 'قتال فیہ کبیر' سے اور دوسرے 'وصد' سے پہلے جملہ میں نہایت مکمل جواب ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ دیدہ ودانستہ اس ماہ میں جنگ کرنا گناہ ہے۔ مگر ان لوگوں سے خطاءً یہ کام سرزد ہوا یہ حضرات گناہگار نہیں۔ اور دوسرے میں معترضین کی اصلاح کہ اگر تمہیں اعتراض کرنے کا شوق ہے تو پہلے خود پاک و صاف ہو۔ یہ حکیمانہ طریقہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : نفس و شیطان کفار ہیں اور روح مومن راہ محبت طے کرنے کا زمانہ ماہ حرام ہے اور قلب بیت الحرام۔ ایمانی خیالات اس حرم کے باشندے فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ سلوک الی اللہ کی حالت میں جہاد نفس کیسا ہے۔ فرما دو کہ ایسے نازک موقعہ پر یہ جہاد بہت بڑی ہمت و جرات کا کام ہے۔ کیونکہ ایک وقت میں دو کام یعنی راستہ طے کرنا اور ڈاکوؤں سے جنگ کرنا بہت شاق ہے مگر اے مسلمانو! نفس و شیطان کا قلبی باشندوں کو حرم قلب سے نکالنا اور انہیں عبادات کے راستے سے روکنا بہت سخت جرم ہے۔ اسی طرح شرک و کفر و سرکشی کا فتنہ قتل نفس سے بھی سخت ہے لہٰذا تم ریاضت و مجاہدہ کی تلوار لے کر شیطان و نفس سے ہر وقت جنگ کرتے رہو۔ کبھی خیال نہ کرنا کہ یہ تمہارے دوست بن جاویں گے یہ تو تمہارے ایمان کے پیچھے پڑے ہیں جب تک کہ تمہیں راہ ہدی سے پھیر کر راہ ہوی پر نہ لگا دیں انہیں چین نہ آوے گا لیکن اگر تم شریعت کی پناہ میں ربے تو انشاء اللہ انہیں تم پر قابو نہ ہوگا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ تمام گناہوں سے سخت تر گناہ

رب کے محبوب بندوں پر طعنہ کرتا ہے دیکھو جن لوگوں نے ان صحابہ پر طعن کیا رب تعالیٰ نے ان کے چار عیب گنوا دیئے۔ جیسے ولید ابن مغیرہ نے حضور کو مجنون کہا تو رب نے ولید کے دس عیب بیان کئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　میلش اندر طعنہ پاکاں برد

نیز مومن کو چاہئے کہ شیخ کامل کی اگر کوئی بات بظاہری بری معلوم ہو تو اس پر اعتراض کرنے میں جلدی نہ کرے ورنہ معتوب ہو گا ایسے رب جیسے موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے ساتھ دیکھو کفار نے ان صحابہ کے اس فعل پر اعتراض کیا جو بظاہر برا تھا مگر پھر بھی رب کے عتاب میں آگئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو!　　ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن　　گرچہ طفلے را کشد تو مو مکن!

وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ

اور جو پھر جاوے تم میں سے دین سے اپنے پھر مر جاوے حالانکہ وہ کافر ہو پس یہ لوگ ہیں کہ ضبط ہو

اور تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے پھر کافر ہو کر مرے تو ان لوگوں کا کیا اکارت

أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ

گئے اعمال ان کے بیچ دنیا اور آخرت کے اور یہ لوگ آگ والے ہیں وہ

گیا دنیا اور آخرت میں اور وہ دوزخ والے ہیں

فِيهَا خَالِدُونَ ۝

بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں

انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے

تعلق: اس جملہ کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پہلے فرمایا گیا تھا کہ کفار تمہیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کریں گے۔ اب اسلام سے پھرنے کی سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ گویا پہلے شیطان کے بہکانے کا ذکر تھا۔ اب بہکنے والوں کی سزا کا تذکرہ ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کے مسلمانوں کو دین سے پھیرنے کا ذکر تھا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ جو کوئی ان کے بہکانے میں آجائے تو پھر بھی موت سے پہلے اسلام میں آسکتا ہے۔ مرنے سے پہلے اس کے لئے دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے۔

تفسیر: ومن یرتدد منکم یہ لفظ ارتداد سے بنا۔ جس کے معنی ہیں اس راستہ پر لوٹ جانا جس سے آیا تھا۔ فارتدا علی

www.alahazratnetwork.org

ارتدادا قصصا مگر شریعت میں اسلام چھوڑ کر کفر کی طرف لوٹ جانے کو ارتداد کہا جاتا ہے۔ اور ردۃ تو خاص اس کے معنی کے لئے ہے۔ **منکم** میں ہر عاقل بالغ مسلمان سے خطاب ہے کیونکہ بچے اور دیوانے کا اسلام تو معتبر ہے مگر ان کا ارتداد معتبر نہیں۔ **عن دینہ** دین کی تحقیق سورہ فاتحہ میں کی جا چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اصول عقائد کو دین اور فروعات کو مذہب کہتے ہیں۔ کسی مسئلہ شرعی سے رجوع کرنا یا فرعی عقیدہ کا انکار ارتداد نہیں کہلائے گا۔ دین کو مسلمان کی طرف نسبت کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ اسلام ہی سب کا اصل دین ہے۔ جس پر وہ پیدا ہوا۔ کفر عارضی بیماری ہے۔ نیز صرف اسلام انسان کے ساتھ جاتا ہے باقی تمام دین مرتے وقت ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مسلمان مرتے وقت بھی مومن ہوتا ہے اور قبر میں بھی ایمان پر قائم رہتا ہے۔ توحید، رسالت، اسلام کو پہچانتا ہے مگر کافر مرتے وقت اپنا دین چھوڑ دیتا ہے۔ فرشتوں وغیرہ کو دیکھ کر مسلمان ہو جاتا ہے۔ اگرچہ اس وقت کا ایمان معتبر نہیں اور نکیرین کے سوال پر کہ رب تیرا کون ہے دین تیرا کیا نہ رب ہی کو پہچان سکتا ہے نہ اپنے اس دین کو جو اس نے دنیا میں اختیار کیا معلوم ہوا کہ اسلام ہی انسان کے ساتھ جاتا ہے۔ باقی دین یہاں رہ جاتے ہیں ان وجوہ پر فرمایا گیا **دینہ** یعنی تم مسلمانوں میں سے جو کوئی بھی اپنے اصل دین یعنی اسلام سے پھر جائے۔ **فیمت وھو کافر** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے اور وہ او حالیہ یعنی پھر وہ مرتے وقت تک اسلام میں نہ لوٹا بلکہ بحالت کفر ہی مر گیا تو **فا۔ ولئک حبطت اعمالھم اولئک** سے من کی طرف اشارہ ہے چونکہ من سے ایک جماعت مراد تھی۔ اس لئے اشارہ جمع لایا گیا **حبطت** حبط یا حبوط سے بنا حبط کے معنی ہیں جانور کا اتنا زیادہ چارہ کھالینا کہ اس سے پیٹ پھول جائے یا مضر گھاس چر کر بیمار ہو جانا۔ اصطلاح میں ضبط اور برباد ہو جانے کو حبط کہتے ہیں کیونکہ یہ بربادی بھی بری غذا کی طرح ہلاک کر دیتی ہے۔ **اعمال** سے مراد وہ نیکیاں ہیں جو اس نے بحالت اسلام کیں۔ کیونکہ ارتداد سے صرف نیکیاں برباد ہوتی ہیں نہ کہ گناہ جیسے کہ اسلام لانے سے زمانہ کفر کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ نہ کہ نیکیاں **فی الدنیا والاخرۃ** اس کا تعلق حبطت سے ہے۔ دنیا سے مراد موت سے پہلے کی حالت ہے اور آخرت سے برزخ اور محشر مراد۔ یعنی ان مرتدین کی نیکیاں دنیا میں بھی برباد کہ نہ اس کا نکاح قائم نہ وہ اپنے قرابتدار کی میراث پائے اور نہ اس کی کوئی امداد کرے بلکہ مرتد مرد کو زندہ رہنے کا بھی حق نہیں اور آخرت میں بھی برباد کہ اس کی نیکیاں قبر میں کام آئیں نہ حشر میں۔ نہ ان پر کوئی ثواب ملے۔ نہ ان کی نماز جنازہ ہو نہ اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جاوے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ **واولئک اصحب النارھم فیھا خلدون** نار سے مراد دوزخ ہے۔ کیونکہ اس کے اکثر طبقوں میں آگ ہی ہے اور بعض میں ٹھنڈک۔ خلود سے ہمیشگی مراد ہے یعنی مرتد بھی دوسرے کفار کی طرح جہنم میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ بلکہ اس کے احکام زیادہ سخت ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو کفار تو تمہیں بہکانے کی کوشش کرتے ہیں تم خیال رکھنا کہ تم میں سے جو بھی ان کے بہکانے میں آ کر اسلام سے پھر جاوے اور پھر بحالت کفر ہی مر جائے تو اس کی ساری نیکیاں دین و دنیا میں برباد ہیں کہ نہ تو دنیا میں اس پر اسلامی احکام جاری ہوں اور نہ آخرت میں۔ دنیا میں تو اس کا خون محفوظ نہ رہے گا۔ جہاں پایا جائے گا قتل کر دیا جائے گا۔ اس کا مال بھی غیر محفوظ ہو گا کہ بادشاہ اسلام ضبط کر لے گا۔ نہ اس کا کوئی وارث ہو اور نہ وہ کسی کا اس کی بیوی نکاح سے نکل جائے گی اور آئندہ وہ کسی سے بھی نکاح نہ کر سکے گا۔ مسلمانوں پر اس کی مدد و حمایت کرنا حرام ہو گا اور مرے بعد اس کا نماز جنازہ نہ ہو گا مسلمانوں کے

www.alahazratnetwork.org

قبرستان میں دفن نہ کیا جائے گا۔ اسلامی کفن بھی نہ ملے گا اس کو ایصال ثواب بھی نہ کیا جائے گا۔ اور حشر میں اس کی کوئی نیکی کام نہ آئے گی جنت سے محروم ہو کر ہمیشہ جہنم میں رہے گا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مرتد وہ ہے جو اسلام سے نکل جاوے یا تو اس طرح کہ کھلم کھلا عیسائی یا آریہ ہو جائے اور یا اس طرح کہ وہ تو اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے مگر کسی عقیدہ اسلامی کے انکار کی وجہ سے شریعت اسے کافر فرمائے۔ جیسے قادیانی' تبرائی رافضی اور توہین پیغمبر کرنے والے دیوبندی وغیرہ کیونکہ سارے عقائد اسلامیہ کے ماننے کا نام اسلام ہے۔ ان میں سے ایک کا بھی انکار کفر ہے اور یا اس طرح کہ مسلمان کے منہ سے کفریہ کلمہ نکل جائے۔ یہ بھی ارتداد ہے۔ دیکھو منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کو نبی مان لینے والوں نے سارے اسلامی عقائد کا انکار نہ کیا تھا۔ صرف زکوٰۃ کی فرضیت کا اور دوسروں نے حضور کی ختم نبوت کا انکار کیا تو حضرت صدیق نے ان پر حکم ارتداد دیکر ان سے جنگ کی ٹھان لی۔ یوں ہی شیطان نے سارے عقائد اسلامی کا انکار نہ کیا تھا صرف نبی کی اہانت کی' مرتد ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم** اور فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** غرضیکہ ارتداد کیلئے یہ ضروری نہیں کہ بالکل اسلامی عقائد کا انکار کرے بلکہ اس کی تین صورتیں ہیں اور وہ تینوں صورتیں اس آیت میں داخل ہیں۔ دوسرا فائدہ: بچے اور دیوانے کا ارتداد صحیح نہیں۔ کیونکہ یہاں ارتداد کی سزا حبطی اعمال فرمائی گئی اور ان دونوں کے اعمال ہی معتبر نہیں جس کے اعمال معتبر اسی کا ارتداد بھی معتبر۔ تیسرا فائدہ: مرتد کا ذبیحہ' نماز' روزہ سب غیر مقبول یعنی اگر وہ بحالت ارتداد کوئی جانور ذبح کرے تو مردار اور نماز روزہ ادا کرے تو بے کار۔ کیونکہ یہ بھی اعمال ہیں۔ اسی طرح مرتد کا نکاح بھی صحیح نہیں کہ یہ بھی ایک عمل ہے۔

مسئلہ : دنیاوی احکام میں مرتد کے اعمال صرف مرتد ہونے سے ہی باطل ہو جاتے ہیں لہٰذا اگر حاجی مرتد ہو کر دوبارہ اسلام لائے تو اس پر دوبارہ حج کرنا فرض ہے۔ اسی طرح اگر کوئی نماز پڑھ کر مرتد ہوا۔ اور وقت نماز باقی تھا کہ اسلام لے آیا تو اس نماز کی قضا کرے۔ ہاں گزشتہ نمازوں کی قضا واجب نہیں مگر ان پر ثواب کی بھی امید نہیں دوبارہ اسلام لانے سے یہ گناہ اٹھ جائے گا ثواب واپس نہ ہو گا۔ (روح البیان و کتب فقہ)۔ مسئلہ: مرتد کی زمانہ کفر میں نیکیاں بے کار مگر کافر کی نیکیاں ایمان پر موقوف رہتی ہیں یعنی اگر کافر زمانہ کفر میں صدقہ خیرات کرے اور بعد میں اسلام لے آئے تو اس کا ثواب پائے گا لیکن مرتد اس ثواب کا مستحق نہیں۔ مسئلہ: زمانہ اسلام کی چھوڑی ہوئی نمازیں ارتداد کے بعد قضا کرنی پڑیں گی یہ تمام مسائل شامی و عالمگیری میں دیکھو۔ مسئلہ: ارتداد کے اخروی احکام موت پر موقوف ہیں یعنی اگر مرتد اسلام لا کر مرا تو اس کے سارے گناہ معاف ہیں ورنہ سب کی پکڑ۔ مسئلہ: مرتد مرد کو بادشاہ اسلام قتل کرے گا اور مرتد عورت کو قید دوام۔ مسئلہ: کافر اصلی سے جزیہ لیا جا سکتا ہے مرتد سے نہیں مرتد کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا اسلام یا قتل جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے۔

پہلا اعتراض : اس سے معلوم ہوا کہ مرتد وہ ہے جو اسلام میں آ کر کافر بنے۔ تو چاہئے کہ پیدائشی رافضی اور قادیانی وغیرہ مرتد نہ ہوں۔ کیونکہ یہ اسلام میں کبھی آئے ہی نہیں حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ سب لوگ مرتدین ہیں۔ جواب: بچے کا اسلام معتبر ہے کفر معتبر نہیں لہٰذا ان لوگوں کا بچہ کلمہ پڑھ کر مسلمان تو ہو جاتا ہے اور کفریات بول کر کافر نہیں ہوتا پھر جب بالغ ہو

www.alahazratnetwork.org

کر کفر بکتا ہے تو اب اس بچپن کے اسلام سے نکل جاتا ہے لہٰذا وہ مرتد ہے۔**دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جو کوئی کسی عقیدہ اسلامی کا انکار کردے وہ کافر ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ جس نے لا الہ الا اللہ پڑھ لیا وہ جنتی ہو گیا نیز امام اعظم فرماتے ہیں کہ اہل قبلہ کو کافر نہ کہو۔ نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس شخص میں 99 باتیں کفری ہوں اور ایک بات بھی ایمان کی ہو۔ اسے کافر مت کہو۔ تمہاری تفسیر حدیث و فقہ کے خلاف ہے۔ (نیچری)۔ **جواب:** یہ حدیث مشرکین کے متعلق ہے جو توحید کے منکر تھے۔ ان کا کلمہ پڑھنا ہی ان کے اسلام کی علامت تھی مگر جو توحید والے اور قسم کا کفر کریں ان کا یہ حکم نہیں ان کے لئے وہ حدیث ہے کہ حضور نے فرمایا ایک قوم پیدا ہوگی جو بہت نمازی اور قرآن خواں ہوں گے مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے۔ دیکھو مسلم، بخاری اور مشکوٰۃ باب قتل مرتدین۔ نیز فرمایا کہ میری امت کے 73 فرقے ہوں گے صرف ایک جنتی باقی سب دوزخی یا یہ تمہاری حدیث اس وقت کی ہے۔ جب اسلام میں کوئی احکام نہ آئے تھے صرف کلمہ طیبہ پڑھنا کافی تھا جیسے قبل ہجرت فرضیت نماز سے پہلے کا زمانہ پھر جب کچھ شرعی احکام بھی آگئے تب وہ حدیث ارشاد ہوئی **من صلی صلوا تنا واکل ذبیحتنا** بعد ہجرت جب نمازی مسلمانوں کی شکل میں منافق بھی ہو گئے تو یہ حکم آیا **واللہ یشھد انھم لکذبون** پھر آئندہ کے متعلق جب مسلمانوں میں صدہا فرقے ہوں گے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ایک جنتی باقی دوزخی غرضیکہ یہ مختلف احادیث مختلف زمانوں کے لحاظ سے ہیں۔ اگر فقط توحید ماننا ہی اسلام کے لئے کافی ہو تا تو چاہئے کہ آریہ مسلمان ہوں۔ فقہ میں اہل قبلہ وہی کہلاتا ہے جو سارے عقائد اسلامیہ کا ماننے والا ہو۔ صرف کعبہ کی طرف نماز پڑھنے والے کو اہل قبلہ نہیں کہتے دیکھو شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری منافقین بھی کعبہ کی طرف نماز پڑھتے تھے کیا وہ مسلمان تھے یہ کہنا غلط ہے کہ جس میں ایک بات بھی ایمان کی ہو وہ مومن ہے۔ یہ کسی عالم نے نہ کہا۔ ہاں فقہاء یہ فرماتے ہیں کہ جس مسلمان کے کلام میں 99 معنی کفر کے نکلتے ہوں اور ایک معنی اسلام کے تو نیک گمانی کرتے ہوئے اس سے اسلام ہی کے معنی مراد لو۔ اور کہنے والے کو کافر نہ کہو۔ اگر تمہاری بات صحیح ہوتی تو دنیا میں کوئی بھی کافر نہ ہوتا کیونکہ مشرکین بھی زنا، چوری اور جھوٹ کو برا جانتے ہیں اور عدل و انصاف کو اچھا تو چاہئے کہ وہ مسلمان ہوں کیونکہ یہ بھی ایمانی باتیں ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فقط مرتد ہونے سے اعمال ضبط نہیں ہوتے بلکہ بحالت ارتداد مرجانے سے، پھر بھی حنفی لوگ فقط ارتداد پر اعمال کیوں باطل کردیتے ہیں۔ (شافعی) **جواب:** یہاں ضبطی اعمال اور ہمیشہ کا جہنمی ہونا موت کفر پر موقوف رکھا گیا ہے اور واقعی ان دونوں کا مجموعہ موت کفر پر موقوف ہے۔ دوسری جگہ قرآن نے فرمایا **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ** یعنی جو بھی ایماندار کافر ہو اس کے اعمال ضبط ہو گئے۔ یہاں موت کی قید نہیں۔ لہٰذا ان دونوں آیتوں کی اس طرح جمع کیا گیا کہ اعمال کی ضبطی صرف مرتد ہونے سے ہے اور جہنمی ہو جانا کفری موت سے۔ **چوتھا اعتراض:** مرتد کو قتل کرنا اور مرتدہ کو قید کرنا ظلم ہے۔ مذہب میں آزادی چاہئے نیز یہ مسئلہ قرآن کریم سے ثابت نہیں۔ مولویوں کی ایجاد ہے۔ رب تو فرماتا ہے **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر نہیں۔ پھر مرتد کو اسلام پر مجبور کیوں کیا جاتا ہے۔ (قادیانی)۔ **جواب:** اسلام نے مذہبی آزادی دی ہے کہ جو چاہے مسلمان ہو جو چاہے نہ ہو لیکن مسلمان ہونے کے بعد اس پر قائم رہنے کا حکم دیا۔ اسلام چھوڑنے کی اجازت دینا مذہبی آزادی نہیں بلکہ فساد کی اجازت دینا ہے۔ مرتد حکومت اسلامیہ کا باغی ہے جس کی سزا یا توبہ یا قتل۔ نیز قرآن کریم نے ڈاکوؤں کے قتل کا حکم دیا۔ ڈاکو مسافروں کا مال لوٹتا ہے اور مرتد لوگوں کا ایمان۔ جب ایمان مال سے افضل تو اس کی سزا بھی

www.alahazratnetwork.org

قتل چاہئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جادوگر کو قتل کردو نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ لوطی ہوا تو فاعل و مفعول کو قتل کیا جائے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جو دین اسلام چھوڑ دے اسے قتل کردو صحابہ کرام نے بھی اس پر بہت عمل کیا۔ اس مسئلہ کو مولویوں کی ایجاد کہنا بے دینی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں اس کا ایک باب باندھا باب قتل اہل الردۃ۔ گلا ہوا عضو فوراً کاٹ دو۔ ورنہ سارے جسم کو خراب کر دیگا۔ مرتد بھی مسلمانوں کا گلا ہوا عضو ہے۔ آیت لا اکراہ کے یہ معنی ہیں کہ کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہ کرو نہ یہ کہ مسلمان رہنے پر بھی مجبور نہ کرو۔ خیال رہے کہ مرتد کے قتل کی اصل قرآن مجید سے ملتی ہے۔ رب تعالیٰ نے بچھڑا پوجنے والے یہود سے فرمایا تھا **تو بوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم** رب کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنے کو قتل کے لئے پیش کردو دیکھو یہ بنی اسرائیل مومن ہو کر مرتد ہوئے تھے بچھڑا پوج کر۔ انہیں اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنے کا حکم ہوا اور گزشتہ دینوں کے احکام جب بغیر تنسیخ و تردید قرآن میں نقل فرمائے جاویں وہ ہمارے لئے بھی واجب العمل جیسے رب نے زبور شریف کے احکام قصاص نقل فرمائے کہ **ان النفس بالنفس والعین بالعین** پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے مرتد ہو جانے کا خطرہ تھا اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں خطاب کر کے مرتد پر عذاب کا ذکر فرمایا چنانچہ بعد میں تمام صحابہ مرتد ہو گئے۔ (روافض) جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک الزامی دو تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر اہل بیت کے ایمان کی بھی خیر نہیں کیونکہ اس آیت میں تمام صحابہ و اہل بیت سے خطاب ہے کسی کو علیحدہ نہیں فرمایا گیا تو لازم آیا کہ ان سب کا ایمان مشکوک تھا نعوذ باللہ۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ بیان قانون میں کہا کسی سے جاتا ہے اور سنایا کسی اور کو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے جب انبیاء کرام سے عہد و میثاق لیا تو ان سے فرمایا **فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون** جو اس عہد سے پھر گیا وہ فاسق یعنی کافر ہو گا۔ بولو انبیاء تو معصوم ہیں جن کے گناہ کا بھی احتمال نہیں پھر ان سے یہ کیوں فرمایا جناب وہاں ہم کو سنانا مقصود ہے کہ جب معصوموں سے یہ فرمایا تو ہم کس شمار میں ہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں خطاب صحابہ سے ہے ہی نہیں بلکہ بعد والوں سے ہے۔ پھر کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: راہ سلوک بہت دراز اور سخت ہے۔ مسافر کو چاہئے کہ اسے طے کرتے وقت کسی طرف دھیان نہ کرے جو کوئی بہکانے والوں کی آواز پر چل پڑا اس کی گزشتہ محنت برباد ہو گئی اور طے کیا ہوا راستہ بیکار رہا کہ نہ دنیا میں اس کا کچھ فائدہ اور نہ آخرت میں وصال یار حاصل۔ یہ ہمیشہ حجاب اور عذاب کی آگ میں جلیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ارتداد کی وجہ یقین نہ ہونا ہے۔ موحد حقیقی کے پاس شیطان نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ قیود سے نکل کر رب معبود کی بارگاہ میں حاضر ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ علم عمل سے افضل ہے۔ کیونکہ یہ قلب کی صیقل ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن کلمہ طیبہ تمام اعمال سے زیادہ وزنی ہو گا کیونکہ یہ علم ہے اور دوسری چیزیں عمل۔

ہدایت: ہر مسلمان کو چاہئے کہ سوتے وقت چھٹا کلمہ اور سورۂ کافرون پڑھ لیا کرے انشاء اللہ اسلام پر قائم رہے گا نیز اکثر ذکر الٰہی میں مشغول رہے اور بدمذہبوں کی صحبت سے بچے۔ اچھی صحبت اختیار کرے۔ اللہ تعالیٰ انجام بخیر فرمائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق کن بانگ غولاں رابسوز　　چشم نرگس راہ ازیں کرگس بدوز

www.alahazratnetwork.org

کوئی شخص اپنے پر اعتماد نہ کرے۔ کنعان پیغمبر زادہ تھا۔ مگر بری صحبت سے کافر ہو گیا۔ عمر رضی اللہ عنہ کو توریت پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔ حالانکہ ان سے شیطان بھاگتا ہے تو کیا ہمارا ایمان فاروقی ایمان سے قوی ہے ہم کو بھی چاہئے کہ نہ ہر صحبت میں بیٹھیں اور نہ ہر رسالہ و کتاب کا مطالعہ کریں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگاہ دارد آں شوخ در کیسہ در که داند همه خلق راه کیسه بر

جیسے جڑ کٹ جانے سے شاخیں سوکھ جاتی ہیں۔ ایسے ہی ایمان جاتے رہنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ
تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا بیچ راستہ اللہ کے۔
وہ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے اللہ کے لئے اپنے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں لڑے
اُولٰٓئِكَ یَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۱۸﴾
یہ لوگ امید رکھتے ہیں رحمت اللہ کی۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؂
وہ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؂

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اسلام سے پھر جانے والوں کا عذاب بیان کیا گیا۔ اب ایمان پر قائم رہنے والوں اور پرہیزگاروں کے ثواب کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ارتداد نیکیاں مٹا دیتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اسلام پر قائم رہنا گناہ معاف کرا دیتا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ ماہ حرام میں بے خبری سے جنگ کرنا گناہ نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بلکہ اس میں ثواب کی امید ہے۔

شان نزول: عبداللہ ابن جحش کی جماعت کے متعلق بعض لوگوں نے کہا کہ چونکہ انہیں خبر نہ تھی کہ یہ دن رجب کا ہے۔ اس لئے اس روز جنگ کر لینا گناہ تو نہ ہوا مگر اس جہاد کا کچھ ثواب بھی نہ ملے گا۔ یہ خیال دور کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری (خزائن) کبیر اور روح نے فرمایا کہ خود عبداللہ ابن جحش نے ہی بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ صلی اللہ علیک وسلم الحمدللہ اس جنگ سے ہم پر کوئی گناہ تو نہ ہوا۔ مگر کیا کچھ ثواب کی بھی امید ہے تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر: **ان الذین امنوا** اس سے سارے مسلمان مراد ہیں اگرچہ اس کا نزول ایک خاص جماعت کے بارے میں ہے اور یہاں ایمان سے ایمان پر قائم رہنا مراد ہے۔ (روح البیان) یعنی وہ لوگ جو مرتد نہ ہوئے بلکہ اخیر تک ایمان پر قائم رہے۔ کیونکہ یہاں ایمان ارتداد کے مقابل ارشاد ہوا ہے۔ ارتداد کے معنی تھے مومن نہ رہنا۔ ایمان سے پھر جانا تو لامحالہ ایمان کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہوں گے ایمان پر قائم رہنا اس سے نہ پھرنا بھی لفظ کے معنی اپنے متقابل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔ انک لا تسمع الموتی پھر آگے فرماتا ہے کہ ان تسمع الا من یؤمن بآیتنا اس ایمان کے متقابل سے معلوم ہوا کہ وہاں مردے، اندھے، بہرے سے مراد کفار ہیں یعنی دل کے مردے دل کے اندھے، دل کے بہرے نہ کہ یہ مردے اندھے بہرے۔ خیال رہے کہ ایمان پر قائم رہنے کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں راحت و کلفت، بروں کی صحبت و الفت وغیرہ کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں کہ خدا کی پناہ ان آندھیوں میں مضبوط درخت کی طرح ایمان پر قائم رہے اور ایمان پر قائم رہنے کا وقت مرتے تک ہے کہ مرنے کے بعد ارتداد وغیرہ کا خطرہ ہی نہیں مرکر تو کافر بھی سب کچھ مان لیتا ہے چہ جائیکہ مومن منکر ہو جاوے۔ والذین ھاجروا یہ ہجر سے بنا۔ جس کے معنی ہیں الگ ہو جانا اور چھوڑ دینا لغو کلام کو بھی ہجر کہتے ہیں کہ وہ چھوڑنے کے قابل ہے۔ دوپہری کو ہاجرہ یا ھجیرہ کہا جاتا ہے۔ کہ اس وقت کام چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ملاقات کو وصل اور فراق کو ہجر بھی اسی لئے کہا جاتا ہے۔ شریعت میں ہجرت کے معنی ہیں رضا الٰہی کے لئے وطن اور اہل قرابت کو چھوڑ دینا۔ یہاں شرعی معنی ہی مراد ہیں۔ کبیر نے فرمایا کہ یہ ایمان کی تفسیر ہے یعنی جنہوں نے مسلمان ہو کر اپنے کفار اہل قرابت کو چھوڑ دیا وجاھدوا فی سبیل اللہ یہ لفظ مجاہدہ سے بنا جس کا مادہ ہے جہد بمعنی مشقت، شریعت میں رضائے الٰہی کے لئے کفار سے لڑنے کو جہاد یا مجاہدہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ لشکر اسلام کا ہر سپاہی دوسرے کے ساتھ مل کر مشقت کرتا ہے۔ گویا جہاد میں چند مشقتوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اسے باب مفاعلت سے لایا گیا۔ جیسے مساعدہ کے لفظی معنی ہیں کلائی سے کلائی ملا دینا یعنی ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ فی سبیل اللہ فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہی جہاد قبول ہے جو غلبہ دین کے لئے ہو۔ اور اس میں خواہش نفسانی کا کوئی دخل نہ ہو۔ اولئک یرجون رحمۃ اللہ اولئک سے مومنین، مہاجرین اور مجاہدین سب ہی کی طرف اشارہ ہے یرجون رجاء سے بنا بمعنی خیر کی توقع و امید۔ کبھی یقین کو بھی رجاء کہہ دیتے ہیں۔ جیسے الذین یظنون انھم ملقوا ربھم یہاں ظن بمعنی یقین ہے یعنی یہ لوگ رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں واللہ غفور رحیم غفور غفر سے بنا اور رحیم، رحم سے۔ جس کے معنی پہلے بیان ہو چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ مغفرت میں گناہوں پر پکڑ نہ فرمانا معتبر ہے اور رحمت میں انعام دینا ملحوظ۔ چونکہ معافی عطا سے پہلے ہوتی ہے۔ لہذا غفور، رحیم سے پہلے فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تم مرتدین کا حال تو سن چکے۔ اب پختہ دینداروں کا حال بھی سن لو یا اے مسلمانو! تم یہ نہ سمجھنا کہ عبداللہ ابن جحش کا یہ جہاد بے فائدہ رہا۔ نہیں بے شک جو لوگ ایمان لائے اور اسلام پر قائم رہے اور جنہوں نے راہ خدا میں اپنا گھر بار اور اہل قرابت چھوڑے اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ وہ ہمیشہ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں اور رب کا یہ دستور ہی نہیں کہ کسی امیدوار کو مایوس واپس کرے۔ وہ خوب یاد رکھیں کہ اللہ بہت بخشش فرمانے والا اور بڑا ہی رحمت والا ہے کہ اس کے دروازے سے امیدوار خالی نہیں جاتا تو یہ لوگ وہاں سے خالی کیوں لوٹیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ایمان خوف و امید سے حاصل ہوتا ہے دیکھو رب نے نیک کاروں کی امید کا ذکر کیا نہ کہ یقین کیونکہ کبھی یقین نجات سے بے خوفی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کے خلاف ہے۔ دوسرا فائدہ: عمل سے اجر واجب نہیں بلکہ ثواب محض فضل ربانی ہے عمل تو اظہار بندگی کے لئے ہے اس لئے یرجون رحمۃ اللہ

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہوا یعنی وہ لوگ اللہ کی رحمت کی امید کرتے ہیں۔ رب سے اپنے عمل کی اجرت نہیں مانگتے وہ رب کے بھکاری ہیں مزدور نہیں۔ (خزائن)۔ **تیسرا فائدہ:** امید خوف سے افضل ہے۔ روح البیان نے فرمایا کہ ڈرنے والا بھاگتا ہے اور امیدوار آتا ہے **جوتھا فائدہ:** صحابہ کرام کی امید خوف پر غالب تھی۔ دیکھو یہاں رحمت کی امید کا ذکر تو فرمایا مگر ضبطی اعمال کے خوف کا ذکر نہ ہوا۔ رب کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بغیر ایمان و اعمال رحمت کی امید کرنا سخت غلطی ہے دیکھو یہاں اعمال کے بعد امید کا ذکر فرمایا گیا کسان پہلے بیج بوتا ہے پھر کھیت کی ہر طرح خدمت کرتا ہے پھر رب کی رحمت سے پیداوار کی امید کرتا ہے یہ امید سچی ہے۔ جو کاشتکار نہ بیج بوئے نہ کھیت کی خدمت کرے اور رب کی رحمت سے پیداوار کی امید رکھے وہ بے وقوف ہے یہ امید نہیں بلکہ بوالہوسی ہے رحمت کی امید اچھی ہے بوالہوسی بری ہے بعض منہ زور' بے غیرت دن رات بے دھڑک گناہ کرتے ہیں اور جب انہیں ہدایت کی جائے تو کہہ دیتے ہیں اعمال کی کیا ضرورت خدا غفور رحیم ہے۔ انہیں اس آیت سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ **چھٹا فائدہ:** گنہ گار کو بھی رحمت الٰہی سے ناامید نہ ہونا چاہئے۔ تمہارے گناہوں سے اس کا رحم زیادہ ہے۔ جب بھی توفیق ملے نیک اعمال کرکے رب کو راضی کرلے۔ **ساتواں فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ خطاء "اجتہادی" پر پکڑ نہیں ہوتی بلکہ اس پر ثواب ملتا ہے دیکھو ان حضرات کا رجب میں جنگ کرنا درحقیقت جرم تھا مگر چونکہ خطاء "تھا اس لئے اس پر بھی ثواب کا وعدہ فرمایا گیا دیکھو اگر کوئی جنگل میں خطاء "غلط سمت پر نماز پڑھ لے کعبہ کا رخ نہ پاسکے جب بھی وہ نماز کا ثواب پالے گا لہٰذا صحابہ کی آپس کی جنگیں ان لوگوں کے لئے باعث ثواب ہی ہوں گی ان میں سے کوئی مجرم نہ ہوگا۔

حکایت : روح البیان نے فرمایا کہ ایک دن ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے دیکھا کہ ایک جوان کو پولیس نے گرفتار کیا ہے لوگ اس کی گرفتاری پر خوش ہیں مگر اس کی ماں اس کے پیچھے روتی جارہی ہے۔ ابو عمرو کو اس بڑھیا پر رحم آیا اور ضمانت دیکر اسے چھوڑا لیا۔ لوگوں نے کہا کہ یہ بڑا بدمعاش ہے اسے کیوں چھوڑا لیا کچھ دن بعد پھر بڑھیا کے دروازے سے گزرے تو وہاں سے رونے کی آواز سنی سمجھے کہ شاید اس کا بیٹا پھر گرفتار ہو گیا بڑھیا سے پوچھا اس نے کہا وہ مرگیا اور مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری موت کی کسی کو خبر نہ دینا کیونکہ میں نے سب کو ستایا ہے اور میری انگوٹھی جس پر بسم اللہ لکھی ہوئی ہے میرے ساتھ دفن کر دینا اور دفن کے بعد میرے لئے دعائے مغفرت کرنا۔ جب میں قبر پر دعا کرنے لگی تو قبر سے آواز آئی کہ اے ماں تو واپس جا میرا رب مجھ پر تجھ سے زیادہ مہربان ہے۔

رحمت حق بہا نمے طلبد!
رحمت حق بہانہ مے طلبد!

خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی بہانہ چاہتی ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ رحمت الٰہی کی صرف وہی امید رکھیں جو مومن بھی ہوں اور مجاہد و مہاجر بھی تو ہم لوگ جنہیں نہ ہجرت نصیب ہوئی نہ جہاد۔ رحمت کی کیونکر امید کریں؟ **جواب:** اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ان تینوں صفتوں سے خالی ہو۔ وہ رحمت کی امید نہ کرے اور جس میں ان میں سے کوئی بھی صفت ہو وہ امید کرے۔ اسی لئے دو جگہ الذین فرمایا گیا یعنی مومن و مہاجر اور مجاہد سب ہی رحمت الٰہی کے امیدوار ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن جحش کے لشکر میں سارے مہاجر نہ تھے۔ گویا یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص مومن ہو مگر مہاجر و مجاہد نہ ہو مگر یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی مومن

www.alahazratnetwork.org

نہ ہو مگر مجاہد یا مہاجر ہو کیونکہ کافر کی جنگ جہاد نہیں بلکہ فساد ہے یونہی کافر کا ترک وطن ہجرت نہیں بلکہ غربت ہے لہٰذا آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جو لوگ صرف ایمان لائے اور جو ایمان کے ساتھ مہاجر یا مجاہد بھی ہوئے یہ دونوں قسم کے لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھیں۔ اب آیت بالکل صاف ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہر مومن مہاجر بھی ہے یعنی کفر چھوڑنے والا اور مجاہد بھی یعنی عبادت کی مشقتیں برداشت کرنے والا۔ **دوسرا اعتراض:** یرجون سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو رب کے وعدہ پر یقین نہیں۔ امید تو شک کے موقعہ پر کی جاتی ہے۔ جب وہ مسلمان کی مغفرت کا وعدہ کر چکا تو اس کا یقین چاہئے نہ کہ امید **جواب:** مسلمانوں کو رب کے وعدہ پر تو پورا اعتماد ہے۔ مگر اپنے مومن رہنے کا یقین نہیں نہ معلوم ہمارا انجام کیا ہو نیز اپنے اعمال کی قبولیت کا بھی یقین نہیں۔ نہ معلوم وہ قابل قبولیت ہیں یا نہیں۔ یہ خوف اپنے متعلق ہے نہ کہ وعدہ الٰہی کے متعلق۔ یا ممکن ہے کہ مسلمانوں کی صفت ہو۔ یعنی ان حضرات کی یہ شان ہے کہ ایمان لا کر اور ہجرت اور جہاد کر کے بھی رحمت کی امید ہی کرتے ہیں۔ رب سے بے خوف نہیں ہو جاتے وہ سمجھتے ہیں کہ ہمارے عمل اس کچی کھیتی کی طرح ہیں جسے صدہا مصیبتیں درپیش ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں رحمت کا تو یقین ہے مگر وقت رحمت اور مقدار رحمت میں شک یعنی یہ خبر نہیں کہ رحمت کب ملے گی اور کتنی یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں امید سے یقین مراد ہو (تفسیر کبیر) **تیسرا اعتراض:** جن لوگوں کے متعلق رب نے ان کے جنتی ہونے کا وعدہ فرمایا جیسے انبیاء کرام اور خاص خاص صحابہ جن کی جنت کی بشارت قرآن یا احادیث میں دے دی گئی۔ چاہئے کہ یہ لوگ رحمت کے امیدوار نہ ہوں بلکہ انہیں تو یقین ہو کیونکہ نہ انہیں رب پر بے اعتباری ہے اور نہ ان کے پھسل جانے کا خطرہ ہے پھر یرجون کیسے درست ہوا؟ **جواب:** بیشک انہیں۔ معاذ اللہ اپنے عذاب کا خوف نہیں۔ ان ہی کے متعلق رب فرماتا ہے کہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** مگر انہیں ہیبت دربار الٰہی ہے۔ اور ضرور ہے یہ ہیبت مدار ایمان ہے اسی ہیبت کی بنا پر وہ امیدوار کرم ٹھہرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : شرعی ایمان یقین ہے اور حقیقی ایمان مشاہدہ۔ یونہی ہمارے مشرب میں مومن وہ ہے۔ جو رب تعالیٰ کے ہاں مومن ہے۔ جس کا نام مومنین کی فہرست یعنی علیین میں آچکا ہے ورنہ دنیا کے بہت سے مومن اللہ کے ہاں کافر ہیں۔ رب تعالیٰ ایسا مومن بنائے۔ ایسے ہی شرعی ہجرت وطن چھوڑنا ہے اور حقیقی ہجرت گناہوں کا ترک کرنا۔ اسی طرح ظاہری مجاہدہ جہاد کفار ہے اور حقیقی مجاہدہ جہاد نفس ظاہری اعمال کی انتہا جنت اور رحمت ہے اور باطنی اعمال کی انتہا مشاہدہ جمال مطلق یوں ہی ظاہری عامل شہید ہے اور باطنی عامل صدیق۔ یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جن لوگوں نے حقیقی ایمان اختیار کیا اور نفس اور نفسانیات کو چھوڑا اور شیطانی لشکروں سے مجاہدہ کیا انہیں تجلیات صفات اور مشاہدہ ذات کی قوی امید ہے۔ وہ اس شوق و ذوق میں کسی سفر کی مصیبتوں کا احساس نہیں کرتے۔ رب تعالیٰ بھی غفور رحیم ہے۔ ضرور ان کی امیدیں پوری فرمائے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اس سفر کی شرط اول نفس کو مار دینا ہے۔

حکایت : کسی نے اپنے شیخ سے کہا کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابھی تجھ میں اس کی اہلیت نہیں عرض کیا کہ میرا امتحان لے لیجئے۔ فرمایا اچھا آج دروازہ شہر پر جا کر بیٹھو۔ اور وہاں کے واقعات کی آ کر مجھے خبر دو۔ اس نے کہا بہت اچھا جب وہاں سے لوٹ آیا تو شیخ نے پوچھا کیا نئی بات دیکھی۔ عرض کیا حضرت یہاں کی پولیس بڑی ظالم ہے ایک مسکین بڈھا جنگل

www.alahazratnetwork.org

سے لکڑیاں لایا تھا سپاہی نے اس کو پیٹا بھی اور لکڑیاں بھی چھین لیں۔ شیخ نے کہا اگر تمہیں اسم اعظم یاد ہو تا تو اس سپاہی کو کیا سزا دیتے جوان تڑپ کر بولا کہ میں اس ظالم کو ہلاک کر ڈالتا۔ شیخ نے فرمایا کہ وہ لکڑیوں والا مظلوم بڈھا ہی میرا شیخ ہے اسی نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے جب اتنا صبر اور رحم ہو تو اسم اعظم سکھایا جاتا ہے مولینا فرماتے ہیں۔

طفل جان از شیطان باز کن   بعد از انش با ملک انباز کن!

تا تو تاریک و ملول و تیرۂ   داں کہ باد یو لعیں ہمشیرۂ

لقمہ کو نور افزود و کمال   آں بود آور دہ از کسب حلال

روغن کاید چراغ ماکشد   آب خوانش چو چراغے راکشد

نفس امارہ بچہ ہے شیطان اس کی دایہ۔ جب تک دودھ پئے گا مردوں میں اس کا شمار نہ ہو گا اس بچہ کا یہ دودھ چھوڑا کر پھر کسی ترقی کی امید رکھو جو روغن چراغ گل کر دے وہ روغن نہیں پانی ہے۔

يَسْــَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ
پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے سے۔ فرمادو کہ بیچ ان کے گناہ ہے بڑا
تم سے شراب اور جوئے کا حکم پوچھتے ہیں۔ تم فرمادو کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے
لِلنَّاسِ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا
اور نفعے ہیں واسطے لوگوں کے اور گناہ ان کا بڑا ہے نفعے سے ان کے
اور لوگوں کے کچھ دنیاوی نفعے بھی اور ان کا گناہ ان کے نفعے سے بڑا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں جہاد کا ذکر تھا جس سے دین و قوم، ملت کا بقا ہے اب شراب اور جوئے کی برائی بیان ہو رہی ہے۔ جس سے قوم و دین و ملک کی بربادی ہے یعنی اعلیٰ چیزوں کی برائی بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں جنگ کا حکم دیا گیا اور عموماً لوگ جنگ کے وقت سپاہیوں کو شراب پلاتے تھا تاکہ مست ہو کر خوب لڑیں اور جنگ کی ہی خاطر جوئے سے مال جمع کرتے تھے تاکہ جیتا ہوا مال لڑائی میں کام آئے۔ لہذا اب ان دونوں ہی چیزوں کی برائی بیان ہو رہی ہے تاکہ مسلمان جہاد کے لئے ایسی گندی چیزیں اختیار نہ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ بے خبری کا قصور معاف ہے چونکہ شراب پی کر بے خبری طاری ہو جاتی ہے لہذا فرمایا جارہا ہے کہ نشہ کے قصور معاف نہ ہوں گے۔ کیونکہ عبداللہ ابن جحش کی بے خبری غیر اختیاری تھی اور شرابی کی بے خبری اختیاری ہوتی ہے۔ لہذا شرابی کے جرموں کی سزا ہے۔ **نکتہ**: سوئے ہوئے اور بے ہوش کی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ لیکن اگر شرابی نشے میں طلاق دے تو ہو جائے گی۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول : جب مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آئے تو انہوں نے دیکھا کہ یہاں شراب اور جوئے کا بہت رواج ہے تب حضرت عمر اور معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہما بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ شراب اور جوئے کا فیصلہ فرمایئے کیونکہ شراب عقل برباد کر دیتی ہے اور جوا مال تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان دونوں کی برائیاں بیان فرمائی گئیں مگر انہیں صراحتہ حرام نہ کیا گیا۔ (روح المعانی)

تفسیر : **یسئلونک** عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام سے بڑھ کر کوئی جماعت نہ دیکھی گئی جنہوں نے کہ حضور علیہ السلام سے صرف تیرہ سوالات کئے۔ قرآن کریم نے ان سب کو معہ سوال نقل فرمایا۔ اور وہ سوال ان کے لئے بھی اور دیگر مسلمانوں کیلئے بھی بہت نافع تھے (روح البیان) ان سوالات کے نقل فرمانے میں ان پوچھنے والوں کی عزت افزائی بھی ہے اور تا قیامت مسلمانوں کو ان کا احسان مند رہنا بھی کہ مسلمان یہ سمجھیں کہ یہ آیات فلاں بزرگوں کے طفیل ہمیں ملیں۔ اگرچہ ہمارا خالق رب تعالیٰ ہی ہے مگر چونکہ ماں باپ ہماری پیدائش کا ذریعہ بنے اس لئے ہم پر ان کا بھی احسان ہے۔ غرضیکہ ماں باپ سے جان ملی تو وہ ہمارے محسن ان صحابہ کے ذریعہ قرآن بلکہ ایمان ملا اس لئے وہ حضرات بھی ہمارے محسن اعظم ہیں۔ اگرچہ یہاں پوچھنے والے دو صاحب تھے مگر چونکہ اس سوال کا تعلق سب ہی سے تھا یا بہت صحابہ کے دل میں یہ ہی خواہش تھی کہ یہ چیزیں حرام ہو جاویں۔ جیسے صدیق اکبر وغیرہم۔ یہ دونوں حضرات درحقیقت ان سب کے نمائندے تھے اور نمائندوں کا کلام اپنا ہی کلام ہوتا ہے۔ لہٰذا **یسئلون** جمع لایا گیا **عن الخمر والمیسر** خمر کے معنی ہیں ڈھانک لینا اور چھپانا اسی لئے چادر کو خمار کہا جاتا ہے۔ **ولیضربن بخمرھن** برتن ڈھکنے کی تخمیر پوتے ہوئے آٹے کو خمیر کہتے ہیں چونکہ شراب بھی عقل کو چھپا لیتی ہے لہٰذا اسے خمر کہا جاتا ہے۔ عرب میں خمر صرف انگوری شراب کو کہتے ہیں۔ دیگر نشی شربتوں کو شراب اس لئے انگوری شراب کی حرمت قطعی ہے اور باقی کی ظنی اور انگوری شراب ہر حال بالاتفاق حرام ہے خواہ نشہ دے یا نہ دے۔ دیگر شرابوں کی حرمت میں اختلاف بعض کے نزدیک وہ بھی ہر طرح حرام ہیں اور بعض کے نزدیک نشہ کی حد تک حرام ورنہ نہیں' نیز شراب انگوری نجاست غلیظہ ہے اس کا پورا ذکر خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ میسر یسر سے بنا بمعنی آسانی چونکہ جوئے میں آسانی سے مال بھی آجاتا ہے اور نکل بھی جاتا ہے۔ یہ مصدر میمی ہے جیسے مرجع اور موعد تفسیر کبیر نے فرمایا کہ میسر کے معنی ہیں تقسیم کرنا اور بانٹنا اسی لئے اونٹ کو بھی میسر کہتے ہیں کہ اسکا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ نیز عرب والے اونٹوں کو لاٹری سے تقسیم کرتے تھے لہٰذا اسے میسر کہا گیا خیال رہے کہ ہر دو طرفہ مال ہار جیت جوا ہے۔ لہٰذا تاش' شطرنج' لاٹری' نرد شیر بلکہ بچوں کا تیر پیسوں اور بانسوں سے کھیلنا جب کہ دو طرفہ مال کی شرط ہو اور سٹہ یہ سب جوا ہے اور حرام ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے احکام پوچھتے ہیں کہ ان کا استعمال اور ان کی تجارت ان کا کاروبار اور ان میں لین دین کرنا حرام ہے یا حلال غرضیکہ یہ ساری باتیں ہی پوچھنا مقصود تھیں۔ اگلے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال سارے معاملات کے متعلق تھا (روح البیان)۔ **قل فیھما اثم کبیر** فیہما کا مرجع شراب و جوا دونوں ہیں۔ اثم سے مراد جنسی گناہ ہے نہ کہ صرف ایک گناہ کبیر سے ہر گناہ کی برائی مراد ہے۔ یعنی فرما دو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ اس شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں نہ تو شراب اور جوئے کو حرام کہا گیا اور نہ گناہ بلکہ فرمایا گیا کہ ان میں گناہ ہے۔ کیونکہ اس وقت تک یہ دونوں حرام نہ ہوئے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

لہٰذا ان کا استعمال بھی گناہ نہ تھا مطلب یہ تھا کہ ان کے استعمال سے کبھی بہت سے گناہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا اس سے بچنا بہتر کیونکہ شراب سے عقل جاتی ہے اور جوئے سے حرص بڑھتی ہے نیز اس میں مال کی بربادی۔ نماز کا ضائع کرنا جھگڑے اور فساد ہو جاتے ہیں تو گویا یہ چیزیں بھی حرام کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ (تفسیر احمدی)۔ **ومنافع للناس** یہاں منافع سے چند قسم کے نفعے اور ناس سے مختلف قسم کے لوگ مراد ہیں یعنی جوئے اور شراب میں بہت سے لوگوں کو کچھ دنیوی نفعے بھی ہیں مثلاً شراب سے کھانا ہضم ہو جاتا ہے۔ قوت باہ بڑھتی ہے۔ رنج و غم دور ہوتے ہیں۔ بخیل سخی بن جاتے ہیں چہرے کا رنگ صاف ہو جاتا ہے۔ کمزور آدمی نشہ میں بہادر ہو جاتا ہے۔ شراب کے تاجر اور شراب بنانے والے خوب نفع حاصل کرتے ہیں۔ اسی طرح جوئے میں بغیر مشقت مال ہاتھ لگتا ہے۔ جوا کرانے والا دو طرفہ مال مارتا ہے۔ جیتنے والا غربا فقراء کی امداد کرتا ہے۔ جوا جیت کر دل میں خوشی اور سرور پیدا ہوتا ہے یہ سب کچھ صحیح مگر **واثمهما اكبر من نفعهما** ان کا گناہ ان کے نفعے سے کہیں بڑھ کر ہے کہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے اور عقل ہی گناہ کو روکتی تھی جب یہ نہ رہی تو انسان ہر برائی کر سکتا ہے شراب ہی خدا کے ذکر سے روکتی ہے۔ اس سے آپس میں عداوت و بغض پیدا ہوتا ہے بسا اوقات شرابیوں میں کشت و خون بھی ہو جاتا ہے شرابی شراب کے لئے چوری بھی کرتا ہے۔ اس سے صدہا قسم کی بیماریاں بھی پیدا ہوتی ہیں۔ یہ معدہ کو فاسد کرتی ہے اسی لئے اسے ام الخبائث یعنی گناہوں کی جڑ کہتے ہیں۔ کسی پیغمبر نے بھی شراب نہ پی۔ یہی حال جوئے کا ہے کہ اس میں جبراً غیر کے مال پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ جواری ہار کر چوری بھی کرتے ہیں۔ جواری بال بچوں کے پالنے کی پرواہ نہیں کرتے کبھی کبھی اپنے مکان بلکہ بیوی کو بھی ہار جاتے ہیں۔ کبھی ہارا ہوا جواری جیتنے والے کو قتل بھی کر دیتا ہے۔ جوا عداوت کی جڑ ہے نیز شراب میں شخصی نفعے کچھ ضرور ہیں کہ اس سے بعض لوگوں کے بیوپار چلتے ہیں مگر قوم، ملک، دین کے نقصان ہیں۔ جوئے شراب کا رواج قوم میں بربادی ملک میں فساد پیدا کرتا ہے۔ اللہ کے ذکر سے روکتا ہے اور ہمیشہ شخص، قوم، ملک، دین پر قربان ہونے چاہئیں۔ جب قوم شخص پر قربان ہونے لگے تو تباہ ہو جاوے گی چور کے ہاتھ کاٹنا زانی کو سنگسار کرنا وغیرہ ان سب میں شخص کو قوم پر قربان کیا گیا ہے کہ ایک شخص کی بربادی قوم و ملک کی آبادی ہے غرضیکہ اس کے نقصانات بے شمار ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں اثم سے مراد دنیوی خرابیاں ہیں نہ کہ شرعی گناہ۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت یہ چیزیں حرام نہ ہوئی تھیں یا اثمهما سے ان سے پیدا ہونے والے گناہ مراد ہیں جیسا کہ ہم تفسیر احمدی سے نقل کر چکے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام آپ سے شراب اور جوئے کے احکام پوچھتے ہیں آپ فرما دو کہ ان میں بہت بڑے بڑے گناہ ہیں اور یہ چیزیں صدہا گناہوں کا ذریعہ ہیں ہاں لوگوں کو ان کے ذریعہ کچھ دنیوی نفعے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ لیکن وہ برائیوں کے مقابل بہت تھوڑے ہیں اور ظاہر ہے کہ جس کا نفع کم اور نقصان زیادہ ہو۔ اس سے بچنا چاہئے۔ لہٰذا ان سے بچنا عقلاً و نقلاً ہر طرح بہتر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شراب کا حرام ہونا

شراب اور جوا مہذب قوموں خاص کر عیسائیوں کی دو خطرناک بیماریاں ہیں۔ جن کا علاج سوائے اسلام کے کسی اور مذہب نے نہیں کیا۔ یہ بظاہر اچھی اور حقیقت میں سخت نقصان دہ ہے۔ تمام مذاہب نے اس کی ظاہری خوبیوں کو دیکھ کر اسے حلال مانا بلکہ ہندوؤں کے مذہب میں تیوہاروں پر بھی استعمال ہونے لگی۔ اسلام نے اس کے برے نتائج کی بنا پر اس سے روکا۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ عرب جیسے ملک سے شراب اور جوئے کو مٹانا بانی اسلام علیہ السلام کا ایک بڑا معجزہ ہے۔ کیونکہ وہاں شراب پانی کی طرح استعمال ہوتی تھی بچوں کو گھٹی میں دی جاتی تھی چونکہ اس کا ایک دم چھڑوا دینا ممکن تھا۔ اس لئے اس کی حرمت کے احکام بہت آہستگی سے آئے مکہ کرمہ میں تو آیت ومن ثمرات النخل والاعناب تتخذون منہ سکرا اتری۔ مسلمان عام طور پر پیتے رہے پھر مدینہ منورہ میں پہنچ کر حضرت عمرو معاذ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ حضور شراب کے بارے میں کچھ حکم دیجئے۔ یہ تو عقل ومال کو برباد کرنے والی ہے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس کی ہم تفسیر کر رہے ہیں۔ اس میں مسلمانوں کو اس سے کچھ نفرت دلائی گئی۔ اس آیت سے ہی بعض لوگ شراب چھوڑ بیٹھے۔ مگر بہت سے پیتے رہے۔ پھر ایک بار حضرت عبدالرحمان ابن عوف کے یہاں صحابہ کرام کی دعوت تھی۔ کھانے کے بعد شراب کا دور چلا۔ اتنے میں نماز مغرب کا وقت آگیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو امام بنایا گیا (روح المعانی) آپ نے نماز میں سورۂ کافرون پڑھی مگر نشے کی وجہ سے ہر جگہ لا اڑا گئے یعنی اعبد ما تعبدون پڑھ گئے تب یہ آیت اتری لا تقربوا الصلوۃ وانتم سکاری یعنی نشے میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ اس کے بعد شراب کا استعمال بہت کم ہو گیا۔ لوگ یا تو عشاء کے بعد پیتے تھے یا فجر کے بعد کیونکہ ظہر سے عشاء تک نمازوں کی وجہ سے انہیں شراب پینے کا موقعہ نہ ملتا تھا۔ پھر عتبان ابن مالک نے کچھ لوگوں کی دعوت کی جن میں سعد ابن وقاص بھی تھے۔ کھانے کے بعد شراب پلائی گئی۔ نشے میں یہ لوگ آپس میں لڑ پڑے اور زخمی ہو گئے۔ یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا۔ تب حضرت عمر نے دعا کی۔ کہ مولا شراب کے متعلق پورا بیان نازل فرما۔ تب آیت کریمہ انما الخمر والمیسر فھل انتم منتھون تک نازل ہوئی اور شراب قطعاً حرام کر دی گئی۔ (عام تفاسیر)۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ اس دن ہمارے گھر مسلمانوں کی دعوت تھی۔ جس میں شراب کا دور چل رہا تھا۔ ہمارے گھر میں بہت سے مٹکے شراب کے تھے کہ اچانک منادی کی آواز کان میں آئی۔ میرے والد نے کہا۔ انس سن کر تو آ کیسی منادی ہے میں نے واپس آکر بتایا کہ شراب حرام ہونے کی منادی ہو رہی ہے۔ یہ بات سن کر اہل مجلس کی یہ حالت ہوئی کہ جس کے ہاتھ میں جام تھا اس نے وہیں پھینک دیا جو مٹکے سے شراب انڈیل رہا تھا اس نے وہیں پیالہ توڑ دیا۔ جس کے منہ میں تھی اس نے کلی کر دی۔ جو منہ تک پیالہ لے گیا تھا اس نے وہاں سے ہی واپس کر لیا۔ پھر میں نے ڈنڈے سے سارے مٹکے پھوڑ دیئے۔ اس دن مدینہ کی گلیوں میں بارش کے پانی کی طرح شراب بہتی تھی۔ سوکھ جانے پر بھی کئی دن تک زمین سے شراب کی بو آتی رہی۔

مصطفیٰ تیری صولت پہ لاکھوں سلام

اس اطاعت کی دنیا میں مثال نہ ملے گی۔

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ : فتویٰ یہ ہے کہ ہر نشے والی پتلی چیز یعنی انگوری شراب اور تاڑی وغیرہ مطلقاً حرام ہیں۔ ان کا ایک قطرہ بھی پینا جائز نہیں۔ (شامی کتاب الاشربہ) مسئلہ: انگوری شراب اور دیگر نشے کی پتلی چیزوں میں چند فرق ہیں۔ (1) شراب انگوری حرام قطعی ہے۔ اس کا منکر کافر ہے۔ (2) اس کا کسی طرح بھی استعمال جائز نہیں۔ جسم پر اس کی مالش بھی نہیں کر سکتے۔ (3) اس کی تجارت بھی حرام ہے۔ (4) اس کی کوئی قیمت نہیں یعنی اس کے ضائع کرنے والے یا غصب کرنے والے پر تاوان واجب نہیں۔ (5) یہ نجاست غلیظہ ہے۔ (6) اس کے پینے والے کو اسی کوڑے مارے جائیں گے۔ اگرچہ نشے کی حد سے کم ہی پئے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر اس کا ایک قطرہ کنوئیں میں گر جائے پھر اس جگہ مینار بن جائے تو میں اس پر اذان نہ کہوں۔ اور اگر دریا میں گر جائے پھر خشک ہو کر وہاں گھاس جمے تو میں اپنے جانور کو نہ چراؤں۔ (احمدی سورۂ مائدہ وشامی کتاب الاشربہ) مسئلہ: انگوری شراب کے علاوہ دیگر شرابیں بھی حرام ہیں مگر ان میں اتنی سختی نہیں۔ انہیں نشہ سے کم حلال جاننے والا کافر نہیں۔ اس کے پینے پر بغیر نشہ حد واجب نہیں اس کی نجاست غلیظہ نہیں خفیفہ ہے۔ ان کی تجارت جائز ہے کیونکہ وہ پینے کے سوا دیگر کاموں میں آسکتی ہے۔ (تفسیر احمدی سورۂ مائدہ) مسئلہ: نشہ کی خشک چیزیں جیسے بھنگ اور افیون وغیرہ سے نشہ لینا بھی حرام ہے لیکن دواء" کھانا جائز۔ اسی لئے بچوں کو کھلائی جاتی ہے۔ دیگر استعمال میں بھی آسکتی ہے۔ یہ نجس نہیں۔ اس سے نشہ پر حد (اسی کوڑے) واجب نہیں۔ (شامی)۔ مسئلہ: بھنگ میں 120 نقصان ہیں (شامی) اور افیونی کے خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے۔ مسئلہ: تمباکو اور حقہ 1015ھ میں دمشق میں ایجاد ہوا۔ اسے بطریق نشہ استعمال کرنا حرام ہے۔ اگر نشہ نہ ہو تو حلال مگر پھر بھی اس سے بچنا بہتر اور جب تک کہ منہ میں اس کی بو آئے مسجد میں آنا منع۔ اس کی پوری تحقیق شامی کتاب الاشربہ میں دیکھو۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں شراب کے ساتھ جوا کیوں بیان ہوا۔ جواب: چند وجوں سے' ایک یہ کہ جواری کو بھی جیت کر شراب کا سا نشہ ہوتا ہے۔ دوسرے اسلئے کہ یہ بھی شراب کی طرح عبادات سے غافل کرتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ یہ بھی شراب کی طرح مال کو برباد اور آپس میں فساد پیدا کرتا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شراب اور جوئے میں کچھ نفعے بھی ہیں۔ مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام میں کوئی نفع نہیں اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس آیت کے نزول کے وقت شراب حلال تھی حرام ہونے کے بعد اس میں کوئی نفع نہ رہا (احمدی یہ ہی آیت) اب اس کے ظاہری نفعے بھی درحقیقت نقصان ہیں۔ اس کے ذریعہ کمایا ہوا پیسہ حرام۔ تیسرا اعتراض: جب اس آیت کے نزول کے وقت شراب حلال تھی تو اسے گناہ کیوں کہا گیا کیا حلال میں بھی گناہ ہوتا ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ یا تو گناہ سے دنیوی نقصان مراد ہیں یا دیگر وہ گناہ جو شراب سے کبھی کبھی پیدا ہو جاتے تھے۔ جیسے آپس کے جھگڑے فساد وغیرہ۔ چوتھا اعتراض: کتب فقہ وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک سوائے شراب انگوری کے دیگر شرابیں حد نشہ سے کم حلال ہیں۔ بشرطیکہ محض فرحت و سرور کے لئے نہ پئے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: اس کا جواب انشاء اللہ سورۂ مائدہ ساتویں سیپارہ میں دیا جائے گا۔ پانچواں اعتراض: یہاں اثم کے مقابل نفع بولا گیا حالانکہ اثم کے مقابل تو ثواب بولنا چاہئے تھا۔ یہ مقابلہ کیونکر درست ہوا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اثم سے مراد گناہ نہیں کہ اس وقت شراب حرام ہی نہ ہوا تھا بلکہ اس سے مراد نقصان ہے۔ لہٰذا اس کا مقابلہ نفع سے بہت ہی موزوں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : دنیوی شرابیں انگور، کھجور، کشمش و دیگر غلوں سے بنتی ہیں مگر نفسانی شرابیں غفلت، شہوت، محبت دنیا وغیرہ سے بنتی ہیں۔ دنیوی شرابیں انسان کو دنیا سے غافل کر دیتی ہیں۔ مگر یہ شرابیں آخرت سے بے پرواہ کرتی ہیں۔ لہٰذا یہ حرام ہیں۔ اگرچہ ان میں نفس کو لذت آتی ہے مگر روح کی بربادی ہوتی ہے اور اس کا یہ نقصان اس نفع سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ظاہری شراب کے نشے سے نماز حرام، غفلت کی شراب کے نشے سے وصال یار سے محرومی ہے۔ نفسانی شراب کا عادی شراب طہور یعنی شراب روحانی سے محروم رہے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس شراب کے علاوہ ایک اور شراب بھی ہے جو حلال ہے۔ جس سے قلب، روح اور سر کو نشہ ہوتا ہے۔ وہ شراب محبت ہے جو مشاہدہ کے پیالے میں ساقی لم یزل کے ہاتھ سے ملتی ہے۔ جس سے نفس کی شہوت ٹوٹ جاتی ہے اور قلب توحید کے نشہ میں دوئی سے غافل ہو جاتا ہے۔ روح شہود کی وجہ سے وجود سے بے خبر اور سر جمال دیکھ کر کمال سے بے پرواہ ہو جاتی ہے۔ یہ شراب لوگوں کو نافع ہے اور حلال۔ دیگر شرابوں کا نشہ اتر جاتا ہے۔ مگر جس کو ساقی اس پیمانہ سے مست کر دے۔ وہ کبھی ہوش میں نہیں آتا۔ مثنوی میں ہے۔

ما اگر قلاش و گر دیوانہ ایم	مست آں ساقی و آں پیمانہ ایم
مست بے ہوشیار گردد از دور	مست حق ناید بخود از نفخ صور!
جرعہ چوں ریخت ساقی الست	بر سر ایں شورہ خاک زیر دست
جوش کرد آں خاک و ما زاں جوششیم	جرعہ دیگر کہ بس بے کوشش ایم

بعض الست کے دن سے ایسے مست ہوئے کہ صور پھونکنے پر بھی انہیں ہوش نہ آئے گا جیسے حضور غوث پاک جو مستی میں فرما گئے۔ سقانی الحب کاسات الوصال۔ نفسانی جو اہل سے اور روحانی جو اہل اقبال سے ہے۔ شیطان دین چھین کر غفلت دینا چاہتا ہے۔ اگر انسان اس پر غالب آ گیا تو کامیاب ہے ورنہ ناکام۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا حاصل کرے اور دین ہاتھ سے نہ جانے دے۔

وَيَسْـَٔلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ ۖ قُلِ الْعَفْوَ ۗ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ

اور پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا ہے وہ جو خرچ کریں۔ فرما دو بچا ہوا۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا خرچ کریں۔ تم فرما دو جو فاضل بچے۔ اسی طرح اللہ تم سے آیتیں

الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢١٩﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۗ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ

واسطے تمہارے نشانیاں تاکہ تم غور کرو۔ بیچ دنیا اور آخرت کے اور پوچھتے ہیں تم سے

بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ کر کرو اور تم سے یتیموں

الْيَتٰمٰى ۖ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ۖ وَاِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ

یتیموں کے بارے۔ فرما دو اصلاح کرنا ان کی بہتر ہے اور اگر ملا لو تم انہیں پس بھائی ہیں تمہارے

کا مسئلہ پوچھتے ہیں تم فرماؤ ان کا بھلا کرنا بہتر ہے اور اگر اپنا ان کا خرچ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی

www.alahazratnetwork.org

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ۚ اِنَّ
اور اللہ جانتا ہے بگاڑنے والے کو اصلاح کرنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ البتہ مشقت
میں اور خدا خوب جانتا ہے بگاڑنے والے کو سنوارنے والے سے اور اللہ چاہتا تو تمہیں مشقت میں
اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٠﴾
میں ڈالتا ۔ تم کو تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے ۝
ڈالتا۔ بے شک اللہ زبردست حکمت والا ہے ۝

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ جواء میں جوئے وغیرہ سے حاصل کیا ہوا روپیہ صرف نہ کرو۔ اب بتایا جارہا ہے کہ کونسا مال وہاں خرچ کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جوئے اور شراب وغیرہ حرام کاموں میں پیسہ صرف نہ کرو۔ اب بتایا جارہا ہے کہ کہاں اور کتنا پیسہ خرچ کرو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اپنے مال کا بچاؤ بتایا گیا تھا۔ اب یتیموں کے مال کی اصلاح کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ یعنی پہلے اصلاح نفس کا حکم تھا۔ اب غیروں کی اصلاح کا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں حقوق اللہ مارنے سے روکا گیا۔ اب حقوق العباد یعنی یتیموں کا مال مارنے سے روکا جارہا ہے۔

شان نزول : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو صدقہ دینے کی رغبت دی۔ تب آپ سے دریافت کیا گیا کی اس کی مقدار ارشاد فرمایئے کہ کتنا مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ تب پہلا جملہ نازل ہوا۔ (خزائن العرفان) دوسری روایت یہ ہے کہ معاذ ابن جبل اور ثعلبہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ ہمارے پاس غلام بھی ہیں اور بال بچے بھی۔ ہم ان پر کتنا مال خرچ کریں اس پر پہلا جملہ نازل ہوا۔ 2 عرب میں ہندوستان کی طرح یتیموں کے مال کھا جانے میں احتیاط نہ کی جاتی تھی۔ اس لئے انہیں فرمایا گیا تھا کہ جو لوگ یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں انگارے بھرتے ہیں۔ جسے سن کر مسلمان ڈر گئے اور بہت احتیاط کرنے لگے کہ یتیموں کا کھانا الگ پکاتے۔ ان کا پانی الگ رکھتے۔ اور انکا بچا ہوا کھانا خرچ نہ کرتے۔ کبھی وہ سڑ گل جاتا تو پھینک دیتے۔ اتنی احتیاط مسلمانوں پر گراں تھی۔ جس کی شکایت انہوں نے بارگاہ نبوت میں کی۔ عبداللہ ابن رواحہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ اس صورت میں لوگ یتیموں کی پرورش چھوڑ دیں گے۔ تب آیت کا دوسرا جملہ **ویسئلونک عن الیتمی** نازل ہوا (کبیر و روح المعانی وغیرہما)۔

تفسیر : **ویسئلونک ماذا ینفقون** یہ جملہ پہلے **یسئلون** پر معطوف ہے۔ اور نفقہ سے یا تو راہ خدا میں خرچ کرنا مراد ہے۔ جیسا کہ پہلے شان نزول سے معلوم ہوا یا گھربار میں خرچ کرنا جیسا کہ دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا۔ اگر خیرات مراد ہو تو پھر یا تو صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ مراد ہے یا صدقہ نفل 'ماذا' سے یا تو مال کی نوعیت مراد ہے یا مقدار یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ کس قسم کا یا کتنا مال راہ الہٰی میں یا اپنے گھربار میں خرچ کریں' **قل العفو** عفو کے معنی ہیں آسان و

www.alahazratnetwork.org

نرم جمد کا مقابل۔ اس لئے نرم زمین کو عفو کہتے ہیں۔ یا فاضل اور بچا ہوا جیسے خذ العفو۔ حتی عفو "یا معافی عفا اللہ عنک۔ یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں یعنی فرمادو کہ ضرورت سے بچا ہوا مال راہ خدا میں خرچ کرو۔ جس کا خرچ کرنا آسان ہو وہ دو یا جس کے خرچ کرنے کا اثر دل پر نہ رہے وہ دو۔ تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ بعض نے اس کے معنی افضل اور طیب مال بھی کئے ہیں۔ یہ جوئے کے مقابل فرمایا گیا ہے یعنی راہ خدا میں پاک مال خرچ کرو جس کا کمانا حرام نہیں بلکہ معاف ہے خبیث مال نہ دو۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں بقدر ضرورت مال لے کر باقی سب خیرات کرنا واجب تھا اور صحابہ کرام سارا بچا ہوا مال راہ خدا میں صرف کر دیتے تھے۔ کیونکہ مدینہ منورہ کی چھوٹی سی بستی تھی کفار وہاں سے نکلنے نہ تھے کہ بہت مہاجر مکہ معظمہ حبشہ وغیرہ سے پہنچ گئے ان کی آباد کاری اور ان کے گزارہ کا اہم مسئلہ درپیش آ گیا انصار نے بے مثال میزبانی کی اس وقت ہنگامی حالات کے ماتحت اس قسم کے احکام نافذ کئے گئے تھے۔ جب وہ حالات جاتے رہے تو وہ ہنگامی احکام بھی ختم ہو گئے یعنی جب بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر یہودی جلاوطن ہوئے تب ان کی متروکہ جائدادیں بچیں اور مہاجرین وہاں آباد کئے گئے اور انصار کے مکانات باغات وغیرہ شکریہ واپس کر دیئے گئے۔ یہ ہی آیت میں مراد ہے۔ اس صورت میں یہ آیت زکوۃ کی آیت سے منسوخ ہے۔ (از کبیر و احمدی) اب صرف چالیسواں حصہ خیرات کرنا واجب رہ گیا بعض نے فرمایا کہ یہاں نفلی صدقہ مراد ہے اور عفو سے ضرورت سے بچا ہوا مال مراد یعنی ضروری مال خیرات کر کے خود محتاج نہ ہو جاؤ۔ اور اپنے بال بچوں کو فقیر نہ بناؤ بلکہ بچا ہوا مال خرچ کیا کرو اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ غنی سے کرنا چاہیے (احمدی و کبیر وغیرہ) **کذلک یبین اللہ لکم الایت** ذلک سے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔ یبین تبیین سے بنا۔ جس کے معنی ہیں آہستہ آہستہ یا خوب بیان کرنا آیات سے یا تو احکام کی آیتیں مراد ہیں یا سادی آیتیں۔ کیونکہ ہر آیت علامت ہے یعنی جیسے کہ ہم نے یہ احکام بہت واضح طور پر بیان کر دیئے۔ اسی طرح اور بھی آیتیں تم پر بیان فرماتے ہیں۔ **لعلکم تتفکرون ○ فی الدنیا والاخرۃ** لعل امید کے لئے ہے یا بیان حکمت کیلئے تفکر سے یا تو غور و خوض کرنا مراد ہے یا سوچ سمجھ کر کام کرنا۔ فی الدنیا تفکر کے متعلق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یبین کے متعلق الدنیا کا الف لام مضاف کے بدلے میں ہے اور یہاں احکام پوشیدہ ہے۔ یعنی آیتیں اس لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا اور آخرت کے کام سوچ سمجھ کر کیا کرو یا دنیا اور آخرت کے متعلق آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم سوچو سمجھو۔ اب تک تو اپنا مال خرچ کرنے کے احکام بیان ہوئے۔ اب یتیموں کا مال خرچ کرنے کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں کہ **ویسئلونک عن الیتمی** یتامی یتیم کی جمع ہے۔ انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے۔ جس کا باپ مر جائے۔ حضرت عیسیٰ و آدم علیہ السلام یتیم نہ تھے۔ کیونکہ ان کے والد تھے ہی نہیں۔ نیز آدم علیہ السلام بالغ ہی پیدا ہوئے نیز جس بچہ کا باپ تو ہو جس کے نطفے سے یہ پیدا ہوا ہو مگر شرعی باپ نہ ہو جسے شریعت باپ مانے اس کے مر جانے سے بھی بچہ یتیم نہیں کہلائے گا جیسے حرامی اولاد کا وہ باپ۔ جس نے اس کی ماں سے زنا کیا اس سے یہ بچہ پیدا ہوا۔ اس زانی کے مر جانے سے یہ حرامی بچہ یتیم نہ ہو گا کہ شریعت نے اس شخص کو اس بچہ کا باپ مانا ہی نہیں۔ اس لئے ان میں ایک دوسرے کو میراث نہیں ملتی نہ نان نفقہ واجب۔ جانوروں میں یتیم وہ بچہ ہے جس کی ماں فوت ہو جائے۔ دریتیم وہ موتی جو سیپ میں اکیلا ہو۔ الیتمی میں الف لام عہدی ہے۔ اس سے وہ یتیم مراد ہیں جو مسلمانوں کی پرورش میں تھے اگرچہ عن الیتمی بغیر قید کے ہے مگر جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ سوال یتیموں کے مال کے متعلق تھا یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے ان یتیموں کے بارے میں سوال کرتے ہیں جو کسی کی

www.alahazratnetwork.org

پرورش میں ہوں کہ ان کے مال کیسے خرچ کیے جائیں۔ **قل اصلاح لهم خير** اس مختصر جملہ میں بے شمار احکام بیان ہو گئے۔ اصلاح صلح سے بنا ہے بمعنی درستی۔ فساد کا مقابل اس کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے اور خیر کے بعد لکم پوشیدہ اصلاح سے جانی۔ مالی، نفسانی، روحانی ساری درستیاں مراد ہیں یتیموں کو علم و ادب سکھانا انہیں نمازی پرہیزگار بنانا۔ ان کا مال احتیاط سے خرچ کرنا بلکہ ان کے مال کو نافع تجارت میں لگا دینا سب ہی اس میں داخل ہیں۔ (روح المعانی) یعنی فرمادو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ یتیموں کی اصلاح کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور ان کے لئے بھی کہ تم تو ثواب پاؤ گے اور انکی جسمانی، روحانی درستی ہو جائے گی چونکہ کبھی تو مالی اصلاح علیحدہ کرنے سے ہوتی ہے اور کبھی اپنے مال کے ساتھ ملا لینے سے لہٰذا ارشاد ہوا کہ **وان تخالطوهم فاخوانكم** یہ خلط سے بنا۔ جس کے معنی ہیں چند چیزوں کے اجزاء آپس میں ملا دینا۔ اس لئے دوست اور شریک اور پڑوسی کو خلیط کہتے ہیں۔ لہٰذا مخالطت سے مراد شرکت یا آپس میں مل جل کر رہنا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مال ملانا مراد ہے اور بعض نے کہا کہ نکاح مراد (کبیر و روح المعانی) اخوان ہم محذوف کی خبر ہے اور یہ اخ کی جمع ہے بمعنی بھائی۔ اخ وہ ہے جو ماں باپ یا ایک میں شریک ہو۔ مگر مجازاً ہم قبیلہ ہم پیشہ ہم مذہب اور یاروں کو بھی اخ کہا جاتا ہے یہاں یا تو ہم مذہب مراد ہے یا ہم قبیلہ یعنی اگر تم ان یتیموں کو اپنے ساتھ ملا لو۔ یا ان سے نکاح کا رشتہ قائم کر لو کہ خود اپنے سے یا اپنی اولاد سے ان کا نکاح کر لو۔ یا ان کا مال اپنے مال سے بقدر خرچ ملا لو تو جائز ہے کیونکہ وہ تمہارے دینی اور قبیلہ کے بھائی ہیں اور اگر ایک بھائی کا مال دوسرے بھائی کے خرچ میں آ جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مگر خیال رہے کہ **والله يعلم المفسد من المصلح** یہاں علم یا بمعنی معرفت ہے اور یا بمعنی تمیز۔ اسی لئے اس کا مفعول ایک ہی آیا۔ اور اس کے بعد من بھی لایا گیا۔ اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ یعنی اگرچہ رب نے تمہیں تجارت اور کھانے پینے میں ان کا مال ملا لینے کی اجازت دے دی۔ مگر وہ خوب جانتا ہے کہ فسادی کون ہے اور مصلح کون **ولو شاء الله لاعنتكم** شاء کا مفعول پوشیدہ ہے۔ اعنت اعنات سے بنا جس کا مادہ عنت ہے اس کے معنی ہیں ناقابل برداشت مشقت۔ رب فرماتا ہے۔ **عزيز عليه ما عنتم** کبھی بمعنی ذلت اور عاجزی بھی آتا ہے جیسے عنت الوجوہ للحی القیوم۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی اگر رب چاہتا تو تمہیں یتیموں کے متعلق سخت مشقت میں ڈال دیتا کہ ان کا ہر مال علیحدہ رکھنے کا ہی حکم دیتا۔ جس میں تم کو سخت دشواری ہوتی مگر اپنے کرم سے خلط کی اجازت دی **ان الله عزيز حكيم** عزیز، عزت بمعنی غلبہ سے بنا اور حکیم، حکمت سے یعنی اللہ سب پر غالب ہے۔ کوئی اس کے احکام روک نہیں سکتا اور حکمت والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ کیسا اور کتنا مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ آپ فرمادو کہ ضرورت سے بچا ہوا مال خیرات کرو جسکی تمہاری دل پر چوٹ نہ لگے۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح سارے احکام صاف صاف فرماتا ہے تاکہ تم دنیوی اور اخروی کام سوچ سمجھ کر کرو کہ نہ تو دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھو اور نہ آخرت کو چھوڑو۔ یہاں کے لائق الگ خرچ کرو اور وہاں کے لائق وہاں بھیج دو۔ اے محبوب علیہ السلام لوگ آپ سے ان یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں جو کسی کی پرورش میں ہوں کہ ان کا خرچ علیحدہ رکھیں یا شامل۔ کیونکہ وہ شامل رکھنے میں ڈرتے ہیں کہ یتیموں کا مال کھانے کی ممانعت سے مقصود ان کی مصلحت ہے۔ اگر خرچ شامل کرنے میں ان کی مصلحت ہے تو وہ ہی بہتر ہے لہٰذا تم اگر انہیں اپنے ساتھ ملا تو

www.alahazratnetwork.org

کوئی ڈر نہیں کیونکہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور بھائی ساتھ ہی رہتے ہیں۔ اتنا خیال رہے کہ اللہ فساد کرنے اور اصلاح کرنے والوں کو جانتا ہے۔ لہذا ایسی شرکت نہ کرنا جس میں یتیموں کا نقصان ہو کہ تھوڑا سا آٹا اپنا ملا دیا۔ باقی ان کا کھالیا۔ اور اگر رب چاہتا تو اس کے بارے میں سخت قانون بنا کر تمہیں مصیبت میں ڈال دیتا۔ اللہ تعالیٰ غالب ہے جو چاہے حکم دے مگر حکیم بھی ہے اس لئے نرم احکام نازل فرماتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سارا مال خیرات کر دینا منع ہے کہ اس میں اپنی اور اپنے بچوں کی حق تلفی ہے۔ دوسرا فائدہ: جس طرح کمانے میں حلال و حرام کا خیال ضروری ہے ایسے ہی خرچ کرنے میں بھی۔ جو کچھ دنیوی یا دینی کام میں خرچ کیا جائے وہاں خوب غور کر لیا جائے کہ یہ خرچ کرنے کی جگہ ہے یا نہیں مثلاً گناہ میں خرچ کرنا حرام ہے اور نیکی میں خرچ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ صدقہ واجبہ زکوٰۃ وغیرہ ضرور دے۔ صدقہ نفلی میں یہ خیال رکھے کہ اس سے اپنے نفس اور اولاد کا حق نہ مارا جائے۔ دنیوی خرچ و اخراجات میں اگر عبادت پر طاقت حاصل کرنے کی نیت ہے تو ثواب ہے اور گناہ کی نیت سے خرچ گناہ اور محض دل خوش کرنے کے لئے خرچ کرنا مباح۔ یہ سب باتیں تبلکوا سے حاصل ہوئیں۔ کہا جاتا ہے کہ کمانا ایک ہنر ہے اور خرچ کرنا سو ہنر۔ تیسرا فائدہ: یتیم کی اصلاح لازم ہے اس کو بگاڑنا حرام۔ اسی لئے یتیم کے مال سے زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ اس کا مال کسی کو ہبہ نہیں کر سکتے۔ اس کے مال میں فضول خرچی حرام ہے۔ چوتھا فائدہ: یتیم بچہ کی صرف پرورش ہی نہ کی جائے بلکہ ان کی تربیت بھی کی جائے اور تربیت کے لئے انہیں بقدر ضرورت مار پیٹ۔ ان پر سختی بھی کر سکتے ہیں۔ پرورش میں کھانا کپڑا دوا۔ گرمی سردی سے بچانا وغیرہ سب داخل ہے اور تربیت میں انہیں بری صحبت سے بچانا، تعلیم اخلاق کسی ہنر میں لگا دینا جس سے اپنی روزی کما سکے۔ دیندار بنانا جس سے وہ بندہ مومن بنے سب داخل ہے۔ یہ تمام چیزیں اصلاح سے معلوم ہوئیں یعنی یتیموں کی اصلاح ضروری ہے نہ کہ محض پرورش۔

مسئلہ : ہندوستان میں عام رواج ہے کہ میت کی فاتحہ اس کے سارے مال سے کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے یتیم بچے بھی ہوتے ہیں۔ اسی مال سے عام برادری کی روٹی بھی کرتے ہیں۔ یہ حرام ہے۔ چاہئے کہ پہلے مال تقسیم ہو بعد میں بالغ وارث اپنے حصے سے یہ سب خرچ کریں۔ پانچواں فائدہ: یتیم کو علم و ادب سکھانا۔ اسے بقدر ضرورت سزا دینا اور مارنا بھی جائز ہے کیونکہ یہ اس کی اصلاح ہے۔ چھٹا فائدہ: یتیم کے مال کو تجارت میں لگا دینا اسے مضاربت پر دینا جائز ہے کہ یہ بھی اصلاح ہی ہے۔ ساتواں فائدہ: چند ساتھیوں کا آپس میں روٹی وغیرہ ملا کر کھانا جائز ہے کہ جب یہ کام یتیموں کے ساتھ جائز ہوا تو یہاں بھی جائز ہوگا۔ آٹھواں فائدہ: اجتہاد جائز ہے اور اجتہادی غلطی معاف کیونکہ یتیم کی اصلاح ولی کی رائے سے ہی ہوگی۔ اگر اس رائے میں غلطی بھی ہو گئی تو بھی معاف ہے۔ (روح البیان) نواں فائدہ: نرمی کرنا رب تعالیٰ پر واجب نہیں یہ محض اس کا کرم ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم چاہتے تو سخت احکام بھی نازل فرماتے۔ گزشتہ امتوں پر بہت سخت احکام تھے۔

مسئلہ : سڑنے گلنے والی چیز میں یتیم کا مال اپنے مال سے ملانا جائز مگر اس کے خرچ کا اندازہ کر کے دیگر خرچوں میں اس کا الگ حساب رکھنا ضروری ہے لہذا کپڑے اور زمین و مکان میں اس کی شرکت نہ کرو۔ مسئلہ: یہاں اگرچہ مسلمان یتیم کا حکم بیان ہوا مگر کفار یتیموں کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ ان کے مال وغیرہ کی اصلاح کی جائے۔ دوسری جگہ مطلق یتیم فرمایا گیا کہ لا تقربوا

www.alahazratnetwork.org

مال الیتیم الا بالتی ھی احسن **مسئلہ:** کافر یتیم کو اسلام کی خوبیاں دکھا کر اسلام کی طرف مائل کرنا بہتر ہے کہ یہ بھی اس کی اصلاح ہے مگر اسے جبراً مسلمان نہیں کر سکتے کہ دین میں جبر جائز نہیں۔ **مسئلہ:** یتیموں کی پرورش بڑے ثواب کا کام ہے۔ حضور علیہ السلام نے اپنے دو انگلیوں کو ملا کر فرمایا کہ جنت میں ہم اور یتیم کا پالنے والا اس طرح رہیں گے۔ دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی محبت سے یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرے تو اسے ہر بال کے عوض نیکی ملتی ہے۔ (روح البیان) **مسئلہ:** یتیم کا پالنے والا اگر غریب ہو تو اس کے مال سے حق پرورش لے سکتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں خزانہ کے مال کو مال یتیم اور اپنے کو ولی یتیم سمجھتا ہوں۔ کہ اگر ضرورت پڑتی ہے تو اس میں سے کھاتا ہوں ورنہ نہیں۔ **مسئلہ:** چند مسلمانوں کا مل کر کھانا باعث برکت ہے۔ اکیلے کھانے میں بے برکتی۔ چاہئے کہ گھر کے بال بچے یا دوست واحباب مل کر کھانا کھایا کریں۔

پہلا اعتراض: یہاں یتیموں کو بھائی کہنے سے معلوم ہوا کہ صرف مسلمان یتیموں کے ساتھ ہی سلوک کرنا چاہئے اگر یہ عام ہوتا تو انہیں بھائی نہ کہا جاتا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ چونکہ یہاں سوال مسلمان یتیموں کے لئے ہی تھا۔ اس لئے انہیں بھائی فرمادیا گیا۔ دوسری آیت میں ہر یتیم کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیا گیا ہے جیساکہ تفسیر سے معلوم ہو چکا دوسرے یہ کہ یہاں خلط سے جانی شرکت دونوں ہی مراد ہیں اور کافر یتیموں سے چونکہ نکاح جائز نہیں لہٰذا انہیں بھائی فرمایا گیا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ وعدہ خلافی پر قادر ہے۔ کیونکہ اس نے طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دینے کا وعدہ فرمالیا ہے۔ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** اور یہاں فرمارہا ہے کہ اگر ہم چاہتے تو تمہیں طاقت سے زیادہ تکلیف دے دیتے۔ (امکان کذب دیوبندی) **جواب:** عنت کے معنی طاقت سے زیادہ تکلیف دینا نہیں بلکہ بھاری احکام مراد ہیں جیسے یتیم بچوں کا حساب کتاب الگ رکھنا اور جس کا وعدہ ہے وہ طاقت سے زائد احکام کی تکلیف نہ دینا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض بالکل لغو ہے۔ خیال رہے کہ طاقت سے زیادہ کی تکلیف کسی نبی کے دین میں نہیں دی گئی۔ مثلاً کسی سے نہ کہا گیا کہ تم فرشتہ بن جاؤ یا آسمان پر پہنچ جاؤ یا رب کی خدائی سے نکل جاؤ وغیرہ ہاں بعض دینوں میں بھاری و سخت احکام تھے جیسے بنی اسرائیل پر چوتھائی مال زکوٰۃ یا نجس کپڑے کا جلادینا وغیرہ اسلام میں یہ بھی نہ رہے۔ اب احکام نہایت آسان ہیں اسی لئے ہم کو اس دعا کی تعلیم دی گئی **ولا تحمل علینا اصرا کما حملتہ علی الذین من قبلنا**

تفسیر صوفیانہ: ایمان روح کی اصل پونجی ہے جو اپنے وطن سے لائی ہے اور بدن اور نفس اس کا بچا ہوا مال روح کو حکم فرمایا جارہا ہے کو تو اس فاضل مال یعنی جسم و نفس کو راہ الٰہی میں خرچ کر ڈال تاکہ اس کے عوض آخرت میں نہ بگڑنے والا جسم اور اچھا نفس پائے۔ اور اے روح تو یہاں مسافر ہے۔ رب نے اس راستہ میں بہت سی نشانیاں قائم فرمادی ہیں جس سے منزل مقصود کا پتہ لگتا ہے تو اس راستہ کو بہت سوچ سمجھ کر طے کر تاکہ منزل مقصود پر پہنچے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عوام کی خیرات بچے ہوئے مال سے ہے اور خواص کی خیرات اپنے سارے مال سے اور خاص الخاص کی خیرات مال اولاد جسم اور جان سب سے ہے۔ صدیق ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک بار سارا مال راہ خدا میں دے دیا۔ غار میں جان بھی قربان کردی۔ اولاد کو بھی حضور پر ہی قربان کر ڈالا۔ ان کے لئے یہ ساری چیزیں عفو میں ہی داخل تھیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

موسیا آداب داناں دیگر اند   سوختہ جان و رواناں دیگر اند

www.alahazratnetwork.org

سخاوت غنی کے درجہ کے مطابق ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیق پر معرفت۔ عمر فاروق پر شریعت عثمان غنی پر طریقت۔ مولا علی پر حقیقت غالب تھی۔ (روح البیان)۔ ایک بار صدقہ کا حکم دیا گیا۔ صحابہ کرام مال لا رہے تھے۔ ابو للعہ باھلی بارگاہ نبوت میں بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ ارشاد نبوی ہوا کہ کیا پڑھتے ہو۔ عرض کیا کہ لوگ مال خیرات کر رہے ہیں۔ میں غریب آدمی ہوں۔ مال پر قادر نہیں۔ لہٰذا یہ پڑھ رہا ہوں **سبحان اللہ والحمد اللہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر** ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے یہ کلمات سونا خیرات کرنے سے افضل ہیں روح البیان نے فرمایا کہ سب سے پہلے سبحان اللہ حضرت جبریل نے کہا عرش کی عظمت دیکھ کر۔ اور سب سے پہلے الحمد للہ آدم علیہ السلام نے کہا جب ان میں روح پھونکی گئی اور سب سے پہلے لا الٰہ الا اللہ نوح علیہ السلام نے کہا طوفان دیکھ اور سب سے پہلے اللہ اکبر ابراہیم علیہ السلام نے کہا حضرت اسمٰعیل کا فدیہ یعنی دنبہ دیکھ کر جو یہ کلمات کہے گا۔ ان چاروں حضرات کے سائے میں رہے گا نیز دنیا میں روح یتیم ہے اور قلب اس کا ولی۔ قلب کو حکم ہو رہا ہے کہ تو اس روح کو بیگانہ بنا کر نہ چھوڑ دے۔ اس کی پرورش کر اور اس کی اصلاح میں مشغول رہ۔ اگر اس سے مل جل کر رہے گا تو یہ تیرے لئے دنیا و آخرت میں بہترین بھائی ثابت ہو گا مگر اے قلب خیال رکھ کہ اسے بگاڑنے کے لئے ساتھ نہ ملانا۔ رب تعالیٰ فسادی کو بھی جانتا ہے اور اصلاح کرنے والے کو بھی۔ نفس فسادی ہے ایسا نہ ہو کہ یہ تم دونوں کو بگاڑ دے۔ اگر اللہ تم سب کی علیحدگی کا حکم دے دیتا تو تمہیں بہت دشواری ہوتی۔ رب نے اپنی حکمت سے قلب قالب روح اور نفس ان سب برے بھلوں کو جمع فرما دیا ہے تاکہ بھلوں کی صحبت سے بروں کی اصلاح ہو۔ تو اے قلب تو نفس کی بھی اصلاح کر لینا۔ اس کے ساتھ رہ کر خود نہ بگڑ جانا۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ
اور نہ نکاح کرو مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ وہ ایمان لائیں اور البتہ لونڈی ایمان والی بہتر ہے مشرک
اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائیں اور بیشک مسلمان لونڈی مشرکہ سے اچھی ہے
مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ
سے اگرچہ پسند آوے تمہیں اور نکاح نہ کراؤ مشرکوں سے یہاں تک کہ ایمان لے آویں اور البتہ غلام
اگرچہ وہ تمہیں بھاتی ہو اور مشرکوں کے نکاح میں نہ دو جب تک وہ ایمان نہ لائیں اور بے شک مسلمان غلام
مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ
ایمان والا بہتر ہے مشرک سے اگرچہ پسند آوے تمہیں۔ یہ لوگ بلاتے ہیں طرف آگ کے
مشرک سے اچھا اگرچہ وہ تمہیں بھاتا ہو وہ دوزخ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ جنت
وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ
اور اللہ بلاتا ہے طرف جنت۔ اور بخشش کے ساتھ حکم اپنے کے اور بیان فرماتا ہے آیتیں اپنی
اور بخشش کی طرف بلاتا ہے اپنے حکم سے اور اپنی آیتیں لوگوں کے لئے بیان

www.alahazratnetwork.org

لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾
واسطے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ٭
بیان کرتا ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں ٭

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حلال و حرام مالوں کا ذکر کیا گیا اور اب حرام و حلال عورتوں کا ذکر ہے کیونکہ عورت سے بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم یتیموں کو اپنے ساتھ ملالو تو جائز ہے خواہ ان سے نکاح کر لو یا مال میں شریک بناؤ۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جانی شرکت یعنی نکاح مشرکہ یتیموں سے جائز نہ ہو گا گویا پہلے یتیموں سے نکاح کی اجازت دی گئی تھی اور اب اس میں پابندیاں لگائی جارہی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یتیموں کے ساتھ سلوک کرنے کا حکم تھا۔ اب مشرکین سے نکاح کی ممانعت کیونکہ ایسے غلط نکاح سے جو بچہ پیدا ہو گا۔ وہ یتیم ہی ہو گا کہ زنا اور باطل نکاح کا بچہ گویا حکماً یتیم ہے زانی اس کا باپ نہیں۔ اسی لئے بچہ زانی کی میراث و پرورش سے محروم ہے گویا پہلے یتیموں کی پرورش کا حکم تھا اور اب اولاد کو یتیم بنانے یعنی غلط نکاحوں سے ممانعت ہے۔

شان نزول : حضرت ابو مرثد غنوی ایک بہادر صحابی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مکہ مکرمہ بھیجا تھا کہ وہاں سے تدبیر کے ساتھ ان ضعیف مسلمانوں کو نکال لائیں جو ہجرت نہ کر سکے۔ وہاں ایک مشرکہ عورت تھی جس کا نام عناق تھا۔ اسے زمانہ جاہلیت میں ان کے ساتھ نہایت محبت تھی۔ اور وہ نہایت حسین اور مالدار بھی تھی۔ جب اسے ان کے مکہ آنے کی خبر ملی تو وہ ان کے پاس آئی اور وصال کی طلبگار ہوئی۔ آپ نے فرمایا اے عناق! میں مسلمان ہو چکا ہوں اور اسلام زنا سے روکتا ہے تب اس نے آپ سے نکاح کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا کہ اب میں اپنے قبضے میں نہیں ہوں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام ہوں۔ ان سے بغیر پوچھے تجھ سے نکاح بھی نہیں کر سکتا۔ جب آپ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تو سارا واقعہ عرض کر کے نکاح کے متعلق دریافت کیا تب اس آیت کا پہلا جملہ **ولا تنکحوا الخ** نازل ہوا۔ (احمدی و خزائن)۔ (2) ایک دن حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے کسی خطا پر اپنی حبشی باندی کے طمانچہ مار دیا پھر پشیمان ہو کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور یہ واقعہ عرض کیا حضور نے اس لونڈی کے حالات دریافت کئے کہ وہ کیسی ہے آپ نے عرض کیا کہ وہ توحید و رسالت کی قائل نمازی اور روزہ دار ہے۔ تب حضور نے فرمایا کہ اے عبداللہ وہ تو مومنہ ہے۔ آپ نے عرض کیا کہ رب کی قسم میں اسے آزاد کر کے اپنے نکاح میں لاؤں گا۔ پھر ایسا ہی کیا۔ اس پر لوگوں نے عبداللہ کو طعنے دیئے کہ فلاں فلاں مشرکہ عورتیں جو حسین بھی تھیں اور مالدار بھی تم سے نکاح کرنے پر تیار تھیں تم نے انہیں چھوڑ کر ایک حبشی لونڈی سے کیوں نکاح کر لیا۔ تب اس آیت کا دوسرا جملہ **ولا مة مؤمنة** نازل ہوا۔ (احمدی و خزائن و روح المعانی)۔

تفسیر : **ولا تنکحوا المشرکٰت۔ تنکحوا۔** نکح سے بنا۔ جس کے لغوی معنی ہیں جمع ہونا اور ملنا، داخل ہونا اہل عرب کہتے ہیں۔ **نکح المطر الارض۔** اور **نکح النعاس العین۔** یعنی بارش زمین سے مل گئی اور نیند آنکھ میں آگئی اصطلاح میں جماع کو بھی نکاح کہتے ہیں اور عقد نکاح کو بھی کیونکہ نکاح سے دو قبیلے مل جاتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ جہاں نکاح کا مفعول اجنبی

www.alahazratnetwork.org

عورتیں ہوں وہاں عقد نکاح مراد ہوتا ہے اور جہاں اس کا مفعول شوہر یا بیوی ہو وہاں جماع للذا یہاں تو عقد نکاح مراد ہے نہ کہ فقط جماع اور حتی تنکح زوجا غیرہ میں جماع مراد ہے المشرکٰت ہر توحید کے منکر کو کہتے ہیں کبھی مطلقاً کفر کو بھی شرک کہہ دیا جاتا ہے جیسے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ شرک معنی کفر ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ہر نبی کا منکر مشرک ہے۔ خواہ اللہ کو ہی مانتا ہو (خزائن و خازن و کبیر) یہاں یا تو مشرک سے لغوی مشرک یعنی توحید کا منکر مراد ہے یا ہر کافر۔ اس صورت میں اس آیت کی سورہ مائدہ والی آیت سے تخصیص ہوگی یعنی والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتب للذا سوائے اہل کتاب ساری کافر عورتوں سے نکاح حرام ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ مشرک کے لغوی معنی شریک ٹھہرانے والا ہے اور شرعی معنی ہیں اہل کتاب کے سوا باقی کفار۔ یہاں شرعی معنی ہی مراد ہیں کہ اگرچہ یہود و عیسائی بھی مشرک ہیں۔ کیونکہ وہ عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا مانتے ہیں مگر شرعاً انہیں مشرک نہیں کہا جاتا بلکہ اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز اور ان کا ذبیحہ بھی حلال۔ خیال رہے کہ اہل کتاب عورت سے نکاح کی چند شرطیں ہیں ایک یہ کہ مسلمان مرد میں اتنی پختگی ہو کہ اسلام پر قائم رہ سکے۔ عورت کو تو اسلام کی طرف مائل کر سکے مگر خود اس کی طرف نہ ڈھلک جائے۔ دوسرے یہ کہ اس عورت پر اتنا فریفتہ نہ ہو جاوے کہ اس کے اخلاق حاصل کرنے لگے اور اسے اپنا راز دار بنالے۔ اس سے دلی محبت کرنے لگے تیسرے یہ کہ اپنی اولاد پر پورا کنٹرول رکھ سکے کہ انہیں پکا مسلمان بنا سکے ایسا نہ ہو کہ ان کا اخلاق اختیار کر لیں وغیرہ اگر یہ شرطیں موجود ہوں تو ان سے نکاح جائز ہے ورنہ حرام ہے اور ان شرائط کے ہوتے ہوئے بھی بہتر یہ ہے کہ ان سے نکاح نہ کرے یہی وجہ ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین و قریباً سارے صحابہ ان کے نکاح سے بچے کسی نے نکاح نہ کیا یہ معمول ہے کہ انہوں نے اور اپنی اولاد کے لئے مسلمان بیویاں تجویز کیں۔ یؤمنّ ایمان سے بنا۔ معنی یہاں یہی ہیں کہ ایمان سے یا تو مسلمان ہو جانا مراد ہے یا اہل کتاب بن جانا یعنی کہ مشرکہ اگر مسلمان ہو جائے تو بھی اس سے نکاح حلال۔ اور اگر عیسائیہ یا یہودیہ ہو جائے جب بھی حلال یعنی مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ کسی آسمانی کتاب کا اقرار نہ کر لیں۔ (احمدی) ولامۃ مؤمنۃ اصل میں امۃ تھا واؤ گرا کر اس کے عوض میں تا لگا دی گئی ہے۔ اس کی جمع اماء آتی ہے۔ مملوکہ عورت یعنی لونڈی کو کہتے ہیں۔ مومنہ سے مسلمان لونڈی مراد ہے۔ خیر من مشرکۃ خیر سے مراد زیادہ اچھی اور مشرکہ سے مراد آزاد کافر عورت ہے یعنی مسلمہ اگرچہ لونڈی ہو وہ ہزار درجے آزاد کافر عورت سے افضل ہے۔ ولو اعجبتکم واؤ وصلیہ ہے لو شرطیہ۔ روح البیان نے فرمایا کہ جہاں لو کا جواب اس سے پہلے آجائے اور لو کے بعد فعل ماضی ہو تو وہاں واؤ تو وصلیہ ہوتا ہے اور لو معنی ان۔ اعجبت اعجاب سے بنا معنی تعجب میں ڈالنا یا پسند آنا یعنی اگرچہ مشرکہ اپنے جمال مال حسب نسب کی وجہ سے تمہیں پسند آئے ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا یہاں تنکحوا انکاح سے بنا یعنی نکاح کرانا اس میں سارے مسلمانوں کو خطاب ہے خواہ عورت کے ولی ہوں یا دیگر لوگ اس کا مفعول پوشیدہ ہے اور مشرکین سے عام کفار مراد ہیں۔ خواہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب یا مرتدین (روح البیان و عام تفاسیر) یعنی اے مسلمانو کسی عورت کا نکاح کفار سے نہ کراؤ خواہ وہ عورت لونڈی ہو یا آزاد جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں نکاح بچیوں کے اولیاء سے خطاب ہے یعنی اے اولیاء اپنی بچیوں کا نکاح کفار سے نہ کرو (روح البیان) ولعبد مؤمن خیر من مشرک عبد عبودت سے بنا معنی عاجزی اختیار کرنا عبد معنی غلام زرخرید ہے اس کا

www.alahazratnetwork.org

استعمال چار معنی میں ہے۔ معنی (1) مملوک یعنی غلام' من عبادکم۔ (2) مخلوق۔ (3) عبادت گزار' (4) خدمت گزار' تابعدار حدیث میں ہے تعس عبدالدینار۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ (غلام) یعنی مسلمان غلام بھی اگرچہ بظاہر حقیر ہے۔ لیکن آزاد اور مالدار کافر سے افضل ہے کہ زیور ایمان سے آراستہ ہے **ولو اعجبکم** یہاں بھی واؤ حالیہ اور لو شرطیہ ہے۔ یعنی اگرچہ وہ کافر اپنے مال' عزت اور جاہ و جلال کی وجہ سے تمہیں اچھا معلوم ہو۔ کفار سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ **اولئک یدعون الی النار**' اولئک او لئک سے سارے کفار کی طرف اشارہ ہے اور یدعون سے رغبت دینا اور نار سے سبب جہنم یعنی کفر مراد ہے یعنی یہ کفار تم سے مل کر کفر کی طرف رغبت دیں گے۔ لہٰذا ان سے دوری ضروری۔ خصوصاً" وہ کفار جو اپنے کو مسلمان کہیں اور ہوں کافر جیسے مرزائی روافض وغیرہ کہ ان کا نقصان کھلے کفار سے زیادہ ہے کہ ان کھلوں کو تو انسان اپنا دشمن سمجھتا ہے مگر یہ دوست کی صورت میں آتے ہیں۔ کفریہ عقیدے اسلامی رنگ میں پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بلا دھڑک ان مرتدین کو لڑکی دے بھی دیتے ہیں اور ان کی لڑکیاں لے بھی لیتے ہیں پھر خود بھی بے دین ہو جاتے ہیں اور اولاد بھی بے دین ہوتی ہے۔ اس لئے سب کا وبال ان لوگوں پر ہی پڑتا ہے۔ **واللہ یدعوا الی الجنۃ والمغفرۃ** بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ سے پہلے ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی اللہ کے دوست (مسلمان) مگر ظاہر یہ ہی ہے کہ کچھ پوشیدہ نہیں۔ یدعوا' سے یا تو بلانا مراد ہے یا رغبت دینا جنت اور مغفرت سے اس کے اسباب مراد ہیں (ایمان پر استقامت اور نیک اعمال) یعنی اللہ کے پیارے مسلمان ایمان اور نیک اعمال کی رغبت دیتے ہیں لہٰذا انہی سے بیاہ شادی کرو کہ ان کا میل جول رحمت ہے یا اللہ جنت اور بخشش کی طرف بلا رہا ہے۔ اس لئے اس نے نکاح کفار سے تمہیں روک دیا جو جہنم کا ذریعہ ہے۔ **باذنہ** اس کا تعلق یدعوا سے ہے اور ب تلبس کی۔ اور اذن سے مراد یا ارادہ ہے یا توفیق یعنی اللہ اپنے ارادہ کرم سے یا مسلمان رب کی توفیق سے جنت کی رغبت دیتے ہیں **و یبین ایتہ للناس** یبین کے معنی ہم پہلے بتا چکے۔ آیات سے یا تو احکام کی آیتیں مراد ہیں یا ساری آیتیں۔ اور ناس سے یا صرف مسلمان مراد ہیں یا سارے لوگ یعنی رب تعالیٰ اپنی ہدایت دینے والی آیتیں لوگوں کے لئے خوب صاف صاف بیان فرماتا ہے۔ **لعلھم یتذکرون** یہ لفظ تذکر سے بنا جس کا مادہ ہے ذکر بمعنی نصیحت قبول کرنا یعنی تاکہ لوگ ان احکام میں غور کر کے نصیحت قبول کریں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو کافر عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ کیونکہ نکاح محبت دائمی گھر کی آبادی اور بال بچوں کی پرورش کے لئے ہوتا ہے۔ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے یہ تینوں باتیں ناممکن ہیں۔ نہ شوہر بیوی کا دل ملے گا اور نا اتفاقی کی وجہ سے گھر میں رونق بھی نہ ہو گی اور بچوں کی پرورش میں بہت جھگڑا پیدا ہو گا ماں تو انہیں اپنے دین پر لانا چاہے گی اور باپ اپنی طرف کھینچے گا۔ لہٰذا اس صورت میں نکاح کا مقصود ہی حاصل نہ ہو گا۔ سمجھ لو کہ مسلمان عورت اگرچہ لونڈی ہو مشرکہ سے افضل ہے خواہ وہ آزاد مالدار حسینہ اور حسب نسب والی ہو اگرچہ تمہیں مشرکہ مال و جمال کی وجہ سے پسند آ جائے کیونکہ صورت سے سیرت بہتر اور اے مسلمانو اپنی بچیوں کا نکاح کفار سے نہ کراؤ۔ اور نہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی کافر سے ہونے دو۔ جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئے۔ کیونکہ مسلمان عورت کا کافر کی بیوی بن کر رہنا سخت بے غیرتی ہے۔ خیال رکھو کہ مسلمان اگرچہ غلام ہو۔ حقیر و غریب ہو پھر بھی آزاد مالدار عزت و جاہ والے مشرک سے افضل ہے کہ دولت ایمان

www.alahazratnetwork.org

سب سے بڑھ کر۔ اگرچہ وہ تمہیں اپنے مال و جمال کی وجہ سے پسند ہی آجائیں کفار ہمیشہ تمہیں کفر کی رغبت و کفر و دوزخ کی طرف بلاتے ہیں۔ جب تمہارا ان کا سسرالی رشتہ قائم ہو جائے گا تو ان کو تمہیں گمراہ کرنے کا اور موقع ملے گا اور اللہ اپنے کرم سے تمہیں استقامت ایمان اور نیک اعمال کی رغبت و کرم جنت اور بخشش کی طرف بلا رہا ہے۔ اس لئے نکاح کفار سے منع فرماتا ہے جو کہ جہنم کا سبب ہے۔ رب تو لوگوں کے لئے اپنے احکام اور آیت کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ نصیحت حاصل کریں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اس آیت میں دو حکم بیان ہوئے۔ ایک یہ کہ مسلمان مرد کافر عورت سے نکاح نہ کرے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان عورت کافر مرد کے نکاح میں نہ دی جائے۔ دوسرا مسئلہ تو اپنے عموم پر ہے یعنی مسلمہ کا نکاح کسی بھی کافر سے جائز نہیں خواہ وہ کتابی ہو یا مشرک یا مرتد مگر پہلے حکم سے ایک تخصیص ہے۔ وہ یہ کہ مسلمان کا نکاح اہل کتاب یعنی یہودیہ اور عیسائی سے ہو سکتا ہے جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیت میں فرمایا گیا۔ مسئلہ: جیسے کہ اختلاف دین کے ہوتے ہوئے نکاح ہو نہیں سکتا۔ اسی طرح اگر زوجین میں اختلاف دین پیدا ہو جائے تو پچھلا نکاح باقی نہیں رہ سکتا۔ اگر مرد مرتد ہو جائے تو اس کے نکاح سے عورت فوراً نکل جائے گی اور بعد عدت دوسرے سے نکاح کر سکے گی اور اگر کافر عورت مسلمان ہو جائے تو وہ اپنے کافر شوہر کے نکاح سے نکل جائے گی۔ اس میں اتنی تفصیل ہے کہ اگر وہ جگہ دار الحرب ہے تو عورت کے اسلام لاتے ہی دار الاسلام میں آتے ہی نکاح ٹوٹ جائے گا۔ خاوند سے پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے گی اور اگر وہ جگہ دار الاسلام ہے تو مرد پر بھی اسلام پیش کیا جائے اگر وہ مسلمان ہو جائے تو نکاح قائم رہے گا ورنہ ٹوٹ جائے گا۔ مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ عورت کے مرتد ہونے سے نکاح نہیں ٹوٹتا۔ ہاں اس سے جماع حرام ہو جاتا ہے اور عورت کو اسلام لانے اور تجدید نکاح پر مجبور کیا جائے گا۔ مسئلہ: اس زمانہ میں عام انگریز عورتیں جو دہریہ ہو کر خدا کی ذات، انجیل شریف اور عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو چکے ان سے نکاح جائز نہیں کیونکہ یہ عیسائی نہیں بلکہ دہریے ہیں۔ مسلمان سخت غلطی کرتے ہیں کہ بے تحقیق ولایت سے میمیں بیاہ لاتے ہیں۔ مجھ سے ایک عیسائی پادری نے جس کا نام پادری ایم سکاٹ تھا بیان کیا کہ عام انگریز قومی عیسائی رہ گئے ہیں دینی عیسائی نہیں۔ یہ حضرت مسیح و انجیل بلکہ رب کے منکر ہو چکے۔ مسئلہ: مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ کہا کہ جو مرد بظاہر مسلمان ہو مگر اس کے عقائد کفر تک پہنچ گئے ہوں۔ اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں اور اگر نکاح ہونے کے بعد ایسے عقائد ہو جائیں تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ پیغام و سلام کے وقت لڑکے کے عقائد کا اطمینان کر کے زبان دی جائے اور عورتوں کو چاہئے کہ اگر بعد نکاح شوہر کے ایسے عقائد ظاہر ہوں تو اس سے الگ ہو جائیں اور جس طرح ممکن ہو اسے اپنے سے صحبت نہ کرنے دیں اور سر پرستوں کو بھی اس میں عورت کی امداد واجب ہے۔ ہم اس مسئلہ میں مولوی صاحب سے بالکل متفق ہیں اور مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی پر زور رغبت دیتے ہیں کہ اگر شوہر نیچری قادیانی۔ توہین کرنے والا دیوبندی، چکڑالوی وغیرہ مرتد ہو تو اس سے مسلمان لڑکی کا نکاح ہرگز جائز نہیں۔ اور اگر بعد میں خاوند ایسا ہو جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ مسئلہ: جس کی بیوی عیسائن یا یہودن ہو وہ اپنے بچوں کی پرورش ماں سے نہ کرائے۔ بلکہ ان کے ہوش سنبھالتے ہی انہیں ماں سے الگ کر دے ورنہ بچوں کے ایمان کا اندیشہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ: اگرچہ اہل کتاب عورتوں سے مسلمان کا نکاح جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورت سے نکاح مال پر ہوتا ہے یا جمال پر فاظفر بذات الدین، تم دیندار بیوی اختیار کرو کافرہ دیندار کہاں سے آئی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حضرت حذیفہ نے عیسائی سے نکاح کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ فوراً طلاق دے دو۔ آپ نے پوچھا کہ کیا یہ حرام ہے۔ فرمایا حرام تو نہیں مگر سخت خطرناک ہے اور واقعی صحیح ہے۔ عیسائی، یہودی عورتوں نے مسلمانوں کو قومی اور دینی سخت نقصان پہنچایا۔ ضروری ہدایت۔ اپنی بچیوں کے لئے خوش اخلاق تندرست کماؤ دیندار خاوند تلاش کرو محض مال پر لڑکی نہ دے دو ورنہ بعد میں سخت پریشانی اٹھانا پڑے گی۔ بچہ کا پہلا اسکول ماں باپ کی گود ہے۔ آوارہ بداخلاق ماں باپ کی اولاد بھی آوارہ ہی ہوتی ہے۔ فاطمہ زہرا جیسی ماں ہو تو حسین جیسے فرزند ہوتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کالج اسٹ لڑکیوں کو مخاطب کرکے کیا خوب کہا۔

اگر پندے ز درویشے پذیری جہاں میرد و لیکن تو نہ میری
بتولے باش پنہاں شو ازیں عصر کہ در آغوش شبیرے بگیری

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی لخت جگر فاطمۃ الزہراء کے لئے حضرت علی جیسے مسکین کو منتخب فرمایا جن کے گھر میں بجائے دولت کے اللہ رسول کا نام ہی تھا مگر انکا سینہ دولت ایمانی سے مالا مال تھا۔ نیز شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی صفورا کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو منتخب کیا جن کے پاس اس وقت نہ گھر تھا نہ در پردیسی مسافر تھے۔ کیا دیکھا دین اور قوت ایمانی نیز گھر میں ایسی بہوئیں لاؤ جو قرآن مصلے و تسبیح ساتھ لائیں۔ ریڈیو سینما نہ لائیں۔ ان کے آنے سے گھر اللہ کے ذکر سے بھر جائے۔

دوسرا فائدہ: بدمذہبوں کی صحبت کرنا حرام ہے۔ اسی طرح اپنا رازداں بنانا یا انہیں اپنے گھر کے اختیارات دینا سخت ناجائز۔ دیکھو نکاح کفار سے اسی لئے منع فرمایا گیا کہ اس میں کفار کو مسلمانوں کے رازداں ہونے اور ان سے خلط ملط کا موقع ملے گا۔ زمانہ فاروقی میں حضرت امیر معاویہ نے اپنا کلرک ایک کافر رکھا تھا۔ فاروق اعظم نے پوچھا کہ یہ کیا عرض کیا کہ اس شہر میں کوئی مسلمان پڑھا لکھا نہیں ملتا۔ لہٰذا مجبوراً اسے رکھ لیا گیا۔ آپ نے فرمایا اگر یہ مرجائے تو کیا کرو گے۔ عرض کیا پھر کوئی اور بندوبست کرلوں گا۔ فرمایا کہ وہ بندوبست اب ہی کرلو۔ قرآن کریم نے بھی اس کی سخت تاکید فرمائی کہ فرمایا **لا تتخذوا بطانۃ من دونکم** کفار کو اپنا مشیر کار نہ بناؤ کیونکہ **لا یالونکم خبالا** تیسرا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت سے نکاح کرنے پر قدرت ہوتے ہوئے بھی لونڈی سے نکاح جائز ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس میں آزاد مشرکہ سے نکاح کرنے کی طاقت ہو وہ بھی اس سے نکاح نہ کرے۔ خواہ مسلمان لونڈی ہی سے کرے اور ظاہر ہے کہ جس میں آزاد مشرکہ سے نکاح کی طاقت ہوگی اس میں آزاد مومنہ سے بھی نکاح کی طاقت ہوگی کیونکہ ان میں ایمان و کفر کا فرق ہے نہ کہ مال کا۔ اس سے مذہب حنفیہ کی پوری تائید ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے نکاح حرام ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو کفر کی رغبت دیں گے۔ جس سے ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جائے گا تو پھر کتابیہ عورت سے نکاح کیوں حلال رہا یہ سارے اندیشے تو اس میں بھی موجود ہیں۔ جواب: کیونکہ اہل کتاب بمقابلہ مشرکین مسلمانوں سے کچھ قریب ہیں۔ توحید، رسالت، وحی، آسمانی کتاب کے ماننے میں قریباً متفق ہیں اور عورت مرد کے ماتحت ہوتی ہے بہت ممکن ہے کہ مسلمان کی صحبت سے وہ ایمان قبول کرلے یا کم از کم

www.alahazratnetwork.org

مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہے۔ مگر مشرکہ عورت دین میں مسلمان سے بہت دور ہے اور عیسائی مرد اگرچہ دین میں قریب ہے مگر شوہر ہونے کی وجہ سے عورت پر غالب رہے گا اس لئے مشرکین سے تو نکاح بالکل حرام رہا اور اہل کتاب کی عورتوں سے جائز اور مردوں سے حرام۔ خیال رہے کہ جس کو اپنے ایمان کا خطرہ ہو وہ عیسائی عورت سے بھی نکاح نہ کرے۔ جیسے کہ جسے انصاف کا یقین نہ ہو وہ چند بیویاں نکاح میں نہ رکھے۔ **وان خفتم ان لا تعدلوا فواحدة** - **دوسرا اعتراض:** کفار سے نکاح ہونے کی صورت میں جیسے کہ مسلمان کے کافر ہونے کا اندیشہ ہے ایسے ہی کافر کے مسلمان ہو جانے کی بھی امید ہے تو چاہئے تھا کہ نکاح جائز رہے۔ **جواب:** خطرناک اور فائدہ مند کام سے دور رہنا ہی ضروری ہے نیز ایمان کو عقل چاہتی ہے اور کفر کو نفس۔ شیطان نفس کی حمایت کرتا ہے۔ اکثر نفس عقل پر غالب رہتی ہے۔ من حاصل کرنے کی امید پر سانپ کے منہ میں ہاتھ نہ دو کہ اس میں تھوڑا نفع یعنی مال کی امید ہے مگر بڑے نقصان یعنی جان کا خطرہ۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح بغیر ولی جائز نہیں کیونکہ مردوں کو فرمایا گیا **ولا تنکحوا** یعنی نکاح نہ کرو اور عورتوں کے لئے فرمایا گیا **ولا تنکحوا** یعنی نکاح نہ کراؤ۔ اگر عورت بھی اپنا نکاح خود کر لیتی تو دونوں عبارتیں یکساں ہوتیں (شافعی) **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یا تو نابالغہ بچیوں کے اولیاء سے خطاب ہے جن کا نکاح بغیر ولی نہیں ہو سکتا یا عام مسلمانوں سے کہ مسلمانو ایسا نکاح نہ ہونے دو عورت کے ناجائز نکاح کو روکنے کا ہر مسلمان کو حق ہے اور اگر بالغ عورتوں کے اولیاء کو بھی خطاب ہو جب بھی عرف کے لحاظ سے ہے۔ کیونکہ عام طور پر عورتیں اپنا نکاح خود نہیں کرتیں مردوں کے ذریعہ کراتی ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی کافر مسلمان ہو جائے۔ اس سے نکاح ہو سکتا ہے تو کیا نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں۔ **جواب:** یہاں جواز نکاح کا ذکر ہے۔ غیر کفو سے نکاح جائز ہے۔ ہاں سنت یہ ہے کہ کفو سے کیا جاوے تاکہ قبیلے اور نسلیں خلط ملط نہ ہو جائیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں فرمایا کہ مسلم عورت کافرہ سے زیادہ اچھی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کافرہ بھی اچھی ہے مگر مسلمہ زیادہ اچھی تو چاہئے کہ نکاح کافرہ سے بھی جائز ہو مگر مسلمہ سے بہتر۔ **جواب:** آیت کا مقصد یہ ہے کہ آزاد کافرہ میں بظاہر دنیاوی خوبی ہے مگر دینی خرابی اور مسلمہ لونڈی میں بظاہر دنیاوی خوبی نہیں مگر دینی بہتری۔ تم دنیاوی خوبیوں پر فریفتہ نہ ہو جاؤ۔ دینی بہتری پر نظر رکھ کر مسلمہ ہی سے نکاح کرو خیال رہے کہ کسی کافر کو اچھا کہنا جائز نہیں۔ یہ نہ کہو کہ مشرک سے عیسائی اچھے بلکہ یوں کہو کہ عیسائیوں سے مشرک بدتر۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکہ عورت جب تک کہ مسلمان نہ ہو جائے اس سے نکاح جائز نہیں حالانکہ اگر مشرکہ عورت عیسائی یا یہودی دین اختیار کرے تب بھی اس سے نکاح درست ہے یہ آیت اس فقہی مسئلہ سے کیونکر مطابق ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کا نزول مشرکین مکہ کے متعلق ہے۔ جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا اہل مکہ کا عیسائی یا یہودی بننا بہت ہی بعید تھا۔ ہاں ان کے مسلمان ہو جانے کی توقع تھی اس لئے یہ ارشاد ہوا۔ دوسرے یہ کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے۔ یعنی کسی نبی پر ایمان لے آنا لہٰذا اس میں نصرانیت و یہودیت بھی داخل ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حکم استحبابی ہے۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ مشرکہ عورت سے اس وقت تک نکاح ہرگز نہ کرو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جائے یہودی و نصرانی عورت سے نکاح اگرچہ جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ خطرناک ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : روح اور نفس گویا زوجین ہیں۔ جن کے ملنے سے اعمال پیدا ہوتے ہیں۔ نفس مطمئنہ مومن زوج اور نفس امارہ کافرہ کا حکم ہو رہا ہے کہ روح کو نفس امارہ سے نہ ملاؤ جب تک کہ یہ اپنی سرکشی چھوڑ کر مطیع نہ ہو جاوے خواہ یہ تمہیں کتنی ہی بھلی معلوم ہو مگر در حقیقت خبیث ہے کہ روح کو بدکاری کی رغبت دیکر جہنم کی طرف لے جانا چاہتی ہے۔ اولاً اسے چھوڑ کر فرمانبردار بنالو۔ پھر اس سے خلط ملط کرو۔ نیز حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ارواح مختلف لشکر ہیں۔ ہر روح اپنے ہم جنس سے محبت اور غیر جنس سے نفرت کرتی ہے۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز　　کبوتر با کبوتر باز با باز

چاہیئے کہ پاک لوگ خبیثوں سے رشتہ محبت نہ جوڑیں کہ دھبہ لگا ئیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

تلخ با تلخاں یقیں ملحق شود　　اے دم باطل قرین حق شود

طیبات آمد بسوئے طیبیں!　　مرخبثین راخبیثات است ہیں

حسین کاشفی کہتے ہیں۔

جاذب ہر جنس راہم جنس داں　　جنس بر جنس است عاشق جاوداں

غیر جنس کی محبت کا انجام یا ایمان کی تباہی ہے یا جھگڑا اور لڑائی۔ قیامت میں ہر شخص اپنے پیارے کے ساتھ ہو گا (از روح البیان)

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِى الْمَحِيْضِ

اور پوچھتے ہیں آپ سے حیض سے متعلق۔ فرمادو کہ وہ گندگی ہے پس الگ رہو عورتوں سے زمانہ حیض میں

اور تم سے پوچھتے ہیں حیض کا حکم تم فرماؤ وہ ناپاکی ہے تو عورتوں سے الگ رہو حیض کے دنوں میں اور ان

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ

اور قریب ہو نہ اُن کے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جاویں تو آؤ اُن کے پاس جہاں سے کہ حکم کیا

سے نزدیکی نہ کرو جب تک پاک نہ ہولیں پھر جب پاک ہو جاویں تو ان کے پاس جاؤ جہاں سے تمہیں

اَمَرَكُمُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾

تم کو اللہ نے۔ تحقیق اللہ دوست رکھتا ہے توبہ والوں کو اور دوست رکھتا ہے خوب پاک ہونے والوں کو ⁂

اللہ نے حکم دیا۔ بے شک اللہ پسند رکھتا ہے بہت توبہ کرنے والوں کو اور پسند رکھتا ہے ستھروں کو ⁂

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ناجائز نکاح سے ممانعت تھی اور اب ناجائز وطی سے روکا جا رہا ہے یعنی وہاں فرمایا گیا تھا کہ مشرکات سے نکاح نہ کرو۔ اور یہاں ارشاد ہے کہ حائضہ عورتوں سے صحبت نہ کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں نجس عورت یعنی کافرہ سے نکاح کی ممانعت تھی اور یہاں گندی عورت یعنی

www.alahazratnetwork.org

جائے۔ جماع کی ممانعت ہے گویا عقیدہ کی گندگی کے احکام بتا کر جسمانی گندگی یعنی حیض کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کافرہ عورت اگرچہ تمہیں بھلی معلوم ہو۔ مگر نکاح کے قابل نہیں۔ اب اس کو سمجھانے کے لئے فرمایا جارہا کہ دیکھو حائضہ عورت کیسی ہی صاف و ستھری ہو جماع کے قابل نہیں۔ یقیناً کفری گندگی حیض کی گندگی سے بدتر ہے۔ لہذا ان سے بچو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ان عورتوں کا ذکر تھا جن سے عارضی طور پر نکاح کرنا حرام ہے یعنی کافرہ کہ جب تک وہ بیماری کفر سے تندرست نہ ہو جائیں نکاح کے قابل نہیں اب ان عورتوں کا ذکر ہے جن سے عارضی طور پر صحبت کرنا حرام ہے یعنی حائضہ کہ جب تک وہ عارضہ حیض سے پاک نہ ہو جائیں۔ ان سے صحبت کرنا حرام ہے۔

شان نزول: عرب کے یہودی اور مجوس حائضہ عورتوں سے بہت نفرت کرتے تھے کہ ان کے ساتھ کھانا پینا ایک مکان میں رہنا گوارا نہ کرتے تھے یہاں تک کہ ان کی طرف دیکھنا اور ان سے کلام کرنا بھی حرام جانتے تھے مگر وہاں کے عیسائی حائضہ عورتوں سے صحبت بھی کرتے تھے۔ مشرکین عرب یہودیوں کی چال چلتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت ثابت ابن دحداح اور دیگر صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حیض کے احکام پوچھے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں مسلمانوں کو یہودیوں کی افراط اور عیسائیوں کی تفریط سے منع کر کے درمیانی راستہ بتایا گیا کہ تم حیض کے زمانہ میں جماع نہ کرو۔ اس کے سوا سارے برتاوے برتو۔ (درمنثور روح المعانی و خزائن)۔

تفسیر: **ویسئلونک عن المحیض** یہاں مسلمانوں کے چھ سوال نقل کئے گئے۔ پچھلے تین سوال یعنی خیرات، یتیموں سے معاملات اور حیض کے احکام واؤ سے بیان ہوئے جس کی وجہ یہ ہے کہ پچھلے تین سوال تو مختلف وقتوں میں تھے اور یہ تین بیک وقت ہوئے (کبیر و روح البیان وغیرہ)۔ سوال نقل کرنے میں صحابہ کرام کی عزت افزائی ہے کہ انہیں رب سے جواب حاصل کرنے کا فخر حاصل ہوا۔ محیض کا مادہ حیض ہے بمعنی بہنا اسی لئے حوض کو حوض کہتے ہیں کہ اس میں پانی بہہ کر آتا ہے۔ اہل عرب ی کو واؤ کو ی سے بدل دیا کرتے تھے۔ شریعت میں حیض عورتوں کے ماہواری خون کا نام ہے جو رحم سے بذریعہ شرمگاہ جاری ہوتا ہے۔ اس کی مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے۔ محیض مصدر بھی ہے اور ظرف زمان و مکان بھی۔ یہ محیض بمعنی مصدر ہے اور اگلا محیض ظرف کیونکہ سوال حیض کے متعلق تھا نہ کہ زمانہ حیض کے متعلق کہا جاتا ہے۔ حاض محیضا جیسے جاء مجیاء اور بات مبیتا" اگرچہ سوال میں اجمال ہے مگر جواب سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سوال احکام کے متعلق تھا کہ حائضہ کے احکام کیا ہیں یعنی اے نبی علیہ السلام لوگ آپ سے حیض کے احکام پوچھتے ہیں۔ **قل ھو اذی**، **ھو** کا مرجع وہی محیض مصدر ہے۔ اذی کے معنی ہیں گندی یا ناپسندیدہ یا تکلیف دہ چیز، سخت تکلیف کو ضرر اور معمولی کو اذی کہا جاتا ہے چونکہ حیض کا خون گندا بھی ہے اور اس سے نفرت بھی آتی ہے۔ نیز اس حالت میں جماع کرنے سے عورت کو تکلیف، مرد کو آتشک اور اس جماع کی اولاد بھی کوڑھی اور بے غیرت اور بے حیاء ہونے کا سخت اندیشہ ہے۔ اس لئے اسے اذی کہا گیا۔ عربی میں نجاست، خباثت اذی قریب المعنی ہیں مگر اکثر نجاست ظاہری گندگی کو کہا جاتا ہے۔ خباثت اندرونی گندگی کو اور اذی دونوں قسم کی گندگیوں کے مجموعہ کو بلکہ اس کو جو علاوہ گندے ہونے کے مضر و ایذا رساں بھی ہو۔ استحاضہ کا خون اور پیشاب وغیرہ نجس ہے اذی نہیں مگر حیض اذی ہے۔ اسی لئے یہ ہی حیض صحبت کو حرام کرتا ہے۔ بحالت حیض عورت کی شرم

www.alahazratnetwork.org

گو نجس حقیقی ہے باقی سارا بدن نجس حکمی جیسے اکثر حدثوں کا حال ہے۔ یعنی فرمادو کہ یہ حیض گندگی یا پلیدی یا تکلیف دہ چیز ہے لہذا **فاعتزلوا النساء فی المحیض** یہ عزل سے بنا معنی کسی سے الگ ہو جانا یہاں عورتوں سے جماع نہ کرنا مراد ہے۔ جسے اردو میں کہتے ہیں عورت کے پاس نہ جانا۔ نساء جمع فرما کر یہ بتایا کہ حیض کی حالت میں نہ بیبیوں سے جماع کرو اور نہ لونڈیوں سے۔ یہاں محیض اسم ظرف ہے خواہ ظرف زمان ہو یا مکان۔ اسی لئے نیمانہ کہا بلکہ علیحدہ نام لیا۔ کیونکہ پہلا محیض مصدر تھا اور یہ مصدر نہیں ہے۔ یعنی زمانہ حیض میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ یا مقام حیض یعنی شرمگاہ میں عورتوں کے پاس نہ جاؤ۔ (کبیر) گویا حائضہ عورتوں سے صرف جماع کرنا حرام ہے نہ کہ انہیں چھونا یا ان سے بات چیت کرنا۔ اس لئے پہلے حولوی کہہ کر یہ بتادیا گیا کہ وہ حیض پلید ہے نہ کہ عورتوں کا سارا جسم۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ مسلمان اولاً" اس جملہ کا مطلب یہ سمجھے کہ عورتوں سے بالکل الگ ہو جاؤ۔ انہوں نے گھر سے نکالنا شروع کیا۔ پھر بدوی بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ قرآن کریم نے حائضہ عورتوں سے بالکل الگ رہنے کا حکم دیا۔ اور ہمارے پاس کپڑے تھوڑے ہیں اور سردی سخت اگر انہیں الگ نہ کریں تو گنہگار اور اگر الگ کریں تو جاڑے کی سخت تکلیف ہے۔ تب ارشاد نبوی ہوا کہ تمہیں تو اس آیت میں صرف جماع سے روکا گیا ہے **ولا تقربوا ھن حتی یطھرن** ہم پہلے پارے میں 'ولا تقربا' کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ قرب (ر کے پیش سے) کے معنی قرب مکانی ہوتے ہیں۔ قرب (ر کے زبر سے) کے معنی قرب استعمال ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ ر' کے زبر ہے۔ لہذا اس سے جماع کرنا مراد ہے نہ کہ قریب ہونا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے لا تجامعوھن نہ فرمایا لا تقربوھن جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جوان آدمی بحالت حیض عورت سے بوس و کنار بھی نہ کرے یعنی اسباب صحبت سے بھی بچے ہاں وہ بوڑھا آدمی جو کسی مصرف کا نہ ہو یا وہ متقی شخص جو اپنے نفس پر قابو رکھتا ہو بوس و کنار کر سکتا ہے۔ لہذا لا تقربو کے معنی جوان کے حق میں اور ہوں گے بڈھے کے حق میں اور بہرحال اس کے معنی وہ نہیں ہیں جس پر یہود و مشرکین عامل تھے۔ یعنی حائضہ سے بالکل کنارہ کش ہو جانا کہ اس صورت میں یہ آیت یہود کی تائید بن جاوے گی حالانکہ ان کی تردید کرنے آئی ہے۔ **یطھرن** کی دو قرأتیں ہیں ایک ط اور ھ کی تشدید سے یعنی خوب پاک ہو جائیں کہ حیض کے بعد غسل بھی کر لیں۔ دوسرے ط کے جزم اور ھ کے پیش سے یعنی پاک ہو جائیں کہ حیض بند ہو جائے۔ ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں قرأتوں پر عمل کیا کہ فرمایا کہ اگر عورت دس دن میں پاک ہو تو خون بند ہوتے ہی بغیر غسل بھی اس سے جماع جائز ہے۔ اور اگر دس دن سے کم میں پاک ہو تو جب تک غسل نہ کر لے یا وقت نماز نہ گزر جائے اس سے جماع جائز نہیں۔ یعنی تم ان عورتوں سے جماع نہ کرو۔ جب تک کہ پاک نہ ہو جائیں یا تو اس طرح کہ خون بند ہو جائے یا غسل بھی کر لیں۔ **فاذا تطھرن** یہاں تطھرن یا تو طھرن کے معنی میں ہے اور یا اس سے ایک حالت مراد ہے یعنی دس دن سے کم میں بند ہونا۔ روح المعانی نے کہا کہ جب عورت کی طرف طہر منسوب ہو تو اس سے غسل مراد نہیں ہوتا بلکہ فقط خون کا بند ہونا۔ یہی عبداللہ ابن عباس اور مجاہد کا قول ہے۔ تاج البیہقی میں ہے کہ طہارت طمست کے مقابلہ میں ہے۔ شمس العلوم میں ہے کہ امرأۃ طاہرۃ' وہ عورت ہے جس کا حیض بند ہو جائے۔ اساس' میں ہے کہ امرأۃ طاہرۃ اور نساء طواہر کے معنی ہیں۔ حیض سے پاک ہونے والی عورتیں بلکہ ایسے مقام پر غسل طہارت کے مجازی معنی ہیں نہ کہ حقیقی (روح المعانی) امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ یہاں طہارت سے استنجا مراد ہے مسلم بخاری میں عائشہ رضی

www.alahazratnetwork.org

اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حائضہ کو غسل سے پہلے مشک استعمال کرنے کا حکم دیا تاکہ اس سے خون کی بدبو جاتی رہے (روح المعانی) غرضیکہ یہ کلمہ مذہب حنفیہ کے خلاف نہیں **فاتوھن** ظاہر یہ ہے کہ یہ امر اباحت کا ہے۔ کیونکہ ممانعت کے بعد امر اسی لئے آتا ہے۔ جیسے **واذا حللتم فاصطادوا** اور ممکن ہے کہ آئندہ کے لحاظ سے امر وجوبی ہو۔ یعنی پس جب کہ عورتیں خوب پاک ہو جائیں یا پاک ہو جائیں تو تم ان سے جماع کر سکتے ہو۔ یا ضرور جماع کرو **من حیث امرکم اللہ** حیث کے معنی 'جگہ ہیں عبداللہ ابن عباس اور مجاہد و قتادہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں جہتیں (روح المعانی) یعنی ضرور اس جگہ میں جماع کرو۔ جہاں خدا کی اجازت ہے فرج میں نہ کہ دبر میں یا جائز جہتوں سے جماع کرو۔ کہ اگر عورتیں روزہ دار یا احرام یا اعتکاف میں ہوں تو ہرگز جماع نہ کرو **ان اللہ یحب التوابین**' تواب کے معنی ہیں بکثرت یا اچھی طرح توبہ کرنے والا۔ یعنی اللہ بہت توبہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے **ویحب المتطھرین** اور بہت پاک ہونے والوں کو بھی پسند فرماتا ہے جو کہ حیض اور شرک دونوں گندگیوں سے بچیں۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے حیض کے احکام پوچھتے ہیں کہ آیا حائضہ عورت سے یہودیوں کی طرح بالکل دور رہیں یا عیسائیوں کی طرح ان سے جماع بھی کر لیا کریں۔ آپ فرمادو کہ وہ عورتیں حقیقتاً گندی نہیں تاکہ ان کو دور کر دیا جائے۔ بلکہ حیض گندگی یا گھناؤنی یا بیماریاں پیدا کرنے والی چیز ہے کہ اس سے مرد کو آتشک وغیرہ پیدا ہو جانے کا اندیشہ ہے اور اگر اس صحبت سے حمل قائم ہو جائے تو ممکن ہے کہ بچہ کوڑھی پیدا ہو۔ حدیث میں ہے کہ حیض کی اولاد کو جذام ہو جاتا ہے۔ (درمنثور) اور خون مکمل کر نہ آنے کی وجہ سے عورت کو بھی تکلیف بڑھ جاتی ہے۔ لہذا حیض کے دنوں میں عورتوں سے الگ رہو اور جب تک کہ وہ پاک نہ ہو لیں۔ صحبت نہ کرو۔ پھر جب ان کا حیض بند ہو جائے اور وہ پاک ہو لیں تو تم وہاں جماع کرو جہاں اللہ نے اجازت دی یعنی شرمگاہ میں کرو نہ کہ دبر میں اور جو لوگ غلطی میں حائضہ سے جماع کر چکے وہ خوب توبہ کریں۔ اللہ تعالیٰ خوب توبہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور آئندہ کافرہ اور حائضہ ہر قسم کی عورت سے دور رہیں۔ اللہ تعالیٰ خوب صاف ستھروں کو پسند فرماتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حائضہ عورت سے صحبت کر بیٹھے تو وہ کچھ صدقہ کرے۔ اگر شروع حیض میں جب کہ سرخ خون آتا ہے جماع کیا ہو تو ایک دینار یعنی اڑھائی روپے خیرات کرے اور اگر اخیر حیض میں جب کہ خون پیلا آتا ہے جماع کیا ہو تو آدھا دینار یعنی سوا روپیہ خیرات کرے (مشکوۃ شریف و روح المعانی) تو ابین فرمانے میں بھی اسی طرف اشارہ ہے۔ خیال رہے کہ چند عوارض وہ ہیں جن کی وجہ سے عورت سے نکاح حرام ہو جاتا ہے۔ جیسے نسب' سسرالی رشتہ' رضاعت' اختلاف زوجین فی الکفر و الاسلام' تعلق حق غیر جیسے دوسرے کی منکوحہ یا معتدہ ہونا۔ حرہ کی موجودگی نکاح میں' اپنی مملوکہ سے کرنا وغیرہ اور چند وجوہ وہ ہیں جن کی بنا پر اپنی بیوی سے صحبت حرام ہو جاتی ہے جیسے حیض نفاس' روزہ' احرام وغیرہ ان میں سے ہر ایک کے ماتحت ہزارہا مسائل ہیں۔ اس آیت میں وہ وجہ بیان ہوئی جس سے اپنی بیوی سے صحبت حرام ہے۔ یہ وجوہ تو عمومی حرمت کے تھے۔ ایک خصوصی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضگی ہے اگر کسی نکاح سے حضور ناراض ہیں تو وہ نکاح حرام اگر کسی کے اپنی بیوی کی صحبت سے ناراض ہیں تو وہ صحبت حرام۔ دیکھو حضرت علی کے لئے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسری عورت سے نکاح حرام رہا کہ وہ حضور انور کی ایذا کا سبب تھا اور حضرت کعب ابن مالک

www.alahazratnetwork.org

پر زمانہ بائیکاٹ میں ان کی بیوی حرام ہو گئیں کیوں صرف حضور انور کی ناراضی کے باعث یہ ہے۔ حضور کی سلطنت مطلقہ اور اختیار خداداد۔

حیض و نفاس : عورتوں کو تین قسم کے خون آتے ہیں۔ ایک ماہواری اسے حیض کہتے ہیں۔ یہ رحم سے آتا ہے اور اس کی مدت کم از کم تین دن اور زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس حالت میں عورت سے جماع کرنا حرام۔ نیز عورت پر نماز معاف۔ روزہ قضا کرے۔ اسے قرآن پاک چھونا۔ پڑھنا مسجد میں آنا طواف کرنا سب ناجائز۔ اس کا خون کبھی سرخ کبھی پیلا کبھی کالا کبھی مٹیلا ہوتا ہے۔ اس میں سخت بدبو ہوتی ہے۔ حائضہ سے صحبت کا حرام ہونا قرآن سے ثابت ہے اور باقی اور احکام حدیث شریف سے۔

نفاس : وہ خون ہے جو عورتوں کو بچہ پیدا ہونے کے بعد آتا ہے۔ اس کی مدت زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے اور کم کی کوئی حد نہیں۔ چونکہ یہ خون بھی رحم سے ہی آتا ہے اس لئے اس کے احکام بھی حیض کے سے ہیں۔ بعض عورتیں بچہ پیدا کرنے کے بعد چالیس دن نماز نہیں پڑھتیں خواہ خون آئے یا نہ آئے وہ سخت غلطی کرتی ہیں۔

استحاضہ : ایک بیماری ہے۔ جس سے کوئی رگ کھل جاتی ہے اور عورت کو شرم گاہ سے خون آنے لگتا ہے یہ خون چونکہ رحم کا نہیں۔ اس لئے احکام بھی حیض و نفاس کے سے نہیں۔ اس حالت میں اس سے صحبت بھی جائز ہے اور اس پر نماز وغیرہ بھی فرض۔

مسئلہ : اگر ماہواری خون تین دن سے کم آئے تو استحاضہ ہے۔ ایسے ہی اگر دس دن میں بڑھ جائے تو زیادتی استحاضہ۔ مسئلہ : کچا بچہ گرنے کی صورت میں اگر بچہ کے ہاتھ پاؤں بن گئے ہیں تو وہ خون نفاس ہے ورنہ استحاضہ (رد المحتار)۔ مسئلہ: اگر عورت کے سانپ یا کوئی اور جانور پیدا ہو تو اس کا خون نفاس نہیں بلکہ حیض ہے کیونکہ یہ جانور اس کا بچہ ہی نہیں بلکہ یہ خراب غذا ہے اسی لئے نہ اس بچہ پر نماز جنازہ ہو اور نہ دیگر انسانی احکام جاری ہوں۔ جیسے کہ کبھی پیٹ سے کیڑے نکلتے ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ایک کیڑا ہے۔(رد المحتار) مسئلہ: تفسیر درمنثور نے عبد الرزاق کی روایت نقل کی کہ بنی اسرائیل کی عورتوں سے حیض شروع ہوا۔ مگر ہم پہلے سیپارہ میں بیان کر چکے کہ حضرت حواء سے ہی شروع ہو چکا تھا۔ کہ یہ ان کے گندم کھانے اور کھلانے کا اثر تھا۔ مسئلہ: اگر حیض پورے دس دن پر ختم ہوا۔ تو بند ہوتے ہی اس سے صحبت کر سکتا ہے۔ غسل کا انتظار ضروری نہیں۔ اور اگر دس دن سے پہلے مگر عورت کی عادت کے موافق بند ہو تو صحبت جب حلال ہو گی جب کہ عورت یا تو غسل کرے یا اس پر نماز کا وقت گزر جائے۔ مسئلہ: اگر غلبہ شہوت سے حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا تو خوب توبہ کرنا واجب ہے اور بہتر ہے کہ کچھ خیرات بھی کر دے۔ مسئلہ: بحالت حیض عورت حرام نہیں بلکہ اس سے صحبت کرنا حرام ہے یعنی حیضی بچہ حلالی ہو گا اگر عورت ہی حرام ہوتی تو بچہ حرامی ہوتا۔ حیض و نفاس میں آٹھ چیزیں عورت پر حرام ہو جاتی ہیں نماز روزہ تلاوت قرآن قرآن کریم چھونا مسجد میں آنا طواف صحبت۔ ان کے علاوہ باقی نیک اعمال کر سکتی ہے۔ کلمہ طیبہ دیگر دعائیں۔ درود شریف بقیہ ارکان حج سب کچھ کر سکتی ہے۔ تلاوت قرآن میں بھی یہ آسانی ہے کہ قرآن کریم کی ہجے بچوں کو کرا سکتی ہے۔ الفاظ قرآن بہ نیت دعا پڑھ سکتی ہے وغیرہ۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : فقہاء فرماتے ہیں کہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں بھی فاتوھن امر ہے چاہئے کہ حیض کے بعد صحبت واجب ہو۔ جواب: ممانعت کے بعد امر اباحت کے لئے ہوتا ہے۔ یہاں بھی چونکہ ولا تقربوھن کے بعد ہے۔ لہذا اباحت کے لئے نہ کہ وجوب کے لئے۔ نیز آیت کے معنی یہ ہوسکتے ہیں کہ جس طرح خدا نے حکم دیا اس طرح صحبت کرو یعنی صحبت میں شرعی حدود کا لحاظ رکھنا واجب ہے یہ وجوب اس قید کے لحاظ سے ہے۔ دوسرا اعتراض: حیض میں بھی خون ہی آتا ہے اور استحاضہ میں بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان کے احکام میں فرق ہے۔ جواب: حیض کا خون رحم سے آتا ہے اور استحاضہ کا رگ سے۔ حیض کی وطی سخت نقصان دہ' استحاضہ کی صحبت کچھ نقصان نہیں دیتی۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے اس لئے احکام میں فرق ہے۔ ناک سے بھی کبھی خون آجاتا ہے۔ مگر چونکہ وہ خون اور ہی قسم کا ہے اس لئے اس کے احکام ہی دوسرے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ عورتوں کے حالات مختلف ہیں کہ کبھی انہیں ظاہری حیض آتا ہے اور کبھی پاک و صاف رہتی ہیں اور حالات کے مطابق ان کے احکام بھی جداگانہ ہیں۔ ایسے ہی نفس انسانی کے مختلف حالات ہیں۔ کبھی اس پر حرص' حسد' ہوس اور دنیوی شہوتوں کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہ گویا نفس کا باطنی حیض ہے اور کبھی نفس متوجہ الی اللہ ہوتا ہے۔ یہ اس کی طہارت کا وقت اور جیسے کہ عورت بحالت حیض نماز و روزہ اور مسجد میں حاضر ہونے سے محروم ہے۔ ایسے ہی نفس ان حالات میں قرب الہی اور ترقی درجات سے محروم۔ جیسے کہ حالت حیض میں عورت سے صحبت کرنا حرام۔ ایسے ہی اس حالت میں روح کا نفس سے اختلاط ناجائز جب تک کہ قلب اس کی اصلاح نہ کردے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حیض میں خون بہتا ہے اور اس حالت میں نفس سے حرص و ہوا بہتی ہے۔ اس ہوا کے غلبے سے صفائی مکدر ہو کر اذی یعنی گندگی غالب آجاتی ہے اس لئے کہا گیا کہ قطرہ ہوا بحر صفا کو گدلا کردیتا ہے۔ اور اس وقت نفس حقیقی روزہ اور نماز سے محروم ہوتا ہے (روح البیان) گویا یہ فرمایا جارہا ہے کہ لوگ آپ سے حیض یعنی غلبہ صفات بشری کے احکام پوچھتے ہیں۔ فرمادو کہ یہ گندگی ہے۔ جس سے صاف قلب نفرت کرتے ہیں لہذا اس وقت اپنے دل اور روح کو نفس سے بچاؤ جب تک کہ نفس قضائے حاجات سے فارغ ہو کر توبہ اور مناجات کے پانی سے غسل نہ کرلے اور حضور بارگاہ کے قابل نہ ہو جائے۔ جب نفس خوب پاک و صاف ہو جائے تب اس سے اختلاط کرو مگر حدود شریعت میں رہ کر نفس کے دھوکوں سے بچتے رہو اور اس کی اصلاح کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند فرماتا ہے جو جسمانی اور نفسانی اوصاف سے توبہ کرتے رہتے ہیں اور نور معرفت کے ذریعہ غبار کائنات کو دھو کر پاک و صاف رہتے ہیں۔ (روح المعانی)

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں واسطے تمہارے پس آؤ تم کھیتی میں اپنی جیسے چاہو۔ اور آگے کرو واسطے نفسوں اپنے
تمہاری عورتیں تمہارے لئے کھیتیاں ہیں تو آؤ اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو۔ اور اپنے بھلے کا کام پہلے
وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ (۲۲۳)
کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ تحقیق تم ملنے والے ہو اس سے اور خوشخبری دو مسلمانوں کو ؂
کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ تمہیں اس سے ملنا ہے اور اے محبوب بشارت دو ایمان والوں کو

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں نکاح اور صحبت میں مسلمانوں پر کچھ پابندیاں لگائی گئی تھیں کہ فلاں عورتوں سے نکاح اور فلاں حالت میں جماع نہ کرو۔ اب لوگوں کی خود ساختہ پابندیوں کو دور فرمایا جارہا ہے کہ کفار نے جو بلاوجہ بعض صورتیں حرام سمجھ رکھی ہیں یہ غلط ہیں۔ گویا پچھلی آیتیں صحیح پابندی کے لئے تھیں اور یہ آیت بے جا پابندیوں کے اٹھانے کے لئے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حکم الٰہی کے مطابق عورتوں سے صحبت کرو اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صحبت کے اوقات کے ذکر تھا۔ اب اس کی کیفیات کا تذکرہ ہے۔

شان نزول : یہود عرب کہتے تھے کہ جو کوئی اپنی بی بی کے ساتھ پیچھے سے فرج میں جماع کرے تو بچہ احول (بھینگا) پیدا ہو گا عام اہل عرب کا بھی یہی خیال ہو چکا تھا۔ ایک بار عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ میں تو ہلاک ہو گیا کہ میں اس طرح صحبت کر بیٹھا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں اس کی بلکہ ہر طرح صحبت کرنے کی اجازت دی گئی۔ بشرطیکہ فرج ہی میں ہو۔ (تفسیر کبیر وغیرہ)۔

تفسیر : **نساء و کم حرث لکم** نساء سے مراد اپنی بیبیاں اور لونڈیاں ہیں۔ نساء کم فرما کر یہ بتایا گیا کہ خبردار دوسری غیر عورتوں پر نظر نہ اٹھانا۔ تمہاری کھیتیاں صرف تمہاری اپنی بیویاں اور لونڈیاں ہیں۔ اسی ایک لفظ میں ہی تقویٰ کا سبق دے دیا گیا۔ زانی کے نطفے سے جو بچہ پیدا ہو گا وہ زانی کا بچہ "شرعاً" نہ مانا جائے گا کہ نہ زانی کو اس کی پرورش و نکاح وغیرہ کا حق ہو نہ میراث کا استحقاق کیونکہ یہ بچہ اس کے کھیت کی پیداوار نہیں اپنے کھیت کی پیداوار اپنی ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کھیت کی۔ حرث مصدر ہے بمعنی حراثت (کھیتی بونا) حرث اور زرع میں یہ فرق ہے کہ حرث زمین تیار کرنے اور بیج ڈالنے کو کہتے ہیں۔ اور زرع بیج کی حفاظت اور اگانے کو۔ اسی لئے قرآن کریم نے حرث کو بندوں کی طرف اور زرع کو رب کی طرف منسوب فرمایا کہ **افرء یتم ما تحرثون۔ اء نتم تزرعونہ ام نحن الزارعون** چونکہ عورت کا ایک عضو یعنی فرج کھیت کی طرح ہے۔ لہٰذا خود عورت کو بطریق مبالغہ حرث کہہ دیا گیا پس عورت گویا کھیت ہے اور نطفہ بیج اور اولاد پیداوار۔ نیز کسان کو اپنی زمین میں تخم ریزی کا حق ہوتا ہے نہ کہ دوسرے کی زمین میں نیز بعض زمینیں بہت زرخیز ہوتی ہیں بعض کم اور بعض بالکل بنجر نیز کوئی زمین اچھے پھل اگاتی ہے کوئی برے پھل زمین کشمیر اور بہت کوشے پیدا کرتی ہے زمین بنگال ناریل چھالیہ وغیرہ اسی طرح ہر شخص کو اپنی بیوی سے تعلق رکھنے کا حق ہے نہ کہ دوسرے کی زوجہ سے اور بعض عورتیں زیادہ صاحب اولاد ہوتی ہیں بعض کم اور بانجھ بعض عورتیں خبیث بچے جنتی ہیں بعض طیب و صالح ان وجوہ پر عورتوں کو کھیت فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ مالک کھیت کو ملک سے نکال سکتا ہے مگر کھیت خود مالک کی ملک سے نہیں نکل سکتا اسی طرح مرد عورت کو طلاق دے سکتا ہے عورت خود خاوند کے نکاح سے نہیں نکل سکتی۔ غرضیکہ عورتوں کو کھیت کہنے میں بہت حکمتیں ہیں کھیت کی ہمیشہ ہر طرح نگرانی کی جاتی ہے اس طرح عورت کی نگرانی خاوند کے ذمہ لازم ہے چونکہ حرث مصدر ہے اور مصدر میں واحد جمع برابر ہیں۔ اس لئے نساء کے لئے حرث واحد لایا گیا۔ یعنی اے مسلمانوں تمہاری بیبیاں تمہاری کھیتیاں ہیں جن سے تم اولاد حاصل کرتے ہو۔ **فاتوا حرثکم** چونکہ پہلے حرث سے مجازی معنی عورت مراد تھی۔ اس لئے یہاں ضمیر نہ لائے ورنہ اس کے معنی یہ ہو جاتے کہ اپنی عورتوں کے پاس

www.alahazratnetwork.org

جس طرح چاہو جاؤ فرج میں یا دبر میں یا بغل میں یا ران وغیرہ میں یہ آیت کے مقصد کے خلاف ہے اس لئے دوبارہ حرث فرمایا گیا اور اس حرث سے خاص شرمگاہ مراد ہے نہ کہ عورت یعنی جب عورتیں تمہاری کھیتیاں ہوئیں تو اپنی کھیتی یعنی شرمگاہ کو جس طرح چاہو استعمال کرو۔ **انی شئتم** تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ انیٰ بمعنی این بھی آتا ہے اور کیف بھی اور متیٰ بھی یعنی جہاں کہیں یا جس طرح یا جب کہیں مگر این کے معنی میں ہو تو اس کے پہلے من ضرور ہوتا ہے۔ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ جیسے **انی لک هذا** اے مریم تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آیا۔ یہاں انیٰ کے تینوں معنی بن سکتے ہیں جب بھی چاہو دن میں یا رات میں یا جیسے چاہو کھڑے ہو کر بیٹھ کر لیٹ کر آگے سے پیچھے سے یا چت بشرطیکہ صحبت فرج میں ہو یا جس جگہ سے چاہو آگے سے یا پیچھے سے۔ خلاصہ یہ کہ اگر کیف یا متیٰ کے معنی میں ہو تو بالکل ظاہر ہے اور اگر این کے معنی میں ہو تو معنی یہ ہوں گے کہ جدھر سے چاہو فرج میں جماع کرو۔ آگے سے یا پیچھے سے۔ نہ یہ کہ جہاں چاہو۔ فرج یا دبر میں۔ یہی قول قوی ہے اور ربیع کا ہے اور یہی شان نزول کے مطابق بھی اس پر اعتراض کرنے والے اس نکتہ سے ناواقف ہیں۔ **وقدموا لانفسکم** قدموا تقدیم سے بنا۔ جس کے معنی ہیں آگے کرنا یا آگے بھیجنا یا آگے کا انتظام کرنا اس کا مفعول محذوف ہے۔ یعنی جماع سے پہلے کچھ کار خیر کر لیا کرو۔ وہ یہ کہ جماع کے وقت بسم اللہ پڑھ لو اور اس سے فقط شہوت پورا کرنے کی نیت نہ کرو بلکہ نیک اولاد کی نیت کرو جو تمہارے لئے صدقہ جاریہ ہو۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہر وقت جماع اور شہوانی خیالات میں مشغول نہ رہو بلکہ نیک اعمال آگے بھیجتے رہو۔ اور جماع بھی اس لئے کرو کہ اس سے سکون قلب حاصل ہو تاکہ عبادات مکمل ہوں **واتقوا اللہ** ہر کام میں رب سے ڈرتے رہو۔ **واعلموا انکم ملقوہ** دھیان رکھو کہ تمہیں رب سے ملنا ہے۔ دور دراز سفر درپیش ہے۔ توشہ کا انتظام کرو۔ ان معاملات میں مشغول ہو کر اپنا راستہ نہ کھوٹا کر لو **وبشر المؤمنین** یہ حضور علیہ السلام کو خطاب ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان متقی مسلمانوں کو جو ہر وقت رب سے ڈرتے ہیں خوشخبری دے دو کہ ان کے ہر کام سونا، جاگنا، کھانا، پینا بلکہ صحبت کرنا بھی عبادت اور باعث ثواب ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو یہ خیال غلط ہے کہ بعض طریقہ سے صحبت حلال ہے اور بعض طریقوں سے حرام یا اس طرح مفید ہے اور اس طرح مضر۔ عورتیں تو تمہاری کھیتی ہیں۔ جیسے کسان جس طرح بھی کھیت میں بیج ڈال دے پیداوار ہو جاتی ہے اس پر کوئی پابندی نہیں۔ اسی طرح تم پر بھی کوئی پابندی نہیں۔ جس طرح چاہو اپنے کھیت میں آؤ۔ بشرطیکہ کھیت یعنی فرج میں ہو نہ کہ دبر میں کہ وہ کھیت ہی نہیں۔ پھر ان معاملات میں مشغول ہو کر آخرت نہ بھول جاؤ۔ وہاں کے لئے اعمال بھیجے جاؤ۔ صحبت سے پہلے بھی نیک اعمال ذکر اللہ وغیرہ کر لیا کرو۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس صحبت میں بسم اللہ نہ پڑھی جائے اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے۔ (جس کے نتیجہ پر اولاد بے حیا ہوتی ہے) دوسری روایت میں ہے کہ انسان کی موت سے اس کے سارے عمل بند ہو جاتے ہیں سوائے تین کے۔ ایک صدقہ جاریہ یعنی کنواں مسجد وغیرہ۔ دوسرے علم نافع دینی کتاب اور دینی شاگرد وغیرہ۔ تیسرے نیک اولاد جو اس کے مرے بعد دعائے خیر سے یاد کرتی رہے لہٰذا تم نیک اولاد کی امید پر جماعت کرو اور ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ یقین رکھو کہ تمہیں اس کے پاس جانا ہے۔ دنیا مسافر خانہ ہے یہاں کے لہو و بہار میں مشغول ہو کر اپنی منزل کھوٹی نہ کرو۔ اور اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ متقی مسلمانوں کو خوشخبری دے دیں کہ اگر وہ نیت خیر رکھیں تو ان کے

www.alahazratnetwork.org

دنیوی کام بھی باعث ثواب ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے دنیا کو بھی کھیت فرمایا ہے کیونکہ وہ آخرت کمانے کا ذریعہ ہے۔ دنیا کھیت ہے اعمال اس کا تخم قبولیت و مرودیت نرم گرم ہوائیں ہیں اور آخرت کی سزا و جزا اس کی پیداوار۔ نیز عورت کو قرآن کریم نے مرد کا لباس بھی فرمایا **هن لباس لكم وانتم لباس لهن** حدیث پاک میں بیوی کو دنیا کی بہترین متاع اور ایمان کی ڈھال قرار دیا یہ تمام صفات عورت میں موجود ہیں بشرطیکہ صالحہ ہو۔ خبیثہ عورت خاوند کو بھی خبیث بنا دیتی ہے۔ بیوی ہی کے ذریعہ اولاد ہے اور اولاد ہی سے بقاء نسل ہے اولاد ہی آخرت کا اچھا بر اتوشہ ہے۔ اسی لئے اسلام میں عورت کو بڑی اہمیت حاصل ہے جیسے کھیت کو سرد گرم ہوا سے بچایا جاتا ہے۔ ایسے ہی عورتوں کو نیک و بد نگاہ سے بچانا لازم ہے۔ عورت کی بڑی خوبی پردہ' نیچی نگاہ ہے۔ رب تعالیٰ جنت کی حوروں کے متعلق فرماتا ہے۔ **حور مقصورت فی الخیام** اور فرماتا ہے **قصرت الطرف لم يطمثهن انس قبلهم ولا جان** اسی لئے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے نیک و صالح بیویاں تلاش کرنی چاہئیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن کریم نازک مضامین اس تہذیب سے بیان فرماتا ہے کہ سبحان اللہ۔ عورت مرد کے تعلقات بہت نازک ہیں۔ انکو نہایت تہذیب کے ساتھ ایک ہی لفظ میں فرمادیا۔ شعرائے عرب فحش گوئی میں مشہور تھے گندے مضامین لکھ کر ان پر فخر کرتے اور مجمعوں میں فخریہ پڑھتے تھے۔ دیکھو دیوان متنبی اور امراء القیس کے قصیدے۔ ایسے ملک میں اس تہذیب کا نمونہ پیش کرنا قرآنی معجزہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** واعظ کو چاہئے کہ دنیوی باتیں بتاتے وقت آخرت کا بھی ذکر کرے تاکہ لوگ اس سے غافل نہ ہو جائیں۔ دیکھو اس آیت میں خاوندوں کو جماع کی عام اجازت دے کر نیک اعمال اور تقویٰ کا حکم دیا اور بتایا کہ تمہیں رب سے ملنا ہے۔ اس کی فکر رکھو۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے جماعت نہ کیا کریں بلکہ نیک اولاد حاصل کرنے یا سکون قلب کے لئے تاکہ عبادت با فراغت ہو۔ اس نیت سے انشاء اللہ ثواب بھی پائیں گے۔ **چوتھا فائدہ:** جس چیز پر شریعت نے پابندی نہ لگائی ہو۔ اس میں پابندیاں کیوں لگاتے ہو۔ لہٰذا دیوبندیوں اور وہابیوں کا بعض کار خیر میں پابندیاں لگانا کہ یوں کرو جائز اور اس طرح کرو تو ناجائز سخت منع ہے۔ جب شریعت نے آزادی دی تو تم پابندی لگانے والے کون؟ ہم سے ایک دیوبندی نے کہا کہ نماز جنازہ کے بعد الگ الگ دعا مانگنا جائز اور مل کر مانگنا حرام ہم نے کہا سبحان اللہ! یہ عجیب حرام ہے کیا شراب الگ الگ پینا حلال ہے اور مل کر پینا حرام۔ دعا بعد جنازہ کی پوری تحقیق ہماری کتاب "جاء الحق" میں دیکھو۔ **پانچواں فائدہ:** بیوی کے ساتھ صرف فرج میں صحبت جائز ہے دبر میں حرام۔ چند دلائل سے ایک یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اپنی کھیتیوں میں آؤ اور فرج ہی کھیتی ہے نہ کہ دبر۔ دوسرے یہ کہ یہ مسئلہ حیض کے بعد بیان کیا گیا۔ وہاں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ حیض پلیدی ہے لہٰذا اس میں عورتوں سے بچو اور ظاہر ہے کہ دبر حیض سے بڑھ کر پلید لہٰذا وہاں جماعت کیوں حلال ہوگی۔ دونوں جگہ جب علت ایک ہے تو حکم بھی ایک ہی ہونا چاہئے۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کا شان نزول بتا رہا ہے کہ یہاں فرج میں جماعت کرنا مراد ہے۔ کیونکہ سوال اس کے متعلق تھا۔ اس آیت سے دبر کی جماعت کا جواز نکالنا شان نزول کے بالکل خلاف ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جماعت سے پہلے بسم اللہ پڑھنی سنت ہے۔ مگر خیال رہے کہ ستر کھلنے سے پہلے پڑھی جائے۔ یہی حکم پاخانے کا ہے کہ پاخانہ میں داخل ہونے سے پیشتر اعوذ باللہ پڑھی جائے۔ (شامی)۔

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ : حرام کام پر بسم اللہ کفر ہے۔ (خطبہ شامی) لہٰذا زنا پر بسم اللہ پڑھنے والے کے کفر کا اندیشہ ہے۔ **ساتواں فائدہ:** دنیوی کاروبار میں مشغول ہوتے وقت بھی آخرت کا خیال رکھنا چاہئے تاکہ دل میں غفلت نہ پیدا ہو۔ اسی لئے جماعت کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا گیا **وقدموا لانفسکم** **آٹھواں فائدہ:** اسلام بہت اعلیٰ دین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہترین معلم اور قرآن کریم مکمل ہدایت اور کامل دستور العمل کہ اسلام نے ہم کو صرف عبادات ہی نہ سکھائے بلکہ معمولی سے معمولی معاملات کے بھی تعلیم دی تاکہ مسلمان کسی قوم کی شاگردی نہ کریں اور زندگی کا انسان کا کوئی پہلو تشنہ نہ رہنے پائے۔ دیکھو یہاں ہم کو بیویوں سے صحبت کرنے کے طریقہ بھی سکھا دیئے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو پیشاب پاخانہ کرنے کے طریقے بھی سکھائے اجنبی شہر میں مسافر کے لئے وہی ہوٹل مفید ہوتا ہے۔ جس میں ساری ضروریات پوری کردی گئی ہوں اور اس کا معاوضہ بھی تھوڑا ہو ہم مسافر ہیں دنیا پردیس دین گویا ہوٹل میں۔ جن میں دین اسلام بہت بہتر ہوٹل ہے کہ یہاں زندگی کے ہر شعبہ کا انتظام ہے اور پھر اس کا معاوضہ بہت تھوڑا۔

پہلا اعتراض : عورتوں کو کھیت سے مشابہت دینا اور یہ حکم دینا کہ جس طرح چاہو ان کے پاس جاؤ۔ انسان کی شہوت بھڑکانا ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** جیسے ماں باپ ناسمجھ بچوں کو ہر کام سکھاتے ہیں اور برائی بھلائی سمجھاتے ہیں ایسے ہی قرآن کریم ہر دنیوی اور دینی کام سکھاتا ہے تاکہ مسلمان دوسری قوم کے محتاج نہ رہیں۔ اگر یہ مسائل نہ بتائے جاتے تو یہ کہاں سے سیکھتے مگر ایسی تہذیب سے بیان فرماتا ہے کہ قربان جائیے۔ عربی زبان خود ایسی مہذب زبان ہے کہ اس میں تلوار کے چالیس نام، خرے کے اسی نام، اونٹ کے بیسیوں نام مگر اندام نہانی اور صحبت کرنے کا صریحی نام کوئی نہیں۔ کنایہ اور اشارات سے ہی کام چلایا گیا جس سے اس کی تہذیب اور شائستگی کا پتہ چلتا ہے۔ ہندی زبان میں اندام نہانی اور صحبت کے بیسیوں فحش اور مغلظ نام ہیں جو بازاری گالیوں میں سنے جاتے ہیں جس سے پتہ لگا کہ ہندی نہایت گندی اور بیہودہ ہے۔ پھر قرآن کریم نے تو تہذیب کا ریکارڈ قائم کر دیا۔ نہ دنیا میں ایسی مہذب کتاب کوئی ہے اور نہ ہو ہم پنڈت دیانند سرسوتی کی تہذیب دکھانے کے لئے ان کی کتاب ستیارتھ پرکاش کی کچھ عبارت نقل کرتے ہیں۔ قرآن پاک کی تہذیب پر اعتراض کرنے والے آریہ لے غور سے پڑھیں اور شرم سے سر جھکالیں۔ ستیارتھ پرکاش چوتھا باب گربھا دھان سنسکار صفحہ 122 میں صحبت کرنے کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جب وریہ (منی) کا رحم میں گرنے کا وقت ہو۔ اس وقت عورت مرد دونوں بے حس و حرکت رہیں اور آنکھ کے سامنے آنکھ اور ناک کے سامنے ناک یعنی سیدھا جسم اور نہایت ہی دل خوش رہیں اور بے حوصلہ نہ ہوں، مرد اپنے جسم کو ڈھیلا چھوڑ دے عورت اوپر کو کھینچے۔ اندام نہانی سیکڑ کر وریہ (منی) آکرشن کرکے رحم میں قائم کرے۔ یہ آریوں کی تہذیب اور ان کی دینی کتاب کا حال ہے۔ مہذب آدمی ان گندی عبارتوں کو پڑھنا تو کیا دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتے۔ اسی تہذیب پر قرآن پاک پر اعتراض کرنے کا شوق ہے۔ شرم، شرم، جہاں پنڈت جی نیوگ یعنی بارہ مردوں سے زنا کرانے کا طریقہ لکھتے ہیں جو کہ آریہ دھرم میں بڑا ثواب کا کام ہے۔ وہاں اور بھی واہیات مضامین ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے ساتھ دبر میں بھی جماعت جائز ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا **انی شئتم** جہاں چاہو (بعض شیعہ) **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تفسیر اور فائدوں میں گزر گیا کہ انی کے معنی یا تو ہیں جب بھی یا جیسے اور اگر این کے معنی میں تو بھی وہاں من پوشیدہ ہوگا یعنی جہاں کہیں

www.alahazratnetwork.org

سے چاہو۔ آگے کی طرف سے یا پیچھے کی طرف سے فرج میں جماع کرو۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ اپنی کھیتوں کے پاس آؤ۔ سورۂ مریم میں ہے کہ انی لک ھذا اے مریم تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آئے۔ یہ ہی معنی یہاں ہیں کہ جہاں سے چاہو نہ یہ کہ جہاں چاہو۔ تیسرا اعتراض: تفسیر روح المعانی میں اس آیت میں ہے کہ عبداللہ ابن عمر اور امام مالک رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بیبیوں میں دبر میں صحبت جائز ہے بتاؤ ان پر کیا فتویٰ ہے؟ جواب: یہ ان دونوں حضرات پر محض بہتان ہے۔ اسی روح المعانی نے اسی جگہ فرمایا کہ امام مالک کے ساتھی اس روایت کا انکار کرتے ہیں۔ عبداللہ ابن عمر کے متعلق تفسیر کبیر نے اسی جگہ فرمایا کہ امام حضرت نافع نے ان سے یہ روایت کی مگر یہ روایت غلط ہے اور سب لوگوں نے نافع کی اس روایت کا انکار کر دیا خود حضرت نافع نے فرمایا کہ میں نے یہ روایت نہیں کی۔ لوگوں نے مجھ پر بہتان باندھ دیا۔ دیکھو تفسیر در منثور اور خود عبداللہ ابن عمر کی روایات بکثرت موجود ہیں۔ جن میں وہ اس سے سخت منع فرماتے ہیں۔ اس کی تحقیق در منثور میں ہے۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ قوم لوط پر اسی وجہ سے عذاب الٰہی آیا یہ فعل خواہ لڑکے سے ہو یا عورت سے یکساں باعث عذاب ہے۔ کوئی امام اس کا قائل نہیں اس قسم کی تمام روایتیں محض غلط اور بے بنیاد ہیں۔ چوتھا اعتراض: دبر کی طرح فرج بھی نجاست کی جگہ ہے کہ وہاں سے پیشاب آتا ہے تو چاہئے کہ فرج میں بھی صحبت نہ کی جاوے نیز حیض کی طرح استحاضہ بھی گندگی ہے اس میں صحبت کیوں حلال ہے؟ جواب: دبر سے ملی ہوئی آنت ہے۔ جس میں پاخانہ رہتا ہے مگر پیشاب کا مقام یعنی مثانہ فرج سے دور ہے لہٰذا فرج میں پیشاب رہتا نہیں بلکہ وہ اسکا راستہ ہے فرج پاک جگہ ہے دبر گندی نیز استحاضہ کا خون نہ تو حیض کی طرح گندہ ہے نہ بیماری پیدا کرنے والا کیونکہ یہ رحم سے نہیں آتا نیز کبھی استحاضہ ہمیشہ رہتا ہے لہٰذا اس میں صحبت حلال اور حیض میں حرام۔

تفسیر صوفیانہ : نفس گویا بیوی اور روح اس کا شوہر۔ ارواح سے فرمایا جارہا ہے کہ نفس تمہاری آخرت کی کھیتی ہے اس میں عمل کرکے آخرت کے لئے بیج بولو اور جس طرح چاہو اس میں کھیتی باڑی کرو مگر ایسے کام کرو جو نفس کے لئے نافع اور اسے کامل بنانے والے ہوں اور اللہ سے خوف کرو کہ اس کے ماسوا کو نہ دیکھو اور یقین رکھو کہ تم فنانی اللہ ہو کر عنقریب رب سے ملاقات کرنے والے ہو اور مسلمانوں کو ایسے ثواب کی خوشخبری دے دو جو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کان نے سنا نہ کسی کے وہم و گمان میں آیا (روح المعانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسان کو زمین میں کھیتی باڑی کرنے کا تو حق ہے مگر اسے زمین برباد کرنے یا معطل کرنے کا حق نہیں اگر کرے گا تو مجرم ہو گا حکومت کا بھی اور عوام کا بھی اسی طرح اس نفس سے اعمال صالحہ کرانے کا تو ہم کو حق ہے لیکن اسے بدکاری کے ذریعہ برباد کردینے یا اسے معطل و بیکار رکھنے کا حق نہیں اگر کریں گے تو پکڑے جائیں گے۔ رب فرماتا ہے **افحسبتم انما خلقنکم عبثا وانکم الینا لا ترجعون** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ان لنفسک علیک حقا** کہ تم پر تمہارے نفس کا بھی حق ہے زمین نفس میں نیک اعمال کے تخم بوتے رہو آنکھوں کے آنسوؤں سے اسے پانی دیتے رہو۔ توبہ استغفار کی ہوا سے اسے سرسبز رکھو یہ آنکھیں اس کھیت کا کنواں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

باش چوں دولاب چشم تر تا درون صحن تو روید ثرا

نیز توبہ کی درانتی سے اس کھیت کی صفائی کرتے رہو کہ گناہ کی گھاس کو ڑا اسے خراب برباد نہ کردے پھر انشاء اللہ اس میں

www.alahazratnetwork.org

بہت اچھی پیداوار ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر خاوند بیوی کے اختلاط اولاد ناممکن ہے۔ ایسے ہی بغیر روح و نفس کے میل کے ثواب و عذاب نہیں۔ فرشتے اعمال کرتے ہیں۔ مگر ثواب سے محروم ہیں کیونکہ ان کے پاس نفس نہیں۔

دوسری تفسیر : مسلمان تین قسم کے ہیں۔ (1) عام۔ (2) خاص اور۔ (3) خاص الخاص۔ عام مسلمان تو حقیقت سے غائب ہیں اور خاص لوگ کعبہ توحید میں پہنچے ہوئے ہیں۔ اور تعلق سے علیحدہ۔ خاص الخاص عالم حقیقت تک پہنچ کر باذن الٰہی رب کے نائب ہو کر عالم پر حاکم ہیں یہ ہی لوگ اللہ کے مرد ہیں اور سارا جہان عورت کی طرح ان کا محکوم۔ ان سے فرمایا جارہا ہے کہ اے اللہ کے مردو! یہ تمام جہان تمہارے ماتحت ہے اور تمہاری کھیتی جس طرح چاہو۔ اس میں عمل درآمد کرو اور کیوں نہ کہا جائے۔ وہ تو اپنا ارادہ ارادۂ الٰہی میں فنا کر چکے۔ ان کا ہر فعل درحقیقت رب کا فعل ہے۔ یہ تو اس کے مظہر ہیں ان ہی سے خطاب ہو رہا ہے کہ اللہ سے ڈرو۔ کیونکہ تم حاضرین بارگاہ ہو اور تم ہی اللہ سے ملنے والے ہو کہ تمہارے اس کے درمیان کوئی حجاب نہیں اور مسلمانوں کو بھی خبر دے دو کہ اگر وہ تمہاری راہ چلیں۔ تو وہ بھی اسی درجہ میں پہنچیں گے۔ حافظ فرماتے ہیں۔

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد!

جمال یار تو بے پردہ و بے حجاب ہے۔ راستے کا غبار اس بے پردیار کی آڑ بن گیا۔ اس غبار جسم کو عشق کے پانی سے دبا دو۔ تاکہ یار نظر آئے۔ (تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا زہر ہے آخرت اس کا تریاق۔ فقط دنیا سے بچو اسے آخرت سے مخلوط کرو۔ حکیم سنکھیا کو مار کر اسے دوا بناتے ہیں۔ کسی شیخ کامل سے دنیا ماری ہوئی استعمال کرو اس لئے فرمایا وقدموا۔ یہ دنیا صفر ہے آخرت عدد۔ اگر صفر اکیلا ہو تو کچھ نہیں لیکن اگر عدد سے مل جاوے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے ایسے ہی دنیا اکیلی ہو تو غلاظ ہے اور اگر آخرت سے مل جائے تو سبحان اللہ اس لئے ارشاد ہوا وقدموا لانفسکم۔

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا
اور نہ بناؤ تم اللہ کو نشانہ واسطے قسموں اپنی کے یہ کہ بھلائی کرو اور پرہیز گاری کرو اور درستی
اور اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنا لو کہ احسان اور پرہیز گاری اور لوگوں میں صلح
بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾
کرو درمیان لوگوں کے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے ۞
کرنے کی قسم کر لو اور اللہ سنتا جانتا ہے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں عورتوں کی عارضی حرمت یعنی حیض کا ذکر ہوا۔ چونکہ قسم سے بھی کبھی عورتیں عارضی طور پر حرام ہو جاتی ہیں۔ مثلاً مرد قسم کھالے کہ میں اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا۔ اس لئے مسئلہ حیض کے بعد مسئلہ قسم بیان فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں لوگوں کی غلط پابندیوں کی تردید

www.alahazratnetwork.org

کی گئی اور فرمایا گیا کہ تم حلال چیزوں میں اپنی طرف سے پابندی نہ لگاؤ اور قسم میں بھی گویا غلط پابندی ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اب بلا ضرورت قسم کھانے سے روکا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** جیسے کہ عرب میں حیض اور مجامعت کے متعلق بعض غلط باتیں مشہور تھیں۔ ایسے ہی طلاق کا بھی غلط رواج تھا کہ وہ ایلاء (صحبت سے قسم کھالینا) کو طلاق سمجھتے تھے۔ لہٰذا پچھلی آیتوں میں ان کی دو غلطیاں دور فرمائی گئیں اب تیسری غلطی یعنی ایلاء کا غلط استعمال مٹایا جارہا ہے۔ چونکہ ایلاء ایک قسم کی قسم ہے لہٰذا بطور تمہید پہلے قسم کے مسائل بیان ہورہے ہیں۔ پھر ایلاء کے۔

شان نزول: عبداللہ ابن رواحہ کی بہن بشیر ابن نعمان کے نکاح میں تھیں۔ ان میاں بیوی میں کچھ نااتفاقی ہوگئی جس سے ان کی بی بی اپنے بھائی عبداللہ کے گھر آبیٹھیں۔ عبداللہ ابن رواحہ نے قسم کھالی کہ نہ میں کبھی اپنے بہنوئی ابن نعمان کے گھر جاؤں اور نہ کبھی ان کی بیوی سے اتفاق کراؤں۔ کچھ روز بعد بشیر ابن نعمان نے اپنی بیوی سے صلح کرنی چاہی۔ لوگوں نے عبداللہ سے کہا کہ آپ بیچ میں پڑکر صلح کرادیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں قسم کھاچکا ہوں۔ اس لئے یہ کام نہیں کرسکتا۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں نیک کام کرنے سے قسم کھالینے سے ممانعت فرمائی گئی۔ (روح المعانی و خزائن وغیرہ)۔ (2) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خالہ زاد بھائی مسطح غریب آدمی تھے جن کا سارا خرچ حضرت صدیق اکبر ہی اٹھاتے تھے۔ ایک دفعہ ان پر حضرت صدیق اکبر ناراض ہوگئے اور قسم کھالی کہ آئندہ انہیں خرچ نہ دوں گا کیونکہ حضرت مسطح نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگانے والوں کی کچھ حمایت سی کی تھی اس پر صدیق اکبر ناراض ہوئے کہ میرے عطیہ سے ان کا گزارہ ہے اور میری ہی بیٹی کو تہمت لگاتے ہیں میری ان کی عزت و آبرو ایک اگر میری بیٹی کو تہمت لگی تھی تو ان کی بھتیجی کو لگی تھیں یہ میرے کیسے عزیز ہیں کہ میری اولاد کے بھی ہمدرد نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (معانی)۔

تفسیر: **ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم** یہ سارے مسلمانوں کو خطاب ہے اور لفظ اللہ سے پہلے اسم پوشیدہ ہے۔ عرضہ عرض سے بنا۔ جس کے معنی ہیں آڑ' حائل اور مانع 'پیش آنے والی چیز۔ اسی لئے پیش کرنے کو عرض 'سوال کو اعتراض۔ چوڑائی کو عرض اور مقابلہ کو معارضہ کہا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر کوئی چیز راستہ کے بیچ میں رکھ دی جائے تو گزرنے سے روکتی ہے۔ اعتراض و مقابلہ بھی روکنے ہی کے لئے ہوتا ہے۔ ڈھال کو بھی اسی معنی میں عرضہ کہا جاتا ہے۔ نشانہ کو بھی اسی لئے عرضہ کہتے ہیں کہ اسے سامنے رکھ کر مارا جاتا ہے۔ یہاں یا تو بمعنی آڑ ہے یا بمعنی نشانہ۔ ایمان جمع یمین کی ہے بمعنی دایاں ہاتھ۔ چونکہ دایاں ہاتھ بائیں سے قوی ہوتا ہے اور قسم سے بھی ایک جہت قوی ہوجاتی ہے اس لئے اسے یمین کہا جاتا ہے یعنی اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بنالو کہ بار بار اس کی قسمیں کھایا کرو یا اللہ کے نام کو نیک کاموں کے لئے آڑ نہ بنالو کہ نیکی سے قسم کھا کر بعد میں کہہ دیا کرو کہ ہم یہ نیکی کیسے کریں ہم تو قسم کھاچکے **ان تبروا وتتقوا وتصلحوا بین الناس** تبروا' برسے بنا جس کے معنی پہلے بیان کئے جاچکے۔ یہاں بھلائی 'نیکی اور احسان کے معنی میں ہے اور یہ ساری نیکیوں کو شامل ہے۔ اس کے بعد تقویٰ اور اصلاح کا ذکر گویا عام کے بعد خاص کا ذکر ہے یہ عبارت یا تو ایمان کا بیان ہے یا لا تجعلوا کی علت یعنی اللہ کے نام کو احسان کرنے پر ' پرہیزگاری اور لوگوں میں صلح کرانے کے لئے آڑ نہ بناؤ کہ قسم کھاکہ یہ نیکیاں چھوڑ دو۔ خیال رہے کہ بر و تقویٰ میں کئی طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ نیکیاں کرنا بر ہے اور برائیاں چھوڑنا تقویٰ۔ دوسرے یہ کہ نیکیاں کرنا بر ہے اور نیت خیر سے یعنی محض رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرنا تقویٰ ریاء کی نیکیاں برتو ہیں مگر تقویٰ نہیں۔ تیسرے یہ کہ نیکیاں کرنا بر ہے اور عدم قبولیت سے ڈرنا تقویٰ ہے کرنا اور ڈرنا دونوں کا اجتماع ہونا چاہئے۔ قابلیت کے ساتھ قبولیت بھی چاہئے قبولیت کے بغیر قابلیت محض بیکار ہے یا یہ مطلب ہے کہ خدا کی قسمیں زیادہ نہ کھایا کرو تاکہ تم بھلائی کرو اور متقی بنو اور لوگوں میں صلح کراؤ یا ہم تمہیں زیادہ قسم سے اس لئے منع فرماتے ہیں تاکہ تمہیں تقویٰ اور پرہیزگاری حاصل ہو۔ واللہ سمیع علیم۔ اور اللہ تمہاری قسمیں اور ساری باتیں سنتا ہے اور تمہاری نیتوں اور ارادوں سے خبردار ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں تم اللہ کے نام کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ جیسے کسی چیز کو نشانہ بنا کر مشق کیلئے اس پر بار بار تیر لگاتے ہیں۔ ایسے ہی رب کی بار بار قسمیں نہ کھاؤ۔ یہ حکم اس لئے دیا جا رہا ہے تاکہ تم بھلائی کرو اور پرہیزگار رہو اور لوگوں میں صلح کراؤ۔ کیونکہ قسم نہ کھانے سے تمہیں ہر جائز کام کے کرنے یا نہ کرنے کا اختیار رہے گا اور قسم کھا لینے پر خواہ مخواہ۔ تم پر پابندی ہو جائے گی۔ جس سے تم بہت سی نیکیوں سے مجبور ہو جاؤ گے۔ ہمیشہ سوچ سمجھ کر کام کیا کرو کیونکہ اللہ تمہاری باتوں کو سنتا ہے اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے۔

دوسری تفسیر : اے مسلمانو اللہ کے نام کو بھلائیوں کے لئے آڑ نہ بناؤ کہ قسم کھا کہ نیکیوں اور تقویٰ اور لوگوں میں صلح کرانے سے باز رہ جاؤ تم کو تو چاہئے کہ نیکی میں کوشش کرو نہ کہ اس سے باز رہنے میں یاد رکھو کہ اللہ تمہاری ہر بات کو سنتا اور تمہارے ارادوں کو جانتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بہت قسمیں کھانا بری بات ہے۔ اس سے رب کے نام کی ہیبت دل سے جاتی رہتی ہے نیز قسم کی دل میں کوئی عزت نہیں رہتی۔ نیز جو کوئی سچی قسمیں کھانے کا عادی ہو جائے گا وہ جھوٹی قسموں سے بھی نہ ڈرے گا (تفسیر کبیر) نیز زیادہ قسموں سے رزق گھٹتا ہے اور فقیری آتی ہے (احمدی)۔ دوسرا فائدہ: بہت قسمیں کھانے والے کی بات زیادہ قابل قبول نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ لا تطع کل حلاف مھین تیسرا فائدہ: نیکی سے باز رہنے پر قسم نہ کھاؤ۔ مسلم و ترمذی و نسائی میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ جو شخص کسی بات پر قسم کھا لے اور اس کے سوا میں بھلائی دیکھے تو چاہئے کہ اپنی قسم توڑ کر نیک کام کرے اور قسم کا کفارہ دے دے۔ چوتھا فائدہ: قسم پوری کرنا اچھی بات ہے مگر گناہ کی قسم توڑنا ضروری۔ اگر کوئی قسم کھا جائے کہ میں ماں باپ کی خدمت نہ کروں گا تو اس قسم کو توڑ کر ان کی خدمت کرے۔

مسئلہ : کفارہ قسم توڑنے سے پہلے جائز نہیں۔ پہلے قسم توڑے پھر کفارہ دے۔ کفارہ کا ذکر سورہ مائدہ میں آئیگا۔ مسئلہ: مال فروخت کرنے کے لئے قسمیں کھانا یا درود شریف پڑھنا سخت منع ہے۔ مسئلہ: سات جگہ درود شریف پڑھنا منع ہے۔ عورت سے صحبت کرتے وقت۔ استنجا کے وقت، مال بیچنے کے وقت، بھولنے، تعجب، ذبح اور چھینک پر (شامی کتاب الصلوۃ)۔ مسئلہ: غیر اختیاری کام پر قسم نہ کھائے مثلاً یہ کہ خدا کی قسم کل بارش ہو گی یا پرسوں زید آئے گا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی زیادہ قسمیں نہ کھائے۔ دوسری قسمیں خوب کھائے۔ جواب: چونکہ اللہ کے سوا اور قسموں پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ اسی لئے اس سے منع کیا گیا انشاء اللہ اس کی بحث اگلی آیت میں آئے گی

www.alahazratnetwork.org

نیز اپنی جان و مال یا اولاد کی قسم کھانے میں رب کے نام کی بے توقیری نہیں مگر رب کی زیادہ قسمیں کھانے میں اس کی بے ادبی ہے۔ اس لئے اس سے بچنا زیادہ ضروری۔ **دوسرا اعتراض:** اگر زیادہ قسمیں کھانا برا ہے تو رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سی قسمیں کیوں ارشاد فرمائی ہیں۔ **والتین والزیتون وطور سینین** وغیرہ معلوم ہوا کہ زیادہ قسمیں بولنا سنت الٰہیہ ہے۔ **جواب:** ہماری قسموں اور رب کی قسموں میں فرق ہے۔ ہم لوگ اکثر اپنا یقین دلانے بلکہ بعض دفعہ اپنا جھوٹ چھپانے کے لئے قسمیں کھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان چیزوں یا مضمون کی عظمت ظاہر فرمانے کو قسمیں ارشاد فرمائی ہیں لہٰذا ہماری زیادہ قسموں میں اللہ کے نام کی توہین ہے اور رب تعالیٰ کی قسموں میں ان قسم کی چیزوں کی تعظیم۔ **تیسرا اعتراض:** بر و تقویٰ میں اصلاح بین الناس بھی داخل تھا۔ پھر اسے علیحدہ کیوں بیان فرمایا ہے۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک عمل اصلاح کی اہمیت ظاہر فرمانے کیلئے کہ تمام نیکیوں سے یہ بڑی اہم نیکی ہے دوسرے اس لئے کہ نیکیاں دو قسم کی ہیں۔ عبادات' معاملات' عبادات میں صرف اپنی ذات کو فائدہ ہوتا ہے مگر معاملات میں دوسروں کو بھی معاملات کا خصوصیت سے علیحدہ ذکر فرما کر بتایا گیا کہ صرف عبادات پر قناعت نہ کرو لوگوں کو بھی درست کرو۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ کے مقبول بندے اگر اللہ پر قسم کھا جائیں تو رب تعالیٰ ان کی قسم پوری فرماتا ہے۔ مثلاً ولی کہے کہ قسم رب کی بارش ہوگی تو ضرور ہو جاتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف و روح البیان) ابو حفص ایک دن بازار میں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ ایک کسان سخت پریشان ہے۔ پوچھا تیرا کیا حال ہے۔ کہنے لگا میرا گدھا گم ہو گیا۔ اور اس کے سوا میرے پاس کوئی گدھا نہیں۔ آپ نے عرض کیا کہ خدایا تیری عزت کی قسم میں اس وقت تک قدم نہ اٹھاؤں گا۔ جب تک تو اسے گدھا واپس نہ فرما دے۔ یہ کہتا تھا کہ گدھا سامنے سے آ گیا۔ (روح البیان) ایسے لوگوں سے خطاب ہو رہا ہے کہ چونکہ تمہاری بات رب کے ہاں بہت سنی جاتی ہے۔ تمہیں بھی چاہئے کہ ہر دم اس پر قسم نہ کھا لیا کرو۔ تاکہ تمہاری قسم نہ ٹوٹے اور تم پریشانی سے بچو۔ لوگ بھی درست رہیں۔ ورنہ تمہاری قسموں کے گھمنڈ میں لوگ دلیر ہو جائیں گے۔ اپنی زبان اور سارے اعضاء بہت سوچ سمجھ کر استعمال کرو۔ کیونکہ اللہ تمہاری بہت سنتا ہے اور تم ہر وقت اسکے منظور رہتے ہو۔ مثنوی میں ہے۔

از پئے آں گفت حق خود را سمیع! تابندی لب ز گفتار شنیع!
از پئے آں گفت حق خود را علیم! تاہندیشی فساد تو زبیم!

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا

نہیں پکڑ فرماتا ہے تمہاری اللہ ساتھ بے قصدی کے بیچ قسموں تمہاری کے اور لیکن پکڑ فرماتا ہے

اللہ تمہیں نہیں پکڑتا ان قسموں میں جو بے ارادہ زبان سے نکل جائے ہاں اس پر گرفت فرماتا ہے۔

كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ساتھ اس کے کہ کمائی کی دلوں نے تمہارے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے ۞

جو کام تمہارے دلوں نے کئے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے ۞

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق : پچھلی آیت میں مسلمانوں کو زیادہ قسم کھانے سے منع فرمایا گیا تھا اب قسم کے احکام بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ دوسرا تعلق : پچھلی آیت میں قسم سے ممانعت کی گئی تھی۔ اب اس ممانعت کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے کہ تمہاری کون سی قسم کا کیا نتیجہ ہے۔

تفسیر : **لا یؤاخذکم اللہ** یؤاخذ مواخذہ سے بنا۔ جس کا مادہ ہے اخذ بمعنی پکڑ اور گرفتاری۔ یہاں باب مفاعلہ شرکت کے لئے نہیں۔ نیز اس جگہ پکڑ سے دنیوی اور اخروی دونوں پکڑیں مراد ہیں یعنی اللہ نہ تو تم پر دنیا میں کفارہ واجب کرتا ہے اور نہ آخرت میں گناہ۔ پکڑ تین قسم کی ہوتی ہے صرف دنیاوی سزا کہ آخرت میں اس پر گناہ کوئی نہ ہو جیسے خطاء "زخمی کر دینا یا خطاء" قتل وغیرہ کہ ان پر دنیا میں تو بدلہ دینا لازم ہے مگر آخرت میں کوئی گناہ نہیں کہ خطاء و نسیان معاف ہیں۔ دوسرے وہ جن پر آخرت میں تو پکڑ یعنی گناہ ہو مگر دنیا میں کوئی سزا مقرر نہ ہو جیسے نماز نہ پڑھنا۔ روزہ یا حج و زکوۃ ادا نہ کرنا کہ ان کی سزا دنیا میں مقرر نہیں آخرت میں سخت گناہ ہے تیسرے وہ جن پر دنیا میں بھی سزا ہو "آخرت میں بھی گناہ جیسے چوری" زنا" قتل وغیرہ کہ دنیا میں بھی ان پر سزا ہے کہ چور کا ہاتھ کٹے زانی کو رجم ہو گا اور آخرت میں بھی گناہ یہاں لا یؤاخذ فرما کر ان تینوں قسم کے مواخذوں کی نفی فرما دی کہ اگرچہ لغو قسموں سے رب راضی نہیں مگر خیر اس پر پکڑ بھی نہیں فرماتا۔ نہ دنیا میں کہ اس پر کفارہ نہیں۔ نہ آخرت میں گناہ اور غموس قسم میں دنیاوی پکڑ یعنی کفارہ نہیں مگر آخرت کی پکڑ "گناہ ہے۔ رہی قسم منعقدہ اس میں دنیا کی پکڑ یعنی کفارہ تو یقیناً ہے مگر آخرت کی پکڑ کبھی ہے کبھی نہیں بلکہ بعض دفعہ قسم توڑ دینے پر ثواب ہے۔ **باللغو فی ایمانکم** لغو کے معنی ہیں باطل اور بے اعتباری، کلام یا کام۔ اسی لئے بیہودہ باتیں اور شور و شغب کو لغو کہا جاتا ہے۔ **لا یسمعون فیھا لغوا** اور **والغوا فیہ** شریعت میں قسم لغو وہ ہے جو کوئی شخص گزرے ہوئے واقعہ پر اپنے خیال میں سچ جان کر قسم کھا جائے مگر در حقیقت وہ اس کے خلاف ہو۔ مثلاً مجھے معلوم ہوا کہ زید آ گیا میں نے اس پر قسم کھا لی بعد میں پتہ چلا کہ زید نہ آیا تھا مجھے غلط خبر ملی تھی یہ لغو قسم ہے کیونکہ نہ اس پر گناہ اور نہ کفارہ۔ گویا بے اعتباری چیز ہے جس کا تعلق پوشیدہ ہے۔ ایمان یمین کی جمع ہے۔ بمعنی داہنا ہاتھ یا قوت **لاخذنا منہ بالیمین**۔ چونکہ اہل عرب قسم کے وقت مصافحہ کرتے تھے اس لئے اسے یمین کہا گیا۔ بمعنی ہاتھ لاتے وقت کا کام یا چونکہ قسم کھانے والا اپنے قسم کی خوب قوت سے حفاظت کرتا ہے یا قسم کھانے والا اس قسم سے اپنا کلام مضبوط کرتا ہے اور سننے والے کو اپنا اعتبار دلاتا ہے۔ اس لئے یہ یمین کہلاتی ہے یعنی اللہ تمہاری لغو قسموں پر جو تم گزشتہ بات پر اپنے کو سچا سمجھ کر کھا لو کوئی پکڑ نہیں فرماتا۔ نہ دنیا میں نہ آخرت میں کہ نہ اس سے کفارہ نہ اس پر گناہ۔ خیال رہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک قسم لغو وہ ہے جو بطور عادت بلا ارادہ نکل جائے جیسے گفتگو والے کہتے ہیں۔ واللہ بیٹھئے۔ واللہ کھائیے انہیں واللہ کا احساس تک نہیں ہوتا مگر امام اعظم کی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ جس کی وجہ ان شاء اللہ فوائد میں عرض کی جائے گی۔ **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** مواخذہ سے مراد پکڑ یا سزا ہے اور اس میں دنیوی سزا یعنی کفارہ اور اخروی سزا یعنی گناہ دونوں شامل ہیں پھر قسم غموس جس درجہ کی ہو گی اسی درجہ کی اس پر پکڑ ہو گی۔ جس جھوٹی قسم سے کسی کا مال یا آبرو برباد کی جائے اس کی پکڑ زیادہ ہے اور جس قسم سے کسی کی جان ہلاک کی جاوے اس کی پکڑ اور زیادہ جیسے کچہری میں حکام کے سامنے جھوٹی قسمیں جن سے مالی و جانی مقدمات طے ہوتے ہیں۔ کسبت قلوبکم سے ارادۃ "جھوٹ مراد ہے یعنی جس قسم میں تم جھوٹ کا دلی ارادہ کر لو

www.alahazratnetwork.org

گے۔ اس پر تمہاری پکڑ فرمائے گا کہ آئندہ کی قسم پر دنیوی سزا یعنی کفارہ لازم کرے گا اور گزشتہ کی قسم پر اخروی سزا یعنی گناہ۔ بعض تفاسیر میں ہے کہ یہاں مواخذہ سے صرف اخروی گناہ مراد ہے۔ اور قسم سے پچھلی بات کی جھوٹی قسم' آئندہ کی قسم اور اس کی سزا یعنی کفارہ کا ذکر سورۂ مائدہ میں ہے کہ وہاں فرمایا گیا **ولکن یؤاخذکم بما عقدتم الایمان** اور پھر فرمایا **فکفارتہ اطعام عشرۃ مسٰکین** خلاصہ یہ ہے کہ جو قسمیں تم دیدہ دانستہ جھوٹی کھاؤ گے۔ اس پر رب پکڑ فرمائے گا **واللہ غفور حلیم** غفور غفر سے بنا بمعنی (چھپانا) اور حلیم حلم بمعنی (بردباری) سے بنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت حلم فرمانے والا ہے کہ اس نے لغوی قسم پر عام معافی کا اعلان فرمادیا۔ اگر اس پر بھی پکڑ فرماتا تو اسے روکنے والا کون تھا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو رب تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر پکڑ نہیں فرماتا۔ جو تم بے خبری میں کسی بات کو سچ سمجھ کر قسم کھا جاتے ہو۔ ہاں پکڑ ان قسموں پر فرمائے گا جو جان بوجھ کر جھوٹی کھا جاؤ۔ کہ ان میں سے بعض پر کفارہ اور بعض پر صرف گناہ لازم کرے گا۔ رب تعالیٰ بہت بخشنے والا اور بہت حلم والا ہے اسی لئے تمہارے لئے آسان احکام جاری کئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: ہر قسم پر پکڑ نہیں بلکہ بعض پر ہے۔ اور جن پر ہے ان میں بھی بعض پر دنیوی گرفت یعنی کفارہ اور بعض پر اخروی یعنی صرف گناہ

مسئلہ : کسی چیز کے ہونے کے ارادہ پر اپنے ذمہ کچھ لازم کرلینا نذر ہے جیسے خدایا اگر میرا بیمار اچھا ہو جائے تو میں سو روپیہ خیرات کروں گا۔ کام ہو جانے پر جو کچھ عبادت کی جاوے گی وہ شکرانہ ہو گی نہ کہ سزا اور کسی کام کے نہ ہونے کے ارادہ پر اپنے ذمہ کچھ لازم کرلینا یا لازم ہو جانے کا نام یمین یا قسم ہے قسم دو طرح کی ہے لغوی اور شرعی۔ قسم لغوی وہ ہے جو اپنی جان مال اولاد وغیرہ کی قسم کھائی جائے جس پر شرعی احکام مرتب نہ ہوں صرف کلام کی توثیق کی جائے قسم شرعی وہ جو رب کی ذات یا خصوصی صفات کی کھائی جائے جس پر کفارہ وغیرہ شرعی احکام مرتب ہوں۔ قسم کی تین نوعیتیں ہیں حلال کو حرام کرلینا یہ بھی قسم ہے خدا کی ذات و صفات کی قسم کھانا یہ بھی قسم ہے۔ کسی کام پر عورت کی طلاق یا غلام کی آزادی یا مال کی خیرات کو معلق کر دینا کہ اگر میں تجھ سے بولوں تو میری بیوی کو طلاق یا میرا غلام آزاد یا میرا مال صدقہ۔ یہ بھی قسم ہے۔ مگر پہلی دو قسموں میں تو شرعی کفارہ واجب ہو گا تین روزے وغیرہ مگر آخری تیسری قسم میں وہ ہی سزا بھگتنا پڑے گی جو اپنے پر لازم کی کہ اگر طلاق معلق کی تھی تو طلاق ہی پڑ جائے گی۔ پھر قسم کبھی اپنے کام پر ہوتی ہے کبھی دوسرے بندے کے کام پر جیسے قسم خدا کی کل تو آئے گا یا رب کے کام پر جیسے قسم خدا کی کل بارش ہو گی ان تینوں قسموں میں اگر حنث ہو جائے تو کفارہ لازم ہو گا۔ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ قسم والوں کو بری کرنا بہت ثواب ہے یا بعض بندے ایسے ہیں کہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو رب ان کی قسم پوری فرماوے۔ اس سے یہ ہی قسمیں مراد ہیں۔ **مسئلہ**: قسم تین قسم کی ہے۔ لغو' غموس' منعقدہ' لغو یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے معاملہ پر اپنے خیال میں صحیح جان کر قسم کھائے مگر واقعہ اس کے خلاف ہو۔ یہ معاف ہے نہ اس پر کفارہ نہ گناہ۔ غموس یہ ہے کہ کسی گزرے ہوئے کام پر جان بوجھ کر جھوٹی قسم کھائے اس میں گنہگار ہو گا کفارہ نہیں مثلاً کسی کو خبر ہے کہ زید نہیں آیا اور پھر قسم کھاتا ہے کہ آگیا یہ اگر واقعہ میں سچی بھی ہو۔ تب بھی ارادہ جھوٹ کی وجہ سے اس پر گناہ ہو گا کیونکہ **کسبت قلوبکم** میں داخل ہے کہ اس نے جھوٹ ہی کے

www.alahazratnetwork.org

ارادے سے قسم کھائی تھی۔ منعقدہ یہ ہے کہ کسی آئندہ چیز پر قسم کھائے۔ اس قسم کو اگر توڑے تو اگر گناہگار بھی ہے اور کفارہ بھی یقیناً لازم (خزائن العرفان)۔ مسئلہ: بے اختیاری قسم پر امام صاحب کے ہاں کفارہ واجب ہے اور امام شافعی صاحب کے ہاں نہیں مثلاً کسی کو واللہ کہنے کی عادت ہے۔ وہ اس پر بنا پر کہہ گیا کہ واللہ میں آؤں گا اور نہ آیا تو اس پر کفارہ واجب ہے اور گزری بات کو سچا سمجھ کر قسم کھا لینے میں کفارہ واجب نہیں مگر امام شافعی کے نزدیک برعکس حکم ہے یعنی بے اختیاری قسم نکل جانے پر کفارہ نہیں اور گزری ہوئی بات کو سچا سمجھ کر قسم کھانے میں کفارہ ہے۔ (کبیر) عبداللہ ابن عباس' حسن' مجاہد' نخعی' زہری' سلیمان ابن یسار اور امام قتادہ و سدی' امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے موافق ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ' امام شعبی و عکرمہ' امام شافعی کے موافق رضی اللہ عنہم اجمعین۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ حدیث شریف میں ہے جو کوئی کسی کام پر قسم کھا لے اور بہتری اس کے غیر میں دیکھے۔ تو قسم کا کفارہ دے دے اور بہتر کام کرے۔ اس حدیث میں ہر قسم کا کفارہ واجب کیا خواہ ارادہ سے ہو یا بغیر ارادہ نیز قسم' طلاق و عتاق کی طرح قابل فسخ نہیں۔ لہذا جیسے طلاق و عتاق بہرحال ہو جاتے ہیں ارادے سے ہوں یا بغیر ارادہ ایسے ہی قسم بھی بہرحال ہونی چاہئے ارادہ ہو یا غیر ارادہ نیز قسم سے اس کا پورا کرنا مقصود ہوتا ہے نہ کہ خواہ مخواہ توڑنا۔ اور پورا کرنا آئندہ کی بات ہی میں ممکن ہے گزری ہوئے چیز قبضہ سے باہر لہذا قسم غموس پر کفارہ واجب نہیں نیز اس آیت سے معلوم ہوا کہ دلی ارادہ کی پکڑ ہے لہذا جھوٹ بولنے کے ارادہ پر قسم کھانے کا گناہ ہو گا۔ (کبیر)۔ دوسرا فائدہ: چونکہ قسم لغو کے مقابل دو قسمیں تھیں۔ ایک منعقدہ' دوسری غموس اس لئے یہاں پکڑ کا بھی ذکر ہوا۔ مغفرت کا بھی یعنی منعقدہ کی پکڑ یعنی کفارہ ضروری اور قسم غموس کی معافی کی امید معلوم ہوا کہ اس پر کفارہ واجب نہیں۔ کیونکہ بخشش اخروی گناہ کی ہوتی ہے نہ کہ شرعی حقوق کی۔ تیسرا فائدہ: یہاں کسبت فرمایا گیا اور سورۂ مائدہ میں عقدتم' ارشاد ہوا۔ کیونکہ یہاں دو قسم مراد ہیں جن میں دلی ارادہ کو دخل ہے۔ ایک غموس دوسری منعقدہ اور وہاں صرف منعقدہ ہی مراد۔

مسئلہ: قسم یا تو رب کے نام کی کھائی جائے یا اس کی صفت مشہورہ کی جس پر قسم کھانے کا رواج ہو ہندوستان میں قرآن کی قسم صحیح ہے کیونکہ قرآن کلام اللہ ہے جو کہ خدا کی صفت ہے۔ اور یہاں اس قسم کا رواج بھی ہے۔ مسئلہ: غیر خدا کی قسم نہ کھائے جیسے کعبہ' پیغمبر اپنے سر یا اولاد' مال کی قسم۔ مسئلہ: بعض روایتوں میں ہے کہ غیر خدا کی قسم کھانا شرک ہے۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ ان کو معبود جان کر ان کے نام کی شرعی قسم کھانا شرک ہے۔ مسئلہ: اپنے پر حلال کو حرام کر لینا بھی قسم ہے مثلاً کوئی کہے کہ اگر میں تجھ سے بولوں تو مجھ پر روٹی حرام۔ اس میں کفارہ واجب ہو گا۔ مسئلہ: کفری قسم کھانا سخت برا ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ اگر میں ایسا کروں تو کافر ہو جاؤں۔ اس میں بھی کفارہ ہی واجب ہو گا کفر لازم نہ آئے گا۔ ہاں جو کفر کو ہلکا جان کر یہ کہے وہ واقعی کافر ہے یہ ہی اس حدیث اور اقوال علماء کا مطلب ہے۔ جس میں اس فعل کو کفر کہا گیا۔

پہلا اعتراض: تمہارے کلام سے معلوم ہوا کہ غیر خدا کی قسم منع ہے۔ حالانکہ رب نے انجیر' طور' سینا پہاڑ اور حضور علیہ السلام کی عمر پاک کی قسمیں فرمائی ہیں۔ خود حضور علیہ السلام نے بھی بارہا فرمایا والی میرے والد کی قسم۔ شعراء بھی ایسی قسمیں بہت استعمال کرتے ہیں جواب: رب کی قسمیں ان چیزوں کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہیں نہ کہ قوت کلام کے لئے۔ نیز حضور علیہ السلام اور ان کے غلاموں کی ایسی قسمیں صرف قوت کلام کے لئے نہ کہ شرعی احکام کے لئے چونکہ یہ لغوی قسمیں

www.alahazratnetwork.org

ہیں نہ کہ شرعی۔ لہٰذا جائز ہیں شرعی قسم کی ممانعت ہے کہ جن پر شرعی احکام مرتب ہوں۔ گویا غیر خدا کی شرعی قسم کھانا منع۔ دوسرا اعتراض: اگر خدا بیہودہ قسموں میں نہیں پکڑتا تو کیوں نہ سب جھوٹ بولیں گے اور عہد توڑیں گے۔ اس طرح تو خدا کی جھوٹ کہلانی مبانی ہو گی۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: پنڈت جی کی ذہنیت کے بھی قربان جاؤ۔ انہوں نے لغو کے معنی بیہودہ کئے یعنی جو بیہودہ لوگ قسم کھالیتے ہیں۔ اس عقل پر محقق بننے کا شوق ہے پنڈت جی الغوی کے معنی ہیں بے قصدی کلام اور واقعی بے قصدی کلام پر پکڑنا شاید تمہارے پرمیشور کا دستور ہو گا۔ ہمارے رب کا دستور نہیں بتاؤ تم جو دن رات اپنے قدموں سے بیکڑوں جانور کچل ڈالتے ہو۔ یہ ہتیا ہے یا نہیں۔ تم یہ ہی کہو گے کہ نہیں کیونکہ ہم چلنے کا ارادہ کرتے ہیں نہ کہ کسی کو کچلنے کا ایسے ہی یہاں بھی سمجھ لو کہ اس نے سچ کا ارادہ کیا تھا نہ کہ جھوٹ کا پھر اس پر پکڑ کیسی؟

تفسیر صوفیانہ : قلب گویا زمین ہے اور اعضا ظاہری کھیتی باڑی کے آلات اور اعمال اور اقوال گویا تخم اگر تخم کھیتی کے آلات میں رہے زمین میں نہ پہنچے تو ہرگز نہ اگے گی۔ زمین میں پہنچ کر ہی پھلے پھولے گا۔ ایسے ہی اگر عمل اور قول کا تعلق دل سے نہ ہو گا تو پھل یعنی ثواب حاصل نہ ہو گا لہٰذا انسان بھی جو نیکی بغیر باطنی ارادہ کے کرے اس کا زیادہ فائدہ نہیں۔ ایسے ہی بے ارادہ دل جو بات منہ سے نکل جائے اور دل اور اعضاء پر اس کا اثر نہ ہو وہ قابل قبول نہیں۔ رب نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ **کبر مقتا عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون** اگرچہ یہ آیت قسم کے متعلق نہیں ہے مگر سمجھدار اس سے بیدار ہو جاتے ہیں اور اپنے قلب و قالب کی درستی کرتے ہیں۔ اگر کبھی ظاہر نیکی کا قلب پر اثر ہو جائے تو رب تعالیٰ اپنے لطف و کرم سے اس پر پکڑ نہیں فرماتا بلکہ بخش دیتا ہے۔ کیونکہ وہ غفور بھی ہے اور حلیم بھی۔ مگر اس کے کرم پر دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ اعمال سے غافل نہ ہو جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قسم تین طرح کی ہے مفید' باطل' لغو' اچھی بات اچھے کام کی قسم کھانا مفید ہے۔ جیسے رب کی بندگی حضور کی اطاعت کی قسم کھانا کہ قسم خدا کی میں نیک بندہ بنوں گا۔ گناہوں کی قسم باطل ہے جیسے قسم خدا کی میں جواء کھیلوں گا اور عبث کام کی قسم۔ لغو پر نہ ثواب نہ عذاب جیسے قسم رب کی میں روٹی کھاؤں گا۔ اسی طرح ہر کام تین قسم کے ہیں مفید' باطل اور لغو بلکہ انسان کی زندگی بھی تین قسم کی ہے بعض کی زندگی اپنے لئے مفید' بعض کی ملک و قوم کیلئے مفید' بعض کی زندگی تاقیامت ساری خلق کے لئے مفید' حضور کی اور حضور کے صدقہ سے ان کے صحابہ و بعض اولیاء کی زندگی تمام مخلوق کے لئے ابدالآباد تک مفید ہے اور جو زندگی گناہوں بدکاریوں میں گزرے وہ باطل ہے اور جو غفلت میں گزرے وہ عبث یعنی لغو ہے۔ پھر باطل و مضر زندگی بعض کی تو صرف اپنے لئے مضر ہے۔ بعض کی ساری خلق کے لئے مضر' ابلیس کی زندگی تمام خلق کیلئے باطل و مضر ہے رب تعالیٰ مفید زندگی نصیب کرے۔

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ
واسطے ان کے جو ایلاء کرتے ہیں عورتوں اپنی سے انتظار ہے چار مہینوں کا۔ پس اگر رجوع کر لیں
وہ جو قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے کی انہیں چار ماہ کی مہلت ہے پس اگر مدت میں پھر

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝

تو یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر ارادہ کریں طلاق کا پس یقیناً اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر چھوڑ دینے کا ارادہ پکا کر لیا تو اللہ سنتا جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں قسم کی تین قسمیں اشارۃً بیان ہوئیں۔ اب اس کی چوتھی قسم بیان ہو رہی ہے جو ان تینوں سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ ان تین قسموں میں سے لغو قسم میں دونوں طرف آزادی تھی اور منعقدہ میں قسم توڑنے میں کفارہ اور پورا کرنے میں کوئی نقصان نہیں۔ مگر اس قسم کی دونوں طرفیں خطرناک کہ اگر قسم توڑو تو کفارہ دو اور اگر پوری کرو تو بیوی نکاح سے جاتی رہے۔ گویا یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر قسم میں ایسی آزادی نہ سمجھو ایک ایک قسم سخت خطرناک بھی ہے جسے ایلاء کہتے ہیں۔ اس لئے آیت کو واؤ سے شروع نہ کیا گیا بلکہ بالکل علیحدہ مستقل جملہ بنایا گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں قسم کی غلطیاں دور کی گئیں اب اس قسم کی اصلاح کی جا رہی ہے جس سے اہل عرب طلاق دیا کرتے تھے یعنی ایلاء۔ تیسرا تعلق: اب تک قسم کے مسائل بیان ہوئے اور آئندہ طلاق کے مسائل بیان ہوں گے کیونکہ جیسے قسم سے حلال چیز کو حرام کر لیا جاتا ہے ایسے ہی طلاق سے حلال عورت حرام ہو جاتی ہے۔ چونکہ ایلاء کو قسم سے بھی تعلق ہے اور طلاق سے بھی کہ وہ لفظاً قسم اور حکماً طلاق ہے لہذا ان دونوں مسائل کے درمیان اس کا ذکر فرمایا گیا۔

شان نزول: زمانہ جاہلیت میں لوگوں کا یہ دستور تھا کہ اپنی عورتوں سے مال طلب کرتے اگر وہ دینے سے انکار کرتیں تو وہ ایک سال یا دو سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ تک ان کے پاس جانے سے قسم کھا لیتے اور اسی حالت میں چھوڑ دیتے کہ وہ بیچاریاں نہ تو بیاہی رہتی تھیں اور نہ کسی اور سے نکاح کر سکتی تھیں۔ گویا نہ بیوہ تھیں اور نہ شوہر والی۔ عورتوں سے یہ ظلم اٹھانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری جس میں ایک قسموں پر مدت مقرر فرما دی گئی اور شوہر کو بھی آزادی دی گئی۔ (خزائن العرفان و احمدی) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ایلاء یعنی عورت کے پاس جانے کی قسم دائمی طلاق تھی۔ اسلام نے اسے طلاق موقت کر کے اس میں تبدیلی کر دی۔ (احمدی) خیال رہے کہ اسلام سے پہلے صرف عرب میں ہی نہیں بلکہ ساری دنیا میں عورتوں، بچوں، جانوروں پر جو ستم ہو رہے تھے وہ بیان میں نہیں آ سکتے۔ ہند میں عورت خاوند کے مرنے کے بعد نکاح ثانی نہیں کر سکتی تھی بلکہ اسے زندہ جلا دیا جاتا تھا۔ لڑکیوں کو باپ کی میراث نہ ملتی تھی۔ جانوروں کو ایک ایک دو دو ماہ میں ذبح کرتے تھے کہ آج ایک عضو کو کاٹ کر کھا لیا پھر دوسرے دن دوسرا عضو۔ بچیاں زندہ دفن کر دی جاتی تھیں۔ غریب لوگ تنگدستی کے خوف سے سارے بچے ہلاک کر ڈالتے تھے۔ غرضیکہ دنیا میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ظلموں کو مٹایا اور عورتوں، جانوروں، بچوں کو گویا زندگی بخشی۔ ان ظلموں میں سے ایک ظلم ایلاء بھی تھا کہ خاوند عورت کے پاس جانے کی قسم کھا لیتا تھا برسوں تک اس سے علیحدہ رہتا اور اس زمانہ میں نان و نفقہ بھی نہ دیتا تھا جس کے باعث عورت ماں باپ پر بوجھ بن جاتی تھی یا مزدوری کرتی یا بھیک مانگتی تھی۔ اس آیت میں اس ظلم کو دفع فرمایا گیا۔

تفسیر: لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ لِلَّذِيْنَ کا متعلق پوشیدہ ہے اور یہ تربص کی خبر مقدم ہے۔ یؤلون الا یا الوا سے بنا

بمعنی کوتاہی کرنا۔ **لا یالونکم خبالا** - یا **ولا یاتل لو الفضل منکم**۔ ایلاء کسی کے حق مارنے کی قسم کو کہتے ہیں شریعت میں ایلاء یہ ہے کہ شوہر اپنی بی بی کے پاس چار ماہ تک نہ جانے کی قسم کھالے۔ کیونکہ اس میں بھی عورت کے حق سے کوتاہی کی جاتی ہے۔ اس لئے ایلاء کہلاتا ہے۔ (کبیر) یہ بھی ممکن ہے کہ ایلاء ولی بمعنی قرب سے بنا۔ ہمزہ سلبی کی وجہ سے اس کے معنی ہیں ترک قرب یعنی عورت کے نزدیک نہ جانا ایلاء اپنے بعد علیٰ چاہتا ہے یہاں من آیا کیونکہ اس میں دوری کے معنی لحوظ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس کے بعد من اور علی دونوں آسکتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ من بمعنی علی ہے۔ بعض کے نزدیک بمعنی فی ہے۔ بعض کے خیال میں زائدہ (روح المعانی) لیکن پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ نساء سے مراد بیویاں ہیں۔ کیونکہ اپنی لونڈی سے نہ ایلاء ہو نہ طلاق **تربص اربعۃ اشھر** تربص کے معنی ہیں انتظار کرنا اور ٹھہرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **سالی بصتہ** مجھے ٹھہرنے کی گنجائش نہیں ار۔ حہ اشہر اس کا ظرف ہے گویا یہاں ظرف کی طرف اضافت ہے یعنی جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے کی قسم اٹھالیتے ہیں۔ انہیں اس معاملہ میں سوچنے اور غور کرنے کے لئے چار ماہ انتظار کا حق حاصل ہے۔ **فان فاء وا** یہ لفظ فئی سے بنا بمعنی اصل کی طرف لوٹنا۔ اسی لئے شام کے سایہ کو فئی کہتے ہیں اور صبح کے سایہ کو ظل کیونکہ شام کا سایہ دھوپ کے بعد لوٹ کر آیا۔ جنت کے سایہ کو بھی ظل ہی کہا جاتا ہے نہ کہ فی۔ وظل ممدود کہ وہاں دھوپ نہیں مال غنیمت بھی اسی لئے فئی کہلاتی ہے یعنی پس اگر ایلاء کرنے والے شوہر اپنی قسم سے رجوع کر جائیں اور توڑ دیں کہ عورت سے مدت ایلاء میں صحبت کرلیں تو **فان اللہ غفور رحیم** اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ کہ صرف کفارہ ہی کا حکم دیا اور اس ایلاء کی وجہ سے جو عورت کو تکلیف پہنچی اس کی معافی فرمادی۔ **وان عزموا الطلاق** عزم اور عزیمت کے معنی ہیں کوئی سخت کام کر گزرنے پر دل مضبوط کرلینا اسی لئے قسم کو بھی عزم کہہ دیا جاتا ہے۔ طلاق طلق سے بنا جس کے معنی میں کھلنا اور چھوٹنا۔ اسی لئے چلنے کو انطلاق بے قید چیز کو مطلق اور تیز زبانی کو طلاقت لسان اور ہنس مکھ کو طلق الوجہ کہتے ہیں۔ شریعت میں نکاح کی بندش آزاد کرنے کو طلاق کہا جاتا ہے۔ گویا نکاح میں ملانا تھا اور اس میں علیحدہ کرنا اور چھوڑنا یعنی اور اگر یہ ایلاء والے طلاق ہی کا ارادہ کر بیٹھے کہ نہ اپنی قسم توڑیں اور نہ اس مدت میں اپنی عورت کے پاس جائیں تو **فان اللہ سمیع علیم** اللہ تعالیٰ شوہر کی بات کو سنتا ہے اور اس کی نیت کو جانتا ہے اس کی طلاق معتبر ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو جو لوگ اپنی بیویوں کے پاس جانے کی قسم کھالیں۔ انہیں اب پہلے کی سی آزادی نہ ہوگی۔ بلکہ صرف چار مہینے کی مہلت ہے تاکہ اس میں بیوی کے معاملہ میں خوب غور و خوض کرلیں۔ اگر اس مدت میں اپنی قسم سے رجوع کر جائیں کہ اس سے صحبت کرلیں تو اللہ غفور رحیم ہے۔ ان کی اس حرکت پر آخرت میں کوئی پکڑ نہ کرے گا صرف کفارہ دینا ان کے لئے کافی ہوگا اور اگر وہ لوگ خوب سوچ سمجھ کر طلاق ہی کا ارادہ کرلیں تو اللہ تعالیٰ ان کی باتیں سنتا بھی ہے اور ان کے دلوں کے ارادہ کو جانتا بھی ہے۔ خیال رہے کہ مدت ایلاء کا خرچہ مکان وغیرہ عورت کو مرد یعنی اس کا خاوند ہی دیگا۔ کیونکہ نکاح اس زمانہ میں قائم رہتا ہے اور قصور مرد کا ہوتا ہے اور اگر مرد قسم توڑدے تو کفارہ بھی مرد پر ہی ہوگا کہ اس نے قسم کھائی ہے اور اگر نہ توڑے اور چار ماہ کے بعد طلاق واقع ہو جاوے تو عدت کا خرچہ بھی مرد کے ذمہ ہوگا اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ کے ساتھ ماں کا خرچہ بھی مرد کے ذمہ ہوگا کہ بچہ رہے گا ماں کے پاس اور خرچ دیگا باپ غرضیکہ ایلاء میں ہر طرح نقصان مرد ہی کا ہے۔ ان تمام

www.alahazratnetwork.org

پابندیوں کا مقصد ایلاء رد کنایا اس کا مدت ہی کم کر دینا ہے یہ بھی اسلام کی عورتوں پر مہربانی ہے غرضیکہ اسلام نے عورتوں کو زندگی بخش دی۔

گرتے ہوؤں کو کس نے اٹھایا تیرے بغیر | بگڑے ہوؤں کو کس نے بنایا ترے بغیر

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اسلام افراط و تفریط سے خالی ہے اہل عرب کے ہاں طلاق میں بہت بے قاعدگی تھی جب چاہتے تو طلاق دے دیتے اور جب چاہتے واپس لے لیتے یہودی بھی طلاق میں کسی قدر آزاد تھے اور اس کے مقابل ہندوؤں کے دین میں طلاق کی کوئی صورت ہی نہ تھی۔ کیا ہوا نکاح کبھی ختم ہو سکتا ہی نہیں عیسائیوں کے ہاں بھی مسئلہ طلاق میں بہت پابندی ہے۔ انجیل متی 5-31-33 میں ہے کہ جو کوئی اپنی جورو کو زنا کے سوا کسی اور سبب سے چھوڑ دے اور وہ اس سے زنا کراتا ہے اور جو کوئی اس چھوڑی ہوئی سے بیاہ کرے وہ زنا کرتا ہے مگر یہ دونوں قانون طلاق میں رکھ دیئے گئے۔ عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہنے والے عیسائی ان کے ان الفاظ کو چھوڑ چکے اور ان کی پارلیمنٹ میں طلاق کی بے حد آزادی دی گئی کیونکہ یہ قانون ناقابل عمل تھا اسلام نے نہ ہندوؤں کی سی قید رکھی اور نہ اہل عرب کی سی آزادی۔ ضرورۃً طلاق جائز کی۔ مگر بانی اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے اعلان فرمادیا کہ حلال چیزوں میں سب سے بڑھ کر ناپسند چیز طلاق ہے۔ دوسرا فائدہ: اسلام میں طلاق کا مسئلہ بہت اہم ہے کہ رب تعالیٰ نے دوسرے مسائل اجمالاً بیان فرمائے مگر اس مسئلہ کی بہت شرح کی کہ طلاق اور اس کے اقسام رجعی، بائنہ، مغلظہ اور ایلاء و خلع وغیرہ اسی طرح عدت اور اس کے احکام اس کی قسمیں مثلاً حاملہ، آئسہ، حائضہ، چھوٹی بچی کی عدتیں اور عدت وفات وغیرہ پر کافی روشنی ڈالی۔ نیز ان کا بیان سورۃ بقر میں بھی اچھی طرح کیا اور پھر آخر قرآن میں طلاق کی ایک پوری سورۃ یعنی سورۃ طلاق نازل فرمائی۔ لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ طلاق میں بہت احتیاط سے کام لیں۔ تیسرا فائدہ: ایلاء میں طلاق دینا ضروری نہیں بلکہ مدت ایلاء گزرنے پر خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی نہ طلاق بولنے کی ضرورت نہ حاکم کے فیصلہ کی حاجت کیونکہ یہاں فرمایا گیا۔ **وان عزمو الطلاق** یعنی ارادہ طلاق ہی طلاق ہے۔ (احمدی) چوتھا فائدہ: طلاق کا اختیار مرد کو ہے نہ کہ عورت کو یعنی عورت شوہر کو طلاق نہیں دے سکتی۔ کیونکہ عورتیں بے عقلی سے بہت جلد غصہ میں آکر کچھ کا کچھ کر بیٹھتی ہیں۔ ان کو طلاق کا اختیار دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ تلوار دینا ہے۔ جس سے دن رات گھر بگڑا کریں گے۔ یہاں ارشاد ہوا **وان عزموا** اگر مرد طلاق کا ارادہ کریں۔ پانچواں فائدہ: ایلاء میں طلاق سے رجوع بہتر۔ کیونکہ رب نے رجوع کے ساتھ اپنی مغفرت اور رحمت کا ذکر فرمایا اور طلاق کے ساتھ اپنے سننے اور جاننے کا۔

مسئلہ: ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی عورت سے کہے کہ قسم خدا کی میں چار ماہ یا زیادہ تک تیرے پاس نہ آؤں گا یا کہے کہ اگر میں چار ماہ تک تیرے پاس آؤں تو مجھ پر حج یا خیرات یا روزہ واجب ہے یا تو مجھے طلاق ہے یا میرا غلام آزاد غرضیکہ اپنے پر چار ماہ تک دور رہنا لازم کرلے یا قسم سے یا کسی التزام سے۔ مسئلہ: ہر اس قابل وطی شوہر کا ایلاء صحیح ہے جس کا تصرف صحیح خواہ کافر ہو یا مسلمان۔ لہذا نامرد کا ایلاء صحیح ہے اور جس کا ذکر کٹا ہو اس کا ایلاء صحیح نہیں۔ (کبیر) مسئلہ: ایلاء کے لئے ضروری ہے کہ قسم اور بیان مدت ایک ہی مجلس میں ہو اور قسم بھی شرعی ہو یعنی اللہ کی یا اس کی صفات کی ہو۔ مسئلہ: ایلاء کے دو ہی نتیجے ہیں قسم توڑنے کی صورت میں کفارہ اور پورا کرنے کی صورت میں طلاق بائنہ۔ مسئلہ: ایلاء میں اگر مرد صحبت پر قادر ہو تو رجوع صحبت سے ہی ہوگا اور اگر کسی وجہ سے صحبت پر قدرت نہ ہو تو وعدہ صحبت سے بھی رجوع ہو جائیگا۔ لیکن اگر مدت ایلاء میں

www.alahazratnetwork.org

صحبت پر قدرت ہو گئی تو صحبت ہی کرنی پڑے گی۔ (احمدی و خزائن)۔ **مسئلہ:** جو قسم کا کفارہ ادا نہ کر سکے وہ صرف توبہ ہی کر لے کفارہ معاف ہے۔ (روح المعانی)۔ **مسئلہ:** مرد کو چاہئے کہ کم از کم چار ماہ میں ایک بار اپنی بیوی سے ضرور صحبت کرے بلاوجہ عورت کو چھوڑ کر بہت دن سفر میں نہ رہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کو شب کے وقت یہ کہتے ہوئے سنا کہ اگر رب کا خوف نہ ہوتا تو آج میری چارپائی سے آواز آئی ہوتی تو آپ نے اپنی بیٹی یعنی حضور کی بیوی حفصہ سے پوچھا کہ عورت بغیر مرد کتنے دن صبر کر سکتی ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ چار ماہ۔ حد درجہ چھ ماہ۔ حضرت عمر نے قانون جاری کیا کہ کوئی سپاہی چار ماہ سے زیادہ باہر نہ رہے۔ اس مدت میں اسے ضرور چھٹی دی جاوے۔ (درمنثور و شامی) بلکہ زمانہ فاروقی میں حضرت کعب ابن سوار اسدی نے ایک عابد و زاہد مرد کو حکم دیا کہ تین دن تو شب بیداری، عبادت گزاری میں گزار۔ چوتھے دن اپنے بیوی سے تعلق رکھ اس پر حضرت عمر نے انہیں بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا اس کی پوری بحث درمنثور میں دیکھو۔

پہلا اعتراض: طلاق کا اختیار صرف مرد ہی کیوں دیا عورت کو بھی چاہئے تھا یہ تو خلاف انصاف ہے۔ (آریہ) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو وہ جو فوائد میں ذکر ہوا عورت کا غصہ اس کی عقل پر غالب ہے وہ جوش میں آ کر بہت جلد سب کچھ کر گزرتی ہے اور بعد میں پچھتاتی ہے مرد کے غصہ پر قدرتی طور پر عقل غالب ہے۔ طلاق چونکہ نازک چیز ہے جس پر آئندہ زندگی کا دارومدار ہے للذا وہ مرد کے ہی قبضہ میں چاہئے ہاں اگر کبھی ظلم کرے اور طلاق نہ دے تو حاکم جبراً اس سے طلاق دلوادے۔ دوسرے یہ کہ مرد عورت کا حاکم ہے کیونکہ اس کے ذمہ عورت کے سارے اخراجات ہیں اور علیحدگی حاکم کے قبضہ میں چاہئے۔ پنڈت جی پھر تو تم یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ صرف عورت ہی بچے کیوں دیتی ہے اور اس ہی کو حیض و نفاس کیوں آتا ہے یا تو کسی کو یہ عوارضات نہ ہوتے یا عورت مرد دونوں کو ہوتے۔ **دوسرا اعتراض:** طلاق بری چیز ہے اس سے گھر بگڑتے ہیں۔ اسلام نے اس کی اجازت ہی کیوں دی؟ **جواب:** کبھی ضرورت کی وقت بری چیز سے بھی معاملہ کرنا پڑتا ہے۔ بعض صورتوں میں عورت اور مرد کی زندگی وبال ہو جاتی ہے علیحدگی میں راحت ہوتی ہے ضرورۃً اس کی اجازت دی گئی۔ پنڈت جی یہ اعتراض تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ پاخانہ بری اور گندگی جگہ ہے پھر وہاں جانے کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ پنڈت جی اگر وہاں نہ جاؤ گے تو سارا گھر گندا کرو گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں ارادہ طلاق کے ساتھ اللہ کے سننے اور جاننے کا ذکر ہوا جس سے معلوم ہوا کہ ایلاء خود طلاق نہیں بلکہ مدت گزرنے پر طلاق دینا ہوگی کیونکہ کلام سنا جاتا ہے نہ کہ ارادہ (کبیر)۔ **جواب:** اکثر ارادہ طلاق کے وقت سخت باتیں بھی منہ سے نکل جاتی ہیں اور برے ارادے دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ ان کے لحاظ سے یہ فرمایا گیا ورنہ اگر طلاق کی ضرورت ہوتی تو ارادہ طلاق کا ذکر نہ ہوتا۔ (احمدی)۔ **چوتھا اعتراض:** جب ایلاء عورت پر ظلم ہے تو اسلام نے کچھ فرق کر کے اسے باقی ہی کیوں رکھا اسے مٹا دیا ہوتا۔ **جواب:** کفار کا ایلا ظلم تھا اسلام کا ایلاء عورت کی اصلاح ہے۔ رب فرماتا ہے **واھجروھن فی المضاجع** نافرمان بیویوں کو ان کی خواب گاہوں میں چھوڑ و یعنی ان کا بائیکاٹ کر دو کہ ان سے کلام سلام بند کر دو اس سے عورت خود بخود سیدھی ہو جائے گی۔ نان نفقہ بند نہ کرایا ان سے کلام سلام ترک کرایا یہ اصلاح ہوئی۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ شریعت میں ایلاء چار ماہ کا ہی ہوتا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صرف ایک ماہ کا ایلاء کیا تھا اپنی تمام ازواج مطہرات سے۔ **جواب:** وہ لغوی ایلاء تھا نہ کہ شرعی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایلاء کی مدت پوری

www.alahazratnetwork.org

فرمادی اور بعد میں نہ کفارہ دیا نہ طلاق ہوئی۔ شرعی ایلاء میں یا کفارہ ہے یا طلاق۔ **چھٹا اعتراض:** جب اسلام نے کمزوروں ضعیفوں پر اتنے احسانات کیے تو غلام و لونڈی ہونے کا قاعدہ کیوں ختم نہ فرمادیا اسے کیوں باقی رکھا۔ **جواب:** یہ مسئلہ بین الاقوامی تھا اگر دوسری قومیں بھی مسلمان قیدیوں کو غلام نہ بناتیں تو اسلام میں بھی کفار قیدیوں کو غلام نہ بنایا جاتا۔ اگر وہ تو ہم کو غلام بناتے رہتے ہم کفار کو غلام نہ بناتے تو یہ مسلمانوں پر ظلم تھا۔ اس کے باوجود اسلام نے آزادی کو عبادت قرار دے دیا کہ ہر کفارہ میں پہلے حق رقبہ غلام کی آزادی رکھی اور اس آزاد کرنے کو بہترین عبادت قرار دیا۔ پھر غلاموں سے اولاد جیسا برتاؤ کرنے کا حکم دیا حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین وفات کے وقت اسی غلام پروری کی وصیت فرمائی۔

تفسیر صوفیانہ: کمزور اور ناتوان کا رب مددگار ہے کہ اس کا حق برباد نہیں فرمایا۔ دیکھو جب عورت کو شوہر سے چھوٹنے کا اختیار نہ دیا تو خود رب تعالیٰ نے اس کی طرف سے مردوں پر صدہا قوانین جاری کر دیئے۔ جب اپنے ہم جنس یعنی بیوی کے حقوق اتنے محفوظ ہیں اور ان کا لحاظ اس قدر ضروری تو چاہیے کہ رب کے حقوق کا بھی لحاظ اس قدر ضروری تو چاہیے کہ رب کے حقوق کا بھی لحاظ رہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مدت ایلاء چار ماہ مقرر کرنے میں عجیب راز ہیں۔ بچے میں چار ماہ کے بعد ہی جان پڑتی ہے پھر کاتب تقدیر فرشتہ چار ہی چیزیں اس کی پیشانی میں لکھتا ہے۔ رزق، عمر، عمل اور جنتی، جنمی ہونا لہذا حکم ہو رہا ہے کہ جب کبھی راہ طریقت کا مسافر سستی کی حالت میں ملال یا پیر محسوس کرے تو شیخ کو لازم ہے کہ اسے فوراً ہی نکال نہ دے بلکہ اس کی مدد کرے اور چار ماہ کی اسے مہلت دے اگر اس مدت میں اس کا حال بدلے اور اس میں پھر بھی طلب پیدا ہو اور اس مرید میں دوبارہ ارادہ کی روح پیدا ہو جائے تو شیخ اس کی گزشتہ خطا کو معاف کرے کیونکہ اس بہار کو مخولین (کمزور لوگ) ہی سیراب کر سکتے ہیں۔ اور اس حل میں معزولین (تارک الدنیا) ہی رہ سکتے ہیں۔ اس دروازہ کو مسکین یعنی از جانے والے بھکاری ہی کھلوا سکتے ہیں۔ اس شراب محبت کو عارفین ہی پی سکتے ہیں اور اس گیت کی عاشقین ہی سن سکتے ہیں اور اگر چار ماہ کی مدت میں بھی اس کا حال نہ بدلے تو شیخ یہ کہہ کر اس سے جدا ہو جائے کہ هذا فراق بینی و بینک وہ ان کی باتوں کو سنتا اور جانتا ہے اس راستہ کو نہ اختیار کرنا ایک محرومی ہے اور اختیار کر کے چھوڑ دینا کامل محرومی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نہ مارا درمیاں عہد و وفا بود ۔۔۔ جفا کردی و بد عہدی نمودی
ہنوزت گر سر صلح است باز آ ۔۔۔ کزاں محبوب تر باشی کہ بودی (روح البیان)

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ

اور طلاق دی ہوئیں عورتیں روکیں جانوں اپنی کو تین حیض اور نہیں حلال ہے واسطے ان کے یہ کہ چھپائیں وہ جو

اور طلاق والیاں اپنی جانوں کو روکے رہیں تین حیض تک اور انہیں حلال نہیں کہ چھپائیں وہ جو

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ

پیدا کیا اللہ نے بیچ رحموں ان کے اگر ہوں وہ ایمان لاتیں ساتھ اللہ اور دن پچھلے کے

اللہ نے ان کے پیٹ میں پیدا کیا اگر اللہ اور قیامت پہ ایمان رکھتی ہیں

www.alahazratnetwork.org

الْاٰخِرِؕ وَ بُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْۤا اِصْلَاحًاؕ وَ لَهُنَّ
اور شوہر ان کے زیادہ حقدار ہیں ساتھ واپس کرنے ان کے بیچ اس کے اگر ارادہ کریں درستی کا اور واسطے
اور ان کے شوہروں کو اس مدت کے اندر ان کے پھیر لینے کا حق پہنچتا ہے اگر ملاپ چاہیں اور عورتوں کا
مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَیْهِنَّ دَرَجَةٌؕ وَ اللّٰهُ
ان عورتوں کے مثل اسی کے ہے جو اوپر ان کے ہے ساتھ بھلائی کے اور واسطے مردوں کے اوپر عورتوں
بھی حق ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے شرع کے موافق اور مردوں کو ان پر فضیلت ہے
عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ۠ (۲۲۸)
کے درجہ ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۞
اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ایلاء کا ذکر ہوا جس کا نتیجہ کبھی طلاق ہوتا ہے۔ اور اب طلاق کی عدت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ ایلاء میں چار مہینے انتظار ضروری ہے۔ جس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید یہ مدت ہی طلاق کی عدت ہو گئی ہو۔ اب فرمایا گیا کہ نہیں۔ عدت علیحدہ گزارنی ہوگی۔ **تیسرا تعلق:** طلاق چند قسم کی ہوتی ہے۔ (1) طلاق بالواسطہ ایلاء۔ (2) طلاق بلاواسطہ۔ (3) طلاق بالخلع۔ پچھلی آیت میں طلاق کی پہلی قسم کا ذکر ہوا۔ اب دوسری کا ذکر ہو رہا ہے اور خلع کا ذکر اگلی آیت میں آتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ایلاء کا ذکر ہوا جو کہ گویا شوہر کی طرف سے بدسلوکی ہے۔ اس آیت میں عورتوں کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ وہ اس بدسلوکی کے عوض کوئی ناجائز کام نہ کریں۔ جیسے اپنا حمل چھپا لو غیرہ۔

شان نزول : حضرت اسماء بنت یزید انصاریہ فرماتی ہیں کہ زمانہ نبوی میں مجھے میرے شوہر نے طلاق دی اور اس وقت تک عدت کے احکام اسلام میں نہ آئے تھے اور زمانہ جاہلیت میں طلاق کی عدت مقرر نہ تھی اس موقعہ میں یہ آیت کریمہ اتری اور سب سے پہلے عدت طلاق انہوں نے ہی گزاری۔ (درمنثور)۔

تفسیر : **والمطلقت** یہ لفظ طلاق سے بنا جس کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے۔ اس میں الف لام عہدی ہے اور اس سے خاص طلاق والی عورتیں مراد ہیں۔ کیونکہ یہ عدت صرف مدخول بہا (جس سے شوہر کی خلوت ہو گئی ہو) غیر حاملہ قابل حیض آزاد عورت کے لئے ہے۔ اگر اتنی شرطیں نہ ہوں تو یہ عدت بھی لازم نہیں نیز اس سے ہر وہ عورت مراد جو نکاح میں آکر نکل جائے۔ خواہ طلاق سے یا مرد کے مرتد ہو جانے سے یا اس طرح کہ عورت اپنے سسر کو بوسہ لے لے یا اس طرح کہ شوہر اپنی ساس سے زنا کر لے غرضیکہ جس طرح بھی نکاح کے بعد جدائی ہو۔ وہ سب اس میں داخل ہیں (احمدی) اسی لئے یہاں مطلقات جمع فرمایا گیا یعنی ہر قسم کے نکاح سے نکلنے والی عورتیں خاوند کی زندگی میں نکاح ختم ہو جانے کی نو صورتیں ہیں۔ طلاق' زوج کا ارتداد' ایلاء'

www.alahazratnetwork.org

لعان' خیار بلوغ' خیار عتق' مرد کا اپنی ساس سے زنا یا دواعی زنا' عورت کا اپنے سسر یا بیٹے وغیرہ سے زنا یا دواعی زنا۔ خلع۔ ان دوان صورتوں میں یہ ہی عدت واجب ہو گی جو یہاں مذکور ہے بشرطیکہ یہ واقعات خلوت صحیحہ کے بعد ہوں بلکہ اگر مرد کے عنین۔ خصی وغیرہ ہونے کی وجہ سے فسخ نکاح کیا گیا اور یہ فسخ بعد خلوت ہوا تب بھی یہ ہی عدت ہے۔ **یتربصن بانفسهن** یہ خبر بمعنی امر ہے تاکہ اس پر ضرور عمل ہو۔ یہ لفظ تربص سے بنا جس کے معنی ہیں انتظار کرنا۔ مگر یہاں اگلی ب کی وجہ سے اس کے معنی ہوئے روکنا۔ انفس' نفس کی جمع ہے بمعنی جان یا ذات۔ یعنی ہر قسم کی طلاق والی عورتیں اپنے آپ کو نکاح ثانی سے روکے رہیں۔ خیال رہے کہ عدت ہمیشہ عورت پر ہوتی ہے۔ مرد پر نہیں کیونکہ عورت کے حاملہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے نہ کہ مرد کے۔ ہاں چند صورتوں پر مرد کو مطلقہ عورت کی عدت کا انتظار کرنا پڑتا ہے کہ اس کی عدت کے دوران دوسری عورت نہیں کر سکتا۔ اگر مرد مطلقہ کی بہن یا خالہ یا پھوپھی یا بھانجی' بھتیجی وغیرہ ان عورتوں سے نکاح کرنا چاہتا ہے جن کا اجتماع نکاح میں درست نہیں یا کسی کی چار بیویاں تھیں ایک کو طلاق دی وہ عدت میں تھی۔ اب پانچویں سے نکاح نہیں کر سکتا کیونکہ عدت بھی "حکماً" نکاح ہے اگر اب اسی حالت میں نکاح کرے تو پانچ بیویاں نکاح میں ہو جائیں گی یا دو بہنیں یہ دونوں کام حرام ہیں۔ **ثلثة قروء** ثلثة سے پہلے وقت یا مدت پوشیدہ ہے اور وہ ہی اس فعل کا ظرف قروء' قرء کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں جمع ہونا اور وقت اور ایک حال سے نکل کر دوسری حالت میں داخل ہونا۔ (کبیر وغیرہ) اصطلاح میں اس کے معنی حیض بھی ہیں اور طہر بھی ہمارے نزدیک یہاں بمعنی حیض ہے۔ اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے نزدیک بمعنی طہر مگر ہمارا مذہب قوی ہے جس کی وجہ انشاء اللہ فوائد میں بیان ہوں گی یعنی طلاق والی عورتیں تین حیض کی مدت اپنے کو دوسرے نکاح سے روکیں۔ اور دوسرے کا پیغام نکاح قبول کرنے سے رکیں نیز عدت کے زمانہ میں بناؤ سنگار کرنے اور خاوند کے گھر سے نکلنے سے رکیں کہ عدت میں یہ تمام کام حرام ہیں عدت کا سارا خرچ طلاق دینے والے مرد پر واجب ہے مطلقہ کسی وقت بھی گھر سے باہر نہ جائے۔ وفات والے کی بیوی دن میں کام کاج کرنے کے لئے جا سکتی ہے مگر رات کو واپس گھر ہی میں آوے گی۔ یوں ہی عدت میں رنگین کپڑے زیور پہننے اور خوشبو ملنے سرمہ لگانے سے باز رہے اس زمانہ میں سوگ واجب ہے یہ تمام مسائل ایک لفظ **یتربصن** سے حاصل ہوئے اس لئے قرآن کریم نے یہاں نکاح کا ذکر نہ کیا کہ اس صورت میں یہ مسائل حاصل نہ ہوتے۔ غرضیکہ یہ کلمہ بہت جامع ہے **ولا یحل لهن ان یکتمن** یحل' حلال بمعنی مباح سے بنا اور یکتمن کتم سے بمعنی چھپانا اور پردہ ڈالنا یعنی طلاق والی عورتوں کو یہ جائز نہیں چھپالیں **ما خلق الله فی ارحامهن**' ما سے مراد حمل اور حیض دونوں ہی ہیں۔ (روح البیان و معانی) ارحام رحم کی جمع بمعنی رحمت و کرم۔ عورت کی بچہ دانی کو اس لئے رحم کہتے ہیں کہ وہ ذریعہ محبت و رحمت ہے کہ اس سے رشتہ داریاں قائم ہیں۔ یہ ہی معنی یہاں مراد ہیں یعنی عورتیں عدت میں جلدی کرنے کی غرض سے اپنے حمل یا حیض کو نہ چھپائیں۔ چونکہ عدت میں عورت کا قول اکثر معتبر ہے اس پر گواہی وغیرہ لازم نہیں اس لئے لا یکتمن میں انہیں سے روئے سخن ہے۔ خیال رہے کہ عدت ان مسائل میں سے ہے۔ جن میں ایک عورت کا قول بھی معتبر ہے۔ رمضان کا چاند عدت' حلالہ وغیرہ میں چونکہ نکاح سے حرام و حلال صحبت کا فرق ہے اور نکاح سے ہی آئندہ نسل وابستہ ہے۔ اگر عورت عدت میں غلط بیانی سے کام لے کر غلط نکاح پڑھوائے تو صحبتیں بھی حرام ہوں گی اور آئندہ نسل بھی خراب ہو گی۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ **ان کن یؤمن بالله والیوم الاخر** یہ لا یحل کی شرط ہے مگر اس سے قید لگانا مقصود نہیں اور اس کا مطلب یہ نہیں کہ مومن عورتیں تو نہ چھپائیں

www.alahazratnetwork.org

اور عیسائی اور یہودی عورتیں چھپالیا کریں بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ چھپانا شان ایمان کے خلاف ہے جیسے کوئی کہے کہ اگر تو مسلمان ہے تو باپ کو مت ایذا دے بعض نے فرمایا کہ اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے اور لا یحل اس کی علت اور مطلب یہ ہے کہ اگر ایماندار ہوں تو نہ چھپائیں۔ کیونکہ یہ حلال نہیں۔ (روح المعانی) غرضیکہ اس سے ڈرانا منظور ہے۔ **وبعولتهن احق** بعولتہن بعولۃ بعل کی جمع ہے جیسے عم کی جمع عمومۃ اور فحل کی جمع فحولۃ ت زائدہ ہے۔ اس کے معنی ہیں سردار، مالک اور وہ درخت کھجور جو بارش سے پرورش پائے۔ بعض نے کہا کہ یہ لفظ بعال سے بنا بمعنی صحبت کرنا۔ چونکہ شوہر عورت کا سردار بھی ہے اور اس کا مالک بھی اور اس کا منتظم اور صحبت کرنے والا بھی۔ لہذا اسے بعل کہا گیا۔ احق اسم تفضیل بمعنی اسم فاعل ہے۔ کیونکہ طلاق رجعی میں رجوع کرنے کا اختیار صرف شوہر ہی کو ہوتا ہے۔ پھر تفضیل کے کیا معنی۔ (روح المعانی) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ احق اپنے ہی معنی میں ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر عورت اپنی عدت کے متعلق غلط خبر دے کر دوسرے سے نکاح کرنا چاہے یا کر لے اور اس کی غلط بیانی کا پتہ چل جائے تو بجائے اس دوسرے شوہر کے پہلا شوہر ہی عورت کا زیادہ حق دار ہے کیونکہ ابھی عدت باقی ہے۔ فی ذلک اس سے یا تو طلاق رجعی میں رجوع کرنا مراد ہے۔ اور یا طلاق بائنہ میں یہ شوہر ہی دوبارہ نکاح کا حقدار ہے۔ کہ اگر وہ پھر نکاح میں لانا چاہے تو عورت کا اخلاقی فرض ہے کہ انکار نہ کرے کیونکہ اس کا تعلق پرانا ہے اور دوسرے سے نیا قائم ہو گا یا یہ مطلب ہے کہ طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجوع کر لینے کا اور طلاق بائنہ میں عورت سے عدت میں دوبارہ نکاح کرنے کا صرف اسی خاوند کو حق ہے کہ یہ عدت کے اندر بھی نکاح کر سکتا ہے۔ دوسرے شخص سے نکاح عدت کے بعد ہی ہو سکے گا مگر یہ طلاق دینے والا رجوع یا دوبارہ نکاح کب کرے جب کہ **ان ارادوا اصلاحا** ارادوا کا فاعل بعول یعنی شوہر ہیں۔ اصلاح سے احسان اور دوستی مراد ہے اور یہ گنہگار نہ ہونے کی شرط ہے نہ کہ رجوع جائز ہونے کی یعنی شوہر رجوع کے حقدار جب ہوں گے جب کہ ان کی نیت عورت کے ساتھ سلوک کرنے کی ہو گی نہ کہ فقط پریشان کرنے اور عدت دراز کرنے جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ کرتے تھے کہ عورت کو طلاق دیکر عدت ختم ہوتے وقت رجوع کر کے پھر طلاق دے دیتے تھے تا کہ عدت دوبارہ شروع ہو اگر اس نیت سے یہ لوگ بھی کریں گے تو سخت گنہگار ہوں گے **ولهن مثل الذى عليهن بالمعروف** لام نفع کا ہے اور علی الزام کا اور ھن سے عورتوں کے حقوق مراد ہیں جو شوہروں کے ذمہ ہیں اور علیہن سے وہ حقوق مراد ہیں جو شوہروں کے ان کے ذمے۔ اور مثل سے نہ تو برابری مراد ہے اور نہ کیفیت حقوق میں تشبیہ مقصود یعنی نہ تو یہ مطلب ہے کہ زوجین کے ایک دوسرے پر حق برابر ہیں کہ ایک مہینہ شوہر بیوی کو کما کر کھلائے اور دوسرے مہینے بیوی شوہر کو اور نہ یہ مطلب ہے کہ جیسے عورت شوہر کی خدمت کرتی ہے ایسے ہی شوہر بھی عورت کی خدمت کیا کرے کہ اس کے لئے کھانا تیار کیا کرے کپڑے دھوئے بلکہ فقط واجب ہونے میں تشبیہ ہے کہ جیسے کچھ حقوق مرد کے عورت پر لازم ہیں۔ ایسے ہی کچھ عورتوں کے بھی مردوں پر لازم ہے۔ کیونکہ یہ بی بی ہے نہ کہ لونڈی۔ لہذا دونوں کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے حق کا لحاظ رکھیں اس کو واضح کرنے کے لئے ارشاد ہوا کہ **وللرجال عليهن درجة** ظاہر یہ ہے کہ رجال سے مراد شوہر ہیں اور علیہن کا مرجع بیویاں۔ کیونکہ زوجین کا ہی ذکر ہو رہا ہے اس صورت میں درجہ سے مراد زیادتی حقوق ہے اور ممکن ہے کہ رجال سے مرد اور علیہن سے عورت مراد ہو۔ اس صورت میں درجہ سے مراد افضلیت ہو گی رجال رجل کی جمع ہے یہ رجل بسکون جیم یا رجلۃ سے بنا بمعنی قوت اسی لئے پاؤں کو رجل کہتے ہیں کہ اس میں چلنے کی قوت ہے اور قوی بات کو کلام مرتجل اور دن چڑھے کو

www.alahazratnetwork.org

ارتجال اشعار کہتے ہیں چونکہ مرد بمقابلہ عورت جسمانی اور عقلی لحاظ سے زیادہ قوی ہے۔ اس لئے اسے رجل کہا جاتا ہے۔ درجۃ کا مادہ درج ہے۔ جس کے معنی لپیٹنا یا سیڑھی۔ لپٹے ہوئے کو مدرج کہا جاتا ہے اصطلاح میں بلندی کو درجہ اور پستی کو درک کہتے ہیں۔ کیونکہ پستی جلدی حاصل ہو جاتی ہے مگر بلندی راستے طے کرکے اور ترقی کے زینے پر چڑھ کر۔ اسی لئے آہستگی کو تدریج اور مہلت دینے کو استدراج کہتے ہیں یعنی شوہروں کے عورتوں پر زیادہ حق ہیں یا مرد عورت پر افضل اور اعلیٰ ہیں۔ انشاء اللہ زوجین کے حقوق اور شوہر کا اعلیٰ ہونا خلاصہ تفسیر میں بیان ہوگا۔ واللہ عزیز حکیم اللہ غالب حکمت والا ہے تو جسے چاہے احکام جاری فرمائے اور جس کو چاہے اعلیٰ اور افضل کرے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: چونکہ مسائل طلاق میں عورتیں اور مرد دونوں ہی بے قاعدگی کرتے تھے اس لئے شریعت نے دونوں پر کچھ پابندیاں لگائیں۔ اور ارشاد فرمایا کہ جو عورتیں شوہر سے جدا ہوں یا طلاق کے ذریعے یا فسخ نکاح سے۔ ان پر لازم ہے کہ اپنے کو تین حیض تک دوسرے نکاح اور زیب و سنگار سے روکے رہیں کہ نہ تو اس زمانہ میں زینت کریں اور نہ کسی سے نکاح اور نہ پیغام و سلام۔ ان عورتوں کو یہ بھی جائز نہیں کہ عدت میں جلدی کے لئے اپنے رحم کی حالت کو چھپائیں کہ اگر حمل ہو تو ظاہر نہ کریں یا گرا دیں یا غلط خبر دے دیں کہ ہمیں تین حیض آگئے۔ اگر وہ اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتی ہوں تو تھوڑے آرام کے لئے عدت چھپانے کا ایسا جرم نہ کریں کیونکہ اس سے دوسرا نکاح درست نہ ہوگا اور بیٹا زنا کا ہو گا اور خیال رہے کہ زمانہ عدت میں مرد رجوع کرنے کے زیادہ حقدار ہیں کہ اگر انہوں نے طلاق رجعی دی ہو تو بغیر عورت کی رضامندی بھی اس سے رجوع کر سکتے ہیں۔ بشرطیکہ اصلاح کی نیت ہو نہ کہ عورت کے نقصان کی ورنہ سخت گنہگار ہوں گے یا طلاق بائنہ کی صورت میں اگر پہلے شوہر دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو بمقابلہ دوسروں کے اس کا وہی زیادہ حقدار ہیں مگر طلاق بائنہ میں یہ خاوند عدت کے اندر بھی دوبارہ نکاح کر سکتا ہے لیکن اگر دوسرے مرد سے نکاح کرنا ہو تو بعد عدت ہی ہو گا کیونکہ دوسرے سے نکاح کی ممانعت اس خاوند کے حق کی وجہ سے تھی۔ یہ بھی خوب سمجھ لو کہ صرف عورتوں پر ہی شوہر کا حق نہیں۔ بلکہ جیسے تمہارے حقوق عورتوں پر ہیں کہ عورتوں کے تم پر کوئی حق نہیں بلکہ جیسے کہ ان پر تمہارے حقوق ہیں۔ ایسے ہی ان کے بھی حقوق تم پر ہیں ہر ایک دوسرے کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔ ہاں مردوں کو عورتوں پر بزرگی بھی ہے اور ان کے حق بھی زیادہ کیونکہ وہ عورت کے افسر ہیں ان کے ذمے بیویوں کی خوراک وغیرہ ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے جیسے کہ عورتیں تمہاری ماتحت ہیں تم بھی رب کے ماتحت ہو اگر تم نے ان پر ظلم کیا تو سزا پاؤ گے۔ امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں بالغہ عورت اپنے نفس کی مختار ہے جہاں چاہے نکاح کرے بشرطیکہ غیر کفو میں نہ کرے۔ یہ مسئلہ یتربصن سے اشارۃً ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ جب عورتیں عدت میں اپنے کو نکاح سے روکیں گی تو بعد عدت وہ ہی اپنا نکاح بھی کریں گی کیونکہ عدت کا گزرنا گزشتہ پابندی کی انتہاء ہوتا ہے تو جس پر پابندی تھی اسی سے یہ پابندی اٹھے گی۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن عورتوں کو اس سے نہ روکو کہ اپنے خاوندوں سے نکاح کر لیں معلوم ہوا کہ عورت اپنا نکاح خود کر سکتی ہے ولی کی اجازت ضروری نہیں۔

شوہر و بیوی کے حقوق: اسلام سے پہلے عرب بلکہ ہندوستان میں بھی عورت محض مال منقولہ کے سمجھی جاتی تھی۔ کہ شوہر فقط اپنی خدمت کے لئے کھانا پکوانے کر ان سے غلاموں کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ بلکہ انہیں جانوروں کی طرح استعمال کرتے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

اسلام نے عورت کو نیچے سے اوپر اٹھایا۔ اس کے حقوق بھی قائم کئے۔ مگر چونکہ بالکل برابری کرنے میں گھر کا انتظام قائم نہیں رہ سکتا۔ ملکی اور خانگی انتظام کے لئے کوئی افسر ضرور چاہئے۔ اگر ملک میں کوئی بادشاہ نہ ہو سب برابر ہوں تو اس کی بربادی یقینی ہے۔ ایسے ہی اگر گھر میں کوئی حاکم نہ ہو سب یکساں ہوں تو گھر کی تباہی لازمی ہے۔ اس لئے مردوں کو عورتوں کا حاکم بنایا۔ کیونکہ مرد میں قوت، شجاعت، عقل وغیرہ زیادہ۔ نیز اس کے ذمہ بیوی کا سارا خرچ بعض حقوق تو مشترک ہیں اور بعض خاص حقوق مشترکہ دو قسم کے ہیں ایک حقوق شرعی جس کا دعویٰ کیا جا سکتا ہے اور جن کے ادا کرنے پر حاکم مجبور کر سکتا ہے دوسرے حقوق اخلاقی کہ جن کا ادا کرنا ضروری مگر ان کا عدالت میں دعویٰ نہیں ہو سکتا۔ عورت کے حقوق شرعی مرد پر چار قسم کے ہیں۔ (1) کھانا کہ جیسا خود کھائے اسے بھی کھلائے۔ (2) کپڑا کہ جیسا خود پہنے اسے بھی پہنائے اور حسب حیثیت اسے آرام میں رکھے۔ (3) مکان کہ حسب حیثیت اسے رہنے کے لئے جگہ دے۔ (4) مجامعت۔ خیال رہے کہ عمر میں ایک بار مجامعت کرنا سخت ضروری ہے کہ اگر نہ کرے تو عورت کو طلاق لینے کا حق حاصل ہے۔ اسی لئے نامرد کی بیوی حاکم کے ذریعہ طلاق حاصل کر سکتی ہے اور ہر چار مہینے میں کم سے کم ایک دفعہ مجامعت کرنا بھی ضروری ہے۔ جیساکہ ہم پچھلی آیت میں عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بیان کر چکے۔ تفسیر درمنثور میں ہے کہ ایک عورت نے اپنے شوہر کی بے توجہی کی شکایت کی شوہر نے عرض کیا کہ میں اس کے حقوق زوجیت ادا کرتا ہوں عورت نے عرض کیا کہ مہینے میں صرف ایک بار آپ نے مرد کو تنبیہ نہ کی بلکہ ان کے لئے دعائے محبت فرمائی۔ جس کی برکت سے ان میں بہت محبت پیدا ہو گئی ہاں ہر ہفتہ میں ایک بار صحبت ضروری ہے۔ جمعہ کی شب میں زیادہ افضل۔ حدیث شریف میں ہے کہ جمعہ کی شب جماع کرنے والے کو دو ثواب ملتے ہیں اپنے غسل کا اور عورت کے غسل کا بھی (درمنثور) ایسے ہی مرد کے بھی عورت پر کچھ حقوق ہیں۔ جس کے ادا نہ کرنے پر مرد عورت کا خرچہ بند کر سکتا ہے۔ (1) عورت کو ضروری ہے کہ مرد کو اپنے پر قابو دے بشرطیکہ کوئی شرعی خرابی حیض وغیرہ نہ ہو۔ (2) عورت کو لازم ہے کہ شوہر کی بے اجازت اس کے گھر سے نہ جائے۔ (3) عورت کو لازم ہے کہ شوہر کے گھر میں اسے نہ آنے دے جس کے آنے سے شوہر ناراض ہے۔ یہ حقوق شرعی تھے رہے حقوق اخلاقی وہ بے شمار ہیں عورت مرد کے لئے کھانا تیار کرے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر غیر خدا کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو میں عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس کے گھر کو آراستہ رکھے۔ اس کی رضا کے لئے بناؤ سنگار کرے اس کی بغیر اجازت نفلی روزے اور نفلی نماز میں مشغول نہ ہو۔ غرضیکہ اس کی ہو کر رہے مرد کے لئے ضروری ہے کہ بیماری میں اس کا علاج کرائے۔ کبھی کبھی اس کو میکے والوں سے ملاتا رہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے اچھا لباس پہنتا ہوں کہ جب میلے کپڑے میں وہ مجھے بری معلوم ہوتی ہے تو میں اسے کب اچھا معلوم ہوں گا۔ اور آپ نے یہ ہی آیت پڑھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر تم قیامت میں مجھ سے قرب چاہتے ہو تو اپنی بیویوں کو راضی رکھو۔ بلکہ عورت کی خوشنودی کے لئے اس کے میکے والوں بلکہ اس کی سہیلیوں سے بھی سلوک کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت خدیجہ کی وفات کے بعد ان کی طرف سے قربانی کرتے جس کا گوشت حضرت خدیجہ کی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تھے لہذا مرد کو چاہئے کہ بیوی کے انتقال کے بعد تیجہ، دسواں، چالیسواں برسی صدقہ وغیرہ اس کے ایصال ثواب کے لئے کرے۔ یہ بھی بہتر ہے کہ زندگی میں اپنی بیوی کو جن عورتوں سے محبت و میل ہو وہ فاتحہ کا کھانا انہیں بھیجے۔ اسے بعد موت اچھائی سے یاد کرے اس کے لئے دعاء مغفرت کرے اس کے ماں باپ و اہل قرابت کا ہمیشہ احترام کرے جبکہ حضور نے

www.alahazratnetwork.org

حضرت خدیجہ کی سہیلیوں سے یہ سلوک کیا تو بیوی کے ماں باپ و اہل قرابت تو زیادہ سلوک کے حقدار ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ہر ایک دونوں کو خوش رکھنے کی انتہائی جائز کوشش کریں۔

مرد کی فضیلت : مرد عورت سے بہت افضل ہے چند وجوں سے۔ (1) مرد ہمیشہ نماز و روزہ ادا کر سکتا ہے۔ عورت زمانہ حیض و نفاس میں ان سے مجبور۔ (2) مرد پر جہاد فرض ہے عورت پر بجز سخت ضرورت کے فرض نہیں۔ (3) مرد میراث میں عورت سے دگنے حصہ کا حقدار ہے۔ (4) مرد چار بیبیاں رکھ سکتا ہے۔ (5) دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر۔ (6) بعض مقدمات میں عورتوں کی گواہی بالکل قبول نہیں۔ جیسے شرعی سزاؤں رجم وغیرہ کا مقدمہ۔ (7) مرد اکیلا سفر حج کر سکتا ہے۔ عورت بغیر محرم کے نہیں کر سکتی۔ (8) نبوت' امامت' سلطنت' گھوڑے کی سواری مرد ہی کے لئے خاص ہے۔ (9) مرد کے ذمہ عورت کا سارا خرچ ہے عورت کے ذمہ مرد کا خرچ نہیں۔ (10) مرد کی بغیر اجازت عورت گھر سے باہر نہیں جا سکتی۔ مرد پر یہ پابندی نہیں۔ (11) مرد عقل میں کامل عورت ناقص اسی لئے اسے ناقص العقل کہتے ہیں۔ (12) مرد پر مہر لازم عورت پر نہیں۔ مرد کو طلاق دینے کا حق ہے نہ کہ عورت کو۔ یہ تو مرد کی شرعی افضلیت تھی۔ مرد کو تکوینی افضلیت بھی حاصل ہے کیونکہ عورت کی پیدائش مرد سے ہوئی نہ کہ مرد کی عورت سے چنانچہ حضرت حواء جناب آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں۔ حضرت آدم بی بی حوا سے پیدا نہ ہوئے۔ نیز قدرتی طور پر عورت کو ایسے عوارض رہتے ہیں جس سے وہ انتظامی کام بخوبی انجام نہیں دے سکتی۔ چنانچہ حیض و نفاس میں نہ اس کی جسمانی حالت درست ہوتی ہے نہ دماغی حالت ٹھیک مرد ہمیشہ ان عوارض سے پاک و صاف۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عدت طلاق میں سوگ ضروری ہے جیسا کہ بانفسھن سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** عدت میں نکاح کسی قدر قائم رہتا ہے اگر طلاق غلیظہ نہ ہو اسی لئے طلاق دینے والے کو بعولہ یعنی عورت کا شوہر کہا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** طلاق کی عدت حیض سے ہے نہ کہ طہر سے چند وجہ سے۔ (1) عبداللہ ابن عباس' مجاہد' حسن' عکرمہ' عمرو ابن دینار' امام اوزاعی' ابن ابی لیلیٰ' ابن شبرمہ' سفیان ثوری کا یہی مذہب ہے۔ (کبیر و معانی)۔ (2) لفظ قروء اگرچہ اس کے معنی حیض بھی ہیں اور طہر بھی مگر شریعت میں اس کا اکثر استعمال حیض کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں ہے **دعی الصلوۃ ایام اقرائک** یعنی تم اپنے زمانہ حیض میں نماز چھوڑ دو۔ (کبیر)۔ (3) آیت میں تین قروء انتظار کرنے کا حکم ہے۔ اگر اس سے طہر مراد ہوں۔ تو کبھی پورے نہیں ہو سکتے کیونکہ جس طہر میں طلاق واقع ہوگی وہ پورا عدت میں نہ آئے گا مگر حیض پورے تین ہوں گے۔ طلاق طہر میں ہوتی ہے نہ کہ حیض میں۔ (4) حیض نہ آنے کی صورت میں عدت تین ماہ ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے **والیء یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر** جس سے معلوم ہوا کہ تین مہینے تین حیض کے قائم مقام ہیں نہ کہ تین طہر کے لہذا عدت حیض ہی سے ہے۔ (5) حدیث شریف میں ہے طلاق الامۃ تطلیقتان و عدتھا حیضتان (کبیر) اس سے معلوم ہوا کہ لونڈی کی عدت حیض سے ہے۔ تو حرہ کی بھی یہ ہی عدت چاہئے۔ (6) عدت سے مقصود ہے رحم کی صفائی معلوم کرنا کہ عورت حاملہ ہے یا نہیں اور حمل کا پتہ حیض سے ہی لگتا ہے نہ کہ طہر سے۔ (7) قیدی کافرہ عورتوں کی عدت فقط ایک حیض ہے کہ اس سے اس کا حاملہ ہونا یا نہ ہونا معلوم ہوتا ہے تو چاہئے کہ طلاق والی کی عدت بھی حیض ہی سے ہو۔ (8) قروء کے لفظی معنی ہیں جمع ہونا اور ظاہر ہے کہ خون ہی رحم میں جمع ہوتا ہے اور وہ

www.alahazratnetwork.org

ہی نکلتا ہے پس حیض ہی کو لغوی معنی سے زیادہ قرب ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حمل اور حیض اور عدت کے متعلق عورت کی بات مانی جائے گی۔ کیونکہ یہاں عورت ہی کو حکم دیا کہ وہ اپنی حالت نہ چھپائے۔ (روح البیان)۔

مسئلہ : مطلقہ عورتیں چند قسم کی ہیں اور ان کی عدتیں علیحدہ۔ (۱) جس کو خلوت سے پہلے طلاق دے دی جائے۔ اس پر عدت واجب نہیں۔ (قرآن شریف) رب فرماتا ہے **اذا نکحتم المؤمنت ثم طلقتموھن من قبل ان تمسوھن فما لکم علیھن من عدۃ تعتدونھا**۔ (2) حاملہ کی عدت بچہ کی پیدائش ہے۔ رب فرماتا ہے **واولات الاحمال اجلھن ان یضعن حملھن** حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے حمل جن دیں۔ (3) چھوٹی بچی یا بوڑھی عورت جسے حیض نہ آتا ہو اس کی عدت تین مہینے ہے۔ رب فرماتا ہے **والیٔ یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلثۃ اشھر والئی لم یحضن** لونڈی منکوحہ کی عدت دو حیض ہیں۔ آزاد بیوی جو قابل حیض ہو' حاملہ بھی نہ ہو' اسے طلاق بھی خلوت کے بعد دی گئی ہو۔ اس کی عدت تین حیض ہیں اسی کا ذکر یہاں ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی اجازت شرط نہیں بلکہ وہ اپنا نکاح خود کر سکتی ہے۔ یہاں عورت ہی کو حکم ہے کہ وہ اپنے کو دوسرے نکاح سے روکے۔ اگر ولی نکاح کا ذمہ دار ہوتا تو یہاں اسی کو حکم ہوتا کہ تم عورتوں کو نکاح سے روکو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد کو عورت پر فضیلت ہے تو چاہئے کہ ہم مرد حضرت فاطمہ زہرا و عائشہ صدیقہ سے افضل ہوں حالانکہ یہ غلط ہے کہ ہم کو ان کے قدم کی خاک سے کوئی نسبت نہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں رجال سے مراد خاوند ہیں نہ کہ عام مرد یعنی خاوند کو بیوی پر فوقیت ہے اور واقعی حضرت علی کو جناب فاطمہ پر فوقیت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام ازواج پاک پر بہت ہی افضلیت ہے۔ دوسرے یہ کہ الرجال میں الف لام جنسی ہے جس سے اس کی جمعیت باطل ہو گئی اور معنی یہ ہوئے کہ جنس مرد یعنی حقیقت مرد حقیقت عورت سے افضل ہے نہ کہ تمام مرد۔ تمام عورتوں سے جیسے کہا جاتا ہے کہ انسان اشرف المخلوق ہے یعنی جنس انسان دوسری جنس سے افضل نہ کہ افراد افراد سے لہٰذا لازم یہ نہیں آتا کہ ابو جہل حضرت جبریل سے افضل ہو۔ **دوسرا اعتراض:** **یتربصن** جملہ خبریہ ہے یہاں جملہ انشائیہ یعنی امر کیوں نہ فرمایا گیا؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جلد عمل کرانے کے لئے امر کے موقعہ پر خبر بول دیتے ہیں گویا یہ کام یقینی ہونے کی وجہ سے ہو ہی چکا جس کی اب خبر دی جا رہی ہے۔ جیسے کہتے ہیں رحمک اللہ یا لعنہ اللہ یہاں بھی بجائے امر کے خبر استعمال ہوئی۔ دوسرے یہ کہ اگر یہاں امر فرمایا جاتا تو مطلب یہ ہوتا کہ طلاق والی عورتیں ارادہ سے تین حیض کا انتظار کریں اور خبر میں ارادہ بلکہ خبر کی بھی قید نہ رہی لہٰذا اگر عورت کو بہت عرصہ کے بعد طلاق کی خبر ہوئی تو اس کی عدت بے خبری میں گزر گئی۔ کیونکہ امر پر عمل بغیر خبر و ارادہ نہیں ہو سکتا اور جملہ خبریہ میں نہ ارادہ ضروری نہ خبر۔ (کبیر) **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق کی عدت تین طہر ہوں نہ کہ حیض کیونکہ یہاں ثلثۃ 'ت' کے ساتھ فرمایا گیا اور عربی قاعدہ ہے کہ تین سے نو تک کا عدد خلاف قیاس مذکر کے لئے مؤنث اور مؤنث کے لئے مذکر آتا ہے۔ اور حیض مؤنث ہے اور طہر مذکر لہٰذا اگر قرء سے حیض مراد ہوتا تو "ثلث قروء" بغیر ت کے فرمایا جاتا معلوم ہوا کہ یہاں طہر مراد ہے۔ (شافعی)۔ **جواب:** حیض اگرچہ مؤنث ہے مگر لفظ قروء مذکر اور عربی میں الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ معنی کا جیسے کہ **طلحتہ** اگرچہ مرد کا نام ہے مگر چونکہ لفظ مؤنث ہے

www.alahazratnetwork.org

لہٰذا غیر منصرف ہوا تانیث اور علم کی وجہ سے۔ چوتھا اعتراض: دوسری جگہ ارشاد ہوا فطلقوھن لعدتھن یعنی تم عورتوں کو ان کی عدت میں طلاق دو۔ اور یہ سب مانتے ہیں کہ حیض میں طلاق دینا حرام صرف طہر وقت طلاق ہے۔ اور قرآن کریم میں اسی کو وقت عدت فرمایا لہٰذا عدت طہر سے ہونی چاہئے۔ گویا طلاق اور عدت کا وقت ایک ہے اور طلاق کا وقت تو طہر ہی ہے۔ پس عدت کا وقت بھی طہر ہی ہوا۔ نیز حدیث شریف میں ہے فتلک العدۃ التی امر اللہ تعالٰی ان یطلق لھا النساء (مسلم، بخاری) یہاں بھی قرآن کی طرح طہر کو ہی عدت فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے اقم الصلوۃ لدلوک الشمس نیز فرمایا اقم الصلوۃ لذکری جیسے کہ یہاں لام وقت کا ہے یعنی نماز پڑھو سورج ڈھلنے کے وقت۔ ایسے ہی اس آیت میں بھی لام وقت کا ہے۔ یعنی طلاق دو عدت کے وقت۔ (شافعی) جواب: لعدتھن' ان یطلق لھا النساء میں لام توقیت ہو سکتا ہی نہیں بلکہ لام علت کا ہے اور معنی یہ ہیں کہ ان کی عدت کی وجہ یا عدت کا لحاظ رکھتے ہوئے انہیں طلاق دو۔ کیونکہ طلاق عدت میں نہیں ہوتی عدت سے پہلے ہوتی ہے اور عدت بعد میں شروع ہوتی ہے۔ اور اگر توقیت مان بھی لیا جائے تو بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ وقت دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جس میں شی واقع ہو۔ جیسے کتبتہ لغرۃ کذا میں نے شروع چاند میں لکھا دوسرے وہ جس سے متصل کوئی شی واقع ہو۔ کچھ آگے ہو یا پیچھے۔ جیسے ذھبت للیلۃ خلت یا ذھبت للیلۃ بقیت یعنی میں گزری ہوئی رات یا آئندہ رات کے متصل گیا۔ جیسے ان دو عبارتوں میں خلت اور بقیت نے بتایا کہ جانا اس رات میں نہ ہوا بلکہ رات کے متصل۔ ایسے ہی یہاں طلاق نے بتایا کہ عدت طہر نہیں بلکہ طہر سے متصل یعنی حیض ہے۔ کیونکہ طلاق عدت میں ہوتی ہی نہیں۔ بلکہ عدت سے پہلے ہوتی ہے۔ (روح المعانی) یہ نہایت نفیس جواب ہے اس پر غور لازم ہے۔ احناف کے دلائل تو نہایت واضح اور ظاہر ہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے مگر دلائل میں اشارات سے کام لیا گیا اور یقیناً اشارات سے ظاہر دلائل قوی ہوتے ہیں۔ پانچواں اعتراض: مثل الذی علیھن سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت کے حقوق برابر ہیں حالانکہ مرد کے حقوق بہت زیادہ ہیں عورت خادمہ ہے مرد مخدوم۔ جواب: مثل کے معنی برابری نہیں بلکہ مشابہت ہیں یعنی تمہارے حقوق کی طرح ان بیویوں کے بھی تم پر حقوق ویسے ہی اسی طرح کے ہیں جیسے تمہارے ان پر کہ بعض حقوق کی بازپرس تم سے قیامت میں ہوگی اور بعض کی پکڑ قاضی کے ہاں بھی ہو سکتی ہے غرضیکہ مثلیت اور چیز ہے برابری کچھ اور۔ چھٹا اعتراض: مرد کو عورت پر افضل کیوں قرار دیا گیا دونوں کو برابر کیوں نہ رکھا گیا جب عورت نسل اور زندگی کے کاموں میں مرد کی برابر کی شریک ہے تو اس کا درجہ بھی اس کے برابر چاہئے تھا۔ جواب: اس لئے کہ حاکم اعلیٰ ایک ہی ہونا چاہئے۔ آسمان پر سورج ایک درخت کی جڑ ایک انسان کا دل ایک ملک کا بادشاہ ایک تو چاہئے کہ گھر کا حاکم اعلیٰ بھی ایک۔ اس لئے ایک خاوند چار بیویاں کر سکتا ہے مگر عورت چار خاوند نہیں کر سکتی۔ ایک بادشاہ کے چار وزیر ہو سکتے ہیں مگر ایک وزیر کے چار بادشاہ نہیں ہو سکتے۔ ہاتھ میں انگلیاں چار ہیں مگر انگوٹھا ایک۔

تفسیر صوفیانہ: عورت پر شوہر کا حق صحبت ادا کرنے کے لئے عدت لازم کی گئی کہ اگر شوہر نے غلطی سے ہی طلاق دی ہو مگر چونکہ بیوی نے اتنا زمانہ اس کے ساتھ گزارا اب رشتہ ٹوٹ جانے پر دوسری جگہ رشتہ قائم کرنے کی جلدی نہ کرے بلکہ کچھ دن صبر کرکے اظہار غم کرے اس میں ادھر اشارہ ہے کہ بندہ عہد عبودیت پورا کرنے میں پوری کوشش کرے۔ اگر کبھی رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کی نعمتیں رک جائیں تو فوراً کسی اور دروازہ پر نہ پہنچے بلکہ صبر سے کام لے اور رو کر آنکھوں سے آنسو بہا کر رب کو راضی کرے ندامت کے ہاتھ سے توبہ کا دروازہ بجائے اور رب تعالیٰ سے رجوع کی درخواست کرے۔ دیکھو رب خالق و قادر ہے اور بندہ مخلوق و مجبور مگر رب تعالیٰ اس کے گناہ پر فوراً پکڑ نہیں فرماتا۔ بلکہ بہت مہلت دیتا ہے۔ جب وہ خالق و مالک ہو کر جلدی نہیں فرماتا تو ہم اس کے بندے ہو کر جلدی کیوں کریں یقیناً رشتہ نکاح سے تعلق عبدیت کہیں بڑھ چڑھ کر ہے۔ مولیٰ پکار رہا ہے کہ اے دروازے بجانے والو اپنی حرص کو چھوڑو اور ہم سے نجات مانگو جو صبح و شام ہمارے دروازے پر آتا ہے ہم اسے نہیں نکالتے۔ (روح البیان) اسی طرح شیخ کامل اور دینی استاذ کے حقوق کا بھی لحاظ رکھے کہ ان کی بے توجہی پر فوراً ان سے بددل نہ ہو جائے۔ اور کسی اور پیر کا طالب نہ ہو۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ

طلاق دو دفعہ ہے پھر روکنا ہے ساتھ بھلائی کے یا چھوڑنا ہے ساتھ احسان کے۔ اور نہیں حلال ہے

یہ طلاق دو بار تک ہے پھر بھلائی کے ساتھ روک لینا یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔ اور تمہیں روا نہیں کہ جو

لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا

واسطے تمہارے یہ کہ لو تم اس میں سے جو دیا تم نے ان کو کچھ بھی مگر یہ کہ ڈریں وہ دونوں یہ کہ نہ قائم رکھیں

کچھ عورتوں کو دیا اس میں سے کچھ واپس لو مگر جب دونوں کو اندیشہ ہو کہ اللہ کی حدیں قائم نہ کریں

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا

حدود اللہ کی۔ خوف کرو تم یہ کہ نہ قائم رکھیں حدوں کو اللہ کی پس نہیں ہے گناہ ان دونوں پر بیچ

گے۔ پھر اگر تمہیں خوف ہو کہ وہ دونوں ٹھیک انہی حدوں پر نہ رہیں گے تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس میں جو بدلہ

فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا وَمَنْ يَّتَعَدَّ

اس کے کہ فدیہ دے عورت اس کا یہ حدیں ہیں اللہ کی پس نہ آگے بڑھو ان سے۔ اور جو آگے بڑھے

دے کر عورت چھٹی لے یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے آگے نہ بڑھو۔ اور جو اللہ کی حدوں سے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

حدوں سے اللہ کی پس یہ لوگ وہ ہی ظالم ہیں ❖

آگے بڑھے تو وہی ظالم لوگ ہیں ❖

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: طلاق کی چند قسمیں ہیں جن میں سے ایلاء اور طلاق رجعی کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ اب طلاق رجعی کی حد اور خلع کا بیان ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں طلاق رجعی کے کچھ احکام بیان ہوئے اب اس کے کچھ بقیہ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ طلاق

www.alahazratnetwork.org

رجعی میں شوہروں کو رجوع کرنے کا حق ہے اب طلاق رجعی کی حد بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق والی عورتوں کے احکام بیان ہوئے اب طلاق دینے کا طریقہ اور مرد کو کچھ ہدایتیں فرمائی جا رہی ہیں خلاصہ یہ کہ طلاق کا تعلق عورت سے بھی ہوتا ہے مرد سے بھی۔ عورت کے متعلق احکام پہلے بیان ہو چکے مرد کو ہدایتیں اب دی جا رہی ہیں۔

شان نزول: زمانہ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی بیوی کو پریشان کرنے کے لئے طلاق دے دیتے اور جب عدت قریب ختم ہوتی تو رجوع کر لیتے اس رجعت کی کوئی انتہا نہ تھی خواہ وہ عمر بھر بھی صدہا طلاقیں دیتے رہیں اور رجوع کرتے رہیں۔ چنانچہ ایک عورت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اس کے شوہر نے کہا ہے کہ میں تجھ کو طلاق دیتا اور رجوع کرتا رہوں گا کہ ہر بار جب عدت گزرنے کے قریب ہو گی رجوع کر لوں گا۔ حضرت عائشہ صدیقہ یہ سن کر خاموش ہو رہیں پھر حضور علیہ السلام سے اسکے متعلق عرض کیا۔ تب اس آیت کا پہلا جملہ باحسان تک نازل ہوا۔ (درمنثور و کبیر و خزائن)۔ (2) جمیلہ بنت عبد اللہ ابن ابی حضرت ثابت ابن قیس کے نکاح میں تھیں اور اپنے شوہر سے سخت نفرت کرتی تھیں ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان کی شکایت لائیں اور کسی طرح بھی ان کے پاس جانے پر راضی نہ ہوئیں۔ تب حضرت ثابت کو بلا کر یہ سب واقعہ کہا گیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میں نے ان کو ایک باغ دیا ہے اگر یہ میرے پاس نہیں رہنا چاہتیں اور مجھ سے علیحدگی ہی چاہتی ہیں تو وہ باغ مجھ کو واپس کر دیں میں انہیں آزاد کر دوں جمیلہ نے کہا کہ مجھے منظور ہے بلکہ کچھ اور زیادہ بھی دوں گی۔ تب اس آیت کا پچھلا جملہ ولا یحل سے آخر تک اترا۔ آپ نے فرمایا کہ زیادتی کی ضرورت نہیں۔ صرف ان کا باغ ہی واپس کر دو۔ چنانچہ انہوں نے باغ واپس کیا اور حضرت ثابت نے طلاق دے دی۔ اس طلاق کو خلع کہتے ہیں۔ (خزائن و روح البیان و درمنثور وغیرہ) اسلام میں یہ پہلا خلع ہوا ابو داؤد شریف کتاب الطلاق باب الخلع میں ان بی بی صاحبہ کا نام حبیبہ بنت سہل بتایا اور فرمایا کہ ان کے شوہر ثابت ابن قیس نے ایسا مارا کہ ان کی ہڈی ٹوٹ گئی تب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر طلاق کی طالبہ ہوئیں۔ واللہ اعلم۔

تفسیر: **الطلاق مرتن** الطلاق میں الف لام عہدی ہے اور اس سے یا تو اس طلاق رجعی کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر پچھلی آیت میں اشارۃً ہو چکا احق بردھن میں۔ اس صورت میں مرتن سے دو بار مراد ہیں اور اس سے طلاق رجعی کی حد بتانا مقصود اور اس کا تعلق پچھلی آیت سے ہے یعنی وہ طلاق رجعی جس میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ وہ دو ہیں کہ تیسری کے بعد طلاق مغلظہ ہو جاتی ہے اور شوہر کو رجوع کرنے کا حق حاصل نہیں رہتا۔ یہ ہی معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ یہ آیت طلاق رجعی کے احکام کے بعد ہے چاہئے کہ رجعی کی حد بتائے۔ اس ہی پر اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ ہے۔ اس صورت میں طلاق عورت کی صفت ہے۔ طلاق مصدر معروف مرد کا کام ہے اور مصدر مجہول عورت کی صفت یعنی طلاق دینا مرد کا کام ہے اور طلاق پانا عورت کا حال مگر طلاق بمعنی حاصل مصدر یہ عورتوں ہی کی صفت ہے یہ بھی احتمال ہے کہ اس الف لام سے طلاق شرعی کی طرف اشارہ ہو۔ اور طلاق سے طلاق دینا مراد جو مرد کا کام ہے کیونکہ آگے امساک اور تسریح کا ذکر ہے اور وہ دونوں بھی مصدر ہی ہیں۔ اس صورت میں مرتن سے مراد بار بار ہو گا جیسے **فارجع البصر** کرتین اور طلاق بمعنی تطلیق ہو گا جیسے اسلام بمعنی تسلیم۔ یعنی طلاق شرعی علیحدہ علیحدہ دینا ہے نہ کہ ایک دم دو تین یہ بھی خبر بمعنی امر ہے **فامساک بمعروف** امساک مسک

www.alahazratnetwork.org

سے بنا بمعنی روکنا طلاق کا مقابل۔ اسی لئے بخیل کو مسک کہتے ہیں کہ وہ مال روکتا ہے یا بمعنی حفاظت کرنا اسی لئے عقل و قوت کو مسکہ اور عقد و بلور کو ذو مسکہ یا میک کہا جاتا ہے کہ عقل برائیوں سے اور قوت ذلت سے روکتی ہے معروف سے اچھے تعلقات اور نیک سلوک مراد ہے۔ یعنی دو طلاقوں کے بعد تک یا تو بغرض اصلاح نہ کہ بنیت نقصان ان کو روکنا جائز ہے اور **تسریح باحسان** تسریح سرح سے بنا بمعنی آزاد چھوڑنا اور علیحدہ کرنا اسی لئے بالوں میں کنگھی کرنے کو تسریح الشعر (بال سلجھانا) اور جانور کو چرنے کے لئے چھوڑنے کو تسریح کہا جاتا ہے۔ (**حین تسرحون**) احسان سے عورت کا مہر اور حقوق عدت ادا کرنا اور اس کی غیبت نہ کرنا مراد ہے یعنی دو طلاق تک مردوں کو دو حق حاصل ہیں۔ بقصد اصلاح انہیں روک لینا اور طلاق سے رجوع کر لینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا۔ خیال رہے کہ یہاں چھوڑنے سے یا تو تیسری طلاق دینا مراد ہے۔ اس صورت میں **فان طلقها** اس کا بیان ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ یا چھوڑنے سے رجوع نہ کرنا مراد یہاں تک کہ عدت گزر جائے (کبیر) اب تک طلاق بلا عوض کا ذکر ہوا۔ اب طلاق بعوض مال کا ذکر ہے فرمایا گیا **ولا یحل لکم** اس میں یا تو شوہروں سے خطاب ہے کیونکہ آگے مال لینے کا ذکر ہے اور شوہر ہی مال لیتا ہے اور یا حکام سے خطاب ہے کہ آگے **فان خفتم** میں حکام ہی سے خطاب ہے **ان تاخذوا مما اتیتموهن شیئا** اگر یہ حکام سے خطاب ہے تو لینے سے مراد قبضہ کرنا ہوگا اور اگر شوہروں سے خطاب ہے تو بطور ملکیت لینا مراد۔ اتیتم میں یا تو مہر مراد ہے یا ہر دی ہوئی چیز یعنی اے حاکموں تمہیں یہ جائز نہیں کہ جو تم نے مہر وغیرہ شوہروں سے بیویوں کو دلوائے ہیں وہ طلاق کے وقت ان سے واپس لے کر شوہروں کو دلوادو یا اے شوہرو تمہیں یہ حلال نہیں کہ تم نے جو کچھ مہر وغیرہ عورتوں کو دیئے ہیں ان سے کچھ بھی واپس لو۔ **الا ان یخافا الا یقیما حدود الله** یہاں شوہر اور بیوی ہی مراد ہیں اگر خطاب شوہروں سے ہو رہا ہے تب تو غائب صیغہ لانے میں التفات ہے اور اگر حاکموں سے خطاب ہے تو بالکل ظاہر **یخافا** میں بطریقہ منع غلو دونوں داخل ہیں۔ حدود اللہ سے وہ شرعی حقوق مراد ہیں جو شوہروں کے بیوی پر اور بیوی کے شوہر پر ہیں اور حدود قائم کرنے سے حقوق کا ادا کرنا مراد یعنی اس صورت میں مہر وغیرہ کی واپسی جائز ہے جب کہ میاں بیوی دونوں کو یا صرف بیوی کو یا شوہر کو یہ اندیشہ ہو کہ یہ دونوں یا ان میں سے کوئی شرعی حقوق ادا نہ کریں گے غرضیکہ خاوند بیوی کے جھگڑے میں حتی الامکان ان میں صلح کرانے کی کوشش کرو یہ بہت ہی ثواب ہے حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها** دو طرف کے بیچ بیچ میں پڑ کر صلح کرادیں لیکن صلح کی کوئی صورت ہی نہ ہو تو اس صورت میں **فلا جناح علیهما فیما افتدت به** لا جناح کہنے سے مطلقاً گناہ کی نفی فرمائی گئی۔ **علیهما** فرما کر بتایا کہ نہ عورت مال دینے میں گنہگار اور نہ مرد لینے میں۔ **افتدت**۔ فدیہ سے بنا بمعنی جانی معاوضہ یعنی جو کچھ مال بطور فدیہ عورت شوہر کو دے کر اپنی جان چھڑا لے۔ تو اس میں زوجین میں سے کسی پر کچھ گناہ نہیں **تلک حدود الله** تلک سے طلاق رجعت، خلع وغیرہ سارے ہی مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے۔ حدود جمع حد کی ہے۔ بمعنی روکنے والی چیز کنارہ کو اسی لئے حد کہتے ہیں کہ وہ آگے بڑھنے سے روکتا ہے تلوار کی دھار اور شرعی سزاؤں کو بھی اس لئے حد کہا جاتا ہے کہ وہ سرکشی سے روکتی ہیں یعنی وہ قوانین اللہ کی مقرر کی ہوئیں حدیں ہیں۔ **فلا تعتدوها** اس میں یا تو میاں بیویوں سے ہی خطاب ہے یا سارے مسلمانوں سے یعنی اے مسلمانوں تم ان حدوں سے آگے نہ بڑھو **من یتعد حدود الله** اور جو کوئی بھی اللہ کی حدوں سے آگے بڑھے گا

www.alahazratnetwork.org

خواہ شوہر ہو یا بیوی یا حاکم یا عامۃ المسلمین فاولئک ھم الظلمون ھم سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی حد سے بڑھنے والے ہی ظالم ہیں نہ کہ حدود کے اندر رہنے والے۔

خلاصہ تفسیر : طلاق رجعی جس میں مرد کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ دو طلاقیں ہیں پھر یا تو مرد بھلائی کے ساتھ عورت کو روک لے کہ رجوع کرلے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دے یا تیسری طلاق دیکر یا رجوع نہ کرکے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ شرعی طلاق الگ الگ دو دفعہ طلاق دینا ہے نہ کہ ایک ساتھ اس کے بعد مرد کو دو حق ہیں بھلائی سے روکنا اور احسان سے چھوڑنا کہ تنگ کرنے کے واسطے نہ روکے اور چھوڑتے وقت عورت کے سارے حقوق ادا کردے۔ پھر اس کے عیوب بیان نہ کرے نہ عورت مرد کے عیوب کا اعلان کرتی پھرے بلکہ دونوں ایک دوسرے کے عیوب چھپائیں۔ رب نے عورت و مرد کے متعلق فرمایا ھن لباس لکم وانتم لباس لھن بیویاں تمہارا لباس یعنی عیب پوش ہیں اور تم ان کے لباس عیب پوش ہو یہ صفت بہر حال رہنی چاہئے اگرچہ اب نکاح ختم ہو گیا مگر اتنے روز ساتھ رہنے کا حق یہ ہی ہے کہ دونوں میں سے کوئی کسی کی پردہ دری نہ کرے۔ اور اے شوہرو! تمہیں یہ جائز نہیں کہ تم عورتوں سے مہر وغیرہ دی ہوئی چیز واپس کرلو۔ ہاں جب یہ خوف ہو کہ میاں بیوی آپس کے شرعی حقوق ادا نہ کرسکیں گے۔ اس صورت میں خلع کرنے پر کوئی گناہ نہیں جس کی صورت یہ ہے کہ عورت شوہر کو بطور فدیہ کچھ مال دے کر طلاق حاصل کرلے۔ اس طرح کہ عورت تو مرد کو مال دے اور مرد عورت کو طلاق دے۔ یہ بھی آپس کے تصفیہ سے ہو گا یہ مطلب نہیں کہ خلع میں عورت نے مال دے دیا خاوند راضی ہو یا نہ ہو طلاق ہو گئی یا عورت نے خود اپنے پر طلاق واقع کرلی جیسے آج بعض نادانوں نے سمجھا ہے کہ روپیہ عدالت میں داخل کردیا اور طلاق ہو گئی۔ معاذ اللہ۔ نہ یہ مال دینا گناہ اور نہ شوہر کو لینا گناہ۔ یہ اللہ کی قائم فرمائی ہوئی حدیں ہیں۔ ان کے اندر رہو آگے نہ بڑھو۔ جو لوگ اللہ کی حدوں کو توڑ کر آگے نکل جاتے ہیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اپنی مطلقہ بیوی کی غیبت نہ کرے اور نہ اس کے ظاہری یا پوشیدہ عیب ظاہر کرے۔ بعض لوگ طلاق نامے میں طلاق دینے کی وجہیں بیان کرتے ہیں کہ یہ عورت سخت زبان دراز نافرمان ہے یا بد چلن ہے یا مجھے اس عورت سے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ یہ ظالمہ ہے شاید مجھے زہر دیکر مار دے یا کسی اور سے مروا دے وغیرہ وغیرہ سخت ناجائز ہے وجہ لکھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں صرف طلاق کے الفاظ لکھو سوچ کہ تم نے تو اس کے عیوب گنا دیئے اس نے تمہارے عیوب کس کاغذ پر لکھے۔

حکایت : ایک بزرگ کے گھر میں اکثر جنگ رہتی تھی۔ لوگوں نے اس لڑائی کی وجہ پوچھی۔ آپ نے جواب دیا کہ میرے خانگی معاملات سے تمہیں کیا تعلق۔ کچھ دنوں بعد انہوں نے طلاق دے دی۔ لوگوں نے پوچھا اب تو بتاؤ۔ تم میں لڑائی کیوں ہوتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ غیر عورت کی عیب جوئی کا مجھے کیا حق ہے۔ دوسرا فائدہ: لڑنے میں بھی شرعی حدود کا لحاظ چاہئے۔ دیکھو یہاں چھوڑنے پر بھی احسان کی پابندی لگا دی۔ تیسرا فائدہ: سخت ضروری ہے کہ طلاقیں علیحدہ علیحدہ دے ایک دم دو یا تین طلاقیں دے دینا حرام ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا۔ الطلاق مرتن جس سے معلوم ہوا کہ طلاق رجعی الگ الگ ہوں۔ تیسری کے بارے میں آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ فان طلقھا (روح البیان و کبیر) چوتھا فائدہ: اگرچہ چند طلاقیں

www.alahazratnetwork.org

ایک دم دینا حرام ہے۔ لیکن اگر کسی نے ایک دم دے دیں تو تمام واقع ہو جائیں گی۔ جس پر قرآنی آیت اور حدیث صحیحہ اور اقوال علماء گواہ ہیں۔ رب فرماتا ہے ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسہ لا تدری لعل اللہ یحدث بعد ذلک امرا اس کا مطلب یہ ہے کہ کبھی طلاق دینے والا طلاق دیکر شرمندہ ہو جاتا ہے اور پھر اس کا علاج نہیں کر سکتا۔ اگر ایک دم تین دینے سے ایک ہی واقع ہوئی تو ندامت کے کیا معنی (نووی کتاب الطلاق)۔ اس جگہ بھی یہ ہی ارشاد ہوا کہ اللہ کی حدیں توڑنے والا یعنی طلاقیں ایک دم دینے والا ظالم ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ اس کی طلاق واقع نہ ہوگی۔ اگر ایک طلاق واقع ہوتی تو یہ ظالم کیونکر ہوتا۔ (2) طبرانی و بیہقی نے روایت کی کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں بعد میں خبر ملی کہ وہ بہت روتی ہیں تو فرمایا کہ اگر میرے والد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت بغیر حلالہ کئے اسے جائز نہیں تو میں اس سے رجوع کر لیتا۔ (3) ابن ماجہ میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو ان کو شوہر نے تین طلاقیں دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں کو جائز رکھا۔ (4) مالک و شافعی' ابوداؤد اور بیہقی نے معاویہ ابن ابی عیاش سے روایت کی کہ ابو ہریرہ اور عبداللہ ابن عباس کی خدمت میں ایک سوال ہوا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کر دے گی اور تین حرام کر دیں گی کہ بغیر حلالہ نکاح ثانی درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تائید فرمائی۔ (5) بیہقی نے بسام صیرفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دے دے تو وہ عورت اس پر حرام ہو گئی۔ (6) اسی بیہقی نے مسلمہ ابن جعفر احمس سے روایت کی کہ میں نے امام جعفر ابن محمد رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ یہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی تین طلاقیں ایک دم دے اسے ایک ہی ہوگی۔ فرمایا معاذ اللہ ہم نے یہ کبھی نہ کہا جو تین دے گا اس کی طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (7) مسلم کتاب الطلاق میں ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں یہ قانون بنا دیا گیا کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ (8) اس کی شرح نووی میں ہے کہ صحابہ کرام نے اس پر اجماع کیا اور ظاہر بات ہے کہ صحابہ کرام کبھی غلط اجماع نہیں کر سکتے۔ (9) نیز جب شوہر کو تین طلاقیں دینے کا حق ہے تو کیا وجہ ہے کہ وہ تین دے اور ایک پڑے مالک کا تصرف معتبر ہونا چاہئے۔ (10) فعل کے حرام ہونے سے قانون نہیں بدلتا۔ تین طلاقیں ایک دم دینا بے شک سخت منع ہے مگر جب وہ دے دے طلاق واقع کیوں نہ ہو۔ چوری کی چھری سے جانور ذبح کرنا حرام ہے لیکن اگر کوئی کرے تو جانور یقیناً حلال ہو جائے گا۔ اس کی پوری بحث تفسیر روح المعانی میں اسی جگہ اور نووی شرح مسلم کتاب الطلاق میں دیکھو۔ (11) جمہور علماء خصوصاً چاروں امام' امام ابو حنیفہ و شافعی و مالک و احمد رضی اللہ عنہم کا یہی مذہب ہے کہ ایک دم تین طلاقیں دینے سے تین ہی واقع ہوں گی۔ لہٰذا موجودہ وہابیوں کا اس کی مخالفت کرنا گمراہی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** یوں تو ہبہ یعنی کسی کو کچھ دے کر لوٹا لینا ہمیشہ ہی منع ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی کسی کو کچھ دیکر واپس لے۔ وہ اس کتے کی طرح ہے جو قے کر کے چاٹ لے (بخاری و مشکوۃ) مگر شوہر بیوی میں سے جو کوئی دوسرے کو کچھ دے دے وہ ہرگز واپس نہیں کر سکتا جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کو دیکر کچھ نہ لے سوائے خلع کے۔

مسئلہ: چند چیزیں ہبہ کی واپسی ناجائز کر دیتی ہیں۔ (1) زیادتی۔ (2) موت۔ (3) عوض۔ (4) ملک سے نکل جانا۔ (5)

www.alahazratnetwork.org

زوجیت۔ (6) قرابت داری جس کو دمع خرمۃ میں جمع کر دیا گیا اس مسئلہ کا ماخذ کہ زوجین آپس کا ہبہ واپس نہیں کر سکتے یہ ہی آیت ہے کہ یہاں فرمایا گیا ولا یحل لکم ان تاخذوا مما اتیتم مسئلہ: کسی کو کچھ دینے کی چند صورتیں ہیں۔ مال کے عوض مال دینا یہ تجارت ہے کام کے عوض مال دینا یہ اجارہ ہے۔ بلا معاوضہ کچھ دینا محض رضاء الٰہی کے لئے یہ صدقہ ہے بلا عوض دینا اسے راضی کرنے کو ہبہ ہے پہلے تین قسم میں واپس لینا جائز نہیں یعنی تجارت' اجارہ' صدقہ واپس نہیں لے سکتا مگر چوتھی صورت یعنی ہبہ کی واپسی جائز ہے الا ان منع مانع۔ پھر ہبہ کی تین قسمیں ہیں۔ نذرانہ' عطیہ' ہدیہ چھوٹے کا بڑے کو کچھ دینا نذرانہ ہے جیسے مرید کا پیر کو شاگرد کا استاد کو اولاد کا ماں باپ کو کچھ دینا اور بڑے کا چھوٹے کو دینا عطیہ جیسے پیر کا مرید کو استاد کا شاگرد کو ماں باپ کا اولاد کو کچھ دینا' برابر والے کا اپنے برابر والے کو کچھ دینا ہدیہ ہے جیسے بھائی کا بھائی کو کچھ دینا (عینی شرح کنز)۔ چھٹا فائدہ: دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز (شامی) دیکھو مظلومہ عورت شوہر کے ظلم سے بچنے کے لئے خلع کر سکتی ہے جو کہ گویا رشوت لینا حرام ہے۔ مسئلہ: اگر مرد ظالم ہو تو اسے خلع کا پیسہ لینا سخت منع ہے۔ ہاں اگر عورت ظالم ہو تو لے سکتا ہے کیونکہ اس نے عورت پر بہت مال خرچ کیا ہے اور اب وہ اپنے قصور سے نکل رہی ہے۔ (روح البیان و قرآن کریم) ساتواں فائدہ: چاہئے یہ کہ مہر سے زیادہ پر خلع نہ کیا جائے کہ ہم جمیلہ کا واقعہ نقل کر چکے کہ انہوں نے اپنے شوہر کو باغ کے علاوہ اور مال بھی دینا چاہا مگر حضور علیہ السلام نے صرف باغ ہی دلوایا۔ اس آیت میں بھی مما اتیتموھن فرما کر اسی طرف اشارہ کیا گیا۔ مسئلہ: اگر شوہر خلع میں عورت سے دیئے ہوئے مال سے زیادہ بھی لے لے تو بھی لے سکتا ہے۔ کیونکہ یہاں فدیہ عام رکھا گیا کسی قسم کی قید نہ لگائی گئی مگر بہتر نہیں۔ آٹھواں فائدہ خلع بھی طلاق ہے نہ کہ فسخ نکاح کیونکہ یہاں رب نے دو رجعی طلاقوں کے ساتھ خلع کا ذکر فرمایا۔ پھر آگے ارشاد فرمایا فان طلقھا جس میں ف سے معلوم ہوا کہ وہ تیسری طلاق' طلاق رجعی یا خلع کے بعد ہی ہے۔ اگر خلع فسخ نکاح ہوتا تو اس کے بعد طلاق واقع نہ ہو سکتی۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں اور بصورت خوف خلع بھی جائز ہے پھر اگر ان دو طلاقوں پر' خلع کے بعد شوہر تیسری طلاق بھی دے دے تو بغیر حلالہ اس کے لئے حلال نہ ہو گی۔ خیال رہے کہ فسخ نکاح کا اصل سے اٹھ جاتا ہے۔ جس کے بعد طلاق نہیں ہو سکتی اور طلاق نکاح کا ٹوٹ جانا ہے جس کے بعد عدت کے اندر اور طلاق بھی واقع ہو سکتی ہے۔ مسئلہ: خلع طلاق بائنہ ہے۔ مسئلہ: خلع یہ ہے کہ عورت کچھ مال دے کر یا اپنے حقوق زوجیت کے عوض شوہر سے طلاق حاصل کرے مگر اس میں خلع کا لفظ بولنا ضروری ہے۔ مثلاً عورت کہے کہ تو مجھ سے ہزار روپے کے عوض خلع کر لے اگر مال کا ذکر تو ہوا خلع کا ذکر نہ آیا تو وہ طلاق بالمال کہلائے گی نہ کہ خلع (احمدی) مسئلہ: جو چیز نکاح میں مہر بن سکتی ہے وہ خلع کا عوض بھی بن سکتی ہے مہر کم از کم دس درم یعنی تقریباً ڈھائی روپیہ ہو سکتا ہے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ (احمدی)۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ مرد پر طلاق دینے میں کوئی پابندی نہیں اور عورت پر طلاق لینے میں مال کی پابندی ہے انصاف تو یہ تھا کہ دونوں کا یکساں حال ہوتا۔ (آریہ) جواب: اس لئے کہ نکاح کے وقت مرد سے عورت کو مہر دلوایا گیا نہ کہ عورت سے مرد کو۔ پھر عورت کا سارا خرچہ مرد کے ذمہ ہوا نہ کہ عورت کے ذمہ مرد کا۔ اب جب کہ عورت بلاوجہ مرد سے بے وفائی کر کے نکاح سے نکلنا چاہتی ہے تو اس کا خرچہ واپس دے۔ عورت کا نکاح پر خرچ ہی کیا ہوا تھا کہ مرد سے دلوایا جائے مسئلہ

www.alahazratnetwork.org

خلع بین انصاف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ طلاقیں الگ الگ دی جائیں لہٰذا جو کوئی چند طلاقیں ایک دم دے دے تو چاہئے کہ ایک ہی طلاق واقع ہو۔ (2) مسلم کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ان کو تین طلاقیں قرار دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان طلاقوں کو تین ماننا صحابہ کرام کا قیاس ہے جو کہ حدیث مرفوع کے مقابل معتبر نہیں نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضرت رکانہ نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیں۔ حضور علیہ السلام نے ان کو رجوع کرنے کا حکم دیا نیز عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو حیض میں تین طلاقیں دی تھیں جو حکم نبوی سے واپس لی گئیں تو اگر تین طلاقیں واقع ہو جائیں تو رجوع کیسا نیز جو کوئی لعان میں چاروں قسمیں ایک بار کھالے تو وہ ایک ہی قسم مانی جاتی ہے یا جمرہ پر ساتوں کنکر ایک دم مار دے تو وہ ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ نیز جو کوئی درود شریف اس طرح پڑھ دے **اللھم صل علی سیدنا محمد الف مرۃ** تو اس کا درود ایک ہی ہو گا نہ کہ ہزار تو چاہئے کہ اگر تینوں طلاقیں ایک دم ہی دے دی جائیں تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔ ان دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ تین طلاقیں ایک ہوں گی۔ (غیر مقلد) انشاء اللہ اس تفصیل سے غیر مقلد بھی اعتراض نہیں کر سکتے۔ جیسے ہم نے ان کی وکالت میں بیان کر دیا۔ **جواب:** (۱) اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تین طلاقیں ایک ہوں گی اولاً "تو الطلاق مرتن کے معنی ہی میں دو احتمال ہیں: ایک یہ کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں۔ دوسرے یہ کہ طلاقیں رجعی دو تک ہیں پھر پہلے معنی کی بنا پر بھی حکم یہ ہو گا کہ طلاق الگ الگ دی جائے۔ یہ مطلب کہاں سے نکلے گا کہ ایک دم چند طلاقیں دی ہوئی ایک ہی ہوں گی مسلم کی روایت صحیح ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جو لوگ طلاق اس طرح دیتے تھے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ ان پچھلی دو طلاقوں سے پہلی ہی طلاق کی تاکید کرتے تھے۔ الگ طلاق کی نیت نہ کرتے تھے لہٰذا طلاق ایک ہی واقع ہوتی تھی۔ اب بھی اگر کوئی ایسے ہی اس نیت سے طلاق دے تو بھی ایک واقع ہو گی۔ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ اور مسئلہ کی صورت بدل گئی۔ لہٰذا آپ نے صحابہ کرام کی موجودگی میں یہ حکم دیا کہ اب طلاقیں تین ہی واقع ہوں گی ورنہ صحابہ کرام کا خلاف حدیث پر اجماع کیسا۔ دیکھو نووی و روح المعانی وغیرہ نیز ابو داؤد میں انہیں عبداللہ ابن عباس کی روایت اس طرح ہے کہ جو کوئی خلوت سے پہلے اپنی بی بی کو طلاقیں تین دے تو ایک ہی طلاق واقع ہو گی اور اب بھی یہ ہی حکم ہے کہ جو کوئی خلوت سے پہلے یوں کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے تو طلاق ایک ہی واقع ہو گی۔ کیونکہ اس عورت کی عدت نہیں۔ پہلی طلاق بولتے ہی وہ نکاح سے بالکل ہی خارج ہو گئی۔ اب طلاق کس پر پڑے۔ طلاق کے لئے قیام نکاح چاہئے۔ مسلم کی حدیث کا بھی یہ ہی مطلب ہو سکتا ہے نیز ہم اس آیت کے فوائد میں بتا چکے کہ عبداللہ ابن عباس کا اپنا مذہب یہ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی۔ اور جب راوی کا مذہب اپنی روایت کے خلاف ہو تو معلوم ہو گا کہ وہ روایت اس کے نزدیک منسوخ ہے نیز رکانہ اور عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کی صحیح روایت یہ ہی ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں کو ایک ہی طلاق دی تھی۔ تین کی روایتیں بالکل ضعیف ہیں۔ دیکھو نووی شرح مسلم کتاب الطلاق۔ نیز طلاق کو لعان کی گواہیوں اور رمی کے پتھروں اور درود شریف پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے کیونکہ وہاں فعل مقصود ہے نہ کہ فعل کا اثر لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب زنا میں گواہ چار چاہئیں تو اس کا قائم مقام یعنی قسمیں بھی چار ہی ہوں۔ ایسے ہی جمروں کے پتھر میں سنت کی پیروی ہے اور چونکہ حضور علیہ السلام نے ایک ایک کر کے سات بار مارے ہیں تو چاہئے کہ ہم بھی

www.alahazratnetwork.org

ایسا ہی ماریں۔ درود شریف میں بھی ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ ہزار بار درود شریف پڑھنے میں زیادہ محنت ہے اور ایک دفعہ الف مرۃ کہہ دینے میں اتنی محنت نہیں لہٰذا اس کا اثر بھی مختلف اور طلاق میں فعل مقصود نہیں نہ اس پر کوئی ثواب ہے پھر اسے ان مسئلوں پر قیاس کیوں کرتے ہو۔ نیز طلاق میں احتیاط یہ ہے کہ تینوں واقع ہو جائیں۔ حلال سے بچنے میں اندیشہ نہیں مگر حرام کرنے میں سخت اندیشہ ہے اگر تین طلاقیں ایک ہی ہوں اور ہم عورت کو علیحدہ کردیں۔ تو ہمیں کیا حرج ہوا۔ لیکن اگر طلاق تین ہو چکی ہوں۔ اور ہم اسے رکھ لیں تو ہم حرام کار ہیں لہٰذا اس سے علیحدگی ہی بہتر۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند اپنا دیا ہوا مال بیوی سے واپس نہیں لے سکتا کہ فرمایا **یحل لکم ان لا تاخذوا مما اتیتموھن شیئا** تو چاہیے کہ اور کوئی مال عورت کے پاس ہو تو لے سکتا ہے یہ تو بڑی زیادتی ہے۔ **جواب:** آیت کا مقصد یہ ہے کہ جو تم بیویوں کو دے چکے ہو وہ بھی واپس نہ لو چہ جائیکہ انکا دوسرا مال جو پہلے ہی سے ان کا ہے کہ اس کے لینے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ خیال رہے کہ عورت کی ملکیت چار قسم کے مال ہوتے ہیں ایک تو اس کا مال جو اسے میراث یا اپنی جائز کمائی سے ملا۔ دوسرا اس کے میکے کا مال جہیز وغیرہ۔ تیسرا اس کے ساس سسر کا دیا ہوا مال جو بوقت نکاح زیور وغیرہ دیا جاتا ہے۔ جسے چڑھاوا کہتے ہیں۔ چوتھے خود خاوند کا دیا ہوا مال مہر وغیرہ خاوند ان میں سے کوئی مال اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہر اپنا دیا ہوا مال عورت سے کبھی اور کسی طرح نہ لے تو چاہیئے کہ اس کے مرے بعد میراث بھی نہ لے اور اگر وہ اپنا مہر وغیرہ بخوشی دیں وہ بھی نہ لے کیونکہ **لا یحل** مطلق ہے۔ **جواب:** یہاں جبرا مال واپس لینا مراد ہے۔ میراث کی صورت میں خاوند نے خود مال واپس نہ لیا۔ بلکہ شریعت نے دلایا اور بخوشی دینے کے متعلق وہ آیت کریمہ ہے **فان طبن لکم عن شیء منہ نفسا فکلوہ ھنیئا** " مریئا اگر بیویاں بخوشی تمہیں کچھ دے دیں وہ تم کھاؤ پیو رچتا پچتا سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ مال مبارک ہے اوس میں شفا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ والے ایک یا دو جرموں پر اپنے ساتھیوں کا ساتھ نہیں چھوڑتے بلکہ چشم پوشی کرتے ہیں اور جب بار بار خطا دیکھتے ہیں اور ساتھ چھوڑنے پر مجبور ہو جاتے ہیں تو بھی نکوئی اور بھلائی کے ساتھ علیحدگی اختیار کرتے ہیں گویا ان کا ساتھ رہنا بھی معروف سے ہوتا ہے اور علیحدگی بھی احسان سے۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ خضر علیہ السلام نے دو بار موسیٰ علیہ السلام سے درگذر کی اور تیسری بار میں جب علیحدگی اختیار کی تو یہ فرمایا **ھذا فراق بینی و بینک** یہ ہماری تمہاری جدائی ہے اور حق صحبت ادا کرنے کے لئے ان کے سوالات کے جوابات دیکر واپس کیا۔ یہاں بھی حکم فرمایا جا رہا ہے کہ اے روح اپنی زوجہ یعنی نفس امارہ کو آہستگی سے چھوڑ کہ اولا اس سے درگزر کر کہ عارضی علیحدگی اختیار کر۔ اور جب نفس اپنے جرم سے باز آجائے تو رجوع کرلے مگر جب نفس امارہ کی سرکشی اس قدر بڑھ جائے کہ اس کے ساتھ شرعی حقوق ادا نہ ہو سکیں تو پھر اس سے گزشتہ گناہوں کا فدیہ لے کر اور اس کے حقوق ادا کر کے اس سے علیحدگی اختیار کرلے یعنی اسے اپنے خانہ دل میں نہ رکھ کیونکہ ناموافق بیوی سے مکان کی آبادی نہیں بلکہ بربادی ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر پاک دامن بیوی اپنی طبیعت کے خلاف ہو تو اس کے ساتھ نباہ کرنا بڑا جہاد ہے کسی نے کیا خوب کہا۔

ہر کہ زن نفس شوم را داو طلاق　　جفتش نہ بود بزیر ایں نیلی طاق
از مزبلہ نفس قدم بیرون نہ　　تار وحت کند نسیم وصل اشتاق

حکایت : ایک بزرگ کی بیوی بہت ظالمہ تھی مگر وہ اس کے ظلم پر صبر کرتے اور اس کی خدمت کرتے تھے جب وہ مرگئی تو لوگوں نے انہیں دوسرے نکاح کا مشورہ دیا۔ آپ نے فرمایا کہ خدا خدا کرکے میں اس مصیبت سے چھوٹا ہوں۔ اب مجھے معاف کرو۔ ایک ہفتہ بعد خواب میں دیکھا کہ آسمان سے کچھ لوگ اتر رہے ہیں اور ان کی طرف اشارہ کرکے کہتے ہیں کہ یہ منحوس ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تم مجھے منحوس کیوں کہتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک ہفتہ پہلے تمہارے اعمال مجاہدین کے ساتھ جاتے تھے۔ اس ہفتہ میں تم اس سے محروم ہو گئے۔ انہوں نے اٹھتے ہی کہا کہ دوستو میرا جلد نکاح کراؤ چنانچہ اس کے بعد وہ ہمیشہ دو یا تین بیویاں رکھتے تھے۔ (روح البیان)۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ فَإِنْ
پس اگر طلاق دے اس کو تو نہیں حلال ہے واسطے شوہر کے اس کے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے عورت شوہر سے سوا اس
پھر اگر تیسری طلاق اُسے دی تو اب وہ عورت اُسے حلال نہ ہوگی جب تک دوسرے خاوند کے پاس نہ رہے پھر وہ دوسرا
طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ
کے پس اگر طلاق دے پس نہیں ہے گناہ اوپر ان دونوں کے یہ کہ رجوع کر لیں اگر گمان کریں یہ کہ قائم رکھیں حدیں
اگر طلاق دے دے تو ان دونوں پر گناہ نہیں کہ پھر آپس میں مل جائیں اگر سمجھتے ہوں کہ اللہ کی حدیں نباہیں گے اور یہ
اللَّهِ ۗ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٢٣٠﴾
اللہ کی اور یہ حدیں ہیں اللہ کی فرماتا ہے واسطے اُس قوم کے کہ جانتی ہے ؕ
اللہ کی حدیں ہیں جنہیں بیان کرتا ہے دانش مندوں کے لئے ؕ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں طلاق رجعی اور بائنہ کے احکام بیان ہوئے۔ رجعی کے احکام تو پہلے جملہ میں اور بائنہ کے احکام خلع کے ضمن میں دوسرے جملہ میں۔ اب طلاق کی تیسری قسم یعنی طلاق مغلظہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ دو طلاق تک شوہر کو روکنے اور چھوڑنے کا حق ہے۔ اب چھوڑنے کی تفصیل فرمائی جا رہی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں طلاق پر کچھ پابندیاں لگائی گئی تھیں کہ فرمایا گیا تھا کہ صرف دو طلاقوں تک شوہر کو رجوع کا حق ہے۔ اب اسی مسئلہ طلاق پر ایک اور بڑی پابندی لگائی جا رہی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ تیسری طلاق کے بعد عورت نکاح سے بالکل ہی علیحدہ ہو جائے گی زمانہ جاہلیت کی طرح مرد طلاق میں

www.alahazratnetwork.org

آزاد نہ ہوں گے کہ جتنی چاہیں دیتے رہیں اور رجوع کرتے رہیں۔

شان نزول : عائشہ بنت عبد الرحمان رفاعہ ابن وہب کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے تین طلاقیں دیں انہوں نے عدت گزار کر عبد الرحمان ابن زبیر قرظی سے نکاح کر لیا۔ وہ کچھ دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے دوسرے شوہر کی شکایت کرنے لگیں کہ وہ نامرد ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ کیا رفاعہ کی طرف لوٹنا چاہتی ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہاں تب یہ آیت اتری۔ اور حضور علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ جب تک کہ دوسرا شوہر صحبت نہ کر لے تب تک تم پہلے شوہر کے پاس نہیں جا سکتیں۔ اور چونکہ بقول تمہارے یہ نامرد ہیں لہٰذا تم ابھی رفاعہ کے لئے حلال نہیں۔ (در منثور و روح المعانی)۔

تفسیر : **فان طلقها** اس کا تعلق رجعی اور خلع کی دو طلاقوں سے ہے او رف تعقیبیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ تسریح باحسان کا بیان ہو یعنی پس اگر شوہر نے دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بھی دے دی خواہ وہ دو طلاقیں بعوض مال ہوں (خلع) یا بلا مال یعنی رجعی۔ ف' سے اشارہ اس جانب ہے کہ پچھلی دو طلاقوں کی طرح یہ تیسری بھی علیحدہ ہی ہونی چاہئے نہ کہ ایک دم **فلا تحل له من بعد** اس کا فاعل طلاق والی عورت ہے اور لہ کا مرجع اس کا شوہر بعد کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے یعنی پھر تیسری طلاق کے بعد وہ عورت اس شوہر کو کسی طرح حلال نہیں نہ تو رجوع سے اور نہ دوسرے نکاح سے **حتی تنکح زوجا غیرہ** حتی حرمت کی حد ہے۔ تنکح کا مادہ نکح ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں صحبت اور شرعی معنی ہیں عقد جب اس کا مفعول اجنبی ہو تو بمعنی نکاح ہوتا ہے۔ اور جب اس کا مفعول زوج یا زوجہ ہو تو بمعنی صحبت۔ نکح امراۃ کے معنی ہیں عورت سے نکاح کیا نکح زوجتہ کے معنی ہیں اپنی بیوی سے جماع کیا۔ یہاں چونکہ زوجا کا ذکر ہے۔ اس لئے صحبت کے معنی میں ہے۔ (کبیر) اگرچہ وہ دوسرا شخص ابھی شوہر نہ بنا مگر چونکہ آئندہ بننے والا تھا اس لئے اسے زوج کہہ دیا گیا اور اگرچہ صحبت کرنا شوہر کا کام ہے نہ کہ عورت کا اس کا کام تو صحبت کرانا ہے مگر چونکہ عورت اپنے پر شوہر کو قابو دیتی ہے اس لئے یہاں نکاح کو اس کی طرف نسبت کیا گیا اور ممکن ہے کہ تنکح بمعنی نکاح ہی ہو اور صحبت کی قید حدیث شریف سے لگائی جائے مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں کہ شان نزول کے مطابق ہیں یعنی طلاق والی عورت اس شوہر کو اس وقت تک حلال نہیں جب تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت نہ کر لے۔ **فان طلقها** یہاں طلق کا فاعل دوسرا شوہر ہے۔ ان فرما کر ادھر اشارہ کیا کہ اس کی طلاق مشکوک چاہئے نہ کہ یقینی **فلا جناح علیهما ان یتراجعا** علیہما کا مرجع یہ عورت اور اس کا پہلا شوہر ہے۔ اور یتراجعا کا مادہ رجع ہے بمعنی لوٹنا۔ یہاں عورت کا مرد کی طرف اور مرد کا عورت کی طرف نئے نکاح سے لوٹنا مراد ہے۔ یعنی اگر شوہر ثانی بھی بعد صحبت اسے طلاق دے دے تو اب شوہر اول اور اس عورت کو دوبارہ گناہ نہیں مگر بشرطیکہ **ان ظنا ان یقیما حدود الله** ظن کے حقیقی معنی ہیں گمان کرنا اور کبھی بمعنی علم بھی آتا ہے یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہیں کیونکہ آئندہ کا کسی کو یقین نہیں۔ حدود اللہ سے زوجیت کے شرعی حقوق مراد ہیں۔ یعنی اگر وہ دونوں یہ گمان کریں کہ آئندہ شرعی حقوق ادا کر سکیں گے۔ خیال رہے کہ یہ جواز رجوع کی شرط نہیں بلکہ گناہ سے بچنے کی شرط ہے کہ اگر بدنیتی سے بھی رجوع کیا تو نکاح تو ہو ہی جائے گا مگر بدنیت گنہگار ہو گا **وتلک حدود الله** ظاہر یہ ہے کہ تلک سے ان سارے احکام کی طرف اشارہ ہے جو اب تک بیان ہوئے اور حدود سے یا تو شرعی احکام مراد ہیں یا حد بندی۔ یعنی یہ تمام احکام اللہ کے احکام ہیں ان کو بدلنے والا سخت مجرم ہے یا یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں۔ جو انہیں توڑے

www.alahazratnetwork.org

اس کی خیر نہیں ہر چیز کی خیر اسی میں ہے کہ ہر چیز اپنی حد میں رہے۔ دریا حد میں ہے تو خیر ہے حد سے باہر ہوا کہ طوفان آیا آگ چولہے کی حد میں رہے تو خیر ہے اس حد سے نکلی کہ گھر جلا اگر چور نے مکان کی حد پار کی تو چوری ہوئی دشمن کی فوج اپنے باڑر میں گھسی کہ جنگ ہوئی یوں ہی اگر بندہ نے حلال و حرام کی حد توڑی کہ شامت آئی آج مسلمانوں پر اسی کا وبال ہے کہ وہ حدیں توڑ چکے ہیں تلک حدود اللہ بہت دھمکی کا لفظ ہے **یبینها لقوم یعلمون یبین**۔ تبیین سے بنا۔ جس کے معنی ہیں خوب بیان کرنا یا آہستہ آہستہ بیان کرنا۔ واقعی طلاق کے احکام خوب وضاحت سے بیان ہوئے اور آہستگی سے آئے تاکہ لوگوں کو دشواری نہ ہو کیونکہ عرب عورتوں کے معاملہ میں بہت آزاد واقع ہوئے تھے وہ ایک دم پوری پابندی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے طلاق کے احکام بہت آہستگی سے آئے نیز جتنی تفصیل سے طلاق و نکاح کے احکام بیان ہوئے۔ اتنی تفصیل سے دوسرے احکام بیان نہیں ہوئے کہ نکاح و طلاق پر نسل انسانی کا بقا ہے۔ لقوم ؔکلام نفع کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ صلہ کا ہو اور یعلمون سے علماء یا سمجھدار لوگ یا مسلمان مراد ہیں کیونکہ احکام سمجھنا علماء کا ہی کام ہے لہٰذا عوام مسلمان صرف قرآنی آیات سے خود مسائل نہ معلوم کریں بلکہ علماء سے پوچھ کر عمل کریں مسئلہ قرآن و حدیث کا ہی ہو گا مگر اس پر عمل علماء کی ہدایت سے ہو گا۔ طب یونانی کی کتب دیکھ کر خود علاج نہ کرو بلکہ کسی طبیب حاذق کے مشورہ سے عمل کرو تو قرآن و حدیث تو طب ایمانی کی کتابیں ہیں یہ تو ضرور کسی کے مشورہ سے قابل عمل ہیں سمندر میں موتی نکالنے کے لئے خود چھلانگ نہ لگاؤ بلکہ سمندر کے موتی کسی جوہری کی دوکان سے خریدو۔ نیز مسلمانوں پر ہی یہ احکام جاری ہوں گے نہ کہ کفار پر۔ ان کو مذہبی آزادی دی جائے گی ان کے نکاح، طلاق پر ہم جبراً شرعی قانون جاری نہ کریں گے۔ خیال رہے کہ قوم لفظاً" واحد اور معنیً" جمع ہے۔ اسی لئے یعلمون جمع فرمایا گیا یعنی رب تعالیٰ ان قوانین یا احکام کو صاف صاف مسلمانوں یا سمجھدار یا اہل علم کے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ اس پر عمل کریں۔

خلاصہ تفسیر : اگر خاوند اپنی بیوی کو دو طلاقوں کے بعد تیسری طلاق بھی دے دے خواہ دو طلاقیں بعوض مال ہوں یا بلا معاوضہ تو یہ عورت اسے کسی طرح حلال نہیں۔ جب تک کہ دوسرے شوہر سے صحبت نہ کرے پھر اگر دوسرا شوہر بھی صحبت کر کے اسے طلاق دے دے تو اب پہلی حالت کی طرف لوٹ جانے میں ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ انہیں یہ گمان غالب ہو کہ آئندہ زوجیت کے شرعی حقوق یہ دونوں ادا کریں گے اگر جھگڑے اور فساد کی نیت سے دوبارہ نکاح کیا تو سخت گنہگار ہوئے۔ یہ سارے کلام اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں کہ سمجھداروں کے لئے اسے خوب واضح طور پر بیان فرما دیا۔ جو ان سے آگے بڑھے گا وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: طلاقیں الگ الگ چاہئیں نہ کہ ایک دم جیسا کہ ف سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حلالہ دوسرے شوہر کی صحبت سے ہو گا نہ کہ مولیٰ کی صحبت سے جیسا کہ زوجاً "غیرہ" سے معلوم ہوا۔ یعنی اگر لونڈی کو طلاق مغلظہ دی گئی اور اس کے بعد مولیٰ نے صحبت کر لی تو اس سے شوہر کے لئے حلال نہ ہو گی۔ تیسرا فائدہ: اگر طلاق دینے والا شوہر طلاق مغلظہ کے بعد اپنی بیوی کو خرید لے تو اس سے بحق ملک بھی صحبت نہیں کر سکتا جیسا کہ لا تحل کے عموم سے معلوم ہوا۔ (روح المعانی) چوتھا فائدہ: بالغہ عورت کے نکاح میں ولی کی شرط نہیں کیونکہ یہاں نکاح کا فاعل عورت ہے۔ اگر بالغہ عورت کا نکاح ولی ہی کرتا تو یہاں یوں فرمایا جاتا کہ تین طلاق کے بعد پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں

www.alahazratnetwork.org

حتیٰ کہ اس کے اولیاء دوسرے خاوند سے نکاح کرادیں نسبت نکاح عورت کی طرف کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ عورت خود بھی نکاح کر سکتی ہے لہٰذا یہ آیت احناف کی دلیل ہے۔ پانچواں فائدہ: نکاح بشرط طلاق سخت مکروہ ہے بلکہ امام احمد کے نزدیک فاسد ہے جیسا کہ **فان طلق** کے ان سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: حلالہ میں دوسرے شوہر کا وطی کرنا بھی شرط ہے۔ جیسا کہ تنکح کے بعد زوجا" فرمانے سے معلوم ہوا۔

مسئلہ: طلاقیں تین طرح کی ہیں۔ (1) رجعی۔ (2) بائنہ۔ (3) مغلظہ ایک یا دو طلاقیں رجعی ہیں کہ عدت میں شوہر کو رجوع کرنے کا حق ہے۔ خواہ عورت راضی ہو یا نہ ہو۔ دوبارہ نکاح کی ضرورت نہیں مبہم طلاق (کنایہ) طلاق بائنہ ہے ایسے ہی بائنہ کہنے سے بھی طلاق بائنہ ہو جاتی ہے کہ اس میں رجوع جائز نہیں۔ دوبارہ نکاح لازم ہے حلالہ کی شرط نہیں۔ تین طلاقیں مغلظہ ہیں کہ اس میں حلالہ میں ضروری مسئلہ: حلالہ کی صورت یہ ہے کہ عورت عدت گزار کر دوسرے بالغ یا قریب بلوغ مرد سے نکاح کرے۔ پھر وہ بھی صحبت کرکے طلاق دے پھر اس طلاق کی عدت گزار کر پہلے شوہر کے پاس آئے۔ صحبت سے وہ صحبت مراد ہے جس سے غسل واجب ہو جائے۔ مسئلہ: لونڈی کی دو طلاقیں ہی مغلظہ ہیں۔ مسئلہ: بشرط حلالہ نکاح کرنا سخت برا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے حلالہ کرنے اور کرانے پر لعنت فرمائی۔ دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ حلالہ کرنے والا مانگے ہوئے بکرے کی طرح ہے مگر اس سے بھی حلالہ ہو جائے گا کیونکہ حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ لعن اللہ المحلل والمحلل لہ لعنت تو فرمائی مگر محلل کہہ کر اگر یہ حلالہ درست ہی نہ ہوتا تو اسے محلل کیوں فرمایا جاتا۔ مسئلہ: یہ لعنت اس صورت میں ہے جہاں طلاق کی شرط لگائی جائے یا زبان سے حلالہ کہہ کر نکاح کیا جائے اگر دوسرے نکاح میں حلالہ کی صرف نیت ہو زبان سے کچھ نہ کہا جائے۔ تو حرج نہیں۔ مسئلہ: متعہ یعنی کچھ مدت کے لئے عارضی نکاح باطل ہے کہ نہ اس سے حلالہ ہو اور نہ دوسرے شخص کو صحبت حلال ہو کیونکہ وہ متعہ والا خاوند شرعاً" زوج ہی نہ بنا اور یہاں زوج سے صحبت کی قید ہے۔ اسی طرح تمام فاسد و باطل نکاح سے حلالہ درست نہیں کہ ان نکاحوں سے خاوند شرعاً" صحیح زوج نہیں بنتا۔ اس طرح نابالغ بچے کی صحبت سے جو قریب بلوغ بھی نہ ہو حلالہ درست نہیں کہ اگرچہ وہ زوج تو صحیح ہو گیا مگر اس سے صحبت مکمل صحبت نہیں یہاں زوج بھی مکمل چاہئے اور صحبت بھی کامل کیونکہ مطلق فرد کامل پر محمول ہوتا ہے۔ ساتواں فائدہ: حلالہ کے بعد جب عورت پہلے شوہر کے پاس آئے گی تو مثل نکاح اول کے پھر شوہر کو تین طلاقوں کا حق ہو گا۔ جیسا کہ یتراجعا سے معلوم ہوا۔ نیز حدیث شریف میں ارشاد ہوا **ان تعودی الی رفاعۃ** اور رجوع اور عود پچھلی حالت پر لوٹ جانے کو کہتے ہیں اور پچھلی حالت یعنی پہلے نکاح میں تو خاوند تین طلاقوں کا مالک تھا لہٰذا اب بھی تین ہی طلاقوں کا مالک ہو گا تاکہ عود اور رجوع کے معنی درست ہوں۔ مسئلہ: اگر شوہر نے دو طلاقیں دے کر رجوع کر لیا تو اب ایک ہی طلاق کا اختیار رہے گا یعنی اب ایک طلاق ہی مغلظہ ہو جائے گی۔ لیکن اگر اس صورت میں بھی عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرکے پھر اس کی طرف لوٹی تو نئے سرے سے تین طلاق کا ہی حق ملے گا۔ مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ صرف ایک ہی طلاق دی جائے اور اگر تین طلاقیں دینا ہو تو ہر طہر میں ایک دے۔ عدت پہلی طلاق سے شروع ہو گی ایک دم تین طلاقیں دے دینا سخت گناہ ہے بلاوجہ طلاق دینا بھی بہت برا ہے۔ مسلمانوں نے طلاق کا بہت غلط استعمال شروع کر دیا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خلع طلاق نہیں بلکہ فسخ نکاح ہے اگر طلاق ہوتا تو طلاقیں چار ہوتیں۔ دو طلاقیں تو **الطلاق مرتٰن** والی اور تیسری خلع والی اور چوتھی **فان طلقہا** کی حالانکہ طلاقیں تین ہی ہیں نہ کہ چار۔ (شافعی) **جواب:** خلع کی طلاق ان دو طلاقوں کے علاوہ نہیں بلکہ اس کی ایک صورت ہے اور مطلب یہ ہے کہ دو طلاقوں کے بعد خواہ وہ بلا عوض رجعیہ ہوں یا بطریقہ خلع بائنہ ہوں تیسری طلاق دی تو بغیر حلالہ نکاح درست نہیں اگر خلع فسخ ہو تو کلام بگڑ جائے گا کہ طلاقوں کے درمیان میں اجنبی چیز کا ذکر فصاحت کے خلاف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث شریف میں حلالہ کرنیوالے کو لعنت کی گئی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں حلالہ کرنے والے سنگسار کروں گا بیہقی میں ہے کہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس حلالہ کا مقدمہ پیش ہوا ایک شخص نے حلالہ کرا کر دوبارہ نکاح کر لیا تھا۔ آپ نے دونوں میاں بیوی کو علیحدہ کر دیا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح حلالہ ناجائز ہوا (روح المعانی از امام مالک) **جواب:** واقعی بشرط طلاق نکاح کرنا یا زبان سے حلالہ کہہ کر نکاح کرنا سخت گناہ ہے اور بے غیرتی ہے۔ ان صحابہ کرام کا یہ سختی فرمانا یہ کام بند کرنے کے لئے تھا۔ مگر اس سے لازم یہ نہیں کہ نکاح حلال نہ ہو کبھی مکروہ چیزوں سے بھی روکا جاتا ہے اور حرام کام پر بھی احکام جاری ہو جاتے ہیں جس کی مثالیں ہم پچھلی آیت میں دے چکے بلکہ تفسیر احمدی نے فرمایا کہ حلالہ کی نیت کرنا بھی بہتر نہیں۔ نکاح ہمیشگی کے لئے چاہئے نہ کہ چند روزہ۔ **تیسرا اعتراض:** حلالہ بڑی بے غیرتی ہے پھر اسلام نے اس کی اجازت ہی کیوں دی۔ (آریہ)۔ **جواب:** طلاقیں روکنے کے لئے۔ کوئی شریف آدمی یہ گوارا نہیں کرتا کہ میری عورت دوسرے کے پاس جائے اس لئے دوسرے شوہر کی وطی کی قید لگادی گئی تاکہ نہ دوسرا طلاق دینے پر راضی ہو اور نہ پہلا اسے اپنے پاس رکھنے پر۔ پنڈت جی اپنے نیوگ پر بھی غور کرو کہ آپ کے رگ وید اور ستیارتھ پرکاش باب چہارم میں ہے کہ شوہر خود اپنی بی بی سے کہے کہ تو میرے علاوہ دوسرے آدمی سے اولاد حاصل کر۔ اس سے بڑھ کر دیوثی کیا ہو گی کہ اپنی بیوی کو دوسرے کے حوالہ کیا جائے۔ اسلام میں طلاق کے بعد حلالہ ہے۔ جب کہ وہ اس کی بیوی ہی نہیں رہتی۔ **چوتھا اعتراض:** حلالہ اور متعہ میں کیا فرق ہے کہ متعہ بھی چند روز کے لئے ہوتا ہے اور حلالہ بھی۔ پھر تم متعہ کو کیوں حرام کہتے ہو۔ (رافضی) **جواب:** بڑا فرق ہے متعہ وقتی نکاح ہے۔ اس میں یہ ہی کہا جاتا ہے کہ میں پندرہ دن کیلئے نکاح کرتا ہوں کہ اس مدت کے بعد خود بخود علیحدگی ہو جاتی ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں رہتی۔ یہ نکاح باطل اور محض زنا ہے۔ حلالہ میں یہ نہیں۔ یہاں نکاح دائمی ہوتا ہے پھر اگر شوہر بخوشی طلاق دیدے تب علیحدگی ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں حلالہ کے بعد پہلے خاوند سے نکاح کرنے کے لئے یہ قید لگائی کہ دونوں خاوند و بیوی کو حدود الٰہی قائم رکھنے کی امید قوی ہو تو چاہئے کہ اگر یہ امید نہ ہو تو رجوع جائز ہی نہ ہو اور اسی رجوع کے بعد صحبت زنا ہو۔ حالانکہ شریعت میں نکاح درست ہوتا ہے۔ **جواب** یہ قید رجوع کے لئے نہیں بلکہ لاجناح کے لئے ہے یعنی اگر بھلائی کا گمان غالب ہو تو رجوع میں گناہ نہیں اور اگر فساد کا گمان غالب ہو تو رجوع کرنے میں دونوں یا جو بدنیت ہو وہ گنہگار ہو گا۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : شیخ طریقت کو چاہئے کہ مریدین کی ایک دو غلطیاں معاف کریں مگر جب محسوس کرے کہ یہ مرید جرم کا عادی ہو چکا تو اس سے بالکل قطع تعلق کرے اور پھر وہ کتنی ہی عاجزی زاری کرے مگر اسے اپنے سے نہ ملائے بلکہ اس سے کہے کہ کچھ دن مجرموں کے ساتھ رہ کر ان کا انجام دیکھ پھر جب تمہیں ان کی حرکات سے پوری نفرت ہو جائے تب میرے پاس آنا کہ تمہیں

www.alahazratnetwork.org

ہماری محبت کی قدر ہو اور پھر جرم سے باز رہو۔ کبھی فراق بھی ذریعہ وصل دائمی ہو جاتا ہے اور ہجر سے وصل کی قدر ہوتی ہے۔ (از روح البیان)۔

حکایت : ایک لڑکا گھر سے بھاگنے کا عادی ہو چکا تھا بار بار بھاگتا اور ماں باپ اس کی تلاش کرتے پھرتے آخر کار ماں باپ نے کسی مرد کامل سے شکایت کی۔ اس نے کہا تمہاری زیادتی محبت نے اسے بھگوڑا بنادیا۔ اب اگر بھاگے تو تم پرواہ نہ کرو خود پریشان ہو کر جب آئے گا تو کبھی نہ بھاگے گا ایسے ہی کیا گیا۔ لڑکا ٹھوکریں کھا کر لوٹ آیا اور پھر ہمیشہ کے لئے اسکی اصلاح ہو گئی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ "قدر عافیت کسے داند کہ بمصیبتے گرفتار آید"۔ خیال رہے کہ اولاً کچھ غلطیوں پر پکڑ نہیں ہوتی۔ خضر علیہ السلام نے تیسرے سوال پر ہی موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا ھٰذا فراق بینی و بینک یہ جدائی کی باری ہے یہ بھی خیال رہے کہ مسلمانوں کے لئے بھول چوک معاف ہے مگر شریعت میں نہ کہ طریقت میں اس میں تو غلطی پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام نے خطاءً گندم کھایا۔ خود رب نے فرمایا کہ وہ بھول گئے مگر عتاب آگیا۔ یہ بھی لحاظ رہے کہ شیخ پر اعتراض محرومی کی علامت ہے۔ اس کے افعال نکتہ چینی کیلئے نہ دیکھو بلکہ پیروی کے لئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو　　　ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو!
گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن　　　گرچہ طفلے راکشد تو مومکن

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تین کا عدد جماعت ہے اور اچھی جماعت پر اللہ کی رحمت ہے۔ بری جماعت پر اللہ کا عذاب اسی لئے اکثر اوراد و وظیفوں میں تین بار دعائیں پڑھوائی جاتی ہیں کہ فلاں دعا' آیت تین بار پڑھو تاکہ اس جماعت پر اللہ کی رحمت ہو یوں ہی تین بار گناہ پر اللہ کی پکڑ ہے ایک دو طلاقوں میں گنجائش رہی۔ جب تین طلاقیں ہو گئیں اور ان کی جماعت بن گئی تو رب کی پکڑ میں بندہ آگیا کہ اب رجوع و نکاح کی گنجائش نہ رہی۔ بندے کو چاہئے کہ اسی طرح جرموں کی جماعت نہ بننے دے ایک دو جرم پر ہی توبہ کرلے۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْ
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جائیں وہ میعاد کو اپنی تو روک لو انہیں ساتھ بھلائی کے یا چھوڑ دو
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور ان کی میعاد آلگے تو اس وقت تک یا بھلائی کے ساتھ روک لو

هُنَّ بِمَعْرُوْفٍ وَلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ
انہیں ساتھ بھلائی کے اور نہ روکو انہیں ضرر کے لئے تاکہ ظلم کرو تم اور جو کرے گا یہ پس بے شک ظلم
یا نکوئی کے ساتھ چھوڑ دو اور انہیں ضرر دینے کے لئے روکنا نہ ہو کہ حد سے بڑھو اور جو ایسا

فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ
کیا اس نے جان پر اپنی اور نہ بناؤ تم آیتوں کو اللہ کی ٹھٹھا اور یاد کرو نعمت اللہ کی
کرے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور اللہ کی آیتوں کو ٹھٹھا نہ بنالو اور یاد کرو اللہ کا احسان

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ

جو اوپر تمہارے ہے اور اس کو جو اتاری اوپر تمہارے کتاب اور حکمت نصیحت کرتا ہے تم کو ساتھ

جو تم پر ہے اور وہ جو تم پر کتاب اور حکمت اتاری تمہیں نصیحت دینے کو اور اللہ سے ڈرتے

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

اس کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو تم کہ تحقیق اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے ؛

رہو اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے ؛

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق رجعی دینے کا طریقہ اور اس کی کیفیت بیان ہوئی۔ اب رجوع کرنے کی کیفیت بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق کے احکام بیان ہوئے اب یہ فرمایا جارہا ہے کہ ہر طلاق کے یہ احکام ہیں۔ خواہ جان بوجھ کر ہو یا ایسے ہی دل لگی کے طریقہ سے۔ **تیسرا تعلق:** یہ آیت پچھلی آیتوں کا تتمہ ہے۔ جس میں مردوں کو بتایا جارہا ہے کہ عورتوں کی حق تلفی در حقیقت اپنی جان پر ظلم ہے کیونکہ رب ان کا والی اور حافظ ہے۔

شان نزول : ثابت ابن یسار انصاری رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو طلاق دی۔ جب ان کی عدت کے دو تین دن باقی رہ گئے تو ان سے رجوع کرکے پھر طلاق دے دی تاکہ ان کی عدت دوبارہ شروع ہو۔ اور وہ بہت عرصہ تک لٹکی رہیں کہ کسی سے نکاح نہ کر سکیں۔ یہاں تک کہ انہیں اس مخمصہ میں نو ماہ گزر گئے تب اس آیت کریمہ کا پہلا جملہ ''ظلم نفسہ'' تک نازل ہوا۔(2) عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ کسی سے کہہ دیتے تھے کہ میں نے اپنی بیٹی تیرے نکاح میں دی وہ کہتا تھا کہ میں نے قبول کی۔ بعد میں کہتے کہ ہم نے تو دل لگی سے کہا تھا ایسے ہی کچھ لوگ اپنے غلاموں کو آزاد کرکے یا بیویوں کو طلاق دیکر دل لگی کا بہانہ کرتے تھے۔ تب اس آیت کریمہ کا دوسرا جملہ **ولا تتخذوا** سے اخیر تک نازل ہوا اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تین چیزیں طلاق' نکاح اور غلام کی آزادی بہر حال ہو جائیں گے خواہ کوئی جان بوجھ کر کرے یا دل لگی سے۔(درمنثور)

تفسیر : **واذا طلقتم النساء** طلقتم سے طلاق رجعی مراد ہے اور النساء میں الف لام مضاف الیہ کا عوض ہے۔ یعنی جب تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی دو۔ **فبلغن اجلھن** بلغن۔ بلوغ یا بلاغ سے بنا جس کے معنی میں انتہاء کو پہنچ جانا مگر کبھی قریب پہنچ جانے پر بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد معنی ہیں۔ اجل کے معنی مدت اور وقت مقررہ کے ہیں اور یہاں عدت کا آخر جز مراد ہے یعنی اور پھر وہ طلاق والی عورتیں اپنی اخیری عدت کے قریب پہنچیں کہ ان کی عدت ختم ہونے لگے۔ **فامسکوھن بمعروف اوسرحوھن بمعروف** یہاں بھی امساک سے رجوع کرنا مراد ہے۔ معروف کے معنی ہیں۔ مشہور یا پہچانی ہوئی چیز۔ مگر قرآن پاک میں اس لفظ سے اچھا طریقہ مراد ہوتا ہے جو عقلاً' شرعاً' عرفاً' عادۃً ''پسندیدہ ہو۔ تسریح سے مراد رجوع نہ کرنا ہے۔ یعنی تب تمہیں دو اختیار ہیں یا تو انہیں بھلائی کے ساتھ روک لو کہ رجوع کرلو۔ مگر نقصان پہنچانا مقصود نہ ہو۔ یا نیکی کے ساتھ اسے جانے دو کہ وہ عدت پوری کرکے جہاں چاہے نکاح کرلے۔ رجوع میں بھلائی یہ ہے کہ خوش خلقی اور نیک ارادہ سے رجوع کرو اور

www.alahazratnetwork.org

چھوڑنے میں بھلائی یہ کہ اس کا مہر، خرچہ عدت اور دوسرے حقوق ادا کر دو اور اس کو عیوب لگا کر لوگوں کو اس سے متنفر نہ کرو۔ **ولا تمسکوھن ضرارا** یہ جملہ یا تو امسکوھن کی تاکید ہے یا آئندہ کے لئے نیا حکم، ضرار اور مضارۃ باب مفاعلۃ کا مصدر ہے بمعنی نقصان دینا کبھی نقصان دہ چیز کو بھی ضرار کہہ دیتے ہیں جیسے مسجد ضرار، یہ **لا تمسکو** کا مفعول لہ ہے اور اس سے یا تو عورت کی عدت دراز کرنا مراد ہے یا اس کے ساتھ برا برتاؤ کرنا یا مال حاصل کرنے کے لئے اسے تنگ کرنا مراد یعنی اسے نقصان دینے کے لئے نہ روک رکھو۔ **لتعتدوا** یہ ضرار کا متعلق ہے اس کے معنی ہیں حد سے بڑھنا۔ خیال رہے کہ یہاں یا تو ضرار سے درازی عدت مراد ہے اور تعتدوا سے مال دینے پر مجبور کرنا یا ضرار سے موجودہ نقصان مراد ہے اور لتعتدوا سے آئندہ کی ایذا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس کا تعلق لا تمسکو سے ہے اور لام عاقبت کا ہے اور اس سے اپنے پر ظلم کرنا مراد ہے یعنی تم انہیں نقصان پہنچانے کے لئے نہ روکو تاکہ گنہگار ہو کر اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھو اس کا بیان اس جملہ میں ہے کہ **ومن یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ ذلک** سے ظلماً" روکنے یا عورت پر زیادتی کرنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔ اپنی جان پر ظلم کرنے سے یا اخروی عذاب مراد ہے یا دنیوی بدنامی یعنی جو کوئی ایسی نامعقول حرکتیں کرے گا۔ وہ درحقیقت اپنی ہی جان پر ظلم کریگا کہ دنیا میں بدنام ہو کر آئندہ بیوی نہ پائے گا۔ اور آخرت میں سخت سزا کا مستحق ہو گا **ولا تتخذوا ایت اللہ ھزوا**، آیات اللہ سے یا طلاق کی آیتیں مراد ہیں یا سارے احکام کی آیتیں یا ساری قرآنی آیتیں ھزو بمعنی مفعول ہے، جد کا مقابل مصدر ہے بمعنی کوشش کرنا اور ھزو سستی کرنا یا جد رعایت کرنا ھزو، رعایت نہ کرنا یا جد عمل کرنا اور ھزو عمل نہ کرنا یا جد اہتمام کرنا اور ھزو ٹھٹھا کرنا ظاہر یہ ہے کہ یہاں مسلمانوں سے خطاب ہے لہٰذا ھزو سے بے عملی سستی یا عملی ٹھٹھا کرنا مراد ہے نہ کہ قولی یعنی اے مسلمانو تم اللہ کی ان آیتوں کو ٹھٹھا نہ بناؤ کہ پڑھ کر ان پر عمل نہ کرو یا اس طرح کہ ان سے سستی نہ کرو یا منہ سے کوئی بات نکال کر کہہ دو کہ دل لگی میں کہی تھی نیز کسی چیز کو اس کے مقصد میں استعمال نہ کرنا غیر مقصد میں استعمال کرنا عملی مذاق اڑانا ہے نکاح تو عورت کے بسانے کے لئے قائم کیا ہے اور طلاق آزاد کر دینے کے لئے اب جو شخص ان دونوں یا ان میں سے کسی کو ظلم و تعدی کے لئے استعمال کرے وہ عملی طور پر نکاح و طلاق بلکہ ان کی آیات کا مذاق اڑاتا ہے۔ خیال رہے کہ احکام شرعیہ کا ولی یا قولی مذاق اڑانا کفر ہے۔ اور عملی مذاق فسق **واذکروا نعمت اللہ علیکم** ذکر سے یا تو بیان کرنا یا یاد کرنا یا شکر کرنا مراد ہے۔ نعمت اللہ سے یا تو عام نعمتیں مراد ہیں یا خاص وہ نعمتیں جو مردوں کو ملیں یا خاص وہ جو مسلمانوں کو عطا ہوئیں یعنی تم اللہ کا وہ احسان بھی یاد کرو جو تم پر ہے کہ تمہیں انسان بنایا۔ مسلمان کیا۔ مرد بنایا، تمہیں طلاق و رجوع کا اختیار دیا۔ تمہیں آرام و سکون کے لئے بیویاں عطا فرمائیں۔ پچھلی امتوں کی طرح تم پر ایک بیوی کی پابندی نہ لگائی بلکہ چار نکاح تک کی اجازت دی (روح البیان و احمدی) اس کا شکر یہ تم پر لازم ہے۔ خیال رہے کہ مال کے عوض مال قیمت ہے اور کام کے عوض مال اجرت اور بغیر کسی معاوضہ کے کچھ دینا نعمت قیمت و اجرت کا شکریہ واجب نہیں کہ وہ تو اپنا حق ہے مگر نعمت کا شکریہ لازم ہے کہ منعم کا محض فضل ہے۔ اللہ کے عطیے نہ قیمت ہیں نہ اجرت محض فضل ہیں اگر ہم میں شرافت و انسانیت کی کچھ بھی بو ہے تو ہمیشہ اس کا شکر کیا کریں۔ خیال رہے کہ رب کی ساری نعمتوں سے اعلیٰ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے کہ رب نے اس کے متعلق فرمایا **لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا** اور جیسی نعمت ویسا شکر۔ **وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ** اگرچہ کتاب و سنت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری اصل امت حضور کی فرع

www.alahazratnetwork.org

حضور امام ہیں 'تمام لوگ مقتدی۔ لہٰذا حضور پر اترنا گویا ہم سب پر اترنا ہے نیز نزول قرآن و حدیث ہمارے ہی لئے ہوا ہے یہ دونوں چیزیں ہمارے ہی لئے ہدایت ہیں نہ کہ حضور کے لئے حضور تو پہلے ہی ہدایت یافتہ پیدا ہوئے اس لئے یہاں علیکم فرمایا گیا کہ تم سب پر قرآن و حدیث اترے لہٰذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جن میں فرمایا گیا کہ اے محبوب تم پر قرآن حدیث اتارے گئے اگر وہاں نعمت سے عام نعمت مراد تھی تو یہ عام کے بعد خاص نعمت کا ذکر ہے اور اگر اس سے خاص اسلامی نعمتیں مراد تھیں تو یہ اسی کا بیان ہے کتاب سے قرآن کریم اور حکمت سے سنت اور حدیث مراد ہے یا کتاب سے قرآن کی عبارت او حکمت سے اس کے اشارات و اسرار مراد ہیں یعنی اسے بھی یاد کرو کہ اللہ نے تمہیں کتاب اور سنت عطا فرمائی۔ جو تمام نعمتوں کی اصل ہے **یعظکم بہ** یا تو یہ انزل کے فاعل کا حال ہے یا مفعول کا یا اس کا مفعول لہ ہے یا ما انزل 'مبتداء اور یہ اس کی خبر ہے یعنی تمہیں نصیحت دیتے ہوئے یا نصیحت دینے کے لئے کتاب اور حکمت اتاری یا کتاب و حکمت وہ نعمتیں ہیں جس سے رب تمہیں نصیحت فرماتا ہے۔ **واتقو اللہ** یا تو تقویٰ سے بچنا مراد ہے یا ڈرنا یعنی اللہ کے عذاب سے بچو یا ڈرو۔ اس طرح کہ اس کی اطاعت کرو اور بیویوں کو ایذا نہ پہنچاؤ۔ **واعلموا ان اللہ بکل شیء علیم** جان لو کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ تمہاری باتیں تمہارا ارادہ تمہاری عورتوں پر زیادتی اور ظلم یا اچھا سلوک اس پر مخفی نہیں لہٰذا اس سے ڈرتے رہو یا اس نے جو کچھ حکم دیئے ان میں صدہا حکمتیں ہیں خو جسے یا حکمت سے دیا لہٰذا اس کے احکام پر عمل کرنے میں کچھ دغدغہ یا پس و پیش نہ کرو۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی دو اور ان کی عدت ختم ہونے لگے تو تم انہیں یا نیک ارادہ اور اچھے طریقے سے روک لو کہ رجوع کرکے نکاح سے نہ نکلنے دو یا بھلائی اور خوبی کے ساتھ انہیں جانے دو کہ ان کے مہر 'خرچہ عدت وغیرہ ادا کردو بلکہ مہر سے کچھ زائد بھی دے دو کہ اس نے تمہاری بہت خدمت کی ہے۔ (احمدی) اور لوگوں سے اس کے عیوب بیان نہ کرو۔ یہ خیال رہے کہ نقصان پہنچانے کی نیت سے اسے ہرگز نہ روکنا۔ جو کوئی ایسا کرے گا وہ عورت پر تو کیا خود اپنی جان پر ظلم کرے گا کہ دنیا میں ظلم میں مشہور ہو جائے گا اور آئندہ کوئی اسے اپنی بیٹی نہ دے گا بلکہ اس کی اولاد کو بھی بیویاں ملنا مشکل ہوں گی کہ بدنام خاندان کو رشتہ مشکل سے ملتا ہے اور آخرت میں اپنی بے بس بیوی کو ستانے کی وجہ سے سخت عذاب کا مستحق ہوگا۔ اور اللہ کے احکام کو ٹھٹھا نہ بناؤ اور ان کو بطور دل لگی استعمال نہ کرو کہ طلاق یا نکاح استعمال کرکے دل لگی کا بہانہ کر دو یاد رکھو کہ تم پر خدا کے بہت احسانات ہیں۔ تمہیں انسان بنایا نہ کہ بے زبان جانور۔ مرد بنایا نہ کہ بے بس عورت مسلمان کیا نہ کہ جہنم کا ایندھن یعنی کافر تم پر اپنی کتاب قرآن کریم اور اپنی نبی کی سنت اتاری تاکہ اس کے ذریعے تمہیں نصیحت فرمائے جو ساری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے تمہیں چاہئے کہ رب سے ڈرو اور یہ خوب جان رکھو کہ اللہ بڑا علم والا ہے۔ اس کا کوئی قانون حکمت کے خلاف نہیں۔ اس کی اطاعت ہی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ احکام کی آیات کو یا تو اپنے انعام کے ذکر پر ختم فرماتا ہے یا اپنے عذاب کے ذکر پر یا اپنے اوصاف حمیدہ کے تذکرہ پر کیونکہ بعض انسان لالچ سے اطاعت کرتے ہیں بعض ڈر سے اور بعض عشق الٰہی و محبت مصطفوی سے لالچ والوں کے لئے انعام کا ذکر ہے۔ ڈر سے اطاعت کرنے والوں کے لئے اپنا ذکر یہاں رب تعالیٰ نے اس آیت کو اپنی نعمت اور اپنی حمد پر ختم فرمایا مقصد یہ ہے کہ اللہ کے عشق و محبت اور اس کی نعمت کے شکریہ میں عورتوں پر رحم کرو طلاق و نکاح میں زیادتی نہ کرو رب نے اپنے محبوب کی سنتوں کو حکمت فرمایا کہ حکمت کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہیں فائدہ مند چیز اس لئے طبیب کو حکیم کہتے ہیں اور علم طب کو حکمت کہ ان سے بیماروں کو فائدہ ہوتا ہے۔ ہمارے کلام و کلام فائدہ مند بھی ہوتے ہیں بیکار بھی اور نقصان دہ بھی مگر حضور کا ہر کلام و کلام تمام مخلوق کے لئے فائدہ مند ہے کہ ہر شخص ان سے اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ اٹھاتا ہے بلکہ انبیاء کی لغزش بھی مفید ان کی زندگی و وفات بھی فائدہ مند ہے یا حکمت کے معنی ہیں مضبوط چیز حضور کی احادیث کو زمانہ نہ مٹا سکا تا ابد قائم ہیں اور لوگ ان سے فائدے اٹھاتے ہیں اور اٹھاتے رہیں گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بیوی کا معاملہ بہت نازک ہے۔ اور عورتوں کے حقوق نہایت سخت کہ رب تعالیٰ بار بار ڈرا دھمکا کر اپنے احسان یاد دلا کر مردوں کو ان کے حقوق ادا کرنے پر مائل فرماتا ہے۔ غالباً جس قدر تفصیل عورتوں کے حقوق اور طلاق کے احکام کی گئی۔ اتنی دیگر چیزوں کی نہ فرمائی گئی۔ دوسرا فائدہ: طلاق رجعی میں عدت کے اندر رجوع کا اختیار رہو گا نہ کہ اس کے بعد جیسا کہ **فبلغن اجلھن** سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: رجوع کرنے میں عورت کی رضامندی ضروری نہیں۔ صرف مرد ہی رجوع کر سکتا ہے جیسا کہ فامسکوا اور سرحوا سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: رجوع میں کلام کی قید نہیں منہ سے بول کر یا وطی یا بوس و کنار سے بھی رجوع ہو سکتا ہے کیونکہ فامسکوا میں کوئی قید نہیں سرحوھن کی طرح یہ بھی مطلق ہے۔

مسئلہ : مگر بہتر یہ ہے کہ رجوع کلام سے کرے اور اس پر گواہ بھی بنالے۔ پانچواں فائدہ: ظالم درحقیقت اپنے پر ظلم کرتا ہے کیونکہ مظلوم کو معمولی تکلیف ہوگی مگر ظالم کو سخت عذاب۔ ع

پنداشت ستمگر کہ ستم برما کرد ۔۔۔ برگردن او بماند و برما بگذشت

چھٹا فائدہ: طلاق دینے کا حق صرف مرد کو ہے عورت کو نہیں نہ دونوں کے مشورہ پر موقوف کیونکہ یہاں فرمایا گیا **واذا طلقتموھن** طلاق کا فاعل تو مرد کو قرار دیا اور مفعول عورت کو اگر عورت کو بھی حق ہوتا تو کسی جگہ یہ بھی ہونا چاہئے تھا کہ تم کو عورتیں طلاق دیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے الذی بیدہ عقدۃ النکاح معلوم ہوا کہ نکاح کی گرہ مرد کے ہاتھ میں ہے۔ بہرحال نکاح کے وقت عورت و مرد دونوں کا مشورہ ضروری ہے مگر طلاق میں مرد مستقل ہے ہاں فسخ نکاح کبھی عورت کی طرف سے بھی ہو جاتا ہے جیسے خیار بلوغ یا خیار عتق وغیرہ کے موقعہ پر ہوتا ہے اس فسخ میں عورت مستقل ہے کہ مرد راضی ہو یا نہ ہو فسخ نکاح کرا سکتی ہے۔ ساتواں فائدہ: مجبور اور معذور کو ستانا بہت بڑا جرم ہے۔ جس قدر مجبور کی معذوری زیادہ اسی قدر اس کے ستانے میں عذاب بھی سخت بی بی پر ظلم گناہ' حاجتمند اور بوڑھے ماں باپ پر ظلم اور زیادہ گناہ۔ لونڈی غلاموں کو ستانا اور بھی زیادہ گناہ بے زبان جانوروں کو ستانا بہت ہی بڑا گناہ کیونکہ وہ بے زبان ہیں کسی سے ظلم کی داستان بھی نہیں کہہ سکتے۔ ان کا خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ (از شامی کتاب الکراہیت)۔ آٹھواں فائدہ: طلاق' نکاح' آزادی کے الفاظ مذاق یا دل لگی یا بھول چوک سے جیسے بھی ادا ہو جائیں یہ چیزیں واقع ہو جائیں گی۔ (حدیث شریف)۔ نواں فائدہ: عورتوں کو دکھ دینے کے لئے روک رکھنا بھی احکام الٰہیہ کی ہنسی کرنا ہے۔ افسوس ہے کہ بیویوں پر جتنا ظلم مسلمان کر رہے ہیں غالباً کوئی قوم نہ کرتی ہوگی۔ جیسا کہ دن رات دیکھا جا رہا ہے ظالم شوہروں کو چاہئے کہ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ اسی لئے شریعت نے بعض صورتوں میں عورت کو اختیار دیا ہے کہ ظالم شوہر سے حاکم کے ذریعے نجات حاصل کرے مگر عورت کی اتنی آزادی بھی نہیں ہے جتنی انہوں نے اب

www.alahazratnetwork.org

حاصل کریں۔ دسواں فائدہ: اللہ کی نعمتوں کا ذکر کرنا رضائے رب کا ذریعہ ہے لہذا محفل میلاد شریف وغیرہ بھی جائز ہے کہ اس میں رب کی نعمت یعنی حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہے۔ گیارہواں فائدہ: حدیث بھی قرآن پاک کی طرح رب کی اتاری ہوئی ہے کیونکہ یہاں کتاب و سنت دونوں کے اتارنے کا ذکر ہوا۔ فرق اتنا ہے کہ حدیث کا مضمون رب کا ہے اور الفاظ نبی علیہ السلام کے اور قرآن کے الفاظ و مضمون سب رب کا۔ اس لئے نماز میں حدیث کی تلاوت نہیں ہوتی مگر عمل میں دونوں یکساں۔

پہلا اعتراض: رجوع طلاق کا مسئلہ دو دفعہ کیوں بیان ہوا۔ ابھی دو آیت پہلے بیان ہو چکا تھا۔ اب پھر اس کا ذکر ہوا۔ جواب: پہلے یہ فرمایا گیا تھا کہ دو طلاق تک رجوع کا حق ہے اور اب یہ ارشاد ہوا کہ رجوع کس نیت سے اور کس طرح کیا جائے گویا وہاں طلاق دینے کا طریقہ بتایا تھا اور فرمایا تھا کہ کتنی طلاقیں رجعی ہیں اور یہاں رجوع کی نوعیت بیان ہوئی نیز ایک بات کو چند دفعہ بیان کرنے سے تاکید ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض: ضرار اور لتعتدوا کے ایک ہی معنی ہیں اسی طرح امسکوھن بمعروف اور لا تمسکوھن ضرارا کا ایک ہی مطلب ہے پھر انہیں الگ الگ کیوں بیان کیا گیا۔ جواب: تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ضرار سے عورت کو نقصان پہنچانا مراد ہے اور لتعتدوا سے اپنا گنہگار ہونا مراد یا ضرار سے رجوع جب کہ وقت کا نقصان اور لتعتدوا سے آئندہ کی تکلیف مراد ہے نیز کسی کام کا حکم دیکر اس کے نہ کرنے سے روکنا تاکید کے لئے ہوتا ہے۔ طبیب کہتا ہے کہ پرہیز کرنا' بدپرہیزی ہرگز نہ کرنا ایسے ہی یہاں ارشاد ہوا کہ بھلائی سے روکنا' نقصان کے لئے ہرگز نہ روکنا۔ تیسرا اعتراض: اسلام نے طلاق کا حق صرف مرد کو کیوں دیا عورت کو بھی کیوں نہ دیا یہ تو عورت پر ظلم ہے اور آج اسی اختیار نہ ہونے سے عورتوں پر بڑی مصیبتیں ہیں۔ جواب: اگر عورتوں کو طلاق کا حق دیا جاتا تو موجودہ مصیبتوں سے صدہا گنا زیادہ مصیبتیں ہوتیں جیسا کہ ان لوگوں کے حال سے معلوم ہے۔ جن کے ہاں دو طرفہ طلاق کا حق ہے کہ وہاں نہ کوئی گھر صحیح معنی میں آباد ہے نہ کوئی دل شاد نہ کسی کو اپنے گھر کی طرف سے اطمینان فی منٹ تین طلاق کا اوسط ہے دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار نہ دو ورنہ ہلاک کردے گا۔ چوتھا اعتراض: تو پھر چاہئے کہ طلاق دو طرفہ کی رضامندی سے ہوا کرے۔ جیسے نکاح ہوتا ہے۔ طلاق نکاح کی طرح کیوں نہیں۔ جواب: طلاق و نکاح میں بڑا فرق ہے نکاح میں مرد و عورت دونوں کے حق ایک دوسرے پر لازم ہوتے ہیں تو اپنے پر کسی کا حق لازم کرلینے کا ہر شخص کو اختیار ہے کہ لازم کرے یا نہ کرے اس لئے وہاں عورت و مرد دونوں کی رضامندی ہے اسی لئے نکاح میں تو فریقین کی رضا لازم ہے مگر خریدتے وقت لونڈی سے اجازت کی ضرورت نہیں اور طلاق میں حق کا اٹھانا ہے رفع حق میں فریقین کی رضا کی ضرورت نہیں ہوتی قرض لینا دینا اس میں فریقین کی رضا ضروری ہے مگر قرض معاف کرنے میں فریق آخر کی رضامندی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: یوں تو کسی کو بھی ایذا دینا اسلام و ایمان کے خلاف اور مسلمان کی شان کے بعید ہے مومن وہ جس سے لوگ امن میں رہیں۔ سچا مسلم وہ جس کے زبان و ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں مگر شوہر بیوی کو آپس میں ہمراہی اور قرب حاصل ہے۔ اس لئے ان کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا سخت خطرناک ہے ایسے ہی نفس و روح زوجین کی طرح ایک ہی گھر یعنی بدن کو آباد کرنے والے ہیں۔ اور عرصہ کے ساتھی۔ اس لئے ان کا بگاڑ سخت نقصان دہ ہے جو کسی کو ایذا پہنچائے وہ در حقیقت اپنے ہی پر

www.alahazratnetwork.org

ظلم کرتا ہے کہ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں مظلوم کو اور مظلوم کے گناہ ظالم کو دیئے جائیں گے اے مسلمانو تم اللہ کی آیتوں کو ٹھٹا اور دل لگی نہ بنالو کہ ان کے ظاہری الفاظ تو پڑھو اور ان کے معنی میں غور نہ کرو اور اس کے اسرار نہ سمجھو اور ان کی حقیقتیں تلاش نہ کرو۔ ان کے نور سے منور نہ ہو اور ان کے وعظ نصیحت سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے اشارات میں غور نہ کرو۔ سچا قرآن خواں وہ ہے جس کی زبان پر قرآن کے الفاظ ہوں ذہن میں اس کے اشارات دل اس کے نور سے منور اور تمام بدن پر خوف وخشیت کے آثار نمودار ہوں۔ خیال رکھو کہ جیسے شاہین زندے شکار پر ہی گرتا ہے مرے ہوئے جانور پر توجہ نہیں کرتا۔ اسی طرح وعظ و نصیحت زندہ دل پر ہی اثر کرتی ہے۔ مردہ دل اس کا اثر نہیں لیتے پہلے کسی کی نظر سے اپنا دل زندہ کرو پھر وعظ نصیحت کا فائدہ ہو گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دیگر عبادتوں کی طرح اللہ کی نعمتوں کا ذکر بھی اہم عبادت ہے۔ جس کا جگہ جگہ تاکیدی حکم دیا گیا۔ یہ ذکر تین قسم کا ہے ذکر جنانی ذکر لسانی ذکر ارکانی۔ دل سے رب کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف کہ ہم نہ پہلے کچھ تھے مشت خاک تھے نہ آئندہ کچھ رہیں گے کہ نہ معلوم ہماری مٹی کہاں برباد ہو گی اور ہم غبار بن کر نہ معلوم کہاں اور کس گندگی پر اڑتے پھریں گے اس کی مہربانی ہے کہ اس نے لاشی کو سب کچھ کر دیا اس خیال سے انشاء اللہ کبھی تکبر و غرور نہ پیدا ہو گا۔ زبان سے اس کی نعمتوں کا چرچا ذکر لسانی ہے اور رب کی اطاعت ذکر ارکانی۔ فرمایا گیا کہ میری نعمتوں کو یاد کرو اور بیویوں پر ظلم نہ کرو نہ تو عارضی بیوی یعنی زوجہ پر نہ دائمی بیوی یعنی اپنے نفس پر سب کو ان کا حق دو۔

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پس پہنچ جائیں وہ معیاد اپنی کو تو نہ روکو انہیں اس سے کہ نکاح کریں
اور جب تم عورتوں کو طلاق دو اور انکی میعاد پوری ہو جاوے تو اے عورتوں کے والیو انہیں نہ روکو اس سے
اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ
شوہروں اپنے سے جبکہ آپس میں راضی ہوں ساتھ بھلائی کے۔ یہ نصیحت کی جاتی ہے ساتھ اس کے اس کو
کہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جبکہ آپس میں موافق شرع رضامند ہو جاویں۔ یہ نصیحت اسے دی جاتی ہے جو تم
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَ
جو ہو تم میں سے ایمان رکھتا ساتھ اللہ کے اور دن پچھلے کے یہ بہت ستھرا ہے واسطے تمہارے اور بہت
میں سے اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ یہ تمہارے لئے زیادہ ستھرا اور پاکیزہ ہے اور اللہ
اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾
پاکیزہ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ؁
جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ؁

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عدت کے احکام بیان ہوئے اب بعد عدت احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق دینے والے شوہروں کا اختیار بیان ہوا کہ وہ عدت میں رجوع کر سکتے ہیں۔ اب عدت کے بعد عورتوں کا اختیار بیان ہو رہا ہے وہ اپنے نفس کی مالک ہیں جس سے چاہیں نکاح کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق دینے والے شوہروں کو عورتوں پر ظلم کرنے سے روکا گیا۔ اب عورتوں کے ولی اور وارثوں کو ظلم سے روکا جارہا ہے کہ انہیں نکاح ثانی سے نہ روکیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق دینے والے شوہروں کو ہدایات دی گئیں اب دوسرے شوہروں کو ہدایت دی جارہی ہیں جن سے انہوں نے حلالہ کیا۔ خیال رہے کہ اس آیت کی مختلف تفسیریں ہیں۔ تفسیروں ہی کے لحاظ سے یہ تعلقات بیان ہوئے۔

شان نزول : حضرت معقل ابن یسار رضی اللہ عنہ نے اپنی بہن جمیلہ کا نکاح اپنے چچازاد بھائی عبداللہ ابن عاصم کر دیا عبداللہ بہت نیک آدمی تھے اتفاقاً شوہر بیوی کی آپس میں نااتفاقی ہو گئی۔ اور عبداللہ نے جمیلہ کو طلاق دے دی۔ معقل کو بہت رنج ہوا عدت گزرنے کے بعد عبداللہ ابن عاصم نے پھر انہی جمیلہ سے نکاح کرنا چاہا جس پر حضرت معقل نے قسم کھالی کہ میں اب جمیلہ کا تم سے نکاح نہ کروں گا مگر جمیلہ کی بھی مرضی تھی کہ وہ عبداللہ سے نکاح کرلیں تب یہ آیت نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معقل کو بلا کر یہ آیت سنائی۔ انہوں نے کہا اپنے نفس کی نہ مانوں گا۔ رب کی اطاعت کروں گا اور جمیلہ کا نکاح ابن عاصم سے کروں گا۔ چنانچہ نکاح کر دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کیا۔ (احمدی و معانی و روح و خزائن و کبیر)۔ (2) ایک روایت یہ بھی ہے کہ حضرت جابر ابن عبداللہ کی چچازاد بہن کو ان کے شوہر نے طلاق دی اور عدت کے بعد دوبارہ نکاح کرنا چاہا وہ بیوی تو راضی تھیں مگر حضرت جابر نے انکار کیا تب یہ آیت اتری (کبیر و احمدی وغیرہ) ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعے ایک ہی وقت میں ہوئے ہوں تب یہ آیت آئی ہو۔ خیال رہے کہ عرب میں اسلام سے پہلے عالی نسب اور شریف گھرانے والے تو اکثر لڑکیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے تاکہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے اور ہم کسی کے سسر نہ کہلائیں اس میں ہماری توہین ہے رہے غریب لوگ وہ اپنی ساری اولاد کو ہی مار دیتے تھے کہ ہمیں کھانے کو ملتا نہیں انہیں کہاں سے کھلائیں۔ جن کے متعلق رب نے فرمایا **لا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق نحن نرزقھم وایاکم** اور جو لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھتے بھی تھے تو آمدنی کے لئے کہ ان کے جوان ہو جانے پر ہم بھاری رقمیں لے کر ان کے نکاح کریں گے غرضیکہ لڑکیاں ان کی دوکانوں کے سودے تھے پھر جو لوگ رقم دیکر ان سے نکاح کرتے وہ بھی انہیں اپنی زر خرید لونڈی باندیاں ہی سمجھتے تھے کہ بعد طلاق جب دوسرے سے نکاح کراتے تو ان سے رقمیں وصول کرتے غرضیکہ عورت کیا تھی ایک کاروبار کا سامان تھا ان آیات میں اس ظلم کو بھی روکا گیا ہے۔

تفسیر : **واذا طلقتم النساء فبلغن اجلھن** ظاہر یہ ہے کہ طلقتم میں خطاب طلاق دینے والے شوہروں سے ہے اور طلاق سے طلاق رجعی یا بائنہ مراد ہے جس میں حلالہ کی ضرورت نہیں النساء سے اپنی بیویاں اور بلوغ سے انتہا کو پہنچ جانا مراد ہے اور اجل سے عدت یعنی اے شوہرو جب کہ تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی یا بائنہ دو۔ اور ان کی عدت پوری ہو جائے تو **فلا تعضلوھن ان ینکحن ازواجھن** تعضلوا عضل سے بنا معنی تنگی اور روکنا۔ پٹھے کے سخت گوشت کو اسی لئے عضلہ کہتے ہیں کہ وہ سخت اور تنگ ہوتا ہے۔ جس عورت کے بچہ دشواری سے پیدا ہو اسے معضلہ کہا جاتا ہے یہاں اس کے معنی ہیں تختی

www.alahazratnetwork.org

کے ساتھ روکنا اور ظاہر ہے کہ یہ خطاب عورت کے ولی وارثوں کو ہے اور ازواج سے ان کے پہلے شوہر مراد ہیں جنہوں نے طلاق دی تھی کیونکہ یہ ہی مطلب شان نزول کے مطابق ہے یعنی اے عورت کے وارثو! ان عورتوں کو اس سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرلیں چونکہ ساری مخلوق رب کے علم میں حاضر ہے۔ اس لئے ایک ہی جملہ میں مختلف لوگوں سے خطاب فرمانا اس کے لئے درست ہے۔ جیسے کہ حاکم اپنے سامنے والے خدام کو علیحدہ علیحدہ حکم دیتا ہے کہ ایک بات کسی سے کہی دوسری دوسرے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ طلقتم اور لا تعضلوا دونوں جگہ پچھلے شوہروں سے ہی خطاب ہے۔ اور ازواج سے وہ لوگ مراد ہیں جن سے نکاح کرنے کا عورت نے ارادہ کرلیا ہو یعنی اے طلاق دینے والے شوہرو جب تم طلاق دے دو اور ان کی عدت بھی گزر جاوے تو عورتوں کو دوسرے نکاح سے نہ روکو کیونکہ عرب میں یہ ظلم بھی تھا کہ پہلا شوہر طلاق دیکر بھی عورت کو دوسرے سے نکاح نہ کرنے دیتا تھا بلکہ رشوت لے کر نکاح کی اجازت دیتا یہاں اس ظلم کا بند کرنا مقصود ہے۔ تفسیر احمدی میں ایک اور بھی لطیف بات فرمائی کہ طلقتم اور لا تعضلوا دونوں میں دوسرے شوہروں سے خطاب ہے۔ جس سے بطور حلالہ عورت نے نکاح کرلیا تھا اور ازواج سے پہلے شوہر مراد یعنی اے دوسرے شوہرو! جب تم طلاق والی عورتوں سے نکاح کرکے انہیں طلاق دے دی تو اب انہیں پہلے شوہروں سے نکاح کرنے سے نہ روکو کیونکہ وہ انہیں حلال ہو چکیں اگرچہ ان اخیری دو تفسیروں میں کلام میں انتشار تو نہ ہوگا مگر پہلی تفسیر زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ وہ ہی شان نزول کے مطابق بھی ہے اور اس پر زیادہ مفسرین کا اتفاق ہے اذا تراضوا بینھم بالمعروف یہ لا تعضلوا کا ظرف ہے یا ان ینکحن کا اور تراضوا کا فاعل عورت و مرد ہیں تغلیباً مذکر کا صیغہ ارشاد ہوا بالمعروف یا تراضوا کا متعلق ہے یا اس کی ضمیر سے حال 'معروف' بمعنی مشہور و معلوم ہے گویا معروف وہ کام ہے جو شرعاً "وعادۃً" مشہور ہو اور جس کی بھلائی معلوم ہو اور یہاں معروف سے جائز نکاح پورا مہر اور عمدہ برتاؤ مراد ہے۔ یعنی جب کہ وہ عورت و مرد آپس میں جائز باتوں پر راضی ہو چکے ہوں تو تم منع نہ کرو یا رضامندی کے جائز نکاح سے انہیں نہ روکو ذلک یوعظ بہ من کان منکم یؤمن باللہ والیوم الاٰخر ذلک سے مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے اگرچہ وہ احکام بہت ہیں مگر چند چیزوں کی طرف واحد یا تثنیہ کا اشارہ استعمال ہو جاتا ہے۔ جیسے ذلکما مما علمنی ربی کی ذلکما تثنیہ ہے مگر اس تثنیہ اشارے سے بہت سے مذکورہ بالا احکام کی طرف اشارہ ہو رہا ہے 'یوعظ' وعظ سے بنا بمعنی حکم اور ممانعت کرنا (نصیحت) اگرچہ یہ احکام تمام نیک کار و بدکار لوگوں کیلئے ہیں مگر چونکہ اطاعت صرف نیک کار ہی کرتے ہیں اس لئے انہیں کا ذکر ہوا اور ممکن ہے کہ یہ احکام صرف مسلمانوں کے لئے ہی ہوں کہ کفار پر دنیا میں احکام شرعیہ جاری نہیں یعنی ان احکام سے ان لوگوں کو نصیحت کی جاتی ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ اور قیامت کے ایمان میں سب ایمانیات داخل ہیں ابتداء و انتہاء کے درمیان میں تمام چیزیں آجاتی ہیں۔ ذلکم ازکی لکم واطھر ذلکم سے نصیحت قبول کرنے اور عمل کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ جو کہ یوعظ کے ضمن میں معلوم ہو چکے۔ ازکی 'زکوٰۃ' سے بنا بمعنی بڑھنا کہا جاتا ہے۔ زکی الزرع۔ کھیتی بڑھ گئی۔ چونکہ نیک اعمال کا ثواب بڑھتا ہے۔ اس لئے ازکی فرمایا گیا (معانی و روح وکبیر) ہو سکتا ہے کہ ازکی زکوٰۃ بمعنی طہارت و پاکیزگی سے بنا ہو (قد افلح من تزکی) اس صورت میں زکوٰۃ سے پوشیدہ پاکیزگی اور اطہر سے ظاہری پاکی یا اس کے برعکس مراد ہوں گے یعنی یہ اعمال تمہارے لئے بہت باعث برکت اور نفع بخش اور بہت پاکیزہ اور گناہوں سے صاف کرنے والے ہیں یا یہ کام تمہارے لئے ظاہر و باطن ہر طرح پاک و صاف ہیں کہ عورت کی مرضی کے خلاف نکاح کرنے کا انجام اچھا

www.alahazratnetwork.org

نہیں ہوتا جب ان کا دلی رجحان پہلے شوہر کی طرف ہے اور اس نکاح میں کوئی شرعی خرابی بھی نہیں تو اگرچہ تم اس سے راضی نہ ہو مگر بہتری اور بھلائی اسی میں ہے کیونکہ **واللہ یعلم وانتم لا تعلمون** ان رازوں کو اللہ جانتا ہے تم پورے پورے واقف نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ احکام کے اسرار بندوں کو نہیں معلوم بلکہ تفصیل وار پورے پورے انہیں نہیں معلوم۔ بندوں کی نگاہ اجمالاً چند فوائد تک پہنچ سکتی ہے اور در حقیقت رب کے احکام میں صدہا فوائد اور بے شمار مصلحتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے شوہرو! جب تم اپنی بیویوں کو طلاق رجعی دے دو اور ان کی عدت بھی گزر جائے تو اے عورتوں کے ولی وارثو! تم انہیں پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے ہرگز نہ روکو۔ جب کہ وہ آپس میں جائز کاموں پر راضی ہو گئے ہوں کہ عورت بھی پہلے شوہر ہی سے راضی ہو اور وہ بھی اسی بیوی سے رضامند اور اس میں کوئی شرعی خرابی نہ ہو تو انہیں نکاح کر لینے دو۔ یہ نصیحت ہر اس شخص کو ہے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو۔ ان باتوں پر عمل کرنا باعث برکت بھی ہے اور باعث طہارت بھی۔ احکام الٰہی کے راز کماحقہ رب ہی جانتا ہے۔ اس کی طرح تم کو خبر نہیں۔

دوسری تفسیر : اے شوہرو! جب تم اپنی بیویوں کو کوئی سی طلاق دے دو رجعی یا بائنہ یا مغلظہ اور ان کی عدت بھی پوری ہو جاوے تو انہیں اپنے تجویز کردہ شوہروں سے نکاح کر لینے سے نہ روکو کہ یہ ظلم ہے۔ جب وہ آپس میں بھلائی پر راضی ہو گئے تو تم نیک کاموں سے کیوں روکتے ہو۔ یہ نصیحت ہر ایمان رکھنے والے شخص کو ہے۔ الخ۔

تیسری تفسیر : اے وہ شوہرو! جنہوں نے طلاق مغلظہ والی عورتوں سے نکاح کیا جب تم بھی کسی وجہ سے ان عورتوں کو طلاق دے دو۔ تو اب انہیں پہلے شوہروں سے دوبارہ نکاح کرنے سے نہ روکو اب جب کہ اس نکاح میں کوئی خرابی نہ رہی اور وہ آپس میں راضی بھی ہیں تو تم نیک کام میں کیوں آڑے آتے ہو۔ الخ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** بالغہ عورت اپنے نکاح میں خود مختار ہے۔ ولی کی اجازت شرط نہیں کیونکہ ینکحن میں نکاح کو خود عورتوں کی طرف نسبت فرمایا گیا۔ نیز رب نے فرمایا **وامراۃ مومنۃ ان وھبت نفسھا للنبی** جس سے معلوم ہوا کہ عورت خود اپنا نفس کسی کو بخش سکتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر عورت شرعی یا عرفی قانون شکنی کرنا چاہے تو اس کے ولی وارث نکاح سے روک سکتے ہیں مثلاً مہر مثل سے کم پر یا غیر کفو میں یا چھپ کر بغیر گواہوں کے نکاح کرنا چاہے تو اس کو روکا جا سکتا ہے شرعی غلطی میں تو نکاح ہو گا ہی نہیں۔ اور ہر مسلمان کو منع کا حق ہو گا عرفی غلطی میں اولیاء کو حق منع ہے نہ کہ دوسروں کو۔ بلکہ درمختار نے فرمایا کہ اگر عورت غیر کفو میں اپنا نکاح خود کرلے تو وہ ہو گا ہی نہیں اس پر فتویٰ ہے یہ تمام مسائل بالمعروف سے مستنبط ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** نکاح میں زوجین کی رضامندی ضروری ہے اگر بغیر اذن نکاح کر دیا گیا تو ان کی اجازت پر موقوف ہو گا جیسا کہ اذا تراضوا سے معلوم ہوا۔ مگر طلاق میں مرد مستقل ہے کہ نہ عورت مرد کو طلاق دے سکے اور نہ طلاق عورت کی رضا پر موقوف ہو جیسا کہ واذا طلقتم النساء سے معلوم ہوا کہ طلاق کا فاعل مرد کو قرار دیا اور مفعول عورت کو۔ نہ باب تفاعل سے یہ صیغہ ارشاد ہوا تاکہ اشتراک معلوم ہوا اور نہ طلاق کو عورت کی رضا پر موقوف رکھا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** کفار پر دنیا میں یہ احکام شرعیہ جاری نہیں۔ ان کو ان معاملات میں آزادی ہو گی جیسا کہ **من کان منکم یؤمن باللہ** سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ سیاسی احکام اور بعض معاملاتی قوانین کفار پر بھی جاری ہوں گے۔ اگر کسی بددین کے دین

www.alahazratnetwork.org

میں چوری، زنا یا کشت و خون جائز ہو تو اسے اس سے روکا جاوے گا۔ اسی طرح اگر کافر مسلمان سے سود کا لین دین یا شراب کی خرید و فروخت کرنا چاہے تو نہ کرنے دی جاوے گی۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی آئندہ یا گزشتہ صفات سے موصوف کر دیا جاتا ہے دیکھو اس آیت میں پچھلے یا آئندہ ہونے والے شوہر کو ازواج کہہ دیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** لڑکی پر پیسہ لینا حرام ہے کہ یہ رشوت ہے (شامی) نیز لا تعضلوھن میں داخل ہے اس طرح امیر شوہر کی تلاش میں کبھی نکاح نہ کرنا سخت جرم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** جہاں نکاح کرنے کی خود لڑکی کی خشاء ہو اور اس میں کوئی خرابی نہ ہو وہاں نکاح نہ ہونے دینا منع ہے۔ جیسا کہ لا تعضلوھن سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نکاح و طلاق کے مسائل میں ذمی کفار مذہبی آزاد ہیں کہ ان پر ان ہی کے مذہب کے احکام جاری ہوں گے حتی کہ اگر ان کے زوجین کے جھگڑے مسلمان حکام کے ہاں پیش ہوں تو ان ہی کے مذہب کے مطابق فیصلہ کیا جاوے گا جیسا کہ **ذلک یوعظ بہ من کان منکم یؤمن باللہ** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اگر اس آیت میں طلقتم سے شوہروں کو اور **لا تعضلوھن** سے عورت کے ورثاء کو خطاب ہو تو آیت کا نظم بگڑ جاوے گا اور ایک عبارت میں مختلف لوگوں سے خطاب کرنا خلاف فصاحت ہے۔ **جواب:** اگر متکلم کے سامنے تمام مخاطب موجود ہوں۔ اور وہ سب سے یکے بعد دیگرے خطاب کرے تو کیا حرج ہے۔ زلیخا کے شوہر نے کہا تھا کہ **یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک**' دیکھو اعرض میں یوسف علیہ السلام سے خطاب ہے اور استغفری میں زلیخا سے۔ مگر چونکہ یہ دونوں اس کے سامنے موجود تھے لہٰذا درست ہوا کوئی مخلوق رب سے غائب نہیں تو اس کا اس طرح کلام فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح بغیر اجازت ولی درست نہیں۔ دیکھو یہاں وارثوں سے خطاب ہے کہ لا تعضلوھن عورتوں کو نکاح سے نہ روکو۔ اگر انہیں نکاح سے روکنے کا اختیار نہ تھا تو یہ ممانعت کیسی؟ (شافعی) **جواب:** یہ ممانعت عرفی لحاظ سے ہے۔ چونکہ عام طور پر عورتیں اپنے نکاح کا معاملہ اپنے ولی' وارث کے سپرد کر دیتی ہیں اور ان کی بغیر رائے کوئی کام نہیں کرتیں لہٰذا ان کو یہ ممانعت کر دی گئی۔ اگر آپ کا یہ استنباط صحیح ہو تو لازم آتا ہے کہ عورت کا دوسرا نکاح پہلے شوہر کی اجازت پر موقوف ہو کیونکہ بعض مفسرین کے نزدیک لا تعضلوا پہلے شوہروں سے ہی خطاب ہے پھر لطف یہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا کہ عورتوں کو نکاح کر لینے سے نہ روکو۔ معلوم ہوا کہ نکاح کرنا تو عورتوں کا اپنا ہی کام ہے وہ اس میں خود مختار ہیں۔ تم اس میں رکاوٹ نہ پیدا کرو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نکاح میں رضامندی زوجین ضروری ہے تو جبراً نکاح کیوں کیا جاتا ہے۔ وہاں رضا تو نہیں (حضرات شافعی)۔ **جواب:** جبر کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ لڑکی انکار کرتی رہے یا پوچھنے پر خاموش رہے اور نکاح کر دیا جائے۔ اس صورت میں نکاح نہ ہوگا دوسرے یہ کہ لڑکی سے جبراً اذن لے لیا جائے یعنی اسے اجازت دینے پر مجبور کیا جائے اس صورت میں نکاح ہو جائے گا کیونکہ اس کا مار پیٹ کے مقابلہ میں نکاح کی اجازت دینا اس پر راضی ہونا ہے۔ یہاں رضا خوشی سے عام ہے۔ طلاق نکاح وغیرہ میں خوشی ضروری نہیں۔ دیکھو دل لگی اور مذاق سے بھی نکاح و طلاق ہو جاتی ہے۔ حالانکہ وہاں خوشی نہیں ہوتی کیونکہ حدیث میں آیا کہ "**ثلث جدھن جد وھزلھن جد**" یعنی تین چیزوں نکاح' طلاق' آزادی غلام میں ارادہ بھی ارادہ ہے۔ اور دل لگی بھی ارادہ نیز طلاق و نکاح کے الفاظ ان عقود کے اسباب ہیں اور اسباب کی تاثیر نیت پر موقوف نہیں زہر سے موت ہو جاتی ہے خواہ خوشی سے کھائے یا جبراً۔ **چوتھا اعتراض:** حنفیوں کا مسئلہ ہے کہ اگر مرد کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کر کے جھوٹے گواہ کھڑے کر دے اور قاضی نکاح کا فیصلہ کر دے تو اسے صحبت

www.alahazratnetwork.org

حلال ہے۔ یہاں تو نہ نکاح ہوا اور نہ اس کی رضامندی اور صحبت حلال ہو گئی اور رب فرماتا ہے کہ نکاح میں رضامندی زوجین ضروری ہے۔ (غیر مقلد) جواب: اس کا تفصیلی جواب انشاء اللہ ففھمنھا سلیمن کی تفسیر میں آئے گا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ مالی معاملات میں حاکم کا فیصلہ فقط ظاہر پر ہوتا ہے نہ کہ حقیقت پر۔ اگر کوئی کسی کے مال پر دعویٰ ملکیت کر کے جھوٹی گواہی کے ذریعہ قاضی کا غلط فیصلہ لے لے تو یہ مال اس پر حرام ہی رہے گا لیکن بعض معاملات میں قاضی کا حکم ظاہر و باطن ہر طرح جاری ہے جیسے نکاح۔ اگر غلط گواہی پر قاضی نے فیصلہ کر دیا تو اس سے وہ فعل درست ہوں گے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک نکاح کا مقدمہ پیش ہوا جس میں مرد نے کسی عورت پر نکاح کا دعویٰ کر کے دو گواہ پیش کر دیئے آپ نے نکاح کا فیصلہ دے دیا۔ عورت نے عرض کیا کہ یہ جھوٹا ہے اب آپ براہ مہربانی میرا اس سے نکاح ہی پڑھا دیجئے۔ تاکہ آئندہ زنا نہ ہو آپ نے فرمایا کہ اگر یہ جھوٹا ہے تب بھی میرا فیصلہ ہی تیرا نکاح ہے۔ دیکھو عینی شرح بخاری کتاب الحیل اور حاشیہ بخاری دفع الوسواس فی تشریح قال بعض الناس۔

تفسیر صوفیانہ: فساد کی کوشش کرنا یا مسلمانوں کی صلح میں رکاوٹ ڈالنا مسلمان کی شان نہیں اس سے دل میں تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ صلح کی کوشش کرنا باعث ثواب ہے خصوصاً شوہر یا بیوی میں صلح کرانا بہترین عبادت ہے اور ان میں صلح نہ ہونے دینا سخت وبال کیونکہ ان کی صلح سے ایک خاندان کی دنیوی زندگی متعلق ہے۔ ایسے ہی نفس و روح کی اصلاح شیخ و مرید کی صلح امتی کا پیغمبر سے معافی حاصل کرانا بہت بڑا کام ہے کہ اسی پر اخروی زندگی کا دارومدار ہے۔ شفاعت کی بنا بھی اسی پر ہے کہ شفیع المذنبین مجرم بندے کو معافی دلا کر رب کی رحمت کو متوجہ کرتے ہیں۔ نیز والد اولاد کو مضر غذا سے بچاتا اور اس کی اصلاح کرتا ہے اولاد کو چاہئے کہ بلاچون و چرا باپ کے فرمان پر عمل کریں ایسے ہی رب تعالیٰ اپنے بندوں کو برائیوں سے بچاتا ہے اور کار خیر کا حکم فرماتا ہے ہم کو لازم ہے کہ اس کے احکام بلا تامل قبول کرلیں رحمت الٰہی کی پہچان یہ ہے کہ بندے کو اپنی اطاعت کی توفیق دے اور اس کی ناراضی کی یہ علامت ہے کہ بندے کو دنیاوی مشاغل سے ذکر اللہ کا موقع نہ ملے۔ رب تعالیٰ اپنے فضل سے ہماری زندگی نیک کاموں میں گزارے۔ انسان گناہ کر کے رب سے ناامید نہ ہو جاوے اس کی رحمت بہت وسیع ہے جب اس نے طلاق والی عورتوں کے لئے رجوع کے بہت سے ذریعے پیدا فرما دیئے تو مجرم بندوں کے لئے بھی توبہ کی بہت سے راہیں کھول دیں ہیں۔

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ

اور مائیں دودھ پلائیں اولاد اپنی کو دو سال پورے واسطے اس کے جو ارادہ کرے یہ کہ پورا کرے شیر خوارگی

اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو پورے دو برس اس کے لئے جو دودھ کی مدت پوری کرنی چاہیے

الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ

کو اور اوپر اس کے جنا گیا واسطے اس کے رزق ہے عورتوں کا اور لباس ان کا ساتھ بھلائی کے

اور جس کا بچہ ہے اس پر عورتوں کا کھانا اور پہننا حسب دستور کسی جان پر بوجھ نہ رکھا جائے گا مگر اس کے

www.alahazratnetwork.org

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ لَا تُکَلَّفُ نَفۡسٌ اِلَّا وُسۡعَہَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَۃٌۢ

نہیں تکلیف دیا جاتا کوئی نفس مگر طاقت بھر اس کی نہ نقصان دیا جاوے ماں کو بوجہ

مقدور بھر ماں کو ضرر نہ دیا جائے اس کے بچے سے اور نہ اولاد والے کو اس کی اولاد سے یا ماں ضرر نہ

بِوَلَدِہَا وَلَا مَوۡلُوۡدٌ لَّہٗ بِوَلَدِہٖ ٭ وَعَلَی الۡوَارِثِ مِثۡلُ

بچہ اس کے اور نہ بچہ والے باپ کو بوجہ بچہ اس کے اور اوپر وارث کے مثل

دے اپنے بچے کو اور نہ اولاد والا اپنی اولاد سے اور جو باپ کا قائم مقام ہے اس پر

ذٰلِکَ ۚ

اس کے ہے ؕ

بھی ایسا ہی واجب ہے ؕ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طلاق کے احکام بیان ہوئے۔ چونکہ طلاق کی صورت میں بچہ کی پرورش میں بھی جھگڑا پڑتا ہے کہ باپ چھیننا چاہتا ہے اور ماں دینا نہیں چاہتی اور کبھی ماں بچہ کو باپ پر پھینکتی ہے اور باپ لینا نہیں چاہتا۔ اس لئے اب رضاعت یعنی بچے کو دودھ پلانے کے احکام بیان ہوئے۔ **دوسرا تعلق :** پچھلی آیتوں میں طلاق والی عورتوں پر مہربانی کرنے کا حکم دیا گیا کیونکہ وہ عدت میں دوسرے نکاح سے مجبور ہیں اور اب ان بچوں کی پرورش کا ذکر کیا جارہا ہے جو ہر طرح ماں باپ کے محتاج ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ طلاق والی عورتوں کو تکلیف نہ پہنچاؤ اور تکلیف دو قسم کی ہے جسمانی اور روحانی جسمانی تکلیف کے بعد اب روحانی ایذا کی ممانعت کی گئی کہ ان سے ان کے دودھ پیتے بچے نہ چھینو۔ کہ اس میں ان کو روحانی ایذا پہنچے گی۔ اسلام سے پہلے عرب میں عورتوں پر ایک ظلم یہ بھی تھا کہ ان کے شیر خوار بچے ان سے چھڑا دیئے جاتے تھے کبھی تو اس طرح کہ طلاق دیکر عورتوں کو نکال دیا اس کے بچے چھین لئے اور کبھی اس طرح کہ ان کے بچے خصوصاً لڑکیاں ان کی گود سے چھین کر زندہ دفن کر دیتے تھے اس ظلم کو روکنے کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو لونڈی غلاموں کے بچوں بلکہ دو چھوٹے بھائی غلاموں کے الگ کرنے سے منع فرمادیا بلکہ چڑیوں اور دوسرے جانوروں کے شیر خوار یا بہت چھوٹے بچوں کو الگ کرنا ممنوع قرار دیا غرضیکہ یہ آیت بھی ان ظلموں کو روکنے کے لئے ہے جو عرب میں اسلام سے پہلے عورتوں پر توڑے جاتے تھے۔

تفسیر : **والوالدت یرضعن اولادھن** والدات سے یا تو طلاق والی عورتیں مراد ہیں کہ اس سے پہلے طلاق ہی کا ذکر ہو چکا ہے۔ نیز آئندہ فرمایا جارہا ہے کہ ان عورتوں کا کھانا کپڑا بچہ کے باپ پر واجب ہے۔ اگر یہاں بیوی مراد ہوتی تو اس کا خرچہ تو بہرحال شوہر کے ذمہ ہے۔ دودھ پلائے یا نہ پلائے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ساری ہی مائیں مراد ہوں خواہ طلاق والی ہوں یا اپنی بیویاں۔ کیونکہ آنے والے احکام سب کو عام ہیں۔ انہیں والدات فرما کر اپنے بچوں کی پرورش پر مائل کیا گیا عربی میں ام بھی ماں کو

www.alahazratnetwork.org

کہتے ہیں اور والدہ بھی یوں ہی اب بھی باپ کو کہتے ہیں اور والد بھی مگران دونوں لفظوں میں فرق یہ ہے کہ ام عام ہے کہ اس میں بھی سوتیلی ماں' دادی' نانی' خالہ بلکہ استادین کی بیویاں بھی شامل ہوتی ہیں فرماتا ہے **حرمت علیکم امہاتکم** دیکھو اس میں سگی' سوتیلی مائیں' دادی' نانی سب داخل ہیں۔ اور فرماتا ہے **وازواجہ امہاتہم** مگر والدہ صرف سگی ماں کو ہی کہا جاوے گا۔ فرماتا ہے **ان امہاتہم الا الئی ولدنہم** یہاں والدہ فرما کر بتایا کہ صرف سگی ماں دودھ پلائے گی نہ سوتیلی اور نہ دادی' نانی وغیرہ قرآن کریم میراث کے بیان میں فرماتا ہے **مما ترک الوالدن والا قربون** یہاں بھی والدہ سے مراد صرف سگے ماں باپ ہیں نہ سوتیلے ماں باپ اور نہ دادا نانا لہذا دادا تو الا قربون میں داخل ہے اور بیٹے کے ہوتے پوتے کو میراث نہیں مل سکتی یہ بات بہت خیال میں رکھنی چاہئے یر ضعن رضع سے بنا جس کے معنی ہیں دودھ کے لئے پستان چوسنا اور باب افعال میں آکر چوسانے کے معنی پیدا ہوئے یعنی دودھ پلانا اور یر ضعن خبر بمعنی امر ہے۔ یہ امر بھی استحبابی ہے کیونکہ بچوں کی پرورش اور انہیں دودھ دینا ماں پر واجب نہیں صرف مستحب ہے باپ پر پرورش لازم چونکہ ماں کا دودھ بچوں کو زیادہ موافق ہے اور وہ ہی زیادہ مہربان بھی ہے۔ لہذا بہتر ہے کہ خود ہی پالے ہاں اگر باپ میں دائی رکھنے کی طاقت نہ ہو یا دائی ملتی نہ ہو یا بچہ ماں کے سوا کسی کا دودھ قبول نہ کرتا ہو تو ماں پر واجب ہے (احمدی وغیرہ) اولادھن ولد کی جمع ہے بمعنی مولود (بچہ) لڑکی ہو یا لڑکا اولادھن' فرما کہ یہ بتا دیا کہ عورت کے ذمہ اپنے پیٹ کے بچہ کی پرورش ہے نہ کہ سوکن کے بچہ کی یعنی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں۔ مطلقہ بیویوں کو والدات فرما کر اور بچوں کو اولادھن کہہ کر لطیف اشارہ اسی جانب کیا گیا کہ بعد طلاق اگرچہ وہ عورتیں تمہاری بیویاں نہ رہیں اور تم ان کے خاوند نہ رہے مگر وہ اپنے بچوں کی تو بدستور مائیں ہیں اور بچے ان کے بیٹے بیٹی پھر طلاق سے ان کے حق پرورش اور دودھ پر کیسے اثر پڑے گا وہ ہی بچوں کو دودھ دیں گی اور وہ بچوں کو پالیں گی خیال رہے کہ زوجیت وہ رشتہ ہے جسے ہم بذریعہ نکاح قائم کرتے ہیں تو بذریعہ طلاق توڑ بھی دیتے ہیں مگر نسب وہ رشتہ ہے جو رب نے قائم فرمایا کسی کے توڑے ٹوٹ نہیں سکتا۔ جسے انسان جوڑ سکتا ہے اسے توڑ بھی سکتا ہے جسے جوڑ نہیں سکتا اسے توڑ بھی نہیں سکتا۔ **حولین کاملین** حول کے معنی ہیں بدلنا۔ چونکہ سال اور برس پلٹ پلٹ کر آتے ہیں یا سال بھر میں عالم میں ایک انقلاب سا ہو جاتا ہے یا سال کے اندر چند موسم تبدیل ہوتے ہیں اس لئے اسے حول کہا جاتا ہے حولین کے بعد کاملین فرما کر یہ بتایا کہ اس سے تقریبی مدت مراد نہیں بلکہ پورے دو سال مراد ہیں یعنی مائیں بچہ اور بچی کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ **لمن اراد ان یتم الرضاعۃ** یہ جملہ پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے اور گزشتہ حکم کا بیان اور ارادے یا تو خود مائیں مراد ہیں یا بچہ کے باپ یا ماں باپ دونوں اور یتم سے شیر خوارگی کی مدت پورا کرنا مراد ہے۔ یعنی دو سال کا حکم ان ماں باپ کے لئے ہے جو کامل رضاعت چاہئیں اور ہو سکتا ہے کہ من کا متعلق یر ضعن ہو یعنی ماں بچہ کو اس باپ کے لئے دودھ پلائے۔ جو شیر خوارگی پورا کرنا چاہتا ہے گویا یہ باپ پر لازم تھا ماں اس کا کام کرتی ہے اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دو سال ہی دودھ پلانا لازم نہیں بلکہ جو پوری مدت پلانا چاہے اتنا پلائے اور جو اس سے پہلے ہی چھڑانا چاہے چھوڑا دے بشرطیکہ اس میں بچہ کو خطرہ نہ ہو۔ **وعلی المولود لہ رزقہن و کسوتہن بالمعروف** علی لازم کرنے کے لئے ہے اور چونکہ بچہ باپ کے لئے جنا جاتا ہے اور اسی کا ہوتا ہے۔ ماں تو اس کا برتن ہے اس لئے اسے مولود لہ کہا گیا۔ اس سے یہ لازم نہیں کہ ماں بچے سے بالکل لا دعویٰ ہے بلکہ ماں کا حق خدمت اولاد پر باپ سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لئے اس آیت میں ایک جگہ تو بچہ کو ماں کی طرف مضاف کیا گیا کہ فرمایا گیا **بولدھا** اور دوسری جگہ باپ کی طرف کہ ارشاد ہوا **بولدہ** تاکہ معلوم ہو کہ

www.alahazratnetwork.org

بچہ ماں کا بھی ہے اور باپ کا بھی کہ بچے کی ہڈیاں باپ کے نطفے سے ہیں اور گوشت پوست ماں کے نطفے سے رزق سے غذا اور کسوت سے لباس مراد ہے اگر یہاں طلاق والی عورتیں مراد تھیں تب تو اس کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ طلاق والیوں کا کھانا کپڑا دودھ پلانے کی مدت پر باپ پر واجب ہے اور اگر عام عورتیں مراد ہیں تو یہ مطلب ہے کہ اگرچہ بچے کی ماں اس کی پرورش کی وجہ سے شوہر کی خدمت نہ کر سکے۔ تب بھی اس کا خرچہ باپ کے ذمہ ہے کیونکہ بچہ کی پرورش بھی شوہر کی خدمت ہے۔ روح المعانی نے اس جگہ ایک عجیب بات کہی وہ یہ کہ یہاں مولودلہ فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ اگر بچہ باپ کے قبضہ میں نہ ہو تو اس کی ماں کا خرچہ بھی اس پر واجب نہیں۔ لہٰذا لونڈی کا شوہر زمانہ پرورش میں اپنی بیوی کو خرچ نہ دے گا۔ بلکہ اس کا مالک دے گا کیونکہ یہ بچہ اس کا غلام ہے۔ **بالمعروف** سے حسب طاقت خرچہ مراد ہے کہ نہ تو بیوی بڑھیا غذائیں اور اعلیٰ لباس مانگے اور نہ شوہر اپنی حیثیت سے کم دے یا یہ مطلب ہے کہ بچہ کی شیر خوارگی و پرورش کے زمانہ میں جس قسم کا کھانا دینے کا رواج ہے اس قسم کا کھانا دیا جاوے یعنی معروف بمعنی مشہور فی العرف و مروج شیر خوارگی کے زمانہ میں عموماً ایسے کھانے دیئے جاتے ہیں جس سے دودھ زیادہ ہو کیونکہ **لا تکلف نفس الا وسعھا** **تکلف** کلف سے بنا جس کے معنی ہیں چہرہ کی سیاہی۔ اصطلاح میں مشقت میں ڈالنے یا لازم کرنے کے لئے آتا ہے چونکہ اس کا اثر بھی چہرے پر ظاہر ہوتا ہے اس لئے اسے **تکلف** کہا جاتا ہے وسع کے معنی ہیں گنجائش اور چوڑائی۔ اصطلاح میں طاقت اور قدرت کے لئے آتا ہے کیونکہ اس میں بھی اعمال کی گنجائش ہوتی ہے یعنی کسی نفس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی۔ خیال رہے کہ یہاں وسع یا تو لا **تکلف** کا دوسرا مفعول ہے اور یا اس سے پہلے بقدر پوشیدہ ہے۔ **لا تضار والدۃ بولدھا ولا مولود لہ بولدہٖ** لا تضار باب مفاعلہ کا نہی ہے معروف بھی ہو سکتا ہے اور مجہول بھی معروف ہونے کی صورت میں بولدھا کی ب یا تعدیہ کی ہے یا استعانت کی اور مفعول پوشیدہ اور مجہول ہونے کی صورت میں ب استعانت ہی کی ہو گی یعنی نہ نقصان پہنچائے ماں اپنے بچہ کو کہ اس کی پرورش میں کوتاہی کرے یا نہ نقصان پہنچائی جائے ماں اپنے بچہ کی وجہ سے کہ وہ اسے پالنا نہ چاہے اور باپ میں دائی رکھنے کی گنجائش بھی ہو مگر نہ رکھے ماں کو ہی مجبور کرے ایسے ہی نہ باپ نقصان پہنچائے اپنے بچے کو کہ اس کی پرورش میں کوتاہی کرے یا باپ نہ نقصان پہنچائے ماں کو اپنے بچہ کی وجہ سے یا باپ اپنے بچہ کے ذریعہ نقصان نہ پہنچایا جائے۔ یہ سارے احکام جب ہیں کہ باپ زندہ ہو لیکن اگر نہ ہو تو **وعلی الوارث مثل ذٰلک** یہ علیٰ بھی الزام کے لئے ہے اور الوارث میں الف لام مضاف الیہ کے بدلے میں ہے اور اس سے بچہ کا وارث مراد ہے اور بعض نے فرمایا کہ باپ کا وارث مراد وارث سے ذی رحم محرم مراد ہیں یعنی وہ قرابت دار جن سے نکاح ہمیشہ حرام ہے ذٰلک میں سارے گزشتہ احکام کی طرف اشارہ ہے یعنی اگر باپ زندہ نہ ہو بچہ یتیم ہو تو اس کے ذی رحم قرابت داروں پر اس کا خرچہ واجب ہے نیز اگر بچے کی ماں نہ ہو تو اس کی نانی' خالہ وغیرہ اس کی پرورش کریں اور پرورش کا بھی خاوند پر بعد عدت سارا خرچہ دوسرے خاوند پر اگر لڑکی کسی وجہ سے دوسری شادی نہ کر سکے تو پھر خرچہ باپ بھائی وغیرہ پر ورنہ مسلم قوم یا حکومت وقت پر کہ وہ یتیموں بیوگان کی پرورش کے انتظام کریں۔ کیونکہ عورتوں کے ذمہ اندرونی زندگی سنبھالنا ہے۔ مردوں کے ذمہ بیرونی زندگی کا انتظام اگر عورتوں پر بھی مردوں کی طرح کمانا لازم کر دیا جائے تو بچہ کون جنے اور کون پالے کون سنبھالے۔ گاڑی کے دونوں پہیے ایک ہی طرف نہ لگاؤ دو طرفہ لگاؤ لڑکیوں کا ہنر' سینا پرونا' گھر سنبھالنا' مردوں کا ہنر کمائی کرنا رکھا گیا جیسا ذمہ میں کام ویسا ہی انتظام۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ماں کے ذمے اپنے حقیقی بچے کی پرورش ہے نہ کہ سوتیلے کی۔ کیونکہ یہاں اولادھن فرمایا گیا نہ کہ اولاد الازواج۔

مسئلہ : ماں خواہ مطلقہ ہو یا نہ ہو اس پر اپنے بچے کو دودھ پلانا واجب ہے جب کہ باپ میں دائی سے دودھ پلوانے کی قدرت نہ ہو یا دودھ پلانے والی میسر نہ آئے یا بچہ ماں کے سوا کسی اور کا دودھ قبول نہ کرتا ہو۔ اور جب بچے کی پرورش ماں کے دودھ پر موقوف نہ ہو تو ماں پر دودھ پلانا واجب نہیں مستحب ہے۔ (خزائن و احمدی)۔ مسئلہ: بحالت نکاح اور بحالت عدت ماں کو شوہر سے دودھ پلانے کی اجرت لینا جائز نہیں۔ ہاں بعد عدت جائز ہے۔ مسئلہ: ماں کے مقابلہ میں دوسری عورت کو بچے کی پرورش کا حق نہیں یعنی باپ ماں سے بچے کو نہیں چھین سکتا۔ ہاں اگر طلاق والی بیوی زیادہ اجرت مانگتی ہے یا کسی اجنبی سے اس نے نکاح کر لیا تو اب اس کا حق پرورش جاتا رہا۔ مسئلہ: اگر ماں بچہ کے ذی رحم سے نکاح کر لے تو اس کا حق پرورش باقی ہے دوسرا فائدہ: دودھ کی مدت امام صاحب کے ہاں ڈھائی سال اور صاحبین کے نزدیک دو سال ہیں مگر فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے کہ دو سال پر دودھ چھوڑا دیا جائے مگر جو بچہ ڈھائی سال کے عمر میں کسی عورت کا دودھ پی لے وہ اس کا رضاعی بیٹا ہو گا۔ تیسرا فائدہ: یہ آیت بظاہر صا اے قول کی تائید کرتی ہے کہ اس میں مدت رضاعت دو سال فرمائی گئی اور ساتھ ہی اس طرف بھی اشارہ کر دیا گیا کہ یہ اس کی پوری مدت ہے نیز دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **وحملہ وفصالہ ثلثون شھرا** یعنی بچہ کا حمل اور شیر خوارگی تیس مہینے یعنی ڈھائی سال ہیں جس میں چھ ماہ حمل کی ادنیٰ مدت ہے اور دو سال شیر خوارگی کی نیز عورت کا دودھ بدن انسانی کا جز ہے جس کا استعمال بلا ضرورت ناجائز اور چونکہ دو سال کے بعد بچہ کو اس کی ضرورت نہیں رہتی لہٰذا اس کا استعمال ناجائز ہونا چاہئے۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ یہ آیت دودھ پلانے کی اجرت کے حق کے لئے ہے یعنی طلاق والی بیوی کو دو سال تک شوہر سے دودھ کی اجرت لینے کا حق ہے۔ اس کے بعد باپ پر جبر نہ ہو گا نیز اسی آیت کے اگلے جملہ میں ارشاد ہوتا ہے **فان ارادا فصالا** کہ اگر ماں باپ دو سال کے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں۔ اگر دو سال ہی دودھ کی مدت ہوتی تو ان ارادا کے کیا معنی دودھ چھڑانا واجب ہونا چاہئے نیز رب فرماتا ہے۔ **حملہ وفصالہ ثلثون شھرا** بچہ کا حمل اور اس کی شیر خوارگی کی مدت ڈھائی سال ہے یہاں تقسیم مراد نہیں بلکہ حمل اور شیر خوارگی ہر ایک کی یہ مدت ہے کہ حمل کی انتہائی مدت ڈھائی سال اور شیر خوارگی کی بھی اتنی مگر چونکہ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ حمل کی انتہائی مدت دو سال ہے اور آیت دلالت میں قطعی نہیں۔ لہٰذا حمل کی انتہائی مدت دو سال رہی اور دودھ کی ڈھائی سال۔ چوتھا فائدہ: اگر خاوند اپنی بیوی کو خرچہ نہ دے تو وہ حکومت یا پنچایت یا برادری کے زور سے حاصل کرے یا اگر موقعہ لگے تو اس کی جیب سے نکال لے جیسا کہ حضور نے بی بی ہندہ کو ابو سفیان کی جیب سے اپنا خرچ نکال لینے کی اجازت دی۔ (حدیث) اگر خاوند غائب ہو جائے تو اس کی اشیاء فروخت کر کے خرچ کرے۔ (کتب فقہ) یہ علی المولود لہ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: بچہ باپ کا ہے کہ اس سے نسب ہے نہ کہ ماں سے کیونکہ یہاں باپ کا مولود لہ فرمایا گیا لہٰذا جس کا باپ سید اور ماں غیر سید ہو وہ بچہ سید ہے۔ اور جس کی ماں سیدانی اور باپ غیر سید ہو تو بچہ سید نہیں کہ اسے زکوٰۃ لینا جائز ہے۔ چھٹا فائدہ: باپ اپنی اولاد کے مال کا مالک ہے کہ اسے خرچ کرنا جائز۔ کیونکہ یہاں باپ کو مولود لہ فرمایا گیا جب وہ بچہ کا مالک ہوا تو اس کے مال کا بدرجہ اولیٰ (احمدی) لہٰذا اگر کوئی اپنے بیٹے کی لونڈی سے صحبت کر لے اس کا مال خرچ کر لے تو اس پر کوئی تاوان نہیں نیز قاتل باپ پر قصاص نہیں۔ ساتواں فائدہ: اولاد کا خرچہ صرف باپ کے ذمہ ہے نہ کہ

www.alahazratnetwork.org

ماں پر نہ کسی اور پر جیسا کہ علی المولود لہ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: حاجت مند باپ کا خرچ صرف اولاد پر ہے نہ کہ کسی اور پر مگر ان پر بقدر میراث ہوگا مثلاً ایک غریب آدمی کا ایک بیٹا اور ایک بیٹی مالدار ہیں تو اس کا تہائی خرچہ صرف بیٹی کے ذمہ ہے اور دو تہائی بیٹے کے ذمے۔ کیونکہ ان کی میراث بھی ایسے ہی ہے۔ نواں فائدہ: صرف کھانے کپڑے کے عوض دائی رکھنا جائز ہے۔ اگرچہ یہ خبر نہ ہو کہ وہ کتنا کھائے پہنے گی۔ دسواں فائدہ: چھوٹے بچوں کا خرچہ بہرحال باپ پر ہے خواہ ان کے پاس اپنا مال ہو یا نہ ہو کیونکہ یہاں دائی کا معاوضہ بہر صورت باپ پر لازم کیا گیا۔ گیارہواں فائدہ: ماں باپ اور اولاد کے سوا بوقت ضرورت دوسروں کا خرچہ بھی دینا واجب ہے۔ بیمار بھائی بہن بے دست و پا چچا ماموں کا خرچہ دینا ضروری کیونکہ یہاں فرمایا گیا وعلی الوارث مثل ذلک۔ نیز ارشاد ہوا وات ذا القربی حقہ۔

مسئلہ: جوان بے دست و پا بیٹا اور حاجتمند جوان بیٹی کا خرچ بھی باپ پر لازم ہے کیونکہ وہ مولود لہ ہے۔ بارھواں فائدہ: اگر بچے کی ماں مرجائے تو اس کی نانی یا پھر خالہ پھر دادی وغیرہ پرورش کریں اور اگر باپ فوت ہو جائے تو پرورش کا خرچ دادا پھر بھائی پھر چچا وغیرہ برداشت کریں جیسا کہ وعلی الوارث مثل ذلک سے معلوم ہوا ان وارثوں کی ذمہ داریاں وہی ہوں گی جو اصل ماں باپ کی ذمہ داریاں تھیں قرآن کریم کی اس ایک مختصری آیت نے کہ وعلی الوارث مثل ذلک ہزارہا احکام بتا دیئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ کو بچپن میں وفات دے کر اس آیت کریمہ کی پہلے ہی تفسیر کرا دی تھی۔ تیرھواں فائدہ: نہ تو ماں بچہ کا بہانہ بنا کر باپ کو ستائے کہ دوسری جگہ نکاح کرے اور خرچہ اس خاوند سے وصول کرے یا کسی سیر و تفریح کو چلی جائے اور بچہ کے بہانہ سے خرچ باپ سے لے اور نہ باپ بچے کے بہانہ سے عورت کو پریشان کرے کہ پرورش کے بہانہ سے اسے اور جگہ نکاح نہ کرنے دے یوں ہی ماں باپ نہ تو بچہ کو بھوکا ماردیں نہ بعض بچوں کو زیادہ پیار کریں بعض کو کم بعض کو چیز زیادہ دیں بعض کو کم یہ سب لا تضار میں داخل ہیں اس کا بہت خیال چاہیے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بچہ باپ کا ہے اور اسی سے نسب ہے تو چاہیے کہ سید حضور کی اولاد نہ ہوں۔ کیونکہ ان کا رشتہ حضور سے بذریعہ ماں ہے بلکہ وہ علوی کہلائے جائیں جیسے محمد ابن حنفیہ اور ان کی اولاد کہ یہ علی مرتضیٰ کی اولاد ہیں مگر سید نہیں۔ (بعض خارجی)۔ جواب: یہ نسب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ بیٹی سے ہی چلا۔ اس کی صریح حدیث بھی آتی ہے قرآن کریم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نوح علیہ السلام کی ذریت فرمایا (سورہ انعام آیت 75) حالانکہ ان کا رشتہ نوح علیہ السلام سے بذریعہ والدہ ہی ہے۔ دوسرا اعتراض: تو چاہیے کہ اب بھی جس کی ماں سیدانی ہو سید مانا جائے۔ جواب: یہ حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب بذریعہ بیٹی چلا۔ فاطمہ زہرا کا نسب بذریعہ بیٹی نہیں چلے گا۔ لہٰذا ان کے بیٹوں کی اولاد کا نسب تو ان سے ہو گا نہ کہ بیٹیوں کا دیکھو حضرت زید ابن عمر جو عمر رضی اللہ عنہ کے بیٹے ہیں اور حضرت ام کلثوم بنت فاطمہ زہرا کے شکم سے ہیں سید نہیں۔ تیسرا اعتراض: اجارہ میں اجرت کا مقرر ہونا ضروری ہے اور کھانا کپڑا مقرر نہیں ہو سکتا کہ ہر ایک کی خوراک مختلف ہے تو چاہیے کہ اس پر اجارہ بھی ناجائز ہو۔ جواب: یہ قیاس قرآن کے خلاف ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہیں نیز ضرورۃً خلاف قیاس بھی احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ حمام کی اجرت جائز ہے حالانکہ پانی مقرر نہیں ہوتا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں بچہ کو ماں کی طرف بھی نسبت دی گئی کہ فرمایا گیا بولدھا تو اگر بیٹا

www.alahazratnetwork.org

باپ ہی کا ہوتا ہے۔ تو یہ نسبت کیسی۔ **جواب:** بچہ ماں کا جز تو ہے اسی لئے اس کی طرف منسوب ہوتا ہے۔ ہاں ماں سے نسب نہیں چونکہ ابھی آیت مکمل نہیں ہوئی۔ لہذا تفسیر صوفیانہ آئندہ بیان ہوگی۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں تو رب نے فرمایا کہ عورتوں کا رزق خاوندوں پر ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** ہر جاندار کا رزق اللہ پر ہے اور دونوں آیتیں متعارض ہیں اور اگر خاوندوں پر عورتوں کا رزق ہو تو وہ عورتوں کے رزاق ہوئے۔ **جواب:** وہاں حقیقت کا ذکر ہے یہاں سبب و مجاز کا یعنی حقیقی روزی رساں رب تعالیٰ ہی ہے مگر سبب کے لحاظ سے مجازاً بیوی کے لئے خاوند اولاد کے لئے باپ ہے۔

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ
پس اگر چاہیں دونوں دودھ چھڑانا رضامندی سے انکی اور مشورہ سے پس نہیں ہے گناہ اوپر ان کے
پھر اگر ماں باپ دونوں آپس کی رضا اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر گناہ نہیں اور اگر
عَلَيْهِمَا وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
اور اگر چاہو تم یہ کہ دودھ پلواؤ اولاد اپنی کو پس نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے جب کہ
تم چاہو کہ دائیوں سے اپنے بچوں کو دودھ پلواؤ تو بھی تم پر مضائقہ نہیں جب کہ جو دینا ٹھہرا تھا
اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ
سونپ دو تم وہ جو دو تم ساتھ بھلائی کے اور ڈرو اللہ سے اور جانو کہ تحقیق اللہ ساتھ اس کے
بھلائی کے ساتھ انہیں ادا کر دو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾
جو کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے ۞
اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے ۞

تعلق: اس جملہ کا پچھلے جملوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملہ میں بچوں کے دودھ پلانے کا ذکر تھا اب ان کے دودھ چھڑانے کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں خود ماں کے دودھ پلانے اور پرورش کرنے کا ذکر تھا اب دائی سے دودھ پلوانے کے احکام ارشاد ہوئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ دودھ کے لئے دو سال ہی پورے کرنا لازم نہیں بلکہ ماں باپ کو اس میں کچھ اختیارات بھی ہیں۔ اب انہی اختیارات کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر: **فان ارادا فصالا** ارادا کا فاعل ماں باپ دونوں ہیں چونکہ بچے سے باپ کی نسبت ہے اور ماں کو شفقت۔ اس لئے دودھ چھڑانا دونوں ہی کی رائے پر موقوف رکھا گیا۔ نیز کبھی باپ اجرت سے بچنے کے لئے دودھ جلد چھڑانا چاہتا ہے اور کبھی طلاق

www.alahazratnetwork.org

والی ماں دوسرا نکاح کرنے کے لئے اس میں جلدی کرتی ہے۔ لہذا یہ کام دونوں کی رائے پر موقوف رکھا گیا تاکہ بچہ کا نقصان نہ ہو فصال، فصل سے بنا بمعنی جدائی اسی لئے شہر پناہ کو فصیل اور اونٹ کے بچہ کو فصال کہتے ہیں کہ وہ بھی اپنی ماں سے جدا کر دیا جاتا ہے نیز مسافر کے شہر سے نکل جانے کو بھی فصل کہا جاتا ہے۔ **فلما فصل طالوت** اور راستہ کی مسافت کو فاصلہ کہہ دیا کرتے ہیں یہاں اس سے دودھ چھڑانا مراد ہے کہ دودھ چھوٹ کر بچہ ماں سے الگ ہو جاتا ہے نظام بھی اسی معنی میں ہے اس سے فاطمہ بنا یعنی تارک الدنیا بیوی چنانچہ شیر خوارگی کی مدت پہلے جملہ میں بیان ہو چکی کہ فرمایا گیا **حولین کاملین** لہذا اس فصال سے کچھ اور مقصود ہونا چاہئے سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے دو سال سے پیشتر یا دو سال پر یا اس کے بعد بھی دودھ چھڑانا مراد ہے اور یہ امام صاحب کی قوی دلیل (کبیر) اگر دودھ کی مدت دو سال ہوتی تو دو سال گزرنے پر دودھ چھڑانا واجب ہو جاتا کسی مشورہ وغیرہ کی ضرورت نہ ہوتی اور یہاں مشورہ و رضامندی کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ دو سال سے دودھ چھڑانا واجب نہیں بلکہ والدین کی رضا و مشورہ پر موقوف ہے چاہیں چھوڑائیں یا نہ چھوڑائیں ڈھائی سال پورے کر لیں یعنی اگر ماں باپ دو سال سے پہلے ہی یا دو سال پر یا اس کے بعد اپنے بچہ کا دودھ چھڑانا چاہیں مگر جبراً نہیں **عن تراض منهما و تشاور** تراض رضا سے بنا باب تفاعل میں آکر آپس کی رضامندی کے معنی میں ہوا ایسے ہی تشاور مشورہ سے بنا جیسے **معونت** سے **تعاون**' بمعنی نکالنا۔ اس لئے گھر کے سامان کو شوار کہتے ہیں کہ وہ بھی نکالا جاتا ہے۔ اصطلاح میں چند رائیں جمع کرنے کو مشورہ یا تشاور کہا جاتا ہے یعنی ماں باپ آپس کی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو چھڑا سکتے ہیں۔ **و ان اردتم ان تسترضعوا اولادکم** ظاہر یہ ہے کہ اس میں صرف باپ سے خطاب ہے کیونکہ دائی سے دودھ پلوانے کا تعلق باپ ہی سے ہے اور اسی کے ذمے دائی کی اجرت غرضیکہ ماں کا دودھ چھڑانے میں چونکہ باپ پر کوئی بوجھ نہیں بلکہ اس کا تعلق صرف بچے سے ہے اس لئے وہاں **فان اراد** فرما کر ماں باپ دونوں کے مشورہ پر موقوف رکھا گیا اور دائی سے پرورش کرانے میں باپ پر دائی کے خرچ کا بوجھ ہے ماں پر کوئی بوجھ نہیں بلکہ اسے تو راحت ہے کہ وہ بچے پرورش کی محنت سے بچ جاوے گی اس لئے یہاں اردتم فرما کر صرف باپ سے خطاب ہوا کہ دائی رکھنے میں باپ مستقل ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہاں اردتم میں بھی ماں باپ دونوں سے ہی خطاب ہو۔ جیسے **اقیموا الصلوۃ** وغیرہ میں مردوں عورتوں دونوں سے خطاب ہے مرد اشرف ہے اس لئے مذکر صیغہ استعمال ہوا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ تسترضعوا کا پہلا مفعول پوشیدہ ہے یعنی دائیاں اور اولادکم دوسرا مفعول اور بعض نے کہا کہ اولاد سے پہلے لام پوشیدہ ہے اور استرضاع کے معنی ہیں دائی تلاش کرنا یعنی اے والدو! اگر تم دائیوں سے اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو یا اس کے لئے کوئی دائی تلاش کرو تو **فلا جناح علیکم** تم پر کوئی گناہ نہیں۔ **اذا سلمتم ما اتیتم بالمعروف**' سلمتم تسلیم سے بنا۔ اسلام کی طرح اس کا مادہ بھی سلم ہے بمعنی آفات سے محفوظ رہنا پوری فرمانبرداری۔ راضی برضا رہنے کو بھی تسلیم کہہ دیتے ہیں جیسے **ویسلموا تسلیما**' سلام کرنے کو بھی تسلیم کہا جاتا ہے **فسلموا علی انفسکم** یہاں پورا پورا سونپنا اور سپرد کر دینا مراد ہے ما اتیتم سے دینے کا ارادہ کرنا یا اجرت طے کرنا مراد ہے یعنی جب کہ تم دائیوں کو ان کی طے شدہ اجرت دے دو جیسے **فاذا قرات القران فاستعذ باللہ**' کہ یہاں قرآن پڑھنے سے پڑھنے کا ارادہ مراد ہے۔ خیال رہے کہ یہ جواز کی شرط نہیں بلکہ بیان استحباب ہے کہ بہتر یہی کہ دائی کی اجرت دینے میں جلدی کی جائے تاکہ وہ بچہ کی پرورش میں دل لگا کر محنت کرے۔ **بالمعروف** یہ سلمتم کے متعلق ہے اور اس سے خوش معاملگی اور بھلائی مراد ہے یعنی تم ان کی اجرت بھلائی سے بغیر ڈھیل کے

www.alahazratnetwork.org

دے دو۔ بعض علماء نے فرمایا کہ معروف سے رزق حلال مراد ہے یعنی دائی کو حلال کمائی کھلاؤ تاکہ اس کا دودھ بچہ کو نفع دے کیونکہ ماں کی غذا کا بچہ کی صحت اور اخلاق پر اثر پڑتا ہے۔ (روح البیان) **واتقوا اللہ** اور تمام احکام میں اللہ سے ڈرتے رہو کہ اپنی بیوی اور بچوں اور دائی کے حقوق نہ مارو **واعلموا ان اللہ بما تعملون بصیر** یہ بھی دھیان رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔ اس سے انتہائی خوف دلانا منظور ہے کیونکہ جب غلام کو اپنے مولیٰ کی نگرانی کا خیال ہو تو وہ نافرمانی کی ہمت نہیں کرتا۔

خلاصہ تفسیر: شیر خوارگی کی مدت تو دو سال ہی ہیں پھر اگر ماں باپ اپنے آپس کی رضامندی اور مشورہ سے اس سے کچھ آگے پیچھے بھی دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان کے مشورہ سے معلوم ہوگا کہ اب بچہ ماں کے دودھ سے بے نیاز ہو چکا اور اے والدو! اگر تم چاہو کہ اپنی اولاد کو بجائے ان کی ماں کے دائیوں سے دودھ پلواؤ تو بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کی طے شدہ اجرت خوش معاملگی سے ادا کرو کہ تنخواہ دینے میں حیل و حجت اور ٹال مٹول نہ کرو۔ اور ان سارے احکام میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ خوب جان رکھو کہ اللہ تمہارے اعمال کو ہر وقت دیکھتا ہے۔ خیال رہے کہ باپ کی عقل محبت عقل پر ہے اور ماں کی محبت عقل پر غالب ہے اس لئے شریعت نے پرورش و شیر خوارگی میں ماں باپ دونوں کی رائے معتبر مانی تاکہ ماں کی محبت باپ کی عقل مگر بچہ کے لئے مفید تجویزیں سوچ سکیں مگر تعلیم و تربیت اور نکاح میں صرف باپ کو اختیار دیا گیا۔ باپ کے ہوتے ماں کو اس سے تعلق نہیں کیونکہ ان دونوں کاموں میں عقل کی زیادہ ضرورت ہے ماں بچہ کا آرام ہی چاہتی ہے انجام نہیں دیکھتی مگر باپ آرام و انجام دونوں پر نظر رکھتا ہے۔ اس لئے باپ ہی شادی بیاہ تربیت و تعلیم کا کفیل ہے۔ شریعت کے قوانین میں بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صاحبین کے قول پر ماں باپ کی رضامندی سے دو سال سے پہلے دودھ چھڑایا جا سکتا ہے مگر دو سال پورے ہونے پر دودھ چھڑانا واجب کسی کے مشورہ کی حاجت نہیں امام صاحب کے نزدیک اس سے پہلے بھی اور اس وقت بھی بلکہ اس کے بعد دودھ چھڑانا مشورہ سے ہو گا ہاں ڈھائی سال پورے ہونے پر واجب۔ **دوسرا فائدہ:** ماں کی بغیر رضا کے بچہ کی پرورش کسی سے نہیں کرائی جا سکتی کیونکہ یہ ماں کا ہی حق ہے۔ ہاں جب ماں کے دودھ نہ ہو یا ہو مگر نقصان دے یا ماں اس سے عاجز ہے یا وہ خود نہ چاہے تو دائی کو دیا جائے (احمدی)۔ **ان تسترضعوا** سے یہی مراد ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **والوالدت یرضعن اولادھن۔** **تیسرا فائدہ:** کام میں اپنے چھوٹوں سے بھی مشورہ کر لینا چاہئے دیکھو بیوی شوہر سے درجہ میں چھوٹی ہے مگر اس سے مشورہ کا حکم دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** بچہ کے لئے بہترین دائی اور دائی کے لئے بہترین غذا تجویز کی جائے کیونکہ ماں کے اخلاق اور دودھ کا اثر بچہ میں ضرور ہوتا ہے۔ دیوانی اور خبیث دائی کا دودھ بچہ کو بھی ایسا ہی کر دیتا ہے۔

حکایت: شیخ ابن محمد جوینی اپنے گھر میں آئے تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے بچہ امام ابو المعالی کو کوئی دوسری عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے اس سے بچہ چھین لیا اور بچے کے منہ میں انگلی ڈال کر تمام دودھ قے کرا دیا اور فرمانے لگے اچھے دودھ سے شرافت پیدا ہوتی ہے اور جان کنی میں آسانی جب امام ابو المعالی جوان ہوئے تو کبھی مناظرہ میں دل تنگ ہو جاتے تھے اور فرماتے

www.alahazratnetwork.org

تھے کہ شائد اس دودھ کا کچھ اثر میرے پیٹ میں رہ گیا ہو جس کا یہ نتیجہ ہے۔ (روح البیان)

ہدایت : بہتر یہ ہے کہ بچہ کی تحنیک کرادی جائے اور وہ یہ ہے کہ کوئی بزرگ خرمہ چبا کر اپنی زبان سے بچہ کے تالو میں لگا دے تاکہ سب سے پہلے بچہ کے پیٹ میں اللہ والے کا لعاب پہنچے۔ نیز غسل دیتے ہی اس کے داہنے کان میں اذان اور بائیں میں تکبیر کہہ دی جائے یہ سارے کام سنت ہیں تاکہ بچے کی ابتداء اچھی ہو۔ نام بھی اچھے رکھے جائیں کہ غذا کی طرح نام کا بھی اثر ہوتا ہے۔ پانچواں فائدہ: معاملات میں خوش اسلوبی نہایت ضروری ہے ساری چیزیں پہلے طے ہو جائیں اور وقت پر ادا کر دی جائیں۔ جیسا کہ بالمعروف سے معلوم ہوا۔ ہدایت: عورتوں کو چاہئے کہ بلا ضرورت ہر بچہ کو دودھ نہ پلا دیا کریں۔ ضرورۃً پلائیں اور پھر سب میں ظاہر بھی کر دیں کہ دودھ پر بہت احکام شرعی جاری ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ باپ بغیر ماں کی مرضی کے بھی اپنی اولاد کو دائی کے حوالے کر سکتا ہے کیونکہ اس حکم میں عورت کے مشورہ کی قید نہیں لگائی گئی۔ جیسے کہ دودھ چھڑانے میں تھی۔ جواب: نہیں پرورش ماں کا حق ہے۔ جیسا کہ پچھلی آیت سے معلوم ہو چکا چونکہ دودھ پلوانے کا سارا بوجھ باپ پر پڑتا ہے اور کبھی ماں کی بغیر رضامندی بھی بچہ دائی کے حوالہ کیا جا سکتا ہے مثلاً ماں کا دودھ بچہ کو مضر ہو اور پھر بھی ماں اپنا ہی دودھ پلانے پر ضد کرے۔ تو باپ جبراً دائی رکھ سکتا ہے۔ اس لئے یہاں فقط باپ کا ذکر ہوا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دائی رکھنا جب ہی جائز ہے جب کہ اس کا حق پورا دے دیا جائے کیونکہ یہاں اس کی قید لگائی گئی۔ جواب: اذا سلمتم لا جناح کی قید ہے نہ کہ تسترضعوا کی یعنی دائی کا حق مارنا سخت گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : طریقت میں قدم رکھنے والا مرید گویا نو مولود بچہ ہے دنیا اس کی ماں شیخ کامل گویا والد جیسے کہ بچہ کو اولاً دودھ پلانا ضروری ہے اور کچھ دن بعد چھڑانا واجب ایسے ہی شیخ کامل کو چاہئے کہ پہلے ہی مرید کو بالکل تارک دنیا نہ بنا دے بلکہ نئے بچہ کی طرح دنیوی نفع حاصل کرنے دے اور پھر آہستگی سے اس کو دنیا سے ایسے نکال لے کہ اسے محسوس بھی نہ ہو۔ اور جیسے کہ بعض قوی بچے دو سال سے پہلے ہی دودھ چھوڑ سکتے ہیں اور کمزور بچے دو سال تک دودھ پیتے ہیں۔ ایسے ہی بعض مریدین بہت جلد دنیا سے بے رغبت ہو جاتے ہیں اور بعض کچھ دیر سے لہٰذا یہ معاملہ شیخ کی رائے پر ہے اور جیسے کہ دودھ چھڑاتے ہی قوی غذائیں نہیں دیتے۔ اولاً نرم پھر آہستہ آہستہ قوی ایسے ہی شیخ کو لازم ہے کہ طالب پر ریاضات کا ایک دم بوجھ نہ ڈالے بلکہ آہستگی سے ترقی دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے گویا والد ہیں اور سارا جہان گویا حضور کی اولاد کیونکہ باپ سے اولاد ہے ایسے ہی حضور سے سارا جہان ہے وکل الخلق من نوری۔ اور اولاد باپ کے لئے ہوتی ہے اسی لئے یہاں مولود لہ فرمایا گیا سارا جہان حضور کے لئے بنا لولاک لما خلقت الافلاک اور علماء و اولیاء جن کے سینوں میں شریعت و طریقت کا دودھ ہے وہ امت رسول اللہ کی دینی پرورش کرنے والی گویا دائیاں ہیں اور دائی کا رزق و لباس باپ کے ذمہ ہوتا ہے ایسے ہی ان علماء و اولیاء کی روزیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ ہیں کہ وہاں سے ان کی پرورش ہوتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ماں باپ کا رزق کھا کر بچہ کو دودھ دیتی ہے۔ بچہ کی یہ پرورش باپ ہی سے ہے مگر ماں کے ذریعہ یوں ہی علماء و صوفیاء حضور ہی سے فیض لے کر اپنے ذریعہ امت کو دیتے ہیں۔ قرآن و حدیث گویا روحانی رزق ہے جو حضور کی سرکار سے علماء میں تقسیم ہو رہا ہے

www.alahazratnetwork.org

فقہ گویا ماں کا دودھ ہے جو ہم عوام کے لئے پرورش کا باعث ہے اگر بچہ بغیر ماں کے ذریعہ بلاواسطہ باپ کی دی ہوئی غذا کھائے گا تو بیمار ہو جاوے گا۔ اگر ہم عوام بلاواسطہ علماء و مشائخ خود قرآن و حدیث سے مسائل مستنبط کریں گے ہلاک ہو جائیں گے۔ یہ و علی المولود لہ رزقھن و کسوتھن کی تفسیر صوفیانہ ہے۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اور وہ جو وفات دیئے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں روکیں وہ بیویاں چار مہینے اور
اور تم میں جو مریں اور بیویاں چھوڑیں وہ چار مہینے اور دس دن اپنے
اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
دس دن پس جب کہ پہنچ جائیں میعاد کو اپنی پس نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے بیچ
آپ کو روکے رہیں تو جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے والیو تم پر مواخذہ نہیں اس کام میں جو
فَعَلْنَ فِیْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۲۳۴﴾
اس کے کہ کریں بیچ جانوں اپنی کے ساتھ بھلائی کے اور اللہ ساتھ اس کے جو کرتے ہو تم خبردار ہے ؂
عورتیں اپنے معاملہ میں موافق شرع کریں اور اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے ؂

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں طلاق کے احکام اور اس کی عدت کا ذکر تھا۔ اب ان عورتوں کی عدت کا ذکر ہے جن کے شوہر مرجاتے ہیں کیونکہ طلاق کی طرح شوہر کی موت سے بھی نکاح ختم ہو جاتا ہے اور عدت واجب ہوتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جملہ معترضہ کے طریقہ پر عدت طلاق کے بعد دودھ پلانے کا ذکر تھا اب عدت کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ اس میں بھی عورت کو بچہ کا دودھ پلانا واجب ہے مگر شوہر پر معاوضہ نہیں۔

تفسیر : **والذین یتوفون منکم** ' الذین مبتداء ہے اور یتربصن خبر یا تو اس سے پہلے ازواج پوشیدہ ہے۔ یا یتربصن سے پہلے **ازواجھم یتوفون** توفی سے بنا بمعنی پورا لے لینا۔ اس کا مادہ وفی یا وفا ہے۔ وعدہ پورا کرنے کو وفاء عہد اور حق لینے کو استیفاء حق کہتے ہیں اور موت و نیند پر بھی استعمال ہوتا ہے کیونکہ انسان اپنی عمر پوری کر کے اور پورا رزق کھا کر ہی مرتا ہے اور نیند میں بھی ایک روح نکل جاتی ہے۔ اس مناسبت سے اسے بھی وفات کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں بمعنی موت ہے۔ منکم میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے یہ احکام نہیں نیز یہ احکام حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نہیں حضور کی وفات شریف کے بعد ان کی ازواج پاک کسی سے بھی نکاح نہیں کر سکتیں کیوں کریں کہ حضور حیات النبی ہیں۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا** نہ اس لئے کہ وہ مسلمانوں کی مائیں ہیں وہ بیویاں احترام میں ماؤں سے بڑھ کر ہیں مگر احکام میں مائیں نہیں اسی لئے ان سے پردہ فرض ان کی اولاد سے امت کا نکاح درست ان کی میراث امت کو نہیں ملتی۔ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جو بھی وفات دیئے جائیں یعنی مرجائیں **و یذرون ازواجا** ' یذرون یذرون وذر سے بنا بمعنی چھوڑنا مگر

www.alahazratnetwork.org

رفض کی طرح اس کا بھی ماضی و مصدر و اسم فاعل وغیرہ نہیں آتا صرف مضارع اور امر مستعمل ہے ازواج زوج کی جمع ہے معنی جوڑا بیوی کو بھی زوج کہتے ہیں اور شوہر کو بھی اگرچہ ازواج مذکر کی جمع ہے مگر یہاں بیبیاں مراد ہیں کیونکہ انہیں کے احکام آ رہے ہیں اور پہلے شوہروں کا ہی ذکر ہوا **یتربصن بانفسھن** ان دو لفظوں کی تحقیق ہم پچھلی آیت میں کر چکے یہاں انتظار سمجھ لو کہ اس جگہ اس سے اپنے آپ کو دوسرے نکاح کی تیاری کرنے یا نکاح و زینت اور سنگار سے روکنا مراد ہے کہ یہ عدت موت میں زوجہ پر واجب ہے مگر طلاق بائنہ میں تو واجب اور طلاق رجعی میں بناؤ سنگار کرنا مستحب تاکہ شوہر راغب ہو کر رجوع کر لے خیال رہے کہ یہاں ازواج سے آزاد اور غیر حاملہ بیویاں مراد ہیں **اربعۃ اشھر و عشرا** یہ یتربصن کا ظرف ہے عشرکی تمیز یعنی ایام پوشیدہ ہے اگرچہ شہر کی طرح یوم بھی مذکر ہے مگر پھر بھی اربعۃ کو ۃ سے لانا اور عشر کو بغیر ۃ لانے میں کچھ راز ہے جو ہم سوال و جواب میں عرض کریں گے یعنی ان کی بیویاں چار مہینے دس دن اپنے کو دوسرے نکاح اور تیاری نکاح اور زینت اور بلا ضرورت باہر جانے سے روکیں **فاذا بلغن اجلھن** اجل سے انتہائی عدت اور بلوغ سے اس تک پہنچنا مراد ہے یعنی پس جب کہ عورتیں اپنی انتہائی عدت کو پہنچ جائیں کہ عدت پوری ہو جائے **فلا جناح علیکم** یا تو عورتوں کے وارثوں سے خطاب ہے یا حکام سے اور یا سارے مسلمانوں سے کیونکہ عدت والی کو ان باتوں سے روکنا سب پر ہی ضروری ہے **فیما فعلن فی انفسھن** فیما ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہے اور فی انفسھن فعلن سے اور "ما" سے ساری وہ چیزیں مراد ہیں جو عدت میں عورتوں پر حرام ہو گئیں تھیں یعنی عدت پوری ہو چکنے پر عورتیں بناؤ سنگار یا دوسرا نکاح گھر سے نکلنا وغیرہ جو کچھ بھی کریں اس میں اے حاکمو! تم پر کوئی گناہ نہیں مگر **بالمعروف** یہ فعلن کے فاعل کا حال ہے اور اس سے جائز کام مراد ہیں یعنی جو جائز چیزیں عدت کی وجہ سے ان پر حرام ہو گئیں تھیں وہ سب کر سکتی ہیں۔ ناجائز کام جو عدت سے پہلے بھی حرام تھے وہ اب بھی حرام ہیں جیسے ڈھول بجانا غیروں میں جانا وغیرہ **واللہ بما تعملون خبیر** یہ سارے عورتوں مردوں سے خطاب ہے اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی یعنی اے عورتو اور مردو! اللہ تمہارے ہر نیک و بد عمل سے خبردار ہے لہذا اس کے احکام کی پابندی کرو اور مخالفت سے بچو تاکہ عذاب سے نجات پا کر ثواب دارین پاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور اپنی بیبیاں چھوڑ جائیں۔ تو ان کی بیویاں چار ماہ دس دن تک اپنے کو بناؤ سنگار اور نکاح و تیاری نکاح وغیرہ سے روکیں اور جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو اے مسلمانو! اب ان پر یہ پابندیاں نہیں۔ انہیں اپنے نفس کے معاملہ پر ہر جائز کام کرنے دو تم پر کوئی گناہ نہیں اور اے مسلمانو! خوب یاد رکھو کہ اللہ تمہارے سارے کاموں سے خبردار ہے۔ خیال رہے کہ پہلے موت کی عدت ایک سال تھی جس کا ذکر کچھ آگے آ رہا ہے۔ پھر اس آیت سے چار ماہ دس دن رہ گئی اور اس کے بعد حاملہ عورتوں کی عدت وضع حمل اور غیر حاملہ کی چار ماہ دس دن رہ گئی لہذا یہ آیت ناسخ بھی ہے اور منسوخ بھی اسے نسخ وصفی کہتے ہیں۔ مسلمانو اس آیت کریمہ نے بتایا کہ اگر وفات والی عورتیں عدت کے اندر نکاح کریں یا نکاح کی تیاری کریں یا خاوند کے گھر سے نکل کر آزاد پھریں یا عدت میں سوگ نہ کریں تو خاوند کے وارث، محلہ والے مسلمان اور اسلامی حکام بھی سخت گنہگار ہوں گے جنہیں یہ خبر لگ جاوے اور روکنے پر قادر بھی ہوں مگر عورت کو نہ روکیں کیونکہ آیت میں علیکم مردوں سے خطاب ہے یعنی عدت گزارنے کے بعد اگر عورتیں نکاح وغیرہ کریں تو اے وارثو، اے محلہ کے چودھریو، اے حاکمو! تم گنہگار نہیں لہذا اگر عدت کے اندر ایسی حرکتیں کریں تو تم سب گنہگار ہو ان کو

www.alahazratnetwork.org

زبان یا ہاتھ سے روکو جس طرح روکنے پر قادر ہو روکو بادشاہ اسلام پر لازم ہے کہ جیسے اپنے ملکی قوانین پر جبرا رعایا سے عمل کراتا ہے کہ اگر تانگے والا بائیں ہاتھ نہ چلے تو چالان کر دیا جاتا ہے ایسے ہی رعایا سے اسلامی قوانین پر بھی عمل کرائے رب توفیق دے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عدت کے احکام صرف مسلمانوں کے لئے ہیں کفار پر جاری نہیں جیسا کہ منکم سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اگر کفار بغیر عدت ہی نکاح کرلیں اور یہ ان کے دین میں جائز ہو اور پھر اسلام لائیں تو ان کا پچھلا نکاح باقی رہے گا۔

مسئلہ : مسلمان کی عیسائی بیوی پر عدت واجب ہے۔ (احمدی) کیونکہ یہ مرد کا حق نکاح ہے اور وہ مسلمان تھا۔ دوسرا فائدہ: موت کی عدت بیوی پر واجب ہوگی نہ کہ لونڈی پر جیسا کہ ازواجا سے معلوم ہوا۔ لہٰذا مولیٰ کے مرنے پر لونڈی عدت نہ گزارے۔ تیسرا فائدہ: موت کی عدت عورت پر واجب ہے نہ کہ مرد پر جیسا کہ یتربصن سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: عدت میں علم ضروری نہیں لہٰذا اگر عورت کو کچھ مدت کے بعد شوہر کی موت کی خبر لگے تو اس کی عدت بھی گزر گئی جیسا کہ یتربصن کے عموم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: شوہر کی موت سے نکاح بالکل نہیں ٹوٹ جاتا مگر عورت کی موت سے بالکل جاتا رہتا ہے لہٰذا عورت اپنے میت خاوند کو بوقت ضرورت غسل بھی دے سکتی ہے اور چھو بھی سکتی ہے کیونکہ کسی قدر نکاح باقی ہے مگر شوہر مردہ بیوی کو نہ چھو سکے نہ غسل دے سکے بلکہ اگر غسال نہ ملے تو ہاتھ میں کپڑا لپیٹ کر تیمم کرا دے۔ مسئلہ یہ جو مشہور ہے کہ مرد بیوی کی لاش کو کندھا بھی نہ دے اور قبر میں بھی نہ اتارے غلط ہے جب دوسرے اجنبی لوگ یہ کام کرسکتے ہیں تو اسے بھی جائز ہے۔ چھٹا فائدہ: عدت موت ہر بیوی پر یکساں لازم ہے کہ حاملہ اور لونڈی کے سوا باقی سب عورتیں بچی ہوں یا بڈھی خلوت صحیحہ ہوئی ہو یا نہ چار ماہ دس دن یہ ہی عدت گزاریں گی۔ عدت طلاق میں بہت تفصیل ہے جیسا کہ ازواجا کے عموم سے معلوم ہوا۔ مسئلہ حاملہ کی عدت موت بچہ کی پیدائش ہے اور لونڈی کی عدت دو ماہ پانچ دن۔ ساتواں فائدہ: موت کی عدت میں بہرحال سوگ واجب ہے کہ عورت نہ تو سرمہ لگائے نہ تیل نہ خوشبو ملے نہ رنگین یا ریشمی کپڑے پہنے نہ مہندی لگائے نہ دوسرے نکاح کا پیغام و سلام کرے۔ جیسا کہ یتربصن سے معلوم ہوا۔ طلاق بائنہ کی عدت کا بھی یہ ہی حکم ہے۔

مسئلہ : شوہر کے سوا اور کسی قرابت دار کی موت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا حرام ہے۔ مسئلہ میت پر پیٹنا اور نوحہ کرنا بھی حرام ہے بے صبری کے الفاظ بولنا یا میت کی غلط تعریف کرنا نوحہ ہے۔ مسئلہ: محرم کے مہینہ میں ماتم کرنا سر پیٹنا کالے کپڑے پہننا سوگ کی نیت سے چارپائی پر نہ سونا ناجائز اور روافض سے مشابہت ہے بلکہ صواعق محرقہ میں ہے کہ رونے پیٹنے کی نیت سے مجلس کرنا بھی ناجائز ہے ہاں مجلس ذکر شہید کربلا کے لئے ہو اور رونا آجائے تو گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ آٹھواں فائدہ: بالغہ عورت اپنے نکاح میں خود مختار ہے ولی شرط نہیں۔ کیونکہ یہاں ارشاد ہوا فیما فعلن فی انفسھن اس فعلن میں زیب و زینت نکاح ثانی وغیرہ سب داخل ہیں۔

پہلا اعتراض : عدت صرف عورت پر کیوں واجب ہے مرد پر کیوں نہیں اور سوگ کی کیا وجہ ہے۔ جواب: مرد کی موت عورت کے لئے مصیبتوں کا باعث ہے کہ اس کا والی سر سے اٹھ گیا۔ نکاح کی نعمت سے محروم ہو گئی۔ شوہر سے بے سایہ ہو گئی اگرچہ مرد کو بھی عورت کی موت سے مصیبت پڑ جاتی ہے۔ مگر عورت اس کی والی نہ تھی اور نہ شوہر کا خرچہ عورت کے ذمہ تھا نیز

www.alahazratnetwork.org

عورت میں حمل کا احتمال ہے مرد میں نہیں لہٰذا اسے کچھ دن نکاح سے روک دینے سے یہ معاملہ بھی صاف ہو جائیگا۔ نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے عمومی احکام جاری نہیں اور نہ حضور عام خطابات میں داخل ہیں دیکھو سل منکم میں صرف ہم مسلمان داخل ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا رب فرماتا ہے فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی و ثلث و ربع ہم کو صرف چار بیویاں نکاح میں رکھنی درست ہیں مگر حضور انور کو جتنی وہ چاہیں۔ رب فرماتا ہے اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ مگر ہم پر پانچ نمازیں فرض ہیں حضور انور پر چھ یعنی تہجد بھی ہم پر جانور' زمین کی پیداوار' سونے چاندی کی زکوتیں الگ الگ حساب سے فرض ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ مطلقاً فرض نہیں۔ بہرحال عام خطابوں اور عام حکموں میں حضور انور داخل نہیں ہوتے اسی طرح چار ماہ دس دن کے بعد تیاری نکاح کرنے کی اجازت سے حضور انور کی ازواج پاک علیحدہ ہیں وہ بیبیاں تو حضور انور کی وفات شریف کے بعد قریباً "تارک الدنیا" ہو چکی تھیں۔ حتی کہ انہوں نے ترک زینت کے لئے سروں کے بال کٹوا دیئے تھے۔ (مسلم شریف باب الغسل) یہ بال کٹوانا فیشن کے لئے نہ تھا بلکہ ترک زینت کے لئے اور انہیں کے لئے خاص تھا۔ دوسرا اعتراض: وفات کی عدت چار ماہ دس دن کیوں رکھی گئی۔ جواب اس لئے کہ پیٹ کا بچہ اگر لڑکا ہے تو تین ماہ میں اور اگر لڑکی ہے تو چار ماہ میں پھڑکنے لگتا ہے۔ احتیاطاً "چار ماہ رکھے گئے پھر دن دس اور بڑھا دیئے تاکہ حمل کا پورا پتہ لگ جائے پورا پتہ بچہ کی حرکت ہی سے لگتا ہے۔ پیٹ کا بڑھنا یا حیض کا رکنا اور وجہ سے بھی ہو سکتا ہے۔ تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ مرد مردہ بیوی کو غسل نہ دے اور نہ بیوی بلا ضرورت مردہ شوہر کو۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاطمہ زہرا کو غسل دیا اور حضور کی بیبیوں نے حضور علیہ السلام کو غسل دینے میں حضرت علی کا ہاتھ بٹایا اس کی کیا وجہ ؟ جواب: یہ ان کی خصوصیات ہیں کہ ان کا نکاح وفات سے نہیں ٹوٹا بلکہ ویسے ہی قائم رہا۔ اسی لئے حضور علیہ السلام کی بیویاں دوسرا نکاح نہیں کر سکتیں۔ سیدنا علی سے فرمایا گیا تھا کہ فاطمہ تمہاری دنیا اور آخرت میں بیوی ہیں۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ... گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

چوتھا اعتراض: اگر نوحہ کرنا حرام ہے تو حضرت خاتون جنت نے حضور علیہ السلام کی وفات پر کیوں کیا کہ آپ روئی بھی ہیں اور کچھ الفاظ بھی فرمائے۔ جواب: نہ آنسوؤں سے رونا نوحہ ہے اور سچے اوصاف بیان کرنا حضرت خاتون جنت نے یہ ہی تو کہا تھا کہ سرکار آپ جنت کو تشریف لے گئے اب وحی بند ہو گئی اے انس تم نے کس طرح اس مدنی چاند کو زیر خاک چھپایا یہ نوحہ نہیں۔ پانچواں اعتراض: اگر طلاق کے بعد شوہر مر جائے تو اس کی عدت کیا ہو گی۔ جواب: تین حیض اور چار ماہ دس دن میں سے جو مدت دراز ہو وہی اس کی مدت ہے کیونکہ یہ طلاق والی بھی ہے اور وفات والی بھی لہٰذا دونوں عدتوں کا لحاظ کرے۔ چھٹا اعتراض: عربی میں شہر بھی مذکر ہے اور یوم بھی لہٰذا یہاں اربعۃ کی طرح عشرۃ 'ت' کے ساتھ آنا چاہئے تھا پھر اربعۃ کو 'ت' سے اور عشر بغیر 'ت' کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ عدد کو مذکر یا مونث لانے کی پابندی جب ہے جب کہ معدود مذکور ہو اور جب معدود پوشیدہ ہو تو عدد کا استعمال ہر طرح جائز ہے چونکہ اربعۃ کا معدود یعنی اشہر موجود تھا لہٰذا وہ 'ت' کے ساتھ استعمال ہوا اور عشر کا معدود یعنی ایام پوشیدہ تھا۔ لہٰذا اس کا استعمال ہر طرح جائز ہوا (معانی) اہل عرب کہتے ہیں صمنا خمسا اور کہتے ہیں صمنا خمسۃ ایام (کبیر) دوسرے یہ کہ چونکہ دس دن کے ساتھ دس راتیں بھی ہیں اور رات ہے مونث

www.alahazratnetwork.org

لہذا عشر بغیرت ارشاد ہوا۔ تیسرے یہ کہ دس دن بھی ایک مدت ہے اور مدت مونث ہے چوتھے یہ کہ یہ زمانہ رنج و غم کا ہے۔ گویا مثل رات کے ہے۔ اس لئے عشر بغیرت لایا گیا۔ (کبیر)

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ نعمت الٰہی پر شکر کرنا عبادت ہے ایسے ہی نعمت چھن جانے پر افسوس و غم بھی۔ اطاعت نکاح ازواج چونکہ نعمت الٰہی ہے اس سے محروم ہو جانے پر غم کا حکم دیا گیا ایسے ہی جو عارف کہ اپنے درجہ سے گر جائے یا جو مومن کسی نیکی سے محروم رہ جائے اور اس پر غم کرے تو مستحق اجر ہو گا حضرت آدم علیہ السلام نے جنت چھوٹنے پر بہت گریہ زاری کی جس کا انجام بلندی درجات ہوا حضرت امیر معاویہ ایک نماز قضا ہونے پر بہت روئے جس سے پانسو کا ثواب پایا عقل کہتی ہے کہ مصیبت پر صبر بہتر مگر عشق کہتا ہے کہ دینی مصیبت پر بے قراری اور تڑپ افضل بشرطیکہ شرعی حدود کے اندر ہو۔ روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ مسلمان کی موت اپنی محبوب زوجہ سے فراق اضطراری ہے۔ جس کے لئے اتنی دراز عدت مقرر ہوئی۔ ایسے ہی اگر طالب مولیٰ کو فراق اضطراری پیش آ جائے تو رب کا کرم اختیاری اس کی دستگیری کرتا ہے اسی لئے جو کوئی راہ حج یا راستہ ہجرت میں مر جائے تو رب تعالیٰ کے نزدیک وہ حاجی اور مہاجر ہی ہے۔ اس آیت میں طالبین مولیٰ کو تسلی ہے کہ راہ طلب میں چل پڑو چلنا تمہارا کام ہے اوھر سے جذب تمہارے اختیار سے باہر اگر تم اس میں کامیاب نہ بھی ہوئے تو بھی گویا کامیاب ہو۔ اگر محبوب کو پانا اختیاری نہیں تو طلب میں مرجانا تو اختیاری ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُم بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنتُمْ

اور نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے بیچ اس کے کہ کنایہ کرو ساتھ اس کے پیغام سے عورتوں کے یا چھپاؤ تم بیچ

اور تم پر گناہ نہیں اس بات میں جو پردہ رکھ کر تم عورتوں کے نکاح کا پیام دو یا اپنے دل میں

فِي أَنفُسِكُمْ ۚ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ سَتَذْكُرُونَهُنَّ وَلَٰكِن لَّا تُوَاعِدُوهُنَّ

دلوں اپنے کے جانا اللہ نے کہ تحقیق تم عنقریب ذکر کرو گے ان کا اور لیکن نہ وعدہ کر رکھو ان سے در پردہ

چھپا رکھو۔ اللہ جانتا ہے کہ اب تم ان کی یاد کرو گے ہاں ان سے خفیہ وعدہ نہ کر رکھو مگر یہ کہ

سِرًّا إِلَّا أَن تَقُولُوا قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۚ وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ

مگر یہ کہ کہو بات درست ۔ اور نہ ارادہ کرو، عقد نکاح کا یہاں تک

اتنی ہی بات کہو جو شرع میں معروف ہے اور نکاح کی گرہ پکی نہ کرو جب تک لکھا ہوا حکم اپنی

النِّكَاحِ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابُ أَجَلَهُ ۚ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ

کہ پہنچ جائے لکھا ہوا حکم میعاد اپنی کو۔ اور جانو کہ تحقیق اللہ جانتا ہے وہ جو بیچ دلوں تمہارے

میعاد کو نہ پہنچ لے اور جان لو کہ اللہ تمہارے دل کی جانتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اَنۡفُسِکُمۡ فَاحۡذَرُوۡهُ ۚ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۲۳۵﴾
کے ہے پس ڈرو اس سے اور جانو کہ تحقیق اللہ بخشنے والا حلیم والا ہے ؏
تو اس سے ڈرو اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا حلم والا ہے ؏

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں عدت میں نکاح سے ممانعت کی گئی تھی۔ اب نکاح کے پیغام و سلام کی بھی ممانعت فرمائی جارہی ہے اس زمانہ میں نکاح تو کیا نکاح کا صریح ذکر بھی نہ کرو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بیوہ کو عدت کے کچھ احکام سنائے گئے کہ اس زمانہ میں نکاح یا تیاری نکاح نہ کریں۔ اب مردوں کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تمہارے لئے بھی یہ حکم ہے کہ تم ان سے نکاح کا صریح ذکر نہ کرو کیونکہ پھر انہیں بھی صاف اقرار کرنا پڑے گا جو حرام ہے گویا تمہارا پیام و سلام ذریعہ گناہ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بیوہ عورتوں کو تربص یعنی انتظار کا اجمالی حکم دیا گیا تھا اب اس کی کسی قدر تفصیل فرمائی جارہی ہے۔

تفسیر : ولا جناح علیکم یہ ان اجنبی مردوں کو خطاب ہے جو بیوہ سے نکاح کا ارادہ کریں۔ اس میں خود بیوگان داخل نہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بیوہ کے ولی وارثوں سے بھی خطاب ہو یعنی اے بیوی تلاش کرنے والو تم پر گناہ نہیں۔ یا اے بیوہ کے ولی وارثو خواہ میکے والے ہو جیسے والد' بھائی' چچا وغیرہ یا سسرال والے جیسے دیور' جیٹھ وغیرہ مثلاً ان سے کوئی بیوہ کے سامنے دوسرے کسی گھر والے سے کہے کہ فلاں شخص بہت اچھا ہے یا اس کے ہاں عورت بہت ہی خوش رہے گی بیوہ سن رہی ہو اس تذکرہ میں تم پر کوئی گناہ نہیں غرضیکہ یہ جملہ بہت سی صورتوں پر حاوی ہے۔ فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء' ما سے مراد بات چیت ہے۔ عرضتم تعریض سے بنا جو تصریح کا مقابل ہے بمعنی اشارۃً بات کرنا۔ اس کا مادہ عرض بمعنی کنارہ ہے تعریض کے معنی ہوئے مقصد کے آس پاس گھومنا اور صاف ظاہر نہ کرنا جیسے کوئی فقیر دولت مند سے کہے کہ آپ کو سلام کرنے آیا ہوں۔ تعریض کو تلویح بھی کہتے ہیں کیونکہ اس سے مقصد جھلکتا ہے۔ خیال رہے کہ کنایہ اور تعریض میں یہ فرق ہے کہ کنایہ لوازم بول کر ملزوم مراد لینے کو کہتے ہیں۔ جیسے مہمان نواز کو کہا جاتا ہے کہ اس کے چولہے میں راکھ بہت ہے اور تعریض مقصود کے قرینہ قائم کر دینے کا نام ہے۔ (کبیر) ان دونوں میں عموم خصوص من وجہ ہے (معانی) خطبہ خطب سے بنا جس کے معنی ہیں شان قال فما خطبکم اب' خ کے کسرہ سے بمعنی پیغام ہوتا ہے۔ اور خ کے پیش سے بمعنی وعظ و نصیحت اسی سے خطاب اور خاطبہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ النساء سے عدت موت گزارنے والی بیوگان مراد ہیں کیونکہ انہیں کا ذکر چلا آرہا ہے اور انہیں کے یہ احکام بھی ہیں۔ عدت طلاق میں بہت تفصیل ہے یعنی اشارۃً "وور پردہ ان بیوگان کو پیغام نکاح دینے میں کوئی گناہ نہیں خواہ قول تعریض و اشارہ ہو جس کا ذکر آگے آرہا ہے یا عملی جیسے بعض لوگ بیوہ کو عدت کے زمانہ میں کھانا کپڑا وغیرہ بھیجنا شروع کر دیتے ہیں۔ بظاہر تو یہ بیوہ کی مدد ہوتی ہے مگر در حقیقت پیام نکاح منہ سے اگرچہ کچھ نہیں کہتے مگر بیوہ خود سمجھ لیتی ہے یہ عمل بھی اسی تعریض میں داخل ہے۔ او اکننتم فی انفسکم' اکننتم اکنان سے بنا بمعنی چھپانا۔ اس کا مادہ کن ہے بمعنی پردہ۔ ما تکن صدورھم یا جیسے لوح لوہ مکنون۔ یا کتاب مکنون۔ خس پوش (چھپر) کو بھی کن کہتے ہیں اس کی جمع اکنان یا اکنہ ہے جیسے من

www.alahazratnetwork.org

البحال آکنانا اور جعلنا علی قلوبھم اکنتہ اس کا مفعول پوشیدہ ضمیر ہے جو کہ ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ انفس نفس کی جمع بمعنی قلب یعنی اس میں بھی گناہ نہیں کہ تم پیام و سلام کا ارادہ اپنے دل میں رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو گویا نہ ارادہ نکاح گناہ ہے اور نہ اشارہ نکاح کیونکہ **علم اللہ انکم ستذکرونھن** اللہ جانتا ہے کہ تم خاموش نہ رہ سکو گے ضرور ان سے نکاح کی بات چیت کرو گے اسی لئے تمہیں کسی قدر اجازت دے دی مگر بالکل ڈھیل بھی نہیں دی۔ لہذا ان سے بات کرو۔ **ولکن لا تواعدوھن سرا** اس سے پہلے فلا تذکروھن پوشیدہ ہے۔ لا تواعدوا۔ وعد سے بنا۔ باب تفاعل میں آکر شرکت کے معنی پیدا ہوئے یعنی ایک دوسرے سے وعدہ کرنا سرا یا تو اس کا ظرف ہے اور یا مفعول بہ۔ سر اعلان کا مقابل ہے۔ بمعنی خفیہ۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے نکاح مراد ہے کیونکہ نکاح کا مقصد یعنی وطی پوشیدہ ہی ہوتی ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے ذکر جماع مراد ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے در پردہ نکاح کا معاہدہ مقصود یعنی ان سے در پردہ نکاح کا معاہدہ نہ کرلو کہ بعد عدت ہم سے ہی نکاح کرنا کسی اور سے یا ان سے نکاح کی خاص بات نہ کہو **الا ان تقولوا قولا معروفا** یہ پچھلی ممانعت سے استثناء ہے اور قول معروف سے جائز بات یعنی نکاح کے اشارے مراد ہیں یعنی تم ان سے جائز بات چیت کر سکتے ہو کہ اشارۃً اپنی رغبت ظاہر کرو صاف صاف نہ کہو **ولا تعزموا عقدۃ النکاح** تعزموا، عزم سے بنا بمعنی پختہ ارادہ اس کے بعد علی آتا ہے جو کہ یہاں پوشیدہ ہے۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ قلبی خیالات کے چند درجے ہیں اولا "خاطر پھر فکر پھر ارادہ پھر ہمت پھر عزم۔ ہمت تو کسی کام کی تیاری کرنا ہے اور عزم اس کے کر گزرنے پر تیار ہو جانا عقدہ عقد سے بنا بمعنی گرہ باندھنا معاملات منعقد کرنے کو بھی اسی لئے عقد کہتے ہیں کہ اس سے جانبین گویا بند ہو جاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے عقد بیع، عقد نکاح **حتی یبلغ الکتب اجلہ** حتی لا تعزموا کی انتہاء ہے۔ یبلغ بلوغ سے بنا، بمعنی پہنچ جانا۔ کتاب مصدر بمعنی مفعول ہے جیسے فرض بمعنی مفروض۔ اجل سے میعاد کی انتہاء مراد ہے یعنی جب تک کہ عدت مفروضہ ختم نہ ہو جائے تب تک نکاح کر لینے کا ارادہ نہ کرو **واعلموا ان اللہ یعلم ما فی انفسکم** اس میں ارادہ نکاح سے سختی کے ساتھ روکا جا رہا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تمہارے دلی خطرات بھی جانتا ہے اگر تم نے ارادہ نکاح تو کر لیا مگر اس میں کامیاب نہ ہوئے تب بھی گنہگار ہو جاؤ گے لہذا **فاحذروہ** حذر کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی لہذا ضمیر کا مرجع یا اللہ ہے یا ارادہ نکاح یعنی پس اللہ سے ڈرو یا ارادہ نکاح سے بچو۔ **واعلموا ان اللہ غفور حلیم** یہ جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا بھی ہے لہذا جو کوئی ارادہ کر چکنے کے بعد خوف الٰہی کی وجہ سے نکاح سے باز رہے تو اسے بخش دیگا اور حلم والا بھی ہے کہ گناہ پر جلدی پکڑ نہیں فرماتا لہذا کسی بدکاری پر فوراً عذاب نہ آنا اس کے جائز ہونے کی دلیل نہیں۔

خلاصہ تفسیر : شریعت کا قاعدہ ہے کہ واجب کے اسباب بلکہ مقدمات کو واجب فرما دیتی ہے۔ جیسے نماز فرض ہے تو اس کے لئے وضو، غسل، کپڑے کی طہارت، وقت کی پہچان وغیرہ فرض کہ ان پر بھی ثواب ہے یہ تمام فرض کے شرائط اور وغیرہ ہیں بلکہ نماز جمعہ کے لئے اس کے مقدمات جیسے کاروبار بند کر دینا "اذان سنتے ہی تیاری نماز میں مشغول ہونا فرض قرار دیتی ہے ایسے ہی حرام کے اسباب بلکہ مقدمات بھی حرام کر دیتی ہے زنا حرام ہے تو عورتوں کی بے پردگی "گانا بجانا اجنبی مرد و عورت کا اختلاط وغیرہ سب کچھ حرام ہے اس طرح شراب حرام ہے تو شراب بنانا، فروخت کرنا، شراب خانہ کی نوکری وغیرہ سب حرام ہے کہ یہ مقدمات شراب خوری ہیں اسی قاعدہ سے جب عدت میں نکاح حرام ہے تو بیوہ سے صراحۃً "ذکر نکاح بھی حرام کہ ذکر نکاح بھی سبب نکاح یا کم از کم مقدمہ نکاح ہے مگر چونکہ تعریض نکاح نہ تو نکاح کا سبب ہے نہ مقدمہ ہے۔ اس لئے اس کی اجازت دی اور

www.alahazratnetwork.org

ارشاد فرمایا گیا کہ اے مسلمانو اے عورت کے وارثو تم پر اس میں گناہ نہیں کہ بیوہ عورتوں کی عدت کی حالت میں اشارۃً کنایۃً نکاح کا پیغام دے دو۔ مثلاً یوں کہہ دو کہ میرا ارادہ نکاح کا ہے یا تجھے بہت لوگ چاہتے ہیں یا میں اس بیوی کا طلب گار ہوں جس میں یہ خوبیاں ہوں یا یہ کہ میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا برتاؤ کرتا ہوں یا یہ کہ تیرے لئے شوہر نایاب نہیں۔ صاف یہ نہ کہو کہ میں تجھ سے نکاح کرنا چاہتا ہوں یہ بھی جائز ہے کہ تم دل میں ارادہ نکاح رکھو کسی پر ظاہر نہ کرو رب جانتا ہے کہ تم صبر نہ کر سکو گے۔ ضرور ان سے نکاح کا تذکرہ کرو گے۔ اسی لئے اس نے تمہیں کچھ آزادی دے دی۔ لہذا ان سے نکاح کا ذکر تو کرو لیکن صاف صاف وعدہ نہ لے لو کہ بعد عدت مجھ سے ہی نکاح کرنا یا میرے سوا کسی اور سے نہ کرنا ہاں بھلی باتیں کرو کہ انہیں اشارۃً سمجھا دو نیز یہ بھی خیال رکھو کہ جب تک عدت پوری نہ ہو جائے تب تک نکاح کا قصد ہرگز مت کرو۔ خیال رکھو کہ اللہ تمہارے دل کے ارادوں کو بھی جانتا ہے کہ اس پر بھی پکڑ فرمائے گا اگرچہ تم اس میں کامیاب نہ ہو۔ لہذا اس سے ڈرتے رہو اور یہ بھی عقیدہ رکھو کہ اللہ بخشنے والا بھی ہے اگر تم اس ارادہ سے باز آجاؤ تو تمہیں بخش دیگا اور حلم والا بھی ہے کہ گنہگاروں کو جلد نہیں پکڑتا لہذا تاخیر عذاب سے دھوکا نہ کھاؤ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مرد عورت کو پیغام نکاح دے نہ کہ عورت مرد کو جیسا کہ عرضتم اور من خطبۃ النساء سے معلوم ہوا۔ مرد خاطب یعنی پیغام دینے والا ہے اور عورت مخطوبہ یہ حکم استحبابی ہے۔ ورنہ اس کا عکس بھی جائز ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **ان تبتغوا باموالکم** جس سے معلوم ہوا کہ شوہر بیوی کو تلاش کرے نہ کہ بیوی شوہر کو ہندوؤں میں لڑکی والے لڑکے کو تلاش بھی کرتے ہیں اور پیغام نکاح بھی دیتے ہیں۔ یہ عقل کے بھی خلاف جب برات لڑکی کے گھر جاتی ہے اور لڑکا بیوی کو بیاہ کر لاتا ہے تو چاہئے کہ پیغام بھی لڑکے کی طرف سے لڑکی کے گھر جاوے۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے کہ عدت میں مرد کو اشارۃً "پیغام دینا جائز ہے۔ ایسے ہی عورت کو بھی اشارۃً" اس کا جواب دینا درست ہے۔ صاف صاف کہنا نہ مرد کو جائز نہ عورت کو جیسا کہ **لاتواعدوھن** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** عورت کے ورثاء کو بھی جائز ہے کہ کسی کا پیغام اشارۃً پیش کر دیں کہ فلاں آدمی بہت اچھا ہے کیونکہ ممکن ہے کہ لاجناح علیکم میں پچھلی آیت کی طرح عورت کے اولیاء سے خطاب ہو۔ **چوتھا فائدہ:** عدت والی بیوہ کو پیغام نکاح دینا بہر حال حرام ہے۔ مگر طلاق کی عدت کا اور حکم ہے۔ پیغام نکاح کی تفصیل یہ ہے کہ۔ (۱) کنواری یا عدت سے فارغ ہو چکنے والی عورت کو صراحتہً "یا اشارۃً" پیغام اس کے والدین یا ولی وارثوں کو دے کہ بلاواسطہ لڑکی کو پیغام دینا معیوب ہے پھر وہ ولی و وارث بھی اس نکاح کر دینے میں مستقل نہیں بلکہ ان پر لازم ہے کہ لڑکی کی رائے معلوم کر لیں حتی کہ بوقت نکاح پھر اس سے اجازت لے کر نکاح کریں یہ گفتگو بالغہ لڑکی کے متعلق ہے نابالغہ بچی کے نکاح کا پیغام بھی والدین یا وارثوں کو ہی دیا جاویگا اور وہ لوگ اس نکاح میں مستقل مختار ہوں گے لڑکی سے اجازت لینے کے حاجتمند نہ ہوں گے ہاں لڑکی بالغہ ہو کر دیگر وارثوں کا کیا ہوا نکاح فسخ کر سکتی ہے۔ باپ دادوں کا کیا ہوا نکاح فسخ نہیں کر سکتی اس مسئلہ کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھو۔ (2) جس عورت کو کسی نے پیغام دے دیا ہو اور اس سے رضامندی بھی ہو چکی ہو اسے پیغام دینا منع۔ یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ مسلمان کے پیغام پر پیغام نہ دو لیکن اگر رضامندی نہیں ہوئی ہے تو دوسرے شخص کا پیغام نکاح دینا بلا کراہت درست ہے یہ ہی حکم بیع کا ہے کہ جس کسی نے دوکاندار سے کوئی نرخ طے کر لیا تو بھاؤ بڑھا کر نہ خریدو۔ لیکن اگر ابھی صرف گفتگو ہی ہو رہی تو بھاؤ بڑھا دینا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کا پیالہ و

www.alahazratnetwork.org

کمیل نیلام فرمایا تھا نیلام میں بولی پر بولی دی جاتی ہے اور قیمت بڑھاوی جاتی ہے۔(2) تین طلاق والی اور ایسے ہی وہ عورت جو اپنے شوہر پر لعان یا رضاعت کے ذریعہ ہمیشہ کے لئے حرام ہو چکی ہو۔ اس کی عدت میں بیوہ کی طرح اشارۃً "پیغام دینا جائز اور صراحۃً" منع۔(4) طلاق بائنہ و خلع و فسخ نکاح جن میں اپنے شوہر سے نکاح ثانی جائز ہے ان عورتوں کو بحالت عدت پیغام نکاح صراحۃً "دینا بھی منع اور اشارۃً بھی۔ ہاں پہلا شوہر ہر طرح پیغام دے سکتا ہے کیونکہ اسے عدت میں نکاح ہی جائز ہے۔(5) طلاق رجعی کی عدت میں ہر قسم کا پیغام منع ہے کیونکہ ابھی وہ پہلے شوہر کی بیوی ہی ہے۔(6) کسی کی بیوی کو بحالت نکاح اشارۃً" کنایۃً "صراحۃً" پیغام دینا سخت حرام ہے کہ اس سے اس کا گھر بگڑے گا۔ ممکن ہے کہ بے وقوف عورت اس سے راغب ہو کر اپنے شوہر سے طلاق لینے کی کوشش کرے۔(روح البیان و کبیر) پانچواں فائدہ: اجنبی عورت سے ضرورۃً "بات چیت کرنا یا اسے دیکھنا جائز ہے کیونکہ عدت والی بیوہ کو پیغام دینے کی اجازت دی گئی اور ظاہر ہے کہ پیغام کلام ہی سے ہو گا۔ چھٹا فائدہ: ارادہ گناہ بھی گناہ ہے جیسا کہ ولا تعزموا کے بعد یعلم ما فی انفسکم فرمانے سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: جو کوئی ارادۂ گناہ کے بعد محض رب سے ڈر کر گناہ سے باز آجائے وہ مستحق ثواب ہے جیسا کہ غفور حلیم سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: جس سے نکاح کرنا ہو اس کو دیکھ لینا سنت ہے۔(مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبہ) مگر چھپ کر یا بہانہ سے دیکھنا چاہئے نہ کہ ظاہر طور۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں کچھ تعارض معلوم ہوتا ہے کہ او اکننتم فی انفسکم سے ثابت ہوا کہ ارادۂ نکاح گناہ نہیں۔ اور ولا تعزموا سے پتہ لگا کہ یہ ارادہ بھی گناہ ہے۔ جواب: اکننتم سے ارادہ پیام یا بعد عدت قصد نکاح کی اجازت ملی۔ اور لا تعزموا میں عدت کے اندر نکاح کرنے کی ممانعت یعنی زمانہ عدت میں یہ ارادہ کر لینا کہ ہم بعد عدت نکاح کریں گے یا پیام نکاح دیں گے جائز ہے مگر عدت میں نکاح کر لینے کا ارادہ ہے جرم اسی لئے لا تعزموا عقدۃ النکاح فرمایا گیا۔ دوسرا اعتراض: حدیث شریف سے ثابت ہے کہ نیکی کا ارادہ نیکی ہے مگر ارادہ گناہ گناہ نہیں۔ قرآن کریم میں بھی ہے کہ لا یکلف اللہ نفسا" الا وسعھا اور اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ ارادۂ گناہ بھی گناہ ہے ان میں مطابقت کیسے؟ جواب: اس کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ گناہ کا خیال یا تفکر یا معمولی ارادہ گناہ نہیں بلکہ عزم گناہ یا ہمت گناہ جرم ہے اور نیکی کا خیال بھی نیکی ہے۔ چور چوری کے لئے نکلا۔ کسی گھر میں نقب لگایا مگر اتفاقاً" چوری نہ کر سکا تو وہ گناہ گار ہو گیا حدیث پاک میں ہے کہ جب دو مسلمان جنگ کریں اور ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں جہنمی ہیں قاتل تو قتل کی وجہ سے اور مقتول ارادۂ قتل سے نیز یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ ارادۂ نیکی میں خود نیکی ہی کا ثواب ملتا ہے مگر ارادہ گناہ میں اس گناہ کا عذاب نہیں بلکہ ارادہ گناہ کا۔ جو کوئی عالم بننے کا ارادہ کر لے مگر کامیاب نہ ہو۔ وہ انشاء اللہ علماء کے ساتھ اٹھے گا۔ مگر جو زنا کا ارادہ کر کے اس میں کامیاب نہ ہو تو نہ دنیا میں اس کو رجم کیا جائے اور نہ آخرت میں اس کا حشر زانیوں کے زمرہ میں ہو۔ ہاں چونکہ یہ ارادہ بھی گناہ تھا للذا اس ارادہ کا مجرم ہوا۔ تیسرا اعتراض: جب لڑکے والے پیغام نکاح دیں تو حضرت شعیب علیہ السلام نے خود موسیٰ علیہ السلام کو اپنی لڑکی کے نکاح کا پیغام کیوں دیا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم استحبابی ہے اور حضرت شعیب علیہ السلام کا وہ عمل جواز پر تھا دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والدین مدین میں تھے نہیں مصر میں تھے جہاں تک یہاں کے لوگوں کی پہنچ بہت مشکل تھی کہ وہ علاقہ غیر تھا اب حضرت شعیب موسیٰ علیہ السلام کے مثل والی وارث کے تھے اس مجبوری سے یہ عمل ہوا

www.alahazratnetwork.org

ضروریات تو ممنوعات کو مباح کر دیتی ہیں یہ تو صرف خلاف استحباب تھا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ دو نکاح کے درمیان عدت کا فاصلہ ضروری ہے۔ ایسے ہی ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل ہونے میں کچھ فاصلہ لازم ہے۔ عالم ارواح سے عالم اجسام کی طرف منتقل ہونے میں زمانہ حمل کا فاصلہ ہے۔ دنیا سے آخرت کی طرف پہنچنے میں عالم برزخ کا طے کرنا ضروری۔ ایسے ہی دنیادار کے دیندار بننے میں زمانہ طلب کا فاصلہ ہے۔ یعنی اولاً دنیا سے چلو پھر راہ طلب طے کرو تب مقصود کو پہنچو اور جیسے زمانہ عدت میں دوسرے نکاح کا ارادہ جائز مگر کرگزرنا منع بلکہ صریحی ذکر بھی جرم۔ ایسے ہی زمانہ طلب میں ایک دم منزل تک پہنچ جانے کا ارادہ خیال خام ہے۔ جو طالب علم اول ہی سے عالم بن جانا چاہے وہ علم سے محروم ہے۔ اور جو طالب مولیٰ شروع ہی سے شیخ بننے کی کوشش کرنے وہ بدنصیب ہے کندہ ہونے سے پہلے کوئی پھل نہیں پکتا۔ لہٰذا جب تک راہ طریقت کا آخری کنارہ نظر نہ آجائے تب تک تم خدا رس ہونے کا وہم بھی نہ کرو۔ یہ عمل ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا سے دین کی طرف منتقل ہوں جو دنیا سے آزاد ہو کر اس کے جھگڑوں سے چھوٹ کر مولیٰ کی طرف جاویں جیسے عورت پہلے خاوند کے نکاح سے چھوٹ کر دوسرے کے نکاح میں جاتی ہے بعض وہ خوش نصیب بھی ہیں جن کا نفس کبھی دنیا کے نکاح میں آتا ہی نہیں وہ اول ہی سے اللہ والے ہوتے ہیں انہیں صوفیاء کی اصطلاح میں ارباب نہایت کہتے ہیں ان ارباب نہایت کا کچھ اور ہی حال ہے اوروں کی انتہاء ان کی ابتداء ہے وہ 'روز الست سے مشاہدہ یار میں سرشار ہیں ان کا شمار اغیار میں ہے ہی نہیں وہ عالم ظلمات میں بھی انوار ہی دیکھتے ہیں۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

و وقتی قبل قلبی قد صفالی

وہ اغیار میں رہ کر بھی بے کار نہیں رہتے۔ ان کی محبت دنیا بھی ذریعہ وصل یار ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ میرے قلب میں اپنی بیویوں اور خوشبو اور نماز کی محبت ڈال دی گئی۔ ان کی محبت میں بھی صدہا اسرار ہیں۔ اسی لئے بعض اولیاء اللہ دنیا سے کنارہ کش رہتے ہیں اور بعض اس میں مشغول۔ اس مضمون کی انتہاء نہیں 'دریا ناپید اکنار ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم اللہ اکم میں یا اللہ کا علم ازلی مراد ہے یا علم لوح محفوظ یا علم ظہور یعنی ہم ازل سے جانتے تھے یا لوح محفوظ کی تحریر سے ہی جانتے تھے یا ہم نے تمہاری حالت دیکھ کر علم ظہور جان لیا کہ تمہارے دلوں میں فطری طور پر عورتوں کی طرف میلان ہے کیوں نہ ہو کہ عورت کی پیدائش مرد سے ہے اور کل جز کی طرف مائل ہے فطرت کو بدلنا یا رب کی دی ہوئی طاقت کو معطل کرنا فطرت کا مقابلہ کرنا ہے ہاں اس پر کنٹرول کرنا عین حکمت کے مطابق ہے لہٰذا ہم تمہارے میلان کو روکتے نہیں اس پر کنٹرول کرتے ہیں کہ صراحۃً ذکر نکاح نہ کرو اشارۃً کرو گھوڑے کو بھاگنے سے نہ روکو بلکہ اس کے منہ میں لگام دیکر اسے صحیح چلاؤ۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا

نہیں ہے مواخذہ اوپر تمہارے اگر طلاق دو تم عورتوں کو جبکہ نہ چھوا ہو تم نے انہیں اور نہ مقرر کیا ہو

تم پر کچھ مطالبہ نہیں اگر تم عورت کو طلاق دو جب تک تم نے انکو ہاتھ نہ لگایا ہو یا کوئی مہر مقرر نہ کر لیا ہو

www.alahazratnetwork.org

لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَّمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ

واسطے ان کے مہر اور جوڑا دو ان کو اوپر وسعت والے کے موافق حیثیت اس کے ہے اور
اور ان کو کچھ برتنے کو دو مقدور والے اس کے لائق اور تنگ دست پر اس کے لائق

مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿٢٣٦﴾

اوپر تنگدست کے موافق اس کے جوڑا دینا ساتھ بھلائی کے واجب ہے اوپر احسان والوں کے
حسب دستور کچھ برتنے کی چیز یہ واجب ہے بھلائی والوں پر ؕ

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان طلاق والی عورتوں کا ذکر ہوا جن پر عدت واجب ہے چونکہ بیوہ عورت بھی انہیں کے حکم میں تھی لہٰذا اس کا بھی ذکر ساتھ ہی کر دیا گیا۔ اب ان طلاق والیوں کا ذکر ہے جن پر عدت واجب نہیں یعنی خلوت سے پہلے طلاق حاصل کرنے والیاں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ طلاق والیوں کو ان کا مہر اور خرچہ عدت دو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بعض وہ عورتیں بھی ہیں جن کا تمہارے ذمہ نہ مہر ہے نہ خرچہ عدت یعنی وہ جن سے بغیر مہر نکاح ہوا ہو اور بغیر خلوت طلاق دے دی گئی ہو۔ **تیسرا تعلق:** طلاق کی چند قسمیں ہیں اور ان کے جداگانہ احکام جن میں سے بعض کے احکام پچھلی آیتوں میں بیان ہوئے اور بعض کے اب بیان ہو رہے ہیں۔

شان نزول : ایک انصاری نے قبیلہ بنی حنیفہ کی ایک عورت سے نکاح کیا اور کچھ مہر مقرر نہ کیا۔ پھر بغیر ہاتھ لگائے اسے طلاق دے دی چونکہ اس قسم کی طلاق اس سے پہلے کبھی نہ ہوئی تھی لہٰذا اس کے احکام میں حیرت ہوئی۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (خزائن العرفان)۔

تفسیر : **لا جناح علیکم** جناح کے معنی ہیں جھکنا اور مائل ہونا **فان جنحو اللسلم** بوجھ کو بھی اسی لئے جناح کہتے ہیں کہ اس سے آدمی جھک جاتا ہے گناہ بھی چونکہ اخروی بوجھ ہے اس لئے اسے بھی جناح کہنے لگے چونکہ مطالبات مواخذے اور ذمہ داریاں بھی حکماً بوجھ ہیں لہٰذا ان سب کو جناح کہتے ہیں۔ **ولیحملن اثقالہم** (از کبیر) یہاں جناح سے یا تو گناہ مراد ہے یا حق مہر یا مہر اور خرچہ عدت کا مطالبہ یا دنیوی مواخذہ (طلب) علیکم میں طلاق دینے والے شوہروں سے خطاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ عورت کے سسرال یا میکے والے والیوں سے خطاب ہو یا حکام اسلام سے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے خاوندو اگر تم ان مطلقہ بیویوں کو عدت کا خرچہ نہ دو تو تم پر گناہ نہیں کیونکہ ان پر عدت ہے ہی نہیں یا اے ایسی مطلقہ کے ولیو وارثو! یا اے حکام یا اے مسلمانو اگر ایسی مطلقہ عورتیں طلاق ہوتے ہی دوسرا نکاح کر لیں یا نکاح کی تیاری کر لیں یا ان شوہروں کے گھر سے نکل جاویں یا بناؤ سنگار کریں تو تم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان عورتوں پر نہ عدت ہے نہ سوگ اور مذکورہ بالا احکام عدت کے تھے۔ **ان طلقتم النساء ما لم تمسوھن** یہ لاجناح کی شرط مؤخر ہے اور نساء سے بیویاں مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ما مصدریہ ہے اور اس سے پہلے زمان یا وقت پوشیدہ ہے یعنی انہیں صحبت نہ کرنے کے زمانہ میں طلاق دو یا یہ کہ ایسے وقت میں طلاق دے دو جب کہ تم

www.alahazratnetwork.org

نے ان کو ہاتھ نہ لگایا ہو اور بعض کے نزدیک ما بمعنی مادام۔ **تمسوا** تمس سے بنا بمعنی چھونا اور ہاتھ لگانا مگر یہاں صحبت کرنا مراد ہے۔ **او تفرضوا لهن فريضة** او یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی واؤ۔ اور تفرضوا طلقتم پر معطوف کی وجہ سے اس کا نون گر گیا۔ یا یہ او بمعنی حتیٰ یا بمعنی الی ان یا الا ان ہے فریضہ بروزن فعیلہ مصدر بمعنی مفعول ہے۔ اور اس میں ت انتقال کی ہے۔ فرض کے لفظی معنی قطع کرنا یا لازم کرنا ہیں۔ یہاں اس سے مہر مراد ہے یعنی اگر تم بغیر جماع اور بغیر مہر مقرر کئے عورتوں کو طلاق دے دو تو تم پر مہر یا مطالبہ مہر نہیں یا اگر تم جماع نہ کرکے عورتوں کو طلاق دو تو تم پر مطالبہ مہر نہیں یہاں تک کہ یا مگر جب کہ تم نے ان کے لئے کوئی مہر مقرر نہ کیا ہو یا تمہارا عورتوں کو بغیر خلوت اور بغیر مہر مقرر کئے ہوئے طلاق دے دینا بہر حال گناہ نہیں کہ جس وقت جس طرح چاہو طلاق دے دو (از کبیر و احمدی) یا جب تک کہ تم نے عورتوں سے صحبت نہ کرلی ہو یا ان کا مہر مقرر نہ کر دیا ہو تب تک طلاق دینے میں مہر لازم نہیں۔ **ومتعوهن** یہ ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے یعنی فطلقوهن و متعوهن' متعہ اور متاع فانی نافع چیز کو کہا جاتا ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل۔ یہاں اس سے وہ چیز مراد ہے جس سے مطلقہ فائدہ اٹھائے۔ احناف کے یہاں اس سے کپڑوں کا جوڑا مراد ہے ایک قمیص ایک دوپٹہ اور ایک سر سے پیر تک لمبی چادر (احمدی و کبیر) یہ ہی عبد اللہ ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ (احمدی) یعنی تم انہیں طلاق دو اور ساتھ ہی ایک جوڑا بھی دو۔ **على الموسع قدره وعلى المقتر قدره** علی وجوب کے لئے ہے۔ موسع' وسع یا وسعۃ سے بنا بمعنی فراخی گنجائش۔ اس سے زیادتی مال اور کمال قدرت بھی مراد ہوتی ہے وانا لموسعون۔ یہاں مالدار مراد ہوتا ہے قدر۔ سکون دال اور فتح دال کے ایک ہی معنی ہیں اندازہ یا تنگی یا قدر دانی یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ قدر۔ سکون دال مصدر ہے اور فتح دال اسم مصدر جیسے غد اور عدد اور مد اور مدد۔ مقتر' قتر سے بنا جو اسراف کا مقابل ہے۔ بمعنی تھوڑا خرچ کرنا لم یسرفوا ولم یقتروا نیز مقتر تنگ دست کو بھی کہتے ہیں۔ وہی یہاں مراد ہے۔ بھنے ہوئے گوشت کی بھاپ یا بجھی ہوئی لکڑی سے اٹھتے ہوئے دھوئیں کو بھی قتر کہتے ہیں کہ وہ تھوڑا بھی ہے اور غیر نافع بھی۔ یعنی مالدار پر اس کی گنجائش کے بقدر اور غریب پر اس کی طاقت کے موافق جوڑا واجب ہے کہ مالدار تو قیمتی اور غریب معمولی جوڑا دے۔ **متاعا بالمعروف** یہ اسم مصدر ہے یا تو متعوا کا مفعول بہ ہے یا مفعول مطلق۔ بالمعروف یا تو متاع کے متعلق ہے یا اس کی صفت یعنی دستور کے مطابق یا خوش اسلوبی سے یا بھلائی کے ساتھ انہیں جوڑا دو **حقا على المحسنين** یا تو یہ حق فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے یا متاعا کی صفت حق بمعنی واجب محسنین سے متقی پرہیزگار مراد ہیں جو نیک اعمال کرکے اپنی جانوں پر احسان کرتے ہیں یعنی یہ جوڑا ان متقیوں پر واجب ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں اگر تم اپنی بیبیوں کو بغیر صحبت اور بغیر مہر مقرر کئے طلاق دو تو تم پر مہر واجب نہیں ہاں اس صورت میں تم انہیں کپڑے کا ایک جوڑا دے دو۔ مالدار پر تو اپنی حیثیت کے موافق قیمتی جوڑا واجب ہے اور تنگدست پر اس کے لائق معمولی جوڑا خوش دلی کے ساتھ اچھے طریقہ سے دو نہ کہ تنگ دل ہو کر اور لڑائی جھگڑے سے بھلائی والوں پر یہ واجب ہے۔

دوسری تفسیر : اگر تم عورتوں کو اس صورت میں طلاق دو کہ تم نے انہیں ہاتھ نہ لگایا ہو تو تم پر مہر کا مطالبہ نہیں مگر جب کہ بوقت نکاح تم نے مہر مقرر کر لیا ہو تب پڑے گا۔

www.alahazratnetwork.org

تیسری تفسیر : جب تک کہ تم نے عورتوں سے صحبت نہ کی ہو یا ان کے لئے مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ تب تک تمہیں طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ جس حالت میں چاہو طلاق دے دو الخ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بغیر مہر یا مہر نہ ہونے کی شرط سے بھی نکاح جائز ہے جیسا کہ 'او تفرضوا لھن' سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جس عورت سے صحبت نہ ہوا سے ہر طرح طلاق دینا جائز ہے۔ البتہ صحبت شدہ عورت میں یہ پابندی ہے کہ حیض میں 'صحبت والے طہر میں طلاق نہ دی جائے۔' **تیسرا فائدہ:** جسے بغیر صحبت طلاق دی جائے جوڑا دینا واجب ہے جیسا کہ متعوھن سے معلوم ہوا۔ اور صحبت والی عورت کو پورا مہر دینا واجب اور جوڑا مستحب۔ رب نے حضور علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنی بیویوں سے فرمادو فتعالین امتعکن **چوتھا فائدہ:** جوڑے میں شوہر کی وسعت کا اعتبار ہوگا نہ کہ بیوی کی۔ جیسا کہ علی الموسع سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** مالدار اور غریب دونوں شوہروں پر صرف جوڑا ہی واجب ہے۔ ہاں شوہر کے لحاظ سے اس کی قیمت میں فرق ہوگا جوڑے کے سوا اور کچھ واجب نہیں۔

مسئلہ : طلاق والی عورتیں چار قسم کی ہیں ایک وہ جن کا مہر بھی مقرر ہوا ہو 'اور بعد صحبت طلاق دی گئی ہو۔ انہیں مہر دینا واجب اور جوڑا مستحب۔ جس کا ذکر پچھلی آیت میں گزر چکا۔ (2) دوسری وہ جس کا مہر بھی مقرر نہ ہوا ہو اور بغیر صحبت طلاق دی گئی ہو۔ اس کا مہر کچھ نہیں صرف جوڑا دینا واجب اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ (3) تیسری وہ جن کا مہر مقرر ہوا ہو۔ مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔ انہیں آدھا مہر دیا جائے۔ جس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ (4) چوتھی وہ جس کا مہر تو مقرر نہ ہوا ہو۔ مگر صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو۔ اسے مہر مثل ملے گا۔ یعنی جو اس کے خاندان میں بندھتا ہو۔ **مسئلہ:** عورت کا جوڑا قیمت میں پانچ درم یعنی تقریباً" ڈیڑھ روپیہ سے کم نہ ہو۔ اور مہر مثل کے آدھے سے زائد نہ ہو۔ **مسئلہ:** جسے صحبت سے پہلے طلاق دی جائے اس پر عدت واجب نہیں۔ ہاں عدت وفات لازم ہے۔ **مسئلہ:** خلوت صحیحہ صحبت ہی کے حکم میں ہے خلوت صحیحہ وہ ہے جس میں تین شرطیں ہوں۔ (1) مرد و عورت کا تنہا مکان میں جمع ہو جانا۔ (2) مرد کو معلوم ہونا کہ یہ میری بیوی ہے۔ (3) عورت میں کوئی شرعی یا حسی مانع صحبت نہ ہونا۔ لہذا حائضہ یا فرضی روزہ دار اور جس کی فرج جڑی ہو اس کی خلوت صحیحہ نہیں۔ اس کی دلیل انشاء اللہ اعتراض و جواب میں آئے گی۔ خیال رہے کہ عدت واجب ہونے کے لئے خلوت اور قسم کی معتبر ہے اور پورا مہر واجب ہونے کے لئے دوسری قسم کی خلوت ضروری۔ اگر عورت میں کوئی مانع موجود ہو۔ جس سے صحبت نہ ہو سکے عدت واجب کردے گی مگر مہر پورا واجب نہ کرے گی لیکن اگر مرد میں کوئی نقص تھا جس کی وجہ سے صحبت نہ ہو سکی تو عدت بھی واجب ہو گی اور مہر بھی پورا کہ یہاں عورت کی طرف سے قصور نہیں بلکہ مرد کی طرف سے ہے اس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے۔ **مسئلہ:** موت سے پورا مہر واجب ہو جاتا ہے خواہ عورت مرے یا مرد اور موت خواہ خلوت سے پہلے ہی ہو جائے۔ یا بعد میں (روح)۔ **مسئلہ:** بغیر مہر والے نکاح میں موت سے پورا مہر مثل واجب ہوگا۔ (روح) جیسا کہ ان طلقتم سے معلوم ہوا کہ یہ احکام صرف طلاق کے ہیں نہ کہ موت کے۔

پہلا اعتراض : لاجناح کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ وطی سے پہلے طلاق دینے میں کوئی گناہ نہیں۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ طلاق بدترین مباحات ہے ان میں مطابقت کیونکہ ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وطی کے بعد

www.alahazratnetwork.org

طلاق دینے میں بہت پابندیاں ہیں کہ طلاق حیض میں نہ ہو۔ جس طہر میں ہو وہ وطی سے خالی ہو۔ چند طلاقیں ایک دم نہ ہوں وغیرہ اگر ان پابندیوں پر عمل نہ ہوا تو شوہر سخت گناہ گار ہے۔ لیکن صحبت سے پہلے طلاق میں کوئی پابندی نہیں تو گویا لا جناح میں ان پابندیوں کی نفی کی گئی جو دوسری قسم کی طلاق میں ہیں دوسرے یہ کہ اگرچہ طلاق بدترین مباحات ہے مگر ہے تو مباح پھر اس میں گناہ کیسا۔ واقعی بلاوجہ طلاق اچھی نہیں مگر حرام بھی نہیں اس آیت سے طلاق کا جواز اور تمہاری پیش کردہ حدیث سے اس کا بہتر نہ ہونا معلوم ہوا لہٰذا ان میں کوئی مخالفت نہیں تیسرے یہ کہ یہاں جناح سے مہر یا مطالبہ مہر مراد ہے۔ دوسرا اعتراض: صحبت سے پہلے طلاق دینے میں مہر کیوں نہیں واجب اور موت میں کیوں واجب ہے۔ جواب: اس لئے کہ اس طلاق میں عورت پر عدت نہیں اور موت میں عدت ہے وہاں اس پابندی کی وجہ سے مہر واجب کر دیا گیا نیز چونکہ شوہر نے اس سے کوئی نفع حاصل نہیں کیا اور زندہ رہتے ہوئے نفع سے محروم بھی ہو گیا۔ اب جو کچھ دلوایا گیا یہ شریعت کا کرم ہے۔ تیسرا اعتراض: حقاً علی المحسنین سے معلوم ہوتا ہے کہ متعہ یعنی جوڑا واجب نہیں صرف مستحب ہے کیونکہ اسے ایک قسم کا احسان قرار دیا۔ ادائے واجب احسان نہیں ہوتا۔ اسی لئے ادائے قرض مقروض کا احسان نہیں۔ رب فرماتا ہے کہ ما علی المحسنین من سبیل۔ جس سے معلوم ہوا کہ محسن پر وجوب نہیں ہوتا۔ (حضرات مالکی)۔ جواب: متعوا امر ہے اور امر وجوب کے لئے ہوتا ہے نیز حقاً علی المحسنین میں علیٰ سے بھی وجوب ہی کا پتہ چلتا ہے۔ حق علی فلان سے وجوب سمجھ میں آتا ہے نہ کہ استحباب۔ محسنین فرمانا محض اس لئے ہے کہ یہ جوڑا بغیر نفع دلوایا گیا گویا یہ اصل میں احسان ہے۔ چوتھا اعتراض: متاع نفع کے سامان کو کہتے ہیں خواہ کچھ ہو تم نے جوڑے کی پابندی کہاں سے نکالی۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ اعلیٰ متاع ایک غلام ہے اور ادنیٰ ایک دوپٹہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں جوڑے کی پابندی نہیں نیز علی الموسع قدرہ سے پتہ لگا کہ متاع مقرر نہیں۔ حسب حیثیت ہونا چاہئے اور تم نے مقرر کر دیا کہ نصف مہر مثل سے زیادہ نہ ہو۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جن انصاری نے اپنی حنفیہ بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دی تھی ان کو حضور علیہ السلام نے حکم دیا کہ اسے کچھ دے دو اگر کچھ نہ ہو تو اپنی ٹوپی ہی اتار دو۔ اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ جوڑا مقرر نہیں۔ (حضرات شافعی از تفسیر کبیر) جواب: خود صحابہ کرام میں متعہ کے متعلق اختلاف ہے۔ عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ادنیٰ متعہ تیس درہم ہیں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایتیں مختلف ہیں ایک تو وہی ہے جو تم نے نقل کی دوسری یہ ہے کہ اعلیٰ متعہ غلام ہے۔ اور اس سے کچھ کم چاندی اور اس سے کم کچھ کپڑے۔ (معانی) تیسری روایت یہ ہے کہ متع تین کپڑے ہیں چونکہ اس روایت کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ہوتی ہے اور اس تقرر سے جھگڑا بھی نہ بڑھے گا لہٰذا احناف نے اسی کو اختیار کیا غیر معین کے واجب ہونے میں جھگڑا پڑ سکتا ہے۔ علی الموسع او علی المقتر کا یہی مطلب ہے کہ کپڑوں کا جوڑا شوہر کی حیثیت کے مطابق ہونا چاہئے ٹوپی والی روایت صحیح نہیں۔ حافظ ولی الدین عراقی نے اس کا انکار کیا (معانی) اور اگر صحیح بھی ہو تو اس کی وجہ معذوری ہے۔ کیونکہ اس روایت میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے دریافت کیا کہ تم نے اسے متعہ دے دیا عرض کیا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں کیا دوں تب فرمایا اپنی ٹوپی ہی دے دو۔ (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہ ان انصاری کی خصوصیات میں سے ہو جیسے کہ ایک صحابی کے روزہ کا کفارہ خود انہیں کو کھلا دیا گیا۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مس سے پہلے طلاق کا یہ حکم ہے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں مس سے صحبت کرنا مراد ہے۔ احناف نے خلوت پر صحبت کے احکام جاری کر دیئے خلوت تو نہ حقیقتہً مس ہے نہ مجازاً۔

www.alahazratnetwork.org

نہ تو وہاں ہاتھ سے چھونا نہ صحبت صرف ایک جگہ اجتماع ہے (حضرات شافعی) جواب: بیشک یہاں مس سے صحبت ہی مراد ہے خلوت سے یہاں سکوت دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تم ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری سے نکاح کرنا چاہو اور تم نے اسے بہت مال دیا ہو تو واپس نہ لو اور کیسے لے سکتے ہو وقد افضی بعضکم الی بعض وہاں مہر واپس نہ لینے کی وجہ جماعت نہیں بلکہ افضا قرار دی گئی اور افضا فضاء سے بنا معنی خالی جگہ جس سے معلوم ہوا کہ شوہر و بیوی کا خالی جگہ میں پہنچ جانا بھی صحبت ہی کا حکم رکھتا ہے۔ (از کبیر) نیز اسباب پر اصل کے احکام جاری ہوتے ہیں بوسہ سے سسرالی رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔ بوسہ جماعت کا سبب ہے۔ سونے سے وضو جاتا رہتا ہے کیونکہ نیند ریح نکلنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی خلوت صحیحہ سے مہر واجب ہونا چاہئے کیونکہ یہ جماعت کا ذریعہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کسی سے فیض لینے کے دو ذریعہ ہیں اس سے نسبت اور اس فیض دینے والے کی خدمت نسبت سے عظمت اور خدمت سے نعمت ملتی ہے دیکھو رخصتی سے پہلے طلاق والی عورت نے اگرچہ خاوند کی خدمت بالکل نہ کی بلکہ اس کی شکل بھی نہ دیکھی مگر چونکہ اسے خاوند سے نسبت ہو گئی تو وہ جوڑے یا نصف مہر کی مستحق ہو گئی اور خاوند کو حکم دیا گیا کہ وہ عورت کی عیب پوشی کرے اسی طرح جو طالب فیض مرید یا حضور کا امتی حضور کی نسبت رکھے تو انشاء اللہ کچھ نہ کچھ ضرور پالے گا اور اس کی عیب پوشی بھی ہو گی پھر اگر نسبت و خدمت دونوں کسی کو میسر ہو جاویں تو زہے نصیب ورنہ فقط نسبت بھی کافی ہوتی ہے بعض صحابہ وہ ہیں۔ جنہیں حضور سے نسبت بھی حاصل ہے اور خدمت کا بھی موقع ملا سو وہ بہت اعلیٰ رتبے والے ہیں رب فرماتا ہے اولئک اعظم درجۃ اور بعض وہ ہیں جنہیں صرف نسبت تو میسر ہوئی خدمت نصیب نہ ہوئی وہ بھی پار لگ گئے رب فرماتا ہے وکلا وعد اللہ الحسنیٰ بلکہ ابو طالب کو خدمت میسر ہوئی نسبت اسلام نصیب نہ ہوئی انہیں بھی یہ فائدہ پہنچ گیا کہ دوزخ سے نکل کر اس کے جھیرے میں رکھے گئے۔ بارات میں دولہا کے نسبتی اور خدمت گار سب ہی کھانا بلکہ جوڑے پا لیتے ہیں۔ اسی لئے حضور نے فرمایا کہ جو مرتے وقت کلمہ پڑھے اور کلمہ پر مرے وہ جنتی ہے اگرچہ فاسق و فاجر ہو کیوں اس لئے کہ اسے نسبت تو حاصل ہے موسیٰ علیہ السلام کے جادوگر بعد اسلام آپ کی کوئی خدمت یا کلام سلام نہ کر سکے فوراً سولی پر چڑھا دیئے گئے مگر نسبت کلیمی کی وجہ سے پار لگ گئے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی کو صحبت سے پہلے طلاق دینے میں شوہر پر ذمہ داری و پابندی کم ہے اور صحبت کے بعد زیادہ۔ جس سے پتہ لگا کہ قوی تعلق کا توڑنا مشکل ہے اور ضعیف کا توڑنا آسان۔ تارک الدنیا کو واصل الی اللہ ہونا آسان ہے۔ دنیادار کا دشوار اور جتنی دشواری زیادہ اسی قدر مراتب بلند۔ اسی لئے ولایت عیسوی سے ولایت مصطفوی افضل ہے۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وکل ولی لہ قدم و انی   علی قدم النبی بدر الکمال

یعنی میرے بلندی درجات کی وجہ یہ ہے کہ ہر ولی کسی خاص پیغمبر کا مظہر ہوتا ہے کسی کو ولایت عیسوی حاصل ہے کسی کو موسوی لیکن میں سید الانبیاء علیہ السلام کے قدم بقدم ہوں اور ولایت مصطفوی کا مظہر لہذا سید الاولیاء ہوں نیز جیسے کہ دنیوی ضرورت پر بیوی کو صحبت سے پہلے یا بعد طلاق دی جا سکتی ہے۔ ایسے ہی دینی ضرورت پر دنیا کو بعد استعمال یا قبل استعمال طلاق

www.alahazratnetwork.org

دی جا سکتی ہے زیارت بیت اللہ کے لئے وطن ' اولاد ' احباب کو چھوڑو بلکہ احرام باندھ کر آرام سے منہ موڑو۔ ایسے ہی زیارت ذات اللہ کے لئے نفس ' بدن ' قلب ' قالب بلکہ سب چیز سے منہ موڑو۔ خودی کو مٹاؤ تو خدا پاؤ۔ قل اللہ ثم ذرھم ' نیز جیسے کہ طلاق دی ہوئی بیوی کو بقدر محبت دینا واجب بیت اللہ جاتے وقت بال بچوں کے لئے خرچ چھوڑنا ضروری۔ ایسے ہی دنیا کو طلاق دیتے وقت دنیوی قرابت داروں کو بقدر محبت کچھ دینا ضروری اس لئے واصلین کے تاجدار جناب احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ان لعنک علیک حقا اور جیسے کہ بچہ کا دودھ چھڑا کر اسے خاطر خواہ نرم غذائیں دیتے ہیں ایسے ہی جب طفل نفس کو دایہ دنیا سے جدا کرو تو کچھ دوسری لذیذ غذائیں دو۔ اسی لئے سرکاری حکم ہے کہ و لنفسک علیک حقا۔

وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَ قَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ

اور اگر طلاق دو تم انہیں پہلے سے اس کے کہ چھوؤ انہیں حالانکہ بے شک مقرر کر دیا ہو تم نے واسطے ان کے

اور اگر تم نے عورتوں کو بے چھوئے طلاق دے دی اور ان کے لئے کچھ مہر مقرر کر چکے تھے تو جتنا ٹھہرا تھا

فَرِيۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ يَّعۡفُوۡنَ اَوۡ يَعۡفُوَا الَّذِىۡ بِيَدِهٖ

مہر پس آدھا ہے اس کا جو مقرر کیا تم نے مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ یا معاف کرے وہ شخص کہ بیچ

اس کا آدھا واجب ہے مگر یہ کہ عورتیں کچھ چھوڑ دیں یا وہ زیادہ دیں جن کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے

عُقۡدَةُ النِّكَاحِ‌ؕ وَاَنۡ تَعۡفُوۡۤا اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰىؕ وَلَا تَنۡسَوُا الۡفَضۡلَ

[illegible]

ہاتھ اس کے گرہ نکاح کی ہے اور یہ کہ معاف کرو تم زیادہ قریب ہے واسطے پرہیزگاری کے اور نہ بھولو

اور اے مردو تمہارا زیادہ دینا پرہیزگاری سے نزدیک تر ہے اور آپس میں ایک دوسرے پر احسان کو

بَيۡنَكُمۡ‌ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِيۡرٌ ﴿۲۳۷﴾

احسان کو درمیان اپنے۔ تحقیق اللہ ساتھ اس کے کہ کرتے ہو تم دیکھنے والا ہے۔

بھلا دو بے شک اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے

تعلق : پچھلی آیت میں صحبت سے پہلے طلاق دینے کا ذکر ہوا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح کے وقت مہر مقرر نہ کیا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ کیا گیا ہو۔ پہلی صورت پچھلی آیت میں بیان ہوئی۔ دوسری صورت اور اس کے احکام اب بیان ہو رہے ہیں۔

تفسیر : **وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن** یہاں بھی شوہروں سے خطاب ہے۔ اور مس سے صحبت مقصود۔ اگرچہ اتنا مضمون گزشتہ آیت ہی کی طرح ہے۔ مگر طریقہ بیان مختلف ہونے سے عبارت بہت لطیف ہو گئی کہ وہاں لاجناح سے مضمون شروع ہوا تھا کیونکہ مہر بالکل واجب نہ تھا اور یہاں وان طلقتموھن سے کیونکہ آدھا واجب ہے اور طلاق سے مراد طلاق

www.alahazratnetwork.org

بائنہ یا مغلظہ ہے کیونکہ ایسی عورت کو طلاق رجعی پڑ ہی نہیں سکتی۔ طلاق رجعی وہ ہے جس میں عدت کے اندر بغیر تجدید نکاح رجوع ہو سکے اور اس مطلقہ پر عدت ہے ہی نہیں تو اب رجوع کی کیا صورت ہو لہٰذا غیر مدخولہ بیوی کو طلاق ہمیشہ بائنہ ہو گی یا مغلظہ۔ **وقد فرضتم لهن فريضة** ظاہر یہ ہے کہ یہ واؤ حالیہ ہے کہ اگرچہ مہر کا مقرر کرنا طلاق سے پہلے ہے مگر اس کا تقرر تو اب بھی باقی ہے لہٰذا حال درست ہونا درست۔ اور ہو سکتا ہے کہ واؤ عاطفہ ہو اور فرضتم، طلقتم پر معطوف اور یہ دونوں جملے شرط ہوں اور آئندہ عبارت جزا یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو جماع سے پہلے طلاق دے دو حالانکہ ان کے لئے بوقت نکاح مہر مقرر کر چکے تھے تو **فنصف ما فرضتم** اس سے پہلے یا تو لہن پوشیدہ ہے یا علیکم یعنی تو ان عورتوں کے لئے مقرر مہر کا آدھا ہے اور باقی آدھا تمہارے لئے یا تم پر صرف آدھا واجب ہے اور آدھا معاف **الا ان يعفون** اسی مجموعی حکم سے استثناء ہے اور یعفون کا فاعل طلاق والی عورتیں ہیں۔ یہ لفظ عفو سے بنا بمعنی مٹانا۔ معافی کو بھی اسی لئے عفو کہا جاتا ہے کہ اس سے حق یا مطالبہ مٹ جاتا ہے **او يعفو الذي بيده عقدة النكاح** یہ یعفون پر معطوف ہے اور دوسرا استثناء اور الذی سے شوہر مراد ہے۔ ید بمعنی قبضہ چونکہ نکاح میں زوجین بندھے ہوتے ہیں اس لئے اسے نکاح کا قابض قرار دیا گیا یہی سعید ابن مسیب و علی ابن ابی طالب اور بہت سے صحابہ کرام کا قول ہے رضی اللہ عنہم۔ حدیث میں بھی الذی کی تفسیر زوج سے کی گئی۔ اس صورت میں عفو سے یا تو پورا دیا ہوا مہر واپس نہ لینا مراد ہے یا بطور مہربانی سارا دے دینا یعنی واجب سے زیادہ ادا کرو۔ رب فرماتا ہے **یسئلونک ماذا ینفقون قل العفو** یعنی اسی طلاق میں آدھا مہر واجب ہے۔ لیکن اگر عورتیں اپنا آدھا معاف کر دیں تو بھی جائز ہے اور اگر مالک نکاح یعنی شوہر بطور مہربانی زائد دے یا کل دیئے ہوئے میں سے کچھ واپس نہ لے۔ تب بھی جائز **وان تعفوا اقرب للتقوى** ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب صرف شوہروں سے ہے اقرب متعلق ہے اور لام بمعنی الی روح المعانی میں ہے کہ متعلق و تعجب کے بعد وہی حرف آتا ہے جو فعل کے بعد آتا۔ چونکہ قرب۔ قریب کے بعد لام بھی آتا ہے لہٰذا اقرب کے بعد بھی لام آگیا روح البیان نے فرمایا کہ یہ لام تعدیہ کا نہیں بلکہ علت کا ہے۔ یعنی اے مردو! بمقابلہ عورتوں کے تمہارا معاف کرنا اور پورا مہر دے دینا پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے یا عفو اور مہربانی تمہیں زیادہ لائق ہے "تقویٰ کیلئے کیونکہ تم مخدوم ہو۔ بیویاں ہیں تمہاری خادم۔ مخدوم کو چاہئے کہ خادم پر کرم کرے۔ (احمدی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان تعفوا میں شوہر بیویاں دونوں ہی سے خطاب ہے اور تغلیباً صیغہ جمع مذکر آیا یعنی اے عورتو مردو چشم پوشی اور معافی تقویٰ سے قریب تر ہے۔ **ولا تنسوا الفضل بينكم** لا تنسوا میں زوجین سے خطاب ہے جیسا کہ بینکم سے معلوم ہوتا ہے اور یہ نسیان سے بنا بمعنی بھولنا مگر یہاں ترک کرم مراد ہے کیونکہ بھول چوک قبضہ میں نہیں۔ فضل سے احسان مہربانی اور خوش معاملگی مراد ہے۔ بینکم لا تنسوا کا ظرف ہے بعض نے فرمایا کہ یہ ایک پوشیدہ لفظ کا ظرف ہو کر فضل کی صفت ہے خیال رہے کہ یا تو فضل سے آئندہ کا احسان مراد ہے یا گزشتہ نیکیاں یعنی اے شوہرو اور بیویو! تم ایک دوسرے کے گزشتہ احسانات نہ بھولو انہیں یاد رکھو کر ایک دوسرے کے احسان مند رہو مرد تو یہ خیال رکھے کہ عورت اتنے عرصہ میں میری پابندی میں بیٹھی رہی اور ہم نے اسے طلاق دے دی۔ اس کا مجھ پر احسان ہے بلکہ حدیث پاک میں تو ارشاد ہوا کہ اپنے سسر کو اپنے والد کی مثل سمجھو۔ لہٰذا اس کا احسان مانو کہ اس نے اپنی لڑکی تمہارے عقد میں دی یا آئندہ خوش خلقی اور مروت کرم نہ چھوڑو اور ہو سکتا ہے کہ شوہر و بیوی کے قبیلوں سے خطاب ہو کہ تم لوگ اس طلاق کی وجہ سے آپس میں لڑ نہ جاؤ بلکہ گزشتہ محبت اور احسان کو یاد رکھو۔ اور آئندہ بھی

www.alahazratnetwork.org

ایک دوسرے سے اچھے سلوک کرو کیونکہ ان اللہ بما تعملون بصیر اللہ تمہارے سارے کام دیکھ رہا ہے انہیں کے مطابق جزا سزا دیگا۔

خلاصہ تفسیر : اے شوہرو! اگر تم اپنی بیویوں کو جماعت سے پہلے طلاق دو۔ اور اس سے پہلے تم ان کے لئے مہر مقرر کر چکے ہو تو تم پر مقرر شدہ مہر کا آدھا واجب ہے لیکن عورت وہ آدھا بھی معاف کر دے تو اسے اختیار ہے یا وہ خاوند جس کے قبضہ میں نکاح کی باگ ڈور ہے وہ پورا ہی دیدے یا پورے دیئے ہوئے میں سے کچھ واپس نہ لے تو اسے بھی اختیار ہے ہاں بہتر اور تقویٰ سے قریب تر یہی ہے کہ مرد زائد دے دے کہ وہ مالک نکاح اور عورت کا حاکم ہے۔ حاکم ہو کر محکوم سے مانگنا مالک ہو کر مملوک سے کرم کی درخواست کرنا کچھ مناسب نہیں اور اے شوہرو اور طلاق والی بیویو! یا اے شوہرو اور ان بیویوں کے قبیلہ والو آپس کے گزشتہ احسانات بھلا نہ دو اور نہ آئندہ کے لئے اس سے ہاتھ کھینچ لو کیونکہ نکاح و طلاق کی وجہ سے محبت ایمانی اور رشتہ اسلامی نہیں ٹوٹ جاتا مرد تو یہ سمجھ کر کہ اگرچہ میں نے عورت سے نفع حاصل نہ کیا مگر یہ میری پابند تو رہی نصف مہر دینے میں کوتاہی نہ کرے اور عورت یہ سمجھ کر کہ میں بغیر خدمت اس سے یہ مال لے رہی ہوں آدھا لینے میں ضد نہ بگاڑے بلکہ اگر دل میں گنجائش ہو تو یا تو مرد سارا ہی دے دے یا عورت بخوشی آدھا بھی معاف کر دے۔ خوب خیال رکھو کہ رب تعالیٰ تمہارے ہر برے بھلے کام کو دیکھتا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مہر عورت کا حق ہے اسی لئے معافی سے معاف ہو جاتا ہے جیسا کہ ان یعفون سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: شوہر مالک نکاح ہے کہ نکاح کا باقی رکھنا اس کے قبضہ میں ہے جیسا کہ بیدہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: مالک کا مملوک پر احسان کرنا زیادہ بہتر ہے نہ کہ مملوک سے احسان کی درخواست کرنا جیسا کہ وان تعفوا سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: طلاق کو ذریعہ جنگ بنانا سخت گناہ ہے چاہئے کہ گزشتہ محبت و سلوک باقی رہے جیسا کہ لا تنسوا الفضل سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: خلق پر مہربانی کرنا باعث ثواب ہے جیسا کہ بصیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: وقت نکاح کا مقرر کردہ مہر آدھا ہو سکتا ہے نہ کہ بعد کا یعنی اگر کوئی نکاح تو بغیر مہر کرے پھر بعد میں کچھ مقرر کرے اور پھر خلوت سے پہلے طلاق دے دے تو اس صورت میں اس پر صرف کپڑوں کا جوڑا ہی واجب ہو گا کہ اس کے بعد والے مہر کا آدھا کہ یہ بھی مہر مثل کے طرح نصف نہیں ہو سکتا۔ پورا ہی واجب ہوتا ہے جیسا کہ فرضتم سے معلوم ہوا کیونکہ بعد کا مقرر کردہ مہر تو زوجین کی ذاتی رضامندی ہے نہ کہ حق نکاح۔ (در مختار باب المہر)۔

مسئلہ : مہر کم از کم دس درہم ہے اور درہم ساڑھے چار آنہ کا۔ تو مہر تقریباً پونے تین روپیہ ہے۔ زیادہ کی کوئی حد نہیں جو بھی مقرر ہو جاوے۔ مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج کا مہر پانچسو درہم تھا تقریباً ڈیڑھ سو روپیہ۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ اگر کوئی سنت کی نیت سے یہی مہر مقرر کرے تو بہتر ہے ورنہ اسے اختیار ہے۔ ساتواں فائدہ: تمام معاملات میں چشم پوشی سے کام لینا باعث ثواب ہے جیسا کہ لا تنسوا الفضل سے معلوم ہوا۔ مگر افسوس کہ مسلمان یہ اصول بھول گئے۔ آٹھواں فائدہ: مس اور تمس دونوں کے معنی چھونا ہیں مگر کبھی اس سے مراد صحبت بھی ہوتی ہے۔ دیکھو ان دونوں آیتوں میں تمسوھن سے مراد صرف چھو لینا نہیں کیونکہ کسی امام کے ہاں عورت کو صرف

www.alahazratnetwork.org

چھو لینے سے نہ تو عدت واجب ہوتی ہے نہ پورا مہر بلکہ یہ دونوں چیزیں صحبت حقیقی یا صحبت حکمی یعنی خلوت سے واجب ہوتی ہیں۔ لہٰذا آیت کریمہ او لمستم النساء میں بھی عورت سے صحبت یا مباشرت فاحشہ مراد ہوگی نہ کہ صرف چھونا لہٰذا عورت کو چھو لینے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ایسے ہی حدیث من مس مراءۃ فلیتوضا مس سے مراد مباشرت ہے نہ کہ صرف چھولینا۔ جیسے کہ اس آیت او لمستم النساء میں۔ آگے ہے او جاء احد منکم من الغائط میں صرف پاخانہ سے آجانا مراد نہیں بلکہ پاخانہ سے فراغت مراد ہے اس لئے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ بوقت تہجد میں حضور کے آگے لیٹی ہوتی تھی سرکار جب سجدہ کرتے تو مجھے ہاتھ سے اشارۃً "چھو دیتے" میں پاؤں سمیٹ لیتی آپ سجدہ کر لیتے بعد میں پھر پاؤں پھیلا لیتی تھی اگر مطلقاً عورت کو چھو لینے سے وضو جاتا رہتا تو آپ نماز تہجد کیسے پوری کرتے غرضیکہ مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر کی دو طرفہ کوئی حد نہیں خواہ زوجین ایک پیسہ مقرر کرلیں یا لاکھ روپیہ جیساکہ فرضتم سے معلوم ہوا پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ دس درم سے کم جائز نہیں۔ **جواب**: زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں جیساکہ یہاں فرضتم سے اور دوسری آیت میں ' قنطارا سے معلوم ہوا مگر کم کی حد ہے جیساکہ آیت **'قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں رب نے فرض کو اپنی طرف نسبت فرمایا اور اس کی تفسیر حدیث نے فرمائی کہ دس درم سے کم مہر جائز نہیں۔ جن احادیث میں اس سے کم مہر کا ذکر ہے اس سے مہر معجل مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض**: بیدہ عقدۃ النکاح ' سے بیوی کا ولی مراد ہونا چاہئے نہ کہ شوہر چند وجوں سے۔ (1) نکاح کی باگ ڈور ولی زوجہ کے ہاتھ میں ہے کہ وہ چاہے نکاح کرائے یا نہ کرئے شوہر اس معاملہ میں مستقل نہیں بغیر مرضی جانبین نکاح نہیں ہوتا۔ (2) اگر شوہر مراد ہوتا تو لو تعفوا صیغہ خطاب کا آتا جیساکہ فلتمسوھن وغیرہ میں ہوا۔ (3) نیز پھر اتنی لمبی عبارت نہ لائی جاتی صرف او تعفوا کافی تھا۔ (4) نیز اس صورت میں اگلی عبارت وان تعفوا بیکار ہوگی۔ (5) نیز شوہر نصف مہر معاف نہیں کرتا بلکہ ہبہ کرتا ہے زائد دینے کو عفو نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا آیت کا یہ مطلب ہونا چاہئے کہ نصف مہر یا تو خود عورتیں ہی معاف کردیں یا ان کا ولی (حضرات شافعی)۔ **جواب**: تفسیر سے معلوم ہوچکا کہ حضرت علی اور بے شمار صحابہ کرام کا یہی فرمان ہے کہ اس سے شوہر مراد ہے چنانچہ حضرت جبیر ابن مطعم نے اپنی بیوی کو بغیر خلوت طلاق دے کر پورا مہر دیا اور فرمایا کہ عفو کا زیادہ مستحق ہوں (کبیر و درمنثور) اور نکاح کے بعد اس کی بقاء کی ڈور اسی کے ہاتھ میں ہے کہ خواہ باقی رکھے یا طلاق دے دے عورت کے ولی کے ہاتھ میں یہ ڈور کبھی نہیں آئی کہ نہ تو وہ بوقت نکاح اس کا پورا مالک تھا نہ بعد میں۔ (3) خطاب و غائب کے صیغوں سے ایک شخص کو تعبیر کرنا التفات کہلاتا ہے جو فصاحت اور بلاغت کا بہترین اصول ہے۔ (4) اتنی لمبی عبارت لانے میں شوہر کو پورا مہر دینے پر مائل کرنا مقصود ہے کہ چونکہ وہ مالک نکاح ہے لہٰذا وہی کرم بھی کرے۔ (5) وان تعفوا اسی کی تفسیر ہے۔ (6) عفو کے معنی ہمیشہ معافی ہی نہیں ہوتے بلکہ کبھی اس سے نرمی ' زیادتی بھی مراد ہوتی ہے جیسے **فمن عفی لہ من اخیہ شئی**' **عفو** بمعنی نرمی یا **ویسئلونک ما ذا ینفقون قل العفو**' نیز کبھی شوہر پورا مہر نکاح کے وقت ہی دے دیتا ہے۔ اب اگر خلوت سے پہلے طلاق ہوجائے تو آدھے کی واپسی کا حق دار ہے واپس نہ لینا اس کی طرف سے معافی ہے۔ نیز عورت کے ولی کو مہر معاف کرنے کا کوئی حق نہیں۔ نابالغ لڑکی کا وہ نقصان نہیں کرسکتا اور بالغہ اپنے مہر کی خود مالک ہے۔ **تیسرا اعتراض**: نکاح توڑنے کا حق تو عورت کو بھی ہے کہ اگر وہ اپنے سسر وغیرہ سے زنا کرالے نکاح جاتا رہے پھر نکاح کا مالک شوہر کہاں رہا۔ **جواب**: طلاق کا حق صرف مرد ہی کو ہے نہ کہ عورت

www.alahazratnetwork.org

کو۔ عورت کی بعض ناجائز حرکتوں پر نکاح ٹوٹتا نہیں بلکہ فسخ ہوتا ہے اور پھر بھی عورت نکاح فسخ نہیں کرتی۔ وہ تو ایک جرم کرتی ہے جس سے نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے لہٰذا مالک شوہر ہی ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے خلوت سے پہلے طلاق دینے پر مہر مقررہ کا نصف دینا ضروری ہے کہ اگرچہ شوہر نے بیوی سے کچھ نفع حاصل نہ کیا مگر عقد نکاح کا یہ اثر ضرور ہوا ایسے ہی جو مرد خدا ماسوا اللہ کو چھوڑ کر متوجہ الی اللہ ہو تو وہ نفس وغیرہ سے کچھ نفع حاصل کرے یا نہ کرے۔ اس کا حق صحبت کچھ نہ کچھ ضرور ادا کرے اور خیال رہے کہ عفو یعنی ماسوا اللہ کو چھوڑنا تقویٰ حقیقی سے زیادہ قریب ہے کیونکہ جس قدر غیر سے دوری ہو گی اسی قدر رب سے قرب۔ دنیا میں نیک اعمال ضرور کرے۔ مگر فضل الٰہی پر نظر رکھے کہ جنت کا داخلہ اس کے فضل سے ہو گا نہ کہ محض اپنی کوشش سے رب کو ہمیشہ بصیر سمجھو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رب کو سمیع و بصیر جاننے والا گناہ پر جرات نہیں کر سکتا جو بندوں سے چھپ کر جرم کرے وہ در حقیقت رب کے بصر کی اہانت کرتا ہے اگر خدا کو بصیر جان کر گناہ کرتا ہے تو بہت دلیر ہے۔ اور اگر اسے بصیر نہیں مانتا تو کافر ہے کسی نے عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں کوئی آپ جیسا بھی ہے تو فرمایا کہ جس کی نظر عبرت ہو اور خاموشی فکر اور کلام ذکر وہ مجھ جیسا ہے۔ قلب منور ہو کر کھل جاتا ہے قلب کی نورانیت کی علامت دنیا سے بے رغبتی آخرت سے محبت اور موت کی تیاری ہے۔ (از روح البیان)۔

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰی ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ
حفاظت کرو اوپر نمازوں کے اور نماز بیچ والی کے اور کھڑے ہو واسطے اللہ کے اطاعت کرنے والے ۞ پس
نگہبانی کرو سب نمازوں کی اور بیچ کی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے حضور ادب سے ۞ پھر
خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُکْبَانًا ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَاذْکُرُوا اللّٰهَ کَمَا عَلَّمَکُمْ مَّا
اگر خوف کرو تم پس پیدل یا سوار پس جبکہ امن میں ہو جاؤ پس ذکر کرو اللہ کا جیسے کہ سکھایا اس نے
اگر خوف میں ہو تو پیادہ یا سوار جیسے بن پڑے پھر جب اطمینان ہو تو اللہ کی یاد کرو جیسا
لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾
وہ جو نہ تھے تم جانتے ۞
اس نے سکھایا جو تم نہ جانتے تھے ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اولاً اصل ذکر جنگ کا تھا اور طلاق کے مسائل اس کے ضمن میں آ گئے تھے۔ اب بالخصوص نماز خوف یعنی جنگ کی نماز کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق**: طلاق کی آیتوں میں بھی بار بار تقویٰ کی ہدایت کی گئی اور چونکہ نماز تقویٰ کی کنجی ہے۔ اس لئے مضمون طلاق کو ختم کرنے سے پیشتر اس کی طرف خاص

www.alahazratnetwork.org

توجہ دلائی۔ **تیسرا تعلق:** بہت دور سے طلاق کے مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ اب عوام کو بتایا جا رہا ہے کہ یہ مسائل فروعی ہیں۔ نیکیوں کی جڑ نماز ہے لہٰذا دنیوی جھگڑوں میں پھنس کر اس سے غافل نہ ہو جانا۔ اور علماء کو ہدایت کی جا رہی ہے کہ تم معاملات کے مسائل میں پھنس کر اپنے فرائض یعنی نماز کو نہ بھول جانا۔ حضرت امام محمد غزالی بڑے پایہ کے عالم تھے اور ان کے چھوٹے بھائی امام احمد غزالی بڑے پائے کے ولی ایک بار امام احمد نے امام محمد غزالی کے پیچھے نماز شروع کی مگر درمیان سے چھوڑ دی۔ نیت توڑ کر چلے گئے۔ امام غزالی نے اپنی والدہ سے اس کی شکایت کی ماں نے امام احمد سے وجہ پوچھی وہ بولے میرے بھائی نماز میں کھڑے ہو کر طلاق و نکاح کے مسائل سوچتے ہیں اور جو آیت پڑھتے ہیں اس سے مسائل کا استنباط کرتے ہیں یہ محراب مسجد ہے یا دار الافتاء والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ پھر تم اپنے بھائی سے بدتر ہو کہ وہ تو نماز میں مسائل تلاش کرتے ہیں اور تم ان کے عیوب ڈھونڈتے ہو اگر تم نماز میں مشغول ہوتے تو تمہیں پتہ کیسے چلتا کہ اس وقت میرے بھائی کے دل میں کیا خیال گزر رہا ہے پہلے تم اپنی اصلاح کرو بعد میں دوسروں پر اعتراض کرنا۔ سبحان اللہ ماں نے کیا پیارا جواب دیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں طلاق' عدت و مہر وغیرہ کے بہت سے مسائل بیان ہوئے جن کی پابندی بظاہر دشوار معلوم ہوتی تھی۔ لہٰذا اب نماز کی پابندی کا حکم فرمایا جس سے دل کی اصلاح اور اصلاح قلب سے سارے معاملات درست ہوتے ہیں لہٰذا تم پابندی نماز کی کرو تا کہ تمہیں یہ بھی اور دیگر معاملات بھی آسان ہوں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ طلاق کے بعد بھی آپس کے احسانات نہ بھولو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ خالق کے احسان بھی نہ بھولو۔ اس کی اطاعت میں سرگرم رہو اور نمازوں کی پابندی کرو۔

شان نزول : ایک قوم عمارات بنانے اور مکانات آراستہ کرنے میں مشغول ہو گئی تھی اور انہوں نے اپنی مسجدوں کو بے آباد کر دیا تھا۔ ان کے حق میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (احمدی)۔

تفسیر : حفظوا علی الصلوت حافظوا محافظت سے بنا جس میں شرکت بھی ہے اور مبالغہ بھی یہاں دونوں معنی ہی بن سکتے ہیں۔ مبالغہ یہ کہ اسے ہمیشہ پڑھنا۔ وقت پر پڑھنا فرائض و واجبات کا خیال رکھنا۔ سنت و مستحبات کا لحاظ رکھنا۔ حضور قلبی سے ادا کرنا مراد ہو۔ اور شرکت یہ کہ انسان نماز کی حفاظت کرے کہ اسے قضا نہ ہونے دے اور نماز انسان کی حفاظت کرے کہ اسے گناہوں سے' بلاؤں سے' عذاب آخرت سے بچائے۔ اس طرح نماز کی برکت سے انسان گناہوں سے بچ جاتا ہے مرتے وقت خاتمہ بالخیر ہوتا ہے جیسا کہ قرآن' حدیث سے ثابت ہے قبر میں حساب نہیں ہونے دیتی کہ بندہ وہاں اٹھتے ہی کہتا ہے عصر جا رہی ہے مجھے نماز پڑھ لینے دو۔ حشر میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہو گا۔ اگر اس میں پاس ہو گیا تو پھر آگے خیریت ہے۔ تقریری امتحانات میں پہلے سوالات ہی سخت ہوتے ہیں اگر ان میں پاس ہوا تو آئندہ آسانی ہے یا انسان نماز کی حفاظت کرے اور رب اس کی (تفسیر کبیر) یا اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو نماز کا محافظ و پابند بناؤ کہ ہر دوست دوسرے کو' خاوند بیوی کو' بیوی خاوند کو' ہر مسلمان ایک دوسرے کو نماز کا پابند بنائے۔ خیال رکھو کہ رب تعالیٰ نے دوسری عبادتوں کے ادا کرنے کا حکم دیا۔ زکوٰۃ' روزہ' حج وغیرہ مگر نماز ادا کرنے کا کہیں حکم نہ دیا بلکہ یا اس کے قائم کرنے کا حکم دیا یا اس کی حفاظت کا کہیں فرمایا **اقیموا الصلوٰۃ** اور کہیں فرمایا حافظوا علی الصلوات کیونکہ نفس پر نماز ہی گراں ہے۔ اکثر مسلمان نماز پر ہی آکر فیل ہوتے ہیں۔ رب

www.alahazratnetwork.org

فرماتا ہے **وانھا لکبیرۃ الا علی الخشعین** مسلمانوں کے چھوٹے بچے ضد کرکے روزے رکھتے ہیں مگر نماز سے بڑے بوڑھے بھی دل چراتے ہیں۔ اس لئے نماز ہی کا حکم بہت جگہ دیا گیا اور اتمو 'حافظو' سے تاکیدی حکم دیا گیا۔ صلوات سے فرض نمازیں مراد ہیں (روح) یعنی اے مسلمانو! تم نمازوں کی خوب پابندی کرو یا نماز کی تم حفاظت کرو اور وہ تمہاری یا تم نمازوں کی پابندی کرو اور رب تمہاری حفاظت۔ **والصلوۃ الوسطی** وسطی اوسط کا مونث ہے اوسط کے معنی بیچ والی کے بھی ہیں اور افضل کے بھی جیسے قال اوسطھم یعنی افضلھم یا امۃ وسطا' یہاں دونوں ہی معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی بیچ والی نماز یا سب سے افضل' بعضوں نے کہا کہ اس سے نماز فجر مراد ہے۔ بعض کے نزدیک ظہر بعض کے نزدیک مغرب اور بعض کے خیال میں عشاء بعض کے نزدیک جمعہ۔ بعض کے خیال میں نماز پنجگانہ بعض کے نزدیک یہ بھی اسم اعظم اور ساعت اجابت کی طرح نامعلوم ہے۔ ان سب کے دلائل تفسیر کبیر میں ملاحظہ کرو۔ مگر حق یہ ہے کہ اس سے نماز عصر مراد ہے۔ چند وجوں سے۔ (1) خندق کے دن حضور علیہ السلام کی نماز عصر قضا ہو گئی تو فرمایا کہ ان کفار نے ہم کو نماز وسطی سے روک دیا۔ (2) عائشہ صدیقہ کی قرات میں اس کے بعد وصلوۃ العصر بھی ہے وہ قرات اس کی تائید کرتی ہے۔ (3) حضرت علی و ابن مسعود ابن عباس و ابو ہریرہ و امام نخعی و قتادہ وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا یہی قول ہے۔ غرضیکہ جمہور صحابہ کا یہی فرمان ہے۔ یہی حنفیوں کا مذہب۔ (4) رب نے عصر کے وقت کی قسم فرمائی والعصر ان الانسان لفی خسر۔ (5) حدیث شریف میں ہے کہ جس کی نماز عصر رہ گئی تو گویا اس کا مال و گھربار برباد ہو گیا معلوم ہوا کہ اس کی بہت تاکید ہے۔ (6) نماز عصر میں دن رات کے ملائکہ جمع ہو جاتے ہیں کہ دن کے جانے نہیں پاتے اور رات کے آجاتے ہیں۔ (7) یہ ہی وقت تجارت کے فروغ' سیرو تفریح اور کھیل تماشہ کا ہے اسی نماز سے غفلت کا قوی اندیشہ تھا لہٰذا اس کی تاکید کی گئی۔ (8) عصر ہی کی نماز حضرت سلیمان علیہ السلام سے رہ گئی تھی کہ آپ گھوڑوں میں مشغول ہو کر یہ نماز نہ پڑھ سکے۔ (احمدی) (9) عصر سے پہلے دن کی دو نمازیں ہیں ایک ناقابل قصر یعنی فجر اور دوسری قصری یعنی ظہر اور اس کے بعد رات کی دو نمازیں ہیں ایک غیر قصری یعنی مغرب دوسری قصری یعنی عشاء تو گویا یہ نماز بالکل بیچ میں ہے۔ (10) مولیٰ علی کی عصر کے لئے ڈوبا ہوا سورج واپس کیا گیا۔ (شامی) (11) قبر میں نکرین کے سوال کے وقت مردہ کو وقت عصر محسوس ہوتا ہے عرض کرتا ہے کہ مجھے پہلے عصر پڑھ لینے دو پھر سوالات کرنا گویا اس نماز کی پابندی اس آخری امتحان میں مدد دے گی۔ (12) نمازوں کے اوقات محسوس ہیں عصر کا وقت غیر محسوس لہٰذا اس کی پابندی ضروری۔ دیکھو پو پھٹنے سے فجر۔ سورج ڈھلنے سے ظہر۔ آفتاب ڈوبنے سے مغرب اور شفق غائب ہونے سے عشاء کا وقت آتا ہے مگر عصر کے وقت کی کوئی نشانی نہیں۔ علمی قواعد سے معلوم کیا جاتا ہے۔ اسی لئے اس کی تاکید چاہئے **وقوموا للہ قنتین** قوموا سے نماز کا قیام مراد ہے اور قانتین قنوت سے بنا جس کے معنی ہیں خاموشی' سکون' خشوع و خضوع اور اطاعت۔ رب فرماتا ہے۔ **ومن یقنت منکن للہ و رسولہ** نیز فرماتا ہے **فالصلحت قنتت** یہاں سارے معنی درست ہیں حضرت زید ابن ارقم فرماتے ہیں کہ ہم پہلے نماز میں بات چیت کر لیا کرتے تھے اس آیت کے آنے سے خاموشی کا حکم ہوا۔ (مسلم بخاری) اس کے بعد صحابہ نماز میں حضور کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے جب حکم ہوا کہ **واذا قرات القران فاستمعوالہ و انصتوا لعلکم ترحمون** تو اس سے قراۃ خلف الامام سے بھی روک دیا گیا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق جلد دوم میں مطالعہ فرماؤ۔ بعض اہل حدیث کہتے ہیں کہ وانصتو سے نماز میں کلام منسوخ ہوا غلط ہے۔ مسلم بخاری کی احادیث کے خلاف ہے بعض نے فرمایا کہ قنوت بمعنی دعا ہے **امن ھو قانت**

www.alahazratnetwork.org

اناء الیل یعنی نمازمیں اللہ کے حضور باادب خاموشی' عاجزی' زاری کرتے ہوئے کھڑے ہو۔ چونکہ بعض صورتوں میں نماز میں قیام فرض نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **فان خفتم فرجالا او رکبانا** خوف سے دشمن یا درندے وغیرہ کا وہ ڈر مراد ہے جس سے قبلہ رو کھڑے ہو کر نماز ادانہ کی جاسکے۔ رجال رجل کی جمع ہے۔ جیسے تاجر کی جمع تجار اور صاحب کی صحاب۔ اس کے معنی ہیں پیروں پر رہنے والا خواہ چلتا ہو یا کھڑا ہو (کبیر) یہ ایک پوشیدہ فعل کے فاعل سے حال ہے رکبان راکب کی جمع ہے جیسے فرسان فارس کی یہ رجال پر معطوف ہو کر اسی ذوالحال کا حال ہے یعنی اگر تمہیں سخت خوف و ڈر کی وجہ سے قیام ناممکن ہو تو چلتے ہوئے یا سواری پر ہی نماز پڑھ لو۔ خوف بہت قسم کے ہیں بعض خوف وہ ہیں جن سے تیمم جائز ہو جاتا ہے جیسے پانی پر دشمن یا درندہ ہو جیسے کربلا میں امام حسین کو کہ سامنے دریائے فرات تھا مگر آپ تیمم سے نمازیں پڑھتے تھے یا پانی کے استعمال سے موت یا بیماری کا خوف۔ بعض خوف وہ ہیں جن میں نماز خوف پڑھی جاتی ہے۔ جس کا ذکر سورۂ نساء میں ہے **واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ فلتقم طائفۃ منھم معک** اور بعض خوف وہ ہیں اس میں چلتے پھرتے سواری پر نماز ہوتی ہے۔ **فاذا امنتم فاذکروا اللہ کما علمکم** امن سے خوف اٹھ جانا اور ذکر اللہ سے نماز مراد ہے اور کما علمکم سے اس کا باقاعدہ ادا کرنا یعنی جب کہ تم امن میں آجاؤ اور خوف جاتا رہے تو پھر اسی طرح نماز پڑھو جس طرح رب نے تمہیں بواسطہ پیغمبر سکھائی **مالم تکونوا تعلمون** یہ علم کا مفعول ہے یعنی رب نے تم کو سارے وہ باتیں سکھائیں جو تم نہ جانتے تھے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! ساری فرض نمازوں اور بیچ والی نماز (نماز عصر) کو خوب پابندی اور نگہبانی کرو اور اللہ کے حضور ادب سے خاموش ہو کر عاجزی کرتے ہوئے کھڑے ہو۔ ہاں اگر کبھی تم درندے یا دشمن کے خوف میں پھنس کر نماز باقاعدہ قیام وغیرہ کے ساتھ ادا نہ کر سکو تو پیدل یا سوار جیسے بن پڑے پڑھ لو۔ کیونکہ نماز کسی وقت معاف نہیں۔ پھر جب خوف جاتا رہے اور تم مطمئن ہو جاؤ تم اللہ کی یاد ایسے ہی کرنا جیسے کہ اس نے تم کو ساری وہ باتیں سکھائیں جو تم نہیں جانتے تھے۔ علم بڑی نعمت ہے۔ جس کا شکریہ واجب۔ خیال رہے کہ نماز کی بہت قسمیں ہیں۔ (1) نماز پنجگانہ۔ (2) جمعہ (3) عیدین۔ (4) وتر۔ (5) نماز سنت۔ (6) نماز منت۔ (7) نماز نفل۔ (8) صلوۃ التسبیح۔ (9) نماز حاجت۔ (10) نماز اوابین۔ (11) صلواۃ الاسرار یعنی نماز غوثیہ۔ (12) نماز توبہ۔ (13) نماز تراویح۔ (15) نماز قضا عمری۔ (16) نماز کسوف وغیرہ اس کے مسائل و فضائل شامی باب النوافل اور بہار شریعت میں دیکھو۔ نماز قضا عمری کا طریقہ و ثبوت ہماری کتاب جاء الحق میں ملاحظہ کرو۔ پھر نماز پنجگانہ میں بھی کچھ رکعتیں فرض ہیں کچھ واجب کچھ سنت کچھ نفل ان وجوہ سے یہاں الصلوات جمع فرمائی گئی۔ خیال رہے کہ نماز پنجگانہ کی محافظت فرض ہے اور باقی کی کہیں واجب کہیں مستحب۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نماز کی محافظت ضروری ہے۔ اس محافظت میں بڑی گنجائش ہے ہمیشہ پڑھنا' صحیح وقت پر پڑھنا۔ اس کے فرائض و واجبات' سنن و مستحبات کا لحاظ رکھنا' اخلاص اور حضور قلب سے ادا کرنا سب اس میں داخل ہے۔ **دوسرا فائدہ:** نمازیں پانچ ہیں۔ اس لئے کہ یہاں پہلے تو صلوات جمع فرمایا گیا جس سے کم سے کم تین نمازیں چاہئیں۔ پھر ان تین کے علاوہ ایک نماز وہ بھی ضروری ہے جو بیچ کی کہلائی جائے گی اور چار میں بیچ نہیں بنتا۔ لہذا کم سے کم پانچ ضروری ہیں۔ (کبیر) نیز وسطی یعنی بیچ کی نماز وہ ہے۔ جس کے آس پاس برابر عدد ہوں اور یہ پانچ ہی میں ہو سکتا ہے۔ کیونکہ تین میں آس پاس ایک ایک ہوگا اور ایک عدد نہیں۔ عدد وہ جو اپنے جانبین کے مجموعہ کا آدھا ہو مثلاً دو کہ اس سے

www.alahazratnetwork.org

پہلے ایک ہے اور اس کے بعد تین جس کا مجموعہ چار ہوا۔ جس کا آدھا دو ہے اور چونکہ ایک سے پہلے صفر ہے لہٰذا ایک عددی نہیں (روح البیان) نیز پانچ نمازیں دوسری آیتوں اور بے شمار احادیث سے بھی ثابت ہیں اسی پر امت مسلمہ کا اجماع ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نماز میں قیام فرض ہے۔ جیسا کہ قوموا صیغہ امر سے معلوم ہوا۔ مگر نوافل بیٹھ کر بھی جائز کہ وہاں بیٹھنا قیام کا نائب ہے۔ **چوتھا فائدہ:** نماز کے لئے جماعت سخت ضروری ہے جیسا کہ قوموا جمع سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** نماز کا قیام دوسرے ارکان سے اعلیٰ ہے کہ رب تعالیٰ نے خصوصیت سے اس کا حکم دیا ورنہ نماز میں قیام بھی آگیا اس لئے امام اعظم فرماتے ہیں کہ زیادتی سجود سے دراز قیام افضل چنانچہ زیادہ نوافل پڑھنے سے یہ افضل ہے کہ تھوڑے نفل پڑھے مگر دراز قیام کرلے یہی احناف کا مذہب ہے یہ آیت امام صاحب کی دلیل بن سکتی ہے۔

مسئلہ: نماز جمعہ و عیدین میں جماعت شرط نماز پنجگانہ میں واجب نوافل میں منع جبکہ لوگوں کو بلا کر اہتمام سے کی جائے تراویح و نماز کسوف میں سنت۔ **مسئلہ:** نماز پنجگانہ کی جماعت شعائر میں سے ہے کہ اگر تمام لوگ چھوڑ دیں تو ان سے جنگ بھی کی جاسکتی ہے۔ (روح البیان) **چھٹا فائدہ:** نماز میں سلام و کلام کھانا پینا ادھر ادھر دیکھنا سب حرام ہیں جیسا کہ قانتین سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** مقتدی کو امام کے پیچھے سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔ کیونکہ قانتین سے نماز میں کلام منع ہوا اور وانصتوا سے امام کے پیچھے قرأت ناجائز ہوئی۔ **مسئلہ:** نماز فجر میں قنوت نازلہ ناجائز ہے یہاں قانتین سے وہ قنوت مراد نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** سخت خوف کی حالت میں نہ تو نماز میں قیام فرض ہے اور نہ قبلہ رخ ہونا بلکہ پیادہ یا سوار جس طرح ممکن ہو ادا کرلی جائے مگر یہ جب ہی ہے کہ جب نماز کے لئے ٹھہرنا ناممکن ہو جائے۔ (احمدی) **مسئلہ:** مسافر فرض واجب کے علاوہ دیگر نمازیں سواری پر بھی پڑھ سکتا ہے۔ بشرطیکہ تکبیر تحریمہ کے وقت کعبہ کو رخ کرلیا ہو۔ لہٰذا چلتی ریل میں سوائے فرائض و وتر سب نمازیں جائز ہیں۔ **مسئلہ:** جہاز میں ہر نماز جائز۔ **آٹھواں فائدہ:** امن کی حالت میں قیام وغیرہ سارے ارکان باقاعدہ ادا کرے جیسا کہ کما علمکم سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس نماز میں اللہ کے مقبول بندے کثرت سے شریک ہوں وہ زیادہ قابل قبول ہے اگرچہ تلاوت قرآن رکوع سجود وغیرہ تمام نمازوں میں یکساں ہیں دیکھو نماز وسطیٰ یعنی نماز عصر کی افضلیت کی وجہ یہ بھی ہے کہ اس نماز میں رات دن کے محافظ فرشتے جمع ہو جاتے ہیں۔ نماز فجر کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **قرآن الفجر ان قرآن الفجر کان مشھودا** ۔ تو حضرات صحابہ کرام کی نمازیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تمام مہاجرین و انصار کے ساتھ ہوئیں ایسے ہی نماز معراج جس میں حضور امام اور فرشتے موذن و مکبر اور تمام انبیاء مقتدی تھے یقیناً عام نمازوں سے افضل تھیں۔ جیسے نماز اعلیٰ وقت اعلیٰ جگہ میں اعلیٰ ہوتی ہے ایسے ہی اعلیٰ درجہ کے امام اعلیٰ ساتھیوں کے ساتھ اعلیٰ ہے اگرچہ قرآن ایک ہے مگر ثوابوں میں فرق تخم ایک ہے مگر مختلف زمینوں مختلف زمانوں میں بونے سے اس کی پیداوار مختلف ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ نماز فجر میں کھڑے ہو کر دعائے قنوت پڑھنی چاہئے کیونکہ یہاں قوموا کے ساتھ قانتین فرمایا گیا۔ اور قنوت بمعنی دعا بھی آتا ہے۔ **امن ھو قانت اناء الیل** نیز حضور علیہ السلام سے فجر میں دعائے قنوت ثابت ہے۔ (حضرات شافعی) **جواب:** یہاں قنوت کے معنی دعائے قنوت کسی نے نہ کئے بلکہ یا تو اس سے اطاعت مراد

www.alahazratnetwork.org

ہے یا خاموشی اگر دعائے قنوت مراد ہوتی تو ہر نماز میں قنوت پڑھنی چاہیئے کہ یہاں کچھ قید نہیں ہے نیز احادیث سے ثابت ہے
کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعہ بیر معونہ پر قنوت نازلہ پڑھی پھر لیس لک من الامر شیء الخ آیت نازل ہونے پر چھوڑ
دی صرف ایک ماہ پڑھی صحابہ کرام نے اسے بدعت فرمایا۔ (مشکوٰۃ باب القنوت) اس کا نام ہی بتا رہا ہے کہ یہ ہمیشہ نہ پڑھی جائے
کہ نازلہ آنے والی مصیبت کو کہتے ہیں۔ **مسئلہ:** ہمارے ہاں بھی خاص مصیبت اور بلا کے وقت نماز فجر با جماعت کی دوسری
رکعت میں بعد رکوع چند روز قنوت نازلہ پڑھنا جائز ہے مگر آج کل بعض دیوبندیوں نے غیر مقلدوں کو راضی کرنے کے لئے
ہمیشہ پڑھنی شروع کر دی اور اس کے لئے کچھ بہانے تراش لئے کہ ترکوں کو جنگ کا خطرہ ہے۔ ایران میں فلاں عیسائی داخل ہو
گئے افسوس کہ جب حرمین شریف میں نجدیوں نے بے پناہ ظلم کئے تو کسی دیوبندی کو قنوت نازلہ کی نہ سوجھی۔ بلکہ انہیں
مبارکباد کے تار دیئے گئے۔ اب ترکوں پر فرضی مصیبت گھڑ کے قنوت نازلہ ہمیشہ کے لئے شروع کر دی الحمد اللہ ترک آج کل
بہت قوی ہیں اللہ ہر اسلامی حکومت کو دائم قائم رکھے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا کے موقعہ پر بھی قنوت نازلہ نہ پڑھی۔
خیال رہے کہ اسلام پر سخت مصیبت پڑ جانے پر چند روز قنوت نازلہ پڑھی جائے پھر بھی خارج نماز پڑھنا بہتر ہے تاکہ اختلاف
آئمہ سے بچا رہے اور اگر نماز ہی میں پڑھے تو صرف نماز فجر کی دوسری رکعت کے رکوع کے بعد پڑھے مگر آہستہ پڑھے بلند آواز
سے ہرگز نہ پڑھے۔ فجر کے علاوہ دوسری نمازوں میں پڑھنا نماز کو فاسد کر دیگا کیونکہ اس میں تاخیر سجدہ بلا ضرورت ہے اور تاخیر
رکن ترک واجب ہے جو سہوا ہو تو سجدہ سہو واجب کرتا ہے اور اگر عمدا ہو تو نماز فاسد کر دیتا ہے۔ قنوت نازلہ کی نفیس تحقیق
ہمارے فتاوی نعیمیہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مطلقا خوف پر نماز پیدل یا سواری پر پڑھی
جا سکتی ہے لہٰذا جنگ میں بہر حال جائز ہونی چاہیئے۔ (حضرات شافعی) **جواب:** کلام کی روش بتا رہی ہے کہ اس سے سخت خوف
مراد ہے جب کہ ٹھہرنا ناممکن ہو جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے دن بھی چلتے پھرتے نہ پڑھی بلکہ چند نمازیں قضا
فرمائیں۔ حالانکہ یہ آیت اس سے پہلے آچکی تھی اگر آیت کے بالکل ظاہری معنی کئے جائیں تو چاہیئے کہ ہر مسلمان ہمیشہ نماز
خوف ہی پڑھا کرے کہ رب کا خوف تو ہر وقت ہے۔

مسئلہ: اس نماز خوف میں قیام کی طرح رکوع و سجدہ بھی معاف ہے اس کے لئے اشارے ہی کئے جائیں گے۔ **تیسرا
اعتراض:** **یعلمکم مالم تکونوا تعلمون** سے معلوم ہوا کہ صرف احکام شرعیہ رب نے مسلمانوں کو سکھائے نہ کہ
سارے علوم غیبیہ اور قرآن شریف نے دوسری جگہ حضور کے متعلق فرمایا **و علمک مالم تکن تعلم** تو چاہیئے کہ وہاں بھی
علوم شرعیہ مراد ہوں نہ کہ سارے علم غیب۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ایک ہی لفظ کے مختلف
موقعوں پر قرآن کے لحاظ سے مختلف معانی ہوتے ہیں۔ دیکھو رب نے سورہ سبا میں فرمایا **او تیت من کل شیء** وہاں مملکت کی
چیزیں مراد ہیں اور اپنے لئے فرمایا خالق کل شئی یہاں تمام مخلوق مراد ہے ایسے ہی وہاں حضور کے لئے ما اپنے عموم مطلق پر ہوگا
اور یہاں ہمارے لئے ما عموم شرعی پر ہو گا دوسرے یہ کہ واقعی حضور نے سارے واقعات صحابہ کو بتائے مگر وہ سب کو یاد نہ رہے۔

تفسیر صوفیانہ: نماز رب کی دعوت ہے جیسے کہ دعوت والا مہمان کے لئے دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے جمع فرماتا ہے۔
ایسے ہی رب نے نماز میں مختلف ارکان جمع فرما دیئے۔ جن میں مختلف لذتیں ہیں بعض میں گناہوں کی معافی ہے بعض میں

www.alahazratnetwork.org

نیکیوں کی زیادتی۔ بعض میں آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں بعض میں رب سے قرب حاصل ہوتا ہے مگر یہ فوائد نماز کی حفاظت کرنیوالا حاصل کر سکتا ہے۔ حفاظت یہ ہے کہ سر تو سوئے حرم جھکے اور دل روئے یار کی طرف سجدہ کرے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

محراب ابروئے تو اگر قبلہ ام نبود کے برفلک برند ملائک نماز من

اس لئے فرمایا گیا کہ حافظوا تم نماز کی حفاظت کرو۔ نماز اور خالق نماز تمہاری نگہبانی فرمائے گا کہ تم نماز میں صدق اخلاص، حضور، خضوع، مناجات، تذلل، انکسار، استعانت، طلب ہدایت، سکون و قار، ہیبت، تعظیم کا لحاظ رکھو تو رب تمہیں توفیق، اجابت، قبولیت اثابت، (ثواب) اور انابت (رجوع) عطا فرمائے گا۔ دل کی نماز نماز وسطیٰ ہے کیونکہ دل بدن انسان کے بیچ میں ہے۔ نیز دل، روح و جسم کے درمیان واسطہ ہے۔ بدن کی نماز تو سلام پر ختم ہو جاتی ہے مگر دل کی نماز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ دل والوں کی یہ شان ہے کہ انہم فی صلاتہم دائمون۔ مہد (گہوارہ) سے لحد تک ہمیشہ نماز ہی میں رہتے ہیں۔ سالکین کو چاہئے کہ قبور میں جانے سے پہلے حرم حضور میں پہنچیں۔ کیونکہ فتور کی نماز اللہ غیور کے ہاں قبول نہیں۔ نماز کا کمال یہ ہے کہ نمازی کائنات سے بے خبر ہو جائے اللہ ایسی ہی نماز نصیب فرمائے۔ (از روح البیان)۔

دوسری تفسیر : نمازیں پانچ ہیں۔ (1) نماز سر جس میں مشاہدہ غیب ہے۔ (2) نماز نفس جس سے نفس کی خواہشات بجھ جائیں۔ (3) نماز قلب جس میں انوار کشف ظاہر ہوں۔ (4) نماز روح جس میں وصال ہو۔ (5) نماز بدن جس میں حواس کی حفاظت ہو۔ ان پانچوں نمازوں کو قائم رکھو۔ مگر بیچ کی نماز یعنی دلی نماز کی بہت پابندی کرو۔ اس میں ماسوی اللہ سے پاکی شرط ہے اور توجہ الی اللہ اس کا رکن۔ یہ نماز خطرات اور کعبہ ذات سے پھر جانے پر فاسد ہو جاتی ہے اور رب کے سامنے ظاہری و باطنی اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو۔ اگر تمہیں راہ طریقت میں صدمات جلالی سے ڈر لگے تو صدق و یقین کے قدم یا عزم و ارادہ کی سواری پر نماز قلب ادا کرتے ہوئے جاؤ اور جب مقصود پر پہنچ کر یہ خوف دور ہو جائے تو پھر فنا کی نماز حسب ہدایت پڑھو۔ جس میں تم ہی تم ہو۔ کسی نے مجنوں سے پوچھا کہ لیلیٰ تمہاری ہے بولا کہ میں خود لیلیٰ ہوں۔ (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز بدن کی حالت میں بدن کو دنیاوی مشاغل، کھانے پینے، کلام سلام سے بچایا جاتا ہے اور نماز نفس میں نفس کو دنیاوی خواہشات سے محفوظ رکھا جاتا ہے اور نماز دل میں دل کی محبت ماسوی اللہ سے اور نماز روح میں جان کو ماسوی اللہ سے اور نماز سر میں اپنے ہستی کو ختم کر دیا جاتا ہے نماز بدن تو تکبیر تحریمہ پر شروع ہو کر سلام پر ختم ہوتی ہے مگر دوسری نمازیں دل و نفس وغیرہ کی زندگی ختم ہونے پر اور نماز روح کبھی ختم نہیں ہوتی نہ روح کو فنا ہے نہ اس کی نماز کی انتہا۔

پینا حرام ہے نہ پلانا حرام ہے البتہ پی کے ہوش میں آنا حرام ہے
یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں! سجدہ کیا تو سر کا اٹھانا حرام ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز سر ادا کرنے والا اپنی ہستی کو فنا کر کے واصل باللہ ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ بقا باللہ ہوتا ہے۔ قطرہ اپنے کو دریا میں فنا کر کے دریا بن جاتا ہے پھر اس میں روانی طغیانی موج لہر وغیرہ سب کچھ پیدا ہو جاتی ہے۔ بندہ واصل باللہ ہو کر نوکا عدو بن جاتا ہے جسے کبھی فنا نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تری ذات میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کا عدد بنا
جو اسے مٹائے وہ خود مٹے وہ ہے باقی اس کو فنا نہیں

اس شعر کی نفیس تحقیق ہماری کتاب دیوان سالک میں ملاحظہ کرو۔

وَالَّذِیۡنَ یُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَیَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۚۖ وَّصِیَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَا

اور وہ جو وفات دیئے جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑتے ہیں بیویاں کر جائیں وصیت واسطے بیویوں اپنی

اور جو تم میں مریں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ اپنی عورتوں کے لئے وصیت کر جائیں سال بھر تک

عًا اِلَی الۡحَوۡلِ غَیۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَیۡكُمۡ فِیۡ مَا فَعَلۡنَ

کے خرچ کی ایک سال تک بغیر نکالے۔ پس اگر وہ خود نکل جائیں تو نہیں ہے کوئی گناہ اوپر تمہارے

نان نفقہ دینے کی بے نکالے پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو تم پر اس کا مواخذہ نہیں جو انہوں نے اپنے

فِیۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَاللّٰهُ عَزِیۡزٌ حَكِیۡمٌ ﴿۲۴۰﴾ وَ لِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ

بیچ اس کے کہ کیا انہوں نے بیچ نفسوں اپنے کے لئے کوئی مناسب بات اور اللہ غالب حکمت والا ہے

معاملہ میں مناسب طور پر کیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔ اور طلاق والیوں کے لئے بھی مناسب طور پر نان و

بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا عَلَی الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۲۴۱﴾ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰیٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ

اور واسطے طلاق والیوں کے سامان ہے ساتھ بھلائی کے ضروری ہے اوپر پرہیزگاروں کے۔ اسی طرح بیان فرماتا

نفقہ ہے یہ واجب پرہیزگاروں پر۔ اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے اپنی آیتیں کہ کہیں

تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۲۴۲﴾

ہے اللہ واسطے تمہارے آیتیں تاکہ تم سمجھو

تمہیں سمجھ ہو

پہلا تعلق: پہلے سے طلاق، وفات کی عدتوں کا ذکر ہو رہا تھا۔ درمیان میں پابندی نماز کا ذکر ہوا اب پھر اسی کے بقیہ احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عدت کے نان و نفقہ کا ذکر ہوا اب بیوہ عورتوں کو بحالت عدت مکان دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بحالت جنگ نماز ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ جس سے نماز کی اہمیت کا پتہ لگا۔ چونکہ جنگ میں کبھی موت بھی ہو جاتی ہے اسی لئے اب بوقت موت بیبیوں کے لئے وصیت کر جانے کا حکم دیا جا رہا ہے تاکہ بی بی کے حقوق کی اہمیت معلوم ہو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا **فاذکروا اللہ کما علمکم** یعنی بحالت امن بھی نماز و اللہ کا ذکر کرتے رہو یہ نہ کرنا کہ خوف میں نماز پڑھ لی امن میں چھوڑ دی جیسے کہ رب نے تم کو نعمت علم سے نوازا

www.alahazratnetwork.org

ہے تم بھی شکریہ میں ذکر اللہ کرنا۔ اب اپنے ذکر کے بعد بیویوں کے حقوق کی ادائی کا ذکر ہے کہ جیسے تم پر مرتے جیتے سوتے جاگتے ذکر اللہ ضروری ہے ایسے ہی مرتے جیتے اپنی بیویوں کے حقوق کی ادائیگی بھی لازم ہے کہ جیتے جی اسے نان نفقہ دو بعد مرے اس کے لئے اچھی وصیت کر جاؤ کیونکہ ذکر اللہ عبادات سے ہے اور زوجہ کے حق کی ادائیگی معاملات سے پرندہ دو پروں سے اڑتا ہے اور گاڑی دو پہیوں سے چلتی ہے تم بھی عبادات و معاملات دونوں پروں پر پرواز کر سکتے ہو جیسے کہ رب نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین کے احسان کا حکم دیا فرمایا **وقضی ربک الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا** ○

شان نزول : طائف میں ایک صاحب رہتے تھے حکیم ابن حارث۔ جب انہیں حضور علیہ السلام کے مدینہ پاک پہنچ جانے کی خبر ملی۔ تو یہ بھی مع اپنے بچوں اور ماں باپ کے وہاں سے ہجرت کر کے چل دیئے یا تو راستہ ہی میں یا مدینہ منورہ پہنچ کر ان کی وفات ہو گئی چونکہ یہ بہت مالدار تھے لہٰذا ان کے مال کا معاملہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا تب یہ آیت کریمہ اتری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کے مطابق ان کے ماں باپ اور اولاد کو میراث دی اور ان کی بیوی کو محروم کیا اور سب وارثوں کو حکم دیا کہ ایک سال تک حکیم کی بیوی کو نان و نفقہ اور مکان دیں۔ (روح و احمدی)۔ (2) جب آیت **ومتعوھن حقا علی المحسنین** تک نازل ہوئی تو کسی نے کہا کہ طلاق کا جوڑا ایک احسان ہے خواہ میں کروں یا نہ کروں تب **وللمطلقت** الخ نازل ہوئی۔ (کبیر)۔

تفسیر : **والذین یتوفون منکم** یتوفون سے قریب وفات اور علامات موت کے ظہور کا وقت مراد ہے جسے مجاز اشارت کہتے ہیں۔ منکم سے سارے مسلمان مراد ہیں۔ یعنی جو تم سے مرنے لگیں یا قریب موت ہو جائیں۔ **ویذرون ازواجا** واؤ یا تو حالیہ ہے یا عاطفہ اور یتوفون کی طرح یذرون میں بھی قرب ہی مراد ہے۔ ازواج سے خود مرنے والوں کی بیویاں مراد ہیں تاکہ لونڈیاں نکل جائیں۔ کیونکہ مولیٰ کی موت سے لونڈی پر عدت واجب نہیں یعنی اور بیبیاں چھوڑنے لگیں۔ **وصیۃ لازواجھم** اس سے پہلے یوصون فعل پوشیدہ ہے۔ وصیۃ اس کا مفعول ہے۔ **متاعا الی الحول** یہ یا تو اسی فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہے اور الی الحول متاعا کے متعلق اور یا متعوا پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے اور الی الحول اس فعل کا متعلق۔ اس صورت میں یہ ورثائے میت کو خطاب ہے۔ یعنی اپنی بیبیوں کو ایک سال تک نان و نفقہ دینے کی وصیت کر جائیں یا شوہر تو وصیت کر جائیں اور اے شوہر کے وارثو! تم وصیت پوری کرتے ہوئے ان کی بیوگان کو ایک سال تک خرچ دو۔ **غیر اخراج** یہ یا تو متاعا کا بدل اشتمال ہے یا بدل البعض کیونکہ اگر متاع سے صرف کپڑوں کا جوڑا مراد ہے تو مکان اس کے متعلقات میں سے ہے اور اگر پورا نان نفقہ مراد ہے تو مکان اس کا جز اور ہو سکتا ہے کہ ازواج کا حال ہو اور اخراج بمعنی مفعول۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ متاع کا بدل الکل ہو۔ (روح البیان و معانی) یعنی ایک سال تک بغیر نکالے ہوئے یا ایک سال تک اپنے شوہر کے گھر سے نہ نکالی جائیں۔ **فان خرجن فلا جناح علیکم** یہاں علیکم میں میت کے ورثاء یا حکام یا سارے مسلمانوں سے خطاب ہے اور خرجن سے ایک سال کے اندر عورتوں کا اپنی خوشی سے نکل جانا مراد ہے یعنی اگر عورتیں اس مدت میں خود بخود ہی نکل جائیں تو اے ورثائے میت یا اے حکام اس کا تم پر الزام نہیں انہیں نکل جانے دو کیونکہ تمہارا انکا نکالنا حرام تھا نہ کہ ان کا نکلنا۔ **فی ما فعلن فی انفسھن من معروف** فیما کا تعلق جناح سے ہے اور ما سے زینت خوشبو لگانا سوگ چھوڑنا اور دوسرے نکاح کی

www.alahazratnetwork.org

تیاری مراد ہے معروف فرما کر اشارۃً یہ بتا دیا کہ عورتوں کو صرف جائز زیب و زینت کی اجازت ہے نہ کہ ناجائز کی بھی یعنی وہ عورتیں اپنے معاملہ میں مناسب طور پر جو کچھ کریں اس کا تم پر کوئی گناہ نہیں **واللہ عزیز حکیم** اللہ غالب حکمت والا ہے۔ جس وقت جو چاہے احکام جاری فرمادے اور جس وقت جو حکم چاہے منسوخ کردے۔ بیوہ کا تو یہ حکم ہوا۔ اب طلاق والی کا حال بھی سنو۔ **وللمطلقت متاع بالمعروف** ظاہر یہ ہے کہ مطلقات سے ساری معتدہ طلاق صورتیں مراد ہیں خواہ ان کا مہر نکاح میں مقرر ہو یا نہ ہو اور متاع سے عدت کا خرچہ مراد ہے اور یہ حکم وجوبی ہے لہٰذا نہ تو یہ آیت منسوخ ہے اور نہ پچھلی آیت کے خلاف اور ممکن ہے کہ مطلقات سے عدت اور غیر عدت والی مطلقہ بیویاں مراد ہوں اور متاع سے جوڑا مقصود اور حکم وجوبی و استحبابی کو شامل ہو تب بھی آیت منسوخ نہیں یعنی ہر طلاق والی کے لئے متاع بھلائی کے ساتھ واجب ہے یا مستحب ہے کیونکہ عدت والی مطلقہ کو پورا مہر یا مہر مثل ملے گا اور عدت ختم ہونے پر اسے جوڑا دینا مستحب ہوگا اور غیر عدت والی مطلقہ جس کا مہر مقرر نہ ہو اتھا اسے مہر نہ ملے گا مگر اسے جوڑا دینا واجب ہے یہ حکم اب بھی باقی ہے اور اگر مطلقات سے طلاق والی عورتیں مراد ہیں اور متاع سے جوڑا مراد اور حکم وجوبی ہے تو یہ حکم اب منسوخ ہے **حقا علی المتقین** یہ حق فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے اور متقین سے سارے مسلمان یعنی کفر سے بچنے والے مراد ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حکم وجوبی ہے یعنی متاع سارے مسلمانوں پر واجب ہے **کذلک یبین اللہ لکم ایتہ** ذلک سے یا تو طلاق عدت وغیرہ احکام کی طرف اشارہ ہے یا اس طریقہ بیان کی طرف کہ معاملات کے ساتھ عبادات کا بھی ذکر ہوتا ہے یا قرآن کریم احکام کو بہت اجمال سے بیان فرماتا ہے۔ دیکھو **وللمطلقت متاع** میں نہ تو یہ بتایا کہ مطلقہ عورتیں کتنی قسم کی ہیں اور نہ یہ کہ متاع سے کیا سامان مراد ہے کس مطلقہ کو کیا سامان دینا ہے تاکہ تم قرآن کے ساتھ حدیث کے بھی محتاج رہو حضور سے مستغنی نہ ہو جاؤ۔ **یبین** تبیین سے بنا۔ جس کے معنی یا تو آہستگی سے بیان فرمانا ہیں یا خوب واضح طور پر صاف صاف لکم میں لام نفع کا ہے۔ آیات سے یا احکام کی آیتیں مراد ہیں یا ساری آیتیں یعنی ان گزشتہ احکام کی طرح یا اس طریقہ بیان کی طرح اللہ تمہارے نفع کے لئے اپنے احکام کی آیتیں تدریجاً بیان فرماتا ہے تاکہ تم پر احکام کا ایک دم بوجھ نہ پڑ جائے یا اپنے احکام خوب واضح طور پر ارشاد فرماتا ہے **لعلکم تعقلون** تاکہ تم خوب سمجھ کر ان پر عمل کرو اور ان میں کسی قسم کا خفا نہ رہے۔

خلاصہ تفسیر : اسلام سے پہلے اہل عرب اپنے مورث کی بیوہ کا نکلنا یا کسی اور سے نکاح کرنا بالکل گوارا ہی نہ کرتے تھے اور اسے عار جانتے تھے بلکہ یا تو اپنے ساتھ نکاح کر لیتے اور یا اسے یوں ہی معلق رکھتے تھے اور بعض لوگوں میں یہ رواج تھا کہ بیوہ ایک سال تک اپنے شوہر کے گھر میں بیٹھتی پھر ایک سال بعد اونٹ یا بکری کی مینگنیاں پھینکتی۔ یہ مینگنیاں پھینکنا گویا عدت ختم ہونے کی علامت تھی ارادہ الٰہی ہوا کہ یہ دونوں رواج مٹا کر بیوگان پر آسانی کی جائے لیکن اگر ایک دم چار ماہ دس دن عدت مقرر کر دی جاتی تو انہیں بھاری پڑتا۔ لہٰذا آہستگی سے انہیں راہ پر لایا گیا اور پہلے بیوہ کے لئے ایک سال ہی کی عدت مقرر کی گئی مگر کچھ فرق سے کہ انہیں اس کے پورا کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دے دیا گیا اس وقت کی یہ آیت ہے۔ جس میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو تم میں سے جو مرنے لگیں اور اپنی بیویاں چھوڑنے لگیں۔ ان پر لازم ہے کہ اپنے قرابت داروں کو اپنی بیویوں کے متعلق ایک سال تک بغیر نکالے نان نفقہ دینے کی وصیت کر جائیں۔ لیکن اگر وہ اس درمیان میں خود ہی تمہارے گھروں سے چلی جائیں تو وہ جو کچھ بھی اپنے ذاتی معاملہ میں بناؤ سنگار، دوسرے نکاح کی تیاری وغیرہ کریں تو انہیں نہ روکو کہ وہ مختار ہیں اور تم پر

www.alahazratnetwork.org

اس کا کوئی گناہ نہیں۔ اس کے علاوہ طلاق والیوں کو بھی عدت طلاق میں مناسب طور پر نان نفقہ دو یہ چیزیں ہر اس شخص پر واجب ہیں جس کے دل میں خوف الٰہی ہو اور کفر سے بچتا ہو۔ جیسے کہ رب تعالیٰ نے یہ احکام واضح طور پر بیان فرما دیئے ایسے ہی اپنے سارے احکام تفصیل وار اور آہستگی سے بیان فرماتا ہے تاکہ سمجھو اور عمل کرو۔ علماء کرام نے 'وصیۃ لازواجھم' کے متعلق فرمایا کہ اب جواز وصیت کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ مال قابل میراث ہو جس مال کی میراث نہیں بٹ سکتی اس کی وصیت بھی نہیں ہو سکتی جیسے میت کے پاس کسی کی امانت' رہن' قرض کا مال نہ قابل میراث نہ لائق وصیت دوسرے یہ کہ وارث کو وصیت نہیں ہو سکتی جسے میراث کا ایک پیسہ ملے گا اس کے لئے وصیت درست نہیں گویا مال میں وصیت میراث کا لازم ہے اور شخص میں میراث کی دشمن اس وقت چونکہ عورت کو میراث ملتی ہی نہ تھی اس لئے ان کے لئے وصیت درست تھی اب بیویوں کا حصہ میراث میں ہو گیا لہٰذا ان کے لئے وصیت درست نہیں چونکہ وصیت و میراث مال میں لازم و ملزوم ہیں اس لئے نبی کسی کو مالی وصیت نہیں کر سکتے کہ ان کا مال قابل میراث نہیں لہٰذا جو کہے علی وصی رسول اللہ ہیں جھوٹا ہے ہاں ان کا کمال و اعمال لائق میراث بھی اور قابل وصیت بھی علماء دین کو وارثین رسول کہا جاتا ہے ہر مسلمان کو تقویٰ و طہارت کی وصیت ہے اوصیکم بتقوی اللہ الخ۔

فائدے : پہلی آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بیوہ عورت کی عدت ایک سال ہے۔ دوسرا فائدہ: بیوہ عورت اپنے شوہر کے مال کی وارث نہیں۔ تیسرا فائدہ: شوہر پر واجب ہے کہ اپنی بیوی کیلئے ایک سال نان نفقہ دینے کی اہل قرابت کو وصیت کر جائے۔ چوتھا فائدہ: بیوہ کو نان نفقہ کے علاوہ ایک سال تک شوہر کی طرف سے مکان بھی ملے گا۔ پانچواں فائدہ: بیوہ پر یہ عدت گزارنا واجب نہیں ہے اس سے پہلے بھی وہ نکاح کر سکتی ہے۔ چھٹا فائدہ: یہ احکام اب منسوخ ہو گئے ایک سال کی عدت تو اربعۃ اشہر و عشرا والی آیت سے منسوخ ہوئی اور اب عدت موت صرف چار ماہ دس دن رہ گئی کہ وہ آیت اگرچہ تلاوت میں اس سے پہلے ہے مگر نزول اس کے بعد جیسے سورۂ علق نزول میں سب سے پہلے مگر اخیر قرآن میں آتی ہے عدت کا نان و نفقہ اور بیوی کا میراث نہ پانا آیت میراث سے منسوخ ہوا کہ اب انہیں چوتھائی یا آٹھواں حصہ میراث ملے گی۔ حدیث مشہور سے حکم سکنیٰ منسوخ ہوا یعنی بیوہ اپنی عدت کے لئے مکان کی مستحق نہیں کیونکہ اب یہ مکان میت کا نہ رہا ورثاء کا ہو گیا جب بیوہ نفقہ اور مکان کی مستحق نہ رہی تو اسے بوقت ضرورت دن میں نکلنا بھی جائز ہوا۔ اسی آیت میراث سے حکم وصیت بھی جاتا رہا کیونکہ وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اربعۃ اشہر و عشرا سے ہی عدت کا اختیار بھی منسوخ ہو چکا کیونکہ وہاں یتربصن معنی امر ہے نیز وہاں عدت کے بعد زیب و زینت کی اجازت دی گئی۔ لہٰذا یہ آیت ہر طرح منسوخ ہے بعض لوگوں نے بہت کھینچ تان کر اس کو غیر منسوخ قرار دیا مگر وہ صحیح نہیں۔

فائدے : غرضیکہ اس آیت کے چار احکام منسوخ ہو گئے۔ بیوہ کی عدت ایک سال ہونا عدت میں اختیار ہونا بعد موت خاوند کے مال سے ایک سال خرچ ملنا بیوی کے لئے وصیت کرنا۔ اب کسی حال میں بھی ایک سال عدت نہیں اب عدتیں کل چار قسم کی ہیں۔ تین ماہ تین حیض' چار ماہ دس دن۔ اور بچہ کا جن دینا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی کوئی آیت منسوخ نہیں وہ اس آیت کو غیر منسوخ کیسے مانیں گے اور جو کہتے ہیں کہ قرآنی آیۃ حدیث سے منسوخ نہیں وہ بیویوں کے لئے وصیت کس آیت

www.alahazratnetwork.org

سے منسوخ مانیں گے۔ حدیث شریف میں ہے لا وصیۃ للوارث اس حدیث سے تمام وہ آیات منسوخ ہیں جن میں وارثوں کے لئے وصیت کا حکم ہے۔ آیت کے فائدے۔ **پہلا فائدہ:** عدت طلاق میں عدت کا سارا خرچہ اور مکان شوہر کے ذمہ ہے جیسا کہ للمطلقت اور متاع کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** یہ خرچہ حسب حیثیت واجب ہو گا جیسا کہ بالمعروف سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ خرچہ ہر طلاق دینے والے مسلمان پر واجب ہے جیسا کہ حقا" سے وجوب اور علی المتقین سے عموم معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جس عورت پر عدت واجب نہ ہو یعنی خلوت سے پہلے طلاق پانے والی اسے صرف ایک جوڑا دلوایا جائے مگر جس کو مہر بالکل نہ ملے۔ اسے دینا واجب ہے اور جسے مہر مقرر کا آدھا ملے اسے مستحب جیسا کہ للمطلقت اور متاع کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ پہلی صورت میں اس آیت میں نیا حکم ہے اور دوسری صورت میں یہ آیت پچھلی آیت کی تاکید ہے۔ مگر ان دونوں صورتوں میں یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ ہاں اگر مطلقات سے ساری طلاق والی عورتیں مراد ہوں اور متاع کے معنی جوڑا ہوں اور یہ حکم وجوبی ہو تو بعض کے حق میں منسوخ ہے اور ظاہر یہ ہے کہ آیت کا بلاوجہ منسوخ ماننا بہتر نہیں۔ اسی لئے تفسیرات احمدیہ شریف نے اسے محکم مانا۔ **پانچواں فائدہ:** احکام الٰہی آہستہ آہستہ بقدر ضرورت آتے ہیں اور بعض بعض سے منسوخ بھی ہو جاتے ہیں جیسا کہ یہیں سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہر مطلقہ بیوی خاوند سے بعد طلاق کچھ نہ کچھ وصول کرے کوئی تو عدت کا خرچہ بھی اور جوڑا بھی اور پورا مقرر کردہ یا مثل مہر جیسے وہ عورت جسے بعد خلوت طلاق ہو یا صرف آدھا مہر جیسے وہ عورت جسے خلوت سے پہلے طلاق ہو اور مہر مقرر کیا گیا ہو یا صرف جوڑا جیسے وہ عورت جسے خلوت سے پہلے طلاق ہو مگر مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اگر عورت نے خلع یا کسی طرح فسخ نکاح کیا ہو جیسے خیار عتق' خیار بلوغ یا خود عورت کے قصور سے نکاح ختم ہوا ہو تب بھی ان مذکورہ چیزوں میں سے کچھ نہ کچھ پائے گی۔ اس لئے مطلقات جمع اور متاع مطلق فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: اگر پہلی آیت منسوخ ہے تو قرآن کریم میں باقی کیوں رکھی گئی۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب پارہ الم ما ننسخ من ایۃ کی تفسیر میں دیا جا چکا ہے کہ قرآن کریم صرف عمل ہی کے لئے نہ آیا بلکہ جاننے ماننے تلاوت اور عمل کرنے کے لئے اترا۔ منسوخ آیت پر اگرچہ عمل ناممکن ہو گیا مگر دوسرے فائدے تو باقی رہے اس کی تلاوت میں ثواب ملے گا اس سے یہ مانا جائے گا اولا" اسلام میں بھی عدت ایک سال تھی اور حق تھی اس جگہ در منثور میں ہے کہ عبداللہ ابن زبیر نے عثمان غنی سے عرض کیا کہ جب یہ آیت منسوخ ہے تو آپ نے قرآن میں کیوں لکھی جواب دیا کہ اے میرے بچے ہم کسی آیت میں اپنی طرف سے کچھ بھی فرق نہیں کر سکتے۔ **دوسرا اعتراض:** دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ عدت طلاق میں شوہر کے ذمہ مطلقہ کا نفقہ اور مکان واجب ہے اور فاطمہ بنت قیس صحابیہ فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے تین طلاقیں دی تھیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مکان دلوایا اور نہ عدت کا خرچہ۔ لہٰذا طلاق بائنہ کی عدت کا خرچہ شوہر پر واجب نہ ہونا چاہئے (حضرات شافعی) **جواب:** حضرت فاطمہ بنت قیس کی روایت حضرت عمر ابن زید ابن ثابت و اسامہ ابن زید و جابر اور عائشہ رضی اللہ عنہم نے رد کر دی۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ فقط ایک بیوی کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں چھوڑ سکتے کیا خبر کہ یہ بھول گئی ہوں (احمدی) رب فرماتا ہے واسکنوھن من حیث سکنتم یعنی جہاں تم رہو وہاں ان عورتوں کو بھی رکھو جس سے مکان کا استحقاق ثابت ہوا۔ نیز فرماتا ہے وللمطلقت متاع بالمعروف۔ طلاق والی عورتوں کو مناسب خرچہ دو اس سے نفقہ کا استحقاق معلوم ہوا خود عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا کہ تین طلاق والی کیلئے خرچہ

www.alahazratnetwork.org

بھی ہے اور مکان بھی (احمدی) **تیسرا اعتراض:** عدت طلاق میں جوڑے کا ثبوت گزشتہ آیت میں 'و متعوھن' سے ہو چکا تھا دوبارہ کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یا تو یہاں مطلقت سے عدت والی بیویاں مراد ہیں اور متاع سے ان کا سارا خرچہ اور وہاں مطلقات سے غیر عدت والیاں بیویاں مراد تھیں اور متاع سے کپڑوں کا جوڑا وہاں 'حقا علی المحسنین' فرمانے سے شبہ ہوتا تھا کہ شائد جوڑا واجب نہیں صرف مستحب ہے لہٰذا یہ حقا علی المتقین فرما کر اس کا وجوب واضح کر دیا یا وہاں غیر عدت والی عورتوں کے لئے جوڑے کا ذکر تھا اور یہاں ہر مطلقہ کے لئے اس کا حکم دیا گیا کسی کے لئے وجوبی اور کسی کے لئے استحبابی اور اگر یہ فرق نہ بھی ہوں تو بھی اس آیت سے پہلے حکم کی تاکید ہو گی اور تاکید بھی ایک فائدہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے کہ رب نے بیوہ اور مطلقہ عورت کا غم غلط کرنے اور اس کا ٹوٹا ہوا دل جوڑنے کے لئے نان نفقہ وغیرہ واجب کر دیا ایسے ہی جب رب تعالیٰ کسی طالب صادق سے راہ محبت طے کراتا ہے اس حالت میں اسے اپنے اہل قرابت عزیزوں 'دوستوں سے چھڑاتا ہے۔ دنیوی مال و عزت سے نکالتا ہے اور وطن چھڑا کر اہل اللہ کی ملاقات کے لئے سفر کراتا ہے اور طلب کی مشقتوں میں مبتلا کرتا ہے تو اس پر اپنے احسانات کی بارش فرما کر اس کا ٹوٹا ہوا دل جوڑتا ہے اور ایسے طالب کو کامیابی کی متاع بالمعروف عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا عاقل کو چاہئے کہ دنیا اور اسباب دنیا میں نہ پھنسے۔ بلکہ اس سے گزر کر اصل مقصود کے حاصل کرنے کی کوشش کرے۔ خیال رکھو کہ کوئی شریف آدمی بھی مزدور کی اجرت نہیں روکتا تو کیونکر ممکن ہے کہ رب تمہاری اجرت تمہیں نہ دے۔ وہ بڑا ہی غافل ہے جو یاد الٰہی کیلئے دنیا سے فارغ ہونے کا انتظار کرتا ہے۔ یہاں کے رنج و غم تو ایسے ہی رہیں گے۔ اسی حالت میں جو کچھ ہو سکے کرلو۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

که اندر نعمتی مغرور و غافل — گہے از تنگدستی خستہ و ریش
چو در سراو ضرا حالت اینست — ندانم کے بحق پردازی از خویش

نیز اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ع

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

دوسری تفسیر صوفیانہ : دنیا میں عورت و مرد کا نکاح جسمانی ہوتا ہے۔ اور میثاق کے دن تمام روحوں کا حقیقتہ محمدیہ سے نکاح روحانی ہوا۔ رب فرماتا ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** تمام ارواح لینے والی حضور انور دینے والے۔ دنیا میں آکر مومنین روحیں تو اس نکاح میں رہیں ان کا سارا روحانی نان نفقہ 'عبادات' ریاضات 'عرفان وغیرہ حضور کے ثمر کرم پر ہے کہ اسی آستانہ سے انہیں یہ سب کچھ ملتا رہے گا مگر جو روحیں دنیا میں کسی قسم کی مطلقہ ہو گئیں کہ یا خدا کا انکار کر کے یا حضور کا یا قیامت کا انکار کر کے کافر ہو گئیں اور اس روزی سے تو محروم ہو گئیں مگر وللمطلقت متاع بالمعروف کے ماتحت اپنی زمانہ عدت۔ یعنی وقت موت تک دنیاوی منافع روزی جسمانی حضور کے ذریعہ پائیں گی اور آخرت میں بھی ایک قسم کی شفاعت سے نفع اٹھائیں گی پھر دوزخ میں پھینک دی جائیں گی۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مطلقہ روحوں کو بھی کچھ متاع دیئے جاؤ کہ تم رحمۃ اللعالمین ہو صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور چاند ہیں کفار چاند پر بھونکنے والے کتے جب کتا چاند پر بھونکتا ہے تو چاند اس کے پھیلے منہ میں بھی چاندنی ڈال دیتا ہے۔ حضور سایہ دار بار دار درخت ہیں تو لوگ ایسے درخت سے سایہ لیتے ہیں چلتے

www.alahazratnetwork.org

وقت چار پتھر اس پر مارتے ہیں تو وہ اچھل دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تو پھینکتا ہے اور جو میرے پاس ہے تو وہ مجھ سے لیتا جا۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں! سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں!

صوفیاء کرام لعلکم تعقلون کے متعلق فرماتے ہیں کہ انسان کی تمام قوتیں سمع بصر وغیرہ خصوصاً عقل تین قسم کی ہیں۔ شیطانی، نفسانی، رحمانی جس عقل و ہوش و گوش سے حرام کام کئے جاویں وہ شیطانی ہے۔ جس سے محض دنیاوی کام کئے جاویں وہ نفسانی اور جو عقل دین کی رہنمائی کرے وہ رحمانی ہے۔

عقل زیر حکم دل رحمانی است چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

یعنی اے مسلمانو ہم اس لئے اس طرح اپنی آیتیں بیان کرتے ہیں تاکہ تم میں عقل رحمانی پیدا ہو جس سے ہماری آیتوں کی حکمتیں معلوم ہوں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ
کیا نہ دیکھا تم نے طرف اُن لوگوں کے جو نکلے گھروں سے اپنے حالانکہ وہ ہزاروں تھے ڈر سے
اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اُنہیں جو اپنے گھروں سے نکلے اور وہ ہزاروں تھے موت کے ڈر سے
فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْيَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
موت کے پس فرمایا واسطے اُن کے اللہ نے کہ مرجاؤ پھر زندہ کیا اُن کو تحقیق اللہ البتہ
تو اللہ نے اُن سے فرمایا مرجاؤ پھر انہیں زندہ فرما دیا بے شک اللہ لوگوں پر فضل کرنے والا
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾
فضل والا ہے اوپر لوگوں کے اور لیکن بہت سے لوگ نہیں شکر کرتے
ہے مگر اکثر لوگ ناشکرے ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: یہاں تک مختلف قسموں کے پینتیس حکم مسلمانوں کو دیئے گئے جن میں سے بعض سیاسی تھے جیسے قصاص جہاد وغیرہ بعض معاشرتی جیسے نکاح و رضاعی و طلاق اور بعض معاملات کے جیسے کہ سود قرض و گواہی و رہن وغیرہ چونکہ یہ تمام احکام سلطنت اسلامی پر موقوف ہیں اور اس کا ذریعہ جہاد ہے لہٰذا جہاد کی تمہید کے لئے اولاً مسلمانوں کو موت سے بے خوف کر کے پھر گزشتہ امتوں کے جہادوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں عدت وفات کے احکام بیان ہوئے جس کا تعلق شوہر کی موت سے ہے اب طاعون کا ذکر ہو رہا ہے جو کہ ذریعہ موت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شانِ نزول : ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کے پیچھے دو یہودی آپس میں کچھ باتیں کرتے تھے۔ عمر رضی اللہ نے نماز کے بعد ان سے پوچھا کہ تم کیا گفتگو کر رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم حزقیل علیہ السلام اور ان کے مردے زندہ کرنے کے معجزے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ رب نے ان کی دعا سے مردے زندہ فرما دیئے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے قرآن شریف میں نہ تو حزقیل علیہ السلام کا ذکر پایا نہ ان کے مردہ زندہ کرنے کا۔ صرف عیسیٰ علیہ السلام نے ہی مردے زندہ کئے ہیں وہ بولے کہ کیا قرآن پاک میں یہ آیت نہیں ہے کہ ورسلا لم نقصصھم علیک کہ ہم نے بہت سے پیغمبروں کے قصے بیان نہ فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں انہوں نے عرض کیا کہ یہ پیغمبر بھی انہیں میں سے ہیں۔ اس کے بعد عمر رضی اللہ عنہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں یہ پورا واقعہ بیان کیا گیا (در منثور)۔ خیال رہے کہ چند پیغمبروں کے ذریعہ مردے زندہ ہوئے ہیں ایک تو یہی پیغمبر حضرت حزقیل علیہ السلام کہ ان کے ذریعہ ہزارہا مردے زندہ ہوئے۔ دوسرے ابراہیم علیہ السلام جن کے ذریعہ چار جانور ذبح اور قیمہ کر دینے کے بعد زندہ ہوئے۔ تیسرے حضرت عزیر علیہ السلام جن کے ذریعہ مردہ گدھا زندہ کیا گیا۔ چوتھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام جنہوں نے کئی بار مردے زندہ فرمائے ہیں۔ چاروں رسولوں کا مردہ زندہ فرمانا قرآن مجید میں صراحۃً مذکور ہے۔ پانچویں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن سرکار نے اپنے والدین آمنہ خاتون و عبداللہ رضی اللہ عنہما اور بہت سے مردوں کو زندہ فرمایا جس کا ذکر احادیث شریفہ اور کتب تواریخ اور شامی شریف اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ہے یہ بھی خیال رہے کہ یہود یا عیسائیوں سے توریت یا انجیل کے تاریخی واقعات سن کر جلد تردید نہ کرنا چاہئے بلکہ بہتر یہ ہے کہ نہ تائید کرو نہ تردید جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہوا۔ دیکھو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس یہودی کی تردید کی مگر قرآن نے تائید فرما دی۔

الم تر الی الذین خرجوا ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب نبی صلی اللہ سے ہے تر رؤیۃ سے بنا جس کے معنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہیں اور قلب سے جاننا بھی۔ جیسے **وارنا مناسکنا** مگر جب اس کے بعد الیٰ ہو تو معنی نظر (آنکھ سے دیکھنا) ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں اسی معنی میں ہے علم نے تر میں بمعنی کے معنی پیدا کر دیئے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تر بمعنی علم ہے اور سارے تاریخ دان لوگوں سے خطاب۔ اور چونکہ اس میں وصول کے معنی بھی ہیں۔ اس لئے اس کے بعد الیٰ آیا (روح المعانی) مگر پہلے معنی صحیح ہیں۔ دوسرے میں بلاوجہ تکلف ہے۔ الذین سے اہل داوردان مراد ہیں۔ جس کا ذکر ان شاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ دیار دار کی جمع ہے بمعنی گھر و منزل یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے پہلے انہیں نہ دیکھا تھا جو اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے **وھم الوف حذر الموت** واؤ یا تو حالیہ ہے اور یہ جملہ خرجوا کے فاعل سے حال اور یا عاطفہ ہے ظاہر یہ ہے کہ الوف الف کی جمع کثرت ہے بمعنی ہزارہا اور حذر خرجوا کا مفعول لہ اور الموت سے طاعون کی موت مراد ہے یعنی ہزاروں کی تعداد میں طاعون کی موت کے خوف سے یہ لوگ نکل گئے۔ یا موت سے بچنے کے لئے نکل گئے۔ موت سے بچنے کی تدبیر کرنا منع ہے ہاں موت سے ڈر کر نیک اعمال کرنا اچھا ہے یہاں پہلی صورت مراد ہے۔ الوف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ دس ہزار سے زائد تھے۔ بعض نے فرمایا کہ تیس ہزار تھے۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ چالیس ہزار تھے۔ عطاء ابن ابی رباح فرماتے ہیں کہ ستر ہزار تھے واللہ اعلم۔ بعض لوگوں نے کہا کہ الوف الف کی جمع ہے۔ جیسے قاعد کی جمع قعود اور شاہد کی جمع شہود الف الفۃ سے بنا بمعنی الفت و محبت و بکثرت اجتماع۔ ہزار کو بھی اس لئے الف کہتے ہیں کہ یہ بہت سے عدد کا مجمع ہے تو اب معنی یہ ہوئے کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

مشتق ہو کر ایک ہی طرف نکلے **فقال لھم اللہ موتوا** یا تو قال اپنے ہی معنی میں ہے اور لفظ اللہ سے پہلے ملائکہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ نے ان کی موت کا ارادہ کیا اور حکم دیا یا فرشتوں نے چیخ کر کہا کہ **موتوا۔ ثم احیاھم** اس سے پہلے ایک عبارت یعنی فماتوا پوشیدہ ہے اور ثم سے معلوم ہوتا ہے کہ زندہ کرنے کا واقعہ موت سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔ احیا سے ایک پیغمبر کی دعا سے زندہ فرمانا منظور ہے یعنی پس وہ مر گئے پھر کچھ مدت کے بعد حزقیل علیہ السلام کی دعا سے رب نے ان سب کو زندہ فرمایا۔ **ان اللہ لذو فضل علی الناس** فضل کی تنوین تعظیم کی ہے اور الناس سے یا تو وہ ہی مر کر دوبارہ زندہ ہونے والے مراد ہیں اور یا اس زمانہ کے سارے لوگ جنہوں نے یہ واقعہ دیکھا یا تمام جہان کیونکہ اس قصہ سے سب ہی کو عبرت حاصل ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے کہ مردے جلا کر انہیں اپنی قدرت دکھاتا ہے۔ **ولکن اکثر الناس لا یشکرون** اس کا مفعول پوشیدہ ہے اور اکثر الناس سے یا تو کفار مراد ہیں اور یا سارے عبرت نہ پکڑنے والے لوگ یعنی بہت سے لوگ اللہ کا یا اس کی نعمتوں کا شکر نہیں کرتے فضل وعدل ظلم کا مقابل ہے۔ کسی کا حق اسے دینا عدل ہے حق مار لینا ظلم اور بغیر حق دینا فضل رب نے جسے جو کچھ دیا اپنی مہربانی سے دیا اس پر حق کسی کا کچھ نہیں مگر چونکہ انسان کی ضروریات زیادہ ہیں کہ یہ کھانے پینے کپڑے مکان پھر کھانے میں دواؤں۔ غذاؤں وغیرہ سب کا ہی حاجتمند ہے۔ اسی لئے اس پر رب کا فضل بھی زیادہ پھر ایمان 'عرفان' ولایت 'نبوت انسان ہی کو دی گئی آخرت میں بہشت بھی اسی کے لئے ہے ان واقعات مذکورہ کا قرآن شریف میں ذکر انسانوں پر ہی فضل ہے۔ ان وجوہ سے اللہ کا انسان پر بڑا فضل ہے اور زبانی 'جنانی' ارکانی شکر بقدر فضل چاہئے تو انسان پر شکر رب زیادہ لازم مگر انسان ہی ناشکرا زیادہ ہے۔ رب تعالیٰ اپنے محبوب سے انسانوں کی ناشکری کا شکوہ کر رہا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اپنے نور نبوت سے ان لوگوں کو نہ دیکھا تھا جو موت کے ڈر سے اپنے گھروں سے ہزاروں کی تعداد میں نکل گئے تھے پس رب نے بزبان ملائکہ انہیں فرمایا کہ مر جاؤ وہ مر گئے پھر کچھ مدت بعد انہیں بدعائے پیغمبر زندہ فرمایا تاکہ انہیں اور دوسروں کو پتہ چل جائے کہ بھاگنا موت سے نہیں بچاتا اور تدبیر سے تقدیر نہیں پلٹتی اللہ تو لوگوں پر بڑا ہی فضل فرماتا ہے کہ ان کی عبرت کے لئے ایسی مثالیں قائم فرماتا ہے لیکن بہت سے لوگ اس کا شکر نہیں کرتے اور ایسے واقعات سے عبرت نہیں پکڑتے۔

اصل واقعہ

علاقہ واسط میں ایک بستی تھی۔ وار دان جہاں ایک بار طاعون پڑا۔ مالدار تو شہر چھوڑ کر جنگلوں میں بھاگ گئے۔ غرباء وہیں رہے۔ رب کی شان کہ بھاگنے والے بچے رہے اور نہ بھاگنے والے بہت سے ہلاک ہو گئے۔ جب طاعون جاتا رہا اور وہ مالدار صحیح سلامت لوٹے۔ تو ان غرباء نے کہا یہ لوگ بڑے عقلمند تھے جنہوں نے بھاگ کر اپنی جانیں بچائیں آئندہ ایسی مصیبت میں ہم بھی یہ کریں گے اتفاقاً" اگلے سال پھر طاعون آگیا اب سارے ہی شہر والے بھاگ کر کسی پہاڑی علاقے میں چلے گئے۔ جب وہاں پہنچ گئے تو بحکم الٰہی ایک فرشتہ نے چیخ ماری کہ سب مر جاؤ آناً "فاناً" سب ہلاک ہو گئے۔ آٹھ دن تک ان کی لاشیں

www.alahazratnetwork.org

ویسی ہی پڑی رہیں یہاں تک کہ پھول پھٹ کر چو طرفہ سخت بدبو پھیلی۔ آس پاس کے لوگ پریشان ہو کر ادھر آئے اور چاہا کہ انہیں دفن کردیں۔ مگر اتنے آدمیوں کا دفن ناممکن تھا اس لئے انہوں نے ان مردوں کے آس پاس اونچی چار دیواری کھینچ دی تا کہ کوئی درندہ یہاں نہ پہنچے اور وہ بھی بدبو سے محفوظ رہیں یہاں تک کہ یہ لاشیں بالکل سڑ کر گل گئیں اور ان کی ہڈیاں بکھر گئیں اتفاقاً" وہاں حضرت حزقیل ابن بوزی علیہ السلام گزرے جنہیں ذوالکفل بھی کہتے ہیں چونکہ انہوں نے ایک دفعہ ستر پیغمبروں کو ضامن بن کر قتل سے بچایا تھا۔ اس لئے آپ کا لقب ذوالکفل ہوا یعنی ضمانت والے آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ یوشع ابن نون ان کے خلیفہ کالب ابن یوحنا ان کے خلیفہ حضرت حزقیل علیہ السلام ان کی کنیت ابن عجوز ہے کیونکہ ان کی ماں نے انہیں بڑھاپے میں پایا غرضیکہ یہ وہاں سے گزرے اور اتنی ہڈیوں کو پڑا ہوا دیکھ کر تعجب سے کھڑے ہوگئے پھر عرض کی کہ مولیٰ ان سب کو زندہ کردے وحی آئی کہ آپ انہیں پکاریئے چنانچہ آپ نے پکارا کہ اے ہڈیو! بحکم الٰہی جمع ہو جاؤ وہ تمام جمع ہو گئیں اور ہر جسم میں قرینہ سے لگ گئیں۔ پھر آواز دی کہ اے گلے ہوئے جسمو! بحکم پروردگار تم گوشت اور کھال پہن لو آواز دیتے ہی ایسا ہی ہو گیا پھر آواز دی کہ اے مردو! میرے رب کے حکم سے اٹھ کھڑے ہو۔ وہ سارے کہتے ہوئے اٹھے کہ **سبحانک اللھم ربنا و بحمدک لا الہ الا انت** پھر یہ لوگ کئی سال زندہ رہے مگر ان کے چہرے مردوں کے سے تھے۔ ان سے اولاد بھی پیدا ہوئی۔ اولاد میں کچھ خفیف سی بو تھی۔ (روح البیان و معانی و کبیر) اس ہی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنور نبوت عالم کے سارے اگلے پچھلے واقعات ملاحظہ فرمائے کیونکہ اتنے پرانے واقعہ کو الم تر استفہام انکاری سے بیان فرمایا گیا۔ کہ کیا آپ نے یہ نہ دیکھا تھا یعنی ضرور دیکھا تھا۔ جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ رویت معنی نظر چشم ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ واقعات کی دیکھ کر خبر دی۔ جس کی بکثرت روایتیں ہیں۔ عزوا من دیار ھم سے اشارۃ" دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ طاعون کے زمانہ میں گھر چھوڑنا منع ہے۔ خواہ شہر ہی چھوڑ دیا جاوے یا صرف محلہ تبدیل کیا جاوے جب کہ وبا سے بھاگنا مقصود ہو۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر اس عالم میں رہ کر ہر چیز کو دیکھتی بھی تھی اور پہچانتی بھی تھی ہماری آنکھیں بیک وقت بڑے مجمع کو دیکھ کر ہر ایک کو پہچان نہیں سکتیں ہماری ناک بہت سی خوشبوئیں صحیح محسوس نہیں کر سکتی ہمارے کان بیک وقت بہت سی آوازیں سن نہیں سکتے۔ مگر حضور کے حواس ان کمزوریوں سے محفوظ۔ حضور انور آج لاکھوں کا سلام بیک وقت سن کر سب کو علیحدہ علیحدہ جواب دیتے ہیں قیامت میں بیک وقت ساری امتوں میں سے اپنی امت کو پہچان لیں گے پھر ہر امتی کے ہر حال کو جانیں گے ورنہ شفاعت ناممکن ہے حضور نعمت الٰہیہ کے قاسم ہیں اور قاسم ہر حصہ اور ہر حصہ دار کو پہچانتا ہے جیسے ڈپو والا یا ڈاک تقسیم کرنے والا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **و انبئکم بما تاکلون و ما تدخرون فی بیوتکم** معلوم ہوا کہ ہر دانہ اور اس کے کھانے والے سے خبردار ہیں۔ دوسرا فائدہ: انبیائے کرام کی بارگاہ الٰہی میں وہ عزت ہے کہ اگر وہ کسی بات پر بطریقہ ناز ضد کر جائیں یا قسم کھالیں تو رب پوری فرما دیتا ہے۔ دیکھو حزقیل علیہ السلام کی عرض معروض پر ان سب کو دوبارہ زندہ کیا گیا۔ تیسرا فائدہ: اللہ والوں کی پھونک یا آواز صور

www.alahazratnetwork.org

اسرافیل کا اثر رکھتی ہے کہ حضرت حزقیل کی پکار سے نفخ صور کی طرح اتنی بڑی جماعت زندہ ہو گئی عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک بھی یہ ہی اثر کرتی تھی جیسے عالم اجسام میں بعض چیزیں رب تعالیٰ کی صفات کا مظہر ہیں کہ رب نے ان میں تاثیریں رکھی ہیں جیسے سانپ کا زہر وغیرہ صفت ممیت کے مظہر ہیں اور دوائیں جڑی بوٹیاں رب کی صفت شافی الامراض کی مظہر ہیں ایسے ہی عالم ارواح میں حضرات اولیاء رب کی صفات کے مظہر ہیں اور جیسے یہ کہہ سکتے ہیں کہ سانپ یا زہر مارتا ہے بنفشہ نزلہ کو شفا دیتا ہے ایسے ہی یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور رب کی رحمتیں دیتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: کوئی بھی تدبیر سے تقدیر نہیں بدل سکتا اور نہ آنے والی موت کو ٹال سکتا ہے لہٰذا اے مسلمانوں جہاد نہ چھوڑو۔ جب اپنے وقت پر موت آئے ہی گی تو بہتر ہے کہ راہ مولیٰ میں آئے۔ پانچواں فائدہ: طاعون سے بھاگنا منع ہے۔ دیکھو یہ لوگ طاعون سے بھاگے تھے عتاب الٰہی میں گرفتار ہوئے ساری وبائی بیماریوں کا یہ ہی حکم ہے۔

مسئلہ: جہاں وباء پھیلی ہو وہاں نہ جاؤ۔ رب فرماتا ہے **لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** اور جہاں تم ہو اور وباء پھیل جائے تو وہاں سے نہ بھاگو طاعون کے پورے مسائل ہم پارہ الم رجزا من السماء کی تفسیر میں بیان کر چکے۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی ضد پوری فرماتا ہے کہ ان کی ضد پر اپنے قانون بدل دیتا ہے۔ دیکھو قانون یہ کہ مردہ قیامت سے پہلے زندہ نہ ہو مگر اللہ والوں کی دعا سے پہلے ہی زندہ ہوئے پھر زندہ رہے رب فرماتا ہے' **وحرام علی قریۃ اھلکنھا انھم لا یرجعون**۔ وہ قانون کا بیان ہے اور یہاں قدرت کا ذکر ہے مگر ان مقبولوں کی یہ ضد ہوس یا ذور کی نہیں ہوتی۔ ناز محبوبانہ ہوتا ہے جیسے ہمارے بچے ضد کر کے اپنے ماں باپ سے کام کرا لیتے ہیں دیکھو حضرت حزقیل کی محبوبانہ ضد سے یہ مردے زندہ ہوئے حضور کی مرضی پر قبلہ تبدیل ہوا۔ حضرت آدم کی مرضی پر داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے چالیس سال کے سو سال ہوئی یہ سب ان پیاروں کی پیاری ضدیں ہیں۔ ساتواں فائدہ: اگرچہ تمام رب ہی کے حکم و ارادہ سے ہوتے ہیں مگر بعض دفعہ مقبول بندوں کے دم، آواز وغیرہ کو ان کا ذریعہ بنایا جاتا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھوون شفا بنایا گیا۔ (قرآن کریم) حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے خشک کھجور کو سبز و باردار کیا گیا اور اس کے پھل سے ولادت کو آسان کیا۔

پہلا اعتراض: ان مرنے والوں کی عمر باقی تھی یا نہیں اگر باقی تھی تو انہیں موت کیوں آئی اور ختم ہو چکی تھی تو دوبارہ زندگی کیوں ملی۔ جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم پارہ الم' **ثم بعثنکم من بعد موتکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یا تو ان کی عمر باقی تھی اور موت عارضی طور پر طاری ہو گئی جیسے چراغ میں تیل و بتی ہو مگر ہوا سے گل ہو جائے حزقیل علیہ السلام کی دعا نے دیا سلائی کی طرح ان کی شمع زندگی کو دوبارہ روشن کر دیا یا ان کی عمر ختم ہو چکی تھی ان پیغمبر کی دعا سے نئی عمر ملی۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کو چالیس اور دیئے گئے۔ (مشکوٰۃ باب القدر) صوفیائے فرماتے ہیں کہ موت دو قسم کی ہے سزاء" و قضاء "سزاء" موت کے بعد زندہ کر دیا جاتا ہے جیسے وہ ستر بنی اسرائیل جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پر گئے اور ایک گستاخی کی وجہ سے مار دیئے گئے۔ قضاء "موت کے بعد دوبارہ زندہ نہیں کیا جاتا ان لوگوں کی یہ موت سزاء" تھی قضاء "نہ تھی لہٰذا زندہ کیے گئے۔ دوسرا اعتراض: احادیث سے ثابت ہے کہ کسی کو دوبارہ موت نہیں آتی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور کی وفات کے بعد عرض کیا کہ خدا آپ پر دو موتیں جمع نہ کرے گا (مشکوٰۃ باب وفات النبی علیہ السلام) شہداء دوبارہ دنیا میں

www.alahazratnetwork.org

آنے کی خواہش کرتے ہیں مگر اس ہی لئے نہیں بھیجے جاتے۔ (مشکوٰۃ باب الشہید) پھر ان لوگوں کی یا تو پہلی موت بغیر شدت کے ہوئی تھی یا اگلی موت ایسی ہی ہوگی۔ تیسرا اعتراض: یہ لوگ دوبارہ زندہ ہو کر شرعی احکام کے مکلف تھے یا نہیں کیونکہ موت کے بعد والی زندگی میں شرعی تکلیف نہیں۔ نیز یہ لوگ نزع کے وقت ملائکہ اور آخرت کے سارے حالات کو دیکھ چکے پھر اب عمل کی کیا ضرورت۔ عمل تو غیب پر ایمان لا کر چاہئے۔ جواب: اس کا نہایت مکمل جواب بھی وہاں ہی عرض کر دیا گیا کہ یا تو انہیں اس بار جانکنی ہوئی نہ تھی۔ ان کی روح ایسے نکل گئی تھی جیسے نیند میں روح سلطانی نکل جاتی ہے یا یہ واقعات موت انہیں یاد نہ رہے۔ جس کی وجہ سے وہ سب چیزیں پھر ان کے لئے غیب بن گئیں۔ ہم نے میثاق کے دن سب کچھ دیکھا تھا۔ رب سے کلام بھی کیا مگر یہاں آکر سب بھول گئے اور اب ان باتوں کو ماننا ایمان بالغیب کہلایا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ وہ لوگ مرے نہ تھے بلکہ بے ہوش ہو گئے تھے حضرت حزقیل کی آواز سے ہوش میں آگئے مگر یہ باطل محض ہے کہ اس آیت کے بھی خلاف اور مقصد آیت کے بھی مخالف موتوا اور احیاھم کو حقیقی معنی سے کیوں پھیرا جائے۔ ہماری تحقیق سے انشاء اللہ سارے اعتراض اٹھ گئے۔ اگر یہاں بیہوشی مان لی جائے تو حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام کے معجزات کے متعلق کیا کہا جائے گا۔ پانچواں اعتراض: موت سے خوف تو اچھی چیز ہے پھر اسے یہاں ان لوگوں کی برائی کے سلسلہ میں کیوں بیان کیا گیا کہ فرمایا حذر الموت۔ جواب: اگر موت سے خوف گناہ چھڑا دے نیکیوں میں لگا دے وہ واقعی اچھا ہے کہ موت کے ڈر سے نمازی بن جاوے وغیرہ اور اگر یہ خوف نیکیوں سے روک دے تو برا ہے جیسے موت کے ڈر سے حج نہ کرنا جہاد سے دور بھاگنا یہاں دوسرا خوف مراد ہے۔ چھٹا اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کو نور نبوت سے پہچانیں گے یہ غلط ہے حدیث شریف میں ہے کہ مومنوں کے وضو کے پانی کا نور ان کی پہچان ہوگی۔ جواب: یہ پہچان عام محشر والوں کے لئے ہوگی حضور کی پہچان اس علامت پر موقوف نہیں۔ کیونکہ اس امت میں تو وہ لوگ بھی ہوں گے جنہیں نہ نماز میسر ہوئی نہ وضو جیسے ماں کے پیٹ یا کمسنی میں فوت ہو جانے والے یا وہ لوگ جو فرضیت نماز سے پہلے فوت ہو گئے یا وہ جو مسلمان ہوتے ہی شہید ہو گئے۔ بعض بے نمازی بھی ہوں گے بعض نمازی ہوں گے مگر بے ایمان جیسے منافقین اور قادیانی ان تمام کو حضور ضرور پہچانیں گے پھر نمازی مسلمانوں میں بھی ہر ایک کے ایمانی درجہ کو حضور پہچانیں گے بہر حال حضور کی پہچان اپنے نور نبوت سے ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا جسم کا وطن ہے اور اللہ والوں کا طلب الٰہی میں نکلنا یہاں سے ہجرت ہے یہاں کی جہالت گویا موت اضطراری ہے اور تجلی ذات میں فنا ہونا موت اختیاری اور اس فنا کے بعد بقا گویا دوسری نئی زندگی ہے۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان مقبولین بارگاہ کو نہ دیکھا جو جہالت اور غیر اللہ میں مشغول ہوت کے ڈر سے دنیا اور لذات دنیا سے ہزارہا کی تعداد میں ہجرت کر گئے۔ رب نے ان کی طلب صادق ملاحظہ فرما کر حکم دیا کہ موتوا قبل ان تموتوا کا مصداق بن کر موت اختیاری مر جاؤ۔ چنانچہ انہوں نے تجلی ذات میں اپنے کو فنا کر دیا۔ پھر رب نے انہیں وجود حقانی بخش کر حیات حقیقی اور بقا بعد فنا عطا فرمائی کیونکہ وہ بڑا فضل و کرم والا ہے کہ اپنی طرف آنے والوں کی مدد فرماتا ہے۔ ان کا وجود خلق کے لئے رحمت ہے۔ مگر بہت سے جہلاء اس نعمت کا شکر نہیں کرتے کہ اولیاء اللہ کا انکار ہی کئے جاتے ہیں اور ان کو بے کار جانتے ہیں (از روح المعانی و ابن عربی) ہم گناہوں کے سمندر میں غوطے لگا رہے ہیں۔ جس کے کنارے پر حفاظت کے لئے انبیاء اور اولیاء تشریف فرما ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝٢٤٤ مَنْ

اور قتال کرو بیچ راستہ اللہ کے اور جانو کہ تحقیق اللہ سننے جاننے والا ہے۔ کون ہے وہ جو

اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ سنتا جانتا ہے۔ ہے کوئی جو قرض اللہ کو

ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ط

قرض دے اللہ کو قرضہ اچھا پس بڑھائے اسے واسطے اس کے حصے بہت اور

قرض حسن دے تو اللہ اس کے لئے بہت گنا بڑھا دے اور اللہ تنگی اور کشائش

وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝٢٤٥

اللہ سمیٹتا ہے اور پھیلاتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ؏

کرتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پھر جانا ؏

تعلق : اس آیت کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** : پچھلی آیت میں وبائی امراض سے نہ بھاگنے کی رغبت دی گئی اب جہاد فی سبیل اللہ سے نہ گھبرانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ موت سے بچنا بیکار ہے کہ وہ تو اپنے وقت پر آکر رہتی ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ لہٰذا جہاد فی سبیل اللہ سے گریز کرنا سخت غلطی کہ جب جان جانی ہی ہے تو بہتر ہے کہ رب کی راہ میں جائے۔ گویا پچھلی آیت حکم جہاد کی تمہید تھی اور اس آیت میں اس کی تصریح ہے اور چونکہ جہاد میں مال بھی خرچ کی جاتی ہے اور مال بھی اور جان خرچ کرنا بہت دشوار ہے لہٰذا اس آیت میں دونوں چیزوں کا ذکر کیا گیا۔ مشکل کا پہلے اور آسان یعنی سخاوت مال کا پیچھے۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل فرمانے والا ہے۔ اس کے فضل دو قسم کے ہیں بعض وہ جو ظاہر میں بھی مہر ہیں اور حقیقت میں بھی مہر اور بعض وہ جو بظاہر قہر میں در حقیقت مہر اس آیت میں دوسرے قسم کے فضل یعنی جہاد کا ذکر ہے۔ جو بظاہر قہر ہے حقیقت میں مہر۔ طبیب کا میٹھی دوا دینا بھی فضل ہے اور کڑوی دوائیں آپریشن بھی مہربانی ہیں۔

شان نزول : حضرت ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے ایک بار بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میرے دو باغ ہیں۔ اگر میں ان میں ایک صدقہ کر دوں تو کیا مجھے اس جیسا باغ جنت میں ملے گا۔ فرمایا ہاں تو عرض کیا کہ میرے ساتھ میری بیوی ام الدحداح بھی اس باغ میں ہوں گی۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا کہ کیا میرے بچے بھی میرے ساتھ ہوں گے فرمایا ہاں۔ پس آپ نے ان میں سے بہترین باغ کو جس کا نام حنینیہ تھا خیرات کر دیا ان کے بال بچے اسی باغ میں رہتے تھے۔ آپ اس باغ پر پہنچے اور دروازہ پر کھڑے ہو کر اپنی بیوی کو آواز دی کہ اے ام الدحداح یہاں سے نکل چلو میں نے یہ رب کے ہاتھ بیچ دیا۔ اب یہ باغ ہمارا نہ رہا۔ اس پاک بیوی نے کہا کہ مبارک ہو کہ تم نے بہترین گاہک کے ہاتھ بڑے ہی نفع کا سودا کیا۔ اس پر من ذاالذی سے ترجعون تک آیت نازل ہوئی۔ (کبیر اور منثور نے فرمایا کہ اس میں چھ سو درخت تھے دوسری روایت ابن منذر اور ابن ابی حاتم اور بیہقی وغیرہ نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب آیت کریمہ۔ کمثل حبۃ انبتت نازل ہوئی جس میں خبر دی گئی کہ

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کو صدقات کا بدلہ سات سو گنا یا اس سے زیادہ ملے گا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے میرے مولیٰ میری امت کو اور زائد دے تو یہ آیت نازل ہوئی جس میں بتایا گیا کہ بہت زیادہ ثواب ملے گا۔ پھر آپ نے دعا کی کہ مولیٰ میری امت کو اور زائد دے تو یہ آیت نازل ہوئی کہ انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب (در منثور) یہ دونوں شان نزول جمع ہو سکتے ہیں ان میں تعارض نہیں۔

تفسیر : **وقاتلوا فی سبیل اللہ** ظاہر یہ ہے کہ یہ نئی آیت ہے اور اس میں مسلمانوں سے ہی خطاب ہے اور فی سبیل اللہ سے اشاعت اسلام اور کلمۃ اللہ بلند کرنے کی نیت سے کفار سے لڑنا مراد ہے یعنی اے مسلمانو اللہ کی راہ میں کفار سے جہاد کرو۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیت پچھلی آیت پر معطوف معنوی ہے (معانی) اور مسلمانوں سے ہی خطاب یعنی اے مسلمانو ان طاعون سے بھاگنے والے یہودیوں کے قصہ میں غور کرو موت سے نہ گھبراؤ۔ اٹھو اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ قاتلو قتال سے بنا ہے قتل مار ڈالنے کو کہتے ہیں اور قتال ایک دوسرے سے جنگ کرنے کو جس میں لڑنا زخمی کرنا مقابلہ کی تدبیریں کرنا سب ہی داخل ہیں۔ قتل چند مقام میں ہو گا مرتد' قاتل' زانی محصن کو قتل کیا جاوے گا اور قتال کے بھی چند مقامات ہیں کفار سے قتال بشرطیکہ وہ حربی ہوں مرتدین کی جماعت سے قتال' باغیوں سے قتال' خارجیوں سے قتال ان کے علاوہ اور قتل بھی حرام ہیں اور قتال بھی حرام۔ قاتلوں میں چار تحقیقیں ہیں کون قتال کرے' کس سے قتال کرے' کب قتال کرے' کیوں قتال کرے۔ وہ مسلمان جو جہاد پر قادر ہوں وہ قتال و جہاد کریں۔ اندھے یا بے دست وپا یا جن کے پاس سامان جہاد نہ ہو ان پر جہاد فرض نہیں۔ صرف حربی کفار خوارج یا بغات سے قتال ہو گا مستامن ذمی کفار سے جہاد نہیں۔ جب کفار ہمارے دین میں رکاوٹ ڈالیں یا کفر کا زور ہو تو جہاد کیا جاوے۔ صرف اللہ کو راضی کرنے کے لئے جہاد ہو۔ ملک گیری یا قوم یا وطن کی خدمت کے لئے جنگ جہاد فی سبیل اللہ نہیں یہ تمام تفصیلیں حدیث شریف سے معلوم ہوئیں اگر حدیث کا انکار ہے تو ہر وقت ہر شخص سے لڑنا چاہئے اور بہن بھائی برادر سے لڑتے ہی رہنا چاہئے کیونکہ یہاں قاتلوا عام یا مطلق ہے۔ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہاں قاتلوا میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ مگر ان مسلمانوں سے جو قتال پر قادر ہوں۔ بعضوں نے کہا ہے کہ یہ انہیں اسرائیلیوں سے خطاب ہے جنہیں بعد موت زندہ کیا گیا وہ طاعون سے نہیں بلکہ جہاد سے بھاگے تھے۔ جس پر انہیں موت دے دی گئی اور پھر زندہ کر کے فرمایا گیا کہ جاؤ راہ مولیٰ میں جہاد کرو (کبیر) مگر تفسیر اول زیادہ صحیح ہے کہ ان دونوں تفسیروں میں بہت تکلف ہے اور اس سے پہلے کچھ عبارت بھی پوشیدہ ماننی پڑتی ہے۔ (روح البیان وغیرہ)۔ خیال رہے کہ راستہ یا سبیل وہ مسافت ہے۔ جس پر چل کر منزل مقصود تک پہنچا جاتا ہے اور سبیل اللہ وہ عقائد یا اعمال' ہیں جنہیں اختیار کر کے رضاء الٰہی حاصل کی جاتی ہے۔ اسلام کے کسی عقیدے' کسی دینی کام پر جب کفار کی طرف سے رکاوٹ پیدا کی جاوے تو اس آڑ کو پھاڑنے کے لئے ان سے لڑنا جہاد فی سبیل اللہ ہے جیسے رب کو راضی کرنے کے لئے خرچ کرنا انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ لہٰذا قربانی' اذان' نماز وغیرہ کسی دینی مسئلہ پر اگر رکاوٹ ہو اس کے لئے لڑنا جہاد فی سبیل اللہ۔ زمانہ نبوی اور خلافت فاروقی میں صرف کفار سے جہاد ہوئے۔ خلافت صدیقی میں مرتدین سے بھی جہاد کئے گئے۔ جیسے مانعین زکوٰۃ پر فوج کشی اور مسیلمہ کذاب کے ماننے والے مرتدین سے جہاد۔ زمانہ مرتضوی میں یا تو باغی جماعتوں سے جنگ ہوئی ہے یا خوارج سے مگر یہ تمام جنگیں قتال فی سبیل اللہ تھیں اگرچہ ان کی نوعیتیں مختلف تھیں **واعلموا ان اللہ سمیع علیم** یہاں علم سے عملی یقین مراد ہے۔ کیونکہ خدا کی صفات پر ہر مسلمان کا پہلے ہی سے عقیدہ ہے۔ سمیع کا مفعول

www.alahazratnetwork.org

گھبرانے والوں کی گھبراہٹ کی باتیں اور بہادروں کے ولولہ انگیز اشعار اور پرجوش تقریریں ہیں۔ علیم کا مفعول ان دونوں کی نیتیں اور غرضیں اور قلبی حالات ہیں یعنی یقین سے جان رکھو کہ اللہ بزدلوں کی ہمت ہاری باتیں بھی سنتا ہے اور بہادروں کی پرجوش تقریریں بھی اور جہاد میں جانیوالے دنیا پرست منافقوں کے نفاق کو بھی جانتا ہے اور مخلصین کے اخلاص کو بھی نیت کے مطابق پھل دے گا **من ذا الذی** من استفہامیہ مبتدا ہے اور ذا اسم اشارہ ہے اور مبتداء کی خبر۔ **الذی** ذا کی صفت ہے یا اس کا بدل اس طرح کلام فرمانے میں مسلمانوں کو راہ الٰہی میں خرچ کرنے کی رغبت دینا منظور ہے۔ **یقرض اللہ قرضا حسنا یقرض**، قرض سے بنا جس کے معنی ہیں کاٹنا۔ اسی لئے قینچی کو مقراض (کاٹنے کا ہتھیار) اور انتہائے مدت کو انقراض کہتے ہیں ادھار میں بھی اپنا مال نکال کر دوسرے کو دیا جاتا ہے یا بسا اوقات اس سے محبت ٹوٹ جاتی ہے لہٰذا قرض کہلاتا ہے کسی نے کہا ہے۔

قرض احباب کو دینے سے محبت ٹوٹے گانٹھ سے جائے رقم ہاتھ سے گاہک چھوٹے

رب فرماتا ہے کہ تقرضہم ذات الشمال۔ اصطلاح عرب میں ہر وہ کام قرض کہلاتا ہے جو بدلہ کی نیت سے کیا جائے لہٰذا اس کے معنی موقعہ کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ امیہ کہتا ہے۔

کل امرءٍ سوف یجزی قرضہ حسنا او سیئا و مدینا مثل ما دانا !!!!

یہاں اس قرض سے یا تو ہر نیکی مراد ہے جو ثواب کی نیت سے کی جائے لہٰذا نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ سب اس میں داخل ہیں یا صدقات نفلیہ یا واجبہ یا قرض حسن سے مراد وہ مالی اخراجات ہیں جو رب کو راضی کرنے کیلئے کئے جاویں۔ جہاد میں خرچ ہوں۔ بچوں کا نان نفقہ اگر رضاء الٰہی کے لئے ہو تو۔ غنلہ تعالیٰ قرض حسن ہے چونکہ اس کا ثواب ملنا ایسا یقینی ہے جیسے مقروض بادشاہ سے قرض کا وصول ہونا لہٰذا اسے قرض سے تعبیر کیا اس سے ادھار مراد نہیں۔ کیونکہ ادھار تو محتاج لیتے ہیں اور رب محتاجی سے پاک (کبیر) قرضا یا تو مصدر ہے اور یقرض کا مفعول مطلق یا بمعنی اسم مفعول ہے اور اس کا مفعول بہ حسنا قرض کی صفت ہے اگر قرض سے قرض دینا مراد ہے تو حسنا سے اخلاص خوش دلی وغیرہ مراد ہوگی اور اگر اس سے قرضہ مراد ہے تو حسن سے طیب اور حلال مال مراد ہیں یعنی کیا کوئی ایسی شان والا ہے جو اللہ کو اچھی طرح قرض دے یا اچھا قرض دے۔

نکتہ : قرض اور دین میں فرق یہ ہے کہ تجارتی ادھار کو دین اور دست گرداں ادھار کو قرض کہتے ہیں کوئی چیز ادھار خریدی تو اس کی قیمت دین کہلائے گی اور اگر کچھ رقم ادھار لی تو یہ قرض ہے نیز دین کی میعاد مقرر ہوتی ہے قرض کی نہیں کہ تاجر وقت مقرر سے پہلے ادھار قیمت کا مطالبہ نہیں کرسکتا مگر قرض خواہ میعاد مقرر سے پہلے بھی جب چاہے قرض لے لے یہاں قرض فرمانے میں یہ اشارہ ہے کہ اس کا معاوضہ قیامت پر ہی موقوف نہیں دنیا میں بھی ملے گا قبر میں بھی اور آخرت میں بھی نیز یہ دین نہیں ہے قرض حسن ہے۔ جس سے ہماری محبت کرم اور بھی زیادہ ہو گا نیز اسے قرض فرمایا امانت نہ کہا کیونکہ امانت کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے اگر امین کے پاس سے امانت جاتی رہے تو تاوان نہیں لہٰذا فرماتا ہے کہ یہ ہمارے ذمہ قرض ہے۔ ہر حال تمہیں ملے گا نیز یہ قرض وہ نہیں جس کا سود حرام ہے بلکہ **فیضعفہ لہ اضعافا کثیرۃ** ف من استفہامیہ کا جواب ہے اسی لئے اس کے بعد ان پوشیدہ ہے۔ جس نے یضعف کو فتح دیا یضعف ضعف سے بنا کسی چیز کا وہ حصہ جو مل کر دو گنا کر دے ضعف کہلاتا ہے تضعیف مضاعف اور اضعاف ان سب کے معنی ایک ہی ہیں۔ خیال رہے کہ ضعف ض کے کسرہ سے دگنا

www.alahazratnetwork.org

کرنے والا ہے اور ضعف ض کے پیش اور زبر سے بمعنی کمزوری۔ یضاعف کا فاعل اللہ ہے۔ اس کی ضمیر قرض کی طرف لوٹ رہی ہے۔ لہ کا مرجع قرض دینے والا بندہ۔ اضعاف ضعف کی جمع تکثیر فرما کر یہ بتایا کہ اس قدر بڑھایا جاوے گا جس کا حساب رب ہی جانے۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ ایک ضعف سات سو گنا ہوگا اور رب جانے کہ ایسے کتنے ضعف عطا ہوں گے۔ سیدنا ابو عثمان نہدی فرماتے ہیں کہ مجھے خبر ملی کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بندہ مومن کو ایک نیکی کے عوض دس لاکھ نیکیاں ملیں گی میں نے حج کے موسم میں ان سے پوچھا کہ کیا آپ نے یہ فرمایا ہے انہوں نے فرمایا نہیں میں نے بیس لاکھ کہی تھیں۔ کہ اور یہی آیت پڑھی اور فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اضعافاً کثیرۃ [illegible] بیس لاکھ عطا ہوں گے (روح المعانی) یعنی کون ہے جو اللہ کو قرض حسن دے تاکہ اللہ اسے بے شمار زیادتیاں عطا فرمائے **واللہ یقبض ویبصط** یقبض قبض سے بنا بمعنی سمیٹنا تنگی کرنا لینا اسی سے قبضہ ہے۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ یبصط بصط سے بنا ہے دراصل بسط تھا۔ س ص سے بدل گیا بعض قراءت میں یبسط س سے ہی ہے۔ یہ قبض کا مقابل ہے بمعنی پھیلانا وسعت کرنا عطا فرمانا یعنی اللہ کسی سے لیتا ہے کسی کو دیتا ہے تم سے قرض لے کر تمہارے [illegible] کو عطا فرمائے گا یا اللہ کبھی لیتا ہے، کبھی دیتا ہے یا اللہ کبھی روزی تنگ فرماتا ہے کبھی فراخ جو کوئی فراخی کا زمانہ پائے تو اسے غنیمت جان کر صدقہ و خیرات خوب کرے۔ کہ کوئی حالت سے فقیر نہیں ہو جاتا [illegible] اللہ ہی ہے لہٰذا اس کی راہ میں مال خرچ کرو تاکہ وہ تم پر نعمتوں کی بارش فرمائے مال ہی کی کیا خصوصیت ہے۔ قبض بسط ہر چیز میں ہے یہاں تک کہ **والیہ ترجعون** تم بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ رب تمہیں بھی خوب پھیلا کر بڑھا کر ترقی دے کر تم پر قبضہ کر لیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جب کہ موت واقعہ سے تمہیں پتہ لگ گیا کہ فرار سے زندگی نہیں ملتی اور اقرار سے کوئی مرتا نہیں اور کوئی تدبیر موت کو ٹال نہیں سکتی تو تمہیں چاہیے کہ [illegible] اللہ کی راہ میں خلوص کے ساتھ لڑائی [illegible] سے سب کچھ ہیں کہ [illegible] اور [illegible] سنتا ہے [illegible] جانتا ہے [illegible] لوگوں کو جہاد پر دلیر کرو۔ بہادرانہ اشعار پڑھو اور دلوں میں اخلاص پیدا کرو کیا کوئی ایسا بھی ہے جو اللہ کو حلال مال سے قرض دے یعنی اس کی راہ میں خرچ کرے۔ جس کا عوض قرض کی طرح یقیناً ملنے والا ہے تاکہ اللہ اس کے لئے اس کا عوض بڑھا کر بڑھاوے جو اس کے حساب سے بھی باہر ہو۔ کیونکہ دینے سے اس کے خزانے نہیں گھٹتے اور اللہ تعالیٰ ہی تنگی فرماتا ہے اور وہی وسعت دیتا ہے جب یہ ہے تو صدقہ و خیرات سے تمہیں تنگی نہ آئے گی اور بخل سے تمہارا مال نہ بچ جائے گا تم بھی [illegible] اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ لہٰذا جانے سے پہلے اصلی وطن کو اپنا اسباب بھیج دو اور فنا والی چیزوں میں اپنا کمایا ہوا مال جمع کرو تاکہ وہاں مع نفع کے پاؤ۔ خیال رہے قرض بعض تو حسن ہیں اور بعض خبیث۔ قرض خبیث بندوں کے لئے تو یہ ہے کہ کسی کو قرض دینے والا سود لینے کی نیت سے قرض دے لے اور لینے والا اصل قرض ادا کرنے کی نیت نہ کرے۔ یہ قرض دوستی محبت بلکہ رشتہ داری کے لئے مقراض یعنی قینچی ہے اور قرض حسنہ یہ ہے کہ قرض دینے والا صرف رب کی رضا کے لئے اور مسلمان بھائی کا کام نکالنے کی نیت سے قرض دے اور یہ کہ اگر وہ نہ دے سکے تو معاف ہے اور لینے والا ادا کرنے کی نیت سے قرض لے یہ قرض پچھلی عداوتوں کو ختم کرنے کے لئے [illegible] بعد بھی [illegible] رہتا ہے اور رب کی بارگاہ میں قرض خبیث یہ ہے کہ حرام مال سے خیرات کرے یا خیرات کو بوجھ سمجھ کر یا صرف ردی اور خراب مال کی خیرات

www.alahazratnetwork.org

کیا کرے اور قرض حسن یہ ہے کہ حلال مال ' خوشدلی سے اچھے مقام پر خرچ کرے جس قدر مصرف اعلیٰ اسی قدر برکت زیادہ جس قدر زمین بہتر اسی قدر پیداوار زیادہ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم احکام الٰہی اپنی رائے سے بدلتے نہیں۔ ہاں دعا کر کے رب سے بدلوا دیتے ہیں جیسا کہ اس آیت کے دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا کہ پہلے ایک نیکی کا بدلہ دس گنا مقرر ہوا۔ پھر سات سو پھر حضور کی دعا پر بہت زیادہ پھر آپ ہی کے عرض کرنے پر بغیر حساب۔ دوسرا فائدہ: غنی شاکر سے فقیر صابر افضل ہے دیکھو رب نے فقراء کے لئے اغنیاء سے قرض طلب فرمایا۔

لطیفہ : ایک بار اغنیاء نے فقراء سے کہا کہ ہم خدا کے بڑے پیارے ہیں کہ اس نے ہم سے قرض طلب فرمایا فقراء نے کہا کہ نہیں بلکہ ہم اس کے محبوب قرض غیروں سے بھی لے لیا جاتا ہے مگر اپنوں کے لئے نہ کہ غیروں کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفات پائی تو آپ پر ایک یہودی کے کچھ جو قرض تھے جو آپ نے اپنے اہل وعیال کے لئے لئے تھے۔ غور کرلو کہ کس سے لئے اور کس کے لئے۔ (روح البیان)۔ تیسرا فائدہ: قرض حسن کا بدلہ ملے گا نہ کہ خبیث کا قرض حسنہ میں چند شرطیں ہیں۔ (1) دینے والے میں اخلاص ہو۔ (2) خوش دلی سے ادا کرے۔ (3) مال حلال خرچ کرے۔ (4) اس کے بدلے میں جلدی نہ کرے اردو میں قرض حسن وہ کہلاتا ہے جس کا مقروض پر تقاضہ نہ ہو۔ اگر دیدے فبہا ورنہ معاف کبھی خیرات کو بھی قرض حسنہ کہہ دیتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: مالداری چلتا پھرتا سایہ ہے نہ اپنی کوشش سے حاصل ہو۔ نہ خیرات سے جاتی رہے بلکہ خیرات تو اس کی بیخ ہے جیسا کہ یقبض اور یبصط سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : خدا نے سارے جہان کو بنایا اسے قرض مانگنے کی کیا ضرورت کیا خدا کو خسارہ پڑ گیا تھا کہ قرض کی نوبت پہنچی (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: یہ اعتراض نہیں بلکہ دیوانہ کی بڑ ہے۔ پنڈت جی قرض کی بہت سے نوعیتیں ہیں۔ حکومتیں اپنے ملازمین کی تنخواہ کا کچھ حصہ بطور فنڈ جمع کرتی رہتی ہیں جو ریٹائرڈ ہونے پر مع سود دیا جاتا ہے۔ بینک پبلک کا روپیہ لے کر مع سود واپس دیتے ہیں بیمہ کمپنی روپیہ لے کر بوقت ضرورت مع نفع کے واپس دیتی ہے۔ ان سب قرضوں سے محتاجوں کو نفع پہنچانا اور پبلک کو اپنی طرف راغب کرنا منظور ہوتا ہے۔ حکومت یا بینک ان کے پیسے کے محتاج نہیں بہت دفعہ دیکھا گیا ہے کہ غریب مسافر محتاج طلباء کے لئے کوئی مالدار دوکاندار سے کہہ دیتا ہے کہ تم اسے ہمیشہ کھانا کھلاتے رہو۔ اس کی قیمت مجھ پر قرض ہے یعنی کھلا فقیر کو قیمت مجھ پر قرض اسی طرح رب فرماتا ہے کہ اپنے مال سے فقیروں کو دو اس کا بدلہ مجھ پر قرض ہے یہ حقیقت میں کرم کا اظہار ہے اولاد کی شادی بیاہ میں خویش ' اقرباء نیوتہ بلکہ کمیوں کو انعام دے جاتے ہیں یہ گھر والے پر قرض ہوتا ہے جسے وہ دوسرے موقعہ پر زیادتی کے ساتھ ادا کرتا ہے ان سب صورتوں میں قرض لینے والا محتاج نہیں یہ نہ غور کیا کہ رب خود کیا لیتا ہے ہم سے ہمارے ہی بھائی برادروں کو دلوا کر فرماتا ہے کہ یہ ہم پر قرض کی طرح واجب الادا ہے۔ اس قرض کو محتاجی کی دلیل بنانا پنڈت جی جیسے عقلمندوں کا کام ہے نیز عربی میں بلکہ اردو میں بھی ہر واجب الادا چیز کو قرض یا ادھار کہہ دیتے ہیں۔ جس سے نہ محتاجی ظاہر ہوتی ہے اور نہ روپے کا لین دین۔ دنیا کمائی کرنے کی جگہ ہے اور آخرت نفع حاصل کرنے کی پردیسی مسافر کے لئے ایسے بینک کی ضرورت ہے جس سے اس کا پیسہ بخیریت وطن پہنچ جائے اور اس پر سلطانی ہاتھ بھی ہو کہ ضائع نہ ہو۔ مسجدیں '

www.alahazratnetwork.org

مدرسے مجاہد کے میدان بلکہ کار خیر کے مصرف رب کے شاہی بینک ہیں۔ جن کی شرح سود مختلف ہے اصل رقم ضائع ہونے کا اندیشہ ہی نہیں۔ دوسرا اعتراض: اتنی نیکیوں کا بندہ کیا کرے گا جب اس کا بدلہ بیس لاکھ ملا اور اس نے لاکھوں نیکیاں کیں تو اسکا اجر شمار سے باہر ہوا کہاں رکھے گا۔ (نیچری) جواب: یہ سوچو کہ اس کے پاس حساب کے بعد بچے گا کیا جیسے بے شمار نیکیاں ملتی ہیں۔ ایسے ہی بیشمار بندہ ظلم و گناہ بھی کر لیتا ہے اور قیامت میں تمام حقوق کے عوض حقداروں کو ظالم کی نیکیاں ہی دی جائینگی یہاں تک کہ تین پیسہ قرض کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں جماعت والی قرض خواہ کو دلوائی جائینگی (شامی کتاب الصلوٰۃ) اب حساب لگالو کہ غیبت، قتل، ظلم، مار پیٹ کے عوض کتنی نیکیاں چھن جائیں گی اگر یہ زیادتی نہ ہو تو ٹوٹل کیسے پورا ہو غنیمت جانو کہ اصل نیکیاں ہی بچ جائیں نیکیوں کی ہری کھیتی پر صدہا آفتیں آتی رہتی ہیں۔ نہ معلوم کٹائی کے وقت کیا بچے۔

مسئلہ: حقوق العباد میں اصل نیکی نہ دی جائے گی بلکہ فضل کی زیادتی (روح البیان) اور روزہ کی نہ اصل دی جائے اور نہ زیادتی۔ تیسرا اعتراض: تمہاری نقل کردہ حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک نیکی کا ثواب بیس لاکھ ہے اور دوسری روایت میں آتا ہے کہ مکہ معظمہ کی ایک نیکی ایک لاکھ اور مدینہ منورہ کی پچاس ہزار تو کیا ثواب میں یہاں کی نیکیاں وہاں سے بڑھ گئیں۔

جواب: وہاں کی ہی ایک لاکھ ہے جن میں سے ہر ایک کا ثواب بیس لاکھ ہم حساب بھی نہیں کر سکتے۔ چوتھا اعتراض: جب سود حرام ہے تو رب نے کیوں دیا۔ جواب: بندوں کے لئے حرام ہے کیونکہ اس سے مقروض تباہ ہو جاتا ہے۔ رب کے خزانے بھی خالی نہیں ہوتے وہ دے تو کیا مضائقہ ہے۔ نیز مالک اور غلام میں سود جائز لہٰذا رب بھی بندہ کو دے تو کیا حرج ہے۔ یہ لینا تو برائے نام ہے ورنہ جو لیا وہ اس کا اور جو دیا وہ بھی اس کا خود اس نے اپنا ہی مال لیا اپنا ہی دیا۔

تفسیر صوفیانہ: اے راہ طلب کے مجاہدو! اللہ کا راستہ طے کرتے ہوئے نفس اور شیطان سے جنگ کرو جو راہزنی کے لئے راستہ پر ہیں اور جان رکھو کہ اس حملہ کے وقت جو کچھ تمہارے دل میں خطرات آئیں گے یا جو کچھ تم کہو گے ہمیں سب کی خبر ہے لہٰذا اپنے ظاہر و باطن درست رکھو مسافر خطرناک راستہ کسی طاقتور کے سایہ میں طے کرتے ہیں اور خود بھی ہتھیار بند و چوکنے رہتے ہیں تاکہ چور، ڈاکو، رہزن ڈکیتی نہ کر لیں تم بھی راہ خدا طے کر رہے ہو نفس و شیطان کا خطرہ لگا ہوا ہے نبی و اولیاء کے زیر سایہ راستہ طے کرو اور ایمان و نماز کے ہتھیار روزے کی ڈھال زکوٰۃ و صدقات کے تیر و تفنگ سے لیس رہو ان ہتھیاروں کے ذریعہ ان چوروں ڈاکوؤں سے جنگ کرتے ہوئے یہ رستہ طے کرو۔ مال تو بہت لوگ خرچ کرتے ہیں کیا کوئی ایسا بھی ہے جو رب کو قرض حسن یعنی جان کی قربانی دے تو رب تعالیٰ اسے تجلیات انوار اور صفات جلال و جمال کے بے شمار حصے عطا فرمائے۔ رب تعالیٰ موحدین کی ارواح قبض فرماتا اور عارفین کے اسرار وسیع کرتا ہے نیز وہ مریدین کے لئے قبض اور مرادین کے لئے بسط یا مشتاقین کے لئے قبض اور عارفین کے لئے بسط فرماتا ہے یا کبھی بندہ پر خوف طاری کر کے قبض اور امید دلا کر بسط فرماتا ہے۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ رب قابض بھی ہے اور باسط بھی کہ موت کے وقت تو قبض روح اور زندگی دے کر بسط روح فرماتا ہے نیز اغنیاء سے لیتا ہے فقراء کو دیتا ہے نیز کبھی دلوں کو قبض فرماتا ہے تاکہ اس کی ہیبت کا تصور رہے۔ اور کبھی بسط فرماتا ہے کہ اس کے کرم پر سب کی نظر رہے یا کبھی اپنے عذاب سے ڈرا کر دلوں کو تنگ کرتا ہے اور کبھی اپنی نعمتیں بتا کر بسط (روح البیان)۔

خیال رہے کہ قبض و بسط یعنی تنگی اور کشادگی ہر طبقہ کو ہوتی ہے۔ دنیادار، دیندار، علماء، فضلاء، واعظین، عابدین، عاملین بلکہ صحابہ کرام اور اولیاء و صوفیاء بلکہ انبیاء کرام پر بھی یہ حالات طاری ہوتے ہیں۔ ایک بار صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ

www.alahazratnetwork.org

گھر میں پہنچ کر ہمارے دلوں کا وہ حال نہیں رہتا جو مجلس پاک میں ہوتا ہے وہاں بیوی بچوں میں مشغول ہو جاتے ہیں فرمایا جو تمہارا حال ہماری مجلس میں ہوتا ہے اگر وہی رہتا تو تم سے ملائکہ مصافحہ کرتے یہ ہے قبض و بسط شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں۔

گہے با حفصہ و زینب پرداختے　　　گہے با جبرائیل و میکائیل نہ ساختے

کبھی ازواج مطہرات کے ساتھ مشغول رہتے اور کبھی جبرائیل و میکائیل بھی ان سے کلام کرنے کی جرأت نہ کرتے وہ قبض تھا اور یہ بسط۔ یعقوب علیہ السلام نے چاہ کنعان سے اپنے فرزند کی طرف توجہ نہ فرمائی یہ ہوا قبض اور ایک دن مصر سے پیراہن یوسف کی خوشبو محسوس فرمائی یہ ہوا بسط۔ کسی نے ان سے دریافت کیا۔

زمصرش بوئے پیراہن شنیدی　　　چرا در چاہ کنعانش نہ دیدی!

تو جواب دیا۔

بگفت احوال ما برق جہان است　　　دمے پیدا و دیگر دم نہاں است

اگر درویش برحالے بماندے　　　دو دست از ہر دو عالم برفشاندے

ایک ہی شخص کبھی عالم متبحر ہو جاتا ہے یہ ہوا بسط اور پھر وہ ہی کبھی ایک مسئلہ بھی نہیں جانتا یہ ہوا قبض کبھی واعظ مجلس کو تڑپا رہا ہے یہ ہے بسط۔ کبھی خطبہ وعظ بھی صحیح نہیں پڑھتا یہ ہوا قبض۔ کبھی بادشاہ ممالک فتح کرتا ہے یہ ہے بسط کبھی اپنا گھر بھی چھن جاتا ہے یہ ہے قبض۔ پاک ہے وہ جسے قبض و بسط نہیں رب کا کرم تو دیکھو کہ خود ہر چیز کا مالک' **لہ ما فی السموت وما فی الارض** اور پھر خود ہی مسلمانوں کی جان و مال کا خریدار **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم** پھر خرید کر لوٹا دیتا۔ سب کچھ دے کر خود ہی ان سے قرض طلب فرمایا **من ذا الذی یقرض اللہ** اور پھر اس پر بہت سود کا وعدہ کیا اضعافا کثیرۃ دینے والا تو بڑا کریم ہے لینے والے میں ہمت چاہئے کوئی اس سے جنت مانگتا ہے کوئی حور و قصور مگر عاشق جانباز خود اس کی ذات کا طالب صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ فقراء اغنیاء کی زینت' میں اور قبض' بسط کا آئینہ اگر فقراء نہ ہوں تو اغنیاء کی آب و تاب جاتی رہے اور بغیر قبض کے بسط کا بازار سرد ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

روئے خوباں ز آئنہ زیبا شود　　　روئے احسان از گدا پیدا شود

چوں گدا آئینہ جو دست ہاں　　　دم بود بر روئے آئینہ زیاں

پس ازیں فرمود حق در والضحیٰ　　　بانگ کم زن اے محمد بر گدا

صرف گدا ہی کریم کا عاشق نہیں بلکہ کریم بھی گدا کا چاہنے والا ہے کیونکہ فقراء سے کریم کے بازار کی رونق ہے (از روح البیان و ابن عربی) بعض عشاق کہتے ہیں کہ گناہ گاروں سے شفاعت کے بازار کی رونق ہے اور سیہ کاروں سے بخشش کی دوکان کی زینت معصوم فرشتے کروڑوں سال سے مشغول عبادت تھے پھر محبوب کے بازار حسن میں رونق گناہ گار انسان کی پیدائش سے ہی آئی جب فرشتوں نے عرض کیا کہ مولیٰ اس فسادی خونریز کو کیوں پیدا کرتا ہے ہم تو تیری تسبیح و تقدیس کے لئے حاضر ہیں تو فرمایا **انی اعلم ما لا تعلمون** تم اس راز کو نہیں جانتے۔ اس گنہگار کی پیدائش پر میری صفات کا ظہور موقوف ہے اور اس ہی کے دم قدم سے بازار عالم کی رونق وابستہ ہے وہ جو حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ اگر تم گناہ کرنا چھوڑ دو تو رب تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا فرمادے جو گناہ کرے اس کا مقصد بھی یہ ہی ہے نیک اعمال کی توفیق بسط ہے اور ہمارا گناہوں کی طرف میلان قبض'

www.alahazratnetwork.org

واللہ یقبض و یبسط خیال رہے کہ حالتِ جہل اور قبض میں فرق نہیں کرتے انبیاء کرام اگر کسی وقت کسی چیز کو نہ جانیں یا نہ پہچانیں تو اس کی وجہ بے علمی نہیں بلکہ یہ ہی قبض ہے ایک دفعہ سرکار کو غسل فرمانا یاد نہ رہا مصلی پر تشریف لے آئے پھر یاد آیا تو غسل فرمایا پھر نماز پڑھائی یہ ہوا قبض پھر وہی محبوب فرماتے ہیں کہ لوگو نمازیں درست پڑھا کرو واللہ مجھ پر تمہارے رکوع سجود بلکہ حضور سے خشوع و خضوع تک پوشیدہ نہیں یہ ہے بسط

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ

کیا نہ دیکھا تم نے طرف گروہ بنی اسرائیل کے پیچھے سے موسیٰ کے جبکہ کہا انہوں نے واسطے نبی اپنے

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا بنی اسرائیل کے ایک گروہ کو جو موسیٰ کے بعد ہوا جب اپنے ایک پیغمبر سے

ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ

مقرر کر دو واسطے ہمارے بادشاہ جہاد کریں ہم بیچ راستے اللہ کے فرمایا کیا قریب ہو تم کہ اگر فرض کیا

ہمارے لیے کھڑا کر دو ایک بادشاہ کہ ہم خدا کی راہ میں لڑیں نبی نے فرمایا کیا تمہارے انداز ایسے ہیں کہ تم پر

الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا

جاوے اوپر تمہارے جہاد یہ کہ نہ جہاد کرو تو وہ بولے اور کیا ہے واسطے ہمارے یہ کہ نہ جہاد کریں ہم راستے

جہاد فرض کیا جائے تو پھر نہ کرو بولے ہمیں کیا ہوا کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں حالانکہ ہم نکالے گئے ہیں

مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ

اللہ کے حالانکہ بے شک نکالے گئے ہم گھروں سے اپنے اور بچوں سے اپنے پس جب فرض کیا گیا اوپر ان کے

اپنے وطن اور اپنی اولاد سے تو پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا منہ پھیر گئے ان میں سے مگر تھوڑے

وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ۝

جہاد تو پھر گئے وہ سوا تھوڑوں کے ان میں سے اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کا ۝

اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو ۝

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد اور صدقہ کا حکم ہوا۔ اب ان بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جنہوں نے وعدہ جہاد کر کے پورا نہ کیا اور عتاب الٰہی میں آ گئے تاکہ مسلمان اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور ہمیشہ اطاعت الٰہی میں مشغول رہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قتل فی سبیل اللہ کا اجمالی حکم

www.alahazratnetwork.org

تھا جس میں کوئی شرط نہ لگائی گئی تھی اب بنی اسرائیل کا ایک واقعہ سنا کر شرائط جہاد کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے لئے بادشاہ لشکر اور اطاعت پیغمبر ضروری ہے جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو گا۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کا حکم تھا اب اس کی شرح فرمائی جا رہی ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ وہ ہے۔ جس میں دنیوی انتقام کی نیت' ملک گیری کی ہوس نہ ہو محض کلمتہ اللہ بلند کرنے کے لئے کیا جائے ورنہ کامیابی نہ ہو گی دیکھو ان بنی اسرائیلیوں نے جوش انتقام میں کفار سے جنگ کرنا چاہی مگر نہ کر سکے۔ محض مخلصین نے یہ کام انجام دیا۔

تفسیر : **الم تر الی الملا من بنی اسرائیل** یہ استفہام بھی انکاری ہے اور الی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ روایت بھی بمعنی نظر ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ ملاء کے معنی ہیں بھرنا۔ **ملء الارض ذھبا** اصطلاح میں اس متفق جماعت کو ملاء کہتے ہیں۔ جن کی ہیبت سے آنکھیں بھر جائیں اور رونق سے مجلس یہ بھی قوم کی طرح جمع ہے اس کا واحد کوئی نہیں۔ فرق یہ ہے کہ قوم ہر جماعت کو کہہ دیتے ہیں اور ملاء بڑوں کی متفق جماعت کو جیسے اہل اور آل قریبا" ہم معنی ہیں یعنی والا' مگر اہل کی نسبت تو شاندار و غیر شاندار سب کی طرف ہو سکتی ہے کہا جاتا ہے اہل خانہ اور زید کے اہل و عیال مگر آل کی نسبت صرف شاندار انسانوں ہی کی طرف ہو گی خواہ دنیاوی شاندار ہو جیسے آل فرعون یا دینی شاندار جیسے آل رسول اللہ آل بیت آل زید نہیں کہا جاتا کہ بیت شاندار نہیں اور زید شاندار نہیں چونکہ حضرت شموئیل علیہ السلام کی خدمت میں بنی اسرائیل کے نمبردار چودہری اور رو چوٹی کے لوگ یہ درخواست لے گئے تھے جو ساری قوم کے نمائندے تھے اس لئے یہاں الی الملاء من بنی اسرائیل فرمایا۔ الی قوم یا الی جماعۃ من بنی اسرائیل نہ فرمایا۔ من بنی اسرائیل میں من تبعیضیہ ہے اور پوشیدہ لفظ کے متعلق ہو کر ملاء کا حال یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بنی اسرائیل کی اس جماعت کو نہ دیکھا **من بعد موسی** یہ من ابتدائیہ ہے اور اس کے متعلق ہے۔ جس کے متعلق پہلا من تھا اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام سے کئی سو برس بعد ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام سے گیارہ سو برس پہلے۔ لفظ موسیٰ سے پہلے وفات پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد **اذ قالوا لنبی لھم** بعض علماء کرام نے فرمایا کہ وہ نبی حضرت یوشع بن نون ابن افرائیم ابن یوسف علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ ہی خلیفہ ہوئے۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شمعون علیہ السلام' جو لاوی ابن یعقوب کی اولاد سے تھے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ پیغمبر حضرت شموئیل علیہ السلام ہیں جو حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ چونکہ اس زمانہ میں بادشاہ کا انتخاب کثرت رائے سے نہ ہوتا تھا بلکہ وحی کے ذریعہ نبی کی معرفت اس لئے ان نمائندوں نے جو ساری قوم کی طرف سے حاضر ہوئے تھے کسی کا نام پیش نہ کیا کہ فلاں شخص کو قوم چاہتی ہے اسے ہمارا بادشاہ بنا دیجئے۔ بلکہ اس وقت کے نبی کی خدمت میں عرض کیا کہ **ابعث لنا ملکا** ابعث بعث سے بنا جس کے معنی ہیں اٹھانا' سامنے لانا' بھیجنا اور کسی کو کسی کام پر مقرر کرنا قرآن شریف میں ہر معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں آخری معنی میں ہے لنا میں لام یا نفع کا ہے یا بمعنی علی یعنی ہمارے نفع یا انتظام کے لئے یا ہم پر مقرر کیجئے۔ ملک اور مالک ملک یا ملکیتہ سے بنا۔ مگر ملک وہ ہے جو لوگوں پر سیاسی احکام جاری کرنے میں خود مختار ہو اور مالک ہر ملکیت والا کہلاتا ہے۔ اس لئے ملک الناس کہا جاتا ہے نہ کہ ملک الاشیاء لیکن ملک یعنی بادشاہ کا تصرف مالک سے کم ہے۔ ہم ملک' مالک کے بہت سے فرق مالک یوم الدین کی تفسیر میں عرض کر چکے یعنی اے نبی ہمارے لئے کوئی بادشاہ مقرر کر دو تاکہ **نقاتل فی سبیل اللہ** یہ ابعث کا جواب ہے اسی لئے ساکن ہے۔ یعنی تاکہ ہم اللہ کی راہ میں کفار سے جنگ کریں **قال ھل عسیتم ان**

www.alahazratnetwork.org

كتب عليكم القتال الا تقاتلوا عسیتم فعل مقاربہ ہے خواہش اور امید طمع اور خطرہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں خطرہ کے لئے ہے ھل یا تو بمعنی استفہام ہے یا بمعنی قد الا تقاتلوا عسیتم کی خبر ہے کہ جس کے درمیان شرط حائل ہو گئی۔ اصل عبارت یوں تھی کہ ان **كتب عليكم القتال هل عسيتم الا تقاتلوا** یعنی اگر تم پر جہاد فرض ہو گیا تو خطرہ یہ ہے کہ تم نہ کرو جیساکہ تمھاری گزشتہ نافرمانیاں اور موجودہ اختلاف سے ظاہر ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ بذریعہ وحی معلوم ہوا ہو۔ **قالو وما لنا ان لا نقاتل في سبيل الله** یہ قوم کا جواب ہے ما استفہامیہ ہے بمعنی ای اور الا سے پہلے فی یا الی پوشیدہ ہے ما مبتدا ہے اور الذین اس کی خبر یعنی ایسی کون سی وجہ ہے کہ ہم راہ الٰہی میں جہاد نہ کریں **وقد اخرجنا من ديارنا وابنائنا** واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ نقاتل کے فاعل سے حال۔ ابناء سے مراد ساری اولاد ہے نہ کہ صرف لڑکے۔ مگر چونکہ لڑکے زیادہ پیارے ہوتے ہیں اور انہیں کا فراق ماں باپ کو بہت تکلیف دیتا ہے لہٰذا انہیں کا ذکر بھی کیا گیا یعنی ہم کیوں نہ جنگ کریں ہم تو ان کفار کے ہاتھوں اپنے وطن اور اولاد سے نکال دیئے گئے کہ انہوں نے ہمیں جلاوطن کیا اور ہمارے بچوں کو گرفتار **فلما كتب عليهم القتال تولوا** یہاں بہت سے واقعہ کو چھوڑ دیا گیا۔ تولوا تولی سے بنا بمعنی منہ پھیر یا پیٹھ دکھانا یعنی جب قول و قرار کے بعد ان پر بادشاہ بھی مقرر ہوا۔ اور جہاد بھی فرض ہوا اور یہ اس کے ساتھ چل بھی دیئے تو اپنی بعض نافرمانیوں کی وجہ سے بزدل ہو کر جہاد سے منہ پھیر گئے جس کی پوری تفصیل اگلی آیت میں آ رہی ہے **الا قليلا منهم** یہ تولوا کے فاعل سے استثنا ہے اور یہ تھوڑے وہی ہیں جو طالوت کے ساتھ نہر کو پار کر گئے یہ اصحاب بدر کی طرح 313 تھے **والله عليم بالظلمين** ظالمین سے یا تو یہی جہاد سے بھاگنے والے مراد ہیں یا سارے گنہ گار یعنی اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے بنی اسرائیل کی وہ جماعت نہ دیکھی جو موسیٰ علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد پیدا ہوئی جب کہ انہوں نے اپنے زمانہ کے پیغمبر سے عرض کیا کہ ہمارے واسطے آپ کوئی بادشاہ مقرر کر دیں جس کے سایہ میں ہم اللہ کی راہ میں کفار سے لڑیں پیغمبر نے فرمایا کہ اگر تم پر جہاد فرض کر دیا گیا تو اندیشہ یہ ہے کہ اس وقت تم جہاد نہ کرو خوب سوچ سمجھ کر منہ سے بات نکالو وہ سب بولے کہ اب جہاد نہ کرنے کی وجہ کیا ہے۔ کس ظلم کا انتظار ہے ہم پر تو انتہائی مظالم ہو چکے اپنے وطن سے ہم نکالے گئے اپنی اولاد سے ہم چھوٹے کہ کافر بادشاہ نے ہمیں جلاوطن کیا رہی ہماری اولاد ان میں سے کچھ کو قید کیا اور کچھ کو نکال دیا۔ انہوں نے وعدے وعید تو اتنے کئے مگر جب ان پر جہاد فرض ہوا تو بجز چند لوگوں کے سارے ہی منہ پھیر گئے اللہ وعدہ خلافوں' بزدلوں' سارے ظالموں کو خوب جانتا ہے سب کو مناسب سزا دیگا۔ یوں تو وعدہ خلافی ہر حال بری ہے مگر جو نبی سے اور نبی کی معرفت اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا جاوے اس کے خلاف کرنا تو بڑا ہی ظلم ہے۔ ان اسرائیلیوں نے اس موقعہ پر رب سے کئے ہوئے وعدے توڑے یہ بڑے ظالم ہیں ہم ظالموں کو خوب جانتے ہیں۔

اصل واقعہ : موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع علیہ السلام ان کے بعد حضرت کالب ابن لوقان ان کے بعد حضرت حزقیل خلیفہ ہوئے یہ حضرات اپنے اپنے زمانوں میں توریت شریف کے احکام جاری فرماتے اور یہود کی اصلاح کرتے تھے۔ حزقیل ابن یوزی علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کا حال بہت خراب ہو گیا انہوں نے کھلم کھلا بت پرستی شروع کر دی تب حضرت الیاس ابن نسی ابن فخاص ابن عیزار ابن ہارون علیہم السلام مبعوث ہوئے۔ انہوں نے بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ جان کی مدد سے کچھ اصلاح

www.alahazratnetwork.org

کی حکمران کے بعد پھر بنی اسرائیل کا حال خراب ہوا۔ تب حضرت یسع علیہ السلام تشریف لائے اور انہوں نے توریت کے احکام جاری فرمائے۔ خیال رہے کہ حزقیل علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی ایک نسل میں تو خلافت و سلطنت تھی اور دوسری میں نبوت یعنی آل لاوی ابن یعقوب میں نبوت اور آل یہودا ابن یعقوب میں سلطنت مسیح علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل کی نافرمانی حد سے زیادہ بڑھ گئی جس کا انجام یہ ہوا کہ ان سے سلطنت بھی چھن گئی اور انبیاء کی آمد بھی بند ہو گئی اور ان پر فرعون کی طرح جالوت بادشاہ مسلط ہو گیا جو کہ عملیق ابن عاد کی اولاد سے ایک نہایت ظالم بادشاہ تھا اور قوم عمالقہ نے قبطیوں کی طرح بنی اسرائیل پر ظلم ڈھانا شروع کر دیئے کہ ان کے شہر چھین لئے ان کے آدمی گرفتار کر لئے ان پر بہت سختیاں شروع کر دیں۔ یہ جالوتی لوگ مصر اور فلسطین کے درمیان بحر روم کے کنارے پر رہتے تھے۔ بنی اسرائیل میں اس وقت خاندان نبوت سے صرف ایک بیوی باقی تھی جو حاملہ تھی بنی اسرائیل دعا کرتے تھے کہ خداوند ان کے بطن سے کوئی نبی پیدا فرما۔ جن سے ہمارا بگڑا حال سنبھل جائے۔ چنانچہ ان کے بطن شریف سے حضرت اشمویل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ خیال رہے کہ یہ لفظ اشمو اور ایل سے بنا ہے عبرانی میں اشمو کے معنی ہیں سن لی اور ایل اللہ کا نام ہے۔ ان کی والدہ بیٹے کی بہت دعا مانگتی تھیں جب یہ پیدا ہوئے تو بولیں اشموایل یعنی رب نے میری دعا سن لی۔ یہ ہی ان کا نام ہوا جیسے ابراہیم علیہ السلام نے فرزند کے لئے بہت دعائیں کیں اور ہمیشہ دعا کے آخر میں عرض کرتے تھے اسمع یا ایل یا اللہ میری سن لے جب فرزند پیدا ہوئے تو اس دعا کی یادگار میں اپنے فرزند کا نام اسماعیل جیسے آج دعا کے آخر میں آمین کہا جاتا ہے ایسے ہی اس زمانے میں اسمع ایل کہا جاتا تھا جب یہ بڑے ہوئے تو انہیں بیت المقدس میں ایک عالم کے سپرد کیا گیا انہوں نے انہیں اپنا متبنی (منہ بولا بیٹا) بنا لیا۔ اور آپ سے بہت محبت کرنے لگے۔ جب آپ سن بلوغ کو پہنچے تو ایک رات وہ عالم کے پاس آرام کر رہے تھے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے اس عالم کی آواز میں پکارا یا اشموایل آپ جھٹ پٹ اٹھے اور شیخ سے بولے۔ اے بابا جان کیا ہے کیوں بلایا۔ شیخ نے خیال کیا کہ اگر میں کہہ دوں کہ میں نے نہیں بلایا تو ڈر جائیں گے کہا جاؤ سو جاؤ یہ سو گئے پھر وہی آواز سنی اور شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے کہ کیا ارشاد ہے فرمایا جاؤ سو جاؤ اگر اب ہم تمہیں بلائیں تو نہ بولنا آپ جا کر سو گئے۔ تیسری بار جبریل علیہ السلام ظاہر ہو کر آپ کے سامنے آئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو نبی بنایا۔ اپنی قوم کے پاس جاؤ اور تبلیغ احکام فرماؤ۔ چنانچہ آپ اپنی قوم کے پاس آئے بنی اسرائیل چونکہ پیغمبروں کے قتل کرنے اور سخت نافرمانی کے عادی ہو چکے تھے انہیں جھٹلانے لگے اور بولے کہ آپ اتنی جلدی نبی بن گئے اچھا اگر آپ نبی ہیں تو ہمارے واسطے کوئی بادشاہ مقرر کیجئے۔ جس کے ساتھ ہم کفار سے جہاد کریں۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں انبیاء کا فتویٰ ہوتا تھا اور سلاطین جاری کرتے تھے گویا خلق کے حاکم سلطان اور سلطان کے حاکم نبی ہوتے تھے بلکہ بادشاہ کا انتخاب بھی نبی ہی فرماتے تھے۔ اسی لئے انہوں نے یہ خواہش کی (در منثور و روح البیان و خزائن العرفان و خازن وغیرہ) باقی قصہ آئندہ آ رہا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمان پچھلی امتوں سے افضل ہیں کہ وہ لوگ تعلیم انبیاء بہت جلد بھول جاتے تھے۔ اور یہ الحمد للہ باوجود نبوت ختم ہو جانے کے بعد اب تک دین حق پر قائم ہیں کہ سب گمراہ نہیں ہوئے۔ **دوسرا فائدہ:** اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے پیغمبروں کی طرح ہیں کہ دین سے فساد دور کرتے اور احکام شرعیہ کی تبلیغ فرماتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد کیلئے امام و سلطان شرط ہے دیکھو بنی اسرائیل نے بادشاہ پر جہاد موقوف رکھا۔ چوتھا

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: سلطنت و امامت میراث نہیں اگر میراث ہوتی تو یہ ہود ابن یعقوب کی اولاد میں بطریق میراث ہمیشہ بادشاہت رہتی۔ پانچواں فائدہ: جہاد میں انتقام بدلہ اور اپنے سے دنیوی تکلیف دور کرنے کی نیت نہ چاہئے بلکہ اشاعت دین کا ارادہ کیا جائے۔ دیکھو چونکہ یہ لوگ بدلہ کی نیت سے اٹھے تھے بزدل ہو گئے۔ چھٹا فائدہ: رب تعالیٰ انبیاء کرام کو علم غیب عطا فرماتا ہے کہ اتنے پچھلے واقعہ کے متعلق حضور سے فرمایا الم تر اور حضرت اشمویل علیہ السلام نے ان کی درخواست سنتے ہی فرمایا کہ تم یہ کام شائد نہ کر سکو اور ایسا ہی ہوا شاید فرمانا ایسا ہی ہے جیسے رب لعل فرماتا ہے ان حضرات کی شائد بھی کچھ معنی رکھتی ہے۔ بزرگوں کی لعل یا عسی بھی یقینی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا اور حضور فرماتے ہیں ارجو ان اکون انا هو دینے والا فرماتا ہے عسی اور لینے والے محبوب فرماتے ہیں ارجو یعنی میں امید کرتا ہوں کہ مقام محمود مجھے ہی ملے مگر مقام محمود حضور ہی کے لئے یقینا ہے۔ ساتواں فائدہ: جیسے کہ بنی اسرائیل میں اولاً نبوت مع سلطنت رہی کہ یوشع علیہ السلام وغیرہ نبی بھی تھے اور سلطان بھی اور بعد میں علیحدہ ہو گئی۔ ایسے ہی اسلام میں خلفاء راشدین تک حضور علیہ السلام کے تیس سال بعد تک خلافت مع سلطنت رہی اسی لئے ان کی بیعت بیعت سلطنت بھی تھی اور بیعت ارادت بھی کہ وہ حضرات سلطان بھی تھے اور مرشد کامل بھی پھر یہ دونوں علیحدہ ہو گئیں کہ بنی امیہ میں سلطنت آ گئی اور بنی ہاشم میں خلافت نبوی کہ یہ حضرات حضور علیہ السلام کے جانشین ہوئے جیسے اشموئیل علیہ السلام کے ہوتے ہوئے طالوت کی سلطنت حق تھی۔ ایسے ہی بنی ہاشم کے ہوتے ہوئے دیگر لوگوں کی سلطنت صحیح ہے۔ چنانچہ حضرات حسنین و دیگر بنی ہاشم نے امیر معاویہ سے جنگ نہ کی ان کی سلطنت مان لی رضی اللہ عنہم اجمعین۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ امامت کے لئے نبوی انتخاب چاہئے کہ بنی اسرائیل نے حضرت اشمویل سے اس کے متعلق عرض کیا۔ چونکہ خلفاء ثلٰثہ کی امامت حضور علیہ السلام کے انتخاب سے نہ تھی۔ لہٰذا قابل قبول نہیں۔ (شیعہ)
جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضور علیہ السلام نے ان سب حضرات کا کلی طور پر انتخاب فرمایا کہ اس کا قانون ہی یہ ہے کہ جسے مسلمان اپنا خلیفہ چن لیں وہ خلیفہ ہے۔ مسلمانوں کا انتخاب در حقیقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی انتخاب ہے کیونکہ انہیں حضور ہی کی طرف سے انتخاب خلیفہ کا حق ہوا۔ دوسرے یہ کہ جیسے بنی اسرائیل پر اور بہت سی پابندیاں تھیں جو ہم پر نہیں۔ نماز کے لئے جگہ مقرر وغیرہ ایسے ہی یہ بھی ان پر پابندی تھی کہ بادشاہ صرف نبی ہی کے انتخاب سے ہو اس امت مسلمہ پر رب کا کرم ہے کہ ان کا انتخاب معتبر تیسرے یہ کہ اگر انتخاب نبوی خلافت کے لئے ضروری ہے تو حضرت علی مرتضیٰ و دیگر ائمہ اطہار کی خلافت بھی صحیح نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ نبی علیہ السلام سے منتخب نہ ہوئی۔ اگر بہت کھینچ تان سے حضرت علی مرتضیٰ کی خلافت ثابت بھی کر لو گے تو دیگر گیارہ اماموں کی خلافت کیسے ثابت ہو گی جن میں سے بعض کا تو حضور علیہ السلام نے ذکر بھی نہیں کیا حق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خلافت کے لئے حضرت ابو بکر صدیق کا عملی انتخاب فرما بھی دیا کہ پہلے تو فتح مکہ کے بعد اور حجۃ الوداع سے قبل حضرت صدیق اکبر کو امیر اور حضرت علی کو مامور بنا کر مکہ معظمہ اپنی طرف سے بھیجا کہ اعلان کر دو آئندہ سے کوئی مشرک اور برہنہ طواف نہ کرے پھر بوقت وفات حضرت صدیق کو یہ کہہ کر اپنے مصلی پر امام بنا کر کھڑا کیا کہ جہاں ابو بکر ہوں وہاں کسی کی امامت کا حق نہیں بعد میں انتخاب اجراء قانون کے لئے تھا۔ ایک عورت حضور سے کچھ فیصلہ کرانے آئی فرمایا کل آ کر فیصلہ کرا لینا وہ بولی کہ اگر آپ کل سے پہلے وفات پا جائیں فرمایا کہ تو ابو بکر سے فیصلہ کرا لینا یہ تمام

www.alahazratnetwork.org

چیزیں عملی انتخاب ہیں۔ دوسرا اعتراض: جہاد میں سلطان کیوں ضروری ہے دیگر عبادات کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہونا چاہئے۔ (بعض بے دین) جواب: جن عبادات میں جماعت شرط ہے ان میں امام بھی شرط جیسے نماز جمعہ و عیدین وغیرہ جہاد میں جماعت یعنی لشکر بھی ضروری اور ان کا انتظام ہتھیار وغیرہ بھی لابدی۔ لہذا اس کے لئے طاقتور امام یعنی سلطان چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کہ ان اسرائیلیوں نے ارادہ کے خلاف ظاہر کیا۔ اور زبان سے وہ بات نکالی جو دل میں نہ تھی لہذا ان کا دعویٰ معنی کی کسوٹی پر کسا گیا۔ وہ بوقت امتحان برھان سے عاجز رہے اور ذلیل ہوئے یہ ہی حال اہل سلوک مدعین کا ہے۔ یہ راہ وہ طے کر سکتا ہے کہ جس کے پاس الفاظ کم ہوں معنی زیادہ اہل حقیقت فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے جہاد کی وجہ دنیوی منافع قرار دی اور اپنا بدلہ چاہا نیز انہوں نے اپنے اعتکو پر وعدہ کیا رب تعالیٰ کا نام تک نہ لیا اس لئے کامیاب نہ رہے اگر وہ یہ کہتے کہ ہم کیوں نہ جہاد کریں ان کفار نے تو رب کی نافرمانی کی۔ اللہ کی شہر ویران کئے۔ اللہ کے بندوں کو پریشان کیا اور انشاء اللہ ہم ضرور جہاد کریں گے۔ تو ضرور فتح پاتے۔ دیکھو اسماعیل علیہ السلام نے حضرت خلیل اللہ سے عرض کیا تھا۔ **ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین** اپنے بھروسہ پر وعدہ نہیں رب کے بھروسہ پر ہے۔ کامیاب ہو گئے ایسے ہی جو کوئی راہ سلوک طے کرنے کا اس لئے ارادہ کرے کہ دنیا والوں پر غالب رہے وہ ناکام رہے گا اور جیسے کہ اس گروہ بنی اسرائیل میں اللہ کے خاص بندے تھوڑے تھے اگرچہ جہاد کے لئے جانے والے بہت ایسے ہی ہر جماعت میں اور ہر زمانہ میں ہے کہ اعلیٰ چیز تھوڑی مگر رونق میں زیادہ درختوں پر بور بہت آتا ہے مگر ان میں سے پھل تھوڑا بنتا ہے اور خراب زیادہ۔ اس راستہ پر چل پڑنے والے بہت ہیں لیکن منزل تک پہنچنے والے تھوڑے مگر وہ تھوڑے ان بہت سے زیادہ حدیث شریف میں ہے کہ بڑے گروہ کے ساتھ رہو بڑا گروہ وہ ہی ہے جو حق پر قائم رہے۔ اگرچہ شمار میں تھوڑا ہو۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی بغیر مشقت منزل تک پہنچنا چاہے وہ بوالہوس ہے اور جو صرف مشقت ہی کو ذریعہ کامیابی جانے وہ سخت دھوکہ میں مشقت ضرور کرے مگر اس طرف کے جذبہ کو ذریعہ کامیابی جانے رب تعالیٰ اپنے فضل کی بارش فرمائے تو یہ کچی کھیتی پھل لائے۔ (از روح البیان)۔

پانی بھرن پنہاریاں اور رنگ برنگے گھڑے بھریا اس کا جانئے جس کا توڑ چڑھے

جیسے طالوت کے ساتھ چلے تھے بہت سے اسرائیلی۔ مگر ایک نہر نے مخلص و منافق کو چھانٹ دیا جس سے صرف تین سو تیرہ ہی آگے بڑھ سکے ایسے ہی کلمہ پڑھنے والے کروڑوں ہیں۔ مگر نزع و خاتمہ کی نہر سامنے ہے اس نہر سے جو بخیریت گزر جاوے وہ خوش نصیب ہے وہ ہی گزرے گا جس پر اللہ کا کرم ہو۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى
اور کہا واسطے ان کے نبی نے انکے کر تحقیق اللہ نے بیشک مقرر کیا واسطے تمہارے طالوت کو بادشاہ وہ بولے کیونکر
اور ان سے انکے نبی نے فرمایا بے شک اللہ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا کر بھیجا ہے بولے

www.alahazratnetwork.org

يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً

ہوگا واسطے اس کے ملک اوپر ہمارے اور ہم زیادہ حق دار ہیں ساتھ ملک کے اس سے اور نہیں دیا گیا وہ

اسے ہم پر بادشاہی کیونکر ہوگی اور ہم اُس سے زیادہ سلطنت کے مستحق ہیں اور اُسے مال میں بھی وسعت

مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ

فراخی مال کی فرمایا کہ تحقیق اللہ نے چن لیا اس کو اوپر تمہارے اور زیادہ دی اس کو کشادگی بیچ علم اور جسم

نہیں دی گئی فرمایا اُسے اللہ نے تم پر چن لیا اور اُسے علم اور جسم میں کشادگی زیادہ دی اور اللہ اپنا

الْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۲۴۷

کے اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

ملک جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے وہاں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سوا تھوڑوں کے باقی سب منہ پھیر گئے۔ اب اس کی تفصیل ہو رہی ہے کہ جہاد کیونکر فرض ہوا اور ان پر بادشاہ کون مقرر ہوا اور وہ کیوں بزدل ہو گئے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان اسرائیلیوں نے جہاد سے منہ پھیرا۔ اب منہ پھیرنے کی بڑی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اس کا باعث یہ ہوا کہ انہوں نے پہلے ہی معاملہ میں نبی کی مخالفت کی اور مقرر کردہ بادشاہ کو نظر حقارت سے دیکھا ربانی انتخاب کی حقارت در اصل رب کی ہی اہانت ہے۔ یہ ہی تمام ناکامیوں کی جڑ ہے۔

تفسیر: — **وقال لهم نبيهم** ظاہر یہ ہے کہ اس سے پہلے کچھ واقعہ پوشیدہ ہے کہ ان پیغمبر نے اس کے متعلق رب سے دعا کی۔ بذریعہ وحی ان کے لئے بادشاہ کی نشانی مقرر کی گئی۔ جس کے ذریعہ پیغمبر نے بادشاہ چھانٹا اس طرح کہ بادشاہ کے تقرر کی تاریخ مقرر کی پھر اس تاریخ پر بیت المقدس کے تیل کے جوش مارنے اور لاٹھی کی پیمائش کی علامتوں سے طالوت کی سلطنت معلوم کی۔ تب ان سے فرمایا کہ **ان الله قد بعث لكم طالوت ملكا** یہاں بھی بعث بمعنی مقرر کرنا ہے یا بھیجنا۔ اگرچہ یہ تقرر خود ان پیغمبر نے کیا تھا مگر چونکہ وحی اور ربانی نشانی سے کیا۔ اس لئے بعث کو رب کی طرف ہی نسبت کر دیا گیا۔ لکم میں لام نفع کا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ طالوت بھی داؤد و جالوت کی طرح عبرانی لفظ ہے۔ عجمہ اور علم ہونے کی وجہ سے غیر منصرف ہوا۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ لفظ عربی ہے طول بمعنی درازی و لمبائی سے بنا۔ رہبوت و جبروت کی طرح یہ بھی طولوت تھا۔ واؤ الف سے بدلا مشابہ عجمہ کی وجہ سے غیر منصرف ہوا۔ چونکہ یہ بہت دراز قد کے تھے آدمی ہاتھ اٹھا کر ان کا سر چھو سکتا تھا اس لئے انہیں طالوت کہا گیا۔ (کبیر و معانی) در منثور نے فرمایا کہ ان کا نام شاول ابن قیس ابن اشال ابن ضرار ابن سحرب ابن افیحہ ابن انس ابن بنیامین ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام تھا۔ درازی قد کی وجہ سے ان کا لقب طالوت تھا جیسے کہ خرباق کو ذوالیدین

www.alahazratnetwork.org

کہتے ہیں ملکا طالوت کا حال ہے۔ یعنی رب نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا۔ اس کا پورا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا اس زمانہ میں سلطنت صرف ملوکیت کی حیثیت رکھتی تھی جس میں جمہوریت کو دخل نہ تھا اور آج کل کے عرف میں صرف جمہوریت ہے۔ جس میں ہر تین چار سال بعد نیا انتخاب ہوتا ہے۔ ہمارے اسلام میں جمہوریت بھی ہے اور ملوکیت یعنی خلافت بھی کہ بادشاہ کا انتخاب جمہوریت سے ہو گا مگر تقرر کے بعد پھر آخر تک بادشاہ وہی رہے گا۔ بار بار انتخابات نہ ہوں گے کہ یہ انتخابات ہزارہا فتنوں کی جڑ ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے خوب کہا۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو　　　　که از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

قالوا انی یکون لہ الملک علینا غالب یہ ہے کہ قالوا کا فاعل ان تین سو تیرہ اسرائیل کے سوا باقی لوگ ہیں جو ہمت ہار کر گئے تھے اور جنہوں نے جنگ جیتی کیونکہ اگر وہ بھی اسی اعتراض میں شریک ہوتے تو کبھی جہاد میں کامیاب نہ ہو سکتے یا تو یہ قول تعجب کا ہے جیسے کہ ملائکہ نے سیدنا آدم علیہ السلام کی خلافت کی خبر سن کر تعجب کیا تھا۔ اور یا فرمان نبی کا انکار ہے۔ دوسری صورت میں یہ لوگ کافر ہو چکے بعد میں توبہ کر کے شریک جہاد ہوئے۔ (روح البیان) انی یا بمعنی کیف ہے یا بمعنی من این۔ علی یا تو مقابلہ کا ہے اور یا فوقیت کے لئے یعنی وہ بولے کہ یہ طالوت ہم پر کیونکر بادشاہ بن سکتے ہیں یا ہمارے مقابل یہ بادشاہ کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اس انکار کی چند وجہیں بیان کیں۔ ایک یہ کہ **ونحن احق بالملک منہ نحن** سے مراد ان کی اپنی جماعت کا ہر ایک آدمی تھا نہ کہ سب لوگ کیونکہ بادشاہ ایک ہی ہو سکتا ہے اور احق یا تو تفضیلی معنی میں ہے یا بمعنی مطلقاً حقدار۔ ملک سے مراد سلطنت و حکومت ہے یعنی ہم بمقابلہ طالوت کے سلطنت کے زیادہ حقدار ہیں یا سلطنت کے حقدار ہم ہی ہیں نہ کہ وہ کیونکہ اس زمانہ میں نبوت تو لاوی ابن یعقوب علیہ السلام کی نسل میں تھی اور سلطنت یہودا ابن یعقوب کی نسل میں اور طالوت ان میں سے کسی سبط سے نہ تھے بلکہ وہ تو بنیامین ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے۔ اس لئے وہ کہنے لگے کہ چونکہ ہم لوگ نسل سلاطین ہیں لہذا بادشاہ بھی ہم میں سے ہی ہونا چاہئے دوسری وجہ یہ بیان کی کہ **ولم یوت سعۃ من المال** سعتہ وسع سے بنا بمعنی گنجائش و فراخی۔ جیسے وعدے سے عدۃ چونکہ اس کے بعد عین حرف حلقی آرہا ہے اس لئے اس کو زیر نہ دیا گیا یعنی حضرت طالوت کو وسعت مالی اور غنا بھی نہیں دی گئی ہے جو بادشاہ کے لئے سب سے زیادہ ضروری ہے کہ بغیر لشکر اور ہتھیار کے سلطنت کے کام انجام نہیں پاتے اور یہ چیزیں مال ہی سے حاصل ہوتی ہیں یا ان کا یہ مطلب تھا کہ اگر طالوت میں نسبی شرافت نہ تھی تو کم سے کم مالی شرافت تو ہونی چاہئے تھی تاکہ لوگوں میں ان کا وقار قائم ہو تا جب ان میں یہ دونوں صفتیں نہیں تو بادشاہ کیسے ہو سکتے ہیں حضرت شموئیل علیہ السلام نے جوابا" طالوت کی سلطنت پر بہت سے قوی دلائل قائم فرمائے ایک یہ کہ **ان اللہ اصطفٰہ علیکم** اصطفٰی صفو سے بنا بمعنی خالص و صاف و نکھرا ہوا باب افتعال میں آکر اس میں صاف صاف لے لینے کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی چن لینا اور اچھوں کو چن لینا اس کی پوری تفصیل ہم پارہ الم میں ان اللہ اصطفیٰ کی تفسیر میں کر چکے۔ علی مقابلہ کے لئے ہے یعنی رب تعالیٰ نے بمقابلہ تمہارے طالوت کو سلطنت کے لئے چن لیا رب کے چناؤ کے مقابل کوئی صفت نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ لفظ اصطفاء بی بی مریم کے لئے بھی قرآن کریم میں ارشاد ہوا اصطفاک اور دیگر رسل بشر و رسل ملائکہ کے لئے بھی **اللہ یصطفی من الملائکۃ رسلا و من الناس** ۔ اور یہاں طالوت کے لئے بھی مگر مصطفیٰ صرف ہمارے حضور ہی کا لقب ہے کسی دوسرے پر یہ لفظ استعمال نہیں ہوتا۔ ان بزرگوں کا چناؤ خصوصی تھا مگر ہمارے حضور کا چناؤ عمومی ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ آپ کی ذات' صفات' حالات' افعال سب رب کے چنے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کسی پر اعتراض رب تعالٰی کے چناؤ پر اعتراض ہے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب نام ہوا مصطفٰی تم پہ کروڑوں درود

دوسرے یہ کہ **وزادہ بسطۃ فی العلم والجسم**۔ بسط کے معنی وسعت یا فراخی ہیں۔ اس کی تحقیق ہم کچھ پہلے یقبض و یبسط کی تفسیر میں کر چکے علم سے شریعت یا سیاسیات کا علم یا ہر علم مراد ہے اور ہو سکتا ہے کہ دونوں علم مراد ہوں کیونکہ دینی سیاست علم شریعت میں آجاتی ہے حق یہ ہے کہ سیاست رب تعالٰی کی خاص عطا ہے جو کسی کسی کو ملتی ہے یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم**۔ حالانکہ آپ نے اس سے پہلے نہ حکمرانی کی تھی نہ کاشتکاری وغیرہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سیاست کا لوہا آج دنیا مان رہی ہے یہ سیاست کون سے مدرسے میں سیکھی وہی مدرسہ مصطفوی تھا اور رب تعالٰی کی عطاء خاص اور جسم کی وسعت سے یا تو درازی قد یا حسن و جمال یا قوت و طاقت مراد ہے۔ جس کا دشمن پر رعب پڑے۔ چونکہ وسعت علم قوت جسمانی پر فوقیت رکھتی ہے۔ اس لئے پہلے اس کا ذکر فرمایا گیا یعنی رب نے طالوت کو علمی و جسمانی وسعت عطا فرمائی ہے کہ وہ تم سب میں بڑے عالم بھی ہیں اور قد آور' طاقت ور' حسین و جمیل جوان بھی۔ اور سلطنت کے لئے علم' عقل اور قوت زیادہ ضروری ہیں نہ کہ محض مال تیسرے یہ کہ **واللہ یؤتی ملکہ من یشاء** رب مالک الملک ہے جسے چاہے اپنا ملک دے نسب و حسب کی اس کے ہاں قید نہیں۔ تم ان پر نسبی الزام کیوں لگاتے ہو۔ چوتھے یہ کہ **واللہ واسع علیم** رب تعالٰی وسعت دینے والا ہے کہ فقیر کو غنی کر دے تم ان کی غریبی سے کیوں ڈرتے ہو جب اس نے انہیں سلطنت دی تو مال بھی عطا فرمائے گا اور وہ ہی ہر شخص کا حال جانتا ہے کہ کون قابل سلطنت ہے اور کون نہیں گویا پہلے جملے تو سلطنت طالوتی کے دلائل تھے اور واللہ یؤتی میں بنی اسرائیل کے نسبی اعتراض کا جواب اور واللہ واسع میں مالی شبہ کی تردید ہے۔ غرضیکہ دلائل اور دفع اعتراضات کے ذریعہ ان کی پوری تسلی کرنے کی کوشش کی گئی۔

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل کے جواب میں اشمویل علیہ السلام نے فرمایا کہ رب نے تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا تو تم اس کے ساتھ جالوت سے جنگ کرو۔ بنی اسرائیل نے بجائے اطاعت کے کج بحثی شروع کر دی اور طالوت کی سلطنت پر دو اعتراض کئے۔ ایک یہ کہ وہ شاہی خاندان سے نہیں۔ کیونکہ شاہی خاندان تو یہود ابن یعقوب کی اولاد ہے۔ لہذا ہمیں سلطنت ملنی چاہئے۔ نیز ان کے پاس مالی گنجائش بھی نہیں۔ وہ ہم سب میں زیادہ غریب ہیں اور بغیر مال سلطنت چل نہیں سکتی۔ نیز جب ان میں خاندانی اور مالی شرافت نہیں تو رعایا پر ان کا وقار قائم نہیں ہو سکتا جو کہ سلطان کے لئے بڑی ضروری چیز ہے۔ حضرت اشمویل علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ اے بنی اسرائیلیو انہیں رب نے سلطنت کیلئے منتخب کر لیا۔ پھر تمہاری عیب جوئی بیکار ہے اور یہ بھی یقینی بات ہے کہ حکومت کے لئے علم و جسمانی طاقت ضروری ہے اور طالوت تم سب سے علم میں بڑھ کر ہیں اور طاقت میں بھی زیادہ لہذا سلطنت کے لئے وہ ہی موزوں ہیں۔ رہا تمہارا یہ اعتراض کہ وہ شاہی خاندان سے نہیں۔ یہ محض بے کار ہے۔ رب مالک الملک ہے۔ جس خاندان کو چاہے سلطنت عطا فرمائے۔ دینے والا وہ پابندی لگانے والے تم کون اور تمہارا دوسرا اعتراض کہ یہ غریب ہیں یہ بھی لغو کیونکہ اللہ واسع ہے۔ اسے فقیر کو مالدار بنانا کوئی مشکل نہیں۔ اور وہ ہی علیم بھی ہے لائق اور نالائق کو خوب جانتا ہے لہذا بے چون و چرا ان کی سلطنت مان لو۔ خیال رہے کہ جیسے بنی اسرائیل نے طالوت کی سلطنت کا اس لئے

www.alahazratnetwork.org

انکار کیا کہ وہ شاہی خاندان یعنی یہودا کی اولاد سے نہیں ہیں۔ اسی طرح انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اس لئے انکار کیا کہ حضور خاندان نبوی یعنی بنی اسرائیل سے نہیں ہیں بلکہ بنی اسمٰعیل سے ہیں وہ سلطنت و نبوت کو خاندانوں سے مخصوص مانتے تھے ایسے ہی آج لوگ حضرت صدیق و فاروق کی خلافت کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ آپ خاندان خلافت سے نہیں یعنی بنی ہاشم سے نہیں نبوت و سلطنت و خلافت کو خاندانوں سے مخصوص ماننے کی یہ بیماری آج کی نہیں بڑی پرانی ہے۔ ہمارے ہاں خلافت قریش سے خاص ہے کہ حضور نے فرمایا الخلافۃ فی القریش مگر اسلامی سلطنت کسی جماعت یا خاندان سے خاص نہیں۔

اصل واقعہ : بنی اسرائیل کے عرض کرنے پر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ وہ مولیٰ ان پر کوئی بادشاہ مقرر کردے تو انہیں ایک لاٹھی عطا ہوئی اور فرمایا گیا کہ اس سے اسرائیلیوں کو ناپو جس کا قد اس کے برابر ہو وہ ہی بادشاہ ہے۔ نیز بیت المقدس میں سے ایک شیشی تیل بھر لو اور کاگ لگا کر رکھو جس شخص کے داخل ہونے پر تیل جوش مارے اور کاگ نکل پڑے وہ ہی بادشاہ ہے اسی نشانی سے سب کو آزمایا گیا کوئی نظر نہ آیا۔ طالوت کے والد چمڑے کی تجارت کرتے تھے بعض نے کہا ہے کہ وہ پانی پلاتے تھے۔ اتفاقاً ان کا ایک گدھا کھو گیا تھا انہوں نے طالوت اور اپنے ایک غلام کو تلاش کے لئے بھیجا۔ راستہ میں حضرت اشمویل علیہ السلام کا مکان پڑا۔ غلام نے طالوت سے کہا کہ آؤ ان نبی سے پوچھ لیں کہ ہمارا گدھا کہاں ہے کیونکہ پیغمبر پر کوئی بات چھپی نہیں۔ انہوں نے کہا چلو۔ یہ دونوں اندر پہنچے اور اپنے گدھے کے متعلق عرض کرنے لگے کہ اچانک تیل نے جوش مارا اور شیشی کا کاگ دور جا پڑا۔ آپ نے ان دونوں کو عصا سے ناپا۔ طالوت کا قد اس کے برابر نکلا۔ تو آپ نے وہ تیل ان کے سر میں ملا اور فرمایا کہ اے طالوت میں بحکم پروردگار تمہیں بنی اسرائیل کا بادشاہ بناتا ہوں۔ جاؤ لشکر تیار کر کے قوم عمالقہ کا مقابلہ کرو۔ سبحان اللہ موسیٰ علیہ السلام طور پر نار لینے گئے تو نور یعنی نبوت لائے اور طالوت خچر لینے آئے تو سلطنت لے کر چلے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

انہوں نے عرض کیا کہ میں شاہی خاندان سے نہیں بلحاظ قوم و پیشہ بنی اسرائیل مجھے اچھی نگاہ سے نہیں دیکھتے فرمایا کہ تم رب کے انتخاب میں آچکے۔ عرض کیا اس کی نشانی کیا فرمایا کہ نشانی یہ ہے کہ تم جا کر دیکھو کہ تمہارے گدھے بغیر ڈھونڈھے گھر پہنچ گئے۔ پھر آپ نے انکی سلطنت کا بنی اسرائیل میں اعلان فرمایا جس پر اسرائیلیوں نے وہ جرم کیا جس کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے۔ (در منثور و خزائن و معانی)۔ خیال رہے کہ حضرت طالوت اگرچہ مال اور نسب میں بنی اسرائیل میں اعلیٰ نہ سمجھے جاتے تھے علم و فضل اور جسم میں سب سے بڑھ کر تھے۔ بعض نے فرمایا کہ اشمویل علیہ السلام کے بعد انہیں کا علم و عمل تھا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** انبیائے کرام کی زبان رب کا قلم ہے۔ کہ ان کے منہ کی نکلی ہوئی بات ٹلتی نہیں دیکھو اشمویل علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ شاید تم قتال نہ کر سکو۔ اس کی تمہید ابھی سے شروع ہو گئی۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت کے وقت محبوبان خدا سے مدد لینا جائز ہے۔ جب بنی اسرائیل پر قوم عمالقہ نے بہت ظلم کیا تو داد رسی کے لئے حضرت اشمویل علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** متبرک جگہ رہنے سے نہ صرف انسان بلکہ بے جان چیزوں کا بھی درجہ بلند ہو جاتا ہے۔ بیت المقدس کے تیل میں یہ خصوصیت پیدا ہو گئی کہ وہ طالوت کی سلطنت کی نشانی بنا۔

www.alahazratnetwork.org

ہمارے مخدوم سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھو چھوی رضی اللہ عنہ کے مزار کا چراغ اور وہاں کے تیل میں یہ تاثیر ہے کہ چند دن آسیب زدہ کے پاس جلانے سے جن خود بخود حاضر ہو جاتا ہے اور جل بھی جاتا ہے اور وہاں کا چراغ ہر جگہ ہی کام آتا ہے اور دور دور جاتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حکومت و امامت میراث نہیں بلکہ فضل خداوندی ہے۔ بنی اسرائیل میں اس کے لئے نبی کا انتخاب اور دیگر نشانیاں ہوتی تھیں جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا اسلام میں اس کے تین طریقے ہیں۔ (1) پہلا خلیفہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کر جائے جیسے خلافت فاروقی کہ صدیق اکبر کے انتخاب سے عمل میں آئی۔ (2) عام مسلمانوں کا انتخاب جیسے خلافت صدیقی کہ حضور علیہ السلام نے صراحۃً کسی کو خلافت نہ دی اجماع مسلمین سے صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ (3) ارکان دولت کا انتخاب جیسے خلافت عثمانی و مرتضوی و خلافت امام حسن۔ خیال رہے کہ کسی بادشاہ کا دوسرے کو سلطنت دے دینا بھی حکومت کا ذریعہ ہے جیسے امیر معاویہ کی سلطنت کہ اولاً یہ سلطنت مرتضوی کے باغی تھے۔ پھر امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صلح کر لینے اور سلطنت دے دینے اور وظیفہ منظور کر لینے پر یہ اسلام کے سلطان برحق قرار پائے۔ وہ خلافتیں بھی برحق تھیں اور یہ سلطنت بھی صحیح۔ اس کی تحقیقات کے لئے شرح فقہ اکبر اور شامی کتاب البغاۃ اور شرح مسلم الثبوت کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ **پانچواں فائدہ:** امامت کیلئے علم ضروری ہے نہ کہ نسب و مال موجودہ دور میں ممبروں کے لئے اکثر مالداری دیکھی جاتی ہے کہ ممبری کے لئے وہ کھڑا ہو سکتا ہے جو اتنی زمین کا مالک ہو اور اتنا ٹیکس ادا کرتا ہو یہ طریقہ غلط بھی اور نقصان دہ بھی ممبری کے لئے لیاقت اور سیاسی قابلیت معیار ہونی چاہئے نہ کہ محض مال۔ **چھٹا فائدہ:** عالم کا مرتبہ جاہل زاہد اور بے علم عالی نسب سے زیادہ ہے کہ فرشتوں نے بذریعہ عبادت اپنا استحقاق خلافت ظاہر کیا تھا اور ان اسرائیلیوں نے نسب پیش کیا۔ مگر وہاں تو آدم علیہ السلام خلیفہ ہوئے اور یہاں طالوت۔ **ساتواں فائدہ:** بادشاہ کے لئے رعب و وقار بھی ضروری ہے اور جرات، دلیری، شجاعت، جوانمردی بھی لازم کیونکہ یہاں علم کے ساتھ جسم کا ذکر بھی ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** خلیفہ اور بادشاہ زندہ لوگوں کے سامنے ظاہر چاہئے مردہ یا چھپے ہوئے کی بادشاہت و خلافت درست نہیں کیونکہ ملکی انتظام اور مقصد خلافت اس سے حاصل نہیں ہوتا۔ دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر گئے اور عارضی طور پر اپنے ملک سے غائب اور لوگوں کی نگاہ سے چھپ گئے تو جناب ہارون کو اپنا خلیفہ مقرر کر گئے اگر غائب کی خلافت و سلطنت درست ہوتی تو آپ خلیفہ کیوں مقرر کرتے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم حیات النبی ہیں مگر آپ کے خلفاء مقرر ہوئے لہٰذا بارھویں امام حضرت مہدی غائب کو خلیفہ ماننا اصولاً غلط ہے۔ یہاں علم و جسم فرما کر اس طرف اشارہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلیفہ وہی ہو سکتا ہے کہ جو علم و طاقت میں سب سے بڑھ کر ہو۔ لہٰذا چاہئے تھا کہ حضرت علی ہی خلیفہ ہوتے نہ کہ صدیق و فاروق کیونکہ آپ علم میں تو نبوت کا دروازہ ہیں حضرت عمر بھی فرماتے تھے کہ لولا علی لھلک عمر اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے اور جوانمردی اور شجاعت میں آپ مشہور ہی ہیں۔ اسد اللہ آپ کا لقب، آپ ہی خیبر شکن، آپ کی یہ شان ہے۔

شاہ مرد شیر یزداں قوت پروردگار لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار

پھر ان کی موجودگی میں صدیق یا فاروق کا امام بننا درست نہ رہا۔ (رافضی) **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ علم اور قوت جسمانی میں تمام سے افضل تھے اگرچہ زیادہ شہرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ میدان جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابوبکر صدیق ہی کھڑے ہوتے تھے۔ ہجرت کی رات صدیق اکبر ہی حضور علیہ السلام کو اپنے کندھے پر غار ثور تک لے گئے اور خود شیعہ مانتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کو اپنے کاندھے پر نہ لے سکے۔ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں نے گھیر لیا تو ابوبکر صدیق ہی نے ان سب کو دفع کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ہی اپنا جانشین یعنی امام نماز مقرر کیا بلکہ فرمایا کہ ابوبکر کی موجودگی میں کسی کو حق امامت نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ بڑے عالم ہی کو امام بنایا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ نگاہ مصطفوی میں ابوبکر صدیق سیدنا علی سے بھی بڑھ کر علم والے تھے ورنہ امامت کے لئے علی مرتضیٰ کا انتخاب ہوتا۔ دوسرے یہ کہ امامت کے لئے ضروری ہے کہ علوم شرعیہ و احکام سیاسیہ کا امام پورا ماہر ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ تمام دنیا سے افضل ہو۔ تمام خلفائے راشدین اس قدر علم رکھتے تھے اور قابل امامت تھے۔ مسلمانوں کی رائے سے جس کو ترجیح ہو گئی وہ ہی امام ہوا۔ جیسے کہ جماعت کے وقت چند علماء موجود ہوں اور ان میں سے ایک کو امام بنا لیا جائے کہ لائق امامت سب تھے مگر چلتا ایک کا ہوا۔ اگر امام کا سب سے بڑا عالم ہونا ضروری ہوتا تو حضرت اشموئیل کی موجودگی میں طالوت امام نہ ہوتے کیونکہ علم میں حضرت اشموئیل زائد تھے اور اگر امام کا سب سے بڑھ کر قد آور اور طاقتور ہونا ضروری ہوتا تو ملائکہ کی موجودگی میں آدم علیہ السلام خلیفہ نہ ہوتے۔ کیونکہ ملائکہ کا جسم کہیں بڑا ہے نیز عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں نہ ابوبکر صدیق خلیفہ ہو سکتے نہ مولیٰ علی کہ فاروق اعظم کا قد سب سے بڑا تھا ان کے چار انگل ہماری بالشت کے برابر تھے۔ درازی قد خلیفہ کے لئے کمال نہیں ورنہ حضور علیہ السلام کا قد شریف درمیانہ نہ ہوتا۔ چونکہ جالوت بہت دراز قد تھا کہ اسکا سایہ ایک میل تھا۔ (روح المعانی) اس لئے طالوت دراز قد کو خلیفہ بنایا یہ صحیح ہے کہ عمر فاروق کو علی رضی اللہ عنہ نے بعض دفعہ مسائل فقیہ بتائے اور غلطی سے بچایا اور حضرت عمر نے ان کا شکریہ ادا کیا مگر اس سے حضرت فاروق اعظم کی کم علمی ثابت نہیں ہو سکتی۔ اس زمانہ میں مسائل فقہ بلکہ احادیث بھی جمع نہ ہو سکنے کی وجہ سے بڑے اہل علم سے بھی خطا ہو جاتی تھی۔ خود سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے کچھ شیعوں کو آگ میں زندہ جلوا دیا۔ جس پر عبداللہ ابن عباس نے اعتراض کیا اور فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے زندہ کو جلانے سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ **لا یعذب بالنار الا رب النار** آگ کا عذاب تو آگ کا پیدا فرمانے والا رب ہی دے سکتا ہے اگر میں حضرت علی کے پاس ہوتا اور میرے سامنے ان روافض کا مقدمہ پیش ہوتا تو میں زندہ جلانے نہ دیتا بلکہ قتل کراتا کیونکہ مرتد کی سزا قتل ہے اور علی رضی اللہ عنہ نے اسے تسلیم کیا کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ سیدنا علی مرتضیٰ کم علم تھے۔ (مشکوۃ باب قتل المرتدین و لمعات) **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نسبی عظمت کوئی چیز نہیں۔ دیکھو خاندانی اسرائیلیوں کے ہوتے ہوئے طالوت بادشاہ ہوئے۔ جن کا پیشہ رنگریزی یا چمڑہ پکانا تھا۔ پھر سیدوں کو افضل کیوں کہا جاتا ہے۔ (خارجی) **جواب:** اس آیت سے اتنا معلوم ہوا کہ امامت نسب پر موقوف نہیں رہی۔ نسبی عظمت وہ ضرور معتبر ہے۔ روح البیان و تفسیر کبیر نے سولھویں سیپارہ کے شروع میں کان ابوھما صالحا کی تفسیر میں فرمایا کہ خضر علیہ السلام نے دو یتیموں کے خزانے کی حفاظت کی کیونکہ ان کا ساتواں دادا نیک مرد تھا۔ جب ساتویں دادا کی نیکی ان پوتوں کے کام آگئی تو کیا حضور علیہ السلام کی عظمت سیدوں کے کام نہ آئے گی۔ حرم کے کبوتر قابل عزت ہیں کیونکہ یہ اسی کبوتر کی اولاد میں ہیں۔ جس نے ہجرت کی رات غار ثور پر انڈے دیئے تھے تو کیا صاحب غار اور

www.alahazratnetwork.org

یار غار کی اولاد قابل حرمت نہ ہوگی ضرور ہوگی۔ مگر شرط یہ ہے کہ سید بد عقیدہ نہ ہو ورنہ وہ سید ہی نہیں۔ نیکوں کے کافر بیٹے کو خضر علیہ السلام نے بھی قتل کر دیا تھا۔ کافر اولاد کے لئے والدین کا صالح ہونا [illegible]۔ دیکھو جب تک بنی اسرائیل سیدھے رہے تو ان سے فرمایا گیا وانی فضلتکم علی العلمین میں نے تم کو تمام جہانوں پر برتری دی تھی۔ کیوں صرف اس لئے کہ وہ اولاد انبیاء تھے مگر جب بنی اسرائیل نافرمان ہو گئے تو دنیا میں انہیں ذلیل و خوار کر دیا گیا۔ صاحبزادے اگر ٹھیک رہیں تو سب کے سردار اور اگر ٹیڑھے چلیں تو خوار جو زیادہ اونچے سے گرتا ہے وہ بہت چوٹ کھاتا ہے۔ خیال رہے کہ اسلام میں عظمت چار چیزوں سے ملتی ہے نسبت، خدمت، حکمت (علم)، حضرت (نیک اعمال) سیدی کا بچہ اور رسول اور صفا مروہ پہاڑ کعبہ اور بی بی ہاجرہ کی برکت سے شعائر اللہ بن گئے اور شعائر اللہ کی تعظیم داخل فی الدین ہے یہ ہے نسبت کی بہار۔

تفسیر صوفیانہ : تکبر و بڑائی انسان کے ذاتی جوہر کھو دیتی ہے۔ علم و فضل تقویٰ و پرہیزگاری نیچوں کو اونچا کر دیتی ہے۔ دیکھو خاندانی بنی اسرائیل نے اپنے کو بڑا اور بیروں کو حقیر جانا تو سلطنت سے محروم ہو گئے۔ غیر خاندانی طالوت علم و فضل کی وجہ سے صاحب تخت و تاج اور ان بڑوں کے افسر ہوئے کہ ان کے پاس کمال روحانی یعنی علم اور کمال جسمانی یعنی تقویٰ تھا ایسے ہی راہ سلوک طے کرنے والے کے لئے علم و عمل کے دو بازو ضروری ہیں۔ فخر و تکبر حسب و نسب پر پھولنا محرومی کا باعث ہے تیز بارش گلی کوچوں میں بہتی ہے مگر ناچیز قطرہ سیپ میں پڑ کر موتی بنتا ہے کیونکہ اس نے اپنے کو حقیر جانا سیپ نے اسے رحمت سے پالا اور موتی بنا کر بادشاہوں کے تاج میں لگایا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بلندی ازاں یافت کو پست شد ۔۔۔ درِ نیستی کوفت تا ہست شد

یہ مت سمجھو کہ اونچے سے اونچے اور اعلیٰ سے اعلیٰ ہی پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ والے کی نگاہ سے ادنیٰ اعلیٰ بن جاتے ہیں اور اونچے لوگ بندگان خدا کی نگاہ سے گر کر نیچے ہو جاتے ہیں۔ آدم علیہ السلام کی پشت سے قابیل اور آزر بت پرست کے خاندان میں خلیل پیدا ہوتے ہیں۔ اچھی غذا پاخانہ بنتی ہے اور گندا نطفہ انسان۔ گوبر خون کے درمیان سے دودھ نکلتا ہے۔ لہٰذا سلوک کی شرط اول سکوت ہے اور تواضع و انکساری اس کے ارکان۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ
اور فرمایا واسطے ان کے نبی نے ان کے کہ تحقیق نشانی ان کے ملک کی یہ ہے کہ آوے گا تمہارے پاس صندوق کہ
اور ان سے ان کے نبی نے فرمایا اس کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ آئے تمہارے پاس تابوت جس میں
مِنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ
بیچ اس کے سکون ہے طرف سے رب تمہارے کے اور باقی تبرکات اس سے کہ چھوڑ گئے حضرت موسیٰ و حضرت
تمہارے رب کی طرف سے دلوں کا چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ہارون کے ترکہ

www.alahazratnetwork.org

الْمَلٰٓىٕكَةُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۲۴۸﴾

اردون نے اٹھائے ہونگے اُسے فرشتے تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانی ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے ۞
کی اُٹھاتے لائیں گے اُسے فرشتے بے شک اس میں بڑی نشانی ہے تمہارے لئے اگر ایمان رکھتے ہو ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں طالوت کی سلطنت دلائل سے ثابت کی گئی۔ اب اس کی کھلی نشانی بتائی جارہی ہے۔ جس سے ہر شخص ماننے پر مجبور ہو جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل علم کو طالوت کی سلطنت منوائی گئی۔ اور اب ان عوام کو منوائی جارہی ہے۔ جن میں دلائل پر غور کرنے کی قابلیت نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارۃً "وہ نشانیاں موجود تھیں جو سب نے نہ دیکھیں مثلاً طالوت کا قد عصا کے برابر ہونا اور بیت المقدس کے روغن کا جوش مارنا۔ اب ان نشانیوں کا ذکر ہے جو سب کو نظر آئیں اور جس کے بعد سب لوگ انہیں بادشاہ ماننے پر مجبور ہو گئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہ ذکر تھا کہ حضرت اشمویل نے بنی اسرائیل کو سلطنت طالوتی دلائل سے بتائی اور ثابت کی۔ جس سے ان میں سے اکثر کی تسلی نہ ہوئی اب اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ نے طالوت کی سلطنت مشاہدہ سے گویا دکھادی۔ جس کے بعد کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں رہی بتانے کے بعد دکھانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ عالم بتاتا ہے۔ جس میں شک و شبہ ہو سکتا ہے شیخ دکھاتا ہے۔ جس میں شک کی گنجائش نہیں رہتی۔ اسی لئے دنیا میں اللہ کی ذات و صفات وغیرہ کے لاکھوں منکر موجود ہیں کہ یہاں بتایا گیا ہے مرتے وقت سب مان لیں گے کہ وہاں سب کچھ دکھایا دیا جاوے گا پھر بعض بد بخت دیکھ کر بھی نہیں جھکتے۔ رب نے حضرت آدم کی عظمت دکھادی مگر شیطان نہ جھکا۔

تفسیر : **وقال لهم نبيهم** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے جس پر یہ معطوف ہے یعنی ان اسرائیلیوں نے طالوت کی سلطنت پر کھلی ہوئی نشانی طلب کی۔ اور اس کے جواب میں ان کے نبی نے فرمایا۔ اسی لئے یہ عبارت دوبارہ ارشاد ہوئی ورنہ فقط واؤ عاطفہ کافی تھا۔ یہ عبارت پچھلی آیت میں آچکی ہے نیز وہاں دلائل بتائے گئے تھے اور اب نشانات دکھائے جارہے ہیں۔ اس لئے **وقال لهم نبيهم** دوبارہ ارشاد ہوا۔ **ان اية ملكه ان ياتيكم التابوت** آیت کے معنی اور اقسام ہم پارہ الم میں بیان کر چکے ہیں یہاں بمعنی نشانی ہے ملک کے معنی مملکت بھی ہیں اور سلطنت بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ تابوت کا مادہ توب ہے بمعنی رجوع کرنا اور لوٹنا گناہ سے رجوع کرنے کو بھی توبہ کہا جاتا ہے یہ اصل میں توبوت تھا واؤ الف سے بدلا بروزن رهبوت و رحموت۔ صندوق اور پیٹی کو بھی اسی لئے تابوت کہتے ہیں کہ اس میں بار بار کپڑے وغیرہ رکھے جاتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہیں بعض لوگوں نے کہا کہ یہ تبت سے بنا بروزن فاعول ہے۔ دوسری ت مادہ کی ہے مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ فا اور لام کلمہ کا ایک جنس سے ہونا خلاف اصل ہے۔ اس کی تاریخی تحقیق انشاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں ہوگی چونکہ اس صندوق کی طرف بنی اسرائیل ہر دعا ہر مصیبت ہر حالت ہر جنگ میں رجوع کرتے تھے کہ اس کی برکت سے دعائیں کرتے تھے مصیبتیں دفع کرتے تھے جنگ میں اسے آگے رکھتے تھے اس لئے اسے تابوت یعنی بار بار لوٹنے کی جگہ کہتے تھے۔ اگرچہ یہ صندوق طالوت کے پاس آیا تھا مگر چونکہ بنی اسرائیل بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے اور انہیں کا اطمینان مقصود تھا اسی لئے یاتیکم فرمایا گیا۔ یعنی طالوت کے

www.alahazratnetwork.org

بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک صندوق آئے گا۔ **فیہ سکینۃ من ربکم** ضمیر کا مرجع یا تو تابوت ہے یا تابوت کا آنا سکینۃ سکن سے بنا بمعنی حرکت کے بعد ٹھہر جانا۔ اس کو سکون بھی کہتے ہیں یہ بروزن فعیلۃ ہے۔ جیسے تقیۃ، بقیۃ و عزیمۃ یہاں سکون قلبی اور چین و اطمینان مراد ہے یعنی اس تابوت میں تمہارے قلبوں کو چین و سکون حاصل ہوگا یا اس میں قرار قلب کا سامان ہوگا۔ **وبقیۃ مما ترک ال موسیٰ و ال ھرون** اگر پچھلے جملہ میں سکینۃ سے سکون کے اسباب مراد ہو تو یہ عطف تفسیری ہے ورنہ علیحدہ چیز یہاں آل یا تو بمعنی متبعین ہے جیسے آل فرعون اور اس سے وہ انبیاء بنی اسرائیل مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوئے یا خود ان کی ذات شریف مراد۔ جیسے حضور علیہ السلام نے ابو موسیٰ اشعری کے لئے فرمایا کہ ان کو آل داؤد کی آواز دی گئی یعنی خود داؤد علیہ السلام کی۔ اور ہو سکتا ہے کہ آل زائدہ ہو مگر دوسری تفسیر زیادہ قوی (کبیر و معانی و روح وغیرہ) یعنی اس صندوق میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کے چھوڑے ہوئے کچھ تبرکات بھی ہوں گے۔ مگر وہ صندوق خود نہ آئے گا۔ بلکہ **تحملہ الملئکۃ** یہ جملہ تابوت کا حال ہے اور ملائکہ سے فرشتوں کی ایک خاص جماعت مراد ہے یا تو سب ہی فرشتے اٹھا کر لائے تھے اور یا ایک ہی فرشتہ اٹھائے ہوئے تھا اور باقی اس کے ساتھ جلوس کی شکل میں تھے یا یہ صندوق کسی اور چیز پر آیا تھا اور تعظیم کے لئے فرشتے اس کے ساتھ تھے بہر حال فرشتوں کا ساتھ ہونا اظہار عظمت کے لئے ہے یعنی اس صندوق کو فرشتوں کی جماعت اٹھائے گی۔ **ان فی ذلک لایۃ لکم** ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی انہیں پیغمبر کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ رب کا فرمان ہو۔ ذالک سے یا تو صندوق کی طرف یا اس کے آنے کی طرف یا سارے اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے لایۃ کی تنوین تعظیمی ہے یعنی اے اسرائیلیو اس تابوت کے آنے میں طالوت کی سلطنت کی تمہارے لئے بڑی نشانی ہے۔ **ان کنتم مؤمنین** ظاہر یہ ہے کہ ایمان سے اصطلاحی ایمان مراد ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی تصدیق ہو یعنی اگر تم ایماندار ہو تو اس معجزہ کو مان لو یا اگر تم میں تصدیق کا مادہ ہے تو یہ صندوق کی نشانی دیکھ کر طالوت کی سلطنت کا اقرار کر لو اور اگر رب کا کلام ہے جس میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے تو مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم میں ایمان کا نور ہے تو اس واقعہ تابوت میں تمہارے لئے بہت سی نشانیاں ہیں جن سے تم متعدد ایمانی مسائل ثابت کر سکتے ہو اور اگر ایمان کے نور سے دل دماغ خالی ہے تو تاویلیں اور تحریفیں ہی کرو گے۔ اس آیت کے مسائل انشاء اللہ فوائد میں عرض ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر : بنی اسرائیل نے حضرت اشمویل علیہ السلام کی تمام تقریر سن کر عرض کیا کہ طالوت کی سلطنت کا کوئی ظاہر تمغہ بھی دکھائیے۔ جس سے سب کے دل کو اطمینان ہو جائے تو آپ نے فرمایا کہ اچھا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ تمہارے سامنے طالوت کے پاس ایک صندوق آئے گا جس کے آنے سے قدرتی طور پر تمہاری گھبراہٹ جاتی رہے گی اور دلوں کو چین اور سکون حاصل ہوگا اور اس وقت جو تم کو طالوت کی سلطنت کی طرف سے کچھ تردد ہے وہ جاتا رہے گا۔ یا آئندہ ہر گھبراہٹ کے موقعوں پر تمہیں اس کے سبب سکون قلبی نصیب ہوا کرے گا جنگ میں اس کی برکت سے فتح میسر ہوگی لڑائی میں فتح کا راز سکون قلبی ہے۔ جس لشکر کے اوسان بگڑ جائیں وہ مار کھا جاتا ہے یا تمہیں آزمائش ہے کہ گزشتہ زمانہ میں اس تابوت میں تمہارے لئے سکون رہا ہے کہ تم ہر موقعہ پر اس کی برکت سے چین و سکون پاتے تھے مگر دوسری تفسیر قوی ہے کہ آئندہ سکونوں کی اس میں پیش گوئی ہے۔ غرضیکہ فیہ سکینۃ میں تین تفسیریں ہیں سکون تھا، سکون ہے، سکون ہوگا۔ اس میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہم

www.alahazratnetwork.org

السلام کے چھوڑے ہوئے کچھ تبرکات ہیں کچھ تو خود ان کی اپنی چیزیں جیسے عصا و عمامہ وغیرہ اور کچھ وہ چیزیں جنہیں موسیٰ علیہ السلام بھی برکت کے لئے اپنے پاس رکھتے تھے جیسے انبیاء کرام کی تصاویر۔ اور تعظیم کے لئے ملائکہ بھی بشکل جلوس اسے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اے اسرائیلیو! اس سے بڑھ کر اب کون سی نشانی چاہتے ہو۔ اگر تم میں ماننے کا مادہ ہے تو یہ تو بہت بڑی نشانی ہے۔ خیال رہے کہ تابوت لانے والے فرشتے ان بنی اسرائیلو کو نظر نہ آتے تھے صرف حضرت شمویل نے انہیں دیکھا تھا۔ کیونکہ کوئی شخص فرشتوں کو ان کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتا اور اگر انسانی شکل میں آتے تو بنی اسرائیل جیسی سرکش قوم پھر الزام لگا دیتی کہ ان آدمیوں سے طالوت کی کوئی سازش ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ نبی کی آنکھ غیب کی چیز دیکھ لے اور حاضرین مجلس نہ دیکھ سکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھاتے ہوئے جنت دوزخ کو دیوار قبلہ میں ملاحظہ فرمایا مگر کوئی مقتدی نہ دیکھ سکا۔

تابوت سکینہ : تابوت کے متعلق کہ وہ کیسا تھا اور کب سے ہے اور اس میں کیا چیزیں تھیں۔ مفسرین کے چند قول ہیں جن میں سے ہم تحقیقی بات عرض کرتے ہیں۔ جس پر تفسیر کبیر وغیرہ نے اعتماد کیا اور احادیث سے اس کی تائید ہوئی اور خزائن العرفان نے اسی کو لیا۔ وہ یہ ہے کہ یہ تابوت شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس پر سونے کی چادر چڑھی ہوتی تھی جس کا طول تین ہاتھ اور عرض دو ہاتھ تھا۔ اسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ اس میں انبیاء کرام اور ان کے مکانات کی تصویریں تھیں اور آخر میں حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دولت خانہ کی تصویر ایک سرخ یاقوت میں تھی کہ حضور بحالت نماز قیام میں ہیں اور آپ کے گرد صحابہ کرام ہیں یہ صندوق آدم علیہ السلام سے وراثۃً انبیاء کرام کو منتقل ہوتا ہوا موسیٰ علیہ السلام تک پہنچا۔ آپ اس میں توریت شریف بھی رکھتے تھے اور اپنا خاص سامان بھی چنانچہ اس میں توریت کی تختیوں کے کچھ ٹکڑے اور آپ کے عصا اور آپ کے کپڑے اور نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور ان کا عصا اور تھوڑا سا من جو بنی اسرائیل پر اترتا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام جنگ کے موقعوں پر اس صندوق کو آگے رکھتے اور اس کی برکت سے فتح حاصل کرتے تھے اس سے بنی اسرائیل کو تسکین بھی رہتی تھی۔ آپ کے بعد یہ تابوت بنی اسرائیل میں منتقل ہوتا ہوا چلا آیا جب انہیں کوئی مشکل درپیش ہوتی تو وہ اس تابوت کو سامنے رکھ کر دعا کرتے اور کامیاب ہوتے اسی کی برکت سے دشمنوں کے مقابلہ میں فتح پاتے۔ جب ان کی بدعملی حد سے بڑھ گئی تو ان پر قوم عمالقہ مسلط ہو گئی جو اسرائیلیوں سے یہ تابوت بھی چھین کر لے گئی اور اس کو بے حرمتی سے گندی جگہ پر رکھا۔ اس گستاخی کی وجہ سے عمالقہ سخت بیماریوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہو گئے جو اس کے پاس پیشاب کرتا یا تھوکتا بواسیر میں مبتلا ہو جاتا عمالقہ کی پانچ بستیاں بھی تباہ ہو گئیں۔ تب انہیں یقین ہوا کہ یہ مصیبتیں تابوت کی بے ادبی کی وجہ سے ہیں۔ لہٰذا انہوں نے یہ تابوت ایک بیل گاڑی پر رکھ کر بیلوں کو ہانک دیا ادھر تو یہ واقعہ ہو رہا تھا۔ ادھر حضرت اشمویل علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خبر دی کہ طالوت کے پاس تابوت آرہا ہے فرشتے بیلوں کو ہانکتے ہوئے طالوت کے پاس لے آئے۔ بنی اسرائیل تابوت دیکھ کر بڑی خوش ہو گئے اور انہیں اپنی فتحمندی کا یقین ہوا اب نے طالوت سے بیعت کر کے انہیں بادشاہ مان لیا۔ یہ ہی واقعہ اس آیت میں مذکور ہوا۔ (خزائن، کبیر، معانی، روح، جمل، خازن وغیرہ)۔

لطیفہ : محمد علی لاہوری نے تابوت کے معنی دل کئے ہیں اور آیت کا مطلب یہ بتایا کہ طالوت کا دل بدل جائے گا اور اس میں حضرت موسیٰ و ہارون کی سی شجاعت پیدا ہو جائے گی۔ کیونکہ صندوق کا بیل گاڑی میں لد کر آنا خلاف عقل ہے۔ یہ تفسیر نہیں

www.alahazratnetwork.org

بلکہ تحریف ہے جب مرزائی کے پاس بیچی فرشتہ دولت کی تھیلی لاسکتا ہے تو اگر تابوت آجائے تو کیا حرج ہے تابوت کا آنا تو آپ کے عقل میں نہ آیا۔ اور سینہ میں سے دل نکل کر موسیٰ علیہ السلام کا دل اس میں پڑ جانا آپ کی عقل میں سا گیا۔ اگر اس میں دل مراد ہے تو اس میں تبرکات انبیاء سکون و وقار کا ہونا فرشتوں کا اٹھانا کیا معنی اور پھر یہ بات بنی اسرائیل کے لئے بڑی نشانی کیونکر بنی دنیا میں بمار و رمت سے ہوتے ہیں۔ اور کس حدیث یا قول صحابی سے یہ تفسیر کی گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بزرگوں کے تبرکات سے برکت لینا سنت انبیاء ہے۔ حضرت خالد کی ٹوپی میں حضور علیہ السلام کا بال شریف تھا جسے اوڑھ کر وہ جنگ کرتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** بزرگوں کے تبرکات سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں اور دلوں کو چین حاصل ہوتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس حضور کا جبہ مبارک تھا جسے دھو کر بیماروں کو دواء" پلاتی تھیں۔ بادشاہ روم نے عمر رضی اللہ عنہ سے درد سر کی شکایت کی آپ نے حضور کا بال شریف ایک ٹوپی میں سی کر بھیج دیا جس سے اس کا درد سر جاتا رہا۔ امیر معاویہ نے وصیت فرمائی کہ حضور کے تبرکات یعنی بال' ناخن وغیرہ میرے ہونٹوں پر رکھ دینا اور حضور کا تہبند شریف سر پر۔ اس قسم کی بہت سی روایتیں اگر مع ثبوت دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب " جاء الحق" کا مطالعہ کرو۔ **تیسرا فائدہ:** تبرکات شریف کا جلوس نکالنا سنت ملائکہ ہے جیسا کہ **تحملہ الملائکہ** سے ثابت ہوا۔ ایک فرشتہ ساری زمین اٹھا سکتا ہے۔ اس صندوق کا اتنے فرشتوں کا اٹھانا جلوس ہی تھا۔ **چوتھا فائدہ:** تبرکات کی زیارت کرنا سنت بزرگان دین ہے جیسے آج کل بال شریف کی زیارت وغیرہ ہوتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں شہرت ہونا ہی کافی ہے اس کے لئے بخاری کی حدیث ضروری نہیں کیونکہ پچھلے اسرائیلی ان تبرکات کی فقط شہرت سے ہی تعظیم کرتے تھے۔ اشمویل علیہ السلام نے بعد میں تصدیق کی۔ **چھٹا فائدہ:** تبرکات کی بے حرمتی کفار کا طریقہ ہے موجودہ وہابی' دیوبندی اس زمانہ کی قوم عمالقہ ہیں۔ جنہوں نے تبرکات کی بے حرمتی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ مگر خیال رہے کہ یہ بے حرمتی ہلاکت کا سبب ہے۔ رب کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** تبرکات کا گم ہو جانا مصیبتوں اور بلاؤں کی علامت ہے کہ تابوت گم ہوتے ہی بنی اسرائیل پر مصیبتیں آئیں۔ عثمان غنی کے ہاتھ سے حضور کی انگوٹھی گم ہو جانے پر حکومت میں گڑبڑ مچی۔ حضرت سلیمان کی انگشتری کا غائب ہونا تکلیف کا باعث ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جس چیز کو بزرگوں سے نسبت ہو جاوے وہ متبرک ہے اور اس سے فیض پہنچتا ہے کہ پیغمبروں کی تصویروں کو تو پیغمبروں سے صرف نقل و حکایت کی نسبت تھی اور موسیٰ علیہ السلام کے عمامہ نعلین شریف وغیرہ کو کچھ مدت ان بزرگوں کے ساتھ رہنے کی نسبت حاصل ہوئی۔ جس سے ان چیزوں میں سکون قلب بخشنے کی تاثیر پیدا ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص میں نابینا آنکھ میں روشنی دے دینے کی تاثیر تھی۔ رب فرماتا ہے **اذھبو بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا**۔

پہلا اعتراض : اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ تابوت سکینہ میں انبیاء کرام کی تصویریں تھیں اور حدیث شریف میں ہے کہ جاندار کی تصویر بنانا حرام ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** وہ تصویریں قدرتی تھیں نہ کہ کسی انسان کی بنائی ہوئیں۔ انسانوں کو تصویر کھینچنا حرام ہے۔ خالق کے یہ احکام نہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ نکیرین قبر میں حضور علیہ السلام کی تصویر دکھا کر سوال کرتے ہیں وہ بھی قدرتی ہی ہوتی ہے۔ بلکہ پچھلی شریعتوں میں تصویر سازی جائز تھی۔ صرف ہمارے اسلام میں

www.alahazratnetwork.org

حرام ہوئی حضرت سلیمان نے جنات سے جانداروں کے مجسمے تیار کرائے تھے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب و قدور** سمت عہد فاروقی میں جب بیت المقدس فتح ہوا تو آپ نے وہ مجسمے وہاں سے نہ مٹائے کہ ایک پیغمبر کے زمانہ کے ہیں اور اس وقت یہ جائز تھے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تابوت سکینہ فرشتے اٹھا کر لائے تھے اور تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ بیل گاڑی پر آیا تھا مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہ اسناد مجازی ہے جیسے کہتے ہیں کہ میرا سامان فلاں شخص دہلی اٹھا کر لے گیا۔ سامان تو ریل نے اٹھایا۔ مگر چونکہ لے جانے والا آدمی تھا اس لئے اسی کی طرف نسبت کردی گئی۔ یوں ہی تابوت کو اٹھانے والے اگرچہ بیل تھے مگر ان کو لانے والے فرشتے ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ قوم عمالقہ سے اٹھا کر تابوت آسمان پر پہنچادیا گیا۔ طالوت کے پاس فرشتے آسمان سے ہی لائے۔ اس صورت میں اسناد حقیقی ہے۔ تیسرا اعتراض: جب تابوت تین ہاتھ لمبا تھا تو اس میں عصاء موسوی کیونکر سما گیا وہ تو دس ہاتھ کا تھا۔ جواب: اس میں عصا کا ٹکڑا ہو گا نہ کہ پورا عصا جیسے کہ توریت کی تختیوں کے ٹکڑے تھے یا کوئی دوسرا ڈنڈا ہو گا نہ کہ وہ عصا مشہور وہاں عصاء ہارون بھی تھا یہ عصا بھی کوئی دوسری ہی لاٹھی تھی یا یہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ ہو گا کہ چھوٹے صندوق میں بڑی لاٹھی سما گئی۔ چوتھا اعتراض: تابوت سکینہ طالوت کے بادشاہ بننے سے پہلے ہی آگیا تھا جیسا کہ توریت سے معلوم ہوتا ہے۔ جواب: کتاب شمویل میں خود تعارض ہے کہ کہیں تابوت کا آنا ان کی سلطنت کے بعد مذکور ہے کہیں پہلے۔ لہذا پہلے والا واقعہ غلط ہے موجودہ توریت کا اعتبار نہیں۔ (تفسیر حقانی)۔ پانچواں اعتراض: اگر تابوت سکینہ میں موسیٰ علیہ السلام کے نعلین شریف بھی ہوں تو اس میں انبیاء کرام کی تصویروں اور توریت کی سخت توہین ہے کہ ایک ہی جگہ جوتے بھی اور توریت بھی۔ جواب: اگر جوتوں کی روایت درست ہے تو تابوت کے چند خانے ہوں گے اور نیچے کے خانہ میں نعلین شریف ہو گی کسی خانہ میں تصاویر کسی میں توریت شریف اسی خانوں کی صورت میں اہانت نہیں ہوتی۔ جیسے الماری کے نیچے کے خانہ میں جوتے ہوں اوپر کے خانہ میں قرآن شریف ہو کہ اسی میں علیحدہ علیحدہ جگہ ہو جس گھر میں قرآن شریف ہو اس کی چھت پر چلنا جائز ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ کے پیارے ملک الٰہی میں خلیفۃ اللہ ہیں اور ان کا دل تابوت جسے رب نے ایمانی سکون اور عرفانی قرار عطا فرمایا۔ جس میں لا الٰہ الا اللہ کا عصا ہے۔ یہ عصا فرعون نفس کے صفاتی جادوگروں کو فنا کر دیتا ہے۔ اس تابوت سکینہ سے تو دشمنوں پر غلبہ تھا اس تابوت قلبی میں تمام جنات و شیاطین پر غلبہ ہے اس تابوت سکینہ میں توریت کا کچھ حصہ تھا۔ اس تابوت قلب میں لوح محفوظ کی طرح سارا قرآن محفوظ ہے۔ اس تابوت میں انبیاء کی صورتیں تھیں۔ اس تابوت قلبی میں انبیاء کی سیرتیں اور ان کے اخلاق ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ جب طالوت روح کو تابوت قلب مل جائے تو اسے خلافت الٰہی اور تخت و سلطنت عطا ہو جاتا ہے پھر وہ اس دنیا سے بچ کر اپنے تمام صفات ایمانی کے لشکر کے ساتھ جالوت نفس پر حملہ کر کے تباہ و برباد کر ڈالتا ہے۔ کیونکہ بدن انسانی میں طالوت روح اور جالوت نفس جمع ہو کر سلطنت نہیں کر سکتے۔ کسی نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ معرفت کی علامت کیا۔ آپ نے جواب دیا کہ رب فرماتا ہے کہ **ان الملوک اذا دخلوا قریۃ افسدوھا**" بادشاہ شہروں میں داخل ہو کر انہیں بگاڑ ڈالتے ہیں۔ سلطان عشق بھی عاشق کے دل میں داخل ہو کر اس کے تمام صفات نفسانی اور لشکر شیطانی کو نکال کر قلب کو منقلب کر دیتا ہے۔ (روح البیان) حضرت صدر الافاضل نے کیا خوب فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

کھول دو سینہ میرا فاتح مکہ آ کر ! کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر
آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست مشت خاک اپنی ہو اور نور کا لہلا تیرا (اعلیٰحضرت)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ہوتا ہے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب اور بزرگوں سے ان کے تبرکات سے دل و جان کو سکون میسر ہوتا ہے فیہ سکینۃ من ربکم' سکون اور اطمینان میں فرق ہے نیز یہاں دل کی قید نہیں کہ دل کو ہی سکون ہے بلکہ دل' جان' دماغ' ایمان سب میں ہی سکون میسر ہوتا ہے۔ یہ حضرات جن کے تبرکات سب ذکر اللہ ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُم بِنَهَرٍ
پس جب جدا ہوئے طالوت ساتھ لشکروں کے تو فرمایا تحقیق اللہ امتحان فرمانے والا ہے تمہارے ساتھ نہر کے
پھر جب طالوت لشکروں کو لے کر شہر سے جدا ہوا بولا بے شک اللہ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے
فَمَن شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي وَمَن لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ
پس جو کہ پیئے اس سے پس نہیں ہے وہ مجھ سے اور جو نہ چکھے اسے پس تحقیق وہ مجھ سے ہے مگر وہ
تو جو اس کا پانی پئے وہ میرا نہیں اور جو نہ پئے وہ میرا ہے مگر وہ جو ایک چلو
اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ
جو چلو لے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پس پیا سب نے اس سے سوا تھوڑوں کے ان میں سے
اپنے ہاتھ سے لے لے تو سب نے اس سے پیا مگر تھوڑوں نے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں طالوت کی سلطنت تسلیم کرانے کا واقعہ بیان ہوا۔ اب سلطنت کے مقصد کا ذکر ہے یعنی لوگوں کا طالوت کے ماتحت جمع ہو کر جالوت کی طرف چل پڑنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کی سرکشی اور کج بحثی کا ذکر تھا۔ اب اس کے نتیجے یعنی بدعملی اور مخالفت امام کا تذکرہ ہے کہ جنھوں نے ان کی سلطنت پر شبہات کئے۔ ان سے کچھ ہو بھی نہ سکا۔

تفسیر: **فلما فصل طالوت بالجنود**' ف تعقیبیہ ہے۔ اس سے پہلے ایک پوری عبارت پوشیدہ ہے فصل فصل سے بنا' جس کے معنی ہیں' توڑنا' جدا کرنا اور نکالنا' اسی لئے کلام قاطع کو فیصلہ اور بچہ کے دودھ چھڑانے کو فصال اور قریہ سے نکل جانے کو فصل کہتے ہیں۔ **ولما فصلت العیر**۔ یہ متعدی ہے مگر اس کا مفعول اور متعلق پوشیدہ' جنود' جمع جند کی ہے معنی سخت زمین لشکر کو بھی اس کی سختی کی وجہ سے جند کہا جاتا ہے کبھی مددگاروں کو بھی جند کہہ دیتے ہیں چونکہ لشکر میں مختلف جماعتیں ہوتی ہیں اور ہر جماعت کے متعلق علیحدہ خدمت۔ اس لئے جمع لایا گیا۔ فوج' عسکر' جند ان سب کے معنی ہیں لشکر مگر جند بہت بڑے اور عظیم الشان کو کہا جاتا ہے اور فوج و عسکر مطلقاً لشکر کو رب تعالیٰ فرماتا ہے وما یعلم جنود ربک الا ھو۔ یہاں جنود

www.alahazratnetwork.org

فرما کر اشارۃ" کہا گیا کہ وہ اتنے بڑے لشکر جرار کو لے کر نکلے کہ اسی کی ہر جماعت' کھانا پکانے والے' جانوروں کی خدمت کرنے والے' مرہم پٹی کرنے والے' لڑنے والے غرضیکہ ہر جماعت والے مستقل جند یعنی لشکر تھے اور یہ مجموعہ گویا بہت سے لشکروں کا مجموعہ تھا۔ یعنی جب بنی اسرائیل نے تابوت سکینہ دیکھ لیا تو سب طالوت کی سلطنت سے متفق ہو گئے اور اس کے ساتھ لشکروں کی شکل میں چل پڑے اور جب طالوت اپنے لشکروں کے ساتھ شہر سے جدا ہوئے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کبھی بڑے لشکر کو بھی جنود کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے ٹڈی دل کو جنود اللہ کہا جاتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا الارواح جنود مجندۃ۔ یہاں بھی بڑے لشکر کو جنود کہہ دیا **قال ان اللہ مبتلیکم بنھر** مبتلی ابتلاء سے بنا جس کا مادہ بلو ہے بمعنی امتحان۔ اس کی پوری تحقیق ہم ولنبلونکم کی تفسیر میں کر چکے۔ قال کا فاعل طالوت ہیں۔ انہوں نے حضرت اشمویل علیہ السلام کے حکم سے یہ اعلان فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ اس کا فاعل خود اشمویل علیہ السلام ہیں کہ اس لشکر میں وہ بھی موجود تھے۔ نہر کے معنی چیرنا' فراخی اور چوڑائی ہیں۔ یہاں اس سے پانی کی نہر مراد ہے۔ یہ یا تو نہر اردن تھی یا نہر فلسطین یعنی بحکم اشمویل علیہ السلام طالوت نے یا خود اشمویل علیہ السلام نے ہی اعلان فرمایا کہ اے سپاہیو! عنقریب رب تعالیٰ ایک نہر سے تمہارا امتحان لینے والا ہے **فمن شرب منہ فلیس منی** یہ امتحان کی تفصیل ہے یعنی جو بھی اس نہر سے پی لیگا وہ میری جماعت اور میرے دین سے نہ ہو گا خیال رہے کہ نہر سے پینے کا مطلب اس کا پانی پینا ہے خواہ نہر سے منہ لگا کر ہو یا برتن وغیرہ میں لیکر روح البیان وغیرہ نے فرمایا کہ اس سے منہ لگا کر پانی پینا مراد ہے اور اس کی ممانعت تھی۔ چلو یا برتن سے پینے کی اجازت تھی مگر یہ معنی منشاء آیت کے خلاف معلوم ہوتے ہیں وہاں تو صابرین کی آزمائش منظور تھی کہ کون پیاس پر صبر کرتا ہے برتن سے پی لینے میں صبر کہاں رہا نیز آیت کا اگلا جملہ بھی اس کے مخالف معلوم ہوتا ہے کہ فرمایا گیا **ومن لم یطعمہ فانہ منی** یطعم طعم سے بنا بمعنی چکھنا خواہ خشک چیز چکھی جائے یا پتلی یعنی جو پانی کو چکھے بھی نہیں وہ مجھ سے ہے نہ برتن میں لے کر نہ چلو سے نہ منہ لگا کر بلکہ کلی بھی نہ کرے کیونکہ اس سے پانی کی لذت محسوس ہو جاتی ہے اور پیاس میں تخفیف (کبیر) **الا من اغترف غرفۃ بیدہ** یہ شرب کے فاعل سے استثناء ہے۔ غرف کے معنی کاٹنا ہے۔ کھڑکی کو اس لئے غرفہ کہتے ہیں کہ وہ دیوار سے کاٹ کر بنائی جاتی ہے۔ اس کی جمع غرفات ہے **وھم فی الغرفت امنون**۔ ایک چلو پانی یا خود چلو کو بھی غرفہ کہا جاتا ہے۔ چونکہ مجازاً تھوڑے پانی کو غرفہ اور تھوڑے کھانے کو لقمہ کہہ دیتے ہیں۔ اس وہم کو دور کرنے کیلئے' بیدہ فرمایا یعنی سوا اس کے جو اپنے ایک ہاتھ کا چلو بھر کر پی لے۔ روح البیان نے فرمایا کہ بالکل نہ چکھنا عزیمت تھا اور ایک چلو پینا رخصت اور اس سے زیادہ حرام۔ خیال رہے کہ جیسے اسلام میں بد عملی کفر نہیں بلکہ بد عقیدگی کفر ہے مگر بعض گناہ علامت کفر ہونے کی وجہ سے کفر ہیں جیسے چوٹی اور زنار یا قرآن کریم کی عمداً بے ادبی ایسے ہی اس دن نہر سے پانی پینا علامت کفر قرار دیا گیا تھا اور فرمایا گیا تھا کہ جو نہر سے پانی پئے گا وہ میرے دین سے خارج ہو کر کافر ہو گا **فشربوا منہ الا قلیلا منھم** یہاں بھی ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ شربوا کا فاعل سارے لشکر والے ہیں اور الا قلیلا ان سے مستثنیٰ یعنی باوجود ممانعت کے تھوڑوں کے سوا سب نے نہر سے خوب پانی پیا۔ بعض نے منہ لگا کر بعض نے برتنوں سے بلکہ بعض اس میں کود ہی گئے۔ حکم پر عمل کرنے والے 313 تھے جن میں سے بعض نے بالکل نہ پی کر عزیمت پر عمل کیا اور بعض نے چلو پی کر رخصت پر۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : جب بنی اسرائیلیوں کو طالوت کی امامت میں کچھ شک وشبہ نہ رہا اور سب نے انہیں اپنا بادشاہ تسلیم کرلیا۔ تب طالوت نے ان سب کو بشکل لشکر جمع کیا اور جب اس عظیم الشان لشکر کو لے کر شہر سے جدا ہوئے تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اے سپاہیو! تمہارا ایک نہر سے امتحان ہونے والا ہے گرمی سخت ہے تم پر پیاس کا غلبہ ہے۔ نہر سامنے آرہی ہے جو اس سے پی لے گا وہ میری جماعت سے نہ ہوگا یعنی میری فوج میں نہ رہ سکے گا بلکہ نکال دیا جاوے گا یا میرے ساتھ نہر سے آگے نہ بڑھ سکے گا اور جہاد نہ کرسکے گا۔ اس میں غیبی خبر ہے یا ہمارے دین سے خارج ہو جاوے گا کہ مسلمان نہ رہے گا کیونکہ یہ عمل کفر قرار دیا گیا ہے اور جو اسے چکھے بھی نہیں وہ میرا ہے۔ ہاں ایک چلو پانی کی اجازت ہے کہ ہتھیلی بھر پی لیا جائے یہ سب چلے۔ گرمی کی شدت اور پیاس کے غلبہ سے نڈھال ہو گئے کہ اچانک ٹھنڈے اور صاف پانی کی نہر سامنے آئی۔ اس سے سب نے خوب پانی پیا اور کوئی حد پر قائم نہ رہا سواء تھوڑی سی جماعت کے۔

اصل واقعہ : بنی اسرائیل نے اپنا اطمینان کرکے فوراً جہاد کی تیاری کردی۔ طالوت نے اعلان کیا کہ میرے ساتھ بڈھا بیمار اور وہ شخص جس کا دل دنیا سے لگا ہو نہ جائے لہٰذا جس کا مکان بن رہا ہو جو تجارتی کاروبار میں مشغول ہو یا جس پر قرض ہو یا وہ جس نے نکاح کیا ہو اور ابھی اس کی رخصت نہ ہوئی ہو۔ ہرگز جہاد میں شریک نہ ہو۔ صرف فارغ البال تندرست نوجوان فوج میں بھرتی ہوں تاکہ جنگ کا کام خوب کریں۔ چنانچہ آپ نے ایسے لوگ چھانٹے۔ روح البیان وغیرہ نے فرمایا کہ اسی ہزار 80000 کا لشکر تیار کیا گیا۔ مگر در منثور نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ تین لاکھ تین ہزار تین سو تیرہ (303313) کا لشکر تیار ہوا۔ ان سب کو لے کر روانہ ہوئے۔ چونکہ آپ چاہتے تھے کہ میرے ساتھ صرف صابرین ہی جائیں بزدلوں اور بے صبروں کی بھیڑ نہ ہو کہ کبھی یہ بھیڑ شکست کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اس لئے بحکم الٰہی اعلان فرمایا کہ آگے ٹھنڈے پانی کی نہر آرہی ہے۔ ایک چلو کے سوا زیادہ کوئی نہ پئے۔ اتفاقاً موسم سخت گرم تھا اور لوگ پیاس سے بے قرار تھے۔ اس حالت میں عین دوپہر کے وقت نہر سے گزرے تین سو تیرہ جوانوں کے سوا باقی سب خوب پی گئے جنہوں نے صرف ایک چلو پہ قناعت کی۔ ان کا ایک چلو انہیں اور ان کے گھوڑوں کو کافی ہو گیا اور ان کی پیاس بجھ گئی اور بے صبرے لوگ جتنا پیتے تھے اتنی ہی پیاس بڑھتی تھی۔ ان کے ہونٹ کالے پڑ گئے۔ پیٹ پھول گیا۔ (معانی و کبیر)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** پیغمبر پر جرح کرنا محرومی کا سبب ہے حضرت اشمویل پر جرح کرنے والے آئندہ صبر بھی نہ کرسکے اور سر تسلیم خم کرنے والے کامیاب رہے۔ **دوسرا فائدہ:** اطاعت انبیاء میں راحت ہے اور ان کی مخالفت میں سخت تکلیف۔ دیکھو تھوڑا پانی پینے والے سیر ہو گئے اور مخالفت کرنے والے پیاسے بھی رہے۔ مصیبت میں بھی پڑے اور درگاہ الٰہی سے نکالے بھی گئے۔ **تیسرا فائدہ:** صبر میں برکت ہے اور بے صبری میں بے برکتی صابر کا تھوڑا مال بے صبرے کے بہت سے مال سے بہتر ہے۔ دیکھو صابر کا ایک چلو سوار اور سواری دونوں کو کافی ہو گیا اور بے صبروں کا بہت سا پانی کافی نہ ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بعض اعمال علامت انکار ہیں کہ ان کا کرنے والا کافر۔ دیکھو بہت سا پانی پینا یہاں کفر قرار دیا گیا کہ فرمایا فمن شرب منه فليس منى۔ اب بھی جینو باندھنا قرآن کی بے ادبی کرنا کفر ہے کہ یہ علامات انکار ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** پیغمبر کے حکم سے کبھی حلال چیزیں حرام اور حرام حلال ہو جاتی ہیں۔ دیکھو پانی کا چلو حلال رہا مگر زیادہ حرام۔ حضرت علی

www.alahazratnetwork.org

کے لئے فاطمۃ الزہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام اور بحالت جنابت مسجد میں آنا حلال ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام انبیاء کرام کے صحابہ سے افضل اور باوفا ہیں۔ دیکھو ان اسرائیلوں میں لاکھوں میں سے صرف تین سو تیرہ باوفا نکلے باقی بے وفا اور ایک معمولی پیاس برداشت نہ کر سکے مگر بدر' تبوک اور خندق میں حضور کے تمام صحابہ نے جس جانبازی اور جان نثاری کا ثبوت دیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی جگہ جگہ تعریف فرمائی فرمایا۔ **اولئک هم الصدقون** یہ سب سچے ہیں کہیں فرمایا **اولئک هم المؤمنون حقا** یہ سب سچے مومن ہیں کہیں فرمایا **اولئک هم المتقون** یہ سب پرہیزگار ہیں۔

پہلا اعتراض : جنگ کے موقعہ پر لشکر کو کھانے پینے کا آرام دیا جاتا ہے وہاں پانی سے بھی کیوں روک دیا گیا یہ فعل خلاف مصلحت تھا۔ جواب: چند وجوہ سے ایک یہ کہ بنی اسرائیل نے بدلہ لینے کے لئے بادشاہ مانگا تھا اور کہا تھا کہ چونکہ جالوت نے ہمیں تکلیف پہنچائی ہے لہٰذا ہم بھی اس سے جنگ کریں گے اس میں للیت نہ تھی اور باعث ثواب وہ ہی جہاد ہے جو اللہ کے لئے ہو۔ اس لئے آپ نے **مخلصین** کو چھانٹنے کا یہ معیار مقرر کیا کہ اس نہر سے دیندار و دنیادار سے علیحدہ ہو جائیں تاکہ ہمارا جہاد خالص اللہ کے لئے ہو۔ دوسرے یہ کہ اس لشکر میں صابرین اور جوشیلے سب ہی تھے۔ جنگ میں صابر ہی ٹھہر سکتے ہیں نہ کہ محض جوش والے آپ نے صبر کا معیار یہ قرار دیا۔ تیسرے یہ کہ اس امتحان سے بہت تھوڑے سے لوگ جنگ میں گئے۔ اور بڑی قوم کے مقابل فتح پا کر آئے۔ جس سے ان پیغمبر کا معجزہ ظاہر ہوا۔ دوسرا اعتراض: ومن لم یطعمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ پانی چکھنے کی بھی اجازت نہ تھی اور الا سے پتہ لگتا ہے کہ ایک چلو کی اجازت تھی اس میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: یا تو بالکل نہ چکھنا مستحب اور ایک چلو پی لینا جائز تھا اور یا نہ چکھنے سے چلو سے زیادہ نہ چکھنا مراد ہے۔ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی لہٰذا اس کی تفسیر صوفیانہ آئندہ کی جائے گی۔ تیسرا اعتراض: جب قوم طالوت نہر کا پانی پی کر کافر ہو گئے کیونکہ پانی پینا ان پر حرام تھا تو چاہئے کہ آج بے روزے مسلمان جو ماہ رمضان کے دن میں کھائیں پئیں وہ سب کافر ہونے چاہئیں حالانکہ تم کسی بے روزے کو کافر نہیں کہتے فرق کیا ہے۔ جواب: فرق یہ ہے کہ اس دن یہ پانی پینا علامت کفر قرار دیا گیا تھا۔ علامت کفر اختیار کرنا کفر ہے اور اختیار کرنے والا کافر ہے۔ اسلام میں بے روزہ ہونا حرام تو ہے علامت کفر نہیں۔ خیال رہے کہ علامت کفار حرام ہیں اور کفر نہیں جیسے آج مسلمان کیلئے دھوتی پینٹ وغیرہ اور علامت کفر اختیار کرنا کفر ہے۔ کفار کے قومی شعار اور دینی شعار میں فرق ہے۔ **من تشبه بقوم فهو منهم** کا یہ ہی مطلب ہے یعنی جو کافر قوم کی مذہبی مشابہت رکھے گا وہ کافر ہو گا۔

فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ
پس جب آگے بڑھے اس نہر سے وہ اور جو ایمان لائے ساتھ انکے بولے کہ نہیں ہے طاقت واسطے ہمارے
پھر جب طالوت اور اس کے ساتھ کے مسلمان نہر کے پار گئے بولے ہم میں آج طاقت نہیں جالوت اور اس کے
بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۭ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ
آج جالوت اور لشکر اس کے کی۔ بولے وہ جو یقین رکھتے تھے کہ تحقیق وہ ملنے والے ہیں اللہ سے کہ بہت سی
لشکروں کی بولے وہ جنہیں اللہ سے ملنے کا یقین تھا کہ بارہا کم جماعت غالب آئی ہے زیادہ گروہ پر

www.alahazratnetwork.org

فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ ۝
دفعہ جماعتیں تھوڑی غالب آئیں جماعت بہت پر ساتھ حکم اللہ کے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے ۞
اللہ کے حکم سے اور اللہ صابروں کے ساتھ ہے ۞

تعلق : پچھلے جملہ میں لشکر طالوت سے نافرمانوں اور کم ہمتوں کے رہ جانے کا ذکر ہوا اب مخلصین اطاعت شعار شکر گزار لشکریوں کے آگے بڑھنے کا ذکر ہے۔

تفسیر : **فلما جاوزہ ھو والذین امنو معہ** جاوز' جوز یا جواز سے بنا بمعنی قطع کرنا۔ طے کرنا اور آگے بڑھ جانا۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ ہ کا مرجع وہی نہر اردن یا نہر فلسطین ہے۔ جس کا ذکر پچھلے جملہ میں ہوا۔ ھو سے مراد حضرت طالوت ہیں۔ واؤ یا عاطفہ ہے اور الذین ھو پر معطوف اور مع جاوز کا ظرف یا واؤ حالیہ اور الذین مبتداء معہ اسکی خبر یعنی جبکہ نہر اردن سے طالوت مع مومنین گزر گئے یا جب نہر اردن سے طالوت گزرے حالانکہ مسلمان بھی ان کے ساتھ تھے۔ (معانی) خیال رہے کہ مع امنوا کا ظرف نہیں کہ اس میں معنی فاسد ہو جائیں گے۔ کیونکہ یہ مومنین ایمان لانے میں طالوت کے ساتھ نہیں تھے بلکہ نہر سے گزرنے میں ان کے ساتھ لہٰذا معہ جاوز کا ظرف ہے۔ خیال رہے کہ یہاں والمومنون نہ فرمایا بلکہ والذین امنو' معہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی کیونکہ ان کی ایمان پر استقامت آج کھلی یا ان کا اخلاص معلوم ہوا یعنی جو آج ایمان لائے استقامت کے اعتبار سے یا ظہور کے لحاظ سے جیسے رب فرماتا ہے **یا یھا الذین امنوا امنوا قالو** اس کا فاعل خود نہر پار کر جانے والے مومنین میں سے بعض لوگ ہیں کیونکہ نافرمان تو نہر پر ہی رہ گئے یا وہاں سے ہی لوٹ گئے۔ آگے نہ بڑھے جیسا کہ فلما جاوز سے معلوم ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا فاعل نہر پر نہ جانے والے ہوں اور انہوں نے ادھر سے پکار کر صابرین سے خطاب کیا ہو کیونکہ نہر اتنی وسیع نہ تھی کہ ادھر والے پار والوں سے کلام نہ کر سکتے۔ **لا طاقۃ لنا الیوم بجالوت وجنودہ** طاقت اسم مصدر اور اطاقت مصدر ہے۔ جیسے طاعت اور اطاعت بمعنی قوت۔ جالوت' طالوت کی طرح بروزن فعلوت ہے یہ جول سے بنا بمعنی حملہ کرنا اہل عرب کہتے ہیں بک اصول وبک اجول چونکہ اس بادشاہ کا حملہ بہت سخت ہوتا تھا کہ اس کے للکارنے پر بھی دشمن سامنے آنے کی ہمت نہ کرتا اس لئے اسے جالوت کہتے تھے یعنی سخت حملہ آور۔ جنود' جند کی جمع ہے اگر کہنے والے بعض مومنین ہوں تب تو انہوں نے جالوت اس کا لشکر اور اس کی طمطراق دیکھ کر کہا۔ کیونکہ یہ لوگ صرف تین سو تیرہ تھے اور جالوتی لشکر ایک لاکھ بلکہ تین لاکھ (معانی) پھر یہ بے سرو سامان اور ان کے ساتھ ساز و سامان بے انتہا اور اگر کہنے والے بزدل لوگ ہیں تو نہر پار کرتے وقت کا یہ قول ہے یعنی ان اہل ایمان کے دو حصے ہو گئے ایک وہ جن پر طالوتی لشکر سے ہیبت طاری ہو گئی اور بولے کہ ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں کو فتح کرنے کی طاقت نہیں۔ لہٰذا ہمیں چاہئے کہ موت کے لئے تیار ہو کر آگے بڑھیں نہ کہ فتح کی امید پر۔ ان کی یہ بات بزدلی سے نہیں بلکہ تیاری شہادت کے لئے تھی یا نہر کا پانی پی کا بزدل لوگوں کے دلوں میں جالوت کی ہیبت چھائی اور مخلصین سے پکار کر بولے کہ ہم میں جالوت کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہم آگے نہ جائیں گے۔ (کبیر) بلکہ تم بھی نہ جاؤ۔ ہم لاکھوں مجاہد بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے تم مٹھی بھر جماعت اس کے مقابلہ میں کیسے ٹھہر سکو گے اس صورت میں یہ

www.alahazratnetwork.org

ان مجاہدین کی تعریف ہے انہیں بہکانے والے بہکاتے رہے مگر یہ ڈٹے رہے۔ یا وہ رہ جانے والے آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ یہ بے وقوف ہیں۔ جو ایسی جابر قوم کے مقابل جا رہے ہم لوگ بہت عقلمند ہیں کہ یہاں ہی ٹھہر گئے۔ ہم نے اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالا علماء فرماتے ہیں کہ دل کی بیماری کا تیسرا درجہ یہ ہے کہ گنہگار اپنے کو عقلمند جانے اور نیکوں کو بے وقوف سمجھے۔ یہ رہ جانے والے اس بیماری میں مبتلا تھے۔ **قال الذین یظنون انھم ملقوا اللہ** اگر پہلا قول بزدلوں کا تھا تو یہ جواب سارے مومنین کا ہے اور ظن بمعنی یقین۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ مرتد ہو چکے تھے اور یہ لوگ ایمان پر قائم رہے اور اگر پہلا کلام مرعوب مسلمانوں کا تھا تو یہ جواب قوی دل مومنین کا ہے اور ظن سے کمال ایمان مراد یا ملقوا اللہ میں لفظ وعد پوشیدہ ہے یعنی بزدلوں کو ان مسلمانوں نے جواب دیا جنہیں قیامت میں رب سے ملنے کا یقین کامل تھا اور جن کی نگاہ میں دنیا فانی تھی یا مرعوب مسلمانوں کو ان کامل ایمان حضرات نے جواب دیا جنہیں رب سے ملنے کا یقین کامل تھا یا جنہیں وعدہ الٰہی پورا ہونے پر اعتماد تام تھا کہ **کم من فئۃ قلیلۃ** کم خبریہ ہے کیونکہ اس کی تمیز پر من داخل ہے فئتہ یا تو فیئی سے بنا بمعنی رجوع کرنا جس کی ی گرا دی گئی یا فوء سے بمعنی چیر یا در اصل فیوۃ تھا۔ لام کلمہ کی واؤ گرا کر ی ہمزہ سے بدل دی گئی۔ لشکر کو فئتہ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پلٹ پلٹ کر ایک دوسرے کی امداد کرتے تھے یا وہ بھی انسانوں سے جدا ایک ٹکڑا ہے قلیلۃ فئتہ کی صفت ہے خیال رہے کہ چھوٹی بڑی دونوں جماعتوں کو فئتہ کہا جاتا ہے۔ **غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ** غلبہ سے فتح مراد ہے۔ اذن سے ارادہ الٰہی یا اس کی توفیق یا مدد مراد یعنی بہت سی چھوٹی جماعتیں رب کے حکم سے بڑے لشکروں پر غالب آجاتی ہیں۔ قلت کے لئے ذلت لازم نہیں اور نہ کثرت کے لئے عظمت ضروری یہ چیزیں رب کی عطا ہیں۔ **واللہ مع الصبرین** یا تو یہ کلام بھی ان مومنین ہی کا ہے یا رب کا یعنی اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے کہ انہیں کی مدد فرماتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : نہر پر پہنچ کر لشکر طالوت میں سے مخلصین مجرمین سے چھٹ گئے کہ مجرمین تو پانی پی کر وہاں ہی رہے یا واپس لوٹ گئے اور مخلصین آگے بڑھ گئے لیکن جب ان تھوڑے بے سرو سامان لوگوں نے جالوت اور اس کا ساز و سامان والا لشکر دیکھا تو ان میں دو جماعتیں بن گئیں۔ کچھ وہ جن پر رعب چھا گیا اور کہنے لگے کہ اس لشکر پر فتح حاصل کرنے کی ہم میں طاقت نہیں جو بھی جائے اپنا سر ہتھیلی پر رکھ کر شہادت کے لئے جائے اور اپنی شکست پر غم نہ کھائے کیونکہ یہ بہت اور ہم تھوڑے ان کے پاس سامان جنگ بے شمار ہمارے پاس کچھ بھی نہیں وہ پہلوان ہم کمزور چونکہ ان کی اس بات سے لوگوں کی ہمت ٹوٹنے کا اندیشہ تھا اس لئے ان کے بہادر بولے جنہیں رب کے ثواب یا اس کی مدد کا یقین کامل تھا کہ تم نے یہ کیا کہہ دیا۔ بارہا چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑے سے بڑے جرار لشکر پر غالب آجاتی ہیں۔ غلبہ رب کے کرم سے ہے نہ کہ کثرت اور ساز و سامان کی زیادتی سے صابرین کے ساتھ رب ہے۔ ان کی مدد کرتا ہے۔

دوسری تفسیر : جب نہر اردن سے طالوت اور ان کے ساتھ تین سو تیرہ مخلصین پار ہو گئے تو یہ نافرمان بزدل پکار کر کہنے لگے ہمیں تو جالوت کے مقابلہ کی طاقت نہیں کہاں وہ اور کہاں ہم چونکہ تم بہت ہی تھوڑے رہ گئے اور بے سامان بھی ہو لہٰذا اپنے کو کیوں موت کے منہ میں دیتے ہو مگر یہ پار ہو جانے والے مسلمان جنہیں دنیا کی فنا اور اپنی موت کا یقین تھا اور جو سمجھتے تھے کہ موت تو بہر صورت آئیگی تو پھر کیوں نہ خدا کی راہ میں آئے۔ انہوں نے جواب دیا کہ بہت سی تھوڑی جماعتیں بڑے

www.alahazratnetwork.org

لشکروں پر بحکم الٰہی غالب آجاتی ہیں۔ انشاء اللہ ہم بھی غالب آئیں گے کیونکہ ہم صابر ہیں اور اللہ صابرین کے ساتھ۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جیسے رب تعالیٰ نے کھرے کھوٹے سونے خالص ناخالص دودھ وغیرہ میں فرق کرنے کے لئے بہت آلات بتادیئے ہیں۔ ایسے ہی کھرے کھوٹے مومن مخلص منافق میں فرق کرنے کے لئے بہت سے روحانی آلے پیدا فرمادیئے ہیں اس دن یہ نہر اردن کھرے کھوٹے مومنوں میں فرق کا ذریعہ تھی۔ جیسے آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب واحترام و عشق کھرے کھوٹے مسلمان میں فرق کا ذریعہ ہے۔ شکل میں سارے انسان یکساں ہیں مگر دل ودین میں مختلف ان میں چھانٹ کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس قسم کی چیزیں پیدا فرماتا رہے گا۔ **دوسرا فائدہ:** اگرچہ ایمان انسان کی ایک صفت ہے مگر اس کے مرتبے مختلف جس قدر ایمان قوی اس قدر مومن میں جرات و ہمت زیادہ جیسا کہ پچھلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ اور بے دینی سے بزدلی پیدا ہوتی ہے۔ عبادت سے ہمت جیسا کہ دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** فتح و شکست کی زیادتی یا سازو سامان پر موقوف نہیں بلکہ ارادۂ الٰہی پر ہے۔ لہٰذا کبھی مشکل کام سے بھی ہمت نہ ہارنی چاہئے۔ تھوڑی جماعت کے بہتوں پر غالب آنے کا نقشہ حضور علیہ السلام کی زندگی پاک میں نظر آتا ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ ہمیشہ مسلمان تھوڑے اور دشمن زیادہ رہے مگر مسلمانوں کو قوت ایمانی' استقلال و صبر نے انہیں نصرت الٰہی کا حقدار ٹھہرایا۔ آج ہماری مغلوبیت قوت ایمانی اور صبر کی کمی کا نتیجہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جو لوگ نہر سے آگے نہ بڑھ سکے وہ کافر و مرتد ہوگئے اور جو آگے بڑھ گئے وہ مومن رہے جیسا کہ والذین امنوا سے معلوم ہوا۔ ان رہ جانے والوں نے اپنے کو عقل مند اور اپنے گناہ کو عقلمندی جانا اور مؤمنین صالحین کو بے وقوف سمجھا کہ یہ لوگ اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ یہ کفر میں اور زیادتی ہوئی گناہ کو ہنر سمجھنا نیکی کو بیوقوفی جاننا کفر ہے۔ رب تعالیٰ نے منافقوں کا ایک کفر یہ بیان کیا کہ **قالوا انومن کما امن السفھاء۔** **پانچواں فائدہ:** معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان ان لوگوں سے پہلے بھی جہاد کرچکے تھے یہ آج نیا جہاد نہ تھا کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ بہت سی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر باذن الٰہی غالب آجاتی ہیں۔

پہلا اعتراض : پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ جالوت کو دیکھ کر بعض مسلمان بھی بزدل ہوگئے۔ وہ مومن رہے یا نہ رہے اگر رہے تو نہر کا پانی پی لینے والوں میں اور ان میں کیا فرق ہے؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ نہ تو ان لوگوں نے امام کی مخالفت کی اور نہ جہاد سے جان چرائی۔ صرف ان کے قلب میں غیر اختیاری رعب آگیا۔ جس سے وہ کہہ بیٹھے کہ لاطاقۃ لناالخ کا یہ مطلب نہیں کہ ہم جنگ نہ کریں گے۔ مطلب صرف یہ تھا کہ جنگ تو کریں گے مگر شہادت کے لئے نہ کہ فتح کے ارادہ سے لہٰذا ان کی یہ بات قوت ایمانی کی دلیل ہے نہ کہ کفر کی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فتح و شکست دنیوی سامان پر موقوف نہیں رب کی رحمت سے ہے۔ پھر اسلام میں جہاد کے لئے امیر و لشکر وغیرہ کی شرائط کیوں رکھی گئیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ رب پر توکل کرکے چل کھڑے ہوں اور کفار سے جہاد کریں رب فتح دے گا۔ **جواب:** آیت کا مطلب یہ ہے کہ سامان پر فتح موقوف نہیں نہ یہ کہ سامان کی ضرورت بھی نہیں۔ انہیں اسرائیلیوں کو اولاً بادشاہ پھر لشکر و تابوت سکینہ پیغمبری دعا اور دیگر ظاہری سامان عطا فرما کر جہاد کیلئے روانہ کیا۔ توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرکے مسبب الاسباب کے کرم کا انتظار

www.alahazratnetwork.org

کرے۔ بیشک رزاق رب ہے مگر کھیتی باڑی شرط۔ اسباب سے منہ موڑنے والا متوکل نہیں نکما ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا نہر اردن ہے اور یہاں کی لذتیں اس کا پانی دنیا میں آنے والے لوگ طالوتی لشکر ہے جو کہ شیطان جالوت کے مقابلہ میں آیا جیسے کہ طالوت نے اعلان فرمایا تھا کہ جو یہ پانی سیر ہو کر پئے گا وہ مجھ سے نہیں اور جو چلو پر قناعت کرے وہ میرا ہے ایسے ہی انبیاء کرام نے اعلان فرمایا کہ جو دنیا میں بقدر ضرورت مشغول رہے گا۔ وہ ہمارا ہے اور جو حریص ہو کر اس میں پھنس جائے گا وہ ہمارا نہیں۔ اور جیسے طالوتی لوگ بے صبری سے بزدل ہو گئے کہ وہاں ہی رہ گئے اور صابرین سب کچھ کر گزرے۔ ایسے ہی دنیا کو بقدر ضرورت حاصل کرنے والے سب کچھ کر گزریں گے اور اس میں پھنسنے والے ایسے بے دست و پا ہو جائیں گے۔ جیسے شہد میں مکھی یا حریص گائے جو بے تحاشہ کھا کر اولا" بیمار پڑتی ہے پھر ہلاک ہو جاتی ہے نہ دودھ دے نہ بچے دے اطمینان سے کھانے والی گائے خود بھی تندرست رہتی ہے اور دوسروں کو بھی فائدہ پہنچاتی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان مٹی سے بنا اور مٹی طبعا" خشک ہے۔ یہ خشکی جب ہی دور ہو سکتی ہے کہ رب تعالیٰ اس پر توفیق کی بارش برسائے عاقل وہ ہی ہے جو طلب دنیا میں اپنے کو ہلکانہ کر دے۔ رزق مقسوم ہے اپنا نصیبہ ضرور ملے گا۔ رب نے داؤد علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ اے داؤد تم بھی چاہتے ہو اور میں بھی اگر تم میرے چاہے پر راضی ہو تو میں تمہارے لئے کافی ہوں۔ اور اگر اس پر راضی نہیں تو اپنے کو مصیبت پر ڈال دیکھو ہو گا وہ ہی جو ہم چاہیں۔ اہل حقیقت وہ ہی ہے جو بقدر ضرورت کھانے پینے اور لباس و مکان پر قناعت کرے اور مجبوراً ہی مخلوق سے تعلق رکھے۔ اس سے زیادہ کا طلبگار حریص ہے۔ صابرین وہ لوگ ہیں جن کی برکت سے بارشیں آتی ہیں۔ انہیں کی وجہ سے دنیا عذاب سے محفوظ رہتی ہے مگر ایسے لوگ بہت کم ہیں اور جو ہیں وہ چھپے ہوئے۔ حضرت شیخ عطار نے کیا خوب فرمایا۔

در راہ تو مردانند از خویش نہاں ماندہ ۔ بے جسم و بہت گشتہ بے نام و نشان ماندہ

تن شاں بشریعت ہم دلشاں بحقیقت ہم ۔ ہم دل شدہ و ہم جاں نہ ایں و نہ آں ماندہ

یہ لوگ اگرچہ تھوڑے ہیں مگر نصرت الٰہی انہیں کے ساتھ ہے اور جالوت شیطان اور نفس و صفات کے لشکر پر یہ ہی غالب کیونکہ ان کے پاس شریعت کی ڈھال ہے اور حقیقت کے ہتھیار۔ (روح البیان)۔

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا
اور جب سامنے آئے وہ جالوت اور لشکر اس کے تو بولے کہ اے رب ہمارے ڈال دے اوپر ہمارے صبر اور
پھر جب سامنے آئے جالوت اور اس کے لشکروں کے عرض کی اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل اور ہمارے
وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ
ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد فرما ہماری اوپر قوم کافروں کے ؛ پس بھگا دیا انہوں نے ان کفار کو
پاؤں جمائے رکھ اور کافر لوگوں پر ہماری مدد کر ؛ تو انہوں نے ان کو بھگا دیا اللہ کے

www.alahazratnetwork.org

بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ
ساتھ حکم اللہ کے ۔ اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور دیا اس کو اللہ نے ملک اور حکمت اور سکھایا
حکم سے ۔ اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو اور اللہ نے اُسے سلطنت دی اور حکومت عطا
مِمَّا يَشَآءُ ؕ
انہیں اس سے جو چاہتا ہے ۔
فرمائی اور اُسے جو چاہا سکھایا ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کی تیاری جہاد کا ذکر تھا اب ان کے جہاد کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین بنی اسرائیل کے دو گروہ ہو گئے ایک مرعوبین دوسرے صابرین۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ صابرین کی تسکین سے مرعوبین بھی ہمت میں آگئے اور جالوت کے مقابل حوصلے سے جم گئے۔

تفسیر : **ولما برزوا لجالوت و جنوده** **برزوا** براز سے بنا بمعنی کھلا میدان برز کے معنی ہیں کھلے میدان میں آگیا یا کسی کے سامنے ہو گیا۔ کبھی چھپی حالت ظاہر ہونے کو بھی براز کہا جاتا ہے۔ جیسے **برزوا للہ جمیعا** یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس سے مبارزت بنا یعنی جنگ میں اپنا مقابل طلب کرنا۔ اس کا فاعل سارے مومن ہیں جو نہر پار کر آئے تھے۔ لام یا صلہ کا ہے یا تعلیلیہ۔ یعنی جب یہ سارے لوگ جالوت اور اس کے لشکر کے سامنے میدان میں آئے یا جبکہ یہ لوگ جالوت اور اس کے لشکر کی وجہ سے میدان میں اترے تو **قالوا ربنا افرغ علينا صبرا** **قالوا** کا فاعل بھی سارے مومنین ہیں کیونکہ صابرین کی تسکین دینے سے مرعوبین کے دل بھی قوی ہو چکے تھے چونکہ یہ دعائے فتح و نصرت تھی اس لئے ربنا عرض کیا گیا کیونکہ دعا کے وقت رب کو پکارنا اور اس کے جلالی ناموں سے پکارنا خصوصاً "اللھم یا ربنا کہہ کر پکارنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے۔ اللھم میں اللہ کے ذاتی نام اللہ اور تمام اس کے میم والے صفاتی نام سے پکارنا ہے اور ربنا میں یہ عرض کرنا ہے کہ تو ہے ہمارا پالنے والا ہم ہیں تیرے پالے ہوئے پالنے والے پالے کی لاج رکھتا ہے۔ خدایا ہماری لاج تیرے ہاتھ ہے۔ افرغ 'افراغ سے بنا بمعنی فارغ یا خالی کر دینا۔ بمعنی 'فراغ کر دینا یہ شغل کا مقابل ہے۔ خیال رہے کہ انڈیلنے کو صب کہا جاتا ہے اور بالکل برتن اونڈھا دینے کو افراغ۔ لہذا افراغ میں مبالغہ ہے یعنی برتن کو بالکل خالی کر دینا یہاں بہتات کے ساتھ صبر دینا مراد ہے صبر کے معنی ہیں روکنا یہ رب تعالیٰ کی بھی صفت ہے اسی لئے اس کا نام صبور ہے یعنی بروں سے عذاب روکنے والا انہیں نافرمانیوں پر جلد سزا نہ دینا اور بندوں کی بھی صفت ہے۔ بندوں کا صبر تین قسم کا ہے۔ گناہوں سے صبر کہ نفس کو گناہوں سے روکنا۔ عبادات 'طاعات پر صبر کہ نفس کو عبادات پر روکنا قائم رکھنا مصیبت میں صبر یعنی نفس کو گھبراہٹ سے روکنا یہاں تیسری قسم کا صبر مراد ہے یعنی جنگ کی حالت میں دل کا گھبرانہ جانا دل کا قائم رہنا لہذا صبر سے جنگ میں استقلال مقصود ہے نہ کہ شکست پر صبر کہ یہ دعا ہے نہ کہ بددعا یعنی اے مولا ہمیں خوب استقلال عطا فرما **وثبت اقدامنا** **ثبت** 'ثبیت سے بنا جس کا مادہ ثبت ہے بمعنی ٹھہرنا۔ زل بمعنی پھسلنے کا مقابل

www.alahazratnetwork.org

اور یہاں ثابت قدم رکھنے سے قلبی قوت دلی جرات اور دشمن کے دل میں رعب ڈال دینا مراد ہے نہ کہ ایک ہی جگہ کھڑا رہ جانا۔ جنبش نہ کر سکنا۔ یعنی اے مولیٰ ہمیں ثابت قدم رکھ اور قوت قلبی ہمت' جرات عطا فرما **وانصرنا علی القوم الکفرین** نصر بمعنی مدد بھی آتا ہے اور فتح بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں علی مقابلہ کا ہے۔ دعا میں زیادہ اہتمام کرنے کے لئے علیہم نہ کہا گیا بلکہ صاف نام لیا یعنی اے مولا ہمیں اس کافر قوم پر فتح دے یا ان پر ہماری مدد فرما۔ خیال رہے کہ علی نقصان کیلئے آتا ہے۔ اور لام فائدہ کیلئے نصرلہ یا نصرہ کے معنی ہیں اس کی مدد کی۔ نصر علیہ کے معنی ہیں اس کے خلاف دشمن کی مدد کی۔ اس دعا کا نتیجہ یہ ہوا کہ **فھزموھم باذن اللہ** ہزم کے معنی ہیں توڑنا۔ پھٹے مشکیزہ کو سقائے منہزم پتھر کے سوراخ کو ہزمہ کہا جاتا ہے چاہ زمزم کو ہزمہ جبریل بولتے ہیں۔ شکست کو ہزیمت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے قوت ٹوٹ جاتی ہے اور شکست خوردہ کی فوج میں رخنہ پڑ جاتا ہے یعنی ان تھوڑے مسلمانوں نے ان بہت سے کافروں کو آن کی آن میں بحکم الٰہی شکست دے دی۔ ف سے معلوم ہوا کہ دعا اور فتح میں کچھ فاصلہ نہ تھا (روح) روح المعانی نے فرمایا کہ یہ ف فصیحہ ہے یعنی رب نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ تو انہوں نے جالوتیوں کو شکست دی **وقتل داو د جالوت** چونکہ واؤ ترتیب نہیں چاہتا لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ قتل جالوت شکست کے بعد ہوا۔ بلکہ تحقیق یہ ہے کہ پہلے جالوت مارا گیا پھر کفار کو شکست ہوئی۔ جیسا کہ ہم انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ یعنی داؤد علیہ السلام نے جالوت کو قتل کر دیا **و اتٰہ اللہ الملک والحکمۃ** ضمیر کا مرجع داؤد ہیں اور ملک سے مراد سلطنت اور حکمت سے مراد نبوت یا زبور شریف ہے یعنی رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ارض مقدسہ کی سلطنت بھی دی نبوت بھی عطا فرمائی۔ زبور بھی عنایت کی ان سے پہلے نبوت اور نسل میں تھی۔ سلطنت دوسری نسل میں آپ میں یہ دونوں چیزیں جمع ہوئیں۔ زبور شریف میں چار سو بیس سورتیں تھی اور اس کے مختلف حصے۔ اس ہی لئے اسے زبور کہتے ہیں بمعنی حصے والی کتاب' **وانہ لفی زبر الاولین** آپ بڑے فصیح و بلیغ تھے سب سے پہلے آپ ہی نے اما بعد فرمایا۔ آپ کو فصل خطاب عطا ہوا (روح)۔ **وعلمہ مما یشاء** رب نے انہیں اس کے سوا اور بھی جو چاہا سکھایا۔ چنانچہ زرہ بنانا۔ پرندوں کی بولی۔ پہاڑوں کی تسبیح۔ چیونٹی کا کلام سمجھنا اور اچھی آواز وغیرہ آپ کو عطا ہوئیں۔ آپ کے ہاتھ مبارک میں لوہا نرم ہو جاتا تھا۔ آپ باوجود بادشاہ ہونے کے اپنے کسب سے کھاتے تھے کہ زرہ بنا کر فروخت کرتے اس پر گزر اوقات فرماتے۔ خوش الحانی کا یہ حال تھا کہ جب زبور شریف کی تلاوت فرماتے تو جنگلی جانور اور پرندے آپ کے گرد جمع ہو جاتے۔ بہتا پانی رک جاتا۔ ہوا ٹھہر جاتی (روح) غرضیکہ رب تعالیٰ نے انہیں بہت نعمتیں عطا فرمائیں۔ ممکن ہے کہ یہ نعمتیں قتل جالوت کے انعام و صلے میں عطا کی گئی ہوں۔

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

خلاصہ تفسیر: جب مومنین جالوت اور اس کے لشکر کے مقابل میدان میں آئے اور مقابلہ میں صفیں درست کیں تو انہوں نے رب سے تین دعائیں مانگیں۔ ایک یہ کہ اے مولیٰ ہمیں جنگ میں استقلال اور صبر عطا فرما۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دل میں جرات پیدا کر جس سے ہم ثابت قدم رہیں۔ تیسرے یہ کہ ہمیں ان کفار پر فتح عطا فرما۔ لہٰذا ان تھوڑوں نے بحکم الٰہی ان بہت سے کافروں کو آناً "فاناً" شکست دے دی اور داؤد علیہ السلام نے جو بہت کم سن تھے جالوت جیسے جابر بادشاہ کو قتل کر دیا اور رب نے داؤد علیہ السلام کو سلطنت' نبوت' کتاب سب ہی کچھ عطا فرمایا اس کے علاوہ اور جو چاہا سکھایا۔ خیال رہے کہ اس دعا میں

www.alahazratnetwork.org

نہایت نفیس ترتیب ہے۔ اور بہت نکات۔ (1) حق تعالیٰ کو رب کہہ کے پکارا کیونکہ پالنے والا اپنے پالے کی امداد فرماتا ہے۔ (2) افرغ فرمایا یعنی بیشمار استقامت عطا فرما کہ کبھی ہم نہ گھبرائیں۔ (3) علیٰ کہہ کر یہ اشارہ کیا کہ آسمانی صبر اور استقامت ہم پر بھیج۔ (4) میدان جنگ کو پھسلنی زمین قرار دیا ایسے موقعہ پر لاٹھی وغیرہ کی ضرورت پڑتی ہے عرض کیا کہ ہمیں توفیق کے عصا سے اس میدان میں ثابت قدم رکھ کہ پھسل نہ جائیں۔ چونکہ جنگ کے وقت پہلے استقامت پھر ثابت قدمی ضروری ہے اور اس سے مقصود فتح ہے۔ اس ترتیب سے انہوں نے دعا کہ علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر اس کے نام بہت کیونکہ لوگوں کی حاجتیں بہت ہیں۔ جیسی حاجت والا آوے ویسے ہی نام سے رب کو پکارے اور دعا کرے۔ محتاج اسے یا غنی کہہ کر پکارے۔ بیمار اسے یا شافی الامراض کہہ کر نداء کرے دشمنوں میں گھرا ہوا اسے یا قہار یا جبار کہہ کر پکارے۔ اس کے ناموں کی کثرت بھی رحمت سے ہے مگر رہنا کہہ کر دعا کرنا بہت محبوب ہے۔

قتل جالوت : جالوت عملیق ابن عاد کی اولاد سے تھا۔ بہت قد آور جوان تھا کہ اس کا سایہ ایک میل تک جاتا تھا۔ بڑا سخت جابر، ظالم، بہادر تھا۔ 300 رطل کا خود پہنتا اور اکیلا لشکروں کو بھگا دیتا تھا۔ اسی لئے اسے جالوت کہتے تھے۔ بڑا جنگجو بہادر۔ لشکر اسلام میں حضرت داؤد ابن ایشا بھی تھے جو کہ خصرون ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں۔ (در منثور) ایشا کے سات بیٹے تھے جن میں سے داؤد علیہ السلام سب سے چھوٹے بکریاں چراتے تھے ایشا اور ان کے چھ بیٹے بھی نہر اردن پار کر کے جالوت کے مقابل آ گئے تھے۔ اس وقت داؤد علیہ السلام بیمار تھے آپ کا رنگ زرد تھا۔ جالوت نے بنی اسرائیل سے اپنا مقابل طلب کیا مگر یہ لوگ اس کی قوت جسامت شہزوری دیکھ کر گھبرا گئے۔ طالوت نے اعلان کیا کہ جو کوئی جالوت کو قتل کرے۔ میں اپنی بیٹی اس کے نکاح میں دوں گا اور اپنا آدھا ملک بھی اسے بخش دوں گا کہ مگر کسی نے جواب نہ دیا۔ تب طالوت نے اشمویل علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب سے دعا فرمایئے۔ آپ نے دعا کی تو وحی آئی کہ داؤد علیہ السلام جالوت کو قتل کریں گے طالوت نے آپ سے عرض کیا کہ اگر آپ جالوت کو قتل کریں تو میں اپنی لڑکی آپ کے نکاح میں دوں اور آدھا ملک پیش کروں آپ نے قبول فرمایا اور طالوت نے زرہ پہنا کر گھوڑا و ہتھیار دے کر روانہ کیا۔ آپ کچھ دور گئے اور پھر خیال آیا کہ اگر رب مدد فرمائے تو بغیر ہتھیار بھی کام ہو سکتا ہے۔ خیال آتے ہی لوٹ پڑے۔ جالوت اپنے ساتھیوں سے بولا دیکھو لڑکے پر میرا رعب چھا گیا اس لئے وہ لوٹ گیا۔ آپ نے طالوت سے کہا کہ یہ سامان جنگ اپنے پاس رکھو۔ میں جیسے چاہوں جنگ کروں۔ چنانچہ گھوڑا و جوڑا وغیرہ چھوڑ کر صرف گوپھن ہاتھ میں لیا راستے سے تین پتھر اٹھائے۔ جن میں سے ایک سنگ موسیٰ دوسرا سنگ ہارون تھا آپ گوپھن مارنے میں بہت مشاق تھے کہ اس سے بھیڑیا، چیتے اور شیر کا شکار کر لیتے تھے۔ جب جالوت کے مقابل پہنچے وہ بولا کہ تم تو میرے مقابل ایسے پتھر لئے آ رہے ہو جیسے کتا مارنے آئے ہو۔ آپ نے فرمایا تو کتے سے بدتر ہے۔ وہ بولا کہ عنقریب تمہارا گوشت چیل کوّے کھائیں گے۔ آپ نے فرمایا بلکہ تیرا اس ہمت اور جرات سے وہ قدرتی طور پر مرعوب ہو گیا اور کہنے لگا کہ اے نونہال مجھے تیری نوعمری پر رحم آتا ہے تم واپس جاؤ۔ کسی اور کو میرے مقابل بھیجو آپ نے فرمایا کہ اب بات کا موقعہ نہیں عمل کا وقت ہے۔ لے سنبھل جا تجھ پہ وار کرتا ہوں چنانچہ وہ تینوں پتھر گوپھن میں رکھ کر گھما کر جو مارے تو اس کی پیشانی پر پڑے۔ رب جانے کہ وہ گوپھن کے پتھر تھے یا ابابیل کے کنکر کہ اسکے خود کو توڑتے دماغ کو پھوڑتے ہوئے پیچھے نکل گئے اور پیچھے والوں میں سے تیس آدمی قتل کئے۔ آن کی آن میں جالوت گھوڑے سے گر پڑا۔ لشکر کفار میں بھاگڑ پڑ گئی۔ داؤد علیہ السلام جالوت کو کتے کی

www.alahazratnetwork.org

طرح گھسیٹتے ہوئے لائے اور طالوت کے سامنے ڈال دیا۔ مسلمانوں کی خوشی کا کوئی اندازہ نہ تھا سب مسلمان صحیح سلامت فتح پا کر لوٹے طالوت نے حسب وعدہ اپنی بیٹی ان کے نکاح میں دی اور آدھی سلطنت کا مالک کر دیا حضرت نے اپنی مملکت کا ایسا نفیس انتظام فرمایا کہ تمام لوگ آپ پر جان دینے لگے۔ طالوت کے دل میں یہ رجوع خلق دیکھ کر حسد پیدا ہوا اور در پردہ داؤد علیہ السلام کے قتل کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے۔ پھر اس پر نادم ہو کر توبہ کی اور وفات پائی۔ ان کے بعد داؤد علیہ السلام سارے ملک کے سلطان ہوئے۔ خیال رہے کہ طالوت قتل جالوت کے بعد چالیس سال زندہ رہے اور ان کی وفات کے بعد بنی اسرائیل نے طالوت کے سارے خزانے بخوشی داؤد علیہ السلام کے حوالے کر دیئے اور آپ نے طالوت کے بعد ستر سال سلطنت کی (روح البیان وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ قتل جالوت کے سات سال بعد آپ کو نبوت ملی۔ طالوت کی موت کے متعلق اور بہت سی روایتیں ہیں۔ لیکن یہ روایت زیادہ صحیح ہے۔ (خزائن العرفان' روح' در منثور و معانی)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جنگ کے وقت فتح و نصرت کی دعا کرنا سنت انبیاء ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس وقت دعائیں فرمایا کرتے تھے۔ جہاد یا تیاری جہاد کے وقت مسلمان کھیل تماشہ' ناچ رنگ میں مشغول نہ ہوں بلکہ عبادات میں زیادتی کر دیں اور دعاؤں میں مشغول رہیں اگر شہادت کی موت آوے تو اس حال میں آئے کہ غازی کے ہاتھ میں تلوار ہو منہ میں ذکر یار۔ یہ دعا مانگنا بے صبری نہیں۔ افسوس کہ آج مسلمان یہ سبق بھول گئے اب اسلامی فوجوں کے دل بہلانے کے لئے سینما گانے وغیرہ ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** داؤد علیہ السلام صاحب کتاب پیغمبر ہیں۔ جنہیں رب نے نبوت کے علاوہ اور بھی نعمتیں عطا فرمائیں۔ **تیسرا فائدہ:** جب رب کا کرم ہو جاتا ہے تو نو عمر بچوں سے بڑے بہادروں کو ہلاک کرواتا ہے۔ دیکھو داؤد علیہ السلام سے جالوت کو مروا دیا اور گیارہ برس کے نو عمر بچے معاذ ابن عفرء کے ہاتھوں ابو جہل جیسے سرکش لعین کو قتل کرایا۔ غرضیکہ ابابیل سے فیل مروا دیتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** گوپھن چلانا سنت داؤدی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** نیک کام پر بھی معاوضہ قبول کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام نے قتل جالوت کے عوض نصف ملک قبول فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر کسی نیکی کے ذریعے دنیوی مال بھی مل جائے تو اس سے ثواب میں کوئی فرق نہیں آتا۔ دیکھو داؤد علیہ السلام کو اس جہاد کے ذریعہ بڑی سلطنت ہاتھ آئی مگر آپ کے ثواب میں کوئی کمی نہ آئی۔ لہٰذا اگر تنخواہ پر امامت' دینی مدرس' جہاد وغیرہ مقرر کئے جاویں تو انشاء اللہ ثواب بھی پورا ملے گا بشرطیکہ نیت درست ہو۔ سواء حضرت عثمان کے باقی تمام خلفاء راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی ہے حالانکہ خلافت بھی عبادت ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مصیبت یا بلا یا آزمائش آجانے پر صبر کی دعا مانگنا بھی جائز ہے اور اس بلا کے ٹل جانے کی دعا کرنا بھی جائز یعنی الٰہی جب تک مصیبت رہے ہم کو صبر کی توفیق دے کہ اس سے گھبرا نہ جائیں اور اپنے کرم سے اسے ٹال دے دیکھو ان حضرات نے صبر کی بھی دعا کی اور فتح مندی کی بھی یعنی جب تک جنگ رہے ہمیں صبر ملے اور آخر کار ہماری فتح ہو یہ فتح کیا ہے اس آفت کا ٹل جانا۔ **آٹھواں فائدہ:** بادشاہ بوقت جہاد انعام وغیرہ بھی مقرر کر سکتا ہے۔ **نواں فائدہ:** حضور علیہ السلام کو تمام زبانیں آتی تھیں کیونکہ داؤد علیہ السلام کو جانوروں تک کی بولی آتی تھی۔ اور حضور کا علم سب سے زیادہ لامحالہ آپ کو بھی یہ علم لازمی ہے۔ حضور نے اونٹ' ہرن' لکڑیوں پتھروں سے کلام کیا اب بھی ہر زبان میں نعت پڑھی جاتی ہے جو بغیر ترجمہ بارگاہ میں پہنچتی ہے۔ **دسواں فائدہ:** انبیاء کرام جیسے کہ گھنونے امراض سے معصوم ہوتے ہیں۔ ایسے ہی ولی عیوب سے پاک ہوتے ہیں۔ بخل' بزدلی' حسد' کینہ سے محفوظ ہوتے ہیں۔ دیکھو داؤد علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام چونکہ نبی ہونے والے تھے تو ابتداء ہی سے بہادر دلیر تھے مرزا قادیانی پٹھانوں کے ڈر سے حج نہ کر سکے۔ **گیارھواں فائدہ:** سنت بزرگاں یہ ہے کہ داماد کا مال دیکھ کر بیٹی نہ دو بلکہ کمال دیکھ کر دو۔ دیکھو طالوت نے اپنی بیٹی داؤد علیہ السلام کو کمال دیکھ کر دی۔ شعیب علیہ السلام نے اپنی بیٹی کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا محض کمال دیکھ کر۔

پہلا اعتراض: نبوت سلطنت سے اعلیٰ ہے پھر یہاں ملک کا ذکر حکمت سے پہلے کیوں ہوا۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ آپ کو پہلے سلطنت ہی ملی پھر نبوت۔ یہ ترتیب واقع کے لحاظ سے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے کہ داؤد علیہ السلام کو رب نے ترقی اتنی دی کہ بادشاہ بنا کر نبی بھی بنا دیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل جالوت کے انعام میں رب نے انہیں سلطنت اور نبوت دی حالانکہ نبوت کسی فعل کی اجرت نہیں بن سکتی۔ رب فرماتا ہے۔ **اللہ یصطفی من الملئکۃ رسلا ومن الناس۔** **جواب:** یہ اس فعل کی اجرت نہ تھی۔ بلکہ اس شجاعت میں ان کی استحقاق نبوت کا اظہار تھا۔ جیسے کہ آدم علیہ السلام کا علم ملائکہ پر ظاہر فرما کر ان سے سجدہ کرایا گیا تو یہ سجدہ علم کی اجرت نہ تھی (کبیر) **تیسرا اعتراض:** اس واقعہ سے پتہ لگا کہ انبیائے کرام وارث ہوتے ہیں دیکھو طالوت کی بیٹی آپ کے نکاح میں تھی۔ طالوت کے انتقال کے بعد اس کا آدھا ملک بطور میراث بیٹی کو ملا۔ اور اس کے ذریعہ سے آپ نے پایا نیز رب فرماتا ہے۔ **وورث سلیمٰن داؤد** جب نبی وارث بن سکتے ہیں تو ان کی میراث بھی بٹنی چاہیے لہٰذا حضور علیہ السلام کی میراث فاطمہ زہرا کو ملنی چاہیے تھی (رافضی)۔ **جواب:** اس واقعہ سے ہی معلوم ہوا کہ آپ کو یہ ملک میراث میں نہ ملا بلکہ آدھا تو انعام میں اور باقی آدھا رعایا کے انتخاب سے اس سے تو یہ معلوم ہوا کہ سلطنت یا تو دینے سے ملتی ہے یا رعایا کے چناؤ سے۔ اگر میراث ملتی تو طالوت کی ساری اولاد ان کا ملک تقسیم کر لیتی۔ اس لئے رب نے فرمایا **و اتٰہ اللہ الملک۔** اور **وورث سلیمٰن** میں علمی میراث مراد ہے نہ کہ مالی کیونکہ داؤد علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے۔ صرف حضرت سلیمان کے وارث ہونے کے کیا معنی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں صبر کی دعا کی تلقین فرمائی گئی ہے اور حدیث شریف میں صبر کی دعا مانگنے سے ممانعت آئی ہے تو حدیث و قرآن میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** راحت کے زمانہ میں صبر کی دعا منع ہے کہ اس دعا کا مقصد یہ ہوگا کہ خدایا ہم پر مصیبت بھیج اور اس مصیبت میں ہم کو صبر کی توفیق دے یہ گویا مصیبت مانگنا ہے۔ رب سے مصیبت نہ مانگو عافیت مانگو اور جب مصیبت آپڑے بلکہ آجانے کا قوی اندیشہ ہو جائے تو صبر مانگو۔ حدیث شریف میں پہلی صورت مراد ہے اور قرآن شریف میں دوسری صورت مراد بلکہ حضور صلی اللہ علیہ السلام نے واقعہ کربلا کی خبر دیکر فرمایا کہ الٰہی میرے حسین کو صبر و اجر دے کر معلوم ہو چکا تھا کہ مصیبت ضرور آکر رہے گی۔

تفسیر صوفیانہ: روح طالوت ہے اور قلب گویا داؤد۔ نفس امارہ جالوت اور شیطانی خیالات و نفسانی خواہشات اس جالوت کا لشکر گویا روح نے اس جہاد نفس کے وقت رب سے دعا کی کہ مولیٰ مجھے اطاعت پر استقامت اور خواہشات کے ترک پر صبر عطا فرما اور دنیوی مصیبتوں کے ہجوم کے وقت ثابت قدم رکھ اور اس کافر قوم یعنی نفس امارہ اور اس کے مددگاروں پر فتح کامل نصیب فرما کیونکہ اس مار آستین پر غالب آنا بغیر تیری مدد ناممکن ہے۔ رب نے اس کی دعا قبول کی کہ داؤد قلب نے شریعت کے گوپھن میں ترک دنیا میلان عقبیٰ اور ترک ماسوائے اللہ کے تین پتھر رکھ کر تسلیم و رضا کے بازو سے اس گوپھن کو گھما کر نفس کو مارا جس سے

www.alahazratnetwork.org

نفس اور اس کے ساتھی یعنی گندے اخلاق اور خواہشات و شیاطین کو ہلاک کر دیا۔ پھر رب نے اس داؤد قلب کو اپنے نیابت کا ملک اور السلطنت کی حکمت عطا فرمائی اور اسے قرآنی اسرار اور رموز میں سے جو چاہا سکھایا غرضیکہ جو کوئی ربانی انعام چاہتا ہے وہ پہلے نفسانی دشمن کو قتل کرے۔ (روح البیان)

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ

اور اگر نہ ہوتا دفع فرمانا اللہ کا لوگوں کو بعض ان کے کو ساتھ بعض کے تو البتہ بگڑ جاتی زمین اور لیکن اللہ

اور اگر اللہ لوگوں میں بعض سے بعض کو دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جاوے مگر اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ

فضل والا ہے اوپر جہان والوں کے ۞ یہ آیتیں ہیں اللہ کی کہ تلاوت کرتے ہیں ہم اوپر آپکے ساتھ حق

سارے جہان پر فضل کرنے والا ۞ یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم اے محبوب تم پر ٹھیک ٹھیک

وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝

کے اور تحقیق آپ البتہ مرسلین میں سے ہیں ۞

پڑھتے ہیں اور تم بے شک رسولوں میں سے ہو ۞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ایک عظیم الشان جنگ کا ذکر ہوا اب جہاد کی حکمتیں ارشاد ہو رہی ہیں کہ جہاد ہی کی وجہ سے زمین میں امن و امان قائم ہے اگر یہ نہ ہو تو عالم ویران ہو جائے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں گزشتہ امتوں کے واقعات بیان ہوئے۔ اب اس کا نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ اے عقل والو اس سے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے قائل ہو جاؤ کہ وہ غیبی باتیں بچی بچی بیان فرماتے ہیں۔

تفسیر : **ولولا دفع اللہ الناس** لولا نفی شئی بوجہ ثبوت شئی کے لئے آتا ہے۔ کہا جاتا ہے اگر نہ ہوتے علی تو ہلاک ہو جاتے عمر۔ کبھی مجازاً ھلا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **ولولا نفر من کل فرقۃ** دفع کے معنی ہیں الازالۃ بقوۃ۔ کسی چیز کو بزور ہٹا دینا یا ہٹا دینا۔ مگر جب اس کا صلہ الی ہو تو بمعنی پہنچانا ہوتا ہے جیسے فادفعوا الیہم اموالہم اور اگر اس کے بعد عن آئے تو بمعنی حمایت ہوتا ہے۔ جیسے **ان اللہ یدافع عن الذین امنوا** چونکہ یہاں اس کے بعد نہ الی ہے نہ عن لہٰذا اپنے حقیقی معنی میں ہے اس کی اضافت فاعل کی طرف ہے۔ اس میں چار چیزیں چاہئیں۔ دافع ' مدفوع ' مدفوع بہ یہاں تین کا ذکر ہے اور ایک کا نہیں دفع کرنے والا اللہ اور مدفوع شریر لوگ اور مدفوع بہ یعنی جن کے ذریعہ سے کفار دفع کئے گئے مومنین ہیں اور مدفوع عنہ پوشیدہ ہے یعنی دنیا و زمین (کبیر) اگرچہ جنات و جانور بھی آپس میں لڑتے رہتے ہیں مگر انسان کی جنگ ان سب میں زیادہ اہم ہے اس لئے خصوصیت سے انسان ہی کا ذکر کیا۔ جنات و جانوروں میں جہاد نہیں فرشتے بھی اگر جہاد کریں تو انسانوں کے ساتھ مل کر نیز انسان کی جنگ بڑی خطرناک ہے۔ ایٹم بم ' ہائیڈروجن بم ' ہوائی جہاز ' راکٹ بنا کر انسان ہی جنگ کرتے ہیں اور انسان ہی کی جنگ

www.alahazratnetwork.org

زمین کے فساد کا باعث ہے انسان ہی کی جنگ سے آبادیاں ویران ہو جاتی ہیں۔ اس لئے خصوصیت سے انسان ہی کا ذکر ہوا۔ **بعضھم ببعض بعضھم** ' **الناس** کا بدل البعض ہے اور اس سے شریر فسادی لوگ مراد ہیں۔ ببعض یہ دفع کا متعلق ہے اور اس سے مومنین صالحین مراد یعنی اگر رب تعالیٰ مومنین اور مصلحین کے ذریعہ فتنہ گر اور فسادی لوگوں کو زمین سے دور نہ کرتا تو **لفسدت الارض** فساد اصلاح کا مقابل ہے بمعنی اصل حالت سے نکل جانا اور بگڑ جانا۔ الارض سے ساری آباد زمین مراد ہے یعنی ساری آبادی بگڑ جاتی اور اس میں فساد برپا ہو جاتا کہ زمین پر نہ آبادیاں رہتیں نہ شریف چین سے گزارہ کر سکتے۔ **ولکن اللہ ذوفضل علی العلمین** فضل کی تنوین تعظیمی ہے چونکہ انسان کے بگڑنے سے سارا عالم ہی بگڑ جاتا ہے اور انسان کی اصلاح سے سارے جہان کی اصلاح ہے اس لئے یہاں عالمین فرمایا گیا یعنی اللہ تمام جہانوں پر بڑا فضل و کرم فرمانے والا ہے۔ اس لئے اس نے مجاہدین پیدا فرما کر ان کے ذریعہ عالم میں امن قائم رکھا۔ **تلک ایت اللہ** ' تلک سے یا تو قصہ طالوت کی طرف اشارہ ہے۔ یا احکام و قصص کی ساری آیتوں کی طرف یعنی یہ سب چیزیں طالوت کے پاس "تابوت آنا" تھوڑوں کا بہت سوں پر غالب آ جانا" داؤد علیہ السلام کا اتنے بڑے جابر جالوت کو قتل کر ڈالنا قدرت الٰہی کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں **نتلوھا علیک بالحق** یہ آیات کی صفت ہے یا اس کا حال اور ہو سکتا ہے کہ مستقل جملہ ہو۔ بالحق 'ھا ضمیر کا حال ہے یعنی ان آیتوں کو بواسطہ جبریل آپ کے سامنے ہم سچ سچ اور ضرورت حقہ کیلئے بقدر ضرورت بیان فرماتے ہیں۔ **وانک لمن المرسلین** یا تو مرسلین لغوی معنی میں ہے یعنی رسول یا اصطلاحی معنی میں یعنی نئی کتاب اور نئے دین والے پیغمبر یعنی تحقیق آپ پیغمبروں میں سے ہیں آپ کو خلق کی طرف تبلیغ احکام کیلئے بھیجا گیا۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانوں اسلامی جہاد شرو فساد نہیں بلکہ دفع فساد ہے کیونکہ انسان اچھے برے ہر طرح کے ہیں اگر رب تعالیٰ اچھوں کے ذریعہ بروں کو دفع نہ فرماتا رہے تو زمین میں فساد برپا ہو جائے لوگوں کو کشت و خون سے ہی فرصت نہ ملے نہ جانور زندہ رہیں نہ کھیتی باڑی ہو نہ نسل انسانی پھلے پھولے غرضیکہ کسی قسم کی آبادی نہ ہو سکے۔ جہاد سے مفسدین دبے رہیں گے جس سے امن قائم رہ کر زمین آباد ہو گی اور اس سے تمام عالم والے فائدہ اٹھائیں گے۔ اللہ تمام جہانوں پر فضل فرمانے والا ہے جہاد بھی اس کا فضل ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ دفع دو قسم کا ہے ظاہری اور باطنی دفع ظاہری چار گروہوں سے ہے۔ پیغمبروں سے 'بادشاہ سے 'علماء اور اولیاء سے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے منصب کے لائق فساد دفع فرماتے ہیں۔ دفع خفی بذریعہ عقل ہے کہ عقل ہی وہمی فسادات دور کرتی ہے حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہر فساد کو ظاہری اور باطنی طور پر دفع فرمانے والے آپ ہی سلطان الملوک اور گویا مرکز عالم ہیں (روح) اسی لئے آپ کا اسم شریف دافع البلاء بھی ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ گزشتہ واقعات رب کی کھلی ہوئی نشانیاں ہیں جو ہم وقتاً "فوقتاً" سچے سچے بیان کرتے رہتے ہیں۔ جن میں اہل کتاب اور تواریخ دان لوگ کچھ شک نہیں کر سکتے آپ سچے پیغمبروں میں سے ہیں جب پچھلے پیغمبروں نے جہاد کئے تو آپ کے جہاد پر اہل کتاب کیوں بھڑکتے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حکومت و سلطنت رب کی بڑی نعمت ہے کہ اس کے بغیر امن قائم نہیں ہو سکتا یوں سمجھو کہ دین امن کی بنیاد ہے اور سلطنت محافظ بغیر بنیاد عمارت کمزور ہے اور بغیر محافظ ہر وقت

www.alahazratnetwork.org

خطرہ ایسے ہی بغیر دین کی تنظیم بے جڑ کا درخت ہے اور بغیر حکومت ہر نعمت خطرہ میں ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد اور دینوی انتظامات نبوت یا ولایت کے خلاف نہیں بلکہ یہ چیزیں انبیاء کرام کا فرض منصبی ہیں جو لوگ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کرام کو تارک الدنیا ہونا چاہئے انہیں دنیوی بکھیڑوں سے کیا مطلب وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں یہ حضرات دنیوی بکھیڑے چکانے کے لئے ہی تو آتے ہیں لوگوں کو زندگی کے ہر شعبہ اور ہر چیز کا صحیح استعمال بتا جاتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** مصیبتیں بھی خدا کی رحمت ہیں کہ چھوٹی مصیبتوں کے ذریعہ بلائیں ٹل جاتی ہیں۔ دیکھو جہاد بظاہر تکلیف دہ چیز ہے مگر اسے فضل فرمایا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** نبی کا علم غیب انکی نبوت کی دلیل ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضور کے ان علوم کو آپ کی نبوت کی دلیل قرار دیا جیسے دلیل پر اعتراض کرنے والا در حقیقت دعوی کا منکر ہے ایسے ہی نبی کے علم غیب کا منکر در پردہ ان کی نبوت کا انکاری ہے۔ رب تعالیٰ انکار سے بچائے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ثبوت میں فرمایا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو بتا سکتا ہوں جو کچھ تم گھروں میں کھا کر اور بچا کر آتے ہو یعنی میری نبوت کا ثبوت یہ ہے کہ میں تمہارے گھر کے اندرونی حالات جانتا ہوں۔ یہ علم غیب میری نبوت کا ثبوت ہے۔ نبی کے معنی ہی ہیں غیب کی خبر رکھنے والا یا غیب کی خبریں دینے والا۔ **پانچواں فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی عزت ہے۔ دیکھو عیسائی وغیرہ حضور کے جہاد پر اعتراض کرتے تھے کہ قتل کفار نبوت کے خلاف ہے۔ حضور کی طرف سے رب نے جواب دیا کہ بتاؤ داؤد علیہ السلام نبی تھے کہ نہیں تم انہیں نبی مانتے ہو وہ بڑے مجاہد تھے اگر ہمارے یہ محبوب بھی جہاد کریں تو کیا اعتراض ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اگرچہ ہر کام کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے مگر قانون یہ ہے کہ رب کے کام بندے کریں اور بندے وسیلہ بنیں بروں کو نکالنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر نیکوں کے ذریعہ سے مجاہدین غازی لوگوں کے ذریعہ نکالتا ہے۔ یہ ہی توسل رب تعالیٰ کے تمام کاموں میں ہے ماں باپ کے وسیلہ سے پیدائش نبی کے وسیلہ سے ہدایت بادلوں کے ذریعہ رزق وغیرہ جب وہ غنی ہو کر وسیلہ اختیار کرتا ہے تو ہم محتاج ہو کر وسیلہ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اسی لئے رب نے فرمایا **وابتغوا الیہ الوسیلۃ**○

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے فسادی لوگ پیدا ہی کیوں کئے جن پر جہاد کرنا پڑا۔ (آریہ) **جواب:** اس کا جواب بارہا دیا جا چکا کہ تمام عالم کا نظام اسی طرح قائم ہے کہ اس میں بری بھلی چیزیں ہوں اور بھلائی سے برائی مٹائی جائے۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ رب نے بھوک پیدا ہی کیوں فرمائی جس کے لئے غذا کی حاجت ہوئی یا رب نے بیماریاں کیوں بنائیں کہ ہمیں دوا کی ضرورت پڑی اگر بھوک و بیماری نہ ہوتی تو عالم قائم نہ رہتا۔ **دوسرا اعتراض:** جنگ میں زمین بگڑتی ہے۔ مگر یہاں فرمایا گیا کہ جنگ نہ ہوتی تو بگڑ جاتی یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہ ایسا ہی ہے کہ کوئی ڈاکٹر کہے کہ اگر میں بیمار کا گلا ہوا ہاتھ نہ کاٹ دیتا تو سارا ہاتھ خراب ہو جاتا۔ فسادی لوگ نوع انسان کا گلا ہوا عضو ہیں ان کا رہنا سب کا بگڑنا ہے جسم سے میل کچیل ناخن و بال دور کرتے رہو تاکہ تندرستی قائم رہے۔ **تیسرا اعتراض:** جہاد کے فوائد دکھا کر یہ کیوں فرمایا کہ اللہ عالمین پر فضل فرمانے والا ہے جہاد کا نفع حد درجہ انسانوں کو پہنچ سکتا ہے نہ کہ ساری مخلوقات کو۔ **جواب:** ساری مخلوق انسان کے لئے بنی اور اسی کی خاطر باقی ہے۔ دولہا کے لئے برات کی ساری ٹیپ ٹاپ ہے اس لئے انسان ساری چیزوں سے کام لیتا ہے۔ اگر جہاد نہ ہوتا انسان نہ رہتا اور جب انسان نہ رہتا جہاں نہ رہتا۔ انسان کے بقا سے جہان کی بقا ہے لہذا اس پر فضل سب پر فضل ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں آیات کے ساتھ بالحق کہنے میں کیا فائدہ کیا بعض آیتیں باطل بھی ہیں۔ **جواب:** رب جانتا تھا کہ بعض عیسائی ان آیتوں کے

www.alahazratnetwork.org

غلط ہونے کا پروپیگنڈا کریں گے اور کہیں گے کہ تاریخی لحاظ سے یہ واقعہ صحیح نہیں طالوت کی سلطنت سے پہلے تابوت آیا تھا نہ کہ بعد میں اور لشکر کی آزمائش نہر سے نہیں ہوئی تھی اور نہ طالوتیوں نے بروقت مقابلہ کی تھی وغیرہ وغیرہ اس لئے فرمایا گیا کہ جو قصہ ہم نے بیان کیا وہ ہی سچ ہے۔ عیسائیوں کی تاریخ غلط سبحان اللہ بالحق کہنے پر قربان۔ غور تو کرو کہ عیسائی اس واقعہ کی مخالفت میں کتاب شمویل پیش کرتے ہیں کہ چونکہ اس میں یہ واقعہ اور طرح مذکور ہے لہذا قرآن کی آیتیں غلط۔ اور اب ذرا کتاب شمویل کا حال دیکھ لو کہ اولا" تو یہ ہی خبر نہیں کہ یہ کتاب ہے کس کی۔ کوئی عیسائی کہتا ہے کہ خود شمویل کی ہے کوئی کہتا ہے یا تن نبی کی کوئی یرمیاہ کی۔ دوئم خود عیسائی مؤرخ کہتے ہیں کہ اس کے کچھ باب الحاق ہیں جو بعد میں ملا دیئے گئے۔ سوئم: اس کتاب میں خود تعارض ہے۔ چنانچہ انیسویں باب کے پندرھویں درس میں ہے کہ خدا پچھتانے سے پاک ہے اور پھر اسی باب کے پینتیسویں درس میں ہے کہ خدا ساؤل کو بادشاہ بنا کر پچھتایا۔ اسی کتاب کے سولہویں باب کے اکیسویں درس میں ہے کہ ساول داؤد سے واقف بھی نہ تھا جس پر عیسائی بھی چکرا کر کہتے ہیں کہ اس کتاب میں ملاوٹ ہوئی ہے۔ (تفسیر حقانی) اس لئے رب نے فرمایا کہ کتاب شمویل وغیرہ پر بھروسہ نہ کرو۔ **نتلوها علیک بالحق** سچے واقعات تمہیں ہم سناتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : مشائخ و اولیاء مصلحین ہیں وہم اور روحانی باتیں مفسد لوگ ہیں انسان کی استعداد گویا روح کی زمین اور اس کا ملک ہے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب تعالیٰ مشائخ اور اولیاء کرام کے ذریعہ وہم اور روحانیات کو دفع نہ فرماتا اور جالوت نفس کو ہلاک نہ کرتا تو روح کی زمین یعنی طالبین کی استعداد بگڑ جاتی۔ ان کے اخلاق تبدیل ہو جاتے قلب کی صفائی جاتی رہتی لیکن اللہ سب پر فضل فرماتا ہے کہ طالبین کے دل میں طلب کا جوش دیکر انہیں کاملین کے دروازہ پر پہنچاتا ہے پھر ان کاملین کو ان پر مہربان بناتا ہے کہ وہ انہیں فیض دیں اور طالبین کو ریاضات و مجاہدات کی مشقتیں برداشت کرنے کی قوت دیتا ہے اگر یہ کرم نہ ہوتے تو ان کے نفوس کبھی پاک صاف نہ ہوتے۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان آیتوں کے ضمن میں اللہ کے اسرار اور دقائق ہیں جن کو ہم حقیقتہ" آپ پر ظاہر کرتے ہیں آپ ہی ان مرسلین میں سے ہیں جنہوں نے یہ سارے مقامات طے کئے اور ان حالات و کمالات کا مشاہدہ فرمایا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے زمین پر کبھی دن کا راج ہے' کبھی رات کا' کبھی گرمی کا' کبھی برسات کا کبھی خزاں کا' کبھی بہار کا' مسلمانوں کا' کبھی کفار کا' ہر راج کے آثار مختلف ایسے ہی دل کی دنیا میں کبھی نفس و شیطان کا راج ہوتا ہے کبھی روح اور سر کا نفس کے راج میں دل میں فسق و فجور' اندھیری ہوتے ہیں اور روح کے راج میں خوف و عشق گریہ زاری' بے قراری ہوتی ہے اگر دل پر ہمیشہ شیطان کا ہی راج رہے تو یہ بگڑ جائے۔ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میرے دل پر نفس و شیطان کبھی راج نہیں کر سکتے کعبہ معظمہ جو بیت اللہ ہے وہاں بھی تین سو سال بت راج کر گئے۔ حضور کے ہاتھوں ان کا راج ختم ہوا۔

دوسری تفسیر : دنیا میں برے انسان بھی ہیں اور اچھے بھی بدکار عذاب الٰہی کے سزاوار مگر نیکوں کی برکت سے امن میں رہتے ہیں۔ عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایک نیک مسلمان کی برکت سے اس کے آس پاس سو گھر والوں سے بلا دور رہتی ہے۔ (خزائن و شامی و مشکوۃ شریف) نوکریمن و شام میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ شام میں چالیس ابدال رہیں گے جب کبھی ان میں سے کسی کی وفات ہو جائے گی تو دوسرا اس جگہ قائم ہو گا۔ انہیں کی برکت سے بارش ہو گی انہیں کی طفیل فتح و نصرت نصیب ہو گی اور اہل شام سے عذاب دور رہے گا۔ اس کی شرح مرقات میں عبداللہ

www.alahazratnetwork.org

ابن مسعود سے مروی ہے کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیشہ تین سو ولی رہیں گے جن کے دل آدم علیہ السلام کے قلب پاک کی طرح ہوں گے اور چالیس قلب موسیٰ پر اور سات قلب ابراہیم پر اور پانچ قلب جبریل پر تین قلب میکائیل پر اور ایک قلب اسرافیل پر علیہم السلام جب اس ایک کی وفات ہو گی تو ان تین میں سے ایک یہاں قائم ہو جائیگا اور ان پانچوں میں سے ایک تین میں اور سات میں سے پانچ میں اور چالیس میں سے سات میں اور تین سو میں سے ایک چالیس میں اور عامۃ المسلمین میں سے ایک ان تین سو میں داخل ہو کر یہ شمار پوری رکھیں گے ان کے طفیل بلائیں دفع ہوں گی۔ تفسیر در منثور میں ہے کہ یہ حضرات اوتاد ارض یعنی زمین کی میخیں ہیں کہ انہیں کی برکت سے زمین قائم ہے تفسیر روح البیان نے چھٹے پارہ سورۂ مائدہ قل اللہ انی معکم کی تفسیر میں فرمایا کہ امت نبی صلی اللہ علیہ وسلم میں چالیس ابدال اور سات امناء اور تین خلفاء ایک قطب عالم ہو گا حضرت شیخ الاکبر محی الدین فرماتے ہیں کہ قطب عالم کے مرکز کی حفاظت کرتا ہے اور اس کا ولیاں وزیر عالم ارواح کی اور بایاں وزیر عالم اجسام کی اور چاروں اوتاد مشرق مغرب جنوب و شمال کی اور سات ابدال سات ولایتوں کے محافظ ہیں۔ خیال رہے کہ ان میں دایاں تو بایاں ہے اور بایاں دایاں۔ بایاں جلالی اور فانی فی اللہ ہے اور دایاں جمالی باقی باللہ (روح) غرضیکہ عالم کا بقاء ان حضرات سے ہے وہ ہی یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر اللہ بعض لوگوں یعنی کاملین کی برکت سے مفسدین کی بلاؤں کو دفع نہ فرماتا تو زمین کبھی کی برباد ہو جاتی مگر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ان فضل والوں کو پیدا فرمایا۔ خیال رہے کہ بعض مخلوق دینے والی ہے اور بعض لینے والی سورج و بادل دینے والی مخلوق ہے زمین لینے والی۔ کبھی لینے والا دینے والے کے برابر نہیں ہو سکتا اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے افضل ہے۔ یوں ہی ہم لوگ لینے والے ہیں حضرات انبیاء اولیاء دینے والے رب نے ہم میں سے کسی کو کوئی نعمت بغیر واسطہ نہیں دی۔ قرآن، کلمہ، ایمان، روزہ، نماز وغیرہ رب نے ہم کو براہ راست نہ دیا جو کچھ دیا حضور کے واسطے سے دیا۔ ہم بھی کسی طرح حضور سے ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔

الحمد للہ کہ یہ جلد دوم ۲ ذیقعدہ 1363ھ یوم پنج شنبہ کو شروع ہو کر 26 جمادی الاول 1364ھ یوم چہار شنبہ کو ختم ہوئی۔ رب تعالیٰ بقیہ جلدیں پوری کرنے کی طاقت عطا فرمائے اور قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور توشہ آخرت بنائے **وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و شفیعنا و حبیبنا و مولانا محمد وعلی الہ و اصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین ○**

ناچیز احمد یار خان نعیمی اشرفی اوجھانوی غفرلہ و عفی عنہ و عن والدیہ

21 جون 1965ء

www.alahazratnetwork.org

اسم تاریخی

اشرف التفاسیر

۱۳۶۳

تفسیر نعیمی

(پارہ سوم)

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار * لاہور

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب	———	تفسیر نعیمی (پارہ سوم)
مصنف	———	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات	———	596
کمپوزنگ	———	لیزر کمپوزنگ ان' سٹار سائنس مارکیٹ' تکیہ اہلی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور
پرنٹر	———	آیا سنز پرنٹرز' لاہور
ناشر	———	مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور۔
قیمت	———	

www.alahazratnetwork.org

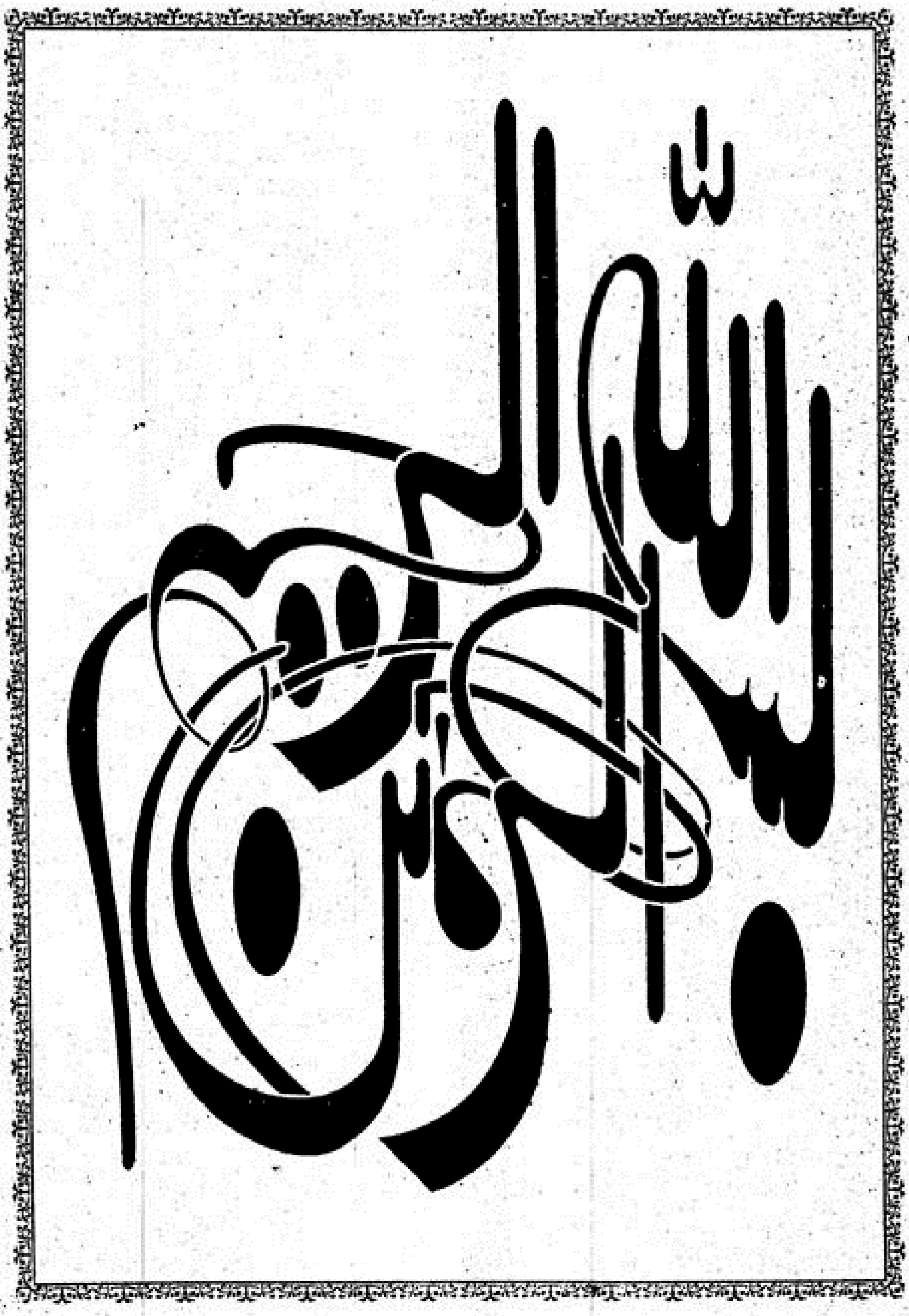

الصلوٰة والسلام علیک

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خوشنویس: اعجاز احمد ساقی، محلہ نور، لاہور

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ تلک الرسل

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض	13	شفاعت اور اسکے اقسام اور شفیع کون کون ہیں	36
نبی اور رسول میں فرق اور ان کی تعداد	14	کفار کو مرحوم و مغفور کہنا منع ہے	38
انبیاء نبوت میں یکساں ہیں اور رب سے کلام کی	14	قیوم کے عالمانہ اور صوفیانہ معانی اور توحید	
صورتیں وحی خفی کی تعریف اور موسیٰ علیہ السلام		کے مراتب	38
کے رب سے کلام کرنے کی کیفیت کلام		یعلم ما بین ایدیهم وما خلفهم الخ	40
طور معراج میں فرق		کرسی کے معانی اور اس کی تحقیق	41
عیسیٰ اور مریم کے معنی اور ابن کی تحقیق حضور	15	آیت الکرسی کے فضائل و فوائد	41
علیہ السلام کے افضل الانبیاء ہونے کے دلائل		اسم اعظم اور عیسیٰ علیہ السلام کس اسم سے	
سجدہ آدم اور درود محمدی میں فرق	20	مردے زندہ کرتے تھے	44
سلطنت سلیمانی و سلطنت محمدی میں فرق	22	آیت الکرسی حضور کی نعت ہے	45
اور حضور کا نور بلا واسطہ پیدا ہوا		لا اکراہ فی الدین	49
ولو شاء اللہ ما اقتتل الذین الخ۔	22	جو جبراً مسلمان کیا جاوے اس کے ارتداد کا حکم	52
مسئلہ تقدیر اور اس پر سوال و جواب	26	اللہ ولی الذین امنوا	58
جبریہ قدریہ اور اہل سنت میں فرق	26	الم تر الی الذی حاج ابرھم	61
خلق اور کسب کا نفیس فرق	26	نمرود کے تاریخی حالات	61
مخلوق صفات خالق کی مظہر ہے	27	ابراہیم علیہ السلام کا عجیب معجزہ اور نمرود کی ہلاکت	63
یا ایها الذین امنوا انفقوا مما	27	حضرت ابراہیم کے حکم سے سورج لوٹ سکتا	
رزقنکم الخ۔		تھا (دیوبندی)	63
حرام بھی رزق الٰہی ہے	30	ظالم کو ہدایت نہ دینے کے عجیب معانی	65
اللہ لا الہ الا هو الحی القیوم الخ	31	او کالذی مر علی قریة	66
آیۃ الکرسی بدمذہبوں کی تردید ہے اس کی تفصیل	34	حضرت خضر علیہ السلام کون تھے؟	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
قال بل لبثت مائۃ عام	68
عزیر علیہ السلام کے زندہ ہونے کا عجیب واقعہ	70
وہ کون ہیں جن کی عمر چالیس سال اور پوتے کی عمر نوے سال	72
انبیاء بعد موت اس دنیا سے باخبر ہیں	73
واذ قال ابرھم رب ارنی الخ	75
دنیا میں کل کتنے پہاڑ ہیں	78
یقین کے درجے اور کون سا درجہ ایمان کے لئے ضروری ہے	79
مثل الذین ینفقون اموالھم	83
صدقہ کے فضائل وفوائد	85
الذین ینفقون اموالھم الخ	87
یایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم۔ الخ	92
صدقہ کے حروف کس طرف اشارہ کرتے ہیں اور صدقہ کیا ہے	96
مثل الذین ینفقون اموالھم الخ	98
جنت بستان فردوس میں فرق	99
صدقہ برباد کرنے والی چیزیں	101
ایود احدکم ان تکون لہ الخ	102
روگ کے علاج، شیطان پندرہ شخصوں سے ناراض ہے اور دس شخصوں سے خوش ہے	106
یایھا الذین امنوا انفقوا من طیبت الخ	107
الشیطن یعدکم الفقر الخ	112
حکمت کے 29 معانی اور قرآن میں کتنے معنی میں استعمال ہوا۔	114
علم کے عجیب فوائد، علم غیب کی نفیس دلیل	115
وما انفقتم من نفقۃ الخ	117
نذر کے اقسام واحکام، نذر شرعی کے شرائط	119
ممانعت کی نذر کی حدیث کی نفیس شرح	120
کون سی عبادت ظاہر کی جائے، کون سی خفیہ	124
لیس علیک ھدھم الخ	126
ہندوستان دارالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار حربی	129
کفار سے صدقہ لینا منع ہے۔ کفار کی نوکری کا حکم	131
للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ الخ	131
غریب علماء احصروا فی سبیل اللہ میں داخل ہیں۔ ان کو خیرات دینا زیادہ ثواب	136
ہر علامات پر احکام جاری ہوسکتے ہیں	136
فقر کے درجے اور ان کے احکام، سوال کی برائی	138
الذین ینفقون اموالھم باللیل والنھار الخ	138
چھ چیزوں کی زینت چھ چیزوں سے ہے اس کی نفیس تفصیل	142
الذین یاکلون الربوا الخ	142
جن، بھوت پریت کا ثبوت اور یہ چیزیں انسان کو ستاتی ہیں	145
سود کی نقلی وعقلی خرابیاں	147
سود کی حقیقت اور اس کے مسائل نوٹ کا حکم	148
سود سے بچنے کی جائز صورتیں	148
حربی کفار سے نفع لینا سود نہیں بلکہ ان سے	149

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ہر عقد جائز ہے بشرطیکہ مسلمان کا نفع ہو	
بنک کے سود کا حکم	149
چھ صورتوں میں روپیہ کا نفع حلال ہے سود نہیں	149
زندگی یا مال کا بیمہ کرانے کا حکم	149
یمحق اللہ الربوا و یربی الصدقت الخ	151
یایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وذروا ما بقی من الربوا الخ	156
زرو کی نفیس تحقیق	158
کن کن لوگوں پر لعنت ہے	159
کفار کے معاملات کی نفیس تفصیل	160
وان کان ذو عسرۃ الخ	162
سب سے آخر کون سی آیت اتری	164
قرض لینے کی برائیاں	165
قرض دینے اور مقروض کو مہلت دینے کے فضائل	165
دین و قرض میں فرق اور بعض سنتوں کا ثواب قرض سے زیادہ ہے	166
دیوالیہ کے احکام	166
قرض لینا کب ثواب ہے	167
صلوٰت کے سات اور ترقی کے درجات کے آٹھ سبب ہیں	168
یایھا الذین امنوا اذا تداینتم الخ	169
بیع سلم اور اس کے شرائط۔دستاویز لکھنے کا قرآنی طریقہ	172
ولیملل الذی علیہ الحق الخ	174

مضمون	صفحہ
مرد عورت سے افضل ہے اور کس جگہ صرف عورت کی گواہی معتبر ہے	178
قبول گواہی کی دس شرطیں	179
گناہ کبیرہ و صغیرہ میں فرق	
ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا الخ	181
کون سی گواہی چھپانا چاہیے	185
امر کے استحبابی ہونے کا قرینہ	186
واشھدوا اذا تبایعتم الخ	186
گواہی پر اجرت لینا حرام ہے اور دستاویز پر جائز	189
وان کنتم علی سفر الخ	190
صدقہ و نذر و ہدیہ میں فرق اور ان کے احکام	196
قید احترازی و اتفاقی کی نفیس پہچان	196
للہ ما فی السموت والارض الخ	198
نفس کے معانی اور ما فی انفسکم کی نفیس تحقیق	200
کن افعال کا حساب ہے کن کا نہیں	201
خیر کا نسخ جائز ہے یا نہیں	202
امن الرسول بما انزل الیہ الخ	205
احد، واحد، وحید میں فرق	208
نبی اور امتی کے ایمان میں فرق	210
خلفائے راشدین کا ایمان قطعی ہے	210
لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا الخ	213
کسب اور اکتساب میں فرق	214
تقلید واجب ہے	217

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ربنا ولا تحملنا مالا طاقۃ لنا بہ الخ	221
حمل اور تحمیل میں نفیس فرق	221
سورۂ بقرہ کے فضائل وفوائد	224
دعاء کرب	225
سورہ آل عمران' آل عمران کے نام اور وجہ مناسبت	231
توریت وانجیل کے معانی اور ان کی لفظی تحقیق	
آل عمران کا نام عیسائیوں' یہودیوں اور روافض وخوارج کا رد ہے	233
اسلامی مساجد میں کفار و مرتدین کو اپنی عبادت ادا کرنے کا حق نہیں	235
کیا مسجد نبوی میں عیسائیوں نے اپنی نماز پڑھی	235
ان الذین کفروا بایت اللہ الخ	237
صورت اور رحم کے معانی	240
چالیس کی خصوصیات اور اولیاء کے چلے کا ثبوت	241
ھو الذی انزل علیک الکتب الخ	244
علماء راسخین کون ہیں؟	248
محکم اور متشابہ کی نفیس تحقیق	250
متشابہ میں سترہ قول ہیں	250
متشابہ کی قسمیں	250
مقطعات اور آیات صفات کل کتنے ہیں؟	250
انما انا بشر مثلکم الخ۔ وغیرہ متشابہ ہیں	251
حضور کو متشابہات کا علم ہے	251
اولیاء کاملین متشابہات کو جانتے ہیں	251
علم متشابہات کے متعلق احناف اور شافعیوں کے دلائل قاہرہ	252
متشابہات کی حکمتیں	253
متشابہ پر اعتراضات	253
ہر چیز میں متشابہ اور محکم ہیں	255
صوفیاء کے بعض اقوال جیسے اناالحق وغیرہ متشابہ کے حکم میں ہیں	255
کیا مرزائیوں' دیوبندیوں کی کفریہ عبارتیں متشابہ کے حکم میں ہیں	256
متشابہ کی تین علامتیں	256
ربنا لا تزغ قلوبنا الخ	256
خلف وعید جھوٹ نہیں	259
جھوٹ الوہیت کے منافی ہے	260
ان الذین کفروا لن تغنی عنھم اموالھم الخ	262
ذنب' اثم' جرم اور معصیت میں فرق'	265
ذنب کی نفیس تحقیق	
قل للذین کفروا ستغلبون الخ	269
جنگ بدر رب کی آیت کیوں ہے	
جنگ بدر کا مفصل واقعہ	273
حضور نے کل 19 جنگیں کیں اور کل 1000 کفار مارے گئے	273
بدر کو بدر کیوں کہتے ہیں؟	275
حضرت سواد کا عجیب واقعہ	275
ہر مسلمان نے اپنے قریبی کافر کو قتل کیا	277

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
حضرت عباس اور ابو العاص کا پر لطف واقعہ	277
زین للناس حب الشھوت الخ	280
قل اونبئکم بخیر من ذلکم للذین اتقوا الخ	286
عورت قیامت میں اپنے آخری شوہر کے ساتھ رہے گی	290
کنواری لڑکیاں جنت میں کس کے نکاح میں دی جائیں گی جیسے حضرت مریم حضور کے نکاح میں۔	290
الذین یقولون ربنا اننا اٰمنا فاغفرلنا الخ	291
صدق اور قنوت کے معانی	293
توبہ واستغفار کے فضائل	295
توبہ کے مسائل اور توبہ کی قسمیں اور قبول کی شرائط	296
صبح کی توبہ کے فضائل	296
کون سی استغفار بہتر ہے	297
شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو الخ	299
دین اور مذہب اسلام اور ایمان میں فرق	303
اس آیت کے فضائل	305
حقانیت اسلام کے نفیس دلائل	306
حقانیت اسلام کے نقلی و عقلی دلائل	306
پیغمبر اسلام کی خصوصیات	309
اسلامی قوانین کی خوبی	310
فان حاجوک فقل اسلمت وجھی للہ ومن اتبعن الخ	312
کون سی نیکی چھپائے اور کون سی ظاہر کرے	315
نبی اور امتی کے ایمان و اطاعت میں فرق	316
قلب اور نفس کا مقام کہاں ہے	317
ان الذین یکفرون بایت اللہ الخ	318
ارتداد سے نیکی باطل ہوتی ہے نہ کہ گناہ	322
کافر عداوت کافر محبت سے سخت ہے	322
کافر محبت کا عذاب ہلکا ہوگا جیسے ابو طالب	323
الم تر الی الذین اوتوا نصیبا الخ	324
عبد اللہ ابن سلام کا اسلام اور سنہ وفات	326
قل اللھم ملک الملک تؤتی الملک من تشاء الخ	332
لفظ اللھم کی نفیس تحقیق	334
ملک و ملکوت میں باریک فرق	335
میت اور میّت میں فرق اور حساب کے معانی	336
ظالم بادشاہ رعایا کے اعمال کا نتیجہ ہے	339
لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء۔ الخ	342
کفار سے محبت رکھنے کا حکم	346
محبت، میلان طبع اور برو قسط وغیرہ میں فرق	346
کفار سے مدد لینے کا حکم "مطلقاً" مدد نہ لینے کا حکم منسوخ ہے	347
تقیہ کی مفصل تحقیق تقیہ کی چار قسمیں	347
روافض کا تقیہ اور ان کے دلائل	348
یوم تجد کل نفس ما عملت من خیر محضرا	352
گناہ پیش ہو کر معاف ہوں گے یا پہلے ہی	354

مضمون	صفحہ
قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی الخ	356
اطاعت اور اتباع میں فرق	358
اطاعت اور محبت کی قسمیں	359
اطاعت کے درجات اور کس درجہ کی اطاعت	360
ایمان کے لئے ضروری ہے	
محبت کی قسمیں اور حضور علیہ السلام	360
سے محبت طبعی چاہئے نہ محض عقلی	
ان اللہ اصطفی ادم و نوحا	364
اصطفا کی تحقیق اور نوح کے معنی	365
آل ابراہیم کون ہیں	366
عمران دو ہیں جن میں 1800 سال کا فاصلہ ہے	366
دونوں کا مکمل شجرہ نسب	
مخلوق کی قسمیں اور کون کس سے افضل ہے	367
حضرت علی کو علم کے ہزار باب ملے	368
پیغمبر کی ہر قوت عالم سے بڑھ کر ہے	368
اذ قالت امراۃ عمرن رب انی	370
نذرت لک	
مریم کے معانی اور ان کے سوا کسی عورت	372
کا نام قرآن میں نہیں	
اولاد کو وقف اب بھی درست ہے	374
قبر کا مجاور رہنا جائز ہے اور قبر پر بیٹھنے	375
کی ممانعت کا مطلب	
فتقبلها ربها بقبول حسن الخ	377
کل گیارہ بچوں نے بچپن میں کلام کیا	382

مضمون	صفحہ
قرعہ کی آسان صورت	383
هنالک دعا زکریا ربہ الخ	386
یحیٰی علیہ السلام کا نام لقب اور وجہ تسمیہ	389
حصور کے معانی	
سید کون ہیں؟	389
حضرت یحیٰی کی پیدائش کے وقت زکریا و	390
مریم علیہا السلام کی عمر	
قال رب انی یکون لی غلم الخ	395
صبی غلام شاب شیخ میں عجیب فرق	396
واذ قالت الملئکۃ یمریم ان	401
اللہ اصطفک	
حضرت مریم حیض و نفاس سے پاک تھیں	403
وحی کے اقسام اور قلم کے معنی	404
حضرت مریم و فاطمہ و عائشہ صدیقہ و خدیجہ	406
رضی اللہ عنہن میں افضل کون ہے	
یمریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ الخ	412
کلمۃ اللہ اور مسیح کے معانی اور عیسیٰ	414
علیہ السلام کے یہ لقب کیوں ہیں	
عیسیٰ کے معانی اور آپ کی دنیاوی و دینی	414
عزتیں اور وجاہتیں	
انسانی عمر کے اکیس نام	416
قالت رب انی یکون لی ولد الخ	418
عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کب ملی	421
عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے کی	421

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
نفیس بحث	
انی قد جئتکم بایۃ من ربکم الخ	426
خلق کے نفیس معانی	428
عیسیٰ علیہ السلام کے عجیب واقعات	430
چمگادڑ کی خصوصیات	430
مردہ زندہ کرنے پر اعتراض و جواب	434
ومصدقا لما بین یدی من التورٰۃ الخ	438
فلما احس عیسیٰ منھم الکفر الخ	441
حواری کے معانی اور ان کی تعداد	445
عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر جانے کا واقعہ اور حضرت مریم کی کل عمر	448
حواری کتنے اور کون لوگ تھے	450
واذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک الخ	454
حیات عیسیٰ علیہ السلام کی منصفانہ نفیس تحقیق	458
حیات مسیح پر سوال و جواب کیا شکل بدلنا ممکن ہے	462
فاما الذین کفروا فاعذبھم الخ	467
عیسائیوں سے مباہلہ کا واقعہ	476
کس مسئلہ پر مباہلہ کرسکتے ہیں	478
آیت مباہلہ سے شیعہ کی نفیس تردید	479
انسان مٹی سے کیوں بنا	480
ان ھذا لھوا لقصص الحق الخ	482
قل یاھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء الخ	485
اسلامی مساوات کے چند نمونے	490

مضمون	صفحہ
ھانتم ھئولاء حاججتم الخ	496
قوموں کے نام ان کی تاریخ کا پتہ نہیں	499
ہم اہل سنت ہیں نہ اہل فرض	500
امام ابو حنیفہ کی احادیث صحیح ہیں	500
قرات خلف الامام پر اعلیٰ مناظرہ	500
ان اولی الناس بابرھیم للذین اتبعوہ و ھذا النبی الخ	502
کفار روافض سید نہیں	507
یاھل الکتب لم تکفرون الخ	509
ولا تومنوا الا لمن تبع دینکم الخ	517
نبوت اولاد ابراہیم سے خاص ہے اور حضور خاتم النبیین ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم)	520
چند لوگ بلاحساب جنتی ہیں	522
ومن اھل الکتب من ان تامنہ بقنطار الخ	522
قنطار کی مقدار	524
دینار کے عجیب معانی اور وزن	525
بلیٰ اور نعم کا فرق	525
کافر کی امانت ادا کرے غنیمت لے لے	527
ان الذین یشترون بعھد اللہ الخ	529
وان منھم لفریقا یلون السنتھم الخ	536
انجیلوں کا اختلاف اور تحریف	538
اردو خط میں قرآن لکھنا منع ہے	539
ما کان لبشر ان یؤتیہ اللہ الکتب الخ	542

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
عالم ربانی کون ہے	545	یقبل منہ الخ	
عبدالنبی نام رکھنا	548	کافر کو ہدایت نہ دینے کے کیا معانی	575
واذ اخذ اللہ میثاق النبین الخ	551	کفار کے بچے دوزخی ہیں یا نہیں	578
اقرار، وعدہ، عہد، میثاق، امر میں عجیب فرق	552	اولئک جزاؤھم ان علیھم لعنۃ اللہ الخ	580
فضیلت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم	557	توبہ کے فضائل و فوائد	583
خلیل و حبیب میں فرق	559	توبہ کے اقسام و شرائط اور وقت	584
حضور سے عہد نہ لیا گیا بلکہ حضور کا سب	559	صحابہ کرام عادل ہیں نہ کہ معصوم	586
سے عہد لیا گیا		ان الذین کفروا بعد ایمانھم الخ	588
ہندوستان کو ہندوستان کیوں کہتے ہیں؟	560	کفر اور زیادتی کفر میں فرق	589
حکم کے لئے امکان عمل ضروری نہیں	562	کافر کی توبہ قبول نہ ہونے کی وجہ	590
افغیر دین اللہ یبغون الخ	565	حضور کا منکر دیگر انبیاء کے منکر سے سخت کافر ہے	591
طوعا" اور کرھا" میں اسلام کا فرق	567	گیارہ شخصوں کی توبہ قبول نہیں، کافر اعمال کا	592
نبوت منسوخ نہیں ہو سکتی	570	مکلف ہے	
دین، ایمان اور اسلام میں فرق	571	توبہ قبول نہ ہونے کے معانی	593
ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن	573	گستاخ نبی کی توبہ قبول نہ ہونے کا مطلب	593

انگلیاں میری ہیں اور ان میں قلم ہے تیرا
ہاتھ میرا ہے مگر اس پر کرم ہے تیرا

حکیم الامت

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ

یہ پیغمبر ہیں کہ بزرگی دی ہم نے بعض کو ان میں سے اوپر بعض کے ان میں سے وہ ہیں کہ کلام فرمایا اللہ نے

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک دوسرے پر افضل کیا ان میں سے کسی سے اللہ نے کلام فرمایا اور کوئی

رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ

اور بلند کیا بعض کو ان میں سے درجوں اور دیں ہم نے عیسیٰ بیٹے مریم کو کھلی نشانیاں اور تائید کی

وہ ہے جسے سب پر درجوں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ

بِرُوْحِ الْقُدُسِ

ہم نے ان کی ساتھ روح پاکیزہ کے

روح سے ان کی مدد کی۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں پچھلے پیغمبروں کے مختلف واقعات بیان ہوئے کہ کسی نے کعبہ بنایا کسی نے رب سے کلام کیا۔ کسی نے کفار سے جہاد کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ حضرات انبیائے کرام کے کام مختلف رہے۔ اب بتایا جارہا ہے کہ جیسے ان سب کے کام یکساں نہیں ایسے ہی ان کے درجات بھی یکساں نہیں تو گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیتوں کا نتیجہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ مرسلین میں سے ہیں۔ جس سے وہم ہوتا تھا کہ سارے پیغمبر یکساں ہیں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان میں سے ایک ہیں۔ اب یہ وہم دفع فرمایا جارہا ہے کہ نہیں ان میں فرق مراتب ہے اور آپ ان سب سے افضل ہیں۔

تفسیر: تلک اسم اشارہ ہے۔ اس سے یا تو ان پیغمبروں کی طرف اشارہ ہے جن کے واقعات پہلے گذر چکے ہیں۔ جیسے حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیم اور حضرت داؤد و اسمٰعیل علیہم السلام یا ان پیغمبروں کی طرف اشارہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہیں۔ چونکہ ان کا زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت دور تھا نیز وہ حضرات بڑے درجے والے ہیں۔ اس لئے تلک اشارہ بعید فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں صراحۃً تمام پیغمبروں کا ذکر نہیں۔ صرف بعض کا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے **منہم من قصصنا علیک ومنہم من لم نقصص علیک** یعنی ہم نے قرآن میں بعض رسولوں کا ذکر کیا اور بعض کا نہ کیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم سارے ہی پیغمبروں کا دیا گیا۔ بلکہ معراج میں سارے پیغمبر دکھائے گئے۔ رب فرماتا ہے **وکلا " نقص علیک من انباء الرسل ما نثبت بہ فؤادک** یعنی قرآن کریم کے علاوہ اور روحی کلام میں ہم نے تمام رسولوں کے قصے آپ کو سنادیئے ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں لہٰذا اگر یہاں **تلک الرسل** سے وہ انبیاء و رسول مراد ہوں جن کا ذکر قرآن کریم میں ہے تو بعض رسول ہوں گے اور اگر وہ رسل مراد ہوں جو حضور کے علم میں ہیں تو سارے رسول مراد ہوں گے۔ **الرسل** یہ رسول کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں "قاصد"۔ اصطلاح میں رسول وہ باکمال مرد ہیں۔ جو رب کی

www.alahazratnetwork.org

طرف سے تبلیغ کے لئے بھیجے گئے اور ان کے ساتھ کوئی نئی یا پرانی آسمانی کتاب بھی ہو۔ نبی میں کتاب کی قید نہیں۔ لہٰذا ہر رسول نبی ہے اور ہر نبی رسول نہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار (124000) یا کم و بیش ہیں۔ اور رسول تین سو تیرہ (313) مگر کبھی رسول بمعنی نبی بھی استعمال ہوتا ہے یہاں ایسا ہی ہے۔ خیال رہے: کہ رسول لغوی معنی سے فرشتے بھی ہیں۔ رب فرماتا ہے **جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ** اور فرماتا ہے **اللہ یصطفی من الملئکۃ و رسلا من الناس** مگر شرعی معنی سے رسول صرف انسان ہیں یعنی **مبعوث من اللہ للتبلوغ** صرف انسان ہی رسول ہوئے۔ حضرت جبریل وغیرہ علیہم السلام نہ کسی قوم کے مبلغ ہوئے نہ کوئی قوم ان کی امت ہوئی۔ قرآن کریم میں جب رسول مطلق ہوتا ہے تو اس سے شرعی رسول یعنی انسان پیغمبر مراد ہوتے ہیں۔ جیسے رجل سے مراد صرف انسان مرد ہیں اگرچہ جنات کو رجال فرمایا گیا ہے۔ **برجال من الجن**۔ رب فرماتا ہے **کل امن باللہ و ملائکتہ و کتبہ و رسلہ** لہٰذا یہاں انسان رسول مراد ہیں۔ **فضلنا بعضھم علی بعض** یہ تفضیل سے بنا جس کا مادہ فضل ہے بمعنی بزرگی تفضیل فضیلت عطاء کرنے یا کسی وصف خصوصی میں ممتاز کرنے کو کہتے ہیں یا تو **تلک الرسل** مبتدا تھا اور یہ اس کی خبر یا تلک مبتداء اور رسل اس جملہ سے مل کر خبر یعنی یہ وہ رسول ہیں جن میں بعض کو بعض سے ہم نے بزرگی دی اور خاص صفتوں سے ممتاز فرمایا۔ یا یہ انبیاء عند کورین بعض بعض سے افضل ہیں۔ خیال رہے کہ یہ فرق نبوت کے سوا دیگر اوصاف میں ہے۔ نبوت میں سب یکساں ہیں۔ اسی لئے **تلک الرسل** میں سب کو شامل فرماکر فرق مراتب بیان فرمایا گیا رسول وہی ہو سکتا ہے۔ جو بھیجنے والے سے لے سکے اور جس کی طرف بھیجا گیا ہے اسے دے سکے کہ اس کے بغیر رسالت ناممکن ہے اسی وجہ سے رسول کی نسبت بھیجنے والے سے کی جاتی ہے اور جس کی طرف بھیجا گیا اس سے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی رسول ہیں یعنی اس سے لینے والے اور ہمارے بھی رسول یعنی ہم کو دینے والے۔ جو کہے رسول کچھ نہیں دیتے وہ در حقیقت ان کی رسالت کا انکار کر رہا ہے۔ ایسے ہی جو کہے اللہ نے رسول کو کچھ نہ دیا وہ بھی ان کی رسالت کا منکر ہے۔ جب ان میں رب سے لینے ہم کو دینے کی طاقت نہیں تو وہ رسول کیوں کہلائے۔ خلق اور خالق میں رشتہ قائم کرنے والے رسول ہی تو ہیں۔ ورنہ خلق تو خالق سے بیگانہ ہو چکی تھی۔ پھر جیسے رب تعالیٰ نے آسمان کے تارے زمین کی تاثیریں اور دیگر تمام مخلوق میں فرق مراتب رکھا۔ تاروں کی روشنیاں اور رنگ مختلف صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ اسی اجمال کی کچھ تفصیل یہ ہے کہ **منھم من کلم اللہ** اس ضمیر کا مرجع رسل ہیں **کلم** کلام سے بنا کلام بامعنی منظوم الفاظ کا نام ہے۔ بندہ سے رب کا کلام چند طرح ہوتا ہے۔ ایک دل میں ڈال کر جسے وحی خفی کہتے ہیں۔ ایک حجاب کے پیچھے سے۔ ایک بواسطہ ایک بلاواسطہ ظاہر ہو کر اس کا ذکر سورہ شوریٰ میں بھی ہے۔ **ما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورای حجاب الخ**۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یعنی پس پردہ بلاواسطہ فرشتہ کلام فرمانا اور من سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے۔ رب نے ان سے کوہ طور پر بلاواسطہ فرشتہ کلام کیا اسی لئے انہیں کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے کلام قدیم بغیر حروف اور آواز کے سنا جس کی کیفیت ہماری عقل سے بالاتر ہے۔ امام اشعری فرماتے ہیں کہ سنا تو کلام ازلی ہے مگر حروف اور آواز سے (روح البیان) اس کلام کی کیفیت یہ تھی کہ نہ توبیچ میں سکتہ ہوتا تھا جیسا کہ ہم سانس لے لے کر کلام کرتے ہیں اور نہ اس کے لئے کوئی جہت تھی بلکہ ہر طرف سے ندا آرہی تھی اور صرف کان سے ہی نہ سنا بلکہ ہمہ تن گوش ہو کر مگر معراج میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے چوتھی قسم کا کلام ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

ورفع بعضھم درجات رفع کے معنی اٹھانا بلند کرنا اور نیچے سے اوپر پہنچانا ہیں۔ جہاں اس کے بعد علی یا الی ہو تو اس سے رفع مکانی یعنی اٹھانا یا نیچے سے اوپر پہنچانا مراد ہوتا ہے۔ جیسے **ورفع ابویہ علی العرش** یعنی حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھالیا اور **بل رفعہ اللہ الیہ** رب نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی طرف یعنی آسمان پر اٹھالیا اور اگر رفع کا مفعول کوئی جسم ہو تو اس کے معنی اونچا کرنا یا بلند کرنا ہوتے ہیں۔ جیسے **و اذ یرفع ابرھیم القواعد من البیت و اسمعیل** حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہم السلام بیت اللہ کی دیواریں ابھار رہے تھے۔ یعنی اونچی کر رہے تھے اور جہاں یہ کوئی چیز نہ ہو وہاں رفع سے بلندی مراتب اور شرافت مراد ہوتا ہے یہاں یہ معنی مراد ہیں **بعضھم** سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مقصود ہیں۔ ابہاماً" اشارہ کرنے میں اعلیٰ درجہ کی اظہار شان ہے جیسا کہ ذوق پر ظاہر ہے۔ **درجت** درجۃ کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں 'زینہ کی سیڑھیاں مگر اصطلاح میں مراتب و فضائل کو درجات کہا جاتا ہے۔ جس میں کوئی ترقی کرے۔ یہاں تو پوشیدہ ہے اور یہ **رفع** کا ظرف ہے۔ یا ب مقدر یا من محذوف یا 'بعضہم کی تمیز خیال رہے کہ درجات کی جمع کثرت کی طرف اور اس کی تنکیر عظمت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ یعنی بے شمار اور عظیم الشان درجوں میں بلند کیا۔ درجات کی تنکیر و جمع سے معلوم ہوا کہ دائرہ عبدیت میں رہ کر جس قدر بلندی درجات دی جاسکتی ہے' وہ سب حضور کو عطا فرمادی گئی کوئی درجہ ایسا نہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہ فرمایا گیا ہو حضور انور عبدیت کے اعلیٰ مرتبہ پر ہیں کہ آپ کے بعد صرف الوہیت کا درجہ ہے کیونکہ یہاں درجات بے قید ارشاد ہوا ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کے پہلے صاحب شریعت پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام اس لئے حضور علیہ السلام کا ذکر ان عظیم الشان پیغمبروں کے درمیان کرنے کے لئے فرمایا **و اتینا عیسی ابن مریم البینت** چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ بغیر والد پیدا ہوئے اور ابہاماً" بیان کرنے میں ان کا یہ وصف ظاہر نہ ہوتا۔ لہٰذا صراحتاً" ان کا اسم شریف بیان ہوا۔ آپ کا نام بزبان عبرانی یسوع تھا۔ بمعنی مخلص مریم اسی زبان کا لفظ ہے۔ بمعنی خادمہ۔ ہر جگہ انہیں ابن مریم فرمانے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ وہ صرف والدہ سے پیدا ہوئے۔ خیال رہے کہ اسے بھی ابن کہتے ہیں جو اپنے نطفہ سے پیدا ہو اور اسے بھی ابن کہا جاتا ہے جو کسی کے بطن سے اس کا شکل خارج ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام دوسرے معنی سے ابن مریم ہیں نہ کہ پہلے معنی سے کیونکہ وہاں نطفہ تھا ہی نہیں اور حضرت حوا کسی لحاظ سے آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں کہ نہ تو ان کے نطفہ سے پیدا ہوئیں اور نہ ان کے بطن شریف سے خارج ہوئیں۔ بلکہ ان کی ایک پسلی علیحدہ کر کے سیدنا حوا کا قالب تیار کیا گیا۔ **بینت۔ بینۃ** کی جمع ہے بمعنی کھلی دلیل چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزات عطا فرمائے گئے۔ اس لئے **بینات** جمع ارشاد ہوا **وایدنہ** یہ لفظ **اید** سے بنا بمعنی قوت اسی لئے رائے شامل کرنے کو تائید کہا جاتا ہے کہ اس سے پہلی رائے کو قوت ملتی ہے۔ **بروح القدس** یہاں موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے۔ روح حضرت جبرائیل علیہ السلام کا نام ہے کیونکہ ان سے زندگی ملتی ہے انہیں کے گھوڑے کی ٹاپ کی خاک سامری کے بچھڑے کے منہ میں پہنچی تو اسے زندگی بخش دی۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش انہیں کی سانس سے ہوئی تھی اس لئے آپ کے ساتھ ان کا ذکر کیا جاتا ہے۔ نیز وحی لانے والے جبرئیل ہی ہیں اور وحی بھی روح ہے۔ جس سے ایمان کی زندگی ہے۔ رب فرماتا ہے **کذلک اوحینا الیک روحا من امرنا** انہیں کہا جاتا ہے قدس بمعنی بزرگ جیسے کہا جاتا ہے۔ رجل صدق بعض علماء نے فرمایا کہ قدس سے رب تعالیٰ مراد ہے اور اس کی طرف روح کی اضافت تشریفی ہے جیسے بیت اللہ (روح

www.alahazratnetwork.org

البیان) یعنی ہم نے بذریعہ جبریل عیسیٰ علیہ السلام کو قوت دی کہ انہیں کی سانس سے انہیں پیدا فرمایا اور انہیں کے ذریعہ سے حضرت کو دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھا کہ حضرت جبریل امین ہر وقت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہتے تھے جیسے سلطان کے ساتھ ان کے باڈی گارڈ یا خاص خدام اور آخر کار یہود نے آپ کو شہید کرنا چاہا تو انہیں کے ذریعہ انہیں آسمان پر بلا لیا گیا۔ ان وجوہ سے صرف عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا ورنہ حضرت جبریل امین سارے ہی نبیوں کے معاون و مددگار ہیں۔ سب پر وحی لاتے تھے اور ان کی خدمات انجام دیتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ روح القدس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے حضور کو روح القدس ہی فرمایا کہ میں جاتا ہوں تاکہ روح القدس آئے اگر میں نہ جاؤں تو وہ نہ آئے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں "(برناباس) اور ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طفیل ان کی والدہ ماجدہ کنواری بتول مریم کی عصمت کے خطبے پڑھے گئے اور ان کی حقانیت کا دنیا نے اقرار کیا ورنہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر دیا تھا۔ اور ان کی والدہ طیبہ طاہرہ کو تہمت لگا دی تھی۔ دنیا والے ان کی نبوت سے مشکوک ہو چکے تھے۔ ان کی نبوت کا اعلان ان کی والدہ ماجدہ کی عصمت کے خطبے فرمائے۔ حتیٰ کہ قرآن شریف میں سوائے بی بی مریم کے کسی عورت کا نام نہ لیا اور حضرت مریم کا نام جگہ جگہ لیا۔ یہاں تک کہ ان کے نام کی ایک سورت یعنی سورۂ مریم قائم فرمائی۔ یہ ہے جناب مسیح کی تائید و تقویت۔ تو معنی ہوئے اللہ کی روح۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا نام شریف ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو رسول مذکور ہوئے یہ فضل و درجات میں یکساں نہیں۔ بلکہ ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر بزرگیاں دیں اور یہ حضرات اپنی خصوصیات و کمالات میں مختلف ہیں۔ ان میں سے بعض یعنی موسیٰ علیہ السلام سے رب نے بلاواسطہ فرشتہ کلام فرمایا اور انہیں کلیم اللہ کا خطاب بخشا اور ان میں سے بعض یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدرجہا بلند و بالا کیا کہ ان کی عظمت اور درجات انسانی سمجھ سے بالاتر ہیں اور وہ سید الانبیاء ہونے میں اس قدر مشہور ہیں کہ ان کے نام پاک لینے کی بھی حاجت نہیں ہر ایک خود بخود ہی سمجھ جاتا ہے کہ اس شان والے حضور ہی ہیں اور بنی اسرائیل کے آخری نبی یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کو کھلی ہوئی نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے کہ انہیں بغیر باپ پیدا فرمایا۔ انہوں نے مردوں کو زندہ کیا اور مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ مٹی سے پرندہ بنا کر اس میں جان ڈالی۔ غیب کی خبریں دیں۔ انجیل جیسی عظیم الشان کتاب انہیں ملی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ روح القدس یعنی جبریل علیہ السلام کے ذریعہ ان کی تائید فرمائی گئی۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے افضل الانبیاء ہونے کے دلائل

حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پیغمبروں سے افضل ہیں۔ بلکہ بعد خدا آپ ہی کا درجہ ہے اسی پر امت کا اجماع ہے اور اس پر بے شمار دلائل عقلیہ و نقلیہ قائم ہیں۔ ہم کچھ دلائل تفسیر کبیر وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ (1) رب نے اپنے لئے فرمایا رب العالمین اور حضور کے لئے فرمایا **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** یعنی جس کا خدا رب ہے اس کے لئے حضور رحمت ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ عالمین میں انبیاء بھی داخل ہیں۔ لہٰذا آپ ان کے لئے بھی رحمت ہوئے اور یقیناً رحمت مرحوم سے افضل ہے۔ (2) رب نے فرمایا **ورفعنا لک ذکرک** اے محبوب ہم نے تمہارا ذکر بلند کر دیا۔ چنانچہ کلمہ، اذان، التحیات

www.alahazratnetwork.org

بلکہ تقریباً" ہر جگہ اپنے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رکھا۔ یہ درجہ کسی پیغمبر کو نہ ملا۔ (3) رب نے حضور کی اطاعت کو اپنی اطاعت حضور کی بیعت کو اپنی بیعت حضور کی عزت کو اپنی عزت حضور کی رضا کو اپنی رضا حضور کی اجابت کو اپنی اجابت قرار دیا کہ فرمایا **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اور فرمایا **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم** اور فرمایا **وللہ العزۃ و لرسولہ** اور فرمایا **و اللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** اور فرمایا **استجیبو اللہ و للرسول** (4) سارا عالم رب کی رضا چاہتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ حضور کی رضا آپ ہی کی خوشی کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا **فلنولینک قبلۃ ترضھا** اور فرمایا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** کسی پیغمبر کو یہ شرف نہیں ملا۔ (5) قرآن کریم میں سارے پیغمبروں کو نام لے کر پکارا گیا مگر حضور علیہ السلام کو پیارے پیارے القاب سے **یا ایھا النبی۔ یا ایھا المزمل یا ایھا المدثر** وغیرہ۔ (6) حضور کو سب سے زیادہ معجزے ملے۔ کیونکہ قرآن کریم کی آیتیں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں اور ہر آیت معجزہ تو 6666 معجزے تو یہ ہی ہو گئے۔ اس کے علاوہ آپ خود سرتاپا معجزہ ہیں اس کے علاوہ بے شمار معجزے آپ سے ظاہر ہوئے۔ دیگر انبیاء کرام کو صرف گنتی کے معجزات ملے۔ ان سب میں زیادہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے۔ یعنی کل نو معجزے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب سے افضل ہیں۔ (7) حضور علیہ السلام کے معجزات تمام پیغمبروں کے معجزات سے افضل اور اعلیٰ ہیں۔ اولاً تو اس لئے کہ ان معجزات کے قصے ہی رہ گئے۔ نہ عصا رہا نہ ید بیضا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا معجزہ یعنی قرآن کریم قیامت تک باقی ہے کہ دنیا آج تک اس کے مقابلہ سے عاجز ہے دوم اس لئے کہ حضور کے معجزات سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر بے حجاب میں رب سے کلام کیا۔ مگر حضور نے معراج میں عرش پر بے حجاب کلام فرمایا۔ عیسیٰ علیہ السلام چہارم آسمان پر بلائے گئے۔ مگر میرے آقا علیہ السلام وہاں پہنچے جہاں نہ کہاں تھا نہ وہاں تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ فرمائے۔ مگر حضور علیہ السلام نے خشک لکڑیوں اور بے جان کنکروں کو زندگی بخش کر اپنا کلمہ پڑھوالیا اور آپ کو شجر و حجر نے سلام کیا۔ جانوروں نے سجدے کئے موسیٰ علیہ السلام نے پتھر سے پانی کے بارہ چشمے جاری فرمائے حضور علیہ السلام.. نے انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے موسیٰ علیہ السلام نے عصا سے دریائے نیل کو پھاڑا۔ میرے شہنشاہ نے انگلی کے اشارے سے چاند چیر دیا وغیرہ وغیرہ۔ (8) حضور علیہ السلام صفات انبیاء کے جامع ہیں کہ ہر نبی کے کمالات آپ میں موجود ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **اولئک الذین ھدی اللہ فبھدٰھم اقتدہ** نہ تو اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ اے محبوب آپ اصول دین میں سارے پیغمبروں کی پیروی کیجئے کہ اصول دین میں تقلید ناجائز ہے اور نہ یہ مراد ہے کہ آپ فروع دین میں ان کی اطاعت کریں کیونکہ آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے یہ ہی مطلب ہے کہ آپ ان سب کے اخلاق سے متصف ہو جائیے۔ (9) سارے پیغمبر خاص خاص جماعتوں کی طرف آئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے لئے نبی ہوئے کہ فرمایا گیا **وما ارسلنک الا کافۃ للناس** اور فرمایا گیا **لیکون للعلمین نذیرا** اور جس کا رقبہ سلطنت بڑا وہ سلطان بھی عظیم الشان۔ خیال رہے کہ آدم و نوح علیہما السلام ساری مخلوق کے نبی نہ تھے بلکہ اس وقت انسان تھوڑے ہی تھے۔ اس وجہ سے ان تھوڑے انسانوں کے نبی ہوئے۔ (10) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دینوں سے افضل کہ وہ سب کا ناسخ ہے لہذا حضور بھی سارے پیغمبروں سے افضل۔ (11) حضور کی امت ساری امتوں سے افضل رب نے فرمایا **کنتم خیر امۃ** حضور کی بیویاں تمام عورتوں سے افضل رب نے فرمایا **یا نساء النبی لستن کاحد من النساء** حضور بھی سارے پیغمبروں سے

www.alahazratnetwork.org

افضل جن کے دم سے یہ ساری بہار ہے۔ (12) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں آدم وماسواہ آدم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ آپ ہی اولاد آدم کے سردار ہیں۔ آپ ہی جنت میں سب پیغمبروں سے پہلے تشریف لے جائیں گے۔ آپ کی امت سب امتوں سے پہلے جنت میں داخل ہوگی۔ سب سے پہلے قیامت میں آپ ہی اٹھیں گے۔ جب سب خاموش ہوں گے۔ تو آپ ہی رب سے کلام فرمائیں گے۔ آپ ہی کے ہاتھ میں لواء الحمد ہوگا۔ آپ ہی کو حبیب اللہ کا خطاب ملا۔ آپ ہی شفیع المذنبین ہیں آپ ہی اولین آخرین کے سردار ہیں۔ حضور ہی کو معراج کرائی گئی۔ حضور ہی نے معراج کی شب تمام نبیوں کی امامت کی حضور ہی نے رب کو بلا حجاب دیکھا اور بلا حجاب رب تعالیٰ سے کلام کیا۔ یہ عظمتیں حضور کے سواء کسی کو نہیں ملیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولقد راہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتھی** اور فرماتا ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دیدار الٰہی کی بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ فرمائیں۔ نیز اس آیت میں حضور کی بلندی درجات بغیر کسی قید کے مطلق ارشاد ہوئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ امکانی درجہ جو کسی بندہ کو دیا جاسکتا ہے۔ وہ حضور انور کو عطا فرمادیا گیا۔ حضور انور عبدیت کے اعلیٰ درجہ پر ہیں ایمان، تقویٰ، ولایت، قطبیت، غوثیت، قرب الٰہی وغیرہ تمام درجے حضور کی منزلیں تھیں۔ جنہیں طے فرماتے ہوئے سرکار اعلیٰ درجہ پر پہنچے۔ جس کے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ شعر

جو ہوتی خدائی بھی تحت مشیت   خدا بن کے آتا ہو وہ بندہ خدا کا

(13) حضور فرماتے ہیں کہ چند چیزوں سے ہمیں بزرگی دی گئی۔ (14) سارے عالم کے ہم نبی ہیں۔ (15) ساری زمین ہمارے لئے مسجد اور طہارت گاہ ہے۔ (16) ایک مہینہ کی راہ سے ہمارا رعب قائم کیا گیا۔ (17) ہمارے ہی لئے غنیمتیں حلال ہوئیں۔ (18) ہم ہی کو شفاعت کبریٰ عطا ہوئی (19) ہم ہی پر نبی ختم کیے گئے کہ ہمارے بعد کوئی نیا نبی نہیں آسکتا۔ (20) قاعدہ ہے کہ جتنی بڑی سلطنت اتنا ہی زیادہ سلطان کا خزانہ لشکر اور علم اور انتظام کی قابلیت بڑھ کر۔ آدم علیہ السلام کو علم اسماء عطا ہوا۔ سلیمان علیہ السلام کو جانوروں کی بولیاں بتائی گئیں۔ حالانکہ ان کا رقبہ سلطنت محدود تھا۔ تو جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرق و مغرب جن و انس کے نبی ہیں تو ضروری ہے کہ آپ کا علم و معرفت اور خزانہ حکمت سب سے زائد ہوں۔ اور آپ کو وہ علوم دیئے گئے ہوں جو کسی کو نہ ملے۔ اسی لئے رب نے فرمایا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** اور ظاہر ہے کہ جس کا علم زیادہ اس کا درجہ زیادہ (تفسیر کبیر) (21) حضور علیہ السلام قصر نبوت کی آخری اینٹ اور چمن نبوت کی آخری بہار اور گلشن رسالت کا آخری اور بہترین پھول ہیں یہ خوبیاں کسی پیغمبر کو نہ ملیں۔ غرضیکہ آپ بے مثل خدا کے بے مثل بندے ہیں۔ **صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی الہ و بارک وسلم۔**

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: سارے پیغمبر اصل نبوت میں یکساں ہیں جو کوئی بعض کی نبوت اصلی اور بعض کی عارضی یا بروزی یا ظلی مانے وہ کافر ہے جیسے قادیانی اور دیوبندی جیسا کہ **تلک الرسل** سے معلوم ہوا۔ نیز رب فرماتا ہے **لا نفرق بین احد من رسلہ** دوسرا فائدہ: انبیاء کرام درجات میں یکساں نہیں۔ جو سب کا درجہ یکساں مانے وہ اس آیت کا منکر ہے اور بے دین ہے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ ان کا منکر بے دین ہے۔ جیسا کہ **ورفع بعضھم درجات** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: رب نے بعض پیغمبروں سے بلا واسطہ کلام فرمایا جیسا کہ **من کلم اللہ** سے معلوم ہوا اس کا

www.alahazratnetwork.org

منکر بے دین ہے پانچواں فائدہ: یہ کہنا درست ہے کہ بعض نبی بعض سے افضل ہیں۔ مگر یہ کہنا حرام ہے کہ بعض پیغمبر بعض سے کمتر کہ اس میں نبی کی توہین ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں یہ فرمایا کہ بعض کو بعض نبی سے افضل کیا یہ نہ فرمایا کہ بعض سے کمتر کیا چھٹا فائدہ: بزرگان دین سے امداد لینا برحق ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی حضرت جبریل کے ذریعہ مدد کی۔ حضرت جبریل مدد کر سکتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: اگر بزرگوں کی بعض جہلا حد سے زیادہ تعظیم کریں اور انہیں خدا بھی کہہ دیں تو تم بزرگوں کو برا نہ کہو۔ ان کی تردید کرو۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے خدا کہہ دیا مگر رب تعالیٰ نے ان کی تعریف ہی فرمائی۔ عیسائیوں کی تردید ہی کی۔

اعتراض: **پہلا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام کے درجے مختلف ہیں کہ بعض سے بعض افضل ہیں۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے نبی یکساں ہیں ان میں کوئی فرق نہیں **لا نفرق بین احد من رسلہ** نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ مجھے یونس علیہ السلام پر بھی فضیلت مت دو۔ یا موسیٰ علیہ السلام سے افضل نہ کہو۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب**: آیت **لا نفرق** کے چند مطلب ہیں ایک یہ کہ ہم یہود و نصاریٰ کی طرح انبیاء کرام پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ بلکہ سب پر ایمان لاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہم نفس نبوت میں فرق نہیں کرتے کہ دیوبندیوں قادیانیوں کی طرح بعض کی نبوت اصلی اور بعض کی عارضی مانیں۔ بلکہ اس میں سب کو یکساں مانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم انبیاء میں اس طرح فرق نہیں کرتے کہ بعض کی توہین ہو جائے بلکہ سب کا احترام کرتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ انبیاء کرام میں اپنی رائے سے فرق نہیں کرتے۔ رب کے دیئے ہوئے درجات کو مانتے ہیں یہ ہی اس حدیث کا مطلب ہے کہ تم ہمیں یونس یا موسیٰ علیہ السلام پر اس طرح فضیلت نہ دو کہ ان کی توہین ہو جائے۔ لہذا آیتیں اور احادیث مطابق ہیں۔

لطیفہ: اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے سامنے کسی نعت خواں نے پڑھا۔ شان یوسف جو دبی وہ بھی یہیں آ کے دبی" فرمایا یوں نہ کہو کہ "شان یوسف جو بڑھی وہ بھی اسی در سے بڑھی" حضور سے بلندیاں ملتی ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تمام انبیاء نبوت میں یکساں ہیں۔ کوئی نبی عارضی نہیں۔ مگر امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔ شعر

فانه شمس فضل هم كواكبها يظهرن انوارها للناس في الظلم

دوسرا اعتراض: کہ حضور آپ تو بزرگی کا سورج ہیں اور دیگر انبیاء تارے معلوم ہوا کہ حضور اصلی نبی ہیں باقی رسول عارضی ہیں۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس شعر میں نبوت کا ذکر نہیں۔ بلکہ فضل کی بزرگی کا ذکر ہے۔ یعنی دیگر انبیاء کرام نے آپ کے ذریعہ بزرگیاں لیں۔ جیسے تاروں نے سورج کے ذریعہ نور لیا۔ رہی نبوت وہ تمام میں یکساں۔ دوسرے یہ کہ اس شعر میں اصلیت و عارضی کا ذکر نہیں۔ بلکہ توسل و ساطت کا ذکر ہے۔ یعنی آپ کے توسل سے نبیوں کو نبوت ملی۔ مگر ملی اصلی ہی نہ کہ عارضی چنانچہ تاروں نے اگرچہ سورج ہی سے نور لیا۔ مگر وہ سب اصلی منور ہیں۔ ذروں اور آئینوں کی طرح عارضی نورانی نہیں۔ کسی کو ہم نے اپنا مکان رہنے کو عارضی طور پر دیا یہ شخص وہاں عارضی طور پر ہے دوسرے کو ہم نے مکان کا مستقل مالک بنا دیا۔ وہ مکان کا اصل مالک بن گیا۔ مگر بنا ہمارے دینے سے۔ انبیاء کرام قصر نبوت کے اصلی مالک ہی ہیں مگر حضور کی عطا سے کہ اللہ معطی ہے۔ حضور قاسم۔ **تیسرا اعتراض**: بعض انبیاء کرام کے معجزات حضور کے معجزات سے کہیں بڑھ

www.alahazratnetwork.org

کریں۔(۱) آدم علیہ السلام کو ملائکہ نے سجدہ کیا نہ کہ حضور علیہ السلام کو۔ ابراہیم علیہ السلام پر آگ گلزار ہوئی نہ کہ حضور علیہ السلام پر۔ موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضا ملا نہ کہ حضور علیہ السلام کو داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہا نرم ہوا نہ کہ حضور علیہ السلام کے قبضہ میں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے نہ کہ حضور علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے۔ بیماروں کو شفا بخشی نہ کہ حضور علیہ السلام نے۔ ان کا لقب کلمۃ اللہ ہے نہ کہ حضور علیہ السلام کا لہٰذا یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوئے۔ جواب: اس قسم کے اعتراضات کے دو جواب ہیں۔ ایک اجمالی دوسرا تفصیلی۔ اجمالی تو یہ ہے کہ یہ خصوصی فضیلتیں ہیں اور حضور علیہ السلام کو فضیلت کلی حاصل ہے۔ اگر بادشاہ کسی جرنیل کو کوئی خاص تمغہ عنایت فرمائے تو اگرچہ یہ تمغہ وزیر اعظم کو نہ ملا مگر درجہ اسی کا بڑا ہے اور قرب اسی کو زیادہ۔ جواب تفصیلی یہ ہے کہ آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ ہونے کی وجہ سے حضور علیہ السلام سے افضل نہ ہوئے۔ کیونکہ قیامت میں حضور ہی کے جھنڈے کے نیچے ہوں گے۔ نیز حضور علیہ السلام اس وقت نبی تھے جب حضرت آدم آب و گل میں جلوہ گر تھے۔ نیز معراج کی رات جبریل امین نے براق مصطفیٰ کی رکاب تھامی سارے ملائکہ حضور علیہ السلام کو جھرمٹ میں لے کر دولہا بنا کر لے گئے یہ سجدے سے کہیں بڑھ کر ہے نیز سارے فرشتے اور خود رب حضور پر ہمیشہ درود بھیجتے ہیں۔ سجدہ ایک وقت خاص میں ہوا اور صرف ملائکہ نے کیا۔ مگر یہ درود قیامت تک جاری ہے نیز اس سجدہ کا انتظام ملائکہ نے کیا اور اس صلوۃ کا انتظام خود رب نے نیز ابراہیم علیہ السلام پر آگ کا باغ بننا بھی اسی لئے ہوا کہ ان کی پیشانی میں نور محمدی تھا۔ (کبیر) (2) نیز حضور کے غلاموں پر دوزخ کی آگ گلزار ہو جائے گی۔ بلکہ پکارے گی کہ خدایا ان کو جلد یہاں سے نکال حضور علیہ السلام کے لئے پتھر نرم ہوئے۔ نیز سارے وحوش و طیور حضور کے قبضہ میں بھی تھے۔ ایک بار استنجا کی ضرورت ہوئی تو درختوں کو حکم دیا گیا وہ مل گئے۔ اشارے سے ڈوبا ہوا سورج واپس ہوا۔ چودھویں رات کا چاند پھٹا۔ اشارہ ابرو پر بادل آ کر برسا۔ دوسرا اشارہ پا کر کھل گیا۔ معلوم ہوا کہ جن و انس تو کیا چاند و سورج بھی قبضہ میں ہیں جیسا کہ حدیث پڑھنے والوں پر مخفی نہیں نیز حضور علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی رب کو سجدہ کیا اور امت کی شفاعت فرمائی۔ دیکھو مدارج النبوت و شفا شریف چھ دن کے بچے نے آپ پر صلوۃ و سلام پڑھا اپنے والدین ماجدین کو ان کی وفات کے بعد زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھا کر اپنا صحابی بنایا جابر کے ذبح شدہ بچوں کو زندہ فرما کر اپنے ساتھ کھانا کھلایا اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کا مطالعہ فرمائیں۔ ایک دفعہ صدیق اکبر کو اندھیری رات میں ایک لاٹھی عطا فرمائی۔ جس نے اندھیرے میں گیس کا کام دیا۔ عمر فاروق نے اپنی لکڑی اس سے مس کی تو اس میں بھی روشنی پیدا ہو گئی حضور کے دندان مبارک کی روشنی میں گمی ہوئی چیز تلاش کی جاتی تھی۔ شعر

سوزن گم شدہ ملتی ہے تبسم سے ترے　　شام کو صبح بناتا ہے اجالا تیرا

مولانا جامی نے کیا خوب فرمایا۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اگر عیسیٰ علیہ السلام اس عالم میں بغیر باپ پیدا ہوئے۔ تو نور محمدی عالم انوار میں بلاواسطہ پیدا ہوا اور تمام مخلوق آپ کے واسطے سے خود فرماتے ہیں **انا نور من نور اللہ و کل الخلائق من نوری** نیز اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوبیت تمام محبوبوں سے اعلیٰ عطا فرمائی کہ تمام حسینوں پر انسان فریفتہ ہوئے حضور پر جن و انس جانور بلکہ فرشتے بھی فدا کہ

www.alahazratnetwork.org

لکڑیاں اور جانور بھی حضور کے فراق میں روتے دیکھے گئے۔ نیز اور حسینوں کو دیکھنے والے ہزاروں مگر ان کا عاشق صرف ایک دیگر آج حضور کو دیکھنے والا کوئی نہیں مگر عاشق لاکھوں۔ نیز تمام محبوبوں کی محبوبیت کو فنا ہے مگر حضور انور کی محبوبیت ابدالآباد تک باقی ہے۔ آج حسن یوسفی کا عاشق کوئی نہیں ملتا۔ مگر حسن محمدی کے عاشقوں کی انتہا نہیں۔ محبوبیت بھی درجات میں سے ایک عظیم الشان درجہ ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **والقیت علیک محبۃ منی**۔ **چوتھا اعتراض:** رب سے ہم کلام ہونے میں فضیلت نہیں شیطان نے بھی خدا سے کلام کیا۔ (آریہ) **جواب:** موسیٰ علیہ السلام سے کلام بلاواسطہ ہوا اور شیطان سے بالواسطہ نیز ان سے محبت کا کلام تھا اور ابلیس سے غضب کا بادشاہ وزراء سے بھی کلام فرماتا ہے اور مجرمین سے بھی مگر ان کلاموں میں فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **تلک الرسل** میں سارے پیغمبر آگئے تھے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ ذکر کیوں فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت سے نام کیوں لیا؟ **جواب:** اس لئے کہ مدینہ منورہ میں یہودی اور عیسائی ہی تھے۔ دیگر پیغمبروں کی امتیں نہ تھیں۔ نیز یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے سخت دشمن تھے کہ ان جناب کی نبوت کے انکاری تھے اور حضرت بتول مریم کو بہتان لگاتے تھے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا اور ہم کو سکھایا گیا کہ ہمیشہ حضرات انبیاء و اولیاء کے دشمنوں کو منہ توڑ جواب دیا کرو اور ان بزرگوں کی حمایت کیا کرو۔ ان کی حمایت سنت الٰہیہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انبیاء کرام صفات الٰہی کے مظہر ہیں اور صفات الٰہی تو مختلف لہٰذا ان کی شانیں بھی مختلف۔ نیز رب تعالیٰ کی بعض صفات بعض پر غالب ہیں۔ **سبقت رحمتی علی غضبی** اس لئے بعض انبیاء بعض سے افضل ہیں۔ جمالی پیغمبر مثلاً ابراہیم علیہ السلام جلالی نبی (موسیٰ علیہ السلام) سے افضل اور چونکہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ہیں لہٰذا ان سب سے افضل اسی طرح اولیاء اللہ انبیاء کے قدم پر ہیں اور انبیاء کی شانیں مختلف لہٰذا ان کے درجات بھی جدا گانہ ولایت عیسوی والے تارک الدنیا ولایت موسوی والے جلالی ہوتے ہیں۔ ولایت سلیمانی والے بہت شان و شوکت کے مالک ہوتے ہیں اور ولایت محمدی والے جامع صفات اور تمام اولیاء اللہ سے افضل ہوتے ہیں۔ حضور غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی قدس سرہ فرماتے ہیں۔ شعر

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

اس کی تحقیق پہلے بھی کی جاچکی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو ساری مخلوق کا یہی حال ہے۔ نہ سب فرشتے برابر نہ عالم کی دیگر چیزیں مساوی۔

دوسری تفسیر : گروہ انبیاء نورانی جماعت ہے نور کی تجلیات مختلف لہٰذا ان کے درجات بھی متفاوت بلکہ (علم) نور ذات کی چمک ہے۔ نبی کا جس قدر علم زیادہ اتنا ہی درجہ بلند حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں آدم علیہ السلام کو پہلے آسمان پر یحییٰ و عیسیٰ علیہما السلام کو دوسرے پر یوسف علیہ السلام کو تیسرے پر ادریس علیہ السلام کو چوتھے پر حضرت ہارون کو پانچویں پر موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے اور ابراہیم علیہ السلام کو ساتویں آسمان پر ملاحظہ فرمایا۔ اس کی یہی وجہ تھی اور خود سدرۃ المنتہیٰ سے ہوتے ہوئے عرش سے گزرتے ہوئے قاب قوسین او ادنیٰ تک پہنچے۔ جہاں نہ مکان تھا نہ امکان کیونکہ آپ علم میں سب سے افضل اور آپ کی نورانیت سب سے اعلیٰ ہے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ نور وحدانیت ظلمت انسانیت پر اتنا غالب ہوا کہ وہ ظلمت تجلی صفات

www.alahazratnetwork.org

جمال و جلال میں فنا ہو گئی۔ اسی لئے رب نے انہیں یعنی نور فرمایا قد جاء کم من اللہ نور اور ظاہر ہے کہ زینہ کی سیڑھیاں عمارت کی بلندی کے بقدر ہوتی ہیں۔ جتنی عمارت اونچی زینہ بھی اتنا ہی دراز (روح البیان) بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کے درجات تک نہ کسی کا وہم پہنچے نہ گمان نہ قیاس بس یہ ہی کہتے بن پڑے گی۔ کہ ورفع بعضھم درجت بعض نادان لوگ تمام اولیاء اللہ کو یکساں رنگ میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ بیوقوف ہیں۔ جب صفات الٰہیہ اور حضرات انبیاء کرام یکساں نہیں تو مظہر انبیاء یعنی اولیاء اللہ یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ولی وہ جو تارک الدنیا ہو ولایت و دولت جمع نہیں ہو سکتی۔ وہ بے وقوف ہیں۔ دیکھو حضور غوث پاک بڑے غنی تھے مگر ولی تھے۔ بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام تو نبی تھے مگر دولت و مملکت والے تھے۔ ہاں یہ درست ہے کہ ولی کے دل میں دنیا نہیں رہتی وہ دنیا میں رہتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرت جبریل امین تمام فرشتوں سے افضل ہیں کیوں؟ اس لئے کہ یہ حضرات انبیاء کرام کے خادم خاص ہیں اور وحی لانے والے۔ جب حضرات انبیاء اور وحی الٰہی کی خدمت کرنے والا فرشتہ تمام فرشتوں سے افضل ہے تو حضرات صحابہ کرام تمام مسلمانوں سے افضل کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا موقع ملا۔ پھر صحابہ میں خلفاء راشدین پھر ان میں حضرت ابوبکر صدیق بعد از انبیاء تمام خلق سے افضل ہیں کہ ان حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ درجہ کی خدمت کی۔ جب قرآن کی اور کعبہ کا غلاف یوسف علیہ السلام کی قمیض سب سے اعلیٰ تو حضرت صدیق کا زانو عائشہ صدیقہ کی گود میں نور نے آرام فرمایا کہ غار میں حضور نے صدیق اکبر کے زانو پر آرام کیا بوقت وفات جناب عائشہ کی گود میں استراحت فرمائی سب سے اعلیٰ ہے۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ
اور اگر چاہتا اللہ تو آپس میں نہ لڑتے وہ لوگ جو ان کے بعد پیچھے سے اس کے کہ آگئیں ان کے
اور اللہ چاہتا تو ان کے بعد والے آپس میں نہ لڑتے بعد اس کے کہ ان کے پاس کھلی نشانیاں آ چکیں
الْبَیِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَؕ وَلَوْ شَآءَ
پاس نشانیاں اور لیکن اختلاف کیا انہوں نے پس ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اور ان میں سے وہ ہیں جنہوں
لیکن وہ تو مختلف ہو گئے ان میں کوئی ایمان پر رہا اور کوئی کافر ہو گیا اور اللہ چاہتا تو وہ
اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ
نے کفر کیا اور اگر چاہتا اللہ تو آپس میں نہ لڑتے اور لیکن اللہ کرتا جو چاہتا ہے۔
نہ لڑتے مگر اللہ جو چاہے کرے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: بہت دور سے جہاد کا ذکر ہو رہا ہے کہ اولاً جہاد کا حکم دیا گیا۔ پھر جہاد میں مال خرچ کرنے کا فرمان دیا۔ پھر گزشتہ امتوں کے جہاد کا واقعہ بیان ہوا۔ اس کے درمیان میں انبیاء کرام کے درجات مذکور ہوئے۔ اب وجہ جہاد بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ لوگوں میں دینی اختلاف ہے کہ بعض مومن ہیں بعض

www.alahazratnetwork.org

کافر۔ اور عالم کے نظام کے لئے کفر کو دبانا ضروری ہے۔ لہٰذا جہاد بھی ضروری ہوا **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں بتایا گیا کہ دنیا میں مختلف شان والے پیغمبر آئے جنہوں نے حسب مراتب معجزات دکھائے اور دلائل بیان فرمائے اب فرمایا جارہا ہے کہ سب لوگ کبھی مومن نہ ہوئے۔ نیک بختوں نے اطاعت کی بد بختوں نے سرکشی کی تو اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ پر بھی سب ایمان نہ لائیں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ کیونکہ جو کچھ ہو رہا ہے ہمارے ارادہ سے ہو رہا ہے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ سب نبی ایک درجہ کے نہیں۔ بعض بڑے بعض بہت بڑے اب فرمایا جارہا ہے کہ عام لوگ بھی یکساں نہیں۔ بعض سعید ہیں اور بعض شقی اور یہ سب کچھ ہمارے ارادہ سے ہے۔

شان نزول: ابن عساکر نے بروایت ضعیف عبداللہ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھا اور وہاں حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و معاویہ رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے کہ اچانک حضرت علی رضی اللہ عنہ حاضر بارگاہ ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے امیر معاویہ سے پوچھا کہ کیا تم علی سے محبت کرتے ہو۔ عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا عنقریب تم میں ان میں جنگ ہوگی۔ عرض کیا کہ یا حبیب اللہ جنگ کے بعد کیا ہوگا۔ فرمایا معافی اور رضا امیر معاویہ کہنے لگے **رضینا بقضاء اللہ** تب یہ جملہ نازل ہوا **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** الخ۔ (در منثور) یعنی اس جنگ کا انجام آپس کی صلح صفائی ہوگی۔ کہ آخر کار صلح ہو جائے گی۔ یا بارگاہ الٰہی میں حضرت علی مرتضیٰ کے لئے رضا ہوگی اور امیر معاویہ کے لئے معافی ہوگی۔ گویا جناب علی کی ڈگری اور امیر معاویہ کی معافی کیونکہ اس جنگ کی بنیاد نفسانیت پر نہیں للہیت پر ہے۔

تفسیر: **ولو شاء اللہ۔** شاء مشیت سے بنا مشیت اور ارادہ کے تقریباً ایک ہی معنی ہیں۔ خیال رہے کہ رضا اور ارادہ میں فرق ہے اسی فرق سے غفلت کی وجہ سے مسئلہ تقدیر اعتراضات پیدا ہوتے ہیں **ما اقتتل الذین من بعدھم۔** **اقتتل** اقتتال سے بنا یہ **مقاتلہ** کے ہم معنی ہے یعنی آپس میں جنگ کرنا **الذین** سے گزشتہ پیغمبروں کی امتیں مراد ہیں اور **ھم** کا مرجع وہ انبیاء ہیں۔ یعنی اگر اللہ چاہتا کہ سب لوگ ہدایت پر متفق ہو جائیں تو ان پیغمبروں کی امتیں ان کے بعد کبھی بھی جنگ نہ کرتیں۔ رب ہی کے ارادے سے ان میں لڑائیاں ہوئیں اور اس ارادے میں صدہا حکمتیں ہیں۔ **من بعد جاء تھم البینٰت.....** یہ **اقتتل** کے متعلق ہے۔ ما یا موصولہ ہے یا مصدریہ بینات سے انبیاء کرام کے معجزات اور ان کی ہدایت اور دلائل مراد ہیں۔ یعنی یہ معجزات غلطی سے بچانے ہدایت پر رکھنے کے لئے کافی تھے۔ ان کے ہوتے ہوئے اختلاف ہونا ہی نہ چاہئے تھا۔ **ولٰکن اختلفوا** مگر چونکہ رب نے ان کے متفق نہ رہنے کا ارادہ فرمایا لہٰذا وہ اختلاف کر بیٹھے۔ یا تو **اختلفوا** کا فاعل گزشتہ امتوں کے کفار اور مومنین ہیں۔ یا صرف وہ مومنین جن میں سے بعض لوگ بگڑ گئے۔ یعنی وہ مختلف رہے یا وہ اختلاف کر بیٹھے اور یہ اختلاف نسبی یا رسمی نہ تھا۔ بلکہ دینی کہ **فمنھم من اٰمن ومنھم من کفر....** اگر **اختلفوا** کا فاعل گزشتہ مومنین ہیں تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ ان میں سے بعض ایمان لے آئے اور بعض کافر رہے پہلی توجیہ نہایت قوی ہے۔ **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا - اقتتلوا** کا فاعل گزشتہ لوگ ہی ہیں یا تو یہ جملہ پہلے کی تاکید ہے اور یا اس میں بعد کی جنگیں مراد ہیں۔ یعنی اگر رب چاہتا تو پھر آپس میں نہ لڑتے مگر وہ لڑتے ہی رہے لیکن ہم نے جو در منثور سے ان کا شان نزول نقل کیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا فاعل حضور کی امت ہے اور اس سے مسلمانوں کی آئندہ جنگیں مراد ہیں۔ یعنی اے

www.alahazratnetwork.org

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر رب چاہتا تو آئندہ آپ کے امتی نہ لڑتے۔ مگر چونکہ ارادہ الٰہی ہو چکا۔ لہٰذا ان میں بھی جنگیں ہوں گی۔ ولکن اللہ یفعل ما یرید اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس کو کوئی نہیں روک سکتا۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر رب چاہتا تو گزشتہ پیغمبروں کے بعد ان کی امتوں میں جنگ نہ ہوتی۔ کیونکہ ان کے پاس بے شمار معجزات آچکے تھے۔ جو انہیں ہدایت پر رکھنے کے لئے کافی تھے۔ لیکن رب کا ارادہ ہی یہ ہوا کہ ان میں دینی اختلاف پیدا ہوں اور جنگ و جدال بھی واقع ہوں کہ اس میں صدہا حکمتیں ہیں لہٰذا ان میں اختلاف ہوا کہ بعض تو ایمان پر قائم رہے اور بعض کافر ہو گئے اور ان میں سخت جنگیں واقع ہوئیں اور اگر رب چاہتا تو ان لڑائیوں کے بعد بھی ان کی آنکھ کھل جاتی اور وہ لوگ اپنے جانی مالی نقصان کو دیکھ کر پھر نہ لڑتے مگر اللہ جہان کا مالک ہے سب اس کی ملک اس کے ارادے کے خلاف کچھ نہیں ہو سکتا جو چاہتا ہے سو کرتا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دنیا کی ہر اچھی بری چیز ایمان و کفر رب کے ارادے سے ہے کہ رب ہر چیز کا خالق بھی ہے اور اسی کے ارادے سے ہر چیز واقع ہوئی ہے۔ دوسرا فائدہ: جو کہے کہ خیر تو رب کی طرف سے ہے اور سرکشی اور کی طرف سے ہے وہ بے دین ہے جیسے معتزلہ کہ اس صورت میں رب کی سلطنت قائم نہیں رہتی۔

لطیفہ : ایک یہودی ایک معتزلی کے ساتھ کشتی میں سفر کر رہا تھا۔ معتزلی بولا کہ اے یہودی تو مسلمان کیوں نہیں ہوتا اس نے کہا کہ خدا نہیں چاہتا کہ میں مسلمان ہوں میں کیسے ایمان لا سکتا ہوں۔ معتزلی نے کہا کہ خدا تو چاہتا ہے کہ تو ایمان لے آئے مگر شیطان تجھے روکے ہوئے ہے۔ یہودی بولا کہ پھر تو شیطان غالب ہوا۔ خدا مغلوب کہ رب کا چاہا نہ ہوا اور شیطان کا چاہا ہو گیا میں ایسے مغلوب خدا کو نہیں مانتا۔ شیطان ہی کے ساتھ رہوں گا۔ جو خدا پر غالب ہے۔ معتزلی حیران رہ گیا۔ (شرح عقائد) تیسرا فائدہ: ارادہ اور رضا ایک نہیں ہم کڑوی دوائیں پینے کا ارادہ کرتے ہیں مگر ان سے راضی نہیں حکومتوں کو جرمانے دینے کا ارادہ کرتے ہیں مگر اس سے راضی نہیں۔ چوتھا فائدہ: برائی کا ارادہ برا نہیں بلکہ اس سے راضی ہونا اسے پسند کرنا برا ہے اگر کوئی مجبوراً" شراب پی لے یا کلمہ کفر منہ سے نکالے تو گنہگار نہ ہو گا کہ اس نے برائی کا ارادہ تو کیا مگر اسے اچھا نہ سمجھا ہاں اس سے راضی ہونا کفر ہے رب تعالیٰ برائی کا ارادہ فرماتا ہے اس سے راضی نہیں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جتنی لڑائیاں ہوتی ہیں وہ خدا ہی کی مرضی سے ہوتی ہیں تو کیا وہ خود بھی گناہ کر سکتا ہے۔ ایسا کرنے والا خدا ہی نہیں امن میں خلل ڈالنا کسی اچھے آدمی کا کام نہیں (ستیارتھ پرکاش) جواب: پنڈت جی کی مرضی اور ہے ارادہ کچھ اور یہاں ولو شاء اللہ ہے رضی اللہ عنہ نہیں خدا تعالیٰ کسی برائی سے راضی نہیں ہاں اس کے ملک میں جو ہوتا ہے۔ وہ اس کے چاہنے اور ارادے سے ہوتا ہے۔ اگر خدا انسان کو گناہ کرنے کی طاقت نہ دیتا یا اس کے دل میں برائی کا خیال نہ آنے دیتا۔ یا گناہ پیدا ہی نہ کرتا تو کوئی بھی گناہ نہ کر سکتا۔ لوگ اس کی دی ہوئی طاقت سے اسی کے پیدا کئے ہوئے خیال سے اسی کے پیدا کئے ہوئے گناہ کرتے ہیں اگر چھری پیدا نہ ہوتی یا قصائی کے ہاتھ میں طاقت نہ ہوتی یا قصائی کا دل نہ چاہتا تو کبھی تمہاری گاؤ ماتا کو ذبح نہ کرتا۔ بولو پنڈت جی شراب نوشی حرام خوری اور گاؤ ہتیا جو دنیا میں ہو رہی ہے اس کی خدا کو خبر

www.alahazratnetwork.org

ہے یا نہیں اگر نہیں تو وہ بے علم ہے خدا کیسا اور اگر ہے تو اسے ان کو روکنے پر قدرت بھی ہے کہ نہیں اگر نہیں تو مجبور رہو اپھر تاما کیسا اور اگر ہے تو اس کے چاہنے سے یہ کام ہوا یا بغیر چاہے اگر بغیر ارادہ ہو گیا۔ تو اس کا جہاں پر پورا قبضہ نہ رہا۔ وہ خدا کیسا اور اگر اس کے ارادہ سے ہوا تو یہ ہی ہم کہتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** برے کام کا ارادہ بھی برا ہے بندہ برے کام کے ارادہ پر پکڑا جاتا ہے۔ تو رب تعالیٰ کا برے کاموں کا ارادہ برا ہونا چاہئے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ برائیوں سے پاک ہے۔ **جواب:** نہ برا کام کرنے کا ارادہ برا ہے نہ رب تعالیٰ برائی کرتا ہے نہ برائی کرنے کا ارادہ فرماتا ہے۔ بندہ سے برے کام صادر ہونے کا ارادہ برا نہیں۔ سلطان چاہتا ہے کہ میری مملکت کے چھپے بدمعاشوں سے ایسے جرم صادر ہو جائیں جن سے ان کی بدمعاشی ظاہر ہو جائے اور وہ قانونی شکنجہ کے لائق ہو جائیں۔ یہ ملکی انتظام ہے برا نہیں بعض لوگوں کے دل میں برائی کا تخم ہے۔ ان سے برے کام صادر ہونا ان کی بدمعاشی کا ظہور ہے۔ ان ہی اعمال کی بنا پر وہ قانونی گرفت میں آسکتے ہیں **خیال رہے:** کہ رب تعالیٰ برے بندوں کی توبہ پسند فرماتا ہے اس کا حکم بھی ہے مگر ان برائیوں کے صدور کا ارادہ فرماتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جبکہ ہمارے کل اچھے برے کام لوح محفوظ پر تحریر ہو چکے اور ان سب کا فیصلہ ہو چکا تو وہ سب کچھ ضرور ہو کر رہے گا پھر اس طے شدہ چیز پر پکڑ دھکڑ کیسی؟ **جواب:** جی ہاں فیصلہ اور تحریر اس طرح ہوئی ہے کہ فلاں بندہ فلاں وقت کام اپنے ارادہ و اختیار سے کرے گا۔ یعنی ہمارے کاموں کی بھی تحریر ہے اور ہمارے ارادوں کی بھی ان ارادوں ہی کی وجہ سے ہم پر جرم و سزا ہے۔ یعنی ہمارا اپنے ارادے سے یہ سب کچھ کر لینا ضروری ہو گیا۔ **چوتھا اعتراض:** رب نے جنگ اور لڑائیوں کا ارادہ ہی کیوں کیا۔ سب کو ہدایت کیوں نہ دے دی۔ **جواب:** اس کا جواب بار بار دیا جا چکا کہ اچھی بری چیزوں سے دنیا قائم ہے اگر برائیاں نہ ہوں تو خوبیوں کی قدر معلوم نہ ہو۔ مدرسوں، مکتبوں اور سلطنتوں کی ضرورت ہی نہ رہے یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے رب نے بھوک اور بیماریاں پیدا ہی کیوں کیں اور پھر انسان کی پیدائش ہی کی کیا ضرورت تھی۔ فرشتے ہی کافی تھے۔ وہ سب بے گناہ تھے۔ دنیا جوڑ توڑ کا ہی نام ہے۔ اندھیرا اجالے سے بھوک غذا سے، بیماری دوا سے توڑی جاتی ہے۔ سانپ بنایا اسے ہلاک کرنے کے لئے لاٹھی دی۔ اس کا نام دنیا ایسے ہی اچھے آدمی اچھی چیزیں اس لئے پیدا کیں کہ ان سے برے آدمی اور بری چیزیں ہلاک کی جائیں۔ **پانچواں اعتراض:** پھر ہم گناہ کرنے میں مجرم کیوں ہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں رب کے ارادہ سے کرتے ہیں۔ ہمارا کیا قصور؟ **جواب:** بعض کام وہ ہیں جن میں ہمارے ارادہ کو کوئی دخل نہیں۔ ان پر سزا و جزا بھی نہیں۔ بعض وہ کام ہیں جن میں ہمارے ارادہ کو دخل ہے اس کی وجہ سے ہم اس کام کے مختار کہلاتے ہیں نہ کہ مجبور اس اختیار کی بنا پر جزا و سزا ہے جیسے ہم ارادۃً "نیکی کرکے جنت کے مستحق ہیں۔ ایسے ہی ارادۃً "گناہ کرکے سزا کے لائق رعشہ میں بھی ہاتھ ہلتا ہے اور ارادہ سے بھی مگر اس جنبش پر پکڑ نہیں۔ اس پر پکڑ ہے۔ **خیال رہے:** کہ ہمارے کام بھی خدا کے ارادے سے ہیں اور ہمارا ارادہ بھی رب کے ارادے سے ہے کہ رب کا ارادہ یہ ہوا کہ بندہ فلاں وقت فلاں کام کا ارادہ کرے۔ اور اپنے اختیار و ارادے سے فلاں کام کرے۔ تو جیسے وہ کام رب کے ارادے سے ہے ایسے ہی اس کام کا ارادہ بھی رب کے ارادے سے ہے ہمارا یہ ارادہ ہم کو مختار اور ہمارے کام کو اختیاری بناتا ہے اور اسی ارادے کے درمیان آجانے کی وجہ سے بندہ دنیا میں بھی سزا اور جزا کا مستحق بن جاتا ہے اور آخرت میں بھی قتل خطا اور قتل عمد کی سزائیں مختلف ہیں۔ فرق ان میں صرف ارادہ ہی کا ہے۔ انسان اور پتھر میں فرق کا باعث ارادہ ہی ہے معترض اس ارادے کا لحاظ نہیں رکھتا۔ اس لئے شبہ میں پڑ جاتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

حکایت : مثنوی شریف میں ہے کہ ایک جبریہ مذہب کا آدمی انگور کے باغ میں گیا اور پھل کھانے لگا اتفاقاً باغ کا مالک آ گیا اور بولا کہ میری اجازت کے بغیر پھل کیوں توڑتا ہے وہ بولا خدا کا بندہ خدا کے حکم سے خدا کا پھل کھا رہا ہے۔ میرا اس میں کیا اختیار ہے تو رب سے کہہ کہ تیرے پھل کیوں تڑوا رہا ہے۔ مالک بولا بہت اچھا غلام کو حکم دیا۔ اسے باندھ دو۔ بندھوا کر پیٹنے لگا۔ جبریہ نے شور مچایا۔ مالک نے کہا کیوں چیختا ہے۔ خدا کا بندہ خدا کا ڈنڈا خدا کی رسی میں تجھے خدا کے حکم سے پیٹ رہا ہوں۔ تو اسی سے کہہ کہ مجھے کیوں پٹوا رہا ہے۔ تب جبریہ نے کہا

گفت توبہ کردم از جبر اختیار اختیار است اختیار است اختیار

میں جبر سے توبہ کرتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ واقعی بندہ کو بھی اختیار ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ اے بے وقوف اگر تو کتے کو پتھر مارے تو کتا پتھر کو نہیں کاٹتا تجھے کاٹتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ پتھر مجبور ہے تو مختار ہے عقل کتا تجھ میں اور پتھر میں فرق کرتا ہے اگر تو فرق نہ کرے تو کتے سے بھی زیادہ بے وقوف ہے۔

ہدایت : مسئلہ تقدیر میں تین مذہب ہیں۔ جبریہ۔ قدریہ۔ اہل سنت۔ جبریہ بندہ کو پتھر کی طرح مجبور محض مانتے ہیں۔ ان بے وقوفوں کے نزدیک پنکھے اور ہاتھ کی حرکت میں کوئی فرق ہی نہیں ان کے ہاں قلم اور کاتب دونوں یکساں ہیں کہ نہ قلم کو اختیار ہے نہ کاتب کو دونوں خدا کے حکم سے کٹھ پتلی کی طرح چل رہے ہیں۔ قدریہ بندہ کو مختار مطلق مانتے ہیں اور تقدیر کے منکر ہیں ان بے وقوفوں کے نزدیک رب اور بندہ میں کوئی فرق نہیں۔ ہم اہل سنت بندہ کو خلق میں مجبور اور کسب میں، عطاء الٰہی مختار مانتے ہیں۔ خلق کے معنی نیست کو ہست کر دینا۔ معدوم کو وجود بخش دینا۔ یہ صرف رب کا کام ہے۔ فرماتا ہے **خالق کل شئی** اور فرماتا ہے **خلقکم وما تعملون** کسب کے معنی ہیں ہستی کے اسباب کو جمع کر دینا یہ کام بندے کا ہے۔ حلق پر چھری چلانا بندے کا کام ہے۔ پھر جانور کو مردہ کر دینا رب کا کام ہے۔ لہٰذا بندہ ذابح تو ہے مگر ممیت نہیں۔ ممیت یعنی موت دینے والا رب تعالیٰ ہی ہے۔ ہمارے مذہب کا خلاصہ یہ ہے کہ اگرچہ ہر کام رب کے ارادے سے ہوتا ہے مگر بعض وہ کام ہیں جن میں بندہ کے ارادہ کو کچھ دخل نہیں جیسے ہماری نبض اور قلب کی حرکت اس پر نہ عذاب نہ ثواب اور بعض وہ کام ہیں جن میں بندہ کے اختیار کو بھی دخل ہے۔ جیسے ہمارے ہاتھ پاؤں وغیرہ کی اختیاری حرکتیں ان پر ثواب و عذاب ہے۔ کوئی شخص مسئلہ تقدیر کا انکار کر کے خدا کو نہیں مان سکتا۔ اس کا عمدہ فیصلہ اسلام نے کیا۔ آج اگر ہم قتل یا چوری کر کے حاکم سے کہیں کہ ہم بے قصور ہیں رب نے کرایا کبھی نہ مانے گا۔

تفسیر صوفیانہ : عالم کی بعض چیزیں ملائکہ یا جنات وانس وجمادات کے واسطہ سے ہیں اور بعض بلاواسطہ مگر سب کچھ رب ہی کی طرف سے ہے یہ نہ سمجھو کہ زہر خود قتل کر دیتا ہے اور پانی اپنے آپ پیاس بجھا دیتا ہے اور شیطان خود بخود گمراہ کرتا ہے۔ بلکہ یہ سب اسباب ہیں اور خالق کے زیر فرمان جاہل سمجھتا ہے کہ قلم نے لکھا مگر عاقل جانتا ہے کہ قلم والے نے لکھا۔ عام لوگ سمجھتے ہیں کہ قلم والا حکم دے رہا ہے مگر عارف جانتا ہے کہ قلم تو کاتب کے ہاتھ میں ہے اور کاتب خالق کے قبضہ میں۔ شعر

گرچہ تیر از کمان ہے گذرد از کماندار بیند اہل خرد

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیوی اسباب مظہر اسماء الٰہی ہیں۔ سورج اسم حی کا مظہر ہے۔ زہرہ مرید کا عطارد مسقط کا۔ مریخ قادر کا اور مشتری علیم کا زحل جواد کا۔ نیز وہ فرماتے ہیں کہ اصول اسماء چار ہیں۔ حیات، علم، قدرت اور ارادہ اسرافیل مظہر حیات ہیں اور جبریل مظہر علم و قول۔ اسی لئے انہیں روح القدس اور روح الامین کہتے ہیں اور وہ حامل وحی ہیں۔ اور میکائیل مظہر ارادہ جس میں جود شامل ہے۔ اس لئے وہ رزق پر مقرر ہیں اور عزرائیل مظہر قدرت اسی لئے وہ جابرو متکبرین کو موت دے کر ذلیل کرتے ہیں (روح البیان) انسان میں خیر و شر دونوں قوتیں ہیں۔ خیر کا مرکز قلب اور شر کا مرکز نفس امارہ ہے شیطان اور برے ساتھی شر کو قوت دیتے ہیں اور انبیاء کرام اور مقررہ فرشتے خیر کو تقویت پہنچاتے ہیں۔ ان میں آپس میں ہمیشہ اختلاف رہتا ہے۔ اگر رب چاہتا تو یہ کچھ نہ ہوتا **ولکن اللہ یفعل ما یرید** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کی عطا میں فرق نہیں اور نہ جنات میں تفریق ہے وہ سب کے پاس پہنچیں اور نبیوں نے سب پر جود و کرم کیا۔ مگر لوگوں کے اخذ میں فرق ہے کسی کو فیض حاصل کرنے کی توفیق ہے۔ کسی کو نہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ولکن اختلفوا** سورج کی روشنی اور شعاعوں کی پہنچ ہر جگہ ہے مگر چمگادڑ میں یہ نور لینے کی توفیق نہیں اور لینے والے اپنی حیثیت کے مطابق فیض لیتے ہیں۔ اگر رب چاہتا تو سب کو یہ توفیق بخش دیتا مگر یہ حکمت خلق کے خلاف ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے خرچ کرو اس میں سے جو دیا ہم نے تم کو پہلے سے اس کے کہ آئے وہ دن کہ نہیں
اے ایمان والو اللہ کی راہ میں ہمارے دیئے میں سے خرچ کرو وہ دن آنے سے پہلے جس میں
لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾
ہے تجارت بیچ اس کے اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور کفار ہی ظالم ہیں۔
نہ خرید و فروخت ہے نہ کافروں کے لئے دوستی اور نہ شفاعت اور کافر خود ہی ظالم ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے جہاد کا ذکر چلا آرہا ہے جس میں جان و مال خرچ کرنے پڑتے ہیں اور یہ دونوں چیزیں نفس پر گراں ہیں لہٰذا جانی قربانی کے بعد اب مالی قربانی کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں ہمیشہ دینی اختلاف رہے گا جس کی وجہ سے ان میں ہمیشہ جنگ ہوتی رہے گی۔ اب مسلمانوں کو جہاد کفار کے لئے تیار کیا جارہا ہے۔ کہ اپنا مال خرچ کرکے ان کے مقابلہ کی تیاری کرو۔

تفسیر: **یا یھا الذین امنوا** ...... چونکہ اس آیت میں عمل یعنی صدقہ کا حکم دیا جارہا ہے اور کوئی نیکی بغیر ایمان قبول نہیں ہوتی۔ اس لئے انہیں، صفت ایمان پکارا اعمال میں بدنی اعمال کے بعد مالی اعمال کا درجہ ہے۔ مال کمانا سب جانتے ہیں مگر

www.alahazratnetwork.org

خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے اور جسے خرچ کرنا آگیا اس نے دین و دنیا کی بھلائی جمع کرلی۔ حضرت صدیق اکبر و عثمان غنی خرچ کی برکت سے بڑے درجات لے گئے۔ اس لئے رب نے بہت اہتمام سے مسلمانوں کو پکار کر خرچ کا حکم دیا۔ نیز اچھے القاب سے سننے والے کو خوشی ہوتی ہے اور بولنے والے کا کرم ظاہر ہوتا ہے اسی لئے فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو جو رب پر ایمان لاچکے۔ خیال رہے: کہ پکارنا کبھی سوتے کو جگانے کے لئے ہوتا ہے کبھی غافل کو متوجہ کرنے کے لئے کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے کبھی کچھ مانگنے کے لئے یہاں یہ ندا یا غافلوں کو متوجہ کرنے کے لئے یا اظہار کرم کے لئے اور جیسے رب تعالیٰ نے تمام انبیاء کو نام سے پکارا مگر ہمارے حضور کو خصوصی صفات سے۔ ایسے دوسری قوموں کو ان کے خاندانی ناموں سے پکارا مگر محبوب کی امت کو صفت ایمان سے۔ دوسروں سے فرمایا یابنی اسرائیل اور ہم کو پکارا **یا یہا الذین امنوا** یہ نہ فرمایا اے پٹھانو۔ اے شیخو وغیرہ کہ رب کے نزدیک ایمان اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ جسے یہ نعمت ملی اسے سب کچھ مل گیا **انفقوا** یہ انفاق سے بنا جس کا مادہ نفق ہے بمعنی بکھرنا۔ پراگندہ ہونا۔ اس کی پوری تحقیق سورہ بقر کے شروع میں **۔ینفقون:** کی تحت میں ہو چکی اگر اس سے زکوۃ مراد ہے تو یہ امر وجوبی ہے اور اگر دیگر صدقات مقصود ہیں تو استحبابی اور اگر جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے تو یہ امر مطلق ہے۔ کیونکہ حاجت کے وقت جہاد میں خرچ کرنا فرض ہے۔ ورنہ مستحب نیز اگر اس سے زکوۃ مراد ہے تو صرف مالداروں سے خطاب ہے۔ ورنہ عام غرباء سے بھی کہ ان پر بھی اہل و عیال کا نفقہ واجب دیگر نفلی صدقات و خیرات مستحب غرضیکہ **انفقوا** میں تین چار احتمال ہیں اور ہر احتمال کے ماتحت صدہا مسائل ہیں۔ صدقات واجبہ میں خرچ کرنا صدقات مستحبہ میں خرچ کرنا' جہاد میں خرچ کرنا' اپنے نفس و اہل و عیال پر خرچ کرنا۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور آپ کے احکام ہیں۔ منکرین حدیث اس **انفقوا** کی تفسیر ہرگز نہیں کرسکتے **مما رزقنکم' انفقوا** کے متعلق ہے۔ **من تبعیضیہ** اور **ما** موصولہ ہے۔ **رزقنا۔** رزق سے بنا ہے بمعنی حصہ و عطیہ یعنی ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کچھ حصہ خرچ کرو۔ خیال رہے کہ مال بالکل خرچ نہ کرنا نہ اپنے پر اور نہ دوسروں پر امساک ہے اور اپنے پر خرچ کرنا دوسروں پر نہ کرنا بخل ہے۔ یہ دونوں عیب برے ہیں۔ خود بھی کھانا دوسروں کو بھی کھلانا سخاوت ہے خود نہ کھانا دوسروں کو کھلانا جود ہے۔ یہ اعلیٰ درجہ کی صفات ہیں۔ یہاں انفاق سے مراد سخاوت ہے ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف ہے اور ناجائز مقام پر خرچ کرنا تبذیر یہ بدترین عیوب ہیں۔ رب نے بخل و امساک سے بھی منع فرمایا اور اسراف و تبذیر سے بھی۔ بلکہ درمیانی حالت میں انفاق کا حکم دیا **من قبل ان یاتی یوم** جار مجرور **انفقوا** کے متعلق ہے اور یوم سے قیامت مراد ہے نہ کہ انسان کی موت کا دن۔ کیونکہ مسلمان کی موت کے بعد بھی ثواب پہنچتے رہتے ہیں۔ بعض ثواب تو اپنے اعمال کے جیسے صدقہ جاریہ کے ذریعہ اور بعض ثواب لوگوں کے عطا کئے ہوئے۔ جیسے ختم ممات اور ایصال ثواب کے ثواب یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا۔ مگر قیامت کا دن وہ ہوگا جس میں یہ سارے سلسلے بھی منقطع ہو جائیں گے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانوں قیامت آنے سے پہلے صدقات و خیرات کرلو۔ خواہ وہ صدقات تمہیں صرف زندگی میں ہی مفید ہوں یا بعد موت بھی ان کا ثواب تمہیں پہنچتا رہے یوم بمعنی وقت بھی آتا ہے اور بمعنی دن بھی۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں کیونکہ اس دن سورج طلوع ہوگا۔ لہذا وہ دن ہوگا نہ کہ رات **لا بیع فیہ۔** بیع کے معنی مبادلہ مال بالمال ہیں۔ یعنی تجارتی لین دین۔ کبھی فدیہ کو بھی مجازاً "بیع" کہتے ہیں۔ یہاں اگر حقیقی معنی مراد ہوں تو یہ حکم مومن کافر سب کے لئے ہے کہ وہاں کوئی بھی مال سے اعمال نہیں خرید سکتا اور اگر فدیہ مراد ہو جیسا کہ دوسری

www.alahazratnetwork.org

آیت میں فرمایا **فالیوم لا یوخذ منکم فدیۃ** تو اس میں کفار سے خطاب کیونکہ وہاں انشاءاللہ مسلمانوں کا فدیہ کفار ہوں گے جیسا حدیث میں وارد ہے۔ ہاں فدیہ مالی مومن کے لئے بھی نہ ہوگا **ولا خلۃ** یہ لفظ خلل سے بنا بمعنی کشادگی ودوستی خلت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دل کے وسط میں ہوتی ہے۔ یا اس لئے کہ وہ دل میں گھس جاتی ہے۔ محبت کو بھی اسی لئے محبت کہتے ہیں کہ وہ **حبۃ القلب**۔ یعنی قلب کے سیاہ دانہ میں ہوتی ہے۔ خلۃ سے خلیل اور حب سے حبیب مشتق ہے۔ یہ نفی خاص کفار کے لئے ہے کہ مسلمانوں کی دوستیاں وہاں کام آئیں گی۔ رب فرماتا ہے۔ **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین**۔ **ولا شفاعۃ** یہ شفع سے بنا بمعنی جوڑا اسی لئے طاق عدد کو فرد اور جفت کو شفع کہتے ہیں۔ سفارش کو اسی لئے شفاعت کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے مشفوع اکیلا نہیں رہتا۔ شفاعت کی نفی بھی کفار ہی کے ساتھ ہے۔ مسلمانوں کی شفاعت ہوگی۔ رب فرماتا ہے۔ **فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین** یہ ہی بتانے کے لئے فرمایا جارہا ہے **والکفرون ھم الظلمون** کافر ہی ظالم ہیں۔ کافر بمعنی منکر ہے اور بہت ممکن ہے کہ یہاں منکر زکوۃ مراد ہو۔ اسی لئے روح البیان نے اس کی تفسیر میں فرمایا **ای التارکون للزکوۃ**۔ **ھم** حصر کے لئے اور **الظلمون** کا الف لام عہدی ہے یہ لفظ **ظلم** سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو غیر محل میں خرچ کرنا یا مالک کی بلا اجازت صرف کرنا کبھی منع کرنے کو بھی ظلم کہہ دیتے ہیں جیسے **اتت اکلھا ولم تظلم منہ شیا** (کبیر) یعنی کافر ہی اپنے نفس یا مساکین پر ظلم کرتے ہیں۔ یا کافر ہی بخیل ہوتے ہیں۔ خیال رہے: کہ کافر کو دو وجہ سے ظالم فرمایا گیا۔ ایک یہ کہ عالم کی ساری چیزیں اللہ کی ہیں اور انسان اللہ کے بندے، فرمانبردار بندے کو مالک کی چیزیں استعمال کرنے کا حق ہوتا ہے۔ نافرمان کو حق نہیں ہوتا کافر نافرمان بندہ ہے اس کا اللہ کی چیزوں کو استعمال کرنا ناحق ہے اور کسی کی چیز ناحق خرچ کرنا ظلم ہے۔ دوسرے اس لئے برات کی دعوت کھانے کا اس کو حق ہے جو دولہا سے تعلق رکھتا ہے۔ تعلق نہ رکھنے والا چور بن کر کھاجاتا ہے۔ مہمان بن کر نہیں۔ عالم برات ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دولہا۔ مسلمان بندے غلام ہیں۔ کفار ان کے دشمن لہذا کفار جو کچھ کھارہے ہیں وہ چور بن کر "ظلماً" کھارہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے ایمان والو ہماری دی ہوئی نعمتوں میں سے حسب موقعہ خرچ کرو اور اس دن سے پہلے خیرات کرلو جس میں نہ تجارت ہوگی کہ کچھ کما کر خیرات کردیا کسی سے اعمال خرید کر نامہ اعمال بھرلو اور منکرین زکوۃ یعنی کفار کے لئے کسی کی دوستی بھی کام نہ آئے گی۔ جس کا وہ یہاں بھروسہ کئے بیٹھے ہیں اور نہ انہیں کسی کی سفارش ہو اور بخیل کافر تو بڑے ہی ظالم ہیں کہ فقراء کا حق مار کر ان پر ظلم کرتے ہیں شرک، کفر کرکے اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں۔ غیر مومن خداوندی مال خرچ کرکے اپنے پر ظلم کرتے ہیں خیال رہے: کہ دنیوی مقدمات میں تین ہی چیزوں سے کام لیا جاتا ہے۔ رشوت، دوستی، سفارش، حاکم کی مٹھی گرم کردی چھوٹ گئے حاکم کے ساتھ دوستی ہے اس نے رعایت کردی۔ حاکم کے پاس کوئی زبردست سفارش پہنچی۔ جس سے جرم معاف ہوگیا۔ یہاں ان تینوں کی نفی فرما کر بتایا گیا کہ وہاں کوئی حیلہ کارگر نہ ہوگا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: شفاعت اور محبت کا کام نہ آنا کفار کے لئے ہے۔ جیسا کہ **والکفرون** الخ۔ سے معلوم ہوا **دوسرا فائدہ**: عوام کو سارا مال خیرات نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ بعض جیسا کہ **مما** سے پتہ لگا **تیسرا فائدہ**: صدقہ حلال مال۔ سے چاہئے نہ کہ حرام مال سے جیسا کہ **رزقنا** میں رزق کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت دینے

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوا کیونکہ اگرچہ ہر مال خدا کا ہی عطیہ ہے مگر اس کی طرف نسبت صرف حلال مال کی کی جاتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** بخل صفت کفار ہے جیسا کہ اس جگہ کفار کے ذکر کرنے سے معلوم ہوا۔ جس مسلمان میں یہ عیب ہو جلد دور کرے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تجارت اور دوستی اور شفاعت مسلمانوں کے لئے بھی نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کو خطاب فرمایا۔ **یاایھا الکفرون** یا کہ **یاایھا الناس** نہ ارشاد ہوا۔ **جواب:** ان نعمتوں سے کفار ہی محروم ہیں ورنہ ساتھ ہی کافروں کا ذکر نہ فرمایا جاتا دیگر آیات سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے۔ مسلمانوں کو اس لئے خطاب فرمایا گیا کہ وہ زکوۃ کا انکار کرکے کافر نہ بنیں اور ہو سکتا ہے کہ یوم سے مراد انسان کی موت کا دن ہو یعنی اس دن سے پہلے خرچ کرلو۔ جبکہ تم نہ تو کسی کو دولت دے کر اس کی زندگی کا ایک سانس خرید سکو اور نہ ملک الموت سے دوستی کی بنا پر ایک دم کی مہلت لے سکو۔ اور نہ انہیں کسی کی سفارش سے ایک آن کے لئے ٹال سکو۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **وانفقوا مما رزقنکم من قبل ان یاتی احدکم الموت فیقول رب لولا اخرتنی الی اجل قریب** الخ۔ اور ہو سکتا ہے کہ یوم سے قیامت کے دن کا اول وقت مراد ہو۔ جبکہ عدل کا ظہور ہوگا۔ اس وقت نہ شفاعت ہو سکے نہ دوستی کام آئے قیامت میں پھر فضل کا ظہور ہوگا۔ تب وہاں بیع بھی ہوگی کہ تین پیسہ قرضہ کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں قرض خواہ کو دی جائیں گی (شامی) اور دوستی و محبت بھی کام دے گی رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** اور فرماتا ہے **یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔** اور شفاعت بھی ہوگی۔ حتی کہ کعبہ معظمہ و قرآن و رمضان بھی شفاعت کریں گے۔ رب فرماتا ہے۔ **من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ** **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر ہی ظالم ہیں، حالانکہ بعض، مسلمان بھی بڑے ظلم کرتے ہیں۔ **جواب:** یہاں ظلم سے خاص ظلم مراد ہے۔ جیسا کہ تفسیر میں گزر چکا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرام مال خدا کا رزق نہیں۔ کیونکہ رزق میں سے خیرات کرنے کا حکم دیا گیا۔ اور حرام کمائی سے خیرات کرنا حرام ہے (معتزلہ) **جواب:** اس کا جواب تیسرے فائدہ میں گزر چکا ہے کہ یا اضافت تشریفی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو قیامت آنے سے پہلے خیرات کرنی چاہئے۔ اس میں تو بعد موت کا زمانہ بھی داخل ہے کہ وہ بھی قیامت سے پہلے ہی ہے۔ حالانکہ بعد موت خیرات کون کر سکتا ہے لہٰذا یہاں موت سے مراد اپنی موت کا دن ہونا چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو مر گیا اس کی قیامت تو آ گئی۔ **جواب:** قیامت سے پہلے یعنی موت کے بعد اگرچہ عمل کا وقت نہیں مگر اعمال کے ثواب ملنے کا وقت تو ہے۔ جیسے صدقات جاریہ کے ثواب مگر قیامت میں عمل نہ ہوگا نہ عمل کا ثواب پہنچے۔

تفسیر صوفیانہ : یاایھا الذین امنوا میں عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ مال والوں کی خصوصیت نہیں۔ **لہٰذا انفقو** اور **مارزقنا** کے عام معنی ہی کرنے چاہئیں۔ جس پر امیر و غریب سب عمل کر سکیں۔ مطلب یہ ہے کہ اے ایمان والو ہماری دی ہوئی نعمت میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو۔ مال، بدن، نفس، وقت، سانس، خیالات میں سے زکوۃ نکالو۔ چوبیس گھنٹے میں سے کچھ ساعتیں ہمارے ذکر کے لئے وقف کر دو۔ چوبیس ہزار سانسوں میں سے کچھ سانس ہماری راہ میں خرچ کرو۔ چلنے، چھونے، دیکھنے، بولنے، سمجھنے کی قوتیں جو تم کو ملی ہیں۔ یہ ہماری دی ہوئی روزیاں ہیں ان سب میں سے ہماری راہ میں خرچ کرو کہ کچھ

www.alahazratnetwork.org

ہمارے لئے بولو۔ ہمارے لئے چلو' ہمارے لئے چھوڑ' ہمارے لئے دیکھو' ہمارے لئے سوچو' چونکہ دنیا میں کمائی کے تین ہی طریقے ہیں۔ تجارت دوستوں کے ہدیہ' بیٹوں کی مدد۔ انہیں تین کی نفی کردی گئی کہ قیامت میں ان میں سے کچھ نہ ہو گا۔ خیال رہے کہ بد ترعیب بخل ہے کہ یہ کبھی کفر تک پہنچادیتا ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے رب نے بعض لوگوں کو ان کی ضرورت سے زیادہ مال دیا جنہیں غنی کہا جاتا ہے اور بعض کو ان کی ضرورت سے کم دیا جنہیں فقیر کہا جاتا ہے یوں ہی رب نے اندرونی روزی یعنی اعمال و کمال بعض کو ان کی ضرورت سے زیادہ بخشی ہے۔ جیسے حضرات انبیاء صحابہ' اولیاء اور بعض کو ان کی ضرورت سے کم جیسے ہم گنہگار' پھر جیسے اغنیاء کو حکم دیا کہ اپنے مال میں غریبوں کو شریک کرلو تم ان کی روزی کا وسیلہ ہو۔ ہم بلا وسیلہ انہیں بھی دے سکتے تھے۔ مگر تمہیں ثواب دینے کے لئے انہیں فقیر تمہیں غنی کیا۔ ایسے ہی باطنی اغنیاء کو حکم دیا کہ اپنے اعمال و کمال میں گنہگاروں کا بھی حصہ رکھو۔ اس آیت میں ان سے بھی خطاب ہے کہ ہماری دی ہوئی روزی یعنی اعمال و کمال میں سے گنہگاروں پر خرچ کرو۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی طرف سے بھی قربانی فرماتے تھے۔ لہٰذا اس آیت سے ایصال ثواب بھی ثابت ہے۔

حکایت : کسی بزرگ نے شیطان سے پوچھا کہ تو لوگوں کو کس طرح بہکاتا ہے۔ وہ بولا تین ذریعوں سے بخل' غصہ اور نشے میں غصہ ور آدمی کو ایسا گھماتا ہوں۔ جیسے بچے گیند کو اور نشہ والے آدمی کو ایسے ہانکتا ہوں۔ جیسے چرواہا بکریوں کو محمد بن اسمٰعیل بخاری سے روایت ہے کہ رب تعالٰی نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اگر ہم تم کو زمین پر رکھتے تو تم کیا کرتے۔ عرض کیا کہ تین کام' غریبوں کی مدد کرنا' خلق کے عیب چھپانا' پیاسوں کو پانی پلانا (روح البیان) نیز یہاں خرچ کا تو حکم دیا مگر اس کا مصرف نہ بتایا۔ کیونکہ ہر خرچ کا مصرف جدا گانہ ہے۔ صدقات کا مصرف فقراء۔ ہدیہ کا مصرف اہل قرابت' جان کا مصرف جہاد کا میدان' سانس کا مصرف ذکر رحمٰن غرضیکہ بے شمار مصرف ہیں۔ ان سب کا اجمال یہ ہے کہ ساری نیکیوں کا مصرف رضاء خدا و مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس عبادت سے وہ محبوب راضی ہوجائیں وہ ہی درست ہے۔ باقی برباد۔ رب فرماتا ہے **فا اللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** نماز روزے سے یہی مقصود ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

مجھے فکر کب رکوع کا مجھے کیا کام تھا سجود سے کسی نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں
در مصطفٰی پہ رکھا جو سر تو ندا ہوئی کہ اے بے خبر تیرے وہ بھی سجدے ادا ہوئے جو قضا ہوئے تھے نماز میں

بظاہر وہ عابد معبود ہیں۔ مگر درحقیقت عابدوں کے اصل مقصود ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کیا خوب کہا۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر
وہ بزم طیبہ میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ لَهٗ مَا
اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے زندہ قائم رکھنے والا نہیں پکڑتی ہے اس کو اونگھ اور نہ نیند واسطے
اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا اسے نہ اونگھ آئے اور نہ نیند

www.alahazratnetwork.org

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ

اسی کے ہیں جو کچھ آسمانوں کے اور جو کچھ زمین کے ہیں کون ہے جو کہ شفاعت کرے نزدیک اسکے مگر ساتھ اجازت اس کی کے۔

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ کون ہے جو اس کے یہاں سفارش کرے بے اس کے حکم کے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس سے پہلے انبیاء کرام کے مراتب کا ذکر تھا اور ان کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم اب رب کی ذات و صفات کا تذکرہ ہے کیونکہ ذکر نبوت بغیر ذکر توحید اور ذکر توحید بغیر ذکر نبوت مکمل نہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں کفار کے لئے شفاعت نہ ہوگی۔ اس سے جہاں اس دن کی عظمت کا پتہ چلا وہاں ہی رب تعالیٰ کی عظمت شان معلوم ہوئی کہ اس کے سامنے کسی کو بلا اجازت دم مارنے کی اجازت نہیں۔ اب اس آیت الکرسی میں اسی عظمت ذات اور کمال صفات کا صراحۃً ذکر ہے۔ گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تائید ہے۔ **تیسرا تعلق**: آیت میں **یاایھا الذین امنوا** فرما کر مسلمانوں کو اعمال کا حکم دیا گیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ بغیر درستی عقائد عمل درست نہیں۔ لہٰذا اب ذات و صفات کا ذکر فرمایا کہ ان پر ایمان لائیں **چوتھا تعلق**: قرآن کریم کا طریقہ ہے کہ علم توحید علم احکام علم قصص ملا کر بیان فرماتا ہے۔ تاکہ سننے والے ایک مضمون سے اکتا نہ جائیں۔ اب تک انبیاء کرام کے قصے اور شرعی احکام بیان فرمائے۔ اب توحید کا ذکر ہے۔ وہ ہی بازار مکمل ہے۔ جس میں ہر قسم کی دکانیں یک جا ہوں۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تمام کفار ظالم ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار بہت قسم کے ہیں۔ رب کے منکر توحید کے منکر رب کی صفات کے منکر انبیاء کی شفاعت کے منکر سب کافر ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان تمام قسم کے کفار کی پرزور تردید ہو رہی ہے۔

تفسیر : **اللہ** رب تعالیٰ کے سارے نام صفاتی ہیں اور یہ اسم ذات اسی لئے قادر علیم رحیم وغیرہ مخلوق کو بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر اللہ کسی کو نہیں کہہ سکتے۔ اس لفظ کی پوری تفسیر ہم بسم اللہ میں کہہ چکے۔ خیال رہے کہ اسماء الٰہیہ میں مختلف تاثیریں ہیں۔ اللہ تزکیہ نفس کے لئے بہت مجرب ہے۔ اسم ذات یعنی اللہ کے نام کا نقش جو 18 سے شروع ہو کر 26 پر ختم ہوتا ہے اور پندرہ کے نقش کی چال سے بھرا جاتا ہے۔ ہر مقصد کے حصول کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ بعض نے اللہ کو اسم اعظم مانا ہے کہ یہ ذاتی نام ہے باقی صفاتی۔ ذات اعظم ہے اللہ یہاں مبتداء ہے اور آئندہ جملہ اس کی خبر **لا الٰہ الا ھو۔ الٰہ** کے معنی ہیں معبود خیال رہے کہ معبود سے مراد لائق عبادت ہے نہ وہ جس کی عبادت ہوتی ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ معبود ازلی ہے اور مخلوق حادث جب کوئی عابد نہ تھا۔ اس وقت اس کی معبودیت میں کمی نہ تھی۔ رب کی تمام صفات کا یہی حال ہے۔ چنانچہ وہ ہمیشہ سے رزاق، سمیع، بصیر ہے اگرچہ مرزوق، مسموع، مبصر حادث ہیں وہ رزاق ہے خواہ کوئی اس سے روزی لے یا نہ لے۔ آفتاب چمکانے والا ہے کوئی اس سے چمکے یا نہ چمکے غرضیکہ چمکانا صفت اور ہے اور چمکانا فعل اور فعل چمکانا چمکنے والے پر موقوف ہے۔ مگر صفت اس پر موقوف نہیں اسی طرح صفات الٰہیہ قدیم ہیں۔ افعال الٰہیہ حادث۔ دیکھو انسان سونے میں بھی بصیر ہے اگرچہ وہ اس وقت کچھ نہیں دیکھ رہا۔ دیکھنا اور دیکھنے والا ہونا کچھ اور ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں اللہ سے سچا معبود مراد ہے۔ کیونکہ جھوٹے معبود تو

www.alahazratnetwork.org

بت وغیرہ بھی ہیں۔ یعنی اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں۔ عبادت کے معنی ہیں۔ انتہائی عجز و نیاز۔ عابد انتہائی عاجز۔ معبود انتہائی عزت والا جس کے سامنے دوسرے انتہائی عاجزی کریں۔ بندہ جو کام اپنے کو بندہ سمجھ کر اور دوسرے کو رب یا رب کی مثل سمجھ کر کرے وہ عبادت ہے۔ سجدہ تعظیمی عبادت نہیں۔ وہ دوسری شریعتوں میں جائز تھا۔ مگر سجدۂ تعبدی عبادت ہے۔ وہ ہمیشہ اللہ ہی کو کیا گیا کسی آسمانی دین میں غیر اللہ کو جائز نہ ہوا۔ دونوں سجدوں میں فرق صرف نیت کا ہے۔ محترم سمجھ کر سجدہ تعظیمی ہے۔ رب یا رب کی مثل سمجھ کر سجدہ تعبدی ہے مشرکین سورج گنگا وغیرہ کو رب کی مثل سمجھ کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ **اذ نسویکم برب العلمین۔** **الحی القیوم** یہ اللہ کی خبر بعد خبر ہے۔ **حی** اصل میں **حیو** تھا واؤ ی ہو کر ی میں مدغم ہو گیا۔ یہ حیات سے بنا ہے۔ جس کے معنی ہیں زندگی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ہر کامل کو حی کہا جاتا ہے۔ اسی لئے زمین کے آباد کرنے کو احیاء موات کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **کیف یحی الارض بعد موتھا** چونکہ زندگی ہی جسم کا کمال ہے اور وہ تمام صفات کا موقوف علیہ ہے۔ اسی لئے اسے بھی حیات کہہ دیتے ہیں۔ درختوں کی سرسبزی کو بھی حیات کہا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا مطلب ہے اپنی صفات میں کامل کہ وہ اور اس کی صفات حقیقیہ وصفات اضافیہ قابل عدم نہیں اور نہ اس کے کمال کی کوئی حد بندی ہے القیوم' یہ قیام کا مبالغہ ہے۔ خیال رہے کہ قائم کے تین مبالغے ہیں۔ قیوم' اور قیم جیسے دار کا مبالغہ دیار' دیور اور دیر' یہ اصل میں قیوم تھا۔ بروزن فیعول واوی ہو کر ی میں مدغم ہوا۔ (کبیر) اس کے معنی خود قائم اور سارے عالم کا قائم رکھنے والا کہ سب اسی سے قائم ہیں نہ وہ کسی میں ہے نہ کسی سے ہے بلکہ سب اس سے ہیں۔ اس کا وجود کسی پر موقوف نہیں۔ موجودات تین طرح کے ہیں۔ بعض وہ جو دوسرے سے قائم ہیں۔ جیسے جسم کا رنگ و بو یا اجسام کا سایہ کہ رنگ و بو تو اپنے محل کا محتاج ہے اور سایہ تین چیزوں کا حاجتمند۔ سایہ دار جسم کا۔ نور کا اور اس محل کا جہاں سایہ پڑے۔ انہیں عرض کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جو بغیر کسی محل کے خود موجود ہیں۔ جیسے اجسام انہیں جوہر یا قائم بالذات کہا جاتا ہے۔ تیسرے وہ جو خود بھی آپ موجود اور ان سے دوسرے موجود اسے قیوم کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ قیوم حقیقی ہے کہ اس کے ارادہ و اذن سے عالم موجود قائم ہے اور بعض حضرات اولیاء قیوم بالعرض ہیں۔ جن کے ذریعہ عالم کو رب نے قائم رکھا ہے۔ یہاں قیوم حقیقی یعنی جہان کو رکھنے والا مراد ہے۔ یہ رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے۔ **لا تاخذہ سنۃ ولا نوم۔** **تاخذ'** اخذ سے بنا بمعنی پکڑنا یہ کبھی غلبہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ جسے غلبہ کہتے ہیں اور کبھی عارضی یہاں ہر قسم کی پکڑ کی نفی ہے۔ **سنۃ** وسن سے بنا بمعنی غفلت اصطلاح میں نیند کے مقدمہ کو جس سے اعضاء بے قابو ہو جائیں اور پوری غفلت طاری نہ ہو سنۃ کہتے ہیں۔ بمعنی اونگھ شاعر کہتا ہے۔ مصرع: **فی عینہ سنۃ ولیس بنائم۔** پوری غفلت کی نیند کو نوم کہتے ہیں۔ نیند سے پہلے اونگھ کا اس لئے ذکر کیا کہ اخذ کے معنی غلبہ بھی ہے اور اونگھ اور نیند انسان پر غالب ہی آتی ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب اس پر نیند اور اونگھ جیسی چیزیں بھی غالب نہیں آتیں جو سلاطین اور شہنشاہوں کو بھی دبا لیتی ہیں تو اور کوئی چیز کیا غالب آ سکتی ہے۔ **لہ ما فی السموت وما فی الارض** یہ جملہ رب کی قومیت اور اس کی معبودیت کا ثبوت ہے۔ یعنی آسمانوں و زمین کی ساری چیزیں اس کی مخلوق اور اسی کی حقیقی مملوک ہیں۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ خیال رہے کہ کسی چیز کی طرف نسبت چار طرح ہوتی ہے۔ ملکیت کی قبضہ کی' شے کی استحقاق کی' مالک کہتا ہے۔ میرا مکان کرایہ دار کہتا ہے میرا مکان مالک کا بیٹا کہتا ہے میرا مکان اور جس کے پاس گروی ہے وہ کہتا ہے میرا مکان اس میں چار احتمال ہیں۔ ساری چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کی مملوک ہیں۔ اس کی محکوم ہیں۔ اس کی عبادت گزار ہیں۔

پہلے اور چوتھے معنی سے یہ رب کی خاص صفت ہے۔ کوئی چیز کسی بندے کی نہ مخلوق نہ عبادت گزار مگر دوسرے تیسرے معنی کی تجلی بعض بندوں میں پڑی ہے چنانچہ ہم اپنے گھربار کے مالک و حاکم ہیں۔ حضرت سلیمان کو رب نے تمام جہان کا مالک و حاکم بنایا تھا۔ **وسخرنا له الریح عاصفته تجری بامره** ہمارے حضور کو تمام جہان کا مالک بنایا۔ فرماتا ہے **انا اعطینک الکوثر** ہم نے تم کو عالم کثرت بخش دیا۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔ اللہ کے شہر میرا ملک میرے زیر فرمان ہیں۔ یہ چیزیں نہ اس آیت کے خلاف ہیں۔ نہ غلط ہیں۔ رب مالک حقیقی' بندے مالک مجازی اگرچہ لفظ ماغیر عاقلین کے لئے وضع ہوا مگر یہاں اس سے عاقل و غیر عاقل سب ہی مراد ہیں۔ چونکہ عالم میں عاقل کی قسمیں کم اور غیر عاقل کی زیادہ ہیں۔ اس لئے سب کو لفظ 'ما' سے تعبیر کر دیا گیا۔ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمین بھی سات چونکہ ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ ہے۔ کوئی چاندی کا کوئی سونے کا اور ہر زمین کی حقیقت ایک یعنی مٹی۔ نیز ہر دو آسمانوں میں بہت فاصلہ ہے۔ اور زمین کے طبقے پیاز کے چھلکوں کی طرح چپٹے ہوئے۔ لہٰذا آسمان کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ آسمان و زمین کا مالک نہیں۔ بلکہ سب کا مالک ہے۔ چونکہ ہماری نگاہ عالم اجسام پر ہی ہے۔ اس لئے آسمانوں اور زمین کا ذکر ہوا کہ عالم اجسام انہیں کے درمیان ہے۔ ورنہ رب تعالیٰ عالم اجسام۔ عالم انوار۔ عالم امر وغیرہ سب کا خالق و مالک ہے۔ خیال رہے کہ جس کا رب مالک و خالق ہے۔ ان سب کے حضور نبی ہیں۔ اپنے لئے فرماتا ہے۔ رب العلمین حضور کے لئے فرماتا ہے۔ رحمتہ للعالمین اور فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا**" وزیر اعظم کی وزارت ساری مملکت میں ہوتی ہے۔ کفار اپنے بتوں کی شفاعت کے امیدوار تھے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ چونکہ یہ بت حکومت الٰہیہ کے ممبر اور اس کے چلانے والے ہیں اس لئے رب کو ان کی شفاعت ماننی پڑے گی ان کی تردید کے لئے ارشاد ہوا **من ذا الذی یشفع عنده الا باذنه** من استفہامیہ مبتداء ہے اور **ذا** خبر **الذی** ذا کی صفت ہے یا بدل چونکہ من میں استفہام انکاری ہے۔ اس لئے بعد **الا** صحیح ہوا **اذن** بمعنی اجازت ہے۔ **عنده یا یشفع** کے متعلق ہے اور یا کسی محذوف کے (روح البیان) لہٰذا اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کون ہے جو رب کے نزدیک بلا اجازت کسی کی سفارش کر سکے۔ دوسرے یہ کہ جو بندے رب کے نزدیک رہتے ہیں ان میں سے بھی بغیر اجازت کون کسی کی سفارش کر سکتا ہے۔ جب نزدیکوں کا یہ حال ہے تو وہ بت جنہیں رب سے دور کا بھی تعلق نہیں وہ کیا شفاعت کر سکتے ہیں۔ (روح البیان) اس جملہ میں دعونس کی شفاعت کا انکار ہے۔ اور شفاعت بالاذن کا ثبوت لہٰذا شفاعت کا انکار کرنا بلاوفی ہے۔

خلاصہ تفسیر : آیت الکرسی اول سے آخر تک کفار اور بدمذہبوں کا رد ہے خالق کے منکر دہریوں کی تردید **الله** سے ہوئی۔ **لا اله الا هو** میں مشرکین کا رد۔ **الحی القیوم** منکرین صفات کی تردید ہے **له ما فی السموت** سے مجوس کا رد ہے جو دو خدا مانتے ہیں ایک یزدان خالق خیر دوسرا اہرمن خالق شر معتزلہ کی بھی پوری تردید ہو گئی۔ جو ہر بندہ کو اپنے برے اعمال کا خالق مانتے ہیں۔ **من ذا الذی** میں بتوں کی شفاعت ماننے والوں کی تردید ہے۔ **الا باذنه** میں معتزلہ اور عام دیوبندیوں وہابیوں کا رد ہے۔ جو شفاعت کے منکر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ وہ ذات ہے۔ جس کے سوا کوئی حقیقی معبود نہیں۔ وہی ازلی ابدی زندہ ہے۔ اور تمام عالم کا قائم رکھنے والا غفلت سے پاک کہ نہ اسے اونگھ آئے نہ اس پر نیند غلبہ کرے۔ آسمانوں زمین کی ساری چیزیں اسی کی مخلوق و مملوک ہیں۔ اس کے دربار کے دبدبے کا یہ عالم ہے کہ کسی کو بلا اجازت دم مارنے کی بھی جرات نہیں۔ لہٰذا مشرکین جو اپنے بتوں کی شفاعت کے بھروسے میں ہیں۔ سخت غلطی پر ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

بعض وہ ہیں جن کی تجلی مخلوق پر نہیں پڑی اور ان کو کسی معنی سے مخلوق کے لئے استعمال نہیں کر سکتے۔ جیسے واجب الوجود 'معبود' خالق 'قدیم' بعض کے نزدیک رحمان بھی اور بعض صفات وہ ہیں جن کی جھلک مخلوق پر ڈالی گئی۔ اور مخلوق پر بھی ان کا بول دینا رغبت ہے۔ جیسے 'حی' 'سمیع' 'بصیر' مالک 'عزیز رؤف رحیم آیت الکرسی میں جو رب کی پہلی صفت ہے۔ **لا الہ الا ھو** یہ پہلی قسم کی صفت ہے کہ کسی بندے کو اللہ یا لا الہ الا ھو نہیں کہہ سکتے۔ مگر حی و قیوم وغیرہ دوسری قسم کی صفات ہیں کہ بندے پر بھی مجازاً بولی جاتی ہیں۔ دیکھو اونگھ و نیند نہ آنا رب کی بھی صفت ہے اور اللہ نے فرشتوں کو اور بعد قیامت جنتیوں کو بھی یہ صفات بخشے ہیں کہ نہ انہیں اونگھ ہے نہ نیند ایسے ہی آسمان و زمین کی ملکیت کہ رب نے بعض بندوں کو بخشی جیسے ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

شفاعت

ہم مسئلہ شفاعت پہلے پارہ میں **ولا یقبل منھا شفاعۃ** کی تفسیر میں بہت کچھ عرض کر چکے ہیں۔ یہاں چند ضروری باتیں بتاتے ہیں۔ کفار اپنے بتوں کے متعلق دو عقیدے رکھتے تھے۔ ایک یہ کہ ان میں الوہیت ایسے حلول کئے ہوئے ہے جیسے پھول میں رنگ و بو اسی لئے ان کو الہ اور شرکاء کہتے تھے اور خدا تعالیٰ کو الہ اکبر ان کا عقیدہ تھا کہ اکیلا اللہ تعالیٰ اتنا بڑا جہان نہ سنبھال سکتا ہے نہ چلا سکتا ہے اس نے اپنی مدد کے لئے اپنے کچھ بندوں کو اپنا معاون و مددگار بنایا ہوا ہے اور ان میں کام تقسیم کر دیئے ہیں ان بندوں میں بعض تو اللہ کی لڑکیاں ہیں اور بعض اللہ کی بیویاں و بیٹے اور بعض اگرچہ ہیں تو نرے بندے ہی مگر الوہیت کی پارلیمنٹ کے ممبر ہیں۔ اس لئے انہیں خدا کا بندہ بھی کہتے ہیں اور خدا کا شریک بھی انہیں کی تردید کے لئے رب نے فرمایا **ولم یکن لہ ولی من الذل و کبرہ تکبیرا**۔ اللہ نے مجبوری کی بنا پر کسی کو ولی نہ بنایا انہیں کو **ولی من دون اللہ** فرمایا گیا۔ یہ عقیدہ صریحی شرک ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ چھوٹے خدا بڑے خدا کے ہاں ہماری شفاعت کریں گے اور اس بڑے کو جبراً ان کی شفاعت ماننی پڑے گی۔ جیسے بادشاہ کو ارکان سلطنت کی سفارش اس لئے ماننی پڑتی ہے کہ ان کے بگڑ جانے سے زوال سلطنت کا اندیشہ ہے۔ اس آیت میں دونوں عقیدوں کا رد بلیغ فرمایا گیا۔ گویا فرمایا کہ وہاں تو وہی شفاعت کر سکے گا جسے اس کی اجازت مل چکی ہو۔ یعنی انبیاء ملائکہ اور مومنین غرضکہ دیوتاؤں کی شفاعت کا انکار ہے اور شفاعت بالوجاہت اور شفاعت بالمحبت جو شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں ان کا ثبوت۔ اگر شفاعت نہ ہو تو نماز جنازہ اور زیارت قبور اور مومنین کے لئے دعا سب بے کار ہو جائیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنے فرزند کے جنازے کے لئے چالیس نمازیوں کا انتظار فرمایا اور فرمایا کہ جہاں چالیس صالح مسلمان جمع ہوتے ہیں۔ وہاں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے (مرقات شرح مشکوۃ)

شفاعت کون کریگا : انبیاء' اولیاء' علماء' مشائخ' حجر اسود' قرآن مجید' خانہ کعبہ' ماہ رمضان اور مسلمانوں کے نابالغ بچے۔ مقدمہ ہدایہ میں مولوی عبدالحی صاحب نے لکھا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے سنگ اسود کو چوم کر فرمایا کہ تو محض ایک پتھر ہے نہ نفع دے نہ نقصان تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ میں نے حضور کو فرماتے سنا کہ قیامت میں اس کی آنکھیں اور منہ ہوں گے۔ اور حاجیوں کی شفاعت کرے گا (رواہ الحاکم) مگر چونکہ قیامت کے اول وقت جب سب نفسی نفسی

www.alahazratnetwork.org

پکارتے ہوں گے۔ حضور ہی شفاعت کی ابتداء فرمائیں گے اور دروازہ شفاعت آپ کے ہاتھ پر کھلے گا۔ اسی لئے آپ کا لقب شفیع المذنبین ہے۔

شفاعت کی قسمیں : شفاعت تین طرح کی ہوگی۔ بلندی درجات کے لئے اور معافی سئیات کے لئے۔ میدان محشر سے نجات دلانے کے لئے۔ پہلی شفاعت بے گناہوں کے لئے ہے اور دوسری صرف گنہگار مسلمانوں کے لئے اور تیسری شفاعت سے فائدہ کفار بھی حاصل کریں گے۔ معلوم ہوا کہ سارا جہان حضور کی شفاعت کا حاجت مند ہے۔ وہ جو حدیث میں ہے کہ تارک سنت شفاعت سے محروم ہے اس سے پہلی شفاعت مراد ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہوگی۔ اس سے دوسری شفاعت مراد یعنی عفوسیات (شامی کتاب الصلوۃ) جب سب شفیع شفاعت کر چکیں گے تب رب فرمائے گا کہ شفیع شفاعت کر چکے۔ اور جن کے قلب میں رائی کے برابر بھی ایمان تھا انہیں بھی جہنم سے نکال کر لے گئے۔ اب ہماری باری ہے تب اپنا ایک لپ (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) جہنمیوں سے بھر کر جنت میں داخل فرمائے گا اس میں وہ لوگ ہوں گے جو عند اللہ مومن تھے اور شرعاً غیر مومن جیسے زمانہ فترت کے موحدین اور وہ لوگ جن کے دل میں ایمان تھا اور زبان سے اقرار کا موقعہ نہ ملا ممکن ہے کہ ابو طالب بھی اسی لپ میں ہوں کیونکہ یہ دل سے رسالت کے قائل تھے۔ اور حضور کے آرام کی خاطر بظاہر ایمان نہ لائے تاکہ میری رعایت سے کفار مکہ حضور کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو رسالہ مبارکہ اسنی المطالب فی ایمان ابی طالب۔

شفاعت کب ہوگی : بعض گنہگاروں کو تو بغیر عذاب شفاعت پہنچ جائے گی۔ بعض کی مدت عذاب میں کمی ہو جائے گی۔ اور بعض گنہگار اپنی پوری سزا بھگت کر شفاعت پائیں گے۔ بعض جنت میں پہنچ کر شفاعت کی بدولت بلند درجے پائیں گے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بندوں کے برے بھلے اعمال رب کی مخلوق ہیں۔ جیسا کہ **لہ ما فی السموت وما فی الارض** سے معلوم ہوا۔ جب وہ ساری آسمانی زمینی چیزوں کا خالق ہے تو اعمال کا بھی خالق ہوا کہ وہ بھی اسی میں داخل ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کے لئے دعاء مغفرت کرنا ان پر نماز جنازہ پڑھنا انہیں مرحوم مغفور کہنا حرام ہے۔ کیونکہ یہ سب شفاعتیں ہی ہیں۔ اور کفار کے لئے شفاعت منع۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کے لئے غفلت بے توجہی بے علمی محال ہے۔ جو کوئی ایک آن کے لئے اسے بے علم مانے وہ بے دین ہے۔ جیسے بعض دیوبندی جو رب کو ہر وقت عالم الغیب نہیں مانتے۔ دیکھو تقویت الایمان اور کتاب بلغۃ الحیران۔

حکایت : ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے فرشتوں سے پوچھا کہ کیا رب کو نیند اور اونگھ آسکتی ہے۔ حکم الٰہی پہنچا کہ تم اپنے ہاتھ میں دو پانی سے بھری ہوئی کچی شیشیاں لو۔ آپ نے اس پر عمل کیا کچھ دیر بعد نیند کا جھونکا آیا تو ہاتھ سے شیشیاں گر کر ٹوٹ گئیں۔ وحی آئی کہ اے موسیٰ جب تم نیند میں دو شیشیاں نہ سنبھال سکے تو اگر مجھے نیند آتی تو میں زمین و آسمان کیسے سنبھال سکتا۔ (کبیر و روح البیان) خیال رہے کہ یہ سوال اطمینان قلب کے لئے تھا نہ کہ بد عقیدگی سے انبیاء کرام پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب نے ہر چیز اپنے لئے بنائی۔ وہ تو ان باتوں سے پاک ہے۔ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** زمین میں ہر چیز تمہارے لئے پیدا کی ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو (ستیارتھ پرکاش) جواب: یہاں لام ملکیت کا ہے اور **خلق لکم** میں نفع کا یعنی ہر چیز اللہ کی ملکیت ہے اور مخلوق کے نفع کے لئے خدا نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا مالک رب تعالیٰ ہی ہے۔ پھر تم کیوں کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دونوں جہان کے مالک ہیں کیا وہ خدا کے شریک ہیں (دیوبندی) جواب: رب کی ملکیت حقیقی' ذاتی اور قدیم ہے۔ اس کی مخلوق کی ملکیت مجازی عطائی اور حادث کہا جاتا ہے کہ ہندوستان ہندوؤں کا ہے۔ قسطنطنیہ ترکوں کا ہے یہ گھر میرا ہے۔ یہ ہی معنی وہاں بھی ہیں۔ تیسرا اعتراض: مسئلہ شفاعت عقل کے خلاف ہے۔ کیونکہ جو لوگ شفاعت سے بخشے جائیں' رب انہیں بخشنا چاہتا تھا یا نہیں اگر چاہتا تھا تو شفاعت بے کار ہوئی وہ تو ویسے ہی بخشے جاتے اور اگر نہ چاہتا تھا تو رب تعالیٰ کی مجبوری لازم آئی کہ رب بخشنا تو چاہتا نہ تھا شفیع کی وجہ سے اسے بخشنا پڑ گیا۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب یہ ہے کہ پھر تو دوائیں دعائیں' بلکہ عالم کے تمام اسباب بیکار ہوئے۔ بیمار نے دوا کھائی' شفا پائی۔ بتاؤ رب نے اس کی شفا چاہی تھی یا نہیں اگر چاہی تھی تو دوا کی کیا ضرورت تھی خود ہی آرام ہو جاتا اور اگر نہ چاہی تھی تو خدا کے ارادے کے خلاف کیسے ہو گیا۔ جواب تحقیق یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں بخشنا چاہا تھا بذریعہ شفاعت کے یعنی بخشش بھی رب کے حکم سے شفاعت اس کے حکم سے ہے۔ رب نے بیمار کی شفا بھی چاہی اور دوا بھی یہ معنی ہیں اسباب کے۔ چوتھا اعتراض حضور فرماتے ہیں کہ تارک سنت کی شفاعت نہ ہو گی اور فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ نہ دینے والا میرے پاس کندھوں پر مال لادے ہوئے شفاعت چاہنے آئے گے۔ ہم شفاعت سے انکار کر دیں گے۔ جب حضور ان معمولی مجرموں کی شفاعت نہیں کر سکتے تو گناہ کبیرہ والوں کی شفاعت کیسے کریں گے۔ جواب: ان حدیثوں میں وہ لوگ مراد ہیں جو سنت رسول اللہ کو حقیر جان کر چھوڑیں اور زکوٰۃ کے منکر ہوں۔ یہ دونوں کافر ہو گئے اور کافر کے لئے شفاعت کیسی۔ یا شفاعت سے رفع درجات والی شفاعت مراد ہے کہ تارک سنت اس سے محروم ہے۔ عفو سیئات کی شفاعت تو گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہو گی۔ حضور فرماتے ہیں **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** یا یہ فرمان دھمکانے ڈرانے کے طور پر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : توحید کے تین مرتبے ہیں۔ مبتدئین کی توحید **لا الہ الا اللہ** ہے اور متوسطین کی توحید **لا الہ الا انت** کیونکہ مقام شہود میں ہیں۔ کاملین جو فنا فی الذات ہیں واحد حقیقی کی ندائیں سنتے ہیں۔ ان کی توحید **لا الہ الا انا** ہے۔ قطب الاقطاب کی توحید **یاھو یامن ھو ھو یامن لا الہ الا ھو** ہے۔ جب بندہ قال سے گزر کر زبان حال یہ کہتا ہے تو عالم میں تصرف کرنے کا اسے حق حاصل ہوتا ہے علماء کرام **لا الہ الا ھو** کے معنی کرتے ہیں لا معبود الا ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں لا موجود الا ہو۔ وہی موجود ہے باقی سب اس کے ظل و پرتو ہیں۔ سب کی زندگی عارضی اسکی۔ حیات عین ذات اور ہر ماسوا اس کی حیات سے زندہ جیسے کہ مقابل آفتاب آئینہ کا نور آفتاب سے قائم ایسے ہی عالم اس سے قائم۔ اگر اس کا قیام نہ ہوتا یا عالم کو اس سے نسبت نہ ہوتی تو کوئی شئی موجود نہ ہوتی۔ اسی لئے نہ اسے غفلت آئے نہ نیند کہ یہ موت کے مشابہ ہے کہ اگر اس کو

www.alahazratnetwork.org

یہ عیوب عارض ہوں تو عالم فنا ہو جائے افضل الذکر ہے **لا الہ الا اللہ** (روح البیان و ابن عربی)

ہدایت ضروری : صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ولایت کا ایک درجہ قیومیت بھی ہے اس درجہ والے لوگ قیوم عالم کہلاتے ہیں۔ اس لحاظ سے حضرت مجدد صاحب قدس سرہٗ کی کتب میں بعض اولیاء کو قیوم اول اور قیوم دوم وغیرہ کہا گیا ہے۔ وہاں قیوم کے معنی ہی اور ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ کسی بندہ کو قیوم کہنا کفر ہے۔ ان کا یہ مطلب ہے کہ جس معنی سے خدا کو قیوم کہتے ہیں۔ اس معنی میں اوروں کو قیوم کہنا کفر ہے۔ خدا تعالیٰ عالم کا قائم رکھنے والا ہے۔ لہٰذا وہ قیوم ہے۔ ان حضرات کے ذریعہ عالم قائم ہے جیسے مرکز سے دائرہ اور دیوار سے چھت۔ لہٰذا وہ قیوم عالم ہوئے۔ چونکہ آسمان و زمین مثل دائرہ گول ہیں۔ اور دائرہ میں مرکز قطبین وغیرہ سب ہی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی عالم میں ابدال اوتاد و قطب اور قیوم ہونا ضروری ہیں۔ جن سے عالم باقی رہے۔ دیکھو رب کا نام بھی علی ہے۔ سیدنا علی المرتضیٰ کو بھی علی کہتے ہیں۔ ان دونوں کے معنی میں بڑا فرق ہے۔ آیۃ الکرسی کے فضائل آئندہ بیان ہوں گے ان حضرات کے نزدیک قطب عالم یا قیوم عالم سے تمام جہاں اسی طرح قائم ہے۔ جیسے خیمے کی چوب سے خیمہ یا دل سے تمام جسم کہ خیمے اور جسم کو رب تعالیٰ ہی قائم رکھے ہوئے ہے۔ مگر ان اسباب کے ذریعہ سے یہ بات ضرور خیال رکھیں کہ اسی لفظ قیوم پر بت دھوکا ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شفاعت بہت قسم کی ہے دھونس کی شفاعت یعنی جبری شفاعت 'شفاعت بالمحبۃ 'شفاعت باوجاہت 'دھونس کی شفاعت کی یہاں نفی ہے۔ شفاعت بالمحبت و شفاعت باوجاہت کا ثبوت رب تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے **وکان عند اللہ وجیھا** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا ہے **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** محبت کے متعلق فرماتا ہے رضی اللہ عنہم ورضوعنہ اور فرماتا ہے **یحبھم و یحبونہ** اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت کرتے ہیں۔ لہٰذا دھونس کی شفاعت ماننا کفر و شرک ہے۔ مگر محبت یا وجاہت کی شفاعت محبوب بندوں کے لئے ماننا ایمان ہے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا ایمان ہے۔ بت کی طرف سجدہ کفر۔ زمزم کی تعظیم ایمان ہے۔ گنگا کی تعظیم کفر' رمضان کا احترام ایمان ہے۔ ہولی دیوالی کا احترام کفر ہے افعال یکساں ہیں۔ مگر نیت جداگانہ۔ اسی طرح بتوں کی شفاعت ماننا کفر ہے اور حضرات انبیاء و اولیاء کی شفاعت ماننا ایمان۔

یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا
جانتا ہے اس کو جو درمیان ہاتھوں ان کے ہے اور جو پیچھے ان کے اور نہیں گھیر سکتے وہ کسی چیز کو علم سے اس کے
جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے اور وہ نہیں پاتے اس کے علم میں سے مگر
بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ
مگر ساتھ اس کے کہ چاہے گھیر لیا ہے کرسی نے اس کی آسمانوں اور زمین کو اور نہیں بھاری ہوتی ہے اسے حفاظت
جتنا وہ چاہے اس کی کرسی میں سمائے ہوئے آسمان اور زمین اور اسے بھاری نہیں ان کی نگہبانی اور وہی

www.alahazratnetwork.org

الْعَظِيْمُ

ان کی اور وہ بلند عظمت والا ہے۔

ہے بلند بڑائی والا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلے جملے میں رب تعالیٰ کی چند صفات کا ذکر ہوا۔ اب اس کی صفت علم کا ذکر ہے کہ بغیر علم سلطنت وغیرہ نہیں چل سکتی۔ دوسرا تعلق: پچھلے جملہ میں رب تعالیٰ سے چند عیوب کی نفی کی گئی کہ اسے نیند اور اونگھ عارض نہیں ہوتی۔ اب علم ثابت کرکے جہالت سے پاکی بیان ہو رہی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلے جملہ میں فرمایا گیا تھا کہ اس کی بارگاہ میں بلا اجازت کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ شفیع و مشفوع دونوں کے حالات جانتا ہے کہ کون قابل شفاعت ہے۔ اور کون نہیں اور کسے شفیع ہونا چاہئے اور کسے نہیں لہٰذا ضروری ہے کہ شفاعت اسکی اجازت سے ہی ہو۔

تفسیر : **یعلم ما بین ایدیھم وما خلفھم** یعلم حال استمراری ہے یعنی ہمیشہ سے جانتا ہے۔ ما سے مراد مخلوق کے سارے حالات ہیں۔ عربی میں **بین ایدی** سامنے کی چیز کو اور **خلف** پیچھے کی چیز کو کہتے ہیں۔ **ایدیھم** میں **ھم** ضمیر یا تو **ما فی السموات** کی طرف لوٹتی ہے چونکہ ملائکہ انبیاء و دیگر انسان اہل عقل ہیں انہیں کی تغلیب فرما کر عقلاء کی ضمیر ارشاد ہوئی یعنی رب تعالیٰ اس قدر وسیع سلطنت کی تمام چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیزوں کے تمام جزوی و کلی حالات جانتا ہے۔ دنیاوی بادشاہ مملکت کے بڑوں لوگوں سے تو خبردار ہوتے ہیں چھوٹوں کا انہیں پتہ بھی نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ ہی ہے کہ چیونٹی کی بھی خبر رکھتا ہے۔ اور ہاتھی کی بھی۔ ذرہ کو بھی جانتا ہے پہاڑ کو بھی اس کی حاجتیں جانتا ہے اور سب کی حاجت روائی کرتا ہے۔ ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے مانگی جاتی ہے۔ یا شفعاء کی طرف یا مشفوعین کی جانب سامنے سے مراد آخرت ہے کہ وہ آرہی ہے اور پیچھے سے مراد دنیا کہ وہ جارہی ہے یا سامنے سے مراد زمین کی چیزیں اور پیچھے سے آسمانی چیزیں مراد ہیں۔ یا سامنے سے بعد موت کے حالات اور پیچھے سے قبل پیدائش کے واقعات یا سامنے سے آئندہ کے اعمال اور پیچھے سے گزشتہ افعال مراد ہیں۔ یا سامنے سے سب کے ظاہری حالات مراد ہیں۔ جنہیں خود حال والا بھی جانے اور دوسرے بھی پیچھے سے مراد خفیہ حالات جو حال والا تو جانے مگر دوسرے نہ جانیں یا سامنے سے وہ حالات مراد ہیں جنہیں حال والا جانے اور پیچھے سے وہ حالات مراد جنہیں حال والا بھی نہ جانے۔ ہمیں اپنے دل و دماغ پھیپھڑے اور اپنے اندرونی حالات کی خود اپنے آپ کو خبر نہیں۔ مگر رب تعالیٰ یہ سب کچھ جانتا ہے۔ ہماری ضروریات سے ہم بے خبر ہیں رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ پوری فرماتا رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما نبودیم و تقاضاء ما نبود　　لطف تو ناگفتہء ما ی شنود

یعنی رب تعالیٰ ساری مخلوق کے سارے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے کہ کیا ہو چکا ہے اور کیا ہوگا **ولا یحیطون بشیء من علمه** یہ احاطہ سے بنا بمعنی گھیر لینا مگر یہاں معلوم کرنا اور پا لینا مراد ہے کہ عالم کا علم معلوم کو گھیرے ہوتا ہے۔ اس کا فاعل ملائکہ انبیاء و دیگر عقلاء میں **من علمه** میں علم سے معلومات مراد ہیں اور من تبعیضیہ کہ خدا کی صفت میں تبعیض محال ہے (کبیر و روح البیان) **بما شاء** میں ما مصدریہ اور ب استعانت کی ہے یا ب زائدہ اور ما موصولہ ہے یعنی کوئی بھی اس کی

www.alahazratnetwork.org

معلومات کو نہیں جانتا مگر اسی کے چاہنے سے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فلا یظھر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول** اس استثناء میں انبیاء کرام اور اولیاء اللہ داخل ہیں کہ رب تعالیٰ انہیں علوم غیبیہ عطا فرماتا ہے (کبیر و خازن) اس کی وسعت علمی کا تو یہ حال ہے **وسع کرسیہ السموت والارض** وسع وسعۃ سے بنا بمعنی اندر لے لینا سما لینا گھیر لینا۔ وسعت اور احاطہ قریب المعنی ہیں برداشت کرنے اور طاقت رکھنے کو بھی وسعت کہہ دیتے ہیں۔ حدیث میں ہے **ما وسعہ الا تباعی** مگر یہاں پہلے معنی مراد ہیں **کرسی کرس** سے بنا بمعنی ایک شیئ کے اجزاء کا اوپر نیچے ہونا۔ اہل عرب کہتے ہیں **اکرست الدار** یعنی گھر میں مینگنیاں تہ بتہ جمع ہو گئیں۔ کہا جاتا ہے **تکارس الشئی** یعنی مرکب ہو گیا۔ کتابوں کے تعلیہ کو کراسہ کہا جاتا ہے کہ اس میں کتابیں اوپر تلے رکھی جاتی ہیں (کبیر) اصطلاح میں کرسی اس چھوٹے تخت کو کہتے ہیں جو بیٹھنے والے سے نہ بچے کہ وہ بھی تختوں سے مرکب ہوتا ہے۔ کبھی پائیدان کو بھی کرسی کہا جاتا ہے۔ جہاں بیٹھنے والے کے پاؤں ہوں۔ سلاطین جس جگہ بیٹھتے ہیں وہ تخت کہلاتا ہے اور ان کے سامنے کچھ نشیب میں امراء و زراء کے بیٹھنے کی جگہ ہوتی ہے اس کو کرسی کہا جاتا ہے کہ وہ بادشاہ کا پائیدان ہے۔ یہاں کرسی میں چار قول منقول ہیں۔ (1) اس سے رب کا علم و قدرت مراد ہے کہ اہل عرب وسیع علم کو کرسی کہہ دیتے ہیں۔ اسی لئے علماء کو کراسی کہا جاتا ہے علامہ زمخشری نے قطرب کا قول نقل کیا۔ **وخیر الاناسی الکراسی**۔ یعنی انسانوں میں سب سے بہتر علماء ہیں مراد یہ ہے کہ اس کا علم آسمان و زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ **یعلم** کی تفسیر ہے۔ (2) کرسی سے مراد خود عرش ہے۔ (3) کرسی وہ چیز ہے جو عرش کے نیچے اور ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے جسے فلاسفہ آٹھواں آسمان یا فلک بروج کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ کرسی کے مقابلہ میں ساتوں آسمان و زمین ایسے ہیں۔ جیسے جنگل میں انگوٹھی۔ اور یہ ہی نسبت کرسی کو عرش کے مقابلہ میں ہے (در منثور) اس کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ایک فرشتہ حضرت آدم کی شکل پر ہے۔ دوسرا گدھ کی شکل پر تیسرا بیل کی شکل پر اور چوتھا شیر کی شکل پر (روح البیان از ابن عباس و در منثور) بعض روایت میں ہے کہ حاملین عرش اور حاملین کرسی کے درمیان ستر حجاب ظلمت کے اور ستر حجاب نور کے ہیں ہر حجاب کی موٹائی پانچ سو سال کی راہ ہے اگر یہ حجاب حائل نہ ہوتے تو ملائکہ حاملین عرش کے نور سے حاملین کرسی جل جاتے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ کرسی کوئی جسم وغیرہ نہیں۔ اس کلام سے لوگوں کے ذہن میں رب کی عظمت کا نقشہ کھینچنا مقصود ہے۔ جیسے کعبہ کو بیت اللہ قرار دیا گیا۔ اس میں دروازہ لگایا گیا۔ اسکے گرد طواف کرایا گیا۔ وہاں دعائیں مانگی گئیں۔ حالانکہ نہ وہاں رب رہتا ہے اور نہ وہاں رب کا مکان ہے یہ سب کچھ اظہار عظمت کے لئے ہے۔ ایسے ہی اسکے لئے عرش و کرسی کا ثابت کرنا اسکی سلطنت کا خیال جمانے کے لئے ہے۔ **ولا یؤدہ** یہ **اود** سے بنا ہے بمعنی مشقت اور بوجھ یہ **نصر ینصر** سے ہے اور **یؤدہ** کا مرجع رب تعالیٰ ہے **حفظھما** حفظ کے معنی نگہبانی ھما کا مرجع آسمان و زمین ہیں کہ یہ دو جنسیں ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ کو اتنے بڑے آسمان و زمین کی نگہبانی بھاری نہیں۔ **وھو العلی العظیم** یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں۔ علی بمعنی بلند۔ اس سے مکانی بلندی مراد نہیں۔ بلکہ کمالات میں اعلیٰ ہونا مراد ہے۔ یعنی وہ علم سلطنت غلبہ اور صفات میں سب سے اعلیٰ درجہ والا عظیم ہے کہ اسکے سامنے ہر شے حقیر۔ خیال رہے کہ عظمت صفت اضافی ہے۔ ہر چیز اپنے حقیر کے مقابل عظیم ہوتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ سب سے عظیم ہے۔ نبی علیہ السلام اپنی امت سے عظیم شیخ اپنے مریدین سے اور استاد اپنے شاگردوں سے کیونکہ ان چھوٹوں کی عقلیں اپنے بڑوں کے صفات کا اندازہ نہیں کر سکتیں۔ **ھو العلی**

www.alahazratnetwork.org

العظیم فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ رب تعالیٰ کی شان بہت ہی بلند و بالا ہے اور آسمان و زمین معمولی حقیر چیزیں ایسے شان والے رب کو ایسی حقیر چیزوں کی حفاظت بھاری کیسے ہو سکتی ہے۔ تو یہ کلمے لا یودہ کی دلیل ہے۔ جو نادان ریل کی قطار دیکھ کر کہے کہ ایک انجن اسے کھینچ نہیں سکتا۔ اس نے ابھی تک انجن دیکھا ہی نہیں۔ صرف ریل دیکھی ہے ایسے ہی جو کہے کہ اتنے بڑے زمین و آسمان کو ایک خدا نہیں سنبھال سکتا۔ اس نے آسمان و زمین کو تو دیکھا مگر رب کی شان میں غور نہ کیا۔ اگر رب کی شان میں غور کر لیتے تو یقین کرتے کہ ایسے لاکھوں عالم رب تعالیٰ قائم رکھ سکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ اپنی مخلوق کے سارے اگلے پچھلے حال و اعمال جانتا ہے۔ اور کوئی مخلوق اس کی معلومات کو نہیں جان سکتی مگر اتنا ہی جتنا وہ چاہے اور بتائے اور وہ بقدر قابلیت ہر ایک کو بتاتا ہے۔ سمندر سے کوئی مشک بھر لاتا ہے کوئی گھڑا کوئی لوٹا کوئی پیالہ اس کے عرش کا تو پوچھنا کیا۔ کرسی کی عظمت کا یہ حال ہے کہ تمام آسمان و زمین اس میں سمائے ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ کو اتنا وسیع مملکت کا سنبھالنا اور زمین و آسمان کی نگہبانی کچھ دشوار نہیں۔ نہایت آسانی سے ان سب کی نگرانی فرما رہا ہے۔ وہ اپنی صفات میں اعلیٰ و بالا ہے کہ اس کی عظمت تک کسی کا خیال بھی نہیں پہنچ سکتا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو اپنے علم کا مظہر بنایا کہ وہ حضرات رب تعالیٰ کے بتائے سکھائے سے سارے حالات جانتے ہیں۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا انبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر دانہ اور پانی کے ہر قطرہ کے متعلق جانتے تھے کہ یہ کس کے نصیب کا ہے۔ اور اسے کون کھائے گا۔ نیز لوگ جو گھروں کے اندر رکھاتے ہیں آپ اسے دیکھتے ہیں۔ مکان کی دیواریں آپ کی نگاہ کے لئے حجاب نہیں یہ ہے انبیاء کا ظاہر و باطن کا علم۔ پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ مجھے رب نے کتاب دی نبی بنایا کتاب میں سارے علوم موجود تھے اور نبی کہتے ہیں خبر والے کو معلوم ہوا کہ پیدائشی باخبر ہیں بے خبر نہیں۔ ہم لوگ حضرات انبیاء اولیاء کے علوم کا احاطہ نہیں کر سکتے ہم کو تو سورج، سمندر کے پانی اور ہوا کا آج تک احاطہ نہ ہو سکا پھر آسمان نبوت کے چاند سورجوں کا احاطہ کیسے ہو سکتا ہے۔

آیتہ الکرسی کے فضائل و فوائد

اس آیت کا نام آیت الکرسی ہے۔ کیونکہ اس میں کرسی کا ذکر ہے۔ اس کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں۔ ہم اولاً کچھ فضائل اور کچھ فوائد تفسیر خازن و کبیر و در منثور وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔

فضائل: اس آیت میں الٰہیات کے اعلیٰ مسائل کا ذکر ہے۔ اور ذات و صفات کا بے مثل بیان۔ 2 اسی آیت میں رب تعالیٰ کے نام ظاہر اور محذوف سترہ جگہ ذکر ہوئے۔ اللہ' ھو' الحی' القیوم' اور لا تاخذہ' لہ' عندہ' باذنہ' بعلم' علمہ' شاء' کرسیہ' یودہ کی ضمیریں حفظھما میں ضمیر پوشیدہ۔ وھو العلی العظیم 3 آیت الکرسی میں اسم اعظم بھی ہے۔ اور وہ الحی القیوم ہے۔ یا لا الہ الا ھو اولیاء اللہ اسی اسم سے طی الارض کرتے ہیں کہ آن کی آن میں مشرق و مغرب طے کر لیتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام اسی اسم سے مردے زندہ فرماتے تھے۔ 4 حدیث شریف میں ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

آدم علیہ السلام سید البشر ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سید عرب و عجم سلمان فارسی سید اہل فارس۔ صہیب سردار روم بلال سردار حبشہ طور پہاڑوں کا سردار جمعہ سید الایام۔ قرآن سید الکلام، سورہ بقرہ سید القرآن اور آیت الکرسی سید البقر۔ 5 ذکر کی عظمت مذکور کی عظمت سے ہے۔ مذکور جس قدر اعلیٰ اسی قدر ذکر بھی اشرف چونکہ آیۃ الکرسی میں رب کی ذات و صفات ہی مذکور ہے۔ لہٰذا یہ دیگر آیتوں سے افضل و اعلیٰ ہے۔ خیال رہے کہ سورۂ اخلاص تہائی قرآن کا ثواب رکھتی ہے۔ تو آیت الکرسی اس سے کہیں بڑھ کر ہونی چاہئے۔ (روح) بخاری نے اپنی تاریخ میں انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ہمیں آیت الکرسی عرش کے نیچے عنایت فرمائی گئی۔ (در منثور) 7 احمد نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ آیت الکرسی چہارم قرآن ہے۔ 8 ترمذی شریف میں ہے کہ ہر چیز کی کوئی زینت ہے قرآن کی زینت سورہ بقر ہے اور اس میں آیت الکرسی قرآن کی سردار ہے۔ (خازن) 9 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے جنگ بدر کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ سجدہ میں سر رکھے ہوئے یا حی یا قیوم پڑھ رہے تھے میں میدان میں گیا۔ پھر لوٹ کر آیا تو یہی پڑھتے ہوئے پایا۔ بار بار جاتا آتا رہا اور یہ ہی پڑھتا ہوا پاتا رہا یہاں تک کہ فتح ہو گئی۔ (کبیر) 10 آیت الکرسی پڑھنے والے پر ایک فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے۔ جو اس کی نیکیاں لکھتا اور گناہ مٹاتا رہتا ہے۔ دوسرے دن کی اسی ساعت تک یہ ہی کرتا رہتا ہے۔ (در منثور)

آیۃ الکرسی کے فوائد : 1 علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی ہر فرض نماز کے پیچھے آیت الکرسی پڑھ لیا کرے۔ تو اس میں اور جنت میں صرف موت کی آڑ ہو گی کہ مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائے۔ اور اس پر ہمیشگی کرنے والا صدیقین و عابدین کے زمرہ میں شمار ہو گا۔ (کبیر) 2 جو کوئی سوتے وقت بستر پر لیٹ کر آیت الکرسی پڑھ لے تو اس کا اور اس کے پڑوسیوں کا گھر چوری ڈکیتی اور آگ لگ جانے غرض ساری اچانک مصیبتوں سے صبح تک محفوظ رہے گا۔ (کبیر) 3 جس گھر میں آیت الکرسی پڑھی جائے۔ اس گھر سے شیطان ایک ماہ تک اور جادوگر چالیس دن تک دور رہتے ہیں۔ (کبیر، در منثور) 4 ایک بار ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے ایک جن کو پکڑ لیا۔ اور اس سے پوچھا کہ انسان تم سے کیونکر بچیں۔ اس نے عرض کیا کہ صبح و شام آیت الکرسی پڑھ لیا کریں۔ صبح کو یہ واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ تو فرمایا اس خبیث نے سچ کہا (روح البیان) 5 جو کوئی صبح و شام اپنے بچوں پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کر دے۔ وہ شیطان اور جادو اور نظر بد سے محفوظ رہے گا۔ 6 ابن سنی نے امام زین العابدین سے نقل کیا کہ حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کو دردزہ کی تکلیف تھی۔ حضور علیہ السلام نے ام سلمہ اور زینب بنت جحش کو حکم دیا کہ فاطمہ کے پاس جا کر آیت الکرسی اور فلق و ناس پڑھیں۔ (در منثور) اس سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی دردزہ میں مفید ہے۔ 7 ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بے برکتی کی شکایت کی کہ میرے گھر میں برکت نہیں ہوتی۔ فرمایا آیت الکرسی پڑھا کرو۔ (در منثور) اس سے معلوم ہوا کہ آیت الکرسی برکت کے لئے مفید ہے۔ 8 جو کوئی سوتے وقت آیت الکرسی پڑھ لے تو رات بھر دو فرشتے اسکی حفاظت کرتے ہیں۔ (در منثور) 9 جو کوئی سفر کے وقت اپنے گھر پر آیت الکرسی پڑھ کر دم کر جائے تو اس کا مال و اہل و عیال اس کی واپسی تک محفوظ رہیں گے۔ (در منثور) 10 جو کوئی کہیں پارسل وغیرہ بھیجے اس پر آیت الکرسی دم کر دے تو ان شاء اللہ خیریت سے پہنچے گا۔ (مجرب) 11 جو کوئی فجر اور مغرب کے بعد اول و آخر تین تین بار درود شریف اور درمیان میں اکتالیس بار یا حی یا قیوم پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ اسے خاتمہ بالخیر نصیب ہو گا۔ جو کوئی نماز پنجگانہ کے بعد آیت الکرسی پڑھے اور جب ولا یؤدہ حفظھما تک پہنچے تو اپنی پانچوں انگلیاں

www.alahazratnetwork.org

کے پورے دونوں آنکھوں پر رکھ کر گیارہ بار یہ لفظ پڑھے۔ اور پھر ایک بار **وھو العلی العظیم** پڑھ کر اپنے پوروں پر دم کر کے آنکھوں پر پھیرے تو ان شاء اللہ اندھا نہ ہوگا۔ نہایت مجرب ہے۔ 13 جو کوئی سفر میں **یا حی یا قیوم برحمتک استغیث** پڑھتا رہے تو ان شاء اللہ اس پر سفر آسان ہو گا۔ 14 آیت الکرسی سے شیطان بھاگتے ہیں۔ بے چین دل کو چین آتا ہے۔ مرگی والے کو فائدہ ہوتا ہے۔ اس سے غصہ شر اور حرام شہوت دور رہوتی ہے۔ ظالم کا ظلم کم ہوتا ہے۔ مگر اخلاص شرط ہے۔ (روح البیان)۔

دل پر دردرا دوا قرآن جان مجروح راشفا قرآن
ہر چہ جوئی زنص قرآن جو کہ بود گنج علما قرآن

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سارا قرآن رب کا کلام ہے۔ مگر اس کی آیتوں کی تاثیریں جداگانہ سارے انبیاء اور اولیاء رب کے پیارے ہیں۔ مگر ان کے مراتب مختلف (خازن) دوسرا فائدہ: حمد و نعت کی آیتیں ان آیتوں سے افضل ہیں جن میں کفار کا ذکر ہے۔ کیونکہ ان میں ذکر بھی افضل اور مذکور بھی اعلیٰ مگر ان آیتوں میں ذکر اعلیٰ اور مذکور خبیث تیسرا فائدہ: اصول اسماء و صفات یہ ہیں۔ وحدانیت' حیات' علم' قیومیت' ملک' قدرت ارادہ' چونکہ آیت الکرسی میں ان سب کا ذکر لہٰذا یہ آیت اعظم اذکار ہے۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ بندوں کے عیوب بے علمی غفلت' اونگھ نیند' عجز وغیرہ سے پاک ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کی کرسی ہے۔ تو لازم آیا کہ وہ ایک جگہ رہنے والا ہے۔ اور جو ایک جگہ میں رہنے والا ہو وہ محدود ہے اور محدود خدا نہیں ہو سکتا (ستیارتھ پرکاش) جواب: پنڈت جی قرآن سمجھنے کے لئے عقل چاہئے۔ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ خدا اس کرسی پر بیٹھتا ہے۔ یہاں تو یہ ارشاد ہوا کہ اس کی کرسی آسمان و زمین کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کی کرسی کے یہ معنی ہیں کہ اس کی پیدا کی ہوئی اس کی مملوک کرسی جیسے کہا جاتا ہے اللہ کا آسمان اور اس کی زمین اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ان میں رہتا ہے۔ اور کرسی سے مراد یہ میز کرسی نہیں ہے اس کا مطلب ہم تفسیر میں بتا چکے کہ یا تو اس سے رب کا علم مراد ہے یا اس کی قدرت و ملکیت یا آٹھواں آسمان فلک بروج یا یہ صرف ایک مثال ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بارگاہ الٰہی میں شفاعت بالاذن ہوگی اور شفاعت کا اذن بہت چیزوں کو ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم' انبیاء' اولیاء' علماء' چھوٹے بچے' قرآن' رمضان' کعبہ وغیرہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں۔ جواب: اس لئے کہ ان تمام حضرات کی شفاعت صغریٰ ہوگی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت' شفاعت کبریٰ ہوگی۔ شفاعت کبریٰ صرف حضور ہی کریں گے۔ اس شفاعت میں چند خصوصیات ہیں۔ ایک یہ کہ اول قیامت میں جب کہ عدل الٰہی جلوہ گر ہو گا۔ سوا حضور کے کوئی شفاعت نہ کرے گا۔ حضور کے دست اکبر پر دروازہ شفاعت کھل جانے کے بعد دوسرے حضرات شفاعت صغریٰ کریں گے۔ دوسرے یہ کہ تمام شفیعوں کی شفاعت مخصوص طرح اور محدود دائرے میں ہوگی۔ چنانچہ قرآن شریف تو اپنے تلاوت کرنے والوں کی۔ کعبہ معظمہ حاجیوں کی علماء اور اولیاء اپنے اہل قرابت والے دوستوں کی۔ چھوٹے بچے اپنے ماں باپ کی۔ رمضان روزہ داروں کی شفاعت کریں گے۔ مگر حضور کی شفاعت سارے

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کے لئے بلکہ ایک قسم کی شفاعت سارے جہان کے لئے اور ایک قسم کی شفاعت انبیاء اولیاء کے لئے ہوگی۔ اس لئے اسے شفاعت کبریٰ کہتے ہیں۔ اور حضور کو شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وسلم۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا دل گویا عرش ہے کہ روح کا تجلی گاہ ہے۔ اور سرسینہ گویا کرسی۔ اتنا بڑا عرش قلب مومن کی وسعت کے مقابلہ میں ایسا ہے۔ جیسے میدان میں انگوٹھی۔ بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر اس عالم جیسے دس لاکھ عارف کے قلب میں رکھے جائیں تو وہ محسوس بھی نہ ہوں۔ حسن فرماتے ہیں کہ مومن کا دل عرش الٰہی ہے۔ (ابن عربی و روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در زمین و آسمان و عرش نیز — من نہ گنجم از یقین داں اے عزیز
در دل مومن بگنجم اے عجب — گر مرا جوئی در دلہا طلب
خود بزرگی عرش باشد بس بدید — لیک صورت چیست چوں معنی رسید

دوسری تفسیر : آیۃ الکرسی میں اللہ سے عظیم تک گیارہ صفات کا ذکر ہے۔ بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ **من ذا الذی** سے **بما شاء** تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین صفات ہیں۔ اور اس سے پہلے کے پانچ اور آخر کے تین خدا کے صفات مطلب یہ ہے کہ رب کی بارگاہ میں کون کسی کی شفاعت کر سکتا ہے سوا اس ایک محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جنہیں شفاعت کا اذن مل چکا کہ شفاعت کبریٰ کا سہرا انہیں کے سر ہے۔ اس شفیع المذنبین کی صفت یہ ہے کہ **یعلم ما بین ایدیھم** سب کے سارے اگلے حالات جانتے ہیں۔ کیونکہ سب سے پہلے انہیں کا نور پیدا ہوا سارا عالم ان کا دیکھا بھالا ہوا ہے۔ **وما خلفھم** اور پچھلے حالات قیامت کی دہشت خلق کی گھبراہٹ رب کا غضب انبیاء کرام کا نفسی نفسی کہنا اور پھر سارے عالم کا بھکاری بن کر اس محبوب کے دروازہ پر آنا غرضیکہ سب کچھ جانتے ہیں۔ کیونکہ بغیر علم شفاعت ناممکن علم والا جان سکتا ہے کہ کون کسی قسم کی شفاعت کا مستحق ہے اور کون محروم جو طبیب بیماروں کی بیماریوں سے بے خبر ہو وہ علاج کیا کر سکتا ہے۔ اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے ایمان و کفر وغیرہ سے بے خبر ہوں تو شفاعت کیسے کر سکتے ہیں۔ پھر آپ کو پتہ کیسے لگے کہ کون شفاعت کے لائق ہے اور کون نہیں اور کون کس شفاعت کے لائق ہے۔ وہ شفیع المذنبین سب کے احوال جانتے ہیں مگر **ولا یحیطون بشیء من علمہ الا بما شاء** ملائکہ انبیاء اولیاء بلکہ سارا عالم اس شفیع المذنبین کے علوم میں سے کچھ حاصل نہیں کر سکتے مگر اس قدر جتنا کہ محبوب عطا فرمائیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ کا علم انبیاء کے مقابلہ میں ایسا ہے۔ جیسے سات سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ اور سارے انبیاء کے علوم حضور علیہ السلام کے مقابل میں ایسے ہی ہیں جیسا سات سمندروں کے مقابل ایک قطرہ اور یہ ہی نسبت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو خدا کے علم سے ہے۔ خیال رہے کہ انبیاء اور اولیاء میں حضرت آدم و ابراہیم علیہم السلام اور حضرت خضر بھی داخل ہیں۔ قصیدہ بردہ شریف میں خوب فیصلہ کیا گیا کہ فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

وکلھم من رسول اللہ ملتمس غرفا من البحر او رشفا من الدیم
وواقفون لدیہ عند حدھم من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم

یعنی سارے انبیاء اولیاء اپنی قابلیت کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم حاصل کرتے ہیں اور انکے علوم حضور کے علم کے سامنے ایسے جیسے کتب خانہ کے مقابلہ ایک نقطہ یا تیز بارش کے مقابل ایک چھینٹا (روح البیان) از تاویلات نجمیہ) یہ نہایت نفیس تفسیر ہے۔ اور اس پر کوئی شرعی الزام نہیں۔ اس کی تائید حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس روایت سے ہوتی ہے۔ جو مشکوۃ شریف باب مناقب ابی بکر و عمر میں ہے کہ انہوں نے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا کسی کی نیکیاں تاروں کے برابر بھی ہیں۔ فرمایا ہاں عمر کی تو عرض کیا کہ ابو بکر کی نیکیاں کا کیا حال ہے فرمایا عمر کی ساری نیکیاں ابو بکر کی ایک نیکی کی طرح ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے عالم کے سارے اعمال کی خبر ہے اور آسمان کے چھوٹے بڑے سارے تاروں کی بھی گنتی معلوم ہے تب ہی تو فرمار ہے تھے کہ ساری امت میں حضرت عمر کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں یہ جواب وہ ہی دیگا۔ جو دونوں کی خبر رکھتا ہو۔ آسمان پر بعض تارے چھپے ہوئے ہیں۔ اور انسان صدہا اعمال چھپ کر ہی کرتے ہیں۔ نیز آپ نے لوگوں کے ایمان و کفر بلکہ درجات ایمان کی بھی دنیا ہی میں خبر دے دی کہ فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں۔ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں۔ ایک بار ازواج مطہرات نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سرکار آپ کی وفات کے بعد پہلے کون بی بی صاحبہ حضور سے ملیں گے۔ فرمایا لمبے ہاتھ والی۔ سب نے اپنے ہاتھ ماپے تو بی بی سودہ کے ہاتھ لمبے تھے مگر بعد میں معلوم ہوا کہ لمبے ہاتھ سے مراد سخاوت اور زینب نے تمام ازواج سے پہلے وفات پائیں۔ وہ بہت سخیہ تھیں۔ اس سوال سے معلوم ہوا کہ ازواج مطہرات کا عقیدہ تھا کہ حضور انور سب کے وقت موت کیفیت موت اور سعادت و شقاوت اور جنت کے ٹھکانے کو جانتے پہچانتے ہیں۔ کیونکہ اس سوال میں وقت موت۔ حسن خاتمہ اور حضور کے ساتھ جنت میں رہنا سب ہی پوچھا گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں تمام ازواج کا جنتی ہونا جنت میں حضور کے ساتھ رہنا اور پہلے بی بی زینب کا وفات پانا بیان فرمادیا۔ یہ ہے حضور کا علم۔ رضی اللہ عنہم قیامت میں مرتدین کو اصحابی فرمانا ان کو شرمندہ کرنے کیلئے ہوگا۔ نہ کہ بے علمی کی وجہ سے جیسے رب تعالیٰ جہنمی سرداروں کو فرمائے گا۔ ذق انک انت العزیز الکریم ورنہ یہ کیونکر ممکن ہے کہ یہاں تو آپ یہ واقعہ بیان فرمائیں۔ اور وہاں بھول جائیں۔ ان کے متعلق حضور خود فرماتے ہیں۔ کہ میں انہیں جانتا ہوں وہ مجھے پہچانتے ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۖ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ
نہیں ہے جبر بیچ دین کے بے شک ظاہر ہو گئی ہدایت گمراہی سے پس جو کوئی انکار کرے
کچھ زبردستی نہیں دین میں بے شک خوب جدا ہو گئی ہے نیک راہ گمراہی سے تو جو شیطان کو
بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى
شیطان کا اور ایمان لائے ساتھ اللہ کے پس بے شک مضبوط پکڑ لیا مضبوط رسی کو
نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے بڑی محکم گرہ تھامی جسے کبھی کھلنا

www.alahazratnetwork.org

لَا انْفِصَامَ لَهَاؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ۝۲۵۶

نہیں ہے کھلنا واسطے اس کے اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

نہیں اور اللہ سنتا جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں نبوت اور رسالت اور رب کی ذات وصفات کا نہایت بہترین ذکر فرمایا گیا۔ اور یہ ہی چیزیں اسلام کے اصول ہیں۔ اب اسلام کی حقانیت کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ گویا پہلے اسلامی اصول کا تذکرہ تھا۔ اور اب اسلامی حقانیت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: آیت الکرسی میں صفات الٰہیہ کا کچھ اس طرح ذکر فرمایا گیا جس کے قبول کرنے پر ہر عاقل مجبور ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ چونکہ اب بیان کے بعد عاقل کیلئے قبول حق میں کوئی تامل کی گنجائش باقی نہ رہی۔ لہٰذا اسلام پر کسی کو مجبور نہ کیا جائے۔ جو چاہے مانے جو چاہے نہ مانے حجت پوری ہو چکی۔

تیسرا تعلق: آیت الکرسی میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ لوگوں کے اگلے پچھلے حالات جانتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ کسی کو اسلام لانے پر مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ جن کا کفر علم الٰہی میں آچکا وہ جبر سے مومن نہ ہوں گے۔ لہٰذا یہ جبر بے کار ہے۔

شان نزول : انصار کے قبیلہ بنی سالم میں ایک صاحب تھے حصین جن کے دو بیٹے عیسائی تھے۔ وہ ایک بار مدینہ منورہ میں روغن کی تجارت کے لئے آئے۔ حضرت حصین نے انہیں پکڑ لیا اور فرمایا کہ تمہیں ہرگز نہ چھوڑوں گا۔ جب تک کہ ایمان نہ لے آؤ۔ انہوں نے انکار کیا یہ مقدمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ حضرت حصین نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ میں یہ کبھی برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے جگر کے ٹکڑے دوزخ میں جائیں۔ اور میں دیکھوں اس پر آیت کریمہ اتری اور حضور نے حکم دیا کہ انہیں چھوڑ دو۔ (در منثور) دوسری روایت انصار میں رواج تھا کہ جن عورتوں کے بچے نہیں جیتے تھے۔ وہ نذر مانتی تھیں کہ خدایا اگر تو ہمارا بچہ زندہ رکھے تو ہم اسے یہودی کردیں گے۔ اگر ان کی حاجت پوری ہو جاتی تو وہ نذر پوری کرتیں۔ اور ان کے یہ بیٹے یہودی ہی رہتے۔ جب مدینہ منورہ میں اسلام کا آفتاب چمکا اور وہاں سے قبیلہ بنی نضیر کو ملک بدر کیا گیا۔ تو ان میں انصار کی ایسی اولاد بھی تھی۔ انصار نے چاہا کہ ان کو نہ جانے دیں کہ یہ ہماری اولاد اور ہمارے بھائی بھتیجے ہیں۔ اس موقعہ پر یہ آیت آئی۔ اور ان لوگوں کو اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو ایمان لے آئیں اور چاہیں تو اپنے کفر پر قائم رہ کر نکل جائیں۔ (خازن ودر منثور) مگر ممکن ہے کہ حصین کے وہ دونوں بچے بھی اسی قسم کے ہوں لہٰذا ان روایتوں میں اختلاف نہیں۔

تفسیر : **لا اکراہ فی الدین۔ اکراہ** کرہ سے بنا بمعنی ناپسندیدگی **اکراہ** انسان سے ایسا بوجھ اٹھوانا جسے وہ پسند نہ کرتا ہو یا زبردستی اور مجبور اٹھوانا **الدین** میں الف لام عہدی ہے۔ یا مضاف الیہ کے عوض میں یعنی دین اللہ اس سے مراد اسلام ہے (کبیر) اس جملہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ دین میں جبر جائز نہیں کہ کسی کو ڈرا دھمکا کر مسلمان کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو کافر جنگ کے بعد ایمان لائے۔ اسے صحیح مسلمان جانو یہ نہ کہو کہ مجبوراً ڈر کے مارے ایمان لایا جس کی تفسیر یہ آیت ہے **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مؤمنا** (کبیر) پہلی صورت میں باب افعال تعدیہ کے لئے ہے۔ اور دوسری صورت میں نسبت کے لئے یعنی اسلام میں مجبوری کی طرف نسبت کرنا جائز نہیں۔ خیال رہے کہ کسی کافر کو جبراً مسلمان بنانا

www.alahazratnetwork.org

جائز نہیں، مگر مسلمان سے جبراً دین پر عمل کرانا جائز بلکہ ضروری ہے۔ لہٰذا بے نمازی پر سختی درست ہے ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے پر سخت سزا دینا درست ہے۔ زانی کو رجم اور چور کے ہاتھ کاٹنا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کے منکرین پر حضرت صدیق اکبر نے فوج کشی کی یہ تمام امور اس آیت کے خلاف نہیں۔ اس کے لئے وہ آیت کریمہ ہے **یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر۔** امر بالمعروف زبانی بھی ہوتا ہے قلمی بھی ہاتھ سے بھی **قد تبین الرشد من الغی** یہ جملہ پچھلے جملہ کی علت ہے۔ **تبین** بین سے بنا بمعنی فاصلہ اور جدائی طلاق کو بائنہ اور کلام کو بیان اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے عورت کی جدائی اور مقصود و غیر مقصود میں فرق ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ظاہر کو **بین** کہا جاتا ہے کہ وہ ظہور کی وجہ سے دوسروں سے جدا ہو گیا۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں رشد میں تین لغت ہیں **رشد، راشد اور رشاد** ہر خیر کو **رشد** اور ہر شر کو **غی** کہا جاتا ہے۔ مگر یہاں **رشد** سے ایمان مراد ہے۔ جو دائمی سعادت کا ذریعہ ہے کیونکہ اس سے پہلے دین کا ذکر ہو چکا اور غی سے کفر مراد امام راغب فرماتے ہیں کہ **غی** مثل جہالت کے ہے۔ البتہ عملی جہالت کو جہل کہتے ہیں اور اعتقادی جہالت کو **غی** کہا جاتا ہے۔ اہل عرب بولتے ہیں۔ جہل کا زوال عمل سے اور غی کا زوال رشد سے ہے۔ یعنی دلائل اور آیات کے ذریعہ ایمان کفر سے جدا ہو گیا۔ اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے۔ یا مطلب یہ ہے کہ دیگر انبیاء کرام کے ذریعہ رشد و غی ظاہر ہوئے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ دونوں خوب ہی ظاہر ہو گئیں۔ چاند تارے اور گیس بجلی وغیرہ بھی اجالا کرکے چیزیں ظاہر کر دیتے ہیں۔ مگر سورج تو دن نکال دیتا ہے۔ جس سے تمام چیزیں خوب ہی ظاہر ہو جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں۔ جن سے ہدایت و گمراہی ایسی واضح و ظاہر ہو گئی جس سے زیادہ ظاہر ہونا غیر ممکن ہے یہ سورج ظاہری آنکھیں کھول دیتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دلوں کی آنکھیں کھول دیں اس لئے رب نے فرمایا **قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین ○ فمن یکفر بالطاغوت** کفر بمعنی چھپانا ہے۔ انکار کو اسی لئے کفر کہتے ہیں کہ اس سے کوئی بات چھپائی جاتی ہے۔ یہاں انکار ہی مراد ہے۔ کفر کی بحث ہم پہلے پارہ میں کر چکے۔ **طاغوت** طغی سے بنا بمعنی حد سے گزرنا **لما طغی الماء** سیلاب کو اسی لئے طغیانی کہتے ہیں اور طاغوت بروزن فعلوت مصدر ہے۔ ت زائدہ جیسے جبر سے جبروت اور رغب سے رغبوت اور رہب سے رہبوت اور ملک سے ملکوت یہ مصدر ہونے کی وجہ سے واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جیسے **اولیھم الطاغوت** اور **ان یتحا کموا الی الطاغوت** یہ اصل میں **طغووت** تھا۔ مگر پہلے واؤ کو غین پر مقدم کر دیا گیا۔ جیسے صاعقہ کو صاقعہ کہہ دیتے ہیں۔ پھر واؤ کو الف سے بدل دیا گیا۔ (کبیر) ہر سرکش اور گمراہ کو طاغوت کہا جاتا ہے۔ شیطان ' کاہن ' جادوگر ' بت ' سب ہی پر یہ لفظ بولا جاتا ہے یہاں سب معنی درست ہیں۔ کیونکہ یہ طغیان کے اسباب ہیں۔ اس زمانہ کے نئے مفسر مولوی رشید احمد صاحب کے شاگرد رشید یعنی مولوی حسین علی واں بھچری نے اپنی کتاب تفسیر بلغۃ الحیران میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ طاغوت میں انبیاء کرام بھی داخل ہیں کہ لوگوں نے انہیں بھی خدا سے ملا دیا۔ اور ان کی وجہ سے لوگ مشرک ہو گئے۔ حتیٰ کہ بعض کفار نے نبیوں کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ نعوذ باللہ اگر یہ تفسیر درست ہو تو لازم آوے گا کہ قرآن شریف اور اللہ تعالیٰ بھی طاغوت میں داخل ہو جائیں۔ کیونکہ بہت لوگوں نے رب کے شریک ٹھہرائے پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے جو اللہ کو نہ مانے اور نبی کا کفر کرے۔ حالانکہ نبی پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ پر ایمان لانا رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **امنو باللہ ورسولہ** اس ظالم نے انبیاء کرام کو بجائے مومن کے **ما یکفر** بنایا ہے۔ یہ ہے تحریف طاغوت وہ ہے جو لوگوں کو گمراہ کرے جیسے بت وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

حضرات انبیاء کرام نے نہ کسی کو گمراہ کیا نہ انہیں رب نے گمراہی کے لئے بنایا۔ یہ حضرات ہادی اور سبب ہدایت ہیں۔ اگر کوئی انہیں خدا یا خدا کا بیٹا مان لے تو یہ اس کی اپنی بد قسمتی ہے وہاں سے طغیان نہ ملا یہ تفسیر اس آیت کے صریح خلاف ہے۔ **ان یتحاکموا الی الطاغوت وقد امروا ان یکفروا بہ** معلوم ہوا کہ طاغوت کو حاکم بنانا حرام و کفر ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے۔ **فلا وربک لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم** معلوم ہوا کہ نبی کو حاکم بنانا مدار ایمان ہے۔ **فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ** استمسک مسک سے بنا ہے بمعنی **اخذ بالقوۃ** مضبوطی سے تھامنا۔ **عروۃ** اصل میں **عری** تھا بمعنی ننگا ہونا۔ اس لئے چٹیل میدان کو عراء کہا جاتا ہے۔ **لنبذنا بالعراء** اور **عراء** کے معنی جانب یا پہلو کے بھی ہیں۔ **عروۃ** دستہ کو بھی کہتے ہیں۔ جو برتن کے ایک کنارے پر ہو۔ جس سے برتن پکڑا جائے۔ اسی لئے ڈول اور کوزہ کی جائے گرفت کو بھی عروہ کہا جاتا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عروہ وہ چیز جس کو پکڑ کر لٹکا جائے۔ یعنی رسی **وثقیٰ** **اوثق** کا مونث ہے۔ بمعنی مضبوط یہاں قوی دلائل کو مضبوط گرہ والی رسی سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہاتھ سے نہ چھوٹے۔ **لا انفصام لھا** یہ وثقیٰ کا بیان ہے **انفصام فصم** سے بنا بمعنی کھل کر ٹوٹنا۔ کٹنے کو اِبانت کہتے ہیں۔ **واللہ سمیع علیم** ۝ سمیع کا مفعول اقوال اور علیم کا مفعول عقائد و خطرات اور ارادے ہیں۔ یعنی اللہ ہر ایک کی بات سننے والا اور ہر ایک کی نیت جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! دین میں کسی پر زبردستی نہیں کسی کو مجبور کر کے مسلمان نہ بناؤ۔ کیونکہ قرآن کریم سے ہدایت اور گمراہی پوری ظاہر ہو چکیں کہ کسی ہوشیار کو اس میں دم مارنے کی گنجائش نہیں اب جو کوئی شیطان سے دور رہے اور اللہ پر ایمان لائے۔ اس نے دین کی ایسی مضبوط رسی پکڑ لی اور ایسی محکم گرہ تھام لی جو کبھی کھل سکتی ہی نہیں۔ وہ اس کے ذریعے یقیناً جنت میں پہنچے گا۔ تم کسی کی فکر کیوں کرتے ہو۔ اللہ ہر ایک کی بات سنتا ہے۔ اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔ ہر ایک کو اس کے لائق سزا و جزا دیگا۔ دنیا مذہبوں کا جنکشن ہے۔ جنکشن پر تحقیق کر کے گاڑی میں بیٹھو۔ تب منزل مقصود پر پہنچو گے۔ طغیان کی ریل میں بیٹھ کر رحمان تک نہیں پہنچ سکتے۔ طغیان کے ذریعہ نیران تک ہی پہنچو گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کسی کو جبراً مسلمان کرنا جائز نہیں اس لئے جہاد سے پہلے اسلام پیش کیا جاتا ہے۔ اگر کفار نہ مانیں تو جزیہ کی پیش کش ہوتی ہے اگر اس کا بھی انکار کریں۔ تب جنگ اگر اسلام میں جبر ہوتا تو جزیہ کی پیش کش نہ ہوتی۔ مگر اس حکم سے مرتدین اور مشرکین عرب مستثنیٰ ہیں کہ ان کے۔ لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ یا اسلام یا تلوار **دوسرا فائدہ**: اس آیت سے موجودہ کفار کا یہ الزام بھی اٹھ گیا کہ اسلام تلوار سے پھیلایا مسلمانوں نے کفار کو جبراً کلمہ پڑھایا جبراً مسلمان کرنا اسلام کا قانون ہی نہیں اگر یہ قانون ہوتا تو آج ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد صرف دس کروڑ اور ہندوؤں کی تعداد پچیس کروڑ نہ ہوتی۔ بلکہ یہاں سب مسلمان ہی ہوتے اور ملک بجائے ہندوستان کے اسلام ستان ہوتا۔ کیونکہ یہاں مسلمانوں کی حکومت تقریباً آٹھ سو سال رہی۔ پھر یہ بھی سوچنا چاہئے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں توحید کے علمبردار تھے اور ان کے پاس دنیاوی ساز و سامان کچھ نہ تھا۔ تمام عرب ان کا مخالف اکیلی ذات دنیا پر کیسے تلوار چلا سکتی ہے وہ کون سی کشش تھی کہ اس بے سرو سامانی کی حالت میں لوگ مسلمان ہوتے تھے۔ اور اسلام لا کر ہزارہا مصیبتیں جھیلتے اور دنیا

www.alahazratnetwork.org

کے مظالم سہتے تھے۔ دیکھو حضرت بلال، حضرت صہیب، سلمان فارسی، ابوذر غفاری وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات۔ اب ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس کون سی تلوار ہے۔ اب بھی جب مردم شماری ہوتی ہے تو مسلمان کا تناسب آبادی بڑھتا ہی ہے۔ قبیلے کے قبیلے حلقہ بگوش اسلام ہو رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ بے شک اسلام تلوار سے پھیلا مگر لوہے کی تلوار سے نہیں بلکہ حقانیت و صداقت کی تلوار سے۔

مسئلہ: اگر کوئی ہندو یا پارسی یہودی ہو جائے یا عیسائی و یہودی مجوسی یا بت پرست بن جائے تو ہمارے نزدیک اسے اپنے مذہب کی طرف لوٹ جانے پر مجبور نہ کیا جائے گا۔ بلکہ اسے دینی آزادی ہو گی۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: اگر کوئی کافر جبراً مسلمان کیا گیا ہو تو اب اسلام پر قائم رکھا جائے گا۔ اپنے مذہب کی طرف پھر جانے کی اجازت نہ ہو گی۔ مگر مرتد ہو جانے پر وہ قتل نہ کیا جائے گا۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: حضرت ضحاک سدی سلیمان ابن موسیٰ وغیرہم نے اس آیت کو **جاھد الکفار والمنفقین** سے منسوخ مانا۔ (احکام القرآن و روح البیان) ان کے نزدیک **اکراہ** کے معنی ہی کچھ اور ہیں۔ اور یہ آیت مرتدین و کفار عرب سب کو عام ہے۔ مگر جمہور علماء نے اسے محکمات سے مانا۔ ان کے نزدیک **اکراہ** سے مراد ہے دین پر مجبور کرنا۔ اور اس سے مرتدین و مشرکین عرب مستثنیٰ ہیں (احکام القرآن) بعض نے فرمایا کہ **لا اکراہ فی الدین** کے معنی یہ ہیں کہ رب کی طرف سے کسی پر دین میں جبر نہیں بلکہ اختیار تام دیا گیا ہے **فمن شاء فلیؤمن ومن شاء فلیکفر** (روح المعانی) بعض کے نزدیک یہ آیت ذمی اہل کتاب کے حق میں ہے تیسرا فائدہ ایمانیات کے اقرار سے پہلے کفریات سے بیزاری ضروری ہے۔ دیکھو یہاں ایمان باللہ سے پہلے کفر بالطاغوت کا ذکر ہوا۔ اسی لئے کلمہ طیبہ میں لا الہ پہلے ہے اور الا اللہ بعد میں کفریات سے بیزاری کامل یہ ہے کہ کفار سے نفرت ہو ان کے کفر سے نفرت ہو۔ ان کی شکل و صورت سے نفرت ان کے اخلاق و لباس وغیرہ تمام چیزوں سے نفرت ہو۔ اگر کفار کے کفر سے تو نفرت ہو۔ مگر ان کی وضع قطع سے محبت ہو۔ تو یہ بیزاری کامل نہیں چوتھا فائدہ: کفر کے لغوی معنی ہیں۔ انکار کرنا یا چھپانا۔ شرعی معنی ہیں اسلامی عقائد کا انکار کرنا مطلق کفر سے شرعی معنی ہی مراد ہوتے ہیں۔ لغوی معنی کے لئے کچھ قید لگائی ہوتی ہے۔ جیسے یہاں کفر کے ساتھ طاغوت ارشاد ہوا۔ مولانا خسرو فرماتے ہیں۔ کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست۔ یعنی میں عشق کا چھپانے والا ہوں۔ مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ لہذا جو کہے کہ میں کافر ہوں اور اس سے لغوی معنی مراد لے تب بھی شرعاً کافر ہو گا۔ اور اس پر تجدید ایمان لازم ہو گی۔ ایمان باللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کی ذات و صفات اس کے احکام اس کے انبیاء و مرسل تمام پر ایمان لائے۔ صرف اللہ کی توحید تو شیطان بھی مانتا ہے اور بہت سے کفار بھی موحد ہیں۔ اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا۔ **امنوا باللہ ورسولہ** اور ارشاد ہوا۔ **کل امن باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ** ○

اعتراض: پہلا اعتراض: جب دین میں جبر نہیں تو مسلمانوں نے جہاد کیوں کئے۔ (آریہ) **جواب:** دنیا میں امن قائم کرنے کفر کا زور مٹانے اور اسلامی آزادی کے لئے تاکہ نیک لوگوں کو اللہ اللہ کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔ جہاد سے مقصود یہ نہیں ہوتا کہ جبراً کافروں کو مسلمان کیا جائے۔ **دوسرا اعتراض:** جب جبراً مسلمان کرنا جائز نہیں تو جبریہ ایمان کا اعتبار کیوں کیا گیا۔ اور ایسے مسلمان کو مسلمان رہنے پر مجبور کیوں کیا گیا۔ چاہئے تھا کہ ایسے ایمان پر اسلام کے احکام جاری نہ ہوں۔ **جواب:**

www.alahazratnetwork.org

شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے۔ اور بعض چیزیں ایسی ہیں جن میں دل کی خوشی ناخوشی کا اعتبار نہیں زبانی اقرار کا لحاظ ہے جیسے طلاق اور غلام کا آزاد کرنا ایسے ہی اسلام بھی ہے ورنہ لوگوں کو مرتد بننے کا بہانہ مل جاتا کہ جب چاہتے اسلام چھوڑ دیتے اور حیلہ کر دیا کرتے کہ ہم جبراً مسلمان ہوئے تھے۔ (از احکام القرآن) **تیسرا اعتراض:** جب دین میں جبر نہیں تو مرتد کو جبراً کیوں مسلمان کیا جاتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ وہ سلطنت اسلامیہ کا باغی ہے۔ جس کی سزا قتل یا اطاعت ہے۔ جبراً مسلمان کرنا منع مسلمان کو اسلام پر جبراً قائم رکھنا ضروری۔ **چوتھا اعتراض:** جب دین میں جبر نہیں تو مشرکین عرب کو مذہبی آزادی کیوں نہ دی گئی۔ **جواب:** اسی لئے کہ وہ سلطنت اسلامیہ کا دار الخلافہ ہے۔ وہاں صرف خدام ہی رہنا چاہئیں۔ شاہی عمارتوں میں صرف خدام رہ سکتے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** جن لوگوں نے اس آیت کو منسوخ مانا کیا ان کے نزدیک کفار کو جبراً مسلمان کرنا جائز ہے۔ **جواب:** نہیں ان کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دین میں کسی پر کسی قسم کی سختی نہیں۔ نہ مرتد پر نہ مشرکین عرب پر اور نہ کسی اور پر اور ظاہر ہے کہ یہ حکم منسوخ جو لوگ اس آیت کو باقی مانتے ہیں ان کے نزدیک آیت کے وہ معنی ہیں۔ جو ہم عرض کر چکے۔ **چھٹا اعتراض:** جب اسلام مضبوط رسی ہے کہ اس کے پکڑنے والا خطرے سے نکل جاتا ہے تو لوگ مرتد کیوں ہو جاتے ہیں۔ **جواب:** بعض لوگوں کا ارتداد اسلام کی کمزوری سے نہیں بلکہ اپنی کمزوری سے ہوتا ہے کہ انہوں نے اس مضبوط رسی کو مضبوطی سے پکڑا نہیں۔ ان کی گرفت کمزور تھی۔

تفسیر صوفیانہ: علماء کے ہاں **لا اکراہ فی الدین** کے معنی ہیں کسی کو دین اسلام جبرانہ دو یعنی کافر کو جبراً مسلمان نہیں کر سکتے۔ صوفیاء کے ہاں اس کے معنی ہیں کہ کسی سے نور ایمانی جبراً نہیں لے سکتے۔ یعنی نہیں ہے جبر نور ایمان میں۔ یہ نور ایمانی جسے معرفت کہتے ہیں۔ چار طریقے سے ملتا ہے۔ محض عطاء الٰہی سے پیدائشی طور پر۔ جیسے غوث پاک پیدائشی ولی۔ دوسرے مصیبت و آفات کے ذریعہ جیسے نصوح کو آفت میں مبتلا ہو کر ایمان و معرفت نصیب ہوا۔ جس کا قصہ مثنوی میں ہے عیش میں غفلت مصیبت میں توبہ میسر ہوتی ہے تیسرے نورانی لوگوں کی صحبت سے جیسے صحابہ کرام کو حضور انور کی صحبت سے وہ کمال معرفت ملا جو دوسرے کو نہیں مل سکتا۔ آگ میں رہنے سے بعض چیزیں آگ بن جاتی ہیں۔ اور بعض چیزیں گرم ہو جاتی ہیں۔ ایسے ہی نور کے ساتھ رہنے سے بعض نور بن جاتے ہیں۔ اور بعض نورانی ہو جاتے ہیں۔ چوتھے کسی کے فیض نظر سے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے جادوگر جو ایک نگاہ کلیمی سے فاسق تھے عارف بن گئے صوفیاء کے ہاں دین یعنی نور معرفت نہ زور سے ملتا ہے نہ زر سے ملتا ہے بلکہ زاری، عطاباری سے ملتا ہے۔ شعر

دین مجو اندر کتب اے بے خبر علم و حکمت از کتب دین از نظر

صوفیاء کرام کے نزدیک ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ ایمان حقیقی اور ایمان رسمی جسے ایمان مجازی بھی کہتے ہیں ایمان حقیقی وہ ہے جو دربار یار کی حاضری کے بعد بطریقہ عیاں ہو۔ اور ایمان رسمی وہ ہے جو وہاں سے غائب رہ کر بطریقہ بیاں ہو۔ یعنی سن سنا کر مان لینا۔ نیز کفر کی چند قسمیں ہیں۔ کفر نعمت کفر وحدت کفر طاغوت وہ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو رب سے غافل کرے۔ وہ طاغوت ہے۔ خواہ نفس ہو یا مال یا غافل کرنے والی اولاد ان کے نزدیک انسانوں کے بھی تین گروہ ہیں۔ ایک اصحاب میمنہ یعنی صاحب جمال دوسرے اصحاب مشئمہ وہ صاحب جلال ہیں۔ تیسرے مقربین وہ صاحب کمال ہیں۔ پہلے گروہ کے ول ملائکہ مقربین

www.alahazratnetwork.org

کے ہاتھوں میں ہیں اور دوسرے گروہ کے دل شیاطین کے قبضہ میں اور تیسرے گروہ کے قلوب خاص رب تعالیٰ کے ہاتھ میں **ید اللہ فوق ایدیھم** اس آیت میں اس تیسرے گروہ کاہی ذکر ہے یعنی جو ہر قسم کے طاغوت سے الگ رہا۔ اور رب پر بطریقہ شہود و عیان ایمان لے آیا اور عالم مجاز سے نکل کر عالم حقیقت میں پہنچا انہوں نے ایسی مضبوط سی رسی پکڑی جو کبھی ٹوٹ سکتی ہی نہیں اور انکا بہکنا ناممکن ہے۔ جیسے انبیاء و خاص اولیاء عشرہ مبشرہ جن کے بارے میں فرمایا گیا۔ کہ **اعملوا ما شئتم قد غفرت لکم** (حدیث قدسی) جو چاہو کرو تمہاری بخشش ہو گئی۔ جب ان کا دل رب کے ہاتھ میں ہے تو وہ رضاالٰہی کے سوا اور کیا چاہ سکتے ہیں۔ رہا دوسرا فریق یعنی ازلی کافر چونکہ انکا تعلق طاغوت سے ہے اور رب سے انہیں کوئی تعلق نہیں۔ یہ مردود ہیں۔ مگر پہلے لوگ چونکہ انکا ایمان شہودی و عیانی نہیں۔ بلکہ رسمی و بیانی ہے اور ابھی یہ لوگ مجاز سے نکلے نہیں۔ یہ سمندر کی موجوں میں ہیں۔ اگر خاتمہ بالخیر نصیب ہو جائے۔ تو کامیاب ہیں ورنہ ناکام۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک فریق کا کفر یقینی اور ایک فریق کا ایمان قطعی مگر ایک جماعت وہ بھی ہے کہ جن کی کشتی منجدھار میں ہے۔ اللہ ان کا بیڑا پار کرے یہاں اس فریق کا ذکر ہے جس کا ایمان قطعی ہے۔ (روح البیان)

دوسری تفسیر : اصطلاح صوفیاء میں دین حقیقی نور قلبی کا نام ہے جو فطرت انسانیہ پر لازم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فطرت اللہ التی فطر الناس علیھا** ظاہری اسلام دین کا مظہر اور اسکی دلیل ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس نور میں جبر کو دخل نہیں۔ وہ محض عطاء ربانی ہے جبراً کلمہ پڑھایا جاسکتا ہے مگر دل منور نہیں کیا جاسکتا یہ ہی معنی ہیں **لا اکراہ فی الدین** کے پھر چونکہ سیرت صورت سے اور قلب کا حال قالب سے معلوم ہوتا ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ **قد تبین الرشد من الغی** جو کوئی ماسواء اللہ کا انکار کرے۔ بلکہ غیر کے وجود تاثیر کا بھی منکر ہو جائے اور اللہ پر شہودی ایمان لے آئے۔ تو اس نے توحید حقیقی کو پکڑ لیا اور یہ توحید ہی موجود ہے۔ ماسوا سب معدوم کیونکہ ممکن قابل انعدام ہے کہ واجب کے تعلق سے سب کچھ ہے اور جہاں اس سے تعلق چھوٹا کہ اس کی رسی ٹوٹی لہٰذا توحید کا پکڑنے والا مضبوط رسی کو پکڑے ہے اور ممکنات میں الجھنے والا کمزور دھاگوں سے بندھا ہوا ہے۔ (ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کنوئیں میں صاف پانی بھی ہوتا ہے اور اس میں ریت کیچڑ وغیرہ بھی پانی بھرنے والا ڈول میں رسی باندھ کر کنوئیں میں ڈالتا ہے۔ رسی کا ایک کنارہ ڈول کے کنڈے میں ہوتا ہے دوسرا کنارہ مالک کے ہاتھ میں پھر اس رسی سے مالک ڈول اوپر کھینچ لیتا ہے۔ ڈول خالی گیا تھا۔ پانی سے بھر کر آتا ہے۔ ایسے ہی دنیا کنواں ہے اور یہاں کی عبادات صاف پانی ہیں۔ یہاں کے کفر و گناہ کیچڑ و ریت رب نے انسان کو اس کنوئیں میں بھیجا۔ تاکہ نیکیوں کا پانی بھر لائے۔ مگر ایک مضبوط رسی اس کے ہاتھ میں دی اس رسی کا ایک کنارہ بندے کے ہاتھ میں ہے۔ دوسرا کنارہ رب کے ہاتھ میں۔ رب کی پکڑ مضبوط ہے رسی بھی بہت پختہ ہے اگر کمزوری ہے تو ہماری پکڑ میں ہے۔ مگر ہم نے ایک ہاتھ دنیا میں رکھا دوسرے ہاتھ میں رسی پکڑے رہے تو ان شاء اللہ اعمال کا پانی لے کر جائیں گے۔ اگر رسی چھوڑ کر دونوں ہاتھ دنیا میں ڈال دیئے تو پانی نہ ملے گا۔ ہم دلدل میں پھنس جائیں گے۔ یہ رسی کیا ہے یا تو دین اسلام ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی وہ مضبوط رسی ہیں جو ہم نیچوں کو اوپر پہنچانے تشریف لائے ہیں۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں **دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ۔ مستمسکون بحبل غیر منفصم** یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کفر اور کفار سے متنفر ہو اللہ اور رسول پر ایمان لائے وہی اس عروہ وثقیٰ یعنی اللہ کی رسی اسلام یا حضور کے دامن کو صحیح طور پر تھامنے والا ہے۔ اور جس

www.alahazratnetwork.org

نے کفر کی طرف میلان کیا۔یا اللہ پر درست طرح ایمان نہ لایا یہ رسی اس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے گی۔خیال رہے کہ رب تک پہنچنے کیلئے حضور وسیلہ عظمٰی اور عروہ وثقٰی ہیں۔مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے سلسلہ مشائخ عروہ وثقٰی ہیں۔ریل کراچی پہنچاتی ہے۔مگر ریل تک پہنچانے کے لئے بھی بس وغیرہ چاہئے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ
اللہ مددگار ہے ان کا جو ایمان لائے کہ نکالتے ہیں انہیں اندھیروں سے طرف روشنی کے اور وہ جو
اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور کافروں کے حمایتی
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُھُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى
کافر ہو گئے مددگار ان کے شیاطین ہیں کہ نکالتے ہیں ان کو روشنی سے طرف
شیطان ہیں وہ انہیں نور سے اندھیروں کی طرف نکالتے
الظُّلُمٰتِ ؕ اُولٰٓـئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾
اندھیروں کے یہ لوگ آگ والے ہیں وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔
ہیں یہ ہی لوگ دوزخ والے ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔**پہلا تعلق:** پہلے مومنین و کفار میں ایک فرق بیان فرمایا گیا تھا کہ مسلمان تو دین کی مضبوط رسی کی گرہ پکڑے ہوئے ہیں۔جو کھل نہیں سکتی۔معلوم ہوا کہ کفار کی رسی کمزور اور جلد ٹوٹنے والی ہے۔اب انہیں دو فریق میں دوسرا فرق بتایا جارہا ہے کہ مسلمان کا والی اللہ ہے۔اور کفار کے حمایتی شیاطین۔اور ظاہر ہے کہ جن کا والی رب ہے وہ ہی کامیاب۔**دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے اسلام کی حقانیت اور کفر کا بطلان معلوم ہوا تھا کہ اسلام مضبوط رسی ہے اور کفر کمزور اب خود صاحب ایمان کی خوبی اور کافر کی برائی کا تذکرہ ہے کہ مومن کا مددگار اللہ ہے۔اور کافر کے شیاطین۔**تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے مسلمانوں کی کامیابی معلوم ہوتی ہے۔کہ ان کا دین بڑا مضبوط ہے اور انکی بنیاد نہایت پختہ اب دوسری نوعیت سے مسلمانوں کی کامیابی کا ذکر ہے کہ انکا ناصر و حافظ اللہ ہے۔گویا ایک قسم کی کامیابی کا ذکر پہلے ہوا تھا۔اور دوسری کا اب کہ مسلمان دو طرح پختہ ہیں کہ مضبوط دین پر ہیں۔اور قوی و قادر کا ان پر ہاتھ ہے۔

شان نزول: اسکے شان نزول میں کئی قول ہیں۔ایک یہ آیت مرتدین کے بارے میں آئی۔(بیضاوی) اسلام سے پہلے بعض لوگ عیسٰی علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اور بعض انکے منکر تھے۔حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کے بعد حضرت مسیح کے منکر یعنی مشرکین وغیرہ تو حضور پر ایمان لاکر ان پر بھی ایمان لے آئے اور بعض عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے درپردہ حضرت مسیح کے بھی منکر ہو گئے۔ان دو جماعتوں کے بارے میں یہ آیت اتری (کبیر) 3 بعض عیسائی پہلے نصرانیت پر تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آئے اور بعض حضور سے پہلے نبی آخر الزمان کی تشریف آوری کی بشارتیں دیا کرتے

www.alahazratnetwork.org

تھے مگر آپکی تشریف آوری پر حسد سے آپ کے منکر ہو گئے ان دو جماعتوں کے بارے میں یہ آیت اتری۔ (کبیر) 4 بعض نے فرمایا کہ یہ آیت ہر کافر اور مومن کے متعلق ہے۔

تفسیر: **اللہ ولی الذین امنو۔** **ولی** بروزن فعیل بمعنی والی ہے۔ یہ **ولی** سے بنا بمعنی قرب ہر قریب کو ولی کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ جگہ میں قریب ہو یا نسبت میں یا دین یا صداقت یا نصرت و مدد میں یا اعتقاد کے لحاظ سے لہٰذا مددگار کو بھی ولی کہتے ہیں۔ دوست کو بھی والی کو بھی محافظ کو بھی اور حمایتی کو بھی بعض نے فرمایا کہ ولایت (واؤ کے زیر سے) بمعنی مدد ہے اور ولایت (واؤ کے فتح سے) بمعنی متولی ہونا۔ اس سے مولیٰ اور متولی ہے اس کا مقابل عداوت ہے بمعنی حد سے نکل جانا یہاں قرب مکانی و اعتقادی کے سوا باقی سارے معنی بن سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب مسلمانوں کا ولی ہے، بمعنی مددگار، والی وغیرہ اور متقی مسلمان رب کے ولی بایں معنی کہ انکے دین کے مددگار ہیں۔ اور اس سے قرب رکھتے ہیں۔ **ان اولیاء، الا المتقون** لہٰذا اس جملے کی پانچ تفسیریں ہو گئیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں سے قریب ہے۔ مسلمانوں کا دوست ہے۔ مسلمانوں کا مددگار ہے۔ مسلمانوں کے امور کا متولی ہے۔ ان کا والی وارث ہے مدد سے مراد دینی مدد ہے۔ کیونکہ دنیاوی مدد تو تمام بندوں کو پہنچتی ہے اور کفار آپس میں ایک دوسرے کے ولی۔ **والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض** مگر کفار کی ولایت جلد ختم ہونے والی **یوم لا یغنی مولی عن مولی شیئا** مسلمانوں کی ولایت ہمیشہ قائم **امنوا** سے یا تو موجودہ مومنین مراد ہیں یا نو مسلمین یا وہ جو علم الٰہی میں مومن ہو چکے۔ (روح المعانی و روح البیان) یعنی اللہ مسلمانوں کا والی یا مددگار یا ان سے قریب یا انکا پیار یا انکا کام بنانے والا متولی ہے۔ خیال رہے کہ جب مسلمانوں کا رب تعالیٰ والی و وارث ہو گیا تو اس کے تمام مقبول بندے فرشتے، انبیاء کرام، اولیاء ان کے والی و وارث مددگار اور تمام زمین، ہوا، پانی وغیرہ خدمتگار ہو گئے۔ جس پر بادشاہ مہربان ہو گیا اس پر تمام حکام، ارکان دولت مہربان ہو گئے اور مملکت کی ہر چیز پر گویا اس کا قبضہ ہو گیا۔ اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو** مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق   زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

لہٰذا یہ ولایت اپنے میں صدہا ولایتیں لئے ہوئے ہے۔ کیا تمہیں نہیں پتہ کہ بدر میں مسلمانوں کی مدد کیلئے فرشتے آئے اور غزوہ خندق میں مسلمانوں کی خدمت کے لئے ہوا مامور ہوئی اور تمام کفار کو درہم برہم کر دیا۔ **یخرجھم من الظلمت الی النور** ظلمات جمع ظلمۃ کی ہے بمعنی اندھیری اور نور بمعنی روشنی جو خود ظاہر ہو اور دوسروں کو ظاہر کرے۔ اگر مومنین سے نو مسلم یا جو علم الٰہی میں مومن تھے وہ مراد ہیں تو ظلمات سے کفر اور نور سے ایمان مراد ہے۔ کیونکہ کفر میں اصل راستہ کا پتہ نہیں لگتا۔ اور ایمان میں حق و باطل ممتاز ہو جاتا ہے۔ اسی لئے کفر کو اندھیری اور ایمان کو نور فرمایا گیا۔ سر کی آنکھوں کے لئے تاریکی و روشنی اور ہے۔ دل کی آنکھوں کے لئے تاریکی و روشنی کچھ اور۔ دل کے لئے کفر گمراہی، حسد، بغض، گناہ تاریکی ہے ایمان، عرفان، رحمت رحمان، نیک اعمال نور ہے۔ آنکھ کا سرمہ و عینک اور ہے۔ دل کا سرمہ و عینک کچھ اور ہے اور چونکہ کفر کی صدہا قسمیں ہیں۔ دہریت، عیسائیت، یہودیت، بت پرستی وغیرہ اور اسلام ایک ہی دین ہے اس لئے ظلمت کو جمع اور نور کو واحد فرمایا گیا۔ اور اگر مومنین سے قدیمی مسلمان مراد ہیں۔ تو ظلمات سے گناہ یا شبہات یا شکوک مراد اور نور سے یقین و اطمینان قلب

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ پرانا مسلمان تو کبھی کفر میں تھا ہی نہیں۔ اسکے کفر سے نکلنے کے کیا معنی۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان مسلمانوں کو کفر سے نکالنے سے مراد ہے کفر سے بچانا کبھی بچنے کو نکلنا اور چھوڑنا کہہ دیتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا **ترکت ملۃ قوم لا یومنون** یعنی اختیار نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کلمہ پڑھتے ہوئے سن کر فرمایا **خرج من النار** یعنی آگ سے بچ گیا۔ نہ یہ کہ آگ میں تھا اور نکلا۔ یعنی اللہ مسلمانوں کو ظلمت کفر سے نور ایمان کی طرف نکالتا ہے یا قدیمی مسلمانوں کو ظلمت کفر سے بچا کر نور ایمان میں رکھتا ہے۔ یا انہیں شبہات اور شکوک کی تاریکیوں سے نکال کر نور یقین عطا فرماتا ہے یا اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا ولی ہے۔ جو مدینہ میں پہلے تو مشرک تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر مسلمان صحابی ہو گئے۔ انصار کہلائے رب نے انہیں شرک کی تاریکیوں سے ایمان کی روشنی میں داخل فرمالیا۔ یہ لوگ پہلے شرک' کفر' عناد و حسد آپس کی لڑائی بھڑائی' غرضیکہ صدہا تاریکیوں میں پھنسے تھے ایک آفتاب نبوت کے طفیل تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اجالا ہو گیا۔ یہ رب تعالیٰ کا کرم ہے۔ **والذین کفروا اولیھم الطاغوت** یہاں بھی **کفروا** سے یا مرتدین مراد ہیں یا وہ جو علم الٰہی میں کافر ہیں۔ اگرچہ فی الحال مومن ہوں۔ یا قدیمی کفار' اولیاء ولی کی جمع ہے۔ جس کے معنی پہلے معلوم ہو چکے۔ طاغوت واحد جمع مذکر مونث سب پر بولا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی اس سے یا شیاطین مراد ہیں یا کافروں کے سردار یا کاہن یا بت یا سارے ہی گمراہ کرنے والے (روح البیان و خازن) یعنی کفار کے مددگار شیاطین ہیں جو انہیں کفر میں مدد دیتے ہیں۔ **یخرجونھم من النور الی الظلمت۔** **یخرجون** کا فاعل طاغوت یا اولیاء ہیں **ھم** کا مرجع کفار ظلمات سے کفر اور نور سے ایمان مراد ہے۔ اگر کفار سے مرتدین مراد ہیں تو ان کا ایمان سے نکلنا ظاہر ہے۔ اور اگر قدیمی کفار مراد ہیں تو نور سے فطری ایمان مراد ہے جو میثاق کے دن حاصل ہوا تھا اور جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے یا نور سے دلائل ایمانی اور ظلمات سے شکوک کفر مراد یا نکالنے سے نہ آنے دینا مراد ہے یعنی مرتدین کو شیاطین نور ایمانی سے نکال کر تاریکی کفر میں داخل کر دیتے ہیں۔ یا قدیمی کفار کو شیاطین دلائل ایمانی سے ہٹا کر شبہات کفر پر متوجہ رکھتے ہیں کہ انہیں ان دلائل میں غور کرنے ہی نہیں دیتے یا انہیں اسلام میں آنے ہی نہ دیتے۔ یا مدینہ منورہ کے وہ یہود و عیسائی جو پہلے قدرے نور نبوت سے منور تھے کہ گزشتہ انبیاء کرام اور پچھلی کتب آسمانیہ کو مانتے تھے۔ مگر حضور انور پر حسد کی وجہ سے اپنے دین کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے انہیں شیاطین نے توریت و انجیل نیز نبوت کے نور سے نکال کر صریح کفر و شرک حسد بغض کی اندھیریوں میں پھنسا دیا خیال رہے کہ کافر کرنے کی نسبت شیاطین کی طرف سببیت کے لحاظ سے ہے کہ وہ اسباب کفر ہیں ورنہ سب کا خالق رب تعالیٰ ہے۔ **اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون ○** **اولئک** سے یا طاغوت کی طرف اشارہ ہے یا اولیاء کفار کی طرف سے یا سب کی جانب اخیری معنی زیادہ قوی ہیں۔ (کبیر) یعنی یہ شیاطین یا کفار کے حمایتی یہ سارے جہنمی ہیں کہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ **ھم** سے معلوم ہوا کہ جہنم میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے۔ مومن کیسا ہی گنہگار ہو آخر کار نجات پائے گا۔

خلاصہ تفسیر: مسلمانوں کی ایک پختگی تو یہ تھی کہ ان کا دین نہایت مضبوط جو نہ زندگی میں چھوٹے نہ موت کے وقت نہ قبر میں نہ حشر میں کفر اتنا کمزور دھاگہ ہے کہ دنیوی بلاؤں میں بھی ٹوٹ جاتا ہے نزع اور قبر حشر میں تو کیا کام آئے اگلی دوسری پختگی یہ ہے کہ مسلمان کا ناصر اور والی ایک اللہ ہے جو ان کے سارے کام بناتا ہے۔ انہیں کفر و شرک بے دینی شبہات کی ظلمت سے بچا کر ایمان و ایقان کے نور میں رکھتا ہے۔ اور کفار کے حمایتی صدہا شیاطین بت اور سردار ہیں جو انہیں ایمان و ایقان و دلائل و اطاعت

www.alahazratnetwork.org

کی روشنی سے ہٹا کر کفر ' طغیان کی ظلمت میں لے جاتے ہیں۔ اس کا انجام یہ ہے کہ یہ کفار اور ان کے سردار و شیاطین سارے جنمی ہیں کہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔ مومن رب کے ہیں اور کفار سب کے لہٰذا مومن ہی نفع میں خدا کے فضل سے ہر مومن آخر کار برے عقیدے گندے رسم و رواج فاسد خیالات سے نکل جاتا ہے۔ اس کا ایمان ہر قسم کی تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے۔ کافر کا ہر قدم برائی کی طرف پڑتا ہے۔ اور روز بروز اسکا تعلق ظلمت سے بڑھتا جاتا ہے کہ ہمیشہ ایک بدی سے دوسری بدی کی طرف قدم اٹھاتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کیسا ہی گنہگار ہو مگر اس کے قلب میں نور ایمانی ہوتا ہے جو اسے بد عقیدگی و بدمذہبی سے دور رکھتا ہے وہ اپنے کو گنہگار و خطا کار مانتا ہے۔ کافر بظاہر کتنے ہی بھلے کام کرے مگر اس کے دل میں نور ایمانی نہیں ہوتا جس کا دل نور ایمانی سے خالی ہے وہ بے ایمان ہے۔ دوسرا فائدہ ہر قسم کی ظلمت سے نکلنا محض فضل ربانی ہے۔ ہمارا اپنا کوئی کمال نہیں۔ دیکھو یہاں ظلمت سے نکالنے کو رب کی طرف منسوب قرار دیا گیا۔ ہم تو مٹی کے بنے ہیں جب چھوڑ دیئے جائیں تو نیچے ہی گریں گے۔ اوپر تو کسی اور ہی کی طاقت سے جائیں گے۔ تیسرا فائدہ: جو رب سے قرب چاہے وہ رب کے مقبول بندوں کے پاس بیٹھے کہ یہ شخص ان بزرگوں کے قریب ہو گا اور رب تعالیٰ انکے قریب ہے۔ قریب سے قریب خود اس سے قریب ہوتا ہے۔ **اللہ ولی الذین امنوا** سے قرب الٰہی معلوم ہوا ایمان والے زندہ ہوں یا وفات یافتہ سب سے رب قریب ہے۔ اور جو شیطان سے قریب ہونا چاہے وہ کفار کے پاس جائے اس لئے بت خانہ ' مندر ' گرجے میں نماز مکروہ ہے کہ وہاں شیاطین کا قرب ہے۔ بزرگوں کے آستانہ میں نماز بہتر کہ وہاں رب کا قرب ہے۔ چوتھا فائدہ: ابلیس اور اس کی ذریت تمام دنیا کے کفار کے قریب ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا۔ **اولیٰھم الطاغوت** اور سب کو دیکھتے ان کے دلوں کا حال جانتے ہیں رب فرماتا ہے **انہ یرٰکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم** جب اس ناری کی یہ طاقت ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ تو رب کی نوری مخلوق جو اس مردود سے کہیں زیادہ قوت و طاقت رکھتی ہے اس کا تصرف و علم اس سے کہیں زیادہ ہے۔ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ چاہئے۔ پانچواں فائدہ: اگرچہ ہر چیز خیر و شر رب کی طرف سے ہے مگر تقاضا ادب یہ ہے کہ خیر کو رب کی طرف اور شر کو اپنی یا اپنے برے ساتھیوں کی طرف نسبت کرے۔ جیسا اس آیت میں کیا گیا۔ شیطان نے کہا تھا **رب بما اغویتنی** اے رب تو نے مجھے گمراہ کر دیا مردود ہوا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** اے مولیٰ ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا وہ محبوب ہوئے۔ چھٹا فائدہ: اسی طرح ساری مخلوق اللہ کی ہے۔ مگر اسے اعلیٰ مخلوق کی طرف نسبت کرو۔ رب العالمین ' رب العرش ' رب محمد ' رب کعبہ کہو ' رب کفار یا رب شیطان نہ کہو۔ ساتواں فائدہ: برے ساتھی اللہ کا عذاب ہیں کہ سب کو بہکاتے ہیں۔ اور اچھے ساتھی اللہ کی رحمت اسی لئے صحابہ کرام پردیس میں پہنچ کر رب سے اچھے ساتھی مانگتے تھے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: مومن تو پہلے ہی سے نور میں تھا۔ اور کافر ہمیشہ سے اندھیرے میں پھر مومن کو ظلمت سے اور کافر کو نور سے نکالنے کے کیا معنی۔ نکالا اسے جائے جو پہلے وہاں موجود ہو۔ (آریہ) جواب: اس کے نہایت نفیس جواب تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو مومن سے مراد نو مسلم اور کافر سے مراد مرتدین ہیں۔ اور یا نکالنے سے مراد روکنا اور باز رکھنا ہے وغیرہ وغیرہ۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان رب کی طرف سے ہے۔ اور کفر شیطان کی طرف سے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ ہر خیر و شر رب کی طرف سے ہے۔ (معتزلی) **جواب:** اس کا جواب فوائد میں گزر گیا کہ ہر خیر و شر رب کی طرف سے ہے۔ مگر چونکہ شیاطین شر کا سبب ہیں۔ اس لئے شر کو انہیں کی طرف نسبت کر دیا گیا تاکہ مسلمان ادب سیکھیں۔ **تیسرا اعتراض:** جیسے کفر کا سبب شیطان ہے۔ ویسے ہی ہمارے ایمان کا ذریعہ اللہ کے نیک بندے انبیاء اولیاء مشائخ و علماء ہیں تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ مسلمانوں کے ولی انبیاء اولیاء علماء ہیں اور کفار کے ولی شیاطین۔ **جواب:** اللہ کے پیارے فنا فی اللہ ہونے کی وجہ سے خدا کے غیر میں داخل نہیں۔ ان کا فعل رب کا فعل ہے۔ شیاطین ہر طرح اس کے غیر ہیں لہٰذا ان کے افعال رب کے فعل نہیں کہلاتے **چوتھا اعتراض:** جب مسلمانوں کا ولی رب ہے۔ اور وہ ہی ان کا ناصر و مددگار تو تم بندوں کو اپنا ولی اور مددگار کیوں سمجھتے ہو۔ اور ان سے حاجتیں کیوں مانگتے ہو۔ (دیوبندی) **جواب:** اس کا تفصیلی جواب **وایاک نستعین** ۝ کی تفسیر میں گیا کہ رب کی ولایت حقیقی ہے وہ حقیقی مددگار اور حقیقی ناصر اور حقیقی حاجت روا ہے اس کے مقبول بندے اس کے مظہر ہیں۔ ان کی مدد اس ہی کی مدد ہے جیسے کہ رب شافی الامراض ہے اور رازق العباد ہے۔ مگر دوا کے لئے ڈاکٹروں اور رزق کے لئے مالداروں کے دروازے پر جاتے ہیں۔ رب نے فرمایا **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم رکعون** جب اللہ تعالیٰ ہمارا رب ہے تو ہم رزق کیلئے بازار کھیت کنوئیں پر کیوں جاتے ہیں۔ جیسے وہ تمام چیزیں ربوبیت الٰہیہ کی مظہر ہیں۔ ایسے ہی ان بزرگوں کے آستانے ولایت ربانی کے مظہر ہیں۔ پیاسا کنوئیں پر جا سکتا ہے۔ بھوکا روٹی کی دوکان پر۔ بیمار طبیب کے پاس مظلوم حاکم کی کچہری میں تو یوں ہی گنہگار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر حاضری دے سکتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک**

تفسیر صوفیانہ: مومنین کے طبقے ہیں۔ عام اور خاص اور خاص الخاص۔ اسی لحاظ سے ظلمت اور نور کے تین درجے ہیں۔ رب تعالیٰ عام مسلمانوں کو تاریکی کفر و ضلالت سے نور ایمان اور ہدایت کی طرف نکالتا ہے۔ **والذین اھتدوا زادھم ھدی** اور خواص کو نفسانی جسمانی ظلمتوں سے رحمانی ربانی انوار کی طرف نکالتا ہے اور خاص الخاص کو ظلمت حدوث سے نور قدم کی طرف نکالتا ہے کہ وہ فانی ہو کر باقی سے ملتے ہیں اور بعد فنا بقا کے لطف لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے دینی اور دنیاوی سارے امور کا خود متولی ہے۔ یہاں تینوں صورتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان)۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانیات میں بہت قسم کی ظلمتیں ہیں۔ اور ان کو توڑنے والے نور بھی بہت قسم کے آنکھ کی ظلمت اندھاپن اس کا توڑ آنکھوں کا نور یعنی انکھیارپن دل کی ظلمت جہالت اس کا توڑ دل کا نور یعنی علم دماغ کی ظلمت دیوانگی بے عقلی اس کا توڑ دماغ کا نور یعنی عقل۔ ایسے ہی روحانیات میں ظلمتیں بھی بہت ہیں اور ان کے توڑ نور بھی بہت۔ چنانچہ ظلمت طغیانی اس کا توڑ نور ایمانی۔ ظلمت عصیانی اس کا توڑ نور غفرانی کیونکہ گناہ تاریکی ہے تو یہ مغفرت نور۔ ظلمت نفسانی اس کا توڑ نور عرفانی کیونکہ غفلت و تاریکی ہے۔ معرفت الٰہی نور۔ ظلمت فنا اسکا توڑ نور بقا دنیا کی مشغولیت تاریکی ہے۔ اور رب میں فنا ہو کر بقا باللہ نور ہے۔ اسی طرح حسد، بغض، عداوتیں، ریا، تکبر سب ظلمت قلبی ہیں ان کے مقابل کی خوبیاں نور ہیں۔ اور انکا توڑ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے مومنوں کو تمام تاریکیوں سے نکال کر اپنے انوار میں داخل فرماتا ہے۔ چونکہ ان تاریکیوں کے مرکز مختلف تھے۔ اس نے انہیں جمع کر کے فرمایا ظلمات۔ مگر تمام

www.alahazratnetwork.org

انوار کا مرکز ایک ہی ذات کریمہ سید الابرار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات تھی۔اس لئے اسے واحد کرکے فرمایا رب نے فرمایا **قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین** جس کی رسائی دامن پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک ہوگئی اسے تمام انوار مل گئے۔ حضور کے نور سے تو جانور بھی فائدے اٹھاتے تھے۔چیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے مقابل ہوئی تو تحت الثریٰ تک اس کی نگاہ پہنچ گئی۔مولانا فرماتے ہیں۔

دوسری تفسیر: عالم دو ہیں عالم اجسام جسے ظلمت کہتے ہیں۔2عالم ارواح جسے عالم نور بھی کہا جاتا ہے چونکہ اسی عالم اجسام میں' نفس' خیال' وہم دنیوی تعلقات مال اولاد وغیرہ ہزار ہا حجاب ہیں۔گویا یہ مجموعہ ظلمات ہے۔رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں کے سارے معاملات اور محبت کا خود متولی اور منتظم کار ہے کہ انہیں خود ان کی کوشش سے نہیں بلکہ اپنے کرم خاص سے ان ظلمات سے نکال کر عالم نور میں پہنچا دیتا ہے کہ یہاں کی کوئی چیز ان کے لئے حجاب نہیں رہتی کفار کے مددگار وہ اغیار ہیں جن پر ان کی ہر وقت نظر ہے وہ انہیں فطری ہدایت کے نور سے نکال کر صفات نفس اور شکوک' شبہات کی اندھیریوں میں پھنسا دیتے ہیں حق تعالیٰ ہر ایک کے کلام کو سننے والا اور ہر ایک کی حالت جاننے والا ہے۔سب کو ان کی استعداد کے لائق دیتا ہے۔(ابن عربی) فرعون نے **انا ربکم الاعلی** کہا بے ایمان ہوا حضرت منصور نے اناالحق کہا مومن رہے کہ وہ حجاب میں رہ کر کہتا تھا یہ ظلمت حجاب سے گزر کر صوفیائے کرام کے ہاں دل کی بے چینیاں ظلمات و تاریکیاں ہیں اور دل کا چین و اطمینان نور ہے۔اللہ تعالیٰ مومنوں کو بے چینیوں سے نکال کر چین کے نور میں داخل کرتا ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** دنیا کا عیش بے چینی کا باعث ہے۔رب سے تعلق چین کا ذریعہ اس زندگی کا نام حیات طیبہ ہے۔شعر

نانک دکھیا سب سنسار وہ سکھیا جسے نام ادھار

خیال رہے: کہ روح رب کی نور ہے کہ عالم امر کی چڑیا ہے **قل الروح من امر ربی** اور نفس امارہ ظلمات **ان النفس لامارة بالسوء** مومن کو اللہ تعالیٰ نفس کی ظلمات سے نکال کر روح کے نور میں داخل فرماتا ہے اور کافر کو روح کے نور سے نکال کر نفس کی ظلمت میں داخل کر دیتا ہے۔یا یوں کہو کہ مومن کا نفس روح کی صحبت سے منور ہو جاتا ہے اور کافر کی روح نفس کی صحبت سے سیاہ و تاریک کہ انسان کا دل نفس و روح کے درمیان ہے جیسے زمین پر کبھی دن آتا ہے کبھی رات ایسے دل پر کبھی نفس کی رات ہوتی ہے۔کبھی روح کا دن اللہ تعالیٰ مومن کے دل کو نفس کی رات سے نکال کر روح کے نوریا دن میں لاتا ہے اور کافر کے دل کو روح کے نور سے نکال کر نفس کی رات میں داخل کر دیتا ہے۔صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ روز ازل میں جس پر نور کا چھینٹا پڑ چکا ہے وہ اگر دنیا میں کافر بھی ہو گیا تو اس کا کفر عارضی ہو گا آخر کار مومن ہو جائے گا۔جیسے سونا کیچڑ میں پڑ کر عارضی طور پر گندہ ہو جائے اور جس پر وہ چھینٹا نہ پڑا ہے اگر وہ دنیا میں مومن بھی ہو جائے۔تو اس کا ایمان عارضی ہو گا۔آخر کار کافر ہو جائے گا۔جیسے کوئلہ پر چونا لگ کر سفید ہو جائے مگر جلتے ہی کالا نکلے گا۔یہ اس آیت کا منشاء ہے مومن کو ظلمات سے نور کی طرف اور کافر کو نور سے ظلمات کی طرف نکالنے کا۔**خیال رہے:** کہ یہ آیت تمام ان آیات کی تفسیر ہے جن میں **اولیاء من دون اللہ** کی برائیاں ہیں یا انہیں بھی اتنا کفر قرار دیا گیا۔ **اولیهم الطاغوت** نے بتایا کہ وہ اولیاء **من دون اللہ** ہیں ان ہی کو ماننا شرک ہے۔عربی میں **الا' غیر' سوا' دون** سب کے معنی ہیں سواء یا علاوہ مگر الا تو مطلقاً علاوہ کو کہتے ہیں اور

غیر اجنبی کو کہا جاتا ہے مگر دون مقابل یا دشمنی پر بولا جاتا ہے جس میں علیحدگی ہو۔ **وخذونہم امرا تین تتخذوا** بعض بندے رب کے دشمن ہیں۔ جنہیں حزب الشیطان کہتے ہیں۔ بعض مذہب سے اجنبی جیسے دنیاوی اہل دنیا بعض اللہ کے اپنے ہیں جنہیں حزب اللہ کہتے ہیں۔ پہلے دو اولیاء **من دون اللہ** ہیں اور تیسری جماعت اولیاء اللہ ہیں۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرٰهٖمَ فِي رَبِّهٖٓ أَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ

کیا نہ دیکھا آپ نے طرف اس کے کہ جھگڑا کیا اس نے ابراہیم سے بیچ رب ان کے یہ کہ دیا اس کو اللہ نے

اے محبوب کیا تم نے نہ دیکھا تھا اسے جو ابراہیم سے جھگڑا اس کے رب کے بارے میں اس پر کہ اللہ نے

إِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيٖ وَيُمِيْتُ قَالَ أَنَا أُحْيٖ وَأُمِيْتُ قَالَ

ملک جب کہا ابراہیم نے کہ رب میرا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے کہا اس نے میں زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں

اسے بادشاہی دی جب کہ ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے کہ جلاتا اور مارتا ہے بولا میں جلاتا اور مارتا ہوں

إِبْرٰهٖمُ فَإِنَّ اللّٰهَ يَأْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ

کہا ابراہیم نے پس تحقیق اللہ لاتا ہے سورج کو طرف سے پورب کے پس لا تو اسے طرف سے پچھم کے

ابراہیم نے فرمایا تو اللہ سورج کو لاتا ہے پورب سے تو اس کو پچھم سے لے آ تو ہوش اڑ گئے

الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

پس حیران کر دیا گیا وہ جس نے کفر کیا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم ظالم کو

کافر کے اور اللہ راہ نہیں دکھاتا ظالموں کو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مومنوں کے نور اور کفار کی تاریکی کا ذکر تھا۔ اب اسی کی تائید کے لئے یہ قصہ ارشاد ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نور ہدایت عطا ہوا اور نمرود گمراہی میں پھنسا رہا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ مسلمانوں کا ولی ہے اور کفار کے ولی شیاطین۔ اب اسکے ثبوت میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے ایسے جابر بادشاہ کے سامنے ان کی مدد فرمائی اور نمرود ان کے مقابلہ میں بے دلیل رہ گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ مومنوں کا ہی ولی ہے اور کفار کے مددگار شیاطین۔ جس سے وہم ہوتا تھا کہ رب ان کی ہدایت کے سامان بھی پیدا نہیں فرماتا اس وہم کو دور کرنے کے لئے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ارشاد ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی طرف ہادی بھیجے جاتے ہیں۔ مگر وہ ان سے فیض نہیں لیتے۔

تفسیر: **الم تر** یہ استفہام انکاری ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے اور لم کی وجہ سے مستقبل بمعنی ماضی یعنی اے محبوب کیا آپ نے اس سے پہلے حضرت خلیل جلیل اور ایک کافر ذلیل کا مناظرہ

www.alahazratnetwork.org

ان آنکھوں سے ملاحظہ نہ فرمایا تھا۔ یعنی ضرور دیکھا تھا۔ کیونکہ آپ ولادت پاک سے پہلے عالم کو دیکھ رہے تھے۔ **الی الذی حاج ابراھیم فی ربہ۔ الذی** سے اس وقت کا بادشاہ مراد ہے۔ جس کا نام نمرود ابن کنعان ابن سنجاریب تھا (روح المعانی) یا نمرود ابن کنعان ابن سام ابن نوح علیہ السلام (روح البیان) یہ ہی پہلا وہ بادشاہ ہے۔ جس نے تاج پہنا رعایا پر ظلم کیا۔ خدائی کا دعویٰ کیا اور سارے جہان کی بادشاہت کی اس کی عمر آٹھ سو برس ہوئی چار سو سال عزت کے ساتھ اور چار سو برس مچھر کی وجہ سے پٹ کٹ کر اس نے رب سے مقابلہ کرنے کے لئے نہایت اونچا قلعہ بنایا تھا۔ اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ (روح البیان و خازن) **احاج' حاجۃ** سے بنا جس کا مادہ حج اور حجۃ ہے بمعنی غلبہ حاجۃ کے معنی ایک دوسرے سے مقابلہ میں غلبہ کی کوشش کرنا دلیل کو اسی لئے حجت کہتے ہیں کہ وہ غلبہ کا ذریعہ ہے۔ چونکہ اس مناظرہ کی ابتداء نمرود نے کی تھی۔ اس لئے حاج کا فاعل اسے ہی قرار دیا گیا۔ یا حاج سے مراد ہے کم بختی اور ناجائز حجۃ بازی کہ جو دلیل و حجۃ حق بات پر کی جائے وہ حجۃ والا بھی حق وہ حجۃ اللہ کی حجت ہے۔ رب فرماتا ہے **تلک حجتنا اتینھا ابراھیم علیٰ قومہ** اور جو حجت حق کے خلاف کی جائے وہ حجۃ باطل ہے۔ حجۃ والا بھی باطل یہاں باطل حجۃ مراد ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہ مناظرہ ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے پہلے ہوا۔ جب کہ آپ نے بت شکنی فرمائی اور نمرود مناظرہ سے عاجز ہو کر آپ کو آگ میں ڈالنے پر آمادہ ہوا۔ یہ قول مقاتل کا ہے۔ امام جعفر صادق سے مروی ہے۔ کہ یہ مناظرہ ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے بعد ہوا کہ جب آپ پر آگ گلزار ہو گئی تب اس نے پوچھا کہ بتاؤ تو آپ کا رب کون ہے۔ جس کی طرف مجھے بلاتے ہو (روح المعانی و کبیر) فی سے پہلے حق یا صفات پوشیدہ ہے اگرچہ حق تعالیٰ ان دونوں کا رب ہے مگر ابراہیم علیہ السلام کی عزت افزائی کے لئے اپنے کو انہیں کی طرف نسبت کیا یا چونکہ ابراہیم علیہ السلام حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مدعی تھے اور نمرود اپنی خدائی کا اس لئے ربہ فرمایا گیا۔ یعنی اس بادشاہ نے ابراہیم علیہ السلام سے ان کے رب کے بارے میں مناظرہ کیا۔ صوفیاء کے مشرب میں حق تعالیٰ خصوصی رب صرف ابراہیم علیہ السلام کا ہی ہے نہ کہ نمرود کا رب' اللہ کی ربوبیت عام ساری خلق کے لئے ہے۔ یعنی پرورش جسم اور جسمانی روزیاں دینا۔ مگر ربوبیت خاصہ یعنی روحانی پرورش اور روحانی روزیاں دینا صرف مومنوں سے خاص ہر ایک کو ایمان' تقویٰ' ولایت' نبوت نہیں ملتی۔ پھر جیسے جسمانی ربوبیت بندوں کے توسل سے ظاہر ہوتی ہے۔ یوں ہی روحانی ربوبیت حضرات انبیاء اولیاء کے توسل سے حاصل ہوتی ہے کہ ایمان عرفان وغیرہ انہیں کے ذریعہ ملتا ہے۔ چونکہ نمرود حضرت خلیل سے دور رہا اس لئے رب کی خصوصی ربوبیت سے حصہ نہ پاسکا۔ یا یوں کہو کہ رب تعالیٰ کو اچھوں کی طرف نسبت کرنا اچھا ہے یہ نہ کہو کہ اے ابوجہل کے رب یوں کہو اے محمد رسول اللہ کے رب یہ نہ کہو اے گھروں کے رب یوں کہو اے کعبہ کے رب **ان اتہ اللہ الملک** یا توان سے پہلے لام پوشیدہ ہے۔ اور یہ جملہ مناظرہ کی علت ہے نہ کہ حاج کا مفعول لہ کیونکہ مفعول لہ میں لام وہاں پوشیدہ ہو سکتا ہے۔ جہاں فعل اور اس کا فاعل ایک ہی ہو۔ اور یہاں حاج کا فاعل نمرود ہے۔ اور اتیٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ یا اس سے پہلے علیٰ پوشیدہ ہے یا فی شکر یا قوت آخری توجیہ پر یہ حاج کا ظرف ہے خیال رہے کہ مصدر جعلی بھی ظرف بن سکتا ہے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ ہ' کا مرجع نمرود ہے۔ اور بعض نے کہا کہ اسکا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہیں مگر قول صحیح جمہور کا ہے۔ کیونکہ مناظرہ کے وقت ابراہیم علیہ السلام کو ملک اور ظاہری سلطنت نہیں ملی تھی **ملک** سے مراد تمام جہان کی سلطنت ہے۔ کیونکہ نمرود عالم کا بادشاہ گزرا ہے۔ یعنی نمرود نے اس لئے یا اس وقت یا اس نعمت کے شکریہ میں یا اس کے باوجود مناظرہ کیا کہ رب نے اسے تمام جہان

www.alahazratnetwork.org

کی سلطنت دی تھی یہ ایسا ہے جیسے کوئی کہے کہ تو میری مخالفت اس لئے کرتا ہے کہ میں نے تجھ پر احسان کئے۔ نوٹ: سارے جہان کے مالک صرف چار بادشاہ گزرے ہیں۔ دو مومن حضرت سلیمان اور سکندر ذوالقرنین اور دو کافر نمرود اور بخت نصر جس کا لقب شداد بن عاد ہے۔ جس نے عدن کے جنگلوں میں جنت بنائی (روح البیان) **اذ قال ابرھیم۔ اذیا** تو حاج کا ظرف ہے یا اس کا بدل (روح المعانی) پہلے اس نے پوچھا تھا کہ اے ابراہیم تمہارا رب کون ہے تو آپ نے جواب دیا **ربی الذی یحی ویمیت** یا تو یحی سے زندہ کرنا مراد ہے۔ یا زندہ رکھنا اور یمیت سے مراد موت دیتا ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ نظر نہیں آتا۔ اس لئے اسکے صفات اور افعال سے اس کا نشان دیا یعنی میرا رب وہ ہے جو رحم میں بے جان نطفہ کو زندگی بخشتا ہے۔ حالانکہ رحم میں نہ ہوا پہنچے نہ غذا ایسی بند جگہ میں زندگی بخشنا قدرت ہی ہے۔ انڈے میں نہ کھڑکی نہ روشن دان وہاں چوزے کو زندگی بخشتا ہے یوں ہی مخلوق کو زندہ رکھنا بھی اس کی قدرت کاملہ ہے ورنہ داخلی و خارجی دشمن اتنے زیادہ ہیں کہ ان میں گھرا ہوا شخص زندہ نہ رہنا چاہئے لہٰذا یحی کے دو معنی ہیں زندہ کرنا اور زندہ رکھنا۔ اور جاندار کو بے جان کرتا ہے۔ یا رب میرا وہ ہے جو عالم کو زندہ رکھتا ہے۔ اور موت دیتا ہے یعنی اے نمرود خود تو اور تیری زندگی میرے رب کی دلیل ہے۔ یا رب تمام جسم کو جان سے زندہ کرتا ہے۔ جان کو ایمان سے دل کو عرفان سے دماغ کو بادہ عشق کے جام سے زمین کو سبزہ سے کنوؤں تالابوں دریاؤں کو آب رواں سے قوموں کو اتفاق و اتحاد سے ملک کو عادل سلطان سے زندگی بخشتا ہے اور ان اوصاف کی ضدوں کے ذریعہ انہیں فوت کر دیتا ہے۔ زندگیاں بہت قسم کی ہیں اور انکے مقابل موت بھی بہت قسم کی آپ کا یہ کلام بہت جامع ہے۔ آپکا مقصد یہ تھا کہ تو ان پر غور کر اس نے یہ نفیس دلیل سن کر **قال انا احی و امیت** کہا کہ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں چنانچہ فوراً دو شخصوں کو بلا کر ایک کو قتل کیا اور دوسرے کو چھوڑ دیا اور بولا کہ دیکھا مقتول کو میں نے موت دی اور دوسرے کو میں نے زندہ رکھا لہٰذا میں ہی رب ہوا۔ آپ نے اس کی یہ بے عقلی اور ہٹ دھرمی ملاحظہ فرما کر اپنی دلیل کو دوسرے طریقہ سے بیان فرمایا کہ **قال ابرھیم فان اللہ یاتی بالشمس من المشرق** یعنی تجھے معلوم ہے کہ سورج حرکت ارادی نہیں کرتا بلکہ اس کی حرکت کسری ہے کہ کوئی چلانے والا اسے چلا رہا ہے۔ جو چلا رہا ہے وہی رب ہے۔ تو رب وہ ہے جو اسے پورب سے پچھم لے جا رہا ہے اگر تو خدا ہے تو تجھ میں اس کے چلانے کی طاقت ہونی چاہئے۔ اگر تو یہ کہے کہ سورج کو یہ حرکت میں ہی دے رہا ہوں تو **فات بھا من المغرب** مہربانی کر کے اسے ایک دفعہ ہی پچھم کی طرف سے نکال دے اور اگر تو یہ کہے کہ سورج اپنے ارادے و اختیار سے یہ حرکت کر رہا ہے کوئی چلانے والا اسے نہیں چلا رہا تب چونکہ تو خدا ہے اور سورج خدا نہیں۔ بلکہ نعوذ باللہ تیرا بندہ ہے خدا کی طاقت اس سے زیادہ چاہئے اور خدا بندے پر غالب بندہ رب سے مغلوب چاہئے لہٰذا تو ایک بار ہی سورج کو مغلوب کر کے اسکے ارادے کے بغیر الٹی حرکت دے دے۔ بہر حال آپ کی یہ دلیل نہایت مکمل تھی کسی پہلو کو اس میں چھوڑا نہیں گیا تھا۔ خیال رہے کہ یہ ترک دلیل نہیں ہے۔ ترک دلیل تو مغلوب کیا کرتے ہیں۔ بلکہ ایک ہی دلیل کو دوسری واضح عبارت سے بیان فرمایا ہے آپ یہ فرماتے تھے کہ رب وہ جس کا عالم میں عمل در آمد ہو۔ اس کا تصرف موت زندگی سے بیان فرمایا۔ جب نمرود نے اس میں کج بحثی کی تو اس تصرف کو اور واضح طریق سے بیان فرمایا جس سے وہ آسانی سے شکست کھا گیا۔ اور انجام یہ ہوا **فبھت الذی کفر۔ بھت** بہت سے بنا بمعنی حیرانی تہمت کو بہتان اس لئے کہتے ہیں کہ سننے والا حیران رہ جاتا ہے کبھی دلیل نہ سوجھنے کو بھی **بھت** کہتے ہیں کہا جاتا ہے **بھت** یعنی **ذھبت حجتہ** فعل مجہول سے اس جانب اشارہ ہے کہ وہ کافر رب کی طرف سے حیران کر دیا گیا

www.alahazratnetwork.org

ورنہ کج بحثی اس میں بھی کر سکتا تھا۔ کہتا کہ آپ ہی رب سے عرض کر کے یہ کام کرادو۔ کفر میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس کی یہ حیرانی و پریشانی کفر کی وجہ سے تھی۔ **واللہ لا یھدی القوم الظلمین**○ **یھدی** **ہدایت** سے بنا اس کے معنی ہم **اھدنا الصراط المستقیم** میں بیان کر چکے ہیں **قوم الظلمین** سے کفار مراد ہیں جو اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں اس کے متعلق سوال تو الی الدلائل ہے یا الی طریق الجنۃ اور یہدی یا بمعنی حال ہے یا بمعنی مستقبل یعنی رب تعالیٰ کافروں کو آخرت میں جنت کے راستہ کی ہدایت نہ دیگا۔ یا دنیا میں انہیں دلائل حق نہیں سمجھاتا ظالم رہنے کی حالت میں اسے ہدایت نہیں دیتا اور جب ہدایت دیتا ہے تو ظالم نہیں رہتا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایسی پاکیزہ و نفیس دلیل سے وہ ہدایت نہ پاسکا۔ جیسے اندھی آنکھ سورج سے روشنی نہیں پاتی۔ ایسے ہی ظالم دل نبی سے کوئی ہدایت حاصل نہیں کرتا بصارت سے سورج مفید ہوتا ہے اور بصیرت سے نبوت فائدہ مند ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: نمرود تمام دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کا پایہ تخت شہر بابل میں تھا۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑا تو اس نے آپ کو قید کر دیا پھر قید سے نکال کر آگ میں ڈالا۔ رب تعالیٰ نے آپ پر آگ کو گلزار بنا دیا۔ کچھ دنوں بعد سخت قحط سالی پڑی نمرود نے غلہ تقسیم کرنا شروع کیا جو کوئی اس کے پاس غلہ لینے آتا وہ پوچھتا کہ تیرا رب کون ہے وہ کہتا کہ تو ہے اسے غلہ دے دیتا اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی غلہ کے لئے اس کے پاس گئے۔ اس نے آپ سے بھی یہی پوچھا کہ آپ کا رب کون ہے۔ آپ نے فرمایا جو زندگی اور موت کو بخشتا ہے اور عالم میں تصرف کرتا ہے۔ اس نے کہا کہ یہ قدرت تو مجھ میں بھی ہے۔ دو قیدی بلا کر ایک کو قتل کرا دیا' دوسرے کو چھوڑ دیا اور کہا جسے چھوڑا ہے اسے میں نے زندگی دی اور جسے قتل کیا اسے مار دیا۔ لہٰذا آپ کے اس قاعدہ سے میں ہی خدا ہوں کہ میرے قبضہ میں موت و زندگی ہے۔ یا تو وہ بہت غبی تھا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقصد نہ سمجھ سکا۔ یا اپنی جھینپ اتارنے کے لئے اس نے یہ کج بحثی کی۔ خیال رہے کہ عقلی علوم سمجھنے کے لئے عقل کامل درکار ہے۔ کیونکہ وہ علوم عقل نے ایجاد کئے ہیں۔ عقل سے ہی سمجھے جاتے ہیں۔ مگر نقلی علوم عرشی ہیں یہ محض عقل سے نہیں سمجھے جاتے بلکہ ان کے لئے اللہ کا فضل اور عرفان کا نور ضروری ہے۔ کلام نبی کی فہم عرفان سے ہوتی ہے آج بھی بے نورے بے بہرے لوگ قرآن و حدیث میں ٹھوکریں کھاتے ہیں کہ رب کی پناہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یمسہ الا المطھرون** قرآن کو پاکوں کے سوا کوئی مس بھی نہ کرے گا۔ بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے اسی دلیل کو اور واضح مثال میں یوں بیان فرمایا کہ رب وہ قدرت والا ہے جو ہمیشہ سورج کو پورب سے نکالتا اور پچھم میں غروب کرتا ہے اور اگر تو قابل عبادت ہے تو اس کی رفتار بدل دے کہ ایک دفعہ ہی پچھم سے نکال دے۔ اس مثال پر وہ حیران رہ گیا۔ اور کچھ جواب نہ دے سکا کھسیا کر بولا کہ آپ کے لئے میرے پاس غلہ نہیں اس رب سے مانگو جس کی عبادت کرتے ہو آپ خالی واپس ہوئے راستہ میں ریت کے ٹیلے پر گزرے وہاں سے ایک بورے میں ریت بھر کر مکان پر پہنچے۔ تھیلا تو رکھ دیا اور خود سو گئے آپ کی بیوی حضرت سارہ نے جو اسے کھولا تو اس میں نہایت نفیس گیہوں پائے۔ فوراً اس کی روٹیاں تیار کیں۔ جب آپ بیدار ہوئے تو آپ کی خدمت میں کھانا پیش کیا آپ نے پوچھا کہ گیہوں کہاں سے آئے انہوں نے عرض کیا کہ اس تھیلہ میں سے۔ ابراہیم علیہ السلام سمجھ گئے کہ رب نے مجھے رزق دیا۔ پھر رب تعالیٰ نے ظالم نمرود کے پاس شکل انسانی میں ایک فرشتہ بھیجا۔ جس نے آ کر کہا تیرا رب کہتا ہے تو مجھ پر ایمان لا ہم

www.alahazratnetwork.org

تیری سلطنت برقرار رکھیں گے وہ بولا رب تو میں ہی ہوں میرا رب کون ہے تین دفعہ یہ واقعہ ہوا۔ تب اسکے لشکریوں پر مچھروں کا عذاب بھیجا گیا۔ مچھروں کی زیادتی کا یہ حال تھا کہ اس سے سورج چھپ گیا تھا۔ زمین پر دھوپ نہ آتی تھی۔ مچھروں نے اسکے خون چوس لئے گوشت چاٹ لئے سوا نمرود کے باقی سب کی ہڈیاں ہی باقی رہ گئیں نمرود دیکھتا تھا مگر کچھ نہ کر سکتا تھا پھر ایک مچھر اس کی ناک کے ذریعہ دماغ میں گھس گیا اور چار سو سال تک مغز کاٹتا رہا جب اوپر سے دھمک پہنچتی تو کاٹنا چھوڑ دیتا ورنہ کاٹتا چنانچہ دن رات اسکے سر پر جوتے اور تھپڑ پڑتے تھے۔ اب اسکے دربار کا ادب یہ تھا کہ جو آئے اسکے سر پر جوتا رسید کرے۔ اس سے پہلے چار سو سال بہت آرام سے سلطنت کی اور چار سو برس پٹتا رہا۔ پھر بہزار ذلت مرا اسکی عمر آٹھ سو سال سے کچھ زیادہ ہی ہوئی۔ (تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: کفار سے مناظرہ کرنا سنت انبیاء ہے جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود سے کیا۔ دوسرا فائدہ: مناظرہ میں مقابل اگر آسانی سے شکست کھا سکے تو دشوار طریقہ اختیار نہ کرنا چاہئے۔ ابراہیم علیہ السلام زندگی اور موت کے مسئلہ پر نمرود سے بہت کچھ جرح قدح کر سکتے تھے۔ مگر آپ نے اس کی حماقت محسوس فرما کر دوسری واضح تر مثال پیش فرما دی جس سے وہ بآسانی خاموش ہو گیا۔ تیسرا فائدہ: انبیاء کے مقابلہ کا انجام برا ہے دیکھو نمرود جیسا بادشاہ مخالفت خلیل سے ذلیل ہو کر مرا۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ دنیا میں کفار کو بھی تخت کا مالک بنا دیتا ہے۔ یہ اس کے رضا کی علامت نہیں دیکھو نمرود جیسے کافر کو جہاں کا بادشاہ بنا دیا۔ پانچواں فائدہ: مومن کے لئے مال ذریعہ ہدایت ہے اور کافر کے لئے ذریعہ گمراہی دیکھو نمرود وغیرہ اپنے ملک 'مال کے دھوکے میں دعویٰ خدائی کر بیٹھے۔ مال سانپ ہے۔ دین اس کی شر سے محفوظ رہنے کا منتر' دنیا زہر ہے دین تریاق دنیا دریا ہے دین اس کی کشتی کہ بغیر دین کے دنیا ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔ مگر دین کی برکت سے اس بیڑے کو دنیا کی شر سے بچا لیتا ہے۔ بعض نیک بختوں کی دنیا دین بن جاتی ہے۔ جیسے حضرت عثمان کی دنیا۔ خیال رہے کہ کسان دانہ کے لئے تخم بوتا ہے مگر بھوسا بھی اسے مل جاتا ہے بلکہ بھوسا پہلے پیدا ہوتا ہے اور بہت پیدا ہوتا ہے۔ انسان کو چاہئے کہ آخرت کے لئے کوشش کرے۔ اعمال کا تخم بوئے دنیا اسے خود ملے گی۔ اعمال تخم ہے آخرت دانہ دنیا بھوسا۔ چھٹا فائدہ: بندے کا اصلاح قلب کی طرف مائل ہونا فضل الٰہی کی علامت ہے اور سرکشی غضب کی نشانی کوئی سرکش ہدایت نہیں پا سکتا۔ اور جب ہدایت کا وقت آتا ہے تو اس سے سرکشی نکل جاتی ہے۔ جیسا کہ **لا یهدی القوم الظلمین** سے معلوم ہوا ساتواں فائدہ: سارا عالم اور خود ہماری ذات رب تعالیٰ کا پتہ ہے۔ جن سے رب تعالیٰ کی معرفت پوری حاصل نہیں ہوتی۔ حضرات انبیاء رب کا کامل پتہ ہیں جن کے ذریعہ رب کو پہچاننا معرفت کا ذریعہ ہے۔ اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے جادوگروں نے سجدے میں گر کر کہا **امنا برب موسی و هرون** ہم اس پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا **نعبد الهک واله ابائک ابرهیم** ہم اس کی عبادت کریں گے۔ جو آپ کا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام وغیرہ کا رب ہے۔ یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ربی فرما کر رب کا پورا پتہ بتایا پھر **یحی و یمیت** فرما کر بتایا کہ خود تیری زندگی و موت رب کا پتہ ہے۔ تو اپنے ہی میں رب کو دیکھ **وفی انفسکم افلا تبصرون** مثنوی شریف میں ایک جوہری اور ایک چور کا واقعہ بیان فرمایا کہ جوہری رات کو چور کی جیب میں شب چراغ

www.alahazratnetwork.org

سوئی ڈال دیتا تھا اور جو رجوہری کا سامان تلاش کرتا تھا سوئی نہ پاتا تھا۔ آخر جوہری سے پوچھا کہ تو سوئی کہاں رکھتا ہے وہ بولا تیری جیب میں اگر تو اپنے کو ڈھونڈھتا سوئی پالیتا۔ یوں ہی معرفت الٰہی کا سوئی خود ہمارے میں موجود تلاش کی کمی ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے مقابلہ میں دلیل اول کیوں چھوڑ دی۔ مناظرہ میں دلیل چھوڑنا مغلوبیت کی علامت ہے۔ جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ ترک دلیل نہیں ترک مثال ہے۔ یعنی ایک ہی دلیل دوسری واضح مثال سے سمجھائی گئی۔ مطلب یہ تھا کہ رب وہ ہے جو جہاں میں تصرف کرے جیسے موت و حیات جب وہ اسے نہ سمجھا تو آپ نے فرمایا۔ جیسے آفتاب کی حرکت۔ دوسرا اعتراض: نمرود نے جیسے موت و حیات پر جرح کی ایسے ہی مثال پر بھی کج بحثی کر سکتا تھا کہ سورج میرے حکم سے ادھر جا رہا ہے۔ اگر رب کوئی اور ہے تو اس سے کہو کہ اسے پچھم سے طلوع کر دے۔ اور وہ خاموش کیوں ہو گیا۔ جواب: وہ سمجھ گیا کہ اگر میں نے جرح کی تو ابھی ان کے کہنے سے آفتاب الٹے پاؤں لوٹے گا۔ جس سے عالم میں انقلاب عظیم پیدا ہو جائے گا۔ اور لوگ اس معجزہ کو دیکھ کر مجھ سے پھر کر ان کے ساتھ ہو لیں گے۔ اس لئے منہ تکتا رہ گیا۔ (بیان القرآن مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب) نوٹ: الحمد للہ کہ مولوی صاحب دیوبندی ہو کر قدرت پیغمبر کے قائل ہو گئے۔ روح المعانی و کبیر نے فرمایا کہ اگر وہ اس وقت یہ کہہ دیتا تو یقیناً آفتاب مغرب سے طلوع ہو جاتا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہ کلام ابراہیم علیہ السلام کے منہ سے نکلا تھا۔ رب قریب قیامت آفتاب مغرب سے نکالے گا تاکہ ان کی بات نہ ٹلے بلکہ حضرت خلیل کے فرزند جلیل رب کے مختار احمد مجتبیٰ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نماز عصر کے لئے پچھم سے سورج نکال دیا۔ باپ کے فرمان کو فرزند نے پورا کر دکھایا۔ تیسرا اعتراض: سورج نہ مشرق سے مغرب کی طرف اور نہ مغرب سے مشرق کی طرف آتا جاتا ہے وہ تو اپنے محور پر گھومتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے مصنف کو علم ہیئت نہ آتا تھا۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: اس کا کیا جواب دیا جائے شاید پنڈت جی عقل کے بھی اندھے تھے اور آنکھ کے بھی۔ پاگل دیکھتے ہیں کہ سورج پورب سے آتا ہے اور پچھم میں جاتا ہے۔ شاید پنڈت جی کو یہ دھوکا لگا ہے کہ حرکت مستدیرہ میں آنا جانا اور ابتداء انتہاء مقرر نہیں۔ جیسے محیط دائرہ کی حرکت مگر پنڈت جی کو معلوم ہونا چاہئے کہ جب پورا دائرہ دیکھنے والے کے سامنے نہ ہو اس کی صرف ایک قوس نظر آتی ہو تو اس پر حرکت کرنے والا آتا جاتا معلوم ہوتا ہے اس حرکت کی ابتداء انتہا معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں۔ ہاں اگر آفتاب کا پورا مدار ہمارے سامنے ہو۔ جیسا کہ قطب شمالی کے نیچے ہے۔ تو وہاں مشرق و مغرب مقرر نہ ہو سکے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کو سورج کی محسوس حرکت تو الٰہی ہے تو علی التوالی گھما کر دکھاوے۔ پنڈت جی! قرآن شریف سمجھنے کے لئے عقل و دماغ کی ضرورت ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا گنہگاروں کو راستہ نہیں دکھاتا تو پارساؤں کو مسلمانوں کے خدا کی ضرورت نہیں وہ وہ تو دھرم کے راستہ پر ہوتے ہی ہیں۔ راستہ گنہگاروں کو ہی دکھانا چاہئے۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: پنڈت جی نے آیت کے معنی غلط کئے۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ اور اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ بہترین جواب وہ ہے جو امام راغب نے دیا کہ ہدایت اور تعلیم دو چیزوں کو چاہتی ہے دینا اور لینا کہ بغیر لینے کے دینے کی تکمیل نہیں ہوتی۔ روپیہ دینا جب مکمل ہوگا جب کوئی لے بھی لے۔ جب ہادی اور معلم نے تعلیم دی مگر دوسرے نے قبول نہ کی تو اس لحاظ سے کہا جائے گا اس نے ہدایت دی نہیں کہ بغیر لئے دینا کیسا ایسے ہی رب سب کو ہدایت دیتا ہے مگر جو نہیں لیتے ان کے حق میں دینا ثابت نہیں ہوتا۔ اس لحاظ

www.alahazratnetwork.org

سے یہاں فرمایا گیا لا **یھدی القوم الظلمین** دوسری جگہ ارشاد ہوا **ھدی للناس** سب انسانوں کا ہادی ہے یا یہاں ہدایت سے راہ جنت دکھانا مراد ہے۔ یعنی جو لوگ بحالت کفر مریں گے رب تعالیٰ انہیں آخرت میں جنت کا راستہ نہ دکھائے گا۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ظالم "ظالم رہ کر ہدایت نہیں پاتا کہ اجتماع ضدین ناممکن ہے۔ جو ہدایت لیتا ہے وہ پہلے سے ظلم چھوڑ کر ظالمین کے زمرہ سے نکل جاتا ہے سورج کا کام ہے اندھیری جگہ سے اندھیرا دور کرنا اور وہاں روشنی دینا مگر جس جگہ اندھیرا لازم ہو گیا ہو کہ وہاں سے مٹ نہ سکے تو سورج روشنی بھی نہیں دیتا۔ جیسے تہ خانے اور گہرے غار قبر و سمندر کی تہ یوں ہی جن سینوں میں کفر جم گیا کہ ان سے نکل سکتا ہی نہیں۔ وہاں رب تعالیٰ ایمانی نور نہیں پہنچاتا مگر اس میں ان سینوں کا قصور ہے رب کی عطا میں کمی نہیں۔ جیسے سورج میں کمی نہیں چمگادڑ کی آنکھ کا یا اس خاص تاریک جگہ کا اپنا قصور ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ سورج چمگادڑ کی آنکھ میں روشنی نہیں دیتا۔

تفسیر صوفیانہ : رب نے نمرود کو وہ ملک دیا جو اس سے پہلے کسی کو نہ دیا تھا۔ مگر اس نے دعویٰ خدائی کیا اس کی وجہ یہ ہے کہ طلب کمال فطرت انسانی کا تقاضا ہے ہر ایک کمال کی طرف دوڑتا ہے پھر طالبین کمال دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جن کی رب تائید فرماتا ہے۔ اور قدرت دستگیری کرتی ہے۔ دوسرے وہ جو اپنے نفس کے قبضہ میں ہیں۔ تائید ربانی ان کے شامل حال نہیں۔ یہ آخری جماعت ہر چیز کو ظاہری حواس سے دیکھتی ہے اور اسے بجز دنیا اور کچھ نظر نہیں آتا۔ چونکہ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے اور مٹی ہمیشہ نیچے گرتی ہے ایسے ہی نفسانی خواہشات انسان کو نیچے گراتی ہیں۔ وہ نفسانی قدم سے دنیاوی کمالات کی طرف بھاگتا ہے۔ اس طرح کہ اولاً جمع مال کو کمال سمجھ کر مالدار بنتا ہے۔ پھر عزت و آبرو کو کمال جان کر حاصل کرتا ہے۔ پھر عہدے کو کمال جان کر ادھر دوڑتا ہے پھر سلطنت کو اعلیٰ درجہ کا کمال سمجھ کر اسے طلب کرتا ہے۔ اور اگر موقع ملے تو نمرود کی طرح ساری دنیا کا بادشاہ بن جاتا ہے۔ پھر بھی اس کی ہوس کی آگ نہیں بجھتی اتنے کمالات حاصل کر کے اب عالم بالا کی طرف نظر اٹھاتا ہے یعنی جس قدر اس کی غنا بڑھتی ہے اس قدر ہوس کی آگ بھڑکتی ہے یہاں تک کہ سلاطین کو شکست دیکر رب العالمین سے مقابلہ کرتا ہے۔ اور **انا ربکم الاعلی** کا دم بھرتا ہے جیسا کہ نمرود کا حال ہوا کہ جتنا اس کا کمال بڑھا طغیان میں زیادتی ہوئی۔ مگر وہ طالبین جو قبضہ قدرت میں ہیں وہ تائید ربانی ان کی شامل حال ہے اور ان کے ہاتھوں میں کسی پیغمبر اور نائب پیغمبر عالم دین یا شیخ طریقت کا دامن ہے وہ ماسوی اللہ سے بچنے کو کمال جانتے ہیں۔ اولاً" ہر چیز کو رب کی دلیل سمجھ کر اس کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر اپنے ذرات وجود کو واجب الوجود میں فنا۔ اور قطرۂ ہستی کو بحر احدیت میں گم کر دیتے ہیں وہ بجائے **انا احی و امیت** کے یہ کہتے ہیں **ما فی الوجود الا اللہ** ان کا شیخ نمرود نفس کے دماغ کو **الا اللہ** کے ہتھوڑوں سے یہاں تک کوٹتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان لاکر طاغوت وجود ماسوا اللہ کا انکار کر بیٹھتا ہے مگر رب تعالیٰ مشرکین کو اس میدان میں نہیں آنے دیتا شرک ظلم عظیم ہے۔ عاقل کو چاہئے کہ دوئی کے شرک سے بچے اور زیادتی مال و متاع سے دھوکا نہ کھائے۔ (روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ انسان مٹی سے بنا اور مٹی کی تین خصوصیتیں ہیں ایک یہ کہ وہ طبعاً" نیچے گرتی ہے دوسرے یہ کہ اگر کوئی پھینکنے والا اسے اوپر پھینکے تو اس کی طاقت سے اوپر جاتی ہے۔

تیسرے یہ کہ اگر اسے اوپر روکنے والی کوئی چیز نہ ہو تو نیچے لوٹ آتی ہے۔ یہ ہی انسان کی حالت ہے کہ جب وہ اپنی رائے

www.alahazratnetwork.org

سے ترقی کرتا ہے۔ تو نیچے ہی گرتا ہے۔ اور اس گرنے کو کمال جانتا ہے ہاں روحانیت والے شیخ کی امداد سے ترقی کرتی ہے۔ لیکن اگر فیض ربانی شامل حال نہ ہو تو پھر گر جاتا ہے ورنہ کمال کو پہنچتا ہے ایک پتھر پایا گیا جس پر تین سطریں لکھی تھیں۔ دنیا سے خوش ہونا اللہ سے دور رہنے کی نشانی ہے۔ 2 اپنی چیز پر بھروسہ کرنا رب پر بھروسہ کم ہونے کی علامت۔ 3 مصیبت میں لوگوں کی طرف رجوع کرنا رب کو نہ پہچاننے کی علامت ہے۔ شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا۔

شنیدم کہ جمشید فرخ سرشت ۔ بسر چشمہ برلبسنگے نوشت
بریں چشمہ چوں ما بسے دم زدند ۔ برفتند چوں چشم برہم زدند
گرفتیم عالم بمردی و زور ۔ ولیکن نہ بردیم با خود بگور
برفتند و ہر کس درود آنچہ کشت ۔ نماند بجز نام نیکو و زشت

رب تعالیٰ ہمیں عمر لمبی اعمال نیک دنیوی امیدیں تھوڑی اور عقل کامل اور حسن خاتمہ نصیب فرمائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نفسانی انسان چند چیزوں کو کمال سمجھ کر ان کے لئے دوڑتا ہے۔ مال عزت شہرت حکومت سلطنت پھر الوہیت اور روحانی انسان دوسری چند چیزوں کو کمال سمجھ کر انہیں حاصل کرتا ہے اعمال، رضاء ذوالجلال، پھر فنافی اللہ ہو کر بقاء لا یزال یقیناً یہ کمالات واقعی کمال ہیں اور وہ کمالات بظاہر کمال ہیں اور در حقیقت باعث زوال دیکھو نمرود نے اپنی دانست میں مذکورہ بالا سارے کمالات حاصل کر لئے تھے مگر کس خواری سے مرا اور آج تک کس طرح بدنام ہے کہ کوئی بغیر لعنت ملامت کے اس کا نام بھی نہیں لیتا۔ مبارک ہے وہ شخص جو حقیقی کمال حاصل کر کے بقاء لا زوال پالے۔

اَوۡ كَالَّذِىۡ مَرَّ عَلٰى قَرۡيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوۡشِهَا ‌ۚ قَالَ اَنّٰى
یا مثل اس کے جو گزرا اوپر بستی کے حالانکہ وہ گری ہوئی تھی اوپر چھتوں کے اپنے کہا کیسے زندہ
یا اس کی طرح جو گزرا ایک بستی پر اور وہ ڈھی پڑی تھی اپنی چھتوں پر بولا اسے کیونکر
يُحۡىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا ‌ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ
کرے گا اس کو اللہ پیچھے مرنے اس کے پس موت دی اللہ نے سو برس پھر اٹھایا اسے
جلائے گا اللہ اس کی موت کے بعد تو اللہ نے اسے مردہ رکھا سو برس پھر زندہ کر دیا
قَالَ كَمۡ لَبِثۡتَ ‌ؕ قَالَ لَبِثۡتُ يَوۡمًا اَوۡ بَعۡضَ يَوۡمٍ
کہا کتنا ٹھہرا تو کہا ٹھہرا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا
فرمایا تو یہاں کتنا ٹھہرا عرض کی دن بھر ٹھہرا ہوں گا یا کچھ کم

تعلق : اس آیت کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ مسلمانوں کا ولی ہے۔ اس کے ثبوت کیلئے تین واقعات ارشاد ہوئے۔ ایک کا ذکر پہلے ہو گیا اور دوسرے کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کا پتہ زندگی اور موت سے دیا کہ جس کے قبضہ میں یہ

www.alahazratnetwork.org

دونوں ہیں وہ رب ہے اب اس واقعہ میں اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ رب زندہ کرنے پر اس طرح قادر ہے کہ اپنے ایک بندہ کو سو سال مردہ رکھ کر جلا دیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ لہٰذا اب فرمایا جا رہا ہے کہ پرہیزگاروں کو ہدایت کاملہ اور یقین کے بعد عین الیقین و حق الیقین عطا فرماتا ہے۔ خیال رکھنا چاہئے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار یا کم و بیش انبیاء کرام دنیا میں تشریف لائے۔ مگر قرآن و حدیث میں بہت تھوڑے نبیوں کے نام یا حالات مذکور ہیں۔ قرآن مجید نے خصوصیت سے ان انبیاء کرام کے حالات بہت بیان فرمائے ہیں جن کے متعلق اہل کتاب نے افراط یا تفریط کر دی تھی۔ زیادتی محبت یا عداوت کی وجہ سے ان کے متعلق عجیب قصے گھڑ لئے تھے۔ جن سے ان بزرگوں کے اصلی حالات چھپ گئے تھے۔ جیسے آج جاہل مسلمانوں نے حضرت علی یا غوث پاک کے متعلق عجیب روایت گھڑ لی کہ معراج میں حضور انور کو غوث پاک نے کندھا دیکر عرش پر چڑھایا یا یہ کہ غوث پاک نے ملک الموت کی زنبیل چھین لی اور تمام قبض کردہ روحیں اس سے چھڑا دیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج شب قاب قوسین میں پہنچ کر جب پردہ اٹھا کر دیکھا۔ تو حضرت علی پردہ کے اندر رول رہے تھے یعنی وہ ہی خدا تھے نعوذ باللہ ان انبیاء کرام میں سے حضرت عزیر علیہ السلام بھی ہیں جنہیں یہود اللہ کا بیٹا کہتے تھے۔ اور ان کے متعلق نہایت لغو و بیہودہ روایات گھڑ لی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں انکے کچھ صحیح حالات بیان فرمائے۔

تفسیر: **او کالذی مر** او عاطفہ ہے۔ اور کاف یا اسمیہ ہے بمعنی مثل یا حرف تشبیہ کیلئے یا زائدہ یہ **الذی حاج** پر معطوف ہے اور **الم تر** کا مفعول ہے چونکہ دعویٰ ربوبیت کرنے والے بہت تھوڑے گزرے ہیں اور قیامت کے منکر بہت ہیں اس لئے اس آیت میں **الذی** پر کاف نہ آیا اور یہاں لایا گیا۔ خیال رہے کہ اگر یہ کاف زائدہ ہو تب تو عطف میں کوئی دشواری نہیں اور اگر غیر زائدہ ہے تو عطف کی چند صورتیں ہیں۔ یا یہاں الم تر پوشیدہ مان کر جملہ کو جملہ پر عطف کیا جائے۔ یا وہاں بھی کاف پوشیدہ مانا جائے اس گزرنے والے میں اختلاف ہے کہ وہ کون تھے۔ بعض نے فرمایا کہ ارمیاء ابن حلقیا علیہ السلام تھے۔ جن کا لقب حضرت خضر ہے آپ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہیں یہ ہی حضرت ابن عباس کا فرمان ہے۔ (کبیر و خازن) مگر حضرت قتادہ اور عکرمہ ضحاک وغیرہم نے فرمایا کہ وہ حضرت عزیر ابن شرخیہ علیہ السلام تھے۔ یہ ہی قول زیادہ ترجیح ہے۔ **مر** مرور سے بنا یعنی گزرنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کہیں جا رہے تھے راستہ میں یہ بستی پڑی **علی قریۃ** قریۃ قری سے بنا بمعنی جمع ہونا اسی لئے مہمان کے کھانے کو قری حیض کو قرء کہا جاتا ہے۔ چونکہ بستی میں بھی ہر قسم کے انسان جمع ہوتے ہیں اس لئے اسے قریہ کہتے ہیں۔ اس کا استعمال گاؤں اور شہر دونوں کیلئے ہوتا ہے قرآن کریم نے بڑے شہروں کو کئی جگہ قریہ فرمایا ہے۔ **من القریتین عظیم** مکہ معظمہ اور طائف شریف کو قریہ فرمایا **قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ** یہاں بھی شہر ہی کیلئے استعمال ہوا۔ لہٰذا وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ پہلا جمعہ قریہ جواثی میں ہوا وہاں بھی قریہ سے مراد شہر ہے نہ کہ گاؤں اور اس حدیث کی بنا پر گاؤں میں جمعہ جائز نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی مکمل بحث ہمارے فتاوی نعیمیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ حق یہ ہے کہ قریہ مطلقاً بستی کو کہتے ہیں بلکہ صرف شہر کو اور بدو گاؤں کو اس لئے گاؤں والوں کو بدوی کہا جاتا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ کونسی بستی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ مقام ہولوروان تھا۔ جو طاعون سے ویران ہوا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ سلمہ آباد تھا۔ جو

www.alahazratnetwork.org

فارس کا مشہور شہر ہے۔ بعض نے فرمایا سلمہ آباد تھا جو جرجان یا ہمدان کے متصل ہے۔ بعض نے کہا کہ وہ دیر ہرقل تھا جو بصرہ اور عسکر مکرم کے درمیان ہے۔ بعض نے کہا وہ قریہ عنب ہے جو بیت المقدس سے دو کوس دور ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بستی خود بیت المقدس تھی جسے بخت نصر بادشاہ نے ویران کر دیا تھا۔ (خازن) یعنی اے نبی کیا آپ نے ان کی مثل کو نہ دیکھا۔ جو ایک بستی پر گزرے **وھی خاویۃ علی عروشھا**۔ **خاویۃ** **خوی** سے بنا بمعنی خالی ہونا کہا جاتا ہے۔ خوت المرءۃ یعنی عورت جننے سے فارغ ہو کر خالی ہو گئی۔ جس گھر کی چھت گر جائے اسے بیت خاویہ کہتے ہیں کہ وہ بھی چھت سے خالی ہو گیا۔ عروش جمع عرش کی ہے بمعنی چھت' چھپر ہر چھتی ہوئی چیز کو عرش کہا جاتا ہے۔ جس سے سایہ لیا جائے تخت کو بھی عرش اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اکثر چھپا ہوتا ہے۔ علی یا بمعنی عن ہے یا اپنے ہی معنی میں اگر بمعنی عن ہو تو مطلب یہ ہے کہ وہ بستی چھتوں سے خالی تھی فقط دیواریں کھڑی رہ گئی تھیں۔ اگر اپنے معنی میں ہے تو یہ مطلب کہ اولا چھتیں گریں۔ اور ان پر دیواریں یعنی وہ بستی اپنی چھتوں پر گری ہوئی تھیں۔ **قال انی یحیی ھذہ اللہ بعد موتھا** - **انی** بمعنی کیف ہے۔ یہ سوال شک کی بنا پر نہیں بلکہ حیرت سے ہے کیونکہ انبیاء کرام شک سے محفوظ ہیں۔ اگر **ھذا** سے خود یہ بستی مراد ہے تو حیات سے اس کی آبادی مراد ہے اور موت سے اس کی ویرانی اگر ھذا سے وہاں کی آبادی مراد ہے تو حیات سے زندگی اور موت سے مرنا مقصود یعنی حیرت ہے کہ رب تعالیٰ اس بستی کو ویرانی کے بعد آباد کیسے کرے گا یا یہاں کے مرے ہوئے لوگوں کو کیسے جلائے گا۔ رب نے چاہا کہ انہیں مار کر جلانا دکھائے لہٰذا **فاماتہ اللہ مائتہ عام' اماتہ** سے بنا بمعنی موت' دینا اور مردہ رکھنا۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ آگے اس کا ظرف سو سال آرہا ہے یہاں موت سے نیند مراد لینا یا غشی وغیرہ کوئی اور حالت سمجھنا سخت غلطی ہے۔ بلاوجہ حقیقی معنی نہیں چھوڑے جا سکتے۔ عام' عوم سے بنا بمعنی تیرنا اور گھومنا سال کو عام اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی سورج سارے برجوں میں تیر کر گھوم جاتا ہے۔ یعنی رب نے اس کو سو برس تک مردہ رکھا۔ **ثم بعثہ**۔ **بعث** بمعنی اٹھانا خیال رہے کہ یہاں **ثم احیاہ** نہ کہا کہ پھر انہیں زندہ کر دیا کیونکہ اس میں یہ پتہ نہ لگتا کہ وہ کس حال میں زندہ ہوئے **بعثہ** فرما کر بتایا کہ جس حال میں انہوں نے وفات پائی تھی عاقل بالغ عالم تروتازہ ویسے ہی زندہ ہو گئے گویا سو کر اٹھے ہیں۔ قیامت کے دن کو اسی لئے **یوم البعث** کہتے ہیں کہ وہاں سب عاقل بالغ جوان اٹھیں گے۔ دنیا کی طرح نا سمجھ بچے اور پھر ہوشیار ہوں ایسا نہ ہوگا۔ جو لوگ لفظ بعث کی بنا پر کہتے ہیں کہ آپ مرے نہ تھے بلکہ سوئے تھے۔ یا آپ پر غشی طاری ہو گئی تھی۔ اب جاگ اٹھے یا ہوش میں آگئے اسلئے رب نے بعث فرمایا نہ کہ احیا' انہیں چاہیے کہ تمام مردوں کو مردہ نہ مانیں بلکہ سویا ہوا یا غشی والا مانیں کہ قیامت کے متعلق بھی بعث یا مبعث ارشاد ہوا ہے۔ خیال رہے کہ بعث کے معنی بھیجنا بھی ہے جیسے **اذ بعث فیھم رسولا** زندہ ہونا بھی جیسے **من بعثنا من مرقدنا** لفظ مشترک سے دھوکا نہ کھانا چاہئے۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی زندہ کر کے بعد موت اٹھانا **قال کم لبثت** ظاہر یہ ہے کہ بلاواسطہ رب نے ہی پوچھا اور ہو سکتا ہے کہ کسی فرشتہ نے سوال کیا ہو۔ چونکہ آپ نبی تھے۔ اس لئے یہ سوال بطور وحی ہوا کہ اے عزیر علیہ السلام آپ یہاں کتنا ٹھہرے؟ **قال لبثت یوما او بعض یوم** آپ کا یہ جواب بطور اندازہ ہے۔ دن کے شروع حصہ میں آپ کی وفات ہوئی۔ اور آخر دن اٹھے تو سمجھے کہ وہی دن ہے اسلئے عرض کیا کہ میں دن بھر ٹھہرا یا دن سے بھی کم۔ آپ نے یہ جواب دیتے وقت نہ تو گدھے کو دیکھا نہ سامنے والے شہر بیت المقدس پر نظر ڈالی کہ اگر ہم آج سوئے تھے تو گدھا گل سڑ کیسے گیا۔ اور صرف چند گھنٹے میں یہ انقلاب کیسے آگیا اور اجڑا شہر آباد کیسے ہو گیا۔

www.alahazratnetwork.org

سو برس میں عالم میں بڑا تغیر تبدل ہو جاتا ہے۔ بلکہ صرف آسمان کو دیکھا اور سورج پر نظر ڈالی اور فرمایا کہ ہم نے یہاں ایک دن یا اس سے بھی کم قیام فرمایا ہے۔ چونکہ ابھی آیت پوری نہیں ہوئی اس لئے خلاصہ تفسیر اور اس کا پورا واقعہ اور فوائد اور سوال جواب آئندہ جملہ کی تفسیر میں بیان ہوں گے۔

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَ شَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ

کہا بلکہ ٹھہرے تم سو برس پس دیکھو تم طرف کھانے اپنے اور پانی اپنے کے نہ بسا اور دیکھو طرف گدھے

فرمایا نہیں بلکہ تجھے سو برس گزر گئے اور اپنے کھانے اور پانی کو دیکھ کہ اب تک بُو نہ لایا اور اپنے گدھے

وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ

اپنے کے اور تاکہ کریں ہم تم کو نشانی واسطے لوگوں کے اور دیکھو طرف ہڈیوں کے کیسے اٹھاتے ہیں ہم ان کو

کو دیکھ جس کی ہڈیاں تک سلامت نہ رہیں اور یہ اس لئے کہ تجھے ہم لوگوں کے واسطے نشانی کریں اور ان ہڈیوں

نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى

پھر پہناتے ہیں ہم ان گوشت پس جبکہ ظاہر ہوا واسطے اس کے تو کہا جانتا ہوں میں کہ تحقیق اللہ اوپر

کو دیکھ کیونکر ہم انہیں اٹھان دیتے پھر انہیں گوشت پہناتے ہیں جب یہ معاملہ اس پر ظاہر ہو گیا بولا میں خوب جانتا

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝٢٥٩

ہر چیز کے قدرت والا ہے۔

ہوں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق : پچھلے جملہ میں حضرت عزیر علیہ السلام کے سو برس بعد زندہ ہونے اور وہاں مدت قیام کے اندازہ لگانے کا ذکر تھا۔ اب انہیں غلط اندازہ پر متوجہ کرنے کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے اندازہ میں غلطی کی اور ہم نے صحیح مدت بتائی۔

تفسیر : قال بل لبثت مائة عام قال کا فاعل یا رب تعالیٰ ہے۔ یا فرشتہ بل اضراب کیلئے ہے۔ جو دو کلاموں کے درمیان ہوتا ہے۔ اور اگلے کی نفی کر کے مابعد کو ثابت کرتا ہے۔ اس لئے یہاں لا پوشیدہ ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ بل سے پہلے ما لبثت پوشیدہ ہے اور بل عاطفہ اس کا مابعد جملہ اس پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے خیال رہے کہ لبثت سے ان کے جسم شریف کا وہاں رہنا مراد ہے نہ کہ جسم مع روح کا کہ روح تو نکال لی گئی تھی۔ یعنی رب نے فرمایا کہ اے عزیر علیہ السلام آپ کا جسم شریف ایک دن نہیں بلکہ سو سال یہاں رہا۔ چونکہ بعد موت روح کو جسم سے کچھ تعلق رہتا ہے۔ اس لئے جسم کے مقام کو ان کا مقام قرار دیا۔ جیسے زندگی میں بھی نیند یا غشی کی حالت میں انسان کو بے خبر بنا دیتا ہے کہ وہ جاگنے یا ہوش میں آنے کے بعد اپنے متعلق کچھ خبر نہیں رکھتا کہ میں کہاں رہا اور کتنا رہا ایسے ہی رب تعالیٰ نے انہیں اس زمانہ میں ایسا غیر متوجہ رکھا کہ آپ کو پتہ نہ چلا کہ ہم یہاں کتنے دن رہے لہذا آیت پر یہ اعتراض نہیں کہ بعد موت انسان اپنی جگہ رہ کر جہاں اس کے روح کا مقام ہے وہاں

www.alahazratnetwork.org

کے حالات تو جانتا ہی ہے۔ پھر آپ کو برزخی حالات بھی کیوں یاد نہ آئے رب نے اس وقت انہیں سب کچھ بھلا دیا تھا تاکہ اگلا کلام درست ہو۔ **فانظر الی طعامک وشرابک۔** **انظر** سے آنکھ سے دیکھنا مراد ہے نہ کہ فقط غور کرنا کیونکہ اس کے بعد الی آرہا ہے نیز غذا اور پانی آنکھ سے ہی دیکھے جاتے ہیں۔ طعام سے مراد انگور و انجیر ہیں اور شراب سے پینے کی چیز یعنی شیرہ انگور یا دودھ جسے وہ اپنے پاس رکھ کر سو گئے تھے۔ یعنی اپنی اس غذا اور شربت وغیرہ کی طرف دیکھو کہ **لم یتسنہ** یہ لفظ یا **سنو** ناقص واوی سے بنا ہے اور ہ وقفی ہے۔ جیسے **اقتدہ۔ مالیہ سلطانیہ۔ ماھیہ۔** یا **سنہ** سے بنا اور ہ اصلی ہے۔ ان دونوں کے معنی برس اور سال ہیں باب تفعل میں مگر اس کے معنی ہوئے کسی پر سال گزرنا چونکہ چیز پرانی ہو کر گل سڑ جاتی ہے۔ اس لئے اصطلاح میں اس سے گلنا سڑنا بدبو دینا مراد ہوتا ہے۔ اور ممکن ہے کہ یہ **سنن** سے مشتق ہو بمعنی سڑجانا **من حما مسنون** اور دونون محذوفہ کے عوض ہو۔ (کبیر و روح المعانی وغیرہ) یعنی باوجودیکہ غذائیں بہت جلد گل سڑجاتی ہیں۔ مگر تمہاری غذا سو سال گزرنے پر بھی نہ بگڑی۔ **وانظر الی حمارک** یہ ان کے سو برس ٹھہرنے کی دلیل ہے کہ اے عزیر اپنے گدھے کو تو دیکھو کہ اس کا گوشت اور پوست تو کیا ہڈیاں بھی گل کر ختم ہو گئیں ایک دن میں گدھے کا یہ حال نہیں ہو سکتا۔ **ولنجعلک ایۃ للناس** واؤ یا تو زائدہ ہے اور **جار مجرور** لنبت کے متعلق یا واؤ ابتدائیہ ہے اور **جار مجرور فعلنا** پوشیدہ کے متعلق یا واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ جملہ پر معطوف آیت کے معنی نشانی قدرت ہے اور **ناس** سے مراد ان کی اولاد یا قبیلہ والے یا تمام لوگ ہیں۔ یعنی ہم نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ تم لوگوں کے لئے سراپا نشانی قدرت ہو جاؤ کہ تم جوان ہو اور تمہارے پوتوں کی اولاد بوڑھی (خازن و کبیر) **وانظر الی العظام** یہ واؤ عاطفہ ہے اور انظر پہلے انظر پر معطوف ہے پہلی نظر اپنی مدت قیام معلوم کرنے کیلئے تھی۔ اور یہ نظر احیاء مردہ دیکھنے کیلئے لہٰذا دونوں نظروں میں فرق ہے اور عطف صحیح عظام عظم کی جمع ہے بمعنی ہڈی الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے اس لئے یا تو اپنی ہڈیاں مراد ہیں کیونکہ آپکی آنکھ پہلی کھلی اور باقی جسم شریف بعد میں زندہ ہوا۔ اور یا بیت المقدس والوں کی ہڈیاں مگر صحیح یہ ہے کہ خود گدھے کی ہڈیاں مراد ہیں جو ان کے سامنے گلی ہوئی پڑی تھیں۔ **کیف ننشزھا** یہ **نشز** سے بنا بمعنی بلند جگہ پھر اونچی طرف اٹھانے کو بھی **نشز** کہنے لگے۔ اصطلاح میں ہر اٹھنے کو **نشز** بولا جائے گا۔ **واذا قیل انشزوا فانشزوا** نافرمان عورت کو اس لئے ناشزہ کہتے ہیں۔ یعنی دیکھو ہم ان ہڈیوں کو کس طرح متفرق زمین سے اٹھا کر ایک جگہ جمع کرتے ہیں ایک قرات میں **ننشرھا** رے ہے اس کا مادہ **نشر** بمعنی جمع کرنا یا زندہ کرنا۔ یا پھیلانا ہے۔ **ثم اذا شاء انشرہ** (کبیر) **ثم نکسوھا لحما۔ نکسو** **کسوۃ** سے بنا بمعنی پہننا لباس کو کسوہ اور کمبل کو کساء اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پہنا جاتا ہے چونکہ گوشت ہڈیوں پر ایسے لپٹا ہوتا ہے جیسے جسم پر لباس اس لئے یہاں نکسو فرمایا گیا اور چونکہ ہڈیوں کے نام کام شکل مختلف ہیں اور گوشت یکساں اسی لئے ہڈی کو جمع اور گوشت کو واحد لایا گیا ہے۔ **فلما تبین لہ** یہاں پورا واقعہ پوشیدہ ہے کہ انہوں نے گدھے کو زندہ ہوتے ہوئے دیکھ لیا۔ اگرچہ رب تعالیٰ کے اس فرمان سے ہی حضرت عزیر علیہ السلام کو یقین ہو گیا تھا کہ ہم سو سال تک یہاں رہے رب کی خبر میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ مگر رب نے انہیں اس مدت ٹھہرنے کا حق الیقین دلانے کیلئے تمام کلام ارشاد فرمایا کہ گدھے کی ہڈیاں دیکھو یہ پکار کر کہیں گی کہ آپ یہاں ایک دن نہ ٹھہرے بلکہ دراز مدت تک رہے لہٰذا اس گفتگو پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ کیا حضرت عزیر کو رب کے فرمان پر اعتبار نہ تھا کہ اس کے دلائل قائم فرمائے پھر جب کہ ان کو احیاء موتی ظاہر ہو گئی تو **قال اعلم ان**

www.alahazratnetwork.org

اللہ علی کل شیء قدیر ○ **قال** کا فاعل عزیر علیہ السلام ہیں۔ اور علم سے مراد علم مشاہدہ اور حق الیقین تو پہلے ہی سے حاصل تھا۔ بعض قرات میں **اعلم** بصیغہ امر ہے (خازن) تو قال کا فاعل اللہ اور علم بمعنی نظر ہے۔ شیئی سے یا تو موت اور زندگی مراد ہے یا ہر چیز عزیر علیہ السلام نے کہا کہ میں حق الیقین جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یا رب نے فرمایا کہ اے عزیر دیکھ لو کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یا عزیر علیہ السلام نے عرض کیا۔ میں پہلے سے ہی جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ مجھے انکار نہ تھا حیرت تھی اس سے پتہ لگا کہ حضرات انبیاء کرام کو خطاء اجتہادی ہو سکتی ہے۔ مگر رب تعالیٰ انہیں خطا پر قائم نہیں رہنے دیتا حضرت عزیر کا یہ عرض کرنا کہ میں یہاں دن یا اس سے کم ٹھہرا اجتہادی خطاء تھی۔ جو سورج کو دیکھ کر پیدا ہوئی۔ رب تعالیٰ نے انہیں فوراً اس خطا سے مطلع فرمادیا اس پر کوئی عتاب نہ فرمایا اس سے اجتہاد کے متعلق بہت سے مسائل نکل سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اور حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:

بیت المقدس میں بنی اسرائیل آباد تھے۔ جب ان کا فسق و فجور نافرمانی و طغیانی حد سے بڑھا۔ اور انہوں نے پیغمبر وقت کی ہدایت پر عمل نہ کیا تو عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چھ سو برس بیشتر بخت نصر بابلی نے بیت المقدس پر سخت حملہ کیا۔ اس کے ساتھ چھ لاکھ جھنڈے تھے اور ہر جھنڈے کے ساتھ بیشمار فوج۔ اس نے بیت المقدس کو ویران کر ڈالا۔ توریت شریف کے نسخے جلا دیئے۔ بنی اسرائیل کے تین حصے کئے ایک گروہ کو قتل کر ڈالا۔ دوسرے کو بہت ذلت و خواری سے شام میں رکھا۔ تیسرے کو قید کیا۔ اس قیدی گروہ کی تعداد دس لاکھ تھی۔ ان قیدیوں کو آپس میں تقسیم کر لیا انہیں قیدیوں میں حضرت عزیر و دانیال علیہما السلام بھی تھے جو اس وقت بچے تھے۔ (روح البیان) جب بہت عرصہ بعد ان میں سے بعض لوگ قید سے چھوٹے تو حضرت عزیر علیہ السلام بیت المقدس پر گزرے جو اس وقت اجڑا پڑا تھا۔ آپ تمام شہر میں گھومے۔ کوئی آدمی نہ ملا مگر وہاں کے باغات قسم قسم کے میوے سے لدے ہوئے تھے۔ جن کو کوئی کھانے والا نہ تھا۔ آپ نے کچھ انگور اور انجیر توڑ کر کھائے کچھ انگوروں کا رس نکال کر پیا اور کچھ انگور و انجیر توشہ دان میں رکھ لئے اور تھوڑا سا شیرہ انگور ساتھ لے لیا۔ حدود آبادی سے باہر نکل کر حسرت بھری نگاہوں سے دیکھ کر بولے کہ رب تعالیٰ اسے کیونکر آباد کرے گا اور اب یہاں رونق کیسے ہوگی۔ منظور الٰہی یہ ہوا کہ اپنی قدرت کاملہ انہیں دکھائے۔ آپ نے اپنے دراز گوش کو وہاں باندھ دیا۔ انجیر و انگور کا توشہ دان اپنے سرہانہ ایک جانب اور شیرہ انگور کا برتن دوسری جانب رکھ کر خود آرام کیلئے لیٹ گئے۔ لیٹتے ہی نیند آگئی اور سوتے میں جان نکال لی گئی گدھا بھی مر گیا۔ یہ واقعہ صبح کے وقت ہوا۔ رب تعالیٰ نے بخت نصر بادشاہ کو نمرود کی طرح مچھر سے ہلاک فرمادیا۔ باقی بنی اسرائیل کو آزادی مل گئی۔ ستر برس کے بعد حق تعالیٰ نے شاہان فارس میں سے کسی کو مسلط کیا جو اپنی فوجیں لے کر بیت المقدس پہنچا اور اس کو پہلے سے بھی بہتر طریقہ پر آباد کیا بکھرے ہوئے بنی اسرائیل پھر وہاں آکر آباد ہو گئے اور تیس سال کے عرصہ میں یہ لوگ بہت بڑھ گئے۔ حق تعالیٰ نے حضرت عزیر علیہ السلام کے جسم شریف وغیرہ کو ایسا غائب فرمادیا کہ نہ آپ کو کسی انسان نے دیکھا نہ کسی چرند و پرند و درند جانور نے۔ جب آپ کی وفات کو سو سال پورے ہو گئے تب آپ کو زندہ کیا گیا۔ یہ واقعہ شام کے وقت ہوا۔ تب رب نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنی مدت رہے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ یہ وہی دن ہے جب میں لیٹا تھا تو اندازہ فرمادیا کہ ایک دن بلکہ اس سے

www.alahazratnetwork.org

بھی کچھ کم۔ چونکہ آپ اپنے خیال و اندازے کی حکایت فرمارہے تھے نہ کہ واقعہ کی۔ یعنی میرے اندازہ یہ ہے کہ میں دن بھر یہاں رہا۔ اس لئے نہ یہ کلام جھوٹ ہے اور نہ آپ کا ایسا بولنا کذب۔ کلام بھی سچا ہے اور آپ کا بولنا بھی حق جیسے کہا جاتا ہے **زید قائم فی ظنی** میرے خیال میں زید کھڑا ہوا ہوگا لہٰذا اس جواب میں یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ غلط بات پیغمبر کی زبان پر کیوں آئی۔ اس لئے رب نے اس جواب پر عتاب نہ فرمایا بلکہ واقعہ کی طرف متوجہ کردیا۔ یا کہو کہ حضرت عزیر نے عالم ارواح کا حال بتایا جہاں آپ کی روح تھی وہاں ابھی تک ایک دن بھی نہ گزرا تھا۔ وہاں کا ایک دن ایک ہزار سال کا ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون** اور رب تعالیٰ نے اس دنیا کا ذکر فرمایا جہاں آپ کا جسم شریف تھا یا کہو کہ اس دنیا میں ہی گدھے پر سو سال گزر گئے تھے اور غذا و شربت پر ایک دن گزرا تھا۔ بہرحال یہ کلام جھوٹ نہ تھا۔ چنانچہ رب نے فرمایا کہ نہیں آپ سو سال ٹھہرے رہے۔ اب ہماری قدرت کا نظارہ کیجئے کہ اتنی دراز مدت میں جلد بگڑنے والی غذا و شراب تو نہ بگڑی ایسی ہے۔ جیسے ابھی تیار ہوئی ہے اور گدھا گل سڑ کر برابر ہو گیا اعضا بکھر گئے۔ ہڈیاں سفید چمک رہی ہیں۔ اب دیکھئے ہم کیسے مردہ زندہ کرتے ہیں۔ ایک غیبی آواز آئی کہ اے گلی ہڈیو جمع ہو کر گوشت و پوست کا لباس پہن لو۔ "آناً فاناً" ہڈیاں درست ہو کر تمام جسم تیار ہو گیا۔ دوسری آواز آئی کہ زندہ ہو جاؤ فوراً گدھا زندہ ہو کر آواز کرنے لگا۔ آپ نے خدا کی قدرت کا نظارہ کیا اور فرمایا کہ میں خوب جانتا ہوں کہ رب ہر چیز پر قادر ہے۔ پھر آپ اسی سواری پر سوار ہو کر آبادی کی طرف چلے دیکھا کہ وہ ہی ویران شہر بہت بارونق ہو گیا ہے محلے گلی کوچے سڑکیں وغیرہ سب آباد ہو چکے ہیں۔ آپ کی عمر شریف وہی چالیس سال تھی جو سوتے وقت تھی۔ شہروالوں میں سے کوئی بھی آپ کو نہ پہچانتا تھا۔ آپ اندازے سے اپنے مکان پر پہنچے۔ ایک ضعیف نابینا بڑھیا ملی جس کے پاؤں رہ گئے تھے وہ آپ کی لونڈی تھی اور اس نے آپ کو دیکھا تھا۔ اس کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی کہ آپ کی وفات کے وقت بیس سال کی تھی اور سو سال یہ گزرے۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ کیا یہ عزیر کا مکان ہے۔ وہ بولی ہاں آج کون ہے جو سو برس بعد عزیر کا نام لے رہا ہے۔ ان کو تو گم ہوئے ایک صدی ہو چکی یہ کہہ کر بہت روئی آپ نے فرمایا میں ہی عزیر ہوں اس نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے مجھے سو برس مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا اس نے کہا کہ حضرت عزیر مقبول الدعاء تھے ان کی دعائیں قبول ہوتی تھیں آپ دعا کریں کہ میں انکھیاری ہو جاؤں تاکہ دیکھ کر آپ کو پہچان لوں۔ آپ نے دعا کی تو وہ بینا ہوئی آپ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اٹھ خدا کے حکم سے یہ فرماتے ہی اس کے مرے ہوئے پاؤں درست ہو گئے۔ وہ دیکھ کر پہچان گئی اور کہنے لگی کہ واقعی آپ عزیر ہیں اور آپ کا ہاتھ پکڑ کر بنی اسرائیل کی ایک مجلس میں لے گئی جہاں حضرت عزیر کے فرزند جن کی عمر ایک سو اٹھارہ سال تھی اور آپ کے بڈھے پوتے بھی موجود تھے اور چیخ کر بولی مبارک ہو عزیر آگئے۔ سب نے کہا تو جھوٹی ہے وہ بولی میں وہی اندھی لنگڑی بڑھیا ہوں۔ دیکھو ان کی دعا سے اچھی ہو گئی۔ یہ کہتے ہیں کہ مجھے رب نے سو برس مردہ رکھ کر زندہ فرمایا لوگ اٹھ کر ان کی زیارت کرنے لگے۔ آپ کے بیٹے نے کہا کہ میرے والد کے دو شانوں کے درمیان بالوں کا ایک حلال تھا۔ جسم مبارک کھول کر دکھایا گیا تو وہ موجود تھا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت عزیر کو توریت شریف حفظ تھی۔ آج کل اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں۔ اگر آپ عزیر ہیں تو توریت شریف سنائیے۔ آپ نے توریت سنائی ہی نہیں بلکہ لکھوا بھی دی مجمع میں سے ایک بولا کہ میں نے اپنے والد سے اور انہوں نے اپنے والد سے سنا تھا کہ بخت نصر کی ستم انگیزیوں کے بعد گرفتاری کے زمانہ میں میرے دادا نے ایک جگہ توریت دفن کر دی اس کا پتہ مجھے معلوم ہے۔ چلو

www.alahazratnetwork.org

تلاش کریں شاید مل جائے۔ جستجو سے وہ نسخہ ملا۔ اس نسخہ مدفونہ کو حضرت عزیر کے لکھوائے ہوئے نسخے سے مقابلہ کیا گیا تو حرف بحرف مطابق نکلا۔ تب سب کو یقین ہوا کہ یہ عزیر علیہ السلام ہیں اور یہود نے آپ کو خدا کا بیٹا کہنا شروع کر دیا۔ (تفسیر خزائن العرفان و جمل و خازن و روح وغیرہ)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قدرت الٰہی پر حیرت و تعجب کرنا گناہ نہیں۔ انکار کرنا جرم ہے۔ کیونکہ حیرت بشری کمزوری سے ہے نہ کہ رب کی قدرت کے انکار سے۔ دیکھو پیغمبر نے حیرت کی دوسرا فائدہ: انبیاء کرام کی بارگاہ الٰہی میں وہ عزت ہے کہ سبحان اللہ ' رب تعالیٰ ہر طرح ان کی تسلی تشفی فرماتا ہے۔ دیکھو حضرت عزیر نے تعجب کیا ہی تھا کہ تسلی کر دی گئی۔ کیونکہ یہ تو دنیا کی تسلی کرنے آتے ہیں۔ اگر خود ان کو حیرت و تعجب رہے تو دوسروں کی تشفی کیسے کریں۔ تیسرا فائدہ: داعی کے مراتب اور آداب دعا کے لحاظ سے دعا کا اثر ظاہر ہوتا ہے۔ حضرت عزیر کی تسلی سو برس بعد کی گئی۔ مگر حضرت ابراہیم کی تسلی فوراً ہی کر دی گئی۔ جس کا قصہ اگلی آیت میں ہے۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی خواہش کو پورا فرماتا ہے۔ انہیں منہ سے دعا مانگنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔ دیکھو حضرت عزیر علیہ السلام نے بیت المقدس کی آبادی کی صراحۃً دعا نہ کی صرف حیرت کا اظہار کیا۔ ہاں دل میں تمنا ضرور تھی کہ یہ شہر پھر آباد ہو جائے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تمنا کس شاندار طریقہ سے پوری فرما دی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی قبلہ کی دعا نہ کی صرف شوق وحی میں آسمان کو دیکھا کہ تبدیلی قبلہ واقع ہو گئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرودی آگ سے بچنے کی دعا نہ کی صرف دل میں آرزو تھی کہ رب نے انہیں آگ کے شر سے نہ صرف بچالیا بلکہ آگ کو ہی ٹھنڈا و سلامت کر دیا۔ یہ ہے ان کی محبوبیت پانچواں فائدہ: کسی شخص کا ایمان نبی کے ایمان کی مثل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب کا ایمان بالغیب ہے۔ مگر نبی کا ایمان بالشہادۃ بھی ہے ان حضرات کیلئے اکثر غیوب مشاہدہ کرا دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو مر کر جینے پر ہم سب کا ایمان بالغیب ہے مگر حضرت عزیر و ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام کا ایمان بالشہادۃ ہے کہ انہوں نے مردے زندہ ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو سارا عالم الغیب حتیٰ کہ رب تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ نیز ہمارے ایمان علم حصولی ان کا ایمان علم حضوری کیونکہ نبوت ان کی اپنی صفت ہے اور اپنی ذات و صفات کا علم حضوری ہوتا ہے نیز ہم محض مومن ہیں۔ مگر وہ حضرات مومن بھی اور ایمان بھی۔ ان کا ماننا ہمارے ایمان کا رکن ہے ہمارے کلمہ میں حضور انور کا نام ہے۔ حضور کے کلمہ میں ہمارا نام نہیں کہ وہ میرا امتی ہے۔ چھٹا فائدہ: بعد موت اور قبل پیدائش کا زمانہ عمر میں محسوب نہیں ہوتا۔ دیکھو حضرت عزیر نے چالیس سال کی عمر میں وفات پائی۔ سو سال بعد جب زندہ ہوئے تو وہ ہی چالیس سال عمر شریف تھی۔ اسی کو رب نے لنتہ فرمایا کہ والد چالیس سال کے اور فرزند ایک سو اٹھارہ سال کے بلکہ دادا جوان اور پوتے بوڑھے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ حضرت عزیر کے بال بالکل کالے تھے۔ اور آپ خوب جوان اور آپ کے پوتوں کے بال سفید اور وہ بالکل بوڑھے تھے یہ قدرت رب کی عجیب نشانی ہے۔

قرآنی معمہ : وہ کون صاحب ہیں جو خود چالیس سالہ جوان اور ان کے فرزند ایک سو بیس سالہ اور پوتے نوے سالہ بوڑھے۔ جواب: وہ حضرت عزیر علیہ السلام ہیں۔ جنہوں نے سو سال کی مدت زمانہ موت میں گزاری اور جب زندہ ہوئے تو

www.alahazratnetwork.org

خود جوان تھے۔ مگر آپ کی اولاد بڈھی ساتواں فائدہ: کبھی فساق کی وجہ سے بے گناہوں پر بھی مصیبت آجاتی ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کے فساق کی وجہ سے بے گناہ بچے بھی بخت نصر کی مصیبت میں گرفتار ہوئے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: حضرت عزیر کی عمر شریف اس عارضی موت کے وقت پوری ہو چکی تھی یا نہیں اگر ہو چکی تھی تو دوبارہ زندہ ہو کر کون سی عمر گزاری اور اگر نہیں تو عمر باقی رہتے ہوئے موت کیوں آئی۔ (آریہ) **جواب:** آپ کی عمر باقی تھی اور موت عارضی اس لئے دوبارہ زندہ رہے۔ عارضی موت قدرت الٰہی کا نظارہ کرانے کیلئے تھی۔ چراغ بجھنے کی دو صورتیں ہیں۔ تیل بتی ہی ختم ہو جائے۔ یا دونوں موجود ہوں مگر ہوا سے گل ہو جائے۔ آپ کی یہ وفات دوسری قسم کی تھی۔ عمر کا روغن بتی باقی تھی۔ مگر ارادہ الٰہی کی ہوا نے شمع حیات گل کر کے پھر روشن کر دی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا انبیاء کرام بعد وفات اس عالم سے بالکل بے خبر رہتے ہیں۔ تب ہی تو حضرت عزیر علیہ السلام کو معلوم نہ ہوا کہ ہم یہاں کتنے سال رہے اور نہ آپ اپنے محلہ و مکان کو آسانی سے پہچان سکے اگر اس عالم کی خبر رکھتے تو ان کو سال کے دن و رات و واقعات معلوم رہتے۔ پھر تم ان سے دعائیں کیوں مانگتے ہو۔ اور حاجت کے وقت کیوں پکارتے ہو وہ تو بعد وفات اپنے سے بھی بے خبر ہیں۔ تمہاری کیا خبر رکھیں۔ (دیوبندی) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' الزامی یہ ہے کہ پھر تو نماز میں **السلام علیک ایھا النبی** پڑھنا درود پاک کی تلاوت کرنا۔ نعت شریف لکھنا تمہارے مولوی قاسم صاحب کا یہ شعر کہنا کہ:

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامیء کار

اور روضہ پاک کی حاضری یہ سب بیکار بلکہ ناجائز ہوئیں کہ جب انہیں اس دنیا سے کوئی تعلق ہی نہیں تو انہیں پکارنا بے فائدہ ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ جیسے عزیر علیہ السلام کا سو برس بے حیات رہ کر زندہ ہو جانا بغیر دفن ہوئے سارے عالم کی نگاہوں سے چھپا رہنا' غذا اور شربت کا نہ بگڑنا' عجائبات قدرت میں سے ہے ایسے ہی ان کا زمانہ وفات میں اس عالم سے بے توجہ رہنا بھی کرشمہ قدرت ہے۔ تمام پیغمبروں کا یہ حال نہیں۔ بلکہ انہوں نے زندہ ہو کر بھی گدھے کی سفید ہڈیاں' عالم کی بدلی ہوئی ہوا' باغات اور کھیتوں کے تغیر پر توجہ نہ کی اور بے اختیار کہہ دیا کہ میں یہاں ایک دن رہا اور نہ اگر ان چیزوں میں سے ایک پر بھی غور کر لیتے تو معلوم فرما لیتے کہ مجھے یہاں ٹھہرے ہوئے بہت عرصہ ہو گیا۔ دیکھو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں اور دل بیدار رہتا ہے۔ یعنی سونے کی حالت میں بھی اس عالم سے بے خبر نہیں ہوتے اس لئے نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا۔ مگر شب تعریس میں جب رب کو قضاء نماز کے احکام بتانا منظور ہوئے تو حضور کو نیند میں اپنی طرف ایسا متوجہ فرمایا کہ دن چڑھے آپ کی آنکھ کھلی اور نماز فجر قضا ہو گئی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر نیند میں آپ کو اس جہان سے بے توجہی رہتی ہو۔ نیز ہم کو بہت پرانے گزرے ہوئے واقعات ایسے معلوم ہوتے ہیں جیسے کل گزرے۔ قیامت میں لوگ دنیوی زندگی کو ایک دن یا دو دن سمجھیں گے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ انہیں وہ مدت معلوم نہیں۔ وہ تو یہاں رہ کر کام کاج کر کے عمر گزار کر گئے ہیں۔ صرف اس وقت کی ہیبت سے اندازہ میں غلطی کریں گے جب رب تعالیٰ قیامت میں انبیاء کرام سے پوچھے گا کہ تمہیں تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا تھا تو رعب سلطانی کی وجہ سے بے ساختہ منہ سے نکلے گا۔ **لا علم لنا** ۔ ہو سکتا ہے کہ کلام ربانی کی ہیبت کی وجہ سے

www.alahazratnetwork.org

اندازہ میں خطا ہو گئی کہ صرف ڈوبتے ہوئے دن پر نظر پہنچی اور بہت سی علامات پر توجہ نہ ہوئی ہو۔ نیز وہاں حقیقتاً سو سال ہی گزرے اور حسی ایک دن جیسے محشر کا دن حقیقتاً ایک ہزار سال کا ہو گا لیکن مومنین کیلئے بقدر نماز اور یہاں دونوں قسم کے دن کا اثر موجود تھا۔ کہ گدھے پر سو سال گزر گئے تھے اور کھانے شربت پر ایک دن ہی گزرا تھا۔ لہٰذا عزیر علیہ السلام کا اسے ایک دن فرمانا بھی درست تھا اور رب کا سو سال فرمانا بھی ٹھیک تھا وہ حس کے لحاظ سے تھا اور یہ حقیقت کے لحاظ سے اور یہ بھی معجزہ کے طور پر ہوا۔ اگر یہ حضرات بعد وفات اس جہان سے بے خبر تھے تو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حج اور معراج کی کیسے خبر ہوئی کہ حضور کے حج میں حضرت یونس علیہ السلام و دیگر انبیاء شریک ہوئے۔ اور معراج میں سارے نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہیں کیا خبر تھی کہ اس دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الہتہ یعبدون** ○ اے محبوب اگلے رسولوں سے پوچھ لو کیا ہم نے رب کے سوا اور معبود مقرر کئے۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ نبیوں سے ملاقات بھی کرتے ہیں ان سے گفتگو بھی۔ تب ہی تو ان سے پوچھا جا سکتا ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے عذاب سے ہلاک شدہ قوم سے کلام فرمایا ہے رب فرماتا ہے۔ **قال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی نصحت لکم۔** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد ابو جہل امیہ ابن خلف وغیرہم کی نعشوں سے کلام فرمایا کہ بولو میں سچا ہوں یا نہیں۔ اب تمہیں میری حقانیت معلوم ہوئی یا نہیں غرضیکہ سماع موتی اور حیات اموات پر بیشمار دلائل قائم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بہت سے لوگ حشر ارواح کے معتقد ہیں حشر اجسام کے منکر۔ وہ کہتے ہیں کہ روح کو جسموں میں کمال حاصل کرنے کیلئے ایسا بھیجا گیا تھا جیسے بچہ کو مکتب میں۔ علم حاصل کرنے کے بعد بچہ کو دوبارہ مدرسہ میں نہیں بھیجتے۔ بلکہ دفاتر و اعلیٰ مقامات پر۔ ایسے ہی جب روح بقدر استعداد شر یا خیر کما کر جسم سے نکل گئی تو اب دوبارہ اسے جسم میں ڈالنا اور اس حجرہ میں قید کرنا خلاف حکمت ہے صرف روح کو ہی جنت یا دوزخ میں جانا چاہئے۔ رب نے اپنے کمال فضل و رحمت سے عزیر علیہ السلام اور ان کے گدھے کو موت دیکر غذا اور شراب کو محفوظ اور گدھے کے جسم کو خاکستر کر کے اس شک کا جواب سمجھا دیا۔ روح گویا عزیر ہے جسم گویا گدھا۔ شراب گویا عشق ہے اور غذا اس کے اعمال جیسے کہ عزیر علیہ السلام کا جسم شریف اور غذا' شراب محفوظ رکھا گیا اور گدھا خاکستر کر دیا گیا پھر دوبارہ گدھے کو زندہ کر کے انہیں بیت المقدس میں داخل کیا گیا ایسے ہی جب عزیر روح کو حیات بخشی جائیگی تو اس کے ساتھ اس کا دراز گوش (جسم) بھی زندہ کیا جائے گا اور اس کے اعمال و عقائد بعینہٖ اس عالم میں محفوظ ملیں گے۔ پھر جہاں روح پہنچے گی وہاں اسکا جسم بھی کہ جب جسم اعمال کے وقت روح کے ساتھ رہا۔ تو جزا اور سزا کے وقت بھی ساتھ ہی رہنا چاہئے کیونکہ اس کی سواری ہے۔ عارفین کی روح تجلی جلال و جمال کے جام پئے گی اور **وسقھم ربھم شرابا طھورا** کا ظہور ہو گا تب جسم جنت کے باغوں میں چرے گا اور کوثر و سلسبیل کے حوضوں سے پانی پئے گا۔ (تفسیر روح البیان و ابن عربی) خیال رہے کہ نیک اعمال دو قسم کے ہیں۔ نفسانی و رحمانی۔ نفسانی وہ ہیں جو نفس کے نفع کیلئے کئے جائیں۔ ریا' نام' نمود اور حصول دنیا ان کا مقصد ہو اور رحمانی وہ ہیں جو رضاء رحمان کیلئے کئے جائیں یعنی اخلاص' خشوع و خضوع ان میں داخل ہو۔ چونکہ جسم کو فنا ہے۔ لہٰذا جسمانی اعمال کو بھی فنا۔ یہ اعمال برباد ہو جائیں گے۔ رب فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل**

www.alahazratnetwork.org

فجعلنہ ھباء منثورا حدیث شریف میں ہے کہ ریاکار شہید‘ عالم‘ سخی سب دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور رحمانی اعمال باقی غیر فانی ہیں۔ کیونکہ رحمان باقی ہے تو رحمانی اعمال بھی باقی۔ بلکہ وہ اعمال قیامت میں مع اضافہ کے ملیں گے ان کیلئے رب فرماتا ہے **مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ** اسی طرح عشق و محبت چند قسم کی ہے۔ عشق نفسانی‘ جسمانی‘ روحانی‘ ایمانی‘ رحمانی۔ محبت نفسانی جیسے شہوت کی محبت اور محبت جسمانی اولاد ماں باپ سے رشتہ داروں سے محبت فانی ہے کہ بعد موت ختم ہو جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **یوم یفر المرء من اخیہ وامہ وابیہ وصاحبتہ وبنیہ** اس دن انسان اپنے بھائی‘ ماں‘ باپ‘ بیوی اور اپنے بچوں سے بھاگے گا مگر محبت روحانی جیسے اللہ کے مقبولوں سے محبت ایسے ہی محبت ایمانی اعمال اور اچھی چیزوں سے محبت‘ اور نماز‘ قرآن مدینہ سے محبت ایسے ہی محبت رحمانی جیسے اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب سے محبت باقی ہے جو قیامت میں کام آئے گی۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوالا المتقین** ○ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ طلب جنت کیلئے بھی نیکیاں نہ کرو صرف رضاء الٰہی کیلئے کرو۔

دوسری تفسیر: عقل انسان گویا عزیر ہے۔ قلب گویا بیت المقدس۔ شیطان گویا بخت نصر۔ اس دل کا تجلیات الٰہی سے خالی ہونا گویا اس شہر کی ویرانی ہے۔ کہ اس کی صورت تو قائم مگر اس کا نفع زائل۔ عقل نے دل پر گزر کی اور بارگاہ الٰہی میں اسکی حیات کے متعلق عرض کی کہ مولیٰ یہ غافل دل اور اجڑی بستی تیری تجلیات جمال و جلال سے کیونکر آباد ہوگی اور جہالت کی موت کے بعد اب اسے حیات علم کیونکر آئے گی۔ تو رب نے اس عقل کو سو سال یعنی مدت دراز تک جہالت کی موت میں رکھا پھر اسے حیات علم عطا فرمائی۔ اور اسے فرمایا کہ تو اپنی غذا معلومات کلیہ اور جزئیہ کو دیکھ ویسے ہی موجود ہیں۔ اور اپنی شراب عشق کو دیکھ کہ خراب نہ ہوئی۔ جیسے تجھ کو میثاق کے دن پلائی گئی تھی اب تک موجود ہے۔ اور اب تو اپنے گدھے یعنی قالب کو دیکھ کہ بچپن کی جہالت اور لڑکپن کی غفلت اور ضعف کمزوری سے نکل کر کس طرح زندہ ہوتا ہے کہ ہم اولاً اس کی بکھری ہوئی قوتیں جمع کرتے ہیں۔ اور پھر اسے عرفان کا لباس پہناتے ہیں اور جیسے کہ غذاء شہوت اور شربت وصال سے پرورش کیا تھا ایسے ہی اس جسم کو مختلف غذاؤں اور شربتوں سے پرورش کریں گے۔ جب عقل نے جسم کی یہ حیات اور کمزوری کے بعد قوت اور بے علمی کے بعد علم وغیرہ دیکھے تو چیخ پڑی کہ اللہ ہر شئی پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ

اور جبکہ کہا ابراہیم نے کہ رب میرے دکھا تو مجھے کہ کیسے زندہ کرے گا تو مردے کو فرمایا کیا اور نہ ایمان لایا تو کہا

اور جب عرض کی ابراہیم نے اے رب میرے مجھے دکھا دے تو کیونکر مردے جلائے گا فرمایا کیا تجھے یقین نہیں عرض کی

قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ

ہاں اور لیکن تاکہ مطمئن ہو جائے قلب میرا فرمایا پس لے چار پرندوں میں سے پس ہلائے

کہ یقین کیوں نہیں مگر یہ چاہتا ہوں کہ میرے دل کو قرار آجائے فرمایا تو اچھا چار پرندے لے کر اپنے ساتھ

www.alahazratnetwork.org

فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْ

ان کو طرف اپنے پھر کر لے اوپر ہر پہاڑ کے ان میں سے ایک حصہ پھر بلا تو انہیں آئیں گے وہ تیرے

ہلالے پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھ دے پھر انہیں بلا وہ تیرے پاس چلے آئیں گے

عُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا ۭ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝۲۶۰

پاس دوڑتے ہوئے اور جان کہ تحقیق اللہ غالب حکمت والا ہے

پاؤں سے دوڑتے اور جان رکھ کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مناظرہ بیان ہوا تھا۔ جس میں نمرود کی کج بحثی کا ذکر تھا کہ اس نے قتل نہ کرنے کو زندہ کرنا اور قتل کر دینے کو موت دینا سمجھ کر اپنے کو خدا کہا۔ اب ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے زندہ کرنے کا طریقہ یعنی احیاء موتی دیکھنے کی رب سے درخواست کی۔ جس سے رب اور بندہ میں فرق ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا جس میں بتایا گیا کہ انہوں نے احیاء موتی پر تعجب فرمایا تو خود انہیں پر عمل کر کے دکھایا گیا۔ اب اس سے عجیب تر واقعہ کا ذکر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس پر تعجب کیا تو آناً "فاناً" ان کے سامنے ہی مردہ جانور زندہ کر کے دکھا دیئے گئے۔ غرضیکہ پہلے بھی مردہ زندہ ہونے کا ہی ذکر تھا۔ اب بھی اسی کا ذکر ہے مگر کچھ فرق کے ساتھ۔

تفسیر: **واذ قال ابرٰھم۔** **اذ** یا اگلے قال کا مفعول ہے یا **اذکر** یا **الم تر** فعل پوشیدہ کا مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ **اذ** ایک پوشیدہ فعل **اذکر** کا ظرف ہے۔ **اذکر' ذکر** سے بنا بمعنی یاد کرنا۔ یاد دلانا یا تذکرہ کرنا۔ یعنی اے ہمارے محبوب وہ جو تم نے حضرت ابراہیم کا واقعہ دیکھا بھالا ہے اسے یاد کرو یا بنی اسرائیل کو وہ واقعہ ابراہیم کا یاد دلاؤ جو توریت و انجیل میں مذکور ہے یا اپنے صحابہ سے اس واقعہ کا ذکر کرو۔ تاکہ مسلمانوں کے دل میں رب کی ہیبت اور بزرگی کی عظمت پیدا ہو کہ رب مارنے اور جلانے پر قادر ہے اور پیغمبر کی ضد میں رب تعالیٰ پوری فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عرض پر مردہ پرندوں کو زندہ فرمایا۔ اس ہیبت و عظمت سے ہی ایمان کی بقاء ہے۔ باپ کی ہیبت سے گھر کا استاد کی ہیبت سے مدرسہ کا سلطان کی ہیبت سے ملک کا نظام قائم ہے نبی کی ہیبت سے دین و ایمان کا نظام قائم ہے۔ بلکہ اسلام کا وقار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وقار سے قائم ہے کہ فعل کی عظمت فاعل کے وقار سے ہوتی ہے یا اے مسلمانوں اس واقعہ کا کبھی کبھی تذکرہ کیا کرو تاکہ تمہارے ایمان تازہ ہوتے رہیں۔ بزرگوں کی یادگاریں ایمان میں تازگی پیدا کرتی ہیں۔ غرضیکہ اس اذ کی پانچ تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے یہ عرض کب کی۔ بعض نے کہا کہ ایک بار آپ نے سمندر کے کنارہ ایک مردار پڑا ہوا دیکھا جب کہ سمندر چڑھ کر آتا ہے تو مچھلیاں اس کا گوشت نوچتی ہیں اور جب ہٹ جاتا ہے تو اسے درندے کھاتے ہیں اور اس کے بعد چیل کوے وغیرہ اسے نوچتے ہیں تو عرض کیا کہ مولیٰ تو ان مختلف جانوروں کے پیٹ سے اسے کیسے نکال کر زندہ فرمائے گا کہ ایک جانور کا گوشت درندے' پرندے تیرندے جانوروں میں تقسیم ہو گیا پھر ان مقامات سے جمع کیسے ہو گا نیز ایک ہی پیٹ میں سینکڑوں

www.alahazratnetwork.org

جانوروں کے اجزاء پہنچ جاتے ہیں۔ مرغ' بٹیر' بکری' گائے' بھینس وغیرہ سب کھائے جاتے ہیں۔ ایک ایک پیٹ قبرستان بنا ہوا ہے۔ اس صورت میں اجزاء جسم کیونکر جمع ہوں گے۔ جب آپ کا مناظرہ نمرود کے ساتھ ہوا اور اس نے قتل کو موت دینا اور معافی کو زندہ کرنا سمجھا تو آپ نے جواب دیا کہ میرا رب مرے ہوئے کو زندہ فرماتا ہے وہ بولا کہ کیا کبھی آپ نے یہ دیکھا ہے تب آپ نے یہ دعا کی تاکہ آئندہ کبھی بے دین سے اس قسم کا مناظرہ ہو جائے تو آپ احیاء موتی کی عینی شہادت دے سکیں۔ حضرات انبیاء کے لئے ایمان بالغیب ضروری نہیں ان کو ایمان بالشہادۃ بھی ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں ملک الموت کے ذریعہ خوشخبری بھیجی کہ آپ کو رب نے خلیل بنایا۔ آپ نے پوچھا کہ اس کی علامت کیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ آپ کی دعا سے مردے زندہ ہوں گے۔ تب آپ نے یہ دعا فرمائی۔ 4 آپ سے بعض لوگ سوال کرتے تھے کہ مردے کیونکر زندہ ہوں گے تب آپ نے انہیں دکھانے کیلئے رب سے دعا کی۔ 5 آپ نے صحیفوں میں پڑھا تھا کہ میری اولاد میں عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کریں گے تو رب سے یہ دعا کی۔ 6 جب آپ کو ذبح فرزند کا حکم ملا۔ آپ نے اس میں جلدی کی اور آپ کی قربانی قبول ہوئی۔ تب آپ نے دعا کی کہ مولیٰ تو نے مجھے جاندار کو بے جان کرنے کا حکم دیا میں تیار ہو گیا اب میری خواہش ہے کہ مجھے بے جان کو جاندار کر کے دکھا دے۔ 7 آپ کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ قیامت کے دن سب ہی مردوں کو زندہ ہوتے دیکھیں گے۔ مولیٰ مجھے دنیا میں ہی دکھا دے۔ 8 بعض نے فرمایا کہ احیاء موتی دیکھنا آپ کا اصل مقصود نہ تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ کسی صورت رب تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام کریں۔ اس کے لئے آپ نے یہ ذریعہ اختیار فرمایا (از تفسیر کبیر و خازن) **رب ارنی** رب حق تعالیٰ کی حمد ہے اور قبول دعا کا ذریعہ۔ رب تعالیٰ کبھی تو اپنے نبی کی دلی تمنا بغیر کچھ عرض کئے پوری فرما دیتا ہے۔ جیسے تبدیلیء قبلہ کا واقعہ ہوا اور کبھی اشارۃ "عرض پر جیسے حضرت زکریا کے اشارے پر انہیں فرزند کی بخشش ہوئی۔ اور کبھی صراحۃ "عرض پر اس **قال**' سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے صراحۃ دعا کی۔ دعا کے وقت رب کو پکارنا سنت ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اے ربنا یا رب کہہ کر پکارے کہ اکثر انبیاء کرام نے اس نام سے پکارا ہے۔ **ار**' **اراءۃ** کا امر ہے۔ جس کا مادہ رئی ہے۔ آنکھ کی بصارت کو بھی رویت کہتے ہیں۔ اور دل کی بصیرت کو بھی۔ یعنی دکھانا یا سمجھانا بتانا جیسے رب فرماتا ہے۔ **وارنا مناسکنا**' خدایا ہمیں ارکان حج دکھا دے یعنی بتا دے سمجھا دے مگر یہاں آنکھ سے دکھانا مراد ہے۔ کیونکہ وہ دل سے تو پہلے ہی جانتے تھے' سمجھے ہوئے تھے۔ بلکہ لوگوں کو سمجھاتے و بتاتے تھے۔ نیز اگلا واقعہ بتا رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں دلائل سے نہ سمجھایا بلکہ آنکھوں دکھایا۔ لہذا یہاں آنکھوں دکھانا ہی مراد ہے مرزائیوں کا اسے سمجھا دینے کے معنی میں کرنا تفسیر نہیں تحریف ہے۔ باب افعال میں آکر اس نے دو مفعولوں کو چاہا پہلا مفعول یہ ہے اور دوسرا **کیف تحی الموتی** یہ کیف بمعنی کیفیت ہے۔ جیسے **وتبین لکم کیف فعلنا بھم** (روح المعانی) یعنی اے میرے پالنے والے تو مردہ زندہ کرنے کی کیفیت مجھے آنکھوں سے دکھا دے۔ خیال رہے کہ احیاء موتی کا سوال نہیں فرمایا کہ تو زندہ کرے گا یا نہیں بلکہ عرض کیا کہ یہ تو مجھے یقین ہے کہ تو زندہ کرے گا مگر مجھے دکھا دے کہ کیسے زندہ کرے گا۔ چونکہ معترض کو یہ کہنے کا موقعہ مل سکتا ہے کہ آپ کو مردوں کی زندگی میں شک تھا اس لئے رب نے ان سے کہلوالیا **قال اولم تومن**۔ **قال** سے نیا جملہ ہے اور **اولم** میں ہمزہ استفہامیہ اور واؤ عاطفہ ہے۔ اور ہمزہ کے بعد ایک فعل پوشیدہ یعنی **الم تعلم ولم تومن** اگر سوال کے موقعہ پر یہ آیت آئی ہے تو ایمان بمعنی یقین ہے اور اگر خلت کی بشارت پر یہ آیت آئی تو ایمان بمعنی اطمینان۔ رب نے فرمایا کہ کیا تمہیں احیاء موتی کا یقین نہیں یا کیا تمہیں اطمینان

www.alahazratnetwork.org

تمیں کہ فرشتے نے بچی بشارت دی ہے اور آپ خلیل اللہ ہیں۔ **قال بلی ولکن لیطمئن قلبی**۔ بلی منفی کا ثبوت ہے۔ اور نعم نفی کا یعنی ہاں میں ایمان لایا اگر نعم ہوتا تو معنی یہ ہوتا کہ ہاں میں ایمان نہ لایا اسی لئے میثاق کے دن تمام روحوں نے **الست بربکم** کے جواب میں **بلی** عرض کیانہ کہ **نعم**۔ **لیطمئن** اطمینان سے بنا اس کا مادہ ہے۔ **طمئن** بمعنی سکون باب اقشعرار کا مضارع ہے بعض لوگوں نے کہا کہ یہ اصل میں **یطمئن** تھا۔ قلب ہو کر **یطمئن** ہوا۔ یعنی خداوندا میں ایمان تو لایا مگر علم الیقین سے ترقی کرکے عین الیقین چاہتا ہوں۔ تاکہ مجھے حق الیقین کا اطمینان حاصل ہو۔ **قال فخذ اربعۃ من الطیر' فخذ** میں ف جزائیہ ہے اور طیر صفت شبہ یا **طار یطیر** کا مصدر ہے بمعنی اسم فاعل یعنی رب نے فرمایا کہ تم چار پرندے پکڑ لو۔ آپ کو اختیار تھا کہ جو چاہیں لے لیں۔ مگر آپ نے مور' مرغ' کبوتر یا گدھ اور کوا لیا۔ (خزائن العرفان و کبیر وغیرہ) چونکہ حضرت خلیل کو تین چیزیں دکھانا تھیں۔ مردوں کے اجزاء جسم کا مختلف مقامات پر آ کر ملنا۔ ہر قسم کے مخلوط گوشتوں کی چھانٹ۔ مردہ میں جان پڑنا۔ اس لئے رب نے چار پرندے ذبح کرنے کا اور انہیں چار پہاڑوں پر رکھنے کا حکم دیا یہ پہاڑ گویا درندوں کے پیٹ ہیں۔ اور مخلوط گوشت پوست گویا ان پیٹوں میں مختلف جانوروں کے گوشت ہیں۔ حضرت عزیر کو صرف مردہ جلانا دکھانا تھا اس لئے وہاں صرف ایک مردہ جلایا گیا۔ **فصرھن الیک** ہماری قرات میں ص کے پیش سے ہے بعض قراءتوں میں ص کے زیر سے بھی ہے۔ اس کا مادہ صور یا صیر ہے۔ صار۔ صور اور صار۔ صیر بمعنی کاٹنا اور مائل کرنا۔ صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے۔ بعض نے اسے حبشی یا رومی مانا ہے (روح المعانی) اگر یہاں صر بمعنی کاٹنا اور ذبح کرنا ہو تو الی کا متعلق پوشیدہ ہے۔ اور اگر بمعنی پالنا اور ملا لینا ہے تو الی صرھن کے متعلق یعنی انہیں اپنی طرف مائل کر لو اور ہلا لو تاکہ تمہیں پہچان رہے کہ تمہارے ہی پرندہ زندہ ہوئے دوسرے نہیں آگئے۔ یا انہیں ذبح کر دو اور ان کے سر اپنی طرف رکھ لو۔ عبداللہ ابن عباس کی قرات میں صرھن ہے تصریۃ سے ہے باب تفعیل کا امر۔ اس کے معنی ہیں جمع کرنا۔ جس گائے کا دودھ چند روز نہ دوہا جائے اسے مصرات کہتے ہیں۔ (روح المعانی) یعنی ان سب پرندوں کو جمع کر لو کہ یہ کام ایک دم ہو نہ کہ آگے پیچھے **ثم اجعل علی کل جبل منھن جزءا ثم** مہلت کے لئے ہے۔ اجعل کے معنی ہیں رکھ دو یا ڈال دو۔ جبل لغت میں مضبوط گڑی ہوئی میخ کو کہتے ہیں اصطلاح میں ہر مضبوط چیز کو جبل کہہ دیتے ہیں۔ اسی لئے پیدائشی خصلت کو جبلت اور مضبوط جماعت کو جبل کہتے ہیں۔ **ولقد اضل منکم جبلا کثیرا** (روح البیان) آیت **ویسئلونک عن الجبال**۔ پہاڑ کو بھی اس کی مضبوطی کی وجہ سے جبل کہا جاتا ہے دنیا میں کل چھ ہزار چھ سو تہتر پہاڑ ہیں یہاں کل جبل سے یا چار پہاڑ مراد ہیں۔ شرقی غربی' جنوبی' شمالی' یا سات یا دس یا اس میدان کے سارے پہاڑ (روح المعانی)۔ **منھن** کا مرجع یا بمعنی جمع ہے جز بمعنی ٹکڑا یعنی اے ابراہیم علیہ السلام تم ان چاروں پرندوں کے ٹکڑے کرکے ان کا قیمہ بال و پر کے ساتھ ملا کر مختلف پہاڑوں پر رکھ دو **ثم ادعھن** پھر ان مردوں کو بلاؤ کہ اے ٹوٹی ہڈیو اور بکھرے ہوئے گوشت اور کٹی ہوئی رگو! رب کے حکم سے جمع ہو جاؤ تو تمہاری آواز نفخۂ صور کا کام دے گی کہ **یاتینک سعیا** وہ پرندے اڑتے ہوئے نہیں دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئیں گے۔ **سعیا' یا تسعی** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ یا بمعنی اسم فاعل حال ہے۔ **واعلم ان اللہ عزیز حکیم** جان رکھو کہ اللہ تعالٰی غالب ہے اسے کوئی شے مجبور نہیں کر سکتی' حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سمندر کے کنارے گزرے۔ ملاحظہ فرمایا کہ وہاں ایک مردار پڑا ہے۔ جب سمندر جوش مار کر اس تک پہنچتا ہے تو مچھلیاں اس کا گوشت نوچتی ہیں اور جب سمندر اتر جاتا ہے تو کبھی درندے جانور اسے کھاتے ہیں۔ اور کبھی پرندے۔ آپ نے خیال فرمایا کہ ایک مردار کتنے پیٹوں میں پہنچا۔ اس کا گوشت پوست قیامت کے دن جمع کیونکر ہو گا اور یہ کس طرح زندہ کیا جائے گا۔ تب بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے احیاء موتٰی کی کیفیت دکھا دے رب نے فرمایا کیا تم اس پر ایمان نہ لائے۔ عرض کیا کہ ہاں ایمان تو لایا مگر چاہتا ہوں کہ بجائے خبر کے مشاہدہ کر لوں۔ اور علم یقین سے ترقی کر کے عین الیقین تک پہنچوں۔ اور میرے قلب کو مشاہدہ کا اطمینان اور سکون حاصل ہو جائے تب ارشاد ہوا کہ اچھا تم چار پرندے لو۔ اور انہیں پال پوس کر اپنے سے خوب ہلا لو۔ تاکہ تمہیں اس کی خوب پہچان ہو جائے۔ پھر ان سب کو ذبح کر کے معہ ہڈی، پر و بال وغیرہ کے ان کا خوب قیمہ کر ڈالو۔ پھر اس کے کئی حصے کر کے کسی پہاڑی میدان میں چند پہاڑوں پر ان کا ایک ایک حصہ رکھ دو اور میدان میں کھڑے ہو کر انہیں آواز دو کہ اے پرندو اللہ کے حکم سے میرے پاس آؤ وہ فوراً زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے آجائیں گے اور جان رکھو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔ چنانچہ آپ نے مور، مرغ، کبوتر یا گدھ اور کوے کو ذبح کر کے ان کے گوشتوں کا قیمہ کر کے سب کے اجزاء خلط ملط کر کے چار یا سات یا دس پہاڑوں پر ایک ایک حصہ رکھا اور ان سب کے سر اپنے پاس رکھے۔ پھر پکارا اے چڑیو! میرے پاس حکم الٰہی سے آجاؤ۔ یہ فرماتے ہی اجزاء اڑے اور ہر ہر جانور کے اجزاء علیحدہ علیحدہ ہو کر اپنی ترتیب سے جمع ہوئے۔ یہاں تک کہ خون کا ہر قطرہ دوسرے قطرہ سے ملا اور ہر پر اڑ کر دوسرے پر سے مخلوط ہوا اور ہر ہڈی اڑ کر دوسری ہڈی تک اور ہر پارۂ گوشت دوسرے پارۂ گوشت تک پہنچا۔ یہاں تک کہ فضا میں چاروں جانوروں کے جسم بن کر دوڑتے ہوئے آپ کی طرف آئے اور اپنے سروں سے مل کر پورے پرندے بن گئے۔ سبحان اللہ

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان چونکہ بسیط چیز ہے اس لئے اس میں مقداری زیادتی کمی نہیں ہو سکتی مگر کیفیت کے لحاظ سے کمی بیشی ہوتی ہے کہ دیکھی بات کا یقین سنی ہوئی سے اعلیٰ ہوتا ہے۔ جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام کو حاصل ہوا۔ ہمیں آج بھی قیامت کا یقین ہے اور قیامت دیکھ کر بھی یقین ہی ہو گا مگر اس سے اعلیٰ۔ **دوسرا فائدہ:** یقین کے دو درجے ہیں۔ علم الیقین جو سن کر حاصل ہو عین الیقین جو دیکھ کر **ثم لترونها عين اليقين** حق الیقین اس چیز میں فنا ہو کر۔ رب فرماتا ہے **ان هذا لهو الحق اليقين** ایمان کیلئے علم الیقین کافی ہے۔ جو ابراہیم علیہ السلام کو پہلے سے حاصل تھا۔ دیکھو ہم کو آج بھی مکہ معظمہ کا یقین ہے مگر سن کر اور جب دور سے شہر دیکھ لیں تو بھی یقین ہو گا مگر دیکھ کر اور جب وہاں داخل ہو جائیں اس کی گلی کوچوں کی سیر کر لیں گوشہ گوشہ سے واقف ہو جائیں پھر بھی یقین ہو گا مگر اس میں داخل ہو کر۔ پہلا علم الیقین ہے دوسرا عین الیقین تیسرا حق الیقین۔ جب ہم خود مر کر جئیں گے تو اس کا حق الیقین ہم کو حاصل ہو گا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور علیہ السلام سید الانبیاء اور افضل البشر ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کمال تھا کہ انہوں نے احیاء موتٰی کا مشاہدہ کیا۔ مگر حضور علیہ السلام نے جنت و دوزخ حشر و نشر بلکہ رب تعالیٰ کو بچشم سر دیکھا۔ **چوتھا فائدہ:** دعا کی قبولیت دعا مانگنے والے کے درجہ کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ عزیر علیہ السلام نے بھی یہ تمنا کی تھی۔ اور ابراہیم علیہ السلام نے بھی مگر ان کی دعا بعد ظاہر ہوئی اور آپ کی فوراً **پانچواں فائدہ:** زیادتی علم کی ہمیشہ کوشش کرنی چاہئے مال کی حرص بری مگر علم کی حرص اچھی ہے

www.alahazratnetwork.org

دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے وسیع علم کے باوجود ترقی علم کی کوشش کی۔ حضور علیہ السلام کو حکم ہوا **قل رب زدنی علما** کمال پر قناعت صبر ہے مگر کم علم پر قناعت کرنا غلطی۔ چھٹا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی ضد پوری فرماتا ہے۔ اور ان کی عرض پر اپنے قوانین بدل دیتا ہے۔ دیکھو مردے زندہ ہونا قیامت میں بذریعہ صور اسرافیل ہوگا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عرض پر ابھی دنیا میں مردے زندہ کردیئے گئے۔ قانون اور ہے محبوبیت کا اظہار کچھ اور ساتواں فائدہ: اگر حضرت خلیل اللہ کی دعا سے مردے زندہ ہو سکتے ہیں تو حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے مردہ دل بھی زندہ ہو سکتے ہیں۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کی دھلیں کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کیونکہ نہ ہو کہ یہ حضرات رب کی مانتے ہیں تو رب بھی ان کی مانتا ہے۔ آٹھواں فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کو کسی قسم کا شک نہ تھا۔ بلکہ کامل ایمان سے اکمل کی طرف ترقی کرنے کا شوق' اسی لئے رب نے ان سے اقرار کرالیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ **نحن احق بالشک من ابرھیم** یعنی بمقابلہ ابراہیم کے ہم زیادہ شک کے مستحق ہیں اس کا یہی مطلب ہے کہ انہیں شک نہ تھا۔ اگر انہیں ہوتا تو ہمیں بدرجہ اولیٰ ہوتا۔ مگر ہمیں تو ہے نہیں تو انہیں بھی نہیں۔ نواں فائدہ: علم استدلال سے علم معائنہ افضل ہے کہ دلیل میں ضعف اور معائنہ میں قوت ہے۔ اسی لئے علماء ظاہری سے صوفیاء کرام اعلیٰ ہیں۔ دسواں فائدہ: اگرچہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے مگر وسیلہ و واسطہ سے۔ دیکھو ان پرندوں کو رب نے زندہ کیا۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز کے وسیلہ سے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو شفا دی مگر ان کے قدم سے پیدا شدہ پانی کے ذریعے سے تاکہ کوئی شخص اپنے کو نبی سے مستغنی نہ جانے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: مسلمانوں کا خدا گویا بھان متی کا تماشا کرتا ہے کیا ایسی ہی باتوں سے خدا کی خدائی ظاہر ہوتی ہے۔ (ستیارتھ پرکاش) جواب: نہ معلوم پنڈت دیانند کی وہ کون سی بھان متی تھی اور کہاں رہتی تھی جو مردے زندہ کرتی ہو۔ اگر قدرت کا اظہار بھان متی کا تماشا ہو اکرے تو ماں کے پیٹ میں بچہ بننا چاند سورج کا طلوع غروب' جانداروں کا بے جان کرنا سب تماشا ہی ہو جاوے۔ شاید پنڈت جی کے دم میں دنیا کے یہ سارے کام ایشور نہ کرتا ہوگا۔ کوئی بازیگر کر رہا ہوگا۔ پنڈت جی! قدرت کے نظارے رب کے دلائل ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی ابراہیم علیہ السلام سے افضل ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا کہ **لیطمئن قلبی** مگر حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر میرے سامنے پردہ اٹھا دیا جائے تو میرے یقین میں کوئی زیادتی نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ وہ بغیر دیکھے کامل یقین پر ہیں (روافض) جواب: ہر چیز کا کمال کمال والے کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ نبی کا کمال یقین کچھ اور ہے اور ولی کا کچھ اور۔ ولایت کا کامل یقین نبوت کے اصل یقین سے بھی ضعیف ہے۔ سیدنا علی کو ولایت کا کمال یقین حاصل تھا۔ جس سے ابراہیم علیہ السلام کا نفس یقین کہیں اعلیٰ ہے۔ آپ نے اپنے لحاظ سے کمال یقین کی درخواست کی انبیاء کی بشریت دوسروں کی بشریت سے تو کیا فرشتوں کی ملکیت سے بھی افضل ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم کو بھی سہو ہوتا ہے۔ صدیق اکبر نے سن کر عرض کیا۔ **یلیتنی کنت سھو محمد** (روح المعانی) وہ سمجھتے تھے کہ حضور کا سہو تمام کی یاد سے افضل ہے۔ ان کی نیند شریف ہماری بیداری سے ان کا دنیوی کاروبار فرمانا ہمارے ساری عمر کے

www.alahazratnetwork.org

سجدوں سے افضل۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت شیخ اکبر ابن عربی اور حضور غوث پاک نے فرمایا کہ اے گروہ انبیاء ہم میں اور تم میں فرق صرف نام کا ہے ورنہ ہمیں وہ چیزیں ملیں جو تمہیں نہ ملیں اس سے معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ کے ولی دیگر انبیاء سے افضل ہیں؟ **جواب:** حضور سرکار بغداد پر یہ اتہام ہے ہاں شیخ اکبر کی طرف اس قول کی نسبت ضرور ہے۔ مگر وہ دوسرے مقام پر یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجھے دور سے مقام نبوت کی تجلی سوئی کے ناکہ کے برابر دکھائی گئی۔ تو قریب تھا کہ میں جل جاتا۔ اس میں اپنے عجز و ضعف اور انبیاء کرام کی قوت کا پورا اقرار ہے۔ اگر انہوں نے پہلی بات فرمائی بھی تو ہو تو وہ حقیقت محمدیہ اور ذات احمدیہ میں فنا ہونے کی حالت میں ہے۔ جب کہ ان کی زبان اس کی زبان تھی۔ اور ان کا کلام اس کا کلام ہے۔ جیسے فنافی اللہ کو۔ حضرت منصور نے کہہ دیا تھا انا الحق **چوتھا اعتراض:** رب نے اظہار قدرت کے لئے پرندے کیوں مقرر فرمائے؟ **جواب:** اس لئے کہ پرندہ انسان سے قریب تر ہے اور اس میں خصوصیات انسانی زیادہ ہیں اور بعض اعضاء میں انسان سے بڑھ کر نیز پرندے ہوا میں اڑتے ہیں اور اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی ہمت بھی ملک سے ملکوت تک تھی تو یہ معجزہ ان کی ہمت کے مشابہ دکھایا گیا۔ نیز ان کے ذبح کرنے 'قیمہ وغیرہ کرنے میں آسانی بھی تھی۔ **پانچواں اعتراض:** **لیطمئن قلبی** سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اب تک قیامت میں اٹھنے پر اطمینان دل نہ تھا۔ اس میں کچھ تردد و شک و شبہ تھا پھر وہ مومن کیونکر ہوئے۔ ایمان میں تو ایسے یقین کی ضرورت ہے کہ نہ تو فی الحال تردد ہو اور نہ آئندہ شک و شبہ پیدا ہو سکے فی الحال تردد ہو تو ظن ہے اور آئندہ تردد ہو سکے تو تقلید کہلاتا ہے نہ کہ یقین۔ ایمان یقین کا نام ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جو اطمینان ایمان کیلئے ضروری ہے وہ تو آپ کو حاصل تھا۔ یعنی علم الیقین اور جس طرح اطمینان کی خواہش کی وہ کمال ایمان کیلئے ضروری ہے یعنی عین الیقین۔ غرضیکہ کمال ایمان اور نفس ایمان کچھ اور۔ دوسرے یہ کہ یہاں اطمینان سے مراد وہ یعنی گواہ بننا ہے جس کے بعد گواہی عین دی جاسکے۔ آپ کا خیال تھا کہ جیسے میں نے نمرود سے رب کی قدرت کا ذکر کیا وہ نہ سمجھا اس نے مارنے جلانے کے معنی کچھ اور ہی لئے اگر میں کہتا کہ رب تعالیٰ مردہ میں جان ڈال کر اسے زندہ کرتا ہے تو وہ پوچھ سکتا تھا۔ کیا آپ نے ایسا ہوتے دیکھا ہے تو یعنی اس کا دعویٰ یا گواہی نہ کر سکتا تھا۔ اب میں اپنی آنکھوں سے مردہ جیتے دیکھوں تاکہ موقعہ پر عینی گواہی دے سکوں اپنے علم کے لئے اطمینان اور ہے' دوسرے کے سامنے گواہی دینے کیلئے اطمینان کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: جہالت قلب کی موت اور علم اس کی زندگی ہے۔ جسم گویا قفس ہے۔ جس میں چار غیبی پرندے قید ہیں' عقل' قلب' نفس اور روح۔ فرمایا جارہا ہے کہ حیات چاہنے والے کو چاہئے کہ باب الملکوت پر عقل کو محبت کی چھری سے ذبح کرے اور جبروت کے دروازہ پر قلب کو شوق کی چھری سے۔ میدان فردیت میں نفس کو عشق کی چھری سے اور بارگاہ ربانی میں روح کو عجز کی چھری سے ذبح کر ڈالے اور سب کے چار حصے کرے پھر عقل کو عظمت کے پہاڑ پر اور قلب کو کبریائی کے پہاڑ پر اور نفس کو کوہ عزت پر اور روح کو جبل نور پر رکھے تاکہ عقل پر ربوبیت کے انوار چھاجائیں اور قلب قدسی صفات سے موصوف ہو جائے اور نفس نور عظمت سے منور ہو جائے اور روح نور الانوار اور سر الاسرار بن جائے۔ پھر ان کو سر عشق کی آواز سے پکارو تا کہ وہ تم تک محل احدیت سے محض عبدیت تک دوڑتے ہوئے آئیں۔ (روح المعانی)

دوسری تفسیر: ان چار پرندوں میں چار عیوب ہیں اور یہ چاروں نفس میں موجود۔ مور میں زینت' کوے میں امید' مرغ میں

www.alahazratnetwork.org

شہوت اور گدھ میں حرص- جب تک کہ ان چاروں عیوب کو مجاہدہ کی تلوار سے ذبح نہ کیا جائے گا- قلب کو حیات مشاہدہ نہ ملے گی- مولانا فرماتے ہیں -؎

حرص بط یکسات ایں پنجاہ تاست　　حرص شہوت مار و منصب اژدہاست
صد خورندہ گنجد اندر گرد خواں　　دو ریاست ورنہ گنجد در جہاں
کاغ کاغ و نعرہ زاغ سیاہ　　دائما باشد بدنیا عمر خواہ
ہمچو ابلیس از خدائے پاک فرد　　تا قیامت عمر تن درخواست کرد
عمر و مرگ ایں ہر دو باحق خوش بود　　بے خدا آب حیات آتش بود
عمر خوش در قرب جاں پروردن است　　عمر زاغ از بہر سرگیں خوردن است

تیسری تفسیر: چار پرندے نفس کے چار عیب ہیں- جو چار عناصر سے پیدا ہوئے- ہر دو عنصروں کے ملنے سے دو عیب مٹی اور پانی سے حرص و بخل' آگ اور ہوا سے غضب اور شہوت پھر ان عیوب سے صدہا دوسرے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں- حرص حسد کی زوجہ ہے- بخل کینہ کی اور غصہ تکبر کی زوجہ شہوت ان سب کی ساتھی- ان جوڑوں کے ملنے سے جس قدر ان کی ذریت پیدا ہوتی ہے وہ شمار سے باہر ہے حضرت خلیل کو حکم دیا گیا کہ صدق کی تلوار سے ان عیوب کی جڑوں کو کاٹو کہ ان کے آثار تک مٹادو پھر انہیں چار پہاڑوں پر رکھو جو کہ انسان کے چار نفوس ہیں نفس نامیہ' نفس امارہ' قوت شیطانیہ اور قوت ملکیہ- جب ان پر شریعت کلہاڑی پڑے گی- اور انہیں طریقت کی ہوا لگے گی تو اس سے اعمال کے مختلف باغات اور کھیتیاں پیدا ہوں گی جن سے ثواب کے پھل کھائے جائیں گے- خیال رہے کہ عمدہ بیج جب پاک مٹی اور گندے کھاد سے ملتا ہے- اور اس پر کامل کسان محنت کرتا ہے- تب اس سے اچھے پھل پیدا ہوتے ہیں- ایسے ہی جب شیخ اپنے مریدین کے چار عیوب کو چار قوتوں کے ساتھ مخلوط کرے گا تو اس سے اچھے پھل پیدا ہوں گے- اور روح کو حیات ابدی حاصل ہوگی (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہمارے عقل' دل' دماغ' روح وہ پرندے ہیں جو دنیا میں آکر گویا مردے ہوگئے اور دنیا سے ایسے خلط ملط ہوگئے کہ ممتاز نہ رہے- اب ان کی زندگی کسی ایسے کامل مرشد کی نگاہ کرم سے ہو سکتی ہے- جس کی آواز صور اسرافیل کا کام دے- یہ چار پرندے ہمارے اندر موجود ہیں اور آواز خلیل بھی آپ ہی ہیں انہیں زندگی بخش دی ہے- تا قیامت یہ سلسلہ قائم رہے گا- یا ہماری عبادات پر چار چیزیں ہیں فرائض' واجبات' سنتیں' مستحبات- یہ چار چیزیں اگر آواز پیغمبر اور ہدایت نبی سے خالی ہیں تو مردہ ہیں اگر ادھر سے فیضان آجائے تو زندہ ہو جائیں -؎

گر بہ اواء نماز تو نہ شوے بے نقاب　　بست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب

ضروری نوٹ: قادیانی اور مولوی ثناء اللہ امرتسری' ابراہیم علیہ السلام کے اس معجزے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان پرندوں کو ذبح نہ کیا گیا تھا جزء سے ان کے گوشت کے اجزاء مراد نہیں بلکہ چادر کا ایک جز ہے وہی یہاں مراد- جیسے رب فرماتا ہے لکل باب منہم جزء مقسوم جہنم میں انسانوں کے گوشت نہ جائیں گے بلکہ خود انسان' مولوی ثناء اللہ پر غیر مقلدوں نے اسی وجہ سے الحاد اور بے دینی کا فتویٰ دیا- دیکھو غزنوی پارٹی کی کتاب الاربعین فی ان ثناء اللہ من المحدثین اور جب ان کی

www.alahazratnetwork.org

تفسیر ثنائی ابن سعود والی حجاز کی نظر سے گزری تو سنا گیا ہے کہ اس نے بھی انہیں توبہ کا حکم دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ مردہ پرندوں کو پکارنے کے کیا معنی ہیں۔ زندہ کو ہی پکارا جاتا ہے۔ مگر سمجھ میں نہیں آتا کہ اس معجزے کے انکار کی کیا وجہ ہے۔ مفسرین' محدثین' تابعین' صحابہ کرام بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر یہ ہی فرمائی۔ ابن جریر ابن ابی حاتم عبد حمید بیہقی ابن منذر وغیرہم نے عبداللہ ابن عباس سے یہ ہی روایت فرمائی کہ انہوں نے ذبح فرما کر گوشت کا قیمہ چار پہاڑوں پر رکھا تھا۔ دیکھو تفسیر در منثور و کبیر۔ نیز اگر زندہ پرندے اڑا کر دکھائے گئے تو ابراہیم علیہ السلام کے سوال کا جواب کیسے بنا۔ وہ تو احیاء موتیٰ دیکھنا چاہتے تھے نیز پلے ہوئے جانوروں کو دن رات پکارا ہی کرتے ہیں پھر انہیں پہاڑوں پر بٹھا کر کیوں بلوایا گیا۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کا مردہ پرندوں کو پکارنا تکوینی تھا۔ جیسے رب تعالیٰ کا کن فرمانا اگرچہ ہر ایک چار کا جز ہے۔ مگر جزء کے معنی صحابہ کرام سے وہ منقول ہیں جو ہم نے بیان کئے۔ تو فقط رائے سے تفسیر کرنا کیونکر جائز ہوگا۔ تفسیر میں نقل چاہیے۔ محض قیاس کا اعتبار نہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ
مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے بیچ راستے اللہ کے مثل اس دانہ کے ہے جس نے
ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس اس دانہ کی طرح ہے
اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ
اگائیں سات بالیں بیچ ہر بالی کے سو دانہ ہیں اور اللہ بڑھاتا ہے واسطے
جس نے اگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانہ اور اللہ اس سے بھی زیادہ
لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝
جس کے چاہے۔ اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔
بڑھائے جس کے لئے چاہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اس آیت میں بے جان انسان کو زندہ کرکے اور دوسری آیت میں مردہ پرندوں کو جان بخش کر اپنی قدرت اور قیامت کے آنے کا ثبوت دیا گیا تھا۔ اب خشک دانہ کو پودہ بنانے میں اس سے صدہا دانے پیدا فرمانے سے اسی قیامت اور قدرت کا ثبوت ہے کہ جو مدفون دانہ کو زندہ کرنے پر قادر ہے وہ مدفون مردوں کو اٹھانے پر قدرت رکھتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ رب نے حضرت عزیر کی جان لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پرندوں کو مردہ کرکے انہیں جان اور کمال ایمان عطا فرمایا اب فرمایا جارہا ہے کہ جو راہ الٰہی میں مال فنا کرے گا اسے بھی بہتر بدلہ عطا فرمایا جائے گا گویا پہلے جانی قربانی اور اس کی جزا کا ذکر تھا اور اب مالی قربانی اور اس کے بدلے کا

www.alahazratnetwork.org

ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو خدا کو قرض حسن دیگا رب اس کا بدلہ بہت زیادہ عطا فرمائے گا۔ اب کچھ فاصلہ کے بعد اس کی بہت زیادہ تفسیر فرمائی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عقائد کی اصلاح کی گئی تھی کہ لوگ ان واقعات کو سن کر قیامت کے قائل ہوں اب نیک اعمال کا ذکر ہے۔ گویا عقائد کے بعد اعمال کا ذکر ہوا۔

تفسیر: **مثل الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ۔** **مثل** بمعنی مثال اور مثل بمعنی مشہور۔ مثال یعنی کہاوت یا تو یہاں مثل کے بعد صدقات پوشیدہ ہے یا کمثل کے بعد بازر پوشیدہ یعنی **مثل صدقات الذین کمثل حبۃ** یا **مثل الذین کمثل باذر حبۃ** دنیا میں اشجار عموماً تین قسم کے ہیں۔ باروار' خاردار' بیکار باروار تو اپنے سایہ سے پھل پھول سے مخلوق کو نفع دیتے ہیں۔ تو مخلوق انہیں لگاتی ہے۔ ان کی خدمت کرتی ہے انہیں پانی دیتے ہیں حکومت ان کے لئے محکمے بناتی ہے بیکار درخت برابر کاٹے اور جلائے جاتے ہیں جیسے ببول کے درخت مگر درخت خاردار کا ہر شخص دشمن ہے۔ جہاں دیکھا اسے کاٹا پھینکا ایسے ہی اسراف تین طرح کے ہیں۔ باروار' جو رحمانی جگہ مال خرچ کریں اور بیکار جیسے وہ جو مال جمع کر گئے اور خاردار جن کا مال شہوات نفسانی اور لوگوں کے ستانے میں خرچ ہو۔ عثمان غنی باروار تھے اور ابوجہل' ابولہب وغیرہ خاردار۔ اس آیت میں باروار مالداروں کی کہاوت بیان فرمائی گئی۔ **ینفقون** سے ہر خرچ اور **اموال** سے ہر قسم کا مال اور **سبیل اللہ** سے ہر مصرف خیر مراد ہے۔ یعنی ان لوگوں کے صدق کی مثال جو اپنے کسی قسم کے مال کو کسی طرح اور کسی کار خیر میں خرچ کریں۔ جیسے دانہ بوریوں میں بند رکھنے سے یا گل سڑ جاتا ہے یا چوہوں کی نذر ہو جاتا ہے۔ مگر کھیت میں بکھیرنے سے دوگنا چوگنا ہو جاتا ہے یا کنوئیں کا پانی روکے رکھنے سے بگڑ جاتا ہے کیاریوں میں پھیلانے سے سب کو سیراب کر دیتا ہے ایسے ہی مال روک رکھنے سے برباد ہوتا ہے۔ رلو موتی میں ہر طرف خرچ کرنے سے بڑھتا ہے۔ دنیا کی چیز متحرک ہے تو مال کو بھی متحرک رکھو۔ بتا آخرت کیلئے ہے اچھی جگہ بخوشی خرچ کرو ورنہ بری جگہ خرچ ہو جائے گا یا تمہاری بغیر اجازت نکل جائے گا کم وکیل کھا جائیں گے۔ **ینفقون** مضارع میں سے بنایا گیا۔ صرف ایک بار ہی خرچ کر کے بس نہ کریں بلکہ ہمیشہ خرچ کرتے رہیں۔ اموال فرمایا اور بتایا کہ کھانا' لباس زمین ہر قسم کی خیرات کرو ہر جگہ خرچ کرو **کمثل حبۃ** یہ **مثل الذین** کی خبر ہے کاف تشبیہ کا اور مثل بمعنی کہاوت ہے نہ کاف زائدہ ہے نہ مثل۔ کیونکہ کاف بمعنی مثل ہے اور مثل بمعنی کہاوت۔ خیال رہے کہ حبۃ حب کا واحد ہے۔ بمعنی بیج عربی میں حب بفتح حلہ وغیرہ کے بیج کو بولتے ہیں۔ جس کا پھل عرصہ تک باقی رہے اور حبہ بکسر ح ترکاریوں کے بیج کو (روح المعانی) **انبتت سبع سنابل۔** **انبات** بمعنی اخراج ہے۔ اصطلاح میں زمین سے نکالنے یعنی اگانے کو انبات کہا جاتا ہے۔ اسی لئے گھاس کو نبات کہتے ہیں۔ **سنابل** جمع سنبلۃ کی ہے یا تو اس کا نون زائد ہے اور اس کا مادہ سبل کہا جاتا ہے **اسبل الزرع** کھیتی بالی والی ہو گئی بعض نے فرمایا کہ بروزن فعلۃ ہے لہذا اس کا نون اصلی ہے۔ انبات کو دانہ کی طرف نسبت دینا مجازاً ہے کہ وہ ذریعہ پیداوار ہے۔ حقیقتاً اگانے والا رب تعالیٰ ہے۔ **فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ** یہ سبع سنابل کا بیان ہے اگرچہ اکثر درختوں میں سات بالیاں اور اکثر بالیوں میں سو دانے نہیں ہوتے مگر جوار یا باجرہ جب اچھی زمین میں بو دیا جائے تو ایسا بھی ہو جاتا ہے۔ **واللہ یضعف لمن یشاء** یہ علیحدہ جملہ ہے۔ **یضعف'** **ضعف** سے بنا بمعنی زیادتی۔ یہاں علیہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ جس کے لئے چاہے اس سے بھی زیادتی فرمائے۔ **واللہ واسع علیم ○** **واسع'** **وسع** بمعنی گنجائش سے بنا ہے یہ ضیق کا مقابل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اور یہ جملہ گویا گزشتہ کلام کی دلیل ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ کسی کار خیر میں اپنا کسی قسم کا مال خرچ کریں۔ خواہ زکوۃ' فطرہ لوا کریں' یا مسجدیں اور مدرسے بنائیں۔ یا شفاخانے اور مسافر خانے تیار کریں یا اہل قرابت کے ساتھ سلوک کریں' یا مساکین اور فقراء کو صدقہ نفلی دیں۔ یا طلباء کو کتابیں خرید دیں وغیرہ وغیرہ ان کے صدقات کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ زمین میں بو دیا جائے جس سے سات شاخیں پھوٹیں ہر شاخ میں ایک ایک بال ہو اور ہر بال میں سو سو دانے کل سات سو دانہ جیسے دنیا میں ایک دانہ سے سات سو دانے حاصل ہوتے ہیں۔ ایسے ہی آخرت میں ایک صدقہ سے سات سو حاصل ہوں گے۔ اسی پر ہی بس نہیں بلکہ رب تعالیٰ جس کو چاہے بقدر اخلاص و مشقت اور زیادہ بھی عطا فرماتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا جو جہاد میں روپیہ بھیج دے تو اسے ہر درم کے عوض سات سو ملیں گے اور جو خود میدان جنگ میں جاکر خرچ کرے اس کے لئے ہر درم کے عوض سات لاکھ دوسری روایت میں ہے کہ خرچ کرنے والے نمازیوں کیلئے اللہ نے رحمت کے اتنے خزانے رکھے ہیں۔ جو انسان کے علم میں نہیں آسکتے۔ (روح المعانی) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حج اور جہاد کا خرچہ کا یکساں ثواب ہے یعنی ایک کا سات لاکھ (در منثور) بلکہ بعض روایات میں ہے کہ صدقہ دنیوی مصیبتوں اور فتنہ قبر اور عذاب قیامت کو دور کرتا ہے اور سخاوت ایسا درخت ہے جس کی جڑ جنت میں اور شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں۔ جو کوئی اس کی کسی شاخ کو پکڑے گا وہ جنت تک پہنچ جائے گا۔ اور بخل ایسا درخت ہے جس کی جڑ جہنم میں اور شاخیں دنیا میں ہیں جو اس کی ایک شاخ پکڑے گا جہنم میں جائے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** میت کا تیجہ' دسواں' چالیسواں باعث ثواب ہے۔ کیونکہ وہ بھی اللہ کی راہ میں خیرات ہے اور ہر خیرات پر سات سو کا وعدہ۔ اسے حرام کہنا اپنی طرف سے قید لگانا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اسناد مجازی جائز ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ دانہ سات بالیاں اگاتا ہے۔ حالانکہ حقیقتاً اگانے والا رب تعالیٰ ہے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مال' اولاد' عزت آبرو عطا فرماتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ دوا دافع بخار ہے۔ ماں باپ پالنے والے' علماء برائی سے بچانے والے۔ بادشاہ و حکام حاجت روائی کرنے والے ہیں۔ ان سب میں اسناد مجازی ہے **تیسرا فائدہ** رب کی عطا مختلف ہے ایک ہی فعل پر مختلف لوگوں کو چند طرح جزائیں عطا فرماتا ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض** مسلمانوں کا خدا طرفدار معلوم ہوتا ہے کہ بعض کو صدقہ کا ثواب سات سو گنا اور بعض کو اس سے زیادہ دیتا ہے۔ چاہئے کہ سب کی جزا یکساں ہو۔ (آریہ) **جواب:** ـــــــ پنڈت جی جزا گھٹنا بڑھنا بندے کی طرف سے ہے۔ مخلص کو ثواب زیادہ اور لالچی کو کم ثواب ملتا ہے۔ اچھی زمین کا دانہ زائد پھل دیتا ہے اور خراب زمین کا کم۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اموال فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر قسم کا سارا مال راہ خدا میں خرچ کر دینا چاہئے تو پھر اپنے واسطے کیا رکھے۔ نیز دوسری آیتوں میں من تبعیضیہ داخل ہے۔ جیسے **مما رزقنهم ينفقون** ان آیات سے معلوم ہوا کہ بعض مال خیرات کرنا چاہئے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** من' والی آیتیں اس آیت کی تفسیر ہیں انہوں نے بتایا کہ یہاں بھی بعض مال کی خیرات ہی مراد ہے۔ اموال مطلقاً مال ہے کل ہو یا بعض اگر **جميع اموالهم** ہو تو تعارض تھا کیونکہ یہاں سبیل اللہ سے مراد ہر کار خیر ہے۔ لہٰذا بہ نیت اداء سنت اپنا کھانا پینا اولاد کی پرورش' بلکہ بعد موت ترکہ چھوڑنا بھی سبیل اللہ میں خرچ ہے جن پر ثواب

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ لہٰذا ساری ضروریات میں سارا مال خرچ کرے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے پیداوار کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ قابل کسان ' اچھا بیج ' طاقتور زمین اور وقت پر بونا ایسے ہی صدقہ کیلئے چار چیزیں لازم ہیں۔ خیرات کرنے والا صالح ' مال حلال ' مصرف بہتر اور وقت مناسب ' زندگی کا صدقہ ' مرتے وقت کی خیرات سے افضل ہے کہ مرنے والا وقت نکال کر صدقہ کر رہا ہے۔ ایسے ہی حلال مال کے صدقہ کا ثواب زیادہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو کوئی حلال مال میں سے کھجور کا ٹکڑا بھی خیرات کرے تو رب تعالیٰ اسے ایسے پرورش فرماتا ہے جیسے گھوڑے والا اپنے گھوڑی کے بچہ کو اس کے مرتے وقت یہ صدقہ پہاڑ بن جاتا ہے۔ جیسے دنیا میں راستے تین طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک وہ جو آگے سے بند ہے جسے گلی بند کہتے ہیں۔ دوسرا وہ جو آگے سے کھلا ہو مگر کسی باغ وغیرہ میں پہنچائے۔ تیسرا وہ جو کسی خراب جگہ پہنچائے۔ مقصد کے اعتبار سے راستے کے نام آتے ہیں کہا جاتا ہے کچہری روڈ ' ریلوے روڈ وغیرہ ایسے ہی آخرت کے لحاظ سے راستے مختلف قسم کے ہیں۔ نفس کے لئے جو خرچ کیا وہ آگے سے بند ہے کہ مرتے ہی ختم ہو جاتا ہے۔ جو شیطان کے لئے خرچ ہو وہ دوزخ کا راستہ ہے۔ یعنی دوزخ میں پہنچاتا ہے جو اللہ کے لئے خرچ ہو وہ رضا رحمان تک پہنچ جاتا ہے۔ بہشت روڈ ہے۔ مسلمانوں کو بہشت روڈ پر چلنا چاہیے ' کام رضا الٰہی کے لئے کرنا چاہیے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کہ صدقہ کے چند درجے ہیں۔ عوام کی خیرات مال ہے اور اس کی جزا جنت اور خواص کی خیرات اصلاح حال ہے اور صفائی نفس اس کی جزاء رضاء رب مومن کو چاہیے کہ اپنے حال کی اصلاح کرے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ صدقات کے ثواب میں زیادتی کی چند وجہ سے ہوتی ہے۔ اخلاص کا فرق ' زمان کا فرق ' زمین کا فرق ' فقیر کا فرق ' مقام خیرات کا فرق ' جس قدر اخلاص زیادہ اسی قدر ثواب زیادہ صحابہ کرام کے سوا سیر جو ہمارے پہاڑ بھر سونے کی خیرات سے کیوں افضل ہے اس لئے کہ ان کا سا اخلاص ہم کو کیسے میسر ہو۔ ماہ رمضان ' جمعہ ' شب قدر کے صدقہ کا بہت ثواب ہے۔ دوسرے زمانہ کے صدقات کا وہ ثواب نہیں مکہ معظمہ ' مدینہ منورہ کے صدقات کا ثواب ایک کا ایک لاکھ پچیس ہزار ہے۔ اور زمین میں یہ نہیں عالم فقیر اور زیادہ حاجتمند پر صدقہ دوسروں پر صدقہ سے زیادہ ثواب کا باعث ہے جیسے دانہ کی پیداوار زمین و زمان کے فرق سے مختلف ہوتی ہے۔ غرضیکہ **واللہ یضعف لمن یشاء** بالکل حق و درست ہے صدقہ مقبول کی توفیق بھی وہی دیتا ہے۔ صدقہ کا یہ ثواب جو بیان ہوا اسکے ملنے کی جگہ آخرت ہے اگر دنیا میں رب تعالیٰ سخی کو کچھ برکت دے دے تو اس کا کرم ہے مگر یہ بدلہ نہیں ' بدلہ تو قیامت میں ملے گا۔ لہٰذا کوئی شخص آج خیرات دیکر کل ہی سات سو کا مطالبہ نہ کرے۔ کھیت بونے کا وقت اور ہے اور کاٹنے کا اور دوسرا آج بو کر آج ہی کاٹنے کی کوشش نہ کرو صدقہ کا ایک فائدہ تو یہاں بیان ہوا اور دوسرے فائدے دیگر آیات اور احادیث میں مذکور ہیں۔ صدقہ کی برکت سے مصیبت ٹل جاتی ہے۔ صدقہ کی برکت سے ایمان پر خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔ صدقہ کی برکت سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے صدقہ کی برکت سے غضب الٰہی کی آگ ٹھنڈی پڑ جاتی ہے۔ ایک رنڈی مرتے ہوئے کتے کو پانی پلانے سے بخش دی گئی۔ غرضیکہ صدقہ کے بہت فوائد ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مالوں کو اپنے بیچ راستہ اللہ کے پھر نہیں پیچھے کرتے اس کے

وہ جو اپنے مال اللہ کی راہ خرچ کرتے ہیں پھر دیئے پیچھے نہ احسان رکھیں

اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ

جو خرچ کیا احسان کو اور نہ ایذا کو واسطے ان کے ثواب ہے ان کا نزدیک رب ان کے اور نہیں ہے

نہ تکلیف دیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ

ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے بات بھلی اور بخشش اچھی ہے اس صدقہ سے کہ

کچھ اندیشہ ہو اور نہ کچھ غم اچھی بات کہنا اور درگزر کرنا

مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ۝

پیچھے ہو اس کے ایذا اور اللہ بے پرواہ حلیم والا ہے

اس خیرات سے بہتر ہے جس کے بعد ستانا ہو اور اللہ بے پرواہ حلیم والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح سے ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقہ کے ثواب کا ذکر تھا۔ اور اب اس کی کیفیت کا تذکرہ ہے کہ صدقہ کیسا ہونا چاہئے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں صدقہ مقبول کے فضائل بیان ہوئے۔ اب شرائط قبول کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ صدقہ کا ثواب یکساں نہیں۔ بعض کا سات سو گنا اور بعض کا اس سے بھی زیادہ اب گویا ان کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ صدقہ کرنے والوں کا حال یکساں نہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں صدقہ مقبول کے بدلہ کا ذکر تھا۔ اب اس کے دیگر فوائد کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں صدقہ مقبول دینے کا ذکر تھا۔ جو فی سبیل اللہ ہو' اب دیئے ہوئے صدقہ کو سنبھالنے کا ذکر ہے کہ کوئی ایسی حرکت نہ ہو جس سے صدقہ باطل ہو جائے۔ کمانا ایک کمال ہے اور کمائی کا سنبھالنا اس سے بڑا کمال ہے۔

شان نزول: یہ آیت حضرت عثمان ابن عفان اور عبدالرحمان ابن عوف کے بارے میں اتری عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تبوک کے موقعہ پر ایک ہزار اونٹ معہ ساز و سامان کے پیش کئے اس کے علاوہ اعلان فرمایا کہ جس غازی کے پاس سامان نہ ہو میں دوں گا۔ مدینہ منورہ میں میٹھے پانی کی کمی تھی تو آپ نے بیر رومہ خرید کر وقف فرما دیا حضور علیہ السلام نے رات بھر ان کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا میں فرمائیں کہ مولیٰ میں عثمان ابن عفان سے راضی ہوا تو بھی راضی ہو جا جب دعا کرتے کرتے سویرا ہو گیا تو تب یہ آیت اتری۔ عبدالرحمان بن عوف کے پاس آٹھ ہزار درم تھے آپ چار ہزار تو گھر رکھ آئے اور چار ہزار درم لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ یا حبیب اللہ چار ہزار بچوں کے لئے چھوڑے ہیں اور چار ہزار رب کو قرض دیتا

www.alahazratnetwork.org

ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہارے خرچ کئے اور رکھے ہوئے مال میں برکت دے تب یہ آیت اتری۔ (خزائن العرفان ' روح المعانی و کبیر) بعض روایات میں اس کا شان نزول یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے گھر ایک بار کھانا نہ تھا آپ نے مجبوراً" فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی قمیض چھ درم میں فروخت کردی۔ درم لے کر آ ہی رہے تھے کہ کوئی سائل مل گیا۔ سب درم اسے عطا فرما دیئے آگے بڑھے کہ ایک شخص اونٹنی بیچتا ہوا ملا آپ نے اس سے قرض خرید لی۔ لے کر چلے ہی تھے کہ خریدار مل گیا۔ جس نے بہت نفع سے خرید لی۔ آپ نے چاہا کہ قرض خواہ کا قرض ادا کریں۔ بازار میں بہت تلاش کیا نہ پایا تب آ کر یہ واقعہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا۔ فرمایا کہ سائل رضوان (مالک جنت) تھے اور بائع میکائیل اور خریدار حضرت جبرائیل۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (روح البیان) ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات یک وقت ہوئے ہوں۔ تب یہ آیت آئی ہو۔

تفسیر: **الذین ینفقون اموالھم فی سبیل اللہ** اس کی تفسیر پچھلی آیت میں گزر چکی ہے الذین سے مراد مسلمان ہیں اور ینفقون سے ہر نفلی و ہر فرضی صدقہ مراد اور اموال سے ہر قسم کا ادنیٰ و اعلیٰ مال اور سبیل اللہ سے ہر مصرف خیر مراد ہے۔ یعنی جو لوگ کہ اپنے مال حسب موقعہ اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ خرچ سات قسم کے ہیں ' خرچ فرض ' جیسے زکوٰۃ ' نذر اور اہل حقوق کے مالی حق پورے کرنا ' قرض ' نفقہ وغیرہ ' خرچ واجب ' جیسے فطرانہ و قربانی ' خرچ سنت ' جیسے مسجدیں بنانا ' کنوئیں سرائیں تیار کرانا ' خرچ مباح جیسے عام دنیاوی ضروریات میں خرچ ' خرچ مکروہ تنزیہی خرچ مکروہ تحریمی ' خرچ حرام جیسے اسراف ' تبذیر اور محرمات میں خرچ کھیل تماشا وغیرہ میں مال برباد کرنا۔ پہلی قسم کے خرچ انفاق فی سبیل اللہ ہیں۔ ان کی مکمل تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے وہ تمام خرچ ہیں جو ان سے منقول ہیں۔ اس ایک لفظ فی سبیل اللہ میں ان تمام کی طرف اشارہ ہے۔ **ثم لا یتبعون ما انفقوا** ثم ترتیب رتبی یا زمانی کے لئے ہے کیونکہ احسان نہ جتانے کا درجہ خیرات سے بہت اعلیٰ ہے۔ اسی لئے یہاں ثم لایا گیا ہے۔ اور چونکہ خیرات کے بعد بہت وقت ملتا ہے اور بارہا فقیر سے ملاقات ہوتی ہے اس لئے ثم لایا گیا۔ یعنی خیرات کے بعد عمر میں کبھی بھی احسان نہ جتائیں۔ یتبعون تبع سے بنا معنی پیچھے ہونا اسی لئے خدمتگار کو تابع کہتے ہیں۔ **ما انفقوا** میں ما یا تو مصدریہ ہے۔ یا موصولہ اور فعل میں ضمیر پوشیدہ **منا ولا اذی** من کے چند معنی ہیں بوجھ ' بڑی بھاری نعمت ' قطع کرنا ' کم کرنا ' اسی لئے عربی اور اردو میں ایک وزن کا نام بھی من ہے رب فرماتا ہے **لقد من اللہ علی المومنین** بڑا احسان کیا اللہ نے ایمانداروں پر۔ رب فرماتا ہے **وان لک لا جرا غیر ممنون** آپ کے لئے غیر منقطع ثواب ہے موت کو منون کہتے ہیں کہ وہ عمر قطع کردیتی ہے احسان جتانے اور طعنہ دینے کو من کہا جاتا ہے کہ اس سے دوسرے کی خوشی کم اور دل مکدر ہوتا ہے۔ یہاں اخیری معنی مراد ہیں یعنی احسان جتانا۔ اذی ہر تکلیف دہ چیز کو کہتے ہیں۔ یہاں من سے زبانی طعنے مراد ہیں اور اذی سے حقارت والے فعل یعنی خیرات کے بعد فقیر کو نہ زبانی طور پر طعنے دیں نہ احسان جتائیں اور نہ اس کے ساتھ حقارت کا برتاؤ کریں چونکہ عملی ایذا سے زبانی طعنے زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے من کا ذکر پہلے ہوا اور اذی کا بعد میں۔ اور ثم فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ خیرات کرنے سے مرتے وقت تک ان چیزوں سے بچیں کہ نہ بذات خود کسی فقیر کو طعنہ و ایذا دیں نہ اپنے کسی عزیز کو دینے دیں۔ بلکہ رب کا شکر ادا کریں کہ اس نے انہیں دینے کے لائق کیا خیرات لینے کے

www.alahazratnetwork.org

لائق نہ کیا۔ اور اچھے مقام پر خرچ کی توفیق بخشی۔ **لھم اجرھم عند ربھم** لھم کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا اور اجر سے مراد وہی ثواب ہے جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا **عند ربھم** سے معلوم ہوا کہ صدقات کا حقیقی ثواب قیامت ہی میں ملے گا یعنی صرف انہی لوگوں کو رب کے پاس ثواب ملے گا اور ثواب کے علاوہ **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** نہ انہیں دنیا اور قبر میں آئندہ کا اندیشہ ہو اور نہ حشر میں گزشتہ کا غم۔ خیال رہے کہ انسان کی زندگیاں تین ہیں دنیاوی زندگی جو پیدائش اور قبر کے درمیان ہے۔ برزخی زندگی جو مرنے سے نفخ صور تک ہے اخروی زندگی جو نفخ صور سے ابد الآباد تک ہے۔ دنیا میں تین قسم کے خوف و غم ہیں مفید' بیکار اور مضر۔ اللہ' رسول سے قیامت سے خوف اپنے گناہوں کا غم مفید ہے۔ جس سے ایمان و عرفان کامل ہوتا ہے دنیا کے خوف و غم بیکار جو لگے ہی رہتے ہیں۔ لوگوں کا خوف جو ایمان و عرفان سے روک دے مال نہ ہونے کا غم کہ اگر میرے پاس مال ہوتا تو میں کر' زبان کرتا یہ مضر ہے یہاں بیکار یا مضر خوف و غم کی نفی ہے یعنی بعض کو ہم وہ دل بخشتے ہیں۔ جس میں یہ رنج و غم اثر نہیں کرتے۔ نیز انہیں مرتے وقت اور برزخ و حشر میں خوف و غم سے بچائیں گے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے **قول معروف و مغفرۃ** قول مصدر ہے یا حاصل مصدر یعنی بات کہنا یا بات۔ معروف بمعنی مشہور یا معلوم ہے۔ یہاں شرعاً" مشہور مراد ہے یعنی اچھی اور بہتر۔ مغفرت غفر سے بنا بمعنی ڈھکنا۔ یہاں قول معروف سے سائل کو نرمی سے منع کر دینا مراد ہے اور مغفرت سے فقیر کی سختی برداشت کرنا اور اس کے عیب کا چھپانا یعنی نرمی سے منع کر دینا اور منع کرنے پر جو سائل سختی کرے اس سے درگزر کرنا **خیر من صدقۃ یتبعھا اذی** اس صدقہ دینے سے اچھا ہے جس کے بعد فقیر کو ایذا اور تکلیف ہو' خیال رہے کہ یہاں اذی میں احسان جتانا بھی داخل ہے اور یہ بہتر ہونا سائل کے حق میں بھی ہے اور دینے والے کے حق میں بھی کہ سائل تو ایذا سے اور دینے والا عذاب الٰہی سے بچ جاتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ لوگوں سے خوش خلقی سے بات کر لینا اور ان کی خطاؤں سے درگزر کرنا بد خلقی کے صدقے سے بہتر ہے۔ جب رب تعالیٰ غنی ہو کر حلیم ہے کہ نافرمانوں کو روزی دیتا ہے تو تم حلم و بردباری کیوں اختیار نہیں کرتے۔ **واللہ غنی حلیم** اللہ تمام صدقات سے بے پرواہ ہے اور حلیم ہے کہ طعنہ باز کو جلد عذاب نہیں دیتا۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ اپنے مختلف مال حسب ضرورت اللہ کی راہ میں خرچ کریں۔ پھر خرچ کرنے کے بعد آخر دم تک نہ تو احسان جتائیں کہ دوسروں کے سامنے فقیر سے کہیں کہ ہم نے تیرے ساتھ فلاں موقعہ پر یہ سلوک کیا۔ اور نہ اسے لوگوں میں ذلیل کریں اور نہ اسے طعنہ دیں کہ تو نادار' مفلس' مجبور اور قلاش' تھا ہم نے تیری خبر گیری کی۔ اور آج تو ہمارے مقابلہ میں آگیا۔ اور نہ کسی اور طرح ان پر دباؤ ڈالیں کہ صدقہ دے کر اس سے اپنے گھر کے کام لیں یا اسے نظر حقارت سے دیکھیں یا اس وجہ سے اسے اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں صرف ایسے ہی لوگوں کو رب کے پاس صدقہ کا ثواب ملے گا۔ اور یہ ہی صدقہ ثواب کے پھل دیگا۔ انہیں نہ کسی قسم کا دنیا اور قبر میں خوف اور اندیشہ ہے اور نہ محشر میں یہ لوگ غمگین ہوں۔ خوب خیال رکھو کہ سائل کو مجبوری کے وقت میں کچھ نہ دینا اور اس سے اچھی بات کہنا خوش خلقی سے منع کر دینا اور اگر وہ سوال میں اصرار کرے یا منع کرنے سے زبان درازی کرے تو اس سے درگزر کرنا اس صدقہ دینے سے بہتر ہے۔ جس کے بعد طعن و تشنیع دیئے جائیں کہ اس میں مال بھی گیا اور بجائے ثواب کے عذاب ہوا اور فقیر کو رنج و غم بڑھا یہ سمجھ رکھو کہ اللہ کو تمہارے صدقات کی ضرورت نہیں

www.alahazratnetwork.org

اور نہ فقیر کا رزق تمہارے دینے پر موقوف ہے۔ اگر تم نہ دوگے تو اسے اور دروازہ مل سے جائیگا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے اس نے تمہارے ہی نفع کے لئے صدقات کا حکم دیا اور وہ بہت حلم والا ہے کہ گناہ پر جلد عذاب نہیں دیتا۔ علماء فرماتے ہیں کہ اگر صدقہ دیکر سلام کرنے سے بھی فقیر کو تکلیف ہو تو اسے سلام بھی نہ کرے تاکہ تمہارا اسلام صدقہ کی یاد کا سبب نہ بن جائے۔ (خازن) امام شعبی فرماتے ہیں کہ جتنا تمہارے صدقہ کا فقیر محتاج ہے اس سے زیادہ ثواب کے تم محتاج ہو۔ تمہارا فقیر پر دیکر احسان ہوا تو فقیر کا بھی تم پر احسان ہے کہ اس نے تمہیں ایک فرض سے ہلکا کر دیا۔ امام ہدائی فرماتے ہیں کہ چونکہ مال سے جسم کو راحت ہوتی ہے اور اچھی بات سے قلب کو اور قلب جسم سے اعلیٰ ہے لہٰذا اچھی بات خالی صدقہ سے اعلیٰ۔ سب سے بہتر وہ شخص ہے جو فقیر کو خوش کر کے دے اور بڑا خبیث وہ شخص ہے جو صدقہ بھی نہ دے اور فقیر کو ایذا بھی پہنچائے اور بد نصیب وہ ہے جو صدقہ دے اور ایذا بھی پہنچائے کہ اس کا مال بھی گیا اور ثواب بھی نہ ملا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صدقہ پر طعنہ دینا گناہ کبیرہ ہے کیونکہ اس سے صدقہ برباد ہوتا ہے اور جس سے نیکیاں برباد ہوں وہ کبیرہ (کبیر) **دوسرا فائدہ:** جس کا صدقہ بارگاہ الٰہی میں قبول ہو جائے اس کا شمار اولیاء اللہ میں ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے اس کے لئے بھی فرمایا کہ **لا خوف علیھم** اور اولیاء اللہ کے لئے بھی۔

مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ ایذا دینے سے صدقہ کا صرف ثواب ہی جاتا ہے یا عذاب بھی ہوتا ہے بعض نے فرمایا کہ اس پر عذاب ہوتا ہے۔ جیسے حلیم سے معلوم ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ صرف ثواب باطل ہوتا ہے۔ جیسے کہ **لھم اجرھم** سے معلوم ہوا (کبیر) مگر تمام اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ ایذا پہنچانے سے خود صدقہ باطل نہیں ہوتا لہٰذا اگر زکوٰۃ دیکر ایذا پہنچائی تو زکوٰۃ شرعاً ادا ہو گئی۔

مسئلہ: صحت کے لئے قبول لازم نہیں مگر قبولی عمل کے لئے صحت ضروری۔ دیکھو زکوٰۃ غیر مقبول شرعاً صحیح ہے۔

مسئلہ: سائل کو منع کرنا حرام نہیں بلکہ سخت جواب دینا حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ:** چیزیں سانچے میں ڈھالی جاتی ہیں اور نمونہ پر تیار کی جاتی ہیں۔ بغیر سانچے اور بے نمونے کی چیز خراب ہوتی ہے۔ اعمال صالحہ کے سانچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیار فرمائے اور ان کے نمونہ صحابہ کرام کے اعمال ہیں۔ جس مسلمان کے اعمال اس سانچے میں ڈھلے ہوئے اور صحابہ کرام کے نمونہ پر تیار ہوئے وہ قبول ہیں ورنہ مردود' دیکھو رب نے حضرت عثمان غنی یا عبد الرحمان بن عوف یا علی مرتضیٰ کی ان مخصوص خیراتوں کو بطور نمونہ اس آیت میں مسلمانوں پر پیش فرمایا' جن کے صدقہ اس نمونہ کے ہوں گے ان کیلئے اجر بھی ہے اور خوف و غم سے آزادی بھی رب فرماتا ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا** اگر یہ لوگ تمہارے ایمان جیسا ایمان لائیں تو ہدایت پا جائیں گے۔ حضور فرماتے ہیں **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے غرضیکہ ایمان و اعمال میں صحابہ کی پیروی باعث کامیابی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** خوش خلقی کا ثواب بد خلقی کے صدقہ سے زیادہ ہے۔ دیکھو یہاں صرف قول معروف یعنی اچھی خوش خلقی کی بات اور لوگوں سے درگزر کرنے کو اس صدقہ سے بہتر فرمایا۔ کیوں نہ ہو کہ مال سے جسم کو راحت ہے اور اچھی بات سے دل کو خوشی اور مومن کا دل خوش کرنا بہترین عبادت ہے زبان کا زخم سنان کے زخم سے بدتر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ کے بعد احسان کا اور ایذا کا مجموعہ حرام ہے ان میں سے صرف ایک حرام نہیں۔ لہذا فقط احسان جتانے والا یا فقط موذی گنہگار نہ ہونا چاہئے۔ **جواب:** نہیں بلکہ ہر ایک حرام ہے اسی لئے درمیان میں لا بڑھایا گیا **منا ولا اذی** تاکہ معلوم ہو کہ ہر ایک کام مستقل حرام ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر احسان جتانا حرام ہے تو رب نے کیوں جتلایا اس کا تو نام ہی منان ہے یعنی بہت احسان جتانے والا۔ **جواب:** رب کے منان ہونے کے معنی ہیں بہت احسان کرنے والا نہ کہ احسان جتانے والا' ایک ہی لفظ کے مخلوق کے لئے کچھ معنی ہوتے ہیں اور خالق کیلئے کچھ اور۔ بندہ بھی شاکر اور رب بھی بندہ بھی تواب ہے اور رب تعالیٰ بھی مگر مختلف معانی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** رب نے احسان جتائے ہیں۔ **لقد من اللہ علی المومنین** پھر ہمیں اس سے کیوں منع فرمایا۔ **جواب:** رب کے احسان جتانے سے بندہ کو شکر کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اور انسان کے احسان جتانے سے فقیر کو صدمہ نیز رب کا احسان بلا غرض ہے اور بندہ کا صدقہ ثواب کی غرض سے جب وہ ثواب چاہتا ہے تو احسان کیوں جتاتا ہے۔ نیز رب تعالیٰ حقیقی محسن ہے اور بندہ مجازی' اس کا احسان جتانا حق ہے۔ ہمارا باطل۔ **چوتھا اعتراض:** اس احسان جتانے سے صدقہ کا ثواب کیوں جاتا رہتا ہے۔ تعجب ہے کہ اتنا قیمتی مال دو باتوں میں برباد۔ **جواب:** اس لئے کہ صدقہ سے فقیر کو راحت دینا اور رب کو راضی کرنا منظور تھا۔ احسان جتانے سے یہ دونوں باتیں جاتی رہیں۔ یہ تو حقیر سا مال ہے۔ بات سے تو جان بھی جاتی رہتی ہے۔ کفری بات منہ سے بکی قتل کے مستحق ہو گئے۔ بادشاہ کو گالی دی پھانسی پر لٹکا دیئے گئے بات بڑی چیز ہے۔ **پانچواں اعتراض:** لھم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ صدقہ کا ثواب صرف صدقہ دینے والے کو ملتا ہے نہ کہ دوسرے کو لہذا ایصال ثواب درست نہ ہوا کہ خیرات تو ہم کریں اور ثواب دوسرے کو بخش دیں۔ جواب لھم میں لام ملکیت کا ہے یعنی اجر کی ملکیت صرف صدقہ دینے والے کو ہے اگر وہ چاہے تو کسی کو بخشے چاہے نہ بخشے نیز ایصال ثواب کرنے سے خود صدقہ دینے والا ثواب سے محروم نہیں ہو جاتا' اسے پورا ثواب مل جاتا ہے۔ دوسرا بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے۔ جیسے ہماری شمع سے اگر دوسرا آدمی بھی روشنی حاصل کرے تو ہم محروم نہیں ہو جاتے۔ اگر تم کسی کو علم سکھاؤ تو اپنا پڑھا نہیں بھول جاتے۔ علماء تو فرماتے ہیں کہ ایصال ثواب کرنے والوں کو ان تمام کے برابر ثواب ملتا ہے جنہیں ثواب بخشا گیا مثلاً اگر ایک قرآن پاک کا ثواب ساری امت رسول کو بخشا تو تمام امت کو ایک ایک قرآن کا ثواب ملا کسی کو کٹ کر نہ ملا' مگر اس بخشنے والے کو تمام افراد امت کے برابر ثواب ملا۔ اللہ اکبر جب رب دیتا ہے تو لیتے کیوں نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کھیتی کیلئے صدہا آفتیں ہیں۔ جن سے ہری بھری کھیتی ایک دم برباد ہو جاتی ہے اور اس کے نشوونما کیلئے بہت سے اسباب ایسے ہی عبادات کے لئے صدہا آفتیں ہیں اور اس کی ترقی کے بہت سے اسباب۔ احسان جتانا طعنے دینا یہ ایسی آفت ہے۔ جس سے صدقہ کی ہری بھری کھیتی آن کی آن میں فنا ہو جاتی ہے۔ فقیر پریشان دل ہوتا ہے اس کو طعنہ دیکر اس کی پریشانی میں اور زیادتی بند ہو جاتی ہے لہذا یہ شخص بجائے ثواب کے عذاب کما لیتا ہے۔ اس کے طعنے ہتھوڑے کا کام دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ اونچا ہاتھ نیچے ہاتھ سے بہتر۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ اونچا ہاتھ دینے والے کا ہے اور نیچا لینے والے کا مگر صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اونچا ہاتھ لینے والا ہے اور نیچا ہاتھ دینے والے کا کہ دینے والا فانی مال دیتا ہے مگر لینے والا ثواب دائمی کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا یہ قطرہ دیکر دریا لیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

قرض دہ زیں دولت اندر اقرضوا ‏ ‏ تا کہ صد دولت بہ بینی پیش رو

اند کے زیں شرب کم کن بہر خویش ‏ ‏ تا کہ حوض کوثرے یابی بہ پیش!

صدقہ کرنے والوں کے تین طبقے ہیں۔ ایک قوی بہادر جو اپنے سارے مال خرچ کرنے پر قادر ہے۔ جیسے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ' دوسرے درمیانی لوگ جو سارا مال نہیں خرچ کر سکتے' بلکہ کچھ اپنے پاس بھی رکھتے ہیں مگر عیش کے لئے نہیں دینی ضروریات کے لئے تیسرے کمزور لوگ جو فقط صدقہ واجبہ پر قناعت کرتے ہیں۔ ریا گویا سانپ ہے اور بخل بچھو یہ دونوں جمع ہو کر بڑے خطرناک ہیں۔ خیال رہے کہ صدقہ صرف مال ہی کا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہر نیکی کا ہوتا ہے۔ اور سب میں اخلاص شرط۔ (از روح البیان)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِىْ

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو نہ باطل کرو اپنے صدقے ساتھ احسان جتانے کے اور ایذا کے مثل

اے ایمان والو اپنے صدقے باطل نہ کر دو احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس کی طرح جو اپنا

يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

اس کے جو خرچ کرتا ہے مال کو اپنے دکھانے کے لئے لوگوں کو اور نہیں ایمان لاتا ہے ساتھ اللہ اور دن آخرت

مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اور اللہ اور قیامت پر ایمان نہ لائے تو اس کی کہاوت

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ

کے کہاوت اس کی مثل کہاوت اس چٹان کے ہے کہ اوپر اس کے مٹی ہے پس پہنچی اس کو تیز بارش پس چھوڑ دیا اس کو

ایسی ہے جیسے ایک چٹان کہ اس پر مٹی ہے اب اس پر زور کا پانی پڑا جس نے اسے نرا پتھر کر چھوڑا

صَلْدًا ؕ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰى شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى

چکنا نہیں قادر ہوتے ہیں وہ اوپر کسی چیز کے اس میں سے جو کمایا ‏ ‏ اور اللہ نہیں راہ دکھاتا

اپنی کمائی سے کسی چیز پر قابو نہ پائیں گے ‏ ‏ اور اللہ کافروں

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

قوم کفار کو

کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں صدقہ پر احسان جتانے اور فقیر کو ایذا پہنچانے کی اخروی برائی بیان کی گئی۔ اب اس کی وضاحت کے لئے نہایت نفیس دو محسوس مثالیں بیان کی جاری ہیں۔ گویا پہلے مسئلہ بیان ہوا تھا اور اب اس کی وضاحت دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں صدقہ دیکر احسان جتانے کی ممانعت تھی اب

www.alahazratnetwork.org

احسان جتاکر صدقہ دینے کی ممانعت ہے۔ گویا احسان کی ایک نوعیت سے پہلے منع کیا گیا۔ اور دوسری نوعیت سے اب منع کیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں احسان و ایذا کے کچھ عیوب بیان ہوئے اور ترک احسان و ایذا کے فوائد اب اس احسان و ایذا کے پہلے سے بھی بڑھ کر عیوب بیان ہو رہے ہیں **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ترک احسان و ایذا کے فوائد بیان ہوئے کہ اس سے رب کی جزاء' خوف و غم سے آزادی میسر ہوتی ہے۔ اب عمل احسان و ایذا کے نقصانات کا ذکر ہے۔ طبیب حاذق مضر چیزوں کے دو رخ بیان فرماتا ہے ان سے بچنے کے فائدے اور ان سے پرہیز نہ کرنے کے نقصانات قرآن کریم طبیب روحانی کی کتاب ہے اس کا بھی یہ ہی طریقہ ہے۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** پچھلی آیت بطریقہ غیب مسلمانوں سے کلام تھا اب مخاطب فرماکر کلام ہو رہا ہے۔ کیونکہ اگلے احکام گزشتہ کے مقابلہ میں سخت ہیں۔ اور بوصف ایمان پکارنے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ کوئی مسلمان مومن ہو کر ایسے جرم کی ہمت ہی نہ کرے گا۔ چونکہ طعنہ ایذا دینے سے بچنا بہت مشکل ہے۔ بجز کرم پروردگار نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے رب نے پہلے مسلمانوں کو پکارا' پھر اس کا حکم دیا محبوب کی محبوبانہ پکار سے سخت کام بھی آسان ہو جاتے ہیں۔ عشاق جان دیکر بھی ان کی تعمیل کرتے ہیں۔ نیز چونکہ کفار کے صدقات ہر حال باطل ہیں۔ خواہ وہ ریا سے کریں یا اخلاص سے۔ احسان جتائیں یا نہ جتائیں ایذا دیں یا نہ دیں مگر مسلمانوں کے اعمال کی دو نوعیتیں ہیں۔ صحیح ہوں تو فائدہ مند ورنہ برباد اس لئے مسلمانوں سے ہی خطاب ہوا کہ تم فوراً سنبھل کے کام کرنا اور فرمایا گیا کہ اے ایمان والو **لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی** سے یا تو صحیح عمل کا ثواب باطل کرنا مراد ہے اور احسان و ایذا سے صدقہ دیکر احسان جتانا مراد یا اپنے صدقات کو باطل بنانے کی ممانعت ہے۔ اور احسان جتاکر باطل نہ کرلو احسان اور تکلیف کے ساتھ صدقہ باطل نہ دو کہ تمہارا صدقہ باطل ہو کر متحقق نہ ہو۔ (کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ باطل حق کا مقابل ہے حق کے بہت معنی ہیں سچے یعنی واقعات کے مطابق واقعہ اس کے مطابق۔ ثابت و قائم ناقابل زوال مفید' اور رحمتوں والا۔ اس کے مقابل باطل کے بھی بہت سے معنی ہیں جھوٹ' غلط زائل اور قابل فنا۔ عبث بیکار جس کا کوئی فائدہ نہ ہو۔ رب حق ہے ماسوا سب باطل یعنی رب کو فنا نہیں باقی سب فانی **الا کل شئی ماخلا اللہ باطل** رب نے کوئی باطل نہ پیدا کی **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** یعنی عبث و بیکار نہ بنائی۔ یہاں باطل سے مراد یا بیکار ہے یا فانی یعنی وہ چیز جس کو ثبات نہ ہو اور ابطال کسی کے خراب کرنے کو بھی کہتے ہیں۔ اور نیست و نابود کر دینے کو بھی خواہ وہ خود حق ہو یا باطل۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں **کالذی ینفق مالہ رئاء الناس** یہ جملہ یا تو ابطالا' پوشیدہ کی صفت ہے اور کاف کے بعد ایک ابطال پوشیدہ یعنی **لا تبطلوھا ابطالا کابطال الذی** یا **لا تبطلوا** کے فاعل کا حال یعنی **لا تبطلوھا مشابھین الذی** **رئاء** باب مفاعلت کا مصدر ہے۔ جیسے لقاء اس کا مادہ رای ہے۔ یہاں ینفق کا مفعول لہ۔ رئاء کے معنی ہیں ایک دوسرے کو دکھانا چونکہ ریاکار کی نیت یہ ہی ہوتی ہے کہ میں اپنی خیرات لوگوں کو دکھاؤں تاکہ لوگ میری منہ پر تعریف کریں اس لئے اسے ریا کہتے ہیں یعنی اس کی طرح تم صدقے باطل نہ کرلو۔ جو ریاء کاری کیلئے مال خرچ کرتا ہے۔ مفسرین نے فرمایا الذی سے مراد منافق ہیں۔ گویا ریاکاری طریقہ منافقین کا ہے۔ کیونکہ آگے آرہا ہے۔ **ولا یومن باللہ والیوم الاخر** یعنی ساتھ ہی وہ اللہ اور قیامت پر ایمان بھی نہیں رکھتا اگر مومن ہوتا تو اس کے دل میں اخلاص ہوتا اگرچہ منافقین اللہ

www.alahazratnetwork.org

کو بھی مانتے تھے اور قیامت کو بھی وہ یہود تھے۔ مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکاری تھے اس لئے اس ماننے کا رب تعالیٰ کے ہاں کوئی اعتبار نہیں۔ دیکھو ابلیس توحید' قیامت کو مانتا ہے۔ مگر اس کا ماننا معتبر نہیں کہ انبیاء کا منکر ہے۔ **فمثلہ کمثل صفوان**' **صفوان** واحد بھی ہے اور **صفونہ** کی جمع بھی اور صفا کا اسم جنس بھی جیسے مرجان اور **مرجانۃ** سعدان اور **سعدانۃ** یہاں واحد ہے کہ آگے فاصابہ آرہا ہے اور تشبیہ مرکب ہے یعنی اس ریاکاری کی کماوت اس بڑی چٹان کی طرح ہے کہ **علیہ تراب فاصابہ وابل فترکہ صلدا** تراب خشک مٹی کو کہتے ہیں۔ اور وابل وہ بارش ہے جس کے قطرے وزنی ہوں اور اس کا مادہ وبل ہے بمعنی بوجھ اس سے وبال بمعنی مصیبت اور وبیل بمعنی مصیبت کا خوف بھی ہے **فذاقوا وبال امرھم** اور جیسے **فاخذنہ اخذا وبیلا** وہ سخت اور چکنا پتھر جس پر نہ غبار ہو اور نہ کچھ اگے اسی لئے گنجے سر کو راس صلد کہتے ہیں۔ جس پر بال نہ اگیں۔ ریاء کار منافق بے وقوف کسان ہے اور اس کا صدقہ پتھر کا غبار اس سے نفع کی امید اس گھاس کی طرح ہے جو پتھر پر کبھی اگ آئے اور اس کا کفر یا نفاق یا موت یا قیامت' تیز بارش ہے اور وہاں ثواب کا نہ ملنا اس پتھر کا غبار سے صاف ہو جانا ہے یا یوں سمجھو کہ کافر چٹان ہے اس کی خیرات مٹی' کفر' تیز بارش اور عمل کی بربادی اس پتھر کا دھل جانا **لا یقدرون علی شیء مما کسبوا** اس کا فاعل الذی ہے۔ کیونکہ اس سے ایک گروہ مراد تھا نہ قدرت رکھنے سے نہ پانا مراد ہے اور شیئی سے ثواب اور کسبوا سے اعمال یعنی وہ اپنے کسی عمل کا ثواب نہیں پاتے۔ **واللہ لا یھدی القوم الکفرین**' **لا یھدی** یا تو بمعنی مستقبل ہے۔ یا بمعنی حال یعنی اللہ کفار کو قیامت کے دن راہ جنت کی ہدایت نہ دیگا یا دنیا میں انہیں اعمال درست کرنے کی ہدایت نہیں دیتا۔ وہ ہر کام بگاڑ کر ہی کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کی تفسیر و تشبیہ سمجھنے سے پہلے ایک مثال ذہن نشین کر لو۔ کسی بادشاہ نے کارخانہ والے کو جہاں ہر قسم کا مال تیار ہوتا ہے آرڈر دیا کہ ایک لاکھ فوجی وردیاں دو لاکھ گھوڑوں کی کاٹھیاں بہت جلدی جلدی تیار کرو جن کا میٹریل فلاں فلاں قسم کا ہو اور ساتھ ہی نمونے دیئے گئے کہ اس اندازے اور اس نمونے کی چیزیں ہوں۔ کارخانہ والوں نے میٹریل تو صحیح استعمال کیا مگر نمونہ بدل دیا ناپ نمونے میں فرق کر دیا لہٰذا بادشاہ اس مال کو نہ قبول کرے گا نہ قیمت دیگا۔ اب سمجھو کہ ہم لوگ کارخانہ دار ہیں ہماری زندگیاں کارخانہ ہیں جن میں اعمال تیار ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ خریدار شہنشاہ اس نے ہم کو نماز' روزے' زکوٰۃ حج وغیرہ کا آرڈر دیا جس کے ارکان بتا دیئے مگر ساتھ ہی فرما دیا **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** ہمارے رسول کے نمونہ پر اعمال تیار کرو۔ اب جس کے اعمال اس نمونے کے مطابق ہوں گے وہ قبول ہوں گے۔ جنت بھی ملے گی اور جس کے اعمال کفار شیاطین کے نمونہ کے ہوں گے وہ رد ہوں گے صدقہ پر طعن تشنیع کرنا کفار کا نمونہ ہے۔ ہمارے محبوب نے ایسا صدقہ نہ کیا تھا لہٰذا وہ رد نہ ہو گا حضور انور تو وہ صدقہ دیتے تھے۔ {

جب لینے کو بھیک آئے سرکوئے گدایاں　　لب پر یہ دعا تھی میرے منگتے کا بھلا ہو

یہ ہی حال نماز' حج بلکہ زندگی موت کا ہے۔ جب یہ مثال سمجھ لو تو اب تفسیر سنو۔ اے مسلمانو! فقیر پر احسان رکھ کر یا اسے ایذا پہنچا کر اپنی خیرات کے ثواب اس منافق کی طرح برباد نہ کر لو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھلاوے کیلئے خرچ کرتا ہے کہ لوگ مجھے سخی کہیں نہ اس کا ایمان خدا پر ہے' نہ قیامت پر اس منافق کی حالت یا طعنہ اور تکلیف سے ثواب برباد کرنے والے کی

www.alahazratnetwork.org

کہاوت ایسی ہے جیسے کوئی نادان کسان ایسے پتھر پر بیج بودے جس پر ہلکی سے گرد و غبار کی تہ جمی ہوئی ہے اس کے بیج سے کچھ سبزی اگ آئے وہ سمجھے کہ میں اس بونے میں کامیاب ہوا اور دوسرے کسانوں کی طرح وقت پر میں بھی کھیت کاٹوں گا وہ اسی خیال میں تھا کہ اچانک تیز بارش آگئی جس نے اس مٹی کی تہ کو اور اس پر جمے ہوئے گھاس پھوس کو بالکل ختم کردیا اور اس پتھر کو دھو دھلا کر بالکل صاف بنا دیا کہ نہ اس پر گھاس پھوس رہی، نہ ہی وہ مٹی کی تہ' ایسے لوگوں کو قیامت کے دن اپنے ان اعمال میں سے کچھ ہاتھ نہ لگے گا۔ اور رب تعالیٰ انہیں اس دن جنت کا راستہ نہ بتائے گا۔ ریا سے دیا ہوا مال اس بیج کی طرح ہے جو پتھر پر بویا جائے۔ اس کے عمل اس ظاہری گھاس پھوس کی طرح جو اس پتھر پر جم گیا اس کا کفر یا ریاکاری یا اسکی موت' یا قیامت اس تیز بارش کی طرح ہے جو پتھر کو دھو کر صاف کردے۔ قیامت کے دن **مخلصین** اپنے صدقات کے پھل کاٹیں گے اور ریاکار حسرت سے اپنے ہاتھ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** طعن، تشنیع' ایذا قلبی' بدترین جرم ہے جس سے اعمال برباد ہو جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ زانی کو سنگسار کرو' چور کے ہاتھ کاٹ دو مگر اسے طعن تشنیع نہ دو۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عمر کو ماعز پر لعنت کرنے' طعن دینے سے روکا اگرچہ اسے سنگسار کردیا ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جنگ احد میں حضرت حمزہ کا مثلہ کیا ان کی آنکھیں و جگر نکال کر چبائیں۔ ان ہی کی بیٹی حضرت ام حبیبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں تھیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طعن نہ کیا کہ تمہارے ماں باپ نے ہمارے چچا سے یہ سلوک کیا۔ ان پر افسوس ہے جو آج کل اپنے گھروں میں طعن' تشنیع کی وجہ سے فساد رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ حضور کی سنتوں پر عمل کی توفیق دے آمین۔ **دوسرا فائدہ:** نیکیوں کی درستی اور بقا کے لئے جیسے ایمان شرط ہے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں اور اگر اطاعت کے بعد کافر ہو جائے تو وہ باقی نہیں رہتی' جس کو اصطلاح میں حبط اعمال کہتے ہیں۔ ایسے ہی اعمال کی صحت اور بقاء کے لئے اخلاص اور دیگر برباد کرنے والی چیزوں سے پاک رہنا بھی شرط ہے۔ اسی لئے نفاق' ریاء' طعنہ' ایذ رسانی کو مبطل اعمال کہا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** ریا اور طعنہ وغیرہ سے اصل عمل باطل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا ثواب' لہذا اگر کوئی ریاء کار بعد میں توبہ کرکے مخلص بن جائے تو امید ہے کہ ثواب پائے گا۔ **چوتھا فائدہ:** ریاکار منافق عملی ہے کہ منافقوں کے سے کام کرتا ہے ریاء کاری اور طعنہ وغیرہ کفار کی خصوصیات ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ چند شخص جنت میں نہ جائیں گے۔ احسان جتانے والا' والدین کا عاق' شرابی' جادوگر کاہن' دیوث **پانچواں فائدہ:** ریاء طعنے اور ایذا کے ساتھ جو بھلائی کی جائے وہ بھلائی ہی نہیں۔ وہ شروع سے ہی باطل ہے اس لئے کہ اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ طعنے اور ایذا کے ساتھ باطل صدقے نہ دو (تفسیر) **چھٹا فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کو ہر اس چیز سے پاک رکھنا ضروری ہے۔ جس سے نیکی نیکی نہ رہے دنیوی فعل بن جائے لہذا عبادات پر اجرت لینا جائز نہیں کہ اجرت سے عبادت عادت بن جاتی ہے۔ (احکام القرآن) البتہ علمائے متاخرین نے ضروری باتوں پر مجبوراً اجرت لینا جائز رکھی جیسے تعلیم دین و اذان' امامت وغیرہ کہ اگر ان پر اجرت جائز نہ ہو تو یہ کام بند ہو جائیں گے اور دین میں حرج واقع ہو گا۔

اعتراض: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ احسان اور ایذا دونوں کے مجموعہ سے صدقہ باطل ہوتا ہے نہ کہ فقط ایک سے تو چاہئے کہ نہ صرف ایذا حرام ہو اور نہ صرف احسان۔ **جواب:** یا تو یہ واؤ بمعنی او ہے یا دو کا ذکر تقویت کیلئے ہے ورنہ

www.alahazratnetwork.org

باطل کرنے کے لئے ایک ہی کافی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** بارش کی مثال غلط ہے وہ تو رب کی رحمت ہے۔ جس سے کھیت کو قوت ملتی ہے اور اس سے پتھر صاف ہو جاتا ہے۔ منافق کے عمل کو اس سے تشبیہ کیوں دی گئی۔ (بعض بے دین) **جواب:** تشبیہ کی وجہ ہم تفسیر میں بیان کرچکے ہیں۔ بارش اس کھیت کے لئے فائدہ مند ہے جو تخم میں بویا جائے اینٹوں پتھروں پر جو گھاس اگ آتی ہے وہ بارش سے برباد ہو جاتی ہے یہ ہی بتانا منظور ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جیسے نیکیوں سے برائیاں مٹ جاتی ہیں **ان الحسنت یذھبن السیئات** ایسے ہی گناہوں سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ دیکھو طعنہ ایذا گناہ ہیں۔ جن سے صدقے برباد ہو گئے۔ (معتزلہ) **جواب:** اس آیت کے معنی یا تو یہ ہیں کہ باطل صدقے نہ دو۔ نہ یہ کہ صدقہ صحیحہ کو طعنہ سے باطل بناؤ۔ ریاکار کا صدقہ اول ہی سے غلط ہے یا یہ مطلب کہ اس کا ثواب مٹ کھو دو۔ ریا سے عمل باقی رہتا ہے محض ثواب جاتا رہتا ہے۔ بخلاف گناہوں کے کہ وہ نیکیوں کی برکت سے اصل سے ہی مٹ جاتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اگر لوگوں کو دکھا کر اعمال کرنا ریاء اور برا ہے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ پر طواف اور منبر پر نماز لوگوں کو دکھانے کیلئے کیوں ادا فرمائی۔ **جواب:** لوگوں کو اپنے اعمال دکھانے کی تین وجہ ہوتی ہیں، تبلیغ، ترغیب، اپنی ناموری پہلی دو صورتیں تو بڑی اہم عبادت ہیں آخری صورت بری۔ اس آخری صورت کو ہی ریا کہا جاتا ہے یہ ہی بری ہے۔ حضور انور کا اپنے اعمال لوگوں کو دکھانا، تعلیم، تبلیغ کے لئے تھا۔ حضور انور اس کے مامور تھے۔ صحابہ کرام کا بعض اعمال لوگوں کو دکھا کر کرنا ترغیب کے لئے تھا۔ موجد نیکی کو بہت ثواب ملتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صدقہ صدق سے بنا بمعنی سچائی، جس صدقہ میں صداقت اور سچائی نہ ہو، وہ صدقہ ہی نہیں صدقہ میں چار حروف ہیں۔ ص، د، ق، ہ، ص سے صد بمعنی (رکاوٹ) کی طرف اور د سے دلالت (بمعنی رہنمائی) کی طرف اشارہ ہے۔ ق سے قرب الی اللہ، اور ہ سے ہدایت کا پتہ لگتا ہے گویا صدقہ کے چار فائدے۔ صدقہ، نقصان، چوری، ڈکیتی وغیرہ ہر مصیبت کے مقابلہ میں رکاوٹ ہے۔ صدقہ نیکی کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔ رب سے قریب کرتا ہے۔ جنت کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ جب صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچتا ہے تو دینے والے کو خطاب کرکے پانچ باتیں عرض کرتا ہے۔ اے خیرات کرنے والے! میں قلیل تھا تو نے مجھے کثیر بنا دیا۔ میں حقیر تھا تو نے مجھے عظیم بنا دیا۔ میں فانی تھا تو نے مجھے باقی کر دیا۔ میں دنیا کی گھومنے والی حقیر دولت تھا۔ تو نے اپنے صدق و اخلاص سے مجھے آخرت کی پائدار نعمت بنا دیا مہربانی کرکے مجھے برباد نہ کرنا، زندہ اور آباد رکھنا مجھے اخلاص کے پانی اور ایمان کی ہوا سے سرسبز رکھنا۔ مگر یہ تمام خوبیاں اس صدقہ میں ہیں جو اخلاص سے ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ریاء کار بندہ اس شخص کی طرح ہے جس کے کیسہ میں ٹھیکریوں کے روپیہ بندھے ہوں لوگ اسے دیکھ کر مالدار سمجھیں۔ مگر بازار میں اس کی کوئی قیمت نہ ہو ایسے ہی ریاکار کو صرف لوگوں کی تعریف ملے گی۔ بازار قیامت میں اس سے کوئی سودا نہ خرید سکے گا۔ ضروری ہے کہ سکہ کی چاندی بھی کھری ہو اور اس کی مہر بھی درست، مال حلال اس کی چاندی ہے اور اخلاص اس کی مہر اس لئے بعض لوگ نابینا فقیروں کو خیرات دیتے ہیں۔ بعض علمائے کرام سوتے ہوئے فقیروں کے کپڑے میں کچھ باندھ آتے تھے۔ تاکہ اسے خبر نہ ہو کہ کون دے گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

گفت پیغمبر بیک صاحب ریا صل انک لم تصل ای فتی
از برائے چارہ ایں خوف ہا آمد اندر ہر نمازے اھدنا
کیں نمازم رامیا میز اے خدا با نماز ضالین و اہل ریا

خیال رہے کہ دنیاداروں کو دکھانا اور انہیں راضی کرنا ریا کاری ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی نیکیاں دکھانا اور انہیں راضی کرنا عین عبادت کیونکہ ان کی رضاء میں رب کی رضا ہے۔ جس عمل سے حضور راضی نہ ہوں۔ اس سے رب بھی راضی نہیں۔ رب فرماتا ہے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج آخر رات ہم تمہارے دروازے پر گئے اور تمہارا قرآن پاک سنا۔ تمہیں رب نے لحن داؤدی دیا ہے۔ عرض کیا کہ اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں تو اور بھی عمدہ طریقہ سے پڑھتا اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اور شان حبیب الرحمان میں دیکھیں۔ دیکھو ہجرت کے بعد فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کو مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا۔ سوائے معذورین کے جو لوگ وہاں رہے ان پر قرآن کریم میں سخت عتاب ہوا۔ حالانکہ مکہ معظمہ میں کعبہ، مقام ابراہیم عرفات و منیٰ سب تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت وہاں رہنے سے اللہ کے حبیب راضی نہ تھے۔ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو حکم دیا کہ کل فجر کے بعد جہاد میں روانہ ہو جائیں۔ سب چلے گئے ایک صحابی نے خیال کیا کہ آج جمعہ ہے۔ نماز جمعہ حضور کے پیچھے پڑھ کر جاؤں اور لشکر سے مل لوں گا۔ نماز جمعہ کے بعد حضور نے ٹھہر جانے کا سبب پوچھا انہوں نے ماجرا عرض کر دیا۔ فرمایا کہ جو ثواب ان لوگوں کو صبح نکل جانے اور جنگل میں ظہر پڑھنے کا مل گیا۔ وہ تم کو یہاں میرے پیچھے صدہا جمعہ پڑھنے کا نہیں مل سکتا کیوں؟ حضور انور کی رضا کی وجہ سے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ معاملات میں دنیوی اغراض کا شامل ہونا حق سے اعراض (منہ پھیرنا) کی علامت ہے جس نے حق سے اعراض کیا اس نے باطل کو لیا اور جس نے باطل کو لیا اس نے اپنے اعمال کے حقوق باطل کر دیئے۔ جب تم نے فقیر پر صدقہ کا احسان جتایا تو معلوم ہوا کہ صدقہ سے تم طالب حق نہ تھے ورنہ تم فقیر کا احسان مانتے کہ اس نے تم سے چند پیسے لے کر تمہیں رب تک پہنچا دیا۔ ہمارے مشرب میں جنت حاصل کرنے یا جہنم سے بچنے کے لئے نیکی کرنا بھی غلطی ہے۔ عاشق کی نظر صرف محبوب پر چاہئے جب کسی بندہ پر عشق الٰہی غالب ہوتا ہے تو مال و اولاد اور نفس میں شرکت کی رگ کاٹ ڈالتا ہے۔ وہ اپنے کام کی اجرت دیدار یار کو قرار دیتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عاشقاں راشاد مانی و غم اوست دست مزد و اجرت خدمت ہم اوست
غیر معشوق از تماشائی بود!! عشق نہ بود ہرزہ سودائی بود
عشق آں شعلہ است کہ چوں بر فروخت ہرچہ جز معشوق باقی جملہ سوخت

(روح البیان) مولانا غنیمت فرماتے ہیں :۔

برآمد بر در کسب فروشم کہ من سیپارۂ دل می فروشم
بگفتہ قیمتش، گفتم نگاہے بگفتہ کم ترک گفتم کہ گاہے

سیپارۂ دل کی قیمت یار کی نگاہ ناز ہے۔ اگر وہ کم کرائے تو نگاہ گاہ بگاہ کر لیا کرے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ قدرت

نے قریبا" تمام چیزوں میں ظاہر و باطن رکھا ہے۔ ان دو کے ملنے سے چیز کام کی ہوتی ہے ان کے بغیر بے کار' درخت کی شاخیں ظاہر ہیں۔ جڑ باطنی' مکان کی چھت اور دیواریں ظاہر ہیں۔ نیو باطن انجن کا ڈھانچہ ظاہر ہے۔ مشین باطن۔ انسان کی آنکھ' ناک' کان' ظاہر ہیں۔ دل روح وغیرہ باطن۔ ظاہر چھپاؤ تو چیز خراب ہو جاتی ہے۔ باطن کھولو تو چیز برباد۔ اگر درخت کی جڑ' مکان کی بنیاد کھل جائیں تو درخت سوکھ جائے گا مکان خراب ہو جائے گا۔ ایسے ہی اعمال کا ایک ظاہر ہے دوسرا باطن ظاہری اعضاء سے عمل کی شکل ظاہر ہے دل کا اخلاص باطن۔ ریاکار کے عمل کا باطن کوئی نہیں لہذا برباد ہے۔ اس کی مثال رب تعالیٰ نے پتھر کی چٹان پر دانہ بونے سے دی ہے کہ اس درخت کی جڑ باطن نہ بنی برباد ہو گیا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا

اور کہاوت ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے تلاش کرنے کے لئے مرضی اللہ کی اور ٹھہرانے کے

اور ان کی کہاوت جو اپنے مال اللہ کی رضا چاہنے میں خرچ کرتے ہیں اور اپنے دل جمانے کو

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا

لئے دلوں اپنوں کو مثل کہاوت اس باغ کے ہے جو اونچی جگہ میں ہے کہ پہنچا اسے تیز مینہ پس دے پھل

اس باغ کی سی ہے جو بھوڑ پر ہو اس پر زور کا پانی پڑا تو دونے میوے لائے

ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ

اپنے دو دوگنے پس اگر نہ پہنچے اسے تیز مینہ اوس اور اللہ ساتھ اس کے جو کرتے ہو

پھر اگر زور کا مینہ اسے نہ پہنچے تو اوس ہی کافی ہے اور اللہ تمہارے

بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

دیکھنے والا ہے۔

کام دیکھ رہا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں باطل اور غیر مقبول صدقوں کی ایک مثال دی گئی تھی۔ اب صدقات مقبولہ کی نہایت نفیس مثال ارشاد ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقات باطل ہونے کے اسباب بیان ہوئے' طعنے و ایذا وغیرہ اب قبولیت صدقات کے اسباب بتائے جا رہے ہیں۔ یعنی اخلاص اور اطمینان قلب۔ **تیسرا تعلق:** پہلے بھی صدقہ مقبول کی دانہ سے مثال دی جا چکی ہے۔ اب اس کی مثال بہترین باغ سے دی جا رہی ہے۔ یعنی پہلے صدقہ کامل کی مثال تھی اور اب کامل تر کی۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ریا کے اعمال خصوصا" صدقے کا ذکر تھا۔ اب رضائے اعمال خصوصا" صدقات کا ذکر ہے۔ صدقات تین طرح کے ہیں۔ ریاء کیلئے' طلب حیثیت کیلئے' رب کی رضا کیلئے۔ پہلا صدقہ بدترین ہے۔ تیسرا بہترین دو درمیانی' درمیانی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر **ومثل الذین ینفقون اموالھم** مثل بمعنی مشہور مثال یعنی کہاوت ہے **الذین** سے مسلمان مراد ہیں کیونکہ انہی کی خیرات قبول ہوتی ہے۔ نفقہ سے صدقات و خیرات اور اموال سے ہر قسم کے مال مراد۔ اموالھم فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ جب وہ ان کے اپنے ہوں تب خیرات کریں۔ (یعنی زندگی و تندرستی میں نہ مرتے وقت) مرے بعد مال ورثاء کا ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ قیمت اجرت 'ہدیہ 'نذرانہ عطیہ یہ کام نفقے ہیں۔ اگر یہ رضاء الٰہی کے لئے ہوں تو سب کا ثواب ہے حج کی سواری کا کرایہ مسجد کی زمین خرید نا فقیر کو تو کچھ دینا بچوں پر خرچ یہ سب ینفقون میں داخل ہے۔ یعنی ان مسلمانوں کی کہاوت جو اپنے مال خیرات کرتے ہیں۔ **ابتغاء مرضات** مرضات باب افتعال کا مصدر ہے۔ بغی بمعنی طلب و تلاش سے بنا۔ کہا جاتا ہے بغیت۔ خیال رہے کہ باغی بغاوت سے ہے نہ کہ بغی سے یہاں **ینفقون** کا مفعول لہ ہے لام پوشیدہ۔ مرضات بمعنی رضا ہے یعنی اللہ کی رضا تلاش کرنے کیلئے بعض نے کہا کہ ابتغاء بمعنی اسم فاعل ینفقون کے فاعل سے حال ہے۔ ابتغاء اور مرضات میں دو طرف اشارہ ہے ایک یہ کہ تلاش کرنے والا ہر جگہ پر 'دروازہ پر جستجو کرتا ہے۔ دنیا کا متلاشی نوکری تجارت کاشت غرضیکہ جہاں تک اس کا بس چلتا ہے وہاں تک کاروبار کرتا ہے گمشدہ پیسے کا جویاں ہر دروازے پر ہر محلہ پر ہر شہر میں ڈھونڈھتا ہے لہذا طالب مولیٰ کو چاہئے کہ اسے ہر دروازے پر ڈھونڈے جتنی نیکیاں کر سکے کرے حضرات اولیاء اللہ کے آستانوں کی حاضری دے۔ ہر جگہ صدقہ دے 'حج زکوۃ نفلی صدقے غرضیکہ صدقات کا تخم ہر جگہ بکھیرے نہ معلوم کہاں اور کب اگ پڑے ہر طلب میں جیئے جستجو میں مرے۔ دوسرے یہ کہ رب کی رضا چاہے بلکہ مرضات چاہے پوری پوری اور خالص اس کی رضا تلاش کرے جس میں اپنے نفع کی خواہش کا شائبہ نہ ہو۔ حتیٰ کہ جنت حاصل کرنے دوزخ سے بچنے کی آرزو بھی شامل نہ ہو۔ محض رضاء الٰہی کی نیت ہو وہ چیزیں مل ہی جائیں گی۔ جسے بادشاہ مل گیا اسے سب کچھ مل گیا۔

مروت نہ باشد کہ اہل صفا بخواہند غیر خدا از خدا

وتثبیتا من انفسھم۔ تثبیت ثبات سے بنا اس کے معنی تصدیق یا یقین یا تحقیق یا قرار یا برقرار رکھنا ہے۔ من یا تو زائدہ ہے یا تبعیفیہ 'یا ابتدائیہ 'یا بمعنی لام' (روح المعانی و کبیر وغیرہ) یہ ترکیب میں یا تو ابتغاء پر معطوف ہے اور **ینفقون** کا مفعول لہ یا **یثبتون** فعل محذوف کا مفعول مطلق یعنی اپنے نفس کو سکون و قرار دینے کے لئے خیرات کرتے ہیں کہ عبادات سے دل کا چین ہے یا پہلے تحقیق کر لیتے ہیں کہ یہاں خرچ کرنے سے رب راضی ہو گا یا نہیں پھر خرچ کرتے ہیں۔ یا دلی اطمینان اور قبولیت کے یقین پر خرچ کرتے ہیں یا صداقت ایمان پر خرچ کرتے ہیں۔ یا اپنے نفسوں کو عبادت کا عادی بنانے کیلئے یا اپنے بعض نفس کو ایمان پر ثابت رکھنے کیلئے خیرات کرتے ہیں یا خوشی سے اور رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے خیرات کرتے ہیں کہ اس نے ہم کو اس عبادت کی توفیق بخشی زکوۃ کو بوجھ 'ٹیکس سمجھ کر نہیں دیتے۔ **کمثل جنۃ بربوۃ** کاف تشبیہ کا اور مثل بمعنی کہاوت ہے جنت کا مادہ 'جن بمعنی چھپنا ہے۔ جو باغ چار دیواری سے محفوظ کیا جائے وہ جنت کہلاتا ہے فراء نے کہا کہ بستان ہر باغ کو کہتے ہیں اور جس باغ میں کھجوریں ہوں وہ جنت اور جس میں انگور ہوں وہ فردوس کہلاتا ہے۔ (خازن) ربوۃ 'ربو سے بنا بمعنی زیادتی اور بلندی 'اسی لئے سود اور اونچی کھیتی کو ربو کہا جاتا ہے اونچی ٹیلی کو بھی رابیہ کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اونچی اور اعلیٰ درجہ کی ہموار زمین کو ربوہ بولا جاتا ہے جو دریا کے سیلابوں اور شہر کے گندے پانیوں سے محفوظ رہے۔ جس کے درخت خوش نما اور پھل بے شمار

www.alahazratnetwork.org

ہوں یعنی مسلمانوں کی خیرات اس باغ کی طرح ہے۔ جو بلند اور اعلیٰ درجہ کی زمین میں لگا ہو۔ **اصابها وابل**' **اصاب اصابته** سے بنا' بمعنی تیز بوندوں والی بارش اس لفظ کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی۔ **فاتت اكلها ضعفين**۔ **اکل**' **اكلته** کی جمع ہے۔ بمعنی لقمہ اور کھانے کے قابل غلہ' یہاں مراد باغ کے پھل ہیں۔ بعض نے کہا کہ اکل طعمہ کا ہم معنی ہے ابو زید نے کہا کہ اکل بمعنی لذت بھی آتا ہے۔ **ضعفين**۔ **ضعف** کا تثنیہ ہے یہ بمعنی مثل بھی آتا ہے اور بمعنی دگنا بھی یعنی اس باغ نے تیز بارش کی وجہ سے اپنے پھل دو مثل یعنی دگنے دیئے یا دگنے کے دگنے یعنی چوگنے دیئے۔ بعض نے فرمایا کہ تثنیہ کثرت کیلئے جیسے **فارجع البصر كرتين** یعنی اس نے بے شمار پھل دیئے (کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ کسی فقیر کو ناگہانی آفت یا مصیبت سے بذریعہ صدقہ بچالینا اور کسی کی آڑی حاجت نکال دینا کسی کسی کو میسر ہوتا ہے۔ اور یہ ہی وہ تیز بارش کی مثل ہے۔ جس سے اس کے پھل بہت ہوتے ہیں۔ اور کسی مسلمان کو پھانسی دینا بد ترین جرم ہے۔ جو بندہ مومن کی مدد کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے آج مسلمان یہ سبق بھول گئے مومن کو پھانس دینا کمال سمجھتے ہیں **فان لم يصبها وابل فطل**۔ **طل** چھوٹی بوندوں والی ہلکی بارش کو کہتے ہیں بعض درختوں کو اوس یا شبنم ہی کافی ہوتی ہے۔ **والله بما تعملون بصير** یہ **مخلصين** و منافقین سب ہی سے خطاب ہے۔ یعنی اے لوگوں اللہ تمہارے سارے اعمال کو خوب دیکھنے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ رضاء الٰہی کی طلب میں دلی اطمینان اور تصدیق قلبی کی بنا پر اپنے مال خیرات کرتے ہیں۔ ان کی خیرات کی مثال اس باغ کی سی ہے۔ جو اعلیٰ اور قابل پیداوار بلند میدان میں ہو کہ نہ وہاں گندی نالیوں کا پانی پہنچے اور نہ دریاؤں کے سیلاب' نہ گندی ہوائیں کہ جب اسے تیز بارش مل جائے تو دیگر باغوں سے دگنے پھل دے اور اگر خشک سالی ہو جائے' تو اسے شبنم ہی کافی ہو کہ اور باغ خشک ہو جائیں مگر یہ جب بھی پھل دے گا۔ ایسے ہی مسلمانوں کی خیرات ہے کہ کبھی کمال اخلاص اور اعلیٰ مصرف میں خرچ ہو جانے کی وجہ سے انہیں دنیا میں بھی صدقہ کا نفع مل جاتا ہے اور آخرت میں بھی اور کبھی محض اخلاص کی وجہ سے اگر دنیا میں بدلہ نہ بھی ملے تو آخرت میں ضرور ملتا ہے۔ غرضیکہ اس کا صدقہ کبھی برباد نہیں جاتا کبھی کسی مصیبت زدہ کی دعا کی برکت سے ان کی آئی ہوئی مصیبتیں بھی ٹل جاتی ہیں۔ قرض بھی ادا ہو جاتا ہے۔ رب کی رضا حاصل ہوتی ہے اور جنت مل جاتی ہے اگر ان کے صدقہ کو ایسی جوش کی دعا نہ ملے تب بھی رضاء الٰہی اور جنت کا استحقاق حاصل ہو ہی جاتا ہے خیال رہے کہ یہاں یا تو تشبیہ مرکب ہے یا مفرد' مسلمان گویا قابل کسان ہے۔ اس کا صدقہ بہترین بیج' بہترین مصرف گویا عمدہ زمین کہ جہاں طعن و ایذا وغیرہ کے گندے پانی اور ریا اور نام و نمود کی گندی ہوائیں نہیں پہنچتیں دینے والے کا کمال اخلاص اور مصیبت زدہ فقیر کی جوش دل کی دعا تیز بارش ہے۔ دنیا میں مال کا بڑھنا' بلاؤں کا ٹلنا' آخرت میں رب کی رضاء' جہنم سے نجات' جنت کی لذات' اس کا دگنا پھل خیرات کے وقت کمال اخلاص کا نہ ہونا' یا کسی مصیبت زدہ کی پر جوش دعا کا نہ ملنا' یہ گویا تیز بارش کا نہ پہنچنا ہے اور اصل اخلاص یہ گویا شبنم ہے۔ رب تعالیٰ سب کے اعمال سے خبردار ہے۔ بقدر عمل جزاء عطا فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے اس صدقہ کو جو رضاء الٰہی کے لئے ہو' باغ سے تشبیہ دی ہے نہ کھیت سے۔ یہ چند وجہ سے ہے ایک یہ کہ کھیت صرف ایک بار ہی پھل دیتا ہے۔ پھر کٹ جاتا ہے مگر ایک بار کا لگا ہوا باغ ہمیشہ پھل دیتا ہے۔ اچھے مومن کا صدقہ مقبول دنیا' حشر' قبر ہر جگہ پھل دیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ کھیت صرف پھل دیتا ہے سایہ ٹھنڈک زینت نہیں دیتا مگر باغ پھل بھی دیتا ہے' سایہ رونق بھی دیتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ایسے مومن کا صدقہ مقبول ثواب کے پھل بھی دیگا اور قیامت میں سایہ و رونق بھی۔ تیسرے یہ کہ کھیت کی نگرانی آخر تک کرنی پڑتی ہے مگر باغ کی نگرانی ایک بار کرلی گئی پھر ہمیشہ کیلئے فارغ ہوگئے نہ اسے پانی دینے کی ضرورت نہ صفائی کی حاجت مومن مرتے وقت تک اپنے صدقہ کی نگرانی کرتا ہے۔ پھر ابد الاباد تک وہ صدقہ محفوظ رہتا ہے چوتھے یہ کہ اگر کھیت پر آفت آجائے تو بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر باغ کو آفت پہنچ جائے تو صرف پھل برباد ہوں گے لکڑی وغیرہ فائدہ دیگی۔ ایسے ہی مومن کا صدقہ اگر دنیا کا کام بھی نہ دے تو دوسری جگہ فائدہ مند ہے پانچویں یہ کہ کھیت ایک ہی پھل دیتا ہے۔ مگر باغ قسم قسم کے پھل دیتا ہے ایک باغ میں صدہا قسم کے درخت ہوتے ہیں۔ ہر درخت کا پھل علیحدہ ایسے ہی مومن کا مقبول صدقہ بہت سے پھل دیتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** چار چیزیں خیرات کو باطل کرنے والی ہیں۔ بے ایمانی' ریاکاری' احسان جتانا' فقیر کو ایذا پہنچانا اور دو چیزیں خیرات کو قبول کرنے والی' ایمان اور اخلاص **دوسرا فائدہ:** بوجھ یا ٹیکس سمجھ کر صدقہ دینا غیر مقبول ہے۔ خوش دلی سے ادا کرنا ضروری کہ تثبیتا من انفسھم کے ایک یہ بھی معنی کئے گئے **تیسرا فائدہ:** صدقہ مقبول کے بھی مختلف درجے ہیں بعض بہت نافع' بعض کم' جیسے کہ تیز بارش اور شبنم کی مثال سے معلوم ہوا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: تم نے تثبیتا کو مفعول لہ بنایا' اور معنی یہ کئے کہ خیرات کریں دل کو سکون دینے کیلئے حالانکہ سکون سے خیرات ہوتی ہے نہ کہ خیرات سے سکون؟ جواب محبت مال اور بخل وغیرہ نفس کی خاص صفتیں ہیں خیرات کے وقت نفس مخالفت کرتا ہے اور صدقہ دینے والے کا مقابلہ' جو کوئی اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے خیرات کئے جائے تو آخر کار وہ اس کا عادی بن جاتا ہے اور نفس اس کی مخالفت چھوڑ دیتا ہے۔ تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ نفس کی طاقت توڑنے اور اسے مغلوب کرنے اور خیرات کا عادی بنانے کیلئے جو صدقہ کریگا اس کو یہ درجہ ملے گا۔ **دوسرا اعتراض:** من انفسھم میں من تبعیضیہ کیونکر درست ہے۔ نفس تثبیت کا جزو نہیں۔ **جواب:** نفس زندگی اور مال کا عاشق ہے۔ جب خیرات کرکے اس کو دبایا گیا تو یہ بعض اعتبار سے دب گیا۔ اور جہاد سے دبایا گیا تو بھی بعض لحاظ سے دبایا گیا۔ اور اگر خیرات اور جہاد دونوں سے دبایا گیا تو پورا دب جاتا ہے گویا مال نفس کا جزو ہو چکا ہے۔ (کشاف و کبیر) **تیسرا اعتراض:** اونچی زمین پر تو پیداوار کم ہوتی ہے کہ وہاں تک نہروں کا پانی نہیں پہنچتا۔ اور وہاں کی ہوا مضر ہے۔ پھر یہ تشبیہ کیوں صحیح ہوئی۔ **جواب:** بلند زمینوں میں پیداوار زیادہ اس کے پھل اعلیٰ ہوتے ہیں۔ پہاڑی میوے' میدانی میووں سے بڑے ہوتے ہیں نیز ربوہ سے اتنی اونچی زمین مراد نہیں کہ جہاں تک پانی ہی نہ پہنچے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ نشیب میں نہ ہو۔ جہاں نالیاں گرتی ہیں اور زمین گندی رہتی ہے۔ اور بہت تری کی وجہ سے پیداوار اچھی نہیں ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ: اعمال مثل تانبہ کے ہیں اور صدق و اخلاص ان کی کیمیا اس سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے ایسے ہی اخلاص سے اعمال مقبول' دنیا میں اضطراب ہے اور دین میں سکون رسوم اور حرام موقعوں پر خرچ کرنے سے نفس تو خوش ہوتا ہے مگر روح بے چین اور اللہ کے لئے خیرات کرنے پر اگرچہ اولاً نفس کو تکلیف ہوتی ہے۔ مگر روح کو تسکین۔ عوام مال خرچ کرتے ہیں۔ خواص اعمال اور خاص الخاص لوگ جان جیسا خرچ ویسی ہی جزاء' مولانا فرماتے ہیں۔

آں درم دادن سخی را لائق است　　جان سپردن خود سخائے عاشق است

www.alahazratnetwork.org

تان وہی از بہر حق نانت دہند　　جان وہی از بہر حق جانت دہند
در شریعت مال ہر کس مال اوست　　در طریقت ملک ما مملوک دوست

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ صدقہ فقیر کے ہاتھ میں پہنچ کر یوں کہتا ہے کہ اب تک تو میرا محافظ تھا اور اب میں تیرا محافظ ہوں۔ اب تک میں تیرا دشمن تھا۔ اب سے تیرا دوست ہوں۔ مکحول شامی فرماتے ہیں کہ صدقہ کرتے وقت جہنم رب سے درخواست کرتا ہے کہ مولا مجھے سجدۂ شکر کی اجازت دے کہ امت محمدیہ میں سے ایک شخص آزاد ہوا۔ کیونکہ مجھے محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے حیا آتی ہے کہ ان کے امتی کو عذاب دوں مگر تیری اطاعت ضروری ہے۔ (روح البیان) ثواب کی نیت سے خیرات کرنا بھی اخلاص ہے۔ مگر رضائے الٰہی رب الارباب کی نیت سے خیرات کامل تر اخلاص کہ اس کی جزاء رفع درجات ہے اور اس کی جزاء' قرب حق دولت وصال اور شہود جمال ذوالجلال جنت و نعیم تو نفع میں ہیں۔ وہ جنت کا طالب مگر اس کی جنت طلبگار۔ اس پر یہ صادق آتا ہے **فاتت اکلها ضعفین** پہلے کے حق میں یہ جملہ ہے **فان لم یصبها وابل فطل** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یوں تو رب تعالیٰ کی ہر صفت کمال بے مثل ہے مگر چند امور قابل لحاظ ہیں۔ دولت مند انسان غریب کے حقیر ہدیہ کو نظر میں نہیں لا سکتا۔ مگر رب غنی اخلاص کے ایک پیسہ سے خوش ہوتا ہے۔ دولت مند زیادہ مانگنے سے خفا ہوتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ کے دروازہ پر بے شمار فقراء کا ہر وقت ہجوم اور سب کی حاجت روائی مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ با ہروں ترا راز دگر　　ہر گدا را بر درت ناز دگر

چاہئے کہ اپنے اعمال میں رضائے الٰہی کی نیت کرے کہ تمام نعمتیں اس کے تابع ہیں۔ مالک کو مقصود سمجھو تو ہر مقصود خود بخود موجود ہو گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خرچ فی سبیل اللہ عام ہے اور خرچ رضاء الٰہی کے لئے خاص۔ جنت حاصل کرنے' دوزخ سے بچنے' اپنے گناہوں کی معافی چاہنے' نعمت الٰہی پر صدقہ کرنے اور رب کو راضی کرنے کیلئے خرچ یہ تمام فی سبیل ہیں۔ مگر مرضات اللہ خرچ صرف وہی ہے جس میں اپنی کوئی دینی و دنیاوی غرض شامل نہ ہو۔ نہ حصول جنت کی نہ نجات دوزخ کی صرف رب کو خوش کرنا منظور ہے اس لئے رب نے پہلے خرچ فی سبیل اللہ کو اس دانہ سے تشبیہ دی جس سے سات سو دانہ پیدا ہوں اور اس آیت میں خرچ مرضات اللہ کو پورے باغ سے تشبیہ دی یہ باغ اس دانہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہے خرچ فی سبیل اللہ ابتدائی منزلیں ہیں اور رضاء مولیٰ کیلئے خرچ سالک کی انتہائی منزلیں جو کسی خوش نصیب کو ہی نصیب ہوتی ہے انسان اس کی کوشش ضرور کرے مگر اس کے انتظار میں خرچ فی سبیل اللہ سے باز نہ رہے۔ کئے جائے کبھی یہ منزل بھی میسر ہو جائے گی۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ
کیا پسند کرتا ہے کوئی تم میں سے کہ واسطے اس کے باغ کھجوروں اور انگوروں سے بہتی ہوں نیچے
کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ اس کے پاس ایک باغ ہو کھجوروں اور انگوروں کا
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ
سے اس کے نہریں واسطے اسکے بیچ اس کے پھلوں میں سے ہے اور پہنچا اس کو بڑھاپا
جس کے نیچے ندیاں بہتیں اس کے لئے اس میں ہر قسم کے پھلوں سے ہے اور اسے بڑھاپا آیا

www.alahazratnetwork.org

أَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءُ فَأَصَابَهَا إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ
اور واسطے اس کے اولاد ہے کمزور پس پہنچا اس باغ کو بگولا کہ بیچ اس کے آگ ہے پس جل گیا
اور اس کے ناتواں بچے ہیں تو آیا اس پر ایک بگولا جس میں آگ تھی تو جل گیا
فَاحْتَرَقَتْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿٢٦٦﴾
اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے آیتوں کو تاکہ تم غور کرو
ایسا ہی بیان کرتا ہے اللہ تم سے اپنی آیتیں کہ کہیں تم دھیان لگاؤ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** اس رکوع میں تین قسم کے صدقات کا بیان ہوا ہے۔ پہلی قسم وہ جس میں صحت اور بقاء کے شرائط پائے جائیں۔ جس کا ذکر شروع رکوع اور مثالوں کے ضمن میں ہوا۔ دوسری قسم وہ جس میں شرط صحت یعنی ایمان واخلاص ہی نہ پایا جائے اس کا ذکر **کالذی ینفق مالہ** میں ہوا۔ اب تیسری قسم کا بیان ہے کہ جس میں صحت کی شرط بقاء یعنی احسان اور ایذا سے محفوظ ہونا نہ ارد **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ غیر مقبول کی وہ صورت بیان کی گئی کہ جس کی زمین ہی خراب ہو مگر اب اس کا ذکر ہو رہا ہے کہ جس کی زمین بھی عمدہ ہو اور اسے پانی بھی مناسب ملے مگر خراب ہوا سے بگڑ جائے۔ گویا پہلے اس صدقہ کا ذکر تھا۔ جو اصل سے باطل ہے۔ اب اس کا ذکر ہے جو اصل سے صحیح اور کسی عارضہ سے برباد۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اعلیٰ درجہ کے صدقے مقبول کی مثال دی گئی تھی۔ اور اب اس صدقہ کی مثال دی جا رہی ہے۔ جو اصل میں اعلیٰ اور آخیر میں باطل ہو۔

تفسیر: **ایود احدکم** یہ استفہام انکاری ہے **یود** ودے بنا بمعنی کامل محبت' اسی سے ودود ہے۔ احدکم میں یا مسلمانوں سے خطاب ہے یا کفار سے' یا سب سے **ان تکون لہ جنۃ من نخیل واعناب** یہ جملہ **یود** کا مفعول ہے۔ جنت گھنے باغ کی زمین کو بھی کہتے ہیں اور درختوں کو بھی۔ مگر یہاں درخت مراد ہیں۔ کیونکہ درختوں ہی کے نیچے نہر جاری ہوتی ہے نہ کہ زمین کے نیچے اور لو' یا بگولے سے درخت جلتے ہیں نہ کہ زمین' من بیانیہ ہے کائنۃ پوشیدہ کے متعلق اور یہ جنت کی صفت ہے۔ **نخیل** یا تو **نخل** کی جمع ہے یا اسم جمع' یا اسم جنس بمعنی درخت کھجور' **اعناب**' **عنبۃ** کی جمع ہے عنب انگور کی بیل اور پھل دونوں پر بولا جاتا ہے۔ جہاں کہیں قرآن میں نخل اور عنب جمع ہو کر آتا ہے تو نخل سے درخت کھجور مراد ہوتا ہے نہ کہ پھل' اور اعناب سے انگور کا پھل مراد ہوتا ہے نہ کہ بیل (روح المعانی) یا تو یہ مراد ہے کہ وہ کھجور اور انگور ہی کا باغ ہے یا یہ کہ اس باغ میں انگور اور کھجور بھی کثرت سے ہیں **لہ جنۃ** میں چند لطیف اشارے ہیں ایک یہ کہ باغ اس بڈھے کا اپنا ہے کسی دوسرے کا پٹہ پر لیا ہوا نہیں ہے دوسرے یہ کہ وہ باغ خود اس بڈھے نے ہی لگایا ہے اس کے باپ دادا کا لگایا ہوا نہیں خود اپنی محنت کی چیز بڑی پیاری ہوتی ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ باغ ہے کھیت نہیں' کھیت جلنے پر صدمہ کم ہوتا ہے یا مالک سمجھتا ہے کہ میں نے ابھی بویا تھا۔ اور اب دوسرا بو ہوں گا۔ باغ جلنے کا صدمہ زیادہ کہ عمر بھر میں ایک بار بویا جاتا ہے۔ اس کے جل جانے کے بعد اب دوسرا باغ بو کر بہار نہیں کھا سکتا چوتھے یہ کہ وہ باغ ایک جیسا کہ تھا سال میں چار ماہ پھل دے کر آٹھ ماہ یوں ہی رہے۔ بلکہ ہر قسم

www.alahazratnetwork.org

کے پھلوں کا باغ تھا جس کے پھل سال بھر تک بازار میں پہنچتے ہیں آمدنی ہوتی رہتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس باغ میں کھجور بکثرت ہے۔ جس کا پھل 'لکڑی' پتے وغیرہ سب ہی کام آتے ہیں۔ عرب لوگ کھجور کا شربت گڑ بناتے اس میں چائے پکاتے ہیں۔ اس کے تنے شہتیر شاخوں کی کڑیاں۔ پتوں کی چھت مکان پر ڈالتے ہیں غرضیکہ کھجور ان کی زندگی کا سہارا ہے۔ **تجری من تحتھا الانھر** یہ جملہ جنت کی صفت ہے 'یا اس کا حال۔ انہار سے مراد پانی کی چوڑی نالیاں ہیں۔ جو مختلف سمتوں میں بہتی ہوں **لہ فیھا من کل الثمرت**۔ لہ پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے ثابت کا متعلق فیھا ثابت کی ضمیر سے حال اور من کل الثمرات اس پوشیدہ مبتداء کی صفت من یا زائدہ ہے یا بیانیہ یعنی اس باغ میں باغ والے کیلئے ہر قسم کا رزق ہے ثمرات سے بہت پھل مراد ہیں۔ نہ کہ عام کیونکہ وہ باغ تو صرف انگور کھجور کا ہی ہے اور اگر مختلف میووں کا بھی ہو تب بھی عام پھل مراد نہیں لئے جاسکتے۔ کیونکہ ایسا باغ دنیا میں کوئی نہیں جس میں دنیا بھر کے سارے پھل ہوں بعض زمین بعض پھلوں کیلئے موزوں ہوتی ہے۔ اور دوسری دوسرے پھلوں کیلئے اس لئے تمام پھلوں کا اجتماع ایک زمین میں ہونا ناممکن ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ ثمرات سے مراد منافع ہیں۔ یعنی اس باغ سے مالک کو ہر قسم کا نفع ہے کہ پھلوں کو کھاتا ہے۔ درختوں کی لکڑیاں جلاتا اور ان سے عمارات بناتا ہے اور پیداوار کی قیمت سے اپنی ہر ضرورت پوری کرتا ہے۔ **واصابہ الکبر** ظاہر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور قد پوشیدہ اور یہ جملہ یود کے فاعل کا حال۔ اور ہو سکتا ہے کہ عاطفہ ہو 'اور تکون پر معطوف اور یہ ماضی بمعنی مضارع ہو 'یا تکون بمعنی ماضی الکبر بمعنی بڑھاپا یعنی بڑی عمر 'یعنی اس باغ کے سوا کسی اور ذریعہ سے وہ روزی حاصل نہیں کرسکتا۔ کیونکہ بوڑھا ہے۔ محنت مزدوری کے لائق نہیں **ولہ ذریۃ ضعفاء** یہ جملہ اصابہ کی ضمیر سے حال ہے۔ لہ خبر 'ذریۃ مبتداء ذریت ذر سے بنا بمعنی چھوٹی چیونٹی۔ اسی مناسبت سے ریت کے ذروں کو ذرہ کہتے ہیں۔ یہاں چھوٹی اولاد کے معنی میں ہے۔ ضعفاء جمع ضعیف کی ہے جیسے امیر کی جمع امراء اور غریب کی جمع غرباء یعنی وہ باغ والا خود بڈھا ہو۔ اور اس کی اولاد کمزور 'ناتواں کہ اس کا بوجھ بھی اسی پر ہو جس کی وجہ سے باغ کی اور بھی زیادہ حاجت ہو کہ اگر باغ نہ رہے تو خود بھی بھوکا مرے اور بچوں کو بھی بھوک سے بلکتے دیکھے۔ ماں باپ پر اولاد کی تکلیف بہت گراں ہوتی ہے۔ **فاصابھا اعصار**۔ **اعصار** عصر سے بنا بمعنی 'نچوڑنا' اصطلاح میں اس گھومنے والی ہوا کو کہتے ہیں۔ جس میں غبار مینارے کی طرح بن کر گھومتا ہوا بھاگتا ہے۔ اسے عربی میں زوبعہ بھی کہتے ہیں۔ اردو میں بگولا 'اعصار کہنے کی وجہ یہ ہے کہ جیسے کپڑے کو نچوڑتے وقت بل دیا جاتا ہے۔ ایسے ہی یہ ہوا بھی بل کھاتی ہوئی جاتی ہے یا یہ ہوا بادل کو نچوڑ دیتی ہے یا بھی جس جسم کو لگ جائے اس کا خون نچوڑ کر مردہ کر دیتی ہے خیال رہے کہ اعصار کی تنوین تعظیمی ہے یعنی عظیم الشان بگولا 'اور بگولا بھی عام نہیں 'بلکہ **فیہ نار** اس میں غضب کی آگ ہے چونکہ اعصار مذکر ہے۔ اس لئے ضمیر مذکر لائی گئی اور نار سے مراد تیز لو ہے **فاحترقت** یہ حرق سے بنا بمعنی جلنا اس کا فاعل جنت ہے باب افتعال میں آکر مبالغہ کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی وہ باغ بالکل جل گیا کہ نہ پھل بچے نہ شاخیں نہ جڑ **کذلک**' **ذلک** سے یا تو اسی مثال کی طرف اشارہ ہے یا ساری مثالوں کی طرف **یبین اللہ لکم ایتہ** ان آیات سے قرآنی آیتیں مراد ہیں یا تمام دلائل قدرت **لعلکم تتفکرون** بمعنی کے ہے۔ (روح المعانی) تفکر بمعنی عبرت پکڑنا 'یا فکر کا استعمال کرنا 'اور قوت فکریہ کو حرکت دینا۔

خلاصہ تفسیر: اے خیرات کرنے والو بھلا سوچو تو کہ تم میں سے یہ بات کسے پسند ہوگی کہ اس کے پاس کھجور انگور کا گھنا باغ ہو۔ جس کے نیچے پانی کی نہریں چلتی ہوں 'جس سے وہ باغ خوب ہرا بھرا ہو کہ دیکھنے میں بھلا معلوم ہوتا ہو اور اس میں ہر طرح کا آرام

www.alahazratnetwork.org

بھی ہو اور خوب پھلوں سے لدا ہوا ہو یا کھجور' انگور کے علاوہ اس میں اور بھی ہر قسم کے پھل اور میوے ہوں تو ر باغ والا بڈھا ہو جس کی گزر اوقات اس باغ پر ہو کسی اور کمائی کے لائق نہ ہو۔ اس کے باوجود اس کے چھوٹے ناتواں بچے بھی ہوں جن میں کمانے کی قوت نہیں اور اس بڈھے کو ان بچوں سے خبر گیری کی کوئی امید نہ ہو۔ بلکہ ان سب کا بوجھ اسی پر ہے اور سب کا ذریعہ معاش یہ باغ ہی ہو۔ ایسی حالت میں اچانک اس باغ پر ایک لو کا بگولا آئے جس میں سخت مہلک آگ ہو۔ جس سے وہ ہرا بھرا باغ آن کی آن میں جل کر تباہ ہو جائے کہ نہ پھل رہے نہ شاخیں نہ پتے' نہ لکڑیاں' نہ جڑ بلکہ راکھ کا ڈھیر نظر آئے۔ اس وقت اس کا رنج و غم بیان سے باہر ہو گا۔ کہ اس بڈھے کا خرچ پورا' آمدنی کے اسباب ندارد' سخت بیکسی' بے بسی کا وقت ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات کوئی پسند نہ کرے گا اسی کی مثل یہ ہے کہ کوئی اولا" صدقہ دے یا نیک اعمال کرے' جس کے قیامت میں کار آمد ہونے کی امید ہو بعد میں اس خیرات پر طعنہ دیکر یا ایذا پہنچا کر اسے برباد کر دے' جب قیامت کا دن آئے اور یہ سخت محتاج و مجبور ہو اور کوئی اسکی دستگیری کرنے والا بھی نہ ہو اس وقت اسے عبادات کا باغ اجڑا ہوا اور پھل تباہ شدہ ملیں۔ بتاؤ اس دن اپنے کیسی بے بسی اور حسرت ہو گی۔ اور اسکی آرزوؤں کا کس بری طرح خون ہو گا۔ جب تم اس ہرے بھرے باغ کا اجڑنا پسند نہیں کرتے تو اپنے صدقات اور عبادات کے باغ کو ریاکاری' احسان و ایذا سے کیوں آگ لگاتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتا ہے تا کہ تم ان میں سوچ و بچار کر کے اپنی حالت سنبھالو۔ خیال رہے کہ یہ تشبیہ' تشبیہ مفرد بھی ہو سکتی ہے اور مرکب بھی۔ ایمان باغ کی زمین ہے۔ مختلف اعمال اس کے پھل والے درخت' اخلاص اور اچھی نیت اس باغ کی نہریں امید ثواب اس باغ کے کچے پھل' جن کے پکنے کا انتظار ہو' یا احسان جتانا فقیر کو ایذا دینا' وغیرہ یہ آگ والا بگولا جس سے یہ باغ تباہ ہو جائے' قیامت کا دن گویا اس کا بڑھاپے کا وقت' نہ کام آنے والے اہل قرابت و اولاد اس کی کمزوریاں ذریت اس دن کی انتہائی پریشانی یہ گویا باغ والے کی حسرت ہے (روح المعانی وغیرہ نے بحوالہ بخاری و حاکم وغیرہ) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ سے روایت کی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جماعت صحابہ کرام سے اس آیت کی تفسیر پوچھی۔ تو حضرت ابن عباس نے ان سے عرض کیا کہ یہ ہر اس شخص کی مثال ہے۔ جو پہلے نیکیاں کرے اور پھر شیطان اس سے گناہ کرا کے اس کے نیکیوں کے باغ کو آگ لگا دے۔ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اسے بہت پسند فرمایا۔ اس قول کی بناء پر یہ آیت فقط صدقات کیلئے ہی نہیں' بلکہ ساری نیکیوں کیلئے ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ تبلیغ و وعظ کیلئے مثالیں بہت ضروری ہیں کہ اس سے غیر محسوس مثل محسوس ہو جاتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے بہت مثالیں بیان فرمائیں۔ ہم اس کی پوری تحقیق **ان اللہ لا یستحی ان یضرب** کی تفسیر میں کر چکے۔ دوسرا فائدہ: عمل کا دارومدار خاتمہ پر ہے۔ زندگی میں سارے اعمال اس کچی کھیتی کی طرح ہیں۔ جس پر بہت سی آفتوں کا خطرہ ہے لہذا کوئی بھی اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو۔ تیسرا فائدہ: رب کے افعال کو مجازا" مخلوق کی طرف بھی نسبت کر سکتے ہیں کہ یہاں باغ کے جلانے اور برباد کرنے کو بگولے کی طرف نسبت کیا گیا۔ ورنہ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ چوتھا فائدہ ادب یہ ہے کہ بندہ بھلائی کو رب کی طرف اور برائی کو اپنی طرف نسبت دے دیکھو باغ کا جلانا بگولے کی طرف نسبت کیا گیا ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو رب مجھے شفا

www.alahazratnetwork.org

دے دیتا ہے۔ بیماری کو اپنی طرف اور شفا کو رب کی طرف نسبت دی' خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو وداع کرتے وقت فرمایا **فاردت ان اعیبھا** میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب ناک بنادوں عیب دار کرنے کو اپنی طرف نسبت کیا' وہاں بھی فرمایا **فاراد ربک ان یبلغا اشدھما** رب نے چاہا کہ یہ دونوں بچے جوان ہو جائیں یہ ہے ان حضرات کا ادب۔ پانچواں فائدہ جیسے دنیا میں کام بگاڑنا آسان ہے۔ گھر بنانا مشکل باغ لگانا مشکل مکان بنانا مشکل مگر انہیں اجاڑ دینا آسان' کسی کو دوست بنانا مشکل مگر دوستی ختم کر دینا آسان کنویں سے نکلنا مشکل ہے مگر گر جانا آسان۔ ایسے ہی آخرت کے متعلق سوچ لو کہ اسے بنانا مشکل ہے۔ بگاڑنا آسان ہے' شیطان کی لاکھوں برس کی عبادتیں صرف سجدہ کے انکار کر دینے پر برباد ہو گئیں برباد ہوتے ایک منٹ نہ لگا رب تعالیٰ بنانے کی توفیق دے۔

اعتراض: پہلا اعتراض یہ تشبیہ صحیح نہیں۔ کیونکہ اس باغ میں صرف کھجور اور انگور کے درختوں کا ذکر تھا مگر بعد میں فرمایا گیا کہ اس میں ہر قسم کے پھل ہو سکتے ہیں دو قسم کے درخت میں دو ہی طرح کے پھل ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یا تو کھجور اور انگور کا ذکر عظمت کی وجہ سے کیا گیا ہے' ورنہ اس باغ میں ہر قسم کے درخت ہیں یا **من کل الثمرت** سے بہت سے انگور اور کھجوریں مراد ہیں۔ کل بمعنی کثیر۔ **دوسرا اعتراض:** **واصابہ الکبر** میں اصاب فعل ماضی ہے اس کا عطف تکون مضارع پر کیونکر صحیح ہے عطف میں معطوف اور معطوف علیہ یکساں چاہئیں؟ **جواب:** تفسیر سے معلوم ہوا کہ واؤ یا حالیہ ہے' یا اصاب بمعنی مضارع یا ان تکون بمعنی ماضی یعنی لو کانت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت میں دو شخصوں کی مثال دی گئی ہے۔ ایک راہ حق پر خرچ کرنے والا دوسرا باطل رسموں میں کہ پہلے شخص کو اچھا بدلہ' دونوں جہاں میں عزت' رب تعالیٰ کی محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ دوسرے کو ضبطی اعمال' خسارہ مال' برائی حال اور انقال وبال کانٹے بونے والا کانٹے ہی کاٹے گا۔ اور پھل کے بیج بونے والا عمدہ پھل' معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ اپنے دین کو خالص کرو۔ تھوڑا عمل بھی کافی ہو گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ریاء کے دو علاج ہیں ایک ریاء کے اسباب کا ختم کر دینا۔ دوسرے ریا کے شبہات سے بچنا' پندرہ شخصوں کا شیطان دشمن ہے۔ نبی' بادشاہ عادل' انکسار کرنے والا غنی' سچا تاجر' عاجزی کرنے والا عالم' خیر خواہ مومن' رقیق القلب مومن' تائب بندہ' متقی' ہمیشہ باوضو رہنے والا آدمی سخی مرد' خلیق' لوگوں کو نفع پہنچانے والا' ہمیشہ تلاوت قرآن کرنے والا' تہجد گزار' دس شخصوں سے شیطان کو بہت محبت ہے۔ ظالم بادشاہ' غنی متکبر' بد دیانت بیوپاری' شرابی' چغل خور' ریاکار' سود خور' مال یتیم کھانے والا' زکوۃ نہ دینے والا' لمبی امیدیں رکھنے والا۔ ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ اپنی کشتی کی مرمت کرتے رہو۔ کیونکہ سمندر بہت گہرا ہے۔ زیادہ توشہ ساتھ لو کو سفر دراز ہے۔ اپنا بوجھ ہلکا رکھو۔ کیونکہ راستہ خطرناک ہے۔ عمل کو ریا سے پاک رکھو پرکھنے والا سمیع بصیر ہے۔ جہاں کسی کا کھوٹا نہیں چل سکتا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایسی زمین سے پھل بوٹے' پھل پھول سبزے نکلتے ہیں اور اس زمین سے خار دار درخت اور زہریلی گیس زہریلے جانور نکلتے ہیں ایک ہی زمین اس کے مہر و قہر کی مظہر ہے یوں ہی ہمارا جسم گویا خیمہ ہے۔ اس سے ایمان' نماز' حج وغیرہ عبادات حاصل ہوتی ہیں۔ اور اسی سے کفر و شرک' گناہ وغیرہ صادر ہوتے ہیں۔ انسان بعض کام ایسے کر لیتا ہے جس سے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور بعض بات ایسی بک دیتا ہے جس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ اس خیمہ میں دل و نفس دو متضاد چیزیں

www.alahazratnetwork.org

جمع ہیں۔دل کا میلان نیکیوں کی طرف ہے نفس کا میلان برائیوں کی طرف لگویا ایک کمرہ میں رومی و حبشی بٹھا دیئے گئے ہیں۔ رومی کو گرمی کی برداشت نہیں اور حبشی کو سردی کا تحمل نہیں اس کشمکش میں اللہ تعالیٰ ہی دستگیری کرے تو بیڑا پار ہو جائے کوشش کی جائے کہ عبادات و ایمان کا لہلہاتا باغ اجڑ نہ جائے مگر صرف اپنی کوشش پر اعتماد نہ کرے رب کی مہربانی مانگے۔ہم ضعیفوں کو وہی اپنی مہربانی میں لینے والا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّاۤ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو خرچ کرو پاک چیزوں میں سے جو کمایا تم نے اور اس سے جو نکالا ہم نے

اے ایمان والو اپنی کمائیوں سے کچھ دو اور اس میں سے جو ہم نے تمہارے لئے نکالا اور خاص ناقص

اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَ

واسطے تمہارے زمین سے اور نہ قصد کرو خراب کا اس سے خرچ کرتے ہو اور حالانکہ

کا ارادہ نہ کرو تو کہ دو اس میں سے اور تمہیں ملے تو نہ لوگے

لَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّاۤ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ

نہیں ہو تم لینے والے اس کے مگر یہ کہ چشم پوشی کرو بیچ اس کے اور جانو کہ تحقیق اللہ

جب تک اس میں چشم پوشی نہ کرو اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے

حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

بے پرواہ حمد کیا ہوا ہے۔

سراہا گیا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں خیرات رد ہونے کے اسباب بیان ہوئے۔اب قبولیت صدقہ کے اسباب بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** قبولیت صدقہ کیلئے بہت سی شرطیں ہیں۔کچھ وہ جو خیرات کرنے والے میں ہونی چاہئیں جیسے اخلاص اور ریا وغیرہ سے دوری اور کچھ وہ جو مال میں ہونی چاہئیں۔پہلی قسم کی شرائط کا ذکر پہلی آیت میں ہوا۔دوسری قسم کی شرائط کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں صدقے کو اصل سے برباد کرنے والے عیوب کا ذکر تھا۔اب ان چیزوں کا ذکر ہے۔جن سے صدقہ بالکل تو برباد نہیں ہوتا۔مگر اعلیٰ درجہ کا مقبول بھی نہیں ہوتا۔

شان نزول: حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت زکوۃ کے متعلق نازل ہوئی کچھ لوگ اپنے خرموں کے دو

www.alahazratnetwork.org

حصے کر دیتے تھے۔ کھرے علیحدہ اور ردی علیحدہ جب صدقہ وصول کرنے والا ان کے باغ میں پہنچا تو ردی میں سے دیتے اس پر یہ آیت کریمہ اتری (روح المعانی) تفسیر در منثور نے بحوالہ بیہقی و طبرانی و ابوداؤد و نسائی روایت کی کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو صدقہ کا حکم دیا تو بعض لوگ ردی خرموں کے خوشے لے کر حاضر ہوئے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض روایت میں ہے کہ بعض انصاری ردی خرموں کے خوشے مسجد نبوی میں ٹانگ دیتے تھے۔ تاکہ اہل صفہ کھالیں۔ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے کچھ خرمے جھاڑ کر فرمایا کہ کیا ان کا خیرات کرنے والا ناقص ثواب ہی چاہتا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (در منثور و کبیر وغیرہ)

تفسیر: **یا یھا الذین امنوا** یہاں صرف مسلمانوں سے خطاب ہے۔ کہ ثواب کے مستحق وہی لوگ ہیں۔ کفار کیسا ہی نفیس مال خرچ کریں اجر کے ہرگز مستحق نہیں۔ **انفقوا من طیبت ما کسبتم** یہ امر وجوب کیلئے ہے۔ جیسا کہ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معلوم ہوا اور خرچ سے صدقات واجبہ' زکوۃ' فطرے وغیرہ مراد ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ امر استحبابی ہو اور خرچ سے نفلی صدقے مراد ہوں۔ جیسا کہ دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے۔ مگر پہلا قول قوی ہے۔ طیبات' طیبہ' کی جمع ہے۔ یہ خبیث کا مقابل ہے اس کے معنی حلال بھی ہیں اور کھرا بھی مگر یہاں کھرا مال مراد ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا اور ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی معنی مراد ہوں۔ یعنی شرعاً" اور طبعاً" پسندیدہ مال وہی ہو گا۔ جو حلال بھی ہو اور کھرا بھی۔ بعض علماء نے فرمایا کہ انفقوا سے حلال مال مراد ہے' اور طیبات سے کھرا۔ کیونکہ حرام مال کی خیرات بھی حرام ہے۔ در اصل طیبۃ طیب سے بنا بمعنی دل کی پسندیدگی۔ رب فرماتا ہے۔ **فانکحوا ما طاب لکم من النساء** اس لئے خوشبو کو طیب کہتے ہیں۔ کہ وہ پسند چیز ہے پھر کھری اور رچی ہوئی چیز کو طیب کہتے ہیں۔ اس لئے مدینہ منورہ کا نام طیبہ بھی ہے۔ یعنی صاف کی ہوئی چھانٹی ہوئی بستی کہ رب نے یہاں سے وبا نکال کرا سے مقام شفا بنا دیا۔ طیبات جمع فرما کر بتایا کہ اپنی ہر دل پسند چیز میں سے خیرات کرو۔ روپیہ' پیسہ' کھانا' پانی لباس پھل فروٹ وغیرہ میں مرغوب' پاکیزہ چیز سے خرچ کرو **ما کسبتم** میں ما یا موصولہ ہے اور کسبتم اس کا صلہ یا ما مصدریہ بمعنی مکسوب' خیال رہے کہ کسب وہ ہر کام ہے۔ جو نفع کی غرض سے کیا جائے اس میں تجارتی مال سونا' چاندی' جانور وغیرہ سب ہی داخل ہیں۔ یعنی اے مسلمانو! اپنی کمائی میں سے کھرے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ بہترین خیرات وہ ہے جو اپنی کمائی سے ہو۔ کسب سے حلال کسب مراد ہے۔ لہٰذا ناچ گا کر جوئے شراب سے پیسہ کمانا ہی حرام ہے اور اس حرام کمائی سے خیرات کرنا بھی حرام ہے۔ اس لئے بعض لوگ خیرات میں سب و حج میں بہت حلال کمائی خرچ کرتے ہیں۔ بعض مخلط لوگ قرض لے کر خیرات یا حج کرتے ہیں۔ پھر قرض اپنی کمائی سے ادا کرتے ہیں۔ **ومما اخرجنا لکم من الارض** واؤ عاطفہ ہے اور من تبعیضیہ' اور ما سے ہر زمینی پیداوار مراد ہے۔ خواہ ترکاریاں ہوں یا پھل یا غلے وغیرہ یعنی اس میں سے بھی خیرات کرو جو ہم تمہارے لئے زمین سے نکالیں۔ **ولا تیمموا الخبیث**' **تیمموا** ام سے بنا بمعنی قصد **امت تممت** اور **تاممت** و **تیممت** سب کے ایک ہی معنی ہیں تیمم کو بھی اس لئے تیمم کہا جاتا ہے کہ اس میں پانی چھوڑ کر مٹی کا قصد ہے۔ خبیث طیب کا مقابل ہے۔ بمعنی ناپسندیدہ ہر خسیس چیز خبیث ہے۔ خواہ محسوس ہو یا معقول۔ غلط اعتقاد' برے افعال گندی چیزیں برے لوگ سب کو خبیث کہا جاتا ہے۔ جیسے **یحرم علیھم الخبئث** بمعنی گندی چیزیں **کانت تعمل الخبائث** بمعنی بد عملیاں۔

www.alahazratnetwork.org

الخبیثت للخبیثین بمعنی گندے لوگ۔ یہاں اگر طیب سے مراد حلال تھا تو خبیث سے حرام اور اگر اس سے کھرا مال مراد تھا' تو خبیث سے ردی مال۔ اور اگر طیب سے مراد خوش دلی سے دیا ہوا مال تھا تو خبیث سے مراد ہو گا ناخوشی سے دیا ہوا مال غرضیکہ خبیث یا خبث بمعنی میل کچیل سے بنا یا خباثت یعنی باطنی واندرونی نجاست سے بنا ہے ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور ظاہری گندی کو نجاست اور باطنی پاکی کو طیب کہتے ہیں۔ باطنی ناپاکی کو خباثت۔ یہاں طیب و خبیث کی بہت تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ یعنی حرام اور ردی مال کی خیرات کا ارادہ بھی نہ کرو۔ منہ تنفقون جار مجرور' تنفقون کے متعلق ہے اور ضمیر کا مرجع خبیث ہے متعلق کے مقدم سے حصر کا فائدہ ہوا یہ جملہ تیمموا کے فاعل سے حال ہے یعنی کہ صرف ردی ہی سے خرچ کرو۔ ولستم باخذیہ یہ تنفقون کی ضمیر سے حال ہے۔ یعنی تم ردی مال خیرات تو کرتے ہو مگر خود تم اس کا لینا گوارا نہیں کرتے الا ان تغمضوا فیہ یا تو ظرف ہے اور ان' سے پہلے وقت پوشیدہ یا 'ب' پوشیدہ ہے' تغمضوا' اغماض سے بنا بمعنی آنکھ بند کرنا۔ غفلت سستی کو بھی اسی مناسبت سے اغماض کہا جاتا ہے۔ چھپی بات کو کلام غامض اور مخلوط جگہ کو ناراض غمض کہتے ہیں۔ یہاں درگزر چشم پوشی مراد ہے واعلموا ان اللہ غنی حمید ○ یا تو بمعنی اسم فاعل ہے یا اسم مفعول یعنی جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری خیرات سے بے پرواہ اور مستحق حمد یا خیرات کرنے والوں کی حمد فرمانے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! راہ خدا میں اپنی حلال اور کھری کمائیوں اور اپنی زمین کی پیداوار میں سے اعلیٰ چیزیں خرچ کرو۔ ردی اور حرام چیزوں کے خیرات کرنے کا ارادہ بھی نہ کرو۔ کہ تم خیرات تو ردی میں سے کرو اگر تمہیں کوئی ردی چیز ہدیہ دے' یا تمہارا حق ردی سے ادا کرے تو تم بھی اسے نہ لو ہاں اگر درگزر کر جاؤ۔ اور چشم پوشی اور رعایت سے کام لو اور قبول کر لو تو دوسری بات ہے تو جو چیز تم لینا نہیں پسند کرتے وہ خدا کیلئے کیوں دیتے ہو۔ یقین رکھو کہ رب تعالیٰ صدقات کا محتاج نہیں۔ جو ایسی ناکارہ چیزوں سے بھی خوش ہو جائے۔ وہ بڑا غنی تعریف کے لائق ہے یعنی ذات و صفات میں کامل ہے تو اس کے دربار میں بھی کامل۔ اور قابل تعریف چیزیں پیش کی جائے یا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ غنی اور بندوں کے اعمال کی تعریف فرمانے والا ہے۔ تو چاہئے کہ قابل تعریف چیز پیش کی جائے تاکہ دینے والے کی تعریف ہو۔ خیال رکھو کہ غنی کی بارگاہ میں وہ چیز نذرانہ یا ہدیہ پیش کی جاتی ہے۔ جو وہ خود پسند کرے بادشاہ کو ہدیہ اعلیٰ دیا جاتا ہے تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ ہدیہ پیش کرو جو وہ قبول فرماوے اس کی بارگاہ میں تو اخلاص والا ہدیہ قبول ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کمائی کرنا' مال حلال حاصل کرنا شرعاً ضروری ہے۔ کہ جب کمائی میں خیرات ضروری' تو کمائی بھی ضروری دوسرا فائدہ: ہر تجارتی مال پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جیسا کہ انفقوا سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک زمین کی ہر پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے۔ خواہ تھوڑی ہو یا بہت اور خواہ سڑنے گلنے والی چیز ہو یا باقی رہنے والی لہذا غلہ' پھل' ترکاریاں سب میں زکوٰۃ واجب ہے جیسا کہ ما اخرجنا کے عموم سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: اگر کرایہ کی زمین میں کھیتی کی گئی تو بیج والے پر زکوٰۃ ہے نہ کہ مالک زمین پر جیسا کہ لکم کے لام سے معلوم ہوا کہ جس کی پیداوار' اسی پر زکوٰۃ پانچواں فائدہ: حق والا اپنے حق میں رعایت بھی کر سکتا ہے کہ معیوب چیزیں لے لے اور پورے کا مطالبہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ لستم باخذیہ اور الا ان تغمضوا سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اگر

www.alahazratnetwork.org

کسی نے زکوٰۃ میں ردی مال دے بھی دیا تو صحیح یہ ہے کہ زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی ہاں ثواب ناقص ملے گا۔ مسئلہ مصدق کو چاہیے کہ نہ تو بہت اعلیٰ مال زکوٰۃ میں لے اور نہ بہت ادنیٰ بلکہ درمیانی **ساتواں فائدہ:** حرام پیشہ اختیار کرنا حرام ہے۔ جیسے شراب و سور کی تجارت یا جوا وغیرہ کی اس آیت میں حلال مال خیرات کرنے کا حکم ہے اور ظاہر ہے کہ حرام پیشہ سے مال حرام ہی حاصل ہو گا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر قسم کے مال میں سے بعض حصہ خیرات کرنا چاہیے جیسا کہ **من** تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ مسئلہ کھرا کھوٹا ہونا مال کا وصف ہے۔ مستقل اس کی قیمت نہیں لہٰذا اگر کوئی قرض خواہ دھوکے سے کھوٹے روپے لے کر خرچ کرے اور بعد میں پتہ لگے تو مقروض سے کچھ مطالبہ نہیں کر سکتا اسی طرح دس کھرے روپیہ کے عوض گیارہ کھوٹے روپیہ نہیں خرید سکتا۔ (احکام القرآن) مسئلہ جس کے پاس کھرا مال ہو اسے نہیں کھوٹا ہی خیرات کرے 'باجرہ کی روٹی والا خیرات کیلئے گیہوں کی روٹی کہاں سے لائے گاڑھا پہننے والا ململ کی خیرات کہاں سے کرے۔ جیسا کہ **لستم باخذیہ** سے معلوم ہوا مسئلہ جس کے پاس مال حرام ہی ہو وہ یہ مال خیرات نہ کرے۔ اگر خیرات کا شوق ہو تو کسی سے مال حلال قرض لے کر خیرات کرے۔ پھر قرض اپنے مال سے ادا کرے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف کسانوں' زمینداروں اور کمائی کرنے والوں پر زکوٰۃ ہے جنہیں میراث یا ہبہ کا پیسہ مل جائے ان پر نہ صدقہ ضروری نہ زکوٰۃ' کیونکہ یہاں کسب اور زمینی پیداوار کی قید ہے۔ **جواب** کسب سے مراد ہر حلال آمدنی کا حلال ذریعہ ہے۔ میراث و ہبہ بھی کسب میں داخل ہے۔ اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ تمہاری اولاد بھی تمہاری کمائی ہے۔ یعنی ماں باپ کو اولاد جو کچھ دے اس میں سے وہ خیرات کرے۔ **دوسرا اعتراض:** طلباء علماء مشائخ کو چاہیے کہ دین کو ذریعہ معاش نہ بنائیں۔ بلکہ کسب کریں جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسب کی روزی حلال و طیب ہے باقی خبیث۔ **جواب:** اس کا جواب سوال نمبر ا کے جواب میں گزر گیا اور تفصیلی جواب **ولا تشتروا بآیتی** کی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ جو لوگ اپنے آپ کو دین کیلئے وقف کر دیں مسلمانوں پر ان کی خدمت لازم ہے کہ اگر یہ لوگ بھی دنیا کمانے میں مشغول ہو جائیں تو دینی ضروریات کون پوری کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **للفقرآء الذین احصروا فی سبیل اللہ لا یستطیعون** الخ۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بزمانہ خلافت بیت المال سے وظیفہ لیا۔ شاہان اسلام نے علماء کرام کو وظیفے دیئے یہ ہی ان کا کسب ہے **تیسرا اعتراض:** اگر طیبات کے معنی دل پسند چیزیں ہوں تو چاہیے کہ حقہ پینے والا تمباکو خیرات کرے' بلکہ بھنگی' چرسی اپنی بھنگ چرس سے صدقہ کریں۔ اور شرابی کبابی اسی سے خیرات کریں۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مذکورہ چیزیں مومن کی دل پسند نہیں۔ بلکہ نفس پسند ہیں۔ دل ان کا بھی ان سے نفرت ہی کرتا ہے بڑے سے بڑے نشے ور کو جب اس پر نصیحت کی جاتی ہے تو وہ یہ ہی کہتا ہے کہ میری عادت ہی پڑ گئی ہے اب چھوٹتی نہیں کیا کریں۔ بھائی تم بہت اچھے ہو' جو چرس سے بچے ہوئے ہو۔ خدا آپ کو بچائے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خود خیرات کرنا چاہیے اگر بلا ارادہ مال فقراء نے کھا لیا تو اس پر بھی ثواب ملتا ہے اس آیت اور حدیث پاک میں مطابقت کیونکر ہو **جواب** آیت و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔ حدیث شریف میں رب کے کرم کا ذکر ہے اور آیت میں اسلامی قانون کا یعنی خدا تعالیٰ کا کرم یہ ہے کہ مالک کے بغیر ارادہ بھی جو مال خلقت کے کام آوے اس پر بھی ثواب بخشتا ہے اور قانون یہ ہے کہ بغیر قصدی خیرات سے صدقہ واجبہ ادا نہ ہو گا۔ اس کیلئے قصداً" خیرات کرنا پڑے گی لہٰذا جانوروں اور فقراء کا کھایا ہوا دانہ زمین کی زکوٰۃ

www.alahazratnetwork.org

(عشر) میں محسوب نہ ہو گا وہ علیحدہ رہا ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہمیں دو چیزیں عطا فرمائیں ہیں۔ ایک جسم دوسری روح، جسم میں کسب کو دخل ہے کہ ماں باپ کے اختلاط سے بنا۔ اور غذا سے اس کی بقاء ہے یہ گویا **ما کسبتم** میں داخل ہے اور روح میں انسانی کسب کو بالکل دخل نہیں یہ گویا **مما اخرجنا لکم** میں شمار پھر جسم میں دو قسم کے اعضاء میں اعلیٰ جیسے دل، دماغ اور ادنیٰ جیسے ہاتھ پاؤں وغیرہ، فرمایا جا رہا ہے کہ جسم کے ادنیٰ اعضاء ہاتھ وغیرہ کو اگرچہ کسی دنیاوی کام میں لگادو۔ مگر اعلیٰ اعضاء یعنی دل و دماغ کو صرف راہ الٰہی میں خرچ کرو کہ دل میں محبت ہو تو اللہ و رسول علیہ السلام کی اور دماغ میں خیال رہے تو صرف اسی کا۔ جس گھر میں مالک نہ رہتا ہو وہاں کوڑا کچرا۔ سانپ بچھو وغیرہ گھر بنا لیتے ہیں اور جہاں مالک رہتا ہے وہاں یہ کوئی چیز نہیں رہتی دل بھی گھر ہے اگر اس میں اللہ کا خوف، رسول کی محبت ہو گی تو گندگیوں سے صاف اور ایمان و عرفان، روشنی، تقویٰ سے آراستہ رہے گا اگر وہ ان سے خالی ہو گیا تو پھر اسی میں کفر و طغیان کینہ، حسد گھر کر لیں گے اس لئے ان میں مالک ہی رہے تو اچھا ہے۔

گر سر میں رہے سودا سر گنبد خضرا ہو جائے　　　گر دل میں کھینچے نقشہ ان کا دل عرش معلی ہو جائے

ظاہری اعضاء کو بھی اعلیٰ وقتوں میں یعنی نماز کے اوقات میں رب کی راہ میں لگاؤ اور باقی فضول وقت میں دنیاوی کاروبار میں رہیں۔ روح یہ تمہاری نفیس ترین چیز ہے۔ اس سے نفیس کام ہی لو اگرچہ یہ جسم کی پرورش بھی کرتی ہے۔ مگر اس کی پرورش اعمال صالح سے ہوتی ہے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک صرف مال ہی کی زکوۃ نہیں بلکہ ہر پیاری چیز کی۔ اس لئے ابراہیم علیہ السلام نے جب خواب میں حکم پایا کہ اپنی پیاری چیز راہ حق میں قربان کردو تو آپ فرزند کو قربان کرنے کیلئے تیار ہو گئے اولاد میں سے اعلیٰ اولاد اوقات میں سے اعلیٰ وقت، سانسوں میں سے اعلیٰ سانس کاموں میں سے اعلیٰ کام، مال میں سے اعلیٰ مال، غرضیکہ ہر اعلیٰ کو راہ الٰہی میں خرچ کرو ان میں سے ہر ایک کا مصرف علیحدہ ہے۔ مسجد میں وقت کی خیرات کرو۔ زکوۃ کے وقت مال کی، جہاد میں جان کی۔ غرض سب موقعہ پر پیاری چیز کی خیرات چاہئے اسی لئے اس آیت میں طیبات جمع فرمایا گیا۔ ایک دفعہ صحابہ کرام حضور علیہ السلام کے حکم سے صدقات حاضر کر رہے تھے حضرت ابو امامہ باہلی وہاں بیٹھے کچھ پڑھ رہے تھے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ کیا پڑھ رہے ہو۔ عرض کیا کہ لوگ مال خیرات کر رہے ہیں غریب آدمی مال نہیں رکھتا۔ یہ پڑھ رہا ہوں **سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر** ○ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ الفاظ تمہارے لئے بہت سونا خیرات کرنے سے بہتر ہیں۔ غرض ہر پیاری چیز کی خیرات چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ کی راہ میں وہ اعلیٰ چیز خیرات کرو جو دوسرے سے خود بھی قبول کر سکو۔ ایسے ہی دوسرے سے وہ کلام یا وہ برتاؤ یا وہ معاملہ کرو جو دوسرا تمہارے ساتھ کرے تو تم بے تکلف اسے گوارا کرو غرضیکہ دوسروں سے وہی سلوک کرو جو اپنے لئے چاہتے ہو۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا　　　کہ جو کوئی تم سے کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

اس صورت میں یہ آیت کریمہ اخلاقیات کی بہترین تعلیم ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ

شیطان ڈراتا ہے تم کو فقیری سے اور حکم کرتا ہے ساتھ بے غیرتی کے اور اللہ وعدہ

شیطان تمہیں اندیشہ دلاتا ہے محتاجی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ تم سے وعدہ فرماتا

مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ

کرتا ہے تم سے بخشش کا طرف سے اپنے اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے دیتا ہے حکمت

ہے بخشش اور فضل کا اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اللہ حکمت دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ

اس کو جسے چاہتا ہے اور وہ جو دیا جائے حکمت پس بے شک دیا گیا بھلائی بہت اور نہیں

جسے چاہے اور جسے حکمت ملی اسے بہت بھلائی ملی اور نصیحت نہیں

وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

نصیحت پکڑتے مگر صاحبان عقل

مانتے مگر عقل والے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیتوں میں قبولیت صدقہ کے چند شرائط کا ذکر ہوا کہ مال حلال سے ہو خیرات کرنے والا فقیر کو طعن وایذا نہ دے وغیرہ اب اسی قبول کی ایک اور شرط بتائی جاری ہے کہ خوش دلی سے ہو۔ خیرات کے وقت اپنے غریب ہو جانے کا اندیشہ نہ ہو۔ **دوسرا تعلق:** بہت دور سے خیرات کے فضائل و فوائد بیان ہو رہے ہیں۔ جس سے اس کی عظمت معلوم ہوئی اب بتایا جا رہا کہ خیرات ہے تو بڑی اعلیٰ چیز مگر اس کیلئے روکاوٹیں بہت ہیں۔ شیطان طرح طرح کے دھوکے دیتا ہے ذرا ہوشیار رہنا۔ گویا اب تک اس کے فضائل کا ذکر تھا۔ اب اس کے موانع کا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اچھی چیز خیرات کرو۔ اب علم و حکمت کی زکوۃ کا ذکر ہے کہ علم بھی اعلیٰ نعمت ہے اس کی بھی زکوۃ دو۔ اس کی زکوۃ درس و فتویٰ ہے۔ (تفسیر احمدی) خیرات ہر چیز سے دینی چاہئے مال، اعمال، کمال، ہنر تمام سے چونکہ جس مال کی خیرات سے علم کی خیرات بہت اکمل و افضل ہے اس لئے رب تعالیٰ نے مال کی خیرات کا ذکر فرمایا پھر علم کی خیرات کا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔

تفسیر: **الشیطن یعدکم الفقر** شیطان کی لفظی تحقیق ہم پارہ الم میں کر چکے ہیں یہاں اس سے مراد یا تو ابلیس ہے یا نفس امارہ یا برے مشیر و یار (کبیر) یا ساتھ رہنے والا شیطان یعنی قرین یا سرداران کفر رب تعالیٰ نے کفار کو شیطان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے **واذا خلوا الی شیطنہم** اور فرمایا **انما ذلکم الشیطن یخوف اولیاء ہ** غرضیکہ فریبی دھوکہ باز شیطان ہے کہ بری چیز کو اچھا دکھاوے اور اچھی چیز کو برا۔ یعد وعد سے بنا وعدہ ہر اس آئندہ کی خبر کو کہتے ہیں۔ جس سے کسی

خیر کا امیدوار بنایا جائے وعید وہ خبر ہے جس سے شر کا اندیشہ دلایا جائے مگر اکثر وعدہ خیر و شر دونوں کیلئے استعمال ہوتا ہے جیسے **وعد اللہ الذین کفروا** مگر لفظ وعید شر کیلئے خاص ہے۔ یہاں وعدہ بمعنی ڈرانا اور اندیشہ دلانا ہے فقر کے معنی ہیں جوڑ ذوالفقار جوڑوں والی تلوار' فقرہ مضمون کے جملے کو بھی کہتے ہیں کہ یہ اس کا جوڑ ہے۔ پیٹھ کی ہڈی کو بھی فقر کہا جاتا ہے۔ غریبی و تنگدستی کو فقر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے گویا پیٹھ کے جوڑ ٹوٹ جاتے ہیں۔ نیز فقر بمعنی کسر یعنی توڑنا بھی آتا ہے۔ (کبیر و معانی) یعنی شیطان تمہیں صدقہ پر فقیری و تنگدستی سے ڈراتا ہے۔ **ویامرکم بالفحشاء** امر بمعنی حکم ہوتا ہے مگر یہاں اس سے وسوسہ یا مشورہ مراد ہے۔ اس کا فاعل شیطان ہے فحشاء فحش سے بنا۔ بمعنی حد سے گزرنا' بعض سے مباشرت فاحشہ ہے۔ بدکار عورت کو بھی فاحشہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بدکاری میں حد سے بڑھ گئی۔ یہاں اس سے یا تو بخل مراد ہے کہ اہل عرب بخل کو فاحشہ کہتے ہیں۔ کعب کہتا ہے۔

اخی ما اخی لا فاحش عند بیتہ! ولا برم عند اللقاء ھیوب

یا اس سے بخل کے برے نتائج مراد ہیں۔ جیسے مال کی حرص' رب سے ناامیدی' وعدہ الٰہی میں شک' رب سے بدگمانی۔ خالق سے منہ پھیر کر خلق پر توجہ۔ قلب کا غیر اللہ سے تعلق۔ خواہشات کی اطاعت' ترک قناعت' حب دنیا وغیرہ یا اس سے گندی و معیوب باتیں مراد ہیں۔ یعنی شیطان تمہیں بخل یا حرص و ہوس' یا برے رسم و رواج میں خرچ کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ کم میں سارے مسلمانوں کی طرف خطاب ہے کسی درجہ کے ہوں اور کس کس جگہ کے۔ یعنی اے مسلمانو! شیطان سے بے فکر نہ رہنا وہ ہمیشہ تمہاری تاک میں ہے۔ تم کتنے ہی بڑے متقی ہو' کسی جگہ رہتے ہو' مکہ شریف میں یا مدینہ منورہ میں' یا خاص خانہ کعبہ میں رہتے ہو وہ داؤ لگانے سے نہیں چوکتا اس سے ہمیشہ چوکنے رہو۔ **واللہ یعدکم مغفرۃ منہ وفضلا** یہاں وعد وعدۂ خیر میں استعمال ہوا' رب تعالیٰ کے وعدے دو طرح ہیں ایک تو وہ جو براہ راست اس نے بندوں سے کئے۔ دوسرے وہ جو حضرات انبیاء کرام نے کئے وہ بھی رب کے ہی وعدے ہیں' قرآن کریم میں ارشاد ہوا **ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک** یعنی خدایا اپنے وہ وعدے پورے کر جو تو نے اپنے رسولوں کی زبان پر ہم سے کئے' ان کی زبان رب کا قلم ہے۔ مغفرۃ' سے مراد یا گناہوں کی بخشش یا عیب پوشی دنیا و آخرت میں' کہ سخی کے عیب دنیا میں چھپ جاتے ہیں اور آخرت میں بھی چھپے رہیں گے ان شاء اللہ۔ باری تعالیٰ سخی کے گناہ مٹا دیتا ہے۔ یا ثواب آخرت ہے اور فضل سے دنیا میں وسعت رزق لوگوں کی محبت اور صدقہ کا اچھا عوض مراد یعنی رب تعالیٰ صدقہ پر دونوں جہان کی نعمتوں کا تم سے وعدہ فرماتا ہے کہ دنیا میں رزق کی برکت' آخرت میں مغفرت و رحمت عطا فرمائے گا' خیال رہے کہ فضل عدل سے وراء ہے' اجرت دینا عدل ہے۔ بلا استحقاق کچھ بخشنا فضل رب تعالیٰ صدقہ کا عوض بھی دیگا' اور فضل بھی' اور یہ رب کو کچھ مشکل نہیں کیونکہ **واللہ واسع علیم** ۝ رب وسعت والا بھی ہے کہ اسکے خزانے میں کمی نہیں' اور علم والا بھی' اہل ہی کو نعمتیں بخشتا ہے اس کا کرم تو دیکھو کہ **یؤتی الحکمۃ من یشاء** علم جیسی نعمت جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ حکمت کے معنی ہیں واقعی چیزوں کو صحیح طور پر جاننا' وہمی باتوں کا جاننا حکمت نہیں یوں ہی غلط تحقیق علم نہیں جہالت ہے۔ یہاں حکمت میں 29 قول ہیں کہ اس سے مراد یا تو نبوت ہے' یا قرآن کا علم ناسخ و منسوخ و محکم و متشابہ کی پہچان' یا علم فقہ یا قرآن کا تدبر یا اچھے اعمال' یا علم نافع' یا علم با عمل' یا رب کی معرفت' یا قلبی نور جو الہام و وسوسہ میں فرق کردے' یا الہام' یا قرآنی اسرار یا توفیق خیر' یا خوف الٰہی وغیرہ (معانی وغیرہ) حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں لفظ

www.alahazratnetwork.org

حکمت اکثر چار معنی میں استعمال ہوا' قرآنی وعظ جیسے **وما انزل علیکم من الکتب والحکمۃ یعظکم بہ** نمبر ۲ علم **واتینہ الحکم صبیا**- نبوت- **اتینا ال ابراھیم الکتب والحکمۃ**' قران و اسرار قران' **ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ** (کبیر) یہاں سارے معنی درست ہیں- **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا** ○ یہ نیا جملہ ہے' جس میں علم و حکمت کی فضیلت ارشاد ہوئی- حکمت میں لام جنسی ہے- خیر شر کا مقابل بھلائی یعنی جسے کچھ بھی حکمت عطا ہوئی اسے بہت بھلائی ملی- گویا تھوڑی حکمت تمام دنیاوی سامان سے افضل ہے کہ اسے قلیل فرمایا گیا **قل متاع الدنیا قلیل** اور یہاں نفس حکمت کو خیر کثیر فرمایا **وما یذکر الا اولوا الالباب** ○ **یذکر**' **تذکر** سے بنا بمعنی یاد کرنا' نصیحت لینا' غور و فکر کرنا- الباب' لب کی جمع ہے' بمعنی مغز و گودا' اصل و خلاصہ' یہاں لب سے وہ خالص عقل مراد ہے جو وہم و خیالات سے صاف ہو- ہر عقل لب نہیں- مگر ہر لب عقل ہے- یعنی ان آیتوں سے خالص عقل والے ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں- بے عقل اور مغلوب العقل ان پر توجہ نہیں کرتے-

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! صدقہ و خیرات بہت اعلیٰ چیزیں ہیں- مگر اس سے روکنے والے بھی بہت- ابلیس' نفس امارہ' برے یار' صاف صاف تو بخل کی تعریف اور سخاوت کی مذمت کر سکتے نہیں اس لئے اولاً'' وہ تمہیں' فقیری کا خوف دلا کر صدقہ سے روکیں گے کہ اگر تم نے خیرات کی تو غریب ہو جاؤ گے- جتنا پیسہ فقیر کو دے رہے ہو' اتنا تمہارے بچوں کے کام آئے گا- وغیرہ جب اس میں کامیاب ہو گئے تب تمہیں بخل' ہوس' حرص وغیرہ کی رغبت دیں گے- وہی فقیری سے ڈرانے والے' بیاہ' شادی' موت غمی کے مراسم' تھیٹر' سینما' مقدمہ بازی وغیرہ کا مشورہ دیں گے مگر رب تمہیں صدقہ دینے پر دونوں جہانوں کی نعمتوں کا وعدہ کرتا ہے کہ سخی کے مال میں برکت' لوگوں کی محبت' آفات کی دوری اپنی منظوری'' آخرت میں مغفرت' جہنم سے نجات' جنت الفردوس کی نعمتیں' عطا فرمائیگا- اب تم خود سوچ لو کہ کس کی ماننا چاہئے- شیطان کی یا اپنے رب رحمان کی' اور خیال رکھو کہ اللہ بڑی وسعت اور بڑے علم والا ہے اس کے خزانہ میں کمی نہیں' اس کی وسعت و علم کی ظاہر دلیل یہ ہے کہ جس پر کرم فرمائے' اسے علم و عمل' خوف الٰہی' عقل' اپنی معرفت وغیرہ جیسی نہ مٹنے والی نعمتیں عطا فرماتا ہے جنہیں کبھی زوال نہیں- جسے یہ نعمت مل گئی' اسے بڑی بھلائی ملی' مگر ان باتوں سے خالص عقل والے ہی نصیحت لیتے ہیں- ورنہ جہلاء کے نزدیک مال سے بڑھ کر کچھ نہیں-

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے- **پہلا فائدہ:** ابلیس کی نظر تمام جہان پر ہے کہ وہ بیک وقت سب کو دیکھتا ہے- اور تمام مسلمانوں کے ارادوں' بلکہ دل کے خطرات سے خبردار ہے کہ نیک ارادے سے باز رکھتا ہے اور برے ارادے کی حمایت کرتا ہے جیسا کہ **الشیطن** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا- جب اس بہکانے والے کی وسعت علم کا یہ حال ہے تو اللہ کی طرف سے ہادی بندوں حضرات انبیاء و اولیاء کے علم کا کیا پوچھنا کہ وہ ابلیس کا توڑ ہیں- توڑنے والے کا علم و زور زیادہ ہوتا ہے- لکڑی لوہے سے توڑی جاتی ہے نہ کہ لوہا لکڑی سے لہٰذا اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے غلاموں کی وسعت علم ثابت ہوئی- **دوسرا فائدہ:** خیرات سے کبھی غریبی نہیں آتی' تجربہ ہے کہ بیاہ شادی کی حرام رسموں' مقدمہ بازی' عیاشی سے صدہا گھر برباد ہو گئے- مگر خیرات سے برباد ہوتے ہوئے آج تک نہیں دیکھا گیا **تیسرا فائدہ:** سخاوت سے مال' عزت

www.alahazratnetwork.org

و آبرو بڑھتی ہے بشرطیکہ اخلاص سے ہو۔ صحابہ کرام بمقابلہ موجودہ مسلمانوں کے تعداد میں بھی کم تھے اور مال میں بھی۔ مگر جو کام وہ کر گئے، وہ ہم سے نہیں ہوتے کہ وہ حضرات صحیح جگہ مال خرچ کرنا جانتے تھے ہم اس سے بے خبر ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بخیل کا مال ہمیشہ حرام جگہ خرچ ہوتا ہے۔ دیکھا گیا ہے کہ خیرات سے گھبرانے والے صدہا بازیوں اور بیماریوں میں بے دریغ مال خرچ کر دیتے ہیں۔ رب کے نام پر چار پیسہ خرچ نہیں کر سکتے مگر شادی، موت، ممبری، بیماری، مقدمہ بازی میں خوب خرچ کرتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** خیرات سے روکنے والا، یا روکنے کے حیلے کرنے والا شیطان ہے۔ لہٰذا فی زمانہ، دیوبندی، وہابی جو ہزارہا حیلوں سے کار خیر روکتے ہیں یہ بھی اخوان شیطین ہیں۔ مثلاً میلاد شریف، تیجہ، دسواں، چالیسواں پر چار پیسے خرچ کرنا بدعت بھی ہے حرام بھی، مگر سیاسی جلسوں پر ہزارہا روپیہ برباد کرنا نہ بدعت ہے نہ حرام رب سمجھ عطا فرمائے آج کل نئی تہذیب کے دلدادہ قربانی کے موقعہ پر کہتے ہیں کہ قربانی نہ کرو اس سے پیسہ برباد ہوتا ہے قوم غریب ہے اتنا پیسہ سکولوں اور کالجوں پر لگاؤ۔ آج تک نہ ان کی نظر سینما و دیگر عیاشیوں پر نہ گئی۔ ایک سال کی قربانی کا خرچ مسلمانوں کی ایک رات کی سینما بینی سے کم ہے مگر اسے بند کرنے کا خیال بھی نہیں۔ یہ ہے اس آیت کریمہ کا ظہور مگر ان شاء اللہ کوئی دینی کام بند نہ ہو گا گرگٹ کی پھونک سے حضرت خلیل کی آگ تیز نہ ہو گئی تھی۔ **چھٹا فائدہ:** علم بڑی نعمت ہے کہ یہ باقی ہے دیگر سب فانی دین کی تمام بہار علم دین ہے۔ مسجد میں نمازیں، میدان میں جہاد، عدالتوں میں انصاف، بازار کی رونق موت کے وقت مدد، قبر کا نور، محشر کی نجات علم دین کی برکت سے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** تھوڑا علم دین بہت مال سے افضل ہے کہ رب نے ساری دنیا کو قلیل فرمایا مگر تھوڑے سے علم و حکمت کو خیر کثیر۔ حدیث میں ہے کہ ایک عورت نے بارگاہ نبوی میں اپنے شوہر کی غربت کی شکایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شوہر سے پوچھا کہ تجھے قرآن بھی یاد ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ہاں فلاں فلاں سورۃ فرمایا خوب خوب! تو بہت بڑا غنی ہے وہ بیوی بھی راضی ہو گئی۔ کچھ روز بعد وہ مالدار ہو گیا۔ (در منثور) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جسے رب نے قرآن کریم کا علم دیا پھر وہ اپنے کو غریب اور مالداروں کو امیر جانے وہ نعمت رب کا ناقدرا ہے۔ (تاریخ بخاری) ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ خوف الٰہی حکمت و معرفت کی اصل ہے (ابن ابی حاتم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ قرآن وہ غنا ہے جس کے بعد فقیری نہیں (ابو نعیم) **آٹھواں فائدہ:** قرآن کی صحیح فہم نعمت ہے اور اس کی کج فہمی رب کا عذاب، قرآن کی غلط فہمی کے باعث مسلمانوں میں بارہا کشت و خون ہوا۔ کفار کی آیتوں کو مسلمانوں پر، اور بتوں کی مذمت کی آیات انبیاء کرام پر چسپاں کرنا وہ جہالت ہے جس نے صدہا مسلمانوں کا خون کر دیا۔ (از خازن، البیان) **نواں فائدہ:** فلسفہ، منطق، ریاضی وغیرہ حکمت نہیں صرف قرآن و حدیث فقہ وغیرہ علوم دینیہ حکمت ہیں۔ جس کی یہاں تعریف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے توریت جمع فرمانے اور اس کا مطالعہ کرنے کی اجازت چاہی منع فرما دیا گیا اور فرمایا کہ اگر صاحب توریت موسیٰ علیہ السلام بھی آج زندہ ہوتے تو ہماری پیروی کرتے۔ (تفسیر روح البیان) تو کیا بو علی، جالینوس کی خلاف شرع بکواس توریت سے بڑھ کر ہے۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیر کثیر ہے کہ رب تعالیٰ نے حکمت کو خیر کثیر فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا **یعلمھم الکتب والحکمۃ** نبی صلی اللہ علیہ وسلم علم و حکمت دیتے ہیں۔ لہٰذا دیوبندیوں کا یہ کہنا کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ہوتا تو خیر کثیر جمع کر لیتے اور خیر تو جمع کی نہیں لہٰذا آپ کو علم غیب بھی نہیں، غلط ہے **لو کنت اعلم الغیب** کے معنی یہ بھی ہیں کہ سمجھ لو اگر میرے پاس علم غیب ہے تو خیر کثیر بھی ہے اور خیر کثیر تو ہے لہٰذا علم غیب بھی ہے

www.alahazratnetwork.org

تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو خیال رہے کہ مال "دولت خیر کثیر نہیں اسے تو رب تعالیٰ نے کثیر فرمایا۔ اگر یہ خیر کثیر ہے تو چاہئے تھا اکثر انبیاء کرام جیسے حضرت عیسیٰ 'یحییٰ جو مال نہ رکھتے تھے۔ وہ خیر کثیر سے محروم ہوتے اور فرعون 'نمرود' قارون وغیرہ' بے دین مالدار خیر کثیر والے ہوتے۔ ایسے ہی حضرت بلال و صہیب تو خیر کثیر سے محروم ہوتے۔ اور ابو جہل خیر کثیر والا ہوتا۔ **گیارہواں فائدہ:** ہر میٹھی باتیں کرنے والا دوست نہیں 'ہر چمکتی چیز سونا نہیں۔ کبھی دشمن کیلئے خیر خواہی ظاہر کی جاتی ہے۔ دیکھو شیاطین فقر سے ڈرا کر صدقہ سے روکتے ہیں۔ لہٰذا ہر ایک کی اچھی باتیں نہ سنی چاہئیں۔ **بارھواں فائدہ:** حکمت یعنی علم دین محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا۔ رب کی کرم نوازی سے ملتا ہے دیکھو ارشاد باری ہوا جسے چاہے حکمت عطا فرمادے۔ کتب اور استاد تو اس علم کے حاصل ہونے کے اسباب ہیں۔ کام مسبب الاسباب کے ہاتھ ہے کتب و استاد سے جو علم ملتا ہے وہ ایسا ہے جیسا بجلی کی فٹنگ کر دینا۔ اور فیض ربانی ایسا ہے جیسے اس میں پاور کا آجانا کہ بغیر پاور ساری فٹنگ دیکھنے میں سب کچھ ہے مگر بیکار **تیرھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ دربار الٰہی ہے اور حضور کی عطا رب کی عطا ہے۔ دیکھو یہاں رب نے فرمایا کہ جسے چاہے حکمت دے اور دوسری جگہ ارشاد ہے **ویعلمهم الكتب والحكمة** کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں علم و حکمت سکھاتے ہیں۔ عطا حکمت کو یہاں رب کی طرف نسبت فرمایا وہاں انہیں حبیب کی طرف۔ **چودھواں فائدہ:** جیسے دنیاوی نعمتیں عمومی اور بعض خصوصی ہیں۔ جیسے دھوپ پانی اور سلطنت ایسے ہی نعمتیں بعض عمومی ہیں بعض خصوصی ہیں 'حکمت خصوصی نعمت ہے جو کسی کو ملتی ہے اور جیسے دنیاوی روزیوں کیلئے دروازے مختلف ہیں کہ کسی کو کچہری سے روزی ملتی ہے کسی کو سکول سے کسی کو بازار سے کسی کو مسجد سے ہر ایک اپنے دروازہ سے وابستہ ہے۔ ایسے ہی حکمت کسی کو پیدائشی ملتی ہے۔ کسی کو مدرسہ و کتب سے کسی کو کسی کی نظر سے صحابہ کرام نے کوئی کتاب نہ پڑھی مگر حکمت میں سب کے استاذ تھے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا کہ رب جس کو چاہے حکمت دیتا ہے تو جسے چاہے حماقت بھی دیتا ہوگا خدا ایسا نہیں کر سکتا وہ طرفداری سے پاک ہے وہ سب کا رب ہے۔ سب پر یکساں فضل کرتا ہے ہمیں تو ایسا خدا پسند نہیں ہے جو سب سے یکساں سلوک نہ کرے (ستیارتھ پرکاش) **جواب** پنڈت جی کو بہت دور کی سوجھتی ہے۔ جناب دنیا میں یکسانیت ہو سکتی ہی نہیں۔ یہاں ہر چیز رنگ برنگی ہر انسان کی علیحدہ شان چاہیے۔ بعض زمین ریتلی 'بعض سرسبز و شاداب 'جیسے زمین کشمیر بعض درخت پھل پھول والے ہیں بعض محض خاردار 'ایک ہی مخیشم کے تختے تو عمارات میں کام آتے ہیں مگر شاخیں چولہے میں ایسے ہی انسان کوئی عالم 'کوئی جاہل 'کوئی بدنصیب 'کوئی بختاور 'کوئی کالا 'کوئی گورا 'کوئی وزیر و امیر 'کوئی غریب 'غرضیکہ جو جس کے لائق ہے رب اسے وہی عطا فرماتا ہے۔ رب علیم و حکیم ہے۔ عالم کی حالت مختلف چیزیں چاہتی ہیں اگر انسان محض اعمال کی وجہ سے دولت مند و غریب ہوتا ہے تو ایک ہی شخص کبھی بادشاہ کبھی گھسیارا کیوں ہوتا۔ ہم اس کی پوری بحث پارہ الم میں کر چکے ہیں تعجب ہے ایک کمہار کو تو یہ قوت ہو کہ ایک ہی مٹی سے آب خورے بھی بنائے جس میں ہمیشہ پانی رہے اور ہانڈی بھی جو ہمیشہ آگ پر جلے مگر رب تعالیٰ کو اپنی مخلوق پر اتنا بھی اختیار نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: ہر ایک چاہتا ہے کہ میرے ہم جنس زیادہ ہوں تاجر کی خواہش ہے کہ سب تاجر ہو جائیں عالم کی تمنا ہے کہ دنیا علم و معرفت سے بھر جائے وغیرہ شیطان دیوالیہ فقیر ہے کہ اپنی تمام عبادات کا دیوالہ نکال چکا ہے۔ لہٰذا وہ چاہتا ہے کہ سب میری

www.alahazratnetwork.org

طرح اعمال کے فقیر ہو جائیں۔ اس لئے بظاہر فقیری سے ڈراتا ہے مگر حقیقتاً فقیری کی طرف بلاتا ہے کہ انسان میں حب دنیا پیدا ہو جو تمام برائیوں کی اصل ہے جو وسوسہ شیطانی کو دل میں راہ دیگا وہ اپنے پر تمام آفات کا دروازہ کھول لے گا اور جو اس کا دروازہ بند کرے گا۔ رب تعالیٰ اس پر مغفرت، فضل و کرم و انعامات و رفع درجات کا دروازہ کھول دیگا۔ اس کے عیوب کو اپنے نور سے ڈھک دیگا۔ اور اپنی تجلیات عطا فرماوے گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حکمت نور ربانی ہے جو عیوب بشری فنا کرنے اور اپنے کو نور جلال و جمال میں فنا کرنے کے بعد حق تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے۔ رب نے عقل تو "قریباً" ہر انسان کو دی مگر حکمت خاص خاص کو۔ معقول وہ ہے جو دلائل عقل سے معلوم ہو جائے کوئی عاقل خود بخود، کوئی استاد و کتاب کی مدد سے معقولات تک پہنچ جاتا ہے۔ مگر حکمت نہ خود بخود حاصل ہو نہ کسی کتاب و استاد سے ملے۔ یہ انبیائے کرام کی غلامی یا شیخ کامل کی نظر سے ملتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

چند خوانی حکمت یونانیاں حکمت ایمانیان راہم بخواں

اس حکمت کا پہلا اثر یہ ہے کہ انسان وسوسہ و الہام نیز شیطانی و ملکی آواز، ریا و خلوص اور عادت و عبادت میں فرق کرنے لگتا ہے۔ ورنہ جہلا بسا اوقات وساوس کو الہام بلکہ وحی سمجھ کر عادت کو عبادت گمان کرکے تباہ و برباد ہوتے ہیں۔ اللہ بڑی عطا فرماتا ہے۔ اس کا دعا و جود عطاء مخلوق سے تنگ نہیں مگر اپنی تجلی گاہ اور استعداد عباد کا جاننے والا ہے۔ حکمت اس کو عطا فرماتا ہے۔ جو اس کا اہل ہو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صدقات تین قسم کے ہیں۔ اور ان کی جزائیں بھی تین۔ صدقہ مال جس کی جزا زیادتی مال و رضائے ذوالجلال۔ قربانی صفات بشری جس کی جزاء صفائی قلب، قربانی نفس جس کی جزا عطائے حکمت جتنا ان قربانیوں میں فرق ہے۔ اتنا ہی ان کی جزاؤں میں (از روح البیان و ابن عربی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ علم تین قسم کا ہے علم مضر و نقصان دہ علم عبث، علم مفید، پھر مفید علم بہت سی قسم کا ہے۔ صرف عالم کو مفید۔ ایک خاندان کو مفید ایک شہر کو مفید ایک ملک کو مفید۔ ساری مسلمان قوم کو مفید، پھر کچھ روز تک مفید، اور قیامت تک مفید۔ حکمت علم مفید کو کہتے ہیں اس کا فائدہ جتنا زیادہ اور دیرپا ایسی ہی حکمت اعلیٰ۔ نیز فرماتے ہیں کہ علم کے تین مقام ہیں عالم کی زبان، عالم کا دماغ، عالم کا دل۔ زبان و دماغ میں رہنے والا علم اگرچہ علم ہے مگر حکمت نہیں دل میں رہنے والا علم اس تخم کی طرح ہے جسکی جڑیں گہرائی میں اتر جائیں اور درخت پھل پھول سایہ دار۔ اور زبان و دماغ میں رہنے والا علم اس تخم کی طرح ہے جو پتھر پر جمی ہوئی مٹی کی تہ کی طرح ہو جائے نہ درخت پیدا ہو نہ پھل پھول و سایہ، اس دل میں اترے ہوئے علم کا نام حکمت ہے یہ ہی خود عالم کو بھی مفید ہے اور تمام جہان کو بھی فائدہ مند۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ

اور وہ جو خرچ کرو تم کوئی خرچ یا منت مانو تم کوئی منت پس تحقیق اللہ

اور تم جو خرچ کرو یا منت مانو۔ اللہ کو اس کی خبر ہے اور

www.alahazratnetwork.org

يَعْلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ۝
جانتا ہے اس کو اور نہیں ہے ظالموں کے کوئی مددگار
اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مقبول و مردود صدقات کا ذکر ہوا۔ اب ان دونوں کے انجام کا اجمالی تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** صدقات چند قسم کے ہیں واجب و نفلی پھر واجب کی دو قسمیں ہیں۔ خود رب کے واجب فرمائے ہوئے اور وہ جو انسان اپنے پر خود لازم کرے 'اگلی قسموں کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہو گیا۔ اب تیسری قسم یعنی منت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں شرائط صدقہ کا بیان تھا۔ اب ایک نئے طریقہ سے ان شرائط کی پابندی کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

تفسیر: **وما انفقتم من نفقة** ما موصولہ ہے بعد کی عبارت اس کا صلہ 'انفاق سے مطلقاً خرچ کرنا مراد ہے۔ خواہ راہ الٰہی میں ہو یا دنیاوی کاروبار میں 'نفقہ نکرہ ہے۔ جس کا عموم من کی وجہ سے اور بھی زیادہ ہو گیا۔ اس سے حرام و حلال 'قلیل و کثیر' نفاق و ریاء و اخلاص 'حق و باطل 'پوشیدہ و ظاہر سارے خرچہ مراد ہیں۔ (روح البیان و معانی وغیرہ) گویا یہ آیت سارے نفقات کا حکم کلی بیان فرما رہی ہے **او نذرتم من نذر۔** **نذر** کے لغوی معنی ہیں۔ خوف و ڈر 'اسی سے نذیر و انذار ہے۔ عرف میں کسی چیز کے لازم کرنے کو نذر کہا جاتا ہے کہ ڈر ہی کے وقت صدقہ وغیرہ لازم کیا جاتا ہے اور التزام کے بعد ادا نہ کرنے سے ڈر بھی لگتا ہے لہٰذا اسے نذر کہتے ہیں۔ شریعت میں کوئی عبادت اپنے پر لازم کر لینے کو نذر کہا جاتا ہے۔ مگر اس کی کچھ شرائط ہیں۔ جو فوائد میں بیان ہوں گی۔ نذر کی تنکیر اور من کی زیادتی سے اس کے عموم کا فائدہ ہوا یعنی تم کوئی سی منت مانو مال کی یا اعمال کی 'طاعت کی یا معصیت کی شرط سے یا بغیر شرط مبہم یا معین' **فان الله يعلمه** یا مبتداء بمعنی شرط اس کی خبر بمعنی جزاء ہے 'ہ کا مرجع یا ما ہے یا نذر 'کیونکہ نفقہ مونث ہے اس کی ضمیر مذکر نہیں لوٹ سکتی۔ چند چیزیں بول کر کبھی مقدم کی طرف ضمیر لوٹائی جاتی ہے۔ جیسے **واذا راوا تجارة اولهوا انفضوا اليها** اور کبھی موخر کی جانب جیسے **ومن يكسب خطيئة او اثما ثم يرم به بريئا** یعنی اللہ ان سب کو جانتا ہے **وما للظلمين من انصار** یہ ما نافیہ ہے۔ اور **ظلمين** **ظلم** بمعنی تاریکی سے بنا اصطلاح میں ظلم کے معنی ہیں کسی چیز کو غیر محل میں استعمال کرنا۔ چونکہ اندھیرے میں بھی چیز جگہ سے بے جگہ ہو جاتی ہے اس مناسبت سے اسے ظلم کہا جاتا ہے۔ ظلم کی بہت سی قسمیں ہیں۔ جان پر ظلم 'مال یا اولاد یا غیروں پر ظلم اس لئے ظالمین جمع فرمایا گیا۔ یا تو اس سے کفار مراد ہیں یا بخیل ہیں یا منت پوری نہ کرنے والے یا سارے ظالم۔ انصار 'ناصر یا نصیر کی جمع ہے جیسے حبیب کی احباب 'یا شاہد کی اشہاد۔ یہاں یہ جمع ظالمین جمع کے مقابلہ میں ہے۔ اور نوعیت کیلئے یعنی ظالمین کیلئے کوئی کسی قسم کی مدد کرنے والا نہ ہو گا۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو تم جتنا اور جس قسم کا کوئی خرچ کرو۔ راہ الٰہی میں 'یا دنیا میں حرام یا حلال تھوڑا یا بہت ریا سے یا اخلاص سے ظاہر یا پوشیدہ 'طعن 'ایذا سے یا اس سے پاک اور تم جو بھی نذر مانو مال کی یا اعمال کی جائز یا ناجائز 'معین 'یا غیر معین 'رب کو ان سب کی خبر ہے۔ ہر ایک کو اس کی نیت کے مطابق سزا و جزا دے گا۔ اور بخیل یا مشرک یا نذر مان کر پوری نہ کرنے والا غرض کوئی

www.alahazratnetwork.org

کسی قسم کا ظالم ہو اس کا کوئی مددگار نہیں۔ یہ آیت رغبت و خوف دونوں کو شامل ہے اس میں مخلصین کو امید ثواب دلائی گئی اور ریاکاروں بدعملوں کو خوف سزا۔ خیال رہے کہ **ما انفقتم** میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ روئے سخن کفار کی طرف ہو۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کی جانب ہو۔ اور **انفقتم** میں تین احتمال ہیں بمعنی ماضی یا بمعنی حال یا بمعنی استقبال لہذا آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہوئیں پہلی تین صورتوں میں یہ آیت عتاب کی ہے آخری تین صورتوں میں رحمت کی اس سے پہلے مسلمانوں سے خطاب تھا اور آئندہ آیتوں میں بھی ان ہی سے خطاب ہے اس سے معلوم ہوتا ہے خطاب کفار سے ہے یعنی اے کافرو جو کچھ تم اس سے پہلے خرچ کر چکے ہو یا جو کچھ اب خرچ کر رہے ہو۔ یا جو کچھ آئندہ خرچ کرو گے وہ ہمارے علم میں ہے۔ یا اے مسلمانو جو کچھ تم خرچ کر رہے ہو یا کر چکے ہو یا کرو گے ہم جانتے ہیں کفار کے اچھے خرچ پر ثواب نہیں کہ صدقہ کی قبولیت کیلئے ایمان ضروری ہے۔ مگر ان کے برے خرچ پر یہ سزا ہے۔ مسلمانوں کے اچھے خرچ پر ثواب ہے برے خرچ پر عتاب اور بعد میں ثواب وغیرہ سے معافی کی امید ہے یہ بھی خیال رہے کہ سارے قرآن مجید میں ایسی ایک آیت نہ ملے گی کہ مسلمانوں کا مددگار کوئی نہیں وہاں ایسی آیات ملیں گی کہ مسلمانوں کے مددگار بہت ہیں۔ جیسے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** یا **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا ○** جہاں فرمایا گیا کہ تمہارا مددگار کوئی نہیں۔ وہاں مراد ہے کہ اگر تم کفر کرو تو مددگار کوئی نہیں۔ نیز کفار کا مددگار نہ ہونا اس وجہ سے نہیں کہ کسی میں مدد کرنے کی طاقت نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ کفار میں مدد لینے کی طاقت نہیں جیسے چمگادڑ کی آنکھ میں ہی سورج سے نور لینے کی یا مردہ جسم ہی کو دواؤں سے فائدہ حاصل کرنے کی یا زمین شورہ میں بارش سے فیض لینے کی طاقت نہیں۔ ان سب میں لینے والے کا قصور ہے۔ نہ کہ دینے والے کا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نذر مشروع چیز ہے۔ اس کا پورا کرنا لازم بشرطیکہ معصیت کی نہ ہو۔ **مسئلہ:** عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ نذر چار قسم کی ہے۔ نذر مبہم کہ اگر میرا یہ کام ہو جائے تو مجھ پر نذر ہے نام نہ لے۔ نذر معصیت کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں فلاں گناہ کروں گا۔ طاقت سے باہر کام کی نذر۔ مشروع عبادت کی نذر۔ پہلی تین نذروں میں کفارہ قسم واجب ہے اور اخیری نذر کا پورا کرنا لازم (در منثور) **مسئلہ:** نذر پوری کرنا فرض ہے بشرطیکہ اللہ کیلئے ہو۔ اور جنس واجب سے ہو۔ یعنی ایسی چیز کی نذر مانے جو شرعاً کہیں واجب ہے۔ جیسے نماز، روزہ، حج، قربانی وغیرہ اولیاء کے نام کی نذر، ایسے ہی غیر واجب فعل کی نذر کا پورا کرنا واجب نہیں۔ جیسے مسجد میں چراغ جلانا وہاں جھاڑو دینا وغیرہ کی نذر کہ یہ کام شرعاً کہیں واجب نہیں۔ **مسئلہ:** نذر عبادت ہے اس لئے یہاں یہ مسئلہ خیرات کے ساتھ بیان کیا گیا۔ **مسئلہ:** اولیاء کے نام کی نذر شرعی نذر نہیں بلکہ لغوی ہے بمعنی نذرانہ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ روپیہ آپ کی نذر ہے اور اس کا ادا کرنا ایسا ضروری ہے جیسے وعدہ کا پورا کرنا مسئلہ اگر نذر رب کے نام کی ہو اور اس کا مصرف کسی خانقاہ یا کسی درگاہ کے مجاور رہیں تو جائز ہے جیسے کوئی کہے کہ خدایا اگر میرا فلاں کام ہو جائے تو میں خواجہ اجمیری کے مجاوروں کو اتنا روپیہ خیرات کروں (شامی کتاب الصوم) **مسئلہ:** نذر کی چند قسمیں ہیں۔ نذر معلق جو کسی شے پر موقوف ہو۔ نذر مطلق جو کسی پر موقوف نہ ہو۔ پھر نذر معین و غیر معین ان کے مختلف احکام ہیں نذر معلق شرط کے بعد واجب نہ ہوگی۔ اور مطلق فوراً **مسئلہ:** نذر شرعی کی پانچ شرطیں ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

حرام بعینہٖ کی نذر نہ ہو۔ وہ فعل بغیر نذر واجب نہ ہو۔ اپنی ملکیت سے زائد کی نذر نہ ہو۔ غیر ممکن کام کی نذر نہ ہو۔ واجب کے جنس سے ہو۔ (درمختار) اس کے پورے مسائل ان شاء اللہ سورہ حج میں آئیں گے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر قسم کے خرچ کا حساب ہو گا خواہ حرام ہو یا حلال، تھوڑا ہو یا بہت جیسے کہ نفقہ کی تعلیم سے معلوم ہوا۔ مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رمضان میں روزہ داروں کے خرچ کا حساب نہیں۔ ایسے ہی جو کھانا مہمان، ماں باپ یا چھوٹے بچوں کے حساب کے ساتھ کھایا جائے اس کا حساب نہیں۔

قطرہ قطرہ سوال خواہد شد ذرہ ذرہ حساب خواہد شد

مگر قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے۔ حشر میں ایمان و اعمال دونوں کا حساب، خیال رہے کہ دنیا میں ہم رب تعالیٰ کے امین ہیں اور ہمارے اعضاء مال وغیرہ رب کی امانت ہیں امین اور کار گزار سے حساب لیا جاتا ہے۔ مگر جنت میں مومن رب تعالیٰ کے مہمان ہوں گے۔ مہمان سے حساب نہیں ہوتا ان کیلئے فرمایا یہ حساب ہونا قانون ہے اور اگر رب چاہے تو بغیر حساب بخش دے، یہ اس کا فضل ہے حضور فرماتے ہیں کہ میری امت سے ستر ہزار بغیر حساب بخشے جائیں گے۔ **تیسرا فائدہ:** قیامت میں مشرکین کا کوئی مددگار نہ ہو گا۔ مگر بحمدہ تعالیٰ مسلمانوں کے بہت سے مددگار ہوں گے۔ جیسا کہ للظلمین کے تقدم سے معلوم ہوا، انصار جمع فرما کر بتایا گیا کہ کل قیامت میں لوگوں کو بہت قسم کے مددگاروں کی ضرورت ہو گی۔ مگر کفار کیلئے ان میں سے کوئی مددگار نہ ہو گا۔ جیسے دنیا میں ہم صدہا مددگاروں کے حاجتمند ہیں۔ پیدائش میں ماں کے، تعلیم و تربیت میں باپ و استاد کے، کھانے پینے میں کسانوں کے لباس میں درزی و بزاز کے، جب فانی جسم کیلئے اتنی مددوں کی ضرورت ہے تو باقی رہنے والی روح کیلئے ان سے زیادہ اور مددوں کی ضرورت پڑے گی۔ کسی کی مدد سے ایمان پر خاتمہ، کسی کی مدد سے حساب قبر میں کامیابی، کسی کی مدد سے قیامت میں گناہوں کی تخفیف یا معافی، کسی کی مدد سے پل صراط پر آسانی سے گزر، کسی کی مدد سے ہی وہاں کی گرمی سے امان۔
مسئلہ: حرام بغیرہٖ کی نذر صحیح ہے۔ جیسے روزہ عید، اور حرام بعینہٖ کی نذر باطل، مگر امام طحاوی نے فرمایا کہ وہ بھی صحیح ہے۔ جس میں کفارہ قسم واجب ہو۔ (شامی باب النذر)

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نذر پوری کرنا ضروری ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ولیوفوا نذورھم** مگر مسلم میں بروایت ابن عمر رضی اللہ عنہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے نذر سے منع فرمایا کہ نذر خیر نہیں لاتی بلکہ اس کے ذریعہ بخیل سے مال خرچ کرایا جاتا ہے۔ اس حدیث اور آیت میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حدیث میں نذر ماننے سے منع کیا گیا۔ اور آیت میں ماننے کے بعد وجوب ادا کا ذکر ہے۔ یعنی نا مت مگر جب مان لی تو پوری کرو۔ دوسرے یہ کہ بطور معاوضہ نذر ماننا منع اور بطور شکریہ جائز۔ یعنی یہ سمجھنا کہ میری نذر رب کی نعمت کا بدلہ ہے باطل ہے، تیسرے یہ کہ ان لوگوں کیلئے نذر منع ہے۔ جن پر ادائے نذر بھاری ہو، چوتھے یہ کہ بغیر نذر عبادت کرنا نذر کی عبادت سے بہتر ہے کہ اس میں بندہ کی غرض کو دخل نہیں۔ لہذا ممانعت تنزیہی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس اعتقاد سے نذر ماننا کہ اس سے تقدیر پلٹ جائے گی منع ہے۔ اسی لئے حدیث میں ارشاد ہوا کہ وہ خیر نہیں لاتی مگر اس خیال سے نذر ماننا کہ صدقہ رد بلا ہے۔ جائز ہے (تفسیر خازن) **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ نذر کیلئے یہ شرط ہے کہ واجب کی جنس سے ہو۔ مگر

www.alahazratnetwork.org

حضرت مریم کی والدہ نے اپنا بچہ بیت المقدس پر وقف کرنے کی نذر مانی انی نذرت لک ما فی بطنی محررا نیز حضرت مریم کو خاموشی کی نذر ماننے کا حکم دیا گیا فقولی انی نذرت للرحمن صوما فلن اکلم الیوم انسیا جواب: ان شریعتوں میں اس قسم کی نذریں جائز تھیں۔ ہمارے ہاں منع جیسا کہ احادیث میں ہے تیسرا اعتراض: عبداللہ ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوا کہ گناہ کی نذر سے بھی کفارہ قسم واجب ہے تو کیا اگر کوئی گانے بجانے 'زنا اور قتل وغیرہ کی نذر مان کر نہ پوری کرے اس پر کفارہ واجب ہوگا؟ جواب: شائد ان کا مطلب یہ ہوگا کہ جو کوئی ایسے حرام کام کی نذر مانے جو کہیں واجب بھی ہوتا ہے تو کفارہ دے۔ جیسے روزہ عید 'اور قتل انسان کہ یہ افعال کہیں واجب بھی ہیں۔ روزہ رمضان اور قتل مرتد کافر حربی فرض ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظالموں کا مددگار کوئی نہیں۔ حالانکہ یہاں کفار کے مددگار بہت ہوتے ہیں' قیامت میں گنہگار مسلمانوں کے مددگار ہوں گے۔ گنہگار مسلمان بھی تو ظالم ہیں۔ جواب: قرآن شریف میں ظالم تین قسم کے لوگوں کو فرمایا گیا۔ کفار کو 'گنہگار کو 'خطاکار اور لغزش والوں کو رب فرماتا ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم اور فرماتا ہے منھم ظالم لنفسہ اور فرماتا ہے انی کنت من الظلمین مگر جہاں ظالم مطلق ہوتا ہے۔ وہاں کافر مراد ہوتا ہے اور مددگار سے مراد بعد موت کے مددگار مطلب یہ ہے۔ کہ بعد موت کفار 'کا مددگار کوئی نہیں۔ پانچواں اعتراض: دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے والذین کفروا اولیھم الطاغوت کافروں کے مددگار شیاطین ہیں۔ اور یہاں فرماتا ہے کہ کفار کا مددگار کوئی نہیں آیات میں تعارض ہے۔ جواب: وہاں دنیا میں کفر و بے دینی کی مدد یعنی بہکانا برے کام کرانا مراد ہے۔ اور یہاں آخرت میں اور پھر یعنی عذاب سے بچانے کی نفی ہے لہٰذا دونوں آیات درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: خرچ اور نذر کی بہت سے اقسام ہیں اور ہر ایک کے مختلف درجے جس درجہ کی خیرات یا نذر ہوگی وہ ہی درجہ ملے گا۔ یعنی رب جانتا ہے کہ تمہاری خیرات اور نذر قبولیت کے کون سے درجے کا استحقاق رکھتی ہیں۔ اس کے مطابق جزا دیگا۔ جان پر خرچ 'اولاد پر خرچ 'فقراء پر خرچ 'مسجد پر خرچ 'دینی مدرسہ پر خرچ 'جہاد پر خرچ 'پھر جان کا خرچ 'مال کا خرچ 'اولاد کا خرچ پھر جنت کی نیت سے خیرات 'جہنم سے بچنے کیلئے خیرات۔ رضائے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خیرات 'رضائے الٰہی کیلئے خیرات اگرچہ سب خرچ درست ہیں۔ مگر ان کے درجے مختلف۔ عقلمند ایک پیسہ کی خیرات پر وہ ثواب پالیتا ہے جو بے وقوف لاکھ روپیہ کی خیرات پر نہیں پاتا یہ ہی نذر کا حال ہے کوئی مال کی نذر مانتا ہے کوئی اعمال کی اور کوئی جان کی 'حضرت طلحہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بن کر ستر ہی زخم کھائے۔ جب میدان جنگ سے لوٹے تو چہرے سے خون پونچھتے تھے اور کہتے تھے کہ جس مقصد کیلئے میری ماں نے مجھے جنا تھا الحمد للہ میں نے پورا کر دیا یہ بہادروں کی نذر تھی۔ ظالمین یعنی ریاکار بے موقعہ خرچ کرنے والے یا مال خبیث سے خرچ کرنے والے یا طعن و ایذا سے صدقات باطل کرنے والوں کا کوئی مددگار نہیں جو ان کے صدقات قبول کرا دے۔

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا
اگر ظاہر کرو تم صدقوں کو پس بہت اچھا ہے اور اگر چھپاؤ تم انہیں اور دو تم اسے
اگر خیرات علانیہ دو تو وہ کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر چھپا کر فقیروں کو دو

www.alahazratnetwork.org

الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ وَاللّٰهُ بِمَا

فقیروں کو پس وہ اچھا ہے واسطے تمہارے اور مٹا دے گا تم سے تمہارے گناہوں میں سے

تو تمہارے لئے سب سے بہتر ہے اور اس میں تمہارے کچھ گناہ بخشیں گے اور اللہ کو

تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

اور اللہ اس کا جو تم کرتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔

تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ کے بہت سے اقسام و احکام کا ذکر ہوا۔ مثلاً پہلے ریا و اخلاص کے صدقات اور ان کے احکام بیان ہوئے پھر کھرے کھوٹے مال کی خیرات اور ان کے احکام کا ذکر ہوا۔ اب بھی صدقہ ہی کی بعض دوسری قسموں کا ذکر ہے۔ یعنی صدقہ ظاہری و پوشیدہ ان کے احکام کیا ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالی طور پر ارشاد ہوا تھا کہ ہر خرچ اور نذر کی رب کو خبر ہے اب اس کی قدرے تفصیل ہے۔ کہ صدقہ ظاہری کی بھی خبر ہے۔ اور پوشیدہ کی بھی کہ ان کا انجام یہ ہو گا۔ **تیسرا تعلق:** صدقہ کا تعلق چند چیزوں سے ہے۔ دینے والے سے 'لینے والے سے 'مال سے اور دیگر مسلمانوں سے۔ اگلے تین تعلقات کا ذکر پہلے ہوا کہ دینے والا دے کر فقیر کو ایذا نہ دے 'اچھے مال سے صدقہ دے' ریاکاری کو دخل نہ دے۔ اب چوتھے تعلق کا ذکر ہے کہ کیا صدقہ کی خبر دوسروں کو بھی دیا یا نہ دے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب ہر خرچ کو جانتا ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ مخلوق کو بتانا بھی درست ہے یا نہیں گویا پہلے خالق کے علم کا ذکر تھا اب مخلوق کے علم کا۔ **پانچواں تعلق:** جیسے تخم بونے کیلئے چند چیزوں کی ضرورت ہے۔ اعلیٰ زمین 'اعلیٰ تجربہ کار بونے والا۔ بونے کا طریقہ 'ایسے ہی صدقہ کیلئے چند چیزیں درکار ہیں۔ صدقہ دینے والا جو گویا کاشتکار ہے صدقہ جو گویا تخم ہے۔ فقیر جو گویا صدقہ کی زمین ہے۔ بونے اور کاشت کرنے کا طریقہ کہ کیسے بوئے 'ظاہر کر کے دے یا چھپا کر پچھلی تین چیزوں کا ذکر پہلے ہو چکا۔ اب چوتھی چیز یعنی طریقہ کاشت کا ذکر ہے۔

شان نزول: امام کلبی فرماتے ہیں کہ جب آیت **وما انفقتم من نفقة** نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ جب خدا کو ہر صدقہ کی خبر ہے تو علانیہ صدقہ بہتر ہے یا پوشیدہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی)

تفسیر: **ان تبدوا الصدقت** چونکہ یہ جملہ پچھلی آیت کی گویا تفصیل ہے اس لئے یہاں واؤ نہ لایا گیا۔ **تبدوا** 'بدو سے بنا۔ بمعنی ظہور' اور یہاں وہ اظہار مراد ہے جو ریاکاری اور شہرت کی غرض سے نہ ہو بلکہ اس لئے ہو کہ دیکھا دیکھی لوگ بھی خیرات کریں۔ خیال رہے کہ ابداء 'اظہار' جہر ان سب کے معنی ہیں اعلان و اظہار مگر جہر میں بتانا اظہار میں ہے دکھانا 'ابداء دونوں کو شامل ہے۔ ظاہر ظہور صدقہ دینا' یا صدقہ سے پہلے اس کا اعلان کر دینا کہ ہم نے یہ دیا سب ابداء میں داخل ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر نو سو اونٹ 'نو سو دینار دینے کا اولاً' اعلان فرمایا پھر سب کے سامنے لا کر حاضر کر دیئے۔ یہ ابداء کے دوسرے معنی پر عمل ہوا' بیر رومہ یہودی سے خرید ا پھر اس کے وقف کا اعلان فرمایا یہ ابداء کی تیسری صورت پر عمل ہوا

www.alahazratnetwork.org

غرضیکہ ان حضرات کے اعمال اس آیت کریمہ کی تفسیریں ہیں۔ **صدقات**' **صدقہ** کی جمع ہے اس کی لغوی تحقیق پہلے گزر چکی۔ یہاں اس سے صدقہ کے اقسام مراد ہیں بعض نے فرمایا کہ صدقہ نفلی مراد ہے۔ بعض نے فرمایا صدقہ فرض بعض کے نزدیک عام صدقات' صدقہ فرض و نفلی ہر خیرات کو کہتے ہیں۔ (کبیر) یعنی اگر تم اپنے صدقات لوگوں پر ظاہر کرو **فنعما ھی** ف جزائیہ ہے اور نعما نعم فعل مدح اور ما تمیزیہ کا جملہ ہے۔ یہ جملہ ھی کی خبر اور ھی کا مرجع یا صدقات ہیں یا تبدوا کا مصدر یعنی ظاہر صدقے یا صدقات کا ظاہر کرنا کیا ہی اچھا' یا بہت ہی اچھا ہے۔ **وان تخفوھا وتؤتوھا الفقراء**۔ **اخفاء** اظہار کا مقابل ہے جیسے معنی ابداء و اظہار میں ملحوظ تھے ان سب کی نفی اخفاء میں معتبر ہوگی کہ نہ پہلے صدقہ کا اعلان ہو نہ صدقہ دیتے وقت نہ بعد میں۔ ھا کا مرجع یا مطلقاً صدقات ہیں یا اس کی خاص نوع یعنی صدقہ واجبہ۔ جیسے کہا جاتا ہے **عندی دراھم و نصفہ**' اس نصفہ میں ہ کا مرجع دوسرا درہم ہے نہ کہ یہ مذکور۔ اظہار اور اخفاء کو جمع کرنے میں صنعت طباق لفظی ہے اور چونکہ صدقہ پوشیدہ میں فقیر و غنی کی پہچان دشوار ہوتی ہے اس لئے اس کے ساتھ یہ قید لگادی کہ فقیر کو دو یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ زکوۃ کا ظاہر کرنا بہتر اس لئے وہاں فقراء کا ذکر نہ کیا اور چونکہ زکوۃ میں فقیر ہی مصرف نہیں۔ دیگر مصارف بھی ہیں اور صدقہ نفل پوشیدہ کرنا بہتر۔ اور اس کا مصرف صرف فقراء اس لئے یہاں فقراء کی قید لگادی (روح المعانی) **ھو خیر لکم** یہ ف بھی جزائیہ ہے اور ھو کا مرجع تخفوا کا مصدر چونکہ علانیہ صدقہ اکثر دینے والے کیلئے مضر اور دوسروں کو فائدہ مند ہوتا ہے اور پوشیدہ خیرات اس کے برعکس اس لئے یہاں لکم فرمایا گیا نہ کہ پہلی صورت میں۔ یعنی صدقہ پوشیدہ کرکے دینا تمہارے واسطے بہتر ہے **ویکفر عنکم سیاتکم**' **یکفر** کفر سے بنا ہے معنی ڈھانپنا۔ اسی سے کفارہ ہے اس کا فاعل یا تو اللہ ہے' یا صدقہ پوشیدہ یا صدقہ علانیہ یا ہر صدقہ۔ **من** تبعیضیہ ہے۔ **سیئات** جمع **سیئۃ** کی ہے' معنی ناگوار چیز' یہاں گناہ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ من' معنی من اجل ہے۔ بعض کے نزدیک من زائدہ یعنی رب تعالیٰ یا وہ صدقہ تمہارے سارے گناہوں کو یا بعض گناہوں کو ڈھانک دیگا یا مٹا دیگا۔ (کبیر) خیال رہے کہ یہ جملہ جزاء شرط پر معطوف نہیں۔ بلکہ مستقل جملہ ہے چونکہ اس سے پہلے ساکن مضارع گزر چکے ہیں۔ اس لئے اسے بھی ساکن کردیا گیا۔ (روح المعانی) **واللہ بما تعملون خبیر ○** **ما** موصولہ ہے یا مصدریہ اس سے یا تو صدقات مراد ہیں۔ یا سارے اعمال یعنی خدا تعالیٰ تمہارے سارے اعمال سے خبردار ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر تم اپنے صدقات و خیرات علانیہ طور پر دو تو بھی اچھا ہے کہ اس میں اوروں کو بھی خیرات کی رغبت ہوگی اور تم سے تہمت بخل دور ہوگی اور تمہاری پیروی میں جو بھی صدقہ کرے گا اس کا ثواب تمہیں بھی ملے گا اور گویا کہ تم مبلغ بھی ہوگئے اور اس صورت میں فقیر کی تحقیق بھی ہو جائے گی اور اس سے فقیر کا کام بھی نکلے گا اور چھپا کے خیرات کرو تو تمہارے واسطے بہت بہتر ہے۔ بشرطیکہ فقیر ہی کو خیرات دو بے احتیاطی سے غنی کو نہ دے دو۔ اس لئے کہ چھپا کر دینے میں زیادہ اخلاص ہے۔ نیز تمہارا نفس شہرت اور واہ واہ کا خواستگار ہے۔ اس صورت میں نفس کی مخالفت بھی ہے۔ نیز چھپا کر دینے میں فقیر کی پردہ پوشی بھی ہے کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں ذلیل نہ ہو۔ نیز خفیہ خیرات میں لوگوں کو تمہارے مال کا اندازہ بھی نہ ہوگا۔ جس سے تم صدہا آفات سے محفوظ رہو گے نیز فقیر میں مانگنے کی عادت نہ پیدا ہوگی۔ غرضیکہ علانیہ خیرات میں بھی بہت فائدے ہیں اور خفیہ میں بھی لہٰذا وہ بھی اچھی اور یہ بھی۔ اس صدقہ کی برکت سے رب تعالیٰ تمہارے بہت سے گناہ معاف کردیگا اور وہ ہر ایک

www.alahazratnetwork.org

کے اعمال، نیت، ارادوں سے خبردار ہے۔ صدقہ کی طرح دیگر بدنی عبادات کا بھی یہ ہی حال ہے کہ کبھی ان کا اظہار افضل ہوتا ہے کبھی اخفاء، نیز بعض عبادات کا اظہار بہتر بلکہ ضروری ہے اور بعض کا اخفاء۔ پھر اپنے ایمان کا اظہار فرض ہے کہ اس اظہار پر شرعی احکام کفن دفن وغیرہ موقوف ہیں۔ نماز پنجگانہ کا اظہار واجب ہے کہ ان میں جماعت واجب نماز جمعہ و عید کا اظہار فرض ہے کہ ان کیلئے جماعت فرض، حج ظاہر کرکے ادا کرنا سنت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حج کا اعلان فرمایا تھا۔ سب کو جمع کرکے حج کو لے گئے تھے۔ نماز تہجد وغیرہ کا اخفاء لازم ہے۔ خیال رہے کہ اخفاء لازم یا مستحب ہے۔ حضور انور نے انہیں ظاہر کرکے ادا کیں۔ تاکہ لوگ طریقہ سیکھ لیں حتی کہ نماز منبر پر پڑھائی اور طواف و سعی اونٹ پر کہ وہاں اظہار کی وجہ دوسری ہے۔ یہ حضور انور کی خصوصیت ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نیت خیر کے ساتھ ہر طرح کی خیرات معتبر ہے۔ علانیہ ہو یا پوشیدہ، بدنیتی سے کوئی عمل قابل قبول نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** صدقات واجبہ ظاہر کرکے اور نفلی صدقے چھپا کر دینا بہتر ہے جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفلی صدقے بھی اگر دوسروں کو خیرات کی رغبت دینے کیلئے ظاہر کرکے دیئے تو بھی افضل ہے۔ (مدارک و خزائن) **مسئلہ:** اگر خیرات دینے والا غنا میں مشہور نہ ہو تو اسے بھی چھپا کر خیرات کرنا ہی افضل ہے۔ (مدارک) **مسئلہ:** چندہ کے موقعہ پر علانیہ خیرات خفیہ سے افضل ہے۔ اسی لئے صحابہ کرام جو **مخلصین** کے امام ہیں چندہ علانیہ دیا کرتے تھے۔ ورنہ عثمان غنی و صدیق اکبر کے صدقات مشہور نہ ہوتے۔ لوگ اب تک ان کے واقعات سن کر جوش سے خیرات کرتے ہیں۔ ان سب کا ثواب ان کو بھی ملتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** صدقات صرف فقراء وغیرہ کیلئے ہیں۔ جیسا کہ **تو توها الفقراء** سے معلوم ہوا۔ اغنیاء کو نہ دیئے جائیں۔ **پانچواں فائدہ:** اس سے معلوم ہوا کہ کبھی ذکر بالجہر بھی افضل ہے کہ اس میں دوسروں کو ذکر کی ترغیب ہے شیطان کو بھگاتا ہے اپنی نیند دفع کرتا ہے۔ جیسے صدقہ کا اظہار کبھی افضل ہے کہ وہ عبادت ہے اور اظہار عبادت بھی افضل ایسے ہی ذکر اللہ عبادت ہے اس کا اظہار کبھی افضل ہے۔ **مسئلہ:** صدقات جاریہ کو اغنیاء بھی استعمال کرسکتے ہیں۔ جیسے قبرستان اور مسجد کی زمین اور وقف کنوئیں کا پانی، مسافر خانے وغیرہ۔

مسئلہ: ظاہری مال یعنی جانور اور زمین کی پیداوار کی زکوۃ سلطان اسلام ہی کو دی جائے۔ خود فقراء کو نہ دی جائے۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: جیسے صدقات واجبہ اور بعض نفلی صدقے علانیہ بہتر اور اکثر صدقے خفیہ دینا افضل ایسے ہی دیگر عبادات نماز، حج وغیرہ کا بھی یہ ہی حکم ہے۔ نماز پنجگانہ، عید، جمعہ، جماعت ہی سے پڑھے اشراق، تحیۃ الوضو، نماز سفر، تحیۃ المسجد وغیرہ مسجد میں افضل، باقی نوافل گھر میں بہتر (احکام القرآن)۔

مسئلہ: اعلان کے ساتھ حج کو جانا اسی لئے بہتر ہے کہ اس میں دوسروں کو حج کی رغبت ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** خفیہ صدقہ اکثر علانیہ سے افضل ہے۔ جیسا کہ خیر لکم سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ سات شخص قیامت کے دن سایہ عرش میں ہوں گے۔ عادل سلطان، جوان صالح، اور وہ شخص جسے حسینہ عورت حرامکاری کیلئے بلائے اور وہ رب سے ڈر کر باز رہے، وہ

www.alahazratnetwork.org

شخص جس کا دل مسجد سے لگا رہتا ہو' وہ لوگ جو محض اللہ کیلئے محبت یا عداوت رکھیں' وہ شخص جو اکیلے میں رب کو یاد کر کے روئے۔ وہ شخص جو صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہ ہو (مسلم بخاری) **ساتواں فائدہ:** صدقہ سے گناہ معاف ہوتے ہیں' جیسا کہ 'ویکفر' سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** صدقہ سے گناہ ہی معاف ہوں گے نہ کہ شرعی پابندوں کے حقوق' جیسا کہ من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ خیرات سے قضاء نمازیں معاف نہ ہو جائیں گی۔ **مسئلہ:** کبھی صدقہ حقوق العباد اور حقوق شریعت سے بھی بری کر دیتا ہے کمزور بڈھا روزہ کا فدیہ دے سکتا ہے۔ میت کے فوت شدہ روزے' نمازوں کا کفارہ مال دیا جا سکتا ہے۔ جب قرض خواہ کا پتہ نہ لگے یا امین کے پاس امانت کا مال پڑا ہے اور مالک گم ہو گیا تو اس کے ورثاء موجود ہیں تب تو انہیں دے دے۔ ورنہ بعد انتظار اس کے نام پر خیرات کر دے۔ (کتب فقہ) یہ بھی **من سیئاتکم** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** کسی علانیہ عبادت کرنے والے کو ریاء کار نہ کہنا چاہئے۔ دیکھو رب نے علانیہ صدقہ' دینے کی تعریف فرمائی' بعض مصنفین نے اپنی کتب اپنے نام پر رکھیں جیسے موطا امام محمد یا مسند امام ابو حنیفہ یا حاشیہ عبد الحکیم تاکہ لوگ ان کی زندگی میں ان کتب کے متعلق ان سے کچھ دریافت کریں اور بعد وفات دعائے خیر سے یاد کریں۔ اور بعض مصنفین نے اپنا نام بھی ظاہر نہ کیا۔ جیسے صاحب مشکوۃ وغیرہ تاکہ ریا نہ پیدا ہو ہر ایک کی نیت خیر ہے اس لئے وہ دیوبندی حضرات عبرت پکڑیں جو میلاد شریف' گیارہویں' عید معراج منانے والوں اور جلوس میلاد نکالنے والوں کو ریاکار وغیرہ کہتے ہیں' تا حقیقی نے بعض علانیہ خیرات کرنے والے صحابہ کو ریاکار کہا تو رب نے ان منافقوں پر غضب کا اظہار فرمایا کہ ارشاد کیا۔ **ومنهم من يلمزك في الصدقات**

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت میں علانیہ صدقہ کے متعلق نعماھی اور خفیہ کے بارے میں خیر لکم کیوں ارشاد ہوا اس میں فرق کیا ہے۔ **جواب:** دوسرے کے مقابلہ میں بہتر کو خیر کہا جاتا ہے اور مطلقاً بہتر کو نعم۔ مقصود یہ ہے کہ خفیہ خیرات علانیہ سے بہتر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** خیر کے ساتھ لکم کیوں ارشاد ہوا۔ اور نعما کے بعد کیوں نہ ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ خفیہ خیرات کا فائدہ صرف خیرات دینے والے کو ہے۔ اور علانیہ کا فائدہ اس کو بھی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی کہ اس کی پیروی سے وہ بھی خیرات کریں گے۔ گویا یہ لازم ہے اور وہ متعدی اس لئے یہاں تخصیص کلام ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** خفیہ صدقہ کے ساتھ یہ قید کیوں لگائی کہ فقراء کو دو۔ علانیہ کے ساتھ یہ قید کیوں نہ لگی؟ **جواب:** اس لئے کہ علانیہ صدقہ امیر لینے کی ہمت نہ کریگا کہ اس میں ذلت ہے نیز اگر لینا چاہے گا تب بھی واقف کار لوگ کہہ دیں گے کہ تو مالدار ہو کر خیرات کیوں لیتا ہے۔ مگر خفیہ صدقہ ہر ایک لینے کی ہمت کر سکتا ہے اس لئے وہاں زیادہ احتیاط کرنی چاہئے نیز خفیہ صدقہ کرنے والا فقیر کی زیادہ چھان بین نہیں کر سکتا کہ تحقیقات میں اظہار کا اندیشہ ہے اس لئے زیادہ احتیاط کا حکم دیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقات صرف فقراء لیں۔ اور دوسری آیت میں اس کے مصرف آٹھ بیان کئے گئے۔ فقراء' مساکین' یتیم' مسافر وغیرھم ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں تمام مصارف کا ذکر نہ ہوا بلکہ بعض کا۔ اور ایک کے ذکر سے دوسرے کی نفی نہیں ہو جاتی۔ دوسرے یہ کہ وہ آٹھوں قسمیں فقراء کے ہی اقسام ہیں کہ جو یتیمی کی وجہ سے یا مسافر ہو کر فقیر ہو جائے۔ ورنہ غنی یتیم زکوۃ نہیں لے سکتا۔ عامل زکوۃ کو بھی زکوۃ میں سے تنخواہ اسی لئے دی جاتی ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

وہ فقراء کا خود مختار ہے پانچواں اعتراض: فقراء کے جمع لانے سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ کم از کم تین فقیروں کو دینا چاہئے۔ (شافعی) جواب: الفقراء میں الف لام جنسی ہے۔ جس نے اس کی جمعیت باطل کر دی۔ نیز صدقات بھی جمع ہیں اور واقعی جمیع فقراء کو دیئے جائیں گے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات ہر قسم کے فقراء کو دیا جائے مگر احادیث و فقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ سید کو اور اپنے اصول و فروع کو نہ دے خاوند بیوی کو نہ دے۔ وہ احادیث و فقہی عبارات اس آیت کے خلاف ہیں لہذا انہیں رد کر دینا چاہئے۔ جواب: وہ احادیث و فقہی عبارات اس آیت کی تفسیر و شرح ہیں۔ جن سے معلوم ہوا کہ یہاں فقراء سے فلاں قسم کے فقراء مراد ہیں۔ جیسے **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** قرآن کریم میں مجمل ہے جسے حدیث و فقہ نے واضح فرمایا کہ فلاں فلاں وقت فلاں فلاں نماز اتنی رکعات اور ان شرائط سے پڑھو۔ یہ آیات مطلق نہیں بلکہ مجمل ہیں۔ مجمل کی تفصیل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے۔ فقہ سے بھی منکرین حدیث اس آیت کی تفسیر نہیں کر سکتے۔

تفسیر صوفیانہ: شریعت میں صدقہ علانیہ وہ ہے۔ جو لوگوں پر ظاہر ہو اور خفیہ وہ جو لوگوں سے پوشیدہ مگر طریقت میں صدقہ علانیہ وہ ہے۔ جس میں شہوات نفسانیہ داخل ہوں۔ اور خفیہ وہ جو خالص رب کے لئے ہو۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم صدقات میں حور و قصور، جنت وغیرہ کی نیت کر کے اسے علانیہ بنا دو تو بھی اچھا ہے لیکن اگر تمہارا صدقہ ان سب سے خالی ہو۔ صرف رب کی رضا جوئی کیلئے ہو۔ اور اس کا اجر اپنے اعضاء ظاہری اور باطنی کو دو جو کہ حقیقی فقیر ہیں تو تمہارے واسطے بہتر ہے۔ **اللہ الغنی وانتم الفقراء** سخی قیامت کے دن اپنے صدقہ کے سایہ میں ہو گا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر سخی کا صدقہ رب کیلئے ہے تو وہ اللہ کے سایہ میں ہو گا۔ اور اگر جنت کیلئے ہے تو جنت کے سایہ میں۔ اور اگر ہوائے نفسانی اور خواہش شیطانی کیلئے ہے تو وہ ہاویہ کے سایہ میں صدقہ میں سوائے رضاء الٰہی اور دوسری نیت کرنا ہمارے مشرب میں شرک ہے اور شرک ظلم عظیم۔ (ماخوذ از روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مومن کی نیت ہی وہ چیز ہے جو عادات کو عبادات بنا دیتی ہے۔ جس سے کھانا پینا سونا بھی عبادت بن جاتے ہیں اور نیت کے بغیر عبادات عادات بن جاتی ہیں کہ انسان کی نماز، روزے بھی عادات بن جاتی ہیں۔ نیت درست ہو تو علانیہ و خفیہ ہر طرح کی عبادت قبول ہے۔ مگر مومن اخلاص کے انتظار میں عبادت چھوڑے نہیں کہ جا بے اخلاص کی دعا کرتے ہیں۔ کبھی وہ بھی نصیب ہو جائے گا۔ عبادات میں حضور کی نقل کی نیت کرے۔ اللہ تعالیٰ ان کی طفیل نقل پر ہی رحمت کرے گا۔

لَیْسَ عَلَیْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَمَا

نہیں ہے اوپر تمہارے ہدایت ان کی اور لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم

انہیں راہ دینا تمہارے ذمے لازم نہیں ہاں اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور تم جو اچھی

www.alahazratnetwork.org

تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ	
بھلائی سے پس واسطے جانوں تمہاری کے ہے اور نہیں خرچ کرتے ہو تم مگر تلاش کرنے کے لئے رب	
چیز دو تو تمہارا ہی بھلا ہے اور تمہیں خرچ کرنا مناسب نہیں مگر اللہ کی مرضی چاہنے	
اللّٰهِ ۚ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾	
اللہ کی جو کچھ خرچ کرو گے تم بھلائی سے پورا کیا جاوے گا طرف تمہاری اور تم نہ ظلم کیے جاؤ گے	
اور جو مال دو تمہیں پورا ملے گا اور نقصان نہ دیئے جاؤ گے	

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقات و خیرات کا ذکر تھا۔ اب اسکے مصارف کا بیان ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ صدقہ فقراء کو دو۔ اب فقراء کی تعمیم کی جارہی ہے کہ خواہ کفار ہوں یا مسلمان سب کو دے سکتے ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ مقبولہ و مردودہ کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم صدقہ مقبول کی توفیق دینا ہمارا کام ہے نہ کہ آپ کا۔ **چوتھا تعلق:** صدقہ چند چیزیں ہیں۔ دینے والا مال 'اس کی ادا' اور لینے والا' اگلی چیزوں کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہو چکا۔ اب آخری چیز یعنی لینے والے کا ذکر ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں صدقات کا ذکر تھا اس کے فضائل 'مسائل' فوائد ارشاد ہوئے تھے۔ اس آیت میں تحفے' ہدیئے وغیرہ دینے اس کے فضائل 'مسائل فوائد بیان ہو رہے ہیں چونکہ ہدیہ تحفہ وغیرہ صدقے کی مثل ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے صدقے کے بعد ہدیہ کا ذکر فرمایا۔ صدقہ بذات خود عبادت ہے اور صدقہ بذات خود تو معاملہ ہے مگر نیت خیر سے ہو تو اس کا ثواب عبادت کا سا ہے۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں ایک یہ کہ حضرات اسماء بنت ابی بکر کی والدہ قتیلہ اور ان کی دادی حضرت اسماء کے پاس کچھ حاجت لے کر آئیں۔ مگر یہ دونوں مشرکہ تھیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر اجازت تمہیں کچھ نہیں دے سکتی کیونکہ تم بے دین ہو۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مشرکہ ماں و دادی پر صدقہ کرنے کا حکم دیا۔ (کبیر) دوسرے یہ کہ بعض انصار کی یہودی نضیر و بنی قریظہ سے قرابت تھی۔ انصار انہیں اپنی خیرات نہ دیتے تھے اور کہتے تھے کہ تم جب تک مسلمان نہ ہو جاؤ ہماری خیرات کے مستحق نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی (کبیر) تیسرے یہ کہ اسلام سے پہلے مسلمانوں کی یہود سے رشتہ داریاں تھیں اس وجہ سے وہ ان کے ساتھ سلوک کیا کرتے تھے مسلمان ہونے کے بعد انہیں یہود کے ساتھ سلوک کرنا ناگوار ہونے لگا اور انہوں نے اس سے ہاتھ روکنا چاہا تاکہ یہود اسلام کی طرف مائل ہوں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن العرفان و خازن) چوتھے یہ کہ مدینہ منورہ کے مسلمان پہلے عام فقراء مدینہ پر صدقہ کرتے تھے خواہ کافر ہوں' یا مومن۔ جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کو خیرات دینے سے ممانعت کر دی تاکہ وہ اسلام لانے پر مجبور ہو جائیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن) غرضیکہ یہ آیت کفار اہل قرابت کے ساتھ سلوک کرنے کیلئے اتری۔ اور ان روایات میں کوئی تعارض بھی نہیں۔ ممکن

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ سارے واقعات پیش آئے ہوں تب یہ آیت کریمہ اتری ہو۔

تفسیر: **لیس علیک ھدٰھم**۔ علی ضرر یا الزام کیلئے آتا ہے یہاں الزام کیلئے ہے کاف سے خطاب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے کو کیونکہ اس سے پہلے اور بعد مسلمانوں سے ہی خطاب ہو رہا ہے۔ **ھدٰی** بمعنی ہدایت ہے۔ **ھم** کا مرجع کفار ہیں۔ جن کے متعلق سوالات ہوئے تھے ہدایت سے یا تو مطلوب تک پہنچانا مراد ہے یا توفیق خیر دینا یا اسلام پر مجبور کرنا۔ نہ کہ راہ دکھانا کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو راہ دکھائی اور آپ اس لئے بھیجے گئے تھے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے یا اے کفار کو خیرات دینے سے انکار کرنے والے تم پر انہیں ہدایت دے دینا واجب نہیں۔ کیونکہ آپ صرف بشیر و نذیر ہیں اور آپ کے ذمہ صرف تبلیغ' اس دعوت پر آپ کا فرض ختم ہو جاتا ہے۔ **ولکن اللہ یھدی من یشآء**۔ لکن دفع وہم کیلئے آیا ہے۔ **یھدی** سے ہدایت خاصہ مراد ہے۔ یعنی مقصود تک پہنچا دینا یا توفیق خیر دینا یشاء کا مفعول (ہدایتہ) پوشیدہ ہے۔ لیکن جسے رب ہدایت دینا چاہے' اسے ہدایت دے۔ **وما تنفقوا من خیر فلانفسکم**۔ ما شرطیہ ہے اور انفاق سے خیرات مراد ہے اور من تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔ خیر سے زیادہ مال مقصود یعنی نفلی صدقات **لا نفسکم** سے پہلے ھو پوشیدہ ہے۔ یعنی جو کچھ تم مال راہ الٰہی میں خرچ کرو گے وہ در حقیقت تمہارے ہی لئے ہو گا لہٰذا تم نہ تو وہ مال خیرات کرو' نہ فقیر کو طعنے دو نہ ریاکاری کو دخل دو۔ نہ فقیر کے کفر و ایمان کو دیکھو۔ **وما تنفقون الا ابتغاء وجہ اللہ** یہ ما نافیہ ہے۔ اور **تنفقون** سے صدقات مراد۔ ابتغاء مفعول لہ' **وجہ اللہ** سے مراد رضائے الٰہی ہے یا تو یہ جملہ نفی ہی ہے یا بمعنی نہی جیسے **والوالدٰت یرضعن اولادھن** اور جیسے **والمطلقٰت یتربصن** یعنی تم نہیں خرچ کرتے ہو مگر رضائے الٰہی کیلئے یا نہ خرچ کرو مگر طلب رضا کیلئے۔ (کبیر خازن) **وما تنفقوا من خیر یوف الیکم** یہ جملہ یا پچھلے **وما تنفقون** کی تاکید ہے یا مستقل عبارت یہاں بھی ما شرطیہ ہے اور من تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔ خیر سے ہر صدقہ نفلی مراد ہے **یوف وفاء** سے بنا' بمعنی پورا کرنا' باب تفعیل میں زیادتی کے معنی پیدا ہوئے۔ اس سے یا دنیوی بدلہ مراد ہے یا اخروی بھی چونکہ یوف میں ادا کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد الی آیا یعنی جو کچھ مال تم خیرات کرو گے تمہیں اس کا بدلہ پورا پورا دیا جائے گا۔ لہٰذا فقیر کے سامنے کفر پر نظر مت کرو۔ **وانتم لا تظلمون** ○ واؤ حالیہ ہے اور جملہ الیکم کی ضمیر سے حال اس کا عامل یوف ہے اور ظلم بمعنی کم کرنا یعنی تمہارا ثواب کچھ کم نہ کیا جائے گا یا تم ظلم نہ کئے جاؤ گے کہ بلاوجہ اعمال کے ثواب سے محروم کر دیئے جاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم اسلام پھیلانے کیلئے صدقات روکنے کی تدبیر کیوں اختیار کرتے ہو تم کو کفار پر ہدایت دے دینا واجب نہیں۔ یا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تبلیغ دین کیلئے کفار سے خیرات روکنے کا طریقہ اختیار نہ فرمائیں۔ آپ پر یہ واجب نہیں کہ ان کو ہدایت دے دیں آپ کا فرض صرف احکام پہنچا دینا ہے۔ اس سے زیادہ مشقت کیوں کرتے ہو ہدایت تو اللہ کے قبضہ میں ہے۔ جسے چاہے دے۔ جس کے نصیب میں ہدایت ہے وہ بہر حال مسلمان ہو جائے گا۔ خواہ اسے صدقہ ملے یا نہ ملے اور شقی ازلی کبھی ایمان نہ لائے گا۔ اور اے مسلمانوں تم جو کچھ خیرات کرتے ہو۔ اپنے لئے کرتے ہو' نہ کہ فقراء کیلئے تمہیں ان کے کفر و ایمان سے کیا بحث تم صرف رضائے الٰہی کیلئے صدقہ دیتے ہو۔ تمہارا مدعا بہر حال حاصل ہے لینے والا خواہ کوئی

www.alahazratnetwork.org

ہو کافر یا مومن تم یقین رکھو کہ جو کچھ صدق دل سے خیرات کرو گے تمہیں اس کا بدلہ پورا دیا جائے گا کہ دنیا میں تمہارے مال میں برکت ہوگی اور آخرت میں بے شمار ثواب اور تم پر کسی قسم کا ظلم بھی نہ ہوگا۔ اور نہ تمہیں نقصان پہنچایا جائے کہ تمہارا ثواب کم کر دیا جائے۔ ثواب کا دارومدار اخلاص پر ہے نہ کہ فقیر کے مومن و کافر ہونے پر۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کافر اہل قرابت کے ساتھ سلوک کرنا ضروری ہے کفر سے رشتہ نہیں ٹوٹ جاتا۔ رشتہ سے مراد نسبی رشتہ ہے یعنی کفر کی وجہ سے بیٹا بنوت سے یا باپ ماں ابوبیت سے نہیں نکل جاتے بلکہ ان کے حقوق ابوت ادا کرنا ضروری ہے۔ رہا رشتہ زوجیت' وہ کفر سے ٹوٹ جاتا ہے کہ اگر زوجین میں سے کوئی مسلمان ہو جائے' دوسرا کافر رہے۔ یا مسلمان زوجین میں سے خاوند کافر ہو جائے تو نکاح جاتا رہے گا۔ ہاں کافر و مومن میں میراث نہیں کہ کافر و مومن ایک دوسرے کے وارث نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ذمی کفار کو صدقہ نفلی دینا جائز ہے نہ کہ فرضی جیسا کہ من خیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ صدقہ فرضی صرف مسلمان کو ہی دیا جا سکتا ہے۔ کفار اس کے مصرف نہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کافر حربی کو کوئی صدقہ نفلی یا فرضی دینا جائز نہیں ہاں ان کے حقوق قرابت ادا کیے جائیں گے جیسے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مشرک بھائی کو مدینہ پاک سے مال بھیجا۔ **پانچواں فائدہ:** تبلیغ دین کیلئے ناجائز ذریعہ اختیار کرنا منع ہے دیکھو مسلمانوں نے تبلیغ کی نیت سے اہل قرابت کفار کے حقوق روکنا چاہے جس سے منع کر دیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** مصرف کی خباثت سے صدقہ خبیث نہیں ہو جاتا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ اگر بدترین مخلوق پر خیرات کی جائے جب بھی ثواب ملے گا۔ (خازن) کتے کو پانی پلانا بھی ثواب ہے اگرچہ وہ گندہ ہے۔ اس لئے فرمایا گیا **الا ابتغاء وجہ اللہ** **مسئلہ:** صدقات واجبہ جیسے فطرہ و نذر میں اختلاف ہے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کافر ذمی کو دیا جا سکتا ہے دیگر آئمہ کے ہاں نہیں۔ امام صاحب فرماتے ہیں کہ جو صدقہ سلطان اسلام وصول کر سکتا ہے اس کے سوا تمام صدقات ذمی کفار کو دیئے جا سکتے ہیں۔ چونکہ فطرہ اور منت کا مال سلطان اسلام نہیں لے سکتا۔ لہٰذا کفار ذمی کو دیا جا سکتا ہے۔ (احکام القرآن) امام صاحب کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے **ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا ۝** یعنی مسلمان کھانا کھلاتے ہیں مسکین یتیم اور قیدیوں کو اور ظاہر ہے کہ دارالاسلام میں مشرکین بھی قیدی ہوں گے۔ (روح المعانی)۔

مسئلہ: ہندوستان دارالاسلام ہے کیونکہ یہ افغانستان سے ملحق ہے۔ اور یہاں روزہ نماز وغیرہ بہت سے ارکان اسلام کی آزادی ہے مگر یہاں کے کفار سب حربی ہیں انہیں کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں۔ صدقہ نفل و فرض کا اختلاف ذمی کفار کے حق میں ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مال حلال سے خیرات کرنی چاہیئے نہ کہ حرام سے جیسا کہ من خیر سے معلوم ہوا۔ لینے والا کیسا بھی ہو شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

گرادے بدوپیش آتش مجوس تو وا پس چرا ے کشی دست جود

آٹھواں فائدہ: اگرچہ فقیر خیرات کا مال حرام جگہ صرف کر دے تو اس سے دینے والے کے ثواب میں کمی نہ ہوگی۔ دیکھو کافر خیرات کھا کر بت پرستی کرے گا اور ممکن ہے کہ وہ خیرات کا پیسہ بتوں پر چڑھائے گا مگر اندیشہ سے انہیں خیرات دینا منع نہ ہوا۔ **نواں فائدہ:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے صدقات' خیرات اخلاص پر مبنی تھے وہ حضرات ریا نام نمود دکھاوے

www.alahazratnetwork.org

سے بالکل پاک وصاف تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان سے خطاب کر کے فرمایا **وما تنفقون الا ابتغاء وجه الله** ہم گواہ ہیں کہ تم لوگ رضا الٰہی کی تلاش میں مال خرچ کرتے ہو بلکہ جن لوگوں نے انہیں ریاکار کہا ان خبیثوں پر سخت عتاب ہوا کہ فرمایا **ومنهم من يلمزك في الصدقت** حتی کہ فرمایا **ان تستغفرلهم سبعين مرة فلن يغفر الله لهم**۔ آپ ان کیلئے کئی بار دعائے مغفرت کریں ہم تو انہیں نہ بخشیں گے کہ وہ دشمن صحابہ ہیں۔

مسئلہ: ذمی کافر کو خیرات دینا جائز ہے۔ مگر ان کی خیرات لینا مسلمانوں کیلئے بے غیرتی ہے کہ اس میں ذلت رسوائی ہے۔ صحابہ کرام نے سخت مجبوری کی حالت میں بھی کفار کے سامنے دست سوال نہ پھیلایا ہاں ان سے قرض لینا یا ان کا مال غنیمت میں لینا جائز ہے۔ جب حضور علیہ السلام کی وفات شریف ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی تھی مگر انہیں سود دینا سخت حرام ہے۔

مسئلہ: کفار کی نوکری جائز مگر ان کے ہاں ذلیل نوکری یا بت سازی وغیرہ حرام کی نوکری بہت بری ہے۔

اعتراض پہلا اعتراض۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو صدقہ دینا جائز ہے اور حدیث شریف میں ہے کہ تمہارا کھانا متقی کھایا کریں۔ آیت وحدیث میں مطابقت کیونکر ہو **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ آیت میں جواز کا بیان ہے اور حدیث میں استحباب کا یعنی صدقہ کفار کو بھی جائز مگر پرہیزگار کو بہتر۔ دوسرے یہ کہ حدیث میں طعام دعوت مراد ہے اور آیت میں طعام حاجت یعنی دعوت پرہیزگاروں کی کرو اور صدقہ ہر محتاج کو دے دو۔ تیسرے یہ کہ حدیث میں تحفے ہدیے مراد ہیں اور آیت میں صدقات و خیرات۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر صدقہ ہر کافر کو دیا جاسکتا ہے۔ پھر علماء نے نفلی کی قید کہاں سے نکالی۔ اور یہ تقسیم کیسے کی کہ ذمی کو صدقہ نفلی جائز اور فرضی منع **جواب:** رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ينهكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين ولم يخرجوكم من دياركم ان تبروهم وتقسطوا اليهم** اس کے بعد ارشاد ہے **انما ينهكم الله عن الذين قاتلوكم في الدين** یہاں دو باتیں بتائیں گئیں۔ ایک یہ کہ کافر غیر حربی سے احسان جائز، حربی سے منع۔ دوسرے یہ کہ کافر غیر حربی (ذمی) سے بر و قسط یعنی نفلی خیرات وغیرہ جائز ہے نہ کہ فرضی احادیث شریفہ نے بھی اسی کی تائید کی۔ لہٰذا حدیث و قرآن بلکہ خود آیات قرآن میں اس تقسیم کے بغیر مطابقت ہو سکتی ہی نہیں اس لئے یہاں یہ قیدیں بڑھائی گئیں۔ **تیسرا اعتراض:** امام صاحب نے فرمایا کہ جو صدقہ سلطان اسلام لے سکتا ہے وہ ذمی کفار کو نہ دیا جائے تو چاہئے کہ چاندی سونے کی زکوۃ کفار کو دی جاسکے۔ کیونکہ سلطان اسلام صرف پیداوار اور جانوروں کی زکوۃ وصول کر سکتا ہے نہ کہ سونے چاندی کی **جواب:** ہر زکوۃ لینے کا سلطان کو حق ہے چنانچہ حضور علیہ السلام و حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر قسم کی زکوۃ وصول فرماتے تھے۔ عثمان غنی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے اعلان فرمایا کہ چاندی سونے کی زکوۃ ہر شخص اپنے آپ دے۔ گویا آپ نے مال والوں کو ادائے زکوۃ کا وکیل کیا رب فرماتا ہے۔ **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها** (احکام القرآن) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ کا ثواب پورا ملتا ہے کہ فرمایا گیا **يوف اليكم** مگر دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ صدقہ مقبولہ کے ایک کا ثواب سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ **والله يضعف لمن يشاء** دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ **يوف** کا مقصد یہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ کمی نہ ہوگی زیادتی کا انکار اس لئے فرمایا گیا کہ **وانتم لا تظلمون** ○ اور دوسری آیات میں زیادتی کا ثبوت ہے۔ اس آیت میں کمی کی نفی لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں دنیاوی جزا کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اخروی کا۔ جزا کا تذکرہ یعنی صدقات سے تمہارے مال کم نہ ہوں گے۔ بلکہ پورے کر دیئے جائیں گے۔ رہی آخرت وہاں تو تمہیں بہت زیادتیاں دی جائیں گی۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تم جیسا برتاؤ اپنے ماں باپ سے کرو گے اور جیسا سلوک اپنے اہل قرابت سے کرو گے کل تمہاری اولاد اور تمہارے عزیز تمہارے ساتھ کریں گے۔ جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔ جو بوؤ گے وہ کاٹو گے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حق تعالیٰ رب العالمین ہے۔ اسکی ربوبیت کا مظہر تمام جہان ہے۔ خواہ کفار ہوں یا مسلمان اس لئے بعض صدقات کفار کو دینا جائز ہوئے کہ ان کی بقاء سے اسلام کی رونق ظاہر ہوتی ہے۔ پانی اور گند اکھاد دونوں ہی سے کھیت کی تر و تازگی ہے۔ ایسے ہی روح طیب ہے اور نفس خبیث کافر اپنے اوقات ضروری خدمت روح پر خرچ کرو۔ یہ گویا فرضی زکوٰۃ ہے مگر زائد اوقات نفلی صدقہ کی طرح خدمت نفس پر بھی صرف کرو کہ وہ اگرچہ کافر ہے مگر ہے تو تمہارا رفیق۔ روح گویا سوار ہے اور نفس امارہ اس کی سواری۔ سوار کو چاہئے کہ اپنے ساتھ اپنی سواری کی غذا کی بھی فکر رکھے۔ جہاں اپنے لئے اعلیٰ نعمتیں جمع کرے وہاں سواری کیلئے گھاس بھوسہ وغیرہ ادنیٰ غذاؤں کا بھی انتظام کرے تم یہ نہیں کر سکتے کہ نفس کو مسلمان کر لو ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اسے کافر ذمی کی طرح غلام بنا لو۔ مگر جب یہ کافر حربی بن جائے تو پھر اسکی کوئی رعایت نہیں یہ تمام صدقات و خیرات دراصل تمہارے اپنے لئے ہیں خواہ اس سے نفس خبیث فائدہ اٹھائے یا پاک روح۔ مگر خیال رہے کہ نفس اگرچہ خبیث ہے مگر اسے غذا حلال ہی دینا۔ حلال نیند سو‘ حلال جماع کرو۔ دنیا کے حلال مشاغل میں مشغول ہو تو تم اس کا بھی ثواب پاؤ گے یہ نہ کرو کہ خبیث کو خبیث غذائیں دو۔ لہٰذا حرام جماع حرام غذا سے بچو۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی
واسطے ان فقیروں کے جو روکے گئے بیچ راستہ اللہ کے نہیں طاقت رکھتے ہیں وہ چلنے کی بیچ
ان فقیروں کے لئے جو راہ خدا میں روکے گئے زمین میں چل نہیں سکتے نادان
الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ
زمین کے سمجھتا ہے انہیں ناواقف مالدار بوجہ بچنے کے پہچانے گا تو انہیں ساتھ نشانی
انہیں تونگر سمجھے بچنے کے سبب تو انہیں انکی صورت سے پہچان لے گا وہ لوگوں
بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَیْرٍ
ان کی کے نہیں سوال کرتے لوگوں سے زاری کر کے اور جو کچھ خرچ کرو گے تم بھلائی سے
سے سوال نہیں کرتے کہ گڑ گڑانا پڑے اور جو خیرات کرو

www.alahazratnetwork.org

فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ

بس تحقیق اللہ اس کے جانتے والا ہے

اللہ اُسے جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقات کے عارضی مستحقین کا ذکر تھا اب اصلی مستحقین کا بیان ہے۔ کیونکہ کافر فقیر خاص مصیبت میں خیرات کا مستحق ہے ورنہ مسلمان کے صدقہ کا اصلی مستحق مسلمان فقیر ہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صرف نفلی خیرات کا مصرف بیان ہوا اب عام صدقات کے مصرف کا ذکر ہے۔ خواہ نفلی ہوں یا فرضی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خیرات کے جائز مصرف کا ذکر تھا۔ اب مستحب مصرف کا بیان ہے کہ اگرچہ کافر فقیر کو بھی خیرات دینا واجب ہے۔ مگر مسلمان کو بہتر **چوتھا تعلق:** کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اگر تم چھپا کر فقراء کو خیرات دو تو تمہارے واسطے بہتر ہے اب ان ہی فقراء کا تفصیلی بیان ہے جن کو خیرات دینا بہتر۔

شان نزول: مسجد نبوی کے پاس ایک صفہ (چبوترہ) تھا۔ جہاں چار پانچ سو فقراء مہاجرین رہتے تھے۔ جن کے پاس نہ گھر تھا نہ دنیوی سامان' نہ کوئی کاروبار ہمیشہ مسجد میں حاضر رہنا' دن میں روزہ تلاوت قرآن اور رات میں شب بیداری ہر جہاد میں لشکر اسلام کے ساتھ جانا ان کا کام تھا انہیں اصحاب صفہ کہتے ہیں یعنی چبوترہ پر رہنے والے۔ نہ ان حضرات کی شادی ہوئی تھی نہ ان کا یہاں کنبہ و قبیلہ تھا۔ ان کی غریبی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ستر (70) کے پاس ستر پوشی کیلئے پورا کپڑا بھی نہ تھا۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں مسلمانوں کو انہیں صدقہ و خیرات دینے کی رغبت دی گئی۔ (کبیر و خزائن العرفان) ایک بار حضور علیہ السلام ان کے پاس تشریف فرما ہوئے۔ ان کی سخت فقیری اور بھوک کی شدت ملاحظہ فرما کر ارشاد فرمایا کہ اے صفہ والو! میری امت میں سے جو تمہاری طرح صابر و شاکر اور پرہیز گار ہو گا وہ قیامت میں میرا رفیق ہو گا۔ پھر فرمایا کہ اے لوگو! ایک وقت وہ آنے والا ہے جب تمہارے سامنے دستر خوان پر غذاؤں کے پیالوں کے پیالے رکھے جائیں گے انہوں نے عرض کیا یا حبیب اللہ اس دن ہم بڑے ہی خیر میں ہوں گے۔ فرمایا بلکہ خیر میں آج ہی ہو۔

تفسیر: **للفقراء الذین** یہ لام جارہ ہے اور فقراء' فقیر کی جمع ہے' لفظ فقیر کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی۔ جار مجرور فعل پوشیدہ **اجعلوا صدقاتکم** کے متعلق ہے اگر صدقات سے فرضی زکوۃ مراد ہے تو اجعلوا امر وجوب کیلئے اور اگر صدقہ نفلی مراد ہوں تو استحباب کیلئے کیونکہ صدقہ فرض کسی کافر کو دینا جائز نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت **صدقاتکم** مبتداء محذوف کی خبر ہو۔ یعنی اپنے صدقے ان فقراء کیلئے مقرر کر دو یا تمہارے صدقے ان فقراء کیلئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جار مجرور وما تنفقون کے متعلق ہے اور **وانتم لا تظلمون** جملہ معترضہ یعنی جو کچھ تم ایسے فقراء پر خرچ کرو گے تو تمہیں اجر پورا ملے گا (روح المعانی) فقراء فرما کر یہ بتایا گیا کہ اگر یہ لوگ . معاذ اللہ تعالیٰ غنی ہوں تو انہیں زکوۃ صدقات سے بچنا چاہئے فی سبیل اللہ دینی خدمات کرنی چاہئیں **احصروا فی سبیل اللہ۔ احصروا' حصار** سے بنا جس کا مادہ حصر ہے بمعنی رک جانا اصطلاح میں بیماری' یا حاجت یا خوف کی وجہ سے مقصود سے رک جانا کو احصار کہا جاتا ہے۔ جو حاجی لوائے حج سے مرض یا خوف کی وجہ

www.alahazratnetwork.org

سے رک جاتا ہے۔وہ محصر کہلاتا ہے۔احصر کا نائب فاعل فقراء ہیں۔روکنے والا کون؟ اس میں چند احتمال ہیں سبیل اللہ سے ہر نیک کام مراد ہے۔جہاد ہو یا طلب علم یا دیگر عبادات یعنی وہ فقراء جو جہاد یا طلب علم یا ضروری عبادات کی وجہ سے دنیوی کاروبار سے روک دیئے گئے۔اس میں طلباء کی طرح فقیر علماء قاضی مصنف وغیرہ تمام ہی داخل ہیں کہ یہ لوگ دینی خدمات کرتے ہیں۔اگر دنیا کی طلب میں مشغول ہو جائیں تو دین برباد ہو جائے گا۔روک دیئے گئے کا مطلب یہ ہے کہ یا تو انہیں طلب علم سے روک دیا گیا۔یا رب تعالیٰ نے روک دیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نے روک دیا۔کیونکہ فرض کفایہ شروع کر دینے سے فرض عین ہو جاتا ہے۔جیسے نماز جنازہ کہ فرض کفایہ ہے مگر جو اس کی نیت باندھ لے اس پر فرض عین ہو جاتا ہے۔ایسے ہی طلب علم دین علی وجہ اللہ کہ فرض کفایہ ہے۔مگر جو شروع کر دے اس پر عین فرض ہے **لا یستطیعون ضربا فی الارض**۔ یہ احصروا کا بیان ہے۔ضرب سے چلنا پھرنا اور دنیوی کاروبار کیلئے نقل و حرکت مراد ہے۔یعنی یہ حضرات طلب علم اور تیاری جہاد میں اس قدر مشغول ہیں کہ زمین میں چل پھر کر کمائی نہیں کر سکتے۔یعنی کمائی کیلئے نہ تو سفر کر سکتے ہیں۔جیسا کہ تجار کا قاعدہ ہے اور نہ کاروباری سلسلہ میں ہی بازار میں چل پھر کر کمائی کر سکتے ہیں۔ **ضرب فی الارض** دونوں کو شامل ہے اگر وہ بازار یا سفر میں رہیں تو سبق بند ہو جائیں گے۔گویا اسباق نے انہیں نقل و حرکت سے روک دیا۔حضرت ابن جبیر فرماتے ہیں کہ اس سے جہاد کے زخمی مراد ہیں۔جو بیماری کی وجہ سے کمانے سے مجبور ہو گئے یا جو جہاد میں اپاہج ہو کر رہ گئے ان کا مسلمانوں کے مال میں حق ہے یہ سب کچھ بھی صحیح۔ہر وہ شخص جو کمائی سے مجبور ہو۔خواہ اس کی مجبوری حسی ہو یا دین کی مشغولی' وہ اس میں داخل ہے۔اور یہ حکم قیامت تک جاری۔ **یحسبھم الجاھل اغنیاء من التعفف**۔ **یحسب**' **حسبان** بمعنی ظن سے بنا' نہ کہ حساب سے **جاھل**' **جھل** سے مشتق ہے۔یہاں خبر کا مقابل ہے نہ کہ علم و عقل کا۔ **تعفف** 'عف یا عفۃ سے بنا' عف اور کف کے معنی ہیں رکنا' چھوڑنا اور صبر کرنا۔اصطلاح میں ناجائز مرغوب چیز سے بچنے کو عفت استعفاف اور تعفف کہا جاتا ہے۔اسی لئے عفیفہ وہ عورت کہلاتی ہے جس کا دامن بے غیرتی کے دھبے سے پاک و صاف ہو اور کف مطلقاً رکنے کو کہتے ہیں۔یعنی ان کے سوال سے باز رہنے اور اپنے فقر کو چھپانے کی وجہ سے ناواقف آدمی انہیں غنی مالدار سمجھتا ہے۔ **تعرفھم بسیمھم** یہ خطاب یا تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا عام مسلمانوں کو۔تعرف' عرفان یا معرفت سے بنا۔اصطلاح میں کلی علم کو علم اور جزء' جزئیات کے پہچاننے کو معرفت کہا جاتا ہے۔ **سیما**' سمت سے بنا جس کی اصل وسم ہے بمعنی علامت و بلندی' واؤ ف کلمہ سے ہٹا کر سین کے بعد لایا گیا۔یہاں اس سے انکے خشوع و خضوع کے ساتھ آثار یا بھوک کے اثرات مراد ہیں جو ان کے چہروں پر نمودار ہیں۔تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ لوگ کبھی کبھی دن کو لکڑیاں بھی بیچا کرتے تھے۔روح المعانی نے فرمایا کہ اصحاب صفہ میں سے بعض بھوک کی وجہ سے نماز میں گر جاتے تھے لوگ انہیں دیوانہ کہتے تھے۔حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں بھی اصحاب صفہ میں سے تھا کبھی بھوک سے گر جاتا تو گزرنے والوں سے آیت پوچھتا تھا کہ شاید میری آواز سے کمزوری محسوس کر کے کچھ کھلا دیں۔مگر اس وقت تقریباً سب کے گھر میں اللہ کا نام ہی تھا۔ **لا یسئلون الناس الحافا** یہ جملہ تعفف کا بیان ہے **الحاف**' **لحف** سے بنا بمعنی ڈھانک لینا۔اسی لئے رضائی کو لحاف کہتے ہیں۔کہ وہ اوڑھنے والے کے سارے جسم کو ڈھانپ لیتا ہے۔اصطلاح میں گڑگڑا کر مانگنے یا سوال میں اصرار کرنے کو الحاف یا الحاح کہتے ہیں کہ اس سے سامنے والے کا دل غیرت سے گویا ڈھک جاتا ہے۔یہاں یا تو الحاف بمعنی اسم فاعل **لا یسئلون** کی ضمیر کا حال ہے یعنی وہ لوگوں سے اصرار سے

www.alahazratnetwork.org

نہیں مانگتے۔ خیال رہے کہ یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ کیونکہ وہ بالکل نہ مانگتے تھے جیسا کہ تعفف میں بیان ہوا۔ ہو سکتا ہے کہ الحاف بمعنی شدت فقر ہو جو انسان کی عقل کو ڈھک لے اور یسئلون کا ظرف یعنی وہ سخت مشکل میں بھی لوگوں سے نہیں مانگتے۔ مگر اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ یسئلون کا مفعول لہ ہے اس کی تائید تفسیر کبیر سے ہوتی ہے۔ یعنی وہ کسی سے مانگتے ہی نہیں تاکہ انہیں گڑگڑانا پڑے۔ کیونکہ سوال کا انجام زاری ہے بعض نے فرمایا کہ یہ نفی کا مفعول مطلق ہے کہ وہ تعفف اور ترک سوال میں نہایت ہی مضبوط ہیں۔ یعنی **یترکون السوال الحاحا**۔ (روح المعانی) **وما تنفقوا من خیر فان اللہ بہ علیم** ○ اس میں مسلمانوں کو خیرات کی رغبت دی گئی ہے۔ خیر کے معنی پہلے بیان ہو چکے یعنی جو کچھ تم کار خیر میں خرچ کرو گے رب اسے جانتا ہے بقدر اخلاص ثواب دے گا۔ ما کے عموم سے معلوم ہوا کہ ہر چھوٹا بڑا صدقہ رب کی بارگاہ میں مقبول ہے بشرط اخلاص۔

خلاصہ تفسیر: صدقہ اصل حق ان فقیروں کا ہے جو راہ الہٰی میں مقید ہو گئے ہوں اور دین کی خدمت میں ایسے مشغول ہوں کہ اس کی وجہ سے طلب معاش کیلئے زمین میں نقل و حرکت کی عادۃً طاقت نہ رکھتے ہوں۔ ان کے طلب معاش میں مشغول ہونے سے دینی کام بند ہو جانے کا اندیشہ ہو اس کے ساتھ ہی سوال سے بالکل دور رہوں۔ جس سے ناواقف آدمی انہیں مالدار سمجھتا ہے۔ ہاں تم ان کی طرز پریشان ہیئت اور قدرتی علامات سے پہچان سکتے ہو کہ یہ فقیر ہیں۔ ان کے چہروں پر فاقہ کے آثار' آواز کی کمزوری رفتار میں ضعف ان کے فقر و فاقہ کا پتہ دیتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ سخت شدت سے بھی لوگوں سے کچھ نہیں مانگتے تاکہ انہیں گڑگڑانا پڑے۔ اور تم ان لوگوں کی خدمت میں جو کچھ تھوڑا بہت مال خرچ کرو گے حق تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے تمہیں بقدر اخلاص ثواب دیگا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: زندگی ہر شخص کی گزرتی ہے مگر بہترین زندگی وہ ہے جو رب کیلئے وقف ہو جائے کہ وہ شخص جو کام کرے نفس کیلئے نہیں بلکہ اللہ کیلئے کرے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کیلئے صدقات کا حکم خصوصی دیا جو اپنی زندگی اللہ کیلئے وقف کر چکے جنہیں **احصروا فی سبیل اللہ** فرمایا گیا۔ دیکھو اگر زمین کیلئے وقف مسجد بن جائے تو اس کی عظمت بڑھ جاتی ہے۔ اصحاب کہف کے کتے نے اپنی زندگی اللہ کے پیاروں کی خدمت کیلئے وقف کی تو اسے حیات جاودانی ملی تو زمین اور پلاپاک کتا اس وقف زندگی کی وجہ سے شان والے ہو گئے تو اگر انسان اپنی زندگی وقف کرے تو ان شاء اللہ فرشتوں سے افضل ہو جائے۔ دیکھو حضرات صدیق و فاروق کی شان دوسرا فائدہ: خاص ضرورت کے وقت گنہگار بلکہ کفار کے ساتھ بھی احسان کرنا بہتر ہے مگر فی نفسہٖ متقی پرہیزگاروں کی خدمت کرنا بہت ثواب کہ عمدہ زمین کا تخم زیادہ پھل دیتا ہے۔ تیسرا فائدہ: بمقابلہ عام فقراء کے غریب علماء دینی طلباء مدرسین کو خیرات دینا افضل ہے۔ جنہوں نے اپنے کو دینی خدمت کیلئے وقف کر دیا اگر ان کی خدمت نہ کی گئی تو یہ طلب معاش کیلئے مجبور ہو گئے تو دین کا سخت نقصان ہو گا یہ سب لوگ **احصروا فی سبیل اللہ** میں داخل ہیں ایک شخص بیک وقت دو کام نہیں کر سکتا۔ چوتھا فائدہ: بمقابلہ پیشہ ور بھکاریوں کے چھپے فقیروں کو صدقہ دینا زیادہ اچھا ہے جیسا کہ تعفف سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: مخلوق سے اپنی تنگدستی اور فقر و فاقہ چھپانا بہت اچھا عمل ہے۔ دیکھو رب نے اصحاب صفہ کے اسی عمل کی تعریف فرمائی۔ چھٹا فائدہ: قیمتی

www.alahazratnetwork.org

لباس والے فقیر کو زکوۃ دینا جائز ہے۔ دیکھو رب نے ان کو زکوۃ دینے کا حکم دیا جو بظاہر غنی معلوم ہوتے ہیں۔ (احکام القرآن) **ساتواں فائدہ:** تندرست فقیر کو بھی زکوۃ دینا جائز ہے۔ دیکھو رب نے ان مہاجرین کو زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ جو تندرست مجاہد تھے۔ لپانج یا نابینا نہ تھے۔ **آٹھواں فائدہ:** جس پر فقری علامت دیکھے' اسے زکوۃ دینا جائز ہے جیسا کہ **سیماھم** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** علامات پر احکام شرعی جاری ہوسکتے ہیں۔ لہذا ہندو کی زنار' چوٹی وغیرہ اس کے کفر کی علامت ہے اسے غسل و کفن نہ دیا جائے اور نہ اسلامی قبرستان میں دفن کیا جائے اور ختنہ علامت ایمان کی ہے اگر کوئی علامت بھی نہ ہو تو مسلمان کے محلے' یا اسلامی ممالک میں ہونا' علامت ایمان اور دارا لکفر میں ہونا علامت کفر ہے یہ ہی حکم پڑے ہوئے بچے کا ہے۔ دیکھو رب نے ظاہر علامت ہو دیکھ فقیر قرار دیکر انہیں زکوۃ دینے کا حکم دیا۔ شیر خوار بچہ نے عزیز مصر سے کہا تھا۔ **وان کان قمیصہ قد من دبر فکذبت وھو من الصدقین** یوسف علیہ السلام کی چاک دامنی ان کی پاک دامنی کی دلیل ہوئی ایک جگہ ارشاد ہے **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود'** سجدہ کا داغ قلبی ایمان کی نشانی (احکام القرآن) **دسواں فائدہ:** سوال میں اصرار و ضد کرنا منع ہے جیسا کہ الحافا سے معلوم ہوا **گیارھواں فائدہ:** استعمالی کپڑے اور گھر کا ضروری سامان زکوۃ لینے سے محروم نہیں کرتا۔ خواہ کتنا ہی قیمتی ہو۔ (احکام القرآن)۔

مسئلہ: فقر کے تین درجے ہیں۔ قدر نصاب سے کم مال کا مالک ہونا اس درجہ میں زکوۃ لینا جائز' مگر سوال حرام چند فاقے یا مقروض ہونا۔ اس صورت میں سوال بھی جائز ہے۔ بھوک سے قریب المرگ ہونا' اور کوئی حلال غذا میسر نہ ہونا' اس صورت میں مردار کھانا بھی جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کے سواء کسی کو سوال جائز نہیں۔ مقروض جب ادائے قرض کی کوئی صورت نہ دیکھے' ہلاکت مال اور فاقہ (مسلم) دوسری روایت میں ہے کہ جو کوئی اپنے پر سوال کا دروازہ کھولے گا رب اس پر فقر کا دروازہ کھول دیگا۔ ایک روایت میں ہے کہ جو بلا ضرورت لوگوں سے سوال کرے گا روز قیامت اس کے چہرے پر کھرونچے وغیرہ ذلت کے آثار ہوں گے۔ (ابو داؤد) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جو مسلمان بھیک نہ مانگنے کا عہد کرلے میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوں۔ (مشکوۃ کتاب الزکوۃ) فرماتے ہیں نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی مال بڑھانے کیلئے بھیک مانگے' وہ آگ کے انگارے جمع کرتا ہے۔ (ابن ماجہ) بعض صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ اگر گھوڑے سے کوڑا گر جاتا تو بھی کسی سے نہ مانگتے بلکہ خود اتر کر لیتے۔

مسئلہ: ذلت کا سوال منع ہے۔ عام معمولی استعمالی چیزوں کا سوال جائز' جیسے ضرورتاً آگ پانی یا سوئی دھاگا یا تھوڑے نمک کا سوال۔ کیونکہ یہ چیزیں سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طلب فرمائی ہیں۔

مسئلہ: دوسرے کیلئے سوال جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اغنیاء صحابہ سے فقراء کیلئے مال طلب فرمایا ہے۔

مسئلہ: مسجد میں اپنے لئے سوال سخت منع' ہاں دیگر فقراء یا دینی ضرورت کیلئے چندہ کرنا جائز ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: مقید کی نفی قید کی نفی ہے۔ لہذا اس آیت کا یہ معنی ہونے چاہئیں کہ وہ فقراء لوگوں سے مانگتے تو ہیں گڑگڑاتے نہیں۔ **جواب:** یہ قاعدہ کلیہ نہیں اکثریہ ہے کہ قید اتفاقی اور قرائن کی موجودگی اس سے خارج ہے یہاں معفت

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ کہ بالکل سوال نہیں کرتے رب فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا اضعافا مضعفۃ** اس کا یہ مطلب نہیں کہ دگنا، تگنا سود نہ کھاؤ، سوایا ڈیوڑھا کھالو۔ بلکہ بالکل نہ کھاؤ۔ رب فرماتا ہے **ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں اس پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ چاہیں تو زنا کرلیں بلکہ ہرگز نہ کرنے دو۔ نیز ہم نے تفسیر میں عرض کردیا کہ الحافاً نفی کا ظرف بھی ہو سکتا ہے۔ اور منفی کا مفعول لہ بھی یعنی وہ سخت مصیبت میں بھی سوال نہیں کرتے۔ اگر حال بھی ہو تو بھی قرینہ کی وجہ سے مقید ہی کی نفی ہوگی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ الحافا سے مراد یہ ہے کہ وہ لوگ ایسی چیز کا سوال کسی سے نہیں کرتے جس کا مانگنا ذلت و خواری ہو۔ جس میں گڑگڑانا پڑتا ہے۔ لہٰذا اس سے ان چیزوں کا سوال نکل گیا جو ذلت و رسوائی کا باعث بنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی وغیرہ لوگوں سے مانگا ہے۔ عموماً" لوگ آس پڑوس سے ایک دوسرے سے سوئی دھاگہ، نمک، مرچ، آگ، پانی مانگتے رہتے ہیں۔ اس میں کوئی ہتک نہیں سمجھتا۔ اس لئے مرقاۃ ارشاد ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ اپنے لئے نہیں مانگتے۔ تاکہ انہیں زاری عاجزی گڑگڑاہٹ کرنا پڑے۔ دوسروں کیلئے اگر مانگی تو پریشانی الحاف ہے۔ غرضیکہ الحاف کی تفسیر بہت مفید ہے۔ اور اس سے بہت مسائل کا استنباط ہو سکتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں اجتماع نقیضین معلوم ہوتا ہے۔ اولاً" فرمایا گیا کہ انہیں ناواقف غنی سمجھتا ہے۔ بعد میں ارشاد ہوا کہ تم انہیں نشانی سے پہچان لوگے۔ اگر ان میں علامت فقر موجود تھی تو غنی سمجھنے کے کیا معنی؟ اگر نہ تھی تو **سیماھم** سے کیا مراد ہے؟ **جواب** یہاں مصنوعی علامات کا انکار ہے اور قدرتی نشانی کا ثبوت ہے یعنی وہ اپنے فقر کو چھپاتے ہیں اپنے پر اس کی علامتیں ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ مگر قدرتی نشانیاں چہرہ کی زردی، آنکھوں میں آنسو ڈگڈگانا۔ رفتار میں ضعف، ان کی قلبی حالت کا پتہ دے دیتی ہے۔ ثبوت اور چیز کا ہے۔ انکار دوسری چیز کا۔ **تیسرا اعتراض:** **للفقراء** کے لام سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقات صرف انہیں مساکین کو دیئے جائیں جو دینی کاموں میں مشغول ہوں تو چاہیے کہ دوسرے لوگ خیرات کے مستحق نہ ہوں۔ لام تخصیص کیلئے آتا ہے حالانکہ دوسری آیت سے پتہ چلتا ہے کہ زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہیں اور پچھلی آیت میں بھی کفار فقیروں کو خیرات دینے کا اشارہ کیا گیا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** یہ حصر اضافی یا استحبابی ہے۔ یعنی ایسے فقراء کو یہ خیرات دینا زیادہ ثواب ہے۔ یا اغنیاء کے مقابلہ میں حصر ہے یعنی مالداروں کو نہ دو ایسے فقیروں کو دو۔ نیز وہ آٹھ مصرف فقراء کی ہی قسمیں ہیں کہ مسافر سفر کی وجہ سے، اور یتیم یتیمی کے باعث اور مقروض قرضہ کے سبب سے فقیر ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** **لا یستطیعون** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ فقراء نقل و حرکت پر قدرت ہی نہیں رکھتے۔ حالانکہ ان میں قوت موجود ہے۔ پھر نہ سکنے کے کیا معنی۔ **جواب** یہاں عرفی مجبوری مراد ہے نہ کہ منطقی یعنی دینی مشغولی کے باعث وہ سفر وغیرہ سے مجبور ہیں کہ ان کا طلب معاش کیلئے نکلنا دینی نقصان کا سبب ہے۔ **پانچواں اعتراض:** علماء طلباء و مشائخ عظام کو چاہئے کہ امام ابوحنیفہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح خود کمائیں اور مفت دینی خدمت کریں نذر، نذرانہ، صدقہ، خیرات کو ذریعہ معاش نہ بنائیں۔ دین سے دنیا نہ کمائیں۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب **لا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا** کی تفسیر میں گزر چکا اس آیت میں ان لوگوں کو رب نے معذور فرمایا کہ یہ حضرات کسب معاش کر سکتے ہی نہیں۔ حضور غوث پاک و امام اعظم وغیرہما رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سوا اور کتنے علماء و مشائخ ایسے گزرے جنہوں نے کسب معاش بھی کیا ہو اور تبلیغ دین بھی کوئی نہیں۔ امام ابو یوسف نے ہارون الرشید بادشاہ سے قضاء کی تنخواہ لی۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے سلطانوں سے نذرانے قبول

www.alahazratnetwork.org

فرمائے۔ سواء حضرت عثمان غنی کے تمام خلفائے راشدین نے خلافت پر تنخواہ لی۔ افسوس ہے کہ دنیوی بادشاہوں کے معمولی نوکر شاہی خزانہ سے تنخواہیں لیں مگر شہنشاہ کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام علماء جو دین کو سنبھالے بیٹھے ہیں۔ وہ ایک پائی کے مستحق نہ ہوں' اسلامی بادشاہوں نے علماء کی بڑی خدمتیں کیں۔ علماء نیشاپوری جو مدرسہ نظامیہ بغداد کے مدرس اول تھے۔ نظام الملک نے ان کی تنخواہ ایک لاکھ درم ماہوار مقرر کی تھی۔ اس مدرسہ کے طالب علم حضور غوث پاک' امام غزالی' شیخ سعدی شیرازی ہیں۔ دیکھو مناقب غوث اعظم' اس مدرسہ کا نام مدرسہ نظامیہ اور اس کے مقرر کردہ درس کا نام درس نظامی ہے۔ جو آج تک پڑھایا جاتا ہے۔ حضرت اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ نے جن علماء سے فتاویٰ عالمگیری لکھوایا۔ انہیں دو لاکھ روپے اور دو سو قرش سونا نذرانہ میں دیا۔ رب تعالیٰ تو فرماتا ہے ایسے لوگوں کو دو۔ اور مسلمان کہتے ہیں کہ مت دو۔ کس کی مانیں رب کی یا ان کی۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگوں سے کچھ نہ مانگنا چاہئے اللہ اور صرف اللہ سے مانگے تو چاہیے کہ نبیوں ولیوں سے کچھ نہ مانگے تم لوگ بزرگوں کی قبروں تک سے مانگتے ہو اس آیت کی مخالفت کرتے ہو۔ **جواب:** الناس میں دنیادار مراد ہوئے ہیں۔ حضرات محبوبین بارگاہ الٰہی عموماً" اس سے مستثنیٰ ہوتے ہیں لوگوں سے بھیک مانگنا ذلت و خواری ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب کی تمام نعمتیں مانگنا ہر مومن کیلئے فخر ہے۔ دیکھو لوگوں کو راضی کرنے کیلئے انہیں دکھلاوے کیلئے اعمال کرنا ریا ہے مگر حضور انور اور رب تعالیٰ کو راضی کرنے کیلئے نیکیاں کرنا بہت ہی محبوب۔ رب فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** غرضیکہ لوگوں سے بھیک مانگنا اور ہے اور اللہ کے پیاروں سے شفاعت وغیرہ مانگنا کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: مشائخ کی خانقاہیں اور ان کی مساجد و عبادت گاہیں۔ و مصلی سب سبیل اللہ ہیں۔ اور ان حضرات کا اللہ سے مشغول رہنا' حالات میں مستغرق ہونا' اپنے اوقات کو عبادت میں گھیر دینا' ان کا مشغلہ۔ اس پر ان کا لوگوں سے بے پرواہ رہنا' کسی سے سوال نہ کرنا یہ تعفف پھر ان کے چہروں کا نور پیشانیوں پر سجدوں کے داغ اور عرفان کی چمک' ان کی علامت و پہچان' فرمایا جا رہا ہے کہ جو سبیل اللہ یعنی مساجد اور خانقاہوں میں گھرے ہوئے ہیں اور عبادت اور اشتغال باللہ کی وجہ سے کسب و تجارت نہیں کر سکتے۔ عام مسلمان ان کا استغناء دیکھ کر انہیں غنی سمجھتے ہیں مگر ان کے چہرہ کا نور اور آثار فقران کے قلب کا پتہ دیتے ہیں۔ انہیں یا تو خدا ہی پہچانتا ہے۔ یا ان کے گروہ کا آدمی' لوگوں سے بالکل نہیں سوال کرتے۔ ہر حاجت رب پر پیش کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! تم حلال کمائیوں میں ان کا حصہ رکھو۔ تاکہ تمہارے مال میں برکت رہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مال اللہ کا مال ہے اور فقراء اللہ کے عیال۔ جو اسکا مال اس کے عیال پر خرچ نہ کریگا اس پر وبال آئے گا۔ اور رب کو اس کی پرواہ بھی نہ ہوگی۔ لطف یہ ہے کہ ان فقراء نے رب سے مانگا۔ اور رب نے ہم سے فرمایا کہ جاؤ انہیں دے آؤ۔ تو گویا جو ان مقبولین پر خیرات کرے وہ رب کا وکیل ہے۔ (از ابن عربی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ سبیل اللہ دو ہیں۔ ایک تو کھلا ہوا واضح و صاف راستہ جسے شریعت کہتے ہیں۔ دوسرے چھپا ہوا پیچ دار راستہ یعنی گلی در گلی' جسے طریقت کہا جاتا ہے۔ علماء نے تو اپنے کو شریعت کیلئے وقف کیا ہے کہ عام لوگوں کو اس پر چلائیں۔ صوفیاء نے اپنے کو طریقت کیلئے وقف کیا کہ خواص کو ان گلی کوچوں سے واقف کریں۔ دونوں جماعتیں مدفی سبیل اللہ میں شامل ہیں۔ سبیل مطلق ہے اور شریعت و طریقت اس کی دو قسمیں ہیں۔ دونوں جماعتیں دینی خدمات کی باعث سفر و کمائی کے قابل نہ رہیں۔ جو مال ان کی خدمات میں خرچ ہو وہ اچھی راہ میں گیا۔

www.alahazratnetwork.org

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے رات اور دن چھپا کر اور ظاہر پس واسطے انکے

وہ لوگ جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں رات میں اور دن میں چھپے اور ظاہر ان کے لئے

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

اجر ہے ان کا نزدیک رب ان کے اور نہیں ہے ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

ان کا نیک اجر ہوتا ہے ان کے رب کے پاس ان کو نہ کچھ اندیشہ ہو نہ کچھ غم

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں خیرات کا بہترین مصرف بیان کیا گیا تھا۔ اب اس کے بہترین اوقات و حالات کا ذکر ہے۔ (کبیر) **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ تم جو خرچ کرو گے اللہ اسے جانتا ہے اب اس اجمال (جو) کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقہ لینے والے فقیر کی صفت بیان ہوئی ہے کہ راہ الٰہی میں پابند ہو۔ دنیوی کاروبار نہ کر سکے۔ بھیک نہ مانگتا ہو وغیرہ۔ اب صدقہ دینے والے سخی کے اوصاف بیان ہو رہے ہیں کہ جو ہر وقت اور ہر حال میں خیرات کرتا رہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلے رکوع میں خیرات کے بہت سے اقسام بیان ہوئے اس رکوع میں سود کا ذکر ہے۔ مسئلہ سود شروع فرمانے سے پیشتر صدقات کے متعلق ایک ایسا اجمالی قانون ارشاد فرمایا جو ساری قسموں کو شامل ہے گویا یہ آیت صدقہ کے مضمون کا تتمہ ہے۔

شان نزول: اس کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں۔ 1۔ جب **للفقراء الذین احصروا** نازل ہوئی تو حضرت عبدالرحمان بن عوف نے اصحاب صفہ کے پاس دن کے وقت بہت دینار بھیجے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے روایت میں ایک وسق (ساٹھ صاع)۔ (ہر صاع تقریباً چار سیر کل تقریباً چھ من) کھجور ان کے پاس بھیجیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان دونوں صاحبوں کو قبولیت کا پروانہ عطا ہوا۔ (خازن، کبیر) گویا اس کا پہلا جزء سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اور دوسرا جزء حضرت عبدالرحمن ابن عوف کے حق میں ہے۔ 2۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے چالیس ہزار دینار (ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ) خیرات کیا۔ دس ہزار دینار رات میں، دس ہزار دن میں، دس ہزار پوشیدہ، دس ہزار علانیہ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس میں انہیں تمام صدقات کی قبولیت کی سند دی گئی۔ (خزائن و بیضاوی و مدارک) 3۔ ایک بار حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس صرف چار درہم تھے انہوں نے چاروں خیرات کر دیئے ایک رات میں ایک دن میں ایک خفیہ ایک علانیہ۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا کہ تم نے یہ کیوں کیا عرض کیا کہ وعدہ الٰہی کا اپنے آپ کو حقدار بنانے کیلئے حضور علیہ السلام نے فرمایا لک ذلک۔ اس کی تائید میں یہ آیت آئی۔ (کبیر و ابن عباس و بیضاوی) 4۔ بعض صحابہ کرام نے جہاد کی نیت سے گھوڑے پالے تھے۔ جن کی دن رات خدمت کرتے تھے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ حضرت ابو ہریرہ ہر موٹے گھوڑے کو دیکھ کر یہ آیت پڑھتے تھے (کبیر) ان روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ ممکن ہے کہ یہ سارے واقعات متصل ہوئے ہوں۔ جن پر یہ آیت اتری۔ 5۔ یہ ساری آیت حضرت عثمان غنی کے بارے میں آئی۔ جنہوں نے لشکر عسرت کو سامان دیا۔ (روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر **الذین ینفقون اموالھم** اگر یہ آیت ایک یا دو صحابی کے بارہ میں آئی ہو تب تو الذین سے اس قسم کی خیرات کرنے والوں کی جماعت مراد ہے۔ کیونکہ عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوص نزول کا۔ اور اگر مجاہدین کے بارہ میں آئی تو الذین کا جمع ہونا بالکل ظاہر ہے۔ **ینفقون** سے انفاق فی سبیل اللہ یعنی صدقات و خیرات مراد ہیں نہ کہ ہر خرچ۔ اموال سے ادنیٰ اعلیٰ تھوڑا بہت بلکہ ہر نوعیت کا مال مراد ہے۔ یعنی جو مسلمان راہ الٰہی میں اپنے کسی قسم کے مال خرچ کرتے ہیں۔ بہر حال الذین سے روئے سخن مسلمانوں کی طرف ہے خواہ صحابہ کرام ہوں تا قیامت سارے مسلمان کفار اس سے خارج ہیں۔ کیونکہ کفار کا صدقہ خیرات بلکہ تمام عبادات برباد ہیں۔ عبادات کی قبولیت کیلئے ایمان شرط ہے۔ بغیر وضو نماز برباد بغیر ایمان اعمال برباد **ینفقون** کے معنی ہیں خرچ کرتے ہیں یعنی ایک بار کے خرچ پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ یہ خرچ ان کی عادت ہو چکی ہے خرچ سے مراد یا تو نفلی صدقات ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ وہ لوگ صرف فرض واجب صدقات پر قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ نفلی صدقات بھی دیتے رہتے ہیں یا فرض صدقے مراد ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ شروع سال سے ہی زکوۃ دینا شروع کر دیتے ہیں اور سال گزرنے پر حساب لگا لیتے ہیں اگر زکوۃ حساب سے بڑھ گئی تو اگلے سال میں وضع کر لیتے ہیں اگر کم رہی تو اور نکال دیتے ہیں اگر برابر رہی تو خیر' اسی صورت میں یہ کلمہ اوقات کی دلیل ہے کہ زکوۃ سال سے پہلے بھی دینا جائز ہے اموال اس لئے فرمایا کہ ہر مال کی زکوۃ علیحدہ ہے۔ چنانچہ وہ ہر مال میں سے زکوۃ نکالتے رہتے ہیں۔ **بالیل والنھار** ان لفظوں کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی۔ اس سے یا تو رات و دن مراد ہیں۔ جیسا کہ اگلے شان نزول سے معلوم ہوا۔ یا سارے اوقات یعنی رات و دن میں بلا تخصیص ہر وقت۔ **سرا وعلانیۃ** اس سے یا تو خفیہ اور پوشیدہ حالات مراد ہیں یا عام احوال یعنی خیرات کرتے ہیں ہر حال میں ان خیراتوں کا خفیہ یا علانیہ ہونا لوگوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ اللہ رسول کے لحاظ سے یعنی وہ کہ بعض صدقے تو چھپا کر دیتے ہیں بعض ظاہر کرکے۔ دونوں طریقے محمود ہیں۔ اخفاء میں اخلاص زیادہ ہے اور اعلان میں دوسروں کو صدقہ کی ترغیب ہے۔ **فلھم اجرھم** لھم کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا کہ اجر کا سبب صدقات ہیں۔ **عند ربھم** یہ اجر کا ظرف ہے۔ یا ثابت پوشیدہ کا اور یہ اجر کی صفت یعنی ان کا ثواب قیامت میں ملے گا نہ کہ صرف دنیا میں۔ خیال رہے کہ عند سے مراد قرب شرف ہے نہ کہ قرب مکانی کیونکہ رب تعالیٰ جگہ سے پاک ہے۔ **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** آئندہ پر دہشت کو خوف اور گزشتہ پر غم کو حزن کہتے ہیں اور یہ جملہ یا قیامت کے متعلق ہے یا نزع کے' یا دنیوی زندگی کے چونکہ خوف ہر وقت رہ سکتا ہے۔ اور حزن اکثر عارضی ہوتا ہے اس لئے وہاں کا خوف اور یہاں **یحزنون** مضارع ارشاد ہوا۔

خلاصہ تفسیر جو مسلمان اپنے ہر قسم کے مال ہر وقت (دن رات) ہر حال میں (خفیہ و علانیہ) راہ الٰہی میں خرچ کرتے ہیں ان کا اجر انہیں کو ملے گا نہ کہ ان کے غیر کو اور نہ صرف دنیا ہی میں انہیں مال برباد ہونے کا خوف ہو اور نہ وہ خیرات پر غمگین ہوں یا نہ مرتے وقت انہیں اپنے مال و عیال چھوٹنے کا غم ہو اور نہ آئندہ مال کی بربادی کا خطرہ کیونکہ ان کے قلب میں مال کی محبت ہوتی ہی نہیں اور رب تعالیٰ ان کے مال کا خود متولی ہو گا۔ یا آخرت میں نہ ان پر دوزخ و عذاب وغیرہ کا خوف خطرہ ہو اور نہ گزشتہ عمر کی بربادی کا غم کیونکہ ان کا صدقہ انہیں عذاب سے بچائے گا اور اجر تک پہنچائے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ نیکی میں معمولی اور بڑی کا فرق نہ کرے صدقات میں

www.alahazratnetwork.org

تھوڑے اور زیادہ مال کی پرواہ نہ کرے جو ہو سکے کر گزرے رب کے ہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے نہ کہ محض زیادتی مال۔ جیسا کہ اموالھم سے معلوم ہوا۔ معمولی نیکی اس تھوڑے پانی کی طرح جو کبھی پیاسے کی جان بچالیتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** نیکی میں دیر نہ کرے۔ جب ممکن ہو کر گزرے جیسا کہ **بالیل والنھار** سے معلوم ہوا' دیر لگانے میں محرومی کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ صدقات کیلئے جمعہ رمضان کا انتظار کرتے ہیں یہ غلطی ہے زندگی کا کیا بھروسہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نیکی ہمیشہ اور پابندی سے کرنی چاہئے اگرچہ تھوڑی ہو۔ حدیث شریف میں ہے۔ **خیر الامور ما داوم علیہ صاحبھا وان قل** دوسری روایت میں ہے **احب الاعمال الی اللہ ادومھا وان قل** (بخاری و مسلم) یعنی دائمی عمل اچھا اگرچہ تھوڑا ہو یہ بھی **بالیل والنھار** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر حال میں نیکی کرے' غصہ میں خوشی میں' رنج میں' راحت میں' تکلیف میں آرام میں' خلوت اور جلوت میں جیسا کہ **سرا وعلانیۃ** سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** خفیہ خیرات علانیہ سے بہتر ہے' اسی لئے لیل کو نہار پر اور سرا کو علانیہ پر مقدم کیا۔ **چھٹا فائدہ:** نیکی کا ثواب کرنے والے کو ضرور ملتا ہے۔ جیسا کہ **لھم** سے معلوم ہوا **ساتواں فائدہ:** صدقات کا ثواب قیامت میں ضرور ملے گا سخی کے مال کی برکت اس کا عیش و آرام اور بلاؤں سے محفوظ رہنا' یہ صدقہ کا اجر نہیں ہو گیا جس سے آخرت میں کچھ کمی ہو جائے یہ تو ایسا ہے' جیسے سرکاری نوکر کیلئے بھتہ' جیسا کہ **عند ربھم** سے معلوم ہوا **آٹھواں فائدہ:** سخی مسلمان ان شاء اللہ قیامت میں زمرہ اولیاء میں ہوں گے کیونکہ اولیاء اللہ کیلئے بھی **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○** فرمایا گیا ہے۔ اور یہاں سخی کیلئے بھی۔ **نواں فائدہ:** صدقہ و خیرات خوف و غم دور کرتے ہیں کہ سخی دنیا میں بھی بربادی مال کے خوف و غم سے اور مرتے وقت بھی اور آخرت میں بھی ہر قسم کے خوف و غم سے دور رہے گا۔ بخیل مرتے وقت' اپنے مال پر حسرت کرتے ہوئے جاتے ہیں۔ سخی یہ سمجھ کر کہ میرا مال میرے ساتھ جا رہا ہے' بارام سفر کرتا ہے۔ یہ سب **لا خوف** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** لالچی آدمی زیادہ مصیبت زدہ ہے اگرچہ کتنا ہی مالدار ہو۔ سخی آدمی آرام میں ہے' اگرچہ کتنا ہی غریب ہو۔ حضرت عمر جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ بعض طمع فقیری ہے۔ اور بعض ناامیدی غنا تم اتنا مال جمع کرتے ہو جتنا کھا نہیں سکتے' اور وہ امیدیں باندھتے ہو جو پا نہیں سکتے۔ یاد رکھو کہ بخل نفاق کا ایک حصہ ہے۔ پس سخاوت اختیار کرو اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (روح المعانی)

اعتراض: پہلا اعتراض: لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ خیرات کا ثواب صرف خیرات کرنے والے کو ملے گا نہ کہ دوسرے کو' جس سے لازم آیا کہ ایصال ثواب باطل ہے۔ کیونکہ اس میں خیرات تو کوئی کرتا ہے اور ثواب کسی دوسرے کو بخشا جاتا ہے۔ **جواب:** آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب کا مستحق صرف خیرات کرنے والا ہے۔ لھم کلام ملکیت کا ہے اب اگر خود مستحق اپنی خوشی سے دوسرے کو اپنا ثواب دے دے تو دے سکتا ہے۔ آیت میں استحقاق کا حصر ہے اور ایصال ثواب میں اپنا حق دوسرے کو دیا جاتا ہے۔ میرا مال میری ملکیت ہے مگر میں جسے چاہوں دے دوں۔ اس کی زیادہ تحقیق ان شاء اللہ سورہ بقر کے آخر میں **لھا ما کسبت** کی تفسیر میں آئے گی۔ خیال رہے کہ عبادت کا ادا ہونا کچھ اور ہے اور عبادت کا ثواب مل جانا کچھ اور ہے بدنی عبادت کوئی دوسرے کی طرف سے نہیں کر سکتا' خود کرنی پڑے گی اس کیلئے وہ آیات ہیں **لیس للانسان الا ما سعی** اور **لھا ما کسبت** وغیرہ اس لئے وہاں کسب اور سعی کا ذکر ہے اور کسی کو دوسرے کے عمل کا ثواب مل جائے گا

www.alahazratnetwork.org

دوسری آیات میں دو سرا اعتراض: حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ اولاد کی نیکی میں ماں باپ کا بھی حصہ ہو تا ہے عالم کے باپ کو بروز قیامت تاج پہنایا جائے گا۔ تو سخی کے باپ کو اولاد کی سخاوت سے ضرور حصہ ملنا چاہئے۔ مگر اس آیت سے استحقاق کا حصر معلوم ہوا۔ اب اس آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر معلوم ہو؟ جواب: ماں باپ وغیرہم کا اولاد کی اصل نیکی میں حصہ نہیں وہ تو اس کی اپنی ہے۔ ہاں انہیں اچھی تربیت کا یہ ثواب ملتا ہے کہ اولاد کی ہر نیکی کا ثواب ان کے ماں باپ کو بھی مل جاتا ہے اور اولاد کے ثواب میں کچھ کمی نہیں ہوتی۔ یعنی عمل کا ثواب عامل کو اور ذریعہ عمل کا ثواب ذریعہ کو ملتا ہے۔ روایات سے ثابت ہے کہ صدقہ دینے والا۔ دلوانے والا' صدقہ کا خزانچی سب ہی ثواب میں شریک ہیں اس کا یہ مطلب ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب کے مستحق وہ لوگ ہیں جو دن رات اور خفیہ و علانیہ ہر طرح خیرات کریں تو چاہئے کہ صرف رات یا صرف دن میں خیرات کرنے والا یا صرف علانیہ یا صرف خفیہ خیرات کرنے والا یہ ثواب نہ پائے؟ جواب: یہ حکم کل مجموعی کا نہیں' بلکہ کل افرادی کا ہے۔ یعنی ان میں سے ہر ایک ثواب کا مستحق ہے جیسے کہا جاتا ہے جو جماعت آئے گی اسے انعام ملے گا۔ یعنی ہر آنے والے کو۔ یعنی صدقہ اختلاف' حالات یا اوقات سے نہیں بدلتا۔ بلکہ نیت و ارادے سے یا مطلب یہ ہے کہ ہر قسم کا ثواب ہر قسم کے صدقہ والے کو ملے گا۔ گویا ہر ایک طرح کا صدقہ کرنے والا ثواب بھی ہر ایک طرح کا پائے گا۔ اور ان چاروں قسموں کا صدقہ کرنے والا ثواب بھی چاروں قسموں کا پائے گا۔ **لھم اجرھم** سے اجر کامل مراد ہے۔ **ینفقون** میں نفقہ مطلق مراد ہے اور **اموالھم** میں مال مطلق **باللیل و النھار** میں ہر وقت مطلق مراد ہے۔ **سرا** **وعلانیۃ** میں حال مطلق تو **لھم اجرھم** میں اجر بھی مطلق ہی مراد ہو گا۔ ہر طرح کا مال ہر طرح کا خرچ کرو۔ ہر وقت خرچ کرو ہر حال میں خرچ کرو رب سے ہر طرح کا اجر و ثواب لے لو۔

تفسیر صوفیانہ: عام سخی دن رات اور ہر حال میں مال خرچ کرتے ہیں۔ جس کا ثواب پاتے ہیں اور خاص سخی اعمال کی جن کا ثواب ان سے اعلیٰ ہے اور خاص الخاص احوال کی سخاوت کرتے ہیں جس کا ثواب ترقی مراتب و درجات ہے مگر اخص الخاص حضرات ہر حال میں نفس کی سخاوت میں مشغول کہ کونین سے منہ موڑ کر اور دارین کی نعمتیں دوسرے کیلئے چھوڑ کر خود خالق کونین کی طرف متوجہ رہتے ہیں سوتے ہیں تو رب کیلئے جاگتے ہیں تو اس کیلئے کھاتے ہیں تو اس کیلئے پیتے ہیں تو اس کیلئے بولتے ہیں' یا خاموش رہتے ہیں تو اسی کیلئے۔ ان کا ہر کام رب کی رضا جوئی میں ہے ان کا ثواب یہ ہے کہ شعر۔

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زمان از غیب جانے دیگر است

حکایت: اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کے ملفوظات میں ہے کہ ایک دفعہ سخت بارش ہو رہی تھی اندھیری رات تھی حضرت سلطان الاولیاء محبوب الٰہی قدس سرہ بدایونی ثم الدھلوی نے اپنے کسی خاص خادم سے فرمایا کہ دہلی کے اس کنارے جمنا پار ایک قطب تشریف فرما ہیں انہیں کھیر کھلا آؤ۔ انہوں نے عرض کیا کہ جمنا جوش پر ہے۔ کوئی کشتی وغیرہ نہیں۔ اسے کیونکر پار کروں گا فرمایا جمنا سے کہہ دینا کہ میں اس کے پاس سے آیا ہوں جو کبھی اپنی بیوی کے پاس نہ گیا۔ مجھے راستہ دے۔ وہ نیک بخت شخص بہت متعجب ہوا' سوچا کہ آپ صاحب اولاد ہیں۔ بیوی صاحبہ گھر میں ہے پھر یہ کیا فرما رہے ہیں۔ مگر باادب تھے کچھ نہ کہا' اور چل دیئے' دریا سے یہ ہی کہا اس میں خشک راستہ بن گیا اس طرف جا کر ان بزرگ کو کھیر کھلائی' جب واپس ہونے لگے۔ تو

انہوں نے فرمایا کہ جمنا سے کہہ دینا کہ میں اس کے پاس سے آرہا ہوں جس نے کبھی کچھ کھایا ہی نہیں اس کا تعجب اور بڑھ گیا کہ میرے سامنے کھیر کھائی۔ اور یہ فرما رہے ہیں۔ غرض دریا پر آکر یہی کہا اس میں خشک راستہ پیدا ہوا۔ حضرت سلطان الاولیاء کے پاس آ گیا مگر تعجب تھا کہ دریا نے بھی ان کی خلاف واقعہ بات مان لی ایک دن موقعہ پاکر حضرت محبوب الہٰی سے عرض کیا کہ اس دن کیا ماجرا تھا فرمایا کہ ہم اپنے نفس کیلئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں رب کیلئے اس کیلئے کھاتے ہیں اسی کیلئے ازواج سے اختلاط کرتے ہیں۔ اس چوتھی قسم کی سخاوت کی یہ جزا ہے۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ چھ چیزوں کی عمدگی چھ چیزوں سے ہے۔ علم کی خوبی عمل سے' سلطنت کی عدل سے' غنا کی سخاوت سے' جوانی کی توبہ سے' فقر کی صبر سے' عورتوں کی حیاء سے' علم بلا عمل ایسا ہے جیسے گھر بغیر چھت بادشاہ بغیر عدل ایسا کنواں جو بغیر پانی ہے۔ غنا بغیر سخاوت ایسی ہے جیسے بادل بغیر بارش' جوانی بغیر توبہ ایسی جیسے درخت بغیر پھل' فقیری بغیر صبر ایسی ہے جیسے قندیل بغیر روشنی' عورت بے حیا ایسی جیسے کھانا بغیر نمک' غنی پر لازم ہے کہ غنا کے بادل سے دین و دنیا کی برکتیں برسائے' اور فقراء کے دل کو جو فقر کی خشکی سے سوکھ گئے ہیں تروتازہ کرے تاکہ رب تعالیٰ اسے ہرا بھرا رکھے جو شخص جمع کرے اور نہ کھائے۔ وہ در حقیقت اپنے غیر یقینی ورثاء کیلئے جمع کرتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سخی کے مال کو دنیا میں چور ڈاکو' دشمن کا خوف نہیں کہ اس کا کوئی دشمن ہوتا ہی نہیں۔ سب اس کی زندگی چاہتے ہیں اگر اتفاقاً اس کا مال ضائع ہو جائے تو اسے غم نہیں کہ اسے مال سے محبت ہوتی ہی نہیں۔ نیز اسے موت پر مال چھوٹنے کا غم نہیں۔ بلکہ آگے کی خوشی ہوتی ہے کہ دیدار یار' رب کی رحمت نصیب ہو گی۔ مال کی ہوس والے کو موت پر ڈبل صدمہ ہوتا ہے۔ ایک جان نکلنے کا دوسرے مال چھوٹنے کا۔ حشر میں ان شاء اللہ اسے اولیاء اللہ کے ساتھ حشر نصیب ہو گا۔ یہ تمام فضائل ایک **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ○** میں بیان ہو گئے۔ صوفیاء یہ بھی فرماتے ہیں کہ ہر شخص کو اپنے وطن کی چیز سے الفت ہوتی ہے۔ نفس دنیا کی شے ہے اسے یہاں کے مال سے الفت ہے۔ روح اس جہان کی چڑیا ہے۔ اسے اپنے وطن کی چیزوں عبادت' ریاضت ایمان و عمل سے محبت ہے۔ شریعت کا مقصد یہ ہے کہ نفسانی شہوتوں کو کم کیا جائے۔ روحانی الفتوں کو بڑھایا جائے اور نفسانی الفتوں کو حتی الامکان کم کیا جائے اس لئے سخاوت کا حکم ہے تاکہ مال سے محبت کم ہو۔ درود شریف وغیرہ کی کثرت کی ترغیب ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت زیادہ ہو۔

اَلَّذِیۡنَ یَاۡکُلُوۡنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوۡمُوۡنَ اِلَّا کَمَا یَقُوۡمُ الَّذِیۡ یَتَخَبَّطُهُ
وہ لوگ جو کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہوں گے مگر اس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ کہ بنا دیا ہو اسے
وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو
الشَّیۡطٰنُ مِنَ الۡمَسِّ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَالُوۡۤا اِنَّمَا الۡبَیۡعُ مِثۡلُ
شیطان نے چھونے سے یہ بوجہ اس کے کہ تحقیق انہوں نے کہا کہ اس کے سوا نہیں کہ تجارت مثل
کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لیے کہ انہوں نے کہا کہ تجارت بھی تو سود ہی کی مانند ہے

www.alahazratnetwork.org

الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ

سود کے ہے حالانکہ حلال کیا اللہ نے تجارت کو اور حرام کیا سود کو پس جو آئے اس کو نصیحت

اور اللہ نے حلال کیا ہے بیع کو اور حرام کیا سود کو تو جسے اس کے رب کے پاس

مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ

طرف سے رب اس کے پس باز رہے پس واسطے اس کے ہے وہ جو گزر گیا اور معاملہ اس کا طرف اللہ کے

سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾

ہے اور جو لوٹے پس یہ لوگ آگ والے ہیں وہ بیچ اس کے ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا تو وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں خرچ کا ذکر تھا اب آمدنی کا بیان ہے۔ کیونکہ آمدنی اور خرچ کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ **دوسرا تعلق:** اب تک اس مال کا ذکر تھا جو مالداروں سے لے کر غریبوں کو دیا جاتا ہے۔ یعنی صدقہ و خیرات۔ اب اس مال کا ذکر ہے جو غریبوں سے چھین کر اغنیاء کو دیا جائے یعنی سود۔ گویا متقابلین میں سے ایک کے بعد دوسرے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان قواعد کا ذکر تھا۔ جس پر دنیا کی خوشحالی کا مدار ہے۔ یعنی فقراء کو مدد دیکر غنی بنانا۔ اب ان قواعد کا ذکر ہے جو دنیا کی بربادی کا ذریعہ ہے۔ یعنی درمیانی لوگوں کا مال چھین کر انہیں غریب بنادینا گویا انسانی مساوات کے دو پہلو ہیں۔ ایک صدقہ دینا' دوسرے سود نہ لینا۔ ایک پہلو کا ذکر تو پچھلی آیتوں میں ہوا' اور دوسرے پہلو کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں صدقہ کی ترغیب تھی' جس میں بظاہر مال گھٹتا' اور حقیقتاً بڑھتا ہے اب سود کی ممانعت ہے۔ جس میں بظاہر مال بڑھتا اور حقیقتاً گھٹتا ہے۔ **پانچواں تعلق:** بہت دور سے مخلوق کے ساتھ بھلائی کرنے کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ جن میں سے صدقہ بھی ہے۔ اب سود سے منع کیا جا رہا ہے کہ یہ بھی خلق کے ساتھ ایک بھلائی ہے۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عبادات کا ذکر تھا۔ یعنی صدقہ و خیرات دینا۔ اب مالی معاملات کا بیان ہے۔ یعنی سودی لین دین نہ کرنا۔

تفسیر: **الذین یا کلون الربوا** یہاں **الذین** سے ان امرائے عرب کی طرف اشارہ ہے جو سودی کاروبار کرتے ہیں۔ مگر لفظی عموم کی وجہ سے سارے سود خور مراد ہیں۔ **الذین** سے کبھی تو مراد صحابہ کرام ہوتے ہیں۔ جیسے **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ** اور کبھی عام مسلمان جیسے **الذین یقیمون الصلوۃ** اور کبھی سارے انسانوں سے' مومن ہوں یا کافر متقی ہو یا فاسق جیسے یہاں **الذین** تیسرے معنی میں ہے کیونکہ سود لینا ہر انسان کو منع ہے مومن ہو یا کافر' اسلامی سلطان کفار کی سود کھانے شراب پینے کی اجازت تو دیگا مگر سود خوری' قتل و غارت چوری' زنا کی اجازت نہ دیگا کہ یہ معاملات ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

کسی دین میں زنا چوری حلال ہو اور وہ دار الاسلام میں رہتے ہوں تو انہیں اس کی اجازت نہیں۔ غرضیکہ **الذین** کے متعلق آئندہ مضمون کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ سود کی حرمت کا ذکر ہے جس کا تعلق سب لوگوں سے ہے اسلئے **الذین** سے مراد سارے انسان ہیں **یاکلون** سے سود لینا مراد ہے مگر چونکہ کھانا مال کا مقصد اعلیٰ ہے۔ اسلئے اس کا ذکر فرمایا گیا۔ جیسے **الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما** اور جیسے **ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** ہماری اردو زبان میں سود لینے والے کو سود خور اور حرام کمانے والے کو حرام خور کہتے ہیں۔ یعنی سود کھانے والے مطلب پر ناپنے والے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ **یاکلون** سے **یعاملون** مراد ہے یعنی جو سود کا معاملہ کرتے ہیں۔ اس معاملہ سے بھی لینا ہی مراد ہے نہ کہ دینا۔ کیونکہ آیت میں سود لینے ہی کا ذکر ہے۔ سود دینے کی حرمت دیگر دلائل سے معلوم ہوئی۔ ربو در اصل ربو تھا بمعنی زیادتی۔ اسی لئے چوڑی مالی کا رابیہ اور اونچی جگہ کو ربوہ اور کسی پر زیادتی کرنے کو ربو کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **اهتزت وربت** اور فرماتا ہے **فلا یربوا عند اللہ** یہ لکھنے میں صلوۃ و زکوۃ کی طرح ربو اور ربیٰ اور بالاف سے ہر طرح مستعمل ہے اسکے لغوی معنی مطلقاً زیادتی ہیں۔ مگر اصطلاح شریعت میں ناپنے تلنے والی ہم جنس چیز میں بلا عوض زیادتی کو ربو کہتے ہیں۔ اسکی بہت سی صورتیں ہیں جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ معلوم ہو گا جو لوگ سود لیتے ہیں **لا یقومون** اس قیام سے یا میدان قیامت میں کھڑا ہونا مراد ہے۔ (روح البیان) یا اپنی قبر سے اٹھنا اور محشر کی طرف چلنا (روح البیان) کیونکہ اس دن سود خور کی یہ پہچان ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ **یقومون** میں حال کے معنی ہی ہوں اور قیام سے مراد سود رہنا ہی "قائم و موجود رہنا یعنی سود خور دنیا میں ایسے دیوانے و محبت مال میں مخبطی ہو رہتے ہیں۔ جیسے کسی شیطان سے وار پڑ جائے اور وہ دیوانہ ہو جاتا ہے کہ انہیں بجز سودوں کے اور کوئی ذہن ہی نہیں ہوتی اگرچہ یہ معنی بعید ہی مگر محتمل ضرور ہیں قیام کے معنی ٹھہرنا اور رہنا بھی لغت میں ہے۔ **الا کما یقوم الذی یتخبطه الشیطن من المس** یہ نفس قیام میں تشبیہ ہے نہ کہ وجہ میں **یتخبطه**' **خبط** سے بنا بمعنی خلط جس کی رفتار و گفتار میں یکسانیت نہ ہو چلنے اور بولنے میں بہکتا ہو اسے خبطی کہا جاتا ہے۔ **تخبط** بمعنی خبط ہونا اور **تخبیط** خبطی کرنا۔ یہاں **تفعل** بمعنی **تفعیل** ہے شیطان سے یا ابلیس مراد ہے یا ہمزاد' یا عام جن' یا تو مس' لمس کی طرح بمعنی چھونا ہے یا بمعنی جنون۔ مجنون کو ممسوس کہا جاتا ہے یعنی سود خور اپنی قبروں سے اٹھ کر حشر کی طرف ایسے گرتے پڑتے جائیں گے جیسے کسی پر شیطان سوار ہو کر اسے دیوانہ کر دے جس سے وہ یکساں نہ چل سکے۔ ایسے ہی یہ لوگ اپنے پیٹ کے بوجھ یا جنون سے یکساں نہ چل سکیں گے۔ **ذلک بانهم قالوا انما البیع مثل الربوا۔ ذلک** سے یا تو کھانے کی طرف اشارہ ہے یا ان کے عذاب کی طرف (روح المعانی) **بانهم** میں ب سببیہ ہے۔ **هم** کا مرجع یا سود خور ہیں یا ان کے وہ حمایتی جو سود کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ **قالوا** سے یا زبانی قول مراد ہے یعنی کہنا یا دل کا قول یعنی سمجھنا یا عملی قول **انما** حصر کیلئے ہے اور بیع سے مراد عام حلال تجارتیں ہیں۔ اس کلام میں ان لوگوں نے سود کو جائز کہنے میں اتنا غلو کیا کہ تجارت کو مشبہ اور سود کو مشبہ بہ بنایا گویا سود ایسا حلال ہے کہ عام بیعیں بھی مثل اس کی حلال ہیں۔ یعنی ان کی یہ سود خوری یا یہ سزا اسلئے ہے کہ انہوں نے دل سے سمجھا۔ یا عمل سے ثابت کر دیا۔ یا زبان سے صاف صاف کہا کہ دیگر نفع بخش تجارتیں سود کی طرح حلال ہیں کہ ان سے بھی نفع حاصل کیا جاتا ہے اور سود سے بھی اس کی کیا وجہ کہ اگر ایک روپیہ کا کپڑا دو روپے میں بیچیں تو حلال ہو اور اگر ایک روپیہ دو روپے کے بدلہ میں بیچیں تو حرام حالانکہ وہاں بھی ایک ہی روپیہ نفع ملا اور یہاں بھی۔ حق تعالیٰ تو ارشاد فرماتا ہے **واحل اللہ البیع وحرم الربوا** واؤ یا حالیہ ہے یا استینافیہ' یہاں بیع

www.alahazratnetwork.org

مطلق ہے اور ربو مجمل جیسا کہ ان شاء اللہ فوائد میں معلوم ہو گا۔ یعنی اللہ نے تجارتوں کو حلال کیا اور سود کو حرام۔ اتنا فرق ہوتے ہوئے جو تجارت اور سود کو یکساں کہے وہ پاگل ہے۔ **فمن جاءہ موعظۃ من ربہ** من شرطیہ یا موصولہ ہے۔ جاء بمعنی بلغ ہے۔ موعظۃ وعظ سے بنا بمعنی نصیحت یا جھڑک۔ من ربہ یا جاء کے متعلق ہے یا کسی پوشیدہ چیز کے اور موعظۃ کی صفت یعنی جس کو خدائی نصیحت اور زجر پہنچی **فانتھی** ف عاطفہ ہے یعنی وہ فوراً ہی سود خوری سے باز رہ گیا اور آئندہ کیلئے توبہ کرلی **فلہ ما سلف۔** **فلہ** کاف جزائیہ ہے۔ لہ جاء کے متعلق ہے اور ما سے مراد سود سلف بمعنی گزر گیا اسی سے ہے امت سلفہ گزری ہوئی امت اور سلافۃ الخمر اوپر کی صاف شراب اور سلفۃ الطعام کھانے سے پہلے جو میوہ جات کھائے جائیں (کبیر) یعنی اس کو پچھلا لیا ہوا سود جائز ہے کیونکہ وہ ممانعت سے پہلے لے چکا اب اسے واپس کرنے کی ضرورت نہیں **وامرہ الی اللہ** امر سے مراد یا نیت یا معاملہ' یا بازر ہنا یعنی اس کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے بلاوجہ کسی پر بد گمانی نہ کرو۔ **ومن عاد** عاد' عود سے بنا بمعنی لوٹنا یہاں یہ عقیدہ کی طرف لوٹنا مراد ہے یا عمل کی طرف یعنی جو کوئی سود کو حرام سمجھ کر پھر حلال سمجھنے لگے' یا اسے چھوڑ کر پھر لینے لگے۔ **فاولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون ○** اولئک سے من کی طرف اشارہ ہے کہ وہ معنی جمع ہے نار سے دوزخ مراد ہے خواہ وہاں کا ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم کیونکہ دوزخ میں اصل چیز نار ہے۔ اگر عود سے حلال سمجھنا مراد تھا تو خلود بمعنی ہیشگی ہے اور اگر دوبارہ سود لینا مراد تھا تو خلود بمعنی دراز مدت یعنی جو کوئی سود کو حرام سمجھ کر پھر حلال سمجھنے لگے تو وہ دوزخی ہے اور اس میں ہمیشہ ہی رہے گا۔ یا جو کوئی سود چھوڑ کر پھر لینے لگے تو وہ جنمی ہے اس میں مدتوں رہے گا۔ یا یہ مطلب ہے کہ دوسرے گنہگاروں کے مقابل سود خور دوزخ میں زیادہ رہے گا کہ یہ رب کا مجرم بھی ہے اور انسانوں کا ظالم بھی حق اللہ اور حقوق العباد دونوں کے بوجھ اسکے سر ہیں۔ سود خور ایک مقروض سے جب سود لیتا ہے۔ تو وہ اس مقروض پر اسکے بال بچوں پر اسکے تمام اہل قرابت پر ظلم کرتا ہے کہ اسکے منہ کا لقمہ چھین کر ظلماً خود کھاتا ہے اس لئے اسے اصحاب النار بھی فرمایا اور خلدون بھی۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ سود لیتے ہیں۔ انکی پہچان قیامت میں یہ ہوگی کہ اس دن مردے اپنی قبروں سے اٹھ کر کوئی سواریوں پر کوئی پیدل' اور کوئی آہستہ اور کوئی دوڑتا ہوا زمین محشر کی طرف چلیں گے۔ مگر سود خوریا تو اپنے پیٹ کے بوجھ سے جنوں کی وجہ سے ایسے گرتے پڑتے چلیں گے۔ جیسے وہ مجنوں دیوانہ چلتا ہے۔ جس پر خبیث جن' بھوت' سوار ہو کر اسے دیوانہ کر دیتا ہے کیونکہ وہ دنیا میں انسان نما شیطان تھے کہ ایک مقروض پر ترس نہ کھاتے تھے اس کے مکانات' جائید او نیلام کراتے وقت اس کی خانماں بربادی پر رحم نہ کرتے تھے یہ سزا ان کی اس بکواس کی وجہ سے ہے کہ انہوں نے قولاً" یا اعتقاداً" یا عملاً کہا کہ عام تجارت سود کی طرح فائدہ مند' ضروری اور جائز ہے جیسے تجارات کے بند ہونے سے دنیاوی کاروبار بند ہو جائیں گے۔ ایسے سود کے بند ہو جانے سے کہ نہ تو حاجتمند کو کوئی قرض دیگا اور نہ مقروض کو قرضہ ادا کرنے کی فکر ہوگی۔ اور سود کی صورت میں ہر شخص کو وقت پر قرض بھی مل جائے گا اور مقروض کو سود بڑھنے کے خوف سے جلد ادا قرض کی فکر ہوگی۔ اور جیسے تجارت سے نفع حاصل کیا جاتا ہے ایسے سود سے' یہ بکواس لغو ہے کیونکہ رب نے تجارتیں تو حلال کیں اور سود حرام فرمایا اور بندے کو مالک کے حکم پر سر خم کرنا چاہئے۔ شیطان کی طرح محض قیاس سے اس کا مقابلہ نہ کرنا چاہئے' جس تک یہ ممانعت کا حکم پہنچے اور وہ فوراً سود سے توبہ کرے تو ممانعت سے پہلے وہ جو کچھ سود لے چکا وہ اس کیلئے مباح ہے اسکا واپس کرنا ضروری نہیں۔ بندے کا کام خدا کے سپرد ہے جو چاہے حلال کرے جو چاہے حرام۔ بندے کو دم مارنے کی کیا مجال اور جو کوئی اب ایسی حرکت کریگا کہ توبہ کر کے پھر سود لے

www.alahazratnetwork.org

تو وہ دوزخی ہے۔بہت عرصہ دوزخ میں رہیگا۔یا جو کوئی پھر سود کو حلال سمجھنے لگے۔وہ کافر جہنمی ہے۔ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔**پہلا فائدہ:** خبیث جن (بھوت پریت) کا وجود برحق ہے۔اس کا انکار اس آیت کا انکار ہے۔**دوسرا فائدہ:** یہ خبیث جن (بھوت) پریت وغیرہ انسان کو دیوانہ و مجنون کر دیتے ہیں کہ ان کے لپٹنے یا پکڑ لینے سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔حدیث شریف میں ہے کہ۔1_ چھوٹے بچوں کو سورج نکلتے و ڈوبتے وقت باہر نہ نکالو۔2_ خود بھی زیادہ رات گئے بلاوجہ گھر سے باہر نہ نکلو کہ یہ وقت شیاطین و جنات کے پھیلنے کا ہے۔3_ بحالت سفر بیچ راستہ پر نہ اترو' بلکہ علیحدہ ہٹ کر وہ شیاطین کا گزرگاہ ہے۔4_ مرگی و طاعون جنات کے اثر سے ہے۔اس لئے طاعون میں اذانیں دی جاتی ہیں کہ شیاطین اذان سے بھاگتے ہیں۔5_ ہر بچہ کو بوقت پیدائش شیطان انگوٹھا میں مارتا ہے۔جس سے وہ روتا ہے۔بجز حضرت عیسیٰ و حضرت مریم۔6_ سوراخ میں پیشاب نہ کرو ممکن ہے کہ اس میں سانپ بچھو یا جن ہو۔غرضیکہ قرآن و حدیث سے آسیب کا تکلیف پہنچانا ثابت ہے اور دن رات اس کا مشاہدہ بھی ہوتا ہے۔لہٰذا اس کا انکار کرنا عقل و نقل کی مخالفت ہے۔ہاں مزاج کی قوت و ضعف کی وجہ سے اس کے اثر مختلف ہوتے ہیں۔ضعیف المزاج لوگوں کو زیادہ تکلیف پہنچ جاتی ہے۔اور قوی مزاج والوں کو کم یہ ہی عام بیماریوں کا حال ہے کہ کمزور آدمی معمولی سردی گرمی سے بیمار ہو جاتا ہے۔مگر قوی انسان برداشت کر جاتا ہے۔(روح المعانی)۔**تیسرا فائدہ:** سود لینا گناہ کبیرہ و حرام قطعی ہے کہ لینے والا فاسق اور حلال جاننے والا کافر ہے جیسا کہ خالدون کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔**چوتھا فائدہ:** سود لینے کی سزا دیگر کبیرہ گناہوں سے سخت تر ہے کہ قیامت میں کفار بھی قبور سے اٹھ کر آسانی سے چلیں گے مگر سود خور کو چلنا پھرنا مشکل ہوگا اور یہ سود خور کی اس دن پہچان ہوگی۔کیونکہ سود خور مجرم بھی ہے اور ظالم و خونخوار بھی کہ گھر کے گھر تباہ اور دنیا کو برباد کرتا ہے سب کو اجاڑ کر اپنا گھر بناتا ہے۔اور مال کی طلب میں دیوانہ وار سرگرداں رہتا ہے لہٰذا اس کیلئے یہ سزا تجویز ہوئی۔**پانچواں فائدہ:** تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یا تو سود خور واقعی اس دن دیوانہ ہوگا جیسا کہ اس تشبیہ سے معلوم ہوا یا اس کا پیٹ اتنا بڑا ہوگا جس کے بوجھ سے گرتا پڑتا چلے گا۔جیسا کہ حدیث معراج میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سود خوروں کے پیٹ بڑی کوٹھڑیوں کی طرح دیکھے۔جس سے وہ گرتے پڑتے ہیں گویا اس دن اسکی اس ہوس کا ظہور ہوگا جو اسے دنیا میں تھی یا اس جنون مال کا اظہار ہوگا۔جس میں وہ مبتلا تھا۔**چھٹا فائدہ:** ممانعت سے پہلے کے جرم معاف ہیں۔بشرطیکہ اب توبہ کرے جیسا کہ **فانتھی** ' سے معلوم ہوا اور جو کوئی ممانعت کے بعد بھی باز نہ آئے اس پر اگلے پچھلے سارے گناہوں کا وبال ہے۔**ساتواں فائدہ:** قیامت میں ہر مجرم چہرے سے ہی پہچان لیا جائے گا۔کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔دیکھو سود خور کو گرتا پڑتا دیکھ کر ہی پہچان لیتے ہیں۔کیونکہ ہر ایک کے گلے میں اسکی تختی رب نے ڈال دی ہے۔جسے آنکھ والے دیکھ بھی لیتے ہیں پڑھ بھی لیتے ہیں رب فرماتا ہے **وکل انسان الزمنہ طئرہ فی عنقہ ونخرج لہ یوم القیمتہ کتبا یلقہ منشورا ○** ہر ایک کی تختی اس کے گلے میں پڑی ہے۔کل قیامت میں یہ ہی تختی نامہ اعمال کی شکل میں نمودار ہوگی۔

مسئلہ: مسائل شرعیہ میں بے علمی عذر نہیں۔لہٰذا جو کوئی بے خبری سے سود لیتا رہا وہ گنہگار ہے۔

مسئلہ: سود کا پیسہ قبضہ سے بھی ملک میں نہیں آتا لہٰذا سود خور سود کا مالک نہیں۔اس پر واجب ہے کہ مقروض کو واپس دے

www.alahazratnetwork.org

اگر مقروض مرگیا ہو تو اس کے ورثاء کو واپس کرے ورثاء بھی نہ ہوں تو مقروض کے نام پر خیرات کردے یہ حق العباد ہے توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔

مسئلہ: اگر مقروض بعینہ سود کا پیسہ قرض خواہ سے چھین لے تو جائز ہے مگر بعینہ کی قید کا لحاظ رہے کیونکہ یہ سود کا پیسہ خود مقروض کا اپنا پیسہ ہے نہ کہ قرض خواہ کا۔

ممانعت سود کی حکمتیں اور سود کی دینی و دنیاوی خرابیاں

سود میں صدہا خرابیاں ہیں جس کی وجہ سے شریعت نے اسے حرام فرمایا ان میں سے چند وجوہ ہم عرض کرتے ہیں۔ 1۔ سود میں دوسرے کا مال بلا عوض لیا جاتا ہے۔ یہ ظلم ہے مثلاً کسی نے ایک روپیہ کی عوض دو روپیہ لئے روپیہ تو روپیہ کے بدلے میں ہو گیا۔ دوسرا روپیہ بلا عوض رہا۔ یہ ظلم ہوا۔ 2۔ سود سے تجارت بند ہونے کا قوی اندیشہ ہے کہ جب سود خور کو بلا محنت اور بلا خوف و خطر نفع ملے گا تو وہ تجارت کی محنت اور اسکے خطرات کیوں برداشت کریگا۔ تجارت بند ہونے سے عالم برباد ہو جائے گا۔ 3۔ سود سے پرانی محبت اور مروت ختم ہو جاتی ہے۔ سود خور میں بہیمیت و خونخواری پیدا ہوتی ہے کہ مقروض بھائی کی تباہی بخوشی گوارا کرتا بلکہ اس پر خوش ہوتا ہے۔ 4۔ سود سے صدہا غربا اور متوسط الحال لوگوں کو تباہ کر کے ایک مہاجن کا گھر بھرا جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ غرباء کی بربادی عالم کی تباہی ہے۔ 5۔ تاجروں کے دن رات دیوالیہ سود کی بدولت ہوتے ہیں اگر یہ لوگ سودی قرض لے کر طاقت سے زیادہ کام نہ کریں تو اس طرح تباہ نہ ہوں۔ 6۔ سود خوار قرض حسن دینا گوارا نہیں کرتا۔ صدقہ خیرات سے جی چراتا ہے۔ کیونکہ ہر پیسہ پر اس کی نگاہ رہتی ہے کہ اس سے چار پیسہ بنائے جاسکتے ہیں۔ 7۔ بلکہ سود خور اپنے اور اپنے بال بچوں پر بھی خرچ نہیں کرتا مال بچا کر سود پر اٹھاتا ہے۔ جس سے خود اس کی زندگی دشوار ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عام مہاجن بنیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ 8۔ کسی مجرم کو رب نے اعلان جنگ نہ دیا سوائے سود خور کے کہ اعلان فرمایا **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** اللہ اور رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ 9۔ عبداللہ بن سلام فرماتے ہیں کہ سود لینا اپنی ماں کے ساتھ زنا کرنے سے ستر درجہ زیادہ گناہ ہے۔ (بیہقی در منثور)۔ 10۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو گوشت حرام پیسہ (سود وغیرہ) سے آئے گا۔ اسے نار جہنم بہت تیزی سے جلائے گی۔ (در منثور)۔ 11۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ سود کا پیسہ ستر بار ماں کے ساتھ زنا کرنے سے بدتر ہے۔

نوٹ: موجودہ بنک کے سود کا حکم علیحدہ ہے۔ جو ہم بعد میں عرض کریں گے اگرچہ سود لینا بھی گناہ ہے اور دینا بھی گناہ ہے اور سود دلوانا بھی۔ بلکہ سود لکھنا اس کا گواہ بننا سب ہی جرم ہے مگر چونکہ سود دینا حرام ہے۔ جرم ہے گناہ ہے۔ مگر کسی پر ظلم نہیں کسی کا حق مارنا نہیں۔ مگر سود لینا جرم بھی ہے اور انسان بلکہ انسانوں پر ظلم بھی۔ اس لئے رب نے اسکی ممانعت میں سختی فرمائی حتی کہ سود خور کو اللہ و رسول سے جنگ کرنے کا اعلان فرمایا اور جو حدیث شریف میں ہے کہ سود دینے والا اور لینے والا دونوں برابر ہیں۔ وہاں نفس گناہ میں برابری مراد ہے نہ کہ مقدار گناہ میں سود لینے والا مقدار گناہ میں زیادہ ہے لہٰذا یہ آیت و حدیث آپس میں

www.alahazratnetwork.org

متعارض نہیں۔

سود کی حقیقت اور اسکے مسائل: سود کی دو صورتیں ہیں۔ زیادتی کا سود اور ادھار کا۔ زیادتی کے سود کی حقیقت یہ ہے کہ دو طرفہ ایک جنس اور ایک ناپ تول کا مال ہو۔ اور پھر ایک طرف زیادہ ہو اور دوسری طرف کم مثلاً چاندی کے عوض چاندی دی مگر دی چار تولہ اور لی پانچ تولہ یہ سود ہے کہ چاندی' چاندی کی ہم جنس بھی ہے اور ہم وزن بھی کہ تولہ' ماشہ یا رتی سے تولی جاتی ہے۔ خیال رہے کہ ہم جنس وہ ہے جو نام اور کام میں یکساں ہو اگر نام تو یکساں ہو مگر کام جدا گانہ تو ہم جنس نہیں۔ جیسے سرسوں' تل اور مٹی کا تیل کہ سب کو تیل ہی کہا جاتا ہے یا جیسے بکری گائے اونٹ کے گوشت و دودھ۔ کہ ان سب کو گوشت یا دودھ ہی کہا جاتا ہے مگر ان کی تاثیریں اور فائدے جدا گانہ' لہٰذا ان میں زیادتی کرنا سود نہیں۔ ایک سیر بکری کے گوشت یا دودھ کو دو سیر گائے کے گوشت یا دودھ سے فروخت کرنا جائز ہے۔

مسئلہ: کاغذ اور چاندی ہم جنس نہیں۔ لہٰذا سو روپیہ کا نوٹ ایک سو دس نقد روپیہ کے عوض فروخت کرنا جائز ہے ایک روپیہ نقد کے 17 آنہ پیسوں یا اکنی کے عوض فروخت کر سکتے ہیں کہ روپیہ چاندی کا ہے اور پیسہ تانبہ کا۔ اسکی تحقیق کیلئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے نہایت نفیس رسالہ لکھا۔ "کفل الفقیہ الفاھم" اس کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ دوسرا سود ادھار۔ اس کا مسئلہ یہ ہے کہ صرف ہم جنس یا ہم قدر چیزیں ادھار حرام ہیں۔ یعنی صرف ایک وصف میں یکساں ہونا کافی ہے۔ لہٰذا گندم نقد دیکر جو ادھار خریدنا حرام ہے کہ یہ دونوں اگرچہ ہم جنس تو نہیں مگر ہم وزن تو ہیں کہ دونوں سیر یا من سے تولے جاتے ہیں۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک بیع کا جواز مطلق اور ربو کی حرمت مجمل ہے۔ (کبیر) مگر شافعی مذہب میں دونوں مجمل یعنی ہمارے یہاں ہر بیع حلال ہے سوائے اسکے جسکی حرمت نص میں آگئی اور ہر سود حرام ہے مگر سود میں احتمال کیونکہ ہر تجارت نفع ہی کیلئے ہوتی ہے تو خاص نفع حرام ہو نہ کہ عام۔

سود سے بچنے کی تدبیر: یہ تو معلوم ہو چکا کہ سود میں دو شرطیں ہیں۔ دونوں مالوں کا ہم جنس ہونا اور ناپ تول میں یکساں ہونا اگر ان میں سے ایک بھی شرط نہ ہوگی تو زیادتی حلال ہوگی دیکھو ایک من گیہوں کے عوض دو من جو لینا جائز کہ گیہوں اور جو ایک جنس نہیں۔ ایسے ہی مرغی کے دس انڈے دیکر پندرہ لینا جائز کہ یہ اگرچہ ہم جنس ہے مگر ناپ تول کی چیز نہیں۔ بلکہ گن کر بکتے ہیں ایسے ہی حربی کفار سے نفع لینا سود نہیں۔ (شامی باب الربو) خواہ دار الاسلام میں لے یا دار الحرب میں (شامی) ایسے ہی دار الحرب میں ان مسلمانوں سے نفع لینا سود نہیں جو بالکل دار الاسلام میں نہ آئے ہوں (شامی وغیرہ) جب یہ سمجھ میں آگیا تو سود سے بچنے کی چند تدبیریں خیال میں رکھنی چاہئیں۔ 1۔ نوٹ کی تجارت نفع کے ساتھ جائز ہے۔ دس کا نوٹ پندرہ میں اور سو کا سوا سو میں بیچ سکتے ہیں۔ کیونکہ نوٹ کاغذ ہے اور روپیہ چاندی ہم جنس نہیں۔ بلکہ اگر دو طرفہ نوٹ ہو تب بھی نفع جائز۔ کیونکہ نوٹ نپنے تلنے کی چیز نہیں۔ گن کر لین دین ہوتی ہے۔ 2۔ چاندی کا روپیہ سترہ اٹھارہ آنے' پیسہ یا اکنیوں سے فروخت کرنا جائز ہے کہ روپیہ چاندی ہے اور ریزگاری تانبہ یا نکل ہم جنس نہیں۔ ہندوستانی حجاج عرب شریف پہنچ کر اپنے نوٹ عربی نوٹ سے تبدیل کرتے ہیں جس کے بھاؤ مختلف ہوتے رہتے ہیں کبھی ہمارا سو کا نوٹ ساٹھ ستر روپیہ میں فروخت ہوتا ہے اور کبھی ایک سو سات بلکہ ایک سو دس روپیہ تک ہی۔ یہ بتاؤ کہ تمام صالحین حجاج ہمیشہ کرتے ہیں کبھی کوئی اعتراض ہی نہیں کرتا۔ آج اگر

www.alahazratnetwork.org

حکومت چاہے تو سو کا نوٹ پانچ روپیہ کا کردے اور پانچ کا نوٹ سو کا بنادے۔ معلوم ہوا کہ یہ قیمت اس کاغذ کی نہیں بلکہ حکم سرکاری کی ہے۔ ابھی پاکستان نے روپیہ بجائے چونسٹھ پیسوں کے ایک سو پیسوں کا بنادیا۔ اور ڈاک خانہ کا چھ پیسہ یعنی ڈیڑھ آنہ کا ٹکٹ ایک نئے آنہ کا کردیا اور وہ چل رہا ہے۔ 3۔ ہندوستان میں موجود کفار سے نفع لینا سود نہیں کہ اگرچہ یہ ملک دارالاسلام ہے۔ مگر یہاں کے کفار سب حربی۔ کتب فقہ میں دارالحرب کی قید یا اتفاقی ہے یا مستامن کو نکالنے کیلئے (دیکھو شامی باب الربو اور فتح القدیر) بلکہ کفار حربی سے ہر عقد فاسد جائز ہے بشرطیکہ اس میں مسلمان کا نفع ہو اور اس میں ظلم اور دغا نہ ہو۔ 4۔ پنجاب کا مروجہ رہن حرام ہے۔ کیونکہ یہاں زمین رہن لے کر اس کا نفع قرض خواہ کھاتا رہتا ہے اور پھر پورا قرض وصول کرکے زمین واپس کرتا ہے یہ خالص سود ہے اسکی تدبیر یہ ہے کہ زمین کی بیع وفا کردی جائے۔ اب اس کا منافع حلال ہوگا۔ اور مقصود بھی حاصل ہو جائے گا۔ یعنی بجائے رہن نامہ کے بیع نامہ لکھا جائے اور ساتھ ہی اقرار نامہ رجسٹری کرادیا جائے کہ جس وقت بائع چاہے اپنی زمین اسی قیمت سے واپس کرے اب زمین کا منافع قرض خواہ کو حلال ہے کہ وہ زمین اس کی ملک ہو چکی۔ مشکوۃ شریف باب الربو میں ہے کہ ایک بار حضرت بلال نے دو صاع ردی خرمے ایک صاع کھرے خرموں سے بیچے۔ حضور صلی اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا یوں نہ کرو بلکہ پہلے ردی خرمہ روپیہ کے عوض فروخت کردو پھر اس روپیہ سے کھرے خرمے خرید لو لہذا اگر تمہیں دو سیر خراب گیہوں دیکر ایک سیر اچھے گیہوں لینا ہے تو گندم گندم کے عوض نہ دو بلکہ یہ دو سیر مثلاً آٹھ آنے میں بیچ دو۔ پھر اس آٹھ آنے کے کھرے گیہوں ایک سیر خرید لو۔

بنک کا سود: پہلے معلوم ہو چکا کہ کفار سے نفع لینا سود نہیں بلکہ حلال ہے لہذا آج کل سیونگ بنک، پنجاب بنک، بنک آف انڈیا وغیرہ کفار کے سارے بنک سے نفع حلال ہے اگرچہ وہ لوگ اسے سود کہتے ہیں۔ مگر یہ شرعاً سود نہیں البتہ مسلمانوں کے بنک سے نفع لینا حرام ہوگا۔ مگر نوٹ کے لین دین میں سب سے نفع لیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ: چھ صورتوں میں روپیہ پر نفع حلال ہے سود نہیں، مولا اپنے غلام سے روپیہ کا نفع لے۔ معاوضہ یا عنان کے شریک آپس میں ایک دوسرے سے نفع لیں۔ مسلمان کافر حربی سے لے دارالحرب میں بعض مسلمان بعض سے نفع لیں۔ بشرطیکہ یہ دونوں بھی دارالاسلام میں نہ آئے ہوں۔ (درمختار باب الربو)۔

بیمہ کرانا: بنک کے مسئلہ سے زندگی یا مال کا بیمہ کرانے کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ اگر بیمہ کمپنی خالص کفار کی ہے تو بیمہ حلال ورنہ حرام کہ بیمہ میں بھی روپے پر نفع لیا جاتا ہے۔

مسئلہ: سود کے شبہ سے بچنا بھی ضروری۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کا تفصیلی بیان فرمانے سے پیشتر وفات پائی۔ لہذا سود اور شبہ سود سے بچو۔ (احکام القرآن)

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان انسان کو دیوانہ کرسکتا ہے۔ اور دوسری جگہ ارشاد ہے ان عبادی لیس لک علیھم سلطن اے شیطان میرے خاص بندوں پر تجھے دسترس نہ ہوگی۔ خود شیطان قیامت کے دن کفار سے کہے گا ما کان لی علیکم من سلطن مجھے تم پر غلبہ نہ تھا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ابلیس انسان پر غلبہ نہیں پاسکتا۔ ان

www.alahazratnetwork.org

آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: ان دونوں آیتوں میں سلطان سے مراد جبراً گناہ یا کفر کرانا ہے۔ اور یہاں عقل خراب کر دینا مراد ہے۔ جیسے شراب افیون اور سانپ کے زہر سے عقل اور زندگی برباد ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی شیطانی اثر سے بھی دیوانہ ہونا ممکن ہے۔ لہٰذا ان آیتوں میں کچھ تعارض نہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس کرنا طریقہ کفار ہے۔ دیکھو کفار عرب نے سود کو تجارت پر قیاس کیا۔ لہٰذا وہ عذاب کے مستحق ہوئے۔ (غیر مقلد) علمائے مجتہدین بھی قیاس کرکے انہیں کے ساتھ ہوئے۔ جواب: نص کے مقابل قیاس کرنا طریقہ ابلیس اور طریقہ کفار ہے اس کی مذمت ہے۔ مجتہدین کا قیاس نص کے مقابل نہیں بلکہ موافق ہے اس کی پوری تحقیق پہلے سیپارہ میں ہو چکی اور ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں بھی کی ہے۔ تیسرا اعتراض: سود میں بہت سے فائدے ہیں پھر اسے حرام کیوں کیا گیا آج بغیر سود کوئی تجارت نہیں چل سکتی۔ جواب: سود میں کچھ ظاہری فائدے بھی ہیں اور نقصانات بھی مگر نقصان فائدوں سے زیادہ۔ سود میں ہزاروں کو غریب بنا کر ایک کو امیر بنایا جاتا ہے۔ قوموں کی تباہی' عام دیوالیے سود ہی کی بدولت ہیں۔ سود میں انسان سے درندگی پیدا ہوتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جس کا نقصان نفع سے زیادہ وہ حرام' ہاں فی زمانہ بہت منافع حلال ہیں۔ مگر مسلمان سود سمجھ کر ان سے بچتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی غلطی ہے نہ کہ مسئلہ کی۔ غضب ہے کہ مسلمان کفار کو سود دیتے ہیں مگر لینا حرام سمجھتے ہیں حالانکہ معاملہ برعکس تھا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جو کوئی سود سے باز رہے تو اسے گزشتہ لیا ہوا سود حلال ہے اگر کوئی باز نہ رہے تو کیا حرمت سے پہلے کا سود اس کیلئے حرام ہو گا۔ جواب: بیشک جو اس آیت کے بعد سود کو حلال مانے وہ کافر ہے اور کفار کیلئے معافی کیسی۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور جہنم میں ہمیشہ رہے گا۔ اور حدیث شریف میں ہے کہ جہنم کی ہمیشگی صرف کفار کیلئے ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو اس سے سود کی حرمت کا منکر مراد ہے اور سود کا فر ہے یا خلود سے دراز مدت مقصود یا مقصد یہ ہے کہ سود خور کے خاتمہ خراب ہونے کا اندیشہ ہے جس سے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے کیونکہ ماں باپ کو ستانا۔ ہمیشہ افیون بھنگ نشہ کیلئے کھانا' سود لینے کی عادت ان سے خرابی خاتمہ کا اندیشہ ہے اور ماں باپ کی خدمت' اذان کا احترام' صدقہ و خیرات کی کثرت ان سے حسن خاتمہ کی امید ہے۔ ان شاء اللہ۔ چھٹا اعتراض: سود کے علاوہ رشوت خوری۔ چوری' ڈکیتی وغیرہ بھی بڑے بڑے گناہ ہیں۔ قرآن کریم میں ان پر اتنا زور کیوں نہیں دیا یا سود پر اس قدر زور کیوں دیا؟ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ رشوت' چوری وغیرہ بیماریاں ہیں اور سود وبائی بیماری جس سے بہت لوگ گرفتار ہیں۔ حکومتیں وبائی امراض روکنے پر بہت زور دیتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ رشوت چوری وغیرہ کو لوگ خود بھی برا سمجھتے ہیں حکومتیں سود کی سرپرستی کرتی ہیں۔ خود بھی سود لیتی دیتی ہیں۔ آج محکمہ انسداد رشوت ستانی بنے ہیں چوریاں روکنے کیلئے محکمہ پولیس موجود ہے مگر سود روکنے کیلئے کوئی محکمہ نہیں اسی لئے اس مسئلہ پر قرآن کریم نے بہت زور دیا۔

تفسیر صوفیانہ: سود خور سارے گناہگاروں سے بدتر ہے کیونکہ ہر شخص اپنی کمائی میں رب پر توکل کرتا ہے نہ کہ اپنی عقل پر' تاجر' کسان' پیشہ ور کوشش کرکے رب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ اگر وہ اس میں گناہ بھی کریں تب بھی ہلکے گناہگار ہیں۔ نیز ان سب نے اپنے معاملہ کو نفع اور نقصان کے درمیان سمجھ کر رب کی طرف رجوع کیا مگر سود خور توکل چھوڑ کر اپنے معاملہ کو نقصان سے بچا کر اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے اور رب کے دروازہ سے ہٹ جاتا ہے۔ مقروض متوکل ہے مگر وہ معاند چونکہ اس نے اپنا رزق اپنی عقل پر رکھا اس لئے نفسانی حجاب میں پھنس کر ربانی نور سے محجوب ہو گیا اور چونکہ اس نے رزق کے معاملہ میں اللہ

www.alahazratnetwork.org

سے رشتہ توڑا۔ رب نے بھی اس کی حفاظت چھوڑی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر شیاطین نے قبضہ جمالیا۔ چونکہ قیامت میں ہر شے کی اصل ظاہر ہوگی۔ اس لئے سود خور پر قبضہ شیاطین کا اثر بھی اسی دن نمودار ہو گا کہ یہ تو خدا سے بے تعلق ہو گا اور تمام لوگ اس سے متعلق۔ اور ان کا یہ حجاب اس لئے ہے کہ انہوں نے بمقابلہ حکم الٰہی قیاس کرنے میں شیطان کی شاگردی کی اس نے بھی سجدہ چھوڑ کر قیاس ہی کیا تھا۔ اور چونکہ قیامت میں ہر شخص اپنی جنس کے ساتھ ہو گا۔ لہٰذا سود خور اپنے ہم جنس شیطان کے ساتھ اور اسی کے زیر سایہ اٹھے گا۔ (از ابن عربی)

دوسری تفسیر: سود خور بھوکے کتے کی طرح دنیا کا حریص ہے کہ کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ یہاں تک کہ اس کا پیٹ پھول جاتا ہے۔ جس سے اسے چلنا پھرنا مشکل ہوتا ہے۔ قیامت میں اس کا ظہور ہو گا۔ عاقل وہ غذا نہیں کھاتا جو ہضم نہ کر سکے۔ سود وہ ثقیل غذا ہے جسے مومن کا معدہ برداشت نہیں کر سکتا۔ صوفیائے کرام شبہ سود سے بھی بچتے ہیں۔

حکایت: امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایک شخص پر کچھ سیاہ درم قرض تھے۔ وہ سفید درم لایا آپ نے لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ خوف کرتا ہوں کہ درموں کی یہ سفیدی سود نہ ہو جائے اس سے کالے درم وصول کئے۔ امام ابو بکر فرماتے ہیں کہ میں نے امام ابو حنیفہ کو دیکھا کہ ایک شخص کے دروازہ پر کھڑے ہیں سخت دھوپ ہے مگر آواز دے کر دھوپ میں کھڑے ہو جاتے ہیں میں نے عرض کیا کہ دیوار کے سایہ میں کیوں نہیں کھڑے ہوتے آپ نے فرمایا کہ اس گھر والے پر میرا قرض ہے ایسا نہ ہو کہ اس کی دیوار کا سایہ سود میں شمار ہو جائے۔ حضرت بایزید بسطامی نے ہمدان شہر سے کچھ غلہ خریدا۔ جب لوٹ کر بسطام آئے تو اس میں دو چیونٹیاں پائیں۔ پھر لوٹ کر ہمدان شہر گئے اور چیونٹیاں اسی دوکان پر چھوڑ آئے یہ وہ تقویٰ ہے جس کی برکت سے زمین و آسمان قائم ہیں۔ (از روح البیان)

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ

مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیراتوں کو اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر کفر کرنے

اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکرا

اَثِيْمٍ ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ

والے گنہگار کو تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کیے انہوں نے اچھے اور قائم کیا نماز کو

بڑا گنہگار بے شک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ

وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اور دیا زکوٰۃ کو واسطے ان کے ثواب ہے ان کا نزدیک رب اپنے اور نہیں ہے ڈر اوپر

دی ان کا نیگ ان کے رب کے پاس ہے اور نہ انہیں کچھ اندیشہ

يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے

ہو نہ کچھ غم

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: اس سے پہلے اولاً "خیرات کی رغبت دی گئی تھی اور پھر سود سے ڈرایا گیا تھا۔ اب ان دونوں کو اسی ایک آیت میں جمع فرما کر سود کی برائی اور صدقہ کی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں۔ گویا یہ اجمال بعد تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں صدقات کے شرعی فائدے اور سود کے شرعی نقصان بیان ہوئے کہ رب نے سود حرام فرمایا۔ سود خور دوزخی ہے وغیرہ اب ان دونوں کے عقلی فوائد اور نقصانات کا تذکرہ ہے سود سے مال گھٹتا ہے اور صدقہ سے بڑھتا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں سود کی ایک نوعیت سے ممانعت کی گئی ہے اور اب دوسری طرح تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں صدقات کا حکم دیا گیا اور سود سے روکا گیا مگر چونکہ نفس انسانی ظاہری نفع کو دیکھ کر سود لینے اور خیرات سے بچنے پر مائل ہے لہٰذا اب اس کے میلان کو روکا جا رہا ہے اور سود کی وہ برائی بیان ہو رہی ہے۔ جس سے نفس اس سے بچنے پر راغب ہو۔ چوتھا تعلق: قرآن پاک کا طریقہ ہے کہ ضدین کا ذکر فرماتا ہے۔ بھلوں کے ساتھ بروں اور بروں کے ساتھ بھلوں کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ چیز اپنے مقابل سے پہچانی جاتی ہے۔ یہاں بھی پہلے سود خور بد اعتقاد اور بد عمل لوگوں کا ذکر۔ ان الذین امنوا سے خوش اعتقاد' نیک کار' صالحین کی مدحت و ثنا فرماتا ہے۔ تاکہ قرآن پڑھنے والے بدکاریوں سے بچیں۔ اور نیکی اختیار کریں۔

تفسیر: یمحق اللہ الربوا۔ یمحق' محق یا محاق سے بنا جس کے معنی ہیں۔ گھٹ کر فنا ہو جانا' یا پورا ہو کر کم ہو جانا' نقصان اور محاق میں فرق یہ ہے کہ نقصان ہر کمی کو کہتے ہیں۔ اور محاق خاص کمی کو اسی لئے چاند گھٹنے کو محاق بولا جاتا ہے۔ شروع ماہ کے چاند کو محق نہیں کہتے۔ کیونکہ وہ نقصان سے کمال کی طرف ترقی کر رہا ہے۔ بلکہ اخیری گھٹنے کو محق کہتے ہیں۔ یہاں یا تو دنیوی کمی اور بے برکتی مراد ہے یا اخروی نقصان و خسارہ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ یعنی اللہ دنیا میں سود کو گھٹاتا' مٹاتا یا بے برکت فرماتا ہے یا قیامت میں ہلاک فرمائے گا۔ غرضیکہ محق کی چار معنی ہو گئے مٹاتا ہے یا مٹائے گا' گھٹاتا ہے یا گھٹائے گا۔ اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کا سود آخرت میں مٹا دیگا کہ سودی صدقات' خیرات بالکل برباد ہوں گے۔ یا گھٹا دے گا کہ سودی غذا کھا کر سودی لباس پہن کر جو نماز وغیرہ ادا کی گئیں ان کے ثواب گھٹ جائیں گے مالی عبادات جو سود سے ادا ہوں وہ مٹ جائیں گی یہ ہی عبادات حق ہیں۔ سودی غذا الباس استعمال کیا گیا ہے گھٹ جائیں گی یا دنیا میں مسلمانوں کا سودی مال مٹ جاتا ہے۔ اگرچہ کفار کا نہ مٹے' یا تمام انسانوں کے سودی کاروبار میں برکت نہیں ہوتی۔ اگرچہ کبھی کثرت ہو جائے۔ کثرت و برکت میں فرق ہے۔ ویربی الصدقت۔ یربی ربا ء سے بنا۔ جس کا مادہ ربو ہے بمعنی بڑھانا۔ اس کی تحقیق ہم کمثل جنۃ بربوۃ کی تفسیر میں کر چکے اس سے بھی یہ دنیوی برکت اور بڑھانا مراد ہے یا اخروی ترقی دینا۔ صدقات سے عام خیرات مراد ہے صدقہ فرضی ہو یا نفلی۔ یعنی اللہ ہر قسم کے صدقات کو دنیا میں بڑھاتا ہے۔ ہے بقیہ مال میں برکت دیتا ہے یا

www.alahazratnetwork.org

آخرت میں بڑھائے گا کہ تھوڑا صدقہ بہت زیادہ فرما کر عطا کرے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے صدقہ کی ایسی پرورش کرتا ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی گھوڑی یا گائے کے بچے کی جب بندہ آخرت میں اٹھے گا تو اپنے ایک پیسہ کے صدقہ کو پہاڑ پائے گا۔ دنیا میں بھی دیکھا گیا ہے کہ سخی کبھی فقیر نہیں ہوتا۔ مقتدی تعالیٰ اس کا مال بڑھاتا رہتا ہے۔ سخی کی اولاد بھی اپنے ماں باپ کی سخاوت کا فائدہ اٹھاتی ہے۔ **واللہ لا یحب کل کفار اثیم** ○ یہ جملہ یا تو مستقل مضمون ہے یا پہلے مضمون کی علت یا **لا یحب** بمعنی لا یرضی ہے کیونکہ محبت توبہ کرنے والوں سے خاص ہے (روح البیان و روح المعانی) کفار' کفر کا مبالغہ ہے۔ جیسے ضرب کا ضراب اور قول کا قوال یہ کفور کے ہم معنی ہے۔ کافر کی جمع کفار (کاف کے پیش سے) یہاں کفار سے ازلی کافر مراد ہے اہل عرب ہر ہٹ دھرم پر یہ صیغہ بولتے ہیں جیسے **فعال للخیر یا مناع للخیر** کفر سے یا اصطلاحی کفر مراد ہے یعنی بے ایمانی' یا لغوی کفر یعنی ناشکری' اثیم اثم کا مبالغہ ہے بمعنی گناہ اس سے بھی دائمی گناہگار مراد ہے یعنی اللہ ہر ازلی کافر اور دائمی گناہ گار سے راضی نہیں ہوتا۔ اور اللہ ہر ناشکرے گناہگار سے ناراض ہے مردودین کے ذکر کے بعد اب مقبولین کا تذکرہ ہے۔ **ان الذین امنوا** ایمان کے معنی اور اسکی لغوی تحقیق پہلے سیپارہ میں ہو چکی۔ **امنوا.** کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی وہ لوگ کہ ان ساری چیزوں پر ایمان لائے یا جن پر ایمان لانا ضروری ہے چونکہ ایمان اعمال صالح پر مقدم ہے کہ یہ مثل شرط ہے نیز ایمان لڑکپن ہی سے ملتا ہے کہ بچے کے کان میں پیدا ہوتے ہی اذان دیتے ہیں اور نا سمجھی سے ہی اسے ایمان سکھلاتے ہیں۔ اعمال ہوش سنبھالنے کے بعد سکھائے جاتے ہیں اور بعد بلوغ لازم ہوتے ہیں نیز عالم ارواح میں ایمان عطا ہو گیا تھا۔ مگر اعمال دنیا میں آکر پیش ہوئے ان وجوہ سے ایمان کو اعمال سے پہلے بیان فرمایا۔ **وعملوا الصلحت** اور انہوں نے نیکیاں کیں **الصلحت** میں الف لام جنسی ہے یا استغراقی اس سے بقدر طاقت نیکیاں مراد ہیں۔ **واقاموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** ۔ **اقاموا' اقامتہ** سے بنا بمعنی سیدھا کرنا اور درست رکھنا' یہاں نماز پر پابندی کرنا اسے صحیح طریقہ پر مستحبات واجبات کے ساتھ ادا کرنا مراد ہے اور زکوۃ سے صدقہ فرضی مقصود' خواہ روپیہ پیسہ کا صدقہ ہو یا دیگر مال کا اگرچہ نیکیوں میں نماز اور زکوۃ بھی داخل تھی مگر اظہار عظمت کیلئے ان کا ذکر علیحدہ بھی کیا گیا۔ کیونکہ نماز بدنی اور زکوۃ مالی اطاعت میں افضل عمل ہے۔ یعنی انہوں نے نماز قائم رکھی اور زکوۃ دی۔ زکوۃ کے معنی ہیں بڑھا ہوا یا پاکیزگی' چونکہ زکوۃ دینے سے مال بڑھتا ہے اور اسکی برکت سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے اسلئے اسے زکوۃ کہتے ہیں جیسے انگور کی بیل کاٹ دینے سے پھل زیادہ آتے ہیں یا ذبح میں خون نکل جانے سے گوشت چربی وغیرہ سب پاک ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی زکوۃ نکالنے سے مال میں زیادتی بھی ہوتی ہے۔ اور پاکی بھی۔

زکوۃ مال بدرکن کہ فضلۂ رز را　　چو باغبان ببرد بیشتر دہد انگور

لھم اجرھم عند ربھم۔ **لھم** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا اجر طے شدہ معاوضہ کو کہتے ہیں جیسے اجرۃ۔ یہاں ثواب اعمال مراد ہے۔ جس کا مسلمانوں سے وعدہ کر لیا گیا۔ یعنی ان کا ثواب ان کے رب کے نزدیک محفوظ ہے۔ جس کے مارے جانے کا خوف ہی نہیں۔ اس کے سوا **ولا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ○ آئندہ اندیشہ کو خوف اور گزشتہ کے رنج و غم کو حزن کہتے ہیں یا دنیا میں ہے یا آخرت میں ہو گا یعنی نیک کار کو نہ دنیا میں اپنی بربادی کا خوف ہو اور نہ گزشتہ پر غم یا نیک کار بروز قیامت اگلے اندیشہ اور پچھلے غم سے بے کھٹک ہو گا۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ دنیا میں سودی مال کو برباد کرتا ہے اور جس مال سے زکوٰۃ نکالی جائے اسے بڑھاتا ہے۔ کیونکہ اکثر سود خوار کا انجام فقر ہے۔ سود خور کو لوگ برا جانتے ہیں اسے کوئی امین سمجھ کر اپنی امانت نہیں سونپتا۔ اسے ہر ایک فاجر و فاسق کہتا ہے۔ وہ فقراء اور غرباء جو اس کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ دن رات اس پر لعنت کرتے ہیں' بددعا دیتے ہیں اور اس کے مال پر ہر ظالم و چور دست درازی کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پیسہ اس کی محنت کا جمع کیا ہوا نہیں۔ مگر سخی کے مال میں بہت برکت ہوتی ہے کیونکہ وہ جب اللہ کے بندوں کی پرورش کرتا ہے تو رب تعالیٰ ضرور اس پر کرم فرماتا ہے روزانہ اس کی عزت بڑھتی ہے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں دل اس کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ فقراء اور مساکین اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور ایسے آدمی کے مال پر ظالم اور چور نظر کم کرتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ آخرت میں سود خور کو ہلاک کرے گا اس کا صدقہ' حج' جہاد' صلہ رحمی سب برباد ہوگا۔ کیونکہ اس نے ساری نیکیاں سودی پیسہ سے کیں۔ خراب تخم سے پھل بھی خراب ہوتے ہیں اس کا مال نہ اسے موت کے وقت کام آئے نہ بعد موت جب حلال مال جمع کرنے والے امراء' پانچ سو برس بعد جنت میں جائیں گے تو اس حرام خور غنی کا کیا پوچھنا رہا سخی تو اللہ اسکے صدقہ قبول فرمائے گا اسے بڑھائے گا اس کے صدقات جاریہ سے بعد موت بھی اسے ثواب ملتا رہے گا۔ رب تعالیٰ کسی ناشکرے گنہگار یا کسی ازلی کافر اور ضدی گنہگار سے راضی نہیں لہٰذا سود کو حلال جاننے والا کافر یا سود خور مجرم بارگاہ الٰہی کا مجرم ہے۔ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے بقدر طاقت نیکیاں کیں۔ خصوصاً نماز کے پابند رہے' زکوٰۃ دیتے رہے ان کا ثواب ان کے رب کے نزدیک محفوظ ہے جو نہ گھٹے نہ برباد ہو نہ انہیں دنیا میں آئندہ کا خطرہ ہو اور نہ گزشتہ کا غم یا آخرت میں ان پر کوئی خطرہ واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ کسی مقصود کے فوت ہو جانے سے مغموم ہوں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حلال میں برکت ہے' حرام میں بے برکتی سود خور اگرچہ مالدار ہو جائے مگر برکت سے محروم ہے۔ کتیا سال میں چھ بچے دیتی ہے اور کوئی ذبح نہیں ہوتا' بکری و گائے سال میں ایک یا دو بچے دیتی ہیں اور روزانہ ہزاروں ذبح ہوتی ہیں مگر ریوڑ بکری اور گائے بھینس کے نکلتے ہیں نہ کہ کتے کے کیونکہ وہ حلال ہیں اور یہ حرام' خیال رہے کہ کثرت و برکت میں فرق ہے کثرت کے معنی ہیں زیادتی' برکت کے معنی جم جانا نہ نکلنا تھوڑی سی نعمت مبارک ہو تو بہت فائدہ دیتی ہے برکت والی تھوڑی بارش رحمت ہے اور کثرت کی بارش کبھی عذاب بھی بن جاتی ہے یوں ہی سود سے اگرچہ کبھی مال کی کثرت ہو جاتی ہے اور یہ کثرت کی بارش کبھی عذاب بھی بن جاتی ہے یوں ہی سود سے اگرچہ کبھی مال کی کثرت ہو جاتی ہے اور یہ کثرت بھی باعث عذاب ہوتی ہے۔ مگر اس سے برکت مٹ جاتی ہے۔ لہٰذا یہ آیت بالکل برحق ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جس چیز میں نفع کم اور نقصان زیادہ ہو اسے شریعت منع کر دیتی ہے۔ دیکھو سود میں کچھ منافع بھی ہیں مگر نقصان زیادہ لہٰذا حرام کر دیا گیا۔ شراب اور جوئے کے بارے میں رب فرماتا ہے۔ **واثمھما اکبر من نفعھما** **تیسرا فائدہ:** کوئی مسلمان خیرات سے غریب نہیں ہو سکتا اور سود سے مالدار نہیں ہوتا۔ دیکھا گیا ہے کہ سود خور کی اولاد سودی مال سے نفع کم اٹھاتی ہے اس کا انجام خواری' بربادی ہے۔ (روح البیان) دیکھا گیا ہے کہ مسلمان اگر جوئے میں کبھی جیت بھی جائے تو یہ جوئے کا جیتا ہوا' اس کا اپنا اصلی مال لے آتا ہے کہ پھر جواری کی ہمت بڑھ جاتی ہے زیادہ جوا کھیلتا ہے اور بہت سا مال ہار جاتا ہے جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کامیابی کیلئے ایمان و اعمال دونوں ضروری ہیں۔ جیسا کہ **امنوا وعملو الصلحت** سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: مسلمان کو نیکیوں کا بدلہ آخرت میں ملے گا کہ دنیا میں کچھ نفع پہنچ جائے تو یہ اجر نہیں بلکہ رب کا فضل ہے جیسا کہ عند ربہم سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اعمال ایمان میں داخل نہیں کیونکہ یہاں عمل کا ایمان پر عطف کیا گیا اور معطوف 'معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے لہٰذا بدترین فاسق بھی مومن ہے۔ ساتواں فائدہ: نماز و زکوۃ افضل عبادات ہیں۔ اسی لئے نیکیوں کے بعد ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز و زکوۃ درست کرے۔ رب تعالیٰ اس کے باقی اعمال بھی درست فرمائے گا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود کا انجام بربادی ہے مگر تجربہ یہ ہے کہ سود خور خوب پھولتے پھلتے ہیں 'انگریز' ہندو 'مہاجن' یہودی سب ہی سود خور ہیں مگر ان میں سے کوئی برباد نہیں ہوا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت آخرت کے متعلق ہے۔ یعنی سود خور کی مالی عبادات قیامت میں برباد ہوں گی۔ جیسے کہ صدقہ کی زیادتی آخرت میں محسوس ہو گی۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مسلمانوں کیلئے ہے تجربہ بتاتا ہے کہ مسلمان کو سود پھلتا ہی نہیں۔ بے شک پاخانہ کا کیڑا کو کھا کر جیتا ہے بلبل اس سے زندگی نہیں گزار سکتی۔ سود پاخانہ ہے اور کفار اس کے کیڑے مسلمان بلبلیں۔ انہیں سود پھلتا نہیں ہماری غذا حلال پھول ہیں۔ جیسے ہر جانور کی غذا جدا گانہ ہے اور وہ اپنی ہی غذا کھا کر جی سکتا ہے۔ بکری گوشت نہیں کھا سکتی۔ کتے چارہ نہیں چر سکتے اگر ایسا کریں گے تو جان گنوا دیں گے۔ ایسے ہی مومن و کافر کی غذائیں مختلف ہیں۔ مومنوں کو حلال طیب غذائیں دو اس سے پھولے گا کافر حرام غذا سے پلے گا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر — ہے جدا ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

تیسرے یہ کہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ کلیہ 'چوتھے یہ کہ یہاں قومی ہلاکت مراد ہے نہ کہ شخصی کہ اگر سود کا عام رواج ہو جائے تو مالدار نہیں ہوں گے تو فقراء برباد ہوں گے اور فقراء کی بربادی قوم کی بربادی ہے نیز سود خور تجارتی خطرات اور مشقتیں برداشت نہیں کر سکتا۔ جب آرام سے مال ملے تو محنت کیوں کرے لہٰذا سود کا رواج تجارتوں کی تباہی اور بازاروں کی بے رونقی کا ذریعہ ہے۔ جس سے عالم کی بربادی ہے۔ یہ ساری سود خور قومیں تجارت بھی کرتی ہیں ان کی بقا تجارت سے ہے نہ کہ محض سود سے دوسرا اعتراض: آج کل بغیر سود تجارت نہیں چل سکتی اب سود کی ممانعت طاقت سے زیادہ تکلیف ہے مسلمان کی پستی کا سبب سود کی ممانعت اور زکوۃ کی فرضیت ہے۔ (عام نیچری) جواب: یہ محض شیطانی دھوکہ ہے ہمیشہ سے مسلمانوں نے کروڑوں روپے کے بیوپار کئے اور سود بالکل نہ لیا حضرت عثمان غنی امام ابو حنیفہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تجارتیں اور ان کے خزانوں کی وسعتیں دنیا میں مشہور ہیں یہ حضرات سود کے قریب بھی نہ گئے۔ اب بھی کاٹھیاواڑ اور پنجاب میں بڑے بڑے تاجر سودی لین دین سے بالکل دور رہیں اور بڑے مزے میں ہیں آج کل مسلمانوں کی پستی زکوۃ کی فرضیت اور سود کی ممانعت سے نہیں یہ دونوں مسئلے تو ہمیشہ سے موجود تھے۔ مگر مسلمانوں کی پستی ایک صدی سے ہوئی اس کا سبب جوانوں کی بیکاری 'آرام طلبی' قرض کی عادت اور بچوں کی آوارگی ہے نہ کہ احکام شرعیہ اور ہر بربادی کی اصل دین سے آزادی ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب کا مستحق وہ ہے جسے ایمان و نیک اعمال دونوں میسر ہوں تو چاہئے کہ جو مسلمان نیکیاں نہ کر سکیں مثلاً عورت بالغہ ہوتے ہی حائضہ ہو جائے۔ اور حیض سے فارغ ہوتے ہی مر جائے یا کوئی بالغ ہوتے ہی

www.alahazratnetwork.org

دیوانہ ہو جائے وہ ثواب کا مستحق نہ ہو حالانکہ یہ احادیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اعمال سے بقدر طاقت اعمال مراد ہیں یا یہ کہ اس مجموعہ میں سے ہر ایک ثواب کا سبب ہے نہ کہ پورا مجموعہ (کبیر) خیال رہے کہ اسلام میں پہلے صرف ایمان ہی فرض ہوا ظہور نبوت سے گیارہ سال تک کوئی حکم شرعی مسلمانوں پر نہ آیا۔ گیارہویں سال معراج میں صرف نماز آئی۔ پھر بعد ہجرت زکوۃ وغیرہ کے احکام بہت آہستگی سے آئے اس عرصہ میں نجات و بخشش حصول جنت کیلئے صرف ایمان ہی کافی تھا۔ پھر اعمال آتے گئے اور مسلمانوں پر لازم ہوتے گئے اب بھی غریب کی نجات صرف بدنی عبادات سے ہے امیر کی نجات بدنی و مالی دونوں عبادات سے۔ جن میں جہاد کی طاقت ہو ان کی نجات جہاد سے ہے وغیرہ وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ دوسرے صدقات کیلئے **انفقوا** یا **ینفقون** ارشاد ہوتا ہے' یعنی خرچ کرنا مگر زکوۃ کیلئے **اتوا** یا **یوتون** فرمایا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** اس لئے کہ دیگر صدقات میں صرف خرچ کر دینا کافی ہے۔ جیسے بھی ہو۔ مگر زکوۃ دینا یعنی فقیر کو مالک کر دینا ضروری ہے۔ دینا بغیر لینے کے نہیں پایا جاتا اس لئے زکوۃ کیلئے **یوتون** ارشاد ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نفع و نقصان نتیجے کے اعتبار سے ہے سودی مال چونکہ رب کی مخالفت سے حاصل ہو لہذا اس کا انجام نقصان ہے۔ چونکہ سود خور سارے گناہ کرتا ہے لہذا اس کی سزا سب گناہوں سے بڑھ کر ہے۔ کیونکہ جیسی غذا' ویسا نتیجہ' حرام غذا سے حرام فعل صادر ہوتے ہیں۔ مکروہ غذا سے مکروہ فعل' مباح غذا سے مباح افعال' بہتر غذا سے بہترین اعمال کی توفیق ملتی ہے لہذا سود خور پر سود کا گناہ بھی ہے اور ان حرام افعال کا بھی جو سود کھانے سے پیدا ہوئے' حدیث شریف میں ہے کہ پچھلا گناہ اگلے گناہ کی سزا ہوتا ہے اور اس کے برے نتائج بڑھتے رہتے ہیں۔ سود خور اپنے مال کا نتیجہ نہ زندگی میں دیکھے نہ قبر میں نہ آخرت میں۔ مگر صدقہ اس باغ کی طرح ہے جس کے پھل ہمیشہ کھائے جائیں اور اس کی جڑ ہمیشہ محفوظ رہے۔ یہ بھی معنی ہیں سود کی بربادی اور صدقہ کی برکت کے کہ سخی کا مال' اس کی اولاد اور مسلمانوں میں باقی رہتا ہے اس کی مسجدوں میں نمازیں ہوتی ہیں اس کی سراؤں میں مسافر آرام پاتے ہیں۔ لہذا وہ اپنے مال کا پھل' زندگی قبر اور حشر میں پاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی غذا سنبھالو تاکہ تمہارے اعمال سنبھل جائیں (از ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں ہمارے اعمال کی جزا ہے مگر دیدار الٰہی کسی عمل کا بدلہ نہیں بلکہ محض رب تعالیٰ کا فضل ہے۔ اور جیسے تخم اچھی زمین میں بوؤ تو پھل اعلیٰ ہوتا ہے۔ ایسے ہی زکوۃ وغیرہ کا اجر عند اللہ یعنی اللہ کے نزدیک ہے اس کا پھل بھی بہت زیادہ اور جیسے سرکاری بنک میں مال ضائع نہیں ہوتا۔ ایسے ہی رب کے بنک کا جمع شدہ مال برباد نہیں ہوتا۔ سال ہو یا اعمال جزا کا استحقاق از روئے قانون اس کو ہے جو عمل کرے بغیر عمل جزا کی امید خیال خام ہے۔ تخم بو کر کاٹنے کی امید کرو۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو وہ جو باقی رہ گیا سود سے اگر

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر

www.alahazratnetwork.org

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ

اگر تم ایمان لانے والے — پس اگر نہ کرو تم تو مطلع ہو جاؤ ساتھ لڑائی کے اللہ سے — اور

مسلمان ہو — پھر اگر ایسا نہ کرو — تو یقین کر لو — اللہ — اور

رَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

رسول اس کے سے اور اگر تم توبہ کرو پس واسطے تمہارے اصل مالوں تمہارے کا نہ ظلم کرو گے

اللہ کے رسول سے لڑائی کا — اور اگر تم توبہ کرو — تو اپنا اصل مال لے لو — تم کسی کو

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

تم اور نہ ظلم کیے جاؤ گے

نقصان نہ پہنچاؤ نہ تمہیں کوئی ہو

تعلق: اس آیت کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں آئندہ سود لینے سے ممانعت کی گئی ہے۔ اب پچھلا چڑھا ہوا سود وصول کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا فلہ ماسلف کہ جو آئندہ سود سے باز رہے تو اس کیلئے گزشتہ سود حلال ہے اس سے دھوکہ پڑ سکتا تھا کہ پچھلا غیر مقبوض سود بھی وصول کرنا جائز ہے اس آیت میں یہ وہم دور کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے وہم ہو سکتا تھا کہ جو کوئی ممانعت سے پہلے اپنے اصل مال کے برابر یا اس سے زیادہ سود وصول کر چکا وہ اب ممانعت کے بعد مقروض سے اپنا اصلی مال بھی نہ لے اس آیت میں یہ شبہ دور کیا جا رہا ہے کہ نہیں اصلی مال لے سکتا ہے پچھلے سود میں نہ کٹے گا۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ 1۔ کفار مکہ سود کے بہت عادی تھے۔ جب فتح مکہ کے دن اسلام لائے اور حرمت سود کے احکام سنے تو انہوں نے چاہا کہ آئندہ باز رہیں مگر پچھلا وصول کر لیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (کبیر)۔ 2۔ قبیلہ بنی ثقیف میں چار بھائی تھے۔ مسعود عبدیالیل' حبیب اور ربیعہ' یہ لوگ بنی مغیرہ کو سودی قرض دیا کرتے تھے جب طائف فتح ہوا اور یہ چاروں بھائی اسلام لے آئے تب انہوں نے بنی مغیرہ سے اپنا پچھلا سود مانگا انہوں نے کہا' قسم رب کی ہم نہ دیں گے کیونکہ سود حرام ہو چکا یہ مقدمہ حضرت عتاب ابن اسید کی کچہری میں آیا۔ حضرت عتاب نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں یہ واقعہ لکھا تب یہ آیت کریمہ اتری' اور ان چار بھائیوں کو سود لینے سے روک دیا گیا۔ (خازن و کبیر)۔ 3۔ حضرت عباس اور عثمان بن عفان رضی اللہ عنہما نے ممانعت سود سے پہلے کھجوریں سود پر قرض دی تھیں۔ جب مقروض کے باغ کے پھل کٹے تو انہوں نے لئے' کچھ باقی رہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری۔ (کبیر) حضرت عباس اور خالد ابن ولید شرکت میں تجارت کرتے تھے اور سودی لین دین بھی کیا کرتے تھے۔ ان صاحبوں کا مقروض پر بہت مال پھیلا ہوا تھا۔ انکے بارے میں یہ آیت کریمہ آئی۔ (کبیر و روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **یاایها الذین امنوا اتقوا الله** ـــ چونکہ سود اہل عرب کی گھٹی میں پڑا ہوا تھا نفس کو یہ مفت کی آمدنی پسند تھی جس کا چھوڑنا نفس پر گراں تھا۔ اس لئے رب نے پہلے پیارے خطاب۔ سے پکارا پھر حکم دیا کہ خطاب کی لذت سے مشکل حکم آسان ہو جائے۔ یعنی اے لوگو جو ایمان لا کر ہمارے وفادار بندے بن چکے ہو۔ ہم جو کہیں چھوڑ دو اگر کہیں چھوڑ دو سود تو سود چھوڑ دو اگرچہ اسلامی حکومت سے کفار کو بھی مسلمانوں سے سود لینے کی اجازت نہیں مگر چونکہ مسلمانوں کو سود چھوڑنا کفار کیلئے عملی تبلیغ ہوگی اس لئے خصوصیت سے انہیں ہی حکم دیا **اتقوا** **وقی یا وقایۃ** سے بنا۔ اس کے معنی ڈرنا بھی ہیں بچنا بھی۔ اگر یہاں بچنے کے معنی ہیں تو عذاب پوشیدہ ہو گا یعنی اے مسلمانوں اللہ سے ڈرو' یا اللہ کے عذاب سے بچو' یا اپنی جانوں کو اللہ کے عذاب سے بچاؤ۔ (معانی و بیان) **وذروا ما بقی من الربوا۔** **ذروا** امر ہے محققین کے نزدیک اس کا کوئی مصدر نہیں۔ بلکہ یہ ترک کا امر ہے۔ جیسے ذو کی جمع **ذوا** (لغات فیروزی) بعض کا خیال ہے کہ اس کا مصدر وذر ہے اور وذرہ "ذرہ" دفع کرنے' پھینکنے چھوڑنے کے معنی میں استعمال ہے۔ اسی سے اوذر امر ہے یہ اصل میں اوذرہ تھا کلو اور مروا کی طرح اسکے یہ دونوں ہمزہ تخفیف کیلئے گرا دیئے گئے مگر یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ذرا بمعنی خلق آتا ہے۔ جیسے **ذرا لکم من الانعام والحرث۔** **ما** موصولہ ہے اور **بقی** سے باقی ماندہ سود مراد ہے۔ خواہ بالکل باقی ہو' یا کچھ لیا ہو اور کچھ باقی۔ من بیانیہ ہے یا تبعیضیہ **الربوا** کا الف لام مضاف الیہ کے عوض ہے دراصل **من ربا کم** تھا یعنی تمہارا جو سود مقروضوں پر باقی ہو اسے چھوڑ دو۔ **ان کنتم مومنین** یہاں مومنین سے حقیقی مسلمان یا مطیع یا متقی مراد ہے اور امنوا سے ہر ظاہری مومن یعنی اگر تم مخلص مومن یا مطیع یا متقی ہو تو اب سود نہ لینا۔ **فان لم تفعلوا** ' **تفعلوا** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی ترک سود اگر تم بقیہ سود لینے سے پرہیز نہ کرو۔ خواہ حرام جانتے ہوئے یا حرمت کے منکر ہو کر **لم تفعلوا** میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ صرف سود خوروں سے خطاب ہو' دوسرے یہ کہ سود دینے والوں سے خطاب ہو۔ تیسرے یہ کہ دونوں ہی سے خطاب ہو' یعنی اے سود خورو اگر تم نے سود لینا نہ چھوڑا یا اے مسلمانوں اگر تم نے سودی قرض لینے اور سود دینے کی عادت نہ چھوڑی' یا اے لوگو اگر تم نے سود کا لین دین نہ چھوڑا۔ مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پہلے سود خوروں سے خطاب تھا۔ **فاذنوا بحرب من الله ورسوله** ـــ **اذنوا** ' اذن سے بنا بمعنی سننا اسلئے کان کو اذن کہتے ہیں۔ پھر اس کا استعمال ہر سنی بات میں ہونے لگا۔ اجازت کو اذن' اطلاع اور اعلان نماز کو اذان کہتے ہیں۔ پھر ہر علم کو اذن کہا جانے لگا یہاں تیسرے معنی میں استعمال ہوا۔ ہماری قراءت میں **فاذنوا** ذال کے زبر سے ہے یعنی منکرین کو بتا دو۔ **اذنتکم علی سواء** (کبیر) حرب سے یا اخروی مقابلہ مراد ہے یا دنیوی اور یا یہ کلمہ ڈرانے اور باز رکھنے کیلئے استعمال ہوا۔ **من الله** کا متعلق پوشیدہ ہے **کائن** یہ حرب کی صفت ہے یعنی تم اللہ رسول سے اخروی یا دنیوی جنگ کا یقین کر لو کہ تمہیں آخرت میں عذاب بھی ہو گا اور دنیا میں قتل و غارت بھی۔ جیسا کہ ہم ان شاء اللہ فوائد میں عرض کریں گے۔ خلاصہ مضمون یہ ہے کہ تم غور کر لو کیا تم اللہ رسول سے لڑ سکتے ہو۔ یا کیا تم اسکے عذاب کو برداشت کر سکتے ہو۔ ہرگز نہیں کر سکتے تم سے مکھی مچھر و چیونٹی کا مقابلہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور تم ایک معمولی سی بیماری برداشت نہیں کر سکتے تو گناہ کس ہمت و دلیری پر کرتے ہو۔ لہٰذا تم توبہ کر کے معافی چاہو ہم بخش دیں گے مجبور کو عاجزی لازم ہے **وان تبتم** یہ لفظ توب سے بنا بمعنی لوٹنا اور رجوع کرنا۔ بندے کے حق میں گناہ سے رجوع کرنا اور رب کے حق میں عذاب سے رجوع توبہ ہے۔ یعنی اگر تم اس

www.alahazratnetwork.org

ارادہ سے باز آجاؤ **فلکم رء وس اموالکم** ' **لکم** کا متعلق پوشیدہ ہے جائز یا ثبت یا احل۔ **رء وس** ' راس کی جمع ہے بمعنی سر یہاں اصل مال مراد ہے جو بطور قرض مقروض کو دیا گیا تھا۔ چونکہ سر سے تمام جسم کی بقاء ہے۔ ایسے ہی اصل قرض پر سود کا دارومدار۔ اس لئے اسے راس المال کہتے ہیں۔ یعنی تو تمہارے لئے اپنا اصل مال لینا جائز ہے۔ گزشتہ لئے ہوئے سود میں نہ کٹے گا چونکہ بنی ثقیف کے چند قسموں کے مال قرض تھے۔ یا چند لوگوں نے قرض دے رکھا تھا۔ اسی لئے یہاں اموال جمع فرمایا گیا۔ غرضیکہ مال کا جمع لانا یا قرض خواہوں کی کثرت کی وجہ سے ہے یا خود مال کی۔ **لا تظلمون ولا تظلمون** یہ ظلم سے بنا۔ جسکے معنی بارہا بیان ہو چکے پہلے **تظلمون** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے' یہ جملہ یا مستقل ہے یا لکم کی ضمیر سے حال یعنی نہ تم مقروضوں پر زیادتی کرو کہ اصل قرض سے زیادہ کا مطالبہ کرو اور نہ ان کی طرف سے تم پر ظلم کیا جائے کہ وہ تمہارے اصل مال میں کمی کریں۔ یا بلاوجہ لوائے قرض میں دیر لگائیں۔ یا تو یہ بمعنی نہی ہے' یا نفی۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جو بظاہر مومن ہو چکے' تم اللہ سے ڈرو اور اس کے عذاب سے بچو اور تمہارے مقروضوں پر جو کچھ تمہارا سود باقی رہ گیا ہے وہ ایکدم چھوڑ دو اگر تم مخلص مومن ہو کیونکہ ایمان کا تقاضا ہے اگر تم اس پر عمل نہ کرو تو اللہ رسول کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔ یعنی تم پر دنیا میں جہاد بھی ہو گا۔ اور آخرت میں عذاب بھی۔ اور اگر تم اس بد عقیدگی یا بد عملی سے توبہ کر لو' اور آئندہ سود لینے کا ارادہ چھوڑ دو تو تم کو تمہارے اصل مال جو مقروض پر ہیں مل جائیں گے اس قانون کے بعد نہ تم کسی مقروض پر ظلم کرو' نہ سود وصول کرو یا مسکین کو نہ دو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے کہ تمہارے اصل مال میں کمی کی جائے یا بلاوجہ ٹال مٹول کی جائے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سود خوری سخت گناہ ہے۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ دو جرموں کے سوا کسی گناہ پر رب کی طرف سے اعلان جنگ نہیں دیا گیا۔ ایک سود لینا۔ دوسرے اولیاء اللہ سے عداوت رکھنا۔ حدیث پاک میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند لوگوں پر لعنت فرمائی۔ سود لینے والا' سود دینے والا' سود لکھنے والا' سود کا گواہ۔ نیل سے بدن پر داغ لگوانے والا' زکوۃ نہ دینے والا۔ طلاق مغلظہ میں حلالہ کرانے والا' جبکہ زبان سے حلالہ بولے' مرتد اور ماں باپ کا نافرمان' یتیم کا مال ظلماً کھانے والا' جاندار کا فوٹو کھینچنے والا (در منثور) دوسری روایت ہے کہ سود خوری سے قحط سالی اور رشوت ستانی سے عیب اور بدکاری سے وبا پھیلتی ہے۔ (احمد و در منثور) **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالی سے وہ خصوصی قرب حاصل ہے کہ ان سے جنگ رب سے جنگ ہے اور ان سے صلح رب سے صلح ہے۔ **بحرب من اللہ** میں اگر دنیا میں جنگ مراد ہو تو ظاہر ہے کہ سود خوروں کی لڑائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام سے ہو گی مگر رب نے فرمایا کہ اللہ سے جنگ کرنے کیلئے تیار ہو جاؤ ان سے لڑنا گویا اللہ سے لڑنا ہے ایسے ہی ان سے صلح رب تعالی سے صلح ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اگر سود خور سود پر اڑ جائے تو حاکم جبراً اس سے سود چھڑائے اگر وہ حاکم کا مقابلہ کرے تو اس پر جہاد کیا جائے کیونکہ اگر وہ سود کی حرمت کا منکر ہے تو مرتد ہے ورنہ باغی جیسا کہ **بحرب من اللہ** سے معلوم ہوا۔ ہر مسئلہ شرعی کا یہی حکم ہے اسی لئے ابو بکر رضی اللہ عنہ نے زکوۃ نہ دینے والوں پر لشکر کشی کی۔ حالانکہ ان میں سے بعض فرضیت زکوۃ کے منکر نہ تھے بلکہ مال ظاہری کی زکوۃ سلطان اسلام کو دینا نہ چاہتے تھے آپ نے فرمایا کہ جو مجھے بکری کا بچہ بھی نہ دیں گے۔ میں ان پر جہاد

www.alahazratnetwork.org

کروں گا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قوم اذان یا مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دے' تو ان سے حاکم جنگ کرے کہ وہ باغی ہیں۔ (روح البیان و کبیر وغیرہ) یہ سب مسائل **بحرب من اللہ ورسولہ** سے معلوم ہوئے کیونکہ یہاں **بحرب اللہ** نہ فرمایا۔ بلکہ **بحرب من اللہ** فرمایا چوتھا فائدہ: جو مقروض بلاوجہ ادائے قرض میں دیر لگائے وہ ظالم ہے۔ حاکم جبراً اس سے قرض ادا کرائے ورنہ اسے قید کر دے۔ جیسا کہ **ولا تظلمون** سے معلوم ہوا۔ (روح المعانی) فقہ میں مقروض کے احکام کی بہت تفصیل ہے۔ ہم نے بلاوجہ کی قید اس لئے لگائی کہ دیوالیہ مقروض کا نہ نکل جائے۔ پانچواں فائدہ: جو قرض خواہ سود لینا چاہے وہ بھی ظالم ہے۔ حاکم اسے اس ارادہ سے جبراً روک سکتا ہے۔ جیسا کہ **لا تظلمون** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اسلام کے بعد زمانہ کفر کے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ مگر آئندہ گناہ سے روکا جائے لہذا جو حربی کافر سودی لین دین کے بعد اسلام لائے تو اس پر گزشتہ سود واپس کرنا واجب نہ ہو گا۔ ہاں زمانہ کفر کے قرض پر اب سود نہ لے سکے گا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس آیت سے صدہا احکام کفار مستنبط ہو سکتے ہیں۔ مثلاً اگر کافر نے سود یا شراب پر نکاح کیا اور پھر مسلمان ہو گیا تو اگر یہ مہر ادا کر چکا تو جائز ہے۔ اگر ادا نہ کر چکا ہو تو اب وہ خنزیر یا شراب نہیں دے سکتا۔ یہ تمام مسائل **فلکم رء وس اموالکم** سے معلوم ہوئے۔ ساتواں فائدہ: دار الحرب کے فاسد عقود فسخ نہ کئے جائیں گے۔ ہاں آئندہ کیلئے بند کر دیئے جائیں گے۔ (احکام القرآن) آٹھواں فائدہ: کفار کے خلاف قاعدہ اسلامی نکاح باقی رکھے جائیں گے۔ لہذا اگر شوہر و بیوی مسلمان ہو جائیں تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں۔ ان کا پہلا نکاح قائم رہے گا۔ اگرچہ بغیر مہر بغیر ایجاب قبول ہوا ہو۔ نواں فائدہ: اگر تجارت میں قبضہ سے پہلے مفسد پایا جائے۔ تو بیع باطل ہے۔ اور قبضہ کے بعد پایا جائے تو بیع درست ہو گی۔ مثلاً دو کافروں نے آپس میں شراب کی بیع کی اور قبضہ کے بعد اسلام لائے تو بیع درست ہے کہ تاجر روپیہ اپنے استعمال میں لائے اور خریدار شراب کا سرکہ بنا لے ایسے ہی اگر مسلمان نے شکار خرید کر احرام باندھا تو اگر قبضہ سے پہلے احرام باندھا ہو تو بیع فاسد ہے۔ ورنہ درست (احکام القرآن) دیکھو اسی آیت نے مقبوض سود کو حلال رکھا اور غیر مقبوض سے روک دیا۔ یہ سارے احکام اسی سے مستنبط ہوئے۔ مسئلہ: کافر نے بحالت کفر شراب ادھار بیچی اگر قبضہ دیکر مسلمان ہوا تو خریدار سے قیمت وصول کرے ورنہ بیع فاسد ہو گی۔

اعتراض: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور کافر ہے۔ کیونکہ اسے رب نے اعلان جنگ دیا حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ بد عملی کفر نہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں لم تفعلوا سے مراد سود کو حلال جان کر اس سے باز نہ رہنا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں کافر ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ یہ اعلان جنگ ڈرانے کیلئے ہے۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ ریاء شرک ہے یا اولیاء اللہ سے مخالفت کرنے والے کو رب کا اعلان جنگ ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی اور فاطمہ زہرہ و حسن و حسین رضی اللہ عنہم سے فرمایا **انا حرب لمن حاربتم** ان سب صورتوں میں گناہ پر اعلان جنگ دیا گیا۔ دوسرا اعتراض: **فان تبتم** سے معلوم ہوا کہ جو سود سے نہ بچے "اسے اس کا" راس مال بھی نہ دیا جائے" یہ تو ظلم ہے جواب: بیشک اگر سود کو حلال جانتا ہے تو مرتد ہے اس کا راس جسم (سر) بھی نہ بچے گا چہ جائیکہ راس مال۔ اور حکومت سود کا منکر نہیں اور بادشاہ اسلام کا مقابلہ کرتا ہے تو باغی ہے اور باغی کا مال توبہ سے پہلے اسے نہیں ملتا۔ بلکہ یہ سلطان کے پاس امانتاً" محفوظ رہتا ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک بالکل ضبط ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی) تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور سے قتال کیا جائے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ کسی مسلمان کو بجز تین

www.alahazratnetwork.org

صورتوں کے قتل کرنا جائز نہیں- ارتداد' قتل اور زنا' اس حدیث میں آیت میں مطابقت کیونکر ہو- **جواب:** اگر سود خور سود حلال سمجھ کر اس پر اڑتا ہے تو مرتد ہے اس سے ایسا ہی جہاد کیا جائے جیسا کہ کفار سے اور اگر سود کو حرام تو سمجھتا ہے مگر چھوڑتا نہیں- تو سلطان اسلام جبراً اسے روکے اگر وہ جبر کو نہ مانے اور اگر وہ بنا کر مقابلہ کرے تو باغی ہے- اس سے ایسی جنگ کی جائے گی جیسے باغیوں سے- غرض بحرب من اللہ ورسولہ کی دو نوعیتیں ہیں- **چوتھا اعتراض:** سود میں ایسی کونسی خصوصیت ہے کہ سود خور کو اعلان جنگ دیا گیا- شرابی' جواری' بے نماز سب ہی گنہگار ہیں- انہیں اعلان جنگ نہیں؟ **جواب:** حقوق دو قسم کے ہیں- حقوق اللہ اور حقوق مخلوق' دیگر گناہ میں یا صرف رب کی حق تلفی ہے سود خور رب کی مخالفت شریعت کا مقابلہ کرتے ہوئے عالم خلق کو تباہ کرنا چاہتا ہے- لہٰذا سزا بھی اس کی سخت ہوئی- **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سود خور توبہ کرنے کے بعد اصل قرض مقروض سے لے گا- اگرچہ توبہ سے پہلے وہ قرض سے کہیں زیادہ وصول کر چکا ہو- تو کیا اب بھی سود خور کو یہ رعایت ملے گی کہ پہلے تو خوب سود وصول کرے پھر توبہ کرے پورا قرض بھی لے اس پر تو یہ شعر صادق آتا ہے-

رات بھر پی اور صبح کو توبہ کر لی — رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

جواب: ہرگز نہیں یہ رعایت صرف اس وقت کیلئے ہے- جب کہ حرمت سود کا قانون بننے سے پہلے لوگوں نے سود لے لیا تھا- اور وہ سود اسی وقت ان کیلئے جائز تھا- اب جبکہ سود حرام ہو چکا ہے تو جو بھی لے گا حرام ہی لے گا اور اب توبہ کرنے پر لیا ہوا سود وضع کرنا پڑے گا اور اگر قرض سے زیادہ لے چکا ہے تو واپس کرنا ہو گا- **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر تم توبہ کر لو تو بھی اصل قرض ملے گا- ان لوگوں نے اس وقت کون سا گناہ کیا تھا- جس سے توبہ کرائی جا رہی ہے- اس سے پہلے جو سود لیا تھا وہ تو گناہ تھا ہی نہیں کہ اس وقت حلال تھا- اس سے توبہ کرانے کے کیا معنی؟ **جواب:** بنی ثقیف کے ان چار صاحبوں نے حرمت سود کے بعد گزشتہ قرض کا سود لینا چاہا تھا- یہ جرم تھا کہ ارادہ گناہ ہے- اس سے یہاں توبہ کا حکم دیا یا توبہ سے مراد ہے آئندہ سود سے بچنے کا عہد-

تفسیر صوفیانہ: سود کی حرمت صرف مال میں ہی نہیں بلکہ ہر چیز میں ہے- اعضائے ظاہری و باطنی سے جائز کام لینا حلال اور ان سے حرام کام لینا گویا سود ہے اور حرام- یہاں حکم ہو رہا ہے کہ اے غافل مسلمانوں تم زمانہ غفلت میں اپنے اعضاء سے جو کچھ حرام کام کر چکے اب ہوش آنے پر اس 'سود خوری' سے بچو اور گزشتہ گناہوں کا اثر مٹا دو یہ مت سمجھو کہ ؎

عمر ساری تو کٹی عشق بتاں میں مومن — آخری وقت میں کیا خاک مسلماں ہوں گے

جو دم ملے غنیمت جانو' اور جو نیکی ممکن ہو' اسے نہ چھوڑو- ممکن ہے کہ ایک نیکی تمام گناہوں کو فنا کر دے اگر تم ہوش آنے پر بھی اس سود خوری سے باز نہ آئے تو اب تک تو غافل مجرم رہے اور اب عاقل باغی قرار دیئے جاؤ گے کہ جان بوجھ کر رب کی نافرمانی کرتے ہو' اللہ و رسول سے جنگ کیلئے تیار ہو جاؤ اور اگر تم گناہوں سے توبہ کر لو تو زمانہ غفلت کی نیکیوں کے ثواب سے محروم نہ رہو گے اور ممکن ہے کہ اس توبہ کی برکت سے تمہارا گزشتہ لیا ہوا یہ سود بھی معاف ہو جائے- صوفیائے کرام کے نزدیک رب سے ناامیدی کفر ہے بڑے سے بڑے مجرم کو رحمت الٰہی کا اعلان عام ہے کہ اب بھی آ جاؤ یاد رکھو کہ اپنے اعضاء

سے دنیوی کام لینے کا اسی کو حق ہے جو ان سے دینی کام بھی لے۔ دین سے غافل ہر وقت ظالم ہے کہ وہ اپنے پر ہر دم ظلم ہی کرتا رہتا ہے **لا تظلمون ولا تظلمون** نہ اپنے بدن پر ظلم کرو اور نہ بروز قیامت یہ تم پر ظلم کرے۔ ورنہ سمجھ لو **جزاء سیئۃ سیئۃ** آج یہ اعضاء تمہارے تابع ہیں تمہارا ظلم سہ لیں گے۔ مگر بروز قیامت جب انہیں موقعہ ملے گا تو بارگاہ الٰہی میں تمہاری شکایت کر کے تمہیں ضرور سزا دلوائیں گے۔ **وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانو یکسبون** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے مال کو صرف سنبھال کر نہ رکھو۔ اسے کاروبار میں لگا کر بڑھاؤ' جمع شدہ مال برباد ہو جاتا ہے۔ کاروبار میں لگا ہوا روپیہ بڑھتا ہے۔ پھر روپیہ حلال کاروبار میں لگاؤ حرام کے ذریعہ اسے نہ بڑھاؤ۔ تجارت سے بڑھاؤ' جوئے سود وغیرہ سے نہ بڑھاؤ ایسے ہی اعضاء ظاہری اور دل کو بیکار نہ رکھو ورنہ ضائع ہو جائیں گے۔ رب نے بیکاری کیلئے یہ نعمتیں نہیں دیں ہیں۔ فرماتا ہے **افحسبتم انما خلقنکم عبثا** بلکہ انہیں کام لگاؤ' تاکہ ان سے برکتیں نصیب ہوں' مگر پھر یہ خیال رکھو انہیں ناجائز کاروبار کفر و شرک بدکاری فسق و فجور میں نہ پھنساؤ' ورنہ بجائے نفع کے تمہیں نقصان دیں گے۔ جیسے سود میں لگا ہوا مال بلکہ جائز کاروبار میں اور ادائے حقوق الیہ و حقوق شرعیہ میں مصروف رکھو تاکہ ان سے خاطر خواہ نفع کماؤ جیسے کچھ مال زکوۃ صدقات وغیرہ آگے کیلئے توشہ بناتے ہیں۔ کچھ اپنی ضروریات میں صرف کرتے ہیں۔ ایسے ہی ان ظاہری باطنی اعضاء سے کچھ اپنے کام لو کچھ آخرت کیلئے توشہ بناؤ۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ

اور اگر ہو تنگی والا　پس مہلت ہے آسانی تک　اور یہ کہ صدقہ کرو تم بہتر ہے واسطے

اور اگر قرض دار تنگی والا ہے تو اسے مہلت دو آسانی تک اور قرض اس پر بالکل چھوڑ دینا

لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨٠﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى

تمہارے اگر ہو تم جانتے　اور ڈرو اس دن سے کہ لوٹائے جاؤ گے بیچ اس کے

تمہارے لیے بھلا ہے اگر جانو　اور ڈرو اس دن سے جس میں اللہ کی طرف پھرو گے اور

اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾

طرف اللہ کے پھر پورا دیا جائے گا ہر نفس وہ جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کیے جاویں گے۔

ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جاوے گی　اور ان پر ظلم نہ ہو گا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مقروضوں پر ایک آسانی کی گئی تھی کہ انہیں سود کے بوجھ سے ہلکا کر دیا گیا اب ان کیلئے دوسری آسانی یہ ہو رہی ہے کہ انہیں ادائے قرض میں مہلت دی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عام مقروضوں کے احکام بیان ہوئے۔ اب خاص مقروض یعنی دیوالیہ کے احکام بیان ہو

www.alahazratnetwork.org

رہے ہیں کہ اسے اتنی مہلت دو کہ کما کر قرض ادا کرسکے۔ **تیسرا تعلق:** سود کی آیتوں سے پہلے صدقہ کی رغبت دی گئی تھی اب مسلمانوں کو ایک خاص خیرات کی طرف مائل کیا جارہا ہے۔ یعنی معافی قرض۔

شان نزول: جب پچھلی آیت نازل ہوئی تو ان چاروں ثقفی بھائیوں نے جنکے بارے میں وہ آیت آئی تھی کہا کہ ہم میں اللہ تعالٰی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں۔ ہم سود لینے سے توبہ کرتے ہیں اپنا اصل قرض ہی لیں گے یہ کہہ کر وہ اپنے مقروضین بنی مغیرہ کے پاس گئے اور بولے کہ سود سب معاف ہمارا اصل قرض ادا کرو انہوں نے کہا کہ ابھی تو ہم تنگدست ہیں کچھ مہلت دو آمدنی ہوتے ہی سب سے پہلے تمہارا قرض ادا کردیں گے۔ انہوں نے انکار کیا اور فوراً ادا کا مطالبہ کیا۔ تب یہ آیت اتری۔ (کبیر و روح المعانی و احمدی)

تفسیر: **وان کان ذوعسرۃ** ظاہر یہ ہے کہ کان تامہ ہے بمعنی وقع یا ثبت اور ذو عسرۃ اس کا فاعل اور ممکن ہے کہ کان ناقصہ ہو اور ذو عسرۃ اس کا اسم اور خبر محذوف یعنی منہا۔ عسر اعسار کا ہم معنی ہے بمعنی تنگی اور مشکل ہونا۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **اعسر الرجل** اس کا مقابل **یسر** ہے بمعنی آسانی اور غنا یعنی اگر مقروض تنگدست ثابت ہو۔ **فنظرۃ الی میسرۃ** نظرۃ پوشیدہ مبتداء الحکم کی خبر ہے یہ انظار کا ہم معنی بمعنی ڈھیل اور مہلت دینا ہے۔ **رب انظرنی** **انک لمن المنظرین** اسی سے انتظار ہے غور کرنے کو بھی نظر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کیلئے مہلت درکار ہے اسی سے ہے مناظرہ یعنی ایک مسئلہ میں باہم غور کرنا۔ دیکھنے کو نظر اس واسطے کہتے ہیں کہ اس میں قوت باصرہ کو اپنے کام کرنے کی ڈھیل دی جاتی ہے۔ آنکھ بند کرنے والا گویا اسے مقید کرتا ہے۔ (از کبیر) **میسرۃ** بروزن مفعلۃ یسار کا ہم معنی ہے۔ بمعنی آسانی اور غنا یا اسم ظرف ہے اسی کا مادہ یسر ہے یعنی پس حکم یہ ہے کہ اسے غنا تک مہلت دو۔ **خیال رہے:** کہ یہ حکم وجوبی ہے جیسا کہ ان شاء اللہ فوائد میں عرض کیا جائے گا۔ **وان تصدقوا** ان مصدریہ ہے اور تصدقوا صدقۃ سے بنا تصدق کے معنی صدقہ دینا ہوتے ہیں۔ مگر کبھی حق معاف کردینے کو بھی تصدق کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے بعض نے کہا کہ اس صدقہ سے مہلت دینا مراد ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں کیونکہ مہلت کا حکم تو پہلے ہوچکا۔ نیز مہلت دینا واجب اور معاف کردینا مستحب لہذا صحیح یہ ہی ہے کہ اس سے قرض کی معافی مراد ہے۔ خواہ کلا ہو یا بعضا۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ کل معافی مراد ہے۔ اسی لئے بجائے معافی کے صدقہ فرمایا گیا۔ یعنی تمہارا سارا قرض معاف کردینا خیر لکم یہاں خیر کا متعلق پوشیدہ ہے۔ (**من الانظار**) خیر سے زیادہ ثواب مراد ہے۔ یعنی معافی مہلت دینے سے تمہارے لئے زیادہ باعث ثواب ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ اگر دیوالیہ مقروض کے پاس ادائے قرض کیلئے پیسہ نہ ہو مگر مکان جائیداد وغیرہ ہو تو اسے مہلت دو اس کی جائیداد نیلام نہ کراؤ وہ اس مہلت میں کما کر قرض ادا کردے اور اگر اس کے پاس کچھ بھی نہ ہو تو معافی دیں۔ اس کا آخرت کا معاملہ صاف کردو تم اپنے مقروض پر رحم کرو۔ تاکہ رحم کئے جاؤ۔ غرضیکہ مہلت ایک صورت میں ہے اور معافی دوسری صورت میں۔ **ان کنتم تعلمون ○** اس فعل کا مفعول اور شرط کی جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر تم یہ جانتے ہو تو معافی پر عمل کرو۔ جیسے قیدی آزاد کرنا ثواب ہے۔ ایسے ہی کسی مقروض کی گردن چھڑانا ثواب ہے کہ قرض بھی ایک قید ہے۔ جس میں مقروض دنیا و آخرت میں پھنسا ہوا ہے۔ **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ** یہاں تقوٰی سے ڈرنا مراد ہے۔ اور یوم سے وقت یا قیامت کا دن مراد اور یہ اتقوا کا مفعول بہ اور ممکن

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ اس سے وقت موت مراد ہو الی اللہ سے الی امر اللہ یا الی حفظ اللہ مراد یعنی اس دن یا اس وقت سے ڈرو' جس میں تم رب کے حکم یا حفاظت کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور اگر خدا کی طرف ہی لوٹنا مراد ہو تو رجوع مکانی نہ ہو گا۔ بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ تم قیامت میں اس حالت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو گے کہ سوائے اس کے رحم و کرم کے کوئی ذریعہ دنیاوی نہیں چھڑا سکے گا۔ اور جس دن کسی کی ظاہری بادشاہت بھی نہ ہو گی۔ اور جہاں کوئی حیلہ بہانہ نہ بن سکے گا۔ غرضیکہ معرعہ "کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے"۔ اس کا حال ہو گا۔ خیال رہے کہ اتقوا کا مطلب یہ نہیں کہ صرف دل میں خوف رکھو بلکہ عملی خوف خدا مراد ہے۔ **ثم توفی کل نفس ما کسبت۔** **توفی** **توفیتہ** سے بنا' اس کا مادہ وفاء ہے بمعنی پورا پورا دینا **ما کسبت** کا مضاف جزاء پوشیدہ ہے۔ یعنی ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ خیر کا خیر' شر کا شر خیال رہے کہ کسب ہر اختیاری فعل کو کہتے ہیں۔ خواہ ہاتھ سے صادر ہو' یا دیگر اعضاء سے اور کل نفس سے ہر عاقل و بالغ انسان مراد ہے۔ کیونکہ بچے دیوانے اور جانور کے اعمال کی اخروی جزا نہیں اس لئے ارشاد ہوا۔ **وھم لا یظلمون** ○ یہ جملہ کل نفس کا حال ہے۔ اور چونکہ وہ معناً" جمع تھا۔ اس لئے ضمیر جمع لائی گئی۔ یعنی ان لوگوں پر کچھ ظلم نہ کیا جائے گا۔ کہ ان کی نیکیاں گھٹ جائیں۔ یا گناہ بڑھ جائیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر تمہارا مقروض تنگدست ہو اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکے تو اس کو مہلت دے دو کہ جب گنجائش ہو تب ادا کر دے۔ اور ایسے فقراء مساکین سے بالکل قرض معاف کر دینا تمہارے لئے مہلت دینے سے زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ اگر تم اپنے قرض سے آزاد کرو گے' تو رب تمہیں اپنے قرض سے آزاد کرے گا۔ اگر تمہیں اس کی خبر ہو تو تم ضرور معاف کر دو۔ تم بھی کسی کے مقروض ہو' اپنی اس پیشی کے دن سے ڈرتے رہو۔ جب تمہیں بارگاہ الٰہی میں واپس کیا جائے گا۔ اور ہر شخص کو اس کے سارے برے بھلے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہو گا۔ نہ تو ان کی نیکیاں گھٹیں۔ نہ گناہ بڑھیں اگر تم اس دن اپنی رہائی چاہتے ہو۔ تو آج اپنے مقروض قیدیوں کو رہا کرو۔

نوٹ: مفسرین فرماتے ہیں کہ **واتقو یوما** یہ سب سے اخیری آیت ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ اسے سورۂ بقر میں 280 آیتوں کے بعد رکھئے چنانچہ یہاں رکھی گئی اس کے بعد حضور علیہ السلام دنیا میں اکیس روز تشریف فرما رہے۔ بعض روایات میں ہے کہ سات روز اور بعض میں ہے نو دن (خازن و خزائن) بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ یہ آیت وفات شریف سے تین گھنٹے پہلے نازل ہوئی۔ (روح المعانی) مگر عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اخیری آیت سود کی آیت ہے۔ ہو سکتا ہے' احکام کی آیت میں سود کی آیت اخیری ہو۔ اور مطلقاً آیات میں یہ آیت اخیری۔ خیال رہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے اس دراز عرصہ میں بہت کام ہوں گے۔ اولاً حیرانی۔ پھر پریشانی' پھر شفیع کی تلاش' پھر نامہ اعمال' کی تقسیم پھر مقدمات کی تحقیق و تحقیق گواہیاں وغیرہ سب سے آخیر میں فیصلے۔ پھر ہر ایک کو اس کے ٹھکانے پر پہنچانا۔ چونکہ فیصلے اور ٹھکانوں پر پہنچانا سب سے آخر میں ہو گا۔ اس لئے یہاں **ثم توفی** ارشاد ہوا۔ **ثم** تراخی و مہلت چاہتا ہے اور توفیٰ کل نفس کی تفسیر اس جملے کی **وھم لا یظلمون** یعنی پورا بدلہ دینے کا مطلب ہے کہ ان پر ظلم نہ ہو گا یہ مطلب نہیں کہ فضل ربانی بھی نہ ہو گا۔ نفس سے مراد صرف مکلف انسان ہیں۔ جنہیں اعمال کا موقعہ ملا۔ جنات' فرشتے' کل نفس سے علیحدہ ہیں کہ فرشتوں کیلئے سزا تو ہے۔ مگر مومن جن کیلئے جزا یعنی جنت نہیں۔ ان کی جزاء صرف سزا سے بچ جانا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

انسانوں کے چھوٹے بچے دیوانے وغیرہ اپنے اعمال سے نہیں بلکہ فضل ذوالجلال سے بخشے جائیں گے۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے نہ تو دوسری آیات کے خلاف ہے نہ احادیث کے مخالف۔

قرض لینے کی برائی: بلا ضرورت قرض لینا بہت برا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس غریب مقروض کی نماز جنازہ نہ پڑھتے تھے۔ جس نے ادا کے لئے مال نہ چھوڑا ہو مسلمانوں سے فرماتے تھے نماز جنازہ پڑھ لو۔ (مسلم و مشکوۃ باب الافلاس 2) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ شہید کے سارے گناہ معاف ہو جائیں گے سوائے قرض کے (مسلم و مشکوۃ باب الافلاس 3) فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم جو ادائی نیت سے قرض لے گا۔ رب تعالیٰ ادا کرا دیگا اور جس کی نیت پہلے ہی سے نہ دینے کی ہو گی۔ اس کا کبھی ادا نہیں ہو سکتا۔ (بخاری و مشکوۃ 4) تین پیسہ کے عوض مقروض کی سات سو نمازیں مسلمان قرض خواہ کو قیامت میں دلوائی جائیں گی۔ (شامی) قیامت کے دن یا تو مقروض کی عبادات مسلمان قرض خواہ کو دلوائی جائیں گی۔ یا قرض خواہ کے گناہ مقروض پر ڈالے جائیں گے۔ مسلمان ان روایات سے عبرت پکڑیں۔ آج کل شادی و موت کی حرام رسمیں پوری کرنے کیلئے قرض لینے کی عام عادت ہو گئی اور سودی قرض اور بھی وبال ہے۔ آپ اس تفسیر میں پڑھ چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے سود دینے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ 6۔ احمد کی روایت میں ہے کہ اگر کوئی شخص سات بار بھی زندہ ہو کر شہید ہو تا رہے جنت میں نہیں جا سکتا۔ جب تک کہ قرض ادا نہ کر دے۔ (مشکوٰۃ باب الافلاس)۔ 7۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گناہ کبائر کے بعد سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان مقروض ہو کر مرے اور ادا کیلئے مال نہ چھوڑے۔ (احمد ابو داؤد و مشکوۃ)۔ 8 فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر جنت میں جانا چاہتے ہو تو تین چیزوں سے بچو غرور، خیانت و قرض (ترمذی ابن ماجہ مشکوۃ)۔ 9۔ مقروض بعد موت قرض میں گرفتار رہتا ہے۔ جب تک کہ ادا نہ کر دیا جائے۔ (مشکوٰۃ) رب تعالیٰ مسلمان کی یہ عادت چھڑائے۔

قرض دینے کے فضائل: حاجتمند کو قرض دینا باعث ثواب ہے۔ 10 حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کو اجازت ہو گی کہ جنت میں جس دروازے سے چاہیں جائیں اور وہاں کی جو نعمتیں چاہیں اختیار کریں۔ مقتول کے ورثاء جو قاتل کو خون معاف کر دیں۔ جو ہر فرض نماز کے بعد گیارہ بار قل ھو اللہ پڑھا کرے، جو حاجتمندوں کو قرض دے۔ (روح البیان)۔ 11 ابو عمر امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ جنت کے دروازے پر لکھا ہے کہ صدقہ کا ثواب دس گنا ہے اور قرض دینے کا اٹھارہ گنا، پوچھا اس کی کیا وجہ؟ جواب ملا کہ صدقہ تو غیر ضرورت مند بھی لے لیتا ہے۔ گر قرض حاجتمند ہی لیتا ہے (روح البیان)۔ 12 جو کوئی قرض کی میعاد کے بعد مہلت دے اسے ہر دن کے عوض اتنی خیرات کا ثواب ملتا ہے۔ مثلاً کسی پر سو روپے ایک ماہ کیلئے وعدہ پر قرض تھے۔ اب ایک ماہ بعد قرض خواہ کو سو روپے روزانہ خیرات کرنے کا ثواب ملے گا۔ (روح البیان)۔ 13 رب تعالیٰ نے صدقات و خیرات کو قرض فرمایا، تاکہ مسلمانوں کو قرض دینے کے فضائل معلوم ہوں۔ **من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا** ○

حکایت: ایک شخص لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ اور اپنے نوکروں سے کہتا تھا کہ جب کوئی مقروض تنگدست ہو۔ اس سے درگزر کرو۔ شاید رب تعالیٰ مجھ سے درگزر فرمائے، اسی پر اس کی نجات ہو گئی۔ (مسلم، بخاری و مشکوۃ باب الافلاس)

www.alahazratnetwork.org

مقروض کو مہلت دینے کے فضائل: غریب مقروض کو مہلت دینے یا معاف کرنے کے بڑے فضائل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو کوئی غریب مقروض کو مہلت دے' اسے رب تعالیٰ قیامت کی مصیبتوں سے بچائے گا۔ اور اپنے سایہ میں جگہ عطا فرمائے گا۔ (مسلم و مشکوٰۃ)۔ 15 ہم پہلے بیان کر چکے کہ مہلت دینے میں روزانہ صدقہ کا ثواب ملتا ہے۔ 16 روایت میں ہے کہ جس نے ضرورۃً "قرض لیا۔ تو مقروض کیلئے ملائکہ دعا کرتے ہیں۔

لطیفہ: بعض سنتوں کا ثواب فرض و واجب سے زیادہ ہے۔ سلام کرنا سنت اور جواب دینا فرض ہے مگر سلام کا ثواب جواب سے زیادہ ہے میعاد پر ادائے قرض واجب ہے اور میعاد سے پہلے سنت ہے مگر ثواب اس کا زیادہ کہ میعاد سے پہلے ادا کیا جائے۔

مسائل و فوائد: شرعاً "قرض اور دین میں فرق ہے۔ دست گردان یعنی نقدی کے لین دین کو قرض کہا جاتا ہے اور معاوضات کے ذمہ رہ جانے کو دین۔ کسی سے چھ روپے ادھار لئے یہ قرض ہے لیکن چھ روپے کا مال خرید الور قیمت لوانہ کی یہ دین قرض کی میعاد کوئی نہیں 'قرض خواہ جب چاہے مانگ لے طے شدہ میعاد کی لازمی پابندی نہیں۔ مگر دین کی مقررہ میعاد کی پابندی کرنی ہوگی کہ وقت مقرر سے پہلے تقاضا نہیں ہو سکتا۔ نیز قرض میں زیادتی حرام کہ سود ہے۔ اور دین میں جائز' تاجر کہہ سکتا ہے کہ اس کپڑے کی نقد قیمت روپیہ گز ہے اور ادھار ڈیڑھ روپیہ گز۔ (کتب فقہ)

مسئلہ: صحیح یہ ہے کہ ہر غریب مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور قرض معاف کرنا مستحب۔ (کبیر)

مسئلہ: معسر یعنی دیوالیہ وہ مقروض ہے جس کے پاس ادائے قرض کے لائق مال نہ ہو۔

مسئلہ: اس کی مہلت دینا واجب ہے مگر اس سے قرض معاف نہ ہو جائے گا۔ جب اسے گنجائش ہو قرض خواہ پھر تقاضا کر سکتا ہے۔

مسئلہ: اگر کسی مقروض کا غریب ہونا مشتبہ ہو اور احتمال ہو کہ شاید یہ اپنے مال کو چھپاتا ہے تو قرض خواہ کی درخواست پر حاکم مقروض کو قید کر دے۔ اور جب قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ واقعی یہ غریب ہے اگر اس کے پاس مال ہوتا' تو ظاہر کر دیتا۔ تب اسے چھوڑ دے۔ آج کل بھی یہ ہی عمل ہے۔

مسئلہ: قرض خواہ کو یہ بھی حق ہے کہ مقروض کو پکڑ لے کہ ہر وقت اس کے ساتھ ساتھ پھرے۔

مسئلہ: حاکم کو یہ حق نہیں کہ مقروض کی جائداد اور مکانات خود فروخت کرے اس کا قرض ادا کر دے بلکہ اسے قید کر کے بیچنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ ہاں اس کے پیسہ پر قبضہ کر کے بقدر حصہ قرض ادا کر سکتا ہے۔ (در مختار کتاب القضاء)۔

مسئلہ: مگر اب فتویٰ اس پر ہے کہ قاضی دیوالیہ کی ہر چیز فروخت کر دے یعنی کچھ کپڑے اور رہنے کا مکان حرفت کے آلات کے سوا سب کچھ فروخت کر کے قرض ادا کر دے۔ (شامی) اسی پر آج کل عمل ہے۔

مسئلہ: نادہندہ مقروض کی آبرو حلال ہے کہ اس سے سخت کلامی بھی کی جائے اور قید بھی۔ (احکام القرآن)۔

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ: مہلت دینا اس قرض میں واجب ہے جو ملی کاروبار کا ہو۔ جیسے تجارتی قرض مگر دین مہر کفالہ حوالہ صلح کے روپیہ پر مہلت واجب نہیں۔ (احکام القرآن)

مسئلہ: جو مقروض ظاہر ظہور فقیر ہو۔ اسے قید نہیں کر سکتے کیونکہ قید تو ظہور کیلئے ہے۔

مسئلہ: شرعاً مہلت کی کوئی مدت مقرر نہیں۔ غنا تک مہلت دی جائے جیسا کہ **فنظرۃ الی میسرۃ** سے معلوم ہوا۔

لطیفہ: چند صورتوں میں قرض لینا ثواب ہے۔ اور ان شاء اللہ وہ جلد بھی ادا ہو جائے گا۔ راہ الٰہی میں خرچ کرنے کیلئے۔ غریب کو کفن دینے اور نکاح کیلئے جب اس سے پاکدامنی مقصود ہو۔ مگر بیاہ کی حرام رسموں کیلئے نہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قرض لیا۔ اور جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس گروی تھی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن بندے رب تعالیٰ کی طرف لوٹیں گے یا لوٹائے جائیں گے اور لوٹنا کہتے ہیں پہلی حالت کی طرف یا پہلے گھر کی طرف پھر جانے کو تو کیا بندے پہلے رب تعالیٰ کے پاس تھے اور کیا اب بندے رب کے قبضہ سے باہر ہیں اب بھی تو اسی کی ملکیت و قبضہ میں ہیں۔ **جواب:** ہاں بیشک بندے پہلے اسی عالم میں تھے یہاں نہ کوئی عزیز و قریبی تھا نہ کسی کی سلطنت و بادشاہت تھی۔ اس دنیا میں آکر سب چیزیں سامنے آگئیں اور بندہ رب کو بھول گیا۔ پھر اس جہان میں جائے گا۔ جہاں یہ ہی نقشہ ہو گا۔ یہ ہی مطلب ہے رب کی طرف رجوع کرنے کا۔ نیز دنیا میں انسان مصیبت میں اسباب کی طرف بھاگتا ہے۔ پھر مایوس ہو کر رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ قیامت میں پہلے ہی سے رب کی طرف رجوع ہو گا۔ نیز دنیا میں ظاہری بادشاہ و سلاطین سلطنت و ملک کے دعویدار ہوتے ہیں۔ مگر وہاں کوئی ظاہر دعویدار بھی نہ ہو گا۔ ان وجوہ سے قیامت کی حاضری کو رجوع الی اللہ فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ غریب مقروض کو مہلت دینا واجب ہے اور فقہاء فرماتے ہیں کہ دیوالیہ کا سامان فروخت کر کے اس کا قرض ادا کر دیا جائے۔ انہوں نے آیت کے خلاف کیوں حکم دیا۔ **جواب:** جس دیوالیہ کے پاس سامان ہو وہ غریب نہیں بلکہ نادہندہ ہے۔ غریب کو مہلت دینے کا حکم ہے نہ کہ نادہندہ کو اگر اس کے سامان کی قیمت سے قرض زیادہ ہو تو وہ مسکین ہے اور اسے زیادتی میں مہلت دی جائے گی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں غریب مقروض کو مہلت دینے کا حکم ہے اور فقہاء اسے قید کر دینے کا حکم دیتے ہیں اس میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** یہ قید و بند اس کی غربت کی تحقیق کیلئے ہے کہ یہ غریب بھی ہے کہ نہیں۔ اسی لئے تحقیق ہو جانے پر اسے چھوڑ دیا جاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** قیامت کے دن مسلمان قرض خواہ کو مقروض کی نیکیاں ملیں گی یا اس کے گناہ مقروض پر ڈالے جائیں گے تو کافر قرض خواہ کو کیا ملے گا۔ یہ ناممکن ہے کہ اس کا کفر مقروض کو دیا جائے گا اور نہ یہ ہو سکتا ہے کہ اس کی نیکیاں اس کافر قرض خواہ کو ملیں کہ وہ نیکیوں کا اہل ہی نہیں۔ اسی طرح اگر مسلمان کا کافر پر قرض رہ گیا تو قیامت میں اسے کیا ملے گا؟ **جواب:** کافر قرض خواہ اگر حربی ہے تو قیامت میں اس کا قرض برباد۔ اور اگر ذمی ہے تو ممکن ہے کہ مقروض کو کچھ سزا دے دی جائے اور قرض خواہ کے عذاب میں کچھ تخفیف کر دی جائے کہ کفار کی عذاب سے رہائی تو ناممکن ہے مگر تخفیف ممکن یونہی کافر مقروض کے عذاب میں اور مسلمان قرض خواہ کے ثواب میں زیادتی کر دی جائے گی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں ہر نفس کو اعمال کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ تو نہ ضبط کا مسئلہ درست رہا اور نہ معافی کا نہ بخشش کا نہ شفاعت

www.alahazratnetwork.org

کا جواب: یہاں قانون و عدل کا ذکر ہے ضبطی اعمال غضب سے ہو گا جو عدل کی ایک نوعیت ہے۔ اور معافی و بخشش فضل و کرم سے 'نیز نوعیت کے یہ معنی ہیں کہ نیکیوں میں کمی نہ کی جائے گی اور گناہوں میں اضافہ نہ ہو گا' رہا نیکیوں کو بڑھا دینا گناہوں کو معاف فرمادینا تو یہ ان کے خلاف نہیں' یہاں ایک چیز کا ذکر ہے۔ اور دوسری آیت میں معافی کا بھی ذکر ہے اور ضبطی اعمال کا بھی۔

تفسیر صوفیانہ: قرض سخت خطرناک چیز ہے۔ خواہ مخلوق کا ہو یا خالق کا' عاقل وہ ہے جو قرض و قرض دونوں سے بچے' جو رب کے قرض سے نہ ڈرا' وہ کسی کے قرض سے کیا ڈرے گا۔ رب تعالیٰ نے قرض خواہوں کو مہلت دینے کا حکم اور معاف کرنے کی رغبت دی وہ خود بھی گنہگار بندوں کو بہت مہلت دیتا ہے۔ اور اگر وہ بندہ بندہ بن کر رہے تو بہت جلد معاف فرمادیتا ہے۔ آیت **واتقوا یوما** سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش پیر کے دن' عطائے نبوت اور مدینہ شریف میں تشریف آوری اور وفات سب کچھ پیر کے دن ہوئی۔ ایک قول کے بناء پر یہ آیت بھی پیر کے دن ہی نازل ہوئی۔ جیسے قرآن خاتم الکتب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ایسے ہی یہ آیت کریمہ سارے قرآن کریم کا خلاصہ اور اسکے مضامین کی جامع ہے۔ کیونکہ قرآن بلکہ ساری کتب سے انسانوں کو دو فائدے حاصل ہوئے۔ ہلاکت سے نجات اور ترقی درجات و ہلاکت کل سات چیزیں ہیں۔ کفر' شرک' جہالت' گناہ' برے اخلاق' حجاب صفات' حجاب نفس' اور ترقی درجات کے آٹھ اسباب ہیں۔ معرفت الٰہی' توحید' علم' اطاعت' اچھے اخلاق' جذب حقانی' انانیت سے فنا اور رب میں بقاء' ان ساری چیزوں کو ایک کلمہ **اتقوا** نے بیان کر دیا' کیونکہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ رب سے دور کرنے والے عیوب سے بچے اور قریب کرنے والے صفات اختیار کرے۔ لہٰذا اس میں ان سات عیوب سے بچنا بھی داخل ہے اور آٹھ صفتوں کا حاصل کرنا بھی۔ عوام کا تقویٰ کفر سے معرفت کی طرف' شرک سے توحید کی جانب' جہالت سے علم کی طرف اور گندے اخلاق سے پاکیزہ صفات کی طرف اور گناہ سے اطاعت کی طرف نکلنا ہے۔ انکی سیر کی یہ انتہا ہے۔ مگر خاص مجذوبین کی' یہاں سے ابتداء' انہیں جذب الٰہی صفات انسانی سے نکال کر تجلی صفات پر حق پہنچاتا ہے خواص کی یہاں انتہا ہے۔ وہ جنت ماوی کے پاس سدرۃ المنتہی کے سایہ میں رہتے ہیں۔ اور **اذ یغشی السدرۃ ما یغشی** کے میوہ جات سے نفع حاصل کرتے ہیں۔ لیکن خاص الخاص کا تقویٰ یہ ہے کہ انہیں رحمت الٰہی **ما زاغ البصر وما طغی** کی کوشش کے ذریعہ اوصاف نفس کے سدرۃ المنتہی سے نکال کر انوار اقدس کے قاب قوسین تک پہنچاتا ہے۔ وہ اس تقویٰ حقیقی کے ذریعہ سے ایمان حقیقی کی لذت پاتے ہیں۔ انکے حق میں اس آیت کے معنی یہ ہیں' واتقو ہماری راہ میں بقدر طاقت کوشش کرو' **یوما** اس دن کیلئے جس میں تمہیں عنایت ربانی کشش کرے گی کہ **ترجعون الی اللہ** تم انوار اقدس کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ جہاں سے گئے تھے۔ **ثم توفی کل نفس ما کسبت** پھر ہر مجاہد نفس کو بقدر مجاہدہ کرم سے نوازا جائے گا۔ **وھم لا یظلمون** اور کسی کا حق ضائع نہ کیا جائے گا (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان کو قدرتی طور پر مال کی طرف میلان ہے اور یہ میلان تمام گناہوں کی جڑ ہے نفس سود سے بچنا نہیں چاہتا۔ زکوٰۃ دینا گوارا نہیں کرتا' کیونکہ محبت مال کے سبب۔ رب تعالیٰ نے اس محبت کو چند طرح توڑا ہے۔ دنیا کی بے ثباتی بیان فرما کر۔ قیامت یاد دلا کر۔ اپنا عذاب بیان فرما کر اپنی رحمت و جنت کے تذکرے فرما کر۔ یہاں فرمایا گیا کہ سود چھوڑ دو ورنہ قیامت میں پکڑے جاؤ گے۔ قیامت سے ڈرو' قوت شوق' ذوق دو دیکھ ہے۔ جس سے ترک دنیا آسان ہو جاتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى

اے وہ لوگو جو ایمان لائے جب معاملہ کرو تم ادھار کے ساتھ میعاد مقرر تک پس

اے ایمان والو جب تم ایک مقرر مدت تک کسی دین کا لین دین کرو تو اسے لکھ لو

فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۪ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ

لکھ لو اس کو اور چاہیئے کہ لکھے درمیان تمہارے منشی ساتھ انصاف کے اور نہ انکار

اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک ٹھیک لکھے اور لکھنے والا

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ

کرے منشی یہ کہ لکھے مثل اس کے کہ سکھایا اسے اللہ نے پس چاہیئے کہ لکھے

لکھنے سے انکار کرے جیسا کہ اللہ نے سکھایا تو اسے لکھ دینا چاہیئے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں قرض کے احکام بیان ہوئے۔ اب دین کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ قرض اور دین کا فرق ہم پچھلی آیت کے فوائد میں بیان کر چکے۔ **دوسرا تعلق:** اب تک ان قوانین کا ذکر تھا جو مقروض کیلئے فائدہ مند ہیں سود کی ممانعت' غریب کو مہلت دینے کا حکم اور معافی قرض کی رغبت۔ اب وہ قوانین ارشاد ہو رہے ہیں جو قرض خواہ کیلئے مفید ہوں۔ دین کا لکھ لینا' اس پر گواہ بنانا وغیرہ وغیرہ تاکہ مقروض انکار نہ کر سکے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا **لا تظلمون ولا تظلمون** نہ تم ستاؤ' نہ ستائے جاؤ' **ان کان ذوعسرة** میں نہ ستانے کی تفسیر ہوئی اب نہ ستائے جانے کی تفسیر ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** اب تک مال خرچ کرنے کے احکام بیان ہوئے کہ صدقہ دو' سود نہ لو' قرض معاف کر دو۔ اب مال کمانے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ اپنے معاملات لکھ لو۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ایک نفع بخش تجارت یعنی سود سے کچھ مصالح کی بناء پر روکا گیا۔ اب نہایت نفع بخش تجارت یعنی بیع سلم کی اجازت دی جا رہی ہے۔

شان نزول: عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت بیع سلم کے بارے میں نازل ہوئی۔ (بیہقی و ابن جریر و تفسیر در منثور) بخاری و مسلم و ترمذی وغیرہ میں عبداللہ ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ منورہ تشریف لائے تو اہل مدینہ کو پھلوں میں بیع سلم کرتے ہوئے پایا کہ وہ دو تین تین سال پہلے غلہ کی خرید و فروخت کرتے تھے۔ حضور علیہ السلام نے اس بیع کو جائز رکھا۔ مگر یہ پابندی لگادی کہ میعاد اور وزن وغیرہ پہلے طے ہو جانا چاہیئے۔ (در منثور)

تفسیر: یاایھا الذین امنوا اذا تداینتم بدین عبادات کے مکلف صرف مسلمان ہیں۔ کفار نہیں' چنانچہ کفار پر نہ نماز فرض ہے نہ روزہ نہ حج نہ زکوٰۃ' رہے معاملات ان میں سے بعض معاملات کی صرف کفار کو اجازت ہے مسلمانوں کو نہیں۔ جیسے شراب یا سود کی تجارت مگر عام کاروبار معاملات مسلمان و کفار سب کر سکتے ہیں۔ جیسے تجارتیں' کرائے' مزدوری وغیرہ اس آیت

www.alahazratnetwork.org

میں خطاب مسلمانوں سے ہے مگر یہ قواعد سارے انسانوں کیلئے ہیں کہ جو بھی دستاویز لکھے وہ ان قواعد پر لکھے۔ لہٰذا صرف مسلمانوں کو پکارنا اور **یا ایھا الناس** نہ فرمانا ایسا ہے جیسے رب کا فرمان **یا یھا النبی اذا طلقتم النساء** کہ وہاں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حکم سارے مسلمانوں کو ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ بیع سلم کی یہ پابندیاں صرف مسلمانوں کیلئے ہوں۔ کفار آپس میں بیع سلم کریں اور ان قواعد کی پابندی نہ کریں تو مجرم نہیں۔ اس لئے یہاں **یا یھا الذین امنوا** ارشاد ہوا۔ **تداینتم** دین سے بنا بمعنی قرض کا معاملہ کرنا۔ اگر ایک جنس میں اوھار کا لین دین ہو تو اسے قرض کہا جاتا ہے۔ جیسے روپیہ یا گیہوں یا کھجوریں لوھار لی جائیں کہ چند روز کے بعد ایسا ہی مال واپس کر دیا جائے گا۔ اس میں زیادتی حرام اور اس کی میعاد کوئی نہیں۔ اور دین خلاف جنس لوھار کو کہتے ہیں۔ مثلاً غلہ آج خرید لیا۔ اس کی قیمت پھر دیں گے۔ اس میں زیادتی بھی حلال اور میعاد بھی معتبر (احمدی و کبیر وغیرہما) یہاں یہ ہی مراد ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس لفظ سے ہر اوھار مراد ہے مگر عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بیع سلم مراد ہے ان شاء اللہ اس کی تفصیل و مسائل 'فوائد' میں بیان ہوں گے۔ چونکہ **تداینتم** میں شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ لفظ دین بمعنی بدلہ سے بنا ہو یا اس سے تجارت مراد ہو جس میں مال بھی لوھار اور قیمت بھی ان دونوں وہموں کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **بدین** جس سے معلوم ہو گیا کہ تجارت میں لوھار یک طرفہ ہی کر سکتا ہے۔ دو طرفہ لوھار کی بیع (مٹہ) منع ہے۔ بدین' کی تنوین کی تنکیر کا بھی احتمال ہے اور تفصیل کا بھی تکثر و تعظیم کا بھی یعنی مطلقاً قرض کا لین دین کرو یا معمولی قرض یا بڑے قرض کا جس میں جھگڑے کا اندیشہ ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف نے بتا دیا کہ تنوین تعظیم کی ہے اگر ہر معمولی دین کا لکھنا ضروری ہوتا تو بازار کے کاروبار معطل ہو جاتے۔ حضور انور نے بھی ہر دین تحریر نہ فرمایا۔ **الی اجل مسمی** یہ یا تو **تداینتم** کا متعلق ہے یا موخرا پوشیدہ کے اور دین کی صفت 'اجل کے معنی دیر لگانا ہے اسی لئے آجل اور موجل ہے یہ تعجیل اور عاجل کا مقابل ہے اب مقرر میعاد اجل کو بولتے ہیں۔ اسی لئے موت کو اجل کہا جاتا ہے کہ وہ انتہاء عمر کیلئے مقرر ہے (کبیر) اجل کی کم سے کم مدت ایک مہینہ ہے (احمدی) چونکہ میعاد دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ جس میں کمی و بیشی بالکل ناممکن ہو۔ جیسے سال مہینے اور تاریخ کا تقرر' یہ اجل مبہم ہے۔ مسمی فرما کر مبہم کو نکال دیا۔ یعنی اے مسلمانو! جب تم آپس میں اوھار کا لین دین کرو کہ مال لوھار قیمت پر بیچو یا قیمت نقد لے کر مال لوھار دو اور اس میں صحیح طور پر میعاد مقرر ہو تو اس کیلئے دو حکم ہیں ایک یہ کہ **فاکتبوہ** یہ حکم سب کو ہے۔ خواہ قرض دینے والا ہو یا لینے والا۔ ہ کا مرجع یا دین ہے یا اجل' یہ حکم استحبابی ہے اور اگر وجوبی ہو تو **فان امن بعضکم بعضا** سے منسوخ ہے۔ (کبیر) اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بارہا اوھار کے معاملات بغیر تحریر بھی کئے خود لکھنا اور کسی سے لکھوانا دونوں ہی اس میں داخل ہیں بلکہ کسی تیسرے سے لکھوانا زیادہ بہتر ہے۔ جیسا کہ اگلے جملے سے معلوم ہوتا ہے۔ بلکہ لکھواتے وقت گواہ شاہدوں کی موجودگی ان کی گواہی ڈلوا لینا بہت ہی مناسب ہے اس لئے **فاکتبوہ** وغیرہ تمام صیغے جمع فرمائے گئے۔ یعنی تم سب اس قرض کو لکھوا لو۔ خیال رہے کہ اجل مسمی فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ دراز مدت کے قرض جن میں بھول چوک کا خطرہ ہو وہ لکھے جائیں۔ ایک آدھ گھنٹے کا قرض کہ کوئی چیز خریدی جیب میں پوری رقم نہیں ہے۔ کہہ دیا کہ ابھی گھر سے بھجوائے دیتا ہے یا کل تک پہنچ جائے گا اس کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ اتنی سی مدت میں بھول چوک جھگڑے شاذ و نادر ہیں اس لئے لکھنے کو اجل مسمی پر مرتب فرمایا غرضیکہ اس مختصر سی عبارت میں دیون کے بہت سے قوانین بیان فرما دیئے گئے۔ **ولیکتب بینکم کاتب بالعدل** یہ فاکتبو کا بیان ہے۔ اور

www.alahazratnetwork.org

کیفیت کتابت کی تفصیل۔ یکتب کا مفعول پوشیدہ ہے۔ **بینکم** یا **یکتب** کا ظرف ہے یا جالسا فاعل اور موجود پوشیدہ کا جو کاتب کا حال مقدم ہے۔ کاتب' یکتب کا فاعل۔ بالعدل یا یکتب کے متعلق ہے یا مستقرا پوشیدہ کے اور کاتب کی صفت' پہلی صورت میں اسکے معنی انصاف یا برابری یا وضاحت ہیں۔ اور اگر کاتب کی صفت ہو تو بمعنی عدالت و پرہیزگاری۔ خیال رہے کہ یہ بھی حکم استحبابی ہے اگر وجوبی ہو تو **ولا یضار کاتب ولا شہید** سے منسوخ ہے۔ یعنی تم معاملہ کرنے والوں کے درمیان بیٹھ کر کاتب انصاف کے ساتھ صاف صاف دستاویز لکھے یا جاننے والا پرہیزگار متقی کاتب دستاویز لکھے۔ چونکہ دستاویز و تمسک ہر لکھا پڑھا آدمی نہیں لکھ سکتا اس کیلئے قانوندان کی بھی ضرورت ہے اس لئے کاتب محرر سے لکھوانے کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ لہٰذا ہو سکتا ہے کہ کاتب کی تنوین بھی تعظیمی ہو۔ یعنی کوئی شاندار قانون دان کاتب دستاویز لکھے **ولا یاب کاتب ان یکتب کما علمہ اللہ فلیکتب**۔ **لا یاب**' **اباء** سے بنا' بمعنی انکار کرنا' ان یکتب کا مفعول پوشیدہ ہے۔ کما' یا تو یکتب کے متعلق ہے اور بمعنی علت یا کتابا' پوشیدہ کے اور بمعنی تشبیہ۔ یعنی وثیقہ نویس دستاویز لکھنے سے بلاوجہ انکار نہ کر دے کیونکہ اس پر رب نے کرم فرمایا کہ اسے علم دیا۔ اس کا شکریہ ہے کہ اپنے علم سے لوگوں کے کام نکالے۔ **احسن کما احسن اللہ الیک** (روح المعانی) اس صورت میں یہ ممانعت تنزیہی ہے اور اگر تحریمی ہو تو یا **لا یضار کاتب ولا شہید** سے منسوخ (کبیر) یا کوئی کاتب ایسی دستاویز لکھنے سے انکار نہ کرے۔ جو قانون الٰہی کے مطابق ہو اور جیسے لکھنے کا اسے رب نے حکم دیا اس صورت میں یہ ممانعت تحریمی ہے۔ جیسے کہا جائے بے وضو نفل نہ پڑھو۔ یعنی کاتب یہ نہ کہے کہ میں سچی دستاویز نہیں لکھوں گا۔ جھوٹی لکھوں گا۔ **فلیکتب** یا تو جملہ کما علمہ کا متعلق ہے۔ جیسے **وربک فکبر** اور **لا یاب** کی تاکید کہ وہاں انکار کی ممانعت تھی۔ اور یہاں لکھنے کا حکم یا شرط محذوف کی جزا ہے۔ یعنی چاہیئے کہ کاتب دستاویز ایسی ہی لکھے جیسی لکھنے کا اسے اللہ نے حکم دیا یعنی سچی اور صاف صاف یا جب کاتب سے لکھنے کو کہا جائے تو ضرور لکھ دے۔ انکار نہ کرے۔ خیال رہے کہ یہ امر بھی استحبابی ہے اور اگر وجوبی ہو تو منسوخ (کبیر وغیرہ)

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جب تم ایک میعاد معین تک کیلئے ادھار کا معاملہ کرنے لگو خواہ اس طرح کہ ادھار کی بیع کرو (جیسے بیع سلم) یا ادھار سے بیع کرو کہ قیمت مشتری پر قرض ہو تو اس کی دستاویز لکھ لو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی جاننے والا پرہیزگار منشی تمہارے درمیان بیٹھے تاکہ دونوں کی بات سن سکے اور سچی صاف واضح عبارت میں ایسی دستاویز لکھے جس میں قرض کی مدت اور سارے معاملات کی پوری تفصیل ہو۔ مثلاً لکھے کہ پانچ سو روپے جس کا نصف ڈھائی سو ہوتے ہیں ایک ماہ کی میعاد پر لئے جس کی مدت فلاں تاریخ فلاں دن فلاں مہینہ فلاں سنہ سے شروع ہو کر فلاں تاریخ فلاں مہینہ فلاں دن ختم ہو گی۔ اقرار یہ ہے کہ بیع فلاں جگہ دی جائے گی۔ وغیرہ وغیرہ" کاتب کو چاہیئے کہ ضرور لکھ دیا کرے۔ کیونکہ رب نے اسے یہ ہنر دیا ہے تو وہ اس کا شکریہ یہ ادا کرے کہ لوگوں کے کام آئے یا کاتب کو چاہیئے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے جیسا کہ اسے رب نے سکھایا ویسا ہی لکھ دے کچھ اپنی طرف سے کمی بیشی نہ کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حلال کمائی حاصل کرنا اور مال کی حفاظت اور اسے بربادی سے بچانا بہت ضروری ہے کہ مال سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے اس کا بہت سختی سے حکم دیا اور اس

www.alahazratnetwork.org

کے متعلق بہت آیتیں نازل فرمائیں۔ امام قفال فرماتے ہیں کہ قرآن کے اکثر احکام مختصر عبارتوں میں ہیں مگر حفاظت مال کی یہ آیت سب سے بڑی آیت ہے اس میں مکرر سہ کرر احکام بیان ہوئے اولا فرمایا **فاکتبوہ** لکھ لو۔ پھر فرمایا **ولیکتب بینکم کاتب** کوئی اجنبی منشی تمہارا معاملہ لکھے۔ پھر فرمایا **ولا یاب کاتب** منشی لکھنے سے انکار نہ کرے۔ پھر فرمایا **فلیکتب** ضرور لکھ دے خیال تو کرو ایک حکم چار بار۔ پھر فرمایا **ولیملل** وہ لکھوائے جس پر حق ہو۔ پھر فرمایا **ولیتق اللہ** املاء لکھوانے والا رب سے ڈرے۔ پھر فرمایا **ولا یبخس** حق میں کم نہ کرے۔ پھر فرمایا **ولا تسموا** یعنی قرض لکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر فرمایا **ولا یبخس** حق میں کمی نہ کرے۔ پھر فرمایا۔ **ولا تسموا** یعنی قرض لکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ پھر فرمایا **ذلکم اقسط عند اللہ** یہ بڑے انصاف کی بات ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔ **ولا توتوا السفھاء اموالکم التی جعل اللہ لکم قیما** اپنے مال بے وقوفوں کو نہ دو۔ اللہ نے اسی مال میں تمہاری بقا رکھی ہے۔ غرضیکہ یہاں زکوۃ و دیگر مال کم کرایا اور سود کی ممانعت سے حرام کمائی سے بچایا۔ وہاں حلال مال حاصل کرنے اور اس کی حفاظت کا سخت حکم بھی دیا۔ کاش موجودہ مسلمان ان تاکیدوں پر غور کریں اور اپنے پاک مال تماشہ بازیوں اور شیطانی رسوم میں خرچ نہ کریں۔ مبارک ہے وہ مال جو حلال راستے سے آئے، حلال راستہ میں خرچ ہو جائے اور صحیح طریقہ سے خرچ ہو، رب تعالیٰ نے مال خرچ کرنے کے بہت قاعدے مقرر فرما دیئے زیادہ خرچ کرنے والوں کے متعلق فرمایا کہ کھاؤ پیو مگر اسراف نہ کرو۔ اسراف کرنے والے اللہ کو پسند نہیں اور بے جا خرچ کرنے والوں کو فرمایا کہ مبذرین یعنی ناجائز مقام پر خرچ کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان رب تعالیٰ کا نافرمان ہے۔ غرضیکہ دیگر عبادات کی طرح صحیح خرچ بھی ضروری ہے۔ **دوسرا فائدہ:** رب نے جو فوائد و منافع حرام طریقوں سے حاصل کرنا حرام کئے ان کیلئے حلال ذریعہ بھی مقرر فرما دیئے۔ (کبیر) دیکھو زنا حرام بیوی سے جماع حلال، سود حرام اور بیع سلم حلال، شراب حرام، شہد حلال جس میں شراب سے بڑھ کر طاقت ہے اور نشہ بالکل نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ معاملہ کا کاتب معاملہ والوں کے سوا کوئی تیسرا شخص ہو جیسا کہ کاتب سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ کاتب عاقدین کے درمیان بیٹھے تاکہ دونوں کی بات بخوبی سن سکے۔ جیسا کہ بینکم سے معلوم ہوا۔ (روح البیان) بلکہ ایک کی غیر موجودگی میں دستاویز ہرگز نہ لکھے۔ (روح البیان) **پانچواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ کاتب مسائل شرعیہ جاننے والا اور متقی پرہیزگار ہو۔ کبیر نے فرمایا کہ کاتب فقیہ ہونا چاہئے۔ جیسا کہ بالعدل کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ضروری یہ ہے کہ دستاویز کی عبارت نہایت صاف اور واضح ہو جس میں آئندہ جھگڑا نہ پڑ سکے۔ بعض لوگ صد کو چند اور چند کو صد بنا لیتے ہیں اگر سو لکھتا ہے تو حروف میں لکھے اور یوں لکھے کہ سو روپیہ جس کا نصف پچاس روپیہ ہوتا ہے۔ جیسا کہ بالعدل میں پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہر جھگڑے والا معاملہ لکھ لینا بہتر ہے۔ خواہ دین ہو یا نقد لہٰذا زمین وغیرہ کی بیع کا بیعنامہ لکھنا چاہئے۔ اگرچہ نقد خریدی ہو۔ بلکہ رجسٹری بھی کرا دینی چاہئے۔ **آٹھواں فائدہ:** جمہور علماء کے نزدیک یہ تحریر مستحب ہے نہ کہ واجب۔ مگر عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ واجب ہے ابو موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک وہ جس کی عورت بد خلق ہو اور وہ طلاق نہ دے۔ دوسرا وہ جو اپنا مال دیوانوں اور چھوٹے بچوں کے سپرد کر دے۔ تیسرے وہ جو بغیر لکھے اور گواہ بنائے قرض دے دے یہ حدیث مرفوع بھی آئی ہے۔ (احکام القرآن) **نواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ قرض بھی لکھ لے۔ اس آیت میں دین کی شرط میعاد کے لحاظ سے ہے۔ **دسواں فائدہ:** دین کی میعاد ایسی مقرر ہونی چاہئے۔ جس میں جھگڑے کی

www.alahazratnetwork.org

گنجائش نہ رہے یوں لکھے کہ اس ماہ رمضان ۱۵ پندرہ تاریخ جمعہ کے دن روپیہ ادا کروں گا۔ یوں نہ کہے کہ جب فصل کٹے گی تو دوں گا کیونکہ فصل کٹنے میں بڑا فرق ہو جاتا ہے کبھی جلد کٹتی ہے اور کبھی دیر میں اور کہیں دیر میں کٹتی ہے اور کہیں جلدی۔

گیارھواں فائدہ: بیع سلم جائز اور قرآن سے ثابت ہے۔ بیع سلم یہ ہے کہ قیمت فی الحال دی جائے اور مال ادھار ہو۔ اس کی سات شرطیں ہیں۔ مال کی جنس مقرر ہو۔ گیہوں یا جو' مال کی قسم مقرر ہو۔ مثلاً ورا گیہوں یا فارم۔ یا کپڑا ہے تو لٹھا فلاں نمبر کا یا گاڑھا۔ مال کی صفت مقرر ہو۔ مثلاً کھرے یا معمولی یا گیہوں شربتی اور ردی۔ مال کی مقدار مقرر ہو مثلاً کہے کہ اس نرخ میں اتنے روپے کے کل اتنے خریدے اور وقت ادا مقرر ہو کہ فلاں مہینہ فلاں تاریخ میں مال لوں گا۔ ادا کی جگہ مقرر ہو۔ کہ فلاں جگہ مال دیا جائے گا۔ قیمت فی الحال نقد دی جائے اور اس کی مقدار بھی معلوم ہو۔ اس میں یہ بھی شرط ہے کہ وہ مال ایسا ہو جو وقت عقد سے وقت ادا تک بازار میں مل سکے۔ اس لئے فصل سے پہلے آم کی بیع سلم ناجائز ہے۔

مسئلہ: بیع سلم میں خریدار کو رب السلم اور بیچنے والے کو رب المال یا مسلم الیہ اور قیمت کو راس المال اور مال کو مسلم فیہ کہتے ہیں۔ (احمدی وغیرہ) بیع کی چار صورتیں ہیں' نقد کی نقد سے۔ نقد کی ادھار سے۔ ادھار کی نقد سے اور ادھار کی ادھار سے۔ اول تین جائز ہیں اور چوتھی ناجائز۔ (کبیر) کہ مال بھی ادھار ہو۔ اور قیمت بھی۔ (سٹہ) اسی لئے آیت میں بدین فرمایا۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ یکطرفہ دین جائز ہے۔ دو طرفہ ناجائز۔

مسئلہ: کاتب لکھائی کی اجرت لے سکتا ہے لیکن مسئلہ بتانے کی اجرت لینا حرام۔ کیونکہ لکھنا یا مستحب ہے یا فرض کفایہ (احکام القرآن) مگر مسئلہ بتانا فرض عین۔

مسئلہ: فرض عین اور حرام پر اجرت لینا حرام۔ باقی کاموں پر جائز۔

مسئلہ: جہاں اجرت لینا حرام ہو۔ وہاں دینا بھی حرام' داڑھی مونڈنے' حرام تماشہ دکھانے' شراب پلانے وغیرہ کی اجرت لینا بھی حرام اور دینا بھی۔

بارھواں فائدہ: دستاویز کی تحریر اور معاملات کے مسائل سیکھنا فرض کفایہ ہیں (احکام القرآن) کہ جس کو یہ کام پڑتے رہتے ہیں۔ اسے ان مسائل کا سیکھنا فرض عین ہے۔ باقی مسلمانوں میں اگر ایک بھی سیکھ لے تو سب کا فرض ادا ہو جائے گا۔ دستاویز نویس دستاویز کے شرعی احکام سیکھیں۔ اور معاملات و مقدمات والے ان احکام شرعیہ سے ضرور واقف ہوں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: تداینتم میں دین آ گیا تھا۔ پھر دین کیوں فرمایا۔ جواب: چند وجوں سے۔ 1_ اس لئے کہ فاکتبوہ کی ضمیر اسکی طرف لوٹ سکے کیونکہ تداینتم میں دین مصدر آیا تھا۔ یعنی قرض دینا اور یہ دین مصدر نہیں بلکہ بمعنی قرض ہے۔ 2_ نیز تاکہ ہر چھوٹے بڑے قرض کو شامل ہو جائے۔ 3_ اور اس لئے کہ معلوم ہو جائے کہ بیع میں قرض ایک طرفہ چاہئے نہ کہ دو طرفہ۔ 4_ اور تاکہ معلوم ہو جائے کہ تداینتم دین بمعنی قرض سے بنا ہے نہ کہ دین بمعنی بدلہ سے جیسے ملک یوم الدین دوسرا اعتراض: تداینتم باب تفاعل ہے شرکت چاہتا ہے۔ اس سے لازم آتا ہے کہ دو طرفہ دین کی بیع یعنی (سٹہ) جائز ہو حالانکہ فقہاء اس سے منع فرماتے ہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں بمعنی تداملتم

ہے یعنی جب تم ادھار کا معاملہ کرو۔ اور ظاہر ہے کہ معاملہ قرض میں قرض خواہ اور مقروض دونوں شریک ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ باب تفاعل یا مفاعلہ کیلئے شرکت لازم نہیں۔ کہا جاتا ہے۔ **قاطعت اللص** میں نے چور کے ہاتھ کاٹ دیئے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کی عبارت میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ اولاً فرمایا گیا **فاکتبوہ** تم خود لکھو۔ اور پھر فرمایا گیا۔ **ولیکتب بینکم کاتب** کہ تمہارے درمیان کوئی منشی لکھے؟ جواب: یہ تو بالکل ظاہر ہے کہ **فاکتبوہ** سے مراد ہے لکھ لو۔ خواہ اپنے آپ یا بذریعہ کسی کاتب کے۔ وکیل کا فعل خود موکل کا ہوتا ہے یا اس آیت میں دونوں کاموں کی اجازت دی۔ اپنے آپ لکھ لیں یا لکھوالیں۔

وَلْيُمْلِلِ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ

اور چاہیئے کہ املا کرے وہ جو اوپر اس کے حق ہے اور چاہیئے کہ ڈرے اللہ رب اپنے سے اور نہ کم کرے

اور جس پر حق آتا ہے وہ لکھتا جائے اور اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے اور حق میں سے کچھ رکھ

شَيْئًا ۚ فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا

اس سے کچھ پس اگر ہو وہ شخص کہ اوپر اس کے حق ہے بے وقوف یا کمزور یا نہ طاقت رکھتا ہو

نہ چھوڑے پھر جس پر حق آتا ہے اگر بے عقل یا ناتواں ہو یا لکھ نہ سکے

يَسْتَطِيعُ أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهُ بِالْعَدْلِ ۚ وَاسْتَشْهِدُوا

اس کی کہ املا بولے وہ پس چاہیئے کہ املا بولے ولی اس کا ساتھ انصاف کے اور گواہ بناؤ تم دو

تو ولی اس کا انصاف کے ساتھ لکھائے اور دو گواہ کر لو اپنے مردوں سے

شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ ۖ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتَانِ

گواہ اپنے مردوں میں سے پس اگر نہ ہوں وہ مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں

دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ایسے گواہ جن کو پسند کرو

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ

ان میں سے کہ راضی ہو تم گواہوں میں سے یہ کہ بھول جائے ایک ان میں سے پس یاد دلائے

کہ کہیں ان میں ایک عورت بھولے تو اس

إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَىٰ

ان میں کی ایک دوسری کو

ایک کو دوسری یاد دلائے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملہ میں قرض لکھنے کا ذکر تھا۔ اب مضمون لکھوانے کا ذکر ہے۔ جس پر لکھنا موقوف ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں فرمایا گیا تھا کہ کاتب قرض خواہ اور مقروض کے علاوہ کوئی تیسرا آدمی بھی ہو سکتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کاتب اگرچہ تیسرا ہو۔ مگر مضمون مقروض کی طرف سے لکھے کہ وہ ہی مقر ہے۔ **تیسرا تعلق:** رب تعالیٰ نے قرض کے معاملات میں چند احتیاطوں کا حکم دیا۔ جن میں سے ایک کا ذکر پہلے ہو چکا یعنی لکھوانا دو احتیاطوں کا اب ذکر ہے۔ مضمون کا مقروض کی طرف سے ہونا اور اس تحریر پر گواہ بنا لینا تاکہ کسی قسم کے جھگڑے کا احتمال نہ رہے۔

تفسیر: **ولیملل الذی علیہ الحق** واؤ عاطفہ ہے۔ اور جملہ **ولیکتب** پر معطوف ہو کر شرط کی جزا ہے۔ اس کا مصدر املال ہے بمعنی القاء علی الکاتب (منشی پر مضمون پیش کرنا) اہل حجاز املال کہتے ہیں۔ اور بنی تمیم املاء۔ قرآن کریم میں دونوں استعمال ہوئے۔ یہاں **ولیملل** فرمایا گیا۔ دوسری جگہ ہے **فھی تملی علیہ بکرۃ واصیلا** خیال رہے کہ املال کا مادہ ملل بمعنی تنگ ہے اور **املا** کا مادہ **ملا** بمعنی بھرنا اور دیر لگانا۔ اسی لئے دین کو ملت کہتے ہیں اور جماعت کو ملا اور تاخیر کو املاء کہا جاتا ہے۔ **ونملی لھم** رنج کو ملال کہتے ہیں۔ کہ اس سے قلب کی حالت بدل جاتی ہے **الذی** **ولیملل** کا فاعل ہے۔ علیہ میں ہ ضمیر کا مرجع الذی ہے اور حق سے مراد قرض وغیرہ ہے کہ اس سے مطالبہ کا استحقاق ہوتا ہے۔ یعنی وثیقہ نویس کو مضمون وہ بتائے جس پر قرض وغیرہ ہے کیونکہ یہ تحریر ایک قسم کا اقرار ہے۔ اور اقرار مدعی علیہ کا معتبر ہوتا ہے نہ کہ مدعی کا۔ اس پر تو گواہ لانا ضروری ہے۔ یعنی کاتب مقروض کی طرف لکھے گا کہ میں فلاں بن فلاں سے قرض لیتا ہوں قرض خواہ کی طرف سے نہ لکھے گا کہ میں فلاں کو اتنا قرض دیتا ہوں۔ خیال رہے کہ مقروض کا مضمون ہونا ضروری ہے نہ کہ عین عبارت لہٰذا کاتب کو یہ جائز ہے کہ اگر مقروض بے ڈھنگی عبارت بولے یا کسی اور زبان میں کلام کرے تو اس کی اصلاح کرکے تحریر کرے۔ (تفسیر احمدی) بشرطیکہ اس کا مقصود نہ بدلے۔ **ولیتق اللہ ربہ** یہ واؤ بھی عاطفہ ہے۔ اور **یتقی** وقی سے بنا بمعنی ڈرنا۔ رب کے دو نام ارشاد فرمائے گئے۔ اسم ذات جلالی یعنی اللہ اور اسم صفت جمالی یعنی رب تاکہ مقروض خوب ڈرے۔ یعنی چاہئے کہ مضمون لکھاتے وقت مقروض رب کا خوف دل میں رکھے صرف دوسرے کو پھانسنے اور اسے قانون شکنجہ میں کسنے کی کوشش نہ کرے ہر معاملہ کا یہی حکم ہے۔ نکاح، بیع، اجارہ، قرض، بیع سلم، ان سب میں لکھنے والا اپنے بچاؤ کی کوشش نہ کرے نہ کہ دوسرے کو پھانسنے کی اسے اپنا اسلامی بھائی تصور کرکے لکھت پڑھت کرے کہ **ولا یبخس منہ شیئا** یہ **ولیتق** پر عطف تفسیری ہے **یبخس**، بخس سے بنا بمعنی کمی اور نقصان کھوٹے پیسوں کو اسی لئے ثمن بخس کہتے ہیں کہ بازار میں ان کی قیمت کم ہوتی ہے۔ **منہ** کا مرجع وہ حق ہے جسکا املاء بولا جا رہا ہے۔ **شیئا** کی تنوین تحقیری ہے۔ یعنی مضمون لکھوانے والا مقروض اس قرض میں سے کچھ بھی کم نہ کرے، نہ مقدار میں، نہ قرض کی نوعیت میں اور نہ اس کی مدت میں چونکہ مقروض کے متعلق کمی کا ہی احتمال تھا نہ کہ زیادتی کا۔ اسلئے اسی سے روکا گیا۔ **فان کان الذی علیہ الحق** یہاں اگرچہ بجائے الذی کی ضمیر ہی کافی تھی لیکن زیادتی وضاحت کیلئے ظاہری لایا گیا۔ اس الذی سے وہ ہی لکھوانے والے مقروض مراد ہے۔ **سفیھا او ضعیفا اولا یستطیع ان یمل ھو** یہ تینوں کان کی خبریں اور **لا یستطیع** یا تو غیر مستطیعین کے معنی میں ہو کر بتاویل مفرد ضعیفا پر معطوف ہے یا

www.alahazratnetwork.org

کسی مفرد محذوف کی صفت۔ خیال رہے کہ ان تینوں کو او سے معطوف کیا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے معانی میں بہت فرق ہے۔ سفیہ سفہ یا سفاہت سے مشتق ہے بمعنی بے وقوف' احمق' بے عقل۔ اس میں پورے دیوانے بھی داخل ہیں اور مخبوط الحواس بھی۔ (کبیر و معانی وغیرہ) ضعیف ضعف سے بنا بمعنی کمزوری۔ یہاں وہ کمزوری مراد ہے جو عمر کے لحاظ سے ہو یعنی لڑکپن یا بڑھاپا۔ جس کی وجہ سے وہ مضمون نہ لکھا سکے لا یستطیع استطاعت سے بنا بمعنی طاقت رکھنا۔ یہاں کمزوری زبان گونگا پن' زبان سے ناواقفیت مراد ہے۔ یعنی اگر مقروض بے عقل یا کمزور بچہ اور بڈھا گونگا یا زبان سے ناواقف ہو۔ غرض اس میں کوئی ایسی وجہ ہو جس سے مضمون نہ لکھا سکے تو فلیملل ولیہ بالعدل ولی بمعنی قریب ہوتا ہے اور بمعنی متولی و کارکن بھی یعنی وکیل اور مترجم وغیرہ یہاں بطریق عموم مشترک سارے معنی مراد ہیں۔ مجنون و بچہ کے معاملات اس کا قریبی کرے گا۔ باپ بیٹا' قاضی یا سلطان اور زبان سے ناواقف اور گونگے وغیرہ کے معاملات اس کا کارکن مختار یا وکیل انجام دیگا۔ مگر بچے' دیوانہ' پاگل کا ولی اپنی زبان میں اشٹام لکھوائے گا کہ کسی اپنے فلاں عزیز کی طرف سے یہ عقد کر رہا ہوں اور اس کے حقوق میرے ذمہ ہیں مگر گونگے۔ زبان سے ناواقف کا ولی اس کی زبان میں لکھوائے گا کہ بچے پاگل دیوانہ کا عقد غیر معتبر ہے۔ اور گونگے کا عقد و اقرار معتبر' ہ کا مرجع مدیون ہے نہ کہ دین کیونکہ قرض خواہ مضمون نہیں لکھوا سکتا۔ یعنی ان سب صورتوں میں مقروض کا ولی یا والی یا کارکن اس کی طرف سے اشٹام لکھوائے گا۔ مگر عدل و انصاف کے ساتھ نہ قرض خواہ کی رعایت کرکے زیادہ لکھوا دے نہ مقروض کی طرفداری میں۔ چونکہ کارکن کے متعلق زیادتی اور کمی دونوں کا اندیشہ تھا اس لئے یہاں عدل فرمایا' یا اور وہاں بخس۔ عدل کے معنی ہیں۔ برابری' اسی لئے انصاف کو عدل' کچہری کو عدالت' منصف کو عادل اور لوٹ کے بوجھ کو عدل کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ عدل بمعنی انصاف ہے نہ کہ بمعنی عدالت' کیونکہ مسلمان کا ولی' متولی اور وکیل کافر بھی ہو سکتا ہے جن لوگوں نے اس سے ثابت کیا کہ مسلمان کا ولی مسلمان ہی ہو غلط ہے۔ (روح المعانی) واستشھدوا شھیدین دستاویز کی تحریر میں تین شخص ضروری ہیں۔ کاتب' مقر یعنی لکھوانے والا۔ گواہ و شاہد۔ آیت کریمہ میں پہلے تو کاتب کا ذکر کیا گیا پھر مقر کا۔ اب گواہوں کا تذکرہ ہے۔ چونکہ گواہ کی ضرورت ان دونوں اشخاص کے بعد ہے۔ نیز گواہ انہیں کی کوشش کیلئے ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کا ذکر بھی بعد میں کیا گیا۔ یہ دوسری احتیاط ہے۔ جس کا حکم دیا گیا اور اس میں قرض خواہ اور مقروض دونوں کو خطاب ہے استشھدوا باب استفعال بمعنی طلب سے ہے الاستشھاد شاہد یا طلب شہادت کردن' یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی گواہ ڈھونڈو' بعض لوگوں نے کہا کہ یہ باب افعال سے ہے اور اس وقت مبالغہ کیلئے زائد یعنی وہ گواہ ڈھونڈو جو بار بار عدالت میں جاتے ہوں اور جن کی گواہی قاضی اسلام قبول کرتا ہے۔ یعنی عادل اور متقی گواہ (روح المعانی) یہ حکم استحبابی ہے۔ اگر وجوبی ہے تو منسوخ کیونکہ قرض پر گواہ بنانا واجب نہیں بہتر ہے (روح المعانی) شہید شہود سے بنا بمعنی حاضری چونکہ گواہ اکثر موقعہ واردات پر موجود رہتا ہے۔ اس لئے اسے شہید کہا جاتا ہے۔ چونکہ تحریر میں بھی مقروض کے پھر جانے کا اندیشہ ہے کہ اپنی اس تحریر سے ہی انکار کر دے۔ اس لئے اس پر دو گواہ بنالو۔ خواہ زبانی ہو' خواہ ان کے نام بھی اشٹام میں لکھ دیئے جائیں۔ من رجالکم یا تو من ابتدائیہ ہے اور یہ واستشھدوا کے متعلق یا تبعیضیہ ہے اور پوشیدہ کے متعلق شہیدین کی صفت' رجال جمع رجل کی ہے۔ بمعنی عاقل بالغ مرد اس سے عورتیں' بچے' دیوانے خنثی مشکل سب نکل گئے۔ کم میں تمام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اس اضافت سے کفار غلام فاسق و فاجر نکل گئے یعنی اپنے مسلمان متقی' عاقل بالغ مردوں میں سے دو گواہ بنالو۔ فان

www.alahazratnetwork.org

لم یکونا رجلین ف تعقیبیہ ہے اور یکونا کا اسم ضمیر ہے جو گواہوں کی طرف لوٹتی ہے اور رجلین اس کی خبر' خیال رہے کہ **لم یکونا** یعنی نہ ہونے کی دو صورتیں ہیں۔ یا تو اس وقت دو مرد میسر ہی نہ ہوں یا میسر تو ہوں مگر کسی مصلحت سے ان دونوں کو گواہ نہ بنایا جائے۔ لہٰذا یہ نفی عموم ہے نہ کہ عموم نفی (روح المعانی) اس ترتیب ذکری سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بہتر تو یہ ہے کہ مرد ہی گواہ بنائے جائیں کہ انہیں کچہری میں حاضری حاکم کے سامنے گواہی دینا آسانی ہو گی۔ نیز انہیں گواہی دینا عموماً" آتی بھی ہے۔ لیکن اگر دو مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں ہی سہی اگر کسی معاملہ میں بہت سے مرد دو عورتیں گواہ ہوں تو بوقت ضرورت مردوں کو ہی گواہی کیلئے پیش کرو۔ بلا ضرورت عورتوں کو گواہی کیلئے پیش کرنا مناسب نہیں ہے۔ **فرجل وامراتن** ف جزائیہ ہے اور اس کا مابعد یا تو مبتداء محذوف کی خبر ہے یا فعل محذوف کا فاعل یا یکن فعل محذوف کا اسم یعنی اگر دو گواہ مرد مجتمع نہ ہوں تو اس معاملہ میں ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بن سکتی ہیں۔ مگر یہاں بھی شرط یہ ہی ہے کہ **ممن ترضون من الشھداء** **من** یا تو کسی پوشیدہ چیز کے متعلق ہے اور مرد عورتوں کی صفت اور یا من تبعیضیہ یا بیانیہ ہے اور **شھدون** کی صفت یا **استشھدوا** فعل محذوف کے متعلق۔ **ترضون** کا مفعول یہ محذوف یعنی **ترضونھم** یہ لفظ رضی سے بنا بمعنی راضی ہونا اور پسند کرنا یہاں دینی اور پرہیزگاری کی پسندیدگی مراد ہے نہ کہ دنیوی' یعنی ان لوگوں میں سے گواہ چنو جن کی راست بازی' دیانتداری اور پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب بھی قرض خواہ مقروض دونوں کو ہے اور ممکن ہے کہ عام مسلمانوں کو ہو یا حکام وقت کو **ان تضل احدھما** یہ جملہ دو عورتیں مقرر کرنے کی حکمت بیان فرما رہا ہے۔ اس کی دو قراتیں ہیں ایک **ان تضل** الف کے کسرہ سے اس صورت میں ان شرطیہ ہے اور **تضل** شرط اور تذکر جزاء۔ مگر عام قرات میں ان تضل الف کے فتح سے اس صورت میں یہ فعل پوشیدہ کا مفعول لہ ہے۔ یعنی **شرع ذلک ارادۃ ان تضل یا لان تضل** اور **تضل**' **ضلال** سے بنا بمعنی بھول جانا۔ بہک جانا' جاتا رہنا **وضل عنھم ما کانوا یفترون ۞** گمراہ کو اسی لئے ضال کہتے ہیں کہ وہ صحیح عقیدہ بھول گیا۔ اہل لغت فرماتے ہیں کہ ضلال کے لغوی معنی غائب ہونا ہیں۔ اسی لحاظ سے بھول چوک گمراہی وغیرہ کو ضلال کہا جاتا ہے۔ یہاں بمعنی بھولنا ہے۔ کیونکہ آگے تذکر آ رہا ہے۔ ضلال بمعنی گمراہی کا مقابل ہدایت ہوتا ہے۔ اور بمعنی جاتے رہنے کا مقابل وجدان ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **تضل** کا مفعول پوشیدہ ہے کیونکہ بھولنے میں بہت احتمال ہیں۔ اصل واقعہ ہی بھول جائے یا قرض کی مقدار یا اس کی مدت اس کے شرائط وغیرہ بھول جائے۔ غرض کچھ بھی بھولے تو **فتذکر احدھما الاخری** یہاں تذکر' تضل کے معنی بتا رہا ہے۔ پہلی قرات پر ف جزائیہ ہے اور دوسری طرف پر عاطفہ۔ **تذکر تذکیر** سے بنا بمعنی یاد دلانا۔ یہاں **احدھما** سے یا تو دوسری عورت مراد ہے جسے واقعہ یاد ہے۔ اور اخری سے بھولنے والی مراد ہے۔ جیسے پہلے **احدھما** فرمایا گیا تھا۔ اور **احدھما تذکر** کا فاعل ہے۔ اور **اخری** مفعول۔ یا اس **احدھما** سے وہ بھی بھولنے والی مراد ہے اور اخری سے دوسری جسے گواہی یاد ہے۔ اب احدھما تذکر کا مفعول ہے اور اخری اس کا فاعل چونکہ یہ جملہ عدد کی حکمت کیلئے ہے۔ اس لئے ایسی عبارت ارشاد ہوئی ورنہ یوں بھی ہو سکتا ہے کہ **فتذکرھا الاخری** مگر اس عبارت میں عجیب صفت ہے۔ یعنی ایک مرد کے قائم مقام دو عورتیں اس لئے کی گئی ہیں کہ ان میں بھول چوک غالب ہے تو اگر ایک سے کوئی بھول بھی ہو جائے تو دوسری یاد دلا دے۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں عجیب لطف ہے کہ تضل ضلال سے بنا۔ جس کے چند معنی ہیں۔ اور تذکر ذکر سے بنا اس کے بھی چند معنی یاد کرنا نصیحت کرنا عزت دینا وغیرہ اور تذکر سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا کہ تضل سے بھولنا مراد ہے نہ کہ دیگر معانی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! قرض کے معاملات لکھوانے میں تو آزادی ہے کہ خواہ مقروض لکھے یا اس کی طرف سے کوئی منشی مگر اس کے مضمون کی پابندی ہے وہ یہ کہ وثیقہ میں مقروض کا مضمون لکھا جائے گا اور دستاویز اس کی طرف سے ہوگی اور قرض خواہ کے پاس رہے گی۔ کیونکہ یہ ایک قسم کا اقرار نامہ ہے اور اقرار نامہ اسی کا معتبر ہے۔ جس پر حق ہے۔ لہٰذا اس دستاویز کی املا مقروض بولے اور وہ اپنی زبان میں لکھوائے کہ میں فلاں ابن فلاں نے فلاں شخص سے فلاں شے اتنی قیمت پر اتنی مدت کیلئے ادھار لی وغیرہ وغیرہ اور مقروض کو چاہئے کہ دستاویز لکھوانے میں اپنے رب سے ڈرے۔ مدت یا مقدار دین یا شرائط قرض میں اپنی آسانی کیلئے کچھ کمی نہ کردے۔ اگر مقروض بے عقل یا بچہ یا بڈھا یا زبان سے ناواقف یا گونگا ہے اور اس میں خود مضمون لکھانے کی قابلیت نہیں تو اس کی طرف سے اس کا قریبی یا اس کا کارکن مختار یا وکیل یا مترجم املا بول دے مگر وہ بھی عدل و انصاف سے لکھوائے کہ نہ مقروض کی رعایت سے کچھ کم لکھوائے اور نہ قرض خواہ کی مروت سے کچھ زیادہ مگر چونکہ مقروض تحریر کا بھی انکار کر سکتا ہے۔ اس لئے احتیاط یہ ہے کہ اس تحریر پر اپنے متقی مسلمانوں سے دو عاقل بالغ آزاد مردوں کو گواہ بنالو۔ اگر گواہ دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد دو عورتیں گواہ بنالو۔ لیکن مردوں اور عورتوں میں سے گواہی کیلئے ایسوں کو چنوں جن کی دیانتداری و تقویٰ و پرہیزگاری سے تم راضی ہو۔ اور بجائے ایک مرد کے دو عورتیں اس لئے رکھی گئی ہیں کہ عورتوں کے مزاج میں رطوبت زیادہ ہے۔ جس سے ان میں بھول چوک غالب' اگر ان میں سے کوئی بھول جائے تو اس کو دوسری یاد دلادے جس سے تمہاری گواہی میں فرق نہ آئے۔ چونکہ گواہی بڑی اہم چیز ہے جس پر سارے مقدمے اور حاکم کے فیصلے اور عدل و انصاف کا دارومدار ہے۔ اس لئے دوران مقدمہ میں مدعی' مدعیٰ علیہ کے وکلاء کا سارا زور گواہیوں پر ہی ہوتا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے شہادت کے متعلق بہت سی تاکیدیں فرمائیں افسوس ہے کہ فی زمانہ گواہوں کو بالکل کھیل سمجھ رکھا ہے۔

فوائد و مسائل: اس کے فوائد و مسائل بے شمار ہیں۔ مگر کچھ تھوڑے عرض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** سفیہ یعنی مخبوط الحواس کو تصرف سے مجبور نہیں کر سکتے۔ (امام ابو حنیفہ) دیکھو شریعت میں سفیہ کو قرض لینے کی اجازت دی اور قرض لینا بھی تصرف ہے۔ (احکام القرآن) مگر صاحبین فرماتے ہیں کہ اس کے تصرف کو مجور کیا جائے گا۔ اور اس پر فتویٰ ہے (شامی باب الحجر) دیکھو اس آیت میں سفیہ کیلئے ولی کی قید لگادی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کے تصرف میں بچہ کی طرح ولی کی ضرورت ہے۔ (از احکام القرآن) **دوسرا فائدہ:** مسلمان کے معاملات میں کافر کی گواہی معتبر نہیں جیسا کہ **من رجالکم** سے معلوم ہوا کیونکہ من تبعیضیہ ہے اور کم میں خطاب مسلمانوں سے یعنی گواہ تم مسلمان مردوں میں سے ہونا چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** مالی معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی معتبر نہیں۔ یا تو دو مرد گواہ ہوں' یا ایک مرد اور دو عورتیں۔ اگر مرد کوئی نہ ہو۔ تو خواہ عورتیں پچاس ہو جائیں تب بھی معتبر نہیں۔ جیسا کہ **فرجل و امراتن** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بچہ' دیوانہ اور دیگر مجور لوگوں کا ولی ان پر قرض کا اقرار کر سکتا ہے۔ اسی لئے ولی کو اشٹام لکھانے کی اجازت دی گئی۔ کیونکہ اشٹام بھی گویا اقرار نامہ ہی ہے۔ اور جب ولی کا املاء بولنا معتبر تو اس کا اقرار بھی معتبر۔ **پانچواں فائدہ:** فاسق فاجر کی گواہی مقبول نہیں۔ جیسا کہ **ممن ترضون** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ رضا سے دینی رضامندی مراد ہے۔ یہ حکم قبول گواہی کا ہے۔ مگر فاسق کا گواہ بنانا معتبر ہے۔ لہٰذا ان عقود گواہی پر

www.alahazratnetwork.org

موقوف ہیں ان میں فاسق کی گواہی سے وہ منعقد ہو جائیں گے۔ مثلاً فاسق کی موجودگی میں جو نکاح کیا جائے وہ درست ہے کہ ان کی گواہی سے نکاح ہو جائے گا ہاں اگر آگے جا کر زوجین میں اختلاف پیدا ہو جائے تو اس فاسق کی گواہی سے حاکم کے نزدیک نکاح ثابت نہ ہوگا۔ نکاح کا انعقاد کچھ اور ہے اور ثبوت کچھ اور **چھٹا فائدہ:** کمزور حافظہ والے کی گواہی کمزور ہے۔ اسی لئے عورت میں دو کی قید لگائی محدثین کمزور حافظہ والے کی حدیث کو ضعیف کہہ دیتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ بھی آیت ہو سکتی ہے۔ (از تفسیر احمدی) کیونکہ نقل حدیث بھی گویا ایک قسم کی گواہی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** بچوں کی گواہی معتبر نہیں۔ جیسا کہ رجال سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** گواہی میں لفظ شہادت بولنا چاہئے جیسا کہ واستشهدوا سے معلوم ہوا۔ (احمدی) **نواں فائدہ:** معاملات قرض کی گواہی میں ضروری ہے کہ گواہ موقعہ واردات پر موجود ہو۔ جیسا کہ شهيدين سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** مرد عورت سے افضل ہے۔ اسی لئے محض مردوں کی گواہی معتبر اور ان معاملات میں محض عورتوں کی گواہی غیر معتبر۔ بلکہ حدود و قصاص میں مردوں ہی کی گواہی کا اعتبار ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی۔ عقل تو اس لئے کہ ان دو کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے قائم مقام ہے ان میں بھول چوک غالب ہے اور دین اس لئے کہ یہ نماز ہمیشہ نہیں پڑھ سکتیں حیض و نفاس میں اس سے محروم ہیں۔

مسئلہ: گواہی تین قسم کی ہے ایک وہ جہاں صرف مرد ہی گواہ بن سکتے ہیں۔ جیسے حدود و قصاص۔ ایک وہ جہاں صرف عورتوں کی گواہی معتبر ہے۔ جیسے عورتوں کے وہ راز جن پر مرد اطلاع نہ پا سکے مثلاً ولادت یا عورت کا باکرہ یا ثیبہ ہونا یا طلاق کی عدت کا پورا ہونا وغیرہ کہ ان صورتوں میں فقط عورت کی گواہی سے فیصلہ ہوگا۔ ایک وہ کہ جہاں مرد عورت دونوں کی گواہی معتبر جیسے مالی معاملات اس آیت میں تیسری قسم کی گواہی کا ذکر ہے۔

مسئلہ: دنیاوی خبر کافر کی بھی معتبر ہے۔ سلطان کا منادی وکیل مضارب قاصد کافر ہو ہی نہیں سکتا ہے۔ دینی خبر ایک متقی مسلمان کی بھی معتبر اور گواہیوں میں کم از کم دو مسلمان چاہئیں۔ (عالمگیری کتاب الکراہیۃ) اور حدود میں چار مسلمان گواہوں کی ضرورت ہے۔

مسئلہ: کافر کی خبر معاملات کے ضمن میں دیانات میں بھی قبول۔ کافر نے خبر دی کہ یہ گوشت مسلمان کا ذبیحہ ہے۔ کھالو' نامقبول کیونکہ حلال و حرام ہونا دینی خبر ہے۔ لیکن اگر کسی مسلمان کا کافر نوکر ہمارے پاس گوشت لایا اور کہا کہ یہ میرے آقا نے بھیجا ہے۔ تو مقبول کیونکہ وہ بھیجنے کی خبر دے رہا ہے۔ جو کہ دنیوی چیز ہے جب یہ بات منظور ہو گئی تو اس کے ضمن میں گوشت کی حلت بھی آگئی۔ (عالمگیری)

مسئلہ: ہر گواہی میں گواہ کا واقعہ دیکھنا شرط نہیں۔ نکاح' طلاق' اوقاف' نسب' متبرکات وغیرہ میں محض شہرت یا علامت یا گواہی دی جا سکتی ہے۔ اس کی تحقیق کیلئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول دیکھو۔

مسئلہ: کفار کے معاملات میں کفار کی گواہی معتبر ہے۔ لہٰذا اگر مقروض کافر ہو تو کفار گواہ بن سکتے ہیں۔

مسئلہ: قبول گواہی کی دس شرطیں ہیں گواہ کا آزاد ہونا' مسلمان ہونا' بالغ ہونا' متقی ہونا' واقعہ سے واقف ہونا' اس گواہی میں

www.alahazratnetwork.org

گواہ کا نفع نہ ہونا اور اس سے دفع ضرر نہ ہونا گواہ کا غلط گوئی اور بے مروتی میں مشہور نہ ہونا گواہ مشہود لہ کا بیٹا یا غلام نہ ہو۔ گواہ مشہود علیہ کا دشمن نہ ہو۔ (کبیر)

مسئلہ: غلام کی گواہی معتبر نہیں۔

مسئلہ: متقی وہ مسلمان ہے جو نہ گناہ کبیرہ کرتا ہو اور نہ گناہ صغیرہ پر جمتا ہے۔ کیونکہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ داڑھی منڈانا' کبھی جھوٹ بول دینا گناہ صغیرہ ہے مگر ہمیشگی سے کبیرہ۔ یہ تمام مسائل ترضون سے حاصل ہوئے۔

مسئلہ: خنثیٰ مشکل کی گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ وہ نہ مرد ہے نہ عورت اسی لئے اس کی میت کو کوئی غسل نہیں دے سکتا۔ تمیم کرایا جائے گا یہ من رجالکم سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: ایک گواہ اور ایک قسم سے مدعی کے حق میں فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو اسی آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر دو گواہ مرد میسر نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ بناؤ۔ یہ نہ فرمایا گیا کہ ایک ہی گواہ رکھ لو اور ایک قسم کھالینا جس سے معلوم ہوا کہ دو مرد گواہ نہ ملنے کی صورت میں صرف یہ ہی حکم ہے کہ ایک مرد اور دو عورتیں گواہ مقرر کی جائیں۔ نیز حدیث شریف میں ہے۔ **البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر** مدعی کے ذمہ گواہ ہیں اور منکر پر قسم۔ اس تقسیم سے معلوم ہوا کہ مدعی کی قسم اور مدعی علیہ کے گواہ معتبر نہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم سے مدعی کے حق میں فیصلہ کیا یہ خبر واحد ہے جو خبر متواتر اور قرآنی آیات کے مقابلہ میں غیر معتبر ہے۔

مسئلہ: فیصلہ کا مدار گواہی پر ہے نہ کہ محض دستاویز پر دستاویز تو صرف گواہوں کو واقعہ یاد دلانے کیلئے ہے۔ اگلے جملہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔ **ولا یاب الشھداء اذا ما دعوا** یہ دستاویز کی تحریر اللہ کے نزدیک انصاف کی چیز ہے۔ اور گواہی کو درست رکھنے والی۔

مسئلہ: اگر گواہ کو دستاویز دیکھ کر بھی واقعہ یاد نہ آئے تو اس کی گواہی درست نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا کہ اگر ایک عورت بھول جائے تو دوسری یاد دلا دے یہ نہیں فرمایا گیا کہ دستاویز کی تحریر دیکھ لے معلوم ہوا کہ یاد دلانے کا صرف یہ ہی خاص طریقہ ہے۔

مسئلہ: قرض کی گواہی واقعہ دیکھ کر جائز ہے نہ کہ محض دستاویز کی تحریر سن کر ہاں اس صورت میں یہ گواہی دے سکتا ہے کہ ہمیں فلاں شخص نے اپنا اقرار نامہ سنایا تھا۔

مسئلہ: دستاویز میں گواہوں کے دستخط ضروری نہیں ہاں بہتر ہیں تاکہ یاد رہے اور حاکم گواہوں کو کچہری میں حاضر کر سکے۔

مسئلہ: اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں قبول نہیں۔ ان کے خلاف قبول ہے۔ اور دشمن کی گواہی دشمن کے خلاف مردود' اور موافق قبول۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ متقی غلام کی گواہی قبول ہے کیونکہ آیت نے گواہ میں تین

www.alahazratnetwork.org

قیدیں لگائیں۔ مرد ہونا مسلمانوں کی جماعت سے ہونا من رجالکم اور متقی ہونا۔ (ممن ترضون) جب اس غلام میں تینوں صفتیں موجود ہیں تو اس کی گواہی کیوں نامقبول ہے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ رجال سے مراد آزاد مرد ہیں۔ یہ ہی مجاہد کا قول ہے۔ (بیہقی و تفسیر در منثور) دوسرے یہ کہ اس آیت میں گواہی کے سارے شرائط مذکور نہیں ہوئے باقی شرائط احادیث سے ثابت ہیں۔ تیسرے یہ کہ اگلے جملہ میں ارشاد ہو رہا ہے۔ جب گواہ بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں' جس سے معلوم ہوا کہ گواہ وہ ہونا چاہئے جو خود مختار ہو بلانے پر آ سکے غلام مولیٰ کے قبضہ میں ہے۔ اسے مولیٰ کے بغیر اجازت حج اور جماعت نماز کیلئے جانا جائز نہیں۔ تو ادائے شہادت کیلئے جانا کیونکر جائز ہو گا۔ (از کبیر) دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر مسلمان کا ولی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ یہاں بالعدل کی قید ہے۔ جیسے ذوی عدل کی وجہ سے کافر مسلمان کا گواہ نہیں بن سکتا تو اس کا ولی کیسے بن سکتا ہے۔ جواب: ذوی عدل میں عدل بمعنی تقویٰ و پرہیزگاری ہے۔ (عدالت) اور بالعدل میں بمعنی انصاف اگر یہ بھی اس معنی میں ہوتا تو یہاں بجائے ب کے ذو آتا کیونکہ ولی کی صفت ہوتا حالانکہ یہاں املاء بولنے کی قید ہے۔ ابو طالب شرعاً ایمان سے مشرف نہ ہوئے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن شریف سے حضور کے ولی یعنی قریب تھے۔ رب فرماتا ہے الم یجدک یتیما فاوی تیسرا اعتراض: جب چھوٹے بچوں کی گواہی معتبر نہیں۔ تو چاہئے کہ ان سے حدیث بھی نہ لی جائے۔ حالانکہ محدثین کم عمر صحابہ کرام سے روایت لے لیتے ہیں۔ جب فسق حدیث لینے سے مانع ہے تو صغر کیوں مانع نہیں؟ جواب نقل حدیث حقیقتاً دینی خبر ہے جس میں صرف تقویٰ شرط ہے۔ اگر یہ محض گواہی ہوتی تو ناقلین حدیث کو لفظ اشہد بولنا پڑتا اور کم از کم دو کی ضرورت ہوتی۔ چوتھا اعتراض: تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلے احدھما سے بھولنے والی عورت مراد ہے اور دوسرے احدھما سے دوسری عورت جسے واقعہ یاد ہے۔ حالانکہ علم اصول میں ہے کہ جب معرفہ مکرر ہو تو دونوں سے ایک ہی مراد ہوتا ہے۔ اور جب نکرہ مکرر ہو تو ان سے مختلف مراد ہوتے ہیں۔ تو یہ تفسیر کیونکر صحیح ہوئی؟ جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ فی السماء الہ وفی الارض الہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ آسمان میں اور معبود ہے اور زمین میں دوسرا۔ چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی اس لئے تفسیر صوفیانہ ان شاء اللہ اخیر میں ہوگی۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا وَلَا تَسْـَٔمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ
اور نہ انکار کریں گواہ جب کبھی بلائے جائیں اور نہ سستی کرو تم اس سے کہ لکھ لو اسے
اور گواہ جب بلائے جائیں تو آنے سے انکار نہ کریں اور اسے بھاری نہ جانو کہ دین چھوٹا ہو یا بڑا اس کی
كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا
چھوٹا یا بڑا طرف میعاد اس کی کے یہ زیادہ انصاف والا ہے نزدیک اللہ کے اور زیادہ قائم رکھنے والے
میعاد تک لکھت کر لو یہ اللہ کے نزدیک زیادہ انصاف کی بات ہے اس میں گواہی خوب ٹھیک رہے گی

www.alahazratnetwork.org

تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ

واسطے گواہی کے اور زیادہ قریب ہے اس کے نہ شک کرو مگر یہ کہ ہو خرید و فروخت موجودہ

اور یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تمہیں شبہ نہ پڑے مگر یہ کہ سر دست کا سودا دست بدست ہو

عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا

کرتے ہو تم اسے درمیان اپنے پس نہیں ہے اوپر تمہارے گناہ یہ کہ نہ لکھو تم اسے

تو اس کے نہ لکھنے کا تم پر گناہ نہیں

تعلق : اس آیت کا پچھلے جملے سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلے جملہ میں گواہ بنانے کا حکم تھا اب گواہوں کو گواہی دینے کا حکم اور گواہی چھپانے سے ممانعت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں قرض کی دستاویز لکھنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس حکم کو وسیع کیا جارہا ہے کہ دستاویز بڑے قرض کے لئے خاص نہیں چھوٹے بڑے ہر قرض پر لکھ لو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلے جملہ میں قرض کی تحریر اور اس پر گواہ کر لینے کا حکم تھا۔ اب اس کے فوائد ارشاد ہو رہے ہیں۔ تاکہ لوگ شوق سے اس پر عمل کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلے جملہ میں یہ وہم ہو سکتا تھا کہ ادھار کی تجارت کی طرح نقد بیع بھی لکھ لینا چاہئے اس جملہ میں یہ وہم دور کیا جارہا ہے غرضکہ یہ جملہ چند طرح پچھلے جملہ کا تمہ اور خاتمہ ہے۔

تفسیر : **ولا یاب الشهداء اذا ما دعوا**۔ **لا یاب**۔ **اباء** سے بنا ’ معنی باز رہنا۔ یا انکار کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ **شهداء** سے یا تو وہ لوگ مراد ہیں جو گواہ بن چکے ہیں۔ اور اب گواہی دینے جا رہے ہیں۔ یا وہ جنہیں گواہ بنایا جائے گا۔ **اذا**’ **لا یاب** کا ظرف ہے اور **ما** تکثیری۔ **دعوا** سے یا تو گواہ بننے کے لئے موقعہ کی طرف بلانا مراد ہے یا گواہ بن چکنے کے بعد گواہی دینے کے لئے عدالت میں بلانا مراد یعنی جو گواہ بن چکے ہوں۔ جب بھی انہیں قاضی کی کچہری میں گواہی دینے کے لئے بلایا جائے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں یا جب بھی مسلمان بھائی موقعہ واردات پر کسی کو گواہ بنانے کے لئے بلائے تو ان کو بلاوجہ اس سے باز نہ رہنا چاہئے اور ممکن ہے کہ بطریق عموم مشترک یہ دونوں معنی مراد ہوں یہ ہی عبداللہ ابن عباس اور حسن رضی اللہ عنہما کا قول ہے (معانی’ کبیر) پہلی صورت میں یہ نہی تحریمی ہے اور دوسری صورت میں تنزیہی (از کبیر) خیال رہے کہ یہاں **شهداء** سے وہ لوگ مراد ہیں جن کی گواہی شرعاً معتبر ہے لہذا چھوٹے بچے ’ دیوانے ’ فساق وغیرہ وہ لوگ جن کی گواہی معتبر نہیں انہیں انکار کرنا منع بھی نہیں۔ خیال رہے کہ گواہی چند قسم کی ہے۔ قصاص و حدود کی گواہی ’ حقوق کی گواہی ’ شرعی احکام کی گواہی۔ حدود و قصاص کی گواہی میں گواہ کو گواہی دینے یا نہ دینے کا اختیار ہے۔ مگر حقوق کی گواہی میں مدعی کا دعویٰ دار اس کی طلب پر گواہی دینا لازم ہے۔ جیسا کہ **اذا ما دعوا** سے معلوم ہوا مگر شرعی حقوق کی گواہی یہ مدعی کے دعوے کی شرط ہے نہ کہ طلب کی گواہ کو خود بخود گواہی دینا لازم ہے۔ جیسے رمضان ’ شوال کے چاند ’ رضاعت وغیرہ کی گواہی خود حاکم کے سامنے پیش ہو کر دو۔ **اذا ما دعوا** کی قید حقوق عباد کے لئے ہے۔ **ولا تسئموا ان تکتبوه**۔ **تسئموا** سامتہ سے بنا ’ معنی ملال ’ دل تنگی ’ کوتاہی ’ اکتانا ’ سستی وغیرہ زبیر کہتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

سئمت تکالیف الحیوۃ ومن یعش ثمانین حولا لا اباک یسئم

یہاں سب معنی درست ہیں۔ ان تکتبوہ‘ تسئموا کا مفعول ہے۔ ہ کا مرجع قرض یا حق یا کتابت ہے۔ (دستاویز) ایک قرات میں لا یسئموا اور ان یکتبوہ‘ ی سے ہے۔ اس صورت میں اس سے قرض کا معاملہ کرنے والے مراد ہیں یہ ممانعت بھی تنزیہی ہے۔ صغیرا ” او کبیرا “ یا تو یہ دونوں تکتبوہ کی ضمیر کے حال ہیں اس صورت میں صغیر سے مراد تھوڑا اور کبیر سے مراد زیادہ قرض ہے۔ یا کتاب سے حال ہے تو صغیر سے مراد مجمل اور کبیر سے مراد مفصل ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ دونوں کان محذوف کی خبر ہیں۔ صغیر کو کبیر پر اہتمام اور ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی کے لئے مقدم کیا۔ الی اجلہ یہ بھی تکتبوہ کی ضمیر سے حال ہے اور مستقرا پوشیدہ کا متعلق یا الی بمعنی مع ہے اور تکتبوہ کا متعلق یعنی قرض تھوڑا ہو یا زیادہ اس کے لکھنے میں سستی نہ کرو مع مدت کے لکھ لو۔ یا اس کی مدت تک لکھ ڈالو‘ یا قرض کی تحریر میں کوتاہی نہ کرو۔ تھوڑی بہت مجمل مفصل تحریر ضروری کر لو (معانی و مدارک) اب اس حکم کے تین فائدے بیان فرمائے جا رہے ہیں ایک یہ کہ ذلکم اقسط عند اللہ یہ کتاب یا گواہی یا دونوں کی طرف اشارہ ہے۔ مگر پہلا زیادہ قوی‘ چونکہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ اس لئے کم جمع فرمایا گیا۔ اقسط‘ قسط سے بنا جس کے معنی عدل بھی ہے اور ظلم بھی اور حصہ بھی‘ رب فرماتا ہے۔ واما القاسطون لکانوا لجھنم حطبا۔ بعض نے فرمایا کہ باب افعال میں آ کر بمعنی انصاف ہوتا ہے۔ ان اللہ یحب المقسطین اور مجرد میں بمعنی ظلم‘ یہاں باب افعال کا تفضیل ہے‘ بمعنی اعدل سیبویہ کا قول ہے کہ باب افعال کا تفضیل بروزن افعل آتا ہے (روح المعانی) بعض کا خیال ہے کہ اقسط بمعنی ذی قسط ہے۔ یعنی یہ تحریر اللہ کے نزدیک بہت ہی انصاف کی چیز ہے کہ اس سے ایک کا حق دوسرے کے پاس نہ جائے گا۔ دوسرے یہ کہ واقوم للشھادۃ قیام کا تفضیل ہے۔ بمعنی درستی اور سیدھا پن۔ رب فرماتا ہے۔ ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم کھڑے ہونے کو بھی اسی لئے قیام کہتے ہیں کہ اس حالت میں سارے اعضاء سیدھے رہتے ہیں۔ چونکہ تفضیل فعل تعجب کا مناسب ہے اور فعل تعجب میں بوجہ جامد وغیرہ متصرفہ ہونے کے واؤ الف سے نہیں بدلتا۔ لہذا تفضیل میں بھی نہیں بدلا (روح المعانی) ورنہ اقام ہوتا۔ للشھادۃ میں لام صلہ کا ہے۔ یعنی یہ تحریر گواہی کو درست رکھنے والی ہے جس سے گواہ غلطی سے بچیں گے اور قاضی و مدعی کے علم میں رہیں گے۔ تیسرے یہ کہ وادنی الا ترتابوا۔ ادنی‘ دنو سے بمعنی قرب اور ادنی دناءت سے بمعنی حقیر ہوتا ہے۔ الا سے پہلے الی یا لام یا من یا فی حرف جر پوشیدہ ہے۔ ترتابوا‘ ریب بمعنی شک سے بنا‘ باب افتعال میں آ کر عموم کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی یہ تحریر اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم قرض‘ اس کی مقدار‘ اس کی مدت وغیرہ میں کسی قسم کا شک و وہم نہ کرو اور فریقین کا دل ایک دوسرے سے صاف رہے۔ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ یہ حکم کتابت سے مستثنیٰ منقطع ہے اور الا بمعنی لکن یا استثناء سے متصل۔ تجارت کے معنی ہیں۔ مال کی ہیر پھیر کرنا نفع کی نیت سے یہ مصدر ہے تجر یتجر فھو تاجر کا باب ضرب اس کا مفعول متجر باب افتعال سے ہے (کبیر) ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی مصدر ہے اور حاضرۃ سے مراد قیمت اور سودے کی موجودگی ہے اور ممکن ہے کہ یہ بمعنی اسم مفعول ہو یعنی سودا‘ ایک قرات میں تجارۃ پیش سے اور حاضرۃ فتح سے ہے اور ایک قرات میں دونوں کے پیش سے پہلی دو صورتوں میں تکون ناقصہ ہے اور اخیری صورت میں تامہ یعنی مگر یہ کہ تمہاری بیع نقد کی تجارت ہو یا اس صورت میں کہ متجر یعنی مال و

www.alahazratnetwork.org

قیمت موجود ہوں کوئی بھی ادھار نہ ہو یا یہ کہ نقدی تجارت واقع ہو۔ چونکہ یہاں وہم تھا کہ تجارت حاضرہ سے مراد ہو جو وہ ایجاب و قبول ہوں' اسی کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **تدیرونھا بینکم۔ تدیرونھا' ادارۃ** سے بنا' جس کا مادہ دوران ہے۔ بمعنی گھومنا اس میں خطاب تاجر' خریدار دونوں کو ہے۔ **ھا** کا مرجع وہی تجارت بمعنی سودا ہے **بینکم' تدیرون** کا ظرف یعنی ایسا نقدی سودا ہو جس کو اے تاجر اور خریدار و تم آپس میں لے دے کر گھما لو کہ قیمت پر تاجر اور مال پر خریدار قبضہ کرلے اور کسی طرف ادھار نہ رہے۔ خیال رہے کہ **تدیرون** یا تجارت کی دوسری صفت ہے۔ یا حاضرۃ کی تفسیر **فلیس علیکم جناح الا تکتبوھا'** جناح کی لغوی تحقیق ہم پہلے کرچکے ہیں۔ **ا لا** سے پہلے فی پوشیدہ ہے **ھا** کا مرجع تجارت ہے۔ یعنی اس صورت میں تم پر گناہ نہیں کہ اس تجارت کو نہ لکھو چونکہ ایسی بیع دن رات ہوتی ہے اور بوجہ ادھار نہ ہونے کے جھگڑے کا احتمال بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس میں لکھنے کی پابندی نہیں۔

خلاصہ تفسیر : جب بھی گواہ بننے یا کچہری میں گواہی دینے کے لئے گواہوں کو بلایا جاوے تو وہ آنے سے انکار نہ کریں کیونکہ یہ ضروری کام ہے اگر اس میں سستی کی گئی تو بہت خرابیاں پیدا ہوں گی۔ لوگوں کے حقوق مارے جائیں گے۔ دنیا کا انتظام بگڑ جائے گا۔ **ولا یاب'** میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ بلاوجہ گواہ حاضری سے انکار نہ کرے اگر کوئی دینی یا دنیاوی مجبوری ہے تو انکار کرسکتا ہے۔ لہذا ادائے شہادت کی تاریخ کے لئے حج نہ چھوڑے۔ اگر بیمار ہو تو معذرت کرسکتا ہے یا حاکم خود اس کے پاس آکر گواہی لے اور اے مسلمانو تم قرض کے معاملات کے لکھنے میں سستی نہ کرو۔ قرض چھوٹا ہو یا بڑا' اس کی مقدار' نوعیت بلکہ اس کی مدت تک لکھ لو۔ کیونکہ کبھی چھوٹا قرض بڑے جھگڑے کا ذریعہ بن جاتا ہے یا تھوڑی بہت تحریر ضرور کرلو۔ اس تحریر میں چند فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ خدا کے نزدیک بہت انصاف کی بات ہے کہ جس سے بندوں کے حقوق کی حفاظت ہے۔ جو حقوق اللہ سے سخت تر ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ تحریر گواہی ٹھیک رکھنے والی ہے کہ جس سے گواہوں کو گواہی دینے میں آسانی اور مدعی و حاکم کو گواہوں کے بلانے میں سہولت ہے۔ جس سے معاملہ بہت جلد طے ہو سکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس تحریر سے معاملہ صاف رہے گا اور معاملہ والوں کے دل میں ایک دوسرے سے کدورت نہ پیدا ہوگی نہ دینے والے کو نقصان کا اندیشہ اور نہ لینے والے کو ضرر کا خطرہ' لیکن جس صورت میں تمہاری تجارت نقد کی ہو کہ تم مال کو آپس میں وہاں ہی گھما لو' تاجر تو قیمت پر اور خریدار مال پر وہاں ہی قبضہ کرلے۔ کسی طرف سے ادھار نہ ہو تو نہ لکھنے میں تم پر کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ایسے معاملات دن رات ہوتے رہتے ہیں۔ ہر ایک کا لکھنا بہت دشوار ہے۔ نیز جبکہ تاجر و خریدار دونوں نے اپنے حقوق پر قبضہ کرلیا تو جھگڑے کا اندیشہ نہ رہا اور یہ تحریر جھگڑا مٹانے ہی کے لئے تو تھی۔ جب یہ اندیشہ نہیں تو تحریر بھی کچھ ضروری نہیں۔

فائدے : اس جملہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** معاملات کی تحریر اور ان پر گواہ بنانا مستحب ہے نہ کہ واجب۔ اس لئے کہ اس سے جھگڑے فساد کا اٹھانا مقصود ہے اور دنیوی ضرر سے بچنا ملحوظ' اسی لئے اس کے نہ کرنے پر عذاب اخروی سے نہ ڈرایا گیا۔ بلکہ اس کے دنیوی فوائد بیان فرمادیئے گئے۔ **دوسرا فائدہ:** ادائے گواہی کے لئے مدعی کی طلب ضروری ہے۔ اگر وہ طلب نہ کرے تو گواہوں پر حاضری لازم نہیں۔ جیسا کہ **اذا ما دعوا** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گواہ کا سفر خرچ مدعی کے ذمہ ہے کیونکہ دور رہنے والے آدمی کو بلانے کی یہ ہی صورت ہے کہ اس کے آنے کا انتظام کردیا جائے

www.alahazratnetwork.org

یہ بھی **اذا ما دعوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** جب مدعی گواہوں کی طلب کرے تو انہیں گواہی دینا فرض ہے چھپانا جائز نہیں۔ جیسا کہ **ولا یاب الشهداء** سے معلوم ہوا (خزائن) **پانچواں فائدہ:** ہر چھوٹا بڑا مالی معاملہ جس سے جھگڑا پڑ سکے۔ اس کا لکھ لینا بہت بہتر ہے جیسا کہ **ولا تسئموا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کپڑے کی بیع سلم جائز ہے کیونکہ یہاں صغیرو کبیر فرمایا اور وزنی چیزوں کو صغیرو کبیر نہیں کہا جاتا۔ بلکہ قلیل و کثیر کہا جاتا ہے (مدارک) **ساتواں فائدہ:** معاملات کی مختصر تحریر بھی کافی ہے جیسا کہ صغیرا" اور کبیرا" کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** قرضی معاملات کے سوا اور جن معاملات میں جھگڑے کا اندیشہ ہو ان کی تحریر بھی بہتر ہے۔ دیکھو ڈاک خانہ چھوٹا منی آرڈر بھی بغیر تحریر لئے نہیں دیتا یہ حکم **الا ترتابوا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** نقد تجارتوں کا لکھنا چنداں ضروری نہیں۔ جیسا کہ **الا تكتبوها** سے معلوم ہوا۔ لیکن اگر اس میں بھی جھگڑے کا اندیشہ ہو تو تحریر ضرور چاہئے۔ جیسے کہ زمین، مکانات کھیت وغیرہ کی بیع کہ اگرچہ نقد ہو۔ مگر تحریر بہتر۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ تجارت حاضرہ وہ ہے۔ جس میں غیر باقی مال کی بیع ہو۔ جیسے ترکاری اور پھل وغیرہ۔ زمین و باغات چونکہ باقی رہنے والی چیزیں ہیں اس لئے وہ اس حکم سے خارج۔ **مسئلہ:** گواہ بننا اور چیز ہے اور گواہی دینا کچھ اور ان کے احکام بھی مختلف۔ جب گواہ بننے میں گواہ کا کچھ ضرر نہ ہو اور نہ بننے میں مسلمان بھائی کا نقصان ہو تا ہو تو ضرور گواہ بن جانا چاہئے مثلاً "نکاح ہو رہا ہے کوئی گواہ نہیں ملتا" یہ بلاوجہ گواہ بننے سے انکار کرتا ہے تو گنہگار ہے یونہی اگر گواہ نہ بننے میں مسلمان بھائی کے حق مارے جانے کا اندیشہ ہو تو ضرور گواہ بن جانا چاہئے۔ غرضکہ متعین شخص پر گواہ بننا واجب ہے اور جب مت سے لوگ مل سکتے ہیں تو اس پر واجب نہیں (از کبیر) **مسئلہ:** گواہی دینے کی چند صورتیں ہیں۔ زنا وغیرہ کی گواہی میں اختیار ہے دے یا نہ دے۔ بلکہ چھپانا مستحب حضور علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی مسلمان کی پردہ پوشی کرے۔ رب تعالیٰ اس کی دنیا اور آخرت میں ستاری فرمائے گا۔ مگر چوری میں مال لینے کی گواہی دے تاکہ مال والے کا حق نہ مارا جائے یہ نہ کہے کہ چوری سے لیا ہے تاکہ وہ ہاتھ کٹنے سے بچ جائے (خزائن العرفان) لہذا زنا وغیرہ کا چھپانا بہتر اور باقی گواہیاں دینا بہتر۔ **مسئلہ:** اگر گواہی چھپانے سے کسی کا دینی یا دنیوی حق مارا جاتا ہے۔ تو چھپانا منع ہے۔ طلاق و قرض کی گواہی ضروری ہے۔ **مسئلہ:** شرعی حقوق کی گواہی دعویٰ پر موقوف نہیں۔ گواہ پر ضروری ہے کہ بغیر دعویٰ اور بغیر کسی کے بلائے گواہی دے۔ چاند دیکھ لیا ہے فوراً گواہی دے۔ کسی شوہر کو طلاق دیتے سن لیا فوراً گواہی دے۔ **مسئلہ:** اگر کسی کے پاس گواہی ہے اور مدعی اس سے بے خبر ہے اور اس کا حق مارا جا رہا ہے تو گواہ پر لازم ہے کہ بلا طلب جا کر گواہی دے لہذا **اذا ما دعوا** کی قید وہاں ہے جہاں حقوق انسانی کی گواہی ہو اور مدعی کے علم میں ہو۔ یا بلانے سے عام بلانا مراد ہے۔ مدعی کا ہو یا شریعت کا۔ **مسئلہ:** اگر کسی معاملہ کے گواہ بہت سے ہیں۔ تو گواہی دینا فرض کفایہ ہے اور دو ہی ہوں تو ان پر فرض عین۔ **مسئلہ:** نقد اور معمولی تجارت یا لین دین کا لکھ لینا بھی اچھا ہے حتیٰ کہ امانت کا لین دین بھی تحریری ہو تو بہتر ہے۔ اس لئے یہاں **لا جناح** فرمایا گیا۔ یعنی اس نقد تجارت کے نہ لکھنے میں گناہ نہیں۔ جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ لکھ لینے میں فائدہ بہت ہے۔ رہا یہ سوال کہ ادھار اور بڑی تجارت کو نہ لکھنے میں گناہ ہے یا نہیں اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ ہے اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے اور ہو سکتا ہے کہ گناہ نہیں حرج ہو تو اب بھی یہ حکم باقی ہے کہ بڑی تجارت ادھار مال کا نہ لکھنا خرابیوں کا باعث ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** **فليس عليكم جناح** سے معلوم ہوا کہ ادھار تجارت کے نہ لکھنے میں گناہ ہے کیونکہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

یہ فرمایا گیا کہ اگر تجارت نقد ہو تو نہ لکھنے میں گناہ نہیں۔ جس سے لازم آیا کہ اگر ادھار ہو تو نہ لکھنا گناہ ہے اور جس کا ترک گناہ ہے وہ واجب ہوتا ہے پھر فقہاء یہ کیوں فرماتے ہیں کہ یہ تحریر واجب نہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ **ایک یہ کہ** معترض نے مفہوم مخالف لے کر اعتراض کیا جو صحیح نہیں یہ تو معلوم ہوا کہ نقد تجارت نہ لکھنے میں گناہ نہیں۔ رہی یہ بات کہ ادھار تجارت نہ لکھنے میں گناہ ہے' اس سے خاموشی ہے۔ **دوسرے یہ کہ** ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ تحریر و گواہی وغیرہ اولاً فرض تھیں پھر ان کی فرضیت منسوخ ہو گئی۔ **تیسرے یہ کہ** جناح بمعنی حرج' مضائقہ یا کج روی ہے۔ یعنی نقد تجارت کے نہ لکھنے میں خطرہ یا نقصان نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فان جنحوا للسلم فاجنح لها**۔ یہ تمام توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے بارہا قرض کا لین دین کیا مگر ہر ایک کی تحریر نہ کی۔ اگر لکھنا واجب ہوتا تو اس پر پابندی ہوتی۔ **دوسرا اعتراض:** حاضرة کے بعد **تدیرونها** کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** یہ **حاضرة** کی تفسیر ہے۔ تجارت حاضرہ کے معنی غیر موقوف تجارت بھی ہو سکتی ہے۔ **تدیرونها** سے معلوم ہوا کہ اس سے نقدی تجارت مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** فقہاء قرآن کریم کے بعض احکام کو وجوبی قرار دیتے ہیں اور بعض کو استحبابی یہ کیوں؟ قرآن کے سارے احکام یکساں ہونے چاہئیں۔ اس کا قرینہ کیا ہے؟ (عام جہلا) **جواب:** بے شک سارے احکام وجوبی نہیں ہو سکتے۔ رب فرماتا ہے **فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر** جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کافر ہو جائے' یہاں ایمان و کفر دونوں کے لئے صیغہ امر ارشاد ہوا۔ تو کیا ایمان لانا بھی واجب ہے اور کفر بھی واجب۔ قرآن کریم میں امر سولہ معنی میں استعمال ہوا ہے وجوب' استحباب' تخییر' تحیر' تنبیہ وغیرہ وغیرہ اس کی پہچان فقہا کا کام ہے۔ البتہ استحباب کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ جہاں امر کے بعد دنیوی فوائد بیان ہوں تو وہ استحبابی ہو گا۔ جیسے یہاں ارشاد ہوا کہ لکھنے سے گواہی خوب ہو سکے گی۔ تمہیں کوئی شک نہ رہے گا۔ تمہارے معاملات ٹھیک رہیں گے وغیرہ چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی۔ لہٰذا اس کی تفسیر صوفیانہ آئندہ بیان ہو گی۔ ان شاء اللہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **اقسط** کے بعد عند اللہ کیوں ارشاد ہوا صرف **اقسط** ہی کافی تھا۔ **جواب:** دو وجہ سے **ایک یہ** بعض چیزوں کو لوگ انصاف سمجھتے ہیں۔ مگر اللہ کے نزدیک ظلم ہوتی ہے۔ بعض چیزیں اس کے برعکس کہ اللہ کے نزدیک عدل ہوتی ہیں۔ لوگوں کے نزدیک ظلم' بعض چیزیں خالق و مخلوق کے نزدیک عدل ہیں۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تحریر و گواہی رب کے نزدیک انصاف ہے۔ مخلوق انصاف مانے یا نہ مانے۔ **دوسرے یہ کہ** صرف گواہ بنانا انصاف ہے مگر اس میں خطرہ ہے کہ عاقدین اور گواہوں کے انتقال کے بعد' پھر خطرہ فساد ہے۔ لیکن تحریر ہو جانے کی صورت میں آئندہ بھی نسلوں میں جھگڑا پیدا نہ ہو گا۔ زمین' مکان کی خرید و فروخت میں بیسیوں اس کے بعد اولاد در اولاد جھگڑے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔ جو تحریر و رجسٹری سے طے ہوتے ہیں۔ اگر صرف گواہوں پر ہوتے تو کبھی طے نہ ہوتے۔ اسی لئے آج حکومتیں دستاویزوں کی رجسٹریاں کراتی ہیں کہ کل کو جھگڑا نہ اٹھے اسی لئے تحریر کو فرمایا گیا کہ اللہ کے نزدیک یہ ہی زیادہ انصاف کی چیز ہے۔

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ

اور گواہ بنا لو جب خرید و فروخت کرو اور نہ نقصان پہنچایا جاوے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر کرو تم
اور جب خرید و فروخت کرو تو گواہ کر لو اور نہ کسی لکھنے والے کو ضرر دیا جاوے اور نہ گواہ کو (یا نہ

www.alahazratnetwork.org

فَسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾

پس تحقیق وہ نافرمانی سے ساتھ تمہارے اور ڈرو تم اللہ سے اور سکھاتا ہے تم کو اللہ اور اللہ ساتھ ہر چیز کے جاننے والا ہے
لکھنے والا ضرر دے نہ گواہ) اور جو تم ایسا کرو تو یہ تمہارا فسق ہوگا اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمہیں سکھاتا ہے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: اس آیت میں قرض کے لین دین کے لئے دو حکم دیئے گئے "لکھنا" اور اس پر گواہ بنانا۔ پھر نقدی تجارت میں لکھنے کی معافی دی گئی۔ جس سے وہم ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں گواہی کی بھی چنداں ضرورت نہیں۔ اب اس وہم کو دفع فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلے جملہ میں حکم تھا کہ گواہ بوقت طلب گواہی سے انکار نہ کریں۔ اب معاملہ والوں کو تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ تم بھی انہیں نقصان نہ پہنچانا تاکہ گواہ اور مدعی دونوں ایک دوسرے کا لحاظ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلے جملہ میں بہت سے احکام تفصیل وار بیان ہوئے اس جملہ میں بطور تتمہ ان سب کا اجمالی ذکر ہے۔

شان نزول : ابن جریر نے حضرت ربیع سے روایت کی کہ جب آیت **ولا یاب کاتب** نازل ہوئی تو بعض اہل معاملہ کاتبوں کے پاس آکر دستاویز لکھوانے کی فرمائش کرتے وہ کہتا مجھے اس وقت کام ہے کسی اور کاتب سے لکھوالو۔ تو یہ اسے پکڑ لیتے اور کہتے کہ تجھے دستاویز لکھنے کا خدا نے حکم دیا ہے پھر انکار کیوں کرتا ہے۔ بغیر لکھوائے نہ چھوڑتے۔ جس سے کاتبوں کو بہت دشواری ہو گئی۔ تب جملہ **ولا یضار** الخ۔ نازل ہوا (تفسیر درمنثور و روح المعانی)

تفسیر : **واشهدوا اذا تبایعتم۔ اشهدوا** اشهاد سے بنا بمعنی گواہ بنانا۔ اس میں خریدار اور تاجر دونوں کو حکم ہے اور یہ امر بھی استحبابی اور **اذا** ظرفیہ ہے۔ اور **تبایعتم** بیع کا باب تفاعل ہے۔ بمعنی خرید و فروخت کرنا۔ اس بیع سے یا نقد تجارت مراد ہے یا ہر چھوٹی بڑی عام تجارت یعنی نقد تجارت کے لکھنے کی اگرچہ ضرورت نہیں۔ مگر اے معاملہ والو گواہ اس پر بھی بنا لیا کرو۔ **ولا یضار کاتب ولا شهید**۔ **لا یضار** باب مفاعلہ کی نہی ہے اس کا مادہ ضرر بمعنی نقصان و تکلیف ہے۔ ممکن ہے کہ معروف ہو اور کاتب اس کا فاعل یا مجہول ہو اور کاتب نائب فاعل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات **لا یضارر** ہے (دوسرے پہلی رے کا کسرہ) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قرات **لا یضارر** ہے (دوسرے اور پہلی رے کا بھی فتح) یعنی کاتب اور گواہ معاملہ والے کو تکلیف اور نقصان نہ پہنچائیں۔ یا اہل معاملہ کی طرف سے نہ کاتب کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو پہلی قراءت کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **وان تفعلوا فانه فسوق بکم** اور ظاہر ہے کہ کاتب کی غلط تحریر اور گواہ کا گواہی چھپانا یا بدلنا فسق ہے نہ کہ اہل معاملہ کا اسے مجبور کر کے لکھوانا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ومن یکتمها فانه اثم قلبه**۔ دوسری قراءت کی تائید اس کے شان نزول سے ہوتی ہے۔ نیز پہلے سارے کے سارے خطاب اہل معاملہ سے تھے۔ ایک قرات **لا یضار** (رے کے پیش سے) بھی ہے (نفی بمعنی نہی) یعنی کاتب اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا۔ حسن کی قراءت **ولا یضار** (رے کے کسرہ) سے ہے (روح المعانی) **وان تفعلوا فانه فسوق بکم**۔ **لا یضار** کی پہلی قراءت کی بنا پر یہ کاتب اور گواہوں سے خطاب ہے اور دوسری قراءت کی صورت میں اہل

www.alahazratnetwork.org

معاملہ سے خطاب **تفعلوا** کا مفعول بہ ضمیر پوشیدہ ہے۔ جس کا مرجع ضرور یا تمام ذکر کی ہوئی چیزیں ہیں **فانہ** میں **ہ** کا مرجع فعل ہے یعنی **تفعلوا** کا مصدر۔ **فسوق** فسق سے بنا۔ جس کے لغوی معنی کی تحقیق ہم پہلے سپارہ میں کر چکے۔ اس کے معنی ہیں اطاعت سے نکل جانا' اس کا مقابل ہے 'عدالت۔ **بکم** کا متعلق پوشیدہ ہے' **لازم** یا **متلبس** اور وہ فسوق کی صفت ہے اور ممکن ہے کہ **بکم** کی **ب** معنی **فی** ہو۔ اور یہ فسق کے متعلق ہو۔ (روح المعانی) یعنی اے کاتبو اور گواہو اگر تم اہل معاملہ کو ستاؤ گے تو یہ ستانا رب کی نافرمانی ہوگی' جو تم پر لازم ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہ ہوگی۔ کیونکہ یہ حقوق العباد ہیں۔ یا اے اہل معاملہ اگر تم کاتبوں یا گواہوں کو تنگ کرو گے یا ہمارے بتائے قوانین کی پابندی نہ کرو گے۔ تو تمہاری یہ حرکت لازم فسق ہوگی۔ یا یہ فسق تم میں ثابت ہو جائے گا۔ **واتقوا اللہ**۔ یہ **وقی** سے بنا معنی ڈرو خوف اس میں کاتب و گواہ اہل معاملہ سب ہی سے خطاب ہے۔ یعنی اے لوگو اللہ سے ڈرتے رہو۔ **ویعلمکم اللہ' یعلم** کا مصدر تعلیم ہے۔ معنی آہستگی سے سکھانا' اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ یعنی اللہ تم کو دنیوی کاروبار کے قوانین بھی آہستگی سے سکھاتا ہے۔ **واللہ بکل شیء علیم** اللہ تمہاری دینی و دنیاوی تمام مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگرچہ نقد تجارت کا لکھنا چنداں ضروری نہیں' لیکن اس پر بھی احتیاطاً گواہ بنا لیا کرو کہ کبھی اس میں بھی جھگڑے پڑ جاتے ہیں اور یہ بھی خیال رہے کہ یہ قوانین لوگوں کی آسانی کے لئے ہیں نہ کہ نقصان و تنگی کے لئے۔ لہذا قوانین کو آڑ بنا کر کاتبوں اور گواہوں کو نقصان نہ پہنچایا جائے کہ ان کے کاروبار روک کر تم اپنا کام کراؤ یا کاتب کو اجرت اور گواہ کو سفر خرچ دینے سے انکار کرو یا ان قوانین کی آڑ میں نہ تو کاتب اہل معاملہ کو نقصان پہنچائیں کہ کم و بیش لکھ دیں یا بہت زیادہ اجرت مانگیں یا مقدمہ کے وقت اپنی تحریر کا انکار کر دیں اور نہ گواہ نقصان پہنچائیں کہ نہ گواہی چھپائیں نہ کچہری کی حاضری میں بلاوجہ انکار کریں اور نہ گواہی میں کمی بیشی کریں۔ اور اے کاتبو اور گواہو اگر تم ایسی حرکت کرو گے تو یہ تمہارا فسق لازم ہوگا جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا کیونکہ حقوق العباد حق والے کے بغیر معاف کئے نہیں بخشے جاتے یا اے معاملے والو اگر تم قانون شکنی کرو گے' تو تمہارا یہ فعل لازم نافرمانی قرار دیا جائے گا اور اے گواہو کاتبو معاملہ والو اللہ سے ڈرو۔ رب تم پر اتنا مہربان ہے کہ جیسے تمہیں دینی قوانین بتاتا ہے۔ ایسے ہی دنیاوی بھی۔ کیونکہ دین دنیا سے وابستہ ہے اور اس کے قوانین نہایت صحیح ہیں۔ کیونکہ وہ بندوں کے حالات اور ان کے مناسب سارے کاموں کو جانتا ہے۔ خیال رہے کہ بیع تین قسم کی ہے۔ بیع قولی عملی اور دونوں کا مجموعہ۔ بیع قولی وہ ہے جو دو طرف کے ایجاب و قبول سے ہو اور بیع عملی وہ ہے جو صرف لین دین سے ہو منہ سے کچھ نہ کہا جاوے جسے بیع تعاطی کہتے ہیں۔ مجموعہ وہ ہے کہ جس میں ایک طرف سے قول ہو اور دوسری طرف سے دینے کا عمل۔ بیع میں قیمت پہلے دی جائے' چیز پر قبضہ بعد میں۔ تحریر ہو تو لکھت پڑھت پہلے ہونا چاہئے لین دین بعد میں گواہی کی صورت میں ایجاب و قبول اور لین دین دونوں گواہوں کے سامنے ہوں تاکہ وہ عقد و قبض کے گواہ ہوں نہ کہ محض اقرار بیع کے اجارہ میں نفع پہلے حاصل کرو' کرایہ بعد میں دو۔ پہلے مہینہ بھر مکان میں رہ لو پھر کرایہ دو پہلے تانگہ پر سوار ہو کر منزل پر پہنچ جاؤ پھر کرایہ دو لیکن اگر جانبین عقد سے پہلے ہی اس کے عکس پر راضی ہو گئے ہوں تو اس کے برعکس کرنا بھی درست ہے۔ جیسے آج ریل کا کرایہ پہلے دیا جاتا ہے۔ سوار بعد میں ہوتے ہیں۔ یہ اس طے شدہ پروگرام کے مطابق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر چھوٹی بڑی نقد اور ادھار بیع پر گواہ بنانے چاہئیں۔ کیونکہ سب میں جھگڑا پیدا ہو سکتا ہے۔ حضرت ابراہیم فرماتے ہیں کہ اگر ساگ بھی خریدو تو گواہ بنالو (تفسیر در منثور) یہ ہی ضروری نہیں کہ گواہوں کو جمع کر کے ان کے سامنے بیع کی جائے بلکہ سودے اور قیمت کا لین دین سب کے سامنے ہونا ضروری ہے۔ چھپ کر نہ ہو بارہا دیکھا گیا کہ ایک پیسہ کے لین دین میں جھگڑا پڑ جاتا ہے۔ خریدار کہتا ہے کہ میں نے پیسہ دے دیا۔ تاجر کہتا ہے نہیں دیا۔ دوسرا فائدہ: اسلام مکمل دین ہے۔ جس میں دین دنیا کے سارے معاملات طے کر دیئے گئے مسلمان دوسری قوموں کے محتاج نہیں بلکہ دیگر قومیں ان کی محتاج ہیں۔ تیسرا فائدہ: اسلام نے اعلیٰ مساوات کا سبق دیا کہ نہ کاتب و گواہ معاملہ والوں کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اور نہ یہ لوگ انہیں۔ چوتھا فائدہ: گواہی دینے پر اجرت لینا حرام ہے۔ کیونکہ یہ اسلامی فرض ہے جیسا کہ لا یضار کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: دستاویز لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے بلکہ ضروری ہے کہ اجرت پہلے طے کر لی جائے یہ بھی لا یضار سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ مسئلہ: کتابت پر بھی اجرت لے سکتے ہیں اور ہدیہ بھی۔ گواہی پر اجرت لینا ناجائز۔ اگر مدعی اپنی خوشی سے کچھ ہدیہ دے تو جائز۔ مگر خیال رہے کہ اس نیت سے گواہی نہ دی جائے ایسے ہی عالم کو مسئلہ شرعی بتانے پر اجرت لینا حرام کہ یہ اس پر فرض تھا۔ مسئلہ بتانا دینی تبلیغ ہے۔ مگر فتویٰ لکھنے پر خصوصاً" جبکہ اس کا فتویٰ کچہری میں پیش ہو اور عالم کو گواہی وغیرہ کے لئے وہاں حاضری دینا پڑے جائز ہے۔ یہ بھی لا یضار کاتب ' سے معلوم ہوا یہ مسئلہ بتانے کی اجرت نہیں بلکہ لکھ کر دینے کی اجرت ہے۔ جیسے فتاویٰ کتابی شکل میں چھاپ کر فروخت کرنا۔ یا پریس والوں سے اپنے فتاویٰ کا حق تصنیف وصول کرنا جائز ہے کہ یہ مسئلہ بتانے کی اجرت نہیں بلکہ اور چیزوں کی اجرت ہے۔ جیسے قرآنی آیات سے دم درود کرنا" آیت لکھ کر تعویذ دینا کہ ان دونوں کی اجرت لینا جائز ہے کہ اس میں آیت کا فروخت کرنا نہیں بلکہ علاج کی اجرت ہے۔ صحابہ کرام نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر سانپ کاٹے پر دم کیا اور تیس بکریاں اجرت لیں۔ مسئلہ: اگر گواہ اپنا کام چھوڑ کر تمام دن کچہری میں حاضر رہا تو یہ نقصان مدعی سے لے سکتا ہے۔ یہ گواہی کی اجرت نہیں 'بلکہ نقصان کی تلافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : قرآن کی سب سے بڑی آیت یہ قرض کی آیت ہے اور سب سے چھوٹی آیت مدھامتن ہے اور سب سے بڑی سورۃ بقر ہے اور سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ مالی معاملات اور خلق کے آپس میں تعلقات میں بہت احتیاط چاہئے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مال کا تعلق جسم سے ہے اور جسم کا نفس سے اور نفس کا روح سے۔ مال کی خرابی جسم کو اور جسم کا فساد نفس کو اور نفس کا بگاڑ قلب کو خراب کر دیتا ہے کیونکہ غذا اور لباس وغیرہ یہ مال ہی تو ہیں۔ معاملات کی خرابی حسد 'کینہ اور بغض کا ذریعہ ہے اور یہ چیزیں دین کو ایسے برباد کرتی ہیں جیسے آگ لکڑی کو۔ تعلقات 'تین قسم کے ہیں ایک اللہ کا بندوں سے اس کا ظہور یہ ہے کہ وہ انہیں دینی اور دنیوی معاملات کی تعلیم فرماتا ہے تاکہ وہ دنیا کے ذریعہ دین برباد نہ کریں اور دوسرا تعلق بندوں کا اللہ سے وہ یہ کہ بندے یقین رکھیں کہ جیسے مخلوق کے معاملات صاف رہنا ضروری ہیں ایسے ہی انسان کو چاہئے کہ اپنا معاملہ رب کے ساتھ صاف رکھے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ فقط مالی خرید و فروخت کی ہی تحریر و گواہی نہیں بلکہ رب نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خریدی ان سے عہد و پیمان لئے۔ یہ عہد نامہ جنتی یاقوت میں لکھا گیا۔ اس پر ملائکہ گواہ بنائے گئے اور وہ عہد نامہ سنگ اسود میں محفوظ رکھا گیا۔ (روح البیان) حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن سنگ اسود کی آنکھیں اور منہ ہوں گے۔ جس سے وہ لوگوں کی گواہی دے گا۔ (حاکم) غرضیکہ یہ لکھائی اور گواہی کا دستور رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کے ہاں بھی ہے جو کہ علیم و خبیر ہے۔ اب بھی ہمارے سارے کاموں کی تحریر ہو رہی ہے۔ ان پر فرشتے گواہ ہیں۔ قیامت میں اسی تحریر و گواہی پر فیصلہ ہو گا۔ اگر کوئی گواہی پر جرح کرے گا تو اس پر مجرم کے اعضاء سے گواہی دلوادی جائے گی۔ تیسرا تعلق بندوں کا بندوں کے ساتھ ہے۔ بندہ کو غور کرنا چاہئے کہ رب تعالیٰ ہماری خطاؤں اور گناہوں کے باوجود اپنے انعامات بند نہیں فرماتا ہم کو بھی چاہئے کہ آپس کے تعلقات معمولی باتوں سے نہ توڑ دیں اور رب کے حقوق کا لحاظ رکھیں اسی لئے فرمایا گیا **واتقوا اللہ** یعنی ان تینوں تعلقات میں اللہ سے ڈرو اللہ تمہارے قول و فعل اور تمہارے دل کی باتوں اور رازوں کو جانتا ہے۔ تم کو بقدر خلوص جزا دے گا مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنے قلب کی تختی کو برے اخلاق کے نقوش سے دھو ڈالیں اور اس پر عالم سرو اخلاق کے نقوش قائم کریں اور سارے حالات میں رب سے معاملہ اچھا رکھیں تاکہ درجات پائیں خیال رکھو کہ قلب آراستہ گھر کی طرح ہے اور گندے اخلاق اس پر گرد و غبار اور کوڑا ہیں۔ جب تک کہ یہ گھر اس کوڑے سے صاف نہ کیا جائے۔ تب تک اس کا محبوب اس آڑ میں رہے گا (روح البیان) عبادات آسان ہیں مگر صفائی معاملات بہت مشکل۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبداللہ بن سلام سے پوچھا کہ عالم کون ہے۔ فرمایا جس کا عمل مطابق علم کے ہو۔ پوچھا علماء کے سینہ سے علم نکالنے والی کون چیز ہے؟ جواب دیا طمع (دارمی و در منثور) حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اولاً "خاموشی سیکھو" پھر علم (بردباری) پھر علم، پھر اس پر عمل کرو (بیہقی و تفسیر در منثور) حضرت ضحاک فرماتے ہیں تین شخصوں کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ایک زانی جب تک زنا سے توبہ نہ کرے دوسرے وہ شخص جو ادھار کی تجارت کرے اور نہ لکھے نہ گواہ بنائے اور خریدار اس کے قرض کا انکار کر دے۔ رب فرماتا ہے کہ تو نے لکھ کر تجارت کیوں نہ کی۔ تیسرے وہ شخص جو کسی کا مال ظلماً کھائے۔ جب تک کہ اسے واپس نہ کر دے (ہناد و تفسیر در منثور) اور تمام عبادات و معاملات کی اصل خوف الٰہی ہے۔ جس سے انسان کے سارے کام درست ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اس آیت کو حکم تقویٰ پر ختم کیا گیا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ

اور اگر تم ہو اوپر سفر کے اور نہ پاؤ تم لکھنے والا پس گروی ہے قبضہ کیا ہوا پس اگر امین جانے

اور اگر تم سفر میں ہو اور لکھنے والا نہ پاؤ تو گرو ہو قبضہ میں دیا ہو　اور اگر تم میں ایک کو دوسرے

اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ

بعض تمہارا بعض کو پس چاہیے کہ ادا کرے جو امین سمجھا گیا امانت اس کی اور چاہیے کہ ڈرے اللہ

پر اطمینان ہو تو وہ جسے اس نے امین سمجھا تھا اپنی امانت ادا کر دے　اور اللہ سے ڈرے

رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا

رب اپنے سے اور نہ چھپاؤ تم گواہی کو　اور جو کوئی چھپائے گا اسے پس تحقیق گنہگار ہے دل

جو رب اس کا ہے اور گواہی نہ چھپاؤ　اور جو گواہی چھپائے گا　تو اندر سے اس کا دل گنہگار ہے

www.alahazratnetwork.org

تَعۡمَلُوۡنَ عَلِیۡمٌ

اس کا اور اللہ اس کے جو کرتے ہو تم جاننے والا

اور اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** تجارتیں چار قسم کی ہیں۔ نقد' اودھار' تحریر و گواہوں سے۔ اودھار اعتماد پر' دو تجارتوں کا ذکر پچھلی آیت میں ہو گیا یعنی نقد اور اودھار مع تحریر و گواہ باقی دو کا اب تذکرہ ہے۔ اودھار گروی کا اور اودھار اعتماد کا۔ **دوسرا تعلق:** اودھار تجارت میں اعتماد کی چند صورتیں ہیں۔ تحریر و گواہی' رہن' دلی اطمینان ایک کا ذکر پچھلی آیت میں کر دیا گیا۔ یعنی تحریر و گواہی۔ دو کا اب ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** آیت میں گواہوں کو ادائے شہادت کا حکم دیا گیا تھا اور گواہی چھپانے سے منع کیا گیا۔ گواہی بھی ایک قسم کی امانت ہے اور گواہ امین اسی مناسبت سے اب گروی رکھنے کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں کیونکہ گروی چیز قرض خواہ کے پاس ایک لحاظ سے امانت ہی ہوتی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حضر کی تجارت کا ذکر تھا۔ یعنی بیوپاری اور خریدار دونوں اسی جگہ کے رہنے والے ہوں جہاں تجارت ہوئی۔ اب پردیسیوں کی تجارت کا ذکر ہے۔ جہاں یہ دونوں یا ان میں سے ایک پردیسی ہو جس کا نہ کوئی جان پہچان والا ہو اور نہ انہیں تحریر و گواہی میسر ہو۔

تفسیر : **وان کنتم علی سفر** - ظاہر یہ ہے کہ اس میں تاجر اور خریدار سب سے خطاب ہے اور ممکن ہے کہ ان دونوں میں سے ایک سے ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمانوں سے خطاب ہو۔ یعنی اے تاجرو یا اے خریدارو یا اے بیع و شراء کرنے والو۔ یا اے مسلمانو اگر تم سفر پر ہو کیونکہ سفر تو ہر ایک کو پیش آ سکتا ہے۔ **علی** یا تو بمعنی **فی** ہے یا اپنے ہی مضمون میں۔ اور سفر پر وہ مسافر کہلاتا ہے۔ جو نماز قصر پڑھے خواہ راستہ طے کر رہا ہو یا کہیں عارضی طور ٹھہر جائے اور سفر پر وہ مسافر کہلاتا ہے۔ جو کہیں نہ ٹھہرا ہو۔ لفظ سفر کی لغوی تحقیق ہم اس آیت کی تفسیر میں کر چکے **فمن کان منکم مریضا او علی سفر** یہاں اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں ظاہر ہونا اور کھلنا۔ اسی لئے کتاب کو سفر اور دفتر کو اسفار کہتے ہیں کہ اس سے مضامین ظاہر ہوتے ہیں **کمثل الحمار یحمل اسفارا** صبح کی روشنی کو اسفار اور عورت کے برقعہ اتارنے کو سفر۔ پیغام لانے والے کو سفیر کہا جاتا ہے کہ وہ چھپی بات ظاہر کرتا ہے جھاڑو کو سفر اور جھاڑو دینے کو سفار کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے غبار جھڑ کر اصل زمین ظاہر ہوتی ہے۔ پردیس جانے کو سفر اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مسافر پر لوگوں کے حالات ظاہر ہوتے ہیں۔ یا یہ شخص گھر سے نکل کر جنگل میں جاتا ہے۔ گویا اب تک چھت کے پردہ میں تھا اب کھل گیا۔ (از تفسیر کبیر) یعنی اے تاجرو اور خریدارو اگر تم دونوں یا تم میں سے ایک مسافر ہو **ولم تجدوا کاتبا** - یہ بھی خطاب ان سب ہی سے ہے یا قرض لینے والے سے کیونکہ ضرورت کاتب وغیرہ کی اسی کو زیادہ ہے۔ کاتب نہ ملنے کی چند صورتیں ہیں یا تو لکھنے والا ہی نہ ملے اور ان میں سے کسی کو لکھنا آتا نہ ہو یا قلم و دوات' کاغذ وغیرہ موجود نہ ہو۔ یعنی اور کوئی تم لکھنے والا نہ پاؤ جیسے رب فرماتا ہے **فان لم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا** ' اگر تم پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی پر تیمم کر لو۔ پانی نہ پانے کی تین صورتیں ہیں پانی موجود نہ

www.alahazratnetwork.org

ہو' پانی کا کنواں ہو مگر ڈول رسی نہ ہو یا پانی پر سانپ یا دشمن ہے یا پانی موجود بھی ہے۔ قبضہ بھی ہے مگر بیماری کی وجہ سے استعمال پر قدرت نہیں' ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے۔ ایسے ہی کاتب نہ پانے کی تین صورتیں ہیں اور ہر صورت میں گروی کا حکم ہوگا **فرھن مقبوضۃ**۔ یہ یا تو پوشیدہ خبر کا مبتدا ہے۔ یا پوشیدہ مبتداء کی خبر' یا پوشیدہ فعل کا نائب فاعل یعنی **المشروع رھن یا فلیوخذ رھن یا فعلیکم رھن**۔ خیال رہے کہ **رھان' رھن** کی جمع ہے۔ رے کا فتح یا کسرہ اور رہن مصدر ہے۔ بمعنی گروی رکھنا۔ لیکن اصطلاح میں اس چیز کو رہن کہا جاتا ہے جو گروی رکھی جائے مصدر بمعنی اسم مفعول۔ اسی کی جمع **رھن** بھی ہے۔ جیسے ثمر کی ثمار اور کلب کی کلاب اور نعل کی نعال اور کبش کی کباش اور رھن بھی جیسے سقف کی جمع۔ اس کی قرأتیں بھی دو ہیں۔ **رھن اور رھان**۔ خیال رہے کہ رہن کے لغوی معنی دو ہیں۔ مضبوطی اور ہیشگی اسی واسطے راہن بمعنی دائم و ثابت آتا ہے اور مرہون بمعنی مضبوط شاعر کہتا ہے۔

براھنتی لیر ا ھنتی بنہ وارھنہ بنی بما اقول

بو علی نے کہا ہے۔

فالخبز واللحم لھن راھن وتھور اوتھا ساکب

گروی چیز کو اسی لئے رھن کہتے ہیں کہ اس سے قرض کی پختگی ہوتی ہے اور وہ تا ادائے قرض قرض خواہ کے پاس ہمیشہ رہتی ہے۔ **مقبوضۃ** سے قرض خواہ کا قبضہ مراد ہے۔ یعنی کاتب نہ ملنے کی صورت میں مقروض پر گرو رکھنا لازم ہے۔ جس پر قرض خواہ کا قبضہ ہو جائے۔ مگر یہ گروی صرف پختگی قرض کے لئے ہے۔ اسے بزنس یا نفع بخش کاروبار نہ سمجھنا چاہئے جیسا کہ آج کل بعض مسلمانوں نے ہندوؤں' بنیوں کی دیکھا دیکھی اسے نفع بخش تجارت سمجھ رکھا ہے یہ خالص سود ہے اب بجائے **رھن** کے بیع وفا کرنا چاہئے۔ تاکہ حرام سے بچا جائے۔ **فان امن بعضکم بعضا**۔ **امن یا امن** سے بنا یا **امانۃ** سے بنا۔ امن بمعنی بے خوفی جس کا مقابل ہے خوف امانت بمعنی امین جاننا' اعتماد کرنا' بھروسہ کرنا یا امانت دینا۔ امن کا اسم فاعل امن اور امانت کا امین ہے۔ **بعضکم** سے قرض دینے والا مراد ہے اور "بعضا" سے قرض لینے والا یعنی اگر اہل معاملہ میں سے قرض خواہ مقروض سے بے خوف ہو اور اس کے انکار وغیرہ کا اندیشہ نہ کرے یا اسے امین جانے اس بنا پر بغیر لکھے پڑھے اور بغیر گواہ شہادت قرض دے دے۔ **فلیود الذی او تمن امانتہ**۔ **فلیود' تادیہ** سے بنا جس کا اصل اداء" ہے۔ خیال رہے کہ عین واجب کا دینا ادا کہلاتا ہے اور اس کے مثل کا دینا قضاء' یہاں اداء بمعنی قضاء ہے۔ کیونکہ قرض میں واجب کا مثل دیا جاتا ہے نہ کہ عین نیز چونکہ دین ذمہ میں واجب ہوتا ہے اسی لئے اس کے مثل کا دینا گویا عین ہی کا دینا ہے۔ اسی لئے یہاں **ادا** فرمایا گیا (از تفسیر احمدی) **الذی** سے مقروض مراد ہے۔ **او تمن' ایتمان** سے بنا' جس کا مادہ امن یا امانت ہے۔ خیال رہے کہ امن اور ایتمان دونوں کے معنی امین جاننا ہیں۔ اسی لئے معتمد شخص کو مامون بھی کہتے ہیں اور موتمن بھی رب فرماتا ہے **ھل امنکم علیہ الا کما امنتکم علی اخیہ** امانت سے مراد قرض ہے اسے امانت فرما کر مقروض کو ادا کی رغبت دی گئی۔ خیال رہے کہ امانت مصدر ہے بمعنی امن۔ قرض کو اسی لئے امانت فرمایا گیا کہ دینے والے نے مقروض پر اعتماد کیا ہے۔ بلکہ امانت کو بھی اسی واسطے امانت کہتے ہیں کہ وہ اطمینان اور بے خوفی کی بنا پر کسی کے پاس رکھی جاتی ہے۔ **امانتہ** میں ہ کا مرجع یا قرض خواہ ہے یا مقروض یعنی چاہئے کہ مقروض اس قرض خواہ کا قرضہ وقت پر ضرور ادا کرے۔ جس نے اسے امین جان کر بغیر

www.alahazratnetwork.org

لکھت کئے قرض دے دیا۔ تاکہ اس کا اعتبار باقی رہے یا مقروض اپنا قرض جو اس کے ذمہ واجب الادا ہے۔ صحیح وقت پر ادا کر دے۔ قرض کی نسبت قرض خواہ کی طرف بھی ہوتی ہے استحقاق کے لحاظ سے اور مقروض کی طرف بھی واجب فی الذمہ ہونے کی حیثیت سے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قرض خواہ کا قرض اور یہ بھی کہ مقروض کا قرض **ولیتق اللہ ربہ** یہ بھی مقروض سے خطاب ہے۔ یعنی مقروض ادائے قرض میں اپنے رب سے ڈرے کہ بغیر ٹالے ادا کر دے حقوق العباد چونکہ سخت تر ہیں۔ اس لئے یہاں رب کے نام دو فرمائے گئے۔ اللہ اور رب **ولا تکتموا الشہادۃ** یہ گواہوں کو خطاب ہے یا مقروضوں کو یا عام مسلمانوں کو کتم کے لغوی معنی بہت دفعہ بیان ہو چکے یعنی اے مسلمانو یا اے گواہو تم گواہی نہ چھپاؤ تاکہ مدعی کا حق برباد نہ ہو یا اے مقروضو تم کچہری میں جا کر خود اپنے خلاف گواہی دے لو کہ قرض کا اقرار کر لو گواہی چھپانے کی چند صورتیں ہیں۔ گواہی نہ دینا' یا خلاف دینا۔ یا حق سے کم کی گواہی دینا یا میعاد قرض میں فرق کر کے گواہی دینا کہ تھوڑی میعاد کو زیادہ بتانا اس میں سب سے منع کر دیا گیا۔ **ومن یکتمہا فانہ اثم قلبہ** انہ کی ضمیر یا تو من کی طرف لوٹتی ہے۔ یا ضمیر شان ہے اور اثم خبر اور قلبہ مبتدا۔ اثم اثم سے بنا بمعنی گناہ یعنی جو گواہ یا مدعی علیہ گواہی چھپائے کہ گواہی نہ دے یا غلط دے یا حق سے کم کی گواہی دے تو اس کا دل گنہگار' فاسق و فاجر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں دل کو فاسق کہنے میں عجیب راز ہے۔ ایک یہ کہ تمام گناہوں یعنی زنا' شراب خوری جھوٹ وغیرہ کا تعلق ظاہری اعضاء سے ہوتا ہے۔ جھوٹ کا زبان سے زنا کا شرمگاہ سے' شراب کا حلق وغیرہ سے کہ اس سے یہ اعضاء گنہگار ہوتے ہیں مگر گواہی چھپانے کا تعلق دل سے ہے کہ اس سے دل گنہگار ہوتا ہے اور دل چونکہ ظاہری اعضاء سے اعلیٰ ہے اس لئے اس کے گناہ بھی ظاہری گناہوں سے سخت تر۔ کفر و شرک دل سے ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ہر فعل کو اسی عضو کی طرف نسبت کرتے ہیں جس سے وہ صادر ہو کہا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ میری آنکھوں نے دیکھا' فلاں بات میرے کانوں نے سنی' چونکہ گواہی چھپانے کی جگہ دل ہے اس لئے اسے دل کا گناہ قرار دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ دل تمام جسم کا اصل ہے اگر وہ بگڑا تو سارا جسم بگڑا۔ اور اگر وہ ٹھیک رہا تو سارا جسم ٹھیک رہا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ گواہی چھپانے والے کا دل گنہگار ہو گا۔ جس سے اس کا سارا جسم پھنسے گا۔ چوتھے یہ کہ جھوٹا گواہ یہ نہ سمجھے کہ دیگر جھوٹوں کی طرح اس میں بھی فقط زبان گنہگار ہوئی' نہیں بلکہ اس سے دل بھی گنہگار ہو گا۔ پانچویں یہ کہ عربی میں اصل عضو بول کر سارا جسم مراد لیتے ہیں۔ یہاں بھی قلب بول کر قلب والا مراد چھٹے یہ کہ بعضے گناہ وہ ہیں۔ جس سے دل میں سیاہی پیدا ہوتی ہے اور پھر وہ بڑھتے بڑھتے سارے دل کو گھیر لیتی ہے۔ یہاں فرمایا گیا کہ جھوٹی گواہی کا اثر دل پر پڑے گا کہ اس سے گواہ کا دل کالا ہو گا ابن ابی عبلہ نے قلبہ فتح سے پڑھا ہے۔ یعنی وہ جھوٹا گواہ اپنے دل کو گنہگار کرنے والا ہے (تفسیر روح المعانی و مدارک وغیرہ) تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں آثم بمعنی مسخ ہے۔ یعنی جھوٹے گواہ کا دل مسخ ہو جاتا ہے خدا کی پناہ۔ یہ بھی قرض حسن کی ایک قسم ہے کہ مقروض سے کسی قسم کی پختگی کر دے۔ نیز صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کر کے قرض دے دیا جاوے دوسرے قانونی قرضوں میں تو حکومتیں ذمہ دار ہوتی ہیں۔ ایسے قرض کا اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے کہ اگر مقروض نے نہ دیا تو رب تعالیٰ اس کی سخت پکڑ فرماوے گا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ **واللہ بما تعملون علیم**۔ سے سارے نیک و بد اعمال مراد ہیں اور **تعملون** میں عام مسلمانوں سے خطاب یعنی اے مسلمانو اللہ تمہارے سارے نیک و بد اعمال کا جاننے والا ہے۔ ہر ایک کو عمل کے مطابق سزا یا جزا دے گا۔

خلاصہ تفسیر : اے قرض کا معاملہ کرنے والو اگر تم دونوں یا تم میں سے کوئی ایک مسافر ہو جہاں اس کا کوئی جان پہچان والا نہ

www.alahazratnetwork.org

ہو اور تمہیں پردیس میں قرض کے لین دین کی حاجت پڑ جائے اور اتفاقاً" کوئی لکھنے والا یا قلم دوات یا کاغذ نہ پاؤ تو مقروض کو چاہئے کہ اپنی کوئی چیز قرض دینے والے کے پاس گروی رکھ دے۔ جس پر اس کا قبضہ کرا دے۔ لیکن اگر قرض خواہ مقروض کو دیانتدار سمجھ کر اس پر بھروسہ کرے اور بغیر تحریر و گواہی اور بغیر گروی ویسے ہی قرض دے دے۔ بعض علماء کا قول ہے کہ جیسے تمام ظاہری نیکیاں روزہ' نماز' حج' زکوۃ وغیرہ ظاہر جسم کا تقویٰ ہے مگر مقبول و محبوب بندوں کا ادب دل کا تقویٰ ہے رب فرماتا ہے **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** صفا مروہ پہاڑ اللہ کے شعائر سے ہیں اور فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** کہ جو اللہ کے شعائر کی تعظیم کرے تو یہ دلوں کا تقویٰ ہے ایسے ہی دوسرے گناہ جسم کا فسق ہیں مگر گواہی چھپانا دل کا فسق کہ یہ کبھی کفر بھی ہو جاتا ہے جو علماء حضور انور کے فضائل و مناقب چھپاتے ہیں یا بیان کرنے سے کتراتے ہیں وہ دل کے فاسق ہیں حضور کے مناقب نہ چھپیں گے یہ خود چھپ جائیں گے گرد و غبار یا شامیانہ سے سورج نہیں چھپتا بلکہ یہ شخص اس کے فیض سے چھپ جاتا ہے۔ تو مقروض کو چاہئے کہ وقت پر اس کا قرضہ ادا کر دے۔ کیونکہ اس نے اس پر دو احسان کئے قرض اور وہ بھی بغیر تحریر و گواہی دیا۔ مقروض کو چاہئے کہ اس معاملہ میں اللہ سے ڈرے جو اس کا رب ہے کہ نہ تو ادا میں دیر لگائے اور نہ قرض میں کچھ کمی کرے۔ قرض خواہ کی شرافت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اے مسلمانو تم گواہی کبھی نہ چھپاؤ کہ نہ تم گواہی دینے سے انکار کرو۔ نہ اسے بدلو اور نہ اپنے خلاف سچے اقرار سے بچو جو گواہی چھپائے گا وہ یہ نہ سمجھے کہ اس کی صرف زبان گنہگار ہو گی۔ نہیں بلکہ اس کا دل بھی گنہگار ہو گا اور دل تمام اعضاء سے افضل ہے۔ لہٰذا اس کی نیکی باقی تمام نیکیوں سے افضل اور اس کا گناہ باقی گناہوں سے بڑھ کر ہے دیکھو دل کی نیکی ایمان ہے اور اس کا گناہ کفر جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ نیز گواہی چھپانے سے آپس میں کدورت اور بغض پیدا ہو گا جس کا انجام جنگ و جدال اور خونریزی ہے اور ظاہر یہ ہے کہ بغض وغیرہ دل کی بیماریاں ہیں۔ غرضکہ گواہی چھپانا بلا واسطہ بھی دل کی بیماری ہے اور بہت سی دلی بیماریوں کا ذریعہ لہٰذا اس سے بچنا ضروری ہے اللہ تمہارے ہر ظاہر و باطن' نیک و بد اعمال کا جاننے والا ہے ہر ایک کو بقدر عمل جزا و سزا دے گا اور ممکن ہے کہ **فان امن** سے امانت رکھنے کا ذکر ہو۔ یعنی اگر تم میں سے کوئی کسی کے پاس امانت رکھے تو امین کو چاہئے کہ امانت صحیح طور پر ادا کرے۔ چونکہ گواہی بھی گویا امانت ہے اس لئے اس کے ساتھ یہ مسئلہ بھی بیان فرما دیا گیا۔ **واللہ اعلم**۔ کسی کے پاس رکھا یہ بھی امانت ہے کسی کی کوئی چیز پڑی مل گئی' یہ بھی امانت ہے فوت شدہ شخص کا مال' اس کی اولاد ہماری تحویل میں آ گئی یہ بھی امانت ہے۔ کسی نے اپنا راز ہم سے کہہ دیا' یہ بھی امانت ہے اس کی رازداری چاہئے بشرطیکہ وہ راز کسی ظلم کا نہ ہو ورنہ ظاہر کر دے کسی کے یتیم بچے ہماری پرورش میں آ گئے یہ بھی امانت ہے بلکہ بادشاہ رعایا کا امانتی ہے۔ بہرحال امانت کی بہت صورتیں ہیں اور ان کے بہت احکام امانت داری بہت اہم چیز ہے اس میں بہت مشکلیں مگر جس پر اللہ تعالیٰ کرم کرے۔

فائدے اور مسائل : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: شرط کی نفی سے حکم کی نفی لازم نہیں۔ دیکھو اس آیت میں گروی رکھنے کا حکم بشرط سفر دیا گیا یعنی جب ان دونوں میں سے کوئی مسافر ہو تو مقروض گروی رکھے' حالانکہ سب کا اتفاق ہے کہ وطن میں بھی گروی رکھنا جائز ہے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جب وفات ہوئی تو آپ کی زرہ شریف ابو شحم یہودی کے پاس کچھ غلہ کے عوض گروی تھی جسے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھڑایا (خازن) رب فرماتا ہے **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوۃ ان خفتم ان یفتنکم الذین کفروا**۔ دیکھو اس آیت میں قصر نماز کو

www.alahazratnetwork.org

خوف کفار سے مشروط کیا حالانکہ بغیر خوف بھی سفر میں قصر کا حکم ہے۔ دوسرا فائدہ: گروی کے لئے کاتب نہ ملنے کی شرط نہیں گو اور کاتب ملتے ہوئے بھی گروی رکھنا جائز ہے۔ جیسا کہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا۔ لہذا یہ دونوں شرطیں اتفاقی ہیں نہ کہ احترازی۔ تیسرا فائدہ: رہن میں مرہون چیز پر قرض خواہ کا قبضہ ضروری ہے کہ اس کے بغیر رہن مکمل نہ ہو گا جیسا کہ مقبوضۃ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: قرض کے لئے تحریر گواہ، رہن وغیرہ تمام چیزیں مستحب ہیں نہ کہ واجب اور سارے امر استحبابی ہیں نہ کہ وجوبی جیسا کہ **فان امن** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ اگر یہ چیزیں فرض ہوتیں تو ان کے بغیر قرض دینا جائز ہی نہ ہوتا۔ پھر **فان امن** کے کیا معنی۔ نوٹ: جن لوگوں نے ان اوامر کو وجوب کے لئے مانا وہ **فان امن** سے ان سب کو منسوخ مانتے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ احکام استحبابی ہیں اور آیت مداینہ کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ پوری آیت مداینہ محکم ہے (کبیر) پانچواں فائدہ: حقوق کی گواہی چھپانا حرام۔ خواہ حقوق شرعیہ ہوں یا بندوں کے حقوق گواہی کے اقسام اور احکام پچھلی آیت میں ہم بیان کر چکے ہیں یہ مسئلہ **لا تکتموا** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: گواہی چھپانا گناہ کبیرہ ہے۔ جیسا کہ **اثم قلبہ** سے معلوم ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اکبر الکبائر شرک ہے اور جھوٹی گواہی اور گواہی چھپانا (تفسیر مدارک و احمدی) ساتواں فائدہ: مال برباد کرنا حرام ہے۔ جیسا کہ ان سارے احکام سے معلوم ہوا۔ لہذا جوا، شراب خوری، سینما وغیرہ سب حرام کہ اس میں مال کی بربادی ہے۔ (احمدی) آٹھواں فائدہ: مسلمانوں میں اتفاق اور اتحاد رہنا بہت ضروری ہے اسی لئے مال کے لین دین پر اتنی قیدیں لگا دی گئیں۔ تاکہ مسلمانوں میں اتفاق قائم رہے۔ نواں فائدہ: قرض پر گروی رکھا جا سکتا ہے نہ کہ امانت یا عاریت پر اسی لئے قرآن کریم نے دین کے ساتھ رہن کا ذکر کیا۔ دسواں فائدہ: بیع سلم میں مسلم فیہ کے عوض گروی رکھنا جائز ہے کیونکہ وہ بھی تاجر پر قرض ہے (احمدی) مسئلہ: رہن صرف ذی قیمت مال رکھا جاتا ہے۔ لہذا کوئی شخص اپنی بیوی بچوں یا اپنے کو گروی نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ مال نہیں۔ اس طرح کوئی مسلمان شراب یا سور گروی نہیں رکھ سکتا کیونکہ یہ ذی قیمت مال نہیں۔ مسئلہ: صرف ایجاب و قبول سے رہن مکمل نہیں ہوتا۔ جب تک کہ مرتہن یعنی قرض خواہ اس پر قبضہ نہ کر لے خیال رہے کہ خرید و فروخت اور نکاح و اجارہ، صرف ایجاب و قبول سے مکمل ہو جاتے ہیں مگر رہن و ہبہ بغیر قبضہ غیر مکمل۔ مسئلہ: مرہون چیز سے کوئی فریق فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ نہ گروی دینے والا نہ لینے والا۔ مسئلہ: مرہون چیز کی زکوٰۃ کسی پر واجب نہیں کیونکہ مالک کا اس پر قبضہ نہیں۔ اور قرض خواہ کی اس پر ملکیت نہیں۔ ہاں جب مقروض اپنا رہن چھڑا لے۔ تب اس پر گزشتہ سالوں یعنی زمانہ قرض کی بھی زکوٰۃ واجب ہو گی۔ مگر قرض وضع کر کے۔ مسئلہ: مرہون چیز قرض خواہ کے پاس بقدر قرض مضمون ہے اور اس سے زیادہ امانت۔ لہذا اگر مرہون کی قیمت قرض سے زائد تھی اور وہ قرض خواہ کے پاس ضائع ہو گئی تو قرض خواہ کا قرض گیا۔ اور زیادتی کا ضمان نہیں اور اگر اس کی قیمت قرض کے برابر تھی تو بھی یہی حکم ہے اور اگر قرض سے کم تھی تو بقدر قیمت قرض ختم ہو گیا اور باقی مقروض سے لے۔ مسئلہ: مرہون پر جو کچھ قرض خواہ خرچ کرے وہ خرچ بھی قرض میں شمار ہو گا۔ مثلاً مرہون گھوڑے کو جو گھاس دانہ قرض خواہ نے دیا۔ اس کی قیمت مقروض سے لے گا۔ مسئلہ: مرہون کی آمدنی بھی قرض کے عوض گروی رہے گی۔ مثلاً کسی کے پاس بھینس گروی تھی تو اس کے گھی دودھ کی قیمت اور اس کے بچے خرچ وضع کر کے قرض خواہ کے پاس گروی رہیں گے۔ مقروض قرض ادا کر کے یہ سب کچھ چھڑا لے۔ مسئلہ: پنجاب میں جو رہن کا رواج ہے کہ کسی کا کھیت

www.alahazratnetwork.org

اپنے پاس گروی رکھا۔ اور اس کی آمدنی کھائی پھر پورا قرض لے کر واپس کیا یہ حرام ہے اس کے لئے بجائے رہن کے بیع وفا کرنی چاہئے' جس کا طریقہ ہم پہلے بیان کر چکے۔ **مسئلہ:** مالک بنانے کے چار طریقے ہیں بیع' ہبہ' کرایہ' عاریت۔ مال کے عوض مال کا مالک کرنا بیع ہے بغیر عوض کچھ دے دینا ہبہ۔ مال کے عوض نفع کا مالک کرنا کرایہ اور بلا معاوضہ نفع کا مالک کرنا عاریت ہے۔ **مسئلہ:** ہبہ کی تین صورتیں ہیں۔ صدقہ' نذر' ہدیہ محض رضاء الٰہی کے لئے کسی کو کچھ دینا صدقہ ہے رضاء الٰہی کے لئے کسی کو کچھ دے کر خوش کرنا نذر جیسے ماں باپ یا پیر استاد کا نذرانہ آپس میں تعلقات بڑھانے کے لئے تحفتہً کچھ دینا ہدیہ' صدقہ اور نذر واپس لینا منع ہے ہدیہ کا واپس لینا جائز ہے اگرچہ برا۔ **مسئلہ:** سات صورتوں میں ہدیہ کی واپسی منع ہو جاتی ہے' جس کا جمع ہے۔ **دمع خزقہ** **مسئلہ:** امانت ضائع ہونے میں امین پر تاوان نہیں ہاں اگر امین عمداً ضائع کر دے تو تاوان ہے خیال رہے: کہ امانت صرف مال ہی کی نہیں ہوتی بلکہ راز و مشورہ کی بھی ہوتی ہے حدیث شریف میں ہے۔ **المستشار موتمن۔** **مسئلہ:** اگر کوئی شخص کسی کو کچھ رقم اپنے کسی کام میں خرچ کرنے کو دے تو اس پر لازم ہے کہ دیانتداری اور خیر خواہی کے ساتھ اس کے کام پر خرچ کرے' اگر پوری رقم خرچ نہ کی تو خائن ہوا اور اگر رقم بے جا زیادہ صرف کر دی تو بھی خائن ہوا۔ **مسئلہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے بہت صفات سے نوازا' ان صفات میں بڑی صفت امانتداری ہے کفار مکہ بھی حضور کو نبوت سے پہلے محمد امین کہتے تھے اب بھی حضور کے روضہ کی جالی پر یہ مضمون ہے۔ **محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین۔** جبریل امین کا بھی لقب روح الامین ہے۔ جس سے معلوم ہو تا کہ امین ہونا بڑی خوبی ہے اور امانت بڑا وصف ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں **مقبوضۃ' رھن** کی صفت ہے اور علم اصول کا مسئلہ ہے کہ صفت اور شرط کے بدلنے سے حکم نہیں بدلتا۔ تو چاہئے کہ جیسے سفر رہن کے لئے شرط نہیں۔ ایسے ہی قبضہ بھی شرط نہ ہو۔ بلکہ دیگر معاملات کی طرح صرف ایجاب و قبول سے رہن بھی کامل ہو جائے (امام مالک) **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ رہن ایک قسم کا وثیقہ اور مضبوطی ہے اور بغیر قبضہ یہ پختگی حاصل نہیں ہو سکتی اور جس صفت کے بغیر مقصود بدل جائے وہ حکم کے لئے قید ہوتی ہے (احکام القرآن) دوسرے یہ کہ رہن کا حکم نہ صرف اس آیت سے ہی لیا گیا اور آیت میں تو قبضہ کی قید ہے۔ لہٰذا اب بغیر قبضہ رہن کو جائز کرنا قرآنی مقید کو مطلق کرنا ہے اور یہ بلا نص جائز نہیں۔ ہاں اگر دوسری نص مطلق ہوتی تو یہ کہا جا سکتا تھا۔ تیسرے یہ کہ رہن میں قبضہ کی قید ایسی ہے جیسے گواہوں میں مرد ہونے مسلمان ہونے اور عادل کی قید۔ کیونکہ یہ مسئلہ اسی پر تو معطوف ہے اور وہ قید گواہوں کے لئے احترازی تھیں کہ کافر اور فقط عورتوں اور فاسقوں کی گواہی معتبر نہیں۔ لہٰذا قبضہ کی قید بھی رہن میں ایسی ہونی چاہئے (احکام القرآن) اسی لئے آئمہ حنفیہ فرماتے ہیں کہ مشاع (حصہ غیر معین) کا رہن جائز نہیں۔ خلاصہ یہ کہ قبضہ سے رہن وثیقہ بنتا ہے اور بغیر قبضہ نہ وہ رہن ہے نہ وثیقہ۔ لہٰذا یہ صفت لازم ہے **دوسرا اعتراض** رہن کا تاوان کیوں واجب ہے چاہئے کہ وہ بھی مثل امانت کے ہو۔ **جواب** اس لئے کہ آیت میں رہن پر امانت کا عطف کیا گیا اور معطوف علیہ معطوف کا غیر ہوتا ہے اگر اس کا تاوان نہ ہوتا تو یہ امانت بنتی' پھر امانت کا اس پر عطف کرنا کیا معنی (احکام القرآن) **تیسرا اعتراض** تو پھر رہن قرض سے زیادہ میں کیوں امانت ہے؟ **جواب:** اس لئے کہ حدیث شریف میں ایسا ہی آیا ہے۔ حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **الرھن بما فیہ۔** حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے کسی کے

www.alahazratnetwork.org

پاس گھوڑا گروی رکھا۔ قرض خواہ کے پاس گھوڑا مر گیا مقروض نے بارگاہ نبوی میں دعویٰ کر دیا۔ حضور علیہ السلام نے قرض خواہ سے فرمایا **ذھب حقک** دوسری روایت ہے۔ **لا شئی لک۔** (احکام القرآن) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرہون کا بقدر قرض ضمان ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت میں **امن** سے قرض بلا تحریر دینا مراد ہے نہ کہ امانت۔ پھر اس سے دلیل پکڑنا غلط۔ جواب: قرآن کی عبارت میں الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے اور ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا کہ **امن یا امن** سے بنایا **امانت** سے بلکہ ایسے قرض کو امانت اسی لئے کہا گیا ہے کہ یہ امانت کی طرح محض اعتماد پر دیا گیا۔ ورنہ حقیقتاً امانت وہی ہے جو بطور ودیعت کسی کو دی جائے۔ پانچواں اعتراض: جب رہن کا حکم عام ہے تو اس آیت میں سفر کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب: اس لئے کہ گروی رکھنا سخت مجبوری کی حالت میں ہے جب مقروض قرض خواہ کو کسی طرح مطمئن نہ کر سکے تو کچھ گروی رکھے اور ایسی مجبوری اکثر سفر میں درپیش آتی ہے۔ وطن میں لوگ ضامن بن جاتے ہیں گواہی اور تحریر وغیرہ سے قرض خواہ کا اطمینان کرایا جا سکتا ہے اس لئے یہ قید لگا دی گئی۔ خیال رہے کہ آج کل رہن آمدنی کا ذریعہ بنا لیا گیا اس لئے وطن میں بھی اس کی ضرورت پڑتی رہتی ہے۔ شریعت میں رہن کی آمدنی قرض خواہ کے لئے حرام ہے وہ صرف قرض کی پختگی کے لئے ہے۔ تاکہ قرض خواہ اس کے ذریعہ ضرورت کے وقت قرض وصول کر سکے اس لئے وطن میں اس کی ضرورت کم درپیش ہوتی تھی۔

تفسیر صوفیانہ : دین دار لوگوں کے دو گروہ ہیں۔ واقفین اور سائرین واقف تو وہ لوگ ہیں جو صورت پر ٹھہر گئے۔ معنی کی طرف نہ جا سکے وہ تو مثل اس چوزہ (مرغ کا بچہ) کے ہیں جو انڈے میں قید ہو کہ ان کا رزق صرف عالم اجسام سے ہی ہے اور وہ اسی جیل میں قید' اس پر کراما" کاتبین مقرر ہیں جو اس کے اعمال ظاہرہ برابر لکھتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ قالب سے قلب کی طرف' صورت سے سیرت کی طرف جسم سے روح کی طرف راہ نہ پا سکے ان کے سارے اعمال معاملات ہوں یا عبادات اس عالم میں سے ہیں۔ سائرین وہ لوگ ہیں جو صورت پر نہ ٹھہرے' اور اس منزل پر قیام نہ کیا بلکہ اس عالم سے عالم معنی کی طرف سفر کر رہے ہیں۔ ان کی پھر دو قسمیں ہیں سیار اور طیار' سیار وہ ہے جو شریعت و عقل کے قدم سے طریقت کی راہ طے کر رہے ہیں اور طیار وہ ہیں جن کے پیروں میں شریعت کے گھنگرو ہیں اور وہ عشق و ہمت کے پروں سے فضائے حقیقت میں اڑ رہے ہیں۔ ان کے باطنی اعمال تحریر کے قابل نہیں ان کی کراما" کاتبین کو خبر بھی نہیں۔

میان عاشق و معشوق رمزیست کراما" کاتبین را ہم خبر نیست

بعض اولیاء اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بائیں ہاتھ کے فرشتہ نے بیس سال سے کچھ نہ لکھا۔ بعض نے فرمایا کہ مجھ سے داہنا ہاتھ کے فرشتہ نے کہا کہ براہ مہربانی اپنے قلبی معاملات میں سے کچھ ظاہر کرو تاکہ میں نامہ اعمال میں لکھ کر رب سے قرب حاصل کروں' ہم نے اس سے کہہ دیا کہ تمہارے واسطے ظاہری فرائض ہی کافی ہیں' لکھے جاؤ' سمن' وارنٹ' قید و بند' توکیل کی ضرورت اس کے لئے ہے۔ جو صاحب حق کا حق ادا نہ کرے اور اس سے بھاگا پھرے مگر جو دن رات حق والے کے دروازہ پر پڑا رہے نہ اسے پکڑوانے کی ضرورت ہے اور نہ اس کو وکیل کی حاجت۔ یہاں ان سیارین سے خطاب ہو رہا ہے کہ اگر تم عالم ظاہر سے عالم باطن کی طرف سفر کرو۔ اور اس راہ میں تم کراما" کاتبین وغیرہ کسی لکھنے والے کو نہ پاؤ۔ کیونکہ وہ تو ظاہری اعمال لکھتے ہیں تو تم اپنے قلب کو رب کے پاس گروی رکھ دو جو پہلے ہی سے اس کے قبضہ میں ہے **القلب بین اصبعین من اصابع الرحمن۔** سیار کا تو یہ حال تھا مگر عاشق طیار وہ تو پہلے ہی سے اپنا قلب اور عقل کھو چکا اور سب کچھ رب کے حوالہ کر چکا اس کا

www.alahazratnetwork.org

قلب ایسی امانت ہے جسے بجز پروردگار کوئی نہیں رکھتا (روح البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جب مخلوق کی امانت کی اتنی احتیاط ہے تو خالق کی امانت کتنی بڑی احتیاط کی چیز ہے ہمارے جان و مال' اولاد وغیرہ سب رب کی امانتیں ہیں۔ جس میں خیانت کرنا بڑا جرم ہے ان سے برے کام لینا' یہ ہی خیانت ہے رب فرماتا ہے **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنه مسولا** ۔ کان' آنکھ' دل سب کے بارے میں سوال ہو گا اور فرماتا ہے **ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید** جو بات بھی انسان کرتا ہے اس کی تحریر و گواہی قائم ہوتی ہے ان آیات سے معلوم ہوا کہ یہ عضو رب کی امانت ہیں۔ جن میں امانت داری بہت ضروری ہے۔ فرماتا ہے۔ **انا عرضنا الا مانة علی السموت و الارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها وحملها الانسان** اس امانت کو آسمان و زمین پہاڑ برداشت کر سکے انسان نے برداشت کر لی وہ امانت کیا ہے۔ یا تو احکام شرعیہ کی امانت ہے یا عشق الٰہی کی امانت' جو صرف انسان کے حصہ میں آئی' اگر امانت داری کرے تو ثواب کا مستحق ہے ورنہ عذاب کا اور صاحب حق کی گواہی چھپانا سخت گناہ۔ رب کی گواہی چھپانا کفر ہے۔ ساری مخلوق اس کی ذات و صفات' اس کے پیغمبروں اور اس کی کتابوں کے گواہ ہیں جو یہ گواہی ادا نہیں کرتا وہ مجرم ہے اور جو بصدق دل پڑھتا ہے۔ **اشهد ان لا اله الا الله و اشهد ان محمدا عبده و رسوله** وہی کامیاب ہے۔ بشرطیکہ یہ گواہی صدق دل سے ہو نہ کہ محض زبان سے اس لئے فرمایا گیا **والله بما تعملون علیم**۔ رب جانتا ہے کہ کس کی گواہی قابل قبول ہے اور کس کی قابل رد اور گواہیاں صرف ایک دو بار دی جاتی ہیں یہ گواہی توحید و رسالت ہر وقت ہر حالت میں' مرتے جیتے نیز اور گواہیاں صرف حاکم کے سامنے دی جاتی ہیں یہ گواہی توحید و رسالت کی گواہی ہر جگہ حتی کہ موذن نماز کا بلاوا ایسے دیتا ہے یہ گواہیاں پہلے ہر مومن کو چاہیے کہ تنہا جنگل میں ایک آدھ بار باواز بلند کلمہ پڑھ دے تاکہ وہاں کے شجر و حجر اس کے ایمان کے گواہ بن جاویں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جو اس زندگی میں ہر جگہ ہر وقت ہر طرح توحید و رسالت کی گواہی دے گا۔ کل قیامت میں اللہ و رسول بلکہ فرشتے اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ پھر توحید و رسالت کی گواہی صرف زبان سے نہ دے بلکہ زبان' جنان' ارکان شکل لباس' وضع قطع سب سے گواہی دے کہ وہ شکل بھی مسلمانوں کی سی بنائے۔ لباس بھی مسلمانوں کا سا پہنے جو مسلمان لباس و شکل کفار کی سی رکھیں وہ ایک قسم کی گواہی چھپاتے ہیں۔ اللہ ہم سب کو مقبول گواہی پر زندہ رکھے اور اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔

وہ ہی موت ہے وہ ہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے
کہ مرے تو ان ہی کے نام پر جو جئے تو ان پر نثار ہے

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ

واسطے اللہ ہی کے ہے وہ جو بیچ آسمانوں اور جو زمین کے ہے اور اگر ظاہر کرو گے تم اس کو

اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر تم ظاہر کرو جو کچھ

www.alahazratnetwork.org

اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ
جو کچھ دلوں تمہارے کے ہے یا چھپاؤ گے اس کر حساب لے گا تمہارا ساتھ اس کے اللہ پس بخشے گا
تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ اللہ تم سے اس کا حساب لے گا تو جسے چاہے گا
يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾
بخشے گا واسطے جس کے چاہے گا اور عذاب دے گا جس کو چاہے گا۔اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے
اور جسے چاہے گا سزا دے گا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: سورہ بقر میں عقائد اور شرعی احکام کا ذکر ہوا نماز' زکوۃ' روزہ' حج' قصاص' جہاد' حیض' طلاق' عدت' مہر' تجارت' سود قرض وغیرہ تفصیل وار بیان ہوئے اب آخر سورت میں رب کی کمال قدرت و علم کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ بندے خوف الٰہی سے ان سب پر عمل کریں گویا اب تک قوانین کا ذکر تھا اور اب ان پر عمل کرانے کے لئے رب کی قاہر حکومت کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تمہارے اعمال کا جاننے والا ہے اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے۔ یعنی اس لئے علیم ہے کہ سب کچھ اس کی ملک اس کی خلق ہے اور خالق و مالک اپنی مخلوق' مملوک کو جانتا ہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں قرض کے لکھنے اور اس پر گواہ بنانے کا ذکر تھا جس سے لوگوں کے مال کی حفاظت مقصود تھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان احکام' کے نفع تم ہی کو ہیں۔ ہماری ملکیت سے تو کوئی چیز نکل سکتی ہی نہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ گواہی چھپانا دل کا گناہ ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کے سوا اور گناہ بھی دل کا گناہ ہے۔ جس کا حساب لیا جائے گا (کبیر و احمدی) **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ گواہی چھپانے سے دل گنہگار ہوتا ہے۔ اب اس مسئلہ کی تحقیق فرمائی جا رہی ہے کہ دل کے برے افعال میں سے کون سا فعل گناہ ہے اور کون سا نہیں۔

تفسیر : **للہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ للہ میں لام ملکیت کا ہے اور یہ ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے۔ نیز ہمارے علم کی رسائی' ان آسمان و زمین تک ہی ہے جسے عالم اجسام کہتے ہیں۔ باقی تمام عالم ہمارے مشاہدے سے دور ہیں۔ اس لئے اس عالم کا ہی ذکر ہوا ورنہ رب تعالیٰ کی ملکیت و خلقت' ان چیزوں میں منحصر نہیں یعنی وہ تو رب العالمین ہے۔ اس نے صدہا عالم بنائے سب کو پال رہا ہے اور **ما** مبتدا موخر۔ اس کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **ما** سے آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں مراد ہیں۔ چونکہ بے عقل چیزیں نوعیت میں زیادہ ہیں اور عقل والی کم۔ اس لئے یہاں **ما** فرمایا گیا۔ اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات مگر چونکہ آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں کوئی چاندی کا کوئی سونے کا وغیرہ اور ساری زمینوں کی حقیقت ایک مٹی ہے نیز آسمانوں میں فاصلہ ہے اور سات زمینیں پیاز کے چھلکوں کی طرح' ایک دوسری سے چمٹی ہوئی ہیں۔ اس لئے **سموات** جمع اور **ارض** واحد لایا گیا اور **خلق لکم** میں لام نفع کا ہے یعنی ہر چیز اللہ کی ملک ہے۔ کسی اور کی نہیں حقیقی مالک وہ ہے مگر رب نے ہر چیز بنائی ہے تمہارے نفع کے لئے وہ خود نفع اٹھانے سے پاک ہے یعنی

www.alahazratnetwork.org

آسمان و زمین کی ساری چیزیں اللہ ہی کی ہیں کہ وہ ان کا مالک و خالق ہے جیسا چاہے تصرف کرے اس کے مقابل کوئی نہیں کہہ سکتا کہ فلاں چیز میری ہے۔ **وان تبدوا ما فی انفسکم** یہ جملہ پچھلے جملہ پر متفرع ہے۔ **تبدوا** ابداء سے بنا جس کا مادہ ہے بدء بمعنی ظہور۔ شروع کرنے کو اسی لئے ابتداء کہتے ہیں کہ اس سے شئی ظہور میں آتی ہے۔ یہاں **ما** سے مراد دل کی بری چیزیں ہیں جیسا کہ اگلے جملہ سے معلوم ہو رہا ہے اور ممکن ہے کہ اس سے دل کی ساری اچھی چیزیں اور بری چیزیں مراد ہوں' فی ظرفیہ ہے **انفس۔ نفس** کی جمع ہے۔ نفس کے چند معنی ہیں سانس' ذات' دل' نفس امارہ یہاں دل یا نفس امارہ مراد ہے۔ دل میں ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز دل کی صفت بن جائے اور اصلی طور پر اس میں سما جائے۔ جیسے برے اخلاق' حسد' غرور' تکبر' ناشکری' گواہی چھپانا' اور برے کاموں کا ارادہ (روح المعانی) اس تفسیر کا خیال رہے اس سے بہت اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے کیونکہ برے خیالات اور اوہام **فی انفسکم** میں داخل ہی نہیں ہوئے کہ اس سے نفس موصوف نہیں ہوئی۔ لہٰذا یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ یعنی **فی** اگر تم اپنے دل کے عیوب نفس کی بری صفات لوگوں پر ظاہر کرو کہ علانیہ بری حرکتیں کرو یا خفیہ یا چھپ کر گناہ کرو۔ یا علانیہ **او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ۔** یہ **ان تبدوا** پر معطوف ہے **تخفوا** کا مصدر **اخفاء** اور مادہ **خفی** ہے بمعنی چھپنا ظہور کا مقابل۔ خیال رہے کہ یہاں ظاہر کرنا یا چھپانا بندوں سے مراد ہے ورنہ رب تعالیٰ پر ہر چیز ظاہر ہے یعنی اگر تم اپنی بری عادتوں اور برے ارادوں اور برے اخلاق کو لوگوں پر ظاہر کرو یا ان سے چھپاؤ کہ خفیہ طور پر گناہ کرو چونکہ علانیہ گناہ خفیہ گناہ سے بدتر ہے کہ **علان** میں گناہ بھی ہے۔ بے شرمی بھی اور لوگوں کو اپنے خلاف قیامت میں گواہ بنانا بھی خصوصاً" بزرگوں کے سامنے گناہ کرنا اس لئے علانیہ گناہ کا ذکر پہلے ہوا خفیہ کا بعد میں بہرحال تم جو گناہ بھی کرو رب قیامت میں تم سے حساب ضرور لے گا۔ حساب کے معنی اور اس کی تحقیق اور اقسام پہلے پارہ میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ **بہ** کا مرجع **ما** ہے اور چونکہ قیامت کے دن فرشتوں کے سارے کام رب کے حکم سے ہوں گے۔ اس لئے ان کا فعل رب کا فعل ہے۔ اس لئے اگرچہ حساب ملائکہ لیں گے۔ مگر وہ فعل حقیقتاً" رب ہی کا ہو گا۔ پھر حساب کا انجام یہ ہو گا کہ **فیغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء** یہ دونوں نئے جملے ہیں اسی لئے مضارع مرفوع ہے **یغفر' غفر** سے اور **یعذب' عذب** سے بنا۔ **غفر** بمعنی ڈھکنا اور **عذب** بمعنی روکنا اسی لئے چھلکے کو غفر کہتے ہیں کہ وہ مغز کو ڈھانپے ہوتا ہے اور میٹھے پانی کو **ماء عذب** کو وہ پیاس کو روکتا ہے۔ اس کی مفصل تشریح پہلے سیپارہ میں ہو چکی۔ بخشش کو مغفرت اور سزا کو عذاب کہا جاتا ہے۔ دونوں جگہ **یشاء** کا مفعول پوشیدہ ہے دونوں جگہ **من** سے مراد مجرم ہیں نہ کہ نیک کار بندے کہ معافی یا سزا وہیں ہوتی جہاں جرم پر ہی ہوتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ عیوب کا حساب لے گا۔ پھر جس مجرم کو چاہے گا۔ اپنے فضل سے بخشے گا اور جس کو چاہے گا اپنے عدل سے عذاب دے گا۔ چونکہ عذاب پر مغفرت اور غضب پر رحمت غالب ہے۔ اس لئے مغفرت کا ذکر پہلے کیا گیا۔ **واللہ علی کل شیء قدیر۔** یہ جملہ گویا گزشتہ کی دلیل ہے یعنی رب تعالیٰ چونکہ سب کا حاکم ہے کسی کا محکوم نہیں' سب اس کے محکوم و مخلوق ہیں۔ وہ ہر چیز پر قادر ہے کسی کو اس پر قدرت نہیں۔ لہٰذا بخشنے اور عذاب دینے میں اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس آیت کی پوری تحقیق اور شئی کے لغوی و اصطلاحی معنی پہلے سیپارہ میں مسئلہ امکان کذب کے ماتحت ہو چکی۔

خلاصہ تفسیر: آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اللہ ہی کی ملک اس کی مخلوق ہیں۔ ان میں کسی کی شرکت نہیں۔ تم لوگ

www.alahazratnetwork.org

اپنے نفسانی عیوب میں سے جو ظاہر کرو اور جو چھپاؤ اس طرح کہ علانیہ ظاہر ظہور گناہ کرو یا خفیہ چھپ کر گناہ کرو یا دل کے خطرات اور ارادہ ظاہری ہو یا باطنی رب سب کا حساب لے گا۔ بعد حساب بری کرے کہ گناہ دکھا کر اقرار کرا کر معاف فرمادے یا اس پر پکڑ فرمادے حساب ضرور لے گا۔ کیونکہ ہر چیز اس کے علم میں ہے تمہارے اظہار پر اس کا جاننا موقوف نہیں۔ پھر حساب لے کر جس مجرم کو چاہے گا۔ محض اپنے فضل و کرم سے بخش دے گا اور جس کو چاہے گا محض اپنے عدل و انصاف سے عذاب دے گا۔ کیونکہ وہ شہنشاہ مختار ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں۔ رب تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔ لہذا لوں کے چھپے عیوب پر مطلع ہو کر حساب لینا اور کسی کو بخش دینا اور کسی کو سزا دینا تعجب نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر چیز کا مالک حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ اس کے ماسوا کی ملکیت مجازی عطائی اور فانی ہے۔ جیسا کہ للہ کے حصر سے معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **وجاهدوا باموالکم وانفسکم**۔ اپنے جان و مال سے جہاد کرو اس میں جان و مال کو مسلمانوں کی چیز قرار دیا گیا۔ یعنی حقیقی ملک رب تعالیٰ کی ہے اور مجازی ملک مخلوق کو بھی حاصل ہے اس قسم کے تمام حصروں کا یہ ہی حال ہے جیسے اللہ کافی کو اوہے۔ اللہ کافی و کیل ہے اللہ کافی حساب لینے والا ہے کہ اس کی یہ تمام صفات حقیقی ہیں اور دوسروں کی مجازی اسی طرح **لہ غیب السموت والارض** کہ زمین و آسمان کا غیب رب ہی کا ہے۔ یعنی علم حقیقی رب کے ساتھ خاص ہے اور عطائی مجازی اس کے پیاروں کو بھی حاصل ہے جو لوگ اس آیت کی آڑ میں انبیائے کرام کے علم غیب عطائی کا بھی انکار کرتے ہیں انہیں چاہئے کہ سورہ بقرکی آیت سے مخلوق کی ملکیت کا بھی انکار کریں نہ کسی کو گواہ مانیں 'نہ وکیل' نہ بادشاہ' دیکھو پھر کیا لطف آتا ہے غرض ہر چیز میں ذاتی اور عطائی کا فرق کرنا پڑے گا۔ دوسرا فائدہ: رب تعالیٰ اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ کیونکہ اپنی اولاد اور بیوی پر ملکیت نہیں ہوتی اگر معاذ اللہ رب کی اولاد یا بیوی ہوتی تو وہ تمام کا مالک نہ ہوتا۔ لہذا اس آیت میں مشرکین کا بھی رد ہے۔ جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور عیسائی یہودیوں کی بھی تردید ہے۔ حضرت عیسیٰ یا عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: حساب و حشر حق ہے۔ جیسا کہ **یحاسبکم** سے معلوم ہوا۔ لہذا اس میں معتزلہ اور روافض کا رد ہے جو حساب کے منکر ہیں جب دنیا میں مالک اپنے غلاموں سے معمولی چیزوں کا حساب لیتے ہیں تو رب تعالیٰ اپنی اتنی نعمتوں کا حساب کیوں نہ لے۔ چوتھا فائدہ: گناہ کبیرہ کی مغفرت اور گناہ صغیرہ پر عذاب ہو سکتا ہے جیسا کہ **لمن یشاء** کی تعمیم سے معلوم ہوا۔ مگر خیال رہے کہ کبیرہ سے کفر کے سوا دیگر گناہ مراد ہیں۔ کفر کی مغفرت کبھی نہیں ہو سکتی رب فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء**۔ ایسے ہی **ما فی انفسکم** میں سے مراد برے خیالات برے ارادے اور بری نیتیں ہیں اچھے اعمال اچھے اقوال اچھے ارادے اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ آگے مغفرت اور عذاب کا ذکر ہے اچھے اعمال کی قبولیت ہوتی ہے نہ کہ مغفرت معافی اور اچھے اعمال پر ثواب ملتا ہے نہ کہ عذاب یوں ہی **تبدو** اور **تخفوہ** ہم گنہگار مسلمانوں سے خطاب ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان جیسے خطابات میں داخل نہیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ وہاں گناہ کی پہنچ بھی نہیں پانچواں فائدہ: حساب و کتاب ہمارے اظہار پر موقوف نہیں بلکہ ہم جو کام چھپ کے کر لیتے ہیں اس کا بھی حساب ہے۔ جیسا کہ **او تخفوہ** سے معلوم ہوا مگر خیال رہے کہ حساب حشر دو قسم کا ہے حساب یسیر یعنی پیشی پھر معافی اور حساب عسیر یعنی پوچھ گچھ کہ تم نے گناہ کیوں کئے۔ حساب یسیر تو ہر خطرہ اور وسوسہ پر ہو سکتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ**

www.alahazratnetwork.org

مگر حساب عسیر اور سزا گناہ کے ارادہ پر نہیں ہو سکتا' لہذا آیت واضح ہے۔ **چھٹا فائدہ:** بندے کے افعال بھی خدا کی مخلوق ہیں۔ بندہ ان کا خالق نہیں کیونکہ وہ بھی زمین و آسمان کی چیزوں میں سے ہی ایک چیز ہے۔ **مسئلہ:** جیسے کہ ظاہری اعضاء سے دو طرح کے کام ہوتے ہیں۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ اختیاری جیسے زبان سے بالارادہ بولنا یا ارادۃً" آنکھ سے کچھ دیکھنا یا ہاتھ ہلانا اور غیر ارادی جیسے بلا قصد منہ سے کچھ نکل جانا یا بلا ارادہ کسی عورت پر نظر پڑ جانا' یا ہاتھ کے رعشہ کی حرکت ان میں اختیاری کاموں پر عذاب و ثواب ہے۔ غیر اختیاری پر نہیں۔ ایسے ہی دل کے کام بھی بعض اختیاری ہیں اور بعض غیر اختیاری' اختیاری جیسے کفر کا عقیدہ اپنے کو بڑا سمجھنا' برے کاموں کا ارادہ اور غیر اختیاری جیسے برے وسوسے اور خطرات و خیالات ان میں بھی اختیاری فعل پر پکڑ ہے۔ غیر اختیاری پر نہیں۔ **تخفوہ** سے یہ ہی مراد ہے لہذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے **لا یواخذکم اللہ باللغو فی ایمانکم ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم** جس سے معلوم ہوا کہ دلی کسب کا اعتبار ہے نہ کہ فقط وہم کا نیز ارشاد فرمایا **لھا ما کسبت وعلیھا ما اکتسبت** ان آیتوں اور بہت سی احادیث سے یہ ہی ثابت ہوتا ہے کہ دل کے اختیاری فعل پر سزا اور جزا ہے۔ خیال رہے کہ بعض صحابہ کرام جیسے حضرت علی و ابن عباس و ابن مسعود اور عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین اور بہت سے علماء نے اس **تخفوہ** میں وسوسوں اور دلی خطرات کو بھی داخل مانا ہے اور وہ حضرات اس آیت کو **لا یکلف اللہ نفسا** سے منسوخ مانتے ہیں دیکھو۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی و روح البیان) بخاری نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ یہ آیت **لا یکلف اللہ** سے منسوخ ہے (روح المعانی) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ہم سب بہت غمگین ہوئے کہ جب دلی خطرات کا بھی حساب ہے تو ہم میں سے کون عذاب سے بچ سکے گا۔ تب آیت **لا یکلف اللہ نفسا** نازل ہوئی (در منثور) تفسیر کبیر' خازن نے فرمایا کہ جب یہ آیت اتری تو حضرت ابو بکر و عمر' عبدالرحمن ابن عوف اور معاذ ابن جبل اور دیگر حضرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ یہ حکم طاقت سے زیادہ ہے حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ تم بھی بنی اسرائیل کی طرح کہنا چاہتے ہو۔ **سمعنا وعصینا** یوں کہو **سمعنا واطعنا**۔ یعنی ہم نے سنا اور اطاعت کریں گے صحابہ کرام نے یہ کہا مگر ان کی آوازیں خوف سے کانپتی تھیں ایک سال کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ **لا یکلف اللہ نفسا**" الخ۔ غرضکہ اس آیت میں بہت اختلاف ہے ان دونوں قولوں کی مطابقت یوں ہو سکتی ہے کہ اگرچہ صحابہ کرام اس آیت کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن انتہائی خوف الٰہی کی وجہ سے ان کی نظر ظاہری عموم پر پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تفسیر نہ فرمائی۔ بلکہ انہیں اطاعت کا حکم دیا پھر رب نے خود یوں تفسیر فرما دی کہ **لا یکلف اللہ نفسا**۔ الخ۔ گویا وہ آیت اسی آیت کی تفسیر ہے۔ جس سے ایک وہم دور کیا جا رہا ہے نہ کہ نسخ کبھی توضیح کو بھی مجازاً" نسخ کہہ دیا کرتے ہیں (روح المعانی) اس کی مثال یوں سمجھو کہ آیت **استغفر لھم اولا تستغفر لھم** نازل ہونے کے بعد حضور علیہ السلام نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ مجھے رب نے اختیار دیا ہے منافقین کے لئے دعائے مغفرت کروں یا نہ کروں میں نے ایک جانب کو اختیار کر لیا۔ اس فرمانے کی وجہ غلبہ رحمت ہے نہ کہ مقصد کلام سے بے توجہی۔ **مسئلہ:** اس میں اختلاف ہے کہ خبر کا نسخ جائز ہے یا ناجائز۔ حضرت عبداللہ ابن عباس و علی و دیگر صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم اجمعین) نے جائز فرمایا۔ مگر جمہور کا قول یہ ہے کہ کسی خبر کا نسخ جائز نہیں۔ خواہ قدیمی چیزوں کی خبر ہو۔ جیسے رب کی ذات و صفات یا متغیر چیز کی جیسے

www.alahazratnetwork.org

ایمان زید وغیرہ (روح المعانی' خازن وکبیر وغیرہ) **مسئلہ:** جن خبروں سے حکم یا ممانعت سمجھی جاتی ہے۔ وہ منسوخ ہو سکتی ہیں۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** وغیرہ (روح المعانی) **مسئلہ:** حق یہ ہے کہ ارادہ گناہ پر گناہ کا عذاب نہ ہو گا' بلکہ ارادہ گناہ کا۔ کوئی چوری کرنے نکلا مگر نہ کر سکا تو اس کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے۔ ہاں اس ارادہ کا گنہگار ہوا۔ نہ کہ چوری کا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا **للہ ما فی السموت** اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ یعنی سب چیزیں تمہارے لئے پیدا کی گئیں۔ یہاں بھی لام ہے اور وہاں بھی ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** یہاں ملکیت کلام ہے اور وہاں نفع کا۔ یعنی ہر چیز رب کی ملک ہے اور تمہارے نفع کے لئے۔ خدا تعالیٰ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کی چیزیں اللہ کی ہیں۔ بتاؤ خود آسمان و زمین بھی اللہ کے ہیں یا نہیں کیا وہ کسی اور کے ہیں؟ (آریہ) **جواب:** قاعدہ یہ ہے کہ جو چیز برتن سے جدا نہ ہو سکے تو جو اس چیز کا مالک ہو گا۔ وہ برتن کا بھی مالک ہو گا۔ جو مکان کا مالک ہے وہ ہی اسی کے کڑی' تختوں اور کواڑوں کا بھی مالک ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ مکان میں منقولی سامان کسی اور کا ہو یہ آسمان و زمین کی چیزیں ان سے نکل سکتی ہی نہیں۔ لہذا جب رب ان کا مالک تو آسمان و زمین کا بھی مالک۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا بخشش کے مستحق کو نہ بخشے اور غیر مستحق کو بخشنے پر قادر ہے کیونکہ فرمایا گیا **لمن یشاء**۔ اور یہ صریحی ظلم ہے۔ کیا مسلمانوں کا خدا ظالم ہے؟ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** یادش بخیر! پنڈت جی بہت دنوں میں بولے مگر ایسے بولے جیسے ہمیشہ بولا کرتے ہیں پنڈت جی اس سے پہلے جرموں کا ذکر ہو چکا انہیں کی معافی اور سزا کا تذکرہ ہے یعنی جس مجرم کو چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ نیک کار کے عذاب کا کہاں ذکر ہے بات یہ ہے کہ تین قسم کی حیثیتیں ہیں۔ ایک سب کا محکوم ہونا جیسے رعایا بادشاہ سے لے کر چپڑاسی تک کی محکوم ہے۔ دوسرے بعض کا محکوم بعض کا حاکم ہونا' جیسے تھانیدار' تیسرے کل کا حاکم ہونا۔ جیسے بادشاہ کہ وہ مختار مطلق ہے۔ اسے کسی سے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں یہ ہی فرمایا جا رہا ہے کہ ہم کل کے حاکم ہیں مجرموں کو بخشنے اور سزا دینے میں پورا اختیار رکھتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اچھے برے ارادہ خیال کی بھی پکڑ اور حساب ہے اور ہر نبی ولی کا بھی حساب ہے اور کافر کا کفر بھی قابل معافی ہے کیونکہ **ما** اور **تخفوا** وغیرہ میں کوئی قید نہیں۔ **جواب:** یہاں **ما** سے مراد برے خیالات ہیں۔ اور **تبدوا او تخفوہ** میں ہم عام مسلمانوں سے خطاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس آیت سے کوئی نسبت نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** جب انسان کو خدا نے ہی نیک و بد بنایا تو اسے سزا و جزا نہ ہونا چاہئے۔ اور جب خدا ہی کے حکم سے انسان نیکی اور بدی کرتا تو پھر اس کی ذمہ داری خدا ہی پر ہے۔ مثلاً" اگر جرنیل کے حکم سے کوئی سپاہی کسی کو مار ڈالے تو اس کا ذمہ دار جرنیل ہو گا نہ کہ سپاہی (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** اس کا جواب ہم پہلے اور دوسرے پارہ میں بہت دفعہ دے چکے۔ پنڈت جی کو ایک سوال دہرانے کی بیماری ہے۔ پنڈت جی خیال رکھو کہ ہر انسان فطرت یعنی توحید پر پیدا ہوتا ہے۔ وہاں سے کافر ہو کر کوئی نہیں آتا پھر وہ نیک و بد اعمال کے ذریعہ اپنے کو سزا یا جزا کا مستحق بناتا ہے اور خدا نے برائی کا نہ تو کسی کو حکم دیا اور نہ برائی سے راضی ہے۔ شاید تمہارے پرماتما نے پاپ کا حکم دیا ہو گا۔ اسلامی خدا نے گناہوں سے بچنے اور نیک بننے کا ہی حکم دیا۔ پھر جرنیل والی مثال کیونکر درست ہو سکتی ہے۔ جرنیل قتل کا حکم دے کر اس کا ذمہ دار بنا۔ رب تعالیٰ نے نہ برائی کا حکم دیا اور نہ اس کی طرف کوئی برائی منسوب ہو سکے' برائی کا حکم دینے والا نفس یا شیطان ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دلی خیالات کا بھی حساب ہو گا اور حدیث شریف

www.alahazratnetwork.org

میں آیا ہے کہ رب نے میری امت کے دلی خطرات معاف کئے جب تک کہ وہ کلام نہ کرے یا اس کے مطابق عمل نہ کرے اس آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ آیت **لا یکلف اللہ** سے منسوخ ہے جیسا کہ حضرت علی و ابن عباس و عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ آیت مجمل ہے۔ جس کی تفسیر **لا یکلف اللہ** الخ۔ ہے یعنی اس سے برے ارادے اور دل کے اختیاری افعال مراد ہیں نہ کہ غیر اختیاری خیالات اور حدیث شریف میں فقط خطرات مراد' ارادہ اور خطرہ میں فرق ہے۔ تیسرے یہ کہ اس حساب سے صرف پیشی مراد ہے۔ جسے حساب یسیر بھی کہتے ہیں۔ **فسوف یحاسب حسابا یسیرا** یعنی قیامت میں برے خطرات بھی انسان پر پیش تو کر دیئے جائیں گے مگر ان پر پکڑ نہ ہوگی۔ چوتھے یہ کہ اس حساب سے دنیوی سزائیں مراد ہیں کہ یہاں کے غم اور تکلیف ان برے خطرات کا کفارہ بن جاتے ہیں جیسا کہ ترمذی کی روایت میں ہے پانچویں یہ کہ **ان تبدوا** سے مراد علانیہ گناہ کرنا ہیں اور **تخفوہ** سے چھپ کر یعنی اگر تم علانیہ گناہ کرو۔ تو بھی حساب ہوگا اور چھپ کر کرو تو بھی۔ چھٹے یہ کہ حساب سے مراد فقط خبر دینا اور اس کا اقرار کرانا ہے۔ ساتواں اعتراض یہ جوابات اصل اعتراض کو نہیں اٹھاتے کیونکہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں **ان اللہ عفا لامتی عما حدثت بہ انفسہا مالم یتکلموا بہ او یعملوا بہ** (متفق علیہ) یعنی برائی کا ارادہ معاف ہے جب تک کہ اس کے مطابق کلام یا عمل نہ کرے۔ اور تمہارے جواب سے معلوم ہوا کہ قلب کے اختیاری فعل یعنی ارادہ گناہ پر پکڑ ہے۔ جواب: یہ حدیث احکام شرعیہ کے بارے میں ہے۔ یعنی فقط ارادے سے طلاق یا عتق یا بیع یا صدقہ یا ہبہ نہ ہوگا۔ جب تک کہ اس کا قول یا اس پر عمل نہ ہو اور یہاں اخروی پکڑ کا ذکر ہے حدیث شریف ہے کہ جب دو مسلمان جنگ کے لئے نکلے اور ایک نے دوسرے کو قتل کیا تو قاتل مقتول دونوں جنتی' قاتل تو قتل کی وجہ سے اور مقتول ارادہ قتل سے کہ وہ بھی اسی ارادے سے آیا تھا مگر اسے موقعہ نہ ملا (از احکام القرآن) آٹھواں اعتراض: خبر کا نسخ ناجائز ہونا چاہئے کیونکہ یہ جھوٹ یا لاعلمی سے ہو سکتا ہے۔ پھر اتنے صحابہ کرام اس کے کیوں قائل ہو گئے؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نسخ خبر کے وہ حضرات بھی قائل نہیں ان کے کلام میں جو نسخ آیا وہ مجازا" بمعنی تفسیر ہے (روح المعانی) دوسرے یہ کہ وہ حضرات واقعات کی حکایت کو قابل نسخ نہیں مانتے بلکہ صرف قوانین کی خبروں کو مثلا" یہ ممکن نہیں کہ رب تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ کی خبر دے کہ ایسا ہوا تھا اور پھر اسے منسوخ کر دے ہاں یہ ممکن ہے کہ پہلے خبر دی جائے کہ ہم تمہارے دلی ارادوں کا بھی حساب لیں گے پھر ارشاد فرمادے کہ اچھا اس کی معافی ہے۔ اس کا حساب نہ لیں گے یہ کسی خبر کی تبدیلی نہیں بلکہ قانون کی تبدیلی ہے کہ اب تک یہ قانون تھا اور اب سے یہ دوسرا جاری ہوا۔ اور ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ وہ احکام جو بصورت خبر ہوں۔ نسخ قبول کر لیتے ہیں۔ نواں اعتراض: جس کو چاہا بخش دیا۔ جس کو چاہا سزا دے دی یہ تو لاقانونی ہے اور لاقانون غلط بھی ہے باعث فساد ملک بھی آج ایسے راج کو چوپٹ راج اور ایسے ملک کو اندھیر نگری کہا جاتا ہے۔ رب کے ہاں ایسی اندھادھند نہیں ہو سکتی؟ جواب: دوسرے کے حقوق میں اس قسم کا طریقہ غلط ہے۔ شریعت میں قانونی مجرم کو معاف نہیں کیا جا سکتا۔ مگر اپنے مجرم کو جسے چاہیں معاف کرنا جسے چاہیں معاف نہ کرنا بالکل درست ہے۔ ہم اپنے مقروضوں کو جسے چاہیں معاف کر دیں جسے چاہیں معاف نہ کریں اس سے وصول کر لیں ہم کو حق ہے۔ بندے رب کے مقروض ہیں۔ وہ مختار ہے جس کو چاہے اپنے قرض معاف کر دے۔ جس کو چاہے سزا دے ہاں حقوق العباد میں یہ نہ ہوگا۔ وہاں ظالم سے ضرور مظلوم کا بدلہ دلوایا جاوے گا یا خود مقروض سے معاف کرایا جاوے

گے۔ یہاں گناہوں کی معافی کا ذکر ہے نہ کہ حقوق العباد کی معافی کا ذکر۔

تفسیر صوفیانہ : انسان روح اور جسم کے مجموعہ کا نام ہے روح عالم امر کی ایک چیز ہے اور جسم عالم خلق کا روح ملکوت میں سے ہے اور جسم ملک میں سے روح نورانی ہے اور جسم ظلمانی روح علوی ہے اور جسم سفلی ان میں سے ہر ایک اپنے عالم کی طرف جانا چاہتی ہے۔ روح کا قصد قرب رب العالمین ہے اور نفس و جسم کا میلان حق سے دوری اور **اسفل السافلین** کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اس لئے ہے کہ لوگوں کو نفسانی ظلمتوں سے پاک کر کے قرب الٰہی کا مستحق بنائیں اور ان کی ظلمت نفس کو مٹا کر ان پر روح کے انوار ظاہر فرمائیں۔ جس کے بارے میں ارشاد ہوا **یخرجھم من الظلمٰت الی النور** مگر شیطان کا کام یہ ہے کہ لوگوں کو روحانی انوار سے نکالے اور نفسانی ظلمتوں میں پھنسائے تاکہ انسان رب العالمین سے دور رہ کر **اسفل السافلین** میں پہنچے اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے انسانو اگر تم اپنی ظلمات نفس کو ظاہر کرو کہ شریعت کے مخالف اور طبیعت کے موافق رہو۔ یا ان ظلمات کو چھپاؤ اور دبا دو کہ طبیعت کی مخالفت کرو اور شریعت کی موافقت رب تعالیٰ سب کا حساب فرمائے گا۔ کہ قابل انوار نفوس کو پاک فرمائے گا اور جو روحیں ظلمتوں میں پھنسی ہیں انہیں خلوت کرے گا تو جس کو چاہے گا بخشے گا کہ اس کے نفس کو روح کے انوار سے روح کو حق کے انوار سے منور فرمائے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا کہ اس کے نفس پر دوزخ کی آگ بھڑکائے گا اور اس کی روح کو اپنے فراق کی آگ میں جلائے گا۔ اللہ عالم امر اور عالم خلق کی ہر چیز پر قادر ہے کہ عالم امر پر لطف اور تاریک جسم پر قہر فرماتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ کامیاب وہ انسان ہے۔ جس کی روح اس کے نفس پر غالب ہو اور ناکام وہ ہے۔ جس کا نفس روح پر غالب اور اس کے غلبہ کا پتہ اس کے افعال و اعمال اور میلان سے چلتا ہے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ **سموات** یعنی آسمان حضرات انبیاء کرام ہیں کہ یہ حضرات آسمان کی طرح خلق کو فیض دیتے ہیں اور مومنین حضرات زمین ہیں کہ یہ حضرات ہمیشہ انبیاء کرام سے فیض لیتے رہتے ہیں۔ کبھی ان سے مستغنی نہیں ہوتے۔ آیت کے پہلے جملہ میں ارشاد ہوا کہ نبوت کے آسمانوں میں جو کچھ فیوض ہیں وہ بھی رب ہی کی طرف سے ہیں اور قلوب مومنین میں جو اثر لینے کی مختلف تاثیریں ہیں یہ بھی رب کی طرف سے ہیں جیسے یہ ظاہری زمین مختلف تاثیر رکھتی ہے ایسے ہی انسانوں کے دل مختلف اثر رکھتے ہیں۔ نبوت کا فیض ایک ہے مگر صدیقین خاص عام مومنین کے دل مختلف ہیں۔ جس اختلاف کی وجہ سے مختلف اثرات کا ظہور ہوتا ہے۔ یہ سب رب کی طرف سے ہے۔

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ كُلٌّ اٰمَنَ

ایمان لائے پیغمبر ساتھ اس کے جو اتارا گیا طرف ان کے سے رب ان کے ساتھ اور ایمان لائے ہر

رسول ایمان لایا اس پر جو اس کے رب کے پاس سے اس پر اترا اور ایمان والے سب نے مانا اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس

بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ

ایک ایمان لایا ساتھ اللہ اور فرشتوں اس کے اور کتابوں اس کی اور رسولوں اس کے نہیں فرق کرتے ہم درمیان

کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو یہ کہتے ہوئے کہ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے اور عرض کی کہ ہم نے

www.alahazratnetwork.org

رُسُلِهٖ ۚ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۫ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸۵﴾

کسی کے رسول پر ایمان لانے میں فرق کرتے اور کہا انہوں نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے بخشش تیری اے رب ہمارے اور تیری طرف لوٹنا ہے۔

سنا اور مانا تیری معافی ہو اے رب ہمارے اور تیری طرف پھرنا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** سورہ بقر رب کے نام سے شروع ہوئی تھی اب اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر ختم ہو رہی ہے تاکہ اس کے شروع میں قرآن اتارنے والے کا نام ہو اور اخیر میں ان کا نام جن پر اتارا گیا یہ ہی حال کلمہ، نماز، دعاؤں کا ہے کہ ان کی ابتداء اللہ کے نام سے ہے اور انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف پر بلکہ مسلمان کی زندگی کا بھی یہ ہی حال ہے کہ جب دنیا میں آئے تو اذان سنے اور جب یہاں سے جائے تو کلمہ پڑھتے ہوئے کہ اخیری سانس لفظ رسول اللہ پر ختم ہو۔ **دوسرا تعلق:** جب سلطانی حکم رعایا کی طرف آتا ہے تو اس کے پہلے سلطان کا نام ہوتا ہے بعد میں احکام کا ذکر اور آخر میں مہر عدالت اور وزراء، امراء کی تصدیق۔ سورہ بقر میں بھی یہ ہی ہوا کہ پہلے رب کا نام آیا۔ پھر اس کے احکام ارشاد ہوئے اب آخر میں عدالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اور خدام بارگاہ صحابہ کرام کی تصدیق یعنی یہ احکام رب نے بھیجے اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جان نثاروں نے تصدیق کی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے کمال علم و قدرت کا ذکر تھا جس سے اس کی ربوبیت کا ثبوت ہوا۔ اب مسلمانوں کی اطاعت شعاری اور وفاداری کا تذکرہ ہے۔ جس سے ان کی عبدیت کا ظہور ہوا یعنی ہم کامل رب اور مسلمان ہمارے کامل بندے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے جلال کا ذکر تھا کہ ہم تمہارے ہر ظاہر اور ہر چھپے ہوئے عیوب کا حساب لیں گے۔ اب مسلمانوں کی مدح بیان فرما کر جمال الٰہی کا اظہار ہے۔ کہ جیسے دنیا میں ہم مسلمانوں کی تعریفیں فرماتے ہیں اور ان کے عیوب چھپاتے ہیں ایسے ہی آخرت میں ہوگا کہ مسلمانوں کی نیکیاں سب دیکھیں گے اور عیبوں پر پردہ ڈال دیا جائے گا۔ جیسے ہمارا علم قدرت کامل ہے ویسے ہمارے جود و رحمت بھی کامل (کبیر) **پانچواں تعلق:** سورہ بقر کی ابتداء میں پرہیزگاروں کی تعریف کی گئی ہے کہ وہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور نماز و زکوۃ ادا کرتے ہیں۔ اب ان مومنین کا پتہ بتایا جا رہا ہے کہ وہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے عقائد اعمال اور دعاء کی یہ نوعیت ہے۔ **چھٹا تعلق:** اب تک عبادات و معاملات کے بہت سے احکام بیان ہوئے اب ان کی حقانیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم محض اپنے خیال سے یا سن سنا کر یہ احکام بیان نہیں فرماتے۔ بلکہ انہیں دلائل و مشاہدہ سے یقین ہے کہ جبریل فرشتہ ہیں نہ کہ جن اور جو کچھ کہتے ہیں رب تعالیٰ کی طرف سے کہتے ہیں نہ کہ اپنی طرف سے اور مسلمانوں کو بھی بذریعہ معجزات یقین ہے کہ یہ قرآن رب کا کلام ہے نہ کہ کسی انسان کا اور نبی و جبریل (علیہم السلام) کلام بدلنے سے معصوم ہیں اور یہ کلام شیطانی اثرات سے بالکل محفوظ۔

شان نزول : تفسیر خازن و در منثور وغیرہ نے عبداللہ ابن عباس وغیرہ سے روایت کی کہ جب **وان تبدوا ما فی انفسکم** الخ۔ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا یا حبیب اللہ ہم نے تمام احکام کی اطاعت کی اور ہم وفادار رہیں گے، لیکن دل کے وسوسے اور خطرے قابو سے باہر ہیں اگر ان پر حساب ہوا تو نجات کی کیا

www.alahazratnetwork.org

رلو ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کیا تم بنی اسرائیل کی طرح کہنا چاہتے ہو سمعنا و عصینا۔ ہم نے سن تو لیا مگر مانیں گے نہیں۔ تب وہ حضرات معذرت کرنے لگے۔ اس پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں غلامان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفائی بلکہ سفارش کی گئی کہ اے محبوب (علیہ السلام) ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ آپ کے خدام' ہمارے مطیع اور سچے مسلمان ہیں مگر جمہور مفسرین نے اس جگہ خاموشی اختیار کی۔ کیونکہ ان کے نزدیک آیت وان تبدوا منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ ہم دونوں قولوں کی مطابقت پچھلی آیت میں کر چکے ہیں۔

تفسیر: امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون۔ امن ایمان کا ماضی ہے اور ایمان کے معنی تصدیق کرنا۔ پہچاننا اور ایمان لانا ہیں۔ یہاں ماضی اپنے ہی معنی میں ہے اور ایمان کے تینوں معنی کا احتمال ہے۔ الرسول میں الف لام عہدی ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔ چونکہ آپ وصف رسالت میں ایسے مشہور ہیں کہ رسول بولنے سے آپ ہی کی طرف دھیان جاتا ہے اس لئے نام پاک نہ لیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو لاکھوں صفات بخشے مگر آپ کا وصف رسالت بہت مشہور ہے۔ حتی کہ کلمہ طیبہ میں آپ کو رسول اللہ فرمایا گیا۔ کیونکہ رسول خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں تمام صفات اس پر ہی متفرع ہیں۔ چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان تمام خلق کے ایمان سے اعلیٰ بھی ہے اور مقدم بھی۔ اس لئے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان کا ذکر ہوا پھر دوسروں کے ایمان کا اعلیٰ تو اس لئے ہے کہ تمام کا ایمان بالغیب ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان شہودی کہ رب کو اور تمام غیوب کو ملاحظہ فرمایا' اور مقدم اس لئے ہے کہ سب خلق سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کروڑوں سال اس طرح رب کی عبادت کی کہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم عابد تھے اور رب معبود' بما میں ب صلہ کی ہے اور ما سے سارا قرآن یا سورہ بقر' یا اس کے احکام مراد ہیں۔ انزل' انزال سے بنا ہے بمعنی ایکدم اتارنا۔ یا تو یہاں تنزیل کے معنی میں ہے کیونکہ قرآن کا نزول آہستگی سے ہوا' یا اپنے ہی معنی میں ہے کیونکہ ہر رمضان میں حضرت جبریل سارا قرآن حضور کو سنایا کرتے تھے اور حضور سے سن کرتے تھے۔ یعنی دور فرمایا کرتا تھے۔ قرآن کریم کا آہستگی سے نزول تو احکام نافذ کرنے کے لئے تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت کے لئے نزول کی اور شان تھی فرماتے ہیں کہ سورۂ بقر کی آخری آیات معراج میں زیر عرش ہم کو عطا ہوئیں۔ حالانکہ یہ آیات مدنیہ ہیں اور معراج ہجرت سے پہلے ہے اور ہو سکتا ہے کہ ما سے قرآن و حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کشف' و الہامات سب مراد ہوں (کبیر) چونکہ ان میں سے ہزاروں چیزیں حضور علیہ السلام کے ساتھ خاص تھیں جس کی دوسروں کو خبر بھی نہ تھی۔ جیسے متشابہات قرآنیہ کا علم اور بہت سے راز و نیاز کی باتیں۔ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی ظاہر ہوئیں کسی کو ان کی ہوا بھی نہ لگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو کچھ میں جانتا ہوں اگر تم جانتے تو روتے زیادہ اور ہنستے کم۔ اس لئے خصوصیت سے آپ کا ذکر علیحدہ کیا گیا۔ من ابتدائیہ ہے چونکہ قرآن کریم مسلمانوں کی روحانی پرورش کا ذریعہ ہے اس لئے یہاں حق تعالیٰ کو رب کے نام سے یاد فرمایا گیا اور چونکہ مربوبیت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے فرد ہیں۔ آپ پر رحمتیں بلاواسطہ اور دوسروں پر بالواسطہ ہیں۔ اس لئے رب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کیا گیا۔ والمومنون میں یا تو واؤ عاطفہ ہے اور اس کا عطف رسول پر

www.alahazratnetwork.org

ہے اور یہاں جملہ ختم ہو گیا یا یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور **والمومنون** مبتداء اور یہاں سے جملہ علیحدہ (روح المعانی و کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ یہاں مومنین سے یا تو خاص وہ جماعت مراد ہے جو حاضر بارگاہ ہوتی تھی یا سارے مسلمان یعنی اس قرآن کریم کی حقانیت اللہ کے رسول اور ان مسلمانوں نے دلائل و معجزات وغیرہ سے پہچان لی (کبیر) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے ان اتاری ہوئی چیزوں کی تصدیق فرمادی کہ یہ رب کی طرف سے ہیں (خازن) یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو سارے اتارے ہوئے پر پہلے ہی سے ایمان مشاہدہ لا چکے ہیں اور مسلمان یہ کہتے ہیں **کل امن باللہ وملئکتہ و کتبہ و رسلہ** الخ۔ یا تو کل مبتدا ہے اور یا **مومنون** کی تاکید اس کا مضاف الیہ 'ہم' ضمیر پوشیدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ اس کا مرجع صرف مومنین ہیں (خازن) ممکن ہے کہ رسول اور مومنین دونوں ہوں (مدارک وغیرہ) **امن** کل کی خبر ہے چونکہ **کل** لفظاً" واحد تھا اس لئے **امن** واحد لایا گیا۔ خیال رہے کہ **امن** کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور مسلمان بھی۔ جیسا کہ دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' اس صورت میں نبی کی نسبت سے ایمان مشاہدہ مراد ہے اور مومنون کی نسبت سنا ہوا ایمان جیسے **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** میں **یصلون** کے معنی ملائکہ کے اعتبار سے اور ہیں اللہ کے اعتبار سے کچھ اور باللہ میں ب صلہ کی ہے اور **ملائکہ** سے سارے فرشتے' اور کتب سے ساری آسمانی کتابیں اور رسول سے سارے پیغمبر مراد ہیں۔ یعنی سارے مسلمان یا نبی اور سب مسلمان اللہ اور اس کے سارے فرشتوں اور اس کی ساری کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لا چکے۔ ان سب چیزوں پر اجمالی ایمان کی ذات اور ان کی صفات پر ہم صدق دل سے ایمان لاتے ہیں کہ سب سے عمدہ مخلوق فرشتے ہیں ان میں سے بعض مقربین ہیں۔ جو صرف عبادتیں کرتے ہیں اور بعض مدبرات جو عالم کا انتظام کرتے ہیں۔ مدبرات امر مقربین سے افضل ہیں اور سب سے چار فرشتے افضل اور ان چار میں حضرت جبریل افضل کہ وہ خادم الانبیاء حامل وحی ہیں **لا نفرق بین احد من رسلہ** ۔ یہ جملہ **یقولون** فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہے۔ جو امن کے فاعل کا حال یا **کل** کی دوسری خبر۔ **نفرق**' تفریق سے بنا جس کا مادہ **فرق** ہے یہ مساوات کے مقابل' یہاں اس سے فرق نبوت یا فرق اعتقاد مراد ہے نہ کہ فرق مراتب' **احد** بمعنی **احاد** ہے کیونکہ بین کثرت چاہتا ہے۔ نیز احد نکرہ ہے جو نفی کے تحت میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ خیال رہے کہ احد وہ ہے جس کے ساتھ دوسرا کوئی نہ ہو اور واحد وہ جس کا کوئی مثل نہ ہو اور وحید وہ جس کا کوئی مددگار نہ ہو (روح البیان) **من رسلہ** کا متعلق پوشیدہ ہے جو احد کا حال یا صفت ہے۔ یعنی مسلمان یہ کہتے ہوئے ایمان لاتے ہیں کہ ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی رسول پر ایمان لانے یا نبوت میں فرق نہیں کرتے' نبی کو یکساں ہی مانتے ہیں اور سب پر ایمان لاتے ہیں۔ چونکہ اہل کتاب نے فرشتوں کا انکار نہ کیا تھا سب کو مانتے تھے۔ انہوں نے بعض کتابوں اور بعض رسولوں کا انکار کیا تھا۔ جیسے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا اور انجیل شریف کا انکار کیا۔ اور یہود و نصاریٰ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کیا مگر انکار کتاب کی وجہ انکار رسول تھا۔ اگر وہ لوگ ان حضرات انبیاء علیہم السلام کو مان لیتے تو ضرور ان کی کتابوں کو بھی مان لیتے' لہٰذا اس جگہ فرق نہ کرنے میں صرف رسولوں کا ذکر ہوا۔ یہ نہ فرمایا گیا کہ کتابوں یا فرشتوں میں فرق نہیں کرتے' بلکہ فرمایا گیا کہ ہم رسولوں میں فرق نہیں کرتے سب کو مانتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی طرح بعض کے اقراری اور بعض کے انکاری نہیں۔ جیسے قرآن کریم کی ایک آیت کا انکار کفر ہے ایسے ہی ایک نبی کا انکار بھی کفر ہے۔ نیز دین بدلتا ہے نبی کے بدلنے سے۔ دین یہود و نصاریٰ اس لئے مختلف ہیں کہ ان کے نبی مختلف ہیں۔ عیسائیوں کے تمام فرقے عیسائی کہلاتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

ان کے نبی ایک ہیں۔ **وقالوا سمعنا واطعنا** یہ امن پر عطف ہے اور چونکہ کل معنا" جمع ہے لہٰذا **قالوا** جمع ہوا۔ اس کا فاعل وہی مومنین ہیں۔ یا تو **قالوا** بمعنی ماضی ہے یا بمعنی حال۔ **سمعنا** سے گوش و ہوش سے سننا اور اس کی حقانیت پر یقین کرنا مراد ہے۔ **اطعنا** اطاعت سے بنا جس کا مادہ طوع ہے بمعنی خوشی بخوشی فرمانبرداری کرنے کو اطاعت کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ **سمعنا** کا مفعول یہ سارا قرآن و حدیث ہے اور **اطعنا** کا مفعول صرف احکام کیونکہ **سمعنا** میں قوت ایمانی کی طرف اشارہ ہے۔ **اطعنا** میں عمل کی طرف' اور ایمان سب پر ہوتا ہے اور اطاعت صرف احکام کی۔ یعنی مسلمان نبی کا فرمان سن کر عرض کرتے ہیں کہ ہم نے آپ کے سارے فرمان بگوش و ہوش سنے اور ان کی حقانیت کا یقین کیا اور آپ کے سارے احکام کی اطاعت کریں گے۔ روح البیان و در منثور نے فرمایا کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے آپ کی اور آپ کی امت کی بڑی تعریف فرمائی۔ لہٰذا آپ کچھ رب سے مانگئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا مانگی۔ جس کو رب نے ان الفاظ میں نقل فرمایا **غفرانک ربنا والیک المصیر** ○ اس روایت کی بنا پر یہاں قال محذوف ہوگا۔ جس کا فاعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور یہ جملہ مفعول ہے۔ یا رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعلیم دی تو یہ **قولوا** فعل پوشیدہ کا مفعول ہے۔ **غفران** سبحان کی طرح مصدر ہے یا تو **اغفر** فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے یا **نسئل** کا مفعول بہ یہ ضرب **مضرب** سے ہے۔ ک ضمیر غفران کا مضاف الیہ ہے جو حقیقت میں **نسئل** کا مفعول تھی' **ربنا** سے پہلے پوشیدہ ہے۔ **والیک** میں واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت کا معطوف ہے۔ یعنی **منک المبدء والیک المصیر**۔ **الیک** ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور **مصیر** مبتداء موخر **مصیر**' **صار یصیر** کا مصدر میمی ہے اس کا مادہ **صیر** ہے بمعنی ہو جانا اور لوٹنا۔ یعنی وہ عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ چونکہ ہم تیری اطاعت کا عہد کرتے ہیں تو بھی اپنے کرم سے ہماری خطاؤں کو بخش دے۔ ہم تجھ سے تیری مغفرت مانگتے ہیں۔ ہمیں یقین ہے کہ تجھ سے ہی سب کی ابتدا ہے اور تیری طرف سب کی انتہا۔

خلاصہ تفسیر: جو کچھ رب کی طرف سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس پر یہ نبی بھی ایمان لائے اور سارے مسلمان بھی کہ یہ رب کا کلام ہے۔ اس میں کسی کی ملاوٹ نہیں۔ نہ جبریل نے رب سے کچھ حاصل کرنے میں کچھ شک و شبہ کیا' نہ ادا کرنے میں کمی بیشی اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سننے میں خطا کی' نہ پہنچانے میں کوتاہی' سارے مسلمان اللہ کی ذات اور اس کی صفات اور اس کے ناموں پر ایمان لائے۔ انہوں نے اعتقاد رکھا کہ اللہ ایک ہے اس کا کوئی شریک و مثل نہیں۔ اس کے علم و قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔ نیز اس کے فرشتوں پر ایمان لائے کہ وہ سب موجود ہیں۔ گناہوں سے پاک ہیں۔ نورانی جسم ہیں۔ رب اور انسان کے درمیان واسطہ ہیں۔ انہیں کے ذریعہ پیغمبروں پر کتابیں آئیں۔ نیز اس کی ساری کتابوں پر ایمان لائے کہ یہ اللہ کی کتابیں ہیں۔ کہانت جادو اور شیطانی الہامات سے پاک ہیں قرآن میں تحریف و تبدیلی نہیں ہوئی۔ اس میں محکمات و متشابہات ہیں۔ نیز وہ سارے پیغمبروں پر ایمان لائے کہ وہ گناہوں سے معصوم ہیں۔ وحی الٰہی کے امین' ساری خلق سے افضل ہیں اور ان میں سے بعض بعض سے اعلیٰ اور افضل۔ چونکہ رب کی طرف سے کتابیں آئیں۔ فرشتے لائے اور پیغمبروں پر لائے۔ اس لحاظ سے یہاں پہلے ان کا ذکر ہوا پھر فرشتوں کا پھر کتابوں کا۔ پھر رسولوں کا' مسلمان یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح انبیاء پر ایمان لائے یا ان کے نبی ماننے میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ

www.alahazratnetwork.org

مانیں اور بعض کی عارضی سب کو اصل نبوت میں برابر مانتے ہیں اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ مولیٰ ہم نے تیرا سارا کلام عقیدت سے سنا اور تجھ سے عہد کرتے ہیں کہ تیرے احکام کی اطاعت کریں گے اے مولیٰ ہمیں بخش دے۔ تجھ سے ہی سب کی ابتدا ہے اور تیری طرف سب کا لوٹنا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں پر ایمان لائے ایسے ہی سارے فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے مومن بھی ہیں اور مومن بہ بھی بلکہ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعا گو بھی۔ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو دعائیں دیتے ہیں۔ **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی** اور قرآن کریم میں ہے **ھو الذی یصلی علیکم و ملئکتہ** اور ارشاد ہے **ویستغفرون للذین امنوا**۔ ایسے ہی کتابوں کی تصدیق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی اور کتابوں نے خصوصاً" قرآن مجید نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائی تو آپ قرآن کریم کے مصدق بھی ہیں۔ مصدق بہ بھی معجزہ ہونے کی حیثیت سے قرآن نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور کتاب اللہ ہونے کی حیثیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن بتایا۔ لہذا دور نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مومنین کے ایمان میں بہت فرق ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الگ ذکر فرمایا گیا اور مسلمانوں کا الگ اگر یہ فرق نہ ہوتا تو مومنین میں رسول بھی داخل ہو جاتے لہذا کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا بھائی نہیں کہہ سکتا اور یہ آیت **انما المومنون اخوۃ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں نہیں کر سکتا۔ حق یہ ہے کہ نبی اور امتی میں لفظ ایمان کی شرکت ہے نہ کہ معنی ایمان کی۔ اللہ کا نام بھی مومن ہے مگر اسے بھائی نہیں کہا جاسکتا۔ ہم اس کی مکمل بحث پہلے سیپارہ میں کر چکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان شہودی و حضوری ہے کہ رب تعالیٰ اور جنت و دوزخ کا مشاہدہ فرمایا اور اپنی نبوت کا علم حضوری۔ ہمارا ایمان سنا ہوا ہم محض مومن اور حضور ایمان کیونکہ ان کے ماننے کا نام ہی تو ایمان ہے۔ ہم دنیا میں بے خبر آئے۔ ماں باپ و استاد کے ذریعہ سے علم حاصل کیا وہ وہاں سے باخبر آئے اور سب کو ایمان دیا۔ غرضکہ عبادات' معاملات' اعتقادات سب میں ہی فرق ہے۔ اس کی مکمل تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو' جب دریائے رحمت جوش میں ہو اسی وقت دعا مانگنا محبوب و بہتر ہے' دیکھو حضرت جبریل نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت یہ دعاء مغفرت فرمادیں۔ لہذا مجلس ذکر اللہ میں بارش کے وقت شب قدر میں' ہمیشہ آخری شب میں دعا مانگنا اس لئے بہتر ہے کہ اس وقت رحمت الٰہی کا جوش ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ: قرآن پاک اور انبیاء کرام کے الہامات یقینی ہیں نہ اس میں وسوسہ نفس شامل ہونے کا خطرہ نہ القاء شیطان کا احتمال۔ جیساکہ **ما انزل** کے **ما** سے معلوم ہوا اسی لئے حدیث سے نسخ قرآن جائز ہے دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فقط خواب پر اپنے بے قصور فرزند اسمٰعیل کے ذبح کا ارادہ کر لیا حالانکہ بے قصور کی جان لینا حرام ہے مگر ان کے خواب نے ان کے لئے اس حکم شرعی کو منسوخ کر دیا تھا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو' تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ جو شخص کہے کہ ایک بار شیطان نے وحی میں ملا دیا تھا۔ **تلک الغرانیق العلے** وہ قرآن پاک پر تہمت لگاتا ہے۔ **القی الشیطن فی امنیتہ** کا مطلب ہی کچھ اور ہے۔ تیسرا فائدہ: صحابہ کرام خصوصاً" خلفائے راشدین کا ایمان قطعی یقینی ہے جو ان کے ایمان میں شک کرے وہ خود بے

www.alahazratnetwork.org

ایمان ہے۔ دیکھو رب نے ان کے ایمان کو نبی کے ایمان کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ تفسیر اول سے معلوم ہوا ان کے فضائل میں بے شمار آیتیں اتریں۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب شان حبیب الرحمن دیکھو اور ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ فرماؤ‘ یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی کا ایمان صحابہ کرام کی طرح نہیں ہو سکتا کہ ان کے ایمان کی رب تعالیٰ گواہی دے چکا یہ بھی معلوم ہوا کہ ان حضرات کو رب تعالیٰ نے حسن خاتمہ ‘ایمان پر وفات نصیب فرمائی۔ اگر وہ حضرات ایمان پر قائم رہنے والے نہ ہوتے تو رب تعالیٰ جو عالم الغیب ہے کبھی ان کے ایمان کا اس شاندار طریقے سے اعلان نہ فرماتا ان کا مومن ہونا قرآن شریف سے ثابت ہو چکا۔ اب ان کے ایمان سے نکلنے کے لئے کوئی آیت ہی چاہئے وہ تو ہے نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن پاک میں نہ تبدیلی ہوئی نہ تحریف‘ جو کوئی اس میں کمی یا زیادتی مانے وہ کعبہ کا مومن نہیں (کبیر) **پانچواں فائدہ:** سارے فرشتوں ساری کتابوں اور سارے رسولوں پر ایمان لانا ضروری ہے ان میں سے ایک کا بھی انکار کرنا کفر ہے۔ جیسا کہ **وملئکتہ و کتبہ** سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** بہتر یہ ہے کہ انبیاء کے لئے تعداد مقرر نہ کرے کیونکہ اس کا یقین نہیں یوں کہے کہ سارے پیغمبروں پر ہمارا ایمان ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اگرچہ پیغمبر درجات میں مختلف ہیں کہ ان میں بعض بعض سے اعلیٰ مگر نفس نبوت اور ایمان میں سب برابر جو کوئی بعض کا انکار کرے یا مولوی قاسم و مرزا غلام احمد قادیانی کی طرح بعض کو اصلی نبی اور بعض کو عارضی نبی مانے وہ بے ایمان ہے۔ جیسا کہ **لا نفرق** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ ‘فرشتوں ‘کتابوں ‘رسولوں ‘جنت ‘دوزخ ‘حشر نشر سب پر ایمان لانا ضروری ہے اسی لئے یہاں پہلے چار کا ذکر صراحتاً“ فرمایا اور جنت و دوزخ کا ذکر **سمعنا واطعنا** میں حشر اور نشر کا ذکر **والیک المصیر** میں اشارتاً“ فرمایا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے رب کی صفات پھر اپنی وفاداری اور گنہگاری کا ذکر کرکے پھر طلب حاجت کرے۔ اسی لئے یہاں غفران سے پہلے ایمان کا ذکر۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ اعمال سے دعا جلد قبول ہوتی ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اگر نبی اور مومنین میں فرق ہے تو ایک **امن** کے فاعل دونوں کیونکر ہو گئے اگر کہا جائے کہ اس **امن** کے معنی ہی دو ہیں تو غلط ہے کیونکہ مشترک کے دو معنی مراد لینا ناجائز اگر ایمان میں فرق ہوتا تو رسول کے لئے **امن** الگ لایا جاتا اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسول اور مومنین حقیقت ایمان میں ایک ہیں۔ لہٰذا نبی کو کیوں نہ بھائی کہا جائے (دیوبندی) **جواب:** ایک فعل کے دو فاعلوں کے لحاظ سے دو معنی مراد لئے جا سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وکل اتوہ داخرین۔** قیامت میں ساری مخلوق بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گی۔ حالانکہ ان میں سے بعض اڑ کر بعض چل کر اور بعض پیٹ کے بل گھسیٹ کر آئیں گے۔ مگر سب کی آمد کو ایک **اتوہ** سے بیان فرمایا۔ نیز فرماتا ہے **ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی** اللہ اور فرشتے نبی پر صلوۃ بھیجتے ہیں۔ دیکھو اللہ کی صلوۃ رحمت ہے اور فرشتوں کی صلوۃ دعاء رحمت۔ مگر دونوں کو ایک ہی صیغہ **یصلون** سے بیان فرما دیا گیا ایسے ہی یہاں ہے اجتماع مشترک کا قاعدہ یہاں جاری نہیں ہوتا۔ اجتماع مشترک اور ہے عموم مشترک کچھ اور اجتماع مشترک ممنوع ہے۔ عموم مشترک جائز بلکہ بہت واقع ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے پیغمبر درجہ میں یکساں ہیں جیسا کہ **لا نفرق** نے بتایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ارشاد فرمایا۔ **لا تفضلونی علی یونس ابن متی** مجھے یونس علیہ السلام پر بھی بزرگی نہ دو۔ لہٰذا حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم کو سید الانبیاء نہ کہنا چاہئے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ انبیاء کرام میں نفس رسالت میں فرق نہیں کہ کوئی اصلی نبی ہو کوئی عارضی۔ دیگر درجات میں فرق ہے اسی لئے **بین احد من رسلہ** فرمایا گیا نہ کہ **بین درجت احد** اور دوسری جگہ ارشاد ہوا **ورفع بعضھم درجت** دوسرے یہ کہ **لا نفرق**۔ کا مطلب ہے ہم اپنی طرف سے ان میں فرق نہیں کرتے جو رب نے فرق مراتب فرمادیا اسے مانتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم ایسا فرق نہیں کرتے جس سے کسی پیغمبر کی توہین ہو جائے یہ ہی حدیث کا مطلب ہے کہ مجھے یونس علیہ السلام پر ایسی بزرگی مت دو جس سے ان کی توہین ہو' ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا **انا سید ولد ادم**۔ چوتھے یہ کہ ہم ایمان میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں جیسے یہودی و عیسائی تیسرا اعتراض: ملائکہ یعنی فرشتے بھی تو رسول ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **جاعل الملئکۃ رسلا اولی اجنحۃ** پھر فرشتوں کے بعد **رسلہ** ہی کا ذکر کیوں کیا؟ جواب: فرشتے لغوی معنی سے رسول ہیں۔ یعنی محض قاصد و سفیر صرف پیغام پہنچانے والے وہ بھی حضرات انبیاء پر نہ کہ عام لوگوں پر اور حضرات انبیاء اصطلاحاً" رسول ہیں۔ یعنی پیغام الٰہی پہنچانے والے' سمجھانے والے لوگوں سے عمل کرانے والے وہ بھی تمام لوگوں سے اس لئے انسان ان انسانی رسولوں کی امت ہوتے ہیں۔ فرشتوں کی امت نہیں ہوتے کلمہ میں محمد رسول اللہ ہے۔ جبریل رسول اللہ نہیں۔ ہم پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازم ہے نہ کہ حضرت جبریل علیہ السلام کی قبر میں حضور کی پہچان کرائی جاتی ہے نہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی۔ رسول اصطلاحی کی تعریف یہ ہے کہ وہ انسان ہیں جنہیں اللہ نے تبلیغ احکام کے لئے بھیجا۔ پوسٹ مین اور ڈپٹی کمشنر میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ : ایمان کے معنی ہیں تصدیق کرنا اور تصدیق کی تین صورتیں ہیں' دل سے زبان سے اور عمل سے فقط زبان کی تصدیق بالکل بے کار جیسے منافقین کی تصدیق تھی اور صرف تصدیق بغیر عمل چنداں فائدہ مند نہیں۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ تلاوت بے عمل ایسی ہے جیسے کوئی بادشاہ کے حکم نامہ کو روز پڑھ لیا کرے مگر اس کے مطابق عمل نہ کرے' جیسے محض پڑھ لینے سے وہ شخص فرمانبردار نہیں ہو سکتا ایسے ہی محض تلاوت قرآن سے بغیر عمل جنت حاصل نہیں کر سکتا۔ رب نے فرمایا **جزاء" بما کانوا یعملون** جنت عمل کی جزا ہے۔ تصدیق بالارکان کے بھی چند درجے ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عمل قرآن پاک کی تصدیق تھا بلکہ یوں کہو کہ آپ کی زندگی پاک اس کی تفسیر ہے اور قرآن پاک پر عمل آپ کی عادت مبارک اسی لئے **امن** کے بعد رسول کا ذکر علیحدہ ہوا' اور مومنین کا علیحدہ' کہ ان کا ہر فعل ایمان و تصدیق' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ استغفار ایمان کا نتیجہ اور بندگی کا اثر ہے۔ اسی لئے یہاں ایمان کے بعد غفران کا ذکر ہوا' بندہ کو چاہئے کہ اپنے کو ہر برائی کا اور رب کو ہر بھلائی کا اہل سمجھے لہذا خوبیوں کو رب کی طرف اور برائیوں کو اپنی طرف نسبت دے اور یہ پڑھتا رہے **استغفر اللہ۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ**۔ یہ ذکر دنیا اور آخرت کے عذاب سے نجات دینے والا ہے۔ زاہد گناہ سے استغفار کرتا ہے اور عارف عبادت سے انسان کو چاہئے کہ اپنے اوقات کو توبہ اور استغفار کے گھیرے میں رکھے۔ گناہ کے وقت استغفار' اطاعت کے وقت حمد' نعمت کے وقت شکر کرنا' مردوں کا کام ہے اس توفیق کے چار اسباب ہیں۔ نور الٰہی جو بلاواسطہ قلوب میں آئے علم وسیع جو عقل کامل کے ساتھ ہو۔ اپنے معاملات میں غور و خوض۔ شیخ کامل کی صحبت شیخ ابو مدین فرماتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ پیر کامل وہ ہے جو تجھے اپنے اخلاق سے تہذیب سکھائے اور اپنے طریقوں سے ادب اور تیرے قلب کو اپنے نور سے چمکا دے۔ سامنے تیرا دل مطمئن کر دے اور غائب ہو تیری حفاظت کرے جب تک اس میں یہ بات نہ ہو تب تک شیخ کامل نہیں۔ کسی نے خوب کہا۔

از ہستی خویش تا تو غافل نہ شوی ہرگز براہ خویش واصل نہ شوی
از بحر ظہور تا بساحل نہ شوی در مذہب اہل عشق کامل نہ شوی

صوفیاء فرماتے ہیں کہ آداب دعا سے یہ ہے کہ پہلے حمد الٰہی کرے پھر نعت و صلوۃ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی درود شریف، پڑھے' پھر اپنے گناہوں سے استغفار کرے۔ پھر اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعا کرے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے دعا سے پہلے **سمعنا واطعنا** فرما کر ایمان و اعمال کے ذکر کی تلقین فرمائی اور اگر کسی کے پاس خود اپنے نیک اعمال نہ ہوں وہ اپنے ماں' باپ' استاد' شیخ بلکہ اہل بیت اطہار' بلکہ حضور نبی مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال کے توسل سے دعا کرے کہ خدایا غازیان بدر و حسین کا صدقہ کربلا والے شہیدوں کے طفیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تہجد والے سجدوں کے وسیلہ میری حاجات پوری کر ان شاء اللہ حاجات پوری ہوں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان ابوھما صالحا**۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم

خیال رہے کہ سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر کوئی جوانی میں ہی خوشی سے اس کی طرف رجوع کرتا ہے کوئی بڑھاپے میں' جب دنیا کے کام کا بھی نہیں رہتا اور کوئی بعد موت مجبور ہو کر پہلا شخص بہت مبارک ہے۔ دوسرا غنیمت ہے۔ تیسرا مزدور ہے۔ جو خوشی سے حاکم کے ہاں حاضر ہو جائے اسے نہیں پکڑوایا جاتا۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی جان کو مگر گنجائش بھر اس کی واسطے اس کے ہے وہ جو کمایا اور اوپر اس کے ہے
اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر اس کا فائدہ ہے جو اچھا کمایا اور اس کا نقصان ہے
اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَاۤ اِنْ نَّسِيْنَاۤ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ
وہ جو حاصل کیا اے رب ہمارے نہ پکڑ فرما ہماری اگر بھول جائیں یا خطا کریں ہم اے رب ہمارے اور نہ ڈال اوپر
جو برائی کمائی اے رب ہمارے ہمیں نہ پکڑ اگر ہم بھولیں یا چوکیں اے رب ہمارے اور
عَلَيْنَاۤ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ
ہمارے بوجھ مثل اس کے کہ ڈالا تو نے اوپر ان کے جو تھے پہلے ہمارے
ہم پر بھاری بوجھ نہ رکھ جیسا تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری کا ذکر کیا کہ وہ زبان سے کہتے ہیں کہ ہم نے رب کے احکام سنے بھی اطاعت بھی کریں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم کیوں نہ اس کی اطاعت کریں وہ ہمیں طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ جب اس کا یہ فضل ہے تو ہم پر اطاعت لازم۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کی اطاعت کا ذکر تھا۔ اب رب کے اس فضل کا ذکر ہے جو ان پر دنیا میں ہے یعنی جب مسلمان ہماری اطاعت میں ایسے سرگرم ہیں تو ہم بھی ان پر فضل میں کمی کیوں کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کی زبانی اطاعت کا ذکر تھا اب ان کی دلی نیک گمانی کا تذکرہ ہے یعنی وہ زبان سے یوں کہتے ہیں اور دل میں رب کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ طاقت سے زیادہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا۔

شان نزول : جب یہ آیت **وان تبدوا** الخ۔ نازل ہوئی تو صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ ظاہری احکام پر ہم نے عمل کیا۔ مگر دل کے خطرات قابو سے باہر ہیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس نے اس آیت کی تفسیر کر دی۔ (تفسیر روح البیان و در منثور)

تفسیر : لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یہ عبارت یا نیا جملہ ہے اور رب کا فرمان، یا اس کا تعلق **سمعنا** سے ہے اور **قالوا** کا مفعول ہے۔ اس صورت میں یہ بھی مسلمانوں کا کلام ہے۔ جو رب نے نقل فرمایا۔ خواہ اس قول سے زبانی قول مراد ہو یا قلبی عقیدہ۔ (کبیر و خازن و روح المعانی وغیرہ) یکلف، تکلیف سے بنا جس کا مادہ **کلف** بمعنی مشقت ہے۔ یہاں کلف سے یا مجبوری مراد ہے اور **نفسا** " سے دنیا کی ہر چیز مراد یا تکلیف سے وہ احکام مراد ہیں جو طاقت انسانی سے باہر ہوں اور **نفسا** " سے سارے مکلفین مقصود خواہ مسلمان ہوں یا دوسری امتیں یا تکلیف سے بھاری احکام مراد ہیں اور **نفسا** " سے صرف مسلمان مقصود۔ خیال رہے کہ کلفت و مشقت والی چیز کسی کے ذمہ لازم کرنے کو تکلیف کہتے ہیں۔ اس کی یہ تین صورتیں ہیں۔ غرضکہ ہماری اصطلاح میں تکلیف، دکھ، درد، مشقت کو کہتے ہیں مگر شریعت میں کسی کے ذمہ کچھ احکام لازم کر دینے کو تکلیف کہا جاتا ہے۔ چھوٹے بچوں کو غیر مکلف کہتے ہیں اور عاقل و بالغ کو مکلف کہ بلوغ و عقل سے اس کے ذمہ کچھ احکام ہو گئے۔ بچپن میں کوئی حکم اس پر جاری نہ تھا **وسع** کے معنی ہیں گنجائش و فراخی اسی لئے بڑے میدان کو وسیع کہا جاتا ہے اس کا مقابل ضیق بھی ہے اور جہد بھی۔ (تنگی و مشقت) ضیق کے معنی ہیں طاقت سے باہر ہونا اور جہد کے معنی ہیں مشکل ہونا اگرچہ طاقت کے اندر ہو۔ لہٰذا وسعت کے بھی دو معنی ہوئے۔ ممکن اور آسان یعنی وہ جو کیا جا سکے اور وہ جو باسانی کیا جا سکے۔ وسعت کے یہ معانی کلفت کے لحاظ سے ہوں گے۔ یا تو نفسا" سے ہر جان مراد ہے انسان ہو یا غیر انسان یا ہر انسان مراد یا ہر مسلمان مراد۔ اس لئے اس آیت کی تین تفسیریں ہوں گی۔ خیال رہے کہ **وسعھا** قدر محذوف کا مضاف الیہ ہے۔ مضاف کے پوشیدہ ہونے سے یہ منصوب ہو گیا۔ یعنی اللہ کسی چیز کو ناممکن کام پر مجبور نہیں کرتا یا اللہ کسی مکلف کو وہ احکام نہیں دیتا جو اس سے نہ ہو سکیں۔ یا اللہ کسی مسلمان پر کوئی مشکل چیز واجب نہیں فرماتا۔ صرف وہ حکم دیتا ہے جو آسانی سے ہو سکے۔ **لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت**۔ یہ نیا جملہ ہے اور رب کا دوسرا قانون۔ لام نفع کا ہے اور ھا کا مرجع نفس ہے۔ **ما** سے مراد نیک اعمال ہیں **لھا** خبر ہے اور **ما** مبتداء۔ کسبت **ما** کا صلہ **وعلیھا** میں واؤ عاطفہ ہے اور علیٰ نقصان کے لئے **ما** سے مراد بد

www.alahazratnetwork.org

عملیاں ہیں۔ **اکتسبت** باب افتعال کا ماضی ہے اس کا مادہ کسب ہے۔ بمعنی ظاہری عمل کرنا۔ اسی لئے کمائی کو کسب کہا جاتا ہے کبھی دل کے فعل پر بھی بولا جاتا ہے جیسے **بما کسبت قلوبکم** بعض علماء نے فرمایا کہ **کسب** اور **اکتساب** میں کوئی فرق نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **بلی من کسب سیئۃ** اور فرماتا ہے **بغیر ما اکتسبوا** بعض نے فرمایا کہ کسب عام ہے اور اکتساب خاص۔ اکتساب وہ فعل ہے جو انسان اپنے لئے کرے اور کسب ہر فعل خواہ اپنے لئے ہو یا غیر کے لئے۔ بعض نے فرمایا کہ اکتساب اہتمام سے کام کرنا ہے اور کسب عام خواہ اہتمام سے ہو یا بغیر اہتمام چونکہ نفس گناہ تو خوشی اور اہتمام سے کرتا ہے نیکی مجبوراً اس لئے نیکی کے لئے کسب اور گناہ کے لئے اکتساب فرمایا گیا۔ نیز نفس امارہ گناہ زیادہ کرتا ہے اور نیکیاں کم۔ اس لئے وہاں کسبت اور یہاں اکتسبت ارشاد ہوا۔ یعنی ہر نفس کی نیکیاں اس کے لئے ہیں اور ہر نفس کے گناہ اس پر پڑیں گے یا نیکی کا ثواب خود کرنے والے کو ملے گا وہ کبھی محروم نہیں ہو سکتا اور گناہ کا عذاب بھی کرنے والے پر ہی ہے اس سے بچ نہیں سکتا یا ہر نفس کو ہر اس نیکی کا ثواب ملے گا جسے وہ کرے خواہ اہتمام وارادے سے۔ خواہ بغیر اہتمام وارادہ اور ہر اس گناہ کی سزا ملے گی جو وہ ارادۃً کرے اہتمام سے کرے یا بلا قصد اور گناہ سرزد ہو جانے پر پکڑ نہیں۔ **ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا**۔ یا تو اس کا تعلق بھی **سمعنا** سے ہے اور یہ بھی **قالوا** کا مفعول ہے اور مسلمانوں کا کلام یا قولو فعل محذوف کا مفعول ہے۔ چونکہ یہ دعا ہے اس لئے رب کے نام سے شروع کی گئی۔ کیونکہ دعا میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا خصوصاً **ربنا** کہہ کر پکارنے کے بعد دعا کرنا بہتر ہے۔ **لا تؤاخذنا**۔ مؤاخذہ سے بنا۔ یہاں باب مفاعلۃ شرکت کے لئے نہیں۔ اس کے معنی یا پکڑنا ہیں۔ یا عذاب دینا۔ نسیان کے دو معنی ہیں۔ (1) بھولنا اس کے مقابل ہے۔ ذکر یعنی یاد کرنا (2) دوسرے چھوڑنا جس کا مقابل ہے فعل یعنی کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **نسوا اللہ فنسیھم** انہوں نے رب کو چھوڑ دیا۔ رب نے ان کو۔ شاعر کہتا ہے۔

ولم اک عند الجود للجود تا لیا ولا کنت یوم الروع للطعن ناسیا

یہاں ناسی بمعنی تارک ہے (روح المعانی و کبیر) پھر بھولنے کی بھی دو صورتیں ہیں ایک اپنی کوتاہی سے۔ بھولنا جسے بھلا دینا کہا جاتا ہے۔ دوسرے اتفاقاً" بھول جانا۔ یہاں غالباً" پہلے یا تیسرے معنی مراد ہیں۔ دیر لگانے کو بھی **نسی** کہہ دیتے ہیں۔ اسی سے **نسیئۃ** ہے۔ بمعنی ادھار۔ **اخطانا** **خطاء** سے بنا جس کے معنی غلطی بھی ہیں۔ جس کا مقابل صواب ہے اور چوک جانا بھی جس کا مقابل ہے عمداً" بچ جانے رہ جانے کو بھی خطا کہہ دیتے ہیں۔ یہاں نسیان سے نیکی چھوڑ جانا مراد ہے اور خطاء سے مراد دھوکے سے گناہ کر لینا۔ فقہائی اصطلاح میں نسیان یہ ہے کہ کلام ارادہ سے کیا جائے اور مانع کا خیال نہ رہے۔ جیسے روزہ یاد نہ رہا۔ کچھ کھا لیا خطا یہ ہے کہ مانع تو یاد رہے مگر فعل بلا ارادہ ہو گیا جیسے کلی کر رہا تھا کہ پانی حلق سے اتر گیا۔ خیال رہے کہ ارادۃً" گناہ بھی ہماری جہالت و نسیان ہی سے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یعملون السوء بجھالۃ** لہذا اسی نسیان و خطا میں ارادۃً" گناہ بھی داخل ہیں۔ یعنی مسلمان یہ بھی کہتے ہیں اے مسلمانوں تم یہ بھی دعا مانگو کہ اے مولیٰ اگر ہم کوئی نیکی بھول جائیں یا غلطی سے گناہ کر بیٹھیں۔ تو ہماری پکڑ نہ فرما نہ تو دنیا میں پکڑ فرما کہ ہم اپنے گناہوں کی شامت سے آفات میں مبتلا ہو جائیں۔ یا نیک اعمال سے محروم ہو جائیں۔ نہ مرتے وقت پکڑ کہ خاتمہ خراب ہو جائے۔ نہ قبر میں پکڑ کہ امتحان میں فیل ہو جائیں نہ آخرت میں پکڑ فرما کہ ہم عذاب میں پھنس جاویں۔ **لا تؤاخذنا** ان سب کو شامل ہے **ربنا ولا تحمل علینا اصرا** یہ جملہ **لا تؤاخذنا** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اظہار عاجزی کے لئے **ربنا** کی تکرار کی گئی۔ **لا تحمل** کا مادہ حمل ہے بمعنی لادنا

www.alahazratnetwork.org

اور کسی پر ڈالنا۔ اصر کے لغوی معنی ذمہ ' بوجھ اور شدت ہیں۔ عہد کو بھی اسی لئے اصر کہتے ہیں کہ وہ بھی بوجھ ہوتا ہے۔ **واخذتم علی ذلکم اصری**۔ قید کو بھی اسی معنی سے **اصر** کہہ دیتے ہیں بعض علماء نے فرمایا کہ ناقابل معافی گناہ **اصر** ہے (روح المعانی) یعنی ہمارے مولیٰ ہم پر بوجھ نہ ڈال **کما حملته علی الذین من قبلنا** یہ جملہ مصدر محذوف کی صفت ہے جو **لا تحمل** کا مفعول مطلق ہے اور ہو سکتا ہے کہ **اصر** کی صفت ہو۔ قبل سے مراد پچھلی امتیں یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان پر تین قسم کے بوجھ تھے احکام کے سزاؤں کے اور توبہ کے۔ چنانچہ انہیں کبھی توبہ کے لئے خود کشی کرنی پڑتی تھی ناپاک کپڑے اور گندی کھال کاٹنا پڑتی تھی رات دن میں ان پر پچاس نمازیں فرض تھیں۔ مسجد کے سوا ان کی نماز کہیں نہ ہوتی تھی۔ ان پر چوتھائی مال زکوٰۃ واجب تھی۔ رات کے پوشیدہ گناہ صبح کو دروازہ پر لکھ جاتے تھے۔ (روح البیان و کبیر وغیرہ) رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طفیل یہ تمام مصیبتیں دور فرمادیں۔ ارشاد فرماتا ہے **ویضع عنهم اصرهم والاغلال التی کانت علیهم** یعنی اے مولیٰ ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈال جیسا ہم سے اگلی امتوں یہود و نصاریٰ پر ڈالا تھا۔

خلاصہ تفسیر : اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کی تکلیف نہیں دیتا۔ اس لئے کسی ناممکن چیزوں کا مکلف نہ کیا۔ کیونکہ وہ طاقت سے باہر ہیں خصوصاً مسلمانوں کو بھاری احکام بھی نہ دیئے نماز' زکوٰۃ روزہ وغیرہ میں ان کے لئے بے شمار سہولتیں کیں۔ ہر شخص کی نیکیاں اس کے لئے ہیں اور ہر شخص اپنے گناہوں کا ذمہ دار ہے نہ کوئی کسی کی نیکی چھین کر اسے محروم کر سکے اور نہ کسی کے گناہ کا وبال دوسرے پر اس طرح پڑے کہ گنہگار صاف بچ جائے یا ہر شخص کو نیکی معمولی سی بھی مفید ہے اگرچہ اتفاقاً ہی ہو جائے مگر گناہ وہی مضر ہے جو اہتمام سے ہو کبیرہ ہو۔ جس پر اصرار و قصد کیا جاوے یا نیکی تو وہ بھی مفید ہے جو دوسرے کے لئے دوسرے کی طرف سے کرے مگر گناہ وہی مضر ہوگا جو اپنے لئے کرے۔ کیونکہ گناہ دوسرے کے لئے ہوتا ہی نہیں۔ اے مسلمانو تم ہم سے دعائیں مانگا کرو کہ اے مولیٰ اگر ہم سے کوئی بھول چوک ہو جائے تو ہماری پکڑ نہ فرما اور ہمیں عذاب نہ دے اگر ہم نیکی کو بدی سمجھ کر چھوڑ بیٹھیں یا بدی کو بھلائی سمجھ کر کر بیٹھیں تو ہم پر ناراض نہ ہو اور اے مولیٰ ہم پر سخت احکام سزاؤں اور توبہ وغیرہ کے لئے ایسے بوجھ نہ ڈال جیسے ہم سے پچھلی امتوں پر ڈالے تھے۔ ہم گنہگار اور کمزور ہیں تو قوی اور قادر' ستار ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خدا تعالیٰ ناممکن باتوں کی کسی کو تکلیف نہیں دیتا ہر چیز کو بقدر طاقت احکام دیئے جاتے ہیں یہ قاعدہ انسان ہی کے لئے خاص نہیں بلکہ عالم کی ہر چیز میں رب کا یہی دستور ہے۔ درختوں میں نہ نقل و حرکت کی طاقت ہے نہ روزی کمانے کی طاقت تو انہیں اسی جگہ غذا' پانی پہنچایا جاتا ہے۔ پرندوں وغیرہ میں نقل و حرکت کی طاقت تو ہے مگر وہ کمانے سے مجبور تو ان کی غذا ان کے آشیانوں میں نہ پہنچی۔ ان کو تلاش غذا کے لئے باہر نکلنا پڑتا ہے۔ مگر باہر جا کر بغیر کمائے روزی مل جاتی ہے۔ انسان بھی جب تک کمزور رہا اس کی خدمت کے لئے ماں باپ مقرر کئے گئے۔ جیسی اس میں طاقت آتی گئی۔ ویسی ہی اس کی ذمہ داری اور بوجھ بڑھتا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** پچھلی قوموں پر دشوار احکام تھے مگر مسلمانوں کے لئے نہایت سہل و آسان احکام۔ **تیسرا فائدہ:** نیکی اگر بلا قصد بھی ہو جائے تب بھی اس کا ثواب ملتا ہے۔ مگر بدی پر بلا ارادہ عذاب نہیں اگر کسی کے چراغ سے کوئی قرآن پاک کی تلاوت کرے اور چراغ والے کو خبر بھی نہ ہو تب بھی ان

www.alahazratnetwork.org

شاء اللہ اسے ثواب ملے گا۔ لیکن اگر کسی کی روشنی میں کوئی گناہ کرلے تو روشنی والے پر عذاب نہیں۔ دیکھو نیکی کے لئے کسبت فرمایا گیا' جو عام ہے اور گناہ کے لئے اکتسبت جس سے بالارادہ فعل مراد۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ مسلمانوں کو ہر طرح دینا چاہتا ہے۔ اسی لئے انہیں مانگنے کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ مانگنا سکھاتا ہے۔ بادشاہ کا کسی سے یہ کہنا کہ تم اپنی نوکری کے لئے ہمیں اس مضمون کی عرضی دو۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ نوکر رکھنا منظور ہے کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لو لم ترد نیل ما ارجوا وا طلبه　　　من فیض جودک ما علمتنی طلبا

اے مولیٰ اگر تجھے دینا منظور نہ ہوتا' تو ہمیں مانگنا کیوں سکھاتا۔ اس تعلیم سے معلوم ہوا کہ دینا منظور ہے مگر ہم سے کہلوا کر پانچواں فائدہ: کسی مسلمان کی نیکی دوسرا اس طرح نہیں چھین سکتا کہ کرنے والا کچھ نہ پائے اور نہ کسی کی برائی دوسرے پر اس طرح پڑ سکتی ہے کہ کرنے والا بچ جائے۔ جیسے کہ لها اور علیها کے حصر سے معلوم ہوا چھٹا فائدہ: بھول چوک پر پکڑ ممکن ہے۔ بلکہ پچھلی امتوں پر ہوتی بھی تھی۔ اسی لئے تو ہمیں اس دعا کا حکم دیا گیا۔ ناممکنات اور واجبات کی دعا نہیں مانگی جاتی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت سے بھول چوک کی سزا اٹھالی گئی رفع عن امتی الخطاء والنسیان۔ معلوم ہوا کہ پچھلی امتوں پر اس کی پکڑ تھی۔ مسئلہ: آخرت میں بھول چوک پر پکڑ نہ ہوگی۔ مگر احکام شرعیہ میں بعض جگہ بھول معاف ہے اور بعض جگہ نہیں روزہ میں بھول کر کھالیا معاف ہے۔ لیکن اگر نماز میں بھول کر بات کرلی تو نماز جاتی رہی۔ اگر ذبیحہ پر بسم اللہ پڑھنا بھول گیا۔ تو حلال ہے اور اگر خطا" کسی کا نقصان کر دیا تو تاوان واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: ومن قتل مئومنا" خطا" فتحریر رقبۃ مومنۃ و دیۃ مسلمۃ الی اھلہ الا ان یصدقوا دیکھو خطا" قتل کر دینے پر بھی کفارہ اور دیت واجب فرمائی گئی۔ اگر کوئی بھول کر بے وضو نماز پڑھ لے تو نماز نہ ہوئی۔ غرضکہ یہ آیت اخروی عذاب کے متعلق ہے نہ کہ دنیوی احکام کے بارے میں۔ مسئلہ: بھول کر دو صورتیں ہیں ایک اتفاقا" دوسرے اپنی کوتاہی سے پہلی کی پکڑ نہیں اور دوسری کی آخرت میں بھی پکڑ ہے۔ اگر حافظ تلاوت قرآن چھوڑ دے لہذا بھول جائے تو سخت گنہگار ہے۔ لیکن اگر کوئی بیماری وغیرہ کی وجہ سے بھول گیا تو گنہگار نہیں۔ اس لئے آیت میں بھول چوک سے معافی مانگنے کا حکم دیا گیا کہ بعض بھول چوک قابل پکڑ ہیں۔ لہذا آیت پر یہ سوال نہیں کہ جب بھول و خطا پر پکڑ قانونا" نہیں تو اس کی دعا کیوں مانگی واجب اور ناممکن کی دعا کرنا منع ہے کیونکہ بعض بھول مواخذہ کے لائق بھی ہیں۔ مسئلہ: بعض علماء کرام نے فرمایا کہ بعض غلطیاں مثل زہر کے ہیں کہ اگر جان بوجھ کر کھائے تو بھی ہلاک اور بھول چوک سے کھا جائے تو بھی ایسے طلاق' نکاح' بیع' اجارہ' ہبہ وغیرہ عقود کا یہی حال ہے کہ عمدا" کرے یا بھول کر یا خطا سے بہرحال واقع ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے ثلث جدھن جد وھزلھن جد مسئلہ: شریعت یا بندوں کے حقوق بھول چوک سے معاف نہیں ہو سکتے لہذا اگر قرضخواہ اور مقروض دونوں قرض بھول گئے یا کوئی مسلمان کچھ نمازیں بھول گیا تو اس کو قرض معاف ہو نہ نمازیں۔ جب یاد آجائے ادا کرے۔ مسئلہ: کسبت اور اکتسبت سے وہ اعمال مراد ہیں جو شرعا" معتبر ہوں۔ کافر اور مرتد کی نیکیاں اور بچہ دیوانہ کے گناہ معتبر نہیں نہ کافر کو ثواب اور نہ بچہ کو گناہ۔ جیسے بے وضو کی نماز نماز نہیں۔ ایسے ہی کافر کی نیکی نیکی ہی نہیں اور جیسے سوئے ہوئے آدمی کا گناہ گناہ نہیں۔ ایسے ہی بچہ کی برائیاں گناہ نہیں۔ ساتواں فائدہ: غیر مجتہد پر تقلید واجب ہے کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی اور غیر مجتہد کو قرآن و حدیث سے مسائل نکالنے کی تکلیف دینا طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔

www.alahazratnetwork.org

آٹھواں فائدہ: خطا اجتہادی معاف ہے۔ کیونکہ اس آیت میں خطا اور بھول کی معافی کی درخواست کی گئی ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دی جاتی اور حدیث شریف میں ہے کہ قیامت کے دن جھوٹی خوابیں گھڑنے والے کو حکم ہوگا کہ جو کے دانہ میں گرہ لگائے اور تصویریں بنانے والے کو حکم دیا جائے گا کہ اپنی کھینچی ہوئی تصویروں میں جان ڈالے یہ احکام طاقت سے زیادہ ہیں تو اس آیت و حدیث میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** یہ حکم تکلیفی نہ ہوگا اس سے فقط عذاب دینا مقصود ہے۔ ہر حکم تکلیفی نہیں ہوتا۔ یہاں تکلیف کی نفی ہے اور حدیث شریف میں عذاب کا ذکر۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ناممکن کام کی تکلیف دی نہیں جاتی۔ تو بولہب ابوجہل اور دیگروہ کفار جن کا کافر رہنا علم الٰہی میں آچکا۔ ان کا کفر واجب اور ایمان ناممکن ہوگیا۔ کیونکہ ایک نقیض کے واجب ہونے سے دوسری نقیض ناممکن ہو جاتی ہے۔ پھر انہیں ایمان کا مکلف کیوں کیا گیا۔ **جواب:** ان لوگوں کا ایمان بذات خود ناممکن نہیں۔ جس پر وہ قادر نہ ہوں رب تعالیٰ کے علم میں یہ بات آئی کہ یہ لوگ ایمان پر قادر ہوتے ہوئے بخوشی کافر رہیں گے۔ ایمان کے قریب نہ آئیں گے جیسے ان کا کفر علم الٰہی میں آگیا ایسے ہی ان کا اختیار ارادہ اور خوشی بھی علم الٰہی میں آچکی۔ کفر بالاختیار کی نقیض مطلق ایمان نہیں ہے آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ انسان کو ان باتوں کی تکلیف نہیں دی جاتی جو اس سے نہ ہو سکیں۔ جیسے اجتماع نقیضین یا ہوا میں اڑ جانے اور آگ میں جل جانے کے احکام۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی نیکی اس کو ملتی ہے نہ کہ دوسرے کو تو چاہئے کہ کسی کو ثواب نہ بخشا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خیرات میں کروں اور ثواب دوسروں کو مل جائے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **لیس للانسان الا ما سعی**۔ معلوم ہوا کہ اپنی ہی نیکی کام آ سکتی ہے۔ نہ کہ دوسرے کی (بعض نیچری) **جواب:** اس کے بہت جواب ہیں۔ جن کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق اول میں دیکھو۔ ان میں سے چند یہاں عرض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ بخشنے سے محض ثواب پہنچتا ہے نہ کہ اصل فعل' وہ تو کرنے والے ہی کے لئے رہتا ہے اس آیت کا یہ ہی مطلب ہے کہ نفس کا کمایا ہوا فعل اسی کے لئے رہے گا۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت بدنی عبادتوں کے لئے ہے نہ کہ مالی۔ اسی لئے کسبت فرمایا گیا۔ یعنی کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز' روزہ ادا نہیں کر سکتا۔ یہ تو خود ہی کرنا پڑیں گے۔ خیال رہے کہ عبادات تین قسم کی ہیں۔ عبادات بدنی' جیسے نماز روزہ' عبادات مالی جیسے زکوٰۃ بدنی اور مالی کے مجموعہ جیسے حج' بدنی عبادات میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ مالی میں' ہر حال ہو سکتی ہے بدنی اور مال کے مجموعہ میں' بحالت مجبوری نیابت جائز اور بلاوجہ ناجائز' میری طرف سے نماز کوئی نہیں پڑھ سکتا اپنی زکوٰۃ میں مجھے اختیار ہے کہ خود دوں یا کسی سے دلوا دوں۔ مگر حج بحالت مجبوری دوسرے سے کرایا جا سکتا ہے نہ کہ بلا ضرورت' اسی لئے حج بدل بڈھے یا میت کی طرف سے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ لہا میں لام ملکیت کا ہے یعنی ہر شخص اپنی ہی نیکیوں کا مالک ہے نہ کہ دوسرے کی۔ کیا خبر دوسرا بخشے یا نہ بخشے اولاد کے بھروسہ پر خود نیکی سے غافل نہ رہو۔

بعد مرنے کے جنہیں اپنا پرایا بھول جائے فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

پانچویں یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیکی کرنے والا کبھی نیکی سے محروم نہیں ہو سکتا اسے ضرور ملے گی۔ چنانچہ ثواب بخشنے سے بخشنے والا ثواب سے محروم نہیں جاتا۔ بلکہ اس نے جتنوں کو ثواب بخشا۔ اسے ان سب کے برابر ثواب ملتا ہے۔ دیکھو (درمختار) چھٹے یہ کہ یہ آیت اس آیت سے منسوخ ہے۔ **واتبعتھم ذریتھم بایمان** یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے دیکھو جمل و

www.alahazratnetwork.org

خازن زیر آیت **لیس للانسان الا ما سعی** اگر کسی کی نیکی دوسرے کے کام بالکل نہ آئی تو مسلمانوں کے نابالغ بچے جنت میں کیوں جاتے اور انبیائے کرام کی نابالغ اولاد ان کے ساتھ جنت الفردوس میں کیوں رہتی۔ بتاؤ حضرت ابراہیم ابن رسول اللہ کہاں ہوں گے۔ یقیناً جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوں گے انہیں یہ درجہ کیوں ملا؟

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے۔ غرضکہ اس آیت میں ہبہ کی نفی نہیں۔ ایصال ثواب کا ثبوت صدہا حدیث سے ہے۔ بچوں کے حج سے ماں باپ کو ثواب ہے روزہ افطار کرانے والے کو روزہ کا ثواب **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی صرف نیکی کرنے والے کے لئے ہے اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ظالم کی نیکیاں مظلوم کو دلوادی جائیں گی۔ اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ دنیا میں خدا پاک اعمال کی زیادتیاں فرماتا ہے۔ کسی نیکی کا ثواب پچیس گنا اور کسی کا پانچ سو گنا کسی کا لاکھ گنا۔ قیامت کے دن مظلوم کو ان زیادتیوں میں سے دیا جائے گا نہ کہ اصل نیکی۔ یہ زیادتیاں اسی لئے کی گئی تھیں۔ حکومت دیوالیہ کے لئے کچھ ضرور چھوڑ دیتی ہے مگر روزہ کی نہ زیادتی کسی کو ملے نہ اصل۔ اسی لئے فرمایا گیا **الصوم لی وانا اجزی بہ** روزہ تو میرا ہے اور میں اس کی ضرور جزا دوں گا۔ غرضکہ آیت و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکی کرنے والے کو اس کی نیکی ضرور ملتی ہے۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہو رہا ہے کہ نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی مت کرو ورنہ **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** تمہاری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی جس سے معلوم ہوا کہ بعض نیکیوں کا ثواب نہیں بھی ملتا ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** ہم نے فوائد میں عرض کر دیا کہ یہاں کسب سے عمل معتبر مراد ہے۔ ضبط شدہ نیکی کسب میں داخل نہیں جیسے کہ اسی گناہ کا عذاب ہو جو بخشا نہ جائے۔ ایسے ہی اس نیکی کا ثواب ملے گا جو ضبط نہ ہو جائے **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کا گناہ اسی پر پڑتا ہے۔ مگر حدیث شریف میں ہے کہ گناہ کے موجد پر سارے گنہگاروں کا وبال ہے ہر قتل میں قابیل کا حصہ ہے کیونکہ وہ قتل کا موجد ہے۔ قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ **ولیحملن اثقالھم واثقالا مع اثقالھم** یعنی کافروں کے سردار اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور اپنے متبعین کا بھی ان میں مطابقت کیسے ہو؟ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ نہیں کہ صرف موجد ہی کو عذاب ہو اور باقی سب گنہگار بچ جائیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ایجاد گناہ اتنا بڑا جرم ہے کہ اس کا عذاب سب گنہگاروں کے برابر ہے یہ اپنے قصور یعنی ایجاد گناہ کا ہی عذاب پائے گا۔ نہ کہ اوروں کے گناہ کا ان کے گناہ ان پر رہیں گے چوری کرنے والا، کرانے والا، مال کا بھید بتانے والا، چوری کا مال رکھنے والا، اسے بیچنے والا، یہ سب جیل کے قابل ہیں مگر سب اپنے اپنے گناہوں سے اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنے گناہ کا عذاب خود کرنے والے پر ہی ہوگا نہ کہ دوسرے پر **ساتواں اعتراض:** نیکی کے لئے **کسبت** اور گناہ کے لئے **اکتسبت** کیوں فرمایا گیا۔ دونوں صیغے یکساں کیوں نہ ہوئے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ خوشی اور ارادہ سے کام کرنا اکتساب کہلاتا ہے اور کسب ہر فعل کو کہہ دیتے ہیں۔ قصداً ہو یا بلا قصد لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ انسان سے جو بھی نیکی صادر ہو جائے اس کا ثواب ملے گا۔ ارادۃً ہو یا بلا ارادہ، خوشی سے ہو یا مجبوراً۔ بچوں نے پٹ کر نماز پڑھی ثواب ملا کسی کے کھیت سے جانور انسان کچھ دانے کھا گئے اور مالک کو خبر بھی نہ ہوئی مگر مالک کو ثواب ملا۔ کسی کی دیوار کے سایہ میں کسی نیک بندہ نے آرام پالیا۔ مالک کو ثواب ملا۔ مگر بدی کا یہ حال نہیں۔ بھول سے ہو جائے معاف خطا سے ہو جائے معاف جبراً ہو جائے معاف اگر مجبوری میں کلمہ کفر منہ

www.alahazratnetwork.org

سے نکل بھی لو تو بھی پکڑ نہیں روزہ دار کے منہ میں جبراً کوئی چیز ٹھونس دی گئی جس سے روزہ ٹوٹ گیا روزہ دار پر نہ گناہ نہ کفارہ صرف قضا کافی ہے۔ اسی کرم کے اظہار کے لئے وہاں کسبت فرمایا۔ اور یہاں اکتسبت اس کی رحمت غضب پر غالب ہے۔ اس کا نام گنہگاروں کو سہارا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں یہ دیکھا گیا ہے کہ ایک منزل کے چند راستے ہوتے ہیں اور ہر راستہ طے کرنے کے مختلف اسباب۔ مکہ معظمہ کا راستہ سمندر بھی ہے خشکی بھی اور ہوا بھی۔ پروالے اڑ کر وہاں جائیں زروالے مختلف سواریوں میں جائیں۔ زوروالے پیدل وہاں پہنچیں۔ یعنی کوئی ہوائی جہاز سے جائے۔ کوئی کشتی سے کوئی اونٹ سے کوئی موٹر سے کوئی پیدل مگر بے زر' بے پر' بے زور' بے سہارا پر نہ وہاں جانا واجب اور نہ اس پر حج فرض۔ اس کا حج یہ ہی ہے کہ تمنائے حج میں مرے یہ ہی اس منزل کا حال ہے۔ بارگاہ الہٰی کے مختلف راستے ہیں۔ کسی راستہ کا نام شریعت ہے کسی کا طریقت اور ہر راستہ کے طے کرنے کے مختلف اسباب ہیں۔ کوئی اطاعت کے قدم سے دوڑتا ہے کوئی ارادت کے بازوؤں سے اڑتا ہے کوئی تقوٰی کے قدم سے چلتا ہے کوئی عشق کے پروں سے اڑتا ہے۔ غرضکہ جیسی جسے توفیق ویسے ہی اس کا سفر ان شاء اللہ یہ سب وہاں تک پہنچیں گے۔ ان مسافروں سے خطاب ہے کہ اے رہروان راہ محبت اپنی کوشش میں کمی نہ کرو۔ جس قابل ہو سفر کئے جاؤ اللہ کسی نفس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ بے پر کو اڑنے کا حکم نہیں اور بے زر پر کچھ زور نہیں۔ ہاں اتنا خیال رکھنا کہ اس راستہ میں تمہاری جیسی کوشش ہوگی ویسی ہی کامیابی' چونکہ یہ راستہ دشوار ہے۔ اور منزل کٹھن۔ اس لئے یہ دعا مانگتے ہوئے آؤ کہ اے مولیٰ کریم اگر کبھی ہم راستہ بھول جائیں یا شامت نفس سے کبھی اس راستہ سے بھٹک کر شیطانی گلی کوچوں میں چلے جائیں۔ تو ہماری پکڑ نہ کر اور یہ بھی دعا مانگو کہ مولیٰ اس راستے میں ہمیں ہلکا پھلکا رکھ مسافر جتنا ہلکا اتنا ہی اسے آرام۔ جتنا بھاری اتنی مصیبت۔ اے اللہ تیری رحمت ہمارے گناہوں کے بوجھوں کو اٹھائے۔ ہمارا بوجھ ہم پر نہ ڈال۔ ورنہ ہم کمزور تجھ تک کیسے پہنچیں گے۔ مولیٰ کریم کرم فرما۔ اس راستہ پر چلانا بھی تیرا ہی کام ہے اور منزل تک پہنچانا بھی تیرے فضل پر موقوف۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دنیا ایک میلہ گاہ یا نمائش گاہ ہے جہاں مختلف قسم کے بازار' تاجر' دوکانیں ہیں۔ ہم لوگ ناسمجھ بچوں کی طرح ہیں جو یہ میلہ دیکھنے آئے۔ حضرات انبیاء کرام مشائخ عظام ہمارے ولی وارث ہیں۔ جن کے دامن تھامنے کی برکت سے ہم ان شاء اللہ بھٹک نہیں سکتے۔ اگر یہ دامن چھوٹ جائے تو ہم بھٹک کر نہ معلوم کہاں سے کہاں پہنچ جائیں۔ ہم کو چاہئے کہ یہ میلہ ضرور دیکھیں۔ یہاں سے سودے ضرور خریدیں مگر ان مقبولوں کا دامن پکڑے رہیں تاکہ میلہ دیکھ کر بخیریت اپنے گھر پہنچ جائیں۔ اس آیت میں رب تعالیٰ نے یہ دعا تعلیم فرمائی کہ مولیٰ اگر ہم بھول چوک کر ان کے دامن چھوڑ بیٹھیں تو معافی دے وہ حضرات ہمیں نہ چھوڑیں۔ گم شدہ بچہ کو ولی وارث ڈھونڈھ لیتے ہیں۔ ہمارے ولی وارث ہمیں ڈھونڈھ لیں۔

دوسری تفسیر : اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی گنجائش سے زیادہ کمال حاصل کرنے کی تکلیف نہیں دیتا ہر ایک کو بقدر استعداد تجلیات عطا فرماتا ہے۔ جتنا ظرف اتنی ہی عطا۔ ہر نفس جو کچھ بھلائیاں و کمالات کمائے گا وہ اس کے لئے نافع ہوں گی اور جو کچھ گناہ کرے گا کہ خالق کے سوا مخلوق پر توجہ کرے وہ اسی کے لئے نقصان دہ ہوگا۔ اس کو چاہئے کہ یوں دعا مانگا کرے کہ اے اللہ اگر ہم ظلمت نفس میں پھنس کر تیرا عہد و پیمان بھول جائیں اور ایسے عمل سے خطا کر جائیں جو تیری بارگاہ کے لائق ہو تو ہماری پکڑ نہ فرما

www.alahazratnetwork.org

اور اے اللہ ہم پر صفات نفس اور افعال خبیثہ کا بوجھ نہ ڈال دے جیسا کہ ان لوگوں پر ڈالا گیا۔ جو ظاہری حجاب میں پھنس کر باطنی صفات سے محروم ہو گئے (روح المعانی)

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ
اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے وہ کہ نہیں ہے واسطے ہمارے طاقت ساتھ اس کے اور معاف کر ہم سے اور بخش کر
اے رب ہمارے اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں سہار نہ ہو　اور ہمیں معاف فرما دے اور بخش دے
وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝
واسطے ہمارے اور رحم کر ہم پر تو والی ہے ہمارا پس مدد کر ہماری اوپر قوم کافروں کے
اور ہم پر مہر کر تو ہمارا مولیٰ ہے تو کافروں پر ہمیں مدد دے

تعلق : پچھلے جملوں میں چند دعائیں ہیں۔ اس میں بھی ایک دعا ہی ہے گویا یہ جملہ گزشتہ کا تتمہ ہے۔ ان جملوں میں دشوار احکام سے بچانے کی دعا کی گئی تھی جن کی اگرچہ طاقت تو ہو مگر بدشواری ادا ہو سکیں۔ اس میں ان چیزوں سے پناہ مانگی گئی ہے جو طاقت سے باہر ہوں۔

تفسیر : ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا به۔ ربنا کی تکرار رب کا کرم حاصل کرنے کے لئے ہے واؤ عاطفہ ہے اور جملہ ولا تحمل علینا پر معطوف ہے۔ حمل اور تحمیل قریباً ایک ہی ہیں البتہ تحمل کے بعد علیٰ آتا ہے اور اس کے بعد نہیں آتا۔ بعض نے کہا حمل کے معنی ہیں۔ لادنا۔ تحمیل اٹھوانا اور لدوانا اگر کسی کے سر پر بھاری بوجھ رکھ دیا جائے تو اسے حمل کہا جائے گا اور اگر اٹھانے کا بھی اسی کو مکلف کیا جائے کہ تو خود اٹھا کر اپنے سر پر رکھ یہ تحمیل ہے۔ لہٰذا حمل سے تحمیل سخت تر۔ بعض نے فرمایا کہ ثقیل چیز کا لادنا حمل اور ناقابل برداشت کا لادنا تحمیل۔ ما سے سزائیں مراد ہیں' یا ناممکن احکام یا وہ اعمال جو جہنم کا ذریعہ ہوں طاقة' طوق سے بنا۔ بمعنی قوت یہ اطاعت کا اسم معنی ہے۔ جیسے جابت واجابت یہاں حاصل مصدر ہے' لنا طاقت کا متعلق ہے۔ به مرجع کا ہے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں ما سے مراد نفس کے وسوسے یا محبت کا جوش ہے۔ تو تحمیل سے مراد پکڑ ہے۔ یا ما سے مراد دشمنوں کے طعنے دوستوں کی جدائی یا صورتوں کا مسخ ہونا ہے۔ یعنی اے مولیٰ ہم پر ان احکام یا ان سزاؤں یا ان تکالیف کا بوجھ مت ڈال۔ جن کے اٹھانے کی ہمیں طاقت نہیں۔ واعف عنا واغفرلنا وارحمنا۔ اعف' عفو سے بنا بمعنی مٹانا۔ معافی کو اسی لئے عفو کہتے ہیں کہ اس سے جرم مٹ جاتا ہے۔ اغفر' غفر سے بنا بمعنی چھپانا۔ اسی لئے چھلکا کو غفر کہتے ہیں کہ وہ مغز کو چھپائے ہوتا ہے اصطلاح میں بخشنے کو بھی مغفرت کہا جاتا ہے اور عیب چھپانے کو بھی۔ ارحمنا' رحم سے بنا ہے تو قلب رب تعالیٰ کے لئے جب اس کا استعمال ہو تو بمعنی رحمت اور مہربانی ہوتا ہے کیونکہ وہ قلب سے پاک ہے۔ یعنی ہمارے گناہوں کو مٹادے' ہمارے عیبوں کو چھپالے اور

www.alahazratnetwork.org

ہم پر رحمت فرما کہ تھوڑی اور کھوٹی نیکیاں قبول فرمالے۔ انت مولنا ' مولیٰ ' ولی کا مصدر میمی ہے بمعنی اسم فاعل۔ اس کے معنی ہیں مددگار ' مالک سید اور متولی۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی ہم تجھ سے یہ دعائیں اسی لئے کرتے ہیں کہ تو ہمارا مالک آقا ہے ' والی ہے فانصرنا علی القوم الکفرین ف یا جزائیہ ہے اور یہ جملہ شرط محذوف کی جزا یا ترتب کی ہے اور یہ جملہ انت مولنا پر مرتب۔ انصر بمعنی مدد ہے۔ جب بغیر علی آئے تو موافق مدد مراد ہوتی ہے اور اگر علی آئے تو مخالف یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ قوم بمعنی جماعت ہے۔ جس کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے اور کافرین سے سارے دینی دشمن مراد ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا شیاطین وغیرہ یعنی چونکہ تو ہمارا والی ہے ہم تیرے بندے اور بندوں کی مدد کرنا والی کا کام ہے لہٰذا تو ہماری کفار قوم کے مقابلہ میں مدد کر اور ان پر ہمیں غلبہ دے۔

خلاصہ تفسیر : اے ہمارے مولیٰ ہم پر ان احکام اور عذابوں اور ناممکن باتوں کا بوجھ مت ڈال جن کے برداشت کی ہم میں طاقت نہیں اور ہمارے گناہ اور آثار گناہ کو مٹادے۔ ہمارے عیبوں کو چھپالے اور ہمیں رسوا مت کر۔ اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا والی اور مددگار ہے۔ لہٰذا کافر قوم کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ خیال رہے عفو اور مغفرت اور رحمت میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ گناہ پر عذاب نہ دینا عفو ہے اور اس کا چھپالینا کہ کسی کو خبر نہ ہو تاکہ کوئی طعنہ نہ دے۔ یہ مغفرت اور عطاء ثواب رحمت پھر رحمت دو قسم کی ہے۔ جسمانی اور روحانی۔ دوسرے یہ کہ افعال کی معافی عفو ہے اور اقوال کی معافی مغفرت اور میزان کا بھاری کرنا رحم۔ تیسرے یہ کہ سکرات موت سے بچانا عفو اور تاریکی قبر سے محفوظ رکھنا مغفرت اور قیامت کے خوف سے بچانا رحم۔ چوتھے یہ کہ گناہ صغائر معاف کرنا عفو ' بمعنی معاف کرنا مغفرت اور تھوڑی و کھوٹی عبادت قبول فرما کر اس پر کامل ثواب دے دینا رحم۔ پانچویں یہ کہ عذاب آخرت سے بچانا عفو ' دنیوی عذاب مسخ و خسف و غرق وغیرہ سے بچانا۔ مغفرت اور ہم دیوالیوں کو اپنے کرم سے مالا مال کر دینا رحمت۔ چھٹے یہ کہ قیامت کے دن اپنے حقوق معاف فرمادینا عفو اور بندوں کے حقوق معاف کرادینا مغفرت اور جب کسی کے اعمال حقدار لے جائیں۔ تو پھر بغیر عمل جنت دینا رحم۔ ساتویں یہ کہ گناہ مٹانا عفو اور کسی کو خبر نہ کرنا مغفرت اور بجائے گناہ نیکیاں دے دینا رحم۔ جیسے فرمایا گیا۔ اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت لہٰذا ان الفاظ میں تکرار نہیں کسی نے کیا خوب کہا۔

گنہگار پہ جب لطف آپ کا ہوگا کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہوگا
نیاؤنہ کیں کیں ٹھکرائی! بن کیتی لکھ دین برائی

یعنی رب نے انصاف نہ کیا۔ بلکہ رحم خسروانہ فرمایا کہ ہماری کی ہوئی برائیاں تمام بے کی ہوئی بنادیں اور بغیر کی ہوئی نیکیاں اپنے کرم سے کی ہوئی بنادیں۔ خیال رہے کہ ان دعاؤں میں ربنا نہ لایا گیا گویا یہ گزشتہ دعاؤں کا نتیجہ ہیں یا گویا بندہ دعائیں کرتے کرتے رب سے اتنا قریب ہوگیا کہ اسے پکارنے کی حاجت نہ رہی۔ کیونکہ زیادتی قرب کبھی ندا سے بے نیاز کر دیتی ہے۔

فائدے : اس جملہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دعا جماعت کے ساتھ مانگنا چاہئے تاکہ جلد قبول ہو کیونکہ دعائیں مل کر بارگاہ الٰہی میں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ اگر کوئی اکیلے دعا مانگے جب بھی سب کے لئے مانگے۔ دیکھو یہاں ہر دعا میں ضمیر جمع لائی گی۔ دوسرا فائدہ: دعا میں بار بار ربنا کہنا بہتر ہے۔ جیسا کہ اس جگہ ربنا کے تکرار سے معلوم ہوا۔ تیسرا

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: دینی حاجتیں دنیوی حاجتوں سے پہلے مانگے۔ دیکھو یہاں خطاو نسیان کی معافی مانگنے کی تعلیم دی گئی۔ **چوتھا فائدہ:** گزشتہ لوگوں کے عذاب سے عبرت پکڑنا ضروری ہے تاکہ ان کے حوالہ سے دعا مانگی جائے کہ خدایا ان کی طرح ہم پر یہ عذاب نہ بھیجنا۔ **پانچواں فائدہ:** پچھلے مقبولین و مردودین کے حالات جاننا بہت فائدہ مند ہیں تاکہ مقبولین کے سے عمل کرے اور مردودین کے اعمال سے بچے۔ جیسے اس حوالہ سے معلوم ہوا۔ **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن انسانی کلام ہے نہ کہ خدا کا ورنہ خدا کسے رب کہتا ہے اور کس سے دعا مانگتا ہے (آریہ) **اس کا جواب ہم آیت:** **ایاک نعبد و ایاک نستعین** میں دے چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یا تو یہاں **قولو** پوشیدہ ہے۔ یعنی اے مسلمانو اس طرح دعائیں مانگو۔ رب تعالیٰ عبادات کی طرح بندوں کو مانگنا بھی سکھاتا ہے۔ یا **یقولون** فعل پوشیدہ ہے۔ یعنی ہمارے نیک بندے یوں دعا مانگتے ہیں۔ یا تعلیماً یوں ارشاد فرمایا گیا۔ جیسے استاد پڑھاتے وقت خود پڑھتا ہے۔ تاکہ اسی طرح شاگرد بھی پڑھے۔ کہتا ہے الف ب ت ث وغیرہ یا حاکم رعایا کی زبان میں کلام فرماتا ہے۔ مثلاً "نوکری کے فارم کا مضمون یہ ہوتا ہے کہ میں وفادار رہوں گا۔ بخوشی ہر کام کروں گا۔ یہ مضمون اگرچہ حاکم نے لکھا مگر نوکروں کی زبان سے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں یہ نہ فرمایا گیا **لا تکلفنا ما لا طاقۃ لنا** الخ۔ بلکہ **ولا تحملنا** فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ناممکن چیزوں کی تکلیف دینا جائز ہے۔ کیونکہ ناممکنات طاقت سے باہر ہیں اور دعا ممکنات کی مانگی جاتی ہے نہ کہ واجبات اور ممکنات کی (بعض علماء) **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ تحمیل بمعنی تکلیف ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں **ما** سے مراد اخروی عذاب ہے۔ جو برداشت سے باہر۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مولیٰ تو دشوار احکام کے تکلیف نہ دینے کے قانون کو منسوخ نہ فرما چوتھے یہ کہ کسی چیز کی دعا مانگنا اس کے امکان کو نہیں چاہتا قرآن پاک میں **رب احکم بالحق**۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا **ولا تخزنی یوم یبعثون**۔ حالانکہ انبیائے کرام کی رسوائی ممکن اور نہ خدا پاک کا غلط فیصلہ فرمانا ممکن۔ **تیسرا اعتراض:** جب اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی کہ ہم کسی نفس کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے پھر اس دعا مانگنے سے کیا فائدہ مانگی وہ چیز جاتی ہے جس کے نہ ملنے کا اندیشہ ہو۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں **ما** سے مراد یا تو دنیاوی مصیبتیں ہیں۔ یا آخرت کے عذاب یا نفس کے وسوسے وغیرہ یہ چیزیں تو طاقت سے زیادہ بھی ڈالی جاتی ہیں۔ بعض بیماریاں ایسی سخت آتی ہیں کہ انسان کی جان نکل جاتی ہے اور آیت **لا یکلف اللہ** میں شرعی احکام کی تکلیف مراد ہے کہ کسی شخص پر طاقت سے زیادہ احکام شرعیہ لازم نہیں کئے جاتے۔ لہٰذا وہ آیت بھی درست ہے اور یہ دعا بھی صحیح۔

تفسیر صوفیانہ: ابتداء کی طرف لوٹنے کا نام انتہا ہے۔ انسان مسافر ہے۔ جدھر سے چلا تھا ادھر ہی جا رہا ہے۔ **کان اللہ ولم یکن معہ شئی** رب تعالیٰ تھا اور کچھ نہ تھا۔ اس ذات کے تعین اول کا نام حقیقت محمدیہ ہوا۔ وہی اصل وجود اور حقیقت ہر بود ہے جس سے سارا عالم ظہور میں آیا۔ رب نے خاک کو دانہ، دانے کو آٹا اور آٹے کو روٹی روٹی کو خون اور خون کو منی اور منی کو نطفہ، اور نطفہ کو مضغہ اور مضغہ کو علقہ، پھر اسے بے عقل و ہوش بچہ بنایا، پھر اس بے ہوش کو عقل و ہوش دیا۔ یہ تمام مراتب بعد کے تھے اب اسے اصل کی طرف یوں رجوع کیا کہ پہلے اسے ظاہری شریعت کا پابند کیا۔ پھر ایمان کے بعد عرفان دیا۔ پھر صاحب کشف و الہام بنایا۔ پھر اسے خدمات و کرامات دیئے۔ پھر اسے مدارج طے کرنے کی توفیق دی۔ یہاں تک کہ وہ فنافی الرسول کے درجہ سے ہوتا ہوا فنافی اللہ تک پہنچا یہ اس کی انتہا تھی **کما بدانا اول خلق نعیدہ** اس سفر میں اسے کئی

www.alahazratnetwork.org

منزلوں میں ٹھہرنا پڑا۔ ہر منزل کے احکام جداگانہ تھے۔ جن میں سے دو مقام اہم تھے ایک شریعت کی پابندی دوسرے طریقت۔ ان دو مقاموں کے لحاظ سے بندہ نے دعا مانگی۔ پہلے مقام میں ترک سختی کی دعا کی اور دوسرے مقام میں ناقابل برداشت احکام سے پناہ مانگی۔ چونکہ شریعت طریقت سے پہلے ہے۔ اس لئے **لا تحمل علینا** کو **ولا تحملنا** سے پہلے بیان کیا گیا یعنی اے مولیٰ اس سفر میں منزل شریعت کی سختیوں سے بچا اور مقام طریقت میں ہم سے وہ اطاعت اور شکر اور معذرت طلب نہ کر جو تیری بارگاہ کے لائق ہیں۔ بلکہ وہ ہی ٹوٹی پھوٹی عبادات قبول فرمالے۔ جو ہمارے لائق ہے اور ہم پر ہجران اور محرومی کے بوجھ نہ ڈال۔ ہمارے افعال و صفات کی کوتاہیوں کو معاف کر اپنے وصال کی لذت اور جمال کا مشاہدہ عطا فرما ہمارے وجود کے گناہ کو معاف کر کیوں کہ ہو نا ہی تو اکبرا لکبائر ہے۔ وجود بعد فنا عطا فرما کر رحم کر تو ہمارا اصل ولی ہے ہم تیرے آثار قدرت اور مظاہر صفات ہیں۔ ہمیں کافر قوم یعنی نفس امارہ اور اس کے صفات اور شیطانی لشکروں اور ہمارے وہموں پر ہمیں مدد دے جو تیری راہ میں آڑ ہیں۔ ہماری قوت روحانیہ کو اس قوت جسمانیہ پر غالب فرما جو تیرے ماسوا کی طرف بلاتی ہے (از کبیر و معانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعائیں چار قسم کی ہیں ایک وہ جس کی تعلیم رب تعالیٰ نے دی اور ہم کو خود بتائیں جیسے ان جیسی آیات کی دعائیں۔ دوسری وہ جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں جو باب الدعوات کی احادیث میں مذکور ہیں۔ تیسری وہ جو رب تعالیٰ نے یا اس کے محبوب نے گزشتہ پیغمبروں کی دعائیں نقل فرمائیں کہ فلاں پیغمبر نے فلاں موقعہ پر یہ دعا مانگی۔ جیسے حضرت خلیل علیہ السلام اور ذبیح اللہ کے متعلق فرمایا کہ ان حضرات نے تعمیر کعبہ پر یہ دعا مانگی۔ **ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم** ان تینوں قسم کی دعاؤں کو دعا ماثورہ کہتے ہیں۔ اور چوتھی وہ دعا جو بندہ خود اپنی تجویز اور لوے سے مانگے۔ ان تمام دعاؤں میں بہتر ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے تعلیم فرمائیں۔ پھر وہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیں۔ پھر وہ جو دیگر انبیاء کرام سے منقول ہیں۔ سب سے اخیر میں وہ جو بندہ خود مانگے۔ بہر حال دعا ماثورہ غیر ماثورہ سے افضل ہے کہ ماثورہ یعنی منقول دعا میں الفاظ کی تاثیر بھی ہے۔ زبان کی تاثیر بھی۔ غیر ماثورہ میں صرف الفاظ کی تاثیر ہے۔ رب تعالیٰ نے سورہ بقر دعا ماثورہ کی تعلیم پر ختم فرمائی۔

فضائل و فوائد : ہم **الم** کے شروع میں سورہ بقر کے بہت سے فضائل و فوائد عرض کر چکے ہیں۔ کچھ یہاں عرض کئے دیتے ہیں۔ (1) سورہ بقر کی آخری دو آیتیں یعنی **امن الرسول** سے اخیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں بلاواسطہ عطا ہوئیں اور حضور علیہ السلام نے لامکان میں پہنچ کر یہ ہی دعائیں مانگیں۔ (در منثور و مشکوۃ باب المعراج) (2) بیہقی نے حضرت نعمان ابن بشیر سے نقل کیا کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب خاص تحریر فرمائی۔ سورۂ بقر کی اخیری دو آیتیں اس کتاب کی ہیں۔ کذا فی الترمذی والداری و نسائی و در منثور۔ (3) امام احمدؒ نے عقبہ ابن عامر سے روایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ سورہ بقر کی آخری دو آیتیں پڑھا کرو۔ میرے رب نے خصوصیت کے ساتھ عرش کے نیچے سے مجھے عطا فرمائیں۔ مجھ سے پہلے کسی نبی کو یہ نہ ملیں (در منثور) (4) مسلم نے عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے تو آپ کو تین چیزیں عطا فرمائیں پانچ نمازیں اور سورہ بقر کی آخری دو آیتیں اور ہر مومن کی بخشش (در منثور) (5) حاکم و بیہقی نے ابوذر سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رب نے جن آیتوں پر سورہ بقر ختم فرمائی وہ عرش کا خزانہ ہیں۔ انہیں خود بھی سیکھو اور اپنی بیوی بچوں کو بھی سکھاؤ۔ یہ صلوۃ ہیں۔ یہ قرآن ہیں یہ دعائیں ہیں (6) حضرت علی فرماتے ہیں کہ بڑا بیوقوف وہ شخص ہے جو سوتے وقت سورہ بقر کی آخری آیتیں نہ پڑھے

www.alahazratnetwork.org

(دارمی) حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں کہ جو کوئی نماز عشاء کے بعد سورہ بقر کی آخری آیتیں پڑھے۔ اسے تمام رات عبادت کا ثواب ملتا ہے (ابن عدی و در منثور) (8) حضرت کعب فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو چار چیزیں وہ دی گئیں جو کسی پیغمبر کو نہ دی گئیں۔ بقر کے آخری رکوع کی تین آیتیں اور آیۃ الکرسی (ابو عبیدہ) (9) ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ جو کوئی سخت مصیبت میں گرفتار ہو۔ وہ دعائے کرب پڑھے۔ وہ یہ ہے۔

لا الہ الا اللہ العظیم الحلیم لا الہ الا اللہ رب العرش العظیم لا الہ الا اللہ رب السموت السبع و رب الارض و رب العرش الکریم سبحنک یا رحمن ما شئت ان تکون کان وما لم تشا لم یکن لا حول ولا قوۃ الا باللہ اعوذ بالذی یمسک السموت السبع ومن فیھن ان یقعن علی الارض من شر ما خلق ومن شر ما یراد۔ اعوذ بکلمت اللہ التامات التی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر الساعۃ والھامۃ ومن الشر کلہ فی الدنیا والاخرۃ۔

پھر آیت الکرسی پڑھے۔ پھر سورہ بقر کا آخری رکوع پڑھے۔ ان شاء اللہ نجات ملے گی (تہذیب الآثار) (10) حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی سوتے وقت سورہ بقر کی آخری دو آیتیں پڑھ لیا کرے تو اسے رات بھر شیطان اور دیگر آفات سے پناہ ملے گی اور تمام رات کی عبادت کا ثواب ملے گا (مسلم بخاری و خازن) (11) عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک روز جبریل علیہ السلام حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر تھے کہ اچانک اوپر سے سخت آواز سنی حضرت جبریل نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ اس وقت آسمان کا وہ دروازہ کھلا جو آج تک کبھی نہ کھلا تھا یہ کہہ ہی رہے تھے کہ ایک فرشتہ حاضر ہوا حضرت جبریل نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ وہ فرشتہ ہے جو آج تک کبھی زمین پر نہ آیا۔ اس فرشتہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میں آپ کو ان دو نوروں کی مبارک باد دینے آیا ہوں جو آپ سے پہلے کسی نبی کو نہ ملے۔ ایک سورۃ فاتحہ اور دوسرا سورہ بقر کی آخری آیتیں۔ اس کو پڑھنے والے کی ہر تمنا پوری ہو گی۔ (مسلم و خازن) (12) سورہ بقر ختم کر کے آمین کہنا چاہئے کیونکہ حضور علیہ السلام بھی فرماتے ہیں اور فرشتے بھی آمین کہتے ہیں (کبیر) (13) اگر دفن کے بعد قبر کے سرہانے سورہ بقر کا پہلا رکوع مفلحون تک اور قبر کی پائنتی سورہ بقر کا آخری رکوع پڑھا جائے تو میت کو قبر میں راحت ہو گی۔ (14) جس گھر میں سورہ بقر پڑھی جائے وہاں تین دن تک شیطان نہیں آتا (روح البیان) (15) حضرت معاذ ابن جبل فرماتے ہیں کہ میں نے ایک بار شیطان کو قید کر لیا وہ بولا اگر آپ مجھے چھوڑ دیں تو میں آپ کو بڑا عمدہ عمل بتاؤں۔ میں نے کہا بتا۔ وہ بولا کہ اگر کوئی انسان رات کو سورہ بقر کی آخری آیتیں پڑھ لیا کرے تو ہم میں سے کوئی اس گھر میں رات بھر نہیں جا سکتا۔ غرضکہ اس کے فضائل و فوائد بے شمار ہیں۔ فقیر کی یہ وصیت ہے کہ تہجد خواں حضرات اپنی تہجد میں یہ دو دعائیں پڑھا کریں اول رکعت میں سورہ بقر کا یہ آخری رکوع، دوسری رکعت میں سورہ آل عمران کا یہ رکوع **ان فی خلق السموت والارض** سے **انک لا تخلف المیعاد** تک اور معنی پر نظر و دھیان رکھیں ان شاء اللہ بہت خشوع و خضوع میسر ہو گا۔ اور قبول کی امید بھی ہے۔ بھاگے ہوئے مجرم کے لئے وارنٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو مجرم خود ہی حاکم کے سامنے پیش ہو جائے۔ اسے وارنٹ کی ضرورت نہیں۔ رب تعالیٰ حاضر ہو جانے والے مجرموں کو اپنے کرم سے معافی دے دیتا ہے۔ بھاگنے کی کوشش نہ کرو۔ اسے راضی کرنے کی کوشش کرو اللہ تعالیٰ میرے ان الفاظ میں تاثیر دے۔

www.alahazratnetwork.org

آخر میں بندہ گنہگار شرمسار اپنے آقا تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نعت خواں احمد یار خاں بارگاہ پروردگار میں عرض کرتا ہے کہ مولیٰ تیرا ہی فضل و کرم تھا جو میں نے سورۂ بقر کی تفسیر ختم کی۔ اگر میں نے کچھ غلطی کی ہو۔ تو میری شامت نفس ہے۔ اور اگر صحیح لکھا ہو تو میرے مولیٰ وہ تیری توفیق سے ہے۔ اے مولیٰ کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ اور حضرت حسن و حسین اور صحابہ بدر و حنین کے طفیل اسے قبول فرمالے میری خطاؤں سے درگزر فرما اس کی برکت سے میرے نامہ اعمال کی سیاہی دور فرمالے صدقہ جاریہ بنا۔ اور ہم سب کو نیک اعمال کی توفیق عطا فرما۔ اس قرآن کو ہمارے دلوں کا سرور ہماری آنکھوں کا نور اور ہماری قبر کا مونس اور حشر کا ساتھی بنا اور اے مولیٰ باقی تفسیر پوری کرنے کی توفیق دے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و شفیعنا و حبیبنا و مولنا محمد والہ واصحبہ اجمعین برحمتک یا ارحم الرحمین۔

آیاتہا ۲۰۰ | ۳ سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرَانَ مَدَنِیَّۃٌ ۸۹ | رکوعاتہا ۲۰

سورہ آل عمران مدنی ہے اس میں دو سو آیات اور بیس رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے جو بے حد بخشش کرنے والا ہے نہایت مہربان

الٓمّٓ ۝۱ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝۲ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ

اللہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے زندہ قائم رکھنے والا اتارا اوپر تمہارے اس کتاب کو

اللہ ہے جس کے سوا کسی کی پوجا نہیں آپ زندہ اوروں کو قائم رکھنے والا اس نے تم پر سچی کتاب

بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝۳

ساتھ حق کے سچا کرنے والا ان کو جو سامنے ہیں اس کے اور اتارا توراۃ و انجیل کو پہلے سے ہدایت

اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور اس نے اس سے پہلے توراۃ اور انجیل اتاری

مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۝

واسطے لوگوں کے اور اتارا فرقان کو

لوگوں کو راہ دکھاتی اور فیصلہ اتارا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : یہ سورۃ مدنی ہے یعنی بعد ہجرت اتری۔ اس میں دو سو آیتیں، تین ہزار چار سو اسی کلمے اور چودہ ہزار پانچ سو بیس حرف ہیں (خازن و خزائن)۔ اس سورۃ کا نام توریت شریف میں طیبہ ہے (معانی)۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اور بقرہ کا زہرا وین رکھا۔ یعنی چمکدار سورتیں (از مسلم و معانی) نیز اس کا نام سورۂ امان، سورۂ کنز، سورۂ معقیہ، سورۂ مجادلہ اور سورۂ استغفار بھی ہے۔ یہ نام اس کے مضامین کی مناسبت سے ہیں۔ چونکہ اس سورۃ میں حضرت عمران کے بیوی بچوں کے حالات کا بیان ہے۔ اس لئے اس کا نام سورۂ آل عمران ہوا۔ حضرت عمران مریم کے والد، عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم بڑی کتاب ہے۔ اگر اس کی تقسیم نہ ہوتی تو اس کی تلاوت بھی مشکل ہوتی اور اس کا سیکھنا بھی دشوار، اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی کئی طرح تقسیم فرمائی۔ آیات سے، رکوع سے، منزلوں سے، سورتوں سے، سیپاروں سے۔ آیتوں سے، تقسیم تو دوران تلاوت سانس لینے کے لئے ہے۔ رکوعوں سے تقسیم نماز میں تلاوت کے لئے ہے کہ اتنا پڑھ کر رکوع کرو۔ منزلوں سے تقسیم ان لوگوں کے لئے ہے جو ایک ہفتہ میں قرآن حکیم ختم کرنا چاہیں۔ اور پاروں سے تقسیم ان لوگوں کے لئے ہے جو مہینہ میں ختم کریں۔ رہا سورتوں سے تقسیم فرمانا یہ قرآن کریم کی اصلی تقسیم ہے جو آسمان سے اسی ہی طرح نازل ہوئی۔ اس کو سورہ بقرہ سے چند طرح تعلق اور مناسبت ہے۔ (1) سورہ بقر کے بہت سے مجمل احکام کی اس سورۃ میں شرح ہے۔ (2) سورہ بقر میں دلائل تھے اور اس سورۃ میں کفار کے شبہات دور کئے گئے ہیں۔ اسی لئے اس میں بعض مضامین مکرر آئے ہیں۔ مثلاً "قرآن کی حقانیت، اس کا نازل ہونا، گذشتہ کتابوں کی تصدیق کرنا وغیرہ۔ (3) سورۂ بقر کو آدم علیہ السلام کے قصہ سے شروع کیا گیا تھا۔ جن کی نہ ماں تھی نہ باپ اور اس سورۃ کو عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر سے شروع کیا گیا۔ جن کی والدہ تھیں، والد نہ تھا۔ چونکہ آدم علیہ السلام پہلے انسان تھے۔ اس لئے ان کا ذکر قرآن کی پہلی سورت میں آیا اور عیسیٰ علیہ السلام ان کے بعد اس لئے ان کا ذکر بعد کی سورت میں۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش عجیب واقعہ تھی مگر آدم علیہ السلام کی پیدائش عجیب تر کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ نیز عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو محض اس لئے خدا کا بیٹا مانا کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ لہٰذا رب نے پہلے آدم علیہ السلام کا قصہ بیان فرمایا۔ اب اس سورۃ میں عیسیٰ علیہ السلام کا تاکہ ان کی تردید میں آسانی ہو کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہو تو آدم علیہ السلام کو بھی مانو۔ نیز عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ کو آدم علیہ السلام کے قصہ پر قیاس کیا گیا ہے اور مقیس علیہ مقیس سے پہلے ہوتا ہے لہٰذا سورۂ بقر پہلے آئی اور آل عمران اس کے بعد۔ (4) سورۂ بقر کو متقین کے ذکر سے شروع کیا گیا۔ اور پھر جہنم کے بارے میں فرمایا **اعدت للکفرین** وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی اور اس سورۃ کے آخر میں فرمایا گیا۔ **و جنۃ عرضھا السموت والارض اعدت للمتقین۔** جنت پرہیزگاروں کے لئے تیار کی گئی۔ لہٰذا یہ سورتیں گویا یکساں ہیں۔ (5) اس سورۃ کی انتہا سورۂ بقر کی ابتداء کے مناسب ہے کہ وہاں متقیوں کے بارے میں فرمایا گیا۔ **و اولئک ھم المفلحون** اور اس کے اخیر میں ارشاد ہوا۔ **واتقوا اللہ لعلکم تفلحون۔** (6) سورۂ بقر میں ابراہیم علیہ السلام کی دعا نقل فرمائی گئی۔ ربنا **وابعث فیھم رسولا منھم۔** اس سورۃ میں اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ **اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم۔** غرضیکہ اس سورۃ کو سورہ بقر سے مناسبت ہے۔

آیت کا تعلق : اس آیت کا سورۂ بقر کی آخری آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ (1) ایک یہ کہ اس آیت میں بندہ کی مجبوری

www.alahazratnetwork.org

اور معذوری کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں رب تعالیٰ کی قدرت و عظمت کا ذکر ہے۔ جس سے بندہ کی بندگی اور خدا کی ربوبیت کا پتہ لگتا ہے۔ اور ان دونوں پر ہی ایمان کا مدار ہے کہ بندہ اپنے کو مجبور، معذور جانے، رب کو قادر مطلق سمجھے تب ہی تو اس پر ایمان لائے گا۔ اسی کی اطاعت کرے گا۔ (2) دوسرے یہ کہ اس آیت میں مسلمانوں سے قوم کفار کے مقابلہ میں فتح کی دعا منگائی تھی اب اس آیت میں اس فتح کا ذکر ہے۔ جو رب تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عیسائیوں کے مناظرہ میں عطا فرمائی لسانی جنگ سنانی جنگ سے زیادہ اہم ہوتی ہے۔ سنانی جنگ تو کبھی کبھی ہو جاتی ہے مگر لسانی جنگ یعنی مناظرہ ہمیشہ ہوتی رہتی ہے۔ نیز مناظرہ میں کبھی لوگ راستہ پر آجاتے ہیں مگر جنگ میں اکثر شکست کھا کر بھاگ جاتے ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مناظرہ کا بڑے اہتمام سے ذکر فرمایا۔ (3) تیسرے یہ کہ یہ ساری سورۃ بقر کے اخیر جملہ سے خاص تعلق رکھتی ہے۔ کیونکہ اس میں کفار پر فتح مانگی گئی اور اس سورۃ کی بہت سی آیتوں میں کفار کے ساتھ مناظرہ اور جہاد کا ذکر ہے۔

شان نزول : ایک بار نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ جس میں ساٹھ سوار تھے۔ اور چودہ ان کے سردار اور اس قوم کے تین بڑے پیشوا بھی ان میں تھے۔ ایک کا نام عبدالمسیح لقب عاقب تھا۔ یہ اپنی قوم کا سردار تھا۔ جس کی رائے کے بغیر عیسائی کوئی کام نہیں کرتے تھے۔ دوسرے کا نام ایہم تھا یہ اپنی قوم کا افسر مال تھا۔ جس کے ذمہ ساری قوم کی خورد و نوش اور رسد کا انتظام تھا۔ تیسرے کا نام ابو حارثہ تھا جو نصاریٰ کے تمام علماء پادریوں کا بڑا پیشوا تھا۔ روم کے بادشاہ اس کے علم اور دینی عظمت کی وجہ سے اس کا بڑا ادب و احترام کرتے تھے اور اس کے لئے جائدادیں، زمینیں وقف کی تھیں اور کنیسے بنائے تھے۔ یہی اس جماعت کا سردار اعظم تھا۔ جب یہ لوگ نجران سے چلے تو ابو حارثہ خچر پر سوار ہوا اور اس کا بھائی کرز ابن علقمہ اس کے ساتھ تھا۔ اچانک ابو حارثہ کا خچر پھسلا۔ کرز نے حضور (علیہ السلام) کا نام لے کر کہا کہ وہ ہلاک ہوں۔ کیونکہ اس زمانہ میں پھسلتے وقت دشمنوں کو بددعا دیا کرتے تھے ابو حارثہ نے کہا خبردار وہ کیوں ہلاک ہوں تو ہلاک ہو۔ کرز نے کہا کیوں؟ ابو حارثہ نے کہا کہ وہ سچے نبی ہیں۔ یہ وہی آخر الزمان پیغمبر ہیں جن کا اب تک انتظار تھا کرز نے کہا تو تم ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے؟ ابو حارثہ بولا کہ ہمارے بادشاہوں نے ہمیں بہت جائیدادیں دے رکھی ہے اگر ان پر ایمان لے آئیں تو سب کچھ چھن جائے۔ یہ بات کرز کے دل میں بیٹھ گئی آخر کار کچھ عرصہ بعد کرز اپنے پچیس ساتھیوں کے ساتھ مسلمان ہو گئے۔ خیر یہ لوگ سفر کرکے مدینہ منورہ پہنچے۔ جب مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو عصر کی نماز کا وقت تھا یہ لوگ عمدہ اور قیمتی پوشاکیں پہن کر بڑے شان و شوکت سے حضور علیہ السلام سے مناظرہ کرنے آئے تھے۔ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم نے آج تک ایسی شان و شکوہ والی جماعت نہ دیکھی تھی انہیں مسجد نبوی میں اتار گیا۔ جب ان کی نماز کا وقت آیا تو انہوں نے وہاں ہی نماز شروع کر دی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا انہیں اپنی نماز پڑھ لینے دو۔ چنانچہ انہوں نے مشرق کی طرف نماز پڑھی (خازن و روح البیان وغیرہ) پھر حضور علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ تم ایمان لاؤ وہ بولے ہم تو آپ سے پہلے ایمان لا چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم جھوٹے ہو۔ تمہیں اسلام لانے سے چند باتیں روکتی ہیں۔ تم عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے خنزیر کھاتے ہو وغیرہ وغیرہ ان میں سے کوئی بولا کہ واقعی وہ خدا کے بیٹے تھے ورنہ بتاؤ ان کے باپ کون ہیں؟ بعض نے کہا کہ وہ تیسرے خدا تھے دیکھو قرآن شریف میں بھی خلقنا، انزلنا وغیرہ جمع کے صیغے فرمائے گئے ہیں اور جمع کم سے کم تین پر بولی جاتی ہے اگر خدا ایک ہوتا تو ہر جگہ واحد

www.alahazratnetwork.org

کا بیٹا ہی ہوتا۔ بعض بولے کہ نہیں بلکہ ان میں خدائی اثر نے حلول کئے ہوئے ہے جیسے پھول میں رنگ و بو۔ کیونکہ ان سے خدائی کام ظاہر ہوئے' انہوں نے مردے زندہ کئے' انہوں نے اندھوں اور کوڑھیوں کو اچھا کیا۔ انہوں نے مٹی سے پرندے بنا کر روح پھونک دی یہ کام وہی کر سکتا ہے جس میں خدائی ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ بیٹا باپ کے مشابہ ہوتا ہے۔ وہ بولے ہاں! آپ نے فرمایا کہ ہمارا رب حی لا یموت ہے اس کے لئے موت ناممکن اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آنے والی ہے۔ انہوں نے کہا ہاں! پھر فرمایا کہ رب بندوں کا حقیقی کارساز محافظ اور روزی دینے والا ہے۔ وہ بولے ہاں حضور علیہ السلام نے فرمایا کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی ایسے ہیں انہوں نے کہا نہیں پھر فرمایا کہ تم جانتے ہو اللہ تعالیٰ پر آسمان و زمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں' انہوں نے اقرار کیا تو فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام حمل میں رہے۔ پیدا ہونے والے کی طرح پیدا ہوئے۔ بچوں کی طرح کھاتے پیتے تھے۔ انسانی عوارضات بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے اقرار کیا حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر وہ الٰہ کیسے ہیں اس پر وہ سارے خاموش ہو گئے۔ تب سورۂ آل عمران کچھ اور اسی آیتیں نازل ہوئیں (کبیر خازن و خزائن وغیرہ)۔ اس مناظرہ سے عاجز ہو کر پھر وہ مباہلہ پر آمادہ ہوئے۔ جس کا قصہ اسی سورہ میں آئے گا۔ مگر پھر مباہلہ کی بھی ہمت نہ کی۔ وہ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں اور نبی کی بددعا ہلاک کر دیتی ہے (کبیر)۔

تفسیر: **الم** اس کے متعلق پہلے سیپارہ میں بہت کچھ عرض کیا جا چکا۔ یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ یا تو الف سے اللہ کی طرف اشارہ ہے اور لام سے لطیف کی طرف اور میم مجید کی جانب یعنی قرآن اللہ نے اتارا جو رحم و کرم و بزرگی والا ہے یا الف سے اشارہ اللہ کی طرف ہے۔ لام سے جبریل کی طرف اور میم سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔ یعنی یہ قرآن یا یہ سورۃ اللہ نے اتارا' جبریل لائے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا۔ بعض قرءتوں میں الف لام میم پر وقف ہے اور بعض میں اس کی میم کو زیر دے کر لام سے ملا دیا گیا ہے۔ **اللہ لا الٰہ الا ھو الحی القیوم** اس جملہ کی پوری تفسیر آیت الکرسی میں ہو چکی۔ **اللہ** مبتداء ہے اور **لا الٰہ الا ھو** اس کی خبر اور **الحی القیوم** خبر دوم۔ **الحی** وہ ہے جسے کبھی موت نہ آ سکے۔ یعنی حی کامل صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ **الحی** میں لام عہدی ہے۔ اس کے ماسوا بھی اگرچہ حی ہیں مگر حی ناقص قابل موت لہٰذا **الحی** رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور قیوم وہ جو خود بالذات قائم ہو۔ اور دوسرے اس سے قائم ہوں۔ اور جو خلق کی دنیوی اخروی ساری حاجتوں کا انتظام فرمائے۔ قیوم حقیقی یعنی عالم کو قائم باقی رکھنے والا صرف رب تعالیٰ ہے اس کے بعض بندے قیام عالم کا ذریعہ۔ حدیث شریف میں ہے کہ تارے چاند' سورج آسمان کے بقاء کا ذریعہ ہیں اور میرے صحابہ قیام زمین کا وسیلہ اسی لئے صوفیاء کی اصطلاح میں بعض بزرگوں کو قیوم اول' قیوم دوم کہا جاتا ہے۔ بعض اولیاء اللہ عالم کی حاجت روائی کا ذریعہ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چالیس ابدال کے متعلق فرماتے ہیں کہ ان کی برکت سے لوگوں پر بارشیں ہوں گی۔ جنگوں میں فتح و نصرت نصیب ہو گی۔ لہٰذا یہ حضرات مجازاً "قیوم" ہیں۔ ہم ان دو لفظوں کی نہایت نفیس تحقیق آیت الکرسی میں کر چکے ہیں۔ یعنی اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہمیشہ زندہ رہنے والا' اور سب کو قائم رکھنے والا ہے۔ چونکہ توحید کا عقیدہ بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے معتبر نہیں۔ نیز رب تعالیٰ کی قیومیت کا تقاضا تھا کہ بندوں کو بقاء کے ذریعے دیئے جائیں۔ چنانچہ بقاء اجسام کے لئے اس نے غذائیں دوائیں وہوائیں وغیرہ پیدا فرمائیں اور بقاء ارواح یا بقاء ایمان کے لئے انبیاء مبعوث کئے۔ کتابیں

www.alahazratnetwork.org

اتریں- گویا کتب آسمانی کا نزول قیومیت باطنی کا ظہور ہیں- اس لئے ارشاد ہوا کہ **نزل علیک الکتب بالحق- نزل'** تنزیل سے بنا بمعنی آہستہ آہستہ اتارنا- الکتب میں الف لام عہدی ہے- جس سے قرآن پاک مراد چونکہ یہ پہلے لوح محفوظ میں تھا اور اس کے مضامین پچھلے پیغمبروں کے صحیفوں میں لکھے ہوئے تھے- اور آئندہ بھی اس کی کتابت ہوتی رہے گی اس لئے اسے کتاب فرمایا اگرچہ اس کا نزول پڑھ کر ہوا نہ کہ لکھ کر- کتاب فرمانے میں اس جانب بھی اشارہ ہے کہ کامل کتاب یہی ہے- اس کے مقابلہ میں سب ناقص- بالحق یا نزل کے متعلق ہے یا متلبسا" پوشیدہ کے اور وہ کتاب کی صفت حق مقابل باطل کا ہے- جیسے صدق مقابل کذب کا ہر واقعی حقیقت رکھنے والی چیز حق کہلاتی ہے- یعنی اس رب نے حق کے ساتھ- آپ پر کتاب اتاری- جس میں باطل شامل نہ ہو سکا کہ بھیجنے والے رب نے حق بھیجا- لانے والے جبریل حق لائے- کوئی ملاوٹ نہ کی' لینے والے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حق لیا کہ زیر زبر تک بھول نہ سکے- یا رب نے آپ پر وہ کتاب اتاری جو حق سے موصوف ہے- اور ممکن ہے کہ حق بمعنی صدق ہو یعنی قرآن میں پچھلوں کی سچی خبریں ہیں- یا حق بمعنی فیصلہ کرنے والا کلام- یعنی یہ تو قول فیصل ہے نہ کہ ہزل یا حق بمعنی عدل و انصاف ہے- یا حق بمعنی استحقاق یا حق فاسد کا مقابل ہے- یعنی اس کلام میں تناقص اور تقابل نہیں- یا یہ کلام اس کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے (کبیر و معانی وغیرہ)- **مصدقا" لما بین یدیہ- مصدقا"** یا تو علیک کی ضمیر مجرور کا حال ہے- یا کتاب کا یا بالحق کے متعلق کا جو کہ کتاب کا حال اول تھا- یہ لفظ تصدیق سے بنا بمعنی سچا کرنا اور سچا کہنا' یا سچا کہلوانا' قرآن کریم گذشتہ نبیوں' کتابوں وغیرہ کا تینوں طرح مصدق ہے- **لما' مصدقا** کے متعلق ہے- ما سے پچھلی آسمانی کتابیں مراد ہیں- چونکہ پہلے کچھ کتابیں آئی تھیں' کچھ صحیفے' کچھ...... انبیائے کرام کے معجزات- ان سب کو شامل کرنے کے لئے ما ارشاد ہوا- قرآن کریم نے سب ہی کی تصدیق فرمائی- بین ثبت فعل محذوف کا ظرف ہے- جو ما کا صلہ ہے- اس کے معنی ہوتے ہیں سامنے- خواہ زمانہ کے لحاظ سے سامنے ہو' یا جگہ کے لحاظ سے- یہاں زمانہ کے لحاظ سے مراد ہے- یعنی یہ قرآن پچھلی کتابیں' صحیفے' انبیائے کرام کے معجزات کو سچا کرنے والا ہے- یا سچا جاننے والا ہے- خیال رہے کہ جیسے مصدقا میں احتمال ہے کہ علیک کے کاف خطاب سے حال ہو ایسے ہی بالحق میں بھی احتمال ہے کہ متلبسا" ثابتا" کے متعلق ہو کر علیک کے کاف خطاب کا حال ہو گا- یعنی آپ پر کتاب اتاری اس حال میں کہ آپ حق سے وابستہ و متصف ہیں- اس طرح کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ہر ادا حق ہے- آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سراپا حق ہیں- بلکہ آپ مطلقاً" حق ہیں- ہمارے اعمال نفسانی شیطانی رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں- مگر آپ وہ ہیں کہ آپ ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سونا' جاگنا' دیکھنا' سننا' بولنا عین حق ہے- یعنی بے عیب ہے چونکہ قرآن عین حق ہے- اس لئے جس پر قرآن اتارا وہ بھی عین حق ہونا چاہئے- نیز جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو وہ حق جو آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے علیحدہ ہو گیا- باطل ہو گیا' طلوع و غروب کے وقت نماز حق نہیں' باطل ہے- کیونکہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس سے منع فرمایا- ایسے ہی جو عالم حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سے وابستہ ہے وہ حق ہے- جو وابستہ نہیں باطل ہے- جب قرآن کا کاغذ' سیاہی' قلم لکھنے والا' چھاپنے والا پاک چاہئے' سب کا احترام ہے- ایسے ہی جس ذات کریم پر قرآن اترے وہ بھی پاک و حق چاہئے- ان کا احترام بھی لازم' **وانزل التورتہ والانجیل-** یہ جملہ نزل پر معطوف ہے اور گویا **بین یدیہ** کا بیان خصوصی ہے- چونکہ توریت و انجیل کی خصوصیت سے تصدیق فرمائی اور انہیں کتابوں کے ماننے والے عرب میں موجود تھے- اس لئے اس کو علیحدہ بیان فرمایا- اگرچہ زبور شریف اور

www.alahazratnetwork.org

تمام صحیفے برحق ہیں اور سب پر ہمارا ایمان ہے اور قرآن کریم و حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب ہی کی تصدیق فرمائی مگر توریت کی تصدیق زبور کی تصدیق ہے اور داؤد علیہ السلام کی امت عرب میں تھی نہیں اس لئے زبور کا ذکر نہ ہوا۔ **انزل**' دوسرے صحیفوں کا اور چونکہ توریت و انجیل کا آنا یکبارگی ہوا تھا۔ اور قرآن شریف کا نزول آہستگی سے تئیس سال میں۔ لہٰذا اس کے لئے نزول فرمایا گیا تھا۔ اور ان کے لئے **انزل** حق یہ ہے کہ توریت زبان عبرانی کا لفظ ہے اور انجیل زبان سریانی کا۔ اس لئے اس کا اشتقاق اور معنی بیان کرنا ضروری نہیں مگر بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ دونوں لفظ عربی ہیں اگر غیر زبان کے ہوتے تو ان پر الف لام نہ آتا۔ الف لام آنا علامت عربیت کی ہے اسی لئے المشکوٰۃ' الموسیٰ' العیسیٰ نہیں کہا جاتا۔ خواہ وضعاً عربی ہوں' یا ان زبانوں سے منقول ہو کر پھر ان میں اختلاف ہے کہ یہ لفظ کس سے مشتق۔ بعض نے کہا کہ توریت وری سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں پتھر سے لوہا رگڑ کر آگ نکالنا' یعنی چمک اور نور۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **افرایتم النار التی تورون**۔ چونکہ وہ کتاب نور تھی اس لئے اس کا نام توریت ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ وری سے مشتق ہے بمعنی چھپانا۔ **یواری سواتکم و ریشا** اس لئے جس کلام کی مراد ظاہر نہ ہو۔ اسے توریہ کہتے ہیں۔ چونکہ تورات شریف میں اشارے' تلویحات' رموز بہت تھے۔ اس لئے اس کا نام توریت ہوا خلیل و سیبویہ کے نزدیک **تووریۃ** بروزن **فوعلۃ** ہے۔ جیسے **صومعۃ**۔ اصل میں **وووریۃ** تھا۔ پہلا واؤ' ت سے بدلا۔ اور ی' الف' سے تو توریت ہو گیا۔ لکھنے میں توریت آتا ہے اور پڑھنے میں کبھی تورات اور کبھی توریت قراء فرماتے ہیں کہ یہ بروزن **تفعلۃ** ہے۔ جیسے **توصیۃ** باب تفعیل کا مصدر تخفیفاً' ر' کے کسرہ کو فتح سے اور یا کو الف سے بدل دیا گیا۔ تورات ہو گیا مگر خیال رہے کہ پہلی صورت میں واؤ کا ت سے بدلنا بھی تخفیف کے لئے ہے جیسے **تجاہ**' **تراث** اور جیسے **تخمہ** اور **تعلان** اور دوسری صورت میں کسرہ کو فتح سے بدلنا بھی تخفیف کے لئے ہے جیسے **قرسیۃ** سے **توصاۃ** مگر **فوعلۃ** کے اوزان زیادہ ہیں۔ جیسے **صومعۃ**، **موصلۃ**، **دوسرۃ** مگر **تفعلۃ** کا وزن بہت کم ہے۔ لفظ انجیل اس میں چند قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا مادہ نجل ہے۔ بمعنی اصل اسی لئے ماں باپ کو ناجلین کہتے ہیں چونکہ وہ انجیل شریف اپنے دین کی اصل تھی لہٰذا اسے انجیل بروزن افعیل کہا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ نجل سے بمعنی تازہ پانی عرب والے کہتے ہیں۔ **استنجل الوادی** یعنی جنگل میں نیا کنواں ظاہر ہوا۔ چونکہ انجیل سے بھی حق ظاہر ہوا تھا۔ اس لئے اسے انجیل کہا گیا۔ بعض نے کہا کہ نجل سے مشتق ہے بمعنی پانی کا وسیع چشمہ کہا جاتا ہے۔ **عین نجلاء** چونکہ توریت کے احکام میں تنگی تھی اور انجیل کے احکام میں وسعت۔ اس لئے اسے انجیل کہا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ تنلجل سے بنا بمعنی جھگڑا کرنا اہل عرب کہتے ہیں۔ **تناجل الناس** چونکہ اس میں اختلاف بہت ہوا کہ ایک سے بارہ انجیلیں بن گئیں اس لئے اسے انجیل کہا گیا۔ خیال رہے کہ شیر کے بچہ کو بھی اسی لئے نجل کہتے ہیں کہ وہ سب پر غالب رہتا ہے۔ بہرحال جن لوگوں نے انہیں لفظ عربی مانا انہوں نے اس کے اشتقاق میں یہ مختلف کیں اور جنہوں نے عجمی مانا انہیں اس کی ضرورت در پیش نہیں آئی۔ کبھی عجمی ناموں پر بھی الف لام آجاتا ہے۔ جیسے الاسکندریہ (از تفسیر کبیر و معانی)۔ خیال رہے کہ امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرات میں انجیل ہے الف کی فتح سے **من قبل**۔ یہ **انزل** کے متعلق ہے اور قبل کا مضاف الیہ پوشیدہ۔ یا تو قبلک تھا یا قبلہ یعنی رب نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے یا قرآن سے پہلے توریت و انجیل بھی نازل فرمائی تھی۔ **ھدی**" **للناس**' **ھدی**" مصدر ہے۔ بمعنی ہادی اور توریت و انجیل کا حال چونکہ مصدر واحد تثنیہ جمع سب کے لئے بولا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ واحد ہی رہا اور ممکن ہے کہ **الکتب** کا حال ہو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

ھدی معنی مصدری میں ہو اور اس سے پہلے ذوی پوشیدہ ہو اور ممکن ہے کہ انزل کا مفعول لہ ہو یعنی توریت و انجیل لوگوں کو نبی آخر الزمان کی طرف رہبری کرنے کے لئے اتاری گئی تھیں کہ لوگ ان کے ذریعہ نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں۔ **و انزل الفرقان**۔ یہ نزل پر معطوف ہے اور فرقان 'سبحان' غفران کی طرح مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ یہاں یا تو اس سے قرآن شریف مراد ہے اور نزل سے اس کا پہلا نزول مراد۔ جب لوح محفوظ سے بیت العزت کی طرف اتار گیا۔ چونکہ وہ ایک بارگی آیا تھا۔ اس لئے انزل ارشاد ہوا یا فرقان سے آیات محکمات مراد ہیں۔ جو قابل نسخ نہ ہوں یا اس سے زبور شریف مراد ہے یا ساری آسمانی کتابیں گویا یہ تعمیم بعد تخصیص ہے۔ یا اس سے گذشتہ انبیائے کرام کے معجزات مراد ہیں۔ چونکہ معجزہ جادوگر اور نبی میں فرق کر دیتا ہے اس لئے اسے بھی فرقان کہا جاتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے ساری آسمانی کتابیں یا زبور شریف' یا انبیائے کرام کے معجزات' یا قرآن مجید اتارا جو کہ حق و باطل میں فرق کرنے والے ہیں (کبیر' روح المعانی وغیرہ)۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو اللہ وہ ذات ہے کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہی ہمیشہ زندہ ہے اور عالم کو قائم رکھنے والا۔ لہٰذا وہ اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ فانی چیز کے لئے اولاد کی ضرورت ہے تاکہ اس کی نسل باقی رہے۔ جب چاند' سورج' تارے جو عارضی طور پر قیامت تک باقی رکھے جائیں گے ان کے اولاد نہیں تو وہ حی لایموت قدوس اولاد کا حاجتمند کیونکر ہو سکتا ہے۔ رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس نے آپ پر ایسی عجیب و غریب کتاب اتاری جو بالکل سچی ہے حق ہے اور پچھلی ساری کتابوں کی تصدیق و تائید فرمانے والی ہے اگر یہ نہ آتی تو وہ کتابیں سچی نہ ہو سکتیں۔ اور یہودیوں و عیسائیوں سے جب یہ سوال کیا جاتا کہ بتاؤ وہ نبی آخر الزمان کہاں ہیں۔ جن کی تمہاری کتابوں نے پیش گوئی کی تھی تو یہ کیا جواب دیتے۔ آپ کے اور اس کتاب کے آنے سے ان کتابوں کا بول بالا اور ان اہل کتاب کا منہ اجالا ہو گیا۔ نیز اس قرآن نے سارے جہان سے ان کتابوں کی تصدیق کرائی اور انہیں سچا کہلوا لیا۔ ورنہ انہیں کون جانتا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ کتاب نئی نہیں آئی۔ رب نے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام پر توریت و انجیل بھی اتاری تھی۔ جو سارے لوگوں کو سیدھے راستہ کی طرف خصوصاً یہود و نصاریٰ کو آپ کی اور قرآن کی طرف ہدایت کرتی ہیں کہ ان کتابوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا علیہ شریف' آپ کے اوصاف جمیلہ' بلکہ آپ کے صحابہ کرام کے صفات صاف صاف موجود ہیں۔ اور رب تعالیٰ نے ایسی چیزیں اتاری ہیں جو حق و باطل میں فرق کر دیں۔ حق کو حق اور باطل کو باطل کر دکھائیں پھر یہ کیوں بہکتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کے متعلق فرمایا آپ پر اتاری چند وجوں سے ایک یہ کہ قرآن کریم سید الکتاب ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی قرآن اترا ہے۔ اس اتارنے میں نہ ہم کو غلطی ہوئی ہے نہ حضرت جبریل کو دھوکا اس کتاب کے لئے پہلے ہی سے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا انتخاب ہو چکا تھا۔ تیسرے یہ کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یعنی عربی میں آئی۔ آپ کی زمین یعنی مکہ مدینہ میں آئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمان یعنی خیر القرون میں اتری۔ چوتھے یہ کہ کتاب کے الفاظ تمہارے کان و زبان پر مضامین' دماغ پر اسرار دل پر احکام تمہارے قالب پر اترے کہ تم نے یہ سب کچھ براہ راست رب سے سیکھا کسی اور استاد کی شاگردی نہ کی اس لئے **علیک علی افنک** وغیرہ نہ فرمایا۔ لہٰذا یہ آیت حمد الٰہی بھی ہے۔ نعت مصطفیٰ' حقیقت قرآن بھی۔ ہم لوگ الفاظ قرآن سیکھنے میاں جی کے پاس جاتے ہیں۔ قراۃ سیکھنے قاری

www.alahazratnetwork.org

صاحب کے پاس، معانی و احکام سیکھنے عالم کے پاس، اسرار و رموز سیکھنے کے لئے شیخ وقت کے پاس جاتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ نے یہ تمام خود ہی اپنے حبیب کو سکھلوئیے یہ ہے نزل علیک الکتب کا ظہور۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان علینا جمعه و قرانه فاذا قرانه فاتبع قرانه ثم ان علینا بیانه**۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اس سورۃ کے نام ہی میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ کیونکہ اس کا نام سورۂ آل عمران جس کے معنی ہوئے عمران کے گھر والے یعنی بال بچے اور آل سے عمران کی بیوی حضرت حنا عمران کی بیٹی حضرت مریم اور عمران کے نواسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں۔ اس سورۃ میں انہیں کا قصہ بیان ہو رہا ہے کہ جو کسی کی اولاد ہو وہ نہ خدا ہو سکتا ہے نہ خدا کی بیوی کہ یہ رشتے جنسیت چاہتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اس سورہ کا نام روافض و خوارج کی بھی تردید ہے کیونکہ اس کا نام ہے آل عمران اور آل سے مراد عمران کی بیوی بھی ہیں۔ اور ان کی بیٹی اور نواسے بھی معلوم ہوا کہ آل میں بیوی اور اولاد سب داخل ہوتے ہیں۔ درود پاک میں آتا ہے۔ **اللھم صل علی محمد و علی اٰل محمد** اس آل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری اولاد، ساری بیویاں داخل ہیں۔ روافض کہتے ہیں کہ بیبیاں آل نہیں وہ بھی اس سورت کے نام سے عبرت پکڑیں۔ خوارج کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد پاک آل سے خارج ہے وہ بھی اس نام سے نصیحت حاصل کریں۔ **تیسرا فائدہ:** بے دینوں سے مناظرہ کرنا سنت نبوی بلکہ سنت انبیاء ہے۔ دیکھو اس سورۃ کا بڑا حصہ اس مناظرہ کے بارے میں اترا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے عیسائیوں سے کیا۔ **مسئلہ:** جو کہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم اتارنے میں غلطی کی اسے دھوکا ہو گیا۔ یا کہے کہ جناب جبریل علیہ السلام نے پہنچانے میں غلطی کی کہ قرآن آیا تھا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر وہ بھول گئے یا آپ نے بوقت وفات قلم دوات کاغذ منگایا نہ دیا گیا۔ جس سے بعض احکام بیان نہ ہو سکے وہ مرتد بے دین ہے کہ **نزل علیک بالحق** کا انکار ہے۔ جب قرآن کریم کا نزول حق کے ساتھ ہوا حق سے پہنچا، حق کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا اور پہنچایا تو یہ خامیاں کیسے پیدا ہو سکتی ہیں۔ قرآن میں اگر تردد ہوا تو اسلام ہی ختم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مناظرہ میں دلائل قوی دینے چاہئیں نہ کہ گالیاں۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت پر کیسے قوی دلائل قائم فرمائے کہ سارے عیسائی حیران رہ گئے۔ نہ وہاں مذاق تھا نہ دل لگی۔ اس زمانہ کے مناظر اس سے عبرت حاصل کریں۔ **پانچواں فائدہ:** اگر کفار کے ایمان کی امید ہو تو ان سے اخلاق کے برتاوے برتنا چاہئیں۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجران کے ان عیسائیوں کو بطور مہمان اپنی مسجد شریف میں اتارا اور ان کے کلام پر کچھ کچھ ناراضی کا اظہار نہ فرمایا کہ کبھی سخت کلامی سے ضد پیدا ہو جاتی ہے اور جب ضد آئی، تلاش حق گئی۔ اس زمانہ کے عام مناظرے اسی وجہ سے ناکام رہتے ہیں کہ ان کی بنیاد ضد پر ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** ضرورۃً کفار کا مسجد میں آنا جائز ہے۔ دیکھو حضور علیہ السلام نے عیسائیوں کو مسجد میں داخل فرمایا۔ اب بھی فقہا فرماتے ہیں کہ قاضی کو مسجد میں بیٹھنا چاہئے تاکہ ہر فریادی اس تک بے تکلف پہنچ سکے اور ظاہر ہے کہ فریادیوں میں بعض کافر بھی ہوں گے۔ **ساتواں فائدہ:** عقیدہ توحید بغیر عقیدہ نبوت معتبر نہیں **الا بعلم الاطلاع**۔ دیکھو رب نے اپنے صفات کے ساتھ قرآن کریم توریت و انجیل وغیرہ کا ذکر بھی فرمایا اور حقیقت میں انبیائے کرام اور ان کی کتابیں رب کا صحیح پتہ ہیں۔ بغیر پتہ خط اور اس کا سارا مضمون منزل مقصود تک نہیں پہنچتا۔

www.alahazratnetwork.org

ایسے ہی بلاواسطہ انبیاء سارے عقائد بیکار ہوں گے۔ **آٹھواں فائدہ:** کبھی نام کام کا پتہ دیتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے اسماء سے عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی ثابت فرمائی۔ **نواں فائدہ:** مناظرہ کے قانون قرآن شریف سے مستنبط ہیں۔ چنانچہ دلیل تخلف اس آیت سے مستنبط ہو سکتی ہے وہ اس طرح کہ کہا جائے کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت میں جھگڑا کرتے ہو یا ان کی نبوت میں اگر انہیں خدا مانتے ہو تو یہ غلط ہے۔ اللہ حی و قیوم ہے اور عیسیٰ علیہ السلام میں یہ وصف نہیں اور اگر ان کی نبوت ثابت کرنا چاہتے ہو تو ہمیں منظور ہے۔ مگر جن دلائل سے ان کی نبوت ثابت کرتے ہو وہ سارے دلائل محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ اگر ان پر انجیل آئی تھی تو ان پر قرآن اترا اگر ان کے ہاتھ شریف پر چند معجزات ظاہر ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر صدہا معجزات ظاہر ہوئے غرض جن وجوہ سے تم انہیں نبی مانتے ہو۔ انہی سے انہیں بھی نبی مان لو۔ اس کی کیا وجہ کہ دلیل تو عام ہو اور دعویٰ خاص ہو جائے۔ اب ہماری اس تقریر کو آیت پر منطبق کرو کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کے انکار کے لئے پہلے فرمایا گیا **نزل علیک الکتب** پھر ارشاد ہوا **و انزل التورىة والانجيل** یعنی۔ چونکہ نزول کتاب آپ میں اور ان میں مشترک ہے تو ضروری ہے کہ نبوت بھی مشترک ہو یہ نہیں ہو سکتا کہ عیسیٰ علیہ السلام نبی ہوں اور آپ نہ ہوں بے شک وہ سچے نبی ہیں 'روح اللہ ہیں۔ مگر اے پیارے تم سید الانبیاء ہو اور حبیب اللہ ہو کیونکہ تم میں یہ خصوصیت ہے کہ تمہاری کتاب **مصدقا لما بين يديه** ساری کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے۔ جب قرآن بڑی کتاب ہے تو قرآن والا بھی بڑا پیغمبر 'بڑی کتاب' بڑے معلم پڑھاتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** اگر کسی بزرگ کے متعلق بعض لوگ حد سے بڑھ جائیں تو ان کی تردید کے لئے بزرگ کو گالیاں مت دو۔ بلکہ حد سے بڑھنے والوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا مانا مگر قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توہین نہ کی بلکہ عیسائیوں کی تردید فرمائی۔ دیکھو اس آیت میں عیسائیوں کے مقابلہ میں فرمایا گیا کہ بے شک رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اور عیسیٰ علیہ السلام پر انجیل اتاری وہ حضرات بھی سچے ہیں ان کی کتابیں بھی سچی مگر اے بے ایمانو تم جھوٹے کہ تم نے انہیں خدا کا بیٹا مان لیا اور اسی لئے اگلی آیت میں کفار کی برائی فرمائی گئی۔ **ان الذين كفروا** الخ اس سے اسمٰعیل کی ذریت غیر مقلد اور دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ ان بد نصیبوں نے مسلمانوں کی تردید کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیں۔ معاذ اللہ اور تقویۃ الایمان' براہین قاطعہ وغیرہ جیسی گندی و ناپاک کتابیں لکھ ڈالیں۔ **گیارہواں فائدہ:** نزول قرآن شریف کا بھی ہوا اور توریت و انجیل کا بھی مگر ان نزولوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ نزول قرآن پڑھ کر ہے۔ اور ان کتابوں کا نزول لکھا ہوا۔ اس لئے اسے قرآن کہتے ہیں۔ ان کتب کا نام قرآن نہیں' دوسرے یہ کہ ان کتب کے نزول کے لئے جگہ مقرر تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر بلا کر توریت دی گئی مگر نزول قرآن کے لئے کوئی جگہ مقرر نہ ہوئی۔ مکہ معظمہ کے کوچہ و بازاروں میں' مدینہ پاک کے دشت و آبادی میں نزول ہوتا رہا۔ تیسرے یہ کہ توریت و انجیل کے نزول کے لئے وقت مقرر کہ فلاں مہینہ فلاں تاریخ میں توریت دی گئی۔ مگر نزول قرآن کے لئے کوئی وقت مقرر نہ ہوا۔ دن رات حضور صلی اللہ وسلم کے ہر حال میں حتیٰ کہ بستر پر آرام فرماتے وقت آیات قرآنیہ نازل ہوتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے لئے 'نزل اور توریت و انجیل کے لئے انزل ارشاد ہوا۔ نزول قرآن کی ان وسعتوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا بھی اظہار ہے کہ برابر رب و محبوب میں سلسلہ رسل و رسائل باقی ہے۔ اور امت مرحومہ پر کرم بھی کہ اس طرح احکام آنے میں انہیں تکلیف نہ ہوئی۔ بنی اسرائیل جیسی سرکش

www.alahazratnetwork.org

قوم کے لئے قوانین بھی سخت ہوتے ہیں۔ اس لئے ان پر رب نے سختی فرمائی تمام احکام کا ایک دم آجانا بھی ایک سختی تھی۔

اعتراض : پہلا اعتراض اس آیت میں قرآن پاک کی خصوصی صفت بیان فرمائی گئی۔ **مصدقا لما بین یدیہ** کہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اس میں قرآن پاک کی ہی کیا خصوصیت ہے ہر آسمانی کتاب نے اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کی۔ جواب: گذشتہ کلام کی تائید کو تصدیق کہتے ہیں اور آنے والی کلام کی تعریف کو بشارت۔ ساری آسمانی کتابیں اپنے سے پہلوں کی تصدیق کرتی تھیں اور آئندہ کی بشارت دیتی تھیں۔ قرآن پاک کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ مصدق تو ہر کتاب کا ہے۔ مگر مبشر کسی کا نہیں۔ کیونکہ اس کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا اور نہ کوئی آسمانی کتاب **مصدقا لما بین یدیہ** کے یہ معنی ہیں کہ ساری کتابوں کا مصدق کسی کا مبشر نہیں۔ یہی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ **ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم** دوسرا اعتراض: جب قرآن پاک نے پچھلی کتابوں کو منسوخ کر دیا تو ان کی تصدیق کہاں کی؟ جواب: یہ نسخ ہی ان کی تصدیق ہے۔ ان کتابوں نے خود خبر دی تھی کہ ہم قرآن سے منسوخ ہوں گی اگر قرآن آکر انہیں منسوخ نہ کرتا تو ان کی یہ خبر جھوٹی ہو جاتی۔ نیز نسخ تصدیق کے خلاف نہیں قرآن نے یہ فرمایا کہ وہ ساری کتابیں سچی ہیں۔ آسمانوں سے آئیں مگر ان کے احکام اب جاری نہیں جیسی بچہ کی عمر ویسی اس کی غذا جیسی دنیا کی عمر ویسے ان کے احکام۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم نے اپنی صفت فرمائی **هدی للمتقین** اور یہاں توریت و انجیل کے متعلق فرمایا **هدی للناس** تو کیا توریت انجیل کی ہدایت قرآن کریم کی ہدایت سے زیادہ عام ہے۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں **الناس** سے مراد اس زمانہ کے یہودی و عیسائی ہیں۔ جیسے حضرت مریم کے لئے فرمایا گیا۔ **و اصطفک علی نساء العلمین** دوسرے یہ کہ ہدایت کے معنی راہ دکھانا بھی ہیں اور مقصود تک پہنچانا بھی۔ یہاں راہ دکھانا مراد ہے اور وہاں مقصود تک پہنچانا مراد تھا۔ یعنی توریت و انجیل سب کو خدا کا راستہ دکھاتی ہیں۔ خواہ ان پر توریت کے احکام لازم ہوں یا نہیں۔ تیسرے یہ کہ یہاں ہدایت سے قرآن اور صاحب قرآن کی طرف ہدایت دینا مراد ہے یعنی توریت و انجیل باواز بلند پکار رہی ہیں کہ آؤ قرآن والے کو مان لو۔ چوتھے یہ کہ یہاں بھی **هدی للناس** قرآن کی صفت ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا۔ چوتھا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ رب نے اولاً فرمایا **نزل علیک الکتب** اور پھر فرمایا **و انزل الفرقان** حالانکہ **انزال** کے معنی ہیں ایک دم اتارنا تنزیل کے معنی ہیں آہستگی اتارنا یہ دونوں وصف قرآن میں کیونکر جمع ہو گئے۔ جواب: قرآن کے چند نزول ہیں۔ ایک تو لوح محفوظ سے پہلے آسمان کی طرف۔ دوسرے حضور علیہ السلام پر ہر ماہ رمضان میں یہ دونوں نزول ایک دم تھے اور تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول بحسب ضرورت پہلے دو نزولوں کے لحاظ سے انزل فرمایا جاتا ہے اور تیسرے نزول کے لحاظ سے نزل۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عیسائیوں کو مسجد نبوی شریف میں اپنی نماز پڑھنے کی اجازت دی اور آج کے مسلمان دیوبندیوں قادیانیوں کو بھی اپنی مسجدوں میں اسلامی نماز نہیں پڑھنے دیتے بلکہ بعض لوگ بدمذہب کے گھس جانے پر مسجد دھلوا دیتے ہیں۔ ان کا یہ فعل اس حدیث کے خلاف ہے۔ جواب : وہ عیسائی اہل کتاب تھے اور یہ لوگ مرتدین ہیں اور مرتد کے احکام اہل کتاب سے سخت تر ہیں۔ نیز ان کے ایمان کی امید تھی۔ اسی لئے وہاں اخلاق کا برتاؤ برتا گیا۔ اور یہاں ان لوگوں کے فتنہ کا سخت اندیشہ ہے وہ لوگ دل میں ایمان رکھ کر آئے تھے اور یہ

www.alahazratnetwork.org

لوگ مسجد پر قبضہ کرنے کی نیت سے آتے ہیں۔ جس کے مسجد میں آنے سے نمازیوں کو ایذا ہو۔ اس کو مسجد سے ضرور روکا جائے گالیاں بکنے والا گندہ دہنی مریض کچی پیاز یا لسن کھانے والا جس کے منہ میں بدبو ہو۔ جس کے جسم پر بدبو دار زخم ہو ان سب کو مسجد سے روکا جاتا ہے کیوں اس لئے کہ ان کے آنے میں نمازیوں کو ایذا ہے۔ تو جن بے دینوں کے آنے سے نمازیوں کو ایذا ہو ان کو ضرور روکا جائے۔ اگر اس حدیث کے ظاہر پر عمل کرنا ہے تو اپنی مسجدوں میں مشرکین کو سنکھ بجانے اور پوجا پاٹ کی بھی اجازت دے دو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا**۔ یہ آیت فتح مکہ کے بعد کی ہے اور یہ مناظرہ فتح مکہ سے پہلے کا اس آیت نے حکم دیا کہ مشرکین کو خانہ کعبہ کا طواف نہ کرنے دو ممکن ہے کہ یہ حدیث اس آیت سے منسوخ ہو۔ خیال رہے کہ مسجد حرام اور دیگر مساجد حکم مسجیت میں یکساں ہیں اور طواف و دیگر نمازیں یکساں۔ جب کفار کو مسجد حرم شریف میں طواف کرنے کی اجازت نہیں تو دیگر مساجد میں نماز پڑھنے کی اجازت کیونکر ہو گی۔ نیز کسی روایت میں یہ نہیں آتا کہ ان عیسائیوں کو حضور علیہ السلام نے نماز پڑھنے کی اجازت دی۔ بلکہ الفاظ یہ ہیں **فقاموا للصلوۃ فی مسجد رسول اللہ فقال دعوھم** (خازن) وہ لوگ خود نماز کے لئے کھڑے ہو گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! انہیں چھوڑ دو)۔ واقعہ یہ ہوا کہ مسلمان نماز عصر میں مشغول ہوئے اور انہوں نے اپنی نماز شروع کر دی۔ بعد عصر مسلمانوں نے انہیں روکنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انہیں چھوڑ دو پڑھ لینے دو۔ اس سے اجازت ثابت نہیں ہوتی۔ بخاری میں ہے کہ ایک بدوی مسجد نبوی شریف میں پیشاب کرنے لگا۔ صحابہ نے روکنا چاہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **دعوہ** اسے چھوڑ دو۔ پیشاب کر لینے دو اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ مسجدوں میں پیشاب کرنا جائز ہے وہ لفظ یہاں بھی ہے جو ان عیسائیوں کے لئے تھا۔ غرض اجازت ثابت نہیں ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ : رشتے اور تعلقات دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو ہم جنسیت چاہتے ہیں۔ جیسے باپ بیٹا' یا بیوی شوہر' یا بھائی برادر ہو تاکہ یہ رشتے دو جنسوں میں قائم ہو سکتے ہی نہیں۔ کوئی جانور کسی انسان کا نہ باپ ہو سکے نہ بیٹا' نہ شوہر' نہ بیوی' نہ بھائی' نہ بھتیجا۔ دوسرا وہ جس میں یہ شرط نہیں۔ جیسے مالک مملوک' خالق و مخلوق وغیرہ جانور انسان کا مملوک ہوتا ہے۔ اور انسان اس کا مالک بے وقوف عیسائیوں نے بندہ کا رب کے ساتھ وہ رشتہ جوڑا جو ہم جنسیت چاہتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو رب کا بیٹا اور حضرت مریم کو اس کی بیوی قرار دیا۔ **الحی القیوم** فرما کر اسی جانب اشارہ کر دیا گیا کہ جو رشتہ دو مختلف قوموں میں قائم نہیں ہو سکتا وہ الحی القیوم کے ساتھ کیسے قائم ہو سکتا ہے۔ وہ خالق' یہ مخلوق' یہ عابد وہ معبود' یہ حادث وہ قدیم۔ پھر باپ بیٹا ہونا کیسا؟ ہاں یوں کہو کہ وہ سب اللہ کے پیارے بندے اور اس کے رسول سچے ہیں۔ بندگی وہ رشتہ اور تعلق ہے جو مخلوق و خالق میں قائم ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مخلوق سے ظاہری رشتہ لباس بشریت کا اثر تھا۔ ورنہ حقیقت محمدیہ کا نہ کوئی باپ ہے نہ بیٹا۔ نہ بھائی نہ بھتیجا مغز کے احکام اور ہیں پوست کے کچھ اور (مثنوی شریف)۔ اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے اس مضمون کو کیا خوب ادا فرمایا۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں ہیں

www.alahazratnetwork.org

بعض اولیاء اللہ پر حالت وجدان طاری ہوتی ہے تو تمام عالم سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ انسان کا نفس گویا زمین ہے اور روح گویا آسمان انبیاء کرام رحمت کا بادل۔ آسمانی کتابیں گویا بارش۔ جیسے زمین پر آسمان کی مدد سے بارش کے ذریعہ پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی نفس پر روح کے ذریعہ انبیائے کرام کی تعلیم کی برکت سے ایمان عرفان اور تقویٰ پرہیزگاری کے باغ کھلتے ہیں۔ فرشتوں میں صرف آسمان یعنی روح ہے۔ زمین یعنی نفس نہیں۔ اسی لئے ان کے پاس اعمال کی کھیتی نہیں۔ اور ان کے اعمال پر جزا نہیں انسان کے پاس چونکہ نفس بھی ہے۔ اسی لئے اس کے اعمال قابل جزا ہیں جیسے کہ ایک بارش نے زمین پر مختلف پھول کھلتے ہیں۔ ایسے ہی بارش قرآن سے زمین نفس پر رنگ برنگے مختلف پھول پھل پیدا ہوئے۔ صدیق 'فاروق 'عثمان غنی 'حیدر کرار اولیاء و اقطاب ان کے نفوس میں قدرت نے جیسا تخم امانت رکھا تھا۔ قرآن کی بارش سے ویسے ہی ان پر باغ لگے اور یہ بھی خیال رکھو کہ اخیری بارش پچھلی ساری بارشوں کا تتمہ ہوتی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ سب برباد۔ اب اس آیت کا مطلب سمجھو کہ رب تعالیٰ نے زمین نفس پر توریت و انجیل وغیرہ کی بارش بھیجی پھر جب یہ کھیتی پکنے کے قریب آئی 'تو اس پر قرآن کی بارش برسائی۔ جو مصدقا لما بین یدیہ ہے یعنی گزشتہ کتابوں کی تکمیل اور تصدیق اسی بارش سے ہوئی جو یہودی یا عیسائی قرآن کی تعلیم سے الگ رہ کر صرف انجیل پر قناعت کئے رہا اس کی مثال ایسی ہو گی۔ جیسے کسی کے کھیت کو اگلی بارشیں ملیں پچھلی نہ ملی جس سے کھیت جل کر تباہ ہو جائے۔ ہاں کچھ ترکاریاں اور کچی کھیتیاں بھی تھیں جو اسی زمانہ میں کٹ گئیں مگر اب بغیر اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے تنزیل قرآن 'انزال توریت و انجیل 'انزال فرقان کا ذکر بطور احسان بیان فرمایا۔ دنیا لیٹر بکس کی طرح ہے۔ یہاں ہر قسم کے لوگ موجود ہیں۔ دوزخ میں جانے والے بھی یہاں ہی ہیں۔ جنت میں جانے والے بھی۔ پھر جیسے ڈاک چھانٹ کر ہر طرف کو بھیجی جاتی ہے ایسے ہی رب تعالیٰ انسانوں کو چھانٹ کر جنت دوزخ میں بھیجے گا۔ اب جو چیز چھانٹ پیدا کرنے والی ہے اسی کو فرقان کہا جاتا ہے۔ کتاب اللہ 'معجزات نبی۔ ان کے فرمان عالیہ سب فرقان ہیں۔ انہی سے جنت دوزخ کے لوگوں میں فرق ہوتا ہے۔ جو انہیں مان گیا جنتی ہے 'جو انکاری ہے دوزخی ہے۔ صدیق 'زندیق 'ابوجہل وغیرہ میں انہی چیزوں نے چھانٹ فرمائی۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ آیتوں اللہ کے واسطے ان کے عذاب ہے سخت اور اللہ غالب

بے شک وہ جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے ان کے لئے سخت عذاب ہے اور اللہ غالب بدلہ

ذُو انْتِقَامٍ ۝ إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي

بدلہ والا ہے تحقیق اللہ نہیں چھپتی اوپر اس کے کوئی چیز بیچ زمین کے اور نہ بیچ آسمانوں کے

لینے والا ہے اللہ پر کچھ چھپا نہیں زمین میں نہ آسمان میں۔ وہ ہی ہے کہ تمہاری

www.alahazratnetwork.org

السَّمَآءِ۝ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرُكُمْ فِی الْاَرْحَامِ كَیْفَ یَشَآءُ ؕ لَاۤ اِلٰهَ
وہ وہ ہے جو صورت بناتا ہے تمہاری پیٹ رحموں کے جس طرح چاہتا ہے نہیں ہے کوئی
تصویر بناتا ہے ماؤں کے پیٹ میں جیسی چاہے اس کے سوا کسی کی عبادت
اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۝
معبود سوا اس کے غالب ہے حکمت والا ہے۔
نہیں عزت والا عظمت والا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں توحید الٰہی پر بے مثل دلائل قائم فرمائے گئے تھے۔ اب اس کے نہ ماننے والوں پر عذاب کا ذکر ہے کیونکہ عاقل بات سے مانتے ہیں اور غافل جوتے سے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے بے مثل ہونے اور عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے کی نشانیاں بیان ہوئی تھیں کہ وہ اللہ حی و قیوم ہے۔ انبیاء پر وحی اتارنے والا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات نہیں۔ پھر وہ رب کے بیٹے کیسے؟ جس پر مناظرہ کرنے والے عیسائی خاموش تو ہو گئے مگر مانے نہیں۔ اب ان کی خاموشی اور نہ ماننے پر عتاب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ زندہ ہے اور عالم کو قائم رکھنے والا اور ان کی ضرورت پوری فرمانے والا ہے۔ اب اس کے حی و قیوم ہونے کو ثابت فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کامل علم والا بھی ہے اور قدرت والا بھی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے بندہ ہونے پر دلائل قائم فرمائے گئے تھے اب عیسائیوں کے ان شبہات کا جواب دیا جا رہا ہے۔ جن کی بناء پر وہ انہیں خدا یا بیٹا مانتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بچوں کو گھر میں کھائے رکھے ہوئے کھانے کی خبر دے دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ انہیں علم غیب تھا اور وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں جان ڈال دیتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان میں قدرت اور خلق بھی تھی اور جس میں یہ صفتیں ہوں وہ رب ہے۔ اس آیت میں اسی شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ بے شک عیسیٰ علیہ السلام کو بعض غیوب کا بھی علم تھا اور کچھ قدرت بھی۔ مگر اتنا علم و قدرت الوہیت کے لئے کافی نہیں۔ رب وہ جس پر کوئی چیز مخفی نہ ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کی یہ صفت نہیں۔ اور جو ماں کے رحم میں بچہ کی شکل بنائے وہ خدا اور جو بنے وہ بندہ۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پاک تو بنائی گئی لہٰذا وہ بندہ ہیں خدا نہیں۔ **پانچواں تعلق**: یہ ساری آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں آئیں۔ چونکہ آپ نے چند دلائل قائم فرمائے تھے جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا جا چکا کچھ دلائل کی تائید پچھلی آیتوں میں کی جا چکی اور کچھ کی اب ہو رہی ہے۔

تفسیر : **ان الذین کفروا بایت اللہ** چونکہ اس آیت کریمہ کے مضمون کے اہل کتاب منکر تھے۔ وہ تو اپنے کفریات کو عین ایمان سمجھے ہوئے تھے۔ اس لئے رب نے اس آیت کو ان سے شروع فرمایا **ان** رفع شک کے موقعہ پر بولا جاتا ہے **الذین** سے یا تو وہ عیسائی مراد ہیں جن سے مناظرہ ہوا تھا۔ جیسا کہ پچھلے شان نزول سے ظاہر ہے یا سارے کفار جیسا کہ لفظ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کفر کے یا لغوی معنی مراد ہیں یعنی انکار کرنا یا اصطلاحی معنی 'ب' صلہ کی ہے' نہ کہ تعدیہ کی۔ آیات جمع آیت کی

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ یعنی نشانی اس کی اضافت یا تو جنسی ہے اور اس سے گزشتہ کتابیں یا انبیائے کرام کے معجزات یا قرآن پاک کی آیتیں یا ساری چیزیں مراد ہیں۔ کیونکہ یہ سب رب کی نشانیاں ہیں۔ یا اضافت عہدی ہے اور اس سے توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جن میں نبی آخر الزمان کی بشارت دی گئی تھی۔ آیات کو ذات کی طرف نسبت کرنے میں ان کے کفر کا بیان ہے۔ یعنی یہ عیسائی یا وہ سارے کفار جنہوں نے رب کی ساری نشانیوں کا یا توریت و انجیل کی ان خاص آیتوں کا یا حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم کردہ دلائل کا انکار کیا۔ انکار آیات کی چند صورتیں ہیں یا تو الفاظ آیات کا ہی انکار کر دیا جائے یا مضمون آیات کا انکار ہو، یا ان احکام کا انکار ہو، جس پر امت کا اجماع ہو وہ لوگ ان تینوں قسم کا انکار کرتے تھے۔ بعض آیات انہوں نے بدل دی تھیں۔ بعض کی غلط تاویلیں کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت والی آیتوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر چسپاں نہیں مانتے تھے آج مسلمانوں کے اندر آخری دو انکاروں کی بیماری پیدا ہو گئی ہے وہ بھی اس سے عبرت پکڑیں ہمیشہ قرآنی آیات کا وہی مطلب سمجھو جو چودہ سو برس سے آج تک عام مومنین سمجھتے آئے ہیں۔ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہیں۔ اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ کے معنی نماز ہی ہیں۔ و لهم عذاب شديد لهم خبر مقدم ہے اور عذاب مبتداء موخر اور یہ جملہ ان کی خبر۔ عذاب کی تنوین عظمت کے لئے اور شدید کی تنوین شدت کے لئے اسی لحاظ سے حصر کیا گیا۔ معنی یہ ہوئے کہ خاص ایسے ہی کافروں کے لئے جو جان بوجھ کر آیات کا انکار کریں بڑا ہی سخت عذاب ہے۔ جس کی شدت سوا رب کے کوئی نہیں جان سکتا۔ رہے بے خبر کافر ان کے لئے عذاب تو ہے مگر اتنا سخت نہیں (معانی، روح) غرضکہ سرداران کفر کا عذاب سخت ہے۔ بے خبری میں کافر ہونے والوں کا عذاب ہلکا یا یہ حصر گنہگار مسلمانوں کے لحاظ سے ہے تو معنی یہ ہوئے کہ کفار ہی کو سخت عذاب ہو گا۔ رہے گنہگار مومن اگر انہیں عذاب ہوا تو ہلکا ہو گا کہ اس کا عذاب عارضی ہو گا کافر کا دائمی۔ اس کی پردہ پوشی ہو گی کہ کسی کو خبر نہ ہو گی کہ کوئی عذاب پا رہا ہے۔ کافر کی پردہ دری ہو گی۔ اسے غذائیں یعنی کفار کا پیشاب، پاخانہ، خون، پیپ کھانے کو نہ دیا جائے گا کہ اس کے منہ میں کبھی اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تو آتا تھا۔ کافر کو دیا جائے گا۔ مومن کو چاہئے کہ اپنا منہ زبانی گندی باتوں سے محفوظ رکھے کہ یہاں اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسان کو ماں کے پیٹ میں حیض کا خون منہ سے نہ پلایا بلکہ ناف سے پہنچایا کہ اس کا منہ گندگی سے محفوظ رہے۔ تو ہم کو احتیاط لازم ہے۔ مومن کا منہ بہت ہی حرمت والا ہے۔ واللہ عزیز ذوانتقام یہ مستقل جملہ ہے پہلے جملہ کی تائید کرتا ہے۔ عزیز، عز سے بنا۔ بمعنی غلبہ تام۔ عزیز وہ غالب جو کسی سے مغلوب نہ ہو۔ انتقام، نقمۃ کا باب افتعال ہے اس کے معنی غلبہ، قبضہ، سزا اور تکلیف ہے۔ نقمۃ باب ضرب یضرب سے ہے۔ قرآن فرماتا ہے وما نقموا منهم الا ان يومنوا الخ اور فرماتا ہے وما تنقم منا الا ان امنا بدلہ کو انتقام اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں سزا دی جاتی ہے۔ اگرچہ ذوانتقام اور منتقم کے معنی قریباً یکساں ہیں مگر ذوانتقام میں زیادہ مبالغہ ہے۔ صاحب سیف وہی کہلائے گا۔ جس سے اکثر قتل واقع ہو نہ وہ کہ جس کے پاس تلوار ہے۔ یعنی اللہ غالب ہے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔ اور دشمنوں سے سخت بدلہ لینے والا ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ یہ خبر عذاب شدید کی تحقیق کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کا عذاب سخت بھی ہے اور بہت بڑا بھی کیونکہ وہ رب سب پر غالب ہے کوئی اسے مجرم کو سخت عذاب دینے سے روک نہیں سکتا۔ اور جیسے وہ کرم کرنے والا ہے ایسے ہی بدلہ لینے والا بھی۔ باغی کو یوں چھوڑ دینا بھی لاقانونی ہے بڑا حاکم ہی بڑی سزا دے سکتا ہے۔ ایسے معمولی حاکم پھانسی کی سزا دے نہیں سکتا۔ اور

www.alahazratnetwork.org

مقام فرما کر یہ بتایا کہ رب بغیر جرم کے کسی کو سزا نہیں دیتا۔ بدلہ میں سزا دیتا ہے' مجرم کی سزا' بدلہ دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ برزخ میں بھی' حشر میں بھی' آخرت میں بھی' کفار کے لئے دنیاوی مصیبتیں بھی عذاب ہیں' مومن کے لئے رحمت۔ یہ جملہ گویا معترضہ تھا۔ اب پھر اصل مضمون کی طرف رجوع ہے۔ **ان اللہ لا یخفی علیہ شیء فی الارض ولا فی السماء**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی وسعت علم کا ذکر ہے۔ چونکہ بعض لوگ اس کے علم یا وسعت علم کے منکر تھے۔ اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا گیا۔ **لا یخفی' خفاء** سے بنا۔ بمعنی پوشیدگی اور چھپنا اس کا مقابل ظہور ہے۔ پوشیدگی کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو شے کا فی الحال موجود نہ ہونا۔ دوسرے پردہ میں ہونا۔ یہاں دوام و استمرار کے لئے یعنی کبھی نہیں چھپتا۔ **علیہ' یخفی** کے متعلق ہے اور **شی ء** اس کا فاعل۔ **شی ء** موجود کو بھی کہتے ہیں ممکن کو بھی اور معلوم کو بھی مگر یہاں موجود یا ممکن مراد ہے کیونکہ غیر مخفی یعنی ظاہر ہونا اس ہی کی شان ہے' نہ کہ ناممکنات کی رب کو معلوم تو ہر چیز ہے مگر غیر مخفی یعنی ظاہر صرف موجودات یا ممکنات ہیں **فی الارض'** ثابت پوشیدہ کے متعلق ہو کر **شی ء** کی صفت ہے۔ **لا** نفی کی تاکید کے لئے دوبارہ لایا گیا **فی السماء** بھی **شی ء** کی صفت بعض لوگوں نے فرمایا کہ یہ دونوں جار مجرور **لا یخفی** کے متعلق ہیں۔ چونکہ انسان کو بمقابلہ آسمان کے زمین کا زیادہ علم ہے۔ اس لئے یہاں زمین کا ذکر پہلے ہوا اور آسمان کا بعد میں اور چونکہ عالم اجسام کے دو ہی کنارے ہیں۔ زمین و آسمان اس لئے اس سے مراد عالم اجسام کی ساری چیزیں ہیں یعنی رب تعالیٰ پر کوئی چھوٹی بڑی گزشتہ موجودہ اور آئندہ چیز بھی پوشیدہ نہیں سب کچھ ظاہر ہے۔ اب اظہار قدرت کے لئے فرمایا جاتا ہے **ھو الذی یصورکم فی الارحام کیف یشاء**۔ **ھو** سے ذات الٰہی مراد ہے اور **الذی** سے اس کی صفت **یصور** تصویر سے بنا۔ جس کے معنی ہیں صورت بخشنا۔ ظاہر چیز کو دیکھ کر جانا جاتا ہے اور چھپی چیز کو اس کے علامات و آثار سے بھی جانا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی ذات تمام غیبوں سے بڑھ کر غیب ہے اس لئے اسے اس کی قدرت و صنعتوں سے پہچانا جاتا ہے۔ **ھو الذی** فرما کر یہ بتایا کہ اگر تم اس غائب کو جاننا پہچاننا چاہتے ہو تو خود اپنے کو دیکھو تم بذات خود اس کی معرفت کی کتاب ہو۔ **و فی انفسکم افلا تبصرون**۔ صورت لغت میں صار۔ صور کا مصدر ہے۔ بمعنی مائل ہونا اور مائل کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فصرھن الیک** صور کو اسی لئے صور کہتے ہیں کہ تمام مخلوق اس کی آواز پر اس کی طرف مائل ہوگی۔ **و نفخ فی الصور** اور **صیر' ضرب یضرب** سے بمعنی مائل کرنا اور منقلب ہونا ہے۔ اصطلاح میں صورت اس ہیئت کا نام ہے جو ترتیب اجزاء سے حاصل ہو یعنی شکل چونکہ یہ بھی اجزاء کے ایک دوسرے کی طرف میلان سے حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے صورت کہا جاتا ہے۔ ارحام جمع رحم کی ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں مہربانی اور رقت قلبی اسی سے رحمت ہے عورت کی بچہ دانی کو اس لئے رحم کہتے ہیں کہ وہ رشتوں' قرابتوں اور محبتوں کی اصل ہے۔ **فی الارحام** یا تو **یصور** کا متعلق ہے یا کسی پوشیدہ عبارت کا متعلق ہو کر **کم** کا حال ہے اور **کیف یشاء** سے منصوب ہے اور یہاں عموم کیفیت کے لئے بولا گیا۔ **یشاء** کا مفعول یہ پوشیدہ ہے۔ یعنی رب تعالیٰ وہ قدرت والا ہے کہ تمہیں تمہاری ماؤں کے شکم میں جیسی چاہتا ہے صورت بخشتا ہے۔ لڑکا بنائے یا لڑکی' کامل یا ناقص' کالا یا گورا' یا جس طرح چاہے تمہیں بناوے۔ باپ کے نطفہ سے یا بغیر نطفہ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا فرمایا یہ اس کا کمال ہے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت۔ کیونکہ **لا الہ الا ھو العزیز الحکیم**۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے وہی غالب حکمت والا ہے۔ یہ جملہ گزشتہ دلائل کا نتیجہ ہے۔ پہلے مطلوب کے طریقہ پر ارشاد فرمایا گیا تھا اب نتیجہ کے طور پر۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر : اللہ کی وحدانیت اور اس کے ماسوا کی عبدیت پر بے شمار دلائل قائم ہو چکے اب جو کوئی جان بوجھ کر ان نشانیوں کا انکار کرے اور عیسیٰ علیہ السلام یا کسی اور کو خدا کا شریک مانے اس کے لئے سخت عذاب ہے۔ اللہ وہ غالب ہے کہ اس پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ جو چاہے کرے اور جو چاہے فیصلہ فرمائے۔ سخت بدلہ لینے والا ہے اسے بدلہ سے کوئی نہیں روک سکتا۔ اے بے وقوفو! عیسیٰ علیہ السلام یا کوئی دوسرا خدا کیسے ہو سکتے ہیں۔ رب کی شان تو یہ ہے کہ اس سے آسمان و زمین کی کوئی چھوٹی بڑی فی الحال یا آئندہ ہونے والی چیز کبھی پوشیدہ نہیں۔ یہ وسعت علمی اس کے ساتھ خاص ہے اگر اس نے اپنے فضل سے کسی کو کچھ علم غیب عطا فرمایا تو اس سے وہ خدا نہ بن گیا بلکہ بندہ ہی رہا۔ نیز وہ ایسی قدرت والا ہے کہ تمہیں تمہاری ماؤں کے تاریک رحموں میں جیسی چاہتا ہے صورت بخشتا ہے۔ کسی کو لڑکا بناتا ہے' کسی کو لڑکی' کوئی کالا' کوئی گورا' کوئی خوبصورت' کوئی بدصورت' کوئی کامل' کوئی ناقص نیز کوئی صفراوی کوئی بلغمی' کوئی اندھا' کوئی انکھیارا' کوئی گونگا' کوئی نہایت تیز بولنے والا' کوئی بدنصیب' کوئی نصیبہ ور۔ غرضکہ تخم ایک' زمین ایک مگر پھل مختلف یا یوں سمجھو کہ مادہ ایک سانچہ ہے مگر اس میں ڈھلنے والے بندے مختلف۔ دیگر چیزوں میں دکھایا گیا ہے کہ جیسا بیج ویسا ہی اس کا پھل۔ ویسی ہی اس کی لذت' ویسی ہی رنگ و بو' ویسے ہی خاصیت۔ مگر حضرت انسان قدرت الٰہی کا مظہر ہے کہ ایک ہی ماں کے چند بچے ان میں سے کوئی کافر' کوئی ولی' کسی کا مزاج بلغمی' کسی کا صفراوی۔ کوئی گونگا' کوئی تیز زبان' کوئی پیدا ہوتے ہی مر گیا' کوئی سو سال جیا' کوئی کچا ہی گر گیا۔ ان کمالات قدرت کو دیکھ کر کہنا پڑے گا بے شک خدا کے سوا کوئی معبود نہیں وہ غالب بھی ہے اور حکمت والا بھی۔ جو چاہے۔ جس طرح چاہے جب چاہے جیسے چاہے بنائے۔ جو رب نطفہ میں اتنے کرشمے دکھا سکتا ہے وہ بغیر نطفہ کے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پیدا فرما سکتا ہے۔ جب یہ سمجھ چکے تو سمجھو لو کہ رب کے سوا کوئی معبود نہیں معبود وہ جو ان صفات سے موصوف ہو' وہی سب پر غالب ہے اور حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت و راز سے خالی نہیں۔ اس کی غالبیت و حکمت اسی کی ہستی کی دلیل ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں

عرفت ربی بفسخ عزائمی میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے فسخ ہو جانے سے پہچانا۔

لطیفہ : کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ موجد شطرنج کا کمال تو دیکھو کہ اس نے گز بھر کپڑے پر چونسٹھ خانے بنائے مگر جب کھیلو تب اس کی نئی چال ہے آپ نے فرمایا کہ خالق کا کمال تو دیکھو کہ اس نے بالشت بھر چہرہ میں پانچ سوراخ کئے۔ دو آنکھوں کے' دو ناک کے اور ایک منہ کا۔ مگر اس پر کروڑوں نقشے کھینچ دیئے ان میں کوئی دوسرے سے نہیں ملتا۔ گویا آپ کا یہ کلام **کیف یشاء** کی تفسیر ہے۔

مسلم و بخاری وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کا نطفہ چالیس روز تک رحم میں اسی رنگ پر رہتا ہے۔ پھر چالیس دن تک جمے ہوئے خون کی شکل میں' پھر چالیس دن تک پارہ گوشت کی شکل میں رہتا ہے۔ پھر رب تعالیٰ ایک فرشتہ بھیجتا ہے جو اس کی تمام کیفیت لکھ جاتا ہے کہ یہ لڑکا ہے یا لڑکی۔ بد بخت ہے یا نصیبہ ور۔ اسے کیسا رزق ملے گا۔ کب مرے گا' کیسے کام کرے گا۔ یہ تمام کچھ ایک صحیفہ میں لکھ کر اس بچے کے گلے میں ڈال دیتا ہے۔ رب نے فرمایا **و کل انسان الزمنه طئره فی عنقه** بعض بد نصیب جنت کے کام کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ اس میں اور جنت میں صرف ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک اس کی تقدیر غالب آتی ہے اور وہ پلٹا کھا کر دوزخیوں کے سے عمل کرتا ہے اور اسی پر اس کا خاتمہ

www.alahazratnetwork.org

ہوتا ہے اور وہ داخل دوزخ ہوتا ہے۔ بعض خوش نصیب دوزخ کے کام کرتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس میں اور دوزخ میں ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے کہ اچانک اس کی تقدیر اس پر سبقت کرتی ہے اور اس کی زندگی کا نقشہ بدل جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے سے عمل کرنے لگتا ہے۔ اسی پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور وہ داخل جنت ہوتا ہے۔ (خزائن و خازن و روح وغیرہ) انسان کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرے اپنے ظاہری اعمال پر گھمنڈ نہ کرے اور یہ دعا کرتا رہے۔

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بعض عطائی علم غیب دلیل الوہیت نہیں اور نہ اس کا انبیاء کے لئے ماننا شرک دیکھو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم غیب کو ان کے خدا ہونے کی دلیل بنایا۔ رب نے ان کے علم غیب کا انکار نہیں کیا بلکہ ان کے استدلال کو غلط قرار دیا۔ دیوبندیوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہئے کہ وہ سنیوں کو اس بناء پر مشرک کہہ دیتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کی عطا سے سارے واقعات عالم کا علم غیب مانا۔ حالانکہ یہ علم علم خداوندی کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** تقدیر لکھنے والا فرشتہ علوم خمسہ جانتا ہے کہ کون نیک بخت ہے اور کون بدبخت کون کہاں مرے گا اور کب مرے گا کون کتنا کھائے گا اور کتنا پئے گا۔ کیونکہ یہ سب باتیں وہی تو لکھ گیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس فرشتہ سے بڑھ کر عالم ہیں۔ اس لئے یہ پانچوں علم حضور علیہ السلام کو بھی حاصل ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** ہر ایک کی اگلی سوانح عمری اس کے گلے میں موجود ہے جیسا کہ ہماری بیان کردہ حدیث سے معلوم ہوا۔ لہٰذا اولیاء کی حقیقت بین آنکھوں سے کچھ چھپا ہوا نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** عطائی قدرت خدا ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھو عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے رب مانا تھا کہ وہ مٹی کے پرندوں میں جان ڈالتے تھے۔ رب تعالیٰ نے حضرت مسیح کی قدرت کا انکار نہیں فرمایا بلکہ اس استدلال کو غلط بتایا۔ اس سے بھی دیوبندی عبرت پکڑیں کہ وہ اولیاء اللہ اور انبیائے کرام میں عطائی قدرت ماننے کو شرک کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان کی قدرت قرآن و حدیث سے ثابت ہے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق اول کا مطالعہ کرو۔ **پانچواں فائدہ:** خدا تعالیٰ ہر وقت ہر چیز کا عالم ہے۔ جیسا کہ **لا یخفی** کی وسعت سے معلوم ہوا جو اسے ایک آن کے لئے جاہل مانے وہ بے ایمان ہے۔ دیوبندیوں کے پیشوا اسماعیل صاحب دہلوی نے تقویۃ الایمان میں لکھا کہ جب چاہے غیب معلوم کرے یہ اللہ صاحب کی شان ہے۔ مولوی رشید احمد صاحب کے شاگرد سید حسین علی پنجابی نے اپنی کتاب بلغۃ الحیران میں لکھا کہ حق یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کو بندوں کے فعل کی ہر وقت خبر نہیں۔ جب وہ کر لیتے ہیں تب اسے خبر ہوتی ہے یہ عقیدے صریحی بے دینی ہیں اور اس آیت کریمہ کے سخت خلاف۔ **چھٹا فائدہ:** چالیس کا عدد بڑا مبارک ہے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بچہ پر ہر چالیس دن کے بعد تبدیلی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ چالیس دن میں تبدیلی ہے۔ چالیس سال تک آدم علیہ السلام کا خمیر خشک کیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو چالیس دن تک کا اعتکاف کرا کر توریت دی گئی۔ چالیس سال کی عمر میں اکثر پیغمبروں کو نبوت ملی۔ چالیس سال کی عمر میں عقل کامل ہوتی ہے اسی لئے صوفیائے کرام چلے کرتے ہیں۔ اس کی پوری تحقیق پہلے سیپارہ کی تفسیر اور ہماری کتاب جاء الحق اول میں دیکھو۔ انوار ساطعہ نے ایک حدیث نقل کی کہ بزرگان دین کی ارواح چالیس دن تک اپنی قبر میں رہتی ہیں۔ پھر اپنے اصلی ٹھکانے جہاں حشر تک رہنا ہے۔ پہنچ جاتی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض : پہلا اعتراض اس آیت کا مضمون مختصر عبارت میں بھی ادا ہو سکتا تھا کہ کہہ دیا جاتا کہ اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔ اتنی دراز عبارت کیوں فرمائی گئی کہ اللہ پر زمین و آسمان کی چیزیں چھپی نہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ **جواب:** اس سے تاکید مقصود ہے جیسے بادشاہ یہ کہہ دے کہ میں سب کا بادشاہ ہوں اور یہ کہے کہ ذرہ ذرہ پر میری حکومت ہے دونوں کا مطلب ایک ہی ہے مگر دوسری عبارت میں جو تاکید ہے وہ پہلی میں نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ پر وہ چیزیں چھپی ہوئی نہیں جو آسمان و زمین میں ہوں تو کیا دوسری چیزیں چھپی ہیں جو اب تک پیدا نہیں ہوئی یا پیدا تو ہوئیں مگر آسمان و زمین کے علاوہ اور عالم میں ان کا مقام ہے۔ خدا اسے بھی جانتا ہے یا نہیں۔ اگر نہیں جانتا تو اس کے علم میں کمی ہے اور اگر جانتا ہے تو اس آیت کے خلاف **جواب:** یہ عبارت بندوں کے لحاظ سے ہے کہ ان کے علوم انہیں میں محدود ہیں۔ اسی سے انہیں رب کی وسعت علم کا پتہ لگ گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ رحم مادر میں خود بچوں کی صورتیں بناتا ہے اور حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ کام فرشتہ کے سپرد ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** رب کے حکم سے فرشتہ رحم میں صورت بناتا ہے لہٰذا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ فرشتہ نے صورت بنائی اور یہ بھی کہ رب نے کیونکہ غلام کا فعل مالک کا فعل ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بادشاہ نے ملک جیت لیا۔ حالانکہ لشکر نے جیتا ہے اس میں اس جانب اشارہ ہو گیا کہ جیسے اس فرشتہ کو خدا نہیں کہہ سکتے۔ جو رحم میں صورتیں بنا کر ان میں روح پھونکتا ہے ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو مٹی کے پرندوں میں پھونکنے اور مردوں کو زندہ کرنے اور بیماروں کو اچھا کرنے سے خدا نہیں کہا جاسکتا۔ کیونکہ یہ دراصل خدا کے فعل ہیں یہ حضرات اس کا مظہر۔ اسرافیل علیہ السلام صور پھونک کر سارے ہی مردوں کو زندہ کریں گے تو کیا وہ خدا ہیں ہرگز نہیں۔ ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے ماں کے رحم میں نطفہ ہر چالیسویں دن رنگ بدلتا ہے۔ یہاں تک کہ شکل انسانی اختیار کر لیتا ہے۔ ایسے ہی سچے مرید کا قلب گویا رحم ہے اور شیخ کامل کی نگاہ گویا نطفہ شیخ مرید کے قلب پر اثر ڈال کر اس سے چلے کراتا ہے۔ جس سے مرید ہر چلہ میں ترقی کرتا ہوا اسی بارگاہ تک پہنچ جاتا ہے جہاں سے چلا تھا پھر اس کے قلب میں روح خاص پھونکی جاتی ہے۔ جسے روح القدس کہہ سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یلقی الروح من امرہ علی من یشاء من عبادہ'** نیز فرماتا ہے **کتب فی قلوبھم الایمان و ایدھم بروح منہ** جب اس میں یہ روح پھکتی ہے تب یہ اپنے وقت کا آدم ہوتا ہے اور تمام ملائکہ کا گویا مسجود (روح البیان) جیسے ایک ہی رحم سے مختلف اولاد پیدا ہوتی ہے ایسے ہی ایک ہی تعلیم سے مریدین کے مختلف حالات ہوتے ہیں۔ نگاہ مصطفوی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک ہی تھی مگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درجات مختلف۔

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہماری بندگی کی سب سے بڑی دلیل ہماری مجبوری و معذوری ہے۔ بندہ خود مختار ہو کر دعویٰ خدائی کر بیٹھتا ہے اور اپنی ناکامی و مجبوری دیکھ کر بندہ بنتا ہے۔ فرعون جب طوفان میں پھنسا تو بولا **امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنوا اسرائیل** ہم اگرچہ دوران زندگی میں کچھ مختار بھی ہیں مگر پیدائش و موت میں محض مجبور کہ جب چاہا جیسا چاہا رب نے بنا دیا وہاں ہماری تدبیر کو دخل نہیں اور جب چاہا جس طرح چاہا بلا لیا۔ کوئی تدبیر و علاج موت پر مفید نہیں ہوتا۔ انسان اپنی ابتدائی و انتہائی مجبوریوں پر نظر رکھے تو شناہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا۔

www.alahazratnetwork.org

هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ مِنۡهُ اٰیٰتٌ مُّحۡکَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الۡکِتٰبِ

وہ اللہ وہ ہے جس نے اتارا اوپر آپ کے اس کتاب کو اس میں سے بعض آیتیں مضبوط کی ہوئی ہیں وہ

وہی ہے جس نے تم پر یہ کتاب اتاری اس کی کچھ آیتیں صاف معنی رکھتی ہیں وہ کتاب کی اصل ہیں اور دوسری

وَ اُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیۡنَ فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ زَیۡغٌ فَیَتَّبِعُوۡنَ مَا

اصل کتاب ہیں اور دوسری متشابہ والی ہیں لیکن وہ لوگ کہ بیچ دلوں ان کے کجی ہے بس پیچھے پڑتے ہیں وہ ان

وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے وہ جن کے دلوں میں کجی ہے وہ اشتباہ والی کے

تَشَابَهَ مِنۡهُ ابۡتِغَآءَ الۡفِتۡنَةِ وَ ابۡتِغَآءَ تَاۡوِیۡلِهٖ ۚ وَ مَا یَعۡلَمُ تَاۡوِیۡلَهٗۤ

کے جو متشابہ رکھتی ہیں اس میں سے تلاش کرنے والے فتنہ اور تلاش کرنے تاویل کو اس کو اور نہیں جانتا تاویل اس کی

پیچھے پڑتے ہیں گمراہی چاہنے اور اس کا پہلو ڈھونڈنے کو اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ

اِلَّا اللّٰهُ ۘؔ وَ الرّٰسِخُوۡنَ فِی الۡعِلۡمِ یَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ کُلٌّ مِّنۡ عِنۡدِ

کوئی اللہ کے سوا اور مضبوط لوگ بیچ علم کے کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم ساتھ اس کے سب پاس سے

ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے سب ہمارے رب کے

رَبِّنَا ۚ وَ مَا یَذَّکَّرُ اِلَّاۤ اُولُوا الۡاَلۡبَابِ ۝

ہے رب ہمارے کے اور نہیں نصیحت پکڑتے مگر عقل والے

پاس سے ہے اور نصیحت نہیں مانتے مگر عقل والے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** مناظرہ کے تین پہلو ہوتے ہیں۔(1) اپنے دلائل۔(2) معترض کے جوابات۔(3) اس کے الزام کا دفعیہ پچھلی آیتوں میں اگلے دو پہلو ارشاد ہوئے اب عیسائیوں کے الزام کا جواب دیا جا رہا ہے کہ وہ کہہ سکتے تھے یا کہتے تھے کہ قرآن نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ فرمایا جس کے معنی یہی ہوئے کہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں۔ بیٹا باپ کی جان ہوتا ہے اس کا اب جواب دیا جا رہا ہے کہ اے عیسائیو! تم نے روح اور لفظ کلمہ سے الزام دیا۔ لفظ میں حقیقی معنی کا بھی احتمال ہوتا ہے اور مجازی کا بھی۔ جہاں لفظ کے ظاہری معنی دلیل عقلی کے خلاف ہوں سمجھ لو کہ وہ متشابہات میں سے ہے اسی لئے اب فرمایا گیا کہ قرآن کی بعض آیات محکم ہیں اور بعض متشابہ۔ غرضکہ یہ آیتیں گذشتہ مناظرہ کا تتمہ ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی قدرتوں کا ذکر ہوا کہ وہ ایک ہی پیٹ سے مختلف قسم کی اولاد پیدا فرماتا ہے۔ کوئی مومن' کوئی کافر' کوئی نرم دل' کوئی سخت دل۔ اس کی وجہ عقل میں نہیں آتی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جیسے دنیوی معاملات میں بعض تک عقل پہنچتی ہے اور بعض تک نہیں اسی طرح کتاب اللہ میں بعض آیات وہ ہیں جو سمجھ میں آ جائیں' اور بعض سمجھ سے بالاتر' ہر جگہ اپنا قیاس نہ دوڑاؤ۔ خلاصہ یہ ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ عالم احکام میں قریبا" ہر جگہ بعض باتیں سمجھ میں آتی ہیں بعض نہیں آتیں۔ جسم کچھ سمجھ میں آتا ہے کہ یہ ہڈی گوشت وغیرہ سے بنا۔ مگر روح سمجھ میں نہیں آتی جسم کا بننا عقل میں آتا ہے۔ مگر کالا گورا' عالم جاہل سعید شقی ہونے کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی۔ عقل حیران ہے کہ بچہ اتنے غلافوں میں سانس کیسے لیتا ہے۔ انڈے میں ہوا کدھر سے آتی ہے ایسے ہی قرآن شریف کی بعض آیات سمجھ میں آتی ہیں بعض نہیں آتیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی قیومیت کا ذکر تھا اور قیوم وہ ہے جو عالم کی حاجت پوری کرے۔ حاجتیں دو قسم کی ہیں۔ جسمانی اور روحانی۔ جسمانی حاجت روائی کا ذکر پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم انہیں جیسی چاہتے ہیں صورت بخشتے ہیں اور روحانی حاجت روائی کا ذکر اس آیت میں ہے کہ رب نے وہ کتاب اتاری جو علم و حکمت کا سرچشمہ ہے۔ تاکہ لوگ اس سے اپنی علمی حاجت پوری کریں۔

شان نزول : اس کے نزول میں کئی روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نجرانی عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلائل قاہرہ سن کر عرض کیا کہ تمہارے قرآن نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! ہاں وہ بولے بس ہمارا دعویٰ ثابت ہو گیا کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں تب یہ آیت کریمہ اتری (روح المعانی و تفسیر در منثور' ابن جریر)۔ دوسرے یہ کہ ایک دفعہ یہود کا سردار ابو یاسر ابن اخطب اپنے یہودی ساتھیوں کے ہمراہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک پر گزرا آپ شروع سورہ بقر کی آیتیں تلاوت فرما رہے تھے۔ **الم' ذلک الکتب** الخ ابو یاسر اپنے بھائی حی ابن اخطب کے پاس پہنچا۔ اور یہ آیت پڑھ کر اسے سنائی۔ یہی ایک جماعت کعب ابن اشرف وغیرہ کو لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور بولا کہ ہم اس دین کی پیروی کیسے کریں جس کی عمر صرف اکتہر (71) سال ہو۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ کیسے۔ وہ بولا کہ آپ پر آیت آئی **الم** الف کا عدد ایک لام کے تیس۔ میم کے چالیس کل اکتہر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی کل یہ عمر ہے۔ حضور (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا! **المص** وہ بولا اب تو معاملہ بڑھ گیا کہ ایک سو اکسٹھ ہو گئے۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا! **المر** وہ بولا اب تو بہت ترقی ہو گئی کہ دو سو اکہتر عدد بنے۔ ہم نہیں جانتے کہ کسے مانیں' کسے نہ مانیں۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ تیسرے یہ کہ عیسائیوں نے کہا تھا کہ رب فرماتا ہے۔ **نحن خلقنا' نحن قدرنا** اور جمع کم سے کم تین کے لئے آتی ہے۔ معلوم ہوا خدا تین ہیں۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر احمدی و معانی و خازن و تاریخ بخاری و ابن جریر عن ابن عباس)۔ مگر خیال رہے کہ ہم شروع آل عمران میں عرض کر چکے ہیں کہ نجرانی عیسائیوں کے مناظرہ پر اسی سے زیادہ آیتیں اتریں۔ پھر ان آیات کا شان نزول کچھ اور ہونا مشکل ہے۔ ممکن ہے کہ اسی مناظرہ کے وقت یہ واقعہ درپیش آیا ہو۔ ایک آیت کے چند شان نزول ہو سکتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر : **ھو الذی انزل علیک الکتب۔۔۔** **ھو** یہ نیا جملہ ہے۔ ھو کا مرجع رب العالمین ہے۔ **ھو الذی** کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے۔ ایک کاریگر کہتا ہے میں وہ باکمال ہوں کہ فلاں عمارت میری بنائی ہوئی ہے۔ ایک مہربان باپ کہتا ہے میں وہ ہوں جس نے تجھ پر یہ کرم کئے۔ دشمن سے کہا جاتا ہے میں وہ جس نے اتنوں کو مارا اتنے ختم کئے۔ یہاں **ھو الذی** یا تو اظہار کرم کے لئے ہے یا اظہار قدرت کے لئے یعنی رب وہ قدرت والا ہے یا وہ کرم و

www.alahazratnetwork.org

مہربانی والا ہے۔انزل' انزال سے بنا بمعنی ایک دم اتارنا یا تو اس سے وہ نزول قرآن مراد ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ماہ رمضان میں ایک دم ہوتا تھا۔ یا یہ انزال بمعنی تنزیل ہے یا اس میں تجرید کرلی گئی اور مطلقاً اتارنا مراد ہو۔ علیک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ الکتب سے پورا قرآن کریم مراد ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے تم پر یہ قرآن کریم اتارا۔ خیال رہے کہ دنیا ظلمت کدہ ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم یہاں کا نور کاری گر کے تمام کمالات نور سے ظاہر ہوتے ہیں۔ اگر نور نہ ہو تو آدمی چیزوں سے ٹھوکر کھا کر چیزیں بلکہ اپنا سر توڑ لیتا ہے۔ اس لئے کمرے کا سوئچ دروازے پر لگاتے ہیں کہ روشنی پہلے کریں اندر بعد میں داخل ہوں۔ ایسے ہی دنیا اندھیرا گھر ہے۔ قرآن یہاں کا نور' نیز انسان اجنبی جگہ کے مقامات اپنے عقل و علم سے معلوم نہیں کر سکتا۔ وہاں کے باشندے سے پوچھنا پڑے گا۔ ایسے ہی عقل اس عالم کو معلوم کر سکتی ہے چیزیں ایجاد کر سکتی ہے۔ مگر ایمان و تقویٰ نہیں بنا سکتی۔ اس لئے قرآن کا نزول رب کی رحمت ہے تو فرمایا گیا هو الذی اگرچہ قرآن شریف تمام لوگوں کے لئے آیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا تو کہ لوگ آپ کے حاجت مند رہیں۔ گندم لوگوں کے لئے پیدا ہوتی ہے مگر زمیندار کے گھر ہوتی ہے۔ یہ قانون قدرت ہے۔ دیکھو رب کی چینی ڈپو سے ملا کرتی ہے۔ قرآن کی ہر چیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف اعضاء پر نازل ہوئی۔ الفاظ کان پر' معانی دماغ پر' اسرار دل پر۔ اس لئے علیک فرمایا اور دوسری جگہ علی قلبک ارشاد ہوا۔ منه ایت محکمت یہ جملہ کتاب کی صفت ہے اور منہ میں من' تبعیضیہ ہے اس کا متعلق منقسم یا قائم ہے۔ ایت مبتداء موخر۔ محکمت۔ محکمتہ کی جمع ہے جس کا مادہ حکم ہے۔ حکم کے لغوی معنی منع کرنا' واپس کرنا ہیں۔ افسر کو اسی لئے حاکم کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو ظلم سے روکتا ہے۔ پختہ کرنے کو احکام اور مضبوط کو محکم اسی لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اکھیڑنے والے کا مقابلہ کرتا ہے۔ علم کو اسی لئے حکمت کہتے ہیں کہ وہ برائیوں سے روکتا ہے۔ اصطلاح میں محکم وہ عبارت ہے جس کے معنی ظاہر ہوں اور احتمالات اور شبہات سے محفوظ ہو۔ اس کے شرعی معنی آئندہ بیان کئے جائیں گے (معانی و کبیر)۔ یہ آیت کی صفت ہے یعنی قرآن کی بعض آیتیں محکم ہیں جن کے معنی بالکل ظاہر اور احتمالات سے محفوظ ہیں۔ هن ام الکتب یہ محکمت کی صفت ہے۔ ام کے لغوی معنی ہیں اصل جن کی طرف رجوع کیا جائے یعنی مرجع۔ اسی لئے ماں کو ام کہتے ہیں اور مکہ شریف کو ام القری یہ آیتیں چونکہ اصل قرآن ہیں کہ انہیں سے احکام نکالے جاتے ہیں اور متشابہات کو انہیں کی طرف پھیرا جاتا ہے اور حرام و حلال میں ہر شخص انہیں کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے انہیں ام الکتاب کہا گیا۔ سورۂ فاتحہ کا نام بھی ام الکتاب ہے یہاں کتاب سے یا کل کتاب مراد ہے اور اضافت فی کی یعنی وہ اس قرآن میں اصل آیتیں ہیں۔ یا اس سے بعض کتاب مراد یعنی غیر محکم آیتیں و اخر متشبہت۔ اخر' اخری کی جمع ہے۔ جو لغو اسم تفضیل کی تانیث ہے یہاں آیات کی صفت ہے اس کے معنی ہیں بہت پیچھے رہنے والی۔ کبھی بمعنی غیر بھی بولا جاتا ہے' یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ اسی لئے اس کا استعمال نہ الف لام سے ہوا نہ اضافت سے' نہ من سے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لغو منہ سے معدول ہے' متشابہات تشابہ سے بنا۔ جس کا مادہ شبہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کیفیت میں کسی کی مثل ہونا۔ اسی لئے تصویر کو شبیہ اور مثل ہونے کو مشابہت یا تشبیہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں متشابہ وہ کہلاتا ہے جو کسی کے مشابہ اس طرح ہو جائے کہ اس میں فرق نہ ہو سکے۔ یعنی یہاں' رب تعالیٰ فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے **ان البقر تشابہ علینا** اور فرماتا ہے **و اتوا بہ متشابھا** نیز فرماتا ہے **تشابھت قلوبھم** اہل عرب کہتے ہیں **اشتبہ علی امرا تان** یہاں وہ آیتیں مراد ہیں جن میں بہت سے معنی کا احتمال ہو اور کسی کو ترجیح نہ ہو۔ یا جس کے معنی سمجھ میں نہ آتے ہوں۔ یعنی محکمات کے علاوہ کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کے معنی ظاہر نہیں' یا ان میں چند معنی کا احتمال ہے یا ان کی مراد رب کے سوا کسی کو نہیں معلوم یا اس کی حکمت رب جانے۔ متشابہ کے شرعی معنی انشاء اللہ آئندہ بیان ہوں گے یہاں تک تو آیات کی تقسیم کی گئی۔ اب لوگوں کے حالات سنو۔ **فاما الذین فی قلوبھم زیغ اما** تفصیل کے لئے ہے **الذین** سے یا تو وہ نجرانی عیسائی مراد ہیں۔ جو روح اللہ کے لفظ سے دھوکہ دیتے ہیں یا وہ مشرکین ہیں جنہوں نے **الم** سے غلط مطلب حاصل کیا یا منافقین۔ امام احمد نے بروایت ابو امامہ نقل کیا کہ اس سے مراد خارجی لوگ ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے سارے وہ بدمذہب مراد ہوں جو قرآن پاک کے غلط معنی کریں اور متشابہات کی غلط تاویلیں کریں۔ **زیغ**۔ **ضرب یضرب** کا مصدر ہے۔ بمعنی جھک جانا' مائل ہو جانا۔ اس کا مقابل استقامت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما زاغوا ازاغ اللہ قلوبھم** نیز فرماتا ہے **ما زاغ البصر وما طغی** یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ٹیڑھا پن اور سیدھا راستہ سے میلان ہے اگر تکلا ٹیڑھا ہو تو سوت نہیں کاتتا۔ اگر مشین کا کوئی پرزہ ٹیڑھا ہو تو ساری مشین کو بیکار کر دیتا ہے کہ پھر مشین کام نہیں کرتی۔ اگر پہیے کا دھرا ٹیڑھا ہو جائے تو تانگہ چل نہیں سکتا۔ سارا تانگہ بیکار ہوتا ہے۔ اگر راستہ ٹیڑھا ہو تو اسے اختیار کرکے کوئی سیدھے راستہ پر نہیں پہنچتا۔ ایسے ہی اگر عالم کا دل ٹیڑھا ہو تو اس کے عقیدے' اعمال' احوال سب غلط ہوتے ہیں۔ لوگوں کو گمراہ کرتا ہے۔ ٹیڑھے دل والا عالم قرآن سے گمراہی لیتا ہے اور لوگ اس سے گمراہ ہوتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا۔ **وما الذین**' ٹیڑھے دل والا عالم وہ ہوتا ہے جس کی زبان پر دین دل میں دنیا ہو یا جس کا دل مدینہ طیبہ سے ہٹا ہو۔ جیسے نمازی کا رخ اگر ٹیڑھا ہو تو نماز نہیں ہوتی ایسے ہی اگر عالم کے دل کا رخ ٹیڑھا ہو تو ایمان درست نہیں ہوتا اور نہ اس کی تقریر درست ہو۔ **فیتبعون ما تشابہ منہ** یہ **الذین** کی خبر بمعنی جزا ہے۔ اتباع کا مادہ تبع ہے بمعنی پیچھے اتباع پیچھے چلنے اور پیچھے پڑنے کو کہتے ہیں۔ جیسے **فاتبعونی** اس کا فاعل **الذین** ہے ما سے متشابہ آیات مراد ہیں۔ **منہ** کا مرجع کتاب اللہ ہے۔ یعنی جن کے دلوں میں کجی ہے وہ آیات محکمہ کو چھوڑ کر متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ کبھی اس کے ظاہری معنی سے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ کبھی قرآن میں تعارض اور مقابلہ دکھاتے ہیں۔ کبھی اس کے ظاہری معنی سے اپنے غلط مسائل ثابت کرتے ہیں۔ غرضکہ وہ اسی میں مشغول رہتے ہیں **ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ** یہ **یتبعون** کا مفعول لہ ہے۔ اور ابتغاء کا مادہ بغی ہے' بمعنی چاہنا اور حد سے آگے بڑھنا۔ اسلامی سلطان کے مخالف کو باغی کہتے ہیں۔ یعنی حد اطاعت سے بڑھنے والا۔ قرآن فرماتا ہے **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یہاں بمعنی تلاش ہے۔ فتنہ کے لغوی معنی غلو اور حد سے آگے بڑھنا ہے۔ کبھی بمعنی آزمائش اور امتحان بھی آتا ہے۔ **انما اموالکم و اولادکم فتنۃ**۔ کبھی اصل سے ہٹا دینے کو بھی فتنہ کہہ دیتے ہیں۔ گمراہ کرنا اور بلائیں مصیبتیں سب کو فتنہ کہا جاتا ہے۔ **و ان کادوا لیفتنونک** یہاں یا تو فتنہ سے بہکانا مراد ہے یا گمراہ کرنا' یا مسلمانوں میں اختلاف ڈالنا' بلائیں برپا کرنا۔ یا ایک نیا دین قائم کرکے مسلمانوں میں کشت و خون کرانا۔ یا شرک و کفر (مدارک' خازن و کبیر وغیرہ)۔ دوسرا ابتغاء پہلے ابتغاء پر معطوف ہے۔ اور **یتبعون** کا مفعول لہ۔ تاویل اول سے بنا۔

www.alahazratnetwork.org

معنی رجوع کرنا لوٹنا اسی لئے ٹھکانے کو موئل کہا جاتا ہے۔ کبھی بیان اور تفسیر کو بھی تاویل کہہ دیتے ہیں۔ جیسے **فالک خیروا حسن تاویلا** جیسے **سانبئک بتاویل ما لم تستطع علیہ صبرا** " اصطلاح میں کسی لفظ کو ظاہری معنے سے پھیرنا تاویل کہلاتا ہے۔ یہاں وہ باطل اور جھوٹی تاویلیں مراد ہیں۔ جو عقائد اسلامیہ کے خلاف ہوں۔ اور مفسدین کی مرضی کے مطابق یعنی الفاظ کو توڑ مروڑ کر اپنا مطلب نکالنا۔ یعنی ایسے بے دین لوگ محض گمراہی پھیلانے مسلمانوں میں اختلاف پیدا کر کے کشت و خون کرانے اور لوگوں کے بہکانے کے لئے نیز اپنے مطلب کے موافق قرآن بنانے کے لئے متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ محکم آیتوں اور روشن احکام کی پرواہ نہیں کرتے **وما یعلم تاویلہ الا اللہ** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ یتبعون کے فاعل سے حال ہے یہاں تاویل سے صحیح معنی اور صحیح مقصود مراد ہے۔ اسی لئے وہاں فرمایا گیا تھا **وابتغاء تاویلہ** اور یہاں ارشاد ہوا **وما یعلم تاویلہ الا اللہ** " کا مرجع یا تشابہ کا ما ہے یعنی متشابہ آیتوں کے صحیح معنی رب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ خیال رہے کہ احناف کے نزدیک **الا اللہ** پر وقف ہے اور **والراسخون** سے نیا جملہ شروع ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کے معنی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اور پختہ علم والے بغیر تاویل کئے ان پر ایمان لاتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں وقف نہیں بلکہ **الراسخون** لفظ اللہ پر معطوف ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ متشابہات کی تاویلیں اللہ اور سچے علماء کے سوا کوئی نہیں جانتا (کبیر و خازن و مدارک وغیرہ)۔ **والراسخون فی العلم یقولون امنا بہ** ہمارے نزدیک یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور **راسخون** مبتداء ہے۔ **یقولون** خبر۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک واؤ عاطفہ ہے۔ اور **الراسخون** اللہ پر معطوف اور **یقولون الراسخون** کا حال۔ مگر قول اول دلائل کے لحاظ سے قوی ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ عرض کریں گے۔ راسخ رسوخ سے بنا معنی مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جانا۔ رسوخ معنی ثبوت اسی لئے راسخ وہ درخت کہلاتا ہے۔ جس کی جڑ زمین میں بہت پھیلی ہو اور جڑ کی رگوں نے زمین کو مضبوط پکڑ لیا ہو۔ ایسا درخت بمقابلہ پودوں کے زیادہ قوی ہوتا ہے۔ اس میں اختلاف ہے کہ راسخ علماء کون ہیں۔ بعض نے فرمایا! عالم باعمل راسخ عالم ہے۔ بعض کا قول ہے کہ راسخ وہ ہے جس میں چار صفتیں ہوں۔ پرہیزگاری، انکسار، زہد اور مجاہدہ نفس (خازن و خزائن) بعض نے کہا کہ راسخ وہ جو اللہ کی ذات و صفات کو یقین اور قرآنی آیات کو دلائل یقینیہ سے پہچانے (کبیر) بعض نے فرمایا کہ راسخ عالم وہ جس کے دل و دماغ اور زبان پر علم نے ایسا قبضہ کر لیا ہو جیسے درخت کی جڑ نے زمین پر کہ زبان سے علمی تقریر کرے دماغ میں علم محفوظ رکھے اور دل میں معرفت ہو۔ بعض نے فرمایا کہ راسخ فی العلم وہ جس کا علم معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو۔ اور اسے علم کے ساتھ عشق بھی حاصل ہو۔ انہیں کی شان میں ہے **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰوا** ورنہ علم بغیر معرفت حجاب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واضلہ اللہ علی علم** بعض نے فرمایا کہ جس دکان میں ترازو اور باٹ ہیں وہ دکان راسخ و مضبوط ہے اور جو ترازو سے خالی وہ کمزور اسی طرح راسخ عالم وہ ہے۔ جس کے پاس شریعت کا ترازو ہو کہ اپنے اور دوسروں کے کاموں کو اس پر تول کر عمل کرتا ہو۔ عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں راسخ عالم ہوں۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ میں ان عالموں میں سے ہوں جنہیں متشابہات کا علم ہے (خزائن) تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں راسخین سے وہ علماء اہل کتاب مراد ہیں۔ جو ایمان لے آئے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ سارے علماء کاملین مراد ہیں۔ **امنا بہ۔ یقولون** کا مفعول ہے اور ضمیر کا مرجع یا کتاب ہے یا ما

www.alahazratnetwork.org

تشابہ کا یعنی مضبوط علم والے متشابہات کی تاویل کے پیچھے نہیں پڑتے۔ بلکہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم متشابہات پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس کے جو معنی ہیں حق ہیں۔ **کل من عند ربنا** ۔ یہ **امنا بہ** کی تاکید ہے۔ **کل** کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے۔ اور من کا متعلق ثبت ہے۔ جو **کل** کی خبر ہے یعنی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ سارا قرآن یا محکم متشابہ ساری آیتیں ہمارے رب کی طرف سے ہیں۔ **وما یذکر الا اولوا الالباب** یہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے نہ کہ علماء کا یہ نیا جملہ ہے۔ **یذکر** باب تفعل کا مضارع ہے۔ جس کی ت ذال میں مدغم ہو گئی **اولو** ذو کی جمع ہے۔ **الباب** لب کی جمع ہے۔ بمعنی اصل اور مغز عقل کو بھی لب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اصل انسانیت یعنی سوا عقل والوں کے اور کوئی قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کرتا۔

خلاصہ تفسیر : وہ اللہ ایسی قدرت والا ہے جس نے آپ پر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن اتارا جس کی سب آیتیں یکساں نہیں۔ بلکہ بعض آیتیں محکم ہیں۔ جن کے معانی بھی صاف ہیں اور ان کی مراد بھی واضح یہ قرآن میں اصل آیتیں ہیں جن کی طرف حلال و حرام اور احکام شرعیہ میں رجوع کیا جاتا ہے۔ یہی شریعت کی اصل ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ آیتیں متشابہ ہیں جن کے معنی واضح نہیں اور ان کا مقصود ظاہر نہیں ان میں بہت اشتباہ ہے پھر لوگ بھی چند قسم کے ہیں جن کے دل میں کجی ہے اور جو سیدھے راستہ سے ہٹے ہوئے ہیں۔ وہ تو محض فتنہ پھیلانے' قرآن کو جھٹلانے اور آیات قرآنیہ میں تعارض دکھانے کی غرض سے نیز قرآن کو اپنی رائے کے مطابق بنانے کے لئے محکم آیتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے متشابہات کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ جیسے یہ نجران کے عیسائی اور دیگر گمراہ فرقے۔ حالانکہ ان متشابہات کے حقیقی معنی اور صحیح مقصود خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ یا وہ جانے جسے اپنے کرم سے رب تعالیٰ نوازے۔ اور علم متشابہات عطا فرمائے (خزائن وغیرہ) اور پختہ علم والے یعنی متقی پرہیز گار علماء متشابہات کے متعلق یہ کہہ دیتے ہیں کہ ہم ان پر ایمان لے آئے۔ ان کے جو بھی معنی ہیں حق ہیں۔ کیونکہ ساری محکمات و متشابہات ہمارے رب کی طرف سے ہیں ہماری عقل میں آئیں یا نہ آئیں اور نصیحت نہیں پکڑتے مگر وہ جن کے پاس عقل کامل ہو۔ غرضکہ اس کتاب سے تقدیر والے ہدایت لیتے ہیں اور بدنصیب گمراہی۔ خیال رہے کہ وہ درخت جو ریگستان' کوہستان' چھتوں پر عارضی طور پر خود جم جاتے ہیں ان میں پھل پھول نہیں لگتے۔ کچھ سبزہ دکھا کر سوکھ جاتے ہیں۔ مگر جو پودے کسی نے زمین نرم کر کے لگائے ہیں وہ پھول بھی دیتے ہیں اور پھل بھی۔ ایسے ہی خود رو عالم جو ترجمہ قرآن شریف دیکھ کر عالم بن جاتے ہیں۔ ان سے فیض نہیں ہوتا مگر جو کسی کامل کی نگاہ کرم سے محنتیں کرنے کے بعد عالم بنتے ہیں کہ علم کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوتی ہے اور اس کی شاخیں ان کے تمام اعضاء میں پھیلی ہوتی ہیں کہ اس عالم کی زبان' ہاتھ پاؤں کو برے اعمال سے روک لیتی ہیں۔ وہ عالم راسخ فی العلم ہے کہ اس کے علم سے لوگ فیض پاتے ہیں۔ جیسے زمین کو نرم کر کے بیج بوتے ہیں لوہے کو آگ میں نرم کر کے اوزار بناتے ہیں۔ مٹی کو پانی سے نرم کر کے اس کے برتن بناتے ہیں۔ ایسے ہی استاد کامل شاگرد کے دل کو اولاً "نرم کرتے ہیں۔ پھر اس میں علم کا تخم بوتے ہیں۔ تب انسان راسخ فی العلم بنتا ہے۔ عالم ہونا آسان ہے۔ مگر راسخ فی العلم ہونا بہت مشکل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

محکم و متشابہ

ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی ہم تفسیر میں بتا چکے۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ان دونوں سے کیا مراد ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ محکم وہ عبارت ہے جس کی مراد پہچانی جا سکے۔ خواہ ظاہر ظہور یا کسی قدر تاویل سے اور متشابہ وہ جو کسی طرح سے سمجھ میں نہ آ سکے۔ جیسے قیامت' دجال' اور دابۃ الارض کے آنے کا وقت اور جیسے کہ سورتوں کے اول میں حروف مقطعات بعض علماء نے فرمایا کہ محکم وہ جس میں ایک ہی معنی کا احتمال ہو اور متشابہ وہ جس میں چند احتمالات ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ جو ناسخ ہے وہ محکم اور جو منسوخ ہے وہ متشابہ بعض کے نزدیک محکم وہ جو مقرر نہ ہو اور متشابہ وہ جس کے الفاظ مقرر ہوں۔ بعض کے خیال میں محکم وہ جس کی وجہ سمجھ میں آ سکے اور متشابہ وہ جس کی وجہ عقل سے باہر ہو جیسے نماز کے اوقات اور رکعات کی تعداد اور ماہ رمضان میں روزہ کا ہونا نہ کہ شعبان میں کہ اس کی صحیح حکمت رب ہی کے علم میں ہے۔ بعض نے فرمایا کہ محکم وہ جس کا ہر دین میں حکم رہا۔ جیسے ایمان اور عبادات کے احکام۔ متشابہ وہ احکام جو صرف قرآن میں آئے۔ غرضکہ اس کے متعلق سترہ قول ہیں (تفسیر احمدی) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جو احکام شریعتوں کے اختلاف سے بدل جائیں وہ متشابہ اور جو نہ بدلیں وہ محکم۔ اہل اصول کے نزدیک محکم وہ ہے جس کے معنی بالکل ظاہر ہوں اور وہی کلام سے مقصود ہوں۔ اس میں تاویل یا تخصیص کی گنجائش نہ ہو۔ نسخ یا تبدیل کا احتمال نہ ہو اور متشابہ وہ ہے جس کی مراد عقل میں نہ آ سکے۔ اور یہ بھی امید نہ ہو کہ رب تعالیٰ بیان فرمائے۔ خیال رہے کہ یہ اقوال اس طرح جمع ہو سکتے ہیں کہ متشابہات کی بہت قسمیں ہیں۔ ہر بزرگ نے ایک قسم کی تعریف فرمائی ہے۔ ورنہ یہ سب متشابہ کے اقسام ہیں۔

متشابہ کی قسمیں : متشابہ کی چند قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو صرف لفظاً" متشابہ ہوں۔ دوسرے وہ جو صرف معناً" تیسرے وہ جو لفظاً" بھی متشابہ ہوں اور معنی" بھی۔ لفظاً" متشابہ کی پھر چند قسمیں ہیں یا مفرد لفظ متشابہ ہو یا پورا جملہ اور معنی" متشابہ کی پھر چند قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو صرف معنی کے لحاظ سے متشابہ ہو۔ دوسرے وہ جو معنی کے عموم خصوص کے لحاظ سے ہوں۔ تیسرے وہ جو کیفیت کے لحاظ سے متشابہ ہوں۔ چوتھے وہ جو شرائط کے لحاظ سے متشابہ ہوں (روح المعانی) پھر متشابہات دو قسم کے ہیں ایک وہ جس کے معنی کچھ بھی سمجھ میں نہ آئیں۔ جیسے **الم** وغیرہ انہیں آیات مقطعات کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے لغوی معنی سمجھ میں آتے ہوں۔ مگر یہ خبر نہ ہو کہ یہاں رب کی کیا مراد ہے اور ظاہری معنی محکم آیتوں کے خلاف ہوں۔ جیسے ید اللہ اور وجہ اللہ۔ کہ ید اور وجہ کے لغوی معنی بالکل ظاہر ہیں۔ مگر یہ خبر نہیں کہ آیت میں ان سے کیا مراد ہے۔ انہیں آیات صفات کہتے ہیں۔ مقطعات کل انتیس (29) ہیں۔ (1) **المص** اعراف میں۔ (2) **المر** رعد میں۔ (3) **کھیعص**۔ مریم میں **طس**۔ نمل میں **ص**۔ **حم عسق** شوریٰ میں۔ **ن**۔ (**ق**) **طہ**۔ **یس**۔ **طسم**۔ شعراء اور قصص میں **الر** پانچ سورتوں میں۔ یونس۔ ہود۔ یوسف۔ ابراہیم۔ حجر۔ **الم** چھ سورتوں میں بقرہ' آل عمران' عنکبوت' روم' لقمان' سجدہ۔ **حم** چھ سورتوں میں۔ مومن' سورہ سجدہ' زخرف' دخان' جاثیہ' احقاف۔ یہ وہ آیتیں ہیں جن کے لغوی معنی کی بھی ہم کو خبر نہیں۔ لیکن آیات

www.alahazratnetwork.org

صفات یہ قرآن کریم میں بہت ہیں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ الرحمن علی العرش استوی و لتصنع علی عینی۔ کل شی ھالک الا وجھہ۔ ید اللہ فوق ایدیھم والسموات مطویت بیمینہ۔ علی ما فرطت فی جنب اللہ۔ یوم یکشف عن ساق۔ وھو القاھر فوق عبادہ۔ و نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ و فی انفسکم افلا تبصرون۔ واللہ بکل شی محیط۔ و جاء ربک۔ و یاتی ربک عند ربک من دون اللہ فثم وجہ اللہ۔ وھو معکم اینما کنتم۔ و نفخت فیہ من روحی۔ سنفرغ لکم ایھا الثقلن۔ اللہ نور السموت والارض۔ الی ربھا ناظرۃ یہ تمام متشابہات ہیں (تفسیر احمدی)۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ساری نفسانی صفات جو رب کی طرف نسبت کی جائیں وہ متشابہات ہیں۔ جیسے رحمت، غضب، حیا، مکر اور استہزاء۔ جہاں کہیں یہ الفاظ رب کے لئے قرآن میں آئیں انہیں متشابہ محکم کی طرف لوٹاؤ (احمدی و کبیر)۔ بلکہ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ چھٹے باب میں فرمایا کہ وہ آیات جن میں انبیائے کرام کے لئے صفات عمومی ثابت کئے جائیں وہ متشابہات ہیں۔ جیسے قل انما انا بشر مثلکم اور وعصی ادم ربہ فغوی۔ و استغفر لذنبک و للمومنین نیز تفسیر احمدی نے زیر آیت لا ینال عھدی الظلمین فرمایا کہ تمام وہ آیتیں جن سے انبیاء کرام کا گنہگار ہونا معلوم ہوتا ہے۔ ان سب کی تاویل واجب ہے۔ جیسے و لقد ھمت بہ و ھم بھا یا فتکونا من الظلمین۔ یا ووجدک ضالا فھدی وغیرہ گویا ان کا مطلب بھی یہی ہے کہ یہ آیتیں متشابہات ہیں۔ (نوٹ) ہماری اس تحقیق سے تمام بدمذہبوں خصوصاً دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے کہ وہ بارہا اپنے مذہب کی حمایت کے لئے متشابہ آیات سے دلیل پکڑتے ہیں۔

متشابہات کا علم : ہم تفسیر میں عرض کرچکے کہ اس آیت میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ "الا اللہ" پر وقف کرتے ہیں اور شافعی یہاں وقف نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے نزدیک متشابہات کا علم رب کے سوا کسی کو نہیں اور امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک علمائے کاملین کو بھی ہے۔ اس مسئلہ کے عرض کرنے سے پیشتر تین باتیں سمجھ لو۔ ایک یہ کہ یہ اختلاف علماء کے متعلق ہے ورنہ یہ سب مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے متشابہات کا علم ملا۔ اس کے نہ حنفی منکر ہیں نہ شافعی نور الانوار شریف میں ملا احمد جیون نے بحث متشابہ میں فرمایا کہ یہ اختلاف امت کے بارے میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے متشابہات کا علم ہے۔ ورنہ ان کا نازل فرمانا بے فائدہ ہوگا۔ اسی نور الانوار اور تفسیر روح المعانی میں اسی جگہ ہے کہ متشابہات اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں جنہیں اغیار نہیں جانتے دوسرے یہ کہ یہ اختلاف دلائل نقلی و عقلی کے ذریعے جاننے میں ہے۔ ورنہ صاحب کشف اور اولیائے کاملین کو بذریعہ الہام متشابہات کا علم ہوتا ہے (روح المعانی)۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ متشابہات کو میں جانتا ہوں (روح المعانی و خازن و خزائن وغیرہ) اور بہت اولیاء اللہ سے منقول ہے کہ انہوں نے متشابہات کے علم کا دعویٰ کیا۔ چنانچہ علی خواص فرماتے ہیں کہ مجھے سورہ فاتحہ کے دو لاکھ چالیس ہزار نو سو نوے علوم ملے۔ کشف میں فرمایا کہ ق، ص، حم وغیرہ کا علم ہم کو ایسا ہے جیسے دوسروں کو اولیات کا علم۔ علی خواص نے فرمایا کہ ہم اسی کو عالم کہتے ہیں۔ جو ہر لفظ کو جانے (روح المعانی) تیسرے یہ کہ یہ اختلاف اصولی متشابہات یعنی مقطعات و آیات صفات میں ہے۔ ورنہ وقت قیامت اور ملائکہ ربانیہ کی تعداد وغیرہ متشابہات کا علم علمائے کرام کے لئے امام شافعی بھی نہیں مانتے اور تعداد رکعات کی مصلحت اور اوقات نماز کی حکمت جاننے کا امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ بھی انکار نہیں

www.alahazratnetwork.org

کرتے۔ بلکہ اختلاف اس میں ہے کہ **الٓمٓ الٓرٰ** وغیرہ مقطعات قرآنیہ اور آیات صفات وغیرہ کا علم علماء کرام کو ہے یا نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ ہے۔ کیونکہ دیگر آیات کو محکم اس لئے کہتے ہیں کہ متشابہات کو ان کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور ان کے معانی محکمات کے مطابق کئے جاتے ہیں۔ اگر متشابہات کا علم کسی کو نہ ہو تا تو ان آیات کو محکمات کیونکر کہا جاتا نیز حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن عباس کے لئے دعا فرمائی **اللھم فقھہ فی الدین و علمہ التاویل** اے اللہ انہیں دین کا فقیہ بنا اور متشابہات کی تاویل سکھا۔ اگر تاویل رب کے ساتھ خاص ہوتی تو اس دعا کے کیا معنی۔ نیز عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ متشابہات کی تاویل میں جانتا ہوں۔ نیز رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **وما یذکر الا اولوا الالباب** ان متشابہات سے نصیحت حاصل نہیں کرتے مگر عقلمند اگر متشابہات سمجھ سے بالاتر ہیں تو اس سے نصیحت پکڑنے کے کیا معنی۔ نیز اگر متشابہات تک بندوں کے علم کی رسائی نہیں تو ان کے نازل کرنے اور قرآن میں باقی رکھنے سے کیا فائدہ۔ قرآن تو لوگوں کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ اس کی ہر آیت ہدایت ہے وغیرہ مگر احناف فرماتے ہیں کہ ان متشابہات کا علم رب تعالیٰ کے سوا کسی کو نہیں چند وجوں سے۔ اولاً یہ کہ عام صحابہ کرام اور تابعین کا یہی مذہب ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کی تفسیر کے چار درجے ہیں۔ ایک وہ جو سب کے علم میں ہونی چاہئے جیسے حرام و حلال کے مسائل۔ دوسرے وہ جس کا علم صرف اہل عرب کو ہے۔ جیسے عربی زبان کے راز۔ تیسرے وہ جسے صرف علماء ہی جانتے ہیں۔ چوتھے وہ جسے خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دوسرے یہ کہ اس آیت کی دیگر قراءتیں اسی مسئلہ کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ عبداللہ بن عباس کی قرات ہے **و یقول الراسخون فی العلم** نیز ابی ابن کعب کی قرات ہے **و یقول الراسخون فی العلم** حضرت عبداللہ ابن مسعود کی قرات یوں ہے **و ان تاویلہ الا عند اللہ والراسخون فی العلم یقولون اٰمنا بہ** ان قراتوں میں آپ کے معنی بن سکتے ہی نہیں۔ تیسرے یہ کہ مختلف احادیث میں بھی یہی آیا ہے کہ متشابہات کا علم صرف اللہ کو ہے چنانچہ طبرانی میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی امت پر تین چیزوں کا خوف کرتا ہوں۔ (1) زیادتی مال جو باعث حسد ہو۔ (2) جنگ و جدل۔ (3) متشابہات کی تاویل، حالانکہ اس کی تاویل خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ نیز ابن مردویہ نے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا! قرآن کی جن آیتوں کو تم سمجھ سکو ان پر عمل کرو۔ اور متشابہات پر ایمان لے آؤ۔ نیز حاکم نے بروایت ابن مسعود نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرآن پاک سات چیزوں کو لے کر اترا۔ ممانعت، حکم، حلال، حرام، محکم، متشابہ اور مثالیں۔ لہٰذا تم حلال کو حلال جانو، حرام کو حرام سمجھو، احکام پر عمل کرو، ممانعت سے بچو، مثالوں سے عبرت پکڑو، محکم پر عمل کرو اور متشابہات پر ایمان لے آؤ اور کہہ دو **اٰمنا بہ کل من عند ربنا**۔ نیز ابن جریر نے عبداللہ ابن عباس سے مرفوعاً نقل کیا کہ متشابہ کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جو اس کے علم کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے (روح المعانی) چوتھے یہ کہ آئمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے چنانچہ کسی نے امام مالک سے پوچھا کہ **ثم استویٰ علی العرش** کے کیا معنی؟ آپ نے فرمایا کہ استوی کے معنی معلوم ہیں اس کی کیفیت مجہول اس پر ایمان لانا واجب اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت (کبیر) پانچویں یہ کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے بدمذہبوں کی برائی یوں فرمائی کہ وہ متشابہات کی تاویل کے پیچھے پڑتے ہیں۔ اور علمائے کرام کی تعریف یوں کی کہ وہ کہہ دیتے ہیں **اٰمنا بہ** اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو یہاں تاویل کا مقابلہ ایمان سے نہ ہوتا بلکہ یوں کہا جاتا کہ گمراہ غلط تاویلیں کرتے ہیں۔ علماء صحیح (کبیر) چھٹے یہ کہ **الا اللہ** پر وقف نہ کرتے میں، اور **الراسخون** کو اللہ پر معطوف

www.alahazratnetwork.org

ماننے میں' یقولون سے پہلے کچھ عبارت پوشیدہ ماننی پڑے گی۔ اور الراسخون کو مبتدا مان لینے میں اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ اور پوشیدہ ماننے سے نہ ماننا بہتر (کبیر) ساتویں یہ کہ اگر یقولون کو حال مانتے ہو تو چاہئے کہ یہ والراسخون اور اللہ دونوں کا حال ہو کیونکہ وہ معطوف اور معطوف علیہ ہیں تو معنے یہ ہوئے کہ اللہ اور علماء دونوں کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اور یہ معنی بالکل فاسد ہیں۔ اور یہ بالکل خلاف ظاہر ہے کہ صرف والراسخون کا حال ہو (کبیر)۔ غرضکہ ترجیح اسی کو ہے کہ علماء کو متشابہات کا علم نہیں۔

فیصلہ : ان دونوں اماموں کے قول میں مطابقت یوں کی جاسکتی ہے کہ احناف کہتے ہیں کہ متشابہات کا قطعی علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ شوافع کہتے ہیں کہ ظنی علم علماء کو بھی ہے۔ لہذا ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ خیال رہے کہ احناف الم وغیرہ کی تاویلیں پہلے نہیں کرتے تھے۔ مگر جب علماء متاخرین نے بدمذہبوں کا فساد اور بے دینوں کے الحاد کا زور دیکھا تو انہوں نے مذہب شافعی پر عمل کرتے ہوئے ان متشابہات کی کچھ تاویلیں کیں۔ تاکہ لوگ بے دینوں کی تاویلات سے بچیں مثلاً "کہا کہ الم میں الف سے اللہ اور لام سے جبریل اور میم سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں وغیرہ۔

متشابہات کی حکمتیں : متشابہات کو نازل فرمانے اور انہیں قرآن میں باقی رکھنے میں چند حکمتیں ہیں۔ (1) حکومت کی طرف سے حکام کے پاس صریحی احکام کے ساتھ کچھ رموز اور اشارے بھی آتے ہیں۔ جسے چٹھی رساں اور ڈاکخانہ کے ملازمین بھی نہیں سمجھ سکتے۔ صرف حاکم جانتا ہے یا وہ افسر' ایسے ہی قرآن کریم میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام پر صاف احکام کے ساتھ کچھ راز و نیاز بھی آئے جنہیں حضرت جبرئیل امین بھی نہ سمجھ سکے۔ انہیں کا نام متشابہات ہے۔ (2) متشابہات میں علماء کا امتحان ہے جہلاء کو حکم دیا گیا کہ علم سیکھو' علماء کو حکم دیا گیا کہ ان باتوں کو نہ سیکھو' اور نہ ان میں غور کرو۔ ہر ایک کا امتحان اس کے تقاضائے طبیعت کے خلاف سے ہوتا ہے۔ (3) متشابہات کے ذریعہ سے بندہ اپنی بندگی کا اقرار کرتا ہے کہ عالم ہر جگہ اپنی عقل کا گھوڑا دوڑاتا ہے مگر یہاں پہنچ کر کہنا پڑتا ہے کہ رب جانے ان کا مطلب' اور اپنے قصور کا اقرار علامت بندگی ہے۔ (4) متشابہات کے ذریعہ خدائی کتاب' اور انسانی کتاب میں فرق ہوتا ہے کہ انسانی کتاب وہ جسے ہر کوئی اول سے آخر تک سمجھ لے اور خدائی کتاب وہ جہاں ہر ایک اپنے عجز کا اقرار کرے۔ اسی لئے قرآن سے پہلے دیگر آسمانی کتابوں میں بھی متشابہات تھے۔ انہی متشابہات میں پھنس کر عیسائی گمراہ ہو گئے۔ چنانچہ انجیل شریف میں عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔ نہ آپ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے۔ بلکہ سچی رسول میں۔ خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو خدا کی بادشاہت کہا گیا۔ بلکہ حضور (علیہ السلام) کو خدا کہا گیا۔ دیکھو متی 21_33_40 جہاں انگورستان کے مالک کے بیٹے کی مثال دی ہے۔ زبور شریف میں سارے جہاں کو خدا کا بیٹا کہا گیا۔ چنانچہ زبور 82_6 میں ہے کہ میں نے تو کہا تم اللہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو۔ غرضکہ تمام کتب آسمانی میں متشابہات موجود ہیں۔ (5) متشابہات کا انسانی علم سے بالاتر ہونا ذریعہ ہدایت ہے۔

اعتراض : پہلا جواب: قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور بعض متشابہ مگر ایک جگہ سارے قرآن کو محکم کہا **کتب احکمت ایتہ** اور دوسری جگہ سارے قرآن کو متشابہ فرمایا گیا **نزل احسن الحدیث کتبا متشابھا** جس سے معلوم ہوا کہ سارا قرآن متشابہ ہے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: وہاں محکم سے

www.alahazratnetwork.org

مراد فساد معنوی اور لفظی خرابیوں سے محفوظ ہے یعنی سارے قرآن کے معنی اور الفاظ سے خالی ہیں اور وہاں متشابہ سے مراد سارے قرآن کا یکساں ہونا ہے یعنی سارا قرآن فصاحت و بلاغت میں یکساں ہے شعراء کے کلام کی طرح بعض اعلیٰ بعض ادنیٰ نہیں اور یہاں محکم سے مراد ہے ظاہر المعنی اور متشابہ سے مجہول المعنی۔ لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** **الا اللہ** پر وقف کرنے سے معلوم ہوا کہ متشابہات کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ اور تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اولیاء اللہ کو بھی ہے۔ تمہارا یہ کلام اس آیت کے خلاف ہے۔ (بعض جہلائے دیوبند)۔ **جواب:** ہم علم متشابہات کے مسئلہ میں عرض کر چکے کہ لوگوں کا یہ اختلاف علم بالدلائل میں ہے اس علم میں کسی کا اختلاف نہیں جو بذریعہ کشف یا الہام ہو۔ رب تعالیٰ حضور علیہ السلام کے فعل کو اپنا فعل قرار دیتا ہے۔ کیونکہ حضور (علیہ السلام) فنافی اللہ ہیں۔ فرماتا ہے۔ **یخدعون اللہ** و اللہ یعنی رسول اللہ کو دھوکا دیتے ہیں۔ **ید اللہ فوق ایدیھم** حضور صلی اللہ علیہ کی بیعت رب تعالیٰ کی بیعت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دست شریف' رب تعالیٰ کا دست قدرت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کنکر پھینکنا' رب تعالیٰ کا پھینکنا ایسے ہی یہاں ہے کہ اللہ والوں کا جاننا رب کا ہی جاننا ہے کہ وہ بلا واسطہ عقل رب تعالیٰ کی عطا ہے۔ لہٰذا ان سب کا علم الا اللہ میں داخل ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الرحمن○ علم القران** رحمان نے اپنے محبوب کو قرآن سکھایا۔ اور ظاہر ہے کہ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا ہی قرآن سکھایا۔ سارے قرآن میں متشابہات بھی ہیں۔ اگر رب نے ان کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیا ہوتا تو علم القرآن کیونکر درست ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے فرمایا! **ان ھذا القرن یھدی للتی ھی اقوم** قرآن کریم سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کی ہر آیت ہدایت ہے تو اگر بعض آیتیں ایسی بھی ہوں جن کے معنی کی کسی کو خبر نہ ہو وہ ہدایت کیسے کرے گی۔ ان کے نازل فرمانے اور قرآن میں رکھنے سے کیا فائدہ؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن پاک ہر طرح ہدایت ہے۔ سمجھ میں آئے نہ آئے۔ اگر اس کی ہدایت سمجھنے پر موقوف ہوتی تو صرف اہل عرب تک خاص رہتی عجمی لوگ جو اس کے معنی نہیں سمجھتے۔ وہ اس سے ہدایت نہ پاتے' دوسرے یہ کہ قرآن کریم چند طرح ہدایت ہے جو آیتیں سمجھ میں آجائیں ان کا مضمون بھی ہدایت اور جو عقل سے بالاتر ہیں ان کی عبارت ہدایت ہے بلکہ ان کا سمجھ میں نہ آنا بتاتا ہے کہ یہ اس کا کلام ہے۔ جس کا علم' قدرت ہماری سمجھ سے بالاتر ہے۔ تیسرے یہ کہ رب نے یہی تو فرمایا ہے کہ قرآن سیدھے راستہ کی ہدایت کرتا ہے اور متشابہات کے متعلق سیدھا راستہ یہی ہے کہ ان میں غور نہ کیا جائے۔ ان کے پیچھے پڑنا ٹیڑھا راستہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر** ہم نے سارے قرآن کو آسان کر دیا ہے اگر اس کی بعض آیتیں سمجھ میں نہ آسکیں تو سارا قرآن آسان کہاں رہا (چکڑالوی)۔ **جواب:** سارا قرآن ذکر کے لئے آسان نہ کہ سمجھنے کے لئے۔ ذکر سے یا تو یاد کرنا مراد ہے یا نصیحت پکڑنا اور واقعی متشابہات کا یاد کرنا بھی آسان کہ بچے رٹ لیتے ہیں۔ دوسری آسمانی کتابوں میں یہ وصف نہ تھا اور متشابہات سے نصیحت حاصل کرنا کہ یہ خدائی کلام ہے یہ بھی آسان۔ اس کی سمجھ ہر ایک کو ناممکن ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انسانی اور قدرتی چیز میں فرق یہی ہے کہ انسانی چیز کا مقابلہ ہو سکتا ہے۔ نیز اس کی حقیقت تک انسان پہنچ سکتا ہے اور قدرتی چیز کا نہ تو مقابلہ ممکن اور نہ اس کی تہ تک پہنچنا آسان غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز میں کچھ ظہور ہے اور کچھ خفا' خود اپنے پر غور کر لو کہ ہمارے پاس دو چیزیں ہیں' ایک جسم' دوسرے روح۔ جسم کے متعلق ہمیں کچھ تھوڑی خبر

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ یہ چار عناصر سے بنا۔ کسی میں سودا غالب کسی پر صفرا۔ مگر روح کی کچھ خبر نہیں کہ یہ کیا چیز ہے۔ کالب ہے بہی ظاہر چیزیں گویا محکمات ہیں اور یہ پوشیدہ چیزیں گویا متشابہات۔ اسی قاعدہ سے قرآن کریم کی کچھ آیتیں کسی قدر ظاہر ہیں۔ جنہیں محکمات کہا جاتا ہے۔ اور بعض بالکل عقل سے دور۔ یہ متشابہ ہیں۔ جیسے دنیاوی چیزوں میں جب عقل تھکتی ہے تو کہتی ہے کہ اللہ جانے یہ کیا ہے اور اس کی یہ مجبوری ہی نشان بندگی ہے ایسے ہی قرآنی آیات میں بھی عقل کو کہنا پڑتا ہے کہ خدا کی باتیں خدا ہی جانے اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو شاید یہ عقل خدائی دعویٰ کر بیٹھتی۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ محکم و متشابہ کا قصہ ہر جگہ ہی موجود ہے۔ یکھو ذات کے دو لحاظ ہیں۔ ایک وجہ مطلق دوسرے وجہ اضافی۔ وجہ مطلق وہ حیثیت ہے جو خلق کی فنا کے بعد بھی باقی ہے۔ جس میں کثرت کا بالکل احتمال نہیں اور وجہ اضافی مخلوق کے ساتھ تعلقات ہیں۔ وجہ مطلق گویا متشابہ ہے اور وجہ اضافی گویا محکم یہ وجود اضافیہ ہر شخص کو بقدر استعداد معلوم ہیں۔ بلکہ مخلوق میں سے ہر چیز اسی کا مظہر ہے۔ وجہ مطلق کو سوائے عارفین کے کوئی نہیں پہچانتا۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وما الوجه الا واحد" غير اذا انت اعددت المرايا تعددا

اس کی مثال یوں دیکھو کہ ایک آئینہ خانہ ہے۔ جس میں رنگ برنگے شیشے ہیں۔ جن کے درمیان صاحب خانہ جلوہ گر ہے۔ صاحب خانہ ایک مگر اس کے نقشے جو آئینہ میں کھچ رہے ہیں بے شمار۔ وہ صاحب خانہ مطلق ہے اور یہ تصویریں وجہ اضافی صاحب خانہ گویا متشابہ اور یہ آئینہ کے نقوش محکمات اس متشابہ کو وہ صاحب اسرار جانے جس کی رسائی اندرون سرا یعنی گھر کے اندر ہو۔ اور باہر کے دوست انہیں محکمات کو اختیار کریں۔ اور جو تصویر ان کے مذہب کے مناسب ہو اسے اختیار کریں۔ جو باہر رہ کر گھر والے کو دیکھنے کا دعویٰ کرے وہی گمراہ ہے۔ اسی کے متعلق فرمایا گیا و اما الذین فی قلوبهم زیغ یعنی وہ پردے والے لوگ جو حق تک نہ پہنچے۔ وہ متشابہات کے پیچھے پڑتے ہیں محض فتنہ کے لئے۔ اس کے پیچھے پڑنے کا انجام یہ ہوتا ہے کہ ان کا حجاب اور بڑھتا جاتا ہے مگر واقف کار لوگ پکار کر کہتے ہیں کل من عند ربنا یہ تمام عکس اسی ذات کے ہیں۔ ان کے نزدیک کل وہ ایک ہی ہے۔ جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا۔ نصیحت وہی پکڑ سکتے ہیں جن کے دل نور ہدایت سے منور ہوں۔ اور جو خواہشات نفسانیہ کے چھلکا سے صاف ہوں (از ابن عربی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے کھجور، آم وغیرہ کے باغ لگاتا ایک آدمی ہے مگر سالوں تک لوگ اس کے پھل کھاتے رہتے ہیں ایسے ہی راسخ فی العلم علماء کرام قبروں میں سو جاتے ہیں اور ان کے علوم سے لوگ پشت در پشت فیض پاتے رہتے ہیں۔ امام ابو حنیفہ، صاحب مشکوٰۃ اور دوسرے وہ علماء دین جن کی تصانیف سے لوگ تاقیامت فائدے اٹھاتے رہیں گے یہ ان راسخین فی العلم میں سے ہیں جن کی یہاں تعریف ہے۔

ہدایت : اللہ کے مقبول بندے مظہر ذات الٰہی ہیں۔ ان کے کلام میں بھی کچھ محکمات ہوتے ہیں کچھ متشابہات، چنانچہ بعض احادیث متشابہ ہیں۔ ایسے ہی صوفیائے کرام کے کچھ اقوال مثل متشابہات ہیں۔ منصور نے انا الحق کہا بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے سبحانی ما اعظم شانی فرمایا۔ یہ سب متشابہات ہی ہیں کہ ان کے ظاہر پر احکام شرعی جاری نہیں ہو سکتے۔ شامی نے باب المرتدین میں فرمایا کہ شیخ محی الدین ابن عربی کے وہ کلمات جو بظاہر خلاف شرع معلوم ہوں۔ قرآنی متشابہات کے مثل ہیں۔ اسی لئے خود محی الدین نے فرمایا کہ ہم ایسی قوم ہیں کہ ہماری کتابیں نااہل کو دیکھنا حرام ہیں۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی تنبیہ الغبی تبرئۃ ابن عربی۔ اس میں فرمایا کہ میرے نزدیک فیصلہ یہ ہے کہ ابن عربی ولی کامل ہیں مگر ان کی کتابیں دیکھنا

www.alahazratnetwork.org

حرام (شامی) اللہ اور اولیاء کاملین جن کی ولایت پر امت کا اتفاق ہو چکا ان کے اس قسم کے اقوال کے ظاہری معنی نہ کئے جائیں گے اور کہا جائے گا رب ہی جانے ان کی کیا مراد ہے۔

لطیفہ : محمد علی لاہوری نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ لکھا کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا دعویٰ نبوت یا دعویٰ خدائی مثل متشابہات کے ہے۔ نہ انہیں نبی کہو اور نہ انہیں برا جانو۔ اسی کی دیکھا دیکھی اس زمانہ کے دیوبندیوں نے یہی راہ اختیار کرلی کہ مولوی اسمٰعیل دہلوی' رشید احمد گنگوہی وغیرہم کی کفریہ عبارات کی جب کوئی توجیہ نہ کر سکے تو کہنے لگے کہ یہ متشابہات ہیں۔ اس کے معنی خدا ہی جانے یا وہ جانے اس لئے ہم متشابہات کے بارے میں کچھ عرض کرتے ہیں کہ متشابہ ہونے کی تین علامتیں ہیں۔ (1) ایک یہ کہ بولنے والا وہ شخص ہو جس کی ولایت پر سارے مسلمانوں کا اتفاق ہو ورنہ پھر تو ابلیس بھی کہہ سکتا تھا کہ میرا کلام متشابہ ہے۔ (2) دوسرے یہ کہ اس عبارت کو عقیدہ نہ بنایا گیا ہو نہ بولنے والے نے اس کی تبلیغ کی ہو' نہ اس کے ماننے والوں نے۔ منصور نے انا الحق جوش میں کہہ دیا۔ نہ اس کی طرف کسی کو دعوت دی اور نہ کسی نے اس کی تبلیغ کی۔ (3) تیسرے یہ کہ اس کلام میں کسی نبی کی توہین نہ ہو۔ توہین نبی مثل متشابہ نہیں بن سکتی۔ یہاں یہ کچھ بھی نہیں۔ تقویۃ الایمان کی تبلیغ کی جاتی ہے اسے عقائد میں پیش کیا جاتا ہے۔ مرزا جی نے عمر بھر دعویٰ نبوت پر مناظرے مباہلے کئے۔ پھر یہ متشابہ کیسا۔ ان سب کے باوجود ان میں سے بعض اولیاء کو علماء نے قتل کرا دیا۔ جیسے حضرت منصور اور انہوں نے شریعت کے سامنے اپنی گردن رکھ دی تاکہ ان کی اس بے اختیاری عبارت سے دین میں فتنہ واقع نہ ہو۔ کسی ولی نے بارگاہ نبوۃ میں گستاخی کرنے کی جرات نہیں کی جوش میں انا اللہ تو کہہ گئے۔ مگر انا محمد صلی اللہ علیہ کسی نے نہ کہا۔ کیونکہ دربار الٰہی بارگاہ ناز ہے اور آستانہ مصطفیٰ مقام نیاز۔ یہاں اونچی آواز سے بولنے پر نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ یہ تقریر بہت خیال میں رکھنی چاہئے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قبول فرمائیں۔ و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه و نور عرشه سیدنا محمد و علی اله و اصحابه اجمعین' وهو ارحم الرحمین۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ
اے رب ہمارے نہ ٹیڑھا کر دلوں کو ہمارے پیچھے اس کے ہدایت دی تو نے ہم کو اور دے تو
اے رب ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر بعد اس کے کہ تو نے ہمیں ہدایت دی اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا کر
رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۞ رَبَّنَا اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ
واسطے ہمارے اپنے پاس سے رحمت تحقیق تو بہت دینے والا ہے۔ اے رب ہمارے تحقیق تو جمع فرمانے والا ہے
بیشک تو ہے بڑا دینے والا۔ اے رب ہمارے بیشک تو سب لوگوں کو جمع کرنے والا ہے۔ اس دن کے لئے جس میں
لَا رَيْبَ فِيْهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۞
لوگوں کو واسطے اس دن کے کہ نہیں ہے شک بیچ اس کے تحقیق اللہ نہیں خلاف کرتا وعدہ
کوئی شبہ نہیں بے شک اللہ کا وعدہ نہیں بدلتا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ربانی علماء کے ایمان کا ذکر تھا کہ متشابہات پر بغیر غور کئے ایمان لے آتے ہیں اب ان کے خوف اور خشیت الٰہی کا ذکر ہے کہ وہ باوجود کمال ایمان کے پھر بھی اپنے پر اعتماد نہیں کرتے۔ ہم سے دعا کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے کامل علماء کی ایک صفت بیان کی یعنی بلا توقف ایمان لے آنا۔ اب ان کی دوسری صفت کا بیان ہے۔ یعنی اپنے ہدایت پر رہنے کی دعا کرنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا گمراہ اور ہدایت یافتہ اب رب کی طرف سے دعا کی تعلیم ہے کہ اے مسلمانو! ہم سے یہ دعا کرو کہ ہمیں گمراہوں میں سے نہ کر ہدایت پر قائم رکھ۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں انسان کی کمزوری اور مخلوق کی معذوری کا ذکر تھا کہ ان کے دماغ متشابہات تک نہیں پہنچتے۔ اب اس کی دوسری مجبوری کا ذکر ہے کہ بغیر ہمارے کرم ہدایت پر قائم نہیں رہ سکتا۔

تفسیر : **ربنا لا تزغ قلوبنا**۔ یہ جملہ یا تو رب تعالیٰ کا مقولہ ہے یا ان علمائے کرام کا پہلی صورت میں یہاں **قولوا** پوشیدہ ہے۔ رب تعالیٰ کو پکارنا اپنی بے کسی، بے بسی کے اظہار کے لئے ہے اور رب تعالیٰ کی رحمت و قدرت کے اقرار کے لئے نہ کہ غافل کو بیدار کرنے کے لئے۔ تین چیزیں وہ ہیں جن سے دریاء رحمت جوش میں آتا ہے۔ دل کی بے قراری، زاری، اور آنکھوں کا پانی، یہ پانی کشت ایمان کے لئے ایسا ہے جیسے سوکھی کھیتی کے لئے بارش کا پانی **لا تزغ**، **زوغ** سے بنا۔ باب افعال کا نہی ہے جس کے معنی ہیں ٹیڑھا کرنا۔ چونکہ یہاں ہدایت کے مقابلہ میں ہے اس لئے اس سے گمراہ کرنا مراد ہے۔ یعنی اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو گمراہ نہ کردے۔ خیال رہے کہ گمراہی اور ہدایت کا محل دل ہے اس لئے اسی کا ذکر فرمایا گیا اور ہدایت تین قسم کی ہے۔ ایمان کی ہدایت عبادات کی ہدایت۔ معاملات کی ہدایت، ان تینوں ہدایتوں کے لاکھوں افراد ہیں۔ ایسے ہی زیغ کی تین قسمیں ہیں۔ ایمان میں زیغ، عبادات میں زیغ، معاملات میں زیغ، اور ہر قسم کے زیغ کے لاکھوں افراد۔ لا تزغ میں ہر زیغ و کجی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ ہدایت فرما کر یہ بتایا کہ ہدایت صرف تیرے کرم سے ملتی ہے۔ اس میں اپنے کمال کو دخل نہیں۔ اور یہ ہدایت ہی رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو کسی کو ملتی ہے **بعد اذ ھدیتنا**۔ **بعد**، **لا تزغ** کا ظرف ہے۔ اور ہدایت سے راہ دکھانا مراد ہے نہ کہ مقصود پر پہنچانا۔ کیونکہ مقصود پر پہنچ کر بہکنا ناممکن ہے یا تو ہدایت سے مراد متشابہات پر ایمان لانا ہے تو زیغ سے مراد ہو گا ان کے پیچھے پڑنا اور اگر ہدایت سے مراد ایمان ہے تو زیغ سے مراد کفر ہو گا اور اگر اس سے مراد عام رہبری ہے تو زیغ سے مراد عام گمراہی ہو گی۔ یعنی اے مولا ہمیں ہدایت دیدے۔ گمراہ نہ کر، چونکہ طہارت نور سے پہلے ہے اس لئے دل کی طہارت کی دعا کے بعد اب نور کی دعا ہے۔ کہ **وھب لنا من لدنک رحمۃ**" یہ **لا تزغ** پر معطوف ہے۔ **ھب** **ھبۃ** کا امر ہے۔ جس کے معنی ہیں بلا معاوضہ عطیہ۔ **لنا** اور **من لدن** دونوں **ھب** کے متعلق ہیں۔ اور ممکن ہے کہ **من لدنک**، **کائنۃ**" کے متعلق ہو کر **رحمۃ**" کا حال ہو۔ **من** ابتدائیہ ہے **لدن** کبھی **عند** کے معنی میں آتا ہے۔ اور کبھی زمانی یا مکانی غایت کی ابتداء ہوتا ہے۔ یہ ہمیشہ مضاف ہو گا۔ کبھی مفرد کی طرف، اور کبھی جملہ اسمیہ یا فعلیہ کی طرف۔ بعض لغات میں یہ مبنی ہے مشابہت حرف کی وجہ سے اور بعض میں معرب اکثر من کے ساتھ ہی آتا ہے (روح المعانی)۔ رحمت بمعنی احسان اور انعام ہے اس کی تنوین تعظیمی ہے۔ اس سے مراد یا توفیق ہے، یا دین پر قائم رہنا یا ہدایت پر اور یا متشابہات پر ایمان لانا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ ساری رحمتیں مراد ہوں کیونکہ رحمت کی بہت سی قسمیں ہیں قلب میں نور ایمانی کا آنا۔ اعضا میں نور اطاعت کا چمکنا۔

www.alahazratnetwork.org

دنیا میں رزق کی وسعت ' امن ' تندرستی ' علم ' موت کے وقت آسانی قبر کی روشنی ' منکر نکیر کے امتحان میں آسانی ' قیامت کے دن گناہوں کی معافی ' نیکی کا پلہ بھاری ہونا عذاب الٰہی سے بچنا ' یہ سب ہی رحمت ہیں اور سب مراد ' بڑے دربار میں چھوٹی چیز کیوں مانگو یعنی اے مولا بغیر کسی احسان اور بغیر مخلوق کے واسطے کے ہمیں اپنی طرف سے ہر قسم کی بڑی رحمت عطا فرما۔ خیال رہے کہ مال کے عوض مال دینا تجارت یا بیع ہے۔ کام کے عوض دنیا مزدوری و اجرت ہے اور بغیر معاوضہ کچھ دینا ہبہ ہے۔ اگر رب تعالیٰ کی رضا کے لئے عطا ہے تو صدقہ ہے ورنہ ہدیہ ' بیع و مزدوری میں حساب سے دینا ہوتا ہے۔ مگر ہبہ میں بے حساب عطا **ھب** فرما کر عرض کیا کہ ہماری قابلیت نہ دیکھ اپنا کرم دیکھ۔ حساب سے نہ دے بے حساب دے لہٰذا کلام نفع کا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وہ چیز دے جو تیرے علم میں ہمارے لئے خیر ہے۔ ہم تو کبھی نادانی سے بری چیزیں مانگ لیتے ہیں یا جمع فرما کر عرض کیا کہ بے منت مخلوق ہم کو رحمت دے مخلوق کے واسطے والی رحمت میں دوسرے کا احسان بھی ہوتا ہے اور وہ رحمت فانی بھی ہوتی ہے۔ **رحمۃ** میں تمام رحمتیں شامل ہیں۔ لہٰذا یہ دعا بہت جامع ہے۔ چونکہ بڑی رحمتیں مانگی تھیں۔ لہٰذا عرض کیا کہ اے مولا یہ انعامات میرے لحاظ سے بہت بڑے ہیں مگر تیرے کرم کے مقابلہ میں حقیر ہیں۔ کیونکہ **انک انت الوھاب۔ انت** یا تو مبتدا ہے اور اپنی خبر **وھاب** سے مل کر **ان** کی خبر اور یا ضمیر فصل ہے ' یا اسم **ان** کی تاکید۔ **وھاب' ھبۃ** کا مبالغہ ہے یعنی بہت دینے والا۔ یعنی اے مولا تو بہت ہی دینے والا ہے۔ تیرا کرم ' تیری بخشش ہمارے خیال قیاس وہم سے بالاتر ہے جو تیرے سوا ہے وہ تیری سخا ہے۔ تیرا احسان ہے ' تیرا کام ہے۔ اے قدیم الاحسان مجھ مسکین کو اپنے دروازہ سے مایوس نہ پھیر اور میری حقیر دعا کو رد نہ کر۔ مجھے اپنے فضل سے اپنی رحمت کا اہل بنا **یا ارحم الرحمین و یا اکرم الاکرمین و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علی الہ و اصحبہ اجمعین** چونکہ اس دعا میں دینی اور دنیوی تمام حاجتیں مانگی گئی تھیں۔ لہٰذا اب دینی حاجتوں کو مقدم رکھنے کے لئے عرض کیا جارہا ہے۔ **ربنا انک جامع الناس لیوم لا ریب فیہ** یہاں بھی یا تو **قولوا** پوشیدہ ہے۔ یا **یقولون** اور یا تو رب کا اپنا مقولہ ہے یا ان علماء کا۔ جامع کے معنی جمع فرمانے والا ہے۔ یہاں قیامت کا اجتماع مراد ہے جیسا کہ **لیوم** سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ اس دن ایسا بڑا مجمع ہو گا۔ جس کی مثال دنیا میں کبھی قائم نہ ہوئی کہ از آدم تا روز قیامت کے سارے انسان ایک میدان میں بیک وقت جمع ہوں گے۔ دنیا میں ایسا کبھی نہیں ہوا نیز دنیا میں مجمع بہت دیر میں جمع ہوتا ہے مگر قیامت میں آناً ''فاناً'' ہو گا۔ الناس سے سارے لوگ مراد ہیں۔ مکلف ہوں یا غیر مکلف ' مومن ہوں یا کفار ' اگرچہ وہاں ساری مخلوق جمع کی جائے گی مگر چونکہ انسان سب سے افضل ہے اس لئے اسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ **لیوم** کا لام یا بمعنی فی ہے یا بمعنی الی یا تعلیلیہ ہی ہے مگر یہاں جزا پوشیدہ یعنی بجزاء یوم ' یوم سے یا دن مراد ہے۔ کیونکہ اس وقت آفتاب طلوع ہو گا اور یا وقت **لا ریب فیہ** یا تو **لیوم** کی صفت ہے یا **جامع الناس** کی تاکید۔ **ریب** کے معنی ہم شروع سورہ بقرہ میں عرض کر چکے۔ **فیہ** کی ضمیر یا یوم کی طرف لوٹتی ہے یا جمع کی طرف۔ یعنی اے پروردگار ہمیں یقین ہے کہ تو قیامت کے دن تمام لوگوں کو سزا و جزاء کے لئے ایک جگہ ایک ہی وقت میں جمع فرمائے گا۔ لہٰذا ہمیں اس دن کی رحمتیں عطا فرما اور یہ دعا اپنی اظہار بندگی کے لئے ہے اور اس لئے کہ ہمیں اپنے ایمان پر اعتماد نہیں۔ اس لئے نہیں کہ تجھ پر بے اعتباری ہے کیونکہ **ان اللہ لا یخلف المیعاد** یہ **لا ریب فیہ** کی علت ہے یا **جامع الناس** کی یا اپنے دعا مانگنے کی۔ نیز یا تو یہ رب کا مقولہ ہے یا علمائے راسخین کا کلام اور ان کی دعا کا تتمہ۔ **یخلف' اخلاف** سے بنا۔ جس کا مادہ خلف ہے بمعنی خلاف کرنا اور پورا نہ کرنا۔

www.alahazratnetwork.org

میعاد وعد کا مصدر میمی ہے۔ دراصل موعاد تھا۔ **واو** ی سے بدل گیا۔ خیال رہے کہ وعدہ کے معنی ہیں خیر کا امیدوار بنانا اور وعید کے معنی ہیں بلا سے ڈرانا۔ یہ میعاد بمعنی وعدہ ہے نہ کہ بمعنی وعید یعنی اللہ اپنے وعدے کے خلاف کبھی نہیں کرتا۔ کیونکہ وعدہ خلافی جھوٹ ہے اور جھوٹ عیب اور جو عیب دار ہو وہ اللہ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : علمائے ربانی سارے قرآن پر ایمان لا کر اور متشابہات کو بغیر بحث و مناظرہ کے مان کر ہم سے عرض کرتے ہیں کہ اے مولا جب تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت دے دی اور اپنا راستہ دکھا دیا تو اب ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں ہدایت کے بعد گمراہ نہ کر کیونکہ کریم فقیر کو دے کر اس سے واپس نہیں لیا کرتے اور اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنی خاص بڑی بڑی رحمتوں سے نواز کہ ہمارے دل میں اپنی معرفت کا نور دے۔ ہمارے اعضاء سے اپنے دین کی خدمت لے۔ ہمیں دنیا میں رزق و امن اور تندرستی دے۔ سکرات موت کو آسان کر' سوالات قبر میں سہولت فرما۔ ہماری قبروں کو روشن کر' قیامت کے دن ہمارے عیبوں کو چھپالے۔ ہمارے گناہوں کو معاف کردے' میزان میں نیکیوں کا پلہ بھاری فرمادے' صراط پر آسانی فرما۔ خیر کی توفیق دے۔ اے مولیٰ تو بڑا دینے والا ہے اور بڑا رحیم و کریم ہے اگرچہ یہ عطائیں ہمارے لحاظ سے بہت بڑی ہیں۔ مگر تیرے نزدیک کچھ نہیں۔ اے مولیٰ ہمیں یقین ہے کہ تو قیامت کے دن سب کو ایک جگہ ایک وقت میں جمع فرمائے گا۔ اس دن ہماری عیب پوشی فرمانا۔ اس مجمع میں ہماری رسوائی نہ ہو تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ایمان دیا۔ ہدایت دی اور تو نے مومنوں کے لئے رحمت کا وعدہ فرمایا اور تو اپنے سارے وعدے پورے فرمانے والا ہے۔ تیری رحمت کے اہل رہیں گے یا نہ رہیں گے۔ تو ہی قابلیت عطا فرمانے والا ہے اور تو ہی اس پر قائم رکھنے والا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بندہ کی ہدایت اور گمراہی رب کی طرف سے ہے۔ دونوں کا خالق پروردگار عالم ہی ہے جیسا کہ **لا تزغ** اور **ھبتنا** سے معلوم ہوا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ انسان کے دل میں کفر کی طرف جھک جانے کی بھی قابلیت ہے اور ایمان کی جانب میلان کی بھی طاقت' میلان کفر کو خذلان' ازاغہ' صد' ختم' طبع' رین' قسوۃ' وقر اور کنان کہتے ہیں۔ یہ سارے الفاظ قرآن کریم میں وارد ہوئے۔ اور ایمان کی طرف مائل ہونے کو توفیق' رشد' ہدایت' تسدید' تثبیت اور عصمت وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ سب الفاظ قرآن کریم میں آئے۔ اور ان کے مختلف درجے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی حمد الٰہی ہو اس کے بعد بھی بیچ میں دعا ہو کہ حمد و درود میں گھری ہوئی دعا کبھی رد نہیں ہوتی۔ دیکھو پہلے عرض کیا **وہبنا** اور بعد میں کہا **انت الوھاب**۔ **تیسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی ایسی حمد کرے جو اپنی دعا کے موافق ہو۔ چونکہ یہاں عرض کیا تھا **ھب لنا** تو آخر میں کہا **انت الوھاب** اگر دعا میں کہا ہے **اغفرلنا** تو آخر میں کہے **انک انت الستار**۔ **چوتھا فائدہ:** معصومین کا گمراہ ہونا ناممکن ہے اور جن کے دل پر کفر کی مہر لگ چکی ان کا ہدایت پر آنا محال۔ باقی ہر شخص کے لئے دونوں باتیں ممکن بڑا متقی کافر ہو سکتا ہے اور بڑا کافر پرہیزگار جس کی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ ہمارا دل اس ہلکے پتے کی طرح ہے جو جنگل میں تیز ہواؤں میں گھرا ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ ہر دل خدا کے قبضہ میں ہے۔ چاہے سیدھا رکھے اور چاہے ٹیڑھا کردے۔ حکیم ترمذی نے بروایت عتبہ ابن عبداللہ نقل کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان اس قمیض کی طرح ہے جسے تو کبھی پہن لے کبھی اتار دے۔ ابن سعد نے روایت کی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ عرض

www.alahazratnetwork.org

کرتے تھے اے اللہ مجھے زنا سے بچا' مجھے چوری سے بچا' مجھے کفر سے بچا۔ کسی نے کہا کہ اے صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا تم اتنا خوف کرتے ہو تو تین بار فرمایا **امنت بمصرف القلوب** میں اس پر ایمان لایا جو دلوں کو پھیرنے والا ہے۔ ابوایوب انصاری فرماتے ہیں کہ انسان پر بہت سے وقت آتے ہیں۔ کبھی اس کے دل میں رائی برابر کفر نہیں ہوتا اور کبھی اس کے دل میں رائی برابر ایمان نہیں رہتا (روح المعانی)۔ اس لئے یہ دعا مانگنے کا حکم دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ سے جامع دعائیں مانگو جس کے الفاظ تھوڑے ہوں' معانی زیادہ۔ جیسا کہ "رحمۃ" سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** وعدہ خلافی کرنا' جھوٹ بولنا الوہیت کے خلاف ہے (روح المعانی و تفسیر روح البیان)۔ اور تفسیر مدارک نے فرمایا کہ الوہیت وعدہ خلافی کے منافی ہے جو خدا میں جھوٹ کا امکان مانے وہ گویا اس میں الوہیت نہ رہنے کا امکان مانتا ہے۔ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ سخی وہ جو بخل نہ کرے' ایسے ہی یہاں کہا گیا کہ اللہ وہ جو وعدہ خلافی نہ کرے۔ دیوبندیوں کے قلم نے خدا کو بھی نہ چھوڑا' انہوں نے اس میں جھوٹ کا امکان مانا۔ نبی کو بے علم کہا اور خدا کو جھوٹا۔ معاذ اللہ۔ **(نوٹ)** خلف وعید یعنی گناہ بخش دینے کو جھوٹ نہیں کہتے۔ بلکہ کرم بخشش اور احسان کہا جاتا ہے۔ انشاء اللہ اس کی بحث اعتراضات و جواب میں آئے گی۔ **ساتواں فائدہ:** ایمان اور نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا بہت بہتر ہے۔ دیکھو اس دعا کے ساتھ یہ بھی عرض کیا گیا **ربنا انک جامع الناس** یعنی اے مولیٰ ہم بے دین نہیں' قیامت کے اور سارے ایمانیات کے معتقد ہیں۔ تیری رحمت کے تیرے فضل کے حق دار ہیں باغی نہیں ہیں' اطاعت شعار ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** دعا میں ایسے الفاظ بہتر' جن کی برکت سے دریاء رحمت جوش میں آئے جیسا کہ **بعد اذ هديتنا** سے معلوم ہوا۔ یعنی تو نے اپنے کرم سے ہمیں ہدایت دے دی اور تو کریم ہے دے کر لینا کریموں کا دستور نہیں۔ **نواں فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ اپنے کو گنہگار جانے' اپنی خطا کا اقرار کرے مگر اپنے کو کافر' گمراہ بے دین نہ تو سمجھے اور نہ کہے۔ ہم گنہگار ہیں' ہمارے عمل برے مگر الحمد للہ ہمارا عقیدہ نہایت صحیح اور دین نہایت اعلیٰ۔ یہ بھی **بعد اذ هديتنا** سے معلوم ہوا۔ جس میں اپنے ہدایت پر ہونے کا اظہار ہے۔ **دسواں فائدہ:** اپنی ہدایت اور ایمان کو حق تعالیٰ کا عطیہ سمجھے' نہ کہ اپنی کوشش کا نتیجہ' جب رحمت الٰہی دستگیری نہیں کرتی تو بڑے عقلمند بھی گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہ بھی **هديتنا** سے معلوم ہوا کہ ہدایت کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا نہ کہ اپنی طرف۔

اعتراض : پہلا اعتراض: ساری نعمتیں اور رحمتیں رب ہی کی طرف سے ملتی ہیں پھر **من لدنک** کیوں کہا کہ اپنی طرف سے رحمت دے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں کہ ایک یہ کہ رب تعالیٰ کی بعض نعمتیں مخلوق کے وسیلہ سے ملتی ہیں جنہیں مخلوق کی طرف بھی نسبت کر سکتے ہیں کہ ماں نے دودھ دیا۔ باپ نے کپڑا دیا' حاکم نے فیصلہ دیا' مالک نے تنخواہ دی اور بعض نعمتیں بلاواسطہ ملتی ہیں جیسے خیر کی توفیق' نور ایمانی وغیرہ یہاں وہ رحمتیں مانگی ہیں جو بلاواسطہ ملیں' دوسری نعمتیں تبعاً۔ دوسرے یہ کہ بڑے دروازہ سے بڑی بھیک ملتی ہے اس لئے **من لدنک** فرمایا یعنی اپنے پاس سے رحمت دے۔ جو تیرے کرم اور فضل کے لائق ہو تیسرے یہ کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں اپنا محتاج رکھ۔ کسی بندہ کا احسان مند نہ بنا۔ اگر کسی بندہ کا واسطہ بھی ہو تو اس کا احسان نہ ہو۔ **دوسرا اعتراض:** تم لوگ مانتے ہو کہ خدا تعالیٰ قیامت کے دن گنہگاروں کے گناہ معاف کر دے گا۔ بدکاروں کو بخشے گا اور قرآن میں خبر تھی کہ بدکاروں کو سزا جہنم ہے۔ لہٰذا بدکاروں کو سزا نہ دینا بھی تو جھوٹ ہوا۔ جب خدا وعید کے خلاف کر سکتا ہے تو وعدہ کے بھی خلاف کر سکتا ہے۔ جب وہ اس پر قادر ہے کہ بے نمازی کو جنت دے تو اس پر بھی قادر

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ متقی کو جہنم میں بھیج دے نوٹ: یہ اعتراض اس زمانہ کے دیوبندی کرتے ہیں مگر دراصل انہوں نے معتزلہ سے سیکھا ہے۔ معتزلہ کے نزدیک خلف وعید بھی ناممکن ہے ان کے نزدیک بھی آریوں کی طرح گناہوں کی معافی نہیں ہو سکتی (کبیر)۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہم پہلے سیپارہ میں مسئلہ امکان کذب کے ساتھ دے چکے۔ یہاں چند جواب عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ ساری وعیدیں مشروط ہیں مگر وعدے مشروط نہیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** کفر کے سوا رب جو گناہ چاہے گا معاف کر دے گا یعنی اگر گناہوں کی معافی نہ ہو تو سزا ملے گی ورنہ نہیں۔ دوسرے یہ کہ خلاف وعدہ کرنا جھوٹ ہے اور عیب اور خلف وعید کرم اور وصف ہے لہٰذا یہ جائز ہے وہ ناجائز شاعر کہتا ہے۔

انا وعدت سرا انجز وعدا! وان اوعدنا الضراء فالعفو مانعه

دیکھو یہاں معافی کو صفت میں شمار کیا۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔

وانی و اعدته او عدته یکذب ایعادی و منجز موعدی

تیسرے یہ کہ وعید خدا کا حق اور اس وعدہ خدا پر بندہ کا حق ہے۔ اپنا حق نہ لینا کرم اور دوسرے کا حق نہ دینا ظلم خدا ظلم سے پاک ہے اور کریم ہے۔ چوتھے یہ کہ وعیدیں خبر نہیں بلکہ انشاء ہیں اور انشاء میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں ہوتا (کبیر و معانی)۔ **تیسرا اعتراض:** یہ عجیب بات ہے کہ وعدہ کی وجہ سے رب کے ہاتھ بندھ جائیں کہ وہ نیک کار کو عذاب دینے پر قادر نہ رہے۔ امتناع کذب میں تو رب تعالیٰ کو مجبور ماننا ہے یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وعدہ کر لینے کی وجہ سے رب کی قدرت ہی سلب ہو گئی وہ یہ نہیں کر سکتا کہ اس کو عذاب دے۔ **جواب:** آپ نے برعکس کہا یوں کہو کہ جس کو رب تعالیٰ عذاب دینا چاہے اس کے جنتی ہونے کی خبر نہیں دے سکتا ہے یعنی وہ اس پر قادر نہیں کہ دنیا تو ہو عذاب مگر کہہ دے کہ ہم تم کو جنت دیں گے کہ ایسی گپ ہانکنا عیب قدرت نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے بعد چاہ بدر کے کنارہ پر کھڑے ہوئے جہاں ابوجہل وغیرہ کی نعشیں پڑی تھیں۔ اور فرمایا کیا تم نے رب کا وعدہ سچا پایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وعید کو وعدہ فرمایا۔ نیز قرآن پاک میں ہے کہ جنتی جہنمیوں سے کہیں گے۔ **قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا** اے دوزخیو! ہم نے اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ دیکھو یہاں وعدہ اور وعید دونوں کو وعدہ کہا گیا۔ معلوم ہوا کہ دونوں کا یکساں حال ہے (معتزلہ و دیوبندی) **نوٹ:** دیوبندی معتزلہ کے بالکل مقابل ہیں کہ انہوں نے وعید کی مخالفت بھی ناممکن مانی اور انہوں نے وعدہ کی مخالفت بھی جائز مانی۔ ان میں افراط تھی۔ ان میں تفریط مذہب اہلسنت درمیانی ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس وعید کو وعدہ کہنا استہزاء ہے۔ جیسے **نبشرهم بعذاب الیم** یا جیسے **ذق انک انت العزیز الکریم** دوسرے یہ کہ یہ وعید لازم ہونے میں وعدہ کی طرح ہے کیونکہ کفار کا عذاب یقینی ہے۔ ان کی بخشش ناممکن' یہ سارا اختلاف گنہگار مسلمانوں کی بخشش کے بارے میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: خالق پر نظر ہونا ہدایت ہے اور اس سے ہٹ کر مخلوق پر توجہ کرنا زیغ یعنی کجی نیز رب کی بارگاہ میں جانا صراط مستقیم ہے اور ادھر سے ہٹ کر دنیا طلبی میں پھنسنا زیغ عرض کیا گیا ہے کہ مولیٰ ہم عالم ارواح میں تیری بارگاہ میں تھے۔ تجھ ہی کو جانتے تھے۔ ماسوا سے بے خبر تھے۔ تیرا ہی دروازہ دیکھا تھا اور دروازوں کو جانتے بھی نہ تھے۔ جب اس عالم میں آئے اور وہ طائر

روح اس جسم کے پنجرے میں قید کیا گیا تو پہلے ہی ہمارے کان میں اذان کی آواز پہنچی' اے مولیٰ جب تو نے ہمیں عالم ارواح میں اپنا دربار دکھادیا اور عالم اجسام میں مسلمان بنا کر سیدھے راستہ پر ڈال دیا تو اب اس دنیا میں پھنسا کر نفس و شیطان کو ہم پر غالب کر کے یہاں کی لذتوں سے خبر دے کر ہمارے دل اس راستہ سے ٹیڑھے مت کر یہ کائنات ہمارے لئے حجاب نہ بنے۔ بلکہ تیرے جمال کے آئینے ہو جائیں کہ ہر چیز میں تجھ کو ہی دیکھیں۔ اے مولیٰ ہم تاریکی ہیں تو نور ہم شبنم ہیں تیرا کرم آفتاب ہم تیم ہیں اور تیرے انعام آب رحمت ہم مشت خاک ہیں اور تیرا فضل نسیم۔ اے مولیٰ ہمیں اپنی خاص رحمت عطا فرما کہ ہماری صفات کو اپنی صفات سے محو فرمادے' ہماری ظلمتوں کو اپنے نور سے مٹادے۔ ہمارے غبار کو اپنی رحمت کے جھونکے سے اڑا دے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

یا خفی الذات محسوس العطاء — انت کا لماء و نحن کالرحی!

انت کالریح و نحن کالغبار — یختفی الریح و غبراء جھار

اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے فرمایا۔

آب لد وہ کے اور میں تیمم برخاست — مشت اپنی ہو اور نور کا لہلا تیرا

تو بڑا دینے والا ہے' تو ہی دیتا ہے اور تو ہی لینے کی قابلیت بھی عطا فرماتا ہے۔ اے مولیٰ ہمیں خبر ہے کہ ایک دن وہ آئے گا جب پردہ اٹھے گا آفتاب حقیقت کا نور ظلمت مجاز کو کافور کر دے گا۔ اس دن سب حسب مراتب اپنے اپنے مقام پر جمع ہوں گے۔ اور یہ کثرت وحدت پر پہنچے گی' تیرا وعدہ سچا ہے۔ اس میں خلاف کا احتمال نہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کے دنوں کا آنا بھی مشکوک ہے اور ہمارا پانا بھی مشکوک کیا خبر اس سال ہم پہلے ہی مر جائیں۔ مگر قیامت کا آنا بھی یقینی اور ہمارا اسے پانا بھی ضروری۔ جس کے متعلق فرمایا **لا ریب فیہ** مگر افسوس ہے کہ ہم کو ان مشکوک دنوں کی فکر بھی ہے اور ان کی تیاری بھی بارش سے پہلے مکان بناتے ہیں۔ سردی آنے سے پہلے اس کے لباس بناتے ہیں مگر اس یقینی دن کی نہ فکر نہ تیاری۔ اگر ہم اس دن کی فکر و تیاری کریں تو رب تعالیٰ ان فکروں سے آزاد کر دے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَن تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُم مِّنَ
تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز نہ دفع کرے گی ان سے مال ان کے اور نہ اولاد ان کی طرف اللہ کے
بے شک وہ جو کافر ہوئے ان کا مال اور ان کی اولاد اللہ سے انہیں کچھ نہ بچا سکیں گے
اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ۝ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ
کسی چیز کو اور یہ لوگ وہ ایندھن ہیں آگ کے مثل طریقہ اہل فرعون کے اور ان کے جو
اور وہی دوزخ کے ایندھن ہیں جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا

www.alahazratnetwork.org

مِنْ قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ

پہلے سے تھے ان کے جھٹلایا انہوں نے نشانیوں کو ہماری پس پکڑا ان کو اللہ نے بوجہ گناہوں

طریقہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں تو اللہ نے ان کے گناہوں پر

الْعِقَابِ ⑪

ان کے اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔

ان کو پکڑا اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** قرآن کریم کا دستور ہے کہ ایمان کے ساتھ کفر کا' مسلمانوں کے ساتھ کفار' نور کے ساتھ تاریکی کا ذکر فرماتا ہے۔ تاکہ انسان مومنوں کی صفتیں حاصل کرے اور کفار کے عیوب سے بچے۔ چنانچہ اب تک مسلمانوں خصوصاً" علماء کے اوصاف بیان فرمائے گئے۔ اب کفار کے عیوب کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کی دعا ان کی عاجزی و زاری کا ذکر فرمایا گیا تھا اب کفار کی سخت دلی اور رب تعالیٰ سے بے پرواہی کا ذکر ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو اپنی اولاد و مال تو کیا خود اپنے پر بھی اعتماد نہیں کہ وہ نیکیاں کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں اور رب تعالیٰ سے دعائے استقامت مانگتے ہیں۔ اب کفار کا ذکر ہے کہ وہ اس کے برخلاف اپنے مال اور اولاد پر بھروسہ کرکے رب سے بے پرواہ رہتے ہیں۔ مسلمانوں کو وہ خوف ہی ان کی مقبولیت کا ذریعہ ہے اور کفار کی یہ بے خوفی ان کی مردودیت کا سبب۔

تفسیر : **ان الذین کفروا** ۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے سارے کفار مراد ہیں۔ خواہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین مگر بعض نے کہا کہ اس سے فقط وہ نجرانی عیسائی مراد ہیں۔ جو اپنی آمدنی بند ہو جانے کے خوف سے اسلام قبول نہ کرتے تھے (معانی) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بنی قریظہ اور بنی نضیر ہیں یا مشرکین عرب' کچھ ہو مگر یہ سارے کافروں کے لئے ہے۔ کفر کی صدہا قسمیں ہیں **کفروا** میں ہر قسم کے کافر مراد ہیں۔ جو چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے لائے' ان سب کا ماننا ایمان ہے اور ان میں سے ایک کا انکار کفر۔ **کفروا** سے مراد ہے کہ کفر پر مر گئے انہیں کی یہ سزا ہے۔ جو زندگی بھر کافر رہے مرتے وقت مومن ہو گئے۔ ایمان پر خاتمہ ہوا' وہ تمام رحمتوں کے مستحق ہیں۔ جیسا کہ فرعون کے جادوگروں کا حال ہوا۔ **لن تغنی عنهم اموالهم ولا اولادهم من الله شيئا** " ۔ **تغنی**' غنا سے بنا' بمعنی کفایت اور بے پرواہی اور دفع کرنا۔ جب اس کے بعد عن آتا ہے تو اکثر دفع کرنے کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **ما اغنی عنی مالیه** اور بغیر عن کے کبھی بمعنی کفایت ہوتا ہے اور کبھی بمعنی بے پرواہی۔ جیسے **ان الله غنی حمید** اور **اغنهم الله و رسوله**۔ **اموال** مال کی جمع ہے اس سے سارے جمع کئے ہوئے مال مراد ہیں۔ خواہ مرنے پر خرچ کئے ہوں' خواہ اولاد کے لئے چھوڑے ہوں۔ پھر خواہ اللہ کے راہ میں خرچ کئے ہوں خواہ اولاد کے لئے چھوڑے ہوں۔ پھر خواہ اللہ کی راہ میں خرچ کئے ہوں یا اپنے کھانے پینے میں یا اپنے کاروبار میں۔ خواہ خود کمائے ہوں یا کسی کے مال میراث سے حاصل کئے ہوں۔ چونکہ مال بہت سی قسم کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے

www.alahazratnetwork.org

اموال جمع فرمایا' اولاد ولد کی جمع - ولد بیٹی' بیٹا دونوں کو کہتے ہیں - مگر یہاں بیٹے مراد ہیں - کیونکہ مصیبت میں بیٹے ہی کام آتے ہیں نہ کہ بیٹیاں - نیز چونکہ انسان مصیبت میں پہلے مال خرچ کرتا ہے پھر اولاد' اسی لئے یہاں پہلے مال کا ذکر ہوا اور بعد میں اولاد کا **من اللہ** میں یا تو من کے بعد عذاب پوشیدہ ہے اور یہ **لن تغنی** کے متعلق اور من ابتدائیہ اور **شیئا**" **لن تغنی** کا مفعول مطلق یعنی **شیئا**" **من الاغناء** اور ممکن ہے کہ **شیئا**" مفعول بہ ہو - اور **من اللہ** اس کا حال مقدم اور من تبعیضیہ (روح المعانی) - تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں **من** بمعنی **عند** ہے - بعض مفسرین نے فرمایا کہ **من** بمعنی بدلہ ہے اور اللہ سے پہلے رحمت یا اطاعت پوشیدہ (معانی) یعنی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم وغیرہ کا انکار کیا - ان کے مال اور انکی اولاد خدا کی طرف سے آئے ہوئے عذاب کو ان سے ہرگز دفع نہ کر سکیں گے یا ان کے مال و اولاد رحمت الٰہی کے عوض نہ بنیں گے اور اتنا ہی نہیں بلکہ **اولئک هم وقود النار** وقود کی تحقیق ہم پہلے سیپارہ میں **وقودها الناس و الحجارة** کے ماتحت کر چکے - یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس لفظ کی دو قراتیں ہیں - وقود واؤ کی زبر سے ہے اور وقود واؤ کے پیش سے یہ مصدر بھی آتا ہے اور بمعنی ایندھن بھی - ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی ایندھن ہے اور ممکن ہے کہ بمعنی مصدر ہو اور اس کے پہلے **اهل** پوشیدہ ہو یہ **هم** کی خبر ہے - یا **اولئک** کی اور **هم** ضمیر فصل - خیال رہے کہ عذاب دو قسم کا ہے ایک نفع بخش چیزوں کا بیکار ہو جانا اور دوسرے تکلیف دہ چیزوں کا جمع ہو جانا - اس لئے ان کے لئے رب نے دونوں عذاب جمع فرمائے دیئے پہلے کا ذکر **لن تغنی عنهم** میں ہوا اور دوسرے کا ذکر **اولئک** الخ سے ہو رہا ہے - یعنی ان کو اسباب خیر کام نہ آئیں گے اور وہ جہنم کا ایندھن بنیں گے کہ جیسے آگ لکڑی کے رگ و ریشہ میں سرایت کر جاتی ہے - ایسے ہی ان کے رگ رگ میں جہنم کی آگ بھڑک جائے گی - نیز دوسری چیزیں آگ میں پکنے گلنے کو رکھی جاتی ہے کہ پک کر گل کر نکال لی جاتی ہیں مگر ایندھن آگ میں جلنے کو جاتا ہے - کہ وہاں سے نکالا نہیں جاتا وہاں ہی جل کر راکھ ہو جاتا ہے روٹی پک کر سونا گل کر آگ سے نکال لیا جاتا ہے مگر کوئلہ وہاں ہی رہتا ہے ایسے ہی مومن دوزخ سے نکال لئے جائیں گے کافر وہاں ہی رہیں گے اس لئے انہیں وقود فرمایا - **کداب ال فرعون والذین من قبلهم** یہ عبارت ثلٰثت پوشیدہ کے متعلق ہو کر **داب** کی خبر ہے - **داب** کے چند معنی ہیں - کوشش کرنا' زور لگانا' تھک جانا' عادت' شان' دائمی حالت' رب فرماتا ہے **سبع سنین دابا** بمعنی حالت دائمی اہل عرب کہتے ہیں - **هذا داب فلان** یہ فلانے کی عادت ہو گئی یہ **نصر ینصر** سے ہے - **داب بدوب دوبا**" و' **دابا** یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں اور ہر معنی کا الگ لطف ہے (کبیر) آل اصل میں اہل تھا - بمعنی والا جیسے اہل علم' علم والا' اہل مال' مال والا - اصطلاح میں بال بچوں گھر میں رہنے والوں اور متبعین کو آل کہا جاتا ہے یہاں آخری معنی مراد ہیں - یعنی فرعون کے پیرو کار کیونکہ فرعون لاولد تھا اور اس کی بیوی حضرت آسیہ مومنہ تھیں ان پر عذاب کیوں آتا اس کے سپاہی اور اس کے ساتھی اس عذاب میں مبتلا ہوئے - لفظ فرعون کی نہایت نفیس تحقیق اور اس کی مکمل تاریخ ہم پہلے سیپارہ میں کر چکے ہیں - **والذین** میں واؤ عاطفہ ہے اور **الذین** ال پر معطوف ہے من' **تبعوا** فعل مقدر کا متعلق ہے اور **قبلهم** کا مرجع ال کیونکہ وہ بڑی جماعت تھی اور اس سے فرعون سے پہلے دیگر امتوں کے کفار مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **هم** کا مرجع کفار عرب ہوں جن کا ذکر' **الذین کفروا** میں ہو چکا اب اس کے معانی سنو - (1) ان کفار عرب کی حالت اور سرکشی فرعونیوں اور اس سے پہلے والے کفار کی سرکشی کی طرح ہے - (2) کفار عرب کی عادت فرعونیوں کی سی ہے - (3) کفار عرب کا جہنم کا ایندھن بننا اور ان کا مال و اولاد کام نہ

www.alahazratnetwork.org

آنا - فرعونیوں کی طرح ہے کہ جب وہ ڈوبا تو اسے کچھ کام نہ آیا - (4) کفار عرب کا جہنم میں ہمیشہ رہنا فرعون کی طرح ہے۔ (5) کفار عرب کی اسلام کے مقابلہ میں کوشش فرعونیوں کی طرح ہے۔ جیسے ان کی کوشش موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں بیکار رہی تھی۔ ایسے ہی ان کی مشقتیں آپ کے مقابلہ میں بیکار رہیں گی۔ (6) ان کی اخروی مصیبت فرعونیوں کی مصیبت کی طرح ہے جیسے فرعونیوں پر قیامت تک عذاب پیش ہو رہا ہے۔ **یعرضون علیھا غدوا وعشیا** اور قیامت میں وہ سخت عذاب میں مبتلا کئے جائیں گے **ادخلوا ال فرعون اشد العذاب** ایسے ہی ان کا حال ہو گا۔ خیال رہے کہ ان سب معنی میں آل فرعون داب کا فاعل تھی اور ہو سکتا ہے کہ داب کا مفعول ہو اور اس کا فاعل یعنی لفظ اللہ پوشیدہ ہو۔ **کداب اللہ ال فرعون** اور یہ اضافت مصدر کی مفعول کی طرف ہو۔ یعنی اللہ کا معاملہ اہل عرب کے ساتھ ایسا ہی ہو گا جیسا اس کا معاملہ فرعونیوں سے ہوا (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ)۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار عرب مشبہ ہیں اور آل فرعون مشبہ بہ وجہ شبہ میں بہت سے احتمالات ہیں۔ ہر احتمال کے ماتحت بہت سے فوائد۔ اس لئے یہ آیت کریمہ بہت جامع آیت ہے۔ خیال رہے کہ کاف۔ کما مثل وغیرہ تشبیہ کے لئے آتے ہیں اور قریب المعنی ہیں اور **من قبلھم** سے یا تو فرعون سے پہلے کفار مراد ہیں۔ جیسے قوم نوح و ثمود و لوط وغیرہ اور یا قریش سے پہلے کفار عیسائی وغیرہ۔ **کذبوا بایتنا** یہ داب کا بیان ہے۔ جھٹلانا دل سے بھی ہوتا ہے زبان سے بھی اور عمل سے بھی نہ ماننا دلی تکذیب ہے۔ زبان سے انکار قولی تکذیب ہے۔ عمل تعلیم کے خلاف کرنا عملی تکذیب ہے۔ یہاں ہر قسم کی تکذیب مراد ہے کہ وہ لوگ ہر طرح جھٹلاتے ہیں۔ آج ہم لوگ دلی و زبانی تکذیب تو نہیں کرتے مگر عملی تکذیب میں گرفتار ہیں اور آیات سے یا تو آسمانی کتابوں کی آیتیں مراد ہیں یا پچھلے نبیوں کے معجزے یعنی ان سب نے ہماری آیتوں کو' یا ہمارے بھیجے ہوئے معجزات کو جھٹلایا۔ مگر آخری دو معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ فرعونیوں کے پاس کسی آسمانی کتاب کی آیات نہیں آئیں۔ توریت اس کی ہلاکت کے بعد آئی' باقی' انجیل' زبور تو بعد کی کتابیں ہیں۔ یہ ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد انبیاء کرام کی ذوات ہوں کہ وہ حضرات مجسم آیات الٰہیہ ہیں تو اس کا انجام یہ ہوا **فاخذھم اللہ بذنوبھم** یہ جملہ اللہ کے معاملہ کی تفسیر ہے۔ اخذ کے معنی پکڑنا ہیں مگر یہاں عذاب دینا مراد ہے۔ ھم کا مرجع فرعونی اور سارے کفار ہیں ب سببیہ ہے اور ذنوب ذنب سے بنا۔ بمعنی تابع اور پیچھے لگنے والا۔ اسی لئے دم کو ذنب کہتے ہیں۔ گناہ کو بھی اس لئے ذنب کہتے ہیں کہ وہ اپنے کرنے والے کے پیچھے لگ جاتا ہے (معانی و روح)۔ تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ اصطلاح میں ہر اس فعل کو ذنب کہہ دیتے ہیں کہ جس کا نتیجہ ناگوار ہو۔ **لسان العرب** میں ہے **الذنب الاثم والجرم والمعصیۃ** کہ ذنب اثم اور جرم اور معصیت سب کو کہتے ہیں۔ جو ثواب سے روکے وہ اثم ہے اور جو رب سے تعلق قطع کر دے وہ جرم' جرم' قطع اور معصیت نافرمانی کو کہتے ہیں۔ خواہ جان بوجھ کر ہو یا بھول چوک سے معلوم ہوا کہ لفظ ذنب زبان عرب میں بہت وسیع ہے۔ کبھی اس کام کو ذنب کہہ دیتے ہیں جو حقیقت میں گناہ ہو۔ مگر اس کا انجام ناگوار ہو اور غلطی کو بھی ذنب کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کا بہتر ترجمہ قصور ہے بڑے گناہ کو بھی ذنب کہہ دیتے ہیں۔ اور چھوٹی سی غلطی کو بھی۔ یہاں بڑے بڑے گناہ جیسے کفر بت پرستی' انبیائے کرام کا قتل' ان کی مخالفتیں سب مراد ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ سارے گناہ کئے تھے۔ اسی لئے یہاں جمع ارشاد ہوا۔ یعنی ان سب کو اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیا اور کیوں نہ پکڑتا۔ **واللہ شدید العقاب** اللہ سخت عذاب والا ہے۔ عقاب عقب سے بنا۔ بمعنی پیچھے اسی لئے ایڑی کو عقب کہتے ہیں کہ وہ پیچھے ہوتی ہے۔ ہم عتاب عذاب اور عقاب کا فرق پہلے سیپارہ میں بیان کر

www.alahazratnetwork.org

گئے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کفار اپنے مال' اولاد کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے ان کا یہ خیال ہے کہ کفر کی وجہ سے جو ہم پر عذاب آئے گا اسے ہم دنیوی مصیبتوں کی طرح اپنے مال' اولاد کے ذریعہ ٹال دیں گے۔ مگر ان کا یہ خیال غلط ہے' کفار پر جب کفر کی وجہ سے عذاب الٰہی آئے گا تو ان کے مال اولاد سب بیکار ثابت ہوں گے۔ وہ اللہ کی بھیجی مصیبت کو دفع نہیں کر سکیں گے۔ اور یہ لوگ دوزخ کا ایندھن بنیں گے۔ جیسے ایندھن کی رگ و ریشہ میں آگ سرایت کر جاتی ہے ایسے ہی ان کے رگ و ریشہ میں جہنم کی آگ بھڑکے گی۔ اسلام کے مقابلہ میں ان کی ناکام کوشش ایسی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں فرعونیوں کی کوشش تھیں یا ان پر کفر کا وبال ایسا آئے گا جیسے فرعونیوں اور ان سے پہلے والے کافروں پر آیا کہ وہ ان سے بڑھ کر مالدار اور صاحب اولاد تھے۔ مگر جب عذاب آیا تو کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔ انہوں نے ہماری آیتوں' نشانیوں' انبیاء کے معجزات کو جھٹلایا' ان کو ایذائیں پہنچائیں۔ پہلے تو رب نے انہیں مہلت دی پھر جب ان کا پیالہ گناہوں سے بھر گیا تو سارے گناہوں کے عوض رب نے اچانک انہیں پکڑ لیا۔ اللہ سخت عذاب والا ہے۔ اس کے عذاب سے کوئی بچا نہیں سکتا۔ ایسے ہی ان کا حال ہو گا۔ جب جرم یکساں ہے تو عذاب کیوں نہ یکساں ہوں۔ خیال رہے کہ رب کی پکڑ جلد نہیں ہوتی۔ بہت مہلت ملتی ہے کہ بندہ سنبھل جائے مگر جب بندہ رب کے حکم سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تب پکڑا جاتا ہے۔ فرعون دعویٰ خدائی کرتا رہا۔ بچے ذبح کرتا رہا مگر سر میں درد بھی نہ ہوا۔ جب پیالہ بھر گیا تو پکڑ لیا۔ ایسے ہی کفار عرب رب کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ جلد سنبھل جائیں ورنہ مارے جائیں گے۔ اللہ کی چکی دیر میں پیستی ہے مگر بہت باریک پیستی ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** آخرت میں مال و اولاد کا کام نہ آنا اور ان کے ذریعہ عذاب الٰہی دفع نہ ہونا کفار کے لئے ہے انشاء اللہ مسلمانوں کا مال بھی کام آئے گا اور اولاد بھی اور ان کے ذریعہ عذاب الٰہی دفع بھی ہو گا۔ جیسا **ان الذین کفروا** سے معلوم ہوا مسلمانوں کے صدقے آخرت میں کار آمد ہیں۔ اولاد کی نیکیوں سے ماں باپ کی نجات ہے۔ یہ آیت اس حدیث کی شرح ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فاطمہ میں تم سے عذاب الٰہی دفع نہیں کر سکتا اس آیت نے بتایا کہ وہاں مقصد یہ ہے کہ اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو عذاب دفع نہیں کر سکتے ورنہ حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری شفاعت بڑے گناہ کبیرہ والے امتی کو پہنچے گی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی کی مدد فرمائیں اور اپنی بیٹی کے کام نہ آئیں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کو ان کے سارے گناہوں کا عذاب دیا جائے گا کسی گناہ کی معافی نہ ہو گی اور نیکیاں ساری برباد ہوں گی جیسا کہ **بذنوبھم** سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں کی نیکیاں ساری محفوظ۔ گناہ یا تو بالکل معاف یا کچھ معاف' کفار کی نیکیاں ساری برباد اور گناہ سب محفوظ۔ **تیسرا فائدہ:** متبعین اور پیرو کار کو آل کہہ سکتے ہیں اگرچہ وہ اس کا رشتہ دار نہ ہو۔ دیکھو فرعون کے سپاہیوں کو آل فرعون کہا گیا۔ نافرمان اور باغی آل کہلانے کا مستحق نہیں۔ اگرچہ رشتہ دار ہو۔ کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا مگر چونکہ کافر تھا اس لئے فرمایا **انہ لیس من اھلک** اس معنی سے حضور علیہ السلام کی ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل ہے اور شیعہ اور دیوبندی' مرزائی وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل نہیں اگرچہ وہ اپنے کو سید ہی کہتے ہوں۔ **چوتھا فائدہ:** انبیائے کرام کی مخالفت پر عذاب الٰہی آتا ہے دیکھو فرعون نے دعویٰ خدائی

www.alahazratnetwork.org

کیا۔ اس پر عذاب نہ آیا۔ جب تک کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ نہ کیا۔ فرمایا گیا **کذبوا بآیتنا فاخذهم الله بذنوبهم**۔ ف سے معلوم ہوا کہ آیات الٰہی کی تکذیب یعنی انبیائے کرام کی مخالفت سبب عذاب بنی۔ پانچواں فائدہ: کفار کا آپس میں نکاح درست ہے اور اس نکاح کی اولاد حلال ہے نہ کہ حرامی دیکھو یہاں ارشاد ہوا **ولا دهم** ان کافروں کی اولاد اگر ان کے نکاح صحیح نہ ہوتے تو یہ بچے حرامی ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد نہ کہلاتے۔ چھٹا فائدہ: پچھلے کافروں کے حالات ان کی بربادی کے واقعات معلوم کرنا بھی ضروری ہیں تاکہ عبرت حاصل ہو۔ دیکھو قرآن کریم نے عبرت کے لئے آل فرعون اور پچھلے کفار کا حوالہ دیا۔ ساتواں فائدہ: سارے کافر اس لحاظ سے برابر ہیں کہ ان کے مال و اولاد کام نہ آئیں گے۔ خواہ رب کے منکر ہوں یا اس کی صفت کے یا پیغمبر کے یا کسی اور ایمانی عقیدہ کے جیسا کہ **کفروا** کے عموم اور آل فرعون اور پچھلے کافروں کے حوالہ دینے سے معلوم ہوا۔ دیکھو کفار مکہ دعویٰ خدائی نہ کرتے تھے مگر انہیں فرعون کا عذاب یاد دلایا گیا جو مدعی الوہیت تھا۔ آٹھواں فائدہ: کافر پر احکام شرعیہ لازم ہیں۔ یعنی وہ ایمان لا کر نماز پڑھے، روزے رکھے، اگر نہ کرے گا تو اسے کفر کے ساتھ اس پر بھی سزا دی جائے گی۔ یہاں فرمایا گیا **فاخذهم الله بذنوبهم** کسی گناہ کی تخصیص نہ فرمائی گئی۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ جنتی دوزخی کفار سے پوچھیں گے **ما سلککم فی سقر** تمہیں جہنم میں کون چیز لائی۔ وہ عرض کریں گے۔ **لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین و کنا نکذب بیوم الدین**۔ ہم نماز نہ پڑھتے تھے ہم زکوۃ نہ دیتے تھے۔ ہم اسلام کا مذاق اڑاتے اور قیامت کو جھٹلاتے تھے۔ انہوں نے کفر کے ساتھ بد عملی کو بھی سبب عذاب بتایا مگر یہ آخرت کے اعتبار سے ہے۔ دنیا میں نہیں اس لئے کافر کو زمانہ کفر کی نمازیں قضا نہ کرنی پڑیں گی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں ہے کہ صرف کفار ہی جہنم کا ایندھن ہیں اور وہی جہنم میں جائیں گے۔ جیسا کہ **هم** کے حصر سے معلوم ہوا۔ حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ گنہگار مسلمان بھی کچھ دن جہنم میں رہیں گے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جہنم صرف کفار کی خاطر بنی ہے۔ مسلمانوں کا جانا ان کی طفیل ہے کہ جو مسلمان کافروں جیسے عمل کریں یا مسلمانوں کے مقابل ان سے الفت و محبت رکھیں۔ وہ انہی کے ساتھ دوزخ میں جائیں گے۔ لہٰذا جہنم کے ایندھن وہی ہوئے جیسے لکڑی کے ساتھ کا کیڑا بھی آگ میں پہنچ جائے وہ آگ کا ایندھن نہیں۔ یہاں ایندھن ہونے کا حصر ہے نہ کہ جانے کا دوسرے یہ کہ آگ میں جانا دو طرح ہے۔ لوہار کی بھٹی میں لوہا بھی جاتا ہے اور کوئلہ بھی رکھا جاتا ہے۔ یونہی کفار وہاں کے ایندھن ہیں اور مسلمان گناہوں کا میل اتارنے جائیں گے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کفار آگ ہی میں جائیں گے تو دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں کون جائے گا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں **کفروا** سے وہ خاص کفار مراد ہیں جن کے بارے میں یہ آیت آئی کہ یہ کفار آگ میں جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ نار سے مراد دوزخ ہے۔ جز بول کر کل مراد لیا گیا۔ تیسرے یہ کہ دوزخ کی ٹھنڈک بھی آگ کی وجہ سے ہوگی۔ جو طبقے آگ سے قریب ہیں وہ گرم اور جو دور ہیں وہ ٹھنڈے جیسے دنیا کی سردی گرمی سورج کی وجہ سے ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے عذاب دفع نہ ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ ابو طالب کا عذاب ہلکا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے باعث اور ابو لہب کا عذاب سوموار کو ہلکا ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی کے باعث (بخاری شریف) تو اس آیت اور ان احادیث میں موافقت کیونکر ہو؟ جواب: ان احادیث میں عذاب ہلکے ہونے کا ذکر

www.alahazratnetwork.org

اور اس آیت میں عذاب دفع ہونے کی نفی ہے۔ تخفیف عذاب اور ہے اور دفع عذاب کچھ اور تخفیف کا ثبوت ہے۔ دفع کی نفی لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : مسلمان کے مال و اولاد قرب الٰہی کا ذریعہ ہیں اور اس کے لئے باعث ثواب۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ بیوی بچوں کو پالنا عبادت ہے۔ حتیٰ کہ بیوی کے منہ میں لقمہ دینا عبادت اس سے صحبت کرنا ثواب کیونکہ مسلمان کو ان سے دلی تعلق نہیں ہوتا' وہ ان کی خدمت اسی لئے کرتا ہے کہ رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ لہٰذا یہ تمام چیزیں اس کے لئے جمال الٰہی کا آئینہ ہیں۔ لیکن کفار کی اولاد و مال ان کے لئے سب حجاب ہیں اور رب سے دوری کا ذریعہ۔ کیونکہ اسے ان چیزوں سے دلی تعلق ہے اور یہی اس کے حقیقی محبوب۔ لہٰذا یہ چیزیں اسے عذاب سے بچائیں تو کیا اور عذاب بڑھائیں گی۔ دیکھو فرعون اور فرعونیوں کا سارا مال و اسباب ذریعہ عذاب بنا (ابن عربی) اس کی مثال یوں سمجھو کہ پریس میں ایک پلیٹ پر قرآن ہے اور دوسری پلیٹ پر باغیانہ مضمون۔ قرآن والی پلیٹ سے جو کاغذ چھپے گا وہ وہ قرآن بنے گا۔ خواہ ہلکا ہو یا وزنی اور دوسری پلیٹ سے جو کچھ چھپے گا وہ باغیانہ کتاب ہوگی۔ اس کاغذ کا بلاوضو چھونا ناجائز ہے۔ اور ناپاکی کی حالت میں پڑھنا حرام۔ نیز اس کا ہر جگہ ادب و احترام مگر اس کاغذ کا چھاپنا جرم' رکھنا بغاوت' شائع کرنا باعث سزا۔ قرآن میں فرعون کا نام آجائے یا ہامان کا' یا ابولہب کا آجائے یا شیطان کا وہ قابل تعظیم ہے کہ اس کے پڑھنے پر ثواب اور اس کو بلاوضو چھونا گناہ کہ اگرچہ وہ لوگ خبیث تھے مگر یہ الفاظ تو جزو قرآن ہیں۔ ان پر قرآن کے احکام جاری مگر باغیانہ کتاب میں بادشاہ کا نام آجائے یا وزیر کا' فقیر کا آجائے یا امیر کا کچھ معظم نہیں۔ حکومت سب کو جلوا دے گی۔ یہی حال کفار اور ان کے مال کا ہے۔ کفار باغیانہ مضمون کی پلیٹ ہیں۔ جو چیز ان سے قرب حقیقی رکھے وہ خدا کا عذاب ہے۔ مسلمان رحمت الٰہی کے پلیٹ ہیں جو چیز ان کے پاس آئے وہ رحمت۔ غور تو کرو کہ قیامت میں چاند' سورج' تارے' کفار کے بت سب ہی جہنم میں جائیں گے۔ بولو ان بے چاروں نے کون سا گناہ کیا تھا۔ مگر کفار نے ان سے تعلق رکھا' ان کا بیڑہ غرق کیا۔ اصحاب کہف کا کتا' صالح علیہ السلام کی اونٹنی وغیرہ جنت میں جائیں گے' بتاؤ انہوں نے کون سی نیکی کی تھی۔ صرف یہ کہ وہ نیکوں کے پاس رہے تھے۔ صوفیائے کرام فرماتے کہ بے دین مولوی کے علم کی مثال ایسی ہے جیسے سامری کا بچھڑا' سامری نے فرعونیوں کے سونے سے بچھڑا بنایا اور اس کے منہ میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے ٹاپ کے نیچے کی خاک ڈالی جو نہایت طیب و طاہر تھی اس خاک کے اثر سے اس میں آواز پیدا ہوئی۔ اس آواز نے ہزاروں اسرائیلیوں کو گمراہ کر دیا۔ اگر یہ خاک کسی اللہ والے کے منہ میں جاتی تو نہ معلوم کیا تاثیر دکھاتی۔ خاک تو اشرف تھی مگر وہ سونا خبیث تھا۔ ایسے ہی بے دین عالم کا حال ہے کہ اس کا قلب گویا فرعونی ہوتا ہے۔ اس کا علم گویا وہ جبریلی خاک۔ اس علم کے ذریعہ وہ جو بولتا ہے اس سے ہزاروں کو گمراہ کر دیتا ہے۔ اس کا علم اس کی عبادت' اس کے رکوع' سجدے۔ اس کی قرآن خوانی اس کا مال و اسباب' سب جہنم کے ایندھن ہیں۔ فرعون کے ساتھ اس کا گھوڑا' اس کا لباس اور باقی ساز و سامان سب ہی ڈوبا۔ اللہ علم کے ساتھ ایمان بھی عطا فرمائے۔

www.alahazratnetwork.org

قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ

فرما دو واسطے ان کے جنہوں نے کفر کیا عنقریب مغلوب ہو گئے تم اور جمع کیے جاؤ گے طرف دوزخ کی

فرما دو کافروں سے کوئی دم جاتا ہے کہ مغلوب ہو گے اور دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے اور وہ

الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾ قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰیَةٌ فِیْ فِئَتَیْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِیْ

اور برا ہے وہ بستر بے شک ہے واسطے تمہارے بیے نشانی بیچ دو جماعتوں کے جن میں ایک جماعت جنگ کرتی

بہت ہی برا بچھونا ہے بے شک تمہارے لئے نشانی تھی دو گروہوں میں جو آپس میں بھڑ پڑے ایک جتھا

سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ یَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَیْهِمْ رَاْیَ الْعَیْنِ ؕ وَاللّٰهُ

ہے بیچ راستے اللہ کے اور دوسری کافر ہے دیکھتے ہیں وہ ان کو دو مثل اپنا دیکھنا آنکھ کا اور اللہ قوت

اللہ کی راہ میں لڑتا اور دوسرا کافر کہ انہیں آنکھوں دیکھا اپنے سے دونا سمجھیں اور اللہ اپنی مدد سے زور

یُؤَیِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

دیتا ہے ساتھ مدد اپنی کے جس کو چاہتا ہے تحقیق بیچ اس کے البتہ عبرت ہے واسطے آنکھوں والوں کے

دیتا ہے جسے چاہتا ہے بے شک اس میں عقلمندوں کے لئے ضرور دیکھ کر سیکھنا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں پہلے تو رب نے قانون ارشاد فرمایا کہ کفار کے مال و اولاد عذاب الٰہی کو ان سے دفع نہیں کرسکتے۔ پھر اس کی ایک مثال گزشتہ واقعہ سے دی کہ فرعون و فرعونی بڑے مال و منال کے مالک تھے۔ مگر عذاب آنے پر نہ بچ سکے۔ اب اس قانون کی دوسری مثال آئندہ پیش آنے والے واقعہ سے دی جا رہی ہے کہ تم بھی عنقریب مٹ جاؤ گے۔ تمہاری اولاد مال اس آنے والے عذاب کو دفع نہ کرسکیں گے۔ چنانچہ بنی قریظہ قتل کیے گئے اور بنی نضیر جلاوطن۔ ان کے اموال و اولاد بیکار رہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ کفار کا مال و اولاد عذاب الٰہی کو دفع نہیں کرسکتا۔ جس کی ایک دلیل فرعونیوں کی غرقابی کا قصہ سنا کر بیان ہوئی۔ اب اسی دعوےٰ کی دوسری دلیل ارشاد ہو رہی ہے تم جنگ بدر کو یاد کرلو۔ اس میں کیا ہوا تھا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جو دعویٰ کیا گیا کہ کفار کا مال و اولاد عذاب دفع نہیں کرسکتا۔ اس کی ایک شہادت تو مشہور قصہ یعنی غرق فرعون سے دی گئی اور دوسری عینی شہادت دی جا رہی ہے۔ یعنی جنگ بدر کے واقعہ سے۔ سمعی گواہی سے عینی گواہی اعلیٰ ہوتی ہے۔ اس لئے اب اعلیٰ کی طرف رجوع ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالاً "ایک کلیہ قاعدہ ارشاد ہوا کہ کفار کا مال و اولاد بیکار ہے۔ جس میں کفار عرب بھی داخل تھے۔ اب اس قاعدہ کا ایک فرد اور اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ چونکہ کفار کا مال و اولاد عذاب خداوندی کو دور نہیں کرسکتے۔ لہٰذا تم بھی ہوشیار ہو جاؤ۔ عنقریب ہلاک ہو جاؤ گے اور اس کا ثبوت جنگ بدر ہے۔

شان نزول: عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر سے کفار کو

www.alahazratnetwork.org

شکست فاش دے کر مدینہ طیبہ واپس ہوئے تو حضور علیہ السلام نے مدینہ کے یہودیوں کو جمع کرکے فرمایا کہ اللہ سے ڈرو ایسی مصیبت سے پہلے اسلام لے آؤ۔ جیسی بدر میں قریش پر نازل ہوئی۔ تم جانتے ہو کہ میں سچا نبی ہوں تم نے اپنی کتابوں میں میرے اوصاف دیکھے ہیں۔ وہ بولے قریش تو فن جنگ سے ناواقف تھے اگر کبھی ہم سے مقابلہ ہوا تو معلوم ہو جائے گا کہ لڑنے والے ایسے ہوتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں خبر دی کہ وہ بھی عنقریب مغلوب ہوں گے۔ رب تعالیٰ نے یہ وعدہ سچا کر دکھایا کہ حضور علیہ السلام نے ایک دن میں چھ سو یہودی قتل فرمائے۔ یعنی بنی قریظہ اور بہتوں کو گرفتار فرمایا اور خیبر والوں پر جزیہ مقرر کیا (خزائن العرفان)۔ انہی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ بھی روایت ہے کہ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار مکہ کو شکست دی تو یہود آپس میں بولے کہ واللہ یہ سچے نبی ہیں' یہ وہی ہیں جن کی خبر ہماری توریت میں دی گئی۔ ان کی پیروی کر لینی چاہئے تو ان میں سے بعض نے کہا کہ ابھی جلدی نہ کرو یہ فتح و شکست اتفاقیہ ہے۔ دوسری جنگ اور دیکھ لو کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے۔ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو بظاہر شکست ہوئی۔ تو یہ یہود بغلیں بجانے لگے اور یہاں تک دلیر ہو گئے کہ جو معاہدہ حضور علیہ السلام سے کیا تھا۔ وہ بھی توڑ دیا اور ان کا سردار کعب بن اشرف 60 عرابیوں کو لے کر کفار مکہ کے پاس پہنچا۔ اور ان سے کہا کہ تم باہر سے مسلمانوں پر حملہ کرو۔ ہم بیچ مدینہ کے ان پر حملہ کر دیں گے۔ ان کو ایسے پیس دو جیسے چکی میں دانہ' کفار مکہ بولے کہ تم اور مسلمان دونوں اہل کتاب ہو۔ اگر تم ان سے مل گئے تو ہم کیا کریں گے۔ کعب بولا کہ ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ کفار نے کہا کہ اچھا ہمارے لات و منات کے سر پر ہاتھ رکھ کر قسم کھاؤ تو ہمیں اعتبار آجائے۔ کعب نے ایسا ہی کیا۔ اور کہا کہ ہم تم آپس میں پھر لڑیں یا نہ لڑیں۔ ابھی تو اسلام کی مصیبت ہم تم دونوں پر ہے۔ آؤ مل کر اسے پہلے مٹا لیں۔ سچ ہے **الکفر ملۃ واحدۃ** کفر ایک ہی دین ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں پیشگوئی کی گئی ہے کہ یہ سارے کفار مل کر تم سے مقابلہ کریں گے۔ مگر مغلوب ہوں گے (خازن)۔

تفسیر : **قل للذین کفروا ستغلبون و تحشرون الی جھنم** قل میں حضور علیہ السلام سے خطاب ہے۔ اس قل فرمانے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیف زبانی دکھانی ہے کہ جو ان کے منہ سے نکلتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے۔ کیونکہ جب یہ پیشین گوئی کی گئی تھی تب تمام ہی حالات مسلمانوں کے خلاف تھے۔ کفار کے حق میں تھے' مسلمان مغلوب الحال تھے۔ یہود بڑے خوشحال مگر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا وہی ہوا۔ دوسرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم دکھانا تھا کہ آپ کا سینہ علوم کا گنجینہ ہے مگر بتانے کی اجازت نہیں ان میں سے آپ یہ دو باتیں لوگوں کو بتا دیں۔ **کفروا** سے یا تو سارے کفار مراد ہیں۔ اگر یہود مدینہ یعنی بنی نضیر و بنی قریظہ مراد ہیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے کہ آیت کے نزول کے بعد ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا سب ہی دوزخ میں گئے اور اگر سارے کفار عرب سے خطاب ہے تو مغلوبیت میں سب ہی مراد مگر دوزخی ہونے میں صرف وہ مراد ہوں گے جو کفر پر مرنے والے تھے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ **ستغلبون** میں دو قرائتیں ہیں۔ ی اور ت سے (معانی و کبیر) جب مضارع پر سین آتا ہے تو قریب مستقبل کے معنی ہوتے ہیں یعنی تم عنقریب دنیا میں بہت جلد اسلام اور مسلمانوں سے مغلوب ہو گے کہ بنی قریظہ مقتول ہوں گے اور بنی نضیر نکالے جائیں گے۔ **تحشرون'** حشر سے بنا جس کے معنی ہیں اپنی جائے قرار سے مصیبت کی طرف نکالنا اور جمع کرنا **و اذا الوحوش حشرت** یا جیسے

www.alahazratnetwork.org

والطیر محشورۃ مگر فی سے معلوم ہوا کہ یہاں نکالنے کے معنی مراد ہیں۔ کیونکہ یہ انتہا کو چاہتا ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہود یا سارے کفار سے فرمادو کہ عنقریب تم سب مسلمانوں کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں دوزخ کی طرف ایسے ہانکے جاؤ گے۔ جیسے جانور اس مختصر سے الفاظ میں دونوں جہان کی خبر ہے۔ مغلوبیت اس جہاں کی خبر ہے' جہنمی ہونا اس کی جزا اس **تحشرون** میں ان کفار کا کفر پر رہنا۔ کفر پر مرنا' قبر میں ذلیل ہونا' قیامت میں روسیاہ ہونا' پھر دوزخ میں جانا۔ سب اس میں ہی داخل ہے تو اس آیت میں ہر جگہ کی خبر ہے۔ **تحشرون** کے معنی ہیں۔ مرتے وقت دوزخ کی طرف ہانکے جاؤ گے کہ قبر میں دوزخ کا عذاب ہو گا یا بعد قیامت فرشتے دوزخ کی طرف ہی ہانک دیئے جائیں گے۔ **و بئس المهاد**' **بئس** **باساء** سے بنا بمعنی تکلیف اور شدت رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اخذنا الذین ظلموا بعذاب بئیس**۔ مہاد مہد سے بنا بمعنی ابتدائی حالت اسی لئے تقریر کے شروع کو تمہید کہتے ہیں اور بچے کے گہوارے کو مہاد۔ کیونکہ بچہ ابتدائی حالت میں وہاں آرام کرتا ہے۔ اصطلاح میں مہاد ہر بستر کو کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **والارض فرشنها فنعم الماهدون**۔ یعنی وہ دوزخ بڑا برا بستر ہے جو ان کے لئے تجویز کیا گیا۔ اس کلام میں ادھر اشارہ ہے کہ جیسے گہوارہ بچہ کو ہر طرف سے گھیرے ہوتا ہے۔ ایسے ہی ان کو دوزخ ہر طرف سے گھیرے گی اور قلب و قا[illegible]گی۔ **قد کان لکم ایة**" **فی فئتین التقتا**۔ یہ جملہ یا تو پہلے کلام کا تتمہ ہے اور اسی قل کا مفعول اور اس میں یہود سے خطاب ہے یا یہ جملہ نیا ہے رب تعالیٰ کا مقولہ چونکہ اس زمانہ کے کفار بھی اور آئندہ کے کفار بھی فتح بدر کو اتفاقی واقعہ سمجھتے تھے نہ کہ قدرت الٰہی کا نمونہ جانتے تھے۔ اسی لئے قد ارشاد ہوا۔ جس مضمون کے انکاری موجود ہوں یا ہونے والے ہوں وہاں قد یا ان وغیرہ سے تاکید کی جاتی ہے لکم میں یا یہود سے خطاب ہے یا سارے کفار سے یا مسلمانوں سے یا غازیان بدر سے اگر کفار سے خطاب ہے تو آیت سے مراد ہے نشان عذاب اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہے تو آیت سے مراد ہے نشان رحمت یا نشان قدرت۔ کان کے معنی تھا بھی ہو سکتے ہیں اور ہے بھی۔ آیت بمعنی نشانی اس کی تنوین تعظیمی ہے **فئتین** **فئة** کا تثنیہ ہے **فئة** کے معنی واپس ہونا اور لوٹنا ہیں **حتی تفیء الی امر الله**۔ اس لئے مال غنیمت اور سایہ کو فیء کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں ہر جماعت خصوصاً "لشکر کو فیء بولتے ہیں کیونکہ ان میں ہر ایک دوسرے کی طرف مدد کے لئے لوٹتا ہے۔ اس سے جنگ بدر کے دو لشکر مراد ہیں۔ ایک مسلمانوں کا جن کی تعداد تین سو تیرہ تھی۔ دوسرا کفار کا جس کی تعداد نو سو پچاس تھی۔ آخر میں ایک ہزار ہو گئی تھی **التقتا** لقاء کا باب افتعال ہے۔ بمعنی آپس میں ایک دوسرے سے ملنا یہاں بدر کے دن جنگ کے لئے اکٹھے ہوئے۔ وہ قدرت کی بڑی نشانی ہے۔ یا اے مسلمانو جنگ بدر کے یہ دو لشکر نمونہ قدرت الٰہیہ ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تمہیں غالب رکھے گا۔ اور انہیں مغلوب **فئة تقاتل فی سبیل الله**۔ یہ جملہ پہلے جملہ کی تفصیل ہے اور **فئة** **احدهما** محذوف کی خبر **سبیل الله** سے یا تو اللہ کا دین مراد ہے یا اللہ کی اطاعت یعنی ان دونوں لشکروں میں سے ایک جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرتی تھی **و اخری کافرة**۔ یہ پورا جملہ ہے۔ پہلے پر معطوف' اگرچہ مقابلہ کا تقاضا یہ تھا کہ فرمایا جاتا کہ دوسری جماعت شیطانی راہ میں لڑتی تھی مگر اس مضمون کو نہایت نفیس اور لطیف اشارے سے بیان فرمایا کہ دوسری جماعت کافرہ تھی وہ راہ الٰہی میں کیا لڑتی۔ خیال رہے کہ **اخری** **فئة** پوشیدہ کی صفت ہے اور کافرہ کا تعلق پوشیدہ سے ہے۔ یعنی دوسری جماعت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی منکر تھی۔ **یرونهم مثلیهم رای العین** یہ جملہ یا مستقل نیا جملہ ہے۔ یا **اخری** **کافرة** کی صفت **یرون** کا فاعل جماعت کفار ہے

www.alahazratnetwork.org

اور ھم کا مرجع جماعت مسلمین مثلی مثل کا تثنیہ ہے۔ معنی دو مثل یعنی دوگنا یا تگنا رای العین یرون کا مفعول مطلق ہے۔ خیال رہے کہ رای اور رویت تو آنکھ سے دیکھنے کو کہا جاتا ہے اور رویا خواب کو اور یرون دونوں مصدروں سے بن جاتا ہے۔ یرون میں چونکہ احتمال تھا کہ شاید خواب مراد ہو۔ اس لئے رای العین فرمایا گیا۔ اور زیادہ وضاحت کے لئے اس کو عین کی طرف مضاف کردیا۔ یعنی مسلمان تھے تو تھوڑے مگر کفار انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دوگنا یا تگنا محسوس کرتے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یرون کا فاعل لشکر اسلام ہے اور ھم سے مراد کفار یعنی مسلمان کفار کو اپنے سے دوگنا محسوس کرتے تھے۔ حالانکہ وہ ان سے تگنے سے بھی زیادہ تھے یا شروع جنگ میں مسلمانوں نے کفار کو زیادہ محسوس کیا۔ اور کفار نے مسلمانوں کو تھوڑا جانا تاکہ مسلمانوں کے صبر کی آزمائش ہو اور کفار جنگ کی ہمت کریں۔ مگر جنگ چھڑ جانے پر مسلمانوں کو کفار تھوڑے دکھائی دینے لگے۔ اور کفار کو مسلمان زیادہ لہذا یہ دونوں تفسیریں درست ہیں۔ یہ واقعہ یا تو حضور علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ یا کفار کو وہ فرشتے نظر آنے لگے تھے جو مسلمانوں کی مدد کے لئے آئے تھے۔ اسی لئے ارشاد ہوا۔ واللہ یوید بنصرہ من یشاء یہ نیا جملہ ہے۔ یوید تائید سے بنا۔ جس کا مادہ اید بمعنی قوت ہے۔ یعنی اللہ جسے چاہے اپنی مدد و فتح دے خواہ اس کے پاس فتح کا سامان ہو یا نہ ہو۔ ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار۔ ذلک سے یا تو سارے واقعہ کی طرف اشارہ ہے یا اس دیکھنے کی طرف یا فتح بدر کی طرف عبرۃ عبور سے ہے۔ بروزن فعلۃ جیسے جلسۃ جلوس و رکبۃ و رکوب اس کے لغوی معنی گزر جانا ہے۔ اسی لئے راستہ طے کرنے کو عبور کہا جاتا ہے چونکہ عبرت و نصیحت سے انسان جہالت سے علم کی طرف آجاتا ہے۔ اسی لئے اسے عبرت کہتے ہیں ابصار جمع بصر کی ہے مگر یہاں بمعنی بصیرت یا عقل ہے یعنی اس جنگ بدر کے واقعہ میں عقلمندوں یا بصیرت والوں کے لئے بڑی عبرت ہے کہ اسے دیکھ کر آئندہ کے لئے نصیحت پکڑیں۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کفار اسلام مٹانے کی کوشش کر رہے ہیں یا اس کی تباہی کے منتظر ہیں ان سے علانیہ فرمادو کہ تم سارے اکٹھے ہو جاؤ۔ اپنی طاقت جمع کرلو۔ مگر تمہاری قسمت میں دونوں جہان کی رسوائی ہے وہ اس طرح کہ دنیا میں تو کوئی دم جاتا ہے جو تم اسلام کے مقابلہ میں مغلوب ہو جاؤ گے اور آخرت میں تم سب دوزخ کی طرف جانوروں کی طرح ہانک دیئے جاؤ گے اور دوزخ تو بڑا برا بستر ہے جہاں آرام کی کوئی صورت نہیں۔ اور مصیبت کے سارے اسباب جمع ہیں۔ مسلمانوں کی کمی اور ان کی بے سامانی کو مت دیکھو یہ تھوڑی جماعت تمام دنیا پر چھا جائے گی۔ اگر تمہیں اس کا ثبوت چاہئے تو جنگ بدر کا واقعہ یاد کرلو وہ اس قدرت کی کھلی نشانی ہے اس دن میدان بدر میں دو لشکر اکٹھے ہوئے تھے ایک مسلمانوں کا جو راہ الٰہی میں سر کف ہو کر آگیا تھا۔ اور دوسرا کافروں کا جو اپنی نفسانی خواہشوں پر جنگ کر رہا تھا۔ مسلمان حقیقت میں تھوڑے اور بے سامان تھے۔ کفار کے تہائی تھے مگر رب کی شان تو دیکھو کہ وہ کافروں کو اپنے سے دوگنے تگنے نظر آئے اور یہ تھوڑے ان بہت پر چھا گئے معلوم ہوا کہ اللہ کی مدد ان کے شامل حال تھی۔ رب تعالیٰ جس کی چاہتا ہے مدد فرماتا ہے۔ اگر غور کرو تو جنگ بدر میں عقل والوں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے وہ اس سے آئندہ کا پتہ لگالیں اور آئندہ اسلام کے مقابلہ ہمت نہ کریں۔ خیال رہے کہ جنگ بدر کو چند وجہوں سے نشان قدرت قرار دیا گیا ایک یہ کہ اس جنگ کی پیشگوئی پچھلی آسمانی کتابوں میں بھی ہے۔ چنانچہ یسعیاہ نبی کی کتاب 21 سے 213 آیت تک لکھا ہے وہاں ارشاد فرمایا گیا "عرب کے صحرا میں تم رات کو کاٹو گے اے ودانیوں کے قافلو۔ پانی لے کے پیاسے کا استقبال کرنے آؤ۔ اے کے تیما کی سرزمین کے باشندو۔ روٹی کو لئے ہوئے بھاگنے والوں کے ملنے کو نکلو

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ وہ تلواروں کے سامنے سے ننگی تلوار سے اور کھچی ہوئی کمان سے اور جنگ کی شدت سے بھاگے ہیں کیونکہ خداوند نے مجھ کو یوں فرمایا۔ ہنوز ایک برس ہاں مزدور کے سے ایک ٹھیک برس قیدار کی ساری حشمت جاتی رہے گی اور تیر اندازوں کے جو باقی رہے گی۔ قیدار کے بہادر لوگ گھٹ جائیں گے کہ خداوند اسرائیل کے خدا نے یوں فرمایا۔ دیکھو اس عبارت میں ہجرت اور جنگ بدر کی صاف پیش گوئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کچھ روٹیاں لے کر ہی روانہ ہوئے تھے۔ اور تلواروں میں سے نکلے تھے اور پہاڑ کے غار میں قیام بھی فرمایا تھا اور ایک سال کے بعد ہی جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ جس میں ابوجہل وغیرہ سرداران قریش مارے گئے۔ قیدار ان کتابوں میں اسمٰعیل علیہ السلام کا نام تھا۔ دوسرے یہ کہ جنگ بدر میں مسلمان بہت کمزور تھے اور کافر نہایت قوی۔ تیسرے یہ کہ مسلمان مدینہ منورہ سے جنگ کے ارادہ سے نکلے بھی نہ تھے۔ کفار اسی ارادہ سے آئے تھے۔ چوتھے یہ کہ مسلمانوں کے پاس سامان جنگ بھی برائے نام ہی تھا۔ کفار کے پاس بیشمار۔ پانچویں یہ کہ ان مسلمانوں کی یہ پہلی جنگ تھی۔ اور کفار جنگ میں بڑے ماہر تھے۔ چھٹے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ سے پہلے زمین پر خط کھینچ کر فرمادیا تھا کہ یہاں فلاں کافر مرے گا اور یہاں فلاں اور ایسا ہی ہوا۔ ساتویں وہ جو خود قرآن نے بیان فرمایا کہ مسلمان تھوڑے تھے مگر کفار کو اپنے سے دگنے نظر آئے آٹھویں یہ کہ اس جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لئے پانچ ہزار فرشتے آسمان سے اترے۔ نویں یہ کہ اس جنگ میں ابوجہل کو مسلمانوں کے دو کم سن بچوں نے قتل کیا۔ ان وجوہ سے جنگ بدر کو نشان قدرت فرمایا گیا ورنہ جنگیں تو اور بھی بہت سی ہوئیں (کبیر)۔ یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں غازیان بدر کے متعلق فرمایا **تقاتل فی سبیل اللہ** کہ یہ جماعت اللہ کی راہ میں جہاد کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ جہاد کرنے والا مومن ہو کفار کی کوئی نیکی اللہ کی راہ میں نہیں اللہ کی راہ میں وہ جو رب تعالیٰ کے ہاں قبول ہو اور جس پر ثواب ملے۔ قبول و ثواب کی شرط ایمان ہے۔ دوسرے یہ کہ جہاد اخلاص اور نیک نیتی کے ساتھ ہو اس ایک جملہ میں رب تعالیٰ نے غازیان بدر کے ایمان تقویٰ اخلاص سب کی گواہی دے دی پھر دوسری جماعت کے متعلق فرمایا **اخری کافرۃ** دوسری فوج کافر تھی۔ یعنی پہلی فوج خالص مومن تھی۔ اگر وہ فوج بھی منافقین یا کفار کی ہوتی تو **اخری کافرۃ** کے کیا معنی تھے اب جو ان صحابہ پر کفر یا نفاق یا ریا کا الزام لگائے۔ وہ اس آیت کا منکر ہے۔ بدر اور حدیبیہ میں کوئی منافق یا کافر شریک نہ ہوا۔ پھر مومنوں کو **فئۃ** فرمایا معلوم ہوا کہ صحابہ چار پانچ نہ تھے بلکہ فوج در فوج تھے جنہیں **فئۃ** کہا گیا۔

جنگ بدر

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کل انیس جہاد فرمائے۔ نو میں بنفس نفیس شرکت فرمائی پہلا غزوہ عشیرہ دوسرا غزوہ ابواء تیسرا غزوہ ابواط چوتھا غزوہ بدر مگر ان میں سے نو میں باقاعدہ جنگ ہوئی تھی۔ باقی میں معمولی جھڑپیں یا صلح وغیرہ۔ وہ نو یہ ہیں۔ بدر، احد، احزاب، بنی قریظہ، بنی مصطلق، خیبر، فتح مکہ، حنین اور طائف (بخاری و حاشیہ بخاری)۔ جن لوگوں نے فرمایا کہ سب سے پہلا غزوہ جنگ بدر ہے ان کا یہی مطلب ہے کہ باقاعدہ غزوہ جس میں جنگ واقع ہوئی وہ یہی ہے۔ یہ جنگ ماہ

رمضان 2 ہجری جمعہ کے دن ہوئی- بارہویں رمضان اتوار کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کو لے کر مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے- اور سترھویں رمضان جمعہ کے دن جنگ واقع ہوئی- اور انیس رمضان اتوار کے دن اس سے فراغت حاصل ہوئی- مورخین نے لکھا ہے کہ ان تمام جہادوں میں کل ایک ہزار آٹھ کفار مارے گئے اس جنگ کا واقعہ یہ ہوا کہ جب مسلمان مدینہ منورہ میں امن سے بیٹھے تو کفار مکہ کو بہت ناگوار گزرا کہ یہ جماعت ہمارے پنجہ ظلم سے کیوں نکل گئی- اس کے لئے وہ طرح طرح کی تدبیریں کرنے لگے- چنانچہ انہوں نے ابو سفیان کو تجارتی مال دے کر ایک قافلہ کے ساتھ شام کی طرف روانہ کیا اور طے یہ ہوا کہ اس کا سارا نفع ہتھیاروں اور سامان جنگ پر خرچ کیا جائے گا تاکہ مسلمانوں کو پیس کر رکھ دیا جائے- خدا کی شان کہ ابو سفیان کو اس تجارت میں بہت نفع ہاتھ آیا- جب وہ وہاں سے لوٹے تو مدینہ منورہ راستہ میں پڑتا تھا- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سارے واقعہ کی خبر مل چکی تھی- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ چل کر اس قافلہ کو روک لو اور اس کا مال چھین لو کیونکہ یہ تیاری جنگ کے لئے ہے- چنانچہ کل تین سو تیرہ صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس ارادہ سے نکلے- جن میں ستتر مہاجرین تھے اور دو سو چھتیس انصار- مہاجرین کے علمبردار علی مرتضیٰ تھے اور انصار کے حضرت سعد ابن عبادہ ان کے ساتھ دو گھوڑے، ستر اونٹ اور چھ زرہ اور آٹھ تلواریں تھیں اور اس چھوٹے سے قافلہ کے سپہ سالار اعظم خود سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔

تھے ان کے پاس دو گھوڑے، چھ زرہیں آٹھ شمشیریں
پلٹنے آئے تھے وہ لوگ دنیا بھر کی تقدیریں
یہ لشکر ساری دنیا میں انوکھا اور نرالا تھا!
کہ اس لشکر کا افسر ایک کالی کملی والا تھا!
یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونے والا تھا
یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونے والا تھا

اس جنگ میں آٹھ حضرات عذر کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے، تین مہاجر حضرت عثمان جن کی بیوی رقیہ بنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ان کی تیمارداری کے واسطے رک گئے اور طلحہ اور سعید ابن زید جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ مشرکین کی تلاش کے لئے بھیجا تھا اور پانچ انصاری ان تمام کا غنیمت میں حصہ مقرر کیا گیا سواری کی کمی کی وجہ سے ایک اونٹ پر باری باری سے چند صاحب سوار ہوتے تھے- چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ اور زید ابن حارثہ حضور علیہ السلام کے ساتھ سواری میں شریک تھے- جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیدل چلنے کی باری آئی تو یہ حضرات عرض کرتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار رہیں- ہم آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عوض پیدل چلیں گے- حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ نہ میں تم سے زیادہ کمزور ہوں اور نہ ثواب سے مستغنی- ادھر ابو سفیان کو علامات سے پتہ لگ گیا کہ مسلمان ہمارے قافلہ کو روکیں گے- چنانچہ انہوں نے ضمضم ابن عمرو غفاری کو ابو جہل کے پاس مکہ کی طرف دوڑایا کہ ہماری مدد کے لئے جلد آؤ ہم پر مسلمانوں کا حملہ ہونے والا ہے- اس نے اپنی قمیص پھاڑی، اپنے اونٹ کی ناک کاٹی (یہ اس زمانہ میں انتہائی خوف کی علامت ہوا کرتی تھی) اور چیخا الغوث الغوث یعنی مدد کے لئے چلو مسلمانوں سے تمہارے قافلہ کو خطرہ ہے- ابو جہل یہ سن کر آگ بگولہ ہو گیا- اس نے سارے مکہ میں اعلان کر دیا کہ کوئی شخص مکہ میں نہ رہے سب جنگ کے لئے چلیں- ابو لہب نے تو اپنے بجائے خاص ابن ہشام کو بھیج دیا- امیہ ابن خلف حضرت بلال کا پہلا مالک چھپتا پھرتا تھا- اس کی بیوی کریمہ بنت معمر نے کہا کہ تو تو بڑا بہادر تھا آج تجھے کیا ہو گیا جو نہتے مسلمانوں کے مقابلہ سے گھبراتا ہے- وہ بولا کہ میرے دوست سعد ابن معاذ نے

www.alahazratnetwork.org

خبر دی ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے ہمارے ہاتھ سے مارا جائے گا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات جھوٹ نہیں ہوتی (بخاری)۔ میں نہ جاؤں گا (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا ابو جہل کو بھی یقین تھا) مگر ابو جہل نے نہ چھوڑا۔ اسے بھی ساتھ لے لیا غرضکہ کفار نو سو پچاس (950) کی تعداد میں وہاں سے نکلے۔ ان کا سردار عتبہ ابن ربیعہ تھا۔ اور ان کے پاس سو گھوڑے، سات سو اونٹ، اور بے شمار زرہیں اور ہتھیار تھے۔ اس کے علاوہ شراب کے مٹکے۔ گانے والی عورتیں، عیش و طرب کا سامان بکثرت تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے کر کچھ دن وہاں مزے اڑا کر جشن کر کے لوٹیں گے۔ ادھر ابو سفیان نے مدینہ منورہ کا راستہ چھوڑ کر سمندر کے کنارے کا راستہ اختیار کیا اور صحیح سلامت قافلہ کو مکہ پہنچا دیا۔ اور ابو جہل کو کہلا بھیجا کہ اب جنگ کی ضرورت نہیں۔ تمہارا قافلہ بخیریت مکہ پہنچ گیا۔ مغرور ابو جہل نہ مانا اور ابو سفیان کو کہلا بھیجا کہ مرد جس کام کے لئے نکل پڑتے ہیں 'بغیر انجام دیئے واپس نہیں لوٹتے۔ ابو سفیان تم بھی مع قافلہ ہم سے آملو۔ مسلمانوں نے ہمارے مقابلہ کی ہمت ہی کیوں کی ان کو ہمیشہ کی نیند سلا دو۔ غرض کہ پچاس آدمی یہ بھی لشکر کفار سے مل گئے۔ جن مورخین نے کفار کی تعداد ساڑھے نو سو بیان کی ہے وہ مکہ سے نکلتے وقت کی تعداد ہے اور جن حضرات نے ایک ہزار بیان کی وہ بوقت جنگ کی تعداد ہے۔ غرضکہ کفار اب ایک ہزار ہو گئے۔ ادھر مسلمانوں کو سارے حالات کا پتہ لگا ان میں سے بعض لوگ اس لئے پریشان ہو گئے کہ سمجھ کر کیا آئے تھے اور کیا پیش آگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جان نثاروں سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہئے۔ اور انصار سے فرمایا کہ اگر اس وقت جنگ ہو گئی تو کیا تم میرا ساتھ دو گے۔ حضرت سعد ابن معاذ جوش میں اٹھے اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود غور فرمالیں۔ ہمارا حال تو یہ ہے۔

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے با وفاؤں کا   پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرتمند ماؤں کا
نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں   جہاں کو محو کر دیں نعرۂ اللہ اکبر میں
قریش مکہ تو کیا چیز ہیں دیووں سے لڑ جائیں   سناں تیز بن کر سینۂ باطل میں گڑ جائیں

حضرت مقداد نے عرض کیا یا حبیب اللہ ہم موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نہیں ہیں جو اپنے پیغمبر سے کہہ دیں کہ آپ اپنے رب کو لے کر کفار سے جنگ کریں ہم تو یہاں بیٹھے رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں دعائے خیر کی اور وہاں سے کوچ کر کے میدان بدر میں اس کنارہ پر قیام کیا جو مدینہ منورہ سے قریب ہے اور کفار مکہ اس کے مقابل کنارہ پر ٹھہر گئے۔ خیال رہے کہ مقام بدر مدینہ منورہ سے جانب مکہ معظمہ تین منزل فاصلہ پر ہے۔ اسے بدر اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پاس ایک گاؤں ہے جسے بدر ابن مخلد ابن نضر ابن کنانہ نے آباد کیا تھا۔ اور اس جگہ بدر ابن حارث نے ایک کنواں کھدوایا تھا جس کنویں کا نام چاہ بدر اور گاؤں کا نام قریہ بدر مشہور ہو گیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ بدر کے معنی ہیں چودھویں رات کا چاند' چونکہ اس کنوئیں کی من پورے چاند کی طرح بالکل گول ہے اور اس کے صاف و شفاف پانی میں چاند کا عکس پڑتا تھا۔ اس لئے اسے بدر کہتے ہیں (مدارج النبوۃ جلد دوم)۔ خدا کی شان مسلمانوں کا کنارہ ریگستان تھا۔ جس میں چلنا مشکل اور پانی بہت کم تھا اور کفار کا کنارہ خالص زمین تھا۔ انہوں نے وہاں کنواں بھی کھود دیا۔ مسلمانوں کو بہت دشواری ہو گئی۔ مسلمانوں نے اپنے مشکیزے بھر لئے قرآن کریم فرماتا ہے **و ینزل علیکم من السماء ماء لیطھرکم** الخ میدان بدر کی یہ جمعہ کی رات بھی عجیب رات تھی۔ جبکہ بدر کے ایک کنارے ایمان تھا اور دوسری طرف طغیان۔ ایک طرف شیطانی لشکر اور دوسری طرف رحمانی۔ اس طرف سجدہ و

www.alahazratnetwork.org

سجود تھا۔ ادھر کھیل کود' وہ مسلمان نشہء الٰہی میں مخمور کفار شراب میں چور غرض سعادت و شقاوت کا ایسا اجتماع آسمان نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ ایک طرف سید الانبیاء (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے جان نثار نمازیں پڑھ رہے ہیں دوسری طرف کفار کا سردار ابوجہل اور اس کے یار گا بجا رہے ہیں ادھر خوشی منائی جا رہی ہے۔ ادھر سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر خط کھینچ کر ہر ایک کے مرنے کی جگہ بتا رہے تھے۔ غرض جمعہ کا سویرا نمودار ہوا۔ دونوں طرف سے صف آرائی ہوئی۔ اس طرف ابوجہل و عتبہ اپنی صف بندی کر رہے تھے۔ ادھر خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی صفیں درست فرما رہے تھے۔ مبارک ہاتھ میں ایک تیجی تھی۔ جس سے صحابہ کرام کو اشارہ کر کے سیدھا کرتے تھے۔ حضرت سواد ابن غریہ جان بوجھ کر صف سے کچھ آگے کھڑے ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سینہ پر تیجی لگا کر فرمایا اے سواد سیدھے ہو جاؤ۔ سواد نے عرض کیا یا حبیب اللہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بارگاہ عدل و انصاف کا دربار ہے۔ مجھ کو بلا قصور کیوں مار پڑی۔ میں اس کا بدلہ چاہتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے تیجی سواد کو دے کر اپنا سینہ کھول دیا۔ اور فرمایا مجھ سے بدلہ لے لے۔ سواد تیجی پھینک کر جسم اطہر سے لپٹ گئے اور سینہ پاک کو چومنے لگے۔ فرمایا سواد یہ کیا عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میرا آخری وقت ہے سب سے پہلے میں ہی شہید ہوں گا۔ میں نے چاہا کہ آخری وقت اپنا بدن حضور (علیہ السلام) کے بدن مبارک سے قریب کر دوں اور اس بہانہ سے سینہ فیض گنجینہ کے بوسے لے لوں (مدارج) اس زمانہ میں جنگ کا دستور یہ تھا کہ پہلے شخصی لڑائی ہوتی تھی جسے مبارزت کہتے ہیں پھر گھمسان کا رن پڑتا تھا۔ اسی قاعدہ کے موافق لشکر کفار سے ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ' شیبہ اور عتبہ کا بیٹا ولید سامنے آئے اور اپنا مقابل مسلمانوں سے مانگا۔ مسلمانوں میں سے حضرت عوف اور معاذ بن حارث اور عبداللہ ابن رواحہ نکلے۔ کفار بولے کہ ہم تمہیں نہیں جانتے۔ مہاجرین میں سے کسی کو بھیجو جو ہمارے قرابت دار ہیں۔ چنانچہ اب اس طرف سے عبیدہ ابن حارث اور حضرت حمزہ اور علی مرتضیٰ نکلے۔ حضرت عبیدہ جن کی عمر اسی (80) سال سے زیادہ تھی عتبہ کے مقابل میں آئے اور حمزہ شیبہ کے مقابلہ میں اور علی مرتضیٰ ولید کے مقابل کھڑے ہوئے۔ حضرت علی نے ولید کو اور حمزہ نے شیبہ کو تو قتل کر دیا مگر عبیدہ اور عتبہ نے ایک دوسرے پر وار کیا حضرت عبیدہ زخمی ہوئے اور کچھ دیر بعد وفات پا گئے اور اسی مقام پر وادی صفرا میں دفن ہوئے۔ ادھر حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف کے آس پاس انصار کے دو بچے حضرت معوذ ابن عفرا اور معاذ ابن عمرو نے عبدالرحمٰن ابن عوف سے پوچھا کہ ابوجہل کہاں ہے؟ آپ نے پوچھا تم کیا کرو گے۔ انہوں نے جواب دیا۔

قسم کھائی ہے دونوں نے کریں گے قتل ناری کو سنا ہے گالیاں دیتا ہے وہ محبوب باری کو

اتفاقاً" ابوجہل بھی سامنے ہی اپنے لشکر میں ٹہل رہا تھا۔ انہوں نے اشارہ کیا کہ وہ ہے۔ یہ دونوں بچے اس پر ایسے جھپٹے جیسے چڑیا پر باز اس کے لشکر میں پہنچ کر معوذ نے گرایا اور معاذ نے قتل کر دیا۔ قتل تو کر دیا مگر کفار نے انہیں ایسا گھیر لیا جیسے چاند کو ہالہ۔ دونوں ان کے وار کو بچاتے اور حملہ کرتے ہوئے پیچھے ہٹتے تھے۔ ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے معاذ کے کندھے پر ایک وار کیا جس سے ہاتھ جسم سے جدا ہو گیا۔ مگر کچھ کھال جڑی رہی انہوں نے فوراً" تلوار بائیں ہاتھ میں پکڑی اور عکرمہ کے پیچھے بھاگے ان کا یہ کٹا ہوا ہاتھ پاؤں میں الجھتا تھا۔ پاؤں میں دبا کر اس کو توڑ دیا۔ اتنے میں عکرمہ ان کی نگاہ سے غائب ہو گیا۔ پھر یہ اپنا کٹا ہوا ہاتھ لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضور علیہ السلام نے اس ہاتھ کو کندھے پر رکھ کر اپنا لعاب دہن شریف لگا دیا جس سے وہ ہاتھ بالکل درست ہو گیا۔ اور آپ خلافت عثمانی تک زندہ رہے اور ہاتھ نہایت قوی رہا۔ مدارج النبوت میں فرمایا گیا

www.alahazratnetwork.org

کہ معوذ اس دن شہید ہو گئے مگر بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زندہ رہے اور ابو جہل کے سامان کا مطالبہ کیا۔ خیال رہے کہ جنگ بدر میں جو کفار آئے تھے ان میں بہت سے مسلمانوں کے قرابت دار تھے اور صحابی کے ہاتھ سے اس کا قرابتی مارا گیا۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہ نے اپنے والد جراح کو اور حضرت معصب ابن عمیر نے اپنے بھائی عبداللہ بن عمیر کو اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے ماموں عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو اور حضرت علی و حمزہ نے اپنے قرابت داروں یعنی ربیعہ کے بیٹوں کو قتل کیا۔ انہی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ **لا تجد قوما " یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ** الخ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس اور حضور علیہ السلام کے داماد حضرت ابو العاص بھی اس جنگ میں کفار کی طرف سے آئے تھے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عبدالرحمن کو جنگ کے لئے بلایا۔ فرمایا کہ تو شیطان کا ساتھی ہے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا غلام آباپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ حضور علیہ السلام نے روک دیا۔ فرمایا کہ ابو بکر بس اس کی اجازت نہیں۔ حضور علیہ السلام جانتے تھے کہ یہ سب لوگ آخر میں ایک دن صحابی بننے والے ہیں انہیں کے لئے فرمایا گیا۔ **رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اولئک حزب اللہ الا ان حزب اللہ ھم المفلحون** غرض جنگ کیا تھی قدرت الٰہی کا نمونہ تھا۔ اس جنگ میں چودہ صحابی شہید ہوئے چھ مہاجر آٹھ انصار۔ اور ستر کافر مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے اور خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں نے شاندار فتح پائی جنگ کے بعد حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابو جہل کی لاش پر پہنچے دیکھا کہ وہ سسک رہا ہے آپ اس کے سینہ ناپاک پر بیٹھے اس کی داڑھی پکڑ کر بولے کہ ابو جہل تو ہی ہے وہ بولا کہ آج تم نے عرب کے سردار کو مار لیا۔ کاش مجھے کوئی بڑا آدمی مارتا۔ افسوس یہ ہے کہ مجھے دیہاتیوں کے دو لڑکوں نے مارا۔ چنانچہ عبداللہ بن مسعود نے اس مغرور کا سر تن سے جدا کیا۔ خیال رہے کہ اس جنگ میں کفار کے چوبیس بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ جن میں ابو جہل اور امیہ ابن خلف حضرت بلال (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا پہلا مالک بھی تھا۔ ان کی لاشیں چاہ بدر کے جھیرے میں ڈالی گئیں جن سے بدبو نکلتی تھی۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح بدر کے بعد تین دن وہاں قیام فرمایا۔ واپسی کیوقت ان خبثاء کی لاشوں پر کھڑے ہو کر آواز دی کہ اے فلاں فلاں کیا تم نے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ بے جان جسموں سے کلام فرماتے ہیں۔ فرمایا اے عمر تم ان سے زیادہ نہیں سنتے (بخاری)۔ اس جنگ میں کفار کا وہ سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔ گویا وہ انہیں کے لئے لائے تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین) سے ان قیدی کفار کے بارے میں مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا کرنا چاہئے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ نے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ کفر کے سردار ہیں۔ میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے ہر مسلمان اپنے قرابت دار کافر کو قتل کرے۔ چنانچہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) عباس اور ابو العاص کو قتل کریں۔ ابو بکر صدیق اپنے بیٹے عبدالرحمن کو قتل کریں گے۔ میں اپنے بھائی کو قتل کروں۔ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ انہیں مال لے کر چھوڑ دیا جائے۔ ممکن ہے کہ یہ لوگ آئندہ ایمان لے آئیں اور خدمت اسلام انجام دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبر کی رائے کو اختیار کیا۔ مگر بعد میں قرآن کریم نے فاروق اعظم کی رائے کو ترجیح دی۔ چنانچہ ان سب کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا۔ اس فدیہ میں بہت پر لطف واقعہ یہ در پیش آیا کہ جب حضرت عباس سے فدیہ طلب کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس تو ایک پیسہ بھی نہیں۔ کیا آپ

www.alahazratnetwork.org

کو یہ گوارا ہو گا کہ آپ کے چچا کو چھڑانے کے لئے مکہ میں چندہ جمع کیا جائے۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم جنگ کے لئے چلے تھے تو آپ نے میری چچی یعنی اپنی بیوی کو چار سو دینار چھپ کر دیئے تھے اور کہا تھا کہ اگر میں لوٹ آیا تو لے لوں گا اور اگر جنگ میں مارا گیا تو اس سے بچوں کو پالنا۔ ان سے فدیہ ادا کرو۔ حضرت عباس خاموش ہوئے اور فدیہ ادا کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب جو ابو العاص کی اس وقت بیوی تھی انہوں نے اپنا ہار اور کچھ زیور جو حضور علیہ السلام نے انہیں جہیز میں دیا تھا۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا اور عرض کیا کہ یہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قیدی یعنی میرے شوہر کا فدیہ ہے' قبول فرمایا جائے اور میرے شوہر کی جان بخشی جائے۔ اس سامان کو دیکھ کر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر رقت طاری ہوئی اور صحابہ کرام زار و زار رونے لگے۔ کیونکہ یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا زیور تھا۔ اور طے یہ ہوا کہ یہ زیور واپس کر دیا جائے اور ابو العاص کو بلا معاوضہ چھوڑ دیا جائے۔ جب ابو العاص چھوٹ کر چلے تو انہیں حکم دیا گیا کہ حضرت زینب کو یہاں پہنچا دو۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا اور بعد میں خود وہ بلکہ حضرت عباس حضرت عبدالرحمٰن وغیرہ سب مسلمان اور صحابی ہوئے (رضی اللہ عنہم) اس لئے فرمایا گیا کہ جنگ بدر نشان قدرت ہے۔

فائدے : اس آیت اور اس واقعہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا۔ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر سے پہلے اس کے واقعات کی خبر دی۔ دوسرا فائدہ: کون کہاں مرے گا۔ یہ ان پانچ علوم میں سے ہے جس کا دیوبندی سخت انکار کرتے ہیں مگر اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا علم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خطوط کھینچ کر فرما دیا کہ فلاں کافر یہاں مرے گا۔ تیسرا فائدہ: کفار مکہ جو حضور علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے علم غیب کے قائل تھے۔ دیکھو امیہ ابن خلف کو جب یہ خبر پہنچی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مارے جانے کی خبر دی ہے تو اس نے یہ نہ کہا کہ غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں بلکہ اسے یہی کہتے نبی کہ ان کی بات کبھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ جیسا کہ بخاری کی روایت سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: جنگ بدر بڑی مقبول جنگ ہوئی۔ اس میں شرکت کرنے والے صحابہ کرام یقیناً جنتی ہیں بلکہ جو فرشتے امداد کے لئے اس جنگ میں آئے تھے وہ دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں۔ جو کوئی خلفائے راشدین کو برا کہے وہ سخت جاہل ہے۔ کیونکہ وہ حضرات اس میں شریک تھے۔ پانچواں فائدہ: ہار جیت کمی اور زیادتی سے نہیں ہوتی۔ بلکہ فتح محض اللہ کے فضل سے۔ دیکھو جنگ بدر میں مسلمان تھوڑے اور بے سروسامان تھے اور کفار زیادہ اور سامان والے۔ مگر جیتے مسلمان۔ اس سے ان موجودہ مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ جو اپنی تعداد بڑھانے کے لئے بے دینوں کو اپنی انجمنوں اور تحریکوں میں شامل کرتے ہیں۔ وہی اسلامی تحریک اور انجمن کامیاب ہو گی۔ جس میں خالص سنی مسلمان شامل ہوں۔ عطر کو پیشاب میں ملا کر نہ بڑھاؤ' ورنہ اصل عطر بھی جاتا رہے گا۔ چھٹا فائدہ: غازیان بدر مخلص اور مجاہد فی سبیل اللہ' پکے مومن تھے۔ ان میں کوئی کافر یا منافق نہ تھا نہ آئندہ ہونے والا تھا۔ دیکھو رب نے ان کے جہاد کو **قتال فی سبیل اللہ** فرمایا اور **قتال فی سبیل اللہ** جب ہی ہو گا جب صحابہ مومن بھی ہوں مخلص بھی۔ اب جو ان کے ایمان یا اخلاص میں شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ بلکہ ان دونوں لشکروں کو فئتہ اس لئے فرمایا کہ مومن کا لشکر تو اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے والا تھا۔ اور

www.alahazratnetwork.org

کفار کا لشکر ہر حالت میں شیاطین یا اپنے سرداروں کی طرف لوٹتا تھا۔ رجوع الی اللہ مومن کا انتہائی کمال ہے "انہیں فئۃ کہنے میں بھی ان کے ایمان و اخلاص کی طرف اشارہ ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنگ بدر میں مسلمانوں کو کفار تھوڑے دکھائی دیئے مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا **و یقللکم فی اعینھم** یعنی اے مسلمانو ان کی نگاہوں میں تمہیں تھوڑا کر دیا ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ جنگ کی ابتداء میں کافروں کو مسلمان تھوڑے نظر آئے تاکہ وہ جنگ کی ہمت کریں اور جنگ چھڑنے کے بعد زیادہ معلوم ہوئے تاکہ مرعوب ہو جائیں یہ دو آیتیں دو وقت کے لحاظ سے ہیں۔ دوسرا اعتراض: **یرونھم** کے بعد **رای العین** کیوں فرمایا گیا۔ آنکھ ہی سے دیکھا جاتا ہے نہ کہ کان سے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ **یرونھم** میں دو احتمال تھے کہ رؤیت سے بنا ہو یا رؤیا سے (بمعنی خواب) **رای العین** سے معلوم ہوا کہ انہوں نے محض خواب خیال سے دگنا نہ دیکھا بلکہ ظاہر ظہور آنکھوں سے۔ تیسرا اعتراض: جو چیز موجود نہ ہو اسے دکھا دینا نظر بندی اور دھوکہ ہے جادوگر یہی کرتا ہے کہ دیکھنے والے کی آنکھوں پر اثر ڈال کر کچھ کا کچھ دکھلا دیتا ہے۔ رب تعالیٰ کے لئے یہ فعل ناممکن ہے (آریہ)۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک وہ جو تفسیر کبیر نے دیا کہ کفار دہشت کی وجہ سے اندازہ میں غلطی کر گئے اور تھوڑی کو بہت سمجھ گئے۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا۔ **یرون** یعنی کفار دیکھتے تھے۔ یہ نہ فرمایا گیا کہ ہم نے دکھایا مگر میرے نزدیک یہ جواب کمزور ہے کیونکہ دوسری جگہ **و یقللکم** اور **و یریکموھم** بھی ارشاد ہوا۔ یعنی رب تعالیٰ نے انہیں ایسا دکھایا نیز اس وقت کفار پر گھبراہٹ کہاں تھی۔ وہ تو بڑے خوش تھے۔ اور مسلمانوں کو حقیر سمجھ کر ہلاک کرنے کی نیت سے کھڑے ہوئے۔ دوسرے یہ کہ چونکہ بدر میں ملائکہ بھی مسلمانوں کے لشکر میں داخل ہو گئے تھے وہ انہیں بشکل انسانی نظر آئے۔ تیسرے یہ کہ یہ دھوکا نہ تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا۔ اور رب تعالیٰ کی قدرت اس میں ان کی نظر بندی نہ تھی۔ بلکہ مسلمانوں کی جماعت کا پھیلاو بنا تھا۔ چوتھا اعتراض: ایک فرشتہ زمین کا طبقہ لوٹا سکتا ہے۔ قوم لوط و عاد و ثمود کو ایک ہی فرشتہ نے ہلاک کیا تھا۔ یہاں اتنے فرشتے کیوں آئے اور پھر ستر ہی کافر کیوں مرے؟ جواب: اس کا مفصل جواب انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا۔ **بخمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین** یہاں اتنا سمجھ لو کہ جنگ بدر میں فرشتے کفار کو عذاب دینے نہ آئے تھے۔ بلکہ مسلمانوں کی عزت افزائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت گزاری کے لئے ورنہ رب تعالیٰ فرما چکا ہے۔ **وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔ پانچواں اعتراض: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر کی شرکت سے محروم رہے اور جنگ احد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور بیعت رضوان کے موقعہ پر بھی غائب رہے۔ پھر تم ان کی اتنی تعریف کیوں کرتے ہو معلوم ہوا کہ وہ مومن نہ تھے۔ ورنہ ان موقعوں پر مسلمانوں کے ساتھ رہتے۔ (رافضی) جواب: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ بدر میں بھی اور بیعت الرضوان میں بھی اعلیٰ درجہ سے شریک ہوئے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کی غنیمت میں انہیں حصہ دیا اور بیعت الرضوان کے موقعہ پر اپنے بائیں ہاتھ کو ان (عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا ہاتھ قرار دے کر فرمایا کہ میں ان کی طرف سے بیعت کرتا ہوں۔ شرکت تو ان کی رضا کا نام ہے۔ اگر وہ میدان جنگ میں آنے سے راضی ہیں تو آنا ثواب اور اگر وہ گھر پر رہنے سے راضی ہیں تو گھر میں

www.alahazratnetwork.org

بیٹھنا عبادت۔ خندق کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے عصر کی نماز قضا کی اور سب نے اوا۔ مگر خدا کی قسم ان کی یہ قضاء اوا سے افضل تھی۔ کیونکہ خدمت سرکار کی وجہ سے تھی۔ ہجرت میں صدیق اکبر کو ساتھ لیا۔ علی مرتضیٰ کو وہیں چھوڑا۔ مگر یقیناً صدیق بھی ساتھ رہے اور علی مرتضیٰ بھی۔ کیونکہ وہ حضور علیہ السلام ہی کے فرمان سے وہاں رکے تھے۔ جنگ احد کا جواب انشاء اللہ انہیں آیتوں کی تفسیر میں آئے گا۔ جہاں اس کا واقعہ ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب نے ان کی معافی کا اعلان فرمایا دیا۔ جب رب تعالیٰ معاف کرے تو ان پر اعتراض کرنے والا کون؟

تفسیر صوفیانہ : کفر ازل سے مغلوب ہے اور کئی طرح مغلوب ایمان ازل سے غالب ہے اور چند طرح غالب دیکھو کفر اولاً بدبختی، پھر ہوا و ہوس سے، پھر نفس سے، پھر شیطان سے، پھر دنیوی لذات سے مغلوب ہے۔ نفس اسے **اسفل السافلین** تک پہنچاوتا ہے۔ اور کافر کے لئے دو قسم کی آگ ہے ایک اللہ کی آگ دوسری دوزخ کی۔ اللہ کی آگ تو حجاب ہے۔ جس کا اثر قلب پر پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **نار اللہ الموقدة التی تطلع علی الافئدة** دوزخ کی آگ وہ شہوت کی غفلت اور مخالفت شریعت کی آگ ہے جس سے کھال جلتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا** ۔ نور قلب کا لشکر ہے اور تاریکی نفس کا۔ جب نور ظلمت کو مٹاتا ہے تو اس پر یہ آیت صادق آتی ہے۔ **ان الملوک اذا دخلوا قریة افسدوھا** دل کی تمام برائیوں کو دور کرتا ہے کہ وہ ربانی فیوض کے قابل ہو جائے۔ بدن انسانی گویا میدان بدر ہے۔ انوار الٰہی گویا اسلامی لشکر جو بظاہر کمزور معلوم ہوتا ہے اور ظلمات نفس لشکر کفار اگرچہ یہ زیادہ معلوم ہو لیکن مغلوب اور جب ان کا مقابلہ ہوتا ہے تو لشکر نور تائید الٰہی سے قوت پاتا ہے۔ اللہ جس کی چاہے مدد کرے۔ اس جنگ میں اور اس غلبہ میں ان لوگوں کے لئے عبرت ہے۔ جنہیں حقیقت تک باریابی حاصل ہے۔ اور جن کی آنکھوں میں ایمان کا سرمہ ہے (ابن عربی و روح البیان)۔

زُیِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِیْنَ وَالْقَنَاطِیْرِ

زینت دی گئی واسطے لوگوں کے محبت خواہشات کی عورتوں اور لڑکوں سے اور ڈھیروں چنے

لوگوں کے لئے آراستہ کی گئی ان خواہشوں کی محبت عورتیں اور بیٹے اور تلے اوپر سونے چاندی

الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَیْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَ

ہوؤں سے سونے اور چاندی کے گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور چوپائے اور کھیتی باڑی یہ

کے ڈھیر اور نشان کیے ہوئے گھوڑے اور چوپائے اور کھیتی یہ جیتی دنیا کی پونجی

الْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾

سامان ہے زندگی دنیاوی کا اور اللہ نزدیک اس کے اچھا ٹھکانہ ہے۔

ہے اور اللہ ہے جس کے پاس اچھا ٹھکانا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک جنگ کا ذکر تھا۔ اب جنگ
کے سبب کا ذکر ہے کہ محبت دنیا ذریعہ ء قتال ہے اگر سب لوگ خدا پرست ہو جائیں تو جنگ کی ضرورت نہ پڑے۔ **دوسرا تعلق**
: پچھلی آیت میں مال و اولاد کے بیکار ہونے کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس بیکار چیز سے انسان ایسی محبت کرتا ہے کہ آخرت
کو بھول جاتا ہے۔ کیونکہ اس کی حقیقت سے غافل ہے۔ **تیسرا تعلق:** سورۂ آل عمران کے شروع میں عرض کیا گیا کہ ابو
حارثہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے ہونے کا اقرار کیا۔ اور ایمان لانے سے معذرت یہ کی کہ مجھے اپنے مال چھن جانے کا
اندیشہ ہے۔ پھر واقعات سنا کر بتایا گیا کہ جس مال کی محبت میں انسان ایمان کھو بیٹھتا ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ مصیبت کو دفع
نہیں کر سکتا اب بتایا جارہا ہے کہ انسان اس باطل چیز پر ہی فریفتہ ہے۔ غرضکہ دنیوی سامان کی بیکاری ثابت کی جارہی ہے۔ **چوتھا**
تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر کے بعد یہود مدینہ کو دعوت اسلام دی اور آنے
والی مصیبتوں سے ڈرایا تو انہوں نے اپنے مال و اسباب کے بھروسہ پر کہا کہ جب ہم سے لڑو گے تو بتادیں گے۔ اس آیت میں ان
کے اس خیال کی تردید کی جارہی ہے۔

تفسیر : **زین للناس حب الشھوت**۔ یہ نیا کلام ہے۔ **زین** تزیین سے بنا۔ جس کا مادہ زین ہے بمعنی ظاہری ٹیپ
ٹاپ۔ اصطلاح میں ہر ظاہری زیبائش کو بھی زینت کہتے ہیں اور بھلا معلوم ہونے کو بھی یہاں اگر زین کے معنی یہ کئے جائیں کہ
لوگوں کے دلوں میں ان چیزوں کی محبت پیدا کی گئی تو اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے کیونکہ ہر چیز کا خالق وہی ہے اور اگر اس سے
خواہشات پر بھڑکانا اور بری چیزوں کو بھلا دکھانا مراد ہے تو اس کا فاعل شیطان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **زینا لھم اعمالھم**
اس میں زینت کو رب کی طرف نسبت دی۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **و زین لھم الشیطن اعمالھم** یہاں زینت کو شیطان
کی طرف منسوب کیا گیا۔ فرق وہی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ امتحان کے لئے دل میں دنیا کی محبت پیدا کرنا رب تعالیٰ کا کام اور
شہوتوں کو بھڑکانا شیطان کا فعل یہ بھی خیال رہے: کہ زینت دو قسم کی ہوتی ہے۔ قدرتی اور بناوٹی۔ قدرتی زینت باقی ہے اور
بناوٹی زینت عارضی۔ پوڈر کا رنگ پانی سے دھل جاتا ہے۔ مگر چہرے کا قدرتی رنگ صابن سے بھی نہیں چھوٹتا۔ پھر جیسے دنیاوی
چیزوں میں قدرت نے رنگ و بو و لذت رکھی ہے ایسی ہی دینی کاموں میں بو 'نکہت بھی ہے 'خوشبو بھی اور ذائقہ بھی۔ نماز 'روزہ'
زکوۃ وغیرہ میں مہک و ذائقہ وغیرہ سب کچھ ہے۔ پھر جیسے دنیاوی رنگ آنکھ سے 'بو ناک سے 'لذت زبان سے محسوس ہوتے
ہیں۔ ایسے ہی یہ دینی رنگ و بو کے لئے رب تعالیٰ نے ایمان و روح میں قوت دی ہے۔ جس سے روح ان چیزوں کو محسوس کرتی
ہے۔ شہادت کی لذت حضرت حسین سے پوچھو پھر جیسے بعض بیماریوں سے آنکھ 'ناک 'زبان درست احساس نہیں کرتے۔
یونہی بعض روحانی بیماریاں ان لذتوں کو محسوس نہیں ہونے دیتیں۔ یہاں اگر زین کا فاعل شیطان ہو تو اس سے دھوکہ کی زینت
مراد ہے۔ جیسے کالے کو پاؤڈر لگا کر گورا بنا دیا جائے۔ **للناس** سے یا تو وہ یہودی مراد ہیں یا مشرکین یا سارے لوگ اور یہی صحیح
ہے۔ **حب الشھوت** میں اضافت لام کی ہے۔ **حب** بمعنی مصدری ہے۔ یعنی محبت کرنا۔ **شھوات** جمع شہوت کی ہے۔ بمعنی
نفسانی خواہش اور نفس کا اشتیاق۔ شہوت دو قسم کی ہے۔ سچی اور جھوٹی۔ سچی شہوت وہ جس کے بغیر بدن کا نقصان ہو اور جھوٹی
شہوت وہ جو ایسی نہ ہو۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بعض چیزیں جسم کو مفید ہیں اور بعض روح کو پہلی چیزیں شہوات نفسانیہ ہیں اور

www.alahazratnetwork.org

دوسری شہوات روحانیہ- خیال رہے: کہ یہاں شہوت بمعنی اسم مفعول ہے- بمعنی مشتہیات اور نفس کے مراوات یعنی رب کی طرف سے لوگوں کے دل میں دنیوی اور نفسانی چیزوں کی محبت پیدا کی گئی- یا شیطان نے دنیوی مرادوں کی محبت کو دلوں میں جما دیا اور شہوتوں پر بھڑکایا- **من النساء والبنین** یا تو من بیانیہ ہے اور یہ عبارت شہوات کا بیان ہے یا یہ شہوات کا حال ہے اور جار مجرور کائنتہ کے متعلق- نساء جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں- جیسے قوم اور رھط بعض نے کہا کہ یہ **امرءۃ** کی جمع بغیر لفظ کے ہے چونکہ دنیا میں سب سے بڑھ کر محبت عورت سے ہوتی ہے نیز مرد کے جنت سے آنے کا سبب بھی عورت ہی بنی اور عورت کی پیدائش مرد کے جسم سے ہوئی نیز پہلے قتل کی بنا عورت ہی ہوئی- اس لئے پہلے اس کا ذکر کیا گیا- بنین ابن کی جمع ہے یا تو اس سے بیٹے بیٹیاں ساری اولاد مراد ہے یا صرف بیٹے کیونکہ عام انسان خصوصاً اہل عرب لڑکوں سے بہت محبت کرتے تھے- اس لئے بیٹوں ہی کا ذکر کیا گیا- اور چونکہ اولاد کی محبت عورت کے بعد ہے اس لئے اس کا ذکر نساء کے بعد ہوا- **والقناطیر المقنطرۃ** - **قناطیر** قنطار کی جمع ہے یا تو بروزن فعلال ہے یا فنعال- پہلی صورت میں اس کا نون اصلی ہے اور دوسری میں زائدہ- لغت میں ہر مضبوط چیز کو قنطر کہتے ہیں- اسی لئے مضبوط پل اور مضبوط عمارت اور مضبوط بات کو بھی قنطر کہا جاتا ہے- اہل عرب بولتے ہیں قنطرت الشیء- یہاں بہت مال مراد ہے- کسی نے کہا کہ سولہ سو (1600) دینار کسی کے خیال میں بارہ ہزار (12000) دینار کوئی کہتا ہے کہ ستر ہزار (70000) دینار کوئی کہتا ہے کہ اسی ہزار (80000) دینار مگر صحیح یہ ہے کہ قنطار کی کوئی حد نہیں- ہر زیادہ مال قنطار کہلائے گا (کبیر و معانی وغیرہ) بعض نے کہا کہ قنطار **قنطرۃ** سے بنا بمعنی پل چونکہ مال کے ذریعہ انسان آسانی سے زندگی کا زمانہ عبور کر لیتا ہے جیسے پل کے ذریعہ دریا کو- اس لئے اسے قنطار کہتے ہیں- **مقنطرۃ** - **قنطرۃ** کا اسم مفعول ہے- بمعنی مضبوط کرنا، جمع کرنا، پل باندھنا، ڈھیر لگانا، ایک دوسرے پر چلنا- یہاں سب معنی بن سکتے ہیں کیونکہ سب کا مطلب قریباً ایک ہی ہے- **من الذھب والفضۃ** اس کا بیان ہے یا اس کا حال ذھب اور فضہ کے معنی ہم پہلے بیان کر چکے- یہاں اتنا عرض کرتے ہیں کہ **ذھب** مؤنث ہے- کہا جاتا ہے **الذھب الحمراء** اس کی تصغیر ذھیبۃ آتی ہے- اس کی جمع **اذھاب** بھی ہے- **ذھوب** بھی اور **ذھبان** بھی- بعض نے کے نزدیک یہ خود ذھبۃ کی جمع ہے اور **ذھاب** سے مشتق بمعنی جانا- کیونکہ یہ ملک سے جا کر فائدہ دیتا ہے- نہ کہ قبضہ میں رہ کر- اس لئے **ذھب** کہلاتا ہے- فضہ کی جمع **فضض** ہے اور **الفضاض** سے مشتق ہوا- بمعنی بکھیرنا چونکہ چاندی بہت دیر جیب میں جمع نہیں رہتی- بلکہ بازار میں جاتے ہی متفرق ہو جاتی ہے- اس لئے **فضہ** کہتے ہیں (روح المعانی)- **والخیل المسومۃ** یہ قناطیر پر عطف ہے- خیل جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں- بعض نے کہا کہ اس کا واحد خائل ہے- جیسے طائر سے طیر یہ خیلاء سے مشتق ہے- بمعنی تیزی اور اکڑ- اسی لئے گمان کو خیال کہتے ہیں کہ وہ تیز ہے اور اکڑ کر چلنے کو اختیال کہا جاتا ہے- چونکہ گھوڑے میں تیزی بھی ہے اور اکڑ بھی- اس لئے اسے خیل کہتے ہیں تفسیر خازن نے فرمایا کہ جب گھوڑے پر کوئی سوار ہوتا ہے تو اس کے دل میں فخر اور تکبر پیدا ہوتا ہے- **مسومۃ** یا **سوم** سے بنا بمعنی چرانا یا **سمۃ** اور **سیماء** سے بمعنی نشانی اسی لئے چرنے والے جانور کو سائمہ کہتے ہیں اور نشانی کو **سیما**، **سیماھم فی وجوھھم** بعض نے کہا کہ **سمۃ** بمعنی حسن سے بنا- رب تعالیٰ فرماتا ہے- **فیہ تسیمون** (معانی و کبیر) یعنی جنگل میں چرنے والے گھوڑے یا حسین گھوڑے یا نشان لگائے ہوئے گھوڑے خواہ نشان علامت کے لئے ہو یا عمدگی کی بناء پر- **والانعام والحرث**- **انعام**، نعم کی جمع ہے یہ **نعومۃ** سے مشتق ہے- بمعنی نرمی و عمدگی اصطلاح میں اونٹ

www.alahazratnetwork.org

گائے اور بکری پر بولا جاتا ہے۔ مگر اونٹ پر خصوصیت ہے۔ حرث مصدر ہے۔ بمعنی بونا مگر یہاں بمعنی مفعول ہے۔ ہر کھیتی کو خواہ وہ دانہ کی ہو یا ساگ پات کی' یا پھلوں کی اسے حرث کہا جاتا ہے۔ اس کی پوری تحقیق ہم دوسرے پارہ میں زیر آیت **یھلک الحرث والنسل** میں کر چکے' حرث اور زرع کا فرق وہیں بتایا گیا۔ **ذلک متاع الحیوۃ الدنیا۔ ذلک** سے ان ساتوں مذکورہ چیزوں کی طرف اشارہ ہے۔ **متاع** یہ **حیوۃ** کا مصدر ہے' یہاں بمعنی اسم مفعول ہے۔ **حیوۃ** اور دنیا کی تحقیق پہلے ہو چکی یعنی یہ تمام چیزیں دنیوی زندگی کا سامان ہیں کہ کچھ دن کام دیں گے پھر نہیں۔ دنیا میں زندگی اچھی ہے مگر دنیا کی زندگی بری۔ جب دل میں دنیا آجائے تو وہ دنیا کی زندگی بن جاتی ہے یہی زندگی ہلاکت ہے۔ اسی کے متعلق ارشاد ہوا۔ **اموات غیر احیاء** اور دین میں زندگی والے بعد موت بھی نہیں مرتے۔ **بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ واللہ عندہ حسن المآب۔** حسن بمعنی حسن ہے اور اس میں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے۔ مآب اب یوب کا اسم ظرف ہے اس کا مصدر اوب بمعنی رجوع ہے یہ اصل میں **ماوب** تھا۔ تعلیل سے مآب ہو گیا۔ یعنی اللہ کے نزدیک اچھی لوٹنے کی جگہ جنت ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ فانی دنیا میں پھنس کر اس سے غافل نہ ہو جائے۔

خلاصہ تفسیر : دنیا فانی مقام عبرت ہے' عالم باقی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے پریشان خواب مگر اس چشم حقیقت بین پر دنیوی لذتوں اور اس کے سامان پر محبتوں کے پردے پڑے ہوئے انسان عورتوں اولاد اور سونے چاندی کے ڈھیروں اور اچھے گھوڑوں اور گائے بیل' اونٹ اور کھیتی باڑی کی محبت میں ایسا پھنسا ہے کہ اسے آخرت کے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ وہ عالم آخرت پر دنیا کو ترجیح دے رہا ہے اور چند روزہ عیش کے لئے (کفر' بے دینی' گناہوں میں مبتلا ہے اور عالم باقی کی خوبیوں سے بے خبر انسان کو دنیوی سامان۔ خصوصاً" روپیہ پیسہ مال' دولت اندھا کر دیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جب میں دولت کا مالک ہو گیا تو دنیا کا مالک ہو گیا۔ کیونکہ اس سے ہر چیز خرید سکتا ہے۔ اس نشہ میں وہ خدا اور رسول سے بغاوت کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے مگر خیال رہے کہ یہ چیزیں صرف زندگی کا تھوڑا سامان ہیں نہ انسان کو ہمیشہ یہاں ٹھہرنا ہے۔ نہ اس کے لئے یہ چیزیں ہمیشہ کار آمد۔ خدا کے پاس اس سے زیادہ عمدہ اور لذیذ روحانی اور جسمانی نعمتیں موجود ہیں۔ ادھر رغبت کرنی چاہئے۔ اگرچہ انسان کے علاوہ جنات جانور وغیرہ میں بھی محبت کا مادہ ہے۔ مگر چند وجہ سے خاص انسان کا ذکر فرمایا کہ انسان کو ان نعمتوں کی زینت دی گئی۔ ایک یہ کہ اُن مذکورہ سات چیزوں سے محبت صرف انسان کو ہے۔ جانوروں کو محبت صرف کھانے اور اولاد سے دوسرے یہ کہ انسان کی محبت ان چیزوں سے دائمی ہے۔ دوسروں کی محبت عارضی۔ جانور کچھ روز کے بعد بچے کو بھول جاتے ہیں۔ انسان اولاد سے مرتے دم تک بلکہ بعد مرے تک محبت کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ انسان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر رب کی نافرمانی کر لیتا ہے۔ رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے۔ دوسری مخلوق میں یہ عیب نہیں۔ چوتھے یہ کہ چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اس لئے اس میں پابندیاں بہت زیادہ ہیں۔ عشق و احکام اس کے ذمہ ہیں۔ اسے دوسروں سے محبت کر کے ان سے بے پرواہ ہو جانا زیادہ خطرناک ہے۔ ان وجوہ سے خصوصیت سے یہاں انسان کا ذکر ہوا فرمایا **زین للناس۔** خیال رہے کہ انسان اس ناسمجھ بچے کی طرح ہے جو ہر کھلونے پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ جب ماں کے پیٹ میں تھا تو اسی کو اپنی حقیقی قیام گاہ سمجھا کہ وہاں سے آنا چاہتا ہی نہ تھا۔ جب باہر آیا تو اس کو یاد کر کے رو رو کر غل مچایا۔ یہاں آکر اسے اپنا مقام سمجھ گیا اور اس پر ایسا عاشق ہو گیا کہ یہاں سے جانا چاہتا ہی نہیں۔ خیال رہے کہ یہ دنیا اس عالم کے مقابل میں ایسی ہی تنگ و تاریک اور تکلیف دہ ہے جیسے اس دنیا کے مقابلہ میں ماں کا پیٹ جیسے ماں

www.alahazratnetwork.org

کے بعد بھی بیت قیام نہ تو ایسے ہی یہاں بھی زینت قیام نہ ہوگی۔ اس لئے **واللہ عندہ حسن المآب** کہ کر وہاں کا شوق دلایا۔

مجرب عمل : اگر زوجین میں نااتفاقی ہو تو طالب یہ آیت سات بار سات عدد سفید الائچی پر دم کرکے اول و آخر درود شریف تین تین بار پڑھ کر مطلوب کو کھلائے۔ تو انشاء اللہ ان میں محبت پیدا ہو جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنی بیوی و مال اور اولاد کی جائز محبت منع نہیں۔ کیونکہ یہ رب کی طرف سے ہے۔ جیسے کہ **زین** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا یہی محبت دنیا کے بقاء کا ذریعہ ہے کہ بیبیوں اور اولاد کی محبت سے نسل قائم ہے اور مال کی محبت سے گھر اور بازار اور بستیاں آباد۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے قلب میں دنیا کی دو چیزوں سے محبت ڈالی گئی۔ خوشبو اور عورتیں۔ یعنی یہ محبت رب کی طرف سے جائز ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ترک دنیا بیوی بچوں سے بے خبر رہنا شرعاً ناپسندیدہ ہے۔ کیونکہ یہ حکمت خلق کے خلاف ہے یہ بھی **زین** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا کہ بے جا محبت جو آخرت سے غافل کر دے۔ سخت بری ہے اور اس کا سبب شیطان ہے۔ جیسا کہ **زین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ شیطان نے ناجائز محبت لوگوں کے دلوں میں پیدا کی۔ تمام گناہوں کی جڑ محبت دنیا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** مال جمع کرنا برا نہیں۔ جب کہ اس کا ذریعہ اور مقصد برا نہ ہو۔ جیسا کہ **القناطیر المقنطرۃ** سے معلوم ہوا۔ مال دین کی ڈھال اور دنیوی آبرو کا ذریعہ ہے۔ اسی لئے مال کا برباد کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یحب المسرفین** اور فرماتا ہے **ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین۔** **پانچواں فائدہ:** دنیا کی ظاہری ٹیپ ٹاپ حق پرستوں اور شہوت پرستوں کے درمیان باعث فرق ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انا جعلنا ما علی الارض زینۃ لھا لنبلوھم ایھم احسن عملا** " جو دنیا میں رہ کر رب تعالیٰ کی عبادت کرے وہ مرد کامل ہے (خزائن)۔ **چھٹا فائدہ:** چونکہ دنیا فانی ہے اس لئے اس کی ہر چیز فانی اور چونکہ آخرت باقی ہے۔ اس لئے اس کی ہر چیز باقی۔ کمزور بنیاد کی دیوار کمزور ہے اور مضبوط بنیاد کی دیوار مضبوط۔ انسان کو چاہئے کہ متاع دنیا کو آخرت کا توشہ بنالے اور ایسے کام میں خرچ کرے جس میں اس کی عاقبت درست ہو جیسا کہ **متاع الحیوۃ الدنیا** سے معلوم ہوا۔

اعتراض : **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مردوں کے دل میں عورتوں کی اور باپ کے دل میں بیٹوں کی محبت دی گئی۔ حالانکہ یہ محبت دو طرفہ ہوتی ہے۔ شوہر کو بیوی سے اور بیوی کو شوہر سے ایسے ہی باپ کو اولاد سے اولاد کو باپ سے۔ پھر یہاں یک طرفہ محبت کا کیوں ذکر فرمایا گیا۔ **جواب:** یہ درست ہے مگر مرد میں محبت کا غلبہ ہے اور عورت میں محبوبیت کا۔ ایسے ہی باپ میں محبت غالب ہے۔ اولاد میں محبوبیت جیسے کہ جانور انسان کے خدمتگار ہیں اور انسان ان کا مخدوم مگر انسان بھی ان کی خدمت کرتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں یہ کیوں فرمایا گیا۔ **زین للناس حب الشھوت** یا تو **زین الشھوت** کہہ دیا جاتا یا **حب الشھوت** اس چھوٹی عبارت میں بھی مقصد حاصل ہو جاتا؟ **جواب:** اس سے مبالغہ مقصود ہے۔ اولاً تو محبوب چیزوں کو شہوات فرمایا گیا۔ یعنی سراپا محبت پھر ان کی محبت کو **زین** کا مفعول قرار دیا گیا۔ یعنی یہ دنیا کی پیاری چیزیں جو گویا سراپا شہوات ہیں وہ خود تو کیا ان کی محبت بھی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ گویا وہ انتہائی درجہ کے محبوب ہیں جیسے **فاتوا بسورۃ من**

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں سونے چاندی کی قید کیوں لگائی۔ انسان کو تو ہر چیز بھی پیاری معلوم ہوتی ہے۔ بلکہ سونا چاندی بہت جلد قبضہ سے نکل جاتا ہے۔ اور زمین وغیرہ ہمیشہ اپنے پاس ہی رہتی ہے۔ ان کی محبت سونے چاندی سے بڑھ کر ہے۔ **جواب:** قدرت نے چاندی سونے کو تمام چیزوں کی قیمت قرار دیا۔ ان کا مالک گویا ہر چیز کا مالک ہے وہ سمجھتا ہے جو چاہوں گا خرید لوں گا۔ لہذا اس سے زیادہ محبت ہے اور سونا چاندی ہی تمام مالوں کی اصل ہے۔ نیز سونے چاندی کی ملکیت سے انسان کو قدرت حاصل ہوتی ہے اور قدرت کمال ہے اور کمال محبوب بالذات۔ لہذا یہ دونوں مال بھی ہیں اور کمال بھی ان دو وجہ سے پیاری ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گھوڑوں سے محبت کرنا بھی برا ہے۔ حالانکہ دوسری جگہ قرآن کریم گھوڑوں کی قسم کھا رہا ہے۔ **والعدیت ضبحا** " اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں سے خیر و بھلائی وابستہ ہے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** گھوڑے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ جہاد کے گھوڑے، کاروبار کے گھوڑے، جیسے تانگہ وغیرہ کے گھوڑے فخر و ریا کے گھوڑے پہلے گھوڑوں کی تعریف ہے اور تیسرے گھوڑوں کی یہاں برائی ہے۔ دیکھو حدیث شریف میں کھیتی باڑی کی تعریف بھی آتی ہے کہ ارشاد ہوا غلہ دبانے والا لعنتی ہے اور غلہ اگانے والا لانے والا مرزوق ہے اور برائی بھی وارد ہے کہ فرمایا جس گھر میں کھیتی باڑی کے آلات ہوں گے۔ وہاں ذلت و خواری ہوگی جس کھیتی سے غفلت ترک جہاد ہو۔ وہ ذلت کا سامان ہے اور جس سے بندوں پر رزق کی فراوانی ہو وہ رحمت ہے۔

تفسیر صوفیانہ : فرشتوں میں عقل ہے شہوت نہیں اور جانوروں میں شہوت ہے عقل نہیں۔ مگر انسان میں عقل بھی ہے اور شہوت بھی۔ جس کی عقل شہوت پر غالب ہو وہ فرشتوں سے بڑھ کر ہے اور جس کی شہوت عقل کو ڈھک لے وہ جانور سے بدتر (روح البیان) عقل کا تعلق روح سے ہے اور شہوت کا تعلق نفس سے **زین للناس** میں اس نفسانی شہوۃ کا ذکر ہے اور **واللہ عندہ** میں عقل کا تذکرہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ انسان عالم علوی اور سفلی سے مرکب ہے۔ دنیا میں آکر اس کا نور بصیرت نفسانی پردوں اور بدنی حجابوں میں ڈھک گیا۔ اور یہاں کی لذتوں کے پانی سے اس کی تیزی ٹھنڈی پڑ گئی اور شہوت حیوانیہ کی ہواؤں نے اسے اپنی جگہ سے ہلا دیا۔ اب وہ اس پردیس میں اپنے وطن سے دور حق سے مجبور ہے۔ جس کو یہاں کی مصیبتوں اور تکالیف کی ہوائیں اڑائے پھرتی ہے۔ اس کے کان میں شیطان اور نفس کی آوازیں آرہی ہیں۔ جو اسے ہلاکت کی طرف بلا رہی ہیں اور اس کی آنکھوں کے سامنے عالم عقل کی روشنی بھی ہے جو اسے کامیابی کی طرف رہبری کر رہا ہے۔ جو کوئی اس نور پر توجہ نہ کرے اور ان بہکانے والی آوازوں کے پیچھے چل دے وہ اسی جگہ پہنچتا ہے۔ جہاں نفس خوش ہوتا ہے۔ آنکھوں کو لذت آتی ہے اور اس باغ کو نفس اپنا گھر سمجھتا ہے۔ اس کا نام حب الشہوات ہے اور جو کوئی ان آوازوں پر کان نہیں دھرتا۔ بلکہ اس شعاعِ نوری کی طرف چل دیتا ہے۔ وہ آخر کار ایسے باغ میں پہنچتا ہے جس کے لئے کبھی خزاں نہیں۔ اور ایسے آستانہ پر اس کا سر پہنچ جاتا ہے جہاں سے اسے کوئی اٹھا نہیں سکتا یہی اس کا مطلب ہے کہ **واللہ عندہ حسن المآب** (ابن عربی) سیڑھی کے ذریعہ اوپر سے نیچے بھی اتر سکتے ہیں اور نیچے سے اوپر بھی جا سکتے ہیں۔ دنیا اور اس کی چیزیں ایک زینہ ہیں۔ بے وقوف ان میں پھنس کر نیچے گرتا ہے اور عقلمند انہیں کے ذریعہ رب تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ جس نے ان چیزوں کو اپنی زندگی کا مقصود سمجھ لیا۔ وہ اس کے ذریعے نیچے اتر آیا۔ **ثم رددنہ اسفل السافلین** اور جو ان میں رہ کر حق کو نہ بھولا اور ان کی خدمت کو اتباع سنت اور خداری کے لئے کیا وہ اسی سیڑھی کے ذریعہ اوپر پہنچ گیا۔ **زین للناس** میں اترنے والوں کا ذکر ہے اور **واللہ عندہ حسن**

www.alahazratnetwork.org

الماٰب میں چڑھنے والوں کا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق و محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ اور فطرت بدلنا ناممکن ہے۔ حسن کے نتائج برے برے نکلتے ہیں۔ ہاں فطرت کی اصلاح کرنا چاہئے۔ آنکھ کو دیکھنے سے نہ روکو' کان کو سننے سے بند نہ کرو بلکہ ان کی اصلاح کرو کہ انہیں محرمات سے بچالو۔ یونہی عشق و محبت انسان کی فطرت ہے۔ اس سے وہ باز نہیں آسکتا۔ اس کی بھی اصلاح کرو کہ دنیاوی ناجائز محبتوں سے اسے چھڑاؤ۔ اور آخرت کی محبت اس میں بسالو۔ یہ محبت ضرور کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی کرے۔ جب اللہ تعالیٰ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہوئی تو زن و فرزند' مال و دولت سب کی محبتیں عین بن جائیں گی۔ اس وجہ سے ارشاد ہوا۔ **واللہ عندہ حسن الماٰب**

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ
فرما دو کیا خبر دوں میں تمہیں بہتر کی اس سے واسطے ان لوگوں کے جو ڈریں نزدیک رب ان کے
تم فرماؤ کیا میں تمہیں اس سے بہتر چیز بتادوں پرہیزگاری کے لئے ان کے رب کے پاس جنتیں ہیں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ
باغات کہ بہتی ہیں نیچے سے ان کے نہریں ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے اور بیویاں ہیں پاک اور
جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور ستھری بیویاں اور اللہ کی
مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۱۵
رضامندی طرف سے اللہ کے اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو
خوشنودی اور اللہ بندوں کو دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اجمالاً" فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔ اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ وہ ٹھکانا جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اچھا ٹھکانا ہے۔ مگر اس کا ذکر نہ ہوا تھا کہ کس کے لئے۔ اب اس کا ذکر بھی ہو رہا ہے کہ ہر شخص کے لئے نہیں بلکہ خاص پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں دنیوی نعمتوں کا آخرت سے مقابلہ کیا گیا تھا کہ رذیل ہیں اور آخرت عزیز اب اس کے دلائل ارشاد ہو رہے ہیں کہ دنیا' دوست' دشمن سب کے لئے ہے۔ مگر آخرت صرف پرہیزگاروں کے لئے' دنیا کو فنا ہے' آخرت کو بقا' دنیا میں پھنسنا ناراضی رب کا ذریعہ' اور جنت میں رب سب سے راضی گویا وہ دعویٰ تھا یہ دلائل۔

تفسیر: **قل اونبئکم بخیر من ذلکم** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے چونکہ اعمال عصاء موسوی کی طرح مفید ہیں۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل دست موسوی کی طرح ہے۔ عصاء موسوی دست موسوی میں اثر دکھاتا تھا۔ اس ہاتھ کے بغیر عصا بیکار ہوتا تھا۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے بغیر اعمال بیکار ہیں۔ اس لئے قل

www.alahazratnetwork.org

فرمایا گیا کہ مضمون ہمارا ہو محبوب' زبان و توسل تمہارا ہو۔ **او نبئکم** کا پہلا ہمزہ استفہام تقریری کا ہے۔ **انبئی نبا** سے بنا
معنی خبر۔ اصطلاح میں عظیم الشان خبر یا غیب کی خبر پر اکثر بولا جاتا ہے دیگر پر کم اس لئے ہر قاصد کو مخبر کہہ سکتے ہیں لہذا نبی وہ جو
غیب کی خبر لائے جو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے علوم غیبیہ کا انکار کرتا ہے وہ در پردہ آپ (صلی اللہ علیہ و سلم) کی نبوت کا
انکار کرتا ہے۔ کم میں سارے لوگوں سے خصوصاً" کفار سے خطاب ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سارے عالم کے نبی
ہیں۔ تو آپ (صلی اللہ علیہ و سلم) کے فرمان سارے عالم کے لئے ہیں **وما ارسلنک الا کافتہ" للناس** لہذا حضور صلی
اللہ علیہ و سلم کا فرمان سارے جہان کے لوگوں کے لئے ہے۔ **بخیر** کا ب یا تعدیہ کا ہے۔ یا صلہ کا۔ اور یہ انبیء کے متعلق۔
خیر معنی" اسم تفضیل ہے۔ من سے مستعمل۔ ذلکم میں عورتوں' اولاد سونے چاندی کے ڈھیر اور اچھے گھوڑے وغیرہ سب کی
طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ و سلم آپ ان سب لوگوں سے یا غافلین سے فرمائیں کہ کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر
دوں جو اس دنیوی سارے سامان سے بہتر ہے یا یہ چیزیں وہ ہیں جو گزشتہ مذکورہ چیزوں میں شامل ہو جائیں تو انہیں خیر کر دیں۔ یہ
وہ چورن ہے جو ہر غذا کو ہضم کر دیتا ہے۔ خیال رہے: کہ بتانا ہی منظور تھا مگر یہ سوال شوق دلانے کے لئے ہے۔ کیونکہ پوچھ کر
جو شے بتائی جائے اس کو سننے والا شوق سے سنتا ہے۔ نیز خیال رہے کہ چونکہ دنیا کی ساری راحتیں تکلیف سے مخلوط ہیں اور فانی
آخرت کی نعمتیں خالص نعمتیں ہیں اور باقی اس لئے وہ اس سے بہتر ہیں۔ **للذین اتقوا عند ربھم جنت**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ
نیا جملہ ہے **بخیر** کا بیان ہے۔ **للذین** خبر مقدم جنت مبتداء اور **عند ربھم** کا ظرف یا حال **للذین** میں اگر لام ملکیت کا ہے تو تقوٰی
سے مراد پرہیز گاری' نیک کاری ہے یعنی واجبات کا ادا کرنا اور گناہوں سے بچنا۔ کیونکہ جنت اصل ملک پرہیز گاروں کی ہے۔ اور
اگر اس کا متعلق ثابت ہے تو تقوٰی سے مراد شرک و کفر سے بچنا ہے کہ آخر کار سارے ہی مسلمان جنت میں جائیں گے گنہگار
ہوں یا پرہیز گار۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ قرآن کے عرف میں تقوٰی معنی ایمان عام مستعمل ہے۔ رب فرماتا ہے **الزمھم
کلمتہ التقوی**۔ **عند** سے قرب مکانی مراد نہیں۔ بلکہ قرب رتبی۔ کیونکہ رب تعالیٰ جگہ سے پاک ہے **جنت** جمع جنت کی
ہے معنی گھنا باغ۔ جس کی زمین کھلی نہ ہو۔ چونکہ ایک ایک جنتی کو کئی کئی باغ ملیں گے۔ اس لئے جمع ارشاد ہوا۔ یعنی
پرہیز گاروں یا مسلمانوں کے لئے ان کے رب کے پاس خوبصورت باغ ہیں۔ **عند ربھم** فرما کر یہ بتایا کہ جنت دنیا میں ہی نہ ملے
گی بلکہ رب تعالیٰ کے پاس پہنچ کر ملے گی۔ دنیا کام کی جگہ ہے۔ آخرت حصول انجام کی۔ فصل بوتے ہی دانہ نہیں ملتا۔ باغ
لگاتے ہی پھل نہیں کھائے جاتے۔ بھینس کی کٹی پیدا ہوتے ہی دودھ نہیں دیتی۔ بچہ سکول میں جاتے ہی بی۔ اے نہیں ہو جاتا۔
ان چیزوں کے انجام بہت بعد میں دیکھے جاتے ہیں۔ ایسے ہی ایمان و نماز وغیرہ اختیار کرتے ہی جنت نہیں مل جاتی۔ جنت' روضہ'
بستان' حدیقہ' حائط سب کے معنی باغ ہیں۔ مگر جنت خصوصی باغ ہے۔ ہر باغ کو جنت نہیں کہا جاتا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ **عند
ربھم' اتقوا** کا ظرف ہے اور اس سے منافقین کو نکالنا مقصود ہے یعنی جو رب کے نزدیک متقی ہیں ان کے لئے جنتیں ہیں۔
منافق لوگوں کی نگاہ میں تو پرہیز گار ہے مگر رب تعالیٰ کے نزدیک کافر۔ لہذا وہ اس سے خارج ہے (کبیر) اللہ کے نزدیک متقی یا تو وہ
ہے جو فقط جسم کا ہی متقی نہ ہو بلکہ دل کا بھی متقی ہو نیک اعمال جسم کا تقوٰی ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم دل کا تقوٰی رب فرماتا ہے۔
ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔ عمل اور ہے' ادب کچھ اور' عمل والا عند الناس متقی ہے اور ادب
والا عند اللہ متقی یا عند اللہ متقی وہ ہے جس کا خاتمہ تقوٰی و طہارت پر ہو۔ ہم حال کو دیکھتے ہیں رب کے یہاں مال یعنی انجام دیکھا

www.alahazratnetwork.org

جاتا ہے۔ یا رب تعالٰی کے ہاں متقی وہ ہے جس کا نام متقیوں کی فہرست میں آچکا ہے۔ یا رب تعالٰی کے ہاں متقی وہ ہے جو اخلاص والا ہو۔ خالق والا متقی اگرچہ مخلوق اسے متقی کہے مگر خالق کے ہاں متقی نہیں۔ **تجری من تحتها الانهر** یہ جملہ جنت کا حال یا صفت ہے **تجری** جری سے بنا بمعنی بہنا۔ **تحتها** کا مرجع جنت ہیں۔ **انهار** نہر کی جمع ہے۔ جس کی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جو دریا سے کاٹ کر سیدھی نکالی جائے جس میں کچھ بھی ٹیڑھا پن نہ ہو وہ نہر کہلاتی ہے۔ بہنا پانی کی صفت ہے یہاں نہر کی صفت قرار دینا مجازاً" ہے۔ چونکہ جنت میں دودھ' شہد' پانی اور شراب طہور کی مختلف نہریں ہوں گی۔ اس لئے جمع ارشاد ہوا۔ یعنی جنتیں ایسی ہیں کہ ان کے نیچے ہمیشہ نہریں بہتی ہیں ان کے خشک ہو جانے کا بھی احتمال نہیں۔ **خلدین فیها** یہ **اللذین** کا حال ہے۔ **خلدین خلود** سے بنا بمعنی ہمیشگی اور دراز مدت' یہاں ہمیشگی مراد ہے یعنی متقی ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے کبھی نہ نکلیں گے یا ان باغوں میں سدا بہار رہے گی کبھی خزاں نہ آئے گی۔ یا ان باغوں کے پھل دائمی ہوں گے فصل یا موسم کے پابند نہ ہوں گے۔ غرض خلود میں بڑی وسعت ہے اس سے جنت اور جنتی لوگ دونوں کا ہمیشہ رہنا ثابت ہوا کہ یہ سب چیزیں اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ہوں گی۔ چونکہ بیوی کے بغیر کوئی راحت کامل نہیں ہوتی مرد کو وحشت رہتی ہے اس لئے ارشاد ہوا **و ازواج مطهرة** یہ جنت پر معطوف ہے۔ **ازواج' زوج** کی جمع ہے۔ بمعنی جوڑا۔ بیوی کو بھی زوج کہتے ہیں اور شوہر کو بھی۔ مگر یہاں بیبیاں مراد ہیں۔ کیونکہ پہلے مردوں کا ذکر ہوا اور مرد کے لئے بیوی ہی ہوتی ہے۔ **مطهره** ازواج کی صفت ہے یہ بہت جامع لفظ ہے یعنی وہ بیبیاں ظاہر عیوب سے پاک ہیں۔ جیسے حیض' پیشاب' پاخانہ' تھوک' رینٹ' میل کچیل وغیرہ اور باطنی عیبوں سے بھی دور جیسے حسد' غصہ' بد خلقی' بد صورتی اور شوہر کے سوا غیر پر نظر کرنا۔ خیال رہے: کہ ازواج سے مراد یا تو بہت سی بیویاں ہیں کہ ادنیٰ جنتی کو 70 ستر بیویاں عطا ہوں گی اور اس کو سو مردوں کی طاقت ملے گی۔ یا چند قسم کی بیویاں مراد اپنی دنیا کی بیوی' دوسرے کفار کی مومن بیبیاں اور حوریں مطہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں منی کا خروج بھی نہ ہو گا کہ یہ بھی گندگی ہے بلکہ صرف ہوا خارج ہو گی۔ جس کی لذت منی سے زیادہ ہو گی۔ جیسا کہ بعض روایات میں ہے ان سب نعمتوں سے بڑھ کر یہ ہے کہ **و رضوان من الله** واؤ عاطفہ ہے اور رضوان جنت پر معطوف یہ لفظ رضا سے بنا۔ بڑی رضا کو رضوان کہا جاتا ہے۔ چونکہ سب سے بڑی رضا اللہ کی ہے اس لئے قرآن کریم میں رضاء الٰہی کو رضوان کہتے ہیں۔ خیال رہے: کہ رضوان رے کے کسرہ سے بھی ہے جیسے حسان اور قربان اور رے کے پیش سے بھی جیسے طغیان' رجحان اور کفران یہ باب ضرب کا مصدر ہے کہا جاتا ہے۔ رضیت رضا" و رضوانا"۔ یہاں اس کی تنوین تعظیم کی ہے اور من اللہ رضوان کی صفت یعنی جنتیوں کے لئے ان تمام نعمتوں کے ساتھ رب کی بڑی رضامندی بھی ہے۔ **والله بصير بالعباد** یہ نیا جملہ ہے۔ گذشتہ کی دلیل۔ **بصير** بمعنی علیم یا خبیر ہے۔ عباد سے خاص متقی مراد ہیں یا عام لوگ۔ یعنی اللہ تعالٰی سارے حالات جاننے والا ہے۔ لہذا مجرموں کو سزا اور اطاعت کرنے والوں کو جزا عطا فرمائے گا۔ سزا اس کا عدل ہے اور جزا اس کا فضل۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان غافلوں سے جو فانی دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو گئے ہیں فرما دو کہ کیا میں تمہیں ایسی چیز کی خبر دوں جو ان تمام سے اعلیٰ و افضل ہے کہ دنیا کی ہر نعمت میں مصیبت شامل ہے اور اس کے بعد جو فانی وہ خالص ہے اور باقی۔ یہاں کی مشغولیت رب کی ناراضی کا باعث اور وہ رب کی رضامندی کا ذریعہ۔ جو لوگ ایمان و

www.alahazratnetwork.org

تقویٰ اختیار کریں گے انہیں رب کے پاس ایسے گھنے باغ ملیں گے جن میں ساری نعمتیں جمع ہوں گی۔ ان کے نیچے دودھ' شہد' شراب' طہور اور خالص پانی کی نہریں بہتی ہوں گی۔ نہ وہ باغ کبھی سوکھیں نہ ان میں خزاں آئے پھر کمال یہ کہ وہ لوگ ان میں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ مریں نہ انہیں کوئی نکالے اس کے ساتھ ہی ساتھ انہیں وہ بیبیاں عطا فرمائیں جائیں گی جو ہر ظاہری اور باطنی عیب سے پاک ہیں نہ انہیں کبھی حیض و نفاس آئے۔ نہ پیشاب پاخانہ کی حاجت پڑے نہ وہ حسد کریں نہ کسی سے کینہ رکھیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اللہ کی بڑی اور دائمی رضامندی ان کے لئے ہوگی کہ وہ کبھی ناراض نہ ہوگا۔ یہ وہ نعمت ہے جس کے مقابل کوئی نعمت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بندوں کے ہر ظاہری اور باطنی حالات کو جانتا ہے انہیں بقدر عمل جزا دے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا اے جنتیو! کیا تم راضی ہو گئے۔ وہ عرض کریں گے اے مولیٰ کیوں نہ راضی ہوں تو نے ہمیں وہ دیا۔ جو کسی مخلوق کو نہ دیا۔ فرمائے گا کہ کیا میں تمہیں وہ نعمت دوں۔ جو ان سب سے بڑھ کر ہو۔ عرض کریں گے اے مولیٰ اس سے بڑھ کر کیا ہوگا۔ فرمائے گا کہ میں تم سے راضی ہوں۔ کبھی ناراض نہ ہوں گا (مسلم و بخاری)۔ اور ظاہر ہے کہ بندہ کے لئے رضائے الٰہی سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے۔ رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ خیال رہے کہ جنت میں باغات ہیں۔ کھیت نہیں کیونکہ کھیت سے باغات کی زینت زیادہ ہے کہ باغ میں سبزہ بھی ہوتا ہے اور سایہ بھی۔ کھیت میں صرف سبزہ ہے سایہ نہیں بلکہ ایک بار کاشت ہو چکی۔ اب فصل ہمیشہ کھاتے جاؤ۔ نیز کھیت میں دانہ ہوتا ہے۔ باغ میں پھل' دانہ بقاء زندگی کے لئے ہے۔ پھل لذت کے لئے وہاں لذت کے لئے کھانا ہے۔ زندگی کے لئے نہیں ان وجوہ سے وہاں باغ ہیں کھیت نہیں۔ نیز ان باغوں میں انہار ہیں بحار یعنی دریا نہیں۔ اور نہ وہاں پانی کی بارشیں ہیں۔ دنیا کے باغ و کھیت اوپر کے بارشی پانی اور نیچے سے نہریں یا کنویں کے پانی سے سیراب ہوتے ہیں۔ مگر وہاں صرف نیچے کا پانی تو ہے اوپر کا بارشی پانی نہیں کیونکہ وہاں جنت کی سبزی پانی سے نہیں یہ نہریں زینت اور جنتیوں کے استعمال کے لئے ہوں گی نہ کہ جنت کے سبزہ کے لئے ورنہ پھر شہد' دودھ' شراب طہور کی نہریں کیوں ہوتیں۔ اس لئے وہاں بارش نہیں کہ وہاں کی سبزی بحکم الٰہی ہے نہ کہ پانی سے نیز وہاں نہر ہے۔ بحر نہیں کہ۔ بحر میں سیلاب بھی آجاتے ہیں نہر میں نہیں آتے۔ نیز بحر میں حسن نہیں نہر میں حسن ہے' بحر کا پانی قبضہ میں نہیں ہے۔ نیز نہر گھروں میں پہنچ جاتی ہے۔ بحر نہیں پہنچتی۔ ان وجوہ سے وہاں نہ بارش ہے نہ دریا صرف نہریں ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** آخرت بہر حال دنیا سے بہتر ہے جیسا کہ خیر سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں کمان رکھنے کی جگہ ساری دنیا اور یہاں کی ساری نعمتوں سے بہتر ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کا غیر انسان سے نکاح جائز ہے جبکہ وہ شکل انسانی میں ہو۔ دیکھو حوریں جو انسان نہیں انسانی شکل میں ہیں وہ انسانوں کی بیبیاں قرار دی گئیں۔ فرمایا گیا **ازواج مطہرة**۔ **تیسرا فائدہ:** حوریں ان لوگوں کے نامزد پہلے ہی سے ہو چکی ہیں۔ جن کا ایمان پر خاتمہ ہونے والا ہے۔ اور وہ اب بھی ان کی بیبیاں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ازواج مطہرة** ایک جگہ یوں فرمایا **و زوجنھم بحور عین** حدیث شریف میں ہے کہ جب کسی جنتی کی بیوی اس سے لڑتی ہے تو جنت سے اس کی بیوی حور پکار کر کہتی ہے۔ کمبخت اس سے مت لڑ۔ یہ تیرے پاس چند دن مہمان ہے۔ پھر ہمارے پاس آنے والا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دنیوی عورتیں جب جنت میں پہنچیں گی تو وہ بھی حیض و نفاس' بغض و کینہ وغیرہ سے پاک کر دی جائیں گی۔ جیسے کہ ازواج کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جنت حاصل کرنے کے لئے ایمان اور عمل دونوں کی ضرورت ہے جیسا کہ

www.alahazratnetwork.org

اتقوا سے معلوم ہوا- **چھٹا فائدہ:** اخروی زندگی کے لئے نہ غذا کی ضرورت ہے نہ پانی کی یہ سب چیزیں اس دنیا کے لئے ضروری ہیں جنتی حوروں کا کھانا پینا کہیں ثابت نہیں- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنا بڑا سفر معراج طے کیا مگر نہ توشہ کی ضرورت پیش ہوئی نہ کسی اور چیز کی- لہذا عیسیٰ علیہ السلام بھی چوتھے آسمان پر بغیر غذا و پانی کے زندگی گزار لیں تو کیا مشکل ہے- مرزائیوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہئے- **مسئلہ:** عورت جنت میں آخری شوہر کے ساتھ رہے گی- اس لئے پیغمبر کی بیوی سے کوئی نکاح نہیں کر سکتا- کنواری لڑکی کا کسی جنتی کے ساتھ نکاح کر دیا جائے گا- چنانچہ حضرت مریم ہمارے حضور علیہ السلام کے نکاح میں آئیں گی- مگر وہاں یہ عورتیں حوروں سے بھی زیادہ حسین و جمیل اور پاک و صاف ہوں گی- کیونکہ دنیاوی عورتوں میں نیک اعمال کا حسن بھی ہوگا- جس سے حوریں خالی ہوں گی- خیال رہے کہ اگر زوجین میں سے ایک اعلیٰ درجہ کا مستحق دوسرا ادنیٰ درجہ کا تو ادنیٰ کو اعلیٰ کر کے ہمراہ کیا جائے گا نہ کہ اعلیٰ کو ادنیٰ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت مریم و آسیہ و عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہوں گی نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے درجہ میں رہ کر ہمراہ ہوں گے-

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت میں جنتیوں کے دل بہلانے کے لئے عورتیں بھی ہیں تو یہ بہشت ہوا یا رنڈی خانہ- اور وہاں کا خدا خدا ہے یا عورتوں کا شائق؟ (ستیارتھ پرکاش سرسید علی گڑھی)- **جواب:** نہ معلوم پنڈت جی کے دماغ میں مغز ہے یا کوڑا- جو ہمیشہ بے ڈھنگی ہی بات کرتے ہیں- پنڈت جی رنڈی خانہ وہ ہوتا ہے جہاں حرام کاری ہوتی ہو- مگر جہاں شرفاء اپنی بیبیوں کے ساتھ شریفانہ زندگی بسر کریں وہ رنڈی خانہ نہیں کہلاتا- اگر تمہارے گھر میں تمہارے بیٹے، پوتے شادی شدہ آباد ہیں- ہر ایک اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو شاید اپنے گھر کو رنڈی خانہ ہی کہتے ہو گے- یہاں فرمایا گیا ہے **و ازواج مطھرۃ** جنتیوں کے لئے ان کی بیویاں ہوں گی پاک و صاف "ازواج" سے ان کی بیبیاں ہونا معلوم ہے اور **مطھرۃ** سے معلوم ہوا کہ زنا وغیرہ ہر عیب سے پاک ہیں- دوسری جگہ فرمایا گیا- **قصرت الطرف لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** کہ وہ اپنے شوہروں کے سوا کسی پر نظر بھی نہیں اٹھاتیں ان تک کوئی انسان و جن پہنچا ہی نہیں- ایسے پاک ستھرے گھر کو رنڈی خانہ کہنا پنڈت جی ہی کے لائق ہے- گندگی کا کیڑا گلاب کے پھول سے گھن کرتا ہے- پنڈت جی نیوگ کے عادی ان کے دھرم میں ایک عورت کا ایک وقت میں گیارہ خاوندوں کے پاس رہنا عبادت- وہ ایسی مقدس جگہ کو رنڈی خانہ نہ کہیں تو کیا کہیں- ہم علی گڑھی خاں سے کیا کہیں اللہ انہیں سمجھ عطا فرمائے- **دوسرا اعتراض:** یہ حوریں دنیا سے بلائی گئیں ہیں یا جنت ہی میں پیدا ہو کر وہاں رہتی ہیں- اگر دنیا سے بلائی گئی ہیں تو مردوں کو کیوں نہیں بلایا- اور اگر وہاں ہی پیدا ہوئیں تو قیامت تک ان کا کیسے گزارہ ہوگا- ان کے لئے کون سے مرد ہیں- ستیارتھ پرکاش) **جواب:** حوریں جنت ہی میں پیدا کی گئیں- اور جیسے انہیں کھانے پینے کی ضرورت نہیں- ایسے ہی وہ مرد کی حاجت سے پاک ہیں- وہ تو جنتیوں کے آرام کے لئے پیدا کی گئیں- دنیا میں بھی عورت پر کئی حال آتے ہیں- بچپن میں اسے مرد کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی- پھر جوانی میں بھی کبھی مرد کے لائق ہوتی ہے کبھی نہیں- پھر بڑھاپے میں مرد سے بالکل بے پرواہ- جب یہاں یہ کیفیت ہے تو وہ تو جنت ہے وہاں کے حالات عقل سے وراء ہیں- **تیسرا اعتراض:** جب خدا نے جنت میں ہمیشہ رہنے والی عورتیں بنائی ہیں تو ہمیشہ رہنے والے مرد کیوں نہ بنائے- عورتوں کو رکھنا اور مردوں کو نہ رکھنا بے انصافی ہے- (ستیارتھ پرکاش)- **جواب:** وہ عورتیں وہاں جزاء ایمان کے لئے نہیں رہتیں بلکہ وہ خود اعمال کی جزاء ہیں- عورت مرد کے لئے ذریعہ عیش ہے نہ کہ مرد عورتوں کے لئے-

www.alahazratnetwork.org

یہ طرفداری نہیں بلکہ نیک کاروں کے لئے سامان عیش جمع فرماتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں۔ مگر حدیث معراج سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہم کو پیغام بھیجا کہ جنت کی زمین خالی ہے اور زرخیز ہے۔ اعمال کرو تاکہ اس زمین میں باغ لگیں معلوم ہوتا ہے کہ ابھی وہاں کوئی سبزہ نہیں؟ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جنت کی بعض زمین سفید بھی ہے۔ جس میں اعمال سے باغ لگیں گے۔ لہذا یہ حدیث بھی درست ہے اور آیات قرآنیہ بھی ٹھیک ہیں۔ آدم علیہ السلام جنت میں رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کی سیر فرمائی۔ اب بھی حضرت ادریس وہاں موجود ہیں۔ بی بی مریم کو بہشتی پھل دیئے گئے اگر جنت میں کچھ نہیں تو یہ تمام کاروبار کیسے ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جو لوگ اغیار کو دیکھنے سے بچتے ہیں ان کے لئے چند جنتیں ہیں۔ جنت یقینی' جنت مکاشفہ' جنت مشاہدہ۔ جنت رضا اور وہ جنت جو نہ کسی آنکھ نے دیکھی' نہ کان نے سنی اور نہ کسی کے وہم و گمان میں آئی۔ اس جنت کے نیچے تجلیات کی نہریں بہتی ہیں جو غیبی چشموں سے نکلتی ہیں۔ وہ لوگ اس میں بقاء کی لذتیں پائیں گے۔ ان کے لئے ازواج یعنی ارواح مقدسہ کے جوڑے ہوں گے۔ جو نفسانی عیوب سے پاک ہوں گے اور صفات الٰہیہ کے خیموں میں رہنے والا۔ اس کے سوا رب تعالیٰ کی ایسی رضامندی ہے جو اندازے سے باہر ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی روحوں کے انقلاب کو دیکھتا ہے کہ کبھی وہ عالم ملکوت میں ہیں اور کبھی عالم جبروت میں' کبھی عالم انوار میں' کبھی عالم شوق میں' کبھی رنج و غم میں مبتلا (روح المعانی)۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جنات جسمانی جنتوں کی طرف اشارہ ہے اور رضوان جنت روحانی کی طرف۔ جنت میں سب سے اعلیٰ مقام روحانیت ہے۔ جہاں بندہ کی روح پر انوار الٰہی کی تجلی ہوتی ہے اور بندہ دریائے معرفت میں غرق ہو جاتا ہے۔ ان مقامات میں پہلے بندہ اللہ سے راضی ہوتا ہے اور پھر اللہ بندہ سے پہلے بندہ مولیٰ کا طالب ہے اور پھر اس کا مطلوب اور محبوب۔ اس کی طرف اس میں اشارہ' راضیۃ مرضیۃ (روح البیان)۔ تفسیر ابن عربی میں فرمایا کہ جو خدا کے لئے دنیا کی ہر چیز چھوڑیں تو ان کے لئے آخرت کی ہر چیز افعال کی جنت جنات ہیں اور روحانیات وہاں کے ازواج اور رضوان جنت صفات غرض وہ رب کا ہے تو سب اس کا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾
وہ لوگ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے تحقیق ہم ایمان لائے پس بخش دے واسطے ہمارے گناہ ہمارے اور
جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے تو ہمارے گناہ معاف کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے صبر والے اور
اَلصّٰبِرِیْنَ وَالصّٰدِقِیْنَ وَالْقٰنِتِیْنَ وَالْمُنْفِقِیْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِیْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾
بچا ہم کو عذاب سے آگ کے صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور اطاعت کرنیوالے اور خرچ کرنیوالے اور دعائے مغفرت کرنیوالے صبح وقت
سچے اور ادب والے اور راہ خدا میں خرچ کرنے والے اور پچھلے پہر معافی مانگنے والے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں جنت کے مستحقین کا ذکر تھا کہ پرہیزگار اس کے حقدار ہیں۔ اب ان کی وجہ استحقاق کا بیان ہے کہ چونکہ ان کی باتیں ان کے اعمال سب نیک ہیں۔ لہذا وہ اس کے حقدار۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جنت پرہیزگاروں کے لئے ہے۔ اب پرہیزگاروں کی تفصیل ہے کہ جن میں یہ صفتیں موجود ہوں وہ گروہ ابرار میں سے ہے۔ اور رب کا پسندیدہ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ خدا اپنے خاص بندوں کو نظر عنایت سے دیکھتا ہے اب ان خاص بندوں کی تفصیل بتائی جارہی ہے کہ وہ 'وہ' ہیں جو کہتے یہ ہیں اور کرتے یہ ہیں۔

تفسیر: **الذین یقولون ربنا اننا امنا** یا تو یہ مستقل جملہ ہے اور **الذین ھم** مبتداء پوشیدہ کی خبر یا پچھلے **الذین** کا بیان۔ اور حالت جری میں یا امداں فعل پوشیدہ کا مفعول ہے۔ **امنا** ایمان سے بنا بمعنی تصدیق اس کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی **امنا بک و بنبیک و بکلامک**۔ یعنی پرہیزگار وہ ہیں یا جنت پرہیزگاروں کے لئے ہے یا ہم تعریف کرتے ہیں ان لوگوں کو جو یہ عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم تجھ پر تیرے نبی اور تیری کتابوں پر ایمان لے آئے۔ اور ان سب کو سچ جانا۔ خیال رہے کہ دعائے مغفرت سے پہلے اپنے ایمان کا ذکر کرنا یا تو اظہار وفاداری کے لئے ہے یا شکریہ کے لئے کہ تیری مہربانی ہے کہ ہم ایمان لے آئے ورنہ اگر تو کرم نہ کرتا تو ہم کسی طرح بھی ایمان کے لائق نہ تھے۔ یا توسل کے لئے ہے کہ خدایا اس ایمان کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے۔ اپنے اعمال کے توسل سے دعائیں کرنا بھی سنت ہے جیسا کہ حدیث غار سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل جب غار میں دفن ہو گئے تھے تو انہوں نے اپنے اعمال کے وسیلہ سے دعائیں مانگی تھیں۔ اور نجات پائی تھی۔ **فاغفرلنا ذنوبنا۔** ف جزائیہ ہے اور اس کی شرط محذوف یا ترتب کی ہے اور امنا پر یہ کلام مرتب ہے۔ **اغفر** غفر سے بنا بمعنی چھپانا اور درگزر کرنا۔ لنا میں لام نفع کا ہے **ذنوب۔** ذنب کی جمع ہے بمعنی لازمی چیز۔ چونکہ گناہ بھی انسان کو چمٹ جاتا ہے۔ اس لئے اسے ذنب کہتے ہیں۔ یہاں وہ گناہ مراد ہیں جن کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے۔ یعنی اے مولیٰ! چونکہ ہم ایمان لے آئے لہذا ہمارے گناہ کو چھپالے یا معاف کر دے **فاغفر** کی ف سے معلوم ہوا کہ ایمان کے وسیلہ سے یہ دعا مانگی گئی ہے چونکہ ہم ایمان لا چکے ہیں 'تیرے وفادار ہیں' غدار نہیں ہیں۔ لہذا ہمارے گناہ بخش دے یہ دعا گنہگاری سے کرتے ہیں یعنی مذنبین بھی اور محفوظین بھی کرتے ہیں۔ معصومین بھی 'ہم مذنبین تو گناہ کر کے معافی مانگتے ہیں۔ وہ حضرات گناہ نہیں کرتے اور معافی چاہتے ہیں اور معصومین نیکیاں کر کے معافی مانگتے ہیں کہ خدایا ہماری نیکی تیری بارگاہ کے لائق نہیں۔ اس کوتاہی کو بخش دے غرض کہ دعا ایک ہے مگر اس کے مقصد تین۔ **وقنا عذاب النار** یہ **اغفر** پر معطوف ہے۔ ق وقی یا وقایۃ کا امر ہے۔ یعنی بچانا۔ نار سے مراد دوزخ ہے۔ خواہ ٹھنڈا طبقہ ہو یا گرم (عذاب) اس لئے عرض کیا گیا کہ عذاب ہی سے بچنا منظور ہے ورنہ سارے مسلمان دوزخ پر سے گزریں گے اور جنتیوں کو نکالنے کے لئے وہاں جائیں گے بھی مگر عذاب نہ پائیں گے یعنی اے مولیٰ ہمارے گناہ معاف کر کے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ **الصبرین والصدقین والقنتین** یہ الفاظ بھی یا جری حالت میں ہیں پہلے **الذین** کی صفت یا نصبی حالت میں امداح فعل کا مفعول۔ **الصابرین** صبر سے بنا بمعنی روکنا۔ اس کی تحقیق ہم دوسرے سیپارہ کے شروع میں کر چکے ہیں کہ اگر صبر اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں قوموں سے عذاب روکنا اس لئے رب تعالیٰ کا نام ہے صبور

www.alahazratnetwork.org

یا صابر حدیث شریف میں ہے کہ بڑا صابر رب تعالیٰ ہے اگر بندے کی صفت ہو تو نفس کو گناہ وغیرہ سے روکنا مراد ہوتا ہے۔ صبر میں مخلوق شرط نہیں۔ جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا۔ یہاں نفس کو گھبراہٹ سے روکنے والے مراد ہیں۔ عبادت پر صبر گناہوں سے صبر، تکلیف پر صبر، جہاد میں صبر، سب ہی اس میں داخل ہیں۔ **الصدقین صدق** سے بنا، بمعنی سچائی اس کی بھی تین صورتیں ہیں۔ کلام کا سچ، جھوٹ سے بچنا۔ کام میں سچ یعنی ہر کام پورا کرنا۔ کوئی ادھورا نہ چھوڑنا، نیت میں صدق کہ جو کام ہو اللہ کے لئے ہو۔ یہ لفظ بہت گنجائش رکھتا ہے وعدہ پورا کرنا زبان صحیح رکھنا، خبر سچی دینا ظاہر اور پوشیدہ رب تعالیٰ سے ڈرنا۔ سب ہی اس میں داخل ہیں۔ امام قتادہ کا یہی قول ہے **القنتین قنوت** سے بنا، بمعنی اطاعت اس میں جانی، مالی، بدنی ہر طرح کی اطاعت داخل ہے گویا اس کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے آپ کو شریعت کے سپرد کر دینا۔ جہاں وہ گرم کرے گرم ہو جائیں۔ جہاں نرم کرے نرم پڑ جائیں۔ یہی ابن جبیر کا قول ہے۔ امام زجاج فرماتے ہیں کہ اس سے اطاعت و عبادت پر ہمیشگی کرنا مراد ہے (کبیر و روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ اس سے اداء واجبات مقصود۔ قنوط۔ ط سے بمعنی یاس و ناامیدی ہے۔ اور قنوت۔ ت سے۔ بمعنے فرمانبرداری۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تقنطوا من رحمة الله** اور ہے **و قوموا لله قنتين** اطاعت و قنوت قریباً ہم معنی ہیں۔ مگر قنوت اطاعت سے بڑھ کر ہے کہ قنوت کی حقیقت ہے اپنے کو رب کے کنٹرول میں دے دینا۔ ملک گھر انجن بس جب ہی مفید ہے جبکہ کنٹرول میں رہیں۔ بندہ وہی اچھا ہے جو اپنے محبوب کے کنٹرول میں ہو۔ کنٹرول سے نکل کر انجن ہزاروں کی جان برباد کر دیتا ہے۔ ہم کنٹرول سے نکل کر ایمان برباد کر لیتے ہیں۔ **والمنفقين والمستغفرين بالاسحار** یہ **القنتين** پر معطوف ہے اور اس کی طرح یا منصوب ہے یا مجرور۔ **منفقين** انفاق سے بنا۔ اس کی تحقیق ہم شروع پارہ الم میں کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں خرچ کرنا۔ اگرچہ جان خرچ کرنا بھی انفاق ہے مگر اکثر مال خرچ کرنے پر بولا جاتا ہے۔ اس کی بہت صورتیں، اور اس جگہ سب مراد۔ اپنے پر خرچ، بال بچوں پر خرچ، صلہ رحمی، زکوٰۃ، جہاد، تمام نیکیوں میں خرچ کرنا اس میں داخل ہے۔ **المستغفرين** استغفار سے بنا۔ جس کا مادہ غفر ہے بمعنی مٹانا یا چھپانا۔ استغفار مغفرت مانگنا۔ **اسحار** سحر کی جمع ہے بمعنی پوشیدگی، جادو اور سینہ کو اسی لئے سحر کہتے ہیں کہ وہ چھپے ہوتے ہیں۔ صبح صادق کو بھی سحر کہنے کی یہی وجہ ہے کہ اس وقت کی روشنی رات کی تاریکی میں چھپی ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے نماز تہجد پڑھنے والے مراد ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو فجر کی نماز میں شامل ہوں۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو صبح اٹھ کر استغفار پڑھیں۔ چونکہ اس وقت دنیوی شور کم ہوتا ہے۔ نیز دل کو سکون ہوتا ہے۔ رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت توبہ اور استغفار دعا وغیرہ زیادہ بہتر ہے۔ یعنی متقی وہ ہیں جو صابر بھی ہوں۔ صادق بھی ہوں، عبادت گزار بھی ہوں اور راہ الٰہی میں خرچ کرنے والے بھی اور نماز تہجد پڑھنے والے یا فجر جماعت سے ادا کرنے والے یا صبح اٹھ کر توبہ و استغفار کرنے والے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنت کے حقدار پرہیزگار ہیں اور پرہیزگار وہ لوگ ہیں جن میں یہ آٹھ صفتیں موجود ہوں۔ ایک یہ کہ وہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی وفاداری کا اظہار کریں اور عرض کریں کہ اے مولا ہم بے ایمان نہیں، باغی نہیں، بلکہ تجھ کو تیرے رسولوں کو، تیری کتابوں کو، تیرے احکام کو سچا جانتے ہیں اور ہم مومن ہیں۔ پھر صرف ایمان پر ہی قناعت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنے کو گنہگار سمجھ کر عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم خطاکار ہیں، تو غفار ہم گنہگار ہیں، تو ستار ہمارے سارے چھوٹے بڑے، اگلے پچھلے، ظاہر پوشیدہ گناہ معاف کر دے۔ تیسرے یہ کہ وہ خدا کی جباری قہاری سے ڈرتے

www.alahazratnetwork.org

بھی ہیں اپنی نیکیوں پر اعتماد نہیں کرتے۔ اس لئے عرض کرتے ہیں کہ مولیٰ ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ اسی طرح کہ قبر میں آگ ہمارے پاس نہ آئے اور بعد حشر ہم آگ میں سزا کے لئے نہ جائیں۔ بلکہ دنیا میں رب کی نعمتیں، صحت، دولت، عزت، اولاد ہمارے لئے نور ہوں۔ نار نہ ہوں، جو نعمت رب سے غافل کردے وہ نار ہے کہ یار سے فراق کا باعث ہے اور جو نعمت رب سے ملاوے وہ نور ہے بلکہ عبادت، ریاضت، علم بھی یا نار ہے یا نور۔ اسی ایک کلمے میں ان تمام قسم کی آگ کے عذاب سے پناہ مانگی ہے۔ بہت جامع دعا ہے۔ شیطان کا علم و عبادت نار تھیں۔ ابو جہل و قارون کی دولت نار فرعون کی سلطنت نار نبی کہ ان چیزوں نے انہیں نار میں داخل کیا رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتخذ الهه هوله و اضله الله على علم**۔ چوتھے یہ کہ وہ مصیبتوں، اور عبادت کی مشقتوں اور جہاد کی دشواریوں پر بھی صبر کرتے ہیں۔ اور اپنے نفس کو گناہوں سے روکتے ہیں۔ پانچویں یہ کہ وہ قول کے سچے ہیں، خبر دیتے ہیں تو سچی، وعدہ کرتے ہیں تو سچا، اپنے فعل کے سچے ہیں کہ جو نیک کام شروع کرتے ہیں اسے بغیر پورا کئے نہیں چھوڑتے، نیت کے بھی سچے ہیں کہ ہر نیکی اللہ کے لئے کرتے ہیں اور جس کام کا ارادہ کر لیتے ہیں اسے کر کے چھوڑتے ہیں۔ چھٹے یہ کہ وہ اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بندے ہیں کہ ہمیشہ ہر قسم کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں۔ نمازیں پڑھیں تو ہمیشہ روزہ رکھیں تو پابندی سے۔ زکوٰۃ دیں تو پورے حساب سے۔ ساتویں یہ کہ وہ بخیل و کنجوس نہیں۔ جائز کاموں میں اور نیکیوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔ بندوں کے حقوق ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ آٹھویں یہ کہ جب سب لوگ سوتے ہیں اور نیند کا اچھا وقت ہوتا ہے تب یہ لوگ اپنے نرم و گرم بستر چھوڑ کر مصلیٰ پر آجاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ استغفار کرتے ہیں۔ یہی سچے متقی ہیں۔ اور جنت کے حقدار۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نیک اعمال کی برکت سے دعا کرنی چاہئے، دیکھو یہاں متقیوں کی یہ پہچان بتائی گئی کہ وہ دعا کے وقت اپنے ایمان کا ذکر کرتے ہیں اور اسی کے طفیل دعا مانگتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** بعض نیکیاں چھپ کر کرنی چاہئے اور بعض ظاہرا اپنے ایمان کو ظاہر کرنا بہت ضروری ہے اپنی صورت سیرت، لباس، وضع قطع سے ایمان ظاہر کرو۔ دیکھو یہاں اظہار ایمان کو متقیوں کا نشان قرار دیا گیا۔ تہجد چھپ کر پڑھو۔ مگر پنجگانہ نماز اور جمعہ و عیدین ظاہر کر کے جماعت سے پڑھو، نوافل گھر میں پڑھو مگر تحیۃ المسجد، نماز اشراق، نماز سفر مسجد میں ادا کرو۔ **تیسرا فائدہ:** اپنے کو گنہگار سمجھنا اور ہمیشہ رب سے مغفرت مانگنا پرہیزگاری کی علامت ہے۔ جیسا کہ **فاغفرلنا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نیکی پر پابندی کرنی چاہئے۔ اگرچہ تھوڑی ہی ہو۔ کبھی بہت نیکی کرنا۔ کبھی بالکل نہ کرنا برا ہے جیسا کہ **قٰنتین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ضروری ہے کہ اپنی زبان، دل، نیت سب سچی رکھو۔ جیسا کہ **صٰدقین** کے عموم سے معلوم ہوا۔ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ چند مقامات میں جھوٹ پر پکڑ نہیں۔ ایک خطرہ جان کے وقت کفر یک دینے میں۔ دوسرے مسلمانوں میں صلح کرانے میں۔ تیسرے اپنی بیوی کو راضی کرنے میں وغیرہ وغیرہ۔ **چھٹا فائدہ:** نماز تہجد بہت بہتر عبادت ہے۔ اس سے چہرہ پر نور، دل میں سرور، قلب کو راحت، ایمان کو قوت اور نفس کو تروتازگی حاصل ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں اس کے بڑے فضائل آئے یہ **المستغفرین** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** بعض اوقات اور بعض جگہ میں دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ دیکھو صبح صادق کے وقت استغفار کرنا، دعا مانگنا بہت بہتر ہے جیسا کہ **المستغفرین** کی دوسری تفسیر سے معلوم

www.alahazratnetwork.org

ہو۔ **آٹھواں فائدہ:** تمام نیکیوں کی جڑ نیت خیر ہے اگر چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، تجارت کرنا، بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہے تو عبادت ہے اور بری نیت (ریا وغیرہ) سے نماز بھی عبادت نہیں۔

توبہ و استغفار

توبہ و استغفار کرنا بڑی عبادت ہے قرآن پاک اور احادیث صحیحہ میں اس کے بڑے فضائل آئے ہیں۔ ہم اولاً اس کے فضائل اور پھر اس کے مسائل عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے اور عمل کی توفیق بخشے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما کان اللہ معذبھم و ھم یستغفرون** رب تعالیٰ انہیں عذاب نہیں دے گا۔ حالانکہ استغفار کرتے ہیں۔ (1) مشکوۃ باب الاستغفار میں بروایت بخاری ہے۔ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ میں روزانہ ستر بار سے زیادہ توبہ استغفار کرتا ہوں۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ ہم روزانہ سو بار استغفار کرتے ہیں۔ اے لوگو تم بھی استغفار کرو۔ (2) مسلم بخاری و مشکوۃ میں ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص نے ننانوے آدمیوں کو قتل کیا۔ پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے اس نے کہا نہیں۔ اسے بھی قتل کر کے سو پورے کر دیئے۔ پھر دل میں شرمندگی پیدا ہوئی ایک اور عالم کے پاس مسئلہ پوچھنے کے لئے چلا۔ راستہ میں موت آ گئی۔ تو اس نے اپنا سینہ اس عالم کے گاؤں کی طرف کر دیا اور مر گیا۔ رحمت و عذاب کے فرشتوں میں جھگڑا ہوا کہ اس کی روح کون لے جائے گا۔ حکم الٰہی آیا کہ جہاں سے آ رہا تھا وہ اس کے گناہ کا گاؤں تھا اور نیکی کرنے جا رہا تھا زمین ناپو۔ جو گاؤں قریب ہو اس کا اعتبار کرو۔ یعنی اگر عالم کا گاؤں قریب ہے تو رحمت کے فرشتے لے جائیں اور اگر وہ بستی قریب ہو تو عذاب والے فرشتے اٹھائیں۔ ناپا گیا تو یہ بالکل بیچ میں تھا۔ رب تعالیٰ نے اس گناہ کی بستی کو پیچھے ہٹایا اور عالم کی بستی کو آگے بڑھایا۔ اور فرمایا اب ناپو۔ اب اس کی لاش عالم کی بستی سے ایک بالشت زیادہ قریب تھی۔ اس کی بخشش کر دی۔ (3) مسلم شریف اور مشکوۃ میں ہے کہ رب تعالیٰ بندہ کی توبہ سے بہت خوش ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص جنگل میں ہو اور اس کے توشہ کا اونٹ گم ہو جائے اور یہ زندگی سے مایوس ہو کر مرنے کے لئے لیٹ جائے۔ پھر اچانک اس کا اونٹ مع توشہ کے آ جائے۔ جتنی خوشی اس شخص کو ہو سکتی ہے اس سے زیادہ خوشی رب تعالیٰ کو بندہ کی توبہ سے ہوتی ہے۔ (4) مسلم بخاری اور مشکوۃ میں ہے کہ جو بندہ گناہ کر کے رو کر عرض کرتا ہے کہ رب **اذنبت فاغفرہ** تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو سزا و جزا پر قادر ہے۔ جاؤ میں نے بخش دیا۔ بندہ پھر گناہ کر بیٹھتا ہے اور پھر توبہ کرتا ہے پھر اس کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ (5) ترمذی شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے اے بندے اگر تیرے گناہ بادل تک پہنچ جائیں پھر تو استغفار کرے تو میں بخش دوں گا۔ اور کوئی پرواہ نہ کروں گا۔ اور اے بندے اگر تو میرے پاس زمین بھر کے گناہ لائے گا بشرطیکہ شرک و کفر سے بچا رہے تو میں تجھے زمین بھر کر مغفرت دوں گا۔ (6) ابوداؤد، ابن ماجہ میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو انسان ہمیشہ استغفار پڑھتا رہے تو رب تعالیٰ اسے ہر تنگی سے نجات اور غم سے خلاصی دے گا۔ اور اس جگہ سے رزق دے گا جہاں سے اس کا گمان بھی نہ ہو گا۔ (7) احمد ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ گناہ مومن کے دل میں کالا داغ پیدا کرتا ہے اور اس کے لئے توبہ و استغفار ایسی ہے جیسے زنگ آلود لوہے کے لئے صیقل۔ نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مبارک ہے وہ شخص جس

www.alahazratnetwork.org

کے نامہ ءاعمال میں زیادہ توبہ و استغفار پائی جائے۔(8) بخاری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے گناہ کو مثل پہاڑ کے سمجھتا ہے کہ گویا پہاڑ کے نیچے بیٹھتا ہے اور وہ اس پر گرا جا رہا ہے۔ اور فاسق اپنے گناہوں کو مکھی کی طرح سمجھتا ہے کہ بالکل پرواہ نہیں کرتا۔(10) بیہقی نے شعب الایمان میں اور ابن ماجہ نے روایت کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے کہ اس نے گناہ کئے ہی نہ تھے۔(11) تمام درود وظائف کی تاثیریں اور فوائد احادیث یا مشائخ کے اقوال سے ثابت صرف استغفار ہی وہ عمل وظیفہ ہے۔ جس کے فوائد قرآن کریم نے بیان فرمائے کہ نوح علیہ السلام کا وہ فرمان نقل فرمایا جو انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا استغفروا ربکم انہ کان غفارا یرسل السماء علیکم مدرارا" غرضکہ استغفار قرآنی عمل اور قرآنی وظیفہ ہے۔(12) انسان اس وقت تک کسی سے معافی مانگتا ہے جب اپنی بے کسی' بے بسی' دوسرے کی قوت و قدرت کا معتقد ہو۔ اس طرح بندہ جب ہی رب تعالیٰ سے معافی مانگے گا جب اپنے کو بے بس گنہگار جانے رب تعالیٰ کو قوت و قدرت والا مانے' یہ عقیدہ ہی عبدیت کی دلیل ہے۔ اور کریم معافی مانگنے والے کو نہیں پکڑتے گرے کو کوئی نہیں گراتا۔ بلکہ گرے کو اٹھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ بھی معافی مانگنے والوں کو پکڑتا نہیں بلکہ معافی دیتا ہے وہاں بہانے نہ بنائے عجز و انکسار لے کر حاضر ہو۔ شعر۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است عاجزی محبوب درگاہ خدا است

توبہ و استغفار کے مسائل :

توبہ و استغفار کی حقیقت یہ ہے کہ گنہگار گذشتہ گناہ پر دل میں شرمندہ ہو اور آئندہ بچنے کا عہد کرے۔ شرح سنہ اور مشکوٰۃ باب الاستغفار میں ہے کہ الندم توبۃ شرمندہ ہونا بھی توبہ ہے۔ اس کی شرح مرقاۃ میں فرمایا کہ توبہ کے تین رکن ہیں۔ گذشتہ پر شرمندگی۔ آئندہ بچنے سے عہد اور گذشتہ کوتاہیوں کا بقدر طاقت بدلہ کر دینا۔ مسئلہ: توبہ بقدر گناہ چاہئے۔ یعنی چھپے گناہ کی چھپی توبہ۔ اور ظاہر گناہ کی ظاہر توبہ۔ مسئلہ: توبہ کی تین صورتیں ہیں۔ حقوق شریعت سے توبہ حقوق العباد سے توبہ اور حقوق اللہ سے توبہ۔ حقوق شریعت کی توبہ میں ضروری ہے کہ وہ حقوق ادا کر دیئے جائیں۔ نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا کرے۔ روزے رہ گئے ہیں تو پورے کرے۔ ڈاڑھی منڈاتا ہے تو توبہ کرے اور آئندہ نہ منڈانے کا عہد کرے ایسے ہی بندوں کے حقوق ادا کرے۔ نوٹ توبہ کے باقی مسائل انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئیں گے۔ انما التوبۃ علی اللہ للذین الخ۔ مسئلہ: توبہ و استغفار کا بہتر وقت صبح صادق ہے۔ ابن جریر نے عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ وہ رات کو نماز پڑھتے رہتے تھے پھر اپنے غلام سے پوچھتے کہ اے نافع کیا صبح صادق ہو گئی ہے وہ عرض کرتے نہیں۔ تو پھر نماز میں مشغول ہو جاتے۔ جب وہ عرض کرتے کہ ہاں صبح ہو گئی تو بیٹھ کر استغفار پڑھتے (روح المعانی و کبیر)۔ مسئلہ: جو کوئی سنت فجر اپنے گھر پڑھے اور اس کے بعد ستر بار یہ پڑھ لیا کرے۔ استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ۔ اول و آخر درود شریف تین تین بار۔ وہ انشاء اللہ متقین اور استغفار کرنے والوں کے زمرہ میں ہوگا (ابن مردویہ و روح المعانی) اور تجربہ یہ ہے کہ اس سے گھر میں اتفاق اور مصیبتوں سے نجات اور رزق میں برکت رہتی ہے۔ مسئلہ: توبہ و استغفار کے لئے صبح صادق کا وقت نہایت مناسب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

(1) ابن جریر اور احمد نے نقل کیا کہ داؤد علیہ السلام نے حضرت جبریل سے پوچھا کہ اے جبریل رات کا کون سا حصہ افضل ہے۔ انہوں نے عرض کیا اے نبی اللہ یہ تو مجھے خبر نہیں۔ ہاں میں دیکھتا ہوں کہ صبح کے وقت عرش الٰہی ہلتا ہے (روح المعانی)۔ (2) نیز حدیث پاک میں ہے کہ رب تعالیٰ رات کے آخری حصہ میں پہلے آسمان کی طرف توجہ کرم کرکے فرماتا ہے کہ کون دعا مانگتا ہے کہ قبول کروں کون مجھ سے مانگتا ہے کہ میں اسے دوں مجھ سے کون مغفرت مانگتا ہے کہ اسے بخش دوں۔ صبح تک یہی ندائیں رہتی ہیں (روح المعانی)۔ حضرت لقمان نے اپنے فرزند سے فرمایا کہ اے بیٹے مرغ سے بدتر نہ ہو جانا کہ وہ صبح ہی ذکر الٰہی کرے اور تم اس وقت سوتے ہو (خزائن العرفان) بلکہ صبح کو سونے والا کتے سے بدتر ہے کہ کتا تمام رات مالک کا پہرہ دے کر پھر صبح کو سوتا ہے۔ اور یہ شخص رات گناہوں میں گزار کر عبادت کے وقت غافل ہو جاتا ہے۔

حیف تو سوتا ہو اور مسجد میں ہوتی ہو اذان مرغ و ماہی سب اٹھیں یاد خدا کے واسطے

گفتم ایں شرط آدمیت نیست مرغ تسبیح خواں و من خاموش

کتے کے سوا کوئی جانور صبح کے وقت نہیں سوتا۔ (4) مجاہد نے فرمایا کہ یعقوب علیہ السلام کے فرزندوں نے اپنے والد سے دعائے مغفرت کی درخواست کی انہوں نے جواب دیا۔ سا ستغفر لکم ربی ابھی نہیں پھر دعا کروں گا۔ آپ کا یہی منشا تھا کہ صبح صادق کے وقت دعا کی جائے تاکہ جلدی قبول ہو (روح البیان)۔ (5) آزمایا گیا ہے کہ جس گھر کے افراد صبح تڑکے اٹھ بیٹھنے کے عادی ہوں اور گھر کا دروازہ کھول دیتے ہوں تو اس گھر میں برکت رہتی ہے۔ غرضکہ توبہ و استغفار کے لئے وقت سحر نہایت موزوں ہے اسی لئے فرمایا گیا۔ بالا سحار

کون سی استغفار افضل ہے:

مشہور یہ ہے استغفر اللہ ربی من کل ذنب و اتوب الیہ اگر سنت فجر کے بعد اول و آخر تین تین بار درود شریف پڑھ کر درمیان میں ستر بار استغفار پڑھ لی جائے تو بہت فائدہ مند ہے۔ فقیر کا عمل یہ ہے کہ سنت فجر کے بعد اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر اول" درود شریف پھر بعد یہ آیت پڑھتا ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما اس کے بعد بارگاہ نبوی کی طرف توجہ کرکے یہ عرض کرتا ہے۔ فجئت علی بابک یا رسول اللہ عاصیا" و مجرما" و علی نفسی ظالما و جئت علی بابک یا حبیب اللہ مستغفرا و جئت علی بابک یا شفیع المذنبین مستشفعا" پھر یہ آیت تلاوت کرتا ہے۔ و اما السائل فلا تنھر پھر بارگاہ رسالت میں یوں عرض کرتا ہے انا سائل علی بابک یا رسول اللہ اسئلک الشفاعۃ یا رسول اللہ اسئلک مرافقتک فی الجنۃ یا حبیب اللہ اسائلک الشفاعۃ یا شفیع المذنبین اور پھر استغفار ستر بار پڑھتا ہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے اس کا بہت فائدہ پاتا ہے۔ بخاری شریف میں بروایت شداد ابن اوس رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سید الاستغفار یہ ہے۔ اللھم انت ربی لا الہ الا انت خلقتنی و انا عبدک و انا علی عھدک و وعدک ما استطعت اعوذبک من شر ما صنعت ابوء لک

www.alahazratnetwork.org

بنعمتک علی و ابوء بذنبی فاغفرلی فانه لا یغفر الذنوب الا انت۔ جو دن میں پڑھ لے اور شام سے پہلے مر جائے تو وہ جنتی ہے اور جو کوئی رات میں پڑھے اور صبح سے پہلے مر جائے وہ جنتی ہے۔ اس کے علاوہ بہت قسم کے استغفار روایتوں میں آئے ہیں۔ جس قدر ہم نے نقل کر دیئے کافی ہیں مگر اخلاص اور دل کا حاضر ہونا شرط ہے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: رب تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے پھر اسکا کہنا کہ اے اپنے ایمان کی کیوں خبر دی جا رہی ہے کیا وہ ہمارے ایمان سے بے خبر ہے۔ **جواب:** اس میں تین فائدے ہیں۔ اول اپنا استحقاق مغفرت عرض کرنا کہ ہم باغی نہیں۔ بلکہ تیرے سوا کسی دروازہ کو نہ دیکھا نہ جانا۔ ہمارا تو ہی ہے۔ لہٰذا گناہ معاف کر' تیسرے یہ کہ اپنی مصیبتوں کا اس میں اظہار ہے اور دنیا سے بے نیازی ظاہر کرنا مقصود ہے کہ چونکہ دنیا مومن کے لئے جیل ہے اور کافر کے لئے جنت۔ لہٰذا ہم دنیا کی تکالیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آخرت کی نجات مانگتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس دعا کو لفظ ربنا سے کیوں شروع کیا گیا۔ خدا کے نام تو اور بہت سے ہیں ان سے کیوں نہ پکارا؟ **جواب:** رحمت الٰہی کو جوش میں لانے کے لئے کہ چونکہ تو ہمارا پالنے والا ہے۔ اور ہم تیرے در کے پلے ہوئے اور پروردہ غلام جو ہر مصیبت میں اپنے مربی کو پکارتا ہے۔ اسی غرض سے ہم بھی گناہ کی مصیبت میں پھنسے۔ تجھے پکارتے ہیں ربنا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ متقی وہ ہو سکتا ہے کہ جس میں صبر' سچائی' اطاعت' خیرات اور دعائے مغفرت کے اوصاف جمع ہوں۔ تو جو انبیاء اولیاء علیہم الرحمۃ عیش میں رہے۔ اور انہیں صبر کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام یا حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ متقی ہوئے یا نہیں۔ نیز وہ غریب مسلمان جن میں خیرات کی طاقت نہیں۔ وہ متقی نہیں۔ وہ متقی ہیں یا نہیں نیز انبیائے کرام گناہوں سے پاک ہوتے ہیں۔ وہ اپنے گناہوں کی مغفرت مانگتے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں مانگتے تو متقی نہ ہوئے اور اگر مانگتے ہیں تو یہ جھوٹ ہے کہ وہ اپنے کو گنہگار کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔ **لطیفہ:** کسی بزرگ کا بیٹا بہت جھوٹ بولتا تھا۔ ایک بار ان بزرگ نے اسے نصیحت کی کہ بیٹا جھوٹ مت بولا کر بڑا گناہ ہے۔ اس نے کہا حضرت میں نے جھوٹ بولنا آپ سے سیکھا۔ پوچھا کہ میں نے کون سا جھوٹ بولا۔ وہ بولا بتائیے! آپ ولی ہیں یا نہیں۔ بزرگ نے فرمایا! اے بیٹا میں بڑا گنہگار بندہ ہوں۔ مجھے ولایت سے کیا تعلق۔ بیٹا بولا۔ قسم خدا کی آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ اللہ کے پیارے اور ولی کامل ہیں اور تمام دنیا آپ کو ولی کہتی ہے۔ **جواب:** ان تینوں سوالوں کا مکمل جواب انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ سے معلوم ہو جائے گا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ صبر ہر ناپسندیدہ چیز میں ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ کے لئے دنیا کی زندگی اور فراق یار گراں ہے۔ اسے برداشت کرنا ان کا صبر ہے۔ نیز خرچ مال پر موقوف نہیں۔ نفس اور وقت' عزت و آبرو ہر چیز راہ الٰہی میں خرچ ہو سکتی ہے۔ تیسرے اعتراض کا جواب اس شعر سے معلوم کر لو۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند — عارفاں از عبادت استغفار

ہر ایک کا ذنب اس کے درجہ کے لائق ہے اور اسی لحاظ سے وہ اپنے کو خطا کار کہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : تقویٰ کے چند درجے ہیں۔ شرک و کفر سے بچنا تقویٰ عوام ہے۔ حرام چیزوں سے بچنا تقویٰ مومنین۔ شبہ کی چیزوں سے بچنا تقویٰ کاملین ہے اور ماسواء اللہ سے بچنا تقویٰ عارفین ہے جیسا تقویٰ ویسی اس کے لئے جنت' عارفین اور عوام کے الفاظ تو یکساں ہیں۔ مگر معانی میں زمین و آسمان کا فرق اس کے معنے عارفین کے حق میں یوں ہو سکتے ہیں کہ ماسوا اللہ سے بچنے والے متقی یوں عرض کرتے ہیں کہ اے مولیٰ ہم تجھے تیرے افعال و صفات کی تجلیات میں دیکھ کر تجھ پر شہودی ایمان لا

www.alahazratnetwork.org

چکے۔ لہٰذا تو ہمارے وجودی گناہوں کو بخش دے۔ تیرے ہوتے ہمارا ہونا بھی گناہ ہے۔ اصل عبادت تجھ میں فنا ہے۔ اس میں ہم سے کوتاہی ہوئی ہمیں معاف کر اور ہمیں محرومی اور حجاب و ہجران کی آگ کے عذاب سے بچالے۔ یہ متقی مجاہدات، ریاضات اور مخالفت نفس پر صبر کرتے ہیں۔ یا یوں کہو کہ اللہ کے بارے میں اللہ کے لئے یا اللہ پر یا اللہ سے صبر کرتے ہیں۔

حکایت : ایک دیوانہ حضرت شبلی علیہ الرحمۃ کے پاس آ کر بولا کہ بتایئے کون سا صبر افضل ہے۔ آپ نے فرمایا **الصبر فی اللہ** وہ بولا نہیں آپ نے فرمایا **الصبر للہ** وہ بولا نہیں۔ آپ نے فرمایا **الصبر مع اللہ** وہ بولا نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر تو کہہ وہ بولا **الصبر عن اللہ** حضرت شبلی یہ سن کر چیخیں مار کر اتنا روئے۔ قریب تھا کہ جان نکل جائے (تفسیر کبیر)۔ حقیقی محبوب رب ہے۔ اس سے محجوب رہ کر بے قرار نہ ہونا صبر ہے اور صوفیاء کے نزدیک بڑا صابر وہ ہے۔ نیز راہ محبت طے کرنے کی حالت میں بندے پر کبھی قبض وارد ہوتا ہے۔ کبھی بسط صابر وہ ہے جو قبض میں گھبرا کر یہ سفر نہ چھوڑ دے اور بسط میں فخر و ناز نہ کرے۔ کبھی نماز و دیگر عبادات میں ایسی لذت آتی ہے کہ سبحان اللہ اور کبھی کچھ نظر نہیں آتا ہے وہ بسط تھا یہ قبض۔ لطف نہ آنے کی صورت میں نماز وغیرہ سے دل تنگ نہ ہو جائے۔ اور چھوڑ نہ بیٹھے۔ کسی نے ایک بزرگ سے نماز میں دل نہ لگنے کی شکایت کی۔ بولا کہ نماز پڑھ تو لیتا ہوں مگر لطف خاک نہیں آتا۔ دل نہیں لگتا۔ بزرگ نے فرمایا تم بڑے خوش نصیب ہو کہ خالص اللہ کے لئے عبادت کرتے ہو کیونکہ جسے نماز میں مزہ آئے اور وہ نماز پڑھے' وہ مزے کے لئے پڑھتا ہے۔ مگر جسے مزہ نہ آئے اور پڑھے وہ اللہ کے لئے پڑھتا ہے۔ بلکہ اگر اتفاقاً" کبھی نماز قضا ہو جائے یا جماعت جاتی رہے اس پر سخت رنج ہو پھر اس رنج پر صبر کرے یہ بھی صبر کی ایک صورت ہے اللہ تعالیٰ نے ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی نماز فجر قضا کرا دی۔ اس قضاء میں یہ حکمت تھی کہ ان حضرات کو اس پر ملال ہو اور اس کا ثواب ملے۔ اور ملال پر صبر کریں تو صبر کا بھی ثواب اور تاقیامت لوگوں کو قضا کے احکام معلوم ہوں اور وہ متقی محبت اور ارادہ میں سچے ہیں اور راہ محبت میں صبر کرنے میں وہ اللہ کے مشتاق ہیں اور جو اللہ کی راہ میں اپنے مال' اپنے افعال' اپنے صفات' اپنے نفوس' اپنی ذات غرضکہ اپنا سب کچھ خرچ کر ڈالتے ہیں اور جب مطلع انوار سے نوری تجلیات ظاہر ہوتی ہیں اور قیامت کبریٰ کے دن کا سویرا ہوتا ہے تو وہ اپنے تعینات کے گناہ سے معافی چاہتے ہیں۔ یہ اس میدان کے سچے متقی ہیں۔ بعض صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صابر وہ جو طلب پر قائم رہے۔ تعجب سے نہ گھبرائے ہر راحت و طرب کو چھوڑ دے۔ بلوئی پر صبر کرے۔ پھر صادق ہو' پھر شاہد ہو' پھر شاہد' پھر صادق' پس رب کا واحد ہو۔ پھر صادق ہو۔ پس اپنا فاقد ہو۔ ان کا حال اولاً " قصد پھر بروز پھر شہود پھر وجود پھر فقود رہے۔ رب تعالیٰ اس قال کو کبھی حال بنا دے (تفسیر ابن عربی و روح المعانی)۔

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۙ وَالْمَلٰٓىٕكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآىٕمًۢا بِالْقِسْطِؕ لَاۤ
گواہی دی اللہ نے کہ تحقیق شان یہ کہ نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے اور فرشتوں اور صاحبان علم نے قائم ہے ساتھ انصاف کے
اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر اس کے سوا کسی کی

www.alahazratnetwork.org

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۫ وَمَا

نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے غالب حکمت والا تحقیق دین نزدیک اللہ کے اسلام ہے اور نہیں اختلاف کیا

عبادت نہیں عزت والا حکمت والا ہے بیشک اللہ کے یہاں اسلام ہی دین ہے اور پھوٹ میں نہ پڑے

اخْتَلَفَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ

ان لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب مگر پیچھے سے اس کے کہ آیا ان کے پاس علم حسد سے درمیان اپنے اور جو

کتابی مگر بعد اس کے کہ انہیں علم آچکا اپنے دلوں کی جلن سے اور جو اللہ کی

بَغْیًۢا بَیْنَهُمْ ؕ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

انکار کرے آیتوں کا اللہ کی پس تحقیق اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

آیتوں کا منکر ہے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں متقین کے اوصاف اور تقویٰ کے ارکان بیان کئے گئے۔ اب تقویٰ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ پرہیزگار اس لئے رب سے ڈرتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ایمان کا ذکر تھا۔ اب دلائل ایمان بیان ہو رہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی وحدانیت پر خود پروردگار اور اس کی مخلوق گواہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ بغیر تقویٰ جنت نہیں مل سکتی۔ اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ کے ہاں انصاف ہے ظلم نہیں اور اس کے سوا کوئی حاکم نہیں۔ جس کے ہاں اس کے فیصلہ کی اپیل کی جاسکے لہٰذا تقویٰ ہی جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں متقیوں کی صفات میں ایمان کا ذکر ہوا تھا۔ اب ایمان کے رکن اعلیٰ یعنی رب کی ذات و صفات کا ذکر ہے گویا ایمان کا اجمالی ذکر پہلے ہوا تھا۔ اب اس کی قدرے تفصیل ہو رہی ہے۔

شان نزول : شام کے علمائے یہود میں سے دو عالم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ جب انہوں نے مدینہ منورہ کو دیکھا تو ایک دوسرے سے کہنے لگا کہ نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کے شہر کی یہی صفت ہے جو اس شہر میں پائی جاتی ہے۔ جب آستانہ اقدس پر حاضر ہوئے تو انہوں نے حضور علیہ السلام کی شکل مبارک اور اخلاق کریمانہ کو توریت کے مطابق دیکھ کر حضور علیہ السلام کو پہچان لیا۔ اور عرض کیا کہ آپ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں۔ پھر عرض کیا کیا آپ احمد ہیں۔ فرمایا ہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) عرض کرنے لگے ہم ایک سوال پیش کرتے ہیں اگر آپ نے اس کا ٹھیک جواب دے دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے فرمایئے کہ کتاب اللہ میں سب سے بڑی گواہی کون سی ہے؟ اس پر آیت کریمہ شهد الله الخ نازل ہوئی۔ جسے سن کر وہ دونوں مسلمان ہو گئے (خزائن العرفان، روح البیان و روح المعانی وغیرہ)۔ غرضکہ یہ لوگ کہیں سے آئے تھے اور کہیں جا رہے تھے۔ راستہ

www.alahazratnetwork.org

ٰنیں ایمان و عرفان بھی مل گیا اور صحابیت بھی میسر ہو گئی۔ شعر

خدا کی دین کا پوچھئے موسیٰ سے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیغمبری مل جائے

رب کی بے نیازی ہے کہ مدینہ میں رہنے والے یہود و منافقین کو ایمان نہ ملا اور مدینہ پر سے گزرنے والوں کو بہت کچھ مل گیا۔

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم — ز خاک مکہ ابوجہل ایں چہ ابوالعجبیست

ایک روایت یہ ہے کہ یہود اور عیسائیوں نے اسلام کا نام چھوڑ کر اپنے دین کا نام یہودیت اور نصرانیت رکھ لیا۔ یہودیوں نے اپنے خاندان کے عیسائیوں نے اپنے ملک کے نام پر دین کے نام رکھے۔ یہود ان کے جد کا نام تھا ناصرہ عیسائیوں کے وطن کا نام جیسے آریہ آج ایران کا نام پارس فارس ملک کے نام پر منسوب ہے۔ ہندو یعنی چور و ڈاکو ان کے عمال تھے۔ ان کے نام پر ہوا۔ اسلام کے جیسے کام پیارے ہیں ویسے ہی نام پیارا۔ جن میں نسبت ملک وغیرہ کی بو تک نہیں۔ اسلامی سنہ ہجری میں بھی ہجرت کی یادگار ہے جو ایک عبادت ہے اسلامی سلام و اذان بھی تمام دینوں کے سلام، اعلان اور عبادت سے افضل۔ غرضکہ یہود و نصاریٰ نے اپنے دین کے نام بدلے اور حضور علیہ السلام کی نبوت کا انکار کیا۔ تب آیت کریمہ **ان الدین عند الله الا سلام** نازل ہوئی (خزائن و روح المعانی و بیان)۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہود نے کہا ہمارا دین افضل ہے اور عیسائیوں نے کہا کہ ہمارا دین اعلیٰ۔ ان دونوں کے دعویٰ کو باطل کرنے کے لئے **ان الدین** الخ اور **وما اختلف الدین** الخ نازل ہوئی (روح المعانی)۔ حضرت سعید ابن جبیر سے روایت ہے کہ کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ بت تھے جب مدینہ منورہ میں یہ آیت اتری۔ تب کعبہ کے اندر وہ سارے بت سجدہ میں گر گئے (خزائن العرفان)۔

تفسیر : **شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة و اولوا العلم۔ شهد۔** شہود اور شہادت کا فعل ماضی ہے۔ یہاں شہادت سے بمعنی گواہی گواہی کی چند صورتیں ہوتی ہیں۔ (۱) کسی نے حاکم کی کچہری میں دعویٰ کیا۔ حاکم نے ثبوت مانگا۔ اس نے گواہ پیش کر دیئے۔ جنہوں نے مدعی کی تصدیق کی۔ اس گواہی کے لئے دعویٰ کچہری وغیرہ ضروری ہے۔ (2) آپ نے ماہ رمضان کا چاند دیکھا عالم سے یا لوگوں سے کہا کہ کل روزہ ہے۔ یعنی چاند دیکھ لیا ہے اس گواہی کے لئے نہ دعویٰ ضروری ہے اور نہ کچہری لازم۔ صرف دینی مسئلہ شائع کرنے کے لئے گواہی دی۔ (3) مسجد کی عمارت اور وہاں کا سامان تمام گھروں اور گرجوں، مندر وغیرہ سے ممتاز ہے تاکہ عمارت کی وضع قطع سامان گواہی دے کہ یہ نہ کسی کا مکان ہے نہ مندر وغیرہ۔ محراب و منبر چٹائیاں اور مصلیٰ اس کی مسجدیت کے گواہ ہیں۔ یونیورسٹی کی سند، حاکم کی وردی۔ بلہ تمغہ اور حکومت کی طرف سے گواہ ہیں۔ غرضیکہ جیسا گواہ ویسی گواہی یہاں گواہی کا فاعل تین ذاتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتے اور علماء یا ان تینوں کی شہادت ایک معنی کی ہے۔ یعنی سچی خبر کہ رب تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کی قرآن کریم میں خبر دی اور فرشتوں نے بطریق شہودی اور علماء نے دلائل۔ عینیہ دیکھ کر توحید کا اقرار کیا یا بمعنی بیان یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید ظاہر کی اور فرشتوں نے انبیائے کرام کو اس کی خبر دی۔ رب تعالیٰ کی گواہی دلائل قدرت کو پیدا فرمانا ہے اور مخلوق کی گواہی ان دلائل کو دیکھ کر اقرار کرنا ہے۔ **انه لا اله الا هو** وہ بات ہے۔ جس کی گواہی دی گئی۔ اور ملائکہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور علم والوں سے یا تو انبیائے کرام مراد ہیں یا مہاجرین، یا انصار، یا اہل کتاب کے علماء کاملین جو حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لے آئے یا سارے علماء دین چونکہ فرشتوں کا علم بدیہی ہے۔ نیز فرشتے رب تعالیٰ اور انسان کے درمیان واسطہ ہیں۔ نیز فرشتوں میں کوئی مشرک یا منکر رب نہیں۔ نیز یہ حکم ان کی بقاء و زندگی کا ذریعہ ہے کہ ہم لوگ ہوا سے سانس لیتے ہیں اور ان کی ہوا کلمہ ہے جس سے وہ سانس لیتے ہیں۔ کیونکہ جہاں وہ ہیں وہاں ہوا کہاں۔ اس لئے علماء سے پہلے ان کا ذکر کیا گیا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے بغیر گواہی توحید بیکار ہے۔ اس لئے ان علماء اہل کتاب کا ذکر ہوا ہے جو یہاں حضور پر ایمان لے آئے تھے یا چونکہ علماء اسلام کی گواہی توحید تمام مسلمانوں کی گواہی کا ذریعہ ہے کہ یہاں ہی سے اسلام کے عقائد و اعمال قائم ہیں۔ اس لئے صرف علماء کی گواہی کا ذکر ہوا علماء اگرچہ برے ہوں۔ مگر دین ان سے قائم ہے۔ شیر خوار بچے کی زندگی ماں کی چھاتیوں کا دودھ ہے۔ اگرچہ وہ میلی کچیلی ہو۔ یونہی علماء کے سینے مسلمانوں کی روحانی زندگی کے بقاء کا ذریعہ ہیں۔ **قائما** " **بالقسط قائما** قیام سے بنا بمعنی کھڑا ہونا۔ سیدھا ہونا" قائم رہنا اور جاری کرنا۔ یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں۔ یہ ترکیب میں **الا ھو** کی ضمیر **ھو** سے حال ہے یا **الٰہ** کی صفت اور صفت موصوف میں فاصلہ جائز ہے یا لفظ اللہ کا حال یا **اولو العلم** کا حال۔ ممکن ہے کہ امدح پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہو (کبیر و معانی وغیرہ) بالقسط کی ب یا تعدیہ کی ہے۔ یا صلہ کی یعنی قسط کو قائم کرنے والا یا قسط سے قائم ہو کر۔ قسط کے لغوی معنی ہیں حصہ۔ اس کی جمع ہے اقساط۔ اصطلاح میں انصاف کو قسط کہتے ہیں۔ کیونکہ انصاف کے ذریعہ ہر ایک کو اس کا حصہ پہنچ جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ قاسط بمعنی ظالم آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و اما القسطون لکانوا لجھنم حطبا** " اور مقسط بمعنی منصف و عادل ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ **ان اللہ یحب المقسطین** مگر قسط کبھی بمعنی ظلم نہیں آتا۔ یہاں اگر یہ رب کی صفت ہو تو اس سے دینی اور دنیوی انصاف مراد ہے۔ یعنی رب تعالیٰ دینی دنیوی معاملات میں انصاف فرمانے والا ہے کہ ہر ایک کو اس کے لائق اعضاء، حسن، غنی، فقر، بیماری، تندرستی عمر وغیرہ۔ اسی طرح ہر ایک کو علم، جہالت، ہدایت، گمراہی عطا فرماتا ہے۔ جو جسے دیا عین انصاف سے دیا نہ کہ ظلم سے۔ ایسے ہی آخرت میں انصاف قائم فرمائے گا۔ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ یہاں قسط ظلم کا مقابل ہے نہ کہ رحم و فضل کا اللہ ظلم نہیں کرے گا۔ فضل کرے گا اور اگر علماء کی صفت ہو تو قسط سے مراد عدل بمعنی عدالت ہے یعنی وہ اہل علم بھی توحید کے گواہ ہیں جو عادل یعنی متقی پرہیزگار ہیں۔ خیال رہے کہ چند معطوفوں میں سے ایک کا بھی حال آسکتا ہے جیسے **و وھبنا لہ اسحق و یعقوب نافلۃ** یہاں نافلۃ یعقوب کا حال ہے۔ ایسے ہی **قائما اولوا العلم** کا حال بن سکتا ہے (معانی) یعنی ظالم عالم اگرچہ توحید کی گواہی نہ دیں۔ توریت و انجیل کو بدل دیں۔ مگر منصف عالم گواہ ہیں۔ عوام کی گواہی توحید زبان سے ہے۔ علماء کی گواہی قلم سے۔ شہداء کی گواہی اپنے خون سے۔ چونکہ قلم کی گواہی قیامت تک باقی رہتی ہے اور اس سے ہزارہا کو ایمان ملتا رہتا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے علماء کی گواہی کا خصوصیت سے یہاں بھی ذکر فرمایا۔ اور اپنے محبوب کی نبوت میں بھی کہ فرمایا۔ **ان یعلمہ علمٰٓؤا بنی اسرائیل** وہ مشائخ فخر کرتے ہیں جن کے مرید علماء ہوں علم سے مراد علم دین ہے نہ کہ دیگر علوم کیونکہ علم کی عظمت معلوم کی عظمت سے ہوتی ہے۔ علم دین کا معلوم ذات و صفات الٰہیہ ہیں۔ **لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم**۔ یہ عبارت یا تو پہلی **لا الٰہ** کی تکرار ہے کہ وہ دعویٰ تھا۔ اور یہ نتیجہ یا وہ رب کا فرمان تھا اور یہ فرشتوں اور اہل علم کا عزیز سے کمال قدرت اور حکیم سے کمال علم کی طرف اشارہ ہے۔ یہی دو صفتیں ربوبیت کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ چونکہ

www.alahazratnetwork.org

قدرت سے موصوف ہونا اتصاف علم سے مقدم ہے۔ اس لئے پہلے عزیز فرمایا گیا۔ پھر حکیم چونکہ اب تک پرہیزگاروں کی تعریف اور ان کے فضائل ارشاد ہوئے تھے شاید کوئی کہتا کہ جنت کے لئے نیک اعمال کی ضرورت ہے۔ کسی دین میں رہ کر کرلئے جائیں۔ اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔ **ان الدین عند اللہ الاسلام** بعض قراءتوں میں ان الف کے فتح سے ہے۔ شہد کا مفعول یعنی اللہ فرشتوں اور علماء نے توحید کی بھی گواہی دی اور حقانیت اسلام کی بھی مگر عام قراءت میں ان الف کے کسرہ سے ہے نیا جملہ دین کے متعلق ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں بیان کرچکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے لغوی معنی بدلہ ہیں۔ کہا جاتا ہے **کما تدین تدان** جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ پھر اطاعت اور تصدیق عقائد اور شریعت کو دین کہا جانے لگا۔ **عند اللہ** ایک پوشیدہ لفظ کا ظرف ہے۔ المعتبر یا الصحیح یا المحبوب یا الثابت یا المرضی یعنی ایسا دین جو اللہ کے نزدیک معتبر و پسندیدہ ہو۔ وہ صرف اسلام ہے۔ اسلام کے لغوی معنی تین ہیں۔

1۔ اطاعت میں داخل ہونا۔ سلم بمعنی اطاعت۔
2۔ سلامتی میں داخل ہونا۔ (سلم بمعنی سلامتی۔
3۔ عبادت میں اخلاص کرنا۔ سلم بمعنی خلوص۔

کہا جاتا ہے کہ سلم الشیء لفلان۔ یہ چیز فلانے کی ہوگئی۔ اصطلاح شریعت میں اسلام بمعنی ایمان ہے۔ اسی لئے یہاں دین کو اسلام کہا گیا۔ ایک جگہ ارشاد ہوا۔ **و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ** جہاں کہیں اسلام ایمان کے مقابل استعمال ہو وہاں لغوی معنی میں ہے۔ یعنی اطاعت جیسے **قل لم تومنوا و لکن قولوا اسلمنا** (کبیر)۔ خیال رہے کہ ہر اصولی مذہب کو دین کہا جاتا ہے۔ خواہ سچا ہو یا جھوٹا۔ مگر اسلام سچے دین کو کہا جائے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اصول عقائد کو دین کہا جاتا ہے اور فروعی مسائل کو مذہب۔ لہذا ہم میں اور شافعیوں میں دینی اختلاف نہیں مذہبی اختلاف ہے۔ مگر ہم میں اور عیسائی یہودیوں میں دینی اختلاف ہے۔ اس لئے یہاں دین ارشاد ہوا نہ کہ مذہب **وما اختلف الذین اوتوا الکتب** یہ وجہ گمراہی کا بیان ہے ——— **اوتوا الکتب** سے یا یہودی مراد ہیں یا عیسائی یا یہ دونوں۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت ستر آدمیوں کو چن کر انہیں توریت سپرد کی اور ان سے تبلیغ دین کا عہد لیا۔ یوشع علیہ السلام کو ان کا امیر مقرر کیا۔ تین پشت تک یہ سب لوگ ہدایت پر قائم رہے۔ پھر ان کی اولاد نے دنیوی طمع سے دین کو بگاڑ دیا۔ اس طرف اس آیت میں اشارہ ہے یہاں اختلاف سے مراد یا تو ان کے آپس کا دینی اختلاف ہے جو انہوں نے پیدا کر رکھا تھا یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی مخالفت۔ وہ کہتے تھے کہ نبوت کے مستحق ہم ہی ہیں نہ کہ قریش **الا من بعد ما جاء ہم العلم** یہ پچھلی عبارت کا مستثنیٰ مفرغ ہے اور اس عبارت سے مقصود ان کی سخت برائی بیان کرنا ہے کہ یہ لوگ نادانی میں ایک دوسرے کے مخالف نہ ہوئے بلکہ جان بوجھ کر خیال رہے کہ ما مصدریہ ہے اور علم سے مراد آسمانی کتابوں کا علم ہے یا حضور علیہ السلام کی نبوت کا علم۔ یعنی ان لوگوں نے آسمانی کتابوں کو جان کر آپس میں اختلاف کیا۔ یا حضور علیہ السلام کو اپنی کتابوں کی بیان کی ہوئی علامت سے پہچان کر ان کی مخالفت کی کیوں **بغیا**" **بینہم۔ بغیا**" **اختلف** کا مفعول لہ ہے۔ اس سے پہلے لام چھپا ہوا ہے۔ اس کے لغوی معنی تلاش اور طلب ہیں۔ لیکن حسد کو بھی اس لئے بغی کہہ دیتے ہیں کہ اس میں حاسد محسود کی برائی تلاش کرتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

بینھم" ثانیاً " کا ظرف ہو کر بغیاً کی صفت ہے یعنی ان لوگوں نے جان بوجھ کر صرف حسد سے اختلاف کیا۔ حسد کا اختلاف خلاف ہے۔ جو سخت برا ہے اور تحقیق کا اختلاف اصلی اختلاف ہے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ جس سے مسئلہ کی تحقیق ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اماموں کا اختلاف تحقیق کا تھا نہ کہ حسد کا جس سے دین واضح ہو گیا۔ حسد کے اختلاف میں نہ علم مفید ہوتا ہے نہ کتاب اللہ نہ عقل دیکھو وہ اسرائیلی اولاد انبیاء تھے۔ عالم تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہتے تھے مدینہ پاک کی زمین میں مگر ایک حسد کی وجہ سے اصل ایمان سے بھی محروم رہے۔ شیطان کو حسد نے ہی مارا اس لئے ارشاد ہوا۔ بغیاً " بینھم۔ **و من یکفر بایت اللہ** یہ حاسدوں کو تنبیہ ہے کفر بمعنی انکار ہے اور آیات سے مراد یا توریت ہے یا انجیل یا توریت و انجیل کی وہ آیتیں جو حضور علیہ السلام کی نعت شریف میں تھیں۔ یا قرآن شریف یا حقانیت اسلام کے سارے دلائل۔ اسی طرح من سے یا یہود یا عیسائی یا وہ دونوں یا وہ سارے بے دین مراد ہیں۔ یعنی جو کوئی اللہ کی آیتوں کا انکار کرے گا۔ **فان اللہ سریع الحساب**۔ یہ جملہ **من یکفر** کا جواب نہیں بلکہ جواب کی دلیل ہے۔ اسے قائم مقام جواب قرار دیا گیا۔ یعنی جو کوئی رب کی آیتوں کا انکار کرے۔ اللہ اسے سخت عذاب دے گا۔ کیونکہ وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ خیال رہے کہ سریع یا تو بمعنی قریب ہے یا بمعنی سرعت والا۔ یعنی اللہ عنقریب حساب لینے والا ہے یا وہ ساری مخلوق کا اتنا بڑا حساب "آناً" "فاناً" لے گا۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ کی وحدانیت پر خود رب نے گواہی دی کہ آسمانی کتابوں میں اس کا اعلان فرمایا۔ نیز عالم کے ذرہ ذرہ میں اس کے دلائل قائم فرما دیئے۔ تمام چیزیں کتابوں سے پڑھی جاتی ہیں مگر توحید وہ مضمون ہے جس کے لئے کسی خاص کتاب کی ضرورت نہیں۔ عالم کا ہر ذرہ اس مضمون کی کتاب ہے۔ امام رازی کے سامنے ایک بڑھیا نے اپنے چرخہ سے رب کی ہستی ثابت کی اور اس کی توحید کے لئے اس کا چرخہ توحید کی کتاب بن گیا۔ اور سارے فرشتوں نے بھی اس کی گواہی دی کہ وہ ہروقت عبادت میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کی یہ عبادت توحید کی گواہی ہے اور وہ انبیائے کرام سے عرض بھی کرتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ نیز عام علماء جو عدل و انصاف کے ساتھ قائم اور متقی و پرہیزگار ہیں وہ بھی توحید الٰہی کے گواہ کہ خود اسے مانتے اور لوگوں سے منواتے ہیں۔ غرض ہر نیک بندہ یہی پکار رہا ہے کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں عقل کہتی ہے کہ مطاع بہت سے ہو سکتے ہیں۔ مگر معبود ایک ہی چاہئے۔ کیونکہ ادنیٰ چیزیں لاکھوں ہو سکتی ہیں مگر سب سے اعلیٰ جس پر چیزوں کا مدار ہو ایک ہی چاہئے۔ درخت میں شاخیں پتے بہت ہیں۔ مگر جڑ ایک ہمارے جسم میں پانی و دیگر اعضاء بہت مگر دل ایک ہی ہے۔ آسمان پر تارے بہت مگر سورج ایک۔ ملک میں رعایا بہت مگر بادشاہ ایک تو چاہئے کہ مطاع بہت ہوں مگر معبود ایک۔ وہی سب پر غالب ہے کہ سب اس کے مقابل عاجز اور وہی حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ چونکہ اس آیت **شھد اللہ** میں صرف توحید کا ذکر تھا۔ اور عقیدہ توحید بغیر رسالت کے مانے ہوئے نجات کے لئے کافی نہیں اسلام کے سوا بہت سے دینوں میں توحید مانی جاتی ہے۔ نیز پہلی آیت میں حمد الٰہی کا ذکر ہوا تھا۔ حمد الٰہی بغیر نعت مصطفوی کے مکمل نہیں۔ نیز صرف اصلاح عقیدے پر کفایت نہ کرنا چاہئے۔ بلکہ اعمال صالحہ کی بھی کوشش ضروری اس لئے توحید کے بعد اسلام کی حقانیت کا ذکر ہوا۔ جس میں توحید و رسالت اعمال وغیرہ سب کچھ آ جاتا ہے اور فرمایا گیا اے

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں صرف توحید مان لینے سے کوئی پرہیزگار نہیں بن سکتا۔ خیال رکھو کہ تمام دینوں میں اللہ کا دین پسندیدہ دین اسلام ہی ہے اس کو چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرکے کوئی متقی نہیں بن سکتا۔ خواہ کتنی ہی نیکی کرے گا۔ اسلام کی حقانیت اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کو سارے اہل کتاب بھی جانتے ہیں۔ ان کی یہ مخالفت نادانی سے نہیں بلکہ جان بوجھ کر ہے صرف حسد کی وجہ سے اسلام کی حقانیت کے منکر ہیں۔ انہیں جلن یہ ہے کہ نبوت بنی اسمٰعیل کو کیوں مل گئی۔ اس کے ٹھیکیدار صرف بنی اسرائیل ہیں۔ یا اہل کتاب کا دین ایک ہی تھا یعنی اسلام انہوں نے حسد کی وجہ سے جان بوجھ کر آپس میں اختلاف کیا اور صدہا فرقے بن گئے۔ ہر شخص خیال رکھے کہ جو کوئی اللہ کی کتابوں' اللہ کی آیتوں' اللہ کے دلائل قدرت کا انکار کرے گا وہ جلد سزا پائے گا۔ یہ سمجھے کہ ابھی قیامت بہت دور ہے اور وہاں حساب میں بہت دیر لگے گی۔ اتنا بڑا حساب صدیوں میں ہو گا نہ معلوم میری باری کب آئے' ابھی تو آرام کرلیں۔ پھر دیکھا جائے گا۔ اللہ عنقریب اور جھٹ پٹ حساب لینے والا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے توحید الٰہی عالم کے ہر ذرہ ذرہ سے ظاہر ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ذرہ ذرہ سے عیاں ہے۔ اگر انسان میں کچھ بھی عقل و ہوش ہے تو وہ ہر چیز سے حضور کی نبوت ثابت کر سکتا ہے۔ اتنے دشمنوں میں گھر کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلامت رہ جانا ہی آپ کی صداقت کی دلیل ہے۔ جس کا دشمن سارا ملک ایسی بادشاہت میں اسے قتل کر دینا کوئی مشکل نہیں ہوتا۔ نیز حضور کی محبوبیت آپ کا عام چرچہ حضور کی حقانیت کی دلیل ہے۔ نیز قرآن کا بقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل ہے کہ توریت اور انجیل عبرانی زبان میں آئیں۔ ہندو کہتے ہیں کہ وید کتاب الٰہی ہے جو سنسکرت میں پارسیوں کے ہاں یہ کتاب الٰہی ہے۔ لیکن رب نے ان تینوں کو صفحہ ہستی سے مٹا دیا۔ اب ان کے بولنے والا دنیا میں کوئی نہیں مگر قرآن کی زبان عربی تمام جہان میں بلکہ خود مصر میں جہاں عبرانی زبان بولی جاتی ہے باقی رکھی گئی یہ وہ باتیں ہیں جن سے ہر ہوش والا حضور کی حقانیت ماننے پر مجبور ہے۔ غرضیکہ رب کی توحید حضور کی نبوت ایسے مضامین ہیں جو کسی کتاب سے نہیں سیکھے جاتے۔ عالم کی ہر چیز ان کی کتاب ہے۔

فضیلت : **شهد الله سے الحكيم** تک آیت کے بڑے فضائل ہیں۔ چنانچہ دیلمی نے ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ جب سورۂ فاتحہ اور آیت الکرسی اور یہ آیت **شهد الله الخ** اور آیت **قل اللهم ملك الملك بغير حساب** تک نازل ہوئیں۔ تو یہ عرش الٰہی سے لپٹ گئیں۔ اور عرض کیا کہ اے مولا تو ہمیں ایسی قوم پر اتار رہا ہے جو تیری نافرمانی کرے گی رب تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنی عزت کی قسم اپنے جلال کی قسم اپنے درجہ کی قسم جو بندہ ہر فرضی نماز کے بعد تمہیں پڑھ لیا کرے گا۔ میں اس کے سارے گناہ بخش دوں گا۔ اور اسے جنت الفردوس میں رکھوں گا۔ اور روزانہ اس پر ستر بار نظر رحمت کروں گا۔ اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا۔ (2) ابن عدی' طبرانی' بیہقی' خطیب اور ابن نجار نے حضرت غالب قطان سے روایت کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک بار کوفے گیا۔ حضرت اعمش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قریب ہی ٹھہرا۔ میں نے دیکھا کہ ایک رات وہ تہجد کے لئے اٹھے تو انہوں نے یہی آیت پڑھی اور بار بار فرمایا کہ جس کی رب نے گواہی دی اس کی میں بھی گواہی دیتا ہوں۔ اے اللہ یہ میری گواہی تیرے پاس امانت ہے۔ میں نے پوچھا جناب آپ یہ کیوں فرما رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ مجھے ابو وائل ابن عبداللہ نے خبر دی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ جب اس آیت کا پڑھنے والا قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو گا تو رب تعالیٰ فرمائے گا کہ میرے پاس ایک بندہ کا عہد

www.alahazratnetwork.org

ہے اور میں عہد ضرور پورا کروں گا۔ میرے اس بندہ کو جنت میں لے جاؤ (روح المعانی)۔ (3) ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ جب مدینہ منورہ میں یہ آیت نازل ہوئی تو خانہ کعبہ کے تین سو ساٹھ (360) بتوں نے کعبہ کی طرف سجدہ کیا۔ (4) جو کوئی سوتے وقت یہ آیت کریمہ پڑھ لیا کرے رب تعالیٰ اس پر ستر ہزار (70000) فرشتوں کو مقرر فرماتا ہے جو قیامت تک اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں (مدارک)۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** علمائے کرام بڑے درجہ والے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کا ذکر اپنے اور ملائکہ کے ساتھ کیا۔ اور اپنی توحید پر ان کو گواہ بنایا۔ اور بڑے مدعی کا گواہ بننا بھی فخر کی بات ہے۔ **دوسرا فائدہ:** غیر مسلم کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ کافر کی نیکیاں ایسی ہیں جیسے بے وضو شخص کی نماز۔ جیسا کہ **ان الدین** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دلائل و حالات کی گواہی معتبر ہے جیسے **شهد الله** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا بعض جگہ علامات کی گواہی سے فیصلہ ہو سکتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** رب تعالیٰ کا ہر کام عین عدل ہے کوئی ظلم نہیں۔ جیسا **قائما بالقسط** سے معلوم ہوا کہ جس کو دیا عدل و کرم سے دیا۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی فرشتہ بے دین نہیں۔ انسان ہزار ہا بے دین ہیں جیسا کہ **قائما بالقسط** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کبھی حسد سے دین جاتا رہتا ہے۔ جیسے **بغيا بينهم** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اسلام اور ایمان ایک ہی چیز ہے کیونکہ یہاں دین پر لفظ اسلام بولا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ دین عقائد کا نام ہے نہ کہ محض اعمال کا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر سچا دین اسلام کہلاتا ہے۔ لہٰذا یہودیت اور نصرانیت اپنے اپنے وقت میں اسلام کہلاتے تھے۔ اب جب منسوخ ہو گئے تو یہ نام بھی جاتا رہا۔ اب صرف دین محمدی کا نام اسلام ہے۔

حقانیت اسلام

دنیا کی ہر قوم اپنے دین کو حق جانتی ہے اور دوسرے ادیان کو باطل۔ مگر سچ یہ ہے کہ دین اسلام ہی حق ہے۔ اس کے سوا تمام دین باطل۔ اس کے عقلی و نقلی دونوں دلائل موجود ہیں۔ چونکہ آج کل اسلام کے بعض دعویداروں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ہر دین میں رہ کر انسان تقویٰ اختیار کر لیتا ہے جیسے ابو الکلام آزاد وغیرہ۔ اس لئے ہم پہلے حقانیت اسلام پر نقلی دلائل عرض کرتے ہیں پھر عقلی رب تعالیٰ قبول فرمائے اور اپنے بندوں کو راہ راست پر چلنے کی توفیق دے۔

حقانیت اسلام کے نقلی دلائل : (1) اگر ایک محبوب کے چند عاشق ہوں اور ہر ایک کا دعویٰ یہ ہو کہ محبوب مجھ سے ہی راضی ہے تو اس کے فیصلہ کی بہتر صورت یہی ہے کہ خود محبوب سے پوچھ لیا جائے کہ تو کس سے راضی ہے۔ اس کے بیان کے بعد کسی کو جھگڑنے کا حق نہیں۔ صرف رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے دین اختیار کیا جاتا ہے ہر دین والا یہی سمجھے ہوئے ہے کہ رب تعالیٰ مجھ سے راضی ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ رب تعالیٰ سے پوچھ لیا جائے کہ تو کس سے خوش ہے؟ رب تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تم جھگڑتے کیوں ہو۔ تم نے ہمیں راضی کرنے کے لئے دین اختیار کیا ہم اعلان کرتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ ہمارا پیارا دین صرف اسلام ہے۔(2) ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کی کہ اسلام اللہ کا دین ہے جس کے لئے انبیائے کرام بھیجے گئے اور اسی کی طرف اولیاء اللہ نے رہبری کی۔اس کے سوا کوئی دین مقبول نہیں اور بغیر اسلام کوئی نیکی قبول نہیں۔(3) علی ابن ابراہیم نے حضرت امیرالمومنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ آپ نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ اسلام تسلیم ہے اور تسلیم یقین اور یقین تصدیق اور تصدیق اقرار اور اقرار ادا اور ادا عمل۔پھر فرمایا کہ مومن نے اپنا دین رب سے لیا نہ کہ اپنی رائے سے۔مومن وہ ہے جو اپنے ایمان کو عمل میں دیکھے "کافر کا کفر اس کے انکار سے پہچانا جاتا ہے۔اے لوگو اسلام کو مضبوطی سے پکڑو کیونکہ مسلمان کا گناہ کافر کی نیکی سے بہتر ہے کیونکہ یہ گناہ بخشش کے قابل ہے اور کافر کی نیکی مردود (روح المعانی)۔(4) ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ توریت کا نسخہ لئے ہوئے بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور سنانے لگے۔حضور علیہ السلام کے چہرۂ انور پر غضب کے آثار نمودار ہوئے۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عمر فاروق کو اس سے آگاہ کیا۔فاروق اعظم نے یہ حال دیکھ کر حضور علیہ السلام سے معافی چاہی تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قسم رب کی اگر آج موسیٰ علیہ السلام ظاہر ہوں اور تم مجھے چھوڑ کر ان کی اطاعت کرو تو گمراہ ہو جاؤ گے اور اگر موسیٰ علیہ السلام آج زندہ ہوتے اور میری نبوت پاتے تو میری پیروی کرتے (دارمی و مشکوٰۃ باب الاعتصام)۔(5) اسی مشکوٰۃ میں بحوالہ احمد و بیہقی ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں یہود کی بعض باتیں بڑی بھلی معلوم ہوتی ہیں کیا انہیں ہم لکھ لیا کریں۔فرمایا کیا تمہیں یہود اور نصاریٰ کی طرح اپنے قرآن پر اعتماد نہیں۔میں تمہارے پاس صاف اور روشن دین لے کر آیا اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں ہماری اطاعت کرنی پڑتی۔ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گذشتہ آسمانی دین اب قابل عمل نہیں۔اور نہ ان میں ہدایت ہے۔چہ جائیکہ شیطانی ادیان زمین پرست سے کلمے پڑھے گئے۔ہر دین والے نبی کا کلمہ علیحدہ تھا۔مگر بعد موت اور قیامت میں ساری امتیں تو کیا ان کے نبی بھی محمدی کلمہ پڑھیں گے۔(7) حساب قبر میں صرف ہمارے رسول کا نام ہی پوچھا جاتا ہے اور اسلام ہی کا سوال ہوتا ہے۔حضور سے پہلے حساب قبر تھا ہی نہیں۔یہ قانون حضور کے زمانہ سے بنا۔(8) معراج میں سارے رسولوں نے اسلامی و محمدی نماز ہی پڑھی۔حالانکہ ان کی نمازیں اور تھیں۔

عقلی دلائل : ایک بار چندوسی ضلع مراد آباد میں مذہب کانفرنس ہوئی جس میں عیسائی' آریہ' ہندو اور مسلمانوں کی طرف سے میں مدعو تھا۔ہر ایک نے اپنے مذہب کے اصول بیان کئے۔عیسائیوں نے کہا کہ ہمارے مذہب کی اصل محبت ہے۔شاستی ہندو بولے ہمارے مذہب کی بنیاد ہمہ اوست پر ہے کہ ہر چیز میں رب کا جمال دیکھے۔ہم نے کہا کہ اسلام کے بنیادی اصول توحید' رسالت' آسمانی کتاب ہے۔جسم میں دل ایک' ملک میں بادشاہ ایک' آسمان میں سورج ایک تو چاہئے کہ خلق کا خالق بھی ایک ہو۔پھر مخلوق اور خالق کے درمیان ایک واسطہ کی ضرورت ہے۔جو رب سے فیض لے سکے ہم کو دے سکے۔پھر ہم میں سے ہو ہم سے کہہ سکے اس واسطہ کا نام نبی ہے۔آگ' پانی اور خاک نبی نہیں ہو سکتے کہ ہم سے بول چال نہیں کر سکتے۔کتاب اللہ کی پہچان یہ ہے کہ بندہ سے اس کی مثل نہ بن سکے۔انسانی صنعت اور ربانی صنعت میں یہی فرق ہے۔قرآن کریم میں یہ صفت موجود ہے کہ اس کی مثل کسی سے نہ بن سکی یہ تقریر اس جلسہ میں پسند کی گئی۔

www.alahazratnetwork.org

مسافر پردیس میں ایسا ہوٹل تلاش کرتا ہے جس میں رہنے سہنے 'ٹھنڈا ہوا' پانی 'پاخانہ' غسلخانہ وغیرہ کا اچھا انتظام ہو اور خرچ تھوڑا۔ انسان دنیا میں پردیسی ہے اسے ایسا دین چاہئے جس کے احکام آسان ہوں اور اس میں زندگی کا پورا انتظام ہو اور ثواب زیادہ یہ خوبیاں اسلام کے سوا کسی دین میں نہیں۔ اسلام نے ماں کے پیٹ میں آنے کے وقت سے قبر میں جانے تک پورا انتظام کیا۔ زندگی کے ہر شعبہ کو سنبھالا۔ بچے کو دودھ پلانا' دودھ چھڑانا' پرورش کرنا' تعلیم' روزگار' شادی بیاہ' خوشی غمی کے سارے احکام تفصیل وار بیان کر دیئے۔ غریب و امیر' سلطان' وزیر' تارک الدنیا اور عیالدار سب کے لئے قانون بنا دیئے۔ دوسرے مذہبوں میں یہ بات نہیں۔ مسلمانوں کو قانون و آئین کی ضرورت نہیں۔ ان کے قوانین اسلام نے پہلے ہی بنا دیئے۔ اس کے ساتھ ہی اسلام کے احکام نہایت آسان۔ جن پر ہر شخص بے تکلف عمل کر سکے۔ ہندوؤں' عیسائیوں کے ہاں ترک دنیا اعلیٰ عبادت ہے اسلام نے اس سے روکا نیز ہندوؤں کے ہاں اپنے کو تکلیف دینا' سادھو یا راہب بن کر زندگی گزارنا کمال ہے اسلام میں یہ بات عیب ہر ایک کا حق پورا کرنا ضروری۔ ہندوؤں میں زکوۃ سولھواں حصہ واجب' یہودیوں پر چوتھائی حصہ' اسلام میں چالیسواں حصہ۔ اس میں بھی سہولتیں دی گئیں۔ دوسری قوموں میں سوا عبادت خانوں کے اور کہیں عبادت جائز نہیں مسلمانوں کے لئے ساری زمین مسجد ہے۔ یہود کے نزدیک ناپاک کپڑا جلانا اور گندے جسم کا کاٹ ڈالنا ضروری ہے۔ اسلام میں پانی مطہر مانا گیا بلکہ بتیس طریقوں سے پاکی حاصل کی جاسکتی ہے۔ غرضکہ اس میں بہت سہولتیں ہیں اور بہت ثواب۔ (2) کسی چیز کے فائدہ مند ہونے پر تین قسم کے دلائل دیئے جاتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا کرنے والا بڑی ہستی کا مالک ہے' دوسرے یہ کہ اس کے نافع ہونے کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے۔ تیسرے یہ کہ اس کو چھوڑنے والے نقصان میں رہے۔ چوتھے یہ کہ اس دین کی کتاب نہایت مکمل محفوظ اعلیٰ ہے کہا جاتا ہے کہ یہ نسخہ بڑا عمدہ ہے حکیم اجمل خان کا ہے یا اس لئے کہ اس سے لاکھوں بیمار اچھے ہوئے یا اس لئے کہ جن لوگوں نے اس سے غفلت کی انہوں نے نقصان اٹھایا۔ اسی قاعدہ سے اسلام کی حقانیت معلوم کر لو کہ اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے اور وہ تو تمام جہان سے اعلیٰ ہیں۔ لہٰذا اسلام تمام مذہبوں سے بڑھ کر ہے یا اس لئے کہ اسلام کی برکت سے عرب کے وہ لوگ جو اپنی انسانیت کو کھو کر دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو چکے تھے۔ وہ انسان تو کیا انسان گر ہو گئے۔ جانوروں کے چرانے والے دنیا بھر کے استاد بن گئے۔ ڈکیتی اور قزاقی کرنے والے اسلام کی بدولت عالم کے نگہبان بن گئے یا اس لئے کہ ہم اسلامی احکام سے بے پرواہ ہو کر ذلیل و خوار ہو گئے یا اس لئے کہ اسلام کے سارے قوانین تمام ادیان کے قوانین سے اعلیٰ ہیں' اس پر کچھ روشنی ڈالتا ہوں۔ اسلامی کتاب یعنی قرآن کریم محفوظ کتاب ہے تمام دینوں کی کتب غیر محفوظ ہیں۔ وید' انجیل' توریت نے کہیں دعویٰ نہیں کیا کہ صرف اس دین میں نجات ہے باقی میں نہیں۔ صرف قرآن نے اسلام کے متعلق یہ اعلان فرمایا نیز وید یا موجودہ توریت و انجیل نے کہیں نہیں کہا کہ ہم خدائی کتاب ہیں۔ صرف قرآن نے فرمایا **تنزیل من رب العلمین** عیسائیوں سے انجیل مانگو تو پوچھتے ہیں کس کی انجیل لوقا متی کی یا حنا رسول کی' یا مرقس کی۔ یہ کوئی نہیں کہتا کہ خدا کی انجیل۔ معلوم ہوا کہ یہ انجیلیں خدا کی نہیں بلکہ لوقا' مرقس وغیرہ انسانوں کی ہیں۔ نیز انجیلیں عام تھیں جن میں چار ہیں۔ باقی غائب۔ جیسے انجیل برناباس وغیرہ پھر ان انجیلوں کی تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص نے عیسیٰ علیہ

www.alahazratnetwork.org

اسلام کے حالات زندگی لکھے۔ خدائی کتاب والی کوئی بات نہیں۔ نہ احکام نہ قوانین پھر اصل توریت و انجیل جو زبان عبرانی میں تھی وہ کہاں خود عبرانی زبان ہی دنیا سے غائب ہو گئی۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم : حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسے بے مثل صفات ہیں جو کسی مذہب کے پیشوا میں نہیں پائے جاتے۔ (1) جیسی مکمل تاریخ حضور علیہ السلام کی لکھی گئی ایسی دنیا میں کسی کی نہ لکھی گئی۔ زندگی کا ہر واقعہ تاریخ میں آیا اور اس احتیاط کے ساتھ آیا کہ باقاعدہ اس کے لئے اسنادیں بنیں جو راوی کسی اسناد میں آگیا۔ اس کی بھی تاریخ لکھ دی گئی۔ مسلمانوں کے سوا کوئی دین والا اپنے پیشوا کی مکمل اور مستند سوانح عمری بیان نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں کو تو یہ بھی یقین نہیں کہ جن پر وید آیا انسان بھی تھے یا نہیں۔ عیسائیوں کو یقین نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے وفات پائی بھی یا نہیں اور اگر پائی تو کیسے اسی طرح ہر مذہب کا حال ہے۔ (2) پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سر سے قدم مبارک تک ایسا مکمل حلیہ شریف لکھا گیا کہ کسی کا نہ لکھا جا سکا۔ یہاں تک روایت میں آگیا کہ جسم پاک میں کل بیس بال سفید ہوئے۔ چودہ سر مبارک میں۔ چار داڑھی مبارک میں' دو ریش بچی میں نیز ازواج نے اندرونی زندگی شریف اور صحابہ کرام نے بیرونی زندگی شریف اسی طرح پیش کر دی کہ سارے مشاغل دنیا کو معلوم ہو گئے کہ کسی کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کچھ شک و شبہ نہ رہے۔

لطیفہ : مجنوں لیلیٰ کا عاشق تھا۔ فرہاد شیریں کا اور نہ معلوم کون کون کس کس کا عاشق ہوا مگر کسی نے اپنے معشوق کی سوانح عمری نہ لکھی نیز بادشاہوں نے اپنے حالات زندگی لکھوانے کا انتظام نہ کیا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ہماری معشوقوں میں ہزاروں خامیاں ہیں اور ہم میں لاکھوں عیب اپنے کو دنیا پر پیش کرنا اپنے عیب کھولنا ہے مگر صحابہ کرام کو یقین تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں کے محبوب ہیں۔ ان کی ذات عیبوں سے دور' جو ان کے حالات سنے گا وہ ان پر فدا ہو گا اگر کوئی اعتراض کرے گا تو اپنی حماقت سے۔ اس لئے بے کھٹک زندگی کے حالات نقل کر دیئے۔ **تیسری صفت:** یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی ایسی اصلاح کی کہ جس کی مثال کہیں نہیں ملتی' موسیٰ علیہ السلام کو صرف مصر میں فرعون کی تبلیغ کے لئے بھیجا گیا تو عرض کیا کہ مولیٰ میرا سینہ کھول دے۔ میری زبان میں طاقت گویائی دے۔ میرے بھائی کو میرا وزیر اور قوت بازو بنا۔ ان کی تمام دعائیں قبول فرمائی گئیں۔ پھر بھی انہوں نے عرض کیا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی** خدایا ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر ظلم و سرکشی کرے گا تو جواب دیا گیا **لا تخافا اننی معکما اسمع و اری** تم ڈرو نہیں ہم تمہارے ساتھ غرضکہ ہر طرح تسلی و تشفی فرمائی گئی مگر پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے جہان کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ ابو جہل اور ابو لہب جیسے فرعونوں کے مقابلہ میں قائم کیا لیکن دنیوی ظاہری سہارا کوئی نہیں عطا فرمایا گیا۔ جس سیپ سے یہ در یتیم ظاہر ہوا اس پاک شکم سے کوئی بھائی ہی نہ عطا فرمایا۔ ولادت پاک سے پہلے سر پر یتیمی کا سر ابندھ گیا۔ بچپن شریف میں ہی ماں کی گود بھی نہ رہی جو قرابت دار باقی بچے وہ خون کے پیاسے۔ سارے عالم کی سرداری مگر دنیوی ساز و سامان ندارد۔ **چوتھی صفت:** پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیئس سال کی تھوڑی سی مدت میں دنیا کی ہوا بدل دی۔ بے دینوں کو دیندار' بت پرستوں کو خدا پرست اور نہ معلوم کسے کیا کیا بنا دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ پہاڑ

www.alahazratnetwork.org

توڑ دینا آسان ' دریا کا رخ بدل دینا سہل مگر بگڑی قوم کو بنانا دشوار۔ نوح علیہ السلام کی ایک ہزار سال تبلیغ میں کل ستر آدمی ایمان لائے اور ان کے بعد بہت جلد دین بدل گیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ تبلیغ میں بے شمار مسلمان ہوئے اور قیامت تک دین باقی رہا۔ غرضکہ۔

بسیار خوباں دیدہ ام 'لیکن تو چیزے دیگری

اگر ہندو کہیں کہ رامچندر نے قوت بازو سے بھاری کمان کے دو ٹکڑے کر ڈالے۔ تو مسلمان کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی میں وہ طاقت تھی کہ اشارے سے پورے چاند کو توڑ کر دو کمانیں بنادیا۔ اگر عیسائی کہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ زندہ کیے تو مسلمان کہہ سکتا ہے کہ ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سوکھی لکڑیوں اور کنکروں کو جان بخش کر ان سے کلمہ پڑھوالیا۔ اگر یہودی کہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی مار کر پتھر سے پانی کے چشمے بہا دیئے تو مسلمان کہہ سکتا ہے کہ پیغمبر اسلام نے اپنی انگلیوں سے پانی کے فوارے ابال دیئے۔ یہ بطور نمونہ چند باتیں پیش کی گئیں۔

اسلامی قانون : اسلامی قوانین ایسے ٹھوس اور مکمل اور ناقابل تبدیلی ہیں جن کی مثال نہیں مل سکتی۔ کفار طعنہ کیا کرتے تھے کہ ایک مرد کو چند عورتوں کی کیوں اجازت دی گئی۔ جب انہوں نے دیکھا کہ عورتوں کی پیداوار زیادہ ہے اور مردوں کی موت بہت کہ لڑائیوں وغیرہ میں مرد ہی مارے جاتے ہیں تو اس کی حکمت سمجھے۔ اسلام نے چور کے ہاتھ کٹنے کا حکم دیا۔ دیگر مذاہب نے چور کو قید کرایا۔ مگر بعد میں پتہ لگا کہ ہاتھ کٹنے سے ہی چوری بند ہو سکتی ہے۔ قید وغیرہ سے چوری بڑھے گی کہ چور جیل میں روٹی کھائے گا۔ اسلام نے جرمانہ لینے کی ممانعت کی۔ کفار نے اس کی اجازت دی بعد میں پتہ لگا کہ جرمانے سے جرم بڑھیں گے۔ گھٹیں گے نہیں کہ مالداروں کو جرم پر دلیری ہوگی اور حکومت کو اس سے نفع 'حکومت خود جرم چاہے گی تاکہ آمدنی ہو۔ اسلام نے ذبح حیوانات کی اجازت دی۔ ہندوؤں نے اس سے منع کیا مگر پتہ یہ لگا کہ اگر جانور ذبح نہ کیے جائیں تو انسانوں کی زندگی ناممکن ہو جائے۔ کیونکہ ساری پیداوار وہی کھا جائیں گے اور زمین انہیں سے بھر جائے گی۔ اسلام نے جہاد کا حکم دیا۔ کفار نے اس سے منع کیا۔ مگر پتہ یہ لگا کہ بغیر جہاد کوئی قوم دنیا میں عزت پا سکتی ہی نہیں۔ امن و عزت و انتظام جہاد کی بدولت ہے۔ اسلام نے شراب جوئے سود کو حرام کیا۔ بعض کفار نے ان چیزوں کی اجازت دی۔ مگر تجربہ نے بتایا کہ یہ چیزیں جھگڑے 'فساد 'بدامنی کی جڑ ہیں۔ سود کی بدولت دن رات تاجروں کے دیوالے ہوتے ہیں اس کی زائد تفصیل کے لئے اس تفسیر کا پہلا پارہ اور ہماری کتاب اسلامی زندگی دیکھو۔

فائدے : پہلا فائدہ: قرآنی آیات درجہ و فضیلت میں یکساں نہیں۔ اگرچہ ہر آیت اللہ کا کلام ہے مگر درجہ و رتبہ مختلف۔ جن آیات میں کفار یا ابلیس یا دوزخ کا ذکر ہے وہاں ذکر و ذاکر تو اعلیٰ ہے مگر مذکور رو خبریں خبیث ہیں اور جن آیات میں حضرات انبیاء یا سید الانبیاء یا رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہے وہاں ذکر و ذاکر بھی اعلیٰ اور مذکور بھی اعلیٰ لہذا یہ آیات پچھلی آیات سے افضل ہیں۔ **قل ھو اللہ** اور آیت الکرسی دیگر سورتوں آیتوں سے افضل ہیں۔ فوائد و تاثیریں بھی بے شمار دیکھو۔ **شھد اللہ** الخ آیت کو تمام آیات سے افضل فرمایا گیا 'خود کعبہ اگرچہ قبلہ ہے مگر رکن اسود و رکن یمانی و ملتزم

www.alahazratnetwork.org

دوسرے حصہ سے افضل ہیں۔ جب کعبہ کی دیواریں قرآن کی آیتیں یکساں نہیں تو انسان یکساں کیسے ہوسکتے ہیں۔ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض۔** **دوسرا فائدہ:** گزشتہ کتب میں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کے نام و اوصاف تفصیل وار مذکور تھے۔ ایسے ہی مدینہ منورہ کے علامات و فضائل مذکور تھے جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** توحید الٰہی کی گواہی دینا سنت الہیہ بھی ہے۔ سنت ملائکہ بھی ہے اور سنت علماء بھی۔ **چوتھا فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں علماء دین کا بڑا درجہ ہے کہ رب نے اپنے اور فرشتوں کے ساتھ اہل علم کا بھی ذکر فرمایا اور انہیں گواہ توحید قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ:** عالم بعض تو عدل والے ہیں بعض ظالم، عدل والے عالم بہترین بندے ہیں۔ ظالم بدترین جیسا کہ **قائما** " **بالقسط** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا جس علم کے ساتھ عشق و معرفت بھی شامل ہو وہ علم نعمت ہے جو معرفت و عشق سے خالی ہے وہ عذاب و حجاب العلم، حجاب اکبر اسی علم کو کہا گیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واضلہ اللہ علی علم۔**

اعتراض: **پہلا اعتراض:** کیا اللہ مسلمانوں کا ہی ہے؟ دوسروں کا نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** پنڈت جی اس آیت میں کہاں ہے کہ خدا مسلمانوں کے سوا کسی کا رب نہیں۔ اس کا مطلب تو یہ ہے کہ صرف اسلام پیارا ہے۔ مسلمانوں کے سوا کوئی اس کا دوست نہیں اور واقعی سب کو اطاعت شعار غلام ہی پیارا ہوتا ہے نہ کہ نافرمان۔ **دوسرا اعتراض:** اگر خدا کو اسلام ہی پسند ہے تو کیا اسلام سے پہلے کوئی دین پسند نہ تھا سب برے لوگ تھے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کلام اللہ نہیں؟ (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حکم اسلام آجانے کے بعد ہے۔ یعنی اسلام کے ہوتے ہوئے کوئی دین خدا کو پیارا نہیں۔ پچھلے پیغمبروں کے دین اپنے اپنے وقت میں ہدایت تھے اب صرف اسلام ہی ہدایت ہے رات میں چراغوں کی ضرورت تھی۔ سورج نکلنے پر سب گل کر دیئے گئے۔ دوسرے یہ کہ یہاں اسلام سے ہر آسمانی دین مراد ہے۔ یعنی ہمیشہ رب تعالیٰ کو اسلام ہی پسند رہا۔ ہر پیغمبر کے دین اپنے اپنے وقت میں اسلام ہی تھے۔ اب انہیں اسلام نہیں کہا جاسکتا۔ **تیسرا اعتراض:** اسلام میں بہت سے فرقے ہیں۔ حنفی، شافعی، مالکی وغیرہ ایسے ہی نیچری، قادیانی اور اہلسنت وغیرہ ان میں کون پیارا ہے کون نہیں؟ **جواب:** حنفی، شافعی، مختلف دین نہیں کہ عقائد سب کے ایک ہیں۔ فروعی مسائل میں اختلاف ہے یہ سب ایک اسٹیشن کے چند راستے ہیں۔ اس کے سوا جس نے اسلامی عقیدوں کا انکار کیا وہ مسلمان ہی نہیں اگرچہ اپنے کو مسلمان کہتا ہو۔ نیچری، قادیانی وغیرہ اسلام سے خارج ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ توحید کا گواہ ہے اور گواہی کسی حاکم کے سامنے دی جاتی ہے بتاؤ رب کا حاکم کون ہے؟ (آریہ)۔ **جواب:** ہم تفسیر میں بتاچکے ہیں کہ یہاں یا تو گواہی بمعنی اظہار اور خبر ہے یا شہادت سے مراد دلائل قائم کرنا ہیں، نیز یہ بھی غلط ہے کہ گواہی حاکم کے سامنے ہی ہو یا اس کے یہ معنی ہیں کہ اللہ نے علماء اور ملائکہ کو توحید کی معرفت دے کر گواہی کے قابل کر دیا اللہ حقیقی شاہد وہی ہے (کبیر) باقی سب اس کی توفیق سے گواہ ہوئے۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیت بہت ہی پر لطف ہے۔ رب ہی مدعی، وہی سب کا مدعی، وہی دعویٰ، وہی شاہد، وہی حاکم۔

خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ عالم اجمال میں نہ کوئی شاہد تھا نہ مشہود

www.alahazratnetwork.org

ماسوا اللہ کوئی موجود نہیں اس مقام پر خود ذات نے ذات پر ذات کی ذات کے سامنے گواہی دی۔ جس کے لئے فرمایا گیا۔ **شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو** پھر مقام تفصیل میں جب سایہ کی طرح سب موجود ہوئے تو اصل نے ظل کے ساتھ اپنی وحدانیت پر گواہی دی بلکہ سایہ نے اپنے سایہ والے کا پتہ دیا۔ جس کے متعلق فرمایا گیا۔ **والملئکۃ و اولوا العلم** الخ۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ مقسط ہے یعنی عدل فرمانے والا۔ اس طرح کہ ساری کثرتیں اس واحد کا ظل ہیں۔ ان اظلال میں ہر ظل کو اس کی تعداد کے بقدر اپنا، جو دا اپنا کمال اور اپنی تجلی سے حصہ دیا جتنا جس کا ظرف (برتن) اتنی ہی رب کی عطا (ابن عربی) سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ارواح کو جسم سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا اور رزق کو ارواح سے چار ہزار سال پہلے پیدا کیا۔ رب تعالیٰ کی یہ گواہی اس وقت کی ہے جب نہ زمین تھی نہ آسمان' نہ خشکی نہ تری' پھر مخلوق نے پیدا ہو کر دیکھ کر گواہی دی۔ خیال رہے کہ مخلوق کی گواہی دو قسم کی ہے۔ اختیاری و غیر اختیاری۔ اختیاری گواہی سارے فرشتوں نے اور بعض انسانوں نے دی مگر غیر اختیاری گواہی سب نے دی۔ بت پرست و کافر کا رونگٹا بھی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے۔ کافر کا دل و زبان مشرک ہے مگر اس کی ہر حالت توحید کی گواہ۔ اعضاء بدن کی اطاعت عبادت ہے اور دل کی اطاعت عجز و نیاز یہی اس کا اسلام ہے اور یہی عند اللہ مقبول' اور ساری ظاہری عبادات کا مغز ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سارا دین قلب کا غیر اللہ سے خالی ہونا اور نافرمانی کے عیب سے پاک و صاف ہونا ہے۔ نیز وہی علم نفع بخش ہے جو معرفت کے ساتھ ہو۔ جس علم کے ساتھ نفسانی عیوب شامل ہوں وہ وبال ہے۔ اہل کتاب کا علم اسی لئے اختلاف و فساد کا سبب بنا کہ ان کے نفس کی انانیت فنا نہ ہوئی تھی۔ جس تختی پر اگلے نقوش باقی ہوں اور صاف نہ ہو اس پر دوسرے نقوش خرابی کا سبب ہیں۔ ایسے جس دل پر حسد' بغض' عداوت کے عیوب موجود ہوں اس میں علم اور بھی خرابی کا ذریعہ ہوتا ہے۔ علم اللہ کی نشانی ہے، جو اس کے بعد رب کو نہ پہچانے وہ سخت مجرم ہے۔ کلمہ توحید کی تین عبارتیں ہیں۔ **لا الہ الا اللہ' لا الہ الا ھو' لا الہ الا انت** رب بندے کے پاس حاضر ہے مگر بندہ کبھی غائب ہوتا ہے کبھی حاضر۔ غیوبیت' دوری کا کلمہ ہے۔ **لا الہ الا ھو** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہے۔ **لا الہ الا انت** مگر مقام فنا میں پہنچ کر اس کلمہ کی عبارت یوں ہو جاتی ہے۔ **لا الہ الا انا** اس وقت بندہ انا میں فنا ہو کر انا کہتا ہے۔ وہاں زبان بندے کی ہوتی ہے کلام رب تعالیٰ کا جیسے ریڈیو کی آواز نکلتی پیٹی سے ہے مگر ہوتی ہے بولنے والے کی یہی وہاں ہوتا ہے۔

چوں روا باشد انا اللہ از درخت   کے روانہ باشد کہ گوید نیک بخت

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ

پس اگر حجت بازی کریں وہ تم سے تو کہہ دو کہ تابع کیا میں نے ذات اپنی کو واسطے اللہ کے اور اُن نے جس پیروی کی میری اور

پھر اے محبوب اگر وہ تم سے حجت کریں تو فرما دو میں اپنا منہ اللہ کے حضور جھکائے ہوں اور جو میرے پیرو ہوئے اور کتابیوں اور

www.alahazratnetwork.org

اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ وَالۡاُمِّيّٖنَ ءَاَسۡلَمۡتُمۡ‌ؕ فَاِنۡ اَسۡلَمُوۡا فَقَدِ اهۡتَدَوْا‌ ۚ وَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا

کہدو واسطے انکے جو دیئے گئے کتاب اور بے پڑھوں سے کیا اسلام لائے تم پس اگر اسلام لائیں وہ بے شک ہدایت پاگئے اور اگر منہ

اَن پڑھوں سے فرما دو کیا تم نے گردن رکھی پس اگر وہ گردن رکھیں جب تو راہ پا گئے اور اگر منہ پھیریں تو تم پر

عَلَيۡكَ الۡبَلٰغُ‌ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيۡرٌۢ بِالۡعِبَادِ ۝۲۰

پھیریں پس اس کے سوا نہیں کہ اوپر تمہارے پہنچانا ہے اور اللہ دیکھنے والا ہے بندوں کو

تو یہی حکم پہنچا دینا ہے اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر تھا اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کلام سکھایا جارہا ہے جو ضدیوں کے مقابل کرنا چاہیے یعنی اظہار ایمان اور ضدی سے بے توجہی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حقانیت اسلام کا دعویٰ کیا گیا اور مخالفین کی وجہ بیان فرمائی گئی اب حکم دیا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ اس حقانیت کا عملی ثبوت دے دیں اور بتادیں کہ اسلام اطاعت اور فرمانبرداری سکھاتا ہے جس پر ہم اور ہمارے غلام عامل ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اسلام کی حقانیت کا ذکر تھا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں صرف اسلام مقبول دین ہے' اب مسلمان ہونے کا طریقہ بتایا جارہا ہے کہ مسلمان وہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے۔ اس اتباع کے بغیر دعویٰ اسلام غلط ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام اور مسلمان ہونے کا معیار و کسوٹی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں دلائل اور گواہیوں سے مسئلہ توحید ثابت کیا گیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جس توحید پر سب کا اتفاق ہے وہی ہمارا دین ہے۔ جن چیزوں میں تم خود متفق نہیں جیسے الوہیت عیسیٰ علیہ السلام اور بت پرستی وغیرہ اس کا ثبوت تمہارے ذمہ ہے نہ کہ ہمارے ذمے۔ گویا **شهد الله** الخ سے توحید کا اجماعی مسئلہ ہونا ثابت کیا گیا اور **وما اختلف الذين** الخ سے بتایا گیا کہ تمہارے مسائل اتفاقی نہیں' اختلافی ہیں۔ اب ان دو باتوں کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ ہمارا دعویٰ ثابت ہو چکا تم اپنا دعویٰ ثابت کرو۔ **نوٹ:** تفسیر خازن نے فرمایا کہ جب یہود اور نصاریٰ نے آیت **ان الدين عند الله الاسلام** سنی تو بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارا دین بھی اسلام ہی ہے' اسی پر ہم ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت نسب کے نام ہیں نہ کہ دین کے لہٰذا ہمارا آپس میں نسبی اختلاف ہے نہ کہ دینی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر : **فان حاجوک' حاجوک محاجۃ** سے بنا۔ جس کا مادہ حجت ہے بمعنی دلیل۔ اصطلاح میں **محاجۃ** کج بحثی کو کہتے ہیں۔ جہاں حق و باطل کی تحقیق مقصود نہ ہو' صرف اپنے مقابل کو خاموش کرنا' اپنی بات اونچی کرنا مقصود ہو۔ مناظرہ بہترین عبادت ہے۔ اور **محاجۃ** بدترین فساد' خصوصاً حق کے مقابلہ میں۔ اس کا فاعل یا اہل کتاب ہیں یا صرف نجران کے عیسائی یا سارے کفار۔ اور ک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ چونکہ **محاجہ** و مناظرہ میں فسادی وہ ہوتا ہے جو باطل پر ہو حق پرست فسادی نہیں۔ اگر پولیس اور ڈاکوؤں میں مقابلہ ہو جائے تو ڈاکو فسادی ہیں نہ کہ پولیس۔ اس لئے یہاں **حاجوک** کا فاعل ان کفار کو قرار دیا گیا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مسلمانوں کو۔ اس کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی اے

www.alahazratnetwork.org

محبوب اگر کفار آپ سے حقانیت اسلام میں کج بحثی کریں تو **فقل اسلمت وجهی لله و من اتبعن**' **اسلمت** اسلام سے بنا بمعنی اخلاص اطاعت و فرمانبرداری' سر بسجود ہونا اپنے کو دوسرے کے سپرد کر دینا' یہاں تمام معانی بن سکتے ہیں۔ **وجه** چہرے کو بھی کہتے ہیں' ذات کو بھی' توجہ کو بھی' عمل کو بھی (کبیر) یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں اور بہتر یہ ہے کہ ذات مراد لی جائے کہ اس میں قلب قالب سب آجاتے ہیں۔ مطلب یہ ہوگا کہ بندے نے اپنے کو رب کے سپرد کر دیا کہ میرے خیالات' ارادے' حرکات' سکنات سب رب کے زیر فرمان ہیں۔ **ومن اتبعن** کی واؤ یا تو عاطفہ ہے اور یہ جملہ **اسلمت** کے فاعل پر معطوف' فاصلہ ہونے کی وجہ سے ضمیر پر اس کا عطف جائز ہوا یا واؤ بمعنی مع ہے اور یہ جملہ مفعول معہ' ابو عمرو اور نافع کے نزدیک **اتبعنی**' ی کے ساتھ ہے اور باقی قاریوں کے نزدیک **اتبعن** حذف ی سے۔ کلام عرب میں بہت دفعہ ی گر جاتی ہے۔ اعشی کہتا ہے۔

فهل يمنعنى ارتيادى البلاد   و من حذر الموت ان ياتين

یعنی تو آپ فرما دو کہ میں نے اپنی ذات کو یا اپنے عمل کو یا اپنے چہرہ کو یا اپنی توجہ کو اللہ کے لئے خالص کر لیا۔ اس کا مطیع بنالیا اور میرے پیروکاروں نے بھی اپنی ذاتوں کو خالص کیا۔ اس عبارت سے یا ترک مناظرہ مقصود ہے یا کفار کو اچھے طریقہ سے دعوت اسلام دینا۔ **و قل للذين اوتوا الكتب و الامين** یہ جملہ پچھلے جملہ شرطیہ **فان حاجوك** الخ پر معطوف ہے اور **اوتوا الكتب** سے سارے اہل کتاب مراد' یہودی ہوں یا عیسائی' عالم ہوں یا جاہل اور **امين** سے سارے مشرکین مراد۔ ان دو لفظوں میں سارے غیر مسلم فرقے آگئے۔ اگرچہ یہاں **و قل لهم** بھی کافی ہو جاتا۔ مگر عموم کے لئے صراحتاً ان سب کا ذکر کیا گیا۔ خیال رہے: کہ **امين** امی کی جمع ہے اور امی ام سے بنا ہی نسبتی ہے یعنی ماں والا بے پڑھے کو اس لئے امی کہتے ہیں کہ جیسے وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا تھا' ویسا ہی رہا۔ چونکہ عرب کے عام اہل کتاب پڑھے لکھے تھے اور مشرکین بے علم۔ اس لئے انہیں تو **اوتوا الكتب** کہا گیا اور انہیں امی۔ ہم امی کی نہایت نفیس تحقیق پہلے کر چکے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امی ہونے کے معنی ہیں' پیدائشی عالم۔ **ءاسلمتم** یہاں بھی اسلام بمعنی اطاعت ہے اور پہلا ہمزہ استفہامیہ اور اس کا معطوف پوشیدہ ہے۔ اصل عبارت یوں ہے۔ **ءاسلمتم او دمتم على كفركم** یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہر خاص و عام پڑھے بے پڑھے' چھوٹے بڑے سے فرما دو کہ تم بھی میری اتباع میں اسلام قبول کرتے ہو یا نہیں۔ **فان اسلموا فقد اهتدوا** یہ رب کا فرمان ہے۔ خیال رہے: کہ اسلام عین ہدایت ہے۔ لہٰذا یا تو **اهتدوا** سے مراد گمراہی سے نکلنا ہے یا اپنے کو نفع پہنچانا (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ **اهتدوا** سے مراد جنت کا راستہ پالینا ہو۔ یعنی اگر کفار آپ کا یہ فرمان سن کر ایمان لے آئیں تو وہ گمراہی سے نکل گئے یا انہوں نے اپنی جانوں کو نفع پہنچالیا یا انہوں نے جنت کا راستہ پالیا۔ تفسیر خازن میں ہے کہ جب اہل کتاب نے یہ آیت سنی تو بولے ہم اسلام لے آئے تو حضور علیہ السلام نے یہود سے پوچھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول مانتے ہو۔ وہ بولے معاذ اللہ عیسیٰ بھی رسول ہو سکتے ہیں؟ اور عیسائیوں سے پوچھا کہ تم عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول مانتے ہو؟ وہ بولے معاذ اللہ بھلا عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بندے ہو سکتے ہیں؟ تب یہ آیت آئی۔ **و ان تولوا فانما عليك البلغ**۔ **تولوا** کا مادہ **ولی** بمعنی پیٹھ پھیرنا ہے۔ اس کا فاعل اہل کتاب ہیں یا سارے کفار۔ ف جزائیہ ہے اور اس کا مابعد جزا نہیں بلکہ دلیل جزا ہے اور اس کا قائم مقام **انما** حصر کے لئے ہے اور اس سے حصر اضافی مراد ہے اور ہدایت کے مقام ہے۔ یعنی

www.alahazratnetwork.org

آپ تبلیغ کے ذمہ دار ہیں نہ کہ ہدایت دینے کے اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ صرف تبلیغ کرنے والے ہیں نہ شفیع المذنبین نہ رحمۃ للعالمین جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** میں بشریت حصر اوہیت کے لحاظ سے ہے نہ کہ دوسری صفات کے لحاظ سے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی٬ رسول٬ مصطفیٰ٬ نور٬ شفیع٬ ہادی وغیرہ سب کچھ ہیں۔ بلاغ کے معنی ہیں انتہا کو پہنچانا۔ یہاں تبلیغ احکام مراد ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ اسلام سے منہ پھیریں اور آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات نہ مانیں تو آپ کو کوئی نقصان نہیں کیونکہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے نہ کہ ہدایت٬ ہدایت ہمارا کام ہے اس توجیہ پر یہ آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں اور اگر اس کا مطلب یہ ہو کہ آپ کے ذمہ صرف زبانی تبلیغ ہے نہ کہ جہاد اور قتال۔ تو یہ آیت آیت جہاد سے منسوخ ہے (خازن و روح المعانی)۔ **واللہ بصیر بالعباد** یہ پچھلے کلام کا خاتمہ ہے اس میں وعدہ بھی ہے اور وعید بھی۔ اور عباد سے سارے مومن و کافر بندے مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ سب کو دیکھنے والا ہے۔ مومنوں کو ثواب اور کافروں کو عذاب دے گا۔

خلاصہ تفسیر: جب دلائل سے ثابت کر دیا کہ سچا دین اسلام ہی ہے۔ رب تعالیٰ کی توحید اور اسلام کی حقانیت پر سب کا اتفاق بھی ہے اور جو اختلاف لوگوں نے پیدا کئے وہ محض ضد اور تعصب سے ہیں۔ اگر اس پر بھی ناانصاف لوگ حجت بازی اور کج بحثی کئے جائیں تو آپ ان کی ساری بیہودہ گفتگو اور کل شبہات کے جواب اس عمدہ طریقہ سے دے دو کہ منصف مزاج کو سوا ماننے کے کچھ بن نہ پڑے کہ فرمادو اے کتابیو اور غیر کتابیو میں نے اور میرے ساتھیوں نے تو اپنی ذات اپنے اعمال اپنی ہر چیز کو خالص اللہ کے لئے کر دیا۔ بولو تم بھی ہمارے ساتھ اس فرمانبرداری میں شریک ہوتے ہو یا نہیں اور اپنے کو خدا کے لئے سمجھتے ہو یا نہیں۔ اگر وہ یہ سن کر اسلام لے آئیں اور آپ کی پیروی کرنے لگیں تو وہ بھی گمراہی سے نکل کر راہ جنت پا گئے اور اگر اس فیصلہ کن کلام سے بھی منہ موڑیں اور کج بحثی کریں تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا کوئی نقصان نہیں آپ کیوں غم کرتے ہیں۔ آپ پر صرف تبلیغ واجب ہے نہ کہ کسی کو ہدایت دینا۔ اللہ تعالیٰ سب بندوں کو دیکھتا ہے٬ مومن کو ثواب اور کافر کو عذاب دے گا۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بھی کفار کے مقابل یہی فرمایا تھا۔ **انی وجھت وجھی للذی الخ** حضور علیہ السلام کو بھی حکم ہو رہا ہے کہ آپ یہ فرمادو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ضدی اور ہٹ دھرم لوگ جن کو وعظ و نصیحت نفع نہ دے٬ ان سے مناظرہ نہ کرنا اور علیحدہ ہو جانا بہتر ہے جیسا کہ **اسلمت وجھی** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دین کی تبلیغ عمدہ طریقہ اور خوش خلقی سے چاہئے نہ کہ تند خوئی اور کج خلقی سے جیسا کہ **اسلمت وجھی** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **وجادلھم بالتی ھی احسن** (روح المعانی)۔ **تیسرا فائدہ:** تبلیغ قولی کے ساتھ فعلی بھی ضروری ہے۔ یعنی کفار کے سامنے مسلمان ایسے عمدہ عمل پیش کریں جس سے وہ اسلام کے گرویدہ ہو جائیں۔ گویا ہماری صداقت٬ دیانت داری٬ خوش خلقی دین اسلام کی تبلیغ کا ذریعہ ہو جیسے کہ **اسلمت** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اپنا عقیدہ اور ایمان سب پر ظاہر کرنا چاہئے۔ یہ چھپانے کی چیز نہیں۔ دیکھو رب نے اپنے محبوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم دیا کہ اپنے اور اپنے غلاموں کے اسلام و اطاعت خداوندی کا اعلان فرمادو۔ مستحب نیکیاں چھپانا بہتر ہے مگر فرائض و عقائد ظاہر کرنا افضل تاکہ

www.alahazratnetwork.org

لوگ اس کی پیروی کریں۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جن کے نزدیک تقیہ اصل دین ہے اور اپنے مذہب و ملت کو چھپانا اصول ایمان۔ اگر تقیہ بہترین عبادت ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کفار کے ساتھ کیوں ایذا پاتے 'اپنے کو چھپا لیتے۔ آرام کرتے' نیز حضرت حسین یزید کے ہاتھوں کیوں اتنی مصیبت جھیلتے' تقیہ کرکے یزید کی بیعت کر لیتے۔ بجائے مصیبت انعام و اکرام حاصل کرتے۔ **پانچواں فائدہ:** صحابہ کرام اور اہل بیت کا ایمان یقینی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے ایمان پر اعتماد کا اظہار کروایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ان کا بھی ذکر کیا اور ایک ہی اسلمت کا فاعل ان کو بھی قرار دیا گیا۔ یہاں تو بتایا گیا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع ہیں کہ ارشاد ہوا **و من اتبعن**۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اهتدوا** جو بھی تمہارا ایمان لائے گا ہدایت پائے گا۔ اس آیت میں حضرات صحابہ کو ایمان و ہدایت کا معیار قرار دیا گیا کہ مومن وہ جس کا ایمان صحابہ کرام کا سا ہو نیز اتبعن میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اسلام و ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں منحصر ہے کہ آپ کی اتباع کے بغیر نہ اسلام ہے نہ ایمان۔ **چھٹا فائدہ:** حضور علیہ الصلوۃ والسلام ساری مخلوق کے نبی ہیں اور سب پر آپ کی اطاعت واجب۔ دیکھو ارشاد ہوا **قل للذین اوتوا الکتب والامین** جس میں دنیا بھر کے سارے کفار سے خطاب ہے۔ خواہ وہ اہل کتاب ہوں' یا دوسرے۔ اور خطاب کا عموم تب ہی درست ہے جبکہ حضور علیہ السلام سب کے پیغمبر ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ **بعثت الی الاسود والاحمر** میں ہر سیاہ و سرخ کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ جیسے چراغ' لالٹین' بجلی وغیرہ کی روشنیاں زمان و مکان سے محدود ہیں مگر سورج کی روشنی نہ جگہ سے محدود ہے نہ وقت سے۔ یونہی دوسرے نبیوں کا نور ہدایت وقت اور جگہ سے محدود تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہدایت نہ جگہ کا پابند ہے نہ وقت کا۔ ہمیشہ آپ کا وقت ہے' ہر جگہ آپ کی سلطنت' آپ کی نبوت اصل مقصود ہے۔ دوسرے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل' حضور کا دین دائمی جنتری ہے جو ہمیشہ کام دے۔ دوسرے دین وقت خاص کی جنتریاں تھے جو بعد میں بیکار ہو گئے۔ **ساتواں فائدہ:** ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں منحصر ہے۔ آپ کی غلامی کئے بغیر کوئی رب تک پہنچ سکتا ہی نہیں جیسا **و من اتبعن** سے معلوم ہوا نیز **فان اسلموا فقد اهتدوا** نے بھی یہی بتایا کہ اگر یہ لوگ آپ کی اتباع کرکے مسلمان ہو جائیں تو ہدایت پائیں گے۔ **آٹھواں فائدہ:** تبلیغ اسلام ہر حال ضروری ہے خواہ لوگ قبول کریں یا نہ کریں۔ لوگوں کے عناد کی وجہ سے تبلیغ نہیں چھوڑی جا سکتی۔ دیکھو ارشاد فرمایا گیا کہ اگر یہ لوگ آپ سے منہ موڑیں تب بھی آپ پر تبلیغ واجب ہے' آپ ملول نہ ہوں۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر اور امتی سب یکساں خدا کے فرمانبردار ہیں۔ ایمان و اسلام میں کوئی فرق نہیں' دیکھو ایک اسلمت کے دو فاعل بیان ہوئے۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام اور سارے مسلمان۔ لہٰذا رب کی بندگی میں سب یکساں ہیں' پھر ان کی اتنی تعظیم و توقیر کیوں کی جاتی ہے (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس آیت سے ہی معلوم ہوا کہ پیغمبر و امتی کا ایمان یکساں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا اسلمت اور امت کے لئے فرمایا **و من اتبعن**۔ جس سے پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست رب کے مطیع ہیں اور امتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے۔ گویا آپ کا کلمہ' نماز و روزہ وغیرہ تمام عبادات تعلیم کے لئے ہیں۔ بظاہر کام یکساں ہیں مگر مقصد میں بڑا فرق۔ شاگرد کے سامنے خود استاد پڑھتا ہے ساتھ ہی بچہ بھی' مگر مقصد میں بڑا فرق۔ شاگرد کے سامنے خود استاد پڑھتا ہے ساتھ ہی بچہ بھی۔ مگر استاد کا پڑھنا

www.alahazratnetwork.org

درحقیقت پڑھاتا ہے اور بچہ کا پڑھنا سیکھنا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایمان و اسلام اور ہمارے ایمان و اسلام میں چند طرح فرق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان و اسلام آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے کا ہمارا یہ ایمان دنیا میں آنے کے بعد۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں آکر ہم سب کو ایمان و اسلام دیا' سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان لیا۔ دیکھو ہمارے بچے اپنے ماحول کے تابع ہوتے ہیں اگر اچھے ماحول میں ان کی پرورش ہو تو اچھے ہو جاتے ہیں اگر برے ماحول میں پرورش ہو تو برے بن جاتے ہیں مگر ماحول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع رہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ماحول خراب بلکہ بہت خراب تھا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اچھے ہوئے بلکہ ماحول کو اچھا کر لیا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دینے آئے ہیں لینے نہ آئے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسلمت فرمانا ہماری تعلیم کے لئے ہے کہ ہم حضور سے سن کر اسلمت کہا کریں۔ اس طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو دعائیں مانگیں' جس میں گناہوں کی معافی مانگی ہے یا گناہوں کا اقرار کیا ہے وہ سب کچھ ہم کو سکھانے کے لئے ہے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر ہم وہ دعائیں مانگا کریں۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہوں سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایسے معصوم ہیں کہ جس پر نگاہ کرم فرما دیں وہ گناہوں سے محفوظ ہو جائے' فرماتے ہیں کہ جس راستہ سے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ گزرتے ہیں' وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **فان تولوا** الخ سے معلوم ہوا کہ تبلیغ انکار پر موقوف ہے اگر لوگ ہدایت قبول نہ کریں تب تو تبلیغ کی جائے ورنہ نہیں کیونکہ جزا شرط پر موقوف ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ **فانما علیک البلاغ** اس شرط کی جزا نہیں بلکہ دلیل جزا ہے یعنی اگر یہ ہدایت سے منہ پھیریں تو آپ غمگین نہ ہوں' کیوں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر صرف تبلیغ ہے نہ کہ ہدایت۔ دوسرے یہ کہ بلاغ سے مراد تبلیغ اسلام ہے اور واقعی تبلیغ اسلام یا تو بے خبر لوگوں کو ہوتی ہے یا منکروں کو۔ مطیعوں کو تبلیغ احکام ہوگی نہ کہ تبلیغ اسلام کہ اسلام تو وہ قبول کر چکے۔ تیسرے یہ کہ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہ لوگ منہ موڑیں جب بھی آپ تبلیغ کیے جائیں' ان کی سرکشی سے آپ تبلیغ بند نہ کریں۔ **تیسرا اعتراض:** کفار کا کفر تو بالکل ظاہر تھا۔ پھر ان سے ءاسلمتم کہنے کے کیا معنی۔ وہ بات پوچھی جاتی ہے جو ظاہر نہ ہو؟ **جواب:** یہاں سوال مقصود نہیں ہے بلکہ یہ دعوت اسلام کا ایک عمدہ طریقہ ہے۔ جب کسی سے کچھ منوانا ہو تو پوچھتے ہیں کہ بولو کیا مان لو گے یعنی مان جاؤ' یہی یہاں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اطاعت و عبادت کی اصل عشق ہے۔ عشق سے ہر مشکل حل ہوتی ہے اور عشق رہبر کامل ہے۔ عاشق طریقہ نیاز مندی خود بخود سیکھ جاتا ہے۔ جب دل میں عشق ہوگا تو ہر ظاہری عضو سے محبوب کی اطاعت صادر ہوگی۔ یہی اسلمت وجھی کے معنے ہیں نیز روح کا مقام قلب اور نفس کا مقام پیشانی ہے۔ نفس امارہ سرکش ہے۔ جس نے پیشانی جھکا دی اس نے اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر دیا۔ اسی لئے جانور پیشانی جھکا کر اظہار اطاعت کرتے ہیں اور مقابلہ کے وقت سر اونچا رکھتے ہیں لہذا سر خم کرنا' پیشانی زمین پر رکھ دینا' کسی کے سامنے منہ جھکانا یہ اصل اطاعت ہے۔ **اسلمت وجھی** کے یہی معنی ہیں نیز عام انسان میں بہیمیت غالب ہے اور انبیائے کرام میں ملکی طاقت زیادہ۔ انسان کی بہیمیت نبی کی ملکیت سے ہی مغلوب ہوتی ہے۔ بہیمیت میں سرکشی ہے ملکیت میں اطاعت۔ لہذا ہر شخص کو نبی کی اطاعت ضروری ہے ورنہ اس کی بہیمیت اسے تباہ کر دے گی۔ اسی لئے ارشاد ہوا **و من اتبعن** اور اسی لئے کفار سے فرمایا گیا کہ بولو کیا تم بھی میرے پیروکاروں کی طرح میری اتباع کرکے

www.alahazratnetwork.org

ایمان لاتے ہو۔ اگر میری اطاعت سے منہ موڑو گے تو تمہارا نفس تمہیں ہلاک کر دے گا۔ نفس بکری ہے۔ شیطان گویا خونخوار درندہ۔ شریعت رسی ہے طریقت گویا میخ اور پیغمبر علیہ السلام گویا رکھوالے اور اسلام حفاظتی حصار کی مضبوط دیوار، جس سے درندہ گلے میں نہ آسکے۔ علماء و صوفیاء گویا مالک گلہ کے نوکر چاکر جو گلہ کی حفاظت پر مامور ہیں۔ اگر نفس کے گلے میں شریعت کی رسی ہو اور وہ طریقت پر قائم رہے، اسلام کے حصار میں رہے، علماء و صوفیاء کی حفاظت میں رہے، ان کی شاگردی و بیعت کرے تو ایمان و رندہ نفس امارہ، شیطان کے برے ساتھیوں سے محفوظ رہے گا۔ جانور کی حفاظت کے لئے یہ چار چیزیں ضروری ہیں۔ حصار، رسی، میخ، مالک کو نگرانی اور رکھوالے کو اس کی غذا و حفاظت کی فکر رہے گی۔ اگر سرکشی کرے گا تو رکھوالے کو اس کی فکر بھی نہ ہوگی جس سے وہ یقیناً ہلاک ہو جائے گا۔ اسی لئے ارشاد ہوا **واللہ بصیر بالعباد** اللہ تعالیٰ پابند شریعت اور بے قید بندوں کو دیکھتا ہے۔ بے قیدیوں کو سزا اور پابندوں کو نجات دے گا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ
تحقیق وہ جو انکار کرتے ہیں ساتھ نشانیوں اللہ کی اور قتل کرتے ہیں نبیوں کو بغیر حق کے اور قتل کرتے ہیں
جو اللہ کی آیتوں سے منکر ہوتے ہیں اور پیغمبروں کو قتل کرتے ہیں ناحق شہید کرتے ہیں اور انصاف کا
الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ
ان لوگوں کو جو حکم کرتے ہیں ساتھ انصاف کے لوگوں میں سے پس خوشخبری دو انہیں عذاب دردناک کی یہ لوگ
حکم کرنے والوں کو قتل کرتے ہیں انہیں خوشخبری دو دردناک عذاب کی یہ وہ لوگ ہیں جن کے
الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾
وہ ہیں کہ ضبط ہوئے اعمال ان کے بیچ دنیا اور آخرت کے اور نہیں ہے واسطے ان کے کوئی مددگار
اعمال اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں احکام الٰہی سے منہ موڑنے والے ضدی کفار کا ذکر تھا۔ اب ان کے تین عیوب مع سزا کے بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک طرح تسلی فرمائی گئی تھی کہ ان کی گمراہی کا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر کوئی اثر نہیں۔ آپ پر صرف تبلیغ واجب ہے۔ اب دوسری طرح تسلی دی جا رہی ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار تو ایسے ضدی ہیں کہ انہوں نے پچھلے پیغمبروں کو قتل بھی کر دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مخالفت ان سے کیا بعید ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بہرحال تبلیغ واجب ہے۔ کفار مانیں یا نہ مانیں۔ اب تبلیغی باتیں بتائی جا رہی ہیں کہ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کے کفریات اور اس کی سزائیں ان تک پہنچا دو۔ یہ قبول کریں یا نہ کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی

www.alahazratnetwork.org

آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مانیں یا نہ مانیں آپ پر تبلیغ لازم ہے۔ اب گذشتہ انبیاء کرام و علماء دین کے حالات سنائے جا رہے ہیں کہ وہ حضرات کفار کے ہاتھوں شہید ہو گئے مگر تبلیغ نہ چھوڑی۔ آخر دم تک تبلیغ کرتے رہے۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر حال میں تبلیغ کریں۔

تفسیر: **ان الذین یکفرون بآیت اللہ** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** سے عیسائی اور یہودی مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے پتہ چلتا ہے۔ **یکفرون** کفر سے بنا بمعنی انکار کرنا اور چھپانا۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ آیات اللہ سے یا توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کی نعت میں تھیں اور ان یہود نے ان آیات کو چھپایا ان کا انکار کیا کہ یہ آیت ہماری کتب میں ہی نہیں یا ان کی تاویلیں کیں کہ ان سے مراد یہ نہیں ہیں کوئی اور ہے یا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات یا قرآنی آیات وغیرہ۔ خیال رہے کہ تمام کتب آسمانیہ میں رب تعالیٰ کو وہ آیات بہت پیاری ہیں جن میں اس کے محبوبوں کے مناقب و فضائل ہیں۔ ان آیات کا انکار سخت عذاب کا باعث ہے۔ رب تعالیٰ کو وہ زبان' وہ قلم' وہ کتاب پیاری ہے جس میں اس کے پیارے کا پیارا ذکر ہو' فرماتا ہے۔ **والقلم وما یسطرون** قلم سے نعت لکھنے والے قلم مراد **ما یسطرون** سے وہی کتاب مراد ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و مناقب ہیں بلکہ اسے مکہ معظمہ اور مدینہ پاک کی زمین پیاری کہ وہاں محبوب کے قدم پڑتے ہیں۔ فرماتا ہے **و ھذا البلد الامین** اور **لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد** ان آیات کے انکار کی تین صورتیں ہیں۔ ان کا صراحتاً انکار' ان کے معانی کا انکار' ان کی غلط تاویلیں یا ان کا چھپانا' ان کا کبھی ذکر نہ کرنا اور ممکن ہے کہ **الذین** سے سارے کفار مراد ہوں اور آیات اللہ سے ساری آیتیں مقصود۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کا انکار کرتے ہیں۔ یا انہیں چھپاتے ہیں۔ **و یقتلون النبین بغیر حق** یہ جملہ **یکفرون** پر معطوف ہے اور **الذین** کا جملہ۔ اس سے وہ اہل کتاب مراد ہیں جو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں تھے۔ قتل سے مراد قتل کرنا یا ارادہ قتل ہے۔ **النبین** سے وہ پچھلے پیغمبر مراد ہیں جو یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ اگرچہ یہ فعل موجودہ اہل کتاب کے باپ دادوں کا تھا مگر چونکہ یہ اس سے راضی تھے لہذا ان کا فعل قرار دیا گیا اور ممکن ہے کہ نبین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ چونکہ ایک پیغمبر کا قتل گویا سب انبیاء کا قتل ہے اس لئے جمع فرمایا گیا۔ حق باطل کا مقابل ہے۔ ہر قسم کے حق کی نفی کے لئے نکرہ ارشاد ہوا۔ یعنی کفر کے ساتھ گذشتہ پیغمبروں کو بھی ناحق قتل کرتے ہیں۔ یعنی ان کے قتل سے راضی ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہتے ہیں مگر موقعہ نہیں پاتے (معانی و کبیر وغیرہ)۔ **و یقتلون الذین یامرون بالقسط من الناس** یہ کفار کا تیسرا عیب ہے اور **یقتلون** پر معطوف' اس کا فاعل وہی کفار ہیں' اور **الذین** سے مراد مومنین ہیں نہ کہ انبیاء' کیونکہ ان کا ذکر پہلے ہو چکا **یامرون امر** سے بنا بمعنی حکم یا مشورہ۔ اس کا فاعل **الذین** ہے۔ قسط کی لفظی تحقیق ہم پہلے کر چکے' اس کے معنی ہیں انصاف۔ یہاں قتل انبیاء سے باز آنا اور ان کی اطاعت کرنا مراد ہے۔ **من الناس الذین** کا بیان ہے یعنی یہ اہل کتاب انبیاء کرام کو شہید کرنے پر ہی باز نہ رہے بلکہ جو مسلمان انہیں اس حرکت سے روکے اور اچھی بات کا حکم دے اس کو بھی قتل کر ڈالتے ہیں یا یہ کہ موجودہ اہل کتاب جنگوں میں مسلمانوں کو شہید کرتے ہیں یا یہ کہو کہ یہود مدینہ صحابہ کرام کو قتل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس صورت میں قسط سے مراد ایمان اور احکام شرعیہ ہوں گے۔ یہاں تک ان کے عیوب کا ذکر تھا اب جزاء کا ذکر ہے۔ فرمایا جا رہا ہے **فبشرھم بعذاب الیم** یہ جملہ ان کی خبر ہے۔ چونکہ **الذین** میں شرط کے معنے تھے۔ اس لئے یہاں ف جزائیہ لائی

www.alahazratnetwork.org

گئی۔ ان ف کو جب منع کرتا ہے' جب جملے کے معنے بدل دے۔ چونکہ یہاں ان نے پچھلے جملے کے معنے بالکل نہ بدلے۔ لہذا خبر پر ف آگئی (روح المعانی)۔ بشر' بشارت سے بنا بمعنی خوشخبری۔ ڈرانے کو بشارت کہنا ان کی اہانت کے لئے ہے۔ ھم سے مراد وہی کفار ہیں۔ عذاب کے معنی بارہا بیان ہو چکے الیم الم سے بنا بمعنی رنج و غم۔ یہاں بمعنی مولم ہے یعنی تکلیف دہ دردناک۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ایسے مجرموں کو دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ اگرچہ دوزخی مسلمانوں کو بھی وہاں تکلیف تو ہوگی مگر کفار کو دوزخ میں تین تکلیفیں ہوں گی جس سے مسلمان محفوظ ہوں گے۔ دوزخ میں آپس کے لعن طعن' مار پیٹ کفار میں ہوں گے۔ مومنوں میں نہ ہوں گے۔ مومن گنہگار کے عذاب کی کسی کو خبر نہ ہوگی دوسرے یہ کہ مومن کو دوزخ سے نکل جانے کی امید ہوگی۔ اپیل' سفارش وغیرہ کی ہر وقت آس لگی ہوگی۔ کفار کو یہ آس نہ ہوگی' یہ یاس سخت تکلیف کا باعث ہوگی۔ تیسرے مومن کے دل' دماغ' اعضاء باطنی اور سجدے کے سات اعضاء کو آگ نہ جلائے گی یہ محفوظ رہیں گے مگر کافر کے دل دماغ کو بھی آگ جلا دے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے تطلع علی الافئدة ۔ ان وجوہ سے ارشاد ہوا کافر کا عذاب عذاب بھی ہے الیم بھی۔ ایک سزا تو یہ ہوئی۔ دوسری سزا یہ ہے کہ اولئک الذین حبطت بعذاب الیم اعمالھم فی الدنیا والاخرة ۔ بعض کے نزدیک یہ جملہ ان کی خبر ہے اور فبشرھم الخ جملہ معترضہ تھا۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان کی خبر میں ف آ سکتی ہی نہیں۔ یہ ایسے ہے جیسے کوئی کہے زید فافھم رجل عالم شاعر کہتا ہے۔

فاعلم فعلم المرء ینفعه ان سوف یاتی کل ما قدر

لیکن عام علماء کے نزدیک یہ نیا جملہ ہے اولئک مبتداء اور الذین خبر۔ اولئک سے وہ کفار مراد ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ حبطت' حبوط سے بنا بمعنی ضبطی یا بربادی۔ اس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے اعمال سے یا تو ان کی وہ نیکیاں مراد ہیں جو ارتداد سے پہلے کی تھیں۔ یا وہ نیک اعمال مراد ہیں جو ایمان پر موقوف نہ ہوں جیسے صدقہ اور صلہ رحمی وغیرہ فی الدنیا' حبطت کے متعلق ہے۔ خیال رہے دنیا سے مراد یہ زندگی ہے اور آخرت سے مراد قبر حشر دونوں' نیکیوں کا فائدہ دنیا میں ذکر خیر' لوگوں کی محبت اور دلوں میں میلان پیدا ہوتا ہے' ایمان پر خاتمہ نصیب ہوتا ہے۔ آخرت میں' قبر میں کامیابی' حشر میں نجات' پل صراط پر خیریت سے گزرنا وغیرہ ہے۔ کفار اپنی نیکیوں کے ان فائدوں سے محروم ہیں۔ بعض بدکار کلمہ گویوں پر بھی یہ عذاب ہے۔ آج یزید کی کوئی نیکی بیان نہیں ہوتی۔ اور دنیا میں بربادی اعمال یہ ہے کہ لوگ ان پر لعنت کریں برا کہیں۔ مسلمان انہیں قتل اور قید کریں اور آخرت کی بربادی وہاں ثواب نہ ملنا ہے۔ یعنی ان کفار کی نیکیاں دنیا و آخرت میں برباد ہو چکیں اور تیسری سزا یہ کہ وما لھم من نصرین واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ اولئک الذین پر معطوف۔ ھم کا مرجع وہی مذکور کفار ہیں۔ من تکثیر یہ ہے۔ اور نصرین کا جمع لانا محض وزن کے لئے ہے کہ پہلی آیت الیم پر ختم ہوئی تھی یہ نصرین پر ختم ہوئی اس سے معنی جمع مقصود نہیں کیونکہ کفار کا مددگار ایک بھی نہ ہوگا اور ممکن ہے کہ جمع مدد کی اقسام کے لحاظ سے ہو یعنی مددگار بہت سی قسم کے ہوتے ہیں جن سے مختلف امدادیں پہنچتی ہیں۔ ان کے لئے کسی قسم کا کوئی مددگار نہ ہوگا (روح المعانی وغیرہ)۔ انسان کی تین زندگیاں ہیں دنیاوی' برزخی' اخروی۔ کفار کے ظاہری مددگار دنیا میں تو ہیں مگر برزخ و آخرت میں کوئی مددگار نہیں کہ انہیں نہ کوئی مرتے وقت تلقین کرے' نہ برزخ میں ثواب پہنچائے' نہ دعا کرے' نہ آخرت میں کوئی شفاعت کرے۔ مسلمانوں کے لئے یہ سب کچھ ہے۔ نیز دنیا میں کفار کو دنیاوی مدد تو مل جاتی ہے مگر روحانی اخروی مدد نہیں ملتی انہیں ایمان عرفان تقویٰ کسی سے نہیں ملتا۔

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کو یہ سب کچھ ملتا ہے ان دو وجوں سے ارشاد ہوا کہ کفار کا مددگار کوئی نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار میں یہ تین عیوب ہیں۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان کی مخالفت سے کیوں غمگین ہوتے ہیں۔ ان کی عادت مخالفت ہے۔ جو اللہ کی آیتوں یعنی قرآن شریف یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے معجزات یا توریت و انجیل کی آیات نعت کا انکار کریں یا چھپائیں اور بے قصور' بے خطا ناحق پیغمبروں کو قتل کریں یا آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے کی کوشش کریں' پھر جو مسلمان اس ظلم سے روکے اور انبیاء کی اطاعت کا مشورہ دے اسے بھی قتل کر ڈالیں۔ ایسوں کو سخت دردناک عذاب کی خبر دے دو۔ عذاب ان کے سامنے ہے جو صرف موت کی دیر ہے ان کی ساری نیکیاں دنیا میں بھی برباد ہو گئیں اور آخرت میں ان کے کفر نے سب نیکیوں کو چھپالیا۔ کوئی ان لوگوں کے صدقات و خیرات کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ سب لعنت ہی کرتے ہیں اور مسلمان بھی تاک میں ہیں۔ جب موقعہ ملے گا انہیں قتل کریں گے یا قید' ان کی وہ نیکیاں ان کے خون کو محفوظ نہیں کر سکتیں۔ نیز آخرت میں بھی برباد کہ یہ ثواب تو کیا پاتے سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے اور جب ان پر دنیا یا آخرت میں عذاب آئے گا تو کوئی بھی ان کی جانی مالی بدنی امداد نہ کر سکے گا۔ یہ بالکل بے یارومددگار رہ جائیں گے مگر یہ اندھے ہیں' انہیں کچھ سوجھتا نہیں۔ خیال رہے کہ گناہ مٹانے کو معافی یا مغفرت کہا جاتا ہے اور نیکیاں مٹانے کو ضبط یا ضلال ارشاد ہوتا ہے۔ یہاں ضبط فرما کر بتایا کہ ان بد نصیبوں کے گناہ تو قائم رہیں گے مگر نیکیاں ضبط ہوں گی۔ ابن جریر و ابن ابی حاتم نے ابو عبیدہ ابن جراح سے روایت کی کہ میں نے پوچھا حبیب اللہ قیامت میں سخت تر عذاب کسے ہو گا۔ فرمایا اسے جو پیغمبر کو قتل کرے اور اسے جو نصیحت کرنے والے یعنی اچھی بات بتانے والے اور برائی سے روکنے والے کو قتل کرے۔ پھر یہی آیت تلاوت کی' پھر فرمایا کہ اے ابو عبیدہ بنی اسرائیل نے ایک دن صبح کے وقت تینتالیس پیغمبروں کو قتل کیا جس پر ایک سو ستر مسلمانوں نے انہیں اس سے منع کیا اور توبہ وغیرہ کا حکم دیا تو ان سب کو بھی اسی دن شام کو قتل کر دیا۔ اس آیت میں انہیں کا ذکر ہے (خازن و معانی وغیرہ)۔ **نوٹ:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تین سزائیں تین عیوب کی ہیں۔ کفر کی سزا عذاب' قتل انبیاء کی سزا ضبطی اعمال اور قتل مومنین کی سزا مددگاروں کا نہ ہونا مگر یہ صحیح نہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ سب سزائیں کفر کی ہیں اور یہ جرم بھی کفر ہی کے اقسام ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انکار نبی گناہوں کی جڑ ہے۔ دیکھو اس آیت میں کفر آیات یعنی انکار نبوت کے بعد سارے گناہوں کا ذکر ہوا۔ جس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ جڑ کفر ہے اور سب جرم اس کی شاخیں۔ **دوسرا فائدہ:** عالم دین نائب رسول ہیں۔ ان کی توہین نبی کی توہین ہے۔ دیکھو قتل انبیاء کے ساتھ قتل علماء کا ذکر کیا گیا۔ اور دونوں پر یکساں عذاب مرتب کیا۔ دوسرے مقام پر رب تعالیٰ نے انبیاء' فرشتوں' علماء کو اپنی توحید کا گواہ قرار دیا کہ فرمایا **شهد الله انه لا اله الا هو والملئكة** تیسرے مقام پر رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل یہ دی کہ **ان يعلمه علماء بنى اسرائيل** انہیں بنی اسرائیل کے علماء جانتے پہچانتے ہیں۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کا بڑا درجہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** خوف قتل پر بھی تبلیغ کی جائے اگر مبلغ عالم قتل ہو تو ثواب پائے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان علماء کی تعریف فرمائی جو ان خونخوار سود کے ہاتھوں شہید ہوئے' جنہوں نے ان انبیاء کو قتل کیا تھا۔ ان علماء کو ضرور اس وقت اپنی جان کا

www.alahazratnetwork.org

خطرہ تھا مگر اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وعظ و نصیحت سے باز نہ رہے۔ یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ظالم بادشاہ کے سامنے سچی بات کہنا بڑا جہاد ہے۔ دوسری روایت ہے کہ سید الشہداء حمزہ ابن عبدالمطلب ہیں اور وہ شخص جو ظالم بادشاہ کے سامنے حق بات کہہ کر مارا جائے۔ عمرو ابن عبیدہ فرماتے ہیں کہ سب سے بڑی نیکی تبلیغ پر قتل ہونا ہے (احکام القرآن) شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

ہرچہ میدانی از نصیحت و پند گرچہ دانی کہ نشنوند بگو!

چوتھا فائدہ: مرتد کی نیکیاں باطل ہو جاتی ہیں جیسا کہ حبطت اعمالھم سے معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل پہلے مومن تھے پھر عداوت انبیاء سے کافر ہوئے۔ جس سے زمانہ ایمان کی نیکیاں برباد ہو گئیں۔

مسئلہ: مرتد کی نیکیاں تو باطل ہو جاتی ہیں مگر گناہ باقی رہتے ہیں۔ اس لئے جو کوئی مرتد ہو کر مسلمان ہو تو اسے زمانہ اسلام کی نماز، روزہ قضا کرنے ہوں گے کیونکہ قضائے نماز گناہ ہے اور گناہ ارتداد سے معاف نہیں ہوتا (در مختار باب المرتد)۔ مسئلہ: جو کوئی حج کے بعد مرتد ہو جائے اور پھر ایمان لائے تو اسے حج دوبارہ کرنا ہو گا۔ مگر پڑھی ہوئی نمازیں نہ لوٹائے گا (در مختار)۔ مسئلہ: اس میں اختلاف ہے کہ توبہ کے بعد مرتد کی نیکیاں لوٹ آتی ہیں یا نہیں۔ حق یہ ہے کہ گزشتہ ثواب تو نہیں لوٹتا۔ مگر اصل عمل لوٹ آتے ہیں اور آئندہ وہ ثواب کا باعث بنتے ہیں جیسے جو درخت جل کر ہرا بھرا ہو تو اس کے گزشتہ پھل نہیں لوٹتے مگر چونکہ جڑ باقی تھی، لہٰذا آئندہ پھل پیدا ہوتے ہیں (شامی)۔ پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انبیائے کرام کی جناب میں بے ادبی کفر ہے۔ دیکھو قتل انبیاء کو جو توہین ہے، کفر قرار دیا گیا۔ چھٹا فائدہ: کفر سے راضی ہونا بھی کفر ہے۔ دیکھو موجودہ اہل کتاب انبیائے کرام کے قاتل نہ تھے بلکہ ان کے باپ دادا قاتل تھے مگر چونکہ یہ اس سے راضی تھے لہٰذا انہیں بھی قاتل کہا گیا۔ ایک گناہ اپنے میں کئی شخصوں کو لپیٹ لیتا ہے، کرنے والا، کرانے والا، گناہ میں مدد دینے والا، گناہ سے راضی و خوش ہونے والا سب ہی گنہگار ہیں۔ چوری کا مال رکھنے والا بھی جیل میں جاتا ہے، ایسے ہی ایک نیکی اپنے میں کئی شخصوں کو سمیٹ لیتی ہے۔ نیکی کرنے والا، کرانے والا، نیکی میں مدد دینے والا، اس سے راضی ہونے والا سب ہی ثواب کے مستحق ہیں۔ ساتواں فائدہ: گناہ میں ارادہ قتل، قتل کی طرح ہے۔ جیسا کہ یقتلون کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ موجودہ یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہید کرنے کا ارادہ کیا۔ جس میں وہ ناکام رہے مگر انہیں قاتل قرار دیا گیا۔ آٹھواں فائدہ: ایک نبی کا انکار سارے پیغمبروں کا انکار ہے جیسے کہ النبین کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نواں فائدہ: ان شاء اللہ مسلمانوں کے لئے قبر و حشر میں مددگار ہوں گے۔ چھوٹے بچوں، اولیاء اللہ، انبیائے کرام کی مدد ضرور پہنچے گی۔ کیونکہ مددگار نہ ہونا کفار کے لئے خاص ہے اور یہ ان کے کفر کی سزا ہے جیسا کہ وما لھم من نصرین سے معلوم ہوا۔ جو انبیاء کرام کی مدد کا انکار کرتا ہے وہ درپردہ اپنے کفر کا اقراری ہے۔ دسواں فائدہ: مسلمانوں کو خدا کے فضل سے نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی پہنچتا ہے۔ آخرت میں بھی۔ کیونکہ دنیا و آخرت میں اعمال ضبط ہونا کفار کا عذاب ہے۔ مسلمان اس سے محفوظ۔ خیال رہے کہ دنیوی ثواب بندگان خدا کا راضی ہونا ہے۔ گیارھواں فائدہ: جو عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مناقب کی آیات پر کبھی وعظ نہ کرے صرف انما انا بشر مثلکم ہی لوگوں کو سنائے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت والی آیتوں میں یا تاویل کرے یا ان کی اہمیت گھٹائے، وہ انہی یہودیوں کی طرح ہے جو آیات نعت کو چھپاتے تھے وہ بھی اس آیت میں

www.alahazratnetwork.org

داخل ہے۔ ذات و صفات و نعت و مناقب کی آیات دوسری آیات سے افضل ہیں۔ ان کی تاثیر بھی اعلیٰ' پنجگانہ نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھنے والا مرتے ہی جنت میں جائے گا۔ سوتے وقت آیت الکرسی پڑھنے والے کا گھر بلکہ محلہ ناگہانی آفات سے محفوظ رہتا ہے۔ سورۂ تبت میں یہ تاثیریں ہیں کہ سورۂ تبت میں ابولہب کافر کا ذکر ہے۔ آیت الکرسی میں رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اس آیت میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں۔ قتل پیغمبر ناحق ہی ہو گا۔ حق تو ہو سکتا ہی نہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکے اس جگہ صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ اس سے گناہ کی برتری دکھانا منظور ہے۔ یعنی انہوں نے وہ جرم کیا جس کے حق ہونے کا احتمال ہی نہیں۔ نیز یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے دھوکے سے قتل نہ کیا بلکہ اپنے کو ظالم جانتے ہوئے قتل کیا۔ **دوسرا اعتراض:** یقتلون النبین سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے سارے پیغمبروں کو قتل کیا۔ حالانکہ انہوں نے نہ کل کو قتل کیا نہ اکثر کو نہ نصف کو' بلکہ چند کو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ النبین میں الف لام عہدی ہے نہ کہ استغراق کا۔ دوسرے یہ کہ بعض پیغمبروں کا قتل کل کے قتل کی طرح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا۔ ان کافروں کے عمل ضبط ہو گئے۔ عمل سے گناہ مراد ہیں یا نیکیاں، اگر گناہ مراد ہیں پھر تو وہ بڑے مزے میں رہے کہ سارے گناہ معاف ہوئے اور اگر نیکیاں مراد ہیں تو ان کے پاس نیکیاں تھیں کہاں۔ کافر کا کوئی فعل نیکی ہی نہیں پھر ضبطی کس کی ہوئی؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو یہ مرتدین تھے۔ ان کے زمانہ ایمان کی نیکیاں برباد ہوئیں یا نیکیوں سے وہ عمل مراد ہیں جن میں ایمان شرط نہیں۔ جیسے صلہ رحمی' سچ بولنا' عدل و انصاف وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ضبطی اعمال ہر کافر کے لئے نہیں بلکہ اس کے لئے ہے جو کفر کے ساتھ قتل انبیاء و علماء بھی کرے۔ کیونکہ یہاں تین جرموں کے بعد اس سزا کا ذکر ہوا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ کفر کی سزا ہے اور کفر کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ انکار آیات کفر' قتل انبیاء کفر' قتل علماء کفر اور اس امر مشترک کی یہ سزا۔ دوسرے یہ کہ بے شک دنیا و آخرت میں عمل کی بربادی انہیں کے ساتھ خاص ہے۔ دوسرے کافر اپنے اعمال کا بدلہ دنیا میں کچھ نہ کچھ پا لیتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ آخرت میں اعمال کی بالکل بربادی توہین والے کافر کے لئے خاص ہے۔ ورنہ انبیاء سے محبت رکھنے والے کفار اپنی نیکیوں کا کچھ نتیجہ پالیں گے ان کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ جیسے ابو طالب بمقابلہ ابولہب' حاتم طائی وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ اولئک سے اشارہ ہر ایک کی طرف ہے نہ کہ مجموعہ کی جانب۔ یعنی یہ کافر' یہ قاتل انبیاء' یہ قاتل علماء سب کے اعمال ضبط۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض انبیاء کرام یہود کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے انا لننصر رسلنا ہم اپنے رسولوں کی مدد کریں گے۔ تو رب نے ان رسولوں کی مدد کیوں نہ کی جو شہید ہوئے؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نصرت الٰہی کا وعدہ جہاد کے لئے ہے' جہاد میں کوئی نبی کسی کافر کے ہاتھ شہید نہ ہو گا اور واقعی کوئی نبی جہاد میں شہید نہ ہوئے۔ دوسرے یہ کہ شہادت یا موت مدد کے خلاف نہیں۔ جس مقصد کے لئے نبی تشریف لاتے ہیں اس میں کامیابی رب تعالیٰ کی مدد سے ہوتی ہے' اگر نبی شہید بھی ہو جائیں مگر دین کو مکمل کر جائیں تو وہی غالب ہیں۔ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ جیتے' یزید پلید ہارا کہ اس کا مقصد جنگ حاصل نہ ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : عدل و انصاف، توحید و ایمان کا سایہ ہے۔ جس کا ایمان ناقص اس سے ناممکن۔ نیز کفار یار سے پردہ میں ہیں۔ اپنے بتوں کی پیروی اور رسم و رواج کی پابندی ان کا حجاب ہے۔ حضرات انبیاء اس حجاب کے پھاڑنے والے تھے۔ چونکہ ان کا حجاب مضبوط اور ظلمت کفر گہری تھی، اس لئے ان تک نور نبوت نہ پہنچا۔ جس سے انہوں نے انبیائے کرام و علماء کو قتل کر دیا۔ نیز روح کا مشغلہ شوق و عشق ہے اور اس کی حرکت پستی سے بلندی کی طرف ہے۔ نفس کا مشغلہ نافرمانی اور مشغولیت دنیا ہے اور اس کی حرکت پستی کی جانب۔ انبیائے کرام روح کی امداد کرنے اور نفس کو دبانے کے لئے تشریف لائے مگر ان کفار کے نفوس ان کی روحانیت پر غالب آئے۔ جس سے انہوں نے اپنے خیر خواہوں کو قتل کیا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نفس امارہ گویا کافر ہے اور اس کے گناہ گویا تلوار، قلب خیر خواہ واعظ ہے اور روح اور فرشتہ گویا ہادی پیغمبر۔ نفس کافر نے روح کی مخالفت کر کے اس کو ایسا دبایا کہ اس کی حکومت جسم سے جاتی رہی۔ یہ گویا قتل پیغمبر ہوا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نفس نے کبھی جو جائز کام کر لئے تھے ان کا بھی فائدہ جاتا رہا اور نفس و رب کے درمیان واسطہ روح و قلب اٹھ گیا جو ذریعہ فیض تھا جس سے نفس رب سے بالکل بے تعلق ہو گیا۔ خیال رہے: کہ روح و قلب ظل الٰہی ہیں اور ظل کا انکار اصل کا انکار ہے۔ نیز قلب اور روح آئینہ جمال الٰہی ہیں جس کے ذریعہ وہ نور لم یزل نفس تک پہنچتا ہے۔ ان شیشوں کو توڑنا اس نور سے محروم رہنا ہے اور روح و قلب کے بغیر نیکیاں بھی گناہ ہیں اس لئے فرمایا گیا حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ اللہ تعالیٰ ان آئینوں کو زیادہ جلا بخشے (از ابن عربی)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کے لئے دنیاوی زندگی بھی عذاب الیم ہے۔ موت بھی، قبر بھی، آخرت بھی، دنیا میں اسے قناعت نہیں ملتی، ہوس کی وجہ سے یہاں کی نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ نیز اللہ کی نعمتیں کھاتا ہے مگر غفلت کے ساتھ۔ لہٰذا اس کا کھانا پینا وغیرہ سب عذاب، مرتے وقت وہ چھوٹنے والی دنیا کو دیکھ کر روتا پیٹتا ہے۔ مومن آنے والی نعمتوں، راحتوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے۔ کافر کی قبر دوزخ کی بھٹی، مومن کی قبر جنت کی کیاری۔ آخرت میں مومن جنتی اور کافر مصیبت میں ان وجوہ سے کافر کو ہر جگہ عذاب الیم ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی غذا کا ایک تو عام نفع ہے یعنی بقاء زندگی اور کچھ خصوصی فائدے، دودھ کا اور فائدہ ہے، دہی کا کچھ اور گندم دال کا نفع اور ہے، جو یا گوشت کا اثر کچھ اور۔ ایسے ہی غذاء روحانی یعنی اعمال صالحہ کا ایک تو عمومی فائدہ ہے۔ کمال ایمان اور کچھ خصوصی فائدے۔ جیسے زکوۃ سے مال میں برکت نماز سے چہرے کا نور، عبادات سے لوگوں کے دل میں کشش، خلق میں عزت۔ اعمال کی عزت، مال دولت کی عزت سے زیادہ ہے۔ کفار کے اعمال کی دنیا میں بربادی یہ ہے کہ انہیں اعمال کے یہ خصوصی فائدے حاصل نہیں ہوتے۔ آخرت میں بربادی یہ ہے کہ ان کفار کو اعمال کی وجہ سے رضاء الٰہی، مغفرت وغیرہ نصیب نہیں ہوتی۔ محبوبوں کے گناہ بھلا دیئے جاتے ہیں۔ نیکیاں مشہور کر دی جاتی ہیں بلکہ گناہ ہو جانے پر ان کی حمایت کی جاتی ہے جیسے غازیان احد کی حمایت کی گئی۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ	
کیا نہ دیکھا تم نے ان کے جو دیئے گئے حصہ کتاب سے بلائے جاتے ہیں طرف کتاب اللہ کے تاکہ فیصلہ	
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا کتاب اللہ کی طرف بلائے جاتے ہیں کہ وہ ان کا فیصلہ کرے	

www.alahazratnetwork.org

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ

کرے وہ درمیان ان کے پھر منہ پھیرتا ہے ایک گروہ ان میں سے حالانکہ وہ اعتراض کرنیوالے ہیں یہ اس لئے ہے کہ

پھر ان میں سے ایک گروہ اس سے روگردان ہو کر پھر جاتا ہے۔ یہ جرأت انہیں اس لئے ہوئی کہ وہ کہتے ہیں کہ ہرگز

تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا

تحقیق انہوں نے کہا کہ ہرگز نہ پہنچے گی ہمیں آگ مگر دن گنے ہوئے اور دھوکہ میں ڈال دیا ان کو بیچ دین ان کے

ہمیں آگ نہ چھوئے گی مگر گنتی کے دنوں اور ان کے دین میں انہیں فریب دیا اس جھوٹ نے جو باندھتے تھے تو

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ

اس نے جو وہ گھڑتے تھے پس کیا ہوگا جب جمع کریں گے ہم ان کو وقت اس دن کے کہ نہیں ہے شک بیچ اس کے اور پورا دیا

کیسی ہوگی جب ہم انہیں اکٹھا کریں گے اس دن کے لئے جس میں شک نہیں اور ہر جان کو اس کی کمائی پوری بھر دی جاوے گی

مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

جائیگا ہر نفس وہ جو کمایا اس نے اور وہ نہ ظلم کئے جائیں گے ۔

ان پر ظلم نہ ہوگا ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے عناد کی ایک نوعیت بیان کی کہ وہ انبیائے کرام کے دشمن ہیں۔ اب دوسری طرح ان کا عناد ثابت کیا جارہا ہے کہ وہ در حقیقت اپنی کتابوں کے بھی معتقد نہیں' اور نہ ان کے احکام پر سر جھکاتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک طرح تسلی دی گئی کہ ان کفار کی مخالفت پر آپ غمگین نہ ہوں۔ آپ کی تو زبانی مخالفت ہی کرتے ہیں' پچھلے پیغمبروں کو تو انہوں نے شہید بھی کر دیا۔ اب دوسری طرح حضور علیہ السلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ ان کا عناد اس حد تک بڑھا ہوا ہے کہ یہ لوگ جو کتابوں کے معتقد بنتے ہیں' در حقیقت انہیں بھی نہیں مانتے۔ ہمیشہ ان کی مخالفت ہی کرتے ہیں۔ جب یہ اپنی مسلم کتابوں کے معتقد نہیں تو اگر آپ کے معتقد نہ ہوں تو کیا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے بدترین جرموں کا ذکر کیا گیا۔ اب اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم کچھ بھی کرلیں' ہمیں معمولی عذاب ہوگا۔ اس لئے ایسے جرموں کی ہمت کرتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت میں یہود کے وہ تاریخی جرم مذکور تھے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں دیکھے نہ گئے' صرف سنے گئے تھے۔ یعنی قتل انبیاء و قتل علماء وغیرہ۔ اب ان کے موجودہ جرم کا تذکرہ ہے' جو اب زمانہ نبوی میں بھی دیکھا جارہا ہے۔ یعنی انکار توریت اور اپنے کو بہر حال جنتی ماننا خواہ کتنے ہی جرم کریں۔

شان نزول : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بیت المدراس (یہود کا مدرسہ) میں تشریف لے گئے اور یہود کو دعوت اسلام دی۔ ان میں سے نعیم ابن عمرو اور حارث ابن زید

www.alahazratnetwork.org

نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کس دین پر ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا دین ابراہیمی پر۔ سو وہ بولے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ آپ نے یہودیت کیوں اختیار نہ کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا توریت لاؤ۔ ابھی ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ ہو جائے گا۔ وہ اس پر تیار نہ ہوئے اور منکر ہو گئے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ نیز انہی عبداللہ ابن عباس اور امام کلبی سے روایت ہے کہ خیبر کے یہود میں سے کسی مالدار یہودی نے ایک یہودن سے زنا کیا۔ توریت میں زنا کی سزا رجم تھی (پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا) لیکن چونکہ یہ دونوں مجرم خاندانی اور مالدار تھے' اس لئے یہود کو ان کا سنگسار کرنا گوارا نہ ہوا۔ اس مقدمہ کو حضور علیہ السلام کی خدمت میں اس لئے لائے کہ شاید آپ سنگساری کا حکم نہ دیں۔ غالباً انہوں نے قرآن شریف کی یہ آیت سن لی ہوگی کہ الزانیۃ والزانی فاجلدوا کل واحد منہما مائۃ جلدۃ زانی و زانیہ کو سو کوڑے مارو۔ گو انہیں یہ پتہ نہ لگا ہوگا کہ یہ حکم کنوارے زانی کا ہے۔ شادی شدہ کے لئے اسلام میں بھی رجم ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تاکہ مجرم سزائے موت سے بچ جائیں مگر حضور علیہ السلام نے ان دونوں کو سنگسار کرنے کا حکم دیا۔ اس پر یہودی طیش میں آگئے اور بولے کہ زنی کی سزا یہ نہیں ہے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ظلم کیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا اچھا اس کا فیصلہ توریت پر رکھو۔ وہ بولے ہاں یہ انصاف کی بات ہے۔ توریت منگائی گئی۔ عبداللہ ابن صوریہ فدکی جو یہود کا بڑا عالم تھا۔ وہ توریت پڑھنے لگا اور رجم کی آیت پر ہاتھ رکھ لیا اور اس عبارت کو چھوڑ کر آگے پیچھے کی عبارتیں پڑھ دیں۔ حضرت عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو یہود کے بڑے عالم تھے اور اب صحابی رسول اللہ تھے۔ ان کا ہاتھ ہٹا کر وہ آیت پڑھ دی جس میں سنگساری کا حکم تھا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ ابن صوریہ اس آیت کو چھپا گیا۔ جس پر یہودی ذلیل ہوئے اور دونوں زانی مرد و عورت حضور علیہ السلام کے حکم سے سنگسار کر دیئے گئے۔ جس پر یہود سخت ناراض ہوئے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ خیال رہے: کہ عبداللہ ابن سلام کا پہلا نام حصین تھا۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ رکھا۔ یہ توریت کے بڑے عالم تھے۔ 40ھ میں وفات پائی (حقانی' خزائن' عرفان' کبیر و خازن وغیرہ)۔

تفسیر: الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب یہ ہمزہ استفہامیہ ہے اور سوال تعجب کا۔ اس سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یا سارے مسلمانوں کو تعجب دلانا منظور ہے۔ تر۔ رویۃ سے بنا رویۃ آنکھ سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں اور دل سے دیکھنے کو بھی۔ اس دل کی رویت سے رائے بنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ کیا آپ نے دیکھا نہیں یا کیا آپ نے غور نہیں کیا۔ یہ دیکھنا اور غور کرنا بھی عبادت ہے۔ تر کا فاعل یا صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا ہر قرآن پڑھنے والا اور رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے۔ الذین سے سارے اہل کتاب مراد ہیں یا ان کے علماء' کہ سارے اہل کتاب کو کتاب اللہ پر ایمان ملا اور علماء اہل کتاب کو کتاب اللہ کا علم ملا۔ کسی کو کتاب کا نور ملا' کسی کو کتاب کے اسرار سے حصہ ملا یا بعض اہل کتاب' گو یہ بھی صحیح ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے بعض اہل کتاب کی تعریف بھی کی ہے۔ من اهل الکتب امۃ قائمۃ یتلون ایت اللہ۔ نصیب۔ نصب سے بنا' معنی رکھنا۔ اس لئے گڑے ہوئے بت کو نصب کہتے ہیں۔ اصطلاح میں مقرر حصہ کو نصیب کہتے ہیں کہ وہ بھی باقی سے الگ رکھا جاتا ہے۔ من الکتب میں من یا تبعیضیہ ہے یا بیانیہ (معانی) کتاب سے مراد یا توریت ہے یا لوح محفوظ (معانی) چونکہ توریت لوح محفوظ کا ایک حصہ تھی' لہٰذا توریت کا دینا لوح محفوظ کا گویا ایک حصہ ہی دینا ہے۔ یا اہل کتاب کے پاس توریت و انجیل پوری باقی نہ رہی تھی۔ بہت ضائع ہو چکی تھی جو باقی تھا وہ اصل کتاب کا ایک حصہ تھا۔ یا کلام الٰہی

www.alahazratnetwork.org

کی اصل حقیقت سمجھنا بہت دشوار ہے۔ عام لوگوں کی فہم ظاہری معنی تک پہنچتی ہے اور ظاہری معنی کتاب کا ایک حصہ ہیں۔ جیسے کوئی شخص سمندر کا پورا پانی' وہاں کے سارے موتی وغیرہ نہیں لے سکتا' سورج کی پوری روشنی پر قبضہ نہیں کر سکتا۔ ہر شخص بقدر برتن ہی اس سے فیض لے گا۔ یونہی کوئی شخص پوری کتاب اللہ نہیں معلوم کر سکتا۔ کسی کو اس کے الفاظ' کسی کو معانی' کسی کو احکام' کسی کو اسرار ملے۔ مگر جسے جو کچھ ملا کتاب کا حصہ ہی ملا نہ کہ کل کتاب تو حضرت جبرئیل کو بھی نہ ملی۔ ہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کل قرآن ملا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الرحمن علم القران** اور فرماتا ہے **ان علینا جمعه و قرانه** ان وجوہ سے "نصیبا" فرمایا گیا یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان اہل کتاب کو نہ دیکھا کہ جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا باقی فنا ہو چکا۔ یا ان کی نظر کتاب اللہ یا توریت و انجیل کے ظاہری معنی تک ہے۔ **اوتوا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ علم کتاب محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا یہ تو عطیہ ربانی ہے۔ جس پر وہ کرم کردے' بڑے ذہین یہاں فیل ہو جاتے ہیں اور معمولی حیثیت کے لوگ اس سمندر میں غوطے لگا کر موتی نکالتے ہیں۔ اکثر علماء غرباء اور مساکین ہی ہوئے ہیں۔ **یدعون الی کتب اللہ** تو یہ نیا جملہ ہے جو جائے تعجب کو بیان کرتا ہے اور یا **الذین** کا حال۔ اس کتاب اللہ سے یا قرآن کریم مراد ہے جو کہ تبدل و تغیر سے محفوظ اور فیصلہ کن کلام ہے یا توریت شریف ہی مراد ہے ان کی نافرمانی ظاہر کرنے کے لئے ضمیر نہ لائی گئی بلکہ دوبارہ ذکر کیا گیا یعنی وہ اہل کتاب قرآن یا توریت کے فیصلہ کی طرف بلائے جاتے ہیں۔ بلانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا ان کے نائبین علماء کرام۔ اس سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کتاب اللہ کی دعوت پر نہ حاضر ہونا سخت جرم ہے۔ **لیحکم بینھم** یہ **یدعون** کے متعلق ہے۔ **یحکم**' **حکم** سے بنا بمعنی فیصلہ۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو چکا۔ خیال رہے کہ چونکہ حق سے ہٹنے والے یہودی تھے اس لئے **بینھم** فرمایا گیا نہ کہ **بینکم و بینھم** اور ممکن ہے کہ خود یہود میں اختلاف پڑ گیا ہو۔ اس لئے **بینھم** فرما دیا گیا۔ **یحکم** کا فاعل کتاب اللہ ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ **یدعون** سے معلوم ہو چکے تھے۔ بعض قراتوں میں **لیحکم** صیغہ مجہول بھی ہے (کبیر)۔ **ثم یتولی فریق منھم۔ ثم** ترتیب اور مہلت کے لئے آتا ہے یہاں ترتیب درجہ کی مراد ہے نہ کہ زمانی۔ کیونکہ وہ فوراً ہی توریت سے منہ موڑ گئے تھے۔ **یتولی** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ **تولی** سے بنا بمعنی منہ موڑنا اور پیٹھ پھیرنا۔ **فریق فرقۃ** سے بنا بمعنی گروہ اس سے مراد یا اہل کتاب کے رؤسا ہیں یا ان کے علماء۔ چونکہ منہ موڑنے میں پیش قدمی ان کے سرداروں نے کی تھی۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی سب نے کی اس لئے انہیں کو اس فعل کا فاعل بنایا گیا۔ یعنی پھر جان بوجھ کر اہل کتاب کا ایک گروہ توریت کے حکم سے منہ پھیر جاتا ہے۔ **و ھم معرضون** دو حالیہ ہے اور یہ جملہ **فریق** سے حال ہے یا **منھم** کی ضمیر سے **ھم** کا مرجع۔ یا سارے اہل کتاب میں یا وہی فریق علماء۔ **معرضون** سے ان کا ڈاگی منہ پھیرنا مراد ہے یا **تولی** سے منہ پھیرنا مراد تھا اور **معرضون** سے دلی ناراضگی مقصود یا تولی ایک گروہ نے کی تھی اور اعراض ان سب نے (روح المعانی)۔ یا تولی اس خاص حکم سے تھی اور اعراض سارے احکام سے یعنی وہ اس حکم سے منہ پھیرتے ہیں حالانکہ وہ دل سے بھی ناراض ہیں یا اب اس حکم سے منہ موڑتے ہیں۔ حالانکہ وہ سارے احکام سے ہی پھیرے ہوئے ہیں۔ یا بظاہر ان میں کا ایک گروہ اس حکم سے منہ موڑتا ہے مگر در پردہ وہ سب ہی پھرے ہوئے ہیں۔ یا منہ پھیرنا ان کی عادت ہو چکی ہے۔ مگر سب سے بہتر وہ معنی ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کئے کہ تولی سے پھر جانا اور **معرضون** سے روگردان ہونا مراد لیا۔ اس بناء پر علماء فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی طرف پیٹھ نہ کرو کہ یہ بھی اعراض ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت ہمہ تن گوش

www.alahazratnetwork.org

بن کر اس کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ قادی سامنے ہو تو سب ادھر متوجہ ہوں تاکہ تولی اور اعراض دونوں سے الگ رہے۔ اہل کتاب بے بچے۔ **ذلک بانھم قالوا** یہ نیا جملہ ہے۔ ذلک سے تولی اور اعراض کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ یہود کے مذکورہ اعمال و عقائد بہت گندے اور اسلامیت کیا انسانیت سے بھی دور تھے۔ اس لئے ذلک بعید اشارہ ہوا۔ ذلک بعید کے اشارہ کے لئے آتا ہے۔ بعید زمانا ہو یا مکانا یا اشارۃ چونکہ یہ بد عقیدگی یہود کے گذشتہ گناہوں کا باعث تھی۔ اس لئے ب سببیہ ارشاد ہوئی۔ **بانھم** بان حاصل کا متعلق ہے اور ہم کا مرجع سارے اہل کتاب ہیں۔ قول سے مراد دلی اعتقاد ہے یا زبانی بات۔ یعنی ان کے علماء کے غلط و عقاید یہود کا آپس میں یہ کہنا یا مسلمانوں سے یہ کہنا یا یہ سمجھنا اور عقیدہ رکھنا **لن تمسنا النار الا ایاما معدودات** اس جملہ کی نہایت نفیس تفسیر سورہ بقرہ میں گزر گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ **تمس مس** سے بنا۔ بمعنی چھونا اور پہنچنا اور **ایاما معدودات** سے تھوڑی مدت مراد ہے یعنی گنتی کے دن۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارے بزرگوں نے چالیس دن بچھڑا پوجا تھا' اتنی ہی مدت ہم جہنم میں رہیں گے پھر نہیں رہ سکتے خواہ کچھ بھی کریں۔ یعنی ان کو یہ جرات اور کتاب اللہ سے منہ موڑنے کی ہمت اس لئے ہوئی کہ وہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہمیں تھوڑی مدت ہی عذاب ہو سکتا ہے پھر نہیں **و غرھم فی دینھم ما کانوا یفترون** یہ جملہ **قالوا** پر معطوف ہے۔ **غر غرور** سے بنا بمعنی دھوکہ دینا یا جھوٹی طمع **ھم** کا مرجع وہی اہل کتاب ہیں۔ دین سے مراد ان کا جھوٹا عقیدہ ہے۔ جس کو دین سمجھے بیٹھے تھے۔ **ما** سے ان کے گھڑے ہوئے خیالات مراد ہیں۔ **یفترون فری** سے بنا بمعنی کاٹنا۔ مفردات میں ہے کہ اصلاح کے لئے کاٹنے کو فری کہتے ہیں اور فساد کے لئے کاٹنے کو افتراء اور فری ف کے کسرہ سے بمعنی جھوٹ آتا ہے۔ اسی سے **افتراء** بمعنی اختلاق ہے۔ جھوٹ گھڑنا' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ خیال رہے **فی دینھم** یا تو **غر** کے متعلق ہے یا **یفترون** کے۔ یعنی ان کے گھڑے ہوئے عقیدوں اور جھوٹے خیال نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ جس کو وہ دین سمجھے بیٹھے ہیں کہ عیسائی کفار مسیح کے معتقد ہو بیٹھے اور یہودی شفاعت بزرگان کے اعتماد پر کفر کر بیٹھے (معانی)۔ جن عیوب کو مٹانے کے لئے حضرات انبیاء کرام تشریف لائے تھے' وہی عیوب ان کے دین بن گئے اور جو چیزیں اصول دین تھیں' انہیں بھول گئے۔ افسوس آج ہمارا بھی یہی حال ہے۔ نمازیں چھوڑیں' گانا بجانا دین بن گیا۔ **فکیف اذا جمعنھم لیوم لا ریب فیہ** یہ نیا جملہ ہے اور **کیف تکون** یا **یصنعون** پوشیدہ حال ہے۔ اور ممکن ہے کہ پوشیدہ مبتداء کی خبر۔ یعنی **کیف حالھم اذا جمعنھم** یہ اسی پوشیدہ فعل کا ظرف ہے۔ کیف میں اشارہ فرمایا گیا کہ جو دنیا میں مطمئن رہے انہیں قیامت کے دن بہت صدمہ ہو گا کہ ان کا حساب ان کی توقع کے خلاف ہو گا اور جو مومن یہاں خطرہ میں رہے' قیامت میں ان کی خوشی بے حساب ہو گی کہ خطرہ ٹل گیا' چھٹی مل گئی۔ اور جمع سے مراد قیامت کے دن کا اجتماع ہے۔ اس اجتماع میں جس کی نیک نامی ہو گی وہ بہت ہی سرخرو ہو گا اور بدنام بہت ہی ذلیل ہو گا۔ نیز یہ لوگ اپنے ان انبیاء کے پاس حاضر ہوں گے جن کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے۔ اعمال سے بے نیاز ہو گئے تھے۔ وہ حضرات انہیں منہ بھی نہیں لگائیں گے۔ نیز جنہوں نے انہیں گمراہ کیا تھا وہ سرداران کفر بھی اس مجمع میں ہوں گے وہ لوگ ان کے کچھ کام نہ آئیں گے۔ اس سے ان کی مایوسی بہت زیادہ ہو گی۔ **لیوم** میں لام بمعنی فی ہے یا لام تعلیلیہ ہے۔ جزا پوشیدہ اور یوم سے مراد وقت ہے **لا ریب فیہ** یہ یوم کی صفت ہے یعنی یہ اس وقت کیا کریں گے یا ان کا کیا حال ہو گا جب ہم ان کو جزا و سزا کے لئے اس دن میں جمع کریں گے جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جب ہر ایک اپنے غیم سے حساب لیتا ہے تو رب تعالیٰ اپنے بندوں سے حساب کیوں نہ لے گا۔ اس نے

www.alahazratnetwork.org

ہم کو بے شمار نعمتیں عبث نہ دیں۔ وہ خود فرماتا ہے کہ **افحسبتم انما خلقنکم عبثا و انکم الینا لا ترجعون۔ و وفیت کل نفس ما کسبت** واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ **جمعنھم** پر معطوف۔ **وفیت۔ توفیتہ** سے بنا جس کا مادہ وفاء ہے بمعنی پورا دینا۔ **کل نفس** سے ہر عاقل بالغ انسان مراد ہے کیونکہ جانوروں اور نابالغ بچوں کے اعمال پر جزا و سزا نہیں۔ **ما** سے مراد ہر نیک و بد عمل ہے اور اس سے پہلے جزا پوشیدہ ہے یعنی جزا **ما کسبت۔ کسبت** سے اختیاری اعمال مراد ہیں۔ کیونکہ مجبوری اعمال پر سزا و جزاء نہیں یعنی ہر قابل عمل انسان کو اس کے اختیاری افعال کا پورا پورا بدلا دیا جائے گا۔ **وفیت** کا بیان یہ ہے کہ **و ھم لا یظلمون۔ ھم** کا مرجع **کل نفس** ہے۔ کیونکہ وہ معنا جمع ہے اور ظلم سے مراد نقصان ہے (معانی) یعنی ان کو نقصان نہ پہنچایا جائے گا کہ نہ ان کی نیکیوں کا ثواب کم کیا جائے اور نہ گناہوں کا عذاب زیادہ بڑھایا جائے۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اہل کتاب کی مخالفت پر غمگین نہ ہوں۔ یہ تو اپنے پیغمبروں کے بھی نہ ہوئے کہ انہیں شہید کر ڈالا وہ تو پچھلا واقعہ تھا اب ان کی موجودہ حالت یہ ہے جو آپ دیکھ ہی چکے کہ جب یہ اپنی پہچانی مانی ہوئی کتاب یعنی توریت کی طرف بلائے جاتے ہیں اور ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اس کا فیصلہ مان لو تو اس سے منہ پھیر جاتے اور انکار کر دیتے ہیں جس کتاب کے ماننے کا دعویٰ ہے' جب اس کے ساتھ ان کا یہ معاملہ ہے تو اگر قرآن و صاحب قرآن جس کے وہ ماننے کے مدعی نہیں اس کی مخالفت کریں تو کیا بعید ہے۔ اس بے دینی اور بے باکی کا سبب یہ ہے کہ ان کے پیروں' مرشدوں نے کچھ ڈھکوسلے ان کے دل میں بٹھا دیئے ہیں کہ یہود چونکہ نسل ابراہیمی سے ہیں۔ اس لئے انہیں چند روزہ عذاب ہو گا۔ جتنے دن ان کے باپ دادا نے بچھڑا پوجا تھا۔ پھر ان کی رہائی یقینی ہے خواہ وہ دنیا میں کچھ بھی کریں یا یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام عیسائیوں کے گناہوں کے عوض سولی کھا گئے' ان کی صلیب ان کے گناہوں کا کفارہ ہو چکی۔ اب یہ جو چاہیں کریں' انہیں کوئی عذاب نہیں۔ ان ڈھکوسلوں کو انہوں نے دین سمجھا ہے اور انہیں پر یہ مغرور ہیں۔ خیال تو کرو کہ اس وقت کیسی ہو گی' جب ہم ان سب کو قیامت کے دن سزا و جزا کے لئے جمع کریں گے۔ جس میں کوئی شک نہیں اور ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری سزا و جزا دی جائے گی۔ تب ان کو اپنے خیالات خام کی حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ ہم کچھ سمجھتے تھے اور ہوا کچھ اور اس دن کسی پر ظلم نہ ہو گا کہ نہ کسی کی نیکیاں ضائع جائیں اور نہ برائیاں بڑھائی جائیں۔ بعض روایات میں ہے کہ قیامت کے دن سارے کفار سے پہلے یہود کا جھنڈا بلند کیا جائے گا اور انہیں سر محشر رسوا کر کے جہنم میں بھیجا جائے گا (خازن و روح)۔ نیز عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہود کا عقیدہ یہ تھا کہ جہنم کے دونوں کناروں میں چالیس سال کا فاصلہ ہے اور آخری کنارہ پر درخت خاردار ہے۔ جسے زقوم کہتے ہیں۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم زقوم کے پہنچنے تک عذاب پائیں گے وہاں پہنچ کر جہنم ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا ان کے عقیدہ میں دوزخ اور وہاں کا عذاب دائمی نہیں۔ اس آیت میں اسی عقیدہ کا بیان اور اسی کی تردید ہے (روح البیان)۔ خیال رہے کہ دوزخ کی تپش دنیا میں بھی آ رہی ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دوپہر کی گرمی دوزخ کی بھڑک سے ہے۔ لہٰذا ظہر ٹھنڈی کر کے پڑھو۔ مگر یہ گرمی رحمت ہے جس میں دنیا کا انتظام قائم ہے۔ آخرت میں دوزخ کے عذاب کی چار نوعیتیں ہوں گی۔ قبر کافر میں دوزخ کا اثر گرمی' بدبو وغیرہ آوے گی' بعینہ آگ نہ آوے گی۔ بعد حشر دوزخ سے دور رہیں گے۔ صرف ایک چنگاری ان کے تلوے میں ہو گی۔ جس سے دماغ کھولتا ہو گا۔ بعض آگ میں داخل ہوں گے۔ بعض کے اندر آگ داخل ہو گی۔ پہلا عذاب سب سے ہلکا ہے۔ اس کو مس نلو کہا جاتا ہے۔ آخری عذاب بہت سخت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ فرماتا ہے تطلع علی الا فئدة یہود کہتے تھے کہ ہم کچھ بھی کریں ہم کو ایک منٹ کے لئے بھی عذاب نہ ہو گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سولی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو چکی۔ جب ان کی بے خوفی کا یہ حال ہے تو اب وہ گناہوں سے کیونکر بچیں۔ نیک اعمال کیوں کریں۔ دینی نظام تو خوف و امید سے قائم ہے۔ جب خوف ہی ختم ہو گیا تو دین سے انہیں کیا تعلق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دین کو اپنی رائے کے مطابق کرنے کی کوشش طریقہ یہود ہے کہ وہ توریت کے سخت احکام سے پھر جاتے تھے اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو خواہش کے مطابق فتویٰ چاہتے ہیں اور ان علماء کے دشمن ہو جاتے ہیں جو ان کی رائے کے خلاف حق مسائل بیان کریں۔ اسلام کو اپنے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنے کو اسلام کے سانچے میں ڈھالو۔ اب تو مسلمان اسلام میں اپنی رائے کے مطابق کتر چھانٹ کر رہے ہیں۔ اسلامی پردہ، سود، پوتے کی میراث وغیرہ سب کو رائے کے مطابق بنانا چاہتے ہیں، یہ وہی یہودیانہ حرکت ہے۔ بیمار حکیم کے تابع، بیٹا باپ کے تابع، رعایا بادشاہ کے تابع ہے تو چاہئے کہ مسلمان جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوں۔ دوسرا فائدہ: مومن کی عبادت برباد نہ ہو گی اور نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے۔ جیسے کہ وفیت کل نفس سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: رحمت رب پر امید "ایمان کا رکن ہے اور اس سے امن" کفر۔ اہل کتاب کو امن نے گناہوں پر دلیر کر دیا۔ چوتھا فائدہ: شریعت کے فیصلہ پر راضی ہونا علامت ایمان ہے اور اس سے ناراضی کفر اور طریقہ یہود۔ جیسا کہ ثم یتولی الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود کو حضور علیہ السلام کی نبوت کا یقین تھا۔ اسی لئے وہ بعض دفعہ اپنے دینی معاملے میں حضور علیہ السلام سے فیصلہ چاہتے تھے اگرچہ عناداً مخالفت بھی کرتے تھے۔ چھٹا فائدہ: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے جیسا کہ اوتوا نصیبا" کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: علم دین اللہ کی بڑی نعمت ہے یہ بھی اوتوا نصیبا سے ہی معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا ۔ آٹھواں فائدہ: علم بے عمل بیکار ہے بلکہ مضر ہے۔ نواں فائدہ: شکر بقدر نعمت چاہئے۔ عالم کو چاہئے کہ شکر زیادہ کرے۔ دسواں فائدہ: نیکی کا ثواب بخش دینے سے خود عامل کا ثواب کم نہیں ہو جاتا۔ اسے پورا بلکہ زیادہ ملتا ہے جیسا کہ وفیت سے معلوم ہوا۔ علم، چراغ کی روشنی، سمندر کا پانی اور اعمال کا ثواب خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ ثواب بخشنے والے کو اس کا اجر پورا پورا ملے گا۔ نیک عمل کا ثواب بھی اور بخشنے کا بھی۔ گیارھواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زبان عبرانی اور توریت شریف کو جانتے تھے۔ ورنہ آپ علماء یہود سے توریت سے فیصلہ کرنے کو نہ فرماتے۔ ایسی جرأت سے وہی کلام کر سکتا ہے جسے کتاب پر پورا عبور ہو اور ظاہر ہے کہ اس وقت توریت کا ترجمہ عربی میں نہیں ہوا تھا۔ عبرانی ہی میں تھی۔ معلوم ہوا کہ سارے علوم حاصل کر کے دنیا میں تشریف لائے۔

اعتراض : پہلا اعتراض: اسلام میں رجم کے لئے شرط یہ ہے کہ زانی و زانیہ محصن ہوں یعنی مومن اور شادی شدہ۔ یہود کافر ہیں، انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رجم کیوں کروایا؟ وہ محصن نہ تھے، محصن میں ایمان شرط ہے۔ جواب: ان کا رجم حکم اسلامی سے نہ تھا نہ ان پر اسلامی احکام جاری ہیں۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی مشرکین عرب کو زنا کی وجہ سے رجم نہ کیا بلکہ خود ان کی کتاب کا حکم ان پر جاری فرمایا وہ بھی اس لئے کہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا

www.alahazratnetwork.org

حکم و حاکم مان لیا تھا۔ اب بھی اسلامی حاکم کفار پر ان کے مذہبی احکام ان پر جاری فرماوے گا اگر ان کا مقدمہ اس کے پاس آئے۔ چنانچہ کفار کے میراث کے احکام ان کے مذہب کے مطابق ان پر جاری ہوں گے نہ کہ اسلام کے مطابق۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبیوں کی شفاعت اور باپ دادا کی بزرگی پر ناز کرنا طریقہ یہود ہے کہ وہ اس شفاعت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے وہ مسلمان جو شفاعت انبیاء کے معتقد ہیں 'طریقہ یہود پر ہیں (بعض دیوبندی)۔ **جواب:** شفاعت انبیاء پر ناز تقاضائے ایمان ہے 'ہاں شفاعت پر اعتماد کر کے گناہوں پر دلیر ہو جانا اور ایمان کی پرواہ نہ کرنا طریقہ یہود ہے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ ہم شفاعت کی مکمل بحث پہلے پارہ اور آیت الکرسی کی تفسیر میں کر چکے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہنم سے گنہگار کبھی نہ نکلیں گے اور جہنم سے رہائی کا اعتقاد عقیدہ یہود ہے (معتزلہ)۔ **جواب:** گنہگار مومن جہنم سے ضرور رہائی پائے گا اس پر آیات اور احادیث گواہ ہیں۔ کفار کے لئے رہائی ماننا اور محض نسب پر اعتماد کرنا طریقہ یہود ہے۔ وہ یہی کہتے تھے کہ چونکہ ہم ابراہیمی ہیں لہٰذا خواہ انبیاء کو قتل کریں یا کتاب اللہ کا انکار 'دین بدلیں 'کتابوں میں تحریف کریں 'کچھ کریں۔ جہنم ہمارے لئے دائمی نہیں۔ الحمدللہ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں 'کافر کے لئے نسب کوئی چیز نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ معافی اور بخشش کوئی چیز نہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا۔ **و وفیت کل نفس** اس آیت سے آریہ دھرم کی تائید ہوتی ہے۔ پھر مسلمان نے بخشش کا عقیدہ کہاں سے نکالا۔ اگر گناہ معاف ہوئے تو پورا بدلا نہ ملا۔ اور آیت فرما رہی ہے پورا بدلا ملے گا (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت نفی ظلم کے لئے ہے۔ اسی لئے آخر میں فرمایا گیا **و هم لا يظلمون** اور اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی پر ظلم نہ ہو گا کہ اس کی نیکی کم کر دی جائے یا گناہ بڑھا دیئے جائیں۔ گناہ کی معافی اور نیکیاں بڑھانا اس کے خلاف نہیں۔ اگر بادشاہ ملازموں کو تنخواہ سے زیادہ عطا فرماوے تو وہ کہہ سکتا ہے کہ میں کسی کا حق نہیں مارتا۔ پورا دیتا ہوں 'یہ اردو کا بھی محاورہ ہے۔ جو دوست وعدہ سے زیادہ کام کرے اسے وفادار کہا جا سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں تین لفظ قابل غور ہیں۔ **وفیت** اور **کل نفس** اور **ما کسبت**۔ ظاہر ہے کہ **کل نفس** سے بچے 'دیوانے 'مجبور لوگ علیحدہ ہیں۔ ایسے ہی **ما کسبت** سے غیر اختیاری کام اور بچوں 'دیوانوں کے کام خارج۔ ایسے ہی **وفیت** سے بخشش علیحدہ۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت عقیدہ یہود کی تردید میں ہے۔ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمیں کفر کے باوجود پوری سزا نہ ملے گی۔ اور بلا نیکی کئے ثواب مل جائے گا۔ ان کی تردید میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ غلط ہے۔ بغیر کئے ثواب کیسا اور کفر کا بدلہ کیوں نہ دیا جائے ضرور دیا جائے گا۔ لہٰذا یہ **وفیت** نقصان کے مقابلہ میں ہے۔ کافروں کی سزا میں کمی نہ کی جائے گی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو اپنے ہی اعمال کا بدلہ ملے گا۔ پھر ثواب بخشنے کے کیا معنے؟ (آریہ) **جواب:** اس کا مکمل جواب **لها ما كسبت** کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا۔ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے کہ کسی کی نیکی ضائع نہ ہو گی پوری ملے گی۔ دوسرے کو نیکی کے ثواب کا یہاں انکار نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** **جمعنهم ليوم** کہنا غلط ہے۔ **فی يوم** کہنا چاہئے تھا۔ کیونکہ روز قیامت جمع ہونے کا وقت ہے۔ یعنی ظرف (بعض بے دین)؟ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ یہاں جزاء یا حساب پوشیدہ ہے یعنی قیامت کی سزا و جزاء کے لئے جمع کئے جائیں گے اگر کوئی کہے **جمعوا ليوم الخميس** تو اس کے معنے یہ ہوں گے کہ جمعرات کے لئے جمع کئے گئے۔

تفسیر صوفیانہ : عقل مند وہ ہے جو اللہ سے امید نہ توڑے اگرچہ اس کے گناہ سمندر کے جھاگ کے برابر ہوں۔ ممکن ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ اس کی کوئی نیکی رب نے قبول کرلی ہو۔ حدیث شریف میں ہے کہ بعض بڑے گنہگار محض اس بناء پر بخش دیئے جائیں گے کہ وہ رحمت الٰہی کے امیدوار تھے۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ صدق دل سے کلمہ پڑھنے والے کو انشاء اللہ موت و قبر کی وحشت اور قیامت کی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ وہ قبروں سے خاک جھاڑتے یوں کہتے اٹھیں گے کہ **الحمد للہ الذی اذھب عنا الحزن** (روح البیان)۔ نیز علامت ایمان یہ ہے کہ خواہ کتنا ہی نیک کار ہو مگر رب سے بے خوف نہ رہے۔ نہ معلوم کس گناہ پر اس کی پکڑ ہو جائے۔ بدنصیب وہ ہے جو دنیوی اعمال پر دھوکہ کھا جائے۔ کاملین نیکیوں کے باوجود خاتمہ سے ڈرتے تھے۔ امام غزالی نے منہاج العابدین میں فرمایا کہ توبہ کے تین مقدمات ہیں۔ اپنے گناہ کو انتہائی برا جاننا۔ رب تعالیٰ کی انتہائی سزا کو یاد کرنا اپنے کو ضعیف اور بے کس سمجھنا۔ اے انسان جب تجھ میں گرم دھوپ اور سپاہی کے چپت اور بچھو کے ڈنک کی برداشت نہیں تو دوزخ کی گرمی اور فرشتوں کے ہتھوڑوں اور ان بچھوؤں کے ڈنک کی برداشت کیسے ہوگی۔ جن کے ڈنک مثل کھجور کے ہیں۔ یہود اپنے باپ دادا کی نیکی پر پھول گئے مگر اللہ والے اپنی نیکیوں پر بھی اعتماد نہیں کرتے۔ شیخ سعدیؒ نے کیا خوب فرمایا۔

مرا بے بباید چو طفلاں گریست ز شرم گناہاں ز طفلاں نہ زیست

چو گفت لقمان کہ نازیستن! بہ از سالہا بر خطا زیستن

ہم از بامداداں در کلبہ بست بہ از سود سرمایہ داون ز دست

گناہوں کی زندگی سے موت بہتر اور بدکاری کے ساتھ جاگنے سے سونا اچھا۔ جس دکان کے سودے میں نقصان ہو وہ بندہی بہتر ہے۔ قیامت میں اعمال کی پوچھ گچھ ہے نہ کہ نسب کی۔ یہ آیت کریمہ بہت عبرت کی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے تمام اعضاء ظاہری کے بعض اعمال عبادت ہیں، بعض اعمال گناہ۔ ایسے ہی دل و دماغ کے بعض تفکر و غور عبادت ہیں، بعض غور و تفکر گناہ، بعض کفر اللہ کی نعمتیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں، اپنے گناہ، کفار کی حماقتیں سوچنا عبادات ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک ایمان کے ساتھ دیکھنا کعبہ معظمہ، قرآن کریم، ماں باپ استاد دین کو عظمت سے دیکھنا عبادت۔ ایسے ہی کفار کو حقارت سے دیکھنا عبادت۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **الم تر الی الذین** الخ حدیث شریف میں ہے کہ دین میں اپنے سے اونچے کو دیکھو، دنیا میں اپنے سے نیچے میں غور کرو۔ یہ غور بھی عبادت ہے۔ بروں کے برے اعمال کو حقارت سے دیکھنا، اچھوں کے اچھے کام عظمت سے دیکھنا ثواب ہے **الی الذین** سے اشارہ اسی جانب ہے۔

قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ

کہو کہ اے اللہ مالک ملک کے دیتا ہے تو ملک جس کو چاہتا ہے اور چھینتا ہے ملک جس سے چاہتا ہے اور عزت دیتا ہے

یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے چاہے

تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ

جس کو چاہتا ہے اور ذلت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بیچ ہاتھ تیرے بھلائی ہے تحقیق تو اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے۔

عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کر سکتا ہے

www.alahazratnetwork.org

قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ

داخل کرتا ہے تو رات کو بیچ دن کے اور داخل کرتا ہے تو دن کو بیچ رات کے اور نکالتا ہے زندہ کو مردے سے

تو دن کا حصہ رات میں ڈالے اور مردے سے زندہ نکالے اور زندہ سے مردہ

الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور رزق دیتا ہے تو جسے چاہے بے حساب ؕ

نکالے اور جسے چاہے بے گنتی دے ؕ

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اہل کتاب کی سرکشی اور ان کے عناد کا ذکر تھا۔ اب مسلمانوں کو خدا کی حمد و ثنا کی تعلیم دی جا رہی ہے تاکہ ان کی وفاداری اور اطاعت شعاری کا پتہ لگے۔ چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لئے سرکشی کے بعد اطاعت کا ذکر مناسب تھا۔ دوسرا تعلق: یہود کی نگاہ دنیا اور اس کے اسباب پر تھی' اس لئے وہ صحابہ کرام کو ان کی مفلسی کی وجہ سے نگاہ حقارت سے دیکھتے تھے اور اپنی بڑائی پر نگاہ کرتے ہوئے کتاب اللہ کے احکام کی پرواہ بھی نہ کرتے تھے جیسا کہ گذشتہ آیت سے معلوم ہوا۔ اس آیت میں اس کی تردید کی جا رہی ہے کہ اے محبوب! ان لوگوں کو آپ پڑھ کر سنا دو تاکہ انہیں اپنی کمزوری اور رب تعالیٰ کی قدرت کا پتہ لگے۔ جس سے وہ اطاعت پر راغب ہوں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ یہود جنت کو اپنی میراث' اپنے کو نبوت کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے۔ اسی لئے وہ کہتے تھے' ہم کچھ بھی کریں ہمیں عذاب عارضی اور معمولی ہو گا۔ اس آیت میں اشارتاً ان کے اس خیال کی نہایت نفیس تردید کی جا رہی ہے کہ جیسے دنیوی سلطنت کسی قوم کی میراث نہیں۔ رب جس خاندان سے چاہے سلطنت نکال لے اور جسے چاہے بخش دے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ سے سلطنت یہود کو ملی پھر ان کے بد عملوں کی وجہ سے یہود سے منتقل ہو کر قبطیوں میں پہنچ گئی حتیٰ کہ فرعون نے انہیں بہت ذلیل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پھر سلطنت انہیں یہود سے منتقل ہو کر قبطیوں میں پہنچ گئے حتیٰ کہ فرعون نے انہیں بہت ذلیل کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے پھر سلطنت انہیں یہود کو عطا ہوئی مگر بعد میں بخت نصر وغیرہ سلاطین جو بہت ظالم و جابر تھے' ان پر مسلط کئے گئے۔ غرض سلطنت قوموں میں منتقل ہوتی رہی ایسے ہی اخروی نعمت یعنی نبوت وغیرہ کسی خاندان کی ملکیت نہیں۔ رب جسے چاہے' اس نعمت سے نوازے۔ چنانچہ اب تک بنی اسرائیل میں نبوت رہی' اب بنی اسمٰعیل میں پہنچی کہ یہ خاندان عرصہ سے نبوت سے خالی تھا۔ ہزاروں تارے تم میں کھلائے' ایک سورج ان میں چمکا دیا۔ نیز جیسے دنیا میں اچھوں سے برے اور بروں سے اچھے پیدا ہوتے ہیں' برے اپنے باپ دادا کی خوبی سے نفع حاصل نہیں کر سکتے' ایسے ہی نبیوں کی اولاد کافر اور کفار کی اولاد ولی ہو سکتی ہے مگر اولیاء پر اپنے باپ دادا کے کفر کا وبال نہ ہو گا اور کفار کو باپ دادا کی نبوت سے فائدہ حاصل نہیں تو تم کیوں مغرور ہو۔

شان نزول : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احزاب کے موقعہ پر جسے غزوۂ خندق بھی کہتے ہیں' صحابہ کرام کو خندق کھودنے کا حکم دیا اور ہر دس صحابہ پر چالیس گز زمین تقسیم فرمائی' جسے وہ کھودیں' عمرو ابن عوف فرماتے ہیں کہ میں اور

www.alahazratnetwork.org

سلمان فارسی اور حذیفہ ابن یمان اور نعمان اور چھ انصاری ایک جگہ کھدائی کر رہے تھے کہ اچانک زمین میں ایک سخت پتھر نمودار ہوا جس نے ہماری کدال بیکار کردی اور وہ نہ ٹوٹا۔ حضرت سلمان فارسی نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر یہ واقعہ عرض کیا کہ ایک پتھر نمودار ہو گیا ہے' وہ نہیں ٹوٹتا۔ حضور علیہ السلام نے کدال خود لی اور سلمان کے ساتھ خندق میں اترے اور اس پتھر پر چوٹ جو ماری تو اس سے سفید روشنی نمودار ہوئی۔ جیسے اندھیرے گھر میں چراغ۔ سب نے تکبیر کہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اس وقت حیرہ کے محل دکھائے گئے پھر دوسری چوٹ پر پھر چمک پیدا ہوئی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے شام کی زمین دکھائی گئی۔ تیسری چوٹ پر پھر روشنی ظاہر ہوئی اور پتھر ٹوٹ گیا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے صنعاء کے محل ظاہر ہوئے اور جبریل نے خبر دی کہ میری امت کی سلطنت ان سب پر ہوگی۔ مسلمانوں نے خوش ہو کر الحمد للہ پڑھی جس پر منافقین ہنسنے لگے اور بولے کہ مسلمان مدینہ میں بیٹھے ہوئے حیرہ اور کسریٰ کے ملکوں کی خواب دیکھ رہے ہیں ان میں باہر نکل کر کفار سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ چھپنے کے لئے خندق کھود رہے ہیں اور حیرہ و صنعاء جیسے مضبوط ملکوں کی امید باندھ رہے ہیں تب یہ آیت نازل ہوئی (کبیر و معانی)۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فتح مکہ کے دن صحابہ کرام کو ملک فارس و روم کے فتح کی خوشخبری سنائی۔ جس پر منافقین نے طعنہ دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مدینہ پر قناعت نہیں کرتے' فارس و روم کے طمع میں ہیں۔ کہاں یہ اور کہاں وہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ ملک بڑے زبردست اور نہایت محفوظ ہیں اس پر یہ آیت کریمہ اتری (خازن و خزائن)۔ بعض روایات میں ہے کہ یہ یہود کہتے تھے کہ ہم ان کی اطاعت نہ کریں گے' جنہوں نے نبوت کو بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمٰعیل میں پہنچا دیا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (خازن)۔

تفسیر : قل اللھم مالک الملک۔ قل یا تو خاص حضور علیہ السلام کو خطاب ہے اور اس کا متعلق اللہ تعالیٰ ہے یا مسلمان یعنی اے محبوب! رب تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ عرض کرو تاکہ الفاظ ہمارے ہوں زبان تمہاری۔ زبان و کلام کی تاثیریں جمع ہو جائیں تو اثر زیادہ ہو یا مسلمانوں کو یہ دعا سکھاؤ۔ انہیں اس دعا کی اجازت دے دو تاکہ تمہاری اجازت سے دعا کی تاثیر زیادہ ہو۔ یا مضطر دعا مانگے یا مضطر و بے قرار ہے۔ دعا منگوائے مضطر کی اجازت سے دعا کرے تاکہ اضطرار شامل ہو کر دعا کو قبولیت سے قریب کر دے۔ اسی صورت میں قل سے اجازت شیخ کا ثبوت ہوا کہ وظیفے اور دعائیں کسی کی اجازت سے استعمال کرو۔ تلوار اپنی ہو سان دوسرے کی۔ یا ہر مسلمان کو **اللھم** اصل میں یا اللہ تھا یا حذف کر کے اس کے عوض آخر میں میم مشدد لگا دی گئی یہ اللہ کی خصوصیت ہے۔ زیدم یا عمرم نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی بغیر ایہا کے یا کا آنا اور اس کے ہمزہ کا قطعی ہونا اور ت قسم کا آنا اور حرف ندا کے عوض ہمزہ استفہام آجانا اللہ کے ساتھ خاص ہے (روح المعانی)۔ بعض نے کہا کہ **اللھم** کی اصل یا اللہ ام بخیر ہے یعنی اے اللہ ہماری بھلائی کا ارادہ فرما۔ چونکہ اس کا استعمال زیادہ تھا۔ اس لئے یا اور ام کی ہمزہ دونوں دور کر دیئے اللھم ہو گیا۔ جیسے **ھلم** کہ اصل میں ھل اؤم تھا (کبیر و معانی)۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ **اللھم** کی میم میں ان تمام اسماء الہیہ کی طرف اشارہ ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے ملک' مالک' منان' مقتدر' مجید' معید' مقیت وغیرہ۔ جس نے اللھم کہہ کر دعا مانگی اس نے گویا ان تمام ناموں کے وسیلے سے دعا مانگی جن کے اول میم ہے اس لئے اکثر دعاؤں میں اللھم آتا ہے۔ نیز اللہ اسم ذات ہے باقی اسماء صفاتیہ ہیں۔ اسم ذات کو پکار کر دعا افضل ہے۔ بعض کے خیال میں اللہ اسم اعظم ہے لہٰذا اس کے توسل سے دعا انشاء اللہ ضرور قبول ہو گی۔ **مالک الملک** یہ ترکیب میں یا دوسرا منادیٰ ہے۔ یا **اللھم** کی صفت (کبیر و معانی)۔ ہم مالک اور ملک کا نفیس فرق مالک

www.alahazratnetwork.org

یوم الدین کی تفسیر میں کرچکے۔ ملک بمعنی قدرت ہے اور مالک بمعنی قادر' مالک الملک کے معنی ہوئے قدرت دینے پر قادر' اصطلاح میں کسی پر مضبوط قبضہ رکھنے کو ملک کہا جاتا ہے۔ ملک میم کے کسرہ سے بمنزلہ جنس ہے۔ ہر ملک ملک ہے مگر ہر ملک ملک نہیں۔ لسان العرب میں ہے کہ ملک و ملکوت جب خدا کی طرف نسبت دیئے جائیں تو ان کے ایک ہی معنی ہوتے ہیں۔ تفسیر کشاف میں ہے کہ مالک الملک سے مراد ہے ہر ملکیت کا مالک کہ وجود عدم' موت زندگی' عذاب و ثواب سب اسی کے قبضہ میں ہے۔ کوئی اس کا شریک نہیں۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں۔ مالک الملک بادشاہوں کا مالک اور ان کا وارث' اصطلاح میں بڑے علاقے کا نام ملک ہے۔ شہر' ضلع' صوبہ' علاقہ' ملک۔ ان سب میں ملک بڑا ہے۔ اللہ کے ملک بہت ہیں۔ ملک اجسام' ملک انوار' ملک امکان' ملک امر۔ رب تعالیٰ ان سب ملکوں کا مالک ہے۔ ملک اجسام سب سے چھوٹا ملک ہے۔ تمام آسمان زمین جنت کے مقابلہ میں سات کوڑیاں ہیں میدان میں۔ الملک میں الف لام جنسی ہے جو سب ملکوں کو شامل ہے۔ رب سارے ملکوں کا حقیقی مالک ہے **تو تی الملک من تشاء** یہ نیا جملہ ہے جو مالک الملک کی وسعت کو بیان کر رہا ہے اور ممکن ہے کہ **اللھم** کا حال ہو یا انت مبتداء کی خبر۔ خیال رہے کہ اس ملک سے پہلا ملک مراد ہے کیونکہ جب معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو دوسرے سے پہلا مراد ہوتا ہے یعنی جس ملک کا تو مالک ہے وہی دوسرے کو دے سکتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس ملک سے مراد نبوت و رسالت و باطنی سلطنت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اتینھم ملکا عظیما** ہم نے آل ابراہیم کو بڑا ملک یعنی نبوت عطا فرمائی۔ چونکہ نبی کی حکومت ظاہر و باطن سب پر ہے اور بادشاہوں کی سلطنت فقط ظاہر پر۔ اس لئے نبوت کو ملک فرمایا گیا۔ چونکہ منافقین یا اہل کتاب حضور علیہ السلام کی نبوت پر اس لئے معترض تھے کہ آپ بنی اسمٰعیل میں سے ہیں۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ آئی۔ بعض کے نزدیک ملک سے سلطنت مراد ہے یعنی زمین پر حکومت۔ اور مال و عزت' کھیتی باڑی اور سامان کی زیادتی اور لوگوں پر ہیبت۔ بعض کے نزدیک ملک سے ساری ملکیتیں مراد ہیں لہذا اس میں ملکیت نبوت اور سلطنت علم' عقل' تندرستی' اچھے اخلاق' قدرت' محبت' ملکیت' اموال سب داخل ہیں (کبیر) **من** تو تی کا دوسرا مفعول ہے اور **تشاء من** کا صلہ' مالک الملک کے بعد عطا ملک کا ذکر اس لئے فرمایا کہ کامل مالک وہی ہوتا ہے جو دوسرے کو دے بھی جو خود مالک یا قابض تو ہو مگر دوسرے کو دے نہ سکے تو وہ ناقص مالک ہے جیسے آج پاکستان میں مہاجر لاٹ شدہ مکانات کے مالک تو ہیں مگر فروخت یا ہبہ نہیں کرسکتے۔ کیونکہ پورے مالک نہیں۔ رب کی پوری ملکیت کا ثبوت اس کی تملیکت سے ہوگا۔ اگر وہ بندوں کو ملک کا مالک نہ کرسکے تو خود پورا مالک نہیں جو۔ عطاء الٰہی انبیاء و اولیاء کو کسی چیز کا مالک نہیں مانتے وہ در پردہ رب کو پورا مالک یعنی مالک کر دینے پر قادر نہیں مانتے۔ ان حضرات کی ملکیت رب تعالیٰ کی کامل ملکیت کی دلیل ہے **و تنزع الملک ممن تشاء** یہ جملہ تو تی پر معطوف ہے اور جو اس کا حال تھا وہ اس کا ہے۔ یہ پچھلے دونوں ملک ایک ہی معنی میں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مولیٰ تو ملک دینے کے بعد بھی اس ملک کا مالک رہتا ہے' غلام کی ملکیت مولیٰ کی ملکیت ہے۔ بندے کی ملک رب کی ملک ہے۔ لہذا تو ملک دے کر واپس بھی لے سکتا ہے کہ ہر چیز تیری ہی ملک جو ہوئی۔ یا محض اہتمام کے لئے ضمیر نہ لائی گئی۔ دونوں جگہ تشاء کا مفعول پوشیدہ ہے۔ وہاں ایتاء ہ مفعول پوشیدہ ہے وہاں ایتاء ہ مفعول تھا اور یہاں نزعہ یعنی اے اللہ ہر ملک کا حقیقی مالک تو ہے جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ خیال رہے کہ تنزع نزع سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کو اس کی جائے قرار سے کھینچ لینا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و نزعنا ما فی صدورھم من غل** اسی سے تنازع اور منازعت ہے بمعنی

www.alahazratnetwork.org

جھگڑا اور ایک دوسرے سے کو کھینچنا۔ اس عبارت سے یا تو سلطنت سے محروم کر دینا مراد ہے یا دے کر چھین لینا **و تعز من تشاء و تذل من تشاء۔ تعز عز** سے بنا بمعنی غلبہ اور شرف اور **تذل ذل** سے بنا بمعنی مغلوبیت اور حقارت عزت سے یا دینی عزت مراد ہے۔ جیسے ایمان' تقویٰ پرہیزگاری اور آخرت میں ثواب یا دنیوی' جیسے زیادت مال' اور مخلوق کے دل میں ہیبت۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے ساری عزتیں مراد لی جائیں۔ ایسے ہی تذل سے اس کا مقابل مراد ہے۔ یعنی دنیوی ذلت جیسے مجبوری مقہوری دنیا کی لعنت اور طعنے یا اخروی ذلت جیسے کفر' برے اخلاق اور آخرت کا عذاب۔ اور بہتر یہ ہے کہ ساری ذلتیں مراد ہوں۔ یعنی تو جسے چاہے دین و دنیا میں عزت دے اور جسے چاہے دونوں جہان میں ذلیل کر دے۔ **بیدک الخیر** یہ نیا جملہ ہے بیدک خبر ہے اور **خیر** مبتدا۔ ید سے مراد قدرت ہے یا قبضہ خیر میں الف لام جنسی یا استغراقی ہے۔ یہ مقابل شر کا ہے بمعنی بھلائی۔ اس میں دنیا اور آخرت کی ساری بھلائیاں داخل ہیں۔ بیدک کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی دین و دنیا کی ساری بھلائیاں اور خوبیاں تیرے ہی قبضہ میں ہیں۔ ہدایت' ایمان' عرفان' نبوت' سلطنت' مال و دولت کا صرف تو ہی حقیقی مالک ہے۔ تیرے سوا کوئی نہیں **انک علی کل شیء قدیر** ۔ یہ تمام مضامین کا تتمہ ہے۔ شیء میں ہر ممکن چیز داخل ہے۔ اگرچہ رب تعالیٰ ہر خیر و شر کا مالک ہے مگر ادب کے لئے خیر کا صراحتاً" ذکر فرمایا اور شر کو شیء کے ضمن میں بیان کر دیا یا یوں کہو کہ چونکہ اس آیت کا نزول نبوت و سلطنت کے متعلق ہوا تھا اور یہ چیزیں خیر ہیں نہ کہ شر۔ اس لئے خیر کا ذکر صراحتاً" کیا اور شر کا ضمناً" **تولج الیل فی النہار و تولج النہار فی الیل۔ تولج ایلاج** سے بنا جس کا مادہ ولج یا ولوج ہے بمعنی تنگ جگہ میں داخل ہونا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **حتی یلج الجمل فی سم الخیاط** چونکہ رات و دن ضدین اور ایک دوسرے کے پورے مقابل ہیں۔ اس لئے یہاں ولوج فرمایا گیا۔ یا تو لیل سے مراد رات اور **نہار** سے دن مراد ہے اور ان کے داخل کرنے سے مراد رات دن کا گھٹنا بڑھنا ہے کہ گرمیوں میں دن پندرہ گھنٹے کا ہوتا ہے اور رات نو گھنٹے کی' اور سردی میں اس کے برعکس یا رات دن کا آگے پیچھے آنا مراد ہے یا لیل سے تاریکی اور نہار سے مراد روشنی ہے کہ شام کے وقت روشنی پر تاریکی چھا جاتی ہے اور صبح کے وقت تاریکی پر روشنی غالب آتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ رات کی جگہ میں دن کو داخل کرتا ہے اور دن کی جگہ میں رات کو کہ ایک ہی زمین پر کبھی رات کا راج ہوتا ہے اور کبھی دن کا۔ چونکہ رات پہلے ہوتی ہے اس لئے رات کا ذکر پہلے فرمایا۔ دن کا بعد میں۔ خیال رہے کہ زمین کا دن رات اور ہے' جسم کا دن رات کچھ اور' دل کا دن رات کچھ اور' قوموں کا رات و دن کچھ اور' بیماری' تندرستی' زندگی و موت' جسم کے رات دن ہیں۔ غفلت و بیداری' کفر و ایمان' فسق و اطاعت دل کے رات و دن ہیں' زوال و کمال قوموں کے رات و دن ہیں کہ ایک قوم کو کمال کا زمانہ غنیمت جاننا چاہئے کہ اس کے لئے بقا نہیں۔ **و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی** یہ جملہ تولج پر معطوف ہے اور حی حیات سے مشتق ہے اور میت موت سے۔ بعض نے کہا کہ میت اور میّت ایک ہی معنی میں ہے۔ جیسے ھین اور لین۔ بعض کے نزدیک میت وہ جس پر موت آچکی ہو۔ اور میت وہ جو قابل موت ہو ابھی مرا نہ ہو یہاں حی سے جاندار اور میت سے بے جان مراد ہے چونکہ حیات اور موت کی بہت قسمیں ہیں۔ اس لئے اس آیت میں بہت وسعت ہے۔ یعنی تو زندہ کو مردے سے مردے کو زندہ سے نکالتا ہے۔ زندہ انسان کو بے جان نطفے سے' بے جان نطفے کو جاندار انسان سے۔ یونہی جاندار چوزے کو بے جان انڈے سے' بے جان انڈے کو جاندار مرغ سے۔ یونہی سبز گھاس کو خشک دانہ سے اور خشک دانہ کو سبز گھاس سے۔ ہرے بھرے درخت کو خشک

www.alahazratnetwork.org

بیج سے ' خشک بیج کو ہرے بھرے درخت سے ' ایسے ہی مومن کو کافر سے۔ کافر کو مومن سے ' ایسے ہی زکی کو غبی سے ' غبی کو زکی سے پیدا فرماتا ہے۔ شقی سے ولی اور ولی سے شقی نکالتا ہے۔ بلکہ ایک ہی شخص کبھی مومن ہوتا ہے ' کبھی کافر ' کبھی بد نصیب ' کبھی خوش نصیب ' کبھی خوبصورت ' کبھی بد صورت۔ بلکہ ایک شخص کی بعض اولاد کافر ' بعض مومن۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسم کی زندگی و موت اور ہے ' روح کی زندگی و موت کچھ اور۔ سبزہ اور زمین کی زندگی موت کچھ اور ہی ہے۔ پھر جسم کے اعضاء کی زندگی و موت علیحدہ ہے۔ آنکھ کی زندگی نور نظر ' اس کی موت اندھا پن ' کان کی زندگی سننا اس کی موت بہرہ پن ' جان کی زندگی ایمان ' دل کی زندگی عرفان ' یہ تمام موت و زندگیاں قبضہ رحمان میں ہیں۔ جسے چاہے جب چاہے زندگی بخشے ' جب چاہے موت دے دے۔ یہ آیت کریمہ بہت جامع۔ **و ترزق من تشاء بغیر حساب** ۔ اس آیت کی تفسیر پہلے ہو چکی ' یہاں اتنا سمجھ لو کہ رزق کے معنی ہیں حصہ **تجعلون رزقکم انکم تکذبون** اب رب تعالیٰ کی نعمت کے حصہ کو رزق کہا جاتا ہے۔ رزق تین قسم کا ہے۔ رزق ولی ' رزق روحانی۔ رزق جسمانی بہت قسم کا ہے۔ آنکھ ' ناک ' کان وغیرہ ہر عضو کا رزق علیحدہ ہے ' دل کا رزق عشق و محبت ' ایمان و عرفان وغیرہ ہے۔ پھر رزق دو قسم کا ہے۔ رزق عام اور رزق خاص ' دیکھو دھوپ ' ہوا ' زمین اور آسمان کا سایہ رزق عام ہے اور دولت ' قوت ' سلطنت ' رزق خاص۔ ایمان تمام مومنوں کے لئے رزق عام ہے۔ عرفان و قرب الٰہی رزق خاص۔ یہاں رزق خاص کا ذکر ہے کہ اللہ جسے چاہے جب چاہے دے۔ اس فرق مراتب میں حکمت و قدرت الٰہی کا ظہور ہے۔ جب آسمان میں سورج ' چاند ' تارے روشنی میں مختلف ہیں تو زمین میں بھی مومن ' کافر ' عاقل ' غافل مختلف چاہئیں۔ یا حساب کے معنی ہیں گمان یا تنگی یا محاسبہ اور بغیر حساب من کا ظرف ہے یا تشاء کے فاعل کا حال۔ یعنی جسے چاہتا ہے اسے بہت یا بے حساب کتاب دیتا ہے یا ایسی جگہ سے دیتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہ ہو یا جسے چاہتا ہے بغیر استحقاق دیتا ہے۔ ابو العباس مقری فرماتے ہیں کہ قرآن میں حساب تین معنی میں استعمال ہوا بمعنی مشقت۔ جیسے یہاں اور بمعنی گنتی جیسے **انما یوفی الصبرون اجرھم بغیر حساب** اور بمعنی مطالبہ جیسے **فامنن او امسک بغیر حساب** اس صورت میں آیت کے معنی یہ ہوئے کہ تو جسے چاہے بغیر مشقت دے۔

خلاصہء تفسیر : اہل کتاب کے عیوب میں سے دو عیب یہ بھی تھے کہ وہ دنیا اور اور اس کے اسباب پر مغرور تھے کہ مسلمانوں کو ان کی غربت کی وجہ سے حقارت سے دیکھتے تھے۔ نیز اپنے اسرائیلی خاندان پر بڑا فخر کرتے تھے اور سمجھے بیٹھے تھے کہ نبی آخر الزمان ہمارے ہی خاندان سے ہوں گے۔ اول کی تردید کے لئے فرمایا گیا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم انہیں سنانے کے لئے ہم سے یوں عرض کرو کہ اے اللہ ملک کے حقیقی بادشاہ ' سلطنت عزت کسی کی موروثی چیز نہیں جسے تو چاہے سلطنت بخشے ' اور جس سے چاہے جب چاہے جس طرح چاہے چھین لے۔ آج مسلمان بے دست و پا ہیں اور کفار طاقت والے۔ لیکن مولیٰ اگر تو چاہے تو اس بے یارو مددگار جماعت کو تخت و تاج کا مالک بنادے اور کفار جن کے پاس ظاہری ساز و سامان بہت ہے انہیں حقیر کردے۔ دوسرے گمان کو باطل کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ اے مولیٰ جسے چاہے تو عزت دے ' سلطنت اور نبوت کی نعمتوں سے نوازے ' اور جسے چاہے تو ذلیل کرے کہ اس قوم سے نبوت ' سلطنت منتقل فرمادے ' دنیا اور آخرت کی ساری خیر تیرے قبضے میں ہے۔ اس میں کسی کا اجارہ نہیں تو جو چاہے کرے۔ کوئی اعتراض کرنے والا نہیں ' نیز تیری قدرت کا ظہور دن و رات میں ہو رہا ہے کہ رات کو دن میں داخل فرمادیتا ہے اور دن کو رات میں۔ کہ سردی میں ' رات جو بڑھ جاتی ہے وہ اس قدر وقت کو اپنے

www.alahazratnetwork.org

اندر لے لیتی ہے جو گرمیوں میں دن تھا۔ اسی طرح گرمیوں میں دن جو بڑا ہوتا ہے تو وہ وقت کا اس قدر حصہ اپنے میں لے لیتا ہے جو سردیوں میں رات تھا یا یہ مطلب ہے کہ وقت پر کبھی رات راج کرتی ہے' کبھی دن نہ رات کا ٹھیکہ ہے نہ دن کا۔ ایسے ہی زمین پر کبھی کفار حکومت کرتے ہیں۔ کبھی مسلمان' یہ کسی کے پاس ٹھہرنے والی چیز نہیں۔ یونہی تو جاندار کو بے جان سے پیدا فرماتا ہے کہ بسا اوقات مرنے کے بعد جانداروں سے زندہ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ مٹی' منی' انڈا جو بے جان چیزیں ہیں ان سے جاندار چیزیں پیدا فرماتا ہے اور زندہ سے بے جان کو پیدا کرتا ہے کہ زندہ ماں کے پیٹ سے مردہ بچہ اور مرغ سے بے جان انڈہ اور جاندار مردے سے بے جان منی۔ تو تیرے نزدیک کیا مشکل ہے کہ زندہ خاندانوں اور انبیاء کی اولاد سے نالائق کفار پیدا فرما دے جو مردوں سے بدتر ہیں اور کافر خاندانوں اور جاہل لوگوں سے جو گویا مردے ہیں' ایسے روشن سورج پیدا فرما دیئے جن کی روشنی ہمیشہ رہے جیسا کہ عرب خصوصاً" قریش خاص کر بنی ہاشم ایسا چمکتا دمکتا سچا سورج پیدا فرمایا جس نے فرش و عرش کو چمکا دیا اور بنی اسرائیل کے زندہ خاندان سے جس میں صدہا انبیاء تشریف لائے۔ وہ یہود و نصاریٰ پیدا فرمائے جن میں زندگی کا کوئی اثر نہیں یہ سب تیرے قبضہ قدرت میں ہیں۔ دنیا کی ٹیپ ٹاپ سب بے اصل و بے حقیقت ہے۔ اور اے مولیٰ تیرے دین پر بھی کسی کا قبضہ نہیں جسے چاہے بے مشقت اتنا دے جو اس کے حساب میں نہ آسکے۔ اور گمان سے بالاتر ہو جسے چاہے مشقت کے باوجود کافی روزی ہاتھ نہ آئے یا تو جسے چاہے وہ مال دے' جس کا قیامت میں حساب نہیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں ستر ہزار انسان بغیر حساب جنتی ہیں۔ حضرت عکاشہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ دعا فرما دیں کہ میں ان میں سے ہوں فرمایا تم ان میں سے ہو' دوسرا آدمی بولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا کریں میں بھی ان میں سے ہوں۔ فرمایا عکاشہ تم پر سبقت لے گئے گویا تم ان میں سے نہیں ہو۔ یہ ہے اس آیت کی تفسیر۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جیسی دعا مانگنی ہو' رب کو اسی نام سے پکارنا چاہئے۔ رزق مانگنے کے لئے اے رزاق کہو' شفا مانگنے کے وقت شافی الامراض کہہ کر پکارو۔ بندوں کی حاجتیں بہت ہیں۔ اس لئے رب کے نام بھی بہت ہیں۔ چونکہ یہاں ملک کی دعا کرائی گئی تھی اس لئے رب کو مالک الملک کہہ کر پکارا۔ دنیا کا بھی طریقہ ہے کہ جب فقیر کسی دروازہ پر بھیک مانگنے جاتا ہے تو گھر والے کو سخی داتا کہہ کر پکارتا ہے' کیونکہ سخاوت چاہنے کے لئے آیا ہے اور جب جرنیل کسی فوج کو جنگ کی تربیت دیتا ہے تو کہتا ہے' اے میرے بہادرو! **دوسرا فائدہ**: رب کی حمد و ثناء بھی در پردہ دعا ہے۔ دیکھو یہاں ملک مانگنا مقصود تھا مگر صاف نہ کہا گیا۔ بلکہ اس کی یوں تعریف کر دی کہ تو جسے چاہے ملک دے اور جس سے چاہے چھین لے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں دعا کے چار طریقوں کی تعلیم ہے' صراحتاً" مانگنا' صرف اپنی حاجات کا ذکر کرنا' مانگنے کے الفاظ نہ ہوں' رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا' اس کے محبوب پر درود پڑھنا۔ یہ چاروں طریقے فطرت کے مطابق ہیں۔ غنی کے دروازے پر جب صدا دیتے ہیں تو کبھی صاف صاف لفظوں سے مانگتے ہیں' کبھی اپنا فقر و فاقہ بیان کرتے ہیں' بھوکا ہوں' مسافر ہوں' کبھی مالک کی تعریفیں کرتے ہیں۔ آپ سخی ہیں داتا ہیں۔ کبھی مالک کے بچوں کو دعائیں دیتے ہیں' خانہ آباد' دولت زیادہ' بال بچے شاد۔ یہی طریقے رب تعالیٰ سے دعا مانگنے کے ہیں' جن کی روایات موجود ہیں۔ یہاں تیسرا طریقہ ارشاد ہوا ہے کہ رب سے ملک' عزت' خیر سب کچھ مانگا۔ مگر طلب کا صیغہ نہیں آیا۔ صرف رب کی ثنا اس طرح کی کہ مانگ خود بخود آ گئی' مطلب یہ ہے کہ ہم کو ملک دے۔ کفار سے چھین لے۔ ہم کو عزت کفار کو خواری دے۔ ہمیں خیر کثیر بخش دے۔ **تیسرا فائدہ**:

www.alahazratnetwork.org

حضرات انبیاء و اولیاء عطاء الہی رب کے ملکوں کے مالک ہیں۔ رب کے دیئے ہوئے اختیارات سے عالم میں نصرت کرتے ہیں۔ جیسا کہ توتی الملک سے معلوم ہوا۔ اگر رب نے انہیں ملک نہ دیئے تو وہ پورا مالک نہ رہا۔ رب مالک بھی ہے مالک گر بھی۔ چوتھا فائدہ: سلطنت اور دنیوی تمام نعمتیں کسی شخص کے لئے لازم نہیں۔ رب جب چاہے چھین لے ان پر بھروسہ نہ چاہئے مگر نبوت شخص کے لئے لازم ہوتی ہے قوم کے لئے نہیں۔ کوئی نبی بھی معزول نہیں ہو سکتا۔ اسے قرب الہی ہمیشہ رہے گا۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ زمانہ کسی خاندان میں نبی اور پھر دوسرے خاندان میں۔ جیسے بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں نبوت آئی۔ خیال رہے کہ بے شک سلطنت خدا کے اختیار میں ہے مگر اس رعایا کے عمل کو بھی دخل ہے۔ بدکار قوم پر ظالم بادشاہ مقرر کیا جاتا ہے اور نیک کار پر عادل۔ بعض روایات میں ہے **كما تكونون يولى عليكم** جیسے تم ہو گے ویسے ہی تم پر حاکم آئیں گے۔ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ تیری رضا اور ناراضی کی علامت کیا ہے؟ وحی آئی کہ اے موسیٰ عادل اور رحم دل بادشاہ میری رضا کی علامت ہے اور ظالم و جابر سلطان میرے غضب کی پہچان (روح البیان)۔

حکایت: کسی نے حجاج ابن یوسف سے کہا کہ تو عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح انصاف کیوں نہیں کرتا تو نے ان کی خلافت دیکھی ہے اس کو اپنے لئے نمونہ بنا۔ اس نے کیا نفیس جواب دیا **تبذروا تعمر لكم** تم ابوذر غفاری جیسے پرہیزگار بن جاؤ میں عمر جیسا عادل بن جاؤں گا لہذا مسلمانوں کو چاہئے کہ حکام کے ظلم کے وقت توبہ استغفار کریں۔ نیز خیال رہے کہ بادشاہ کے عدل و ظلم کا اثر ہر چیز پر پڑتا ہے۔ خصوصاً" دودھ، کھیتی باڑی، درخت، پھل اور لوگوں کے معاملات پر۔ چنانچہ ظالم کے ملک میں دودھ کم ہو گا۔ کھیتی کی برکت اڑ جائے گی۔ درختوں کے پھل گھٹ جائیں گے۔ تاجروں کے معاملات خراب ہوں گے۔ اور عادل کے ملک میں اس کے برعکس۔ حکایت: جب عمر بن عبد العزیز بادشاہ ہوئے تو انہیں حضرت طاؤس نے لکھا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری سلطنت اچھی رہے تو کام اچھوں کے سپرد کرو۔ شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے کیا خوب فرمایا۔

چندم اگر بشنوی اے بادشاہ — درہمہ دفتر بہ ازیں پند نیست!

جز بخردمند مفرما عمل! — گرچہ عمل کار خردمند نیست!

حدیث شریف میں ہے کہ میری امت پر ایک زمانہ ایسا آئے گا جب ان کے حاکم ظالم ہوں گے اور علماء لالچی اور عابد ریاکار، تاجر سود خوار۔ عورتیں دنیوی زینت میں گرفتار (روح البیان)۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنی ملک اپنا ملک اپنے بندوں کو دینے پر قادر ہے بلکہ عطا فرماتا ہے۔ جیسا کہ توتی الملک سے معلوم ہوا۔ دیکھو ملک زمین ظاہری بادشاہ کو اس نے عطا فرمایا ہے۔ ایسے ہی ملک غیب انبیاء، اولیاء کو عطا فرمایا ہے۔ جو شخص حضرات انبیاء و اولیاء کو کسی چیز کا مالک نہ مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ملک عطا فرمانے سے بھی وہ رب مالک رہتا ہے اس کی ملکیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کو کچھ دے تو مولیٰ مالک رہتا ہے جیسا کہ **تنزع الملك ممن تشاء** سے معلوم ہوا۔ لہذا بندوں کی عارضی ملک سے رب تعالیٰ کی حقیقی ملکیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اگر ملک سے مراد نبوت ہو تو آیت کے معنے یہ ہوئے کہ جسے چاہے تو نبوت دے اور جس سے چاہے چھین لے تو کیا نبوت بھی دے کر چھن سکتی ہے کیا ممکن ہے کہ کوئی نبی اس عہدہ سے معزول کر دیا جائے؟ جواب: اس

www.alahazratnetwork.org

کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں **من** سے مراد نسب اور خاندان ہوگا۔ یعنی جس خاندان میں جب تک چاہے نبوت رکھے اور جب چاہے اس سے منتقل کر کے دوسرے خاندان میں بھیج دے اور یہ یہود کے اس خیال کی تردید ہے کہ نبوت ہمارے خاندان میں رہنی چاہئے کہ پہلے سے اسی خاندان میں تھی۔ دوسرے یہ کہ چھیننے سے مراد محروم رکھنا ہے یعنی جسے چاہے نبوت دے، جسے چاہے محروم رکھے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اللہ ولی الذین امنوا یخرجھم من الظلمت الی النور**۔ اللہ مسلمانوں کو تاریکی سے روشنی میں لاتا ہے۔ مسلمان تاریکی میں تھے ہی کہاں۔ مطلب یہ ہے کہ انہیں اندھیرے سے محفوظ رکھتا ہے (کبیر) **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ مردہ کو زندہ سے اور زندہ کو مردہ سے پیدا فرماتا ہے۔ اس میں تسلسل یا دور لازم آتا ہے۔ ہر بے جان کا ہر جاندار سے نکلنا ناممکن ہے (بعض سر پھرے منطقی) **جواب:** اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ہر بے جان جاندار سے اور ہر جاندار بے جان سے پیدا ہو بلکہ خدا کی قدرت کا اظہار ہے یعنی وہ ایسا قادر ہے کہ کبھی ایک ضد کو دوسری ضد سے پیدا فرماتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بھلا زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ کبھی نکل سکتا ہے اور کیا قانون قدرت میں تبدیلی ہو سکتی ہے؟ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی ایسا دن رات ہوتا ہے۔ بے جان منی سے لاکھوں زندہ اور بولتے ہوئے پنڈت بن گئے اور ہزاروں پنڈتوں سے بے شمار بے جان نطفے نکل چکے۔ پنڈت جی تم بھی بے جان نطفہ سے ہی ہو۔ پھر صد ہا پاپیوں سے پوتر پیدا ہوتے ہیں اور پوتروں سے پاپی۔ اس کا دن رات مشاہدہ ہو رہا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** آیت میں فرمایا گیا کہ رات کو دن میں اور دن کو رات میں داخل فرماتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رات دن کو یک وقت جمع فرماتا ہے، یہ ناممکن ہے۔ دن رات کے گھٹنے بڑھنے پر یہ دخول صادق نہیں آتا۔ دخول جب ہوگا کہ رات رہے کہ دن آ جائے؟ **جواب:** دن اور رات وقت کے اوصاف ہیں جن کا اجتماع ناممکن ہے۔ مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ ایک ہی وقت کو کبھی رات بنا دیتا ہے کبھی دن۔ یعنی دن رات دشمنی کے باوجود ایسی سخاوت کرتے ہیں کہ کبھی رات اپنا کچھ حصہ دن کو بخش دیتی ہے اور کبھی دن رات کو اور یہ تبدیلی عبرت کے لئے ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا **بیدک الخیر** تیرے قبضہ میں صرف خیر ہے تو کیا شر اس کے قبضہ میں نہیں۔ ایمان مفصل میں پڑھا جاتا ہے **والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ** اس آیت اور عقیدہ میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ آیت میں ادب کا لحاظ ہے اور عقیدہ میں واقعہ کا ذکر۔ یعنی در حقیقت ہر چیز اللہ کے قبضہ میں ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کی طرف خیر کی نسبت کرو۔ دوسرے یہ کہ چونکہ یہ دعا کا موقعہ ہے اور اس سے خیر مانگنا مقصود ہے لہٰذا شر کا ذکر نہ ہوا۔ تیسرے یہ کہ ہر شر میں خیر ہوتی ہے۔ مصیبت شر ہے مگر باعث ثواب۔ لہٰذا یہ خیر بھی ہے۔ صورتاً شر اور حکمت کے لحاظ سے خیر۔

تفسیر صوفیانہ: اے اللہ تو ملک جسم، ملک روح، ملک امکان، ملک انوار کا دائمی مالک ہے تیرے سوا ان پر کسی کا مستقل قبضہ نہیں، ہاں جب تو چاہتا ہے کسی کو ظاہری قبضہ و ملک دے دیتا ہے یہ قبضہ و ملک کی تبدیلیاں محض ظاہری و مجازی ہیں۔ جسے چاہتا ہے اپنے تجلیات دکھا کر عزت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے عزت کا لباس اتار کر ذلیل کر دیتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف سے ہے سب خیر ہے تو ہر بات پر قادر ہے۔ سب چیزیں تیری صفات کی مظہر ہیں۔ کسی پر عزت و کبریائی کا ظہور فرما کر اسے عزیز فرماتا ہے اور کسی پر صفت قہری جلوہ گری فرما کر اسے ذلیل کرتا ہے۔ کسی پر صفت غنائی تجلی فرما کر اسے مالدار بنا دیتا ہے۔ کسی پر صفت غنا کا ظہور فرما کر اسے بظاہر فقیر اور دل غنی بنا تا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے رب تعالیٰ نے ملک اجسام بادشاہوں میں تقسیم فرما

www.alahazratnetwork.org

دیئے ہیں، کسی کو چھوٹا ملک دیا کسی کو بڑا حتی کہ چار بادشاہوں کو سارے جہان ساری زمین یا ملک دیا۔ حضرت سلیمان، ذوالقرنین، بخت نصر، نمرود۔ ایسے ہی رب نے اپنے نبیوں ولیوں کو عالم ارواح، عالم امکان، عالم امر وغیرہ تقسیم فرمادیئے کہ حضرت سلیمان کے بارے میں فرمایا **وسخرنا له الریح تجری بامره** اور حضرت داؤد کے بارے میں فرماتا ہے **والنا له الحدید** اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا **انا اعطینک الکوثر** ہم نے آپ کو عالم کثرت بخشا۔ کوثر کثیر کا مبالغہ ہے۔ دنیا قلیل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دیا وہ کثیر نہیں اکثر نہیں بلکہ کوثر یعنی بہت ہی زیادہ ہے۔ اگر کوثر سے حوض کوثر ہی مراد ہو تو وہ بھی تمام زمین سے زیادہ قیمتی ہے۔ جس کے کوزے آسمانوں کے تاروں کے برابر ہیں اور پانی موتیوں کی بجری پر ہے اس بجری کا ایک موتی روئے زمین سے زیادہ قیمتی ہے۔ اگر محض تالاب کا نام کوثر ہو تا تو رب تعالیٰ اتنے اہتمام سے اس کی عطا کا ذکر نہ فرماتا۔ آج ہم پاکستانی دریائے جہلم، چناب کے مالک ہیں۔ بھارت والے گنگا جمنا وغیرہ پانیوں کے مالک ہیں۔ کوثر کیا چیز ہے کہ رب نے ان دریاؤں کی عطا کا اس اہتمام سے ذکر نہ فرمایا۔ کوثر کو عطا کا ذکر کیا۔ معلوم ہوا کہ کوثر سے مراد خیر کثیر یا عالم کثرت ہے جس میں حوض کوثر بھی داخل ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں۔ دیکھو بخاری شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری ملک الٰہی کے مالک ہیں۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں **بلاد الله ملکی تحت حکمی**۔ یہ اس آیت **توتی الملک من تشاء** کی تفسیر ہے۔

نوٹ: اسمائے الٰہیہ کا وظیفہ ان کا فیضان لینے کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ صفت غنا کے ظہور کے لئے وظیفہ **یا غنی** پڑھو وغیرہ۔ اے مولیٰ تو ہی کبھی نفس کی تاریکی کو قلب کے نور میں داخل فرماتا ہے، جس سے قلب تاریک ہو جاتا ہے اور کبھی قلب کا نور نفس کی تاریکی میں داخل فرماتا ہے، جس سے نفس چمک جاتا ہے۔ فاسقین ہمیشہ رات میں رہتے ہیں اور عارفین ہمیشہ دن میں۔ ان کی زمین کا آسمان ہی کچھ اور ہے اور ان کا دن و رات کچھ دوسرا۔ زندہ قلب کو مردہ نفس سے اور مردہ قلب کو زندہ نفس سے نکالتا ہے۔ ایسے ہی حیات علم و معرفت کو موت جہالت سے اور موت جہالت کو حیات علم سے نکالتا ہے۔ دیکھو بلعم ابن باعور حیات علم سے موت جہل کی طرف منتقل ہوا اور بلال حبشی و عکرمہ ابن ابو جہل جہالت سے علم میں آئے۔ خدا کی شان باپ جہالت کا باوا اور بیٹا علم کا سردار۔ اور جسے چاہتا ہے وہ ظاہری اور باطنی نعمتیں دیتا ہے جن کا آخرت میں حساب نہ ہو۔ خیال رہے کہ ولی کا ہر حال وقف ہے اور وقف حساب سے پاک۔ خیال رہے کہ عوام کے دن رات اور ہیں۔ صوفیاء کے دن رات کچھ اور۔ ایسے ہی جسم کا دن رات کچھ اور ہے اور روح کا کچھ اور۔ عوام کے دن رات کو **ایام ملوج** کہتے ہیں۔ جس کا یہاں ذکر ہے اور صوفیا کے دن رات کو ایام سلخ۔ **نسلخ منه النهار**۔ عوام کا دن رات" آسمانی سورج کے طلوع و غروب سے ہے اور صوفیاء کا دن رات شمس نبوت کے ظہور اور خفاء سے۔ عوام دن میں کام کاج کرتے ہیں رات میں آرام مگر صوفیاء دن میں جلوت اور رات میں خلوت کا مزہ لوٹتے ہیں۔ جسم دن میں غذا حاصل کرتے ہیں مگر عقل معرفت حاصل کرتی ہے اور بصیرت مشاہدہ اور روح اسرا۔ دن رات بھی ایک چیز ہیں اور ہر چیز کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ایک غیب ایک شہادت، ایک روح ایک جسم، ایک ملک ایک ملکوت، ایک لطیف ایک کثیف۔ نہار ظاہر ہے اور لیل باطن، شہادت ہے اور لیل غیب خیال رہے کہ دن رات کا معنوی نکاح ہوا جس سے اشیاء پیدا ہوئیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یغشی الیل النهار** جو چیز دن میں پیدا ہو اس کے لئے دن ماں ہے اور رات باپ اور رات کے اعمال کے لئے رات ماں ہے اور دن باپ۔ اسی پر عالم کا مدار ہے۔ ہر سلطنت و

www.alahazratnetwork.org

ملک کا دن رات' تاریخ' مہینہ' سن جدا گانہ ہے ایسے ہی رب تعالیٰ کا دن رات مخلوق کے دن رات سے جداگانہ ہے۔ اس کی پوری تحقیق آگے ہوگی۔

مجرب عمل : جس شخص پر بہت قرض ہو گیا ہو اور اس کے ادا کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو اس کو چاہیے کہ نماز وتر کے بعد دو رکعت نفل کھڑے ہو کر پڑھا کرے۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد یہ آیتیں **قل اللھم** سے **بغیر حساب** تک پانچ بار پڑھا کرے۔ انشاء اللہ اس کا قرض بہت جلد ادا ہو جائے گا یہ عمل نہایت مجرب ہے۔ خود میں نے اس کا تجربہ کیا۔ نیز اگر کوئی ہمیشہ وتر کے بعد دو نفل کھڑے ہو کر پڑھ لیا کرے۔ جس میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک ایک بار یہ آیتیں پڑھ لیا کرے تو اس پر کبھی قرض نہ ہوگا۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَمَنْ يَّفْعَلْ
نہ بنائیں ایمان والے کافروں کو دوست سوا مسلمانوں کے اور جو کوئی کرے گا یہ پس نہیں ہے
مسلمان کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں مسلمانوں کے سوا اور جو ایسا کرے گا اُسے اللہ سے کچھ
ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ
وہ اللہ سے بیچ کسی چیز کے مگر یہ کہ ڈرو تم ان سے ڈرنا ڈراتا ہے تم کو اللہ ذات
علاقہ نہ رہا مگر یہ کہ تم ان سے کچھ ڈرو اور اللہ تمہیں اپنے غضب سے ڈراتا
نَفْسَهٗ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
سے اپنی اور طرف اللہ کے لوٹنا ہے فرما دو اگر چھپاؤ تم وہ جو بیچ سینوں تمہارے کے ہے یا
ہے اور اللہ ہی کی طرف پھرنا ہے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے جی کی بات چھپاؤ یا ظاہر کرو
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ
ظاہر کرو اس کو جانے گا اللہ اس کو اور جانتا ہے جو بیچ آسمانوں کے ہے اور وہ جو بیچ زمین کے ہے
اللہ کو سب معلوم ہے اور جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور ہر چیز پر
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾
اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے ۞
اللہ کا قابو ہے ۞

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں سے رب تعالیٰ کی قدرت کا زبانی اقرار کرایا گیا تھا۔ اب عملی اقرار کا حکم دیا جارہا ہے کہ جب رب تعالیٰ ہربات پر قادر ہے تو تم اپنے ہر معاملہ کو اسی کے سپرد کرو۔ اس کے دشمنوں کو مددگار نہ بناؤ تاکہ تمہارا عمل تمہارے اس عقیدے کا ثبوت ہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عقیدہ کی تعلیم دی گئی کہ رب کے ساتھ یہ عقیدہ رکھو۔ اب انہیں درستی معاملات کا سبق دیا جارہا ہے تاکہ عقیدہ کے ساتھ معاملات بھی درست ہوں کہ اسی پر نجات کا مدار ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی تعظیم کا حکم دیا گیا اور تعظیم کی دو شرطیں ہیں۔ اللہ کے دوستوں کی تعظیم کرنا اور اس کے دشمنوں کی حقارت۔ گویا پچھلی آیت میں تعظیم کا ذکر تھا۔ اب شرط تعظیم کا۔

شان نزول : حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ نے جنگ احزاب کے دن حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ میرے ساتھ پانچ سو یہودی ہیں جو میرے حلیف ہیں اگر حکم ہو تو دشمن کے مقابلہ میں ان سے مدد حاصل کرلی جائے۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن و خزائن) بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کے بارے میں آئی جو کبھی کفار مکہ سے محبت ظاہر کیا کرتے تھے' اس سے ان کو منع کیا گیا (کبیر و معانی) بعض روایات میں ہے کہ یہ آیت عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں آئی جو یہود اور مشرکین سے محبت رکھتے تھے اور انہیں مسلمانوں کی خفیہ خبریں پہنچاتے تھے (تفسیر خازن و کبیر) اس صورت میں مومنوں سے زبانی اور ظاہری ایمان مراد ہوگا۔ ہمیشہ سے مسلمان دو قسم کے رہے ہیں۔ قومی مسلمان اور مذہبی مسلمان۔ منافقین قومی مسلمان تھے۔ مخلصین مذہبی مسلمان۔ یوں ہی اسلام کے تہتر فرقوں میں 72 فرقے قومی مسلمان ہیں اور ایک فرقہ مذہبی مسلمان۔ قرآن کریم میں اکثر **الذین امنوا** سے مذہبی مسلمانوں سے خطاب ہوتا ہے مگر کبھی قومی مسلمانوں سے بھی خطاب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا الذین امنوا' امنوا** اے قومی مومنوں مذہبی مومن بن جاؤ۔

تفسیر : **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء۔ لا یتخذ۔ اتخاذ** سے بنا جس کا مادہ **اخذ** ہے بمعنی اختیار کرنا۔ اور بنانا۔ پہلی صورت میں ایک مفعول کو چاہتا ہے دوسری میں دو کو۔ یہاں دونوں معنے درست ہیں اگر بمعنی اختیار ہو تو اولیاء کافرین کا حال ہوگا اور اگر پکڑنا یا بنانا مراد ہو تو **یتخذ** کا مفعول دوم۔ مومنوں سے سارے مسلمان مراد ہیں اور کافرین سے سارے کافرین مراد خواہ کافر اصلی ہوں یا مرتد۔ اہل کتاب ہوں یا مشرک۔ اولیاء ولی کی جمع ہے جس کی اصل **ولاء** ہے بمعنی قریب یا مدد۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی مسلمان کافروں کو دوست یا مددگار نہ بنائیں اور ان کے پچھلے تعلقات کا لحاظ نہ کرتے ہوئے موجودہ کفر کا اعتبار کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ولی یا بمعنی مددگار ہے یا بمعنی دوست۔ کفار کو مددگار بنانا' مومنوں کے مقابلہ میں کہ ان کی مدد سے مسلمانوں کو تباہ کیا جائے' حرام ہے بلاوجہ مدد لینا ممنوع۔ ضرورتاً جائز۔ یہاں پہلی قسم کی مدد مراد اور دوستی بھی تین قسم کی ہے۔ معاملات کی دوستی جیسے بیوپار کرتے ہیں جائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینھکم اللہ** الخ۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے لین دین کے معاملات کئے ہیں' بوقت وفات آپ کی زرہ یہودی کے پاس گروی تھی۔ کفار سے محبت حرام ہے۔ کفر سے محبت کفر ہے۔ یہاں آخری دو محبتیں مراد ہیں **من دون المومنین۔** یہ فاعل کا حال ہے اور

www.alahazratnetwork.org

متجاوزین کے متعلق۔ بعض نے کہا کہ اولیاء کی صفت ہے۔ بعض کے نزدیک یہ **اتخاذ** کے متعلق ہے(روح المعانی) **دون** کے معنی کوتاہ یا پیچھے رہنے والا ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ **دنو** کا مقلوب ہے اب بمعنی غیر اور سوا استعمال ہوتا ہے مگر ہر سوا کو دون نہیں کہتے۔ ہر سوا کو الا کہا جاتا ہے۔ اجنبی کو غیر اور مقابل کو **دون** بولتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و وجد من دونہم امراتین** اس لئے کلمہ طیبہ میں **الا اللہ** کہا جاتا ہے۔ **دون اللہ** نہیں کہا جاتا۔ یعنی مسلمانوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بناؤ۔ اگر **دون** بمعنی مقابل ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ مسلمانوں کے مقابل کفار کو دوست نہ بناؤ کہ ان کی مدد لے کر مسلمانوں کو تباہ کرو اور اگر بمعنی سواء ہے تو یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ جیسا کہ انشاء اللہ سوال و جواب میں معلوم ہو گا **ومن یفعل ذلک فلیس من اللہ فی شیء**۔ **ذلک** سے **اتخاذ** کی طرف اشارہ ہے جو **یتخذ** کا مصدر ہے۔ **من اللہ** میں ولایت یا محبت پوشیدہ ہے۔ یعنی **من ولایت اللہ** یا **من محبت اللہ** یہ لفظ شیء کا حال مقدم ہے یا شیء کی تنوین حقارت کی ہے اور **فی شیء** لیس کی خبر۔ اصل عبارت یوں تھی **فلیس فی شیء من ولایۃ اللہ** یعنی جو کفار سے محبت کرے گا یا انہیں اپنا مددگار بنائے گا وہ اللہ کی دوستی کے کسی درجہ میں نہیں۔ یعنی اسے رب سے محبت کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ دشمن سے دوستی بھی دشمنی ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ولایت کفار سے مراد کفر سے دوستی ہو تو یہاں **شیء** سے مراد اسلام ہو گا یعنی جو کفار کے کفر سے دوستی رکھے گا وہ اللہ کے ہاں اسلام میں بالکل شمار نہ ہو گا۔ ان ہی کی طرح کافر ہو گیا اور اگر محبت کفار مراد ہے تو شیء سے مراد رحمت ہو گی۔ یعنی جو کفار سے محبت کرے گا وہ اللہ کی رحمت میں بالکل نہ ہو گا۔ نہ دنیا میں' نہ برزخ میں نہ آخرت میں۔ دنیا کی رحمت سے روحانی رحمت مراد ہے کیونکہ دنیا میں جسمانی نعمت تو دوست و دشمن سب کو مل جاتی ہے یعنی جو کفار کو دوست بنائے گا وہ دنیا میں روحانی نعمتوں' ایمان' عرفان وغیرہ سے دور رہے گا۔ برزخ میں کامیابی امتحان اور آخرت میں مغفرت و غفران سے محروم ہو گا۔ **الا ان تتقوا منہم تقۃ** یہ **لا یتخذ** کے حالات سے استثناء ہے یا اس کے پوشیدہ مفعول لہ سے۔ ان سے پہلے حال یا اجل پوشیدہ یعنی حال **ان تتقوا** یا **لاجل ان تتقوا**' **تتقوا** کا مصدر اتقاء ہے مادہ **ولی** یا **وقایۃ** بمعنی بچنا یا ڈرنا۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ **منہم** کا مرجع کفار ہیں اور یہ پوشیدہ فعل کے متعلق ہو کر **تقۃ** کا حال مقدم ہے۔ اصل عبارت یوں تھی **الا حال ان تتقوا تقۃ ثابتۃ من جھنم تقۃ** اصل میں **وقیۃ** تھا واؤ ت سے بدلا گیا۔ جیسے **وجاہ** سے **تجاہ** اور یہ **ما قبل** کے فتح کی وجہ سے الف ہو گئی یہ بروزن **فعلۃ** ہے جیسے **تخمۃ** اور **تؤدۃ** کا مفعول بہ یعنی کفار کو کبھی کسی حال میں کسی غرض کے لئے دوست نہ بناؤ مگر اس صورت میں جب تم اس سے ڈرو یا تمہیں ان سے کوئی خوف ہو۔ تب منہ سے ظاہری نرمی مدارات کر سکتے ہو جیسے اولیاء کی تین تفسیریں تھیں۔ کفار کو مددگار نہ بناؤ' ان سے قومی دوستی نہ کرو' ان سے دینی دوستی کرو۔ ایسے ہی **الا ان تتقوا** الخ۔ کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ کفار کو مددگار نہ بناؤ مگر جب کہ تمہیں ان سے اندیشہ ہو تو بعض کفار کے مقابلہ میں بعض دوسرے کفار سے مدد لو۔ جیسے آج امریکہ و روس دو بلاک ہیں۔ تمام ملکوں کو ان میں سے ایک سے مدد لینی پڑتی ہے۔ دوسرے یہ کہ قوم کفار کو دوست نہ بناؤ۔ مگر یہ کہ ان سے خطرہ ہو تو ان سے ظاہری دوستی کر سکتے ہو۔ دل میں ان کی طرف میلان نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ کفار سے مذہبی دوستی نہ کرو' ان کے مذہب سے الفت نہ کرو مگر جب کہ ان سے تمہیں خطرہ ہو تو منہ سے کفر نکال دو۔ اس تیسری تفسیر میں ایک شرط یہ ہے کہ دل میں ایمان رہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ بقدر ضرورت کفر کیا جاوے' موقعہ پاتے ہی وہاں سے نکل جائے مگر خبردار پھر بھی

www.alahazratnetwork.org

ان سے دلی محبت نہ کرنا کیونکہ **ویحذرکم اللہ نفسہ** یہ مستقل جملہ ہے۔ **تحذیر** بمعنی سخت ڈرانا۔ نفس سے پہلے عذاب یا عتاب پوشیدہ ہے (معانی) یا خود ہی مفعول ہے اور نفس بمعنی ذات یعنی اللہ تم کو اپنے عذاب سے یا اپنے سے ڈراتا ہے بعض کے نزدیک **نفسہ** کی ضمیر **اتخاذ** کی طرف لوٹتی ہے اور نفس بمعنی بعینہ (تفسیر کبیر) یعنی رب تم کو بعینہ دوست بنانے سے ڈراتا ہے **والی اللہ المصیر** اس کی تحقیق بارہا ہو چکی **مصیر** یا مصدر میمی ہے یا اسم ظرف یعنی سب کا لوٹنا یا سب کا ٹھکانا اللہ ہی کی طرف ہے یا تو مرتے وقت رب کی طرف رجوع ہے کہ اس وقت ہی سب دنیا والے ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ جان نکلتے ہوئے سب دیکھتے ہیں کچھ نہیں کر سکتے یا قبر میں دفن کے بعد سب کا رجوع رب کی طرف ہے یا قیامت میں کہ ان جگہوں میں کوئی عزیز قریب کام نہ دے گا چونکہ **الا ان تتقوا** سے شبہ ہو سکتا تھا کہ بحالت خوف کفار سے دلی محبت بھی جائز ہے اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ارشاد ہوا **قل ان تخفوا ما فی صدورکم۔ تخفوا اخفاء** سے بنا بمعنی چھپانا۔ **ما** سے مراد کفار کی محبت ہے یا سارے اعمال **صدور** جمع صدر کی ہے۔ بمعنی سینہ مگر یہاں سینے کی چیز یعنی دل مراد ہے۔ خیال رہے کہ صدر اعلیٰ اور ظاہری مقام کو بھی کہتے ہیں اور لوٹنے کو بھی سینہ کو صدر اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ جسم کا اعلیٰ مقام ہے کہ اس میں دل ہے نیز اسی کے ذریعہ انسان گھومتا ہے **او تبدوہ یعلمہ اللہ** یہ **تخفوا** پر معطوف اور شرط ہے۔ **یعلم** اس کی جزا یعنی جو کچھ تمہارے دلوں میں محبت کفار وغیرہ ہے تم اسے چھپاؤ یا ظاہر کرو اس کی خبر رب تعالیٰ کو بہرحال ہو گی اور کیوں نہ ہو اس کی تو شان یہ ہے کہ **ویعلم ما فی السموت وما فی الارض** وہ آسمانوں اور زمین کی ساری کھلی چھپی چیزیں جانتا ہے اور تمہارا دل اور اس کے خطرات بھی انہیں میں سے ہیں لہٰذا انہیں بھی جانتا ہے اور کمال علم کے ساتھ اس کی قدرت بھی کامل ہے **واللہ علی کل شیء قدیر** لہٰذا اس کے غضب سے ڈر کر اس کی نافرمانی پر جرأت نہ کرو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو جب تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ مالک حقیقی ہے' عزت و ذلت اسی کے اختیار میں ہے۔ امیری' غریبی اسی کی طرف سے ہے تو کوئی مسلمان کسی کافر کو اپنا مددگار اور دلی دوست نہ بنائے۔ جب رب تمہارے لئے کافی ہے تو تم کسی کی خوشامد کیوں کرتے ہو۔ جو مسلمان کفار سے دوستی یا محبت کرے گا تو اسے اللہ سے محبت کا کوئی علاقہ نہ رہے گا کیونکہ اپنے دشمن کا دوست اپنا دشمن ہے۔ کفار خدا کے دشمن اور تم کفار کے دوست' تو تم خدا کے دوست کہاں رہے۔ ہاں اگر کبھی تمہیں کفار سے سخت خطرہ ہو تو تم ان سے محبت کا دنیوی ظاہری برتاؤ برت سکتے ہو کہ ان سے جنگ نہ کرو' ان سے خندہ پیشانی سے مل لو۔ بوقت ضرورت ان سے سلام و کلام مصافحہ وغیرہ کر لو (روح المعانی) مگر خبردار دل میں ان سے محبت نہ رکھنا۔ رب تعالیٰ تمہیں اپنے عذاب سے ڈراتا ہے' سمجھ لو کہ سب کو رب ہی کی طرف لوٹنا ہے' کوئی اس کی پکڑ سے باہر نہیں۔ چونکہ سب رب کی طرف سے ہی آئے ہیں کہ پہلے رب کے سوا تمہارا کوئی نہ تھا' نہ کوئی تمہیں جانتا پہچانتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ھل اتی علی الانسان حین من الدھر لم یکن شیئا مذکورا** ایسے ہی پھر تمہارا حال ہونے والا ہے کہ رب کے سوا کوئی تمہارا مددگار نہ ہو گا اس لئے رجوع یعنی لوٹنا فرمایا گیا۔ لوٹنا کہتے ہیں پہلی حالت پر پہنچ جانا اگر تم اپنی دلی باتیں چھپاؤ یا ظاہر کرو خدا سب جانتا ہے کیونکہ وہ تو آسمان و زمین کی ہر چیز پر خبردار ہے۔ اس سے تمہارے دلی حالات کیونکر چھپ سکتے ہیں۔ پھر وہ اس علم کے ساتھ ہر چیز پر قدرت بھی رکھتا ہے لہٰذا تمہیں جزا و سزا دینا اس کے نزدیک کوئی مشکل نہیں۔ خیال رہے کہ سینہ کو صدر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں جسم کا صدر یعنی دل رہتا ہے' صدر کے معنی ہیں اشرف مقام۔ سینہ تمام جسم میں اشرف اس

www.alahazratnetwork.org

لئے ہے کہ یہ اشرف عضو کا مقام ہے کہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ اس لئے شریف کہلائے کہ اس میں اشرف الخلق کا تعلق ہے اگرچہ رب تعالٰی ہر چیز جانتا ہے مگر خصوصیت سے سینہ کی باتوں کا اس لئے ذکر فرمایا کہ اس میں دل ہے اور دل کاشانہ یار ہے اگر دل ٹھیک ہو گیا تو سب جسم ٹھیک ہے اور اگر دل خراب ہو گیا تو سارا جسم خراب ہے۔ سارا قالب اور کاموں میں لگا دو مگر دل یار کے کام میں لگا دو۔ چونکہ اس آیت میں اشارۃً دل کی صفائی کا ذکر تھا۔ اس لئے یہ آیت قل سے شروع فرمائی گئی تاکہ مضمون کی اہمیت کا پتہ لگے۔ نیز ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔ اگرچہ یہ سینہ والی چیزیں بھی **ما فی السموت والارض** میں داخل ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالٰی دل کی باتیں، آسمان و زمین کی چیزیں حقیقی طور پر خود جانتا ہے مگر اس نے بعض بندوں کو اس صفت کا مظہر بنایا، جن کو دلوں کی باتوں آسمان و زمین کی چیزوں پر اطلاع بخشی۔ نیز کبھی دل کی حالت چہرے سے عیاں ہو جاتی ہے۔ دل کا غم، غصہ، خوشی وغیرہ کا پتہ چہرہ دے دیتا ہے۔ قیامت میں کفر و ایمان، فسق و تقوٰی چہرے سے عیاں ہو گا۔ ہر شخص چہرے سے پہچانا جائے گا۔ یہ علوم رب تعالٰی کے علم کے خلاف نہیں، چشم تو بینندہ مافی الصدور۔ نوٹ: اس آیت سے تین اہم مسئلے ظاہر ہوئے۔ کفار سے محبت کی ممانعت۔ ان سے مدد حاصل کرنے کی ممانعت، تقیہ کا حکم، ہم ان تینوں مسائل پر روشنی ڈالتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔

کفار سے محبت کرنے کا حکم: کفار سے محبت سخت منع ہے۔ اس کی ممانعت میں بہت آیتیں اور بے شمار حدیثیں وارد ہوئیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **لا تتخذوا الیھود والنصری اولیاء** یہود و نصارٰی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ نیز فرماتا ہے۔ **لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء** میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔ نیز فرماتا ہے۔ **لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ و رسولہ** الخ۔ یعنی اے محبوب آپ مسلمانوں کو ایسا نہ پائیں گے کہ وہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفوں سے دوستی رکھیں، اگرچہ وہ ان کے باپ و اولاد ہوں۔ احادیث میں بھی اس کی سخت ممانعت آئی ہے مگر خیال رہے کہ تعلقات کی چند قسمیں ہیں۔ اور ان کے جداگانہ احکام۔ دوستی، محبت، میلان طبع، برو قسط، قرابت داری، ادائے حقوق، دنیوی معاملات، میل جول یعنی نشست و برخاست۔ ان سب کے مختلف احکام ہیں، دنیوی معاملات یعنی تجارتی لین دین وغیرہ کفار سے جائز ہے۔ ادائے حقوق جائز۔ کافر ماں باپ کا حق مادری و پدری ادا کیا جائے گا۔ برو قسط یعنی دنیوی معاملات میں خوش اسلوبی کفار کے احسان کا احسان سے بدلہ، یہ بھی جائز ہے۔ محبت کی تین صورتیں ہیں، کافر کے کفر سے محبت اور اس سے راضی ہونا، یہ کفر ہے۔ کفار سے محبت کہ کفر کو تو برا جانے مگر اہل اسلام کے مقابلہ میں کفار کی مدد کرے۔ خواہ قرابت داری یا دنیوی لالچ یا کسی اور وجہ سے۔ یہ سخت حرام ہے بلکہ اس کا انجام کفر ہے۔ تیسرے کافر قرابتدار سے غیر اختیاری طبیعت کا میلان۔ کافر بیٹے سے محبت پسری وغیرہ۔ مگر اس محبت پر اتنی قدرت رکھے کہ جب اسلام و کفر کا مقابلہ آ پڑے تو بیٹے کا لحاظ نہ کرے۔ یہ جائز ہے منع نہیں۔ میل جول اس کی بھی دو نوعیتیں ہیں۔ ضروری اور غیر ضروری۔ غیر ضروری حرام ہے اور ضرورتاً جائز۔ کسی کا افسر کافر ہے یا ایک محکمہ میں مسلمان اور کفار مل کر کام کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا بھی ہو گا اور ان سے میل جول بھی رکھنا پڑے گا۔ یہ منع نہیں کہ ضرورتیں ناجائز کو جائز کر دیتی ہیں۔ محبت کا میل جول بہرحال حرام ہے۔ ان آیات میں کفار کی غیر ضروری میل جول اور دوستی سے منع کیا گیا ہے۔ اس تفصیل کے بعد آیات اور احادیث میں پوری واقفیت ہو گئی۔

www.alahazratnetwork.org

کفار سے مدد لینا : کفار سے مدد لینے کی چند صورتیں ہیں۔ اس کو اپنا راز دار بنانا حرام ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تتخذوا بطانۃ من دونکم** حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک عیسائی کو اپنا محرر مقرر کیا تھا۔ عمر رضی اللہ تعالیٰ نے اس کو الگ کرادیا۔ عیسائی اور یہودی عورتوں سے نکاح جائز ہے مگر اسے اپنا راز دار بنانا حرام۔ اسی طرح کفار کو حکومت میں دخل دینا ناجائز ہے۔ اس کے علاوہ ان سے اور کسی قسم کی مدد لینا جائز ہے۔ کفار کو اسلامی لشکروں میں بھرتی کرنا جائز ہے بشرطیکہ کفار سے جنگ ہو نہ کہ باغیوں سے۔ باغیوں کے مقابلہ میں کفار کو فوج میں نہ لو (روح المعانی) حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کے لئے روانہ ہوئے تو ایک مشرک پہلوان لشکر کے ساتھ ہولیا۔ جس سے صحابہ کرام خوش ہوئے کہ یہ ہماری مدد کرے گا۔ مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا لوٹ جا ہم مشرک سے امداد نہیں لیتے۔ یہ منسوخ ہے۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی تینقاع سے جنگ میں مدد لی اور انہیں غنیمت میں سے کچھ مال بھی عطا فرمایا۔ نیز غزوہ بنی ہوازن میں صفوان ابن امیہ سے مدد لی۔ بعض نے فرمایا ہے کہ بلا وجہ مشرک سے امداد نہ لی جائے اور ضرورۃ" جائز۔ حضرت عائشہ کی روایت بلا ضرورت کی ہے' باقی ضرورت کی (روح المعانی) نیز کفار کو نوکر غلام رکھنا جائز ہے۔ کفار کے باقی احکام فتاویٰ عالمگیری وغیرہ میں دیکھنے چاہئیں۔ یہ بہت وسیع باب ہے۔

تقیہ : تقیہ کے لفظی معنی ہیں بچنا یا اپنی جان' مال' آبرو کو دشمن سے بچانا۔ چونکہ دشمن دو قسم کے ہیں۔ دینی اور دنیوی۔ اس لئے تقیہ کی بھی دو قسمیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکام۔ دینی تقیہ کا حکم یہ ہے کہ اگر کوئی مسلمان کفار میں ایسا پھنسے کہ وہاں اپنا دین ظاہر نہ کر سکے یا کبھی کفر بکنے پر مجبور ہو جائے تو جان چھڑانے کے لئے اس وقت اس پر عمل کرے۔ مگر پھر وہاں سے ایسی جگہ ہجرت کر جائے جہاں دینی آزادی ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** اسی لئے انبیائے کرام نے کفرستان سے ہجرتیں کیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتھاجروا فیھا** ہاں بچے اور عورتیں جو ہجرت پر قادر نہ ہوں' ان کے اور احکام ہیں پھر بھی اگر کوئی کلمہ کفر نہ نکالے اور جان دیدے تو شہید ہو گا (احکام القرآن و روح المعانی) چنانچہ مسیلمہ کذاب نے دو صحابہ کرام کو پکڑ کے ان میں سے ایک سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے کہا ہاں۔ پھر وہ بولا کہ تم گواہ ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ انہوں نے فرمایا ہاں اس نے چھوڑ دیا۔ دوسرے سے پوچھا کہ کیا تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) انہوں نے فرمایا ہاں۔ پھر کہا کیا تم گواہی دیتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ میں بہرہ ہوں۔ تین بار یہی سوال و جواب ہوئے آخر انہیں شہید کر دیا گیا۔ جب یہ واقعہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ پہلے نے رخصت کو اختیار کیا' اس پر کوئی گناہ نہیں اور دوسرا صدق و یقین پر گیا اسے مبارک ہو (احکام القرآن معانی و کبیر وغیرہ) غرضکہ بلا وجہ اپنا دین چھپانا یا جہاں دین ظاہر نہ کر سکیں وہاں رہنا حرام ہے۔ **دوسرا تقیہ**: دنیوی معاملات میں کفار سے مدارات کرنا' یہ ضرورۃ" جائز بلا ضرورت منع۔ کفار سے خندہ پیشانی سے ملنا' ان سے مصافحہ کرنا' انہیں ہدیئے تحفے دینا ان سب کا یہی حکم ہے۔ خیال رہے کہ تبلیغ دین بھی ایک ضرورت ہے۔ جو کفار مائل باسلام ہوں' ان کے ساتھ معاملات ضرور کئے جائیں شروع اسلام میں تو ایسی کافروں کو زکوٰۃ دینا بھی جائز تھی۔ اس دنیوی تقیہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ دینی تقیہ سے اسے کوئی

www.alahazratnetwork.org

تعلق نہیں۔ جیسا کہ آیت کی روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس نے بوقت خوف کفار کو ولی یعنی ظاہری دوست بنانے کا حکم دیا نہ کہ کفر کا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ تقیہ کا حکم شروع اسلام میں تھا کہ مسلمان کمزور تھے' اب نہیں رہا۔ ان کے قول پر اب کسی قسم کا تقیہ جائز نہیں۔ مگر عوف نے امام حسن سے روایت کی کہ تقیہ قیامت تک جائز ہے کیونکہ جان کو بقدر طاقت نقصان سے بچانا ضروری ہے (تفسیر کبیرو معانی و خازن) حضرت سعید نے فرمایا کہ تقیہ بحالت جنگ جائز ہے نہ کہ بحالت امن (خازن) تقیہ کا وہی مطلب ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا۔ خیال رہے کہ کفر چھپانا' ایمان ظاہر کرنا منافقت ہے اور ایمان چھپانا' زبان سے کچھ ظاہر کرنا ستر ہے اور ایمان چھپانا' کفر ظاہر کرنا تقیہ ہے۔ منافقت تو بہر حال سخت جرم ہے۔ اس کی سزا اصلی کفر سے زیادہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار** اور ستر ضرورۃً جائز ہے بلا ضرورت منع۔ اپنے ایمان کا اعلان صورت' سیرت' قول و فعل سے کرنا چاہئے۔ تقیہ دھوکے کے لئے جرم ہے۔ ضرورت خطرۂ جان کے وقت درست ہے۔

صوفیاء کا تقیہ : صوفیائے کرام کے نزدیک اسرار الٰہیہ کا اغیار سے چھپانا تصوف کا تقیہ ہے اور یہ اہم واجبات میں سے ہے۔ اسی لئے یہ حضرات اسرار ایسی عبارت میں بیان کر جاتے ہیں جو عام کی سمجھ سے باہر ہو۔ بعض ظاہر بین علماء ان کی ظاہری عبارت پر فتویٰ کفر دے دیتے ہیں۔ حضرت محی الدین ابن عربی' بایزید' بسطامی کی پیچیدہ عبارتیں اسی تقیہ کی مثالیں ہیں۔ اسی لئے فقہائے کرام صوفیاء کے علم کو علم باطن کہتے ہیں یعنی عام سے چھپا ہوا۔ حضرت امام شعرانی نے اپنی کتاب درر منثورہ فی بیان علوم مشہورہ میں فرمایا کہ بندہ میں جس قدر ادب زیادہ اسی قدر اس کا کلام باریک (روح المعانی)

روافض کا تقیہ : روافض کے نزدیک تقیہ کی نوعیت ہی اور ہے اور اس کے احکام کچھ اور۔ ان کے ہاں ضرورتاً اور بلا ضرورت ہر قسم کا تقیہ دینی اور دنیوی جائز ہی نہیں بلکہ عبادت ہے اور سنی کو دھوکا دینا ثواب۔ ان کے یہاں مشہور روایت ہے کہ جس نے دھوکہ کی غرض سے سنی کے پیچھے نماز پڑھ لی گویا اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔ جھوٹ بولنا' اپنا دین بدلنا' حتی کہ اپنی بیٹی کفار کے نکاح میں دے دینا سب تقیہ ہی کی قسمیں ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ حضرت مولیٰ علی کا تینوں خلفاء کے ہاتھ پر بیعت کرنا' ان کے پیچھے نمازیں پڑھنا اور منبر پر ان کی تعریفیں کرنا' بلکہ اپنی بیٹی ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر فاروق سے کر دینا' سب تقیہ تھا۔ ان اللہ کے بندوں نے یہ غور نہ کیا کہ تقیہ کا مادہ وقی ہے جس کے معنی بچانا یا بچنا۔ بچانا بچنا مصیبت کے موقع پر ہی ہوتا ہے نہ کہ ہر وقت۔ ان کا تقیہ اپنے معنی کے بھی خلاف ہے۔ تقیہ اسی طرح جائز ہے جیسے بحالت اضطرار مردار کھانا جائز اور جو ہر وقت مردار خواری جائز کہے وہ پورا احمق ہے۔ ایسے ہی تقیہ صرف ضرورت کے وقت درست ہے نہ کہ ہر حال میں۔ کفر بکنا گویا روحانی مردار ہے جو صرف ضرورتاً درست۔ ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے اور بیہقی ابن ابی الدنیا اور طبرانی ابن عدی و ابن عساکر وغیرہ کی احادیث۔ چنانچہ ابن عساکر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا **من عاش مداریا مات شھیدا** جو تقیہ کرتا مرا وہ شہید مرا۔ نیز بخاری میں ہے کہ حضرت ابو درداء فرماتے ہیں کہ ہم بعض لوگوں سے خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ حالانکہ ہمارے دل ان پر لعنت کرتے ہیں۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں حاضری کی اجازت چاہی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا' یہ برا آدمی ہے۔ پھر اسے بلالیا اور اس سے نرم کلام فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ نے اولاً تو اسے برا فرمایا اور پھر اس کے سامنے نرم کلام فرمایا۔ جواب دیا کہ اے عائشہ بدتر شخص وہ ہے کہ جس کے فتنہ

www.alahazratnetwork.org

سے بچنے کے لئے لوگ اسے چھوڑیں وغیرہ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

دروغ مصلحت آمیز! بہ از راستی فتنہ انگیز!

یہ روافض کے انتہائی دلائل ہیں مگر یہ سب محض مکڑی کا جالا ہیں۔ اگر تقیہ کی یہ حقیقت ہوتی تو انبیائے کرام خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں تکلیف برداشت کرنے اور ہجرت کی ضرورت پیش نہ آتی اور کربلا کا ایسا دردناک واقعہ امام حسین علیہ السلام پر نہ گزرتا۔ یہ سب حضرات تقیہ کرلیا کرتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے اترے ہوئے احکام سب کو خوب پہنچاؤ۔ نیز فرماتا ہے۔ **الذین یبلغون رسالت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ** جو لوگ اللہ کے احکام لوگوں تک خوب پہنچاتے ہیں اور صرف خدا سے ڈرتے ہیں اس کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ ان آیتوں میں مخلوق تک احکام الٰہی پہنچانے اور ان سے نہ ڈرنے کا حکم دیا گیا نہ کہ تقیہ کا۔ اس قسم کی آیتیں اور احادیث شمار سے باہر ہیں مگر شیعہ مذہب کی بناء پر تقیہ درست ہو سکتا ہی نہیں اس لئے کہ تقیہ میں خوف کی شرط ہے جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا اور خوف دو قسم کا ہے جان کا اور آبرو کا۔ اہل بیت کو جان کا خوف ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ ان کے نزدیک امام کی موت خود اپنے قبضہ میں ہوتی ہے جیسا کہ کلینی نے کافی میں لکھا بلکہ اس کے لئے ایک باب باندھا۔ نیز امام کو ان کے نزدیک سارے غیوب کا علم ہوتا ہے۔ اپنی موت، موت کی نوعیت اس کا وقت سب اس پر روشن ہے۔ اب جان کے خطرہ کے کیا معنی۔ اور سیدنا مولیٰ علی کو تینوں خلفاء سے ڈرنے کی کیا ضرورت تھی۔ رہا آبرو کا خطرہ۔ وہ بھی ان کے لئے کوئی نہیں۔ کیونکہ روانڈی شارح نہج البلاغت نے سلمان فارسی سے حکایت کی کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عمر فاروق مدینہ کے کسی باغ میں ملے۔ حضرت علی کے ہاتھ میں ایک کمان تھی۔ فرمایا اے عمر مجھے خبر ملی ہے کہ تم میرے ساتھیوں کو برا کہتے ہو۔ یہ کہہ کر آپ نے کمان زمین پر ڈال دی وہ کمان بڑا اژدہا بن کر حضرت عمر کو نگلنے کو دوڑا۔ حضرت عمر نے کہا اے علی خدا کے لئے مجھے بچاؤ۔ اب میں تمہاری مخالفت کبھی نہ کروں گا۔ جب بہت خوشامد کی تب حضرت علی نے اسے پکڑا پھر وہ کمان بن گئی۔ سلمان فارسی کہتے ہیں کہ عمر فاروق پر اس کا بہت خوف طاری ہو گیا اور علی نے فرمایا کہ اے سلمان اس کمان کا خوف عمر کو مرتے وقت تک رہے گا۔ اس روایت کی بناء پر جناب امیر کو عمر فاروق سے خوف کے کیا معنی؟ اور اگر خوف ہوتا بھی تو تبلیغ دین میں مشقت و ایذا اٹھانا اور اس پر صبر کرنا طریقہ انبیاء ہے۔ اہل بیت عظام کو اس کی اقتداء چاہئے تھی نیز جناب مولیٰ علی کا چھ ماہ تک حضرت صدیق کی بیعت نہ کرنا پھر کرلینا اس تقیہ کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ اگر تقیہ ہی کرنا تھا تو آپ پہلے دن بیعت کرلیتے۔ غرضیکہ روافض کا تقیہ جھوٹ، فریب، منافقت اور دغا بازی کا مجموعہ ہے۔ معاذ اللہ پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ **وقاسمھما انی لکما لمن النصحین** قسم کھا کر بولا کہ اے آدم و حوا میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ نیز واقعہ کربلا میں امام حسین رضی اللہ عنہ نے تقیہ نہ کیا بلکہ عبداللہ ابن زیاد نے کیا کہ وہ امام حسین کے لباس میں کوفہ آیا۔ قرآن کریم اور انبیائے کرام اور اہل بیت اطہار اس سے بالکل پاک و صاف ہیں۔ یہاں اور ان احادیث میں مدارات وغیرہ کے وہی معنی ہیں جو ہم نے عرض کئے کہ سخت مجبوری کی حالت میں خطرۂ جان کے وقت کفار سے ظاہری رواداری برت لینا بلکہ اشد ضرورت پر منہ سے کفر نکال لینا۔ بشرطیکہ دل میں ایمان رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** ضروریات عبادات نہیں بن جاتیں، بلکہ ضرورت پوری کرنے کو ان کی اجازت ہو جاتی ہے۔ ضرورت پر شرعی تقیہ کا جواز ایسا ہی

www.alahazratnetwork.org

ہے جیسے جان پر بن جانے کے وقت مردار حرام جانور کی حلت۔

چوں علی شیر است و حق را شیر نر! ظلم نتواں کرد بر شیر اے پسر!

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی کرنا منع ہے جیسا کہ **من دون المومنین** نے بتایا تو چاہئے کہ مسلمانوں کے ساتھ کفار سے دوستی جائز ہو۔ اس طرح کہ کفار سے بھی دوستی رکھے اور مسلمانوں سے بھی؟
جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی۔ جن کے حق میں یہ آیت آئی ان کا عمل یا ارادہ ایسا ہی تھا۔ اس لئے یہ قید لگادی گئی۔ جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ** کہ تم دگنا تگنا سود نہ کھاؤ۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو۔ دوسرے یہ کہ **من دون المومنین** کافرین کی صفت ہے یعنی وہ کفار جو مسلمانوں کے ہر طرح غیر ہیں تم ان سے دوستی مت رکھو۔ تیسرے یہ کہ دوسری آیتوں میں یہ قید نہیں ہے وہاں مطلقاً ممانعت ہے۔ وہ آیتیں اس کا بیان ہیں۔ چوتھے یہ کہ **دون** بمعنی مقابل یا علیحدگی ہو۔ یعنی مسلمانوں کے مقابلہ میں کافروں کو دوست نہ بناؤ کہ کفار کی عدولے کر مسلمانوں کو تباہ کرو۔ **دون** بمعنی مقابل علیحدہ ہی آتا ہے تب تو یہ آیت بالکل واضح ہے۔
دوسرا اعتراض: بھلا مسلمانوں کے خدا کی طرفداری تو دیکھو کہ جو دین اسلام میں نہ ہوں انہیں کافر کہہ دیا۔ غیر مذہب کے نیک کاروں میں سے بھی رفاقت نہ رکھنا اور برے مسلمانوں سے رفاقت کی تعلیم دینا خدا کے لائق نہیں۔ قرآن کا خدا اور مسلمان تعصب سے پر ہیں (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی نے اس میں دو اعتراض کئے ایک غیر مسلموں کو کافر کہنا دوسرے کفار سے الگ رہنے کا حکم کہ یہ تعصب ہے۔ پنڈت جی کیا کافر کوئی گالی ہے۔ کافر کے معنی ہیں منکر اور چھپانے والا' کفر بمعنی انکار آتا ہے مولانا خسرو صاحب فرماتے ہیں ؎

کافر عشقم مسلمانی مرادر کار نیست!

یعنی میں عشق کا چھپانے والا ہوں مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ پنڈت جی کیا تم قرآن اور اسلامی قوانین کے منکر نہیں ہو اگر ہو تو اس لفظ سے چڑتے کیوں ہو۔ اگر تمہیں یہ لفظ برا لگتا ہے تو اسلام کو مان لو۔ تمہیں کافر کوئی نہ کہے گا۔ تم نے کافر کا تنا برا منایا۔ اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم نے اپنے غیر مذہبوں کو کیا کیا خطاب دیئے ہیں۔ مسلمانوں کو کہتے ہو ملکش یعنی گندے۔ کسی کا نام رکھا اچھوت یعنی گھنونے۔ آریہ بنانے کو کہتے ہو۔ شدھی کرنا یعنی پاک کرنا۔ دیگر قوموں کو کتوں سے بھی زیادہ گندا جانتے ہو۔ کسی کو دام مارگی کہتے ہو یعنی مکار' دغاباز۔ ذرا اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کا دوسرا حصہ اور گیارھواں باب پڑھو نیز مسلمانوں پر تعصب کا الزام غلط ہے۔ تعصب کے معنی ہیں قومی پچھ یہ لفظ عصب سے بنا بمعنی برادری وکنبہ۔ جس قدر مسلمان فراخ دل واقع ہوا ہے کوئی قوم ایسی نہیں۔ مسلمان ملک قوم قبیلہ کی قیدوں سے آزاد ہے ہر ملک اور قوم کا مسلمان اس کا بھائی ہے نہ کسی انسان کو گندہ سمجھتا ہے نہ کسی سے بلاوجہ لڑتا ہے۔ مسلمان نے صدہا سال ہندوستان میں تم کو پالا اب بھی تمہاری تجارتیں وغیرہ مسلمانوں کے دم سے چل رہی ہیں۔ مگر تمہارے تعصب کا یہ حال ہے کہ مسلمان کی صورت ونام سے بیزار ہو۔ رہا کفار سے الگ رہنے کا حکم یہ بالکل صحیح ہے دولت مند کو چاہئے کہ چور سے الگ رہے۔ کفر اڑ کر لگنے والی بیماری ہے۔ تندرستوں کو اس سے دور رہنا بہتر ہے۔ کفر کا زہر سانپ کے زہر سے بدتر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : حقیقی محبت' ولایت اپنے ہم جنس سے ہو سکتی ہے غیر جنس سے محبت ذاتی نہیں بلکہ مصنوعی ہے۔ جس کا ترجمہ ریاکاری یا نفاق ہے۔ چونکہ کفار مسلمانوں کے ہم جنس نہیں۔ ان میں روحانی اختلاف ہے لہذا ان سے محبت مصنوعی ہوگی اور چونکہ اسلام ریاکاری اور نفاق کی جڑ کاٹتا ہے اس لئے اس نے اس محبت سے منع کیا جو کوئی ایسا کرے گا وہ خدا کے نور سے دور رہے گا کیونکہ کفر غبار اور تاریکی ہے اس کا نور سے اجتماع کیسا۔ مگر چونکہ مسلمان دو قسم کے ہیں ایک ضعیف الیقین' دوسرے کامل الیقین کامل الیقین۔ مومنین کی نگاہ اس آیت پر رہتی ہے **وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو** وہ کسی سے خوف نہیں کرتے اس لئے وہ اس استثناء تحت میں آتے ہی نہیں۔ تمام دنیا ان سے ڈرتی ہے مگر وہ کسی سے نہیں ڈرتے مگر ضعیف الیقین لوگ جن پر ظاہری خوف طاری ہو جاتا ہے۔ انہیں ظاہری تعلق کی اجازت دی گئی۔ اس لئے آگے فرمایا گیا **ویحذرکم اللہ نفسہ** کہ اللہ تمہیں اپنی توحید عیانی کی طرف بلاتا ہے تاکہ تمہیں وہاں پہنچ کر غیر کا بالکل خوف نہ رہے صرف رب تعالیٰ کا خوف ہو چونکہ سب کا انجام اس توحید پر ہی ہو گا لہذا تم اس سے خوف کرو (ابن عربی)

دوسری تفسیر : روح اور اس کے معاملات مومنین ہیں نفس اور اس کے معاملات کفار۔ روح کو حکم دیا جا رہا ہے کہ تو نفس اور اس کے خطرات کو اپنا دوست نہ سمجھ یہ اگر بظاہر کبھی تیری دوستی کا دم بھرے مگر حقیقت میں یہ تیرا سخت دشمن ہے اگر تو نے ان سے محبت کی تو یاد رکھ سے آڑ میں رہے گی۔ ہاں جب کبھی اس کی بربادی کا اندیشہ ہو تو اس کی ظاہری پرورش کر تاکہ وہ فنا نہ ہو جائے بلکہ تیرا خادم بن کر تیری امداد کرے اور تیری سواری کا کام دے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ محبت چار قسم کی ہوتی ہے۔ جسمانی' نفسانی' شیطانی' رحمانی۔ اولاد وغیرہ سے محبت جسمانی ہے۔ خونی رشتہ کی وجہ سے مال و دولت سے محبت نفسانی ہے کفار و کفر سے محبت شیطانی ہے۔ اللہ کے پیاروں سے محبت رحمانی ہے۔ پہلی دو محبتیں فانی ہیں کہ نفس کو فنا ہے تو اس کی محبت کو بھی فنا ہے۔ تیسری یعنی شیطانی محبت' عداوت میں تبدیل ہو جاوے گی۔ چوتھی یعنی رحمانی محبت کو بقا ہے رحمان باقی ہے تو رحمانی محبتیں بھی باقی ہیں۔ دنیا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والے کفار ابو جہل وغیرہ قبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکے مگر نہ دیکھنے والے مسلمان پہچان لیتے ہیں یہ ہے محبت رحمانی کا نتیجہ۔ جیسے صاف آئینہ ذرا میں دھندلا ہو جاتا ہے ایسے ہی آئینہ دل گناہ اور محبت کفار سے دھندلا ہو جاتا ہے اگر آئینہ دل ان گرد و غبار سے صاف رہے تو اس میں سارا عالم بلکہ خالق عالم بھی ہے۔ جیسے صاف شیشہ میں گھر اور گھر کا سازو سامان بلکہ گھر والا نظر آتا ہے۔

الٰہی رنج و غم کافور کر دے! یہ سینہ نور سے معمور کر دے

نبی کی کالی زلفوں کا تصدق سیاہی میرے دل کی دور کر دے

صوفیاء کے نزدیک چیزیں تین قسم کی ہیں ایک وہ جو زبان میں بھی ہیں دل میں بھی جیسے اللہ کا ذکر' یار کا چرچہ۔ بعض چیزیں وہ ہیں جو صرف دل میں آئیں زبان پر نہ آئیں۔ جیسے اسرار الٰہی کہ دل کے خزانے میں رہیں۔ زبان کے دروازے پر نہ آنے پائیں۔

بردہانش قفل و در دل راز ہا! بند لب ہا دل پر آوردہ وار ہا!

بعض چیزیں وہ ہیں جو زبان پر رہیں دل میں نہ اتریں جیسے دنیاوی باتیں وغیرہ جیسے بستی میں لوگوں کے مکان بھی ہوتے ہیں اللہ کا گھر یعنی مسجد بھی۔ مسجد تمام گندگیوں سے پاک و صاف رکھی جاتی ہے ایسے ہی جسم مومن ایک بستی ہے جس کے تمام اعضاء

www.alahazratnetwork.org

سے دنیاوی کام کئے جائیں مگر دل وہ مسجد ہے جس میں رب کے سوا کچھ نہ رہنا چاہئے۔ مشائخ کی بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ دل کی صفائی میسر ہو۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚۖ وَّ مَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ

جس دن پائے گا ہر نفس وہ جو کیا اس نے بھلائی سے موجود اور وہ جو کیا اس نے برائی سے تمنا کرے گا

جس دن ہر جان نے جو بھلا کام کیا حاضر پائے گی اور جو برا کام کیا امید کرے گی کاش

تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَ بَيْنَهٗۤ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ؕ وَ يُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَ اللّٰهُ

کہ کاش تحقیق درمیان اس کے فاصلہ ہوتا دور کا اور ڈراتا ہے تم کو اللہ ذات سے اپنی اور اللہ

مجھ میں اور اس میں دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں عذاب سے ڈراتا ہے اور اللہ

رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰

مہربان ہے ساتھ بندوں کے ۝

بندوں پر مہربان ہے ۝

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفار و کفر سے الگ رہنے کا حکم دیا تھا اب اس کی سزائیں فرمائی جارہی ہے کہ تم دنیا میں ان کے ساتھ رہے تو آخرت میں بھی ان ہی کے ساتھ اٹھو گے اور وہاں ان کی ہمراہی بہت تکلیف دہ ہوگی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں کفار سے دلی محبت کی ممانعت کی گئی تھی اور ظاہری برتاؤ کی اجازت دی گئی۔ گویا ناجائز اور جائز فعل کا ذکر تھا اب رغبت اور خوف کی آیت ارشاد فرمائی گئی۔ گویا یہ گزشتہ مضامین کا تتمہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم کو اللہ اپنے عذاب سے ڈراتا ہے' اب عذاب کے دن کا ذکر فرمایا جارہا ہے اور عذاب کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و علم کا ذکر تھا' اب اس آیت میں بندوں کی مجبوری اور ان کے عجز و نیاز کا ذکر ہے۔ خوف و عجز کا ظہور قیامت میں ہوگا۔ عبدیت کا اقرار' رب کی قدرت' اپنی عجز و نیاز معلوم کرکے ہوتا ہے۔ لہٰذا ایک رکن ایمان کا ذکر پہلے ہوا' دوسرے رکن کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تفسیر : **یوم تجد کل نفس ما عملت** : **یوم یا تو مصیر کا ظرف ہے یا یحذرکم اللہ کا یا قدیر کا یا تو دکلیا ذکر** فعل پوشیدہ کا۔ **اذکر** میں خطاب یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ یعنی اے محبوب آپ ہمارے بندوں کو وہ دن یاد دلادو اور آپ کے جانشین علماء تاقیامت مسلمانوں کو یاد دلاتے رہیں۔ جو عالم یہ دن یاد نہ دلائے اس نے اپنا فرض ادا کرنے میں کوتاہی کی۔ اے مسلمان وہ دن یاد کرتا رہ' یا وہ دن یاد رکھ۔ اسی لئے اس کے معنی سات آٹھ ہوسکتے ہیں **تجد**

www.alahazratnetwork.org

وجدان سے بنا بمعنی پانا۔ **کل نفس** سے ہر مکلف کی ذات مراد ہے۔ یعنی عاقل بالغ انسان اور جنات۔ کیونکہ جانوروں اور بچوں پاگلوں کا نہ حساب کتاب ہے نہ انہیں سزا و جزا۔ **ما** سے مراد سارے تکلیفی احکام ہیں۔ غیر اختیاری افعال اس سے خارج ہیں۔ جیسے رعشہ کی حرکت یا سانس وغیرہ۔ کیونکہ ان پر سزا جزا نہیں۔ **عملت** سے سارے قلبی و ظاہری اعضاء کے کام مراد ہیں۔ اس لئے کہ دلی ارادوں پر بھی سزا جزا ہے۔ یعنی تمہیں خدا کی طرف اس دن لوٹنا پڑے گا یا خدا تمہیں اس دن سے ڈراتا ہے یا ہر نفس اس دن آرزو کرے گا یا اللہ کی قدرت اس دن ظاہر ہوگی یا اس دن کو یاد رکھو جس دن ہر جان اپنے سارے اعمال پائے گی۔ اس دن سے مراد یا تو موت کا دن ہے کہ مرتے وقت ہی مرنے والے کو اپنے اعمال یاد آتے ہیں یا قبر میں جانے کا دن یا قیامت کا دن۔ تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں کہ اصل سزا اور جزاء کا دن وہی ہے۔ خیال رہے کہ بعض کے نزدیک یہاں **ما** سے پہلے جزا یا کتاب پوشیدہ ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنا نامہ اعمال یا اعمال کی سزا جزا ہر نفس پائے گا۔ رب تعالیٰ فرمائے گا **اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا** اپنی کتاب خود پڑھ لے آج تو ہی اپنا کافی محاسب ہے یا خود اعمال کو مختلف شکلوں میں موجود دیکھے گا۔ نیک اعمال کی اچھی شکلیں برے اعمال کی شکلیں بری۔ سانپ بچھو وغیرہ بلکہ نیک و بد اعمال کا اثر خود عامل کی شکل و صورت پر نمودار ہوگا۔ **یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ**۔ مگر بہتر یہ ہے کہ کچھ پوشیدہ نہ کیا جائے اور آیت کا یہی مطلب لیا جائے کہ بعینہٖ اپنے اعمال کو پائے گا جیسا کہ ہم انشاء اللہ آئندہ عرض کریں گے **من خیر محضرا وما عملت من سوء**۔ **من** بیانیہ ہے **ما** کا بیان۔ خیر سے ہر جائز کام یا نیکی مراد ہے۔ اگرچہ معمولی ہی ہو۔ **محضرا**" **یحضر** کا دوسرا مفعول ہے اس کے معنی ہیں حاضر کیا ہوا۔ یعنی فرشتے یا رب تعالیٰ اسے حاضر فرمائے گا۔ خواہ نامہ اعمال کے ذریعہ یا بلاواسطہ۔ **محضرا**" کے بعد **عند ما** پوشیدہ ہے اور **وما عملت** پہلے **ما** پر معطوف ہے **تجد** کا مفعول **من سوء** **ما** کا بیان ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **ما عملت خیر وما عملت من سوء محضرا**" چونکہ بھلائی مقصود بالذات ہے اور گناہ مقصود تبعاً"۔ نیز نیکی رحمت رب کی مظہر ہے اور گناہ قہر کا مظہر ہے۔ نیز رحمت قہر پر غالب ہے اس لئے خیر کا ذکر پہلے کیا اور گناہ کا بعد میں نیز چونکہ اگلے مضمون کا تعلق صرف گناہوں سے ہے اس لئے یہاں علیحدہ **ما عملت** فرمایا گیا ورنہ پہلا ہی فعل کافی تھا۔ یعنی جو کچھ بھلائی یا برائی کی ہے اسے اپنے پاس حاضر پائے گا۔ پھر یہ حال ہو گا کہ **تود لو ان بینها و بینه امدا بعیدا**۔ **تود** ود سے بنا بمعنی چاہنا اور خواہش کرنا۔ اس کا فاعل گنہگار نفس ہے نہ کہ ہر نفس۔ کیونکہ یہ تمنا گنہگاری کریں گے **لو ان** الخ۔ **تود** کا مفعول ہے۔ **بینها و بینه** ان کی خبر اور **امدا بعیدا** اس کا اسم **بینها** کا مرجع نفس اور **بینه** کا مرجع یا دن ہے یا اس کے برے اعمال۔ **امد** بمعنی فاصلہ آتا ہے۔ **بعید** بمعنی دراز۔ **امد** اور **ابد** میں یہ فرق ہے کہ **ابد** غیر محدود وقت کو کہا جاتا ہے اور **امد** وہ مدت ہے۔ جس کی حد ہو مگر معلوم نہ ہو۔ بعض کے نزدیک یہاں **امد** سے مراد عمر بھر کا فاصلہ ہے۔ بعض کے نزدیک مشرق و مغرب کی دوری۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یالیت بینی و بینک بعد المشرقین**۔ الخ۔ گویا وہ آیت اس جملہ کی تفسیر ہے۔ یعنی اس دن گنہگار نفس آرزو کرے گا کہ کاش مجھ میں اور اس قیامت میں یا مجھ میں اور میرے نامہ اعمال یا سزاء اعمال یا اعمال میں بہت فاصلہ ہوتا۔ یعنی یہ چیزیں میرے پاس نہ ہوتیں۔ قبر کے امتحان میں پاس ہوتے ہی بندہ قیامت قائم ہونے کی تمنا کرتا ہے کہ جلد قیامت قائم ہو اور میری کامیابی پر لوگ مطلع ہوں اور وہاں فیل ہو جانے والا تمنا کرتا ہے کہ قیامت کبھی نہ آئے تاکہ میرا حال کسی پر ظاہر نہ ہو۔ قیامت کے دن میں یہ دونوں

www.alahazratnetwork.org

تمنائیں بھی موجود ہوں گی اور دونوں قسم کے لوگ بھی حاضر ہوں گے۔ نیز آج جیسے ہم سانپ شیر سے گھبراتے ہیں ایسے ہی مجرم کل قیامت میں اپنے گناہوں سے گھبرائیں گے کہ بدعملیاں ان جانوروں بلکہ بعض ان سے بھی زیادہ ڈراؤنی شکل میں ہوں گی مجرم ان سے بھاگے گا مگر وہ اعمال اس سے چمٹیں گے چھوڑیں گے نہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس تمنا کا تعلق دنیا سے ہو یعنی وہ تمنا کرے گا کہ کاش میں گناہوں سے بہت دور رہا ہوتا۔ ان کے قریب بھی نہ گیا ہوتا۔ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **یوم یعض الظالم علی یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا یویلتی لیتنی لم اتخذ فلانا خلیلا**" ہائے کاش کہ میں نے پہچانا ہوتا۔ اس وقت کا پچھتانا بے کار ہے۔ **ویحذرکم اللہ نفسه** اس کی مکمل تفسیر پچھلی آیت میں ہو چکی۔ پہلے یہ جملہ محبت کفار سے بچانے کے لئے ارشاد ہوا تھا اور اب آخرت کی رغبت دینے اور برائیوں سے بچانے کے لئے ارشاد فرمایا گیا۔ یعنی اللہ تم کو اپنی ذات یا اپنی صفات قہاریت یا اپنے عذاب سے ڈراتا ہے۔ **واللہ رءوف بالعباد**۔ **رءوف** **رافته** سے بنا معنی انتہائی محبت و کرم **العباد** سے یا سارے بندے مراد ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ دنیا میں سب پر مہربان ہے اسی لئے انہیں عذاب سے ڈرایا اور نیک اعمال کا موقعہ دیا اور اپنے قہر و غضب کی انہیں خبر دی۔ جیسے مہربان باپ اپنی محبوب اولاد کو تکلیف دہ چیزوں سے خبردار کردے اور یا **عباد** سے نیک بندے مراد ہیں۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ قرآن میں **عباد** نیک بندوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے **وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا**۔ اور فرماتا ہے۔ **عینا یشرب بها عباد الله**۔ فرماتا ہے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** الخ۔ تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آخرت میں اللہ خاص ان بندوں پر مہربان ہوگا جو حق عبودیت ادا کر کے حاضر ہوں۔ غرضکہ اس آیت کریمہ میں نشتر بھی ہے مرہم بھی رب تعالیٰ کی جباریت و قہاریت کا خیال کر کے ڈرو اور اس کی رحمت پر دھیان کر کے امید رکھو۔ اس خوف و امید ہی کی بنیادوں پر اسلام کی بنیاد قائم ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! اس قیامت کے دن پر ہر وقت دھیان رکھو جس دن ہر شخص اپنے بھلے برے سارے کام اپنے سامنے موجود پائے گا کہ اس کی نیکیاں اچھی شکل میں اس کے ساتھ ہوں گی اور برائیاں بری صورت میں نظر آئیں گی (حدیث شریف) دنیا میں بعض برائیاں بھلی معلوم ہوتی ہیں اور بعض بھلائیاں بری مگر وہاں ہر چیز اپنے اصلی رنگ میں ظاہر ہوگی کہ بے زکوۃ مال گنجے سانپ کی شکل میں اور روزے نماز حسین صورتوں میں نظر آئیں گے۔ تب ہر بدکار آرزو کرے گا کہ کاش میں قیامت میں حاضر نہ ہوتا اور اس دن سے دور رہتا یا کاش یہ ڈراؤنی صورتیں مجھ سے دور ہٹ جاتیں یا کاش میں دنیا میں گناہوں سے دور بھاگا ہوتا مگر اس وقت کا پچھتانا کچھ کام نہ دے گا۔ ابھی موقعہ ہے کچھ خیر کما لو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں بار بار اپنے قہر و غضب سے ڈراتا ہے اور وہ بندوں پر نہایت ہی مہربان ہے۔ اسی لئے وہ نیکیوں کی رغبت اور گناہوں سے خوف دیتا ہے ورنہ کسی کی نیکی سے اسے کچھ فائدہ نہیں اور کسی کی برائی سے اس کا کچھ نقصان نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قیامت کے دن ہر شخص پر اس کے سارے اعمال ضرور پیش ہوں گے اگرچہ پھر بعض کی بخشش ہو جائے۔ پانا اور چیز ہے اور سزا و جزا ملنا اور۔ **دوسرا فائدہ:** بعض کے خیال میں صرف وہی عمل پیش ہوں گے جن پر سزا جزا ملنے والی ہو۔ معاف شدہ گناہوں کا وہاں ذکر بھی نہ ہوگا۔ بلکہ مسلمان کے بعض

www.alahazratnetwork.org

بخشے ہوئے گناہ نیکی کی شکل میں نمودار ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت** خلاصہ اختلاف یہ ہوا کہ بعض کے نزدیک دکھا کر معافی ہوگی اور بعض کے نزدیک پہلے ہی۔ لہٰذا آیات مغفرت اور اس آیت میں کوئی مخالفت نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** قیامت میں ہر شخص کی نظری طاقت بڑھی ہوئی ہوگی کہ اپنے اعمال و عقائد کو جو عرض تھے وہ دیکھ لے گا۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت کا دن پردہ اٹھنے کا دن ہوگا کہ ہر چیز اپنی اصلی حالت میں نظر آئے گی۔ مسلمانوں کو اپنے کافر قرابت داروں سے سخت نفرت ہوگی کیونکہ وہ نہایت بد شکل اور بد صورت نمودار ہوں گے۔ **پانچواں فائدہ:** آیات عذاب بھی خدا کی رحمت ہیں کہ ان کے ذریعہ دل میں خوف پیدا ہوتا ہے جو عبادات کی اصل ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے اعمال ہر شخص پر پیش ہوں گے اور دوسری آیتوں سے پتہ چلتا ہے کہ بعض گناہ مٹا بھی دیئے جائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیئات** اور بعض نیکیاں ضبط کی جاتی ہیں۔ فرماتا ہے **حبطت اعمالھم** ان آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ **ما عملت** سے باقی اعمال مراد ہیں نہ کہ برباد شدہ۔ دوسرے یہ کہ یہاں پیشی کا ذکر ہے اور ان آیتوں میں سزا جزا کا یعنی ہر عمل ہر شخص کو دکھایا ضرور جائے گا' خواہ اسے جزا ملے یا نہ ملے۔ مثلاً بعض گنہگاروں سے کہا جائے گا کہ کیا تم نے یہ گناہ کئے تھے عرض کریں گے۔ ہاں مولیٰ قصور ہوا۔ یہ ہوئی پیشی' پھر ارشاد ہوگا جاؤ معاف کر دیا یہ ہوئی مغفرت۔ لہٰذا آیتوں میں کوئی مخالفت نہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ۔** اعمال کا دکھانا مراد ہے۔ ان پر سزا جزا دینا کچھ اور دکھانا سب کے لئے سزا جزا بعض کے لئے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کے ہر عمل پیش ہوں گے تو کیا کافروں کے صدقات و خیرات بھی انہیں دکھائے جائیں گے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ان کا کوئی عمل نیکی ہی نہیں کیونکہ نیکی کی شرط ایمان ہے' جس کے بغیر ساری نیکیاں بے کار۔ لہٰذا انہیں جو بھی دکھایا جائے گا وہ بدی ہی ہوگی۔ دوسرے یہ کہ ہاں ضرور دکھائی جائے گی مگر یہ کہہ کر کہ اگر تم ایمان کے ساتھ یہ کام کرتے' اجر پاتے۔ مگر چونکہ بغیر ایمان تم نے یہ نیکیاں کیں۔ لہٰذا برباد گئیں۔ غرضکہ کفار کے لئے اپنی نیکیاں دیکھنا باعث ملال ہوگا اور مغفور گنہگار کے لئے گناہ دیکھنا باعث خوشی۔ حدیث شریف میں ہے کہ پاس شدہ مومن کو قبر میں پہلے اس کا دوزخ والا ٹھکانا دکھاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر آج تو پاس نہ ہوتا تو تیرا ٹھکانہ یہ تھا۔ اللہ نے تجھ پر کرم فرمایا کہ تو پاس ہو گیا۔ اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے۔ پھر جنتی جگہ دکھاتے ہیں تاکہ اس کی خوشی دوبالا ہو جائے۔ قبر میں فیل ہو جانے والے سے معاملہ برعکس ہوتا ہے کہ پہلے اسے جنتی ٹھکانہ دکھاتے ہیں کہ اگر تو پاس ہو جاتا تو تیرا ٹھکانہ یہ ہوتا اب چونکہ تو فیل ہو گیا۔ دیکھ اب تیرا ٹھکانہ یہ ہے تاکہ اسے غم پر غم ہوں۔ ایسے ہی قیامت میں مومنوں کو ان کے گناہ دکھا کر معافی دی جائے گی۔ اور کفار کو ان کے نیک اعمال دکھا کر ضبطی کا اعلان ہوگا۔ تاکہ مومن کو خوشی پر خوشی ہو۔ کافر کو غم پر غم۔ یہاں تک کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب بعض مغفور گنہگاروں کو بعوض گناہ نیکیاں عطا ہوں گی تو وہ باقی گناہ تلاش کریں گے' کیونکہ وہ دیکھیں گے کہ یہاں تو خطا پر عطا ہو رہی ہے۔

دیکھا جب شافع محشر کو طرف داروں میں ۔۔۔ بے گناہ کہنے لگے ہم ہیں گنہگاروں میں

غرضکہ بخشا ہوا گناہ نامقبول نیکی سے افضل ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اعمال عرض ہیں جن کا بقا نہیں۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ غیر باقی عرض بلا جوہر نظر آجائیں' یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ **جواب:** اس عالم کے احکام یہاں سے جداگانہ ہیں۔ وہاں اعمال کو

www.alahazratnetwork.org

صورت دی جائے گی اور یہ رب کے نزدیک کوئی بڑی بات نہیں۔ دنیا میں بھی اگلے واقعات جسمانی صورتوں میں دکھائی دیتے ہیں بادشاہ مصر نے قحط سالی کو خشک بالیوں اور دبلی گایوں کی شکل میں اور ارزانی کو ترہالیوں اور موٹی گایوں کی شکل میں دیکھا تھا۔ اب بھی سفیدی اور نورانیت کامیابی کی علامت ہے اور سیاہی و ظلمت ناکامی کی۔ جو کوئی دعائے استخارہ پڑھ کر سوئے اور کسی کام کے متعلق کامیابی یا ناکامی معلوم کرنا چاہے تو خواب میں نور کامیابی کی علامت ہے اور گدلا پانی ناکامی کی۔ جو رب سر کے میل کو جوں کی شکل اور چارپائی کے میل کو کھٹمل کی شکل بخش سکتا ہے وہ برے بھلے اعمال کو صورت دے کر ان میں جان ڈال سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انسان جو کچھ کرتا ہے اس کے اعمال کا اثر اس کے نفس میں نقش ہو جاتا ہے اور بار بار کرنے پر وہ مضبوط ملکہ بن جاتا ہے۔ گویا نفس انسانی زمین کا لوح محفوظ یا آئینہ حقیقت نما ہے مگر چونکہ دنیا میں نفس وہمی و خیالی چیزوں میں مشغول ہوتا ہے اس لئے ان نقوش پر اس کی نظر نہیں پہنچتی۔ مرنے کے بعد چونکہ یہ کوئی مشغلہ نہ رہے گا تب اسے وہ تمام نقوش و ہیئتیں نظر آئیں گی۔ بھلائیوں پر تو خوش ہو گا اور برائیوں پر سخت غمگین۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **احصاہ اللہ و نسوہ** تب گناہوں سے دور رہنے کی تمنا کرے گا۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر خیالے کو کند در دل وطن! روز محشر صورتے خواہد شدن

سیرتے کاں در وجودت غالب است ہم براں تصویر حشرت واجب است

عاقل کو چاہئے کہ اپنے نفس کو برے اخلاق سے پاک و صاف رکھے اور روزانہ کے عمل پر غور بھی کر لیا کرے۔ ایک دن حضور علیہ السلام نے اپنے صحابہ کرام سے فرمایا کہ اے لوگو! اپنی نیکیوں کی زیادتی اور گناہوں کی کمی پر فخر نہ کرو اور کسی کے متعلق کوئی رائے قائم نہ کرو جب تک کہ اس کے خاتمہ کا حال معلوم نہ ہو۔ کیونکہ خاتمہ کا ہی اعتبار ہے (ابن عربی و روح البیان)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ یَغْفِرْ لَكُمْ

فرماؤ کہ اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے پس پیروی کرو میری محبوب بنائے گا تم کو اللہ اور بخش دیگا

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ۔ اللہ تمہیں دوست

ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۱﴾ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ

واسطے تمہارے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے فرما دو کہ اطاعت کرو اللہ اور پیغمبر کی پس اگر

رکھے گا اور تمہارے گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؕ تم فرما دو کہ حکم مانو اللہ اور

تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۳۲﴾

منہ پھیریں تو پس اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو ؕ

رسول کا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ کو خوش نہیں آتے کافر ؕ

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو کفار سے علیحدگی کا حکم دیا گیا اور ان سے محبت کی ممانعت کی گئی۔ اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا پہلے پرہیز کا ذکر تھا اب علاج کا یا پہلے نہ کرنے والے کام بتائے گئے اب کرنے والی چیز کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی محبت سے منع کیا گیا تھا اب وہ بہترین چیز بتائی جا رہی ہے' جس سے محبت کفار خود بخود دل سے نکل جائے۔ یعنی اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم' کیونکہ جب تک محبوب سے حجاب ہے تب تک غیر پر نظر ہے۔ جن آنکھوں نے قدم پاک مصطفیٰ دیکھ لیا (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ پھر کسی اور کو کیا دیکھیں۔ جس دل میں محبت خدا اور رسول ہو اس میں دوسری محبتوں کی جگہ ہی نہیں۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں کون آنکھوں میں بچے دیکھ کے تلوا تیرا!

گویا پہلے بڑی سخت چیز کا حکم دیا گیا کہ کفار سے محبت توڑ دو۔ ان سے رشتے قرابتیں کاٹ دو۔ یہ کام ہر شخص کے لئے آسان نہ تھا۔ اب وہ چیز بتائی جس سے یہ سب کچھ آسان ہو جائے۔ یعنی عشق مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کیونکہ عشق ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ڈرا دھمکا کر دعوت ایمان دی گئی تھی اب محبوبیت کا لالچ دے کر ان سب کو ایمان کی طرف بلایا جا رہا ہے کہ اگر تم اس رسول کی اطاعت کرو گے تو خدا تمہیں پیارا بنا لے گا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب کے غضب و قہر کا ذکر تھا۔ اب اس کی رحمت خاصہ کا تذکرہ ہے کہ کوئی سختی سے مانتا ہے اور کوئی نرمی سے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف یعنی بہت ہی مہربان ہے۔ اب ان بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جن پر اللہ تعالیٰ بہت مہربان ہے۔ یعنی رحمت دینے والے رب کا ذکر پہلے ہوا اور رحمت لینے والے بندوں کا ذکر اب ہے۔ جو رحمت لینے کے لائق ہوں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و تبع۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں سب کے اعمال سامنے آ جائیں گے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر پردہ پوشی چاہتے ہو تو محبوب کی اتباع و پیروی کرو۔ اس کی برکت سے تمہارے عیوب پر دنیا و آخرت میں دوسرے لوگ اطلاع نہ پائیں گے۔

شان نزول: ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت قریش پر گزرے۔ جنہوں نے بت گاڑے ہوئے تھے اور انہیں آراستہ کر رہے تھے اور ان کے سامنے سجدہ میں گرتے تھے۔ تو فرمایا کہ اے گروہ قریش تم نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کی مخالفت کی۔ قریش نے کہا کہ ہم ان بتوں کو اللہ کی محبت میں پوجتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اس سے قریب کر دیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و خزائن و کبیر وغیرہ) (2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعب ابن اشرف یہودی اور اس کے تابعین کو دعوت ایمان دی۔ وہ بولے کہ ہم تو اللہ کے پیارے ہیں۔ ہمیں تمہاری کیا ضرورت۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) (3) جب نجران کے عیسائی الوہیت مسیح کے مسئلہ میں دلائل سے عاجز ہو گئے تو بولے کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفتیں اللہ کی محبت کے لئے ثابت کرتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ہمیں وہ نصیب ہو۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) اخیر روایتیں زیادہ قوی معلوم ہوتی ہیں کیونکہ یہ سورہ مدنی ہے۔ ہجرت کے بعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ سے پہلے تبلیغ کے لئے بیت اللہ شریف لے ہی نہیں گئے اور نہ وہاں قریش سے اس گفتگو کا موقعہ ملا۔ صلح حدیبیہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ کی حدود میں تشریف لے گئے' اندر نہ گئے۔ عمرۃ القضا میں اگرچہ اندرون شہر داخلہ ہوا مگر اس دن کفار سے یہ گفتگو نہ ہوئی' یہ داخلہ عارضی تھا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : قل ان کنتم تحبون اللہ- قل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور کنتم میں یا مشرکین یا یہود یا عیسائیوں یا سارے انسانوں سے خطاب ہے- خیال رہے کہ قل فرمانے میں صدہا راز ہیں کبھی قل وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں وہ بات صرف حضور ہی کہہ سکتے ہیں- دوسروں کو کہنے کا حق نہ ہو- جیسے قل انما انا بشر مثلکم- صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے کو بشر فرما سکتے ہیں- ہم بشر کہہ کر پکاریں تو مجرم ہیں- جیسے انبیاء کرام نے اپنے کو ظالم یا ضال فرمایا- اگر ہم انہیں یہ کہیں تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھیں- اور کبھی دوسروں کے کہلوانے کے لئے بھی قل ارشاد ہوتا ہے جیسے قل ھو اللہ احد یعنی لوگوں سے آپ کہو کہ اللہ ایک ہے- پھر لوگ آپ سے سن کر کہیں کہ اللہ ایک ہے تو وہ مومن ہوں گے- خود بخود توحید مان لینے کا نام ایمان نہیں- توحید تو ابلیس بھی مانتا ہے- یہاں قل پہلی قسم کا ہے کیونکہ حضور کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میری ہی بات کا اتباع کرو- صرف مطابق شرع چیزوں میں اوروں کی اتباع ہو سکتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر عمل اور حکم کی اتباع ضروری ہے' اگرچہ وہ حکم قرآن کے خلاف ہی کیوں نہ ہو- جیسے ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرمادی- سراقہ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی- حضرت علی کو فاطمہ زہرہ کی موجودگی میں دوسرے نکاح کی ممانعت فرمادی- نیز خدا تک پہنچنا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہو گا- دوسرے کی اتباع خدا تک نہیں پہنچا سکتی- تحبون- حب سے بنا معنی پسند کرنا اور نفس کا کسی اعلیٰ شی کی طرف مائل ہونا- حب دراصل قلب کے سیاہ دانہ کو کہتے ہیں- چونکہ محبت کا تعلق قلب کے اس دانہ سے ہے' اس لئے اسے حب کہا جاتا ہے- تحبون سے یا محبت کرنا ہی مراد ہے یا ارادہ محبت- لفظ اللہ کو مفعول بنا کر یہ بتایا کہ اگر تم خدا کے چاہنے والے اور اس کے طالب بننا اور اس کو اپنا محبوب کرنا چاہتے ہو تو فاتبعونی- یہ اتباع سے بنا جس کا مادہ تبع ہے معنی پیچھے- اتباع پیچھے چلنا- یعنی نہ تم میرے ہمسایہ بن کر برابر ہونے کی جرات کرو نہ ہادی کے آگے بڑھو بلکہ غلام بن کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ- اصطلاح میں کامل اطاعت اور خالص پیروی کو اتباع کہا جاتا ہے جس میں فنا کا ظہور ہو- اطاعت کے معنی ہیں فرمان پر عمل- اتباع کے معنی ہیں کسی کی اداؤں کی نقل کہ جو کچھ اسے کرتے دیکھا خود کرنے لگے' وجہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے- اتباع ناقص بھی ہوتی ہے کامل بھی- حضور علیہ السلام نے چار قسم کے کام کئے- فرائض' واجبات' مستحبات' عادات- ان عادات کو سنن زوائد کہتے ہیں- صرف فرائض اور واجبات میں اتباع ناقص اتباع ہے- ان چاروں اعمال شریف کی اتباع کامل اتباع ہے- جس قدر اتباع کامل ہو گی اسی قدر رب تعالیٰ کی محبوبیت اعلیٰ- غرضکہ اتبعونی اور یحببکم اللہ میں بڑی وسعت ہے اگر تم نے ایک یہ کام کر لیا تو تمہیں دو عظیم الشان انعام ملیں گے- ایک یہ کہ یحببکم اللہ الخ- اس کم میں بھی وہی احتمالات ہیں جو کنتم میں تھے کہ اس میں کسی خاص جماعت سے خطاب ہو یا عام سے- یعنی اب تک تو تم خدا کے طالب بننا چاہتے تھے' لیکن پھر اس کا برعکس ہو گا کہ رب تمہیں اپنا مطلوب و محبوب کرے گا اور دوسرا انعام یہ کہ ویغفر لکم ذنوبکم- یغفر اور ذنوب کی لغوی تحقیقات بارہا بیان ہو چکیں- یہاں اتنا سمجھ لو کہ ذنوب سے سارے حق اللہ اور تمام چھوٹے بڑے گناہ مراد ہیں اور کم میں سب سے خطاب- لکم میں لام نفع کا ہے یا ملکیت کا- یعنی اس کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ تمہارے سارے اگلے پچھلے چھوٹے بڑے کھلے چھپے گناہ معاف کر دے گا واللہ غفور رحیم- اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے- مگر اس کی ان صفتوں کے مظہر غلامان مصطفیٰ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) دشمنان رسول پر صفت قہر کا ظہور ہوا کرے گا- اگر تم سے پوری اتباع نہ ہو سکے تو قل اطیعوا اللہ والرسول الخ- بعض روایتوں

www.alahazratnetwork.org

میں ہے کہ جب پچھلی آیت اتری تو عبداللہ ابن ابی سلول منافقوں کا سردار بولا کہ دیکھو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی فرمانبرداری کو رب تعالیٰ کی اطاعت کی طرح بنا دیا اور ہمیں اپنے ساتھ ایسی محبت کا حکم دیا جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام سے کرتے ہیں تب یہ آیت آئی (خازن) اور یہود بولے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا بننا چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو خدا بنالیں جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب بنالیا۔ تب یہ آیت اتری (مدارک) قل میں بھی حضور علیہ السلام سے خطاب ہے اور **اطیعوا** میں سب لوگوں سے اللہ اور رسول دونوں کے لئے ایک ہی **اطیعوا** ارشاد ہوا کیونکہ رب تعالیٰ کی اطاعت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہے مگر چونکہ ان دونوں کی نوعیتوں میں فرق ہے کہ رب تعالیٰ کی اطاعت صرف احکام میں ہوگی نہ کہ افعال میں اور حضور علیہ السلام کی اطاعت ساری چیزوں میں۔ اس لئے بعض جگہ **اطیعوا** مکرر لایا گیا کہ فرمایا گیا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول**۔ خیال رہے کہ اطاعت صرف احکام میں فرمانبرداری کرنے کو کہتے ہیں لہٰذا اس کا درجہ اتباع کے بعد ہے اس لئے اس کا ذکر اتباع کے بعد ہوا (روح البیان) اور اتباع کے ساتھ محبوبیت کا ذکر ہوا اور اطاعت کے لئے فرمایا گیا **فان تولوا فان اللہ لا یحب الکفرین**۔ **تولوا** کی لغوی تحقیق بارہا ہو چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ جمع مذکر غائب ماضی بھی ہو سکتا ہے اور جمع حاضر مضارع بھی۔ پہلی صورت میں یہ رب کا فرمان ہوگا اور دوسری صورت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یعنی اگر وہ لوگ اطاعت سے منہ موڑیں یا آپ فرمادو کہ اگر تم نے اطاعت سے منہ موڑا تو کافر ہو جاؤ گے اور خدا کے دشمن۔ کیونکہ اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں سے فرمادو جو آپ کے بغیر وسیلہ ہماری محبت کا دم بھرتے ہیں یا جو اپنے کو رب کا پیارا جان کر آپ سے بے نیاز ہونا چاہتے ہیں یا جو آپ کی اطاعت کے سوا دوسرے اسباب سے خدا تک پہنچنا چاہتے ہیں ان سب کو اعلان عام کردو کہ اے عیسائیو! یہودیو' ہندیو' سکھو' عابد اور بت پرستو! اگر تم خدا سے محبت کرنا چاہتے ہو تو نہ مجھ سے مقابلہ کرو' نہ میری برابری کا دم بھرو نہ مجھ سے آگے آگے چلو بلکہ غلام بن کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اپنے اقوال' افعال' اعمال' غرض زندگی کے ہر شعبہ کو میری مثال بنادو اور مجھ میں فنا ہو جاؤ' تو تم رب کے طالب بننا چاہتے ہو۔ پھر معاملہ برعکس ہوگا کہ رب تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تم جو چاہو گے وہ کرے گا اور پھر تمہیں یہ خطاب آئے گا

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

کیونکہ میں رب کا محبوب ہوں اور محبوب کے غلام بھی محبوب ہوتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی تمہارے سارے گناہ معاف فرما دے گا کیونکہ اللہ بڑا غفار اور ارحم الراحمین ہے' تم اپنے کو اس کی مغفرت اور رحمت کا اہل بناؤ۔ پھر لطف دیکھو۔ اور یہ بھی اعلان کردو کہ اے لوگو اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور فرائض و واجبات میں ان کی پیروی لازم جانو اگر وہ اس سے منہ موڑیں تو وہ کافر ہیں اور اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا خواہ کچھ بھی کریں' رب کے دشمن ہی رہیں گے۔ خیال رہے کہ یہ آیت پر لطف ہے اس لئے کہ اطاعت تین قسم کی ہوتی ہے' اطاعت محبت کی جیسے والدین کی فرمانبرداری۔ اطاعت ڈر کی جیسے حاکم کا حکم ماننا۔ اطاعت لالچ کی جیسے نوکر کا اپنے آقا کی فرمانبرداری کرنا۔ حضور علیہ السلام سے صرف محبت کی اطاعت چاہئے' خوف و لالچ کی اطاعت تو منافقین بھی کرتے تھے۔ اسی لئے آیت کو محبت سے شروع فرمایا کہ **ان کنتم تحبون اللہ**۔ **تخافون اللہ یا تطمعون** نہ فرمایا۔ لالچ یا خوف کی اتباع عارضی ہوتی ہے کہ جب تک لالچ یا خوف ہے' اتباع ہے۔ یہ دونوں قسم کی اطاعت و

www.alahazratnetwork.org

اتباع بھی ختم مگر محبت کی اتباع دائمی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی اتباع چاہئے جس کے لئے زوال نہیں۔ دیکھ لو آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہو رہی ہے حالانکہ نہ کوئی دھمکی ہے نہ لالچ۔ انکم ٹیکس وصول کرنے کے لئے محکمے بنائے جاتے ہیں۔ جن پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں پھر بھی بمشکل وصول ہوتا ہے مگر زکوٰۃ و قربانی و حج بغیر کسی محکمہ کے برابر ادا ہو رہے ہیں اور پھر محبت کی بھی تین قسمیں ہیں۔ محبت مع عظمت جیسے اپنے استاد یا والدین سے محبت اور محبت مع برابری جیسے اپنے بھائی یا بہن یا بیوی سے محبت اور محبت مع حقارت 'جیسے اپنے چھوٹے بچے سے محبت کہ اگرچہ اسے پیارا جانتے ہیں مگر اپنا چھوٹا سمجھتے ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت انتہائی عظمت کے ساتھ چاہئے۔ اسی لئے محبت کے ساتھ اتباع اور اطاعت کا ذکر ہوا۔ غرضکہ اس کا پہلا جز یعنی **تحبون اللہ** دوسرے جز **فاتبعونی** کی شرح کر رہا ہے اور دوسرا جز پہلے کی۔ نیز خیال رہے کہ محبت کے تین درجے ہیں۔ زبانی 'جنانی یعنی دلی اور روحانی و ایمانی۔ حضور علیہ السلام سے محض زبانی محبت کافی نہیں بلکہ روحانی 'دلی اور ایمانی چاہئے۔ چنانچہ فرمایا کہ تم میں اس وقت کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کو اس کی اولاد ماں باپ بلکہ اس کی جان سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں۔ تفسیر روح البیان نے بحوالہ بخاری عبداللہ ابن ہشام سے روایت کی کہ ایک بار عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! آپ مجھے میری جان کے سوا باقی تمام چیزوں سے پیارے ہیں۔ ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اسے جان سے زیادہ عزیز نہ ہوں۔ عمر فاروق نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ! رب کی قسم اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیارے ہیں۔ فرمایا **الان یا عمر**۔ اے عمر اب تمہارا ایمان کامل ہوا۔ نیز خیال رہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا عابد ہو اور اس کے دل میں حضور علیہ السلام کی عظمت نہ ہو 'وہ شیطان کی طرح رب سے دور ہے۔ وہی ڈبے منزل تک پہنچتے ہیں جو انجن کے پیچھے لگ جائیں گے۔ آگے رہنے والے ڈبے سنٹ ونٹ ہو کر وہاں ہی رہ جاتے ہیں۔ **فاتبعونی** میں یہی بتایا گیا ہے **اتباع تبع** سے بنا بمعنی پیچھے چلنا۔ اس طرح کہ اگلے کے قدم پر قدم رکھنا کہ راستہ کے غار و خار وغیرہ کا اگلا ذمہ دار ہو۔ یہ پچھلا تو صرف اس کے قدم پر قدم رکھے جیسے ریل کے ڈبے انجن کی اتباع کرتے ہیں کہ لائن کی صفائی سگنل وغیرہ انجن والے دیکھیں۔ ڈبہ اور ڈبہ والے صرف انجن کے پیچھے دوڑیں۔ یہاں **اتبعونی** فرما کر اس جانب اشارہ کیا کہ میرے محبوب کی پیروی عقل کے ماتحت نہ کرو بلکہ عشق کے ماتحت کرو۔ عشق اندھا ہو کر محبوب کی اطاعت پر مجبور کرتا ہے۔ سب کی باتیں سوچ سمجھ کر مانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں 'حضور کا فعل بے سوچے سمجھے کرو جیسے بچہ ماں باپ کی نقل بے سوچے سمجھے کرتا ہے یا بیمار طبیب کا نسخہ بے سوچے سمجھے لیتا ہے اس اتباع پر دار ایمان ہے یہاں عقل کو چھوڑنا کمال ہے ع

عقل قرباں کن بہ پیش مصطفیٰ

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے محبوب اعلیٰ ہیں کہ جب ان کے غلام رب کے محبوب ہیں تو جن کی بدولت غلاموں کو یہ شرف ملا ان کی محبوبیت کا کیا پوچھنا نیز حق تعالیٰ نے اپنی اطاعت کو ان کی اطاعت کے ساتھ ملایا۔ **دوسرا فائدہ:** جو حضور علیہ السلام کی محبت کا دعویٰ کرے اور ان کی سنت کا مخالف ہو وہ بشہادت قرآن جھوٹا ہے۔ جیسا کہ **فاتبعونی** سے معلوم ہوا کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

www.alahazratnetwork.org

تعصی الرسول وانت تظھر حبہ   ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقاً لاطعتہ   ان المحب لمن یحب مطیع!

عشق کا قانون اور محبت کا قاعدہ یہ ہے کہ عاشق کو محبوب کی ہر شے پیاری ہو اس کی سیرت اُس کی صورت بلکہ اس محبوب کے غلاموں اُس کے وطن اُس کے ملک اُس کے محلّہ اور در و دیوار بلکہ سگان کو عزیز ہوں۔ مجنوں عامری نے کیا خوب کہا۔

امر علی الدیار دیار لیلی   اقبل ذا الجدار و ذا الجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی   ولکن حب من سکن الدیار

یعنی میں لیلیٰ کے دیار میں پہنچ کر وہاں کے در و دیوار چومتا ہوں۔ مجھے ان دیواروں سے محبت نہیں بلکہ اس سے محبت ہے جس کے وطن کی یہ دیواریں ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اتباع اور اطاعت میں بڑا فرق ہے۔ اتباع خاص ہے اور اطاعت عام۔ اس لئے اتباع کے ساتھ محبوبیت کا ذکر کیا اور اطاعت کے ساتھ سزا کہ اگر اس سے بھی روگردانی کرو گے تو کافر ہو جاؤ گے۔ اطاعت رب تعالیٰ نبی، سلطان، شیخ، ماں باپ، استاد سب کی ہو سکتی ہے مگر اتباع صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہو گی۔ اتباع رب تعالیٰ کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اتباع کا معنی ہے کسی کی دیکھا دیکھی عمل کرنا رب تعالیٰ روزانہ صدہا کو موت دیتا ہے ہم ایک کو بھی مار دیں تو قتل کئے جاویں۔ غرضکہ اتباع رب تعالیٰ کی بھی نہیں ہو سکتی۔ اس لئے **اتبعوا** کے ساتھ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا اور اطاعت کے ساتھ اللہ تعالیٰ، رسول، اولوالامر سب ہی کا ذکر ہوا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**۔ یہ فرق بہت خیال میں رہے۔ **چوتھا فائدہ:** محبت تین قسم کی ہے۔ طبعی، عقلی، احسانی۔ حضور علیہ السلام سے محبت طبعی چاہئے۔ فقط عقلی اور احسانی کافی نہیں جیسا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوا جس میں فرمایا گیا کہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ حضور علیہ السلام سے مقابلۃً اولاد، ماں باپ، بلکہ اپنی جان سے زیادہ محبت ہو اور ظاہر ہے کہ اولاد اور جان سے طبعی محبت ہوتی ہے نہ کہ محض عقلی۔ **پانچواں فائدہ:** حضور کی محبت اور اطاعت پر شرک و کفر کا فتویٰ لگانا طریقہ یہود و منافقین ہے جیسا کہ ہم دوسری آیت **اطیعوا اللہ والرسول** کی شان نزول بحوالہ تفسیر خازن و مدارک بیان کر چکے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اتباع کا حکم دیا تو منافقین اور یہود نے کہا کہ حضور ہم سے نصاریٰ جیسی محبت کراتے ہیں اور انہیں خدا بننے کا شوق ہے، اس لئے اپنی اتباع کو رب کی محبوبیت کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ اس واقعہ سے دیوبندیوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ وہ حضور علیہ السلام کی محبت پر شرک و کفر کے فتوے لگاتے رہتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** صرف حضور علیہ السلام کی محبت اور اطاعت خدا رسی کا ذریعہ ہے۔ حضور کو چھوڑ کر کوئی شخص کسی کی اطاعت رب تک نہیں پہنچا سکتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں ہماری اتباع کرنی پڑتی۔ عالم دین یا شیخ یا ولی اپنے متبعین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ تک پہنچانا صرف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کام ہے۔ جو پیر وعدہ کرے کہ میں خدا تک پہنچا سکتا ہوں، وہ جھوٹا ہے۔ لاہور کا تانگہ سواری کو کراچی نہیں پہنچا سکتا وہ صرف اسٹیشن پر پہنچا سکے گا۔ کراچی پہنچانا ایکسپریس کا کام ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اطاعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے دنیا میں ایمان اور آخرت میں جنان ہاتھ آتے ہیں مگر اتباع مصطفیٰ علیہ السلام سے دنیا میں عرفان، ایقان اور محبوبیت یزدان اور آخرت میں لقائے رحمٰن نصیب ہوتے ہیں۔ حضور سرکار بغداد محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خداداد اختیارات اور شان محبوبیت بتا کر فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

یعنی مجھے یہ تمام بہاریں غلامی سرکار کی وجہ سے حاصل ہوئیں۔ آٹھواں فائدہ: سارا جہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہے اور سب جن وانس فرشتے' جانور' شجر و حجر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت واجب و لازم ہے' کیونکہ قل کے ساتھ یہ نہ فرمایا کہ کسی سے فرمادو۔ مطلب یہ ہوا کہ میری ساری مخلوق سے فرمادو۔ اس لئے اونٹوں بکریوں نے حضور کی اطاعت کی۔ یہاں ہر مخلوق اپنی حیثیت کے لائق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرے گی۔ جیسے ہر انسان اپنی حیثیت کے لائق حضور کی اطاعت کرتا ہے کہ امیر آدمی نماز' روزہ و زکوٰۃ سب کچھ ادا کرتا ہے' غریب صرف نماز۔ قل فرمانے میں لطیف اشارہ یہ ہے کہ فرمادو آپ' آپ کا فرمان عالی لوگوں تک پہنچانا ہمارا کام۔ ساری مخلوق تک ہم پہنچادیں گے۔ حضرت خلیل کی آواز حج سارے انسانوں تک ہم نے پہنچائی۔ خیال رہے: کہ اگرچہ رسول دنیا میں بہت تشریف لائے مگر قرآن کریم میں جہاں اطاعت کے ساتھ رسول کا ذکر ہو گا وہاں ہمارے رسول مراد ہوں گے کہ ایمان سب رسولوں پر ہے مگر اطاعت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ حضور اللہ کے بھی رسول یعنی اس کے پیغام پہنچانے والے اور ہمارے بھی رسول ہیں۔ یعنی ہماری التجائیں دعائیں رب تک پہنچانے والے۔ قرآن پر عمل اللہ کی اطاعت ہے۔ حدیث پر عمل رسول کی اطاعت۔ فرائض کی پابندی اللہ کی اطاعت ہے۔ سنن کی پابندی رسول کی اطاعت۔ یا یوں کہو کہ حضور کی اطاعت اللہ ہی کی اطاعت ہے والرسول میں واؤ عطف تفسیری کا ہے۔ فرائض و سنن غذا و پانی کی طرح ہیں کہ فرائض روحانی غذائیں سنتیں رحمت کا پانی۔ منکرین حدیث اس آیت پر عمل نہیں کر سکتے۔

پہلا اعتراض: یہ عجب تماشا ہے کہ جو کوئی محمد صاحب کی طرف ہو جائے تو خدا بھی اس کی طرف ہو جائے اور وہ دوسروں کو ستانے کے لئے جو گناہ کرے وہ معاف ہو جائیں۔ بھلا ایسی باتیں سچے خدا کی ہو سکتی ہیں (ستیارتھ پرکاش)' جواب: پنڈت جی نے اس پر اعتراض کیا ہے۔ خدا ہمیشہ حق کی طرف ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں جو ان کی غلامی کرے گا وہ حق پر ہو گا لہٰذا خدا اس کی طرف ہو گا۔ یہ تو عین انصاف ہے اور تم نے ستانے کے معنے کہاں سے نکالے۔ آیت میں ارشاد ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سے گناہ بخش دیئے جائیں گے' بندوں کے حقوق کا ذکر تو نہیں ہے۔ یہ کوئی بھی نہیں کہتا کہ قاتل مقروض وغیرہ مسلمان ہو جائیں تو ان کا قتل و قرض معاف ہو جاتا ہے۔ حقوق بہرحال ادا کرنے پڑیں گے۔ یہاں اسلام کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ اسلام وہ سمندر ہے جو ہر گندگی کو دور کر دیتا ہے یہ آریہ دھرم نہیں کہ جس سے کوئی فائدہ نہ ہو۔ دوسرا اعتراض: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے طبعی محبت ایمان کا مدار ہے تو چاہیے کہ کوئی مسلمان نہ ہو۔ کیونکہ ہر ایک کو اپنی اولاد اور جان مال سے قدرتی طور پر میلان طبع زیادہ ہوتا ہے۔ اولاد کی خاطر انسان گناہ بھی کر لیتا ہے۔ لہٰذا عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث کا مطلب یہی ہونا چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عقلی محبت زیادہ ہو یعنی مومن کی عقل تقاضا کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہونی چاہیے (دیوبندی)' جواب: یہاں صرف محبت عقلی مراد نہیں بلکہ محبت طبعی ہی مراد ہے جیسا کہ اولاد اور ماں باپ کے مقابلہ سے معلوم ہوا اور الحمد للہ ہر سنی مسلمان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی ہوتی ہے۔ سینوں کی جاہل عورتیں کافر اولاد کو منہ نہیں لگاتیں۔ گناہ غفلت کا نتیجہ ہے نہ کہ محبت نہ ہونے کا۔ بے وقوف بیمار بد پرہیزی کر کے بیماری بڑھا لیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اسے اپنی جان سے محبت نہیں۔ محبت تو ہے مگر غفلت سے یہ حرکت

www.alahazratnetwork.org

کر بیٹھا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا **یغفرلکم ذنوبکم** رب تمہارے سارے گناہ معاف کردے گا اور ذنوب میں حقوق بھی داخل ہیں تو چاہیے کہ نو مسلم کے پچھلے قرض اور خون بھی معاف ہو جائیں۔ **جواب:** حق العبد کہتے ہی اسے ہیں جو بغیر بندہ کے معاف کئے معاف نہ ہو اور حق اللہ وہ ہے جس میں بندہ کی معافی کی ضرورت نہ پڑے۔ ہر حق عبد میں اللہ کا بھی حق ہے۔ جو بندہ کا حق مارتا ہے وہ رب کا قانون توڑتا ہے۔ اسلام کی برکت سے حق اللہ معاف ہو جائے گا۔ مگر بندہ کا حق ادا کرنا ہو گا۔ ہم اس کی پوری تحقیق دوسرے پارہ میں حج کے بیان میں کرچکے۔ **چوتھا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں اور منزل مقصود پر پہنچ کر وسیلہ چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اپنا اسٹیشن آجانے پر ریل چھوڑ دی جاتی ہے تو چاہیے کہ جو کوئی خدا تک پہنچ جائے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ دے؟ **جواب:** محض وسیلہ چھوٹ جاتا ہے مگر جس وسیلہ سے مقصود وابستہ ہو وہ کبھی نہیں چھوٹتا۔ گیس، بجلی، روشنی کا وسیلہ ہیں مگر روشنی حاصل کرنے کے بعد انہیں چھوڑ نہیں سکتے ورنہ پھر اندھیرا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسری قسم کے وسیلہ ہیں، اس لئے ہر ولی، غوث، کلمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ضرور لے گا۔ نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام ضرور کرے گا۔ غرضکہ ان کے ساتھ تعلق دنیا میں بھی ضروری ہے اور آخرت میں بھی۔

تفسیر صوفیانہ : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت کے مرکز ہیں اور مرکز کا فیض دائرہ کے ہر نقطہ پر پہنچتا ہے۔ آپ کی اطاعت اور اتباع آپ سے ظاہری و باطنی مناسبت کا ذریعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے مناسبت باطنی، مناسبت قلبی، مناسبت روحی، مناسبت سری پیدا ہوتی ہے۔ اسی مناسبت کی وجہ سے تابعدار کو محبوبیت کا کچھ حصہ مل جاتا ہے اور اس قطب محبوبیت سے محبوبیت کے انوار اس کو بھی منور کردیتے ہیں۔ جتنی اتباع قوی اتنی مناسبت زیادہ اور جتنی مناسبت زیادہ اتنی نورانیت غالب اور جتنی نورانیت غالب اتنی محبوبیت ظاہر۔ حضور کی مخالفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری پیدا کرتی ہے جو مجوری کا ذریعہ ہے۔ دائرہ جس مرکز سے قریب اسی قدر اس کا جھکاؤ زیادہ۔ جب اتباع کی برکت سے محبوبیت مل گئی اور یہ غلام آقا کا مظہر ہو گیا تو ان کے صفات اس میں نمودار ہونے لگے جیسے کوئلہ سے آگ۔ اور ان سے تو فرمایا گیا۔ **لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔** لہٰذا اس تابعدار غلام سے بھی فرمایا کہ **یغفرلکم ذنوبکم** اللہ تعالیٰ غفور ہے وہ فنافی الرسول کے ذاتی اور صفاتی گناہوں کو مٹاتا ہے اور رحیم ہے کہ اسے حقانی صفات عطا فرماتا ہے۔ چونکہ یہ اتباع و فنائیت مشکل اور بلند چیز ہے، اس لئے آسان چیز کی طرف بھی دعوت دی گئی جس کا نام ہے مقام ارادت۔ اور فرمایا **قل اطیعوا اللہ والرسول** یعنی اگر تم محبت کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتے تو ارادت سے محروم نہ رہو اگر **محبین** نہیں بن سکتے تو **مطیعین و متبعین** تو بن جاؤ۔ اگر لوگ اس سے بھی روگردانی کریں تو وہ محجوب ہیں اور اللہ تعالیٰ محجوب کو دوست نہیں رکھتا۔

حکایت : سلطان محمود غزنوی نے شیخ ربانی ابوالحسن خرقانی سے پوچھا کہ بایزید بسطامی کی کیا شان ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ وہ شیخ کامل ہیں جو ان کی زیارت کرلے جنتی ہو جائے۔ سلطان نے عرض کیا کہ ابوجہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رات دن دیکھا اور جنتی نہ ہوا، بایزید کا دیکھنے والا جنتی کیونکہ ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ رب کی قسم ابوجہل نے محمد رسول اللہ کو دیکھا ہی نہیں۔ اس نے محمد بن عبداللہ کو دیکھا اگر وہ محمد رسول اللہ کو دیکھتا تو کبھی جہنمی نہ رہتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وتراھم ینظرون**

www.alahazratnetwork.org

الیک وھم لا یبصرون۔ آنکھ سے دیکھنا نظر ہے اور دل سے دیکھنا بصیرت (روح البیان واز ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں دوزخ کے راستے صدہا ہیں۔ جنت کی ایک ہی پگ ڈنڈی ہے۔ پگ ڈنڈی ایسی مختصر ہوتی ہے کہ پیچھے والا آگے والے کے برابر ہو کر آگے نکل سکتا ہی نہیں۔ بڑی کوشش کرتا ہے کہ آگے والے کے نقش قدم پر قدم رکھے۔ راستہ کے غار غار آگے والا جانے۔ یوں ہی ہمارا فرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر قدم رکھنا ہے۔ راستہ کے ذمہ دار حضور ہیں اس لئے حکم ہوا فاتبعونی میری اتباع کرو۔ برابر آگے نکلنے کی کوشش نہ کرو۔ ریل کے ڈبے انجن کے برابر آکر آگے نہیں نکل سکتے انہیں پیچھے ہی رہنا ہے لہذا فاتبعونی بالکل درست ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ﴿۳۳﴾
تحقیق اللہ نے چھانٹ لیا آدم اور نوح اور اولاد ابراہیم اور اولاد عمران کو اوپر جہانوں کے
بے شک اللہ نے چن لیا آدم اور نوح اور ابراہیم کی آل اور عمران کی آل کو سارے جہان سے
ذُرِّیَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۴﴾
نسل کہ بعض ان کے بعض سے ہیں اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے
یہ ایک نسل ہے ایک دوسرے سے اور اللہ سنتا جانتا ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق : پچھلی آیتوں میں کفار سے الگ رہنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنے کا حکم دیا گیا تھا جس پر اعتراض ہو سکتا تھا کہ سارے انسان ایک اللہ کی مخلوق۔ ایک دادا کی اولاد' ایک زمین پر بسنے والے' ایک آسمان کے نیچے رہنے والے اور شکل و شباہت میں یکساں ہیں پھر اس فرق کے کیا معنی کہ کفار سے ملو تو بے دین ہو جاؤ اور پیغمبر سے نہ ملو تو بے دین ہو جاؤ۔ اس آیت میں اس وہم کو دفع فرمایا جا رہا ہے کہ یہ دنیا اس درخت کی طرح ہے جس میں شاخیں' پتے' کانٹے' پھل پھول سب کچھ ہیں اور یہ سب ایک ہی تخم سے ایک ہی جڑ پر قائم ایک ہی زمین میں ہیں' ایک ہی ہوا پانی سے پرورش پاتے ہیں مگر کانٹوں سے پرہیز کیا جاتا ہے اور پھول سے محبت۔ کفار اس درخت کے کانٹے ہیں اور انبیائے کرام پھول۔ آؤ تمہیں دکھائیں کہ اس گلدستہ میں کیسے کیسے پھول ہیں۔ اس لئے گزشتہ انبیائے کرام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یہ بیماری کہ ہم اور نبی یکساں ہیں بڑی پرانی ہے۔ اس بیماری میں گذشتہ امتوں کے کفار گرفتار تھے بلکہ ان کے کفر کی وجہ ہی تھی کہ انہوں نے اپنے میں اور نبی میں فرق نہ کیا۔ وہ نہ سمجھے کہ سانپ اور بھینس اگرچہ اللہ کی مخلوق ہے اس کی روزی کھاتے پیتے ہیں مگر سانپ کے پاس زہر ہے بھینس کے پاس دودھ۔ اس لئے آپ سانپ کو مارتے ہیں اور بھینس کی خدمت کرتے ہیں۔ ایسے ہی کفار کے پاس کفر کا زہر ہے اور حضرات انبیاء' اولیاء' علماء کے پاس ایمان کا دودھ' معرفت الٰہی کا مکھن ہے۔ یہ منافقانہ بیماری آج بھی لوگوں میں موجود ہے کہ سب کو بصارت سے دیکھتے ہیں بصیرت سے نہیں دیکھتے۔ بصارت کہتی ہے کہ گھر کی ساری عورتیں یکساں ہیں۔ شکل و شباہت برابر۔ مگر بصیرت کہتی ہے کہ اپنی ماں اور ہے اور بیوی کچھ اور بیٹی

www.alahazratnetwork.org

کچھ اور۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ محبت اتباع رسول کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی۔ جس میں اشارۃً نبی کی شان کا اظہار ہوا۔ اب صراحتاً انبیائے کرام کی شان بیان فرمائی جارہی ہے۔ گویا یہ آیت پچھلے اجمال کی تفصیل ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ حضور علیہ السلام کی اطاعت کے بغیر ایمان نہیں مل سکتا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ حکم نیا نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ میں پیغمبر رہے اور ہر وقت کے لوگوں کو ان کی اتباع کا حکم دیا گیا۔

شان نزول: یہود نے کہا تھا کہ ہم حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کی اولاد ہیں اور ان کے دین پر۔ ان کے رد میں یہ آیت کریمہ اتری جس میں ارشاد ہوا کہ وہ تمام خدا کے پیارے تھے۔ تم مشرک ہو تم ان کے دین پر کیسے ہو سکتے ہو (خازن و خزائن و معانی وغیرہ) (2) چونکہ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے تھے ان کی تردید میں یہ آیت آئی جس میں عیسیٰ علیہ السلام کا شجرہ نسب بیان ہوا تاکہ معلوم ہو کہ ان کا نسب تو انسانوں سے ہے نہ کہ خدا سے۔ الحمد للہ محفل میلاد شریف کی برکت سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزارہا معجزات دیکھ کر بھی کسی مسلمان نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہا۔ میلاد میں دن رات سنتے رہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فلاں تاریخ کو پیدا ہوئے۔ فلاں فلاں دائی کا دودھ پیا اور ظاہر ہے کہ جو پیدا ہو' پرورش پائے' دودھ پئے وہ خدا یا خدا کا بیٹا نہیں بلکہ بندہ ہے۔ یہ میلاد شرک توڑ ہے۔

تفسیر: **ان اللہ اصطفی ادم و نوحا** جس مضمون کا کوئی مخالف موجود ہو یا آئندہ پیدا ہونے والا ہو۔ اسے **ان** وغیرہ تاکید سے شروع کیا جاتا ہے۔ چونکہ اس آیت میں پیغمبروں کے فضائل ارشاد ہوئے جس کے بہت سے اہل کتاب منکر تھے اس لئے **ان** سے شروع کیا گیا۔ **اصطفاء صفو** سے بنا بمعنی چھانٹنا۔ چننا' چھنے ہوئے پانی کو اس لئے صفا کہا جاتا ہے کہ وہ میل وغیرہ سے چھانٹ لیا گیا۔ یہاں دیگر انسانوں سے افضل فرمانا مراد ہے۔ شریعت میں اصطفاء خاص قرب کا نام ہے جو خلت و محبت سے عام تر ہے۔ ہر نبی برگزیدہ ہے مگر سب کا لقب مصطفیٰ یا حبیب اللہ یا خلیل نہیں۔ رب تعالیٰ کے چناؤ دو قسم کے ہوتے ہیں۔ **اصطفاء** عام جو نبی کا نبوت کے لئے چناؤ ہوا کہ انہیں بے عیب پیدا کیا گیا۔ رب نے اپنی صفات و خصوصی علم انہیں بخشے۔ گندا برتن دودھ کے قابل نہیں۔ گندا دل نبوت کے قابل نہیں۔ دوسرا **اصطفاء** خاص جو گروہ انبیاء میں سے بعض کو بعض خصوصی صفات بخشے گئے۔ کوئی کلیم اللہ بنائے گئے۔ کوئی روح اللہ۔ یہاں **اصطفاء** خاص مراد ہے اس لئے صرف چار نبیوں کا ذکر ہوا۔ آدم کے لفظی معنی اور آپ کے تاریخی واقعات پہلے پارہ میں بیان ہو چکے۔ آدم علیہ السلام کا برگزیدہ ہونا اس طرح ہے کہ انہیں رب نے اپنے خاص دست قدرت سے پیدا فرمایا۔ انہیں نسل انسانی کا مورث اعلیٰ بنایا۔ وسیع علم عطا فرمایا۔ فرشتوں کا مسجود بنایا۔ جنت الفردوس میں ٹھہرایا وغیرہ۔ چونکہ سب سے پہلے پیغمبر آپ ہی ہیں اس لئے سب سے پہلے ذکر آپ ہی کا ہوا۔ نوح علیہ السلام کی برگزیدگی کے یہ معنی کہ آپ آدم علیہ السلام کے بعد پہلے وہ نبی ہیں جنہوں نے کفار کو تبلیغ کی۔ سب سے پہلے آپ ہی کی قوم پر عذاب الٰہی آیا۔ آپ کا لقب آدم اصغر اور ابو البشر دوم ہے۔ کیونکہ سارے انسان آپ کی نسل سے ہیں کہ سوا آپ پر ایمان لانے والوں کے سب لوگ غرق کر دیئے گئے تھے مگر نسل صرف آپ کی اولاد ہوئی۔ باقی مومنین کی نسل نہ چلی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجعلنا ذریتهم الباقین** آپ ہی نے شریعت آدم علیہ السلام کے بہت سے احکام منسوخ فرمائے جیسے بہن سے نکاح وغیرہ۔ نوح نوحہ سے بنا بمعنی رونا اور گریہ زاری کرنا۔ چونکہ آپ خوف الٰہی میں بہت روتے تھے اس لئے آپ کا

www.alahazratnetwork.org

لقب پاک نوح ہوا۔ آپ کا نام شریف یشکر ہے۔ لقب نوح۔ بعض لوگوں نے کہا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار سال پہلے گذرے ہیں مگر چونکہ سنہ عیسوی سے پرانا سنہ ہمیں کوئی نہیں ملتا۔ اس لئے اس کا صحیح اندازہ نہیں لگ سکتا **وال ابراھیم** یہ **نوحا** پر معطوف ہے اور **اصطفی** کا مفعول۔ چونکہ حضرت ابراہیم و عمران کی اولاد میں مقدس ہستیاں بے شمار ہوئیں۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کو ابو الانبیاء یعنی پیغمبروں کا باپ کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں آل فرمایا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آل زائدہ ہے یا بمعنی نفس (معانی) بعض کے نزدیک آل ابراہیم سے مراد حضرت اسمٰعیل و اسحاق اور یعقوب اور ان کی اولاد ہیں، علیہم السلام۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ آل ابراہیم ہر وہ مومن ہے جو ان کے دین پر ہو۔ بعض کے نزدیک آل ابراہیم حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کیونکہ حضور تمام ذریت ابراہیمی میں فرد اعلیٰ ہیں۔ **وال عمران**۔ یہ آل ابراہیم پر معطوف ہے اور **اصطفی** کا مفعول۔ عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ، ہارون کے والد ماجد جن کا نسب نامہ یہ ہے عمران ابن یصہر ابن قاہث ابن لاوی ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام۔ دوسرے عمران ابن ماثان، حضرت مریم کے والد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ جن کا نسب شریف یہ ہے۔ عمران ابن ماثان ابن عازر ابن ابی ہود ابن رب ابن بابل ابن سالیان ابن یوحنا ابن لوشا ابن لوموزر ابن یشک ابن خارقا ابن یونام ابن عزریا ابن یوزان ابن ساقط ابن ایشا ابن راجقیم ابن سلیمان ابن داؤد ابن ایشا ابن عویل ابن سلمون ابن یاعر ابن محشون ابن عمیلو ابن دام ابن حضروم ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام (روح البیان) ان دونوں عمرانوں کے درمیان ایک ہزار آٹھ سو برس کا فاصلہ ہے (کبیر و خزائن) یہاں یا تو پہلے عمران مراد ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کے والد یا دوسرے عمران یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے نانا اور یہی زیادہ صحیح ہے کیونکہ آگے حضرت مریم و عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ ہی آرہا ہے **علی العلمین** یہ **اصطفی** کے متعلق ہے عالمین کی تفسیر سورۂ فاتحہ میں گذر چکی۔ چونکہ عالم بہت تھے۔ فرشتے، جن، انسان، پھر عالم بر، عالم بحر، عالم ارض، عالم سماء، عالم اجسام، عالم ارواح، عالم امکان، عالم امر، عالم انوار وغیرہ۔ اس لئے عالمین جمع فرمایا گیا۔ اگر آل ابراہیم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہوں تو یہاں **علی العلمین** میں کسی قید کی ضرورت نہیں۔ بیشک آل ابراہیم قیامت تک ساری مخلوق سے افضل ہے اور اگر اس میں حضور داخل نہ ہوں تو **العالمین** سے زمانہ کے اہل جہاں مراد ہیں جیسے یہود سے کہا گیا **وانی فضلتکم علی العلمین** اب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت سب سے افضل ہے۔ **ذریۃ بعضھا من بعض** یہ دونوں آل سے بدل ہے۔ **ذریۃ** **ذر** سے بنا بمعنی پھیلنا اور بکھرنا اس لئے چھوٹی چیونٹی کو **ذر** اور ریت کے ذرات کو ذرہ کہا جاتا ہے۔ نسل اولاد کو بھی اسی لئے ذریت کہتے ہیں کہ وہ عالم میں پھیلتی ہے یا اس لئے کہ وہ آدم علیہ السلام کی پشت سے چیونٹیوں کی شکل میں نکالی گئی تھیں۔ بعض کا خیال ہے کہ **ذرء** بمعنی خلق سے بنا (خازن) **بعضھا من بعض**۔ یہ جملہ ذریت کا صفت اور نسبی حالت میں ہے یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان میں سے بعض بعض کی اولاد ہیں یا یہ مراد ہے کہ سارے پیغمبر اصل توحید میں ایک ہی ہیں **واللہ سمیع علیم**۔ یہ نیا جملہ ہے۔ سمیع کا مفعول بندوں کے اقوال ہیں اور **علیم** کا مفعول ان کے احوال و افعال۔ یعنی اللہ تمام بندوں کی باتیں سننے والا اور ان کے کام اور حالات جاننے والا ہے۔ ہر شخص کو اس کی لیاقت کے مطابق درجات عطا فرماتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے لوگو سارے انسان یکساں نہیں۔ ان میں سے بعض مثل پھول کے ہیں جن کی صحبت مہکا دیتی ہے۔ بعض کانٹوں کی طرح جن کے پاس بیٹھنا باعث ایذا ہے۔ یہ فرق نیا نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہے' چنانچہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم' نوح' ابراہیم علیہم السلام کی مومن آل اور حضرت عمران کی اولاد کو تمام جہان سے چھانٹ کر چن کر اپنا مقرب بنالیا کہ آدم علیہ السلام کو انسانوں کا جد امجد فرشتوں کا مسجود بنایا۔ جنت میں ٹھہرایا سارے علم انہیں عطا فرمائے۔ نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کا خطاب دیا۔ زمین پر انہیں کی اولاد پھیلائی۔ ان کی بددعا سے کفار کو ہلاک کیا۔ ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اولوالعزم پیغمبر پیدا فرمائے۔ اسے نبوت اور ولایت سے بھر دیا ہر دین میں آپ کا ذکر خیر رکھا۔ کعبہ معظمہ' مقام ابراہیم' مکہ معظمہ' منیٰ' عرفات' قربانی' عقیقہ' تکبیر' تشریق' صفا مروہ پہاڑ بلکہ تمام ارکان حج آپ کی یادگار ہیں۔ درود ابراہیمی میں آپ کا نام قائم رکھا آپ کی سنتیں اسلام میں قائم فرمائیں۔ غرضکہ بیشمار خصوصیات آپ کو بخشیں۔ عمران کی پاک بیٹی کو وہ فرزند ارجمند عطا فرمایا جس کا لقب کلمۃ اللہ یا روح اللہ ہے وہ کنواری پاک ماں کا ستھرا بیٹا بنی اسرائیل کا خاتم النبیین سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بشارت دینے والا گویا طلوع آفتاب کی خبر دیتا ہوا تارا۔ ان سب کو سارے جہان پر خواہ فرشی ہوں یا عرشی۔ انسان ہوں یا جنات یا فرشتے سب پر بزرگی دی۔ یہ حضرات آپس میں ایک دوسرے کی اولاد ہیں کہ عمران حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اور حضرت ابراہیم نوح علیہ السلام کی اور نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اللہ سارے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور سب کی نیت' حالت استعداد جانتا اور بقدر قابلیت ان کو درجے عطا فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ مخلوق دو قسم کی ہے۔ مکلف اور غیر مکلف۔ مکلف غیر مکلف سے اعلیٰ ہیں۔ مکلف کی پھر چار قسمیں ہیں۔ انسان' فرشتے' جن اور شیاطین۔ انسان کی پیدائش خاک سے' فرشتوں کی پیدائش ہوا سے یا نور سے یا یوں کہو کہ ان کا جسم ہوائی اور روح نوری' ان کا اصلی مقام آسمان ہے۔ شیاطین کی پیدائش آگ سے۔ خلقتنی من نار و خلقته من طين۔ اس پر سب متفق ہیں کہ انسان جن اور شیاطین سے افضل ہے مگر اس میں اختلاف ہے کہ فرشتوں سے افضل ہے یا نہیں۔ بعض کے نزدیک فرشتے انسانوں سے افضل ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ انسان فرشتوں سے بہتر۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ولقد كرمنا بنى ادم۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نبی غیر نبی سے مطلقاً افضل ہیں۔ کوئی ولی غوث یا قطب نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جیساکہ من العلمين سے معلوم ہوا (احمدی) **دوسرا فائدہ:** انسان فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ بھی العالمين سے ہی معلوم ہوا کہ فرشتے العالمین میں داخل ہیں یعنی آدمیت ملکیت سے افضل ہے اگرچہ کفار کفر کی وجہ سے فرشتے تو کیا جانور سے بھی بدتر ہیں اور رسل ملائکہ رسالت کی وجہ سے عام مسلمانوں سے افضل (احمدی)

مسئلہ : انسانوں کے پیغمبر ملائکہ کے پیغمبروں سے افضل ہیں اور پیغمبر ملائکہ عام انسانوں سے افضل اور عام بشر عام فرشتوں سے افضل۔ یوں سمجھو کہ جنس بشر جنس ملائکہ سے افضل ہے۔ اسی لئے فرشتوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا نہ کہ انسان نے فرشتوں کو (احمدی) **تیسرا فائدہ:** بیٹی کی اولاد آل میں داخل ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو عمران کی آل کہا گیا۔ حالانکہ وہ ان کے نواسے۔ لہٰذا سادات کرام حضور علیہ السلام کی آل ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** سارے پیغمبر اللہ کے برگزیدہ اور مقبول ہیں۔ رب کسی سے ناراض نہیں وہ سب حضرات فسق و فجور سے پاک ہیں جیساکہ اصطفى سے معلوم ہوا۔ پانچواں

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: انبیائے کرام جسمانی اور روحانی لحاظ سے سب سے افضل ہیں۔ان کی قوت نظری سننے کی طاقت تمام سے قوی تر ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے ساری زمین سمیٹ کر دکھادی گئی اور میں نماز میں پیچھے بھی دیکھتا ہوں۔ قرآن نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کو آسمان و زمین کا ملکوت دکھایا گیا۔ حضرت سلیمان نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سنی۔ یعقوب علیہ السلام نے قمیص یوسفی کی خوشبو مصر سے پائی۔ حضرت خلیل علیہ السلام کو آگ نہ جلاسکی۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے علم کے ہزار باب سکھائے اور میں نے ہر باب سے ہزار باب علم نکالے۔ جب ولی کا یہ حال ہے تو نبی کا علم کتنا ہوگا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے خادم آصف ابن برخیہ ایک آن میں یمن سے بلقیس کا تخت شام میں لے آئے۔ جسے قرآن کریم نے نقل فرمایا۔ یہ جسمانی فوقیت تھی۔ ان کی روحانی اور عقلی فوقیت کو رب ہی جانے۔ اتنا سمجھ لو کہ نبی کی عقل تمام جہان کی عقلوں سے بڑھ کر اور حضور علیہ السلام کی عقل تمام پیغمبروں کی عقلوں سے بڑھ کر ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **ان اللہ اصطفی** الخ۔ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ آل عمران کو **العلمین** سے افضل فرمایا گیا اور عالمین میں حضور بھی داخل ہیں (عیسائی) جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت میں آل ابراہیم بھی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہیں۔ دوسرے یہ کہ عالمین سے اس زمانہ کے جہان والے مراد ہیں۔

لطیفہ: ایک عیسائی نے حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب سے کہا

کسے بگفت کہ عیسیٰ ز مصطفیٰ اعلیٰ است   کہ او بزیر زمین دفن و آں بادج سما است

یعنی عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر ہیں اور تمہارے پیغمبر زمین میں دفن۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام افضل ہوئے۔ آپ نے فوراً جواب دیا۔

بگفتمش کہ نہ ایں حجت قوی باشد!   حباب برسر آب و گہر تہ دریاست

یعنی یہ دلیل قوی نہیں۔ دیکھو حباب پانی کے اوپر ہے اور موتی پانی کے نیچے مگر موتی بلبلہ سے افضل اور قیمتی ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں حضرت آدم و نوح اور دیگر تمام پیغمبروں کے لئے **اصطفی** فرمایا گیا تو چاہئے کہ سارے نبیوں کو مصطفیٰ کہا جاسکے، حالانکہ صرف حضور کو مصطفیٰ کہا جاتا ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: بعض الفاظ بعض ہستیوں کے لئے خاص ہو جاتے ہیں اگرچہ ان کے معنی ہر جگہ درست ہیں مگر ان کا استعمال ہر جگہ درست نہیں۔ انہیں میں سے لفظ مصطفیٰ بھی ہے، رسول کے معنی قاصد ہیں مگر انبیاء کے سواء کسی پر نہیں بولا جاتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ھو الذی یصلی علیکم وملئکتہ** جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ سب پر رحمتیں نازل فرماتا ہے مگر حضور علیہ السلام کے سوا کسی کو صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔ ایسے ہی السلام علیکم ہر مسلمان کو کہا جاتا ہے مگر علیہ السلام غیر نبی کو کہنا منع۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ آل ابراہیم کو تمام جہانوں سے افضل کیا گیا مگر اولاد ابراہیمی میں بڑے بڑے کفار مشرکین ہوئے۔ جواب: کچھ افراد کے خراب ہونے سے قوم و جماعت خراب نہیں ہو جاتی۔ چونکہ اس قوم میں اعلیٰ ہستیاں تھیں کہ خود ہی ان کی وجہ سے قوم

www.alahazratnetwork.org

اشرف ہو گئی۔ نیز نسبت کی عظمت انہیں کی وجہ سے جاتی رہی' بیت اللہ میں بت رہے۔ صفا مروہ پر بت رہے مگر چونکہ ان کی نسبت قوی تھی لہٰذا ان کی عظمت میں فرق نہ آیا۔ بتوں سے بھرے ہوئے کعبہ کی طرف حضور انور نے نمازیں پڑھیں۔ اس بتوں والے کعبہ کا طواف کیا۔ جب نسبت ابراہیمی سے کعبہ اور کوہ صفا مروہ کی حرمت میں فرق نہ آیا تو بعض افراد کی خرابی سے قوم ابراہیمی کی عظمت میں فرق کیسے آسکتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا! **وهذا البلد الامين** مجھے اس امانت والے شہر کی قسم حالانکہ اس مکہ معظمہ میں اس قسم کے وقت ابو جہل' ابو لہب' امیہ ابن خلف بھی تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے اسے جو شرف بخشا وہ ان خبیثوں کی وجہ سے ٹل نہیں سکتا۔ **چوتھا اعتراض:** فرشتے گناہ سے پاک ہیں اور انسان گناہ میں گرفتار تو چاہئے کہ فرشتے انسان سے افضل ہوں۔ **جواب:** فرشتوں میں گناہوں کی طاقت ہی نہیں کیونکہ وہ شہوت و غصہ سے پاک ہیں ان کا گناہوں سے بچ رہنا کوئی کمال نہیں اور عبادات ان کی غذا ہے مگر انسان میں شہوت و غصہ بھی ہے اور وہ دنیا میں گرفتار بھی' اب اس کا گناہ سے بچنا کمال ہے۔ اگر انسانوں میں گنہگار ہیں تو ان میں ابرار و اخیار بھی ہیں۔ اگر انسانوں میں فساق و فجار ہیں تو ان میں احمد مختار بھی ہیں۔ پھول کے ساتھ کانٹے بھی ہوتے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** مصطفیٰ اور خلیل و حبیب میں کیا فرق ہے؟ **جواب:** مصطفیٰ' مجتبیٰ اور مجتبیٰ ہم معنی ہیں۔ لغتہ "ہر برگزیدہ مصطفیٰ ہے مگر اصطلاح میں مصطفیٰ بمعنی محبوب ہیں۔ خلیل وہ جو رب کی مانے حبیب وہ کہ رب اس کی مانے۔

تفسیر صوفیانہ: اصطفیٰ محبت اور خلت سے عام ہے اس میں سارے انبیاء داخل ہیں۔ اس سے خاص خلت ہے اور اس سے خاص محبت۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں کہ آپ حبیب اللہ ہیں۔ سارے پیغمبر دین میں بعض بعض سے ہیں اور توحید و معرفت میں ایک دوسرے کے تابع۔ ولایت اور ولادت دو قسم کی ہے۔ ایک صوری دوسری معنوی۔ ولایت صوری کا تعلق بدن سے ہے اور معنوی کا روح سے۔ مرید اپنے شیخ کی اولاد ہے اور شاگرد دینی استاد کی اولاد۔ کہا جاتا ہے کہ باپ تین ہیں۔ ایک جننے والا' دوسرا پرورش کرنے والا اور تیسرا علم سکھانے والا۔ جیسے بدن ماں کے رحم میں باپ کے نطفہ سے بنتا ہے۔ ایسے ہی وجود قلب نفس کے رحم میں شیخ کی نظر کرم سے بنتا ہے۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص دوبارہ نہ جنا جائے وہ کامل نہیں۔ ایک بار باپ سے دوسری بار شیخ سے۔ خیال رہے کہ ولادت معنوی اکثر ولادت صوری کے تابع ہوتی ہے' کیونکہ روح کی صفائی اور کدورت کا تعلق جسم کی صفائی اور کدورت سے بھی ہے اور ہر روح کا مزاج جدا گانہ ہے اسی کے مطابق وہ فیض حاصل کرتی ہے۔ جیسے جسم میں مختلف خاندان ہیں' ایسے ہی روح کی مختلف قسمیں ہیں' ہر قسم کو اپنی جنس سے مناسبت ہے' اگرچہ رشتہ میں کتنی ہی دور ہو۔ امام مہدی اخیر زمانہ میں جلوہ گر ہوں گے مگر چونکہ ظاہری باطنی طور پر حضور کی نسل سے ہوں گے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے متصف بھی ہوں گے یہ مطلب ہے **ذرية بعضها من بعض** کا۔ (روح البیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دینی عزتیں ایمان' تقویٰ وغیرہ سے میسر ہوتی ہیں اور دنیاوی عزتیں مال' اسباب' سلطنت وغیرہ سے نصیب ہوتی ہیں' ایسے ہی بڑوں کی اولاد اور بڑوں کا ماں باپ بننے سے بھی دینی و دنیاوی عزتیں ملتی ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کو یہ فخر ہے کہ وہ اتنے انبیاء کرام کے خصوصاً" حضور سید الانبیاء کے والد ہیں اور ان انبیاء کو یہ فخر کہ وہ حضرات جناب خلیل کی اولاد ہیں۔ عمران نبی نہیں مگر اللہ نے ان کی اتنی عزت افزائی کی کہ ان کا نام جماعت انبیاء میں لیا اور ان کے نام کی ایک سورۃ آل عمران مقرر کی اور ان کی بیٹی کے نام کی سورۃ سورۂ مریم مقرر فرمائی' کیوں؟ اس لئے کہ وہ والد انبیاء ہیں'

www.alahazratnetwork.org

خادمان بیت المقدس کے سردار ہیں۔ مادر زاد ولی۔ حضرت مریم کے والد ہیں اور کلمۃ اللہ عیسیٰ علیہ السلام کے نانا ہیں۔ نسبت کی یہ بہاریں ہیں..... رب تعالیٰ نسبت قوی رکھے۔ بزرگوں سے بیعت اسی نسبت کے لئے کی جاتی ہے۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ
جب کہ کہا بیوی نے عمران کی کہ اے رب میرے تحقیق میں نے نذر مانی واسطے تیرے وہ جو بیچ پیٹ میرے کے
کہا ہوا جب عمران کی بیوی نے عرض کی اے میرے رب تیرے لئے منت مانتی ہوں جو میرے پیٹ میں ہے کہ
مِنِّیْ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ
ہے آزاد پس قبول کر مجھ سے تحقیق تو سننے والا جاننے والا ہے پس جب کہ جنا اس کو تو عرض کیا اے میرے
خالص تیری ہی خدمت میں رہے تو تو مجھ سے قبول کرلے بے شک تو ہی سنتا جانتا ہے پھر جب اسے جنا
وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰىؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰىۚ وَ
تحقیق میں نے جنا اس کو لڑکی اور اللہ بہت جانتا ہے اور نہیں ہے لڑکا مثل اس لڑکی کے اور تحقیق میں نے
بولی اے رب میرے یہ تو میں نے لڑکی جنی اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ وہ جنی اور وہ لڑکا جو اس نے مانگا
اِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ
نام رکھا اس کا مریم اور تحقیق میں پناہ دیتی ہوں اس کو تیری اور اولاد اس کی کو
اس لڑکی سا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں
الرَّجِیْمِ ﴿۳۶﴾
شیطان راندے ہوئے سے
راندے ہوئے شیطان سے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں انبیائے کرام کی برگزیدگی کا اجمالی ذکر تھا اب آل عمران کی بزرگی کی تفصیل بیان فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب نے آل عمران کو بھی چن لیا اور آل عمران عیسیٰ علیہ السلام بھی ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ اور نانی صاحبہ بھی۔ ان کے چناؤ کی مختلف نوعیتیں تھیں۔ کسی کو نبوت سے چنا اور کسی کو ولایت سے۔ اب ان کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ نے ان حضرات کو چن لیا جس سے پتہ نہ لگا تھا کہ کیسے چنا اور کب چنا۔ اس آیت میں چننے کی نوعیت کا ذکر ہے کہ یہ حضرات پیدائش سے پہلے ہی چنے ہوئے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : اذ قالت امرات عمران۔ اذ یاتو زائدہ ہے یا **اذکر** فعل پوشیدہ کا ظرف یا اصطفٰی کا یا سمیع علیم کا ظرف ہے۔ اس لحاظ سے اس کے معنی بھی چند ہوں گے۔ اگر **اذکر** کا ظرف ہو تو **اذکر** کے معنی ہیں یاد کرو یا یاد رکھو یا ان کو یاد کراؤ اگر یاد کرو معنی ہوں تو مقصد یہ ہے کہ آپ کو یہ گذشتہ واقعات معلوم تو ہیں ان پر دھیان فرماؤ یاد وہی چیز دلائی جاتی ہے جو پہلے معلوم ہو اگر معنی ہوں کہ یاد دلاؤ تو مطلب یہ ہو گا کہ اپنی امت کو یہ واقعات یاد دلاؤ تاکہ انہیں یہ واقعات یاد رہیں اور ان کے عقائد و اعمال درست رہیں کیونکہ بزرگوں کے واقعات لوگوں کو اچھی تعلیم دیتے ہیں۔ اس لئے قرآن کریم نے جگہ جگہ اس قسم کے تاریخی واقعات کا ذکر فرمایا ہے حتی کہ ایک سورۃ کا نام قصص ہے۔ اور اگر **اصطفٰی** کا ظرف ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہم نے مریم و عیسیٰ علیہ السلام کو اس لئے چنا کہ عمران کی بیوی نے یہ دعا کی تھی۔ ولایت تین قسم کی ہوتی ہے۔ وہبی 'کسبی' عطائی۔ حضرت مریم کی ولایت وہبی ہے کہ آپ مادر زاد ولیہ ہیں۔ خاندان اعلیٰ ماں شاندار پھر آپ کیوں نہ شاندار ہوں اور اگر **سمیع** کا ظرف ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ ہم ہر وقت ہی سمیع و علیم ہیں مگر ان بزرگوں مقبولوں کی باتیں بہت ہی سنتے ہیں کہ یہ ہمارے ہیں تو ان کی باتیں بھی ہم کو محبوب ہیں **امراۃ عمران** سے حضرت عمران کی بیوی مراد ہیں جو حضرت مریم کی والدہ عیسیٰ علیہ السلام کی نانی صاحبہ ہیں۔ ان کا اسم شریف حضرت حنہ بنت فاقوذہ ہے ان کی دوسری بہن حضرت ایشاع بنت فاقوذہ زکریا علیہ السلام کی بیوی تھیں اور حضرت یحییٰ کی والدہ۔ گویا یہ سارا گھرانہ ہی پاک تھا۔ قرآن پاک نے سوائے حضرت مریم کے کسی عورت کا نام نہ لیا "کنایتہ" فرماتا ہے وہی معاملہ یہاں ہوا یعنی رب نے آل عمران کو جب چنا تھا اس وقت کو یاد کرو جب عمران کی بیوی حنہ نے یہ عرض کیا **رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا۔** رب اصل میں **یا ربی** تھا۔ ندا کا یا اور یے متکلم پوشیدہ کر دی گئی۔ **نذرت۔ نذر** سے بنا۔ اس کے لغوی معنی کی نہایت نفیس تحقیق پہلے پارہ میں گذر چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں غیر لازم چیز کو اپنے پر لازم کر لینا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ صیغہ انشاء نذر ہے جیسے بعت اور اشتریت۔ کیونکہ حنہ نے قرار حمل کے بعد یہ نذر مانی تھی۔ عام مفسرین کا یہی قول ہے یعنی میں نذر مانتی ہوں۔ مگر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ گزشتہ نذر کی حکایت ہے کیونکہ قرار حمل سے پہلے نذر مان چکی تھیں۔ حمل کے بعد اندیشہ ہوا کہ کہیں لڑکی نہ ہو اور بیت المقدس میں لڑکے وقف کئے جاتے تھے نہ کہ لڑکیاں۔ تب عرض کیا مولیٰ میری نذر کی لاج تیرے ہاتھ ہے۔ میں اپنے اس حمل کی نذر پہلے ہی مان چکی ہوں۔ **ما** سے مراد لڑکا ہے چونکہ بچے ناسمجھ ہوتے ہیں اس لئے **من** نہ فرمایا **ما** فرمایا نیز کبھی ایک حمل سے چند بچے پیدا ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے **ابنی** نہ کہا بلکہ **ما فی بطنی** کہا یعنی جو کچھ میرے پیٹ میں ہے ایک یا دو بچے **محررا ما** کا حال ہے یہ تحریر سے بنا بمعنی خالص کرنا' درست کرنا' کتاب لکھنے کو تحریر اسی واسطے کہتے ہیں کہ اسے بیکار چیزوں سے خالص کیا جاتا ہے۔ جو مٹی ریت اور پتھر سے صاف ہو اسے طین حر کہتے ہیں۔ آزاد کرنے کو بھی اسی لئے تحریر کہا جاتا ہے کہ غلام مولیٰ کے حق سے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ یہاں بمعنی خالص ہی ہے۔ یعنی اے مولیٰ میں نذر مانتی ہوں کہ جو بچہ میرے پیٹ میں ہے اسے بیت المقدس کی خدمت کے لئے آزاد کر دوں گی کہ اس سے دنیوی کام کاج کچھ نہ لوں گی۔ اس زمانہ میں یہ رواج تھا کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے لڑکے وقف کئے جاتے تھے کہ وہ بلوغ تک وہاں کی خدمت کرتے۔ بالغ ہو کر انہیں اختیار رہتا کہ خواہ اسی کام میں مشغول رہیں یا دنیوی کاروبار کریں۔ لیکن اگر وہ یہاں قیام اختیار کر لیتے تو پھر انہیں دنیوی کاروبار کا اختیار نہ رہتا تھا۔ یہ بچے اپنے ماں باپ کی خدمت گھر کے کام کاج سے بالکل دور رکھے جاتے تھے۔ چونکہ بنی اسرائیل میں نہ مال غنیمت آتا تھا نہ قیدی

www.alahazratnetwork.org

اس لئے اس وقف کا رواج تھا۔ کوئی نبی ایسا نہ گذرا جس کی نسل میں بیت المقدس کی خدمت کے لئے محرر نہ ہوئے ہوں (تفسیر کبیر) **فتقبل منی** یہ بظاہر دعاء قبول ہے اور در پردہ دعاء فرزند۔ کیونکہ لڑکیاں بیت المقدس میں نہ رکھی جاتی تھیں کہ وہ حیض ونفاس کی وجہ سے فرائض خدمت انجام نہ دے سکتی تھیں۔ اس لئے عرض کیا کہ تو مجھے فرزند دے تاکہ میری نذر پوری ہو اور تو قبول فرمائے۔ بعض نے فرمایا کہ تقبل کے معنی راضی ہو کر قبول کرنا ہیں۔ یہ مقابلہ کا ہم معنی ہے کیونکہ اس کے عوض جزا ملتی ہے۔ بعض کے نزدیک **تقبل** کے معنی بتکلف قبول کرنا ہیں کہ وہ چیز قابل قبول نہ ہو مگر کرم سے قبول کرلی جائے۔ یعنی اے مولیٰ یہ حقیر نذر اگرچہ قابل قبول نہیں مگر تو کرم سے قبول فرمالے۔ عمل سے پہلے اس کی قبولیت کی دعا کرسکتے ہیں' نیک فال کے لئے۔ منشاء یہ ہے کہ عمل کی بھی توفیق دے اور قبول بھی کرے۔ اس واقعہ کے بیان میں ہم لوگوں کو تعلیم ہے کہ اپنے بچوں کا انتظام ان کی پیدائش سے پہلے ہی کرو۔ صالح لڑکی سے نکاح کرو' ماں باپ زمانہ حمل میں اللہ کی یاد عبادات دعائیں زیادہ کریں۔ بوقت ولادت اللہ کا ذکر کریں۔ پرورش دینی ماحول میں ہو۔ جس چیز کی ابتداء اچھی ہو اس کی انتہا بھی اچھی ہوتی ہے۔ بچہ کی دو کان زندگی ناچ گانے میراثیوں کی بکواس پر نہ کھولو۔ اللہ کے ذکر پر کھولو۔ **انک انت السمیع العلیم** تو ہی میری دعا کا سننے والا اور میری نیت کا جاننے والا ہے لہٰذا میری یہ دعا اور عاجزی قبول فرما اور فرزند عطا فرما۔ **فلما وضعتھا : وضع** کے معنی ہیں رکھنا۔ یہاں مراد ہے جننا کیونکہ جن کر بچہ زمین پر رکھا جاتا ہے۔ اس کا فاعل عمران کی بیوی ہیں۔ **ھا** کا مرجع **ما** ہے چونکہ رب کے علم میں وہ لڑکی تھی۔ اس لئے ضمیر مونث ارشاد ہوئی یا ہر شخص میں نفس و روح ہے جو مونث ہے یعنی پس جب انہوں نے اس لڑکی کو یا اس نفس کو جنا تو **قالت رب انی وضعتھا انثی**۔ یہاں بھی **وضعتھا** میں **ھا** کا مونث ہونا نفس اور روح کے لحاظ سے ہے اور **انثی ھا** کا بدل ہے یا حال۔ اس سے مقصود رب کو خبر نہیں بلکہ فقط اظہار غم ہے کہ نذر کا پورا ہونا بظاہر ناممکن ہوگیا۔ آپ کا یہ غم بے صبری یا ناشکری کا نہ تھا بلکہ ایک نعمت یا ایک عبادت سے محرومی کا تھا کہ بیٹا ہوتا تو خدمت بیت المقدس کرتا مجھے دائمی ثواب پہنچتا۔ لڑکی نہ یہ کام کر سکے گی نہ مجھے اجر ملے گا۔ بے صبری کا غم برا ہے۔ محرومی کا غم و حسرت عبادت۔ ایک فقیر اپنے مالدار نہ ہونے پر اس لئے غم کرتا ہے کہ اگر میں مالدار ہوتا تو دوسروں کی طرح سینما دیکھتا شراب پیتا تو یہ مجرم ہے اگر اس لئے غم کرتا کہ مالدار ہوتا تو کوٹھیاں' موٹر تیار کرتا نہ مجرم ہے نہ ثواب کا مستحق۔ اگر اس لئے غم کرتا ہے کہ میرے پاس پیسہ ہوتا تو میں بھی زکوٰۃ دیتا' حج کرتا وغیرہ یہ غم عبادت ہے اور یہ فقیر ان عبادات کا ثواب پائے گا۔ آپ کا یہ غم اس تیسری قسم کا تھا یعنی عرض کیا کہ مولیٰ یہ کیا ہوا میں نے تو لڑکی جنی۔ اب اپنی نذر کیسے پوری کروں۔ **واللہ اعلم بما وضعت** ہماری قرات وضعت ت کے سکون سے ہے اور یہ رب کا فرمان ہے حضور سے خطاب اور اس سے مقصود اس لڑکی کی تعظیم ہے۔ یعنی اے محبوب حنہ کو کیا خبر تھی کہ یہ صاحبزادی کس درجے کی ہے یہ تو رب ہی جانتا ہے کہ کیسی بیٹی ہے۔ بعض قراتوں میں وضعت ت کے پیش سے ہے حنہ کا کلام۔ گویا حنہ نے کہا کہ رب میری مجبوری اور معذوری کو خوب جانتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ میرے لڑکی پیدا ہوئی میں نذر کیسے پوری کروں۔ ایک قرات میں وضعت ت کے کسرہ سے ہے رب کا کلام جو حنہ سے ارشاد ہوا یعنی رب نے فرمایا کہ اے حنہ مت گھبراؤ تمہاری مجبوری کو رب جانتا ہے۔ **ولیس الذکر کالانثی** یہ بھی یا تو رب کا کلام ہے جملہ معترضہ اور **الذکر** اور **الانثی** میں الف لام عہدی ہے۔ **ذکر** سے ان کا مانگا ہوا لڑکا مراد ہے اور **انثی** سے دی ہوئی بیٹی۔ یعنی ان کا مانگا ہوا بیٹا درجے اور مرتبہ میں اس بیٹی کی طرح نہیں جو ان کو دی گئی۔ یہ بیٹی بڑی عظیم الشان ہے۔ اس

www.alahazratnetwork.org

صورت میں اس لڑکی کو لڑکوں پر فضیلت دینا منظور ہے اور یا یہ حنہ کا کلام ہے وہ فرماتی ہیں کہ بیٹا بیٹی کی طرح نہیں کہ بیٹا بیت المقدس کی خدمت کر سکتا ہے بیٹی نہیں کر سکتی (روح المعانی و کبیر) اور ممکن ہے کہ انہوں نے اپنے نفس کو تسلی دی ہو اور دل کو سمجھایا ہو کہ اے دل یہ بیٹی بیٹے سے اچھی ہے جو رب کا عطیہ ہے۔ **وانی سمیتها مریم** اس کلام کے چند مقصود ہیں۔ ایک حضرت مریم کی یتیمی کا اظہار کیونکہ عمران ان کی پیدائش سے پہلے ہی وفات پا چکے تھے لہذا عرض کیا کہ مولیٰ نام رکھنا باپ کا حق ہے مگر چونکہ یہ یتیمہ ہے اس لئے یہ کام میں ہی کرتی ہوں اسی لئے فرمایا **انی** یعنی میں نے نام رکھا نہ باپ نے۔ دوسرے رب سے طلب رحمت یعنی اے اللہ یہ بچی یتیمہ ہے اس پر رحم فرما۔ تیسرے اپنے ارادہ کی پختگی کا اظہار۔ یعنی اے مولیٰ! اگر یہ بیت المقدس کی خدمت کے قابل نہیں تو وہاں رہ کر عبادت تو کر سکتی ہے۔ میں اس سے خدمت نہ سہی وہاں عبادت ہی کراؤں گی۔ اس لئے اس کا نام مریم رکھتی ہوں یعنی عابدہ اور خادمہ۔ خیال رہے کہ لفظ مریم میں تین قول ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ عربی لفظ ہے بروزن مفعل مصدر میمی بمعنی اسم مفعول۔ بعض نے کہا کہ یہ ماریہ کا معرب ہے بمعنی لڑکی یا خادمہ۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ عبرانی ہے بمعنی عابدہ اور یہی صحیح تر ہے (روح المعانی) چونکہ ان کی والدہ کی نیت انہیں بیت المقدس میں رکھنے کی تھی اس لئے ان کا نام بھی مریم یعنی عابدہ رکھا تاکہ نام کام کے مطابق ہو۔ **وانی اعیذها بک و ذریتها من الشیطن الرجیم** یہ جملہ **انی سمیتها** پر معطوف ہے۔ **اعیذ عوذ** سے بنا بمعنی پناہ میں دینا یا پناہ میں آنا۔ جس کی پناہ میں آنا منظور ہو اس پر ب آتی ہے اور جس سے پناہ پکڑی جائے اس پر من۔ اس کی پوری تحقیق **اعوذ باللہ** کی تفسیر میں گذر چکی۔ اسی سے ہے تعویذ یعنی رب سے پناہ حاصل کرنے کا ذریعہ۔ ذریت سے پہلے **بک** فرمایا گیا تاکہ پتہ لگے کہ دعا میں اصل مقصود یہ ہیں اور اولاد تابع اور ذریت فرما کر حضرت مریم کے لئے عمر و اولاد کی دعا کر لی کیونکہ اولاد بعد بلوغ ہوتی ہے۔ **شیطن** اور **رجیم** کی پوری تحقیق پہلے پارہ میں دیکھو یعنی اے مولا میں اس مریم اور اس کی اولاد کو مردود شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں تو ان سب کو شیطان سے بچانا اور ان سب کو نیک صالح بنانا۔ رب تعالیٰ نے یہاں پہلی آیت میں تو حضرت مریم کے حمل شریف میں رہنے کے حالات بیان فرمائے دوسری آیت میں آپ کی پیدائش کے حالات اگلی تیسری آیت میں آپ کی پرورش کے واقعات کا ذکر آ رہا ہے۔ غرضکہ بی بی مریم کا پورا میلاد شریف ارشاد ہوا۔ ہم بھی میلاد شریف میں یہی حالات اپنے آقا کے بیان کرتے ہیں۔ بزرگوں کا میلاد پڑھنا سنت الٰہیہ ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے یہ دعا یا جناب مریم کی ولادت کے وقت ہی مانگی یا جب کہ مریم کو خدام بیت المقدس کے حوالہ کیا۔ یعنی وداع کے وقت دعاء ماثورہ ہوئی۔ ہم کو بھی چاہئے کہ بچوں کی پیدائش اور لڑکی کی رخصتی کے وقت یہ دعا پڑھ دیا کریں۔ انشاء اللہ لڑکی سسرال میں عافیت سے رہے گی اور اولاد بھی صالح ہو گی۔ اپنی دعاؤں سے دعائے ماثورہ بہتر ہوتی ہے۔ حضرت حنہ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ رب نے بی بی مریم کو ہر قسم کی گندگی ظاہری و باطنی سے پاک رکھا۔ فرماتا ہے **مطهرک** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی خطا بھی سرزد نہ ہوئی۔ اس لئے قیامت میں طلب شفاعت کے موقعہ پر دیگر انبیائے کرام اپنی خطاؤں کا ذکر کر کے شفاعت سے معذوری ظاہر کریں گے مگر جناب مسیح اپنی کسی خطاء کا ذکر نہ فرمائیں گے کہ بے خطا رہے۔ قریب قیامت آپ نکاح کریں گے اولاد ہو گی۔ ان کو بھی یہ دعا پہنچے گی اور آپ کی تمام اولاد نیک و صالح ہو گی۔ غرضکہ ماں کی دعا اور ماں بھی حنہ جیسی بہت پر تاثیر ہوتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو اور انہیں سناؤ جبکہ عمران کی بیوی حنہ نے حاملہ ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے مولیٰ چونکہ تو نے مجھے ناامیدی کے بعد اولاد کی امید دکھائی اس لئے میں نذر مانتی ہوں کہ جو کچھ میرے پیٹ میں اولاد ہے وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہے نہ میں اس سے اپنی خدمت لوں نہ گھر کے کام کاج۔ اے مولیٰ یہ میرا حقیر ہدیہ اپنے فضل و کرم سے قبول فرما لے تو میرے کلام کا سننے والا اور میری نیت و اخلاص کا جاننے والا ہے۔ وہ لڑکے کی امید پر بہت خوش و خرم تھیں۔ جب وقت ولادت آیا اور حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حنہ حیران رہ گئیں اور عرض کرنے لگیں کہ اے مولیٰ یہ کیا ہوا میرے تو لڑکی پیدا ہو گئی اب میں اپنی نذر کیسے پوری کروں۔ اے محبوب حنہ کیا جانیں کہ لڑکی کیسی ہے۔ یہ تو رب ہی جانتا ہے کہ وہ لڑکی کس درجہ کی ہے۔ لڑکا اس لڑکی کی طرح ہو سکتا ہی نہیں۔ انہوں نے یہ بھی عرض کیا کہ اے مولیٰ چونکہ ان کے باپ تو پہلے ہی وفات پا گئے ہیں۔ اس لئے میں ان کا نام مریم رکھتی ہوں۔ یعنی عابدہ۔ اور میری نیت یہ ہے کہ یہ بیت المقدس میں رہ کر تیری عبادت کرے تاکہ بقدر طاقت میری منت پوری ہو۔ اے مولیٰ چونکہ میں انہیں اپنے سے الگ بیت المقدس میں رکھوں اس لئے میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں کہ تو شیطان سے بچا اور اسے صالح پرہیزگار رکھنا۔ خیال رہے کہ بیٹے کی دعا و خواہش کرنا سنت انبیاء بھی ہے' سنت اولیاء بھی' حضرت ابراہیم و زکریا علیہم السلام نے فرزند کی دعا کی۔ بی بی حنہ نے جو لیہ تھیں' بیٹے کی دعا کی مگر یہ تمام دعائیں دنیاوی اغراض کے لئے نہ تھیں صرف دین کے لئے تھیں کہ خدا ہمیں بیٹا دے وہ دین کی خدمتیں کریں' ہم کو ثواب ملے۔ جیسے دوسرے کاموں میں اخلاص ہو تو یہ برکت ہوتی ہے ریا ہو تو بے برکتی۔ ایسے ہی طلب اولاد اگر دین کے لئے ہو تو اولاد برکت والی ہے اگر دنیا کے لئے ہے تو نہ عذاب نہ ثواب۔ اگر بری نیت کے لئے ہو تو نقصان دہ۔ حضرت مریم کی یہ عظمتیں بی بی حنہ کے اخلاص کی برکت سے تھیں۔ ماں باپ کا اخلاص اولاد کے کام آتا ہے۔

اصل واقعہ : فاقوذا کی دو بیٹیاں تھیں حنہ اور ایشاع۔ حنہ عمران کے نکاح میں آئیں اور ایشاع حضرت زکریا ابن لدن علیہ السلام کے نکاح میں یہ دونوں بہنیں لاولد تھیں۔ یہاں تک کہ انہیں بڑھاپا آگیا اور اولاد سے مایوسی ہو گئی۔ ایک دن حضرت حنہ نے ایک چڑیا کو دیکھا کہ وہ اپنے بچے کو دانہ کھلا رہی ہے۔ آپ کے دل میں اولاد کا شوق پیدا ہوا اور دعا کی کہ مولیٰ یہ چڑیا بچے سے اپنا دل بہلا رہی ہے مجھے بھی ایک فرزند دے جو میرے دل بہلانے کا ذریعہ ہو' نا تو اسی وقت وقف کی منت مان لی یا حمل کے بعد۔ غرضکہ یہ دعا مانگنا تھی کہ انہیں حیض جاری ہوا۔ حیض سے فارغ ہوتے ہی حاملہ ہو گئیں اور عمران سے کہنے لگیں کہ میں نے یہ منت مانی ہے۔ عمران نے کہا کہ تم نے یہ کیا کیا اگر لڑکی پیدا ہوئی تو کیا کرو گی۔ تب بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ اے مولیٰ میں منت مان چکی ہوں کہ جو کچھ میرے شکم میں ہے وہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہے اس سے نہ خدمت لوں گی نہ گھر کا کام کاج۔ اس زمانہ میں اس وقف کا رواج تھا کہ لوگ اپنی اولاد کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیتے تھے اور بچے وہاں ہی رہتے سہتے تھے اور وہاں کی خدمت کرتے تھے۔ جیسے آج کل روضہ مطہرہ اور کعبہ معظمہ میں خدام رہتے ہیں جنہیں اغوات کہا جاتا ہے۔ اس قاعدہ سے آپ نے منت مانی اور خوش تھیں کہ جب میری دعا پر رب نے مجھے یہ امید دکھائی ہے تو بیٹا ہی ہو گا۔ کیونکہ میں نے بیٹا ہی مانگا تھا۔ اسی اثناء میں حضرت عمران وفات پا گئے۔ جب وقت ولادت آیا اور حضرت مریم پیدا ہوئیں تو حنہ

www.alahazratnetwork.org

کو خلاف امید لڑکی پیدا ہونے اور اپنی نذر پوری نہ کرسکنے پر سخت افسوس ہوا تب وہ دعا مانگی جو اس آیت میں مذکور ہے۔ بقیہ حصہ اگلی آیتوں میں آرہا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کچھ لوگوں کا اپنے آپ کو دین کے لئے خالص کردینا ضروری ہے اگر سب لوگ دنیا میں مشغول ہو جائیں تو دین کیسے قائم رہے۔ کاش مسلمان اس سے عبرت پکڑیں اور اپنی بعض اولاد کو خدمت دین کے لئے وقف کردیں جنہیں بچپن سے اس کے لئے تیار کریں مگر افسوس کہ اب مسلمان کی نظر روٹی پر رہ گئی اور وہ سمجھ بیٹھے کہ انگریزی میں روٹیاں اچھی ملتی ہیں گویا ان کے عقیدہ میں انگریز رزاق ہیں۔ مگر یاد رکھو کہ تمہاری عزت دین سے ہے اور دین کا بقاء علماء اور صالحین سے۔ اگر اپنی بقا چاہتے ہو تو اپنی جماعت میں ایسے لوگ زیادہ بناؤ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ لیتفقھوا فی الدین** **دوسرا فائدہ:** اسلام میں بھی ایسی نذر صحیح ہے کہ کوئی شخص اپنے بچے کو دین کے لئے وقف کرنے کی منت مانے اور اس سے کوئی دنیوی کام نہ لے۔ کیونکہ یہ عبادت ہے اور ہر عبادت میں نذر درست۔ (احکام القرآن) بعض مفسرین کا اس کی ممانعت فرمانا بلا دلیل ہے۔ بغیر انکار گذشتہ امتوں کا واقعہ منقول ہونا جواز کی دلیل ہے۔ قرآن کریم نے اس کی ممانعت نہ کی پھر بلا دلیل کیوں منع کیا جائے۔ **تیسرا فائدہ:** نذر شرعی کا پورا کرنا واجب ہے بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جیسا کہ **لک** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نامعلوم چیز کی نذر جائز ہے یہ بھی **ما فی بطنی** سے معلوم ہوا۔ حنہ کو نذر کے وقت خبر نہ تھی کہ لڑکی ہوگی یا لڑکا مگر نذر مان لی۔ خیال رہے کہ نذر شرعی جس کا پورا کرنا ضروری ہے اس میں تین شرطیں ہیں ایک یہ کہ جس کام کی نذر مانی جائے وہ عادت نہ ہو عبادت ہو۔ دوسرے یہ کہ وہ عبادت کہیں نہ کہیں واجب ہو ہر جگہ نفل نہ ہو۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے نام کی ہو اگر ان شرطوں میں سے کوئی شرط نہ ہوگی تو وہ نذر شرعی نہیں، نذر لغوی ہے۔ اس زمانہ کے لحاظ سے یہ نذر شرعی تھی کہ بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف اولاد اس زمانہ میں عبادت دین واجبہ تھی۔ نذر لغوی بھی پورا کرنا چاہئے اگرچہ واجب نہیں۔ ایک صحابی نے بیت المقدس میں چراغ جلانے کی منت مانی تھی۔ ایک لونڈی نے حضور کے آگے دف بجانے کی نذر مانی تھی۔ یہ دونوں لغوی نذریں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پورا کرنے کی اجازت دی۔ **چھٹا فائدہ:** اولاد کی پرورش، تعلیم، تربیت وغیرہ ماں کا بھی حق ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو حنہ کو اس نذر کا اختیار بھی نہ ہوتا۔ **ساتواں فائدہ:** ماں کو اپنی اولاد کے نام رکھنے کا حق ہے اگر باپ نہ رکھے۔ حضرت حنہ نے دختر کا نام مریم رکھا اور رب نے بھی انہیں اسی نام سے یاد کیا' یہ تمام مسائل احکام القرآن سے لئے گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** خانقاہوں' بزرگان دین کے مزارات پر' مساجد میں خدام کا رہنا جائز ہے۔ جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا قبر انور کی منتظمہ تھیں اور اس وقت سے اب تک روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر خدام رہتے ہیں۔ جس حدیث میں قبر پر بیٹھنے کی ممانعت آئی اس سے قبر پر چڑھ کر بیٹھنا مراد ہے نہ کہ وہاں کا مجاور رہنا۔ **نواں فائدہ:** بزرگان دین کے قصے سننا' پڑھنا' یاد کرنا باعث برکت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حنہ کا پورا قصہ قرآن شریف میں بیان فرمایا کہ لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ **دسواں فائدہ:** مرد عورت سے افضل ہے مگر بعض عورتیں مردوں سے بڑھ کر جیسا کہ **لیس الذکر کالانثی** سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** اولاد کے نام اچھے رکھنے چاہئیں کہ اکثر نام کا اثر کام پر پڑتا ہے جیسا کہ

www.alahazratnetwork.org

سمیتھا مریم سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ لڑکی لڑکے سے افضل ہے' دوسری جگہ فرمایا گیا **الرجال قوامون علی النساء** اور ایک مقام پر فرمایا گیا **وللرجال علیھن درجتہ**۔ ان میں مطابقت کیوں کر ہو؟ **جواب:** نوع مرد نوع عورت سے افضل ہے۔ لیکن بعض عورتیں بعض مردوں سے افضل ہیں یعنی مردیت عورت سے بڑھ کر نبوت سلطنت قضاء امامت مردوں کے لئے خاص ہیں۔ اگرچہ عورتوں کے بعض افراد مردوں سے بڑھ جائیں۔ اس آیت میں افراد کا ذکر ہے۔ ان آیتوں میں نوعیت کا۔

حکایت : ایک جگہ روح البیان نے فرمایا کہ کسی نے حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سامنے مردوں کی بڑائی بیان کی۔ آپ نے فرمایا کہ عورتوں کو برا نہ جانو۔ عورتیں انبیاء و اولیاء کی کان ہیں۔ بعض نبی بغیر باپ پیدا ہوئے مگر کوئی پیغمبر بغیر ماں صرف باپ سے پیدا نہیں ہوئے۔ اعلیٰ چیز کا سانچہ بھی اعلیٰ ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت حنہ کو لڑکی پیدا ہونے کا رنج ہوا اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی پر رنج کرنا طریقہ کفار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واذا بشرا حدھم بالانثی ظل وجھہ' مسودا وھو کظیم**۔ پھر حضرت حنہ سے یہ فعل کیوں واقع ہوا؟ **جواب:** لڑکی سے نفرت اور صرف لڑکے سے محبت کرنا واقعی برا ہے۔ یہاں یہ نہ ہوا۔ انہیں رنج اس کا تھا کہ اب میری نذر کیسے پوری ہوگی۔ نیز چونکہ بیٹے کی امید تھی اور خلاف امید لڑکی ہوئی اس پر قدرے ملال ہوا۔ نیز لڑکوں سے غیر اختیاری محبت سب کو ہوتی ہے مگر لڑکی سے نفرت یا لڑکے پر اس کو ترجیح دینا یا اس کی پیدائش پر ناشکری کے الفاظ بولنا برا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا اسلام میں اولاد کا ایسا وقف صحیح ہے؟ **جواب:** ہاں صحیح ہے مگر کچھ فرق کے ساتھ۔ وقف شرعی مملوک مال کا ہی جائز ہے۔ اولاد کا وقف لغوی درست ہے۔ یعنی دین کے لئے روک دینا۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں تھے کیونکہ وہ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی تھے۔ مگر حدیث معراج میں ہے کہ یحییٰ و عیسیٰ سے ملاقات کی جو آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** حدیث میں مجازاً" اس طرح فرمایا گیا یعنی حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم السلام میں خالہ کا رشتہ ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت ایشاع حنہ کی اخیافی بہن ہیں اور حضرت مریم کی علاتی بہن کہ عمران نے پہلے حنہ کی ماں سے نکاح کیا جس سے ایشاع پیدا ہوئیں پھر حنہ سے۔ اس دین میں ربیبہ سے نکاح درست تھا لہٰذا یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے ماموں بھی ہوئے اور خالہ زاد بھائی بھی۔ مگر پہلا جواب قوی ہے۔ (تفسیر روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** بی بی حنہ نے حضرت مریم کی دعا میں صرف شیطان کا ذکر کیوں فرمایا۔ انسان کے دشمن تو لاکھوں ہیں ان کا ذکر کیوں نہ کیا؟ **جواب:** دو وجہ سے 'ایک یہ کہ دشمن چار قسم کے ہیں: دشمن جان جیسے قاتل موذی انسان و سانپ وغیرہ' دشمن مال جیسے چور ڈاکو وغیرہ دشمن آبرو جیسے حاسد لوگ دشمن ایمان جیسے نفس امارہ و برے ساتھ و شیاطین۔ ان تمام دشمنوں میں دشمن ایمان سخت تر ہے۔ وہ شیطان ہے آپ نے اس سخت خطرناک دشمن ہی سے پناہ مانگی۔ دوسرے یہ کہ جانی دشمن دیکھنے میں آتے ہیں انہیں مار بھی سکتے ہیں۔ مقابلہ بھی کر سکتے ہیں مگر شیطان وہ موذی و خطرناک دشمن ہے جو نہ دیکھنے میں آئے نہ ہم سے مار کھائے نہ بادشاہی جیل و پھانسی اس پر چل سکے۔ بجز رب کے کرم کے اور کوئی ذریعہ اس سے بچنے کا نہیں۔ اس لئے خصوصیت سے اس

www.alahazratnetwork.org

سے پناہ مانگی۔ چھٹا اعتراض: دشمن ایمان بھی بہت ہی ہیں۔ شیطان، نفس امارہ، برے ساتھی وغیرہ پھر شیطان کا ذکر کیوں ہوا؟ جواب: شیطان ان سب کا گرو ہے اگر انسان اس سے بچ گیا سب سے بچ گیا۔ نفس وغیرہ کو یہی بہکاتا ہے اگر نفس اس کے شر سے محفوظ ہو جاوے تو بجائے امارہ کے مطمئنہ بن جاتا ہے پھر وہ نفس اچھے مشورے دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے غذا کا اولاد پر اثر پڑتا ہے ایسے ہی نیتوں کا بھی بڑا اثر ہوتا ہے۔ جس کی غذا حلال طیب ہو اور نفس نورانی نیت سچی و حقانی ہو تو انشاء اللہ اس کی اولاد نیک صالح بلکہ ولی ہوگی اور جس کی غذا حرام، نفس ظلمانی اور خبیثہ نیت فاسدہ ہو اس کی اولاد فاسق خبیث بلکہ کافر ہوگی کیونکہ نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے اور نفس سے پرورش پاتا ہے۔ اس لئے اس کا اثر قبول کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الولد سر ابیہ** اولاد باپ کا راز ہے۔ حضرت مریم کا صدق اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ درجہ عمران کی نیک نیتی اور حضرت حنہ کے سچے ارادے کا نتیجہ تھیں (ابن عربی و روح البیان) ہاں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خبیثوں کے گھر طیب اولاد اور طیب کے گھر خبیث اولاد ہو جاتی ہے مگر بہت کم۔ نیت کا اثر صرف اولاد پر ہی نہیں پڑتا بلکہ مال، اعمال، کاروبار سب پر پڑتا ہے۔ نیک نیتی سے مال میں برکت اور عمل کی قبولیت ہے۔ بدنیت کا نہ عمل قبول نہ مال مبارک۔ چاہئے کہ عمل سے پہلے نیت کی جائے تاکہ تمہارے اعمال درست ہوں۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنۡۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ؕ
پس قبول کیا اس کو رب نے اس کے ساتھ قبول اچھے کے اور بڑھایا اسے بڑھانا اچھا اور نگہبان بنایا
تو اسے اس کے رب نے اچھی طرح قبول کیا اور اسے اچھا پروان چڑھایا اور اسے زکریا کی نگہبانی میں
كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيۡهَا زَكَرِيَّا الۡمِحۡرَابَ ۙ وَجَدَ عِنۡدَهَا رِزۡقًا ۚ قَالَ يٰمَرۡيَمُ
اس کا زکریا کو جب داخل ہوتے اوپر اس کے زکریا محراب میں تو پاتے نزدیک اس کے رزق کہا اے
دیا جب زکریا اس کے پاس اس کی نماز پڑھنے کی جگہ جاتے اس کے پاس نیا رزق پاتے کہا اے
اَنّٰى لَـكِ هٰذَا ؕ قَالَتۡ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَرۡزُقُ مَنۡ يَّشَآءُ بِغَيۡرِ
اے مریم کہاں سے ہے واسطے تمہارے یہ وہ بولیں وہ پاس سے اللہ کے ہے تحقیق اللہ رزق دیتا ہے
مریم تیرے کہاں سے آیا بولیں وہ اللہ کے پاس سے ہے بے شک اللہ جسے چاہے
حِسَابٍ ﴿۳۷﴾
جس کو چاہتا ہے بے حساب ؁
بے گنتی دے ؁

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیتوں سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت حنہ کی دعا کا ذکر تھا اب اس کی قبولیت کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت حنہ کی بزرگی ان کے اخلاص اور ان کی نذر کا تذکرہ تھا۔ اب ان کی صاحبزادی حضرت مریم کی عظمت شان اور قبولیت بارگاہ اور منظوری نذر کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی تمہید تھی۔ اب ولادت یحییٰ کی تمہید ہے (علیہ السلام)

تفسیر: **فتقبلها ربها بقبول حسن** یہاں باب تفعل۔ زیادتی اور مبالغہ کے لئے ہے۔ **ها** کا مرجع حضرت مریم ہیں اور دوسرے **ها** کا مرجع یا مریم ہیں یا حنہ۔ چونکہ قبول اور تقبل ہم معنی ہیں اس لئے بجائے تقبل کے **بقبول** فرمایا گیا۔ نیز چونکہ تقبل میں "تکلف" قبول کرنے کا احتمال تھا۔ اس کو دفع کرنے کے لئے۔ قبول فرمایا گیا۔ سیبویہ نے کہا کہ پانچ مصدر بروزن فعول آتے ہیں۔ قبول' طہور' وضو اور تعود اور ولوع۔ قبول حسن میں چند احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ باوجودیکہ لڑکی خدمت بیت المقدس کے قابل نہیں مگر حضرت حنہ کے اخلاص کی بنا پر مریم کو قبول فرمالیا۔ دوسرے یہ کہ حضرت مریم اور ان کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام کو پاکدامن اور شیطان سے محفوظ رکھا۔ تیسرے یہ کہ انہیں گندے اخلاق اور بری باتوں سے بچالیا۔ چوتھے یہ کہ حضرت مریم نے کسی کا دودھ نہ پیا اور عیسیٰ علیہ السلام کی طرح بچپن میں کلام کیا (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) یعنی رب تعالیٰ نے حضرت مریم کو راضی ہو کر اچھی طرح قبول فرمالیا اور حنہ کی ساری دعائیں منظور کیں کہ مریم کو اول ولادت سے خاتمہ زندگی تک شیطان سے محفوظ رکھا۔ یہاں رب تعالیٰ نے **فتقبل** فرماکر بتایا کہ ہم نے حنہ کی ساری دعائیں من وعن اسی طرح قبول فرمائیں' جس طرح انہوں نے دعائیں مانگیں کوئی دعا رد نہ فرمائی **ها** فرما کر بتایا کہ ان کی دعا کی وجہ سے اپنا قانون بدل دیا کہ بیت المقدس کی خدمت گاروں میں لڑکی کا ہونا اس زمانہ کے قانون کے خلاف تھا جیسا کہ آج اسلام میں عورت کا امام نماز بننا۔ بزرگوں کی دعا سے قانون بدل دیئے جاتے ہیں۔ قبول حسن فرما کر بتایا کہ ان بی بی حنہ کی دعا سے زیادہ مریم کو نعمتیں دی گئیں۔ انہوں نے صرف یہ دعا مانگی تھی کہ مریم شیطان کے شر سے محفوظ رہیں۔ ہم نے یہ بھی قبول فرمائی اور کئی دن مریم کو جنتی میوے دینا' نبی کی پرورش میں رہنا' زیادہ اچھی طرح پروان چڑھانا بھی بخشا۔ جو ان کی دعا کے سواء ہے۔ پھر عیسیٰ روح اللہ کی ماں بننا اور آپ کے ہاتھ سے کرامات کا ظاہر ہونا۔ قرآن شریف میں آپ کا ذکر ہونا' تاقیامت آپ کا ذکر خیر دنیا میں رہنا۔ یہ سب چیزیں ان کی دعا کے سواء ہیں **وانبتها نباتا حسنا۔** **انبت** نبات سے بنا۔ لغت میں نبات پھیلنے والی گھاس کو کہتے ہیں جس کا تنا نہ ہو۔ پھر استعمال میں ہر بڑھنے والی شے پر بولنے لگے۔ سبزی ہو یا درخت' حیوان ہو یا انسان۔ انبات بمعنی اگانا' بڑھانا۔ **نباتا** یا تو **انبت** کا مفعول۔ مفعول مطلق ہے یا نبت پوشیدہ فعل کا اور اصل عبارت یوں ہے **وانبتها فنبت هي نباتا حسنا** یعنی پرورش کرنا مراد ہے۔ **حسن** سے مراد دینی خوبی بھی ہے اور دنیوی بھی۔ چنانچہ حضرت مریم ایک دن میں اتنی بڑھتی تھیں جیسے دوسرے بچے ایک سال میں۔ نیز وہ شروع سے ہی عابدہ زاہدہ اور رب کی فرمانبردار ہوئیں۔ یعنی رب تعالیٰ نے مریم کو اچھی طرح پالا' پرورش کیا اور پروان چڑھایا۔ ایسی پرورش ماں باپ سے ناممکن تھی۔ **وكفلها زكريا۔** یہ **انبت** پر معطوف ہے اور کفل' **تكفيل** سے بنا جس کا مادہ کفل ہے' بمعنی حصہ۔ ضمانت اور ذمہ داری کو کفالہ اور ضامن یا ذمہ دار کو کفیل اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں دوسرے کے بوجھ کا کچھ حصہ اپنے پر رکھا جاتا ہے۔ پرورش کرنے والے مربی کو کافل کہا جاتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔حدیث میں ہے **انا و کافل الیتیم کھاتین۔** یا تو کفل بمعنی تکفل ہے اور زکریا اس کا فاعل یا کفل اپنے معنی میں ہے اور اس کا فاعل رب تعالیٰ اور **ھا** مفعول اول اور زکریا مفعول دوم۔ زکریا عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ بعض نے کہا کہ تانیث باالف کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ اس میں تین لغتیں ہیں۔ زکر بغیر یا کے زکری بغیر الف کے اور زکریا ی اور الف کے ساتھ۔ آپ کا نسب شریف یہ ہے زکریا ابن لدن ابن مسلم ابن صدون۔ صدون حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ ابن داؤد ابن ایشا ابن حویل ابن سلمون ابن یاعر ابن محشون ابن عمیلا ابن حضروم ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام (روح البیان) یعنی رب تعالیٰ نے حضرت زکریا علیہ السلام کو جو مریم کے خالو تھے 'حضرت مریم کی نگہبانی کا ذمہ دار بنایا۔ بعض نے کہا کہ حضرت زکریا کی ذمہ داری دودھ چھوڑنے کے بعد شروع ہوئی کیونکہ اس کا ذکر **انبتھا** کے بعد ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضرت مریم کی پرورش پہلے ہوئی اور زکریا علیہ السلام کی نگہبانی دودھ چھوٹنے کے بعد۔ مگر صحیح یہ ہے کہ شروع سے ہی حضرت مریم زکریا کی پرورش میں آئیں اور آپ نے ماں کا دودھ بالکل نہ پیا۔ احادیث اس کی گواہ ہیں اور واؤ ترتیب نہیں چاہتی (روح المعانی و کبیر وغیرہ) رب تعالیٰ نے بی بی مریم کی یہاں چند فضیلتیں بیان فرمائیں۔ ان کا اعلیٰ خاندان سے ہونا' حضرت عمران و حنہ کا چشم و چراغ ہونا۔ رب کا انہیں قبول فرمالینا اور اچھی طرح انہیں پروان چڑھانا۔ حضرت زکریا کی پرورش' محترم مقام یعنی خاص بیت المقدس کے بالا خانہ میں ہونا۔ جو لڑکی خود بھی اعلیٰ ہو۔ خاندان بھی اعلیٰ' تربیت دینے والے بھی کامل' پرورش کی جگہ بھی افضل ہو۔ غور کرلو وہ بچی کس شان کی مالک ہوگی۔ نبی کی ایک آن کی صحبت جانوروں' لکڑیوں' پتھروں کو تبرک کردیتی ہے۔ اصحاب کہف کا کتا' کعبہ کا غلاف' قرآن شریف کا جزدان' مدینہ منورہ کے کنکر' پتھر عظمت والے ہیں تو جناب مریم ایسی جگہ اور ایسی تربیت میں کیسی شان والی ہوں گی۔ **کلما دخل علیھا زکریا المحراب۔** **کلما** عموم وقت کے لئے ہے۔ **محراب۔** **حرب** بمعنی جنگ سے بنا بروزن مفعال صیغہ مبالغہ کا ہے جیسے معطان۔ عبادت کے مقام کو محراب کہا جاتا ہے کیونکہ وہاں نفس اور شیطان سے بذریعہ عبادت جنگ کی جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ اسم آلہ بمعنی ظرف مکان ہے کیونکہ یہ شیطان سے جنگ کی جگہ ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

جمع الشجاعت والخشوع لربہ — ما احسن المحراب فی المحراب

(روح المعانی)

خیال رہے کہ مفعال ظرف زماں کے لئے بھی آتا ہے اور ظرف مکان کے لئے بھی جیسے میلاد اور معراج۔ یہاں مراد بالا خانہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذ تسوروا المحراب۔** عمر ابن ربیعہ کہتا ہے۔

ربۃ محراب اذا جئتھا — لم ادن لی ارتقیا سلما

چنانچہ روایت میں ہے کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے لئے ایک بالا خانہ بنایا تھا جس کے سات دروازے تھے وہاں ان کو رکھا۔ یا اس سے بیت المقدس کی کوئی اعلیٰ جگہ مراد ہے یا مسجد ہی مراد ہے۔ اس زبان میں ساری مسجد کو محراب کہتے تھے۔ جیسے اب مسجد کے غربی دیوار کے درمیانی حصہ کو محراب کہا جاتا ہے جہاں کمان نما طاق بنا ہوتا ہے۔ جیسے آج بیت اللہ مسجد حرام پورے مکہ معظمہ' حدود مکہ کو حرم کہتے ہیں بلکہ مسجد نبوی شریف حدود مدینہ کو بھی حرم کہا جاتا ہے یعنی حرمت والی جگہ' ایسے ہی لفظ محراب بہت معنوں میں استعمال ہوتا تھا یہاں بیت المقدس کا بالا خانہ' وہاں کا کوئی خاص مقام مراد ہے جو حضرت مریم کی

www.alahazratnetwork.org

پرورش کے لئے منتخب ہوا تھا۔ یعنی جب زکریا علیہ السلام حضرت مریم کے پاس ان کے بالا خانے یا مسجد میں جاتے تو **وجد عندھا رزقا**" یا جیسے **ولی السماء رزقکم**۔ ابن جریر نے حضرت ربیعہ سے روایت کی کہ یہاں رزق سے مراد بے موسم پھل ہیں یعنی سردی کے پھل گرمی میں اور گرمی کے پھل سردی میں۔ **رزقا** کی تنوین تعظیمی ہے یعنی حضرت زکریا مریم کے پاس عظیم الشان پھل پاتے تھے۔ خیال رہے کہ جنت میں دانے نہیں ہیں پھل ہیں۔ دانے غذا کے لئے کھائے جاتے ہیں پھل لذت کے لئے، وہاں غذا کی ضرورت نہیں۔ حضرت آدم کے لئے آزمائش کے طور پر عارضی گندم وہاں تھا۔ نیز جنت کے پھل بعض حضرات نے جنت میں جا کر کھائے ہیں، بعض نے زمین پر رہ کر حضرت مریم و خبیب نے زمین پر رہ کر کھائے۔ نیز جنت کے پھل پانی وغیرہ تو کھائے بھی گئے اور کھائے بھی جائیں گے مگر وہاں کی حوروں کا استعمال قیامت کے بعد ہو گا۔ ورنہ حضرت حوا کی پیدائش کی ضرورت نہ ہوتی۔ نیز وہاں کے پھل کھانے سے ختم نہیں ہوتے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **واکلھا دائم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہم جنت کے پھل آج توڑ لیتے تو تم قیامت تک کھاتے۔ دیکھو ہوا دھوپ استعمال سے کم نہیں ہوتی۔ حضرت مریم وہ پھل کھا بھی لیتی تھیں اور واپس بھی ہو جاتے تھے۔ کھانے سے ختم نہ ہوتے تھے۔ **قال یا مریم انی لک ھذا**۔ یہ نیا جملہ ہے جو گزشتہ مضمون کو واضح کر رہا ہے **انی** کی نفیس تحقیق ہم دوسرے پارہ میں کر چکے کہ اس کے معنے یا **من این** ہوتے ہیں۔ یا **کیف** یا صرف **این** اور **من** پوشیدہ۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

تمنی بوادی الرمث زینب ضلۃ　　فکیف ومن انی بذی الرمث تطرق

یہاں **انی** بمعنی **این** ہے دوسرا شاعر کہتا ہے۔

انی ومن این آبک الطرب　　من حیث لا صبوۃ ولا ریب

یہاں **انی** بمعنی کیف ہے۔ آیت میں دونوں معنی درست ہیں یعنی فرماتے کہ اے مریم! تمہارے پاس یہ کہاں سے آئے آج کل اس کا موسم نہیں یا تم تک کیسے پہنچے تم تو سات قفلوں میں بند تھیں۔ آپ کا یہ سوال نہ تو بے خبری سے تھا نہ تعجب یا حیرت سے کہ آپ تو جانتے تھے کہ جنتی پھل ہیں۔ یہ سوال آپ کی فہم و سمجھ آزمانے کے لئے تھا۔ رب نے بھی یہ واقعات قرآن کریم میں اس لئے نقل فرمائے کہ مسلمانوں کو ولی کی کرامات، فہم و ادراک کا پتہ لگے۔ ان کے عقائد درست ہوں۔ ان دونوں باتوں کا جواب یہ دیتیں **قالت ھو من عند اللہ**۔ **ھو** کا مرجع رزق ہے اور **من عند** کا متعلق **جاء** ہے اور اس سے مراد بغیر وسیلہ انسان آنا ہے یعنی آپ تعجب نہ کریں۔ یہ جنت کا رزق ہے۔ رب کے پاس سے بلا واسطہ انسان آیا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کا یہ کلام بچپن شریف کا ہے اور کیا جامع کلام ہے۔ جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ آپ اللہ کی ذات کو جانتی ہیں اس کی صفات کو بھی کہ وہ رزاق ہے۔ اس کی قدرت کو بھی کہ وہ جنت کے پھل دنیا میں بھیج سکتا ہے۔ جنت کو بھی جانتی ہیں۔ وہاں کے پھل بھی پہچانتی ہیں بلکہ لانے والے فرشتہ کو بھی پہچانتی ہیں۔ یہ فرشتہ ہے جنت سے پھل لایا ہے **ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب** یا تو یہ حضرت مریم کا کلام ہے۔ حساب کے چند معنی ہیں، گمان، اندازہ، محاسبہ دنیا میں یا آخرت میں یہاں سب معنی درست ہیں یعنی رب جسے چاہے ایسی جگہ سے روزی دے۔ جہاں اس کا گمان بھی نہ ہو۔ کھیت نوکری مزدوری گمان والے دروازے ہیں مگر جنت کے پھل بے گمان جگہ سے آتے ہیں یا جسے چاہے بے اندازہ روزی دے اور اس کا دنیا و آخرت میں حساب نہ لے۔ میرے اس رزق میں یہ تینوں خوبیاں موجود ہیں۔ قانون میں حساب ہے۔ محبت میں

www.alahazratnetwork.org

حساب نہیں۔ ہوٹل کا کھانا قانون و حساب سے ملتا ہے مگر دوستوں کے گھر دعوت میں بغیر حساب ملتا ہے۔ دنیا عوام کے لئے دکان ہے۔ خواص کے لئے محبوب کا گھر۔ عوام کو حساب سے مل رہا ہے خواص کو بلا حساب میرے پاس بھی یہ رزق ایسی جگہ سے آرہا ہے جو انسان کی عقل و گمان سے باہر ہے۔ یا یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے اور حساب بمعنی گنتی یا حساب آخرت یعنی رب جسے چاہے بے گنتی یا بلا حساب دے۔

خلاصہ تفسیر : حضرت حنہ کی دعا کا یہ نتیجہ ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کی صاحبزادی کو باوجود لڑکی ہونے کے برضا اچھی طرح قبول فرمایا کہ انہیں سارے وہ اوصاف بخشے جن کی حضرت حنہ کو آرزو تھی اور حضرت مریم کو دینی و دنیوی لحاظ سے عمدہ طرح پالا اور پروان چڑھایا کہ انہیں بلا تربیت اور بلا تعلیم اچھے اخلاق، شوق عبادت، پاکدامنی بخشی اور اول سے آخر تک شیطان سے محفوظ رکھا اور اپنے زمانہ کی ساری عورتوں سے انہیں اجمل و اکمل کیا اور ان کی پرورش کا ذمہ دار اور نگہبان ان کے خالو حضرت زکریا نے ان کی کرامت یہ دیکھی کہ وہ جب کبھی حضرت مریم کے پاس مسجد کے اس حصہ میں جاتے جو حضرت مریم کی قیام گاہ تھا تو باوجود مقفل ہونے کے ان کے پاس غیبی بے موسم پھل پاتے۔ ایک دن انہوں نے مریم کی عقل و دانائی آزمانے کے لئے ان سے پوچھا کہ اے مریم تمہارے پاس یہ پھل کہاں سے آتے ہیں جب یہ بازار میں نہیں ملتے، تمہیں کہاں سے مل جاتے ہیں اور تم تک کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ حالانکہ تمہارے پاس صرف میں ہی آتا ہوں اور تم قفل میں رہتی ہو تو انہوں نے اس عمر شریف میں کیا نفیس جواب دیا کہ بلا وسیلہ انسان میرے رب کے پاس سے آتے ہیں اللہ جسے چاہتا ہے بغیر وہم و گمان عطا فرماتا ہے یا بے گنتی اور بے حساب دیتا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت مریم بلکہ تمام گذشتہ اولیاء و انبیاء پر احسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کے دامن سے لوگوں کی تہمتوں کے داغ دھو ڈالے اور ان کے نام دنیا میں چمکا دیئے ورنہ یہود نے حضرت مریم کو بہتان لگا دیئے تھے۔ اسلام کی وسعت قلبی ہے کہ عیسائی یہودی اسلام کو برا کہیں، بانی اسلام کو گالیاں دیں مگر اسلام نے ان کے مانے ہوئے بزرگوں کی گواہیاں دیں۔ ہمیشہ مدعی اپنے گواہ کی تعریف کرتا ہے کہ مقدمہ اس کی گواہی پر جیتتا ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب نبیوں کے گواہ برحق ہیں۔ **انا ارسلنک شاھدا** مگر حیرت ہے کہ وہ لوگ اپنے اس گواہ عظیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہیں۔ اگر حضور سچے نہیں تو ان کے دینوں کتابوں کی حقانیت کیسے ثابت ہوگی۔ انہیں چاہئے کہ اپنے نبیوں کی حقانیت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برحق مانیں۔

واقعہ : حضرت حنہ نے مریم کے پیدا ہوتے ہی انہیں ایک کپڑے میں لپیٹا اور بیت المقدس میں لے گئیں جہاں چار ہزار خدام رہتے تھے (روح البیان) اور ان کے سردار ستائیس یا ستر تھے جن کے امیر حضرت زکریا علیہ السلام تھے۔ (خزائن) چونکہ حضرت عمران بنی اسرائیل کے امام تھے۔ اس لئے ان ستر میں سے ہر ایک نے حضرت مریم کے حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ہر ایک چاہتا تھا کہ ان کی خدمت کا شرف مجھے حاصل ہو۔ زکریا علیہ السلام نے فرمایا کہ ان کا زیادہ مستحق میں ہوں۔ کیونکہ ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں وہ احبار بولے کہ اگر قرابتداری کی بنا پر یہ حق ملتا تو ان کی والدہ کو ملتا۔ اب فیصلہ یہ ہے کہ قرعہ ڈالا جائے جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ انہیں حاصل کرے۔ یہ سب حضرات نہر اردن کی طرف اپنے وہ قلم لے کر چلے جس سے وحی لکھتے تھے اور طے یہ ہوا کہ جس کا قلم پانی میں نہ ڈوبے نہ بہ جائے وہ حضرت مریم کو لے اور جس کا قلم ڈوب جائے یا بہ جائے وہ ان کا

www.alahazratnetwork.org

مستحق نہیں۔ چنانچہ ایسا کیا گیا۔ سب کے قلم ڈوب گئے یا بہ گئے۔ مگر زکریا علیہ السلام کا قلم پانی میں ٹھہرا رہا۔ لہٰذا حضرت مریم کی پرورش انہیں کے سپرد ہوئی۔ بعض روایتوں میں ہے کہ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر دفع ایسا ہی ہوا۔ اسے قرآن کریم نے یہاں فرمایا **وکفلها زکریا** ۔ دوسری جگہ فرمایا **اذ یلقون اقلامهم ایهم یکفل مریم** حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم کے لئے بیت المقدس میں ایک بالا خانہ بنایا جس کا دروازہ بیچ بیت المقدس کے تھا۔ جہاں زینہ کے ذریعہ پہنچ سکتے تھے۔ سوا زکریا علیہ السلام کے وہاں کوئی نہ جاتا تھا۔ صحیح روایت میں ہے کہ حضرت مریم نے کسی عورت کا دودھ نہ پیا اور بچپن میں نہایت فصیح و بلیغ کلام فرمایا۔ اور آپ کی پرورش کی یہ کیفیت تھی کہ آپ ایک دن میں اتنا بڑھتی تھیں جتنا دوسرے بچے ایک سال میں اور آپ کو جنتی پھل ملا کرتے تھے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **وجعلنها وابنها اٰیة للعلمین** ہم نے مریم اور اس کے بیٹے کو سارے جہان کے لئے اپنی قدرت کا نشان بنایا۔

لطیفہ : کل گیارہ بچوں نے گہوارے میں کلام کیا(1) محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (2) حضرت یحیٰی (3) حضرت ابراہیم (4) حضرت عیسیٰ (5) حضرت مریم (علیہم السلام) (6) جریج کی گواہی دینے والا بچہ (7) یوسف علیہ السلام کا گواہ (8) کھائی والوں کا بچہ (9) اس لونڈی کا بچہ جسے زمانہ بنی اسرائیل میں زنا کی تہمت لگائی گئی (10) حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کی خادمہ کا وہ بچہ جسے کھولتے تیل میں جلایا گیا (11) یسود کا وہ بچہ جو اپنے ماں باپ کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صلوٰۃ و سلام عرض کیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت کودک سلم اللہ علیک ۔۔۔ یا رسول اللہ قد جئنا الیک

ان تمام کو شیخ جلال الدین سیوطی نے ان اشعار میں جمع فرمایا۔

تکلم فی المهد النبی محمد ۔۔۔ ویحیی و عیسی والخلیل و مریم
ومبری جریج ثم شاهد یوسف ۔۔۔ وطفل الذی الا خدو یرویه مسلم
طفل علیه مر بالامة التی ۔۔۔ یقال لها تزنی ولا تتکلم
وما شطة فی عهد فرعون طفلها ۔۔۔ وفی زمن الهادی المبارک یختم

لہٰذا اس آیت میں حضرت مریم کی دو کرامتیں بیان ہوئیں۔ جنت کے پھل کھانا اور بچپن میں کلام کرنا اور کلام بھی ایسا عارفانہ کہ سبحان اللہ۔ حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ نے شیر خوارگی میں رمضان کے روزے رکھے۔ لوگ نہیں مانتے مگر یہ کرامت یہاں سے ماخوذ ہو سکتی ہے کہ مقبول لوگ بچپن میں عارف کامل ولی ہوتے ہیں۔ ان سے اس قسم کے کام و کلام ظاہر ہوتے ہیں۔

حکایت : ابو یعلی نے حضرت جابر سے روایت کی کہ ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت خانہ میں کئی دن کھانا نہ پکا۔ جب غلبہ بھوک کا ہوا تو اپنے ازواج کے گھروں میں تشریف لے گئے مگر کسی کے پاس کچھ نہ پایا۔ پھر حضرت خاتون جنت فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لائے اور پوچھا کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے؟ عرض کیا نہیں یا رسول اللہ وہاں سے واپس ہی ہوئے تھے کہ کسی ہمسایہ نے حضرت خاتون جنت کی خدمت میں دو روٹیاں اور کچھ گوشت بھیجا۔ خاتون جنت نے سوچا کہ اگرچہ ہم سب حاجت مند ہیں مگر میں یہ کھانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کروں گی۔ اس خیال سے وہ کھانا ایک

www.alahazratnetwork.org

برتن میں رکھ دیا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو حضور کی خدمت میں بلانے کے لئے بھیجا۔ حضور تشریف لائے۔ حضرت خاتون جنت نے وہ کھانا پیش کیا۔ کھولا تو برتن کھانے سے بھرا پایا۔ آپ حیران رہ گئے۔ حضور علیہ السلام نے پوچھا۔ فاطمہ یہ کہاں سے آیا۔ عرض کیا **هو من عند الله ان الله يرزق من يشاء بغير حساب**۔ حضور علیہ السلام نے تبسم فرمایا اور فرمایا کہ الحمد للہ فاطمہ مریم کے مثل ہے' وہ بھی غیبی کھانا پاکر یہی کہا کرتی تھیں۔ پھر وہ کھانا سب گھر والوں نے کھایا اور محلّے میں تقسیم کیا گیا (روح البیان و معانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کرامات اولیاء حق ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کے ہاتھ پر عجائبات ظاہر فرماتا ہے۔ حضرت مریم سے جو ولیہ تھیں بہت عجائبات ظاہر ہوئے۔ کرامات کا انکار در حقیقت آیات قرآنی اور صدہا احادیث کا انکار ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) قرآن کریم نے مختلف جگہ کرامات اولیاء بیان فرمائیں۔ یہاں بی بی مریم کی کرامات کا ذکر ہوا۔ دوسری جگہ آصف بن برخیا کا آن کی آن میں پلک جھپکنے سے پہلے یمن سے ملکہ بلقیس کا تخت شام میں لا کر حاضر کر دینا۔ ایک جگہ اصحاب کہف کا صدہا سال سونا اور مٹی نے ان کے جسم کا خراب نہ ہونا بیان فرمایا۔ ایک جگہ حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے خشک کھجور کا تر ہونا فوراً "رسیدہ پھل لگ جانا بیان فرمایا جو کھا کر آپ پر ولادت عیسیٰ علیہ السلام آسان ہوئی۔ ایک جگہ حضرت مریم کا بغیر خاوند حاملہ ہونا اور فرشتے سے کلام کرنا بیان فرمایا۔ یہ تمام کرامات اولیاء اللہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ کرامات اولیاء' حالات اصفیاء بیان کرنا' اولیاء اللہ کے مناقب پڑھنا سنت الہیہ ہے۔ ہم لوگ گیارھویں شریف میں اولیاء اللہ کے فضائل و کرامات ہی بیان کرتے ہیں۔ کرامات و ارہاصات کبھی پیدائش سے پہلے ظاہر ہوتے ہیں' کبھی وفات کے بعد' آج بھی اصحاب کہف برابر سو رہے ہیں یہ ان کی کرامت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض حضرات مادرزاد ولی ہوئے ہیں۔ ولایت عبادت پر موقوف نہیں۔ دیکھو حضرت مریم صغر سنی میں ولی تھیں اور یہ کرامات اسی عمر شریف میں آپ سے ظاہر ہوئیں۔ **تیسرا فائدہ:** ولایت نبوت کا سایہ ہے' کبھی اس کا ظہور شروع سے ہوتا ہے' کبھی کچھ عرصہ بعد' جیسے بعض انبیائے کرام کی نبوت کا ظہور چالیس سال کی عمر شریف میں ہوا اور بعض کا پیدائش سے ہی جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام۔ ولایت تین قسم کی ہے۔ وھبی' عطائی' کسبی' حضرت مریم کی ولایت وھبی یعنی خالص عطیہ پروردگار ہے بلاواسطہ انسان۔ **چوتھا فائدہ:** نیک کام میں حرص جائز ہے جیسے کہ حضرت زکریا اور بیت المقدس کے دیگر احبار نے حضرت مریم کے حاصل کرنے میں کی۔ **پانچواں فائدہ:** خالہ کو پرورش کا حق ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے مریم پر اپنا حق پرورش اسی سے ثابت کیا کہ ان کی خالہ میرے نکاح میں ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** مسجد میں رہنا سونا بوقت ضرورت جائز ہے۔ حضرت مریم کی بیت المقدس میں پرورش کی گئی جیسا کہ **كلما دخل عليها زكريا المحراب** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** بزرگوں کی اولاد کی خدمت کرنا نیک بختی کی علامت ہے۔ ہمیشہ سے اس پر عمل رہا۔ بیت المقدس کے خدام نے حضرت مریم کی خدمت کو اسی لئے سعادت سمجھا کہ وہ عمران کی دختر تھیں۔ اسی لئے سادات کرام کی عزت و حرمت ان کی خدمت باعث ثواب ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** قرعہ کے ذریعے فیصلہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ نہر اردن میں قلم ڈالنا قرعہ ہی تو تھا۔ اس سے بہت سی مشکلات حل ہو جاتی ہیں اگر مسلمان بجائے الیکشن کرانے کے قرعہ ڈال لیا کریں' جس کے نام پر قرعہ نکلے وہ ہی ممبری کے لئے کھڑا ہو اکرے' باقی بیٹھ جایا کریں تو بڑی مصیبت دور ہو جائے۔

نوٹ: خیال رہے کہ قرعہ کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے آسان یہ ہے کہ لوگوں کے نام علیحدہ پرچیوں پر لکھ کر ان کی

www.alahazratnetwork.org

گولیاں بنادی جائیں اور کسی ناواقف شخص سے گولی اٹھوائی جائے جس کے نام کی گولی اٹھے وہ ہی مستحق سمجھا جائے۔ **نواں فائدہ:** دعا میں اخلاص کو بڑا دخل ہے۔ حضرت حنہ کے اخلاص نے نہ ہونے والی بات بھی کردی کہ ان کی بیٹی کی نذر ہوئی اور حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام کو رب نے شیطان سے محفوظ رکھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ شیطان ہر بچہ کو پیدائش کے وقت اپنی انگلی سے چوکھیں مارتا ہے۔ جس سے وہ بچہ روتا ہے۔ مگر حضرت مریم اور ان کے فرزند عیسیٰ علیہ السلام اس سے محفوظ رہے (خیال رہے کہ متکلم مستثنیٰ ہوتا ہے حضور علیہ السلام بھی اس سے محفوظ تھے) (کبیر و معانی وغیرہ) **دسواں فائدہ:** اولیاء کو علم لدنی ملتا ہے۔ حضرت مریم رب کی ذات و صفات اور جنت و دوزخ سے پیدائشی باخبر تھیں۔ اسی لئے آپ نے زکریا علیہ السلام کو ایسا نفیس جواب دیا۔ **گیارھواں فائدہ:** بزرگوں کی دعا سے رب تعالیٰ اپنے قانون بدل دیتا ہے۔ دیکھو رب نے حضرت حنہ کی دعا سے اس زمانہ کا شرعی قانون بدل دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش سے بیت المقدس کے قبلہ ہونے کا قانون تبدیل کر دیا۔ حضرت ابراہیم و زکریا علیہم السلام کی دعا سے بانجھ و بوڑھی عورتوں کو اولاد بخشی۔ یہ بھی قانون ولادت کے خلاف ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے آسمان سے روٹی و مچھلی کا دسترخوان آیا حالانکہ آسمان سے پانی آنے کا قانون ہے وہاں سے روٹی آنے کا قانون نہیں۔ حضرت حزقیل و عزیر علیہما السلام کی دعا سے مرے ہوؤں کو زندہ فرمایا صدیوں کے بعد۔ حالانکہ قیامت سے پہلے مردہ زندہ ہونا خلاف قانون ہے معلوم ہوا ؎

نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

بارھواں فائدہ: آج صحابہ کرام و اہل بیت اطہار کو برا کہنے والا ان یہودیوں کی طرح ہے جو حضرت مریم کو مذکورہ بالا فضائل کے ہوتے ہوئے برا کہتے تھے۔ حالانکہ وہ تربیت یافتہ نبی پرورش یافتہ بیت المقدس تھیں۔ ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام صحابہ صحبت یافتہ رسول ہیں اور آپ کی ازواج و اولاد تربیت یافتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور پرورش یافتہ حرمین شریفین ہیں۔ رب تعالیٰ نے مریم کے یہ فضائل یہود کی تردید میں بیان فرمائے۔

پہلا اعتراض: یہاں رزقا سے مراد علم ہے نہ کہ ظاہری پھل وغیرہ (مرزائی) **جواب:** رزق ظاہری کا انکار تفسیر بالرائے ہے' جو حرام ہے۔ مطلق رزق سے کھانا معلوم ہوتا ہے جیسے **یرزقہ من حیث لا یحتسب** یا **نحن نرزقھم و ایاکم** نیز اس کے بارے میں احادیث صحیحہ کثرت سے وارد ہیں۔ عبد اللہ ابن عباس و دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس کی تفسیر پھل سے کی۔ حضرت مجاہد نے اس کی تفسیر علم کی مگر وہ بھی ظاہری رزق کے منکر نہ ہوئے۔ گویا رب تعالیٰ نے مریم کو رزق باطنی یعنی علم اور رزق ظاہر میوے عطا فرمائے۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث پاک میں ہے کہ مسجد سے بچوں اور پاگلوں کو دور رکھو نیز بچوں سے مسجد پلید ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پھر حضرت مریم کو بچپن سے بیت المقدس میں کیوں رکھا گیا اور بیت المقدس کی طہارت کی کیا صورت کی گئی؟ (عام بے دین) **جواب:** یہ بھی حضرت مریم کی کرامت تھی کہ بچپن شریف سے مسجد میں قیام فرمایا مگر مسجد کا فرش وغیرہ خراب نہ ہوا۔ وقت مقررہ پر رفع حاجات ہوتی رہی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت پاک خانہ کعبہ میں ہوئی۔ مگر آپ کی کرامت سے فرش کعبہ پلید نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹنی پر طواف کعبہ کیا مگر اونٹ نے حرم شریف میں نہ پیشاب کیا نہ مینگنیں۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کندھے پر امام حسین اور امامہ

www.alahazratnetwork.org

بنت ابو العاص کو لے کر نماز پڑھی ان دونوں بچوں نے بھی اس حالت میں پیشاب پاخانہ نہ کیا۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت حنہ نے مریم کی پیدائش کے بعد ان کے لئے حفاظت شیطان کی دعا فرمائی اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت مریم کو بوقت ولادت شیطان نہ چھو سکا تو گویا دعا کا اثر دعا سے پہلے ظاہر ہو گیا۔ (مرزائی) **جواب:** بوقت پیدائش حضرت مریم کا شیطان سے محفوظ رہنا فضل رب تھا اور آئندہ بقیہ زندگی میں محفوظ رہنا نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا شیطان سے امن میں رہنا یہ حضرت حنہ کی دعا سے ہوا تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تارک الدنیا ہونا' راہب بن کر عبادت خانوں میں بیٹھنا سلف کا طریقہ ہے پھر مسلمان اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ دیکھو حضرت مریم راہب بنا کر بیت المقدس میں رکھی گئیں (عیسائی) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم پچھلے ادیان میں تھا۔ اسلام میں منسوخ ہو گیا۔ ان پر بھی رب نے پابندی نہ لگائی تھی مگر انہوں نے خود یہ پابندیاں لگا لیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنا علیھم** دوسرے یہ کہ حضرت حنہ نے مریم کو صرف وہاں عبادت کرنے کے لئے رکھا نہ کہ تارک الدنیا ہونے کے لئے چنانچہ ان کی اولاد کے لئے بھی دعا فرمائی۔ تارک الدنیا کے اولاد کیسی؟

تفسیر صوفیانہ: روح اول ظہور میں گویا آدم ہے اور اپنے دوسرے ظہور میں گویا نوح۔ دل گویا ابراہیم ہے جسے نمرود نفس نے شہوتوں ہی کو بچپن سے فتنوں کی آگ میں ڈالا اور روحانی قوتیں گویا آل ابراہیم ہیں۔ عقل گویا عمران ہے جو جسم کے بیت المقدس میں امام ہے اور اس عمران عقل کی زوجہ نے کہا کہ مولیٰ میں اپنی اندرونی چیز کو شہوات تعلق سے آزاد کروں گی اور اسے تیری عبادت میں ماسوی اللہ سے بچاؤں گی۔ رب تعالیٰ نے اس کی یہ نذر قبول فرمائی اور اسے مخلوق کی نگاہوں سے بچایا کہ اس کو سوائے زکریا کے کوئی نہ پا سکا اور پھر اسے قدرتی پانی سے سینچ کر خوب ہرا بھرا کیا۔ جس میں نبوت و ولایت کے پھل لگے اور پھر زکریا یعنی شیخ طریقت کو اس کا مربی بنایا جب بھی وہ شیخ اس کے پاس محراب سینہ میں جاتا ہے تو وہاں رزق روحانی یعنی علم و حکمت معرفت و حقیقت کے پھل پاتا ہے تو شیخ پوچھتا ہے کہ اے مریم نفس مطمئنہ تیرے پاس یہ پاک و صاف رزق کہاں سے آیا وہ عرض کرتی ہے **من عند اللہ۔** اللہ کے پاس سے۔ کیونکہ رزق جسمانی بندوں کے ذریعہ ملتا ہے مگر رزق روحانی رب کا خاص عطیہ ہے۔ ابن ابی حاتم نے حضرت مجاہد سے نقل کیا کہ یہاں رزق سے مراد علم و حکمت ہے (روح المعانی)

دوسری تفسیر: عقل گویا عمران ہے اور نفس منہ عمران کی زوجہ۔ نفس مطمئنہ نے نذر مانی کہ مولیٰ جو کچھ میرے شکم میں ہے یعنی قلب میں اسے مخلوق کی اطاعت سے آزاد رکھوں گی مگر جب لڑکی جنی یعنی نفس ملہمہ تو رب کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ یہ تو لڑکی ہوئی مگر رب جانتا ہے کہ یہ لڑکی یعنی اطاعت شعار نفس عجیب و غریب شئی ہے اس سے عجیب آثار نمودار ہوں گے یہ حامل اسرار الٰہیہ ہو گی۔ اس نفس ملہمہ کا نام مریم یعنی عابدہ رکھا گیا عرض کیا کہ مولیٰ میں اسے شیطان یعنی شہوات نفسانیہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ یہ شہوات ہی نفس کو باغ قدس سے محروم رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسے قبول کیا اور اس پر نورانی بارشیں برسائیں اور اسے اچھی طرح پرورش فرمایا کہ اسے دنیاوی جھگڑوں سے محفوظ رکھ کر اپنے قرب خاص کے بیت المقدس میں جگہ بخشی اور زکریا یعنی استعداد کامل کو اس کا ذمہ دار بنایا۔ جب یہ زکریا نفس کے پاس مسجد قلب میں جاتا تو اس کے پاس روحانی غذا عالم ملکوت والی پاتا تو پوچھتا کہ یہ رزق معنوی تیرے پاس سے کہاں سے آیا۔ وہ عرض کرتی رب کے پاس سے۔ اس

www.alahazratnetwork.org

رزق علم کو نہ فکر نے پیدا کیا نہ اس کا موجد انسان ہے بلکہ خاص ربانی رزق ہے اللہ تعالیٰ اپنا علم بقدر قابلیت و استعداد بغیر حساب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ وہ جواد و وہاب ہے (روح المعانی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حسن ذاتی کے ساتھ اگر حسن خارجی بھی جمع ہو جائے تو نور پر نور ہو جاتا ہے۔ حضرت مریم خود نبوت کے خاندان سے تھیں۔ رب کی مقبول، جنتی میوے کھانے والی۔ مگر جب حضرت زکریا کی پرورش اور بیت المقدس میں رہائش بھی میسر ہو گئی تو آپ کا کمال لازوال بفضل رب ذوالجلال اور بھی اعلیٰ و اکمل ہو گیا۔ پھر بعد میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ بننے کے شرف نے ان کی عزت و عظمت کو اور چار چاند لگا دیئے۔ اسی لئے ان کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **اصطفک علی نساء العلمین** اے مریم ہم نے تم کو جہان بھر کی عورتوں میں منتخب فرمایا اور چن لیا۔ آج بھی جسے ذاتی کمال کے ساتھ بیرونی کمال بھی مل جائے وہ بہت خوش نصیب ہے۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کی صحبت کی برکت سے کلیم اللہ ہونے کے لائق ہو گئے۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ

اس جگہ دعا کی زکریا نے رب اپنے سے عرض کیا اے رب میرے دے واسطے میرے پاس سے اپنے اولاد

یہاں پکارا زکریا نے اپنے رب کو بولا اے رب میرے مجھے اپنے پاس سے دے ستھری اولاد بیشک

اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٨﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي

پاک تحقیق تو سننے والا ہے دعا کا پس پکارا ان کو فرشتوں نے حالانکہ وہ کھڑے ہوئے نماز پڑھتے

تو ہی ہے دعا سننے والا تو فرشتوں نے اسے آواز دی اور وہ اپنی نماز کی جگہ نماز پڑھ رہا تھا بے شک

الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ

تھے بیچ محراب کے تحقیق اللہ خوشخبری دیتا ہے آپ کو ساتھ یحییٰ کے تصدیق کرنے والے کلمہ کی طرف

اللہ آپ کو مژدہ دیتا ہے یحییٰ کا جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرے گا اور سردار اور ہمیشہ

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٣٩﴾

سے اللہ کے اور سردار اور عورتوں سے بچنے والے اور نبی نیکوں میں سے ۞

کیلئے عورتوں سے بچنے والا اور نبی ہمارے خاصوں میں سے ۞

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت مریم کی کرامت کا ذکر تھا یعنی بے موسم پھل ملنا اب حضرت زکریا کے ایک معجزہ کا ذکر ہے یعنی بے موسم اولاد ملنا۔ اولاد بھی ایک قسم کا پھل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ولادت مریم کا عجیب واقعہ ذکر کیا گیا۔ اب یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کا انوکھا قصہ بیان ہو رہا ہے گویا

ایک عجیب بات کے ساتھ دوسری عجیب چیز کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں پیدائش حضرت مسیح کی تمہید تھی اب ولادت یحییٰ علیہ السلام کا قصہ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بادشاہ ہیں۔ یحییٰ علیہ السلام ان کے وزیر۔ چونکہ وزیر بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں یحییٰ علیہ السلام بھی ساری عمر عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے اس لئے ان کا قصہ بھی ساتھ ہی بیان کیا گیا۔

تفسیر: ھنالک دعا زکریا ربہ: ھنالک ظرف مکان ہے۔ لام بعد کے لئے ہے اور کاف خطاب کا۔ اس پورے لفظ کے معنی ہوتے ہیں۔ اس جگہ چونکہ یہ اپنے عامل دعا سے پہلے آیا۔ لہذا حصر کے معنی حاصل ہوئے یعنی اس ہی جگہ۔ کبھی مجازاً" زمانہ اور وقت کے لئے بھی بولا جاتا ہے (اس ہی وقت) خیال رہے کہ عند اور حین وقت کے لئے آتے ہیں اور ھنالک حقیقتاً جگہ کے لئے اور مجازاً" وقت کے لئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فغلبوا ھنالک اور فرماتا ہے ھنالک الولایۃ للہ پہلا ھنالک جگہ کے لئے ہے اور دوسرا وقت کے لئے۔ یہاں حقیقی معنی مراد ہیں۔ اس سے حضرت مریم کی قیام گاہ ہے جہاں زکریا علیہ السلام نے ان سے گفتگو فرمائی تھی۔ دعا۔ دعاء سے ہے۔ بمعنی پکارنا یا دعا کرنا یعنی اس جگہ جہاں حضرت مریم سے ان کی یہ گفتگو ہوئی۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے رب سے یہ دعا کی یا پکار۔ اور ہو سکتا ہے کہ مجازی معنی مراد ہوں یعنی جواب سنتے ہی اسی وقت یہ دعا کی۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں معنی مراد ہوں۔ بطریق عموم مجاز یعنی حضرت زکریا نے اسی وقت اسی جگہ یہ دعا کی۔ حصر سے معلوم ہوا کہ آپ نے مسجد کے منبر یا مسجد امام یا کسی اور گوشہ میں یہ دعا نہ کی بلکہ اس حصہ میں دعا کی جو بی بی مریم کی قیام گاہ تھا کہ یہاں مریم کے قیام کے سبب دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔ آج حجاج روضہ رسول کے پاس مواجہ میں کھڑے ہو کر زیادہ دعائیں مانگتے ہیں۔ بعض مسجدوں میں بزرگوں کے مزارات یا ان کی عبادت گاہیں ہوتی ہیں۔ وہاں زیادہ دعا مانگی جاتی ہے ان سب اعمال کی دلیل یہ آیت کریمہ اور حضرت زکریا کا عمل ہے۔ **قال رب ھب لی من لدنک ذریۃ طیبۃ** یہ دعا کی شرح ہے۔ ھب۔ ھبۃ سے بنا بمعنی بلا معاوضہ بطور احسان دینا۔ یہاں بغیر ظاہری اسباب دینا مراد ہے۔ لی اور من لدن دونوں ھب کے متعلق ہیں۔ لدن بمعنی عند آتا ہے چونکہ انہوں نے بے وقت یعنی بڑھاپے میں اولاد مانگی تھی۔ اس لئے من لدنک عرض کیا۔ نیز طیب طاہر ستھری اولاد مانگی تھی جس میں عقیدہ، عمل، عبادت کسی چیز میں نقص نہ ہو۔ اس لئے من لدنک عرض کیا یعنی ایسا صاف ستھرا بیٹا دے جو تیرا عطیہ تحفہ کہلانے کا مستحق ہو جسے دیکھ کر تو یاد آجایا کرے۔ ورنہ ہر چیز رب ہی کی طرف سے ہے ذریۃ بمعنی نسل آتا ہے اس کی لغوی تحقیق ہم پہلے کر چکے ہیں یہ واحد جمع مذکر مونث سب ہی پر بولا جاتا ہے (روح المعانی) یہاں بمعنی ایک فرزند ہے کیونکہ زکریا علیہ السلام کے صرف یحییٰ علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کی نسل نہ چلی۔ جیسا کہ حصورا" سے معلوم ہو گا۔ چونکہ ذریۃ لفظ مونث ہے اس لئے اس کی صفت مونث لائی گئی۔ کیونکہ کبھی اسم جنس میں لفظ کا لحاظ ہو جاتا ہے ہاں علم میں معنی کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ لفظ کا۔ لہذا جاءت طلحۃ نہیں کہہ سکتے۔ (روح المعانی و کبیر) طیبۃ سے مراد پاک ہے۔ یا متقی پرہیزگار یا صالح و دیندار جس کے اخلاق اور اعمال عیوب سے پاک و صاف ہوں یعنی اے اللہ مجھے اپنی قدرت سے بغیر عادی واسطہ کے ایک مبارک نیک صالح فرزند عطا فرما اس میں اپنی نیت کا اظہار ہے کہ مولیٰ میں یہ بچہ کسی دنیاوی مقصد کے لئے نہیں مانگتا۔ بلکہ طیب و ستھرا مانگتا ہوں **انک سمیع الدعا** یہ جملہ دعا کا خاتمہ ہے اور سمیع سے مراد قبول فرمانے والا ہے۔ رب تعالیٰ سنتا سب کی ہے مگر کسی کی مردودیت و غضب کے

www.alahazratnetwork.org

ساتھ، کسی کی لاپرواہی سے کسی کی توجہ کرم و قبولیت سے **الدعا** میں الف لام عہدی ہے یعنی اس قسم کی دعائیں سنتا ہے جو شرائط وارکان اخلاص واضطراب دل کے ساتھ ہو۔ نماز کی طرح دعا کے بھی ارکان و شرائط جگہ وقت ہیں۔ جو دعا ان سب کی جامع ہو وہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ اس جملہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی ہے کہ انہوں نے فرمایا تھا **الحمد للہ الذی وھب لی علی الکبر اسمعیل و اسحق ان ربی لسمیع الدعاء** چونکہ بزرگوں کے الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے اس لئے آپ نے یہ کلمات بھی عرض کر دیئے یعنی اے اللہ تو دعا قبول فرمانے والا ہے تیرے در سے میں ناامید کیوں پھروں۔ **فنادتہ الملئکۃ** پچھلی آیت میں زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا۔ اب قبول دعا کا تذکرہ ہے۔ اس دعا کے وقت حضرت مریم بالکل نوعمر تھیں اور حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے صرف چھ ماہ پیشتر ہے۔ یہ خوشخبری آپ کو دعا کے بعد فوراً" دی گئی مگر اس کا ظہور عرصہ بعد ہوا۔ اس ندا میں حضرت زکریا علیہ السلام کی عظمت کا اظہار ہے۔ ملائکہ سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ جمع تعظیماً" ہے یا چونکہ ان کے ساتھ اکثر فرشتوں کی جماعت رہتی ہے یا وہ فرشتوں کے سردار ہیں۔ اس لئے ایک کا کام سب کی طرف نسبت کر دیا گیا۔ بعض قراتوں میں **فنادتہ الملئکۃ** ہے۔ عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ملائکہ کو مذکر بولو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الذین لا یؤمنون بالاخرۃ لیسمون الملئکۃ تسمیۃ الانثی** مگر عام قراءت میں **فنادتہ** ہے اور یہ تانیث ملائکہ کی جمعیت کی وجہ سے ہے یعنی پس زکریا علیہ السلام کو فرشتوں نے آواز دی۔ **وھو قائم یصلی فی المحراب** عام مفسرین فرماتے ہیں کہ واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **فنادتہ** کی ضمیر مفعول سے حال ہے **ھو** کا مرجع زکریا علیہ السلام ہیں۔ **یصلی** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دین میں نماز تھی اور ظاہر یہ ہے کہ ان کی نماز بھی اسلامی نماز کی طرح اعمال اور اقوال کا مجموعہ تھی۔ بعض نے فرمایا کہ ان کی نماز میں صرف قیام تھا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد فقط دعا ہے مگر پہلی تفسیر نہایت قوی ہے کہ آپ نماز میں مشغول تھے اور حالت قیام میں تھے کہ یہ آواز آئی۔ محراب کی لغوی تحقیق پہلے ہو چکی۔ یہاں یا تو مسجد مراد ہے یا امام کے کھڑے ہونے کی جگہ یا حضرت مریم کا حجرہ یہی قوی ہے۔ آپ نماز حضرت مریم کی قیام گاہ میں پڑھتے تھے کہ ولیہ کی قرب سے نماز قبولیت سے قریب تر ہو۔ اب بھی بزرگوں کے مزارات کے پاس مسجدیں بنائی جاتی ہیں کہ مسجدیں ان مقبول بندوں کے قرب سے اعلیٰ و افضل ہوں۔ اصحاب کہف کے غار پر مسجد بنائی گئی **لنتخذن علیھم مسجدا** مسجد نبوی شریف میں نماز کیوں افضل ہے اس لئے کہ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب میسر ہے۔ ان سب کی اصل یہ آیت ہے کہ آپ دعا مانگ کر خود مریم کے پاس کھڑے ہو کر نماز پڑھتے تھے یعنی فرشتوں نے انہیں اس حال میں آواز دی جب وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے **ان اللہ یبشرک بیحیی** یہ اس ندا کا بیان ہے۔ **یبشر** بشارت سے ہے بمعنی خوشخبری چونکہ خوشخبری کا اثر بشرہ یعنی چہرہ پر ہوتا ہے کہ انسان کو ہنسی آجاتی ہے اس لئے اسے بشارت کہتے ہیں۔ **بیحیی** کی ب یا صلہ کی ہے یا استعانت کی۔ یہ لفظ یا تو عجمی ہے یا بوجہ عجمی اور علم ہونے کے غیر منصرف ہے یا عربی ہے اور وزن فعل و علمیت کی وجہ سے غیر منصرف۔ اس صورت میں یہ حیات سے بنے گا بمعنی زندگی۔ چونکہ ان کے ذریعہ ان کی بانجھ ماں کو زندگی یعنی شفا دی گئی یا چونکہ رب تعالیٰ نے شروع ہی سے ان کے قلب کو ایمان کے ذریعہ زندگی بخشی یا چونکہ رب تعالیٰ کے علم میں ان کی شہادت تھی اور شہید زندہ ہیں یا چونکہ انہوں نے علم و حکمت کے ذریعہ ایک مخلوق کو روحانی حیات بخشی یا چونکہ یہ پیدائشی نبی تھے اور نبوت ایک قسم کی زندگی ہے اس لئے انہیں یحییٰ کہا جاتا ہے آپ کا اسم شریف پچھلے صحیفوں

www.alahazratnetwork.org

میں حیا تھا اور انجیل شریف میں یوحنا اور لقب معمدانی اور قرآن شریف میں یحیٰی (روح المعانی) یعنی رب تعالیٰ تمہیں یحیٰی علیہ السلام کی یا ان کے ذریعہ خوشخبری دیتا ہے کہ تمہارے ایک فرزند ہوگا جس کا نام ہم نے یحیٰی رکھ دیا ہے۔ خیال رہے کہ ہمارے بچوں کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں وہ بھی پیدائش سے ساتویں دن مگر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اور حضرت یحیٰی کا نام خود رب تعالیٰ نے رکھا' وہ بھی ولادت سے بہت پہلے۔ نیز ہمارے بچوں کے نام کبھی خلاف کام بھی ہوتے ہیں۔ تمام نام صحیح نہیں ہوتے غلط بھی ہوتے ہیں' کالے آدمی کا نام یوسف خاں' بزدل کا نام شیر بہادر' جاہل کا نام محمد فاضل' بہرے کا نام سمیع اللہ خاں' اندھے کا نام نور اللہ خان رکھ دیا جاتا ہے مگر رب تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام بالکل صحیح اور کام کے مطابق ہوتے ہیں۔ دیکھو رب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد رکھا یعنی بہت سراہا ہوا تعریف کیا ہوا۔ آج بھی اس نام کی بہار دیکھی جا رہی ہے کہ ہر جگہ ہر وقت ہر زبان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں ہو رہی ہیں۔ رب نے ان کا نام یحیٰی رکھا یعنی زندگی بخشنے والے یا زندہ جاوید رہنے والے یہ نام ان پر بہت ہی سجا۔ اب تک وہ زندہ ہیں اور تا قیامت زندگی بخشیں گے۔ **مصدقا بکلمۃ من اللہ۔** **مصدقا** یحیٰی کا حال ہے کلمہ بات کو کہتے ہیں چونکہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد لفظ کن سے پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کا لقب کلمۃ اللہ ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون۔** **من اللہ** کلمہ کی صفت ہے اور **کائنۃ** پوشیدہ کا متعلق اگرچہ دیگر لوگوں نے بھی عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی مگر چونکہ یحیٰی علیہ السلام نے بچپن شریف بلکہ حمل شریف ہی سے تصدیق فرمائی۔ اس لئے **مصدقا** فرمایا گیا یعنی تصدیق کرنے والے ہیں کلمۃ اللہ علیہ السلام کی۔ بعض لوگوں نے کلمۃ اللہ کے معنی انجیل شریف کئے ہیں مگر یہ نہایت ضعیف سی بات ہے۔ **وسیدا و حصورا** سید سود یا سولو سے بنا۔ سود بمعنی جماعت اور سواد بمعنی سیاہی بلکہ بڑی جماعت کو بھی سواد اسی واسطے کہتے ہیں کہ اس سے میدان سیاہ ہو جاتا ہے۔ سید وہ ہے جو سواد یعنی بڑی جماعت کا متولی و سردار ہو یا تو اس سے مراد کریم ہے یا حلیم یا متقی یا شریف یا فقیہ عالم یا رب کے فرمان پر راضی یا سردار۔ بعض اہل لغت نے اس کے معنی ہمت والا اور مالک بھی کئے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **والفیا سیدھا لدا الباب** یہاں سید کے معنی مالک یا خاوند ہیں کہ عزیز مصر زلیخا کا خاوند تھا۔ سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ سید وہ جو کسی پر حسد نہ کرے اور ابو اسحاق نے فرمایا کہ سید وہ جو علم اور تقویٰ میں اپنی قوم سے افضل ہو۔ اب اصطلاح میں ہر دینی یا دنیوی فوقیت رکھنے والے کو سید کہتے ہیں (روح المعانی) چونکہ یحیٰی علیہ السلام میں یہ ساری صفتیں تھیں اس لئے انہیں سید فرمایا گیا۔ بعض لوگوں نے فرمایا کہ آپ نے کبھی کوئی خطا نہ کی (روح البیان) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ آپ نے کبھی کسی پر غصہ نہ کیا۔ اس لئے رب نے آپ کو سید فرمایا۔ **حصور** حصر سے بنا بمعنی روکنا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے اصطلاح میں حصور وہ ہے جو قدرت کے باوجود محض زہد و تقویٰ سے عورتوں کے پاس نہ جائے۔ نامرد حصور نہیں۔ کیونکہ یہ عیب ہے نہ کہ خوبی (عام تفاسیر) خیال رہے کہ عنین' خصی' مجبوب اور حصور یہ چار لفظ ہیں جن کے مختلف معنی ہیں۔ عنین وہ جس کے اعضاء تناسل سب درست ہوں مگر کمزوری کی وجہ سے قابل جماع نہ ہو۔ خصی وہ جس کے خصیے نہ ہوں اور مجبوب وہ جس کے خصیے تو ہوں مگر ذکر کٹا ہو۔ لیکن حصور وہ ہے جس کے پاس اعضاء اور طاقت سب کچھ ہو محض زہد کی بنا پر عورتوں سے الگ رہے اور اپنے نفس کو شہوت سے دور رکھے۔ جن لوگوں نے ان کے معنی نامرد کئے سخت غلطی کی۔ کیونکہ انبیائے کرام اس مرض سے پاک ہوتے ہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حصور وہ جو اپنے آپ کو ساری نفسانی خواہشات

www.alahazratnetwork.org

سے روکے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اس لئے پیدا نہیں کیا گیا کہ تمہیں دنیا سے روکوں یہ معنی ہیں حصور کے (معانی و کبیر وغیرہ) روح البیان نے فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام نے نکاح کیا تھا۔ واللہ اعلم۔ **ونبیا " من الصلحین** اوصاف خصوصی کے بعد اب ان کی صفت عامہ کا ذکر ہے یعنی آپ انبیائے کرام کی جماعت سے اور معصوم ہوں گے یا خاندانی پیغمبر ہوں گے۔ اس طرح کہ آپ خود نبی' آپ کی والدہ کے خالو نبی' آپ کے بھانجے یحییٰ علیہ السلام نبی' مقبول الدعاء' خود والدہ کامل ولیہ' نانی صاحبہ اللہ کی ولیہ' نانا نہایت ہی مقبول خدا اولی' بنی اسرائیل کے سردار۔ خاندانی شرافت اور صالحین میں سے ہونا بھی رب تعالیٰ کی رحمت ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباء و اجداد' ماں' دائی وغیرہ تمام ہی صالحین سے ہیں۔ اس کی پوری بحث پہلے پارے میں گذر گئی۔ اگرچہ نبوت میں بھی صلاح و تقویٰ داخل تھا مگر یہاں اس صلاح سے نبوت کے علاوہ دیگر خوبیاں مراد ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نبی ہونے کے باوجود دعا کی تھی **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصلحین**۔

خلاصہ تفسیر : جب زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کی یہ کرامت دیکھی کہ ان کے پاس بے موسم جنتی میوے آتے ہیں اور حضرت مریم کا وہ دل خوش کن جواب سنا تو قدرتی طور پر آپ کے دل میں فرزند کا شوق پیدا ہوا اور خیال فرمایا کہ جو مریم کو بے موسم میوے دینے پر قادر ہے اور جو خدمت بیت المقدس کے لئے بجائے لڑکے کے لڑکی اور بجائے جوان کے بچی کو قبول فرمالیتا ہے اور جو حضرت مریم کو لڑکپن میں بولنے کی طاقت دیتا ہے اور جو بغیر گمان رزق دینے پر قادر ہے وہ مجھ بوڑھے کو میری بانجھ بیوی سے اولاد بخشنے پر بھی قادر ہے۔ چنانچہ اسی وقت اور اسی جگہ جہاں حضرت مریم سے یہ گفتگو ہوئی تھی انہوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ یہ دعا محرم کی ستائیس تاریخ کو ہوئی (روح المعانی) عرض کیا کہ اے مولا مجھے اس بڑھاپے میں خاص اپنی طرف سے ایک پاک و ستھرا بیٹا عطا فرما تو دعاؤں کا قبول فرمانے والا ہے جب تو نے حنہ کی دعا قبول کی تو میری دعا کو بھی ضرور قبول فرمائے گا۔ آپ بہت بڑے عالم تھے اور بارگاہ الٰہی میں قربانیاں آپ ہی پیش فرمایا کرتے تھے۔ مسجد شریف میں آپ کے بغیر اجازت کوئی داخل نہ ہو سکتا تھا۔ آپ ایک دن مسجد میں نماز میں مشغول تھے اور باہر لوگ اجازت کے منتظر تھے۔ دروازہ بند تھا کہ اچانک آپ نے ایک سفید پوش جوان دیکھا۔ وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے۔ انہوں نے آپ کو اس حال میں خوشخبری دی کہ اے زکریا تمہاری دعا قبول ہوئی۔ رب تعالیٰ تمہیں ایک صالح متقی بیٹا عطا فرمائے گا جس کا نام یحییٰ ہے وہ بہت سی خوبیوں کا مالک ہو گا (1) وہ کلمۃ اللہ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی پر زور تصدیق کرے گا۔ اس طرح کہ انہیں سچا کہے گا یا سچا کرے گا یا سچا کہلوائے گا سچا کرے گا۔ اس طرح کہ ان کے متعلق عیسیٰ علیہ السلام جو پیش گوئیاں فرمائیں گے ویسے ہی آپ پر ان کا ظہور ہو گا۔ آپ کی ذات' آپ کی صفات' آپ کے احوال جناب مسیح کو سچا کر دکھائیں گے یا بچپن شریف ہی سے انہیں سچا کہیں گے یا لوگوں میں ان کے دین کی تبلیغ کر کے لوگوں کو دین مسیحی میں داخل کریں گے۔ چونکہ حضرت مسیح کی پیدائش حضرت جبرائیل کے کلمہ کن سے ہوئی یا آپ ایک کلمہ کہہ کر لوگوں کو شفا' مردوں کو زندہ کر دیتے تھے یا آپ کے منہ سے جو بات نکلتی تھی حق ہوتی تھی اور جیسا کہ آپ کہتے تھے ویسا ہی ہوتا تھا گویا آپ کی گفتگو کلمۃ اللہ ہوتی تھی اس لئے آپ کا لقب کلمۃ اللہ ہوا۔ (2) مومنوں کا سردار ہو گا (3) ہمیشہ عورتوں سے پرہیز کرے گا کہ زہد اور تقویٰ اور یاد الٰہی میں مشغول ہو کر عورتوں کی طرف توجہ نہ کرے گا۔ نبی ہو گا اور رب تعالیٰ کے خاص نیکوں میں سے ہو گا۔ خیال رہے کہ اس وقت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور ان کی بیوی صاحبہ کی عمر اٹھانوے سال۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس بشارت اور اس کے ظہور میں تقریباً" تیرہ یا انیس سال کا فاصلہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کیونکہ یہ دعا اور بشارت حضرت مریم کے لڑکپن میں ہوئی اور یحییٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم کی عمر شریف تیرہ سال یا 20 سال تھی (روح المعانی و خزائن وغیرہ) تفسیر خازن و خزائن میں ہے کہ ایک دن حضرت ایشاع یحییٰ علیہ السلام کی والدہ نے حضرت مریم سے کہا کہ میں حاملہ ہوں انہوں نے کہا میں بھی۔ ایشاع بولیں کہ اے مریم جب میں تمہارے پاس آتی ہوں تو میرے پیٹ کا بچہ تمہارے پیٹ کے بچے کو سجدہ کرتا ہے۔ یہ مصدقاً کے معنی ہیں۔ خیال رہے کہ یحییٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے چھ ماہ پیشتر شہید کیے گئے اور میرودس یہودی نے آپ کو شہید کیا (تفسیر روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ)

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** وہ دعائیں بہت جلد قبول ہوتی ہیں جو بزرگوں سے منقول ہوں کیونکہ ان الفاظ میں تاثیر ہوتی ہے۔ زکریا علیہ السلام نے ان الفاظ سے دعا مانگی جو ابراہیم علیہ السلام سے منقول تھے۔ **دوسرا فائدہ:** اولیاء اللہ کے قرب میں دعا جلد قبول ہوتی ہے جیسا کہ **ھنالک** سے معلوم ہوا کیونکہ زکریا علیہ السلام نے اللہ کی ولیہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش آتی ہے تو میں فلسطین سے چل کر امام ابو حنیفہ کی قبر پر بغداد شریف آتا ہوں اور دو رکعت پڑھ کر ان کی قبر شریف کے پاس دعا مانگتا ہوں تو میری حاجت بہت جلد پوری ہوتی ہے۔ (مقدمہ شامی فضائل ابو حنیفہ) بلکہ شامی میں اسی جگہ ہے کہ امام شافعی امام ابو حنیفہ کے مزار پر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) جب حاضری دیتے تو نماز میں نہ بسم اللہ جہر سے پڑھتے تھے نہ قنوت نازلہ۔ محض امام صاحب کے ادب کی وجہ سے۔ **تیسرا فائدہ:** نزول رحمت کے وقت دعا مانگنا سنت انبیاء ہے۔ دیکھو حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم کے پاس بے موسم پھل دیکھ کر دعا کی۔ حدیث شریف میں ہے کہ بارش کے وقت دعا مانگو کہ یہ نزول رحمت کا وقت ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اکیلے آدمی کو محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا جائز ہے جیسا کہ **یصلی فی المحراب** سے معلوم ہوا۔ حدیث شریف میں جو ممانعت ہے وہ جب ہے کہ اکیلا امام محراب میں ہو اور قوم باہر۔ **پانچواں فائدہ:** مسجدوں میں محراب بنانا جائز ہے بلکہ سنت انبیاء کہ زکریا علیہ السلام کے زمانہ میں بیت المقدس میں محراب تھی جیسا کہ **فی المحراب** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** انبیائے کرام کی نعت بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ رب تعالیٰ نے اس آیت میں یحییٰ علیہ السلام کی پانچ صفتیں بیان کیں: مصدق، سید، حصور، نبی اور من الصلحین۔ **ساتواں فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے فقط کلمہ کن سے پیدا ہوئے جیسا کہ **بکلمۃ من اللہ** سے معلوم ہوا۔ اس کی زیادہ تحقیق انشاء اللہ سوال و جواب میں کی جائے گی۔ **آٹھواں فائدہ:** نماز میں فرشتوں کی بات سننا اور ان سے کلام کرنا یا رب سے عرض معروض کرنا نماز کو فاسد نہیں کرتا۔ جس کلام سے نماز فاسد ہوتی ہے وہ لوگوں سے کلام ہے۔ دیکھو زکریا علیہ السلام کو ملائکہ نے بحالت نماز ہی پکارا۔ اور آپ نے نماز ہی میں جواب بھی دیا جس کا ذکر اگلی آیت میں ہے بلکہ حاشیہ بخاری سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کرنا بھی نماز کو فاسد نہیں کرتا ہے۔ التحیات میں پڑھا جاتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** حالانکہ کسی کو سلام کرنا بھی مفسد نماز ہے۔ **نواں فائدہ:** غیر خدا کو سید کہہ سکتے ہیں۔ سید وہ جس کی اطاعت واجب ہو۔ رب تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کو سید فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن معاذ کو انصار کا سید اور عمر ابن جموح کو بنی سلمہ کا سید اور امام حسن کو سب کا

www.alahazratnetwork.org

سید فرمایا۔ رضی اللہ عنہم۔ ہاں بے دینوں اور منافقوں کو سید کہنا منع ہے۔ جس حدیث میں اس کی ممانعت ہے اس کا یہی مطلب ہے۔ حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) **لا تقولوا للمنافق سیدا** ۔ منافق کو سید نہ کہو (احکام القرآن) لہٰذا روافض، دیوبندی، قادیانی سید تو کیا مسلمان ہی نہیں۔ دسواں فائدہ: نبی کی تصدیق ان کے دین کی تبلیغ رب کی اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے۔ جسے یہ خدمت ملے وہ بہت ہی خوش نصیب ہے۔ دیکھو رب نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی پہلی صفت بیان فرمائی۔ **مصدقا** " الخ۔ جب کلمۃ اللہ کی تصدیق کرنے کا یہ درجہ ہے تو حبیب اللہ کی تصدیق کرنے کی شان جو ہوگی وہ ہمارے خیال سے وراء ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے۔ گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بعض مقبول بندوں کو علم غیب خصوصاً" علوم خمسہ بخشتا ہے۔ دیکھو ماں کے پیٹ میں کیا ہے اور اس بچے کے حالات کیا ہوں گے؟ کس حال میں جئے گا؟ کس حال میں مرے گا۔ یہ تمام چیزیں علوم خمسہ سے ہیں مگر تعلیم الٰہی سے یہ سب باتیں فرشتوں کی معرفت زکریا علیہ السلام کو بھی معلوم ہوئیں۔ جب حضرت ایشاع حاملہ تھیں تو زکریا علیہ السلام کو پتہ تھا کہ اس حمل میں لڑکا ہے یہ بھی پتہ تھا کہ یہ لڑکا ان صفات کا جامع ہوگا ایمان پر قائم رہے گا بلکہ ایمان بخش ہوگا۔ یہ تمام چیزیں علوم خمسہ سے ہیں ہمارے حضور نے حضرت حسین کے صالح و شہید ہونے کی خبر پہلے سے دی۔ بدر میں جنگ سے ایک دن پہلے بتا دیا کہ کل یہاں فلاں کافر مارا جائے گا اور یہاں فلاں۔ یہ ہیں مقبولوں کے علوم خمسہ۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ نوافل میں مشغولیت نکاح سے افضل ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ یحییٰ علیہ السلام کی تعریف میں **حصورا** " فرمایا اور حصور وہی ہے۔ جس میں نکاح کی قدرت ہو مگر مشغولیت عبادت کی وجہ سے نکاح نہ کرے پھر حنفی نکاح کو نوافل سے افضل کیوں کہتے ہیں (شافعی) جواب: اس کے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ یہ حکم اس شریعت میں تھا۔ ہماری شریعت میں نہیں۔ ورنہ لازم آئے گا کہ یحییٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے نکاح کئے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الانبیاء ہیں تو حضور علیہ السلام کا ہر فعل دیگر انبیاء کرام کے ہر فعل سے افضل ہوگا۔ لہٰذا نکاح کرنا نہ کرنے سے افضل۔ دوسرے یہ کہ ترک نکاح اس زمانہ میں بھی حکم شرعی نہ تھا۔ یحییٰ علیہ السلام نے بذات خود ادھر رغبت نہ فرمائی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم** ترک دنیا اہل کتاب نے خود ایجاد کیا ہم نے ان پر لازم نہ کیا تھا۔ تیسرے یہ کہ تفسیر خازن و روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ یحییٰ علیہ السلام نے نکاح تو کیا مگر نکاح کے لوازمات میں زیادہ مشغول نہ ہوئے۔ نکاح اور چیز ہے اور اس میں مشغولیت دوسری چیز۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان سے واپس تشریف لا کر نکاح کریں گے اور صاحب اولاد ہوں گے۔ حصور کے معنی ہیں نفس کو شہوت سے روکنے والا۔ دوسرا اعتراض: کیا حضرت مریم کے پاس پھل دیکھ کر زکریا علیہ السلام کو خدا کی قدرت کا علم ہوا اس سے پہلے نہ تھا؟ اگر تھا تو **ھنالک** کے کیا معنی؟ (مرزائی) جواب: پہلے علم تو تھا اولاد کا شوق نہ تھا۔ اس واقعہ کو دیکھ کر قدرتی طور پر دل میں شوق ہوا نیز یہ وقت رحمت الٰہی کا تھا اور رحمت کے وقت دعا مانگنا بہتر۔ تیسرا اعتراض: **کلمۃ من اللہ** کے معنی کتاب اللہ یعنی انجیل شریف ہے نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے نہیں وہ یوسف نجار کے بیٹے ہیں۔ جن کا نکاح حضرت مریم سے ہوا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم** نیز فرماتا ہے **انما کلمۃ**

www.alahazratnetwork.org

ہو قائلها : بھلا انسان بھی کلمہ ہو سکتا ہے؟ (قادیانی) **جواب:** یہ تفسیر قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کے بالکل خلاف ہے رب تعالیٰ نے کتاب اللہ کو کلمہ نہیں فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام کو بار بار کلمہ فرمایا ہے۔ سنو فرماتا ہے **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون** چونکہ ان کی پیدائش کلمہ کن سے ہوئی نہ کہ نطفہ سے لہٰذا ان کا لقب کلمۃ اللہ ہوا۔ اگر وہ کسی مرد کے بیٹے ہوتے تو انہیں عیسیٰ ابن مریم نہ کہا جاتا۔ کیونکہ اولاد کی نسبت باپ کی طرف ہوتی ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ادعوھم لاٰبائھم** تم انہیں کے باپوں کی طرف منسوب کرکے پکارو۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام کے والد ہوتے تو رب تعالیٰ انہیں عیسیٰ ابن مریم فرما کر نہ پکارتا رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں صرف مریم کا نام لیا۔ ان کے سوا کسی عورت کا نام قرآن میں آیا ہی نہیں۔ لہٰذا **کلمۃ من اللہ** کے معنی عیسیٰ روح اللہ ہی ہیں۔ بھلا حضرت مریم کا نکاح یوسف نجار کے ساتھ کہاں ثابت ہے اور نکاح پڑھانے کوئی مرزائی جی گئے تھے۔ قرآن کریم نے حضرت مسیح کے بغیر باپ پیدا ہونے کا واقعہ پورے ایک رکوع میں فرماتا ہے۔ جس کا واقعہ سورۂ مریم میں آئے گا۔ انشاء اللہ۔ **چوتھا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ مسجد میں محراب بنانا منع ہے چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ محراب ان بدعتوں میں سے ہے جو پہلے زمانہ میں نہ تھی۔ ابو موسیٰ جہنی نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت خیر میں رہے گی جب تک کہ مسجدوں میں عیسائیوں کی طرح محرابیں نہ بنائی جائیں۔ عبداللہ ابن جعد فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کے نزدیک محراب علامت قیامت میں سے ہے۔ عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ محرابوں سے بچو۔ اس بارے میں امام سیوطی نے ایک مستقل رسالہ لکھا پھر اس آیت میں اور ان احادیث میں مطابقت کیونکر ہو (روح المعانی) **جواب:** نفس محراب منع نہیں بلکہ رنگین اور نقشین محراب بہتر نہیں جس سے نماز میں دھیان بٹے یا صرف امام کا محراب میں کھڑا ہونا ہے اور محراب صرف امام ہی کے لئے ہوتی ہے اس سے بچو۔ ایک روایت میں ہے **اتقوا ھذا المذابح** (روح المعانی) ان محرابوں سے بچو اس کا یہی مطلب ہے کہ محراب میں اکیلے نہ کھڑے ہو۔ زمانہ اول میں اس کا نہ ہونا ممانعت کی دلیل نہیں۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ مینار تھے نہ گنبد نہ پختہ مسجد شریف' صرف کھجور کی لکڑیوں کی دیواریں اور شاخوں کی چھت تھی بلکہ سیدنا انس فرماتے ہیں کہ ہمیں محرابوں میں نماز سے منع کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوا محرابیں تھیں مگر وہاں تنہا امام کا کھڑا ہونا منع تھا نیز علامات قیامت ہونا ممانعت کی دلیل نہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مسجد کی زینت زیادتی مال علامات قیامت میں سے ہے۔ حالانکہ نہ مسجد کی زینت منع ہے نہ زیادتی مال۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کی آخری فضیلت بیان فرمائی **من الصلحین** کیونکہ وہ نیکوں میں سے ہوں گے۔ یہ صفت تو عام مسلمانوں میں موجود ہے اسے اتنی اہمیت سے بیان کیوں فرمایا **جواب:** یہاں صالحین سے مراد یہ عمومی صالحیت نہیں جو ہر مومن متقی کو حاصل ہوتی ہے' بلکہ جیسا اصل ہو ویسی ہی صالحیت۔ یہاں صالحین کے یہ معنی ہیں کہ وہ ہمیشہ نیکیاں ہی کریں گے۔ ان سے کوئی گناہ یا خطا عمر بھر سرزد نہ ہوگی۔ ان کی ہر ادا اصلاح ہے یا وہ کوئی خطا نہیں کر سکیں گے۔ یعنی خطاؤں سے محفوظ یا معصوم یا وہ ان تمام مذکورہ صفات کے لائق ہیں۔ رب نے جو انہیں دیا ہے ان کی لیاقت و قابلیت کی بنا پر دیا یا وہ خود بھی نبی ہیں اور ان کا خاندان بھی صالحین کا ہے کہ ان کے ددھیال اور ننھیال انبیاء و اولیاء ہیں۔ خاندان نبوت سے ہونا بھی رب کا کرم ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ غیر خدا کو سید کہہ سکتے ہیں مگر حدیث میں اس کی ممانعت ہے۔ روایت میں ہے کہ وفد بنی عامر حضور علیہ السلام کی خدمت

www.alahazratnetwork.org

میں حاضر ہوا۔ عرض کیا **انت سیدنا** آپ ہمارے سید ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا **السید ھو اللہ تکلموا بکلامکم ولا یستھوینکم شیطن**۔ یعنی سید تو اللہ ہے۔ تم اپنا مقصد بتاؤ کیوں آئے ہو، تمہیں شیطان ہلاک نہ کر دے۔ اس آیت اور حدیث میں مطابقت کیونکر ہو؟ نیز بعض روایتوں سے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام کو اپنی تعریف ناپسند تھی۔ لہٰذا نعت خوانی حضور علیہ السلام کی ناراضی کا ذریعہ ہے (بعض بے دین)؟ **جواب:** ہم نے فوائد میں عرض کیا کہ رب نے یحیٰی علیہ السلام کو سید فرمایا۔ ہمیں نعت خوانی کا حکم دیا، فرمایا **وتعزروہ و توقروہ** حضرت حسان حضور علیہ السلام کے نعت خوان تھے۔ اس نعت خوانی کی ممانعت ہے جو بتکلف ہو۔ دل سے نہ ہو۔ چنانچہ حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔ **ان ابغضکم الی الثرثارون المتشرقون المتفیھقون**۔ ان سب میں تکلف معتبر ہے یعنی جب دل میں حضور علیہ السلام کی محبت نہ ہو تو فقط زبان سے منہ بھر کر بات کرنا اور تعریفیں کرنا باعث غضب الٰہی ہے کہ یہ منافقوں کا طریقہ تھا، وہاں اخلاص دیکھا جاتا ہے (احکام القرآن)

تفسیر صوفیانہ : قوت بدنی گویا عمران کی بیوی ہے اور روح گویا عمران۔ نفس مطمئنہ گویا مریم ہے دماغ اس کا محراب۔ فکر گویا زکریا ہے۔ جب قوت بدنی نے نفس مطمئنہ کو بیت المقدس قلب کے لئے وقف کرنا چاہا تو زکریا فکر اس کی پرورش کا متکفل ہوا۔ جب کبھی یہ فکر کا زکریا مریم نفس مطمئنہ کے پاس محراب دماغ میں جاتا تو اس کے پاس علوم الصالحات اور کشف کا غیبی رزق پاتا تو اس سے پوچھتا ہے کہ اے مریم نفس مطمئنہ تیرے پاس یہ جنتی پھل کہاں سے آئے۔ جواب پاتا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے اسی وقت زکریا فکر نے رب تعالیٰ سے عقل فعال کا یحیٰی مانگا جو طبعی میل کچیل سے پاک وصاف ہو۔ اللہ نے اس زکریا کی دعا قبول کی اور اسے ملائکہ یعنی قوت روحانیہ نے آواز دی۔ جبکہ یہ زکریا محراب دماغ میں رب سے مناجات کر رہا تھا کہ اے زکریا تمہیں رب تعالیٰ یحیٰی یعنی عقل فعال کی خوشخبری دیتا ہے جو عیسیٰ (قوت قلبی) کی تصدیق کرے گا اور ان پر ایمان لائے گا یہ قلب گویا کلمتہ اللہ ہے کیونکہ وہ جسمانی آلائش سے پاک ہے اور یحیٰی تمام قوموں کا سردار ہو گا اور حصور یعنی طبیعت جسمانی کی مباشرت اور بدنی گندگیوں سے آپ کو دور رکھے گا اور نبی یعنی معرفت الٰہیہ اور حقیقت کلیہ اخلاق جمیلہ اور اچھی تدابیر کی خبر دے گا اور صالحین یعنی قرب الٰہی کی صلاحیت رکھنے والوں میں سے ہو گا (ابن عربی) گویا فکر نفس مطمئنہ کو دیکھ کر رب سے عقل مانگتی ہے یہ دعا اس کی قبول ہوتی ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے یہ عطیہ ملتا ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مقبول بندوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ ان ہونی بات ہو جاتی ہے۔ دیکھو بانجھ عورت جو نا قابل اولاد ہو اور بالکل بڈھے مرد سے جو بالکل قابل اولاد نہ رہے، بچہ پیدا ہونا انہونی بات ہے مگر ایک مقبول کی دعا سے یہ دونوں ناممکن باتیں ممکن نہیں بلکہ واقعہ ہو گئیں۔ بعض لوگ جو بزرگوں سے اولاد مانگتے ہیں ان کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ ان کی دعا سے رب تعالیٰ اولاد دے دیتا ہے۔ لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ نبی ولی کچھ نہیں دیتے وہ سب کچھ دیتے ہیں باذن پروردگار، رب فرماتا ہے **اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ:** حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور سے جنت مانگی اور پالی۔ اولاد جنت سے بڑھ کر نہیں لہٰذا ان سے اولاد مانگی جا سکتی ہے۔ حضرت جبریل نے بی بی مریم سے کہا تھا **لا ھب لک غلما ذکیا** میں تمہیں ستھرا بیٹا دوں گا، نیز فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی دعا سے ملا ہوا بچہ بہت نیک و صالح ہوتا ہے اس میں دعا کرنے والے کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو حنہ ولیہ کی دعا سے کلمتہ اللہ جیسا فرزند پیدا

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ زکریا علیہ السلام کی دعا سے یحییٰ علیہ السلام جیسا فرزند پیدا ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے اسمٰعیل جیسا نور نظر پیدا ہوا۔ یہ عظمتیں دعا کرنے والوں کی برکتوں سے حاصل ہوئیں۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِیَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌؕ قَالَ

کہا اے رب میرے کیسے ہوگا واسطے میرے لڑکا حالانکہ بے شک پہنچ گیا مجھ کو بڑھاپا اور بیوی میری بانجھ ہے فرمایا

بولا اے میرے رب میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھے تو پہنچ گیا بڑھاپا اور میری عورت بانجھ فرمایا اللہ نے یوں ہی کرتا ہے

كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةًؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا

اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ؛ عرض کیا اے رب میرے بنا واسطے میرے نشانی فرمایا نشانی تمہاری

جو چاہتا ہے ؛ عرض کی اے میرے رب میرے لئے کوئی نشانی کردے فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تین

تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًاؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِیْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِیِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

یہ ہے کہ نہ کلام کروگے تم لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے اور یاد کرو رب اپنے کو بہت اور تسبیح کرو شام اور صبح کو

دن تو لوگوں سے بات نہ کرے مگر اشارے سے اور اپنے رب کی بہت یاد کر اور کچھ دن ڈھلے اور تڑکے اس کی پاکی بول

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق :** پچھلی آیت میں یحییٰ علیہ السلام کو بشارت دی گئی تھی اور اب ولادت یحییٰ کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق :** پچھلی آیت میں زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا اب ان کے تعجب کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے خود ہی دعا مانگی اور قبولیت دعا کی خبر سن کر خود ہی تعجب فرمایا۔ **تیسرا تعلق :** پچھلی آیت میں یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر تھا۔ اب طریقہ ولادت کا تذکرہ ہے کہ زکریا علیہ السلام کو نہ دوسرے نکاح کی ضرورت پڑے گی نہ ان کی جوانی واپس کی جائے گی۔ اسی طرح اللہ فرزند دے گا۔

تفسیر : قال رب انی یکون لی غلم : یہ نیا جملہ ہے جو بشارت کے جواب میں رب سے عرض کیا گیا۔ رب سے مراد پروردگار ہے۔ اگرچہ ندا فرشتوں نے دی تھی مگر چونکہ رب کے حکم سے تھی اس لئے رب کو پکارا۔ بعض علماء نے فرمایا کہ رب سے مراد ملائکہ ہیں کیونکہ وہ انسان کی روحانی تربیت کرتے ہیں اور ایک طرح کے مربی ہیں اور غیر خدا کو رب کہا جاسکتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **ارجع الی ربک** ظاہر یہ ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے عین نماز کے قیام کی حالت میں ہی فرشتوں سے مخاطب ہو کر بارگاہ الٰہی میں یہ عرض کیا۔ سلام پھیرنے کا انتظار نہ فرمایا۔ ورنہ یہاں **ثم قال** ارشاد ہوتا کیونکہ فرشتوں کا گزشتہ کلام تو قیام کی حالت میں تھا اور آپ رکوع، سجدہ، دوسری رکعت، پھر سلام کے بعد یہ عرض کرتے اس لئے **ثم** ضرور ارشاد ہوتا۔ چونکہ آپ جانتے تھے کہ فرشتوں کا واسطہ میری عزت افزائی کے لئے ہے ورنہ رب تعالیٰ براہ راست مجھے یہ فرما بھی سکتا ہے اور بلا توسط میری سنتا بھی ہے۔ فرشتوں کے وسیلہ کا محتاج نہیں اس لئے کلام فرشتوں سے کیا۔ خطاب رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ ہے۔ خیال رہے کہ نمازی ہر جگہ ہی مدینہ منورہ میں اور دوسری جگہ التحیات میں سلام یکساں ہی کرتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور دور و نزدیک ہر جگہ سے امت کا سلام سنتے ہیں۔ یہاں قانون یہ ہے کہ دور والوں کا سلام فرشتہ بھی پہنچاتا ہے جیسا کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ملائکہ اعمال پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ رب تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے یہاں رب کے خطاب سے السلام علیک ایہاالنبی والے خطاب کا پتہ لگاؤ۔ اگر فرشتوں کی معرفت سلام کہلواتا ہو تا تو خطاب فرشتوں سے ہوتا کہ اے فرشتو میرا اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دینا (تفسیر کبیر) **انی** حرف استفہام ہے بمعنی **من** بھی آتا ہے اور بمعنی **کیف** بھی۔ چونکہ پیدائش فرزند نہایت عجیب چیز تھی اس لئے بطور تعجب آپ نے یہ سوال فرمایا۔ اس سے قدرت الٰہی کا انکار منظور نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ رب سے ہم کلامی کے شوق میں یہ کلام کیا کہ جتنا سلسلہ سوال کا دراز ہو گا اتنی ہی رب سے ہم کلامی کا موقعہ زیادہ ملے گا۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سوال سے مقصود کیفیت ولادت کا پوچھنا ہے اور یہی قول قوی تر ہے۔ یعنی عرض کیا کہ اے میرے رب میرے فرزند کہاں سے ہو گا۔ اس بانجھ اور بوڑھی بیوی سے یا مجھے دوسرا نکاح کرنا ہو گا یا اے رب میرے فرزند کیسے ہو گا۔ میری جوانی واپس کی جائے گی اور میری بیوی کا حال بدلا جائے گا یا اسی طرح۔ اس معنی پر **قال کذالک** کا جواب نہایت چسپاں ہے (کبیر و روح المعانی) بعض لوگوں نے اور ضعیف وجوہ بھی بیان کئے ہیں جن کا ذکر بے فائدہ ہے۔ مثلاً ”کسی نے کہا کہ آپ کو شیطان نے عرض کیا کہ یہ بشارت فرشتہ کی آواز نہ تھی بلکہ شیطانی آواز تھی۔ آپ نے دلی اطمینان کے لئے یہ سوال فرمایا مگر یہ غلط ہے۔ پیغمبر پر فرشتے اور شیطان کی آواز مشتبہ نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ ناسمجھ بچے کو صبی کہتے ہیں۔ سمجھدار کو غلام۔ قریب بلوغ کو مراہق' بالغ کو شاب۔ ادھیڑ کو کہول اور بڈھے کو شیخ۔ غلام کہنے میں ادھر اشارہ ہے کہ وہ فرزند صاحب عمر ہو گا **وقد بلغنی الکبر وامراتی عاقر**۔ یہ وجہ سوال ہے اور **بلغنی الکبر** ترکیب مقلوب ہے اصل عبارت یوں تھی **وقد بلغت الکبر** (خازن) بعض نے فرمایا کہ اس سے بڑھاپے اور ضعف کا غلبہ بیان کرنا مقصود ہے۔ خیال رہے کہ یہ واؤ حالیہ ہے اور جملہ ضمیر متکلم سے حال۔ **کبر** بمعنی بڑائی ہے۔ بڑائی قد و قامت سے بھی ہوتی ہے اور درجہ و عزت سے۔ اور زمانہ اور عمر کے لحاظ سے بھی۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی بڑھاپا۔ آپ کی عمر اس وقت ایک سو بیس سال تھی اور بیوی صاحبہ کی عمر اٹھانوے سال۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کی عمر ننانوے سال تھی۔ بعض کے نزدیک بانوے سال۔ بعض کے نزدیک پچاسی سال۔ بعض کے نزدیک پچھتر سال۔ بعض نے کہا ستر بعض نے کہا ساٹھ سال۔ مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے (روح المعانی) **عاقر'** **عقر** سے بنا بمعنی اصل اور جڑ۔ اسی لئے کہا جاتا ہے۔ **عقرت النخل** میں نے کھجور کو جڑ سے اکھیڑ ڈالا۔ ذبح کرنے اور پاؤں کاٹنے کو بھی عقر کہتے ہیں۔ یعنی اصل سے فنا کر دینا۔ کہا جاتا ہے۔ **عقرت البعیر** میں نے اونٹ ذبح کر دیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فعقروا ھا** اور فرماتا ہے **فتعاطی فعقر**۔ بانجھ عورت کو اسی لئے عاقرہ کہتے ہیں کہ وہ نطفے کو اصل سے برباد کر دیتی ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ عقر بمعنی کاٹنا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ **رمل عاقر** اس زمین کو کہتے ہیں جس میں پیداوار نہ ہو سکے۔ یعنی اے رب مجھے بڑھاپا پہنچ گیا اور میری بیوی بڑھاپے کے ساتھ بانجھ بھی ہے پھر بیٹا کیونکر ہو گا۔ **قال کذالک اللہ یفعل ما یشاء** یہ ان کے سوال کا جواب ہے۔ **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا فرشتے **کذالک** یا تو **یکون** پوشیدہ کے متعلق ہے اور **اللہ یفعل** نیا جملہ ہے یا یہ پورا ایک جملہ ہے یعنی اے زکریا یہ عطائے فرزند بلا فرق ایسے ہی ہو گی۔ نہ تم جوان کئے جاؤ گے اور نہ تمہیں دوسرا نکاح کرنا ہو گا کیونکہ اللہ جو

www.alahazratnetwork.org

چاہے کرے یا اے زکریا اللہ اسی طرح جو چاہے کرتا ہے۔ تم تعجب مت کرو۔ چونکہ زکریا علیہ السلام چاہتے تھے کہ میں استقرار حمل سے ہی عبادت اور شکر میں مشغول ہو جاؤں اور حمل کی علامت حیض کا بند ہوتا ہے۔ حضرت ایشاع کو بڑھاپے کی وجہ سے حیض آتا ہی نہ تھا اور اگر آتا بھی ہوتا۔ تب بھی حمل کا پتہ کچھ عرصہ بعد چلتا۔ اس لئے آپ نے بیوی صاحبہ کے حمل کی علامت رب سے پوچھی کہ عرض کیا **قال رب اجعل لی اٰیۃ**۔ اے مولیٰ میرے لئے اس حمل کی کوئی نشانی مقرر فرمادے کہ میں وہ نشانی پاکر شروع حمل سے ہی شکر میں مشغول ہو جاؤں۔ دیگر علامات کے ظہور تک مجھے انتظار نہ کرنا پڑے۔ خیال رہے کہ **اجعل جعل** سے مشتق ہے اور **جعل** متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے اور بدو مفعول بھی۔ پہلی صورت میں **اٰیۃ** مفعول ہے اور **لی** اس کا حال اور دوسری صورت میں **اٰیۃ** مفعول اول ہے اور **لی** مفعول دوم۔ **قال اٰیتک الا تکلم الناس ثلثۃ ایام الا رمزا**۔ یہ ان کی دعا کا جواب ہے **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا فرشتہ۔ **اٰیتک** سے مراد **اٰیۃ لک** ہے **الا تکلم** سے مراد یا کلام نہ کرنا ہے یا نہ کر سکنا یا کلام کی رب کی طرف سے ممانعت اور کلام سے دنیوی کلام مراد ہے جیسا کہ **الناس** سے معلوم ہوا **ثلثۃ ایام** سے مراد تین دن مع رات ہیں کیونکہ سورہ مریم میں فرمایا گیا **ثلث لیال** ہماری قرات میں راء کی فتح اور میم کے سکون سے ہے بمعنی حرکت یا اشارہ کرنا۔ خواہ آنکھوں سے ہو یا ہاتھ سے یا سر کی جنبش سے یہاں تینوں معنے بن سکتے ہیں۔ عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ ہاتھ سے اشارہ کو رمز کہتے ہیں اور سر کے اشارہ کو وحی۔ حضرت مجاہد سے مروی ہے کہ رمز سے مراد ہونٹوں کا ہلانا ہے۔ (تفسیر روح المعانی وغیرہ) یحیٰی ابن وثاب کی قرات میں **الا رمزا** راء اور میم کے ضمہ سے ہے جمع رموز کی۔ جیسے رسول سے رسل۔ بعض قراتوں میں **الا رمزا** راء اور میم کے فتح سے رامز کی جمع جیسے خادم کی جمع خدم۔ اس صورت میں یہ تکلم کے فاعل سے ہو گا یعنی رب نے فرمایا کہ اے زکریا تمہاری بیوی کے حاملہ ہونے کی علامت تمہارے واسطے یہ مقرر کی گئی کہ تم لوگوں سے تین دن خود بخود اشارہ کے سوا کلام نہ کرو گے جو کچھ کہنا ہو گا اشارے سے کہو گے یا تم تین دن تک بحکم الٰہی بولنے کا روزہ رکھو گے اور شرعاً تمہیں کلام جائز نہ ہو گا جیسے پچھلے ادیان میں ہوتا تھا یا تم تین دن تک لوگوں سے تو کلام ہی نہ کر سکو گے۔ تمہاری زبان میں بولنے کی طاقت ہی نہ رہے گی۔ یہی قوی تر ہے یعنی آپ کو اس زمانہ میں گنگ کی بیماری نہ ہو گی۔ حضرات انبیاء کرام اس بیماری سے محفوظ ہیں نیز اگر گنگ کی بیماری ہوتی تو آپ ذکر اللہ کیسے کرتے بلکہ قدرتی طور پر آپ کی زبان میں لوگوں سے کلام دنیاوی کرنے کی قوت نہ ہو گی۔ رب سے عرض و معروض بخوبی کر لو گے۔ اب بھی بعض لوگ آپس میں خوب گفتگو کر لیتے ہیں مگر اسٹیج پر بطریقہ تقریر بول نہیں سکتے۔ بعض لوگ دنیا کی ساری باتیں کر لیتے ہیں مگر نماز یا کلمہ ادا نہیں کر سکتے۔ ایک ہی عالم ایک وقت بہت شاندار تقریر کرتا ہے۔ دوسرے وقت کچھ نہیں بول سکتا یہ واردات آتے رہتے ہیں۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر ساتھ ہی ساتھ **واذکر ربک کثیرا و سبح بالعشی والابکار** ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم بھی اسی زمانہ کے متعلق ہے اور ممکن ہے کہ اس وقت کے متعلق ہو یعنی اس خاموشی کے زمانہ میں رب کا ذکر کرنا۔ آج ہی سے اس کا خوب ذکر کرو۔ **سبح** کا مصدر۔ تسبیح ہے اس سے مراد یا نماز ہے جیسے **فسبحن اللہ حین تمسون** یا **سبحان اللہ** کہنا مقصود۔ **عشی** سورج ڈھلنے سے صبح کے وقت تک کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا عشیۃ او ضحٰھا** اور عشاء نماز مغرب سے عشاء کے وقت تک کو بولا جاتا ہے۔ یعنی رات کا شروع حصہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجاءو ا اباھم عشاء یبکون** یعنی یوسف علیہ السلام کے بھائی مغرب کے بعد اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

آئے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ عشی سورج ڈھلنے سے غروب تک کا نام ہے شاعر کہتا ہے۔

فلا الظل من برد الضحی تستطیعہ ولا الفی من برد العشی تذوق

(کبیر و معانی وغیرہ)

ابکار بکرہ سے بنا معنی شروع۔ کنواری لڑکی کو باکرہ اور شروع پھل کو باکورہ کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں فجر سے چاشت تک کا وقت بکر کہلاتا ہے۔ یہاں ابکار سے پہلے وقت پوشیدہ ہے یعنی وقت الابکار کیونکہ ابکار مصدر ہے بغیر مضاف پوشیدہ ہوئے اس کا عطف عشی پر صحیح نہیں یعنی صبح و شام رب کی تسبیح پڑھو اور اس کی پاکی بولو۔

خلاصہ تفسیر : زکریا علیہ السلام نے جب فرزند کی بشارت سنی تو عرض کیا کہ اے مولی میرے فرزند کیونکر ہو گا میں تو ایک سو بیس سال کا بوڑھا ہوں اور میری بیوی اٹھانوے سالہ بڈھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی ہے۔ آیا ہماری حالتوں میں تبدیلی کی جائے گی یا ہم دونوں اسی طرح رہیں گے اور فرزند ہو جائے گا۔ جواب ملا کہ اے زکریا تمہارے اولاد ایسے ہی ہو گی نہ تمہاری جوانی لوٹے گی اور نہ تمہیں دوسرے نکاح کی ضرورت پیش آئے گی اور نہ تمہاری بیوی میں تبدیلی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے وہ ہر طرح قادر ہے۔ تب عرض کیا کہ اے میرے مولی میری خواہش یہ ہے کہ میرے لئے میری بیوی کے حاملہ ہونے پر کوئی نشانی مقرر کر دی جائے تاکہ میں شروع حمل سے ہی تیرے ذکر شکر میں مشغول ہو جاؤں اور مجھے ظہور حمل تک انتظار نہ کرنا پڑے۔ کیونکہ میری بیوی کو حیض تو آتا ہی نہیں تاکہ اس کی بندش حمل کی علامت ہو۔ تب رب نے ارشاد فرمایا کہ تمہارے لئے علامت یہ ہے کہ تم زوجہ کے حاملہ ہوتے ہی تین دن تک لوگوں سے کلام نہ کر سکو گے بجز اشاروں کے۔ اور بات پر تمہیں قوت نہ ہو گی اور اپنے رب کا ذکر خوب کرنا اور صبح و شام تسبیح و تہلیل میں مشغول رہنا۔ خیال رہے کہ چونکہ یحییٰ علیہ السلام بڑے پائے کے عابد و زاہد اور تارک الدنیا اور لوگوں سے بے تعلق تھے۔ اسی لئے ان کے آنے کی علامت بھی رب کی عبادت اور دنیا سے بے تعلقی قرار دی گئی اور انسان کی قوتیں رب کے قبضہ و قدرت میں ہیں۔ جب چاہے معطل کر دے جب چاہے واپس فرما دے۔ بعض لوگوں کو شب کوری ہوتی ہے کہ ان کی آنکھ رات میں نہیں دیکھ سکتی۔ چمگادڑ کی آنکھ رات کو خوب دیکھتی ہے دن میں کام نہیں کرتی۔ آنکھ ایک ہے مگر ایک وقت کام کی دوسرے وقت بیکار۔ بعض لوگوں کی نگاہ قریب کو دیکھ لیتی ہے دور کے لئے بے کار۔ بعض کی نگاہ اس کے برعکس۔ لوگ موٹی چیز کو دیکھ لیتے ہیں باریک چیز انہیں نظر نہیں آتی۔ پتہ لگا کہ ہماری قوتیں رب کے اختیار میں ہیں۔ ایسے ہی ہو سکتا ہے کہ زکریا علیہ السلام کی زبان شریف تسبیح و تبلیغ میں مشغول رہے مگر کلام نہ کر سکے۔ اس پر تفصیلی گفتگو سوال و جواب میں کی جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** فرزند کی خواہش سنت انبیاء ہے، خصوصاً جب خدمت دین کی نیت سے ہو۔ قرآن کریم نے زکریا علیہ السلام کا یہ قول نقل فرمایا **رب لا تذرنی فردا و انت خیر الوارثین** نیز فرمایا **فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب واجعلہ رب رضیا**۔ نیک بیٹا ماں باپ کے لئے صدقہ جاریہ ہے کہ زندگی اور قبر و حشر میں کام آتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انبیائے کرام بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت والے ہیں کہ ان کے آنے سے پہلے پہلے ان کی آمد کی خبر دنیا میں پھیل جاتی ہے۔ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتوں کو

www.alahazratnetwork.org

خبردے دی گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام و موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبر پہلے ہی سے دنیا میں پھیل چکی تھی۔ ایسے ہی یحییٰ علیہ السلام کی خبر اس کی علامتیں وغیرہ پہلے ہی سے ظاہر کردی گئیں۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شہرت تمام جہان میں پہلے ہی سے ہو چکی تھی۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کی تشریف آوری خدا کی رحمت ہے۔ اس کا شکریہ ادا کرنا سنت انبیاء۔ دیکھو یحییٰ علیہ السلام کی آمد کی خوشی میں زکریا علیہ السلام نے شکر کیا اور انہیں رب نے بھی حکم دیا کہ تم میرا بہت ذکر کرو اور صبح و شام تسبیح پڑھو۔ لہٰذا اب بھی ولادت پاک کی یادگار میں بدنی یا مالی عبادت کرنا ذکر اللہ کی مجلس قائم کرنا یعنی محفل میلاد شریف جائز بلکہ سنت سے ثابت ہے۔ **چوتھا فائدہ:** زکریا علیہ السلام کی یہ خاموشی چند طرح معجزہ ہے اولاً یہ کہ آپ تسبیح اور ذکر پر قادر رہے اور لوگوں سے کلام نہ کرسکے، دوسرے یہ کہ سارے اعضاء خصوصاً زبان شریف صحیح سلامت رہی اور پھر بات کرنے پر قدرت نہ رہی۔ تیسرے یہ کہ آپ کو پہلے ہی سے خبر دی گئی کہ تمہاری بیوی کے حاملہ ہونے کی یہ علامت ہے پھر ایسا ہی ہوا۔ یہ تمام ایک معجزہ نہیں بلکہ معجزات ہیں۔ یہ فائدہ **الا تکلم الناس** کی اخیری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اوراد اور وظیفوں میں لوگوں سے کلام نہ کرنا سنت انبیاء ہے یہ فائدہ **الا تکلم الناس** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** صبح اور شام تسبیح پڑھنا سنت انبیاء ہے نیز چونکہ ان وقتوں میں عالم کی حالت تبدیل ہوتی ہے کہ دن جاتا ہے اور رات آتی ہے یا رات جاتی ہے دن آتا ہے، اس تبدیلی پر تبدیل کرنے والے پروردگار کا ذکر کرنا بہتر ہے۔ ہمارے سلسلہ قادریہ میں صبح و شام تسبیح فاطمہ پڑھی جاتی ہے۔ اس کی اصل یہ آیت کریمہ ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ذکر قلبی کے ساتھ ذکر زبانی بھی ضروری ہے کیونکہ **واذکر ربک** میں بظاہر زبانی مراد ہے اگر صرف ذکر قلبی مراد ہوتا تو لوگوں سے کلام نہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ **آٹھواں فائدہ:** دنیوی کام میں جلدی کرنا منع مگر اخروی نعمت میں جلدی ثواب۔ زکریا علیہ السلام نے پیدائش فرزند بہت جلدی چاہی اسی لئے اس کی نشانی مانگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وسارعوا الی مغفرة**

پہلا اعتراض: زکریا علیہ السلام نے فرزند کی بشارت پاکر تعجب کیوں کیا اور کیوں فرمایا **انی یکون لی غلم** کیا انہیں قدرت رب میں شک تھا (آریہ) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک تو وہ جو تفسیر میں گزر گیا کہ یہ کلام تعجب کے لئے ہی نہیں بلکہ پیدائش کی نوعیت پوچھنے کے لئے ہے کہ مولیٰ فرزند کہاں سے اور کس طرح ہوگا۔ اسی بیوی سے یا دوسری بیوی سے اور مجھے جوانی دی جائے گی یا ایسے ہی۔ جس کا جواب ملا کذالک یعنی ایسے ہی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ یہ کلام تعجب کے لئے ہی ہے مگر تعجب شک سے نہیں بلکہ حسرت سے ہے۔ جیسے بادشاہ کسی فقیر کو لاکھ روپیہ دیدے تو فقیر عرض کرے کہ حضور تم نے مجھے اتنی رقم کیسے دے دی۔ یعنی میں تو اس لائق نہ تھا۔ تم نے کیسے کرم فرمایا۔ یہ حیرت بادشاہ کی سخاوت پر نہیں بلکہ اپنے ضعف پر ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) **دوسرا اعتراض:** زکریا علیہ السلام نے اس پر رب سے نشانی کیوں مانگی کیا انہیں رب کے وعدہ پر اعتبار نہ تھا (بعض بے دین) **جواب:** اس کا نہایت نفیس جواب تفسیر میں گذر چکا کہ نشان مانگنا ادائے شکر کے لئے ہے۔ گویا عرض کیا کہ اے مولیٰ میری آرزو یہ ہے کہ قرار حمل ہوتے ہی تیرے شکر میں مشغول ہو جاؤں چونکہ میری بیوی ایشاع کو حیض نہیں آتا۔ اس لئے مجھے اس کا پتہ کیونکر چلے گا تو اور کوئی علامت مقرر فرمادے اور شکر اچھی چیز ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے خوشی میں جلدی منظور تھی اور کمال شوق کا اظہار۔ **تیسرا اعتراض:** حمل شریف کی علامت زبان بندی اور ذکر

www.alahazratnetwork.org

الٰہی کیوں مقرر کی گئی۔ علامت تو کچھ اور بھی ہو سکتی تھی؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک وہ جو قتادہ نے دیا کہ یہ زبان بندی گویا عتاب الٰہی تھا کہ اے زکریا تم نے زبانی بشارت پا کر تعجب اور اپنے بڑھاپے کا ذکر کیوں کیا۔ تمہاری زبان ہی بند کر دی جائے گی (خازن و کبیر وغیرہ) مگر یہ جواب صحیح نہیں۔ کیونکہ بشارت فرزند پر تعجب اور اپنے بڑھاپے کا ذکر تو ابراہیم علیہ السلام نے بھی کیا تھا کہ فرمایا تھا **ابشرتمونی علی ان مسنی الکبر فبم تبشرون**۔ حضرت سارا نے بھی یہی عرض کیا تھا **ءالد وانا عجوز وھذا بعلی شیخا** اگر اس پر عتاب ہوتا تو ان پر بھی ہونا چاہئے تھا۔ دوسرے یہ کہ آپ کا علامت مانگنا ادائے شکر اور عبادت کے لئے تھا۔ اس نشانی سے ان کے ارادہ کی تائید فرمائی گئی کہ چونکہ آپ ہمارا ذکر چاہتے ہیں لہٰذا ہم صرف ذکر میں مشغول رکھنے کے لئے دوسری گفتگو سے آپ کی زبان ہی بند کر دیں گے۔ اگر عتاب کے لئے زبان بند ہوتی تو زبان شریف بالکل بند ہو جاتی۔ تیسرے یہ کہ جیسی نعمت ویسا اس کا نشان۔ سورج کی بشارت صبح صادق کے نور سے دی جاتی ہے کہ سورج نور ہے تو نور ہی اس کا مبشر ہے۔ بارش کی بشارت بادل سے دی جاتی ہے۔ رات کی آمد افق کی سیاہی سے بتائی جاتی ہے غرضکہ ہر شے کا نشان اس کے مطابق ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام جلالی پیغمبر تھے تو ان کی آمد پر قتل وغیرہ نشانی ظاہر ہوئی۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں، اس لئے ان کی آمد پر بارش اور خدا کی دوسری نعمتوں کا نزول ہوا۔ یحییٰ علیہ السلام تارک الدنیا رب کے ذاکر، خوف الٰہی میں ہمیشہ رونے والے تھے کہ آپ کی آنکھوں میں ہمیشہ آنسو رہتے تھے کبھی ٹھٹھا مار کے نہ ہنسے اور آپ دنیا میں پانچ رونے والوں میں سے ایک ہیں۔ لہٰذا آپ کی علامت بھی ایسی ہی مقرر ہوئی۔ چوتھے یہ کہ آپ کی زبان بندی ہوئی ہی نہ تھی۔ خود اپنی خوشی سے کلام نہ فرمایا۔ پانچویں یہ کہ آپ نے کلام کا روزہ رکھا تھا جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا۔ خیال رہے کہ حضرت آدم کی آمد کی دھوم صرف فرشتوں میں ڈالی گئی۔ حضرت ابراہیم و موسیٰ علیہ السلام کی آمد کی خبریں صرف ایک ملک میں دی گئیں۔ جناب یحییٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کا چرچا صرف نیک خاندان میں کیا گیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی دھوم تمام جہانوں میں مچا دی گئی کہ پہلے تمام جہان میں تین سال تک بارش نہ ہوئی۔ حمل شریف کی شب تمام جگہ خوب بارشیں ہوئیں۔ برکتیں نازل ہوئیں۔ صعود خشک ہوا، ایران کی ایک ہزار سال کی روشن آگ بجھ گئی۔ قیصر و کسریٰ کے چودہ کنگرے گر گئے۔ فقیر نے یہ محل بغداد کے پاس مسلمان پاک میں دیکھا ہے۔ غرضکہ عالم میں کوئی جگہ نہ رہا، جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نہ پہنچی ہو۔ رحمۃ للعالمین ہیں۔ عالمین کو آپ کی اطلاع دے دی گئی۔

تفسیر صوفیانہ: پہلے عرض کیا جا چکا کہ صوفیائے کرام کے نزدیک فکر صحیح گویا زکریا ہے اور عقل صحیح گویا یحییٰ۔ وہ بطریق اشارہ اس کی تفسیریوں کرتے ہیں کہ زکریائے فکر نے عقل کی بشارت پا کر بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ میں اپنے تمام منازل طے کر کے اخیری منزل تک پہنچ چکی اور میری بیوی یعنی روح نفسانی نور سے خالی اور دنیا میں پھنسی ہوئی گویا بانجھ ہے۔ ہم دونوں سے عقل کا یحییٰ کیونکر پیدا ہوگا اور اس نور محض کے حصول کی علامت کیا ہوگی تو خطاب ربانی ہوا کہ اے فکر اس نور کے ظہور کی پہچان یہ ہے کہ تو اپنے عمر کے تین دن جن میں ہر دن دس سال کا۔ گویا دس سال کی عمر سے چالیس سال کی عمر تک بدنی قوتوں کے ساتھ مشغولیت اور ان کی فضول لذتوں سے دور رہے گی۔ ہاں ان کے ساتھ مخفی اشارے کیا کرے گی اور ان سب اعضاء کو ان کی خاص تسبیح پڑھنے کا حکم کرے گی اور تو محراب دماغ میں رہ کر اپنی تسبیح میں ہمیشہ مشغول رہے گی (ابن عربی) خلاصہ یہ ہے کہ جسے رب کی طرف سے عقل کامل ملنے والی ہوتی ہے اسے عبادت کا ذوق و شوق قدرتی طور پر ہوتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسری تفسیر : جب ذکریائے فکر نے یحیٰ عقل کی بشارت سنی تو عرض کیا کہ مولیٰ میں ضعیف اور میری بیوی یعنی نفس حیوانی بانجھ ہے یہ نفس ایسا پاک بچہ کیونکر جن سکتی ہے۔ ناگن ہمیشہ سانپ جنتی ہے۔ اے مولیٰ یہ نفیس فرزند اس خبیس نفس سے کیسے پیدا ہوگا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ایسے ہی رب تعالیٰ اپنے عجائب قدرت ان لوگوں کو دکھاتا ہے جو عادت کی قید میں پھنسے ہیں۔ فکر نے عرض کیا کہ اے مولیٰ مجھے اس کے نشان بتا' تاکہ میں تیرا ذکر شکر کروں۔ فرمایا نشان تیرا یہ ہے کہ تو مباح لذتوں سے بھی تین دن مانوس نہ ہوگا۔ فنائے فعلی اور فنائے صفات اور فنائے ذات کے دن ہاں الا رمزا بقدر ضرورت اور اپنے اس رب کا خوب ذکر کر جس نے تجھے یہاں تک پہنچایا اور رب کی صبح و شام یعنی صحو اور محو کے وقتوں میں تسبیح کر۔ خیال رہے کہ صوفیاء پر دو وقت آتے ہیں ایک فنافی اللہ کا جسے یہ حضرات محو کہتے ہیں یہ گویا صوفیاء کی شام ہے اور دوسرے بقا باللہ کا جسے ان کے ہاں صحو کہا جاتا ہے۔ یہ صوفیا کی صبح ہے۔ صوفی اس صبح و شام میں اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ اس صبح اور شام کا سورج ہی دوسرا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ لاالہ شام ہے اور الا اللہ سویرا (روح المعانی) ایسے ہی صوفی کے فنا کے تین درجے ہیں۔ فناء فعل یہ اس کی ابتدائی منزل ہے: جب بندے کے ہر کام رب کے اشارہ پر ہوتے ہیں۔ دوسرے فناء صفات: جب بندہ صفات الٰہی کا مظہر بن جاتا ہے۔ تیسرے فناء ذات: جہاں پہنچ کر اس کا ورد یہ ہوتا ہے لاموجود الا اللہ۔ بلکہ اس وقت میں کلیم' کلام' متکلم' خود ذات واحدی ہوتی ہے اسی طرف اس آیت میں اشارہ ہے کہ الا تکلم الناس ثلثة ایام الا رمزا"۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ
اور جب کہا فرشتوں نے　اے مریم　تحقیق　اللہ نے چن لیا تم کو　اور پاک کر دیا تم کو
اور جب فرشتوں نے کہا اے مریم بے شک اللہ نے تجھے چن لیا　اور خوب ستھرا کیا　اور آج
وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ
اور چن لیا تم کو اوپر عورتوں　جہانوں کے　اے مریم اطاعت کرو تم واسطے رب اپنے کے اور سجدہ کرو
سارے جہان کی عورتوں سے تجھے پسند کیا　اے مریم اپنے رب کے حضور ادب سے کھڑی ہو اور اس
وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ
اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے یہ خبروں سے ہے غیب کی وحی کرتے ہیں ہم اس کی طرف
کے لئے سجدہ کر اور رکوع والوں کے ساتھ رکوع کر　یہ غیب کی خبریں ہیں کہ ہم خفیہ طور پر تمہیں بتاتے
وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا
آپ کے اور نہ تھے آپ نزدیک ان کے جب ڈالتے تھے وہ قلم اپنے کہ کون ان میں کفیل بنے مریم کا
ہیں اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنی قلموں سے قرعہ ڈالتے تھے کہ مریم کس کی پرورش میں رہیں

www.alahazratnetwork.org

كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

اور نہ تھے تم پاس ان کے جب وہ جھگڑتے تھے ؁

اور تم ان کے پاس نہ تھے جب وہ جھگڑتے تھے ؁

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق :** ان آیتوں میں آل عمران کی برتری اور ان کے چنتو کا ذکر تھا۔ درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر اس کی تاکید کے لئے حضرت زکریا و یحیٰ علیہم السلام کا قصہ آگیا۔ اب پھر آل عمران کا باقی قصہ بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق :** زکریا علیہ السلام کے قصہ سے پہلے عمران کی بیوی حنہ کی برگزیدگی کا ذکر تھا۔ اب ان کی بیٹی حضرت مریم کی بہتری اور افضلیت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق :** کچھ پہلے فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آل عمران کو دنیا والوں پر بزرگی دی۔ اس کی ایک دلیل میں حنہ کا قصہ بیان ہوا۔ اب دوسری دلیل حضرت مریم کے قصہ سے بیان ہو رہی ہے۔ گویا یہ سارا کلام یا اس اجمال کی تفصیل ہے یا اس دعویٰ کی دلیل۔

تفسیر : **واذقالت الملٰئکۃ** یہ جملہ یا تو پچھلے اذ پر معطوف ہے یا نیا جملہ ہے اور اذ کر فعل پوشیدہ کا ظرف۔ ملائکہ سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں کیونکہ سورۂ مریم میں فرمایا گیا۔ **فارسلنا الیھا روحنا** یا ان کی عظمت کے لئے ملائکہ جمع ارشاد ہوا اس لئے کہ وہ فرشتوں کی جماعت کے سردار ہیں اور سردار کا کام گویا جماعت ہی کا کام ہوتا ہے جیسے **ینزل الملٰئکۃ بالروح من امرہ** یہاں بھی ملائکہ سے حضرت جبریل مراد ہیں۔ (کبیر و معانی وغیرہ) اور ممکن ہے کہ حضرت مریم کے پاس فرشتوں کی جماعت آئی ہو اور سب ہی نے یہ کلام کیا ہو مگر سورۂ مریم میں ان میں سے ایک کے کلام کا ذکر ہو۔ (مدارک) **یٰمریم ان اللہ اصطفٰک وطھرک** یہ فرشتوں کا کلام ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ گفتگو حضرت مریم سے سامنے ہو کر کی گئی مگر چونکہ یہ کلام تبلیغی وحی نہ تھا اس لئے حضرت مریم کی نبوت اس سے ثابت نہیں ہو سکتی۔ نبوت مردوں سے خاص ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما ارسلنا قبلک الا رجالا نوحی الیھم** فرشتوں کی یہ گفتگو یا حضرت مریم کی کرامت ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاص کیونکہ اس سے مراد بنا بمعنی دیوار کا نیچا حصہ۔ اصطلاح میں اس عجیب چیز کو ارہاص کہتے ہیں جو دعوئی نبوت سے پہلے ظاہر ہو خواہ نبی کی ولادت سے پہلے یا ولادت کے بعد ظہور نبوت سے پہلے جیسے حضور علیہ السلام پر بچپن شریف میں بادل کا سایہ کرنا۔ پتھروں کا سلام کرنا آپ پر سایہ کرنے کے لئے درختوں کا جھک جانا یا جیسے ولادت پاک سے پہلے اصحاب فیل کا قصہ اور ولادت شریف کے وقت نور کا ظاہر ہونا۔ پرندوں، چرندوں کا ایک دوسرے کو خوشخبری دینا یا سیدنا عبداللہ کا ولادت پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے معجزات کا دیکھنا کہ آپ جب کعبہ معظمہ میں جاتے تو وہاں کے سارے بت اوندھے گر جاتے تھے آپ پر بھی بعض اوقات ابر سایہ کرتے تھا، آپکو قتل کرنے کے لئے کچھ یہود آئے تو غیبی لوگ نمودار ہوئے جنھوں نے ان یہود کو قتل کیا نیز حضرت آمنہ نے زمانہ ء حمل شریف میں ہر ماہ کسی نہ کسی نبی کی خواب میں زیارت کی۔ خاص ولادت کے وقت حوران بہشتی اور حضرات انبیاء کرام کی والدہ خصوصاً حضرت مریم کا آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہونا نیز حضرت حلیمہ دائی کے گھر آپ کے ہاتھ پر ہزارہا عجائب کا ظہور۔ یہ سب ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارہاصات ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ کلام بطریق الہام تھا جیسے

www.alahazratnetwork.org

واوحینا الی ام موسی مگر تفسیر اول صحیح ہے کہ اس کی تائید سورۂ مریم سے ہوتی ہے اصطفی کی لفظی تحقیق پہلے ہو چکی۔ اس جگہ اس سے وہ چنتا مراد ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہوا مثلاً یہ کہ باوجود لڑکی ہونے کے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے قبول کر لیا گیا۔ رب تعالیٰ نے خود ان کی پرورش فرمائی کہ انہیں جنتی رزق بھیجے اور بچپن شریف میں بولنے کی طاقت بخشی۔ ہر گناہ سے محفوظ رکھا اور ان کے ہاتھ پر کرامتیں ظاہر فرمائیں۔ **طھرک** تطہیر سے بنا بمعنی خوب پاک و صاف کرنا۔ یہاں جسمانی، قلبی، روحانی پاکی اور صفائی مراد ہے۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے انہیں حیض و نفاس سے پاک فرمایا تاکہ بیت المقدس کی خدمت کر سکیں نیز کفر، گناہ، کج خلقی وغیرہ باطنی عیوب سے بھی پاک کیا اور یہود کی تہمت سے بری فرمایا چنانچہ آپ کو نہ کبھی حیض آیا نہ نفاس (خازن و معانی و کبیر وغیرہ، عام تفاسیر) **واصطفک علی نساء العلمین** اس دوسرے اصطفی سے یا پہلے اصطفی کی تاکید ہے یا حضرت مریم کا بعد بلوغ دوسرا چنتا مراد ہے۔ جیسے انہیں بغیر شوہر بیٹا دینا۔ انکو اور انکے فرزند کو دنیا کے لئے نشان قدرت بنانا۔ فرزند کا پیدا ہوتے ہی اپنی والدہ ماجدہ کے فضائل بیان کرنا وغیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت مریم کا چنتا دو قسم کا ہوا **وھبی** جو بچپن میں ہو گیا بغیر کسی عمل کے اور چنتا کسبی جو تقویٰ و طہارت کے ذریعہ بعد جوانی ہوا اصطفیٰ **وھبی** کا ذکر پہلے اصطفک میں تھا اور اصطفاء کسبی کا یہاں دوسری جگہ۔ لہذا آیت میں تکرار نہیں العالمین سے اس زمانہ کے لوگ مراد ہیں۔ جیسے بنی اسرائیل سے فرمایا گیا **فضلتکم علی العلمین** (عام تفاسیر) اور اگر اس برگزیدگی سے بغیر شوہر بیٹا مراد ہے تو عالمین سے ساری عورتیں مراد۔ غرضیکہ فضیلت جزوی تو حضرت مریم کو تمام ہی عورتوں پر حاصل ہے۔ بلا استثناء اور فضیلت کلی اس زمانہ کی عورتوں پر حاصل ہے۔ جزوی خصوصیات ہر نبی ہر ولی کو حاصل ہوتی ہیں۔ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** کوئی بی بی بغیر خاوند بیٹے کی والدہ نہ بنی کوئی بی بی روح اللہ کی ماں نہ ہوئی۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ واقعہ بھی یاد کرو جب فرشتوں نے حضرت مریم سے کہا تھا کہ اے مریم تمہیں اللہ تعالیٰ نے پہلے بھی برگزیدہ کیا تھا اور تمہیں پاک و صاف فرمایا اور دوبارہ سارے جہان کی عورتوں پر تمہیں فوقیت دی لہذا اس کے شکریہ میں **یمریم اقنتی لربک** اقنتی قنوت سے بنا۔ خیال رہے کہ عربی میں قنوط 'ط' سے بمعنی یاس و ناامیدی ہے اور قنوت 'ت' سے اس کے بہت معنی ہیں۔ خاموشی **وقوموا للہ قانتین** اطاعت نماز، قیام، اخلاص وغیرہ یہاں اس کے سارے معنی بن سکتے ہیں اللہ کی رضا کے لئے دنیا والوں سے خاموشی اختیار کرو، رب کے لئے قیام نماز ادا کرو۔ رب کی عبادت کرو اخلاص پیدا کرو۔ نماز پڑھو۔ غرضیکہ اس ایک حکم میں بہت سے احکام دے دیئے گئے۔ صوفیاء کے ہاں اس کے معنی ہیں دل ٹھیک کرو **واسجدی وارکعی مع الرکعین** اگر پہلے قنوت سے قیام مراد ہے تو یہ جملہ اس کا تتمہ ہے کہ ان تینوں چیزوں میں نماز کے ارکان کا ذکر فرمایا گیا اور اس مجموعہ سے نماز مراد ہوئی اور اگر قنوت سے ہر عبادت مراد تھی تو یہ جملہ اسکی تفصیل ہے یا عام کے بعد خاص کا ذکر۔ سجدہ کو رکوع پر مقدم کرنا یا تو اس لئے ہے کہ واؤ میں ترتیب نہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ تم رکوع و سجدہ دونوں کام کر لو یا اس لئے کہ سجدہ رکوع سے افضل ہے یا اس لئے کہ اس شریعت میں سجدہ رکوع سے پہلے تھا مگر یہ قول کچھ ضعیف سا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں سجدہ سے پوری نماز مراد ہے۔ چونکہ سجدہ سارے ارکان سے افضل ہے اس لئے جز سے کل مراد لیا گیا جیسا کہ مقامات نماز کو مسجد کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں پوری نماز پڑھی جاتی ہے **مع الرکعین** فرما کر یہ بتایا کہ نماز جماعت کے ساتھ چاہئے مگر یہاں ہمراہی مکانی نہیں بلکہ فعلی ہے کیونکہ عورت مرد کے ساتھ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتی۔ خیال رہے کہ یہ کلام یا انہیں فرشتوں کا ہے یا رب تعالیٰ کا یعنی اے مریم اپنے رب تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

کی اطاعت کرو اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع و سجدہ کرو۔ (نماز پڑھو) چونکہ امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت ملتی ہے اس لئے رکوع میں شرکت بیان کی یہ نہ کہا وا سجدی مع السا جدین۔ **ذالک من انباء الغیب** اب تک تو گزشتہ پیغمبروں کا ذکر فرمایا۔ اب اس ذکر کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ اے محبوب! یہ تمام تذکرے صرف قصہ کہانی کے طور پر نہیں بیان ہوئے بلکہ ان سے مقصود تمہاری نبوت ثابت فرمانا ہے تاکہ یہ علوم غیبیہ تمہاری نبوت کی دلیل ہوں یہاں مذکورہ حضرات ہیں' مقصود تم اور تمہاری صفات ہیں۔ ذالک سے حضرت مریم اور ان کی والدہ کے سارے واقعات کی طرف اشارہ ہے۔ انباء نباء سے بنا' بمعنی مطلق خبر یا عجیب خبر۔ غیب مشاہدہ کا مقابل ہے یعنی یہ سارا قصہ غیب کا عجیب خبروں میں سے ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ علماء کی صحبت پائی تھی' نہ تاریخی کتب کا مطالعہ کیا تھا اور نہ آپ اس جسم کے ساتھ وہاں موجود تھے اس لئے اسے غیب فرمایا گیا۔ ورنہ تواریخ کے ذریعہ واقعات کا معلوم ہو جانا علم غیب نہیں۔ علم الغیب اور علم بالغیب کا فرق شروع تفسیر میں بیان ہو چکا۔ ہمیں قیامت کا علم یہ علم بالغیب ہے نبی کو علم الغیب۔ **نوحیھا الیک** یہ انباء الغیب کی صفت ہے **نوحی**' وحی سے بنا بمعنی خفیہ اطلاع۔ قرآن کریم میں وحی چند معنی میں استعمال ہوئی۔ 1 رسالت کی وحی جیسے نوحی الیھم۔ 2 الہام جیسے واوحینا الی ام موسیٰ۔ 3 بات دل میں ڈالنا جیسے بان ربک اوحی لھا۔ 4 اشارہ جیسے فاوحی الیھم ان سبحوا زکریا علیہ السلام نے انہیں اشارہ کیا۔ 5 قدرتی ہدایت جیسے واوحی ربک الی النحل (روح البیان) یعنی یہ غیب کی خبریں ہیں۔ جس کی ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور یہ وحی آپ کی نبوت کی دلیل ہے وحی' الہام' القاء' وسوسہ کا فرق پہلے بتایا جا چکا ہے **وما کنت لدیھم اذ یلقون اقلامھم** یہ مستقل جملہ ہے اور نوحیہ کی تفصیل لدیھم کا مرجع بیت المقدس کے وہ علماء ہیں جنہوں نے حضرت مریم کو حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اقلام قلم کی جمع ہے بمعنی آہستگی سے کاٹنا۔ اسی لئے کٹے ہوئے ناخن کو قلامت الظفر کہتے ہیں۔ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں کا سر قلم کر دیا۔ اس سے مراد یا عام قلم ہیں یا توریت شریف لکھنے کے قلم جو لکھتے لکھتے چھوٹے ہو گئے تھے اور قابل تحریر نہ رہے مگر اولیا محفوظ رکھے گئے کیونکہ ان سے توریت لکھی گئی تھی۔ یہ چھ تھے (کبیر و معانی) بعض نے کہا کہ اس سے فال نکالنے کے تیر مراد ہیں۔ جس سے اس زمانہ میں قرعہ ڈالا جاتا تھا۔ یلقون سے مراد دریا میں ڈالنا ہے۔ جس کی تفصیل ابھی کچھ پہلے **وکفلھا زکریا** کی تفسیر میں بیان ہو چکی کہ انہوں نے آپس میں طے کیا تھا کہ جس کا قلم پانی کے رخ کے خلاف بہے یا تر جائے وہ مریم کا کفیل بنے وغیرہ **ایھم یکفل مریم** یہ کلام اول کا تتمہ ہے۔ یہاں **ینظرون** فعل پوشیدہ ہے یکفل کے تفصیلی معنی پہلے بیان ہو چکے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان احبار کے پاس نہ تھے جب وہ مریم کے لئے اپنے قلم دریا میں ڈالتے تھے تاکہ اس کے ذریعہ معلوم کریں کہ مریم کا کفیل کون بنے **وما کنت لدیھم اذ یختصمون** یہ پچھلے جملہ کی تاکید ہے **واذ** کنت کا ظرف ہے **یختصمون** اختصام سے بنا بمعنی ایک دوسرے سے جھگڑنا یعنی جب وہ حضرت مریم کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے تھے تب آپ انکے پاس موجود نہ تھے اور ظاہر ہے کہ آپ نے نہ تاریخی کتابیں پڑھیں نہ تاریخ دان لوگوں سے تعلق رکھا۔ پھر آپ کا ایسے تفصیلی واقعات بیان فرمانا یقیناً آپ کی نبوت کی قوی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ ان بزرگوں کا یہ جھگڑنا نہ تو دنیاوی چیز کے لئے تھا نہ فساد کے طریقہ پر تھا بلکہ ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش کرنا کہ جناب مریم کی خدمت میرے سپرد ہو اس پر بحث مباحثہ کرنا مراد ہے' یہ جھگڑا بھی اچھا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ سے حضرت مریم کی تین فضیلتیں بیان فرمائیں اور انہیں چار حکم دیئے۔ بچپن کا چناؤ'

www.alahazratnetwork.org

پاکی جوانی کا چناؤ اور احکام دیئے قنوت سجدہ رکوع جماعت کی پابندی۔ اس میں دو حکمتیں ہیں ایک یہ کہ تاقیامت لوگ جان لیں کہ بندہ اس زندگی میں کسی درجہ پر پہنچ کر عبادات سے بے نیاز نہیں ہوتا۔ حضرت مریم دو دفعہ چناؤ طہارت کے بعد بھی نماز روزہ سجدہ رکوع کی پابند رہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ حضرات اپنے اتنے فضائل سننے کے بعد اور زیادہ رب کی عبادت و ریاضات کرتے ہیں۔ شیخی میں پھول کر رب کو بھول نہیں جاتے۔ حضرت عثمان سے فرمایا گیا کہ جو چاہو کرو تم بخش دیئے گئے مگر اس اجازت و بشارت کو سن کر ان کی عبادات و ریاضات اور زیادہ ہو گئیں۔ ان سے کہا گیا جو چاہو کرو جیسے پرندہ کے پر کاٹ کر کہا جائے جا اڑ تا پھر وہ کیسے اڑے اور کس سے اڑے پر تو کٹ گئے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وقت بھی یاد کرو یا نہیں یاد دلاؤ۔ جب فرشتوں کے سردار حضرت جبریل علیہ السلام نے مریم سے کہا تھا کہ اے مریم حق تعالیٰ نے تمہیں بچپن ہی میں چن لیا تھا کہ تمہیں باوجود لڑکی ہونے کے خدمت بیت المقدس کے لئے قبول کر لیا اور تمہاری پرورش خود فرمائی۔ زکریا علیہ السلام کو تمہارا کفیل بنایا۔ تم سے بچپن میں باتیں کرائیں اور اس کے ساتھ ہی ساتھ تمہیں جسمانی قلبی اور روحانی گندگیوں سے پاک کیا کہ تمہیں حیض و نفاس سے دور رکھا۔ بد خلقی گناہ اور کفر سے بچایا۔ تمہارے قلب کو منور کیا اور اس کے بعد جب تم جوان ہوئیں۔ تو تمہیں اس زمانہ کی ساری عورتوں سے دیگر خصوصیات کے ساتھ چھانٹا کہ بغیر شوہر تمہیں بیٹا بخشا اور یہود کی تہمت کو تم سے دور کیا۔ تمہیں اور تمہارے فرزند کو اپنی قدرت کا نشان بنایا۔ اے مریم اس شکریہ میں تم اپنے رب کی اطاعت کرو اور نمازیوں کے ساتھ رکوع سجدہ میں مشغول رہو۔ روایت میں ہے کہ اس حکم کے بعد حضرت مریم اتنا لمبا قیام فرماتی تھیں کہ آپ کے قدم مبارک پر ورم آجاتا اور پھٹ کر خون جاری ہو جاتا تھا۔ (خازن و خزائن وغیرہ) خیال رہے کہ حضرت مریم کو یہ احکام سنانا یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمانا **یا یھا النبی اتق اللہ** یا فرمانا **یا یھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** یا فرمانا **یا یھا الذین امنوا امنوا** ان تمام میں مراد ہوتا ہے ایسے ہی یہ کام کئے جاؤ اور زیادہ کئے جاؤ کیونکہ یہ حضرات پہلے سے ہی عابد عارف عبادات میں مجاہد ہوتے ہیں۔ عابد کو عبادت کا حکم دینا تحصیل حاصل ہے لہٰذا ان کا وہی منشاء ہے جو عرض کیا گیا اے محبوب یہ مریم و حنہ زکریا و یحییٰ علیہم السلام کے واقعات ان غیبی خبروں میں سے ہے جو ہم نے بذریعہ وحی آپ کو بتائے۔ ورنہ آپ نے نہ کتب تواریخ کا مطالعہ فرمایا نہ آپ کو مورخین کے ساتھ رہنے کا کبھی اتفاق ہوا اور نہ آپ یہاں جسم شریف سے وہاں موجود تھے جب بیت المقدس کے خدام حضرت مریم کو حاصل کرنے اور ان کی پرورش کی عزت پانے کے لئے آپس میں جھگڑتے تھے اور جھگڑا مٹانے کے لئے انہوں نے قرعہ ڈالا کہ توریت لکھنے کے چھ قلم ایک دریا میں ڈالے اور طے یہ کیا کہ جس کا قلم تر جائے یا بہاؤ کے خلاف بہنے لگے وہی حضرت مریم کا کفیل بنے اس قرعہ میں زکریا علیہ السلام کو کامیابی ہوئی اور وہی آپ کے متکفل بنے ان تمام واقعات کا تفصیل وار بیان فرمانا آپ کی نبوت کی کھلی دلیل ہے۔ **خیال رکھو:** کہ جیسے دنیاوی حکومتیں پبلک میں اور سرکاری آدمیوں میں فرق کرنے کے لئے اپنے محکموں کو وردی پیٹی ٹوپی وغیرہ دیتی ہیں جن سے وہ دوسروں سے ممتاز رہیں۔ ایسے ہی رب تعالیٰ عام لوگوں اور سرکاری حضرات یعنی انبیاء کرام و اولیاء عظام میں فرق کے لئے انہیں معجزات و کرامات دیتا ہے یہ معجزات و کرامات گویا ان کی نبوت و ولایت کی علامات ہوتے ہیں یہ معجزات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ علوم غیبیہ اور تصرف غیبی ان کے خداداد اختیارات۔ مکی زندگی شریف میں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیارات کے معجزات زیادہ دکھائے اور مدنی زندگی میں زیادہ معجزات علم غیب کے دکھائے گئے کہ مکہ معظمہ میں عام طور پر لوگ بے علم تھے اور مدینہ منورہ میں یہود و نصاری

www.alahazratnetwork.org

کے پوپ پادری بکثرت تھے تاکہ یہ لوگ حضور انور کی غیبی خبریں اور گزشتہ کے بتائے واقعات اپنی کتب کے موافق پائیں اور آپ پر ایمان لائیں۔ اس لئے ارشاد ہوا قالکمن انبا ءالغیب

حضرت مریم و فاطمہ و عائشہ و خدیجہ رضی اللہ عنہن

اس میں اختلاف ہے کہ ان عورتوں میں افضل کون ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت مریم سب سے افضل ہیں بلکہ بعض کے نزدیک وہ نبی ہیں کیونکہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مریم تمام جہان کی عورتوں سے افضل ہیں اور عالم مطلق ہے۔ فقط رائے سے اس کو خاص نہیں کر سکتے۔ (2) نیز ابن جریر نے فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اے فاطمہ تم مریم کے سوا باقی تمام جنتی عورتوں کی سردار ہو۔ (3) ابن عساکر نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنتی عورتوں کی سردار مریم پھر فاطمہ پھر خدیجہ پھر آسیہ فرعون کی بیوی ہیں۔ (4) ابن ابی شیبہ نے ابن کھول سے روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹ پر سوار ہونے والی عورتوں میں سب سے افضل قریش کی عورتیں ہیں جو اپنے بچوں پر مہربان اور شوہر کی خیر خواہ ہیں اور اگر ہمیں تحقیق ہوتی کہ مریم بنت عمران اونٹ پر سوار ہوئی ہیں تو ہم ان پر کسی کو بزرگی نہ دیتے۔ (5) حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہیں اور ان عورتوں کو نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل نہیں۔ (6) حضرت مریم نے بچپن شریف میں کلام فرمایا۔ ان عورتوں کو یہ شرف حاصل نہیں۔ (7) حضرت مریم کی پرورش رب تعالیٰ نے فرمائی۔ ان کی پرورش ان کے والدین نے کی۔ (8) حضرت مریم کے پاس جنتی میوے آئے ان کے پاس نہ آئے۔ (9) حضرت مریم حیض و نفاس سے پاک رہیں۔ ان بیویوں میں یہ خصوصیت نہیں۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مریم ان سب سے افضل ہیں اور بعض نے فرمایا کہ حضرت فاطمہ زہرا عائشہ صدیقہ اور خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہن حضرت مریم بلکہ اولین و آخرین تمام عورتوں سے افضل ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ینساء النبی لستن کاحد من النساء اے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتو! تم کسی عورت کی مثل نہیں سب سے افضل ہو نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھر کم تطھیرا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والو رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے ہر قسم کی گندگی دور فرمائے اور تمہیں ظاہر و باطن ہر طرح خوب پاک فرمادے۔ حضرت مریم عمران کی نور نظر مگر حضرت فاطمہ زہرا (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سید الانس والجان کی لخت جگر علی مرتضیٰ کی زوجہ مطہرہ سید الشہداء کی والدہ محترمہ۔ یہ اوصاف حضرت مریم میں نہیں۔ رب تعالیٰ کا یہ فرمانا کہ واصطفک علی نساء العلمین ایسا ہی ہے کہ جیسا بنی اسرائیل سے فرمایا گیا تھا۔ وانی فضلتکم علی العالمین اور جیسے اس زمانہ میں بنی اسرائیل دوسری قوموں سے افضل تھے۔ ایسے ہی اس وقت کی ساری عورتوں سے حضرت مریم بڑھ چڑھ کر تھیں جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے اگر حضرت مریم کو جنتی پھل ملے تو حضور علیہ السلام کے غلاموں کو جنتی پانی پلایا گیا اور وہاں کی نعمتیں کھلائی گئیں۔ احادیث سے ثابت ہے کہ ایک پیالہ پانی سے چودہ سو پیاسے سیر ہوئے۔ ایک گلاس دودھ سے ستر صحابہ کرام سیر ہوئے۔ حضرت جابر کے گھر چار سیر جو سے سارے لشکر والوں بلکہ تمام مدینہ والوں کا پیٹ بھر گیا۔ یہ پانی، دودھ، گوشت، آٹا وغیرہ کہاں سے آرہا تھا حضور علیہ السلام نے ان کا کنکشن جنت سے فرمادیا

www.alahazratnetwork.org

تھا۔ وہاں کی یہ نعمتیں تھیں۔ اگر حضرت مریم کو زکریا علیہ السلام نے پرورش فرمایا تو حضرت فاطمہ زہرا مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں پلیں اور پروان چڑھیں۔ اگر حضرت مریم عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہیں تو فاطمہ زہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی اور عزت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل اصول۔ یہ سارا باغ انہیں کا ہے اگر حضرت مریم سے ملائکہ نے کلام کیا تو عائشہ صدیقہ کو جبریل علیہ السلام نے سلام کیا۔ غرضیکہ کلی عظمت ان عورتوں کو حاصل ہے۔ ہاں مریم جزوی طور پر افضل ہیں۔ مقاتل نے روایت کی کہ چار عورتیں جہاں کی عورتوں کی سردار ہیں۔ (1) مریم بنت عمران۔ (2) آسیہ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی آسیہ)۔ (3) خدیجہ بنت خویلد۔ (4) فاطمہ بنت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان میں افضل فاطمہ زہرا ہیں۔ نیز ابن جریر نے عمار ابن سعد سے روایت کی کہ مجھ سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جیسے مریم ساری عورتوں سے افضل تھیں ایسے ہی خدیجہ میری امت کی ساری عورتوں سے افضل ہیں۔ نیز حضور علیہ السلام نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور اپنی اولاد یہ دونوں جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر آجاؤ۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز
نور چشم رحمت للعالمین — آں امام اولین و آخرین
بانوئے آں تاجدار ھل اتی — مرتضیٰ مشکل کشا شیر خدا
مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں قافلہ سالار عشق
رشتہ آئین حق زنجیر پاست — پاس فرمان جناب مصطفیٰ است
ورنہ گرد تربتش گر دیدمے — سجدہ ہا بر خاک وے پاشیدمے

ہم نے عرض کیا ہے۔

نبی کی لاڈلی، بانو ولی کی، ماں شہیدوں کی — یہاں جلوہ نبوت کا ولایت کا شہادت کا

(5) حضرت مریم کو تہمت لگی تو حضرت عیسیٰ کو بچپن میں گویائی بخش کر ان کی عظمت کی گواہی دلوادی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بھی ایک شیر خوار بچے ہی کے ذریعے ان کی پاک دامنی ظاہر فرمائی گئی مگر جب محبوبہ محبوب عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو ہو سکتا تھا کہ وہاں بھی کسی شیر خوار بچے سے یا لکڑی، پتھر، درخت وغیرہ کو گویائی بخش کر گواہی دلوادی جاتی مگر ایسا نہ کیا بلکہ رب تعالیٰ نے خود آپ کی پاکدامنی، عصمت، جنتی ہونے کی گواہی اس طرح دی کہ سورہ نور میں اٹھارہ آیتیں اتاریں جن میں آپ کی پاک دامنی کا ذکر فرمایا اور تہمت لگانے والوں بلکہ دل میں شبہ کرنے والوں، بلکہ خاموش رہنے والوں یعنی تردید نہ کرنے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا۔ یہ فرق کیوں ہے اس فرق مراتب کو ظاہر کرنے کیلئے۔ اس سے حضرت عائشہ صدیقہ کی بی بی مریم سے افضلیت مطلقہ ثابت ہو کہ ان کا گواہ شیر خوار بچہ اور صدیقہ کا گواہ خود رب العالمین۔

حضرت عائشہ صدیقہ وفاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہما

اس میں بھی اختلاف ہے کہ ان دونوں حضرات میں کون افضل ہے بعض کے نزدیک حضرت فاطمہ زہرہ عائشہ صدیقہ سے افضل۔ اس لئے کہ آپ۔ (1) مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی لخت جگر ہیں آپ کی شرافت اصلی ذاتی ہے اور سب کی

www.alahazratnetwork.org

عارضی۔ (2) چونکہ حضور علیہ السلام ہر موجود کے سردار اور فاطمہ زہرا حضور علیہ السلام کا جز لہذا جو کل کا حال وہ جز کا۔ (3) حضرت فاطمہ زہرا جنتی عورتوں کی سردار ہیں جن میں حضرت عائشہ صدیقہ بھی داخل ہیں۔ (4) حضرت فاطمہ زہرا ہم شکل محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چنانچہ آپ کی رفتار 'گفتار' شکل و شباہت بالکل حضور علیہ السلام کی سی تھی۔ سو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا حیض و نفاس سے پاک تھی (مدارج النبوت)۔ (5) فاطمہ زہرا جنت کی کلی ہیں اسی لئے آپ کا لقب شریف زہرہ ہے یعنی آپ کا لقب شریف زہرہ ہے۔ یعنی آپ کو فاطمہ اور بتول بھی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے بے تعلق ہیں۔ فاطمہ فطم سے بنا یعنی چھوٹنا۔ جس بچے کا دودھ چھوٹ جائے اسے فطیم کہتے ہیں۔ بتول بتل سے بنا یعنی الگ ہو جانا و تبتل الیہ تبتیلا۔ (6) مبسوط کتاب الکراہیۃ باب المس میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ کو سونگھا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے ان سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ ہم نے عرض کیا ہے۔

بتول و فاطمہ زہرہ لقب اس واسطے پایا کہ دنیا میں رہیں اور دیں پتہ جنت کی نکہت کا

(7) فاطمہ زہرہ نسل مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہیں۔ عائشہ صدیقہ میں یہ وصف نہیں مگر بعض کے نزدیک حضرت عائشہ صدیقہ فاطمہ زہرہ سے افضل ہیں۔ چند وجوہ سے۔ (1) رب تعالیٰ نے فرمایا ینساء النبی لستن کا حد من النساء اے نبی کی بیویو! تم کسی عورت کی طرح نہیں اور کسی میں فاطمہ زہرا بھی داخل ہیں۔ (2) عائشہ صدیقہ ماں ہیں اور فاطمہ زہرہ بیٹی اور یقیناً ماں بیٹی سے افضل ہے۔ (3) جنت میں فاطمہ زہرہ حضرت علی کے ساتھ ہوں گی مگر عائشہ صدیقہ حضور علیہ السلام کے ساتھ اور اس جگہ سے یہ جگہ افضل ہے۔ (4) عائشہ صدیقہ شیطان کے اثر سے پاک کیونکہ نبی کی بیوی ہیں۔ (5) عائشہ صدیقہ تمام مسلمانوں کی ماں ہیں کسی کے نکاح میں نہیں آسکتیں۔ فاطمہ زہرہ کا یہ حکم نہیں۔ (6) عائشہ صدیقہ بڑی عالمہ و فقیہہ ہیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ دو تہائی دین عائشہ سے لو۔ آپ صحابہ کرام کے علمی اختلاف کا فیصلہ فرماتی تھیں اور اہل علم دوسروں سے افضل ہوتے ہیں۔ (7) عائشہ صدیقہ کو جبریل علیہ السلام سلام کرتے تھے۔ (8) عائشہ صدیقہ کے بستر میں حضور علیہ السلام پر وحی آتی تھی۔ ہم نے ان کی شان میں عرض کیا ہے۔

ان کے بستر میں وحی آئے رسول اللہ پر اور سلام خادمانہ بھی کریں روح الامین

(9) عائشہ صدیقہ کا لقب محبوبہ محبوب رب العالمین ہے۔ (10) عائشہ صدیقہ کے سینہ پاک میں حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی اور ان کی گود شریف حضور علیہ السلام کی آخری آرام گاہ بنی۔ (11) عائشہ صدیقہ کا حجرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری قیام گاہ قرار پایا کہ یہیں آپ کی قبر انور ہے اور یہ قیامت تک کے لئے جن و انس و ملائکہ کی زیارت گاہ بن گیا۔ ہم نے عرض کیا۔

جن کا پہلو ہو نبی کی آخری آرام گاہ جن کے حجرے میں قیامت تک نبی ہو جاگزین

(12) جب لوگوں نے عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی تو سورہ نور کی اٹھارہ آیتوں نے آپ کی نورانیت و برءت کو بیان فرمایا جو مسلمان قرآن مجید پڑھے گا ان کی عصمت کی گواہی دیگا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

وہ جو ہے سورۂ نور جن کی گواہ ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

(13) آپ صدیقہ 'باپ صدیق' شوہر نبیوں کے سردار۔ میکہ بھی اعلیٰ مسرال بھی بالا۔ (14) خود ام المومنین اور والد امیر

www.alahazratnetwork.org

المومنین ' شوہر خاتم النبین (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

ہمارا فیصلہ : اس اختلاف کا فیصلہ ہم یوں کرتے ہیں کہ اس مسئلہ میں ہر قسم کے دلائل ملتے ہیں لہذا یا تو خاموشی اختیار کرو یا یوں کہو کہ بعض لحاظ سے عائشہ صدیقہ افضل ہیں اور بعض لحاظ سے فاطمہ زہرہ۔ ایک لخت جگر نور نظر ہیں ' دوسری محبوبہ شاہی باب العلم میں یہی فیصلہ فرمایا۔ یہ دونوں ہماری آقا ہیں۔ قیامت تک کسی کی نعلین پاک ہاتھ آجائے ہم فقیروں کا بیڑا پار ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی بندہ کسی رتبہ پر پہنچ کر رب کی عبادت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ دیکھو حضرت مریم کو باوجود ان کی اتنی عظمت کے اطاعت الٰہی اور رکوع و سجود کا حکم دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** جن پر اللہ کی نعمتیں زیادہ ہوں ' انہیں رب کی عبادت بھی زیادہ کرنا چاہئے۔ دیکھو حضرت مریم کو عہدے بڑے بڑے بخشے گئے تو انہیں زیادہ عبادات کا بھی حکم دیا گیا مگر آج ہمارا یہ حال ہے کہ غریب ہوں تو نمازیں پڑھیں امیر ہو کر نماز بھی چھوڑ دیتے ہیں۔ چاہئے تو یہ کہ غریب پانچ نمازیں پڑھیں تو امیر سات نمازیں پڑھیں کہ ان پر اللہ کا فضل زیادہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دینی یا دنیاوی پیشواؤں کو چاہئے کہ اپنی زندگی احتیاط سے گزاریں۔ بندہ تابع فرمان بنے تاکہ انہیں دیکھ کر ان کے ماتحت بھی نیک بنیں۔ گھر کا بڑا ' محلہ کا بڑا ' شہر کا بڑا ' بادشاہ امیر ' اگر نمازی پرہیزگار ہوں تو ان کے ماتحت لوگ پرہیزگار ہو جاتے ہیں۔ دیکھو حضرت مریم کو رب نے خلق کی پیشوائی دی تو انہیں عبادات کی زیادہ تاکید بھی فرمائی تاکہ مریم کے نقش قدم پر چلنے والے ان کے سے اعمال کریں۔ دیکھا گیا ہے کہ بے نمازی پیر کے مرید نمازی نہیں ہوتے۔ جن کا پیر گھر میں نماز پڑھنے کا عادی ہو وہ لوگ بھی مسجد میں نہیں آتے کیوں؟ پیر کی اتباع کے لئے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر وقت تک نماز با جماعت مسجد میں ادا کی۔ **چوتھا فائدہ:** غیر نبی سے فرشتے کلام کر سکتے ہیں۔ خواہ ظاہری طور پر یا باطنی طور پر جسے الہام کہتے ہیں جیسا کہ **واذ قالت الملئکۃ** سے معلوم ہوا مگر تبلیغی وحی نبیوں کے ساتھ خاص ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بعض عورتیں بعض مردوں سے افضل ہیں۔ اگرچہ مرد ہونے کی صفت عورت ہونے کی صفت سے افضل ہے جیسا کہ **واصطفٰک** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرت مریم حیض و نفاس وغیرہ گندگی سے پاک تھیں جیسا کہ **وطھرک** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ:** حرف واؤ ترتیب نہیں چاہتا جیسا **واسجدی وارکعی** سے معلوم ہوا کہ سجدہ رکوع کے بعد ہوتا ہے مگر بیان میں پہلے آیا۔ **آٹھواں فائدہ:** بعض امتی کے لئے کچھ احکام خصوصی بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت مریم نبی نہ تھیں امتی تھیں مگر انہیں خصوصیت سے فرمایا گیا۔ انتہی۔

مسئلہ : مرد کا انتہائی کمال نبوت ہے عورت کا انتہائی کمال صدیقیت۔ کسی ولی سے پوچھا گیا کہ کل ابدال کتنے ہیں جواب دیا چالیس نفس پوچھا گیا کہ آپ نے چالیس مرد کیوں نہ کہا نفس کیوں فرمایا جواب دیا کہ ان میں کچھ عورتیں بھی ہیں (تفسیر روح البیان) **نواں فائدہ:** نماز با جماعت پڑھنا چاہئے جیسا کہ **مع الراکعین** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** امام کے ساتھ رکوع میں مل جانے سے رکعت ملتی ہے۔ نہ کہ سجدہ میں ملنے سے۔ کیونکہ یہاں وارکعی مع الراکعین فرمایا **واسجدی مع الساجدین** نہ کہا گیا۔ **گیارھواں فائدہ:** عورتیں مردوں کی نماز میں شرکت کر سکتی ہیں دیکھو **وارکعی** صیغہ مونث کا ہے اور **مع الراکعین** مذکر۔ **بارھواں فائدہ:** صرف عورتوں کی جماعت منع ہے اس طرح کہ عورت ہی امام ہو اور عورتیں ہی

www.alahazratnetwork.org

مقتدی۔ کیونکہ یہاں مع الراکعین فرمایا گیا نہ کہ مع الراکعات۔

مسئلہ : نماز میں عورت امام نہیں ہو سکتی نہ مردوں کی نہ عورتوں کی بلکہ مرد امام ہو گا عورت مقتدی۔ اس لئے حضرت مریم کو علیحدہ عورتوں کی جماعت قائم فرمانے کا حکم نہ دیا گیا بلکہ ارشاد ہوا کہ جو مرد واکعین ہیں ان ہی کے ساتھ تم بھی رکوع سجدہ کر لیا کرو۔ علیحدہ اپنی عورتوں کی جماعت نہ کرنا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک نے کبھی عورتوں کی جماعت نہ کی اور وہ بیبیاں عورتوں کی امام نہ بنیں بلکہ ہمیشہ مردوں کی جماعت میں شریک ہوئیں۔ **تیرھواں فائدہ:** رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب عطا فرمایا اور اسی کو ان کی نبوت کی دلیل بنایا جیسا کہ من انباء الغیب سے معلوم ہوا۔ نبوت کا منصب صرف یہ نہیں ہے کہ نبی مولویوں کی طرح فقط شرعی مسئلے بتائیں بلکہ غیب کی خبریں رکھنا اور بتانا ان کے لئے ضروری ہے۔ **چودھواں فائدہ:** قرعہ ڈالنا اور اس کے ذریعہ فیصلہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ جس قوم نے قرعہ سے فیصلہ کیا اس نے اپنا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ رب تعالیٰ حق دار کو حق پہنچائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فساھم فکان من المدحضین** (روح المعانی) امام باقر فرماتے ہیں کہ جس پر سب سے پہلے قرعہ ڈالا گیا وہ مریم بنت عمران ہیں۔ (روح المعانی)۔ **پندرھواں فائدہ:** جس قلم سے کلام الٰہی لکھا جائے اس کی عزت و حرمت چاہئے جیسا کہ ہم نے اقلامھم کی تفسیر میں بیان کیا کہ بعض کے نزدیک یہ توریت لکھنے کے قلم تھے جو گھس گھس کر چھوٹے رہ گئے تھے اور محفوظ تھے۔ **مسئلہ:** جس قلم سے دینی علوم لکھے جائیں نہ ان کا برادہ گندی جگہ ڈالا جائے اور نہ بے کار شدہ قلم کی بے ادبی کی جائے۔ سنا گیا ہے کہ ایک مصنف نے وصیت کی تھی کہ میرے غسل جنازہ کے لئے میرے استعمال شدہ قلموں سے پانی گرم کیا جائے شاید رب تعالیٰ اس کی برکت سے میرے گناہ معاف کر دے۔ بلکہ احتیاط یہ ہے کہ ایسے قلم قرآن پاک کے گلے ہوئے اوراق کی طرح دفن کر دیئے جائیں۔ **مسئلہ:** حضرات انبیاء چار قسم کے ہیں۔ بعض وہ ہیں جن کا نہ تو نام قرآن شریف میں آیا ہے نہ حالات۔ جیسے حضرت دانیال۔ بعض حضرات وہ ہیں جن کا نام تو قرآن شریف میں نہیں مگر حالات ہیں۔ جیسے حضرت حزقیل عزیر علیہ السلام۔ بعض وہ حضرات ہیں جن کے نام بھی قرآن میں ہیں حالات بھی جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام۔ یہاں انباء الغیب سے مراد یہی آخری قسم ہے تاکہ پتہ لگے کہ دنیا میں جو بھی چکا حضور کے چکانے سے چکا۔ جسے جتنا چکایا وہ اتنا ہی چمک گیا۔ نیز چونکہ حضرت مریم کے متعلق عیسائیوں نے بہت افراط کی کہ انہیں خدا کی بیوی کہہ دیا اور یہود نے تفریط کی کہ ان کنواری بتول کو عیب لگا دیا۔ اس لئے رب نے ان کے سچے سچے واقعات بیان فرما دیئے تاکہ یہ افراط و تفریط ختم ہو جائے۔

پہلا اعتراض : جب خدا اور فرشتے آج کسی سے باتیں نہیں کرتے تو پہلے کیسے کرتے ہوں گے۔ اگر کہو کہ پرانے زمانہ کے آدمی بے گناہ تھے اب نہیں تو یہ بھی غلط ہے کیونکہ جب عیسائیوں اور مسلمانوں کا مذہب جاری ہوا اس وقت وحشی اور مجهول آدمی زیادہ تھے اب لوگ سمجھدار زیادہ ہیں۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** پنڈت جی آج بھی نیک بندوں سے خدا اور اس کے فرشتے کلام کرتے ہیں۔ الہام سچی خوابیں دل میں نیک بات کا پڑ جانا یہ سب رب تعالیٰ کے ہی کلام ہیں نہ اس وقت رب سب سے کلام کرتا تھا اور نہ اب۔ مگر اس وقت تک چونکہ دین کی کھیتی کچی تھی اس لئے بعض انسان پیغمبر بھی ہوتے تھے جن پر وحی آتی تھی اور بعض لوگوں سے فرشتے ملاقات بھی کرتے تھے۔ اب جب یہ کھیتی پک گئی لہٰذا ظاہری وحی کی کوئی ضرورت نہ رہی اور نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا جیسا کہ کھیت پک چکنے کے بعد بارش نہ ہونی چاہئے۔ ایسے ہی اس کھیتی کے پک جانے کے بعد نئی وحی کی

www.alahazratnetwork.org

ضرورت نہیں۔ پنڈت جی تم نے یہ بھی خوب کہا کہ پہلے وحشی زیادہ تھے اور اب سمجھدار زیادہ ہیں۔ آریہ بھی مانتے ہیں کہ پہلے دنیا میں علم گیان، بھگتی زیادہ تھی۔ اب پاپ بہت ہے اس لئے اس زمانہ کو کلجگ کہا جاتا ہے۔ اگر پچھلے زمانہ سے یہ زمانہ اچھا ہے تو چاہئے تھا کہ وید اس زمانہ میں آتا۔ پہلے روحانیت کا زور تھا اور اب مادہ پرستی کا شور ہے۔ چونکہ تمہارا دھرم مادہ پرستی پر قائم ہے اس لئے تم اس زمانہ کو ترقی کا زمانہ کہہ سکتے ہو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کو جماعت نماز میں مردوں کے ساتھ کھڑا ہونا جائز ہے مگر فقہاء اسے سخت منع فرماتے ہیں بلکہ کہتے ہیں کہ اس سے مرد یا عورت کی نماز ٹوٹ جائے گی یہاں فرمایا گیا مع الرا کعین ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب** مع الرا کعین میں فعل کی ہمراہی مراد ہے نہ کہ جگہ کی۔ یعنی اے مریم تم نماز جماعت کے ساتھ پڑھو۔ اس طرح کہ اپنے حجرے سے امام کی اقتداء کرلو جیسے آج کل عورتیں مسجدوں میں الگ کھڑے ہو کر باجماعت نماز پڑھتی ہیں کہ وہ جماعت میں ساتھ ہوتی ہیں مگر جگہ میں علیحدہ۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر جگہ حاضر و ناظر نہیں۔ رب فرماتا ہے وما کنت لدیھم یعنی آپ ان کے پاس نہ تھے۔ (دیوبندی) **جواب:** حاضر و ناظر کی مکمل بحث اور اس سوال کا تفصیلی جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں جسمانی حاضری کی نفی ہے یعنی آپ باپن جسم وہاں موجود نہ تھے اور پھر اس واقعہ سے باخبر ہیں۔ معلوم ہوا کہ آپ نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر و ناظر ہونے کے یہ معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام کے سامنے سارا عالم ایسا ہے جیسے ہاتھ کی ہتھیلی اور آپ کا حاضر و ناظر ہونا ایسا ہے جیسے سورج کا ایک وقت میں ہر جگہ ہونا کہ سورج ہے تو ایک ہی مقام پر مگر اسکی تجلی ہر جگہ ہے یا جیسے ملک الموت کا ہر جگہ تصرف کرسکنا کہ وہ ایک ہیں مگر ایک وقت میں ہر جگہ لوگوں کی جان قبض کرسکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : روحانی قوتیں گویا فرشتے ہیں اور نفس مطمئنہ گویا مریم اور نفوس امارہ دیگر عورتیں۔ گویا آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ روحانی قوتوں نے نفس مطمئنہ کو پکارا کہ اے مریم نفس تجھے اللہ نے برگزیدہ کیا کیونکہ تو شہوات سے بچی ہوئی ہے اور تجھے گندے اخلاق اور بری صفتوں سے پاک صاف کیا اور تجھے جہان کی عورتوں یعنی نفوس امارہ اور خواہشات شہوانیہ اور برے اعمال پر چن لیا لہٰذا اے مریم نفس تو اپنے رب کی اطاعت و عبادات میں مشغول رہ اور اپنی ذلت و عاجزی، احتیاج انکسار ظاہر کرکے سجدہ کر اور خشوع و خضوع کے مقامات میں اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ رکوع کر یعنی جھکی رہو۔ اے نبی کی روح یہ تیرے وجود کے غیبی حالات ہیں۔ جن کی تجھے ہم نے خبر دی تو روحانی اور نفسانی قوتوں کے پاس اس وقت موجود نہ تھی جب کہ وہ اس مریم نفس کے حاصل کرنے میں کوشش کر رہے تھے کہ نفس امارہ اس کا شکار کرکے اسے اپنا جیسا بنانا چاہتا تھا۔ اور قوت روحانیہ اسے اپنی طرف کھینچتی تھی یہ اختلاف دریائے سینہ پر ہوا جو روحانی قوت اور نفسانی شہوت کا محل ہے چونکہ تیرا مقام ان سے بلند و بالا ہے۔ اس لئے وہاں موجود نہ تھی ہماری اطلاع سے تو مطلع ہوئی۔ رب تعالیٰ نے فضل و کرم فرمایا کہ اس مریم (نفس مطمئنہ کو) زکریائے روحانیت کے سپرد کیا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ درد دل تو دل کی عبادت ہے اور یہ نماز روزے وغیرہ جسم کی عبادات، درد دل ان عبادات کی شرط قبول ہے۔ بے دردے کی عبادات بارگاہ الٰہی تک نہیں پہنچتیں۔ اس لئے یہاں رب نے اقنتی پہلے فرمایا اور سجدے و رکوع کا حکم بعد میں دیا ان کے مشرب میں درد دل اصلی قنوت ہے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

نماز وغیرہ تمام عبادات میں صرف رب کو راضی کرنے کی نیت چاہئے جنت حاصل کرنے یا دوزخ سے بچنے کی بھی نیت نہ کرے۔ عبادات اللہ کے لئے ہیں نہ کہ دوزخ یا جنت کے لئے اس لئے ارشاد ہوا یٰمریم اے مریم قنوت وغیرہ جو کچھ بھی کرو اپنے رب کے لئے کرو نہ کہ جنت وغیرہ کے لئے۔

مروت نہ باشد کہ مرد خدا بخواہند غیر از خدا از خدا

نیز حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں جو گزشتہ نبیوں کے واقعات مذکور ہوئے ان سے مقصود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ثبوت دینا ہے یہ سب کچھ آپ کی خاطر ہے لہٰذا یہ آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہیں اس لئے فرمایا گیا ذالک من انباء الغیب لہٰذا نزول آیات رضاء قصص کا مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آج بھی اگر ہماری عبادات کا مقصود رجاء الٰہی اور اطاعت مصطفوی ہو تو بہت اچھا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مقصود ہیں تو ہمارے اعمال کے مقصود بھی ہو سکتے ہیں ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

مجھے کام کیا تمہارے رکوع سے مجھے کیا غرض تھی سجود سے کسی نقش پا کی تلاش تھی جو جھکا رہا میں نماز میں

إِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ إِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ

جب کہ کہا فرشتوں نے اے مریم تحقیق اللہ خوشخبری دیتا ہے تمہیں ساتھ کلمہ کے طرف سے اپنی کہ نام انکا

اور یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا اے مریم اللہ تجھے بشارت دیتا ہے ایک کلمہ کی جس کا نام ہے مسیح

عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾

مسیح عیسیٰ ہے بیٹا مریم کا عزت والے بیچ دنیا اور آخرت کے اور قریب کئے ہوؤں میں سے

عیسیٰ مریم کا بیٹا رو دار ہوگا دنیا اور آخرت میں اور قرب والا اور لوگوں سے بات کرے گا

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾

اور کلام کریں گے لوگوں سے بیچ گہوارے کے اور ادھیڑ ہو کر اور ہونگے وہ نیک کاروں میں سے۔

پالنے میں اور پکی عمر میں اور خاصوں میں ہوگا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت مریم کی برگزیدگی کا اجمالی ذکر تھا اب اس کی تفصیل ہے۔ یعنی رب نے مریم کو اس طرح برگزیدہ کیا کہ انہیں عیسیٰ علیہ السلام جیسا پاک ستھرا بیٹا بخشا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت مریم کے ذاتی فضائل کا ذکر تھا۔ جنت کا رزق پانا۔ حیض و نفاس سے پاک ہونا۔ اب ان کی خارجی شرافت کا ذکر ہے یعنی کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں ہونا۔ **تیسرا تعلق:** اب تک حضرت مریم کی پیدائش اور ان کے فضائل کا ذکر تھا جو ولادت عیسیٰ کی تمہید ہیں۔ اب خود عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حضرت مریم کی چند خصوصیات کا ذکر ہوا۔ اب ان کی ایک خاص خوبی کا ذکر ہے یعنی بغیر شوہر فرزند کی ماں بننا۔

www.alahazratnetwork.org

گویا یہ بھی فضائل مریم کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے عظمت ذاتی بھی ہوتی ہے عارضی اور بیرونی بھی پھر بیرونی عظمت کبھی ماں باپ کے ذریعہ اولاد کو حاصل ہوتی ہے۔ کبھی اولاد کے ذریعہ ماں باپ کو اگر کسی کو ذاتی و عارضی دونوں عظمتیں حاصل ہوں تو پھر نور علی نور ہے۔ حضرت مریم کو رب نے تین قسم کی عظمتیں بخشیں' ماں باپ کے ذریعہ کہ آپ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ حضرت عمران و حنہ کی بیٹی ہیں۔ ذاتی عظمت کہ آپ کو رب نے تمام جہان کی عورتوں پر فضیلت عطا فرمائی وغیرہ۔ تیسری عظمت یہ کہ کلمتہ اللہ کی والدہ ہیں کہ دو عظمتوں کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور تیسری عظمت کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر: **اذقالت الملئکۃ** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل ہے اور **اذقالت اذکر** فعل پوشیدہ کا ظرف۔ کیونکہ فرشتوں کا یہ کلام پچھلے کلام سے بہت عرصہ بعد ہوا۔ وہ کلام حضرت مریم کے بچپن شریف میں تھا اور یہ کلام ان کے حاملہ ہونے کے وقت (روح المعانی و کبیر وغیرہ) اسی لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہاں یاد کرو پوشیدہ نکالا بعض کے خیال میں یہ **اذ** پہلے **اذقالت** کا ظرف ہے اور یہ دونوں کلام فرشتوں نے ایک ہی وقت میں کئے۔ یعنی حضرت مریم کے بچپن شریف میں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ **اذیلقون** کا بدل ہے اور اس کا عامل **ما کنت لدیھم** ہے یعنی آپ اس وقت بھی بایں جسم وہاں موجود نہ تھے۔ جب فرشتے بی بی مریم سے یہ کہہ رہے تھے۔ فرشتوں اور مریم کی گفتگو ایسی غیبی چیز ہے جو مورخین کو بھی نہیں معلوم ہو سکتیں۔ یہ خبریں آپ کی نبوت کی قوی دلیل ہیں۔ ان اعتبارات سے اس آیت کے تین معنی ہوں گے مگر پہلے معنی زیادہ قوی۔ ظاہر یہ ہے کہ قالت سے ظاہر ظہور گفتگو مراد ہے جیسے پہلے قالت میں عرض کیا جا چکا۔ ملائکہ سے جبریل علیہ السلام مراد ہیں یعنی اس وقت کو بھی یاد کرو جب حضرت جبریل علیہ السلام نے ظاہر ظہور مریم سے یہ کہا تھا **ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ** یہ جملہ قالت کا مقولہ ہے۔ یبشر بشارت سے بنا جس کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ ب صلہ کی ہے اور کلمتہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ آپ کو کلمتہ اللہ یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ آپ کی پیدائش بغیر باپ لفظ کن سے ہوئی۔ (کلمہ بمعنی لفظ) جیسے سخی کو سراپا خود کہہ دیتے ہیں یا اس لئے کہ آپ کا چرچا پچھلی کتابوں میں بہت تھا (کلمہ بمعنی متکلم فیہ و مذکور) چنانچہ توریت شریف کی بیسویں فصل پانچویں دفتر میں ہے کہ اللہ نے سینا سے توجہ کی اور ساعیر سے تجلی ڈالی اور فاران سے ظاہر ہوا۔ سینا کوہ طور اور ساعیر بیت المقدس کا پہاڑ جہاں عیسیٰ علیہ السلام عبادت کرتے تھے اور فاران مکہ معظمہ کا پہاڑ جہاں حضور علیہ السلام نے عبادت فرمائی یا اس لئے کہ آپ ہدایت دینے میں مثل کلمہ کے ہیں۔ جیسے کلمہ کی برکت سے کافر مومن ہو جاتا ہے ایسے ہی آپ کی برکت سے بے دین دیندار بن جاتے تھے یا اس لئے کہ آپ دم فرما کر بیماروں کو اچھا کرتے تھے گویا آپ کی بات میں بیماروں کو شفا تھی۔ منہ کا من تبعیضیہ نہیں ہے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ جزو کل سے پاک ہے بلکہ ابتدائیہ ہے اور ثابت کا متعلق ہو کر کلمہ کی صفت۔ ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یعنی اے مریم تمہیں اللہ تعالیٰ ایسے فرزند کی خوش خبری دیتا ہے جو رب کی طرف سے کلمہ ہے **اسمہ المسیح عیسی ابن مریم** اسم بعض کے نزدیک وسم سے بنا بمعنی نشانی و پہچان۔ لغت میں ہر نشانی کو اسم کہتے ہیں مگر اصطلاح میں صرف نام کو یہاں یا تو لغوی معنی میں ہے کیونکہ یہ تینوں عیسیٰ علیہ السلام کے نام نہیں بلکہ مسیح آپ کا لقب ہے۔ عیسیٰ نام اور ابن مریم کنیت یعنی ان کی پہچان اور نشانی یہ ہے کہ وہ مسیح ہیں۔ عیسیٰ ہیں اور ابن مریم ہیں۔ اس صورت میں یہ تینوں لفظ اسمہ کی خبریں ہیں یا اسم اصطلاحی معنی میں ہے بمعنی نام اور اس کی خبر عیسیٰ ہے ابن مریم صفت اور مسیح وضاحت کے واسطے لایا گیا جیسے کوئی کہے کہ میرا نام خان بہادر عبداللہ خاں حنفی قادری ہے تو خان بہادر اور حنفی قادری نام نہیں اسمہ کی ضمیر کلمہ کی طرف لوٹتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

چونکہ کلمہ سے مراد عیسیٰ علیہ السلام ہیں اور وہ مذکر۔ لہذا ضمیر مذکر لائی گئی۔ مسیح آپ کا لقب ہے جو نبوت کے بعد ملا۔ جیسے صدیق و فاروق بعض کے نزدیک یہ لفظ عبرانی سے معرب ہے۔ اصل میں مشیخ تھا بمعنی مبارک یا سچا یا بادشاہ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ عربی ہے۔ مسح سے بنا بمعنی چھونا سفر کرنا یا دور کرنا یا یکساں ہونا۔ چونکہ آپ بیماروں کو چھو کر شفا دیتے تھے یا چونکہ آپ نے کہیں گھر نہ بنایا ہمیشہ سفر میں رہے۔ جہاں رات آگئی گزار دی یا چونکہ آپ کو پیدائش کے وقت جبریل علیہ السلام نے چھو لیا یا چونکہ جب رب تعالیٰ نے پشت آدم پر مسح فرما کر ان کی ذریت کو نکالا تو ہر ایک کو اپنے مقام پر واپس کیا سوا عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ایسے ہی رہے یا چونکہ آپ کے قدم میں گڑھا نہ تھا یکساں تھا یا چونکہ آپ صاف ستھرے اور روغن سے مالش کئے ہوئے پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کا لقب مسیح ہوا لہذا مسیح یا ممسوح کے معنی میں ہے یا ماسح کے۔ ابن مریم فرما کر تین قوموں کی تردید فرما دی۔ یہود کی جو آپ کی والدہ کو تہمت لگاتے تھے۔ عیسائیوں کی جو آپ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ تیسرے قادیانیوں کی جو کہتے ہیں کہ حضرت مریم کا نکاح یوسف نجار سے ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام ان سے پیدا ہوئے۔ اس ایک لفظ ابن مریم میں ان تینوں کا نہایت بلیغ رد ہو گیا کہ ان کا کوئی باپ ہوتا تو انہیں اس باپ کا بیٹا کہا جاتا نہ کہ مریم ماں کا بیٹا۔ عقلاً "نقلاً" "قانوناً" "عرفاً" بیٹے کو باپ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے نہ کہ ماں کی طرف۔ اور اگر وہ خدا کے بیٹے ہوتے تو ابن مریم نہ کہلاتے بلکہ ہم انہیں ابن اللہ کہتے نیز خدا کا بیٹا خدا ہوتا ہے اور خدا کسی کا بیٹا نہیں۔ اس پر تغیر تبدل نہیں آتے۔ وہ حوادث زمانہ کا شکار نہیں ہوتا۔ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر یہ واردات آئی ہیں تو نہ وہ اللہ نہ ابن اللہ بلکہ ابن مریم ہیں۔ (روح المعانی و کبیر) خیال رہے کہ دجال کو بھی مسیح کہا جاتا ہے مگر اس معنی سے کہ اس کی ایک آنکھ ممسوح یعنی صاف ہے یعنی کانا ہے' یا اس لئے کہ وہ چالیس دن میں تمام دنیا کی سیر کرے گا۔ غرض آپ اور معنی میں مسیح ہیں اور دجال دوسرے معنی میں۔ عیسیٰ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بھی معرب ہے عبرانی میں ایشوع جیسے موسیٰ کہ بعض کے نزدیک موشا یا میشا تھا اور بعض کے نزدیک یہ بھی عربی ہے۔ عیس سے مشتق ہے بمعنی سرخی و سفیدی۔ چونکہ آپ کا رنگ سرخ و سفید تھا۔ اس لئے آپ کا نام عیسیٰ ہوا۔ ابن مریم فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوں گے۔ اسی لئے اب تک نہ کہا گیا۔ یعنی اے مریم اللہ تمہیں کلمۃ اللہ کی بشارت دیتا ہے جن کا لقب مسیح' نام پاک عیسیٰ اور کنیت ابن مریم ہوگی۔ چار نام بیان فرمانے کے بعد۔ اب ان کی چار صفتیں بیان ہو رہی ہیں۔ پہلی یہ کہ **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** یہ حالت عیسیٰ یا کلمۃ کا حال ہے اور **وجیھا** یا تو وجہ بمعنی چہرے سے بنا۔ چونکہ آپ نہایت ہی خوبصورت تھے کہ بہت سے لوگ آپ کا چہرہ انور دیکھ کر ایمان لے آئے اس لئے وجیہ یعنی حسین و جمیل اور ہیبت والا آپ کی صفت ہوئی یا یہ وجاہت سے بنا بمعنی عزت' قدر اور شرف' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان عنداللہ وجیھا** یعنی آپ دنیا میں بھی عزت والے ہیں اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ۔ (1) آپ کی پیدائش سب سے نرالی ہے کہ اگرچہ حضرت آدم و حوا بھی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے لیکن پیدائش آدم علیہ السلام میں مٹی اور پانی تو تھے اور حضرت حوا کی پیدائش میں آدم علیہ السلام کی پسلی تو تھی' عیسیٰ علیہ السلام میں کوئی مادی شئی داخل نہ ہوئی صرف کن سے پیدا ہوئے۔ اس لئے کلمۃ اللہ آپ ہی کا لقب ہے نہ کہ آدم علیہ السلام کا۔ (2) نیز عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء اور امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الاولیاء ہیں۔ نیز آپ ہی امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے مجتہد ہوں گے۔ (3) نیز آپ گنبد خضرا میں حضور علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوں گے اور حضور علیہ السلام کے ساتھ ہی اٹھیں گے۔ (4) نیز دیگر پیغمبروں کی ہجرت زمین پر ہوئی مگر

www.alahazratnetwork.org

عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر۔(5) نیز آپ انسان ہو کر مثل فرشتوں کی زندگی گزار رہے ہیں کہ انھیں کی طرح عبادت آپ کی غذا ہے۔(6) نیز موسیٰ علیہ السلام نے امت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہونے کی تمنا کی تھی جو پوری نہ ہو سکی' عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فخر حاصل ہوا۔(7) نیز آپ دنیا میں مقبول الدعا ہوئے اور آپ کے ہاتھ پر مردے زندہ ہوئے اور بیمار شفایاب ہوئے۔ان وجوہ سے آپ دنیا میں عزت والے ہیں۔ آخرت میں بھی آپ کی خصوصی عزت کئی طرح ظاہر ہوگی۔سو دیگر انبیائے کرام نہ شفاعت فرمائیں گے نہ شفیع المذنبین کا صحیح پتہ دیں گے۔ا ذھبوا الی غیری کہیں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جن سے شفیع المذنبین کا صحیح پتہ لگے گا۔2 نیز قیامت کے دن طلب شفاعت کے وقت ہر پیغمبر اپنی کوئی خطا یاد فرمائیں گے کہ ہم سے فلاں خطا ہوئی تھی۔ہم شفاعت کیسے کریں گے۔سوا عیسیٰ علیہ السلام کے کہ یہ اپنی کوئی خطا نہ بیان فرمائیں گے۔اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام سے کوئی خطا سرزد نہ ہوئی۔اس لحاظ سے آپ کے متعلق فرمایا گیا **وجیھا فی الدنیا والاخرۃ** یا وجیہ وہ ہے۔جس کی بات مانی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ ان کی شان یہ ہے کہ دنیا میں بھی رب تعالیٰ ان کی ہر بات مانے گا اور آخرت میں بھی اور کیوں نہ مانے کہ وہ رب کی ہر بات مانتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں بعض وہ ہوں گے جو پراگندہ بال پریشان حال ہوں گے مگر **لو اقسم علی اللہ لابرہ** اگر رب تعالیٰ پر قسم کھالیں تو رب ان کی قسم پوری فرمادے۔جب ولی کی بات اس قدر مانی جاتی ہے تو آپ تو کلمۃ اللہ اور روح اللہ نبیوں میں بہت شاندار نبی ہیں۔دوسرا وصف یہ کہ **ومن المقربین** یہ وجیھا" پر معطوف ہے اور کائنا" پوشیدہ کا متعلق۔ مقرب تقریب سے بنا جسکا مادہ قرب ہے بعد کا مقابل۔اس سے یا قرب درجہ مراد ہے یا قرب مکانی۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوئے کہ وہ اللہ سے قرب رکھنے والوں یعنی انبیاء میں سے ہوں گے۔دوسری صورت میں یہ معنی ہوئے کہ وہ مقربین یعنی فرشتوں میں سے ہوں گے کہ ان کے ساتھ رہیں گے۔ان کی سی عبادت کریں گے اور بغیر ظاہری غذا' چوتھے آسمان پر زندہ رہیں گے۔(کبیر و معانی) چوتھی صفت یہ ہے کہ **ویکلم الناس فی المھد وکھلا** صحیح یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے نہ کہ حالیہ اور یہ جملہ **ان اللہ یبشرک** پر معطوف ہے۔(کبیر) **یکلم** کلام سے بنا بمعنی بات الناس اس لئے فرمایا گیا کہ آپ نے لوگوں سے گفتگو پیدا ہونے کے بعد کی ورنہ والدہ کے شکم میں ہی توریت شریف پڑھتے تھے۔جسے حضرت مریم سنتی تھیں۔(خازن' روح البیان' از مجاہد) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پیدائش کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے صرف ایک بار کلام کیا پھر اپنی عمر پر پہنچ کر بولے (خازن و روح المعانی) مگر ابن خشید نے کہا کہ آپ بچپن میں ہمیشہ ہی کلام فرماتے رہے(روح المعانی) مھد کے معنی ہیں شروع و ابتداء۔اسی لئے شروع کلام کو تمہید کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں بچے کے جھولے اور گہوارے کو مھد کہتے ہیں کیونکہ بچہ پہلے وہیں رہتا ہے۔بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد ماں کی گود ہے۔(کبیر) کیونکہ بچہ پہلے ماں کی گود میں رہتا ہے پھر کچھ دن کے بعد گہوارے میں لٹایا جاتا ہے۔ آپ نے اپنی پیدائش کے کچھ دیر بعد لوگوں سے کلام کیا کہ جنگل میں پیدا ہوئے' ماں آپ کو لے کر شہر آئیں۔شہر کے دروازے پر ہی لوگوں نے گھیر لیا۔جن سے آپ نے نہایت فصیح و بلیغ کلام کیا۔ابھی گہوارے میں جھولنے کی عمر ہی نہ ہوئی تھی۔ہاں پھر بعد میں جو کلام ہوئے وہ گہوارے میں تھے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مھد کے ایسے معنی کئے جائیں جو گود اور گہوارہ دونوں کو شامل ہوں۔ کہل کے لغوی معنی پختگی اور مضبوطی ہیں اسی لئے کہا جاتا ہے۔ **اکتھل النبات** گھاس اپنی پوری طاقت پر پہنچ گئی۔اصطلاح میں کہل بڑھاپے اور جوانی کی درمیانی حالت ہے۔جس کی ابتداء چالیس سال سے ہے اور بڑھاپے کی

www.alahazratnetwork.org

ابتداء بچپن سال سے چونکہ آپ جوانی یعنی تینتیس سال کی عمر میں اٹھائے گئے اور اب واپس آکر چالیس سال اور زندہ رہیں گے آپ کی کل عمر شریف تہتر سال ہوگی اس لئے کہول ہو کر بولنا آپ کے حق میں معجزہ ہے کہ آسمان سے واپس آکر کلام فرمائیں گے ورنہ کہولت میں عام طور پر لوگ بولا ہی کرتے ہیں۔(کبیر)۔ خیال رہے کہ آپ آسمان پر تشریف لے گئے تھے ایک دن کا بھی فرق نہ ہو گا۔ کیونکہ آسمان کا قیام عمر نہیں بڑھاتا نیز آپ نے بچپن میں تو بنی اسرائیل سے کلام فرمایا اور بڑھاپے میں امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کریں گے۔ بچپن میں دنیا کا اور رنگ تھا بڑھاپے میں اور رنگ ہو گا نیز بچپن میں کلام آسمان پر جانے سے پہلے تھا مگر بڑھاپے کا کلام آسمان سے آکر ہو گا۔ ان وجوہ سے یہ بڑھاپے کا کلام بھی معجزہ نہیں بلکہ چند معجزات کا مجموعہ ہے۔

لطیفہ : تفسیر روح المعانی نے عمر انسانی کے حسب ذیل نام گنائے ہیں کہ بچہ جب تک رحم میں ہے جنین ہے جب پیدا ہو تو ولید جب تم دودھ پئے رضیع ہے جب دودھ چھوڑا دیا جائے تو فطیم جب کچھ چلنے پھرنے لگے تو وہ دارج اور جب اس کے دودھ کے دانت نکل آئیں تو خماسی جب دودھ کے دانت اکھڑنے لگیں تو شغور۔ جب دوسرے دانت نکل آئیں تو مثغر جب دس سال کا ہو جائے تو مترعرع جب قریب بلوغ ہو تو یافع یا مراحق اور جب بالغ ہو جائے تو حزور مگر ان سب صورتوں میں ان کا نام غلام ہو گا جب مونچھ چمکے تو فتا یا شارخ۔ جب داڑھی پوری نکل آئے تو مجتمع پھر تیس سے چالیس سال تک شاب پھر چالیس سے ساٹھ تک کہل۔ ساٹھ کے بعد بال سیاہ اور سفید مخلوط ہوں تو شائخ پھر کبر پھر حرم پھر ولف پھر خرف (دیوانہ بڈھا) پھر میت یہ مرد کے نام تھے۔ عورت کے نام حسب ذیل ہے۔ بچی' طفلہ پھر ولیدہ پھر کاعب پھر ناہد جب بالغہ ہو تو معصر پھر عانس پھر خودیہ۔ ذوائی اور بڑھاپے کی درمیانی حالت ہے پھر مسلف پھر شدہ پھر شہریہ۔ پھر حزبون جب کہ بڑھاپے میں ناقص العقل ہو جائے پھر قلعم اور ملطط جب دانت گر جائیں (روح المعانی) چوتھی صفت یہ کہ ومن الصلحین صالح صلح سے بنا بمعنی نیکی اور تقویٰ۔ خیال رہے کہ مطیع وہ بھی کہلاتا ہے جو بتکلف یا مجبوراً فرماں برداری کرے مگر صالح وہی ہے جس سے اطاعت بے تکلف صادر ہو۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام اس جماعت سے ہوں گے جو بلا تکلف رب کی طاعت کرے یا صالحین صلاحہ سے بنا بمعنی قابلیت یعنی وہ بڑی قابلیتوں کے مالک ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کو ہر قسم کی قابلیتیں عطا فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے تمام علاقہ مصر میں اعلیٰ درجہ کی کاشت کرائی۔ پھر غلہ کو سنبھالا پھر تمام دنیا کو رزق تقسیم فرمایا۔ قاسم رزق اللہ رہے۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے آکر مجاہد' غازی اسلام کے عالم مجتہد' مبلغ' اعلیٰ درجہ کے بادشاہ سب کچھ ہی ہوں گے' حالانکہ اس سے پہلے آپ صرف تارک الدنیا تھے' یہ ہے ان کی صلاحیت۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو یا انہیں یاد دلاؤ۔ جب فرشتوں کے سردار جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے ان کے بالغ ہونے کے بعد کہا تھا کہ اے مریم تمہیں اللہ ایسے فرزند کی خوشخبری دیتا ہے جو بغیر باپ رب کی طرف سے کلمہ کن سے پیدا ہوں گے ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ چھو کر بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کریں گے اور ساری عمر سیر و سیاحت میں گزاریں گے اس لئے ان کا لقب مسیح ہو گا اور نام پاک عیسیٰ اور چونکہ وہ بغیر باپ پیدا ہوں گے ان کی کنیت ابن مریم ہوگی اور ان کی صفت یہ ہے کہ دنیا اور آخرت میں وہ بڑی عزت والے شان والے رعب دبدبے والے ہیں اور رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کے خاص قرب والوں سے ہوں گے یا انسان ہو کر ملائکہ مقربین سے ہوں گے کہ کچھ زمانہ انہیں کی طرح زندگی گزاریں گے اور انہیں کی سی عبادت کریں گے اور ان کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ لوگوں سے گہوارے اور پختہ عمر میں یکساں فصیح و بلیغ و حکیمانہ کلام فرمائیں گے۔ دوسرے بچوں کی طرح نہ ہوں گے کہ پہلے بے معنی الفاظ بولیں پھر عمدہ۔ یا ان کا بچپن میں کلام کرنا بھی معجزہ ہو گا اور بڑھاپے میں بولنا بھی معجزہ کہ آسمان سے اتر کر کلام فرمائیں گے ان سب کے باوجود وہ خاص نیک کاروں میں سے ہوں گے کہ نہ کبھی خطا کریں گے اور نہ انہیں نیکیاں کرنے میں کچھ تکلف ہو گا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے جیسا کہ **کلمتہ منہ** اور **ابن مریم** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اللہ کے نزدیک بڑے عزت و وجاہت والے بندے ہیں جو انہیں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل جانے وہ خود ذلیل و کمین ہے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا اور آخرت میں وجیہہ فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرمایا **وکان عند اللہ وجیھا** ہمارے حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا **العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین** جو دیوبندی اور وہابی اسمٰعیل دہلوی کی پیروی میں حضرات انبیاء کو ذلیل کہیں ' بے دین ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر تشریف لے گئے اور وہاں فرشتوں کے ساتھ ان کی سی زندگی گزار رہے ہیں جیسا کہ **من المقربین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ آسمان سے تشریف لائیں گے اور لوگوں کو ہدایت دیں گے جیسا کہ **وکھلا** سے معلوم ہوا کیونکہ بڑھاپے میں کلام کرنا جب ہی معجزہ ہو سکتا ہے کہ اس میں کوئی خصوصیت ہو ورنہ ہر بڈھا باتیں کرتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** انبیاء کرام کی نعت گوئی سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی نعت ارشاد فرمائی۔ بعض نیکیاں صرف انسان کرتے ہیں جیسے جہاد میں شہید و زخمی ہونا یا حج کی مشقتیں جھیلنا کہ یہ نیکیاں وہ ہیں جو جن و انس و فرشتے سب کرتے ہیں جیسے نماز اور رب تعالیٰ کی اطاعت۔ مگر ایسا کوئی کام نہیں جو خدا تعالیٰ بھی کرے اور جن و انس و فرشتے بھی سوا نعت انبیاء کرام اور مناقب اولیاء اللہ کے کہ یہ کام خالق و مخلوق میں مشترک ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** رب نے کسی حکم میں اپنا اور اپنے فرشتوں کا ذکر نہ کیا سوا درود شریف کے۔ تو جو حضور کی نعت اولیاء کے مناقب بیان کرتا ہے وہ سنت الٰہیہ ' سنت ملائکہ سنت انبیاء سب پر عمل کرتا ہے اور انبیاء کرام کے کمالات کا سب سے پہلے انکار کرنے والا ابلیس ہے۔ آج جو ان کے کمالات کا انکار کرے انہیں اپنے جیسا ثابت کرنے کی کوشش کرے وہ اس سنت ابلیسی پر کاربند ہے۔ **چھٹا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے نہ خدائی شان کے مالک۔ کیونکہ ابن مریم ہونا گہوارے سے جھولنا۔ پھر عمر کے انقلابات آنا' بڈھا ہونا سب بندگی کی علامات ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام ضرور آسمان سے اتریں گے کیونکہ آپ کہولت سے پہلے تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر گئے اگر آپ اب آسمان سے نہ آئیں تو **کھلا** کے معنی درست نہیں ہوتے **آٹھواں فائدہ:** کبھی اولاد کو شرافت ماں کی طرف سے بھی ملتی ہے اور کبھی ماں باپ کی اولاد سے۔ دیکھو ابن مریم ہونا عیسیٰ علیہ السلام کی فضیلت ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہونا حضرت مریم کی شرافت۔ سادات کرام کو ماں یعنی فاطمہ زہرہ سے بزرگی ملی۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : جب آدم علیہ السلام بھی بغیر باپ پیدا ہوئے ان کا لقب کلمۃ اللہ کیوں نہ ہوا۔ **جواب** : اس لئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی اور پانی وغیرہ واسطوں سے ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش فقط کن سے بلاواسطہ نہ مٹی نہ پانی نہ نطفہ سے۔ **دوسرا اعتراض**: بکلمۃ منہ کے معنی اپنی کلام کے ذریعہ بشارت دیتا ہے ب استعانت کی ہے آپ کلمۃ اللہ نہیں اسی لئے ب داخل فرمائی گئی (مرزائی) **جواب**: اس صورت میں یہ عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت کیسے بنا۔ خوش خبری کلام کے ذریعہ سے ہوتی ہے نیز دوسری جگہ ارشاد ہوا **وکلمتہ القھا الی مریم** یہاں نہ ب ہے ن ت۔ **تیسرا اعتراض**: بکلم کے ساتھ ناس کی کیوں قید لگائی۔ کلام تو لوگوں سے ہی ہوتا ہے۔؟ **جواب**: اس لئے کہ صلاح و تقویٰ تمام صفتوں سے افضل ہے۔ استقامت کرامت سے بڑھ کر ہے۔ **پانچواں اعتراض**: **ومن المقربین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام مقرب فرشتوں کے زمرے سے ہوں گے۔ حالانکہ انسانیت ملکیت سے افضل ہے یہ تو آپ کی توہین ہوئی۔ **جواب**: واقعی ملک یعنی فرشتہ سے انسان افضل ہے مگر جس انسان میں ملکی صفات ہوں وہ تمام انسان اور فرشتوں سے افضل ہے کہ صورتاً انسان ہے اور سیرتاً فرشتہ اگر انسان ہوا میں اڑے 'پانی پر چلے تو یہ اس کا کمال ہے ورنہ بہت سے حیوانات تیرتے بھی ہیں اور اڑتے بھی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اس وقت کو یاد کرو جب قوائے روحانیہ نے مریم نفس سے کہا کہ اے مریم اللہ تیری طرف توجہ کرم فرما کر تجھے ایک ایسے کلمے کی خوشخبری دیتا ہے جو وحدت کے حروف کا جامع ہے۔ یعنی دل جو تمام عالموں کو گھیرے ہوئے ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے تجھے دیا گیا۔ اس کا نام مسیح ہے کیونکہ وہ تجھے مس کر کے نورانی کرے گا وہ دنیا میں عزت والا ہے کیونکہ معاش کی تدبیر سوچتا ہے اور قوئی ظاہری کے انسان اور قوئی باطنی کے جنات اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ نیز وہ جزئیات کا حاصل کرنے والا ہے اور سیال رہ کر غلطی اور کج روی سے محفوظ ہے اور چونکہ وہ معانی کلیہ اور قدسی علوم کا حاصل ہے سعادت کی تدبیر سوچنے والا ہے اور حق کا مطیع و فرمانبردار۔ لہٰذا روحانی آسمان کے ملکوت اس کی اطاعت کرتے ہیں اس لئے وہ آخرت میں بھی عزت والا ہے اور چونکہ وہ دنیا میں تجلی گاہ افعال الٰہی ہے اور آخرت میں تجلی گاہ اسمائے الٰہی۔ اس لئے وہ مقربین میں سے ہے۔ نیز چونکہ وہ تجلی ذات کی صلاحیت رکھتا ہے لہٰذا وہ صالحین میں سے ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ نہ میں آسمان میں سماؤں نہ زمین میں سماؤں۔ ہاں بندہ مومن کے دل میں میری گنجائش ہے اور وہ دل گہوارۂ بدن میں رہ کر بھی لوگوں سے کلام ہدایت کرے گا۔ جب کہ اسے سلوک کی غذاؤں کے ذریعہ ملک یا ملکوت تک پہنچایا جائے گا اور شیخ روح کے طور پر پہنچ کر بڑھاپے میں بھی کلام کرے گا اس میں مقام معرفت تک پہنچنے کی صلاحیت ہے۔ تجھے مبارک ہو کہ تو ایسے پاک قلب کی حاملہ ہونے والی ہے۔ (روح المعانی و ابن عربی)۔

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ وَلَدٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌؕ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ

وہ بولیں اے رب میرے کہاں سے ہوگا واسطے میرے فرزند حالانکہ نہ چھوا مجھے بشر نے فرمایا اسی طرح اللہ

بولی اے میرے رب میرے بچہ کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ نہ لگایا فرمایا اللہ یوں ہی پیدا کرتا

www.alahazratnetwork.org

يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۚ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝ وَ

پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے جب فیصلہ کرتا ہے کسی چیز کا تو اس کے سوا نہیں کہ کہتا ہے واسطے اس کے ہو،

ہے جو چاہے جب کسی کام کا حکم فرمائے تو اس سے یہی کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ فوراً ہو جاتا

يُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ

جا پس وہ ہو جاتا ہے اور سکھائے گا انہیں کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل ۞ اور رسول ہوں گے

ہے اور اللہ اُسے سکھائے گا کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل ۞ اور رسول ہوگا

اِسْرَآءِيْلَ ۬

وہ طرف بنی اسرائیل کے

بنی اسرائیل کی طرف

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اس بشارت کا ذکر تھا جو حضرت مریم کو ملائکہ کے ذریعہ دی گئی اب حضرت مریم کے تعجب یا خوشی کا ذکر ہے جو انہیں بشارت سے حاصل ہوئی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حضرت مسیح کی ولادت کا ذکر تھا اب کیفیت ولادت کا تذکرہ ہے کہ ان کی پیدائش کنواری مریم سے بلا واسطہ شوہر ہوگی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مسیح علیہ السلام کی ظاہری صفات کا ذکر تھا اب ان کی باطنی صفات یعنی علم و حکمت و رسالت کا تذکرہ ہے۔ یہاں خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت شریف کے متعلق اس قسم کے بلکہ اس سے اعلیٰ واقعات بیان کئے جاتے ہیں وہ اگرچہ تاریخی حیثیت کے ہیں یا احادیث ضعیف سے ثابت ہیں مگر ان آیات سے ان تمام واقعات کی تائید ہوتی ہے کہ حضرات انبیاء کرام کی ولادت پر قسم قسم کے معجزات کا ظہور ہوتا ہے۔ لہٰذا وہ تمام احادیث و تاریخی واقعات قابل قبول ہیں کہ حدیث ضعیف، عمل امت، قبول علماء اور تائید قرآن سے قوی ہو جاتے ہیں دیکھو **انا نور من اللہ** اگرچہ ضعیف بھی ہو مگر اس کی تائید ان آیات سے ہو رہی ہے **قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین** اور **سراجا منیرا** لہٰذا وہ حدیث قبول ہے۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان ارہاصات اور حضرت مریم کی کرامات کا ذکر فرمایا جو ولادت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے ظاہر ہوئیں حضور علیہ السلام کا میلاد خواں حضرت آمنہ و حضرت حلیمہ کے گھر کے ارہاصات ہی بیان کرتا ہے۔

تفسیر : **قالت رب انی یکون لی ولد** یہ مستقل جملہ ہے قالت کا فاعل حضرت مریم ہیں۔ رب سے مراد یا رب تعالیٰ ہے کیونکہ حقیقی کلام ادھر ہی سے تھا یا حضرت جبرائیل۔ کیونکہ بظاہر وہی بول رہے تھے چونکہ حضرت مریم کی پرورش میں جبریل علیہ السلام کو بڑا دخل تھا۔ اس لئے انہیں رب کہا گیا انی یا بمعنی کیف ہے یا من این۔ یہ سوال تعجب کے لئے ہے یا طریقہ ولادت پوچھنے کے لئے۔ اس سے انکار مقصود نہیں جو مریم رب کا غیبی رزق کھاتی رہی ہیں اور جنہوں نے زکریا علیہ السلام سے کہا **ھو من عند اللہ** وہ اس کا انکار کیسے کر سکتی تھیں وہ تو قدرت خدا کا تماشہ دیکھ چکی تھی۔ یعنی حضرت مریم نے عرض کیا کہ اے

www.alahazratnetwork.org

مولا میرے فرزند کیسے ہو گا نکاح کے ذریعہ یا بلا نکاح یا کہاں سے ہو گا کس سے نکاح ہو گا۔(روح المعانی) **ولم یمسسنی بشر** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ لی کی ضمیرے حال **یمسس** مس سے بنا بمعنی چھونا یا مجازا جماع مراد ہے۔ **بشر** بشرہ سے بنا بمعنی ظہور۔ انسان کو بشر اس لئے کہتے ہیں کہ اسکی کھال ظاہر ہے پروں یا بالوں سے ڈھکی ہوئی نہیں یا بشر مباشرت سے بنا چونکہ رب تعالیٰ نے ابو البشر آدم علیہ السلام کی پیدائش کی مباشرت خود فرمائی کہ انہیں اپنے ہاتھ سے بنایا۔ اس لئے اس کا نام بشر ہوا (معانی و بیان) مگر یہاں بشر سے مرد مراد ہے یعنی میرے فرزند کیونکر ہو گا مجھے کسی مرد نے چھوا نہیں۔ **قال کذلک اللہ یخلق ما یشاء** یہ ان کے تعجب کا جواب ہے۔ قال کا فاعل یا فرشتہ ہے جسکا کلام رب نے نقل فرمایا یا خود رب تعالیٰ۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حضرت مریم کو یہ آواز بلا واسطہ فرشتہ آئی مگر صحیح یہ ہے کہ بواسطہ فرشتہ تھی کذلک یا تو یکون فعل پوشیدہ کے متعلق ہے اور اللہ یخلق سے نیا جملہ اور کذلک کی دلیل یا یہ ایک ہی جملہ ہے اور کذلک یخلق کے متعلق۔ یہ خلق سے بنا بمعنی معدوم کو موجود اور نیست کو ہست کرنا اور ما سے ہر چیز مراد ہے جاندار ہو یا بے جان۔ یعنی تمہارے فرزند یوں ہی بغیر نکاح ہو گا کیونکہ اللہ جسے چاہے جیسے چاہے پیدا کرے یا اے مریم اللہ جسے چاہتا ہے ایسے ہی بغیر ظاہر اسباب پیدا کرتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں یخلق کے معنی یا تو ہیں پیدا کر سکتا ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ بغیر اختلاط مرد و زن بچہ پیدا فرماوے یا معنی ہیں پیدا کرتا ہے یعنی بغیر نر مادہ کے اختلاط کے دن رات مخلوق کو پیدا کرتا رہتا ہے کہ سر کی پہلی جوں چارپائی کا پہلا کھٹمل موسم برسات کا پہلا مینڈک اور پہلا پروانہ بغیر نر مادہ کے ہی پیدا ہوتا ہے تو وہ قادر و کریم تمہیں بھی بغیر شوہر بچہ دینے پر قادر ہے۔ **اذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون** یہ جملہ پچھلے جملہ کی دلیل ہے **قضی** قضاء سے بنا بمعنی مضبوطی۔ اصطلاح میں فیصلہ اور یقینی ارادے کو بھی قضا کہتے ہیں۔ قضا کے آٹھ معنی پارہ **الم** میں بیان ہو چکے۔ **امر** امور کا واحد ہے بمعنی چیز یا کام اس میں جوہر و عرض سب داخل ہیں۔ **فانما** کی ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ قضی کی جزا کن کہنے سے فقط تعلق ارادہ کی مثال دینا مقصود ہے اور **فیکون** سے اس چیز کا فورا بلا تاخیر ہو جانا مراد نہ حقیقی قول مراد ہے اور نہ لفظ کن مقصود۔ کیونکہ کاف اور نون بھی تو ایک مخلوق ہے۔ نیز اگر ہر چیز کن سے پیدا ہوتی ہے تو کن کس سے پیدا ہوتا۔ نیز کن خطاب ہے جب سننے والے موجود ہی نہیں تو خطاب کس سے یعنی جب کسی چیز کی پیدائش کا فیصلہ فرمالیتا ہے تو اپنے ارادے کو اسکے متعلق فرماتا ہے اور ارادہ فرماتے ہی فوراً وہ شے ہو جاتی ہے نہ مادے کی ضرورت ہے نہ کسی آلے اور اسباب کی حاجت نہ محنت و جانفشانی کی ضرورت۔ اور ممکن ہے کہ کن کہنے سے کلام نفسی مراد ہو جو ان ممکنات سے متعلق ہو جو علم الہی میں موجود ہیں (روح المعانی) مگر پہلی توجیہ زیادہ صحیح یعنی رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب کسی چیز کے پیدا کرنے کا فیصلہ یا حکم فرماتا ہے تو اس معلوم سے کن فرماتا ہے اور وہ ہو جاتی ہے **ویعلمہ الکتب والحکمۃ والتورۃ والانجیل** یہ یا تو نیا جملہ ہے یا **یبشرک** یا یخلق پر معطوف۔ ہماری قرات یعلم ی سے ہے دیگر قراتوں میں نعلم نون سے ہے۔ **تعلم** تعلیم سے بنا بمعنی سکھانا۔ یہاں بلا واسطہ استاد سکھانا مراد ہے۔ ہ کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں کتاب سے مراد کتابت یعنی تحریر ہے اور حکمت سے مراد علم فقہ یا علم حلال و حرام یا سارے علوم دینیہ یا سارے عقلی و نقلی علوم ہیں اس صورت میں توریت و انجیل کا ذکر بلا تکلف درست ہوا (روح المعانی و کبیر) روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کتابت کے دس حصے کئے۔ نو حصے عیسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے اور ایک حصہ میں ساری دنیا (روح المعانی) چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام بہت خوش خط تھے اور ممکن ہے کہ کتاب سے مراد زبور ہو یا مطلقاً آسمانی کتابیں اور علم کتاب سے الفاظ کا علم مراد ہے

www.alahazratnetwork.org

اور حکمت سے اس کے اسرار و رموز۔ اس صورت میں توریت انجیل کتاب کا بیان ہے یا خاص بعد عام۔ اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہو اور حکمت سے مراد حدیث پاک کیونکہ عیسٰی علیہ السلام آسمان سے واپس آکر امت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے مجتہد ہوں گے اور قرآن و حدیث کے بڑے ماہر۔ حالانکہ کسی سے نہ پڑھیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کی زندگی کے دو حصے ہوں گے پہلا حصہ آسمان سے آنے کے بعد۔ پہلے حصہ میں وہ تورات و انجیل کے بڑے ماہر ہوں گے' دوسرے حصے میں چونکہ توریت و انجیل کا چراغ گل ہو چکا ہو گا' قرآن و حدیث مصطفوی کا سورج چمک رہا ہو گا اس لئے وہ قرآن و حدیث کے بڑے عالم ہوں گے کہ زمین پر مجاکرنہ حنفی ہوں گے نہ شافعی نہ مالکی وغیرہ خود مجتہد اعظم ہوں گے۔ نیز نہ قادری ہوں گے نہ چشتی نقشبندی بلکہ خود بانی سلسلہ ہوں گے یہ تمام علوم انہیں رب ہی سکھائے گا۔ کسی معلم روحانی و جسمانی سے نہ سیکھیں گے۔ چونکہ قرآن و حدیث توریت و انجیل سے افضل ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے افضل کا ذکر پہلے کیا۔ اگرچہ ترتیب میں قرآن و حدیث کی تعلیم بعد میں ہے اور توریت و انجیل کی تعلیم پہلے **ورسولا الی بنی اسرائیل** یہ واؤ بھی عاطفہ ہے اور یہ جملہ **یعلمہ** پر معطوف اور رسولا یکون فعل پوشیدہ کی خبر اور ممکن ہے **نبعثہ** کا حال ہو۔ بنی اسرائیل فرمانے میں یہود کا رد ہے کہ عام یہودی ان کی نبوت کے منکر تھے اور ان میں کا فرقہ عنانیہ ان کی نبوت کا معتقد تو تھا مگر ایک خاص قبیلہ کی طرف۔ اس میں اختلاف ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کو نبوت کب ملی۔ بعض نے فرمایا کہ آپ مادر زاد نبی تھے کیونکہ آپ نے پیدا ہوتے ہی فرمایا **واتنی الکتب وجعلنی نبیا** " بعض کے نزدیک تین سال کی عمر میں بعض روایتوں میں ہے کہ بالغ ہو کر آپ پر وحی آئی۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کو نبوت تیس سال کی عمر میں ملی اور تین سال تین مہینے تین دن تبلیغ فرما کر آسمان پر تشریف لے گئے یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ (روح المعانی)

لطیفہ : انسان میں پہلے نبی آدم علیہ السلام اور آخری نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور بنی اسرائیل میں پہلے نبی یوسف علیہ السلام اور آخری نبی عیسٰی علیہ السلام ہیں۔

خلاصہ تفسیر : حضرت مریم نے جب فرزند کی بشارت اور ان کے اوصاف سنے تو از راہ تعجب یا نوعیت دریافت کرنے کے لئے بولیں کہ اے مولیٰ میرے بچہ کیونکر ہو گا۔ مجھے تو مرد نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔ یا اے مولیٰ ابھی تو مجھے مرد نے چھوا نہیں۔ فرزند کہاں سے ہو گا۔ ایسے ہی یا نکاح سے اگر نکاح سے ہو تو نکاح کس سے ہو گا۔ جواب ملا کہ اے مریم! تمہارے فرزند ایسے ہی بغیر نکاح اور بغیر شوہر ہو گا۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہے یا جیسے چاہے پیدا کرے۔ اس کی شان تو یہ ہے کہ جس کسی چیز کی پیدائش کا ارادہ فرما لیتا ہے تو نہ مادہ کی ضرورت نہ اسباب اور اوزار کی حاجت' نہ مشقت و محنت کی ضرورت بس صرف کن فرماتا ہے کہ ہو جاتی ہے اس نے تمہیں بے موسم پھل دیئے۔ مٹی کے ڈھیلوں سے چوہے' سڑے گلے بالوں سے سانپ' گلے ہوئے پاقلہ سے مکھی۔ سر کے میل سے جوں' چارپائی کے میل سے کھٹمل' بارش سے صدہا کیڑے مکوڑے پیدا فرماتا ہے' نہ وہاں نطفہ ہے نہ نر مادہ کا اختلاط۔ تو کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ تمہیں بغیر شوہر فرزند بخشے۔ اے مریم اور تعجب کی بات سنو رب تعالیٰ تمہارے فرزند کو بغیر استاد علم تحریر' علم اسرار عطا فرمائے گا اور توریت و انجیل کا انہیں پورا عالم کرے گا یا ان کی آخری زندگی میں اعلیٰ کتاب یعنی قرآن و حدیث کا علم انہیں دیگا اور اول زندگی میں توریت و انجیل کا انہیں ماہر کرے گا اس کے سواوہ سارے بنی اسرائیل کے آخری پیغمبر ہوں گے۔ خیال رہے کہ حضرت مریم کی فرشتوں سے یہ گفتگو تیرہ سال کی عمر میں ہوئی اس گفتگو کے بعد حضرت

www.alahazratnetwork.org

جبریل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری۔ آپ فوراً حاملہ ہو گئیں مگر بدنامی کے خوف سے اس حمل کو چھپایا سب سے پہلے یوسف نجار کو جو ان کا ماموں زاد بھائی تھا اور بیت المقدس کی خدمت کرتے تھا پتہ چلا کہ وہ آپ کے تقویٰ اور زہد کا بڑا معتقد تھا' یہ معلوم کرکے حیران رہ گیا۔ حمل کو دیکھ کر اس کے دماغ میں برے خیالات آتے مگر آپ کے تقویٰ کو دیکھ کر وہ تہمت لگانے کی جرات نہ کرتا تھا۔ ایک دن حضرت مریم سے بولا کہ اے مریم کیا بغیر تخم کھیتی ہو سکتی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ پہلی کھیتی بغیر تخم ہی ہوئی تھی۔ پھر بولا کیا بغیر بارش درخت اگ سکتے ہیں آپ نے فرمایا ہاں۔ پھر بولا کیا بغیر نطفہ بچہ بن سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں پہلا انسان بغیر نطفہ کے پیدا ہوا حوا بغیر نطفہ کے بنیں۔ اے یوسف میں تیرا مطلب سمجھ گئی تو اس پر حیرت نہ کر یہ عطیہ پروردگار ہے اور جس نے مجھے یہ حمل دیا وہی میری عزت رکھے گا یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ آپ کو درد زہ شروع ہو گیا اور غیبی آواز آئی کہ اے مریم یہاں سے نکل چلو۔ چنانچہ آپ جنگل میں ایک کھجور کے نیچے پہنچیں۔ وہاں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے فقیر نے اس جگہ اور کھجور کے مقام کی بیت اللحم میں زیارت کی ہے۔ انشاء اللہ اس کا پورا واقعہ سورۂ مریم میں تفصیل کے ساتھ آئے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے اور حضرت مریم کا کسی سے نکاح نہ ہوا نہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے نہ اس کے بعد۔ کیونکہ انہوں نے یہی تو سوال کیا تھا کہ **انی یکون لی ولد** میرے فرزند کیسے پیدا ہو گا اسی طرح بیا نکاح سے۔ جس کا جواب دیا گیا **کذلک** اسی طرح۔ نیز اگر حضرت مریم یوسف نجار کے نکاح میں آتیں اور ان سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے تو رب تعالیٰ ان کی ولادت پاک کا واقعہ اس شدومد سے بیان نہ فرماتا اور ان کے متعلق **فنفخنا فیھا من روحنا** وغیرہ نہ فرماتا۔ نیز انہیں ابن مریم نہ فرماتا۔ ابن یوسف فرمایا جاتا۔ دوسرا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو علم کتابت دیا گیا جیسا کہ الکتاب کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ آپ اعلیٰ درجہ کے خوشنویس تھے۔ تیسرا فائدہ: ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کتابت کا علم دیا گیا۔ کیونکہ حضور کمالات انبیاء کے جامع ہیں اور رب تعالیٰ فرماتا ہے **اقتدہ** اور خط و کتابت کمالات انبیاء میں سے ہے کہ عیسیٰ و ادریس علیہما السلام اس کے ماہر تھے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمان میں دیکھو۔ اسی تفسیر میں بھی انشاء اللہ اس آیت کے ماتحت آئے گا۔ **ولا تخطہ بیمینک اذا لارتاب المبطلون** چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے موقع پر صلح نامہ کی ابتداء میں محمد رسول اللہ کٹ کر محمد ابن عبداللہ خود لکھا تھا۔ کفار مکہ بضد تھے کہ آپ اپنا نام شریف یوں لکھیں۔ آپ نے یوں ہی لکھا۔ خرپوتی شریف میں حضرت امیر معاویہ کی روایت سے بیان فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قلم پکڑنا' دوات رکھنا' بسم اللہ کی سین دراز کرکے لکھنا سکھایا تاکہ میں وحی لکھا کروں۔ چوتھا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام کو علم لدنی عطا ہوا کہ بغیر استاد سے پڑھے آسمانی کتابوں کے پورے واقف تھے جیسا کہ **والتوراۃ والانجیل** سے معلوم ہوا اور علم کسبی خواہ کتنا ہی ہو علم لدنی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ بجلی و گیس خواہ کتنی ہی پاور کے ہوں سورج و چاند کا مقابلہ نہیں کر سکتے کہ بجلی کا نور کسبی ہے اور سورج چاند کا نور لدنی۔ نیز بڑے استاد کے شاگرد بھی بڑے ہوتے ہیں تو یقیناً رب تعالیٰ کے شاگرد حضرات انبیاء کرام تمام خلق سے بڑے عالم ہیں۔ پانچواں فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام قرآن شریف و حدیث شریف سے واقف ہو کر آسمان سے تشریف لائیں گے کیونکہ بغیر کسی سے پڑھے اسلام کے بڑے مجتہد ہوں گے اور اجتہاد قرآن و حدیث کے علم کے بغیر ناممکن ہے۔ یہ

www.alahazratnetwork.org

فائدہ الکتاب کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا اور علم کتاب تمام علوم سے اعلیٰ ہے۔ علم ابدان سے علم ادیان اعلیٰ کہ علم ابدان کا تعلق جسم سے ہے اور علم ادیان کا تعلق روح و دل سے۔ چونکہ جسم سے روح اعلیٰ ہے لہٰذا علم ادیان اعلیٰ اور تمام علوم ادیان میں علم کتاب اعلیٰ کہ کتاب خود اعلیٰ چیز ہے تو اس کا علم بھی اعلیٰ ہے۔ چھٹا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں جیساکہ **ورسولا الی بنی اسرائیل** سے معلوم ہوا لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین عیسائی نہ تھے کیونکہ وہ بنی اسمٰعیل ہیں۔ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی۔ سارے عالم کا نبی ہونا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعالمین نذیرا**۔ کسی عیسائی کو حق نہیں کہ ہم لوگوں کو عیسائی ہونے کی دعوت دے کیونکہ ہم لوگ اسرائیلی نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔ آٹھواں فائدہ: اب جب بھی عیسیٰ علیہ السلام زمین پر آئیں گے تو نبی نہ ہوں گے بلکہ اسلام کے مجتہد، مجدد ولی ہوں گے۔ خیال رہے کہ تمام نبیوں کی نبوتیں وقت اور قوم سے محدود تھیں مگر حضور کی نبوت کسی چیز سے محدود نہیں۔

پہلا اعتراض : جب مسلمان خدا کے سوا دوسروں کی پہلے سے ہستی نہیں مانتے تو کن کس سے کہا گیا اور کسؔ نے سنا اور کون ہو گیا۔ اس کا جواب مسلمان سات جنم میں بھی نہیں دے سکتے۔ (ستیارتھ پرکاش)۔ جواب: اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب پہلے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں گزر گیا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ عبارت قدرت الٰہی کے اظہار کے لئے ہے یعنی وہ آریوں کے پرمیشور کی طرح کسی کو بنانے میں روح و مادہ کا حاجتمند نہیں بلکہ غنی بے نیاز ہے۔ صرف اس طرف توجہ اور ارادہ کر دیتا ہے کہ وہ چیز ہو جاتی ہے۔ وہ روح و مادہ کا بھی خالق ہے اور کن کا بھی۔ یہ لفظ عربی میں مستقل اختیار کے لئے بولا جاتا ہے کاف و نون فرمانا مراد نہیں۔ یا یہ کہو کہ اس سے کلام نفسی مراد ہے جو لفظ سے بے نیاز ہے اور جو چیزیں علم الٰہی میں موجود تھیں ان سے خطاب۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ مکان بنانے سے پہلے اس کا نقشہ ہمارے ذہن میں ہوتا ہے پھر کاغذ پر کھینچا جاتا ہے۔ پھر اس طرح مکان بنایا جاتا ہے تو ہمارا خیال نقشہ اور کاغذی نقشہ خارجی تعمیر سے پہلے ہمارے خیال میں ہے جب اس کی تعمیر کرانا چاہتے ہیں تو اینٹ گارا چونا اور معمار وغیرہ کی حاجت درپیش ہوتی ہے مگر رب تعالیٰ کے نزدیک یہ نہیں۔ اسے تمام عالم کا علم تھا پھر لوح محفوظ میں عالم اور سارے واقعات کا نقشہ تیار کیا گیا پھر جب بنانا چاہا تو جس معلوم سے کن فرمایا وہ وجود میں آ گیا نہ اسے معمار کی حاجت پڑی نہ اسباب کی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہر چیز کن سے پیدا فرماتا ہے مادہ و روح وغیرہ کی حاجت نہیں رکھتا مگر دوسری آیت میں فرماتا ہے **خلقکم من تراب ثم من نطفۃ** الخ کہ تم کو مٹی سے پھر نطفہ وغیرہ سے پیدا کیا۔ معلوم ہوا کہ مادہ سے بناتا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے **انا خلقنا من نطفۃ امشاج نبتلیہ فجعلنہ سمیعا بصیرا** ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا۔ پھر اسے سمیع و بصیر بنایا، جس سے معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش ماں باپ کے نطفہ سے ہوتی ہے کہ باپ کے نطفہ سے ہڈی اور ماں کے نطفہ سے گوشت پوست پیدا ہوتا ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو (آریہ) جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ رب کی عادت اور ہے اور قدرت کچھ اور۔ اس آیت میں قدرت کا ذکر ہے اور اس میں عادت کا یعنی وہ تمہاری پیدائش میں مٹی وغیرہ کا محتاج نہیں۔ ہر طرح بنا سکتا ہے مگر اسکا قانون یہ ہے کہ انسان کو مٹی سے جن کو آگ سے پیدا فرماتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مرکبات چار عناصر سے بنے اور عناصر کن سے۔ لہٰذا سب کی انتہا کن پر ہے اور سب کن سے بنے جیسے آدمی منی اور منی غذا سے اور غذا گھاس پھوس سے اور وہ مٹی سے تو کہا جاتا ہے کہ آدمی مٹی سے

www.alahazratnetwork.org

بنایا وہ خاک کا پتلا ہے کیونکہ انتہا خاک پر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ وہ کن سے پیدا فرماتا ہے' دوسری آیت میں ارشاد ہوا فی **ستۃ ایام** چھ دن میں عالم بنایا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو (آریہ) **جواب:** یہاں طریقہ پیدائش کا ذکر ہے اور وہاں مدت پیدائش کا یعنی چھ دن میں عالم پیدا کیا مگر کن سے آج کن سے پہلا آسمان' کل کن سے دوسرا آسمان وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا نہیں ہوئے بلکہ مریم یوسف نجار کے نکاح میں آئیں۔ آپ ان کے بیٹے ہیں کیونکہ قرآن کریم نے پیدائش انسان کا قانون یہ بنایا **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** کہ وہ نطفہ سے ہے اور فرماتا ہے **ثم جعل نسلہ من سللۃ من ماء مھین** اور قانون قدرت کی مخالفت ناممکن ہے۔ نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **التی احصنت فرجھا** وہ مریم جس نے اپنی شرمگاہ محصن کرلی اور عربی میں محصن شادی شدہ کو کہتے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ محصن زانی کو رجم کرو یعنی شادی شدہ کو نیز متی رسول آیت 25"42 میں ہے کہ پس یوسف اپنی بیوی کو اپنے ہاں لے آیا اور اس کو نہ جانا جب تک وہ بیٹا نہ جنی۔ دیکھو اس میں مریم کو یوسف کی بیوی کہا گیا۔ غرضیکہ قرآن و انجیل سے ان کا انسان کی اولاد ہونا معلوم ہوتا ہے (مرزائی)۔ **جواب:** قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے کی بے شمار گواہیاں دیں۔ (1) انہیں آدم علیہ السلام سے مشابہت دی۔ **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم** (2) انہیں عیسیٰ ابن مریم کہا حالانکہ قرآن کریم نے سواء مریم کے کسی عورت کا نام نہ لیا اگر وہ کسی مرد کے فرزند ہوتے تو اس کی طرف ہی نسبت کی جاتی۔ (3) یہود نے حضرت مریم کو تہمت زنا لگائی تو عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں قوت گویائی دے کر ان سے ماں کی عصمت بیان کرائی اگر مریم شادی شدہ تھی تو یہود تہمت کیوں لگاتے اور اس تہمت کے دفعیہ کے لئے اتنا بڑا واقعہ کیوں ہوتا۔ صرف یوسف کہہ دیتے کہ یہ میرا بچہ ہے۔ (4) عیسیٰ علیہ السلام کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہوا کیونکہ وہ کلمہ کن سے پیدا ہوئے۔ (5) قرآن کریم نے ان کی ماں کا یہ قول بار بار نقل فرمایا **ولم یمسسنی بشر** مجھے مرد نے چھوا بھی نہیں۔ اگر نکاح ہو چکا تھا تو اس کہنے کے کیا معنی۔ (6) حضرت مریم جنگل میں جا کر وضع حمل سے فارغ ہوئیں۔ اگر یوسف کی بیوی ہوتیں تو اس قدر مشقت اٹھانے کی کیا ضرورت تھی وغیرہ وغیرہ۔ رہے تمہارے اعتراضات وہ لغو ہیں کہ معجزہ تو کہتے ہی اسے ہیں جو قانون قدرت کے خلاف اور عجیب ہو۔ پتھروں کا کلام کرنا' انگلیوں سے پانی بہنا وغیرہ' عصاء موسیٰ کا سانپ بن جانا خلاف عادت الٰہی ہی تو ہیں۔ دیکھو آدم علیہ السلام اس قانون کے خلاف ہی پیدا ہوئے۔ رہا احصنت فرمانا جناب احصنت احصان سے بنا بمعنی حفاظت۔ اسی سے حصن بمعنی قلعہ ہے اور حصین بمعنی مضبوط۔ ہر پاک دامن پر یہ لفظ بولا جاتا ہے۔ شادی شدہ کو بھی محصن اس لئے کہتے ہیں کہ وہ پاکدامن ہو جاتا ہے' پوری آیت یوں ہے **والتی احصنت فرجھا فنفخنا فیھا من روحنا** وہ مریم جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی (یعنی پاک دامن رہیں) پس ہم نے ان میں اپنی روح پھونکی۔ مگر وہ شادی شدہ ہوتیں تو چاہئے کہ یہ عبارت ہر حاملہ انسان پر صادق آجاتی۔ حضرت مریم کی خصوصیت نہ ہوتی۔ انجیل محرف کتاب ہے۔ اس سے حوالہ پیش کرنا حماقت ہی ہے۔ نیز عیسائیوں کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ ہوئی بعد میں مریم کا یوسف نجار سے نکاح ہوا۔

لطیفہ: مرزائیوں کو ان تمام تحریفوں کی ضرورت پڑی کہ ان کے ولایتی نبی اور بناسپتی رسول مرزا قادیانی کو مثیل مسیح بننے کا شوق ہوا مگر ان میں عیسیٰ علیہ السلام کی صفات ندارد تھیں۔ اس لئے انہوں نے اس جناب کی صفات کا انکار کرنا شروع کر دیا اگر مرزا جی مثیل مسیح ہوتے یا مسیح موعود ہوتے تو عیسیٰ علیہ السلام کی صفات ان میں ہوتیں۔ عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے'

www.alahazratnetwork.org

عیسیٰ علیہ السلام نے لڑکپن میں کلام کیا۔ آپ مردوں کو زندہ 'پیدائشی اندھوں کو بینا' کوڑھوں کو اچھا کر دیتے تھے گھروں میں چھپ کر کھانے والوں کو ان کے کھائے ہوئے بچائے ہوئے کھانوں کی خبر دے دیتے تھے۔ بتاؤ مرزاجی میں یہ کونسی صفت ہے پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آکر دجال کو قتل کریں گے۔ دمشق میں آسمان سے اتریں گے۔ شرک و کفر کو دنیا سے مٹائیں گے تمام عالم میں اسلام پھیلائیں گے۔ بتاؤ مرزاجی میں یہ کون سا وصف ہے مرزا اور مرزائیوں کے پاس سوا باتوں کے اور کیا تھا اور کیا ہے۔ حل ہونا کام سے ہوتا ہے نہ کے محض کلام سے۔ اگلی آیتوں میں انشاء اللہ ان کی تحریوں کی اور بھی پرزور تردید کی جائے گی افسوس ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے لئے قانون کا بہانہ کرتے ہیں۔ مگر آدم و حواء علیہ السلام کو بلاچون و چرا بغیر ماں باپ پیدا مانتے ہیں۔ دن رات جانور بغیر ماں باپ پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے وجعلنا من الماء کل شیء حی ہم نے ہر زندہ کو پانی سے بنایا۔ وہاں پانی کا نام بھی نہیں۔ سمندل کیڑا آگ میں پیدا ہو کر آگ ہی میں رہتا ہے وہاں پانی نہیں۔

پانچواں اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام کے چار بھائی تھے یوسف' شمعون' یہودا' یعقوب اور تین بہنیں تھیں (انجیل متی رسول) اور بھائی بہن یا حقیقی ہوتے ہیں یا سوتیلے یا ماں شریکے۔ جیسے بھی ہوں حضرت مریم کا یوسف کے ساتھ نکاح ثابت ہوا۔ انجیل و تواریخ کی کتب اس پر شاہد ہیں۔ (مرزائی) **جواب:** یہ بالکل بے اصل ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا کہیں ثبوت نہیں۔ خلاف قرآن نہ تواریخ کا اعتبار ہے نہ انجیل کا اور اگر درست بھی ہو تب بھی ہم جنس۔ ہم پیشہ' برادری والے اور قرابت داروں کو بھائی ہی کہہ دیا کرتے تھے۔ حدیث شریف میں یحییٰ علیہ السلام کو عیسیٰ علیہ السلام کا خالہ زاد بھائی فرمایا گیا۔ حالانکہ وہ آپ کے ماموں تھے۔ حضرت مریم کے خالہ زاد بھائی۔ رب تعالیٰ نے حضرت مریم کو اخت ہارون فرمایا حالانکہ حنہ کے کوئی بیٹا پیدا نہ ہوا۔ صرف مریم ہی پیدا ہوئیں جو توجیہ اس اخت ہارون وغیرہ میں کی جائے گی۔ وہی یہاں کرنا ضروری ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جب مریم نے عیسیٰ قلب کی بشارت سنی تو تعجب سے عرض کیا کہ مولیٰ مجھے ابھی بشر یعنی شیخ کامل کی نظر نے مس بھی نہیں کیا مجھ سے ایسا ستھرا فرزند کیوں کر ہوگا جو قلب مرشد یہ سفر طے کرے وہ گمراہ ہو جاتا ہے خودرو درخت پھل نہیں دیتا پھر وہ خودرو قلب کیسے کامیاب ہوگا۔ جواب ملا کہ اے نفس اسی طرح جسے رب تعالیٰ چاہے جذب و کشف کے ذریعہ اپنے تک پہنچائے۔ سلوک میں رہبر کی ضرورت ہے مگر جذب سب سے بے نیاز۔ کیونکہ سالک مرید ہے اور مجذوب مراد۔ اکثر مجذوبین اور بعض محبین کا یہی حال ہوا۔ رب تعالیٰ اس عیسیٰ قلب کو تعلیم زبانی سے علوم معقولہ کی کتاب اور احکام مشروعہ اور ظاہری توریت و باطنی انجیل سکھائے گا اور وہ قلب یعقوب روح کی اولاد یعنی روحانیین کی طرف رب تعالیٰ کا قاصد ہوگا کہ ان سب کی اصلاح کرے گا۔

خلاصہ: یہ کہ قلب عارف کی مختلف نوعیات ہیں۔ سالک مرید ہے وہ بغیر رہبر اس راہ کو طے نہیں کر سکتا۔ مگر مجذوب مراد کہ عشق اس کا رہبر ہے جیسا کہ بعض لوگ دنیاوی نعمتیں بغیر واسطہ پالیتے ہیں ایسے ہی بعض خوش نصیب اخروی نعمتیں بے حاجت مرشد حاصل کر لیتے ہیں (ابن عربی و روح المعانی) کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے ع

رب شخص تقوده الاقدار للمعالي وما لذاک اختيار
غافل والسعادة النعته وهو منه مستوحش نفار

کیمیا گر مرد بمرد غصہ و رنج ابلہ اندر خرابہ یافتہ گنج

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جانے اور بلائے جانے میں بڑا فرق ہے پھر اپنے پہنچنے اور ادھر سے کشش ہونے میں بڑا فرق ہے سواری و اسباب سفر جانے کے لئے ضروری ہیں۔ کشش کی صورت میں ان میں سے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ انسان اوپر جاتا ہے سیڑھی وغیرہ سے مگر نیچے گرتا ہے بغیر سیڑھی کے کہ یہ حرکت زمین کی کشش سے ہے۔ رہا مقناطیس کی طرف بغیر سواری ہی کے دوڑا جاتا ہے کیونکہ مقناطیس کی کشش سے۔ جب دنیاوی مادی چیزوں کی کشش کا یہ عالم ہے تو ربانی کشش کا کیا پوچھنا ہے۔

أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ أَنِّي أَخْلُقُ لَكُم مِّنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ

تحقیق میں بے شک لایا تمہارے پاس نشانی طرف سے رب تمہارے کے تحقیق میں بناتا ہوں واسطے تمہارے گارے سے

یہ فرماتا ہوا کہ میں تمہارے پاس ایک نشانی لایا ہوں تمہارے رب کی طرف سے کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندہ کی صورت

الطَّيْرِ فَأَنفُخُ فِيهِ فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

مثل صورت پرندہ کی پس پھونکتا ہوں بیچ اس کے پس ہو جاتا ہے وہ پرندہ ساتھ حکم اللہ کے اور اچھا کرتا ہوں پیدائشی

بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ فوراً پرند ہو جاتی ہے اللہ کے حکم سے اور میں شفا دیتا ہوں مادر زاد اندھے

وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ ۖ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ ۚ

اندھے اور کوڑھے کو اور زندہ کرتا ہوں مردہ کو ساتھ حکم اللہ کے اور خبر دیتا ہوں تم کو اس کی جو کھاتے ہو تم اور جو جمع کرتے ہو

کو اور سفید داغ والے کو اور میں مردے جلاتا ہوں اللہ کے حکم سے اور تمہیں بتاتا ہوں جو تم کھاتے ہو اور جو اپنے گھروں میں جمع

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لَّكُمْ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٤٩﴾

تم بیچ گھروں اپنے کے تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانی ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے ⁂

کر رکھتے ہو بے شک ان باتوں میں تمہارے لئے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو ⁂

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری کا ذکر تھا۔ اب ان کے پیغام کا ذکر ہے کہ انہوں نے بنی اسرائیل کو پہلا پیغام کیا دیا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی رسالت کا ذکر تھا۔ اب ان کے معجزات بتائے جا رہے ہیں جو نبوت کی دلیل ہیں۔ گویا پہلے دعویٰ تھا۔ اب دلیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے تقرب اور ان کے مقبول بارگاہ ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ان خصوصی اختیارات کا ذکر ہے جو انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے علم کتاب و حکمت وغیرہ کا ذکر فرمایا تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ لوگو تم یہ نہ سمجھنا کہ مولویوں کی طرح انہیں صرف شرعی مسئلے ہی معلوم تھے انہیں بلکہ انہیں قدرتیں اور غیبی علوم بھی بخشے گئے تھے جن کے باعث وہ تمام انسانوں سے ممتاز شان کے

www.alahazratnetwork.org

مالک تھے۔ غرضیکہ آپ کے دینی علوم و معرفت کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اور آپ کی قدرتوں عطائی اور علم غیب کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر : **انی قد جئتکم باٰیۃ من ربکم** در حقیقت یہ بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفت بلکہ معجزہ ہی ہے۔ آپ فرما رہے ہیں کہ تم سب دنیا میں پیدا ہوئے ہو مگر میں پیدا ابھی ہوا ہوں اور تمہارے پاس آیا بھی ہوں۔ تمہاری پیدائش خود اپنے لئے ہے اور میری تشریف آوری تمہارے نفع کے لئے تم دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے میں سب کچھ تھا۔ میرا یہاں آنا ایسا ہے جیسے حاکم تبدیل ہو کر کہیں آتا ہے۔ یہ جملہ یا رسول کا مفعول ہے کیونکہ اس کے معنی تھے پیغام پہنچانے والا تو مطلب یہ ہوا کہ یہ پیغام لے کر بھیجا کہ میں بناتا ہوں الخ یا ناطقا" پوشیدہ کا مفعول اور رسول کی صفت یا رسول کا بدل یا پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے غرضیکہ یا منصوب ہے یا مرفوع۔ اس میں تو علماء کا اختلاف تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت کب ملی بچپن میں ماں کی گود میں یا ہوش سنبھال کر یا جوانی میں۔ مگر اس پر سب متفق ہیں کہ آپ کا یہ اعلان جوانی میں ہے کیونکہ یہ اعلان تبلیغی ہے اور بہت دفعہ عطائے نبوت کے عرصہ بعد شروع ہوئی ہے دیکھو ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطاء نبوت تو اسی وقت ہوئی جب کہ سورۂ علق کی پہلی آیت اقراء باسم ربک نازل ہوئی مگر آپ نے تبلیغ جب شروع کی جب کہ یہ آیت کریمہ اتری **وانذر عشیرتک الاقربین** اس کے درمیان کئی روز کا فاصلہ ہے۔ چونکہ اس حکم کے منکر بہت تھے اس لئے آپ نے یہ کلام ان سے شروع فرمایا جئتکم میں ان بنی اسرائیل سے خطاب ہے جو اس وقت حاضر تھے آیت بمعنی نشانی ہے اگرچہ یہاں چار معجزات کا ذکر ہے مگر چونکہ ان سب کا منشاء ایک ہی تھا یعنی آپ کی نبوت کا ثبوت۔ اس لئے ان سب کو آیت فرمایا گیا یعنی ایک نشانی اس کی تنوین تعظیمی ہے بعض قرات میں بینات بھی آیا ہے۔ من ربکم یا جئت کے متعلق ہے یا ثابت پوشیدہ کے اور وہ آیت کی صفت دونوں صورتوں میں من ابتدائیہ ہے چونکہ نبی کا بھیجنا حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی روحانی پرورش ہے اس لئے یہاں رب فرمایا یعنی حق تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام کو یہ فرماتے ہوئے بھیجے گا کہ اے اسرائیلیو! میں تمہارے رب کی طرف سے ایک بڑی نشانی لے کر آیا ہوں یا میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نشانی لایا ہوں وہ یہ کہ **انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر** یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پہلی تبلیغ ہے جس میں آپ نے توحید' قیامت' جنت' دوزخ' فرشتوں' حساب کتاب کی تبلیغ نہیں فرمائی بلکہ اپنے فضائل کا ذکر فرمایا کہ میں رب کی طرف سے ایسی قدرتیں' ایسا علم غیب لے کر آیا ہوں کیونکہ اعتقادات میں نبی کی معرفت سب پر مقدم ہے۔ نبی کے آئینہ میں توحید کا جمال دیکھنا ضروری ہے۔ آئینہ پہلے سامنے آتا ہے' جمال بعد میں۔ جس نے نبی کو مان لیا۔ اس نے سب کچھ مان لیا دیکھو جب لوگوں نے آپ کی والدہ ماجدہ کو تہمت لگائی تو آپ نے بجائے اپنی ماں کی پاکدامنی بیان کرنے کے اپنے فضائل بیان فرمائے کہ **انی عبداللہ** مقصد یہ تھا کہ میری عظمت پہچانو اور میری ماں کی پاک دامنی و عظمت تمہیں خود معلوم ہو جائے گی کہ ایسا موتی کیسی شاندار سیپ میں رکھنے کے لائق۔ غرضیکہ سارے اعتقادات جمع کے اعداد ہیں اور نبوت جمع حاصل۔ کہ اس میں سارے اعداد جمع موجود ہیں یہ جملہ یا تو **انی قد جئتکم** کا بدل ہے یا پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے۔ اخلق خلق سے بنا خلق کے چند معنی ہیں۔ ہستی بخشنا' خالق کل شیء۔ اندازہ لگانا جیسے **فتبرک اللہ احسن الخالقین** گھڑنا اور بنانا۔ جیسے **و تخلقون افکا** " تم جھوٹ گھڑتے ہو یا جیسے **ان ھذا الا اختلاق** جھوٹے کو اسی لئے خالق کہتے ہیں کہ وہ کلام کو گھڑتا اور بناتا ہے برابر کرنا کہا جاتا ہے۔ **خلق النعل بالنعل**

www.alahazratnetwork.org

جوتے کو جوتے کے برابر کردیا۔ اس لئے برابر حصہ کو خلاق کہتے ہیں۔ ما لہ فی الاخرۃ من خلاق لائق اور مستحق کو خلیق کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے فلان خلیق بکذا فلاں اس کام کے لائق ہے۔ چکنے پتھر کو صخرۃ " خلقا " غرضیکہ اس کے بہت سے معنی ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

ولانت تفری ما خلقت　　وبعض القوم یخلق ثم لا تفری

دوسرا کہتا ہے۔

ولا یعطی بایدی الخلقین ولا　　ایدی الخوالق الاجد الادم

یہاں بمعنی بنانا یا گھڑنا ہے۔ (تفسیر کبیر و معانی) لکم میں لام نفع کا ہے۔ من الطین اخلق کے متعلق ہے کھیئۃ کا کاف اسمیہ ہے۔ بمعنی مثل۔ اخلق کا مفعول بہ یا حرف ہے تشبیہ کے لئے ثابت کے متعلق ہو کر صورتا" پوشیدہ کی صفت۔ ہیئت باب تفعیل کا اسم مصدر ہے بمعنی اسم مفعول اس کے لفظی معنی ہیں تیاری۔ اس سے تھیو ہے۔ کہا جاتا ہے۔ تھیا کل کھانے کی تیاری کی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وھی لنا من امرنا رشدا " نیز ارشاد فرماتا ہے ویھیئ لکم من امرکم مرفقا مگر اصطلاح میں بمعنی شکل صورت آتا ہے یہاں یہی مراد ہے طیر طائر کی جمع ہے بمعنی اڑنے والا۔ اس کا مصدر طیران ہے اس کی جمع طیور بھی ہے۔ قرآن کریم میں عمل اور تقدیر کو طائر کہا گیا۔ فرماتا ہے وکل انسان الزمنہ طائرہ فی عنقہ نیز ہر حرکت والی چیز کو بھی طائر کہہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں خواب کے بارے میں کہا گیا وھی علی رجل طائر یہاں طیر حقیقی معنی میں ہے بمعنی چڑیا اور اس سے جنس مراد جو اسے بلاوجہ مجازی معنی میں لے وہ گمراہ ہے کہ ایک پیغمبر کے معجزے کا منکر ہے فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔ انفخ نفخ سے بنا بمعنی پھونکنا ہر پھونکنے کو نفخ کہا جاتا ہے۔ خواہ منہ سے پھونکنا ہو یا کسی آلہ سے یا روح پھونکنا ونفخت فیہ من روحی اور جیسے ونفخ فی الصور۔ بگل میں پھونکا گیا اور جیسے قال انفخو حتی اذا جعلہ نارا یہاں دھونکنی سے آگ پھونکنا مراد ہے۔ شیطان کے دم کرنے کو بھی نفخ کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے اعوذ باللہ من نفخہ۔ فیہ کا مرجع ھیئتہ ہے یا کاف اسمیہ۔ اذن سے مراد ارادہ یا رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ یعنی اے لوگو میں تمہیں سمجھانے کے لئے تمہارے سامنے گارے سے چڑیا کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے سچ مچ پرندہ بن جاتا ہے جسے تم اڑتے ہوئے دیکھتے ہو۔ بظاہر یہ ایک معجزہ ہے مگر درحقیقت بہت سے معجزوں کا مجموعہ ہے کیونکہ پرندے میں پر' چونچ' پنجے' کھال' خون' گوشت' دل' کلیجی' پھیپھڑا' غرضیکہ ان گنت چیزیں ہوتی ہیں۔ ایک مٹی سے ان سب چیزوں کا بن جانا اس میں روح پڑ جانا' بہت سے معجزات ہوئے جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حضرت طلحہ و جابر کے گھر گوشت و آٹے میں ایسی برکت ہوئی کہ چار سیر آٹے کی روٹیاں اور تھوڑا گوشت قریبا" دو ہزار آدمیوں نے کھایا اور ویسا ہی رہا۔ شوربے میں نمک' مرچ' گھی' مصالحے پھر جلنے والی لکڑی پکانے والی کے ہاتھ میں طاقت یہ سب چیزیں ہی عالم غیب سے آگئیں۔ پھر یہاں طیر سے مراد جنس پرندہ ہے۔ جس پرندہ کی فرمائش کرو مجھ سے بنوالو۔ ایک ہی مٹی ابھی چمگادڑ ابھی اس مٹی کا بقیہ کوا' چیل' کبوتر بنا سکتا ہوں' میرا دوسرا معجزہ یہ ہے کہ ابرء الاکمہ والابرص یہ جملہ اخلق پر معطوف ہے۔ ابرء ابراء سے بنا۔ جس کا مادہ برء ہے بمعنی دور کرنا اسی سے براءۃ ہے۔ براءۃ من اللہ ورسولہ شفاء کو براءت اسی لئے کہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں کہ اس میں مرض دور ہو جاتا ہے۔ یہاں بمعنی شفاء اور تندرستی ہے اکمہ کمہ سے بنا۔ اس کے چند معنی ہیں۔ (1) ممسوح العین کہ جس کی آنکھ کی جگہ چری ہوئی نہ ہو۔ اس امت میں ایسا آدمی سوا قتادہ بن دعامہ سدوسی مفسر کوئی نہ گزرے۔ (2) رتوندہ والا یعنی جسے رات میں نہ سوجھے۔ (3) مادر زاد اندھا، عطا نے پہلے معنی مراد لئے۔ مجاہد نے دوسرے عبداللہ ابن عباس نے تیسرے رضی اللہ عنہم۔ ممسوح العین کو شفا دینے میں بہت سے معجزے ہیں بغیر آپریشن۔ شگاف دے دینا، پلک پوٹے، سفیدہ پتلی، تل، مجمع النور بنا دینا، آنکھ کے سات پردے پیدا فرما دینا۔ پھر آنکھ میں نور پیدا کر دینا۔ یہ سب معجزات ہی ہیں۔ غرضیکہ مٹی سے پرندہ بنانے کی طرح یہ بھی بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔ ابرص، برص سے بنا بمعنی سفید دھبہ یہ بھی کوڑھ کی ایک قسم ہے یہاں ابرص سے وہ مراد ہے جس کے سوئی چبھونے سے خون نہ نکلے۔ چونکہ طبیبوں کے نزدیک یہ دونوں بیماریاں لا علاج ہیں۔ اس لئے آپ نے انہیں کا ذکر فرمایا۔ ورنہ آپ اور بیماریوں کو بھی شفا بخشتے تھے۔ (روح المعانی)۔ یعنی میں پیدائشی اندھے اور دائمی کوڑھی کو ایک دم میں شفا دیتا ہوں۔ تیسرے یہ کہ واحی الموتی باذن اللہ یہ جملہ ابری پر معطوف ہے اور احی احیاء سے بنا بمعنی حیات بخشنا، زندہ کرنا، موتی میت کی جمع ہے۔ خلاف قیاس باذن اللہ احی کے متعلق ہے یعنی میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔ اس معجزے میں عالم اجسام و عالم امر پر قبضہ کا ثبوت ہوتا ہے کیونکہ روح جسم میں رہ کر بھی کسی کے قبضہ میں نہیں ہوتی۔ نہ بادشاہ کے نہ وزیر کے نہ امیر کے تو جسم سے نکلتے، عالم امر میں پہنچنے کے بعد کسی کے قبضے میں کیسے آسکتی ہے؟ یوں ہی اجزاء جسم جب مٹی بن کر اس کے ذرے۔ بحر و بر مشرق و مغرب میں بکھر گئے وہ کسی کے حکم سے جمع نہیں ہو سکتے۔ مگر میرا تصرف یہ ہے کہ ایک قم باذن اللہ فرماتا ہوں تو تمام بکھرے ہوئے ذرے میری اطاعت کر کے جمع ہو جاتے ہیں۔ یہ تو اس عالم میں میری حکومت ہوئی اور ادھر عالم امر میں وہ گئی ہوئی روح لوٹ کر جسم میں داخل ہو جاتی ہے۔ یہ عالم امر میں میری حکومت ہے۔ چنانچہ آپ نے چار مردے زندہ کئے۔ جس کا ذکر انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ چوتھے یہ کہ و انبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم یہ جملہ احی الموتی پر معطوف ہے اور انبی ء نباء سے بنا بمعنی عظیم الشان خبر موصولہ ہے اور اس سے مراد عام کھانے ہیں غذائیں یا میوے۔ تدخرون ذخر سے بنا۔ باب افتعال کا مضارع ہے اصل میں تذتخرون تھا تا اور ذال کو دال سے بدل کر ادغام کیا گیا۔ اس کا مصدر ادخار ہے بمعنی ذخیرہ کرنا، ڈھیر لگانا اور جمع کرنا۔ یعنی میں تمہیں خبر دیتا ہوں۔ ان تمام کھانوں کی جو تم مجھ سے پوشیدہ اپنے گھروں میں کھاتے ہو اور جو اپنے بچوں کے لئے بچا کر رکھتے ہو۔ جس سے پتہ لگے کہ مجھے رب تعالیٰ نے علم غیب بھی دیا اگر تاکلون اور تدخرون بمعنی حال ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ میری نگاہ کے لئے دور نزدیک، کھلی چھپی پس پردہ چیزیں یکساں ہیں۔ تم کسی دور سے دور مقام پر ہو رات کی اندھیریوں میں کوٹھڑیوں کے اندر کچھ کھاؤ کچھ بچاؤ مجھے سب کی خبر ہے۔ میری سب پر نظر ہے۔ جیسے جنت کی حور کو دنیا کی کوٹھڑی کی زوجین کی لڑائی کی خبر ہے یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس کی کوٹھڑی والے درہم دیکھ لئے جو انہوں نے بدر کو جاتے وقت اپنی زوجہ کو دیئے تھے۔ اور اگر بمعنی مستقبل ہو تو مطلب یہ ہے کہ ہر دانہ کو جانتا ہوں اس کے کھانے والے اور وقت کھانے کو جانتا ہوں ان فی ذلک لایۃ لکم یہ مستقل جملہ ہے اور ذلک سے چاروں مذکورہ معجزوں کی طرف اشارہ ہے آیت سے مراد جنس نشانی ہے یعنی ان میرے معجزات میں تمہارے لئے میری نبوت پر کھلی ہوئی نشانی ہے۔ ان کنتم مومنین یہ علیحدہ جملہ ہے اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ مومنین سے مراد ایمان کی توفیق والے ہیں یا ایمان قبول کرنے والے۔ پہلی

www.alahazratnetwork.org

صورت میں امنو پوشیدہ ہے اور دوسری صورت میں اطمئنو یعنی اگر تمہیں رب نے ایمان کی توفیق دی ہے تو مجھ پر ایمان لے آؤ یا اگر تم ایمان لاچکے ہو تو ان معجزات کو دیکھ کر اور زیادہ مطمئن ہو جاؤ۔

خلاصہ تفسیر : اے مریم! تمہارے فرزند عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے رسول ہوں گے اور انہیں یہ تبلیغ کریں گے کہ اے اسرائیلیو! میں سچا نبی ہوں رب کی طرف سے میری صداقت پر کھلی نشانی میرے پاس موجود ہے وہ یہ کہ میں تمہارے سامنے گارے سے چڑیا کی شکل بناتا ہوں۔ علیحدگی یا اکیلے میں نہیں بناتا تاکہ تم میں کچھ شک و شبہ ہو یا یہ تمام تمہارے نفع کیلئے ہے تاکہ تم کو اس معجزے کے ذریعے ایمان میسر ہو۔ محض کھیل تماشا کے لئے نہیں اور اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ پرندہ بن جاتی ہے یہ معجزہ میری نبوت کی دلیل ہے۔ یہ دیکھ کر تم مجھے خدا نہ کہنا۔ کیونکہ یہ جو کچھ ہوتا ہے۔ خدا کے حکم سے ہے نیز مجھے رب تعالیٰ نے یہ معجزہ دیا کہ میں مادر زاد اندھے اور کوڑھوں کو پھونک مار کر شفا بخشتا ہوں جو کہ طبیبوں کے نزدیک ناممکن بات ہے۔ میری قدرت کی تو یہ کیفیت ہے اور میرے علم کا یہ حال ہے کہ جو کچھ تم میری غیر موجودگی میں اپنی کوٹھڑیوں میں بیٹھ کر کھاتے اور بچاتے ہو۔ اس کی میں تمہیں خبر دے سکتا ہوں کہ تم نے اتنا کھایا اور اتنا بچایا۔ ان معجزات میں میری حقانیت کی کھلی ہوئی نشانی ہے اگر توفیق ہو تو مجھ پر ایمان لے آؤ۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے یہ مراتب شکریہ کے طور پر بیان فرمائے نہ کہ فخر و تکبر کے لئے تاکہ لوگ آپ کے ان مراتب کو مان کر عارف بنیں۔ نبی کے مراتب جاننے ہی کا نام تو ایمان ہے لہٰذا آپ کا یہ فرمان مالی شکر بھی ہے اور تبلیغ بھی۔ نیز آپ نے اس وقت اپنی عمومی صفات بیان فرمائیں۔ انبیاء کرام کی عمومی صفات بیان نہ کیں کہ میں تم جیسا بشر ہوں بندہ مجبور ہوں مجھے تو دیوار کے پیچھے کی بھی خبر نہیں بلکہ خصوصی صفات بیان فرمائیں کیونکہ انبیاء کرام کے عمومی اوصاف بشریت وغیرہ ماننے کا نام ایمان نہیں۔ یہ صفت تو شیطان و ابوجہل بھی مانتا تھا۔ ایمان اس کا نام ہے کہ حضرات انبیاء کے خصوصی اوصاف مانے جائیں اس لئے کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ پڑھا جاتا ہے۔ محمد بشر مثلنا نہیں کہا جاتا۔

واقعات : روایات میں ان واقعات کی تفصیل یہ ہے کہ جب آپ نے یہ دعوے کئے تو لوگوں نے کہا کہ اچھا ہمیں مٹی سے چمگادڑ بنا کے دکھاؤ۔ اس انتخاب کی وجہ یہ تھی کہ چمگادڑ میں چند خصوصیتیں ہیں جو دوسرے پرندوں میں نہیں۔ (1) اس میں ہڈی نہیں ہوتی صرف گوشت و خون ہے۔ (2) اس کے پر نہیں ہوتے یہ گوشت سے اڑتی ہے۔ (3) یہ انڈے نہیں دیتی بلکہ بچے دیتی ہے حالانکہ چڑیاں انڈے ہی دیا کرتی ہیں۔ (4) اس کی چھاتی پر پستان ہوتے ہیں جس سے اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہے۔ (5) اس کی چونچ نہیں بلکہ منہ ہوتا ہے۔ (6) اس کے منہ میں دانت بھی ہوتے ہیں جس سے وہ چباتی بھی ہے اور ہنستی بھی ہے۔ (7) اسے حیض بھی آتا ہے۔ (8) یہ دن کی روشنی میں نہیں دیکھ سکتی۔ (9) بلکہ رات کے اندھیرے میں بھی اس کی آنکھیں بے کار ہوتی ہیں۔ صرف طلوع سے ایک گھنٹہ پہلے اور غروب کے ایک گھنٹہ بعد تک دیکھ سکتی ہے۔ (روح المعانی و خازن و خزائن وغیرہ) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے صرف چمگادڑ ہی بنایا۔ حضرت وہب فرماتے ہیں کہ آپ کے بنائے ہوئے چمگادڑ لوگوں کے سامنے اڑتے تھے۔ اور ان کی نگاہ سے غائب ہوتے ہی مر کے گر جاتے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ آپ نے کئی قسم کے جانور بنائے۔ (روح المعانی وغیرہ) مگر حق یہ ہے کہ وہ جانور زندہ رہتے تھے۔ کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

آپ نعوذ باللہ نہ تو جادوگروں کی طرح نظر بندی کرتے تھے کہ وہ چیز مٹی ہی رہتی تھی مگر لوگوں کو پرندہ معلوم ہوتی تھی۔ جیسے بازی گر مٹی کو روپیہ بنا کر دکھا دیتا ہے مگر وہ ہوتی مٹی ہی ہے اور نہ عارضی طور پر اسے پرندہ بناتے تھے بلکہ واقعی وہ پرندہ بن جاتی تھی۔ کھاتی پیتی زندہ رہتی تھی۔ کیونکہ رب فرما رہا ہے **فیکون طیرا " باذن اللہ** کہ وہ مٹی پرندہ ہو جاتی ہے۔ جب بعینہٖ وہ پرندہ ہو جاتی ہے تو پرندے کے تمام اوصاف بھی اس میں پیدا ہو جاتے ہیں۔ جیسے عصائے موسیٰ جب سانپ بن جاتا تھا تو اس میں سانپ کے تمام اوصاف بھی پائے جاتے تھے حتی کہ وہ کھاتا پیتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے بغیر قرآنی ثبوت کے یہ قیدیں نہیں لگائی جاسکتیں۔ طیرا سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ مٹی سے ہر قسم کا پرندہ بنانے اور اس میں روح ڈالنے پر قادر تھے۔ کیونکہ طیرا نکرہ ہے اور بغیر کسی قید کے بیان ہوا ہے۔ حضرت وہب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ کے پاس ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض جمع ہو جاتے تھے۔ جنہیں آپ دم کرکے اچھا کر دیتے تھے جو چل سکتا تھا وہ خود حاضر ہو جاتا تھا اور جس میں چلنے کی طاقت نہ ہوتی اس کے پاس حضرت خود تشریف لے جاتے تھے اور ایمان لانے کی شرط پر انہیں اچھا کرتے تھے۔ (خزائن و معانی وغیرہ) عیسیٰ علیہ السلام نے چار مردے زندہ کئے۔ (1) عاذر جو آپ کا دوست تھا۔ (2) ایک بڑھیا کا بیٹا۔ (3) محرر چونگی کی بیٹی۔ (4) حضرت سام نوح علیہ السلام کے بیٹے جو 4600 برس پہلے وفات پاچکے تھے۔ حضرت سام کے سوا باقی تین بہت بہت روز تک زندہ رہے ان کی اولاد بھی ہوئی ان کے واقعات یہ ہیں کہ عاذر آپ کا دوست تھا جب وہ بیمار ہوا تو اس کی بہن نے آپ کو خبر بھیجی کہ تمہارے دوست قریب موت کے ہیں مگر وہ آپ سے تین دن کی مسافت پر تھا جب آپ تین دن کے بعد وہاں پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج اسے مرا ہوا تیسرا دن ہے آپ نے ان کی بہن سے فرمایا کہ ہمیں اس کی قبر پر لے چل وہ لے گئے۔ آپ نے رب تعالیٰ سے دعا کی وہ خدا کے حکم اور آپ کے فرمانے سے زندہ ہو کر ایک مدت تک جیتا رہا اور اس کے اولاد بھی ہوئی۔ بڑھیا کے بیٹے کا یہ واقعہ ہے کہ اس کا جنازہ جا رہا تھا بڑھیا بے قرار ہو کر رو رہی تھی۔ آپ کو رحم آیا اور رب تعالیٰ سے دعا کی۔ وہ اپنے تختہ پر ہی اٹھ کر بیٹھ گیا اور اٹھانے والوں کی گردنوں سے اترا۔ عرصہ تک زندہ رہا۔ صاحب اولاد ہوا محرر چونگی کی لڑکی کا واقعہ یہ ہے کہ یہ محرر حاکم کی طرف سے لوگوں سے ٹیکس لیا کرتا تھا اس کی بیٹی مر گئی۔ ایک دن بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہ زندہ ہوئی۔ عرصہ تک زندہ رہی اور صاحب اولاد ہوئی۔ سام ابن نوح کا واقعہ یہ ہوا کہ بعض لوگوں نے شبہ کیا کہ شاید یہ مردے جو زندہ کئے گئے مردے نہ ہوں گے بلکہ انہیں سکتہ ہو گیا ہو گا اس پر آپ بہت پرانی قبر پر تشریف لے گئے۔ رب تعالیٰ نے آپ کی دعا سے حضرت سام کو زندہ کیا۔ حالانکہ انہیں وفات پائے ہوئے چار ہزار چھ سو سال ہو چکے تھے۔ جب آپ نے ان کے لئے دعا کی تو انہوں نے اپنی قبر میں سنا کہ کوئی کہنے والا کہتا ہے کہ اجب روح اللہ یعنی روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کا حکم مانو۔ یہ سنتے ہی وہ خوف زدہ ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سمجھے کہ قیامت آگئی۔ اس دہشت سے ان کا آدھا سر سفید ہو گیا۔ حالانکہ نوح علیہ السلام کے زمانہ میں لوگ بڈھے نہیں ہوا کرتے تھے۔ (روح المعانی) اٹھ کر پوچھنے لگے کہ قیامت آگئی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میں نے تمہیں اسم اعظم سے زندہ کیا۔ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ مجھے پھر واپس بھیج دیا جائے اور اب دوبارہ سکرات کی شدت نہ ہو۔ چنانچہ اس وقت ان کا انتقال ہو گیا۔ (روح المعانی و خازن و خزائن) نیز آپ لوگوں کو بتاتے تھے کہ تم نے کل کیا کھایا ہے اور آج کیا کھاؤ گے اور اگلے وقت کے لئے تم نے کیا کھانا تیار کر رکھا ہے کیونکہ آپ کی نگاہ نزدیک و دور، کھلی چھپی، اندھیرے اجالے، پس پردہ وغیرہ تمام کو دیکھتی تھی۔ کوئی چیز آپ کے لئے حجاب نہ تھی۔ اس واقعہ میں

www.alahazratnetwork.org

آپ کے چند معجزے ظاہر ہوتے ہیں۔ نزدیک دور سے آپ کی آنکھ کا یکساں دیکھنا یک وقت سب پر نظر کہ کون کیا کھا رہا ہے اور بچا رہا ہے پس پردہ اور نگاہ کا کام کرنا۔ دل کے ارادوں پر مطلع ہونا چنانچہ آپ کے پاس بچے بہت جمع رہتے آپ انہیں بتاتے کہ تمہارے گھر فلاں چیز تیار ہوئی ہے اور تمہارے گھر والوں نے تمہارے لئے فلاں فلاں چیز اٹھا رکھی ہے۔ بچے گھر جاتے تو رو کر گھر والوں سے وہ چیز مانگتے وہ پوچھتے کہ تمہیں کس نے بتایا۔ بچے کہتے عیسیٰ علیہ السلام نے آخر ان لوگوں نے مشورہ کیا کہ اگر ہمارے بچے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے تو بگڑ جائیں گے اور ان پر ایمان لے آئیں گے۔ چنانچہ ان سب نے ان بچوں کو ایک گھر میں بند کر دیا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے جب محسوس کیا کہ بچے نہ آئے تو آپ ان کی تلاش میں یہاں پہنچے اور ان لوگوں سے پوچھا کہ بچے کہاں گئے تو لوگوں نے کہا وہ یہاں نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر اس گھر میں کون ہے انہوں نے کہا کہ اس گھر میں ہمارے سور ہیں۔ فرمایا اچھا وہ سب سور ہو گئے۔ چنانچہ وہ سب سور بن گئے۔ (خزائن و روح المعانی) ابن عساکر عن عبداللہ ابن عمرو ابن عاص مگر عبدالرزاق نے عمار ابن یاسر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ مسخ کا واقعہ خوان اترنے کے بعد ہوا۔ جس کا قصہ سورۂ مائدہ میں آ رہا ہے۔ ممکن ہے کہ دونوں دفعہ ہوا ہو نیز یا تو آپ یہی دونوں خبریں دیا کرتے تھے یا غیب کی ساری خبریں سناتے تھے مگر خصوصیت سے ان ہی دو کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ انسان کو اکثر کھانے کا خیال رہتا ہے۔ (روح المعانی)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام باذن پروردگار دافع البلاء و دافع وبا ہوتے ہیں۔ دیکھو پیدائشی اندھا ہونا یوں ہی کوڑھی ہونا عظیم بلاء اور وباء ہے۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اسے دفع کرتا ہوں۔ لہٰذا قحط دور کرنے کے لئے ان محبوبوں کو **دافع البلاء و الوباء والقحط والمرض والالم** کہنا بالکل درست ہے جب بارش کے قطرے دافع قحط ہوتے ہیں بعض جڑی بوٹیاں دافع نزلہ' دافع جریان' دافع بخار ہوتی ہیں۔ ایک شربت کا نام شربت فریاد رس ہے ایک دوا کا نام شافی ہے تو کیا حضرات انبیاء کرام کی برکات و فیوض ان جڑی بوٹیوں سے بھی کم ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا میری یہ قمیص لے جاؤ۔ اسے میرے والد کی نابینا آنکھوں کی شفا کے لئے ان کے چہرے پر ڈال دو۔ ان کی آنکھیں اچھی ہو جائیں گی یہ ہے دافع البلاء والوباء کی جلوہ گری۔ **دوسرا فائدہ:** نبی کی شان پہچاننا ایمانیات میں سب سے مقدم ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے لوگوں کو اپنی پہچان کرائی کہ مجھ میں یہ صفات ہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں کیونکہ جس نے نبی کو مانا اسے ان کے سارے فرمان ماننے پڑیں گے۔ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سب سے پہلے لوگوں کو اپنی پہچان کرائی کہ بتاؤ مجھے کیا سمجھتے ہو۔ سب نے عرض کیا کہ ہم آپ کو سچا اور امین جانتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** انبیاء کرام رب تعالیٰ کے بعض کاموں کو اپنی طرف نسبت دے سکتے ہیں کیونکہ وہ اس کے مظہر ہیں۔ دیکھو بیماریوں کو شفا دینا مردوں کو زندہ کرنا رب کا کام ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شفا دیتا ہوں میں زندہ کرتا ہوں۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضرت مریم سے کہا تھا **لاھب لک غلاما** " زکیا " میں تمہیں ستھرا بیٹا دوں گا لہٰذا یہ کہنا کہ رسول اللہ سب کو عزت دیتے ہیں اولاد دیتے ہیں جائز ہے کہ دینے والا رب تعالیٰ ہے مگر تقسیم فرمانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ کام کو قاسم کی طرف نسبت دی جاتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اکثر معجزات انبیائے کرام کے قبضہ میں ہوتے ہیں کہ جب چاہیں دکھا دیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کے قبضہ میں لاٹھی کو سانپ بنانا اور عیسیٰ علیہ السلام کے قبضہ میں بیماروں کو شفا دینا وغیرہ اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں بہت سے معجزات۔ **پانچواں فائدہ:** اصل کا اثر فرع میں ہوتا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام چونکہ

www.alahazratnetwork.org

حضرت جبرائیل علیہ السلام کی پھونک سے پیدا ہوئے۔ اور حضرت جبرائیل علیہ السلام محض روح ہیں اور ان کا لقب روح الامین ہے۔ ان کے گھوڑے کے سم کی خاک نے سامری کے بچھڑے کو زندہ کر دیا۔ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کی سانس میں بھی یہ تاثیر ہوئی۔ (تفسیر کبیر) **چھٹا فائدہ:** انبیاء کرام کو معجزات زمانہ کے مطابق بھی عطا ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا زور تھا تو انہیں عصا اور ید بیضا دیا گیا۔ جس سے جادو شکست کھائے۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کو زور تھا آپ جالینوس کے ہم زمانہ تھے۔ انہیں معجزہ اس قسم کا دیا گیا۔ جس سے طب عاجز ہو جائے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا شور تھا۔ لہٰذا آپ کو خصوصی معجزہ قرآن کریم دیا گیا ہے۔ جس سے سارے فصحاء و بلغاء شکست کھائی۔ اگر مرزا غلام احمد قادیانی نبی ہوتا تو اسے اس زمانہ کے مطابق معجزات دیئے جاتے۔ اب سائنس کا زور ہے اور ایجادات کا شور اس کا معجزہ اس قسم کا چاہئے تھا۔ **ساتواں فائدہ:** پیغمبروں کو علوم غیب دیئے جاتے ہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے کھانے پینے کو جانتا ہوں یہ علم غیب ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دم درود جھاڑ پھونک کے ذریعہ فیض رسانی سنت انبیاء ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام دم کر کے مردے زندہ کرتے تھے۔ حضرت جبریل نے بی بی مریم کو بذریعہ دم کے ہی فرزند بخشا۔ اب بھی حضرات اولیاء اللہ بیماروں پر دم فرماتے ہیں۔ حضرت اسرافیل صور میں پھونک کر ہی قیامت قائم کرینگے مردے جلائیں گے۔ **نواں فائدہ:** بزرگوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں۔ عمریں بڑھ جاتی ہیں۔ گئی ہوئی عمریں دوبارہ مل جاتی ہیں۔ مشکلیں حل ہو جاتی ہیں۔ نصیب کھل جاتے ہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اندھوں کوڑھوں کی مصیبتیں مل جاتی تھیں۔ اور جو لوگ اپنی عمریں پوری کر کے مر چکے تھے۔ انہیں دوبارہ نئی عمریں دے دی جاتی تھیں۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کو عالم اجسام اور عالم امکان بلکہ عالم امر کی حکومت دیتا ہے۔ ان کے احکام باذن پروردگار ہر جگہ چلتے ہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا حکم اس عالم میں بھی چلتا تھا کہ آپ کے فرمان پر مردے کے ذرے جمع ہو جاتے تھے اور عالم امر پر بھی کہ آپ کے حکم پر گئی روح لوٹ آتی تھی۔

عملیات: عیسیٰ علیہ السلام اس طرح مردہ زندہ فرماتے تھے کہ اولاً دو رکعت نماز پڑھتے پہلی رکعت میں سورۂ ملک دوسری میں سورۂ تنزیل السجدہ پڑھتے۔ پھر خدا کی حمد و ثنا کے بعد عرض کرتے یا قدیم یا خفی یا دائم یا فرد یا وتر یا احد یا صمد یا حی یا قیوم (روح المعانی عن بیہقی وقال لیس بقوی) اور اس دعا سے بیماروں کو اچھا فرماتے تھے۔ **اللھم انت الٰہ من فی السماء والٰہ من فی الارض لا الٰہ فیھما غیرک وانت جبار من فی السماء وجبار من فی الارض من لا جبار فیھما غیرک وانت ملک من فی السماء و ملک من فی الارض لا ملک فیھما غیرک قدرتک فی الارض قدرتک فی السماء وسلطنک فی الارض کسلطنک فی السماء اسئلک باسمک الکریم وجھک المنیر وملک القدیم انک علی کل شیء قدیر** وہب فرماتے ہیں کہ اگر یہ دعا مجنون اور پریشان حال پر پڑھ کر دم کی جائے اور اس کا تعویذ بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے نیز اسے گھول کر پلایا جائے تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا۔ اگر کسی کو سانپ کاٹے اور وہ بغیر کچھ بولے ہوئے زخم پر ہاتھ رکھ کر یہ کہے۔ یا محمد مجھے سانپ نے کاٹا (صلی اللہ علیہ وسلم) تین دفعہ یہ عمل کرے اور ہر بار میں تین تین دفعہ یہ پڑھے۔ انشاء اللہ سانپ کا اثر نہ ہوگا۔ نہایت مجرب ہے۔ سبحان اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام شریف میں نفخ مسیح کی تاثیر ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا۔

www.alahazratnetwork.org

چوں نام ایں است نام آورچہ باشد گرامی تربود . ازہرچہ باشد

جو کوئی آم کے موسم میں آم کے اس بور کو اپنے ہاتھ میں مل لے۔ جس پر اس کی پہلی نگاہ پڑے تو سال بھر تک اس کے ہاتھ میں یہ تاثیر رہے گی کہ بچھو کے کاٹے پر یہ ہاتھ لگادے تو آرام ہو جائے مگر شرط یہ ہے کہ پہلا دیکھا ہوا بور ملے۔ جب آم کے بور میں یہ تاثیر ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کے سانس کی تاثیر کا کس طرح انکار کیا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ اس زندہ کرنے یا بیماروں کو شفا دینے کی یہ صورت نہ تھی کہ آپ صرف دعا کرتے تھے اور رب تعالیٰ زندگی یا شفا بخش دیتا تھا بلکہ باذن پروردگار دعا کے ساتھ اپنا تصرف بھی کرتے تھے۔ مردہ کو زندہ ہو جانے بیمار کو اچھا ہو جانے کا حکم بھی دیتے تھے ورنہ اگر صرف دعا سے اللہ تعالیٰ زندگی یا شفا دیتا تو آپ احی اور ابرء متکلم کے صیغے نہ فرماتے کہ میں یہ کرتا ہوں۔ اگر میری دعا سے بارش آجائے تو میں یہ نہیں کہتا کہ میں نے بارش فرمائی نیز یہ انبیائے کرام کی دعا سے مردے زندہ ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ستر اسرائیلی زندہ ہوئے۔ **ثم بعثنا کم من بعد موتکم** حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے چار پرندے۔ حضرت عزیر کی دعا سے ان کا گدھا حضرت حزقیل کی دعا سے والے ستر اسی ہزار مردے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے آپ کے والدین زندہ ہوئے۔ انہوں نے نہ فرمایا کہ ہم مردے زندہ کرتے ہیں۔ غرضیکہ ماننا پڑے گا کہ آپ اپنے اختیار خداداد سے یہ کام کرتے تھے۔

اعتراضات و جوابات

نوٹ : ان تمام معجزات کا مرزائیوں نے انکار کیا اور اس آیت میں بیہودیانہ تحریفات کیں اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان کے گھڑنبی اور خود ساختہ مثیل مسیح یعنی مرزا غلام احمد قادیانی میں کوئی کمال نہ تھا لہذا انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے ان تمام کمالات کا انکار کر دیا۔ ہم ان کے اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

پہلا اعتراض : پیدا کرنا خدا کی صفت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل اللہ خالق کل شیء** نیز فرماتا ہے **ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ** ان تمام آیات سے معلوم ہوا کہ خالق صرف رب تعالیٰ ہی ہے۔ غیر خدا میں یہ صفت ماننا شرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ام جعلوا اللہ شرکاء خلقوا کخلقہ** نیز بتوں کے بارے میں فرماتا ہے **لا یخلقون شیئا وھم یخلقون** نیز فرماتا ہے **افمن یخلق کمن لا یخلق** لہذا اگر عیسیٰ علیہ السلام مٹی میں پھونک کر پرندے بناتے ہوں تو انہیں خدا ماننا پڑے گا۔ مشرکین بتوں کو خالق مان کر مشرک ہوئے اور مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کو خالق مان کر مرتد۔ اس آیت کے معنی صرف یہ ہیں کہ تمہارے دلوں کو نور ایمانی سے منور کرتا ہوں۔ جس سے وہ پرندہ بن کر راہ الٰہی طے کرتا ہے۔ نہ کہ کوئی مٹی کا کھلونا۔ حدیث شریف میں شہداء کے متعلق ہے کہ شہیدوں کی روح سبز چڑیوں کے پیٹ میں رہ کر جنت کی سیر کرتی ہے اس کا بھی یہی مطلب ہے (بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری)۔ **جواب:** ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ خلق بمعنی پیدا کرنا، ہستی بخشنا خدا کی صفت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام یہ نہ کرتے تھے مگر خلق بمعنی بنانا گھڑنا صورت دینا انسان کے لئے بھی بولا

www.alahazratnetwork.org

جاتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وتخلقون افکا** " اور فرماتا ہے **فتبرک اللہ احسن الخلقین** یہاں خالقین کو جمع فرمانا اسی لئے ہے کہ یہ خلق بمعنی پیدا کرنا نہیں ورنہ صریح شرک ہوگا بلکہ خلق بمعنی بنانا یا اندازہ لگانا ہے جیسے ان آیات میں **تخلقون** اور **خالقین** میں خلق بمعنی پیدا فرمانا نہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ یہاں اخلق اسی معنی میں ہے اسی لئے فرمایا گیا کھیئتہ **الطیر** ھیئتہ یعنی شکل فرمانے سے پتہ لگا کہ یہ خلق بمعنی پیدائش نہیں بلکہ بمعنی صورت گری ہے پیدائش اصل شیءکی ہوتی ہے نہ کہ صرف ہیئت کی ماں کے پیٹ میں فرشتہ ہی نطفے کو انسانی شکل دیتا ہے ان پرندوں کو رب تعالیٰ ہی زندگی بخشتا تھا۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام کی مدح کے موقعہ پر خصوصیت سے اس کا ذکر کیوں ہوا۔ دوسرے پیغمبروں کے لئے کیوں نہیں ہوا۔ماں کے پیٹ میں بچہ کو فرشتہ زندگی دیتا ہے۔ قیامت کے دن سب صور کی آواز سے زندہ ہوں گے۔ جب نفخ صور میں یہ تاثیر ہو سکتی ہے تو نفخ مسیح کی تاثیر کا کیوں انکار کرتے ہو۔ تمہاری یہ تحریف ان روایات کے خلاف ہے جو ہم تفسیر میں عرض کر چکے لہذا یہ تحریف ہے بعض جانوروں کی پھونک سے انسان مرجاتا ہے جیسے خاص سانپ' جب جانور کی سانس میں موت کی تاثیر ہے تو اگر نبی اللہ کی سانس میں زندگی کی تاثیر ہو تو کیا مضائقہ ہے۔ دوسرا اعتراض: مرکر دنیا میں لوٹنا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ شہید شہادت کے بعد دنیا میں آنے کی تمنا کرتے ہیں مگران کی یہ تمنا پوری نہیں کی جاتی کیونکہ قانون قدرت کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی مردوں کو زندہ نہیں کرسکتے کیونکہ اگر وہ مردے اپنی عمر پوری کرکے مرے تھے تو انہیں دوبارہ عمر کیسے ملی۔ اور اگر ان کی عمر باقی تھی تو پہلے موت کیوں آگئی۔ رب فرماتا ہے **و حرام علی قریتہ اھلکنھا انھم لا یرجعون** جو بستی ہلاک ہو چکی وہ پھر لوٹ کر نہیں آسکتی نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمتہ ھو قائلھا** یعنی کفار بعد موت تمنا کریں گے کہ ہمیں دنیا میں پھر لوٹایا جائے تاکہ ہم نیک اعمال کرلیں مگر ایسا نہیں ہو سکتا۔ ان آیتوں نے مرکر جینے کا راستہ ہی بند کر دیا لہذا یہاں **احی الموتی** کا مطلب یہ ہے کہ میں مردہ دلوں یعنی جہلاء کو علم سے زندہ کرتا ہوں یعنی انہیں حکم دیتا ہوں۔ رب تعالیٰ نے خشک زمین کو میت اور بارش سے تر ہو جانے کو زندگی فرمایا ہے ایسے ہی یہاں ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **او من کان میتا فاحیینہ و جعلنا لہ نورا** نیز فرماتا ہے **وما یستوی الاحیاء ولا الاموات** ان آیتوں میں حیات سے مراد علم ہے اور موت سے جہالت وہی یہاں مراد ہے (بیان القرآن محمد علی لاہوری) جواب: اس کا بھی وہی جواب ہے جو پہلے گزر گیا کہ وہ حیات ہر پیغمبر بلکہ اولیاء و علماء بخشتے ہیں پھر اس کا ذکر خصوصیت سے عیسیٰ علیہ السلام کے لئے کیوں کیا گیا۔ دیگر پیغمبروں کے لئے یہ معجزہ کیوں نہ ثابت ہوا۔ نیز معجزہ کہتے ہی اس کو ہیں جو خلاف عادت ایسا ہو۔ عادی کام دن رات ہر شخص کرتا رہتا ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیتوں میں اس قانون کا ذکر ہے کہ ہلاک شدہ بستیوں کو زندہ کرنا ہمارا قانون نہیں۔ رہی خصوصیات وہ اس کے علاوہ ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔ قرآن کریم نے حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ یوں بیان فرمایا کہ **فاماتہ اللہ مائتہ عام ثم بعثہ۔** اللہ نے انہیں سو سال مردہ رکھ کر پھر زندہ کیا پھر فرمایا **وانظر الی العظام کیف ننشزھا ثم نکسوھا لحما** اے عزیر اپنے مرے گدھے کی خشک ہڈیوں کو دیکھ کہ ہم انہیں کس طرح جمع کرکے گوشت پہناتے ہیں۔ حضرت حزقیل کی قوم کا واقعہ یوں بیان فرمایا **فقال لھم اللہ موتو ا ثم احیاھم** یعنی رب تعالیٰ نے دو اور ان والوں کو اولاً موت دے دی۔ پھر اس سب کو زندہ فرمایا۔ نیز قرآن کریم نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم نے ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت سے منہ موڑا تو **فاخذتکم الصعقتہ وانتم تنظرون**

www.alahazratnetwork.org

ثم بعثکم من بعد موتکم یعنی تمہیں دیکھتے ہوئے کڑک نے پکڑ لیا۔ پھر تمہیں ہم نے مرے بعد زندہ کیا۔ غرض مردے زندہ کرنے کے بے شمار واقعات قرآن کریم نے بیان فرمائے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ قریب قیامت دجال مار کر زندہ کرے گا۔ اگر ان سب آیتوں میں مجازی معنی مراد لئے جائیں تو پھر قرآن ایک تماشا بن جائے اور کسی آیت پر اعتماد نہ رہے۔ صلوۃ سے رات کو سونا مراد لے لو زکوۃ سے کھیت کاٹنا، روزہ سے باتیں کرنا لیجئے جناب روزہ، نماز، زکوۃ سب ختم۔ رہا تمہارا یہ کہنا کہ جب وہ اپنی عمر ختم کر کے مرے تھے انہیں دوبارہ زندگی کیوں کر مل گئی۔ یہ اعتراض تم نے آریوں سے سیکھا ہے۔ جس کے جواب ہم بارہا دے چکے ہیں جو رب تعالیٰ انہیں ایک دفعہ عمر دینے پر قادر ہے وہ دوبارہ بھی دے سکتے ہیں۔ جب ہم اپنے بجھے ہوئے چراغ میں دوبارہ تیل ڈال کر اسے روشن کر سکتے ہیں تو رب تعالیٰ بھی ان چراغوں میں دوبارہ عمر کا روغن ڈال کر روشن فرما سکتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ میثاق کے دن آدم علیہ السلام نے پوچھا کہ مولیٰ داؤد علیہ السلام کی عمر کتنی ہے فرمایا ساٹھ سال، عرض کیا کہ میری عمر میں سے انہیں چالیس سال اور عطا فرما ان کی یہ گزارش منظور ہوئی۔ دیکھو مشکوۃ شریف باب ایمان بالقدر بروایت ترمذی خیال رہے کہ تقدیر چند قسم کی ہے جن میں سے بعض کی تبدیلی ہو سکتی ہے بعض کی نہیں۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق اس آیت میں کی جائے گی۔ **یمحو اللہ ما یشاء و یثبت** تیسرا اعتراض: باذن اللہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ کام کرنے کا مطلقاً اختیار نہ تھا۔ جب رب تعالیٰ چاہتا تھا تو آپ کے ہاتھ پر یہ معجزات ظاہر فرما دیتا تھا۔ معجزات نبی کے اختیار سے باہر ہوتے ہیں۔ وہ محض بندۂ مجبور اور بے اختیار ہوتے ہیں (بعض وہابی) جواب: یہ غلط ہے اگر وہ حضرات محض بے اختیار ہوتے **اخلق انفخ ابرئی احی** متکلم کے صیغے ارشاد نہ ہوتے کہ میں بناتا ہوں میں زندہ کرتا ہوں میں شفا دیتا ہوں۔ بلکہ یوں ارشاد ہوتا کہ رب تعالیٰ زندہ کرتا ہے شفاء دیتا ہے یہ متکلم کے صیغے ان کا اختیار بتا رہے ہیں۔ رہا باذن اللہ فرمانا۔ یہ بالکل برحق ہے ہم بولتے سنتے دیکھتے چلتے پھرتے ہیں۔ اللہ کے حکم و اذن سے اگر اس کا ارادہ نہ ہو تو ہم کچھ بھی نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم ان کاموں میں بالکل بے اختیار ہیں یہ فرمانا باذن اللہ اس لئے ہے کہ لوگ آپ کو رب یا رب کا بیٹا مان لیں، اس لئے ارشاد ہوا باذن اللہ۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرگی والے کو فرمایا **اخرج عدو اللہ فانی رسول اللہ**۔ اللہ کے دشمن نکل۔ میں رسول اللہ ہوں فوراً اسے قے ہوئی جس میں ایک کیڑا نکلا اور شفا ہو گئی۔ یہ ہیں ان کے خداداد اختیارات۔ ان کے حکم سے ہوائیں چلتی ہیں۔ رب فرماتا ہے **وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ** حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلتی تھی۔ چوتھا اعتراض: اندھے اور کوڑھوں کو اچھا کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی شان کے خلاف ہے۔ وہ نبوت کرنے آئے تھے نہ کہ طبابت لہٰذا یہاں سے دل کے اندھے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** ایسے ہی ابرص یعنی کوڑھی سے وہ بدی مراد ہے جو بظاہر بھلی معلوم ہو اور حضرت مسیح یہ فرما رہے ہیں کہ میں دل کے اندھوں اور بدکاری کے کوڑھیوں کو ایمان و تقویٰ کا راستہ بتا کر انہیں اچھا کر سکتا ہوں (بیان القرآن لاہوری) جواب: جی ہاں جب رائے سے تفسیر ٹھہری تو جو چاہو معنی کر لو کوئی قید ہی نہیں۔ بتاؤ تو یہ کس نے معنی کئے ہیں۔ بے شک نبوت میں احکام کی تبلیغ ہے مگر نبوت منوانے کے لئے معجزات کی ضرورت اور معجزہ میں عاجز کرنا شرط ہے اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ ایسا معجزہ دکھایا جائے جس سے اس کام کے ماہر عاجز رہ جائیں تاکہ یہ خداداد اختیار نبوت کی دلیل بنے۔ چونکہ آپ کے زمانہ میں طب کا بہت زور تھا تو طبیبوں کو عاجز کرنے کے لئے یہ معجزات عطا فرمائے گے جس کی صدہا روایتیں ملتی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: اگر یہاں الخلق سے مراد ہے پرندے کا فوٹو بنانا تو یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان ہے فوٹو یا مجسمہ بنانا حرام ہے آپ حرام کام کیسے کر سکتے ہیں۔ **جواب:** فوٹو مجسمہ بنانا اسلام میں حرام ہے ان کے دین کے احکام جداگانہ تھے ان کے دین میں یہ حلال تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل و جفان کالجواب** جنات حضرت سلیمان کے لئے عمارات و مجسمہ تصویریں بناتے تھے۔ چنانچہ بیت المقدس میں وہ فوٹو و مجسمہ عرصہ تک موجود رہے۔ عہد فاروقی میں فلسطین فتح ہوا تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی وہ مجسمے وہاں سے علیحدہ نہ کرائے کہ وہ حضرت سلیمان کے زمانے کے تھے۔ نیز فوٹو بنانا ہمارے ہاں بھی اس لئے حرام ہے کہ ہم اس میں جان نہیں ڈال سکتے۔ حضور فرماتے ہیں کہ فوٹو گرافروں سے قیامت میں فرمایا جاوے گا ان خود ساختہ فوٹوؤں میں جان ڈالو۔ جب جناب مسیح ان میں جان ڈالتے تھے تو آپ کے لئے کیوں حرام ہوئے۔ آج فرشتہ ماں کے پیٹ میں دن رات مجسمہ بنا کر ان میں جان ڈالتا ہے۔ کیا اس فرشتہ پر بھی فتویٰ لگاؤ گے۔ **چھٹا اعتراض:** **انبئکم بما تاکلون** کے یہ معنی نہیں کہ میں تمہیں کھائے ہوئے اور بچائے ہوئے کھانے کی خبر دیتا ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں کھانے اور نہ کھانے کی چیزیں بتاتا ہوں کہ کون سے کھانے کھاؤ اور کون سے نہ کھاؤ۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نبی تھے نہ کہ نجومی پنڈت (معاذ اللہ) انہیں احکام بتانے چاہئیں نہ کہ یہ باتیں (مرزائی)۔ **نوٹ:** یہ اعتراض مرزائیوں نے دیوبندیوں سے سیکھا کہ وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی کے لئے ایسی ہی واہیات باتیں کرتے ہیں۔ **جواب:** جناب اس میں اپنے علم غیب کا اظہار ہے۔ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا' کہاں کی؟ آخرت کی۔ جس کو یہاں کی خبر نہ ہو' اسے وہاں کی خبر کیا ہو گی۔ ابو جہل نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا تھا۔

گر رسولی چیست در دستم نہاں تو خبرداری زر از آسمان

آپ کا مقصد یہی تھا کہ جب میری آنکھ سے یہاں کی باتیں پوشیدہ نہیں تو میں سچا نبی ہوں اور اس ملک کی بھی خبر دے رہا ہوں۔ قادیانی جی! یہ سچے مسیح کے سچے معجزات ہیں۔ جھوٹے مسیح کے واقعات نہیں جو محمدی بیگم کے آسمانی نکاح کی خبر بھی دے اور حاصل کرنے کی کوشش کرے اور ناکام رہے۔ **پانچواں اعتراض:** چھپی باتیں کبھی نجومی بھی بتا دیتے ہیں کیا انہیں بھی علم غیب ہوتا ہے۔ **جواب:** علم غیب وہ ہے جو بلا دلائل اور بلا مقدمات حاصل ہو۔ کاہن رمال یا تو شیطانی اطلاع سے یا علم جفر کے حساب سے معلوم کر کے بتاتے ہیں۔ ایسے ہی آج کل آلہ کے ذریعہ حمل کا معلوم کر لیتے ہیں کہ لڑکی ہے یا لڑکا۔ پھر بھی نجومی اور رمال اکثر غلطی کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کا علم آسمانی وحی سے ہوتا ہے نہ کہ حساب وغیرہ سے اور ہمیشہ صحیح۔ (تفسیر خازن)۔

تفسیر صوفیانہ: مسیح روح نے کفار نفسانیات سے کہا کہ میں تمہارے پاس عالم غیب سے کھلی نشانی لایا ہوں وہ یہ کہ نا تمیین کے نفوس کے گارے کو تربیت اور تزکیہ اور حکمت عملی کے ذریعہ شکل پرندہ کے بناتا ہوں پھر اس میں حیات حقیقی اور علم الٰہی کی پھونک مارتا ہوں۔ جس سے اس میں امید و خوف کے دو بازو پیدا ہوتے ہیں اور پھر وہ پرندہ یعنی نفس زندہ ہو کر فضائے جلال و جمال میں اڑتا ہوا بارگاہ الٰہی کے باغ تک باذن الٰہی پہنچ جاتا ہے۔ نیز میں ان اندھوں کو جو اغیار میں پھنس کر انوار کو دیکھنے سے محروم ہیں اور ان کوڑھیوں کو جو فاسد عقیدوں اور کمینی بیماریوں میں مبتلا ہیں جس کی وجہ سے ان کا فطری رنگ بگڑ گیا شفا بخشتا ہوں کہ اندھوں کے حجاب کو پھاڑ کر بارگاہ رب الارباب دکھاتا ہوں اور ان بد عملوں کی بد عملی دور کر کے انہیں ایمان فطری کی طرف متوجہ کرتا ہوں نیز میں جہالت کے مردوں کو بحکم الٰہی علم حقیقت کی حیات سے زندگی بخشتا ہوں اور اے نفسانی جماعت!

www.alahazratnetwork.org

میں تمہیں بتاسکتا ہوں کہ تم کون کون سے گناہ و شہوات ولذات کھاتے یعنی استعمال کرتے ہو اور کون کون سے امیدیں اپنی نیتوں کے گھروں میں چھپا کر رکھتے ہو مجھ پر سب روشن ہے۔ میرے ان معجزات میں اے نفس! تیرے لئے کھلی دلیل ہے۔ اگر تو میری مخالفت چھوڑ دے اور میری اطاعت کرے تو کامیاب ہو جائے (از ابن عربی و روح المعانی)۔ خیال رہے کہ یہ صوفیانہ اشارات ہیں نہ کہ قادیانی بکواس۔ ان حضرات نے عیسیٰ سے مراد قلب لیا ہے نہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام۔ صوفیاء کرام اس آیت کے ظاہر کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کھانے اور بچانے کا ذکر مثالاً فرمایا ورنہ آپ ہر شخص کے ہر حال سے ہر گھر کے کام سے باخبر تھے۔ جو کھانا اور بچانا دیکھ سکتا ہے بشریت کے سلسلہ میں ان سے پردہ ہے نورانیت سے پردہ نہیں۔ فرشتے بلکہ رب تعالیٰ ہم کو ہر طرح دیکھتے ہیں ان سے حجاب نہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ جناب مسیح نے انبئکم میں دو باتیں فرمائیں ایک یہ کہ ان میں ان معلومات میں حضرت جبریل سے پوچھنے کا حاجتمند نہیں کہ ان سے پوچھ کر بتاؤں۔ دوسرے یہ کہ میرے یہ علوم غیبیہ تو وہ ہیں جن کی خبر تم کو دے سکتا ہوں باقی علوم اسرار جو بتانے کے لائق نہیں وہ تو بے حد ہیں۔ حضرت ابوہریرہ نے فرمایا تھا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دو علم ملے ایک علم تو میں نے تم میں پھیلا دیا۔ دوسرا علم بیان کروں تو میں قتل کر دیا جاؤں۔ لاٰیۃ لکم میں چند باتیں ہیں ایک یہ کہ میرے معجزات حصولی و استدلالی نبوت یا رب کی توحید کی دلیلیں ہیں تو جو میرے خداداد اختیارات و علم غیب کا انکار کرے وہ نہ تو میری نبوت مانتا ہے نہ رب کی توحید کو۔ دوسرے یہ کہ یہ معجزات تمہارے لئے ہیں نہ کہ میرے لئے میرا علم تو حضوری و کشفی ہے تمہارا ایمان حصولی و استدلالی۔ قرآن ہمارے لئے ہدایت ہے نہ کہ حضور کے لئے۔ تیسرے یہ کہ معجزات مومنوں کو مفید ہیں۔ کافروں کو نہیں ظاہر چیز بصارت سے معلوم ہوتی ہے باطنی چیز بصیرت سے۔ بصارت۔ سرے سے تیز ہوتی ہے۔ بصیرت قوت ایمان سے۔

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ

اور تصدیق کرنے والا واسطے اس کے جو درمیان ہاتھوں میرے کے ہے توریت سے تاکہ حلال کردوں واسطے تمہارے

میں تصدیق کرتا آیا ہوں اپنے سے پہلی کتاب توریت کی اور اس لئے کہ حلال کردوں تمہارے لئے کچھ وہ چیزیں جو

عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ

بعض وہ جو حرام کیا گیا اوپر تمہارے اور لایا میں تمہارے پاس نشانی طرف سے رب تمہارے کے پس ڈرو اللہ سے اور اطاعت کرو

تم پر حرام تھیں اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لایا ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میرا حکم مانو بے شک میرا

فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾

میری۔ تحقیق اللہ رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا پس پوجو اس کو یہ راستہ سیدھا ہے۔

تمہارا سب کا رب اللہ ہے تو اسی کو پوجو یہ ہے سیدھا راستہ۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے دلائل کا ذکر تھا۔ اب ان کی تبلیغ احکام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی نبوت کا ثبوت دے کر قوم کو پیغام دیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے ظاہری معجزات کا ذکر تھا' مردوں کو زندہ کرنا' بیماروں کو شفا دینا وغیرہ۔ اب ان کے باطنی معجزات کا ذکر ہے یعنی بغیر پڑھے توریت سے واقف ہونا اور اس کی تصدیق کرنا اور بغیر وحی کے قانون سیکھے ہوئے ربانی قانون کو جاری کرنا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کا ظاہری شفا بخشنے اور جسمانی بیماریوں کو دور کرنے کا ذکر تھا۔ اب ان کا باطنی شفا بخشنے اور روحانی حیات دینے کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام قلب و قالب روح و بدن کے طبیب ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تکوینی قوانین میں خداداد اختیارات کا ذکر تھا کہ میں اندھے کوڑھوں کو اچھا' مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں۔ اب آپ کے تشریعی اختیارات کا ذکر ہے کہ میں محرمات کو حلال کر سکتا ہوں۔ تکوینی اختیارات کے بعد تشریعی اختیارات کا ذکر ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علوم غیبیہ کا ذکر تھا جن کا تعلق دنیا سے ہے اب آپ کے ان علوم غیبیہ کا ذکر ہے۔ جن کا تعلق گزشتہ زمانہ سے ہے یعنی تحریف شدہ توریت کو جاننا پہچاننا۔

تفسیر : ومصدقا " لما بین یدی من التورۃ یا تو مضمون رسولا " پر معطوف ہے اور یعلمہ کا حال یا جئتکم پوشیدہ فعل کی ضمیر کا حال ہے۔ مصدق تصدیق سے بنا' بمعنی سچا کرنا اور سچا کہنا' سچا کہلوانا' سچا جاننا' سچا منوانا' یہاں سارے معنی درست ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو سچا مانا بھی اور آپ کی تشریف آوری سے توریت کی وہ آیتیں سچی ہو گئیں۔ جن میں آپ کی بشارت تھی نیز آپ نے لوگوں سے توریت منوائی اسے سچا کہلوایا۔ مقصد یہ ہے کہ اے یہودیو! میں تم پر احسان کرنے آیا ہوں کہ میرے ذریعہ تمہاری کتاب کی تصدیق ہوئی۔ لما کا لام صلہ کا ہے۔ بین یدی کے لفظی معنی ہیں ہاتھوں کے درمیان یہاں مراد سامنے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ زمانی لحاظ سے سامنا ہونا مراد ہے۔ یعنی پہلے اور ممکن ہے کہ مکانی لحاظ سے سامنے ہونا مراد ہو۔ بمعنی پاس و نزدیک یعنی تمہاری تحریف کردہ توریت جو تقریباً اصلی رنگ میں دنیا سے غائب ہو چکی۔ وہ میرے سامنے ہے میں اسے دیکھ رہا ہوں آپ نے فرمایا کہ اے اسرائیلیو میں تو اپنے سے پہلی یا اپنے پاس والی توریت کی تصدیق کرنے آیا ہوں نہ کہ جھٹلانے ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے اور لاحل جئت فعل پوشیدہ کا متعلق۔ احل احلال سے بنا بمعنی حلال و جائز کرنا بعض سے معلوم ہوا کہ سارے محرمات حلال نہ ہوں گے بلکہ بعض۔ حرم علیکم سے یا تو توریت کی بعض حرام کردہ چیزیں مراد ہیں جو بنی اسرائیل پر سزا کے طور پر حرام کر دی گئیں تھیں جیسے اونٹ کا گوشت' مچھلی' آنتوں کی چربی اس صورت میں انجیل شریف توریت کے احکام کی ناسخ ہے یا حرام سے مراد وہ چیزیں ہیں۔ جو علمائے یہود نے اپنی طرف سے لوگوں پر حرام کر کے توریت کی طرف انہیں منسوب کر دیا تھا (کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس صورت میں انجیل توریت کی ناسخ نہیں اس میں صرف مثالیں اور نصیحتیں ہیں۔ عیسائیوں پر توریت ہی کے احکام جاری تھے مگر ان کے پادریوں نے ہفتے کا دن چھوڑ کر اتوار کر اختیار کیا۔ بیت المقدس سے منہ موڑ کر مشرق یا مغرب کو اپنا قبلہ بنا لیا ختنہ چھوڑ دیا۔ سور کھانے لگے وغیرہ۔ مگر تفسیر اول قوی ہے (روح المعانی) نے اس جگہ فرمایا کہ یہ حرکتیں پادری پطرس نے کیں۔ یعنی نیز

www.alahazratnetwork.org

میں اس لئے آیا ہوں کہ تمہارے لئے بعض وہ چیزیں حلال کردوں جو تم پر توریت میں یا یہودی رہبروں کی طرف سے حرام کردی گئی تھیں۔ خیال رہے کہ جیسے یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا سمجھتے تھے ایسے ہی اپنے پوپ پادریوں کو حرام حلال کا مالک سمجھتے تھے۔ اپنے گناہوں کی معافی بھی پوپ پادریوں سے ہی مانگتے تھے اس لئے پادریوں نے بہت سی حلال چیزیں ان پر حرام کردی تھیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے وہ حلال کیں یعنی دین کی خرابیوں کو دور فرمایا۔ پہلے زمانوں میں حضرات انبیاء کرام ہی دینی خرابیوں کو دور کرتے تھے۔ اب اسلام میں یہ کام حضرات علماء ربانین اور مجددین کے سپرد ہوا کہ قرآن و حدیث و احکام شرعیہ میں بھی کتربیونت کرنے والے پیدا ہوتے رہے۔ مگر علماء ربانیین نے دین کو محفوظ رکھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے اللہ ہر سو برس پر مجدد بھیجے گا۔ **وجئتکم بایۃ من ربکم** یہاں یا تو آیت سے پچھلے مذکور معجزات مراد ہیں اور یہ کلام اس کی نقل ہے یا اس آیت سے آپ کے باطنی معجزات مراد یعنی بغیر کسی کے پڑھے عالم ہونا توریت کا حافظ و ماہر ہونا وغیرہ یعنی میں اپنی نبوت اور انجیل کی حقانیت پر تمہارے پاس نشانی بھی لایا ہوں۔ لہٰذا **فاتقوا اللہ واطیعون** رب سے ڈرو اور ہر طرح میری اطاعت کرو کہ میری اطاعت بغیر تقویٰ کامل نہیں ہو سکتی پھر فرمایا **ان اللہ ربی وربکم فاعبدوہ** چونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو خبر نہ تھی کہ مجھے بعض لوگ خدا کا بیٹا کہنے لگیں گے۔ اس لئے آپ نے یہ کلام ان تاکیدی سے شروع فرمایا نیز چونکہ عمومی ربوبیت تو ہر بندے کے لئے ہے مگر رب کی خصوصی ربوبیت ' نبوت ' ولایت ' خاص خاص بندوں کے لئے۔ اس لئے **ربی** الگ فرمایا اور **ربکم** الگ جیسے جسمانیات میں دھوپ ہوا تو سب کو ملتی ہے مگر سلطنت و دولت وغیرہ خصوصی نعمتیں کسی کسی کو ' ایسے ہی روحانی ربوبیت کا حال ہے یعنی اللہ میرا بھی پالنے والا ہے اور تمہارا بھی۔ لہٰذا تم نہ تو مجھے خدا کہو نہ خدا کا بیٹا اور نہ اپنے جیسا بشر بلکہ اللہ کا بندہ کہو اور اس کا رسول **ھذا صراط مستقیم۔ ھذا** سے پچھلے سارے احکام کی طرف اشارہ ہے۔ **صراط** اور **مستقیم** کی مکمل تفسیر سورۂ فاتحہ میں گزر چکی ہے یعنی رب سے ڈرنا ' میری اطاعت کرنا مجھے اس کا بندہ ' رسول جاننا یہی وہ سیدھا راستہ ہے جو رب تک پہنچائے گا۔ اسی راستہ کی سارے پیغمبروں نے ہدایت کی۔

خلاصہ تفسیر : عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے ظاہری معجزات دکھاتے ہوئے اور اپنی نبوت کا ثبوت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ اے اسرائیلیو! تم ڈرو نہیں میں اپنے سے پہلی کتاب توریت کو جھٹلانے نہیں بلکہ اسے سچا کرنے کے لئے آیا ہوں کہ اگر میں نہ آتا تو میری پیشین گوئی کی آیتیں جو توریت شریف میں ہیں کیونکر سچی ہوتیں۔ نیز میرا آنا تمہارے واسطے روحانی نعمت ہے کہ تمہاری بدکرداریوں کی وجہ سے تم پر جو سختی کی گئی تھی ' اسے اٹھادوں گا اور جو طیب و طاہر چیزیں تم پر حرام کردی گئی تھیں۔ ان کو حلال کردوں گا۔ خیال رہے کہ چیزوں کی حرمت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ خود چیز ہی بری ہو ' یہ حرمت تو اللہ کی رحمت ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویحرم علیھم الخبئث** وہ نبی آخر الزمان لوگوں پر خبیث و گندی چیزیں حرام فرمائیں گے۔ دوسری یہ کہ چیز تو اچھی ہو مگر قوم سرکش ہو۔ اسے سزا دینے کے لئے ان پر پابندی لگانے کے لئے حرام کردی گئیں جیسے حکومتیں سرکش لوگوں پر کرفیو لگا کر انہیں گھروں میں قید کردیتی ہیں۔ سڑک پر نکلنا جرم نہیں تھا مگر ان کی سرکشی سے جرم قرار دیا گیا۔ یہود پر حلال چیزوں کی تحریم دوسری وجہ سے تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تشریف لا کر اٹھادیں یہ حرمت عذاب تھی۔ اس کا اٹھانا

www.alahazratnetwork.org

رحمت۔ میں اپنے اس دعویٰ پر دلائل اور نشان بھی لایا ہوں کہ بغیر کسی سے پڑھے توریت شریف کا حافظ و ماہر ہوں اور بچپن میں میں نے کلام کیا جس سے میری نبوت بخوبی ثابت ہو گئی لہٰذا تم میری مخالفت نہ کرو بلکہ اطاعت کرو اور خدا سے ڈرو پھر یہ بھی یاد رکھو کہ میں نہ خدا ہوں نہ اس کا بیٹا بلکہ تمہاری طرح اس کا مربوب بندہ ہوں وہ میرا رب ہے اور تمہارا بھی۔ لہٰذا تم اس کی عبادت کرو نہ کہ میری۔ یہی عقائد و اعمال رب تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہیں۔ جس کے سارے پیغمبروں نے تبلیغ کی اور میں بھی اس کی تبلیغ کرتا ہوں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی پیغمبر کسی آسمانی کتاب کو جھٹلاتے نہیں۔ اس کی تصدیق ہی کرتے ہیں جیسا کہ **مصدقا " لما بین یدی** سے معلوم ہوا یہ دوسری بات ہے کہ اس کے کچھ احکام ضرورت زمانہ کے لحاظ سے منسوخ کر دیں۔ **دوسرا فائدہ:** پیغمبروں کو کسی قدر شرعی احکام کا اختیار ہوتا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ولا حل لکم** میں حلال کر دوں۔ معلوم ہوا کہ حلال و حرام کرنے کا انہیں اختیار ہے ایک دفعہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حج کرو۔ کسی نے پوچھا کہ کیا ہر سال۔ فرمایا کہ اگر ابھی ہم ہاں کہہ دیتے تو ہر سال ہی حج فرض ہو جاتا۔ نہیں عمر میں ایک بار معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہاں اور نہ میں تاثیر ہے۔ نیز ایک صحابی نے روزہ میں اپنی بیوی سے جماع کر لیا۔ بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اپنے اس قصور کی بابت عرض کیا' فرمایا غلام آزاد کرو عرض کیا نہیں کر سکتا اور کھانا دینے اور ساٹھ روزے رکھنے سے بھی مجبوری ظاہر کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایک ٹوکری کھجور دے کر فرمایا اس سے اپنا کفارہ ادا کرو۔ عرض کیا حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ میں سب سے بڑا مسکین تو میں ہی ہوں۔ فرمایا خود ہی کھا لو۔ یہ حضور علیہ السلام کا اختیار تھا کہ خود خطا کار کو اس کا کفارہ کھلا دیا۔ اس کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔ اس مسئلہ کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مطالعہ کرو۔ **تیسرا فائدہ:** پیغمبر کی اطاعت کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہو سکتا جیسا کہ **فاتقوا اللہ و اطیعون** سے معلوم۔ **چوتھا فائدہ:** پیغمبر اپنی نبوت کے ساتھ اپنی بندگی کا بھی اعلان فرماتے ہیں تاکہ کوئی معجزات دیکھ کر انہیں خدا نہ کہہ دے۔ اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ربی و ربکم** **پانچواں فائدہ:** قرآن کا نسخ حدیث سے جائز ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ بعض وہ چیزیں جو توریت میں تم پر حرام کر دی گئی تھیں۔ انہیں میں حلال کر دوں۔ توریت کتاب اللہ تھی اور اس کے بعض احکام کو فرمانے والے عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دیکھو والدین اور قرابت داروں کے لئے وصیت قرآن کریم سے ثابت ہے۔ **الوصیۃ للوالدین والاقربین** مگر اسے حدیث نے منسوخ فرمایا کہ **لا وصیۃ للوارث** اور غیر وارث کے لئے بھی تہائی سے زیادہ کی وصیت حدیث شریف نے منسوخ فرمائی۔ **چھٹا فائدہ:** سیدھا راستہ وہی ہے جس پر اللہ کے نیک بندے چلے ہوں اور منزل سے لوٹنے والے اس کے سیدھا ہونے کی خبر دیں جو مذہب یا دین نبی یا ولی سے خالی ہو وہ سیدھا نہیں شرک مجوسیت وغیرہ نبوت سے خالی ہیں لہٰذا ٹیڑھے راستے ہیں۔ دیوبندیت' قادیانیت' نیچریت' رفض' وہابیت اولیاء اللہ سے خالی لہٰذا یہ بھی ٹیڑھے راستے ہیں۔ مذہب اہل سنت ہی سیدھا راستہ ہے کہ اس کو علماء اولیاء کی سرپرستی حاصل ہے شاہی سڑک عام گزرگاہ ہوتی ہے کہ اس پر پل اور سرکاری چوکیاں ہوتی ہیں۔ اجمیر شریف اور بغداد شریف اس کی سرکاری چوکیاں ہیں۔ سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی پہچان یہ بتائی گئی **صراط الذین انعمت علیھم** اس کی مکمل تحقیق

www.alahazratnetwork.org

اسی جگہ دیکھو۔ ساتواں فائدہ: انجیل شریف توریت کی ناسخ ہے جیسا کہ حرم علیکم کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں اجتماع ضدین معلوم ہو رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے مصدقا" بھی فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ توریت کو منسوخ نہ کریں گے' صرف تصدیق کریں گے اور و لاحل بھی فرمایا جس سے پتہ لگا کہ آپ نے توریت کو منسوخ کیا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے کہ نسخ تصدیق کے خلاف نہیں اور اس کی تحقیق بارہا ہو چکی یا حرام سے علماء یہود کی حرام کی ہوئی چیزیں مراد ہیں۔ یعنی جن چیزوں کو تمہارے علماء نے حرام کرا دیا۔ ان کی حلت ظاہر کروں گا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت میں زبور کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے تو توریت و زبور دونوں ہی کی تصدیق فرمائی۔ جواب: یا اس لئے کہ توریت کی تصدیق زبور کی تصدیق ہے کہ توریت اصل ہے اور زبور اس کی شرح یا فرع یا اس لئے کہ اس وقت خطاب توریت ماننے والے یہودیوں ہی سے تھا۔ تیسرا اعتراض: وجئتکم باٰیۃ دوبارہ کیوں فرمایا گیا اس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا تھا؟ جواب: یا تو یہ کلام اسی پہلے کلام کی تاکید ہے اہتمام کیلئے۔ یا اس آیت سے ظاہری معجزات مراد تھے اور اس سے باطنی معجزات علم حکمت وغیرہ مراد جیسا کہ ہم پہلے تفسیر میں عرض کر چکے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بعض توریت کی حرام کردہ چیزیں حلال کیں تو وہ چیزیں اچھی تھیں یا بری۔ اگر اچھی تھیں تو توریت میں چربی حرام کیوں کی گئی تھی اور اگر بری تھیں تو آپ نے حلال کیوں کر دی؟ جواب: وہ چیزیں اچھی تھیں جیسے مچھلی یا جانوروں کی چربی وغیرہ۔ مگر رب تعالیٰ نے یہود کی سرکشی کی وجہ سے سزاءً حرام کر دی تھیں تاکہ ان پر سختی پڑ جائے۔ جیسے حکومتیں کرفیو لگا کر لوگوں پر سختی کر دیتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی برکت سے وہ سختی دور کی گئی۔ پانچواں اعتراض: اگر رب تعالیٰ کے احکام نبی منسوخ کر دیں تو نبی رب سے زیادہ قوی ہوئے کہ اس کے احکام کو توڑ دیا قرآن کا نسخ حدیث سے ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ جواب: نسخ میں نہ توڑ پھوڑ ہوتی ہے نہ گزشتہ کو جھٹلانا بلکہ نسخ مخلوق کے لئے تبدیلی حکم ہے اور خالق کے ہاں ختم حکم۔ یعنی گزشتہ حکم کو انتہاء پر پہنچا دینا نبی کا حکم کتاب منسوخ فرمانا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ جیسے رب کے حکم سے بخار آیا۔ دوا سے اتر گیا۔ یہ ہوا بخار کا نسخ۔ دوا نے بحکم پروردگار ہی بخار اتارا ہے مگر دوا کا واسطہ درمیان میں ضرور ہے ایسے ہی پیغمبر کا درمیان میں واسطہ ہوتا ہے۔ در حقیقت رب منسوخ فرماتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : عیسیٰ قلب نے نفسانی بنی اسرائیل سے کہا کہ میں علم ظاہر یعنی توریت کی تصدیق کرنے والا ہوں کیونکہ وہ بھی رب تعالیٰ کے مظاہر میں سے ایک مظہر ہے اور اے نفس جو باطنی انوار تجھ پر تیرے گناہوں کے وجہ سے حرام ہو گئے تھے اور وہ باطنی علوم کہ جس سے تو یکسر محروم ہو چکا ہے۔ اس کے بعض حصہ کو تیری استعداد کے مطابق تجھ پر کھولوں گا۔ میں اپنی اس قدرت پر رب تعالیٰ کی طرف سے دلیل لے کر آیا ہوں کہ میرے اس وصف کی کسی نبی نے مخالفت نہ کی۔ لہٰذا اے نفسانی خواہشات تم میری مخالفت میں رب تعالیٰ سے ڈرو۔ چونکہ میں حق پر ہوں۔ لہٰذا مجھ سے جھگڑا کرنا گویا رب تعالیٰ سے جنگ ہے۔ اللہ مرا اور تمہارا رب ہے۔ تمہیں میرے ذریعہ کمال تک پہنچائے گا۔ لہٰذا تم اس کی بارگاہ میں ذلت اور انکسار ظاہر کر کے اور اس کے دروازے پر ٹھہر کر اس کی عبادت کرو اور میری دعوت توحید میں اطاعت کرو۔ یہ وہ سیدھا راستہ ہے جو تمہیں تمہارے رب تک پہنچائے گا۔ (ابن عربی و روح المعانی) نفس میں دو طاقتیں ہیں نظری اور عملی۔ ان دونوں کو کامل کرنا نفس کا کمال ہے۔

ربی و ربکم میں قوت نظری کی طرف اشارہ ہے۔ اور فاعبدوہ میں کمال قوت عملی کی طرف۔ جو ان دو کمالوں کو جمع کرلے گا وہ سیدھے راستے پر چل سکتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک علم و عمل استقامت کے مقدمات ہیں۔ کسی نے جنید بغدادی سے پوچھا کہ ہم رب تک کیسے پہنچیں۔ فرمایا توبہ کرتے رہو۔ رب سے ڈرتے رہو۔ اس کی رحمت کے امیدوار رہو۔ ہر حال میں ذکر اللہ کرو۔ نفس کو ہمیشہ ذلیل رکھو کہ موت کو قریب اور اپنی امیدوں کو دور جانو۔ پوچھا گیا کہ بندہ میں یہ صفتیں کیونکر پیدا ہوں۔ فرمایا' قلب مفرد سے جس میں توحید مجرد ہو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ استقامت بڑی بہت دشوار چیز ہے۔ یہ محض فضل رب سے حاصل ہوتی ہے۔ سچے بندے کی یہ پہچان ہے کہ ہمیشہ اطاعت میں مشغول رہے۔ رب تعالیٰ کے سواء کسی کو نہ دیکھے نہ جنت کو نہ دوزخ کو۔ جس کا عقیدہ و عمل غرض سے خالی ہو گیا۔ اسے استقامت حاصل ہو گئی۔ اس کے لئے ازلی قابلیت اور شیخ کامل کی تربیت ضروری ہے۔ اچھوں کی نگاہ اور صحبت پتھر کو جوہر اور قطرہ کو گوہر کر دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سالہا باید کہ اندر آفتاب　　　لعل یابد رنگ درخشانی و تاب

اسی لئے یہاں فاتقوا اللہ کے ساتھ و اطیعون فرمایا گیا (روح البیان) مگر یہ اوصاف ایک دم حاصل نہیں ہوتے۔ اس کے لئے مدت درکار ہے۔ نہ قطرہ ایک دم موتی بن جاتا ہے نہ پتھر ایک دم لعل۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آخر میں فرمانا۔ فاتقوا اللہ اس تمام گفتگو شریف کا مقصد بیان کرنے کے لئے ہے یعنی میں نے اپنے فضائل بڑائی شیخی کے لئے بیان نہ کئے بلکہ اس لئے تاکہ تم رب سے ڈرو' ایمان لاؤ' رب سے ڈرو محرمات سے بچو' رب سے ڈرو مشتبہات سے بچو' غافل کرنے والی دنیا سے بچو' تقویٰ کے چاروں درجے ایک فاتقوا اللہ میں بیان کر دیئے۔ اپنی اطاعت کا ذکر فرما کر یہ بتایا کہ تم تقویٰ کے کسی درجہ پر پہنچ کر میری اطاعت سے بے نیاز نہیں ہو سکتے کوئی شخص گیس کی روشنی حاصل کرکے گیس سے بے نیاز نہیں۔ اطاعت رب کی بھی ضروری ہے مگر جب کہ ان کے حکم خلاف شرع نہ ہوں۔ نبی کی اطاعت بہر حال لازم ہے اگرچہ وہ کسی کو کسی کا حکم دیں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دوسرے نکاح سے روک دیا۔ حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرما دی۔ سب کی اطاعت ضروری ہے۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِىْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ
پس جب محسوس کیا عیسیٰ نے طرف سے ان کے کفر کو تو فرمایا کون ہیں مددگار میرے طرف اللہ کے کہا
پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف حواریوں نے کہا ہم دین
الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾
ساتھیوں نے کہ ہیں مددگار اللہ کے ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور گواہ رہیے اس کے کہ ہم مسلمان ہیں
خدا کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَكَرُوْا

اے رب ہمارے ایمان لائے ہم ساتھ اس کے جو اتارا تو نے اور پیروی کی ہم نے اس رسول کی پس لکھ دو ہم

اے رب ہمارے ہم اس پر ایمان لائے جو تو نے اتارا اور رسول کے تابع ہوئے تو ہمیں حق پر گواہی دینے والوں میں لکھ لے

وَمَكَرَ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ خَیْرُ الْمٰكِرِیْنَ ﴿۵۴﴾

کو ساتھ گواہوں کے ÷ اور فریب کیا انہوں نے اور خفیہ تدبیر کی اللہ نے اور اللہ تدبیر کرنے والا ہے بہتر ہے

کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے ہلاک کی خفیہ تدبیر فرمائی اور اللہ سب سے بہتر چھپی تدبیر کرنے والا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت اور ان کے معجزات کا ذکر فرمایا۔ اب ان کی قوم کے اس معاملہ کا ذکر ہے جو انہوں نے آپ کے ساتھ کیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے دنیا میں آنے کا ذکر تھا جو کہ رحمت الٰہی ہے اب اس قوم کی ناقدری کا ذکر ہے کہ انہوں نے اس نعمت کی قدر نہ کی۔ جو ان کے لئے سراپا رحمت تھی اس ذکر سے مقصود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینا ہے کہ اگر آپ کے زمانہ کے ناقدرے کفار آپ کی تبلیغ کا اثر نہیں لیتے تو آپ مغموم نہ ہوں یہ ناقدری تو ہوتی چلی آئی ہے۔ دیکھئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا کچھ نہ فرمایا مگر قوم نے کیا الٹا اثر لیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کے زمین پر آنے کا ذکر تھا اب زمین سے آسمان کی طرف جانے کی تمہید ہے۔ آپ کا یہاں آنا بھی معجزہ تھا اور یہاں رہنا بھی معجزہ اور یہاں سے جانا بھی معجزہ۔ ان کے دو معجزات کے بعد اب تیسرے کا ذکر ہے۔

تفسیر : **فلما احس عیسی منهم الکفر** یہ نیا جملہ ہے اور ف فصیحہ۔ اس سے پہلے ایک دراز عبارت پوشیدہ ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام ان میں تشریف بھی لے آئے۔ ان سے یہ گفتگو بھی فرمائی۔ پھر جب ان سے کفر کا احساس کیا احس احساس سے بنا جس کا مادہ حس ہے۔ اس کی جمع حواس آتی ہے۔ احساس کے معنی ہیں حواس سے معلوم کر لینا۔ یعنی آنکھ یا ناک یا کان یا چھونے سے معلوم کرنا مگر کبھی علم یقین کو بھی احساس کہہ دیتے ہیں۔ ممکن ہے کہ یہاں یہی مراد ہو کیونکہ کفر و ایمان احساسی چیزیں نہیں اور ہو سکتا ہے کہ احس ظاہری معنی میں ہو اور کفر سے علامات کفر یا کفر پر ضد مراد ہو مگر قوی تر یہ ہے کہ احس بالکل ظاہری معنی میں ہو۔ اگرچہ کفر و ایمان محبت و بغض محسوس چیزیں نہیں مگر نگاہ ان تمام چیزوں کو دیکھ لیتی ہے جیسے ہم خواب و خیال میں ان عوارض کو شکلوں سے دیکھ لیتے ہیں اور قیامت میں تو ہر شخص اپنے اعمال کو مختلف شکلوں میں دیکھے گا۔ یہی عمال تولے بھی جائیں گے منہم کا مرجع وہ منکر یہودی ہیں۔ جنہوں نے آپ کی مخالفت پر کمر باندھی یا منافق لوگ جو بظاہر آپ کے ساتھ تھے اور در حقیقت یہودیوں کے ساتھی۔ یا مرتدین جو پہلے مخلص مومن تھے اور پھر روپیہ کے لالچ میں ایمان سے پھر گئے۔ جس کا ذکر انشاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں آئے گا۔ کفر سے یا ان کا ظاہر کفر مراد ہے یا علامات کفر یا منافقت یا ارتداد یا آپ کے قتل کا ارادہ۔ لہٰذا اس جملہ کے پانچ چھ معنی ہو سکتے ہیں مگر ظاہر یہ ہے کہ کفر سے مراد ارادۂ قتل یا تدبیر قتل ہے۔ نبی کے قتل کا ارادہ بھی کفر ہے اگرچہ آپ کو قتل کرنے کا بیڑا طیطانوس نے اٹھایا تھا مگر چونکہ دوسرے یہود نے اس کی مدد کی مشورے دیئے انعام کا

www.alahazratnetwork.org

لالچ دیا۔ اس لئے ان سب کا ذکر ہوا کہ گناہ کرنا کرانا‘ رغبت دینا‘ بلکہ گناہ سے راضی ہونا‘ سب ہی گناہ ہے۔ بہرحال منہم فرمانا بالکل حق ہے۔ یعنی جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان یہود سے علامات کفر دیکھ لیں یا ان کا کفر یقین سے معلوم فرمالیا **وقال من انصاری الی اللہ** یہ کلام یا تو ہر مومن سے فرمایا جیسا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فامنت طائفۃ من بنی اسرائیل وکفرت طائفۃ**۔ یا اپنے خاص دوستوں اور حواریوں سے جیسا کہ سورۂ صف میں فرمایا گیا **قال عیسیٰ ابن مریم للحواریین من انصاری**۔ من استفہامیہ ہے اور انصار نصیر کی جمع ہے۔ جیسے شریف کی جمع اشراف۔ بعض نے فرمایا کہ جمع نصر کی ہے الی یا تو اپنے معنی میں ہے اور یہ جار مجرور پوشیدہ سے متعلق ہو کر انصاری ہی کا حال ہے۔ جو کہ درحقیقت انصار کا مفعول ہے اصل عبارت یوں ہے۔ **من انصاری ملتجاء**" اور **ذاھبا الی اللہ** یعنی میں جب رب کی طرف جانے لگوں تو اس وقت میرا مددگار کون ہو گا جو یہودیوں سے بچائے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ الی بمعنی مع ہے یعنی رب کے ساتھ میری مدد کون کرے گا۔ بعض کے خیال میں الی بمعنی لام یا بمعنی فی ہے یعنی اللہ کی راہ میں یا خدا کے واسطے میرا مددگار کون ہے کہ جس کی نیت رضاء الٰہی ہو نہ کہ دنیا حاصل کرنا (کبیر و روح المعانی وغیرہ) **قال الحواریون نحن انصار اللہ**۔ یہ اس جملہ کا جواب ہے **حواریون حواری** کی جمع ہے بمعنی خاص دوست۔ اسی واسطے خالص آٹے کو حواری کہتے ہیں اور خاص رنگ والی عورتوں کو نساء حواریات‘ بعض نے فرمایا حوار ایک شہر کا نام تھا چونکہ یہ لوگ وہاں کے رہنے والے تھے۔ اس لئے ان کا لقب حواری ہوا۔ ی نسبتی ہے۔ بعض کے نزدیک یہ لفظ حور سے بنا بمعنی لوٹنا‘ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انہ ظن ان لن یحور** اس لئے مشورہ کو تحاور کہتے ہیں کہ اس میں ایک دوسرے کی طرف کلام لوٹایا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ یسمع تحاورکما** چونکہ خالص دوست کی طرف رجوع ہوتا ہے۔ اس لئے اسے حواری کہا جاتا ہے۔ بعض کے خیال میں حواری حور بمعنی سفیدی سے بنا۔ جس کی آنکھ کی سفیدی خوب تیز ہو۔ اسے حورہ کہتے ہیں۔ اس لئے جنت کی عورتوں کا نام حور ہے۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے یہ ساتھی یا تو دھوبی تھے کہ لوگوں کے کپڑے سفید کیا کرتے تھے یا خود سفید کپڑے پہنتے تھے یا ان کے چہرے سفید تھے یا ان کے دل منور تھے اور اخلاق پاکیزہ۔ اس لئے انہیں حواری کہا گیا۔ قتادہ اور مقاتل وغیرہ نے یہی فرمایا۔ یہ کل بارہ حضرات تھے جن میں یعقوب‘ شمعون اور یوحنا بھی داخل ہیں۔ رہی یہ تحقیق کہ یہ کون لوگ تھے۔ انشاء اللہ اس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں آئے گا۔ بعض نے کہا کہ یہ انتیس آدمی تھے مگر پہلی بات صحیح ہے۔ انصار اللہ میں یا دین پوشیدہ ہے یا کچھ پوشیدہ نہیں عیسیٰ علیہ السلام کے خالص دوستوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ کے دین کے یا اللہ کے نبی کے یا اللہ کے مددگار ہیں۔ **امنا باللہ** یہ نیا جملہ ہے گویا پہلے جملہ کی دلیل ہے اس جملہ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم کو ایمان جیسی دولت آپ کے ذریعہ سے ملی تو اس کا شکریہ ضرور ادا کریں گے کہ آپ پر پروانہ وار فدا ہو جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم نے ایمان کا دعویٰ کیا ہے اس کے ثبوت کے لئے ہم آپ قربان ہوں گے۔ جڑ کی دلیل شاخیں ہوتی ہیں۔ ایمان کی دلیل اعمال۔ اور سب سے بڑا عمل نبی پر صدقے ہو جانا ہے۔ قیامت میں وضو کی چمک‘ سجدہ گاہ کی نورانیت دلیل ایمان ہو گی۔ بہرحال **امنا باللہ** یا **نحن انصار اللہ** کی دلیل ہے یا اس کا عکس۔ اس میں مسلمانوں کو تعلیم ہے کہ اپنے ایمان کا ثبوت دنیا میں قائم کریں اور بوقت ضرورت دین پر نثار ہو جایا کریں۔ ایمان باللہ کے معنی بارہا بیان ہو چکے‘ یعنی ہم اللہ پر ایمان لائے اور مومن کی شان ہے کہ وہ اللہ کے دین کی مدد کرے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا جاننا ماننا اور ہے‘ اور مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا کچھ اور۔ اللہ کو جاننا ماننا ذریعہ نجات نہیں۔ اللہ کو جاننا ماننا تو

www.alahazratnetwork.org

شیطان بھی ہے اور بہت سے کفار بھی مگر وہ سب ہیں دوزخی "اللہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ اس کی ذات و صفات کو مانا جائے اس کے رسولوں "کتابوں" فرشتوں "جنت" دوزخ قیامت وغیرہ تمام ایمانیات کو مانا جائے لہذا امنا فرمانے میں ان تمام کے ماننے کا ذکر ہو گیا۔ **واشھد بانا مسلمون** یہ جملہ امنا پر معطوف ہے یا تو وہ بھی جملہ انشائیہ تھا یا جملہ انشائیہ کی خبریہ عطف جائز ہے۔ **واشھد** میں عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب ہے۔ **مسلمون** یا لغوی معنی میں ہے یعنی اطاعت کرنے والے اور پیرو کار یا اصطلاحی معنی میں کہ ان کا دین بھی اسلام تھا (خازن وغیرہ) یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام آپ اس پر گواہ رہیں کہ ہم آپ کے مطیع یا مسلمان ہیں۔ خیال رہے کہ دنیا میں تو ہم رسول کے گواہ ہیں مگر آخرت میں رسول ہمارے ایمان و اسلام کے گواہ ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** قیامت میں مومن کے ایمان کے گواہ بہت ہوں گے۔ کاتب اعمال فرشتے "جہاں مومن نماز پڑھتا تھا وہ جگہ "جہاں تک مومن کی اذان کی آواز پہنچتی تھی وہاں تک کے کنکر پتھر ذرے "قطرے سب ایمان کے گواہ ہیں۔ پھر نبی کی گواہی سب سے اعلیٰ گواہی ہو گی **ربنا امنا بما انزلت واتبعنا الرسول** یہ بھی حواریوں کا کلام ہے اور رب سے عرض و معروض۔ اگلی دعا کی تمہید کے لئے اپنی وفاداری کا اظہار ہے **ما انزلت** سے یا انجیل شریف مراد ہے یا اس سے پچھلی ساری کتابیں یا اگلی یا پچھلی ساری آسمانی کتابیں اور صحیفے یا ساری کتابیں اور انبیائے کرام کے معجزات "**اتبعنا** اتباع سے بنا۔ جس سے مراد عقائد و اعمال میں پیروی کرنا ہے **الرسول** میں الف لام عہدی ہے اور اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد۔ یعنی اے مولیٰ ہم انجیل شریف یا تیری ساری کتابوں پر ایمان لا چکے یا ایمان لاتے ہیں اور اس رسول یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی ہر طرح پیروی کرتے ہیں لہذا **فاکتبنا مع الشھدین**: **امنا** اور **واتبعنا** تمہید دعا تھی۔ یہ جملہ اصل دعا ہے چونکہ ان حواریوں کو اب اپنی موت کا گمان غالب ہو چکا تھا۔ اس لئے انہوں نے یہ دعا کی تھی اور چونکہ اس وقت وہ حضرات اپنی زندگی سے قریباً" مایوس تھے۔ اس لئے آخرت کے متعلق ہی دعا مانگی۔ نیز آخرت کی نعمتوں میں سے سب سے اعلیٰ نعمت اچھوں کا ساتھ ہے اس لئے اس کی التجا کی کہ اگر وہ نعمت نصیب ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اس میں ہم لوگوں کو دعا کی تعلیم ہے **اکتب۔ کتابۃ** سے بنا معنی لکھنا "اور ثابت کرنا" اور داخل کرنا۔ لفظ کتابت قرآن پاک میں بہت معنی میں استعمال ہوا۔ اگر اس سے لکھنا مراد ہے تو نامے اعمال مراد ہوں گے اور اس سے نیکیوں کی کتاب میں نام لکھنا مراد ہو گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان کتاب الابرار لفی علیین** اور اگر کتابت سے ثابت کرنا اور داخل کرنا مراد ہو تو اس تکلف کی ضرورت نہیں۔ **شاھدین شاھد** کی جمع ہے بمعنی گواہ اور حاضر اس سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہے کیونکہ قیامت میں مسلمان نبیوں کے گواہ ہوں گے اور حضور علیہ السلام مسلمانوں کے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** حضرت عکرمہ اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا یہ قول ہے۔ (خازن و کبیر و روح المعانی و بیان وغیرہ) خیال رہے کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخرت میں تو نبیوں کی گواہ ہے اور دنیا میں مسلمانوں کی بھی گواہ اور دوسری چیزوں کی بھی گواہ "چنانچہ جس شخص کو عام مسلمان جنتی کہیں وہ واقعی جنتی ہے اور جسے عام مسلمان دوزخی کہیں وہ دوزخی ہے۔ حضور فرماتے ہیں **انتم شھداء اللہ فی الارض** ایسے ہی جس چیز کو عام مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ایسی ہے۔ حضور فرماتے ہیں **ماراہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن** چونکہ مسلمانوں کے یہ فضائل حواریوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے سنے تھے اس لئے انہوں نے یہ دعا کی۔ ابو صالح نے کہا کہ شاھدین سے مراد انبیاء کرام ہیں کیونکہ ہر نبی اپنی امت کا یا اپنی امت پر گواہ ہے۔ مقاتل نے فرمایا کہ ان سے سچے لوگ مراد ہیں۔ زجاج

www.alahazratnetwork.org

نے فرمایا کہ اس سے تمام انبیاء کی مومن امتیں مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے فرشتے مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **شهد الله انه لا اله الا هو و الملئكة** بعض کا خیال ہے کہ شاہدین سے مراد شہود جمال میں مستغرق ہونے والے ہیں جنہیں مشاہدہ جمال کی وجہ سے سختیاں اور تکالیف محسوس ہی نہ ہوں مگر پہلا قول نہایت صحیح ہے۔ یعنی اے مولیٰ چونکہ ہم تیرے رسول کے ہر طرح پیرو کار بن چکے ہیں لہذا ہمارے نام گواہوں کے رجسٹر میں انہیں کے ساتھ درج فرما۔ ہمیں حق پر گواہی دینے والوں کے زمرہ میں داخل کر۔ یا ہمیں آخرت میں انبیاء کرام کی ہمراہی و معیت نصیب فرما تاکہ اگر ان کی ہمراہی نصیب ہو گئی تو سب کچھ مل گیا اور ہم ہر آفت سے بچ گئے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو — کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانہ والے
گر محمد کا ساتھ ہو جائے — پھر تو سمجھو نجات ہو جائے

برات کی دھوم دھام اگرچہ دولہا کے دم قدم سے ہوتی ہے مگر دولہا کے طفیل اس کے ساتھی بھی کھانے وغیرہ سے نوازے جاتے ہیں اور دولہا کے دائمی خدمتگار کھانے کے علاوہ انعامات بھی پا جاتے ہیں یا ہمیں مشاہدہ کرنے والوں میں سے بنا کہ بوقت موت و قتل جنت وغیرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔ جس سے نہ ہمیں قتل کا احساس ہو نہ شدت نزع کا جیسے حضرت آسیہ کو چومکا کرتے وقت جنت دکھائی گئی۔ شاہد محبوب کو بھی کہہ دیتے ہیں اگر یہ معنی ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ ہمیں اپنے محبوبوں کے ساتھ رکھ اکیلا نہ رکھ۔ کیونکہ شیطان اکیلے کو جلدی شکار کرتا ہے نہ مردودوں کے ساتھ رکھ۔ **ومكروا ومكر الله** مکر کے لغوی معنی پوشیدگی ہیں اس لئے اندھیرے کو مکر کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے **مكر الليل** رات کا اندھیرا (کبیر) اصطلاح میں خفیہ تدبیر کو مکر کہنے لگے۔ جس کی دوسرے کو خبر نہ ہونے دی جائے۔ یہ دو قسم کا ہے اچھا اور برا فسادی کی تدبیر بری ہے اور فسادیوں کو پکڑنے کی خفیہ تدبیر اچھی ڈاکوؤں نے ڈکیتی کی چھپی تدبیریں کیں وہ ملزم ہیں۔ پولیس نے انہیں گرفتار کرنے کی خفیہ تدبیر کی یہ نہایت اچھا۔ اسی لئے عربی میں بھی بری تدبیر کو مکر السیئی کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا يحيق المكر السيئ الا باهله** اچھی تدبیر کو مکر خیر جیسے **والله خير المكرين** بعض نے فرمایا کہ مکر کے لغوی معنی اجتماع و مضبوطی اور پختگی ہیں اس لئے حسین عورت کو امرۃ ممکورۃ کہتے ہیں۔ یعنی جس میں اسباب حسن جمع ہوں لہذا مضبوط فساد بھی مکر ہے اور مضبوط پکڑ بھی مکر۔ بعض نے کہا کہ مکر کے معنی خفیہ فسادی ہیں مگر کبھی جرم کے بدلے کو بھی جرم کا نام دے دیتے ہیں۔ جیسے **جزاء السيئة سيئة** غرض ان دو مکروں میں بڑا فرق ہے اس لئے یہ صیغہ دو جگہ استعمال فرمایا یہاں پہلے مکروا کا فاعل وہ یہودی ہیں۔ جنہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی سازش کی یعنی ان یہودیوں نے حضرت مسیح کے قتل کی بڑی مضبوط خفیہ تدبیر کی اور اللہ نے انہیں بچانے کی اہم خفیہ تدبیر فرمائی کہ انہیں زندہ آسمان پر بلا لیا اور انہیں کے ایک آدمی کو قتل کرا دیا۔ اس کا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آئے گا مگر خیال رہے کہ مکر مخالف تدبیر کو کہتے ہیں اور وہ مخالف ہی سے چھپائی جاتی ہے۔ جس کے حق میں ہو اس پر ظاہر کر دی جاتی ہے چنانچہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی اس تدبیر پر مطلع فرمایا جیسا کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **واذ قال الله يعيسى** آیت کے معنی یہ ہوئے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف خفیہ تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے یہود کے خلاف خفیہ تدبیر کی۔ چونکہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کا بدلہ ان کے دشمنوں سے خود لیتا ہے اس لئے یہ ارشاد نہ ہوا کہ یہود کے جواب میں عیسیٰ علیہ السلام نے خفیہ تدبیر کی بلکہ فرمایا کہ رب نے تدبیر کی۔ مقبولوں کا دشمن رب کا دشمن ہے اور ان کا دوست رب کا

www.alahazratnetwork.org

دوست واللہ خیر الماکرین یہاں خیر سے مراد یا مضبوط ہے یا بہتر یعنی اللہ تمام تدبیر کرنے والوں میں بہتر اور اچھی تدبیر والا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ حکیمانہ کلام اور اپنے معجزات اس قوم کے سامنے پیش کیے تو انہوں نے بجائے اطاعت کے ان کے قتل کی تدبیر کی۔ لہٰذا جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کے اس ارادہ اور پختہ کفر کو علامات سے محسوس فرمایا تو اپنے متبعین سے خطاب کیا کہ فی سبیل اللہ میرا مددگار کون ہے۔ ان کے خاص دوستوں نے کہا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں۔ اے عیسیٰ علیہ السلام ہم آپ کی ضرور مدد کریں گے۔ اس مدد پر نہ کوئی دنیوی اجرت مانگتے ہیں نہ کوئی اور چیز۔ صرف خواہش یہ ہے کہ آپ قیامت کے دن ہماری اطاعت اور فرماں برداری اور مسلمان ہونے کی گواہی دیں۔ پھر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ اے مولیٰ ہم تیری تمام اتاری ہوئی کتابوں اور معجزات پر ایمان لائے اور سچے دل سے ظاہر و باطن میں تیرے اس رسول کے پیروکار بنے لہٰذا تو ہمیں نبی آخر الزمان کے زمرے میں داخل فرما لے جو قیامت میں انبیاء کرام کے گواہ ہوں گے یا ہمارا نام ان کے رجسٹر میں درج فرما۔ اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کفار نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی خفیہ تدبیریں بہت کچھ کیں اور رب تعالیٰ نے انہیں بچانے کی ایسی پختہ اور قوی تدبیر فرمائی جس سے یہود بے خبر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں میں بہتر اور قوی تدبیر فرمانے والا ہے کہ اس نے خفیہ طور پر عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بلا لیا اور جو قتل کے ارادہ سے آپ کے پاس آیا تھا۔ اسے عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل کر کے تختہ دار پر لٹکوا دیا۔ یہود اب تک حیران ہیں کہ اگر ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی تو ہمارا آدمی کہاں گیا اور اگر اپنے آدمی کو سولی دی تو عیسیٰ علیہ السلام کہاں گئے۔ یقیناً ہماری تدبیر ان کی تدبیر سے قوی ہے اور ہم اعلیٰ تدبیر فرمانے والے ہیں۔

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا واقعہ

عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے واقعہ میں مفسرین کا قدرے اختلاف ہے۔ ہم ان میں سے قوی روایت تفسیر خازن و روح المعانی و بیان وغیرہ سے نقل کرتے ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تبلیغ فرمائی تو انہوں نے آپ کے مقابلہ سے عاجز ہو کر آپ کی شان میں بکواس کرنا' آپ کی والدہ ماجدہ کو تہمت لگانا اور آپ کو ایذا دینا شروع کر دی۔ ایک دن آپ شہر میں گشت لگا رہے تھے کہ شہر کے لوگوں نے آپ کو بہت پریشان کیا تب آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کی کہ مولیٰ اب صبر کا پیالہ بھر چکا۔ اب سب کو سور بنا دے آپ کے منہ سے یہ نکلنا تھا کہ وہ سب سور ہو گئے۔ لوگوں پر اس واقعہ سے ہیبت طاری ہو گئی۔ کسی نے بادشاہ وقت یہود کو خبر دی کہ عیسیٰ علیہ السلام ایسے مقبول الدعاء ہیں کہ انہوں نے اتنی جماعت کو سور بنا دیا۔ تو بھی ان کا مخالف ہے' اپنی خیر منا۔ کبھی ان کی بددعا سے تیرا بھی یہی حال ہوتا ہے اس نے کہا کیا کیا جائے۔ ایسے مقبول بارگاہ کے مقابلہ میں کوئی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی۔ وہ بولا کہ انہیں کسی حیلہ سے شہید کر دیا جائے تاکہ ان کی بددعا کا اندیشہ جاتا رہے۔ چنانچہ ایک شخص ططیانوس کو اس کام کے لئے منتخب کیا گیا۔ ططیانوس ایک منافق آدمی تھا جو بظاہر عیسیٰ علیہ السلام کی محبت کا دم بھرتا تھا اور در پردہ یہود سے ملا ہوا تھا۔ جب یہ واقعہ ہونے والا تھا تب

www.alahazratnetwork.org

ہی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی حواریوں سے فرمایا تھا کہ آج صبح سے پہلے ایک شخص مجھے چند درہم کے عوض فروخت کردے گا۔ ہمیشہ ہی سے پھولوں کے ساتھ کانٹے بھی رہتے ہیں اور مخلصین کے ساتھ منافقین بھی رہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی ایسے ہی مار آستین دوست نما دشمن تھے۔ وہ حضرات ان منافقوں کو پہچانتے تھے مگر چشم پوشی سے کام لیتے جیسا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے اس فرمان سے معلوم ہو رہا ہے۔ چنانچہ طلیانوس کو یہود کی طرف سے تیس درہم یعنی ساڑھے سات روپے دینے کا وعدہ کیا گیا۔ اس شرط پر کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو اچانک شہید کردے یا کرادے۔ چنانچہ طلیانوس جماعت یہود کو اپنے ساتھ لے کر اندھیری رات میں آپ کے قیام گاہ پر گیا ان سب کو اس گھر کے آس پاس کھڑا کر کے خود اندر داخل ہوا۔ کیا دیکھتا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اچانک کھڑکی کے ذریعہ اس حجرہ میں سے نکل کر آسمان پر تشریف لے گئے۔ یہ حیران رہ گیا۔ باہر کے یہودی سمجھے کہ شاید طلیانوس عیسیٰ علیہ السلام سے جنگ کر رہا ہے۔ اس لئے واپسی میں دیر ہوئی۔ رب تعالیٰ نے طلیانوس کو عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنادیا۔ اب یہ باہر آیا۔ اس کے نکلتے ہی ان یہودیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کے شبہ میں اسے پکڑ لیا۔ یہ لاکھ چیخا چلایا کہ میں تمہارا ساتھی ہوں۔ حضرت مسیح کو قتل کرنے گیا تھا مگر کسی نے ایک نہ سنی۔ بولے کہ اے عیسیٰ تو نے ہمارے آدمی کو قتل کردیا۔ اب ہمیں دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ یہ کہہ کر اسے سولی پر چڑھا دیا۔ آج تک عیسائی بھی اس وہم میں مبتلا ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر سولی دے دی گئی اور پھر انہیں دوبارہ زندہ کر کے آسمان پر پہنچایا گیا۔ اس لئے سارے عیسائی صلیب کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو اپنے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ طلیانوس کو سولی دی گئی نہ کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔ فقیر نے اس سولی گاہ اور تمام مقامات کی بیت المقدس میں زیارت کی۔ حضرت مریم کو خبر پہنچی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی گئی۔ آپ ایک عورت کے ساتھ صلیب پر پہنچیں اور اس لٹکی ہوئی لاش کے سامنے بیٹھ کر زار و زار رونے لگیں۔ کئی روز تک برابر سال آتی تھیں اور روتی تھیں۔ ساتویں روز عیسیٰ علیہ السلام کو حکم الٰہی ہوا کہ جاؤ اپنی ماں کو تسکین دو۔ لہٰذا آپ ایک پہاڑ پر رات کے وقت اترے۔ سارا پہاڑ نور سے منور ہو گیا اپنی والدہ اور حواریوں کو بلایا۔ آپ کی والدہ آپ سے لپٹ کر رونے لگیں اور بولیں اے عیسیٰ تم کہاں۔ فرمایا والدہ محترمہ میں بخیریت ہوں۔ جس کو سولی دی گئی ہے وہ اور شخص ہے تم صبر کرو اپنے حواریوں کو تبلیغ احکام کی ہدایت فرمائی اور سب کے لئے علاقے مقرر کئے کہ فلاں فلاں علاقے میں دین کی خدمت انجام دو۔ یہ سارا کام تقسیم کر کے آپ پھر اوپر چلنے لگے۔ حضرت مریم نے کہا کہ کہاں جاتے ہو فرمایا رب تعالیٰ کے پاس۔ بولیں کب ملوگے فرمایا تم سے قیامت کے دن اور پھر نگاہوں سے غائب ہو گئے۔

نوٹ : حضرت مریم تیرہ سال کی عمر میں حاملہ ہوئیں اور بیت المقدس میں بیت اللحم کے علاقہ میں ایک جنگل میں درخت کھجور کے نیچے جو پہلے خشک تھا آپ کے ہاتھ لگنے سے سرسبز اور پھل دار ہو گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ آپ کی پیدائش سکندر کے فتح بابل کے پینسٹھ سال بعد ہوئی اور تیس سال کی عمر میں آپ پر وحی آئی اور تینتیس سال کی عمر میں رمضان کی ستائیسویں شب یعنی شب قدر میں آپ آسمان پر تشریف لے گئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کے بعد چھ سال زندہ رہیں۔ اس حساب سے حضرت مریم کی عمر شریف باون سال ہوئی۔ (تفسیر خازن) فقیر نے اس جگہ کی زیارت کی ہے۔ اب آپ قریب قیامت تشریف لائیں گے۔ دنیا میں چالیس سال قیام فرما کر وفات پائیں گے۔ اس حساب سے عیسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف کل بہتر سال ہوگی۔ مدینہ منورہ میں حضور علیہ السلام کے برابر روضہ مطہرہ میں دفن ہوں گے اس لئے روضہ پاک میں چار قبروں کی

www.alahazratnetwork.org

جگہ تھی۔ تین بن چکیں اب چوتھی قبر شریف آپ کی ہوگی اور قیامت کے روز یہ چار حضرات ایک ساتھ اٹھیں گے۔ دو نبی اور صدیق و فاروق (حدیث شریف) انشاء اللہ اس کا پورا واقعہ چھٹے پارہ سورۂ نساء میں آئے گا۔

حواری : اس لفظ کی مکمل تحقیق تفسیر میں ہو چکی۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ لوگ کون اور کتنے تھے' بعض نے فرمایا کہ بارہ تھے بعض کے نزدیک انتیس مگر پہلی روایت صحیح ہے۔ ان بارہ حواریوں کے نام لوقا اور مرقس انجیل میں یہ بتاتے ہیں۔ شمعون یعنی پطرس' اندریاس' یعقوب ابن زبدی' یوحنا' فلپس' بر تلمائی' توما' متی' یعقوب ابن حلفی' تدی' شمعون' قنانی' یہودا اسکریوتی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ مچھیرے تھے (مچھلی کے شکاری) ایک دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان پر گزرے یہ مچھلی کے شکار میں مشغول تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم میری پیروی کرو تو تم آدمیوں کا شکار کرنے لگو وہ بولے آپ کون ہیں فرمایا عیسیٰ ابن مریم اللہ کا بندہ اور اس کا رسول۔ انہوں نے آپ سے معجزہ طلب کیا۔ اتفاقاً" شمعون کے ہاتھ اس دن کوئی شکار نہ آیا تھا۔ آپ نے اسے جال پھینکنے کا حکم دیا آپ کی دعا سے اتنی مچھلیاں پھنسیں کہ دو کشتیاں بھر گئیں یہ بارہ کے بارہ سب کچھ چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ رنگریز تھے۔ ان کے ایمان لانے کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت مریم نے عیسیٰ علیہ السلام کو ایک رنگریز کے پاس یہ ہنر سیکھنے کے لئے بھیجا۔ سکھانے والے نے آپ کو اپنے سے بڑھ کر ماہر پایا۔ ایک دن وہ کسی کام کے لئے چلا تو آپ سے کہہ گیا کہ دوکان میں لوگوں کے کپڑے پڑے ہوئے ہیں جو رنگنے کے لئے آئے ہیں۔ ان پر میں نے مختلف نشانیاں لگا دی ہیں۔ جس پر جس رنگ کی نشانی ہو ویسا ہی اسے رنگ دینا اور دیکھو یہ برتنوں میں رنگ گھلے ہوئے رکھے ہیں آپ نے وہ سب کپڑے ایک ہی برتن میں ڈال دیئے۔ جب وہ لوٹ کر آیا تو بولا کہ کپڑے کیا کئے آپ نے فرمایا اس ماٹ میں ہیں۔ وہ بولا سب' فرمایا ہاں' اس نے اپنا سر پیٹ لیا اور کہا اب میں کپڑے والوں کو جرمانہ کہاں سے بھروں گا۔ تم نے سب کپڑے یکساں رنگ دیئے۔ فرمایا جا اللہ کا نام لے کر نکال۔ وہ گیا' جب گیا تو ہر کپڑے کا رنگ مختلف تھا۔ آپ نے فرمایا یہ تو کپڑے ہیں۔ مجھے تو رب نے انسانوں کو رنگنے کی قدرت بخشی ہے یہ دیکھ کر وہ اور اس کے ساتھی ایمان لے آئے اور یہی لوگ آپ کے حواری بنے۔ قفال فرماتے ہیں کہ ان روایات میں مطابقت یوں ہے کہ حواری ایک ہی قسم کے لوگ نہ تھے بلکہ ان میں کوئی دھوبی تھا۔ کوئی رنگریز تھا۔ اور کوئی مچھیرا اور کوئی بادشاہ۔ جیسے ہمارے حضور علیہ السلام کے صحابہ کرام (روح المعانی و خازن وغیرہ)۔

لگایا تھا مالی نے ایک باغ ایسا　　　نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

بعض علماء فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں ان حواریوں کا حشر امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گا کیونکہ انہوں نے دعا مانگی تھی فاکتبنا مع الشھدین خداوندا ہمیں امت مصطفیٰ کے ساتھ لکھ لے جو کہ نبیوں کے گواہ ہیں۔ جیسا کہ بعض کلمہ گو مسلمانوں کا حشر عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ ہو گا جنہیں دنیا میں ان سے محبت ہے۔ قیامت میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہو گا' جس سے دنیا میں محبت کرتا رہا ہے۔ حواری تو پھر انسان ہیں۔ اصحاب کہف کا کتا انسانی شکل میں اصحاب کہف کے ساتھ جنت میں جائے گا۔ کیوں؟ اس لئے کہ وہ اگرچہ کتا ہے مگر رب کے پیاروں سے محبت کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ اچھوں کی محبت نصیب کرے۔

www.alahazratnetwork.org

حواریوں کی تبلیغ : محمد ابن اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد یہود نے حواریوں کو بہت ستایا اور انہیں بہت دکھ دیئے۔ یہ خبر کسی طرح بادشاہ روم داؤد ابن نوذہ کو پہنچی کہ شام میں ایک بزرگ پیدا ہوئے تھے جنہوں نے دعوئی ءنبوت فرمایا۔ انہیں تو یہود نے سولی دے دیا اور اب ان کے جانشین یہود کے ہاتھوں سخت مصیبت میں ہیں اس نے شاہ یہود سے سفارش کرکے ان حضرات کو اپنے ملک روم میں بلالیا اور ان سے عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سن کر ان کے ہاتھ پر بیعت کی پھر بنی اسرائیل پر حملہ کرکے ان کا قتل عام کیا۔ اس وجہ سے روم میں نصرانیت خوب پھیلی۔ پھر چالیس سال کے بعد شاہ ٹیطوس داؤد کا جانشین ہوا اور اس نے بیت المقدس پر حملہ کرکے وہاں کے تمام یہود کو غارت کیا۔ شہر کو بالکل ویران کردیا کچھ یہود ٹیطوس کے ہاتھوں مارے گئے اور کچھ جان بچاکر بھاگ گئے جن میں سے دو قبیلے بنی قریظہ اور بنی نضیر حجاز میں آباد ہوگئے جو مسلمانوں کے ہاتھوں مدینہ منورہ سے کچھ نکالے گئے۔ کچھ مارے گئے (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) مکر اللہ کے یہ معنی ہوئے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غیر اللہ سے مدد مانگنا جائز بلکہ سنت انبیاء ہے بلکہ سنت الٰہیہ ہے کہ رب نے فرمایا۔ **ان تنصروا اللہ ینصرکم** یہ استمداد **ایاک نستعین** کے خلاف نہیں۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** حضرت سکندر ذوالقرنین نے فرمایا تھا **واعینونی بقوۃ** بلکہ عیسائیوں کو نصاریٰ اسی لئے کہتے ہیں کہ ان کے بزرگوں نے کہا تھا **نحن انصار اللہ** صحابہء کرام کی ایک جماعت کا نام انصار ہے کیونکہ انہوں نے دین کی مدد کی تھی۔ **دوسرا فائدہ:** مقبولان خدا کی خدمت رب کی اطاعت ہے کہ حواریوں نے اپنے آپ کو اس لئے انصار اللہ کہا کہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار تھے۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں تو امتی نبی کی گواہی دیتے ہیں مگر قیامت میں نبی انشاء اللہ امت کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** ہم کو چاہیے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مقبولان بارگاہ الٰہی کو اپنے ایمان کا گواہ بنالیں۔ زائرین مدینہ سلام الوداع میں الوداعیہ کلمات کے ساتھ یہ بھی عرض کرتے ہیں یارسول اللہ حضور گواہ رہیں کہ میں آپ کا امتی ہوں پڑھتا ہو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ان کلمات کی اصل یہ آیت کریمہ ہے۔ دیکھو حواریوں نے عرض کیا کہ آپ ہمارے اسلام کے گواہ بن جائیں۔ **چوتھا فائدہ:** اسلام اور ایمان ایک ہے کیونکہ حواریوں نے ایمان لاکر اپنے کو مسلم کہا (خزائن و عرفان) **پانچواں فائدہ:** پچھلے پیغمبروں کا دین اسلام تھا نہ کہ یہودیت و نصرانیت جیسا کہ **مسلمون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ (خزائن عرفان) **چھٹا فائدہ:** کبھی کام کی جزا کو اصلی کام کا نام دے دیا جاتا ہے جیسا کہ **مکر اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

مسئلہ : اصل لغت میں مکر کے معنی برے نہیں تھے مگر اب دھوکے اور فریب کو مکر کہنے لگے اور اردو میں تو یہ لفظ بہت ہی برا ہے لہٰذا اب نہ تو عربی میں مکر کو رب کی طرف نسبت کرسکتے ہیں نہ اردو میں۔ اختلاف زمانہ اور رواج بدل جانے سے احکام بدل جاتے ہیں (خزائن عرفان) قرآن پاک میں یہ لفظ جہاں کہیں اللہ کے لئے آیا ہے۔ اس کے معنی خفیہ تدبیر کئے جائیں۔ **ساتواں فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام نہ تو سولی پر شہید ہوئے اور نہ تختہء دار سے چھٹکارا پاکر کشمیر وغیرہ میں چھپے پھرے جیسا کہ فی زمانہ مرزائیوں کا عقیدہ ہے وہ یہ سمجھے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کشمیر میں تشریف لاکر نہایت گمنامی کی حالت میں وفات پائی۔

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ پھر مکر اللہ کے کوئی معنی نہیں بلکہ اس صورت میں یہودیوں کا مدعا پورا ہو گیا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی دانست میں ذلیل کرکے سولی بھی دے دی اور ان سے اپنے ملک کو خالی کرا لیا۔ انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق اگلی آیت میں آئے گی۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کی مدد کرنا تقاضائے ایمان ہے۔ دیکھو حواریوں نے نحن انصار اللہ فرما کر امنا باللہ کہا۔ ان کی خدمت سے منہ موڑنا کفر کی علامت ہے۔ استاذ شیخ کی خدمت کی اصل یہ آیت ہے۔ **نواں فائدہ:** موقعہ سے فائدہ اٹھانا خوش نصیبوں کا طریقہ ہے ہر تجارت کا کوئی سیزن ہوتا ہے۔ تجارت آخرت کا بھی سیزن مقرر ہے۔ دیکھو ان حواریوں نے اس موقعہ کو غنیمت جانا اور اس سے پورا فائدہ اٹھایا۔ **دسواں فائدہ:** ایسے موقعہ پر خادم مخدوم سے کچھ مانگ لے۔ دیکھو ان حواریوں نے اپنی خدمت کا وعدہ کرتے ہوئے عرض کیا کہ **واشھد بانا مسلمون** حضرت ربیعہ نے ایک موقعہ پر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ میں جنت میں آپ کے ساتھ رہنا مانگتا ہوں۔ حضرت سراقہ ابن مالک نے ہجرت کے سفر میں حضور سے اپنے لئے امان مانگ لی۔ موسیٰ علیہ السلام کی بڑھیا نے ایک خدمت کے عوض اپنے لئے جنت مانگ لی۔ غرضیکہ ایسے موقعہ پر مانگنے سے نہ چوکے۔ **گیارھواں فائدہ:** تقیہ کرنا ہمیشہ سے ایمان کے خلاف رہا۔ دیکھو ان حواریوں نے اپنے ایمان کا اعلان فرمایا اور عیسیٰ علیہ السلام نے ایسے نازک و خطرناک موقعہ پر اپنا انتظام تو کیا مگر تقیہ کرکے اپنا دین نہ چھپایا۔

پہلا اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں جہاد نہ تھا۔ پھر آپ کے حواریوں سے مدد لینے کی کیا ضرورت تھی کہ آپ نے فرمایا **من انصاری الی اللہ** **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے یہود کے مقابلہ میں آپ کی مدد کرنا اور ان کے شر سے بچانا مراد ہے یا اس راز کو چھپانا مقصود۔ بعض لوگوں نے کہا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کیا کہ تم میں سے کوئی میری جگہ شہید ہونا منظور کرے کہ اس کو میرا ہمشکل کر دیا جائے اور وہ سولی کھائے میں آسمان پر چلا جاؤں۔ ان سب نے منظور کیا۔ مگر یہودا نے سولی کھائی۔ لیکن یہ روایت صحیح نہیں۔ کیونکہ ہم پہلے عرض کر چکے کہ سولی کھانے والا طیطانوس منافق تھا۔ (روح المعانی وغیرہ) **دوسرا اعتراض:** کفر ایک باطنی چیز ہے۔ جس کا احساس ناممکن پھر **فلما احس** کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کے جوابات تفسیر میں گزر چکے کہ یا تو احساس بمعنی یقین ہے اور یا کفر سے علامات کفر مراد ہیں اور یا نگاہ انبیاء کرام غیر محسوس چیزوں کو بھی دیکھ لیتی ہے جیسے ہمارے خواب و خیال۔ **تیسرا اعتراض:** جو دھوکا کھاتا ہے یا مکرو فریب کرتا ہے وہ نیک آدمی ہی نہیں کہلایا جا سکتا چہ جائیکہ اسے خدا کہا جائے۔ بھلا خدا بھی کہیں فریب کر سکتا ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** پنڈت جی عجیب دماغ کے آدمی ہیں اردو کا لفظ لے کر عربی قرآن پاک پر اعتراض کر رہے ہیں۔ عربی میں مکر کے معنی وہ ہیں جو ہم نے تفسیر میں بتائے اردو میں فریب کو مکر کہتے ہیں اور قرآن اردو میں نہیں ہے۔ عربی میں ہے۔ انگریزی میں بک (Book) کے معنی ہیں کتاب۔ اردو میں اس کے معنی ہیں گھونسا (مکا) اگر کسی انگریزی کتاب میں لکھا ہو کہ سپاہی نے بادشاہ کو بک دی تو اس کے معنی یہ نہیں کہ گھونسہ مار دیا۔ فارسی میں مہتر کے معنی سردار ہیں۔ اردو میں بھنگی کو مہتر کہتے ہیں اگر کسی فارسی کتاب میں بادشاہ کو مہتر لکھا ہو تو شاید آپ جیسے عقلمند اس کے معنی بھنگی کریں گے۔ سنسکرت میں سور کو سورج کو بھی کہتے ہیں اور بہادر کو بھی۔ مگر اردو میں سور کہتے ہیں۔ اب شاید پنڈت جی اس شعر کے معنی کہ۔

بڑن کو دکھ بہت ہے اور چھوٹن سے دکھ دور تارے سب نیارے ہیں گہن چاند اور سور

یہ کریں گے کہ چاند اور سور کو گہن لگتا ہے۔ یہ اعتراض زبان سے نادانی پر مبنی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : جب عیسیٰ ء قلب نے قویٰ ء نفسانیہ کے کفر یعنی محجوبیت اور انکار اور مخالفت ربانی کا یقین کر لیا تو قویٰ ء روحانیہ سے خطاب کر کے کہا میں اب نفسانی شیاطین سے منہ موڑ کر رب تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جانا چاہتا ہوں۔ اس کام میں میری کون مدد کرے گا۔ قویٰ ء روحانیہ کے حواری جو قلب مومن کے خالص دوست ہیں کہنے لگے کہ ہم اللہ پر ایمان لے آئے کہ نور روح سے منور اور دلائل عقلیہ سے پختہ ہو چکے ہیں۔ اے عیسیٰ ء قلب تو گواہ رہ کہ ہم تیرے مددگار ہیں اے مولیٰ ہم تیرے اتارے ہوئے علم توحید اور فیض نور پر ایمان لا چکے۔ لہٰذا ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جو تیری بارگاہ میں حاضر، تیرے حکم کے منتظر اور تیری وحدانیت کے گواہ ہیں۔ پھر وہم اور خیالات نے قلب کو دھوکا دینے اور اسے مختلف شبہات میں پھنسانے کی بہت تدبیر کی مگر اللہ نے دلائل عقلیہ اور ان براہین مقنعہ سے قلب کی مدد کی جو اس کے خیالات و شکوک کو دور کریں اور عیسیٰ ء قلب کو آسمان روح کی طرف پہنچا دیا۔ اور نفس کو قلب کا ہم رنگ بنا کر ان شبہات میں چھوڑ دیا کہ وہ ان میں گرفتار رہے اللہ کی تدبیر نہایت غالب ہے (ابن عربی) خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی تدبیر سے صوفی بہت ڈرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ بندہ کا ہر وقت نافرمانی کرنا اور رب تعالیٰ کا ہمیشہ کرم فرمانا یہ بھی غضب الٰہی کی نشانی ہے اس انعام پر خوش نہ ہونا چاہئے۔ اس نے خود خبر دی کہ **سنستدرجھم من حیث لا یعلمون**۔ حضرت سہل فرماتے ہیں کہ مکر اللہ کے معنی ہیں انہیں نعمتوں سے امداد دی اور شکر کی توفیق نہ دی۔ جب وہ نعمتوں میں پھنس کر نعمت والے کو بھول گئے تو فوراً پکڑ لئے گئے۔ ابو العباس نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کی خطاؤں پر ہم نے عطائیں کیں اور استغفار کی طرف ان کا دھیان نہ گیا۔ اس لئے وہ رب تعالیٰ کا حق بھول بیٹھے۔ اس کے ہاں امہال ہے۔ اہمال نہیں یعنی دیر ہے اندھیر نہیں۔ امام احمد ابن حنبل نے اپنے ساتھیوں کو وصیت فرمائی کہ عدل سے ڈر کر فضل میں ترقی کرو اور رب تعالیٰ کے مکر سے بے خوف نہ ہوؤ۔ یہاں کی آسائش سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ اپنے باپ آدم علیہ السلام کا واقعہ یاد رکھو کہ وہ جنت جیسی محفوظ جگہ میں رہ کر مصیبت میں پھنس گئے صوفیاء کرام کے نزدیک زیادتی نہ ہونا نقصان ہے (روح البیان) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو بندہ فنافی اللہ ہو جاتا ہے اس کے حواس میں ربانی طاقتیں آجاتی ہیں وہ رب کی قوت سے دیکھتا، سنتا، چھوتا، بولتا اور چلتا ہے۔ جیسے بجلی کی فٹنگ میں پاور کام کرتا ہے۔ ایسے ہی جس کا کنکشن رب تعالیٰ سے ہو جائے وہ ربانی طاقتوں سے کام کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے کنعان میں بیٹھے ہوئے مصر سے پیراہن یوسفی کی خوشبو پالی۔ **انی لاجد ریح یوسف** حضرت سلیمان علیہ السلام نے تین میل دور سے چیونٹی کی بولی سن لی اور سمجھ لی۔ **فتبسم ضاحکا من قولھا** حالانکہ سائنسدان کہتے ہیں کہ چیونٹی کی آواز سننا طاقت بشری سے باہر ہے حضرت آصف برخیا پل میں فلسطین سے یمن پہنچ کر تخت بلقیس لے آئے **انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے بحالت نماز ہاتھ بڑھایا تو جنت کا خوشہ پکڑ لیا۔ یہ ہے ان بزرگوں کی قوت سامعہ ناطقہ لامسہ وغیرہ۔ جب آج سائنس نے ٹیلی فون کے ذریعہ ہماری قوت سامعہ، دوربین کے ذریعہ قوت باصرہ، ریڈیو کے ذریعہ قوت ناطقہ کو اتنا تیز کر دیا ہے تو خدائی سائنس کا کیا پوچھنا۔ غرضیکہ ان حضرات کی یہ قوت نہایت قوی۔ پھر جیسے ظاہر کھانوں پھولوں پھلوں میں مختلف خوشبوئیں بدبوئیں ہیں۔ ایسے ہی ایمان و کفر نیکیوں اور بدکاریوں میں مختلف خوشبوئیں بدبوئیں ہیں جسے اللہ والے محسوس کر لیتے ہیں۔ جب یہ سمجھ لیا تو یہ بھی سمجھ لو کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی خداداد سونگھنے کی قوت سے ان یہود کے کفر کی بدبو سونگھ لی جو

آپ کے قتل کے درپے تھے یہ معنی ہیں **فلما احس عیسی منهم الکفر** کے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ خوف ایذا کا بھی ہوتا ہے۔ یہ خوف نفرت پیدا کرتا ہے جیسے سانپ کا خوف اور خوف اطاعت کا بھی ہوتا ہے۔ جیسے حاکم سے خوف۔ حضرات انبیاء اولیاء کو مخلوق سے خوف ایذا ہوتا ہے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کو ان یہود سے خوف ہوا تو اپنا مددگار ڈھونڈا۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا تو اپنے بھائی حضرت ہارون کی نبوت کی درخواست کی مگر انہیں خوف اطاعت بجز پروردگار کسی کا نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ آیت **لا خوف علیهم** کے خلاف نہیں۔

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ
جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ تحقیق میں پورا کرنے والا ہوں تم کو اور اٹھانیوالا ہوں تمہیں طرف اپنے اور پاک کرنیوالا ہوں
اور یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھاؤں گا اور تجھے کافروں سے پاک
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ
تم کو ان سے جنہوں نے کفر کیا اور کرنے والا ہوں ان کو جنہوں نے پیروی کی تمہارے اوران کے جنہوں نے کفر کیا دن
کرونگا اور تیرے پیروؤں کو قیامت تک تیرے منکروں پر غلبہ دونگا پھر تم سب میری طرف پلٹ کر
الْقِيٰمَةِ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾
قیامت تک پھر طرف میرے لوٹنا ہے تمہارا پس فیصلہ کرونگا میں درمیان تمہارے بیچ اس کے کہ تھے تم اس میں اختلاف کرتے
آؤگے تو میں تم میں فیصلہ فرماؤں گا جس بات میں جھگڑتے ہو ۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی خفیہ تدبیر کا اجمالی ذکر تھا۔ اب اس تدبیر کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے کیا تدبیر فرمائی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کے بچانے کی خفیہ تدبیر کی جس میں شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس تدبیر کی عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پہلے سے خبر نہ دی گئی ہو۔ اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ نہیں انہیں تو پہلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ یہ راز صرف یہود سے چھپایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ فضائل بیان فرمائے گئے اب بھی ان کے بقیہ فضائل ہی ارشاد ہو رہے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں خاص طور پر بغیر موت آسمان پر اٹھالیا۔ **چوتھا تعلق:** ہم پہلے عرض کر چکے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا دنیا میں آنا بھی معجزہ ہے۔ یہاں رہنا بھی معجزہ اور ان کا یہاں سے تشریف لے جانا بھی معجزہ۔ پچھلی آیتوں میں ان کے یہاں آنے اور رہنے کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب ان کے یہاں سے تشریف لے جانے کا ذکر ہے۔ گویا دو قسم کے معجزات کے بعد اب ان کے تیسرے معجزے کا بیان ہے۔

تفسیر: **اذ قال الله یعیسی انی متوفیک ورافعک الی** یہ **اذ** یا **مکر الله** کا ظرف ہے۔ یا پوشیدہ فعل۔

www.alahazratnetwork.org

وقع فلک کایا اذکر کا۔ پہلی صورت میں یہ جملہ مکر کا ظرف ہے اور اخیری دو صورتوں میں نیا جملہ ہے۔ یعنی یہ تدبیر اللہ نے جب فرمائی تھی جب عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ یا یہ واقعہ جب ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ فرمایا یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو۔ جب رب تعالیٰ نے فرمایا (روح المعانی وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ اذ تعلیلیہ ہو۔ اور یہ جملہ **خیر الماکرین** کی دلیل ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام تدبیر کرنے والوں سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس نے ایسے نازک موقعہ پر اس طرح بچالیا۔ اس صورت میں پتہ لگا کہ حضرات انبیاء کرام اور ان کے واقعات رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے دلائل ہیں اور دعویٰ توحید کے گواہ۔ ہمیشہ دوست دشمن کا سارا زور دلائل و گواہ پر ہی ہوتا ہے۔ مدعی کے دوست گواہوں کے حامی ہوتے ہیں۔ اور مخالف دھڑے والے گواہوں پر چوٹ کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کے ان معجزات کے منکر رب کے حزب مخالف ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ خبر عیسیٰ علیہ السلام کو جب دی گئی۔ جب انہیں یہود سے خطرۂ قتل ہو چکا تھا۔ جس کا ذکر **فلما احس** میں ہوا **بعیسی** سے اخیر تک قال کا مقولہ ہے۔ حق یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جناب مسیح کو اپنی اس امداد کی خبر پہلے ہی دے دی تھی۔ مگر اس خبر کے باوجود آپ نے اپنے حواریوں سے مدد طلب کی۔ حضرات انبیائے کرام کا امداد طلب فرمانا یا کبھی بظاہر پریشان ہونا یا اپنے بچاؤ کی تدبیریں کرنا یا سامان جنگ جمع کرنا بے خبری کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ وہ سب کچھ جان کر سب کچھ کرتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ مجھے بخیریت آسمان پر اٹھالیا جائے گا۔ رب نے انہیں پہلے ہی خبر دے دی تھی مگر پھر بھی حواریوں کو امداد کے لئے پکارا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی بدر میں مارے جانے والے کفار کے نام بتائے بلکہ ان کی جائے قتل پر نشان لگا دیئے اور یہ بھی بتا دیا کہ کفار مکہ کا لایا ہوا جنگی سامان کل مسلمانوں کو غنیمت میں ملے گا اس کے باوجود رو رو کے مسلمانوں کی فتح کی دعائیں بھی مانگ رہے ہیں اور جنگی تدبیریں بھی فرما رہے ہیں اور احتیاطیں بھی۔ یہ تمام کام امت کی تعلیم کے لئے ہیں۔ عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں کہ وہ پاک دامن ہیں مگر پھر بھی وہ تحقیقات کر رہے ہیں۔ رب تعالیٰ بھی قیامت میں تحقیقات کر کے فیصلہ فرمائے گا۔ متوفی کا مادہ وفاء ہے۔ بمعنی پورا کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وابراهیم الذی وفی** اور **فیوفیهم اجورهم** اسی سے **استیفاء**، **توفیہ** اور **توفی** بنا۔ بمعنی پورا دینا یا پورا لینا۔ موت کو وفات اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے عمر پوری ہو جاتی ہے۔ اصطلاح میں اکثر موت اور نیند پر بولا جاتا ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں تینوں معنی میں استعمال ہوا **وابراهیم الذی وفی** یہاں وفات سے حقیقی معنی مراد ہیں۔ پورا کرنا **هو الذی یتوفکم باللیل** یہاں بمعنی نیند ہے **والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا** میں بمعنی موت۔ جیسا قرینہ ویسے معنی مراد ہوتے ہیں۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی اے عیسیٰ میں تمہیں پورا پورا معہ جسم اور روح لینے والا ہوں اس طرح کہ **ورافعک الی** کہ اپنی طرف معہ جسم کے اٹھانے والا ہوں۔ اس صورت میں **رافعک** عطف تفسیری ہے یا اے عیسیٰ میں تمہیں پوری پوری عمر دوں گا یہ تمہیں قتل نہیں کر سکتے اور تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ ہے اے عیسیٰ تمہیں موت میں دوں گا بلا واسطہ قتل اور ابھی تمہیں اپنی طرف اٹھاؤں گا۔ ان دونوں صورتوں میں واؤ عاطفہ ہے۔ اگرچہ یہ عبارت خلاف ترتیب ہے آپ کی موت اٹھانے کے بعد ہوگی جیسے **واسجدی وارکعی** جیسے **خلقکم والذین من قبلکم** یا جیسے **ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک** یا جیسے **خلق الموت والحیوة** یا جیسے **نموت ونحیا** **خلق الارض والسموات العلی** ان سب آیتوں میں عبارت واقعی ترتیب کے خلاف ہے یا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے عیسیٰ میں

www.alahazratnetwork.org

تمہیں سلانے والا اور پھر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اس صورت میں یہ واؤ عاطفہ ہے اور عبارت ترتیب کے مطابق کیونکہ آپ کو سلا کر اٹھایا گیا' تاکہ آپ کو اتنے دراز سفر میں وحشت نہ ہو **ورافعک الی** یہ عبارت بظاہر **متوفیک** پر معطوف ہے۔ **رافع رفع** سے بنا جس کے معنی ہیں اٹھانا اور بلند کرنا یہ بلندی مکانی کے لئے بھی آتا ہے اور بلندی مراتب کے لئے بھی۔ اگر اس کا مفعول کوئی جسم ہو گا تو اس سے مکانی بلندی مراد ہو گی۔ جیسے **ورفع بعضہم درجت یا و رفعنا لک ذکرک** یا جیسے **ان ترفع فیھا اسمہ** ان میں رفع ذکر یا نام یا درجے ہیں اور یہ جسم نہیں۔ لہٰذا یہاں بلندی روحانی مراد ہے۔ چونکہ اس آیت میں **ورافعک** فرمایا گیا۔ جس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں جو جسم ہیں۔ اس لئے یہاں مکانی بلندی مراد ہو گی نہ کہ درجات کی۔ نیز اگر یہاں بلندی درجات مراد ہوتی تو وہ شہادت سے نصیب ہوتی ہے نہ کہ اپنی طبعی موت سے۔ تو یہ جز **متوفیک** کے موافق نہ ہوتا۔ پھر تو یوں فرمایا جاتا کہ ہم تمہیں یہود کے ہاتھوں شہید کرائیں گے اور شہادت کے ذریعہ تمہارا درجہ بلند کریں گے **الی رافعک** کے متعلق ہے اور الی انتہائے غیب کے لئے۔ یہاں الی سے آسمان کی طرف اٹھانا مراد ہے۔ اگرچہ ہر جگہ خدا کی ہے مگر چونکہ آسمان خصوصیت سے تجلی گاہ الٰہی ہے کہ نہ وہاں کسی کی ظاہری سلطنت ہے نہ وہاں کفر' شرک' گناہ۔ اس لئے اس طرف اٹھانے کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف اٹھانا قرار دیا۔ فرماتا ہے **اء منتم من فی السماء** یا فرماتا ہے **ارجعی الی ربک** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شام کی طرف جاتے وقت فرمایا کہ میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں۔ کیوں؟ اس لئے کہ مجھے سرزمین شام میں عبادت الٰہی کی آزادی ہو گی۔ آج بھی خانہ کعبہ میں یا مدینہ منورہ کی طرف جانے والا کہتا ہے کہ میں رب کے گھر جا رہا ہوں۔ حالانکہ ساری زمین اور سارے مکانات اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں۔ ایسے ہی یہاں فرمایا گیا **ورافعک الی** تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس سے مراد ہے **رافعک الی محل کرامتی** نیز تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ وفات ایک جنس ہے۔ جس کی بہت سی قسمیں ہیں۔ بہت موت سے ہوتی ہیں اور بعض آسمان پر اٹھانے سے **رافعک الی** نے وفات کو مقرر کر دیا کہ وہ موت سے نہ ہو گی بلکہ اٹھانے سے ہو گی۔ لہٰذا آیت میں تکرار نہیں ہے **و مطہرک من الذین کفروا** یہ لفظ تطہیر سے بنا۔ جس کا مادہ طہر ہے بمعنی پاک اور صفائی۔ خباثت سے دور کرنا' تطہیر روحانی ہے۔ نجاست سے دور کرنا پاکی جسمانی۔ لیکن خبیثوں سے نجات دینا۔ اور ان سے الگ کر دینا ذاتی پاکی۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ یہاں خبیثوں کا ذکر ہے نہ کہ خباثتوں کا۔ یعنی میں تمہیں کافروں سے نکال لوں گا کہ آسمان پر بلاؤں گا یا ان سے نجات دوں گا۔ یہ تمہیں قتل نہ کر سکیں گے (خازن و مدارک وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں بجائے خلیص کے تطہیر فرمانے میں عیسیٰ علیہ السلام کی انتہائی عظمت شان ہے اور اس سے کفار میں اور عیسیٰ علیہ السلام میں مکانی فاصلہ کر دینا مراد ہے کہ کفار زمین پر رہ جائیں اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر بلا لئے جائیں۔ ایک جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وثیابک فطہر** اپنے کپڑے پاک رکھو۔ یہاں نجاستوں سے پاکی مراد ہے اور دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے **انما یرید اللہ لیذہب عنکم الرجس اہل البیت ویطہرکم تطہیرا** " یعنی اے اہل بیت رسول اللہ چاہتا ہے کہ تم سے گندگیاں دور کرے اور تمہیں خوب پاک کر دے یہاں خباثتوں سے پاکی مراد ہے۔ حضرات انبیاء کرام اس گندگی سے تو پہلے ہی پاک ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں یہ پاکی مراد نہیں ہو سکتی۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو کفار سے نجات پہلے تو اس طرح دی کہ کفار زمین پر رہے اور آپ کو آسمان پر اٹھا لیا اور قریب قیامت اس طرح نجات دے گا کہ جب آپ زمین پر آئیں گے تو زمین سے تمام کفار ختم کر دیئے جائیں گے کہ یا تو وہ ایمان لے آئیں گے یا قتل کر دیئے جائیں

www.alahazratnetwork.org

گے اور آپ کے زمانہ میں روئے زمین پر کوئی کافر نہ رہے گا یہ جملہ دونوں قسم کی پاکیوں کو شامل ہے **وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا** یہ عبارت مطہر ک پر معطوف ہے اور جاعل تعدی بیک مفعول ہے یا تو متبعین سے عیسیٰ علیہ السلام کے حواری مراد ہیں اور **کفروا** سے یہودی اور فوقیت سے مطلق غلبہ مراد خواہ دینی ہو یا دنیاوی۔ خیال رہے کہ یہاں **اتبعوا** سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کے اقوال اور بعض اعمال کی اتباع ہے کیونکہ ان کے سارے اعمال کی اتباع ناممکن ہے۔ ان سرکار نے نہ شادی کی نہ بچوں کی پرورش نہ مکان بنایا نہ حکمرانی کی۔ مگر حواریوں نے یہ سارے کام کئے۔ سارے احکام و فرمان کی مکمل اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ہو سکتی ہے یا **اتبعوا** سے قیامت تک کے مومنین مراد ہیں اور **کفروا** سے آپ کے منکر اور فوق سے غلبہ ء دلائل یا غلبہ ء تلوار مراد۔ یہی حسن اور ابن جریر وغیرہ اکثر مفسرین کا قول ہے۔ کیونکہ ہر مسلمان عیسیٰ علیہ السلام بلکہ سارے نبیوں کے فرمانوں کا متبع ہے کہ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم دیا تھا یا متبعین سے عیسائی مراد ہیں اور کفار سے یہودی یعنی آپ کے مدعیان محبت کو آپ کے منکروں پر غلبہ دوں گا خواہ تلوار سے خواہ حکومت و یکر خواہ اس طرح کہ آپ کا دین یہودیت کا ناسخ ہو۔ اور ظاہر ہے کہ ہر جگہ عیسائی یہودیوں پر غالب ہیں (روح المعانی) وغیرہ۔ **الی یوم القیامۃ** یہ جار مجرور کے متعلق ہے یا ثابت پوشیدہ کے۔ اور قیامت کا دن مومنین کے دنیوی غلبہ کی انتہا ہے نہ کہ کفار کی مغلوبیت کی۔ یا یہ کلام ہمیشگی بتانے کے لئے ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ میں قیامت تک یہاں ہی رہوں گا یعنی ہمیشہ رہوں گا۔ یعنی اے عیسیٰ علیہ السلام آپ کی اتباع کرنیوالوں کو آپ کے منکرین پر قیامت تک یا ہمیشہ غلبہ دوں گا **ثم الی مرجعکم** ثم تاخیر کے لئے ہے اور مرجع مصدر میمی ہے۔ بمعنی لوٹنا۔ کم میں عیسیٰ علیہ السلام اور کفار سے خطاب ہے مگر **تغلیباً** سب کو کم فرمایا گیا الی کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی پھر قیامت کے بعد اے مسلمانو اور کافرو تم سب کا لوٹنا میری ہی طرف ہے۔ **فاحکم بینکم** یہ ف عاطفہ اور احکم کا تعلق **مرجعک** سے ہے حکم بمعنی قضا اور فیصلہ یعنی اس رجوع کے بعد فوراً ہی میں تم مسلمانوں اور کفار کے درمیان فیصلہ فرماؤں گا۔ **فیما کنتم فیہ تختلفون** : **ما** سے مراد یا تو ساری دینی چیزیں ہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور **فیہ تختلفون** کے متعلق ہے۔ اسے **تختلفون** پر اس لئے مقدم کیا کہ عبارت ہم وزن رہے۔ یعنی ان تمام باتوں کا میں فیصلہ فرماؤں گا جس میں اے مسلمانوں اور کافرو تم دنیا میں اختلاف کرتے تھے اس طرح کہ مومنوں کو جنت میں اور کافروں کو جہنم میں بھیجوں گا۔ ورنہ کلامی فیصلہ تو آسمانی کتابوں سے بھی ہو چکا۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد کرو جب عیسیٰ علیہ السلام کو دشمن یہودیوں کی طرف سے سخت خطرہ محسوس ہوا تو ہم نے فوراً ان پر وحی بھیجی کہ اے عیسیٰ آپ بالکل خوف نہ کریں۔ ہم آپ کو آپ کی پوری عمر تک پہنچا کر خود وفات دیں گے۔ ان کی کیا طاقت جو آپ کا بال بیکا کر سکیں۔ اور ہم آپ کو اپنی طرف یعنی آسمان پر بلالیں گے۔ جہاں یہود کیا کسی کی حکومت نہیں اور جہاں نہ کوئی آپ کی مخالفت کرے گا نہ کوئی مقابلہ۔ آپ ہماری حفظ و امن میں ہوں گے اور ہم آپ کو ان کفار سے نجات دیں گے اور ان سے دور کریں گے کہ یہ زمین پر رہیں گے اور آپ آسمان پر اور یہ کرم آپ کی ذات کیلئے خاص نہ ہو گا بلکہ آپ کی پیروی کرنے والوں کو آپ کے منکروں پر قیامت تک دینی حیثیت سے فوقیت اور غلبہ دیں گے کہ ان کا دین ان کے دلائل یہود پر غالب رہیں گے یا اس طرح کہ آپ کے خدمت گار حواریوں کو تاقیامت آپ کے دشمن یہودیوں پر عزت و عظمت دیں گے کہ ان کے چرچے ہمیشہ بھلائی کے ساتھ ہوتے رہیں گے اور آپ کے دشمنوں پر دنیا لعنت کرتی رہے گی۔ پھر

www.alahazratnetwork.org

اے مسلمانوں اور کافرو تم سب کا ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ پھر ہم تمہارے درمیان ہر اس دینی چیز میں فیصلہ کردیں گے۔ جس میں تم دنیا میں جھگڑتے تھے کہ مومن کو جنت میں اور کافر کو جہنم میں بھیجیں گے۔ اگرچہ دنیا میں بھی انبیائے کرام کے ذریعے قولی فیصلہ تو کردیا گیا ہے مگر وہاں عملی فیصلہ ہوگا جس سے جھوٹوں کو اپنے جھوٹ کا اقرار کرنا ہوگا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تین خوشخبریاں دیں۔ انہیں آسمان پر بلا کر فرشتوں کے ساتھ رکھنا کیونکہ اچھی صحبت اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس سے صوفیائے کرام کا مسئلہ ء صحبت حل ہو جاتا ہے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام کا فرشتوں کے ساتھ رہنا اتنی بڑی نعمت ہے تو حضرات صحابہ ء کرام کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا اور حضرت صدیق اور فاروق کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہونا یقیناً اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اسی لئے کوئی شخص صحابہؓ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ تیسرے حضرت مسیح کے متبعین کا کفار پر غالب رہنا کیونکہ غلاموں پر کرم آقا پر کرم ہوتا ہے۔ نوکروں کی تکلیف سے آقا کو تکلیف۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم**

حیات عیسیٰ علیہ السلام

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود کا عقیدہ تو یہ ہے کہ ہم نے انہیں سولی دے دی اور جان نکل جانے پر دفن بھی کردیا اگرچہ وہ اس شبہ میں گرفتار ہیں کہ ہمارا اطیبانوس کہاں گیا۔ عیسائی یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ واقعی عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر سولی دے دی گئی اور آپ کی وہاں جان بھی نکل گئی مگر پھر رب نے آپ کو دوبارہ زندگی بخشی اور آسمان پر اٹھالیا۔ اسی لئے وہ صلیب کو پوجتے ہیں اور اس سولی کو سارے عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ سمجھتے ہیں۔ کفارہ کا مسئلہ سولی پر ہی مبنی ہے مگر مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ نہ آپ کو سولی دی گئی اور نہ آپ کی وفات واقع ہوئی بلکہ آپ کو اسی طرح مع جسم شریف زندہ اٹھالیا گیا۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھالیا جانا قطعی یقینی اجماعی مسئلہ ہے اس پر ساری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتفاق ہے۔ البتہ وہب نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو تین ساعت کے لئے موت دی۔ پھر انہیں زندہ کرکے آسمان پر اٹھالیا۔ بہرحال وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کے اس وقت زندہ ہونے اور آسمان پر زندہ اٹھنے کے قائل ہیں۔ غرضیکہ اس مسئلہ میں آج تک کسی کو اختلاف نہیں ہوا اب چودھویں صدی میں مرزائیوں نے نبوت مرزا کے شوق میں اس مسئلہ ء یقینی قطعی کا انکار کیا۔ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو یہود نے تختہ دار پر لٹکایا۔ اور انہیں بہت ذلیل بھی کیا۔ مگر رب تعالیٰ نے ان کی جان صلیب پر نہ نکلنے دی بلکہ یہود انہیں مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے۔ آپ غشی کی حالت سے بیدار ہوکر نصیبین وہاں سے افغانستان ہوتے ہوئے کوہ نعمان میں پہنچے اور وہاں سے پنجاب کی طرف آئے اور یہاں سے کشمیر میں گئے۔ آخر سری نگری میں ایک سو پچیس سال کی عمر میں آپ نے وفات پائی اور وہاں ہی محلہ خانیار کے پاس آپ کا مزار ہے۔ دیکھو تبلیغ رسالت جلد آٹھ صفحہ ساٹھ نیز تحفہ گولڑویہ صفحہ بیس اور نیز دیکھو ایام الصلح تیسری طبع صفحہ ایک سو سولہ مصنفات مرزا غلام احمد قادیانی۔ مرزا جی نے اس واقعہ کے ثبوت میں نہ کوئی آیت پیش کی نہ حدیث نہ تاریخی حوالہ۔ لہذا ان کی بات قابل اعتبار نہیں۔ ہم نہایت منصفانہ تحقیقات کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ اس مضمون کی دو بحثیں کریں گے۔ پہلی بحث میں اپنے دلائل۔ دوسری بحث میں

www.alahazratnetwork.org

مرزائیوں کے اعتراضات مع جوابات۔

پہلی بحث

حیات مسیح کا ثبوت : عیسیٰ علیہ السلام کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا آیات قرآنیہ اور احادیث صحیحہ، اقوال صحابہء کرام و جمیع مفسرین و محدثین سے ثابت ہے۔ آیات قرآنیہ ملاحظہ ہوں۔(1) **ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر المٰکرین** اس آیت کی تفسیر امام رازی جلال الدین سیوطی اور شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی خازن و مدارک وغیرہ سب نے یہ کی ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی خفیہ تدبیر کی۔ مگر رب تعالیٰ نے انہیں خفیہ طریقے سے بچایا کہ انہیں آسمان پر زندہ اٹھایا اور جو آپ کو پکڑوانے آیا تھا اسے عیسیٰ علیہ السلام کی شکل دے کر سولی چڑھوا دیا۔(2) **اذ قال اللہ یعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا** اس کی تفسیر بھی امام رازی امام سیوطی و دیگر عام مفسرین نے یہی کی ہے کہ اے عیسیٰ ہم تمہیں پورا لینے والے ہیں۔ اس طرح کہ تمہیں آسمان پر اٹھالیں گے۔(3) **وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لھم** الی قولہ **وما قتلوہ یقینا بل رفعہ اللہ الیہ** الخ قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کے قتل اور ان کے سولی پر چڑھائے جانے کا صاف صاف انکار کیا اور ان کے مع جسم کے ساتھ اٹھائے جانے کا اقرار جیسا کہ **بل رفعہ اللہ** سے معلوم ہوا۔ امام رازی اور دیگر مفسرین نے اس کی یہی تفسیر کی۔(4) **وان من اھل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ ویوم القیامۃ یکون علیھم شھیدا** عام محدثین و مفسرین اور صحابہء کرام نے اس آیت کا ترجمہ یہی فرمایا کہ سارے اہل کتاب عیسیٰ علیہ السلام پر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئیں گے اور عیسیٰ علیہ السلام قیامت کے دن کفار پر گواہ ہوں گے۔ بخاری نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس آیت کی یہی تفسیر نقل کی۔ جس سے صاف معلوم ہوا کہ ابھی عیسیٰ علیہ السلام نے وفات نہیں پائی۔ کیونکہ ابھی سارے اہل کتاب ان پر ایمان نہ لائے۔ لاکھوں یہودی ان کے خلاف ہیں۔ **موتہ** کی ضمیر کا اہل کتاب کی طرف لوٹانا اور یہ معنی کرنا کہ ہر اہل کتاب اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آتا ہے، ضعیف ہے۔ کیونکہ موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں۔(5) **وانہ لعلم للساعۃ فلا تمترن بھا** صحابہء کرام اور عام محدثین و مفسرین نے اس کی تفسیر یہ فرمائی کہ عیسیٰ علیہ السلام کا اترنا قیامت کی پہچان اور نشانی ہے، اس میں شک نہ کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ دوبارہ زمین پر آئیں گے اور آپ کا یہ آنا علامت قیامت ہوگی۔ چنانچہ تفسیر در منثور نے حضرت عبداللہ ابن عباس و ابو ہریرہ و مجاہد و حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کی کہ **انہ ای خروج عیسیٰ قبل یوم القیامۃ** نیز تفسیر ابن کثیر نے حضرت مجاہد و ابو ہریرہ و ابن عباس ابو العالیہ ابن مالک عکرمہ حسن قتادہ ضحاک رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے یہی تفسیر نقل کی اور فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ زمین پر آنے کی احادیث متواتر ہیں۔ نیز تفسیر کبیر وغیرہ نے اس آیت کے یہی معنی کئے۔(6) **تکلم الناس فی المھد وکھلا** اے عیسیٰ علیہ السلام! آپ گہوارے اور بڑھاپے میں لوگوں سے کلام کریں گے۔ قرآن کریم نے عیسیٰ علیہ السلام کا بڑھاپے میں کلام کرنا بطور معجزہ بیان فرمایا یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ اس میں کچھ عجیب بات ہو اور وہ یہی ہے کہ آپ آسمان سے اتریں اور کلام فرمائیں۔ چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اور امام رازی وغیرھم نے اس سے یہ نتیجہ نکالا۔

www.alahazratnetwork.org

احادیث : عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ تشریف لانے کے متعلق بے شمار احادیث وارد ہیں۔ چنانچہ (1) مسلم' بخاری' مشکوۃ شریف نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قسم خدا کی عیسیٰ ابن مریم حاکم عادل ہو کر تم میں اتریں گے۔ صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو فنا کریں گے۔ جزیہ کا حکم ساقط کریں گے اور اس زمانہ میں ایک سجدہ دنیا بھر سے افضل ہو گا اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر چاہو تو پڑھ لو۔ **وان من اهل الكتاب الا ليؤمنن به قبل موته** ۔ (2) نیز مسلم نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عیسیٰ ابن مریم حاکم' عادل ہو کر تم میں تشریف لائیں گے۔ ان کے زمانہ میں اونٹ بیکار ہو جائیں گے۔ حسد و بغض دلوں سے نکل جائیں گے۔ مال کی اتنی کثرت ہو گی کہ کوئی زکوۃ نہ لے گا۔ (3) انہیں مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ قیامت تک حق پر جنگ کرتا رہے گا۔ یہاں تک کہ عیسیٰ علیہ السلام تم میں آجائیں۔ (4) ابن جوزی نے کتاب الوفا میں عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر اتریں گے نکاح کریں گے صاحب اولاد ہوں گے پینتالیس سال قیام فرمائیں گے۔ پھر وفات پائیں گے۔ پس میرے ساتھ میرے مقبرہ میں دفن ہوں گے قیامت کے دن ہم اور عیسیٰ علیہ السلام ایک ہی مقبرہ سے اٹھیں گے۔ (مشکوۃ باب علامات القیامت)

لطیفہ : مرزا غلام احمد قادیانی کہتے ہیں کہ ان احادیث میں عیسیٰ ابن مریم سے میں مراد ہوں مگر خیال رہے کہ نہ مرزا جی کا نام عیسیٰ ہے اور ان کی ماں کا نام مریم۔ بلکہ ان کا نام غلام احمد اور ان کی ماں کا نام چراغ بی بی ہے اور نہ مرزا جی مدینہ پاک میں مرے نہ ان کے زمانہ میں مال کی کثرت ہوئی۔ خود چندوں پر گزارہ کیا۔ اب بھی ان کی اولاد قبریں بیچ کر پیٹ پال رہی ہے نہ اونٹ بیکار ہوئے۔ نہ معلوم کہ وہ ان احادیث کے مصداق کیسے بن گئے۔ (5) ابو داؤد و احمد نے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام آکر دعوت اسلام فرمائیں گے۔ ان کے زمانہ پاک میں اسلام کے سوا تمام دین مٹ جائیں گے اور شیر اونٹ کے ساتھ اور چیتا گائے کے ساتھ اور بھیڑیا بکری کے ساتھ چریں گے اور بچے سانپ سے کھیلیں گے اور وہ انہیں نقصان نہ دے گا۔ (6) بیہقی نے کتاب الاسماء والصفات میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے اور تمہارے امام تمہیں میں سے ہوں گے۔ یعنی امام مہدی۔ (7) ابن عساکر نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ عیسیٰ ابن مریم آسمان سے اتریں گے۔ امام ہادی' حاکم' عادل ہوں گے۔ (8) احمد نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ کیا مجھے آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں آپ کے برابر دفن کی جاؤں فرمایا یہ کیونکر ممکن ہے وہاں صرف میری اور ابو بکر و عمر و عیسیٰ ابن مریم کی قبر کی جگہ ہے۔ مسند احمد جلد سات از توضیح المرام۔ (9) ابن ماجہ نے حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر دجال بھاگے گا۔ اور اس کے ساتھ ستر ہزار یہودی ہوں گے۔ عیسیٰ علیہ السلام اسے باب لد کے پاس پائیں گے اور قتل کریں گے۔ (10) مسلم نے نواس ابن سمعان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عیسیٰ علیہ السلام دمشق میں سفید منارے کے پاس اپنے ہاتھ فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے اتریں گے ان کے سر سے پانی کے قطرے ٹپکیں گے۔ تا حد نظر ان کی سانس جائے گی۔ اور ان کی سانس

www.alahazratnetwork.org

سے کافر مریں گے باب لد کے پاس دجال کو قتل کریں گے۔ اس قسم کی صدہا حدیثیں پیش کی جاسکتی ہیں صرف اتنے پر ہی کفایت ہے۔

حیات عیسیٰ علیہ السلام کا ثبوت ائمہء امت اسلامیہ سے : تمام صحابہء کرام ائمہء اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ ہیں اور قریب قیامت تشریف لائیں گے۔ ہم امام احمد بن حنبل کی حدیث پیش کر چکے نیز انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری کی بیسیوں حدیثیں جمع فرمائی ہیں۔ دیکھو مسند احمد' امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ فقہ اکبر میں فرماتے ہیں دجال کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا خروج' آفتاب کا مغرب سے طلوع ہونا عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے اترنا او، سارے علامات قیامت حق ہے۔ امام مالک عتبیہ میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا۔ اس حال میں کہ لوگ کھڑے ہوئے نماز کی تکبیر کہہ رہے ہوں گے کہ بادل چھائے گا اور اچانک عیسیٰ علیہ السلام اتریں گے۔ علامہ زرقانی مالکی اپنی کتاب قسطلانی شرح مواہب میں فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اتر کر ہمارے نبی کی شریعت پر فیصلہ فرمائیں گے اور اگرچہ امت محمدیہ کے خلیفہ ہوں گے لیکن ساتھ ہی نبی بھی ہوں گے کیونکہ نسخ سے نبوت نہیں زائل ہوتی۔ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں بالکل مخالفت نہ فرمائی اور ان کے تمام متبعین جلال الدین سیوطی امام ...زی وغیرہم نے عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تسلیم کی۔ اسی طرح امام بخاری' امام مسلم' ترمذی' ابوداؤد وغیرہ محدثین نیز امام غزالی' امام رازی' امام جوزی حضور غوث پاک وغیرہم تمام ائمہ کا یہی عقیدہ تھا چنانچہ حضور غوث پاک غنیتہ الطالبین جلد دوم صفحہ 48 میں فرماتے ہیں کہ نواں عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا۔ غرض کہاں تک بیان کیا جائے۔ بہت دراز مضمون ہے۔

عقلی دلائل : عقل کا بھی تقاضا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اٹھالئے گئے ہوں اور اخیر زمانہ میں تشریف لائیں۔ (1) موسیٰ علیہ السلام کا لقب کلیم اللہ ہے۔ آپ کو طور کی معراج عطا ہوئی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب کلمات اللہ ہے۔ (مدارج النبوت) حضور علیہ السلام کو عرش کی معراج دی گئی۔ چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا لقب کلمتہ اللہ ہے۔ ضروری تھا کہ آپ کو بھی کسی قسم کی معراج ملے۔ لہٰذا آپ کو چوتھے آسمان کی معراج ملی۔ گویا کلیم میں عروج ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **الیہ یصعد الکلم الطیب** رب تعالیٰ کی طرف پاک کلمے اور اچھی باتیں چڑھتی ہیں جو مقبول اور قابل قبول کلام رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہوا سے بھی یہاں کلیم فرمایا گیا۔ (2) میثاق کے دن گروہ انبیاء سے عہد لیا گیا تھا کہ جب تم نبیء آخر الزمان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور ان کے دین کی مدد کرنا۔ ضروری تھا کہ اس جماعت میں کوئی پیغمبر وہ بھی ہو تا جو اس عہد پر عمل کرتا۔ اس کیلئے عیسیٰ علیہ السلام منتخب کئے گئے تاکہ یہ عہد فقط قولی نہ رہ جائے۔ (3) پچھلے آسمانی دینوں کو یہ فخر حاصل تھا کہ انبیائے کرام ان کی حمایت کرتے تھے۔ دین موسوی کی حمایت کیلئے حضرت ہارون و دیگر انبیاء بھیجے گئے۔ ضروری تھا کہ دین محمدی کو بھی یہ فخر حاصل ہو۔ کہ اس کی حمایت کوئی نبی کرے مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبین ہیں آپ کے بعد نیا نبی نہیں آسکتا۔ اس لئے عیسیٰ علیہ السلام منتخب ہوئے۔ (4) حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے میں آواز پیدا کر دی تو جب حضرت جبریل علیہ السلام کی سانس سے عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تو ان میں اگر بچپن میں طاقت گویائی ہو اور آسمان سے اتر کے بھی اس گویائی سے کام لیں تو کیا بعید ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسری بحث

حیات مسیح پر سوال و جواب : اس مسئلہ میں قادیانیوں کے بے شمار اعتراضات ہیں ہم ان کے چوٹی کے اعتراضات نقل کر کے جوابات دیتے ہیں۔ (۱) رب تعالٰی فرماتا ہے **قد خلت من قبله الرسل** حضور علیہ السلام سے پہلے سارے رسول وفات پاچکے۔ اس آیت میں عیسیٰ علیہ السلام کی تخصیص نہیں۔ سارے انبیاء کے بارے میں خلت فرمایا گیا معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات یافتہ ہیں۔ **جواب:** **خلت خلو یا خلاء** سے بنا جس کے معنی موت نہیں۔ بلکہ خالی ہونا۔ اور گزر جانا ہے۔ اسی لئے فضائے آسمانی کو خلا کہتے ہیں اور پاخانہ کو بیت الخلاء تنہائی کو خلوت۔ اہل عرب کہتے ہیں **خلت الدیار من الانیس** دوست سے شہر خالی ہو گئے اور مادہ کے معنی ہر مشتق میں ضرور رہتے ہیں لہٰذا اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس سے پہلے نبی گزر گئے۔ خواہ وفات پاکر یا آسمان پر جا کر اسی لئے یہاں مات نہ فرمایا گیا۔ شاید مرزا جی کے ہاں بیت الخلاء پھانسی گھر کو کہتے ہوں گے۔ جلالین شریف میں خلت کے معنی مضت کہا جاتا ہے کہ ریل گزر گئی۔ قافلہ گزر گیا دن گزر گیا آفتاب کنارے سے گزر گیا یہ سب چیزیں کسی جگہ سے گزر جاتی ہیں۔ فنا نہیں ہو جاتیں ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام اس طرح گزر گئے کہ فنا نہ ہوئے۔ یہاں سے سب گئے پھر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ گزشتہ قومیں گزر گئیں۔ یعنی فنا ہو گئیں غرضیکہ گزرنے کی کئی نوعیتیں ہیں عیسیٰ علیہ السلام اور نوعیت سے گزر گئے اور دوسرے انبیاء کرام دوسری نوعیت سے **قد خلت** دونوں کو شامل ہے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالٰی بتوں کے بارے میں فرماتا ہے **اموات غیر احیاء** کہ وہ مردے ہیں زندہ نہیں۔ اور ظاہر ہے کہ لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معبود مانا۔ اس قاعدے سے وہ بھی اس آیت میں داخل ہوئے۔ ان کا وفات یافتہ ہونا ثابت ہوا۔ **جواب:** اس آیت کا عیسیٰ علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں یہ بے جان بتوں کے بارے میں آئی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کی تو بڑی شان ہے۔ رب تعالٰی شہداء کے لئے فرماتا ہے **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل الله اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون** شہداء کو مردہ مت کہو وہ زندہ ہیں اگر عیسیٰ علیہ السلام کو اس آیت میں داخل مانا جائے تو آیتوں میں تعارض ہو گا۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ اگر موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام آج زندہ ہوتے تو انہیں ہماری پیروی کرنی پڑتی۔ جس سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی طرح وفات پاچکے۔ **جواب:** اس حدیث میں زندگی سے مراد زمین کی ظاہری زندگی ہے۔ جس پر شرعی احکام عائد ہوتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر اس طرح زندہ ہیں۔ جس پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے نہ روزہ نہ نماز وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** **یعیسی انی متوفیک و رافعک الی** اس آیت میں رب تعالٰی نے عیسیٰ علیہ السلام کو دو چیزوں کی خبر دی۔ **توفی** اور **رفع**۔ **توفی** کے معنی ہیں موت۔ اور رفع کے معنی ہیں بلندی مراتب۔ چونکہ **توفی** پہلے ہے اور رفع بعد میں اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی وفات پہلے ہو گئی اور بلندی مراتب بعد میں۔ **جواب:** اس کا نہایت مکمل جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا۔ **پانچواں اعتراض:** امام رازی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ **رافعک الی** میں رفع سے مراد درجہ اور منزلت کی بلندی ہے نہ کہ مکان اور جہت کی۔ جس سے معلوم ہوا کہ وہ آسمان پر جانے

www.alahazratnetwork.org

کے محتاج ہیں۔ جواب: سبحان اللہ کیسا کھلا ہوا جھوٹ ہے امام رازی نے اس جگہ بار بار اعلان فرمایا ہے کہ **اکرمہ بان رفعہ الی السماء** خدا نے ان کو آسمان پر اٹھالیا۔ اس عبارت کا مطلب صرف یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی بلندی صرف مکانی نہیں بلکہ درجہ کی بھی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا۔ نیتیں دیکھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اپنی صورت بھگوان داس کی سی بنالو۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری صرف صورتوں کو نہیں دیکھتا نیتوں کو بھی دیکھتا ہے۔ چھٹا اعتراض: امام مالک کا یہی عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے دیکھو مجمع البحار میں ہے **قال ملک مات لعلہ اراد رفعہ الی السماء ویحی اخر الزمان لتواتر خبر النزول** امام مالک نے فرمایا مات یہاں موت کے معنی آسمان پر جانا ہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ آسمان سے اترنا حدیث متواتر سے ثابت ہے۔ لطیفہ: مرزا جی نے موت کے معنی نیند بھی کئے ہیں۔ چنانچہ ازالہ اوہام طبع پنجم صفحہ 623 میں ہے مات کے معنی لغت میں نوم بھی ہیں۔ دیکھو قاموس نیز اسی ازالہ میں ہے کہ مات کے حقیقی معنی صرف مارنا اور موت دینا نہیں بلکہ سلانا اور بے ہوش کرنا بھی ہیں۔ نیز اسی ازالہ میں ہے لغت میں موت بمعنی نوم اور غشی بھی آتا ہے۔ تعجب ہے کہ مرزائی امام مالک کے اس قول میں معنی مرنا کیسے کرتے ہیں۔ ساتواں اعتراض: اگر عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر ہوں تو لازم آتا ہے کہ درجہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جائیں کہ حضور زمین پر ہیں۔ جواب: صدر جہاں بیٹھے صدر ہی ہے۔ اونچے نیچے ہونے پر درجہ کا مدار نہیں' ورنہ تارے' چاند سورج اور ملائکہ آسمان پر ہی ہیں۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ گئیں۔ موتی پانی میں نیچے ہوتا ہے اور بلبلہ اوپر۔ کیا بلبلہ افضل ہے۔ آٹھواں اعتراض: اگر عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں تو وہاں ان کے کھانے پینے کا کیا انتظام ہے اور پیشاب پاخانہ کہاں جاتے ہیں؟ جواب: جب آپ اپنی ماں کے پیٹ میں تھے تو وہاں باورچی خانہ کہاں تھا اور سنڈاس کس جگہ بنا تھا۔ جو رب آپ کو ماں کے پیٹ میں بغیر باورچی خانہ اور پاخانہ کے نو ماہ زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر بغیر ان ضرورتوں کے زندہ رکھ سکتا ہے۔ ان کی زندگی فرشتوں کی سی ہے دجال کی آمد پر مسلمان ذکر الٰہی سے زندگی گزاریں گے۔ بعض اولیاء اللہ نے برسوں غذا نہ کھائی۔ ذکر خدا سے زندہ رہے ایسے ہی عیسیٰ علیہ السلام ذکر اللہ سے زندہ ہیں۔ جناب سب مرزا غلام احمد کی طرح مشک وغیرہ سے زندگی نہیں گزارتے کچھ اللہ والے بھی ہوتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ حضرات انبیائے کرام بلکہ بعض خاص اولیاء اللہ نورانی بشر ہوتے ہیں۔ ظہور بشریت کے وقت وہ کھاتے پیتے بھی ہیں اور دنیا سے تعلقات بھی قائم رکھتے ہیں۔ مگر جب نورانیت کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں کھانے پینے کی مطلقاً ضرورت نہیں رہتی۔ عیسیٰ علیہ السلام زمین پر بشری حیثیت سے رہے۔ اس لئے انہیں کھانے پینے سانس لینے وغیرہ بشری عوارضات کی ضرورت رہی آسمان پر نورانیت کے ساتھ ہیں وہاں نہ وہ ہوا کے محتاج نہ کھانے کے نہ پینے کے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تو دو وقت کھانا نہ کھانے پر پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تھے اور کبھی روزہ وصال کے موقع پر مسلسل نہ کھاتے نہ پیتے اور کچھ احساس نہ ہوتا۔ وہ بشریت کا ظہور تھا یہ نورانیت کی جلوہ گری ہے۔ حضرت زید ابن ثابت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عبرانی زبان سیکھو تاکہ دوسرے بادشاہوں کے خطوط کا ترجمہ مجھے سناؤ یہ بشریت کا ظہور ہے پھر جانوروں کی بولی سمجھ رہے ہیں۔ پتھروں کی فریاد سن رہے ہیں لکڑیوں کی آہ و زاری پر توجہ فرمارہے ہیں۔ پتھروں کے کلام کا جواب دے رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ انسان تو کیا لکڑیوں پتھر کی بولی بھی جانتے ہیں یہ نورانیت کا ظہور ہے بلکہ یہ تبدیلی حالات تو فرشتوں اور دیگر مخلوقات کی بھی ہوتی رہتی ہے۔ دیکھو ہاروت ماروت نورانی فرشتہ ہیں جو نہ کھائیں نہ

www.alahazratnetwork.org

پئیں۔ مگر جب شکل بشری میں بھیجے گئے تو کھانے پینے بھی لگے اور عورتوں سے اختلاط کے قابل بھی ہو گئے۔ حضرت جبریل علیہ السلام جب شکل انسانی میں آتے تو کپڑے بھی پہنتے ان کے بال سیاہ ہوتے تھے اور سواری بھی کرتے تھے یہ بشریت کا ظہور تھا ورنہ فرشتوں کو لباس کی کیا ضرورت اور ان کے بال کالے کیسے۔ عصائے موسوی لکڑی کا تھا۔ مگر جب سانپ بن جاتا تھا کھاتا پیتا بھی تھا اور سانس لے کر پھنکاریں بھی مارتا تھا۔ رب فرماتا ہے **تلقف ما یا فکون** جب حالات کی تبدیلی کا یہ عالم ہے تو عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر رہ کر نہ کھائیں پئیں تو کیا اعتراض ہے۔ نواں اعتراض: اگر عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں تشریف لائیں تو اس وقت نبی ہوں گے یا نہیں؟ نبی نہ رہنا خلاف عقل ہے اور نبی ہونے کی صورت میں احکام کس کے جاری ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یا عیسیٰ علیہ السلام کے۔ جواب: نبی کو رب تعالیٰ سے بھی تعلق ہے اور مخلوق سے بھی۔ ربانی تعلق کبھی نہیں ٹوٹتا ان کو ہمیشہ عظمت و وقار حاصل رہتا ہے مگر نسخ کے بعد ان کا تعلق مخلوق سے ٹوٹ جاتا ہے اس طرح کہ ان کے احکام جاری نہیں رہتے یہی حال عیسیٰ علیہ السلام کا ہو گا اگر کوئی جج کسی عدالت میں گواہ بن کر پیش ہو تو وہ اپنے وقت اور اپنی جگہ میں جج ہے مگر اس عدالت میں اس کی ججی کا ظہور نہیں۔ اس کی حیثیت گواہ کی سی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام عدالت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں اس حیثیت سے تشریف لائیں گے کہ اللہ کے نزدیک نبی ہوں گے مگر مخلوق پر حضور علیہ السلام کے احکام جاری کریں گے۔ دسواں اعتراض: کسی شخص کا دوسرے کے ہم شکل ہو جانا غیر ممکن ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ طیطانوس عیسیٰ علیہ السلام کا ہمشکل ہو کر پھانسی پا جائے۔ جواب: شکلیں بدلنا اور کسی کا دوسرے کا ہمشکل ہو جانا ممکن ہی نہیں واقع ہے۔ گورے آدمی بیماری سے کالے ہو جاتے ہیں۔ کالے گورے بن جاتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا ہے۔ دنیا میں بہت لوگ آپس میں ہم شکل ہوتے ہیں۔ ہاں حضور علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ کوئی آپ کا ہم شکل نہیں ہو سکتا یہاں تک کہ شیطان بھی خواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بن کر نہیں آسکتا۔ حضرت جبریل علیہ السلام صحابہ کرام کا ہمشکل بن کر آتے ہیں۔ جناب مختلف جانوروں کی شکل بن سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت لوگوں کی شکلیں بدل دیں۔ دیکھو مثنوی شریف وغیرہ۔ گیارہواں اعتراض: اس سے معلوم ہوا کہ عیسائی حق پر ہیں اور مسلمان کافر۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کیا تھا کہ میں نے تمہارے متبعین کو قیامت تک کفار پر غالب رکھوں گا۔ اور اب بھی ہر جگہ عیسائی ہی غالب ہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کے پیروکار ہیں؟ (عیسائی)۔ جواب: عیسیٰ علیہ السلام کے سچے پیروکار صرف مسلمان ہیں کیونکہ وہ حضور علیہ السلام کے فرمانبردار ہیں اور حضور علیہ السلام کی فرمانبرداری سارے پیغمبروں کی اطاعت ہے کیونکہ سارے نبیوں نے خصوصاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سب کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور آپ کی اطاعت و فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا ہے اب حضور کی اتباع ان سب کی اتباع ہے اگر باپ اپنے بیٹوں کو وصیت کر جائے کہ میرے بعد فلاں شخص کا کہنا ماننا کرنا تو یقینی بات ہے کہ بیٹے کا اس فلاں کا کہنا ماننا باپ کی وصیت پر ہی عمل ہے۔ جس سے باپ کی روح خوش ہو گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سارے نبیوں کا فیضان ہے۔ جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں اور دہائیاں ہیں۔ سارے انبیاء جمع کے عدد ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل جمع۔ جیسے حاصل جمع میں سارے اعداد آجاتے ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں تمام نبیوں کی غلامی آجاتی ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی** اور یہاں فوقیت سے دینی غلبہ مراد ہے نہ کہ دنیوی سلطنت کیونکہ اس

www.alahazratnetwork.org

ہے پہلے سینکڑوں برس مسلمانوں کی بادشاہت رہی اور اب بھی خدا کے فضل سے مسلمانوں کی بہت سلطنتیں ہیں تو کیا کہا جا سکتا ہے کہ پہلے مسلمان سچے تھے اب عیسائی۔ یا ہندوستان میں عیسائی سچے ہیں اور افغانستان میں مسلمان۔ نیز ہندوستان میں چوہڑے، چمار بھی عیسائی ہیں ان کی ذلت کا یہ حال کہ سر پر پاخانہ کا ٹوکرا کپڑے، جوتے پھٹے ہوئے امریکہ اور سکاٹ لینڈ کی خیرات پر ان کا گزارا انگریز عیسائیوں کے ساتھ نہ اٹھ بیٹھ سکیں نہ ان کے ساتھ گرجے میں عبادت کر سکیں نہ ان کے قبرستان میں دفن ہو سکیں تو کیا انگریز عیسائی حق پر ہیں۔ اور دیسی عیسائی کافر۔ ماننا پڑے گا کہ فوقیت سے دینی فوقیت مراد ہے اور وہ ہمیشہ مسلمانوں کو ہی حاصل ہے۔ حج مسلمانوں ہی کے کعبہ کا ہوتا ہے نہ کہ بیت المقدس کا۔ دھوم دھام سے تلاوت قرآن پاک کی ہوتی ہے نہ کہ توریت و انجیل کی۔ بیت المقدس میں ہزاروں پیغمبر آرام فرما ہیں اور مدینہ پاک میں صرف سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مگر جو دھوم دھام مدینہ پاک کی ہے وہ بیت المقدس کی نہیں معلوم ہوا کہ شہنشاہ یہاں رہتے ہیں اور حکام وہاں۔ اس کی صدہا مثالیں مل سکتی ہیں۔ ہندوستان میں ہندو دھرم دیسی ہے کہ یہیں پیدا ہوا۔ اور عیسائیت و اسلام پردیسی۔ وہ دو پرانے اسلام نیا ہے۔ مگر اسلام نے ان تمام دینوں کو دبا لیا۔ یہاں قرآن کی اشاعت زیادہ مسجدیں بے شمار اذانیں تعداد سے باہر، غرض جس پر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ رکھ دیا وہ چیز جگمگا گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دینی فوقیت ہمیشہ مسلمانوں کو ہی حاصل ہے اور حاصل رہے گی۔ رہی قومی فوقیت تو وہ اکثر مسلمان کو حاصل رہی اب اگر مسلمان قومی لحاظ سے گر جائیں تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے بلکہ اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی دنیا میں کم و بیش بیس سلطنتیں ہیں اتنی سلطنتیں کسی قوم کی نہیں۔ میں 1954ء میں براستہ خشکی حج کو گیا۔ گجرات سے لے کر مکہ مکرمہ تک ایک انچ زمین کسی کافر کی نہیں آئی۔ سارا سفر اسلامی سلطنتوں میں ہی گزرا۔ چنانچہ پاکستان سے نکل کر ایران میں داخل ہوئے۔ ایران سے عراق میں۔ عراق سے کویت میں۔ کویت سے نجد میں۔ وہاں سے حجاز میں اور یہ سب ممالک اسلامی ہیں اگر آج بھی اسلامی سلطنتیں سر جوڑ لیں تو دنیا میں بڑی طاقت بن جائیں افسوس کہ ان کے نصیب میں اتفاق نہیں ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ مسلمان کبھی بھی کفار سے نہ مرے آپس کی نااتفاقی کا شکار ہوئے۔ ہمیشہ اپنوں ہی نے اپنوں کو کچلا۔ **بارھواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں کچھ دیر عرش پر بلا کر واپس بھیج دیا گیا مگر عیسیٰ علیہ السلام کو صدیوں تک چوتھے آسمان پر رکھا گیا۔ معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں کیونکہ رب تعالیٰ سے جو قرب انہیں ہے۔ حضور علیہ السلام کو نہیں (عیسائی)۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہیں نہایت آسان جواب اس مثال سے سمجھ میں آسکتا ہے کسی بادشاہ نے کسی افسر کو امن قائم کرنے کے لئے کہیں بھیجا مگر اس سے رعایا نہ دبی۔ باغیوں نے افسر کو قتل کرنا چاہا سلطان نے فوراً اس افسر کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ اسے کوئی نقصان نہ پہنچا سکے اس کے بعد دوسرا افسر بھیجا گیا جس نے تمام باغیوں اور سرکشوں کو اپنا تابعدار بنا لیا۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ چونکہ تم سے نظام سلطنت خوب قائم ہوا۔ لہذا تم وہاں ہی رہو اور حکومت کئے جاؤ۔ پھر کبھی اس افسر کو مہمان بنا کر اپنے ہاں بلایا۔ اس کا جلوس نکالا۔ خلعت اور تمغے عنایت فرمائے یقیناً اس افسر کا یہاں رہنا پہلے افسر کے بادشاہ کے پاس رہنے سے افضل ہے حضرت مسیح کا آسمان پر جا کر پھر عہد مصطفیٰ میں حضور کی امت میں زمین پر تشریف لانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرشی مہمان بن کر جانا اور کونین میں دھوم دھام کا ہونا۔ پھر سرکشوں کی سرکوبی کے لئے دنیا میں تشریف لانا اور فرش پر جلوہ گر رہنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ حضور علیہ السلام زمین پر اسی واسطے رکھے گئے کہ حضور علیہ السلام سے یہاں کا انتظام قائم ہے۔ مرکز دائرہ میں ہی رہنا چاہئے۔ کیونکہ اس کے ہٹنے سے سارا

www.alahazratnetwork.org

دائرہ بگڑ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ نے عیسیٰ ء قلب سے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے نفس و نفسیات سے نکال کر آسمان روح کی طرف پہنچانے والا ہوں۔ جہاں میرا انتہائی قرب ہو گا۔ اور تجھے خبیث قوتوں اور نفسانی خواہشوں کی خبیث صحبتوں کی پلیدی سے نکالنے والا ہوں اور تیرے متبعین روحانی طاقتوں کو ان نفسانی کفار پر بڑی قیامت یعنی مقام وحدت کے پہنچنے تک غالب رکھوں گا۔ پھر تم سب کا رجوع میری طرف ہو گا۔ اور وہاں تمہارا حقیقی فیصلہ جذب اور عنایت سے پہلے جو تم میں اختلاف تھا اس کا فیصلہ یوں ہو گا کہ ہر ایک کو اس کے لائق ٹھکانہ دیا جائے گا۔ (ابن عربی)

دوسری تفسیر : معرفت الٰہی گویا آسمان ہے اور نفس اور نفسانیات گویا زمین ہے شیاطین یہاں کے کفار۔ سالک کو چاہئے کہ ماسویٰ اللہ سے بچتا ہوا مقام معرفت اللہ تک پہنچے۔ تب اس کا حال فرشتوں کا سا ہو گا کہ اس سے شہوتیں 'غضب' برے اخلاق سب دور ہو جائیں گے۔ تختی ء قلب کو نقش غیر سے صاف کرو تاکہ تمہیں مثل عیسیٰ علیہ السلام وصال کی بلندی حاصل ہو۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ ایک نحوی کشتی میں بیٹھا۔ اور کشتی بان سے بولا کہ کیا تجھے نحو آتی ہے اس نے کہا نہیں کہنے لگا تیری آدھی عمر برباد ہوئی کچھ دور جا کر کشتی بھنور میں پھنس گئی کشتی بان نے نحوی سے کہا کہ بولو کیا تمہیں پھنسی کشتی نکالنی بھی آتی ہے۔ نحوی نے کہا نہیں۔ کشتی بان نے کہا کہ لو تمہاری ساری عمر برباد۔ مولانا فرماتے ہیں۔

محوے باید نہ نحو این جابداں ۔ گر تو محوی بے خطر در آب رواں
آب دریا مردہ رابر سر نہد ورود زندہ ز دریا کے رہد
چوں بمردی توزاو صاف بشر بحر اسرارت نہد بر فرق سر

دریائے معرفت میں نحو لے کر نہ آؤ۔ محو یعنی فنا لے کر آؤ۔ زندہ کو دریا نیچے لے جاتا ہے اور مردے کو اپنے اوپر۔ اگر تم اوصاف بشریت سے مردے ہو کر اپنے کو دریا کے حوالے کرو گے تو کامیاب رہو گے۔ اہل اللہ باقی مشاغل اور دنیوی تفکرات سے آزاد ہو کر انوار کے بازوؤں سے فرشتوں کے ساتھ اڑتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ولادت دو قسم کی ہے۔ اختیاری اور غیر اختیاری۔ غیر اختیاری وہ ہے۔ جس میں ہمارے کسب کو دخل نہ تھا۔ جو بذریعہ والدین ہوئی۔ اختیاری وہ جس میں ہمارے کسب کو دخل ہے اور جو شیخ کامل کی نگاہ سے حاصل ہوئی تھی۔ اپنے بیمار نفوس کا شیخ کامل کے مشورہ سے دوائے تقویٰ سے علاج کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ مرکز کی چیز فنا نہیں اور جو مرکز سے ہٹ جائے اسے بقا نہیں۔ گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے مگر تلکے کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا کیوں؟ اس لئے کہ گھڑے کا پانی مرکز سے الگ ہے اور نلکا مرکز سے وابستہ "آفتاب کے نور کو زوال نہیں۔ ایسے ہی حضرات انبیاء کرام عزت کے مرکز ہیں جو ان سے وابستہ ہوا وہ ہمیشہ کی عزت پا گیا ان سے الگ رہ کر اگرچہ حکومت دولت وغیرہ کی وجہ سے عارضی عزت مل جاتی ہے مگر اس عزت کو فنا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے عیسیٰ (علیہ السلام) تمہارے متبعین کو تاقیامت نہ مٹنے والی عزت دوں گا۔ کیونکہ تم مرکز عزت ہو۔ تمہارے دامن سے وابستہ کبھی بھی ذلیل نہیں ہوتے جب عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین کا یہ حال ہے تو جنہیں خدا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نصیب کرے ان کی عزت کا کیا پوچھنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین فرماتے ہیں کہ ایک نبی کا منکر سارے

www.alahazratnetwork.org

نبیوں' فرشتوں کا بلکہ خدا منکر ہے رب تعالیٰ نے یہود کو یہاں الذین کفروا مطلق فرمایا یعنی یہ یہود میری ذات و صفات' فرشتے' کتابوں سبھی کے منکر ہیں۔ یہی حال اولیاء اللہ کا ہے ایک کا مقبول سب کا مقبول۔ ایک پھندہ کھلا جال بیکار ہوا۔ معرفت الٰہی اور تقویٰ طہارت کا شکار وہی کر سکتا ہے۔ جس کے عقائد کے سارے پھندے درست ہوں۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہی نیک عمل قبول ہے جو نبی کی اتباع میں ہو۔ اس لئے یہاں اتبعوک فرمایا۔ چنانچہ مسلمان کے ایک پیسہ کی خیرات کا ثواب جو ہے وہ مشرک و کافر کے ایک لاکھ روپیہ کی خیرات کا ثواب نہیں کیونکہ مسلمان نبی کی اتباع ہی میں سب کچھ کرتا ہے اور مشرک و کافر اتباع سے آزاد ہو کر۔ اعمال ڈھانچہ ہیں اتباع پاور اعمال قالب ہیں اتباع روح شیطان کے سارے اعمال نیک' سجدہ سجود اسی لئے بیکار ہوئے کہ اس میں اتباع نبوی نہ تھی۔ جو حضرات ایمان لاتے ہی شہید ہو گئے' وہ مقبول ہیں اگرچہ انہیں عمل کا وقت نہ ملا کہ وہاں اتباع موجود تھی۔ مگر وہ منافقین جو بغیر اتباع نبوی نمازیں وغیرہ پڑھتے تھے وہ مردود رہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ

پس لیکن وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پس عذاب دونگا میں ان کو عذاب سخت بیچ دنیا اور آخرت کے اور

تو وہ جو کافر ہوئے میں انہیں دنیا اور آخرت میں سخت عذاب دوں گا اور ان کا

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝۵۶ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

نہیں ہے واسطے ان کے کوئی مددگار اور لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے

کوئی مددگار نہ ہوگا اور وہ جو ایمان لائے اچھے کام کئے اللہ ان کا

فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝۵۷ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ

پس پورا دے گا وہ ان کو اجر ان کے اور اللہ نہیں محبت فرماتا ظالموں سے یہ تلاوت کرتے ہیں ہم اس کو اوپر

نیگ انہیں بھرپور دے گا اور ظالم اللہ کو نہیں بھاتے یہ ہم تم پر پڑھتے ہیں

مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝۵۸

تمہارے آیتوں سے اور ذکر حکمت والا

کچھ آیتیں اور حکمت والی نصیحت

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے فیصلے کا اجمالی ذکر تھا۔ فرمایا گیا تھا کہ ہم تمہارے اختلافات کا فیصلہ کریں گے اب اس فیصلے کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے شبہ پیدا ہوتا تھا کہ جب کفار و مومنین کا فیصلہ قیامت ہی میں ہو گا تو انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں کے دنیا میں

www.alahazratnetwork.org

تشریف لانے سے کیا فائدہ۔ وہ حضرات اس فیصلہ ہی کے لئے تو آتے ہیں اب اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اس فیصلہ سے وہ عملی فیصلہ مراد ہے۔ جس سے ہر مجرم کو اپنے مجرم ہونے کا اقرار کرنا پڑے۔

تفسیر: **فاما الذین کفروا** ف تفصیلیہ ہے اور اما شرطیہ اور کفر سے یا تو عام کفر مراد ہے یا یہود کا کفر یعنی مسیح علیہ السلام کی توہین یا عیسائیوں کا کفر یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں حد سے آگے بڑھنا۔ پہلے معانی عام ہیں اور آخری دو معنی موقعہ کے مناسب۔ یعنی لیکن جنہوں نے کسی قوم کا کفر کیا۔ یا عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا یا جو ان کی شان میں حد سے بڑھ کر کافر ہوئے۔ **فاعذبھم عذابا شدیدا** " **فی الدنیا والاخرۃ** یہ جملہ اما کی جزاء ہے اور کفر کا نتیجہ ہے **عذاب عذب** سے بنا معنی روکنا اسی لئے میٹھے پانی کو عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ سزا کو عذاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے جرم رکتا ہے **فی الدنیا عذاب** کی صفت ہے۔ یا اعذب کا ظرف اور دنیا سے یہ ظاہر زندگی مراد ہے اور آخرت سے قبر اور قیامت کی زندگی مقصود دنیا میں سخت عذاب قتل قید اور جزیہ مقرر کرنا اور سلطنت چھن جانا ہے' جو یہود کو دیا گیا کہ پہلے یہود کو رب نے عزت' سلطنت سب کچھ دی تھی مگر ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے وہ ان دونوں نعمتوں سے محروم کر دیئے گئے اور اگر تمام کفار مراد ہیں تو مطلب یہ ہوگا کہ کفار کے لئے دنیا کی تکالیف بھی عذاب شدید ہے اور یہاں کی راحتیں بھی عذاب شدید ہیں کہ کفار یہاں کی مصیبت سے گھبرا کر کفر میں اور اضافہ کر لیتے ہیں بلکہ کبھی خودکشی بھی کر لیتے ہیں مگر مومن کے لئے یہاں کے رنج و راحت صبر و شکر کا ذریعہ بن جاتے ہیں لہذا آیت واضح ہے نیز غفلت کی زندگی بھی' رب تعالیٰ کا عذاب ہے جو کافر کے لئے ہے۔ قبر کا عذاب وہاں کی تنگی اندھیرا اور موذی جانوروں کی تکلیف اور وحشت ہے۔ اگرچہ بعض مسلمانوں کو بھی اپنی بد عملیوں کی وجہ سے عذاب قبر ہوگا مگر کفار اور گناہ گار مسلمانوں کے عذاب قبر میں دو طرح فرق ہوگا۔ ایک یہ کہ کفار کو قبر میں دوزخ کا عذاب ہے کہ وہاں کی گرمی اور موذی جانور وغیرہ اس پر مسلط ہوتے ہیں۔ مگر مومن کو خود قبر کی تنگی اندھیرے اور وحشت وغیرہ کا عذاب ہوگا۔ دوسرے یہ کہ کافر کا عذاب قبر قیامت تک ہوگا جو کسی صورت میں کم یا موقوف نہیں ہو سکتا۔ مگر مومن کا عذاب قبر جمعہ یا کسی بزرگ کی گزر' زندوں کی تسبیح' تہلیل کی برکت سے موقوف بھی ہو سکتا ہے اور آخرت کا عذاب جہنم کی آگ ہے یعنی وہ کفار کو دنیا میں بھی سخت عذاب دوں گا اور آخرت میں بھی۔ اور اس کے ساتھ ہی **وما لھم من نصرین** ناصرین جمع ناصر کی ہے معنی مددگار نہ ہوگا۔ یا یہ جمع اقسام کے لحاظ سے ہے کہ مددگار بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ مال سے جان سے اپنی عزت و آبرو کے ذریعہ مدد کرنے والے۔ یہاں ان سب کی نفی کرنا مقصود ہے۔ یعنی کفار کے لئے کسی قسم کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ کیونکہ کفار میں اللہ کے مقرر کردہ مددگاروں سے مدد لینے کی قابلیت نہیں۔ جیسے اندھے یا چمگادڑ کی آنکھ میں سورج سے نور لینے کی قابلیت نہیں یا بنجر زمین میں بارش سے فیض لینے کی لیاقت نہیں۔ فیض کے لئے دینے والے میں زور' لینے والے میں قابلیت چاہئے۔ خیال رہے کہ کفار کے لئے نہ دنیا میں کوئی مددگار ہے جو انہیں راہ راست پر لگا کر عذاب سے بچا لے نہ قبر میں کوئی مددگار جو وہاں ان کی شفاعت کرے۔ لہذا یہ آیت کریمہ بہت جامع ہے اور مالھم فرما کر مسلمانوں کو بچا لیا۔ **واما الذین امنوا وعملوا الصلحت** چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اس لئے کفار کے مقابل مسلمانوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو ساری ایمانیات پر ایمان لائے خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کمی بیشی سے محفوظ رہے اور انہوں نے ہر ممکن نیکی بھی کی۔ ہماری اس تفسیر سے بہت سے اعتراضات اٹھ گئے **فیوفیھم اجورھم** **یوفی توفیہ** سے بنا معنی پورا دینا۔ ھم کا مرجع

www.alahazratnetwork.org

مومنین ہیں اجور جمع اجر کی۔ بمعنی اجرت و ثواب۔ یہاں دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں یعنی انہیں رب تعالیٰ ان کی نیکیوں کے بدلے یا ان کے ثواب پورے پورے دے گا چونکہ ہر نیکی کا ثواب جداگانہ ہے روزہ کا ثواب اور ہے نماز کا اجر اور یا ہر مسلمان کو علیحدہ ثواب ملے گا یا اس لئے کہ مومن کو نیکیوں کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے یعنی حیات طیبہ اور مرتے وقت بھی حسن خاتمہ 'قبر' حشر میں بھی عذاب سے نجات۔ یا ہر عمل کے بیسیوں اجر ملیں گے مثلاً نماز پنجگانہ سے وضو کا ثواب الگ مسجد جانے کا الگ' اس لئے اجور جمع فرمایا **واللہ لا یحب الظلمین** یہ گزشتہ کلام کا خاتمہ ہے یا اس کی وجہ اور محبت نہ کرنے سے یا ناراض ہونا مراد ہے یا ارادۂ تعظیم نہ کرنا۔ **ظلمین** ظلم سے بنا بمعنی چیز کا بے موقع خرچ کرنا۔ یہاں کفار مراد ہیں۔ کیونکہ وہ اپنی عبادت کو بے موقعہ صرف کرتے ہیں۔ یعنی اللہ کفار کو ناپسند کرتا ہے۔ **ذلک نتلوہ علیک** ذالک سے عیسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ واقعات کی طرف اشارہ ہے چونکہ وہ عظیم الشان تھے۔ اس لئے ذالک فرمایا۔ **نتلوا** تلاوت سے بنا۔ اس کی لغوی تحقیق بارہا ہو چکی۔ یہاں خبر دینا یا ذکر کرنا یا پڑھنا مراد ہے۔ اگرچہ یہ کام جبریل علیہ السلام کے تھے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھے اس لئے اسے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ **من الایت والذکر الحکیم** یہ عبارت نتلوا کی ضمیر سے حال ہے۔ آیات سے مراد یا قرآن پاک کی آیتیں ہیں۔ یا حضور علیہ السلام کی نبوت کی نشانیاں۔ ذکر سے مراد قرآن شریف ہے اور حکیم یا حکم بمعنی مضبوطی سے بنا' یا حکمت سے (خازن) بعض لوگوں نے کہا کہ ذکر حکیم سے مراد لوح محفوظ ہے جہاں سے آسمانی کتابیں آتی ہیں یعنی یہ واقعات اور مضبوط قرآن کی آیات آپ کو ہم ہی بتاتے ہیں نہ آپ نے کسی سے پڑھیں۔ نہ کہیں سنیں۔ یہ آپ کی نبوت کی نشانیاں ہیں۔ قرآن مضبوط یا حکمت والا کہ نہ اس کی کوئی آیت لغو اور نہ اسے کوئی مٹا سکے۔ آپ پر ان چیزوں کا آنا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد قرآن کی عام آیتیں ہوں اور ذکر حکیم سے مراد نعت انبیائے کرام کی آیات۔

خلاصہ تفسیر : مسلمانوں اور کفار میں اس طرح فیصلہ ہو گا۔ کہ کفار کو تو دنیا میں بھی ہم سخت عذاب دیں گے کہ ان پر جزیہ مقرر کریں گے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل کرائیں گے۔ دنیا میں انہیں ذلیل و خوار رکھیں گے اور آخرت میں بھی آگ و تکالیف کی سخت سزا دیں گے۔ اور ان کے لئے کوئی کسی قسم کا مددگار نہ ہو گا کہ انہیں مال و دولت یا اپنی عزت و آبرو کے ذریعہ ہمارے عذاب سے بچالے۔ ہاں جو ایماندار ہیں اور ہر قسم کی نیکیاں بقدر طاقت کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ انہیں ان کا اجر پورا پورا دے گا۔ کسی قسم کی کمی نہ فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ ظالموں یعنی کافروں کو پسند نہیں فرماتا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں چار قسم کی آیتیں ہیں۔ بعض وہ جن میں فرمایا گیا کہ کافروں کا مددگار کوئی نہیں' جیسے یہاں۔ بعض وہ جن میں ارشاد ہوا کہ اے مسلمانوں تمہارا مددگار کوئی نہیں جیسے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** بعض وہ جن میں فرمایا گیا کہ مومنوں کے مددگار بہت ہیں **انما ولیکم اللہ ورسولہ** یا جیسے **والذین کفروا اولیاءھم الطاغوت** ان اثبات و نفی کی مختلف آیات میں مختلف امدادوں کا ذکر ہے مثلاً کفار کا آخرت میں مددگار کوئی نہیں۔ یا دنیا میں ان کا رب نما کوئی نہیں اور مسلمانوں کا اللہ کا مقابل مددگار کوئی نہیں۔ اس لئے وہاں من دون اللہ ارشاد ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان یخذلکم فمن ذا الذی ینصرکم من بعدہ** یا **وما یمسک فلا مرسل لہ** اور اللہ کے بنانے سے مسلمانوں کے مددگار بہت ہیں۔ اور بعض کافر بعض کے کفر و طغیان میں مددگار ہیں کہ جو انہیں اور زیادہ کافر و طاغی بنا دیتے ہیں۔ لہٰذا ان چاروں قسم کی آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ خیال

www.alahazratnetwork.org

رہے کہ جب الذین کفر کے ساتھ آئے گا تو اس سے جنات اور انسان سب ہی مراد ہوں گے اور جب الذین کے بعد ایمان کا ذکر ہو گا تو اس سے صرف مومن انسان مراد ہوں گے کیونکہ دوزخ سارے کافروں کے لئے ہے۔ جنات ہوں یا انسان۔ مگر جنت صرف انسان مومنوں کے لئے' جنات کے لئے ہے نہ فرشتوں کے لئے جیسا کہ سورۂ جن اور سورۂ احقاف میں ہے۔ لہذا ان آیات میں پہلے الذین میں جن وانس سب داخل ہیں اور دوسرے الذین میں صرف انسان داخل ہیں۔ ایمان کے معنی ہیں امن دینا یہ رب تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور انسانوں کی بھی اللہ تعالیٰ خوش عقیدہ لوگوں کو عذاب سے امن دیتا ہے اور مومن ایمان کے ذریعہ اپنے کو امن دیتا ہے ایمان اور نیک اعمال کا اجمالی ذکر قرآن شریف میں ہے اس کی تفصیل حدیث شریف میں ہے۔ کیونکہ حدیث قرآن ہی کی تفسیر ہے حدیث کا منکر تو امنوا وعملوا الصلحت کے معنی بھی نہیں کر سکتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ قرآن کریم میں ظالم کافر کو بھی کہا گیا ہے۔ گناہ گار کو بھی اور خطاکار کو بھی اور کسی کا حق مارنے والوں کو بھی۔ اندھیری مچانے والے ظلم بمعنی تاریکی۔ یہاں ظالم بمعنی کافر ہے اور یا بمعنی حق مارنے والا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعمال ایمان سے خارج ہیں اس لئے عمل کو ایمان پر معطوف کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** مومن کے ثواب میں زیادتی ہو گی مگر کمی نہ ہو گی جیسا کہ یوفیھم اجورھم سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کافر کا کوئی مددگار نہیں اور نہ انہیں کوئی عذاب الٰہی سے بچائے گا' مسلمانوں کے لئے ان شاء اللہ انبیائے کرام' علماء اور اولیاء دنیا و آخرت میں مددگار ہیں اور ان شاء اللہ نیکیاں و شفاعت انہیں عذاب سے بچائیں گے۔ جیسا کہ لھم کی تقدیم سے معلوم ہوا۔ یعنی صرف کافروں کیلئے کوئی مددگار نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام کا علم غیب ان کی نبوت کی دلیل ہے ان کا منکر گویا در پردہ ان کی نبوت میں شک کرنے والا ہے جیسا کہ نتلوہ علیک سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ اور نیکی کے لئے ایمان شرط جیسا کہ امنوا وعملوا الصلحت سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نجات کے لئے بقدر طاقت ہر قسم کی نیکی کرے صرف ایک دو عمل پر ہی قناعت نہ کرے جیسا کہ الصلحت سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس کی کیا وجہ ہے کہ ثواب کو ایمان اور نیک عمل پر موقوف کیا گیا۔ مگر عذاب کو صرف کفر پر موقوف رکھا وہاں بد عملی کا ذکر نہ فرمایا۔ کیا کفر ایمان سے قوی تر ہے؟ **جواب:** عذاب کے لئے صرف کفر ہی کافی ہے خواہ بد عملی کرے یا نہ کرے مگر پورے ثواب کے لئے ایمان اور عمل دونوں ضروری۔ گناہ گار مسلمان ثواب کا مستحق ہے مگر پورے ثواب کا مستحق نہیں۔ نفس ثواب اور ہے اور پورا ثواب کچھ اور۔ پورا ثواب تو یہ ہے کہ عذاب بالکل نہ ہو۔ اور کوئی نیکی برباد نہ ہو۔ گنہگار بد عملی سے اپنی بعض نیکیاں برباد کر لیتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں کو دنیا میں بھی عذاب ہو گا اور آخرت میں بھی حالانکہ بعض کفار دنیا میں بڑے مزے میں ہیں۔ اور مسلمان تکلیف میں تو آیت کا مطلب کیا؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں کفار سے صرف یہود مراد ہیں۔ اور دنیوی عذاب سے ان کا سلطنت سے محروم ہونا۔ ہمیشہ دوسروں کا غلام' دنیا میں ذلیل رہنا مراد ہے اور ظاہر ہے کہ یہودی ہمیشہ اس ذلت میں مبتلا ہے اور رہیں گے دوسرے یہ کہ کفروا سے عام کفار مراد ہیں اور دنیوی عذاب سے یہاں کی بیماریاں تنگ زندگی مراد ہے کیونکہ بیماری مسلمان کے واسطے رحمت اور کافر کے لئے عذاب' نیز مسلمان غربت میں بھی خوش رہتا ہے اور کافر غنی ہو کر بھی پریشان۔ راحت مال پر موقوف نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک مسلمان کو پورا ثواب ملے گا۔ مگر احادیث سے ثابت ہے کہ بعض اعمال کا ثواب ایک گنا تک ملے گا۔ ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں پورے سے مراد کمی نہ ہونا ہے زیادتی اس کے خلاف نہیں۔ دوسرے یہ کہ پورے سے مراد قانون کے مطابق ہے نہ کہ عمل کے مطابق۔ جس نیکی کا ثواب ایک لاکھ ملتا ہے وہی اس کا پورا ثواب ہے کیونکہ قانون کے ماتحت ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو پورا ثواب ملے گا مگر بعض آیتوں اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہ نیکیاں برباد کر دیتے ہیں حالانکہ گنہگار مومن ہوتا ہے۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کا جواب فوائد میں گزر گیا کہ پورا اجر ملنا تقویٰ میں داخل ہے۔ لہٰذا گنہگار اس آیت سے خارج ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اجر و ثواب کا ملنا ایمان و اعمال دونوں پر موقوف ہے۔ تو جن لوگوں کو ان کا وقت ہی نہ ملا۔ تو وہ کہاں جائیں گے۔ جنت میں یا دوزخ میں اگر دوزخ میں گئے تو رب کے کرم کے خلاف ہے اگر جنت میں گئے تو اس آیت کے خلاف۔ یہ سوال مسلمانوں کے چھوٹے بچوں پاگلوں دیوانوں' ایمان لاتے ہی مرجانے والوں کے متعلق بھی ہے اور ان کے متعلق بھی جو ابتدائے اسلام میں فوت ہو گئے جب کہ اعمال آئے ہی نہ تھے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ' دوسرا عاشقانہ۔ علماء فرماتے ہیں کہ ان جیسی آیتوں میں بقدر طاقت کی قید ہے رب فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا " الا وسعھا** لہٰذا ایسے لوگ بغیر اعمال ہی جنت میں جائیں گے۔ عشاق فرماتے ہیں کہ جنت کسبی بھی ہے اور عطائی بھی۔ ان جیسی آیتوں میں جنت کسبی کا ذکر ہے۔ دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کو دوسروں کے طفیل جنت ملے گی اور بعض آیات سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کو محض اللہ کے کرم سے جنت عطا ہو گی۔ قانون اور ہے' رب کا فضل کچھ اور۔ لہٰذا آیت واضح ہے نہ تو کوئی شخص عمل سے بے پرواہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اپنے عمل پر اعتماد کر سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا مثل کھیتی ہے۔ جیسے کھیت میں بھوسہ اور دانہ ایک ہی کھاد و پانی پاتے ہیں مگر کٹنے کے بعد دانے کی جگہ اور ہے اور بھوسے کی جگہ دوسری۔ ایسے ہی دنیا میں کفار و مومن یہاں کی نعمتوں سے عام فائدہ حاصل کر رہے ہیں مگر قیامت کا دن گویا اس کھیت کے کٹنے کا دن ہو گا۔ جس کے بعد مسلمانوں کی جگہ جنت ہو گی اور کفار کی جگہ دوزخ۔ صوفیاء کرام کے نزدیک کفار کا مقام قلب سے محروم رہنا اور اپنی بد عملی میں پھنسا رہنا۔ حق تعالیٰ سے محجوب رہنا سخت عذاب ہے۔ لیکن وہ لوگ جو ایمان شہودی رکھیں اور ہر طرح نفس کا تزکیہ اور تصفیہ کریں۔ اور نیک اعمال سے اسے آراستہ کریں اور نفس کے مقابلہ میں قلب کو توجہ الی اللہ میں امداد دیں۔ حق تعالیٰ انہیں قدسی انوار اور روحانی اشراق سے پورا پورا حصہ دیگا۔ رب تعالیٰ ظالم یعنی اعمال میں کوتاہی کر کے اجر میں کمی کرنے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ یہاں کامل مومن وہ ہے جس کے لئے دنیا رب تعالیٰ سے حجاب نہ بن جائے۔ ہر شخص کو رب سے قدرتی عشق ہے اور عاشق کیلئے محبوب کا وصال انتہائی کامیابی ہے اور محبوب سے مجھولی انتہائی ناکامی۔ دنیاوی الجھنوں میں پھنس کر اس عشق کا ظہور نہیں ہوتا قیامت کے دن آتش عشق انتہائی جوش پر ہو گی اور پھر وہ رب تعالیٰ سے محجوب رہے گا اس وقت کی تکلیف ناقابل برداشت ہو گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینظر الیھم** خدا کفار کو دیکھے گا نہیں۔ یہ نہ دیکھنا جہنم کے عذاب سے سخت تر ہو گا کفار کے لئے دنیوی عذاب یہاں کی الجھنیں ہیں اور اخروی عذاب دیدار یار سے محرومی۔ مومن کے لئے پورا اجر یہ ہے کہ دنیا میں یار کی یاد سے محروم نہ رہے اور آخرت میں یار کے دیدار سے

www.alahazratnetwork.org

محجوب نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان شہودی بھی ہوتا ہے۔ بالغیب بھی۔ ہم دنیا میں آنے سے پہلے ایمان شہودی رکھتے تھے۔ عالم ارواح میں کوئی کافر نہ تھا اور مرنے کے بعد بھی سب کو ایمان شہودی نصیب ہو جائے گا ہر شخص مرتے وقت ہی ایمان لے آتا ہے۔ یہ دونوں ایمان نجات کے لئے کافی نہیں۔ ایمان بالغیب چاہئے اسی پر نجات کا مدار ہے یوں ہی صالح عمل وہ ہے جس میں عامل بالغیب بھی صالح ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود   کفر گیرد ملتی ملت شود

اس آیت میں امنوا اور عملوا الصلحت سے یہی مراد ہے۔

اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰہِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ
تحقیق کہاوت عیسیٰ کی نزدیک اللہ کے مثل کہاوت آدم کے ہے کہ بنایا ان کو مٹی سے پھر فرمایا واسطے ان
عیسیٰ کی کہاوت اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے اُسے مٹی سے بنایا پھر فرمایا ہو
فَیَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِیْنَ ﴿۶۰﴾ فَمَنْ حَآجَّكَ
کے ہو جاؤ پس ہو جاتا ہے وہ سچ ہے طرف سے رب آپ کے پس نہ ہو تم شک کرنے والوں میں سے پس جو کوئی جھگڑا کرے
جاؤ وہ فوراً ہو جاتا ہے اے سننے والے یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے تو شک کرنے والوں میں
فِیْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ
تم سے بیچ اس کے پیچھے سے اس کے کہ آیا تمہارے پاس علم پس کہہ دو کہ آؤ بلائیں ہم بیٹوں اپنوں کو اور بیٹوں تمہارے
نہ ہو پھر اے محبوب جو تم سے عیسیٰ کے بارے حجت کریں بعد اس کے کہ تمہیں علم آچکا تو ان
وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَ اَنْفُسَنَا وَ اَنْفُسَكُمْ ۫ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ
کو اور عورتوں اپنی کو اور عورتوں تمہاری کو اور جانوں اپنی کو اور جانوں تمہاری کو پھر دعائے لعنت کریں پس کریں
سے فرما دو آؤ ہم بلائیں اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جانیں اور تمہاری جانیں
اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِیْنَ ﴿۶۱﴾
لعنت اللہ کی اوپر جھوٹوں کے ؞
پھر مباہلہ کریں تو جھوٹوں پہ اللہ کی لعنت ڈالیں ؞

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: دعویٰ کو چند طرح ثابت کیا جاتا ہے 'دلائل سے' واقعات سے اور معترض کے شبہات دور کر کے۔ پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت دلائل اور واقعات کی روشنی میں دکھائی گئی کہ پیدا ہونا۔ رزق کھانا بندگی کی علامتیں ہیں۔ اب عیسائیوں کے اعتراض کا الزامی جواب دیا جا رہا ہے اور ان کے

www.alahazratnetwork.org

شبہات دور کیے جارہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** منصف مقابل سے مناظرہ کیا جاتا ہے اور ہٹ دھرم سے مباہلہ۔ یعنی جھوٹے کے لئے بددعا۔ اب تک عیسائیوں سے مناظرانہ گفتگو تھی جس سے منصف فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اب ضدی عیسائیوں کے مقابلہ میں فیصلہ کن مباہلہ کی تعلیم تھی۔ گویا مناظرے کے بعد مباہلے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عیسیٰ علیہ السلام کے حیران کن واقعات بیان کیے گئے۔ جن سے شاید معترض انکی الوہیت ثابت کرنے کی کوشش کرتا۔ اب اس غلط فہمی کو دور کیا جارہا ہے اور آدم علیہ السلام کا واقعہ پیش کر کے بتایا جارہا ہے کہ معجزات الوہیت کی علامت نہیں۔

شان نزول: وفد نجران جس کا ذکر شروع آل عمران میں ہو چکا۔ جب حضور علیہ السلام کی خدمت بابرکت میں حاضر ہوا۔ تو ان کے سردار عاقب اور عبدالمسیح نے حضور علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ فرماتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے ہیں۔ فرمایا ہاں اس کے بندے، اس کے رسول اس کے کلمے جو کنواری بتول مریم کی طرف القاء کیے گئے۔ وہ لوگ غصے ہو گئے اور کہنے لگے کہ کیا آپ نے کوئی ایسا بندہ بھی دیکھا ہے جو بغیر باپ پیدا ہو۔ عیسیٰ علیہ السلام کا اس طرح پیدا ہونا۔ ان کے ابن اللہ ہونے کی دلیل ہے۔ اسی وقت حضرت جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر آئے جس میں بتایا گیا کہ عیسیٰ علیہ السلام سے غریب تر اور بہت انوکھی آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے کہ وہ بغیر ماں باپ خشک مٹی سے پیدا ہوئے۔ جب تم انہیں خدا کا بیٹا نہیں مانتے اللہ کا بندہ مانتے ہو تو عیسیٰ علیہ السلام کو عبداللہ ماننے میں کیا تعجب ہے۔ (خازن و خزائن)

تفسیر: **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم** چونکہ اس مضمون کے عیسائی منکر تھے اس لئے ان سے شروع فرمایا گیا۔ نیز یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اور ان کی والدہ کو اس لئے برا کہتے تھے کہ آپ بغیر والد پیدا ہوئے اور اسی وجہ سے جناب مریم کو تہمت لگاتے تھے اور کہتے تھے کہ نعوذ باللہ چونکہ آپ ثابت النسل نہیں ہیں۔ اس لئے آپ نبی تو کیا ولی بھی نہیں ہو سکتے۔ ان کی تردید کے لئے بھی ان فرمایا گیا کہ اگر بغیر باپ پیدا ہونا نبوت کے خلاف ہے تو بے وقوف یہودیو! تم حضرت آدم علیہ السلام کو نبی کیسے مانتے ہو۔ ان کا نسب تو نہ باپ کی طرف سے ہے نہ ماں کی طرف سے۔ جناب مسیح کا نسب یوسف نجار سے ثابت کریں گے اور بغیر والد ہونے کا انکار کریں گے۔ ان کی تردید کے لئے بھی ان ارشاد ہوا۔ غرض کہ ایک ان سے یہود عیسائی مرزائی تینوں فرقوں کی بلیغ تردید فرمادی گئی۔ مثل کی تحقیق اور مثل و مثل میں فرق ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے۔ یہاں یا بمعنی کہاوت ہے یا بمعنی حالت اور صفت کمثل میں اگر مثل تشبیہ کے لئے ہے تو کاف زائدہ ہے۔ اگر بمعنی حالت و صفت ہے تو کاف تشبیہ کا (روح المعانی، کبیر) عند اللہ بمعنی فی حکم اللہ یا فی تقدیر اللہ ہے اور ظرف اسی کا ہے جو کمثل ادم کا متعلق ہے اور یہ مضمون ان کی خبر یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی کہاوت یا ان کی حالت عجیبہ یا ان کی صفت آدم علیہ السلام کی صفت کی طرح ہے۔ خیال رہے کہ یہاں عجیب کی عجیب تر سے تشبیہ ہے۔ وجہ مشابہت صرف خلاف عادت بلا باپ پیدا ہونا ہے۔ ایک اعتبار سے آدم علیہ السلام کی پیدائش زیادہ عجیب ہے کہ بغیر ماں باپ کے ہیں اور ایک اعتبار سے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش زیادہ عجیب ہے کہ آدم علیہ السلام میں مٹی پانی وغیرہ تو ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں یہ کچھ نہیں۔ بلکہ ماں باپ کا نطفہ بھی نہیں کیونکہ آپ کے باپ تو ہیں ہی نہیں۔ نطفہ ماں کا بھی نہیں۔ کیونکہ حضرت مریم کو حضرت جبریل امین کے دیکھتے ہی پہلے ہیبت طاری ہوئی پھر فرزند کی بشارت پا کر حیرت پھر اپنی آبرو کی فکر لاحق ہوئی۔ نطفہ شہوت سے ہوتا ہے نہ کہ حیرت و ہیبت سے۔ آپ کا ابن

www.alahazratnetwork.org

مریم ہونا اس لئے ہے کہ بی بی مریم کے پیٹ سے پیدا ہوئے اور ان کے ہم شکل تھے نہ اس لئے کہ آپ کی پیدائش ان کے نطفہ سے ہے اور نہ اس لئے کہ آپ کے پیٹ میں پرورش ان کے ماہواری خون سے ہے کیونکہ جناب مریم کو خون کبھی نہیں آیا جیسا کہ **وطھرک علی نساء العلمین** کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ **خلقہ من تراب** یہ اس تمثیل کا بیان ہے اور خلق بمعنی صور ہے' ہ کا مرجع آدم علیہ السلام ہیں۔ تراب خشک مٹی کو کہتے ہیں اور یہ پیدائش آدم کی ابتداء کا ذکر ہے کہ اولا "خشک مٹی لی گئی۔ پھر اسے پانی سے گوندھ کر طین یعنی گارا بنایا پھر اسے سڑا کر طین لازب یعنی لیس دار مٹی بنایا گیا۔ پھر اس کا سلالہ یعنی اصل حاصل کیا گیا۔ پھر اسے خشک کر کے **صلصال** یعنی آواز دینے والی مٹی بنایا گیا پھر اس میں جلد بازی اور مشقت وغیرہ شامل کی گئیں۔ اس لئے آیتوں میں مختلف چیزوں کا ذکر ہے۔ یہاں فرمایا **من تراب** کہیں فرمایا **خلق من الماء بشرا** کہیں فرمایا **خلقنا الانسان من سللۃ من طین** کہیں فرمایا **انی خالق بشرا" من صلصال من حماء مسنون** کہیں فرمایا **خلق الانسان من عجل** کہیں فرمایا **لقد خلقنا الانسان فی کبد** چونکہ پیدائش انسان میں یہ تمام چیزیں تھیں اس لئے مختلف آیتوں میں مختلف چیزوں کا ذکر ہوا۔ لہذا آیتوں میں مخالفت نہیں (تفسیر کبیر) اگرچہ آدم علیہ السلام کے خمیر میں پانی بھی شامل ہے اور ہوا و گرمی کا بھی خلط ہے۔ مگر چونکہ اصل مٹی تھی اور یہ چیزیں مٹی کا خمیر کرنے کے لئے اس لئے رب تعالیٰ نے من تراب فرمایا اور آپ کا نام آدم ہوا یعنی ادومت والے۔ آدم مٹی کو کہتے ہیں جیسے روٹی میں پانی آٹا دونوں شامل ہیں اور آگ کی امداد بھی مگر پانی اور آگ آٹے کی روٹی بنانے کے لئے ہیں اس لئے آٹے کی روٹی کہا جاتا ہے پانی یا آگ کی روٹی نہیں کہا جاتا۔ **ثم قال لہ کن فیکون** چونکہ آدم علیہ السلام کے جسم بنانے اور روح پھونکنے کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہے اس لئے ثم فرمایا گیا۔ جس سے تاخیر معلوم ہوئی۔ قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور لہ کا مرجع جسم آدم علیہ السلام۔ کن کی پوری تحقیق ہم پہلے کر چکے۔ یہاں مراد ہے کہ کن بشرا یا انسانا یکون یا بمعنی کان ہے کیونکہ یہ گزشتہ کی حکایت ہے یا اس کا مضارع ہونا اس وقت کے لحاظ سے ہے۔ جب کن فرمایا تھا۔ (روح المعانی) یعنی رب تعالیٰ نے مٹی سے ایک جسم بنایا۔ پھر اس جسم سے فرمایا کہ تو مکمل انسان ہو جا۔ یہ فرماتے ہی فورا ایسا ہو گیا (روح المعانی) اس طرح کہ وہی مٹی جسم انسان بن گئی۔ جس میں پاؤں ناخن سے لیکر سر کے بالوں تک کے سارے اعضاء بن گئے جیسے صابن کا خمیر' میدہ' تیل' رٹھے وغیرہ سے ہوتا ہے مگر سوڈا کا سنگ کے پڑتے ہی یہ سب چیزیں اپنی حقیقت چھوڑ کر صابن بن جاتی ہیں۔ یا نطفہ ماں کے پیٹ میں گوشت پوست' ہڈی سب کچھ بن جاتا ہے نیز اس کن سے آپ کے جسم شریف میں روح بھی پڑ گئی۔ اور آپ اس کن سے عالم اسماء بھی ہو گئے یعنی ہم نے کہا سب کچھ ہو جاؤ۔ وہ سب کچھ ہو گئے۔ غرضیکہ اس کن میں تین احتمال ہیں۔ (1) اے مٹی کے جسم' جسم انسانی ہو جا۔ (2) اے بے جان جسم جاندار ہو جا۔ (3) اے آدم تم بشر زندہ خلیفہ عالم' عارف' نبی ساری خلق سے افضل سب کچھ ہو جاؤ۔ ایسے ہی فیکون میں یہ تینوں احتمال ہیں **الحق من ربک** یا تو الحق مبتداء ہے اور من ربک خبر یعنی حق وہ ہے۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہو یا **الحق ھذا** پوشیدہ کی خبر ہے اور من ربک حق کی صفت یا دوسری خبر۔ حق مقابل باطل کا ہے جیسے کذب مقابل صدق کا یعنی یہ سارے واقعات حق ہیں۔ آپ کے رب کی طرف سے ہیں۔ لہذا **فلا تکن من الممترین** اس میں بظاہر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مقصود ہر قرآن پڑھنے والا ہے ممترین **امتراء** سے بنا جس کا مادہ مری یا مریتہ ہے بمعنی جذب کرنا اور کھینچنا۔ اسی لئے بولتے ہیں مریتہ الناقۃ میں نے اونٹنی کا دودھ دوہ لیا چونکہ شک انسان کے قلب کو

www.alahazratnetwork.org

کھینچے پھرتا ہے ایک جگہ جمنے نہیں دیتا اسی لئے اسے مو تیتہ کہا جاتا ہے۔ لہذا اے مسلمان تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہو یعنی شک کرنا تو کیا شک کرنے والوں کی جماعت سے بھی نہ ہو۔ **فمن حاجک فیہ** یہاں دلائل اور دفع شبہات کے بعد اخیر فیصلہ کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے۔ یہاں من سے مراد نجران کے عیسائی ہیں کیونکہ اس وقت انہیں سے مقابلہ تھا اور فیہ کی ضمیر سے مراد شان عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی عبدیت ہے حاج محاجت سے بنا بمعنی ایک دوسرے کے مقابل حجت کرنا۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اتنے دلائل کے بعد بھی جو کوئی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کرے۔ **من بعد ما جاءک من العلم** من بعد حاج کے متعلق ہے علم سے مراد یقینی آیتیں اور مضبوط دلائل ہیں۔ کیونکہ وہ علم کا ذریعہ ہیں اور من بیانیہ ہے۔ ما کا بیان نہ کہ تبعیضیہ اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا پورا علم عطا فرمایا گیا تھا نہ کہ بعض چونکہ مناظرہ تو ہر قطعی و ظنی مسئلہ پر ہو سکتا ہے مگر مباہلہ صرف عقائد قطعی پر ہی ہو سکتا ہے اس لئے یہ جملہ ارشاد ہوا۔ یعنی جب کہ آپ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت و نبوت کا آیات قرآنیہ کے ذریعہ قطعی و یقینی علم دے دیا گیا لہذا اب جو آپ کے مقابل اس پر ضد کرے تو مباہلہ کرو۔ اس عبارت میں رب تعالیٰ نے ہم کو مباہلہ کے متعلق بہت سے مسائل بتادیئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ کو اس کے سوا اور چیزوں کا علم نہیں۔ **فقل تعالوا** یہ جملہ **من حاجک** کی جزا ہے۔ تعالوا کا مصدر تعالی ہے بمعنی اوپر چڑھنا۔ اس کا مادہ علو بمعنی بلندی ہے اس کے معنی ہیں اوپر آؤ۔ مگر اب مطلقاً آنے کے لئے استعمال ہے۔ یعنی فرمادو کہ خوب پختہ ارادہ کرکے آؤ۔ **ندع ابناء نا وابناء کم** ندع دعوے سے بنا بمعنی بلانا۔ ابناء کے معنی ہیں بیٹے مگر یہاں بیٹے پوتے نواسے سب ہی مراد ہیں۔ یعنی مذکر اولاد اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر اپنے ساتھ امام حسن و حسین کو لے گئے تھے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو کہ حضور علیہ السلام کے نواسے ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں ابناء سے مجازاً اولاد اور داماد مراد ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام سیدنا علی کو بھی ساتھ لے گئے تھے جن کا شمار داماد کی وجہ سے حضور علیہ السلام کی اولاد میں تھا۔ (روح المعانی) **ونساء نا ونساء کم** نساء خلاف قیاس امراۃ کی جمع ہے بمعنی عورت یہاں اس سے بیویاں مراد نہیں بلکہ بیٹیاں ہیں۔ جیسا کہ ابناء سے معلوم ہوا۔ کیونکہ فقط نساء سے مطلق عورتیں مراد ہوتی ہیں اور جب نساء کسی کی طرف مضاف ہو تو بیویاں۔ جیسے یا نساء النبی اور اگر ابناء سے ساتھ مل کر آوے تو مراد بیٹیاں ہیں۔ جیسے یہاں خیال ہے کہ نجران کے عیسائیوں کے ساتھ اس وقت نہ ان کی بیویاں تھیں نہ بیٹیاں نہ کوئی اور۔ انہوں نے صرف دعا میں انہیں شریک کرنا تھا۔ نیز اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ الزہرا کو اپنے ساتھ لے گئے تھے نہ کہ ازواج مطہرات کو۔ **وانفسنا وانفسکم**: انفس جمع نفس کی ہے بمعنی جان اور ذات۔ ظاہر یہی ہے کہ اس سے خود اپنی ذات کے بلانے کا مطلب ہے۔ موقعہ پر اپنے آپ حاضر ہو جانا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ جیسا کہ ان شاء اللہ سوال و جواب میں معلوم ہو گا یعنی فرمادو کہ اے عیسائیو۔ آؤ ہم اور تم اپنی بیٹی بیٹوں اور اپنی جانوں کو ایک جگہ جمع کریں۔ **ثم نبتھل فنجعل لعنت اللہ علی الکذبین** ثم فقط ذکری سے تاخیر کے لئے ہے۔ نبتھل۔ ابتہال سے بنا جس کا مادہ بھل ہے بمعنی دعا و عاجزی اور دعا کے بعد اس کی قبولیت کا انتظار اور لعنت بھی آیا ہے اس لئے دعا میں عاجزی کرنے کو ابتہال فی الدعا کہتے ہیں مگر یہاں دعاء لعنت مراد ہے۔ یعنی ایک دوسرے کو بددعا جیسا کہ اگلا جملہ اس کی تفسیر کر رہا ہے۔ فنجعل کی ف یا تعقیبیہ ہے یا تفسیریہ۔ نجعل جعل سے بنا بمعنی کرنا یہاں مراد دعا کرنا ہے لعنت کے لغوی معنی ہیں۔ دور کرنا' رحمت سے دور کرنا اللہ کی لعنت اور اس دوری کی دعا کرنا بندہ کی لعنت۔

www.alahazratnetwork.org

الکذبین میں الف لام عہدی ہے۔ اور اس سے عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں جھوٹ بولنے والے مراد ہیں۔ یعنی ہم تم اپنے اہل قرابت کے ساتھ جمع ہو کر آپس میں مباہلہ کریں کہ جھوٹے پر رب کی لعنت بھیجیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنی بیٹی و نواسوں کو ساتھ لے گئے۔ لیکن وہ نجرانی عیسائی صرف خود ہی موجود تھے۔ انکے ساتھ انکی اولاد وغیرہ کوئی نہ تھی۔ وہ صرف بددعا میں ہی انہیں شریک کرتے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم عیسیٰ علیہ السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے سے ان کی الوہیت ثابت کرنے والے سخت غلطی پر ہیں۔ اللہ کے نزدیک عیسیٰ علیہ السلام کی حالت آدم علیہ السلام کی طرح ہے کہ رب تعالیٰ نے بغیر نطفے اور بغیر ماں باپ خشک مٹی سے ان کی صورت بنائی اور پھر ان سے کن فرمایا تو وہ اچھے خاصے قوی اور توانا انسان بن گئے اگر بغیر باپ پیدا ہونا خدا ہونے کی دلیل ہے تو کیا عیسائی آدم علیہ السلام کو بھی خدا مانیں گے۔ جب انہیں خدا نہیں مانتے تو عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کیوں مانتے ہیں۔ اے مسلمان! یہ سارے دلائل اور عقائد حق ہیں۔ تیرے رب کی طرف سے ہیں لہٰذا تو شک کرنا تو کیا شک کرنے والوں میں سے بھی نہ ہو۔ سچا حق وہ ہوتا ہے جو تمہارے رب کی طرف سے ہو اور جو ان کی بناوٹی باتیں ہوں وہ سب باطل ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام حق ہیں کہ ان کی ذات صفات حالات سب حق ہیں اور آپ کی پیدائش رب کی طرف سے ہے نہ کہ انسان کی کوشش کا نتیجہ یا لائق قبول وہ عقیدہ ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہو اور جو یہود و نصاریٰ کے گھڑے ہوئے وہ لازم الترک ہیں۔ خیال رہے کہ حق یا مقابل باطل کا ہے۔ بمعنی درست یا مقابل زائل کے بمعنی باقی و ناقابل زوال یا بمعنی لائق قبول۔ اسی سے ہے حقیق۔ رب فرماتا ہے۔ **حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق** اور اس کی حقانیت پر یقین کر لو اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان یقینی دلائل اور منہ توڑ جواب سننے کے بعد جو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے جھگڑا کریں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا ہی کہیں تو آپ ان سے اب مناظرہ نہ کرو بلکہ انہیں مباہلہ کی دعوت دو اور فرما دو کہ میدان میں آؤ۔ ہم تم اپنی اولاد یعنی بیٹی بیٹے اور اپنے آپ کو ایک جگہ جمع کریں۔ پھر خدا کی بارگاہ میں عاجزی سے دعا کریں کہ مولیٰ ہم دونوں میں سے جو جھوٹا ہو اس پر لعنت کر یہ آپ کا اور ان کا اخیری فیصلہ ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے حضرات انبیاء کرام کو تین نوعیتوں سے علم عطا ہوئے ہیں پیدائشی علم جیسے معرفت الٰہی ایمانیات وغیرہ کے علوم۔ دوسرے وہ جو حسب موقعہ الہام کے ذریعہ عطا ہوتے ہیں۔ تیسرے وہ جو بذریعہ وحی عطا ہوتے ہیں۔ ان تینوں علوم کی آیات قرآنی موجود ہیں۔ یہاں **من بعد ما جاءک من العلم** میں علم سے مراد یہ تیسرا علم ہے اور اس عبارت میں ہم کو بتانا مقصود ہے کہ اے مسلمانو! صرف قطعی یقینی مسئلہ پر مباہلہ کرنا۔ ظنی اجتہادی مسئلہ پر کبھی مباہلہ نہ کرنا اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایک بار ہی مباہلہ کی تیاری فرمائی۔ مناظرے بارہا کئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے انبیاء کرام نے مناظرے کئے ہیں۔ حضرت ابراہیم کا مناظرہ نمرود سے تو قرآن کریم میں مذکور ہے مگر مباہلہ کسی رسول نے نہ کیا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نجرانی عیسائیوں کو اس مباہلے کی دعوت دی اور یہ آیت انہیں سنائی وہ بولے کہ ہمیں تین دن کی مہلت دی جائے۔ ہم اس معاملہ میں غور کرلیں۔ ان کی یہ گزارش منظور کی گئی۔ چنانچہ وہ تنہائی میں جمع ہوئے اور بنی نضیر اور بنی قریظہ کو بھی بلایا۔ عاقب نے عبدالمسیح سے کہا کہ اس بارے میں آپ کی کیا رائے ہے وہ بولا عیسائیو! تم پہچان چکے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں اگر تم نے ان سے مباہلہ کیا تو سب ہلاک ہو جاؤ گے۔ اگر اپنا دین قائم رکھنا ہے تو مباہلہ نہ کرو گھر

www.alahazratnetwork.org

لوٹ چلو یہ وہی پیغمبر ہیں جن کی خبر توریت میں ہے۔ یہ مشورہ ہونے کے بعد یہ لوگ وقت مقرر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پہنچے۔ اوھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح تشریف لائے کہ حضور علیہ السلام کی گود میں امام حسین ہیں اور دست مبارک میں امام حسن کا ہاتھ ہے اور فاطمہ زہرہ و علی مرتضٰی حضور علیہ السلام کے پیچھے ہیں' (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) اور حضور علیہ السلام ان سے فرما رہے ہیں کہ جب میں دعا کروں تو تم سب آمین کہنا۔ گویا پنجتن پاک تھے۔ اور اودھر عیسائیوں کے چودہ سرداران کے ساتھ بہت مخلوق۔ عیسائیوں کے سردار نے ان حضرات کو دیکھ کر کہا کہ اے عیسائیو! میں ایسے چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہ لوگ اللہ سے پہاڑ ہٹانے کو کہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی دعا سے پہاڑ کو اپنی جگہ ہٹا دے خدا کے لئے ان سے مباہلہ نہ کرو۔ ورنہ قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ رہے گا۔ آخر کار انہوں نے عرض کیا کہ مباہلے کی ہماری رائے نہیں اور ہم آپ سے جزیہ پر صلح کرتے ہیں کہ ہر سال آپ کو دو ہزار جوڑے تینتیس زرہ تینتیس اونٹ اور چونتیس گھوڑے دیا کریں گے۔ حضور علیہ السلام نے قبول فرمایا اور فرمایا کہ قسم رب کی نجران والوں پر عذاب قریب ہی آ گیا تھا۔ اگر وہ مباہلہ کرتے تو بندر' سور بن جاتے اور ان کا جنگل آگ سے بھڑک اٹھتا۔ اور نجران کے چرند پرند تک نیست و نابود ہو جاتے بلکہ ایک سال کے اندر روئے زمین کے عیسائی ہلاک ہو جاتے۔ (خزائن و عرفان و روح المعانی و کبیر وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس واقعہ کے بعد ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمبل شریف میں حضرات حسنین و فاطمہ زہرا و علی مرتضٰی رضی اللہ عنہم کو داخل فرما کر دعا کی کہ مولیٰ یہ میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں خوب پاک فرما انشاء اللہ اس کا پورا واقعہ سورہ احزاب میں آئے گا۔

لطیفہ : کسی عالم کا عیسائی پادری سے مناظرہ ہوا۔ عالم نے عیسائی سے پوچھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی کیا دلیل ہے۔ وہ بولا بغیر باپ پیدا ہونا۔ عالم نے کہا کہ پھر چاہئے کہ آدم علیہ السلام بھی خدا ہوں کہ وہ بغیر ماں باپ پیدا ہوئے عیسائی بولا کہ نہیں بلکہ مردوں کو زندہ کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی دلیل ہے۔ عالم نے جواب دیا کہ پھر چاہئے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام خدا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام نے تو چار مردے زندہ کئے مگر ان کی دعا سے چار ہزار مردے زندہ ہوئے۔ عیسائی بولا کہ نہیں بلکہ ان کا پرندے بنانا اور اس میں جان ڈالنا ان کے خدا ہونے کی دلیل ہے۔ عالم نے کہا پھر چاہئے کہ رحم میں بچہ بنانے والا فرشتہ خدا ہو کہ وہ دن رات یہی کام کرتا ہے۔ آخر کار عیسائی خاموش ہو گیا۔

نوٹ : ابن عساکر نے امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس مباہلہ میں ابوبکر صدیق' عمر فاروق' عثمان اور علی مرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کی اولاد کو بھی ساتھ لے کر گئے تھے۔ مگر یہ روایت جمہور کے خلاف ہے۔ (روح المعانی)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: عیسیٰ علیہ السلام میں حضرت مریم کا نطفہ شامل نہیں۔ آپ صرف حضرت جبریل کی سانس سے پیدا ہوئے۔ اس لئے آپ کو آدم علیہ السلام سے تشبیہ دی گئی کہ جیسے انکی ولادت صرف کن سے تھی۔ ایسے ہی آپ کی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فنفخنا فیہ من روحنا** ہاں فرق یہ ہے کہ آدم علیہ السلام میں کوئی واسطہ نہ تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش میں حضرت مریم کا واسطہ ہے انہیں ابن مریم صرف اس لئے کہتے ہیں کہ حضرت مریم کے شکم سے تشریف لائے اور ان کے ہم جنس نہ اس لئے کہ وہ ان کے نطفہ سے پیدا ہوئے۔ دوسرا فائدہ:

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی اور پیغمبر برحق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دہشت سے نجران کے عیسائی مباہلہ پر تیار نہ ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات حسنین وفاطمہ زہرہ وعلی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بڑے درجے والے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا پر آمین کہنے کے لئے انہیں منتخب فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** مناظرہ میں جانبین کا علم میں برابر ہونا ضروری نہیں۔ اعلیٰ درجہ کا عالم معمولی شخص سے مناظرہ کر سکتا ہے۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلم الخلق ہیں۔ نجران کے پادریوں نے مناظرہ کیا مگر کج بحث اور ہٹ دھرم سے مناظرہ نہ کرنا چاہیے کہ اسمیں بیکار وقت ضائع کرنا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واعرض عن الجھلین** خود رب نے ابلیس کے دلائل کا جواب نہ دیا۔ بلکہ فرمایا **فاخرج منھا فانک رجیم** **پانچواں فائدہ:** حضور علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کا نسب شریف دختر سے چلا اور حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضور علیہ السلام کے بیٹے قرار پائے۔ حضور علیہ السلام کے سواء اور کسی کو یہ فخر حاصل نہیں۔ **مسئلہ:** اگر سید غیر سیدانی سے نکاح کرلے تو اس کی اولاد سید ہے کہ انہیں زکوۃ لینا حرام اور اگر غیر سید سیدانی سے نکاح کرے تو اولاد سید نہ ہوگی انہیں زکوۃ حلال غرضیکہ سید کی اولاد بہرحال سید ہے خواہ لونڈی سے ہو یا غیر سیدانی بیوی سے (احکام القرآن) **مسئلہ:** اگر کسی نے کسی کی اولاد کے لئے وصیت کی۔ اور اس کے پوتے بھی ہوں اور نواسے بھی تو وصیت میں صرف پوتے داخل ہوں گے نہ کہ نواسے (احکام القرآن) **چھٹا فائدہ:** کفار سے ضرورت کے وقت مباہلہ کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے مگر مباہلہ صرف کفار سے کیا جائے اور یقینی عقائد کے بارے میں ہو۔ ظنی مسائل پر نہیں ہو سکتا۔ (ماخوذ از روح المعانی) دنیاوی جھگڑوں اور ظنی مسائل پر مباہلہ نہیں کر سکتے۔

پہلا اعتراض: جب کہ ابھی جسم آدم میں سننے سمجھنے کی طاقت نہ تھی تو کن کس سے کہا گیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں کن فرمانے سے مراد آدم علیہ السلام کی ہستی چاہنا ہے اور آپ کی پیدائش کا ارادہ کرنا ہے دوسرے یہ کہ یہاں کن فرمانا ہی مراد ہے اور رب تعالیٰ اپنی ساری مخلوق پر احکام نافذ فرماتا ہے۔ اور سب اس کے فرمان پر عمل کرتے ہیں۔ چنانچہ طوفان نوح کے موقعہ پر آسمان سے فرمایا تھا۔ **یاسماء اقلعی** اور زمین سے فرمایا تھا **یا ارض ابلعی ماء ک** اور پہاڑوں سے فرمایا تھا **یا جبال اوبی** غرضیکہ یہاں بھی رب نے آدم علیہ السلام کی مٹی سے یہ فرمایا۔ رب تعالیٰ کی عطا سے اس کے بعض بندے بھی عالم کی چیزوں کو حکم دیتے ہیں۔ اور وہ چیزیں ان کی اطاعت کرتی ہیں رب تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ **تجری بامرہ** یعنی آپ کے حکم سے ہوا چلتی تھی۔ ایک بار حضور غوث پاک نے دجلہ کی طغیانی کے موقع پر فرمایا کہ اے دجلہ میرے اس قائم کردہ مقام سے آگے نہ بڑھنا چنانچہ وہ آگے نہ بڑھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرگی کی بیماری سے خطاب فرمایا اے اللہ کے دشمن نکل جا میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس فرمان سے بیمار کو قے ہوئی اور ایک کالا کیڑا منہ سے نکلا۔ بیمار کو شفا ہو گئی۔ غرضیکہ ساری چیزوں میں حواس ہیں جن سے وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے مقبولوں کی بات سنتی ہیں اور اطاعت کرتی ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مباہلہ میں اپنی اولاد علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو داخل کیوں فرمایا۔ **جواب:** تاکہ اس سے آپ کا پورا یقین ظاہر ہو جائے اور جرم ثابت ہو کیونکہ انسان اپنے اور اپنی اولاد کے لئے اس وقت بددعا کرتا ہے جب اسے کسی شئی کا پورا یقین ہو۔ کہا جاتا ہے اگر میری بات صحیح نہ ہو تو میں میرے بال بچے ہلاک ہو جائیں۔ **تیسرا اعتراض:** مباہلہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ اگر عیسائی مباہلہ کر لیتے تو ہلاک ہو جاتے حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما**

www.alahazratnetwork.org

کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم آپ کی موجودگی میں اللہ انہیں عذاب نہ بھیجے گا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس آیت میں عام ظاہری عذاب مراد ہے جیسا کہ پچھلی امتوں پر آیا جس سے سارے کفار تباہ ہو گئے ورنہ خاص اب بھی آسکتا ہے اور قریب قیامت آئے گا بھی (تفسیر کبیر)۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی مرتضیٰ تمام صحابہ سے افضل ہیں اور وہی حضور علیہ السلام کے بعد خلافت کے مستحق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنا نفس فرمایا کہ **انفسنا** سے حضور علیہ السلام کی ذات مراد تو ہو سکتی نہیں کہ کوئی بھی اپنے آپ کو نہیں بلاتا۔ تولا محالہ سیدنا علی ہی مراد ہوں گے اور یقینی بات ہے کہ اس نفس کے حقیقی معنی مراد نہیں بلکہ اس سے مثل اور مساوی مراد ہے اور جو نبی کا مساوی ہو وہی خلافت کا مستحق ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کوئی خلافت کا حق دار نہیں ایسے ہی مثل حضور علیہ السلام کی موجودگی میں کوئی خلافت کا مستحق نہیں (شیعہ)۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں نفس سے مراد سیدنا علی نہیں بلکہ خود حضور علیہ السلام کی ذات کریم ہے اور ذات کو بلانے کا مطلب ہے۔ اپنے آپ کو وہاں پہنچا دینا۔ کہا جاتا ہے **دعوت نفسی الی کذا یا امرت نفسی** اور **شاورت نفسی** وغیرہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ** بلکہ حضرت علی بیٹوں میں داخل ہیں۔ کیونکہ عرف میں داماد کو بیٹا کہا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر حضرت مولیٰ علی انفس میں داخل بھی ہوں تو اس سے آپ کا حضور علیہ السلام کی مثل ہونا لازم نہیں۔ قرابتدار اور دینی بھائیوں کو انفس کہہ دیتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تخرجون انفسکم من دیارکم** نیز فرماتا ہے۔ **ولا تلمزوا انفسکم** یا **ربنا ظلمنا انفسنا** وغیرہ کہ ان میں فاعل و مفعول ایک ہی ہے۔ چونکہ سیدنا علی نسب میں بھی حضور علیہ السلام سے قریب تھے اور دین میں بھی اس لئے انہیں انفس میں داخل فرمایا گیا۔ اگر علی مرتضیٰ حضور علیہ السلام کی مثل ہوں تو لازم آتا ہے کہ آپ میں نبوت اور خاتمیت بھی پائی جائے اور آپ کا نکاح حضرت سیدہ فاطمہ زہرہ سے جائز نہ ہو۔ لہٰذا آپ کا ہر طرح حضور کی مثل ہونا ناممکن ہے اور بعض صفات میں مثل ہونے سے خلافت کا استحقاق ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسرے یہ کہ اگر نفس میں داخل ہونے کی وجہ سے حضرت علی امامت کے مستحق ہیں۔ تو چاہئے کہ آپ حضور علیہ السلام کی موجودگی میں امام ہوں اور اگر بعض وقت میں آپ سے امامت جدا ہو سکتی ہے تو ہمارا مقصد حاصل ہے کہ بیشک وہ خلفائے ثلثہ کے بعد امام برحق ہوئے۔ چوتھے یہ کہ اگر حضور علیہ السلام کا نفس مولیٰ علی تھا۔ تو بتاؤ ادھر کفار کا نفس کون تھا۔ کیونکہ آیت میں فرمایا گیا۔ **انفسنا وانفسکم** لہٰذا چاہئے کہ انفس کے معنی ایسے کئے جائیں۔ جو دو طرفہ بن سکیں۔ نوٹ: عام شیعہ اس دلیل پر بہت پھولتے ہیں مگر اس جواب سے ان کی دلیل پاش پاش ہو گئی۔ اس لئے محققین شیعہ یہ آیت پیش نہیں کرتے دیکھو کتاب اظہار الحق مصنفہ عبداللہ مشہدی (روح المعانی) پانچواں اعتراض: اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خلفائے راشدین سے محبت تھی۔ تو آپ انہیں مباہلہ میں کیوں نہ لے گئے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو صرف سیدنا علی سے محبت تھی۔ جواب: اس وقت عیسائیوں سے مقابلہ تھا اور ایسے موقعوں پر انسان اپنے عزیز اہل قرابت کو ہی پیش کرتا ہے اگر بجائے ان حضرات کے خلفائے راشدین کو لے جاتے تو عیسائی کہہ سکتے تھے کہ شاید حضور علیہ السلام کو عذاب الٰہی کا خوف ہے اس لئے اپنے بچوں کو بچالیا۔ چھٹا اعتراض: حق یہ ہے کہ سوائے جناب علیؓ کے سارے صحابہ منافق تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلافت کے غاصب بھی بن گئے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مباہلہ کے موقعہ پر انہیں شریک نہ کیا کہ مباہلہ میں مومنین شریک کئے جاتے ہیں نہ کہ منافقین و کفار (شیعہ)۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: تعجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو مباہلہ میں تو شریک نہ کیا اور بیعت رضوان جیسی اہم نعمت میں شریک کر لیا۔ جس کے بارے میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے بلکہ بیعت رضوان کا واقعہ حضرت عثمان کی شہادت کی خبر اڑنے پر ہوا۔ گویا بیعت رضوان کی بناء حضرت عثمان ہیں یہ بیعت مباہلہ سے کہیں بڑھ کر ہے اگر یہ حضرات منافق تھے تو حضرت فاطمہ کا نکاح ان کی گواہی سے کیسے جائز ہوا۔ اس مقام پر گواہ تو یہی لوگ تھے نیز حضرت علی نے ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ابو بکر صدیق کے ساتھ کیوں جانے دیا کیوں نہ خود ساتھ گئے کیوں نہ عرض کیا کہ ان کے ساتھ جانے میں خطرہ ہے۔ نیز اگر یہ حضرات غاصب تھے جناب علی نے ان کی خلافت کے زمانہ میں ان سے نذرانہ و ہدیہ کیوں قبول کئے۔ مال غصب تو حرام ہوتا ہے حضرت شہربانو کا نکاح جناب حسین سے کیسے درست ہوا وہ بھی تو اس غصب کا نتیجہ تھیں۔ ذرا ہوش کرو۔ بغض صحابہ میں اہل بیت پر کیوں تبرے کرتے ہو۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی حضرت فاطمہ زہرہ ہی تھیں چار بیٹیوں والی روایات غلط ہیں۔ ورنہ آپ چار بیٹیوں کو مباہلہ میں لے جاتے، صرف فاطمہ زہرہ کو کیوں لے گئے۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں چار ہیں۔ زینب، رقیہ، کلثوم، فاطمہ زہرہ، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ **یا یھا النبی قل لازواجک وبنتک ونساء المومنین** بنات جمع فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور کی لڑکیاں چند ہیں کیونکہ مسلمان عورتوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے یہاں صرف فاطمہ زہرہ کو لے جانے کی تین وجہ ہو سکتی ہیں یا تو مباہلہ کے وقت دوسری لڑکیاں وفات پا چکی تھیں۔ یا ابھی مکہ معظمہ سے آئی نہ تھیں یا اس لئے کہ فاطمہ زہرا زیادہ پیاری تھیں کہ سب سے چھوٹی تھیں۔ نیز انہی کے بچپن میں حضرت خدیجہ نے وفات پائی تھی۔ **ساتواں اعتراض:** بعض دفعہ کفار نے حضور علیہ السلام کے مقابل مباہلہ کیا مگر ان پر عذاب نہ آیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قالوا اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء** اے اللہ اگر قرآن سچا ہو تو ہم پر پتھر برسا دے۔ پتھر نہ برسے، ممکن تھا کہ یہاں بھی مباہلہ ہوتا اور عذاب نہ آتا۔ **جواب:** وہ مباہلہ نہ تھا مباہلے کے معنی وہ ہیں۔ جو تفسیر میں عرض کئے گئے۔ سرداران قریش قوم پر اپنی پختگی ظاہر کرنے کے لئے صرف منہ سے یہ دعائیں کر لیتے تھے۔ دل ان کے کانپتے تھے اور حضور علیہ السلام کے مقابل نہ کہتے تھے۔ اس کے باوجود جب کبھی ان پر مصیبت آتی تو حضور علیہ السلام سے دعا کراتے۔ اس کی صدہا مثالیں موجود ہیں غرضیکہ اس دعا کو مباہلے سے کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو مٹی سے بنانے میں چند حکمتیں ہیں۔ (1) مٹی میں تواضع اور انکسار ہے چاہئے کہ انسان بھی متواضع اور منکسر ہو۔ (2) مٹی میں عیب پوشی ہے کہ وہ ہر چیز کے لئے آڑ بن جاتی ہے چاہئے کہ انسان بھی عیب پوش ہو۔ (3) انسان کو زمین کی خلافت کے لئے پیدا کیا گیا۔ **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** لہٰذا اسے مٹی سے بنایا تاکہ اس کو زمین سے قوی تعلق رہے۔ (4) اس میں رب کی قدرت کا اظہار ہے کہ شیاطین کو آگ سے بنایا جس میں روشنی اور نور ہے مگر انہیں گمراہی کی اندھیریوں میں مبتلا کر دیا فرشتوں کو ہوا سے بنایا۔ جو تمام جسموں سے زیادہ لطیف ہے مگر انہیں پوری قوت عطا فرمائی۔ ورنہ لطافت میں قوت کیسی؟ آدم علیہ السلام کو کثیف اور تاریک مٹی سے بنایا مگر انہیں محبت معرفت اور ہدایت کا نور بخشا۔ آسمان کو رقیق پانی کی موج سے بنایا اور پھر انہیں معلق لٹکا دیا تاکہ پتہ لگے کہ عطائے الٰہی اسباب پر موقوف نہیں۔ نور میں ظلمت اور ظلمت میں نور کو جلوہ گر کر دیتا ہے۔ (5) مٹی آگ کو بجھاتی ہے چونکہ انسان میں حرص، غصہ اور شہوت کی آگ تھی لہٰذا اسے

www.alahazratnetwork.org

مٹی سے بنایا۔ تاکہ اس آگ کو بجھایا جائے۔ نیز مٹی پانی سے مل کر مختلف صورتیں قبول کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ نے کثیف مٹی کو لطیف پانی سے ملا کر گارا بنایا۔ تاکہ قابل صورت ہو۔ اور سیرتاً فرشتہ۔ اس لئے فرمایا۔ **خلقہ من تراب** یہ اس کی صورت کا بیان ہے اور **ثم قال لہ کن فیکون** اس کی سیرت کا تذکرہ۔ انبیائے کرام چونکہ بشریت کے اعلیٰ طبقہ میں ہوتے ہیں۔ لہٰذا ان کی طاقت و قوت ملکیت سے بالا ہوتی ہے ان کو عالم اجسام کے ساتھ وہی تعلق ہے جو آسمان کو زمین کے ساتھ ہے یا روح کو بدن کے ساتھ جیسے روح جسم پر سلطنت کرتی ہے اور زمین کو سارے فیض آسمان سے ملتے ہیں۔ ایسے ہی یہ حضرات دنیا پر حکومت کرتے ہیں اور فیوض ربانی سب کو انہیں کے ذریعے ملتے ہیں۔ ان کے نفوس کو روح القدس سے خاص اتصال ہوتا ہے۔ اور تائید الٰہی سے خصوصی قرب۔ یہ راز نجران کے عیسائی سمجھ گئے اور حضور علیہ السلام کے مقابل مباہلے کے لئے تیار نہ ہوئے ان کا خیال تھا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا اور باقی حضرات کی آمین قبول سے قریب ہے۔ ان سے مباہلہ میں ہماری خیر نہیں۔ اسی کا یہاں بیان ہے۔ چونکہ اولیاء اللہ مظہر انبیاء ہیں۔ اس لئے ان کی بددعا سے بھی عالم میں انقلاب برپا ہو جاتا ہے (از کبیر و معانی و بیان و ابن عربی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم بہت سی قسم کے ہیں۔ سفلی علوی عالم اجسام عالم انوار اور عالم امر وغیرہ جو چیزیں کن سے بنیں انہیں عالم خلق کہتے ہیں اور جو بلا واسطہ محض رب تعالیٰ کے حکم سے بنیں وہ عالم امر کہلاتی ہیں۔ حضرات انبیاء کرام خلق و امر کا مجموعہ ہوئے ہیں ان کی جسمانیت عالم خلق سے ہے اور نورانیت عالم امر سے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے **خلقہ من تراب** کے بعد **کن فیکون** کا ذکر کیا۔ اور خلق کے ساتھ مٹی کا ذکر فرمایا مگر کن کے ساتھ کسی واسطے کا ذکر نہ کیا۔ خلق میں آدم علیہ السلام کے جسم کی پیدائش کا ذکر ہے کن فیکون میں ان کی نورانیت شامل فرمانے کا تذکرہ۔ سوا پیدائش آدم کے رب تعالیٰ نے خلق اور کن کا اجتماع کہیں نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ روح کی حقیقت ہمارے فہم سے وراء ہے۔ کیونکہ ہم عالم اجسام سے ہیں اور روح عالم امر سے اس دیس کی چیز اس دیس والوں کو کیسے پہچانے۔ جب عربی کو عجمی نہیں پہچانتا حالانکہ دونوں زمینی پیدائش ہیں تو ہم سفلی لوگ علوی روح کو کیا جانیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **قل الروح من امر ربی** اسی طرح ہم لوگ حقیقت انبیاء کو نہیں پہچان سکتے کہ وہ عالم امر کی صفت ہیں۔ سورج سے ہر چیز کو دیکھو سورج کو نہ دیکھو۔ ورنہ آنکھیں پھوٹ جائیں گی۔ یونہی نبی کے ذریعے تمام ایمانیات کو پہچانو۔ مگر نبی کی حقیقت میں غور و بحث نہ کرو۔ ورنہ ایمانی آنکھیں پھوٹ جائیں گی ہم جس قدر حالات انبیاء بیان کرتے ہیں وہ سب ان کی بشریت کے حالات ہیں ان کی حقیقت کا کرشمہ ہم تو کیا فرشتے بھی نہیں جان سکتے۔ ان حضرات پر کبھی بشریت کا ظہور ہوتا ہے تو کھاتے پیتے اور سب سے ملاقاتیں کرتے ہیں اور کبھی ملکیت کا ظہور ہوتا ہے تو کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے ہیں اور فرشتوں تک کو ان کی بارگاہ میں پہنچ نہیں ہوتی۔ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے آگے کوئی فرشتہ حضور کے ساتھ نہ رہ سکا۔ عیسیٰ علیہ السلام ہزاروں سال سے بغیر کھائے پئے آسمان میں جلوہ گر ہیں اس لئے رب نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد کن فیکون کا ذکر کیا۔ اگر وہ ہر طرح ہم جیسے ہوں تو وہ ہمارے لئے وسیلہ کیسے بن سکیں۔

حکایت: ایک ملحد شاعر نے کسی مشاعرے میں حضرت خواجہ شیخ کمال الدین خجندی رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا۔

از کجائی از کجائی اے لوند

آپ نے فوراً جواب دیا۔

www.alahazratnetwork.org

از جندم از جندم از جند

وہ ملحد شاعر اس سلطان الاولیاء کے بگڑے ہوئے تیور نہ پہچان سکا۔ اور بولا۔

اے ملحد خجندی ریش بزرگ داری ، کز غایت بزرگی وہ ریش می تواں گفت!

اس شعر کا شیخ کے قلب پر اثر پڑا۔ کچھ لبوں کو جنبش دی۔ لب ہلاتے تھے کہ شاعر وہیں گر کر مر گیا۔ اس لئے فرماتے ہیں کہ عاقل وہ جو بزرگوں کو ایذا نہ دے کیونکہ اس کا الٹا اثر اس پر پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ** کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

نائے کند نالہ بدیں قول راست ، از نفس پیر بترس اے جواں (روح البیان)

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عذاب الٰہی بندگان خدا کی ہی بے ادبی سے آتا ہے۔ فرعون نے صدیوں دعویٰ خدائی کیا۔ مگر جب تک موسیٰ علیہ السلام کی بددعا نہ لی ہلاک نہ ہوا۔ دیکھو نجران کے عیسائیوں نے رب تعالیٰ کو عیب لگایا مگر عذاب نہ آیا۔ اگر حضور علیہ السلام کی بددعا لے لیتے تو عذاب میں گرفتار ہو جاتے۔ رب غنی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد ، میلش اندر طعنہء پاکاں دہد

صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔

با خدا دیوانہ باش و با محمد ہوشیار ، حلیم کے غضب سے اللہ کی پناہ

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ
تحقیق یہ البتہ وہ بیان سچا ہے اور نہیں ہے کوئی معبود سوا اللہ کے اور تحقیق اللہ البتہ وہ غالب حکمت والا
یہ ہی بے شک سچا بیان ہے اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب
الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾
ہے پس اگر منہ پھیریں وہ پس تحقیق اللہ جاننے والا ہے فساد پھیلانے والوں کو
ہے حکمت والا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ فسادیوں کو جانتا ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مناظرے کی انتہائی منزل بیان کی گئی یعنی مباہلہ جس سے ضدی انسان بھی ضد چھوڑ دے۔ اب مباہلہ نہ کرنے کا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ترک اور ضدیوں سے علیحدگی۔ اور انہیں خدا کے سپرد کر دینا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں الوہیت مسیح کے مسئلہ کے متعلق چند شبہات کا جواب دیا گیا تھا اس آیت میں بھی بقیہ شبہات کا جواب دیا جا رہا ہے کہ خدا وہ جو عزیز و حکیم یعنی کامل غلبہ اور کامل علم والا ہو۔ اور چونکہ یہ وصف عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں۔ لہٰذا وہ خدا کیسے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں نجرانی عیسائیوں سے مناظرہ و مباہلہ کا ذکر تھا۔ اب اس مناظرہ و مباہلہ کا بہترین نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ مباہلہ کریں یا نہ کریں

www.alahazratnetwork.org

آپ کا مقصد تو حاصل ہو گیا یعنی حق کا ظہور اور باطل کا بطلان۔ خود یہ عیسائی اور اس انکار مباہلہ کو دیکھنے ' سننے والے آپ کی حقانیت اور کفار نصاریٰ و نجران کی ہٹ دھرمی جان گئے۔ مناظرہ کا مقصد یہی ہوتا ہے نہ کہ سامنے والے کو جبراً منا لینا۔

تفسیر : **ان هذا لهو القصص الحق** : **هذا** سے یا تو قرآن کریم کی طرف اشارہ ہے یا عیسیٰ علیہ السلام کے ان واقعات کی طرف جو پہلے مذکور ہوئے تھے۔ یا ان کی بندگی کی جانب لهو میں لام تاکید کا ہے اور هو ضمیر فصل جو صفت اور خبر میں فرق کرتی ہے۔ قصص قصہ کی جمع بھی آتی ہے۔ اسی لئے ایک سورۃ کا نام سورۂ قصص ہے اور قصص یقص کا مصدر بھی بمعنی کسی کے نقش قدم پر چلنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقالت لاخته قصيه** موسیٰ علیہ السلام کی ماں نے ان کی بہن سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے جاؤ۔ کہا جاتا ہے اقتص اثرہ فلاں اس کے نقش قدم پر گیا۔ **فارتدا على آثارهما قصصا** بدلہ کو قصاص اسلئے کہتے ہیں کہ وہ جرم کے پیچھے اور اس کی مثل ہوتا ہے۔ حکایت کو بھی قصہ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ واقعہ کے بعد اور اس کے تابع ہوتی ہے۔ کبھی ہر بیان کو قصص کہہ دیتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ **الحق** قصص کی صفت ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مصدر بمعنی حاصل مصدر ہے (روح المعانی) بعض کے خیال میں یہ بمعنی اسم مفعول ہے (روح المعانی) یعنی تحقیق یہ قرآن کریم ہی سچا بیان ہے نہ کہ موجودہ توریت و انجیل وغیرہ اور نہ ان لوگوں کے یہ خیالات۔ کیونکہ اگرچہ توریت و انجیل بلکہ تمام آسمانی کتب حق و صحیح ہیں۔ مگر ان میں یہود و عیسائیوں نے بہت ردوبدل کر دیا۔ اس لئے وہ حق رہیں نہیں یا یہ قرآن مجید ہی حق ثابت و ناقابل تغیر بیان ہے۔ جس میں نہ ترمیم و تبدیل ہو سکے نہ نسخ وغیرہ۔ اسی معنی سے وہ کتب آسمانی حق یعنی غیر منسوخ نہیں یا عیسیٰ علیہ السلام کے یہ واقعات یا ان کا عبداللہ ہونا سچا بیان ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ھو سے حصر کا فائدہ ہے۔ اور اس سے حصر اضافی مقصود ہو۔ یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا یہی قصہ (ان کا زندہ آسمان پر اٹھایا جانا اور یہود کا اپنی تدبیر میں ناکام رہنا) سچا ہے نہ وہ جو عیسائی یا ان کے پیروکار مرزائی کہتے ہیں۔ **وما من اله الا الله** یہ عقیدہ نصاریٰ یعنی تثلیث کا رد ہے۔ اور ما کے بعد الا فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی خدا کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ حضرت مریم نہ کوئی اور کیونکہ **وان الله لهو العزيز الحكيم** یہ جملہ بظاہر معطوف ہے۔ مگر اس میں پہلے کلام کی علت کی جانب اشارہ ہے۔ **عزیز** عزت بمعنی غلبہ سے بنا اور یہاں کامل غالب مراد ہے۔ جس پر کوئی کسی طرح غالب نہ آسکے اور جو کسی کا حاجت مند نہ ہو۔ **الحكيم** حکمت سے بنا۔ بمعنی احاطہ معلومات (روح المعانی) یعنی سب پر ہر طرح غالب اور سارے عیوب کا ہر طرح جاننے والا صرف رب تعالیٰ ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا یہودیوں پر غالب آجانا رب تعالیٰ کے فضل سے ہوا۔ ایسے ہی اس جناب کا علم غیب رب تعالیٰ کے علم کے مقابل ایسا ہے جیسے سمندر کے مقابل قطرہ' بلکہ اس سے بھی کم۔ **فان تولوا فان الله عليم بالمفسدين**۔ **تولوا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ اس کا فاعل یا تو نجران کے عیسائی ہیں۔ یا عام عیسائی یا سارے کفار اور جملہ **فان الله** اس شرط کی جزا نہیں بلکہ علت جزا ہے۔ یعنی اگر یہ عیسائی اب بھی آپ کی بات سے منہ پھیریں اور آپ پر ایمان نہ لائیں۔ تو آپ انہیں خدا کے حوالے کیجئے۔ یہ فسادی ہیں۔ رب فسادیوں کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن کریم یا عیسیٰ علیہ السلام کا عبداللہ ہونا یا یہ سارے واقعات بالکل صحیح اور سچا بیان ہے۔ جس کا ثبوت اس سے ملا کہ نجران کے عیسائی اس کے خلاف مباہلہ کرنے پر تیار نہ ہوئے اللہ کے سوا کوئی لائق

www.alahazratnetwork.org

عبادت نہیں کیونکہ کامل غلبہ اور محیط علم اس کی صفت ہے اور جس میں یہ صفتیں ہوں۔ وہی لائق عبادت ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام بلکہ سارے انبیاء کے علم و قدرت رب تعالیٰ کے مقابل کالعدم ہیں۔ لہٰذا وہ خدا کیسے۔ اس بیان سے عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت آفتاب کی طرح ظاہر ہو گئی۔ اگر اب بھی یہ عیسائی قبول حق سے منہ پھریں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا یا خدا کا بیٹا کہے جائیں۔ تو آپ انہیں رب تعالیٰ کے حوالے کرو۔ یہ فسادی ہیں۔ رب تعالیٰ فسادیوں کو خوب جانتا ہے وہ انہیں سخت سزا دے گا آپ کیوں غم کرتے ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ضد کا کوئی علاج نہیں اس کا علاج صرف جوتا ہے۔ دوسرا فائدہ: دلائل میں نظر نہ کرنا ضد ہے اور ضد فساد اور ضدی اول درجہ کا فسادی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے **فان تولوا** کہہ کر انہیں مفسد قرار دیا۔ تیسرا فائدہ: دلائل اور رد شبہات اظہار حق کا ذریعہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے دلائل وغیرہ بیان فرما کر ارشاد فرمایا۔ **ان ھذا لھوا لقصص الحق** چوتھا فائدہ: کوئی مخلوق کسی صفت میں رب تعالیٰ کی مثل نہیں۔ کیونکہ صفات سے ذات کا پتہ لگتا ہے اسی لئے عزیز و حکیم سے رب تعالیٰ کی توحید ثابت کی گئی۔ پانچواں فائدہ: ہمیشہ بددعا سے بچنا چاہئے۔ خصوصاً تین شخصوں کی بددعا خطرناک ہے۔ (1) اپنے محسن کی جیسے ماں باپ استاذ شیخ وغیرہ (2) مظلوم کی۔ (3) نبی کی۔ دیکھو نجران کے عیسائی جب حضور علیہ السلام کی بددعا سے محفوظ رہے تو ان پر عتاب تو آیا مگر دنیوی عذاب نہ آیا۔ چھٹا فائدہ: مقبول بندوں کا سیف زبان ہونا اور جو ان کے منہ سے نکلے رب وہ کر دے' یہ ایسا مسئلہ ہے جس کے کفار بھی قائل تھے۔ دیکھو نجرانی عیسائی نے ان پنج تن پاک کے چہروں کو دیکھ کر ہی کہہ دیا کہ ان کی بددعا سے بچو۔ یوسف علیہ السلام نے قیدی باورچی و ساقی سے فرمایا تھا۔ **قضی الامر الذی فیہ تستفتین** موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے سامری **فاذھب فان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس** چنانچہ سامری دیوانہ کتے کی طرح خطرناک ہو گیا کہ جو اسے چھو جائے تو وہ بھی اور سامری بھی بیمار پڑ جائے۔ اب جو کلمہ گو مسلمان بزرگوں کی سیف زبانی میں شک کرے۔ وہ ان عیسائی کفار سے بدتر ہے۔ ساتواں فائدہ: حضرت فاطمہ زہرا حضرات حسنین کریمین و علی مرتضیٰ کا توسل قبول دعا کے لئے اکسیر اعظم ہے۔ ان شاء اللہ ان کے وسیلہ سے مانگی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مباہلہ والی دعا پر آمین کہنے کے لئے ان حضرات کو ہی منتخب فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس انتخاب میں ہم امتیوں کو ان سے توسل کی تعلیم ہے۔ حضرت عمر نے جناب عباس کے توسط سے بارش کی دعا فرمائی۔

پہلا اعتراض : حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں اور آپ نے کبھی کسی کے لئے بددعا نہ فرمائی۔ حتی کہ طائف والوں کے لئے بھی جنہوں نے آپ پر بہت ظلم کئے۔ پھر یہاں نجرانیوں کے مقابل بددعا کی کیوں تیاری فرمائی۔ جواب: حضور علیہ السلام نے اپنے ذاتی معاملات میں کسی پر بددعا نہ کی۔ ظلم سے کچھ نہ فرمایا۔ مگر دینی معاملات میں کسی کی رعایت بھی نہ کی وہ چونکہ دین کے دشمن تھے اس لئے بددعا کی تیاری فرمائی۔ کفار سے تو حضور علیہ السلام نے جہاد بھی فرمایا اور موذی کو ہلاک کرنا عین رحمت ہے۔ دوسرا اعتراض: اگر **ان ھذا لھو القصص الحق** میں ھو سے حصر کا فائدہ ہو تو مطلب یہ ہوا کہ سارے قرآن میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کا بیان ہی حق ہے تو کیا قرآن پاک کی دوسری باتیں حق نہیں؟ جواب: یہ حصر اضافی ہے اور

www.alahazratnetwork.org

عیسائیوں کے بکواس کے مقابلہ میں ہے یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہی بات ہے جو قرآن نے بتائی نہ کہ عیسائیوں اور یہودیوں کی باتیں۔ **تیسرا اعتراض:** **فان تولوا** شرط ہے اور **فان اللہ** اس کی جزا مطلب یہ ہوا کہ اگر عیسائی آپ سے منہ پھریں تب تو خدا مفسدوں کو جانتا ہے ورنہ نہیں۔ تو کیا خدا کا علم ان کے منہ پھیرنے پر موقوف ہے (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے فان اللہ اس شرط کی جزا نہیں۔ بلکہ جزا کی علت ہے یعنی اگر وہ منہ پھیریں تو آپ غم نہ کریں۔ بلکہ انہیں رب تعالیٰ کے حوالہ کیجئے کیونکہ رب تعالیٰ مفسدوں کو خوب جانتا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ تو نے حکومت کی بغاوت کی تو سمجھ لو حکومت بہت قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بارگاہ انبیاء رحمت الٰہی کا سمندر ہے۔ جیسے سمندر میں جانے والوں میں سے کوئی تو موتی لاتا ہے کوئی عنبر، کوئی محروم لوٹتا ہے اور کوئی اپنی جان بھی گنوا دیتا ہے۔ ایسے ہی بارگاہ انبیاء میں عقیدت سے جانے والے بے شمار فائدے حاصل کرتے ہیں۔ جیسی عقیدت ویسا فیض، لیکن بے عقیدہ محروم رہتا ہے اور بری نیت سے جانے والا تباہ ہو جاتا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق بھی اسی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور نجران کے عیسائی بھی لیکن انہوں نے بے شمار فیض لئے۔ اور یہ لوگ مفسد کا خطاب لے کر پھرے۔ مجلس ایک ہی ہے۔ مگر حاضرین کے نصیب مختلف۔ جب تک رب تعالیٰ کا فضل نہ ہو۔ دلائل بھی کام نہیں دیتے۔ بلکہ دماغ اوندھا چلتا ہے۔ نجران کے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونا دیکھ کر انہیں معبود مان لیا۔ اور انہیں شیطان نے یوں سبق پڑھایا کہ جو بغیر باپ پیدا ہو وہ ایک لحاظ سے مجرد ہے اور ہم لوگ مادی اور تجرد خدا ہونے کی دلیل ہے انہیں یہ نہ سوجھا کہ ہماری روح ملائکہ عالم جبروت و ملکوت کی ساری چیزیں بالکل مجرد ہیں اور ان میں سے کوئی بھی خدا نہیں۔ تو عیسیٰ علیہ السلام کیونکر خدا ہو سکتے ہیں۔ مگر ہدایت فضل رب سے ملتی ہے نہ کہ عقلی دلیل سے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا

فرما دو اے والو آؤ طرف ایسی بات کے جو برابر ہے درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے یہ کہ نہ عبادت کریں ہم سوا

تم فرماؤ اے کتابیو ایسے کلمے کی طرف آؤ جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے یہ کہ نہ عبادت کریں مگر خدا کی

اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ

اللہ کے اور نہ شریک کریں ساتھ اس کے کسی چیز کو اور نہ بنائے بعض ہمارا بعض کو رب سوا اللہ کے پس اگر منہ پھیریں وہ

اور اس کا شریک کسی کو نہ کریں اور ہم میں کوئی ایک دوسرے کو رب نہ بنالے اللہ کے سوا پھر اگر وہ نہ

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ

تو کہہ دو گواہ رہو اس کے کہ ہم مسلمان ہیں اے کتاب والو کیوں جھگڑتے ہو تم بیچ ابراہیم کے

مانیں تو کہہ دو تم گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں اے کتاب والو ابراہیم کے بارے میں کیوں

www.alahazratnetwork.org

فِیۡۤ اِبۡرٰہِیۡمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوۡرٰىۃُ وَالۡاِنۡجِیۡلُ اِلَّا مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۶۵﴾

اور نہ اتاری گئی توریت اور انجیل مگر پیچھے ان کے کیا پس نہیں عقل رکھتے تم ؟	
جھگڑتے ہو توریت و انجیل تو نہ اتری مگر ان کے بعد تو کیا تمہیں عقل نہیں ؟	

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں مناظرہ کے رنگ میں اہل کتاب سے خطاب تھا۔ اب تبلیغی رنگ میں انہیں دعوت اسلام دی جارہی ہے۔ کیونکہ بعض مناظرے سے ہدایت پر آتے ہیں اور بعض نرمی سے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں صراحتاً" عیسائیت کی تردید تھی۔ اب نہایت لطیف پیرایہ میں عیسائیت کے بطلان اور اسلام کی حقانیت کا بیان ہے کہ عیسائیت کا کلمہ یکساں نہیں اور عیسائیوں کے نزدیک سب بندے ایک حال میں نہیں۔ کوئی معبود ہے کوئی عابد' اسلام میں بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بندوں کے احکام بندگی یکساں ہیں۔ گویا صریحی تردید کے بعد اب لطیف تردید ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کے سارے شبہات کے نفیس جواب دیئے گئے۔ اب ان کے اس شبہ کا جواب دیا جارہا ہے جسے وہ مجبور ہو کر اپنے بچاؤ کے لئے پیش کرتے تھے وہ یہ کہ عیسائیت بری ہو یا بھلی مگر چونکہ ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے لہذا عیسائی ہونا سنت ابراہیمی ہے۔ غرضیکہ پچھلی آیتوں میں بھی ان کے شبہات کا جواب ہی تھا اور اس میں بھی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں دین عیسوی و موسوی کی بدتری بیان کی گئی تھی کہ عیسائیوں' یہودیوں نے موجودہ عیسائیت و یہودیت میں ایسے برے عقیدے و اعمال داخل کر لئے ہیں۔ اب دین اسلام کی برتری کا ذکر ہے کہ اس دین میں عقائد و اعمال میں ایسی بے مثل برابری ہے کہ سبحان اللہ تاکہ اہل کتاب عیسائیت و یہودیت سے متنفر ہو کر اسلام قبول کریں۔ گویا تبلیغ اسلام کے ایک رکن کا ذکر پہلے تھا۔ اور دوسرے رکن کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق**: اس سے پہلی آیت میں اسلام کی حقانیت کا ثبوت اس کے اعمال و عقائد دکھا کر کیا گیا ہے۔ اور دوسری آیت میں اسلام ہی کی حقانیت اس طرح بیان ہو رہی ہے کہ یہ دین مطابق ابراہیمی کے ہے۔ یہ مطابقت ملت ابراہیمی' اسلام کی حقانیت کی پوری پوری دلیل ہے۔

شان نزول : نجران کے عیسائی جن کا واقعہ پہلے معلوم ہو چکا ان کا یہود مدینہ سے مناظرہ ہوا ان عیسائیوں کا یہ دعویٰ تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام عیسائی تھے اور مدینہ کے یہودی کہتے تھے کہ نہیں آپ یہودی تھے۔ جب یہ جھگڑا بہت بڑھا تو ان دونوں فریق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حاکم مانا اور آپ سے فیصلہ چاہا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم دونوں جھوٹے ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی' بلکہ وہ تو حنیف مسلم تھے اور ہم ان کے دین پر ہیں۔ اگر تم ان کی پیروی پسند کرتے ہو تو اسلام قبول کر لو۔ جس پر یہودی بولے کہ آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو رب مان لیں۔ جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو رب مانا۔ اور عیسائی بولے کہ آپ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کے متعلق وہ عقیدہ رکھیں جو یہود نے عزیر علیہ السلام کے بارے میں رکھا۔ تب یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن)

تفسیر : **قل یا ھل الکتب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم** : قل میں خطاب یا تو ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے۔ جیسا کہ آئندہ تولوا جمع فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے۔ تب تو اشارۃً" فرمایا گیا کہ ہر مسلمان کو مبلغ ہونا چاہیے۔

www.alahazratnetwork.org

کفار کو اپنی طرف لاؤ خود تم ان کی طرف نہ چلے جاؤ مگر افسوس ہے کہ مسلمان رنگ چڑھاو نا بھول گئے۔ خود رنگ جانا سیکھ گئے اور یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ پہلے قل تعالوا ندع ابناء نا ہونے میں بھی قل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب تھا چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داعی الی اللہ ہیں اور یہ آیت دعوت الی اللہ کی ہے۔ اس لئے اسے قل سے شروع فرمایا نیز گو لو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور گواہ رسالت الی اللہ چونکہ یہاں دعوت الی التوحید تھی اس لئے قل فرمایا گیا۔ دیکھو اپنی توحید پر رب تعالیٰ نے فرمایا قل ھو اللہ احد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر قل نہ فرمایا بلکہ فرمایا محمد رسول اللہ عیسائیوں یہودیوں کو نہ تو الذین امنوا سے خطاب فرمایا کہ یہ خطاب امت محمدی سے خاص ہے۔ نیز کوئی شخص اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانے نہ مومن ہو نہ اس خطاب کا مستحق اور نہ انہیں کافرون یا مشرکون کہہ کر پکارا کہ اگرچہ وہ کافر بھی ہوں اور مشرک بھی مگر اپنے کو بچے نبیوں اور آسمانی کتب کی طرف نسبت تو کرتے ہیں۔ اس لئے ان کے نام بھی کفار سے جدا گانہ ہوئے۔ اور احکام بھی کہ ان کا ذبیحہ حلال ان کی عورتوں سے نکاح درست۔ معلوم ہوا کہ اچھوں سے نسبت بھی اچھی ہے۔ قرآن شریف کا جزدان بھی چوما جاتا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں اہل کتاب سے فقط عیسائی مراد ہیں اور بعض کے نزدیک صرف یہودی مگر ظاہر یہ ہے کہ دونوں مراد ہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ تعالوا اگرچہ مکانی نقل و حرکت کے لئے آتا ہے۔ مگر یہاں حالت کی نقل کے لئے استعمال ہوا۔ یعنی عیسائیت سے اسلام میں آجانا۔ چونکہ تعالوا میں لغوی معنی کے لحاظ سے بلندی ہے یعنی چڑھنا اس لئے یہاں کلمہ خوب چسپاں ہے یعنی عیسائیت کی پستی سے اسلام کی بلندی میں چڑھ آؤ۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی مضبوط رسی ہیں کہ رب نے فرمایا واعتصموا بحبل اللہ جمیعا اور کنویں میں گیا ہوا ڈول رسی ہی کے ذریعہ اوپر بھی آتا ہے اور تازہ پانی بھی بھر کر لاتا ہے جو رسی سے کھل جائے تو کنویں کی کیچڑ میں پھنستا ہے۔ دنیا گہرا کنواں ہے۔ جس میں ایمان و نیک اعمال کا تازہ پانی بھی ہے اور کفر و شرک بدکاریوں کی کیچڑ بھی۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑ لیا تو اس کیچڑ سے بچے رہے۔ نیز ان علماء یہود و نصرانیوں کا خیال تھا کہ اسلام لا کر ہماری سرداری اور عزت جاتی رہے گی ہم تو مسلم ہو کر ذلیل ہوں گے۔ اسی لئے فرمایا گیا تعالوا یعنی تم نیچے تو اب ہو اسلام کے قلعہ میں چڑھ آؤ عزت و بلندی پاؤ گے۔ کلمۃ اگرچہ لغت میں ایک لفظ کو کلمہ کہتے ہیں۔ مگر عرف میں قصیدے قصہ شرح اور پورے کلام کو کلمہ کہہ دیا جاتا ہے۔ جیسے اردو میں بات۔ سواء کلمۃ کی صفت ہے۔ یہ مصدر بمعنی اسم فاعل اس کے معنی وسط عدل اور برابر ہیں۔ یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ کے عقائد ظلم تھے کہ ان کے ہاں بعض نبیوں کو تو خدا مان لیا گیا تھا۔ جیسے حضرت عزیر علیہ السلام یا حضرت عیسیٰ اور بعض نبیوں کی نبوت کا انکار کیا گیا تھا۔ جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور اسلامی عقیدہ معدل نیز اہل کتاب کے عقائد میں افراط تفریط تھی کہ یہود کے ہاں چوتھائی زکوٰۃ فرض تھی۔ عیسائیوں کے ہاں زکوٰۃ تھی ہی نہیں یا یہود کے ہاں حلال چیزیں بھی حرام تھیں۔ عیسائیوں کے ہاں سور و شراب بھی حلال۔ اسلام میں میانہ روی ہے۔ نیز اہل کتاب میں تفریق تھی کہ ان کے ہاں قوم ملک، زبان کی بنا پر اونچ نیچ تھی اسلام میں یہ کچھ نہیں یہاں عزت و عظمت اعمال تقویٰ سے ہے۔ اسلام میں برابری۔ لہٰذا جو چاہو اس کے معنی کر لو۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سواء کے معنی ہیں انصاف جس کا مادہ نصف ہے بمعنی آدھا۔ انصاف آدھا کرنا۔ چونکہ عدل میں برابری ہوتی ہے اور ہر ایک کو کل میں سے آدھا دیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے انصاف بھی کہتے ہیں اور سواء بھی۔ بینا معطوف ہے سواء کا ظرف ہے۔ خیال رہے کہ یہاں کلمۃ سواء سے عقائد اسلامیہ

www.alahazratnetwork.org

اور عام اسلامی اعمال مراد ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سارے اہل کتاب سے فرمادو کہ اے کتابیو ان عقائد یا اس دین کی طرف آؤ جو ہمارے تمہارے درمیان مشترک ہے یعنی جس میں نہ توریت کا اختلاف ہے نہ انجیل کا یا جس میں سارے بندے برابر ہیں یا جو بالکل عدل و انصاف کی بات ہے کہ اگر تم کلمہ پڑھ لو تو ہم پر اور تم پر یکساں احکام جاری ہوں۔ یا وہ جس میں رسولوں اور کتابوں کا اختلاف نہیں۔ اور کسی کو کسی پر فوقیت خصوصی نہیں۔ وہ کلمہ یہ ہے کہ **ولا نعبد الا اللہ**۔ یہ جملہ کلمۃ سواء کی تفصیل کا پہلا جزو ہے یا تو مبتدا پوشیدہ کی خبر ہے اور رفعی حالت میں یا کلمۃ کا بدل ہے اور جری حالت میں یعنی وہ کلمہ مساوات یہ ہے کہ ہم رب تعالیٰ کے سوا نہ کسی نبی کی عبادت کریں نہ ولی کی' نہ بتوں کی' نہ چاند کی نہ سورج کی۔ اس میں عیسائیوں پر چوٹ ہے کہ انہوں نے بعض بندوں کی عبادت شروع کردی۔ **اور نشرک بہ شیئا** " عملی شرک کی نفی کے بعد اعتقادی شرک کی نفی کی **نشرک** **اشراک** سے بنا بمعنی شرک کرنا یا شریک جاننا۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ **شیئا** سے ہر غیر خدا مراد ہے۔ انسان ہو یا کچھ اور۔ بعض نے کہا کہ یہ جملہ لا نعبد کی تاکید ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ تاسیس ہے۔ یعنی ہم رب تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ جانیں اور نہ کسی کو عبادت کا حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی عیسائیت اور یہودیت کی تردید ہے' جنہوں نے حضرت عیسیٰ و مریم یا عزیر علیہم السلام کو رب تعالیٰ کا شریک جانا اور صلیب وغیرہ کو عبادت کے لائق ٹھہرایا۔ **ولا یتخذ بعضنا بعضا" اربابا من دون اللہ**۔ یہ تیسرا جملہ ہے اور کلمہ سواء کی تفصیل کا تیسرا جزو **و یتخذ** **اتخاذ** سے بنا بمعنی اختیار کرنا' پکڑنا' بنانا' یہاں بنانا مراد ہے۔ مگر عقیدے کے لحاظ سے **بعضنا** سے عام لوگ مراد ہیں۔ اور **بعض** خاص لوگ۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد انبیائے کرام ہیں اور یہ جملہ بھی لا نعبد کی تاکید ہے۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد یہودیوں اور عیسائیوں کے وہ علماء ہیں جنہیں عوام نے حرام و حلال کا اختیار دے رکھا تھا۔ اور جن سے اپنے گناہ معاف کرایا کرتے تھے یہی قول صحیح ہے۔ ان کو بعض فرما کر اس جانب اشارہ کیا گیا کہ جب وہ ہمارے ہی ہم جنس ہیں تو ان میں یہ خصوصی شان یا الوہیت کہاں سے آئی۔ **ارباب** **رب** کی جمع ہے بمعنی پالنے والا اور مالک یہاں یا معبود مراد ہیں۔ یا حرام و حلال کے مالک یعنی وہ کلمہ سواء یہ بھی ہے کہ ہمارے بعض یعنی متبعین **بعضوں** یعنی اپنے پیشواؤں کو اللہ کے سوا معبود یا مستقل مالک احکام نہ سمجھیں۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام باذن پروردگار احکام شرعیہ کے بھی مالک بنائے گئے ہیں۔ اور احکام تکوینیہ کے بھی۔ عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا' اندھے' کوڑھے اچھے کرنا۔ یوسف علیہ السلام کی قمیص سے نابینا آنکھ منور ہونا' حضرت ایوب علیہ السلام کے دھوون سے شفاء ہونا۔ صراحتاً" قرآن شریف سے ثابت ہے یہ ہے تکوینی احکام میں ان کے اختیارات۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم** اور فرمایا **ویحرم علیھم الخبائث** اور فرمایا **ولا یحرمون ما حرم اللہ ورسولہ** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے متعلق فرمایا کہ اگر ہم ابھی ہاں کردیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ اور ایک شخص کو اسکا کفارہ کھلادیا۔ حضرت خزیمہ کی گواہی دو کے برابر فرمادی۔ یہ ہے ان حضرات کا تشریعی احکام میں اختیار۔ یہ خداداد اختیارات اس آیت کے خلاف نہیں۔ **فان تولوا فقولوا اشھدوا بانا مسلمون** تولوا کی تحقیق بارہا ہو چکی۔ اس کا فاعل سارے اہل کتاب ہیں۔ **قولوا** میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے خطاب ہے۔ **اشھدو** **شہادت** سے بنا بمعنی گواہ بننا' گواہ رہنا' اور گواہی دینا یعنی پس اگر اہل کتاب تمہاری موافقت سے منہ موڑیں تو اے مسلمانو! ان سے کہہ دو کہ ابھی گواہ بن جاؤ۔ یا قیامت میں گواہی دینا۔ یا گواہ رہو کہ ہم رب تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار بندے ہیں۔ **یا ھل الکتب لم**

www.alahazratnetwork.org

تحاجون فی ابراھیم چونکہ اگلا مضمون نہایت اہم تھا۔ اس لئے دوبارہ اہل کتاب سے خطاب کیا گیا۔ یہاں عیسائی یہودی دونوں مراد ہیں۔ **تحاجون** سے ان کا آپس کا جھگڑا مراد ہے نہ کہ مسلمانوں سے کیونکہ وہ اس وقت آپس میں ہی لڑ جھگڑ رہے تھے۔ فی ابراہیم میں ملت یا دین یا شان پوشیدہ ہے۔ یعنی اے یہود و نصاریٰ تم ابراہیم علیہ السلام کے دین یا ان کی شان میں آپس میں ایک دوسرے سے کیوں جھگڑتے ہو اور ان کے یہودی یا عیسائی ہونے کا کیوں دعویٰ کرتے ہو یہودیت تو توریت کے بعد بنی۔ اور عیسائیت انجیل کے بعد۔ مگر ابراہیم علیہ السلام کا حال یہ ہے۔ **وما انزلت التوریۃ والانجیل الا من بعدہ** چونکہ توریت و انجیل کا نزول ایک بارگی ہوا۔ اس لئے انزلت فرمایا گیا نہ کہ نزلت۔ اور توریت کے بعد علیٰ موسیٰ پوشیدہ ہے۔ یعنی توریت موسیٰ علیہ السلام پر اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر ابراہیم السلام کے بہت بعد اتریں۔ پھر وہ عیسائی یا یہودی کیسے ہوئے۔ **افلا تعقلون** یہ کلام کا خاتمہ ہے۔ جس سے اہل کتاب کی جہالت و حماقت ظاہر کرنا مقصود ہے۔ یعنی تمہیں اتنی بھی عقل نہیں کہ ایسی موٹی بات سمجھ لو۔

خلاصہ تفسیر : اہل کتاب بمقابلہ مشرکین و دیگر کفار کے اسلام سے قریب تھے کہ اللہ کے رسولوں اس کی کتابوں وغیرہ کو مانتے تھے۔ نیز مدینہ منورہ و اطراف مدینہ میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا کہ یہ لوگ اہل علم بھی تھے اور اولاد انبیاء بھی۔ ان کے اسلام قبول کر لینے سے دوسروں کے ایمان لے آنے کی قوی امید تھی۔ اس لئے اس آیت میں خصوصی طور پر اہل کتاب ہی کو دعوت اسلام دی گئی کہ یہ ذریعہ اشاعت اسلام ہے لہٰذا ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ سارے اہل کتاب سے تبلیغی رنگ میں یوں خطاب کریں کہ اے کتابیو! ایسے دین کی طرف آجاؤ جو ہمارے تمہارے درمیان برابر ہے۔ جس میں نو مسلم اور پرانے مسلمان امیر وزیر بادشاہ فقیر، چھوٹے بڑے، کالے گورے، آقا غلام کا کوئی فرق نہیں اور جو افراط و تفریط سے خالی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم رب کے سواء کسی کو نہ پوجیں۔ انبیاء و اولیاء اللہ سب کو اللہ کا بندہ سمجھیں۔ ان میں سے کسی کو معبود نہ بنالیں۔ اور کسی کو خدا کا شریک نہ سمجھیں، نہ بتوں کو نہ چاند سورج کو نہ صلیب کو نہ کسی اور شئی کو۔ نیز کوئی کسی کو خدا کے سواء اپنا رب اور احکام کا مالک نہ بنائے۔ علماء صلحاء سب کو دین کا پیرو کار سمجھیں۔ خیال رہے کہ انسان کے سوا تمام جاندار چیزیں رنگ، شکل، بولی، غذا میں برابر ہیں۔ ہر جگہ کے کوے بکری مینڈک کی غذائیں بولی شکل و صورت میں کوئی فرق نہیں۔ انسان ہی وہ مخلوق ہے جو نہ زبان میں متفق ہے نہ غذا میں۔ نہ شکل و شباہت میں نہ لباس میں ان بکھرے ہوئے لوگوں کو ایک کرنے والا اور ان سب کو ایک جگہ جمع کر دینے والا اگر کوئی ہے تو وہ اسلام ہے۔ اس لئے فرمایا گیا۔ **سواء بیننا و بینکم** اگر وہ لوگ اس سے بھی منہ موڑیں اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ماننے اور صلیب کی پرستش کرنے اور اپنے پادریوں کو احکام کا مالک ماننے پر ضد کریں تو آپ ان سے کہہ دو کہ تم یہاں بھی گواہ بن جاؤ اور آخرت میں بھی گواہی دینا کہ ہم مخلص مسلمان ہیں چونکہ اہل کتاب میں یہ تینوں حرکات تھیں کہ وہ صلیب کی پرستش بھی کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ و مریم کو خدا کا شریک بھی ٹھہراتے تھے کہ انہیں رب کا بیٹا بیوی مانتے تھے اور اپنے پادریوں کو مالک احکام بھی سمجھتے تھے۔ اس لئے یہاں تبلیغ میں ان تین چیزوں کا ذکر ہوا۔ قیامت و فرشتوں وغیرہ کا ذکر نہ ہوا کہ یہ چیزیں تو وہ مانتے ہی تھے۔ کسی کافر کو مسلمان کرتے وقت اس کے کفریات سے توبہ کرانا ضروری ہے۔ دہریہ سے یہ کہلوایا جائے گا کہ خالق ہے، مشرک سے کہلوایا جائے گا کہ خالق ایک ہے۔ مرزائی سے کہلوایا جائے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ عیسائی سے کہلوایا جائے گا کہ حضرت عیسیٰ و

www.alahazratnetwork.org

مریم اللہ کے بندے ہیں۔ اے اہل کتاب تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں آپس میں کیوں جھگڑتے ہو کہ یہودی کہتے ہیں وہ یہودی تھے اور عیسائی کہتے ہیں وہ عیسائی تھے۔ ذرا اتنا تو سوچو کہ یہودیت توریت آنے کے بعد بنی۔ اور نصرانیت نزول انجیل کے بعد ظہور میں آئی۔ اور ابراہیم علیہ السلام ان دونوں سے بہت پہلے گزرے کہ آپ کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے ایک ہزار سال اور عیسیٰ علیہ السلام سے تین ہزار سال پہلے ہے۔ (روح المعانی و بیان وغیرہ) پھر وہ یہودی یا عیسائی کیونکر ہو سکتے ہیں کیا کوئی شخص کتاب آنے سے پہلے اس کی پیروی کر سکتا ہے تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ اتنی موٹی بات سمجھ سکو۔ نہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی بلکہ حنیف و مسلم تھے۔ اسلام ان کی ملت کے موافق ہے۔ اگر تم ان کی پیروی چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ اس آیت میں وہ پیغام ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلاطین روم و شام و فارس وغیرہ کو بھیجتے اور اس کے ذریعہ انہیں دعوت اسلام دیتے تھے۔ چنانچہ آپ نے قیصر شاہ روم کو جو فرمان نامہ بھیجا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ یہ فرمان محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جانب سے شاہ روم ہرقل کی طرف ہے۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت قبول کرلے۔ اے شاہ روم میں تجھے دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آ۔ سلامت رہے گا۔ اسلام لے آ۔ تجھے اللہ دوگنا اجر دیگا۔ اور اگر منہ پھیرے گا تو تجھ پر پیشواؤں کا گناہ ہوگا۔ پھر یا اھل الکتاب سے مسلمون تک آیت تحریر فرمائی۔ جب یہ فرمان شاہ روم ہرقل کے پاس پہنچا۔ تو اس نے حضور علیہ السلام کے حالات دریافت کئے۔ اور بولا کہ اگر میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتا تو ان کے پیر دھوتا۔ بعض روایات میں ہے کہ ان کے قدم چومتا۔ مگر سلطنت کے خوف سے ایمان نہ لایا۔ اسی عظمت کی برکت سے اس کی سلطنت باقی رہی۔ مگر کسریٰ شاہ فارس نے فرمان نامہ کو چاک کر دیا۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ اسی رات وہ قتل کیا گیا۔ اور آتش پرستوں کی سلطنت کا قیامت تک کے لئے خاتمہ ہو گیا۔ اور ان کی جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ایمان احکام سب کے لئے یکساں ہیں کسی کو کوئی خصوصیت حاصل نہیں۔ جیسا کہ **سواء بیننا وبینکم** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: اسلام کے سواء کسی دین میں برابری و مساوات نہیں۔ عیسائیوں میں رسول کو معبود اور امت کو عابد مانا گیا۔ اسی طرح ان کے علما اور رہبان احکام حلال و حرام کے مالک سمجھے گئے کہ جس کے لئے جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام۔ بلکہ عیسائیوں کے گناہ پادری صاحب معاف کریں۔ ان کے ہاں کالے گورے ولایتی دیسی آقا و غلام کا اب تک فرق ہے کہ انگریزوں کے گرجے میں دیسی عیسائیوں کو عبادت کرنے کا حق حاصل نہیں۔ زندگی میں تو کیا مرے بعد بھی یہ متفق نہ ہو سکے۔ انگریزوں کا قبرستان علیحدہ اینگلو انڈین کا گورستان جدا اور چوہڑے چمار عیسائیوں کا قبرستان دوسرا۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز   نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز
مالک و بندہ و محتاج و غنی ایک ہوئے   اس کی سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

دہلی کے لال قلعہ میں کوئی چپڑاسی تھا۔ کوئی وزیر کوئی شہنشاہ کوئی فقیر وہاں سب کے نام بھی الگ تھے اور کام بھی جدا مگر جامع مسجد میں آکر یہ سب فرق اٹھ جاتے تھے نہ نام میں فرق نہ کام میں۔ نام سب کا مسلمان۔ کام سب کے عبادت رحمان و تلاوت قرآن۔ اسلام میں مولوی صاحب و پیر صاحب کسی کے گناہ معاف نہیں کر سکتے۔ بلکہ اپنے گناہوں پر سب شرمندہ ہیں جب حضرت ابو بکر صدیق یہ عرض کرتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

حف عالی یا الٰہی لیس لی خیر عمل　　سوء اعمال کثیر زاد طاعاق قلیل

اور جناب حیدر کرار فرماتے ہیں۔

الٰہی عبدک العاصی اتاک　　مقرا بالذنوب و قد دعا کا

اور غوث الثقلین سرکار بغداد کعبہ معظمہ کی بجری پر منہ مل مل کر کہتے ہیں کہ خدایا مجھے بخش دے اور اگر بخشش کے لائق نہیں ہوں تو مجھے قیامت کے دن اندھا اٹھانا تاکہ نیکوں کے روبرو میں شرمندہ نہ ہوں تو ماوشما کس شمار میں ہیں۔ یہ ہے سلام کی تعلیم اور اس پر بڑے بڑوں کا عمل۔ ترمذی نے عدی ابن حاتم سے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ اتری۔ تو میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ علیہ وسلم ہم عیسائیت میں علماء کی پوجا تو نہ کرتے تھے۔ تو فرمایا کہ کیا وہ تمہارے حرام و حلال کے مالک نہ تھے اور تم ان کے احکام پر عمل نہ کرتے تھے۔ عرض کیا کہ ہاں۔ فرمایا۔ **ربابا من دون اللہ**۔ کا یہی مطلب ہے۔ (روح المعانی) اس کی تفسیر دوسری جگہ یوں کی گئی۔ **اتخذوا احبارھم و رھبانھم اربابا من دون اللہ** تیسرا فائدہ: بزرگان دین سے الزام اٹھانا۔ اور ان کے اوصاف ظاہر کرنا سنت قرآنی ہے۔ دیکھو اہل کتاب نے ابراہیم علیہ السلام پر یہودیت یا عیسائیت کا الزام لگایا۔ رب تعالیٰ نے ان کی صفائی بیان فرما کر انہیں اس الزام سے بری کر دیا ایسے ہی یہود نے سلیمان علیہ السلام کو جادوگری کا الزام لگایا۔ رب تعالیٰ نے ان پر سے یہ الزام دور کر کے ان کی نبوت کا اعلان کیا۔ فرمایا **وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا یعلمون الناس السحر** چوتھا فائدہ: دینی مناظرے اور حقانیت اسلام پر دلائل قائم کرنا کفار کے شبہات کا جواب دینا واجب ہے۔ پانچواں فائدہ: علم تاریخ اعلیٰ علم ہے۔ جس کا جاننا ضروری ہے کہ اس پر بہت سے دینی احکام مرتب ہوئے۔ دیکھو یہاں اہل کتاب کو تاریخی لحاظ سے جواب دیا گیا کہ چونکہ ابراہیم علیہ السلام توریت و انجیل کے نزول سے پہلے گزرے اس لئے وہ یہودی یا عیسائی نہیں ہو سکتے۔ چھٹا فائدہ: اپنے ایمان و نیک اعمال کا لوگوں کو گواہ بنانا چاہئے تاکہ ان کی گواہی قیامت میں کام آئے جب کفار کو اپنے ایمان کا گواہ بنایا گیا تو مسلمانوں خصوصاً حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کو ضرور گواہ بنایا جائے۔ حتیٰ کہ پانی کے قطروں ریت کے ذروں کو اپنا گواہ ایمان بنالے کہ دریا اور جنگلوں میں بھی کبھی بلند آواز سے کلمہ طیبہ پڑھے۔ گواہ بنانے کی تین صورتیں ہیں۔ لوگوں پر اپنا ایمان ظاہر کرے، اپنے کچھ نیک اعمال علانیہ بھی کرے۔ اپنی شکل مسلمانوں کی سی رکھے۔ تاکہ لوگ اس کے ایمان کے گواہ ہوں۔ ساتواں فائدہ: اپنی کچھ نیکیاں علانیہ بھی کرے۔ ہر نیکی چھپا کر ہی نہ کرے، تہجد خفیہ پڑھے مگر نماز پنجگانہ، نماز عید علانیہ پڑھے۔ آٹھواں فائدہ: اسلام و ایمان کبھی ہم معنی ہوتے ہیں کبھی الگ الگ معنی میں یہاں بمعنی ایمان ہے۔

پہلا اعتراض: ان آیتوں میں تین چیزوں کی نفی کی گئی۔ غیر خدا کی عبادت۔ غیر خدا کو شریک جاننا۔ غیر خدا کو رب ماننا۔ ان تینوں میں فرق کیا ہے۔ تینوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں؟ جواب: کسی کو خدا کی ذات یا صفات میں شریک سمجھنا یہ تو ہے شرک اور غیر خدا کی پرستش کرنا اس کے سامنے جھک جانا۔ یہ ہے عبادت غیر اللہ۔ اور کسی کو خدا کی مثل احکام شرعیہ کا مالک بالذات سمجھنا۔ یہ اربابا " **من دون اللہ** کا اختیار کرنا۔ لہٰذا شرک اور اربابا " **من دون اللہ** کا تعلق عقیدہ سے ہے اور عبادت کا تعلق عمل سے۔ جیسے عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا یا اس کی مثل سمجھتے ہیں۔ یہ شرک ہوا۔ پھر ان کا صلیب کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہونا، اسے سجدے کرنا، یہ ہے غیر خدا کی عبادت۔ پھر پادری صاحب کو شرعی احکام کا مالک سمجھنا ان سے اپنے گناہ

www.alahazratnetwork.org

معاف کرانا کہ چھ دن خوب گناہ کئے اور اتوار کے اتوار پادری صاحب کے سامنے ان سب کا اقرار کر لیا انہوں نے کہا جاؤ بیٹا معاف ہیں سب کی معافی ہو گئی یہ اربابا" من دون اللہ کا اختیار کرنا ہے۔ اسلام ان عیوب سے پاک ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کو چھوڑ کر اوروں کو رب ماننا جرم ہے کیونکہ فرمایا گیا ہے۔ اربابا"۔ من دون اللہ تو چاہئے کہ خدا کے ساتھ اوروں کو معبود ماننا جائز ہو کیونکہ وہ ارباب مع اللہ ہوگا۔ نہ کہ من دون اللہ۔ جواب: آیت کا مطلب یہ ہے۔ اربابا" من دون اللہ وحدہ ایک خدا کے ساتھ کسی کو مالک نہ مانو۔ لہذا دوئی توحید کے مخالف ہے اور من دون اللہ میں داخل۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام کے احکام سب کے لئے یکساں ہیں۔ حالانکہ اسلام میں بھی بڑا فرق ہے۔ غریب پر زکوۃ و حج اور حائضہ عورت پر نماز۔ دیوانے پر ساری عبادات فرض نہیں۔ ایسے ہی صحابہ کی معمولی نیکی پر ثواب زیادہ۔ سادات کرام کو زکوۃ کھانا حرام۔ حضرت علی کو فاطمہ زہرہ کی موجودگی میں دوسرا نکاح حرام اور صدیق اکبر کو جنابت کی حالت میں مسجد میں آنا جائز۔ حضرت ابو خزیمہ انصاری کی ایک گواہی دو کی مثل، یہ تمام چیزیں احادیث سے ثابت ہیں۔ پھر احکام اسلام میں برابری کہاں رہی۔ جواب: اسلام میں چار چیزیں ہیں۔ (1) عقائد۔ (2) عبادات۔ (3) معاملات۔ (4) درجات و مقبولیت۔ عقائد میں کوئی فرق نہیں۔ سب پر یکساں واجب ہیں۔ عبادات و معاملات میں ایک حد تک مساوات ہے۔ مگر کہیں کہیں فرق بھی نظر آتا ہے لیکن درجات و مقبولیت میں بہت فرق ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لا یستوی من انفق من قبل الفتح و قاتل یا فرمایا ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ صحابی کا تھوڑے جو خیرات کرنا تمہارے سونے کے پہاڑ کی خیرات سے افضل ہے یہاں اس آیت میں عقائد مراد ہیں نہ کہ احکام۔ اسی لئے یہاں کلمۃ سواء فرمایا گیا نہ کہ ای احکام سواء یا اسلام میں احکام کا فرق بھی دنیوی لحاظ سے نہیں۔ کالے گورے، امیر فقیر شاہ و گدا یکساں قرار دیئے گئے۔ ہاں دینی لحاظ سے ضرور فرق ہے کہ متقی فاسق سے افضل صحابی غیر صحابی سے بڑھ کر، عالم غیر عالم سے بہتر، بخلاف عیسائیوں کے کہ ان میں دنیوی لحاظ سے فرق مراتب تھا۔ غرضیکہ اسلام میں فرق قانون کے ماتحت ہے جو بھی اس قانون کے تحت آئے، درجات حاصل کرے۔ سب سے بڑا درجہ صحابیت ہے جو بھی اسلام قبول کر کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف ہو گیا۔ وہ صحابی بن گیا۔ خواہ جناب ابو بکر صدیق ہوں یا حضرت بلال حبشی یا حضرت سلمان فارسی اور صہیب رومی۔ ولایت ایمان و تقویٰ سے نصیب ہوتی ہے جو ایرانی تورانی ان دونوں صفتوں سے اپنے کو آراستہ کرے وہ ولایت حاصل کر سکتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ الذین امنوا و کانوا یتقون تیسرے یہ کہ سواء بیننا و بینکم سے مراد یہ ہے کہ نو مسلم و پرانے مسلم یکساں ہیں چوتھے یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ان احکام میں توریت و انجیل و قرآن کا اختلاف نہیں۔ توحید میں سب مشترک ہیں۔ پانچویں یہ کہ اس سے عبدیت میں مساوات بیان کرنا مقصود ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک بعض بندے معبود اور بعض عابد ہیں مگر اسلام میں سارے بندے بندے ہیں۔ معبود کوئی نہیں جس کی شرح خود اگلے مضمون نے کر دی۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقلید شرک ہے کیونکہ مقلد عیسائیوں کی طرح اپنے امام کو مالک احکام سمجھتے ہیں کہ حنفی احکام کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف اور دیگر مذاہب والے اپنے اماموں کی طرف کرتے ہیں کہ فلاں چیز اس لئے فرض ہے کہ امام ابو حنیفہ نے فرمایا یہی اربابا" من دون اللہ کے معنی ہیں؟ (غیر مقلد) جواب: معاذ اللہ تقلید کو اس سے کیا تعلق۔ کوئی مقلد کسی امام کو مالک نہیں سمجھتا صرف احکام کا عارف سمجھتا ہے اس کا خیال صرف یہ ہے کہ چونکہ امام اللہ و

www.alahazratnetwork.org

رسول کے فرمان سے واقف ہے ان کے اشاروں سے احکام نکال سکتا ہے۔ اس لئے وہ جو کچھ کہہ رہا ہے قرآن و حدیث سے نکال کر کہہ رہا ہے تم بھی صحابہ کرام کے فرمان پر عمل کرتے ہی ہو تو کیا تم بھی اس میں داخل ہو۔ حنفی یہ نہیں کہتا کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فلاں چیز کو فرض کیا بلکہ کہتا ہے "فرض بتایا"۔ فرض کرنے اور فرض بتانے میں بڑا فرق ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** جاہل غیر مقلد بھی اپنے عالموں کی ہر بات مانتے ہیں۔ کیا وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے صرف ابراہیم علیہ السلام کی براءت کیوں بیان فرمائی۔ دوسرے نبیوں کی براءت کیوں نہ بیان کی۔ **جواب** اس لئے کہ یہود مدینہ اور نجرانی عیسائیوں نے ان ہی کی ذات کریم پر یہودیت یا عیسائیت کا الزام لگایا تھا۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرکین عرب یہود و نصاریٰ کے مانے ہوئے رسول تھے۔ ہر دین میں ان کی تعظیم و احترام تھا اس لئے ہر دین والا یہی کہتا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے تاکہ ان کی نسبت سے ہمارے دین کو قوت پہنچے۔ حتیٰ کہ مشرکین عرب نے حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کے نام کے بت خانہ کعبہ میں رکھے تھے۔ جن کے ہاتھوں میں فال والے تیر دیئے تھے۔ اس لئے یہ یہود و نصاریٰ بھی ان کو اپنے دین کی طرف نسبت دیتے تھے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کو مالک احکام سمجھنا شرک اور **ارباباً من دون اللہ** میں داخل ہے اور عیسائیت کی پیروی۔ (دیوبندی) **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بے شک مالک احکام ہیں۔ جس پر بہت سی آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور علماء کرام کے اقوال گواہ ہیں۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو کیونکہ ان کا فرمان وحی الٰہی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** اگر وہ بالکل غیر مختار ہوں تو ان میں اور علماء مجتہدین میں کیا فرق ہے۔ عیسائیوں نے اپنے عالموں کو مالک احکام مانا۔ جنہوں نے کتاب الٰہی کے خلاف حکم دیئے۔ عیسائیوں نے کتاب کو چھوڑا اور علماء کی بات مانی یہ ہوا **ارباباً من دون اللہ** بنانا اور نبی رب کی طرف سے مالک احکام بنائے گئے۔ فرماتا ہے **ویحرم علیھم الخبائث**۔ نبی گندی چیزیں حرام کرتے ہیں۔ جیسے تم بادشاہوں اور حکام کو دنیوی احکام کا مالک مانتے ہو۔ بتاؤ یہ بھی شرک ہے یا نہیں لہٰذا اس آیت کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسے رب تعالیٰ نے اپنے فضل سے مالک و مختار بنایا ہو اسے بہ عطاء الٰہی مالک و مختار ماننا عین ایمان۔ پہلی قسم کے لوگ من دون اللہ ہیں اور یہ حضرات من جانب اللہ ہیں۔ دیکھو کعبہ کی طرف سجدہ کرنا عین ایمان ہے اور گنگا و صلیب کی طرف سجدہ کرنا سراسر شرک۔ کیوں اس لئے کہ کعبہ معظمہ کو رب نے مسجود الیہ بنایا ہے اور صلیب گنگا کو رب نے مسجود الیہ نہ بنایا سچے نبیوں کو نبی ماننا عین ایمان ہے کہ یہ حضرات نبی اللہ ہیں۔ اور غیر نبی کو نبی مان لینا عین کفر ہے۔ **ساتواں اعتراض:** سنیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے پاک و صاف فرما سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی ظاہری و باطنی گندگیوں کو دور کر سکتے ہیں۔ یہ بھی شرک و کفر ہے عیسائی اپنے گناہ پادریوں سے معاف کراتے ہیں اور مسلمان نبیوں سے۔ یہ عقیدہ بھی **ارباباً من دون اللہ** میں داخل ہے۔ (دیوبندی) **جواب:** بے شک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو گناہوں سے پاک کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کے عذاب سے بچاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم و تزکیھم بھا** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے کر اس کے ذریعہ انہیں پاک و صاف کر دو نیز فرماتا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** فرماتا ہے **ویزکیھم** حضرت ماعز نے ایک گناہ کر کے عرض کیا **طھرنی یا رسول اللہ** حضرت عائشہ

www.alahazratnetwork.org

صدیقہ نے عرض کیا **اتوب الی اللہ ورسولہ** میں اللہ و رسول اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرتی ہوں۔ اگر اس کی تفصیل دیکھنا ہے تو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ میں اپنے حقوق معاف کرکے دوسرے کو اس سے پاک و صاف کر سکتا ہوں۔ اس آیت کو اس مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔ عیسائی رب تعالیٰ کے گناہ اپنے علماء سے معاف کراتے تھے۔ زنا چوری شراب خوری کو پادری صاحب معاف کرتے تھے یہ یقیناً کفر ہوا۔ لیکن اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے رب تعالیٰ کے حقوق معاف ہو جائیں۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جنبش لب سے رب تعالیٰ خود معاف فرمادے تو یہ شرک نہیں۔ نیز حضور علیہ السلام کو اس معافی کا اختیار رب تعالیٰ ہی نے دیا ہے تو حضور علیہ السلام کی معافی رب تعالیٰ کی معافی ہے۔ علماء پر نبیوں کو اور احکام دنیوی پر حقوق اللہ کو قیاس کرنا غلط ہے۔ انہوں نے غیر مختار گنہگار بندوں کو "مستقل مختار مانا" بے ایمان ہوئے۔ مسلمانوں نے حبیب کردگار کو جن کا نام ہی ہے احمد مختار (صلی اللہ علیہ وسلم) باذن الٰہی اور بہ عطائے رب مختار مانا" یہ خلاف توحید نہ ہوا بلکہ توحید کی جان ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام اس لئے یہودی یا عیسائی نہیں ہوسکتے کہ وہ توریت و انجیل سے پہلے گزرے۔ اسی طرح وہ مسلمان بھی نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ نزول قرآن سے پہلے گزرے۔ پھر انہیں قرآن نے حنیف مسلم کیوں فرمایا اگر کہا جائے کہ دین اسلام کے اصول ان کے مطابق ہیں تو عیسائی و یہودی بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے اصول دین ملت ابراہیمی کے موافق ہیں۔ ان کا جواب کیا ہوگا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ توریت و انجیل نے کہیں دعویٰ نہ کیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے اصول دین یہی ہیں۔ یا وہ یہودی یا نصرانی تھے مگر قرآن کریم نے اعلان فرمایا۔ **قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا** اور فرمایا **ان ابراھیم کان حنیفا" مسلما"** لہٰذا اہل کتاب یہ دعویٰ نہیں کرسکتے "مسلمان کرسکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ عیسائیت ہرگز ملت ابراہیمی کے موافق نہیں ہوسکتی کیونکہ اس کی اصل اول الوہیت مسیح اور عبادت مسیح ہے اور ظاہر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نہ مسیح علیہ السلام تشریف لائے تھے۔ نہ ان کی الوہیت کا کوئی معتقد تھا نہ ان کی پوجا ہوتی تھی۔ جب معبود میں فرق ہوگیا تو دین میں اتحاد کیسا۔ ایک عیسائی سے کسی مسلمان نے پوچھا کہ تمہارا دین کامل ہے یا ابراہیم علیہ السلام کا۔ وہ بولا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مسلمان نے کہا غلط ہے ان کا ایمان تمہارے ایمان کا تہائی حصہ ہے کہ مومن وہ تھے اور پورے مومن تم کہ وہ تو ایک خدا کو مانتے تھے اور تم تین خدا کو باپ بیٹا روح القدس اس پر عیسائی خاموش ہوگیا۔ نیز یہود پر ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے وہ تکالیف لازم کی گئیں جو ان سے پہلے نہ تھیں۔ نیز نہ اس وقت حضرت عزیر علیہ السلام پیدا ہوئے تھے۔ نہ ان کی پوجا ہوتی تھی اور نہ کسی نے انہیں ابن اللہ کہا تھا۔ یہودیت اور ملت ابراہیمی عقیدہ الوہیت میں مختلف ہیں بخلاف اسلام کے کہ اس طرح کے یہ اصولی اختلاف نہیں۔ نیز عیسائیوں یہودیوں کا قبلہ بیت المقدس کی تعمیر کرنے والے حضرت سلیمان پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ حضرت سلیمان جناب خلیل سے قریباً" تین ہزار سال بعد پیدا ہوئے۔ نیز حج جناب خلیل کی ملت کی اعلیٰ عبادت تھی جو نہ یہود کے دین میں ہے نہ عیسائیوں کی ملت میں۔ تیسرے یہ کہ جڑ کا پتہ پھل سے لگتا ہے اور اصول دین کا پتہ اعمال سے۔ اسلام کے اعمال ملت ابراہیمی کے موافق ہیں اور دیگر ادیان اس کے خلاف۔ حج 'ختنہ داڑھی' موئے زیر ناف کا لینا یہ سب ملت ابراہیمی کے مسائل ہیں جو اسلام میں رائج ہیں تمہارے ادیان ان سب چیزوں سے خالی ہیں۔ معلوم ہوا کہ صرف دین اسلام ملت ابراہیمی کے موافق ہے نہ کہ یہودیت و نصرانیت۔ چوتھے یہ کہ سارے پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** لہٰذا صرف ابراہیم علیہ السلام ہی نہیں بلکہ

www.alahazratnetwork.org

اس معنی میں سارے پیغمبروں کو مسلم کہا جاسکتا ہے نہ کہ یہودی و عیسائی۔ پانچویں یہ کہ حنیف کے معنی ہیں جھوٹے دینوں سے منہ پھیرنے والا۔ اور مسلم کے معنی ہیں اطاعت شعار نہ کہ اصطلاحی مسلمان۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العلمین** نصرانی کے لغوی معنی ہیں عیسیٰ علیہ السلام کی امداد کرنے والا یا ناصرہ کا رہنے والا۔ لہذا ابراہیم علیہ السلام لغوی معنی میں مسلم ہیں مگر یہودی یا عیسائی کسی طرح نہیں۔ نواں اعتراض: اس آیت میں یہود و نصاریٰ کو ہمارے اسلام پر گواہ بنایا گیا کہ ارشاد ہوا **فقولوا اشهدوا بانا مسلمون** حالانکہ وہ کفار ہیں اور کفار کی گواہی مسلمانوں پر شرعاً معتبر نہیں۔ پھر اس آیت کا مطلب کیا۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ گواہی قیامت سے متعلق ہے۔ یعنی اے اہل کتاب تم قیامت میں ہمارے اسلام کی گواہی دینا جیسا کہ ہم تمہارے کفر کی گواہی دیں گے۔ وہاں کفار کی گواہی مسلمان کے موافق قبول ہوگی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جہاں تک موذن کی اذان کی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کی ہر چیز اس کے ایمان کی گواہی دے گی۔ ہر چیز میں اس علاقہ کے کفار بھی داخل ہیں۔ یہ بھی مسلمانوں کے ایمان کی گواہی دیں گے' قیامت میں کفار تو اپنا کفر چھپائیں گے بلکہ اس سے انکاری ہو جائیں گے۔ کہ کہیں گے **والله ربنا ما كنا مشركين** اور مسلمان ان کے خلاف گواہی دیں گے کہ یہ کفار تھے ان کا کفر ہم نے دیکھا تھا۔ مگر مسلمان اپنے اسلام کے اقراری ہوں گے۔ قبر میں بھی قیامت میں بھی اور کفار سے ان کے ایمان کی گواہی لی جائے گی تو مسلمانوں کی گواہی کفار کے خلاف ہوگی۔ اور کفار کی گواہی مسلمانوں کے حق میں لہذا **اشهدوا** نہایت ہی درست و صحیح ہے۔ اگر مسلمان ان سے یہ نہ بھی کہیں۔ تب بھی انہیں گواہی دینا پڑے گی۔ یہ کہنا اہمیت کے لئے ہے۔ دوسرے یہ کہ کفار کی گواہی کفار کے مقابل اور مسلمانوں کے موافق قبول ہوتی ہے اگر مسلمان مدعی اور کافر مدعی علیہ ہو اور اس مدعی علیہ کا ہم مذہب مسلمان کے حق میں گواہی دے تو مانی جائے گی۔ یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں شہادت سے اصطلاحی معنی مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ اچھا تم اقرار کرلو کہ ہم دین حق پر ہیں۔ مسلم ہیں اور تم کافر ہو۔ گویا ان سے اپنی بے ایمانی کا اقرار کرانا منظور ہے۔ چوتھے یہ کہنا اس سے اپنی پختگی اور اہل کتاب کی کمزوری کا اظہار مقصود ہے۔ چوتھے یہ کہ اس سے اپنی پختگی اور اہل کتاب کی کمزوری کا اظہار مقصود ہے۔ شہادت بمعنی معائنہ ہے یعنی دیکھ لو ہم مسلمان ہیں۔ تمہاری طرح اپنے دین کو چھپاتے نہیں۔ تم میں صدہا منافق ہیں جو اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے ہیں۔ ہم میں ایسا کوئی نہیں۔ جو اپنے کو یہودی ظاہر کرے۔ تمہارا اپنے دین کو چھپانا اپنی کمزوری کا اقرار ہے۔ اور ہمارا اسلام کو ظاہر کرنا اپنی قوت کا اعتراف مسلم بمعنی کھلا مومن۔

تفسیر صوفیانہ : تمام آسمانی ادیان طریقہ عبادت میں مختلف ہیں مگر عبودیت سب کی ایک گویا شریعتیں جداگانہ ہیں اور طریقے متحد اسی لئے ارشاد ہوا۔ **تعالوا الى كلمة سواء** طریقہ تقرب میں اختلاف ہے اور قرب میں اتحاد اور مشترک چیز یہ ہے کہ ہم عبادت میں سواء رضاالٰہی کے اور کچھ طلب نہ کریں۔ رب سے رب ہی مانگیں نہ کہ غیر رب۔ نیز طلب رزق میں اسباب و وسائل پر توجہ نہ کریں اور کسی کو اپنا رب نہ مانیں۔ اگر کفار اس قاعدہ سے منہ پھریں تو تم انہیں اپنی اطاعت فرمانبرداری توحید' اخلاص اور شرک جلی و خفی سے براءت سے گواہ بنالو تاکہ قیامت کے دن وہ تمہارے اسلام و توحید پر گواہ ہوں۔ اور تم ان کے کفر و شرک پر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ جب تم جنگل میں ہو اور نماز کا وقت آجائے تو بلند آواز سے اذان کہو۔ کیونکہ جہاں تک تمہاری آواز پہنچے گی۔ وہاں تک کے جن و انس شجر و حجر

اور ساری چیزیں قیامت میں تمہارے ایمان کی گواہی دیں گی۔ الناس کے عموم سے معلوم ہوا کہ کفار بھی مسلمانوں کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ توحید اصل اصول ہے اور مضبوط رسی۔ یہ عالم غیب سے اس کو ملتی ہے۔ جس پر رب تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے۔ وہ ابراہیم علیہ السلام جو انبیاء کرام کے والد ماجد ہیں۔ اور جن کے گھر کی یہ ساری بہار ہے۔ کیونکر ممکن ہے کہ وہ توحید کو چھوڑ کر یہودی یا نصرانی رہے ہوں۔ یہودیت اور نصرانیت جہالت اور گمراہی کا نتیجہ ہیں۔

حکایت : مولانا جامی قدس سرہ نے بہت پر لطف واقعہ بیان فرمایا۔

پیش کسریٰ ز خردمند حکیماں می رفت — سخن از سخت ترین موج دریں لجۂ غم
آں یکے گفت کہ بیماری و اندوہ دراز — واں دگر گفت کہ ناداری و پیری است بہم
سیومے گفت کہ قرب اجل و سوئے عمل — عاقبت رفت بترجیح سوم حکم حکم

یعنی نوشیرواں بادشاہ کی مجلس میں تین حکیم جمع تھے۔ رومی' ہندی اور بزر جمہر۔ مسئلہ یہ چھڑا کہ دنیا میں سب سے بڑی مصیبت کونسی ہے۔ حکیم رومی بولا کہ بڑھاپے اور فقیری کا اجتماع۔ حکیم ہندی نے کہا کہ نہیں بلکہ بیماری' ناداری اور رنج و غم میں گرفتاری۔ بزر جمہر بولا نہیں بلکہ سخت مصیبت قرب اجل اور سوء عمل ہے۔ یعنی موت کا قریب اور بد عملی۔ آخر سب نے بزر جمہر کی رائے سے اتفاق کیا۔ عاقل کو چاہئے کہ مٹی میں جانے سے پہلے عمل کا راستہ اختیار کرے۔ (روح المعانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین کی حقانیت کی دلیل یہ ہے کہ اس دین میں اللہ کے مقبول رہے ہوں۔ اور موجود ہوں۔ مقبولین بارگاہ حقانیت ملت کی زندہ دلیلیں ہیں اور بے دینوں کا طریقہ یہ ہے کہ جب اس طرح اپنی حقانیت ثابت نہیں کر سکتے تو خواہ مخواہ بزرگوں پر الزام لگاتے ہیں کہ وہ ہمارے دین میں تھے۔ آج بھی وہابی' شیعہ وغیرہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی اور غوث پاک وہابی تھے' وغیرہ وغیرہ۔ جب یہ لوگ اس قسم کی رکیک حرکت کریں تو ان بزرگوں کی تعلیم ان بے دینوں پر پیش کرو۔ پھر کہو کہ تم اس تعلیم پر نہیں۔ تو وہ تم میں سے کیسے ہوئے مثلاً حضور غوث پاک فرماتے ہیں کہ تمام عالم پر ہماری نظر ہے یا فرماتے ہیں کہ ہر زمانہ اور وقت ہم سے اجازت لے کر گزرتا ہے۔ یا فرماتے ہیں مصیبت کے وقت نماز اسرار یعنی نماز پڑھو۔ جس میں سرکار بغداد سے استعانت ہے۔ یہ چیزیں وہابیوں کے ہاں شرک ہیں' پھر اے وہابیو! تم غوث پاک کے طریقہ پر کب ہوئے۔ جیسے یہود و عیسائی طریقہ ابراہیمی پر نہیں کہ ان کے عقائد و عبادات جناب خلیل سے جدا ہیں۔

هَاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ

خبردار تم وہ ہو کہ جھگڑا کرتے ہو بیچ اس کے کہ واسطے تمہارے اس کا علم ہے پس کس لئے جھگڑتے ہو تم

سنتے ہو یہ جو تم ہو اس میں جھگڑے جس کا تمہیں علم تھا تو اس میں کیوں جھگڑتے ہو جس کا تمہیں

عِلْمٌ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا

بیچ اس کے کہ نہیں ہے واسطے تمہارے اس کا علم اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے نہ تھے ابراہیم یہودی اور نہ عیسائی

علم ہی نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ابراہیم نہ یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ ہر باطل سے جدا مسلمان

www.alahazratnetwork.org

وَلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۗ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾

اور لیکن تھے وہ باطل سے مائل مسلمان اور نہ تھے وہ مشرکوں میں سے

تھے اور مشرکوں سے نہ تھے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کی بے علمی بتائی گئی کہ یہ تاریخ سے ناواقف ہیں۔ اب ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کا بیان ہے کہ انہیں ہر بات میں اڑنے کی عادت ہے خواہ خبر ہو یا شر ہو۔ گویا ایک عیب کے بعد ان کا دوسرا عیب بیان کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کے جھگڑے کی ایک وجہ بیان کی گئی تھی یعنی لاعلمی۔ اب دوسری وجہ بیان ہو رہی ہے۔ یعنی عناد اور ہٹ دھرمی گویا ان کی ضد نامعلوم باتوں پر ہی موقوف نہیں۔ بلکہ جو جانتے ہیں اس کا بھی بلاوجہ انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ اے مسلمانو! یہ مت سمجھنا کہ تم سے یہ محققانہ جواب سن کر خاموش ہو جائیں گے۔ نہیں بلکہ یہی کہے جائیں گے کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ **تیسرا تعلق**: کسی بزرگ سے فیض نہ لینے کی دو وجہیں ہوتی ہیں جہالت اور ضد۔ جاہل اور ضدی ہر جگہ سے محروم لوٹتا ہے۔ وہی ڈول کنوئیں سے پانی لاتا ہے۔ جو خالی جائے جو پہلے ہی پیشاب سے بھرا ہو وہ کنوئیں کو بھی گندہ کرے گا پانی مطلقاً نہ لائے گا۔ پچھلی آیت میں علماء یہود کی جہالت کا ذکر تھا۔ اب ان کی ضد و عناد کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمانوں کو سمجھایا جائے کہ اگر ان بدنصیبوں پر تمہارے پانی کا اثر نہ ہو تو تم ملول نہ ہو۔ اس کی وجہ تمہاری تبلیغ کی کمی نہیں بلکہ وجہ ان کی اپنی عدم قابلیت ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السلام سے یہودیت اور نصرانیت کا الزام نفیس طریقہ سے دور کیا گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ کون تھے اور ان کا دین کیا تھا۔ گویا پہلے عیوب کی نفی تھی۔ اب صفات کا ثبوت۔

تفسیر : **ها انتم هولاء حاججتم فيما لكم به علم** ها حرف تنبیہ ہے اور انتم مبتدا هولاء خبر اول حاججتم خبر دوم۔ بعض نے فرمایا کہ انتم سے پہلے یا پوشیدہ ہے اور انتم اس کا منادا (خازن)۔ اخفش نے کہا کہ یہ اصل میں انتم تھا ہمزہ استفہامیہ ھ سے بدل گئی جیسے ارقت سے ہرقت اور الف زائدہ ہے **هولاء** اسم اشارہ ہے اور بعض کے نزدیک اصل میں اولاء بمعنی الذی اور ھا زائدہ ہے اور حاججتم اس کا صلہ لہٰذا اس جملہ کے چند معنی ہوں گے انتم میں یہود و نصاریٰ دونوں سے عتاب خطاب ہے یعنی خبردار تم ایسے بے وقوف ہو کہ اب تک اس میں تو جھگڑتے رہے جس کا تمہیں علم تھا یا کیا تم وہ لوگ ہو کہ اب تک تم نے اپنی معلومات کے بارے میں جھگڑا کیا۔ یا کیا تم وہ جھگڑالو ہو کہ تم اپنی جانی ہوئی باتوں پر جھگڑے۔ خیال رہے کہ یہاں ما سے مراد یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات اور علم سے مراد توریت و انجیل کا علم یا ما سے مراد حضرات موسیٰ علیہ السلام کے حالات ہیں۔ اور علم سے یہود کا او عائی علم مراد۔ یعنی نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جن کی حقانیت کا علم تمہیں توریت و انجیل سے دیا گیا۔ تم نے اسے بھی کہاں مانا جھگڑتے ہی رہے۔ یا موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام جن کے حالات جاننے کے تم مدعی ہو تم نے ان کے بارے میں جھگڑا ہی کیا۔ **فلم تحاجون فيما ليس لكم به علم** یہاں ما سے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے حالات مراد ہیں اور **ليس لكم به علم** سے ان کے او عائی علم کی نفی ہے یا توریت و انجیل میں مذکور ہونے کی

www.alahazratnetwork.org

نفی یعنی تو تم ان کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو جن کے علم کا تمہیں دعویٰ بھی نہیں یا جن کا ذکر توریت و انجیل میں نہیں ہے۔ بے خبر آدمی کا جھگڑا کرنا اس کی انتہائی حماقت کی دلیل ہے۔ **واللہ یعلم وانتم لا تعلمون** یعلم اور تعلمون کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اللہ ابراہیم علیہ السلام کے حالات ان کے دین ان کی عبادات کو جانتا ہے کہ ان کا خالق ہے۔ تمہیں ان چیزوں کی کوئی خبر نہیں کیونکہ توریت و انجیل میں ان کا ذکر ہی نہیں۔ تو تمہارے واسطے ذریعہ علم کیا رہا۔ ان کی جہالت ظاہر فرما کر اب اس کا فیصلہ کیا جا رہا ہے کہ **ما کان ابراھیم یھودیا ولا نصرانیا** خیال رہے کہ اس آیت میں ابراہیم علیہ السلام سے یہودیت اور نصرانیت کی نام کے لحاظ سے بھی نفی کی گئی اور کام کے لحاظ سے بھی۔ یعنی نہ وہ عقائد میں یہودی و عیسائی تھے اور نہ اعمال میں۔ نہ کام میں اس لئے کہ یہ عقائد یہ اعمال یہ نام ان کے بعد کی پیداوار ہیں۔ کیونکہ یہودی یا تو یہودا کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے یہودی کہلاتے ہیں یا گائے کی پوجا سے توبہ کرنے کی وجہ سے اور ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں نہ یہودا پیدا ہوئے تھے نہ توبہ کا یہ واقعہ ہوا تھا۔ ایسے ہی نصرانی یا نصران میں رہنے کی وجہ سے نصرانی کہلائے یا عیسیٰ علیہ السلام کی امداد کرنے کی وجہ سے اور ابراہیم علیہ السلام نہ نصران کے باشندے تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار پھر وہ نصرانی کیسے ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا فیصلہ یہ ہے کہ **ولکن کان حنیفا مسلما** حنیف کی تفسیر سورہ بقرہ میں **قل بل ملۃ ابراھیم حنیفا** کی تفسیر میں گزر گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ عربی میں حنیف کے معنی ہیں جھکنا اور جنت کے معنی ہیں ہٹنا۔ دور رہنا۔ حنیف کے معنی ہیں ہر برائی سے دور اور ہر برے سے دور۔ حضرت ابراہیم برے عقائد، برے اعمال برے خیالات، برے حالات غرضیکہ ہر اندرونی بیرونی، چھوٹی بڑی ذاتی عارضی برائیوں سے دور تھے اور ہر برائی ان سے دور تھی۔ اس طرح وہ جناب ہر قسم کے برے لوگوں سے دور تھے۔ حتیٰ کہ بروں کے ملک سے بھی ہجرت کر گئے۔ چونکہ عیبوں سے صفائی پہلے ہے۔ خوبیوں سے متصف ہونا بعد میں اسی لئے رب تعالیٰ نے پہلے انہیں حنیف فرمایا۔ پھر مسلم۔ مسلم یا بمعنی مسلمان ہے۔ یا بمعنی مطیع فرمانبردار۔ اطاعت و فرمانبرداری چند قسم کی ہوتی ہے جانی اطاعت، مالی اطاعت، حضرت ابراہیم نے یہ ہر اطاعت کامل طور پر کی۔ جان نمرودی آگ میں ڈالی، بیٹے کو پہلے خشک جنگل میں چھوڑا پھر ذبح کرنے کے لئے تیار ہو گئے۔ رب کے لئے وطن چھوڑا۔ سارا مال اس کے نام پر قربان کر دیا۔ اس لئے آپ کو مسلم فرمایا گیا یعنی ابراہیم علیہ السلام ہر بے دینی سے دور اور بے عقیدے سے نفور اور رب تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ یہاں کان فرما کر بتایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بچپن میں جوانی میں بڑھاپے میں وحی سے پہلے اور نزول وحی کے بعد غرضیکہ زندگی کے ہر حصہ میں حنیف بھی تھے مسلم بھی اور زندگی کے کسی حصہ میں یہودی، عیسائی، مشرک نہ رہے وہ پیدائشی صاف ستھرے طیب و طاہر تھے حالانکہ ان کا ماحول گندہ تھا مگر خود ستھرے تھے۔ جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سخت گندے ماحول میں رہ کر صاف ستھرے رہے اور اس کے ساتھ ہی **وما کان من المشرکین** یا تو یہ عطف تفسیری ہے اور حنیف و مسلم کا بیان۔ اس صورت میں مشرکین سے مراد عیسائی یہودی ہوں گے کیونکہ یہ صلیب وغیرہ کے پجاری ہیں اور عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو خدا کا شریک مانتے ہیں یا علیحدہ مضمون ہے۔ اس صورت میں مشرکین سے کفار عرب مراد ہوں گے یعنی نہ وہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ بت پرست مشرک۔ کیونکہ یہ چیزیں اسلام اور اطاعت کے خلاف ہیں وہ ان سب سے جدا پکے مسلمان تھے لہٰذا تم دونوں جھوٹے ہو۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے اہل کتاب اسلام کی حقانیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت جس کا تمہیں پورا یقین ہے۔ اور جس کی گواہی توریت و انجیل دے رہی ہیں۔ تم نے اس کا اقرار کیا توریت و انجیل میں رب کی وحدانیت کا اعلان ہے مگر تم نے دو تین خدا مان لئے اور موحدین سے جھگڑتے رہے۔ توریت و انجیل میں اعلان ہے کہ حضرت عیسیٰ و مریم رب کے بندے ہیں تم نے انہیں رب کی بیوی بچے کہا اور مسلمانوں سے جھگڑے۔ بلکہ تم نے خود موسیٰ علیہ السلام سے جھگڑے کئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے مخالفتیں کیں۔ ہمیشہ جھگڑتے ہی رہے۔ تو اب ابراہیم علیہ السلام کے دین اور ان کی ملت کے بارے میں کیوں جھگڑتے ہو نہ اس کا تمہیں علم ہے اور نہ توریت و انجیل میں ان کا ذکر۔ اس کی خبر اللہ ہی کو ہے جو ان کا خالق و مالک ہے۔ تمہیں کیا پتہ تمہارے علم کا ذریعہ صرف توریت و انجیل تھیں جو وہ ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خاموش ہیں تو تم کیوں لڑتے مرتے ہو۔ ہم سے سنو کہ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ بت پرست وہ ان تمام دینوں سے دور اور ان تمام بیہودگیوں سے نفور مخلص اللہ کے سچے فرمانبردار بندے تھے۔ اور یہ کیونکر ممکن ہے کہ وہ ان میں سے ہوتے کیونکہ یہ عقیدے یہ کام ان کے بعد کی پیداوار ہیں الوہیت مسیح و عزیر کا عقیدہ ان کے زمانہ میں کہاں سے آیا صلیب کی پوجا بیت المقدس کی طرف نماز ان کے زمانہ میں کہاں تھی۔ بیت المقدس کی یہ عمارت ان سے بہت بعد تعمیر ہوئی صلیب وغیرہ جب کہاں تھی۔ ایسے ہی یہودی اور نصرانی نام اس زمانہ میں تھے ہی نہیں۔ یہوذا کے بعد یہودی بنے اور عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار نصرانی کہلائے۔ جب ان کے زمانہ پاک میں نہ یہود تھے نہ عیسیٰ علیہ السلام تو ان کا یہ نام کہاں سے آیا۔ نیز وہ شرک و بت پرستی مٹانے کے لئے آئے تھے اسی پر نمرود سے مقابلہ کیا۔ اسی بنا پر آگ میں ڈالے گئے پھر یہ کیونکر ممکن تھا کہ خود ہی شرک کرتے۔ لہٰذا تمہارا یہ قول عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین چیزوں کی نفی کی گئی۔ یہودیت' نصرانیت' شرک اور دو چیزیں آپ کے لئے ثابت کی گئیں۔ حنیف ہونا' مسلم ہونا' نفی کی تین چیزوں کے لئے دو جگہ ما کان ارشاد ہوا۔ اور ما کان من المشر کین میں یا تو مشرکین مکہ کی تردید ہے جو حضرت ابراہیم کو مشرک کہہ کر اپنے دین ابراہیمی پر کہتے تھے اور یا خود یہود و نصاریٰ کی تردید ہے یعنی نہ تو ابراہیم اصلی یہودی و عیسائی تھے جن میں توحید تھی اور نہ موجودہ یہودیت و عیسائیت پر تھے جس میں شرک و بت پرستی ہے کہ تم لوگ مشرک ہو چکے وہ جناب مشرکین میں سے نہ تھے۔

لطیفہ : حضرت قبلہ شاہ سید محمد صاحب محدث کچھوچھوی دام ظلہم کی ایک شیعہ سے اس پر گفتگو ہوئی کہ سنی اور شیعہ میں کون مذہب پرانا ہے۔ محدث صاحب نے فرمایا کہ پرانا مذہب سنی ہی ہے۔ اس لئے کہ اس کا نام ہے اہل سنت والجماعت جس سے سنت رسول اللہ اور جماعت مسلمین دنیا میں قائم ہوئی تب ہی سے یہ مذہب آیا تمہارا نام ہے اثنا عشریہ یعنی بارہ امام والے جب بارہ امام ہوئے تو تم بنے اور یقینی بات ہے کہ یہ بارہ امام عرصہ بعد پیدا ہوئے لہٰذا تمہارا دین بھی پیچھے ہی ہے۔ تمہارا نام تمہاری تاریخ کا پتہ دے رہا ہے۔ اس طرح ہر دین کے نام سے اس کی تاریخ کا پتہ چلالو۔ عبدالوہاب سے وہابی بنے یعنی ان کی پیداوار بارھویں صدی میں ہے۔ عبداللہ چکڑالوی سے چکڑالوی فرقہ بنا یعنی ان کی پیداوار گیارھویں صدی میں ہے۔ مرزا قادیانی سے قادیانی بنے۔ یعنی ان کی پیداوار تیرھویں صدی میں ہے۔ دیوبندی تو وہابیوں کی ہی دم ہیں۔ انہیں کے ساتھی۔ غرضیکہ ہر مذہب کی تاریخ اس کے نام سے معلوم کرو البتہ سنی وہ فرقہ ہے جو سنت رسول اللہ سے بنا۔ خیال رہے کہ حنی'

www.alahazratnetwork.org

شافعی' مالکی' عقائد کا نام نہیں فروعی اعمال کا نام ہے۔ یہ سب عقائد میں سنی ہیں۔ فروعی اور اجتہادی اعمال میں حنفی اور شافعی ہیں۔ ایسے ہی چشتی اور قادری وغیرہ عقائد میں سب سنی ہیں روحانی اعمال کے لحاظ سے یہ چشتی اور قادری ہیں۔ خیال رہے کہ سنت کی دستگیری فرائض سے پہلے ہے۔ پیدا ہوتے ہی بچہ کو اذان سنت' عقیقہ سنت' ختنہ سنت' تعلیم و تربیت سنت اور بالغ ہونے کے بعد نماز فرض۔ اس لئے ہمارا نام اہل سنت ہے نہ کہ اہل فرض' نیز مرتے ہی فرائض علیحدہ ہو جاتے ہیں مگر سنت مصطفیٰ قبر میں ساتھ جاتی ہے۔ قبر کی گہرائی سنت کفن کی مقدار سنت بعد دفن فاتحہ سنت و ایصال ثواب سنت۔ لہذا ہم پیدائشی سنی ہیں اور مرے بعد بھی سنی۔ اللہ تعالیٰ اس سنت والے کے زیر سایہ رکھے (صلی اللہ علیہ وسلم) غرضیکہ ہمارا نام بھی ہماری تاریخ بتا رہا ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رب کی بارگاہ میں وہ بندہ مقبول ہے جو خالص مخلص ہو۔ جس میں برائی کا گھول میل نہ ہو۔ خالص دودھ' خالص گھی' خالص سونا اچھا۔ ایسے ہی خالص مومن اچھا جس کے دل میں ہر برائی سے دوری اور ہر برے سے نفرت ہو۔ آج ہم مسلمانوں میں بے دینوں سے نفرت نہ رہی' ہر ایک کو اپنا بھائی سمجھنے لگے۔ یہ حنیف کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ حنیف و مسلم بنائے۔ دوسرا فائدہ: پچھلوں کا اثر اگلوں میں نہیں پڑتا ہاں اگلوں کا پچھلوں پر پڑ جاتا ہے۔ ہم لوگ ابراہیمی ہیں۔ کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہم سے پہلے گزرے مگر ابراہیم علیہ السلام یہودی یا عیسائی یا نصرانی نہیں۔ کیونکہ یہ چیزیں ان کے بعد کی ہیں۔ تیسرا فائدہ: حنفیوں کی احادیث بہت کم ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ احادیث میں ضعف اسناد سے پیدا ہوا۔ اور جس راوی کی شرکت سے وہ حدیث ضعیف ہوئی' وہ امام اعظم ابو حنیفہ سے کہیں بعد میں گزری۔ لہذا امام صاحب کے زمانہ میں یہ حدیث صحیح تھی۔ ہمیں ضعیف ہو کر ملی۔

لطیفہ : ایک سنی کا کسی وہابی سے قراءت خلف الامام پر مناظرہ ہوا سنی نے کہا کہ حدیث شریف میں ہے قراءۃ الامام لہ قراءۃ یعنی امام کی قراءت مقتدی کی قراءت ہے وہابی بولا یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ اس کی اسناد میں جابر جعفی ہیں' جو ناقابل اعتبار شخص تھا سنی نے پوچھا کہ جابر جعفی کب پیدا ہوا 250ھ میں۔ سنی نے کہا کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے وقت میں جابر اپنے والد کی پشت میں بھی نہ آیا ہو گا کیونکہ امام صاحب کی وفات 150ھ میں ہے اس وقت یہ حدیث صحیح تھی ہمیں ضعیف ہو کر ملی۔ ہو سکتا ہے کہ جس حدیث کو امام بخاری یا ترمذی ضعیف فرمادیں' وہ حضرت امام کے وقت میں صحیح ہو۔ لہذا اس کا امام صاحب پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا۔ وہابی خاموش ہو گیا۔ نوٹ ضروری: اہل سنت کو یہ قاعدہ خوب یاد رکھنا چاہئے بہت فائدہ مند ہے۔ چوتھا فائدہ: دینی مسائل پر علمی و عقلی دلائل قائم کرنا اور مخالفین کے شبہات کا رد کرنا اشد ضروری ہے اور باعث ثواب ہے جیسا کہ ان آیات میں کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: بغیر علم مناظرہ و مجادلہ کرنا سخت برا ہے۔ جاہل اگر اتفاقاً" حق بات بھی کہہ جائے تب بھی خطا کار ہے۔ کیونکہ اگر اسے بغیر علم مسائل بیان کرنے کی ہمت ہو گئی تو بارہا غلطی کر کے لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کو بغیر علم مناظرہ کرنے پر ملامت فرمائی۔ مناظرے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے اور اپنے مقابل کے مذہب سے بخوبی واقف ہو۔ (از احکام القرآن)۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب صاحب علم تھے اور ان کے علمی مناظرے درست و جائز تھے کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ نے ان کے متعلق دو باتیں فرمائیں ایک اپنی معلومات پر مناظرہ کرنا۔ اس پر کوئی ملامت نہ کی۔ دوسرے بغیر علم کج بحثی کرنا۔ اس پر ملامت کرتے ہوئے فرمایا۔ **فلم تحاجون** کیا یہ درست ہے؟ **جواب:** اس کے نفیس جوابات تفسیر میں گزر گئے کہ علم سے ان کے لوعائی علم مراد ہے یا وہ چیزیں جو توریت و انجیل میں جن کا ذکر ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ یا حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام کے حالات۔ لہٰذا اس سے ان کی تعریف مقصود نہیں بلکہ ان پر ملامت منظور ہے۔ یعنی جن چیزوں کا تمہیں علم دیا گیا۔ تم نے انہیں بھی قبول نہ کیا ان میں کج بحثی کی۔ اس لئے حاججتم فرمایا گیا۔ کیونکہ جانی پہچانی بات کو نہ مان کر اس پر کج بحثی کرنا اور بھی زیادہ برا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام مسلم تھے اور ان کا دین اسلام تھا۔ کیا ان کا دین صرف اصول عقائد میں اسلام کے مطابق تھا یا اصول و فروع سب میں۔ اگر صرف اصول میں تھا تو وہ یہودی و نصرانی بھی تھے۔ کیونکہ اصول عقائد میں سارے پیغمبر یکساں ہیں اور اگر فروع میں بھی اسلام کے موافق تھے تو ظاہر ہے کہ اسلامی نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے ان کی نماز میں یہ نہ تھا کیونکہ اس وقت قرآن اترا ہی نہ تھا۔ اسی طرح اسلام میں حدیث پاک کا درس، تلاوت قرآن کی مجالس عبادت میں اس زمانہ میں نہ تھے۔ پھر ان کے مسلم ہونے کے کیا معنی؟ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب سورۂ بقرہ **قل بل ملة ابراهیم حنیفا** کی تفسیر میں گزر گیا یہاں اتنا سمجھ لو کہ موجودہ یہودیت و عیسائیت اصولاً بھی دین ابراہیمی کے خلاف ہے نہ کہ اصلی دین موسوی و عیسوی۔ لہٰذا ابراہیم علیہ السلام اصولاً مسلم تھے۔ نہ یہودی و عیسائی۔ کیونکہ وہ نہ الوہیت مسیح کے معتقد تھے نہ صلیب کے پجاری۔ یا یہ کہ ابراہیم علیہ السلام سارے اصول اور اکثر فروع میں اسلام کے موافق تھے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان ہو چکا۔

تفسیر صوفیانہ: علم مفید بھی ہے۔ مضر بھی۔ جس علم سے ہدایت ملے۔ دل میں اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ عبادت کا شوق اس میں تصوف کی چاشنی ہو، وہ مفید ہے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا۔

کہ بے علم نتواں خدارا شناخت

جس علم سے کج بحثی، ضد، ہٹ دھرمی پیدا ہو اور جس میں تصوف کی چاشنی نہ ہو۔ وہ سخت نقصان دہ اسی کے بارے میں فرمایا گیا۔ **العلم حجاب اکبر** علم بڑا پردہ ہے۔ فرشتوں اور آدم علیہ السلام کا علم مفید تھا۔ اور ابلیس کا علم مضر۔ علم و عقل گویا جنگی ہتھیار کافر کے ہاتھ میں آجائیں تو مومن و ایمان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ ہتھیار ایک ہے مگر استعمال کرنے والے دو۔ یونہی علم و عقل اگر دل و روح کے قبضہ میں رہیں تو ان سے نفس و نفسانیات شکار کئے جاتے ہیں اور اگر خدا نہ کرے نفس و شیطان کے قبضہ میں آجائیں تو یہ ایمان کا صفایا کر دیتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کے علم و عقل ان کے نفس کے قبضہ میں تھے۔ اس لئے ان سے ایسی حرکات سرزد ہوئیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں زدل آزاد شد شیطانی است

بلکہ جہالت یہ بھی دو طرح کی ہے۔ مفید اور مضر۔ جو جہالت علماء و صلحاء اولیاء اللہ سے تعلق پیدا کر دے وہ مفید ہے ناواقف علم حاصل کرنے علماء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کی صحبت سے فیض لیا۔ گویا اسے یہاں تک لانے والی چیز اس کی جہالت ہے۔ یہ اس علم سے بہتر ہے جو عالم میں تکبر پیدا کر کے اسے صالحین کی مجلس سے دور رکھے۔

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی

www.alahazratnetwork.org

اور جس جہالت کے ساتھ ہٹ دھرمی، کج بحثی ہو وہ سخت خطرناک ہے۔ غرضیکہ جس پر رب تعالیٰ کا فضل ہو اس کے لئے علم بھی فائدہ مند ہے اور بے علمی بھی۔ مگر جس پر غضب ہو اس کے لئے دونوں چیزیں بلا۔ اس آیت میں انہیں مردود دین بارگاہ اہل کتاب کا ذکر ہے۔ جن کے لئے علم وبال اور جہالت باعث نکال تھی۔ فرمایا ھا حاججتم فیما لکم بہ علم یہ ان کے علم کے نقصان کا بیان ہوا۔ اور فلم تحاجون فیما لیس لکم بہ علم میں ان کی جہالت کے عذاب ہونے کا تذکرہ ہے کہ وہ عشق الٰہی کی چاشنی اور تصوف کی لذت سے بے خبر تھے۔ کبھی بے خبری خبرداری سے بہتر ہے۔ نیز اتباع نفس گویا یہودیت ہے اور اتباع رسم و رواج شرک خفی اور موافقت شیطان گویا نصرانیت ہے۔ ان سب سے علیحدہ ہو کر اطاعت خالق دو جہاں گویا اسلام ہے تو فرمایا جارہا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نہ نفسانی راستہ میں تھے نہ شیطانی و طغیانی خیالات پر۔ نہ مراسم کے پابند۔ بلکہ وہ خاص رب تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ اسی لئے انہوں نے کوئی کام نفس کے لئے کیا ہی نہیں۔ جو کچھ کیا رب تعالیٰ کے لئے۔ صوفیاء کے نزدیک جنت و حور و قصور کے لئے عبادت کرنا بھی اتباع نفس کا شائبہ ہے۔ اگر حق تعالیٰ دوزخ و جنت نہ بناتا تو کیا اس کی عبادت نہ ہوتی ضرور ہوتی لہٰذا کامل وہی ہے جو خاص رب کے لئے عبادت کرکے "حنیفا مسلما" کا مصداق ہو۔

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰهُ
تحقیق زیادہ قریب لوگوں میں ساتھ ابراہیم کے البتہ وہ ہیں جنہوں نے پیروی کی ان کی اور یہ نبی اور وہ جو ایمان لائے
بے شک سب لوگوں سے ابراہیم کے زیادہ حقدار وہ تھے جو ان کے پیرو ہوئے اور یہ نبی اور ایمان والے اور
وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ وَمَا
اور اللہ مددگار ہے مسلمانوں کا تمنا کی ایک گروہ نے کتاب والوں میں سے کاش گمراہ کردیں وہ تم کو اور
ایمان والوں کا والی اللہ ہے کتابیوں کا ایک گروہ دل سے چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں گمراہ کردیں اور
يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾
نہیں گمراہ کرتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں شعور رکھتے
وہ اپنے ہی آپ کو گمراہ کرتے ہیں اور انہیں شعور نہیں

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ابراہیم علیہ السلام کی ملت کا تعین کیا گیا کہ ان کا دین کیا تھا۔ اب ان کے متبعین کا تقرر فرمایا جارہا ہے کہ ان کے دین پر کون ہے۔ **دوسرا تعلق:** یہود کے دو دعویٰ تھے ایک یہ کہ ابراہیم علیہ السلام ان کے دین پر تھے۔ دوسرے یہ کہ ہم لوگ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار ہیں۔ پچھلی آیتوں میں ان کے پہلے دعویٰ کی تردید تھی اور اب ان کے دوسرے دعوے کا رد فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** آیتوں میں بتایا گیا کہ یہودی ضدی اور ہٹ دھرم ہیں۔ حق قبول کرنے والے نہیں اب بتایا جارہا ہے کہ خود تو ایمان کیا لاتے تمہیں ایمان سے پھیرنے کی کوشش میں ہیں۔ گویا پہلے ان کی گمراہی کا ذکر تھا۔ اب گمراہ گری کا کہ ان کی بیماری متعدی ہے۔ **چوتھا تعلق:**

www.alahazratnetwork.org

پچھلی آیتوں میں یہودیت و نصرانیت کے نام اور ان کے عقائد سے ثابت فرمایا گیا کہ ابراہیم اس دین پر نہیں ہو سکتے کہ ان کے زمانہ میں نہ یہ نام تھے نہ یہ عقائد۔ اب اس کا ثبوت کلام سے دیا جا رہا ہے۔ جس کے یہ کلام ہوں وہ ابراہیمی ہے ورنہ نہیں چونکہ اہل کتاب کے یہ کلام نہیں اس لئے وہ ابراہیمی نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہود و عیسائیوں کا کبھی تو یہ کہنا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہمارے دین پر تھے اور کبھی کہتے تھے کہ ہم لوگ حضرت ابراہیم کے دین پر ہیں۔ ان کی اولاد ہیں' ہماری جماعت بنی اسرائیل میں ہزارہا انبیاء کرام ہوئے۔ تم بنی اسمٰعیل میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ سوائے اسمٰعیل علیہ السلام کے نیز زیادہ نبیوں والا دین بھی افضل اور زیادہ نبیوں والی قوم بھی بہتر' پہلے کلام کا جواب تو پچھلی آیات میں دیا گیا اور دوسری گفتگو کا جواب اب دیا جا رہا ہے۔ بہر حال یہ آیات کریمہ پچھلی آیات سے پورا پورا تعلق رکھتی ہیں۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیات میں اشارۃً اہل کتاب کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر تھا کہ یہ اپنی گمراہی میں پڑے پکے ہیں۔ اب ان کی گمراہ گری کا ذکر ہے کہ خود تو ایمان کیا قبول کرتے یہ تو اے جماعت صحابہ تمہیں بہکانے کی کوشش کر رہے ہیں ایسے گمراہ گروں کی اصلاح کی امید کیا ہو سکتی ہے۔

شان نزول: (1) عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک بار سرداران یہود نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جانتے ہیں کہ ہمیں ابراہیم علیہ السلام سے نہایت قرب ہے۔ کیونکہ وہ بھی یہودی تھے۔ ہم بھی یہودی۔ آپ محض حسد سے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس پر پہلی آیت **ان اولی الناس بابراھیم** نازل ہوئی (روح المعانی)۔ (2) کلبی نے عبد اللہ ابن عباس اور محمد ابن اسحاق نے ابن شہاب سے (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) روایت کی کہ جب بعض مسلمان کفار مکہ کی تکالیف سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے جن میں حضرت جعفر ابن ابی طالب بھی تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی تو کفار قریش کو سخت صدمہ ہوا کہ مسلمانوں کو دنیا میں امن و سکون کیوں مل گیا چنانچہ انہوں نے اجلاس بلایا جس میں پاس ہوا کہ بادشاہ حبشہ نجاشی کو مہاجر مسلمانوں کی طرف سے بھڑکایا جائے چنانچہ انہوں نے عمرو ابن عاص اور عمارہ ابن ابی معیط کو بہت تحفے تحائف دے کر شاہ حبشہ کی خدمت میں بھیجا۔ ان دونوں نے وہ تحائف شاہی دربار میں پیش کر کے کہا کہ ہماری قوم آپ کی خیر خواہ ہے۔ از راہ خیر خواہی آپ کو خبر دیتی ہے کہ کچھ فسادی لوگ ہمارے ملک میں فتنہ پھیلا کر حبشہ میں آ بسے ہیں۔ اگر یہ حبشہ میں رہے تو ایسا فتنہ پھیلائیں گے کہ آپ کو انتظام کرنا مشکل ہو گا۔ لہٰذا بہتر ہے کہ آپ پیش بندی کرتے ہوئے انہیں ہمارے حوالہ کر دیں تاکہ ہم انہیں قتل کر کے دنیا کو ان کے فتنہ سے محفوظ کر دیں یہ لوگ بڑے متکبر سخت فسادی ہیں۔ اگر آپ کو ہمارا یقین نہ ہو تو انہیں بلا کر دیکھ لیں یہ کبھی بھی آپ کو سجدہ نہ کریں گے اگر یہ آپ کو سجدہ کر لیں تو ہم جھوٹے ورنہ سچے ہیں۔ نجاشی نے ان بے یار و مددگار مہاجرین کو اپنے دربار میں بلایا۔ یہ حضرات حاضر ہوئے۔ دروازے پر آ کر حضرت جعفر نے آواز دی کہ حزب اللہ یعنی اللہ کی جماعت آ رہی ہے کیا اجازت ہے۔ نجاشی کے منہ سے نکلا ہاں اللہ کی امن میں آ جائے۔ جب یہ لوگ آئے تو نجاشی نے ان سے پہلا سوال یہ کیا کہ تم نے مجھے سجدہ کیوں نہ کیا۔ اور میرے دربار کی توہین کیوں کی۔ انہوں نے فرمایا کہ ہمارے سر خالق کے سوا کسی کے سامنے نہیں جھکتے۔ ہم اس کو سجدہ کرتے ہیں جس نے تجھے صاحب تخت و تاج کیا اور تجھے یہ دربار دیا۔ نجاشی نے پوچھا تمہارا سردار کون ہے' انہوں نے حضرت جعفر کی طرف اشارہ کیا۔ نجاشی نے کہا کہ قریش مکہ نے آپ کی یہ شکایات بھیجی ہیں" آپ کے پاس کیا جواب ہے آپ نے فرمایا اے بادشاہ ان مکہ والوں سے پوچھئے کہ ہم غلام ہیں یا آزاد۔ اگر ہم بھگوڑے غلام ہوں تو واقعی مجرم ہیں۔ مکہ والے

www.alahazratnetwork.org

بولے کہ یہ لوگ آزاد ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ کیا ہم خون کر کے بھاگے ہیں۔ وہ بولے نہیں۔ آپ نے فرمایا پھر ہمارا جرم کیا ہے۔ اے بادشاہ ہم مجرم عشق ہیں۔ ہمارا قصور صرف یہ ہے کہ اللہ واحد قہار کے عابد ہیں، شرک و بت پرستی سے نفرت کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا تمہارا دین کیا ہے۔ آپ نے اسلام کے ارکان اور حضور صلی اللہ علیہ السلام کی تعلیمات کا ذکر فرمایا نجاشی نے کہا کہ ہمیں اپنا قرآن سناؤ۔ آپ نے سورۂ عنکبوت، سورۂ روم اور سورۂ کہف سنائی۔ نجاشی کے آنسو جاری ہو گئے۔ عمرو ابن عاص نے جب یہ رنگ دیکھا تو نجاشی کو بھڑکانے کے لئے کہا کہ اے بادشاہ یہ لوگ تمہارے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام اور مریم کو گالیاں دیتے ہیں۔ نجاشی نے حضرت جعفر سے پوچھا آپ نے اس کے جواب میں سورۂ مریم شروع کر دی جب حضرت مریم و عیسیٰ علیہما السلام کا ذکر آیا تو مجلس پر وجد کا عالم طاری ہو گیا۔ سبحان اللہ خدا کا کلام اور صحابی و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان۔ نجاشی بہت روئے اور کہا کہ رب کی قسم حضرت مسیح علیہ السلام کی بھی یہی تعلیم تھی۔ پھر کہا کہ تم لوگوں کو میرے ملک میں امن ہے۔ تم لوگ ابراہیمی ہو۔ تمہارے ساتھ برکت و یمن ہے یہ کہہ کر عمرو بن عاص کے ہدیے واپس کر دیے اور مسلمانوں کے لئے عام امن کا اعلان کر دیا۔ ادھر حبشہ میں یہ ماجرا ہوا ادھر مدینہ منورہ میں یہ آیت اتری جس میں حضرت جعفر کی تصدیق کی گئی۔ (تفسیر خازن و روح البیان) اللہ تعالیٰ نے نجاشی بادشاہ کو ایسی عزت دی کہ یہ مسلمان ہوئے اور انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات کیں اور بعد وفات رب تعالیٰ نے ان کی ایسی عزت افزائی کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی کہ حضرت جبرئیل امین نے ان کی نعش شریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی اور آپ نے نماز جنازہ ادا کی اور ان کے سواء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کی نماز جنازہ غائبانہ ادا نہ فرمائی اور نہ کسی صحابی نے کسی کا جنازہ غائبانہ پڑھا حتیٰ کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی نماز جنازہ غائبانہ کسی صحابی نے ادا نہ کی حالانکہ اس وقت بہت صحابہ کرام مدینہ منورہ سے دور تھے۔ اس لئے مولانا خسرو نے فرمایا۔

کشتے کہ عشق دارد نہ گزاردت بدیں سان   بہ جنازہ گر نہ آئی بہ مزار خواہی آمد

س دوسری آیت: **ودت طائفة من اهل الکتب** کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بار سرداران یہود نے حضرت عمار و حذیفہ و معاذ ابن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر ڈورے ڈالے۔ اور انہیں یہودی بن جانے کی رغبت دی۔ تب آیت **ودت طائفة** نازل ہوئی جس میں اہل کتاب کو مایوس کیا گیا۔ (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ)

تفسیر: ان اولی الناس بابراهیم للذین اتبعوه چونکہ اس مضمون کے سارے اہل کتاب سخت منکر تھے، اس لئے اسے ان اور لام تاکید سے موکد کیا اولیٰ ولی سے مشتق ہے بمعنی قرب اور استحقاق۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یہ باب ضرب کا اسم تفضیل ہے لہٰذا اس کے معنی ہوئے، قریب ترین یا زیادہ حقدار۔ کہا جاتا ہے۔ **فلان اولی بکذا** یعنی احق (روح المعانی) بعض نے اس کے معنی اخص بھی کئے ہیں اگر اولیٰ بمعنی اقرب ہو تو قرب سے مراد یا تو قرب مکانی ہے یا قرب روحانی و دلی یعنی قیامت میں حضرت ابراہیم سے قریب ترین یہ لوگ ہوں گے کیونکہ قیامت میں ہر شخص اسی کے ساتھ ہو گا جس کی محبت دنیا میں رکھتا تھا یا دنیا میں حضرت ابراہیم سے قرب جسمانی و ایمانی رکھنے والے یہ لوگ ہیں نہ کہ یہود و عیسائی و مشرکین کہ یہ تینوں دین ہیں ان سے علیحدہ ہو گئے یا حضرت ابراہیم کے دعوے دار مستحق یہ لوگ ہیں نہ کہ یہود و عیسائی وغیرہ۔ **الذین اتبعوا** سے ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ متبعین مراد ہیں اس کلمہ میں عجیب راز ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ کوفے والے جو کہ

www.alahazratnetwork.org

حضرت ابراہیم کے ہم وطن ہم قوم بلکہ عزیز و اہل قرابت بھی تھے۔ مگر وہ آپ کے اقرب نہ ہوں کیونکہ آپ کے تبع نہ تھے اور اہل شام جو نہ آپ کے ہم وطن تھے نہ ہم قوم نہ عزیز مگر تبع تھے وہ آپ سے اقرب ہوئے تو اے یہود و نصاریٰ تم صرف اولاد ابراہیم ہو کر ان سے اقرب کیسے ہو سکتے ہو۔ جب کہ تم دین و اعمال سب ہی میں ان کے خلاف ہو۔ **و هذا النبی والذین امنوا**۔ **الذین** پر معطوف ہے اور تخصیص کے بعد تعمیم۔ **هذا** سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہے۔ **امنوا** کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی امنوا باللہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم یعنی ابراہیم علیہ السلام سے بہت قرب رکھنے والے یا ان کے زیادہ حقدار یا ان کے خاص لوگ وہ ہیں جو ان کے زمانہ میں ان کے دین پر تھے اور اب یہ پیغمبر اور ان کے متبعین ہیں۔ خیال رہے کہ **هذا النبی** کو **اتبعوا** سے علیحدہ کرنے میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ پیغمبر حقیقی معنی میں ابراہیم علیہ السلام کے تابعدار نہیں۔ موافقت اور اتباع میں فرق ہے نیز آئندہ **والذین امنوا** فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ نبی عام مومنین میں داخل نہیں۔ وہ خصوصی شان کے مالک ہیں کہ عام مومنوں کا ایمان سنا ہوا ہے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان دیکھا ہوا۔ عام مومن ایمان لینے والے ہیں اور نبی صلی اللہ علیہ السلام ایمان دینے والے لہٰذا **یا ایها الذین امنوا** کے خطاب میں حضور داخل نہیں ہوا کرتے۔ **والله ولی المؤمنین ولی** **ولایة** سے بنا ضرب' مغرب کا صفت مشبہ ہے بمعنی والی و مددگار محافظ یہاں **ولیهم** نہ فرمایا بلکہ مومنین کہا تاکہ معلوم ہو کہ سبب ولایت ایمان ہے یعنی اللہ مسلمانوں کا والی ناصر و محافظ ہے۔ ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا ابھی ارشاد ہوا کہ اللہ مومنوں کا والی وارث اور مددگار ہے اب اس کی تائید میں ارشاد ہو رہا ہے کہ تمام اہل کتاب تمہیں گمراہ کرنا چاہیں گے مگر نہ کر سکیں گے کیونکہ اللہ تمہارا والی وارث ہے چنانچہ ارشاد ہے **ودت طائفة من اهل الكتب لو يضلونكم**۔ **ودت** **ود** سے بنا بمعنی دلی خواہش محبت اور مودت قریباً ہم معنی ہیں مگر اکثر محبت مودت سے عام ہوتی ہے کہ محبت کو مطلقاً دل کے میلان و خواہش کو کہتے ہیں مگر مودت وہ خواہش ہے۔ جس کے حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جائے تو مودت میں دلی میلان کے ساتھ بدنی کوشش بھی ہوتی ہے۔ چونکہ اہل کتاب کی یہ خواہش ہی نہیں کہ مسلمان گمراہ ہوں بلکہ کوشش بھی ہے اس لئے مودت کا ذکر فرمایا۔ **طائفة** **طوف** سے بنا بمعنی گھومنا۔ اسی سے طواف ہے۔ جب یہ لفظ انسانوں پر بولا جائے تو اس سے ایک جماعت مراد ہوتی ہے اور کسی چیز کے ٹکڑے اور حصے کو بھی اس کا طائفہ کہہ دیا جاتا ہے جیسے **طائفة الليل**۔ **من اهل الكتاب** میں **من** تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ یہ بہکانا ان کے ضدی احبار اور علماء کا کام تھا نہ کہ سب کا۔ ظاہر یہ ہے کہ اہل کتاب سے صرف یہودی مراد ہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ اور ممکن ہے کہ عیسائی بھی اس میں داخل ہوں **لو** **ان** مصدریہ کے معنی میں ہے اور **یضلون** مصدر بن کر **ودت** کا مفعول بعض نے کہا کہ **لو** شرطیہ ہی ہے مگر **ودت** کا مفعول اور **لو** کی جزا پوشیدہ ہے اصل عبارت یہ تھی **ودت اضلالکم لو یضلونکم سروا بذلک** (روح المعانی) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ **لو** تمنا کا ہے بمعنی کاش کہ **لو** **ودت** کا مفعول جیسے **یود احدهم لو یعمر الف سنة**۔ یہی قوی ہے **کم** سے مراد یا سارے صحابہ کرام ہیں یا صرف حضرت معاذ و عمار و حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہیں یہود نے بہکانا چاہا تھا یعنی اہل کتاب کی ایک جماعت دلی خواہش رکھتی ہے کہ وہ تمہیں کسی طرح گمراہ کر دیں اور ہو سکتا ہے کہ **کم** میں خطاب تاقیامت کے مسلمانوں سے ہو۔ جیسے **اقیموا الصلوٰة** اور **واتوا الزكوة** میں ہے اس صورت میں **یضلون** یعنی بہکانے سے مراد ہے دنیا سے قرآن و اسلامی تعلیم کو غائب و ضائع کر دیں۔ جس سے تمہارے پاس ہدایت کا سامان نہ رہے یا تم کو قرآن و اسلام سے بیگانہ کر دیں

www.alahazratnetwork.org

کہ تم مسلمان کہلا کر بھی مسلمان نہ رہو یا تمہارے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا کردیں کہ تم اسلام سے متنفر ہو جاؤ پھر کسی کو نوکری کا لالچ دے کر کسی کو زوٹی ' عورت کے جال میں پھانس کر عیسائی بنالیں۔ یہ تینوں قسم کی کوششیں عیسائی ہمیشہ سے کررہے ہیں۔ کالج سکول ہسپتال اسی مقصد کے لئے ہیں۔ چونکہ یہ کوششیں یقینی ہیں اس لئے وودتا ماضی ارشاد ہوا۔ گمراہ کرنے سے مراد یا تو عیسائی بنانا ہے یا کم از کم اسلام سے بیگانہ کر دینا مگر انہیں اطمینان رکھنا چاہئے کہ **وما یضلون الا انفسہم** ظاہر یہ ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ طائفہ کا حال **یضلون** اضلال سے بنا بمعنی گمراہ کرنا یا ہلاک کرنا مراد ہے یا اپنی گمراہی بڑھانا۔ یا اپنے عذاب میں ترقی کرنا کہ اب تک فقط گمراہ تھے اب گمراہ گر ہوئے۔ جسکا نتیجہ یہ ہو گا کہ **ولیحملن اثقالہم واثقالا مع اثقالہم** یا یہ سزا ملی گی **ولیحملوا اوزارہم کاملۃ یوم القیامۃ و اوزار الذین یضلونہم بغیر علم** یعنی قیامت میں اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے اور ان کا بھی جنہیں انہوں نے گمراہ کیا یہ تو جنہیں اس لئے کی گئیں کہ وہ گمراہ تو پہلے ہی سے تھے یا اپنے کو دھوکا دینا مراد ہے کہ یہ بیوقوف اپنے کو دھوکا دے رہے ہیں نہ ان کے مٹائے قرآن شریف مٹے۔ نہ سارے مسلمان بہکیں نہ اسلام ختم ہو۔ یعنی یہ یہود اپنی حرکتوں سے اپنی گمراہی میں ترقی دے رہے اور اپنی ہی جانوں کو ہلاک کر رہے ہیں لیکن بے وقوف ہیں۔ **وما یشعرون** یہ شعور سے بنا۔ جس کی نفیس تحقیق پارہ سیقول میں ہو چکی یعنی انہیں اس کا شعور نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے اہل کتاب تم اتباع ابراہیمی کا غلط دعوٰی کیوں کرتے ہو۔ ان سے قرب رکھنے والے یہ لوگ تھے جو اس سے پہلے ان کے مطیع و فرمانبردار رہے اور اب یہ نبی اور ان کے امتی ہیں کہ ان کے عقائد یعنہ عقائد ابراہیمی ہیں اور ان کے مخصوص عمل جیسے ناخن کاٹنا ' مونچھیں کترو انا اور داڑھی کا حد اعتدال میں رکھنا نہ مشت سے زیادہ نہ اس سے کم ' حج کرنا خانہ کعبہ کا طواف ختنہ قربانی ' روزے وغیرہ انہیں کے دین میں ہیں تمہارے دین میں نہیں۔ لہٰذا ان کے کلام سے ان کے حال کا پتہ لگاؤ۔ پھر بڑی بات یہ ہے کہ اللہ ان کا والی وارث ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام کفار میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود آخر کار ان پر غالب رہے۔ ایسے ہی یہ بھی صد ہا دشمنوں میں گھر کر بھی غالب رہیں گے۔ اے مسلمانو! تم ان اہل کتاب کے ایمان کی امید نہ رکھو۔ ان کی گمراہی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ ان میں ایک گروہ تمہیں بہکا کر گمراہ کر دینے کا خواہش مند ہے جو فرقہ گمراہ اور گمراہ گر ہو اس کے ایمان کی کیا امید۔ مگر اہل کتاب اطمینان رکھیں۔ وہ تم میں کسی کو نہیں بہکا سکتے اپنی ہی گمراہی میں اضافہ کر رہے ہیں اور اپنی ہی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں مگر ایسے اندھے ہیں کہ انہیں اس کا شعور نہیں۔

ضروری نوٹ : حرقل بادشاہ نے دعوت اسلام پہنچنے سے پہلے خواب اور نجومی حساب سے پتہ لگایا تھا کہ میرے ملک پر ایک ختنہ کرانے والی جماعت قبضہ کرے گی اس نے اپنے وزیر باطور کو بلا کر یہ ماجرا سنایا اور کہا کہ بتاؤ اس زمانہ میں ختنہ والی قوم کون ہے؟ وہ بولا کہ صرف یہودی ختنہ کرتے ہیں۔ ان سے ہمیں کوئی کھٹکا نہیں اپنے مملکت کے حکام کو لکھ بھیجو۔ جہاں کہیں یہود ہوں قتل کر دیئے جائیں۔ یہ مشورے ہو رہے تھے کہ شاہ غستان نے حرقل کے پاس ایک قاصد کے ذریعہ حضور علیہ السلام کی خبر بھیجی۔ حرقل نے فوراً حکم دیا کہ تحقیقات کرو وہ ختنہ بھی کرتے ہیں یا نہیں۔ اس کے محققین نے خبر دی کہ ہاں ختنہ کرتے ہیں۔ حرقل بولا۔ بس میرے ملک میں انہیں کا قبضہ ہو گا۔ پھر حرقل نے اپنے دوست کو خط لکھا جو رومیہ میں تھا کہ میرا یہ خیال

www.alahazratnetwork.org

بے تیزی کیا رائے ہے اور خود حمص چلا گیا۔ اسے حمص پہنچ کر جواب ملا کہ تیرا خیال صحیح ہے وہ سچے نبی ہیں۔ تب ہرقل نے رومیوں کو جمع کرکے کہا کہ اگر تم اپنے ملک کی بقا چاہتے ہو۔ تو اس نبی سے بیعت کرلو اور مسلمان ہو جاؤ۔ جس پر وہ سب بھڑک گئے۔ ہرقل سلطنت کے خوف سے ایمان قبول نہ کرسکا (بخاری شریف) اس روایت سے پتہ چلا کہ مسلمانوں کے اعمال ان کے عال کا پتہ ہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پیغمبر کا قرب ان کی اتباع سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ محض ان کی اولاد ہونے سے۔ دیکھو بعض اہل کتاب ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں تھے اور بعض مومن ان کی اولاد میں نہیں مگر قرآن کریم نے ان کے متبعین اور اہل ایمان کو ان کا قریبی قرار دیا لہٰذا کفار' روافض سید نہیں۔ اگرچہ سیدنا علی مرتضیٰ کی نسل میں ہوں۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں کے لئے ان کا ایمان کامیابی کا ذریعہ ہے نہ کہ دنیوی ساز و سامان جیسا کہ **اللہ ولی المومنین** سے ثابت ہوا لہٰذا چاہئے کہ ہم ترقی حاصل کرنے کیلئے اپنے عقائد کی درستی اور اعمال کی اصلاح کریں۔ تیسرا فائدہ : صحابہ کرام گمراہ نہ تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان کے ورغلانے والوں کو ان کی گمراہی سے مایوس کردیا۔ چوتھا فائدہ: جو صحابہ کرام کو گمراہ کرنا چاہے یا انہیں گمراہ کہے وہ خود گمراہ ہے جیسا کہ **وما یضلون الا انفسھم** سے معلوم ہوا۔ اور کیوں نہ ہو۔ جس تھیلے پر سرکاری مہر لگ جائے وہ چوری سے محفوظ ہوتا ہے۔ جس قلب پر نگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر لگ جائے اس میں سے دولت ایمان کون نکالے؟

دل پہ کندہ ہو تیرا نام کہ وہ دزد رجیم الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کر طغرا تیرا

پانچواں فائدہ: جسمانی قرب تو مکانی' زمانی' یا رشتہ داری قرب سے حاصل ہوتا ہے مگر روحانی قرب ان تمام سے بے نیاز ہے وہ صرف اتباع سے میسر ہوتا ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ اور ہم وطن ان سے قریب نہ ہوئے مگر تاقیامت مومنین ان سے قریب ہیں۔ اگرچہ زمان و مکان میں ان سے بہت دور۔ چھٹا فائدہ: اعمال براہ راست نجات کا ذریعہ نہیں ورنہ شیطان نجات پاتا کہ وہ بڑا عابد تھا بلکہ اعمال صالحہ قرب پیغمبر کا ذریعہ ہیں اور قرب پیغمبر قرب خدا تعالیٰ کا وسیلہ اور قرب خدا رحمت و مغفرت کا ذریعہ ہے۔ دیکھو آیت میں اتبعوا کی اولی الناس ہونے کا ذریعہ بتایا گیا اور اولی الناس کے بعد فرمایا **واللہ ولی المومنین**۔ قرب رسول رب کی بڑی نعمت ہے۔ جسے میسر ہو۔ ساتواں فائدہ: کفار ہمیشہ مسلمانوں کی تاک میں رہتے ہیں اور انہیں گمراہ کرنے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ ودت طائفۃ سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں تین ہستیوں کو ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر بتایا گیا ایک ان کے متبعین دوسرے یہ پیغمبر تیسرے مومنین یہ تین جماعتیں اتبعوا یا امنوا میں آجاتیں صرف امنوا کہنا کافی تھا۔ جواب: اتبعوا سے وہ لوگ مراد ہیں جو بلا واسطہ ابراہیم علیہ السلام کے پیروکار تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے موافق ہیں نہ کہ ان کے مطیع اور مسلمان بواسطہ حضور علیہ السلام کے دین ابراہیمی کے تبع۔ چونکہ اتباع کی تین تو میتیں تھیں۔ اس لئے تین عبارتیں فرمائی گئیں اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اتباع سے عام معنی مراد ہوں اور نبی و مومن کا ذکر خصوصیت کیلئے ہو جیسا کہ ہم نے تفسیر میں اشارہ کردیا۔ دوسرا اعتراض: **الذین امنوا** میں نبی داخل ہیں اس لئے عام احکام انبیاء پر بھی جاری ہوتے ہیں۔ جیسے **امنوا**

الصلوة واتوا الزکوة میں پیغمبر داخل ہیں پھر نبی کا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** لفظ مومن میں نبی داخل ہیں اور لفظ ایمان دونوں پر صادق مگر حقیقت ایمان میں بڑا فرق ہے۔ حضور علیہ السلام کے ایمان کی حقیقت ہی اور ہے۔ ہمارے ایمان کی حقیقت کچھ اور جس کی پوری تحقیق ہم شروع پارہ الم میں کر چکے اس لئے نبی کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ودت طائفتہ کیوں کہا گیا۔ سارے ہی اہل کتاب مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ **جواب:** اس لئے کہ اہل کتاب کے تین گروہ تھے ایک علماء حقانی جو حضور علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ دوسرے جاہل اہل کتاب جن میں گمراہ کرنے کی لیاقت نہ تھی تیسرے ان کے علماء سوء جو حسد و بغض کے باعث ان تمام شرارتوں پر تلے رہتے تھے یہاں انہیں کا ذکر ہے وہی یہ حرکتیں کرتے تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ اہل کتاب نہیں گمراہ کرتے مگر اپنے نفسوں کو وہ تو پہلے ہی سے گمراہ تھے پھر گمراہ ہونے کے کیا معنی؟ تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود ہی گمراہ رہیں گے یا یہ کہ وہ اس کوشش میں اپنی جانیں ہلاک کریں گے مگر صحابہ کرام کو بہکا نہ سکیں گے۔ یا یہ کہ اپنے آپ کو گمراہ گر بنالیں گے۔ یا یہ کہ موجودہ گمراہی سے بڑھ کر گمراہی اختیار کریں گے۔

تفسیر صوفیانہ : جسمانی قرب یا مکانی ہوتا ہے یا زمانی مگر روحانی قرب مکان و زماں سے آزاد ہے۔ وہاں اتباع و اطاعت کا لحاظ ہے۔ مسلمان اگرچہ ابراہیم علیہ السلام سے زمانہ میں بھی دور ہیں اور جگہ میں بھی مگر چونکہ ان کے متبع ہیں لہٰذا قریب ہیں۔ نمرود و دیگر کفار اگرچہ زمانہ اور جگہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قریب تھے مگر ان سے بہت دور تھے اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام سے قرب رکھنے والے ان کے پیروکار ہیں۔ خواہ اس زمانہ کے مومنین ہوں یا اس وقت کے۔ نیز وراثت مال جسمانی رشتہ سے ملتی ہے مگر وراثت کمال روحانی رشتہ سے۔ ناخلف اولاد اگرچہ مال کی وارث ہو جائے مگر کمال کی وارث نہیں۔ لائق شاگرد اگرچہ مال کی میراث نہ پائے گا مگر کمال میں شیخ کا جانشین ہو گا۔ اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کے زیادہ حقدار مومنین نہ کہ ان کی ناخلف اولاد جیسا کہ کفر وغیرہ مالی میراث سے محروم کرنے والے اسباب ہیں ایسے ہی روحانی دوری کمالی میراث کا مانع۔ نیز کفر تاریکی ہے اور ایمان روشنی جیسا کہ تاریکی ہمیشہ نور کو بجھانے کی فکر میں ہے ایسے ہی کفار ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی فکر میں۔ لیکن اگر مسلمانوں کو شمع جمال مصطفوی سے تعلق رہا تو یہودیت نصرانیت شرک و بت پرستی کی تمام تاریکیاں ناکام رہیں گے اور وہ خود گم ہو کر رہ جائیں گی مگر یہاں اس آفتاب نبوت سے وابستگی چاہئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک دن ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دولت خانہ میں جمع فرمایا۔ پھر ہم کو دیکھ کر حضور علیہ السلام کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے اور فرمایا کہ فراق کی گھڑی سر پر کھڑی ہے اور اب ہمیں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونا ہے اللہ تمہیں خوش و خرم رکھے اور تم پر رحمت فرمائے میں تم سب کو تقویٰ و پرہیزگاری کی وصیت کرتا ہوں۔ بعد وفات ہم کو ہمارے اہل بیت غسل دیں اور یمانی حلہ میں کفن دیا جائے تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر ایک ساعت کیلئے ہمارے پاس سے سب علیحدہ ہو جانا ہم پر اولاً جبرائیل پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر ملک الموت نماز پڑھیں گے۔ پھر مسلمان فوج در فوج نماز ادا کریں گے۔ یہ سن کر سب لوگ رو کر کہنے لگے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور ہمارے رب کے رسول اور ہماری انجمن کی شمع اور ہمارے دین کے سلطان ہیں اب ہم کس کی طرف رجوع کیا کریں گے۔ فرمایا کہ ہم نے تم میں دو واعظ چھوڑے ہیں ایک خاموش دوسرا بولتا ہوا۔ خاموش واعظ موت ہے۔ ناطق

www.alahazratnetwork.org

واعظ قرآن — اپنی ہر مشکل میں قرآن کی طرف رجوع کرو اور جب تمہارے قلب میں سختی پیدا ہو تو موت کو یاد کرو — یہ چیزیں تمہیں راہ حق پر قائم رکھیں گی — (روح البیان) اعتقاد و عمل میں انسان تین قسم کے ہیں — ایک کامل جو مضبوط ہیں جنہیں دنیا کے مصائب و آلام راحت و آرام جنبش نہیں دے سکتے — دوسرے ناقص جنہیں ہلکے پتہ کی طرح ہوائیں اڑائے پھرتی ہیں — یہ وہ ہیں جن کی دستگیری رحمت الٰہی نے نہ کی — تیسرے درمیانی لوگ — اس دوسری آیت میں پہلی جماعت کی استقامت کا ذکر ہے — حق تعالیٰ ہم گناہ گاروں کو استقامت بخشے — مگر اس کے لئے محنت و ہمت درکار ہے — کسی نے کیا خوب کہا۔

بقدر الکد تکتسب المعالی ومن طلب العلی سھر اللیالی

تروم العز ثم تنام لیلا یغوص البحر من طلب اللآلی

یعنی محنت و مشقت کی بقدر تم بلندی حاصل کرو گے — جو بلندی و سرفرازی چاہتا ہے وہ راتیں سو کر نہیں گزارتا — تعجب ہے کہ تو دائمی عزت کا طالب ہے اور پھر رات بھر سوتا ہے اے اللہ کے بندے موتی کا متلاشی سمندر میں غوطہ لگانے کی مشقتیں جھیلتا ہے — اس میں ابدال و اولیاء کی مدد اور اپنی کوشش درکار ہے تاکہ یہ دشوار گزار راستہ آسانی سے طے ہو۔

چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داراں زن کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود حاصل

یعنی اگر تو اپنا چراغ روشن رکھنا چاہتا ہے تو ان کا دروازہ کھٹکا جن کی راتیں زندہ و روشن رہتی ہیں کیونکہ نصیبے کی بیداری بیدار نصیبوں والوں سے میسر ہوتی ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ يٰٓاَهْلَ
اے کتاب والو کیوں کفر کرتے ہو ساتھ آیتوں اللہ کے حالانکہ تم گواہی دیتے ہو اے کتاب والو کیوں
اے کتابیو اللہ کی آیتوں سے کیوں کفر کرتے ہو حالانکہ تم خود گواہ ہو اے کتابیو حق میں
الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
ملاوٹ کرتے ہو حق کو ساتھ باطل کے اور چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم جانتے ہو
باطل کیوں ملاتے ہو اور حق کیوں چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے اور کتابیوں کا ایک گروہ بولا
وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
اور کہا ایک گروہ نے کتاب والوں میں سے ایمان لاؤ ساتھ اس کے جو اتارا گیا اوپر ان لوگوں کے جو ایمان لائے
وہ جو ایمان پر اتارا گیا صبح کو اس پر ایمان لاؤ اور شام کو منکر ہو جاؤ
وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝
شروع دن میں اور انکار کر دو آخر میں اس کے شاید کہ وہ لوگ پھر جائیں
شاید وہ پھر جائیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اہل کتاب کی اس جماعت کا ذکر تھا جسے توریت و انجیل کی آیتوں کی خبر نہ تھی اور بے خبری میں وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کا انکار کرتے تھے۔ اب اہل کتاب کے اس گروہ کا ذکر ہے۔ جو دیدہ و دانستہ توریت و انجیل سے خبردار ہوتے ہوئے اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اہل کتاب کے مکر و فریب کا اجمالی ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے تھے۔ اب ان کے فریب کی کچھ تفصیل بتائی جارہی ہے کہ وہ دیدہ و دانستہ آیات الٰہی کا انکار کرتے اور حق کو باطل سے ملاتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو بہکانے کی زبردست تدبیریں کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو بہکانے والے اہل کتاب مسلمانوں کو تو کچھ نہیں بگاڑ سکتے اپنی ہی گمراہی میں اضافہ کررہے ہیں۔ اب ان آیتوں میں اسی کا ثبوت دیا جارہا ہے گویا پہلے دعویٰ تھا اب دلیل۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب صحابہ کرام یا تمام مسلمانوں کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ اور اسلام کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اس کوشش سے خود پہلے ہی اپنی کتاب توریت و انجیل کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ توریت و انجیل میں یہ مذکور ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اس کچی کھیتی کی طرح ہوں گے جن کی حفاظت مالک ہمیشہ کرتا ہے پھر یہ حضرات کیسے گمراہ ہوسکتے ہیں نیز فرمایا ہے۔ **کزرع اخرج شطئہ فاٰزرہ** نیز توریت و انجیل میں ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین نہ منسوخ ہوگا نہ منسوخ سے کوئی مٹا سکے گا۔ اب ان اہل کتاب کی یہ کوششیں اپنی آیات کا انکار کرکے کفر کرنے کے مترادف ہے۔

شان نزول : اس آیت کے شان نزول میں دو روائتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خیبر کے علماء یہود میں سے بارہ شخصوں نے آپس میں مشورہ کرکے مسلمانوں کو بہکانے کا یہ مکر سوچا کہ یہود کی ایک جماعت صبح کو اسلام لے آئے اور شام کو مرتد ہو جائے اور لوگوں سے کہے کہ ہم ضدی اور ہٹ دھرم نہیں بلکہ طالب حق ہیں۔ اس لئے ہم لوگ مسلمان ہوگئے تھے مگر کریں کیا جب ہم نے اپنی کتابوں میں دیکھا تو ثابت ہوا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہ پیغمبر نہیں ہیں۔ جن کی ہماری کتابوں نے خبر دی تھی۔ اور نہ اسلام میں کوئی خوبی ہے اس لئے ہم اسلام سے پھر گئے۔ یہ سب تدبیر اس لئے تھی کہ اس حرکت سے مسلمانوں کو حقانیت اسلام میں شبہ پیدا ہو جائے اور وہ سمجھیں کہ واقعی یہ لوگ حق کے طلبگار ہیں ضدی نہیں۔ اسی لئے تو ایمان لے آئے تھے اور چونکہ یہ اہل کتاب اور اہل علم ہیں واقعی انہوں نے اسلام میں کوئی خرابی ہی دیکھی ہوگی ورنہ یہ مسلمان ہو کر مرتد نہ ہوتے۔ اس موقعہ پر آیت کریمہ **وقالت طائفۃ من اھل الکتب** نازل ہوئی (تفسیر خازن و خزائن عرفان وغیرہ) دوسری روایت یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تبدیلی قبلہ کے موقعہ پر نازل ہوئی کہ جب کعبہ معظمہ کو قبلہ اسلام مقرر کیا گیا تو یہود کو بہت گراں گزرا۔ ان کے سردار کعب ابن اشرف اور مالک ابن سلف نے اپنے دوستوں سے کہا کہ مسلمانوں کو بہکانے کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ صبح کی نماز مسلمانوں کے ساتھ کعبہ کی طرف پڑھ لو اور دن کے آخری حصے میں اپنے قبلہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو اور مسلمانوں سے کہو کہ چونکہ ہمیں تبدیلی قبلہ کا پتہ اپنی کتابوں سے نہیں ملا۔ اس لئے ہم نہیں مانتے تاکہ مسلمان شک میں پڑ جائیں۔ حالانکہ توریت و انجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات خصوصیہ میں یہ مذکور ہے وہ نبی الحرمین ہوں گے۔ یعنی پیدا ہوں گے ایک حرم میں رہیں گے دوسرے حرم میں اور یہ کہ آپ امام القبلتین ہوں گے کہ دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں

www.alahazratnetwork.org

گے۔ پڑھائیں گے اور انکے مقبول سجدوں سے دونوں قبلوں یعنی کعبہ اور بیت المقدس کو شرف میسر ہوگا۔ مگر یہ جانتے ہوئے ان بد نصیبوں نے یہ حرکت کیں۔ تب یہ آیت کریمہ **وقالت طائفۃ من اھل الکتب** نازل ہوئی۔ یہی مجاہد اور مقاتل اور امام کلبی کا قول ہے۔ (تفسیر روح المعانی و خازن و کبیر وغیرہ)۔

تفسیر : یا ھل الکتب لم تکفرون بایت اللہ یہاں اہل کتاب سے علماء یہود یا علمائے نصاریٰ یا دونوں مراد ہیں نہ کہ عام کتابی جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں اہل کتاب کو ندا اظہار غضب کے لئے ہے کیونکہ آگے ان کے کفریات کا ذکر ہے اور اہل کتاب کے معنی ہیں کتاب آسمانی کو ماننے والے یا ان کتابوں کے عالم۔ یہود و نصاریٰ کے پادری۔ کیونکہ وہ پوپ پادری ہی کتاب اللہ کی آیات چھپاتے یا ان کا انکار کرتے تھے۔ رہے ان کے عوام وہ یہ حرکتیں کر سکتے ہی نہ تھے۔ چونکہ اہل علم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ اس کی پیروی میں عام جہلا عمل کرتے ہیں اس لئے خصوصیت سے ان پر عتاب ہوا۔ لم اصل میں لما تھا لام حیلیہ اور ما استفہامیہ کا مجموعہ۔ تخفیف کے لئے الف گرا دیا گیا۔ کیونکہ لام الف کے قائم مقام ہو گیا نیز چونکہ الف کنارہ پر تھا۔ اور میم کا فتح اس پر دلالت کرتا تھا۔ اس لئے الف کی چنداں ضرورت نہ تھی لہٰذا گر گیا۔ جیسے **عما یتساء لون** یا جیسے **فبم تبشرون** کہ اصل میں عما اور فبما تھے۔ کبھی حالت وقف میں ان کے آخر میں ہ بھی لگا دی جاتی ہے۔ جیسے **لمہ** یا **لمہ** (تفسیر کبیر) عربی میں لم وجہ پوچھنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے اردو میں کیوں اور انگریزی میں وائی فارسی میں چرا رب تعالیٰ کا کیوں فرمانا اظہار غضب اور آئندہ عذاب کی تمہید کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جس سے حساب میں مناقشہ ہوا۔ وہ ہلاک ہو گیا **تکفرون** کفر سے بنا کفر کے معنی ہیں انکار کرنا چھپانا ناشکری کرنا یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں آیات کا انکار اعتقادی بھی ہوتا ہے۔ قولی بھی عملی بھی قولی یا اعتقادی انکار یا تو الفاظ آیات کا انکار ہو گا یا اس کے معنی کا انکار جو کہے کہ **اقیموا الصلوۃ** قرآن شریف کی آیت نہیں وہ بھی انکاری ہے۔ اور جو کہے کہ یہ آیت تو ہے مگر اس صلوۃ سے مراد نماز نہیں بلکہ کوئی اور عمل ہے وہ بھی انکاری ہے۔ اہل کتاب یہ تمام کفر کرتے تھے آیات اللہ سے یا قرآنی آیتیں مراد ہیں تو **تکفرون** سے ان کا انکار اور نہ ماننا مراد ہو گا یا آیات اللہ سے توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی اور حضور علیہ السلام کے اوصاف کا ذکر تھا۔ **تکفرون** سے ان آیتوں کا چھپانا یا ان کا بدل لنا مراد ہو گا۔ یا آیات اللہ سے حضور علیہ السلام کے سارے معجزات مراد ہیں۔ جن سے آپ کی نبوت کا ثبوت ہوتا تھا۔ اس صورت میں **تکفرون** سے ان کا انکار یا انہیں جادو کہنا مراد ہو گا۔ **وانتم تشھدون** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **تکفرون** کے فاعل سے حال ہے۔ **تشھدون** شہادت سے بنا بمعنی گواہی یا تو اس سے ان کی دلی شہادت اور قلبی اعتراف مراد ہے۔ جو انہیں توریت دیکھ کر حاصل ہوا تھا یا ان کی زبانی گواہی و اقرار مراد ہے۔ جو وہ تنہائی میں کر لیا کرتے تھے۔ یا اس سے حاضری مراد ہے یعنی اے علماء اہل کتاب تم آیات قرآنیہ کا کیوں انکار کرتے ہو۔ حالانکہ تمہارے دل اس کی حقانیت کے گواہ ہیں۔ یا اے علماء اہل کتاب تم توریت و انجیل کی ان آیتوں کو کیوں چھپاتے ہو جن میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی ہے حالانکہ تم اپنی خاص مجلسوں میں اس کا اقرار بھی کر لیتے ہو اگرچہ مسلمانوں کے سامنے انکار کر دیا تم حضور علیہ السلام کے معجزات کو کیوں نہیں مانتے۔ حالانکہ تم خود اقرار کرتے ہو کہ گزشتہ انبیائے کرام کے معجزات ان کی نبوت کے دلائل تھے اور تم حضور علیہ السلام کے معجزات پر حاضر ہوتے ہو۔ **یا ھل الکتب لم تلبسون الحق بالباطل** چونکہ علمائے اہل کتاب کے دو گروہ تھے ایک وہ

www.alahazratnetwork.org

جو جان بوجھ کر حضور علیہ السلام کا انکار کرتے تھے دوسرے وہ جو صرف انکار ہی پر قناعت نہ کرتے بلکہ مسلمانوں کے دلوں میں شبہات ڈال کر انہیں اسلام سے پھسلانے کی کوشش کرتے تھے۔ پہلی آیت میں پہلے گروہ سے خطاب تھا دوسری آیت میں دوسرے گروہ سے خطاب ہے لہذا یہاں اہل کتاب سے ان کے وہ علماء مراد ہیں جو توریت و انجیل میں تحریفیں کرتے تھے۔ **تلبسون** لبس سے بنا بمعنی خلط کرنا ملاوٹ کرنا اور چھپانا کپڑے کو اسی لئے لباس کہتے ہیں کہ وہ بدن کو چھپاتا ہے۔ مشابہت کو ملابست اور دھوکے کو التباس اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے اصل شے چھپ جاتی ہے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ چھپانا بھی خلط کرنا بھی۔ اگر چھپانا مراد ہو تو بالباطل کی ب استعانت کی ہے یعنی حق کو باطل کے ذریعہ کیوں چھپاتے ہو۔ اور اگر خلط مراد ہو تو ب بمعنی مع ہوگی یعنی حق کو باطل کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ یا تو حق سے مراد ان کا اقراری اسلام ہے اور باطل سے مراد دلی کفر۔ یہ ابن عباس اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا قول ہے۔ یا حق سے مراد موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام پر ایمان لانا اور باطل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہے۔ یا حق سے مراد ان کا دلی اعتراف ہے اور باطل سے مراد ان کا زبانی انکار ہے یہ ابو علی اور ابو مسلم کا قول ہے یا حق سے مراد مشرکین کی سی بد عملیاں رشوت خوری شراب نوشی۔ جوا' زنا وغیرہ جو ان پوپ پادریوں میں مروج تھے یا حق سے مراد توریت کی واضح صاف آیتیں ہیں اور باطل سے مراد توریت کے متشابہات کی غلط تاویلیں۔ (روح المعانی و کبیر) یعنی اے علمائے اہل کتاب تم توریت و انجیل کی اصل آیتوں کو اپنی بناوٹی آیتوں سے کیوں خلط ملط کرتے ہو یا اپنے دلی اعتراف کو اپنے زبانی انکار کے ساتھ کیوں ملاتے ہو۔ یا اپنے ایمان کو کفر بالقرآن کے ساتھ کیوں مخلوط کرتے ہو وغیرہ **وتکتمون الحق وانتم تعلمون** حق کا چھپانے والا دو جرم کرتا ہے ایک شبہات پیدا کرنا۔ دوسرے حق کے دلائل کو لوگوں تک نہ پہنچنے دینا۔ پہلے جرم کا نام تلبیس ہے۔ جس کا لم **تلبسون** میں ذکر فرمایا گیا۔ دوسرے قصور کا نام کتمان حق ہے جس کا ذکر اب ہو رہا ہے یہ واؤ عاطفہ ہے اور **تکتمون** **تلبسون** پر معطوف اور **وانتم تعلمون** کا واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **تلبسون** اور **تکتمون** کے فاعل سے حال ہے یہاں حق سے مراد یا حضور علیہ السلام کی نبوت ہے یا اسلام کی حقانیت یا توریت شریف کی آیات نعت جن کے چھپانے کی علمائے یہود انتہائی کوشش کرتے تھے۔ **تعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی تم اپنا جھوٹ اپنا حسد 'عناد جانتے ہو۔ یا تمہیں خبر ہے کہ حاسد سخت گنہگار ہے۔ مگر پھر تم اس جرم کی جرأت کرتے ہو یا مطلب یہ ہے کہ تم جاہل نادان اور بے وقوف نہیں۔ اصحاب علم میں سے ہو اس صورت میں **تعلمون** کو مفعول کی ضرورت نہیں یعنی اے علمائے اہل کتاب تم حق کو چھپاتے ہو حالانکہ تمہیں خبر ہے کہ تم حاسد ہو اور حاسد کی سزا جہنم ہے۔ **وقالت طائفۃ من اھل الکتب** علمائے یہود کے چند فریب بیان فرمانے کے بعد ان کا ایک انتہائی مکر بتایا جا رہا ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو بہکانے کے لئے کیا۔ **طائفۃ** بمعنی جماعت ہے۔ جماعت کو طائفہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے حلقہ بن سکتا ہے جسکے ارد گرد گردش کی جا سکے۔ (طواف بمعنی گردش' روح المعانی) کعبہ کے ارد گرد گھومنے کو طواف کہتے ہیں۔ ایک شہر کا نام طائف ہے کہ وہاں کی زمین کو کعبہ کا طواف کرایا گیا۔ نیز وہاں جانے والا گھومتا ہوا جاتا ہے کہ وہاں کا راستہ پیچیدار خم دار ہے۔ یہاں اہل کتاب سے عام کتابی مراد ہیں۔ اور طائفہ سے انکے خاص علماء اور قال کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی علماء اہل کتاب نے عام کتابی مراد ہیں اور طائفہ سے انکے خاص علماء اور قال کا متعلق پوشیدہ ہے یعنی علمائے اہل کتاب نے اپنے بعض لوگوں سے کہا کہ **امنوا بالذی انزل علی الذین امنوا وجہ النہار۔ امنوا** سے یا اظہار ایمان مراد ہے یا کعبہ کی طرف نماز پڑھنا مراد جیسا کہ شان نزول

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہو چکا۔ **الذی انزل** سے یا سارے اسلامی احکام مراد ہیں یا بعض احکام یا تبدیلی قبلہ اور **الذین امنوا** سے یا صحابہ کرام مراد ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ساری امت (روح المعانی و کبیر)۔ وجہ کے لفظی معنی ہیں سامنے اس سے مواجہت اور توجہ ہے۔ چیز کا وہ حصہ جو سب سے پہلے نظر آئے اس چیز کا وجہ کہلاتا ہے۔ جسم انسانی میں منہ کو اسی لئے وجہ کہتے ہیں کہ پہلے وہی نظر آتا ہے لہٰذا **وجہ النھار** کے معنی ہوئے دن کا شروع حصہ یعنی وقت صبح۔ ربیع ابن زیاد کہتا ہے۔

من کان مسرورا بمقتل مالک فلیات نسوتنا بوجہ النھار

بعض نے فرمایا کہ کسی چیز کے اعلیٰ و اشرف حصہ کو اس کا وجہ کہا جاتا ہے۔ لہٰذا وجہ النھار سے مراد وقت صبح ہے۔ جو دن کا افضل حصہ ہے کہ اس وقت تمام مخلوق رب کی عبادت کرتی ہے اور اسی وقت رات و دن کے محافظ فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وقرآن الفجر** نیز صحابہ کرام کی خواہش تھی کہ صبح کو پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھیں۔ ابن اعرابی نے فرمایا کہ **وجہہ النھار** صدر نہار، شباب نہار، اول نہار ان سب کے ایک ہی معنی ہیں۔ یعنی اہل کتاب کے ایک گروہ نے اپنے بعض خاص دوستوں سے کہا کہ مسلمانوں کو اس طرح بہکاؤ کہ تم صبح کے وقت اسلام لا کر مصنوعی مسلمان بن جاؤ اور **واکفروا اخرہ لعلھم یرجعون** اؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ **امنوا** پر معطوف اور **اکفروا** سے اظہار کفر مراد ہے۔ ورنہ وہ پہلے کافر تھے آخر دن سے مراد یا وقت ظہر یا شام کا وقت **لعلھم** کی ضمیر صحابہ کرام یا عام مسلمانوں کی طرف لوٹتی ہے اور **یرجعون** سے مسلمانوں کا اسلام سے پھر جانا اور مرتد ہو جانا مراد ہے یعنی صبح کو مسلمان بن کے شام کو اپنا کفر ظاہر کرو تاکہ سیدھے سادے مسلمان تمہیں پھرتے ہوئے دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں یا کم از کم شبہات میں پڑ جائیں چونکہ اس وقت تک مرتد کو قتل کرنے کے احکام اسلام میں نہ آئے تھے اس لئے ان کتابیوں کی یہ ہمت و جرات ہوئی۔ جب قتل مرتد کے احکام آگئے تو پھر کس میں ہمت تھی کہ اسلام لا کر پھر کافر ہو جاتا وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص اسلام لا کر کچھ روز بعد بولا کہ میری بیعت فسخ کر دیجئے۔ حضور نے بہت سمجھایا وہ نہ مانا اور کافر ہو کر چلا گیا۔ تو فرمایا ہمارا مدینہ بھٹی ہے گندے کو نکال دیتا ہے۔ یہ اس وقت کی حدیث ہے جبکہ مرتد قتل نہ کئے جاتے تھے۔ خیال رہے کہ مرتد کا قتل قرآن شریف سے بھی ثابت اور عقل سے بھی۔ قرآن کریم فرماتا ہے **توبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم** احادیث اس بارے میں بہت ہیں۔ آج حکومتیں ملکی قانون کے باغیوں کو گولی سے اڑا دیتی ہیں۔ پھانسی دے دیتی ہیں۔ ایسے ہی مرتد اسلام کا باغی ہے قتل کا مستحق ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے علمائے اہل کتاب تم توریت و انجیل کے ماننے کا دعویٰ کرتے ہو۔ تو اس کی ان آیتوں کے منکر کیوں ہو جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں ہیں۔ حالانکہ تمہارے دل گواہی دے رہے ہیں کہ تم اپنے اس کام میں بڑے مجرم ہو اور ظاہر ہے کہ اقراری مجرم سخت سزا کا مستحق ہے۔ اے اہل کتاب غور کرو کہ تم سچ کو جھوٹ کے ساتھ حق کو باطل کے ساتھ توریت و انجیل کی اصلی آیتوں کو اپنی بناوٹی آیتوں کے ساتھ کیوں ملاتے ہو اور اپنے لوگوں تک حق کیوں نہیں پہنچنے دیتے۔ حالانکہ تم جانتے بھی ہو کہ ایسی حرکتیں کرنے والا کس سزا کا مستحق ہے تم جان بوجھ کر عذاب کے حقدار اور مستحق نار کیوں بنتے ہو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کتابیوں کے مکر و فریب اس حد تک بڑھے ہوئے ہیں کہ ان کی ایک جماعت نے مسلمانوں کو بہکانے کی تدبیر یہ سوچی کہ اپنے خاص لوگوں سے کہا کہ تم صبح کے وقت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اسلام لے آؤ اور مشرف باسلام ہو کر مسلمان بن جاؤ اور شام کو پوری جماعت کی جماعت اسلام سے پھر کر مرتد ہو جائے۔ تاکہ تمہاری جماعت کا

www.alahazratnetwork.org

لوٹنا سیدھے سادے مسلمانوں پر برا اثر ڈالے اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ لوگ ضدی بلکہ تلاش حق میں اسلام لائے تھے اور چونکہ یہ اہل علم ہیں اب ان کا لوٹنا اس کی دلیل ہے کہ واقعی انہوں نے اسلام میں کچھ کمی پائی اس لئے پھر گئے۔ لہٰذا تمہارے ساتھ وہ بھی اسلام سے پھر جائیں۔ رب کی قدرت کے قربان کہ اِدھر تو انہوں نے یہ خفیہ تدبیر کی اُدھر اس سے مسلمانوں کو آگاہ کر دیا۔ اور ان کا راز فاش کر دیا گیا۔ جس سے ان کا یہ وار بھی خالی گیا۔ اور کیا تعجب تھا کہ جو لوگ مصنوعی مسلمان بنتے وہ حضور علیہ السلام کی صحبت سے حقیقی مومن ہو کر اس شعر کے مصداق بنتے۔

شدد غلامے کہ آب جو آرد آب جو آمد و غلام ببرد

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: علم بے عمل وبال اور باعث عذاب الٰہی ہے۔ دیکھو علمائے یہود نے جان بوجھ کر حضور علیہ السلام کا انکار کیا۔ لہٰذا وہ سخت عذاب و عتاب کے مستحق ہوئے۔ اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ العلم حجاب اکبر۔ خیال رہے کہ علم ایک تلوار ہے۔ جس کا صحیح استعمال مفید اور غلط استعمال خود عالم کے لئے مضر ہے۔ دوسرا فائدہ: تمام گواہیوں میں صرف قول کافی ہے۔ مگر ایمانیات کی گواہی میں عقیدہ بھی ضروری ہے۔ یہاں بغیر عقیدت کلمہ پڑھنا اور توحید و رسالت کی گواہی دینا کفر ہے۔ اس گواہی میں لطف یہ ہے کہ بسا اوقات کلام سچا ہے مگر بولنے والا جھوٹا ہوتا ہے جیسا کہ وانتم تشھدون سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: کفار نے اسلام کے مٹانے میں کوئی کوتاہی نہ کی۔ اسلام کی بقا محض رب تعالیٰ کے کرم سے ہے۔ جیسا کہ اس واقعہ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: تقیہ کرنا تمام عیبوں کی جڑ اور انتہا درجہ کی برائی ہے۔ علماء یہود نے اپنے ان لوگوں کو تقیہ کی تعلیم دیکر اسلام کو برباد کرنا چاہا۔ سب سے پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ حضرت آدم سے عرض کیا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں حالانکہ بد خواہ تھا جس دین میں تقیہ ہو وہ یہودیت سے نکلا ہے۔ پانچواں فائدہ: کفار کی چاپلوسی پر اعتماد نہ کرنا چاہئے۔ بسا اوقات ان کی نمازیں روزے بلکہ ان کا کلمہ طیبہ پڑھنا سیاسی ہوتا ہے نہ کہ دینی۔ غضب تو دیکھو کہ یہود نے مسلمانوں کو بہکانے کے لئے ایمان قبول کر کے نمازیں پڑھ کر مرتد ہونے کی ٹھان لی۔ خیال رہے کہ کفار کی یہ تدبیریں اب بھی باقی ہیں۔ ہر سال بعض یہودی فرمان مصطفوی کے نام سے اشتہار چھاپتے ہیں جس میں لکھتے ہیں کہ شیخ احمد خادم روضۂ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضور علیہ السلام کی خواب میں زیارت کی کہ ان سے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس ہفتہ میں اتنے مسلمان مرے جن میں سے پچانوے فی صدی کافر ہو کر مرے اور پانچ فیصدی مسلمان۔ میں خدا کے سامنے اپنی امت کی بد عملیوں سے سخت شرمندہ ہوں فلاں سنہ میں سورج مغرب سے نکلے گا اور فلاں سنہ میں یاجوج ماجوج ظاہر ہوں گے اور فلاں سنہ میں لوگوں کی صورتیں مسخ ہوں گی۔ اور جو اس مضمون کو نہ مانے کافر ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب یہود کی حرکتیں ہیں تاکہ مسلمان ان حالات کو سن کر اسلام سے بد دل ہوں اور ان پیشین گوئیوں کی غلطی معلوم کر کے بانیٔ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے پھر جائیں اور سوچیں کہ بارہا ایسی پیشین گوئیاں ہوئیں مگر ظاہر کچھ بھی نہ ہوا۔ حالانکہ روضۂ مطہرہ کے خدام میں کسی کا نام شیخ احمد نہیں۔ سیدھے سادے مسلمان اسے وحی الٰہی سمجھ کر چھاپتے اور شائع کرتے ہیں یہ یہودیوں کی وہی پرانی چال ہے۔ بعض مسلمان ووٹ کے بھوکے انتخاب کے زمانہ میں مشہور پیروں کے مرید ہو جاتے ہیں تاکہ ان کے مریدین کے ووٹ حاصل کر سکیں۔ ووٹوں کی خاطر نمازیں، خیرات چندے دینے شروع کر دیتے ہیں۔ بعد

www.alahazratnetwork.org

اجتناب نہ مریدی رہتی ہے نہ نماز۔ یہ موسمی متقی پرہیزگار اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ نفسانی یا شیطانی متقی نہ بنیں۔ بلکہ ایمانی و روحانی متقی بنیں۔ سیاسی نماز خراب کرے گی۔ چھٹا فائدہ: اہل کتاب کو بھی مسلمانوں کی پختگی کا پتہ تھا۔ اس لئے وہ مسلمانوں کے مرتد ہونے پر یقین نہ رکھتے تھے۔ بلکہ اتنی تدبیر سوچ کر بھی یہی کہتے تھے۔ لعلهم یرجعون مسلمان شاید ہی ایمان سے پھریں۔ جو روافض کہ حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم و دیگر صحابہ کرام کو دنیوی لالچ سے مرتد مانتے وہ یہود سے بدتر ہے کہ یہود کو صحابہ کی پختگی پر اعتماد تھا انہیں نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ میں اپنا کلام ملانا طریقہ یہود ہے اور خدا کے غضب کا باعث، تو مسلمان قرآن میں سورتوں کے نام رکوع و آیات کی تعداد کیوں لکھتے ہیں۔ نیز مفسرین قرآن کی آیات کے ساتھ اپنی تفسیری عبارتیں کیوں تحریر کرتے ہیں۔ جواب: کتاب اللہ میں اپنی عبارتیں بڑھانا اس طرح کہ اصلی اور اپنی عبارتوں میں فرق نہ رہے یہ حق و باطل کا مخلوط کرنا ہے اور اپنی عبارتوں کا کلام الٰہی بنانا یہ بھی حق و باطل کی تلبیس ہے۔ کوئی مسلمان قرآن شریف میں ایسی حرکت نہیں کرتا۔ حضرت عثمان نے مصحف ابن مسعود وغیرہ اس لئے جلا دیئے کہ ان میں کچھ تفسیری نوٹ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفسیر کے طور پر فرمائے تھے، وہ شامل تھے۔ خالص اصل قرآن باقی رکھا۔ مسلمان تو ان چیزوں کو الگ شکل میں لکھتے ہیں یا حاشیہ پر تحریر کرتے ہیں۔ بلکہ قرآن کو اردو، انگریزی و ہندی خط میں لکھنا منع کرتے ہیں۔ بلکہ اس کی تلاوت بھی ایسی کرتے ہیں۔ جس سے دوسرے کلاموں سے قرآن ممتاز رہے۔ مسلمانوں کی سی حفاظت قرآن کسی قوم نے نہ کی۔ عیسائیوں نے تو حضرت عیسیٰ کی ہسٹری اور ان کے ملفوظات کو جسے ان کے حواریوں نے جمع کیا تھا انجیل کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ اس میں ایک لفظ بھی کلام الٰہی نہیں معلوم ہوتا۔ دوسرا اعتراض: یہاں **امنوا بالذی انزل** کیوں فرمایا گیا۔ **اسلموا** کیوں نہ فرمایا گیا کیونکہ وہاں محض اظہار ایمان تھا جیسا اسلام کہہ سکتے ہیں نہ کہ ایمان؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ یہود کا کلام ہے۔ انہوں نے اظہار ایمان کو ایمان ہی کہا۔ رب تعالیٰ نے وہی نقل فرما دیا۔ اگر غلطی ہے، تو ان کی۔ دوسرے یہ کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ اس عمدگی سے اظہار ایمان کرو کہ مسلمان تمہیں سچا مومن سمجھ جائیں انہیں تمہارے نفاق کا شبہ بھی نہ ہو۔ اس مبالغہ کے لئے امنوا کہا نہ کہ اسلموا۔ تیسرا اعتراض: یہود قرآن کے کتاب اللہ ہونے کے منکر تھے۔ پھر انہوں نے **انزل علی الذین امنوا** کیوں کہا وہ تو اسکے نزول کے معتقد تھے ہی نہیں۔ جواب: اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے عقیدہ کے لحاظ سے انزل کہا گیا نہ کہ خود یہود کے عقیدہ کے لحاظ سے یعنی جس کے نزول کے مسلمان مدعی ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ دل سے قرآن کو کلام اللہ جانتے تھے اگرچہ زبان سے منکر تھے۔ چونکہ یہ گفتگو خلوت میں کر رہے تھے لہٰذا انہوں نے دل کی بات کہہ دی۔ چوتھا اعتراض: یہود نے ایمان کے لئے شروع دن اور کفر کے لئے آخر دن کو کیوں منتخب کیا کہ کہا صبح ایمان لے آؤ اور شام کو کافر ہو جاؤ۔ جواب: اس کے بھی چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ شروع دن سے نماز صبح مراد ہے اور آخر دن سے نماز مغرب اور **امنوا بالذی** سے کعبہ کی طرف نماز پڑھنا مراد ہے۔ مطلب یہ تھا کہ فجر کی نماز کعبہ کی طرف باقاعدہ اسلامی پڑھ لو۔ اور مغرب کی نماز یہود کے طریقہ پر بیت المقدس کی طرف چونکہ ان دونوں وقتوں میں نمازی زیادہ ہوتے ہیں اس لئے تمہارا ایمان و کفر سب پر ظاہر ہو گا اور تدبیر کارگر رہے گی۔ دوسرے یہ کہ ان کا مطلب یہ تھا کہ صبح کے وقت جب بارگاہ نبوی میں صحابہ کرام کا مجمع کافی ہوتا ہے، تب سب کے سامنے ایمان قبول کرو۔ پھر شام کو بھی صبح کی سی رونق ہوتی

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ تب سب کے سامنے مرتد ہو اور وجہ ارتداد بھی بیان کرو۔ تیسرے یہ کہ صبح شام سے مراد تھوڑی مدت ہے۔ مطلب یہ تھا کہ ایمان لا کر بہت جلد مرتد ہو جاؤ۔ مسلمانوں میں زیادہ نہ ٹھہرو۔ ایسا نہ ہو کہ وہیں رہ جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا دل زرخیز زمین کی طرح ہے۔ زرخیز زمین میں اگر پھل پھول کا تخم ڈالا جائے تو وہاں پھلوں پھولوں کے باغ لگ جاتے ہیں۔ اور اگر کانٹوں کا بیج بویا جائے تو وہ تمام خطہ خارستان بن جاتا ہے۔ نیز بارش کلپانی بویا ہوا تخم ہی اگاتا ہے۔ تخم کو بدلتا نہیں۔ اگر انسان کے دل میں سعادت کا بیج ہے تو قرآن و توریت و انجیل کی آیتیں جو کہ رحمت کلپانی ہیں اس سعادت کو ظاہر کردیں گی۔ اور اس میں بدبختی کا تخم ہے تو ان ہی آیات سے بدبختی اور زیادہ ظاہر ہو جائے گی۔ یہاں رب نے فرمایا اے کتاب والو! آیات اللہ کے ذریعہ کافر کیوں ہوئے جاتے ہو۔ حالانکہ تم اپنا کفر خود مشاہدہ کر رہے ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ من زشت و خصالم جملہ زشت ۔۔۔ کے شوم گل چوں یمن آں خار کشت
نو بہار احسن گل دہ خار را ۔۔۔ زینت طاؤس دہ ایں مار را
اے عظیم از ما گناہان عظیم ۔۔۔ می توانی عفو کردن اے کریم
دستگیرم در چنیں بے چارگی ۔۔۔ شاگرد دانم دریں غم خوارگی
حرمت آنکہ دعا آموختی ۔۔۔ در چنیں ظلمت چراغ افروختی
دستگیر و رہنما توفیق دے ۔۔۔ جرم بخش و عفو کن یکتا کرہ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین حق ہے' دنیا باطل۔ اور دین کو دنیا سے مخلوط کرنا کہ نماز ریا کے لئے پڑھے' علم دین' دولت شہرت کے لئے سیکھے یہ حق کو باطل سے ملانا ہے۔ اسی طرح مسلمان ہو کر کافروں کے سے اخلاق ان کی سی صورتیں اختیار کرے یہ بھی حق کو باطل سے ملانا۔ جیسے دودھ گائے بھینس کے گوبر و خون میں سے آتا ہے مگر صاف ستھرا ہوا ہوتا ہے کہ ان میں گوبر و خون کا کوئی اثر نہیں ہوتا۔ ایسے ہی مومن کے اعمال صالحہ ایسے خالص صاف اور ستھرے' نکھرے ہوئے ہونے چاہئیں کہ ان میں نفس امارہ اور دنیا کا شائبہ بھی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **تکتمون الحق** میں حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے معنی لازوال چیز یا صحیح درست یا حکمت و اسرار والی چیز۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت لازوال ہے آپ کا ہر قول و فعل درست ہے آپ کی ہر ادا میں حکمت و راز ہے اس لئے آپ کا نام حق ہوا۔ اس آستانہ تک باطل کی رسائی نہیں۔ کفار اندھے چور کی طرح ہیں۔ اندھا اگرچہ مجمع میں کھڑا ہو مگر اپنے کو تنہا سمجھ کر سب کے سامنے خوش ہو کر چوری کرتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی نہیں دیکھتا۔ حالانکہ سب دیکھتے اور اس کی حماقت پر ہنستے ہوتے ہیں۔ کافر بھی خلوت میں اپنے کو اکیلا سمجھ کر اسلام کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں۔ حالانکہ اس وقت وہ ملائکہ کے مجمع اور رب تعالیٰ کے علم میں ہوتے ہیں۔ دیکھو یہود نے اپنے کو تنہا سمجھ کر یہ تدبیر سوچی مگر چونکہ وہ حقیقتاً تنہا نہ تھے۔ اس لئے ان کا راز فاش ہو گیا۔ کفر و بے دینی بلکہ گناہ کی وجہ رب تعالیٰ سے غفلت ہے تو جو کوئی گناہ کرتے وقت سمجھ لے کہ مجھے رب تعالیٰ دیکھ رہا ہے وہ انشاء اللہ گناہ کر سکتا ہی نہیں۔ مسلمانوں کی دولت ایمان کا رب تعالیٰ حافظ ہے۔ دیکھو یہود نے ڈکیتی کی انتہائی تدبیر سوچی تھی۔ مگر حق تعالیٰ نے ان کا راز فاش کر کے اس تدبیر کو بیکار کر دیا۔ اور مسلمانوں کے ایمان کو ان چوروں سے بچا لیا۔ لہٰذا امید ہے کہ وہی مولیٰ آئندہ بھی ہمارے ایمان کو محفوظ رکھے گا۔ اس کے بہت دشمن ہیں۔ نفس امارہ و شیطان برے ساتھی سب اس کے پیچھے پڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی کے

www.alahazratnetwork.org

فضل و کرم سے یہ محفوظ رہ سکتا ہے۔

وَلَا تُؤْمِنُوْۤا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ یُّؤْتٰۤى

اور نہ تصدیق کرو مگر واسطے اس کے جو اتباع کرے دین تمہارے کی فرمادو کہ تحقیق ہدایت اللہ کی ہدایت ہے

اور یقین نہ لاؤ مگر اس کا جو تمہارے دین کا پیرو ہے۔ تم فرمادو کہ اللہ ہی کی ہدایت ، ہدایت ہے (یقین نہ لاؤ) اس کا کہ

اَحَدٌ مِّثْلَ مَاۤ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ

یہ کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو دیئے گئے تم یا جھگڑا کریں وہ تم سے نزدیک رب تمہارے کے فرمادو تحقیق

کسی کو ملے جیسا تمہیں ملا یا کوئی تم پر حجت لاسکے تمہارے رب کے پاس تم فرمادو کہ فضل تو اللہ ہی

یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ

فضل قبضہ میں اللہ کے ہے دیتا ہے اس کو جسے چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے خاص فرماتا ہے ساتھ

کے ہاتھ ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے

ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

رحمت اپنی کے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ مضمون گزشتہ ان ہدایتوں کا تتمہ ہے جو علمائے یہود اپنے پیروکاروں کو کرتے تھے۔ یعنی انہوں نے اپنے خاص لوگوں سے کہا تھا کہ صبح کو بظاہر ایمان لے آؤ۔ اور شام کو مرتد ہو جاؤ مگر ساتھ ہی یہ بھی ہدایت کی تھی کہ تم سوا اپنے علماء کے کسی کی بات نہ ماننا۔ ایسا نہ ہو کہ تم صحابہ کرام کی باتوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلکش ہدایتوں کو سن کر انہیں کے ہو جاؤ۔ گویا انہیں دو ہدایتیں کی تھیں ایک کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا۔ اور دوسری کا اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں علماء یہود کا کلام نقل فرمایا گیا۔ اب رب تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرما رہا ہے کہ تم ہر نو مسلم کی چکنی چپڑی باتوں پر اعتماد نہ کرلیا کرو بلکہ پختہ مسلمانوں کی بات پر اعتماد کرو جیسا کہ اس کی ایک تفسیر سے معلوم ہوگا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ علماء یہود نے اپنے جن ساتھیوں کو ظاہری مسلمان ہو جانے پر آمادہ کیا ان سے یہ بھی کہا تھا کہ لعلهم يرجعون مسلمان شاید ہی اسلام سے ہٹیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے یہ بھی کہا کہ تم یہ کوشش اپنے دینی بھائیوں کی پختگی کے لئے کرو نہ کہ مسلمانوں کو ہٹانے کے لئے ان کا ہٹانا بہت مشکل ہے۔ تمہاری اس حرکت سے خود تمہارے بھائی یہودیت پر پختہ ہو جائیں گے۔ گویا اس فریب کی ایک وجہ پچھلی آیت میں بیان ہوئی تھی اور

www.alahazratnetwork.org

دوسری وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔ خیال رہے کہ علماء یہود کی ان تمام تقریروں کا تعلق شان نبوت سے تھا کہ وہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے انکاری تھے۔ مگر چونکہ نبوت کا انکار درپردہ رب کی شان کا انکار ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں اپنا انکاری قرار دیا۔ اور انکی تردید میں اپنی صفات عالیہ کا ذکر فرمایا۔ صفات الٰہی کا آئینہ ذات پیغمبر ہے۔ لہٰذا آیت پر یہ سوال نہیں کہ اس آیت کو ان کی تقریر سے کوئی تعلق نہیں۔

تفسیر : خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ ترکیب و ترجمہ کے لحاظ سے نہایت دشوار ہے' اسی لئے مفسرین کرام نے اس کی چند تفسیریں اور مختلف ترکیبیں کی ہیں۔ نہایت آسان اور قوی اور واضح تر تفسیر یہ ہے کہ **ولا تومنوا** سے **عندربکم** تک سارا کلام یہود کا ہے سوا اس جملہ کے **قل ان الهدی هدی الله** اور یہ آیت **امنوا** اور **واکفروا** پر معطوف ہے اور **ولا تومنوا** میں ایمان یا بمعنی تصدیق ہے تو **لمن تبع** کا لام زائدہ ہے جیسے **ردف لکم** کا لام اور یا بمعنی اقرار ہے تو لام صلہ کا ہے اور **ان یوتی احداً** لا **تومنوا** کا مفعول ہے اور او عاطفہ ہے۔ **یحاجوکم** **یوتی** پر معطوف اور **عند ربکم** **یحاجوکم** کا ظرف ہے اب معنی بالکل واضح ہو گئے۔ یعنی علمائے یہود نے جنہیں ظاہری مسلمان ہونے پر آمادہ کیا انہیں یہ ہدایت کی کہ تم اپنے دین والے یعنی یہودیوں کے سوا کسی کے متعلق نہ یہ اقرار کرنا کہ کسی کو تم جیسے درجات تم جیسی ہدایت اور تم جیسی کتاب مل سکتی ہے۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ کوئی قیامت میں رب کے نزدیک تم سے مناظرہ کر سکے۔ کیونکہ حق پر تم ہو اور باقی سب باطل پر۔ خلاصہ یہ ہے کہ بظاہر مسلمان تو بن جاؤ لیکن درپردہ اپنے ایمان پر قائم رہنا۔ درمیان میں جملہ معترضہ کے طریقہ پر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ بے وقوفو! ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے جسے چاہے ہدایت بنادے اور جس ذہن کو چاہے گمراہی قرار دے تم ہدایت کو اپنے دین میں محدود کیوں مانتے ہو ایک وقت یہودیت ہدایت تھی۔ اب اسلام ہدایت ہے اس پر تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ نے اعتماد کیا اور اسی تفسیر کی جانب اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اشارہ کر رہا ہے چونکہ **امنوا** ایمان سے بنا ایمان کے لغوی معنی ہیں ماننا' قبول کرنا' اصطلاحی معنی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں کو قبول کرنا۔ اس جگہ دونوں معنی درست ہیں۔ اس لئے اس کے علاوہ کچھ تفسیریں اور بھی ہیں۔ ایک یہ کہ ساری آیت رب تعالیٰ کا کلام ہے اور **لا تومنوا** میں مسلمانوں سے خطاب یعنی اے مسلمانو! تم علمائے اسلام کے سوا کسی اور کی بات نہ مانو۔ نہ تم جیسے فضائل کسی کو دیئے گئے کیونکہ تم نبی آخر الزمان کی امت ہو (صلی اللہ علیہ وسلم) اور نہ کوئی تم سے قیامت میں جھگڑا کر سکے کیونکہ حق پر تم ہو۔ اور باقی باطل پر (خازن و روح المعانی) دوسرے یہ کہ یہ کلام یہود کا ہے مگر **لا تومنوا** ایمان سے بنا۔ اور **لمن تبع** کلام نفع کا ہے اور باقی ترکیب وہی ہے جو پہلے عرض کی جاچکی۔ یعنی علمائے یہود نے کہا اے دوستو تم یہ حرکت مسلمانوں کو بہکانے کی نیت سے نہ کرو وہ اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں۔ تم یہ سب کچھ اپنے دینی بھائیوں کے لئے کرو تاکہ وہ تمہارے اس فعل کو دیکھ کر یہودیت پر پختہ ہو جائیں تیسرے یہ کہ **لا تومنوا** ایمان سے بنا۔ اور **لمن تبع** کلام نفع کا ہے اور باقی ترکیب وہی ہے جو پہلے عرض کی جاچکی۔ یعنی علمائے یہود نے کہا اے دوستو تم یہ حرکت مسلمانوں کو بہکانے کی نیت سے نہ کرو وہ اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں۔ تم یہ سب کچھ اپنے دینی بھائیوں کے لئے کرو تاکہ وہ تمہارے اس فعل کو دیکھ کر یہودیت پر پختہ ہو جائیں تیسرے یہ کہ **لا تومنوا** امن سے بنا بمعنی مطمئن ہونا اور مطلب یہ ہوا کہ اے دوستو اپنے دین والوں کے سوا کسی پر اعتماد نہ کرو چوتھے یہ کہ **قل ان الهدی** سے اخیر تک رب تعالیٰ کا کلام ہے اور علمائے یہود

www.alahazratnetwork.org

کاکلام دینکم پر ختم ہو چکا وہ اس طرح کہ **الهدی** مبتدا ہے اور **هدی الله** اس کا بدل اور **ان یؤتی** میں لا پوشیدہ ہے اور یہ جملہ اس کی خبر یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمادو کہ حقیقی ہدایت یعنی اللہ کی ہدایت یہی ہے کہ کسی کو مسلمان جیسے فضائل نہیں دیئے جاسکتے جو کوئی کسی قوم کو مسلمانوں کی طرح ہدایت پر مانے وہ گمراہ ہے۔ اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں۔ ہم طوالت کے خوف سے چھوڑتے ہیں اگر دیکھنا ہو تو تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ کا مطالعہ کرو۔ **قل ان الفضل بید الله** یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اس سے مراد یا نبوت ہے یا ہدایت۔ اور اس میں یہود کے اس قول کی تردید ہے کہ نبوت و ہدایت ہمارے ساتھ خاص ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم فرمادو کہ فضل اللہ کے قبضے میں ہے۔ خیال رہے کہ فضل کے معنی ہیں مہربانی جو چیز کسی کو اس کے استحقاق کے بغیر دی جائے وہ فضل ہے۔ رب نے دنیا و آخرت کی نعمت جو بھی جسے دی اپنی مہربانی سے دی ہمارا استحقاق نہ تھا۔ ید کے معنی ہیں ہاتھ مگر رب تعالیٰ جسمانی ہاتھ پاؤں سے پاک ہے کہ جسمانیت ہزارہا چیزوں کی محتاج ہے لہٰذا اس کی جناب میں ہاتھ سے مراد قبضہ ہوتا ہے۔ بندوں کو کوئی چیز دینے سے پہلے بھی وہ چیز اللہ کے قبضہ میں تھی اور دے دینے کے بعد بھی اس کے قبضہ میں ہے کہ جسے چاہے دے اور جس سے چاہے دے کر لے لے۔ یہ بہرحال مالک بھی وہ ہے قابض بھی وہ لہٰذا **یؤتیه من یشاء** جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے اس طرح کہ اب تک نبوت بنی اسرائیل میں رہی اب منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں آگئی۔ **والله واسع علیم** اللہ وسعت والا بھی ہے کہ اس کا فضل کسی قوم پر محدود نہیں۔ اور علم والا بھی ہے کہ اہل و نااہل کو جانتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ تو وسعت والا ہے۔ اس کے ہاں کسی چیز میں تنگی نہیں مگر وہ اپنے بندوں کی حیثیت و لیاقت کو جانتا ہے جو بندہ جس حیثیت کا ہوتا ہے اسے اتنا ہی فضل و کرم دیتا ہے۔ سمندر کی دین میں کمی نہیں مگر ہر شخص اپنے برتن کے موافق اس سے پانی لیتا ہے۔ کنوئیں میں پانی بہت ہے مگر بھرنے والوں کے ڈول مختلف ہیں لہٰذا وسعت کو علم کے ساتھ جمع فرمانا اور وسعت کو علم سے پہلے ارشاد فرمانا بہت ہی موزوں ہے اور پھر ان دونوں سے پہلے مشیت کا ذکر فرمانا سبحان اللہ۔ بہت بہتر ہے کہ مخلوق کی حیثیت رب کی عطا سے ہے۔ **یختص برحمته من یشاء** **یختص** اختصاص سے بنا۔ رحمت مخصوص بہ ہے اور **من یشاء** مخصوص کیونکہ ر مخصوص بہ پر آتی ہے۔ یہاں رحمت یا تو فضل سے عام ہے یا خاص اس طرح کہ فضل سے مراد نبوت ہو اور رحمت سے مراد ہدایت ہو۔ یا اس کے برعکس کوئی دوسرا شخص خدا کی رحمت کو کسی قوم سے خاص نہیں کرسکتا لیکن اگر وہی کسی کو خاص کردے تو وہ مالک ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اس رحمت سے مراد اللہ کا ذکر ہے۔ ابن جریج رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے اسلام اور قرآن مراد ہے۔ کسی تفسیر کا قول ہے کہ اس سے نبوت مراد ہے۔ (روح المعانی) اس جملہ کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ رب جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے خاص فرماتا ہے کہ اسے مخصوص رحمت فرماتا ہے یا رب جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ذریعہ اپنی نعمتوں سے خاص کرتا ہے۔ یا برحمتہ کی ب یا صلہ کی یا سببیہ۔ **والله ذوالفضل العظیم** فضل اور عظیم کی تفسیر بارہا ہوچکی۔ یہاں ذو یا تو بمعنی مالک ہے۔ جیسے زید ذو مال یا بمعنی موصوف جیسے زید ذو علم یعنی اللہ بڑے فضل کا مالک ہے۔ یا اللہ بڑے فضل والا ہے مگر مالک کے معنی زیادہ قوی ہیں کیونکہ بعض لوگوں نے فضل عظیم سے دین اسلام مراد لیا ہے اور بعض نے توفیق خیر۔ اور ظاہر ہے کہ خدا پاک اس کا مالک ہے نہ کہ اس سے موصوف (از خازن)۔ خیال رہے کہ فضل بمعنی فضیلت بھی ہوتا ہے اور بمعنی فاضل بھی۔ یعنی اصل پر زائد اور بمعنی تفضل بھی (مہربانی کرنا) یہاں ہر معنی بن سکتے ہیں۔ (خازن)۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : علمائے یہود نے جب بعض لوگوں کو دھوکے کیلئے اسلام لانے پر آمادہ کیا تو انہیں یہ تعلیم دی کہ اے دوستو اپنے دین والوں کے سوا کسی کے متعلق یہ بات نہ ماننا کہ اس کو تمہاری طرح درجات و بزرگیاں دی جائیں۔ تم موسیٰ علیہ السلام کی امت صاحب توریت اور صاحب درجات ہو۔ تمہارے سوا اور کسی کو یہ بزرگیاں حاصل نہیں ہو سکتیں اور یہ بھی نہ خیال کرنا کہ کوئی قیامت میں رب تعالیٰ کے سامنے تم سے حجت بازی کر سکے کیونکہ تم ہی سچے ہو اور سب جھوٹے۔ اور جھوٹوں کی کیا طاقت کہ سچوں کے منہ لگیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس جا کر ان کی صحبت میں رہ کر انہیں سچا نہ جان لینا۔ بلکہ اپنے دین پر قائم رہنا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان بیوقوفوں سے فرمادو کہ حقیقی ہدایت وہ ہے۔ جو اللہ کی طرف سے ملے۔ رب تعالیٰ جب چاہے۔ جس دین کو چاہے ہدایت بنادے اور جس کو چاہے منسوخ کر کے اس کو گمراہی قرار دے۔ اس سے پہلے یہودیت ہدایت تھی۔ اب اسلام رات میں چراغ نور کا ذریعہ تھا۔ مگر دن میں سورج، دن میں چراغ سے نور نہ لو ورنہ پاگل کہلاؤ گے۔ اب آفتاب ہدایت طلوع ہو چکا توریت و انجیل کی شمعیں گل ہو چکیں اب ان سے ہدایت لینا حماقت ہے۔ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی فرمادو کہ فضل و کرم اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جسے چاہے دے۔ جس پر خدا افضل کرے وہ تمہاری ان فریب کاریوں سے پھسل نہیں سکتا۔ تم لاکھ کوشش کرو۔ مسلمان اسلام سے نہیں ہٹیں گے۔ اللہ وسعت والا بھی ہے اور علم والا بھی۔ جس شخص کو جس نعمت کا اہل جانتا ہے اسے وہی عطا فرماتا ہے جسے چاہتا ہے اپنی خاص رحمت سے مخصوص فرمادیتا بھی اس کی مہربانی ہے۔ کسی زمین کو زعفران کی پیداوار کے لئے مخصوص فرماتا ہے کسی کو تیل و کوئلہ سونے، چاندی کے لئے۔ ایسے ہی، کسی انسان کو نبوت کے لئے مخصوص فرماتا ہے۔ کسی کو ولایت کے لئے۔ کسی کو خاص ہدایت کیلئے یا اللہ تعالیٰ بڑی فضیلت سے موصوف ہے اس کی شان مخلوق کے وہم و گمان سے برتر ہے۔

قول میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا   پہچان گیا میں تیری پہچان یہ ہی ہے

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر شخص اپنے دین کو اعلیٰ اور اپنی قوم کو افضل سمجھتا ہے خواہ کتنا ہی گمراہ ہو۔ دیکھو علمائے یہود نے ہدایت کو اپنے میں منحصر سمجھا حالانکہ بدترین گمراہ تھے۔

لطیفہ : کسی نے ایک چمار سے پوچھا کہ دنیا میں اتنی قومیں ہیں کیا تمہارے سوا کسی کو نجات بھی ہے۔ وہ بولا ہرگز نہیں۔ کہا ذرا غور تو کر کسی کی بھی نجات ہے۔ وہ بولا نجات تو کسی کی نہیں۔ ہاں مسلمان شاید عذاب سے بچ جائیں۔ کیونکہ جب وہ کہتے ہیں **لا الہ الا اللہ** تو اس میں ہمارے لال گرو کا نام آجاتا ہے۔

پیر ما خس است مارا ہمیں بس است

دوسرا فائدہ : ہدایت پر وہی ہے جسے اللہ ہدایت دے۔ رب تعالیٰ جس کی تعریف کرے خواہ اسے سارا جہان برا کہے مگر وہ اچھا ہے اور جو رب تعالیٰ کے نزدیک برا ہے خواہ تمام دنیا اسے اچھا کہے برا ہے جیسا کہ ھدی اللہ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نبوت جس کسی کو ملتی ہے، محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتی ہے۔ اس میں استحقاق کا دخل نہیں۔ جیسا کہ **ان الفضل بید اللہ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ کی رحمت تنگ نہیں بہت وسیع ہے اس کو تنگ سمجھنے والا خود تنگ نظر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت کو کسی قوم سے خاص ماننا طریقہ یہود ہے کہ وہ اسے بنی اسرائیل سے

www.alahazratnetwork.org

خاص مانتے تھے اور حضور علیہ السلام کی نبوت کا صرف اس لئے انکار کرتے تھے کہ آپ بنی اسماعیل میں سے ہیں۔ لہٰذا جو کوئی نبوت کو اولاد ابراہیم (علیہ السلام) کے ساتھ خاص مان کر مرزا قادیانی کو محض اس لئے نبی نہیں مانتا کہ وہ اولاد ابراہیم سے نہیں، وہ درحقیقت یہود کا پیروکار ہے۔ رب تعالیٰ کی رحمت عام ہے۔ جسے چاہے نبوت سے نوازے۔ اسے خاص کون کر سکتا ہے۔ (مرزائی) جواب: اس کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے کہ **یختص برحمتہ من یشاء** بے شک اس کی رحمت عام ہے مگر جب وہ خود ہی کسی رحمت کو کسی قوم کیلئے خاص کر دے تو اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون۔ نبوت 'امامت' قضا صرف مردوں کے لئے خاص کر دی 'عورتوں کو اس سے محروم رکھا زمین مکہ کو حج کیلئے خاص کر دیا دوسرے خطوں کو اس سے محروم رکھا کہ سوا مکہ معظمہ کے حج کہیں نہیں ہوتا یہ تو روحانیات کا حال ہے۔ جسمانیت میں دیکھو تو یہی رنگ نظر آئے گا۔ زمین کشمیر کو سرسبزی و شادابی 'پھل پھول کے لئے خاص فرما دیا زمین حجاز کو خشک ریتلا بنایا۔ ایسے ہی ابراہیم علیہ السلام کے بعد سارے پیغمبر اولاد ابراہیم علیہ السلام ہی سے ہوئے۔ خود انہوں نے دعا فرمائی تھی **ومن ذریتی** خدایا میری ذریت میں نبی پیدا فرمانا۔ خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتب** ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں نبوت اور کتاب خاص فرما دی۔ آپ کے بعد کوئی نبی ایسا نہ آیا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے نہ ہو۔ یہود کا بنی اسرائیل کے لئے نبوت کو خاص ماننا توریت کے خلاف تھا مگر مسلمانوں کا اولاد ابراہیم علیہ السلام کے لئے نبوت خاص ماننا قرآن کریم سے ثابت ہے۔ رب کی رحمت کو خود رب خاص فرما سکتا ہے نہ کہ کوئی اور۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ بڑے فضل والا ہے اور اس کا فضل ہمیشہ جاری اور نبوت بھی ایک فضل ہے پھر وہ ختم کیوں ہو گئی۔ چاہئے کہ دیگر نعمتوں کی طرح اس کا سلسلہ بھی باقی رہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ یہودیانہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام پر نبوت ختم مان کر عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ (مرزائی)۔ جواب: نبوت ختم نہیں ہوئی بلکہ نئے نبی کا آنا بند ہو گیا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قیامت تک ہے آپ کی موجودگی میں کسی نئے نبی کی ضرورت نہیں۔ فرمایا گیا۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** یہود کا موسیٰ علیہ السلام کو خاتم النبین ماننا توریت کے خلاف ہے کہ توریت میں حضور علیہ السلام کی آمد کی خبر دی تھی۔ مسلمانوں کا حضور علیہ السلام کو خاتم النبین ماننا قرآن کریم سے ثابت۔ قرآن کریم میں حضور علیہ السلام کو خاتم النبین کا لقب دیا اور کسی پیغمبر کو یہ لقب عطا نہ فرمایا۔ ہر چیز اپنے وقت میں نعمت ہے۔ بے وقت ہو تو زحمت و عذاب ہے۔ بارش اس وقت تک رحمت ہے جب تک کہ کھیتی کچی ہو۔ کھیت کے پک جانے پر عذاب۔ دین کی کھیتی پک چکی **الیوم اکملت لکم دینکم** کا اعلان ہو چکا۔ اب نئی نبوت آنا کھیت کو خراب ہی کرے گا۔ تیسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ بنی اسرائیل میں صدہا پیغمبر آئے مگر بنی اسماعیل میں صرف ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی لئے تو یہود گھبراتے تھے کہ بنی اسماعیل کا خاندان 'خاندان نبوت ہی نہیں پھر اس میں نبی کیسے۔ اگر اس خاندان میں بھی نبی آتے رہتے تو اہل کتاب کو اس اعتراض کا موقعہ نہ ملتا۔ جواب: سارے پیغمبر تاروں کی مثل ہیں اور ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں۔ آٹھویں آسمان پر ہزاروں تارے مگر چوتھے آسمان پر صرف سورج ہی ہے ایک ملک میں حکام بہت سے رہ سکتے ہیں۔ مگر بادشاہ ایک ہی رہے گا۔ یہود اس راز کو نہ سمجھے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسا کہ ایمان صدہا اوصاف کی جڑ ہے کہ مومن کے جسم میں روح پر اعمال صالح کا باغ لگا جاتا ہے ایسے ہی حسد بد عملیوں کی اصل ہے۔ یہود کی یہ ساری حرکتیں محض حسد سے تھیں۔ اگرچہ حسد جبلت انسانی میں داخل ہے۔ جسے خدا

www.alahazratnetwork.org

بچائے وہی اس سے محفوظ رہتا ہے مگر علمائے سوء کو یہ بیماری خاص طور پر ہوتی ہے کہ وہ جس عالم کو اپنے سے افضل پاتے ہیں جل جاتے ہیں۔ علمائے یہود حاسد ہی تھے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ چند لوگ حساب سے پہلے جہنم میں جائیں گے 'ظالم حکام' خائن 'تاجر' حاسد عالم۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تین چیزیں گناہوں کی جڑ ہیں 'تکبر' حرص 'اور حسد تکبر نے عزازئیل کو ابلیس بنادیا۔ حرص نے قابیل کو تباہ کیا اور حسد نے بہت سے گھر برباد کردیئے۔ حاسد کی علامت یہ ہے کہ محسود کے سامنے اس کی چاپلوسی کرتا ہے اور پیٹھ پیچھے غیبت اور مصیبت پر طعن۔ رب تعالیٰ حاسد نہ بنائے 'محسود بنائے' حاسدوں کے حسد سے محسود کے فضائل ظاہر ہوتے ہیں۔ جیسے آگ سے عود کی خوشبو پھیلتی ہے۔ ہم نے حسد کے اسباب اور اس کے علاج دوسرے پارے میں تفصیل سے بیان کئے۔ جسے یہ بیماری ہو اسے چاہئے کہ ذکر اللہ کثرت سے کیا کرے اور آثار قدرت پر نظر رکھے کہ یہ اس کا بڑا علاج ہے۔ حق تعالیٰ ہمیں برے عیوب سے بچائے۔ اور مسلمانوں کی صفات عطا فرمائے۔ (از تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے اپنے تین نام بیان فرمائے۔ **واسع' علیم' ذوالفضل العظیم۔ واسع** وسعت سے بنا۔ بمعنی گنجائش یعنی ضیق و تنگی کا مقابل۔ واسع کے معنی ہیں' وسعت والا یا وسعت دینے والا۔ پہلے معنی میں یہ حمد الٰہی ہے دوسرے معنی میں حمد کے ساتھ نعت مصطفوی بھی۔ پہلے معنی کی دو توجیہیں ہیں ایک تردیدی دوسری تبلیغی۔ تردیدی کے معنی یہ ہیں کہ اے اسرائیلیو! کیا تم سمجھتے ہو کہ بنی اسرائیل کو کتاب نبوت یہ ہدایت دے کہ ہمارے ہاں اسٹاک ختم ہو گیا۔ اب کسی کو یہ چیزیں دینے کی گنجائش نہ رہی۔ غلط ہے۔ ہم واسع ہیں ہمارے خزانے ہر نعمت سے بھرے ہیں۔ مگر دیتے ہیں جان کر۔ تبلیغی معنی یہ ہیں کہ اے پوپ پادریو! اگرچہ تم گناہوں' بدکاریوں' رشوت ستانیوں میں ڈوبے ہوئے ہو مگر اب بھی توبہ کرلو ہم بڑی وسعت والے ہیں۔ ہر مجرم و بدکار کے لئے ہمارا دروازہ کھلا ہے۔ ہماری جنت بہت بڑی ہے۔ اگر اس کے معنی ہوں وسعت دینے والا تو مطلب یہ ہے کہ تمام بنی اسرائیل انبیاء کی نبوتیں محدود تھیں۔ جیسے چراغ وغیرہ کی روشنی۔ مگر ہم وسعت دینے والے ہیں' ہماری مخلوق میں کوئی ہستی وسعت لینے والی بھی چاہئے۔ وہی وسعت لینے والے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ اللہ نے انہیں وسعت دی۔ انہوں نے وسعتیں قبول کیں وہ سورج ہیں تمام نبی تارے ہیں مگر رب تعالیٰ یہ وسعتیں دیتا اس کو ہے۔ جس میں لینے کی قابلیت ہو۔ کیونکہ وہ علیم ہے۔ اس مخلوق میں ایسی وسعتیں لینے والا صرف یہی بندہ ہے۔ رب دینے میں وحدہ' لاشریک لہ ہے تو یہ رب سے لینے میں وحدہ لاشریک لہ۔ رب فرماتا ہے **واما السائل فلا تنھر** بھکاری کو مت جھڑکو' محروم نہ پھیرو۔ دیکر بھیجو۔ سائل میں عموم ہے دنیا آخرت' جنت' حتیٰ کہ رب کو بھی تم سے مانگے تو اسے دیدو۔ یہ اس سے کہا جائے گا جس کے پاس سب کچھ ہوگا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ

اور کتاب والوں میں سے وہ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر مال امانت رکھو تو وہ تمہیں ادا کردیگا اور تمہارے اور

اور کتابیوں میں کوئی وہ ہے کہ اگر تو اس کے پاس ایک ڈھیر امانت رکھے وہ تجھے ادا کردے گا اور ان میں سے کوئی وہ ہے

www.alahazratnetwork.org

اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ قَآىِٕمًا
ان میں سے وہ ہیں کہ اگر امین بناؤ اشرفی کا تو نہ ادا کرے اسے طرف تمہارے مگر جب ہمیشہ رہو تم اوپر اس کے کھڑے
کہ اگر ایک اشرفی اس کے پاس امانت رکھے تو وہ تجھے پھیر کر نہ دے گا مگر جب تک اس کے سر پر
ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ سَبِیْلٌ وَیَقُوْلُوْنَ
یہ اس سبب سے ہے کہ انہوں نے کہا کہ نہیں ہے اوپر ہمارے بیچ بے پڑھوں کے کوئی راہ اور کہتے ہیں
کھڑے رہو یہ اس لئے کہ وہ کہتے ہیں ان پڑھوں کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں اور
عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝ بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى
اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں ہاں وہ جو پورا کرے عہد اپنا اور پرہیزگار ہو
اللہ پر جان بوجھ کر جھوٹ باندھتے ہیں ہاں کیوں نہیں جس نے اپنا عہد پورا کیا اور پرہیزگاری
فَاِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝
پس تحقیق اللہ محبت فرماتا ہے پرہیزگاروں سے
کی تو بیشک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ یہود خود کو دینی مراتب کا مالک کہتے ہیں۔ اور اپنے سوا سب کو گنہگار جانتے ہیں اب ان کے اعمال قبیحہ دکھا کر ان کے اس دعویٰ کی تردید کی جا رہی ہے کہ خیانت' بدعہدی ان کے دن رات کے اعمال ہیں پھر کس منہ سے یہ اپنے کو بڑا کہتے ہیں۔ گویا پہلے ان کا دعویٰ نقل کیا گیا تھا۔ اور اب اس کی تردید ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی دینی خیانت کا ذکر تھا کہ انہوں نے توریت کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ **لا تومنوا الا لمن تبع دینکم** اب ان کے معاملات کی خیانت کا ذکر ہے گویا دو خیانتوں میں سے ایک کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا اور دوسری خیانت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود ہمیشہ مسلمانوں کے نقصان کے خواہاں ہیں کہ ان کے ایمان چھیننے کی تدبیریں کرتے رہتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ مسلمانوں کے مالی دشمن بھی ہیں انہیں جب موقعہ مل جائے' مسلمانوں کو مالی نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہیں کرتے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی علمی خیانت کا ذکر تھا کہ یہ توریت کی ان آیتوں کو چھپاتے ہیں' جن میں نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کی نعت ہے اب ان کی مالی خیانت کا ذکر ہے تاکہ مسلمان سمجھ جائیں کہ یہ ہمارے دینی دشمن بھی ہیں اور دنیوی بھی۔ کیونکہ دنیادار لوگ دنیوی دشمن سے بہت بچتے ہیں دینی دشمن سے چنداں پرہیز نہیں کرتے۔

شان نزول : ایک قریشی نے عبداللہ ابن سلام کے پاس بارہ سو اوقیہ یعنی اڑتالیس ہزار دینار امانت رکھے جب اس نے مانگے تب آپ نے بلا حیل و حجت اس کے حوالے کر دیئے۔ دوسرے شخص نے فنحاص ابن عازورا یہودی کے پاس ایک اشرفی امانت

www.alahazratnetwork.org

رکھی۔ مگر جب مانگنے گیاتو فنحاص انکار کر گیا کہ مجھے نہ دی تھی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں عبداللہ ابن سلام کی تعریف اور فنحاص کی مذمت کی گئی۔ (تفسیر کبیر و خازن) ایک روایت یہ ہے کہ کسی شخص نے کچھ یہود سے زمانہء کفر میں لین دین کیا تھا پھر وہ مسلمان ہو گیا۔ اور اسلام لانے کے بعد اس یہودی سے اپنا قرضہ مانگا۔ یہودی بولا کہ تم بے دین ہو گئے۔ اس لئے میں تمہارا قرض نہیں ادا کروں گا۔ اگر اپنا قرض چاہتے ہو تو اسلام چھوڑ دو۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر کبیر)۔

تفسیر : **ومن اھل الکتاب من ان تامنہ بقنطار یودہ الیک** اہل کتاب کے معنی پہلے ذکر ہو چکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں آسمانی کتاب ماننے کا دعویٰ کرنے والا عام یہودی 'عیسائی' یا ان کتابوں کی اہلیت رکھنے والے۔ بعض علمائے یہود و نصاریٰ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اہل کتاب سے سارے کتابی مراد ہیں خواہ عیسائی ہوں یا یہودی۔ کیونکہ خیانت کی بیماری سب ہی میں تھی۔ لیکن حضرت عکرمہ نے فرمایا کہ اس سے عیسائی مراد ہیں۔ اور اگلے منھم سے یہودی کیونکہ عیسائیوں میں امانت داری غالب تھی اور یہود میں خیانت غالب مگر شان نزول اس قول کے خلاف معلوم ہوتا ہے کیونکہ یہ جملہ حضرت عبداللہ ابن سلام کی تعریف میں نازل ہوا اور وہ یہودی تھے نہ کہ عیسائی۔ غالب یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن سلام کی امانت داری کا یہ واقعہ ان کے اسلام لانے سے پہلے کا ہے کیونکہ اگر اسلام کے بعد کا ہوتا تو انہیں اہل کتاب نہ فرمایا جاتا۔ بلکہ من المومنین یا من الذین امنوا سے تذکرہ ہوتا۔ بلکہ اس جناب کی اسی امانت داری کی برکت سے انہیں ایمان 'عرفان' تقویٰ صحابیت جیسے مرتبے حق تعالیٰ نے دیئے۔ غیر مسلم کی نیکیاں بھی انہیں دنیا و آخرت میں مفید ہو جاتی ہیں۔ تامنہ امانت سے بنا۔ باب فتح۔ یفتح کا مضارع ہے مگر باب افتعال کے معنی میں ہے۔ کیونکہ کسی کے اس امانت رکھنے کے لئے ایتمان آتا ہے امین وہ جو امانت لے۔ موتمن وہ جو کسی کے پاس امانت رکھے (کبیر و روح المعانی) امانت اصل میں امان تھا۔ چونکہ امین امانت کے مال کو اپنے حفظ و امن میں لے لیتا ہے نیز امانت داری کی برکت سے امین اللہ تعالیٰ کی امان میں آجاتا ہے۔ نیز خود امین پر امانت ضائع ہو جانے پر تاوان لازم نہیں ہوتا۔ وہ تاوان سے امان میں ہوتا ہے۔ ان وجوہ سے اسے امانت کہتے ہیں۔ امانت کی بہت سی صورتیں ہیں ودیعت بھی امانت کی ایک صورت ہے۔ اللہ تعالیٰ امانت دار بندے کو کبھی ایمان نصیب کر دیتا ہے۔ امانت داری بڑی اہم و اعلیٰ صفت ہے بعض نے فرمایا دس لاکھ درہم اور بعض کے خیال میں بارہ سو اوقیہ یعنی اڑتالیس ہزار دینار قنطار ہے۔ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ بیل کی کھال بھر کر مال قنطار کہلاتا ہے (تفسیر کبیر) مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ **یودہ** میں ہ کا مرجع قنطار ہے اور الیک میں ہر مسلمان سے خطاب یعنی اہل کتاب میں بعض ایسے امانتدار بھی ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک ڈھیر مال امانت رکھ دو تو طلب کے وقت بلا حیل و حجت ادا کر دیتے ہیں۔ **ومنھم من ان تامنہ بدینار لا یودہ الیک** منھم کا مرجع اہل کتاب میں حق یہ ہے کہ دینار عجمی لفظ ہے اصل میں دنار تھا۔ پہلے نون کو تخفیف کے لئے ی سے بدل دیا مگر ابن ابی حاتم نے مالک ابن دینار سے نقل کیا کہ یہ لفظ عربی ہے اصل میں دین نار تھا۔ ایک نون گرا دیا گیا۔ دین بمعنی دین اور نار بمعنی آگ۔ اسے دینار اس واسطے کہتے ہیں کہ جو اسے حلال طریقہ سے لے۔ تو اس کے حق میں دین ہے اور جو حرام ذریعہ سے حاصل کرے اس کے حق میں آگ (روح المعانی) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یا کلون فی بطونھم نارا** مال و دولت اگر اچھی راہ سے آئے اور اچھی راہ جائے کہ حلال ذریعہ سے حاصل کیا جائے اور رضاء الٰہی میں خرچ ہو تو وہ مال دین ہے کہ دین کے بہت سے کام مال سے ہوتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

زکوٰۃ، حج، جہاد، صدقات، قربانی، خدمت والدین، مسجدوں خانقاہوں کی تعمیر مال ہی سے ہوتی ہے۔ دین و دنیا کے بہت سے کام مال پر موقوف ہیں۔ رب فرماتا ہے **جعل لکم فیھا قیاما** اور اگر حرام ذریعہ سے آئے اور حرام جگہ خرچ ہو۔ تو دوزخ کی آگ ہے۔ دین اور آگ کا ایسا اجتماع دینار و درہم کے سواء اور جگہ نہیں۔ دینار کا وزن چوبیس قیراط ہے ایک قیراط تین جو کے برابر ہے گویا بہتر (72) جو اس کا وزن ہے۔ یہ پہلے دس درہم یعنی اڑھائی روپے کا ہوتا ہے۔ مگر اب سونے کی گرانی کی وجہ سے زیادہ قیمتی ہے اس کا ترجمہ ہے اشرفی۔ شاید اس کے موجد کا نام اشرف ہو گا۔ اس لئے اسے اشرفی کہا جانے لگا۔ یعنی بعض اہل کتاب وہ ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھ دو تو بھی خیانت کر جائیں ادا نہ کریں۔ **الا ما دمت علیہ قائما** یہ عام حالات یا عام اوقات سے استثناء ہے۔ اس سے پہلے **لا یودہ الیک** کا حال یا ظرف پوشیدہ ہے۔ ما صدریہ ہے۔ اور یہ جملہ بمعنی مصدریہ ہو کر ظرف یا حال ہے۔ قائم قیام سے بنا۔ جس کے لغوی معنی ہیشگی اور ثبوت میں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یقیمون الصلوۃ** اور فرماتا ہے **دینا قیما** بمعنی دائم ثابت غیر منسوخ (کبیر) اصطلاح میں قیام کھڑے ہونے کو کہتے ہیں۔ یا تو یہاں یہی مراد ہیں یا مجازی معنی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فرماتے ہیں کہ یہاں قیام سے تقاضا مطالبہ یا مقدمہ مراد ہے۔ (کبیر) امام حسن فرماتے ہیں کہ قیام سے مراد پکڑ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ پھرنا یا تقاضا کرنا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اس آیت کی اصل عبارت یوں ہے۔ **لا یودہ الیک فی حال من الاحوال او فی وقت من الاوقات الا حال دوام قیامک او وقت دوام قیامک**۔ یعنی بعض اہل کتاب ایسے نادہند ہیں کہ وہ کسی صورت میں امانت کی ایک اشرفی بھی ادا نہ کریں۔ سواء اس کے کہ تم ان کے سر پر سوار ہو۔ یا ان سے تقاضا کرتے رہو یا ان پر مقدمہ کر دو یا اسے پکڑ لو کہ بغیر لئے نہ چھوڑو۔ **ذالک بانھم قالوا** ذالک سے نادہندگی کی طرف اشارہ ہے۔ جو لا یودہ سے معلوم ہوا۔ یہ مبتداء ہے اور بانھم خبر ھم کا مرجع من ہے چونکہ اس سے جماعت مراد تھی اس لئے ضمیر جمع لائی گئی۔ **لیس علینا فی الامیین سبیل** یہ جملہ قالوا کا مقولہ ہے۔ علینا سے سارے اہل کتاب مراد ہیں۔ امیین امی کی جمع ہے۔ جس کی تحقیق دوسرے پارہ میں ہو چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سے ام القریٰ یعنی مکہ مکرمہ کے رہنے والے لوگ مراد ہیں یا بے پڑھے لوگ جو تحریر اور حساب کتاب سے ناواقف ہوں یا بے دین۔ سبیل کے معنی ہیں راستہ یہاں اس سے ذریعہ یا وسیلہ مراد ہے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں سبیل بمعنی گناہ اور حرج ہے۔ یعنی یہود کی یہ خیانت اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم پر مکہ والوں یا بے دینوں کے مال کھا لینے میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ ہم خدا کے بیٹے اور پیارے ہیں یا یہ لوگ بے دین ہیں اور بے دین کا مال ہر طرح حلال یا یہ مطلب کہ ہم پر بے پڑھوں کا مال ہضم کر لینے میں کوئی دشواری نہیں کیونکہ ان کے پاس نہ کوئی تحریر ہے نہ گواہ۔ کسی طرح ہم سے مال وصول نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ یہود اپنے اس جرم کو جائز قرار دیتے تھے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تردید اس طرح فرمائی کہ **یقولون علی اللہ الکذب** یہ لوگ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ توریت شریف میں اس گناہ کی کہیں اجازت نہیں دی گئی۔ ہر طرح انی سے نہیں۔ بلکہ **وھم یعلمون** وہ اپنا فریب خود جانتے ہیں۔ **بلی من اوفی بعھدہ واتقی** بلی نعم اور ای وجیر سب جواب کے حروف ہیں۔ بمعنی ہاں۔ مگر فرق یہ ہے کہ نعم نفی کے اثبات کے لئے آتا ہے۔ بلی منفی کے اثبات کے لئے یہود نے کہا تھا **لیس علینا فی الامیین سبیل** ہم پر مسلمانوں کا مال کھانے میں گناہ نہیں۔ رب تعالیٰ نے بلی فرما کر اس منفی کا ثبوت کر دیا یعنی ہاں ضرور گناہ ہے۔ **من اوفی** نیا جملہ ہے جو بلی کے مضمون کو ثابت کر رہا ہے من یا موصولہ ہے یا

www.alahazratnetwork.org

شرطیہ۔ اس سے مراد سارے انسان ہیں خواہ کسی خاندان کے ہوں کسی نسل کسی ملک کے اور کسی زمانہ کے من فرماکر یہود کی تردید فرمائی کہ نسل موسوی کا آدمی رب کا پیارا ہے **اوفی** **ایفاء** سے بنا بمعنی خوب پورا کرنا عہدہ کی ضمیر یا من کی طرف لوٹتی ہے جو کہ عہد کا فاعل ہے یا رب کی طرف جو عہد کا فاعل ہے یا مفعول ہے اس عہد سے سارے وعدے مراد ہیں۔ خواہ بندوں سے کئے جائیں یا رب تعالیٰ سے۔ لہٰذا یہ جملہ ساری عبادات اور معاملات کو شامل ہے۔ وعدہ عام ہے۔ عہد خاص کہ عہد وہ وعدہ ہے جو معبود و معلوم ہو اس کے معلوم رہنے کا اہتمام کرلیا گیا ہو" تحریر گواہی وغیرہ۔ یہاں عہد فرماکر اشارۃً" فرمایا گیا کہ اگر وعدہ بھول جائے اور بھول کی وجہ سے پورا نہ ہو سکے تو وعدہ والا مجرم نہیں۔ علماء یہود توریت میں پڑھتے تھے کہ امانت ادا کرنا بہت ضروری ہے پھر نہ کرتے تھے۔ لہٰذا وہ عہد کی مخالفت کرتے تھے۔ **اتقی** **اوفی** پر معطوف ہے۔ **وقی** سے بنا بمعنی ڈرنا اور بچنا یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی جو رب تعالیٰ سے ڈرے یا گناہوں سے بچے۔ **فان اللہ یحب المتقین** یہ جملہ من اوفی کی جزا نہیں۔ بلکہ دلیل جزا ہے۔ جزا پوشیدہ ہے۔ بجائے ضمیر کے متقین فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ تقویٰ ذریعہ محبوبیت ہے۔ یعنی ہاں غیر کا مال کھانے میں ضرور گناہ ہے جو کوئی اپنے مالی جانی یا عام وعدے یا رب تعالیٰ کے یا نفس کے عہد پورے کرے اور خدا سے ڈرے گناہوں سے بچے وہ خدا کا پیارا ہے کیونکہ اللہ پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے نہ کہ گناہگاروں کو۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! یہود اپنے کو خدا کا پیارا اور باقی سب کو بے دین سمجھتے ہیں لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ ان میں بعض تو ایسے دیانت دار ہیں کہ اگر تم ان کے پاس بہت سا مال امانت رکھ دو تو وہ طلب کے وقت بلا حیل و حجت تمہیں ادا کردیں گے نہ ان سے جھگڑا کی ضرورت نہ مقدمہ بازی کی حاجت اور ان میں بعض ایسے خائن ہیں کہ اگر تم ان کے پاس ایک اشرفی بھی امانت رکھ دو تو کسی صورت میں یہ ادا نہ کریں ہاں اگر تم ان کے سر پر سوار رہو اور تقاضا کئے جاؤ انہیں پکڑلو اور ان پر مقدمہ چلاؤ تو مجبوراً ادا کردیں ورنہ خوشی سے دینے والے نہیں۔ ان کی یہ جرات اس لئے کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم پر ان بے پڑھے مکہ والوں کے مال کھا جانے میں کوئی دشواری نہیں۔ کیونکہ یہ بے پڑھے لوگ ہیں۔ لکھنا پڑھنا جانتے نہیں۔ گواہی شہادت اور مقدمے کے طریقوں سے واقف نہیں۔ کسی طرح ہم سے مال نہیں لے سکتے یا ان کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا مال کھا جانے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ہم خدا کے پیارے ہیں۔ دنیا کی ساری چیزیں ہماری ہیں۔ ساری قومیں ہماری غلام ہیں۔ ہم ان کے مولیٰ۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کا مال ہر طرح کھا سکتا ہے۔ ایسے ہی مسلمانوں کا مال جس طرح چاہیں شیر مادر کی طرح ہضم کرجائیں۔ ہم پر کوئی گناہ نہیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے جان و مال سب حلال ہیں جس طرح ہوسکے انہیں قتل کردو اور جیسے ممکن ہو ان کا مال کھالو۔ خیال رہے کہ یہ لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں رب تعالیٰ نے توریت میں خیانت کی کہیں اجازت نہ دی۔ یہ جانتے بھی ہیں اور پھر جھوٹ بولتے ہیں۔ ہاں یقیناً غیر کا مال کھا جانے میں سخت گناہ ہے۔ اللہ کا پیارا تو وہ جو اپنے سارے معاہدے پورے کرے۔ خواہ نفس کا ہو یا بندوں کا یا رب تعالیٰ کا اور رب تعالیٰ سے خوف کرے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے نہ گناہگار و فجار کو۔ یہ لوگ فاسق فاجر ہوتے ہوئے خدا کے دوست کیسے بن سکتے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** امانتداری انسان کی بہت اعلیٰ صفت ہے اگرچہ کافر میں ہی یہ صفت موجود ہو۔ رب تعالیٰ امانتداری کی برکت سے کبھی امین کو مومن بنادیتا ہے اور اس کی دنیاوی آفات بھی

www.alahazratnetwork.org

دفع فرماتا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صفت ایسی کامل عطا ہوئی تھی کہ ظہور نبوت سے پہلے کفار آپ کو محمد امین کہتے تھے اب بھی روضہ مطہرہ کی جالی میں یہ عبارت ہے۔ **لا الہ الا اللہ الملک الحق المبین محمد رسول اللہ صادق الوعد الامین**۔ حضرت عبداللہ ابن سلام کو امانتداری کی برکت سے ایمان وغیرہ ملا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل ایک غار میں پھنس گئے تو انہوں نے اپنے نیک اعمال کے توسل سے دعائیں کیں۔ ایک شخص نے اپنی امانت ودیانت کے صدقہ سے دعا کی کہ مولی میرے کھیت کا مزدور اپنی مزدوری کے دانے چھوڑ گیا تھا۔ بارہ برس کے بعد لینے آیا جب کہ میں نے اس کے دانے بو کر غلہ کے ڈھیر، جانوروں کے گلے، لونڈی و غلام جمع کر لئے تھے میں نے وہ سب اس کے حوالہ کر دیئے میرے مولی اس امانتداری کے طفیل نجات دے، انہیں نجات ملی۔ غرضیکہ امانتداری بہت اعلیٰ صفت ہے۔

دوسرا فائدہ: بعض کفار مسلمانوں کا مال کھانا، انہیں ایذا دینا ثواب سمجھتے ہیں۔ ہندوستان کے ہندوؤں کا یہی حال ہے اس کا تجربہ ان لوگوں کو خوب ہے جنہیں بنیوں سے لین دین کا اتفاق رہتا ہے۔ یہ ہزار بہانے سے مسلمان سے پیسہ نکلوانا چاہتے ہیں۔ جو کفار اپنا معاملہ صاف بھی رکھتے ہیں وہ فقط اپنی تجارت کے فروغ کے لئے نہ مسلمان کی خاطر۔ **تیسرا فائدہ:** معاملات کا اثر عبادات و عقائد پر پڑتا ہے۔ خراب معاملے والا عبادات مکمل نہیں کر سکتا اور عبادات میں سستی کرنے والے کے عقائد بھی خطرہ میں ہیں۔ بے نمازی قرض سے نہیں ڈرتا اور خائن نماز چھوڑنے سے خوف نہیں کرتا۔ کیونکہ نماز بھی رب کا قرض ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کی بددیانتی ان کا مردود ہونا ثابت فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** کفار کو امانت دینا، ان کی امانتیں لینا، ان کے ساتھ قرض وغیرہ مالی معاملات کرنا جائز ہیں۔ جیسا کہ ان تامنہ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ادائے امانت بہت ضروری ہے۔ خواہ مسلمان کی امانت ہو۔ خواہ کافر حربی کی یا ذمی کی۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جاہلیت کی ساری چیزیں میرے قدم کے نیچے ہیں۔ سوا امانت کے کہ وہ ضرور ادا کی جائے گی۔ خواہ نیک کی ہو یا بد کی (معانی) نیز ہجرت کے وقت حضور علیہ السلام کے پاس ان خون خوار کفار کی امانتیں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کو حکم دیا کہ تم ان کی امانتیں ادا کر کے مدینہ پاک پہنچ جانا۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کی گواہی ایک دوسرے پر صحیح ہے کیونکہ گواہی بھی امانت ہے۔ جب مالی امانت جائز تو یہ بھی جائز۔ نیز رب تعالیٰ نے ان میں سے بعض کو امین فرمایا۔ لہٰذا وہ گواہی کے قابل بھی ہوئے۔ (احکام القرآن) **ساتواں فائدہ:** وعدہ پورا کرنا بہت ضروری ہے جیسا کہ **اوفی بعھدہ** سے معلوم ہوا۔

مسئلہ : ناجائز وعدے کا پورا کرنا حرام، ناجائز مال کی امانت رکھنا سخت جرم ہے۔ مثلاً کسی نے کسی سے شراب پینے کا یا چوری و کفر کرنے کا وعدہ کیا ہو تو ہرگز پورا نہ کرے یا چوری کے مال کی ہرگز امانت نہ رکھے۔ بلکہ اس مالک کے یا حاکم کے پاس پہنچا دے۔ **مسئلہ:** کسی کا راز اور دینی علم بھی امانت ہے جو عالم ضرورت کے وقت مسئلہ بیان نہ کرے یا جو کسی کا راز ظاہر کر دے وہ خائن ہے۔ **مسئلہ:** غیر ضروری مسائل و خطرناک راز امانت نہیں۔ جس مسئلہ کی ضرورت نہ ہو اس کے بیان کرنے سے فتنہ پھیلتا ہو وہ بیان نہ کیا جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر بنیاد ابراہیمی پر مکمل نہیں۔ مگر درست نہ فرمایا۔ کیونکہ موجودہ کعبہ میں حرج تھا نہیں اور درست کرنے میں فتنہ کا اندیشہ تھا اسی طرح اگر کسی نے مسلمانوں کے خلاف خطرناک سازش کی اور ہم کو پتہ لگ جائے تو ہم پر اس کا اظہار کر دینا ضروری ہے تاکہ مسلمان نقصان سے بچیں خود قرآن کریم نے جابجا کفار اور منافقین کی خفیہ سازشوں کو ظاہر فرمایا۔ **مسئلہ:** مسلمان کا خفیہ عیب بیان کرنا بھی خیانت ہے۔ مگر جس عیب کے

www.alahazratnetwork.org

چھپانے میں دینی نقصان۔ اس کا اظہار ضروری۔ اس لئے محدثین راویوں کے عیوب بیان کر دیتے ہیں۔ ایسے ہی جس لڑکی سے شادی کرنا ہو اس کے اوصاف یا عیوب شوہر سے بیان کر دینا نہ جرم ہے نہ خیانت تاکہ اس سے زوجین کی اگلی زندگی اچھی گزرے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے لازم آتا ہے کہ کفار کی گواہی مسلمان پر جائز ہو کیونکہ گواہی بھی ایک امانت ہے اور کفار کی امانت تو جائز لہذا گواہی جائز ہونی چاہئے۔ **جواب**: بے شک کفار کی گواہی مسلمان کے حق میں کافر کے خلاف جائز ہے۔ کیونکہ یہ اوائے امانت ہے لیکن مسلمان کے خلاف گواہی کا جواز اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی ممانعت دوسری آیات اور احادیث سے ثابت ہے۔ (احکام القرآن) **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر وعدہ پورا کرنے والا پرہیزگار اور رب تعالیٰ کو پیارا ہے تو چاہئے کہ اس قسم کے مشرکین و کفار بھی خدا کو پیارے ہوں جو عہد پورے کریں۔ پرہیزگار ہوں۔ **جواب**: کوئی کافر پرہیزگار نہیں ہو سکتا کہ پرہیزگاری میں ایمان شرط ہے۔ پرہیزگار وہ مومن ہے۔ جو نیک اعمال کرے برائیوں سے بچے۔ ہاں وعدہ پورا کرنے والا کافر عہد کافر سے ہلکا ہوگا۔ کفر کے درجات مختلف ہیں بلکہ کفار کا اپنے وعدے پورے کرنا' معاملات صاف رکھنا' رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ اپنے مفاد کی خاطر ہے۔ جب کوئی وعدہ ان کے مفاد کے خلاف ہو تو اسے توڑ دیتے ہیں انہیں کوئی خوف نہیں ہوتا۔ جیسا کہ آج پاکستان میں تجربے ہو رہے ہیں اگر خدا توفیق دے تو صحیح معنی میں خوف خدا کی بنا پر مسلمان ہی ایفاء وعدہ کرتا ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کے متعلق فرمایا **وابراهيم الذى وفى** اور جو اچھا کام اپنے مفاد کی خاطر کیا جائے نہ کہ رضائے الٰہی کے لئے وہ رب کی محبوبیت کا ذریعہ نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: رب تعالیٰ نے عہد پورا کرنے کی تعریف فرمائی نہ کہ وعدہ پورا کرنے کی تو کیا وعدہ خلافی بری نہیں؟ **جواب**: اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ بھولے ہوئے وعدے پورے نہ کرنا گناہ نہیں۔ عہد وہی وعدہ ہے جو معہود و معلوم ہو اس لئے یہاں عہد فرمایا۔ وعدہ' عہد' میثاق کا فرق ہم نے **واذ اخذ الله ميثاق النبين** کی تفسیر میں عرض کیا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: مسلمان بھی حربی کفار اور مرتدین کا مال حلال سمجھتے ہیں تو اگر یہود نے بھی مسلمانوں کے مال کو اس لئے حلال جانا ہو کہ یہ ہمارے دین کے مرتدین ہیں اور ہماری ان سے جنگ ہے تو کیا مضائقہ۔ کیا ایک ہی چیز مسلمانوں کے لئے حلال ہے اور یہودی کے لئے حرام (آریہ) **جواب**: معاذ اللہ یہ اسلام پر کھلا بہتان ہے اسلام نے خیانت کی کبھی اجازت نہ دی۔ ہم ابھی فوائد میں عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام نے ان کفار مکہ کی امانتیں ادا فرمائیں جو خون کے پیاسے تھے۔ اسی لئے کافر بھی آپ کو محمد امین کہتے تھے۔ بحالت جنگ کفار کے مال بطور غنیمت لینا جائز ہے۔ آج بھی سلاطین دشمن کے مال پر قبضہ کر لیتے ہیں۔ برطانیہ نے جرمنی کے ہتھیار زمین وغیرہ پر قبضہ کیا یہ کوئی عیب نہیں۔ ایسے ہی مرتد چونکہ حکومت ربانی کا باغی ہے اس لئے اس کا زمانہ کفر کا کمایا ہوا مال بادشاہ اسلام ضبط کر سکتا ہے آج بھی حکومتیں باغیوں کے مال ضبط کر لیتی ہیں۔ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ کفار کی امانتیں مار لے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کی تعریف اور ان کی مدحت و ثنا کرنا جائز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے بعض اہل کتاب کی امانتداری کی تعریف فرمائی۔ مگر مسلمان سمجھتے ہیں کہ کافر کو اچھا کہنا کفر ہے۔ (آریہ) **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ امانت دار وہی تھے جو پہلے یہودی تھے اور اب مسلمان ہو چکے تھے لہذا اس میں مسلمانوں کی تعریف ہے نہ کہ کفار کی۔ دوسرے یہ کہ کفار کی واقعی نیکیوں کا ذکر کرنا منع نہیں یہ تو عین انصاف ہے۔ ہم دن رات انگریزوں کے انتظام ان کی پابندی

www.alahazratnetwork.org

وقت وغیرہ کا ذکر کیا ہی کرتے ہیں۔ کفار کے کفر کی تعریف کرنا کفر ہے اور بلا وجہ خوشامد میں ان کی جھوٹی بھی تعریفیں کرنا ناجائز۔ یہ تو قرآن پاک کی حقانیت ہے کہ وہ دشمن کی واقعی نیکی کا بھی اعتراف فرمالیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : قالب کا قلب پر صورت کا سیرت پر اثر پڑتا ہے۔ عبادات کی درستی کے لئے اپنے معاملات ٹھیک رکھو اور عقائد کی اصلاح کے لئے اپنے اعمال کی اصلاح کرو۔ دل ایک آئینہ ہے کفر اس کی زنگ ہے اور معاملات و عبادات کی خرابی اس کے گرد و غبار۔ کوئی شخص اعمال خراب رکھ کر رب تعالیٰ کا پیارا نہیں بن سکتا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کی مردودیت ان کی خرابی معاملات و عبادات سے ثابت کی۔ ولی وہ ہے جس کی قوت نظری و عملی دونوں درست ہوں۔ اس طرح عہد پورا کرنا ولایت کے لئے بہت ضروری ہے۔ کیونکہ عبادت کا مدار دو چیزوں پر ہے۔ رب تعالیٰ کے حکم کی تعظیم اور خلق پر مہربانی اور وفائے عہد میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں لہٰذا اس کے بغیر کوئی عابد ہو سکتا ہی نہیں۔ اسی لئے حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ خیانت جھوٹ اور بد عہدی منافق کی علامت ہے۔ خیال رہے کہ عہد رب تعالیٰ سے بھی ہے۔ نفس سے بھی اور مخلوق سے بھی وہی شخص وفادار ہے جو سارے عہدوں کو پورا کرے۔ یعنی شریعت پاک کی پوری اتباع کرے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ امین دو قسم کے ہیں ایک وہ جسے صرف امانت کی حفاظت کا ذمہ دار بنایا گیا ہو کہ ضائع نہ ہونے دے۔ دوسرے وہ جسے امانت میں تصرف کرنے کا حکم دیا گیا ہو کہ مالک کے ماتحت اس میں عمل درآمد کرے اور مطالبہ پر بخوشی اس کی امانت واپس کر دے۔ دل پر میل نہ لائے۔ جو اس میں کھرا نکلا وہ امین ہے جو غلط رو ہوا وہ خائن ہے۔ تمام انسان اللہ تعالیٰ کے امین ہیں اور انسان کے اعضاء، مال، اور اولاد وغیرہ اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ جن کے متعلق رب تعالیٰ نے احکام نافذ فرمائے ہیں کہ اس طرح ان میں تصرف کرتے رہو اور جب ہم اپنی امانت واپس مانگیں تو بلا عذر ہمارے حوالہ کرو۔ جو ان ہدایات پر کاربند رہا وہ امین ہے اور جو رب کے فرمان کے خلاف، عمل کرتا رہا اور مال یا اولاد یا جان جانے پر بے صبری کرتا رہا وہی خائن ہے۔ امین پر اللہ کی رحمتیں ہیں خائن پر قہر۔ حضرت طلحہ کا پیارا بچہ ان کے پیچھے فوت ہو گیا سفر سے واپس آنے پر ان کی زوجہ نے صبح کے وقت خبر دی کہ اے ابو طلحہ اللہ نے اپنی امانت واپس لے لی ہے ملول نہ ہو۔ اس خبر پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے دعا فرمائی۔ حضرت طلحہ کا اولاد اور اولاد کی اولاد سے اللہ نے گھر بھر دیا۔ سو بچوں کا خاندان دیکھ کر آپ کی وفات ہوئی۔

إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَا خَلَاقَ
تحقیق وہ لوگ جو خریدتے ہیں بدلے عہد اللہ کے اور قسموں اپنی کے قیمت تھوڑی یہ لوگ نہیں ہے
وہ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے بدلے ذلیل دام لیتے ہیں آخرت میں ان کا کچھ حصہ
لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا
حصہ واسطے ان کے بیچ آخرت کے اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ اور نہ دیکھے گا طرف انکے
نہیں اور اللہ نہ ان سے بات کرے نہ ان کی طرف نظر فرمائے قیامت کے دن اور نہ

www.alahazratnetwork.org

يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۷۷﴾
دن قیامت کے اور نہ پاک فرمائے گا ان کو اور واسطے ان کے عذاب ہے دردناک ؀
نہ انہیں پاک کرے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے ؀

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کی مالی خیانت کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ خائن جھوٹی قسمیں ضرور کھاتا ہے۔ اس لئے اب جھوٹی قسم کے عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا پر جھوٹ نہ باندھنا اور دین میں خیانت نہ کرنا ہر سمجھدار پر لازم ہے۔ لہٰذا اب جھوٹ اور خیانت کی سزائیں بیان ہو رہی ہے۔ گویا پہلے جرم کا ذکر تھا اب اس کی سزا کا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یہود کی مالی خیانت کا ذکر تھا اب ان کی اس خیانت کا ذکر ہے جو انہوں نے عہد الٰہی میں کی۔ گویا امانتیں چند قسم کی ہیں۔ مال کی امانت' علم کی امانت' وعدہ اور عہد کی امانت' کتاب اللہ کی امانت' لہٰذا اس کے مقابل خیانتیں بھی چند قسم کی ہوں گی۔ پچھلی آیت میں ان کی ایک خیانت کا ذکر تھا۔ اب دوسری خیانتوں کا ذکر ہے۔

شان نزول : اس آیت کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ (1) یہ آیت علمائے یہود اور روسائے یہود یعنی ابو رافع کنانہ ابن ابی حقیق اور کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے توریت کے اس عہد کو چھپایا۔ اور ان آیتوں کو بدلا جو حضور علیہ السلام کے بارے میں تھیں اور قسم کھا گئے کہ یہ آیتیں رب کی ہیں۔ محض اس لئے کہ ہماری آمدنی کم نہ ہو جائے۔ (تفسیر خازن و خزائن) (2) یہود جو کہتے تھے کہ مسلمانوں کا مال مارنے میں ہم پر کوئی گناہ نہیں جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا اور اس پر قسم بھی کھاتے تھے کہ یہ حکم الٰہی ہے اس کی تردید میں یہ آیت اتری۔ (خازن)۔ (3) اشعث ابن قیس کندی فرماتے ہیں کہ یہ آیت میرے بارے میں اتری کہ میرا ایک شخص سے زمین میں جھگڑا تھا۔ وہ مدعی تھا میں مدعی علیہ۔ مقدمہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں گیا۔ حضور علیہ السلام نے اس مدعی سے فرمایا کہ گواہ لاؤ۔ اس نے عرض کیا کہ میرے پاس گواہ نہیں۔ پھر مجھ سے فرمایا قسم کھا۔ میں قسم کے لئے تیار ہوا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ جس سے میں قسم سے باز رہا اور زمین مدعی کو دے دی اور یہی قول جریج کا ہے۔ (4) مجاہد نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ اس تاجر کے بارے میں اتری' جو اپنا مال فروخت کرنے کے لئے جھوٹی قسمیں کھاتا ہے۔ (5) ابن ابن اوفی فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے بازار میں سامان رکھا ایک گاہک نے کچھ قیمت لگائی۔ وہ بولا قسم رب کی تجھ سے پہلے ایک گاہک اس سے زائد دیتا رہا تھا میں نے نہ دیا۔ تب یہ آیت اتری۔ (احکام القرآن)۔ (6) احمد اور ابن جریر نے عدی ابن ابن عمیرہ سے روایت کی کہ ایک دفعہ امری ءالقیس اور حضرموت کے کسی آدمی کے درمیان جھگڑا ہو گیا۔ مقدمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں آیا۔ حضور علیہ السلام نے حضرمی سے فرمایا کوئی گواہ لاؤ۔ اس نے کہا میرے پاس کوئی نہیں۔ فرمایا تو امری ءالقیس کی قسم پر فیصلہ ہو گا حضرمی نے عرض کیا کہ پھر تو امری ءالقیس میری زمین لے لیں گے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کوئی اپنے بھائی کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے وہ حق تعالیٰ سے اس حال میں ملے گا کہ وہ اس پر ناراض ہو گا۔ امری ءالقیس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو کوئی سچی قسم بھی

www.alahazratnetwork.org

نہ کھائے اور اپنا مال چھوڑ دے؟ فرمایا اس کے لئے جنت ہے۔ عرض کیا حضور گواہ رہیں میں نے زمین کو چھوڑ دیا۔ تب یہ آیت اتری (روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **ان الذین یشترون بعهد الله و ایمانهم ثمنا قلیلا۔** ان اس جگہ بولا جاتا ہے جہاں کسی کو کچھ تردد ہو۔ چونکہ بڑے گناہوں کو تو اکثر لوگ گناہ سمجھتے ہیں۔ گناہ گار کو برا جانتے ہیں ہمیشہ نہیں کرتے، زنا چوری شراب خوری کا یہی حال ہے۔ مگر چھوٹے گناہ جھوٹی قسمیں، جھوٹے وعدے وغیرہ ایسے ہیں کہ انہیں عموماً لوگ کم برا جانتے ہیں۔ ان کی پرواہ نہیں کرتے۔ دن رات کرتے رہتے ہیں حالانکہ چھوٹے گناہ اس چھوٹی چنگاری کی طرح ہیں جو کبھی گھر جلا دیتی ہے۔ اس لئے رب نے یہ آیت کریمہ ان سے شروع فرمائی۔ حق یہ ہے کہ الذین سے مراد سارے انسان ہیں۔ مومن ہوں یا کافر اونچے خاندان کے ہوں یا نیچے کے اور اگر اس میں جنات بھی داخل ہوں تو تعجب نہیں۔ ہر وعدہ خلاف جھوٹی قسمیں کھانے والا ان پانچوں سزاؤں کا مستحق ہو گا۔ **یشترون اشتراء** سے بنا بمعنی خریدنا یہاں بدلنا مراد ہے۔ بلا عوض مال دینا ہبہ ہے اگر رضاء الٰہی کے لئے دیا جائے تو صدقہ ہے۔ اور رضائے انسان کے لئے دیا جائے تو ہدیہ۔ اگر چھوٹا بڑے کو دے تو اس ہدیہ کو نذرانہ کہتے ہیں اور بڑا چھوٹے کو دے تو عطیہ اور بالعوض مال دینے کی دو صورتیں ہیں اگر منافع کے عوض دیا ہے تو اجارہ یا کرایہ ہے اور اگر مال کے عوض دیا ہے تو بیع و شرا یعنی خرید و فروخت۔ ایمان متاع روحانی ہے اس کے عوض مال بنا بیع و شرا قرار دیا گیا۔ ایک جگہ رب تعالیٰ نے اسے تجارت فرمایا ہے کہ فرمایا **فما ربحت تجارتهم۔** **بعهد الله** کی ب عوض کی ہے۔ عہد کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے اور اس سے یا تو وہ عہد مراد ہے جو میثاق کے دن رب تعالیٰ نے سب سے لیا یا وہ عہد مراد ہے جو اسلام لاتے وقت بندہ اللہ سے کرتا ہے یا وہ عہد مراد ہے جو یہود سے توریت میں لیا گیا تھا۔ یعنی حضور علیہ السلام پر ایمان لانا اور آپ کی اطاعت کرنا۔ بعض نے فرمایا کہ عہد سے مراد عقل کی ہدایت ہے کہ ہر شخص کی عقل اسے برائی سے روکتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ **عهد الله** سے مراد وہ وعدے ہوں جو اللہ کو ضامن دیکر لوگوں سے کئے گئے۔ اس میں جھوٹ بھی ہے اور اللہ کے نام کی توہین بھی۔ ایمان یمین کی جمع ہے اس کی لفظی تحقیق پہلے ہو چکی یا تو اس سے وہ جھوٹی قسمیں مراد ہیں۔ جو تجارت وغیرہ میں کھائی جاتی تھیں۔ یا وہ قسمیں مراد ہیں۔ جو یہود نے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کی کھائیں۔ **ثمن قلیل** سے رشوت یا تجارت کا نفع مراد ہے (روح البیان و معانی) اس مال کو ثمن فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ دنیا غیر مقصود اور آخرت مقصود ہے کیونکہ تجارت میں قیمت غیر مقصود ہوتی ہے۔ قلیل فرما کر یہ بتایا کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت آخرت کے مقابل تھوڑی ہے کیونکہ یہ فانی ہے اور وہ باقی۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ سے کئے ہوئے عہد اور اپنی قسموں کے عوض تھوڑی قیمت خرید لیتے ہیں کہ تھوڑے مال کے لالچ میں رب تعالیٰ کا عہد بھی توڑ دیتے ہیں اور جھوٹی قسم بھی کھا لیتے ہیں۔ خیال رہے کہ اگر سکے کا چلن ہو تو وہ پیارا ہے لیکن اگر اس کا چلن بند ہو جائے کہ اس کے عوض سامان نہ ملے تو یہ محض بوجھ ہے کہ نہ کھانے پینے میں آئے اور نہ اوڑھنے بچھانے میں، جیسے موجودہ نوٹ وغیرہ دنیا اور آخرت کا ذریعہ ہے تو قدر والا ہے اگر اس سے آخرت نہ خریدی جائے تو محض بوجھ ہے۔ اس کے لئے پانچ سزائیں ہیں یہ کہ **اولئک لا خلاق لهم فی الاخرة۔** اولئک عہد توڑنے والوں اور جھوٹی قسمیں کھانے والوں کی طرف اشارہ ہے۔ **خلاق** بمعنی حصہ اگرچہ نصیب اور کفل کے معنی بھی حصہ ہیں۔ اور خلاق کے معنی بھی حصہ مگر اکثر نصیب اور کفل عام حصہ کو کہتے ہیں۔ رحمت کا حصہ ہو یا عذاب کا اور خلاق رحمت کے حصہ کو بولا جاتا ہے لہٰذا اس کا

www.alahazratnetwork.org

مطلب یہ نہیں کہ ان کا عذاب میں بھی حصہ نہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ رب کی رحمت میں حصہ نہیں۔ آخرت سے مراد دنیا کے بعد کی زندگی ہے خواہ برزخ کی ہو یا قیامت کی یا اس کے بعد۔ یعنی ان لوگوں کے لئے قبر کی راحت، قیامت کی راحت، جنت و حوض کوثر وغیرہ سے کچھ حصہ نہیں۔ سب سے محروم ہیں۔ فی الاخرۃ فرما کہ یہ بتایا گیا کہ ایسوں کی محرومی آخرت میں ظاہر ہو گی دنیا میں تو ہر مومن و کافر متقی و مجرم سب ہی اس کی رزاقیت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں ہی وہ اخروی حصوں سے محروم ہیں کہ ان کے اعمال آخرت کا توشہ نہیں بنتے یا اس لئے کہ انہیں دنیا میں آخرت کی تیاری کی توفیق ہی نہیں ملتی۔ دنیاوی کام خوب رغبت سے کرتے ہیں اخروی کام سے جی چراتے ہیں اور یا اس طرح کے نیک کاموں میں اخلاص نصیب نہیں ہوتا۔ جس سے ان کی نیکیاں آخرت کا توشہ نہیں بنتیں۔ اگر یہ لوگ نماز بھی پڑھتے ہیں تو لوگوں کو خوش کرنے کو۔ دوسرے یہ کہ **ولا یکلمھم اللہ** ان سے رب تعالیٰ کلام بھی نہ فرمائے گا۔ یا تو کلام محبت کی نفی ہے یعنی ان سے دل خوش کن کلام نہ فرمائے گا۔ یا مطلق کلام کی نفی یعنی بلا واسطہ کلام نہ کرے گا، حساب و عتاب فرشتوں کے ذریعہ ہو گا۔ اس صورت میں **لا یکلم** بمعنی مستقبل ہے اور یہی ظاہر ہے کہ اس سے قیامت کی طرف اشارہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ بمعنی حال ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ان سے دنیا میں کلام نہیں فرماتا کیونکہ وہ قرآنی آیات سے نفع حاصل نہیں کرتے بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اس سے بہت سے منافع پاتے ہیں تو گویا رب تعالیٰ ان سے کلام ہی فرما رہا ہے مگر یہ بعید ہے (روح المعانی) اللہ تعالیٰ دنیا میں بندوں سے کئی طرح کلام کرتا ہے۔ کبھی خواب میں دیدار دے کر، کبھی بذریعہ الہام و القاء، کبھی نماز و تلاوت قرآن کی حالت میں کہ اچانک بندے کے دل میں درد و سوز و گداز ایسی پیدا ہوتی ہے کہ سبحان اللہ! یہ رب کے کلام فرمانے کا اثر ہوتا ہے کہ اس کا کلام یہاں کے کان نہیں سنتے۔ بلکہ دل سنتا ہے یہ کلام مومن کو نصیب ہوتا ہے۔ کافر اس سے محروم ہیں وہ تڑپ و پھڑک سے بے خبر ہیں۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے — مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے — دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

ولا ینظر الیھم یوم القیامۃ۔ ینظر نظر سے بنا بمعنی آنکھ پھیر کر دیکھنا۔ رب تعالیٰ کے لئے یہ معنی ناممکن ہیں کیونکہ وہ آنکھ وغیرہ سے پاک ہے۔ اس لئے بعض نے فرمایا کہ نظر نہ کرنے سے ان کی اہانت کرنا ان پر ناراضی کا اظہار مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں نظر بمعنی رحمت ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **انظر الی** اس سے مطلب ہوتا ہے۔ ارحمی مجھ پر رحم کر۔ بعض نے فرمایا کہ اس نظر سے مراد مطلقاً دیکھنا ہے نہ کہ آنکھ سے دیکھنا۔ قیامت میں مسلمان رب تعالیٰ کو دیکھیں گے اور رب تعالیٰ ان پر نظر رحمت فرمائے گا۔ کفار رب تعالیٰ کے دیدار سے بھی محروم اور اس کی نظر رحمت سے بھی۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں نظر سے مراد احسان کرنا ہے۔ اہل عرب کہتے ہیں۔ **فلان لا ینظر الی** فلاں مجھ پر احسان نہیں کرتا (کبیر و روح المعانی وغیرہ) بہر حال نظر کے معنی ہیں دیکھنا، رحم فرمانا، احسان کرنا، مہلت دینا۔ ان سب معنی سے مسلمانوں پر رحمت کی نظر ہو گی۔ کفار ان سے محروم رہیں گے۔ چوتھے یہ کہ **ولا یزکیھم۔ یزکی** تزکیہ سے بنا۔ بمعنی پاک کرنا یا پاک کہنا۔ (صفائی بیان کرنا) یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ قیامت میں نہ ان کے گناہ معاف کر کے انہیں اس میل سے پاک کرے گا بلکہ سزا دے گا یا رب تعالیٰ ان کا تزکیہ یعنی تعریف نہ فرمائے گا۔ مسلمانوں کی تعریفیں بہت ہوں گی کہ فرمایا جائے گا **سلام علیکم بما صبرتم** وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بمعنی حال ہو۔ یعنی رب تعالیٰ دنیا میں ایسوں کی تعریف نہیں کرتا۔ پرہیزگار مسلمانوں کی تعریف سے

www.alahazratnetwork.org

قرآن پاک اور دیگر آسمانی کتابوں پر ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون** اور فرماتا ہے **نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ** وغیرہ (کبیر و خازن وغیرہ) نیز مسلمان دنیا میں بہت طریقوں سے پاک و صاف ہوتا رہتا ہے۔ بیماریاں 'تکالیف' پریشانیاں بھی اسے پاک کرتی رہتی ہیں۔ اور عبادات' ریاضات کے پانی سے بھی دھلتا رہتا ہے۔ کفار مصیبتوں میں اور زیادہ کفر کرتے ہیں۔ اور عبادات سے محروم۔ پانچویں یہ کہ **ولھم عذاب الیم** گزشتہ چار چیزوں میں فضائل کی نفی تھی۔ اب رذائل کا ثبوت ہے **لھم** کا مرجع وہی **الذین** اس کے مقدم ہونے سے حصر کا پتہ لگا۔ عذاب عذب سے بنا بمعنی روکنا سزا کو اسی لئے عذاب کہتے ہیں کہ وہ جرم کو روکتی ہے۔ اسی سے ہے عذب یعنی میٹھا پانی کہ وہ پیاس کو روکتا ہے **الیم** الم سے بنا بمعنی تکلیف اور درد یعنی ان لوگوں کے لئے تکلیف دہ یا دردناک عذاب ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سے عذاب آخرت مراد ہے اور ممکن ہے کہ دنیوی عذاب مراد ہو۔ جیسے رسوائی' بدنامی یا جیسے یہود پر جزیہ مقرر ہونا' لڑائیوں میں قتل ہونا وغیرہ۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا اور آخرت کے دونوں عذاب مراد ہوں۔ (روح المعانی)۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو ذلیل مال کی خاطر اور حقیر دنیا کے لئے اللہ سے کئے ہوئے عہد توڑ دیتے ہیں اور جھوٹی قسمیں کھا لیتے ہیں گویا اعلیٰ کے عوض ادنیٰ چیز خرید لیتے ہیں ان کے لئے پانچ سخت سزائیں ہیں۔ ایک یہ کہ دوسری زندگی میں انہیں رحمت الٰہی سے کوئی حصہ نہیں۔ نہ قبر میں آرام پائیں نہ حشر میں راحت نہ جنت نہ حور و قصور نہ رضائے رب غفور۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کے شرف و کلام سے محروم رہیں گے کہ پروردگار پرہیزگاروں سے کلام رحمت فرمائیگا اور ان سے نہیں یا تو بلا واسطہ کوئی کلام نہ فرمائے گا جو کچھ ہو گا فرشتوں کے ذریعہ سے یا عتاب اور عذاب کا کلام فرمائے گا۔ تیسرے یہ کہ قیامت کے دن ان پر نظر رحمت بھی نہ فرمائے گا یہ خدا تعالیٰ کے دیدار سے بھی محروم ہوں گے اور اس کی نظر رحمت سے بھی اور نہ ان کے گناہ معاف کر کے انہیں پاک کرے اور نہ ان کی تعریف فرمائے اتنی محرومیوں کے باوجود ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ جس کی عظمت بیان سے باہر ہے۔ خیال رہے کہ اگر یہ آیت یہود وغیرہ کفار کے بارے میں ہے جیسا کہ ایک روایت سے معلوم ہوا تو اس میں کسی قسم کی تاویل و توجیہ کی ضرورت نہیں 'ظاہری معنی پر ہے۔ اور اگر گناہگار مسلمانوں کے حق میں ہے تو ان سب سزاؤں میں اول اور بخشش نہ ہونے کی قید لگے گی یعنی اگر ان کی شفاعت و بخشش نہ ہو تو اولا" وہ لوگ ان فضائل سے محروم رہیں گے۔ پھر سزا پا کر جنت' دیدار الٰہی اور رضاء رب اور نظر رحمت کے مستحق ہوں گے کیونکہ ہر مسلمان کا انجام جنت ہے جہنم میں ہمیشگی کفار کیلئے خاص ہے۔ مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ تین شخص وہ ہیں کہ قیامت میں حق تعالیٰ نہ ان سے کلام فرمائے نہ ان کی طرف نظر رحمت کرے اور نہ انہیں گناہوں سے پاک کرے اور انہیں دردناک عذاب ہے۔ پھر حضور علیہ السلام نے یہ آیت کریمہ پڑھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ کون لوگ ہیں۔ فرمایا ازار کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانے والا اور احسان جتانے والا اور اپنی تجارت کو جھوٹی قسم سے رواج دینے والا۔ حضرت ابو امامہ کی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو کسی مسلمان کا حق مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے اللہ اس پر جنت حرام اور دوزخ لازم کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اگرچہ تھوڑی ہی چیز ہو۔ فرمایا اگرچہ ببول کی شاخ ہی کیوں نہ ہو (تفسیر خزائن عرفان) مسلمانوں کو اس

www.alahazratnetwork.org

آیت اور ان احادیث سے عبرت پکڑنی چاہئے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جھوٹی قسم بڑا گناہ ہے خصوصاً" جب کہ اس سے بندہ کا حق مارا جائے کہ پھر وہ حق العباد ہے۔ جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔ دوسرا فائدہ: قسم سے انسان اس مال کا مالک نہیں ہو سکتا جو بظاہر غیر کا ہو لہذا اگر مال کسی کے قبضہ میں ہے اور دوسرا آدمی اس کا مدعی ہے تو چونکہ قبضہ قبضے والے کی ملکیت کی دلیل ہے لہذا دوسرا آدمی گواہی پیش کرے۔ قسم نہیں کھا سکتا جیسا کہ آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: قسم سے حق ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ خصومت دفعہ ہو سکتی ہے (احکام القرآن)۔ چوتھا فائدہ: جو تاجر جھوٹی قسمیں کھا کر کھوٹے مال کو گاہک کی نظر میں کھرا کر دکھائیں یا اپنے غیر مقبول کو مقبول ثابت کر کے بیچیں وہ سخت گناہ گار ہیں اور اس آیت میں داخل۔ پانچواں فائدہ: مومنوں خصوصاً" پرہیزگاروں کو یہ چاروں نعمتیں ملیں گی۔ ان کا آخرت میں حصہ بھی ہو گا۔ ان سے اللہ تعالٰی کلام رحمت بھی کرے گا۔ ان پر نظر رحمت بھی فرمائے گا۔ انہیں پاک و صاف بھی فرمائے گا اور انہیں دردناک عذاب بھی نہ دیگا۔ کیونکہ یہ پانچوں چیزیں کفار کے لئے بطور عذاب ہیں۔ تو انشاء اللہ مسلمان اس سے محفوظ ہیں۔ چھٹا فائدہ: سزا و جزا کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ دنیا میں رب کے دستر خوان پر دوست دشمن سب ہی کھا رہے ہیں۔ یہاں اس کی رحمانیت کا ظہور ہے اور وہاں اس کی رحیمیت کی جلوہ گری ہو گی جیسا کہ **لا خلاق لھم فی الاخرۃ** فرمانے سے معلوم ہوا کہ ارشاد ہوا کہ ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں یعنی دنیا میں حصہ ہے۔

پہلا اعتراض : اگر یہ آیت مسلمانوں کے حق میں ہو تو دوسری آیتوں میں صدہا حدیثوں سے اس کا تعارض ہو گا کیونکہ مسلمان کے لئے آخرت میں حصہ بھی ہے رب کے کلام سے سرفرازی بھی۔ پھر اس آیت کا مطلب کیا؟ جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس صورت میں اس آیت میں دو قیدیں لگائی ہوں گی۔ ایک اولاً" کی دوسرے عدم مغفرت کی یعنی اگر ان کی مغفرت نہ ہو تو اول ہی سے انہیں یہ درجات نہ ملیں گے۔ بلکہ سزا پا کر دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ ایسے مجرموں سے نہ رب تعالٰی بات کرے گا اور نہ انہیں دیکھے گا اور دوسری آیت میں ہے کفار سے فرمایا جائے گا۔ **اخسئوا فیھا ولا تکلمون** یا **ذق انک انت العزیز الکریم**! اور کیا خداوند تعالٰی صرف نیک کاروں کو دیکھے گا بدکاروں سے غافل رہے گا؟ (آریہ) جواب: ہم تفسیر میں اس کے دو جواب دے چکے ایک یہ کہ یہاں کلام سے رحمت کا کلام مراد ہے اور کفار سے کلام غضب ہو گا دوسرے یہ کہ یہاں کلام سے بلاواسطہ کلام مراد ہے۔ کفار سے جو کچھ گفتگو ہو گی فرشتوں کے واسطہ سے۔ ایسے ہی نظر محض دیکھنا مراد نہیں۔ جس کا مقابل بے خبری اور لاعلمی ہے بلکہ نظر رحمت مراد ہے۔ اسی لئے **لا ینظر الیھم لا ینظرھم**۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جھوٹی قسمیں کھانے والے کی معافی نہ ہو گی کہ فرمایا گیا **ولا یزکیھم** اور دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء** شرک کے سوا سارے گناہ جس کو چاہے گا بخش دیگا۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: اگر یہ آیت کفار کے حق میں ہے اور ایمان سے ان کی وہ جھوٹی قسمیں مراد ہیں۔ جو اسلام کے خلاف کھایا کرتے تھے تب تو آیتوں میں تعارض کا احتمال ہی نہیں کیونکہ اس صورت میں وہ قسمیں کفر ہیں اور کفر کی بخشش کیسی اور اگر یہ آیت گناہ گار مسلمانوں کے حق میں ہے اور ایمان سے مراد وہ جھوٹی قسمیں ہیں جو دنیوی معاملات میں لوگ کھا لیتے ہیں تب جواب یہ ہے کہ یہاں عدل کا ذکر ہے اور اس آیت میں فضل کا ذکر۔ یعنی تقاضائے انصاف یہ ہے کہ ایسوں کی خطا

www.alahazratnetwork.org

معاف نہ کی جائے کیونکہ انہوں نے جھوٹی قسموں سے بندوں کے حق مارے ہیں اور یعلق گناہوں کی ہوتی ہے نہ کہ حقوق العباد کی اور اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ فضل کرے گا تو کفر کے سوا ہر جرم معاف کر دیگا اس طرح کہ اپنے حقوق خود معاف فرمادیگا اور حقوق العباد صاحب حقوق سے معاف کرادیگا یا یہ کہا جائے کہ تزکیہ اور مغفرت میں فرق ہے۔ مغفرت صرف گناہ کی معافی ہے اور تزکیہ میں گناہ سے معافی بھی ہے اور رفع درجات بھی۔ یہاں تزکیہ کی نفی ہے اور وہاں مغفرت کا ثبوت۔ مطلب یہ ہوا کہ حقوق العباد مارنے والے مجرموں کو ابتداءً بلند درجے نہ ملیں گے اگر ملیں گے تو مغفرت کے بعد **واللہ اعلم** یا کہا جائے گا یہ سب سزائیں بخشش نہ ہونے کی صورت میں ہیں۔ تو گویا آیت **ویغفر ما دون ذالک** نے ان تمام آیتوں کو نہ چاہنے سے مقید کر دیا۔ چوتھا اعتراض: **لھم عذاب الیم** میں لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ دردناک عذاب صرف عہد کے توڑنے والوں اور جھوٹی قسمیں کھانے والوں کے لئے ہے تو کیا یہ لوگ کفار سے بدتر ہیں کہ صرف ان کے لئے دردناک عذاب ہو نہ کہ کفار کے لئے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ عہد توڑنے والوں میں کفار بھی داخل ہیں۔ بلکہ سب کو عذاب عہد توڑنے ہی کا ہوگا۔ کسی نے ایمان کا عہد توڑا کسی نے نیک کاری اور فرمانبرداری کا۔ دوسرے یہ کہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی یعنی بمقابلہ بعض گناہ گاروں کے عہد توڑنے والوں کا عذاب سخت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جو لوگ میثاق والے عہد کو توڑ کر اور توحید سے منہ موڑ کر اور اپنی کھائی ہوئی قسموں سے دل پھیر کر نفسانی صفات اور نفع حواس کو خرید لیتے ہیں ان کے لئے نعیم روحانی اور اخلاق ربانی میں سے کوئی حصہ نہیں کیونکہ نفس اور روح اور دنیا و آخرت ایک دوسرے کے دشمن ہیں ایک کا سنبھالنا دوسرے کا بگاڑنا ہے۔ دنیا سنبھالنے والا اپنی آخرت تباہ کر لیتا ہے اور نفس کو قوی کرنے والا اپنی روح کو کمزور کر لیتا ہے نہ ایسوں سے حق تعالیٰ قیامت میں کلام فرمائے اور نہ دنیا میں اپنا کلام سمجھائے۔ نفس کا پیروکار قرآن سمجھ سکتا ہی نہیں۔ نیز قیامت میں ان پر توجہ اور رحمت کی نظر نہ فرمائے گا تاکہ ان کے گناہ معاف ہوں اور وہ جنت کے مستحق ہوں۔ اور نہ انہیں نفسانی صفات سے پاک کرے جو جہنم کے ایندھن بننے کا باعث ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ برے اخلاق میں پھنسے رہیں گے۔ اس کے علاوہ انہیں دنیا کی گرفتاری اور مرتے وقت کی بے قراری، قبر کی تنگی، قیامت کی وحشت اور دوزخ کی تپش کا دردناک عذاب ہے۔ (روح البیان)۔ خیال رہے کہ ہر روح کو اپنے خالق سے عشق حقیقی ہے۔ دنیا میں نفس کی وجہ سے اس عشق کا احساس نہیں۔ قیامت میں یہ حجاب اٹھا دیا جائے گا۔ **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** حسد اور کینہ کا حجاب نہ رہے گا۔ تب آتش عشق انتہائی جوش پر ہوگی اس وقت محبوب حقیقی کا حجاب بڑا عذاب ہوگا۔ **لا ینظر الیھم** اور **ولا یکلمھم** اس کا بیان ہے کہ ہم ان سے بولیں گے نہیں ہم انہیں دیکھیں گے نہیں۔ آتش فراق میں تڑپائیں گے۔ رب تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں محجوبین میں سے نہ کرے۔ محبوبین میں سے کرے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جن کا ہر کام آخرت کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا بھی کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں رب کے لئے کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کا ہر کام دنیا کے لئے ہے۔ حتیٰ کہ نماز روزہ بھی کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں نفس و شیطان کے لئے کرتے ہیں۔ یاد کھاوے اور نام و نمود کے لئے۔ تیسرے وہ جن کے بعض کام آخرت کے لئے ہیں بعض دنیا کے لئے۔ پہلی قسم کے لوگ اول درجہ کامیاب ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ اول درجہ کے ناکام اور تیسری قسم کے لوگ درمیانے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں دوسرے قسم کے بدنصیبوں کا ذکر ہے کہ ان پر دنیا میں بھی عذاب ہے۔ آخرت میں بھی۔ صوفیاء کرام کے نزدیک

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ کے کرم کی علامت یہ ہے کہ بندے کو گناہوں سے بچتے نیک اعمال کرنے کی توفیق ملے۔ مال ملنا کمال نہیں۔ نیک اعمال ملنا کمال ہے یہ خاص عطاء ذوالجلال ہے۔ میدان کربلا میں مظلوم دشت کربلا و مبتلائے کرب و بلا کے پاس مال نہ تھا اور پلید یزید کے پاس مال و منال سب کچھ تھا مگر اللہ کا فضل اس مظلوم جناب حسین پر تھا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ

اور تحقیق ان میں سے البتہ ایک گروہ ہے جو موڑتے ہیں زبانوں اپنی کو ساتھ کتاب کے تاکہ سمجھو تم اس کو کتاب سے

اور ان میں کچھ وہ ہیں جو زبان پھیر کر کتاب میں میل کرتے ہیں کہ تم سمجھو یہ بھی کتاب میں ہے

وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ

حالانکہ نہیں ہے وہ کتاب سے اور کہتے ہیں وہ پاس سے اللہ کے ہے حالانکہ نہیں ہے

اور وہ کتاب میں نہیں اور کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور وہ اللہ کے

عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۸﴾

وہ پاس سے اللہ کے اور کہتے ہیں وہ اوپر اللہ کے جھوٹ حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

پاس سے نہیں ہے اور اللہ پر وہ دیدہ دانستہ جھوٹ باندھتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں خیانت کی برائیوں کا ذکر تھا۔ اب یہود کی خاص خیانت یعنی تحریف کتاب کا تذکرہ ہے جو کہ تمام خیانتوں سے بدتر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خیانت کا ذکر تھا اور خیانت کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ مالک کے مال کا انکار کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ اس کی چیز کو اپنی ملکیت سے اس طرح خلط کر دیا جائے کہ ان میں کچھ فرق نہ رہے۔ یہ سخت تر خیانت ہے۔ کیونکہ یہ خیانت بھی ہے اور دھوکہ بھی۔ اس آیت میں اسی کا تذکرہ ہے کہ اہل کتاب نے کتاب اللہ میں اپنی طرف سے ایسی زیادتی کی کہ ان دونوں میں فرق نہ رہا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خیانت کی برائی اور خائن کے عذاب کا ذکر تھا۔ اور بدتر خائن وہ ہے جو متقی اور پرہیزگار کی شکل میں ہو اور لوگوں پر اپنی امانت داری کے خطبے پڑھتا پھرے۔ لہٰذا اب فرمایا جا رہا ہے۔ علمائے اہل کتاب اس قسم کے خائن ہیں کہ کلام الٰہی کو بگاڑیں۔ اور رب تعالیٰ کے احکام بدلیں اور پھر بھی عالم ہی کہلائیں۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے حق میں نازل ہوئی کہ انہوں نے توریت و انجیل کو بدل دیا۔ اور کتاب اللہ میں اپنی طرف سے جو چاہا ملا دیا جیسے کعب ابن اشرف مالک ابن صیف اور حیی ابن اخطب اور ابو یاسر اور شعبہ ابن عمرو شاعر۔ (تفسیر خزائن عرفان و روح المعانی)

تفسیر: **وان منهم لفريقا** چونکہ اہل کتاب تحریف سے انکاری تھے کہ ان کے علماء تو کہتے تھے ہم نے توریت و انجیل میں کوئی تحریف نہ کی اور ان کے عوام کہتے تھے کہ ہمارے علماء کے پاس زی کھری خالص توریت و انجیل موجود تھی اور ممکن تھا کہ

www.alahazratnetwork.org

بعض سادہ لوح مسلمان بھی کہنے لگتے کہ قرآن مجید کی طرح یہ آسمانی کتب بھی محفوظ رہیں۔ اس لئے اس کو ان اور لام تاکید سے مؤکد کیا گیا۔ منھم کا مرجع سارے اہل کتاب ہیں۔ یہودی یا عیسائی۔ فریق فرق سے بنا۔ بمعنی جدائی و علیحدگی۔ اصطلاح میں جماعت اور گروہ کے معنی میں آتا ہے کیونکہ وہ بھی دوسری جماعتوں سے علیحدہ ہوتا ہے۔ یعنی یقیناً اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے۔ یلون السنتھم بالکتب یہ جملہ فریقا" کی صفت ہے۔ یلون لوی یالی سے بنا بمعنی بٹنا موڑنا۔ پھیرنا۔ کہا جاتا ہے لویت یدہ میں نے اس کا ہاتھ موڑ دیا اور التوی فلاں آدمی بل کھا گیا اور پھر گیا۔ اسی لئے ٹالنے کو لی کہا جاتا ہے حدیث شریف میں ہے کہ لی الواجد ظلم۔ غنی مقروض کا ٹالنا ظلم ہے۔ السنہ لسان کی جمع ہے لسان مذکر بھی ہے۔ مونث بھی ابی عمرو ابن علاء کہتے ہیں کہ جس نے اسے مونث مانا اس نے اس کی جمع السن قرار دی اور جس نے مذکر مانا اس نے السنہ کہا قرآن پاک سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔ بالکتاب کی ب یا صلہ کی ہے یا ظرفیت کی یا ملابست کی اور جار مجرور السنۃ کا حال ہے۔ (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ زبان موڑنے میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں کہ جو آیت اتری تھی۔ اسے نہیں پڑھتے اور جو خود شامل کر دی اسے پڑھتے ہیں۔ اہل عرب جھوٹ بولنے کو لی اللسان کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے لویت عند الخبر یعنی لخبرتہ بہ علی غیر وجھہ (معانی) (2) دوسرے یہ کہ آیتوں کی حرکت اور اعراب کو بدلتے ہیں۔ جس سے معنی فاسد ہو جاتے ہیں جیسا کہ عربی جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ زبان عبرانی بھی عربی کی طرح ایسی نازک تھی کہ اعراب بدلنے سے اس کے معنی بدل جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ راعنا لیا بالسنتھم کو اعنا پڑھو تو اور معنی اور عین کو ذرا کھینچ کر راعینا پڑھو تو دوسرے معنی (کبیر)۔ (3) اپنی ملاوٹی عبارت کو توریت کی طرح تجوید اور ترتیل کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ جس سے دھوکہ پڑ ... کتاب اللہ پڑھ رہے ہیں۔ یعنی کتاب اللہ میں اپنی زبانوں کو موڑتے ہیں کہ اس کی اصل عبارت یا اعراب بدل دیتے ہیں یا اپنی مخلوط عبارتوں کو توریت کی طرح لہجہ اور ترتیل سے پڑھتے ہیں کیوں لتحسبوہ من الکتب یہ جار مجرور یلون کے متعلق ہے۔ تحسبوا میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ضمیر محرف اور تبدیل کردہ آیت کی طرف لوٹتی ہے۔ جو یلون سے معلوم ہوئی تھی۔ بعض قراءتوں میں لیحسبوا ی کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں اس کا فاعل یا مسلمان ہیں یہ جہلا اہل کتاب یعنی یہ حرکتیں اس لئے کرتے ہیں کہ تم ان کی شامل کردہ عبارتوں کو کتاب اللہ کی آیت سمجھو۔ وما ھو من الکتاب واؤ حالیہ ہے اور جملہ لتحسبوا کی ضمیر سے حال ھو کا مرجع وہی تبدیل شدہ عبارت ہے۔ یعنی حقیقت یہ ہے کہ عبارت کتاب اللہ کی نہیں۔ بلکہ وہ خود ان کی اپنی ہے وہ خبثا" اس فریب پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ ویقولون ھو من عند اللہ لوگوں صراحتا" کہتے پھرتے ہیں کہ ہم نے یہ جو کچھ پڑھا یہ رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی عبارت ہے لہذا اس پر ایمان لاؤ۔ وما ھو من عند اللہ یہ واؤ بھی حالیہ ہے اور یہ جملہ ھو ضمیر سے حال یعنی حال یہ ہے کہ وہ عبارتیں اللہ کی طرف سے نہیں۔ خیال رہے کہ یہ نفی یا واقع کے لحاظ سے ہے یا ان کے عقیدے کے اعتبار سے یعنی حقیقتاً وہ رب کی طرف سے نہیں۔ یا خود ان کے عقیدہ میں بھی رب کی طرف سے نہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ یہ ہماری گھڑی ہوئی عبارتیں ہیں یہ بھی خیال رہے کہ ان کے فریب دو تھے ایک گھڑی عبارتوں کو اصلی کتاب سے ملا کر پڑھنا۔ دوسرے اسکو آیات ربانی کہنا لہذا یہ ان کی تردید کی ہے اور ماھو من عند اللہ دوسرے کا رد لہذا عبارت میں تکرار نہیں۔ ویقولون علی اللہ الکذب وھم یعلمون یہ پہلے جملہ کی گویا تفسیر ہے یعنی وہ دھوکے سے نہیں غلطی سے نہیں۔ بلکہ جان بوجھ کر اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ بولنے کے

www.alahazratnetwork.org

یہ معنی ہیں کہ جھوٹ بول کر اسے رب کی طرف نسبت دے دیتے ہیں کہ یہ رب کا فرمان ہے یہ سخت جرم ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب میں تین گروہ ہیں۔ ایک امانت دار۔ دوسرے خائن جن کا ذکر پہلے ہو چکا۔ تیسرے وہ ہیں جو کتاب الٰہی میں خلط کر کے مخلوط عبارت کو زبان موڑ کر اس طرح پڑھتے ہیں کہ سننے والا یہ سمجھے کہ یہ عبارت بھی کلام اللہ ہے اور کتاب الٰہی کی آیت۔ حالانکہ نہ وہ اللہ کا کلام ہے نہ کتاب کی آیت بلکہ ان کی گھڑی ہوئی عبارت ہے پھر اس فریب پر ہی بس نہیں کرتے بلکہ صاف صاف کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی آیتیں ہیں۔ حالانکہ وہ رب کی آیتیں نہیں بلکہ ان کی اپنی گھڑی ہوئی عبارتیں ہیں یہ لوگ ایسے دلیر ہیں کہ مخلوق پر ہی نہیں بلکہ خالق پر جھوٹ باندھتے ہیں۔ پھر خطاء یا غلطی سے نہیں بلکہ دیدہ دانستہ سمجھتے ہیں کہ یہ عبارتیں ہماری ہیں اور کہتے ہیں اللہ کی۔ خیال رہے کہ تفسیر روح المعانی نے اس جگہ فرمایا کہ بعض علماء کا خیال ہے کہ خود توریت میں تحریف نہ ہوئی۔ اس کی آیتیں اپنے حال پر رہیں۔ یہود نے ان کے پڑھنے میں تبدیلی کی یا آیتوں کی باطل تاویلیں کیں جیسا کہ **یلون السنتهم** سے معلوم ہوا۔ ہاں کچھ کتابیں ان کی اپنی بنی ہوئی تھیں۔ جسے وہ کتاب اللہ کہتے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویکتبون الکتب بایدیھم ثم یقولون ھذا من عند اللہ** اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ مستقل کتابیں لکھ کر انہیں کتاب اللہ بتایا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بارہا یہود سے الزاما فرماتے تھے **ایتوا بالتوراۃ فاتلوھا ان کنتم صدقین** اگر سچے ہو تو توریت لاؤ پڑھو۔ اگر توریت بدل چکی ہوتی تو انہیں توریت سے الزام کیوں دیا جاتا مگر حق یہ ہے کہ اصل توریت و انجیل میں ہی تحریفیں ہوئیں۔ اور ان میں خلط ملط کیا گیا۔ ہاں کچھ آیتیں اصل بھی تھیں اور اکثر بدلی ہوئی۔ اصل آیات سے یہود کو الزام دیا جاتا تھا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب تم پر یہود توریت پڑھیں تو نہ ان کی تصدیق کرو نہ انہیں جھٹلاؤ۔ اس کا ثبوت بہت سی آیتوں سے صدہا حدیث سے ہے۔ نیز آج موجودہ انجیلوں کا اختلاف بتا رہا ہے کہ یہ انجیلیں تحریف شدہ ہیں چنانچہ آج کل چار انجیلیں زیادہ مشہور ہیں۔ (1) انجیل متی جو عیسیٰ علیہ السلام کے آٹھ سال بعد سریانی زبان میں لکھی گئی جسے بارہ حواریوں نے لکھا۔ (2) انجیل مرقس جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارہ سال بعد مقام رومیہ میں افرنجی زبان میں لکھی گئی۔ (3) انجیل لوقا جو یونانی زبان میں مقام اسکندریہ میں لکھی گئی۔ (4) انجیل یوحنا جو عیسیٰ علیہ السلام کے پیارے دوست یوحنا نے عیسیٰ علیہ السلام کے تیس سال بعد ملک روم کے شہر افسس میں لکھی۔ اب اگر ان انجیلوں کا مقابلہ کیا جائے تو ان میں سخت اختلاف ملتا ہے۔

انجیلوں کا اختلاف

چنانچہ متی رسول میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ دو چوروں کو بھی سولی دی گئی۔ جن میں سے ایک حضرت مسیح علیہ السلام کے داہنی طرف اور دوسرا بائیں طرف تھا اور وہ دونوں یہود کے ساتھ مسیح علیہ السلام سے مذاق کرتے تھے مگر انجیل لوقا میں ہے کہ ان میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑا رہا تھا اور دوسرا آپ کی تعریفیں کر رہا تھا اور اس نے کہا کہ اے مسیح (علیہ السلام) مجھے اپنی ملکوت میں یاد رکھنا۔ آپ نے فرمایا اے دوست تو جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔ خیال تو کرو کہ متی رسول کے لحاظ سے یہ دونوں کافر ہیں اور لوقا کے لحاظ سے ایک کافر اور ایک مومن اور مرقس اور یوحنا میں یہ قصہ ہی ندارد ہے۔ نیز لوقا میں

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ انسان کا بچہ انسان کو ہلاک کرنے نہیں آیا بلکہ انہیں زندگی بخشنے آیا ہے مگر ان کے اصحاب کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ مسیح علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ انسان کا بچہ زمین پر سلامتی پھیلانے نہیں آیا بلکہ تلوار چلانے اور آگ بھڑکانے آیا ہے۔ خیال تو کرو کہ ایک کہتا ہے کہ انسان رحمت ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ انسان عذاب۔ نیز متی رسول میں ایک جگہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے بارہ شاگردوں سے فرمایا کہ تم آئندہ زمانہ میں بارہ کرسیوں پر بیٹھو گے۔ اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں کی طرح ہر ایک دیندار ہو گے پھر اسی متی میں ہے کہ ان بارہ شاگردوں میں سے ایک شاگرد یہوداہ نے تیس روپیہ کے عوض دشمنوں کو عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ دے دیا۔ بلکہ پکڑوانے کے لئے پولیس کو ساتھ لے آیا۔ آپ نے فرمایا کہ افسوس یہ شخص بدترین مخلوق ہے۔ ذرا اختلاف دیکھو ایک عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہ حق پر تھے اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے ایک کافر ہو گیا۔ نیز متی رسول باب پندرہ آیت چوبیس میں ہے کہ جناب مسیح نے فرمایا کہ میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی بھیڑوں کے سوا کسی اور کے پاس نہیں بھیجا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے ہی رسول ہیں مگر بعض آیات میں ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ میری بھیڑیں ان کے علاوہ اور بھی ہیں معلوم ہوا کہ آپ بنی اسرائیل کے سوا اوروں کے بھی رسول ہیں۔ اس قسم کی باتیں دیکھنے کے لئے ہماری کتاب قرآن اور انجیل۔ نیز ہمارے رسول اور انجیل کا مطالعہ فرماؤ۔ غرضیکہ انجیلوں کے اختلاف بے شمار ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خود ان کتابوں میں تحریف ہوئی۔ اور یلوون السنتھم کے یہی معنی ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کتاب اللہ میں انسانی کلام اس طرح ملانا جس سے فرق نہ رہے' سخت جرم ہے۔ لکھنے پڑھنے بولنے غرضیکہ ہر طرح کلام الٰہی اور کلام انسان میں فرق کرنا ضروری ہے۔ مسئلہ: قرآن پاک خط نستعلیق یعنی اردو خط میں لکھنا منع ہے بلکہ عربی خط میں لکھے اور اس میں بھی مصحف عثمانی کی پیروی کرے تاکہ انسانی اور ربانی کلام میں فرق رہے (شامی)۔ مسئلہ: قرآن پاک میں سورتوں کے نام' آیتوں کی تعداد اس طرح فرق کر کے رکھے' جس سے معلوم ہو جائے کہ یہ قرآن شریف کی عبارت نہیں۔ مسئلہ: چونکہ اس میں اختلاف ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کے ساتھ اتری ہے یا ایک جگہ لہٰذا سورتوں کے اول کی بسم اللہ علیحدہ سطر میں کچھ کشش کے ساتھ لکھے تاکہ بقیہ آیات سے ممتاز رہے اور سورۂ نمل کی بسم اللہ عبارت کے ساتھ بلا فرق لکھ دے۔ انہ من سلیمن وانہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کیونکہ یہ وہاں ہی کی آیت ہے۔ مسئلہ: تفسیر کو آیت سے امتیاز دے یا تو آیتوں پر خطوط کھینچے یا تفسیر کی عبارت میں اعراب نہ ہوں اور آیت پر اعراب ہوں یا تفسیر کی عبارت فارسی خط میں ہو اور قرآنی آیت عربی خط میں۔ بالکل بغیر فرق کے لکھنا درست نہیں۔ یہ سب مسائل لتحسبوہ من الکتب وما ھو من الکتب سے مستنبط ہوئے۔ یہ تو کلام اللہ ہے۔ محدثین تو حدیث میں بھی بہت احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ حتی کہ امام مسلم نے باب کے عنوان حاشیہ پر لکھے۔ اصل کتاب میں لکھیں گے مگر فرق کے ساتھ جس سے دیکھنے والا معلوم کر لیتا ہے کہ یہ محدث کی عبارت ہے اور یہ سرکار دو جہاں کا فرمان (صلی اللہ علیہ وسلم)۔

لطیفہ: موجودہ دور میں بھی بہت لوگ یہود سے پیچھے نہ رہے۔ بلکہ انہوں نے ان سے چار قدم آگے بڑھنے کی کوشش کی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی الہامات اس پر گواہ ہیں کہ کچھ عبارتیں اپنی کچھ قرآن کی آیتیں ملا کر کہتے ہیں کہ یہ مجھے الہام ہوا۔ ما

www.alahazratnetwork.org

ایتھا لمرءۃ توبی توبی ان رادوہ الیک وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ یہ مرزاجی کا الہام ہے۔ ماشاء اللہ مخمل کے کپڑے میں ٹاٹ کا پیوند۔ اب ذرا ترجمہ سنئے اے محمدی بیگم (مرزا کی عرشی منکوحہ) توبہ کر توبہ کر (تو دوسرے کے نکاح میں کیوں چلی گئی) اے مرزاجی ہم اس عورت کو تم پر لوٹائیں گے اور تمہارے متبعین کو قیامت تک کفار پر غالب رکھیں گے۔ (حالانکہ مرتے وقت تک محمدی بیگم مرزاجی کے ہاتھ نہ آئیں) یہ ہے **یلون السنتھم** کی کھلی مثال مگر چونکہ قرآن پاک کا رب تعالیٰ محافظ ہے۔ اس لئے یہ تحریفیں مٹ گئیں۔ قرآن اپنے اصلی نور سے جگمگا تا رہا۔ دوسرا فائدہ: گناہ رب کی طرف سے نہیں اور نہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **ما ھو من عند اللہ** (احکام القرآن) ہاں گناہ رب کی مخلوق ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ اپنے اعمال کا خود خالق ہے۔ اعمال کا خالق رب نہیں۔ چونکہ تحریف شدہ عبارتیں یہود کی تحریر تھیں۔ رب نے فرمایا **وما ھو من عند اللہ** اگر بندوں کے فعل کا رب خالق ہوتا تو یہاں فرمایا جاتا کہ یہ رب کی طرف سے ہے کیونکہ میرے بندوں کا فعل ہے۔ جس کا میں خالق ہوں (معتزلہ) جواب: یہاں فعل کی نفی نہیں بلکہ مفعول کی نفی ہے یعنی یہ بناوٹی عبارت رب کی طرف سے نازل نہیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہود کا یہ کام رب کی خلق نہیں (معانی وکبیر) دوسرا اعتراض: یہ آیت حنفیوں پر چسپاں ہے کیونکہ وہ امام ابوحنیفہ کے قیاسی مسائل کو دینی احکام اور ربانی فرمان سمجھتے ہیں لہٰذا تقلید یہودیت ہے۔ (غیر مقلد) جواب: استغفر اللہ! نہ کسی مقلد نے امام کے کلام کو رب کا کلام کہا نہ ان کے فرمان کو رب کا فرمان مانا نہ ان کی عبارتوں کو قرآن شریف سے ملایا۔ اس فن کا نام ہی کچھ اور رکھا۔ قرآن کا نام کتاب اللہ، اس فن کا نام فقہ۔ بھلا یہود سے انہیں کیا تعلق۔ جیسے بے علم آدمی عالم سے کوئی مسئلہ سن کر یہ سمجھتا ہے کہ اس نے کتاب سے دیکھ کر بتایا ہو گا۔ اور پھر اسے دینی حکم سمجھ کر اس پر عمل کرتا ہے نہ عالم کو خدا سمجھتا ہے نہ اس کے کلام کو قرآن۔ ایسے ہی مقلد اپنے امام کے بارے میں یہ نیک گمان کرتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہتے ہیں قرآن و حدیث سے کہتے ہیں۔ ان کے بتائے ہوئے مسائل درخت قرآن اور شاخ حدیث کے پھل ہیں۔ بتاؤ اس میں کیا قباحت ہے۔ اگر مقلد یہودی ہیں تو ہر جاہل غیر مقلد یہودی ہے۔ خواہ ثنائی ہو یا غزنوی۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام کے کلمات گویا کتاب الٰہی ہیں اور انکا علم درحقیقت علم لدنی ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان مقبولوں کا زمین و آسمان ہی دو ورق ہے۔ سب کہتے ہیں کہ لوح محفوظ ساتویں آسمان کے بھی اوپر ہے۔ جس میں سب حالات موجود ہیں مگر یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یار کی پیشانی لوح محفوظ ہے۔ جس میں سارے کمالات موجود۔ مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانیء یار   راز پنہاں می شود زاں آشکار

یہ لوگ فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی زبان رب کا قلم ہے ان کے فرمان رب کی کتاب جیسے اللہ کی کتاب میں تبدیلی ناممکن ہے۔ ایسے ہی ان کے منہ سے نکلے ہوئے فرامین ناممکن تبدیل ہیں۔ بعض مدعیان معرفت میں سے ایسے بیہودہ لوگ بھی ہیں جو عارفین کے کلمات کو زبان پھیر کر منہ بھر کر بولتے ہیں تاکہ تم سمجھو کہ یہ وہی علم لدنی ہے جو رب تعالیٰ نے عارفین کو دیا اور وہ مدعیان تصوف دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہمارا یہ کلام اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ اور علوم لدنیہ میں سے ہے حالانکہ وہ رب تعالیٰ کی

www.alahazratnetwork.org

طرف سے نہیں۔ یہ لوگ خدا پر جھوٹی تہمت باندھتے ہیں ان کے پاس بے معنی الفاظ اور بے مغز پوست ہے۔ اس پر ناز کرتے ہیں اور انہیں پتہ بھی ہے کہ ہم نام کے صوفی اور کام کے دھوکہ باز۔ نام کے عالم اور کام کے جاہل ہیں۔ ایسے جاہل صوفی انہیں محرفین توریت کی طرح ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

کراجامہ پاک است و سیرت پلید — در دوزخش را نباید کلید

جس کی صورت اچھی اور سیرت گندی ہو۔ اسے دوزخ کے لئے چابی کی ضرورت نہیں وہ بلا حساب جہنمی ہے۔ ہر عابد جنتی نہیں۔ اور ہر گنہگار جہنمی نہیں۔ خاتمہ کا اعتبار ہے۔ بہت سے صالحین بد بخت ہو کر مرتے ہیں۔ اور بہت بد بخت صالح ہو کر۔ اے دعویدار معانی حاصل کرو۔ اے معرفت والو محبت سے حاصل کرو اور محبت والو اطاعت کے میدان میں سبقت کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو معرفت سے خالی اور حقیقت سے دور ہو۔ مگر دنیا کمانے کے لئے تصوف کا لباس پہن کر اپنے کو صوفی مشہور کرے اس کا عذاب زانیہ عورت سے زیادہ سخت ہو گا کہ رنڈی حرامی بچے جنتی ہے اور ایسے پیر حرامی اور نالائق مرید پیدا کر کے دنیائے تصوف کو بدنام کرتے ہیں۔ ایک شخص طنبورہ پر چڑھ کر طاق میں سے روٹی اتارتا ہے۔ دوسرا قرآن پر پاؤں رکھ کر اتارتا ہے یقیناً یہ اس سے بدتر ہے۔ اس زمانہ کے عام جھوٹے مشائخ کا یہی دستور ہے کہ وہ اپنی ظاہر شکل اور بے معنی الفاظ سے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ عاقل پر لازم ہے کہ ان کے ظاہر سے نہ دھوکہ نہ کھائے۔ دنیا سے دین خریدو۔ دین کو دنیا طلبی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

دین فروشی مایہ کردن ہست خسران — سود مند آں کس کہ دنیا صرف کردو دین خرید

اللہ تعالیٰ ہماری دنیا کو ذریعہ دین بنائے نہ کہ دین کو ذریعہ دنیا۔ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور عبادات کو ریا وغیرہ سے پاک فرمائے۔ یہ آیت صرف سننے کی نہیں بلکہ عبرت حاصل کرنے کی ہے۔ یہ مت سمجھو کہ ان کا تعلق صرف علماء یہود سے ہے ہم میں سینکڑوں یہودیانہ عیوب موجود ہیں۔ ہم سب کو رب تعالیٰ کا خوف چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اگر کتاب اللہ میں دوسری عبارت شامل کر دی جائے تو وہ کتاب اللہ ہی نہیں رہتی اور اگر اسے غلط طریقہ سے پڑھا جائے تو کتاب اللہ نہیں رہتی۔ رب نے یہاں فرمایا۔ ما ھو من عند اللہ ایسے ہی اگر تلاوت میں غلط نیت اور برا ارادہ شامل کر دیا جائے تو وہ کتاب اللہ نہیں دیکھو۔ منافقین نے کہا تھا۔ نشھد انک لرسول اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اس عبارت کے الفاظ طریقہ ادا سب درست تھا۔ مگر رب نے اعلان فرمایا انھم لکذبون یہ لوگ جھوٹے ہیں کیوں ہوئے اس لئے کہ انہوں نے فریب دہی کے لئے کلمہ پڑھا نہ کہ مسلمان بننے کے لئے۔ اس لئے جو کوئی قرآن شریف پڑھے لوگوں میں فساد پھیلانے انہیں گمراہ کرنے کیلئے وہ اس آیت میں داخل ہے۔ حافظ شیرازی نے کیا خوف فرمایا۔

حافظا مے خور و رندی کن و خوش باش ولے — دام تزویر مکن چوں دگراں قرآن را!

جیسے نماز میں ظاہر ارکان ضروری ہیں۔ ایسے ہی نیت بھی شرط ہے۔ یوں ہی قرآن و ایمان میں درستی نیت ضروری ناپاک کاغذ ناپاک قلم قرآن لکھنے کے قابل نہیں۔ ناپاک زبان جنبی وغیرہ کی قرآن پڑھنے کے لائق نہیں۔ یونہی ناپاک ذہن ناپاک دل قرآن سمجھنے کے لائق نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ

نہیں ہے واسطے بشر کے یہ کہ دے اس کو اللہ کتاب اور حکم اور پیغمبری پھر کہے وہ

کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اسے کتاب اور حکم اور پیغمبری دے پھر وہ

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ

واسطے لوگوں کے کہ ہو جاؤ پجاری واسطے میرے سوائے اللہ کے اور لیکن کہے گا ہو جاؤ اللہ والے

لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے

تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا

اس لئے کہ تھے تم پڑھتے کتاب کو اور اس لئے کہ تھے تم سبق دیتے۔ اور نہ حکم دے گا تم کو

ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو اور اس لئے کہ تم درس کرتے ہو اور نہ تمہیں حکم

الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ

اس کا کہ بناؤ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو رب کیا حکم کرے گا وہ تم کو ساتھ کفر کے بعد اس کے

دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا ٹھہراؤ کیا تمہیں کفر کا حکم

مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

کہ تم مسلمان ہو

دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو لئے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ علمائے اہل کتاب رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ اپنا گھڑا ہوا مضمون اس کی طرف نسبت دیتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اپنے پیغمبروں پر بھی جھوٹ بولنے سے دریغ نہیں کرتے کہ کہتے ہیں کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو معبود ماننے کا حکم دیا۔ گویا پہلے ان کی تحریف کتاب کا ذکر تھا اب تحریف کلام انبیاء کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ وہ اپنی کتابوں یعنی توریت و انجیل میں تحریف کرتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ آپ پر جھوٹ باندھنے کی کوشش کرتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوجا کرانا چاہتے ہیں (جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوگا)۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کی تحریف کا ذکر تھا اور اب اس کی مذمت فرمائی جا رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں کتاب، علم اور نبوت کا فیض دیا اور پھر انہوں نے لوگوں کو خدا کی راہ سے ہٹا کر اپنا بندہ بنا لیا۔ گویا ان کی یہ حرکت خلاف انسانیت ہے۔

شان نزول: نجران کے عیسائیوں نے کہا تھا کہ ہمیں عیسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ ہم انہیں رب مانیں۔ تب ان کی تردید

www.alahazratnetwork.org

میں یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خزائن عرفان و خازن) ایک روایت یہ ہے کہ ابو رافع یہودی اور سید عیسائی نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ تو یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں اور آپ کو رب مان لیں۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا خدا کی پناہ۔ نہ میں غیر اللہ کی عبادت کا حکم کرتا ہوں نہ مجھے اس کا حکم دیا گیا اور نہ مجھے اس لئے بھیجا گیا (کبیر و خزائن)۔ خیال رہے کہ ان عیسائیوں نے یہ دیکھا کہ مسلمان کلمہ طیبہ سے لے کر نماز جنازہ بلکہ دفن میت تک ہر عبادت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک لیتے ہیں ان کی کوئی عبادت اذان، تکبیر، نماز وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی نہیں۔ نیز ان عیسائیوں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ ہر جگہ رب کے نام کے ساتھ ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیتے ہیں۔ کچھ فرق نہیں کرتے۔ نیز دیکھا کہ حضرات صحابہ کرام اٹھتے بیٹھتے بولتے چالتے میں حضور علیہ السلام کا انتہائی ادب کرتے ہیں کہ التحیات کی طرح حضور علیہ السلام کے سامنے بیٹھتے ہیں۔ آپ کی آواز سے اپنی آوازیں اونچی نہیں کرتے۔ نگاہیں آپ سے نہیں ملاتے ان چیزوں کو دیکھ کر وہ چیخ اٹھے کہ یہ لوگ حضور علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔ ہم حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا ہی مانتے ہیں یہ تو حضور علیہ السلام کو خدا مانتے ہیں۔ ان کم بختوں نے تعظیم و عبادت میں فرق نہ کیا جو آج لوگ کہتے ہیں کہ بریلوی حضور علیہ السلام کو خدا سے ملا دیتے ہیں، حد سے بڑھا دیتے ہیں۔ انہوں نے یہ سبق انہی عیسائیوں سے پڑھا ہے یہ آج کی گفتگو نہیں پرانی گفتگو ہے۔ حسن سے روایت ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا کہ ہم آپ کو سلام ایسا ہی کرتے ہیں جیسے ایک دوسرے کو کیا کرتے ہیں ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کیا کریں۔ جس سے آپ کی شان خصوصی ظاہر ہو۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کسی کو جائز نہیں کہ غیر خدا کو سجدہ کرے ہاں اپنے نبی کی تعظیم کرو۔ اور حقدار کا حق پہچانو۔ تب یہ آیت کریمہ اتری (کبیر و معانی)۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہود کا دعویٰ تھا کہ کوئی شخص بزرگی اور درجہ میں ہمارے برابر نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا کہ اگر یہ سچ ہے تو تم پر رب کی اطاعت زیادہ واجب کہ اطاعت بقدر احسان چاہئے۔ پھر تم لوگوں کو راہ راست سے پھیر کر اپنا بندہ کیوں بناتے ہو۔ اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ** (کبیر)۔

تفسیر: **ما کان لبشر۔ ما** نافیہ ہے اور **لبشر** کسی پوشیدہ کا متعلق ہو کر کان کی خبر اور کان استمراریہ ہے۔ بشر جمع ہے اس کا کوئی واحد نہیں۔ جیسے قوم اور رہط مگر واحد و جمع سب کے لئے استعمال ہو جاتا ہے (تفسیر خازن) اس میں اختلاف ہے کہ بشر کا متعلق کیا ہے۔ بعض نے کہا۔ "لا نقا" ہے بعض نے کہا "ممکنا"۔ حق یہ ہے کہ اگر بشر سے مراد یا جناب عیسیٰ علیہ السلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو "ممکنا" پوشیدہ ہے اور اگر عام لوگ مراد ہیں تو "لا نقا" پوشیدہ کیونکہ نبی کا کفر و معصیت کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسا کہ خدا کا شریک۔ کیونکہ ان کے نفس امارہ نہیں بلکہ مطمئنہ ہیں اور شیطان کی وہاں تک پہنچ نہیں پھر ان سے گناہ کون کرائے اور عوام کو لائق نہیں کہ وہ بندہ ہو کر مالک بن بیٹھیں ورنہ وہ کتے سے زیادہ ناشکرے ہیں اور اس میں بھی اختلاف ہے کہ بشر سے مراد کون ہے۔ بعض فرماتے ہیں کہ اس سے عیسیٰ علیہ السلام مراد ہیں کیونکہ یہود نے ان پر تہمت لگائی تھی۔ بعض کے خیال میں کچھ بشر سے ہر انسان مراد ہے۔ جیسا کہ شان نزول کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ بعض کے خیال میں بشر سے ہر انسان مراد ہے۔ خیال رہے کہ بشر سے اس جانب اشارہ ہے کہ ایسی بکواس انسانیت کے خلاف ہے چہ جائیکہ نبوت و رسالت نبی اور رسول تو بڑے درجے والے ہیں کسی عام انسان کو دعویٰ خدائی زیبا نہیں یعنی کسی انسان کے لئے لائق نہیں یا عیسیٰ علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ممکن نہیں جیسا کہ فرمایا گیا۔ **ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین** یا نفوس انبیاء اور ان کے ارواح طیبہ ایسے پاک و صاف ہوتے ہیں کہ ان سے یہ دعویٰ ناممکن ہے اس تفسیر سے بہت اعتراضات اٹھ گئے جو ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔ چونکہ نبوت اور کتاب و حکمت صرف انسان ہی کو ملی ہے اس لئے یہاں بشر فرمایا۔ فرشتے جنات وغیرہ کا ذکر نہ کیا۔ اگر بشر سے مراد حضرات انبیاء ہوں تو تنوین تعظیمی ہے یعنی ایسے عظیم الشان انسانوں سے یہ بات ناممکن ہے اور اگر اس سے مراد عام لوگ ہیں تو تنوین تحقیری یعنی کسی معمولی بشر کو یہ زیبا لائق نہیں۔ **ان یوتیہ اللہ الکتب والحکم والنبوۃ** یہ جملہ اپنے معطوف سے مل کر کان کا اسم مؤخر ہے الکتب سے آسمانی کتاب اور حکم سے حکومت فیصلہ یا فہم یا علم مراد ہے۔ جو عطائے کتاب کے لئے لازم ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واتینہ الحکم صبیا** اور نبوت سے پیغمبری مقصود۔ چونکہ پہلے کتاب اترتی ہے۔ پھر عقل نبی میں داخل ہوتی ہے پھر وہ لوگوں تک اس کی تبلیغ کرتے ہیں۔ اس لئے پہلے کتاب کا ذکر ہوا پھر حکم یعنی فہم کتاب کا پھر نبوت کا۔ یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ بشر سے مراد انبیائے کرام ہوں اور اگر بشر سے مراد سارے انسان خصوصاً علماء اہل کتاب ہوں تو یہاں کتاب سے مراد علم کتاب مراد ہو گا اور حکم سے حکومت اور نبوت سے نبوت کی روشنی اور اس کا فیضان۔ خیال رہے کہ بشر لفظ تو ایک ہے مگر حسب موقعہ اس کے معنی و مقصد مختلف ہوتے ہیں۔ اگر یہ حضرات انبیاء کرام کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ کی ہاتھ کی بنائی ہوئی صنعت۔ معاشرت بالید سے ماخوذ ہے رب فرماتا ہے۔ **انی خالق بشرا** اور فرماتا ہے **ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی** یعنی اے شیطان تو نے اسے سجدہ کیوں نہ کیا جسے میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اگر بشر عام لوگوں کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں بشرے والا۔ یعنی ظاہری کھال والا جس کے جسم پر زیادہ بال نہ ہوں اور اگر خبیث لوگوں کے لئے بولا جائے تو اس کے معنی ہوں گے شرارت والا ب بمعنی مع اور شر بمعنی شرارت تو یہ لفظ حضرات انبیاء کے لئے تعظیم کا ہے کفار کے لئے تحقیر کا۔ اس لئے عام محاورہ میں ان حضرات کو ہم بشر نہ کہیں کہ یہ لفظ اچھے برے دونوں معنی رکھتا ہے۔ اگرچہ قرآن کریم سے ثابت ہے جیسے ظالم نبی کو نہیں کہہ سکتے اگرچہ قرآن کریم سے ثابت ہے جیسے آدم و یونس علیہما السلام نے عرض کیا تھا۔ **ربنا ظلمنا انفسنا یا ان کنت من الظلمین**۔ **ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ** یہ جملہ یوتیہ پر معطوف ہے اور ان سے منصوب۔ عباد عبد بمعنی عابد کی جمع ہے۔ جو عبادت سے بنا جو عبد عبودیت بمعنی خدمت و اطاعت سے مشتق ہو اس کی جمع اکثر عبید آتی ہے اسی لئے زید کے غلاموں کو عرف میں عبید زید کہیں گے نہ کہ عباد زید (روح المعانی) مگر کبھی عابد بمعنی خادم کی جمع بھی عباد آجاتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **من عبادکم و امائکم** اور فرماتا ہے **قل یعبادی الذین اسرفوا** بہرحال یہاں عباد بمعنی پجاری ہے نہ کہ بمعنی خادم جیسا کہ من دون اللہ سے معلوم ہو رہا ہے۔ لی پوشیدہ کے متعلق ہو کر عباد کی صفت ہے اور من دون اللہ یا عباد کے متعلق ہے کیونکہ اس میں فعل کے معنی ہیں یا اسکی دوسری صفت اور ممکن ہے کہ متجاوزین کے متعلق ہو کر عباد کا حال ہو یعنی اللہ سے تجاوز کرتے ہوئے بطور شرکت یا خالص میرے پجاری بندے بن جاؤ۔ یعنی کسی بشر کے لائق یہ نہیں کہ رب تو اسے اپنے فضل و کرم سے کتاب اور علم اور نبوت عطا فرمائے اور لوگوں کو اس کا امتی بنائے اور اسے عالم کا ہادی اور پھر بجائے ہدایت دینے کے لوگوں سے یہ کہے کہ تم خدا کو چھوڑ کر میرے پجاری بن جاؤ۔ حکومت کا افسر لوگوں کو حکومت کا مطیع بناتا ہے نہ کہ باغی یا غلام **ولکن کونوا ربانین** یہ جملہ پہلے پر

www.alahazratnetwork.org

معطوف ہے اگر بشر سے مراد علماء یہود تھے تو لکن کے بعد قولوا پوشیدہ ہے یعنی ان علماء کو یہ مناسب نہ تھا کہ لوگوں سے کہیں کہ ہمارے بندے بن جاؤ۔ بلکہ اے عالمو تم اپنے متبعین سے یہ کہو کہ اللہ والے بن جاؤ اس صورت میں یہ تاقیامت علماء کو تعلیم ہے کہ کتاب اللہ سے محض دنیا کمانے کی نیت نہ کریں نہ محض ترجمے سکھانے پر کفایت کریں بلکہ لوگوں کو اللہ والا اور دیندار بنائیں اور اگر بشر سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں تو لکن کے بعد یقول پوشیدہ ہے ربانی یا تو ربان کی طرف منسوب ہے جیسے عطشان اور سکران یا رب تعالٰی کی طرف اور رب سے مراد اللہ تعالٰی ہے اور ربانی بمعنی اللہ والا یا رب بمعنی پرورش کرنے والا تو ربانی وہ جو اپنے نفس اور لوگوں کی پرورش کرے۔ ربانی عالم وہ ہے جو رب تعالٰی کی ذات و صفات کو جاننے والا اور اس کی اطاعت و عبادت کا پابند ہو اور مبالغہ کے لئے الف نون زائد کیا گیا۔ جیسے بڑی داڑھی والے کو لحیانی اور موٹی گردن والے کو رقبانی اور زیادہ بال والے کو شعرانی کہا جاتا ہے اور معمولی کو شعری اور رقبی کہتے ہیں۔ جرد نے کہا کہ ربانی وہ علمائے کرام ہیں جو لوگوں کی روحانی پرورش کریں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ ربانی امت ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **لولا ینهٰهم الربانیون والاحبار** قفال نے فرمایا کہ ربانی بمعنی والی اور حاکم کیونکہ رب کی طرح اس کی بھی اطاعت کی جاتی ہے۔ ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ یہ لفظ عربی نہیں سریانی یا عبرانی ہے بمعنی علم و عمل کا جامع (کبیر و معانی و خازن وغیرہ) یعنی لیکن انبیائے کرام تو یہ فرماتے ہیں کہ اے اللہ کے بندے اللہ والے علم و عمل کے جامع بن جاؤ۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کی تعلیمیں فروعاً قدرے مختلف تھیں کہ ان کے دینوں کے فروعی مسائل جداگانہ تھے مگر اصولاً تمام کی تعلیم یکساں تھی اس لئے یہاں یقولون پوشیدہ ہے۔ سارے انبیاء کرام کا قول مراد ہے سب نے مخلوق کو اللہ والے بننے کی ہدایت کی۔ اس لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ حضرات انبیاء کرام علاتی بھائی ہیں ماں سب کی جداگانہ والد ایک۔ یعنی فروعی مسائل میں مختلف اصول عقائد میں سب ایک۔ کسی نبی نے شرک و کفر کی تعلیم نہ دی۔ **بما کنتم تعلمون الکتٰب وبما کنتم تدرسون** یہ جار مجرور کونوا ربانین کے متعلق ہے۔ ب سببیہ اور ما مصدریہ ہے ایک قراءت میں تعلمون الکتٰب باب سمع سمع سے ہے بمعنی جاننا مگر ہماری قراءت میں تعلمون تعلیم سے ہے بمعنی سکھانا کتاب سے مراد کتاب الٰہی ہے۔ تدرسون درس یا دراست سے بنا۔ بمعنی تکرار اور بار بار کرنا اسی لئے مٹنے کو اندراس کہا جاتا ہے کہ اس پر دن رات بار بار گزر کر اسے فنا کر دیتے ہیں چونکہ سبق بار بار پڑھا جاتا ہے اس لئے درس کہتے ہیں یعنی تم عالم ربانی اس لئے بنو کہ تم لوگوں کو کتاب الٰہی پڑھاتے ہو اور اس کا درس دیتے ہو۔ خیال رہے کہ یا تو تعلیم کتاب سے مراد کتاب کی عبارت پڑھانا ہے اور درس کتاب سے مراد اس کے مضامین کی تعلیم دینا یا تعلیم کتاب سے مراد سبقاً کتاب پڑھانا اور درس کتاب سے مراد بطور وعظ لوگوں تک احکام پہنچانا اور ممکن ہے کہ تدرسون سے مراد درس کتاب نہ ہو بلکہ دوسرے احکام کی تعلیم مراد ہو۔ اور ممکن ہے کہ تعلیم کتاب سے مراد کتاب پڑھانا ہو اور درس کتاب سے مراد سبق لینا ہو۔ کیونکہ درس سبق دینے کو بھی کہتے ہیں۔ اور سبق لینے کو بھی۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں درس بمعنی دراست ہے بمعنی فہم و سمجھ۔ بہرحال تعلمون اور تدرسون میں تکرار نہیں یعنی اے اہل کتاب چونکہ تم کو رب تعالٰی نے خصوصی نعمت بخشی ہے کہ تم لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے ہو۔ انہیں کتاب کا درس بھی دیتے ہو۔ سبق بھی پڑھاتے ہو لہٰذا تم ربانی بن کر رہو۔ ربانی بننا اس نعمت کا شکریہ ہے نیز تمہارا ربانی بننا تمہارے ماتحتوں کو ربانی بنا دے گا۔ تمہارا عمل بھی تبلیغ ہونا چاہئے **ولا یامرکم ان تتخذوا الملٰئکة والنبیین اربابا**۔ ہماری قراءت میں لا یامر رے کی فتح سے ہے۔ ثم یقول پر معطوف اور ما

www.alahazratnetwork.org

کان لبشر کے ماتحت میں داخل لایا تو زائدہ نفی کی تاکید کے لئے یا غیر زائدہ (معانی و کبیر)۔ بعض قرأتوں میں **لا یامورے** کے پیش سے ہے۔ اس صورت میں یہ نیا جملہ ہے۔ **ارباب** جمع رب کی ہے بمعنی پالنے والا یعنی خدا۔ چونکہ مشرکین فرشتوں کا اور اہل کتاب بعض پیغمبروں کا خدائی میں دخل مانتے تھے کہ مشرکین تو ملائکہ کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اور بعض اہل کتاب پیغمبروں کو خدا کا بیٹا اس جملہ میں ان سب کی تردید کی گئی یعنی نہ یہ ممکن ہے کہ پیغمبر تمہیں اس کا حکم دیں کہ تم فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا کا شریک مان لو وہ تو ان باتوں سے روکنے کے لئے بھیجے جاتے ہیں۔ **ایامرکم بالکفر بعد اذ انتم مسلمون** یہ استفہام تعجب یا انکار کا ہے۔ کفر سے مراد غیر خدا کی عبادت ہے جن کا ذکر پہلی عبارت میں ہو چکا اگر اس آیت میں مسلمانوں سے خطاب ہے اور ان کے بارے میں آئی ہو تب تو **مسلمون** بمعنی مسلمان ہے جیسا کہ خطیب کا قول ہے اور اگر خطاب اہل کتاب سے ہو اور ان کے بارے میں آیت اتری ہو تو مسلم بمعنی مطیع تابع فرمان اور دین کا مستحق ہے۔ (کبیر و معانی) یعنی کیا یہ ممکن ہے کہ تم تو رب کی اطاعت کے ارادے سے ان کے پاس حق کی تلاش کے لئے حاضر ہو اور وہ تمہیں بجائے ایمان کے کفر کی تعلیم کرے۔ وہ حضرات تو انبیاء ہیں یہ حرکت تو عام انسان بھی نہیں کر سکتے۔

خلاصہ تفسیر: تمام مخلوق سے زیادہ انسان کو اللہ نے نعمتیں بخشی ہیں کہ غذائیں، لباس، رہائش کی بے شمار چیزیں انسان ہی کو دیں نیز نبوت، ولایت، معرفت سے اسی کو نوازا، آخرت میں جنت اسی کے لئے رکھی۔ پھر نوع انسان میں سے مومنوں پر بہت احسان کئے اور پھر مومنوں میں سے حضرات اولیاء اللہ پر بہت سے خصوصی احسانات فرمائے پھر ایسی پاک جماعت میں حضرات انبیاء کرام پر تو بے حد احسانات فرمائے اور قاعدہ ہے کہ شکر بقدر نعمت چاہئے جس قدر رب کی نعمتیں زیادہ ہوں۔ اس قدر اس کا شکریہ ضروری ہے تو سب سے زیادہ شکر حضرات انبیاء کرام کرتے ہیں چونکہ یہود و نصاریٰ نے ان اعلیٰ درجہ کے شاگردوں کو بدترین کفر کا بہتان لگایا کہ بولے کہ ہم کو انبیاء کرام فرما گئے ہیں کہ ہمیں خدا کا بیٹا تو لہٰذا ان کی پر زور تردید رب تعالیٰ نے فرماتے ہوئے ارشاد کیا کہ یہ ممکن ہی نہیں اور کسی انسان کی شان ہی نہیں کہ رب تعالیٰ تو اس پر فضل فرما کر اسے اپنی کتاب، علم ظاہری و باطنی اور نبوت عطا فرمائے اور اسے لوگوں کا ہادی بنا کر بھیجے۔ پھر وہ بندہ بجائے ہدایت دینے کے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف دعوت دے اور یہ کہے کہ خدا کو چھوڑ کر یا خدا کے ساتھ میرے پجاری بن جاؤ۔ یہ ناممکن ہے دنیوی بادشاہ اسی کو حاکم بناتے ہیں جس پر انہیں اعتماد ہو کہ وہ لوگوں کو حکومت کا وفادار بنائیں گے تو کیونکر ممکن ہے کہ حق تعالیٰ ایسوں کو نبوت دیدے جو لوگوں کو اس سے باغی کر دیں۔ ہاں حضرات انبیاء تو یہی تعلیم دیتے ہیں کہ اے لوگو اللہ والے اور علم و عمل کے جامع اور رب تعالیٰ کے تابع فرمان بندے بن جاؤ۔ کیونکہ تم دوسروں کو کتاب الٰہی سکھاتے ہو اور اس کا درس دیتے ہو اور معلم خیر کو چاہئے کہ پہلے خود خیر پر عمل کرے تاکہ اس کی تعلیم فائدہ مند ہو اور نہ یہ ممکن ہے کہ پیغمبر لوگوں کو یہ تعلیم دے کر فرشتوں اور پیغمبروں کو رب تعالیٰ کا شریک مان لو۔ بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تم راہ الٰہی حاصل کرنے کے لئے اطاعت کرتے ہوئے انبیاء کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اور وہ تمہیں بجائے ایمان کے کفر کی تعلیم دے کر رب تعالیٰ سے اور بھی دور کر دیں۔ وہ حضرات تو بندوں کو رب تعالیٰ سے قریب کرنے کے لئے آتے ہیں نہ دور کرنے کے لئے۔ یہ چیزیں جب ایمان کے ساتھ مجتمع نہیں ہو سکتیں۔ تو نبوت کے ساتھ کیونکر جمع ہو سکتی ہیں لہٰذا تم جھوٹے ہو انبیاء کرام پر جھوٹی تہمت لگاتے ہو۔ اس زمانہ کے بعض مفسرین یہ آیات کریمہ مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ نبی ولی کو غیب دان، حاجت روا، مشکل کشا جاننا انہیں **اربابا من دون اللہ** بنانا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

حضرات انبیاء کی تعلیم یہ نہیں ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ اربابا" من دون اللہ سے مراد وہ ہے جو مشرکین عرب فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے۔ کعبہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام کے بت بنا کر پوجتے تھے یا یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و مسیح علیہما السلام کو رب کا بیٹا کہتے تھے۔ ورنہ خود منکرین بوقت ضرورت اپنی حاجتیں امیروں سے مانگتے ہیں۔ شیطان تمام جہان کو بہ یک وقت دیکھتا ہے حضرت ملک الموت ہر جگہ تصرف کرتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض۔ جناب ایوب علیہ السلام کا غسالہ دافع بلا شافع الامراض ہے۔ حضرت آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے شام میں لے آئے کیا یہ سب رب بن گئے نعوذ باللہ! رب تعالیٰ قرآن کا سچی فہم عطا فرمائے۔ آمین۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انبیاء کرام کی بارگاہ الٰہی میں بڑی عزت ہے اسی لئے حق تعالیٰ ان سے اہل کتاب کے الزامات دور فرماتا ہے۔ دیکھو علمائے یہود نے حضرات انبیاء پر تہمت لگائی' رب تعالیٰ نے ان کی صفائی بیان فرماتے ہوئے ان علماء کو جھٹلا دیا اور ظاہر ہے کہ اپنے پیارے کی صفائی بیان کی جاتی ہے نہ دشمن کی اور نہ اجنبی کی۔ **دوسرا فائدہ:** کفر سے راضی ہونا اور اس کا حکم دینا کفر ہے جیسا کہ ایامرکم بالکفر سے معلوم ہوا۔ یعنی اگر وہ تمہیں کفر کا حکم دیتے تو خود مومن نہ رہتے چہ جائیکہ نبی۔ **تیسرا فائدہ:** عالم کیلئے سخت ضروری ہے کہ اس کی تعلیم و تدریس تبلیغ و ہدایت کے لئے ہو نہ کہ محض دنیا کے لئے۔ جو عالم محض دنیا کی خاطر تعلیم کا کام کرے وہ اس باغبان کی طرح ہے جو ہرا بھرا باغ لگائے مگر اس کا پھل نہ کھا سکے جیسا کہ بما کنتم تعلمون الکتب سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** علماء و پیشوایان قوم کو متقی پرہیزگار ہونا لازمی ہے کہ عالم کے بگڑنے سے عالم بگڑ جاتا ہے۔ عالم کے عمل کے ساتھ بہت لوگوں کے عمل وابستہ ہوتے ہیں یہ بھی بما کنتم تعلمون سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** انبیاء پر اعتراض در حقیقت رب تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس کے معنی ہی یہ ہیں کہ رب کا انتخاب غلط ہے اس نے باغی و مجرم کو نبوت جیسا اعلیٰ عہدہ عطا فرمایا یہی اس آیت کا مقصود ہے کہ ناممکن ہے کہ جس کو رب تعالیٰ نبی بنائے اور وہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ **چھٹا فائدہ:** انبیائے کرام کا کافر یا گمراہ ہونا غیر ممکن ہے جیسا کہ ما کان لبشر کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کوئی پیغمبر شرک و کفر کی تعلیم نہیں دے سکتا جو چیز کسی نبی کے دین میں کبھی رہی ہو وہ شرک نہیں جیسا کہ ایامرکم بالکفر سے معلوم ہوا لہٰذا غیر اللہ کو سجدہ تحیہ کہ اسلام میں حرام ہے مگر شرک نہیں۔ کیونکہ دیگر انبیائے کرام کے دین میں جائز تھا۔ **آٹھواں فائدہ:** غلط تعلیم کو انبیائے کرام کی طرف نسبت دینے والا عملاً یہودی ہے کہ انہوں نے اپنے تراشے ہوئے عقیدے پیغمبر کی طرف نسبت کر دیئے۔ مشرکین عرب بھی بت پرستی کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت دیتے تھے۔ **نواں فائدہ:** غیر خدا کو سجدہ عبادت کرنا شرک ہے جیسا کہ شان نزول کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ کچھ لوگوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرنا چاہا اس پر یہ آیت کریمہ اتری اور اسی سجدہ کو کفر فرمایا گیا۔ **دسواں فائدہ:** کتاب اللہ پڑھانے والے علماء کو چاہئے کہ ربانی عالم بنیں تب ان کی تعلیم سے لوگ ربانی بنیں گے۔ نفسانی و شیطانی عالم لوگوں کو نفسانی و شیطانی ہی بنائے گا۔ علم کی تاثیر کے لئے زبان کا فیض بھی ضروری ہے۔ سامری نے حضرت جبریل کی گھوڑی کی خاک فرعونی سونے کے بچھڑے کے منہ میں ڈالی اس مٹی نے اپنا اثر تو دکھایا کہ اسے زندگی بخش دی اس میں آواز پیدا کی۔ مگر اس آواز سے لوگ گمراہ ہوئے۔ ہدایت پر نہ آئے۔ ایسے ہی گمراہ عالم کے وعظ سے لوگ گمراہ ہوں گے ہدایت پر نہ آئیں گے۔ ایسے ہی کتاب اللہ پڑھنے والوں کو چاہئے کہ ربانی عالم سے قرآن سیکھیں ورنہ گمراہ

www.alahazratnetwork.org

ہوں گے۔ یہ فائدہ **بما کنتم** کی ب سے حاصل ہوا۔ نماز کے لئے اچھا امام علاج کے لئے اچھا قابل طبیب، مشین کے لئے لائق مستری تلاش کرو۔ ایسے ہی اصلاح نفس کیلئے ربانی عالم، متعلم واعظ اور وعظ سننے والوں سب ہی کے لئے مشعل راہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جسے خدا نبوت دے اس کو شرک کی تعلیم دینا لائق نہیں۔ باقی دیگر لوگ شرک یا کفر پھیلائیں تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ جسے خدا نبوت دے اسے تعلیم شرک کا حق نہیں۔ (بعض بے دین)۔ جواب: اس کا نہایت نفیس جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو لبشر سے پہلے "ممکنا" پوشیدہ ہے۔ یعنی پیغمبر کے لئے تعلیم شرک ناممکن ہے کیونکہ ان کے معجزات ان کی حقانیت کے دلائل ہیں۔ نیز وہ حضرات علم و عمل کے جامع ہیں۔ نیز ان کے نفوس برے اخلاق سے بھی پاک ہیں۔ پھر کیونکر ممکن ہے کہ جنہیں رب تعالیٰ نے ہدایت کے لئے منتخب کیا ہو اس سے ایسا جرم صادر ہو۔ یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ تعلیم شرک بشریت کے منافی ہے کہ محسن کا احسان ماننا فطرت انسانی ہے اور انبیائے کرام افضل البشر ہیں پھر ان سے یہ حرکت کیونکر صادر ہو سکتی ہے یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو شرک و کفر کی تعلیم دے اسے نبی بنانا رب تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے یہاں جواز اور عدم جواز کا ذکر نہیں بلکہ امکان اور استحقاق کی نفی ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کسی بشر کو یہ تعلیم شرک لائق نہیں تو کیا جن و فرشتہ کو یہ تعلیم حق درست ہے۔ جواب: چونکہ نبوت، کتاب، حکمت وغیرہ انسان ہی کو بخشی گئیں اور جسے نعمتیں زیادہ ملیں اسے رب کی اطاعت زیادہ چاہئے اس لئے یہاں بشر کا خصوصیت سے ذکر ہوا۔ نیز فرشتے اور دیگر حیوانات سے اس کا احتمال ہی نہیں۔ انسان ہی میں مدعی خدائی گزرے اور دجال بھی دعوئی خدائی کرے گا۔ یہ انسان ہی ہو گا ان وجوہ سے بشر فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عبدالنبی یا عبدالرسول نام رکھنا شرک ہے اور جو لوگ **قل یا عبادی الذین اسرفوا** کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادو اے میرے بندو وہ کھلے ہوئے مشرک ہیں کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کو یہ ممکن نہیں کہ کسی کو اپنا بندہ بننے کی دعوت دے۔ لہذا عبدالنبی عبدالرسول نبی بخش و پیر بخش نام رکھنا صریح شرک ہے اور اس آیت کے خلاف ہے۔ (دیوبندی) جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ عبد کے دو معنی ہیں عابد اور خادم۔ عبد بمعنی عابد کی نسبت صرف رب کی طرف ہی ہو سکتی ہے اور عبد بمعنی خادم کی نسبت غیر خدا کی طرف بھی جائز ہے۔ شرح جامی میں ہے۔

الواهب المائة الهجان و عبدها

دیکھو یہاں عبد کی نسبت اونٹنیوں کی طرف ہے۔ فقہاء عام طور پر فرمایا کرتے ہیں۔ عبدی حر رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **من عبادکم و امائکم** یہاں عباد کی نسبت انسانوں کی طرف ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں **کنت انا عبدہ وخادمہ** میں حضور علیہ السلام کا عبد اور آپ کا خادم تھا۔ صاحب در مختار کے شیخ کا نام عبدالنبی ہے۔ دیکھو دیباچہ در مختار۔ **قل یا عبادی** کے بہت سے مفسرین نے یہی معنی فرمائے کہ یا حبیب اللہ فرمادو اے میرے بندو۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

بندۂ خود خواند احمد در رشاد — جملہ عالم را بخواں قل یا عباد

مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندی نے مرثیہ رشید احمد میں لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں — عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

اس کی زیادہ تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ یہاں عبادلی میں عباد بمعنی پجاری ہے۔ چوتھا اعتراض: من

www.alahazratnetwork.org

دون اللہ سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسرے کا بندہ بننا شرک ہے لیکن رب کے ساتھ اور کا بندہ بن جانے میں حرج نہیں کیونکہ وہ **من دون اللہ** نہیں؟ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کرچکے کہ **من دون اللہ** میں تجاوز پوشیدہ ہے یعنی رب تعالیٰ سے تجاوز کرتے ہوئے اس کی دو صورتیں ہیں۔ خالص غیر کا بندہ ہونا یا رب تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کا بھی بندہ بننا یہی **لا نعبد من دون اللہ** کے معنی ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اسلام نے حضور انور کے نام کو ساری عبادات میں داخل ہی کیوں کیا۔ اور ان کے نام کو رب کے نام سے ملایا ہی کیوں اور صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ایسی تعظیم کیوں کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کو اس اعتراض کا موقعہ ملتا تھا کہ مسلمان نبی کو خدا مانتے ہیں۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا احسان مسلمانوں پر نائب خدا القدوس ہیں کہ اسلامی قانون بنانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور چلانے والے حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہیں اس لئے قانون بنانے والے کیساتھ قانون چلانے والے کا نام فطرت کے مطابق ہے۔ خیال رکھو کہ قانون چلانے والا اگر مگر انہ ہو تو قانون طاق کی زینت بنا رہتا ہے۔ لوگوں کی اصلاح نہیں کرتا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم نہ آتے تو قرآن نہ تو کعبہ سے بت نکالتا نہ عرب کے مشرکوں کو مومن و عارف بناتا۔ قرآن کے ذریعہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے کیا۔ دیکھ لو آج قرآن' حدیث' فقہ سب کچھ موجود ہے مگر عہد فاروقی جیسے مسلمان نظر نہیں آتے کیوں اس لئے کہ اگرچہ قانون بنانے والا رب وہی ہے۔ قرآن وہی ہے مگر قانون چلانے والے فاروق دنیا میں نہیں۔ پھر جب حضرت مسیح و مہدی آئیں گے اور اس قانون کو چلائیں گے تو لوگ پھر عمر فاروقی جیسے ہو جائیں گے۔ ہمارے پاکستان میں ہر سال شب برات پر قانون کا اعلان ہوتا ہے کہ آتشبازی نہ چلائی جائے مگر چلتی ہے لوگ اور مکان جلتے ہیں۔ دو سال سے یعنی 1961ء اور 1962ء سے گجرات میں ہر طرح امن ہے کیونکہ ایک دیندار حاکم رب نے بھیج دیا ہے اے ڈی ایم صابت خان۔ جس نے آتش بازی سے ہر طرح روک دیا یہ ہے قانون چلانا۔

تفسیر صوفیانہ: اہل حقیقت پر فرض ہے کہ اپنے متبعین اور مریدین کو ربانی بنائیں یعنی حق تعالیٰ کے اخلاق سے موصوف کریں کیونکہ یہ حضرات کتاب اللہ یعنی قرآن شریف کی ظاہری تعلیم بھی دیتے ہیں اور حقیقی درس بھی۔ شیخ کامل وہی ہے جو مرید کے ظاہر و باطن کی اصلاح کرے۔ صرف الفاظ سکھانے پر قناعت نہ کرے۔ کیونکہ علم درخت ہے اور عمل اس کے پھل۔ علم بے عمل اور عمل بغیر علم بے کار ہیں۔ جس علم کو رب تعالیٰ سے تعلق نہ ہو وہ جہل سے بدتر۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی۔ عالم بے عمل نے اور جاہل با عمل نے۔ کیونکہ بے عمل عالم لوگوں کو علم و علماء سے نفرت دلاتا ہے اور جاہل عامل غلط عمل کے ذریعہ لوگوں کو جہالت کی طرف رغبت دیتا ہے۔ عالم ربانی وہ ہے۔ جو اپنے عمل کے ذریعہ رب تک پہنچ جائے جس کے قلب میں علم کا تخم بویا جائے اور اس کی شاخیں قلب و قالب کی طرف پہنچیں کہ اس کے ہر عضو پر تقویٰ کے آثار نمودار ہو جائیں۔ اور جنہیں دیکھ کر رب یاد آجائے۔ انہیں **کو راسخون فی العلم** بھی کہتے ہیں۔ انہیں کے حق میں فرمایا گیا۔ **انما یخشی اللہ من عبادہ العلمٰوا** اس زمانہ میں بعض مدعیان ولایت جاہل پیر اور بد عمل عالم وہ ہیں جن کی خواہش نفسانی ان پر غالب ہے اور وقت سے پہلے شیخوخت کے سجادہ اور علم کی پگڑی پر قبضہ کرتے ہیں۔ علماء اور صوفیاء کی کچھ باتیں یاد کرکے لوگوں کو پھانستے پھرتے ہیں۔ گویا انہوں نے تصوف و علم کو انسانی شکار کا جال بنایا۔ ہمیشہ اپنے مریدوں کو پیر کی خدمت کے آداب ہی سکھاتے ہیں کہ پیر کی یوں خدمت کرو اس طرح اس کی دعوت کرو یوں نذرانہ پیش کرو۔ یہ نہیں بتاتے کہ رب تعالیٰ کی عبادت کس طرح کرو۔ اپنے معاملات اس طرح صاف رکھو اپنے میں سے حرام رسمیں اس طرح

www.alahazratnetwork.org

دور کرو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے انہیں کے لئے فرمایا۔

طمع کردہ در صید موشاں کوئے   دلوم بشوئند چوں گربہ رو

کہ طبل تہی را رود بانگ دور   ریاضت کش از بہر نام و غرور

ایسے لوگ خالی ڈھول ہیں۔ جس کی آواز دور جاتی ہے مگر اندر سے خالی۔ طالبان حق اور اصلان رب گوشہ نشینی کو پسند کرتے ہیں اور خلق سے متنفر رہتے ہیں۔ ماسواء اللہ سے پرہیز اور اللہ کی طلب ان کا شیوہ ہے نہ شہرت کے طالب ہیں نہ مال کے۔ طالب وہ جو خلقت سے بھاگتے ہیں مگر خلقت ان کے پیچھے بھاگتی ہے۔ گویا وہ مرغوب ہیں۔ اور خلق راغب۔ اور جعلی پیر خلقت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ گویا وہ راغب ہیں اور خلق مرغوب۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

چہ دانی کہ صاحب ولایت خود اوست   کسے راکہ نزدیک نفست بد اوست

کہ دربا است بہ روئے ایشاں فراز   درمعرفت برکساں است باز

(از روح البیان)

حضرات اولیاء مظہر ذات انبیاء ہیں۔ جیسے نبی شرک و کفر کی تعلیم نہیں دے سکتے۔ ایسے ہی ولی ماسو اللہ کی تعلیم نہیں دے سکتے۔

دوسری تفسیر: نبوت ولایت سے اعلیٰ ہے۔ اور حضرات انبیاء فنافی التوحید ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی بشریت کو فنافی الذات کر کے مٹا دیا۔ اور انہیں وجود نورانی حقانی عطا فرمایا جو قابل کتاب و حکمت ہے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ خلق کو اپنے نفس کی طرف دعوت دیں۔ دعوت نفس تو وہ دے گا۔ جو نفس کے حجاب میں ہو۔ جیسے فرعون اور نمرود وغیرہ۔ جو شخص توحید کے الفاظ یاد کرے اور اس کے ذوق سے بے خبر ہو وہ نبی تو کیا ولی بھی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ وہ بیان سے عیاں کی طرف منتقل نہیں ہوا۔ اس نے فنا کی لذت چکھی نہیں وہ خود بھی حجاب میں ہے اور اس کا مرید بھی آڑ میں۔ اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ لوگوں میں بد ترین وہ ہے۔ جس پر قیامت قائم ہو۔ حالانکہ وہ زندہ ہو۔ صوفیائے کرام کے نزدیک ربانی وہ ہے۔ جس پر ربوبیت کا غلبہ ہو اس کی بشریت مٹ چکی ہو عالم ہو، عامل ہو، معلم ہو، کتاب اللہ کا تلاوت کرنے والا ہو، عابد ہو، علم و عمل میں ریاضت کرے، اطاعت پر ہمیشگی کرے۔ یہاں تک کہ اس کی ظلمت پر نور غالب آجائے وہ اپنے متبعین کو حجاب سے نکال کر نور کی طرف لائے گا۔ اللہ تعالیٰ ایسوں کی صحبت نصیب فرمائے۔ اس کی صحبت کیمیا ہے جیسے تانبہ کو آگ پر رکھ کر بوٹی کا عرق ڈال کر سونا بنایا جاتا ہے ایسے ہی ان کی بارگاہ کیمیا ہے اور ریاضتیں آگ (از ابن عربی)۔ خیال رہے کہ ربانی عوام کی بھی صفت ہے اور علماء مشائخ کی بھی اگر عوام کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے اللہ والے بننے والے اس طرح کہ ان کی زندگی نفسانی نہ ہو، شیطانی نہ ہو ربانی و رحمانی ہو۔ نفسانی زندگی وہ ہے جو غفلت اور دنیا طلبی میں گزرے ایسا شخص جانور سے بدتر ہے کہ جانور تو زندگی میں بھی اپنے دودھ یا خدمت سے لوگوں کو نفع دیتا ہے اور بعد موت بھی اس کا گوشت پوست ہڈی سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں۔ مگر یہ زندگی میں بھی اللہ کی زمین پلید کرتا رہا بعد موت دو گز زمین گھیر بیٹھا۔ اور شیطانی زندگی وہ ہے جو گناہ و فساد وغیرہ میں گزرے۔ یہ شخص بدترین مخلوق ہے کہ اشرف الخلق ہو کر ارذل کے کام کر گیا۔ ربانی زندگی وہ ہے جو یار کے منانے اور رب کی رضا میں گزرے۔ یہ زندگی ملائکہ کی زندگی سے افضل ہے اس زندگی کو فنا نہیں وہ ابد تک باقی ہے۔ رب فرماتا ہے بل احیاء ولکن لا تشعرون اور اگر ربانی

علماء و مشائخ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے لوگوں کو اللہ والا بنانے والے۔ یہ وہ علماء و مشائخ ہیں جن کا علم ان کے دل میں اتر گیا۔ کیونکہ ان کے دلوں میں خوف خدا اور عشق جناب مصطفیٰ کی نرمی تھی۔ نرم زمین میں بویا ہوا بیج ہی پھل پھول لاتا ہے۔ سخت مٹی سے برتن اور ٹھنڈے لوہے سے ہتھیار‘ سخت و ٹھنڈے سونے سے زیور نہیں۔ مٹی کو پانی سے اور لوہے سونے کو آگ سے نرم کرکے ان سے چیزیں بناتے ہیں۔ ایسے ہی سخت اور ٹھنڈے دل کا کچھ نہیں بنتا۔ جب دل عشق کی آگ سے نرم ہو جائے۔ تو سبحان اللہ عارف و متقی وغیرہ سب کچھ بن جاتا ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ

اور جب لیا اللہ نے عہد پیغمبروں کا کہ جب دوں میں تم کو کتاب اور حکمت پھر آئے

اور یاد کرو جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا۔ جو میں تم کو کتاب اور حکمت دوں پھر تشریف

جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ

تمہارے پاس رسول سچا کرنے والا واسطے اس کے جو ساتھ ہے تمہارے البتہ ضرور ایمان لاؤ گے

لائے تمہارے پاس وہ رسول جو تمہاری کتابوں کی تصدیق فرمائے تو تم ضرور اس پر ایمان لانا اور ضرور ضرور

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِىْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ

اس پے اور ضرور مدد کرو گے اس کی فرمایا کیا اقرار کیا تم نے اور لیا تم نے اوپر اس کے ذمہ میرا کہا

اس کی مدد کرنا فرمایا کیوں تم نے اقرار کیا اور اس پر میرا بھاری ذمہ لیا سب نے

فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ

انہوں نے اقرار کیا ہم نے فرمایا پس گواہ ہو جاؤ اور میں ساتھ تمہارے گواہوں میں سے ہوں پس جو اعراض

عرض کیا ہم نے اقرار کیا فرمایا تو ایک دوسرے پر گواہ ہو جاؤ اور میں آپ تمہارے ساتھ گواہوں میں ہوں

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

کرے بعد اس کے پس یہ لوگ اطاعت سے خارج ہیں ؕ

تو جو کوئی اس کے بعد پھرے تو وہ ہی فاسق ہیں ؕ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی توحید اور اس کے دلائل کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ارشاد ہو رہے ہیں جو عقیدۂ توحید کے لئے شرط ہے گویا اسلام کے ایک رکن توحید کا پہلے ذکر ہوا۔ اور دوسرا رکن یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا اب ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:**

www.alahazratnetwork.org

پچھلی آیت میں اہل کتاب کے اس اتہام کی تردید تھی جو انہوں نے پچھلے انبیاء پر لگایا یعنی تعلیم کفر۔ اب بھی اس کی تردید ہے مگر دوسری طرح۔ گویا پہلے فرمایا گیا تھا کہ وہ حضرات نبی تھے اور نبی کفر و شرک کی تعلیم دے سکتے ہی نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ حضرات میثاق کے دن ہم سے نبی۔ آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا وعدہ کر گئے ہیں وہ تو ان پیغمبر کی بھی مخالفت نہیں کر سکتے چہ جائیکہ رب تعالیٰ کی مخالفت کریں۔ نیز انبیائے کرام لوگوں کو وہ وعدہ یاد دلانے آتے ہیں۔ تو ناممکن ہے کہ اسے خود بھول جائیں گویا ایک اعتراض کے دو جواب دیئے گئے۔ ایک پچھلی آیت میں اور دوسرا اس آیت میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ انبیائے کرام لوگوں کو اللہ والا بننے کی تعلیم دیتے تھے اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کی تصدیق فرمانے والے ہیں ان کی تعلیم کو دیکھ کر ان حضرات کی تعلیم کا پتہ لگالو اگر وہ حضرات آج بظاہر زندہ ہوتے تو ان رسول کی اسی تعلیم پر ایمان لاتے اور ان کی امداد کرتے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ گزشتہ انبیاء کرام نے لوگوں کو ربانی بننے کا حکم دیا تھا۔ اب ربانی بننے کے طریقہ کی طرف اشارہ ہو رہا ہے کہ ربانی بننا ہے تو اس نبی آخر الزمان پر ایمان لاؤ جن پر حضرات انبیاء کرام میثاق کے دن ایمان لاچکے ہیں اور ان کی مدد و نصرت کرو جس کا وعدہ حضرات انبیاء کرام کر چکے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت گزشتہ آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر: **واذاخذ اللہ میثاق النبین۔** اذیا تو اذکر پوشیدہ کا ظرف ہے۔ اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ یا اذکرو پوشیدہ کا اور یہود سے خطاب یعنی اے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) انہیں یاد دلاؤ یا اے اہل کتاب یاد کرو۔ چونکہ توریت و انجیل میں اس عہد کا تفصیلی ذکر تھا۔ اس لئے اہل کتاب کو وہ پڑھا ہوا عہد یاد دلایا گیا۔ یاد کرنا قولی بھی ہوتا ہے عملی بھی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں قولی یاد کرانا مراد ہے۔ بقرعید کے دن قربانی و حج جناب خلیل کی عملی یادگار ہے۔ **میثاق وثوق** سے بنا جو **وثق یثق** کا مصدر ہے بمعنی پختگی اور مضبوط۔ میثاق مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت مضبوط عہد۔ چھ لفظوں میں فرق کرنا ضروری ہے۔ اقرار' دعویٰ' وعدہ' عہد' میثاق' اصر۔ گزشتہ زمانہ کی کسی چیز کو اپنے ذمہ لینے کا نام اقرار ہے اور گزشتہ بات کو دوسرے کے ذمہ لگانا دعویٰ۔ آئندہ زمانہ کے متعلق کسی بات کو اپنے ذمہ لینے کا نام وعدہ ہے۔ پھر اگر یہ معمولی طور پر زبانی کر لیا جائے تو محض وعدہ کہلاتا ہے اور اگر تحریر میں آجائے اور اس پر کچھ پختگی کر لی جائے تو عہد بن جاتا ہے۔ یعنی محفوظ وعدہ اور اگر گواہی و رجسٹری وغیرہ سے اس سے اور زیادہ پختگی کر دی جائے جس سے انکار ناممکن ہو جائے تب میثاق ہے اور اگر اس کے خلاف کرنے پر کوئی سزا بھی مقرر کر دی جائے کہ اگر میں اس کے خلاف کروں تو فلاں سزا کا مستحق ہوں تب اصر کہا جائے گا۔ یعنی یو مجمل وعدہ۔ غرضیکہ وعدہ میں بھول کا احتمال ہے اور عہد میں انکار کی گنجائش کہ معاہد کہہ دے کہ یہ میری تحریر نہیں۔ لیکن میثاق اور اصر میں نہ بھول کا احتمال نہ انکار کی گنجائش یہاں میثاق فرمایا۔ کیونکہ انبیاء کے اس عہد پر سارے فرشتے اور خود پیغمبر ایک دوسرے پر گواہ تھے رب تعالیٰ کی شاہی گواہی بھی اس میں شامل تھی۔ پھر آسمانی کتابوں لوح محفوظ اور قرآن کریم میں اس کی تحریر بھی ہوئی۔ لہٰذا یہ میثاق ہوا نہ کہ محض وعدہ و عہد اور چونکہ اس کی خلاف ورزی کرنے پر سزا بھی تجویز ہو چکی۔ **فمن تولی** لہٰذا یہ اصر بھی ہوا اسی لئے رب تعالیٰ نے اسے میثاق اور اصر فرمایا۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں اس وعدے کو میثاق بھی فرمایا گیا ہے اور اقرار بھی اصر بھی کہ ارشاد ہوا۔ **ءاقررتم** اور فرمایا **واخذتم علی ذلکم اصری** یا تو اقرار بمعنی وعدہ ہے اور یا اپنے ہی معنی میں ہے۔ چونکہ اس کا ذکر رب نے فرمایا۔ اور اس مذکورہ معبود کو حضرات انبیاء نے اپنے ذمہ لیا۔

www.alahazratnetwork.org

اس لحاظ سے اسے اقرار فرمایا تحقیق یہ ہے کہ النبین سے سارے پیغمبر مراد ہیں نہ کہ بعض پیغمبر اور نہ صرف ان کی امتیں۔ گویا رب تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا عہدو میثاق لیا اور ان سب پیغمبروں کی امتیں بھی تبعاً اس میں داخل ہو گئیں کہ وہ پیغمبر اس عہد میں اپنے اصیل اور امتوں کے نمائندے تھے جیسے نماز کا امام یہی قول حضرت علی و ابن عباس، قتادہ، سدی رضی اللہ عنہم اجمعین کا ہے۔ (خازن کبیر و معانی وغیرہ) اس لئے النبیین جمع اور معرف باللام ارشاد ہوا۔ نبی رسول اور مرسل دونوں سے عام ہے۔ نبیوں کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے رسولوں کی تعداد تین سو تیرہ مرسلین کی تعداد چار۔ نبی میں رسول و مرسل بھی شامل ہیں لہٰذا میثاق کی اضافت اپنے مفعول کی طرف ہے اس صورت میں آیت بلا تاویل و توجیہ درست ہے اور اس پر جو سوال و جواب کئے گئے۔ انشاء اللہ العزیز ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔ اس کے علاوہ اس کی دیگر تفاسیر بھی ہیں۔ چنانچہ سعید ابن جبیر، حسن اور طاؤس رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ یہ میثاق سارے پیغمبروں کا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں۔ یعنی ہر ایک سے کہا گیا کہ اگر تم کسی کا زمانہ پاؤ تو ایمان لانا۔ اس قول کی بنا پر آیت میں بہت تاویلیں کرنی پڑیں گی۔ بعض نے فرمایا کہ میثاق کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے امتوں سے پیغمبروں کا عہد لیا۔ یعنی ان کے بارے میں عہد لیا گیا کہ اے لوگو تم ان پر ایمان لانا۔ یہ تفسیر بھی نہایت بعید ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں نبیین سے پہلے امم یا اولاد پوشیدہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کی امت اور ان کی اولاد یعنی بنی اسرائیل سے عہد لیا۔ یہ بھی بہت بعید تفسیر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں نبیین سے مراد بنی اسرائیل ہیں۔ چونکہ وہ اپنے آپ کو نبوت کا مستحق سمجھتے تھے اس لئے بطور طعن انہیں نبی فرمایا گیا۔ یہ اور زیادہ بعید تفسیر ہے (معانی و خازن و کبیر) مگر تفسیر اول نہایت قوی ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی نبی نہ آیا۔ مگر رب تعالیٰ نے ان سے حضور علیہ السلام پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ پھر ان پیغمبر نے اپنی قوم سے عہد لیا کہ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان پر ایمان لانا اور ان کی خدمت کرنا (خازن و معانی) جمہور مفسرین اسی طرف گئے ہیں۔ **لما اتیتکم من کتب و حکمۃ** یہ میثاق کی تفصیل ہے ہماری قراءت میں لما لام اور میم کی فتح سے ہے لام توطیہ کا ہے اور ما یا موصولہ کا ہے اور اتیتکم اس کا صلہ۔ سب مل کر مبتداء اور لتؤمنن یہ خبر یا ما شرطیہ ہے اور اتیتکم شرط اور لتؤمنن بہ جزا یا لما بمعنی لما ہے اس کا نہایت نفیس ترجمہ وہ ہے جو اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ ایک قراءت میں لما ہے لام کے فتح اور میم کے تشدید سے۔ اس صورت میں یہ جملہ لتؤمنن کی علت ہے کتاب سے آسمانی کتاب اور سارے صحیفے مراد ہیں۔ خواہ بالواسطہ ملے ہوں یا بلاواسطہ کیونکہ سارے پیغمبروں کو بلاواسطہ کتاب نہیں ملی۔ اور حکمت سے یا کتاب کا علم مراد ہے یا دیگر وحی یا حرام و حلال کے مسائل من کتاب میں یا من تبعیضیہ ہے یا بیانیہ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یاد دلاؤ یا اہل کتاب تم توریت و انجیل میں پڑھتے ہوئے اس واقعہ کو بھی یاد کرلو کہ جب رب تعالیٰ نے پیغمبروں سے ایک پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں اپنی کتاب اور اپنا علم خاص عطا فرماؤں۔ **ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم** ثم عاطفہ اور یہ جملہ اتیتکم پر معطوف ہے۔ جاءکم سے مراد جاءنی زمانکم ہے رسول کی تنوین عظمت کی ہے اور اس سے ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کیونکہ عظیم الشان نبی اور ساری خلقت کے مطلق رسول حضور علیہ السلام ہی ہیں۔ نیز قرآن کریم میں جہاں رسول بغیر قید کے ارشاد ہوتا ہے۔ وہاں حضور علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے **لقد جاءکم رسول** یا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** یا **فامنوا باللہ ورسولہ** نیز وہ حضرات انبیاء کرام مختلف ملکوں

www.alahazratnetwork.org

مختلف خاندانوں میں آئے ان سب پر اسی رسول کی اعانت و مدد لازم ہے جو سب انسانوں کا نبی و رسول ہو' وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دیگر انبیاء کرام خاص ملکوں خاص قوموں کے رسول ہوتے تھے۔ سارے نبیوں پر ان کی اطاعت کیونکر لازم ہو سکتی ہے۔ نیز تمام کتابوں نبیوں کی تصدیق کرنا کسی نبی کی بشارت نہ دینا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ دیگر انبیاء مصدق بھی تھے مبشر بھی ان چار پانچ وجہوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے یہ عہد و پیمان لیا۔ کم میں خطاب بلاواسطہ پیغمبروں سے ہے اور بالواسطہ ان کی امتوں سے۔ مصدق رسول کی صفت ہے یہ تصدیق سے بنا بمعنی سچا کہنا اور سچا کہلوانا۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری کتابوں کو سچا فرمایا۔ یہاں تک کہ ان سب پر ایمان لانا لازم کر دیا اور سب کو سچا کر بھی دیا کیونکہ سب کتابوں نے حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی کی تھی۔ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے وہ سب سچی ہو گئیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی تمام کتابوں کو مخلوق سے سچا کہلوایا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کتب کا ذکر نہ کرتے تو کوئی آج جانتا پہچانتا بھی نہیں۔ لما معکم کا لام صلہ کا ہے اور ما موصولہ اور معکم اس کا صلہ ہے ما سے مراد انبیائے کرام کی کتابیں ہیں۔ یعنی پھر اے پیغمبرو تمہارے زمانہ میں وہ رسول مطلق حبیب مختار جناب مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئیں جن کی نبوت نہ زمانہ سے مقید ہے نہ جگہ سے نہ کسی قوم سے۔ ساری خلقت کے رسول فرش و عرش پر ان کا سکہ جاری جنکی صفت یہ ہے کہ وہ تمہاری تمام کتابوں کو سچا کر دکھائیں گے کیونکہ وہ سب کے بعد ہوں گے سب کی تصدیق وہی کر سکتا ہے جو سب کے بعد ہو۔ خیال رہے کہ اگلا پیغمبر پچھلوں کی بشارت دیگا اور پچھلا نبی اگلوں کی تصدیق کریگا۔ آدم علیہ السلام سب کے مبشر ہیں کسی نبی کے مصدق نہیں کیونکہ ان سے پہلے کوئی نبی گزرا ہی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے مصدق ہیں۔ مبشر کسی کے نہیں اور درمیان کے پیغمبر اگلوں کے مصدق اور پچھلوں کے مبشر ہوئے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** سب کی تصدیق حضور علیہ السلام ہی کی صفت ہے۔ اس جملہ نے سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تفسیر کی تائید کی۔ لما معکم سے مراد ان حضرات کی کتابیں اور معجزات و صفات وغیرہ سب ہی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب ہی کی تصدیق فرمائی اس لئے لما معکم ارشاد ہوا کتبکم نہ فرمایا۔ **لتومنن بہ ولتنصرنہ** لام قسم کا ہے یہاں واللہ پوشیدہ ہے اور ایمان سے اصطلاحی ایمان مراد ہے جو امت کا نبی پر ہوتا ہے۔ (کبیر) اور جو دنیا میں آکر اختیار کیا جاتا ہے جو مدار نجات ہے ورنہ میثاق ایمان جسے فطری ایمان بھی کہتے ہیں یہ تو ان حضرات کو وہاں ہی میسر ہو گیا تھا بلکہ سارے انسانوں کو رب کی توحید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر وہاں ایمان دے دیا گیا تھا اسی میثاق ایمان پر بچہ پیدا ہوتا ہے لتنصرنہ سے ان کی خدمت' اطاعت اور مدد مراد ہے یعنی تم تمام حضرات باوجود پیغمبر ہونے کے ان کا کلمہ پڑھنا ان پر ایمان لے آنا۔ اور ان کو اپنا پیغمبر تسلیم کر کے اپنے کو ان کا امتی مان لینا اور ہر طرح ان کی اطاعت اور ان کی مدد کرنا۔ اب انبیائے کرام کے جواب کا موقعہ تھا۔ مگر انہیں موقعہ نہ دیتے ہوئے خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **قال ءاقررتم واخذتم علی ذالکم اصری۔ اقرار** اقر سے بنا بمعنی ثبوت اور لزوم۔ اسی لئے ٹھہر جانے کو قرار کہا جاتا ہے اور اپنی جگہ دوسرے کو ٹھہرانے کو اقرار۔ چونکہ اس سے کسی چیز کو اپنے پر لازم کیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے اقرار کہتے ہیں (کبیر) حقیقتاً گزشتہ کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی آئندہ کے لئے بھی بمعنی معاہدہ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ اخذتم بمعنی قبلتم ہے قرآن کریم میں بہت جگہ اخذ بمعنی قبول آیا ہے۔ **لا یوخذ منہا عدل**

www.alahazratnetwork.org

یعنی لا یقبل اور فرمایا ویاخذ الصدقات یعنی رب تعالیٰ صدقے قبول فرماتا ہے۔ ذالکم سے اسی عہد کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ یہ ہر چیز کے حق میں مستقل عہد تھا اس لئے ذالکم بطریقہ جمع فرمایا گیا۔ اصری تحقیق ہم تو آخر کے اخیر میں ولا تحمل علینا اصرا کی تفسیر میں ہو چکی کہ اس کے معنی بوجھ اور ثقل ہیں تاکیدی عہد کو اس لئے اصر کہتے ہیں کہ وہ معاہد پر ایک بوجھ ہوتا ہے کہ اس کے توڑنے پر سزا مرتب ہوتی ہے۔ یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے گروہ انبیاء فرماؤ کیا تم نے اس کا اقرار کیا اور میرے اس بوجھل عہد کو قبول کیا۔ قالوا اقررنا حضرات انبیاء کرام نے اس عہد کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے صرف بلیٰ نہ کہا بلکہ اقررنا کہا۔ یعنی ان سب نے عرض کیا اے مولیٰ ہم نے اقرار کر لیا ہم اس معاہدہ کی ضرور پابندی کریں گے۔ معمولی چیزوں کا اقرار بلکہ ایجاب و قبول صرف ہاں کہہ دینے بلکہ کبھی خاموش رہ جانے سے بھی ہو جاتا ہے مگر بہت اہم و ضروری چیز کا اعتراف ان چیزوں سے نہیں ہوتا وہاں اقرار یا قبول کے صریحی الفاظ بولنا پڑتے ہیں۔ خرید و فروخت میں ہاں کہہ دینا کافی ہے۔ بلکہ فقط لین دین سے بھی ہو جاتی ہے جسے بیع تعاطی کہتے ہیں مگر نکاح کے قبول کے لئے قبلت کہنا لازم ہے۔ توحید کے اقرار سے نبوت کا اقرار زیادہ اہم تھا۔ اس لئے توحید کے لئے بلیٰ کہنا کافی ہو۔ مگر یہاں اقررنا کہلوایا گیا۔ نیز قالوا جمع فرما کر بتایا گیا کہ صرف ایک دو نبی نے دوسروں کا نمائندہ بن کر سب کی طرف سے یہ نہ کہا بلکہ سب نے صراحتاً خود کہا و کالتہً نہ کہا اور سجدہ ملائکہ کی طرح سب انبیاء نے بیک وقت یہ عرض کیا غرضیکہ قالوا جمع فرمانے میں عجیب راز ہیں۔ صرف اسی پر کفایت نہ فرمائی۔ بلکہ ارشاد ہوا۔ قال فاشھدوا ظاہر یہ ہے کہ یہ پیغمبروں سے خطاب ہے۔ اور اشھدوا سے بعض کا بعض پر گواہ بن جانا مراد ہے کہ آدم علیہ السلام نوح علیہ السلام پر گواہ بنیں اور نوح علیہ السلام آدم علیہ السلام کے وغیرہ وغیرہ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اشھدوا میں سارے فرشتوں سے خطاب ہے۔ یعنی اے فرشتو تم اس اقرار پر گواہ رہو۔ بعض نے فرمایا کہ اس میں خطاب تو پیغمبروں سے ہی ہے۔ مگر شہادت سے مراد گواہی دینا ہے۔ نہ کہ گواہ بننا یعنی اے پیغمبرو تم دنیا میں اپنی امتوں کے سامنے اس عہد کی گواہی دو اور انہیں خبر پہنچاؤ تاکہ کسی کو بے خبری کا عذر نہ رہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے ہر نبی کا اپنے نفس پر گواہ بننا مراد ہے۔ یعنی ہر ایک اپنے پر گواہ رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واشھدھم علی انفسھم اور فرماتا ہے قالوا بلی شھدنا علی انفسنا یہ ایک قسم کا مبالغہ ہے بعض نے فرمایا کہ اشھدوا شہود سے بنا بمعنی یقین یعنی اس پر یقین کر لو۔ جیسے معائنہ اور مشاہدہ کی ہوئی چیز پر یقین ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر) پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ وانا معکم من الشھدین میں تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ایک گواہ ہوں۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کی گواہی اس واقعہ پر ہوئی اور رب تعالیٰ کی گواہی اس گواہی پر۔ یعنی میں تمہاری گواہی پر گواہ ہوں یہ گواہی ایسی تھی جیسے شہنشاہ ایک واقعہ کو دیکھے اس پر گواہ بن جائے کہ وہ حاکم بھی ہے اور گواہ بھی فمن تولی بعد ذالک یہ میثاق کا نتیجہ ہے ظاہر یہ ہے کہ من سے مراد عہد و پیمان کرنے والے انبیاء کرام ہیں۔ تب یہ مطلب ہے کہ حضرات انبیاء عبدیت کی اعلیٰ منزل پر ہیں۔ جس کے بعد الوہیت ہی ہے۔ پھر ان میں بعض کو خصوصی صفات بخشی گئیں کسی کو خلت کسی کو کلیمی وغیرہ اور کفار انتہائی پستی میں کہ جانوروں سے بدتر ہیں اگر بفرض محال ان اعلیٰ درجہ والوں میں سے کوئی اس نبی آخر الزمان کی اطاعت سے منہ موڑے گا تو انتہائی پستی میں پہنچے گا۔ نبوت' ولایت' صحابیت' تقویٰ' ایمان' سب سے نیچے ہو گا۔ یہ فرضی گفتگو ہے اور ہم کو بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے نہ کوئی سید رہ سکتا ہے نہ عالم نہ پیر نہ صوفی نہ مسلمان۔ جب حضرات انبیاء اس مخالفت سے کچھ نہیں رہتے تو تم کس شمار میں ہو اور ہو سکتا ہے کہ من سے مراد ساری مخلوق

www.alahazratnetwork.org

ہو۔ انسان ہوں' یا جن' یا فرشتے۔ تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کی نبوت ایسی عام ہو گی کہ کوئی ان کی اطاعت سے باہر نہیں ہو سکتا۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا گیا۔ کیونکہ حضور ہی کی نبوت عام ہے۔ تولی کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ **ذالک** سے اسی میثاق کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ عہد دینے کے بعد یا یہ عہد سننے کے بعد۔ پہلی صورت میں روئے سخن حضرات انبیاء سے ہے۔ دوسری صورت میں سارے بندوں سے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے اس میثاق کو تین تاکیدوں سے مضبوط کیا۔ (1) تمام کو گواہ بنانا۔ (2) پھر خود اپنی گواہی قائم فرمانا۔ (3) پھر اس کی مخالفت پر سزا مقرر کرنا تو گویا یہ میثاق کی تیسری تاکید ہے۔ **فاولئک هم الفاسقون** یہ من تولی کی جزا ہے چونکہ من سے جماعت مراد تھی۔ لہٰذا **اولئک** جمع سے اس کی طرف اشارہ کیا گیا **هم** سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ **فاسقون** فسق سے بنا بمعنی نکل جانا۔ تقویٰ و پرہیز گاری سے نکلنے کو بھی فسق کہتے ہیں اور اسلام سے نکل جانے کو بھی۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ پیغمبر کا انکار کفر ہے یعنی اس عہد و میثاق و گواہی شاہدی کے بعد جو کوئی اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے سے منہ پھیرے گا وہ کافر ہے۔ خیال رہے کہ سزا مقرر کرنے سے صرف میثاق کا اہتمام مقصود ہے ورنہ انبیائے کرام شرک و کفر سے معصوم ہیں یہ ایسا ہی فرض ہے جیسے **لئن اشرکت لیحبطن عملک** (تفسیر روح المعانی) اور اگر من سے خطاب بندوں سے ہو تو بظاہر معنی مراد ہیں اور اس صورت میں تولی کی تین صورتیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام سے اپنے کو باہر جاننا یہ دونوں صورتیں کفر ہیں۔ تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پر عمل نہ کرنا اپنے کو گنہگار ماننا یہ فسق عمل ہے۔ جو قابل معافی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے پہلے تو حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا پھر انہیں جنت میں رکھا وہاں ہی حضرت حوا کی پیدائش ہوئی پھر ان دونوں بزرگوں کو زمین پر بھیجا۔ پھر تین سو برس کی جدائی کے بعد ان دونوں کو مقام عرفات میں ملایا۔ واقعہ یہ ہوا کہ رب تعالیٰ نے انسان سے تین عہد لئے ایک اپنی ربوبیت کا جو سب سے لیا گیا۔ جس کا ذکر **الست بربکم قالوا بلی** میں فرمایا گیا۔ دوسرا اظہار دین کا جو خاص علماء اہل کتاب سے لیا گیا۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے **واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننه للناس ولا تکتمونه** تیسرا عہد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے اور ان کی خدمت و اطاعت کرنے کا جو بلاواسطہ سارے نبیوں سے اور بالواسطہ ان کی امتوں سے لیا گیا۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ چوتھا عہد سارے انبیاء کرام سے لیا گیا۔ جس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں وہ تھا تبلیغ دین اور ہدایت خلق کا جس کا ذکر اس آیت میں ہے **ومنک ومن نوح** یہ چار عہد ہیں جن میں عہد کرنے والے مختلف۔ غرضیکہ یہ عہد بھی عہد ربوبیت کی طرح عام تھا مگر انبیاء سے بلاواسطہ اور ان کی امتوں سے بالواسطہ کہ آدم علیہ السلام کو جنت سے ہندوستان کو لیو کے پہاڑ سرانديپ پر اتارا گیا۔ اور حضرت حوا کو جدہ میں۔ تین سو سال تک ان میں جدائی رہی۔ اور آدم علیہ السلام معافی کے لئے گریہ زاری فرماتے رہے۔ پھر حضور علیہ السلام کے نام کی برکت سے توبہ قبول ہوئی۔ اور عرفات میں حضرت حوا سے ملاقات کی۔ پھر نعمان پہاڑ پر آدم علیہ السلام کی پشت سے تمام روحوں کو نکالا گیا۔ جو باریک چیونٹیوں کی شکل میں تھیں۔ کفار کی روحیں سیاہ مسلمانوں کی سفید اور انبیائے کرام کی ارواح روشن تھیں۔ ان سے یہ عہد لئے گئے جن میں تیسرا عہد وہ تھا جس کا ذکر اس آیت میں ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل کتاب کو نبیوں کا وہ عہد میثاق یاد دلا دو۔ جس کا ذکر توریت و انجیل میں ہے تا

www.alahazratnetwork.org

کہ انہیں عبرت حاصل ہو۔ اور ان کے دلوں میں آپ کی عظمت پیدا ہو وہ یہ کہ حق تعالیٰ نے سارے پیغمبروں سے خواہ وہ محض نبی ہوں یا رسول یا مرسل بھی۔ سب کے سامنے یہ عہد لیا کہ اے گروہ انبیاء جب میں تمہیں دنیا میں بالواسطہ یا بلاواسطہ اپنی کتاب یا صحیفہ اور اپنا علم و حکمت عطا فرماؤں۔ تمہیں تمغہ ء نبوت سے سرفرازی بخشوں پھر اسی حال میں جب کہ تمہاری نبوت کا آفتاب خوب چمک رہا ہو۔ اور تمہارا کلمہ پڑھا جا رہا ہو۔ تمہارے نام کے ڈنکے بج رہے ہوں 'وہ پچھلا پیغمبر دعائے خلیل اور بشارت مسیح۔ ساری خلقت کا ہادی عرش و فرش کا بادشاہ احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس تشریف لے آئے تو تم ان کا کلمہ پڑھ کر ان پر ایمان لانا اور ہر طرح ان کی امداد کرنا 'اور اعانت کرنا 'بولو کیا اقرار کرتے ہو اور اس بھاری ذمہ کو اٹھاتے ہو۔ تمہیں یہ بات منظور ہوگی سب نے عرض کیا اے مولیٰ ہم سب کو اس کا اقرار ہے 'تجھ سے عہد کرتے ہیں اور اس کی پابندی کریں گے۔ فرمایا اچھا تم سب ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ۔ صرف تمہاری گواہی پر ہی بس نہیں۔ بلکہ ہماری شاہی گواہی بھی اس میں شامل ہے ہم بھی تمہارے ساتھ گواہ ہیں۔ خیال رہے کہ جو کوئی اس عہد و پیمان کے بعد اس نبی پر ایمان لانے سے منہ موڑے گا وہ کافر ہو گا۔

فضیلت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم

ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں اس کے بیشمار دلائل ہیں۔ جن میں سے بطور اختصار کچھ عرض کیے جاتے ہیں۔ (1) یہی آیت کریمہ جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے بھی نبی ہیں اور سارے پیغمبر آپ کے امتی۔ سب سے آپ پر ایمان لانے کا عہد لیا گیا۔ اور عہد بھی نہایت پختگی سے کہ عہد ربوبیت میں صرف **الست بربکم قالوا بلی** پر کفایت ہوئی۔ مگر یہاں بجائے بلی کے اقررنا کہلوایا۔ سب کو اس پر گواہ بنایا۔ رب تعالیٰ نے اپنی شاہی گواہی کو بھی شامل فرمایا پھر اس کی مخالفت پر سزا مقرر فرمائی۔ (2) **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس** اس آیت سے معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام امتوں سے افضل ہے اور ظاہر ہے کہ امت کی افضلیت اس کے پیغمبر کی افضلیت سے ہوگی۔ (3) **ینساء النبی لستن کاحد من النساء** جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات جہاں بھر کی عورتوں سے افضل ہیں۔ (4) **ولکن رسول اللہ وخاتم النبین** اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام آخری نبی اور آپ کا دین غیر منسوخ ہے اور ظاہر ہے کہ باقی فانی سے افضل ہے لہذا اسلام دیگر ادیان سے بہتر اور یہ بہتری حضور علیہ السلام کی برکت سے ہے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دین والے پیغمبروں سے افضل۔ (5) **مصدق لما معکم** اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے ذریعہ تمام کتابیں سچی ہوئیں۔ لہذا ساری کتابیں اور کتاب والے حضور علیہ السلام کے حاجت مند ہوئے اور حاجت والے سے وہ افضل ہے جس کی طرف حاجت ہو۔ (6) **ربنا وابعث فیھم رسولا** (7) **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام دعائے خلیل اور بشارت مسیح ہیں گویا وہ حضرات داعی ہیں اور آپ مدعی 'وہ حضرات اسناد ہیں اور حضور علیہ السلام متن۔ وہ حضرات مبشر ہیں اور حضور علیہ السلام اصل بشارت۔ وہ حضرات چمن ہیں اور حضور علیہ السلام پھول 'وہ حضرات طفیلی ہیں اور حضور علیہ السلام مقصود۔ وہ

www.alahazratnetwork.org

سب براتی ہیں اور حضور دولہا (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ظاہر ہے کہ پھول درخت سے افضل۔ دولہا براتیوں سے اعلیٰ اور متن سے بڑھ کر۔ اسناد مبدا ہے اور متن اس کی انتہا۔ (8) **سبحن الذی اسری بعبدہ لیلا** (9) **ما زاغ البصر وما طغی** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے معراج دی اور اپنے دیدار سے سرفراز فرمایا اور ظاہر ہے کہ یہ درجہ اور کسی پیغمبر کو نہ ملا۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام سب سے بڑھ کر قرب والے ہیں۔ (10) **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** رب تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا اعلان فرمادیا جو طور پر موسیٰ علیہ السلام سے فرمائیں **وما تلک بیمینک یموسی** مگر اس کلام کو صیغہ راز میں رکھا جو معراج میں اپنے حبیب علیہ السلام سے فرمایا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** ہم نے اپنے اس بندہ خاص کو اس وقت جو وحی کی تمہیں کیوں بتائیں۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام صاحب اسرار ہیں اور ظاہر ہے کہ اندرونی دوست بیرونی دوستوں سے افضل ہے۔ (11) **یا یھا النبی** (12) **یا یھا الرسل** (14) **یا یھا المدثر** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو نام پاک سے کہیں نہ پکارا۔ بلکہ آپ کے پیارے اوصاف سے۔ دیگر پیغمبروں کو ان کے نام سے پکارا گیا۔ **وما تلک بیمینک یموسی۔ یعیسی انی متوفیک۔ وقلنا یا ادم اسکن** وغیرہ اور بجائے نام شریف کے خطابات سے پکارنا کہ اے غیب کی خبریں دینے والے اے ہمارے خاص پیغمبر اے چادر اوڑھنے والے اے کپڑے پہننے والے وغیرہ دلیل محبوبیت ہے۔ (15) **لیکون للعلمین نذیرا** (16) **قل یا یھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا** (17) **وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے پیغمبر ہیں اور سب پر آپ کی اطاعت واجب۔ یوں سمجھو کہ آدم علیہ السلام کی نبوت سے حضور علیہ السلام کی نبوت زیادہ عام ہے کہ وہ صرف انسان کے لئے ہے اور یہ ہر ماسوی اللہ کے لئے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا رقبہ سلطنت وسیع ہے اور ظاہر ہے کہ بڑی سلطنت کا مالک بڑا بادشاہ ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہیں۔ خیال رہے کہ عالمین اور ناس میں انبیائے کرام بھی داخل ہیں۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ خضر و ادریس و الیاس علیہم السلام جو اب تک زندہ ہیں سب حضور علیہ السلام پر ایمان لائے بلکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ بیعت رضوان میں خضر علیہ السلام نے بھی حضور علیہ السلام سے بیعت کی (روح البیان) بلکہ اگر وفات یافتہ پیغمبر بھی اس میں داخل ہوں تو کوئی بعید نہیں کہ ان حضرات نے اپنی قبروں میں حضور علیہ السلام کا کلمہ پڑھا ہو۔ چنانچہ حجۃ الوداع میں بہت سے پیغمبروں نے حج کیا۔ معراج کی رات سارے پیغمبروں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے نماز پڑھی اور ظاہر ہے کہ یہ نماز و حج اسلامی تھے لہذا وہ سب حضرات حضور علیہ السلام کے پیروکار ہوئے۔ (18) **وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** (19) **ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ** (20) **ید اللہ فوق ایدیھم** ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا فعل رب تعالیٰ کا فعل ہے۔ حضور علیہ السلام سے بیعت رب تعالیٰ سے بیعت۔ حضور علیہ السلام کا ہاتھ رب تعالیٰ کا دست قدرت اور یہ جب ہی ہو سکتا ہے۔ جب حضور علیہ السلام کو رب تعالیٰ سے قرب خاص حاصل ہو۔ (21) **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقام محمود صرف حضور علیہ السلام کے لئے ہے۔ جہاں سب اولین و آخرین حضور علیہ السلام کی حمد و ثنا کریں گے۔ (22) **ورفعنا لک ذکرک۔ لک** سے معلوم ہوا کہ یہ بلندی ذکر حضور علیہ السلام سے خاص ہے کہ رب تعالیٰ کے نام کے ساتھ حضور علیہ السلام کا نام ہے عرش و فرش جنت و طوبیٰ میں آپ کا چرچا ہے۔ بہت اختصار کے ساتھ بائیس آیتیں پیش کی گئیں۔

www.alahazratnetwork.org

ورنہ حضور علیہ السلام کی افضلیت مطلقہ بہت آیتوں سے ثابت ہے۔ **تعجب ہے:** کہ حضرت مولانا ملا احمد جیون رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کی کوئی صریح آیت نہ ملی۔ جیسا کہ وہ اس جگہ فرماتے ہیں۔

احادیث: حضور علیہ السلام کی افضلیت کی بے شمار احادیث ہیں جن میں سے چند عرض کی جاتی ہیں۔ (1) حضور علیہ السلام اولاد آدم کے سردار ہیں۔ قیامت میں اول حضور علیہ السلام کی ہی قبر انور کھلے گی پہلے شفیع حضور ہی ہیں۔ (مسلم و مشکوۃ باب فضائل سید الانبیاء)۔ (2) حضور علیہ السلام کی امت تمام امتوں سے زیادہ ہے اور جنت میں سب سے پہلے حضور ہی تشریف لے جائیں گے (مسلم)۔ (3) حضور علیہ السلام کے لئے غنیمتیں حلال ہوئیں۔ تمام روئے زمین آپ کی مسجد بنائی گئی۔ حضور علیہ السلام ساری خلق کے نبی ہیں۔ حضور خاتم الانبیاء ہیں۔ (مسلم) (4) فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہمیں خزائن زمین کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں۔ (مسلم و بخاری) (5) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام روح و جسم کے درمیان تھے۔ (ترمذی و مشکوۃ) (6) فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) میں قیامت کے دن اولاد آدم کا سردار ہوں۔ ہمارے ہاتھ **لواء الحمد** ہوگا کہ اس جھنڈے کے نیچے آدم و اولاد آدم ہوں گے۔ (ترمذی) (7) فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ابراہیم خلیل اللہ ہیں۔ موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ عیسیٰ روح اللہ ہیں۔ آدم صفی اللہ ہیں (علیہم السلام) مگر ہم حبیب اللہ ہیں۔ ہم شفیع المذنبین ہیں ہم ہی جنت کا دروازہ کھلوائیں گے ہم اللہ کے نزدیک سارے اولین و آخرین سے افضل ہیں۔ (ترمذی، دارمی و مشکوۃ) اس کی شرح مرقات میں ہے کہ خلیل مرید ہے حبیب مراد، خلیل سالک ہے۔ حبیب مجذوب، خلیل طالب، حبیب مطلوب، خلیل وہ جو رب کی رضا چاہے حبیب وہ کہ رب اس کی رضا چاہے۔ خلیل وہ ہے جسے مغفرت کی امید ہو حبیب وہ جس کی مغفرت درجہ یقین میں ہو۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا۔ **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** حبیب کے لئے فرمایا گیا **لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک** اس لئے فرمایا گیا کہ ابراہیم خلیل ہیں اور ہم حبیب (مرقات)۔ (8) حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب لوگ اٹھیں گے تو سب سے اول ہم ہوں گے، جب چلیں گے تو سب کے پیشوا ہم ہوں گے، جب سب خاموش ہوں گے اس دن کنجیاں اور حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ میں ہوگا۔ (ترمذی و دارمی)۔ (9) عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالٰی عنہما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے حضور علیہ السلام کو سارے انبیاء اور سارے آسمان والوں پر بزرگی دی (دارمی)۔ (10) عبداللہ ابن سلام رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ توریت میں حضور علیہ السلام کی صفت موجود ہے اور وہاں یہ بھی لکھا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ان کے ساتھ دفن ہوں گے۔ عقل کا تقاضا بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات انبیاء سے افضل ہوں کیونکہ آدم علیہ السلام کو فرشتوں نے سجدہ کیا اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبیوں سے عہد و پیمان لئے۔ اس سجدہ اور اس میثاق میں کئی طرح فرق ہے ایک یہ کہ سجدہ صرف فرشتوں نے کیا یہ عہد و پیمان نبیوں نے کیا۔ انبیاء ملائکہ سے افضل ہیں دوسرے یہ کہ سجدہ عمل تھا اور یہ میثاق عقیدہ۔ عمل سے عقیدہ اعلیٰ ہے۔ تیسرے یہ کہ سجدہ ایک وقتی چیز تھی اور یہ عہد و میثاق دائمی چیز اس لئے فرشتے آدم علیہ السلام کے امتی نہ بن گئے مگر تمام انبیاء حضور کے امتی بن گئے۔ بعض تو بلا واسطہ جیسے حضرت خضر و الیاس و عیسیٰ علیہم السلام اور بعض بالواسطہ جیسے دوسرے انبیائے کرام کہ ان بزرگوں نے معراج کی رات حضور علیہ السلام کے پیچھے نماز پڑھی یہ لتؤمنن کی عملی تفسیر تھی اور موسیٰ علیہ السلام نے پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں یہ نصرت و مدد کی عملی تفسیر ہے۔ مسجود الیہ ساجد کا نبی نہیں ہو جاتا کعبہ ہمارا مسجود الیہ ہے۔ حضرت یوسف جناب یعقوب علیہ السلام کے

www.alahazratnetwork.org

مسجود لہ تھے مگر نہ کعبہ ہمارا نبی ہے نہ یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے نبی بن گئے۔ نیز آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کرایا۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تمام خلق سے درود بھجوایا۔ بلکہ رب تعالیٰ بھی اس درود بھیجنے والوں میں شریک ہے یہ درود اس سجدے سے افضل ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ نے سارے نبیوں سے حضور علیہ السلام کا عہد لیا کہ حضور کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں نہ کہ حضور علیہ السلام سے کسی اور کا۔ اس کے چند دلائل ہیں۔ (1) قرآن کریم میں جہاں کہیں رسول بغیر قرینہ اور بغیر قید آتا ہے اس سے حضور علیہ السلام ہی مراد ہوتے ہیں۔ جیسے **لقد جاء کم رسول یا ا فبعث فیھم رسولا** وغیرہ یہاں چونکہ رسول بغیر قرینہ ہے اس لئے حضور علیہ السلام ہی مراد ہیں۔ (2) اس آیت میں رسول کی صفت بیان کی کہ وہ ساری کتابوں کی تصدیق کریں گے۔ یہ صرف حضور علیہ السلام ہی کی صفت ہے کیونکہ کسی پیغمبر نے ساری کتابوں کی تصدیق نہ کی۔ جگہ جگہ حضور علیہ السلام کے لئے فرمایا گیا۔ **مصدق لما معکم** (3) نبیوں پر واجب نہ تھا کہ اپنے ہم زمانہ پیغمبروں پر ایمان لائیں اور ان کے امتی بن جائیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ ہارون ہم زمانہ ہیں حضرت ابراہیم و لوط و اسماعیل و اسحاق ہم زمانہ ہیں۔ ایسے ہی حضرت یحییٰ و عیسیٰ ہم زمانہ ہیں (علیہم السلام)۔ ان میں سے کوئی کسی پر ایمان نہ لایا۔ بلکہ بعض بادشاہ ہوئے اور بعض وزیر۔ حضور علیہ السلام ہی کی صفت ہے کہ جو نبی آپ کا زمانہ پائے آپ کا امتی بن جائے جیسا کہ **لتومنن بہ** سے معلوم ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے تو حضرت خضر نہ تو موسیٰ علیہ السلام کے امتی بنے نہ آپ کے مطیع۔ بلکہ آپ سے عرض کیا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے اور پھر آپ نے جتنے کام کئے وہ شریعت موسوی کے خلاف تھے۔ جیسے کشتی توڑنا' بے قصور بچہ کو ہلاک کر دینا وغیرہ اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شریعت کے مطابق آپ پر اعتراض کئے تو آپ نے رخصت تو فرمادیا مگر دین موسوی کی پیروی نہ کی مگر اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو ہیں۔ بیعت رضوان میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کر گئے ہیں۔ (4) اگر ہر نبی کا اپنے ہم زمانہ نبی پر ایمان لانا واجب ہوتا تو دور لازم آتا اس لئے کہ پھر ابراہیم علیہ السلام تو لوط علیہ السلام کے امتی بنتے اور لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے وغیرہ اور یہ باطل ہے لہٰذا ضروری ہے کہ یہ عہد حضور علیہ السلام کے متعلق لیا گیا ہو کہ حضور مطاع ہیں اور سب مطیع (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ السلام سب پیغمبروں کے مصدق ہیں کسی کے مبشر نہیں جیسا کہ **مصدق لما معکم** سے معلوم ہوا اور ظاہر ہے کہ تصدیق کرنے والے مصدقین کے بعد ہوتا ہے اگر حضور علیہ السلام کے بعد کوئی نیا نبی آنے والا ہوتا تو حضور علیہ السلام اس کے مصدق نہ ہوتے مبشر ہوتے پھر دیگر انبیاء میں اور حضور علیہ السلام میں کیا فرق ہوتا۔ **تیسرا فائدہ:** ہندوستان اصل میں اسلام ستان ہے کہ پہلے پیغمبر یعنی آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اترے۔ اب بھی حضرت شیث ابن آدم علیہ السلام کا مزار شریف اجودھیا ضلع فیض آباد میں موجود ہے۔ میں نے خود زیارت کی اور تاریخ اجودھیا میں اس قبر کا تاریخی ثبوت بھی دیا گیا ہے۔ نیز علماء و مشائخ اور علم و معرفت کے لحاظ سے یہ ملک دیگر اسلامی ممالک سے پیچھے نہ رہا اسے ہندوستان کہنے کی وجہ یہ ہوئی کہ جب اسلامی سلاطین غزنوی وغیرہ یہاں آئے تو انہوں نے یہاں ڈکیتی و چوری دیکھی۔ اسلامی ممالک میں اسلامی سزائیں رائج ہونے کی وجہ سے ان جرموں کا نام و نشان نہ تھا۔ اس لئے انہوں نے اسے ہندوستان کہا۔ فارسی میں ہندو چور ڈاکو کو کہتے ہیں اور ستان بمعنی جگہ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اگر آں ترک شیرازی بدست آرد دل ما را — بہ خال ہندوش بخشم سمرقند و بخارا را

چوتھا فائدہ: نبی رسول و مرسل سے عام ہے کہ ہر رسول نبی ہے مگر ہر نبی کا رسول ہونا لازم نہیں جیسا النبیین سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے سارے نبیوں سے عہد لیا جس میں رسول و مرسل بھی داخل ہیں۔ پانچواں فائدہ: اہم اقرار میں صرف ہاں یا جی ہاں کافی نہیں بلکہ صاف الفاظ کہنا چاہئیں جیسا کہ اقررنا سے معلوم ہوا۔ اسی لئے نکاح کے وقت شوہر سے کہلواتے ہیں۔ میں نے قبول کیا صرف جی ہاں پر کفایت نہیں ہوتی۔ کیونکہ ہاں اور جی ہاں کے معنی لہجہ وغیرہ بدلنے سے بدل جاتے ہیں کہ بجائے اقرار کے انکار بن جاتا ہے۔ امت کا نبی کے ساتھ روحانی نکاح ہو جاتا ہے۔ یہ نکاح موت سے بھی نہیں ٹوٹتا نکاح کے معنی ہیں ملنا۔ چھٹا فائدہ: گواہی پر گواہی درست ہے جیسا کہ وانا معکم من الشھدین سے معلوم ہوا رب تعالیٰ کی گواہی ان حضرات کی گواہی پر تھی۔ ساتواں فائدہ: محفل میلاد شریف سنت الیہ ہے۔ دیکھو مجلس میثاق میرے حضور (علیہ السلام) کی محفل تھی جس میں حق تعالیٰ حضور کا میلاد فرمانے والا بزم انبیاء سننے والی تھی نبوت کی شیرینی اس مجلس کا تبرک تھا جو بقدر قابلیت انبیاء کو تقسیم ہوا۔ خیال رہے کہ ذکر ولادت ہی کا نام محفل میلاد ہے خواہ آئندہ کے لحاظ سے ہو یا گزشتہ زمانے کے اعتبار سے۔ آٹھواں فائدہ: کوئی شخص کسی مرتبہ پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ اور آپ کے احکام سے علیحدہ نہیں ہو سکتا۔ دیکھو جناب خلیل و مسیح تمام انبیاء کرام پر آپ کی اطاعت لازم فرمائی جا رہی ہے۔ نواں فائدہ: ہر مسلمان کو بقدر طاقت دینی خدمت کرنی چاہئے مسجد کی، علم کی خدمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خدمت ہے جیسا کہ ولتنصرنہ سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرنے والا نہ سید نہ عالم نہ پیر نہ مسلمان کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے نبی نہیں رہتے تو اس کے ہوتے ہوئے مسلمان کیسے رہے گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دیگر انبیاء سے حضور کا عہد لیا گیا بلکہ معلوم یہ ہوتا ہے کہ ہر نبی سے عہد لیا گیا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں کہ جو کوئی دوسرے پیغمبر کا زمانہ پائے وہ اس کی تصدیق کرے کیونکہ دوسری جگہ فرمایا گیا۔ واذ اخذنا من النبین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم و موسی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی یہ عہد لیا گیا تھا۔ جواب: اس آیت میں دوسرے میثاق کا ذکر ہے یعنی تبلیغ احکام وغیرہ اور یہ دوسرا میثاق ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ماننے میں وہ دشواریاں پیش آئیں گے جن کا ذکر ہم نے فوائد میں کیا۔ (تفسیر احمدی) دوسرا اعتراض: اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا کہ دیگر انبیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی الانبیاء کیونکہ لتؤمنن بہ سے صرف تصدیق لازم ہے نہ کہ امتی بن جانا۔ ہم سارے پیغمبروں کی تصدیق کرتے ہیں۔ حالانکہ ان کے امتی نہیں۔ حضور نے بھی تمام رسولوں کی تصدیق کی مگر ان کے امتی نہ ہوئے۔ جواب: ایمان کے لغوی معنی تصدیق ہیں۔ مگر شرعاً "شریعت کی پیروی کو ایمان کہتے ہیں۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں نہ کہ پہلے ورنہ ثم جاءکم فرمانا بیکار ہو گیا کیونکہ تصدیق ہر اگلے پچھلے پیغمبر کی ہو سکتی ہے ہم زمانہ ہونے کی قید کیوں لگائی۔ البتہ اتباع شریعت اسی رسول کی ہو گی جس کا زمانہ پایا جائے اس معنی سے نبی پر ایمان لانا اس کا امتی بن جانا ہے۔ تیسرا اعتراض: رب کو علم تھا کہ کوئی پیغمبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نہ پائیں گے پھر ان سے یہ عہد کیوں لیا؟ جواب: اظہار عظمت مصطفیٰ کے لئے کہ انبیاء

www.alahazratnetwork.org

کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پائیں یا نہ پائیں۔ مگر انہیں حضور علیہ السلام کی عظمت کا پتہ چل جائے کہ اللہ اکبر یہ ایسے اولوالعزم پیغمبر ہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنی ربوبیت اور ان کی رسالت کا عہد لیا۔ اور پھر وہ اپنی امتوں کو یہ واقعہ یاد دلا کر انہیں مسلمان بننے پر آمادہ کریں کہ ان میں سے جو کوئی حضور علیہ السلام کو پائے ایمان لائے۔ حکم کیلئے امکان عمل شرط نہیں۔ سب روحوں سے اپنی ربوبیت کا عہد لیا۔ حالانکہ ان میں سے بعض وہ بھی ہوں گے جو ماں کے پیٹ ہی سے واپس جائیں گی۔ بعض نابالغی میں مریں گے۔ بعض دیوانے ہو کر رہیں گے۔ معراج میں پچاس نمازیں فرض فرما کر پانچ رکھیں حالانکہ رب تعالیٰ کو علم تھا کہ پانچ رہیں گی۔ اس کا یہی مطلب ہے کہ مسلمان یہ عقیدہ رکھیں کہ اگر وہ حضور علیہ السلام کا زمانہ پاتے تو ایمان لاتے نیز عیسیٰ علیہ السلام انبیاء کی طرف سے نمائندگی فرماتے ہوئے اخیر زمانہ میں اتریں گے اور حضور علیہ السلام کی اطاعت کریں گے۔ **چوتھا اعتراض:** انبیائے کرام کفر شرک تو کیا گناہوں سے بھی پاک ہیں۔ پھر ان سے یہ کیوں فرمایا گیا کہ جو کوئی روگردانی کرے وہ کافر ہے ان کے متعلق تو یہ احتمال تھا ہی نہیں؟ **جواب:** قضیہ شرطیہ میں کسی جز کا امکان ضروری نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل لو کان للرحمان ولد فانا اول العبدین** نیز فرماتا ہے **لئن اشرکت لیحبطن عملک** نیز اس میں امتوں کو دکھایا گیا کہ جب مقربین سے یہ خطاب ہے تو تم کس شمار میں ہو۔ اگر تم نے اسلام سے منہ پھیرا تو اپنا انجام سمجھ لو۔ **پانچواں اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ جتنا اہتمام عہد نبوت کا کیا گیا۔ اتنا ربوبیت کے عہد کا نہ کیا گیا۔ وہاں صرف بلی پر کفایت ہے یہاں **اقررنا** کہلوایا۔ اس پر گواہی قائم فرمائی اپنی گواہی شامل کی اور اس کی مخالفت پر سزا تجویز کی۔ کیا حضور کا درجہ اللہ سے بڑا ہے۔ **جواب:** رب تعالیٰ کو معلوم تھا کہ توحید ماننے والے بہت ہوں گے مگر رسالت ماننے والے تھوڑے اور پھر رسالت کے ماننے والوں میں بھی کوئی بغیر سوچے سمجھے ان کی بشریت کی رٹ لگائے گا کوئی ان کی توہین کرے گا۔ اس لئے اتنا اہتمام فرمایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ عقیدہ توحید بغیر رسالت معتبر نہیں توحید سکہ ہے اور رسالت اس کی مہر۔ بازار قیامت میں شیطانی توحید کی کوئی قیمت نہیں۔ نیز ایمان کا مدار توحید پر نہیں بلکہ نبوت پر ہے۔ اگر توحید سے ایمان مل جاتا تو شیطان اور سارے کفار مومن ہوتے۔ نیز دین بدلتا ہے نبوت بدلنے سے۔ تمام آسمانی دینوں میں عقیدہ توحید یکساں رہا۔ مگر نبوت کے عقیدے بدلتے رہے دین بدلتے رہے۔ لہٰذا توحید کے اقرار سے نبوت کا اقرار بہت ہی اہم ضروری ہے۔ اس لئے یہاں اتنے اہتمام سے اقرار نبوت کرایا۔ **چھٹا اعتراض:** اگر اس آیت میں انبیاء سے خطاب ہے تو **لما اتیتکم من کتب** کیسے صحیح ہوا۔ سب پیغمبروں کو کتاب نہیں ملی۔ **جواب:** یہاں کتاب سے لغوی کتاب مراد ہے۔ جس میں صحیفے بھی داخل ہیں۔ اور کتاب ملنے سے بلا واسطہ ہر طرح ملنا مراد ہے اور واقعی اس معنی سے ہر نبی کو کتاب و صحیفہ ملا کسی کو بالواسطہ اور کسی کو بلا واسطہ۔ نیز انبیاء میں اہل کتاب نبی افضل ہیں۔ اور ان کے وزراء ان کے تابع۔ افضل کا ذکر فرما کر تابعین کو اس میں داخل فرمایا گیا۔ (کبیر) **ساتواں اعتراض:** اگر اس آیت میں پیغمبروں سے خطاب ہے تو **ثم جاء کم رسول** کے کیا معنی۔ پیغمبر امت کی طرف آتے ہیں۔ نہ کہ نبیوں کی طرف۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ **جاء کم** سے مراد **جاء الی زمانکم** ہے۔ یعنی آخری رسول تمہارے زمانہ میں آئیں۔ (کبیر) دوسرے یہ کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیائے کرام کے زمانہ میں تشریف لاتے تو وہ انبیاء حضور علیہ السلام کے امتی ہوتے۔ لہٰذا آپ کا آنا امت ہی میں ہوتا۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ **مصدق لما معکم** یعنی وہ آخری پیغمبر تمہاری کتابوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ السلام تو ان کے ناسخ ہیں نہ کہ مصدق۔ **جواب:** اس کے جوابات بار بار دیئے جا

www.alahazratnetwork.org

چکے ہیں کہ نسخ تصدیق کے خلاف نہیں۔ حضور علیہ السلام نے سب کتابوں کو سچا کہا ہاں ان کے احکام باقی نہ رکھے کہ وہ اس وقت تک کے لئے تھے۔ اس کی مکمل تحقیق اس تفسیر کے پہلے پارہ نسخ کی بحث میں دیکھو۔ یا یہ مطلب ہے کہ ان کتابوں نے حضور علیہ السلام کی پیشین گوئی کی۔ حضور علیہ السلام نے دنیا میں جلوہ گری فرما کر ان سب کو سچا کر دیا۔ اگر آپ نہ آتے تو وہ کیسے سچی ہوتیں۔ جنتریاں چاند کی خبر دیتی ہیں کہ فلاں تاریخ کو ہو گا۔ چاند چمک کر سب کو سچا کر دیتا ہے۔ پچھلی کتابیں اس ماہ نبوت کی خدائی جنتریاں تھیں۔ جو اس کے چمکنے سے سچی ہو گئیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ **نواں اعتراض:** جب وہ عہد و میثاق ہمیں یاد ہی نہ رہا تو اس سے فائدہ کیا بے کار رہا۔ **جواب:** بے کار جب رہتا جب یاد دلایا بھی نہ جاتا۔ انبیائے کرام اور آسمانی کتابوں نے یاد دلا دیا۔ کافی ہو گیا۔ سرکاری محکموں میں معاہدوں کی تحریری رجسٹری اس لئے کی جاتی ہے کہ بھول جانے پر ان کے ذریعے یاد آجائے ہمیں والدہ کے شکم میں رہنا اس کا دودھ پینا' ان کے پاس پلنا' بڑھنا کچھ بھی یاد نہ رہا مگر اور دیگر لوگوں نے یاد دلا کر اس کا حق خدمت' حق مادری اور حکم میراث ثابت کر دیا۔ جب مخلوق کے یاد دلانے پر احکام جاری ہو گئے تو کیا رب تعالیٰ کے یاد دلانے پر احکام جاری نہ ہوں گے۔ **دسواں اعتراض:** رب تعالیٰ کو انبیاء کی قلبی حالت معلوم تھی کہ یہ حضرات اقراری ہیں انکاری نہیں پھر اقررتم کیوں فرمایا گیا کہ کیا تم نے اقرار کیا؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حکم اور عہد میں فرق یہ ہے کہ حکم میں مخاطب کا سن لینا کافی ہے مگر عہد میں منہ سے اقرار کرنا بھی ضروری ہے۔ اقرار کرا کے یہ بتایا کہ یہ امر نہیں ہے جس میں فقط سننا کافی ہو بلکہ عہد و میثاق ہے منہ سے کہو اقررنا۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کو سنانے کے لئے اقررنا کہلوایا گیا نہ کہ اپنے جاننے کے لئے' کبھی استاد لائق شاگرد کا امتحان لوگوں کے سامنے لیتا ہے تاکہ ان پر اس کی قابلیت ظاہر ہو۔ تیسرے یہ کہ یہاں سب کو گواہ بنانا مقصود تھا' اگر وہ حضرات اقررنا نہ کہتے تو گواہی کس چیز کی ہوتی اس لئے نکاح وغیرہ میں قبلت کہلوایا جاتا ہے۔ **گیارھواں اعتراض:** **فاشهدوا** سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء خود ہی مقر ہیں اور خود ہی شاہد یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ **وانا معكم من الشهدين** سے معلوم ہوا کہ حق تعالیٰ حاکم بھی ہے اور گواہ بھی۔ یہ بھی ناممکن ہے حاکم و گواہ اور مقر علیحدہ علیحدہ چاہئیں۔ کیونکہ ان کے احکام جداگانہ ہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ **فاشهدوا** میں ملائکہ سے خطاب ہے لہٰذا انبیاء اقراری اور فرشتے گواہ۔ دوسرے یہ کہ انبیاء سے ہی خطاب ہے مگر مطلب یہ کہ ایک دوسرے پر گواہ بن جاؤ۔ تمہارے اقرار پر وہ گواہ ان کے اقرار پر تم گواہ لہٰذا ہر ایک مقر اور ہے اور گواہ دوسرا۔ تیسرے یہ کہ تم اپنے پر گواہ بن جاؤ۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خود مقر بھی گواہ بن سکتا ہے۔ قیامت میں مجرمین کے ہاتھ پاؤں اس کے خلاف گواہی دیں گے۔ چوتھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی امتوں پر گواہ بن جاؤ یعنی دنیا میں جاؤ اور امتوں کے سامنے اس عہد کی گواہی دو یا اپنی امتوں سے اسلام کا اقرار کراؤ اور اس اقرار کے تم گواہ بنو (روح المعانی) حاکم کی گواہی معتبر ہے۔ رجسٹری تحریر و مہر عدالت حاکم گواہی تو ہے مگر یہ گواہی پر گواہی ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ: انبیائے کرام میثاق کے دن صف اول میں تھے اور دیگر لوگ باقی صفوف میں۔ لہٰذا ہر نبی کو سارے پیغمبروں کا مقام معلوم تھا۔ اس لئے ان سے دو عہد لئے گئے۔ ایک تو وہ جس کا اس آیت میں ذکر ہے کہ اے پیغمبرو تم سب صف اول میں ہو۔ تم نے ہر ایک کا درجہ و مقام معلوم کر لیا۔ خصوصاً اس صدر الوریٰ کنف الہدیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ پہچان لیا اب تم ہم سے عہد کرو کہ دنیا میں پہنچ کر ایک دوسرے کو پہچاننا اور گواہی دینا اور دوسرا عہد وہ ہے۔ جس کا ذکر اس آیت میں ہے

www.alahazratnetwork.org

واذ اخذنا من النبین میثاقهم ومنک ومن نوح یہ عہد آپس میں محبت رکھنے دین قائم کرنے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنے اور خلق کو اطاعت نبی اور عقیدۂ توحید کی طرف بلانے کا عہد تھا۔ وجہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی معرفت کی دو صورتیں ہیں۔ ایک مظاہر اور صفات اور تفصیل کی صورت میں اور دوسری تجلیات صفات اور احکام مخصوصہ کی صورت میں، پہلی معرفت میں سب یکساں ہیں۔ اور دوسری معرفت میں فرق۔ ہر ایک پیغمبر کو اس کے درجہ کے بقدر یہ معرفت عطا فرمائی گئی۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ انبیائے کرام مظہر صفات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ہیں جو کوئی اس عہد الٰہی کا جو نبیوں سے لیا گیا جان بوجھ کر انکار کرے کا وہ رب تعالیٰ کے دین سے خارج ہے جو حقیقی دین ہیں۔ باقی ادیان وہمی اور تخمینی۔ (ابن عربی)

دوسری تفسیر : سارے پیغمبر حضور علیہ السلام کے نائب ہیں اور ازل میں حضور علیہ السلام سب کی اصل۔ نائب کے لئے ضروری ہے کہ اپنی اصل کو پہچانے کہ اس کے پردے میں رہنے کے وقت اس کی نیابت میں حکومت کرے۔ اور اس کی موجودگی میں اپنے کو کم کردے۔ سارے پیغمبر ظل ہیں۔ حضور علیہ السلام اصل۔ سارے پیغمبر تیمم ہیں۔ حضور علیہ السلام وضو۔ سارے پیغمبر دریا ہیں حضور علیہ السلام سمندر۔ سارے پیغمبر چاند تارے ہیں۔ حضور علیہ السلام سورج۔ سارے پیغمبر فیض لینے والے ہیں۔ حضور علیہ السلام دینے والے۔ جہاں سمندر کا ظہور نہ ہو وہاں دریاؤں کی بادشاہت ہے۔ جب آفتاب درون پردہ ہو تو چاند تاروں کی سلطنت ہے۔ جب وضو ناممکن ہو تو تیمم کی حکومت ہے مگر سمندر میں پہنچ کر دریا گم، سورج کے نکلتے ہی تارے غائب۔ پانی کے آتے ہی تیمم برخاست۔ فرمایا گیا تھا کہ اے گروہ انبیائے تم اپنے کو بھی پہچانو اور اپنے اس سید کو بھی۔ ہم سے عہد کرو کہ اگر تم ان کا زمانہ پاؤ تو ان کے دامن نور میں تاروں کی طرح چھپ جانا اور اپنے کو ان میں ایسا گم کر دینا جیسے دریا سمندر میں پہنچ کر۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست　　مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

بولو تم اس کا اقرار کرتے ہو اگر کرو گے تو نبوت کا تاج نیابت کا تخت جو ڑ ولایت سب کچھ تمہارے لئے ہے اور اگر اس سے منہ پھیرا تو نبوت و ولایت اور عنایت کا ذکر ہی کیا کسی کو اسلام بھی نصیب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ **فاولئک هم الفسقون۔**

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں　　یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا　　تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

تجھ ہی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا　　حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

صوفیاء فرماتے ہیں کہ پچھلے پیغمبر دنیا میں آئے بھی اور چلے بھی گئے مگر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تو لیکن گئے نہیں وہ آئے اور یہاں ہی رہے کہ ان کا دین تاقیامت بلکہ بعد قیامت بھی باقی ہے اسی لئے **ثم جاء کم** فرما کر ان کے آنے کا ذکر فرمایا مگر یہ نہ کہا کہ جب وہ چلے جائیں تو تم پر ان کی اطاعت لازم نہیں۔ زمانہ نبی اور ہے اور زمانہ نبوت کچھ اور پھر دوسرے انبیائے کرام زمین میں آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں جانوں ایمانوں میں بھی آئے اس لئے **جاء کم** فرمایا **جاء فی زمانکم یا جاء فی ارضکم** نہ فرمایا قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر رسول نبی نور برہان فرمایا گیا کیونکہ حضور دنیا میں شان رسالت سے آئے اور رب کے پاس شان عبدیت سے گئے۔ حاکم دفتر میں ڈی سی بن کر آتا ہے مگر گھر میں بیٹا

www.alahazratnetwork.org

باپ بھائی بن کر جاتا ہے۔ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دفتر ہے وہ جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبیء مطلق رسول حقیقی اور مستقل صاحب شریعت ہیں۔ باقی انبیاء حضور علیہ السلام کے تابع' یہ اقرار نامہ انبیائے کرام کی نبوت کی تمہید تھا۔ جس پر سارے انعام موقوف تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو اسی اقرار پر قائم رکھے اسی پر خاتمہ نصیب فرمائے۔ وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولینا محمد و علی الہ واصحابہ برحمتہ وھو ارحم الراحمین ○

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا
کیا پس سوا دین اللہ کے تلاش کرتے ہیں وہ حالانکہ واسطے اسی کے تابع حکم ہیں وہ جو بیچ آسمانوں اور زمین کے
تو کیا اللہ کے دین کے سوا اور دین چاہتے ہیں اور اسی کے حضور گردن رکھے ہیں جو کوئی آسمانوں اور
وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ
ہیں چاہ رونا چار اور طرف اسی کے لوٹائے جائیں گے۔ فرماؤ تم ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور اس کے جو اتارا
زمین میں ہیں خوشی سے اور مجبوری سے اور اسی کی طرف پھیریں گے یوں کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ
گیا اوپر ہمارے اور اس کے جو اتارا گیا اوپر ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور بیٹوں ان کے
پر جو ہماری طرف اترا اور جو اترا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں پر اور جو
مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ
اور اس پر جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور پیغمبر طرف سے اپنے رب کے نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی کے
کچھ ملا موسیٰ اور عیسیٰ اور انبیاء کو ان کے رب سے ہم ان میں کسی پر ایمان میں فرق نہیں کرتے
وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾
ان میں سے اور ہم واسطے اس کے اطاعت کرنے والے ہیں ۞
اور ہم ہیں واسطے اس کے مسلمان ۞

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان اللہ کا دین ہے یہی سارے پیغمبروں اور ان کی امتوں کا دین تھا۔ اور اس دین کی ابتداء میثاق کے دن سے پڑی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اسلام کے سوا جو دین ہے وہ غیر خدا کا ہے' شیطان کا ہو یا نفس امارہ کا گویا پچھلی آیت میں اسلام کی حقانیت کا ذکر تھا اور اب غیر اسلام کے بطلان کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں معلوم ہوا تھا کہ میثاق کے دن سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اب فرمایا جارہا ہے کہ اب بھی سب کی پناہ حضور علیہ السلام ہی میں۔ مگر کوئی تو

www.alahazratnetwork.org

بخوشی انہیں مان لیتا ہے اور کوئی مجبوراً زندگی یا موت کے وقت انہیں مانے گا۔ غرضیکہ انتہا ابتداء کے موافق ہے اگرچہ درمیان میں کچھ فرق ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کے مصداق ہیں اب قل اٰمنا باللہ میں اس تصدیق کا اظہار ہے کہ حضور علیہ السلام سے سارے پیغمبروں کی حقانیت کا اعلان کرایا گیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے حضرت انبیاء کرام سے فرمایا تھا کہ جو کوئی نبی آخر الزمان کی اطاعت سے منہ موڑے گا وہ فاسق ہو گا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ محمد مصطفیٰ کی اتباع عین دین ہے اور دین سے نکل جانے والا فاسق ہی ہوتا ہے کہ گویا حکم پہلے بیان ہوا وجہ حکم اب بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول: ایک دفعہ اہل کتاب کے دو گروہ آپس میں جھگڑتے ہوئے حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے فیصلہ چاہا۔ ہر ایک کا دعوٰی یہ تھا کہ ہمارا دین' دین ابراہیمی سے قریب تر ہے حضور علیہ السلام نے فیصلہ فرمایا کہ تم دونوں (یہود و عیسائی) دین ابراہیمی سے دور ہو۔ اس سے تمہیں کوئی تعلق نہیں۔ کیونکہ تمہارے عقائد و اعمال ان کے عقائد و اعمال سے بالکل مختلف ہیں۔ جس پر وہ بولے کہ نہ ہم آپکے فیصلے سے راضی ہیں اور نہ ہم آپ کا دین اختیار کریں۔ تب یہ آیت کریمہ **افغیر اللہ** اتری۔ (کبیر و خازن و معانی)

تفسیر: **افغیر دین اللہ یبغون** ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور ف عاطفہ یا تو یہ جملہ پچھلی شرط و جزا **فمن تولی** پر معطوف ہے اور انشاء کا عطف خبر پر جائز یا پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **ایتولون افغیر دین اللہ یبغون** (معانی) **غیر یبغون** کا مفعول ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ **یبغون** بغی سے بنا بمعنی تلاش کرنا اور میانہ روی سے تجاوز چاہنا۔ **دین اللہ** سے اسلام مراد ہے۔ جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا تھا اس لئے اب صرف اسلام ہی دین اللہ ہے یا دین اللہ سے اللہ کا اصل دین مراد ہے کیونکہ پچھلے ادیان اللہ کے دین تھے مگر عارضی قابل نسخ اور ضروریات وقت کے لحاظ سے۔ اور اسلام حقیقی باقی دائمی دین ہے۔ خیال رہے کہ دین اللہ میں اضافت لام کی ہے۔ یعنی اللہ کا پسندیدہ دین۔ چونکہ اسلام میں میانہ روی ہے اور باقی ادیان میں افراط و تفریط۔ اس لئے یہاں **یبغون** فرمایا گیا نہ کہ **یطلب** ونحو غیرہ **یبغون** کا فاعل سارے اہل کتاب ہیں یعنی کیا یہ یہود و عیسائی اللہ کا پسندیدہ دین اسلام چھوڑ کر اور دینوں ہی کو تلاش کرتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین اللہ ہیں کہ آپ کا ماننا عین دین ہے اس میں توحید رسالت حشر و نشر سب کا ماننا آ جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے حالات شریعت ہیں۔ دل مبارک کے حالات طریقت' روح پاک کے حالات حقیقت' سر شریف کے حالات معرفت انہیں چار چیزوں یعنی شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت کا نام دین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین اللہ **ولہ اسلم من فی السموت والارض** واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ گزشتہ انکار کا حال موکدہ۔ **لہ** اسلم کا متعلق ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ **ہ** کا مرجع حق تعالیٰ ہے **اسلم** اسلام سے بنا بمعنی استسلام و اطاعت فرمانبرداری۔ غالباً یہاں یہ وسیع معنی مراد ہیں کیونکہ اس میں بہت گنجائش ہے آسمانی چیزوں سے فرشتے' حور' غلمان' بلکہ چاند تارے' سورج وغیرہ سب مراد ہیں اور زمین کی چیزوں سے انسان' جنات' چرند' پرند وغیرہ ساری مخلوق مراد۔ کیونکہ ہوا میں رہنے والی چیزیں در حقیقت زمین کی چیزیں ہیں کہ ہوا زمین پر ہے اور وہ پرندے ہوا میں یا سارے پرندے رات کو زمین پر ہی بسیرا

www.alahazratnetwork.org

لیتے ہیں۔ من عقل والی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے چونکہ عاقلین غیر عاقل سے افضل تھے اس لئے من ارشاد ہوا۔ غیر عاقلوں کو ان کا تابع فرما کر اس من میں داخل کر دیا گیا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ماسوی اللہ کا اسلام یہ ہے کہ ہر چیز ممکن ہے اور رب واجب۔ ہر چیز مجبور ہے اور وہ قادر۔ ہر شی محتاج ہے اور وہ مختار۔ لہٰذا سب اس کے حضور گردن جھکائے ہیں۔ جو بنا اس کے بنانے سے بنا۔ اور جو فنا ہو گا اس کے فنا کرنے سے فنا ہو گا۔ اس صورت میں سب کا اسلام یکساں ہے اور ممکن ہے کہ اسلام سے مراد دین اسلام ہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ماسوی اللہ کے نبی ہیں لہٰذا ہر چیز آپ کی امتی۔ اس صورت میں ہر مخلوق کا اسلام واحکام اس کے لائق۔ فرشتوں کی عبادت اور ہے انسانوں کی کچھ اور۔ جانوروں اور چاند تاروں کی کچھ اور۔ دیکھو انسانوں میں بھی غریب و امیر شاہ وزیر' عورت و مرد کے احکام میں بہت فرق ہے۔ **طوعا" و کرھا" طوعا"** **طاع یطوع** کا مصدر ہے۔ یعنی رضا و رغبت و اختیار جیسے اطاعت اطاع یطیع کا مصدر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ طوع اور اطاعت ہم معنی ہیں۔ یعنی فرمانبرداری۔ بعض کے خیال میں طوع فرمانبرداری ہے اور اطاعت بمعنی حکم جاری کرنا اور مطاوعت بمعنی موافقت۔ طاع فرمانبرداری کی۔ اس کا حکم اپنے پر جاری کیا۔ اور طاوعہ اس کی موافقت کی (روح المعانی) مگر پہلی بات صحیح ہے **کرھا** طوعا کی ضد ہے بمعنی بے رغبتی ناراضی اور مجبوری۔ یہاں یہ دونوں مصدر بمعنی اسم فاعل ہیں اور من کا حال اور **طائعین** اور **کارھین** بمعنی چاروناچار یا بخوشی و مجبوری' راضی ہو کر یا ناراض ہو کر۔ اس طوعا اور کرھا میں چند احتمال ہیں۔ (1) خوشی کا اسلام وہ ہے جو دلائل و علم سے حاصل ہو۔ جیسے مومنین اور ملائکہ کا ایمان۔ مجبوری اسلام وہ ہے جو تلوار یا دنیوی خوف یا نزع کا عذاب دیکھ کر حاصل ہو جیسے کفار کا ایمان کر مرتے وقت سب مومن ہو جاتے ہیں۔ (معانی) (2) الوہیت کا عقیدہ طوعا" اسلام ہے۔ جس کے کفار بھی معتقد تھے اور تکلیف وہ احکام کی اطاعت کرہا" اسلام (کبیر)۔ (3) میثاق کے وقت کا ایمان کرھا" تھا اور دنیا میں شرعی اسلام قبول کرنا طوعا" ہے (کبیر)۔ (4) امام حسن فرماتے ہیں کہ آسمان والوں کا اسلام طوعا" یعنی خوشی سے ہے اور زمین والوں کا اسلام بعض کا طوعا" اور بعض کا مجبورا ہے (کبیر)۔ (5) آسمان و زمین کا اسلام خوشی سے ہے مگر زمین والوں کا اسلام بعض کا خوشی سے بعض کا مجبورا رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقال لها وللارض ائتنا طوعا" و کرها" قالتا اتینا طائعین** (کبیر)۔ (6) اسلام سے مراد ارادہ الٰہی کا اتباع ہے اور اس کے قضاء و قدر کے احکام قبول کرنا۔ جیسے بیماری فقیری موت وغیرہ مسلمان راضی برضا ہے اور ہر چیز کو خوشی سے قبول کرتا ہے لہٰذا وہ بخوشی مسلم ہے کافر کو مجبورا قانون قدرت برداشت کرنا پڑتے ہیں لہٰذا وہ مجبوری مسلم۔ صوفیائے کرام اس طوع و کرہ کے کچھ اور ہی معنی کرتے ہیں۔ جس کا ذکر انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں ہو گا۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ **الست بربکم** کے جواب میں سب نے بلیٰ کہا تھا مگر نیک بختوں نے بخوشی۔ لہٰذا انہوں نے فائدہ اٹھایا اور بدبختوں نے مجبورا اسی لئے وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکے۔ اس آیت میں اسی واقعہ کا ذکر ہے یعنی اللہ ہی کے مطیع فرمانبردار ہیں۔ تمام آسمان و زمین کی چیزیں خوشی یا ناخوشی سے یا آسمان زمین کی ساری چیزیں اللہ کے لئے اسلام لائے اور سب مومن ہو گئے مگر بعض خوشی سے اور بعض مجبورا خوشی والا اسلام فائدہ مند ہے اور ناخوشی والا بے فائدہ۔ **یرجعون** کا نائب فاعل یا اہل کتاب ہیں یا سارے انسان یا آسمان و زمین کی ساری چیزیں اور یہی ظاہر ہے لہٰذا اس کا مرجع **من فی السموات** ہے۔ یعنی سب رب تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جائیں گے۔ خیال رہے کہ یہاں رب کی طرف لوٹنے سے یا تو اس کے دین کی طرف لوٹنا مراد ہے یا اس کی سزا جزا کی طرف۔ ورنہ رب تعالیٰ جگہ سے پاک ہے اور امنا جمع فرما کر یہ بتایا گیا کہ ہم ایمان لائے ہیں۔ اکیلے نہیں بلکہ جماعت مومنین کے

www.alahazratnetwork.org

ساتھ۔ وہی عقیدے ہم نے اختیار کیے ہیں جو تمام امت کے ہیں ایمان وہ دھاگہ ہے جو گھاس کو پھولوں کے ساتھ باندھ دیتا ہے۔ **قل امنا باللہ وما انزل علینا** ظاہر یہ ہے کہ قل میں حضور علیہ السلام سے خطاب ہے اور امنا اور علینا کی ضمیریں بھی حضوری کے لئے ہیں۔ تعظیم کے لئے جمع فرمایا گیا۔ (معانی) اور ممکن ہے کہ قل میں ہر قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہو۔ پچھلی آیت میں گزشتہ آسمانی دینوں کو غیر دین اللہ فرمایا گیا تھا جس سے شبہ ہوتا تھا کہ گزشتہ دینوں کی طرح گزشتہ نبیوں کو ماننا بھی ممنوع ہوگا۔ نیز پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ یہود و نصاریٰ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے کہ آپ بنی اسرائیل سے نہیں ان کی تردید کے لئے ارشاد ہوا۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے کہ آپ بنی اسرائیل سے نہیں ان کی تردید کے لئے ارشاد ہوا۔ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ قل میں خطاب حضور علیہ السلام سے ہے لیکن امنا سے سارے مسلمان مراد گویا حضور علیہ اسلام سے فرمایا گیا کہ آپ اپنی طرف سے **اصالتاً** اور اپنی امت کی طرف سے وکالتہ" فرمادیں کہ ہم سب ایمان لائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قل میں چار احتمال ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ آپ یہود و نصاریٰ سے ان کے جواب میں فرمادیں کہ تم بنی اسمٰعیل کے نبی پر ایمان نہیں لائے مگر ہم بنی اسرائیل کے انبیاء پر ایمان لاتے ہیں تم نسب پرست ہو۔ ہم خدا پرست ہیں۔ دوسرے یہ کہ اے محبوب آپ تاقیامت مسلمانوں سے فرمادیں تاکہ انہیں مومن بننا آجائے۔ تیسرے یہ کہ اے قرآن پڑھنے والے تجدید ایمان کرتے ہوئے یہ کہا کرتا کہ تیرے دل کی صفائی ہوتی رہے۔ گھر میں جھاڑو لگتی رہے تو اچھا۔ چوتھے یہ کہ اے مسلمان لوگوں سے یہ کہا کرتا کہ تیرے ایمان کا اعلان ہوتا رہے۔ چونکہ اللہ کا ماننا سب سے مقدم تھا اس لئے پہلے اس کو بیان کیا اور ما انزل میں ما سے مراد یا قرآن شریف ہے یا سارے وحی الہام۔ اگر علینا سے حضور علیہ اسلام مراد ہیں۔ تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں اور اگر امت مراد ہے تو چونکہ نبی پر کلام کا آنا امت پر آنا ہے اس لئے علینا فرمادیا گیا۔ چونکہ قرآن پاک نے ہی سارے پیغمبروں اور کتابوں کا پتہ دیا اور ہم نے اس کو اسی کی رہبری سے مانا لہٰذا قرآن کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اور دیگر کتب کا بعد میں **وما انزل علی ابراھیم و اسمعیل واسحاق ویعقوب والاسباط** یہ پہلے ما انزل پر معطوف ہے اور اس ما سے یا تو صحیفے مراد ہیں یا ان حضرات کی ساری وحی۔ چونکہ اہل کتاب ان حضرات کو بالاتفاق مانتے تھے اور ان کی نبوت کے معتقد تھے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا ورنہ **والنبیون** میں یہ سب داخل تھے۔ ابراہیم، اسمٰعیل، اسحاق اور یعقوب کے لفظی معنی اور ان حضرات کے تاریخی واقعات پہلے پارے میں بیان کرچکے۔ اسباط کے معنی بھی ہم نے پہلے پارہ میں بیان کئے کہ یہ سبط کی جمع ہے بمعنی شاخوں والا درخت۔ اصطلاح میں خاندان اور قبیلہ کو سبط کہتے ہیں بلکہ نسل کی اصل اور قبیلہ کے جد امجد کو بھی سبط کہا جاتا ہے۔ اس لئے امام حسن و حسین کو سبطین کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسباط یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو کہا جاتا ہے۔ جن میں سے یوسف علیہ السلام کی نبوت قطعی اور یقینی ہے جس کا انکار کفر ہے اور دیگر گیارہ کی نبوت میں اختلاف ہے جو ان کی نبوت کے قائل ہیں ان کے نزدیک بلاواسطہ ان پر صحیفے آئے اور جو ان کی نبوت کے منکر ہیں ان کے نزدیک اسباط پر صحیفوں کا آنا ایسا ہے جیسے ہم مسلمانوں پر قرآن اترنا۔ یعنی ہم اس پر بھی ایمان لائے جو حضرت ابراہیم اسمٰعیل اسحاق اور یعقوب علیہم السلام اور بیٹوں پر اترا **وما اوتی موسیٰ و عیسیٰ والنبیون من ربھم** یہ واؤ بھی عاطفہ ہے اور ما پچھلے ما پر معطوف اس ما سے ان پیغمبروں کی کتابیں اور ان کے معجزات عصا وغیرہ مراد ہیں۔ چونکہ حضرت موسیٰ پہلے صاحب کتاب پیغمبر ہیں اور حضرت عیسیٰ بنی اسرائیل

www.alahazratnetwork.org

کے خاتم النبین۔ اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر کیا گیا یہاں تک تفصیل تھی اس کے بعد اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ **والنبیون** یعنی ہمارا ایمان ان پر ہی محدود نہیں بلکہ رب کے جتنے پیغمبر ہیں۔ انہیں جو کچھ رب کی طرف سے ملا ہمارا سب پر ایمان۔

نوٹ: یہ آیت **مصدق لما معکم** کی تفصیل ہے کہ حضور علیہ السلام نے سارے پیغمبروں کی تصدیق کی **لا نفرق بین احد منھم** اس میں اہل کتاب پر طعن ہے کہ وہ بعض پیغمبروں پر ایمان لاتے تھے بعض پر نہیں لا نفرق کے معنی ہم سورہ بقر کے آخر میں تفصیل میں بتا چکے ہیں کہ فرق کرنے سے یا تو ایمان میں فرق کرنے مراد ہے کہ بعض کو مانے بعض کو نہ مانے یا اپنی طرف سے فرق کرنا مراد کہ محض اپنی رائے سے ان کے مراتب مقرر کرلئے یا اس طرح فرق کرنا جس سے بعض حضرات کی توہین ہو جائے یعنی ہم پیغمبروں میں سے کسی میں ایمان میں فرق نہیں کرتے اور کیوں کریں۔ ہمارا حال تو یہ ہے کہ **ونحن لہ مسلمون لہ** کی تقدیم سے حصر کا فائدہ ہے اور **مسلمون** بمعنی مستسلمون ہے یعنی ہم صرف اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں اور سارے پیغمبر اس کے نبی۔ لہٰذا ہم سب کے معتقد۔ تم لوگ نفس کے تابع ہو۔ جس کی نبوت نفس نے مانی۔ اس کو تم نے مان لیا۔ باقی کا انکار کر دیا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ سارے ادیان والے اپنے کو مومن تو کہتے تھے۔ مسلم نہ کہتے تھے۔ مسلمانوں سے **ونحن لہ مسلمون** کہلوا کر انہیں سب سے ممتاز کر دیا۔

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب عقلاً و نقلاً ہر طرح معلوم ہو چکا اور ان کی کتابوں نے بھی گواہی دے دی کہ صرف اسلام ہی اللہ کا پسندیدہ دین ہے اور اس کے سوا سارے دین یا شیطانی ہیں یا نفسانی تو یہ اہل کتاب جان بوجھ کر غیر اللہ کا دین تلاش کرتے ہیں۔ حالانکہ آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں قانون فطرت میں رب تعالیٰ کی فرمانبردار ہیں۔ رضا و رغبت سے ہوں یا ناراضی سے کہ مسلمان رب کی ہر چیز پر خوش ہے اور کافر ناخوش۔ یا آسمان زمین کی ساری چیزیں آخر کار اسلام میں داخل ہیں خوش ہو کر یا ناخوش کہ کفار نزع کے وقت ایمان لے آتے ہیں اور باقی چیزیں پہلے ہی سے مومن ہیں۔ سب کو رب تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ پھر یہ اس کی مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ آپ اعلان فرما دو کہ ہم مع اپنی مسلمان جماعت کے اللہ اور اس قرآن پر ایمان لے آئے جو ہم پر اترا نیز ان تمام کتابوں اور صحیفوں پر ایمان لے آئے جو حضرات ابراہیم و اسماعیل و اسحاق و یعقوب اور اولاد یعقوب پر اتریں (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اور اس پر بھی ہمارا ایمان ہے جو حضرت موسیٰ و عیسیٰ اور سارے نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے ملیں۔ ہم انبیاء کرام کے درمیان تمہاری طرح ایمان میں فرق نہیں کرتے کہ بعض کو مانیں اور بعض کا انکار کریں۔ بلکہ سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اور کیوں نہ لائیں ہم تو رب تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ نہ اپنے نفس کے۔ جب رب تعالیٰ نے ان سب کو نبوت سے سرفراز فرمایا۔ پھر بعض کے نہ ماننے کے کیا معنی لہٰذا ہم سارے رسولوں ساری کتابوں اور سارے صحیفوں اور انبیائے کرام کے سارے معجزات پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہی اسلام کی حقیقت ہے اور اسی پر نجات کا مدار۔ خیال رہے کہ ہمارا ایمان قرآن شریف پر بھی ہے اور پچھلی ساری آسمانی کتابوں پر بھی۔ مگر فرق یہ ہے کہ قرآن کریم پر ایمان بھی ہے اور عمل بھی پچھلی کتابوں پر ایمان ہے عمل نہیں کہ وہ سب منسوخ شدہ ہیں اس طرح ہمارا ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ہے اور پچھلے تمام رسولوں پر بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہمارا ایمان بھی ہے اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی بھی ہیں۔ پچھلے انبیاء کرام پر ایمان تو ہے۔ مگر ہم ان کی امت نہیں۔ اس لئے کلمہ میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی نام پڑھتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ اس لئے ما انزل میں فرق فرمایا گیا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: رب تعالیٰ کا پسندیدہ دین صرف اسلام ہے باقی سارے ادیان مردود ہیں ان میں رہ کر کوئی عبادت قبول نہیں۔ جیسا کہ دین اللہ سے معلوم ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ ان الدین عند اللہ الاسلام اسلام ہی وہ دین ہے جس سے ہر قوم ہر زمانہ میں ہر طرح فائدہ اٹھا سکتی ہے کسی دین میں یہ خوبی نہیں اسلام کے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) اول نبی بھی ہیں اور اخیری بھی کہ اگلوں نے آپ کی بشارتیں دیں اور آپ نے ان سب کی تصدیق فرمائی۔ دوسرا فائدہ: اگرچہ بعض لوگ شرعی قوانین کی مخالفت کریں۔ مگر فطری قانون کے سب پابند ہیں موت 'زندگی' بیماری 'تندرستی' فقیری اور مالداری سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور سب کو یہ چیزیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ اس طرح زندگی میں اگرچہ بعض لوگ اسلام قبول نہ کریں مگر مرتے وقت بلکہ مصیبتوں میں سب کو اسلام کی پناہ پکڑنی پڑتی ہے فرعون بھی ڈوبتے ہوئے کہہ گیا۔ امنت به بنو اسرائیل لیکن اس وقت کا ایمان معتبر نہیں۔ بلکہ اب تو تعلیم یافتہ قومیں آہستہ آہستہ اسلامی قوانین کی طرف مائل ہو رہی ہیں۔ آریوں میں چند بیویاں رکھنے کا مسئلہ زیر غور ہے۔ ہندوؤں نے کوشش کی ہے کہ ان کے دھرم میں طلاق کا قانون جاری ہو جائے۔ بعض سمجھدار عیسائی پردے پر بہت زور دے رہے ہیں اور اس کی پناہ میں آ رہے ہیں۔ یہ ہے کرھا" اسلام۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر عرشی و فرشی کے پیغمبر ہیں۔ جیسا کہ اسلم من فی السموت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ کیونکہ وہ سب مسلمان ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کے نبی۔ بلبل کے میرے نبی۔ پھول پکارتا ہے میرے نبی۔ چاند سورج کہتے ہیں ہماری نبی۔ جن و انس کہتے ہیں ہمارے نبی۔ لوح و قلم کہتے ہیں ہمارے نبی اور رب تعالیٰ فرماتا ہے میرا نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) غرض خدا کے نبی ہیں۔ خدا کے نبی۔ خالق کے نبی' مخلوق کے نبی' بحر و بر شجر و حجر' خشک و تر' شمس و قمر' شام و سحر سب کے نبی ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چوتھا فائدہ: اکثر نفلی نیکیاں چھپا کر کرنا بہتر مگر فرائض و عقائد کا اظہار ضروری جیسا کہ قل امنا باللہ سے معلوم ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ اپنا دین سب پر ظاہر کرے تاکہ بعد موت دشواری واقع نہ ہو کبھی مردہ پہچان میں نہیں آتا کہ مسلمان ہے یا ہندو۔ اس پر نماز پڑھیں یا نہ خصوصاً" فی زمانہ فیشن ایبل لوگ کہ ان کا ختنہ دیکھ کر کام نکالنا پڑتا ہے۔ پانچواں فائدہ: ہر واعظ مبلغ کو ضروری ہے کہ جو کچھ کہے خود بھی اس پر عمل کرے تاکہ کسی کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے۔ یہ بھی امنا باللہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے جہاں مسلمانوں کو تبلیغ اسلام کا حکم دیا وہاں یہ بھی فرمایا کہ اپنے ایمان کا اعلان کردو۔ چھٹا فائدہ: حسد گناہوں کی جڑ ہے۔ علماء بنی اسرائیل اس عہد و میثاق سے باخبر تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ اسلام کی مخالفت دائمی عذاب کا سبب ہے مگر محض حسد سے مسلمان نہ ہوئے۔ شیطان جانتا تھا کہ آدم علیہ السلام رب تعالیٰ کے خلیفہ ہیں۔ اسے یہ بھی خبر تھی کہ رب تعالیٰ ہی نے انہیں سجدہ کرنے کا حکم دیا وہ اس سے بھی باخبر تھا کہ حکم الٰہی کی اطاعت واجب ہے۔ اسے یہ بھی پتہ تھا کہ رب تعالیٰ کی مخالفت مردود ازلی بنا دیتی ہے مگر اس نے حسد سے کبھی بات کی پروا نہ کی۔ درحقیقت حاسد شیطان کا پیرو ہے جیسا کہ افغیر دین اللہ کے استفہام تعجب سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: نبوت منسوخ نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ نبی کی شریعت منسوخ ہو جائے جیسا کہ بما انزل علی ابراھیم سے معلوم ہوا کہ ان انبیاء کے دین منسوخ مگر ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جن لوگوں نے نبوت کو منسوخ مانا ان کی مراد نبوت کے احکام ہیں۔ کیونکہ نبی اپنے مراتب و درجات سے کبھی معزول نہیں ہوتے۔ ہاں بعد نسخ ان کے

www.alahazratnetwork.org

احکام کی تبلیغ بند ہو جاتی ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مراتب بھی قائم اور تبلیغ بھی باقی۔ **آٹھواں فائدہ:** تبرائی روافض کافر ہیں جیسا کہ و نحن لہ مسلمون سے معلوم ہوا کیونکہ یہاں سارے پیغمبروں کو ماننا اور ان میں فرق نہ کرنا علامت اسلام قرار دی گئی۔ جب سارے پیغمبر رب تعالیٰ کے ہیں تو بعض کے نہ ماننے کی وجہ کیا۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے سارے صحابہ اور اہل بیت کو ماننا علامت اسلام ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے تھے تو ان کی بیویاں ساری اولاد' سارے ساتھی جن کے درجات قرآن کریم سے ثابت ہیں سچے کیوں نہ ہوں۔ **نواں فائدہ:** حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں۔ کیونکہ یہاں امنا انزل اور اوتی سارے صیغے ماضی کے فرمائے گئے۔ معلوم ہوا کہ سارے رسول اور ان کی کتابیں آچکیں اگر کوئی اور نبی آنے والا ہوتا تو یہاں مستقبل کا صیغہ بھی فرمایا جاتا۔ (کبیر)۔

پہلا اعتراض: دین و اسلام و ایمان میں فرق کیا ہے؟ یہاں دین کو تو اللہ کی طرف نسبت دیا گیا اور اسلام کو آسمانی و زمینی مخلوق کی طرف کہ فرمایا گیا۔ اسلم من فی السموت والارض اور ایمان کی صرف مسلمانوں کی طرف قل امنا باللہ اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** ان میں چند لحاظ سے فرق ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ مجموعہ سچے عقائد اللہ کا دین ہے اور ان عقائد کا مان لینا ایمان اور اسکا اظہار و اقرار اسلام اور بھی بہت سے فرق ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** عقائد کا مسئلہ ہے کہ جبرا مشاہدہ کا اسلام معتبر نہیں۔ اسی لئے نزع والا ایمان مفید نہیں ہوتا۔ اور منافقین مسلمان نہیں کیونکہ مجبوراً ایمان لائے پھر یہاں رب تعالیٰ نے ان کی تعریف کیوں فرمائی کہ فرمایا طوعا" و کرھا" مجبوراً اسلام کا تو ذکر بھی نہ چاہئے تھا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں اسلام سے احکام قضا و قدر کی اطاعت مراد ہے نہ کہ شرعی اسلام اور اس سے کفار کی برائی کرنا مقصود ہے کہ یہ جب احکام قضا و قدر میں رب تعالیٰ کے مطیع ہیں اور اس کا ہر فیصلہ مانتے ہیں تو اس کے شرعی احکام کیوں نہیں مانتے۔ سلطان کے بعض قوانین ماننا بعض نہ ماننا بغاوت ہے۔ خیال رہے کہ ارادہ الٰہی کی مخالفت ناممکن ہے۔ امر الٰہی کی مخالفت ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے۔ لاکھوں آدمی نماز نہیں پڑھتے۔ دوسرے یہ کہ یہاں اسلام سے شرعی اسلام مراد ہو تب بھی اس سے کفار کی حماقت بیان کرنا مقصود ہے کہ آخر کار انہیں پٹ کٹ کر اسلام لانا ہی ہے تو ابھی بخوشی مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے پھر پٹیں گے بھی اور وہ اسلام معتبر بھی نہ ہوگا۔ **تیسرا اعتراض:** کیا یہ ممکن ہے کہ رب اپنے ارادے کے خلاف حکم دے کہ ابوجہل کے کفر کا ارادہ کرے اور اسے ایمان کا حکم فرمائے۔ **جواب:** ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے دنیا کے سارے کام اس کے ارادے کے موافق ہیں اور صدہا کام حکم کے خلاف۔ قتل' خونریزی اور کفر وغیرہ حکم کے مخالف ہیں اور ارادے کے موافق۔ دن رات ہم بھی اپنی رضا و ارادے کے خلاف حکم دیا کرتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** قرآن کریم دیگر کتابوں سے پیچھے آیا۔ تو یہاں اس کا ذکر پہلے کیوں کیا گیا کہ وما انزل علینا وما انزل علی ابراھیم **جواب:** اگرچہ قرآن نزول میں پیچھے ہے لیکن ہمارے ایمان میں پہلے کہ ہم نے پہلے اسے مانا۔ پھر اس کی راہبری سے دیگر کتب کو گویا راہبر کا ذکر پہلے ہوا۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ کلمہ طیبہ میں پہلے محمد رسول اللہ ہونا چاہئے تھا اور پھر لا الہ الا اللہ کیونکہ حضور علیہ السلام کی راہبری سے ہمیں توحید ملی۔ مگر منشاء الٰہی یہ تھا کہ پہلے ذکر الٰہی رب کے نام سے انسان کا منہ پاک و صاف کر دیا جائے تاکہ اس پاک و ستھرے منہ سے سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے اس نام پاک کے لئے ذکر اللہ کی پاکی چاہئے۔

www.alahazratnetwork.org

ہزار بار بشویم دہن ز مشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

چھٹا اعتراض: یہاں انزل علینا فرمایا گیا اور سورہ بقر میں انزل علیک فرمایا گیا تھا۔ اس علی اور الی کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** وحی آسمان سے آتی ہے اور نبی تک آتی ہے ابتداء کے لحاظ سے علی فرمایا جاتا ہے اور انتہا کے لحاظ سے الی۔ ان میں اعتباری فرق ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ رسول کے لئے الی فرمایا جاتا ہے۔ **بما انزل الیک** اور امت کے لئے علی کیونکہ امت تک رسول کے ذریعہ وحی پہنچتی ہے گویا امت وحی کی انتہا ہے۔ مگر یہ غلط ہے یہاں خود موجود ہے۔ **انزل علی ابراھیم** اور وہاں تھا۔ **بما انزل الیک** (از کبیر و معانی)۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا و دین دونوں کا مدار اثبات و نفی پر ہے۔ مفید چیزیں اختیار کرنا مضر غذاؤں وغیرہ سے بچنے پر جسمانی زندگی قائم ہے یونہی نیک اعمال کرنے گناہوں سے بچنے کا نام تقویٰ ہے اسی طرح **لاالہ** نفی اور **الا اللہ** اثبات سے توحید قائم ہے۔ یوں ہی حضرات انبیاء کرام کے متعلق اثبات و نفی سے عقیدۂ رسالت برقرار ہے **امنا باللہ** میں اثبات تھا اور **لانفرق بین احد** میں نفی۔ اس ایک کلمہ **لانفرق** نے رسالت کے متعلق نفی مکمل طور پر بیان فرمادی۔ تفریق بین الانبیاء کی چار صورتیں ہیں تین تو کفر ہیں ایک ایمان ایمان لانے میں فرق کرنا کہ بعض کو ماننا بعض کو نہ ماننا کسی کی ایسی بزرگی ماننا کہ دوسروں کی اہانت ہوجائے۔ اپنی طرف سے فرق مراتب کرنا یہ سب سخت جرم ہے۔ رب کے مختلف مراتب ماننا یہ عین ایمان ہے۔ جیسے زمین کے طبقے زمانہ کی ساعتیں مہینے کعبہ معظمہ کے ارکان۔ قرآن کریم کی سورتیں آیتیں یکساں نہیں۔ تو حضرات انبیاء کرام کے مراتب یکساں کیسے ہوں گے۔ ان میں کوئی کلیم اللہ ہے کوئی روح اللہ کوئی حبیب اللہ مگر ایمان سب پر ہے۔ ایسے ہی حضرات اولیاء اللہ بلکہ حضرات صحابہ کے درجات مختلف ہیں مگر ہمارا ایمان سب پر ہے۔ شیطان اور انسان کے ساری چیزیں بخوشی مسلم ہیں۔ اور انسان و شیطان مجبوراً مطیع۔ کیونکہ ان دونوں کے سوا کسی میں کفر کی گنجائش ہی نہیں۔ سب رب تعالیٰ کے مطیع ہیں۔ انسان اپنے ارادے کے حجاب اور عہد الٰہی کے بھول جانے کی وجہ سے کفر کے قابل ہوا۔ اور شیطان ظلمت نفسانی اور فخر و انانیت و تکبر کی وجہ سے کافر ہوا۔ مگر لطف یہ ہے کہ وہ خود بھی اپنے کو کافر جانتا ہے۔ اور کافر جاننا ایمان ہے۔ نیز اس کا عقیدہ ہے کہ میری گمراہی رب تعالیٰ کے ارادے سے ہے **رب بما اغویتنی**۔ رب تعالیٰ کا خوف ملائکہ کی دہشت اپنے جہنمی ہونے کا یقین یہ ایمانی عقیدے ہیں۔ خود رب تعالیٰ نے شیطان کا کلام نقل فرمایا۔ **انی اخاف اللہ شدید العقاب** دوسری جگہ فرمایا۔ **وما کان لی علیکم من سلطن**۔ ایک جگہ فرمایا **انی کفرت بما اشرکتمون من قبل** ان تمام آیتوں سے شیطان کا ایمان معلوم ہوتا ہے کہ وہ درست عقیدے رکھتا ہے مگر غیر نافع اس لئے فرمایا گیا "طوعا" "وکرھا" جب مجبوری ایمان شیطان کیلئے ثابت ہے تو اس کے مطیع انسانوں کے لئے بدرجہ اولی ثابت۔ (ابن عربی) صوفیائے کرام کے نزدیک بغیر مقابلہ ء نفس رب تعالیٰ کی اطاعت اور بغیر حجاب انانیت رب تعالیٰ کا ماننا خوشی کا اسلام ہے۔ جیسے ملائکہ اور مقبول انسانوں کا ایمان اور وساوس نفس حجاب انانیت شیطانی شبہات کے باوجود رب تعالیٰ کی اطاعت مجبوری اسلام۔ جیسا ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ایمان۔ اللہ والوں کے نزدیک کفار دوسری قسم کے مومن ہیں کہ اگرچہ وہ رب تعالیٰ کو خالق رازق مانتے ہیں مگر نفسانی حجابوں میں رہ کر۔ ان کے حق میں فرمایا گیا۔ **وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون** ابن جریر نے ابو العالیہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ جو کوئی حق تعالیٰ کی ربوبیت اور اپنی بندگی کا زبانی اقرار کرے لیکن اس کی عبادتیں ریا سے خالی نہ ہوں۔ اس کا اسلام

www.alahazratnetwork.org

بھی مجبوراً ہے۔ طوعی اسلام اس کا ہے جس کا عقیدہ بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہو اور عمل بھی۔ صوفیائے کرام کے نزدیک عالم ارواح۔ عالم نفوس، عالم ملک، عالم ملکوت کی تمام چیزیں اپنے اختیار و شعور سے مسلم ہیں۔ لہٰذا ان کے اسلام طوعی ہے مگر چونکہ انسیں اپنے ایمان اور ایمانیات کی حقیقت سے بے خبری ہے پھر بے خبری سے بھی بے خبری۔ اس لحاظ سے وہ ایمان مجبوری ہے (روح المعانی) امام شاذلی فرماتے ہیں کہ اطاعت بغیر فنا اسلام طوعی ہے اور اطاعت مع الفنا اسلام کرھی۔ جس کو رب تعالیٰ نے اطاعت فنا عطا فرمائی۔ اس پر ظاہری و باطنی نعمتیں مکمل فرمادیں کسی نے ابراہیم ادھم سے کہا کہ آپ وعظ کہو۔ فرمایا میں چار فکروں میں گرفتار ہوں۔ اس لئے کوئی مضمون ذہن میں نہیں آتا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ کیا فکر ہیں۔ فرمایا میثاق کے دن روحوں کے دو حصے کئے گئے۔ ایک کیلئے فرمایا گیا یہ جنتی ہیں۔ دوسرے کے لئے فرمایا گیا یہ جنمی ہیں مجھے خبر نہیں کہ میں کس گروہ میں تھا۔ دوسرے یہ کہ کاتب تقدیر فرشتہ ماں کے پیٹ میں بچوں کی نیک بختی لکھ جاتا ہے مجھے خبر نہیں کہ میرے متعلق قلم کیا چل گیا ہے، بدنصیبی کا یا خوش نصیبی کا۔ تیسرے یہ کہ جان قبض کرتے وقت ملک الموت رب تعالیٰ سے پوچھتے ہیں کہ مولیٰ اسے اسلام پر اٹھاؤں یا کفر پر۔ مجھے خبر نہیں کہ اس وقت میرے متعلق کیا جواب آئے گا۔ چوتھے یہ کہ قیامت میں فرمایا جائیگا۔ **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** اے مجرمو! نیک کاروں سے الگ ہو جاؤ' مجھے خبر نہیں کہ میں کس فریق میں ہوں گا۔ کوئی شخص اپنے متعلق فیصلہ نہیں کر سکتا کہ میرا ایمان طوعی ہے یا کرہی فائدہ مند ہے یا بے فائدہ۔ اس لئے حضرت شیخ صفی فرماتے ہیں کہ منازل سلوک طے کرنے کے بعد بھی بندہ اپنی مقبولیت کا یقین نہیں کر سکتا کیونکہ بہت لوگ اوپر سے بھی گر جاتے ہیں۔ بہت ولی بے دین ہو جاتے ہیں۔ شیطان کے واقعہ سے عبرت پکڑو۔ (روح البیان)

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِى الْاٰخِرَةِ
اور وہ جو تلاش کرے سوا اسلام کے کوئی دین پس ہرگز نہ قبول کیا جاوے گا اس سے اور وہ بیچ
اور جو اسلام کے سوا کوئی دین چاہے گا وہ ہرگز اس سے قبول نہ کیا جاوے گا اور وہ آخرت
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾ كَيْفَ يَهْدِى اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَ
آخرت کے نقصان والوں میں سے ہے کیسے ہدایت دے اللہ اس قوم کو جو کافر ہوئے بعد ایمان لانے
میں زیاں کاروں سے ہے کیونکہ اللہ ایسی قوم کی ہدایت چاہے جو ایمان لاکر کافر ہو
شَهِدُوْۤا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ
ان کے اور گواہی دی انہوں نے کہ تحقیق رسول سچے ہیں اور آئیں ان کے پاس نشانیاں اور اللہ نہیں
گئے اور گواہی دے چکے تھے کہ رسول سچا ہے اور انہیں کھلی نشانیاں آچکی تھیں اور
الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾
ہدایت دیتا قوم ظالم کو
اللہ ظالموں کی ہدایت نہیں کرتا۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں سے کہلوایا گیا تھا۔ **ونحن لہ مسلمون** کہ صرف ہم ہی مسلمان ہیں۔ ہمارے سوا کوئی مسلم نہیں۔ اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ صرف مسلمانوں کا ہی دین مقبول ہے۔ چونکہ قبولیت صرف اسلام کی ہے۔ لہٰذا اللہ کے مقبول صرف مسلمان ہیں۔ گویا پہلے دعویٰ تھا۔ اب دلیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ اسلام عالمگیر مذہب ہے کیونکہ یہی آسمان و زمین والوں کا دین ہے اور اس میں سارے پیغمبروں ساری آسمانی کتابوں کی تصدیق ہے گویا خوبیوں کا جامع ہے اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ جب اسلام میں یہ خوبیاں ہیں تو جو اسلام کو چھوڑے گا وہ مردود ہوگا۔ اس صورت میں یہ آیت گزشتہ مضامین کا نتیجہ ہے کسی طبی نسخے کی خوبی تین طرح بیان کی جاتی ہے، اس کے ترکیبی اجزاء کی عمدگی دکھا کر، اس کے فوائد بتا کر، اس کے چھوڑنے کے نقصانات بیان کر کے۔ یونہی ایمانی نسخوں کی خوبیاں بیان کی جاتی ہیں۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اسلام کے ترکیبی اجزاء بیان فرمائے کہ اس میں تمام انبیاء کرام پر ایمان لانا ضروری ہے اب اسلام کے ماننے کے فوائد، نہ ماننے کے نقصانات بیان فرما کر اس کی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں پکے کافر اور پکے مومنوں کا ذکر تھا۔ اب **و من یبتغ** میں پہلے لوگوں کا ذکر ہے۔ جنہیں دین میں شک ہوا اور **کیف یھدی اللہ** میں مرتدین کا تذکرہ جو اسلام لا کر کافر ہو جائیں۔ گویا چار جماعتوں میں سے دو کا ذکر پہلے ہو چکا تھا اور دو کا اب ہو رہا ہے۔

شان نزول: اس کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ (1) یہودی و نصاریٰ حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے آپ کے وسیلہ سے دعائیں کرتے تھے اور آپکی تشریف آوری کے منتظر تھے۔ لوگوں کو بشارتیں دیتے تھے۔ جب حضور علیہ السلام تشریف لے آئے تو حسد سے آپ کے منکر ہو گئے۔ ان کے بارے میں آیت **کیف یھدی اللہ قوما** نازل ہوئی۔ (خازن و خزائن و عرفان و کبیر وغیرہ)۔ (2) حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بارہ شخص جن میں ابو عامر راہب، حارث ابن سوید انصاری طعمہ ابن مبارک، حجوج ابن اسلت بھی داخل ہیں، مرتد ہو کر کفار مکہ سے جا ملے۔ پھر انہوں نے اہل مدینہ کے پاس خطوط لکھے کہ کیا اب ہماری توبہ قبول ہو سکتی ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (خازن و کبیر و روح المعانی) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حارث ابن سوید انصاری بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر دوبارہ مسلمان ہو گئے۔ خیال رہے کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ واقعات دونوں آیتوں کا شان نزول ہیں۔ یعنی ان موقعوں پر **ومن یبتغ** سے **القوم الظلمین** تک دو آیتیں اتریں اور بعض کے خیال میں ان موقعوں پر صرف پچھلی آیت **کیف یھدی اللہ** سے **ظلمین** تک نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر) پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ آیتیں اہل کتاب کے بارے میں آئیں یا مرتدین کے حق میں۔ (کبیر)

تفسیر: **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا** من شرطیہ ہے جو عقل والوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے ما غیر عقل والوں کے لئے۔ چونکہ سواء انس و جن کے کوئی مخلوق کفر کرتی ہی نہیں۔ اس لئے یہاں من ارشاد ہوا۔ اس من میں تمام انسان و جنات کسی جگہ کے ہوں کسی زمانہ کے ہوں سب شامل ہیں۔ نماز کے موقعہ پر اگر من استعمال ہو تو اس سے کچھ لوگ مراد ہوتے ہیں۔ جن سے دیوانے، بچے، حائض نفساء خارج ہوتی ہے۔ زکوٰۃ کے موقع پر من سے غرباء و مساکین خارج۔ حج کے موقع پر من سے بہت سے لوگ خارج۔ مگر ایسے موقعہ پر من سے سب ہی مراد ہوتے ہیں۔ دین موسوی و عیسوی خاص علاقوں کے لئے تھے۔ مگر

www.alahazratnetwork.org

اسلام تمام جہان کے لئے۔ اس لئے یہاں من سے مراد ہر جن وانس ہے۔ یبتغ بغی سے بنا بمعنی حد سے بڑھنا اور درمیانی چیز کو چھوڑ کر افراط تفریط تلاش کرنا۔ غیر اسلام یا یبتغ کا مفعول ہے اور دینا اس کی تمیز یا دینا کا حال مقدم ہے اور دینا یبتغ کا مفعول اسلام سے یا توحید و اطاعت مراد ہے اس صورت میں اس آیت میں سارے آسمانی ادیان داخل ہیں کہ ان میں سے ہر دین اپنے وقت میں اسلام تھا اور یہ حکم دائمی ہے۔ یا شریعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے تب یہ حکم اس وقت کے لحاظ سے ہے۔ دین کے معنی اور اسلام و دین میں فرق ہم پچھلی آیت میں بیان کر چکے اور اس کی مکمل تحقیق سورۂ فاتحہ **ملک یوم الدین** کی تفسیر میں ہو چکی یعنی یہ حکم دائمی ہے کہ جو کوئی اسلام کے سواء کوئی دوسرا دین تلاش کرے یا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اب جو کوئی ان کی شریعت کے علاوہ کسی اور دین کو تلاش کرے۔ خواہ شرک و کفر کو یا یہودیت و نصرانیت کو کہ وہ ادیان اپنے وقت میں اسلام تھے اب ان کا اختیار کرنا گمراہی ہے۔ غرض کچھ بھی سہی اس کا انجام یہ ہو گا کہ **فلن یقبل منہ** یہ جملہ **من یبتغ** کی خبر ہے چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے۔ لہٰذا اس پر ف آئی لن یقبل قبول سے بنا۔ اس کا نائب فاعل یا غیر اسلام یا دین یا ابتغاء ہے جو من یبتغ سے معلوم ہوا یا نیکیاں ہیں جو اشارۃً اسلام سے معلوم ہوئیں۔ منہ کا مرجع من ہے یعنی اس کا یہ تلاش کرنا یا وہ دین یا ماسوائے اسلام یا اس شخص کی نیکیاں کبھی قبول نہ کی جائیں گی بلکہ وہ اور اس کا دین اور اس کے نیک اعمال سب مردود ہوں گے جن کا نہ ثواب اور نہ اس سے رفع درجات اور اس پر کفایت نہیں بلکہ **وھو فی الاخرۃ من الخسرین** یا تو یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اور یا نہ کی ضمیر سے حال ہے اور واؤ حالیہ یا فلن یقبل پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ جیسا کہ اس کا حال ویسا ہی اعراب **ھو** کا مرجع من ہے آخرت سے مراد دنیوی زندگی کے بعد کی حالت ہے۔ جس میں برزخ اور قیامت اور قیامت کے بعد کے سارے اوقات داخل ہیں۔ خاسرین خسران سے بنا جس کے معنی ہیں ثواب سے محرومی۔ بلکہ لغت میں خسران اصلی پونجی کے جاتے رہنے کو کہتے ہیں۔ خاسر وہ تاجر ہے جو بجائے نفع کے اپنا اصلی مال بھی کھو بیٹھے۔ چونکہ کافر اپنا فطری دین کھو بیٹھتا ہے۔ جو وہاں سے لایا تھا۔ اس لئے اسے خاسر فرمایا گیا۔ یعنی ایسا شخص آخرت میں ان نقصان پانے والوں میں سے ہو گا۔ جو اپنی اصل پونجی کھو بیٹھے کہ نیکیوں کا ثواب تو کیا پاتا۔ اپنا فطری دین بھی کھو بیٹھا۔ **کیف یھدی اللہ قوما کفروا بعد ایمانھم** **یھدی** ہدایت سے بنا بمعنی راہ دکھانا یا منزل مقصود پر پہنچانا۔ یہاں یا جنت کا راہ دکھانا مراد ہے یا دین حق کا راستہ دکھانا یا منزل مقصود پر پہنچانا یا توفیق خیر دینا یا ان کے دل میں معرفت پیدا کرنا مراد ہے یا دین حق کا راستہ دکھانا یا منزل مقصود پر پہنچانا یا توفیق خیر دینا یا ان کے دل میں معرفت پیدا کرنا مراد (کبیر و معانی) لہٰذا اس کا متعلق پوشیدہ ہے۔ یعنی **الی الدین الحق یا الی الجنۃ** یا **فی قلوبھم قوما یھدی** کا مفعول ہے۔ ایمان سے ان کا اسلام قبول کرنا مراد ہے یا توریت و انجیل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا جیسا کہ شان نزول کی روایتوں سے معلوم ہوا۔ لہٰذا کفر میں بھی دو احتمال ہو گئے ارتداد اور اصلی کفر یعنی اللہ اس قوم کو جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو گئی جنت کا راہ یا دین حق کی راہ کیسے دکھائے یا ان کے دلوں میں معرفت کیسے پیدا کرے یا انہیں توفیق خیر کیسے دے **وشھدوا ان الرسول حق** واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایمان پر معطوف کیونکہ ایمان میں فعل کے معنی تھے گویا **بعد ما اٰمنوا** تھا بعض نے فرمایا کہ یہ ایمان کے معنی پر معطوف ہے نہ کہ لفظ پر جیسے **ان المصدقین والمصدقت واقرضوا اللہ** کہ یہاں **اقرضوا** **مصدقین** کے معنی پر معطوف ہے بعض نے فرمایا کہ شھدوا سے پہلے ان پوشیدہ ہے۔ جس سے یہ بمعنی مصدر ہو گیا یعنی وشہادتہم۔ شاعر کہتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ولبس عباءة و تقر عینی احب الی من لبس الشفوف

اس میں تقر فعل لبس پر معطوف ہے غرض یا **شهدوا** کو مصدر بنایا جائے یا ایمان کو فعل تاکہ معطوف علیہ و معطوف میں موافقت ہو جائے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ **كفروا** پر معطوف ہے اور واؤ ترتیب کے لئے نہیں۔ اب معنی یہ ہوئے کہ جنہوں نے گواہی دی اور کافر ہوئے (روح المعانی)۔ رسول سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حق مقابل باطل کے ہے۔ خیال رہے کہ گواہی سے یا اسلام کی گواہی مراد ہے یا وہ گواہی جو اہل کتاب حضور علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے دیا کرتے تھے۔ **وجاء هم البينت** یہ جملہ بھی **شهدوا** پر معطوف **بينات بينة** کی جمع ہے بمعنی ظاہر چیز اسی لئے گواہوں کو **بينة** کہتے ہیں وہ خود ہی ظاہر ہوتی ہے۔ اور دعویٰ کو ظاہر کرتی ہے یہاں **بينات** سے یا توریت و انجیل کی آیتیں مراد ہیں یا حضور علیہ السلام کے معجزات یا قرآنی آیات یا دلائل حقانیت **والله لا يهدى القوم الظلمين** یہ نیا جملہ ہے اور **لا يهدى** میں وہ یہ تین احتمال ہیں جو **كيف يهدى** میں تھے ظالم سے مراد کافر ہے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کا حق مارتا ہے کہ کفر کے ذریعہ اسے جہنم تک پہنچاتا ہے۔ یا رب کی چیز کو غیر جگہ صرف کرتا ہے یا بجائے ایمان کفر استعمال کرتا ہے۔ غرضیکہ ظلم کے تین معنی ہیں حق مارنا' کسی کی چیز بغیر اجازت خرچ کرنا۔ چیز کو غیر مرتبہ میں رکھنا' یہ تینوں معنی کافر پر صادق آتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ظالموں (کفار) کو ہدایت نہیں فرماتا۔ خیال رہے کہ چونکہ ہدایت نہ دینے کی علت ظلم اور کفر ہے۔ اس لئے **لا يهديهم** نہ کہا بلکہ نام لیا۔

خلاصہ تفسیر: جو کوئی شریعت محمدی یعنی اسلام کے سواء کسی دین کی تلاش کرے خواہ شرک و کفر کو یا گزشتہ منسوخ دینوں میں سے ایک۔ تو اس کا دین یا تلاش دین یا اس دین میں رہ کر اس کے نیک اعمال رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی قبول نہ ہوں گے۔ وہ خود اور اس کی نیکیاں اور اس کا دین تلاش کر سب مردود ہیں اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ آخرت میں ان ٹوٹے والوں میں سے ہو گا۔ جس کی اصل پونجی بھی برباد ہو جائے۔ خیال رہے کہ اسلام میں عقائد و اعمال سب ہی آ گئے۔ جو اسلامی عقیدوں کے سواء اور عقیدے اختیار کرے وہ بھی مردود ہے اور جو عقائد تو اسلامی رکھے مگر اعمال غیر اسلامی اختیار کرکے ان کے ذریعہ رب سے ملنا چاہے وہ بھی بے ایمان ہے۔ بھنگی چرسی پوستی' فقیر یونہی نماز و روزے کے تارک گانا بجانا سننے والے پیر' جو نماز کے قریب نہ جائیں۔ گانے بجانے کو خدا رسی کا ذریعہ جانیں سب بے ایمان ہیں۔ ایک سنت پر عمل ہزار ہا چلوں' وظیفوں سے افضل ہے وہ جو کہا جاتا ہے کہ حضرت بابا شیخ فرید پاک پٹن والے بزرگ رحمۃ اللہ علیہ نے بارہ برس کنویں میں لٹک کر چلہ کیا کہ کنویں سے باہر آئے ہی نہیں۔ بالکل غلط ہے ورنہ بتاؤ کہ اس زمانہ کی نمازیں جماعتیں کیسے ادا کیں۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اس قوم کو جنت کی ہدایت کیسے کرے یا اس کی ہدایت کیونکر چاہے یا اس کے دل میں معرفت کیسے پیدا کرے یا اسے منزل مقصود تک کیسے پہنچائے' جو ایمان لا کر اور اس رسول برحق کی گواہی دیکر اور کھلے ہوئے واضح دلائل دیکھ کر کافر ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت دیتا ہی نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلام' ایمان ایک ہے کیونکہ اگر ایمان غیر اسلام ہو تا تو وہ بھی قبول نہ ہوتا۔ جیسا آیت نے فرمایا کہ غیر اسلام کوئی دین قبول نہیں۔ **مسئلہ:** جنہوں نے اسلام کو غیر ایمان مانا وہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں غیر سے مغایرت اور مخالفت مراد ہے یعنی جو کوئی اسلام کے خلاف دیگر ادیان یہودیت وغیرہ کو اختیار کرے گا

www.alahazratnetwork.org

وہ مردود ہے اسلام اور ایمان ذاتاً" ایک ہے مفہوم میں فرق۔ دوسرا فائدہ: کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کیونکہ ایمان شرط قبولیت ہے۔ جیسے بے وضو کی نماز مردود ایسے ہی کافر کی نیکیاں باطل خواہ کسی قسم کی ہوں۔ کسی کے ثواب کا مستحق نہیں جیسا کہ فلن یقبل سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: عالم کا جرم جاہل کے جرم سے سخت تر ہے کہ وہ جان بوجھ کر قصور کرتا ہے نیز اس کے جرم میں ضد کا شائبہ ہے۔ نیز اس کا جرم دوسروں کو مجرم بنادیگا۔ جیسا کہ جاء ھم البینت سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: گمراہ عالم کی ہدایت سخت دشوار ہے جاہل کی ہدایت آسان۔ جیسا کہ کیف یھدی اور لا یھدی سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: ایمان اور شہادت میں فرق ہے کیونکہ یہاں شھدوا کو ایمان پر معطوف کیا گیا۔ ایمان تصدیق کا نام ہے اور شہادت اقرار کا۔ ایمان دل کا فعل ہے اور شہادت زبان کا لہٰذا اسلام اور ایمان میں مفہوماً" فرق ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ لطیفہ: اس آیت سے اسلام و ایمان کا اتحاد بھی معلوم ہوتا ہے اور اختلاف بھی کیونکہ حضور علیہ السلام کی حقانیت کی گواہی دینا اسلام ہے مگر ایمان پر معطوف ثابت ہوا کہ یہ دونوں ذاتاً" ایک ہیں۔ مفہوماً" جداگانہ چھٹا فائدہ: مسلمان کا اسلام اور طلب اسلام اور اس کے نیک اعمال سب قبول جیسا کہ لن یقبل سے معلوم ہوا کہ کافر کا دین اور تلاش دین اور نیکیاں مردود۔ مومن کا حال اس کے خلاف ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں بہت دراز عبارت کیوں ارشاد فرمائی گئی۔ ومن یبتغ غیر الاسلام دینا صرف الکفار فرمادینا ہی کافی تھا۔ جواب: اس لئے کہ اس میں پانچ قوموں کو شامل کرنا منظور ہے۔ نیکیاں کرنے والے کفار جیسے سخی عادل کافر اور وہ مسلمان جو مسلمان کہلا کر دوسرے مذاہب کی حقانیت کا شک کریں اور ان میں حق تلاش کرنے کی کوشش کریں۔ ہر دین کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ طالب حق کہلوائیں گویا انہیں اسلام کی حقانیت میں تردد ہے وہ مسلمان جو دعویٰ اسلام کر کے تمام ادیان کو سچا جانیں۔ اور کہیں کہ ہر مذہب والا اپنے مذہب کے اصول کی پابندی کر کے رب کو پا سکتا ہے اور ہر مذہب میں رہ کر نیکیوں کا ثواب ملے گا وہ مسلمان جو کفر کا ارادہ کرے اگرچہ اسے کافر ہونے کا موقعہ نہ ملے وہ جاہل مسلمان جو اسلامی عبادات سے منہ موڑیں اور اپنی ایجادات اور بیہودہ کاموں کو عبادت سمجھیں۔ جیسے بے نماز بھنگی چرسی فقیر اور گانے بجانے والے مسلمان سادہ لوح محرم میں پیٹنے والے جہلا یہ سب من یبتغ میں داخل ہیں۔ الکفار یا کافر فرمادینے سے یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔ مسئلہ: ارادہ کفر کفر ہے اگرچہ کفر بکنے کا موقعہ نہ ملے۔ دوسرا اعتراض: کیف یھدی اور لا یھدی سے معلوم ہوا کہ مرتد کو اسلام کی توفیق نہیں اور خدا اسے ہدایت کبھی نہیں دیتا۔ حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ بہت مرتد دوبارہ اسلام لے آتے ہیں۔ جواب: اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں خاص ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جن کا گمراہ ہونا اور حق پر نہ آنا علم الٰہی میں آچکا تھا جیسے ان الذین کفروا سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون کہ اس سے خاص کفار مراد ہیں نہ کہ عام۔ دوسرے یہ کہ ہدایت سے مراد راہ جنت کی ہدایت دینا ہے۔ یعنی آخرت میں رب تعالیٰ کفار کی جنت کو راہ نہ دکھائے گا اور ظالمین سے وہ لوگ مراد ہیں۔ جو کافر ہو کر مر جائیں (مدارک) تیسرے یہ کہ ہدایت سے مراد معرفت پیدا کرنا ہے۔ یعنی اللہ کافر کے قلب میں معرفت پیدا نہیں کرتا خواہ کتنا ہی مجاہدہ اور مشقت کرے۔ معرفت مومن کی عبادت سے پیدا ہوتی ہے۔ چوتھے یہ کہ اللہ ظالم کو ظالم رہتے ہوئے ہدایت نہیں دیتا۔ اور جب وہ نادم ہو کر توبہ کر لے تب ظالم نہ رہا۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ: یہ کہ حق تعالیٰ ارادے کے بعد خلق فعل فرماتا ہے ارادۂ کفر کے بعد خلق کفر اور ارادۂ ہدایت کے بعد خلق ہدایت فرماتا ہے۔ پانچویں یہ کہ یہاں ہدایت سے منزل مقصود پر پہنچانا مراد ہے یعنی ظالم کبھی منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا راہ دکھانا مراد نہیں۔ اس لئے آگے توبہ کا ذکر آرہا ہے یعنی بغیر توبہ ہدایت نصیب نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں کفار کے خسارے کو آخرت کے ساتھ کیوں خاص کیا کہ فرمایا **وھو فی الاخرة من الخسرین** **جواب:** اس لئے کہ اس نقصان کا ظہور آخرت میں ہی ہوگا اور وہ لوگ اس کا وہاں ہی اقرار کریں گے۔ **انا کنا ظالمین** دنیا میں بہت سے کافر عیش میں ہیں اور اپنے کو کامیاب سمجھے ہوئے لہٰذا **فی الاخرة** فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** **ومن یبتغ** سے معلوم ہوا کہ جو کوئی اسلام کے سواء دوسرا دین تلاش کرے وہ نقصان میں ہے اور جسے بغیر تلاش ہی دوسرا دین مل جائے تو چاہئے کہ وہ نقصان میں نہ ہو۔ خاندانی کافر جن کا کفر بچپن سے ہے۔ انہوں نے کفر کہاں تلاش کیا تو کیا وہ اس حکم سے خارج ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب اسی آیت میں دے دیا گیا۔ **واللہ لا یھدی القوم الظالمین** جس سے معلوم ہوا کہ ان سزاؤں کی وجہ کفر ہے خواہ تلاش سے حاصل ہو یا بغیر تلاش **و من یبتغ** فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ جو دین کی جستجو کرکے اور تلاش حقانیت کے بعد بھی کفر میں پھنسے وہ بھی نقصان میں ہے تو جو بے پرواہی سے کافر ہے اور تلاش حق کی کوشش ہی نہ کرے وہ بدرجہ اولیٰ اس سزا کا مستحق کیونکہ وہ کافر بھی ہے اور بے پرواہ بھی اور ہوسکتا ہے کہ **یبتغ** فرما کر کفار کے ان بچوں کو نکالا گیا ہو جو بچپن میں فوت ہوجائیں کہ وہ ان سزاؤں کے مستحق نہیں کیونکہ انہوں نے نہ کفر تلاش کیا نہ اسے اختیار کیا۔ لہٰذا یہ آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو کفار کے بچوں کو ناجی مانتے ہیں۔

نوٹ ضروری: کفار کے فوت شدہ بچوں میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ جہنم میں رہیں گے کہ اولاد ماں باپ کے تابع ہوتی ہے نبی کا نابالغ بچہ نبی کے ساتھ، ولی کا ولی کے ساتھ عام مسلمانوں کا ان کے ساتھ۔ ایسے ہی کافر کا بچہ کافر کے ساتھ۔ (2) دوسرے یہ کہ ان کی نجات ہوگی اور وہ اہل جنت کے خدام بن کر جنت میں رہیں گے کیونکہ انہوں نے کفر نہیں کیا۔ اور اگرچہ کفار کے بچوں پر دنیا میں کفر کے احکام جاری ہوتے ہیں کہ نہ ان کا کفن دفن ہو نہ نماز جنازہ مگر آخرت میں ایسا نہ ہوگا کیونکہ یہاں ظاہر پر حکم ہے اور وہاں حقیقت پر۔ (3) تیسرے یہ کہ اس مسئلہ میں خاموشی چاہئے کیونکہ اس بارہ میں روایتیں مختلف ہیں اور دنیا میں بھی ان پر کفر کے سارے احکام جاری نہیں جہاد میں انہیں قتل کرنا جائز نہیں۔ مگر جن کافروں پر عذاب الٰہی آیا ان کے بچے بھی عذاب سے نہ بچے۔ یہی قول امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کا ہے۔ (از شامی) اس آیت میں دوسرے قول والوں کی دلیل ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے لازم آتا ہے کہ سارے گنہگار مسلمان جو اسلامی احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ مردود ہوں کیونکہ غیر اسلامی کام کرتے ہیں جیسے جواء شراب خواری وغیرہ۔ **جواب:** اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں۔ جو غیر اسلام کو دین سمجھیں اور غیر اسلامی کاموں و عقیدوں کو رب تک پہنچنے کا ذریعہ جانیں۔ گنہگار مسلمان اپنے کو مجرم اپنے ان کاموں کو گناہ سمجھتا ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا غیر الاسلام دینا "برا کام کرنا اور ہے اور برے کام کو دین سمجھنا کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام کے نزدیک اسلام توحید حقیقی ہے۔ جو ماسوی اللہ کے خیال کو ختم کردے وہی دین اللہ ہے اس کی جانب **اسلمت وجھی للہ** میں اشارہ ہے اس توحید کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان رب تعالیٰ کا کامل مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

سارے اعضا قلب کے تابع ہیں جب قلب میں غیر خدا کا دھیان نہیں تو اعضائے ظاہری پر مخالفت رب تعالیٰ کا احتمال نہیں اس درجہ میں پہنچ کر انسان مسلم حقیقی بنتا ہے۔ **ونحن لہ مسلمون** میں اسی جانب اشارہ ہے اور حدیث **من ترک الصلوۃ متعمدا فقد کفر** اس درجہ کا بیان ہے کہ جو کوئی دلی ارادہ کے ساتھ نماز چھوڑ دے وہ غیر اللہ یعنی نفس و شیطان کا مطیع ہو گا جو اس توحید کے خلاف ہو کر اس توحید حقیقی کے سوا کسی اور دین کو اختیار کرے خواہ شیطان کی اطاعت میں یا نفس امارہ کی پیروی میں وہ ہر گز مقبول بارگاہ نہ ہو گا کیونکہ اس کا یہ دین اسے رب تعالیٰ تک نہیں پہنچا سکتا ہے وہ رب تعالیٰ سے ہمیشہ محجوب ہی رہے گا اور آخرت میں سخت نقصان میں۔ کیونکہ اس نے اپنے نفس کو حجابات کے عوض فروخت کر دیا۔ رب تعالیٰ نے اولاً سب کو ایمان میثاق کا نور دیا۔ پھر انہیں نور استعداد عطا فرمایا پھر ان میں سے بعض کو نور ایمانی بخشا۔ یہاں تک کہ انہوں نے پیغمبر کی حقانیت کا مشاہدہ کر لیا۔ اور اس کے ساتھ دلائل عقلیہ بھی انہیں مل گئے جس سے انہیں کوئی شک باقی نہ رہا پھر نفس کی ظلمت نے ان کی عقل و دل کے انوار کو ڈھانک لیا اور ان کے مشاہدہ کرنے والی روح کو پردے میں لے لیا۔ ایسے بد نصیبوں کو اب خدا تعالیٰ کیسے ہدایت دے کہ جنہیں نور الانوار بلکہ نور فوق نور حاصل تھا۔ اور پھر ظلمات بعضہا فوق بعض میں پھنس گئے۔ ایسے لوگ بڑے ظالم ہیں کیونکہ کوئی ظلم کرتا ہے غیروں پر یہ ظلم کرتے ہیں اپنے پر اور اللہ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حجاب و ظلمت اور حق سے دوری دو قسم کی ہے ایک وہ جس میں نفس امارہ دل پر پورا غلبہ کر لے جس سے سرکشی انتہا کو پہنچ جائے اور حق سے انتہائی دوری ہو جائے یہ کبھی دور نہیں ہو سکتی۔ یہ لوگ گلے ہوئے لوہے کی طرح ہیں جنہیں کوئی صیقل صاف نہیں کرتی اس کو ختم کرتے ہیں۔ دوسرے وہ جس میں نفس امارہ نے دل پر پورا قبضہ نہ کیا ہو اور اولم ریل کی شعاعیں بالکل بند نہ ہوئی ہوں۔ اور ان کے قلب میں منور ہونے کی قابلیت ہو یہ اس زنگ آلود لوہے کی طرح ہیں جو کامل کاریگر اور اعلیٰ صیقل سے صاف ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے کہ رحمت الٰہی ان کی دستگیری کرے وہ نادم ہو کر توبہ کر لیں۔ ان کی طرف اگلی آیت میں اشارہ ہے۔ **الا الذین تابوا** (از ابن عربی) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کفر چند قسم کا ہے۔ بے پرواہی کا کفر جیسے عام کفار کا۔ بے جا محبت کا کفر جیسے عیسائیوں کا۔ رب کی عداوت کا کفر۔ عداوت انبیاء کا کفر جیسے یہود کا عداوت ملائکہ کا کفر جیسے ابن سوریا کا جس نے کہا کہ جبریل ہمارے دشمن ہیں۔ صحابہ کرام کی عداوت کا کفر مگر ان سب میں کفر عداوت سخت تر ہے دشمن پیغمبر کو ایمان کی توفیق نہیں ملتی۔ رب چاہتا ہی نہیں کہ میرے محبوبوں کے دشمن جنت میں جائیں۔ انہیں کے بارے میں فرمایا گیا۔ **کیف یہدی اللہ قوما** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس ظالم قوم کو جنہوں نے جان بوجھ کر آپ کا انکار کیا جن کے دلوں میں آپ کی عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے کیسے ہدایت دے دیں اور انہیں اپنی جنت میں کیسے آنے دیں۔ جنت تمہاری خاطر بنی ہے تمہارے غلاموں کے واسطے بنی۔ اللہ تعالیٰ کفر حسد سے بچائے شیطان عداوت کا کافر تھا۔ جس سے اس کی ساری عبادت برباد ہو گئی۔ عداوت پیغمبر وہ آگ ہے جو ساری نیکیوں کی صرف بربادی نہیں کر دیتی۔ بلکہ قلب کو ایمان کے قابل نہیں چھوڑتی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد ۔۔۔ میلش اندر طعنہ پاکاں دہد

جب رب تعالیٰ کسی کو رسوا کرنا چاہتا ہے تو اسے اللہ کے مقبول بندوں میں عیب نکالنے کی سوجھتی ہے۔ یہ آیتیں قابل عبرت ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿۸۷﴾

یہ لوگ بدلہ ان کا یہ ہے کہ تحقیق اوپر ان کے لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی

ان کا بدلہ یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ اور فرشتوں اور آدمیوں عذاب اور سب کی ہمیشہ

خَالِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾ إِلَّا الَّذِينَ

سب کی ہمیشہ رہنے والے بیچ اس کے نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ مہلت دیئے جائیں گے

اس میں رہیں نہ ان پر عذاب ہلکا ہو نہ انہیں مہلت دی جائے گی مگر جنہوں نے اس کے

تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ وَأَصْلَحُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾

سوا ان کے جنہوں نے توبہ کی بعد اس کے اور درست کیا انہوں نے پس تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

بعد توبہ کی اور آپا سنبھالا تو ضرور اللہ بخشنے والا مہربان ہے ؂

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مرتدین یا معاندین کا ذکر تھا اب ان کی جزا کا تذکرہ ہے۔ گویا جرم اور مجرم کے ذکر کے بعد اس کے نتیجے اور سزا کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کی مردودیت کا ذکر تھا۔ اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ مردودیت کا ظہور اس طرح ہوگا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مرتدین یا معاندین کی روحانی و دنیاوی سزا کا ذکر تھا کہ رب تعالیٰ انہیں دنیا میں ہدایت نہیں دیتا اب اس کے جسمانی اور اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی لعنت اور جہنم کا عذاب وغیرہ۔ گویا اس جرم کی چند سزاؤں میں سے بعض کا ذکر پہلے ہو چکا۔ بعض کا اب ہو رہا ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں معاندین کی محرومی کا ذکر تھا کہ وہ نعمت ہدایت سے محروم ہیں اب ان کے عذاب کا تذکرہ ہے۔ چونکہ نعمت سے محرومی عذاب پر مقدم ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا اور اس کا بعد میں۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں ایک مہلک بیماری کا ذکر تھا یعنی کفر اور عناد اب اس کی دوا بتائی جا رہی ہے یعنی توبہ اور اپنے گناہوں پر ندامت۔ گویا معصیت کے ذکر کے بعد اس کے دفعیہ کا ذکر ہے۔

شان نزول: حارث ابن سوید انصاری کو کفار کے ساتھ جا ملنے کے بعد سخت شرمندگی ہوئی جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا۔ تب انہوں نے اپنی قوم کے پاس پیام بھیجا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرو کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ ان کے حق میں آیت **الا الذین تابوا من بعد ذالک واصلحوا فان اللہ غفور رحیم** اتری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بھائی جلاس کے ذریعہ یہ آیت ان تک پہنچائی۔ تب وہ مدینہ منورہ میں آکر تائب ہوگئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ اس کے بعد ان کا اسلام نہایت کامل ہوا۔ (تفسیر خزائن عرفان وخازن)۔

تفسیر: **اولئک جزاء ھم ان علیھم لعنۃ اللہ والملئکۃ والناس اجمعین۔** **اولئک** سے ان لوگوں کی طرف اشارہ ہے جن کے عیوب پہلے بیان ہو چکے۔ چونکہ وہ لوگ ان عیوب کی وجہ سے گویا محسوس ہو گئے تھے اس لئے بجائے

www.alahazratnetwork.org

ضمیر کے اسم اشارہ لایا گیا۔ **جزاء جزی۔ یجزی** کا مصدر ہے بمعنی برابر ہونا کافی ہونا۔ ہر بدلہ کو جزا کہا جاتا ہے۔ خواہ بدلہ نیکی کا ہو یا برائی کا جیسے **و جزا هم بما صبروا** اور جیسے **لجزاء ء جهنم** یہاں بمعنی سزا ہے۔ **اولئک** مبتداء اول ہے اور **جزاء هم** دوسرا مبتدا اگلا جملہ جزا کی خبر۔ پھر یہ پورا جملہ **اولئک** کی خبر۔ لعنت کے معنی ہیں دور کرنا' رحمت سے دور کرنا رب کی لعنت ہے اور اس دوری کی دعا کرنا بندوں کی لعنت۔ یہاں اللہ کے لحاظ سے بمعنی دوری رحمت ہے اور فرشتوں اور لوگوں کے لحاظ سے بمعنی دعائے دوری۔ یہاں لعنت کو جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا گیا۔ اور عذاب میں کمی یا مہلت نہ دینے کو مضارع سے جس سے معلوم ہوا کہ لعنت تو دنیا کی زندگی' مرتے وقت اور قبر و حشر میں ہمیشہ ہر جگہ ہے مگر عذاب میں کمی وغیرہ نہ ہونا آخرت میں ہوگا۔ دنیا میں اللہ کی لعنت یہ ہے کہ بندہ کو آخرت کی نعمتوں ایمان' عرفان نیک اعمال کی توفیق نہ ملے اور دنیاوی نعمتیں اگر ملیں تو عذاب و زحمت بن کر ملیں کہ بندہ مال و اولاد و عزت و سلطنت پا کر اور زیادہ سرکش ہو جائے۔ مرتے وقت کی لعنت یہ ہے کہ جوں جوں عمر زیادہ گزرے بندے کو دنیا میں مشغولیت زیادہ ہو۔ ورنہ چاہیے یہ کہ بڑھاپے میں انسان دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی تیاری کرے۔ پرندہ دن بھر کھیتوں میں چگتا ہے شام کو اپنے آشیانے کی طرف اڑتا ہے۔ قبر کی لعنت یہ ہے کہ بندہ کو منکر نکیر کے سوالات کے جوابات نہ سوجھیں آخرت کی لعنت یہ کہ بندے کا منہ کالا ہاتھ بندھے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال ہوں۔ ظاہر یہ ہے کہ **ملائکہ** سے سارے فرشتے مراد ہیں۔ اور ممکن ہے کہ اس سے صرف وہ فرشتے مراد ہوں جو جہنم میں مقرر ہیں یا وہ جو جان نکالنے کے لئے آتے ہیں یا وہ جو انسانوں کی حفاظت کرتے ہیں کہ یہ محافظ فرشتے اس کافر کی وجہ سے بت خانہ' جوئے' شراب کے اڈوں' کھیل تماشوں کے ٹھکانے میں جانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ وہاں بادل نخواستہ جاتے ہیں مگر اس پر لعنت کرتے ہوئے اور ممکن ہے کہ اس سے حاملین اور عرش کا طواف کرنے والے فرشتے مراد ہوں کہ وہ حضرات مومنوں کے لئے رحمت کی دعا کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور کافر کے لئے لعنت کی بددعا کرتے ہیں ایسے ہی **الناس** میں بظاہر سارے لوگ مراد ہیں اور ممکن ہے کہ صرف مسلمان مراد ہیں۔ **اجمعین** یا تو صرف **الناس** کی تاکید ہے یا ملائکہ اور ناس دونوں کی۔ پہلی صورت میں اس کے معنی ہوں گے سب لوگوں کی لعنت۔ دوسری صورت میں اس کے معنی ہوں گے فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت۔ گویا یہ فرشتوں اور انسانوں کے شمول کے لئے ہے یعنی یہ لوگ جن کے عیوب تم سن چکے ان کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ کی بھی لعنت ہے اور فرشتوں کی بھی اور سب انسانوں کی بھی۔ **خلدین فیها** یہ **علیهم** کی ضمیر سے حال ہے **خلود** بمعنی ہمیشگی بھی آتا ہے اور بمعنی مدت دراز بھی۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ کیونکہ کفار جہنم میں ہمیشہ رہیں گے۔ **فیها** کی ضمیر یا لعنت کی طرف ہے یا جزاء کی طرف یا آگ کی جانب' جو اس جزاء سے اشارۃً سمجھ میں آئی۔ یعنی یہ کفار اس سزا میں یا آگ میں یا اس لعنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یا تو اس طرح کہ ان پر ہمیشہ لعنت ہوتی رہے گی یا اس طرح کہ لعنت خاص وقت میں ہوگی مگر اس کا اثر یعنی عذاب ہمیشہ۔ پھر اس کے ساتھ ہی **لا یخفف عنهم العذاب ولا هم ینظرون** یہ جملہ یا تو نیا ہے۔ یہ **علیهم** کا دوسرا حال۔ **یخفف تخفیف** سے بنا بمعنی ہلکا کرنا۔ **ینظرون انظار** سے مشتق ہے۔ بمعنی مہلت دینا اور دیر لگانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فنظرة الی میسرة** یعنی ان کفار سے نہ تو کبھی عذاب ہلکا کیا جائے گا کہ راحت پائیں۔ اور نہ کبھی انہیں مہلت ملے کہ آرام لیں۔ **الا الذین تابوا من بعد ذالک** یہ جملہ پچھلے جملے کا مضمون ہے استثناء یا تو متصل ہے یا منقطع جیسا **لا یهدی القوم الظلمین** کی تفسیروں سے معلوم ہوا کہ اگر ظالمین سے وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم

www.alahazratnetwork.org

انہی میں آچکا تو یہ استثناء منقطع ہے اور اگر ہر کافر مراد ہے تو متصل کہ مستثنیٰ مستثنیٰ منہ میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ الا گزشتہ کا مضمون توڑنے کے لئے آتا ہے۔ اگر گزشتہ میں ثبوت تھا تو الا ثبوت توڑ کر نفی کر دیتا ہے اور اگر گزشتہ میں نفی کا مضمون تھا تو نفی کو توڑ کر ثبوت کر دیتا ہے۔ یہاں لطف یہ ہے کہ پچھلی آیت میں تین لعنتوں کا ثبوت تھا اب الا کے بعد ان لعنتوں کی نفی ہوگی اور پہلے عذاب ہلکا ہونے اور مہلت ملنے کی نفی تھی۔ لہٰذا اب الا کے بعد ان کا ثبوت ہوگا۔ **تابوا** **توب** توب۔ سے بنا۔ بمعنی رجوع کرنا۔ عذاب سے رجوع رب تعالیٰ کی توبہ ہے اور گناہوں سے رجوع بندے کی توبہ۔ اس لئے اس کا فاعل کبھی اللہ آتا ہے کبھی بندے۔ جیسے **لقد تاب اللہ** اور **الا الذین تابوا۔** **ذالک** سے ظلم اور کفر کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر **الظلمین** میں ہو چکا۔ **من بعد ذالک** فرما کر بتایا گیا کہ اتنے بڑے جرموں کے بعد بھی توبہ سے گناہ بخش دیئے جائیں گے تو چھوٹے گناہ تو بدرجہ اولیٰ قابل بخشش ہوں گے۔ یعنی یہ لوگ دائمی جہنمی ہیں سوا ان کے جو اس کفر کے بعد توبہ کر لیں اور صرف زبانی توبہ نہیں بلکہ **واصلحوا** یہ جملہ **تابوا** پر معطوف ہے۔ **اصلحوا** اصلاح سے بنا جس کا مادہ صلاح ہے۔ بمعنی درستی (فساد کا مقابل) لازم بھی آتا ہے متعدی 'اصلاح صلح' کو درستی میں داخل ہونا۔ جیسے اصبح بمعنی صبح پائی جاتی ہے۔ اصلاح بمعنی درست کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں دوسری صورت میں اس کا مفعول پوشیدہ ہوگا کہ اپنے کو درست کر لیں یا گزشتہ جرموں کو درست کر دیں کفارہ وغیرہ دیکر یا آئندہ کو درست کر دیں کہ جو خرابیاں ان کی بدعملی سے پیدا ہونے کا خطرہ ہو اس کا انتظام کرا دیں کہ اگر ان کے وعظ سے غلط عقیدے پھیلنے کا اندیشہ ہو تو اس سے رجوع کر لیں۔ یعنی توبہ کے ساتھ درستی میں داخل ہو جائیں۔ یا اپنے اعمال ٹھیک کر لیں۔ اگر انہوں نے یہ دونوں کام کر لئے تو **فان اللہ غفور رحیم** ف یا جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا یا تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ جملے کی علت ہے **غفور رحیم** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ **غفر** سے بنا بمعنی ڈھانپنا۔ چھپانا **غفور** فرما کر اشارۃً بتایا کہ ہم توبہ کرنے والے کے گناہ اس طرح چھپالیں گے کہ دنیا و آخرت میں کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں گے تاکہ بندہ کو شرمندگی نہ ہو۔ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو سفیان و ہندہ کے قصور ایسے چھپائے کہ پھر ذکر بھی نہ ہونے دیا۔ یہاں یا تو مغفرت سے گناہوں کا معاف کرنا مراد ہے اور رحمت سے ان کی نیکیوں کا ثواب دینا مقصود یا مغفرت سے قیامت کے دن ان کے عیب چھپانا مراد ہیں اور رحمت سے ان کی نیکیاں ظاہر کرنا مقصود۔ اس صورت میں یہ دونوں آخرت کے متعلق ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ مغفرت سے دنیا میں پردہ پوشی مراد ہے اور رحمت سے آخرت کی معافی مقصود۔ اس صورت میں یہ دونوں چیزیں دو جہانوں کے متعلق ہیں۔ مغفرت دنیا میں رحمت آخرت میں۔ مگر یہ توجیہ بعید ہے۔ یعنی اگر یہ اپنا حال درست کر لیں تو اللہ ان کے لئے غفور رحیم ہے۔ یا اللہ ان کے گناہ معاف کر دے گا کیونکہ وہ غفور رحیم ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہ لوگ جو مومن ہو کر رسول کی حقانیت کی گواہی دیکر دلائل قویہ دیکھ کر محض عناد و حسد سے کافر ہو گئے۔ چونکہ ان کی بغاوت سخت ہے۔ اس لئے ان کی سزاء بھی سخت کہ ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ فرشتوں کی لعنت اور سارے انسانوں کی لعنت اور پھٹکار کہ رب تعالیٰ انہیں آخرت میں ہر رحمت سے دور رکھے گا اور سارے فرشتے اور سارے انسان ان پر لعنت اور پھٹکار اور دوری کی بددعا کریں گے۔ پھر یہ نہیں کہ اس ذلت و مصیبت کی کبھی انتہا ہو جائے بلکہ اس لعنت میں یا لعنت کے عذاب میں ہمیشہ ہی گرفتار رہیں گے۔ اس طرح کہ ہر وقت لوگ انہیں لعنت کرتے رہیں گے۔ یا ہر وقت عذاب ہوتا رہے گا نہ

www.alahazratnetwork.org

کبھی ان کا عذاب ہلکا ہو نہ احساس عذاب میں کچھ فرق پیدا ہو۔ اور نہ کبھی مہلت دی جائے کہ کچھ دن کے لئے عذاب موقوف ہو جائے تاکہ راحت پا کر تازہ دم ہو جائیں۔ بلکہ مسلسل اور یکساں عذاب رہے گا۔ مگر جو اب جرموں کے بعد سچے دل سے توبہ کر لیں اور اپنے آپ کو اور اپنے اعمال کو سنبھال لیں۔ یا اپنی بگاڑی چیزوں کو درست کر دیں تو ان کی بخشش ہو جائے گی۔ کیونکہ اللہ بخشنے والا بھی ہے اور بہت رحم و کرم والا بھی۔ اپنے دروازے پر آنے والوں کو دھتکارتا نہیں۔

توبہ

توبہ بڑی عبادت ہے۔ قرآن کریم میں اس کا بارہا حکم دیا گیا۔ نیز اس کے بارے میں احادیث بے شمار وارد ہیں۔ اس آیت میں بتایا گیا کہ توبہ وہ تریاق ہے جو گناہ، کفر شرک غرضیکہ ہر روحانی زہر کو دور کرتا ہے۔ قرآن کریم میں کہیں فرمایا گیا **توبوا الی اللہ** کہیں فرمایا گیا **الا الذین تابوا** غرضیکہ توبہ ہر دلی بیماری کا علاج اور ہر دکھ درد و رنج و غم کی دوا ہے اس کے بارے میں بیشمار حدیثیں وارد ہیں جن میں سے ہم کچھ نقل کرتے ہیں۔ (1) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہم دن میں ستر بار سے زیادہ توبہ کرتے ہیں (بخاری و مشکوۃ باب الاستغفار والتوبہ)۔ (2) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ اے لوگو رب سے توبہ کرو ہم روزانہ سو بار توبہ کرتے ہیں۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ (3) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رب تعالیٰ نے فرمایا اے میرے بندو تم دن رات خطائیں کرتے ہو اور ہم گناہ بخشتے ہیں لہذا تم ہم سے مغفرت مانگا کرو ہم بخش دیا کریں گے۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ (4) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو پیدا کرے جو گناہ کرکے توبہ کریں اور وہ معاف کرے (مسلم) تاکہ ان کی شان غفاری ظاہر ہو۔ (5) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حق تعالیٰ ہر رات کو اپنا دست قدرت پھیلاتا ہے تاکہ دن کا گنہگار توبہ کرکے اس کی امن میں آجائے اور ہر دن کو دست قدرت پھیلاتا ہے کہ رات کا گنہگار توبہ کرکے اس کی پناہ میں آجائے یہ جب تک ہو گا جب کہ آفتاب مغرب سے طلوع ہو۔ (مسلم و مشکوۃ)۔ (6) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جب گنہگار گناہ کا اقرار کرکے توبہ کرے تو رب تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ (7) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جب کوئی گنہگار پکارتا ہے اے رب میں نے گناہ کیا۔ معاف فرما تو رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی رب ہے جو اسے بخشنے اور پکڑنے پر قادر ہے۔ جاؤ میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا پھر بندہ گناہ کرکے تڑپ کے رب تعالیٰ کو پکارتا ہے۔ پھر یہی فرما کر معافی ہو جاتی ہے۔ بارہا ایسا ہی ہوتا رہتا ہے (مسلم بخاری)۔ (8) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے انسان جب تک تو مجھ سے دعا کرتا رہیگا اور میری بارگاہ سے امید رکھے گا میں تیرے گناہ معاف کرتا رہوں گا کیسے ہی ہوں اور کچھ پرواہ نہ کروں گا۔ اے انسان اگر تیرے گناہ بادل تک پہنچ جائیں اور تو مجھ سے معافی چاہے تو میں بخش دونگا اور کچھ پرواہ نہ کروں گا۔ اے انسان اگر تو میرے پاس زمین بھر خطائیں لائے تو میں تجھے زمین بھر بخش دونگا۔ بشرطیکہ مشرک ہو کر میرے پاس نہ آ۔ (ترمذی احمد دارمی)۔ (9) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ ہر انسان خطاکار ہے اور خطاکاروں میں بہتر توبہ کرنے والے ہیں۔ (ابن ماجہ و ترمذی)۔ (10) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ مومن جب گناہ کرتا ہے تو اس کے دل میں ایک سیاہ داغ پیدا ہوتا ہے مگر توبہ کرلے تو صیقل ہو کر اس کا قلب صاف ہو جاتا ہے

www.alahazratnetwork.org

اور اگر توبہ نہ کرے بلکہ گناہ پر گناہ کئے جائے تو اس کے دل کی سیاہی بڑھتی جائے گی یہاں تک کہ قلب کو ڈھک لے گی اسی کا نام رین ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون**۔ (11) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ شیطان نے عرض کیا تھا کہ اے مولیٰ تیری عزت کی قسم میں تیرے بندوں کو اس وقت تک بہکاؤں گا جب تک کہ ان کے جسموں میں جان رہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا میری عزت و جلال کی قسم میں انہیں جب تک بخشوں گا۔ جب تک کہ وہ توبہ کرتے رہیں۔ (احمدی)۔ (12) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ حق تعالیٰ نے مغرب میں ایک دروازہ بنایا۔ جس کی چوڑائی ستر سال کا راہ ہے اور یہ دروازہ توبہ کا ہے۔ جب تک سورج مغرب سے طلوع نہ ہو تب تک وہ دروازہ بند نہ ہو گا۔ (13) حضور فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ مبارک ہے وہ شخص جس کے نامہ اعمال میں توبہ و استغفار زیادہ پائی جائے۔

توبہ کے اقسام

توبہ کے معنی تفسیر میں عرض کئے جا چکے کہ گناہ سے باز آنے کا نام توبہ ہے۔ چونکہ گناہ صدہا اقسام کے ہیں اس لئے توبہ کی بھی بہت سی قسمیں ہوئیں۔ اور ہر قسم کے گناہ کی توبہ مختلف۔ (1) کفر شرک بدمذہبی اور بدعقیدگی سے توبہ (2) بد اعمالی سے توبہ۔ (3) شریعت کی حق تلفی سے توبہ۔ (4) حقوق العباد سے توبہ۔ (5) نیکیوں میں کوتاہی اور سستی کرنے سے توبہ۔ (6) خطا اور بھول چوک سے توبہ۔ (7) محض اظہار عبدیت اور بندوں کی تعلیم کے لئے توبہ۔ انبیائے کرام کی توبہ اخیری دو قسم کی ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کا طریقہ علیحدہ اور تاثیر جداگانہ ہے۔ چنانچہ پہلی قسم کی توبہ سے دینداری و خوش اعتقادی پیدا ہوتی ہے۔ دوسری قسم کی توبہ سے نیک اعمال کی توفیق ملتی ہے۔ تیسری قسم کی توبہ سے ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ اخیر دو قسم کی توبہ سے رب تعالیٰ راضی ہوتا ہے اور درجے بلند ہوتے ہیں۔ پھر توبہ کے مختلف درجے ہیں۔ (1) وہ توبہ جس سے گناہ معاف ہو جائیں۔ (2) وہ توبہ جس سے گناہ کی بخشش ہو کر توبہ کرنے والے کو ولایت حاصل ہو جائے۔ غرض جیسی توبہ اور جیسا توبہ کرانے والا ویسا اس کا اثر۔ حضور غوث پاک اور حضرت رابعہ بصری رضی اللہ عنہما کے چور ایک دم ولی بن گئے۔ یہ توبہ کرانے والے کا فیض تھا۔

توبہ کے شرائط اور مستحبات وغیرہ

جیسے نماز کے لئے کچھ فرائض ہیں۔ کچھ واجبات، کچھ سنن، کچھ مستحبات ایسے ہی توبہ کیلئے بھی اور جیسے نماز کے لئے کچھ ادا کی شرطیں ہیں۔ کچھ قبولیت کی۔ ایسے ہی توبہ کے لئے کچھ شرائط جواز ہیں کچھ شرائط قبولیت۔ اور جیسا کہ نماز کے لئے کچھ اوقات مستحبہ ہیں، کچھ وقت مکروہ ایسے ہی توبہ کے لئے۔ چنانچہ توبہ کے شرائط یہ ہیں وقت پر توبہ کرے۔ (1) توبہ مشرک کا وقت غرغرہ سے پہلے ہے۔ (2) توبہ کرتے وقت گناہ کا ارادہ نہ ہو۔ بلکہ گناہ سے باز رہنے کا پورا قصد ہو۔ (3) توبہ کے وقت گزشتہ گناہوں پر پشیمانی ہو۔ (4) قبولیت توبہ کا یقین نہ ہو۔ بلکہ رب تعالیٰ کے کرم سے امید اور اس کے قہر سے خوف ہو۔ (5) جیسا گناہ ہو ویسی توبہ کرے کہ علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ چھپے گناہ کی چھپی توبہ مگر یہ شرط شریعت کے لحاظ سے ہے۔ جس پر شرعی احکام جاری

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہیں اگر کافر دل سے توبہ کر کے مرے اور کسی کو ظاہر نہ کرے وہ شرعاً کافر ہے کہ اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ نہ ہوگی۔ مگر عند اللہ مومن ہے۔ (6) اگر ممکن ہو تو گزشتہ گناہ کا بدلہ کرے لہٰذا چھوڑی ہوئی نمازیں قضا کرے، مارا ہوا قرض ادا کرے۔ (7) جن گناہوں کا بدلہ نہیں ہو سکتا ان کا کفارہ دے۔ حضرت وحشی نے زمانہ ء کفر میں سیدنا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا تو مسلمان ہو کر مسیلمہ کذاب کو مار کر اس کا کفارہ ادا کیا۔ حضرت خالد ابن ولید و عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی تلوار سے جیسے مسلمان شہید ہوئے ویسے ہی اسلام لانے کے بعد کافر مارے گئے یہ کفارہ ہوا۔ (8) توبہ کا وقت مستحب یہ ہے کہ گناہ کی طاقت ہوتے ہوئے توبہ کرے۔ مثل مشہور ہے کہ بڑھیا رنڈی اور معزول حاکم۔ زنا اور ظلم سے توبہ نہ کریں تو کیا کریں۔ مجبوری کی توبہ اگرچہ مقبول ہے مگر قادری کی توبہ کا درجہ بلند۔

در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری است وقت پیری گرگ ظالم مے شود پرہیزگار

توبہ کے یہ اجمالی مسائل بیان کیے گئے۔ انشاء اللہ اس کے تفصیلی احکام اس آیت کی تفسیر میں آئیں گے۔ **انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ**

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار پر نام لے کر اور گنہگار مسلمان پر بغیر نام لیے صرف اس کے وصف کے ساتھ لعنت کرنا جائز ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ جھوٹوں پر خدا کی لعنت۔ یہ نہیں کہہ سکتے کہ زید پر خدا لعنت جیساکہ **والناس اجمعین** سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: مرے بعد کسی کافر پر بھی لعنت جائز نہیں، جب تک کہ اس کا کفر پر مرنا یقین سے معلوم نہ ہو۔ لہٰذا سوائے ابو جہل، ابولہب، امیہ ابن خلف فرعون وغیرہ ان کافروں کے جن کا کفر پر مرنا نص سے ثابت ہے اور کسی پر لعنت نہیں کر سکتے ہیں کہ وہ زندگی میں ملعون تھے۔ انشاء اللہ لعنت کی پوری تحقیق اٹھائیس پارہ آیت لعان میں آئے گی۔ دوسرا فائدہ: توبہ سے بدتر سے بدتر جرم معاف ہو جاتا ہے جیساکہ **الا الذین تابوا** سے معلوم ہوا کہ بدترین مجرموں کو موقعہ دیا گیا۔ تیسرا فائدہ: جہنم میں ہمیشگی، عذاب کا ہلکا نہ ہونا، رب تعالیٰ کا نظر رحمت نہ فرمانا کفار کے ساتھ خاص ہے جیساکہ **ولا ھم ینظرون** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: معافی کے لئے فقط زبانی توبہ کافی نہیں بلکہ اصلاح نفس اور اصلاح عمل بھی ضروری ہے جیساکہ **واصلحوا** سے معلوم ہوا۔ اصلاح نفس تو یہ ہے کہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو۔ اور آئندہ بچنے کا عہد کرے اور اصلاح عمل یہ ہے کہ اس کے جرم سے جو فساد پھیلتے تھے ان کو دور کرے اگر کسی عالم کی غلط کتاب سے فساد پھیلا ہے تو اس کی تردید کرے، اگر لوگوں کو نیکیوں سے روکا ہے تو انہیں اب رغبت دے، نمازیں قضا کرے۔ قرض ادا کرے یہ سب باتیں **اصلحوا** سے معلوم ہوئیں۔ چنانچہ ان علماء یہود کے بارے میں فرمایا گیا جنہوں نے حق کو چھپایا تھا **الا الذین تابوا واصلحوا وبینوا**۔ معلوم ہوا کہ حق چھپانے کی توبہ اظہار حق ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر سارے انسانوں کی لعنت ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے جو ان کے ہم مذہب ہیں وہ تو ان کی تعریف کرتے ہیں نہ کہ لعنت؟ جواب: اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ واقعہ قیامت میں ہوگا کہ کفار کو ان کے ہم مذہب بھی لعنت کریں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** اور فرماتا ہے **ثم یوم القیامۃ یکفر بعضکم ببعض ویلعن بعضکم بعضا** دوسرے یہ کہ دنیا میں ہر کافر بھی جھوٹوں اور کافروں پر لعنت کرتا

www.alahazratnetwork.org

ہے مگر سمجھتا یہ ہے کہ میں کافر و جھوٹا نہیں۔ اور چونکہ وہ خود کافر بھی ہے اور جھوٹا بھی اس لئے وہ لعنت اس پر ہی پڑتی ہے۔ لہٰذا کافر پر سب کی لعنت ہوئی۔ تیسرے یہ کہ مومن ہی انسان ہیں۔ کفار جانوروں سے بدتر۔ لہٰذا مسلمانوں کی لعنت گویا سارے انسانوں کی لعنت ہے۔ چوتھے یہ کہ یہاں **الناس** سے صرف مسلمان مراد ہیں اور **اجمعین** انسان اور ملائکہ کے لئے ہے نہ کہ انسان کے افراد کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار پر فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے نہ کہ صرف انسان کے افراد کے لئے۔ مطلب یہ ہے کہ کفار پر فرشتوں اور انسانوں سب کی لعنت ہے نہ کہ صرف انسانوں کی اور نہ صرف فرشتوں کی۔ **دوسرا اعتراض:** **خلدین فیھا** سے معلوم ہوا کہ کفار سب کی لعنت میں ہمیشہ رہیں گے تو سب لوگ ہمیشہ لعنت کا وظیفہ پڑھیں گے اور دوسرا کام ہی نہ کریں گے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ **فیھا** کا مرجع دوزخ ہے دوسرا یہ کہ اس کا مرجع لعنت کا اثر ہے تیسرے یہ کہ اس کا مرجع لعنت ہی ہے مگر اس لعنت کا بقا ایسے ہو گا کہ ہر وقت کچھ نہ کچھ انسان لعنت کرتے ہی رہیں گے یعنی نوع انسان کی لعنت ہمیشہ رہے گی نہ کہ ہر فرد کی۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ ہر وقت کعبہ کا طواف ہوتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص ہر وقت طواف کرتا رہتا ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ کوئی نہ کوئی جماعت طواف کرتی رہتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مغفرت کے لئے توبہ اور اصلاح عمل دونوں ضروری ہیں تو جس شخص کو اخیر عمر میں توبہ نصیب ہو اور اسے اصلاح عمل کا موقعہ نہ ملے تو اس کی مغفرت نہ ہونی چاہئے۔ حالانکہ عقائد کا مسئلہ ہے کہ غرغرے سے پہلے ہر گناہ کی توبہ مقبول ہے۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ **اصلحوا** سے مراد اصلاح نفس بھی ہے اور اصلاح عمل بھی۔ جسے اصلاح عمل کا موقع نہ ملے اس کے لئے اصلاح نفس ہی کافی ہے اور اصلاح نفس گزشتہ پر ندامت اور آئندہ گناہ سے بچنے کا عہد ہے کیونکہ تکلیف بقدر طاقت ہے نہ کہ طاقت سے زیادہ **چوتھا اعتراض:** **فان اللہ غفور رحیم** کی ف سے معلوم ہوا کہ ہم توبہ کریں تو وہ غفور رحیم ہو ورنہ نہ ہو؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک وہ جو تفسیر میں گزر گیا کہ یہ ف تعلیلیہ ہے اور **ان اللہ** پوشیدہ جملے کی علت اور وہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی **فیغفرلھم فان اللہ غفور رحیم** دوسرے یہ کہ ف جزائیہ اور **غفور رحیم** سے ان کا گناہ بخشنا اور ان پر رحم کرنا مراد ہے یعنی جو توبہ کرے اللہ اس کے لئے غفور رحیم ہے۔ خلاصہ یہ کہ صفات اور ہیں اور افعال کچھ اور۔ خدا کی صفتیں قدیم ہیں مگر ان کے تعلقات حادث۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت مرتد ہو گئی جن میں حارث ابن سوید اور ان کے کچھ ساتھی دوبارہ اسلام لائے باقی کفر پر قائم رہے اور مسلمانوں کا عقیدہ یہ ہے کہ سارے صحابہ متقی پرہیزگار ہیں ان میں فاسق کوئی نہیں۔ اس واقعہ سے پتہ لگا کہ صحابہ فاسق تو کیا مرتد بھی ہوئے۔ (رافضی)۔ **جواب:** صحابی وہ جو بحالت اسلام حضور علیہ السلام کی زیارت کریں۔ اور اسلام پر ہی ان کا خاتمہ ہو۔ مرتد ہو کر مرنے والے صحابی نہیں کفار ہیں۔ نیز صحابہ کرام معصوم نہیں۔ عادل و متقی ہیں یعنی وہ گناہ پر اڑتے نہیں۔ اگر گناہ ہو جائے تو توبہ کر لیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: گناہ حجاب ہیں اور توبہ ان کی قینچی۔ نیک اعمال و اصلاح نفس اس قینچی کی دھار۔ مضبوط حجاب کے پھاڑنے کے لئے خاص توبہ کی قینچی اور اس پر اصلاح نفس و اصلاح اعمال، گزشتہ پر ندامت، آئندہ کے لئے عہد، پرہیزگاری کی دھار ضروری ہے۔ اس آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے کہ کفار کا عذاب نہایت سخت ہے لیکن توبہ اور اصلاح اعمال و تزکیہ نفس ان سب کا دفعیہ آسان بنا دیتی ہے ان کی بات ان کی ملاقات گناہوں کو برباد کر دیتی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کفار پر سب کی

www.alahazratnetwork.org

لعنت یہ ہے کہ ان کے دل سخت کر دیئے جائیں۔ ان کے کان بہرے اور آنکھیں اندھی ہو جائیں کہ نہ کان حق سن سکیں۔ نہ آنکھیں حق دیکھ سکیں۔ جیسے کہ نرم زمین میں دانہ بویا جاتا ہے۔ لوہا نرم کر کے کوٹا پیٹا جاتا ہے۔ آٹا پانی کے ذریعہ نرم کر کے روٹی وغیرہ بنتا ہے مٹی پانی سے نرم ہو کر برتن وغیرہ بنتی ہے سونا آگ سے نرم ہو کر زیور بنتا ہے۔ ایسے ہی انسان نرم دل ہو کر مومن عارف وغیرہ بن سکتا ہے۔ روئی میں جب تک سخت بنولہ موجود ہے نہ اس کا تار ہے نہ کپڑا وغیرہ۔ یونہی جب تک دل میں تکبرو کفر وغیرہ کی سختی ہے انسان کچھ نہیں بن سکتا۔

حکایت: سری سقطی فرماتے ہیں کہ میں نے ایک دن کہا۔ تعجب ہے اس ضعیف پر جو قوی کی مخالفت کرے۔ دوسرے دن جب میں نماز فجر سے فارغ ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک خوبصورت مالدار نوجوان اپنے غلاموں کے ساتھ گھوڑے پر سوار مسجد میں آیا اور پوچھا تم میں سری سقطی کون ہیں لوگوں نے میری طرف اشارہ کیا۔ وہ میرے پاس بیٹھ گیا اور کہنے لگا کل تم نے کہا تھا کہ اس کمزور پر تعجب ہے جو قوی کی مخالفت کرے۔ اس کا مطلب کیا۔ میں نے کہا انسان بہت کمزور ہے اور رب تعالیٰ قوی۔ مگر اس کمزوری کے باوجود وہ رب تعالیٰ کی مخالفت کی ہمت کرتا ہے۔ جوان بہت رویا اور بولا کہ کیا پروردگار مجھ جیسے ڈوبے ہوئے کی بھی دستگیری کرے گا۔ میں نے کہا اے فرزند رب تعالیٰ کے سوا ڈوبتوں کو نکالنے والا کون ہے۔ وہ بولا اے سری مجھ پر لوگوں کے حقوق بہت ہیں۔ ان سے چھٹکارا کیسے پاؤں۔ میں نے کہا اگر تو رب تعالیٰ کو راضی کر لے تو خدا تیرے حق والوں کو تجھ سے راضی کر دیگا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے دن بعض اولیاء اللہ پر اہل حقوق دعویٰ کریں گے فرشتے ان سے کہیں گے کہ اس اللہ کے بندے کو مت پریشان کرو تمہارے حقوق اللہ کے ذمہ کرم پر ہیں۔ جاؤ اس سے وصول کرو۔ چنانچہ رب تعالیٰ ان سب کو بلند درجے دیکر ولی کے حقوق معاف کرا دیگا۔ یہ سن کر جوان بہت خوش ہوا اور بولا اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ کیا ہے؟ میں نے کہا متوسلین کا راستہ، روزے، نماز اور گناہوں سے بچنا اور اولیاء اللہ کا راستہ دنیوی تعلقات کا توڑنا۔ اور رب تعالیٰ سے علاقہ عبدیت جوڑنا ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ تمام گناہوں سے توبہ کرے اور اپنے دل کو مشاہدۂ رب کے سوا کسی اور چیز میں مشغول نہ کرے نیستی کے دوزخ پر گزر کر ہستی کے جنت تک پہنچ سکتے ہیں۔

بہشت تن آسان آنگاہ خوری — کہ بر دوزخ نیستی بگذری!

جب یہ باریک صراط طے کرو گے تب بارگاہ قادر بے چون تک پہنچو گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ دنیا میں ایسے رہو جیسے مسافر یا راستہ گزرنے والا۔ اور اپنے آپ کو قبر والوں میں سے شمار کرو۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بدن روح کے لئے ایسا ہے جیسے میت قبر میں پہنچ کر اپنے کو بالکل مولیٰ کے سپرد کر دیتی ہے۔ رب تعالیٰ کے سوا کسی طرف توجہ نہیں کرتی۔ مال، اولاد، گھربار سب سے منہ موڑ کر چل دیتی ہے ایسے ہی بندہ کو لائق ہے کہ بدنی و قلبی آفتوں، جسمانی و روحانی بلاؤں اور دنیوی جھگڑوں سے دور رہے اور بارگاہ یار کا طواف کرے۔ تھوڑے گناہ کو بہت سمجھے۔ سیلاب کی ابتداء قطرے سے ہے اور گناہوں کی ابتداء خطرے سے ہے اس قطرہ اور اس خطرہ سے بچو جیسے سیلاب روکنے کے لئے مضبوط دیوار بناتے ہو۔ ایسے ہی گناہوں کا سیلاب روکنے کیلئے اپنے قلب کے آس پاس توبہ کی دیوار قائم کرو۔ دنیا کو آخرت کا وسیلہ بناؤ۔ اور رب سے رب ہی کو مانگو۔ (روح البیان) ہمیشہ توبہ کرتے رہو۔ توبہ گناہ کی توڑ ہے جیسے اینٹ توڑنے کے لئے بسولی ہے۔ حق تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے یہ چیزیں ہمارے لئے مشکل ہیں مگر وما ذالک علی اللہ بعزیز۔

www.alahazratnetwork.org

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ

تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا پیچھے ایمان اپنے کے پھر زیادہ کیا انہوں نے کفر کو ہرگز نہ قبول کی جائے

بے شک وہ جو ایمان لاکر کافر ہوئے پھر اور کفر میں بڑھے ان کی ہرگز توبہ قبول نہ ہوگی

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ۝ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ

گی توبہ ان کی اور یہ لوگ وہ ہی ہیں گمراہ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے حالانکہ وہ کافر

اور وہی ہیں بہکے ہوئے وہ جو کافر ہوئے اور کافر ہی مرے ان میں سے کسی سے

مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَٰئِكَ لَهُمْ

تھے پس ہرگز نہ قبول کیا جائے گا ایک سے ان میں سے بھر کر زمین سونا اگرچہ فدیہ دے وہ اس کا

زمین بھر سونا ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اگرچہ اپنی خلاصی کو دے ان

عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ۝

یہ لوگ ہیں کہ واسطے ان کے عذاب ہے دردناک اور نہیں ہے واسطے انکے کوئی مددگار ۞

کے لئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی یار نہیں ۞

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کا ذکر تھا اب توبہ مردود کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** کفار تین قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہیں رب تعالیٰ کے فضل سے توبہ مقبول نصیب ہو جائے۔ دوسرے وہ جو توبہ تو کریں مگر توبہ مردود۔ تیسرے وہ جنہیں توبہ نصیب ہی نہ ہو اور بغیر توبہ مر جائیں۔ پچھلی آیت میں پہلی جماعت کا ذکر تھا۔ اب **لن یقبل توبتھم** میں دوسری جماعت کا اور **وما تو ھم و کفار** میں تیسری جماعت کا ذکر ہے۔ گویا مجرمین کا ترتیب وار ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گناہ مٹانے والی دوا یعنی توبہ کا ذکر تھا اب توبہ برباد کرنے والے گناہوں کا ذکر ہے گویا بعض گناہ وہ ہیں جو توبہ سے مٹتے ہیں اور بعض وہ جو توبہ کو مٹاتے ہیں۔ پہلی قسم کا ذکر پہلی آیت میں ہوا۔ اور دوسری کا ذکر اب ہے۔

شانِ نزول: یہود نے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کیا پھر کفر میں یہاں تک بڑھے کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے بھی منکر ہوئے۔ ان کے حق میں پہلی آیت **ھم الضالون** تک اتری (خازن و خزائن عرفان)۔ (2) یہود اور عیسائیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے لوگوں میں آپ کی نبوت کا اعلان کیا پھر آپ کو دیکھ کر کافر ہوئے اور پھر کفر میں اتنے بڑھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور قرآن کریم کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے۔ ان سب کے متعلق یہ پہلی آیت **ھم الضالون** تک اتری۔ (تفسیر خزائن عرفان و خازن و روح المعانی)۔ (3) ابو صالح سوئی امہانی فرماتے ہیں کہ جب حارث ابن سوید کے ساتھیوں نے دیکھا کہ حارث مرتد ہونے کے بعد

www.alahazratnetwork.org

مسلمان ہو گئے۔ اور ان کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے سوچا کہ اسلام کوئی بڑی چیز نہیں ہے۔ جب تک دل چاہے کافر رہو اور جب دل چاہے مسلمان ہو جاؤ۔ جب ہم دوبارہ مسلمان ہوں گے تو حارث کی طرح ہمارے بارے میں بھی آیتیں اتریں گی ان کے حق میں دوسری آیت **وما لهم من نصرين** تک نازل ہوئی چنانچہ فتح مکہ کے دن حارث کے ساتھیوں میں سے بعض اسلام لے آئے جن کی توبہ قبول ہوئی اور بعض بحالت کفر ہی مرے (تفسیر خازن و روح المعانی)۔ (4) بعض علماء نے فرمایا کہ حارث ابن سوید کے کچھ ساتھیوں نے کفر و اسلام کو کھیل سمجھ رکھا تھا کہ کبھی کافر ہو جاتے کبھی مسلمان ان کے بارے میں پہلی آیت **ان الذين كفروا هم الضالون** تک اتری۔ (روح المعانی)۔

تفسیر: ان الذين كفروا بعد ايمانهم ظاہر یہ ہے کہ **كفروا** سے مراد ارتداد ہے اور ایمان سے مراد شرعی ایمان ہے۔ یعنی اسلام اور یہ آیت سارے مرتدین کے لئے ہے اگرچہ شان نزول خاص ہے۔ مگر عبارت عام اور عبارت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ سب کی خصوصیت کا یعنی جو لوگ مسلمان ہو کر کافر ہو جائیں۔ اور ممکن ہے۔ **الذين** سے یہود مراد ہوں اور **كفروا** سے عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار مراد ہو اور ایمان سے موسیٰ علیہ السلام کا ماننا مقصود ہو یعنی یہودی جو موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے بعد عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہو گئے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **الذين** سے اہل کتاب مراد ہوں خواہ یہودی ہوں یا عیسائی۔ اور **كفروا** سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کا انکار مراد ہو اور ایمان سے ان کا وہ ایمان مراد ہو جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حاصل تھا کہ لوگوں کو حضور علیہ السلام کی خوشخبریاں دیتے تھے یعنی وہ اہل کتاب جو پہلے آپ کو مان کر لوگوں کو آپ کی خوشخبریاں دے کر آپ کے منکر ہو گئے۔ **ثم ازدادوا كفرا**۔ **ثم** حرف عطف ہے اور **ازدادوا** کفر پر معطوف **ثم** کی تراخی رتبی ہے کیونکہ زیادتی کفر کفر سے بدرجہا بدتر ہے اور ممکن ہے کہ تاخیر زمانی ہو کہ زیادتیء کفر کفر کے بعد حاصل ہوتی ہے **ازدادوا** باب افتعال کا ماضی ہے۔ جس کا مصدر ازدیاد ہے۔ **ازدادوا** اصل میں **ازتادوا** تھا چونکہ پہلے ز ہے اس لئے ت کو دال سے بدل دیا۔ یہاں افتعال زیادتی کے لئے ہے۔ عجیب لطف ہے کہ **ازدادوا** کا مادہ بھی زیادتی ہے اور باب بھی زیادتی کا مفید یعنی انہوں نے خوب کفر بڑھایا۔

زیادتیء کفر میں چند احتمال ہیں۔ (1) ایک یہ کہ حقانیت اسلام کا انکار کفر ہے اور اس پر مرتے دم تک قائم رہنا زیادتیء کفر۔ (2) دوسرے یہ کہ اسلام کا نہ ماننا کفر اور اس پر طعن کرنا اس کے احکام میں خرابیاں نکالنا زیادتیء کفر۔ (3) تیسرے یہ کہ اسلام کا نہ ماننا کفر اور لوگوں کو اسلام سے روکنا زیادتیء کفر۔ (4) چوتھے یہ کہ مرتد ہونا کفر اور پھر اسلام کو ہلکا سمجھنا کہ جب چاہیں گے مسلمان ہو جائیں گے۔ اسلام کوئی بڑی چیز نہیں یہ زیادتیء کفر ہے۔ (5) پانچویں یہ کہ حضور علیہ السلام کا انکار کفر۔ پھر قرآنی آیات اور حضور علیہ السلام کے معجزات کا انکار زیادتیء کفر ہے۔ (6) چھٹے یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل شریف کا انکار کفر پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن پاک کا انکار زیادتیء کفر۔ (7) ساتویں یہ کہ ایک بار مرتد ہونا کفر اور بار بار اسلام لا کر مرتد ہو جانا زیادتیء کفر۔ (8) آٹھویں یہ کہ اسلام کا انکار کفر اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی کوشش کرنا زیادتیء کفر۔ غرضیکہ جیسے کفر کے بعد ایمان میں بہت احتمال تھے۔ ایسے ہی زیادتیء کفر میں بہت احتمال ہیں اور زیادتیء کفر کے ہر احتمال کو کفر بعد ایمان کے مناسب احتمال کے ساتھ ملانا چاہئے۔ **لن تقبل توبتهم** یہ جملہ **الذين كفروا** کی خبر بمعنی جزا ہے چونکہ کفر بعد ایمان اور زیادتیء

www.alahazratnetwork.org

کفر توبہ قبول نہ ہونے کا مستقل سبب نہیں۔ بہت صورتوں میں زیادتی ء کفر کے بعد بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے اس لئے اس پر ف نہ لائی گئی۔ **لن تقبل** سے یا شرعاً توبہ قبول نہ ہونا مراد ہے یا اللہ کے نزدیک **هم** کا مرجع **الذین کفروا** ہے یعنی جنہوں نے یہ دو جرم کئے کہ بعد ایمان کافر ہوئے اور پھر اپنے کفر کو بڑھالیا۔ اس کی سزا یہ ہے کہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ یا تو اس لئے کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملے گی اور وہ توبہ کریں گے ہی نہیں۔ پھر قبول کیا چیز ہو یا اس لئے کہ یہ لوگ دل سے نہیں بلکہ منافقت سے زبانی توبہ کرتے ہیں قبول کیسے ہو۔ یا اس لئے کہ نزع کے وقت توبہ کرتے ہیں یا اس لئے کہ وہ کفر سے توبہ کرتے نہیں، زیادتی ء کفر یا گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔ اور کفر کے ہوتے ہوئے گناہوں سے توبہ کیسی۔ ان سب صورتوں میں عند اللہ توبہ مردود ہے یا اس لئے کہ وہ بارہا کفر کر کے توبہ کر چکے۔ یا اس لئے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی ہے اور توہین کی توبہ قبول نہیں۔ ان صورتوں میں شرعاً مردودیت مراد ہے۔ (از معانی و کبیر و خازن وغیرہ) **واولئک هم الضالون** یہ یا تو دوسری سزا ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ اور یہ جملہ **لن تقبل توبتهم** پر معطوف۔ یا توبہ قبول نہ ہونے کی علت ہے اور **ان الذین** پر معطوف۔ تب یہ جملہ مستقل ہے (روح المعانی) یعنی ان کافروں کی دو سزائیں ہیں ایک ان کی توبہ قبول نہ ہونا کہ رب تعالیٰ کو کیسے راضی کرنا چاہئے۔ **هم** سے حصر کا فائدہ ہوا اور **الضالون** سے کامل گمراہ مراد ہیں یعنی کامل گمراہ صرف یہی لوگ ہیں۔ دیگر کفار اگرچہ گمراہ ہیں مگر ان سے کم درجہ کے ناقص توبہ کرنے والوں کے بعد اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے۔ جنہیں ظاہری توبہ بھی نصیب نہیں ہوتی۔ **ان الذین کفروا وماتوا وهم کفار** یہاں بھی **کفروا** سے یا مرتدین مراد ہیں۔ یا اہل کتاب یا عام کفار زیادہ قوی یہی ہے۔ کفر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو حضرت آدم علیہ السلام سے قیامت تک کفر رہے جیسے شرک یا توہین نبی یا فرشتوں وغیرہ کا انکار اور بعض وہ جو کبھی ایمان تھے کبھی کفر بن گئے جیسے بہن سے نکاح کا جواز ماننا شریعت حضرت آدم میں ایمان تھا۔ زمانہ تولی سے کفر بن گیا۔ یا شراب وغیرہ کی حلت یا پچھلے نبیوں کے خصوصی مسائل جو اپنے اپنے زمانوں میں حق تھے اب منسوخ ہو جانے کے بعد باطل ہو گئے اور ان کا ماننا کفر قرار دیا گیا۔ **وماتوا** کی واؤ عاطفہ ہے اور **ماتوا کفروا** پر معطوف **وهم کفار** کی واؤ حالی ہے اور یہ جملہ ماتوا کے فاعل سے حال یعنی جو کافر ہوئے اور کافر ہی مر گئے اس طرح کہ انہوں نے کفر سے توبہ کی ہی نہیں۔ لوگ چار قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو مومن جئے مومن مرے دوسرے وہ جو کافر جئے کافر مرے تیسرے خواہ مومن جئے ہوں یا کافر اور کفر پر مرنے سے مراد یہ ہے کہ غرغرہ کے وقت تک کافر رہے۔ ورنہ بحالت غرغرہ سارے کافر ایمان لے آتے ہیں اگرچہ غرغرہ کے وقت کا ایمان مقبول نہیں۔ لہٰذا آیت پر اعتراض یہ نہیں ہو سکتا کہ مرتے وقت کوئی کافر نہیں ہوتا **فلن یقبل من احدهم ملء الارض ذهبا** یہ جملہ **الذین کفروا** کی خبر بمعنی جزا ہے اور چونکہ کفر پر موت فدیہ قبول نہ ہونے کی مستقل علت تھی۔ ممکن نہیں کہ کافر کا فدیہ قبول ہو کر اس کی بخشش ہو جائے۔ اس لئے یہاں ف لائی گئی۔ **احدهم** سے اس جانب اشارہ ہے کہ کفار کی جماعت نہیں بلکہ اگر ان میں سے ہر ایک زمین بھر سونا دے تو قبول نہ ہو۔ **ملء الارض** **لن یقبل** کا نائب فاعل اور ارض سے مراد ساری زمین از مشرق تا مغرب از جنوب تا شمال۔ **ذهبا** **ملء الارض** کی تمیز ہے یعنی ان میں سے کسی کا زمین بھر سونا بھی قبول نہ کیا جائے گا کہ وہ دے کر اپنے کو عذاب سے چھڑالے **ولوافتدی به** یہ واؤ وصلیہ ہے اور لو شرطیہ۔ ابن منیر کہتے ہیں کہ واؤ وصلیہ در حقیقت عاطفہ ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہوتی ہے اور واؤ کا مابعد اس کا معطوف ہوتا ہے جیسے کوئی کہے کہ تو زید کی تعظیم کر اگرچہ وہ تیرے ساتھ برائی کرے

www.alahazratnetwork.org

یعنی بھلائی کرے تو بھی اور برائی کرے تو بھی، بہرحال تعظیم کر۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ دنیا میں صدقہ کرے تو بھی مردود اور آخرت میں فدیہ دے تو بھی مردود **افتدی** فدیہ سے بنا جس کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں کر چکے۔ بہ کا مرجع یا **ذھبا** ہے یا **ملء الارض** (روح المعانی) **اولئک لھم عذاب الیم وما لھم من نصرین** یہ اگرچہ مستقل جملہ ہے۔ مگر **الذین** کی جزاؤں سے ایک جزا ہے۔ **عذاب** اور **الیم** کے معنی بارہا بیان ہو چکے **وما لھم**، **اولئک لھم** پر معطوف ہے اور **من نصرین** کی من زائدہ ہے بعد نفی استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ **من استغراقیہ** صرف معنا" واحد پر آتا ہے جمع پر نہیں۔ یہاں **نصرین** صورتا" جمع اور معنا" واحد ہے کیونکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کا ایک بھی مددگار نہیں یہ مطلب نہیں کہ تین مددگار نہیں ایک یا دو ہو سکتے ہیں۔ محض وزن کی مناسبت سے **نصرین** جمع فرمایا گیا کہ اس سے پہلے **خسرین اجمعین رحیم** پر آیتیں ختم ہوئی تھیں۔ اگر **من نصر** فرمایا جاتا تو آیت کی خوبی جاتی رہتی مگر صحیح یہ کہ **من استغراقیہ** واحد پر بھی آتا ہے اور جمع پر بھی اور یہاں **نصرین** لفظا" معنا" ہر طرح جمع ہے۔ (روح المعانی) اور ان شاء اللہ اس سوال کا جواب اعتراضات و جوابات میں دیا جائے گا۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لا کر عیسیٰ علیہ السلام کے منکر ہوئے پھر اس نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہو کر اپنے کفر کو اور بڑھا بیٹھے یا جو لوگ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے انہیں مان کر پہچان کر ان کی خوشخبریاں دے کر ان کے تشریف لانے پر منکر ہو گئے۔ پھر ان کے قرآن کے معجزات کا انکار کر کے اپنے کفر میں اور بڑھ گئے۔ عند اللہ ان کی توبہ ہرگز قبول نہ ہو گی اور یہ ہمیشہ گمراہ رہیں گے یا تو اس لئے کہ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملے گی۔ یا اس لئے کہ ان کی توبہ شرائط قبول سے خالی ہے اور وہ لوگ جو کافر ہو کر بھی کافر ہی مر گئے۔ انہیں توبہ کی توفیق ہی نہ ملی۔ اگر دنیا میں زمین بھر سونا خیرات کریں یا قیامت کے دن زمین بھر سونا فدیہ بارگاہ الٰہی میں پیش کریں اور یہ چاہیں کہ مال دے کر جان وبال سے بچ جائیں یہ بھی قبول نہ کیا جائے گا ان لوگوں کے لئے سخت عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں اس لئے چاہئے کہ وقت پر توبہ کریں۔ خیال رہے کہ دنیا میں انسان مصیبت کے موقع پر سب کچھ دے دینے پر تیار ہو جاتا ہے۔ اگر مقدمہ لگ جائے تو گھر بیچ کر اس میں خرچ کر دیتا ہے کوئی لاعلاج بیماری پیچھے پڑ جائے تو کہتا ہے کہ چاہے میری تمام جائیداد حکیم لے لے مجھے اچھا کر دے عذاب کا تو پوچھنا کیا وہاں جو عذاب میں گرفتار ہو گا وہ پچاس زمینوں بھر سونا دینے پر بھی آمادہ ہو جائے گا۔ مال کی محبت اسی وقت تک ہے جب تک کہ مزاج درست ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مرتد کے احکام کافر اصلی سے سخت تر ہیں۔ جیسا کہ **لن تقبل توبتھم** سے معلوم ہوا۔ مگر یہ زیادتی کیفیت کی ہو گی بعض اہل دل کہتے ہیں کہ جتنا سخت انکار اتنا ہی سخت کفر اور جس قدر اعلیٰ چیز کا انکار اسی قدر اعلیٰ درجہ کا کفر۔ موسیٰ علیہ السلام کے منکر بھی کافر اور عیسیٰ علیہ السلام کا منکر بھی۔ مگر خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر سخت کافر ہے۔ کیونکہ اس نے بہت بڑی ذات کا انکار کیا اس لئے حضور نے فرمایا (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میرا فرعون یعنی ابوجہل فرعون موسیٰ سے سخت تر ہے یا تو انکار میں سخت ہے یا اس لئے کہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر ہوا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی امت سے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم افضل ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام کے منکر حضور علیہ السلام کا منکرا

www.alahazratnetwork.org

کفر (ہوا کافر)۔ تیسرا فائدہ: بعض وہ لوگ بھی ہیں جن کی توبہ قبول نہیں جیساکہ **لن تقبل توبتھم** سے معلوم ہوا۔ اس کی نفیس تحقیق تفسیر میں ہو چکی۔

مسئلہ: شامی باب المرتدین میں ہے کہ گیارہ شخصوں کی توبہ قبول نہیں۔ (1) جو بار بار مرتد ہو جائے۔ (2) حضور علیہ السلام کی توہین کرنے والا۔ (3) صدیق اکبر فاروق اعظم میں سے کسی کو گالیاں دینے والا۔ (4) جادو گر۔ (5) زندیق (جس کا کوئی دین نہ ہو)۔ (6) خناق (جو لوگوں کو گلا گھونٹ کر مار ڈالتا ہو)۔ (7) کاہن (نجومی جو غیب کی خبریں دے)۔ (8) ملحد (وہ مدعی اسلام جو کفریہ عقائد کو اسلام بتائے۔ (9) اباحی (جو ہر چیز کو حلال جانے)۔ (10) منافق۔ (11) ضروریات دین کا دل میں منکر اور زبان سے مدعی۔ خیال رہے کہ ان میں سے بعض کفار ہیں، مرتدین اور بعض گنہگار۔ ایسے ہی ڈاکو، قاتل ہوا، زانی، چور، شرابی وغیرہ کی توبہ قبول نہیں۔ یعنی یہ لوگ توبہ کرکے سزاؤں سے نہیں بچ سکتے مگر ان کی توبہ شرعاً نامقبول ہے نہ کہ عند اللہ۔ چوتھا فائدہ: جو توبہ شرائط قبول سے خالی ہو وہ اللہ کے نزدیک نامقبول ہے۔ پانچواں فائدہ: کفر پر موت دائمی عذاب کا سبب ہے۔ جو کوئی مومن ہو کر مرے زندگی میں کافر رہے ناجی ہے جیساکہ **وماتوا وھم کفار** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں فدیہ قبول نہ ہونا اور مددگار نہ ہونا کافروں کیلئے خاص ہے ان شاء اللہ مسلمان کا فدیہ بھی قبول ہوگا۔ اور اس کی نیکیاں صدقات گناہوں کا کفارہ بنیں گے اور مسلمان کے مددگار بھی بہت ہیں۔ انبیاء اولیاء و علماء وغیرہ۔ جیساکہ **وما لھم من نصرین** اور **من احدھم** سے معلوم ہوا۔

لطیفہ: دیوبندی وہابی کہتے پھرتے ہیں کہ خدا کے سوا کوئی مددگار نہیں۔ ان سے کہنا چاہئے کہ بے شک کافروں کے لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما للظلمین من انصار** اور فرماتا ہے **وما لھم من نصرین** مسلمانوں کیلئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار پیدا فرمائے خود فرماتا ہے۔ **واتبعھم ذریتھم بایمان الحقنا بھم** ایسے ہی یہ لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء و اولیاء نہیں سنتے۔ ان سے کہہ دو بے شک وہ تمہاری نہیں سنتے ہماری سنتے ہیں۔ دشمنوں کی کوئی نہیں سنتا۔ نہ انہیں کوئی دیکھے **لا ینظر الیھم** خود رب تعالیٰ فرمائے گا۔ **اخسوا فیھا ولا تکلمون** وہیں پڑے رہو۔ بات مت کرو۔ نیز یہ کہتے ہیں کہ کفنی لکھنا قبر پر اذان، تلقین، دعا بعد نماز جنازہ حرام ہے۔ کہہ دو کہ تمہیں تو کفن دینا اور تم پر نماز جنازہ پڑھنا بھی حرام ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں مسلمانوں کے لئے ہیں نہ کہ کفار کے لئے۔ اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ ساتواں فائدہ: کافر کی توبہ گناہ نامقبول ہے۔ اسے چاہئے کہ پہلے کفر سے توبہ کرے پھر گناہوں سے۔ جیساکہ **لن تقبل توبتھم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ہر کافر شرعی احکام کا مکلف ہے۔ اس پر واجب ہے کہ مسلمان ہو کر نماز پڑھے۔ قیامت میں کفر کا بھی عذاب پائے گا اور نماز وغیرہ نہ پڑھنے کا بھی۔ یہ بھی **لن تقبل توبتھم** کی اسی تفسیر سے معلوم ہوا، رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب جنتی جہنمی سے پوچھیں گے۔ **ما سلککم فی سقر** تمہیں دوزخ میں کون سی چیز لائی تو وہ جواب دیں گے۔ **لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین** نواں فائدہ: کافر کی نیکیاں مردود ہیں جیساکہ **فلن یقبل من احدھم مل ء الارض** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ اس کے معنی ایک یہ بھی ہیں کہ اگر کافر نے زندگی میں زمین بھر سونا خیرات کیا ہو تو بھی مردود اور فدیہ دے تو نامقبول۔ (کبیر) دسواں فائدہ: شفاعت برحق ہے۔ کفار کے لئے فرمایا گیا کہ ان کا کوئی مددگار نہیں۔ اور شفاعت بھی ایک مدد ہی ہے معلوم ہوا کہ اس کی نفی بھی کافروں سے خاص ہے۔ (کبیر)

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: ازدادوا کفرا " سے معلوم ہوا کہ کفر میں زیادتی کی ہوتی ہے اور عقائد کا مسئلہ یہ ہے کہ ایمان و کفر میں زیادتی کمی ناممکن۔ پھر ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** کفر کی نوعیت کیفیت حیثیت اور وقت میں زیادتی کمی ہوتی ہے وہی اس آیت کا مطلب ہے۔ رب تعالیٰ کا انکار، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار، کتاب کا انکار، یہ مختلف نوعیتوں کے کفر ہیں۔ ایسے ہی سخت انکار، ہلکا انکار کفر کی کیفیت ہے۔ ایک دن کا انکار، عمر بھر کا انکار زمانہ کفر کی مقداریں ہیں۔ ایک آیت کا اور ساری آیتوں کا انکار یہ کفر کی حیثیتیں ہیں ان میں زیادتی کمی ممکن ہی نہیں، بلکہ واقع ہے۔ ابو طالب اور ابو جہل کا یکساں حال نہیں۔ لیکن کفر کی مقدار اور کمیت میں زیادتی کمی ناممکن۔ ایک آیت کا منکر بھی ویسا ہی کافر ہے جیسا کہ پورے قرآن کا منکر کوئی بھی آدھا یا پاؤ کافر نہیں۔ سب پورے ہی کافر ہیں یہی علم عقائد کے مسئلہ کا مطلب ہے۔ لہٰذا اس آیت میں اور اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کی توبہ قبول ہے کہ فرمایا گیا۔ **الا الذین تابوا** اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول ہی نہیں کہ فرمایا گیا **لن تقبل توبتهم** نیز بے شمار مرتدین مسلمان ہوئے اور ہوتے ہیں کسی کو اسلام سے نہ روکا گیا۔ لہٰذا اس آیت کا مطلب کیا ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب تفسیر میں گزر گئے۔ (1) یا تو اس توبہ سے توبہ گناہ مراد ہے جو کفار دن رات کرتے ہیں۔ کافر کی توبہ گناہ مردود ہے پہلے مسلمان ہو۔ پھر گناہ معاف ہوں گے۔ (2) یا ان کا ایمان یاس یعنی نزع کے وقت کی توبہ مراد ہے یعنی ملائکہ عذاب کو دیکھ کر اسلام لانا قبول نہیں۔ (3) یا منافقت کی توبہ مراد ہے کہ دل میں کفر ہو اور بظاہر توبہ کرلے۔ (4) یا بار بار مرتد کی توبہ مراد ہے جو چند بار مرتد ہو اور بار بار مسلمان۔ اس کی توبہ شرعاً" قبول نہیں۔ قتل کیا جائے گا۔ (5) یا ایسی توبہ مراد ہے جو شرائط قبول سے خالی ہو۔ (6) یا یوں کہو کہ یہ قضیہ سالبہ ہے دو طرح صادق آتا ہے موضوع نہ ہونے سے اور محمول ثابت نہ ہونے سے۔ یہاں پہلی صورت مراد ہے کہ توبہ کریں گے ہی نہیں۔ پھر قبول کیا چیز ہو۔ (7) یا روز قیامت کی توبہ مراد ہے کہ کفار وہاں کفر سے توبہ کریں گے مگر نامقبول۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان الله لا یغفر ان یشرک به ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء** اس سے وہ شرک و کفر مراد ہے جس سے دنیا میں توبہ نہ کی جائے۔ ورنہ توبہ سے شرک و کفر ضرور معاف ہوتا ہے۔ (8) یا **ازدادوا کفرا** سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین مراد تھی۔ اس کے بارے میں فرمایا گیا۔ **لن تقبل توبتهم** یعنی اس توہین سے توبہ قبول نہ ہوگی۔ کیونکہ قاضی کے نزدیک نبی علیہ السلام کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ اگر کفار اپنی زندگی میں زمین بھر سونا خیرات کریں تو بھی قبول نہیں اور نہ انہیں آخرت میں اس کا ثواب اور قرآن کریم بھی فرماتا ہے۔ **فجعلنه هباء منثورا** حالانکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ کفار کو بعض نیکیوں کا فائدہ مل جائے گا چنانچہ نوشیرواں کو عدل کی وجہ سے اور حاتم طائی کو سخاوت کی وجہ سے عذاب ہلکا ہوگا۔ ابولہب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے اور ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے عذاب ہلکا ہوتا ہے۔ تمہاری یہ تفسیر تمہارے عقیدے کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں کفار کے عذاب سے بچ جانے اور جنت میں پہنچ جانے کی نفی ہے اور احادیث میں تخفیف عذاب کا ثبوت۔ لہٰذا آیات و احادیث میں تعارض نہیں۔ ملزم کو جیل سے رہا کر دینا اور ہے اور سی کلاس سے بی کلاس میں منتقل کر دینا کچھ اور۔ بعض کفار کا عذاب بعض نیکیوں کی وجہ سے ہلکا ہو جائے گا مگر ختم نہ ہوگا۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری گفتگو سے معلوم ہوا کہ نبی کے گستاخ اور بار بار مرتد ہونے والے اور جادوگر وغیرہ کی توبہ قبول نہیں مگر دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ **ویغفر ما دون**

www.alahazratnetwork.org

ذلک لمن یشاء کفر کے علاوہ سارے گناہ جسے چاہے گا معاف کردے گا۔ نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دشمنوں گستاخوں بدگویوں کا اسلام قبول فرمایا ان کی توبہ منظور ہوئی۔ اگر گستاخ نبی کی توبہ مردود ہوتی تو ابوجہل وغیرہ کو دعوت اسلام کیوں دی جاتی۔ اور حضرت عکرمہ اور ابوسفیان کی بیوی ہندہ کا ایمان کیوں قبول ہوتا۔ (بعض بے علم)۔ **جواب:** اس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی توبہ قاضی کے نزدیک قبول نہیں کہ یہ لوگ توبہ کرکے شرعی سزا سے نہیں بچ سکتے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود صاحب حق ہیں۔ لہٰذا اپنے گستاخ کو معافی دے سکتے ہیں۔ قاضی، اسلام حضور علیہ السلام کے گستاخ کو معاف نہیں کرسکتا۔ دیگر حقوق العباد کا بھی یہی حال ہے کہ خود صاحب حق معاف کرے نہ کہ قاضی۔ خیال رہے کہ نبی کے گستاخ کا ایمان قبول ہے۔ رہی سزا یہ دوسری وجہ سے ضرور ہوگی لہٰذا اب بھی گستاخان رسول کو دعوت اسلام دی جائے گی اور پہلے بھی دی گئی اور جب وہ مسلمان ہوجائیں تو ان پر احکام اسلام جاری ہوں گے۔ مگر سزائے توہین سے نہیں بچ سکتے۔ (درمختار باب المرتدین) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن کافر کا زمین بھر سونا فدیہ میں قبول نہ ہوگا تو اس دن کفار کے پاس مال کہاں ہوگا کہ وہ پیش کریں اور وہ رد کیا جائے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ فرضی اور تقدیری صورت ہے کہ اگر فرض کرو کافر کے پاس اتنا سونا ہو اور وہ اس سے فدیہ لوا کرنا چاہے تو منظور نہ ہو چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ ہلکے عذاب والے کافر سے فرمائے گا کہ اگر آج تیرے پاس دنیا بھر کی دولت ہوتی تو تو وہ سب عذاب کے فدیہ میں دے دیتا۔ وہ عرض کرے گا ہاں۔ رب تعالیٰ فرمائے گا کہ دنیا میں ہم نے تجھ سے بہت سہل چیز طلب فرمائی تھی کہ تو شرک نہ کر تو نہ مانا (بخاری و مسلم) گویا یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ اس سے دنیاوی صدقات و خیرات مراد ہیں کہ کفار کے دنیاوی صدقات و خیرات خواہ زمین بھر سونا ہو قبول نہ ہوں گے (خازن و کبیر) کیونکہ کفار کی اطاعت مردود ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا **وما لھم من نصرین** کفار کے لئے بہت سے مددگار نہیں تو کیا ان کے دو مددگار ہوں گے یہاں جمع کی نفی ہے نہ کہ ہر فرد کی؟ **جواب:** من استغراقیہ کی وجہ سے افراد ناصر کی نفی ہوئی نہ کہ جماعت ناصرین کی۔ یعنی یہ عموم سلب ہے نہ کہ سلب عموم ہے کہ من استغراقیہ نے ناصرین کو عام کیا اور اس عام کی بطریق عموم نفی کی۔ دوسرے یہ کہ ناصرین سے مددگار کے اقسام مراد ہیں یعنی ان کے لئے انبیاء، اولیاء، شہداء، علماء، نابالغ بچے، اعمال صالح کوئی مددگار نہ ہوگا۔ گویا جمعیت انواع کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ **لھم** بھی جمع اور ناصرین بھی جمع اور جب جمع کیلئے جمع آوے تو تقسیم افراد ہوجاتی ہے کہ اس جمع کا ہر فرد دوسری جمع کے ہر فرد کے لئے ہوتا ہے۔ کہا جاتا ہے لوگ اپنے گھوڑوں پر سوار ہوگئے یعنی ہر ایک آدمی ایک گھوڑے پر۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ کسی کافر کے لئے کوئی مددگار نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** **لھم عذاب الیم** سے معلوم ہوا کہ صرف کفار کو تکلیف دہ عذاب ہوگا تو کیا گنہگار مسلمانوں کو عذاب کی تکلیف نہ ہوگی۔ جہنم تو سب ہی کے لئے تکلیف دہ ہے مسلمان ہو یا کافر۔ **جواب:** بے شک انتہائی تکلیف صرف کفار کو ہوگی کہ نہ انہیں وہاں موت آئے گی نہ کبھی اس سے نجات ملے اور عذاب کے ساتھ رسوائی لعن طعن بھی ہو۔ مسلمان بعض تو دوزخ میں جاتے ہی مرجائیں گے۔ پھر زندہ کرکے بہشت میں بھیجے جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے جب جان نکل گئی تو تکلیف، تکلیف کیسی اور جو زندہ رہیں گے وہ بھی آخر کار نجات پائیں گے اور رسوائی سے محفوظ رہیں گے۔ ان پر لعن طعن نہ ہوگا۔ نیز ان کا عذاب بمقابلہ کفار کے ہلکا ہوگا اتنی تکلیف کا اجتماع کہ جان نہ نکلے عذاب دائمی ہو وغیرہ وغیرہ کفار کے ساتھ خاص ہے۔ باقی مصیبت خلق سے تخت تر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دنیا کے اختلافات رنج و غم تندرستی بیماری فقر و غنا جوانی بڑھاپا غافل کو جگانے والی چیزیں ہیں جو شخص ان میں سے کسی چیز سے نہ جاگے کافر غافل جئے اور کفر یا غفلت پر مرے اس کا زمین بھر سونا بھی فدیہ نہیں بن سکے گا کہ اس نے وقت نکال دیا۔

تفسیر صوفیانہ: جب دل سے نور نکل جائے اور ظلمت وہاں گھر کرے تو پھر اس کا کوئی عمل قبول نہیں نہ تو یہ نہ کوئی اور چیز۔ اس لئے کہ مقبولیت نورانیت سے ملتی ہے اور وہ اس سے خالی۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس دنیا کی ہر چیز مادی اور تاریک اور فانی ہے۔ اور اس عالم کی ہر چیز نورانی اور باقی ہے کیونکہ وہ عالم انوار اور عالم بقا ہے اور یہ عالم ظلمت اور عالم فنا۔ ریاء کے روزے نماز منافقت کا کلمہ پڑھنا مادی چیزیں ہیں کہ یہ نور سے خالی ہیں۔ مومن کا نیت خیر سے کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا بھی نورانی کہ وہ ایمان اور اخلاص کے ساتھ ہے۔ جیسے کھوٹا پیسہ اس بازار میں نہیں چلتا اور بغیر شاہی مہر والا سکہ یہاں رد ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی کھوٹی عبادتیں اور مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر سے خالی مجاہدے بازار قیامت میں بیکار ہوں گے۔ جس کے بارے میں فرمایا گیا **فلن یقبل من احدھم ملء الارض ذھبا** اور بتایا گیا کہ **لن تقبل توبتھم** ان چیزوں کی مردودیت کی وجہ یہ ہے کہ ان پر نہ سلطنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ہے اور نہ نورانیت۔ نیز کفار کے یہ مال دنیا میں ان کی محبوبیت کا سبب تھے ان ہی نے کفار کو رب تعالیٰ سے روکا تو کیونکر ممکن ہے کہ یہی مال قیامت میں ان کے لئے محبوبیت کا ذریعہ بن جائے۔ جن لوگوں نے مال کے ذریعہ محبوبیت حاصل کی وہ وہاں بھی محبوبیت حاصل کریں گے۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے خوب فرمایا۔

ترا شہوت و کبر و حرص و حسد چو خون در رگ اندر و چو جان در جسد
گریں دشمنان تقویت یافتند سر از حکم رایت بر تافتند
ہوا و ہوس را نہ ماند ستیز چو بیند سر پنجہ عقل تیز

جو شخص شریعت کے تابع ہو اور عقل سے کام لے اور وہ اپنے نفس اور ہوا پر سوار ہے ورنہ نفس اس پر سوار ہو گا۔ خیال رہے کہ نفس برے اخلاق کی کان ہے اور اس کا اثر تمام جسم میں ہے یہی روح کا ہر وقت مقابلہ کرتی ہے اس کے مددگار شیطان اور برے ساتھی ہیں۔ یہ سب مل کر انسان کو بھلائیوں سے روکتے اور برائیوں کی رغبت دیتے ہیں۔ روح عالم ملکوت کی چیز ہے اس کے مددگار فرشتہ علماء اولیاء اللہ اور اچھے ساتھی ہیں۔ نفس مثل جہنم کے ہے۔ جیسے جہنم کے سات طبقے ہیں۔ ایسے ہی اس میں سات عیب ہیں۔ حرص، حسد، شہوت، غصہ، بخل، کینہ، تکبر گویا یہ سات صفات جہنم کے سات طبقوں کے سات دروازے ہیں۔ جیسا کہ جنت میں وہ پہنچے گا جو جہنم کے ان ساتوں طبقوں کو طے کر جائے ایسے ہی جنت قرب تک وہ پہنچے گا جو نفس کے ان سات عیبوں سے گزر جائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** کفار کی نیکیوں میں چونکہ ان سات عیوب کا دخل ہوتا ہے اس لئے وہ قابل قبول نہیں مسلمان کی نیکیاں ان ساتوں عیوب سے بفضلہ تعالیٰ صاف ہوتی ہیں۔ لہٰذا دربار یار تک پہنچ جاتی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الیہ یصعد الکلم الطیب** ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ عبادت کی کنجی فکر ہے۔ اور نیکی کی علامت مخالفت نفس (از روح البیان و ابن عربی) حق تعالیٰ اس قابل کو حامل بنائے اور ہمارے اعمال کو ریا فخر، بڑائی اور نام و نمود کے خیال سے بچائے۔ اپنے مقبولوں کے طفیل ہمیں اعمال مقبول کی توفیق عطا فرمائے۔

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ تفسیر نعیمی کی یہ تیسری جلد 16 شوال 1364ھ یوم دوشنبہ کو شروع ہو کر 27 جمادی الاخر 1365ھ یوم پنجشنبہ کو ختم ہوئی۔ رب تعالیٰ بقیہ جلدیں پوری کرنے کی توفیق دے اور انہیں قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ اور توشہ ء آخرت اور میرے لئے صدقہ جاریہ بنائے اور جن حضرات نے اس میں کوئی بھی امداد دی انہیں جزا خیر دے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و زینۃ عرشہ و عروس مملکتہ سیدنا و شفیعنا و حبیبنا و مولٰنا محمد و علی الہ واصحبہ اجمعین امین برحمتہ وھو ارحم الراحمین ○

ناچیز احمد یار خان نعیمی اشرفی اوجھانوی غفرلہ ولوالدیہ وعفی عنہ وعن والدیہ

27 جمادی الاخر 1365 بمطابق 3 مئی 1946 یوم پنجشنبہ

www.alahazratnetwork.org

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ
۴۰۔ اردو بازار * لاہور

نام کتاب —— تفسیر نعیمی (پارہ چہارم)

مصنف —— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات —— ۶۰۰

کمپوزنگ —— لیزر کمپوزنگ ان، ستار سائنس مارکیٹ،

—— بحکم اہلی والا اکیڈمی روڈ، نیو انارکلی، لاہور

پرنٹر —— پیر بھائی پرنٹرز

ناشر —— مکتبہ اسلامیہ، 40 اردو بازار، لاہور۔

قیمت ——

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ چہارم لن تنالوا

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حتّٰی	13	مقام ابراہیم کیا ہے اور اس کے فضائل	34
عربی زبان کی وسعت لا لن کا فرق	13	مکہ معظمہ دنیا و آخرت کے لحاظ سے مقام امن	
پیاری چیز خیرات کرنے کی مثالیں	14	ہے اس کی تفصیل	35
پیاری راتوں میں پیاری چیزیں خیرات کرنے		کعبہ معظمہ کے خارجی فضائل	36
تیجہ، چالیسواں وغیرہ کا ماخذ	15	قبر انور عرش معلی سے افضل ہے	37
تمباکو پینے کا حکم	16	فرضیت حج کے چھ شرائط	.37
كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا	17	قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ	40
یعقوب کے معنی اور آپ کا بعض چیزوں کو اپنے		هل اودعا فرمانے کی حکمتیں	41
پر حرام فرمانا	19	قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ	44
عرق النساء بیماری کا حقیقی علاج	20	عوام کے سامنے فقہی معمے پیش نہ کرو	47
یادگاریں قائم کرنا اسلامی رکن ہے	20	ضعفاء مومنین کون تھے؟	48
مناظرہ میں فریقین کا علم میں برابر ہونا ضروری		عالم دین وہ جو قرآن و فیضان کا جامع ہو	49
نہیں، مناظرہ کے قواعد	21	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا	49
فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ	23	الذین امنوا کے خطاب میں حضور داخل	
حضرت ابراہیمؑ کے آباؤ اجداد تمام مومن تھے	25	نہیں اس کے دلائل ایمان و اسلام میں فرق	
حضرت ابراہیم کا چاند سورج کو رب فرمانے کے معنی	26	اس پر اعتراضات و جوابات	51
اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	27	وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ	54
اول کے معانی و اقسام، بیت، دار، منزل میں فرق	28	حضور انور کے وہ معجزات جو تاقیامت باقی و قائم ہیں	57
مکہ، بکہ کے معانی، مکہ معظمہ کے نام، کعبہ کے نام	29	اس کی آیات	57
کعبہ کی اولیت، کعبہ و بیت المقدس کی تعمیر میں فاصلہ	30	يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ	59
کعبہ کی افضلیت	30	دینی و دنیاوی عزتوں کا فرق، مرکز عزت	
کعبہ اول ہے حضور اول بھی آخر بھی	31	حضور علیہ السلام ہیں	61
فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ	33	وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا	64

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
حبل کون سی رسی ہے یہاں اس سے کیا مراد	
اختلاف و تفرقہ میں فرق	65
اچھا فرقہ کون سا ہے اور برا کون سا	68
وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ الخ	70
تبلیغ دین کی اہمیت	72
کونسی تبلیغ فرض عین ہے کونسی کفایہ	73
فرض کفایہ سب پر فرض ہے یا بعض پر	73
وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا	75
یہود کے 71 عیسائیوں کے 72 مسلمانوں کے 73 فرقے	76
قیامت میں کالے منہ اجیالے کب ہوں گے	77
منافق کے چہرے کیسے ہوں گے	81
تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا	82
حضور کو بعض آیات بلا واسطہ جبریل ملیں	83
كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	87
ایمان لغوی و شرعی کا فرق	89
امت حضور کے فضائل	91
80 صفیں اس امت کی باقی 40 صفیں دوسری امتوں کی جنت میں جائیں گی	91
فضائل صحابہ کرام	92
گناہگار مسلمان بھی خیر امم ہیں	94
لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى	95
ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ	99
یہود کی ذلت و غریبی کے معانی	102
فلسطین میں یہود کی سلطنت کا حال	102
کفر عداوت کفر محبت سے بدتر ہے	103

مضمون	صفحہ
یہود کی مالداری و سلطنت کیسی ہے؟ اور مسکنت کے معانی	103
لَيْسُوْا سَوَآءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ	106
صحابہ کرام کی تعریف سنت الیہ ہے حضور سے پہلے کچھ لوگ دین حق پر قائم تھے ان کے نام اور صحابہ کرام ست ہیں	109
صحابہ کرام کا ایمان قطعی ہے	110
وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ	111
مومن کے مال و اولاد دفع عذاب کرتے ہیں	114
حضور کی آواز پر اونچی آواز کرنا کب کفر ہے	115
گدھ اور سانپ کی عمر ہزار سال سے زیادہ ہے	115
مثل ما ينفقون في هذه الحيوة الدنيا	116
ریح، ریاح اور صر میں فرق	117
کفر سے اور ریا سے عمل باطل ہونے میں فرق	120
باطل اور برباد میں فرق	120
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ	121
کفار کو کلیدی آسامیاں نہ دو	125
دون، سوی، الا، غیر میں فرق	126
اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز	126
جیسی دکان ویسے خریدار	127
هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ	127
کیا صحابہ کرام کفار سے محبت رکھتے تھے	128
صحابہ کرام کا ایمان قطعی ہے اور ان کے ایمان کی نوعیت	130
ایمان میں دلیری ہے کفر میں بزدلی	130

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
تقیہ طریقہ کفار ہے	130
محبت کی قسمیں اور ان کے احکام	131
اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ	132
عاشورہ میں خوشی منانا بھی حرام ہے غم منانا بھی منع غم کی یادگار منع ہے خوشی کی جائز	134
شخصی آفت پر خوشی اور قومی آفت پر خوشی میں فرق' ہلاکت فرعون کی خوشی کی حقیقت	135
مصیبت زدہ کو دیکھ کر کیا پڑھے؟	135
اِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ	137
جنگ احد کا واقعہ	139
کل 19 غزوں میں حضور نے شرکت کی	139
کفار مکہ نے حضرت آمنہ کی قبر ڈھانا چاہی ابو سفیان نے منع کیا	140
ذوالفقار تلوار کی تحقیق اور وجہ تسمیہ	140
احد کے معنی اور وجہ تسمیہ	140
فوج کی بھرتی' بچوں کا بھرتی کے لئے کشتی کرنا	141
ان پندرہ صحابہ کے نام جو احد میں ثابت قدم رہے	143
حضرت حمزہ کی شہادت' وحشی کون تھا؟	143
احد میں صحابہ کی جاں نثاریاں	144
حضرت حنظلہ کی عجیب شہادت	145
قرآن پاک میں اہل بیت بیوی کو فرمایا گیا ہے اس کی آیات	147
خطا اجتہادی معاف ہے خواہ کتنی ہی خطرناک ہو	147
غزوہ سے بھاگ جانے کی تین نوعیتیں اور ان کے احکام	148
وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ	149

مضمون	صفحہ
توکل کی قسمیں اور احکام	154
بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ الخ	155
صحابہ کرام کے خدام فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں	158
وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ	161
مقتولین بدر کی تفصیل کہ ان میں کتنے سرداران کفر تھے اور کتنے امراء عرب	163
جملہ کا مفرد پر عطف کب جائز ہے	164
لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ	166
احد میں حضور کو کس نے زخمی کیا؟	167
بیر معونہ کا واقعہ کب ہوا؟	167
بددعا حضور انور کے لئے منع ہے	170
نیک روحیں دنیا میں آنے سے پہلے بھی نفع پہنچاتی ہیں	170
حضرات انبیاء کرام مالک و مختار ہیں' اس کی آیات' کوثر کے معنی' ان کے سیف زبان ہونے کی آیات	171
نبی کی دعا سے بیٹے ملنا' بانجھ عورتوں کا درست ہو جانا	172
يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا	174
سود لینا بمقابلہ سود دینے کے زیادہ گناہ ہے	176
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ	178
مغفرت حاصل کرنے کا کیا ذریعہ ہے؟	181
کس جنت کی کتنی وسعت ہے؟	182
اللہ رسول کو ملانا ایمان ہے انہیں علیحدہ کرنا کفر ہے	182
اطاعت و اتباع میں فرق اور اتباع صرف حضور ہی	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
کی ہوگی	183
قضا کرنا اور قضا ہونے میں فرق	183
الذین ینفقون فی السراء والضراء	185
سراء و ضراء کی نفیس تحقیق	187
انفاق، اسراف، تبذیر میں فرق	188
والذین اذا فعلوا فاحشۃ الخ	190
فاحشہ و ظلم میں فرق	192
جریان اور سیل میں فرق، جنت کی نہروں کی خصوصیات	194
حق و گناہ میں فرق اور حق کی معافی کی شرط،	
حضور گناہ معاف کرتے ہیں اس کا مطلب	196
قد خلت من قبلکم سنن	197
سنت کے عجیب معانی	198
بیان، منطق اور ہدایت میں اور ہدایت موعظہ میں فرق	199
ولا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون	202
جس جنگ میں ایک بھی غازی احد شریک ہوا اس میں مسلمانوں کو کبھی شکست نہ ہوئی	204
جنگ احد مغلوبیت کفار کا ذریعہ کیسے بنی	206
صحابہ کے کمال ایمان کی قوی دلیل	206
شہید کے معانی	207
ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما	209
رب کے علم تین قسم کے ہیں	213
وما محمد الا رسول	215
ابی ابن خلف حضور کے ہاتھوں مارا گیا اور ایک کافر زخمی ہوا	216

مضمون	صفحہ
احد میں حضور کی حفاظت کن بزرگوں نے کی اور زخمی کس کافر نے کیا	216
قرآن کریم میں محمد 4 جگہ اور احمد ایک جگہ آیا حضور کے کل نام اور محمد و احمد کے نفیس معانی	217
رسول کے معانی اور رسول و کیل میں فرق	217
رسولوں کے گذر جانے کے نفیس معنے	218
موت اور گذر جانے میں فرق	218
لفظ محمد کے فضائل اور اس کا لفظ اللہ سے قرب	220
فتوحات فاروقی اب تک مسلمانوں کے قبضہ میں ہیں،	
محمد کے زبر و پیش والے عدد 314 ہیں	220
آدم و نوح و ابراہیم و محمد کے معانی اور ان میں فرق	221
حضور سے پہلے سات شخصوں نے اپنے بچوں کے نام محمد رکھے	221
سلطان محمود نے کبھی بغیر وضو محمد نہ کہا	221
حضور کے فیوض بعد وفات بھی جاری ہیں	224
مسئلہ حیات النبی کی نفیس تحقیق	225
وما کان لنفس ان تموت الخ	225
قابض روح صرف حضرت عزرائیل ہیں جن وانس، جانور فرشتوں بلکہ خود اپنی روح بھی وہ ہی نکالیں گے	227
کتاب موجل کے معانی	229
تقدیر مخصص اور نامہ اعمال میں فرق	229
وکاین من نبی قتل معہ ربیون الخ	231
کاہن کے معانی ربیون کی تحقیق	231
جہاد کب سے شروع ہوا	233
وما کان قولہم الا ان قالوا	235

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ذنب اور اسراف میں فرق	236
پچھلی امتوں میں بعض غنیمتیں حلال تھیں بعض ممنوع ان کی تفصیل	240
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنْ تُطِيعُوا	241
چور، دولت، ظلمت، غفلت دکھاتا ہے	245
سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا	246
مادی اور معنوی میں فرق	249
وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ	250
مال غنیمت کبھی دنیا ہے کبھی دین	253
غازیان احد میں کوئی گنہگار نہیں	254
دنیا اور حب دنیا میں کی قسمیں	257
جہاد سے بھاگنا کب جرم ہے کب نہیں	257
إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُونَ عَلَىٰ أَحَدٍ	258
صحابہ کرام احد میں بے خود ہو گئے تھے اور بے خودی مدہوش پر شرعی احکام نہیں	261
مصیبت میں بندوں کو پکارنا سنت ہے احد میں سارے صحابہ نہ بھاگے تھے حضور کی حفاظت میں سات صحابہ شہید ہوئے	261
کل سات یا دس صحابہ بھاگے تھے اور 18 صحابہ حضور کے پاس رہے تھے	262
پانچ وجہوں سے صدیق تمام صحابہ سے افضل ہیں	263
ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ	264
اسلام، ایمان، توحید، مشاہدہ انسان کے کون کون سے مقام میں رہتے ہیں	268
إِنَّ الَّذِينَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ	272
احد میں مسلمانوں اور کفار کی تعداد اور جمے رہنے والوں و قدم اکھڑ جانے والوں کی شمار	273

مضمون	صفحہ
حضور کی حفاظت کرنے والے صحابہ کیا کہہ کر جان دیتے تھے	274
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا	277
بھائی کی قسمیں اور کفار کو بھائی کہنے کا حکم	281
وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ مُتُّمْ	282
موت فی سبیل اللہ جمع مال سے کیوں افضل ہے؟	284
حضور کے زمانہ میں زندگی موت سے افضل تھی اب موت زندگی سے بہتر	285
فَبِمَا رَحْمَةٍ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ	287
حضور جسماً "بشر روحاً" فرشتہ ہیں	290
شفاعت و سفارش میں عجیب فرق جس پر حضرت صدیق و عمر جمع ہو جائیں میں اس کی مخالفت نہ کروں گا	290
کون سے کام قابل مشورہ ہیں	292
خوش خلقی اور لا قانونی میں فرق	293
إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ	294
اگر اللہ چھوڑ دے تو مددگار کوئی نہیں	296
توکل کی قسمیں اور شرطیں	297
وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَنْ يَغُلَّ	298
خیانت کی برائیاں احادیث سے	303
دوسرے نطفہ سے کیا کیا چیز بنے گی	303
کسب اور صدور میں فرق	304
أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ	305
درجات اور درکات میں فرق	307

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
جنتیوں کے درجے اور ان کے فرق	308
مراتب کے وجوہ	308
لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ	309
خلق و بعث میں بہت سے فرق	311
حضور کی پیدائش عرب میں بعثت اور سارے جہاں میں ہوئی	311
بعثت اور رسالت میں فرق	311
من انفسهم کے نفیس معانی اور انفس و انفس میں فرق	311
طہارۃ و تزکیہ میں فرق	313
حضور نعمت الٰہی کیوں ہیں؟ آپ کا عرب میں رہنا رحمت، ولادت کے وقت کے معجزات	315
سب فِيْ أَنْفُسِكُمْ، حضر مِنْ أَنْفُسِكُمْ اس کے لطائف	
أَوَلَمَّا أَصَابَتْكُمْ مُصِيْبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا	317
اجتہادی غلطی پر عذاب نہیں ہوتا ہاں تکالیف آسکتی ہیں	322
أَوَلَمَّا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ	323
اذن کے پانچ معانی	324
جہاد میں کفار سے مدد لینا	329
اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِإِخْوَانِهِمْ	329
شہداء احد پر نماز جنازہ ہر بار حضرت حمزہ کو رکھا گیا	332
وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ أَمْوَاتًا	333
شہداء بدر و احد کی تعداد اور بیر معونہ کا واقعہ، وہاں شہداء کی تعداد اور نام و مقام	334
شہداء کی زندگی پر لوگوں کے دھوکے اور ان کی تردید حضرت امیر معاویہ کا عجیب واقعہ	336

مضمون	صفحہ
عند ربهم کی عجیب تحقیق	336
شہداء تاقیامت ایمان پر مرنے والوں اور ان کی جزاء سے خبردار ہیں	337
فرحت و بشارت میں عجیب فرق	337
شہید کے معنی ہر ایک کا گواہ شہداء اور اولیاء کی روح بیک وقت ہزارہا جگہ موجود ہوتی ہے اور عالم میں تصرف کرتی ہے	339
عام مومن قبر سے جنت دیکھتے ہیں	339
مسئلہ حیات النبی پر اعتراضات و جوابات	340
موت آنے اور باقی رہنے میں فرق	341
قیامت میں کون کس کے جھنڈے کے نیچے ہوگا	342
اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ الخ	343
غزوہ حمراء الاسد کا عجیب واقعہ اور زخمی صحابہ کی بے مثال روانگی	343
حضرت صفیہ کا اپنے بھائی حمزہ کی لاش پر پہنچنا اور بے مثال صبر کا اظہار	344
اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ	
حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ کے فضائل و فوائد	
وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ	
إِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ	361
غرض و حکمت میں فرق	367
مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ	368
حضور کو علم غیب دیا گیا	370
حضور ازل سے مخلص و منافق کو پہچانتے ہیں	372
لا تعلمهم کی تحقیق	373

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
اولیاء اللہ کو علم غیب دیا جاتا ہے	374
وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ	375
تجارتی شراب و سود میں زکوٰۃ نہیں	378
مسلمانوں کے علانیہ گناہوں کا قیامت میں اعلان ہوگا	379
قاتلین حسین یا قاتلین عمرو عثمان کی تعریفیں کرنے والا قاتلوں کے زمرہ میں داخل ہے	384
اَلَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ عَهِدَ إِلَيْنَا	387
زبور کے معانی اور اس کی تحقیق	390
کل نفس ذائقۃ الموت نفس کے معانی	394
صور سے سب کی موت یا زندگی نہیں	394
روح حور و غلمان کو موت نہیں کہ ان کی زندگی نفخ روح سے نہیں	398
موت قتل اور ہلاکت میں نفیس فرق اور ان کے مستحقین	399
لَتُبْلَوُنَّ فِي أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ	400
وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	405
خلف اور وراء کا فرق	406
فتویٰ لکھنے کی اجرت لینا درست ہے	408
لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا	409
إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ	414
ذکر تمام مخلوق کرتی ہے مگر فکر صرف انسان	418
ذکر اللہ علاج ہے اس کی نفس شرح	421
لا الٰہ کے معانی اور توحید کے چار مرتبے	422
رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ أَخْزَيْتَهُ	423

مضمون	صفحہ
ایمان کے منادی حضور ہیں اس کی وجہ اور حضور کی نداء تاقیامت باقی ہے آج کل کے عام جنگلی پوستی فقیر مرجیہ ہیں مرتد ہیں	425
رب تعالیٰ کی ناراضی سے حضور کی ناراضی زیادہ خطرناک ہے	
فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ	432
عشق اطاعت سے افضل ہے	437
کافر کے اعمال ضبط ہوں گے نہ کہ عاشق رسول کے کہ اس کا بدلہ تخفیف عذاب ضرور ملے گا	437
جنت حاصل کرنے کے لئے پانچ عمل کرو	439
لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا	440
وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ	444
شاہ حبشہ اصحمہ کی وجہ تسمیہ، فضائل، تاریخ وفات وغیرہ	446
سورۂ آل عمران کے فضائل	448
سورہ نساء	452
يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ	453
حضرت حوا کتنی بار حاملہ ہوئیں اور حضرت آدم نے ایک لاکھ انسان دیکھے	455
عالم انسان ایک ہے اور حضرت آدم ایک اس کے علاوہ روایات روافض کی گھڑی ہوئی ہیں	
شہداً للہ کہنا جائز ہے	456
حضرت حوا کو پسلی سے کیوں بنایا	457
قیامت سے پہلے حوریں کسی کو حلال نہیں نہ حضرت آدم کو نہ حضرت ادریس کو اور نہ شہداء	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
کو اس کی وجہ اور حوروں کی پیدائش جنت کے زعفران سے ہے، وہ بشر نہیں	458
وَاٰتُوا الْیَتٰمٰۤی اَمْوَالَهُمْ	460
وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی	464
عاقل کے لئے ما کہاں آتا ہے؟	466
بیوی کے مہر سے شہد او بارش کے پانی سے ملا کر پیو شفا کے لئے اکسیر ہے	469
تعدد ازواج کی حکمتیں	471
ایک عورت چند خاوند کیوں نہیں رکھ سکتی	471
اسلام میں لونڈی غلاموں کا قانون کیوں ہے	471
وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ	473
دیوانے اور بے وقوف میں فرق اور ان کے احکام	474
عورتوں کے خصوصی فضائل، مال اور جمع مال کی ضرورت	475
وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا	477
بلوغ کی علامات اور اس کی انتہائی عمر	482
دینی خدمات پر اجرت جائز اور یتیم کے مال کا لقمہ کھانا حرام ہے	482
نابالغ بچوں کا نکاح جائز ہے	483
لِلرِّجَالِ نَصِیْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ	485
وَالْوَالِدٰنِ اور اقربون کی نفیس تحقیق	486
بیٹے کے ہوتے پوتا محروم اس کی عمدہ تحقیق اور سوالات کے جوابات	490
وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰی	491
کلام کی ابتداء خیرات سے کرو	493

مضمون	صفحہ
تیجہ، چالیسواں اور فاتحہ کا ثبوت	493
اچھوں کے دروازوں پر مرنا بھی اچھا اور حضور غوث پاک کے واقعات	494
وَلْیَخْشَ الَّذِیْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ	495
یُوْصِیْكُمُ اللّٰهُ فِیْۤ اَوْلَادِكُمْ	500
تقسیم میراث کے ضروری مسائل اس کی نفیس تحقیق	504
نبی کی میراث تقسیم نہیں ہوتی	504
باغ فدک وقف ہے	506
شیعہ کتب سے میراث نبی تقسیم نہ ہونے کا ثبوت	506
باغ فدک کا مکمل واقعہ	
وَلِاَبَوَیْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ	509
میراث کے حصص درجوں اور خدمات کی بنیاد پر نہیں ہوتے	512
شریعت کے مطابق تقسیم میراث فرض ہے	513
وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ یَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ	515
خاوند بیوی سے افضل ہے	517
بیوی خاوند کی میت کو غسل دے سکتی ہے لیکن خاوند بیوی کی میت کو غسل نہیں دے سکتا	519
حضرت علی مرتضیٰ کا حضرت فاطمۃ الزہرا کی میت کو غسل دینا تخصیص ہے	519
وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ یُّوْرَثُ كَلٰلَةً الخ	519
کلالہ کے معنی اور اس کے مسائل	520
میت کے متروکہ مال سے اس کے ذمہ کی زکوۃ	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
یا جج لوا نہیں کرسکتے	523
بیٹوں کی موجودگی میں یتیم پوتے کو میراث نہیں ملے گی	524
تِلْکَ حُدُوْدُ اللہِ وَمَنْ یُّطِعِ اللہَ وَرَسُوْلَہٗ الخ	525
حدیث شریف قرآن کریم ہی کی طرح واجب العمل ہے	528
والتی یاتین الفاحشۃ من نسائکم الخ	531
زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مردوں کی شہادت ضروری ہے	534
وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِھَا مِنْکُمْ فَاٰذُوْھُمَا الخ	536
لوطی پر تعزیر ہے حد نہیں	538
شرعی حد یا تعزیر صرف حاکم دے سکتا ہے	540
زنا وغیرہ کی شرعی سزائیں مسلمانوں پر ہی جاری ہوں گی کفار کا معاملہ ان کے مذہب کی بنیاد پر ہوگا	540
اِنَّمَا التَّوْبَۃُ عَلَی اللہِ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السُّوْٓءَ الخ	541
توبہ کے فوائد و شرائط	544
وَلَیْسَتِ التَّوْبَۃُ لِلَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ الخ	546
غرغرہ کے وقت گناہوں سے توبہ قبول ہوسکتی ہے کفر و نفاق سے نہیں	549
یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَحِلُّ لَکُمْ الخ	551

مضمون	صفحہ
خاوند کی وفات کے بعد بالغہ عورت اپنے نفس کی مختار ہے اس پر جبر جائز نہیں	555
وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّکَانَ زَوْجٍ وَّاٰتَیْتُمْ	557
بے قصور بیوی کو بہتان لگانا سخت جرم اور عذاب الٰہی کا باعث ہے	561
شریعت میں زیادہ سے زیادہ مہر کی کوئی حد نہیں	562
وَلَا تَنْکِحُوْا مَا نَکَحَ اٰبَآؤُکُمْ الخ	563
دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان عورت ہی سے ہوسکتا ہے	566
حُرِّمَتْ عَلَیْکُمْ اُمَّھٰتُکُمْ وَبَنٰتُکُمْ الخ	569
رضاعت کی نفیس تشریح	570
نسبی لحاظ سے چار قسم کی عورتیں مسلمان پر حرام ہیں	571
دودھ پلانے والی کے وہ سارے قرابت دار حرام ہیں جو سگی ماں کے حرام ہوتے ہیں	572
وَاُمَّھٰتُ نِسَآئِکُمْ وَرَبَآئِبُکُمُ الّٰتِیْ الخ	575
بیوی کی اصول حرام ہیں	578
لے پالک بیٹوں کی بیویاں حلال ہیں	579
مطلقہ کی بہن سے عدت میں نکاح حرام ہے	579

www.alahazratnetwork.org

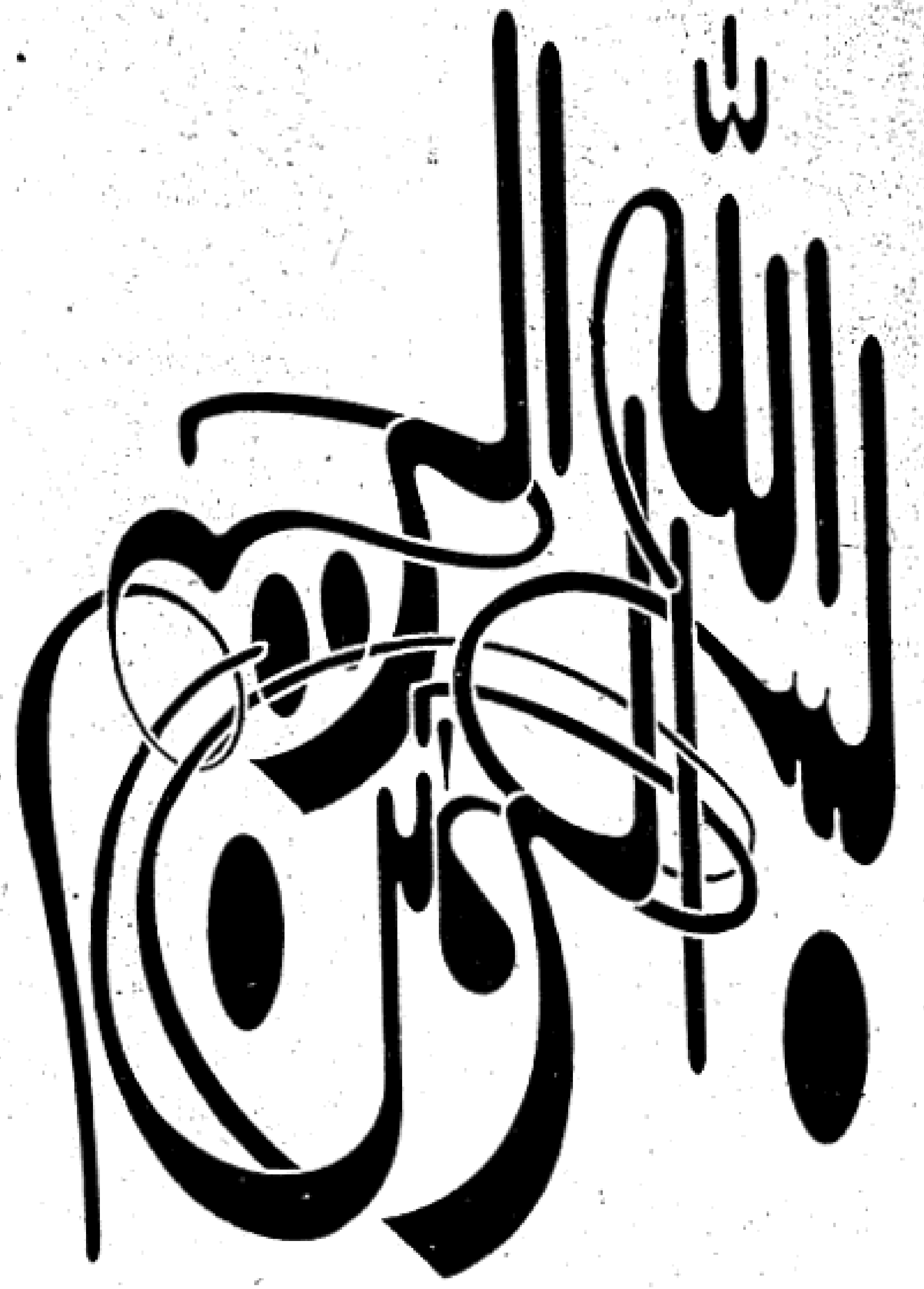

www.alahazratnetwork.org

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ

ہرگز نہ پاؤ گے تم بھلائی کو یہاں تک کہ خرچ کرو اس سے جو تم پسند کرتے ہو اور جو خرچ کرو گے تم کسی

تم ہرگز بھلائی کو نہ پہنچو گے جب تک راہ خدا میں اپنی پیاری چیز نہ خرچ کرو اور تم جو کچھ خرچ

اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ۝

چیز سے پس بیشک اللہ اُسے جاننے والا ہے

کرو اللہ کو معلوم ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق :** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں اگر کفار زمین بھر سونا بھی فدیہ دے دیں تو عذاب سے نہیں بچ سکتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمان اگر اپنی تھوڑی سی پیاری چیز بھی خیرات کریں تو عذاب سے بچ بھی جائیں گے اللہ کی رحمتیں بھی پالیں گے غرضیکہ پچھلی آیت میں مردودین کا ذکر تھا اس میں محبوبین کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس وقت کا ذکر تھا جب خیرات یا تمنائے خیرات بیکار ہو گی۔ یعنی قیامت کا دن اب اس وقت کا ذکر ہو رہا ہے جب کہ ہر قسم کا صدقہ و خیرات مقبول ہے۔ یعنی زندگی کا زمانہ جیسے بے وقت بویا ہوا بیج پھل نہیں دیتا۔ ایسے ہی بے وقت دیا ہوا صدقہ بھی پھل نہیں دیتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فوت ہونے کے بعد بے فائدہ آرزو کا ذکر تھا اس میں فائدہ مند صدقہ اور تمنائے صدقہ کا ذکر ہے۔

تفسیر : لن تنالوا عربی زبان میں یہ وسعت ہے کہ اس میں ایک معنی کے لئے کئی لفظ موجود ہیں جو تھوڑے فرق کے ساتھ مختلف مقامات پر استعمال ہوتے ہیں اور زبانوں میں یہ فراوانی نہیں' دیکھو نفی کے لئے اردو میں "نہیں" فارسی میں "نے" پنجابی میں "ناہیں" اور انگریزی میں "نو (NO)" ہے اور ایجاب کے لئے اردو میں "ہے" فارسی میں "است" انگریزی میں "یس (Yes)" اور پنجابی میں "آہو" ایک ہی لفظ ہے مگر عربی میں نفی کے ما' لا' لن' لم' لیس' ان نافیہ وغیرہ بہت سے حروف ہیں۔ اور ایجاب کے لئے نعم بلی' اجل' جیر' ای وغیرہ بہت سے الفاظ ہیں جن میں سے ہر ایک کا استعمال حسب موقع ہے' دیکھو الا' غیر' دون' حاشا' خلا' عدا ان سب کے معنے سوا ہیں لیکن ان کے موقع استعمال جدا جدا ہیں' اگر کوئی کلمہ طیبہ میں بجائے الا کے دون پڑھے اور کہے لا الہ دون اللہ تو یہ کلمہ بجائے توحید کے کلمہ شرک ہو جائے گا۔ انہی موقعوں کا لحاظ کئے بغیر لوگوں نے ترجمے کئے اور گمراہ ہو گئے' یہاں لا یا لم ارشاد نہ ہوا بلکہ لن فرمایا گیا کیونکہ لن مستقبل کی تاکیدی نفی کرتا ہے' یہ بات دوسرے حرف نفی سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ تنا لوا نیل سے بنا بمعنے پانا' حاصل کرنا' پہنچ جانا' کبھی ناراضی کو بھی نیل کہہ دیتے ہیں کیونکہ اس سے فریقین کو تکلیف پہنچتی ہے مگر اس کے بعد میں من آتا ہے۔ یہاں معنے پانا' حاصل کرنا ہے۔ البر' بر' ب کے کسرہ سے مصدر یا حاصل مصدر ہے اور بر' ب کے فتح سے صفت مشبہ' بر کا معنی بھلائی ہے اور بر بھی ہے' لغت میں بر کے معنے ہیں وسعت و گنجائش' اسی لئے میدان کو بر کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ظهر الفساد في البر والبحر۔ الایہ مگر اصطلاح میں نیکی اور بھلائی کو بر کہا جاتا ہے کیونکہ ہر

www.alahazratnetwork.org

بھلائی وسعت و گنجائش کا ذریعہ ہے' اگر یہاں بر سے مراد بندہ کی بھلائی ہے تو اس سے جنت مراد ہے یا قبر کی وسعت یا ایمان پر خاتمہ یا پرہیزگاری کی زندگی یا نیک اعمال کی توفیق جنہے تم اس وقت تک ابرار کا درجہ نہ پاسکو گے اور اگر رب کی بھلائی یعنی اس کا کرم و مہربانی مراد ہو تو اس سے مراد راضی ہونا' گناہ معاف فرمانا وغیرہ ہو گا یعنی تم اللہ کا فضل و کرم نہیں پاسکتے' غرضیکہ بندہ کی بر' اطاعت ہے اور رب تعالیٰ کی بر' قبولیت' ثواب' رحمت' رضا اور جنگ ہے (خازن۔ روح البیان وغیرہ) حتی تنفقوا حتی گزشتہ نفی کی انتہاء کے لئے ہے انفاق کی تفسیر ہم سورہ بقر کے شروع ینفقون کی تفسیر میں کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسے اشجار بعض باردار ہیں' بعض سایہ دار' بعض بیکار' بعض خاردار' ایسے ہی مالدار انسان' بعض باردار ہیں' بعض خاردار اور بعض بیکار' فرمایا جا رہا ہے کہ تم رضائے پروردگار بغیر درخت باردار بنے نہیں پاسکتے مما تحبون یہ من تبعیضیہ یا تبیینیہ' ما سے مراد یا تو مال ہے یا مال' کمال' اعمال' احوال سب مراد ہیں۔ دوسری تفسیر بہت نفیس ہے۔ تحبون' حب سے بنا بمعنی پسندیدگی و میلان وما تنفقوا من شیء ما موصولہ اور من بیانیہ ہے۔ اس میں خبیث' طیب' پیاری اور مبغوض ہر چیز داخل ہے یعنی جو بھی اچھی بری' اعلیٰ ادنیٰ' اپنی پسندیدہ و ناپسند جو بھی خرچ کرو گے فان اللہ بہ علیم اللہ اس چیز کو تمہاری نیت کو اور جذبہ و قلبی کو خوب جانتا ہے' حق یہ ہے کہ یہ ف جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے اور ما تنفقوا کی خبر پوشیدہ ہے یعنی جیسا تمہارا خرچ ہے ویسی ہی اس کی جزاء ہوگی کیونکہ پروردگار ہر چیز کو جانتا ہے' جزا دینے میں غلطی وہ کرسکتا ہے جو جاہل ہو یا مجبور اور اگر ف جزائیہ ہو تو علم سے مراد علم ظہور ہو گا یعنی جو کچھ تم خیرات کرتے ہو ہم دیکھ رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! ایمان لا کر نیک اعمال خصوصاً صدقات' خیرات سے بے نیاز نہ ہو جاؤ' تم اصل تقویٰ یا پوری کامیابی یا جنت کا اعلیٰ مقام یا رضائے رب ابھی اس وقت تک نہیں پاسکتے جب تک کہ اپنی پیاری چیزوں میں سے بھی اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو' جو چھوٹی بڑی چیز اخلاص کے ساتھ تم خرچ کرو گے۔ اس کا ثواب پاؤ گے کیونکہ ہم تمہارے صدقہ سے بھی خبردار ہیں اور نیتوں سے بھی۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ابو طلحہ اٹھ کر بولے یارسول اللہ میرے پاس بہت پیارا مال میرا باغ بیرحاء ہے میں اسی کو اللہ کی راہ میں خیرات کرتا ہوں آپ جہاں چاہیں اسے صرف فرمادیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب! چنانچہ آپ نے وہ باغ ابو طلحہ کے قرابت داروں پر وقف کردیا (مسلم' بخاری' خازن)۔ حضرت زید ابن حارثہ اس آیت کے نزول پر اپنا نہایت نفیس گھوڑا بارگاہ شریف میں لائے جس کا نام سبل تھا۔ عرض کیا یہ اللہ کے لئے صدقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گھوڑا انہی کے بیٹے اسامہ ابن زید کو دے دیا۔ زید بولے یارسول اللہ میری نیت صدقہ کی تھی' فرمایا رب نے تمہارا صدقہ قبول کرلیا (بیضاوی و خازن) حضرت عمر ابن عبدالعزیز مصری کی بوریاں خرید کر خیرات کرتے تھے' کسی نے کہا کہ آپ اس کی قیمت ہی کیوں خیرات نہیں کردیتے؟ فرمایا مجھے مصری پیاری ہے لہٰذا یہی خیرات کرتا ہوں اور یہی آیت پڑھی (تفسیر مدارک) حضرت عمر فاروق نے ابو موسیٰ اشعری کو لکھا کہ میرے واسطے ایک لونڈی خرید کر بھیجو' آپ نے بھیج دی' وہ فاروق اعظم کو بہت پسند آئی' آپ نے یہی آیت پڑھ کر اسے فی سبیل اللہ آزاد کردیا (خزائن و خازن) بعض علماء فرماتے ہیں کہ جب انسان کو خود مال کی حاجت ہو پھر اس میں سے خیرات کرے تو اس کا بڑا درجہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے و یؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ

www.alahazratnetwork.org

فوائد: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مسلمان کو اعمال نیک سے بے نیاز نہیں ہونا چاہئے جو بن پڑے نیکی کرے' دیکھو رب تعالیٰ نے صحابہ کرام جیسی ہستیوں کو بھی صدقہ و خیرات کا حکم دیا' ایمان جڑ ہے اور اعمال شاخیں' پھل وہی کھائے گا جو درخت کی جڑ اور شاخوں دونوں کی حفاظت کرے۔ دوسرا فائدہ: سارا مال خیرات نہ کرے کچھ اپنے اور بال بچوں کے لئے بھی رکھے جیسا کہ مما کی من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: صرف ایک ہی قسم کا مال خیرات نہ کرے بلکہ بقدر طاقت ہر قسم کا مال خیرات کرے جیسا کہ ما کے عموم سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: صرف صدقات واجبہ اور فرضیہ پر قناعت نہ کرے بلکہ نفلی صدقہ بھی کیا کرے' ہر جگہ دانہ پھینکو نامعلوم کون سا اگ آئے' یہ بھی ما کے عموم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: صرف ایک بار خیرات پر قناعت نہ کرے بلکہ جب تک ہو سکے کرتا رہے۔ جیسا کہ تنفقون کے مضارع سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: ردی اور خراب چیزوں کی ہی خیرات نہ کرے بلکہ اعلیٰ درجہ کی چیزیں بھی خیرات کرے جو اپنے کو بڑی پیاری ہیں۔ جیسا کہ تحبون سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون**۔ ساتواں فائدہ: ہمیشہ خوشدلی سے خیرات کرے' خیرات کو بوجھ نہ سمجھے اس بارگاہ عالی میں صرف مال کی مقدار نہیں دیکھی جاتی بلکہ دل کا حال پہلے دیکھا جاتا ہے جیسے کہ شیء کی تنکیر سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: مسلمان بعض بڑی تاریخوں میں خاص مرغوب چیزیں خیرات کرتے ہیں جیسے شب برات میں حلوہ' عید میں سویاں بقر عید میں گوشت۔ عاشورہ کے دن حلیم وغیرہ۔ ان خیراتوں کا ماخذ یہی آیت کریمہ ہے کہ یہ کھانے مسلمانوں کو پیارے ہیں' حدیث شریف میں ہے کہ مسلمان میٹھا ہے میٹھی چیز پسند کرتا ہے اور حدیث میں ہے کہ کھانوں کا سردار گوشت ہے وغیرہ مسلمان چاہتے ہیں کہ محبوب راتوں میں محبوب چیز خیرات کی جائے۔ نواں فائدہ: بعد موت میت کی طرف سے اس کے اہل قرابت میت کی پیاری اور مرغوب چیز خیرات کرتے ہیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے وصایا شریف میں ان کھانوں کی فہرست بتائی ہے جو آپ کو مرغوب تھے اور ان کے خیرات کرنے کی وصیت کی ہے۔ اس آیت کا ماخذ بھی یہی آیت ہے کہ بتب کا فعل اپنا ہی فعل ہوتا ہے' اپنی طرف سے خیرات کرو تو اپنی محبوب چیز اور دوسرے کی طرف سے اس کی محبوب چیز۔ دسواں فائدہ: بعض لوگ پیاری چیزیں خیرات کرتے ہیں اور پیاروں کو دیتے ہیں' یہ مسئلہ بھی اس آیت سے نکل سکتا ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بی بی خدیجۃ الکبریٰ کی طرف سے ان کی وفات کے بعد قربانی کرتے تھے اور اس کا گوشت ان مرحومہ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے' بعض لوگ گیارہویں کی چیز سادات کو دیتے ہیں' کسی بزرگ کے نام کی خیرات وہاں کے مجاورین کو بھیجتے ہیں' یہ سب اسی آیت سے ماخوذ ہیں۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی راہ میں اچھی چیز ہی خیرات کرنی چاہئے تو کیا معمولی چیزیں جو اپنی ضرورت سے بچی ہوں پھینک دی جائیں' بعض لوگ جب کوئی کھانا بگڑتا دیکھتے ہیں تو خیرات کر دیتے ہیں' کیا وہ گنہگار ہیں؟ جواب: اچھی چیز ہی نہیں بلکہ ردی چیز بھی خیرات کرنی چاہئے' آیت کریمہ میں حصر کا کوئی لفظ نہیں بلکہ حتی فرمایا گیا جو انتہا کے لئے آتا ہے' یہاں روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو ردی چیز ہی خیرات کریں۔ دوسرا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب زکوٰۃ وصول کرنے والے عاملوں کو بھیجتے تو انہیں تاکید فرماتے تھے کہ لوگوں کا بہترین مال نہ لینا درمیانہ لینا اور آیت فرما رہی ہے کہ بہترین مال رب کی راہ میں دیا جائے' آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب:

www.alahazratnetwork.org

یہاں دینے والوں سے خطاب ہے اور حدیث شریف میں لینے والوں کو تاکید جتنے عامل جبراً" بہترین مال نہ لے مگر مال والا خوشی سے بہترین مال دے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت صرف وہی پائے گا جو بہترین مال خیرات کرے' تو چاہئے کہ معمولی خیرات کرنے والے کو جنت کبھی نہ ملے وہ ہمیشہ دوزخ میں رہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں بر سے مراد یا جنت کا اعلیٰ مقام ہے یا تقویٰ کا اعلیٰ درجہ یا جنت کا اولی داخلہ ہے لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے لازم آتا ہے کہ شرابی لوگ شراب خیرات کیا کریں' حقہ پینے والوں کی فاتحہ حقہ پر دلوائی جایا کرے' کیونکہ انہیں یہی چیزیں مرغوب ہیں' افیونی' بھنگی' چرسی یہی چیزیں خیرات کیا کریں۔ **جواب:** یہاں روئے سخن مسلمانوں سے ہے مسلمان شراب اور دیگر نشی چیزوں سے محبت نہیں کرتا' اگر انہیں دل سے پسند کرے اور اچھا جانے تو کافر ہے' یہ چیزیں اسلام میں حرام ہیں بلکہ انہیں برا جان کر' علت سمجھ کر اپنے کو گنہگار محسوس کرتے ہوئے انہیں استعمال کرتا ہے' نفسانی رغبت اور چیز ہے دلی محبت دوسری چیز' اسی لئے یہاں **تحبون** فرمایا نہ کہ **ترغبون** حتی کہ مومن کو سودی اور جوئے میں جیتی ہوئی رقم سے دلی نفرت ہوتی ہے مگر نفسانی رغبت جس پر وہ شرمندہ بھی ہوتا ہے اگر ان سے دلی محبت کرے تو کافر ہے' حقہ بھی جو پیتے ہیں وہ دواء" یا ضرورۃ" یا علت سمجھ کر' ورنہ دل ان کا بھی کراہت ہی کرتا ہے تو یہ بھی **تحبون** سے خارج ہے۔ خیال رہے کہ تمباکو اگر نشہ دے تو حرام ہے ورنہ مکروہ کہ اس کا استعمال نہ کرنا بہتر اور جب تک منہ میں بو رہے مسجد میں آنا حرام (از شامی کتاب الاشربہ) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر پیاری چیز خیرات کئے جنت نہیں ملتی' تو غریب فقیر جو خیرات پر قادر نہ ہوں یا وہ لوگ جنہیں خیرات کا موقع ہی نہ ملے کہ یا تو بچپن میں فوت ہو جائیں یا اسلام لاتے ہی دوزخی ہونے چاہئیں۔ **جواب:** جنت کا ملنا کسبی بھی ہو گا عطائی بھی اور وہبی بھی' اپنے عمل سے جنت میں جانا کسبی ہے' دوسروں کی طفیل جانا وہبی اور بلا عمل محض رب تعالیٰ کے فضل سے جانا عطائی' یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے' اسی لئے **لن تنالوا** فرمایا ہم جیسے گنہگار انشاء اللہ نیک کاروں کے طفیل بخشے جائیں گے۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بہ بخشد کریم!

رب تعالیٰ فرماتا ہے **الحقنا بهم ذريتهم وما التنهم من عملهم من شيء** ہم مومنوں کی ذریت کو جنت میں ان کے ساتھ ہی رکھیں گے اور ان کے عمل سے کچھ کم نہ کریں گے' مسلمانوں کو ایصال ثواب کا اسی لئے حکم ہے کہ ان کے اعمال میں دوسروں کا بھی حصہ ہو جائے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غریب امتیوں کی طرف سے قربانی فرماتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ بر یعنی بھلائی حاصل کرنے کے لئے اپنے محبوب مال میں سے بعض حصہ خیرات کرنا چاہئے لیکن باری تعالیٰ کو حاصل کرنے کے لئے اپنی ساری محبوب چیزیں قربان کرنا پڑیں گی' سب سے پیاری چیز اپنا نفس ہے' لقائے یار کے لئے اس کی قربانی ضروری ہے پروانہ شمع کا شعلہ حاصل کرنے کے لئے اپنے کو قربان کرتا ہے' امام کاشانی فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو پانے کا ذریعہ ماسوا اللہ کو چھوڑ دینا ہے' ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہتیں تو ایک دل میں دو محبتیں کیسے رہ سکتی ہیں' عشق وہ آگ ہے جو ماسوا اللہ کو پھونک ڈالتی ہے۔ **لا الہ الا اللہ** کے معنی عوام کرتے ہیں **لا معبود الا اللہ** اور خواص کہتے ہیں **لا موجود الا اللہ** اور عشاق کہتے ہیں **لا محبوب الا اللہ** بعض کہتے ہیں **لا مقصود**

الا اللہ صوفیاء کی نگاہ میں ماسوی اللہ وہ ہے جو خدا سے غافل کرے۔

ترا ہرچہ مشغول دارد ز دوست　　　　اگر راست خواہی دلارام اوست

جو چیز یار سے غافل کرے وہی بت ہے۔

اگر یاری از خویشتن دم مزن!　　　　کہ شرک است با یار و با خویشتن

سید الشہداء امام حسین رضی اللہ عنہ کربلا کے میدان میں اس آیت کی زندہ جاوید عملی تفسیر کر گئے تھے انہوں نے سب کچھ لٹا کر یار کو منا لیا سب کچھ کھو کر سب کچھ پالیا۔

شبیر نے نماز میں سر کو کٹا کے پی

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ

ہر کھانا تھا حلال واسطے اولاد یعقوب کے سوائے اس کے جو حرام کر لیا تھا یعقوب نے

سب کھانے بنی اسرائیل کو حلال تھے مگر وہ جو یعقوب نے اپنے

عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ

اوپر جان اپنی کے اس سے پہلے کہ اتاری جائے توریت فرمادو تو لے آؤ توریت کو اسے

اوپر حرام کر لیا تھا توریت اترنے سے پہلے تم فرماؤ توریت لاکر پڑھو

اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝

اگر ہو تم سچے

اگر سچے ہو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات **قل اٰمنا باللہ** الآیہ میں حقانیت اسلام کے دلائل بیان کئے گئے تھے اس آیت میں یہود کے ان اعتراضات کو دفع کیا جا رہا ہے جو وہ اسلام پر کرتے تھے کسی چیز کی حقانیت جبھی ثابت ہو سکتی ہے جبکہ اس کے اثبات کے دلائل قائم ہوں اور اس کے خلاف شبہات کو دفع کر دیا جائے چنانچہ اس کا ایک رکن پہلے بیان ہو چکا دوسرا رکن اب بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں **ان الذین کفروا** الآیہ میں کفار کے اخروی عذاب کا ذکر تھا اس آیت میں بعض کفار کے دنیوی عذاب کا ذکر ہے یعنی بنی اسرائیل کی بدکاریوں کی وجہ سے ان پر حلال چیزوں کا حرام ہو جانا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ پیاری چیزوں کا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ثواب کا باعث ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ پیاری چیزوں کا رب کی طرف سے حرام کر دیا جانا کبھی عذاب بھی ہو جاتا ہے خیرات اور ہے تحریم کچھ اور۔

شان نزول: جب یہ آیت کریمہ اتری **فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت** الآیہ اور یہ آیت نازل ہوئی **و علی الذین ھادوا حرمنا کل ذی ظفر** الآیہ جن میں فرمایا گیا ہے کہ یہود کی نافرمانیوں کی وجہ سے ہم نے بطور سزا ان پر

www.alahazratnetwork.org

بہت سی حلال چیزیں حرام فرمادیں اور ارشاد ہوا ذلک جزینھم ببغیھم ہم نے ان کی سرکشی کی انھیں یہ سزادی (یہود پر جانوروں کی کچھ چربیاں حرام تھیں اور ناخن والے جانور بھی حرام تھے) تب یہود نے بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا یہ جانور اور یہ چیزیں صرف ہم پر حرام نہیں ہوئیں بلکہ یہ تو نوح علیہ السلام کے زمانہ سے حرام ہیں' ان کا مقصد کلام الٰہی کا جھٹلانا تھا تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

دوسری روایت : ایک بار یہود مدینہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ آپ تو اپنے کو دین ابراہیمی پر بتاتے ہیں اور لوگوں کو قرآن کریم کی یہ آیت سناتے ہیں: **ان اولی الناس بابرھیم للذین اتبعوہ و ھذا النبی** کہ ابراہیم علیہ السلام سے قریب ترین ان کے پیروکار ہیں اور یہ نبی ہیں مگر آپ کے اعمال دین ابراہیمی کے خلاف ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کون سے اعمال ان کے خلاف تو وہ بولے کہ دین ابراہیمی میں اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام تھا مگر آپ کے دین میں حلال ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم غلط کہتے ہو' یہ چیزیں دین ابراہیمی میں حلال تھیں تب یہود کی تردید اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان' خازن' خزائن)۔ ہو سکتا ہے کہ بعض یہود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ گفتگو کی ہو اور بعض نے وہ ان دونوں واقعات پر یہ آیت آئی ہو لہٰذا ان روایات میں تعارض نہیں۔

تیسری روایت: بعض یہود نے اسلام اور قرآن پر اعتراض کیا تھا اسلام کے بعض احکام اور قرآن شریف کی بعض آیات منسوخ ہیں اور جو منسوخ ہو یا جس دین میں تنسیخ ہو وہ حق نہیں ہو سکتا' اس پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم پر فلاں فلاں جانور اور چربیاں پہلے حلال تھیں بعد میں حرام ہوئیں تو لازم آتا ہے کہ نہ دین یہودیت حق ہو نہ توریت وہ بولے کہ یہ چیزیں تو ہمیشہ سے حرام ہی تھیں کبھی حلال نہ تھیں' تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان سے مطالبہ کیا گیا کہ لاؤ توریت اور اپنا دعویٰ اس سے ثابت کرو' وہ شرما گئے اور توریت نہ لائے کیونکہ توریت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید تھی اور ان کی تردید' جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور زیادہ آشکارا ہو گئی کہ آپ باوجود امی ہونے کے یہود کی چھپائی ہوئی توریت سے خبردار ہیں (تفسیر کبیر)۔

تفسیر: **کل الطعام** یہاں کل افرادی ہے نہ کہ مجموعی جس کے معنے ہیں ہر یا تمام اور یہ اقسام کی تعمیم کے لئے ہے نہ کہ صرف افراد کی یعنی ہر قسم کے کھانے' طعام طعم سے بنا' بمعنی چکھنا یا کھانا' جو چیز' غذاء" کھائی جائے اسے طعام کہتے ہیں' میوہ جات طعام نہیں کیونکہ وہ لذۃ" کھائے جاتے ہیں' کبھی چکھنے کے معنے میں بھی آتا ہے۔ جیسے **ومن لم یطعمہ فانہ منی** جو وہ پانی چکھے بھی نہیں وہ میری جماعت سے ہے یہاں تمام کھانوں سے وہ کھانے مراد ہیں جو اسلام میں حلال ہیں یا وہ جن پر اس وقت یہود سے بحث تھی' جیسے کہا جاتا ہے کہ سارے کھانے پک گئے یا سارے لوگ کھا گئے' یہاں کھانوں سے اور لوگوں سے وہی مراد ہوتے ہیں جن کے پکانے یا کھلانے کا اہتمام کیا گیا تھا **کان حلا" لبنی اسرائیل** حل اور حلال ہم معنی ہیں جیسے حرم اور حرام' اس کے لغوی معنی ہیں کھولنا چونکہ جائز چیز سے پابندیاں اٹھی ہوتی ہیں اور انسان اس کے متعلق آزاد اور کھلا ہوتا ہے لہٰذا اسے حلال کہتے ہیں حلال و حرام ہونا حقیقتاً انسان کے فعل کی صفت ہے اور مجازاً" ان چیزوں کی' لہٰذا شراب وغیرہ حرام ہونے

www.alahazratnetwork.org

کے معنی یہ ہیں کہ ان کا استعمال حرام ہے یعنی ان غذاؤں کا کھانا حلال تھا بعض نے اس کے برعکس بھی کہا ہے اور بعض نے فرمایا کہ یہ فعل اور مفعول دونوں کی حیثیتاً صفت ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لم تحرم ما احل اللہ لک بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا لقب ہے۔ الا ما حرم اسراءیل علی نفسہ اسرائیل عبرانی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ کا بندہ' اسرا بمعنی بندہ اور ایل رب تعالیٰ کا نام' آپ کا نام شریف اسرائیل تھا اور لقب یعقوب' کیونکہ آپ اپنے بھائی عیص کے ساتھ جڑواں پیدا ہوئے تھے اس طرح کہ عیص کے عقب یعنی ایڑی میں آپ کا سر تھا اس لئے آپ کا لقب یعقوب ہوا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کی بیماری نے بہت تنگ کیا ہوا تھا' آپ نے نذر مانی تھی کہ خدایا اگر مجھے اس سے آرام ہو جائے تو میں اپنے پر اپنی محبوب غذا یعنی اونٹ کا گوشت اور اس کا دودھ حرام کرتا ہوں' رب تعالیٰ نے آپ کو شفا عطا فرمائی تو آپ نے منت پوری کرنے کے لئے یہ دونوں ہی چیزیں حرام فرمالیں' آپ کی وجہ سے آپ کی اولاد پر بھی یہ دونوں چیزیں حرام ہو گئیں' جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرۃ القضاء کے موقع پر طواف میں ضرورۃً رمل کیا یعنی تین چکروں میں اکڑ کر چلے تاکہ اس وقت کے موجود کفار ہم کو کمزور نہ سمجھ لیں' لیکن یہ اکڑنا تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت کے لئے سنت ہو گیا اگرچہ وہ مصلحت تو جاتی رہی مگر رب تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی ادائیں پسند ہیں ان کی یادگاریں قائم رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ جیسے ہمارے اسلام میں غیر ضروری عبادت کو نذر میں ضروری کر لیا جاتا ہے اور وہ فرض ہو جاتی ہے ایسے ہی ان دینوں میں حلال چیزوں کو حرام کرنے کی نذر مانی جاتی تھی اور وہ شے شرعاً حرام ہو جاتی تھی ہمارے اسلام میں اس کا نام قسم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ لم تحرم ما احل اللہ لک۔ من قبل ان تنزل التوراۃ ظاہر ہے کہ یہ جار مجرور کان حلاً'' کے متعلق ہے یعنی نزول توریت سے پہلے یہ سب چیزیں حلال تھیں' متعلق اور عامل کے درمیان مستثنیٰ کا آجانا مضر نہیں کہ یہ مثل جزء کلام کے ہوتا ہے۔ (روح البیان) اور ہو سکتا ہے کہ حرام کے متعلق ہو یعنی یعقوب علیہ السلام کے حرام فرمانے کا یہ واقعہ نزول توراۃ سے پہلے کا ہے' یہ تحریم گویا عبادت تھی اور دیگر چیزوں کی حرمت جو بطور سزا تھی وہ نزول توریت سے ہوئی (تفسیر تنویر المقباس ابن عباس) چونکہ یہود قرآن مجید کے منکر تھے اس لئے الزاماً فرمایا گیا قل فاتوا بالتوراۃ فرمادو اے محبوب توراۃ شریف لاؤ اس زمانہ میں توریت شریف ایسی شائع نہ تھی جیسا قرآن شریف شائع ہے کہ ہر گھر بلکہ ہر سینہ میں موجود ہے وہ تو صرف علماء یہود کے پاس ہی محفوظ تھی جس طرح چاہتے اس میں کمی زیادتی کر لیتے تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ یحرفون الکلم عن مواضعہ فاتلوھا تلاوت سے بنا جس کا مادہ تلو ہے معنے پیچھے ہونا' چونکہ پڑھنے میں ہر کلمہ پیچھے رہ جاتا ہے اور پڑھنے والا آگے بڑھتا جاتا ہے اس لئے پڑھنے کو تلاوت کہتے ہیں' اب معظم چیز کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے یعنی توریت میرے پاس لاؤ اور میرے سامنے اس کی وہ آیتیں پڑھو جن میں ہے کہ یہ چیزیں نوح علیہ السلام کے زمانہ سے ہی حرام تھیں اگر سچے ہو تو اپنی کتاب سے ہی دلیل لاؤ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک بنی اسرائیل کے پادری ان آیات کی تحریف نہ کر سکے تھے' اسی لئے اس مطالبہ پر وہ لوگ خاموش ہو گئے اور توریت شریف لانے کی ہمت نہ کر سکے۔

خلاصہ تفسیر: یعقوب علیہ السلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کے دینوں میں قریباً'' وہ سارے جانور اور کھانے حلال تھے جو اسلام میں حلال ہیں یعقوب علیہ السلام کے زمانہ سے ان پر اور بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام ہوئے۔ جس کی وجہ

www.alahazratnetwork.org

تفسیر میں عرض کی جاچکی ' موسیٰ علیہ السلام تک یہی حال رہا' عہد موسوی میں بنی اسرائیل کی سرکشی کے سبب بطور سزا ان پر بہت سی طیب چیزیں حرام کردی گئیں 'کیونکہ اس زمانہ میں یہ تحریم بھی سزا ہوتی تھی 'جس قدر ان کے جرم بڑھتے تھے 'اسی قدر ان پر احکام سخت آتے تھے 'چہارم مال زکوۃ فرض ہونا 'جس کپڑے یا جسم پر نجاست لگ جائے اسے کاٹ ڈالنا 'ہفتہ کے دن شکار حرام ہونا اور شکار کرلینے پر عذاب الٰہی آجانا 'صورتیں مسخ ہوجانا انہی سرکشیوں کا نتیجہ تھا 'مدینہ کے یہودی بجائے شرمندہ ہونے اور توبہ کرنے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ان احکام پر فخر کرنے لگے اور انہیں اپنی حقانیت اور اسلام کے بطلان کی دلیل قرار دینے لگے ' رب تعالیٰ نے اس آیت میں ان کی حماقت ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا بیوقوفو! یہ تو سوچو کہ نزول توریت یعنی زمانہ موسوی سے پہلے 'بجز اونٹ کے گوشت اور اس کے دودھ کے اور کون سی چیزیں حرام تھیں 'اور ان دو کی حرمت بھی یعقوب علیہ السلام کے حرام فرمالینے سے ہوئی ان کی بیماری و نذر سے پہلے تو یہ بھی حرام نہ تھیں 'اگر ان چیزوں کی حرمت ہی حقانیت کی دلیل ہے تو چاہئے کہ دین ابراہیمی اور دیگر تمام دین باطل ہوجائیں کیونکہ ان سب میں یہ تمام چیزیں حلال تھیں 'یہ واقعات جو ہم نے بیان فرمائے توریت میں بھی موجود ہیں 'اگر تم اس دعویٰ میں سچے ہو کہ یہ چیزیں پہلے بھی حرام تھیں تو توریت لے آؤ اور وہ آیات پڑھ کر ہمیں سناؤ جن میں تمہارے دعویٰ کی تصدیق ہو۔

نوٹ: تفسیر صاوی نے اس جگہ فرمایا کہ عرق النساء رگ کی بیماری جو ران کے نچلے حصہ میں زور کرتی ہے اور انسان کو چلنے پھرنے سے مجبور کردیتی ہے اس کا علاج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ عربی دنبہ کی چکی (لاٹ) کی چربی آگ میں پگھلائی جائے اور اس کے تین حصے کئے جائیں اور ران کی اس رگ میں جسے ریق کہتے ہیں پہلے ایک حصہ جذب کردیا جائے' پھر کچھ دن بعد دوسرا 'پھر تیسرا حصہ 'انشاء اللہ شفا ہوگی حضرت انس فرماتے ہیں 'میں نے سو سے زیادہ بیماروں پر اسے آزمایا' مجرب پایا۔ (تفسیر صاوی)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: علم تاریخ بھی بہترین علم ہے کہ کبھی اس سے دین میں مدد ملتی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں بہت سی تاریخی واقعات بیان فرمائے دیکھو یہاں یہود نے ایک تاریخی واقعہ لے کر ہی اسلام پر اعتراض کیا تھا۔ صحیح واقعہ سننے پر انہیں خاموش ہونا پڑا۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوب بندوں کی ادائیں بڑی محبوب ہیں دیکھو حضرت یعقوب علیہ السلام کی منت قبول فرمائی اور اسے ان کے دین کا حکم شرعی قرار دے دیا۔ تیسرا فائدہ: بزرگوں کی یادگاریں قائم کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام کی شفا کی یادگار میں ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک تک اونٹ کا گوشت اور دودھ حرام رہا' ہمارے اسلام میں بھی یادگاروں پر بہت زور دیا گیا ہے 'ماہ رمضان کی دھوم دھام نزول قرآن کی یادگار ہے۔ بقر عید کی تکبیر تشریق اور قربانی جناب خلیل کی یادگار 'حج میں صفا مروہ پر دوڑنا حضرت ہاجرہ کی یادگار 'جمروں کی رمی اسمٰعیل کی یادگار ہے 'علیہم الصلوٰۃ والسلام 'عاشورہ کا روزہ نجات موسیٰ علیہ السلام کی یادگار' بلکہ پانچوں نمازیں پانچ نبیوں کی یادگاریں ہیں لہٰذا عید میلاد 'عید معراج 'عرس بزرگاں منانا اور ان میں عبادتیں کرنا باعث ثواب ہے کہ یہ بھی یادگاروں کا قائم کرنا ہے۔ چوتھا فائدہ: ہم مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ ہمارے گناہوں اور خطاؤں کی وجہ سے ہم پر احکام سخت نہ ہوئے 'اعمال ہمارے گندے اور احکام ہمارے نہایت آسان۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ عطا فرمائے اور آپ کو علم لدنی بخشا کہ باوجود امی ہونے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توریت کے مضامین سے دلائل پیش فرمائے۔ چھٹا فائدہ: اسلام کی حقانیت ظاہر کرنے یا اسلام سے اعتراضات اٹھانے کے لئے بے دینوں سے مناظرہ کرنا سنت ہے' دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے مناظرہ فرمایا۔ ساتواں فائدہ: مناظرہ میں فریقین کا علم میں برابر ہونا ضروری نہیں' بڑا عالم معمولی علم والے سے بھی مناظرہ کرے' ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جاہل سے مناظرہ فرمایا جو تیسرے پارے کے اول میں گزر چکا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اعلم الاولین والآخرین ہیں ان پادریوں سے مناظرہ کیا جن کے علم کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی حقیقت ہی نہ تھی اور رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی' یہاں فرمایا **فاتوا بالتورۃ** اور کہیں فرمایا **قل ھاتوا برھانکم** اپنی دلیل لاؤ۔ آٹھواں فائدہ: مناظرہ میں مخالف کو اس کی مسلمہ کتابوں سے الزام دینا درست ہے' دیکھو تحریف شدہ توریت کی ہر آیت مشتبہ ہے مگر چونکہ یہود کی مسلم ہے اس لئے انہیں اسی کے پیش کرنے کا حکم دیا گیا' لہٰذا ہم مرزائیوں کو مرزا صاحب کی کتب سے اور ہندوؤں اور آریوں کو ان کے وید اور شاستروں سے الزام دے سکتے ہیں۔ نواں فائدہ: مناظرین کو یہ جائز ہے کہ مقابل کو الزام دینے کے لئے ان کی کتابیں اپنے علم میں رکھیں بشرطیکہ اپنے عقیدہ میں پختہ ہوں بلا ضرورت بے دینوں کی کتب دیکھنا اور پڑھنا جائز نہیں' خصوصاً ان کو جو اپنے دلائل اسلام سے بے خبر ہوں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عمر کو توریت پڑھنے سے منع فرما دیا تھا۔ دسواں فائدہ: نسخ احکام تمام دینوں میں ہوتا رہا ہے اس پر اعتراض یہودیانہ حرکت ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مسلمان کہلا کر نسخ کے منکر ہیں' نسخ کی پوری بحث اسی تفسیر کے پہلے پارے میں **ما ننسخ من ایۃ** الایہ کے ماتحت گزر چکی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا **کل الطعام** یعنی سارے کھانے بنی اسرائیل کے لئے حلال تھے تو کیا ان کے لئے کتا' گدھا اور سور بھی حلال تھے' یہ تو بڑی خبیث چیزیں ہیں' نیز پھر تم سانپوں اور چینیوں کو برا کیوں کہتے ہو جو کتا' بلکہ سانپ اور چوہے بھی کھا جاتے ہیں (آریہ)۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں تمام کھانوں سے وہی کھانے مراد ہیں جو اسلام میں حلال ہیں اور جن کی حلت پر یہود مدینہ نے اعتراض کیا تھا' کلام کے معنے قرینہ سے کئے جاتے ہیں اس کے قرائن ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ دوسرا اعتراض: بنی اسرائیل کے گناہوں کی وجہ سے جو طیب چیزیں ان پر حرام کی گئی تھیں وہ صرف گنہگاروں پر کی گئی تھیں یا سب پر' اگر صرف گنہگاروں پر حرام ہوئی تھیں' نیکوں کے لئے حلال تھیں تب تو بڑی بے قاعدگی تھی' دینی قوانین یکساں چاہئیں اور اگر سب پر حرام تھیں تو نیکوں پر ظلم ہوا کہ کرے کوئی بھرے کوئی۔ جواب: سب پر ہی حرام تھیں' کبھی مجرموں کی وجہ سے نیکوں پر بھی مصیبت آ جاتی ہے' اگر ایک شخص کشتی کا تختہ توڑ دے تو سارے ہی ڈوبتے ہیں کہ ایک کشتی کے سوار جو ہوئے' اب بھی بعض گنہگاروں کی وجہ سے بارشیں بند ہو جاتی ہیں' وبائیں پھیل جاتی ہیں' جس سے تمام کو ہی تکلیف ہوتی ہے' باغی شہر پر بمباری کی جاتی ہے تو بے قصور بچے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں' ہاں اس کے عوض رب تعالیٰ بے قصوروں کے درجات بڑھا دیتا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ بعض کھانے یعقوب علیہ السلام نے صرف اپنی ذات پر حرام کئے تھے اور وہ بھی ایک خاص وجہ سے' تو یہ کھانے تمام بنی اسرائیل پر حرام کیوں ہو گئے'

www.alahazratnetwork.org

یہ عجیب بات ہے کہ ایک بزرگ کا عمل سب پر لازم ہو جائے۔ **جواب:** یعقوب علیہ السلام کی عظمت ظاہر کرنے اور ان کی یادگار قائم کرنے کے لئے دیکھو۔ ایک خاص موقعہ پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قربانی کی مگر وہ بطور ان کی یادگار قیامت تک باقی رکھی گئی' ایک خاص موقعہ پر بی بی ہاجرہ صفا و مروہ کے درمیان دوڑیں مگر یہ دوڑنا تمام حاجیوں پر لازم کر دیا گیا' ہمارے پاکستان میں قائداعظم کے بہت سے کارنامے بطور یادگار قائم رکھے گئے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر غذا طعام ہے مگر احناف کہتے ہیں کہ طعام صرف گندم ہے باقی کھانے طعام نہیں' حنفیوں کا یہ مسئلہ قرآن کی اس آیت کے خلاف ہے۔ (تفسیر کبیر) **جواب:** حنفیوں کا یہ مسئلہ قسم کے متعلق ہے قسم میں عرف کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ لغت کا' اس زمانہ میں عرفاً گندم ہی کو طعام کہتے تھے' اس لئے اگر کوئی قسم کھاتا کہ میں طعام نہ کھاؤں گا تو اس سے گندم مراد ہوتا جیسے تمہارے ہاں بھی گوشت کی قسم میں مچھلی داخل نہیں ہوتی کیونکہ محاورے میں مچھلی کو گوشت نہیں کہا جاتا حالانکہ قرآن کریم نے مچھلی کو گوشت فرمایا ہے۔ **و لحما" طریا"** قرآن میں لغوی معنی مراد ہیں اور قسم میں عرفی معنے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے تین قسم کی مخلوق پیدا فرمائی ایک روحانی و نورانی فرشتے' ان کی غذا ذکر الٰہی اور ان کی پیدائش عبادت کے لئے' دوسری مخلوق جسمانی ظلمانی' ان کی غذا طعام اور ان کی پیدائش عبرت و خدمت کے لئے ہے' اور تیسری مخلوق انسان جو ملکی روحانی اور حیوانی و جسمانی سے مرکب ہے' ان کی روحانی غذا ذکر ہے اور جسمانی غذا طعام' ان کی پیدائش عبادت و معرفت کے لئے ہے' پھر انسان تین قسم کے ہیں' بعض وہ جن کی حیوانیت روحانیت پر غالب آگئی وہ تو جسمانی غذا میں مشغول ہو کر روحانی غذا بھول بیٹھے حتی کہ ان کی روحانیت فنا ہو گئی۔ **اولئک کالانعام بل ھم اضل** شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

مرو در پے ہرچہ دل خواہدت — کہ تمکین تن نور جاں کاہدت
کند مرد را نفس امارہ خوار! — اگر ہوشمندی عزیزش مدار!
دریغ آدمی زادۂ پر محل — کہ باشد چو انعام **بل ھم اضل**

اور بعض انسان مقتصد یعنی میانہ رو ہیں جن کی روحانیت اور حیوانیت برابر ہے' ہر ایک کو غذا مل رہی ہے ان کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **عسی اللہ ان یتوب علیھم** تیسرے وہ انسان ہیں جن کی روحانیت' حیوانیت پر غالب ہے' انہوں نے روحانی غذا میں مبالغہ کیا اور جسمانی غذا یعنی کھانے میں اختصار حتی کہ ان کا نفس مر گیا اور روحانی قوتیں بہت بڑھ گئیں جن کے بارے میں فرمایا گیا **اولئک ھم خیر البریۃ** یہی لوگ سابقین ہیں یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ انسان کے لئے ساری جسمانی غذائیں حلال تھیں' بجز ان کے جنہیں سابقین بالخیرات نے اپنے نفس امارہ پر حرام کر دیا' نفس کو مار کر دل کو زندہ کر کے اور روح کو غالب کر کے یہ واقعہ اس وقت ہوا جبکہ اس پر مشاہدات کی توریت نازل نہ ہوئی تھی' صوفیاء کے ہاں پہلے مجاہدات ہیں پھر مشاہدات مجاہدات' مشاہدات کی سیڑھی ہیں اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے۔

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ
بس جو کوئی گھڑے اللہ پر جھوٹ پیچھے اس کے تو وہ ہی
تو اس کے بعد جو اللہ پر جھوٹ باندھے تو وہ ہی

www.alahazratnetwork.org

هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَمَا

ظالم لوگ ہیں ۔ فرما دو سچا ہے اللہ پس اتباع کرو ملت ابراہیم کی جدا اور نہ

ظالم ہیں تم فرما دو اللہ سچا ہے تو ابراہیم کے دین پر چلو جو ہر باطل سے

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾

تھے وہ مشرکوں میں سے

جدا تھے اور شرک والوں میں نہ تھے

وقف جبرئیل علیہ السلام

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا جھوٹ قطعی دلائل سے ثابت کیا گیا تھا کہ وہ اپنی تائید میں توریت پیش نہ کر سکے اب جھوٹے کی سزا کا ذکر ہے' مقدمات میں پہلے مجرم پر فرد جرم عائد کی جاتی ہے' پھر اس جرم کی سزا سنائی جاتی ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا جھوٹا ہونا' مجرم ہونا ثابت کیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ کر لو معاف کر دیا جائے گا **فاتبعوا ملۃ ابرھیم** ہمارے ہاں مجرم کے لئے معافی پہلے ہے سزا بعد میں اگر توبہ نہ کرے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم و یعقوب علیہم السلام سے یہود کے بہتان دفع فرما کر ان کی عظمت کا اظہار فرمایا' اب ان پر بہتان لگانے والوں پر اظہار عتاب اور ان سے توبہ کا مطالبہ ہو رہا ہے گویا وہ آیت بھی ان بزرگوں کے اظہار عظمت کے لئے تھی اور یہ آیت بھی مگر وہ اور نوعیت سے تھی اور یہ دوسری نوعیت سے۔

تفسیر: **فمن افترٰی'** من سے مراد تمام کفار ہیں اہل کتاب ہوں یا دوسرے کیونکہ مومن تو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ ہی نہیں سکتا اگر باندھے گا تو مومن نہ رہے گا۔ **افترٰی** فری سے بنا بمعنی چیرنا کاٹنا اصطلاح میں جھوٹ' تہمت' فساد کو فریہ کہتے ہیں کہ جھوٹے کی بات اصل واقعہ سے کٹی ہوئی ہے اس کے مطابق نہیں' باب افتعال میں آ کر پیدا کرنے کے معنی پیدا ہو گئے لہٰذا **افتراء** کے معنی جھوٹ بولنا نہیں بلکہ جھوٹ گھڑنا' جھوٹ بنا لینا ہے (تفسیر کبیر و خازن) یہاں چونکہ **الکذب** بھی آ رہا ہے لہٰذا الطریق تجرید اس کے معنی صرف گھڑ لینا ہیں۔ **علی اللہ الکذب** یعنی اب بھی یہ ہی کہے جائیں کہ یہ چیزیں اللہ نے ہمیشہ سے حرام کی تھیں **من بعد ذلک** ذلک میں یہود کی اس شکست کی طرف اشارہ ہے جو انہیں بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں نصیب ہوئی کہ وہ اپنا دعویٰ خود اپنی توریت سے ثابت نہ کر سکے بلکہ توریت ان کے خلاف پڑی **فاولئک ھم الظلمون** چونکہ **من** لفظاً تو مفرد تھا اس لئے **افترٰی** واحد لایا گیا مگر معنی "جمع" تھا کہ اس سے وہ تمام یہود مراد تھے اس لئے **اولئک** اور ظالمون جمع لائے گئے' ظالم ظلم سے بنا بمعنی اندھیرا نور کے مقابل۔ اسی سے ہے **ظلمۃ** اصطلاح میں دوسرے کا حق مارنے کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کسی کی چیز میں بلا اجازت تصرف کرنے کو بھی' وہ یہود خود اپنے نفس کا حق مار رہے تھے' قرآن کریم میں کافر کو بھی ظالم فرمایا گیا ہے **والکفرون ھم الظلمون** اور گنہگار کو بھی جیسے **و من یفعل ذلک فقد ظلم نفسہ** اور خطاکار و بھول چوک والے کو بھی جیسے **انی کنت من الظلمین** یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی اب اللہ پر جھوٹ باندھنے والے کافر ہیں خیال رہے کہ اب تک بے خبری میں جن یہود نے یہ عقیدے رکھے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ہی حرام تھیں یا دین میں تنخ درست

www.alahazratnetwork.org

نہیں وہ تو کچھ ہلکے مجرم ہیں مگر اب باخبر ہونے کے بعد جو اس عقیدے پر قائم رہے وہ بڑا مجرم ہے کہ بے خبری کے کفر سے ضدو عناد کا کفر سخت تر ہے اس لئے **من بعد ذلک** ارشاد ہوا **قل صدق اللہ** یعنی آپ اے محبوب اعلان فرمادو کہ اب اللہ تعالٰی کا سچا و حق ہونا ظاہر ہو گیا اس نے فرمایا تھا کہ یہ تمام چیزیں پہلے حلال تھیں' پھر یہود کی نافرمانیوں پر سزاء "حرام کی گئیں' یا فرمایا تھا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اونٹ کا گوشت و دودھ خود ہی اپنے پر حرام فرمالیا تھا یا فرمایا تھا کہ نسخ احکام حق ہے تم نے ان کے خلاف بکواس کی تھی مگر از روئے توریت شریف رب تعالٰی کی سچائی اور تمہارا جھوٹ عیاں ہو گیا' یا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچ ظاہر ہو گیا جیسے **یخدعون اللہ** میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکا دینا مراد ہے۔ **فاتبعوا ملۃ ابرھیم حنیفا**" یہ ف ترتیب کی ہے اور **ملۃ ابرھیم** سے دین اسلام یعنی شریعت محمدیہ مراد ہے جو تمام اصول وہی اور بہت سے فروع میں دین ابراہیمی کے مطابق و موافق ہے' دین' ملت اور مذہب کا فرق ہم پہلے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' ابراہیم کے معنی اور آپ کے فضائل بھی وہاں ہی بیان ہو چکے' حنیف **حنف** سے بنا ہے **جنف** کے مقابل' کسی کی طرف جھکنا و مائل ہونا جنخ یا **جنف** کہلاتا ہے اور کسی سے مائل ہونا علیحدہ و بیزار ہونا حنف' لہذا حنیف کے معنی ہیں تمام بدعقیدگیوں' بدعملیوں اور بے دینوں سے علیحدہ و کنارہ کش' حنیف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفت ہے کیونکہ صفت و حال معنی "ایک ہیں (تفسیر کبیر)۔ **وما کان من المشرکین** یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دوسری صفت بیان ہوئی اگرچہ حنیف میں یہ وصف بھی داخل تھا مگر عرب کے یہود و نصاریٰ اور مشرکین تمام پر چوٹ فرماتے ہوئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا یعنی اے مشرکو تم بت پرست ہو' فرشتوں کو خدا تعالٰی کی بیٹیاں مانتے ہو' یہودیو تم جناب عزیر کو رب تعالٰی کا بیٹا' اور اے عیسائیو تم جناب مسیح کو رب تعالٰی کا فرزند اور جناب سیدہ بتول مریم کو رب تعالٰی کی بیوی ٹھہراتے ہو' بتاؤ یہ شرکیہ عقیدے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تھے؟ ہرگز نہیں' تو ہمارے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دین دیکھو' اور اگر ابراہیمی لوگ دیکھنا ہوں تو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے غلاموں کو دیکھو لہذا تم بھی اسی دامن میں آجاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اے یہودیو! اب تک جو تم نے جھوٹے عقیدے اور جھوٹے اعمال اور جھوٹی باتیں اختیار کیں' ہو سکتا ہے کہ بعض نے بے خبری میں کی ہوں' کب اس مناظرے سے تم کو اپنی غلطی اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا ہونا عیاں "معلوم ہو گیا' اب اس کے بعد بھی جو یہ ہی بکواس کئے جائے کہ دین میں نسخ جائز نہیں' یہ جانور ہمیشہ سے ہر دین میں حرام تھے تو اب وہ مفتری اور اللہ تعالٰی پر جھوٹ گھڑنے والا ہو گا' کہ اب یہ جھوٹ خطاء" یا بے خبری میں نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ ہے اور ہر مفتری بڑا ہی ظالم ہوتا ہے چہ جائیکہ اللہ تعالٰی پر اور اس کے نبیوں پر افترا کرنے والا کہ وہ تو پرلے درجے کا ظالم ہے' اور ظالم کی سزا دائمی دوزخ میں رہنا ہے' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم از راہ کرم کریمانہ ان سے فرمادو کہ اب بھی کچھ نہیں بگڑا ہے ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ اور دین اسلام قبول کر کے ملت ابراہیمی میں داخل ہو جاؤ' تمہارے ادیان دین ابراہیمی نہیں' صرف اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے دیکھو' خالص توحید جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ تھا' صرف اسلام میں ہے' ختنہ' کعبۃ اللہ کی طرف نماز' حج' قربانی' مقام ابراہیم (علیہ السلام) کا احترام' داڑھی رکھنا' مونچھ ترشوانا وغیرہ تمام مسائل ابراہیمی اسلام ہی میں ہیں' تمہارے دینوں میں ان چیزوں کا نشان بھی نہیں' عقائد و اعمال دیکھ کر پتہ لگالو کہ ابراہیمی تم ہو یا مسلمان۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جاہل کے گناہ سے عالم کا گناہ بدتر ہے اگرچہ شریعت میں جہالت عذر نہیں اور جاہل معذور نہیں، دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ اب جو اس مناظرہ کے بعد افتراء کرے گا وہ ظالم ہو گا۔ دوسرا فائدہ: انبیائے کرام پر تہمت باندھنا رب تعالیٰ کو بہتان لگانا ہے کہ یہاں ارشاد ہوا علی اللہ الکذب حالانکہ یہود گزشتہ انبیائے کرام پر جھوٹے بولتے تھے۔ تیسرا فائدہ: کامیاب مناظر کو اپنی فتح کا اعلان کرنا اور لوگوں میں اس کی شہرت کرنا سنت الٰہیہ بھی ہے اور سنت نبوی بھی، یہاں ارشاد ہوا کہ فرما دو اللہ کا سچ ظاہر ہو گیا۔ چوتھا فائدہ: انبیائے کرام کی فتح و نصرت در حقیقت رب تعالیٰ کی فتح و نصرت کا ظہور ہے، انبیاء کے صدق کا ظہور رب تعالیٰ کے صدق کا ظہور ہے، انہیں سچا ماننا رب تعالیٰ کو سچا ماننا ہے، انہیں جھوٹا کہنا در حقیقت رب تعالیٰ کو جھوٹا کہنا ہے، دیکھو یہود نے مناظرہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا اور ان کی شکست اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فتح پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صدق ظاہر ہوا مگر فرمایا گیا صدق اللہ اللہ تعالیٰ کا صدق ظاہر ہوا۔ پانچواں فائدہ: شکست خوردہ مناظر پر سختی کرنے یا جھڑک ڈانٹ ڈپٹ نہ چاہئے بلکہ اسے نرمی سے حق قبول کرنے کی دعوت دینی چاہئے کہ مناظرہ کا مقصود دوسرے کو ذلیل کرنا نہیں بلکہ اسے حق قبول کرنے کی دعوت دینا ہونا چاہئے، دیکھو ان شکست خوردہ یہود سے ارشاد ہوا فاتبعوا ملۃ ابرھیم حنیفا " اب تم دین ابراہیمی کی پیروی کرو، مناظرہ، مکابرہ، مجادلہ ان سب میں بڑا فرق ہے، آج کل مناظرے کم، مکابرے اور مجادلے زیادہ ہیں۔ چھٹا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے، خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات انبیاء کے جامع ہیں، دیکھو ارشاد ہوا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو یعنی مسلمان ہو کر ملت محمدی کی پیروی کرو اس میں ملت ابراہیمی کی پیروی ہو جائے گی جیسے سو (100) میں ساری اکائیاں دہائیاں جمع ہیں اور حاصل جمع میں تمام جمع شدہ عدد جمع ہیں، ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں تمام صفات انبیاء جمع ہیں۔ ساتواں فائدہ: مومن کامل کی شان یہ ہے کہ ہر بے دینی اور ہر بے دین سے الگ رہے، صلح کل ہونا ملت ابراہیمی کے خلاف ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی صفت حنیف فرمائی، عقائد میں بے دینی کا خلط ایسا ہے جیسے گلاب کی بوتل میں دو قطرے پیشاب، جس سے سارا گلاب گندا ہو جاتا ہے اور اعمال میں بے دینوں کے اعمال کا خلط جیسے سونے میں پیتل کی ملاوٹ کہ اس سے سونا تو پیتل نہیں بن جاتا مگر بازار میں اس کا بھاؤ گر جاتا ہے۔ خالص گھی اور خالص سونے کی اچھی قیمت ہے، ایسے ہی بازار قیامت میں خالص مومن کی قدر و قیمت زیادہ ہو گی۔ آٹھواں فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی ایک آن کے لئے بھی بے دینی اختیار نہیں فرمائی، آپ بچپن سے آخر تک موحد، مومن رہے، جو آپ کو ایک آن کے لئے بھی مشرک مانے وہ خود بے دین ہے جیسا کہ ما کان من المشرکین سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: ابراہیم علیہ السلام کے سارے آباؤ اجداد موحد، مومن تھے، آزر آپ کا چچا تھا نہ کہ والد، والد تو تارخ تھے کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا ما کان من المشرکین یعنی آپ کی پیدائش مشرکوں سے نہ تھی یعنی آپ مشرکین کی اولاد نہ تھے، قرآن کریم نے آزر کو مجازاً" آپ کا والد فرمایا، عربی میں چچا کو باپ کہہ دیتے ہیں، اس کی تحقیق پہلے پارے میں حضرت آمنہ خاتون کے ایمان کی بحث میں ہو چکی۔ دسواں فائدہ: مدینہ کے یہودی اور عیسائی مشرک تھے اور آج کل کے عیسائی یہودی سب مشرک ہیں کیونکہ اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں، یہ بھی ما کان من المشرکین سے معلوم ہوا یعنی تم مشرک ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام مشرک نہ تھے پھر تم ان کے دین پر کیونکر ہوئے، لیکن اس کے باوجود یہ ایک نبی کے ماننے والے ہیں اس لئے انہیں اہل کتاب کہا گیا" اور ان کی عورتوں

www.alahazratnetwork.org

سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہوا معلوم ہوا کہ نبی کی طرف غلط نسبت سے بھی کچھ فائدہ پہنچ جاتا ہے تو جسے ان کے ساتھ صحیح نسبت حاصل ہو جائے اس کا کیا پوچھنا۔

بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے　　　خدا کی یہ نعمت بڑی چیز ہے

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس مناظرہ کے بعد اللہ پر جھوٹ باندھنے والے یہودی ظالم ہوں گے تو چاہئے کہ اس سے پہلے کے یہودی ظالم نہ ہوں حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **والکفرون هم الظلمون** سارے ہی کافر ظالم ہیں' آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں ظالم سے مراد بڑے اور سخت ظالم ہیں اور اس آیت میں مطلقاً" ظالم مراد ہیں کیونکہ اب بعد مناظرہ ضد و عناد سے افتراء ہو گا اس سے پہلے بے خبری کا افتراء ہو سکتا تھا۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں صاف کیوں نہ فرمایا کہ دین محمدی کی پیروی کرو' یہ کیوں کہا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کرو۔ جواب: اس لئے کہ وہ لوگ اپنے دین کو دین ابراہیمی کہتے تھے اور اپنے کو ابراہیمی کہلواتے تھے نیز ابراہیم علیہ السلام کی محبت کا دعویٰ کرتے تھے اس لئے ان الفاظ میں انہیں اسلام کی تبلیغ کی گئی۔ جیسے آج ہم کفار سے کہیں کہ سچے دین یا برابری والے دین میں آجاؤ' مطلب یہ ہے کہ ملت ابراہیمی حقیقت میں اسلام ہی ہے۔ تیسرا اعتراض: اگر اسلام ملت ابراہیمی ہے تو یہ دین تمام دینوں کا ناسخ نہ ہوا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کی ضرورت کیا تھی وہی دین باقی رکھا جاتا؟؟ جواب: اسلام کے دین ابراہیمی ہونے کے معنی نہ تو یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابراہیم علیہ السلام کے تبع ہیں اور نہ کوئی مسلمان اسلام کے احکام کی ان کے احکام جان کر اتباع کرتا ہے بلکہ اسلام کو ملت ابراہیمی سے وہ نسبت ہے جو شرح کو متن سے ہوتی ہے یا درخت کو تخم سے' کہ شرح اپنے میں پورے متن کو لئے ہوتی ہے مع ہزارہا زوائد کے اسی طرح اسلام اپنے اندر ان کی ملت کو لئے ہوئے ہے اور ان کے موافق ہے' اور اب ہم ان کی ملت پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے' اسلام تمام دینوں کا ناسخ بایں معنی ہے کہ اب ان کے احکام کی اتباع نہیں بلکہ اسلام کی اتباع ہے اور ہم ان کی امت نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں' نسخ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے سارے احکام مٹا دیئے جائیں' لہٰذا نسخ موافقت کے خلاف نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کبھی شرک نہ کیا' اور قرآن کریم دوسرے مقام پر فرما رہا ہے کہ آپ نے چاند' سورج اور تاروں کو اپنا رب فرمایا **فلما را القمر بازغا" قال هذا ربی** یہ شرک ہے' معلوم ہوا پہلے آپ مشرک تھے بعد میں مومن' موحد ہوئے۔ جواب: **نعوذ باللہ** آپ کی ذات تو بہت اعلیٰ و ارفع ہے' آپ ابو الانبیاء ہیں' کوئی نبی کسی وقت شرک نہیں کرتے' یہ حضرات پیدائشی عارف باللہ ہوتے ہیں جناب کا اس وقت چاند' سورج کو **هذا ربی** فرمانا کفار کو الزام دینے کے لئے تھا کہ کیا تم اسے میرا رب بتاتے ہو' جو ڈوب جائے وہ خدا کیسا' اسی لئے رب تعالیٰ نے ان کے کلام کی تائید و تعریف فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **و تلک حجتنا اتینها ابرهیم علی قومه** یعنی ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیل ان کی قوم کے مقابلہ میں ہم نے سکھائی نیز آپ نے اپنے اس فرمان سے متصل فرمایا **یقوم انی بری ء مما تشرکون** اے میری قوم میں تمہارے شرک سے دور ہوں' اور بیزار' ورنہ آپ یوں فرماتے کہ میں اپنے شرک سے توبہ کرتا ہوں **بری ء** سے معلوم ہوا کہ آپ شرک سے قریب بھی نہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ: جو شخص بغیر مجاہدہ نفس رب تعالیٰ تک پہنچنا چاہے اور اس راستہ کو آسان اور اس کے طے کرنے کو مذاق جانے وہ بڑا ظالم ہے "اے محبوب فرما دو اللہ سچا ہے" اس نے سچ فرمایا کہ اللہ کی رضا بغیر اپنی رضا فنا کئے نہیں پا سکتے "اے مجاہدو تم ملت ابراہیمی اور جبلت خلیلی کی اتباع کرو کہ ان کی ملت و جبلت یہ تھی کہ وہ مہمانوں پر مال خرچ کرتے تھے امتحان پر بیٹے کی قربانی اور اپنے کو نار نمرود میں ڈال دینے سے دریغ نہ فرماتے تھے "خلت کی ملت ہی اور ہے" ابراہیم علیہ السلام مشرکین میں سے نہ تھے کہ اللہ کے ساتھ اوروں سے بھی دوستی کریں۔

اگر جز تجلی بہ رود جادہ لت! ور آتش فشانند ہجادہ لت!

اللہ کے ولی وہ ہیں جو اللہ ہی سے محبت کریں اور اسی کی محبت کے لئے اس کے محبوبوں سے محبت کریں "صوفیاء فرماتے ہیں کہ بغیر خلوص و محبت عبادات کرنا ایسا ہے جیسے ٹھنڈے لوہے کو کوٹنا کہ اس میں محنت بہت "نتیجہ کچھ نہیں "دل کو پہلے عشق کی بھٹی میں گرم و نرم کرو "پھر عبادتوں کے ہتھوڑوں سے کوٹو" محمد ابن حسان فرماتے ہیں کہ میں لبنان کے پہاڑوں میں گھوم رہا تھا اچانک ایک جلے بھنے جوان کو دیکھا "مجھے دیکھتے ہی وہ بھاگا" میں نے کہا اللہ کے بندے مجھے کچھ نصیحت کئے جاؤ "وہ بھاگے ہوئے کہتا گیا اللہ سے ڈرو وہ بڑا غیور رب ہے وہ نہیں چاہتا کہ اس کے بندے کے دل میں اس کے سوا کوئی اور بھی رہے۔ رب تعالیٰ دل کا خلوص عطا فرمائے۔ (از روح)۔

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ ﴿٩٦﴾

بیشک پہلا وہ گھر جو رکھا گیا واسطے لوگوں کے یقیناً وہ ہی جو مکہ میں ہے برکت والا اور ہدایت تمام جہانوں کے لئے

بیشک سب میں پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کا مقرر ہوا وہ ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور سارے جہان کا رہنما۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے یہود کے اس طعن کو دفع فرمایا جو وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر اونٹ وغیرہ کی حلت سے کرتے تھے "اب انہی کے اس طعن کو دفع فرمایا جا رہا ہے جو وہ کعبہ شریف کے قبلہ اسلام ہونے کی بناء پر کرتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کا قبلہ بیت المقدس کیوں نہیں جو پچھلے انبیاء کا قبلہ تھا اور ان کی ہجرت گاہ اور وہیں قیامت قائم ہوگی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جواز نسخ پر دلیل قائم کی گئی تھی کہ کچھ کھانے پہلے حلال تھے پھر حرام کئے گئے "اب اس آیت میں کعبہ معظمہ کے قبلہ بننے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے "جس کا قبلہ ہونا بھی بیت المقدس کے نسخ کے بعد ہے "یعنی جانوروں کی حلت کے نسخ میں وہ ..... حکمتیں تھیں اور نسخ قبلہ میں یہ ..... حکمتیں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دین ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا گیا تھا اور اس دین کا بڑا رکن حج بیت اللہ ہے لہٰذا اب کعبہ شریف کے فضائل بیان ہو رہے ہیں تاکہ حج واجب ہونے کی حکمتیں معلوم ہو سکیں۔ **چوتھا تعلق:** یہود و عیسائی اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے اور اپنی ملتوں کو ملت ابراہیمی بتاتے تھے "ان کی تردید میں پہلے فرمایا گیا کہ ان کے دین میں فلاں فلاں جانور حلال تھے تمہارے ہاں حرام "اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا قبلہ کعبہ شریف تھا "تمہارا قبلہ بیت المقدس" ان کے ہاں حج فرض تھا "تمہارے ہاں نہیں"

www.alahazratnetwork.org

ان کے ہاں کعبہ کی تعظیم رکن ایمان تھی تم کعبہ سے بے تعلق ہو تو تم ابراہیمی کہاں سے ہوئے؟ ابراہیمی تو مسلمان ہیں۔

شان نزول: ایک بار یہود نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارا قبلہ بیت المقدس ہے تمہارا قبلہ کعبہ' اور بیت المقدس کعبہ سے کہیں افضل ہے کہ وہ کعبہ سے پہلے اور پرانا ہے' انبیاء کرام کا قبلہ اور ان کی ہجرت گاہ ہے' اور شام کے علاقہ میں واقع ہے جو متبرک زمین ہے' جہاں قیامت قائم ہوگی' مسلمانوں نے کہا نہیں ہمارا کعبہ افضل ہے' اس موقعہ پر یہ آیت اتری' جس میں ان کی تردید اور مسلمانوں کی تائید کی گئی (تفسیر خازن و خزائن و روح المعانی و جلالین و صاوی وغیرھم)۔ (2) اسلام میں جب تبدیلی قبلہ کا واقعہ ہوا کہ مسلمان بیت المقدس سے کعبہ معظمہ کی طرف پھیرے گئے تو یہود نے طعنہ کیا کہ انہوں نے اعلیٰ اور پرانے قبلہ کو چھوڑ دیا اور ادنیٰ قبلہ اختیار کر لیا' ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان) ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر: **ان اول بیت** جس مضمون کا کوئی منکر موجود ہو یا آئندہ ہونے والا ہو اسے **ان** لام تاکید **قد** یا **لقد** وغیرہ تحقیق الفاظ سے شروع کیا جاتا ہے' چونکہ خانہ کعبہ کی افضلیت و اولیت دونوں کے یہود منکر تھے' اس لئے اس آیت کو **ان** سے شروع کیا' عربی میں اول وہ فرد ہے جو اپنے ماسوا سے پہلے اور سابق ہو' اس طرح کہ کوئی نہ اس سے پہلے ہو اور نہ اس کے ساتھ اس کے بعد کچھ ہو یا نہ ہو جیسے آخر وہ ہے' جس کے ساتھ اور بعد کوئی نہ ہو پہلے ہو یا نہ ہو' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ کیا معنی کہ نہ آپ کے زمانہ میں کوئی نبی ہے نہ آپ کے بعد' آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے' اولیت دو قسم کی ہے حقیقی و اضافی' حقیقی اول وہ جو سب سے پہلے ہو' اور اول اضافی وہ جو کسی خاص چیز سے پہلے ہو' یہاں گھروں کے لحاظ سے اولیت حقیقی مراد ہے اور تمام عالم کے اعتبار سے اولیت اضافی (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) کبھی اعلیٰ درجہ کو بھی اول کہہ دیا کرتے ہیں' بمعنی افضل' خانہ کعبہ زمانی اول بھی ہے اور درجہ کے لحاظ سے بھی اول یعنی افضل' جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں معلوم ہوگا **بیت** چھت والی عمارت کو کہا جاتا ہے' جس میں بیتوتت یعنی شب گزاری کی جائے' حجرہ یا کمرہ۔ پورے گھر کو جس میں صحن وغیرہ بھی ہو دار کہا جاتا ہے' اور پوری گڑھی کو جس میں اصطبل وغیرہ بھی ہوں' منزل چونکہ خانہ کعبہ صرف چھتی ہوئی عمارت کا نام ہے' جس میں صحن وغیرہ نہیں' اس لئے اسے بیت کہا جاتا ہے اور چونکہ وہاں نہ کوئی رہتا ہے اور نہ کسی کی ملکیت' نہ وہاں کسی کا کام ہو' صرف اللہ کا کام حج یا نماز ہوتی ہے' اس لئے اسے بیت اللہ کہتے ہیں۔ **وضع للناس وضع** وضع سے بنا جس کے چند معنی ہیں' ایجاد' خلق' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والارض وضعها للانام** بچہ جننا **رب انی وضعتها انثی** ظاہر کرنا' **وضع الکتب** رکھنا اور ڈالنا **حتی تضع الحرب اوزارها** بنانا و تعمیر کرنا کہا جاتا ہے وضع البیت یہاں اگر وضع بمعنی خلق ہے تو اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور اگر بمعنی بنا و تعمیر ہے تو اس کا فاعل فرشتے اور انبیاء وغیرہم ہیں **للناس** میں لام نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا' اور ناس سے مراد سارے مسلمان ہیں' یا سارے اہل عرب' کیونکہ اس کا دینی نفع حج و نماز وغیرہ سب مسلمان پاتے ہیں اور دنیاوی نفع امن اور رزق کا وہاں کھنچ کر پہنچنا اہل عرب خصوصیت سے پاتے ہیں۔ **للذی ببکة** لام تاکید اس لئے لایا گیا کہ یہود اس کے منکر تھے' فقط کعبہ نہ کہا گیا بلکہ دراز عبارت فرمائی گئی یعنی وہ گھر جو مکہ میں ہے تاکہ کعبہ معظمہ کی عظمت کے ساتھ مکہ معظمہ کی عظمت کا ذکر بھی ہو جائے' جس شہر میں کعبہ ہے وہ شہر افضل اور جس شہر میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم ہیں وہ شہر اعلیٰ بعض نے کہا کہ بکہ اور مکہ ایک ہی چیز ہے میم ب سے بدل گئی جسے عربی میں لازم کو لازب کہہ دیتے ہیں اور سمد کو سبد' بعض کی نگاہ میں یہ دونوں الگ لفظ ہیں بکہ' بک سے بنا بمعنی کچل ڈالنا چونکہ اس شہر کے دشمن اصحاب فیل وغیرہ کچل دیئے گئے اس لئے اسے بکہ کہا جاتا ہے' اور مکہ' مک سے بنا بمعنی چوس لینا' خشک کر دینا چونکہ یہ شہر حاجیوں کے گناہوں کو جذب کر لیتا ہے' اس لئے اسے مکہ کہا جاتا ہے' مکہ معظمہ کے بہت نام ہیں۔ (1) مکہ' (2) بکہ' (3) ام رحم' (4) کوثیساء' (5) بشاشہ' (6) حاطمہ' (7) ام القریٰ' (8) بلد امین' (9) الناسون' (10) صلاح' (11) عرش' (12) قادس' (13) مقدس' (14) راس' (15) کوثاء' (16) مبینہ (ث) (تفسیر خازن و کبیر) یونہی کعبہ کے بہت نام ہیں۔ (1) کعبہ' (2) بیت العتیق' (3) بیت اللہ' (4) مسجد الحرام۔ ان تمام ناموں کے معانی اور وجہ تسمیہ اس جگہ تفسیر کبیر میں دیکھو اور ہم بھی انشاء اللہ سورۂ حج میں ذکر کریں گے **مبرکا**" **و هدی**" **للعلمین** مبارک برک سے بنا۔ بمعنی بیٹھ جانا' لازم ہو جانا' کہا جاتا ہے **برک البعیر** اونٹ بیٹھ گیا' اونٹوں کے طویلہ کو مبارک الابل کہتے ہیں' مفردات راغب میں ہے۔ **البرکۃ ثبوت الخیر الالٰھی** اصطلاح میں اس کے معنی بڑھنا اور زیادہ ہونا بھی ہیں اور بقاء و دوام بھی' دوسرے معنی سے یہ خدا کی صفت ہے **فتبارک اللہ احسن الخلقین** پہلے معنی کے لحاظ سے خانہ کعبہ کی بھی صفت ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کی بھی' عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **و جعلنی مبرکا**" چونکہ مکہ مکرمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے' اور وہاں ہر طرف سے کھنچ کر پھل وغیرہ آتے پہنچتے ہیں اور کعبہ مثل مرکز ہے' نمازی صفیں مثل دائرے کے' اس لئے اسے مبارک فرمایا گیا **هدی**" سے مراد ہدایت دینے والا ہے' یا باعث ہدایت' چونکہ کعبہ معظمہ انسان جنات بلکہ فرشتوں کا بھی قبلہ ہے اس لئے اسے عالمین کی ہدایت فرمایا گیا' نیز یہ انسانوں کو جنت کی ہدایت دیتا ہے اس لئے **هدی**" فرمایا گیا' ہدایت کی پوری بحث اور اس کے اقسام **اهدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں گزر چکی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو یا اے سارے انسانو! یقین سے جان لو کہ ساری روئے زمین پر سب سے پہلے اور سب سے افضل گھر جو لوگوں کے دینی اور دنیوی فائدوں کے لئے پیدا کیا گیا اور بنایا گیا وہی ہے جو کہ مکہ شریف میں واقع ہے نہ کہ بیت المقدس جو شام میں ہے وہ درجہ میں بھی کعبہ کے بعد ہے اور فضیلت میں بھی جودو فیوض اسی کے مقدم ہیں' یہ بڑا برکتوں والا گھر ہے جس میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور یہ صرف انسانوں کے لئے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے لئے باعث ہدایت اور ان کا راہنما ہے لہذا ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور ان کے دین کی اکملیت اور ان کی امت کی شرافت کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ان کا قبلہ کعبہ معظمہ ہے کسی کی افضلیت معلوم کرنے کے لئے اس کے دوست احباب اور اس کے سامان کو بھی دیکھا جاتا ہے جس دین کے لانے والے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں' پھیلانے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور قبلہ کعبہ ہو وہ دین خود کیسا ہو گا۔

کعبہ کی اولیت: مکہ معظمہ اور کعبہ شریف کے تاریخی حالات پہلے پارے کی تفسیر میں بیان کئے گئے' یہاں اس کی اولیت و افضلیت کے متعلق کچھ عرض کیا جاتا ہے' تفسیر روح المعانی وغیرہ نے اس آیت کے ماتحت بیان فرمایا کہ زمین و آسمان کی پیدائش سے پہلے پانی تھا' قدرت نے اس پر جھاگ پیدا کئے وہ جھاگ چالیس سال تک ایک جگہ محفوظ رہے' پھر وہی جھاگ پھیلا دیئے

www.alahazratnetwork.org

گئے اسی پھیلے ہوئے جھاگ کا نام زمین ہے' اس جھاگ کی پیدائش آسمانوں کی پیدائش سے پہلے ہے اور ان کا پھیلاؤ اس کے بعد رب تعالیٰ فرماتا ہے **والارض بعد ذلک دحها** جہاں وہ جھاگ محفوظ رہے تھے وہیں کعبہ معظمہ ہے' پھر آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے بیت المعمور کے بالکل مقابل فرشتوں نے کعبہ شریف کی عمارت بنائی یا نئی میں بیت المعمور کے برابر تاکہ آسمان کے فرشتے تو بیت المعمور کا طواف کیا کریں اور زمینی فرشتے کعبہ کا' اس عرصہ میں کعبہ کا طواف تو صرف زمینی فرشتے کرتے رہے' مگر اس کا حج زمین و آسمان کے سارے فرشتے (تفسیر خازن از امام زین العابدین) مگر اس عمارت کا سامان آسمانی سرخ یاقوت تھے زمین کے پتھر وغیرہ نہ تھے' پھر آدم علیہ السلام نے اس تعمیر میں کچھ زیادتی کی اور آپ بھی اسی کا طواف اور اسی کی طرف نماز پڑھتے رہے' اس کی مرمت شیث علیہ السلام نے بھی کی' طوفان نوحی تک یہ گھر ایسے ہی رہا' اس طوفان کے موقعہ پر آسمانی عمارت تو آسمان پر ہی اٹھالی گئی' اس کا صرف ایک یاقوت باقی رکھا گیا جو سنگ اسود کہلایا' اور زمینی عمارت گر کر سفید ٹیلے کی شکل میں رہ گئی' پھر ابراہیم علیہ السلام نے رب تعالیٰ کے حکم سے اور جبریل امین کی رہبری سے یہاں ایک گھر تعمیر کیا جو مکعب شکل کا ہے اسی لئے اسے کعبہ کہا گیا یعنی لمبائی' چوڑائی اور اونچائی برابر' پھر قوم عمالقہ نے' پھر جرہم' پھر قصی اور پھر قریش نے اس میں تعمیر و ترمیم کی' یہ پانچ چھ تعمیریں حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے پہلے ہوئیں' حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے بعد عبداللہ ابن زبیر نے اور ان کے بعد حجاج ابن یوسف نے گرا کر تعمیریں کیں' اب تک حجاج ہی کا تعمیر کردہ کعبہ موجود ہے' ہاں میزاب رحمت' چوکھٹ' دروازہ اور چھت میں کچھ معمولی ترمیمیں ہوئیں' اس کے متعلق اور بھی مختلف روایات ہیں' مگر یہ روایت بہت جامع اور صحیح ہے (جلالین' صاوی' خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام اس کے بانی اول نہیں بلکہ اس کی گری ہوئی دیواریں اٹھانے والے ہیں' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **و اذ یرفع ابرهم القواعد من البیت** آپ کی طرف بنا کو نسبت نہ کیا بلکہ رفع دیوار کو' وہ جو مسلم بخاری کی حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا زمین میں سب سے پہلے کعبۃ اللہ بنا اور اس کے چالیس سال بعد بیت المقدس' وہاں بھی ان تعمیروں سے تعمیر ابراہیمی و سلیمانی مراد نہیں کہ حضرت ابراہیم و سلیمان علیہم السلام میں ایک ہزار سال سے زائد فاصلہ ہے' نہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ کے بانی اول ہیں اور نہ حضرت سلیمان بیت المقدس کے بانی اول' اس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ کی تعمیر مراد ہے یا کوئی اور تعمیر' اس حدیث و تاریخ کی نفیس تحقیق ہماری کتاب مرآۃ شرح مشکوۃ جلد اول میں دیکھو' تفسیر کبیر نے اس جگہ فرمایا کہ کعبہ کی بنیاد فرشتوں نے ساتویں زمین پر رکھی۔ الخ

کعبہ کی افضلیت : کعبہ معظمہ کے فضائل بے شمار ہیں' ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں (1) بیت المقدس کے مشہور بانی حضرت سلیمان علیہ السلام ہیں کہ آپ نے جنات سے تعمیر کرایا' مگر کعبۃ اللہ کے مشہور بانی حضرت خلیل اللہ ہیں علیہ السلام' اس طرح کہ رب جلیل آمر' حضرت خلیل معمار' جناب ذبیح سنگ بردار اور حضرت جبریل انجینئر علیہم السلام (کبیر)۔ (2) کعبہ معظمہ میں مقام ابراہیم (علیہ السلام) سنگ اسود وغیرہ ایسی قدرت کی نشانیاں موجود ہیں جو بیت المقدس میں نہیں۔ (3) کعبہ معظمہ پر پرندے نہیں اڑتے بلکہ اس کے آس پاس پھٹ جاتے ہیں' بیت المقدس میں یہ بات نہیں (4) حرم کعبہ میں بکری اور شیر ایک جگہ پانی پی لیتے ہیں' وہاں شکاری جانور بھی شکار نہیں کرتے۔ (5) حرم کعبہ میں تاقیامت جنگ و قتل حرام

www.alahazratnetwork.org

ہے' یہ اس دعا کا اثر ہے رب اجعل هذا البلد امنا " (6) کعبہ معظمہ سارے حجازیوں خصوصاً مکہ والوں کی پرورش کا ذریعہ ہے کہ وہ جگہ وادی غیر ذی زرع ہے' جہاں معاش کے ذرائع سب ناپید ہیں مگر وہاں کے باشندے دوسروں سے زیادہ مزے میں ہیں' غرضکہ وہ جگہ صرف عبادتوں کے لئے ہے' کماتے دنیا والے ہیں اور کھاتے کعبہ والے ہیں' بیت المقدس سرسبز و شاداب زمین میں واقع ہے الذی برکنا حولہ (7) رب تعالیٰ نے کعبہ کی حفاظت خود فرمائی کہ فیل والوں کو ابابیل سے مروا دیا۔ (8) حج ہمیشہ کعبہ ہی کا ہوا' بیت المقدس کا حج کبھی نہ ہوا۔ (9) اللہ کے آخری نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ کے پاس مکہ شریف میں پیدا ہوئے۔ (10) رب تعالیٰ نے کعبہ کے شہر ہی کو بلد امین فرمایا اور اسی کی قسم فرمائی کہ فرمایا و هذا البلد الامین (11) کعبہ معظمہ کے پاس نیکی کا ثواب ایک لاکھ اور بیت المقدس کے پاس پچاس ہزار۔ (12) فرشتوں اور بہت سے انبیاء کا قبلہ کعبہ ہی رہا نہ کہ بیت المقدس۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مقبول بندوں اور محبوب چیزوں پر اعتراض کرنا طریقہ ء کفار ہے اور ان کے فضائل بیان کرنا' معترضین کے جوابات دینا سنت الیہ ہے۔ دیکھو یہود نے کعبہ پر اعتراض کئے' رب تعالیٰ نے جواب دیئے اور فضائل بیان فرمائے۔ **دوسرا فائدہ:** مقبول بندوں اور محبوب چیزوں میں فرق مراتب ہے اگرچہ نفس محبوبیت و مقبولیت میں سب یکساں ہیں' دیکھو کعبہ و بیت المقدس دونوں گھر اللہ کے ہیں مگر بیت المقدس اعلیٰ اور کعبہ معظمہ بہت ہی اعلیٰ ہے' یہی فرق مراتب انبیاء کرام اور اولیاء اللہ میں بھی ہے۔ تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض ساری مسجدیں اللہ کا گھر ہیں مگر جامع مسجد سبحان اللہ۔ **تیسرا فائدہ:** سب سے پہلے اور سب سے پیچھے ہونا بھی وجہ افضلیت ہے دیکھو رب تعالیٰ نے کعبہ کی افضلیت اس کی اولیت سے ثابت فرمائی اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت آپ کی خاتمیت یعنی آخریت سے بیان فرمائی و خاتم النبین۔ لہذا مولوی محمد قاسم صاحب نے جو تحذیر الناس میں کہا کہ اولیت و آخریت میں کوئی افضلیت نہیں وہ غلط ہے اور اس آیت کے خلاف ہے خیال رہے کہ کعبہ فقط اول ہے اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول بھی آخر بھی هو الاول والاخر کے مظہر اتم ہیں کہ وجود میں اول ہیں ظہور میں آخر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ اور تمام مخلوق کی علت غائی و اصل مقصود ہیں کہ سب کچھ ان کی خاطر بنا' اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

ہوتے کہاں خلیل و بناء کعبہ و منیٰ　　لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے
کعبہ بھی ہے انہی کی تجلی کا ایک ظل　　روشن انہی کے نور سے پتلی حجر کی ہے

چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ان کے دین کی' ان کے کعبہ کی' ان کی پیدائش گاہ کی عظمتیں بیان فرماتا ہے کیونکہ براتیوں کی عظمت سے دولہا کی عظمت کا پتہ چلتا ہے' یہود بذات خود کعبہ کے مخالف نہ تھے' بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف تھے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتراض کرنے کے لئے کعبہ شریف پر اعتراض کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر کعبہ کی بھی تعریفیں کیں اور مکہ شریف کی بھی لہذا ہمیں بھی چاہیے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کی خاطر آپ کے صحابہ' اہل بیت' آپ کے اولیاء' علماء' آپ کے مدینہ اور آپ کے خدام کی تعریفیں کیا کریں' یہ سب تعریفیں سنت الیہ ہیں جو اس آیت سے ثابت ہیں اور ان میں سے کسی کی مخالفت طریقہ ء یہود ہے۔

پانچواں فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ برکت والا بھی ہے اور جہانوں کی ہدایت بھی کہ وہاں ایک نیکی کا ثواب

www.alahazratnetwork.org

ایک لاکھ ہے ' تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کعبہ معظمہ سے افضل اور کعبہ کا اصل مقصود ہیں یقیناً مبارک بھی ہیں اور عالمین کے ہادی بھی کہ ایک صحابی کا چار سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے کیوں نہ ہو کہ ان کا ہاتھ اس مبارک کے ہاتھ میں ہے کعبہ کی طرف رخ کرنے سے سب کی نمازیں ٹھیک ہوتی ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دل کا رخ کرنے سے سب کے ایمان ٹھیک ہوتے ہیں جو کہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) میں کیا رکھا ہے اس سے پوچھنا چاہئے کہ کعبہ میں کیا ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا **وضع للناس** یعنی کعبہ معظمہ لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا اور پھر فرمایا گیا **"ھدی للعلمین"** کہ تمام جہانوں کے لئے ہدایت ہے ان دو باتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے کہ کعبہ صرف انسانوں کے لئے ہے یا تمام جہانوں کے لئے؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں: ایک یہ کہ کعبہ کا تقرر صرف انسانوں کے لئے ہوا' وہی اصل مقصود ہیں' دوسری مخلوق ان کے تابع ہو کر کعبہ سے فائدے اٹھائے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **"خلق لکم ما فی الارض جمیعا"** اے انسانو! زمین کی تمام چیزیں تمہارے لئے ہی بنائی گئیں حالانکہ دیگر مخلوق بھی ان سے فائدے اٹھاتی ہے' برات کا سارا اہتمام دولہا کی خاطر ہے' مگر اس کے کچھ فائدے براتی بھی اٹھا لیتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ کعبہ معظمہ راہنما ساری مخلوق کا ہے کہ جن و فرشتے بھی اس کے ذریعہ عبادت کرتے ہیں مگر دیگر فوائد صرف انسان ہی حاصل کرتے ہیں' قربانی کے گوشت انسان کھائیں' وہاں کے امن سے فائدے انسان اٹھائیں' ہر ملک کے میوے جو وہاں پہنچتے ہیں انسان کھائیں لہٰذا **للناس** بھی درست اور **للعلمین** بھی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کا پہلا گھر کعبہ معظمہ ہے مگر حضرت علی ابن ابی طالب' مطرف' ضحاک وغیرہم رضوان اللہ علیہم فرماتے ہیں کہ بیت اللہ سے پہلے زمین پر بہت گھر بن چکے تھے اور اس آیت کے معنی کرتے ہیں عبادت کا پہلا گھر جس میں برکتیں و ہدایتیں ہیں وہ کعبہ ہے' دوسرے گھر اس سے پہلے بن چکے تھے مگر ان میں یہ اوصاف نہ تھے ان کے قول تمہاری اس تفسیر کے خلاف ہیں' (خازن)۔ جواب: اس آیت کریمہ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے مگر ان بزرگوں کی مراد بیت سے بنائے ابراہیمی ہے' جس سے یہ جگہ بیت کی شکل میں آئی' ظاہر ہے کہ اس وقت تک لوگ بغیر گھر کے نہ رہے' رہنے سہنے کے لئے انہوں نے مکانات ضرور بنائے' خیال رہے: کہ ایک ہے کعبہ کا تقرر' اور ایک ہے وہاں عمارت کا موجود ہونا' اور ایک ہے انسان کا وہاں گھر بنانا' کعبہ کا تقرر تو سارے عالم اجسام سے پہلے ہوا اور وہاں عمارت کا آسمان سے لایا جانا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے ہوا جبکہ آسمان زمین بلکہ بیت المعمور بھی بن چکے تھے اور انسانوں کا بشکل بیت بنانا ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے ہوا' پہلے معنی سے کعبہ اول حقیقی ہے اور دوسرے دو معنی سے اول اضافی' اسی لئے رب تعالیٰ نے یہاں **وُضِعَ** فرمایا بنی نہ فرمایا لہٰذا یہاں یہ تفسیر بھی درست ہے اور ان بزرگوں کے فرامین بھی صحیح۔ تیسرا فائدہ: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کو بکہ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ زمین اپنے دشمن کو کچل ڈالتی ہے دیکھو اصحاب فیل اسی سرزمین کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے مگر حجاج ابن یوسف نے ابو قبیس پہاڑ پر گوپھن قائم کرکے مسجد حرام پر سنگ باری کی جس سے اس عمارت کو نقصان پہنچا ایسے ہی یزید پلید کے زمانہ میں کعبہ معظمہ کی بے حرمتی کی گئی حتیٰ کہ غلاف کعبہ کو آگ لگ گئی مگر یہ دونوں ہلاک نہ ہوئے تو یہ جگہ بکہ کہاں رہی؟ جواب: حجاج و یزید خانہ کعبہ کے دشمن نہ تھے اور ان مردودوں نے اسے برباد کرنے کے لئے یہ حرکتیں نہ کی تھیں بلکہ حجاج نے حضرت عبداللہ ابن زبیر کے قتل کے لئے یہ

www.alahazratnetwork.org

حرکت کی' ان کی فوج حرم شریف میں تھی' اسی لئے حضرت ابن زبیر کی شہادت کے بعد پھر اسی نے کعبہ معظمہ کو بہت اہتمام سے بنایا اور سارے حرم شریف کی درستی و مرمت کی اور یزید پلید نے ان مکہ والوں کی مخالفت میں جنہوں نے اس کی حکومت کے خلاف قدم اٹھایا تھا اور واقعہ کربلا کے بعد عام طور پر اس کی سلطنت کی (اس کے خیال میں) بغاوت کی تھی یہ حرکت کی' اس کی نیت بھی کعبہ معظمہ کو برباد کرنے کی نہ تھی' اس لئے یہ لوگ عذاب سے بچے رہے' ورنہ جو کعبہ کی بربادی کی نیت سے اس پر حملہ کرے یقیناً برباد ہوگا کیونکہ اس کا حافظ و ناصر ہے گو اس کا نام ہکبا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ نے جیسے کعبہ معظمہ کے فضائل بیان کئے ویسے ہی مکہ معظمہ کے بھی فضائل بیان کئے اس لئے کہ اس میں کعبہ ہے' قیمتی موتی کی سیپ بھی قیمتی ہوتی ہے' مومن کا دل بیت اللہ ہے اور مومن کا جسم مکہ معظمہ جس میں یہ بیت اللہ واقع ہے' مومن کا دل لوگوں کے نفع کے لئے بنایا گیا اسی سے تمام جہانوں کے لئے ہدایت کے چشمے پھوٹتے ہیں' یہ دل بڑا برکت والا ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلب مومن کی عظمت کعبہ معظمہ سے زیادہ ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است — از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است
کعبہ تعمیر خلیل اطہر است — دل گزرگاہ جلیل اکبر است

مولانا جلال الدین رومی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است — من نہ گنجم در ایں بالا و پست!
در دل مومن بگنجم اے عجب — گر مرا جوئی در ایں دلہا طلب!

اور فرماتے ہیں۔

خود بنا کرد و خدا در وے نرفت — اندراں خانہ بجز آں حے نرفت

اسی لئے کعبہ میں جانے والے حاجی بن جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہونے والے مسلمان صحابی بنے تمام جہان کے حاجی ان کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے کیوں نہ ہو یہ کعبہ قبلہء اسلام ہے اور قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قبلہء ایمان و عرفان' یہ کعبہ قبلہء سر ہے اور حضور قبلہء دل و جان صلی اللہ علیہ وسلم۔

فِیۡہِ اٰیٰتٌۢ بَیِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبۡرٰہِیۡمَ ۬ۚ وَ مَنۡ دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا ؕ وَ
اس کے اندر نشانیاں ہیں کھلی ہوئی ابراہیم کا مقام - اور جو وہاں داخل ہو گیا امن والا ہو گیا اور
اس میں کھلی نشانیاں ہیں ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ۔ اور جو اس میں آئے امان میں ہو اور
لِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الۡبَیۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَیۡہِ سَبِیۡلًا ؕ وَ مَنۡ
اللہ کے واسطے لوگوں پر کعبہ کا حج ہے وہ جو طاقت رکھے اس کی طرف راستہ کی اور جو
اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج کرنا ہے جو اس تک چل سکے اور جو

www.alahazratnetwork.org

كَفَرَ فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾
کفر کرے تو بے شک اللہ جہانوں سے بے پرواہ ہے
منکر ہو تو اللہ سارے جہانوں سے بے پرواہ ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کعبہ معظمہ کی ذاتی و اندرونی خوبیاں بیان کی گئیں کہ وہ افضل ' اول ' مبارک گھر ہے۔ لوگوں کا راہنما ہے ' اب اس کی بیرونی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں کہ اس میں مقام ابراہیم اور امن وغیرہ ہے یعنی حسن ذاتی کا ذکر پہلے تھا زیوروں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کعبہ معظمہ کے ان فضائل کا ذکر تھا جو اعتقادا " مانے جاتے ہیں ' اب ان خوبیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو آنکھوں دیکھی جاتی ہیں یعنی ماننے والی خوبیاں پہلے بیان کی گئی اور جاننے پہچاننے اور دیکھنے والی خوبیاں اب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کعبہ معظمہ کے فضائل کا ذکر تھا اور اس آیت میں اس کے فوائد کا تذکرہ ہے ' عقل فضائل مانتی ہے طبیعت فوائد ' مقصد یہ ہے کہ کعبہ کو عقل سے بھی مانو اور نفس و طبیعت سے بھی۔

تفسیر: **فیہ ایت بینت** فیہ کا مرجع بیت اللہ شریف ہے نہ کہ بکہ کیونکہ بیت مذکر ہے اور بکہ مونث اور فیہ میں ضمیر مذکر ہے ' اس سے مراد خود کعبہ معظمہ اس کے آس پاس مسجد حرام شریف سارا مکہ مکرمہ اور حدود حرم کی نشانیاں ہیں ' کیونکہ یہ تمام کعبہ شریف ہی کی برکت سے ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں ہو سکتا کہ مقام ابراہیم وغیرہ خود کعبہ میں نہیں ہیں ' آیات جمع آیت کی بمعنی علامت و نشانی ' اس سے یا تو رب کی قدرت کی نشانیاں مراد ہیں یا کعبہ معظمہ کی عظمت کی علامتیں مقصود ' انبیائے کرام کے معجزات ' اولیاء اللہ کی کرامات ' قرآن شریف کے جملے آیات کہلاتے ہیں کیونکہ وہ سب رب تعالیٰ کی قدرت اور اسلام کی حقانیت کی دلیلیں ہیں ' اگرچہ عالم کا ہر ذرہ و قطرہ رب تعالیٰ کی آیتیں ہیں لیکن یہ چیزیں رب تعالیٰ کی بڑی آیتیں ہیں ' اس لئے انہیں خصوصیت سے آیات فرمایا گیا **بینت** بینۃ کی جمع ہے جو بین سے ماخوذ ہے ' بمعنی علیحدگی و جدائی ' چونکہ ظاہر واضح چیز دوسروں سے الگ چھپی نہیں ہوئی ہوتی ہے اس لئے اسے بینہ کہا جاتا ہے اسی لئے کھلے کلام کو بیان کہتے ہیں۔ یعنی کعبہ معظمہ میں حقانیت کی ایسی نشانیاں ہیں جو خود اپنا بیان ہیں ظاہر ظہور معلوم ہو جاتی ہیں **مقام ابرھیم** یہ آیات کا بیان ہے یا **منہا** محذوف کا مبتدا ہے ' چونکہ مقام ابراہیم بہت سے عجائبات پر مشتمل ہے اس لئے یہ آیات جمع کا بیان ہو سکتا ہے یعنی وہ نشانیاں مقام ابراہیم ہے یا ان نشانیوں میں سے مقام ابراہیم ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مقام ابراہیم اور **من دخلہ** دونوں مل کر آیات کا بیان ہیں ' یعنی وہ نشانیاں مقام ابراہیم اور وہاں کا امن ہے عربی میں دو پر بھی جمع بول دیتے ہیں ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقد صغت قلوبکما** (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ مقام ابراہیم وہ پتھر ہے ' جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کعبہ معظمہ کی دیواریں اونچی کی تھیں۔ (1) جس قدر دیوار اونچی ہوتی جاتی تھی یہ پتھر بھی اونچا ہوتا جاتا تھا اور شام کو اترتے وقت نیچا ہو جاتا تھا۔ (2) یہ پتھر آپ کے قدم کی جگہ ریت یا گارے کی طرح اس طرح نرم ہو گیا تھا کہ اس میں بخوبی نشان قدم واقع ہو گئے جو اب تک اس میں موجود ہیں۔ (3) باقی آس پاس کا حصہ سخت ہی رہا۔ (4) تعمیر کعبہ کے بعد اسی پتھر پر کھڑے ہو کر جبل ابو قبیس میں آپ

www.alahazratnetwork.org

نے آوازیں دیں تھیں کہ اللہ کے بندو اس کے گھر کی طرف آجاؤ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے و اذن فی الناس بالحج (5) اسی پتھر پر قدم رکھ کر آپ نے اپنی بہو یعنی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی زوجہ سے اپنا سر شریف دھلوایا تھا (کبیر' معانی' روح البیان وغیرہ)۔ (6) یہ پتھر ہزارہا سال گزرنے کے باوجود اب تک ویسے ہی محفوظ ہے۔ (7) رب تعالیٰ نے اس پتھر کو اتنی عظمت بخشی کہ تمام حجاج کے سر اس کی طرف جھکوا دیئے کہ فرمایا و اتخذوا من مقام ابرھیم مصلی اس پتھر کی تحقیق و تاریخ اور ابراہیم علیہ السلام کی تاریخی حالات پہلے پارے میں عرض کئے جا چکے ہیں و من دخلہ کان امنا " واؤ یا تو عاطفہ ہے یا ابتدائیہ' من سے مراد مطلقاً انسان ہیں' مومن ہوں یا کافر یا مرتد' اور ایک تفسیر کی بناء پر اس میں جانور بھی تبعاً" داخل ہیں جیسا کہ آئندہ معلوم ہو گا' دخول کے معنی ہیں باہر سے آنا' وہاں رہنے کو دخول نہیں کہتے' یہ بات یاد رکھنا ضروری ہے' ہ کا مرجع یا مقام ابراہیم ہے یا بیت اللہ' دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں لیکن سارے حدود حرم اس میں شامل ہیں کیونکہ حدود حرم میں آنے والا کعبہ کے سایہ عافیت و پناہ میں آ جاتا ہے جیسا کہ فیہ کی تفسیر میں عرض کیا گیا کان بمعنی صار ہے یا بمعنی یکون' امنا " امن سے بنا بمعنی سکون' بے خوفی (خوف کا مقابل) یا بمعنی پناہ' یا تو امن سے اخروی امن مراد ہے' تب تو من سے مراد مومن ہو گا یعنی جو مسلمان حرم شریف میں آ گیا وہ عذاب الٰہی سے امن میں ہو گیا کہ اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حرمین میں آ گیا وہ عذاب الٰہی سے امن میں ہو گیا اس کے گناہ معاف کر دیئے گئے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حرمین شریفین میں سے کہیں مر جائے قیامت کے دن امن میں اٹھے گا' اور فرمایا کہ جو ایک گھڑی بھی مکہ معظمہ کی گرمی برداشت کر لے وہ دوزخ سے دو سو سال کی راہ دور رہے گا' اور فرمایا کہ جو حج کرے اور فسق و فجور سے دور رہے وہ اپنے گناہوں سے ایسا نکل جائے گا جیسے اس کی ماں نے آج اسے جنا' اور فرمایا کہ حجون (مکہ معظمہ کا قبرستان) و بقیع (مدینہ پاک کا قبرستان) کے کنارے پکڑ کر جنت میں اس طرح جھاڑ دیئے جائیں گے کہ یہاں کے تمام مدفون وہاں پہنچ جائیں گے (تفسیر کبیر و روح البیان) یا دنیوی امان مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو مجرم باہر سے جرم کر کے حرم شریف میں داخل ہو جائے وہ امن میں آ جائے گا مثلاً قاتل' مرتد' زانی' چور جن پر شرعی سزائیں مقرر ہوتی ہیں' یہاں پناہ لے لینے کی صورت میں سزا نہ پائیں گے ہاں حاکم کسی تدبیر سے ان کو وہاں سے نکالے گا' مثلاً " انہیں کھانے پینے " آرام کرنے نہ دے گا' جب خود نکل جائیں گے تو بیرون حرم انہیں سزا دے گا' لیکن جو حرم شریف میں ہی یہ جرم کرے گا اسے وہاں ہی سزا دے دی جائے گی' اسی لئے رب تعالیٰ نے من دخلہ فرمایا من کان فیہ نہ فرمایا مذہب احناف یہی ہے' یا اس سے بے خوفی مراد ہے تب اس میں جانور بھی داخل ہیں اب تک دیکھا جا رہا ہے کہ جانور ہرن' چڑیاں وغیرہ بیرون حرم شکاریوں سے بھاگتے ہیں' حرم میں داخل ہوتے ہی بے خوف ہو جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ حرم شریف میں شکاری جانور کا شکار اور خود رو درختوں کا کاٹنا حرام ہے لیکن پالتو جانور بکری وغیرہ کا ذبح کرنا اور اگائے ہوئے درختوں کا کاٹنا جائز حتیٰ کہ اگر کسی کے ساتھ پنجرہ میں چڑیا وغیرہ مقید ہے اور اسے لے کر حرم میں داخل ہو گیا تو اس کا چھوڑ دینا واجب ہے۔ ہاں سانپ' بچھو' چوہا' چیل' کوا جنہیں موذی کہا جاتا ہے ان کو حرم میں بھی مار دیا جائے گا (تفسیر مدارک وغیرہ)۔ و للہ علی الناس حج البیت یہ جملہ یا تو پہلے پر معطوف ہے یا نیا ہے الناس سے مراد مسلمان انسان ہیں کہ فرشتوں پر حج فرض نہیں اور مسلمان جنات پر یا تو حج فرض نہیں اور اگر ہے تو انسانوں کے تابع ہو کر اور ان کے شرائط حج وہ نہیں ہیں جو انسانوں کے لئے ہیں' سواری' توشہ' وغیرہ' حج ح کے فتح و کسرہ سے بمعنی قصد و ارادہ ہے' ح کا فتح لغت حجاز ہے اور ح کا

کسرہ' لغت نجد' شریعت میں احرام باندھ کر خاص ایام میں طواف' وقوف عرفات وغیرہ کا نام حج ہے' چونکہ بیت اللہ شریف وجوب حج کا سبب ہے اس لئے اسے حج البیت کہا گیا من استطاع الیہ سبیلا " استطاع استطاعتہ مصدر کا فعل ماضی ہے اس کا مادہ طوع ہے بمعنی خوشی ورضا کرہا" کا مقابل اصطلاح میں حد وسعت کو استطاعت کہتے ہیں یعنی جو کام انسان سے سہولت کر سکے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر توشہ اور سواری سے کی۔ ان دو لفظوں میں باقی شرائط بھی آجاتی ہیں' تندرستی' راستہ کا امن تو سواری میں آگیا اور مال جو اپنے جانے آنے کے لئے اور اس مدت میں متعلقین کے خرچ کے لئے کافی ہو یہ توشہ میں آگیا خیال رہے کہ یہ شرائط باہر والوں کے لئے ہیں' خود مکہ والوں کے لئے نہ سواری شرط ہے نہ مالداری کہ ان کے گھر ہی میں حج ہوتا ہے و من کفر کفر کے معنی انکار ہیں' شریعت میں یہ ایمان کا مقابل ہے' کفر عملی بھی ہوتا ہے اعتقادی بھی' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی جو کوئی حج پر قادر ہو کر کفار کی طرح حج نہ کرے یا جو کوئی حج کی فرضیت کا انکار کرکے کافر ہو جائے تو فان اللہ غنی عن العلمین اللہ تعالیٰ تمام جہانوں سے بے پرواہ ہے لہذا وہ تارکین حج سے بھی بے پرواہ ہے یہ لوگ اپنے بھلے کے لئے حج کریں گے نہ کہ رب تعالیٰ کے لئے۔

خلاصہ تفسیر: یہود نے تو بیت المقدس کی خانہ کعبہ پر افضلیت اس کی اولیت سے ثابت کی مگر وہ اس میں جھوٹے نکلے کیونکہ بیت المقدس سے کعبہ پہلے ہے لیکن کعبۃ اللہ شریف کی افضلیت بہت طرح ثابت ہے' کہ سب سے اول کعبہ مقرر ہوا' کعبہ ہی مبارک ہے کعبہ ہی جہان والوں کا ہادی ہے' کعبہ تعمیر ابراہیمی ہے' کعبہ معظمہ کے پاس مقام ابراہیم پتھر موجود ہے' کعبہ ہی کے پاس حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی ایڑی سے جاری ہونے والا زمزم کا پانی موجود ہے' اسی کی حطیم میں سنگ اسمٰعیل (علیہ السلام) یعنی حضرت اسمٰعیل و حاجرہ (علیہما السلام) کی قبریں ہیں۔ اسی کے مطاف میں چار سو انبیائے کرام کے مزارات ہیں' اسی کعبہ میں سنگ اسود و رکن یمانی ہے۔ اسی کے پاس صفا مروہ پہاڑ ہیں جو شعائر اللہ ہیں' اسی کعبہ کا شہر یعنی مکہ مکرمہ دار الامان ہے' اسی کا شہر مکہ مکرمہ آخری پیغمبر حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت گاہ ہے' اسی کے سایہ میں منیٰ' مزدلفہ' اور عرفات جیسے متبرک مقامات ہیں' اسی کا ہمیشہ حج ہوا اور ہوتا ہے' اسی کا عمرہ ہوا اور ہوتا رہے گا' اسی کا طواف ہوا اور ہوتا رہے گا' یہیں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے' اس کعبہ پر سوا بیمار کے اور کوئی پرندہ نہیں اڑتا' اسی کعبہ کی حفاظت کے لئے ابابیل سے فیل مروائے گئے' اسی کعبہ کی طرف لوگوں کے دل قدرتی طور پر کھنچتے ہیں' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ وہاں پیداوار کوئی نہیں لیکن وہاں کبھی قحط نہیں پڑا اور نہ کوئی قحط سے مرا' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ ہر سال آٹھ دس لاکھ آدمی وہاں پہنچ جاتے ہیں' لیکن نہ وہاں دانہ میں کمی آتی ہے نہ پھلوں میں' اسی کعبہ کی برکت ہے کہ وہاں ہر سال حج کے موقعہ پر تیس چالیس لاکھ جانور ذبح ہو جاتے ہیں مگر جب بچے ہوئے واپس لوٹتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے ان میں سے ایک بھی ذبح نہ ہوا غرضکہ اس جیسی ہزاروں ایسی آیات بینات ہیں جو بیت المقدس میں نہیں ہیں' وہ کچھ عرصہ کے لئے قبلہ رہا' پھر تم کس منہ سے کہتے ہو کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے' جیسے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال محبوب ہیں' ایسے ہی ان کا کعبہ بے مثال قبلہ ہے' اے مسلمانو! تم یہود کی باتیں نہ سنو' کبھی وہم بھی نہ کرو کہ بیت المقدس کعبہ سے افضل ہے' تم کعبہ کے حج کے لئے تیار رہو' جس میں طاقت ہو وہ ضرور حج کرے۔ خیال رکھو کہ اگر تم باوجود طاقت کے حج کو نہ گئے یا حج کا انکار کرکے کافر بن گئے تو تم سے تو کیا ہم سارے جہان سے بے

www.alahazratnetwork.org

پرواہ ہیں' ہمارے کعبہ کی آبادی اور وہاں کا حج تم پر موقوف نہیں' وہاں ہمیشہ رونق میلے لگے ہی رہیں گے' ہاں تم ایک بڑی نعمت سے محروم ہو جاؤ گے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: متبرک مقامات کے پاس ہونا اور رہنا اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور افضلیت کا باعث ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے کعبہ کی افضلیت میں یہ بات بھی بیان کی کہ وہاں مقام ابراہیم پتھر رکھا ہوا ہے' جب مقام ابراہیم کے پاس ہونے کی وجہ سے کعبہ کی شان بڑھ گئی تو وہ حضرات صحابہء کرام جو سایہ کی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے' خصوصاً حضرت صدیق و فاروق جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں سو رہے ہیں وہ یقیناً بہت ہی افضل ہوں گے' کیا ہمارے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا قرب مقام ابراہیم کے قرب سے بھی کم ہے؟ دوسرا فائدہ: جس پتھر کو نبی کی قدم بوسی کا شرف حاصل ہو جائے اس کی شان بڑھ جاتی ہے اور وہ متبرک بن جاتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے مقام ابراہیم کو آیات بینات اس لئے فرمایا کہ یہ جناب خلیل اللہ کا قدم بوس ہے' عشاق کہتے ہیں کہ مدینہ منورہ کے ذرے آسمان کے تاروں سے افضل ہیں' کیوں نہ ہوں کہ یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین چومنے والے ہیں۔

کہاں یہ مرتبے اللہ اکبر سنگ اسود کے   یہاں کے پتھروں نے قدم چومے ہیں محمد کے

مسئلہ: قبر انور کا وہ حصہ جو جسم پاک سرکار سے متصل ہے' وہ کعبہء معظمہ بلکہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے (شامی)۔ عشاق کہتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ کا سینہ' علی مرتضیٰ کا زانو' جناب صدیق اکبر کی گود جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ بنی وہ بھی عرش معلیٰ سے کہیں افضل ہے' جب قرآن پاک کی رحل کا احترام ہے' تو یہ بزرگ تو قرآن والے کی رحل ہیں۔ تیسرا فائدہ: جو کوئی بیرون حرم جرم کر کے حرم میں بھاگ جائے اس پر شرعی سزا جاری نہ ہو گی' حضرت عمر فاروق فرماتے ہیں کہ اگر میرے والد خطاب کا قاتل حرم میں آجائے تو میں اسے ہاتھ نہ لگاؤں۔ (ابن منذر) ایسے ہی ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن عمرو حضرت عباس کے قول نقل کئے (تفسیر روح المعانی)۔ لیکن جو حرم شریف میں جرم کرے وہ سزا پائے گا جیسا کہ من دخلہ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: حج صرف انسانوں پر فرض ہے فرشتوں پر نہیں' رہے جنات ان پر یا تو فرض ہی نہیں یا ان شرائط کے ماتحت فرض نہیں جیسا کہ **علی الناس** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: حج کی فرضیت کا سبب بیت اللہ شریف ہے اس لئے حج کو بیت کی طرف مضاف کیا گیا اور حج عمر میں ایک بار فرض ہوا' اگر اس کا سبب مال یا وقت ہوتا تو اسے **حج المال** یا حج بقر عید کہا جاتا اور ہر سال واجب ہوتا' جیسے زکوٰۃ مال اور روزہ رمضان ہر سال واجب ہے' چنانچہ اس آیت کے نزول پر حضرت اقرع ابن حابس نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا ہر سال حج واجب ہے تو فرمایا گیا کہ اگر ہم ابھی ہاں کہہ دیتے تو ہر سال ہی واجب ہو جاتا اور تم نہ کر سکتے۔ عمر میں ایک بار فرض ہوا۔ چھٹا فائدہ: حج ہر مسلمان پر فرض نہیں بلکہ اس پر جو توشہ' سواری وغیرہ پر قادر ہو جیسا کہ **من استطاع** سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: وجوب حج کی چھ شرطیں ہیں' اسلام' بلوغ' عقل' صحت' بقدر ضرورت مال' راستہ کا امن' لہذا کافر' بچہ' دیوانہ' غریب پر حج فرض نہیں' لیکن اگر غریب حج کرے گا تو اس کا حج اسلام ادا ہو جائے گا کیونکہ ہر شخص مکہ معظمہ پہنچ کر وہاں کا باشندہ مانا جاتا ہے اور مکہ والے غریب پر بھی حج فرض ہے۔ ساتواں فائدہ: حج فرض اعتقادی ہے اور ہر فرض اعتقادی کا انکار کفر ہے جیسا کہ من کفر کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ آٹھواں

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: جو حج پر قادر ہو اور حج نہ کرے وہ سخت مجرم و گنہگار ہے اور اس کا یہ عمل کفار سے مشابہت ہے جیسا کہ من کفر کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو حج پر قادر ہو پھر بلا عذر حج نہ کرے' وہ چاہے یہودی ہو کر مرے چاہے نصرانی ہو کر۔ نواں فائدہ: حج مبرور مقبول کی کوشش چاہئے جیسا کہ للہ سے معلوم ہوا' حج مبرور یہ ہے کہ حلال کمائی سے حج کیا جائے' تمام فرائض' واجبات' سنت و مستحبات صحیح طور پر ادا ہوں خالص لوجہ اللہ نام نمود کو دخل نہ ہو' حج مبرور کی پہچان یہ ہے کہ حاجی کے دل میں نرمی پیدا ہو جائے اور گناہوں میں کمی' نیکیوں میں زیادتی کی توفیق ملے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالٰی کے مقبولوں کے منہ سے جو نکلتا ہے رب تعالٰی وہی کر دیتا ہے' یہ حضرات سیف زبان ہوتے ہیں' دیکھو ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مکہ معظمہ کے متعلق عرض کیا تھا۔ رب اجعل هذا بلدا " امنا " خدایا اس جنگل کو شہر بنا دے امن والا رب تعالٰی فرماتا ہے من دخله كان امنا " اور جناب خلیل نے عرض کیا تھا وارزق اهله من الثمرت خدایا یہاں کے باشندوں کو پھل فروٹ دے' رب تعالٰی نے فرمایا یجبی الیه ثمرت غرضیکہ جو خلیل کے منہ سے نکلا وہی رب جلیل نے کر دیا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: فیه کی تقدیم سے معلوم ہوا کہ صرف کعبہ معظمہ میں ہی قدرت کی نشانیاں ہیں حالانکہ قدرت کی نشانیاں تو عالم کے ذرہ ذرہ میں ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے و فی انفسکم افلا تبصرون یعنی خود تمہاری ذاتوں میں نشانیاں موجود ہیں تم غور کیوں نہیں کرتے تو یہ آیت صحیح کیونکر ہو؟ جواب: یہاں آیات بینات سے وہ نشانیاں مراد ہیں جن کا ذکر خلاصہ تفسیر میں کیا گیا جس سے کعبہ معظمہ کی بے مثالی اور اس کی بیت المقدس سے افضلیت ثابت ہو اسی واسطے آگے فرمایا گیا مقام ابراهیم دوسرا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی حرم میں آ جائے اسے دوزخ سے امن ملے گی تو ابو جہل' ابولہب اور سارے کفار مکہ حرم میں ہی رہتے تھے کیا وہ دوزخی نہیں؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اگر امن سے مراد دنیوی امن ہے تو من سے مراد وہ انسان ہو گا جو حرم سے باہر جرم کرے پھر حرم میں پناہ لے لے اور اگر امن سے مراد اخروی امن ہے تو من سے مراد مومن ہوں گے یعنی جو ایمان کے ساتھ حج کرے تو اس کے گناہ معاف ہو گئے اور وہ دوزخ سے امان میں آ گیا۔ تیسرا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں ایک نیکی کا ثواب بھی ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ کا وبال بھی ایک لاکھ' تو یہ حرم میں امن کہاں ہوئی؟ حرم تو پوری مصیبت بن گیا اسی ڈر سے حضرت عبداللہ ابن عباس مکہ معظمہ میں نہ رہے۔ طائف شریف میں رہے' لہٰذا قرآن و حدیث میں تعارض ہے؟ جواب: یہ گناہ کی زیادتی حرم کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی بے ادبی سے ہے' کچہری میں حاکم کے سامنے جرم کرنا دیگر مقام پر جرم سے بدتر ہے کہ اس میں کچہری کی بے حرمتی اور حاکم کی بے ادبی بھی ہے' آیت کا منشا یہ ہے کہ جو مجرم رب تعالٰی کی پناہ لینے کے لئے حرم شریف میں آ جائے اسے دوزخ سے امن ہو گی' یہاں رہ کر جرم کرنے والا پناہ کب لے رہا ہے وہ تو ڈھٹائی کر رہا ہے' پناہ لینے والا قصور سے بچا کرتا ہے۔ چوتھا اعتراض: علی الناس کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حج صرف انسانوں پر ہی فرض ہے حالانکہ اسلام کے ارکان پانچ ہیں اور بعض جنات بھی مسلمان ہیں ان پر بھی حج فرض ہونا چاہئے۔ جواب: بعض لوگوں نے تو یہی کہا ہے ان کے ہاں انسانوں کے لئے اسلام کے ارکان پانچ ہیں' جنات کے احکام دوسرے ہیں' بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہاں انسان کی

www.alahazratnetwork.org

تخصیص **من استطاع** کے لحاظ سے ہے یعنی انسانوں میں ان پر ہی حج فرض ہو گا جن میں مکہ معظمہ تک پہنچنے کی بدنی' مالی و امنی طاقت ہو' جنات میں یہ شرط نہیں' وہ تو پل بھر میں کہیں سے کہیں پہنچ جاتے ہیں' کیا تمہیں خبر نہیں ایک جنی نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ میں آپ کی کچہری اٹھنے سے پہلے یمن سے تخت بلقیس لا کر حاضر کردوں گا' ہر امیر و غریب مسلمان جن پر حج فرض ہے جیسے کہ مکہ والے انسانوں پر۔ پانچواں اعتراض: انبیائے کرام و بعض اولیاء کو رب تعالیٰ طی الارض کی قوت دیتا ہے کہ وہ ایک آن میں مشرق و مغرب طے کر لیتے ہیں' آصف بن برخیا نے جو ایک انسان تھے حضرت سلیمان علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ میں تخت بلقیس آپ کی خدمت میں پلک جھپکنے سے پہلے حاضر کردوں گا' ایسی قوت قدسیہ والوں کے حج کے لئے کیا سواری وغیرہ کی شرط ہے؟ اگر ہے تو جنات کے لئے کیوں نہیں' اور اگر نہیں تو آیت کا حکم عام نہ رہا۔ جواب: شرط ہے کیونکہ حج روحانی سفر سے نہیں کیا جاتا بلکہ اس ظاہری' جسمانی طاقت سے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرش کا سفر کر آئے مگر حج کا سفر اسی دنیوی اونٹنی پر کیا' بلکہ صلح حدیبیہ کے موقع پر کفار عمرہ سے مانع ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے روحانی طور پر کعبہ معظمہ پہنچ کر عمرہ نہ فرمایا' بلکہ واپس ہو گئے' شریعت کے احکام اس ظاہر پر ہیں' علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ خانہ کعبہ بعض اولیاء اللہ کی زیارت کرنے جاتا ہے' اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

سارے اقطاب جہاں کرتے ہیں کعبہ کا طواف   کعبہ کرتا ہے طواف در والا تیرا

تو یہ اولیاء اللہ کعبہ کو اپنے ہاں بلا کر حج یا عمرہ نہیں کر لیتے بلکہ حج کے لئے انہی سواریوں پر وہاں جاتے ہیں کیونکہ سنت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہی ہے وہاں سب کو سر خم کرنا پڑتا ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا **و من کفر** حج کے ساتھ کفر کا ذکر کیوں فرمایا گیا' حج نہ کرنا کفر ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ حج کا انکار کفر ہے اور بلا عذر حج نہ کرنا علامت کفار' اس سختی کے اظہار کے لئے **من کفر** فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے انسان کو تین چیزیں عطا فرمائیں ہیں' عقل' نفس' عشق۔ عقل تو فضائل دیکھتی ہے اور تنقید اس کا کام ہے۔ نفس فوائد پر نظر رکھتا ہے' تحقیق اس کا مشغلہ ہے مگر عشق ان دونوں سے وراء کہ وہ نسبت محبوب دیکھتا ہے' جہاں نسبت پاتا ہے اسے اندھا دھند مانتا ہے' کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں   عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

دوسرے شاعر نے کہا۔

عاشقاں' راچہ کار با تحقیق   ہر کجا نام اوست قربانیم

رب تعالیٰ نے اس آیت میں تینوں کا انتظام فرمایا اور کعبہ معظمہ کو تینوں سے منوایا ہے' اس کی اولیت و افضلیت عقل کے سامنے پیش فرمائی اور اس کے فوائد امن وحج بیان فرما کر نفس کو اس کے ماننے پر مجبور کیا اور نسبت ابراہیمی بیان فرما کر عشاق کو تڑپا دیا' عاشق یہ سن کر جھوم گئے کہ کعبۃ اللہ کو خلیل اللہ سے نسبت ہے کہ انہی کی تعمیر ہے اور ان کے نقش قدم (مقام ابراہیم) کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہے۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ جیسے بعض مقام ذریعہ امان ہیں حرم شریف عام انسانوں کے لئے امن' وادی سینا موسیٰ علیہ السلام کے لئے امن کہ رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا **انک من الامنین** ایسے ہی اللہ تعالیٰ کے مقبول

www.alahazratnetwork.org

بندے عالم کے لئے امن ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے صحابہ زمین والوں کے لئے امن ہیں۔

حکایت: حضور جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں صحابہ کی دعوت تھی' کپڑے کا دسترخوان لایا گیا جو میلا تھا آپ نے وہ دسترخوان بھڑکتے ہوئے تندور میں ڈال دیا' میل جل گیا' کپڑے کے تار گرم بھی نہ ہوئے تو حاضرین نے پوچھا

قوم گفتند اے صحابی عزیز چوں نہ سوزد و منقے گشت نیز

اے صحابی رسول یہ آگ میں جلا کیوں نہیں؟ اور صاف کیونکر ہو گیا؟ آپ نے جواب دیا۔

گفت روزے مصطفیٰ دست و دہاں بس بمالید اندریں دستار خواں

فرمایا ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دسترخوان سے اپنا ہاتھ و منہ شریف پونچھ لیا تھا اس دن سے آگ اسے نہیں جلاتی' مولانا فرماتے ہیں۔

اے دل ترسندہ از نار و عذاب! باچنیں دست و دہن کن اقتراب

اے دل اگر تجھے عذاب کی آگ کا خطرہ ہے تو اس لب اور ہاتھ سے نسبت پیدا کر کعبہ معظمہ میں لاکھوں خوبیاں ہیں مگر سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ خلیل اللہ کے مقام کا حامل ہے اور حبیب اللہ کا ولادت گاہ' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد** مجھے اس شہر مکہ معظمہ کی قسم۔ حالانکہ اس مکہ میں تم تشریف فرما ہو یعنی میری قسم کی وجہ تمہاری موجودگی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد اور فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کو بلا عذر مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا تھا اور ہجرت فرض' حالانکہ وہاں کعبہ معظمہ' عرفات و منیٰ' مقام ابراہیم سب کچھ موجود تھا' صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے چلے گئے تھے۔ یہ بے نسبت کا قصور۔

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖۗ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى
فرمادو اے کتاب والو تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا اور اللہ گواہ ہے او پر
تم فرماؤ اے کتابیو! اللہ کی آیتیں کیوں نہیں مانتے اور تمہارے کام اللہ

مَا تَعْمَلُوْنَ ۝
اسکے جو تم کرتے ہو
کے سامنے ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت پر نقلی و عقلی دلائل توریت و انجیل کی بشارتیں بیان فرمائی تھیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر جو اہل کتاب اعتراض کرتے تھے' نسخ قبلہ سے اس کے جوابات دیئے تھے' اب اہل کتاب کو دعوت ایمان دی جاری ہے جو اس

www.alahazratnetwork.org

تمام گفتگو کا مقصد اصلی ہے گویا تمہید پہلے گزری، اصل مقصد اب آرہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حج بیت اللہ کی فرضیت کا ذکر تھا، اب اہل کتاب سے فرمایا جارہا ہے کہ تم بھی مسلمان ہو جاؤ اور یہ فریضہ ادا کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کعبہ معظمہ کے فضائل و فوائد مذکور تھے اب کفار کو ان فوائد کے لینے پر آمادہ کیا جارہا ہے کہ مسلمان ہو جاؤ اور اس سے فائدے اٹھاؤ گویا دینے والے کا ذکر پہلے تھا اور لینے والوں کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخری جملے سے معلوم ہوا تھا کہ کافر کفر کرکے اپنا آپ ہی بگاڑ لیتا ہے۔ رب تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑتا کیونکہ وہ غنی و بے نیاز ہے اس میں اشارۃً کفار کو کفر چھوڑ دینے کا حکم تھا۔ اب صراحۃً یہ حکم دیا جارہا ہے گویا کنایۃً تبلیغ کے بعد اب صراحتاً تبلیغ فرمائی جارہی ہے۔

تفسیر: قل یوں تو سارا قرآن شریف ہی تبلیغ اور بندوں تک پہنچانے کے لئے اترا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی آیت چھپائی نہیں، مگر بعض آیتیں قل سے شروع فرمائی جاتی ہیں تاکہ ان کے مضامین کی اہمیت معلوم ہو یعنی اے نبی یہ بھی فرما دو، اس قل فرمانے کے بہت منشاء ہوتے ہیں، کبھی یہ کہ یہ بات فرمانے کا صرف تم کو حق ہے کسی اور کو نہیں جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** انکسار و تواضع کے طور پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اپنے کو بشر کہہ سکتے ہیں، اگر توہین کی نیت سے ہم کہیں تو کافر ہیں، اگر عام طور پر بشر کہہ کر پکاریں تو مجرم اور بیان عقیدہ کے لئے کہیں تو جائز، کبھی دوسروں سے کہلوانے کے لئے قل فرمایا جاتا ہے۔ جیسے **قل ھو اللہ احد** محبوب آپ فرما دو کہ اللہ ایک و یکتا ہے، تاکہ آپ کی معرفت اور تعلیم سے لوگ کہیں اللہ یکتا ہے۔ تب وہ مومن بنیں گے، اگر بغیر آپ کی معرفت **اللہ احد** کہے جائیں تو موحد ہوں گے مومن نہیں، ہمارے ہاں ایمان کی قدر ہے فقط توحید کی نہیں، کبھی کلام کی تاثیر کے ساتھ زبان کی تاثیر جمع فرمانے کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ جیسے **قل اعوذ برب الفلق** الخ اے محبوب آپ اپنی زبان سے یہ دعا مانگئے دعا ہماری بتائی ہوئی ہو اور زبان تمہاری، تاکہ زبان و کلام کی تاثیریں مرض کو دفع کریں۔ کارتوس بندوق کی مدد سے شکار کرتا ہے، بندوق اپنی ہو یا دوسرے کی مانگی ہوئی، زبان یا اپنی پر تاثیر ہو یا دوسرے کی اجازت سے، کبھی ارشاد و تعلیم کے لئے قل فرمایا جاتا ہے۔ یہاں اس قل میں بہت وجوہ ہو سکتی ہیں۔ قل میں کبھی خطاب صرف مسلمانوں سے ہوتا ہے، کبھی سارے انسانوں سے، کبھی صرف کفار سے، کبھی تمام جہان والوں سے، یہاں صرف اہل کتاب کافروں سے خطاب ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **یا ھل الکتب** یہاں لفظ یا پکارنے کے لئے ہے، قرآن کریم میں پکارنا کبھی اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے جیسے **یا یھا النبی** کبھی غافلوں کو بیدار کرنے کے لئے جیسے **یا یھا الذین امنوا** کبھی اظہار غضب کے لئے جیسے **یا یھا الکفرون**، یہاں دو آخری وجوہ سے ہو سکتا ہے، کتاب کے لغوی و اصطلاحی معنی کی تحقیق الم کے شروع **ذلک الکتب** میں ہو چکی، یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن شریف میں نامہ اعمال کو بھی کتاب کہا گیا ہے جیسے **اقراء کتابک** اور خط و مراسلہ کو بھی جیسے **القی الی کتب کریم**۔ قرآن شریف کو بھی جیسے **انزلنا الیک الکتب** اور قرآن شریف کے علاوہ دیگر آسمانی کتب کو بھی، یہاں کتاب چوتھے معنے میں ہے۔ یعنی توریت، زبور، انجیل مگر ظاہر یہ ہے کہ صرف توریت و انجیل مراد ہے، بلکہ بعض مفسرین نے صرف توریت مراد لی ہے کیونکہ اس مخاطبہ کے وقت یا صرف یہود سامنے تھے یا یہودی و عیسائی دونوں۔ خیال رہے کہ اہل کتاب کے خطاب میں مسلمان کبھی داخل نہیں ہوتے، ان کے لئے قدرت نے **الذین امنوا** کا پیارا خطاب رکھا ہے، یہاں اہل کتاب سے مراد یا تو کتاب پر ایمان رکھنے والے ہیں یعنی

www.alahazratnetwork.org

سارے یہودی عیسائی یا ان کتابوں کا علم رکھنے والے یا ان کی سمجھ بوجھ رکھنے والے یعنی ان کے پوپ پادری (خازن و کبیر) یا کتاب کی اہل بیت رکھنے والے جن کے آئندہ ایمان کی امید ہے (روح المعانی و بیان) یعنی اے کتاب ماننے والو' یا اے کتاب جاننے والو' یا اے کتاب' سمجھنے والو **لم تکفرون** لم حرف استفہام و سوال ہے۔ رب تعالیٰ کا کچھ پوچھنا اپنے علم کے لئے نہیں ہوتا کہ وہ علیم و خبیر ہے۔ بلکہ دیگر مقاصد کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے آئندہ کلام کی تمہید یا اظہار غضب یا تبلیغ احکام یا بندوں کو تعجب دلانا' یہاں آخری تین معنے میں ہو سکتا ہے' کفر کے معنی انکار بھی ہیں اور چھپانا بھی۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں **بآیات اللہ** آیات آیۃ کی جمع ہے۔ جس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت کے ماتحت ہو چکی' اللہ کی آیتوں سے مراد اللہ کی قائم کردہ کھلی نشانیاں ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ان نشانیوں سے کیا مراد ہے یا تو توریت و انجیل کی وہ آیتیں مراد ہیں۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کی نعت شریف ہے۔ جنہیں اہل کتاب چھپاتے تھے یا بدل لیتے تھے' یا معنوی تحریف یعنی غلط تفسیریں کرتے تھے' یا ساری توریت و انجیل کیونکہ کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار گویا سب کا انکار ہے یا قرآن شریف کی آیتیں مراد ہیں۔ جس پر ایمان لانا ان کے لئے ضروری تھا کیونکہ قرآن سارے جہان کے لئے آیا ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کے معجزات جو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت کی کھلی نشانیاں ہیں' چونکہ دیگر انبیائے کرام کو گنتی کے معجزے ملتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے معجزات بے حدو بے عد ہیں' اس لئے جمع فرمایا گیا یا حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کی نبوت کے عقلی دلائل مراد ہیں' تھوڑی عقل والا بھی جان سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سچے اور آخری نبی ہیں' دیکھو ہماری کتاب "نئی تقریریں" مگر تفسیر خازن اور تفسیر تنویر المقیاس نے فرمایا کہ آیات اللہ سے مراد حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم از سرتا پا اللہ کی دلیل ہیں' آپ کا ہر حال آپ کا ہر کمال دلیل رب ذوالجلال ہے' رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو برہان فرمایا **قد جاء کم برھان من ربکم** یعنی تمہاری حرکت تعجب کے قابل ہے' تم توریت و انجیل کا یا قرآن شریف یا ہمارے محبوب کے معجزات کا یا خود ہمارے محبوب کی ذات بابرکات کا کیسے انکار کرتے ہو' تم تو پھر بھی ذی عقل انسان ہو' ارے انہیں تو جانور' پتھر' زمین کے ذرے آسمان کے تارے بھی جانتے پہچانتے ہیں **واللہ شھید علی ما تعملون** یہ واؤ حالیہ ہے' شہید کے معانی پہلے پاروں میں بیان ہو چکے کہ اس کے معنی ہیں حاضر گواہ' مطلع و خبردار' یہاں سارے معنی درست ہیں' عمل سے دلی اعمال کفر وغیرہ اور ظاہری اعمال سبھی مراد ہیں' یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع ہے۔ اس کا علم و قدرت حاضر ہے' یا رب تعالیٰ تمہاری بد عملیوں پر گواہ ہے' تم اس کی پکڑ سے کیسے بچ سکتے ہو' جو رب تعالیٰ کے علم و خبر کا خیال رکھے' وہ کبھی گناہ پر دلیری نہیں کر سکتا۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ و سلم یوں تو آپ تمام لوگوں کو ہر قسم کی تبلیغ فرماتے ہی رہتے ہیں' آپ خصوصیت سے تمام اہل کتاب یا ان کے علماء سے تبلیغ کے طور پر یہ سوال فرمائیں کہ اے کتابیو تم پر رب تعالیٰ کا بڑا کرم رہا ہے کہ تم کتاب اللہ کے حامل ہو' انبیائے کرام کی اولاد میں ہو اور ایک زمانہ میں تم سب سے افضل رہ چکے ہو' تمہارا فرض تھا کہ ان نعمتوں کے شکریہ میں تم نبی آخر الزمان پر سب سے پہلے ایمان لاتے بلکہ دوسروں کو تبلیغ کرتے' اپنی کتابوں کی آیات نعت کو ظاہر کرتے' تعجب ہے کہ تم بجائے شکر کے کفر کیسے کر رہے ہو' اللہ کی آیتوں یعنی توریت و انجیل کا یا ان نبی کے معجزات کا یا قرآن کریم کا تم

www.alahazratnetwork.org

اہل کتاب ہو کر کیسے انکار کر رہے ہو، تعجب ہے کہ مشرکین انہیں مان گئے، جانور انہیں پہچان گئے، کنکریوں، پتھروں اور کنکروں نے ان کا کلمہ پڑھ لیا مگر تم انسان اور اہل کتاب و عالم ہو کر ان کے انکاری ہو بیٹھے، حالانکہ تمہارا ابھی یہ عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں سے خبردار ہے اور تمہیں برے بھلے کاموں کی ضرور سزا و جزا دے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنا کلام بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا کراتا ہے کہ اے محبوب کلام میرا ہے مگر کہو تم جیسا کہ قل سے معلوم ہوا۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند

دوسرا فائدہ: عام کفار کو عمومی تبلیغ کرنی چاہئے اور سرداران کفر کو خصوصی طور پر دعوت ایمان دینی چاہئے کہ ان کے درست ہو جانے سے ان کے ماتحت خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے جیسا کہ یا اھل الکتب فرمانے سے معلوم ہوا، دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے روم، فارس کے بادشاہوں کو تبلیغی دعوت نامے لکھے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر، ساری آیات الہیہ کا منکر ہے، دیکھو اہل کتاب باوجودیکہ توریت و انجیل کی آیتوں کو مانتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تم اللہ کی آیتوں کا انکار کیوں کرتے ہو، شیطان ساری ایمانیات کا اقراری تھا، صرف نبوت کا منکر تھا، مردود کر کے نکال دیا گیا، ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا گویا ساری آیات الہیہ کا ماننا ہے۔ چوتھا فائدہ: اچھوں کی نسبت کفار کے کام بھی آجاتی ہے، دیکھو مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے، وہ مشرک ہوئے اہل کتاب بعض نبیوں کو خدا کا بیٹا مانتے تھے مگر انہیں مشرکین میں شمار نہ کیا گیا بلکہ ان کے نام و احکام جدا گانہ ہوئے کیوں؟ اس لئے کہ انہیں کتاب و نبی سے نسبت ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: یہاں صرف اہل کتاب کو خصوصیت سے کیوں تبلیغ کی گئی، اسلام کی تبلیغ سارے کفار کو چاہئے۔ جواب: چند وجہ سے، ایک یہ کہ اس سے پچھلی آیتوں میں انہی کے اعتراضات کے جوابات دیئے گئے تھے تو اب بھی انہی کو تبلیغ کی گئی کہ پہلے سے ان ہی کا تذکرہ ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اسلام سے قریب تر ہیں خدا کی ذات و صفات انبیاء کی نبوت اور کتب آسمانی کے اقراری ہیں انہیں مسلمان کرنا بمقابلہ مشرکین کے آسان تر ہے، تیسرے یہ کہ یہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے پہلے سے قائل تھے توریت و انجیل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ان کے صحابہ کرام کے حالات سے خبردار تھے، رب تعالیٰ فرماتا ہے ذلک مثلھم فی التورٰتہ و مثلھم فی الانجیل بخلاف مشرکین کے کہ وہ زیادہ بے خبر تھے۔ چوتھے یہ کہ عام اہل عرب ان کا ادب و احترام کرتے تھے اور ان کی باتیں مانتے تھے کیونکہ ان میں علماء بھی تھے، اور یہ اولاد انبیاء بھی تھے ان کے ایمان لانے پر دوسروں کے ایمان کی قوی امید تھی۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہ صاف کیوں نہ فرمایا کہ اللہ کی آیتوں کا انکار نہ کرو، یہ کیوں فرمایا کہ انکار کیوں کرتے ہو، کیا رب تعالیٰ کو خبر نہیں جو پوچھ رہا ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس سوال میں اشارۃً کفر سے روکنا ہے جیسے کسی عالم بے عمل سے کہا جائے کہ تم عالم ہو کر نماز کیوں نہیں پڑھتے، کبھی اشارۃً تبلیغ صراحۃً تبلیغ سے زیادہ موثر ہوتی ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

www.alahazratnetwork.org

کاموں پر گواہ ہے' رب تعالیٰ تو حاکم ہے نہ کہ گواہ' گواہ ہے تو کس کچہری میں گواہی دے گا اور وہاں حاکم کون ہو گا؟ جواب: یہاں شہید بمعنی مطلع و خبردار ہے' اور اگر بمعنی گواہ بھی ہو تو اس کا مقصد ڈرانا ہے کہ ہم حاکم حقیقی ہیں اور ہمارے حضور میں تم یہ حرکتیں کر رہے ہو' تمہاری سزا تو بہت آسان ہے' گواہی حاکم کے علم کے لئے ہوتی ہے' مگر جب حاکم کے سامنے ہی جرم ہو پھر تو مقدمہ بنا بنایا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بظاہر یہ خطاب اہل کتاب سے ہے مگر حقیقتاً ان علماء سوء سے بھی ہے جو دین کو دنیا کے عوض فروخت کر ڈالتے ہیں اور اپنے جانے ہوئے پر عمل نہیں کرتے اور اگر ظاہری عمل کرتے بھی ہیں تو دنیا کے لئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے کتاب اللہ والو تم آیات قرآنیہ کے عملی منکر کیوں ہوئے جاتے ہو' رب تعالیٰ نے وسیع' تقویٰ' نفس کو خواہشات سے روکنے اور فانی دنیا پر باقی آخرت کو ترجیح دینے' مخلوق سے منہ پھیر کر خالق کی طرف متوجہ ہونے' مقصود حاصل کرنے کے لئے وجود ترک کر دینے کا حکم جگہ جگہ دیا ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں پر مطلع ہے' تمہارے خیر و شر اعمال کو دیکھتا ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا صفر ہے اور دین عدد' اکیلا صفر خالی ہے' مگر عدد سے مل کر اسے دس گنا کر دیتا ہے' بغیر اخلاص نماز بھی بیکار ہے اور اخلاص و نیت خیر سے کھانا پینا بھی عبادت ہے' یونہی جس شخص کو اللہ تعالیٰ کے مقبولوں سے نسبت ہو' فرشتوں سے اعلیٰ ہو جاتا ہے اور اگر ان سے بے تعلق ہو جائے تو شیطان سے بد تر۔

گر سر میں رہے سودا' ان کا سر گنبد خضرا ہو جائے
گر دل میں کھنچے نقشہ ان کا دل عرش معلی ہو جائے

گلشن میں میں نے دیکھا ہے پھولوں میں خار بھی رہتے ہیں
اے شاہ عرب مجھ بد کا بھی طیبہ میں گزارہ ہو جائے

اور یہ نسبت بھی رب کے کرم سے ہی حاصل ہوتی ہے ورنہ ہماری کیا حیثیت ہے کہ وہاں تک پہنچیں' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

ذرہ عشق نبی از حق طلب
سوز صدیق و علی از حق طلب

الہٰی تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے
دل مرتضیٰ' سوز صدیق دے

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا
فرما دو اے کتاب والو کیوں روکتے ہو تم اللہ کے راستہ سے اسے جو ایمان لایا ڈھونڈتے
تم فرماؤ اے کتابیو کیوں اللہ کی راہ سے روکتے ہو اُسے جو ایمان لائے اسے ٹیڑھا کئے چاہتے
عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾
ہو تم اُسے ٹیڑھا حالانکہ تم گواہ ہو اور نہیں ہے اللہ بے خبر اس سے جو کرتے ہو تم۔
ہو اور تم اس پر گواہ ہو اور اللہ تمہارے کوتکوں سے بے خبر نہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اہل کتاب کو خود گمراہ ہونے سے منع فرمایا' اس آیت کریمہ میں انہیں دوسروں کو گمراہ کرنے سے منع فرمایا چونکہ اپنی گمراہی پہلے ہوتی ہے دوسروں کو گمراہ کرنا بعد میں اس لئے پہلے انہیں گمراہی سے روکا اور اب گمراہ گری سے۔ **دوسرا تعلق:** کفار دو قسم کے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ایک فقط خود گمراہ۔ دوسرے گمراہ بھی اور دوسروں کو گمراہ کرنے والے بھی۔ یہ بدترین کفار ہیں۔ پچھلی آیت میں پہلی قسم کے کفار پر عتاب تھا۔ اس آیت میں دوسری قسم کے کفار پر اظہار غضب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عوام اہل کتاب کا ذکر تھا جو راہ حق سے بہکے ہوئے تھے' اب علمائے اہل کتاب کا ذکر ہے۔ جنہوں نے انہیں بہکایا تھا یعنی بہکنے والوں کے بعد بہکانے والوں کا تذکرہ۔ لازم کے بعد متعدی کا ذکر ہے۔

تفسیر: **قل یا اھل الکتب** چونکہ پچھلی آیت میں گمراہ اہل کتاب سے خطاب تھا۔ یہاں گمراہ گروں سے یا گمراہی مستقل ایک عیب ہے اور دوسروں کو بہکانا اس سے سخت ترعیب یا پچھلا عتاب اور نوعیت کا تھا' یہ عتاب دوسری نوعیت کا' ان وجوہ سے اس آیت میں بھی قل اور اہل کتاب کو نداء مکرر فرمائی گئی' کیونکہ اسی خطاب و نداء کے ماتحت یہ مضمون بھی بیان کر دینے سے اس کی وہ اہمیت ظاہر نہ ہوتی جو اب مستقل خطاب و نداء سے ہوئی' یہاں اہل کتاب سے وہی یہود و نصاریٰ مراد ہیں جن میں دوسروں کو بہکانے کا عیب ہو' ان کے پوپ پادری ہوں یا ان کے حاشیہ نشین **لم تصدون عن سبیل الله** ہماری قرات **تصدون** ہے ت کے زبر اور ص کے پیش سے' باب **نصر** سے امام حسن کی قرات میں **تصدون** ہے ت کے پیش اور ص کے زیر سے باب افعال سے **صد**' اور **اصد** دونوں ہم معنی ہی آتے ہیں پھرنا اور روکنا (تفسیر کبیر) یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں جیساکہ **من امن** کی تفسیر سے معلوم ہو گا' سبیل وہ وسیع راستہ ہے جو مسافروں کو اپنے میں لے لے۔ سبیل خود مقصود نہیں ہوتا بلکہ مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہوتا ہے' قرآن شریف میں سبیل اللہ ان عقائد و اعمال کو کہا جاتا ہے جو رب کے ملنے کا ذریعہ ہوں' یہاں اسلامی عقائد مراد ہیں' کیونکہ اہل کتاب مسلمانوں کو عقائد سے پھیرتے تھے **من امن** ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ضعیف اور نو مسلم مسلمان ہیں جن کے دلوں میں ابھی اسلام مضبوط نہیں ہوا تھا کہ یہود انہی کے دلوں میں شبہے ڈالا کرتے تھے کہ اسلامی عقائد میں یہ خرابیاں ہیں اور اسلامی اعمال میں یہ برائیاں' اس صورت میں **تصدون** سے مراد ہو گا اسلام سے پھیرنا اور ہو سکتا ہے کہ **من امن** سے مراد وہ لوگ ہوں جو مائل باسلام ہوں تو **تصدون** سے روکنا مراد ہو گا ایسے لوگوں سے اہل کتاب یہ کہا کرتے تھے کہ ہماری کتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی صفت مذکور نہیں بلکہ ان کے خلاف صفات مذکور ہیں کہ نبی آخر الزمان بنی اسرائیل سے ہوں گے شام میں پیدا ہوں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسمعیل سے ہیں اور مکہ میں جلوہ گر ہوئے وغیرہ یعنی اے کتابیو! تم ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں پھیرتے ہو جو مسلمان ہو چکے ہیں یا ان لوگوں کو اللہ کی راہ سے کیوں روکتے ہو جو مائل باسلام ہیں اور ایمان لانے کے قریب تر ہیں۔ **تبغونها عوجا**" **تبغون** بغی سے بنا' معنی ڈھونڈنا اور تلاش کرنا' نہ کہ **بغاوة** سے' بمعنی سرکشی اور اطاعت سے نکل جانا' کہا جاتا ہے **بغیت المال والاجر والثواب** میں نے مال' اجر اور ثواب تلاش کیے۔

لطیفہ: جب حضرت امیر معاویہ کے ہاتھوں عمار ابن یاسر شہید ہوئے جو سیدنا علی مرتضیٰ کی فوج کے ساتھ تھے تو لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ باغی ہیں اور علی مرتضیٰ امام برحق کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار سے فرمایا تھا **تقتلک الفئة الباغية** اے عمار تمہیں باغی جماعت قتل کرے گی' تو امیر معاویہ نے فوراً" فرمایا **نحن فئة باغية لدم عثمان** ہاں ہم خون عثمان کا قصاص تلاش کرنے والا گروہ ہیں یعنی سرکار کے فرمان میں **باغية**' بغی سے ہے نہ کہ **بغاوة** سے۔

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے: کہ بغی ایک مفعول چاہتا ہے' اگر دو مفعول آئیں تو وہاں لام ضروری ہے اسی لئے بعض مفسرین نے **تبغونہا** میں لام مقدر مانا ہے کہ اصل میں **تبغونہا لہا** تھا اور **عوجا** " کو مفعول بہ مانا اور بعض نے فرمایا کہ مفعول تو **ھا** ہے اور **عوجا** " بمعنی معوج اس کا حال ہے ھا کا مرجع سبیل ہے کیونکہ سبیل مذکر بھی ہے مونث بھی' **عوج** کے معنی ہیں ٹیڑھا پن' کجی' تحریف اور میلان (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) یعنی اے یہودیو تم ٹیڑھے رہ کر راہ حق ڈھونڈتے ہو یا تم سیدھی راہ میں کجی تلاش کرتے ہو یا سیدھے راستے کو ٹیڑھا بنا کر ڈھونڈتے ہو' خیال رہے: **عوج**' ع کے کسرہ سے وہ ٹیڑھا پن کہلاتا ہے جو آنکھ سے دیکھنے میں نہ آئے' عقل و فکر سے معلوم ہو جیسے دین' عقل' خیالات و طبیعت کا ٹیڑھا ہونا اور مڑجانا' اور **عوج** ع کے فتح سے وہ ٹیڑھا پن ہے جو آنکھ سے دیکھا جائے جیسے دیوار' لکڑی یا بانس کی ٹیڑھائی' چونکہ یہاں دین کی کجی مراد تھی اس لئے ع کے زیر سے ارشاد ہوا **و انتم شہداء** جملہ حالیہ ہے اور **شہداء** جمع شہید کی ہے بمعنی مشاہدہ کرنے والا یا گواہ یا سردار یعنی تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور توریت کی آیات نعت کو دیکھنے والے ہو یا تم پہلے ان محبوب کی حقانیت کی گواہی بارہا دے چکے تھے' ان کی شناخت لوگوں کو بتا چکے تھے' اب حسد سے منکر ہو گئے' یا تم اپنی قوم کے سردار ہو وہ لوگ تم کو متقی عادل عالم مانتے ہیں اور تمہاری زبان پر اپنے بڑے بڑے فیصلے کرتے ہیں' تم ایسی حرکتیں کرو افسوس ہے **وما اللہ بغافل عما تعملون** چونکہ ان اہل کتاب کا کفر ظاہر ظہور تھا اس لئے پہلی آیات میں **واللہ شہید** فرمایا گیا مگر اللہ کی راہ سے روکنا اسے وہ ظاہر نہ کرتے تھے چھپاتے تھے بلکہ لوگوں سے کہتے تھے ہم تمہیں اللہ کی راہ پر لگاتے ہیں' اسلام کا راستہ' اللہ کا راستہ نہیں ہے اس لئے یہاں **وما اللہ بغافل** فرمایا گیا' ظاہر چیز کے لئے شہید فرمانا اور چھپی چیز سے غفلت کی نفی فرمانا اعلیٰ درجہ کی فصاحت و بلاغت ہے' یہاں عمل سے مراد یا تو مکانا ہے جیسا کہ روش کلام سے ظاہر ہے' یا ان کی ساری بدکاریاں' رشوتیں کھانا' توریت کی آیتیں چھپانا' توریت کے احکام بدلنا' اس میں تحریف و تبدیلیاں کرنا وغیرہ' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے علمائے اہل کتاب تم کو علم کتاب اس لئے دیا گیا تھا تاکہ تم لوگوں کو اللہ کی راہ پر قائم رکھو اور جو اس راہ سے ہٹے ہوئے ہوں ان کو اس راہ پر لگاؤ' اور تم کو یہ خبر ہے کہ دین موسوی و عیسوی منسوخ ہو کر اللہ کا راہ نہ رہے اب انہیں اختیار کرنا گمراہی' پرانی جنتری کام نہیں آتی اور دن میں چراغ روشنی نہیں دیتا' اب اللہ کی راہ صرف اسلام ہے' تمہارا فرض تھا کہ تو ہمسایوں کو اسلام پر جماتے اور مائل با سلام لوگوں کو کوشش کر کے اسلام پر لاتے' تم اس کے برعکس کیوں کر رہے ہو کہ آنے والوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہو' اور جو مومن ہو چکے ہیں انہیں اسلام سے پھیرنے کی کوشش کرتے ہو' کبھی ان سے کہتے ہو کہ دین موسوی پرانا ہے اسلام نیا' پرانے کے ہوتے نیا دین نہ اختیار کرو' کبھی کہتے ہو اگر اسلام حق ہوتا تو اس میں قبلہ کی تبدیلی کیوں ہوتی' کبھی یوں کہتے ہو کہ توریت و انجیل کی گواہی سے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی نہیں ہیں' نبوت بنی اسرائیل سے خاص ہے' تم سیدھے راستہ کو ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو' اور لطف یہ ہے کہ تم ہی اس پر گواہ بھی ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں' اسلام برحق ہے' توریت منسوخ ہے وغیرہ کہ توریت و انجیل کی یہ گواہیاں تمہارے ہی پاس ہیں' یقیناً تمہارا خود گمراہ رہنا بھی بڑا جرم ہے اور دوسروں کو گمراہ کرنا بھی سخت قصور' تم اتنا خیال رکھو کہ ہم تمہاری حرکات سے بے خبر نہیں' وقت آنے پر تمہیں

www.alahazratnetwork.org

ایسی مار ماریں گے کہ یاد کرو گے ابھی کچھ نہیں بگڑا' سنبھل جاؤ' ایمان لے آؤ اور دوسروں کو بھی مسلمان بنا کر اپنا فرض ادا کرو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد سے تاقیامت اللہ سے ملنے کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی اسلام جیسا کہ عن سبیل اللہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اپنے اپنے زمانوں میں ان آسمانی کتابوں پر عمل باعث ہدایت تھا لیکن اب ان پر عمل باعث گمراہی ہے' یہ بھی عن سبیل اللہ سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے و من یبتغ غیر الاسلام دینا" فلن یقبل منہ اس سے وہ آزاد خیال' ہندو نواز علماء عبرت پکڑیں' جو کہتے ہیں کہ جس دین میں رہ کر نیکیاں کرلو نجات پا جاؤ گے' اگر ایسا ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو دعوت ایمان کیوں دیتے۔ **تیسرا فائدہ:** بہکانے والا بہرحال مجرم ہو جاتا ہے خواہ اس سے کوئی بہکے یا نہ بہکے' دیکھو خدا کے فضل سے صحابہ کرام علماء یہود کے بہکائے بہک نہ سکے' مگر بہکانے والوں پر وبال پڑ گیا' ایسے ہی ہدایت دینے والا عالم بہرحال ثواب پائے گا خواہ اس سے کوئی ہدایت پائے نہ پائے۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمان کو مرتد بنانا اور اسلام لانے والے کو اس سے روکنا دونوں کا گناہ تقریباً" یکساں ہے۔ جیسا کہ لم تصدون کی دونوں تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جن علماء کی تقریریں یا تحریریں مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک پیدا کریں وہ علماء انہی یوپی پادریوں کی طرح مجرم ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے اس سے موجودہ زمانے کے نئے نئے فرقوں کو سبق لینا چاہئے' جن کی تبلیغ صرف مسلمانوں کو بہکانے میں محدود ہو کر رہ گئی ہے' فقہاء فرماتے ہیں کہ عوام کے سامنے فقہی مسئلے پیش نہ کرو اور ان سے ایسی باتیں نہ کرو جو ان کی سمجھ سے وراء ہوں کہ اس سے ان کے دلوں میں شکوک پیدا ہوں گے۔ یہ بھی اللہ کے راستے سے پھیرنے کی ایک صورت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شریعت میں گواہ وہ ہے جو واردات سے واقف ہو اسے جانتا ہو' دیکھ کر یا کسی اور ذریعہ سے گواہی دے یا نہ دے' دیکھو رب تعالیٰ نے علمائے یہود کو حقانیت اسلام کا گواہ فرمایا حالانکہ وہ اس کی گواہی نہ دیتے تھے بلکہ اس کے خلاف باتیں کرتے تھے' کیوں؟ اس لئے کہ وہ حقانیت اسلام سے اپنی کتب کے ذریعہ واقف تھے' گواہ ہوتا اور ہے گواہی دینا کچھ اور' نکاح دو گواہوں کے سامنے ہوتا ہے حالانکہ وہ اس وقت نکاح کی گواہی دیتے نہیں۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں صرف اہل کتاب کو خطاب کیوں کیا چاہئے تھا کہ سارے کفار سے خطاب ہوتا' کیونکہ سب ہی مومنوں کو ایمان سے پھیرنے کی اور لوگوں کو اسلام سے روکنے کی کوشش کرتے تھے۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ ساری سورہ بقرہ مدنی ہے اور مدینہ منورہ میں مشرکین سارے مسلمان ہو چکے تھے روکنے والے صرف اہل کتاب تھے اس لئے ان سے ہی خطاب ہوا' دوسرے یہ کہ دلائل کے ذریعہ اور لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کر کے روکنا اہل کتاب کا ہی کام تھا' مشرکین تو طاقت کے بل بوتے پر یہ حرکت کرتے تھے' اہل کتاب کا حملہ خطرناک تھا کیونکہ علم کا مقابلہ تلوار نہیں کرتی علم کرتا ہے' خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین مسلمانوں کو دھمکاتے تھے اور اہل کتاب بہکاتے تھے۔ **دوسرا اعتراض:** اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اسلام سے پھر گئے تھے کیونکہ سارے صحابہ کو بہکانے کا ذکر تو اس آیت میں آگیا اور بہکانا بغیر بہکنے کے پایا نہیں جاتا' فعل متعدی مفعول چاہتا ہے (بعض جہلاء) **جواب:** یہ قاعدہ غلط ہے' بہکانا اور ہے بہکا لینا اور' یہاں بہکانے کا ذکر ہے نہ کہ بہکا لینے کا' کسی کو گمراہ کرنے کی کوشش کرنا بہکانا ہے' اور اسے گمراہ بنانا بہکا لینا' دیکھو شیطان سب کو بہکاتا ہے مگر سب بہکتے نہیں'

www.alahazratnetwork.org

آیت کا منشاء یہ ہے کہ بے وقوفو یہ مومنین تمہارے پھیرے پھرتے نہیں تمہارے بہکائے بہکتے نہیں' تم بہکا کر کیوں اور زیادہ گنہگار بنتے ہو' ابراہیم علیہ السلام کی آگ پر گرگٹ دور سے پھونکیں مار رہا تھا' اس کی پھونکوں سے آگ تیز نہ ہو گئی مگر وہ تاقیامت مار کا مستحق ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کا مارنا ثواب ہے۔ خیال رہے کہ عام صحابہ تو وہ ہیں جو ایمان لاتے ہی پہاڑ کی طرح مستحکم و مضبوط ہو جاتے تھے' دیکھو مہاجرین خصوصاً حضرت بلال نے چہرۂ انور کی ایک جھلک ہی دیکھی تھی تو کوئی طاقت انہیں اسلام سے ہٹانہ سکی' بعض شاذو نادر وہ بھی تھے جو ایمان لا کر بتدریجاً ترقی کرتے تھے جنہیں ضعفاء مومن کہا جاتا تھا' ان پر یہودی داؤ مارنا چاہتے تھے مگر بحمدہ تعالیٰ کامیاب نہ ہوتے تھے' دیکھو فرعون کے جادوگر ایمان لاتے ہی ایسے پختہ ہو گئے کہ انہیں فرعون کی سولی بھی ایمان سے پھیر نہ سکی۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے ان پادریوں سے فرمایا **تبغونها عوجا** " تم ٹیڑھا راستہ تلاش کرتے ہو وہ تو پہلے ہی سے ٹیڑھے راستہ پر تھے' پھر تلاش کرنے اور چاہنے کے کیا معنی؟ **جواب:** اس جملے کے کئی معنی کئے گئے ہیں' ایک یہ کہ تم ان مسلمانوں کو سیدھے راستے سے ہٹا کر ٹیڑھے راستہ پر ڈالنا چاہتے ہو یعنی ان کے لئے ٹیڑھی راہ چاہتے ہو۔ دوسرے یہ کہ تم ان مسلمانوں کو بتاتے ہو کہ اسلام ٹیڑھا راستہ ہے یعنی اسلام میں کجی ہے۔ تیسرے یہ کہ تم خود سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہو' اب تک ان کے سامنے سیدھا راستہ یعنی اسلام آیا ہی نہ تھا۔ اب ان کے سامنے اسلام آگیا اس وقت اسلام قبول نہ کر کے اسی پر قائم رہنا ان کا نیا جرم ہے دیکھو تفسیر صاوی و تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ نے ان علمائے یہود کو اسلام کا گواہ کیوں فرمایا' وہ تو اسلام کے خلاف گواہی دیتے تھے۔ **جواب:** لولا " تو شہداء کے بہت معنی ہیں اگر یہاں بمعنی گواہی ہو تب بھی درست ہے کیونکہ گواہی دینا اور ہے گواہ ہونا اور۔ گواہ بننا کچھ اور' یہاں شہید دوسرے دو معنی میں ہے یعنی تم ہو توریت و انجیل کے عالم اور عالم کتاب کا گواہ ہوتا ہے اور ان کتب میں حقانیت اسلام کی آیتیں موجود ہیں' تم اس کے بھی گواہ ہوئے' اب تمہارا گواہی نہ دینا جرم ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و من اظلم ممن كتم شهادة** " **عنده من الله** یعنی اس سے بڑا ظالم کون ہے جس کے پاس رب تعالیٰ کی گواہی ہو اور وہ چھپائے۔ خیال رہے کہ شہید بمعنی سردار بھی آتا ہے یعنی ماتحتوں کے دل میں رہنے والا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وادعوا شهداء كم من دون الله**

تفسیر صوفیانہ: دنیا صدہا راستوں کا جنکشن ہے' یہاں سے بہت سی ریلیں جنم کی طرف جاری ہیں جن کے مختلف پلیٹ فارم ہیں' اور بعض گاڑیاں جنت سے ہوتی ہوئی رب تعالیٰ تک پہنچیں گی' یہ سب رنگ و روغن میں یکساں ہیں' مگر ان کے رخ مختلف ہیں' جو رب تعالیٰ کی طرف جاری ہے وہ اللہ کے راستہ پر ہے اسی لائن کا نام سبیل اللہ بھی ہے اور صراط مستقیم بھی جنم میں جانے والی گاڑیاں ٹیڑھے راستوں پر ہیں' انہی راستوں کا نام **عوج** ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم** علمائے حق اس پلیٹ فارم کی طرف بلا رہے ہیں جہاں سے رب تعالیٰ تک پہنچنے والی گاڑی ملتی ہے اور علمائے سوء ان پلیٹ فارموں کی طرف داعی ہیں جو جنم تک پہنچانے والے ہیں' اس آیت میں بظاہر خطاب علمائے اہل کتاب سے ہے مگر در حقیقت ان علمائے سوء سے ہے جنہوں نے اپنا دین دنیا کے عوض فروخت کر دیا' مشائخ فرماتے ہیں کہ جس علم کے ساتھ خوف خدا نہ ہو وہ علم خدا کا عذاب ہے' عالم دین وہ ہے جس کی زبان پر اللہ رسول کے فرمان ہوں اور اس کے دل میں ان کے فیضان'

www.alahazratnetwork.org

جہاں فرمانا فیضان سے خالی ہو گا وہاں زبان پر قال قال ہو گا ' دل کا کلا کلا۔ عالم ریڈیو کی چٹی ہے ' اگر اس کے دل کی سوئی مدینہ شریف کی طرف ہے تو اس سے مدینہ ہی کی آواز نکلے گی اور اگر خدا نہ کرے اس کا رخ اور طرف ہو گیا تو پڑھائے گا قرآن مگر سکھائے گا طغیان کتاب دین تب ملے گا جب معلم عالم دین ہو گا ' دیکھو علمائے یہود اسی توریت سے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے۔ سیدنا عبداللہ ابن اسلام اسی توریت سے لوگوں کو ہدایت دیتے تھے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آیتیں لوگوں کو سنا کر ان کے ایمان تازہ کرتے تھے ' یہ علم اللہ تعالیٰ کا فضل ہو تو تریاق ہے ورنہ زہر ' مولانا فرماتے ہیں۔

تلخ تر از فرقت تو ہیچ نیست!　　بے پناہت غیر پیچا پیچ نیست!

رخت ماہم رخت مارا راہ زن!　　جسم ماہر جان مارا جامہ کن!

دست ماہم پائے مارا مے خورد　　بے امان تو کسے جاں کے برد

خدایا اگر تو ہمیں پناہ نہ دے تو ہمارا سامان ہی ہم کو جلادے گا ' ہمارا جسم جان کا دشمن ہے اور اعضاء ایک دوسرے کے خلاف اگر تو کرم فرمائے تو یہ سب ہمارے معاون ہو جائیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے اگر تم اطاعت کرو گے گروہ کی ان لوگوں کے　جنہیں

اے ایمان والو اگر تم کتابیوں کے کچھ کہنے پر چلے　تو　وہ تمہارے

الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝۱۰۰

کتاب دی گئی تو وہ تم کو لوٹا دیں گے بعد تمہارے ایمان کے کافر

ایمان کے بعد تمہیں کافر کر کے چھوڑیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں علمائے یہود کو مسلمانوں کے بہکانے سے روکا گیا تھا ' اس آیت میں مسلمانوں کو بہکنے سے منع کیا جارہا ہے کسی چیز سے پرہیز پورا جب ہی ہو سکتا ہے جب مضر چیز کو اس سے بچایا جائے اور اس کو مضر سے گویا پرہیز کا ایک جز پہلے بیان ہوا تھا دوسرا اب۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارتاً صحابہ کرام کی پختگی کا اظہار تھا اہل کتاب کے علماء سے خطاب تھا کہ تم انہیں بہکا نہیں سکتے ' اس آیت میں مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم اس پختگی کے باوجود ان سے پرہیز کرو کہ بروں سے بچنا بھی عبادت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** پچھلی آیت میں ٹیڑھے راستہ اور اس پر چلنے والوں کا ذکر تھا ' اب اس آیت میں سیدھے راستہ کا تذکرہ ہے اور اس پر چلنے والوں کو استقامت کی ہدایت۔

شان نزول: اسلام سے پہلے انصار مدینہ کے دو گروہ تھے۔ (1) اوس ' (2) خزرج۔ جن کی آپس میں سخت عداوت تھی اور ان

www.alahazratnetwork.org

میں سو برس تک جنگ رہی تھی ان کے ملنے کی بظاہر کوئی صورت ہی نہ تھی کہ اچانک رحمت الٰہی نے ان کی دستگیری کی اسلام کا آفتاب مدینہ پر چمکا' نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر یہاں تشریف لائے 'تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں قبیلوں کو ملا کر شیر و شکر کر دیا' یہ صدیوں کے بچھڑے چند دنوں میں آپس میں اس طرح گھل مل گئے کہ ان میں کبھی کوئی رنجش تھی ہی نہیں۔

بد خلق جو تھے وہ نیک ہوئے　　لڑتے تھے ہمیشہ جو ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کر میٹ دیئے　　تری فہم و ذکاء کیا کہنا

ایک روز شعث ابن قیس ایک بوڑھا یہودی جو سخت کافر اور مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا ایک مجلس پر گزرا جہاں یہ دونوں قبیلے بیٹھے پیار و محبت کی باتیں کر رہے تھے اسے ان کا متفق ہو جانا بہت ہی ناگوار ہوا' اس نے ایک غیر معروف جوان یہودی کو بلایا اور اس سے کہا کہ تو انہیں جنگ بعاث یاد دلادے جو اوس و خزرج کے درمیان نہایت خونریز طور پر ہوئی تھی جس میں اس نے خزرج پر فتح پائی تھی۔ خیال رہے کہ قبیلہء اوس تو اوس ابن قبطی حارثی کی اولاد میں تھے اور قبیلہء خزرج جبار ابن صخر سلمی خزرجی کی اولاد سے تھے بولا قسم رب کی اگر یہ متفق ہو گئے تو ہمارا ٹھکانہ پھر کہیں نہیں' چنانچہ اس جوان نے اس مجمع میں پہنچ کر وہ اشعار گائے جن میں اس جنگ کا ذکر تھا' یہ اشعار سن کر ان لوگوں کو وہ جنگ یاد آگئی مندمل شدہ زخم پھر ہرے ہو گئے' دونوں فریق بھڑک گئے' اور السلاح السلاح (ہتھیار ہتھیار) کہتے ہوئے گھروں کو دوڑے اور آن کی آن میں فریقین مسلح ہو گئے' کسی نے اس بچھڑوں کو ملانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اے مغیث کونین جلد پہنچو ورنہ آج نہ اوس رہیں گے نہ خزرج یہ حضرات صف بستہ ہو چکے تھے آپس میں ٹکرانے والے ہی تھے۔

ناگہاں نے آں مغیث ہر دو کون!　　مصطفیٰ پیدا شدہ از بہر عون

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہنچ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہی فریقین ٹھہر گئے' سرکار نے فرمایا کیا تم میرے ہوتے لڑو گے' اور کیا تم ہدایت پر آ کر پھر گمراہ ہوئے جاتے ہو؟ ان چند کلموں نے صور اسرافیل کا کام دیا اور وہ حضرات غفلت سے چونک پڑے اور سوچنے لگے کہ ہم کر کیا رہے ہیں؟ چیخ پڑے سمعا" و طاعتہ" یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور ہم نے فرمان سن لیا ہم آپ کے مطیع ہیں' ہتھیار پھینک کر ایک دوسرے سے گلے مل کر چیخیں مار کر رونے لگے' حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے ایسا کوئی دن نہ دیکھا جس کا اول ایسا شر ہو اور آخر ایسی خیر' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و معانی' روح' خازن' مدارک وغیرہ)۔

بچھڑے ہوؤں کو کس نے ملایا تیرے بغیر　　اجڑے ہوؤں کو کس نے بسایا تیرے بغیر

تفسیر۔ یاایھا الذین امنوا اہل کتاب کو خطاب فرماتے وقت دونوں جگہ قل فرمایا گیا مگر اب مسلمانوں سے رب تعالیٰ نے براہ راست خطاب فرمایا' کہ یہاں قل نہ فرمایا ان کی عزت افزائی کے لئے چونکہ اگلا مضمون بہت اہم ہے جس پر مومنوں کے مومن ہونے کا دارومدار ہے' اس لئے پہلے مسلمانوں کو پکارا' پھر ان سے کلام فرمایا' خطاب سے مشکل کام بھی آسان ہو جاتے ہیں فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ الذین امنوا کے خطاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے حضور انور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم کے لئے یہ خطاب بنا ہی نہیں انہیں تو یا ایھا النبی ' یا ایھا الرسول کے پیارے پیارے خطابات سے پکارا جاتا ہے بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ایسی ہیں جہاں الذین امنوا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ماننے سے معنی ہی فاسد ہو جائیں گے جیسے اے ایمان والو اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو' یا اے ایمان والو نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو' یا اے ایمان والو نبی کی وفات کے بعد ان کی ازواج سے نکاح نہ کرو وغیرہ' یہاں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو داخل ماننے سے معنی فاسد ہوں گے اور کلام الٰہی کی تحریف لازم آئے گی اس کی تحقیق ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو' یہاں بظاہر اوس و خزرج سے خطاب ہے مگر در حقیقت تاقیامت مسلمانوں سے خطاب' چونکہ ظاہری مسلم منافق بھی کہلاتے تھے' انہیں نکالنے کے لئے رب تعالیٰ نے امنوا فرمایا' اسلموا نہ فرمایا' ایمان و اسلام کبھی ہم معنی آتے ہیں' کبھی ان میں فرق ہوتا ہے' مسلم و مومن میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب نعیم الباری شرح صحیح بخاری عربی میں دیکھو' چونکہ اوس خزرج پہلے سے مسلمان نہ تھے بعد میں ایمان لائے تھے نیز ہم لوگ بذات خود مومن نہیں کسی کے کرم سے مومن ہوئے اس لئے امنوا ماضی فرمایا گیا' زمین خود روشن نہیں آفتاب کی مہربانی سے روشن ہے' ہمارے دل تاریک زمین ہیں' مدینہ کے سورج دلوں کے سورج ہیں۔

جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل ہے
وہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہی کے دم کی بہار ہے

یعنی اے وہ لوگو جو ہماری مہربانی اور ہمارے محبوب کی کرم نوازی سے ایمان لے آئے ان تطیعوا یہ لفظ اطاعتہ کا مضارع ہے جس کا مادہ طوع ہے جس کے معنی ہیں رضا اور رغبت پسندیدگی' (نعیم) اس کا مقابل ہے کرہ' یعنی ناپسندیدگی مجبوری و بے رغبتی' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ائتیا طوعا " او کرھا " خیال رہے کہ طاعتہ اور طوع قریبا" ہم معنی ہی ہیں مگر اکثر طاعت کا استعمال حکم بجالانے پر ہوتا ہے۔ اور طوع کا استعمال بخوشی بجالانے پر' غرضکہ طاعت طوع سے عام ہے' یعنی اگر تم بات مان لو گے' فرمانبرداری کرو گے یا بخوشی کہے میں آجاؤ گے' یا دھیان دو گے فریقا " من الذین اوتوا الکتب فریق فرق سے بنا' بمعنی علیحدگی و جدائی' اسی سے فرقت' فرقہ و افتراق ہے' اصطلاح میں گروہ و جماعت کو فریق کہتے ہیں کہ وہ دوسری جماعتوں سے الگ ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے فریق فی الجنتہ و فریق فی السعیر چونکہ بعض اہل کتاب مومن ہو گئے تھے جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور بعض کافر' اس لئے یہاں فریق فرمایا گیا (روح البیان) یعنی اگر تم اہل کتاب کے کافر ٹولہ کی باتوں پر دھیان دو گے چونکہ رب تعالیٰ نے انہیں کتاب تو دی تھی مگر انہوں نے صحیح معنی میں لی نہیں اس لئے ان کے لئے اوتوا الکتب آتا ہے' نہ کہ اخذوا الکتب چمگادڑ کو آفتاب کا نور دیا تو گیا مگر اس کی آنکھ نے لیا نہیں یردوکم' رد سے بنا' بمعنی پہلی حالت کی طرف لوٹانا چونکہ اوس و خزرج پہلے کافر ہی تھے۔ اس لئے یہاں یردوا فرمایا گیا' شریعت میں ہر اسلام سے پھرنے والے کو مرتد کہا جاتا ہے خواہ وہ قدیم الاسلام ہو یا نو مسلم' کیونکہ وہ شخص اپنی اصلی و نفسانی جہالت کی طرف لوٹتا ہے۔ بعد ایمانکم کفرین' بعد' یردوا کا ظرف ہے' اور کفرین' کم کا حال' کافر کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' یعنی یہ تم کو تمہارے مومن ہونے کے بعد پھر کفر کی جانب لوٹا دیں گے اور تمہیں دوبارہ کافر بنا دیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تمہیں اس واقعہ سے سبق لینا چاہئے اور اپنے دوست و دشمن کو پہچاننا چاہئے' دشمنوں کے

www.alahazratnetwork.org

فریب میں نہ آنا چاہئے' خیال رکھو اگر آئندہ تم نے کتابیوں کے کافر ٹولہ کی باتوں پر دھیان دیا اور ان کی بات مانی تو ابھی تو انہوں نے تم میں لڑائی ہی کرادی تھی اگر ذرا دیر ہمارے محبوب نہ پہنچ جاتے اور تم گرتوں کو نہ سنبھال لیتے تو تمہارے کشتوں کے پشتے لگ جاتے' آئندہ تو وہ تم کو کافر و مرتد بنادیں گے' یا اے مسلمانو! اگر تم کتابیوں کے کافر ٹولہ کی بات مانو گے تو وہ تم سے کافروں کے سے کام کشت و خون' قتل و غارت کرا کر تمہیں کافر عملی بنادیں گے' خیال رہے کہ کافر عملی بھی ہوتا ہے' اعتقادی بھی' لیکن اکثر جب یہ ایمان یا مومن کے ساتھ آتا ہے تو اس سے کافر اعتقادی مراد ہوتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفر و ایمان میں کبھی اجتماع نہیں ہو سکتا اور کافر و مومن میں کبھی دلی اتفاق نہیں ہو سکتا یا مومن کو کافر ہو جاتا پڑے گا یا کافر کو مومن جیسا کہ **یردو کم** سے معلوم ہوا' کفر اندھیرا ہے' ایمان نور' پھر ان کا اجتماع کیسا' اگر کبھی کافر مسلمانوں سے ظاہری محبت بھی کریں تو وہ کسی اپنی غرض کے ماتحت ہو گی یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء** مسلمان کبھی کافروں کو دوست نہ بنائیں۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں کو آپس میں لڑانا کفار کا پرانا طریقہ ہے' اب بھی انگریزوں کا یہ قول تھا (پھاڑو اور راج کرو)۔ تیسرا فائدہ: کفار کبھی بھی مسلمانوں کی ترقی یا ان کے اتفاق کو پسند نہیں کریں گے جیسا کہ تجربہ بھی ہو رہا ہے۔ پاکستان کی ترقی سے ہندوستان میں صف ماتم بچھ جاتی ہے۔ بفضلہ تعالیٰ اب بھی اسلامی سلطنتیں بہت ہیں مگر آپس میں متفق نہیں' کیوں؟ کفار کی مہربانی سے۔ چوتھا فائدہ: مسلمانوں کا آپس میں لڑنا بھڑنا کافروں کا سا کام ہے جیسا کہ **کافرین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا جیسے ہم پر نماز روزہ وغیرہ عبادات فرض ہیں ایسے ہی حتی الامکان آپس میں متفق رہنا بھی فرض ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا** " **ولا تفرقوا** اسی اتفاق کے لئے اسلام نے سلام' باجماعت نمازیں' حج میں سارے مسلمانوں کا اجتماع مقرر کیا۔ پانچواں فائدہ: مسلمانوں کو لڑانا' ان میں جنگ کرانا طریقہ یہود ہے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو چغلیوں اور غیبتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے گھروں اور محلوں و برادریوں میں جنگیں کراتے رہتے ہیں' یہ بیماری بہت عام ہے۔ چھٹا فائدہ: لڑے ہوئے مسلمانوں کو ملا دینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے' کاش کہ ہم اس سنت پر عمل کرنے کی بھی کوشش کرتے ہم اس سبق کو بھول چکے۔

تو برائے وصل کردن آمدی! نے برائے فصل کردن آمدی

تاتوانی پامنہ اندر فراق **کا بغض الاشیاء عندی الطلاق**

ساتواں فائدہ: کافر کی کوئی بات بغیر سوچے سمجھے کبھی نہ ماننی چاہئے' اگرچہ بظاہر اچھی ہی ہو کہ اس میں اس کی کوئی چال پوشیدہ نہ ہو' اگر کافر نماز کے لئے بھیجے تو سوچ سمجھ کر جاؤ کہ تمہارے پیچھے کوئی کاشانہ مارے' ایک بار سیدنا امیر معاویہ کو ابلیس نے نماز فجر کے لئے جگایا تھا' مگر اس کی چال تھی جیسا کہ مثنوی شریف میں مفصل مذکور ہے۔ آٹھواں فائدہ: مسلمان کو مسلمانوں ہی سے اتفاق چاہئے' کفار مرتدین سے اتفاق کیسا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس و خزرج کو تو ملا دیا مگر صحابہ کرام کو منافقین یا مسیلمہ کذاب کے معتقدین سے نہ ملایا' ان سے چھانٹ دیا' حضرت صدیق اکبر نے منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ و اسود

www.alahazratnetwork.org

عنسی کے معتقدین سے صلح نہ کی' بلکہ ان پر لشکر کشی فرمائی' اگر دودھ و پیشاب کو ملایا گیا تو دودھ گندا ہی ہو گا۔ نواں فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان کی قدر و حفاظت کرے' بے دینوں کے پاس نہ بیٹھے نہ ان کی سنے کہ وہ ایمان کے چور ہیں' مال کو چور سے بچاتے ہیں' جان کو سانپ سے تو ایمان کو بے ایمانوں سے بچاؤ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین**

اعتراض: پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم **الذین امنوا** کے خطاب میں داخل نہیں ہوتے' لیکن رب تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو نماز قائم کرو' زکوٰۃ دو' یا اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے' کیا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں؟ اور کیا آپ پر یہ عبادتیں فرض نہیں؟ جواب: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوٰۃ فرض نہ تھی (شامی کتاب الزکوٰۃ) رہے روزے نماز وغیرہ وہ آپ پر فرض تھے مگر اس آیت سے نہیں' آپ تو نزول قرآن سے قبل ہی نمازی اور روزہ دار تھے' قرآن کی پہلی آیت بحالت اعتکاف اتری' معراج کی رات نماز لینے عرش پر جا رہے ہیں مگر بیت المقدس میں نبیوں کو نماز پڑھا کر جا رہے ہیں' یہ آیت تو ہم پر نماز فرض کرنے کے لئے آئی ہے۔ دوسرا اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے اے ایمان والو تم پر قصاص فرض کیا گیا' کیا اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں؟ اگر نہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چھڑی کے قصاص کے لئے حضرت عکاشہ وغیرہ کے سامنے اپنے کو کیوں پیش کیا؟ جواب: یہ قصاص کے لئے اپنے کو پیش فرمانا ہماری تعلیم کے لئے تھا ورنہ نبی پر قصاص واجب نہیں ہوتا اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت میں داخل ہیں' جب اولاد کا قصاص باپ سے نہیں لیا جاتا (شامی) شاگرد کی مار پیٹ کا قصاص استاد سے نہیں لیا جاتا تو امتی کا قصاص نبی سے کیسا؟ قرآن کریم فرماتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بلا قصور حضرت ہارون کی ڈاڑھی بھی پکڑی اور ان کو مارا بھی' مگر رب تعالیٰ نے نہ ان سے معافی منگوائی اور نہ قصاص کا حکم دیا۔ تیسرا اعتراض: اس یہودی نے اوس و خزرج کو لڑانا چاہا تھا نہ کہ کافر کرنا تو رب تعالیٰ نے **کفرین** کیوں فرمایا **قاتلین** کیوں نہ کہا؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ یا تو **کافرین** سے مراد کافر عملی ہیں' لڑنا جھگڑنا' کشت و خون کفار کا کام ہے نہ کہ مسلمانوں کا' یا انجام کے لحاظ سے فرمایا گیا یعنی اگر تم ایسے ہی ان کی باتیں سنتے رہے تو یہ تو تمہیں ایک دن کافر بنا دیں گے۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ کافروں سے دوستی نہ چاہئے' تو کیا ہم ان سے ہمیشہ لڑتے ہی رہیں' اکیلے مسلمان سب کافروں سے کہاں تک لڑیں گے' پھر تو ہم ان سے تجارتیں اور لین دین کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ تو جئیں کیونکر؟ جواب: محبت اور چیز ہے اتفاق اور صلح اور معاملات کچھ اور' ادائے حقوق کچھ اور' اخلاق برتاوے کچھ اور' کفار سے دلی محبت حرام ہے ان کی طرف میلان قلبی جرم' باقی معاملات' اخلاقی برتاوے سب جائز بلکہ سنت ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں و مشرکوں سے چیزیں خریدی ہیں بلکہ ان سے قرض کا لین دین بھی کیا ہے' کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز ہے اور ان کے حقوق ادا کرنا فرض' کافر ماں باپ کے حقوق پدری ادا کرنا لازم ہیں' غرضکہ ان کی طرف میلان قلبی حرام ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں عذاب پہنچ جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے بہترین زمین میں اگر بہترین بیج بویا جائے تو اس سے بہترین پھل پھول و سبزہ پیدا ہوتا ہے اور اگر بہترین

www.alahazratnetwork.org

زمین میں بدترین تخم بویا جائے تو اس سے کڑوے اور کانٹے والے درخت پیدا ہوتے ہیں' زمین ایک ہے مگر تخم میں فرق' اچھے تخم سے باردار درخت پیدا ہو کر زمین لالہ زار اور سبزہ زار بن جاتی ہے اور خراب تخم سے خاردار درخت پیدا ہو کر زمین خارستان بن جاتی ہے' ایسے ہی انسان کا دل بہترین زمین ہے اور اچھی بری صحبتیں مختلف تخم ہیں' اچھی صحبت اور اچھے وعظ سے اسی دل میں ایمان' تقویٰ' عرفان اور خوف الٰہی' محبت مصطفیٰ کے درخت پیدا ہوتے ہیں۔ جس میں عبادتوں کے پھول اور ریاضتوں کے پھل لگتے ہیں' جس سے یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی فائدے اٹھاتے ہیں' لیکن اگر اسی دل میں بری صحبتوں اور ان کی نصیحتوں کا تخم بویا جائے' تو پھر یہاں کفر' طغیان اور نفاق وغیرہ کے درخت پیدا ہوتے ہیں جن میں حسد' کینہ' جنگ و فساد کے کانٹے لگتے ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دل گویا مومن ہے اور نفس امارہ و شیطان گویا دشمن' پوپ پادری ہیں' فرمایا جا رہا ہے اے دل اگر تو نفس امارہ (پوپ) اور شیطان (پادری) کی اطاعت کرے گا تو یہ تیرے ایمان کا باغ اجاڑ کر اس میں کفر و طغیان کے تخم بو دیں گے' جس سے تیرا چمن گلستان کے خارستان ہو جائے گا جیسے مالی اپنے باغ کو ہر گرم سرد ہوا سے بچاتا ہے ایسے ہی مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان کو بری صحبتوں سے بچائے دنیا میں نسبی خاندان دیکھے جاتے ہیں' مگر آخرت میں نسبتی خاندان پوچھے جائیں گے یعنی یہاں پوچھتے ہیں کہ تو کس کا بیٹا ہے' وہاں پوچھیں گے تو کس کا صحبت یافتہ ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم ندعوا کل اناس با مامھم** رب تعالیٰ نسبت صحیح رکھے۔

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ
اور کیسے کفر کرو گے تم حالانکہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر اللہ کی آیتیں اور تم میں رسول ہیں اللہ کے
اور تم کیونکر کفر کرو گے تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اللہ کا رسول تشریف فرما ہے
وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۟
اور جو مضبوط پکڑے اللہ کو تو یقیناً ہدایت دیا گیا طرف سیدھے راستہ کے
اور جس نے اللہ کا سہارا لیا تو ضرور وہ سیدھی راہ دکھایا گیا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ایمان برباد کرنے والی چیزوں کا ذکر تھا یعنی صحبت کفار و اطاعت اہل کتاب' اس آیت کریمہ میں ان نعمتوں کا ذکر ہے۔ جن سے ایمان ملتا ہے اور تازہ رہتا ہے۔ یعنی پرہیز کا ذکر پہلے تھا اور مفید غذا کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ قابل طبیب ان دو چیزوں سے اپنے مریضوں کا علاج کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفر سے ڈرایا گیا تھا اب اس سے گھن دلائی گئی ہے۔

تفسیر: **وکیف تکفرون** عربی زبان میں **کیف** حالت پوچھنے کے لئے آتا ہے جیسے **کم** مقدار پوچھنے کے لئے اور **این** و **متی** مکان و زمان پوچھنے کے لئے' لیکن کبھی **کیف** اظہار تعجب کے لئے بھی آتا ہے' یہاں اسی لئے ہے' مگر تعجب ناواقف کرتا

www.alahazratnetwork.org

ہے' رب تعالٰی حیرت و تعجب سے پاک ہے' اس لئے علماء فرماتے ہیں کہ یا یہ تعجب کے لئے ہے یعنی تعجب دلانا' یا ممانعت کے لئے یا نفی کے لئے یعنی تم کیسے کفر کر سکتے ہو؟ یا کبھی کفر نہ کرنا' یا تم کفر نہ کرو گے **تکفرون** کفر سے بنا بمعنی انکار و چھپانا' شریعت میں اسلام کے خلاف عقیدہ کا نام کفر ہے' کبھی بد عملی کو بھی کفر کہہ دیتے ہیں شکر کا مقابل' پہلا کفر اعتقادی ہے یہ کفر عملی' یہاں دونوں احتمال ہیں یعنی اے مسلمانو! تم اسلام چھوڑ کر کافر کیسے ہو سکتے ہو یا تم لڑائی جھگڑا اور گناہ جو کفار کے کام ہیں کیسے کر سکتے ہو (معانی' مدارک وغیرہ) **و انتم تتلی علیکم** یہ واؤ حالیہ ہے اور **انتم** میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے **تتلی** تلاوت سے بنا جس کی تحقیق پہلے کی جا چکی' یہاں قرآن کو سمجھ کر پڑھنا مراد ہے اگر صحابہ کرام سے خطاب ہے تو تلاوت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت و تعلیم مراد ہو گی' اور اگر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے تو تلاوت سے مراد تاقیامت علماء و صوفیاء کی تلاوت و تعلیم ہے' **ایت اللہ** **ایت** **اٰیتہ** کی جمع ہے' بمعنی نشانی' قرآن کریم کے ہر جملہ کو اس لئے آیت کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالٰی کی وحدانیت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی نشانی ہے' یہاں قرآن کی آیتیں مراد ہیں جیسا کہ **تتلی** سے معلوم ہوا' یعنی تم کو پہلی نعمت تو یہ حاصل ہے کہ تم میں تلاوت قرآن و تعلیم قرآن ہے جس سے کفار دور رہیں یہ تمہارے ایمان کی محافظ اول ہے اور دوسری نعمت یہ ہے کہ **و فیکم رسولہ** **فیکم** میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے' رسول کے معنی ہیں پیغام رساں و فیضان رساں' رسول کا تعلق بھیجنے والے سے بھی ہوتا ہے لینے کا' سننے کا' حاصل کرنے کا اور اس سے بھی جس کی طرف بھیجا گیا دینے کا' سنانے کا' بتانے کا' پہنچانے کا' پہلے تعلق کی بناء پر رسول کی نسبت بھیجنے والے کی طرف ہوتی ہے' اور دوسرے تعلق کی بناء پر ان کی نسبت **مرسل الیھم** کی طرف' حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی رسول ہیں' یعنی اس سے فیضان لینے والے' اس کی سننے والے' اس سے سب کچھ حاصل کرنے والے' اور ہمارے بھی رسول ہیں یعنی ہمیں رب تعالٰی کی سنانے والے' اس کا فیضان دینے والے اور ہمیں سب کچھ عطا فرمانے والے' اس لئے قرآن شریف میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو **رسول اللہ** بھی کہا گیا اور **رسولکم** بھی

حق یہ ہے کہ ہیں عبداللہ اور عالم امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

یعنی اے صحابہ تم میں بحیات ظاہری اللہ کے رسول موجود ہیں' تم کیسے بہکو گے' یا اے مسلمانو تم میں رسول اللہ ایسے موجود ہیں جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر کہ دکھائی نہیں دیتے' مگر سب کرشمہ و فیض انہی کے ہیں' ان کی نبوت کے آثار و شواہد تاقیامت رہیں گے (از روح المعانی) **و من یعتصم باللہ** **یعتصم** اعتصام سے بنا جس کا مادہ **عصم** ہے' بمعنی روک رکھنا۔ اعتصام کے معنی ہیں اپنے آپ کو روک کر بچا رکھنا' رب تعالٰی فرماتا ہے **ما لھم من اللہ من عاصم** اسی سے **معصوم** ہے جو گناہوں سے بچایا گیا ہو' اس سے **عصمت** ہے بمعنی پاکدامنی یعنی اپنے کو بدکاری سے بچانا' اعتصام کے دوسرے معنی ہیں کسی چیز کو پکڑنا' رب تعالٰی فرماتا ہے **و اعتصموا بحبل اللہ** یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں (خزائن و تفسیر کبیر) یعنی جو اپنے کو برائیوں سے بچائے بذریعہ امداد الٰہی' یا جو اللہ کو پکڑے (اللہ کے دین کو یا دامن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) **فقد ھدی الی**

www.alahazratnetwork.org

صراط مستقیم ہدایت اور صراط مستقیم کے معانی اور ان کے اقسام پہلے بیان ہو چکے' یہاں **ہدی** سے مراد یا ہدایت دیا گیا یا ہدایت پر رکھا گیا' صراط مستقیم سے مراد اچھے عقیدے ہیں یا اچھے اعمال یا آپس کی صلح' محبت اور جنگ و جدال سے پرہیز کرنا' جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے یعنی جو اللہ کے دین کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے گا اسے سیدھے راستہ پر رہنے کی ہدایت ملے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے جماعت صحابہ تم ایمان چھوڑ کر کفر کیسے اختیار کر سکتے ہو' یا لڑائی بھڑائی' آپس کے خون خرابے' کفار کے کام کیسے کئے لیتے ہو' تمہیں تو رب تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو تمہیں ان برائیوں سے بچانے والی ہیں ایک یہ کہ تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سناتے اور سکھاتے ہیں' دوسرے یہ کہ خود وہ ذات کریم تم میں تشریف فرما ہیں۔ تمہارا ہر شبہ وہ دور فرماتے ہیں اور تم ان سے ہر مسئلہ دریافت کر سکتے ہو۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا — خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا

تیسرے یہ کہ تم نے اللہ کے دین اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا ہوا ہے اور جو اس دامن کو تھامے وہ ہمیشہ راہ راست پر رہتا ہے ان کے ساتھ رہنے والا نہ گرتا ہے نہ بگڑتا ہے۔

سن لیں اعدا میں بگڑنے کا نہیں — وہ سلامت ہیں بنانے والے

حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اس آیت میں دو علموں کا ذکر کیا۔ ایک کتاب اللہ' دوسرے نبی اللہ' نبی اللہ تو تشریف لے گئے (صلی اللہ علیہ وسلم) کتاب اللہ تاقیامت باقی رہی (مسلم) زید ابن ارقم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک پانی کے گھاٹ پر تشریف فرما ہوئے جسے ماء خم یا غدیر خم کہا جاتا تھا وہاں ہمیں وعظ فرمایا' جس میں فرمایا کہ اے لوگو قریب ہے کہ مجھے رب تعالیٰ کا بلاوا آ جائے اور میں اسے قبول کر لوں' تم میں دو چیزیں چھوڑتا ہوں ایک کتاب اللہ جس میں ہدایت و نور ہے' اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا' دوسرے میرے اہل بیت' میرے اہل بیت کے بارے میں اللہ سے ڈرنا (تفسیر خازن)۔

دوسری تفسیر: اے سارے مسلمانوں تمہارا ایمان چھوڑ کر کافر ہو جانا بہت ہی تعجب کا باعث ہو گا یا تم لوگ کافروں کی سی حرکتیں (آپس کے جنگ و جدال' کشت و خون' فسق و فجور) کیسے کئے لیتے ہو۔ تم پر ایک اللہ تعالیٰ کا فضل تو یہ ہے کہ آیات قرآنیہ بعینہ محفوظ ہیں' توریت و انجیل کی طرح ان میں ترمیم و تبدیلی نہ ہوئی اور تم میں تاقیامت علماء و صوفیاء رکھے گئے جو تمہیں قرآن شریف سناتے' سمجھاتے و سکھاتے رہیں گے' اور دوسرا اللہ تعالیٰ کا فضل یہ ہے کہ تم میں تاقیامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما رہیں گے یا اس طرح کہ ان کے معجزات تاقیامت موجود رہیں گے جنہیں تم آنکھوں سے دیکھو گے (روح المعانی) چنانچہ قرآن کریم کی ہر آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے' اور کل آیتیں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ (6666) ہیں۔ اتنے معجزات تو بعینہ موجود ہیں' پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر کہ جتنا چرچا آپ کا ہے اتنا کسی کا نہیں' یہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ۔

حسن یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں — سر کٹاتے ہیں ترے نام پہ مردان عرب

www.alahazratnetwork.org

دیگر محبوبوں کے دیکھنے والے لاکھوں تھے مگر عاشق ایک ایک' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ و جاوید معجزہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثاروں غلاموں کے آستانوں پر میلے لگے ہوئے ہیں' پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین کا حدیث کی شکل میں باقی رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ و جاوید معجزہ ہے' یا یہ مطلب ہے کہ اگرچہ وہ محبوب بظاہر تم میں جلوہ گر نہیں' مگر ان کے فیضان تاقیامت تم میں باقی ہیں تم لاوارث نہیں ہو' تمہارا والی وارث موجود ہے تم کیوں بہکو' خیال رکھو کہ جو دنیا میں رہ کر اللہ کے دین اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو مضبوطی سے پکڑے رہے گا وہ کبھی بہک نہیں سکتا' راہ راست پر قائم رہے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سوال ہمیشہ معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوتا اور نہ یہ سائل کی بے علمی کی دلیل ہے بلکہ انکار تعجب ملامت اور بہت حکمتوں سے ہوتا ہے جیسا کہ **و کیف** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: جیسے کہ جسمانیات میں اللہ تعالیٰ نے حفاظت کے بہت سے اسباب پیدا فرمائے ہیں' جسم کو سردی گرمی سے بچانے کے لئے کپڑے' بارش اور شبنم سے بچنے کے لئے مکان' مال کی حفاظت کے لئے بنک وغیرہ' ایسے ہی روحانیات میں ایمان و اعمال کی حفاظت کے لئے اسباب پیدا فرمائے ہیں جیسا کہ **و انتم** الخ سے معلوم ہوا' جو ان اسباب سے الگ رہے گا وہ دولت ایمان کھو بیٹھے گا۔ تیسرا فائدہ: ہمارے ایمانوں کا حافظ قرآن شریف بھی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی' لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو بذات خود حافظ ہیں' مگر قرآن کریم اس صورت میں حافظ ہے جب اسے کسی مقبول بندے کے ذریعے سیکھا جائے۔ نہ بذات خود حافظ ہے' اور نہ ہماری اپنی کوشش کے ذریعہ' دیکھو رب تعالیٰ نے یہ نہ فرمایا کہ تم میں قرآن شریف ہے اور رسول ہیں' اور نہ یوں فرمایا کہ تم قرآن شریف پڑھ لیتے ہو بلکہ یوں فرمایا کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں' اور تم میں اس کے رسول ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و یعلمھم الکتب والحکمۃ** وہ نبی انہیں قرآن و حکمت سکھاتے ہیں معلوم ہوا کہ ان سے بغیر سیکھے قرآن سے ہدایت نہیں ملتی' اور فرماتا ہے **یضل بہ کثیرا " و یھدی بہ کثیرا "** قرآن کے ذریعہ بہتوں کو ہدایت دیتا ہے۔ بہتوں کو گمراہی' جو نبوت کی روشنی سے قرآن کو دیکھتے ہیں انہیں ہدایت ملتی ہے اور جو محض اپنی عقل و لغت سے سمجھتے ہیں وہ گمراہی ہوتے ہیں' قرآن کے سمندر میں خود چھلانگ نہ لگاؤ بلکہ حدیث کے جہاز میں اسے عبور کرو۔ جس جہاز کے کپتان کوئی امام مجتہد ہوں۔ چوتھا فائدہ: کوئی مسلمان خواہ کتنے بڑے پائے کا ہو کسی صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ وہ صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی گزاری ہے' انہوں نے اس قرآن ناطق کے شب و روز دیکھے ہیں جیسا کہ **و فیکم رسولہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: تمام انبیائے کرام کے معجزات قصے بن کر رہ گئے' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدہا معجزات زندہ جاوید ہیں' جو آج بھی دیکھے جارہے ہیں اور تاقیامت دیکھے جائیں گے' اب نہ تخت سلیمانی ہے نہ عصائے موسوی نہ توریت رہی نہ انجیل بلکہ ان کی زبان عبرانی بھی فنا کر دی گئی' مگر قرآن مجید بلا کم و کاست بعینہٖ ویسے ہی موجود ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال' اقوال' افعال' اعمال' اشغال' جملہ عالم کے سامنے ہیں' یہ فائدہ **و فیکم رسولہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما گئے لیکن وہ اب بھی ہم میں موجود ہیں' انہیں ہماری سر کی آنکھیں نہیں

www.alahazratnetwork.org

دیکھتیں، مگر دل کی آنکھیں دیکھتی ہیں، بعض خوش نصیب انہیں ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں جیسا کہ **و فیکم رسولہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰ است　　　آبروئے ما ز نام مصطفیٰ است

اسی لئے مومن قبر میں انہیں بے تکلف پہچان لے گا کہ وہ تو اس کے دل میں رہتے تھے ہم نے عرض کیا ہے۔

قبر میں دیکھا جو اس پردہ نشین کو تو کھلا　　　میرے ہی دل میں رہا تھا مجھے معلوم نہ تھا!

تاقیامت مسلمانوں کے اندر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے رہنے کی بہت آیات ہیں، یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **و فیکم رسولہ** اے مسلمانو تم میں اللہ کے رسول جلوہ گر ہیں۔ **لقد جاء کم رسول** اے مسلمانو تم سب کے پاس اللہ کے رسول آ گئے اور فرمایا **اذ بعث فیھم رسولا** "مسلمانوں میں رب تعالیٰ نے اپنا رسول بھیج دیا اور فرمایا **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا۔ حالانکہ ان میں آپ ہیں ان آیات سے مسئلہ حاضر و ناظر واضح ہوتا ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب **جاء الحق** حصہ اول میں دیکھو۔ ساتواں فائدہ: اب ہدایت کے لئے آیات قرآنیہ ضروری ہیں، توریت و انجیل کی آیتوں سے ہدایت نہیں مل سکتی جیسے کہ دھوپ میں چراغ سے روشنی نہیں ملتی جیسا کہ **ایت اللہ** سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جو دین سے وابستہ رہے گا وہ انشاء اللہ تعالیٰ ہدایت پر رہے گا اور اگر کبھی عملاً بھٹک بھی گیا تو پھر لوٹ آئے گا جیسا کہ **و من یعتصم باللہ** الخ سے معلوم ہوا۔ جب تک کہ شاخ درخت سے وابستہ ہے خشک نہیں ہوتی اگرچہ کبھی خزاں میں پتیوں سے خالی ہو جائے، ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

ملت سے اپنا رابطہ استوار رکھ　　　پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

نواں فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پکڑنا گویا رب تعالیٰ کو پکڑنا ہے جیسا کہ **من یعتصم باللہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: اسباب پر عمل کرنا ہمارا کام ہے نتیجہ رب کے ہاتھ ہے دیکھو **اعتصام** جو سبب تھا وہ تو ہماری طرف منسوب کیا گیا مگر اس کا نتیجہ یعنی ہدایت رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہوئی کہ فرمایا گیا **فقد ھدی** رب تعالیٰ فرماتا ہے **یھدی بہ اللہ من اتبع رضوانہ سبل السلم** اتباع ہمارا کام اور ہدایت رب تعالیٰ کا کرم۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں تلاوت قرآن کو پہلے بیان کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کو بعد میں، حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشریف لائے ہیں اور قرآن بعد میں آیا اور اب بھی مومن پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتا ہے بعد میں قرآن کو، کلمہ پہلے ہے تلاوت بعد میں، ترتیب اس کے برعکس چاہئے تھی؟ جواب: اس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ تلاوت قرآن نعمت عامہ ہے جو تاقیامت ہر مسلمان کو نصیب ہوتی رہتی ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سامنے جلوہ گر ہونا ان سے عرض و معروض کر لینا رب تعالیٰ کی نعمت خاصہ ہے جو صرف صحابہ کرام کو ایک خاص وقت میں نصیب ہوئی تو رب تعالیٰ نے نعمت عامہ کا ذکر پہلے کیا نعمت خاصہ کا بعد میں جیسے **الرحمن** کا ذکر پہلے ہے اور رحیم کا ذکر بعد میں۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی رحمت عامہ پہلے ہے اور رحمت خاصہ بعد میں۔ دوسرے یہ کہ اس ترتیب میں اعلیٰ کی جانب ترقی ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ اس قرآن سے زیادہ ہے جو ہمارے ہاتھوں میں ہے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق

ہیں اور یہ کتابی شکل کا قرآن بھی مخلوق ہے۔ قرآن کلام اللہ جو صفت الٰہی ہے اس کا ذکر نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جو اللہ کے دین کو پکڑے گا اسے سیدھی راہ کی ہدایت ملے گی۔ حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے کہ جو ہدایت پاتا ہے وہ اسی دین میں آتا ہے۔ **جواب:** ہدایت بہت سی قسم کی ہے' بعض ہدایتیں وہ ہیں جن سے دین ملتا ہے۔ یہاں پہلی قسم کی ہدایت مراد ہے اس تقسیم کی تحقیق اور اقسام کا ذکر **اهدنا الصراط المستقيم** کی تفسیر میں ہو چکا۔ **تیسرا اعتراض:** جب تلاوت قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ذریعہ ہدایت ہیں تو مسلمان گمراہ کیوں ہو جاتے ہیں' اور اس زمانہ پاک میں بہت لوگ مرتد کیوں ہو گئے تھے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ نعمتیں اسباب ہدایت ہیں نہ کہ علت ہدایت تو ارادۂ الٰہی ہے' جیسے ہوا سبب زندگی ہے' مگر ہوا رہتی ہے اور ہم مرجاتے ہیں کیونکہ علت زندگی ارادۂ الٰہی ہے۔ دوسرے یہ کہ استفادہ کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ دینے والے میں دینے کی طاقت ہو' دوسرے یہ کہ لینے والے میں اخذ کی قوت ہو۔ اگر لینے والے میں لینے کی طاقت نہ ہوگی تو اسے فیض نہ ملے گا۔ سورج میں چمکانے کی طاقت ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ اور نابینا چشم میں چمکنے کی طاقت نہیں۔ اس لئے وہ بے نور رہتی ہیں ان مرتدین میں اخذ کی پوری قوت نہ تھی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا ایک جنگل ہے۔ جس میں شکار کرنے والے جانور بھی ہیں اور شکار ہونے والے بھی۔ یعنی شکاری بھی یہاں رہتے ہیں اور شکار بھی یہاں بستے ہیں' جیسے شکار وہی محفوظ رہے گا جو کسی کی پناہ میں آجائے' جو حفاظت سے باہر گیا وہ شکاری کا لقمہ بن گیا۔ ہم لوگ شکار ہیں۔ شیطان برے ساتھی اور دنیا کی الجھنیں شکاری ہیں۔ اگر ہم اپنے ایمان و تقویٰ کی حفاظت چاہتے ہیں تو کسی دامن میں آجائیں اور کسی کی حفاظت قبول کریں' اسلام امن گاہ ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ایمانوں کے محافظ امن گاہ کی حدود کے اندر رہنا لازم ہے۔ ایسے ہی ہمیں اسلام کی حدود میں رہنا ضروری ہے' یہاں فرمایا جارہا ہے اے مسلمانو تم کافر کیونکر ہو سکو گے۔ تم تو دین کی حدود میں ہو تمہاری نگرانی فرمانے والے رسول اکرم تم میں جلوہ گر ہیں' قرآنی آیات تم پر دن رات پڑھی جاتی ہیں بیدار رہو اپنے کو ان امانتوں میں رکھو۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

جاگ سنسان بن ہے رات آئی! گرگ بہر شکار پھرتے ہیں!

مبارک ہے وہ جس کی زندگی امن و امان میں گزرے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کفر فسق' بری حرکت ہم کرتے ہیں' ایمان' تقویٰ' نیکیاں رب تعالیٰ کی طرف سے نصیب ہوتی ہیں' اسی لئے یہاں کفر کو ہماری طرف منسوب کیا گیا کہ فرمایا گیا تکفرون تم کفر کرتے ہو۔ اور ہدایت کو رب کی طرف کہ فرمایا گیا **فقد هدى** ہماری پیدائش مٹی سے ہے مٹی نیچے خود گرتی ہے مگر اوپر کسی کے اٹھائے اٹھتی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے اللہ سے ڈرو حق اس سے ڈرنے کا اور ہرگز نہ مرو مگر اس حال میں کہ تم
اے ایمان والو اللہ سے ڈرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور ہرگز نہ مرنا مگر

www.alahazratnetwork.org

مُّسۡلِمُوۡنَ۝
مسلمان ہو
مسلمان

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفر یا کفران سے روکا گیا جو بڑا بھاری عیب ہے' اس آیت میں انہیں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا جو مومن کی زینت اور ایمان کا زیور ہے یعنی عیوب سے بچنے کا پہلے ذکر تھا اور صفات اختیار کرنے کا اب ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار سے علیحدگی اور ان کی باتوں میں نہ آنے کا ذکر تھا' اب وہ بات بتائی جا رہی ہے جس سے بفضلہ تعالیٰ مومن کا دل ان سے متنفر ہو جاتا ہے یعنی تقویٰ' پرہیزگاری' خلاصہ یہ ہے کہ جسمانی علیحدگی کا حکم پہلے تھا اور روحانی و قلبی علیحدگی کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار سے علیحدگی کا ذکر تھا اب اس کی مدت بتائی جا رہی ہے۔

شان نزول: اوس و خزرج انصار کے دو بڑے قبیلے تھے جن میں پہلے عداوت تھی اسلام کے بعد دوستی و محبت ہو گئی تھی' اتفاقاً" ایک دفعہ ثعلبہ ابن غنم اوسی اور اسعد ابن زرارہ خزرجی بیٹھے ہوئے پیار محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ اتفاقاً" خاندانی فخری باتیں چھڑ گئیں۔ ثعلبہ بولے کہ ہمارا اوس قبیلہ تمہارے قبیلے خزرج سے افضل ہے کیونکہ اوس میں خزیمہ ابن ثابت ہیں جن کی گواہی دو کے قائمقام ہے۔ اور ہم ہی میں جناب حنظلہ شہید بھی ہیں جنہیں بعد شہادت فرشتوں نے غسل دیا اور ان کا لقب غسیل ملائکہ ہوا' اسی اوس میں سعد ابن معاذ بھی ہیں' جن کی لاش کی سولی کے بعد شہد کی مکھیوں نے حفاظت کی اور زمین نے ان کی لاش غائب کر دی۔ نیز ہم اوس ہی میں سعد ابن معاذ بھی ہیں جن کی وفات پر عرش الٰہی ہل گیا۔ اسعد خزرجی بولے کہ ہمارے خاندان کا کیا پوچھنا' ہم خزرج ہی میں وہ چار صحابہ ہیں جن سے قرآن قائم ہے۔ یعنی ابی ابن کعب' معاذ ابن جبل' زید ابن ثابت اور ابو زید' ہم خزرج ہی میں سعد ابن عبادہ بھی ہیں جو انصار کے خطیب و رئیس ہیں۔ اس فخریہ گفتگو کا سلسلہ اتنا دراز ہوا کہ آپس میں ہاتھاپائی کی نوبت آ گئی۔ جانبین نے خاندانی قصیدہ خوانی شروع کر دی۔ لوگوں نے یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں صلح کرائی' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا کہ ان شیخیوں سے بچو' تقویٰ اختیار کرو' اپنے میں عمدہ خصائل و فضائل پیدا کرو۔ محض خاندان پر فخر بے سود ہے۔ (تفسیر خازن و تفسیر تنویر المقیاس)۔

تفسیر: **یایھا الذین امنوا** چونکہ تقویٰ و پرہیزگاری مشکل بھی ہے اور اہم بھی' نیز ایمان کے بغیر تقویٰ میسر نہیں ہوتا' کافر کتنے ہی نیک اعمال کرے اور کتنا ہی برائیوں سے بچے متقی نہیں۔ جڑ کے بغیر شاخیں' پتے' پھل' پھول نہیں ہوتے' اس لئے رب تعالیٰ نے اس آیت کا مضمون مسلمانوں کو پکار کر شروع فرمایا تاکہ اس پکار کی لذت سے یہ دشوار کام آسان ہو جائے' شکر میں ملا کر کڑوی دوا آسانی سے کھالی جاتی ہے اور نشہ کے ذریعہ آپریشن سہل ہو جاتا ہے یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے' مومن بن چکے **اتقوا اللہ** **اتقوا** وقی کے باب افتعال کا امر ہے۔ وقی کے معنی ہیں بچنا یا بچانا۔ رب تعالیٰ فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے **و وقھم اللہ شر ذلک الیوم** اور فرماتا ہے **قوا انفسکم** اور فرماتا ہے **وقنا عذاب النار**' **اتقوا** کے معنی ہوئے خوب بچو' چونکہ بندہ کا رب تعالیٰ سے بچنا ناممکن ہے اور اس سے بچنے کی کوشش کرنا جائز۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ففروا الی اللہ** اے گنہگارو! رب کی طرف بھاگ آؤ' اس لئے جب تقویٰ کے بعد گناہوں یا عذاب یا آگ کا ذکر ہو' تب اس کے معنی بچنا ہی ہوتے ہیں' لیکن اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ڈرنا مگر ہر ڈر نہیں بلکہ وہ ڈر جو عذاب الٰہی سے بچنے کا ذریعہ ہو جائے۔ خوف۔ خشیت' رہبت اور تقویٰ ان سب کے معنے ڈرنا ہی ہیں' مگر بہت فرق کے ساتھ' خوف خدا شیطان کو بھی ہے۔ اس نے خود کہا تھا **انی اخاف اللہ رب العلمین** چونکہ یہاں **اتقوا** کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس لئے اس کے معنی ہوئے اللہ تعالیٰ سے خوب ڈرو۔ **حق تقتہ** یہ کلمہ **اتقاء** مصدر محذوف کا عامل ہے۔ حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ بمعنی استحقاق یا لائق تقات اصل میں وقیۃ تھا' ؤ' ت سے بدل گیا جیسے **وھم** سے **تھمۃ** اور وخم سے **تخمۃ** اور ی الف بن گئی۔ زجاج فرماتے ہیں کہ **تقاۃ** " **وقاۃ** " اور **اقاۃ** " تینوں طرح جائز ہے (تفسیر روح المعانی) یعنی ایسا ڈرنا ڈرو جو ڈرنے کا حق ہے یعنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق یا تمہاری طاقت کے مطابق ہو **ولا تموتن الا و انتم مسلمون** مسلم اسلام سے بنا جس کا مادہ ہے **سلم** بمعنی صلح' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فان جنحوا للسلم** عرف میں فرمانبرداری و اطاعت شعاری کو اسلام کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فلما اسلما و تلہ للجبین** اصطلاح شریعت میں کبھی بمعنی ایمان آتا ہے' کبھی بمعنی اظہار ایمان اور کبھی بمعنی نیک اعمال اور دین محمدی کا نام اسلام ہے یہاں بمعنی ایمان ہے یا دین محمدی کیونکہ مرتے وقت اعمال ختم ہو جاتے ہیں' دین و ایمان باقی رہتا ہے اسی لئے نماز جنازہ میں پڑھا جاتا ہے **اللھم من احییتہ منا فاحیہ علی الاسلام** الٰہی تو ہم سے جسے زندگی دے تو اسلام پر دے **و من توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان**' اور ہم میں سے جسے موت دے تو ایمان پر دے یعنی اے مومنو ایمان کے سوا کسی اور حال پر نہ مرنا جب بھی مرو تو اس حال پر مرنا کہ تم پہلے سے مسلم ہو اسی لئے **الا مسلمین** نہ فرمایا (روح المعانی)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے' صرف ایمان لاکر بے فکر نہ ہو جانا اور اپنے کو نیک اعمال سے بے نیاز نہ جان لینا بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرتے رہنا جو اس کی شان کے لائق ہو یا تمہاری حیثیت کے مطابق' اس کی شان کے لائق خوف تو یہ ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے' نافرمانی کبھی نہ کی جائے' اسے یاد رکھا جائے' بھولا کبھی نہ جائے' اس کا شکر کیا جائے' ناشکری کبھی نہ کی جائے وغیرہ یہ تقویٰ انبیائے کرام اور خصوصی اولیاء ہی کو نصیب ہوتا ہے' اور ہماری حیثیت کے لائق تقویٰ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے گناہ سے بچیں اور اگر گناہ ہو جائیں تو فوراً توبہ کرلیں۔ رب تعالیٰ نصیب کرے' اور خیال رکھو کہ ہمیشہ مومن رہنا جب بھی تمہیں موت آئے تو بحالت ایمان آئے' ملک الموت تمہیں جان لینے کے وقت کافر نہ پائیں' مومن بارگاہ الٰہی میں دولہا بن کر جاتا ہے اور جان نکالنے والے فرشتے براتی ہوتے ہیں۔ کافر وہاں قیدی ہو کر جاتا ہے اور یہ فرشتے رب تعالیٰ کی پولیس۔ خیال رہے کہ اس آیت کا آخری جملہ **ولا تموتن الا** یہ بالاتفاق محکم ہے مگر پہلا جملہ **اتقوا اللہ** الخ اس میں اختلاف ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود' عبداللہ ابن عباس' سعید ابن جبیر وغیرہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے راتوں کو سونا چھوڑ دیا' نماز کے لیے قیام سے ان کے پاؤں سوج گئے اور زیادہ

www.alahazratnetwork.org

سجدوں سے ان کی پیشانیاں زخمی ہو گئیں، تب رب تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ **فاتقوا اللہ ما استطعتم** اے مسلمانو جتنا بن پڑے اپنا تقویٰ اختیار کرو، اسی کی مثل حضرت انس اور قتادہ سے مروی ہے (ابن ابی حاتم و تفسیر روح المعانی و کبیر و جلالین و خازن وغیرھا) یہ حضرات فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی شان کے لائق تقویٰ سخت مشکل بلکہ ناممکن ہے، جب حضرات انبیاء و اولیاء عرض کرتے ہیں **ما عبدناک حق عبادتک** اور عرض کرتے ہیں **ما عرفناک حق معرفتک** خدایا ہم تیرے لائق تیری معرفت و عبادت نہ کر سکے، تو ما و شما کس شمار میں ہیں اور بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ چنانچہ حضرت معاذ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر حق یہ ہے کہ اس کا شریک نہ ٹھہرائیں اور اس کی عبادت کریں۔ وہ حدیث اس کی تفسیر ہے اور ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس کی تفسیر وہ آیتیں ہیں **و جاھدوا فی اللہ حق جہادہ** اور **فاتقوا اللہ ما استطعتم** غرضکہ وہ آیات اس کی ناسخ نہیں بلکہ اس کی مفسر ہیں، یہی قول جمہور محققین کا ہے، فیصلہ یہ ہے کہ اگر حق تقویٰ سے مراد رب تعالیٰ کی شان کے لائق تقویٰ ہے تو منسوخ ہے۔ اور اگر اپنی حیثیت کے لائق تقویٰ مراد ہے تو محکم ہے۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا، خود فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** (روح المعانی و خازن وغیرھما) آیت کریمہ۔ **وما قدروا اللہ حق قدرہ** کفار کے حق میں ہے نہ کہ مسلمانوں کے حق میں لہٰذا اس آیت کی بناء پر اسے منسوخ ماننا قوی نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ایمان اعمال پر مقدم ہے جیسے وضو نماز سے پہلے کیونکہ رب تعالیٰ نے ایمان کا ذکر تقویٰ سے پہلے کیا۔ دوسرا فائدہ: خدا رسی کے لئے صرف ایمان پر قناعت نہ کرنی چاہئے بلکہ تقویٰ و پرہیزگاری بھی اختیار کرنا ضروری ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے مومنوں کو تقویٰ کا حکم دیا، اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنے کو اعمال حتیٰ کہ روزہ نماز سے بے نیاز جانتے ہیں اور کہتے ہیں۔

روزہ، نماز، حج یہ گو فرض عین ہیں — جنت کے ہم ہیں اہل کہ طالب حسین ہیں

جب خود حضرت حسین رضی اللہ عنہ و جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے تقویٰ اختیار فرمایا تو طالب حسین کیسے تقویٰ سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ تیسرا فائدہ: حسب نسب پر فخر کرنا کہ اپنے کو اونچا اور دوسروں کو نیچا جاننا طریقہ کفار ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے جیسا کہ اس آیت کریمہ کے شان نزول سے معلوم ہوا، یہ حرکت اکثر دنگے فساد کا ذریعہ بن جاتی ہے، سارے مسلمان عزت والے ہیں کوئی ذلیل نہیں۔ چوتھا فائدہ: عزت و عظمت حاصل کرنے کے لئے خود اپنے میں کمال پیدا کرنا چاہئے، محض باپ داداؤں کے کمال پر ناز نہ چاہئے جیسا کہ **اتقوا اللہ** سے معلوم ہوا، اگرچہ شرافت خاندانی بھی اللہ کی نعمت ہے، صالحین کی اولاد ہونا بھی مومن کے لئے عزت کا باعث ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب **الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول** میں ملاحظہ کرو۔ پانچواں فائدہ: ہر شخص کا تقویٰ اس کی حیثیت کے لائق ہے، طاقت بھر اعمال چاہئیں، امیر کے تقوے کے لئے زکوٰۃ و حج بھی ضروری ہے فقیر کو ان سے معافی ہے۔ جیسا کہ **حق تقتہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اسلام میں خاتمہ کے اچھا ہونے کا اعتبار ہے اس سے پہلے کسی شے پر اعتماد نہ چاہئے اللہ تعالیٰ خاتمہ اچھا نصیب فرمائے

www.alahazratnetwork.org

جیسا کہ **ولا تموتن** الخ سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: مرتے وقت تک نیکیاں کرنا چاہئیں ایک دو بار کی نیکی پر قناعت نہ کرے' یہ بھی **ولا تموتن** الخ سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں سارے ہی مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم دیا گیا مسلمانوں میں بعض حضرات گناہوں سے محفوظ اور پہلے ہی سے متقی ہیں' انہیں اس آیت کا حکم کیونکر شامل ہو گا تحصیل حاصل محال ہے۔ جواب: ان کے حق میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تقویٰ پر قائم رہو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا یھا النبی اتق اللہ** اور فرماتا ہے **یا یھا الذین امنوا امنوا** یعنی اے نبی یونہی اللہ سے ڈرتے جاؤ اور اے مسلمانو ایمان پر قائم رہو' یا یہ مطلب ہو گا کہ اس سے بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ حاصل کرو' تقویٰ کے مختلف درجے ہیں جیسا متقی ویسا اس کا تقویٰ۔ دوسرا اعتراض: جن مفسرین نے **حق تقتہ** کو منسوخ نہیں مانا انہوں نے طاقت سے زیادہ کی تکلیف مان لی حالانکہ یہ قرآن شریف کے خلاف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یکلف اللہ نفسا" الا وسعھا** کیونکہ خدا تعالیٰ کی شان کے لائق پرہیزگاری ہم سے ناممکن ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ان بزرگوں نے **حق تقتہ** میں بندہ کی جانب کا خیال کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے اتنا ڈرو جتنا تم کو ڈرنے کا حق ہے یعنی جتنا تمہاری حیثیت کے لائق ہے۔ تیسرا اعتراض: **لا تموتن** الخ سے معلوم ہوا کہ اسلام صرف موت کے وقت ضروری ہے اس سے پہلے انسان کیسا ہی رہے کیونکہ حال عامل ذوالحال سے مقارن چاہئے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مرتے وقت تک مسلم رہو اسی لئے رب تعالیٰ نے نہ **موتوا مسلمین** فرمایا اور نہ **الا مسلمین** بلکہ اتنی بڑی عبارت فرمائی **الا وانتم مسلمون** یعنی تمہیں موت صرف اس حال میں آئے کہ تم پہلے ہی سے مسلمان ہو' جیسے کہا جائے کہ زید میرے پاس نہ آیا مگر اس حال میں کہ وہ سوار تھا یعنی سوار پہلے سے تھا آیا اب' دوسرے یہ کہ آیت کا یہی منشاء ہے کہ مرتے وقت مسلمان ہو' مگر یہ کیا علم کہ وقت موت کب ہے اور کون سا ہے' ہر سانس میں یہ احتمال ہے کہ وہ آخری ہو تو مطلب یہ ہے کہ مسلمانو مرتے وقت مسلمان ہو یعنی ہر وقت مسلمان رہو ممکن ہے کہ یہی وقت آخری ہو۔

هوائے رفتہ باز آید کہ ناید! 	نسے از حجاز آید کہ ناید!

کیا خبر کہ اندر گئی ہوئی سانس واپس آئے یا نہ آئے' کیا خبر کہ کل کی رات زمین پر آئے یا زمین میں' بہرحال ہر وقت بیداری ضروری ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے 	سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سونا پاس ہے سونا بن ہے سونا زہر ہے اٹھ پیارے 	تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے تیری مت ہی نرالی ہے

تفسیر صوفیانہ: عزتیں دو قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو دنیا کے ذریعہ حاصل ہو' مال سے' خاندان سے' حکومت و سلطنت سے' جتھے سے' اسے دنیوی عزت کہتے ہیں' دوسری وہ جو دین کے ذریعہ حاصل ہو' ایمان سے' تقویٰ سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت و خدمت سے' اس کا نام دینی عزت ہے' دنیوی عزت کے لئے فنا ہے اور دینی عزت کے لئے بقاء رب تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے مرکز بنائے ہیں۔ جسے مرکز سے وابستگی ہے وہ باقی ہے' اور جو اس سے ہٹا ہوا ہے وہ فانی' پانی کا مرکز سمندر یا چشمہ ہے' روشنی کا مرکز آفتاب ہے وغیرہ گھڑے' مٹکے' لوٹے' تالاب و حوض کا پانی بہت جلد ختم ہو جاتا ہے کیونکہ مرکز سے الگ ہے مگر نکے اور

www.alahazratnetwork.org

دریا کے پانی کو بقا ہے کہ استعمال سے فنا نہیں ہوتا کیونکہ مرکز سے وابستہ ہے' ایسے ہی رب تعالیٰ نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عزت کا مرکز بنایا جسے وہاں سے عزت ملے گی باقی ہوگی۔ دوسری عزتیں فانی کیونکہ یہ مرکزی عزت ہے اور وہ مصنوعی و عارضی۔ بادشاہوں کی عزت فانی ہے مگر حضرت بلال حبشی و ایوب انصاری رضی اللہ عنہما کی عزتیں باقی' شاہان جہاں ان بزرگوں کے آستانوں پر ناکیں رگڑتے ہیں' اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو کیوں خاندانی و مالی عزتوں پر فخر کرتے ہو' اگر عزت چاہتے ہو تو متقی مومن بنو' تاکہ تم کو اس آفتاب نبوت سے نسبت ہو اور ابدالآباد تک عزت والے بن جاؤ' رب تعالیٰ فرماتا ہے العزۃ للہ و لرسولہ و للمؤمنین یعنی عزت کا خالق و مالک اللہ ہے اور عزت کا مرکز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور ان سے عزت لینے والے وہ مومنین ہیں جو ان کے دامن کرم سے وابستہ ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں' ہمارے ہاں متقی کی چار پہچانیں ہیں۔ (1) حفظ الحدود۔ (2) بذل المجہود۔ (3) قناعت بالموجود۔ (4) وفاء بالعہود یعنی شرعی حدود کی حفاظت اعمال میں صرف طاقت جو رب تعالیٰ سے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے مومنوں سے وعدے کئے ہیں ان کا پورا کرنا' موجود پر قناعت یعنی معدوم کے پیچھے نہ بھاگنا۔ حق تقویٰ یہ ہے کہ امر کے موافق رہے اپنی طرف سے زیادتی کمی نہ کرے' تقویٰ کے چار درجے ہیں۔ (1) پہلا درجہ اجتناب الزلہ۔ (2) دوسرا اجتناب الفضلہ۔ (3) تیسرا توقی عن کل خلۃ (4) چوتھا تنقی عن کل علۃ یعنی لغزش سے بچنا' شئی سے بھاگنا' ہر دو حق ما سوی اللہ سے خالی ہو جانا' ہر عیب سے صاف ہو جانا۔

متقی را بود چار نشاں — حفظ احکام شرع اول داں
ثانیاً آنچہ دسترس باشد — بر فقیران و بے کساں بخشد
عہد را با وفا کند پیوند — ہرچہ باشد ازاں شود خرسند

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تقویٰ کی انتہا شہود ہے جو ترک وجود سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمارے ہاں اپنے وجود کا اثر شرک خفی ہے۔

حضوری گرہمی خواہی از و غائب مشو حافظ — متی ما تلق من تھوی دع الدنیا و اھلہا

(روح البیان)

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ

اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سارے اور نہ الگ ہو جاؤ اور یاد کرو اللہ کی نعمت

اور اللہ کی رسی مضبوط تھام لو سب مل کر آپس میں پھٹ نہ جاؤ اور اللہ کا احسان اپنے

اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ

جو تم پر ہے جب کہ تم تھے دشمن تو اللہ نے جمع فرما دیا درمیان تمہارے دلوں کے تو ہو گئے تم رب کے فضل

اور پر یاد کرو جب تم میں بیر تھا اس نے تمہارے دلوں میں ملاپ کر دیا تو اس کے فضل سے تم آپس میں بھائی بھائی

www.alahazratnetwork.org

اِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا كَذٰلِكَ

سے بھائی بھائی اور تھے تم کنارے پر آگ کے گڑھے کے تو الگ کر دیا رب نے تم کو اس سے اسی طرح

ہو گئے اور تم ایک غار دوزخ کے کنارے پر تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا دیا اللہ تم سے

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں تاکہ تم ہدایت پاؤ

یوں ہی اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم ہدایت پاؤ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ڈرا کر رب کی طرف بلایا گیا اس آیت کریمہ میں اپنی نعمتیں یاد دلا کر رغبت کے ساتھ انہیں دعوت حق دی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں خوف تھا اس آیت میں شوق' خوف و شوق سے ہی ایمان نصیب ہوتا ہے' تو گویا ایمان کے ایک رکن کا پہلے ذکر ہوا تھا اور دوسرے کا اب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں تقویٰ کا حکم تھا جس سے نفس کی گندگی دور ہوتی ہے اب ذکر الٰہی کا حکم ہے جس سے ایمان کی آراستگی ہے گویا نفس انسانی کو غسل و لباس پہلے دیا گیا اور زیور اب عطا ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو مرتے دم تک مسلمان رہنے کا حکم دیا گیا تھا چونکہ یہ بات طاقت انسانی سے باہر معلوم ہوتی تھی اس لئے اب اس کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ ایمان پر مرنا چاہتے ہو تو اللہ کی رسی مضبوطی سے پکڑ لو۔

تفسیر: **واعتصموا** اس کلمہ کی تحقیق ابھی کچھ پہلے **و من یعتصم** کے بیان میں ہو چکی' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے جیسا کہ **یا ایہا الذین امنوا** سے معلوم ہوا اور ہو سکتا ہے کہ خطاب اوس و خزرج انصار سے ہو۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے واضح ہے لہٰذا اعتصام یعنی دین کی رسی مضبوط پکڑنے سے مراد ہے دین پر قائم رہنا آپس میں متفق رہنا' لڑائی بھڑائی سے پرہیز کرنا' کیونکہ ان کے عقائد تو پہلے ہی سے درست ہیں' مسلمان تو پہلے ہی سے ہیں **بحبل اللہ جمیعا**" عربی میں حبل رسی کو بھی کہتے ہیں۔ مطلقاً وسیلہ کو بھی عہد و وعدہ کو بھی ذمہ اور امان کو بھی' عورت کے حمل کو بھی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بحبل من اللہ و حبل من الناس** یعنی اللہ اور لوگوں کی امان سے۔ یہاں معنی رسی ہے۔ **رشاء** بھی رسی کو کہتے ہیں اور حبل بھی۔ مگر رشاء عام ہے کہ ہر رسی کو کہا جاتا ہے اور حبل خاص کہ موٹے اور مضبوط رسے کو ہی حبل کہتے ہیں جس سے بھاری چیزیں باندھی جائیں اور اٹھائی جائیں۔ **حبل اللہ** کے معنی ہیں دنیا میں اللہ کی بھیجی ہوئی رسی' اس رسی سے یا اطاعت الٰہی مراد ہے یا قرآن حکیم یا اسلام' یا اخلاص عمل یا مسلمانوں کی جماعت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت اطہار' یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' حضرت ابن عباس نے اس سے عہد الٰہی مراد لیا۔ سیدنا علی مرتضیٰ نے قرآن شریف' چنانچہ حضرت علی' عبداللہ ابن مسعود' ابو سعید خدری رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ فرق کے ساتھ راوی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کتاب اللہ آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی مضبوط رسی ہے' امام شرف الدین بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

دعا الی اللہ فالمستمسکون بہ مستمسکون بحبل غیر منفصم!

اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔

نہ رسم چاہ رنجایاں فقدم درچہ عسیاں بیااے حبل رحمانم اغثنی یا رسول اللہ

چونکہ صراط مستقیم اور راہ حق بہت پھسلن والا راستہ ہے' اور اس کے آس پاس بہت ٹیڑھے راستے بھی ہیں' ہر دم ہمارے پھسلنے اور بہکنے کا اندیشہ ہے۔ ایسے راستے اور تنگ زینہ پر مضبوط رسی باندھی جاتی ہے جسے پکڑ کر چلا اور چڑھا جا سکے' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا تم سارے ہی اس رسی کو مضبوط پکڑ لو پھر اس راستہ پر چلو اور اس زینہ پر چڑھو جمیعا' اعتصموا کے فاعل کا حال ہے یعنی جماعت کے ساتھ اس رسی کو پکڑو ولا تفرقوا یہ فرق سے بنا بمعنی بکھرنا جدا ہونا جمع کا مقابل ہے' اسی سے ہے افتراق اور فرقہ و تفرقہ' تفرقہ اور اختلاف میں فرق یہ ہے کہ اختلاف کے باوجود جماعت قائم رہ سکتی ہے مگر تفرقہ کے ساتھ جماعت قائم نہیں رہتی اور نہ ان کا باہمی تعلق رہتا ہے' چنانچہ صحابہ میں اختلاف تھا تفرقہ نہ تھا ہم میں اور شوافع و مالکیوں وغیرہ میں اختلاف ہے تفرقہ نہیں مگر بے دین جماعتوں اور ہم میں تفرقہ ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں تفرقہ سے مراد یا تو دینی علیحدگی ہے کہ حق ایک ہے اور باقی دین باطل ہیں یا وہ دنیاوی و نفسانی جنگیں ہیں جن سے الفت و محبت ایکدم جاتی رہے یعنی آپس میں بکھر نہ جاؤ واذکروا نعمۃ اللہ علیکم' اذکروا' ذکر سے بنا' ذکر کے معانی فاذکرونی اذکرکم کی تفسیر میں بیان ہو چکے' یہاں ذکر سے مراد یاد کرنا ہے یا یاد رکھنا یا لوگوں میں چرچا کرنا یا اقرار و اعتراف کرنا نعمت کے معانی انعمت علیھم میں بیان ہو چکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو کہ نعمت وہ اچھا عطیہ ہے جو بغیر استحقاق مل جائے' اسی سے انعام بنا نعمت دنیاوی بھی ہوتی ہے دینی بھی' یہاں رب تعالیٰ نے پہلے اذ کنتم الخ میں دنیوی نعمت اتفاق و اتحاد کا ذکر فرمایا' اور و کنتم علی شفا الخ میں اخروی نعمت کا' یہاں نعمۃ اللہ سے مراد یا اسلام ہے یا ان کا متفق ہو جانا یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کہ جن کے دم سے یہ ساری بہاریں ہیں۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

ہم غریبوں کے آقا پہ دائم درود ہم فقیروں کی ثروت پہ لاکھوں سلام

اگر اذکروا میں انصار سے خطاب تھا تو علیکم میں بھی انہی سے خطاب ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خصوصی فیوض' صحابیت' انصاریت جنگ کے بعد صلح وغیرہ انہی کو نصیب ہوئیں اور اگر اذکروا میں عام مسلمانوں سے خطاب تھا تو علیکم میں بھی ان ہی سے خطاب ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمومی نعمتیں ایمان' تقویٰ' اسلامی اتحاد' آگ سے نجات اور جنت کی نعمتیں ہم سب کو ملیں اذ کنتم اعداء" فالف بین قلوبکم اوس و خزرج جو انصار کے دو قبیلوں کے مورث اعلیٰ ہیں آپس میں بھائی تھے لڑ پڑے' ان کی لڑائی اتنی دراز ہوئی کہ ان کی اولاد میں ایک سو بیس سال تک رہی جن میں سے جنگ بعاث بڑی خونریز جنگ ہوئی۔ یہ صدیوں کے بچھڑے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم کی برکت سے آپس میں ایسے گھل مل گئے گویا جسم چند تھے لیکن جان ایک۔ تھی۔ اس جگہ تفسیر خازن نے انصار کی گذشتہ جنگوں اور پھر دونوں بیعت عقبہ میں ان کی شرکتوں کا اور یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس حکمت سے ان کو ملایا بہت تفصیل سے بیان کیا ہے وہاں ملاحظہ کرو' یہاں اتنا سمجھ لو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید ابن صامت اور عمرو ابن عوف میں صلح

www.alahazratnetwork.org

اور بھائی چارہ ہجرت سے پہلے ہی کرا دیا پھر بتدریج سب کو ملا دیا۔ **اعداء**" عدو کی جمع ہے جو **عدو** (بمعنی حد سے بڑھ جانا) سے بنا بروزن فعول صفت مشبہ ہے چونکہ دشمن دوستی کی حد سے بڑھ جاتا ہے اس لئے عدو کہا جاتا ہے' دشمن جان کا بھی ہوتا ہے ایمان کا بھی' اولاد کا بھی' عزت کا بھی' مال کا بھی' اوس و خزرج ایک دوسرے کے ہر طرح کے دشمن تھے' اسی لئے **اعداء**" نکرہ فرمایا گیا یعنی ہر طرح دشمن تھے۔ **فالف بین قلوبکم**' **الف** تالیف سے بنا جس کا مادہ **الف** ہے بمعنی میلان و محبت چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے اس فعل کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا۔ **قلوب** فرما کر یہ بتایا کہ رب تعالیٰ نے صرف تمہارے جسموں کو ہی جمع نہ کیا بلکہ تمہارے دلوں کو جمع کر دیا جو تمہارے بس کی بات نہ تھی۔ قلب کے معنی ہیں الٹا ہونا اور لوٹنا بدلنا' چونکہ دل پہلو میں الٹا لٹکا ہوا ہے اور بدلتا بھی رہتا ہے اسے قرار نہیں اس لئے اسے قلب کہا جاتا ہے اس کی تحقیق **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں ہو چکی **فاصبحتم بنعمتہ اخوانا**" یہاں **اصبحتم** بمعنی صرتم ہے' یعنی ہو گئے تم' یہ مطلب نہیں کہ صبح کے وقت ہو گئے۔ **اخوان اخ** کی جمع ہے بمعنی تلاش و طلب' چونکہ ایک بھائی دوسرے کی مرضی تلاش کرتا ہے' اس لئے اسے اخ کہا جاتا ہے۔ بھائی نسبی بھی ہوتا ہے' قومی بھی' ملکی بھی' دینی بھی' یہاں اسلامی بھائی مراد ہے' ہو سکتا ہے کہ محبت و دوستی کا بھائی مراد ہو' ورنہ قومی و وطنی بھائی تو پہلے بھی تھے مگر ایک دوسرے کے دشمن تھے تفسیر اتقان نے فرمایا کہ نسبی اخ کی جمع **اخوۃ** آتی ہے اور دوستی وغیرہ کے بھائی کی جمع **اخوان** مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں' رب تعالیٰ دینی بھائیوں کے لئے فرماتا ہے **انما المؤمنون اخوۃ** اور نسبی بھائیوں کے متعلق فرماتا ہے **او بنی اخوانھن** اور فرماتا ہے **او بیوت اخوانکم** (روح المعانی) **و کنتم علی شفا حفرۃ من النار** یہ رب تعالیٰ کی دینی نعمت کا ذکر ہے' عربی میں شفا کنارہ کو کہتے ہیں جیسے غار' کنواں' دریا کا کنارہ شفتہ ہونٹ' یہ بھی منہ کا کنارہ ہے۔ **شفاء** بیماری سے صحت' یہ بھی بیماری کا کنارہ ہے' چونکہ دوزخ کنوئیں کی طرح گہری ہے اس لئے اسے **حفرۃ** فرمایا گیا' اسی باعث اسے جہنم کہا جاتا ہے کہ یہ فارسی سے معرب ہے چاہ نم سے بنا بمعنی گہرا کنواں اور چونکہ دوزخ میں اصل عذاب آگ کا ہے اور باقی ٹھنڈا عذاب اور سانپ بچھو کے عذاب اس کے تابع ہیں اس لئے **من النار** فرمایا یعنی تم دوزخ کے کنارے پر پہنچ چکے تھے کہ مرتے اور اس میں داخل ہو جاتے **فانقذکم منھا** ہلاکت سے بچا لینے کو **انقاذ** کہتے ہیں **منھا** کی ضمیر کا مرجع یا **نار** ہے یا **حفرۃ** دونوں مونث ہیں' مگر تحقیق یہ ہے کہ اس کا مرجع **شفاء** ہے کہ ضمیریں مضاف کی طرف لوٹتی ہیں نہ مضاف الیہ کی طرف' شفا اگرچہ مذکر ہے مگر چونکہ اس کا مضاف الیہ مونث تھا اور کبھی مضاف' مضاف الیہ سے تانیث لے لیتا ہے یا شفاء بمعنی طرف ہے اور طرف مونث ہے۔ لہذا شفا کی طرف مونث ضمیر لوٹ گئی یعنی رب تعالیٰ نے تم میں اپنا حبیب بھیجا اور تمہیں ان کے ذریعے دوزخ میں گرتے گرتے بچا لیا **کذلک یبین اللہ لکم ایتہ**' **لکم** میں لام نفع کا ہے۔ **ایت** سے مراد یا قرآن شریف کی آیات ہیں یا یہ تاریخی واقعات یعنی اسی طرح ہم تمہارے نفع کے لئے قرآنی آیتیں یا تاریخی واقعات بیان فرمائیں گے یا بیان فرماتے رہتے ہیں **لعلکم تھتدون** یہ **لعل** شک کے لئے نہیں بلکہ یا یقین کے لئے ہے یا مسلمانوں کو امید دلانے کے لئے۔ **ھدایت** سے مراد یا ہدایت پر رہنا ہے' یا ہدایت میں ترقی کرنا یعنی آیات قرآنیہ کا نزول یا ان واقعات کا ذکر اے مسلمانو یا اے انصار تمہاری ہدایت کے لئے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے لئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں بلکہ وہ تو تمہیں ہدایت دینے کے لئے آئے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو چار چیزوں کا حکم دیا' دین پر متفق رہنا' فرقہ فرقہ نہ بننا' اللہ کی اس نعمت کو یاد کرنا کہ وہ پہلے دشمن تھے اب دوست بن گئے اور یہ کہ وہ دوزخ کے کنارے جا لگے تھے وہاں سے ہٹ گئے' یعنی اے اوس و خزرج یا اے سارے مسلمانو اللہ کی رسی یعنی دین اسلام یا قرآن شریف یا مسلمانوں کی جماعت یا اہل بیت اطہار یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن پاک کو تم سارے کے سارے مضبوطی سے تھامے رہو تاکہ دنیا میں راہ حق سے پھسل نہ جاؤ اور یا ساتی معرفت الٰہی کے تنگ زینہ پر چڑھ جاؤ' ہرگز ہرگز فرقوں اور جماعتوں میں بکھر نہ جاؤ کہ بکھرے ہوئے تنکے کوڑا ہیں جس کو بندھے ہوئے تنکے جھاڑو کی شکل بن کر نکال باہر کرتے ہیں' اگر تم فرقوں میں بٹ کر آپس میں لڑتے بھڑتے رہے تو دوسری متفق قومیں تمہیں دنیا سے حرف غلط کی طرح مٹانے کی کوشش کریں گی اور تم اللہ کی یہ نعمت دل میں سوچتے رہو یا زبان سے اس کا ذکر کرتے رہو یا لوگوں میں اس کا چرچا کرتے رہو کہ پہلے تم آپس میں ایک دوسرے کے جانی مالی اور آبرو کے دشمن تھے جس سے تمہاری زندگیاں تلخ تھیں۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمہارے دلوں کو جوڑ دیا ہے جس سے تم دشمنی کے بعد ایک دوسرے کی دلی دوست اور دینی بھائی بن گئے اور رب تعالیٰ نے تم پر دینی فضل یہ فرمایا کہ تم اپنے کفر شرک و بے دینی کے باعث دوزخ کے کنارے جا لگے تھے کہ وہاں پہنچنے میں آنکھ بند ہونے کی دیر تھی' رب تعالیٰ نے تمہاری دستگیری کی کہ انہی محبوب کے ذریعہ تم گرتوں کو سنبھال لیا' پہلے تم کافر تھے' اب تم فقط مومن ہی نہیں بلکہ مومن گر بن گئے کہ لوگ تمہارے نقش قدم پر چل کر ہدایتیں حاصل کیا کریں گے' اللہ تعالیٰ قرآن کی آیتیں یا نشانات قدرت یا اپنی نعمتوں کے تذکرے اسی طرح کرتا رہے گا تاکہ تم ہدایت پر قائم رہو یا نیکیوں کی ہدایت پاؤ۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو اتفاق و اتحاد سے رہنا چاہیے' تھوڑی سی متفق قوم بہت سی بکھری قوم پر غالب رہتی ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث نے اتفاق پر بہت زور دیا ہے بلکہ جماعت کی نمازیں' عیدین کے اجتماعات' حج میں سارے مسلمانوں کو ایک جگہ جمع کرنا اسی اتفاق کے لئے ہے جیسا کہ **ولا تفرقوا** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اتفاق وہ اچھا ہے جو اللہ رسول کی اطاعت پر ہو' ان کا راستہ چھوڑ کر اتفاق لعنت ہے اسی اتفاق کو مٹانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام تشریف لائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کان الناس امۃ" واحدۃ " فبعث اللہ النبین الایہ** جیسا کہ **واعتصموا** سے معلوم ہوا۔ یعنی متفق ہو جاؤ مگر کس پر؟ دین کی رسی پکڑنے پر۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں میں فرقہ بندی کرنا سخت جرم ہے اور اس کا ذمہ دار وہ ہو گا جو فرقے ایجاد کرے گا جیسا کہ **لا تفرقوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمت یاد کرنا' اس کے چرچے کرنا' رب تعالیٰ کو پسند ہے جیسا کہ **واذکروا الخ** سے معلوم ہوا لہٰذا میلاد شریف کرنا' عید معراج منانا بہت بہتر ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا عملی تذکرہ ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بکھرے دلوں کو جوڑنا' سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ **فالف بین قلوبکم الخ** سے معلوم ہوا' مبارک ہے وہ شخص جو بچھڑوں کو ملائے۔ **چھٹا فائدہ:** بھائی چارگی کی بہت صورتیں ہیں' پیشوں' زبان اور وطنیت سے برادریاں قائم ہوتی ہیں مگر عالمگیر برادری اسلام نے قائم کی جیسا کہ **اخوانا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا بھائی بنایا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مسلمان کے بھائی نہیں اور نہ انہیں بھائی کہنا جائز ہے بھائی بنانے والا خود بھائی نہیں ہوا کرتا۔ باپ اپنی اولاد کو بھی

www.alahazratnetwork.org

بھائی بنا دیتا ہے مگر خود ان کا بھائی نہیں بنتا۔ اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھاوجیں۔ آٹھواں فائدہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے دوزخ سے بچنے کا وسیلہ عظمیٰ ہیں اور رب تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت جیسا کہ **فانقذکم** الخ سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: لوگوں میں تبلیغ کرنا اور انہیں رب تعالیٰ کی آیتیں سنانا' بتانا' سمجھانا سنت الہیہ ہے جیسا کہ یبین الخ سے معلوم ہوا۔

اعتراض: پہلا اعتراض: صحابہ کرام اس آیت پر عامل نہ رہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بکھر گئے اور متفرق جماعتیں بن گئے۔ لہٰذا وہ سب فاسق ہوئے کیونکہ حکم قرآن پر عمل نہ کرنا فسق ہے۔ جواب: ان حضرات میں اجتہادی اختلاف تھا نہ کہ تفرقہ' تفرقہ اور اختلاف کا فرق ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے ان سے اختلاف کیا مگر انہیں فاسق یا کافر نہیں کہا جا سکتا' اگر صحابہ کا وہ اختلاف فسق ہوتا تو معاذ اللہ وہ سب ہی فاسق ہو جاتے' خواہ امیر معاویہ کے ساتھی ہوتے یا علی مرتضیٰ کے۔ دوسرا اعتراض: حنفی شافعی وغیرہ بننا حرام ہے وہ بھی تفرقہ کی ایک قسم ہے سب کو چاہئے کہ اللہ رسول کی مضبوط رسی کو پکڑیں' اس رسی کے ہوتے ہوئے کسی امام یا پیر کی کیا ضرورت ہے؟ (غیر مقلد) جواب: اس کے دو جواب ہیں الزامی و تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اہل حدیث بننا اور ان میں ثنائی و غزنوی جماعتیں ہونا بھی تفرقہ بازی اور اللہ کی رسی سے علیحدگی ہے بلکہ محدثین کا اختلاف' بلکہ مسائل اجتہادیہ میں صحابہ کرام کا اختلاف بھی اسی میں داخل ہو جائے گا' اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ آئمہ کی تقلید اسی رسی کو پکڑنے کے لئے ہے کہ ان کے بغیر یہ رسی ہاتھ نہیں آتی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جن کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے تو جیسے قرآن کے ہوتے حدیث کی ضرورت ہے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے صحابہ کرام کی ضرورت' ایسے ہی قرآن و حدیث کے ہوتے فقہ کی بھی ضرورت ہے' جس دریا میں کشتی ڈالو گے سمندر میں پہنچ جاؤ گے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں میں تفرقہ بری چیز ہے! حدیث شریف میں ہے **اختلاف امتی رحمۃ** میری امت کا اختلاف رحمت ہے' لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: ہرگز اختلاف نہیں کیونکہ اس آیت میں نفسانی جھگڑا اور دینی فرقہ بندی سے ممانعت ہے' جو فتنہ و فساد کی جڑ ہے' اور حدیث شریف میں تحقیقی کا اختلاف مراد ہے' جس کی وجہ سے قرآن و حدیث کی خوب چھان بین ہو جاتی ہے۔ علمائے مجتہدین کے اختلاف کی برکت سے آیات و احادیث ایسی واضح اور صاف ہو گئیں کہ سبحان اللہ' جن دینوں میں اختلاف نہ ہوئے وہاں تحقیق بھی نہ ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: کنوئیں میں صاف شفاف پانی بھی ہوتا ہے اور کیچڑ' ریت وغیرہ بھی' کنوئیں کا پانی حاصل کرنے کے لئے ڈول ڈالا جاتا ہے مگر اس طرح کہ اس میں رسی باندھی جاتی ہے اس طرح کہ اس کا ایک کنارہ ڈول میں بندھا ہوتا ہے اور دوسرا کنارہ مالک کے ہاتھ میں' اگر یہ رسی ٹوٹ جائے یا مالک چھوڑ دے یا ڈول میں سے کھل جائے تو یقیناً ڈول بجائے پانی لانے کے خود کنوئیں میں رہ جائے گا اور کیچڑ میں پھنس جائے گا' دنیا ایک کنواں ہے' جس میں ایمان' اعمال اور تقویٰ کا شفاف پانی بھی ہے اور کفر' طغیان و فسق کی کیچڑ بھی۔ ہم لوگ یہاں اعمال کا پانی حاصل کرنے کے لئے بھیجے گئے ہیں کیونکہ دارالعمل دنیا ہی ہے۔ قبر میں بعض مقبولین نمازیں بھی پڑھتے ہیں اور قرآن حکیم بھی مگر صرف لذت کے لئے اس نماز و تلاوت پر کوئی ثواب نہیں اسی لئے زندہ

www.alahazratnetwork.org

لوگ انہیں ایصال ثواب کرتے رہتے ہیں۔ اب ضرورت تھی کہ ہم لوگوں کے ہاتھ میں کوئی ایسی مضبوط رسی ہو جس کا ایک کنارہ مخلوق کی طرف ہو دوسرا خالق کی طرف اور پختہ ایسی ہو کہ تمام جہان اسے پکڑے مگر وہ نہ ٹوٹے نہ کھلے اس مضبوط رسی کا نام محمد رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ایک رخ مخلوق کی طرف ہے دوسرا خالق کی طرف' ہمارا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ رب تعالیٰ کے دست قدرت میں جو دنیا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ رہا وہ تو یہاں سے ایمان' تقویٰ کا پانی لے کر جائے گا' جو ان سے الگ رہا وہ یہیں بے ایمانی' کفر و فجور کے دلدل میں پھنسے گا۔ اس آیت میں یہی فرمایا گیا کہ اے انسانو! اللہ کی اس مضبوط رسی کو پکڑو اور رسی کھلے گی نہیں ہم اسے چھوڑیں گے نہیں تم اپنے پکڑنے کی تم فکر کرلو اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سے وابستہ رکھے۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

اور چاہیے کہ ہو تم میں سے ایک جماعت جو بلائے طرف بھلائی کے اور حکم دیں وہ اچھی بات کا اور منع کریں

اور تم میں سے ایک گروہ ایسا ہونا چاہیئے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں اور بری

عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝

بری باتوں سے اور یہی لوگ وہ کامیاب ہیں

سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو کامیابی کے دو اصول بتائے گئے' تقویٰ و طہارت اختیار کرنا۔ اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑنا' اب کامیابی کا تیسرا اصول بتایا جارہا ہے یعنی اسلام کی تبلیغ کرنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے ایک خاص نعمت یاد دلائی' ان کی دشمنیاں ختم ہو جانا اور آپس میں بھائی بھائی ہو جانا' اب اس کے شکریہ کا حکم دیا جارہا ہے کہ اس نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ تم دوسروں کو بھی دعوت اسلام دے کر انہیں بھائی بھائی بناؤ صرف تم ہی اسلام کا فائدہ نہ اٹھاؤ دوسروں کو بھی پہنچاؤ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم دوزخ کے کنارے آن لگے تھے ہم نے اپنے محبوب کے ذریعے تمہیں بچالیا' اب فرمایا جارہا ہے کہ تمہاری طرح اور بہت ہیں جو دوزخ کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں دوڑو ان کی دستگیری کرو' سنت الہیہ اور سنت نبوی پر عمل کرو یعنی گرتوں کو سنبھالو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آیات اس لئے رب تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ تم ہدایت پا جاؤ' اب ہدایت پا جانے کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ تبلیغ دین کرو گے تو ہدایت پالو گے یعنی دوسروں کو ہدایت دینا تمہاری اپنی ہدایت کا رکن اعلیٰ ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے نزول آیات کا ایک مقصد بتایا تھا یعنی تم لوگوں کا ہدایت پانا' اب اسی نزول آیات کا دوسرا مقصد ارشاد ہو رہا ہے۔ یعنی دوسروں تک ان کو پہنچانا۔ **چھٹا تعلق:** گذشتہ آیات میں اہل کتاب کے دو عیوب بیان ہوئے تھے ان کا خود گمراہ ہونا' دوسروں کو گمراہ کرنا۔ اب مسلمانوں کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان کے مخالف ہو کہ خود بھی ہدایت پر رہو' دوسروں کو بھی ہدایت دو۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **و لتکن** یہ **کان** کا امر غائب ہے۔ واحد مؤنث کا صیغہ ہے' **کان یکون** بمعنی ہونا یا رہنا سے بنا' یہ ناقصہ بھی ہو سکتا ہے اور تامہ بھی' اگر تامہ ہے تو **امۃ** اس کا فاعل ہے اور **یدعون** اس کی صفت یا حال' اگر ناقصہ ہے تو امۃ اس کا اسم ہے اور **یدعون** خبر' لام کو جزم بھی پڑھا گیا اور جر بھی' ہماری قرات جزم کی ہے۔ (معانی) **منکم من** یا تبیینیہ ہے یا تبعیضیہ اور **کم** میں خطاب یا اوس و خزرج سے ہے یا تمام صحابہ سے یا سارے مسلمانوں سے یا علمائے دین سے **امۃ** یہ **ام** بمعنی قصد و ارادے سے بنا۔ اسی سے ہے **تیمم** یعنی مٹی کا قصد کرنا' اصطلاح میں اس جماعت کو امت کہتے ہیں جو کسی ایک متفقہ کام کا قصد کرے' پھر کسی نبی کے پیروکاروں کو امت کہا جانے لگا کہ وہ سب ایک رسول کی اتباع کا ارادہ کرتے ہیں۔ قرآن شریف میں یہ لفظ جماعت' پیشوا' دین و ملت' زمانہ و وقت اور راستہ کے معانی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان ابراھیم کان امۃ**" (پیشوا) **انا وجدنا اباء نا علی امۃ** (دین ملت) **وادکر بعد امۃ** (وقت و زمانہ) یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جماعت و گروہ یعنی اے مسلمانو تم سب ایسی جماعت بنو یا تم میں سے ایک گروہ جماعت ایسی بنے یا ہو یا رہے" **یدعون الی الخیر** یدعون دعوۃ سے بنا بمعنی بلانا و پکارنا خواہ زبان سے ہو یا عمل سے یا قلم سے یا طاقت سے غرضیکہ یہ ایک کلمہ بہت قسم کی تبلیغوں کو شامل ہے۔ خیر وہ اچھے عقیدے و عمل ہیں جو شرعاً" مرغوب اور اللہ کو پسند ہیں (خازن) لہٰذا یہ ایک کلمہ تبلیغ دین اور تبلیغ اعمال سب کو شامل ہے' روح المعانی نے فرمایا کہ خیر سے مراد اتباع قرآن و سنت ہے **یدعون** کا مفعول بیان نہ ہوا تاکہ تمام کو شامل ہو یعنی کفار کو **خیر** یعنی ایمان کی طرف بلائے فساق کو خیر یعنی تقویٰ کی طرف بلائے' غافلوں کو خیر یعنی بیداری کی طرف بلائے' خشک زاہدوں کو خیر یعنی لذت عشق کی طرف بلائے' خشک توحیدیوں کو خیر یعنی اطاعت رسول کی طرف بلائے غرضیکہ اسی ایک کلمہ میں بہت سی تبلیغیں داخل ہیں' حتیٰ کہ بیوی بچوں کو نماز روزے کی ہدایت دینا بھی اسی میں داخل و شامل ہے۔ چونکہ خیر کی دو قسمیں ہیں اور بلانے کی بھی دو نوعیتیں' اچھی بات کی ترغیب دلانا اور بری باتوں سے نفرت پیدا کرنا۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر**' **یامرون امر** سے بنا بمعنی حکم' اس میں حکم دینا' رغبت دینا' مشورہ دینا' سختی سے منوانا' غرضیکہ جیسا موقعہ ہو ویسا کرنا سب کچھ شامل ہے **معروف** ہر وہ عقیدہ وہ عمل ہے۔ جس کی خوبی و بہتری شریعت میں معلوم و مشہور ہو' یہ لفظ **عرف** بمعنی پھیلنے سے بنا' اسی لئے خوشبو کے مہکنے کو عرف اور شہرت کو عرف کہا جاتا ہے کہ وہاں پھیلنا موجود ہے' مشہور کو معروف کہتے ہیں۔ **معرفتہ** بھی اسی سے ہے بمعنی پہچاننا کہ عام پہچانی ہوئی چیز لوگوں میں پھیل جاتی ہے۔ شریعت میں **معروف** کے معنی ہیں **الذی عرف خیرتہ فی الدین** جس کا اچھا ہونا دین میں پہچانا گیا ہو' جتنے احتمالات ہم نے **امر** میں عرض کئے' اس کے مقابل اتنے ہی احتمالات **نھی** میں ہیں یعنی زبان و قلم و عمل و طاقت کے ذریعے روکنا' منع کرنا' نفرت دلانا" **منکر** انکار سے بنا بمعنی منع کرنا' ناپسند کرنا اور شریعت میں ہر وہ چیز منکر ہے جو شرعاً" ممنوع یا ناپسند ہو یعنی وہ جماعت لوگوں کو اچھی باتوں کی طرف دعوت دے اور بری باتوں سے منع کرے اور روکے **و اولئک ھم المفلحون**' **اولئک** میں اسی مبلغ جماعت کی طرف اشارہ ہے **ھم** حصر کے لئے ارشاد ہوا اور **المفلحون** میں الف لام عہدی ہے اور مفلح فلاح سے بنا بمعنی مقصود وری اور کامیابی یعنی یہ تبلیغ کرنے والے لوگ ہی کامل کامیابی والے ہیں کہ دنیا میں بھی ان کی عزت و عظمت ہے' بادشاہ و سلاطین ان کی غلامی کریں گے اور آخرت میں بھی ان پر رب تعالیٰ کا خاص کرم ہو گا۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کا مکلف فرمایا بھلائی کی دعوت دینا' اچھی باتوں کا حکم دینا' بری باتوں سے حتی الامکان روکنا' اور ان تین چیزوں پر دارین کی کامیابی کا وعدہ فرمایا' اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ' کہ اے مسلمانو تم سب ایسی جماعت ہو' یا بنو یا رہو جو تمام ٹیڑھے لوگوں کو خیر کی دعوت دے "کافروں کو ایمان کی' فاسقوں کو تقویٰ کی' غافلوں کو بیداری کی' جاہلوں کو علم و معرفت کی' خشک مزاجوں کو لذت عشق کی' سونے والوں کو بیداری کی' اور اچھی باتوں' اچھے عقیدوں' اچھے عملوں کا زبانی' قلمی' عملی' قوت سے' نرمی سے' گرمی سے' حکم دے' اور بری باتوں' برے عقیدے' برے کاموں' برے خیالات سے لوگوں کو زبان' دل' عمل' قلم' تلوار سے روکے جس جماعت میں یہ تین خوبیاں ہیں وہی پورے طور پر کامیاب ہے لہٰذا تم سب کے سب ہی کامیاب ہو گے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر** جس سے معلوم ہوا کہ سارے مسلمان مبلغ ہیں وہ سب پر ہی فرض ہے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔

دوسری تفسیر: یہ ہے کہ اے مسلمانو! نہ تو تم سب دنیا میں ہی مشغول ہو جاؤ کہ تبلیغ چھوڑ دو' اور نہ تم سب دنیا چھوڑ کر مبلغ ہی بن جاؤ بلکہ تم میں ایک جماعت ایسی بھی رہنی ضروری ہے جو زندگی بھر تبلیغ اور دعوت خیر کرے' پوری عالم بنے اور اپنا مقصد زندگی اسے بنائے کہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم دے اور بری باتوں سے روکے' سارے مسلمانوں میں یہ مبلغ علماء کی جماعت بہت ہی کامیاب ہے کہ دنیا میں بھی اس کی عزت ہو گی اور آخرت میں بھی اسے عظمت ملے گی' اس معنی کی تفسیر وہ آیت ہے **فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہر مسلمان پر پورا عالم بننا فرض نہیں بلکہ ان میں ایک جماعت علماء کی بھی چاہئے' جب ہر شہر میں طبیب' حاکم' مستری' دکاندار وغیرہ ضرور ہونا چاہئے' ہر شہر میں عالم بھی ضرور ہونا چاہئے کہ ان سے دنیاوی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں اور عالم سے دینی حاجت روائی ہوتی ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلام میں تبلیغ بڑی اہم عبادت ہے کہ تمام عبادتوں کا فائدہ خود اپنے کو ہوتا ہے مگر تبلیغ کا فائدہ دوسروں کو بھی' لازم سے متعدی افضل ہے۔ درۃ بنت ابولہب سے روایت ہے کہ کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ بہترین بندہ کون ہے! فرمایا اچھی باتیں بتانے والا' برائیوں سے روکنے والا' اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا اور صلہ رحمی کرنے والا۔ حضرت حسن فرماتے ہیں کہ جو اچھی باتوں کا حکم دے' برائیوں سے روکے وہ اللہ تعالیٰ کا بھی خلیفہ ہے اس کے رسول کا بھی' اس کی کتاب کا بھی' اگر مسلمانوں نے تبلیغ چھوڑ دی تو ان پر ظالم بادشاہ مسلط ہوں گے اور ان کی دعائیں قبول نہ ہوں گی (روح المعانی) حضرت ابو بکر صدیق فرماتے ہیں کہ اے لوگو بھلائی کا حکم دو' برائی سے منع کرو تمہاری زندگی بخیر گزرے گی' حضرت علی فرماتے ہیں کہ تبلیغ بہترین جہاد ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے تبلیغ کرنا بہترین عبادت ہے ایسے ہی تبلیغ چھوڑ دینا بدترین جرم اور چھوڑنے والا ذلیل و خوار جیسا کہ **ھم المفلحون** کے حصر سے معلوم ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھلائی کا حکم نہ دے اور برائی سے نہ روکے وہ اوندھا لٹکایا جائے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال ایک جہاز کے سواروں کی طرح ہے کہ اگر ایک شخص جہاز کا تختہ توڑے دوسرے اس کا ہاتھ

www.alahazratnetwork.org

نہ پکڑیں تو سب ہی ڈوبیں گے' سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ جو اپنے پرائے اور سارے پڑوسیوں اور دوستوں کا محبوب ہو' وہ مداہن اور دین میں پلپلا ہے۔ دیندار کی پہچان یہ ہے کہ اس سے پرہیزگار راضی ہوتے ہیں اور فساق' فجار' کفار اس سے ناراض (تفسیر کبیر) صحابہ کرام پر آج تک بے دین تبرا کرتے ہیں' کیوں؟ اس لئے کہ وہ **اشداء علی الکفار** اور **رحماء بینهم** تھے۔ **تیسرا فائدہ:** مناسب یہ ہے کہ تبلیغ پہلے نرمی سے کی جائے پھر سختی سے جیساکہ **یدعون** کے عموم سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ نے لڑنے والے مسلمانوں کے متعلق فرمایا **فاصلحوا بینهما فان بغت احدهما علی الاخری فقاتلوا التی تبغی** الخ لایہ یعنی پہلے تو ان میں صلح کرانے کی کوشش کرو اگر اس سے کام نہ چلے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو' نافرمان بیویوں کے بارے میں فرمایا **واهجروهن فی المضاجع واضربوهن** معلوم ہوا کہ ایسی بیوی کی اصلاح پہلے بائیکاٹ سے کی جائے' جب اس سے کام نہ چلے تب سزا دی جائے۔ **چوتھا فائدہ:** مطلقاً" تبلیغ ہر مسلمان کے ذمہ ہے۔ جو مسئلہ اسے معلوم ہو دوسرے ناواقف کو بتائے جیساکہ **منکم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** پورا مبلغ بننا اور اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کر دینا ہر مسلمان پر لازم نہیں' بعض کرلیں کافی ہے۔ جیساکہ **منکم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** تبلیغ بقدر طاقت لازم ہے جیساکہ **یدعون** کے عموم سے معلوم ہوا' چنانچہ طاقت سے تبلیغ حکام و سلاطین اور سرداروں کے ذمہ ہے' زبانی تبلیغ علماء کے ذمہ جبکہ وہ اس پر قادر ہوں مجبوری کی حالت میں جبکہ زبان پر بھی قفل لگا دیئے گئے ہوں تب فقط دل سے برائیوں کو برا جاننا کافی ہے اس کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ اضعف ایمان ہے۔ **ساتواں فائدہ** بعض علماء نے **یدعون** کے عموم کو دیکھ کر فرمایا کہ بدعمل و فاسق بھی تبلیغ کرے کہ امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو وہ بھی ہے اپنا عمل اسلام کا ایک حکم ہے اور دوسروں کو تبلیغ مستقل دوسرا حکم' ایک حکم پر عمل نہ کرنے سے دوسرا حکم معاف نہیں ہو سکتا' بے نمازی پر بھی روزہ اور حج فرض ہے (تفسیر کبیر) بعض فرماتے ہیں کہ فاسق کو تبلیغ کا کوئی حق نہیں' وہ پہلے اپنے کو درست کرلے پھر دوسروں کو رب تعالیٰ فرماتا ہے **کبر مقتا" عند اللہ ان تقولوا ما لا تفعلون** اور فرماتا ہے کہ **اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم**۔ **آٹھواں فائدہ:** برائیوں سے روکنا مطلقاً" واجب ہے مگر اچھائیوں کا حکم کبھی واجب کبھی سنت کبھی مستحب' جیسی اچھائی ویسا اس کا حکم' فرائض کا حکم دینا فرض ہے' واجبات کا حکم واجب اور مستحبات کا حکم دینا مستحب۔ **نواں فائدہ:** غیر مکلف چھوٹے بچوں کو بھی خوبیوں کا حکم دیا جائے اور برائیوں سے روکا جائے تاکہ وہ ہوش سنبھالنے سے پہلے نیک بن جائیں' بچہ ہری شاخ کی طرح ہے جدھر چاہو موڑ لو' بڑا ہو کر خشک بانس ہو جائے گا کہ سیدھا کرنے پر ٹوٹ جائے گا۔ یہ بھی **یدعون** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب تمہارے بچے سات برس کے ہوں تو انہیں نماز کا حکم دو اور جب دس برس کے ہو جائیں تو انہیں نماز نہ پڑھنے پر سزا دو۔

پہلا اعتراض: تمہاری دو تفسیروں میں تعارض ہے۔ پہلی تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مسلمان کے ذمہ تبلیغ ہے اور دوسری سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف مخصوص جماعتوں کے ذمہ تبلیغ ہے' نیز آیت کریمہ **کنتم خیر امة** اور دوسری آیت **فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة** الخ بھی آپس میں متعارض ہیں کہ پہلی آیت سارے ہی مسلمانوں کو مبلغ بتا رہی ہے اور دوسری بعض کو' تو بتاؤ تبلیغ کو فرض عین کہیں یا کفایہ؟ **جواب:** اس اعتراض کا جواب فائدوں کے بیان میں گزر گیا

www.alahazratnetwork.org

کہ مطلقاً تبلیغ ہر مسلمان پر لازم ہے کیونکہ ہر مومن کو بقدر ضرورت مسائل سیکھنا بھی فرض ہیں اور جانتے ہوئے مسئلہ کا نہ جاننے والے کو بتانا بھی فرض ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **بلغوا عني ولو اية**" اور پوری تبلیغ یعنی اپنے کو تبلیغ کے لئے وقف کر دینا کفایہ ہے لہذا نہ دونوں آیتوں میں تعارض ہے نہ اس آیت کی دو تفسیروں میں کوئی اختلاف۔ **دوسرا اعتراض:** اگر سارے ہی مسلمان مبلغ ہوں پھر تبلیغ کریں تو کس کو؟ **جواب:** ہر ایک دوسرے کو جو جس مسئلہ سے واقف ہو وہ مبلغ بنے اور بلا واقف مبالغ روح البیان نے فرمایا کہ غیر مکلفوں کو بھی تبلیغ کرو' چنانچہ بچوں کو جوئے' شراب اور ترک نماز وغیرہ محرمات سے روکو اور پاگلوں کو نقصان رسانی' لوگوں کو پتھر مارنے اور اشیاء کو توڑ پھوڑ سے روکو' اگر قابو نہ آئیں تو پاگل خانے میں بھجوا دو۔ **تیسرا اعتراض:** کیا فساق فجار بھی تبلیغ کریں' اگر تبلیغ نہ کریں تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر کریں تو آیت کریمہ **لم تقولون** الخ اور **تنسون انفسكم** کے خلاف ہے۔ **جواب:** حق یہ ہے کہ وہ بھی تبلیغ کریں' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ فاسقوں سے بھی اس دین کی تائید فرمائے گا' تمہاری پیش کردہ آیات کا یہ منشاء نہیں ہے کہ فاسق تبلیغ چھوڑ دیں بلکہ منشاء یہ ہے کہ تبلیغ باقی رکھیں فسق چھوڑ دیں بہت مرتبہ تبلیغ کی برکت سے فاسق متقی بن جاتے ہیں انہیں اپنے فسق پر خود شرم آجاتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر ایک تبلیغ فرض کفایہ بھی ہے تو اس کے چھوڑنے پر سارے مسلمان گنہگار ہوں گے یا صرف علماء؟ **جواب:** یہ مسئلہ بڑے معرکہ کا ہے کہ فرض کفایہ سب پر فرض ہوتا ہے یا بعض معین یا بعض غیر معین پر' اس جگہ تفسیر کبیر و روح المعانی نے بڑے معرکہ کی بحثیں کی ہیں' حق یہ ہے کہ فرض کفایہ فرض تو سب پر ہوتا ہے کہ اگر کوئی نہ کرے تو سب گنہگار ہوں گے' اگر سب پر فرض نہ ہوتا تو ترک سے سب گنہگار کیوں ہوتے' لیکن بعض کے ادا کر دینے سے سب کی طرف سے ادا ہو جاتا ہے یعنی یہ بعض بقیہ سب کے نائب ہوں گے' نائب کے کر لینے سے واجب ادا ہو جانا قرین قیاس ہے' ادائے زکوٰۃ اور ادائے قرض نائب کر سکتا ہے۔ ملزم کی طرف سے اس کا وکیل یا ضامن قاضی کی کچہری میں حاضر ہو سکتا ہے فقیر کی اس تھوڑی سی تقریر سے۔ بفضلہ تعالیٰ مسئلہ کی وضاحت اور شکوک کا خاتمہ ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان دو قسم کے ہیں ایک اہل حجاب' دوسرے اہل مشاہدہ' اہل حجاب وہ ہیں جن کی حقیقت حال تک رسائی نہیں ہے جن کی عقل تقلید کے حجابوں میں محجوب ہے۔ اہل مشاہدہ وہ ہیں جن کی عقل پر روحانیت غالب ہے اور وہ انا سے فناء کی طرف منتقل ہو گئے ہیں' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

عقل اندر حکم دل یزدانی است ۔ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

صوفیاء کے ہاں یہی شہود والے **مفلحون** اور کامیاب ہیں' ان بزرگوں کی اصطلاح میں کمال مطلق کا نام خیر مطلق ہے اور کمال مطلق تک پہنچانے والا کمال اضافی ہے اور جو کمال اضافی سے قریب کرے وہ معروف ہے اور جو اس سے دور کرے وہ منکر ہے۔ آیت کریمہ میں اشارۃً" فرمایا گیا کہ اے مسلمانوں تم میں دل والوں اور اولیاء اللہ کی ایک جماعت رہنی چاہئے جو کسی کو نظر سے' کسی کو فکر سے' کسی کو بتا کر' کسی کو دکھا کر' کسی کو سمجھا کر' خیر یعنی کمال مطلق کی طرف دعوت دیتے رہیں اور معروف یعنی اسباب خیر کا حکم دیتے رہیں اور منکر یعنی خیر کی رکاوٹوں سے بچاتے رہیں' ان بزرگوں کا وجود باوجود زمین میں غنیمت ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **بهم يرزقون و بهم يمطرون** انہی کی برکت سے مخلوق کو روزیاں ملتی ہیں اور انہی کی طفیل

www.alahazratnetwork.org

بارشیں آتی ہیں' صوفیاء کی اصطلاح میں دعوت الی الخیر اور ہے امر بالمعروف کچھ اور۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ بزرگ ایسے کامیاب ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والے بھی مفلحین کی جماعت سے ہو جاتے ہیں' جو ملک ان سے خالی ہو جائے وہاں عذاب الٰہی آ جاتا ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک ایسی بستی پر بھی عذاب آ گیا تھا جس میں اٹھارہ ہزار نیک انبیائے کرام کے سے کام کرنے والے موجود تھے' عرض کیا گیا کیوں؟ فرمایا کہ ان میں کوئی اللہ کے لئے غصہ کرنے والا' اچھائیوں کا حکم دینے والا اور برائیوں سے روکنے والا نہ تھا (از روح البیان)۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ
اور نہ ہو مثل ان کے جو جدا جدا ہو گئے اور اختلاف کر بیٹھے اس کے پیچھے کہ آئیں ان تک
اور ان جیسے نہ ہونا جو آپس میں پھٹ پڑے اور ان میں پھوٹ پڑ گئی بعد اس کے کہ روشن
الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (۱۰۵) يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ
روشن نشانیاں ، اور یہ لوگ ہیں کہ ان کے لئے عذاب ہے بڑا جس دن سفید ہوں گے بعض چہرے
نشانیاں انہیں آ چکی تھیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے جس دن کچھ منہ اجیالے ہوں گے
وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌ ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ
اور کالے ہوں گے بعض چہرے تو لیکن وہ لوگ کہ کالے ہوئے ان کے منہ کیا کفر کیا تم نے بعد
اور کچھ منہ کالے تو وہ جن کے منہ کالے ہوئے کیا تم ایمان لا کر
إِيمَانِكُمْ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ (۱۰۶) وَأَمَّا الَّذِينَ
تمہارے ایمان لانے کے تو چکھو تم عذاب اس وجہ سے کہ تم کفر کرتے تھے اور لیکن وہ لوگ
کافر ہوئے تو اب عذاب چکھو اپنے کفر کا بدلہ اور وہ جن کے منہ
ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۰۷)
کہ سفید ہوئے چہرے ان کے پس وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
اجیالے ہوئے وہ اللہ کی رحمت میں ہیں وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو! تم میں ایک مبلغ جماعت بھی رہے اور تبلیغ تقریر سے بھی ہوتی ہے شمشیر سے بھی' شمشیری تبلیغ کے لئے اسلامی حکومت کا قیام ضروری ہے اور حکومت کا قیام اتفاق مسلمانوں کے بغیر ناممکن ہے اس لئے اب مسلمانوں کو افتراق سے روکا جا رہا ہے اور اتفاق

کی ہدایت دی جا رہی ہے' گویا پہلے تبلیغ کا حکم تھا اور اب تبلیغ کے شرائط پورے کرنے کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں اہل کتاب کی کتاب اللہ میں ملاوٹ کرنے اور لوگوں کے دلوں میں شبہات ڈالنے کا ذکر تھا اب مسلمانوں سے خطاب ہے کہ تم ان جیسے نہ ہونا' صحیح اسلام کی تبلیغ کرنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو دوسروں کی اصلاح کا حکم دیا گیا' اب انہیں خود اپنے آپ کو درست رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ غرضکہ اصل مقصود کا ذکر پہلے تھا اور اس کی شرط کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **ولا تکونوا** اس میں بھی خطاب یا اوس' خزرج سے ہے یا تمام صحابہ سے یا قیامت سارے علمائے مبلغین سے یا سارے مسلمانوں سے' چوتھی بات نہایت قوی ہے' کیونکہ قرآنی احکام کا عموم رکھنا ضروری ہے' اگرچہ کسی خاص موقعہ پر نازل ہوئے ہوں **کان** یا اپنے معنے میں ہے یا **صار** کے' یعنی نہ ہو جانا یا نہ بن جانا' **کالذین** ک تشبیہ کا ہے **الذین** سے مراد یہودی و عیسائی ہیں کہ یہود کے اکہتر (71) فرقے ہو گئے تھے جن میں سے اس وقت ایک جنتی تھا اور باقی ستر (70) دوزخی اور عیسائی بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے جن میں ایک جنتی باقی اکہتر (71) دوزخی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے کہ میری امت کے تہتر (73) فرقے ہوں گے جن میں ایک جنتی باقی دوزخی' جیسا کہ ابن ماجہ نے عوف ابن مالک سے اور احمد نے حضرت معاویہ اور انس سے روایت کیا (روح المعانی و کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ ان فرقوں میں ایک کا جنتی ہونا اس زمانہ میں تھا اب وہ سارے ہی فرقے دوزخی ہیں' کیونکہ وہ دین ہی منسوخ ہو چکے' اور مسلمانوں کے یہ فرقے صحابہ کرام کے بعد پیدا ہوئے خود صحابہ میں نہ تھے' اگرچہ ان کے زمانہ میں کچھ پیدا ہو چکے تھے' اسلام میں جنتی فرقہ ہمیشہ موجود رہے گا۔ (تفسیر صاوی) **تفرقوا واختلفوا** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں افتراق و اختلاف ایک ہی معنے میں ہیں یعنی حسد سے بعض اہل کتاب کا بعض پیغمبروں کو ماننا اور کچھ لوگوں کا دوسرے بعض کو ماننا' باقیوں کا انکار کر دینا جیسے یہودی عیسیٰ علیہ السلام کے منکر اور عیسائی عزیر علیہ السلام کے انکاری تاکید اً مکرر لفظ لایا گیا' بعض نے فرمایا کہ افتراق سے مراد ہے جسمانی علیحدگی اور اختلاف سے ایمانی علیحدگی یعنی اہل کتاب کے پوپ پادری اعمانیات میں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے اور ہر ایک نے اپنے معتقدین کے ساتھ الگ الگ مقام بنا لئے اور ان میں راج کرنے لگے' بعض نے فرمایا کہ افتراق سے مراد ہے حسد اور عداوت کا افتراق اور اختلاف سے دین کی جدائی' بعض نے کہا کہ افتراق سے مراد ہے اصول دین میں علیحدگی' اور اختلاف سے مراد ہے فروع دین میں جھگڑے بازی اور سر پھٹول (تفسیر کبیر و معانی و خازن و مدارک وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ افتراق سے مراد دینی جھگڑے ہوں اور اختلاف سے نسبی' خاندانی' قومی و ملکی امتیازات جیسا کہ اب بھی عیسائیوں میں دیکھا جا رہا ہے کہ یورپین عیسائی' ایشیائی عیسائیوں کو ذلیل جانتے ہیں' کالے اور گورے عیسائیوں کے کشت و خون کی خبریں برابر آتی رہتی ہیں' یہ لوگ ایک گرجا میں عبادت نہیں کر سکتے' اور مرے بعد ایک قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتے' گورے عیسائیوں کا اور قبرستان اور کالوں کا اور **من بعد ما جاء ھم البینت**' بینت کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں اس سے مراد توریت و انجیل یا قرآن حکیم کی واضح آیات ہیں یا عقلی دلائل جن سے پتہ لگتا ہے کہ دینی و دنیاوی اتفاق و اتحاد نہایت ضروری ہے اور فساد و جھگڑے دین و دنیا کی ہلاکت کا باعث ہیں چونکہ بینت مونث لفظی ہے جس کا فعل مذکر بھی آ سکتا ہے' مونث بھی اس لئے جاء مذکر لایا گیا **و اولئک لھم عذاب عظیم**' **اولئک** سے اختلاف و افتراق پیدا کرنے والوں کی طرف اشارہ ہے یعنی جو لوگ نئے فرقے اور جدید مذہب ایجاد کر کے کتاب اللہ میں فاسد

www.alahazratnetwork.org

تاویلیں گھڑ کر لوگوں میں فرقے بنا دیتے ہیں **لھم** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ بڑا عذاب ان فرقہ سازوں کو ہوگا اور سادہ لوح لوگوں کو ان سے ہلکا۔ عذاب کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں **عظیم** فرما کر یہ بتایا گیا کہ انہیں اتنا بڑا عذاب ہوگا جو تمہارے خیال و گمان و وہم سے وراء ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو جماعت مسلمین سے ایک بالشت بھی الگ ہو گیا اس نے اسلام کا پھندا اپنے گلے سے نکال دیا (ابو داؤد)۔ امام بغوی نے بروایت حضرت عمر مرفوعاً" نقل کیا کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جنت کے وسط میں رہنا چاہتا ہے وہ دنیا میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے" کہ بھیڑیا ریوڑ سے دور رہنے والی بکری کو شکار کرتا ہے' اور شیطان جماعت مسلمین سے علیحدہ رہنے والے کا **یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ** یوم یا تو **لھم** کے متعلق کا ظرف ہے یا **اذکروا** یا **اذکر** پوشیدہ کا یعنی یہ عذاب اس دن ہوگا یا اے مسلمانو وہ دن یاد کرو یا یاد رکھو' یا اے محبوب انہیں وہ دن یاد دلاؤ۔ یوم دن کو بھی کہتے ہیں اور وقت کو بھی' یہاں وقت مراد ہے کیونکہ قیامت میں سورج والا دن نہ ہوگا' سفیدی و سیاہی سے مراد یا تو خوشی و غم کے آثار کا چہرے پر ظاہر ہونا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ظل وجھہ مسودا** " لڑکی کی پیدائش کی خبر سن کر کفار مکہ کے چہرے کالے پڑ جاتے ہیں یا حقیقی سفیدی و سیاہی مراد ہے یہی ظاہر ہے بلا وجہ حقیقی معنی چھوڑنا نہ چاہئیں' قیامت میں مومنوں کے چہرے بقدر قوت ایمان و تقویٰ چمکیلے ہوں گے حتیٰ کہ بعض کے منہ دوپہر کے آفتاب سے زیادہ روشن ہوں گے (صاوی) اور کفار کے چہرے بقدر کفر و بدکاری کالے۔ خیال رہے کہ یہ سیاہی سفیدی سارے جسم پر ہی ہو گی مگر چونکہ پہلے چہرہ ہی نظر آتا ہے اور حسن و بدصورتی کا چہرے پر ہی مدار ہے' اس لئے صرف چہرے کا ذکر فرمایا گیا' یہ رنگوں کے اختلاف یا قبروں سے اٹھتے ہی ہوں گے یا وزن اعمال کے وقت یا مومن و کافر کی چھانٹ کے وقت جبکہ اعلان ہوگا **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** اے مجرمو مومنین سے چھٹ جاؤ' یا نامہ اعمال کی تقسیم کے وقت' حق یہ ہے کہ قبر سے اٹھتے وقت ہی رنگتیں مختلف ہوں گی' مگر مذکورہ بالا موقعوں پر ان رنگوں میں تیزی آ جائے گی (از روح المعانی) **فاما الذین اسودت وجوھھم** اجمال میں پہلے سفید چہروں کا ذکر تھا مگر تفصیل میں پہلے روسیاہوں کا ذکر ہے بعد میں نورانی چہرے والوں کا' تاکہ یہ مضمون مرحومین ہی کے ذکر سے شروع ہو اور اسی پر ختم اور پتہ لگے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے اور اس کے پڑھنے و سننے والے خوشی پر یہ مضمون ختم کریں (تفسیر کبیر) **اکفرتم بعد ایمانکم** اس میں بہت گفتگو ہے کہ یہ خطاب کس سے ہے اور فرمانے والا کون ہے اور یہ سوال کیوں ہے' سوال تو انہیں شرمندہ کرنے یا ان سے اقرار کفر کرانے یا ان پر اظہار غضب کرنے کے لئے ہے نہ کہ حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے' کیونکہ ان کا کفر رب تعالیٰ کو بھی معلوم ہے فرشتوں کو بھی' انبیائے کرام کو بھی' بلکہ سارے حاضرین محشر کو' ان کا چہرہ ہی ان کے کفر کا چلتا پھرتا اشتہار ہے اور یہ سیاہی ان کے دلوں کی سیاہی کا کھلا پتہ ہے' فرمانے والا یا خود رب تعالیٰ ہے یا عذاب کے فرشتے یا انبیائے کرام یا سارے مسلمان' رہا یہ کہ کس سے خطاب ہے اس میں چند قول ہیں' چنانچہ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ منافقین سے خطاب ہوگا جو زبان سے ایمان لائے اور دل میں کافر رہے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ یہ خطاب مرتدین سے ہوگا' بعض نے فرمایا یہ خطاب خوارج سے ہوگا جنہوں نے حضرت مولائے کائنات علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر خروج کیا' چنانچہ جب جناب علی مرتضیٰ نے ان مردودین کے سر لٹکوائے تو حضرت زید ابن وہب نے ان سروں کو دیکھ کر یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا' پھر پوری حدیث خوارج ارشاد فرمائی کہ یہ بے ایمان نمازی' روزہ دار' قاری' حافظ ہونے کے باوجود

www.alahazratnetwork.org

دین سے ایسے نکل گئے جیسے تیر کمان سے یا شکار سے ان تو جیہوں کی بنا پر **بعد ایمانکم** بالکل ظاہر ہے مگر ایک قول یہ ہے کہ سارے کفار سے خطاب ہے کہ میثاق کے دن سب ہی **قالوا بلی** کہہ کر ایمان لا چکے تھے کفر کی بیماری دنیا میں آکر لگی' ان دو صورتوں میں ایمان سے مراد شرعی ایمان نہیں بلکہ کتابی یا میثاقی ایمان مراد ہے (تفسیر خازن و کبیر و صاوی وغیرہ) **فذوقوا العذاب** یہ ف حالیہ ہے **ذوقوا** ذوق سے بنا' بمعنی چکھنا' عذاب کو اس کڑوی چیز سے تشبیہ دی گئی جو چکھ کر تھوک دی جائے اس کے نگلنے کی طاقت نہ ہو' عربی میں بلکہ اردو میں بھی سزا پانے کو چکھنے سے تعبیر کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے کہ تجھے اپنی بدکاریوں کو مزا چکھنا ہو گا' اکثر کفار کی سزا کو عقاب یا عذاب کہتے ہیں اور گنہگار مسلمانوں کی سزا کو عتاب' یہاں چونکہ کفار سے خطاب ہے اس لئے عذاب فرمایا گیا' یہاں روح المعانی نے فرمایا کہ کافر ہر رونگٹے سے یہ عذاب چکھے گا اور محسوس کرے گا **العذاب** میں الف لام عہدی ہے اور اس سے بڑا عذاب مراد ہے یا وہ عذاب جس کی دنیا میں انہیں خبر دے دی گئی تھی **بما کنتم تکفرون** ب سببیہ ہے **تکفرون** سے یہ بتایا گیا کہ یہ عذاب کفر کے سبب ہے خواہ کفر اصلی ہو یا ایمان کے بعد کا' لہذا اصلی کافر اور مرتد دونوں عذاب پائیں گے' اس آیت نے **بعد ایمانکم** کے معنی واضح کر دیئے۔ خیال رہے کہ مومن کے چہرے کی سفیدی ایمان کے باعث بھی ہو گی اور نیک اعمال کے باعث بھی' خصوصاً" وضو کی وجہ سے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لہذا جن مسلمانوں کو عمل کا وقت ہی نہ ملا یا وقت ملا مگر شامت نفس سے اعمال کئے نہیں ان کے چہرے بھی ایمان کی وجہ سے ضرور سفید ہوں گے اگرچہ یہ سفیدی محسنین کی سی نہ ہو **ففی رحمۃ اللہ** یہاں اللہ کی رحمت صفت الٰہی مراد نہیں کیونکہ وہ کسی کا ظرف نہیں بن سکتی بلکہ یا رحمت کے آثار مراد ہیں یا رحمت کی جگہ یعنی جنت مراد' اس میں اشارۃً" فرمایا گیا کہ بخشش اور جنت جسے بھی ملے گی' اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے ملے گی نہ کہ محض اپنے اعمال سے بلکہ اعمال کی توفیق ملنا بھی اس کی مہربانی سے ہی ہے یعنی سفید چہرے والے مومن قیامت میں تو اللہ تعالیٰ کی بخشش میں ہوں گے پھر اللہ کی جنت میں **ہم فیہا خلدون** **فیہا** کا مرجع رحمت ہے یعنی مومنوں پر یہ رحمت دنیاوی نعمتوں کی طرح عارضی نہ ہو گی بلکہ دائمی ہو گی کہ نہ انہیں موت آئے گی نہ جنت فنا ہو گی اور نہ یہ وہاں سے نکالے جائیں گے' یہاں دوبارہ **فیہا** فرمانے میں تاکید بھی ہے اظہار رحمت بھی اور لذت بھی۔

خلاصہ تفسیر: اے انصاریو یا اے صحابہ یا اے علمائے اسلام تم اخلاق' عادات' صورت سیرت' لڑائی بھڑائی' تفرقہ بازی اور مذاہب سازی میں کبھی ان اہل کتاب کی طرح نہ ہونا جو آپس میں' دین میں پھٹ گئے اور جن میں پھوٹ پڑ گئی جس کے باعث ان میں دینی فرقے پیدا ہو گئے اور ملکی' قومی و زبانی پارٹی بندیاں اور ان کی یہ ساری حرکتیں بے خبری نا سمجھی' نادانی سے نہ تھیں ان کے پاس کتاب الٰہی پہنچ چکی تھی جس میں انہیں سنبھالنے کے لئے روشن آیتیں موجود تھیں وہ کتابوں سے خود نہ بنے بلکہ کتابوں کو بگاڑ دیا' اس طرح کہ انہوں نے اپنے کو کتب کے سانچے میں نہ ڈھالا بلکہ کتب الٰہیہ کو اپنے سانچے میں ڈھالا' ان لوگوں کو ایسی مار و سزا دی جائے گی جو خیال و گمان اور وہم سے وراء ہے' مگر آج نہیں بلکہ اس دن جب تمام مخلوق جمع ہو گی اور مومن و کافر چھانٹ دیئے جائیں گے کہ کافروں کے منہ کالے ہوں گے' مومنوں کے اجیالے' کافروں سے پرسش ہو گی کہ بدنصیبو تم ہمارے ہاں سے مومن گئے تھے' وہاں جا کر کافر ہو گئے لہذا اب تم اپنے اعتقادی دائمی کفر کی وجہ سے اور ان کفریہ عملوں کی وجہ

www.alahazratnetwork.org

سے جو تم کرتے رہتے تھے عذاب کا مزا چکھو اور ہمیشہ چکھتے رہو' رب اچیالے منہ والے وہ تو قبر میں بھی حشر میں بھی اور حشر کے بعد بھی اللہ کی رحمت یعنی مغفرت و جنت میں ہیں۔ جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ انہیں موت آئے اور نہ وہ وہاں سے نکالے جائیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو کفار کی مشابہت سے بچنا چاہئے کہ صورت' سیرت' لباس' اخلاق' نام و کلام ہر چیز میں ان سے ممتاز رہیں' جب دنیا میں ہر محکمے کی وردی علیحدہ ہے تو مومن کی وردی بھی علیحدہ چاہئے جیساکہ **لا تکونوا** الخ سے معلوم ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو مسلمان ہو کر عیسائیوں کی وضع قطع پسند کرتے ہیں' اب تو مسلمانوں نے اپنے نام بھی بگاڑنا شروع کر دیئے اللہ ہدایت دے۔ **دوسرا فائدہ:** نااتفاقی اور پھوٹ کا مجرم وہ ہو گا جو مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر نئی راہ نکالے جو پرانے اسلامی راستہ پر ہے وہ مجرم نہیں جیساکہ **تفرقوا** سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی** لہٰذا جماعت اہلسنت حق پر ہے اور باقی فرقے پھوٹ ڈالنے والے ہیں' پولیس اور ڈاکو اگر آپس میں جنگ کریں تو مجرم ڈاکو ہیں نہ کہ پولیس کے سپاہی۔ **تیسرا فائدہ:** قوم کا اتفاق اللہ کی رحمت ہے اور قوم میں پھوٹ رب تعالیٰ کا عذاب خواہ دینی فرقہ بندی ہو یا دنیوی فسادات جیساکہ **تفرقوا اور اختلفوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے زیادہ خطرناک بھی ہے اور سخت عذاب کا باعث بھی' ایک عالم کی غلطی سارے عالم کو تباہ کر سکتی ہے' انجن کے ڈرائیور کی غلطی ساری ٹرین کو تباہ کر دیتی ہے جیساکہ **من بعد ما** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اگر عالم سنبھل جائے تو اس کے لئے ثواب بھی بہت ہے اور اگر بگڑے تو اس کے لئے عذاب بھی سخت' جیسا **لھم** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔

حکایت: امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کہیں جا رہے تھے ملاحظہ فرمایا کہ ایک شخص مدہوش سا ہے' چلنے میں لڑکھڑا رہا ہے' آپ نے فرمایا' ہوش کر اگر نہ جانا' وہ بولا اے امام میری فکر نہ کرو اپنی کرو میں گروں گا تو اکیلا' تم گرو گے جہان گرے گا' بوجھ پر اپنی جان کی ذمہ داری ہے' آپ پر جہان کی۔ **چھٹا فائدہ:** قیامت میں ہر مومن و کافر کی پہچان ان کے چہروں سے ہی ہو جائے گی تو جو یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں مومن و کافر کو نہ پہچانیں گے وہ جھوٹا ہے اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** بلکہ مومن کے ایمانی درجے اور کافروں کے کفر کے درجے بھی ان کے چہروں سے ہی معلوم ہوں گے' یہ دونوں فائدے **تبیض** اور **تسود** الخ سے معلوم ہوئے۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر سوال پوچھنے والے کی بے علمی سے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے مقاصد اور بھی ہوتے ہیں' دیکھو رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے' مگر پھر کافروں سے پوچھے گا **اکفرتم بعد ایمانکم** لہٰذا جو کہتے ہیں کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ہوتا تو فلاں سے یہ بات کیوں پوچھتے وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ **نواں فائدہ:** سزا اور جزاء عذاب و ثواب قیامت ہی میں ہو گا' دنیا اس کی جگہ نہیں' جیساکہ **یوم تبیض** سے معلوم ہوا' دنیا میں اگر کافر کو تکلیف پہنچ جائے یا مومن کو کچھ راحت' تو قیامت میں اسے وضع نہ کیا جائے گا' حوالات کا زمانہ قید کی مدت سے وضع نہیں ہوتا اور نہ پیشگی تنخواہ سے کٹے۔ **دسواں فائدہ:** ہر قسم کا کفر دائمی عذاب کا باعث ہے' ہاں کفر کے مراتب کے لحاظ سے عذاب کی نوعیتوں میں فرق ہو گا جیساکہ **تکفرون** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** کسی مومن کا خواہ وہ

www.alahazratnetwork.org

کیسا ہی گنہگار ہو قیامت میں منہ کالا نہ ہو گا اور نہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہے جیسا کہ **الذین ابیضت** کے عموم سے معلوم ہوا' ایمان دل کا نور ہے۔ جس کا ظہور قیامت میں چہرے پر ہو گا۔ **بارہواں فائدہ:** کوئی شخص اپنے عمل سے جنت نہیں پا سکتا جب تک رب تعالیٰ اپنا فضل نہ فرمائے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو اس کا عمل جنت میں نہ پہنچائے گا بغیر رب تعالیٰ کی رحمت کے' عرض کیا گیا نہ آپ کو فرمایا نہ مجھے مگر یہ کہ رب تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے (کتب احادیث و روح المعانی)۔ **تیرہواں فائدہ:** جنت' جنت کی نعمتوں اور جنتیوں کو فنا نہیں جیسا کہ **خلدون** سے معلوم ہوا۔ خیال رہے: کہ کوئی چیز خدائے تعالیٰ کے سوا ازلی قدیم نہیں' ہاں اس کے حکم و ارادے سے چیزیں ابدی ہو جاتی ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **کل من علیھا فان** جو زمین پر ہیں انہیں فنا ہے معلوم ہوا جو جنت میں ہیں انہیں فنا نہیں' یہ بات بڑی اہم ہے خیال میں رکھی جائے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تفرقہ و اختلاف بہت بری چیز ہے اور تفرقہ پیدا کرنے والے لوگ بدترین مخلوق اور سخت عذاب کے مستحق ہیں تو چاہئے کہ مذہب حنفی شافعی وغیرہ بھی غلط ہوں اور قادری چشتی وغیرہ بھی' ایک اسلام کو شریعت و طریقت کے آٹھ سلسلوں میں بانٹنا بدترین جرم ہے۔ (غیر مقلد)

دین حق را چار مذہب ساختند فتنہ در دین نبی انداختند

جواب: اس کے تین جواب ہیں دو الزامی اور ایک تحقیقی' پہلا جواب الزامی یہ ہے کہ پھر تو آپ حضرات بھی اس آیت کی زد میں آ گئے کہ آپ لوگوں میں بھی امرتسری' روپڑی' ثنائی اور غزنوی فرقے موجود ہیں جن کا آپس میں جھگڑا رہتا ہے' ہمارے سامنے غزنوی پارٹی کی وہ مطبوعہ کتاب موجود ہے۔ جس میں مولوی ثناء اللہ صاحب پر چالیس طرح سے گمراہی کا حکم نافذ کیا گیا ہے اور ان کی تفسیر ثنائی کو کتاب و سنت کے خلاف بتایا گیا ہے' دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ پھر دنیا سے علم حدیث و تفسیر ختم ہو گیا' کیونکہ سارے محدثین و مفسرین کسی نہ کسی امام کے مقلد ہیں' اور مقلد تو بقول تمہارے عذاب عظیم کے مستحق ہیں تو تم ان کی حدیثیں مان کر اس عذاب میں کیوں داخل ہوئے جاتے ہو؟ **جواب:** تحقیقی یہ ہے کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ افتراق سے دینی و اصولی فرقہ بندیاں مراد ہیں' جس سے ایک دوسرے کو کافر یا گمراہ کہا جائے اور اختلاف سے جھگڑا فساد و خونریزی مراد ہے جو کہ اہل کتاب کے فرقوں میں پھیلا ہوا تھا الحمد للہ چاروں اماموں کے اختلافات کو ان سے دور کا تعلق بھی نہیں' ان کا اختلاف تحقیق کا اختلاف ہے۔ جس سے دین صاف اور واضح ہو گیا' اجتہادی مقدس اختلاف کا ذکر تو قرآن حکیم میں ہے' دیکھو ایک مقدمہ میں داؤد علیہ السلام کا اور اجتہاد و فیصلہ تھا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ کچھ اور' رب تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کی تائید فرمائی کہ فرمایا **ففھمنھا سلیمن** مگر حضرت داؤد علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا' ان مذاہب کا اختلاف ایسا ہے جیسے لوگ ایک قافلہ میں مختلف کام کرتے ہوئے مکہ معظمہ جائیں' کوئی علاج معالجہ کرتا ہوا' کوئی کھانے وغیرہ کا انتظام کرتا ہوا کہ راستہ و مقصد سب کا ایک ہی ہے اور سب مکہ معظمہ پہنچ جائیں گے مگر طریقہ ء کار جدا گانہ اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول و دوم میں دیکھئے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اس ممانعت کی عظمت کے اظہار کے لئے یعنی اے مسلمانو فرقہ بندی اور لڑنا جھگڑنا تو کیا تم لڑنے جھگڑنے والوں کی شکل بھی نہ ہو نا یعنی ان سے مشابہت بھی پیدا

www.alahazratnetwork.org

نہ کرنا جیسے کہا جائے کہ تم بے نمازیوں کی طرح نہ بننا افسوس کہ مسلمان اس سبق کو بھول گئے اور مسلمانوں میں ایسے فرقے پیدا ہو گئے کہ خدا کی پناہ' امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں اسی مقام پر اپنے زمانہ کے علماء کا رونا رو دیا ہے' فرماتے ہیں افسوس یہ عیب ان میں پیدا ہو گئے تو اس زمانہ کا کیا پوچھنا۔ **تیسرا اعتراض:** لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا عذاب صرف جھگڑالو پوپ پادریوں کو ہی ہو گا حالانکہ دوسری آیتوں میں اوروں کے لئے بھی بڑے عذاب کی خبر دی گئی ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** ہرگز نہیں' بڑائی چھوٹائی اضافی امور میں سے ہے' ہر چیز اپنے نیچے والی کے لحاظ سے بڑی ہوتی ہے' اوپر والی کے لحاظ سے چھوٹی' نیز بڑائی کی مختلف نوعیتیں ہیں' ایک قسم کا بڑا عذاب ان پوپ پادریوں کے لئے خاص ہے' اور دوسری قسم کے بڑے عذاب منافقین وغیرہ کے لئے۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ محشر میں مومن و کافر چہروں سے ہی پہچان لئے جائیں گے حالانکہ مسلم بخاری کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرتدین کو بھی نہ پہچان سکیں گے' جب وہ حوض پر آتے ہوئے روکے جائیں گے تو سرکار فرمائیں گے یہ میرے صحابہ ہیں' جب فرشتے عرض کریں گے کہ یہ آپ کے بعد مرتد ہو گئے تھے تب آپ کو پتہ لگے گا۔ **جواب:** یہ غلط ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں تو خبر دے رہے ہیں بلکہ اسی حدیث میں فرماتے ہیں **اعرفھم** میں انہیں پہچانتا ہوں کہ وہ کون ہیں' محبوب بھول جائیں ناممکن ہے انہیں اصحاب فرمانا طعن کے لئے ہو گا جیسے رب تعالیٰ جہنمی کفار سے فرمائے گا **ذق انک انت العزیز الکریم**' **پانچواں اعتراض:** کافروں کے منہ کالے ہوں اور متقی مومنوں کے منہ اجیالے تو فساق کے چہرے کیسے ہوں گے کہ یہ تو نہ کافر ہیں نہ مومن۔ **جواب:** **معاذ اللہ** فاسق عملی مومن ہے اس کا چہرہ سفید ہو گا' ایمان ایک نور ہے کیونکہ ہمارے ہاں کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ نہیں اس کی دلیل یہی آیت ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ فاسق نہ مومن ہے نہ کافر' اور خوارج' فاسق کو کافر کہتے ہیں' اس آیت میں دونوں کی تردید ہے' ہاں فاسق کے چہرہ کا نور متقی کے نور کے برابر نہ ہو گا' بعض فساق کے چہروں پر داغ دھبے بھی ہوں گے' جو شفاعت کے پانی سے دھل جائیں گے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف کافروں کو ہو گا مومن کتنا ہی گناہ کرے اسے عذاب سے کوئی تعلق نہیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **بما کنتم تکفرون** (مرجیہ اور زمانہ کے دتے شاہی ملنگ)۔ **جواب:** یہ کفر کی قید دائمی عذاب کے لئے ہے جیسا کہ خذ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' دائمی جہنمی ہونا کفار ہی کے لئے ہے۔ **ساتواں اعتراض:** جب جنتیوں کے لئے جنت میں ہمیشگی ہے اور کافروں کے لئے دوزخ میں ہمیشگی تو پھر یہاں **ھم فیھا خلدون** صرف مومنوں کے لئے آیا' کفار کے لئے کیوں نہیں آیا؟ **جواب:** اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی رحمت غضب پر غالب ہے (تفسیر کبیر) **آٹھواں اعتراض:** یہاں عذاب کو کفار کے کفر کی طرف نسبت کیا گیا جو ان کا اپنا فعل ہے اور جنت کو رحمت کی طرف' فصاحت تو یہ تھی کہ جب وہاں **تکفرون** فرمایا تھا تو یہاں **تئومنون** فرمایا جاتا۔ **جواب:** اس میں ہم بندوں کو تعلیم ادب ہے کہ ہمیشہ برائیوں کو اپنی طرف نسبت کرو اور خوبیوں کو رب تعالیٰ کی طرف۔ جو جنت میں گیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے گیا اور جو دوزخ میں گیا وہ اپنی بری حرکتوں سے گیا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے ہم کو دل بھی دیا ہے روح بھی اور نفس بھی' دل کا میلان نور کی طرف ہے اور نفس کا میلان نار کی طرف' شیطان نفس کا مددگار ہے اور فرشتہ دل کا معاون' ان کی آپس میں ہمیشہ جنگ ہے بعض خوش نصیبوں کا نفس دل سے

www.alahazratnetwork.org

مغلوب ہو کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے اور اس کے ساتھ متفق ہو جاتا ہے بلکہ دل کے ساتھ تعاون کرتا ہے' اور بعض لوگوں کے نفوس دل سے نہیں دبتے بلکہ دل کی آواز کو دبا دیتے ہیں' پہلی جماعت متقین کی ہے اور یہ جماعت متفرقین کی جن کے نفس و دل الگ الگ رہے' فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جن کا نفس دل سے متفق نہ ہو سکا' اس سے الگ ہی رہا' باوجودیکہ دل کو اسلحہ و سامان جنگ یعنی بینات بہت دیئے گئے' ایسے لوگوں کا انجام خراب ہے اور یہ بڑے عذاب کے مستحق ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے دنیا میں اندرونی مرض و صحت' خوشی و غم کے آثار چہروں پر نمودار ہو جاتے ہیں' ایسے ہی قیامت میں دلی کفر و ایمان کا رنگ چہروں پر نمودار ہو گا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم تبلی السرائر** یہ چہرہ حق تعالیٰ کی کتاب ہے' کفار کو دنیا میں بھی ہجران کا عذاب ہے مگر وہ چھپا ہوا ہے۔ جس کا احساس انہیں نہیں ہوتا کیونکہ یہ لوگ سو رہے ہیں یا نشہ میں ہیں' یا نفس نے ان کے دلوں پر غفلت کے ٹیکے لگا دیئے ہیں۔ جس سے اس زخم کا احساس نہیں ہوتا' جب یہ نشہ اترے گا اور بعد موت بیدار ہوں گے' اور اس ٹیکے کا اثر زائل ہو گا' تب انہیں پتہ چلے گا کہ ہم نے کیا کیا' سفید چہرہ والے مومن دنیا میں بھی رحمت میں تھے' کہ اللہ اور اللہ والوں کے ساتھ تھے اور آخرت میں بھی رحمت میں ہوں گے کیونکہ انسان جس حال میں جئے گا اسی میں مرے گا اور جس حال میں مرے گا اسی میں اٹھے گا' مبارک وہ جو مرنے سے قبل جاگ جائے اور زمین پر رہتے ہوئے زمین میں رہنے کا انتظام کرے (از تفسیر روح البیان مع زیادة)

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

یہ ہیں آیتیں اللہ کی کہ پڑھتے ہیں ہم ان کے اوپر تمہارے حق کے ساتھ اور اللہ ارادہ نہیں کرتا ظلم کا جہانوں پر

یہ اللہ کی آیتیں ہیں کہ ہم ٹھیک ٹھیک تم پر پڑھتے ہیں اور اللہ جہان والوں پر ظلم نہیں چاہتا

وَلِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾ ع

اور اللہ ہی کا ہے وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور طرف اللہ کے ہی لوٹائے جائیں گے کام

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ ہی کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کافروں پر سخت عذاب اور مسلمانوں پر عظیم الشان رحمت کا ذکر ہوا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان بیانوں میں مبالغہ نہیں ہے بالکل برحق ہیں جن میں کمی بیشی یا اختلاف نہیں ہو سکتا' غرضکہ بیان قانون کے بعد اس کی اہمیت اور حقانیت بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کافروں پر سخت سزا کا ذکر تھا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ ان پر ہمارا ظلم نہیں ہے بلکہ ان کی اپنی بدکاریوں کا نتیجہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں سزاؤں جزاؤں کا ذکر تھا' اب رب تعالیٰ کی وسعت سلطنت کا ذکر ہے کہ ہماری بادشاہی زمین و آسمان میں پھیلی ہوئی ہے اگر ہم کسی کو پکڑ لیں تو وہ کہیں بھاگ کر بچ نہیں سکتا اور کوئی ہم سے اسے چھڑا نہیں سکتا' غرضکہ یہ آیات گذشتہ مذکورہ جزاؤں اور سزاؤں کی پختگی بیان کر رہی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **تلک ایت اللہ** **تلک** ذالک اسم اشارہ کا مونث ہے' دور کی چیزوں کی طرف اس سے اشارہ کیا جاتا ہے اگرچہ وہ آیتیں ابھی قریب ہی گزری ہیں جن کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے' مگر چونکہ ان کی قدر و منزلت ہمارے خیال و گمان سے وراء ہے' اس لئے اشارہ بعید فرمایا گیا اس کی تحقیق **ذلک الکتب** کی تفسیر میں ہو چکی ہے' **ایت** **ایۃ** کی جمع ہے بمعنی نشانی' قرآنی جملوں کو بھی آیت کہتے ہیں اور عالم کی ہر چیز کو بھی کیونکہ یہ سب رب تعالیٰ کی وحدانیت و قدرت کے دلائل ہیں' یہاں قرآنی جملے مراد ہیں کیونکہ آگے تلاوت کا ذکر آرہا ہے' اور تلاوت ان ہی کی ہوتی ہے' آیات کی نسبت اللہ کی طرف یا تشریف کے لئے ہے یا اس لئے کہ رب تعالیٰ کی اتاری ہوئی اور قائم کردہ ہیں جیسے **ناقۃ اللہ** اور بیت اللہ میں **نتلوھا علیک** **نتلو** **تلاوۃ** سے بنا جس کے معنی ابھی بیان ہو چکے' اگرچہ آیات قرآنیہ کی تلاوت جبریل امین کرتے تھے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے کرتے تھے' نیز ان کا کام گویا رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم تلاوت کرتے ہیں اس تلاوت سے یا تو نزول کے وقت کی تلاوت مراد ہے یا وہ سارے قرآن کی تلاوت جو معراج میں خود رب تعالیٰ نے بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائی' تب یہاں نسبت حقیقی ہو گی' **علیک** فرما کر یہ بتایا گیا کہ محبوب ہماری یا جبریل امین کی تلاوت تو صرف آپ پر ہو گی' آپ کی تلاوت لوگوں پر' آپ ہمارے اور مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمیٰ ہیں **بالحق** یہ کلمہ یا تو **نتلوا** کے متعلق ہے یا کسی پوشیدہ جملے کے متعلق ہو کر **نتلو** کے فاعل کا حال ہے یا **ھا** ضمیر کا یا **علیک** کے **ک** کا یعنی ہمارا تلاوت کرنا حق ہے' یا ہم یا یہ آیتیں حق ہیں۔ خیال رہے: کہ حق اور صدق مصدر بھی ہیں اور صفت مشبہ بھی' دونوں کے معنی ہیں سچ' مگر صدق و حق میں فرق یہ ہے کہ صدق سچے کلام کو کہتے ہیں اور حق سچے کلام' سچے خیال اور سچے عقائد کو' اسی لئے اسلام کو صدق نہیں کہتے حق کہتے ہیں' نیز صدق وہ ہے جو واقعہ کے مطابق ہو' اور حق وہ کہ واقعہ اس کے مطابق ہو کہ جو کچھ فرمایا جائے ویسا ہو جائے' کبھی حق بمعنی حقیقی بھی آتا ہے یعنی لائق **وما اللہ یرید ظلما للعلمین** ظلم کے لغوی معنی ہیں تاریکی اور کا مقابل' اصطلاح میں ستانے اور کسی کا حق مارنے یا کسی کی چیز بلا اجازت استعمال کرنے یا کسی چیز کو بے محل و موقعہ استعمال کرنے کو بھی ظلم کہتے ہیں' کیونکہ یہ حرکتیں قیامت کے دن تاریکی کا باعث ہوں گی' نیز ظالم کو ظلم کرتے وقت حق و باطل نہیں سوجھتا' وہ نفس کے اندھیرے میں آجاتا ہے' اس لئے ان چیزوں کو ظلم کہا جاتا ہے۔ **عالمین** سے مراد جہان کی انواع و اقسام ہیں' فرشتے ایک عالم ہیں' جنات دوسرا' انسان تیسرا وغیرہ یعنی رب تعالیٰ کسی پر ظلم کرنا تو کیا معنی ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتا کہ کسی غیر مستحق عذاب دیدے یا مستحق ثواب کو نہ دے' یا ہلکے مجرم کو بھاری سزا دیدے یا بڑے ثواب کے مستحق کو تھوڑا ثواب عطا فرمائے **وللہ** یہاں لام ملکیت یا خلقت کا ہے یعنی سب چیزیں اللہ کی مخلوق' اسی کی مملوک اور اس کے قبضہ میں ہیں **ما فی السموت وما فی الارض** **ما** غیر عقل والی چیزوں کے لئے آتا ہے اور **من** عقل والی کے لئے **ما** وہ چیزیں' **من** وہ لوگ' اگرچہ عالم کی ہر فرد رب تعالیٰ کی ہے مگر چونکہ غیر عاقلوں کے افراد و اقسام زیادہ ہیں اور عاقلوں کے کم' اس لئے تغلیبا' **ما** فرمایا گیا' **سموت** **سماء** کی جمع ہے جو **سمو** بمعنی بلندی سے بنا اور **ارض** **رض** کے معنی ہیں بکھرنا' پراگندہ ہونا اسی لئے حال کو رضیض اور دلیہ کو رضاض کہتے ہیں اور سر کچلنے کو **رض الراس** کہا جاتا ہے' دیمک کو **ارضہ** زمین کی حقیقت بھربھری اور بکھری ہوئی مٹی ہے' اس لئے اسے **ارض** کہا جاتا ہے **والی اللہ ترجع الامور** **الی اللہ** کا ترجع پر مقدم کرنا بیان حصر کے لئے ہے **امور** سے مراد حاجتیں ہیں یا عبادتیں یا احکام یا انتظام' **ترجع** میں حال کا بھی احتمال ہے استقبال کا بھی یعنی

www.alahazratnetwork.org

تمام مخلوق کی حاجتیں یا ان کی عبادتیں ہماری بارگاہ عالی میں پیش کی جاتی ہیں یا قیامت میں پیش کی جائیں گی یا عالم کے سارے انتظامات و احکامات کا رجوع ہماری طرف ہی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی ساری آیتیں یا وہ سزا و جزا کی آیات جو ابھی آپ کو سنائی گئیں اللہ کی آیتیں ہیں' جب متکلم اتنا شاندار ہے تو غور فرماؤ کہ کلام کیسا شاندار ہو گا ہم یہ آیات بواسطہ جبریل یا بلاواسطہ آپ پر تلاوت کرتے ہیں' ہم بھی حق ہمارے جبریل بھی حق آیتیں بھی حق' تلاوت کرنا بھی حق' اور تم بھی حق یہاں باطل کا شائبہ بھی نہیں لہذا جو کچھ کہا گیا بالکل سچ ہے نہ اس میں مبالغہ ہے نہ جھوٹ' کفار کی یہ سخت سزائیں ان کی اپنی حرکتوں سے ہیں نہ کہ ہماری زیادتی سے' اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے' وہ کسی پر ظلم کرنے کا ارادہ بھی نہیں فرماتا' ظلم یا خبیث النفس کرتا ہے یا عاجز یا جاہل یا حاجتمند (تفسیر کبیر) ہم ان سب عیوب سے پاک ہیں کیونکہ آسمانوں اور زمینوں کی چیز ہماری اپنی ملک ہے جو چاہیں کریں' پھر ہمیں ظلم کرنے کی کیا حاجت' ہماری شان یہ ہے کہ سب کا رجوع ہماری ہی طرف ہے' کوئی بخوشی' کوئی مجبوراً لوٹ کر ہماری طرف ہی آتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** کسی چیز کی عظمت چیز والے کی عظمت سے ظاہر ہوتی ہے' بڑے کی معمولی چیز بھی بڑی ہے اور چھوٹے کی بڑی چیز بھی معمولی' لاٹ صاحب کی شاندار کوٹھی سے کچی چھپر والی مسجد کا درجہ زیادہ ہے کہ یہاں بے غسل نہیں آسکتا کوٹھی میں جاسکتا ہے جیسا کہ آیات اللہ کی اضافت سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام کی عظمت دکھانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام' اولیاء و علماء کی شانوں کے خطبے پڑھنا ضروری ہیں' کیونکہ اسلام چلا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور پروان چڑھا ہے ان گودوں میں' اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کیجئے' یہ فائدہ بھی ایت اللہ کی اضافت سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کو اللہ تعالیٰ سے ایسا قرب خصوصی حاصل ہے کہ ان کے کام کو رب تعالیٰ فرماتا ہے میرا کام ہے' اور رب تعالیٰ کے کام کو وہ فرماتے ہیں ہمارا کام ہے جیسا کہ نتلو' کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تلاوت کرتے جبرئیل مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے ہم تلاوت کرتے ہیں دیکھو بیٹا دینا رب تعالیٰ کا کام ہے مگر بی بی مریم رضی اللہ عنہا سے جبرئیل امین نے کہا تھا **لاھب لک غلاما زکیا** صلح حدیبیہ میں صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے مجھ سے بیعت کی' فرماتا ہے **انما یبایعون اللہ** جنگ بدر میں کنکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھینکتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے میں نے پھینکے' فرماتا ہے **ولکن اللہ رمی**۔

سنگریزہ ی زند دست جناب! — ما رمیت اذ رمیت آید خطاب
تا ابد گر شرح ایں معنی کنم! — جز تحیر ہیچ نبود حاصلم

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم صرف جبریل امین کی معرفت ہی نہیں ملا بلکہ بلاواسطہ بھی رب تعالیٰ نے عطاء فرمایا جیسا کہ نتلو کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' خود فرماتے ہیں کہ ہم کو سورہ بقر کی آخری آیات معراج میں عرش اعظم کے نیچے ملیں وہاں تو جبریل امین کا وہم بھی نہیں پہنچا تھا۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے

www.alahazratnetwork.org

درمیان وسیلۂ عظمیٰ ہیں' اگر یہ واسطہ و علیا درمیان میں نہ ہوتا تو ہم قرآن و ایمان اور عرفان کی ہوا بھی نہ پاتے جیسا کہ **علیک** سے معلوم ہوا' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لئے فرمایا **نتلو** آپ پر ہم تلاوت کرتے ہیں اور ہمارے لئے فرمایا **یتلو علیہم ایتہ** یعنی وہ حبیب ان پر آیات تلاوت کرتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کی آیتیں خود بھی حق ہیں ان کا بھیجنے والا رب تعالیٰ' لانے والے جبرئیل امین' لینے والے محبوب' پھیلانے والے صحابہ سب حق ہیں بلکہ نزول قرآن کا زمان و مکان بھی حق ہے جیسا کہ **بالحق** سے معلوم ہوا۔

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات — اس لئے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے
جس طرف کو اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے — میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

جیسے سورج جدھر توجہ کرتا ہے دن نکل رہتا ہے' ایسے ہی جدھر توجہ پاک مصطفیٰ ہوتی ہے ادھر ایمان' عرفان' تقویٰ اور حقانیت کا دن طلوع ہو جاتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ظلم رب تعالیٰ کے لئے محال ہے' اور محال کا ارادہ الٰہی ناممکن جیسا کہ **ما اللہ** الخ سے معلوم ہوا' اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے' ظلم سے متصف نہیں' فرماتا ہے **خالق کل شیء**۔ **آٹھواں فائدہ:** بندوں کے افعال و اعمال کا اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے' بندہ اعمال کا کاسب ہے خالق نہیں' کیونکہ اعمال بھی آسمان و زمین کی ہی چیزیں ہیں جیسا کہ **للہ** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہر چھوٹی بڑی' اچھی بری چیز کا اللہ تعالیٰ مالک حقیقی ہے جیسا کہ **للہ** کے لام سے معلوم ہوا' مخلوق کی ملکیتیں عارضی و مجازی ہیں جیسے ہم رب تعالیٰ کے ہونے کے باوجود اپنے مکان وغیرہ کے مالک ہیں' ایسے ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سارے عالم کے مالک ہیں۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب — یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تلاوت قرآن فرماتا ہے حالانکہ تلاوت زبان سے ہوتی ہے۔ زبان جسم ہے رب تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ اس کی زبان و تلاوت کیسی؟ **جواب:** یا تو اس سے تلاوت جبریل مراد ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انہ لقول رسول کریم** کہ وہ قرآن ایک عزت والے فرشتے کا پڑھا ہوا ہے' حضرت جبریل کی عزت افزائی کے لئے ان کی تلاوت کو اپنی تلاوت فرمایا' یا رب تعالیٰ کی ہی تلاوت مراد ہے' وہ تلاوت جو اس کی شان کے لائق ہے' فعل کے معانی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ تمام جہان کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں بلکہ عادل ہے' شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ دوسرے کی چیز میں بلا اجازت تصرف کرنا ظلم ہے' چونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ہے تو وہ جو کچھ بھی کرے ظالم نہیں' جب اس کے لئے کوئی کام ظلم ہی نہیں تو اس آیت کے کیا معنی؟ کہ اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ نہیں کرتا۔ **جواب:** بعض لوگوں نے اس آیت کے یہ معنی کئے کہ رب تعالیٰ دنیا والوں کے لئے ظلم کرنا پسند نہیں کرتا یعنی وہ نہیں چاہتا کہ کوئی کسی پر ظلم کرے مگر یہ معنی کچھ بعید ہیں' کیونکہ ارادہ بمعنی پسندیدگی نہیں آتا اور اگر ارادہ اپنے معنی میں ہو تو آیت کے معنی بالکل فاسد ہو جائیں گے کہ اب مطلب یہ ہو گا کہ دنیا میں ظلم وغیرہ رب تعالیٰ کے ارادے کے بغیر ہو رہے ہیں' یہ عقیدہ گمراہی ہے' اس کا صحیح جواب وہ ہے جو امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں دیا کہ غیر مجرم کو عذاب دینا اور مستحق کو ثواب نہ دینا اگرچہ رب تعالیٰ کے لئے حقیقتاً ظلم نہیں مگر صورۃً ظلم ضرور ہے' پروردگار صورۃ ظلم سے بھی پاک ہے اسی کا یہاں ذکر ہے

www.alahazratnetwork.org

اور کبھی مثل کو اصل کا نام دے دیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **جزاء سیئۃ سیئۃ**۔ نوٹ: اکثر علماء کا مذہب یہ ہے کہ کفار کے ناسمجھ فوت شدہ بچے دوزخ میں نہیں جائیں گے ان کی دلیل یہ آیت بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جن کفار کی بستیوں پر عذاب الٰہی آئے ان کے بچے و جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے' یہ ظلم ہے اور اس آیت کے خلاف' انہوں نے کون سا قصور کیا تھا؟ (آریہ) **جواب:** پنڈت جی دنیا میں موت و زندگی' راحتیں و آفتیں بھیجنا ملکی انتظامات ہیں نہ کہ عذاب' ورنہ تم کل یہ کہہ دو گے کہ ہزاروں انسان و جانور جلتے' ڈوبتے' مرتے ذبح ہوتے رہتے ہیں کیا یہ سب رب تعالیٰ کا ظلم ہے؟ گذشتہ قوموں پر جو عذاب آئے مجرموں کے حق میں عذاب تھے' ان کے جانوروں کے حق میں ملکی انتظام اور ان کے چھوٹے بچوں اور وہاں کے مومنوں کے حق میں' جو وہاں ہلاک ہو گئے رحمت' جس سے ان کے درجات اخروی بڑھ گئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ظلم کرنے پر قادر تو ہے مگر کرے گا نہیں' کیونکہ رب اگر ظلم پر قادر ہی نہ ہو تو اس کے ظلم نہ کرنے کی تعریف ہی کیا جیسے کہ دیوار کی تعریف یہ نہیں ہوتی کہ وہ ظلم نہیں کرتی یا جھوٹ نہیں بولتی! (تقویۃ الایمانی قانون)۔

جواب: عیب نہ کرنا بھی وصف ہے اور عیب نہ کر سکنا اور اس سے بالکل پاک و صاف ہونا بھی تعریف کے لائق ہے' اگر آپ کا یہ قاعدہ درست ہو تو لازم آئے گا کہ رب تعالیٰ سونے' کھانے' مرنے اور صاحب اولاد ہونے پر بھی قادر ہو' کہ قرآن کریم میں ان سب کی نفی سے خدا کی تعریف' کی گئی ہے' رب تعالیٰ نے فرمایا **هو يطعم ولا يطعم** اور فرمایا **لا تاخذه سنة ولا نوم** اور فرمایا **لم يلد ولم يولد**۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ آسمان بھی سات ہیں اور زمین بھی سات' پھر یہاں **سموت** جمع اور **ارض** واحد کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** دو وجہ سے' ایک یہ کہ تمام زمینوں کی حقیقت ایک ہی ہے یعنی مٹی' مگر آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں' ان حقائق کے لحاظ سے آسمان کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا جاتا ہے' دوسرے یہ کہ زمین کے تمام طبقے آپس میں ایسے چمٹے ہوئے ہیں جیسے پیاز کے چھلکے اور پرت' جس کی وجہ سے وہ زمین "حسا" ایک ہیں' مگر آسمان ایک دوسرے سے پانچ پانچ سو سال کے فاصلے پر ہیں' لہٰذا وہ "حسا" بھی جدا گانہ۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کی چیزیں اللہ کی ہیں تو کیا ان کے درمیانی خلاء کی چیزیں کسی اور کی ہیں؟ اور کیا عالم امر اور عالم انوار و ارواح وغیرہ جو کہ آسمانی احاطہ سے باہر ہیں وہ رب تعالیٰ کے نہیں؟ **جواب:** یہاں عالم اجسام کا ذکر ہے جو ہمیں نظر آ رہا ہے' دوسرے عالم جو ہمارے حواس سے خارج ہیں ان کا ذکر نہیں' اور چونکہ آسمان و زمین اس عالم اجسام کے دو کنارے ہیں ان کے ذکر سے درمیانی چیزوں کا ذکر خود بخود ہو گیا' اگر کہا جائے کہ کراچی سے پشاور تک پاکستان ہے تو مطلب یہ نہ ہو گا کہ ان کے درمیان کوئی اور ملک ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام کام اللہ کی طرف لوٹتے ہیں' جہاں سے آئے وہاں پھر جانے کا نام لوٹنا ہے' تو کیا سب اچھے اور برے کام رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں؟ **جواب:** عربی میں رجوع کے چند معنی ہیں۔ (1) جہاں سے آئے تھے وہاں جانا جیسے **ارجعوا الى ابيكم**۔ (2) غلام کا حاکم کے سامنے پیش ہونا جیسے **ارجع الى ربك**۔ (3) کسی کے سامنے کوئی معاملہ پیش کرنا' کہا جاتا ہے کہ اس معاملہ میں حکام کی طرف یا اس بیماری میں حکیم کی طرف رجوع کرو۔ (4) مجاز سے گزر کر حقیقت تک پہنچا' یہاں یہ سارے معنی بن سکتے ہیں کہ سب کی ابتداء بھی رب تعالیٰ سے ہے اور سب کی انتہاء بھی رب تعالیٰ پر **هو الاول والاخر** نیز سب کو مع اپنے اعمال کے قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے' نیز دنیا میں پہلے انسان ہر طرف بھاگتا ہے' پھر آخر تھک ہار کر رب تعالیٰ کے دروازے پر گرتا ہے' وہ مجاز تھا یہ حقیقت

www.alahazratnetwork.org

ہے' غرضکہ ترجع الامور کا نظارہ ہوتا ہی رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نقوش قرآن کی جگہ کاغذ ہے۔ الفاظ قرآن کی جگہ زبان یا کان' معانی قرآن کی جگہ لذہان' مقاصد قرآن کی جگہ ارکان یعنی اعضائے ظاہری' اور اسرار قرآن کی جگہ جنان یعنی دل ہے' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان چاروں چیزوں کا نزول ہوا' جبریل امین الفاظ قرآن لاتے تھے' باقی اسرار قرآنی مقاصد قرآنی کا القاء بلاواسطہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **نزل علی قلبک** الخ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تبلیغ مختلف طریقوں سے فرمائی' بعض کی تبلیغ عمومی تھی اور بعض کی خصوصی' یہاں اسی بلاواسطہ نزول کا ذکر ہے کہ فرمایا گیا **نتلوها علیک** تلاوت الفاظ کی نوعیت اور ہے' تلاوت معانی کی نوعیت اور تلاوت مقاصد و اسرار کی کیفیت جداگانہ ہے۔ حضرات انبیائے کرام علیہم السلام فیض دینے والے مختلف آسمان ہیں اور دیگر لوگ اپنی حیثیت کے لائق فیض لینے والی مختلف زمینیں' فرمایا جارہا ہے کہ ان نبوت کے آسمانوں میں جو فیوض و برکات ہیں' وہ بھی ہماری طرف سے ہیں' اور جو لوگوں کے دلوں کی زمین میں مختلف تاثرات ہیں' وہ بھی ہماری طرف سے ہیں' بجلی کا پاور یکساں آتا ہے' مگر مختلف طاقتوں کے رنگ برنگ بلب اپنی حیثیت کے لائق فیض لیتے ہیں' بارش تمام زمینوں پر یکساں برستی ہے' مگر زمین کے مختلف طبقے اپنے میں بویا ہوا تخم ہی اگاتے ہیں' ان سب کی ابتداء بھی رب تعالیٰ کی طرف سے تھی اور آخر کار ان کا رجوع بھی رب تعالیٰ ہی کی طرف ہوگا' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ زمین میں خواہ کیسا ہی اعلیٰ تخم بویا ہوا ہو اور زمین خواہ کیسی ہی عمدہ ہو مگر کسی وقت بھی آسمان سے بے نیاز نہیں' اسے ہمیشہ دھوپ' بارش' سردی' گرمی وغیرہ کی حاجت رہتی ہے اور یہ سب چیزیں آسمان سے ہی آتی ہیں یونہی کوئی شخص کیسے ہی اعلیٰ طبقہ کا ہو اور کتنے ہی عمدہ عمل کرتا ہے' مگر فیضان نبوت سے ایک ساعت کے لئے بھی مستغنی نہیں' وہ زندگی و موت' قبر و حشر میں نبی کا محتاج ہے کہ قبر میں انہی کی پہچان پر اور حشر میں انہی کی شفاعت پر بیڑا پار ہوگا' ایمان' عرفان' تقویٰ وغیرہ کی ہر وقت ہر شخص کو ضرورت ہے۔ اور یہ تمام اسی آستانے کے فیوض ہیں۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ

ہو تم بہترین امت ظاہر کی گئی واسطے لوگوں کے حکم کرتے ہو بھلی چیزوں کا اور منع کرتے ہو بری چیزوں سے

تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے

الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ

اور ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اگر ایمان لے آتے کتاب والے تو البتہ ہوتا انکے لئے اچھا

ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو اور اگر کتابی ایمان لاتے تو ان کا بھلا تھا

مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾

ان میں سے کچھ مومن ہیں اور زیادہ بدکار

ان میں کچھ مسلمان ہیں اور زیادہ کافر

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں کچھ منہ کالے ہوں گے' کچھ اجیالے' کالے منہ کفار کے ہوں گے اور روشن چہرے والے اللہ کی رحمت میں' مگر یہ نہ بتایا گیا تھا کہ روشن چہروں والے کون لوگ ہوں گے' اب اس آیت میں اس خوش نصیب جماعت کا تعین فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو چمکیلے چہرے والے تم ہی لوگ ہو' گویا یہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مسلمانو تم میں ایک مبلغ جماعت رہنی چاہئے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ باقی مسلمانوں پر مطلقاً تبلیغ نہیں' اب اس شبہ کو دور کیا جارہا ہے اور فرمایا جارہا ہے کہ مطلقاً تبلیغ تو ہر مسلمان پر ہے' وہاں اس تبلیغ کا ذکر تھا جس میں اپنی عمر صرف کردی جائے اور بجز تبلیغ کوئی مشغلہ اختیار نہ کیا جائے' گویا یہ آیت پچھلی آیتوں میں سے وہم دفع کررہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدحت وثناء کی گئی تھی کہ آپ پر ہم آیات تلاوت فرماتے ہیں' اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ان کے غلاموں کی تعریف کی جارہی ہے' کہ اس شاندار نبی کی امت بھی شاندار ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی حمد بیان فرمائی کہ آسمانوں وزمین کی ہر چیز ہماری ہے' اب اپنے مومن بندوں کی تعریف فرمائی جارہی ہے کہ ہم ایسی شان والے ہیں کہ ایسے شاندار بندے پیدا فرمائے' غرضکہ یہ آیات حمد الٰہی نعت مصطفوی اور منقبت مسلمین کا مجموعہ ہیں۔

شان نزول: ایک مرتبہ مالک ابن صیف اور وہب ابن یہودا علمائے یہود نے حضرت عبداللہ ابن مسعود' ابی ابن کعب' معاذ ابن جبل' سالم مولیٰ حذیفہ اور دیگر انصار سے کہا کہ تم نے مسلمانوں میں کیا خوبی دیکھی کہ ہم سے محبت توڑ کر ان سے محبت جوڑ لی' ان بزرگوں نے جواب دیا کہ مسلمانوں کا دین بہترین دین ہے' اور ان کی قوم بہترین قوم ہے اور ان کے نبی افضل الانبیاء ہیں' تب وہ یہودی بولے' نہیں بلکہ یہودیت تمام دینوں سے افضل ہے اور بنی اسرائیل تمام جہان سے اعلیٰ' تمہارا قرآن بنی اسرائیل سے فرمارہا ہے **وانی فضلتکم علی العلمین** تب ان یہود کی تردید میں اور ان بزرگوں کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (از تفسیر خازن وخزائن عرفان ومعانی وابن جریر عن عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ)۔

تفسیر: **کنتم** کان یا زائدہ ہے یا تامہ یا ناقصہ یا بمعنی **صار** اگر **کان** ناقصہ ہو تو اس کے معنی ہیں تھے تم یا ہو تم یا ہو گے تم' اور اگر بمعنی **صار** ہے تب معنی ہوں گے ہو گئے تم' اور یہاں خطاب یا ان بزرگوں سے ہے جنہوں نے یہودیوں کو منہ توڑ جواب دیا' یا سارے صحابہ کرام سے یا ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (تفسیر کبیر) اگر اس کے معنی ہوں "تم تھے" تو مطلب یہ ہوگا کہ اللہ کے علم میں یا لوح محفوظ میں یا گذشتہ آسمانی کتب میں یا پچھلے انبیائے کرام علیہم السلام کے بیانوں میں یا پچھلی امتوں کے عقیدوں میں تم بہترین امت تھے (کبیر) **خیر امۃ** امت کے معانی پہلے بیان ہوچکے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دو قسم کی ہے' ایک وہ جن کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اور جن پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ماننا فرض ہے' اسے امت دعوت کہتے ہیں' دوسری وہ جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو صحیح طور پر مان بھی لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے بھی آئے' انہیں امت اجابت کہتے ہیں' سارا عالم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت دعوت ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** " اور امت اجابت مسلمان ہیں' یہاں امت اجابت مراد ہے' **خیر** سے مراد ہے دنیا میں بہتر آخرت میں افضل یا تو یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے' اصل میں **امۃ خیرا** " تھا یا

www.alahazratnetwork.org

اضافت **من** والی ہے اور امت سے مراد یا صرف مسلمان ہیں یا پچھلی امتیں یعنی امت اسم جنس ہے 'اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی اے صحابہ کرام تم ساری امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں افضل و بہتر ہو کہ کوئی غوث و قطب تمہاری گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا' یا اے مسلمانو تم ساری امتوں سے افضل ہو' دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی **اخرجت للناس** یہ جملہ یا تو **خیر امۃ** کی صفت ہے یا **امۃ** کی 'اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس دوسری جانب اشارہ کر رہا ہے' اخراج کے معنی ہیں نکالنا' یہاں پردہ عدم سے وجود میں لانا مراد ہے یعنی پیدا فرمانا' اگر یہ جملہ **خیر امۃ** کی صفت ہو تو **الناس** سے مراد یا تو انبیاء کرام علیہم السلام ہیں جن کے حق میں مسلمان قیامت کے دن گواہی دیں گے' یا اس سے کفار مراد ہیں جن کی تبلیغ کے لئے مسلمان بنائے گئے یا سارے انسان مراد ہیں جن پر بادشاہت کرنے کے لئے مسلمان بنے' یا جن کی بقاء ورحمتوں کے لئے یہ دنیا میں آئے یعنی اے مسلمانو تمہیں اس لئے پیدا کیا گیا تاکہ تم کل قیامت میں انبیائے کرام علیہم السلام کے حق میں گواہی دو' یا اس لئے کہ تم لوگوں یعنی کافروں میں تبلیغ کرو' یا اس لئے کہ تم لوگوں پر راج کرو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** یا اس لئے کہ تم لوگوں کے لئے مفید ثابت ہو کہ تمہاری بقاء سے عالم کا بقاء رہے' جب تم نہ رہو گے قیامت آجائے گی تم دنیا والوں کے لئے تعویذ ہو' اور اگر یہ جملہ امۃ کی صفت ہو تو معنی یہ ہوں گے جس قدر انبیاء کرام علیہم السلام کی امتیں لوگوں کی ہدایت کے لئے دنیا میں آئیں وہ دوسروں سے افضل تھیں اور تم ان افضلین سے افضل ہو **تامرون بالمعروف و تنہون عن المنکر** معروف اور منکر کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ ہر اچھا کام معروف ہے اور برا کام منکر' یہاں اتنا سمجھ لو کہ **المعروف** اور **المنکر** میں لام استغراقی ہے جس میں ساری بھلائیاں از مستحبات تا ایمانیات داخل ہیں' اور ساری برائیاں از مکروہات تا کفریات شامل ہیں' اور **امر** یعنی حکم سے مراد ہر قسم کا حکم ہے زبانی ہو یا قلمی یا طاقت والا' خواہ بڑوں سے عرض کرکے ہو یا ساتھیوں کو مشورہ دے کر یا چھوٹوں کو دباؤ سے حکم دے کر یعنی تمہاری شان یہ ہے کہ ہر بھلائی کا ہر طرح حکم دو' اور ہر خوبی ہر طرح پھیلاؤ' اور ہر برائی کو ہر طرح مٹاؤ اور لوگوں کو اس سے باز رکھو **تؤمنون باللہ** ایمان کے معنی اس سے قبل بیان ہو چکے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان دو قسم کا ہے لغوی و شرعی لغوی ایمان یعنی اللہ تعالیٰ کی ہستی مان لینا تو شیطان کو بھی حاصل ہے' وہ رب تعالیٰ کا منکر نہیں' اس ایمان سے کوئی فائدہ نہیں مگر شرعی ایمان باللہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نبی کی معرفت سے پہچانا جائے یعنی جمال کبریا ہو اور آئینہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو یہی ایمان مفید ہے اور اسی ایمان پر سارے اعمال کا دارومدار ہے' اور اسی سے نجات ہے' اسی لئے قبر میں توحید کے بعد رسالت کا امتحان ہوتا ہے اور یہ ایمان صرف مسلمانوں کو میسر ہے اس لئے انہی کی صفات میں ایمان کا ذکر ہوا یعنی ایمان باللہ اے صحابہ یا اے مسلمانو! تم ہی کو میسر ہے تؤمنون مضارع فرما کر اشارۃ" فرمایا گیا کہ نفس ایمان تو دائمی ہے مگر درجات ایمان میں تمہیں ترقی ملتی ہی رہے گی **ولو امن اھل الکتب لکان خیرا" لھم** اہل کتاب کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ کسی آسمانی کتاب کو ماننے والا اہل کتاب ہے' اگرچہ غلط طریقہ سے ہی مانتا ہو' اس جملے کے دو معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ اب تک اہل کتاب مومن نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہیں' اگر ان محبوب کو مان کر ایمان لے آئیں تو ان کی خیر ہے ورنہ مشرکین کی طرح یہ بھی دوزخ کا ایندھن ہی بنیں گے' نہ انہیں وہ کتابیں بچائیں گی اور نہ ان کا یہ ظاہری ایمان' دوسرے یہ کہ اہل کتاب کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا مشرکین کے ایمان لانے سے افضل ہے کہ انہیں ایمان کا ایک ثواب ملے گا اور اہل کتاب کو دوہرا' جیسا کہ

www.alahazratnetwork.org

حدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کو دو گنا ثواب ملتا ہے' ایک وہ غلام جو اپنے مولیٰ کی اطاعت اور رب تعالیٰ کی عبادت کرے' دوسرے وہ شخص جو اپنی یتیمہ لونڈی کو تعلیم و تربیت دے کر آزاد کرے' پھر اس سے نکاح کرلے' تیسرے وہ اہل کتاب جو مسلمان ہو جائے' یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ علمائے یہود آمدنیاں بند ہونے کے خوف سے ایمان نہیں لاتے' ورنہ وہ اسلام کی حقانیت جانتے ہیں' لیکن اگر یہ لوگ ایمان لے آئیں تو انہیں پہلے سے زیادہ اور بہتر و طیب آمدنیاں ہوں **منهم المؤمنون**' **منهم** کا مرجع اہل کتاب ہیں' لفظ اہل کتاب صورۃ" واحد ہے اور معنیً" جمع اس لئے ضمیر جمع ادھر لوٹ سکتی ہے اور **مومنین** سے مراد سیدنا عبد اللہ ابن سلام اور ان کے وہ ساتھی ہیں جو پہلے یہودی تھے اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر صحابی بنے' ایسے ہی نجاشی بادشاہ اور ان کے ساتھی جو پہلے عیسائی تھے پھر مسلمان ہوئے یعنی ان اہل کتاب میں سے بعض وہ بھی ہیں جو صحیح معنی میں مومن ہیں **و اکثرهم الفسقون** فاسق فسق سے بنا بمعنی حد سے نکل جانا' بد عمل کو بھی فاسق کہتے ہیں گمراہ کو بھی اور کافر کو بھی' مگر جب فاسق کا مقابلہ مومن سے ہو گا' تو اس کے معنی کافر ہوں گے' چنانچہ یہاں بمعنی کافر ہی ہیں یعنی اہل کتاب میں تھوڑے ہی لوگ ایمان لائے باقی کافر ہی رہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی بہت سی تفسیریں ہیں جو ابھی تفسیر کے سلسلہ میں عرض کر دی گئیں ہم یہاں خلاصہ میں صرف دو تفسیریں عرض کرتے ہیں۔ **تفسیر اول:** اے جماعت صحابہ کرام جنہیں ایمان کے ساتھ دیدار نبی بھی میسر ہوا' تم لوگ ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر اور افضل ہو' کہ کوئی شخص کتنے ہی نیک عمل کرے تمہارے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا' تم سارے مسلمانوں کے لئے نشان ہدایت بنا کر پیدا کئے گئے ہو' تم وہ ہدایت کے تارے ہو' کہ تمہارے ذریعے ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بیڑے پار لگیں گے سب کا ایمان و اعمال تم سے وابستہ ہے' تمہاری صفت یہ ہے کہ تاقیامت لوگوں کو بھلائیوں کا حکم دو اور برائیوں سے روکو کہ تم ہی سے نبوت کا فیض دنیا میں جاری ہو' اور تمہاری ہی بتائی ہوئی احادیث و تفاسیر پر لوگ عمل کر کے اچھائیاں اختیار کریں اور برائیوں سے بچیں' اس امت مسلمہ میں اللہ تعالیٰ پر صحیح طور پر ایمان لانے والے پہلے تم ہو کہ تم نے قرآن شریف کی جیتی جاگتی تفسیر نورانی تصویر یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' تم مسلمانوں کی صف اول ہو کہ امام کو صرف تم دیکھ رہے ہو' اور آئندہ لوگ تمہارے نقش قدم کو دیکھیں گے' اگر تمہاری طرح مدینہ کے اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو ان کا بھلا ہو جاتا کہ وہ بھی خلق کے مقتدا بن جاتے مگر ہوا یہ کہ ان میں سے تھوڑے لوگ تو ایمان لے آئے جیسے سیدنا عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور بہت سے لوگ اپنی ناجائز عزتیں اور آمدنیاں برقرار رکھنے کے لئے کافر ہی رہے۔ **دوسری تفسیر:** اے محبوب کی امت تاقیامت مسلمانو! تم ساری گزشتہ امتوں سے بہتر ہو' تمہیں لوگوں کے بھلے کے لئے پیدا کیا گیا کہ تم ہی قیامت میں انبیائے کرام کے حق میں گواہی دو گے' اور گواہ مدعی کو بڑا پیارا ہوتا ہے' تو تم سارے نبیوں کو پیارے ہو' تمہارے ذریعہ لوگوں میں تبلیغ ہوگی اور کافر مسلمان ہوں گے' تمہارے ہی ذریعہ لوگوں پر اللہ کی رحمتیں آئیں گی' تمہاری ہی بقاء سے لوگوں کا بقاء ہو گا' تمہاری شان یہ ہونی چاہئے کہ تم میں سے ہر شخص بقدر طاقت دنیا والوں کو بھلائی سکھائے' بتائے اور کرائے' اور برائیوں سے بچائے' ہٹائے' تم اللہ تعالیٰ پر توکل و ایمان رکھو' کہ اگر تبلیغ کے راستہ میں تکالیف بھی ہوں تو برداشت کرو' اگر تمہاری طرح اہل کتاب بھی ایمان لے آئیں تو ان کا

www.alahazratnetwork.org

دین و دنیا میں بھلا ہو جائے کہ اسلام کی عالمگیر برادری میں داخل ہو کر رب تعالیٰ کے پیارے بن جائیں مگر ہم بتلائے دیتے ہیں کہ ان میں تھوڑے ہی ایمان لائیں گے اکثر فاسق ہیں رہیں گے۔

فضائل امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں' ایسے ہی آپ کی امت ساری امتوں کی سردار' آپ کے صحابہ تمام انبیاء کے صحابہ سے افضل' آپ کے اہل بیت و اولاد تمام انبیائے کے اہل بیت و اولاد سے افضل' حتیٰ کہ آپ کا وطن یعنی مکہ معظمہ مدینہ طیبہ دیگر انبیاء کے وطنوں سے افضل' غرضکہ افضلیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے وابستہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے بے شمار فضائل ہیں' یہاں ان میں سے کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔ (1) یہ امت آخر امم ہے' گذشتہ امتوں کے عیوب قرآن کریم میں بیان ہوئے جس سے وہ ساری دنیا میں بدنام ہو گئیں' مگر اس امت کے بعد نہ کوئی نیا نبی آئے گا نہ کوئی آسمانی کتاب جس میں اس کے عیوب بیان ہوں غرضکہ اس امت کی پردہ پوشی کی گئی۔ (2) پچھلی کتب میں اس امت کے اوصاف کا ذکر تو تھا ان کے عیوب کا تذکرہ نہ تھا جس کے باعث وہ لوگ اس امت میں ہونے کی تمنا کرتے تھے۔ (3) جیسے رب تعالیٰ نے دیگر انبیائے کرام کو نام لے کر پکارا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو القاب سے' اسی طرح ان کی امتوں کو نسبی ناموں سے پکارا گیا یعنی **اسرئیل' یاایھا الذین ھادوا** وغیرہ مگر اس امت کو **یاایھا الذین امنوا** کے دلکش و پیارے خطاب سے نوازا گیا۔ (4) پچھلی امتیں اپنے نبیوں کے بعد ساری ہی گمراہ ہو جاتی تھیں' مگر اس امت میں تاقیامت ایک فرقہ حق پر رہے گا۔ (5) اس امت میں ہمیشہ اولیاء اللہ و علمائے ربانی ہوتے رہیں گے' جس درخت کی جڑ ہری رہے اس میں پھل پھول آتے ہی رہتے ہیں۔ (6) یہی امت کل قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں گذشتہ نبیوں کی گواہی دے گی کہ خدایا انہوں نے اپنی قوموں کو تبلیغ کی تھی۔ (7) اس امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح دین حق کی خدمت کرتے رہے اور کرتے رہیں گے' چنانچہ محدثین' مفسرین' فقہا' متکلمین اسی امت میں ہوئے کسی اور میں نہ ہوئے۔ (8) ترمذی نے حضرت بہز ابن حکیم سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اے مسلمانو! تم سے امتوں کا ستر کا عدد پورا ہوا' ان سب میں تم افضل اور اللہ تعالیٰ کو زیادہ پیارے ہو۔ (9) بخاری شریف نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری ساری امت جنتی ہے سوائے منکر کے۔ (10) ترمذی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ میری امت کو کبھی گمراہی پر جمع نہ ہونے دے گا اور اس امت کی جماعت پر رب تعالیٰ کی رحمت ہو گی۔ (11) ابو داؤد نے حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت مرحومہ ہے اس پر آخرت میں عذاب نہیں ان کا عذاب دنیا ہی میں ہے' فتنے' زلزلے' آپس کے قتل و خون وغیرہ۔ (12) اسی ترمذی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتیوں کی کل ایک سو بیس صفیں ہوں گی جن میں اسی صفیں میری امت کی اور باقی چالیس صفیں ساری امتوں کی۔ (13) ترمذی نے حضرت ابو سعید خدری سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے بعض امتی ایک ٹولہ کی شفاعت کریں گے بعض پوری جماعتوں کی۔ (14) ترمذی نے حضرت ابو امامہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے میرے رب نے وعدہ کر لیا ہے کہ میری امت کے ستر ہزار شخص بغیر حساب و عذاب جنت میں جائیں گے جن میں سے ہر ایک کے ساتھ ستر ستر

www.alahazratnetwork.org

ہزار اس کے طفیلی ہوں گے۔ (15) امام بغوی نے حضرت عمر سے روایت کی کہ جنت ہم سے پہلے دیگر انبیائے کرام پر حرام ہے اور ہماری امت سے پہلے دیگر امتوں پر حرام ہے۔

صحابہ کرام: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے فضائل بے حد و بے عد ہیں اگر دیکھنا ہوں تو ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو' یہاں دو تین باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ (1) کوئی شخص اپنے محبوب و پیارے کو بروں کی صحبت میں رکھنا پسند نہیں کرتا لوگ اپنی اولاد کے لئے اچھی بیویاں اور اچھے ساتھی اور یار تلاش کرتے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج و اصحاب رب تعالیٰ کے انتخاب سے مقرر ہوئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **زوجنکھا** آپ کا نکاح حضرت زینب سے ہم نے کیا' یقیناً رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کے لئے جو بیویاں چنیں وہ بے مثال ہیں اور جو ساتھی و یار منتخب فرمائے وہ لاجواب' خود فرماتا ہے **والذین معہ اشداء علی الکفار** الخ میرے محبوب کے یار و ساتھی کافروں پر سخت' آپس میں نرم' رب تعالیٰ کے عابد اس کے ساجد' رضائے الٰہی کے متلاشی ہیں' اور فرماتا ہے **کلا وعد اللہ الحسنی** تمام صحابہ سے اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کر لیا' اور فرماتا ہے **امتحن اللہ قلوبھم للتقوی** اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لئے پرکھ لیا' اور فرماتا ہے **والزمھم کلمۃ التقوی** رب تعالیٰ نے ان صحابہ سے پرہیزگاری لازم اور وابستہ کر دی اور فرماتا ہے **وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان** رب تعالیٰ نے تمہارے دلوں میں کفر و فسق اور گناہ سے نفرت ڈال دی وغیرہ وغیرہ۔ (2) مسلم بخاری نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بہتر میرا گروہ ہے (یعنی صحابہ) پھر ان کے بعد والے' پھر ان کے بعد والے۔ (3) مسلم بخاری حضرت ابو سعید خدری سے راوی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے صحابہ کو برا نہ کہو کیونکہ ان کا سوا سیر جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے بقیہ کچھ فضائل ہماری کتاب (امیر معاویہ پر ایک نظر) میں دیکھو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صحابہ کرام تاقیامت مسلمانوں سے افضل ہیں جیسا کہ **خیر امۃ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بنی اسرائیل اور دیگر ساری امم سے افضل ہے جیسا کہ **خیر امۃ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ امت مرحومہ ہمیشہ سے افضل ہے اور رہے گی جیسا کہ **کنتم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اس امت کی موجودگی عالم کے بقاء کا سبب ہے کہ اگر یہ نہ رہے تو دنیا ختم کر دی جائے جیسا کہ **للناس** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ہر مسلمان کو مبلغ ہونا چاہئے کہ جسے جو مسئلہ معلوم ہو دوسرے کو بتادے اور عمل سے بھی تبلیغ کرے جیسا کہ **تامرون بالمعروف** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا رب تعالیٰ کو ماننا ہے کہ **تؤمنون باللہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مبلغ کو چاہئے کہ اللہ پر توکل رکھے' دنیا سے امید و خوف منقطع کرے' ورنہ وہ لوگوں کو صحیح تبلیغ نہیں کر سکتا جیسا کہ **تؤمنون باللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' علمائے یہود اسی لئے توریت کی صحیح تبلیغ نہ کر سکے کہ انہیں اپنے نذرانے بند ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار در حقیقت رب تعالیٰ کا بھی انکار ہے اور ساری ایمانیات کا بھی' دیکھو اہل کتاب رب تعالیٰ کی ذات و صفات' قیامت وغیرہ کے اقراری تھے مگر رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ نے فرمایا **لو امن اھل الکتب** اگر کتابی ایمان لے آتے۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے والے مبلغ کو دنیا میں بھی عزت' دولت' شہرت' اور عافیت وغیرہ ملتی ہے اور آخرت میں بھی مغفرت' رحمت اور جنت وغیرہ ملے گی جیسا کہ **خیرا لھم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' جس میں فرمایا گیا کہ اگر کتابی ایمان لے آتے تو انہیں یہ سب کچھ ملتا۔ دسواں فائدہ: مسلمانوں کا اجماع شرعی حجت ہے کہ جو مسئلہ قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو اور علمائے امت متفقہ طور پر اس کا کوئی فیصلہ کر دیں تو اس کا ماننا ایسا ہی ضروری ہو گا جیسا قرآن و حدیث کا ماننا ضروری ہے' یہ فائدہ امام رازی نے تفسیر کبیر میں **کنتم خیر امۃ** سے بھی نکالا اور **تامرون بالمعروف** کے عموم سے بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یتبع غیر سبیل المومنین** الخ یعنی جو مسلمانوں کے راستہ کے علاوہ کسی اور راستہ پر جائے گا ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان سب سے افضل ہیں' دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے **و انی فضلتکم علی العلمین** اے اسرائیلیو! میں نے تم کو تمام جہانوں پر بزرگی دی دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں دائمی افضلیت مراد ہے اور وہاں اس آیت میں بنی اسرائیل کی عارضی افضلیت کا ذکر ہے یعنی اس زمانہ میں جب یہ امت موجود نہ تھی' بنی اسرائیل افضل تھے اور اب مسلمان افضل' رات میں جب سورج موجود نہ ہو چاند افضل ہوتا ہے مگر دن میں سورج نکل آنے پر چاند کی کوئی حقیقت نہیں رہتی۔ دوسرا اعتراض: یہاں تبلیغ کا ذکر پہلے ہے اور ایمان کا بعد میں حالانکہ ایمان تبلیغ سے مقدم ہے تو چاہئے تھا کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوتا۔ **جواب:** ایمان تبلیغ کی شرط ہے اور شرط کا ذکر کبھی بعد میں بھی کیا جاتا ہے' کہا جاتا ہے کہ نماز فرض ہے وضو کے ساتھ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ تمہاری شان یہ ہے کہ لوگوں کو تبلیغ کرو اس حال میں کہ مومن ہو' اور اگر ایمان سے مراد توکل ہو تب تو بالکل ظاہر ہے یعنی تم ہی صحیح تبلیغ کر سکتے ہو کیونکہ تمہارا حال یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ پر توکل تام رکھتے ہو۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان مبلغ ہو گا کیونکہ **تامرون** اور **تنھون** خبر کے صیغے ہیں مگر آج لاکھوں مسلمان مبلغ تو کیا اپنے دین سے بھی باخبر نہیں' قرآن کی یہ خبر غلط ہو گئی **العیاذ باللہ**۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ خبر معنی امر ہے جیسے **کتب علیکم الصیام** میں' دوسرے یہ کہ یہ آیت مسلمانوں کے بھیجنے کا مقصد بیان فرما رہی ہے یعنی تمہیں اس لئے پیدا کیا گیا کہ تم تبلیغ کرو جیسے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** اور اگر اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہو تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر کتابی بدکار ہیں حالانکہ معاملہ برعکس ہے' دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں میں فسق و فجور زیادہ ہے ان میں کم۔ صفائی معاملات میں تو آج ان کی مثال نہیں ملتی اور مسلمان اس میں قریباً صفر ہیں۔ اسی لئے تجارتی منڈیوں پر وہ لوگ چھا گئے ہیں کفار خصوصاً انگریز بات کے سچے وعدوں کے پکے' ناپ تول کے پورے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں فسق سے مراد اعتقادی فسق یعنی کفر ہے کیونکہ ایمان کے مقابلہ میں بولا گیا ہے نہ کہ تقویٰ۔ فسق کے تین درجے ہیں' فسق تغابی' فسق انہماک' فسق جحود' کبھی کبھی گناہ کر لینا تغابی ہے' ہمیشہ گناہ کرنا مگر اعتقاد درست ہونا انہماک ہے' عقائد بگڑ جانا جحود ہے' یہاں یہ تیسری قسم مراد ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان لوگوں کے لئے پیدا کئے گئے'

www.alahazratnetwork.org

دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اللہ تعالیٰ اور اس کی عبادت کے لئے بنا ان میں سے کون سی آیت درست ہے؟ **جواب:** یہاں للناس میں لام نفع کا ہے یعنی مسلمان لوگوں کے نفع اور تبلیغ کے لئے پیدا کئے گئے' نفع رسانی اور تبلیغ بھی عبادت الٰہی ہے بلکہ بہترین عبادت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** تمہاری پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ سارے صحابہ ساری امت سے بہتر ہیں اور وہ سارے ہی عادل متقی' پرہیزگار ہیں حالانکہ ان کی آپس میں جنگیں بہت ہوئیں اور انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے' چنانچہ عہد نبوی میں چوری' زنا' شراب خوری کے واقعات ہوتے رہے ہیں' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد تو ان کی آپس کی ایک ایک جنگ میں ہزاروں مسلمان بلکہ سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے ہیں' یہ عجیب بہتری ہے کہ جرم بھی کریں اور سب سے بہتر بھی رہیں۔ **جواب:** اس قسم کے بہت سے سوالوں کے تفصیلی جواب ہم نے اپنی کتاب امیر معاویہ میں دیئے ہیں اور انشاء اللہ اسی تفسیر میں بھی **و کرہ الیکم الکفر والفسوق** کے ماتحت عرض کئے جائیں گے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ ہم نے ان حضرات کو معصوم نہیں مانا ہے' جن سے کوئی گناہ ہو سکے ہی نہیں بلکہ انہیں عادل و متقی مانا ہے یعنی یا تو وہ گناہ کرتے نہیں اور اگر کر بیٹھیں تو اس پر اڑتے نہیں فوراً "توبہ کر لیتے ہیں' چنانچہ وہ حضرات گناہ کر کے فوراً" بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر اقرار کرتے اور اپنے لئے سزا کی درخواست پیش کرتے تھے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی' ان کی جنگیں' عداوت' کینہ' بغض کی نہ تھیں بلکہ حقانیت پر مبنی تھیں' جس میں بعض کو غلط فہمی ہوتی تھی اور بعض حق پر ہوتے تھے اور ان جنگوں سے بھی آنے والی نسلوں کو ہزارہا سبق ملتے ہیں' یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے کوئی حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی لغزشوں کا ذکر کر کے ان کی افضلیت کا انکار کرے یا یوسف علیہ السلام کے بھائیوں اور بی بی سارہ و ہاجرہ کی لڑائیوں کا چرچا کر کے انہیں برا کہے' وہ حضرات خود بھی خیر ہیں اور ان کے کام بھی۔ جس گناہ کے بعد توبہ نصیب ہو جائے وہ اس عبادت سے افضل ہے' جس سے شیخی پیدا ہو جائے' ان حضرات کی توبہ کی قبولیت کا اعلان تو قرآن میں کر دیا گیا' رب تعالیٰ نے فرمایا **عفی اللہ عنہم** ان کی ایسی خطائیں ہماری عبادات سے افضل۔ **ساتواں اعتراض:** تمہاری دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ سارے مسلمان تمام امتوں سے افضل ہیں حالانکہ جتنے گناہ و بدکاریاں مسلمانوں میں ہیں دوسری قوموں میں نہیں' اور جتنے برے پیشے مسلمان کرتے ہیں دوسری قومیں نہیں کرتیں' یہ عجیب خیریت ہے کہ سب سے بدتر کام کریں اور رہیں خیر الامم۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن کریم کی یہ بشارت قوم مسلم کو ہے' رہے افراد' وہ اس بشارت کے جب مستحق ہوں گے' جب اپنے میں وہ تین صفتیں پیدا کریں گے جو یہاں مذکور ہوئیں یعنی بھلائی کا حکم دینا' برائی سے روکنا' رب تعالیٰ پر صحیح معنی میں ایمان رکھنا' جو ان صفات سے محروم ہوا' وہ من حیث الفرد اپنی حرکتوں کی وجہ سے خیریت سے نکل گیا' رہی قوم مسلم' وہ بفضلہ تعالیٰ خیر ہے اور رہے گی کہ اس میں اولیاء' علماء' صلحاء' تہجد گزار' شب بیدار ہمیشہ رہیں گے' دوسرے یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اور بزرگان دین سے تعلق وہ اللہ کی رحمت ہے' جس سے ہم جیسے گنہگار بھی خیر الامم ہیں' اور کفار کے ظاہری پرہیزگار بھی خیر الامم نہیں' فسٹ کلاس کا ڈبہ بھی انجن سے کٹ جائے تو اس کی کوئی قدر نہیں' تھرڈ کا پھٹا پرانا ڈبہ جس کی کڑی انجن سے ملی ہے قابل قدر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کی برکت سے سارا مکہ و مدینہ شریف مقدس بن گیا کہ رب تعالیٰ نے ان کی قسم فرمائی' حالانکہ وہاں کفار بھی تھے اور کوڑیاں و روڑیاں بھی پھولوں کی برکت سے' چمن کے کانٹے و گھاس بھی عظمت پا جاتے ہیں کہ لوگ ان کی سیر کرنے آتے ہیں' گندا گنہگار' بدکار مسلمان بھی اس نسبت کی وجہ سے خیر امم اور یہ آیت بالکل برحق

www.alahazratnetwork.org

ہے۔

زاہد ان کا میں گنہگار وہ میرے شافع   اتنی نسبت مجھے کیا کم ہے تو سمجھا کیا ہے

علماء فرماتے ہیں کہ بے عمل عالم اندھے مشعل دار کی طرح ہے، جو اپنے چراغ سے خود تو فائدہ نہیں اٹھاتا مگر دوسرے اس کے نور سے فیض لے لیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: مخلوق صفات الٰہی کی مظہر ہے' رب تعالیٰ کی صفت تو ضار بھی ہے اور نافع بھی' مضل بھی ہے اور ہادی بھی' اسی لئے اسمائے الٰہیہ میں ہے۔ ضار' نافع' ھاد' مضل ہے' چنانچہ بعض مخلوق بھی نقصان دہ ہے اور بعض فیض رساں' بعض گمراہ کن ہے اور بعض ہادی' جیسے عالم جسمانیات میں زہر مضر ہے تریاق مفید' سانپ جان لیوا ہے اور بعض چیزیں جان بخش' ایسے ہی عالم روحانیات میں بعض چیزیں' ایمان لیوا ہیں' پیغمبر اور ان کے متبعین ایمان بخش' اس آیت میں فرمایا گیا کہ اے محبوب کی امت تم میری صفت ہدایت کے مظہر ہو لہٰذا تم بہترین امت ہو' تمہارے دم سے تمام لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں گے' میں تمہارے ذریعہ لوگوں کو ایمان' قرآن اور عرفان بخشوں گا' اور تمہاری ہی روشنی سے انہیں راہ جنان دکھلاؤں گا' جو مجھ تک پہنچنا چاہے تمہارے زمرہ میں آجائے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عام مسلمان تو عمل سے اچھی باتوں کا حکم کرتے ہیں اور بری باتوں سے منع' علماء قلم سے' غازی تلوار سے' سلطان طاقت سے' مگر دل و نظر والے نگاہوں سے' دوسروں کی تبلیغ کان و دماغ تک پہنچتی ہے اور ان کی تبلیغ قلوب کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے' پھولوں کی صحبت تل کے رنگ و بو کو بدل دیتی ہے' مگر انبیاء و اولیاء کی صحبت دل کا رنگ بدل دیتی ہے' غرضکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چیز ایک ہے لیکن نوعیتیں اس کی مختلف ہیں۔

لَنْ يَضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ۚ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۣ ثُمَّ لَا
ہر گز نہ نقصان دیں گے وہ تم کو سوا تکلیف دینے کے اور اگر جنگ کریں گے وہ تم سے تو پھیر دیں گے وہ تم سے
وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے مگر یہی ستانا اور اگر تم سے لڑیں تو تمہارے سامنے سے پیٹھ پھیر جائیں گے پھر

يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾
پیٹھوں کو پھر نہ مدد کئے جائیں گے
ان کی مدد نہ ہو گی

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو اعلیٰ درجہ کی تبلیغ کا حکم دیا' اس تبلیغ کی ترغیب کے لئے دو طریقے اختیار فرمائے' ایک مسلمانوں کے فضائل کا ذکر کہ تم بہترین امت ہو' تمام جہان کے استاد ہو' جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا' دوسرے ان کی حفاظت کا وعدہ' جس کا ذکر اس آیت میں ہے یعنی اس

www.alahazratnetwork.org

تبلیغ کی بناء پر انشاء اللہ تمہارا کوئی کچھ بگاڑ نہ سکے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ پر ایمان اور اس پر توکل رکھنے کا حکم دیا گیا' اس آیت میں ایمان و توکل کے فوائد کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ تمام موذیوں سے بچنے کا بہترین قلعہ ہے کہ جو اس قلعہ میں آ گیا وہ بفضلہ تعالیٰ تمام ایذاؤں سے محفوظ رہتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے کرنے والے کاموں کا حکم دیا تھا' ایمان توکل اور تبلیغ وغیرہ' اب اس آیت میں ان کاموں پر اپنے دنیاوی انعاموں کا ذکر فرمایا ہے یعنی تم وہ کام کئے جاؤ' ہم تمہاری ہر موذی سے حفاظت کئے جائیں گے۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیت میں اہل کتاب کی تصویر کا ایک رخ دکھایا گیا تھا کہ ایمان لانے کی صورت میں ان کا بہتر ہو جانا' اب ان کی تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ یعنی ایمان نہ لانے کی صورت میں ان کا ذلیل و خوار ہو جانا اور مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑ سکنا۔

شان نزول: جب یہود مدینہ کے چوٹی کے عالم سیدنا عبداللہ ابن سلام مع اپنے ساتھیوں کے ایمان لے آئے اور صحابیت سے مشرف ہو گئے تو ابو رافع' ابو یاسر' کعب ابن اشرف' کنانہ اور ابن صوریا وغیرہ سرداران یہود نے ان بزرگوں کو طعنہ اور بھبتیں شروع کر دیں اور ان کے خلاف سازش کرنے لگے۔ جس سے ان بزرگوں کو کچھ فکر لاحق ہوئی ان بزرگوں کی تسلی کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن و روح المعانی)۔

تفسیر: **لن یضروکم الا اذی**" **لن یضروا** کا فاعل وہی اہل کتاب ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں گزرا' **یضروا** ضرر سے بنا' بمعنی تکلیف' قولی ہو یا عملی یا فعلی' خواہ تکلیف کا تعلق سامنے والے کی جان سے ہو یا مال سے' یا آبرو یا ایمان سے یا دلی جذبات سے' **کم** میں خطاب ظاہر یہ ہے کہ صحابہ کرام سے ہے' اور ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہو' اس صورت میں شرط یہ ہو گی کہ مسلمان کامل الایمان ہوں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین**' **اذی**" ہلکی تکلیف کو کہا جاتا ہے' چنانچہ اس سورۃ کے آخر میں مشرکین و اہل کتاب کے زبانی طعن و تشنیع کو اذی فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ **ومن الذین اشرکوا اذی" کثیرا**" نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا تھا جو جمعہ کے دن نمازیوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آ رہا تھا کہ وہیں بیٹھ جا' تو نے اللہ رسول کو ایذا دی' یعنی ان کی ناراضی والا کام کیا' راستہ کے اینٹ روڑے کانٹے وغیرہ کو **اذی** کہا جاتا ہے اور اس کے ہٹا دینے کو **اماطۃ الاذی عن الطریق** کہتے ہیں' بعض مفسرین نے اس استثناء کو منقطع مانا ہے' ان کے خیال میں ضرر سخت تکلیف کو کہتے ہیں اور **اذی** معمولی کو جو ضرر سے خارج ہے' اس لئے استثناء منقطع ہے مگر حق یہ ہے کہ ضرر ہر تکلیف کو کہتے ہیں' چھوٹی ہو یا بڑی' اور **اذی** معمولی تکلیف کو' لہٰذا **اذی** ضرر میں داخل ہے اور استثناء متصل ہے **وان یقاتلوکم**' **یقاتلوا**' قتال سے بنا جس کے معنی ہیں دو شخصوں یا دو جماعتوں کا آپس میں آمنے سامنے لڑنا اور مقابلہ کرنا' اس کا فاعل یا سارے اہل کتاب ہیں۔ یہودی ہوں یا عیسائی' یا صرف یہودی' دوسرا احتمال قوی ہے' جیسا کہ اگلی آیتوں سے ظاہر ہے **کم** میں خطاب صحابہ کرام سے ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ان سارے مسلمانوں سے ہو جو اخلاص سے جہاد کریں اور سچے پکے مسلمان ہوں **یولوکم الادبار**' **یولوا**' ولی سے بنا بمعنی قرب باب تفعیل میں آ کر سلب قرب یعنی دوری کے معنی پیدا ہوئے' جب اس کے ساتھ **دبر یا ادبار یا وجہ** ہو تو بمعنی پھیرنا ہوتا ہے' پیٹھ پھیرنے میں جانے و بھاگنے کے معنی ہوتے ہیں اور منہ پھیرنے میں سامنے ہونے کے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فولوا وجوھکم شطرہ** اور

www.alahazratnetwork.org

دوسری جگہ فرماتا ہے **و من یولھم یومئذ دبرہ** پہلی آیت میں قبلہ کے سامنے ہونا اور ادھر منہ کرنا مراد ہے' دوسری میں دشمن کو پیٹھ دکھانا اور میدان سے بھاگ جانا مراد ہے۔ **ادبار** دبر کی جمع ہے' معنی پیٹھ یا پچھلا حصہ **قبل** کا مقابل یعنی اے صحابہ کرام اگر کبھی تمہاری اور یہود کی جنگ ہوئی تو ہم تمہیں خبر دیئے دیتے ہیں کہ یہ تمہیں پیٹھ دکھادیں گے اور میدان چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ **ثم لا ینصرون** یہ جملہ پوری شرط و جزاء پر معطوف ہے نہ کہ فقط جزاء پر' اسی لئے اس مضارع کا نون اعرابی نہ گرا اور **ثم** زمانی ترتیب کے لئے نہیں بلکہ خبری ترتیب کے لئے ہے یعنی پھر ہم یہ بھی بتائے دیتے ہیں کہ کسی طرف سے ان کی مدد نہ ہوگی' نہ مشرکین مکہ کی طرف سے' نہ منافقین مدینہ کی جانب سے۔ منافقین یہود سے کہا کرتے تھے **و ان قوتلتم لننصرنکم** رب تعالیٰ نے پہلے ہی خبر دیدی تھی کہ فرمایا تھا **واللہ یشھد انھم لکذبون** یہاں بھی منافقین کے اسی وعدہ وعید کی تردید ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے اہل کتاب مومنین یا اے تمام صحابہ انصار و مہاجرین' یا اے تاقیامت امت سید المرسلین تم ان یہود مدینہ سے جو تمہیں ڈراتے دھمکاتے ہیں' یا سارے یہودیوں سے یا سارے اہل کتاب سے' یہودی ہوں یا عیسائی' کچھ خوف و ہراس نہ کرو' یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' بجز اس کے کہ تمہیں کچھ ستائیں یا محض زبان سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں طعن کریں' کفر بکیں کہ ادھر عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہیں اور جناب عیسیٰ و مریم کو گالیاں دیں توریت مسخ کریں' تو مسلمانوں کے دل میں اسلام کی طرف سے شبہات ڈالیں یا تمہارے خلاف سازشیں کریں ہم تمہیں خبر دیئے دیتے ہیں کہ اگر کبھی تمہارا یہود مدینہ سے یا سارے یہودیوں سے یا یہود و نصاریٰ سے مقابلہ ہوا تو وہ تمہارے مقابل میدان میں ٹھہریں گے نہیں' پھر تمہیں یہ بھی بتلائے دیتے ہیں کہ ان کی کسی طرف سے مدد نہ ہوگی' ہماری یا ہمارے فرشتوں کی طرف سے مدد کیا ہوتی' منافقین مدینہ اور مشرکین مکہ جو انہیں اکساتے ہیں یا جن کو یہ اکساتے ہیں وقت پڑنے پر وہ بھی ان کی امداد نہ کریں گے' تمہاری مدد پر اللہ تعالیٰ اور سارے فرشتے ہیں لہٰذا تم ان سے بے خوف رہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اس آیت میں رب تعالیٰ نے چند غیبی خبریں دیں' جو ہو بہو پوری ہوئیں' ایک یہ کہ یہود مدینہ مسلمانوں کو تباہ نہ کرسکیں گے ایسا ہی ہوا باوجودیکہ وہ یہودی طاقت اور بے پایاں دولت کے مالک تھے مسلمان عموماً" کمزور و غریب تھے' مگر پھر بھی وہ ان کا بال بیکا نہ کرسکے' دوسرے یہ کہ جنگ کی صورت میں وہ مسلمانوں کے مقابل نہ ٹھہر سکیں گے' ایسا ہی ہوا کہ ہر موقع پر خصوصاً" جنگ احزاب میں جبکہ سارے مدینہ کے یہودی اور مکہ ہی کے نہیں بلکہ سارے حجاز کے ہر قسم کے کافر جمع ہو کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے مگر سب خائب و خاسر ہوئے' مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہے' پھر بنی قریظہ اور بنی نضیر سے مسلمانوں نے مدینہ خالی کرالیا کہ بنی قریظہ کے سارے جوان قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر جلاوطن' مگر انہیں مقابلہ کرنے کی ہمت نہ ہوئی پھر عہد صدیقی و فاروقی میں عیسائیوں پر مسلمانوں کو جو عظیم الشان فتوحات حاصل ہوئیں وہ تاقیامت یادگار رہیں گی' جنگ قادسیہ و یرموک میں لاکھوں اہل کتاب کے مقابل چند ہزار مسلمان تھے' مگر میدان مومنین کے ہاتھوں رہے' تیسرے یہ کہ ان جنگوں میں شکست کھانے کے بعد بھی ان اہل کتاب کو کبھی شوکت نصیب نہ ہوگی' یونہی ہوا' یہ قرآن کریم کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم بلکہ

www.alahazratnetwork.org

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف مسلمانوں کے لئے ایک مضبوط حفاظتی قلعہ ہے اگر مسلمان اس قلعہ میں پناہ گزیں رہیں تو دنیا کی کوئی طاقت انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی جیسا کہ **لن یضروکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں پر کفار خصوصاً اہل کتاب کے زبانی و قلمی اعتراضات ان کے خلاف کتب چھاپنا' تدابیر کرنا ہمیشہ رہے گا جیسا کہ **الا اذی** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان میں قدرتی دلیری ہے اور کفر میں بزدلی جیسا کہ **یولوکم** سے معلوم ہوا' دیکھو فرعونی جادوگر ہمیشہ اس سے ڈرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی فرعون سے بے خوف ہو گئے۔ **پانچواں فائدہ:** مسلمانوں کو دلیری دیتے رہنا' ان کی بہادری کے خطبے کہنا اور کفار کی بزدلی بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے' اس کے برعکس حرکتیں کرنا طریقہ ابلیس۔ **چھٹا فائدہ:** بے یارو مددگار ہونا اور اپنا کوئی مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب الٰہی ہے جیسا کہ **لا ینصرون** سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ کے فضل سے مسلمانوں کے مددگار دنیا و آخرت میں بہت ہیں' جو کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ درپردہ اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین اٰمنوا** الخ اور فرماتا ہے **والملئکۃ بعد ذلک ظہیر**۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار خصوصاً اہل کتاب نقصان نہ پہنچا سکیں گے مگر بہت دفعہ مسلمانوں کو بڑی بڑی تکالیف اور مصیبتیں کفار کی طرف سے پہنچیں' دیکھ لو آج بھی عیسائی ہر جگہ چھائے ہوئے ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی زندگی کفار کے ہاتھوں دوبھر ہو چکی ہے' پھر یہ آیت صحیح کیونکر ہوئی؟ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ آیت کریمہ یہود مدینہ کے متعلق ہے اور یہ واقعات ہو چکے ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا' دوسرے یہ کہ یہ وعدہ صحابہ کرام سے تھا جو تمام کفار و اہل کتاب کے مقابلے میں یہ پورا ہو چکا' تیسرے یہ کہ یہ وعدہ سارے مسلمانوں سے ہے مگر اس شرط سے کہ وہ اسلام پر مضبوطی سے قائم رہیں' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** اور وہ آیت **وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض** واقعی آج کے مسلمان کفار کے ہاتھوں بہت تنگ ہیں مگر ہماری بدعملیاں بھی حد سے بڑھ چکی ہیں ہم پر اس وقت آسمانی عذاب کا نہ آنا صرف اس لئے ہے کہ رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا **ما کان اللہ لیعذبہم و انت فیہم**۔

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ   حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے ہم اہل بھی تو نہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

مسلمانوں خیال رکھو کہ اللہ بھی سچا اور اس کے رسول بھی سچے جھوٹے ہم ہیں اور کوتاہیاں ہم میں ہیں۔

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں   میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

دوسرا اعتراض: نحوی قاعدہ سے **لا ینصرون** میں نون اعرابی نہ آنا چاہئے کیونکہ یہ جملہ **ثم** عاطفہ کے ذریعہ **یولوا** پر معطوف ہے اور شرط کی جزاء ہے' نون اعرابی نہ شرط میں آتا ہے نہ جزاء میں' دیکھو **لو یقاتلوا** اور **یولوا** دونوں بغیر نون کے ہیں۔ **جواب:** **لا ینصرون** کا عطف **یولوا** پر ہے ہی نہیں بلکہ پورے جملہ شرطیہ پر ہے' مطلب یہ ہے' ہم یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تمہاری کبھی ان سے جنگ ہوئی تو وہ پیٹھ دکھا جائیں گے' پھر یہ بھی وعدہ کرتے ہیں کہ انہیں مدد کہیں سے نہ پہنچے گی' اگر یہ **یولوا** پر معطوف ہو تو معنی یہ ہو جاتے کہ جنگ میں ان کی مدد نہ ہوگی' حالانکہ مقصد یہ ہے کہ ان کی مدد کبھی نہ ہو

www.alahazratnetwork.org

کی جنگ ہویا نہ ہو (تفسیر کبیر)۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنگ میں ہمیشہ کفار ہی پیٹھ دکھائیں گے حالانکہ عہد صحابہ بلکہ زمانہ نبوی میں بھی بعض جنگوں میں مسلمانوں کو شکست ہوئی جس کی مثال جنگ احد و حنین ہیں 'خود رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذ تصعدون ولا تلون** الخ۔ **جواب:** اس کے جوابات سوال اول کے جواب میں گزر چکے کہ یہ وعدہ یہود مدینہ کے مقابلہ میں ہے یا وہ ہزیمتیں عارضی تھیں جو مسلمانوں کی اپنی غلطیوں سے ہوگئیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا سینہ میدان جنگ ہے جہاں روح و قلب کی لڑائی نفس امارہ سے ہو رہی ہے 'شیطان اور اس کی ذریات روح و قلب کو ڈراتے ہیں اور نفس امارہ کو اپنی مدد اور اس کی فتح کے سبز باغ دکھاتے ہیں 'دنیا کی الجھنیں اور رب تعالیٰ سے غفلت پیدا کرنے والی چیزیں نفس کا سامان جنگ ہیں اور شرعی احکام دل کے ہتھیار 'رب تعالیٰ قلب مومن سے خطاب فرما رہا ہے گھبراتا نہیں یہ نفس مع اپنے ساز و سامان کے تیرا کچھ نہ بگاڑ سکے گا بجز اس کے کہ تجھے نفس کی حرکتوں سے کچھ تکلیف پہنچے اور کچھ نہ ہو گا 'ہمارا وعدہ ہے کہ اگر تیری اس سے جنگ ہوئی تو نفس تیرے مقابلہ میں شکست کھائے گا اور اس کے یار و مددگار یعنی شیطان و شیطانی لوگ وقت پر اسے کام نہ دیں گے۔

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ

ڈال دی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں پائے گئے مگر اللہ کے ذمہ سے اور لوگوں کے ذمہ سے

ان پر جمادی گئی خواری جہاں ہوں امان نہ پائیں مگر اللہ کی ڈور اور آدمیوں کی ڈور سے

النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ

اور لوٹے وہ اللہ کے غضب کے ساتھ اور ڈال دی گئی اوپر ان کے غریبی یہ اس وجہ سے ہے

اور غضب الٰہی کے سزاوار ہوئے اور ان پر جمادی گئی محتاجی اس لئے کہ وہ

كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا

کہ وہ کفر کرتے تھے اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے تھے نبیوں کو بغیر حق کے یہ اسی وجہ سے ہے

اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے اور پیغمبروں کو ناحق شہید کرتے تھے یہ اس لئے کہ

عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے بڑھتے تھے

نافرمان بردار اور سرکش تھے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی تھی کہ یہودی تمہیں مصیبت میں نہیں ڈال سکتے 'اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ خود دائمی مصیبت میں گرفتار ہیں جس سے کبھی نکل نہیں سکتے گویا متعدی ضرر کی نفی کے بعد لازم ضرر سے نکلنے کی نفی ہے۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا اے مسلمانو تم

www.alahazratnetwork.org

پر یہودی غالب نہیں آسکتے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم ان پر غالب آؤ گے' وہ تمہارے مقابلے میں مغلوب و ذلیل ہوں گے۔
تیسرا تعلق: گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہود مدینہ تمہیں صرف' زبانی ایذاء' گالیاں' طعنے' مذاق وغیرہ سے تکلیف دے گے' اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ ذلیل چھچھورے ہیں' ایسوں کا طریقہ زبان درازی اور بکواس ہی ہوتا ہے۔

تفسیر: **ضربت علیھم الذلۃ'** ضرب کے معنی مارنا' چلنا' مثال بیان کرنا' ڈالنا' گھیرنا' لازم کرنا ہیں' کہا جاتا ہے **ضرب علیھم القبۃ** ان پر قبہ ڈال دیا گیا' یا قبہ نے انہیں گھیر لیا' لازم کئے ہوئے ٹیکس کو **ضریبہ** کہا جاتا ہے' اور لازم قرض کو **ضریبہ الازم**۔ (از تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) یہاں گھیرنا' ڈالنا' لازم کرنا وغیرہ معانی بن سکتے ہیں **علیھم** کا مرجع وہ یہود ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ پاک میں رہتے تھے' جن کا ذکر ابھی ہو چکا اور آئندہ بھی انہی کا ذکر آرہا ہے' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے' کسی توجیہ کی ضرورت نہیں' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سارے یہودی ہوں' تب ذلت و مسکنت کے وہ معنی ہوں گے جو عرض کئے جائیں گے' ذلت "ذ" سے' معنی پھسلنا' اسی لئے پھسلن والی زمین کو مزل کہا جاتا ہے' اور ذلت "ذ" سے مراد ان کا دنیا میں دوسروں کا محکوم بن کر رہنا' ان پر جزیہ قائم ہونا' جنگوں میں ان کا قتل و قید ہونا' ان کے مال کا غنیمت بننا' ان کے بچوں' بیویوں اور خود ان کا لونڈی غلام بننا ہے' رب تعالٰی نے یہ وعدہ پورا فرمایا کہ یہود مدینہ بنی قریظہ اور بنی نضیر پر یہ ساری واردتیں خود ان کی اپنی بد معاشیوں' بد عہدیوں اور خفیہ سازشوں کی بنا پر گزریں **این ما ثقفوا'** **این ما** عموم ظرف کے لئے ہے یعنی جہاں کہیں **ثقفوا'** **ثقف** سے بنا' اس کی تحقیق **حیث ثقفتموھم** کی تفسیر میں ہو چکی ہے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں پانا' مگر اکثر لڑائی میں یا مصیبت میں گھر جانے یا گھیر لینے پر بولا جاتا ہے' کہا جاتا ہے **ثقفت فلانا" فی الحرب** میں نے فلاں شخص کو جنگ میں گھیر لیا یا پکڑ لیا (از تفسیر کبیر) **الا بحبل من اللہ و حبل من الناس** حبل کے معنی ابھی کچھ پہلے **و اعتصموا بحبل اللہ** کی تفسیر میں بیان ہو چکے' یہاں اتنا جان لو کہ عربی میں عہد اور ذمہ کو حبل یعنی رسی کہا جاتا ہے' کیونکہ جیسے رسی کو پکڑ کر دریا اور کنوئیں میں ڈوبنے سے اور سیڑھی وغیرہ پر گرنے سے بچ جاتے ہیں' ایسے ہی کسی سے عہد و پیمان کر کے اس کی مار و پکڑ سے بچ جاتے ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ناس سے کون سے انسان مراد ہیں' اور اللہ کی رسی اور لوگوں کی رسی سے کیا مراد ہے' ظاہر یہ ہے کہ ناس سے مراد مسلمان مدینہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ساری اسلامی ریاستیں مراد ہوں' اور ممکن ہے کہ اسلامی اور غیر اسلامی عیسائیوں وغیرہ کی سلطنتیں بھی مراد ہوں' اللہ کی رسی سے مراد یا تو اسلام قبول کر لینا ہے اور لوگوں کی رسی سے مراد حکومت اسلامیہ کو جزیہ دینا یا دوسرے سلاطین کی پناہ میں رہنا ہے (خازن) اس صورت میں واؤ بمعنی او ہوگا' کیونکہ مسلمان ہو کر جزیہ دینا کیا معنی' یا اللہ کی رسی سے مراد جزیہ ہے' جو رب تعالٰی کا مقرر کردہ ہے' اور لوگوں کی رسی سے مراد مسلمانوں سے کچھ خاص شرائط پر صلح کرنا ہے' جس میں سلطان کو اختیار ہوتا ہے کہ جو چاہے شرائط پیش کر دے' اسی واسطے کہا جاتا ہے' ذمی دو قسم کے ہیں' ایک جزیہ دینے والے' دوسرے مسلمانوں کی امان میں رہنے والے (تفسیر کبیر) یا دونوں رسیوں سے مراد ذمہ و امان یا جزیہ ہی ہے' چونکہ مسلمانوں کا ذمہ درحقیقت رب تعالٰی کا ذمہ ہے کہ رب تعالٰی کے حکم سے ہے' اس لئے اسے **حبل من اللہ** بھی کہا گیا یعنی یہ یہود مدینہ منورہ میں رہیں یا خیبر میں یا کہیں اور' یا سارے یہودی کہیں بھی رہیں ذلیل و خوار ہی ہوں گے اور مستحق قتل و غلامی' ان کے اس سے بچنے کی دو ہی صورتیں ہیں' یا اسلام لے آئیں یا

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں یا کسی اور سلطنت کی حمایت میں رہیں، مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کھڑے نہیں ہو سکتے **و باء و بغضب من اللہ** باء و بوء سے بنا بمعنی مکان و جگہ' اسی سے ہے **تبوء** رب تعالیٰ فرماتا ہے **تبوء والدار والایمان** اور اسی سے **مبوء** ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **مبوء صدق و رزقنھم من الطیبت** اب کسی جگہ کی طرف لوٹنے' وہاں رہنے' اس کے لائق ہونے کو بوء کہا جاتا ہے' یعنی یہ یہودی اللہ کا غضب لے کر لوٹے یا اس کے غضب میں رہے یا اس کے مستحق ہوئے **و ضربت علیھم المسکنۃ** سبحان اللہ کیا پیارا طرز بیان ہے' یہ نہیں فرمایا گیا **ھم مساکین** کہ وہ ہمیشہ غریب ہوں گے بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی گئی۔ مسکنت سے مراد خواری یا ذلت کی فقیری یا اس فقیری کے آثار یا فقیروں بھیک منگوں کے سے عادات و اطوار ہیں' یعنی ان یہود کے چہروں پر فقیروں کی سی خواری ان کے دلوں میں بھیک منگوں کے سے طور طریقے ایسے لازم کر دیئے گئے جیسے سکہ پر نقش **ذلک بانھم کانوا یکفرون بایت اللہ** ذلک سے اشارہ ان تین سزاؤں کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہیں یعنی ذلت' مسکنت' غضب الٰہی کے وبال' اگرچہ یہ تینوں چیزیں قریب ہی میں ذکر ہوئیں' مگر چونکہ یہ عیوب انسانیت سے بہت دور ہیں اس لئے ان کے لئے اشارہ بعید **ذلک** ارشاد ہوا۔ **ایت اللہ** سے مراد یا تو گذشتہ آسمانی کتابوں کی آیتیں ہیں یا گذشتہ انبیائے کرام کے معجزات یا قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور فرمان عالیہ' **کانوا یکفرون** فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ لوگ اسی کفر و انکار کے عادی ہو چکے ہیں ان کی کتنی ہی تسلی کر دی جائے وہ نہیں مان سکتے یعنی ان یہود پر یہ تینوں عذاب اسی لئے مسلط ہوئے کہ یہ ہمیشہ سے آیات الٰہیہ کا ہٹ دھرمی سے انکار کرتے رہے ہیں' کفر کے معنی انکار کرنا بھی ہو سکتے ہیں اور چھپانا بھی' مگر انکار کے معنی زیادہ قوی ہیں جیسا کہ آئندہ 'ب' سے ظاہر ہے **و یقتلون الانبیاء بغیر حق** یہ ان یہود کا دوسرا جرم بیان ہوا۔ **یقتلون** بھی **کانوا** کے تحت ہے یعنی گذشتہ زمانہ میں نبیوں کو قتل کرتے رہے ہیں' چنانچہ ایک بار ان بدنصیبوں نے ایک دن میں چار سو ستر پیغمبروں کو قتل کیا' صبح کے وقت ستر کو اور شام کو چار سو کو' پھر قتل محض ظلماً کیا' خود یہ بھی اس قتل کی وجہ بیان نہیں کر سکتے' جس پیغمبر نے ان کی نفسانی خواہش کے مطابق فتویٰ نہ دیا اسے شہید کر دیا **بغیر حق** سے مراد ان کے اپنے گمان کی وجہ ہے کہ واقعی وجہ' قتل نبی کے لئے واقعی وجہ تو ہو سکتی ہی نہیں کہ قتل یا تو ارتداد سے ہوتا ہے یا کسی کو قتل کر دینے کی وجہ سے' یا زنا سے یا فساد و بغاوت سے' انبیائے کرام صلوات اللہ علیہم و سلامہ کو ان حرکات سے دور کا بھی تعلق نہیں **ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون** اس **ذلک** کا اشارہ اسی کفر و قتل انبیاء کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہوا' **عصوا**' **عصیان** کا فعل ماضی ہے بمعنی گناہ اور **یعتدون**' **عدو** کا مضارع بمعنی حد سے بڑھ جانا' گناہ سے مراد بد عملی ہے اور حد سے بڑھنے سے مراد بد عقیدگی' یا گناہ سے مراد صغیرہ گناہ ہیں اور حد سے بڑھنے سے مراد کبیرہ گناہ' یا گناہ سے مراد حضرت انبیائے کرام کی بات نہ ماننا ہے اور حد سے بڑھنے سے ان کا مذاق اڑانا' بے ادبی کرنا' یا گناہ سے مراد شرعی احکام پر عمل نہ کرنا ہے اور تجاوز حد سے مراد ان احکام کو درست نہ سمجھنا ہے' یعنی ان بدنصیبوں کو اس کفر و قتل انبیاء کی جرات اس لئے ہوئی کہ انہوں نے پہلے تو گناہ کئے' پھر ان کے عقیدے بگڑے' انبیاء کرام کی بے ادبی کا جذبہ ان کے دلوں میں پیدا ہوا' پھر اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفر کر بیٹھے' آخر کار انبیائے کرام جیسی ہستیوں کے قتل کے مرتکب ہو گئے' اس لئے ان مردودوں پر ہمارے یہ عذاب نازل ہوئے کہ دنیا میں خوار و ذلیل کر دیئے گئے' غضب الٰہی میں گرفتار ہو گئے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے صحابہ کرام خصوصاً" مومنین اہل کتاب 'مدینہ کے یہ یہودی تمہارا تو کیا بگاڑیں گے' تمہارے مقابل تو کیا ٹھہریں گے 'ان کا اپنا حال یہ ہے کہ یہ کہیں بھی رہیں 'مدینہ منورہ میں یا خیبر میں یا کسی اور جگہ 'جہاں بھی ہوں گے ذلیل و خوار ہوں گے کہ کہیں بھی ہوں بغیر اللہ کے ذمہ یعنی ادائے جزیہ اور بغیر مسلمانوں کی امان 'ان کے ساتھ صلح و صفائی 'ان کی رعایا بنے بغیر کہیں ٹھہر نہ سکیں گے 'ان پر ذلت و خواری ایسی لازم کر دی گئی ہے جیسے سکے پر نقوش 'یہ تو اللہ تعالیٰ کے غضب میں گرفتار ہو چکے ہیں 'ان پر غریبی 'بے چارگی 'درماندگی 'دوسروں کے مال کی محتاجی جماری گئی 'کہ اگرچہ لاکھوں کے ملک ہوں مگر حرکتیں' فقیروں کی سی کریں گے 'ذلیل خصلتیں بھکاریوں کی رکھیں گے 'ان جیسی کنجوس قوم کوئی ہی ہو گی 'ان پر ان عذابوں کا نزول اسی وجہ سے ہوا کہ یہ لوگ گزشتہ کتابوں 'انبیائے کرام کی ذات و صفات اور ان کے معجزات کا ہمیشہ ہی انکار کرتے رہے 'حد یہ ہے بلاوجہ محض اپنی خواہش نفسانی سے حضرات انبیاء کو قتل کرتے رہے 'زکریا علیہ السلام 'یحییٰ علیہ السلام انہیں کے ہاتھوں صرف اس لئے شہید ہوئے کہ ان حضرات نے ان کی رائے کے مطابق باپ کے لئے بیٹی حلال ہونے کا فتویٰ نہیں دیا 'اور سینکڑوں حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کو انہوں نے ہی شہید کیا 'اور اس کفر و قتل کی جرات انہیں اسی لئے پڑی کہ یہ پہلے سے گناہوں' نافرمانیوں اور حد سے بڑھ جانے کے عادی تھے۔

دوسری تفسیر: اے سارے مسلمانو! دنیا بھر کے یہودی تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے 'سارے یہود پر ذلت و خواری 'فقیری دل کی یا مال کی مع غضب الٰہی مسلط کر دی گئی کہ دنیا میں یا تو اللہ کے ذمہ و پناہ میں تم لوگوں کو جزیہ دے کر 'اسلام قبول کر کے رہیں یا کسی قوم کی امان میں زندگی گزاریں 'خود مستقل طور پر اپنے پاؤں پر کبھی کھڑے نہ ہوں گے 'ان کے یہ تین انجام ان کی تین حرکتوں کی وجہ سے ہوئے 'آیات اللہ کا انکار 'انبیائے کرام کا قتل 'معاصی اور حد سے بڑھ جانے کی عادت 'ان کے یہ تین جرم ان تین سزاؤں کا باعث ہوئے 'رب تعالیٰ کی یہ خبر بالکل برحق ثابت ہوئی 'آج تک یہود کہیں اپنی مستقل سلطنت قائم نہ کر سکے۔ آج بھی فلسطین میں ان کی عارضی سلطنت کا قیام محض امریکہ وغیرہ کی امان و ذمہ پر ہے 'اگر آج امریکہ ان سے اپنا سایہ ہٹالے تو آج ہی ان کا خاتمہ ہو جائے اور انشاء اللہ تعالیٰ یہ عارضی سلطنت ان کی کسی بڑی ذلت کا پیش خیمہ ہو گی 'ان کی حرکتیں ذلیل 'حالتیں خوار ہیں اور رہیں گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے حسب ذیل فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں ذلت و خواری کا عذاب ہے اور عزت و آبرو اللہ کی رحمت 'دیکھو یہاں یہود کی ذلت کو عذاب قرار دیا گیا 'دوسرے مقام پر ارشاد باری ہے۔ **و للہ العزۃ و لرسولہ و للمومنین۔** **دوسرا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کی بے حرمتی 'بے ادبی 'ذلت و خواری کا سبب ہے 'رب تعالیٰ نے یہود کی ذلت کی وجہ ان کی عداوت انبیاء قرار دیا 'مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد　　　　میلش اندر طعنۂ پاکاں دہد

ولید ابن مغیرہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بے ادبی کی تو رب تعالیٰ نے سورۂ ن شریف میں اس کے دس عیوب گنائے 'آخر اسے زنیم یعنی حرام کا بچہ فرمایا جس سے اب تک اس پر لعنت پڑ رہی ہے۔ اس سے گستاخوں کو عبرت لینی چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی باپ دادوں کے جرم میں اولاد بھی گرفتار ہو جاتی ہے جبکہ ان سے راضی اور ان کی حمایت والی ہو'

www.alahazratnetwork.org

دیکھو یہود مدینہ کے باپ دادوں نے قتل انبیاء کیا تھا مگر یہ لوگ بھی ذلیل و خوار ہوئے کیونکہ وہ ان کے حمایتی تھے۔ **چوتھا فائدہ:** کفر سے راضی ہونا کافری کفر میں حمایت کرنا کفر ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے یہود مدینہ کو قاتلین انبیاء قرار دیا کہ وہ اس قتل سے راضی اور قاتلوں کے حامی تھی' فقہاء: د کافرین اور مرتدین کے بارے میں فرماتے ہیں کہ جو ان کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر ہے' اس کا ماخذ یہ آیت ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بری خصلتیں' دنیا کی ہوس' طمع بھی خدا کا عذاب ہے' جس سے انسان بے چین رہتا ہے اگرچہ مالدار ہو جیسا کہ مسکنت کی تفسیر سے معلوم ہوا اگر اس کا نقشہ دیکھنا ہو تو ہندوستان کے ان لکھ پتی بنیوں کی زندگی دیکھو جنہیں اچھا کپڑا' اچھا کھانا نصیب نہیں ہوتا' یہ ہے **معیشتہ ضنکا** یعنی تنگ زندگی۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ صغیرہ کی عادت گناہ کبیرہ کا ذریعہ ہے اور گناہ کبیرہ کی عادت خرابی عقائد کا ذریعہ' جیسا کہ **بما عصوا و کانوا یعتدون** سے معلوم ہوا' فقہا فرماتے ہیں کہ گناہ صغیرہ کی عادت ڈالنا گناہ کبیرہ ہے اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **و لم یصروا علی ما فعلوا**۔ **ساتواں فائدہ:** کفار و بے دین کے لئے اولاد نبی ہونا مفید نہیں' مومنوں کے لئے بہت مفید ہے' دیکھو مومنین بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا گیا **و انی فضلتکم علی العلمین** اور وہی بنی اسرائیل جب کافر و انبیاء کے دشمن ہو گئے تو ان کے لئے فرمایا گیا' ان پر ذلت' خواری' غضب نازل ہو گیا' باوجودیکہ یہ وہ خاندان ہے' جس میں ہزاروں انبیائے کرام تشریف لائے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اولاد نبی ہونے کا دعویٰ کریں' نماز روزہ کے قریب نہ آئیں' بے دینی اختیار کر لیں' پھر چاہیں کہ لوگ ہمارے ہاتھ پاؤں چومیں' اس سے متعلق ہماری کتاب **الکلام المقبول** کا مطالعہ فرمایئے۔ **آٹھواں فائدہ:** کفر دو قسم کا ہے' عداوت انبیاء کا اور ناجائز محبت کا مگر کفر عداوت کفر محبت سے بدتر ہے' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے یہود کے کفر کے ساتھ قتل انبیاء کا ذکر فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ یہ لعنت' غضب و ذلت و خواری اس لئے ہے کہ وہ عداوت کے کافر ہیں' عیسائیوں کے بارے میں یہ سخت کلمات نہیں آتے' کہ وہ اندھی محبت سے کافر ہوئے اللہ تعالیٰ محبوبوں کی عداوت سے محفوظ رکھے۔ **نواں فائدہ:** سلطنت اللہ کی رحمت ہے' دوسروں کی غلامی اللہ کا عذاب ہے جیسا کہ **و حبل من الناس** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہودی ذلیل بھی رہیں گے اور مسکین و غریب بھی' حالانکہ یہودی بڑی مالدار قوم ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس میں ان یہود مدینہ کا ذکر ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے' ان کی ذلت خواری' جلاوطنی' جزیہ قائم ہونا' قتل و قید اب تک تواریخ میں موجود ہے' دوسرے یہ کہ سارے ہی یہود مراد ہیں مگر ذلت سے مراد ذلیل حرکتیں ہیں اور مسکنت سے مراد مال سے خالی ہونا نہیں بلکہ غنی سے خالی ہونا ہے' مالداری اور ہے غنی کچھ اور' غضب الٰہی سے مراد ان کا کفر میں سخت ہونا اور گناہوں میں گرفتار رہنا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** فلسطین میں یہود کی سلطنت قائم ہو گئی' حالانکہ قرآن کریم نے خبر دی ہے کہ قیامت تک ان پر رسوائی لازم کر دی گئی اور اب تک ہم سنا کرتے تھے کہ ان کی بادشاہت کبھی قائم نہ ہو گی۔ **جواب:** اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ فرمایا گیا **و حبل من الناس** ان کی سلطنت مستقل اپنی نہیں بلکہ بپائے مربی' امریکہ' اگر آج اس کا سایہ ہٹ جائے تو انہیں کہیں رہنے کا ٹھکانہ بھی نہ ملے' اب تک یہ جگہ جگہ سے نکالے گئے' انہیں کوئی ملک بھی قبول نہ کرتا تھا' جب ہٹلر نے انہیں جرمنی سے نکالا تو ان کے جہاز سمندر میں مارے مارے پھرتے تھے' کوئی سلطنت اپنے ہاں اترنے کی انہیں اجازت نہ دیتی تھی' یہود کی سلطنت کے قیام

www.alahazratnetwork.org

اور ان سے مسلمانوں کی جنگ کی خبر حدیث شریف میں دی گئی' غالباً یہ سلطنت کا قیام اس جنگ کی تمہید ہے' یہودی ایسے مارے جائیں گے کہ انہیں کوئی پتھر بھی پناہ نہ دے گا وہ بھی پکارے گا کہ اے مسلمان میرے پیچھے یہودی پوشیدہ ہے اسے مار لے (حدیث شریف)۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ یہود پر مسکینت ڈالی گئی' مسکینت تو اچھی چیز ہے' جس کی دعا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی ہے کہ خدایا مجھے مسکین جلا' مسکین اٹھا' مسکینوں میں حشر فرما۔ **جواب:** مسکینت کے تین معنی ہیں۔ (۱) مال سے خالی ہونا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما الصدقت للفقراء والمسکین**۔ (2) دل کا غرور و تکبر سے خالی ہونا' اس میں تواضع و انکساری ہونا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **اللھم احینی مسکینا**"۔ (3) کسی شخص یا قوم کا عزت سے خالی ہونا' خوار و رسوا ہونا' یہاں تیسرے معنی کی مسکینی مراد ہے' اور حدیث شریف میں دوسرے معنی کی' غرضیکہ یہاں مسکینی عزت کے مقابل ہے نہ کہ تکبر کے اور نہ بمعنی فقیری' اسی لئے اتنی دراز عبارت فرمائی گئی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں **ذلک بانھم** الخ سے معلوم ہوا کہ یہود کی ذلت کی علت ان کا کفر و قتل ہے اور **ذلک بما** الخ سے معلوم ہوا کہ اس کی علت ان کے گناہ اور حد سے بڑھنا ہے' اور یہ دوسرا جملہ پہلے کی تاکید ہو سکتا ہی نہیں کہ تاکید و مؤکد ایک ہونے چاہئیں یہاں جدا ہیں۔ **جواب:** **ذلک بانھم** ذلت کی علت ہے اور **ذلک بما** الخ علت کی علت' یعنی یہود کی ذلت کا باعث ان کا کفر و قتل انبیاء ہے اور اس کفر و قتل انبیاء کا باعث ان کے گناہ اور حد سے آگے بڑھنا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انبیاء کرام اور ان کے متبعین کی امداد فرمائے گا۔ فرماتا ہے **حقا علینا نصر المؤمنین** پھر یہ حضرات انبیاء یہود کے ہاتھوں قتل کیسے ہو گئے' رب تعالیٰ نے ان کی امداد کیوں نہ فرمائی۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تو پہلے پارے میں گزر گیا' یہاں اتنا سمجھ لو کہ قتل و شہادت مدد کے خلاف نہیں' کبھی قتل کے بعد مشن کامیاب ہوتا ہے' وہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام جن مسائل کی تبلیغ میں شہید ہوئے' وہ مسائل آخر کار رائج ہو گئے اور یہود اپنی کوشش میں ناکام رہے نیز ان انبیائے کرام کو درجہ شہادت ملا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے!   اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

چھٹا اعتراض: یہ عجیب بات ہے کہ قتل انبیاء تو کریں یہود مدینہ کے باپ دادے' اور اس کی پاداش بھگتیں یہ لوگ' رب تعالیٰ تو فرماتا ہے **ولا تزر وازرة وزر اخرى** ان یہودیوں نے کسی نبی کو قتل نہیں کیا۔ **جواب:** چونکہ یہ لوگ اپنے ان مردود باپ دادوں کے مداح اور حامی تھے' اور ان کے دلوں میں بھی عداوت انبیاء کی ایسی ہی آگ بھڑک رہی تھی' جیسی ان کے باپ دادوں کے دلوں میں تھی' اگر یہ بھی ان کا زمانہ پاتے تو ضرور قتل کرتے' چنانچہ انہوں نے بھی کئی دفعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کی کوشش کی حتی کہ آپ کو ایک مرتبہ زہر بھی دیدیا' اس لئے یہ بھی سزا کے مستحق ہوئے' چور کا حامی بھی مجرم ہے۔ **ساتواں اعتراض:** **ضربت علیھم** کی ضمیر اہل کتاب کی طرف لوٹتی ہے' اور اہل کتاب میں یہودی' عیسائی دونوں داخل ہیں تو چاہئے کہ مذکورہ عذاب عیسائیوں پر بھی ہوں' حالانکہ عیسائی تو بڑے مزے میں ہیں' مستقل سلطنتوں کے مالک ہیں۔ **جواب:** مدینہ منورہ میں زیادہ یہودی ہی رہتے تھے' انہی کا زور تھا' اور اس زمانہ میں اسلام کے مقابل زیادہ یہی نکلے' اس لئے قرآن کریم میں ایسی وعیدوں کے موقعہ پر اکثر یہی مراد ہوتے ہیں' عیسائی ایسے موذی نہیں جیسے یہودی ہیں' رب تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرماتا ہے **وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفروا الی یوم القیمۃ**۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اسلام ایک مضبوط قلعہ ہے جس کی بہت سی حفاظتی دیواریں' مستحبات' سنتیں' واجبات' فرائض' عقائد بزرگوں کا ادب و احترام یہ اس قلعہ کی ترتیب وار دیواریں ہیں' چور پہلے اگلی دیوار کو عبور کرتا ہے' پھر دوسری دیواروں کو چاہئے کہ اسے پہلی دیوار سے ہی دور رکھا جائے' شیطان چور ہے' پہلے مستحبات چھڑاتا ہے پھر سنتیں' پھر واجبات' پھر فرائض' ان سے نبٹ کر عقائد پر ہاتھ ڈالتا ہے' پھر بے ادب بناتا ہے' بے ادبی آئی اور دین گیا' دین گیا اور لعنت آئی' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے یہود کے متعلق لعنت کے اسباب کیسی نفیس ترتیب سے بیان فرمائے کہ ان میں پہلے گناہ صغیرہ اور کبیرہ' پھر حد سے بڑھنا پیدا ہوئے' اس کے بعد کفر' پھر قتل انبیاء' جب یہاں تک پہنچے تو لعنت غضب وغیرہ کے مستحق ہوئے' عقلمند وہ شخص ہے جو مستحبات پر ہی شیطان کو روک دے اور صغیرہ گناہ کو ہلکا نہ جانے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت سے قرب رحمت کا باعث ہے' اور نبوت سے دوری لعنت کا سبب۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہاں صحابہ کرام کی دعوت تھی' مہمان بیٹھ گئے' کپڑے کا دسترخوان بچھایا گیا جو میلا تھا' آپ نے خادمہ کو حکم دیا کہ دسترخوان صاف کراؤ' خادمہ نے اسے بھڑکتے تنور میں ڈال دیا' لوگ حیران ہوئے اور منتظر تھے کہ کپڑا جلے اور شعلہ اٹھے' مگر حاضرین کی حیرت کی انتہا نہ رہی' جب ان کی آنکھوں نے یہ دیکھا کہ دسترخوان سلامت نکال لیا' میل جل گیا تھا' مگر اس کے تار جلنا تو کیا گرم بھی نہ ہوئے تھے' حیرت سے سوال کرنے لگے

قوم گفتند اے صحابی رسول   چوں نسوزید و منقی گشت نیز

اے صحابی رسول یہ کپڑا آگ میں جلا کیوں نہیں؟ اور بجائے جلنے کے صاف کیسے ہو گیا؟ آپ نے جواب دیا۔

گفت روزے مصطفیٰ دست و دہاں   بس بمالید اندر ایں دستار خواں!

کہ ایک روز میرے ہاں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت تھی' یہی دسترخوان بچھایا گیا تھا' سرکار نے اس سے اپنا ہاتھ اور منہ شریف پونچھ لیا تھا' اس نور سے قرب کے باعث اس میں نار اثر نہیں کرتی' مولانا فرماتے ہیں۔

اے دل ترسندہ از نار و عذاب!   باچنیں دست و دہن کن اقتراب

اے دل اگر تجھے بھی دوزخ کی آگ کا خوف ہے تو ان ہاتھوں اور لبوں سے وابستہ ہو جا' ایمان ایک بیش قیمت موتی ہے' اس کی حفاظت کے لئے ایک مضبوط قلعہ چاہئے اور سرکاری پہرہ' شریعت محمدیہ مضبوط حفاظتی قلعہ ہے اور حضرات اولیائے عظام و علمائے کرام اس کا حفاظتی دستہ۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ
نہیں ہیں یہ لوگ کتاب والوں میں سے ایک جماعت درست ہے جو تلاوت کرتے ہیں اللہ کی آیتیں رات
سب ایک سے نہیں کتابیوں میں کچھ وہ ہیں کہ حق پر قائم ہیں اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں رات کی

www.alahazratnetwork.org

الَّيۡلِ وَهُمۡ يَسۡجُدُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَ يَاۡمُرُوۡنَ

کے اوقات میں اور وہ سجدے کرتے ہیں ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخری دن پر اور حکم دیتے ہیں

گھڑیوں میں اور سجدہ کرتے ہیں اللہ اور پچھلے دن پر ایمان لاتے ہیں اور بھلائی کا حکم

بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ وَيُسَارِعُوۡنَ فِى الۡخَيۡرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ

اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں بری بات سے اور جلدی کرتے ہیں بھلائیوں میں اور یہی لوگ

اور برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک کاموں پر دوڑتے ہیں اور یہ لوگ

الصّٰلِحِيۡنَ ﴿۱۱۴﴾

نیکوں میں سے ہیں

لائق ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد یہود مدینہ کے دو گروہ ہو گئے' اکثر تو اپنی ضد پر قائم رہے اور ایمان نہ لائے مگر ان میں سے بعض ایمان لا کر صحابی بن گئے' پچھلی آیت میں ان ضدیوں پر غضب الٰہی کا ذکر تھا اس آیت میں ان میں سے مومنین پر اللہ کی رحمتوں کا ذکر ہے' چونکہ ان میں ضدی زیادہ تھے مومن تھوڑے' اس لئے ضدیوں کا ذکر پہلے ہوا مومنین کا بعد میں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کافر کتابیوں کے برے اعمال کا ذکر تھا' کفر' قتل انبیاء' نافرمانی' حد سے بڑھنا وغیرہ' اس آیت میں مومن کتابیوں کے نیک اعمال کا تذکرہ ہے' تلاوت قرآن' تہجد کی نماز' دین کی تبلیغ وغیرہ تاکہ قرآن پڑھنے والے کافروں کے عیوب سے بچیں اور ان مومنوں کے صفات حاصل کریں' قرآن شریف طب روحانی کی کتاب ہے' جس میں ایمانی دواؤں کا ذکر بھی ہوتا ہے اور ایمانی پرہیزوں کا بھی' چونکہ پرہیز دوا پر مقدم ہے اور اس کا فائدہ دوا سے بھی زیادہ ہے اس لئے پرہیز کا ذکر پہلے ہوا اور دوا کا بعد میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے شبہ پڑتا تھا کہ مومن اہل کتاب بھی مذکورہ عتاب میں داخل ہوں گے' کیونکہ یہ بھی انہی قاتلین انبیاء کی اولاد میں ہیں جن کے باپ دادوں نے مذکورہ بالا عیوب کئے' اس وہم کو دفع کرنے کے لئے ان بزرگوں کو اس جماعت سے نکالا گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس میں تفصیل۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار اہل کتاب اپنے گزشتہ گناہوں اور حد سے بڑھنے کی وجہ سے ان عذابوں کے مستحق ہوئے' اس سے شبہ ہوتا تھا کہ مومنین اہل کتاب بھی انہی مذکورہ سزاؤں کے مستحق ہوں گے کیونکہ اسلام سے پہلے یہ بھی مذکورہ گناہ کرتے رہے ہیں اب اس آیت میں یہ شبہ دور کرنے کے لئے بتایا جا رہا ہے کہ ان کا اسلام اور بعد کے نیک اعمال' ان تمام چیزوں کا کفارہ بن چکے' جس لوہے کو پارس سونا بنا دے وہ لوہے کا ہم جنس نہیں رہتا' ان کا سر محبوب کے قدم پر پہنچ چکا' یہ تو فرشتوں سے افضل ہو گئے' ان کفار کو ان بزرگوں سے نسبت ہی کیا' محبوب اور مردود میں مناسبت کیسی۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: (1) جب سیدنا عبداللہ ابن اسلام' ثعلبہ ابن اسلام' اسید ابن شعبہ' اسید ابن عبید اور دوسرے علمائے یہود اسلام لائے تو یہود کے پوپ پادریوں نے کہا کہ یہ لوگ ہم میں سے بدترین جماعت ہیں اگر بدتر نہ ہوتے تو اپنے باپ دادوں کا دین کیوں چھوڑتے اور نیا دین اسلام کیوں قبول کر لیتے' ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا کہ بہترین خلق یہ لوگ ہیں بدترین خلق تم' ابن اسحاق' طبرانی' بیہقی وغیرہ محدثین نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے اس کا شان نزول یہی بیان کیا۔ خیال رہے کہ یہ حضرات خصوصاً" سیدنا عبداللہ ابن اسلام بنی اسرائیل میں بڑی شان والے تھے' ان کے خاندانی عالم تھے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی اولاد میں سے تھے' اس لئے یہودی ان کا بہت ہی احترام کرتے تھے مگر اسلام لاتے ہی ان کے دشمن ہو گئے اور ان کے متعلق ایسی بکواس کرنے لگے۔ (2) ظہور اسلام سے قبل بھی نجران کے چالیس آدمی اور حبشہ کے بتیس' روم کے تین آدمی ایسے تھے جو صحیح عیسائیت پر قائم تھے اور کچھ مدینہ کے یہودی بھی اصل یہودیت پر قائم تھے' جو زمانہ اسلام پاتے ہی مسلمان ہو گئے' ان کے حق میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' یہ دونوں شان نزول تفسیر کبیر' خازن' خزائن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ نے نقل فرمائے' اور تفسیر کبیر نے فرمایا کہ عطاء نے دوسرے شان نزول کو ترجیح دی ہے۔

تفسیر: **لیسوا سواء" من اھل الکتب'** **لیسوا** کی ضمیر گزشتہ اہل کتاب کی طرف لوٹ رہی ہے چونکہ اہل کتاب صورۃ" واحد ہے معنی" جمع' اس لئے ادھر ضمیر جمع کا ہونا صحیح ہے **سواء"** مصدر ہے بمعنی **مستوی** چونکہ مصدر واحد جمع دونوں پر بولا جاتا ہے' اس لئے **لیسوا** جمع کی خبر' یہ واحد ہی بن گیا' اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں' ایک یہ کہ **سواء"** پر وقف ہو' اور **من اھل الکتب** سے الگ جملہ شروع ہو یعنی اہل کتاب سارے برابر نہیں' یا یہ مومن اہل کتاب کفار کے برابر نہیں' یا مومنین اہل کتاب کے برابر نہیں' یا تو یہ مومنین اہل کتاب پہلے ہی سے دوسرے اہل کتاب کے برابر نہیں تھے یا اب اسلام لانے کے بعد برابر نہ رہے' دوسرے یہ کہ **سواء"** پر وقف نہ ہو بلکہ **من اھل الکتب** اس کے متعلق ہو یعنی یہ مذکورہ بالا لوگ اہل کتاب کے برابر نہیں بلکہ ان سے افضل ہیں خیال رہے کہ **سواء"** مثلیت کے معنی میں ہے لہٰذا مطلب یہ ہے کہ مومنین عقائد میں' اعمال میں' اخلاق میں غرضکہ کسی چیز میں کسی طرح کافر اہل کتاب کے مثل نہیں' یہ مطلب نہیں کہ مجرم دونوں ہیں مگر برابر کے نہیں' وہ زیادہ ہیں یہ تھوڑے' جیسا کہ بعض بے وقوفوں نے وہم کیا **امۃ قائمۃ** امت کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' **قائمۃ** قیام سے بنا' قیام کے بہت معنے ہیں۔ (1) غیر اختیاری کھڑا ہونا جیسے **قائم و حصید۔** (2) اختیار سے کھڑا ہونا جیسے **ساجدا" و قائما"۔** (3) حفاظت کرنا و خیال رکھنا جیسے **اقیموا الصلوۃ۔** (4) کسی چیز کا ارادہ کر لینا جیسے **اذا قمتم الی الصلوۃ۔** (5) ٹھیک و درست ہونا جیسے **امۃ قائمۃ۔** (6) یا کسی چیز پر قائم اور پابند رہنا' یہاں یا تو بااختیار نماز میں کھڑا ہونا مراد ہے' یا درست و سیدھا ہونا' یا حق عبودیت کی حفاظت کرنا یا اللہ کی اطاعت پر استقامت یعنی ان اہل کتاب میں ایک ایسی جماعت بھی ہے یا یہ مومنین وہ جماعت ہیں جو نماز میں کھڑے رہتے ہیں یا راہ حق پر قائم ہیں یا اللہ کے حقوق کے محافظ ہیں یا طاعت پر مستقیم ہیں **یتلون ایت اللہ اناء الیل' یتلون** امۃ کی دوسری صفت ہے تلاوت سے بنا جس کا مادہ **تلو** ہے بمعنی اتباع یا پیچھے ہونا چونکہ قرآن پڑھنے والا الفاظ قرآن کی اتباع کرتا ہے' اس لئے اسے تلاوت کہا جاتا ہے۔ **ایت اللہ** قرآن شریف کی آیتوں کو بھی کہتے ہیں اور ساری مخلوق کو بھی' کیونکہ یہ سب قدرت خداوندی کی نشانیاں ہیں' یہاں

www.alahazratnetwork.org

قرآنی آیتیں مراد ہیں کہ تلاوت انہی کی ہوتی ہے' اس تلاوت سے یا تو نماز کی تلاوت مراد ہے یا علاوہ نماز تلاوت قرآن پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں جیسا کہ **و ھم یسجدون** سے معلوم ہو رہا ہے (تفسیر کبیر) **اناء** انی کی جمع ہے یا انا کی یا انی کی' اس کے بہت معنی ہیں' وقت و ساعت' کسی چیز کا اپنی انتہاء کو پہنچ جانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الم یان للذین امنوا** اہل عرب کہتے ہیں **انی الحر** گرمی انتہاء کو پہنچ گئی سخت گرم اور کھولتے پانی کو ان کہتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و بین حمیم ان** اور فرماتا ہے **عین انیہ** کھانا پک جانے کو انا کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **غیر نظرین انہ** اور **اناء** برتن کو کہتے ہیں جس کی جمع **انیۃ** ہے کہ کھانا اس میں محدود رہتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و یطاف علیھم بانیۃ من فضۃ** یعنی رات کی گھڑیوں میں وہ قرآن کی تلاوت کرتے ہیں' یا جب رات انتہا کو پہنچ جائے اور صبح ہونے والی ہو تو نماز تہجد پڑھتے ہیں۔ **و ھم یسجدون** اگر واؤ حالیہ ہے' اور یہ جملہ **یتلون** کے فاعل کا حال ہے تو سجدہ سے مراد نماز ہوگی' کیونکہ سجدہ اور رکوع میں تلاوت منع ہے اور نماز سے مراد تہجد وغیرہ نفلی نمازیں ہوں گی نہ کہ نماز پنجگانہ فرض کیونکہ یہ نمازیں وہ حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے جماعت سے پڑھتے تھے' اور مقتدی نماز میں تلاوت کرتا نہیں' اور اگر واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ علیحدہ' تو سجدہ اپنے معنی میں ہے یعنی وہ حضرات نماز میں اور نماز سے علاوہ تلاوت قرآن بھی کرتے ہیں اور سجدے بھی (تفسیر کبیر) ان بزرگوں کے اعمال صالحہ اور بدنی عبادتیں بیان فرمانے کے بعد ان کے عقائد کی تعریف کی جا رہی ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے **یؤمنون باللہ والیوم الاخر** اس کی تفسیر پہلے ہو چکی کہ ایمانیات کے دو کنارے بیان فرما کر سارے ایمانیات کی طرف اشارہ کر دیا یعنی ذات الٰہی سے لے کر قیامت تک کی ساری باتوں کو نبی کی معرفت سے مانتے ہیں کہ اسی معرفت کا نام ایمان ہے' نبوت کے بغیر ربوبیت وغیرہ ماننا توحید تو ہے مگر ایمان نہیں' ان بزرگوں کی لازمی صفات بیان فرما کر متعدی صفتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ **و یامرون بالمعروف و ینھون عن المنکر** ان جملوں کی تفسیر پہلے کی جا چکی ہے یعنی وہ لوگ خود اپنی اصلاح پر قناعت نہیں کرتے بلکہ دوسروں کو بھی اپنی طرح بنانے کی کوشش کرتے ہیں' اسی لئے ہر شخص کو ہر اچھی بات کا مشورہ دیتے ہیں اور ہر بری بات سے روکتے ہیں **و یسارعون فی الخیرت** یسارعون سرعت سے بنا' بمعنی دوڑنا اور جلدی کرنا' جلدی ختم کرنے کی کوشش مراد نہیں' اس کا نام تو عجلت ہے بلکہ جلدی حاصل کرنے کی کوشش **خیرات** سے مراد ہر قسم کے نیک اعمال ہیں یعنی وہ لوگ ہر بھلا کام کرنے میں جلدی کرتے ہیں اپنی موت کے خوف سے یا اس کے فوت کے اندیشہ سے یا یہ مطلب ہے کہ سستی اور بے رغبتی سے نیکیاں نہیں کرتے بلکہ شوق' رغبت و ذوق کے ساتھ چڑھ کے کرتے ہیں (کبیر) یا یہ مطلب ہے کہ نیکیوں میں ایک دوسرے سے بڑھ جانے کی کوشش کرتے ہیں **و اولئک من الصلحین** اولئک سے اسی مبارک جماعت کی طرف اشارہ ہے جن میں یہ آٹھ مذکورہ صفات ہوں **صلحین** یا **صلاح** بمعنی درستی و عمدگی اور خوبی سے بنا یا صلاحیت (بمعنی قابلیت و لیاقت) سے بنا یعنی یہ لوگ بہت نیک صالح جماعت میں سے ہیں یا اس جماعت میں سے ہیں جو بارگاہ الٰہی کی حاضری کے لائق ہے' چونکہ یہود نے انہیں اشرار کہا تھا' رب تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان بزرگوں کو صالحین واخیار فرمایا۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے سارے صحابہ کی یا اہل کتاب صحابہ کی آٹھ صفات بیان فرمائیں۔ (1) حق پر قائم رہنا۔ (2) رات میں تلاوت کرنا۔ (3) نماز تہجد یا نماز اوابین پڑھنا۔ (4) اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لانا۔ (5) لوگوں کو اچھی

www.alahazratnetwork.org

باتوں کا حکم دینا۔ (6) سب کو بری باتوں سے روکنا و منع کرنا۔ (7) بھلائیوں میں جلدی کرنا۔ (8) ان سب کا صالح نیک و عادل ہونا یعنی اہل کتاب کے جو عیوب بیان کئے گئے وہ سب میں موجود نہیں' کیونکہ سارے کتابی برابر نہیں ان میں بعض اعلیٰ صفات والے مومن بھی ہیں یا یہ صحابہ اہل کتاب کی مثل و برابر نہیں' یہ سارے حسب ذیل صفات سے موصوف ہیں' دین پر قائم ہیں کہ کسی لالچ و خوف سے بال برابر بھی دین سے نہیں ہٹتے' کوئی طاقت ان کے پائے استقامت میں لغزش نہیں آنے دیتی' راتیں غفلت اور محض سونے میں نہیں گزارتے بلکہ تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی میں گزارتے ہیں' جب سب سوتے ہیں تو یہ سجدوں میں سر رکھے روتے ہیں' اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر صحیح معنی میں ایمان رکھتے ہیں' کہ نبی کی معرفت سے انہیں ذات و صفات اور قیامت کے احوال کے ساتھ مانتے ہیں اپنے دین کو چھپاتے نہیں بلکہ سب تک پہنچاتے ہیں' کہ اچھی بری باتیں لوگوں کو سمجھا کر اچھائیوں کی رغبت اور برائیوں سے نفرت پیدا کرتے ہیں' اپنی زندگی پر بھروسہ نہیں کرتے بلکہ سانسوں کو غنیمت جان کر ہر نیک کام میں جلدی کرتے ہیں' اور نیکیاں سستی سے نہیں کرتے بلکہ ہر ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتا ہے' ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ سارے لوگ متقی عادل پرہیزگار اور ہماری ہر نعمت خصوصاً صحبت پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائق ہیں۔ خیال رہے کہ صالح ہونا وہ صفت ہے جو رب تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کی بیان کی ہے کہ حضرت اسمٰعیل و ادریس و ذی الکفل وغیرہم علیہم السلام کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا **وادخلنهم في رحمتنا انهم من الصلحين** اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا مانگی تھی **وادخلني برحمتك في عبادك الصلحين** رب تعالیٰ کی طرف سے صالح کا خطاب ملنا آسان نہیں' اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کفار کتابیوں کے عیوب بھی بیان فرما دیئے کہ وہ لوگ نہ تو دین پر قائم رہے کہ معمولی رقم لے کر انہوں نے احکام الٰہی بدل دیئے' نہ انہوں نے آیات الٰہی کی تلاوت کی بلکہ انہیں چھپایا' رات کو نماز پڑھنا تو وہ جانتے ہی نہیں' وہ تو دن میں نہیں پڑھتے' صحیح معنی میں خدا پر ایمان نہیں رکھتے کہ اس کے لئے بیوی بچے ثابت کرتے ہیں' قیامت کا خوف تو ان کے قریب نہیں آتا' ورنہ ایسی حرکتیں کیوں کرتے' لوگوں کو تبلیغ تو کیا معنی انہیں الٹا ایمان سے روکتے ہیں' اور بری رسم و رواج میں پھنساتے ہیں' اگر کوئی نیکی کرتے بھی ہیں تو بوجھ سمجھ کر سستی سے یہ لوگ صالح نہیں بلکہ طالح یعنی بدکار و بدنصیب ہیں۔

فائدے: اس آیت سے بہت سے فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: صحابہ کرام کی تعریف کرنا سنت الٰہیہ ہے اور انہیں برا کہنا طریقہ یہود' دیکھو رب تعالیٰ نے صحابہ کرام کے بدگویوں کی تردید فرمائی اور صحابہ کی آٹھ صفتیں بیان فرما کر ان کی ثناء خوانی کی۔ دوسرا فائدہ: جیسے نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے' ایسے ہی مناقب اولیاء و صحابہ بیان کرنا بھی بہترین خدمت دین ہے' نعت و مناقب سے قرآن کی آیات بھرپور ہیں۔ تیسرا فائدہ: مومن و کافر' متقی و فاجر برابر نہیں' جیسا کہ **ليسوا سواء** سے معلوم ہوا تو جو نبی اور امتی کو یکساں مانے وہ پرلے درجے کا بے وقوف ہے' جب ایمان اور تقویٰ کی صفت مومن کو دوسروں سے ممتاز و اعلیٰ کر دیتی ہے تو نبوت کی صفت نبی کو غیر نبی سے کیوں ممتاز نہ کرے گی۔ چوتھا فائدہ: مومن کی امتیازی شان نیک اعمال سے ہے نہ کہ عزت و جاہ اور مال سے' دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی صفات میں اعمال کا ذکر کیا نہ کہ مال کا۔ پانچواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے قبل بھی کچھ لوگ راہ راست پر تھے' سارے ہی مشرک نہ ہو گئے تھے جیسا کہ **ليسوا سواء** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ پہلے ہی سے

www.alahazratnetwork.org

برابر نہیں' چنانچہ انصار میں اسعد ابن زرارہ' براء ابن معرور' محمد ابن مسلمہ' ابو قیس ابن صرمہ ابن انس اسلام سے قبل بھی موحد تھے' جنابت سے غسل کرتے تھے بقدر معلومات' شریعت حنیفی پر عامل تھے (تفسیر خازن) چنانچہ حضرت آمنہ خاتون و سیدنا عبداللہ بھی دین ابراہیمی پر بقدر وسعت قائم تھے۔ **چھٹا فائدہ:** دین پر استقامت ساری عبادات سے افضل ہے کہ رب تعالیٰ نے پہلے اسی کا ذکر فرمایا صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **ساتواں فائدہ:** صحابہ کرام محض دو چار نہیں بلکہ بہت ہیں انہیں رب تعالیٰ نے یہاں **امۃ** فرمایا' دوسری جگہ انہیں فوجیں کہا کہ ارشاد فرمایا **یدخلون فی دین اللہ افواجا**" چار پانچ آدمیوں کو نہ امت کہا جاتا ہے نہ فوجیں' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں سوائے پانچ شخصوں کے باقی سارے منافق یا کافر تھے **العیاذ باللہ** - **آٹھواں فائدہ:** رات کی عبادات بہت افضل ہیں جیسا کہ **و هم یسجدون** سے معلوم ہوا جو یکسوئی و خلوص اس نماز میں میسر ہوتا ہے اوروں میں نہیں۔ **دسواں فائدہ:** تمام رات عبادت و نماز بہتر نہیں کچھ سونا بھی چاہئے جیسا کہ **اناء الیل** سے معلوم ہوا' جن بزرگوں سے تمام رات عبادات منقول ہیں ان میں کچھ حکمتیں ہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** تقیہ اور ایمان چھپانا بد ترین گناہ ہے' اپنے ایمان کا اعلان اور دوسروں کو تبلیغ کرنا ضروری ہے جیسا کہ **یامرون** الخ سے معلوم ہوا' خوف جان پر بہتر تو یہی ہے کہ ایمان نہ چھپائے اور جان دیدے' گو چھپانا جائز بھی ہے تو ایسا جیسے جان نکلنے پر مردار کھانا۔ **بارہواں فائدہ:** نیکیوں میں جلدی کرنا اور سب سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنا رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے جیسا کہ **یسارعون** کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **تیرہواں فائدہ:** صحابہ کرام کا صالح' نیک ہونا ایسا ہی قطعی و یقینی ہے' جیسے رب تعالیٰ کی توحید اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' کیونکہ یہاں انہیں **صالحین** فرمایا دوسری جگہ **صدقین** تیسری جگہ **مومنون حقا** کہ فرمایا **و اولئک من الصلحین** اور فرمایا **اولئک هم الصدقون** اور فرمایا **اولئک هم المومنون حقا**" اس آیت میں تو صحابہ کے مناقب کی حد ہو گئی۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ گنہگار تھے مگر کفار سے کم ان کے برابر نہیں کیونکہ یہاں برابری کا انکار کیا گیا نہ کہ گناہ کا۔ **جواب:** **سواء**" نکرہ ہے جو نفی کے تحت آکر عموم کا فائدہ دے رہا ہے یعنی وہ کسی بات میں کفار کے برابر نہیں' نہ کسی بد عقیدگی میں اور نہ کسی بد عملی میں' اگر ایک عیب بھی ان میں ہوتا تو اس عیب میں تو کفار کے برابر ہو جاتے' اگر ایسی آیتوں کے یہ معنی سمجھے جائیں تو مصیبت آجائے گی' رب تعالیٰ فرماتا **لا یستوی اصحب النار و اصحب الجنۃ** جنتی دوزخی برابر نہیں' کیا یہ کہو گے کہ جنتی بھی دوزخیوں کی طرح کافر فاسق تو ہیں' ہاں کچھ ان سے کم ہیں برابر نہیں **نعوذ باللہ** اس کا دوسرا جواب وہ ہے جو تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں **سواء**" سے مراد مشابہت ہے۔ **دوسرا اعتراض:** جو کتابی ایمان لا چکے تھے انہیں اہل کتاب کیوں کہا گیا' وہ تو مسلمان تھے مسلمانوں کو اہل کتاب کہا نہیں جاتا۔
جواب: یا نسب کے اعتبار سے یا پچھلی حالت کے لحاظ سے یعنی بنی اسرائیل میں سے بعض مومن ہیں' یا جو پہلے اہل کتاب تھے جیسے کہا جاتا ہے کہ بہت سے کافر مسلمان ہو گئے یعنی جو پہلے کافر تھے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیکیوں میں جلدی کرنا اچھا ہے اور حدیث شریف میں ہے **العجلۃ من الشیطان** بزرگان دین فرماتے ہیں کہ تعجیل کار شیاطین بود' جلدی کرنا شیطانی کام ہے ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** نیکیوں میں سرعت اچھی ہے عجلت بری' سرعت

www.alahazratnetwork.org

سستی کی مقابل ہے اور عجلت اطمینان کی 'قرآن پاک نے سرعت کی تعریف کی اور حدیث شریف نے عجلت کی برائی 'خلاصہ یہ ہے کہ نیکیوں میں جلدی کرو اپنی موت اور اس کے فوت سے پہلے کر لو مگر اطمینان سے کرو 'غالباً" یہ حدیث ہے کہ **عجلوا الصلوة قبل الفوت و عجلوا التوبۃ قبل الموت** یعنی فوت سے پہلے نماز پڑھ لو اور موت سے پہلے توبہ کر لو یہاں عجلت بمعنی سرعت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے تخم سے درخت کی پیدائش ہے کہ تخم ایک ہے مگر درخت کے اجزاء مختلف 'شاخیں 'تنا 'پتے 'پھل پھول 'یہ آپس میں سب برابر نہیں 'نہ ان کا مقام ایک ہے 'شاخیں اور پتے جلائے جاتے ہیں۔ تنے کے تختے 'کواڑ اور فرنیچر وغیرہ بنائے جاتے ہیں 'پھل پھول عزت سے کھائے اور آنکھوں سے لگائے جاتے ہیں 'کانٹے ہٹائے جاتے ہیں 'ایسے ہی انسانی نسل کی اصل ایک ہی ہے مگر انسان مختلف 'کوئی کانٹوں کی طرح ہٹانے کے لائق ہیں 'کوئی بیکار شاخوں 'پتوں کی طرح جلانے کے قابل 'کوئی پھولوں کی طرح سر پر چڑھانے کے قابل اور کوئی پھلوں کی طرح آنکھوں سے لگانے کے قابل 'ان کی صورتوں کا تماشا نہ دیکھو بلکہ سیرتوں کے اختلاف پر نظر رکھو 'اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **لیسوا سواء**" یعنی بنی اسرائیل اگرچہ ایک اصل یعقوبی کی نسل ہیں مگر برابر نہیں 'ان میں کچھ پھول ہیں کچھ کانٹے 'مولانا فرماتے ہیں۔

گر بصورت آدمی انسان بودے　　احمد و بوجہل ہم یکساں بودے

صوفیاء فرماتے ہیں تقویٰ کے بہت ارکان ہیں اور انسان کے بہت اعضاء 'ان ارکان کا الگ مکان ہے 'زبان تلاوت قرآن کی جگہ ہے 'پیشانی سجدہ کا مقام 'دل ایمان کا ٹھکانہ 'سارے اعضاء تبلیغ قولی و عملی کی جگہ 'دماغ سرعت خیرات کا مقام ہے۔ جب یہ سارے ارکان اپنے اپنے مقام پر فٹ ہو جائیں 'تب صلاح کا پھل ملتا ہے 'اور انسان صالحین میں سے ہوتا ہے 'اس آیت میں ارکان تقویٰ کے ان ٹھکانوں کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ یہ سب کچھ تقویٰ کا قالب ہے 'اس کا قلب و روح عشق و ادب ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب**

حکایت: امام ابو بکر کتانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں ایک بہت حسین جوان دیکھا 'میں نے پوچھا تو کون ہے؟ وہ بولا تقویٰ 'میں نے پوچھا تو کہاں رہتا ہے؟ اس نے کہا غمگین دلوں میں 'پھر ایک بدشکل عورت کو دیکھا 'میں نے پوچھا تو کون ہے وہ بولی میں ہنسی و خوشی ہوں۔ میں نے پوچھا تو کہاں رہتی ہے؟ بولی بے غافل دل میں۔ تقویٰ اختیار کرو کہ یہ قبر کی وحشت میں انیس ہے اور حشر میں ساتھی۔

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ
اور جو کچھ کریں گے یہ بھلائی اس کا انکار نہ کئے جائیں گے اور اللہ جانتا ہے پرہیزگاروں کو بیشک وہ لوگ
اور وہ جو بھلائی کریں ان کا حق نہ مارا جائے گا اور اللہ کو معلوم ہیں ڈر والے وہ جو

www.alahazratnetwork.org

كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللَّهِ شَيْئًا وَأُولَٰئِكَ
جو کافر ہوئے ہرگز نہ دفع کریں گے ان سے ان کے مال اور نہ انکی اولاد اللہ کی کسی چیز کو اور یہ لوگ
کافر ہوئے ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچا لیں گے اور وہ

أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ (۱۱۶)
آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
جہنمی ہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں مومنوں کے نیک اعمال اور کفار کی بد عملیوں کا ذکر تھا ان آیتوں میں مومنوں کی جزاء اور کافروں کی سزا کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں کافر و مومن دو جماعتوں کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں فرمایا جارہا ہے کہ مومنوں کی کوئی نیکی برباد نہ جائے گی اور کافروں کی کوئی بھلائی کام نہ آئے گی گویا ابتداء کا ذکر وہاں تھا اور انتہا کا یہاں۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مومنین صالح یعنی لائق ہیں جس سے معلوم ہوا تھا کہ کفار نالائق ہیں اب اس لیاقت و نالائقی کی تفسیر بیان ہو رہی ہے کہ مومن کن جزاؤں کے لائق ہے جن کے کافر لائق نہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں رب تعالیٰ نے مومنین کی آٹھ صفات بیان فرمائیں جن سے شبہ ہوتا تھا کہ جس میں یہ آٹھ صفات علی وجہ الکمال جمع نہ ہوں وہ نہ مومن ہے نہ امت قائمہ ہے نہ کسی جزاء کا مستحق۔ اس خیال سے ہم جیسے گنہگاروں کی ہمت ٹوٹتی تھی اب ہم جیسوں کی ہمت افزائی کے لئے فرمایا جارہا ہے کہ گھبراؤ مت جو کچھ بن پڑے نیکی کے جاؤ جزاء ملے گی جیسا کہ من خیر سے معلوم ہو رہا ہے۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

شان نزول: جب سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی ایمان لائے تو علمائے یہود نے وہ اعتراضات کئے جن کا ذکر و تردید پہلے ہو چکی عوام اور جہلائے یہود نے ان بزرگوں سے کہا کہ تم نے بڑے ٹوٹے و خسارہ کا سودا کیا کہ ہدایت چھوڑ کر گمراہی لے لی ہدایت سے مراد انہوں نے یہودیت لی اور گمراہی سے مراد اسلام ان کی اور ان بزرگوں کی حمایت میں یہ پہلی آیت اتری (کبیر و خازن)۔ (2) مکہ مکرمہ کے مشرکین خصوصاً ابوجہل نے اسلام کے خلاف جانی و مالی زور لگائے اور اس پر وہ ثواب کی امید رکھتے تھے نیز مشرکین مکہ کہا کرتے تھے **و قالوا نحن اکثر اموالا و اولادا وما نحن بمعذبین** یعنی ہماری اولاد اور مال زیادہ ہے ہمیں عذاب نہ ہوگا کیونکہ ہم سے ہی خدا راضی ہے ورنہ ہمیں اتنا کچھ نہ دیتا ان سب کی تردید میں دوسری آیت **ان الذین** الخ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی و صاوی و خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **وما یفعلوا من خیر** بعض قراتوں میں **تفعلوا** "ت" سے ہے جس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے یا عام مسلمانوں سے ہماری قرات میں **یفعلوا** "ی" سے ہے یہی راجح ہے کیونکہ گزشتہ آیات میں سارے صیغے غائب کے تھے اور آئندہ بھی غائب ہی کے صیغے آرہے ہیں لہٰذا اس کا بھی صیغہ غائب ہونا مناسب ہے **ما** موصولہ ہے جس میں ابہام و پوشیدگی

www.alahazratnetwork.org

ہے اور فعل سے مراد قلبی، بدنی، اصلاً "و نیابۃً" سارے کام ہیں، من بیانیہ ہے تخصیصیہ ہے جس نے ما کا تو بیان کر دیا اور خیر کا اطلاق و عموم دوبالا کر دیا خیر کے بہت سے معنی ہیں جو پہلے بیان ہوئے یہاں نیکی مراد ہے خواہ اعتقادی ہو یا بدنی یا مالی، چھوٹی ہو یا بڑی، خفیہ ہو یا علانیہ یعنی صحابہ کرام یا سارے مسلمان جب بھی کوئی بدنی، مالی، اعتقادی، چھوٹی بڑی کسی قسم کی کوئی نیکی کریں گے فلن یکفروہ، یکفروا، کفر سے بنا جس کے معنی ہیں انکار کرنا، چھپانا، نہ ماننا اسی لئے چھلکے کو کفری کہتے ہیں کہ وہ مغز کو چھپائے ہوتا ہے، اور ایک دوا کا نام کافور ہے، جو اپنی تیز بو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے، ناشکری کو کفران اسی لئے کہا جاتا ہے کہ ناشکرا رب تعالیٰ کی نعمت کا انکار کرتا ہے لوگوں پر ظاہر نہیں کرتا حق مار لینے کو بھی کفران کہا جاتا ہے کہ وہاں دوسرے کے حق کا انکار ہی ہوتا ہے، رب تعالیٰ کے لئے یہ سارے معنی ناممکن ہیں نہ اس پر کسی کی نعمت و احسان ہے اور نہ کسی کا ذاتی استحقاق اس لئے جب شکر و کفر کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی جائے تو وہاں شکر کے معنی ہوتے ہیں جزا دینا، قدر دانی فرمانا، جیسے ان اللہ شاکر علیم رب تعالیٰ قدر فرمانے والا علم والا ہے، اور کفر کے معنی ہوتے ہیں جزا سے محروم کر دینا یہاں یہی معنی مراد ہیں اسی لئے یہاں کفر متعدی بدو مفعول کیا گیا اس کا مفعول اول ھم پوشیدہ ہے جس کا مرجع مومنین ہیں اور دوسرا مفعول ہ ضمیر ہے جس کا مرجع خیر ہے یعنی وہ اس خیر کی جزا سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے۔ (روح البیان) واللہ علیم بالمتقین اس جملہ میں لن یکفروا کی دلیل کی طرف ایک لطیف اشارہ کیا گیا وہ یہ کہ کسی کے عمل کی جزا نہ دینا یا مجبوری سے ہوتا ہے یا بخل سے، یا خباثت سے، یا بے علمی سے، ہم ان تمام عیوب سے پاک ہیں، نہ ہم بخیل ہیں نہ مجبور، نہ ظالم، کیونکہ ہم اللہ ہیں اور نہ ہم بے علم ہیں کیونکہ ہم علیم بالمتقین ہیں، متقین فرما کر یہ بتلایا گیا کہ ہماری بارگاہ میں تقویٰ کی قدر ہے، اگر ہم سے کچھ لینا چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو، چونکہ اب تک نیکیوں کی جزا کا ذکر ہوا، اور ہر چیز کی پوری معرفت اس کے مقابل سے ہوتی ہے، اس لئے آگے کفار اور ان کی سزاؤں کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا کہ ان الذین کفروا چونکہ کفار اپنے کفر کو ذریعہ نجات اور بدکاریوں کو نیکی سمجھتے تھے، اس لئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا گیا کفر کے معنی انکار ہیں ایمان و اقرار کا مقابل اس سے مراد ہر کفر ہے، خواہ الوہیت کا انکار ہو یا نبوت کا، یا ضروریات دین میں سے کسی مسئلہ کا، نماز، روزہ وغیرہ لن تغنی عنھم اموالھم ولا اولادھم من اللہ شیئا" تغنی، اغناء سے بنا جس کا مادہ غنی ہے معنی بے پرواہی و بے نیازی، باب افعال میں آکر دفع ضرر کے معنی دیتا ہے، اسی لئے اس کے بعد عن آتا ہے کیونکہ دفع ضرر کے بعد انسان بے نیاز ہوتا ہے۔ من اللہ کا تعلق یا تو لن تغنی سے ہے یا ثابت پوشیدہ کا متعلق ہو کر شیئا" کا حال ہے اور شیئا" سے مراد دنیوی و اخروی عذاب ہے یعنی ان کے مال و اولاد میں رب تعالیٰ کی طرف سے یہ طاقت نہ ہوگی کہ وہ کسی عذاب کو دور کر سکیں یا ان کے مال و اولاد رب تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے کسی عذاب کو دفع نہ کر سکیں گے، تو وہ مال و اولاد پر اتنا کیوں پھولتے ہیں و اولئک اصحب النار ھم فیھا خلدون۔ اولئک میں ان مذکور کفار کی طرف اشارہ ہے، اصحب صاحب کی جمع ہے، معنی ساتھی اور والا، یہاں والا کے معنی زیادہ موزوں ہیں، نار سے مراد دوزخ کا عذاب ہے خواہ وہ گرم ہو یا سرد، کیونکہ ٹھنڈا عذاب بھی آگ کی وجہ سے ہی ہو گا، جیسے دنیا میں سردی کا موسم آفتاب سے ہی آتا ہے یعنی یہ لوگ آگ والے ہیں خلدون، خلود سے بنا جس کے معنی ہیں بہت رہنا یا ہمیشہ رہنا، جب گنہگار مومن کے لئے یہ لفظ آئے گا تو اس کے معنی ہوں گے بہت ٹھہرنا جیسے قتل" قاتل کے لئے فرمایا گیا خلدا" فیھا اور اگر کافروں کے لئے ہو گا تو معنی ہوں گے ہمیشہ

www.alahazratnetwork.org

ٹھہرنا‘ یہاں چونکہ کفار کے لئے استعمال ہوا اس لئے بمعنی ہمیشگی ہے یعنی سارے کفار آگ میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے گنہگار مسلمانو ہمت نہ ہارنا‘ یہ نہ سمجھنا کہ جس میں یہ آٹھ خوبیاں جمع ہوں وہی ہماری رحمت کا مستحق ہے‘ ہمارا قانون رحمت یہ ہے کہ جو مسلمان کوئی معمولی سے معمولی بدنی‘ مالی کسی قسم کی نیکی کرے‘ وہ ہمارے آستانہ سے محروم نہیں کیا جاتا لہٰذا تم سے جو بن پڑے نیکی کرتے رہو ہم ہر متقی کے اعمال اور درجہ تقویٰ کو بخوبی جانتے ہیں‘ کسی کے کسی عمل سے بے خبر نہیں تاکہ وہ ہماری رحمت سے رہ جائے۔ خیال رکھنا جیسے ہماری رحمت مومنوں‘ متقیوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ جس کے دائرہ سے کوئی خارج نہیں‘ ایسے ہی ہمارا عذاب بھی کافروں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ جس نے کسی قسم کا کفر اختیار کیا نہ اس کا مال عذاب الٰہی کو دفع کر سکے نہ اولاد‘ نہ جتھا نہ کنبہ‘ ان کے لئے ہمارا فیصلہ ہو چکا کہ وہ دوزخ والے ہیں کہ دوزخ انہی کے لئے بنائی گئی اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کبھی وہاں سے رہائی نہ پائیں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ اپنی زندگی کو غنیمت جانے اور جو چھوٹی بڑی نیکی ہو سکے کر گزرے‘ بڑی نیکی کے انتظار میں چھوٹی نیکیاں نہ چھوڑے‘ نامعلوم کون سی نیکی‘ بیڑا پار کر دے۔ جیسا کہ **من خیر** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** مومن کی کسی نیکی کو رب تعالیٰ ضائع نہیں کرتا جیسا کہ **فلن یکفروہ** سے معلوم ہوا بندہ خود ضائع کرے تو اس کی اپنی حماقت ہے‘ ہاں وہ کریم اپنے کرم سے ہمارے گناہ معاف کر دیتا ہے‘ فرماتا ہے **و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** رب تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے‘ اس کا رسول سچا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ **تیسرا فائدہ:** ایمان کے بعد تقویٰ اللہ کی بڑی نعمت ہے‘ یہ خوش نصیبوں کو ہی ملتا ہے‘ تقویٰ کے بہت درجے ہیں‘ تقویٰ عام‘ تقویٰ خاص‘ تقویٰ خاص الخاص‘ ان کی تشریح **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کی گئی‘ یہ فائدہ **علیم بالمتقین** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** انشاء اللہ مومن کا مال و اولاد رب تعالیٰ کے حکم سے کام آئیں گے‘ عذاب الٰہی دفع کریں گے‘ مومن کے صدقات‘ نیک اولاد کی برکت سے اللہ تعالیٰ عذاب دفع فرمائے گا کیونکہ اس آیت میں مال و اولاد کا دفع عذاب نہ کرنا کفار کے لئے عذاب کے طور پر بیان فرمایا گیا ہے اور کفار کے عذاب سے مومن محفوظ ہیں جیسا کہ **لن تغنی عنھم** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر کی کوئی نیکی آخرت میں کام نہ آئے گی اس سے عذاب دفع نہ کر سکے گی کیونکہ اعمال کی قبولیت مومن کے لئے رحمت کے طور پر یہاں مذکور ہوئی جس سے کفار محروم ہیں جیسا کہ **فلن یکفروہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مومن کی نیکیوں کی برکت سے گناہ تو معاف ہو جاتے ہیں‘ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنت یذھبن السیات** مگر کسی گناہ کی وجہ سے اس کی نیکیاں برباد نہ ہوں گی جیسا کہ **فلن یکفروہ** سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ یہاں گناہ کا ذکر ہے ارتداد کا ذکر نہیں‘ وہ دوسری چیز ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مومن کیسا ہی گنہگار ہو‘ انشاء اللہ تعالیٰ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آخر کار نجات پائے گا جیسا کہ **و اولئک اصحب النار** الخ سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ نے آگ والا کفار کو فرمایا ہے۔ معلوم ہوا کہ مومن آگ والا نہیں‘ گھر والا وہ ہوتا ہے جو وہاں ہمیشہ رہے‘ جس کا گھر ہو‘ مہمان گھر والا نہیں کہلاتا‘ مومن کو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ **اصحب الجنۃ** جنت والے ان کا گھر جنت ہے‘ دوزخ تو ان کے سفر کی ایک منزل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: پہلا اعتراض: فلن یکفروہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ مومن کی کوئی نیکی رائیگاں نہیں جاتی' حدیث شریف میں ہے کہ ریاکار کے اعمال برباد ہیں' ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: ریاکار کی نیکیاں خیری نہیں بلکہ شر ہیں' یہاں خیر کا ذکر ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے من عمل نہیں فرمایا' عمل عام ہے خیر خاص' خیر وہ نیکی ہے جس کے ساتھ نیت بھی نیک ہو۔ دوسرا اعتراض: اسی فلن یکفروہ سے معلوم ہوا کہ مومن کی نیکیاں ضبط نہیں ہوتیں' مگر قرآن شریف میں دوسرے مقام پر فرمایا گیا و قدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنٰہ ھباءً منثورا " ہم نے ان کے اعمال اڑا کر رکھ دیئے' دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں مومنوں کے اعمال ضبط نہ ہونے کا ذکر ہے' وہاں کافروں کی ضبطی اعمال کا تذکرہ' اس آیت کی تفسیر یہ آیت ہے اولئک الذین کفروا بایت ربھم و لقائہ فحبطت اعمالھم الخ۔ تیسرا اعتراض: دوسرے مقام پر مسلمانوں سے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے نبی کی آواز پر آوازیں اونچی نہ کرو ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون معلوم ہوا کہ مسلمان کی نیکیاں بھی معمولی گناہ سے ضبط ہو جاتی ہیں۔ پھر فلن یکفروہ کا کیا مطلب؟ جواب: اس آیت میں بے ادبی کے طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پر اونچی آواز کرنا مراد ہے' اور نبی کی بے ادبی کفر ہے' کفر سے ضبطی اعمال' ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اذانیں دی جاتی تھیں جس کا سرکار آہستہ جواب دیتے تھے' بعد نماز پنجگانہ تمام صحابہ مل کر اونچی آواز سے ذکر اللہ کرتے تھے اور خود سرکار انور صلی اللہ علیہ وسلم اور یقیناً ان سب بزرگوں کی مجموعی آوازیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے اونچی ہوتی تھیں' یہ عمل نہ کفر تھا نہ گناہ بلکہ رب تعالیٰ کو محبوب تھا۔ چوتھا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ کفار کے مال و اولاد عذاب دفع نہ کر سکیں گے تو کیا ان کی دیگر چیزیں سلطنت' عزت وغیرہ' عذاب دفع کریں گی؟ جواب: ہرگز نہیں' یہاں خصوصیت سے مال و اولاد کا ذکر اسی لئے کیا گیا کہ انسان اکثر انہی دو سے مصیبت میں کام لیتا ہے' جب کفار کو یہ دو چیزیں ہی کام نہ آئیں' تو بقیہ چیزیں کیا کام آسکتی ہیں۔ پانچواں اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ مسلمانوں کی اولاد و مال عذاب الٰہی دفع کر دیں گی تو کیا مسلمانوں کی اولاد و مال میں خدا تعالیٰ سے زیادہ طاقت ہے؟ کہ خدا تعالیٰ نے عذاب بھیجا انہوں نے دفع کر دیا۔ جواب: ہرگز نہیں' ہمارا مقصد یہ ہے کہ یہ چیزیں بحکم پروردگار عذاب دفع کر دیتی ہیں' مسلمانوں کے بعض گناہوں سے دریائے غضب جوش میں آتا ہے' مگر رب تعالیٰ ان کی برکت سے اسے ٹھنڈا کر دیتا ہے' جیسا کہ کہا جاتا ہے دوا نے بخار دفع کر دیا یعنی بحکم پروردگار نہ کہ اس کے مقابلہ میں۔ چھٹا اعتراض: کفروا سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آن کے کفر سے انسان جہنم میں ہمیشہ رہے گا یہ تو ظلم ہے کہ جرم ایک منٹ اور سزا دائمی (آریہ)۔ جواب: یہ سزا اس قانون شکنی کی ہے' قانون شکنی ایک منٹ کی ہو یا ہمیشہ کی برابر ہے دیکھو چور آدھے گھنٹے میں چوری کرتا ہے مگر دو سال جیل پاتا ہے کوئی شخص دو منٹ میں زہر کھاتا ہے' ہمیشہ کے لئے یہاں سے روانہ ہو جاتا ہے' پنڈت جی سزائیں وقت کی نہیں ہوتیں بلکہ قانون شکنی کی ہوتی ہیں' تم بھی کہتے ہو کہ بعض گناہوں کے سبب دس بار ہاتھی کے جون میں آنا پڑتا ہے' ہاتھی کی عمر دو تین سو سال تک ہوتی ہے اور اگر کسی جرم کی وجہ سے دس مرتبہ گدھا یا سانپ بن کر آیا تب تو اس کا بیڑا ہی غرق ہو گیا کہ پاپ کئے سال دو سال' سزا بھگتی ہزاروں سال' گدھا اور سانپ کی عمر ہزار سال سے بھی زیادہ ہوتی ہے' بعض جرموں کی سزا عمر قید ہوتی ہے' کفر کی سزا رب تعالیٰ کے ہاں عمر قید ہے' مگر چونکہ وہاں کی عمر دائمی ہے لہٰذا وہ سزا بھی دائمی' غرضکہ ھم فیھا خلدون بالکل بے غبار ہے۔ ساتواں اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ اللہ پرہیزگاروں کو

جانتا ہے تو کیا وہ بدکاروں کو نہیں جانتا؟ اگر نہیں جانتا تو انہیں سزا کیسے دے گا؟ **جواب:** پروردگار پرہیزگاروں کو رحمت و کرم سے جانتا ہے اور بدکاروں کو قہر و غضب سے، یہاں رحم و کرم سے جاننا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جو شاخ جڑ سے وابستہ رہے وہ ہری بھری رہتی ہے اور پھل پھول والی بھی، جو جڑ سے علیحدہ ہو جائے وہ نہ سرسبز رہ سکتی ہے نہ اس میں پھل پھول آسکتے ہیں، اسی طرح جان والے جسم کے اعضاء سڑتے گلتے نہیں، اگر وہ جسم بیمار پڑ جائے تو دواؤں سے صحت کی امید ہوتی ہے لیکن اگر جسم سے جان ہی نکل جائے تو نہ اسے کوئی دوا مفید اور نہ اعضاء کے لئے بقا ہے، چند دنوں میں جسم گل کر مٹی ہو جاتا ہے ہم اور ہمارے اعمال شاخیں ہیں، ملت درخت اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اصل اصول، قبولیت اس درخت کے پھل پھول، یا ہم جسم ہیں، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم روح رواں ہیں، توبہ وغیرہ شفا بخش دوا ہے اور نیک اعمال مقوی غذا، جس انسان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قائم ہے تو اس کی نیکیوں میں قبولیت کے پھل پھول بھی لگیں گے اور توبہ وغیرہ سے اس کے گناہوں کی معافی ہو گی، یہاں رب تعالیٰ نے انہی بندگان بارگاہ عالی کے متعلق فرمایا کہ تم اپنی کسی نیکی کے ثواب سے محروم نہ کئے جاؤ گے، رب تعالیٰ جانتا ہے کہ تم وابستہ شجر ہو اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

جان ہیں وہ جہاں کی جان ہے تو جہان ہے ۔۔۔ وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو

لیکن جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی قائم نہ کیا وہ کٹی ہوئی شاخ ہیں، سرسبز رہیں تو کیسے، اور ان میں قبولیت کے پھل لگیں تو کیونکر؟ زنگ آلود آئینہ شفاف ہو سکتا ہے مگر پتھر کو آئینہ کون بنائے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

توان پاک کردن ز زنگ آئینہ ۔۔۔ و لیکن نیاید ز سنگ آئینہ

بکوشش نروید گل از شاخ بید ۔۔۔ نہ زنگی بگرما بہ گردد سفید

یعنی جیسے پتھر سے آئینہ نہیں بن سکتا، کتے کے دانت پہاڑ سکتے ہیں سی نہیں سکتے، بانس میں پھل پھول نہیں لگتے، حمام میں حبشی سیاہ فام سفید نہیں ہو سکتا، ایسے ہی بد گوہروں سے نیکی نہیں ہو سکتی اگر ہو جائے تو قبول نہیں ہو سکتی۔

مَثَلُ مَا یُنْفِقُوْنَ فِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا كَمَثَلِ رِیْحٍ فِیْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ

مثال اس کی جو وہ کفار خرچ کرتے ہیں اس دنیاوی زندگی میں اس ہوا کی طرح ہے جس میں سخت ٹھنڈ ہو جو لگ جائے

کہاوت ہے اس کی جو اس دنیا کی زندگی میں خرچ کرتے ہیں اس ہوا کی سی جس میں پالا ہو۔ وہ ایک ایسی

حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ؕ وَ مَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَ لٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ

ایسی قوم کے کھیت کو جنہوں نے ظلم کیا اپنی جانوں پر تو برباد کر گئی اسے اور ان پر نہیں ظلم کیا اللہ نے لیکن وہ

قوم کی کھیتی پر پڑی جو اپنا ہی برا کرتے تھے تو اسے بالکل مار گئی اور اللہ نے ان پر ظلم نہ کیا ہاں وہ

یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں ۔

خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کے مال و اولاد آخرت میں انہیں عذاب سے نہ بچائیں گے اب اس غیبی خبر کو ایک عینی مثال سے سمجھایا جارہا ہے۔ جس سے عقل بھی اسے قبول کرے کہ واقعی یہ بیکاری برحق ہے گویا پہلے غیبی خبر تھی اب اس کی عینی مشاہدہ والی شہادت۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کے مال و اولاد دفع ضرر نہیں کر سکتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ انہیں فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے' انسان مال و اولاد سے دو قسم کی امیدیں رکھتا ہے مصیبت ٹالنا' فائدہ دینا' ایک امید کو گذشتہ آیت میں توڑا گیا' دوسری آس یہاں توڑی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کے مال و اولاد آخرت میں مفید نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ دنیا میں بھی انہیں اس سے فائدہ نہیں پہنچتا انہیں یہ دونوں چیزیں وقت پر دھوکا دے جاتی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں کفار کے عام اخراجات کی بیکاری بیان ہوئی اب ان کے صدقات و خیرات کی بیکاری کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **مثل ما ینفقون** عربی میں عام تشبیہوں کو مثال یا مثل کہتے ہیں جیسے **لیس کمثلہ شیء** مگر **مثل** میم وثٔ کے زیر سے اس عام تشبیہ کو کہا جاتا ہے جو ضرب المثل بن جائے جسے عام موقعوں پر لوگ استعمال کرتے ہوں اور عموماً سمجھانے کے لئے بولی جاتی ہو۔ **ما ینفقون** سے یا تو کفار کے وہ مال مراد ہیں جو وہ بدکاریوں میں خرچ کرتے تھے' جیسے جوئے بازی' شراب خوری وغیرہ' یا وہ مال جسے وہ دنیاوی مباح کاموں میں خرچ کرتے تھے' جیسے کھانا' پہننا وغیرہ' یا وہ مال مراد ہیں جنہیں وہ اپنے خیال میں اچھی جگہ خرچ کرتے تھے' مگر وہ مقامات تھے برے' جیسے بت پرستی اور اپنے پنڈتوں کی خدمات' یا وہ مال مراد ہیں جنہیں وہ واقعی اچھی جگہ خرچ کرتے تھے' جیسے مسافروں کی خدمت' یتیموں' بیوگان کی امداد' یا وہ مال مراد ہیں جنہیں وہ اسلام کا زور روکنے کے لئے خرچ کرتے تھے' جیسے نومسلموں کو دے دلا کر اسلام سے بہکانا' اپنے پوپ پادریوں کو اس لئے تنخواہیں دینا کہ وہ مسلمانوں میں اپنی بدمذہبی کی تبلیغ کریں جیسے آج عیسائی مشنریاں مختلف رنگوں میں کر رہی ہیں' آخری تین احتمال زیادہ قوی ہیں' **ینفقون** کے مفعول حذف کر دینے میں انفاق کے عموم کی طرف اشارہ ہے' یعنی کفار کے تمام ادنیٰ' اعلیٰ اور ہر قسم کے مال خرچ کرنے کی کہاوت ایسی ہے **کمثل ریح فیھا صر** اگر یہاں تشبیہ مرکب ہے تو کسی جگہ کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں' کیونکہ تشبیہ مرکب میں کسی پورے مجموعہ کو دوسرے مجموعہ سے تشبیہ دی جاتی ہے نہ کہ اس کے اجزاء کو دوسرے اجزاء سے' اور اگر تشبیہ مفرد ہے تو مثل کے بعد کفر پوشیدہ ہوگا' کیونکہ ان کا کفر تباہ کن ہوا کی طرح ہے نہ کہ ان کے خرچ کئے ہوئے مال' وہ تو برباد شدہ کھیتی کی طرح ہیں' قرآن کریم میں عذاب کی ہوا کو ریح فرمایا جاتا ہے اور رحمت کی ہوا کو **ریاح** چونکہ یہاں عذاب کی ہوا مراد تھی اس لئے ریح ارشاد ہوا' عربی میں **صر** کے معنی ہیں' مضبوط باندھنا شدت سے پکڑنا' اسی لئے زیادہ زور دینے کو اصرار کہتے ہیں اور تھیلی کو **صرة** جس میں روپے باندھے جاتے ہیں' سخت سردی کو صر کہتے ہیں کہ اس میں شدت بھی ہے اور اس سے گھی بلکہ پانی بھی جم کر گویا بندھ جاتا ہے' آگ کے شعلہ کی آواز بلکہ خود آگ کو بھی **صر** کہہ دیتے ہیں' یہاں **صر** سے مراد یا پالا اور سخت سردی ہے یا بگولا اور سخت گرمی' صرصر تیز لو کو اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں شراٹا اور آواز ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاقبلت امراتہ فی صرة** (تفسیر کبیر) یعنی ان کا کفر اس سخت پالے والی ہوا کی طرح **اصابت حرث قوم ظلموا انفسھم** وہ پالے والی ہوا یا گرم آگ والی ہوا اس کھیت کو لگی جو ظالم قوم کا تھا' یہاں نفس پر ظلم

www.alahazratnetwork.org

سے مراد یا تو کفر و شرک ہے یا کھیت کی زکوٰۃ نہ نکالنا ہے' یا دوسرے کی زمین میں ظلماً کھیت بو دینا ہے یا بے وقت اور بے موسم بونا ہے' چونکہ ان وجوہ سے اکثر کھیتی اس طرح برباد ہو جاتی' تو اسے صبر اور نقصان کا ثواب مل جاتا مگر چونکہ یہ کھیت والے ظالم و کافر ہیں اس لئے انہیں ثواب بھی نہ ملا اور ساری محنت و خرچہ بھی ضائع ہوا۔ **فاھلکتہ** یہ لفظ ہلاک سے بنا' معنی بالکل برباد کر دینا کچھ نہ چھوڑنا یعنی اس ہوا نے کھیت بالکل برباد کر دیا' دانہ بچا نہ بھوسا' بلکہ کھیت کے آثار تک مٹا دیئے **وما ظلمھم اللہ** یعنی اس کھیت کی تباہی میں ہم نے ان کھیت والوں پر ظلم و زیادتی نہ کی۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں پر کوئی عتاب و عذاب بھیجے' ظالم نہیں سب اللہ کا ہے **ولکن انفسھم یظلمون**' انفس کو **یظلمون** پر مقدم کر دیا یا تو حصر کے لئے ہے یعنی وہ خود ہی اپنے نفسوں پر ظلم کرتے تھے نہ کہ ہم' یا فاصلہ کے لئے کہ گزشتہ اور آئندہ آیتوں کے آخری لفظ اسی وزن کے ہیں' اسے بھی **یظلمون** پر ختم فرمایا' یہاں ظلم سے مراد یا تو ان کا کفر و شرک ہے جس کی وجہ سے دنیا میں بھی کبھی عذاب مختلف شکلوں میں آجاتے ہیں یا بے موسم کھیت بونا ہے کہ جب پالے یا لو کا زمانہ تھا تب ان لوگوں نے کھیت بویا جس کا انجام یہ ہوا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! خیال رکھو کہ کفار کے ان مالوں کی مثال جو وہ اسلام کے مقابلہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں خرچ کرتے ہیں' یا جو وہ اپنی دانست میں اچھی جگہ بت پرستی' اپنے دینی پیشواؤں کی خدمت میں خرچ کرتے ہیں' یا جو وہ صدقات و خیرات میں خرچ کرتے ہیں اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہیں' اس کھیت کی سی ہے جو لہلہا رہا ہے' مالک اسے دیکھ کر خوش ہوتا ہے' اس کے پھل پھول کی آس لگائے بیٹھا ہے' اس کی اور اس کے سارے خاندان بلکہ نوکروں چاکروں کی امیدیں اسی کھیت سے وابستہ ہیں مگر یہ شخص تھا ظالم' مشرک و کافر' جس سے رب تعالیٰ ناراض تھا کہ اچانک اس کے کھیت پر پالے والی ہوا یا بگولے والی سخت گرم آندھی لو آن پڑی۔ جس سے اس کا تمام کھیت ایسا برباد ہو گیا کہ نہ دانہ ہاتھ لگا نہ بھوسا بلکہ وہاں کھیت کا نشان بھی نہ رہا کہ کوئی اس کا اندازہ بھی لگا سکے کہ یہاں بھی کھیت تھا اب وہ اپنی اور اپنے بال بچوں' نوکروں' چاکروں یا جانوروں کی بربادی پر ہاتھ ملتا رہ گیا کہ انہیں کیسے پالے گا' مگر اب کف افسوس ملنے سے کچھ فائدہ نہیں کہ اس سے اجڑا ہوا کھیت ہرا نہیں ہو سکتا' اور برباد شدہ مال واپس لوٹ نہیں سکتا ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ وہ کھیت والا خود ہی ظالم اور ہمارا نافرمان تھا جس کے گناہوں کے باعث اس پر یہ عذاب آیا ایسے ہی یہ کفار اپنے جائز یا ناجائز مقاصد میں مال خرچ کرکے آخرت میں ان کے ثواب کے امیدوار ہوتے ہیں' مگر جب مر کر بارگاہ الٰہی میں پہنچیں گے تو ان کا کوئی اجر و ثواب نہ پائیں گے' گویا ان کے یہ خرچ و خیرات ان کے کھیت ہیں جنہیں وہ ہرا بھرا سمجھے ہوئے ہیں اس سے مختلف قسم کی آسیں لگائے بیٹھے ہیں' ان کا کفر و شرک وہ پالے والی یا بگولے والی ہوا ہیں جو اعمال برباد کر دیتی ہیں' پھر مر کر ان پر کچھ ثواب نہ ملنا اور وہاں جا کر مایوس ہونا' یا دنیا میں اسلام کا فروغ ہو جانا' ان کی کوشش بیکار ثابت ہونا' یہ ان کے کھیت کی بربادی اور ان کا کف افسوس ملنا ہے لہٰذا اے مسلمانو! تم راہ راست پر قائم رہو' بد عقیدگیوں سے بچو' تاکہ تمہارے اعمال کی کھیتیاں برباد نہ ہوں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعمال کی قبولیت درستی ایمان پر موقوف ہے' ایمان اعمال کی قبولیت کے لئے ایسا ہی ضروری ہے جیسے نماز کے جواز کے لئے وضو۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے قبول اعمال کے لئے وجود ایمان لازم ہے' ایسے ہی بقائے اعمال کے لئے ایمان ضروری ہے' مرتد کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں' جیسا کہ اس مثال سے معلوم

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ تیسرا فائدہ: اعمال کا اعتبار خاتمہ پر ہے' اس لئے کوئی شخص ایمان پر خاتمہ سے پہلے اپنے اعمال پر اعتماد نہ کرے رب تعالیٰ سے ڈرتا رہے' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اور سب کے طفیل سے مجھ گنہگار کو خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔

ہری ہری کھیتی کا بھن گئے! جب جانو جب منہ تک جائے!

چوتھا فائدہ: سرداروں کی بے ایمانی ان کے ماتحتوں کا بیڑا بھی غرق کر دیتی ہے' جیسا کہ اس مثال سے معلوم ہوا کہ ظلم تو کیا کھیت والے نے اور عذاب آجانے کی صورت میں اس کے بال بچے' نوکر چاکر بلکہ جانور بھی مصیبت میں گرفتار ہو گئے کہ کھیت اجڑ جانے سے سب ہی بھوکے مریں گے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذا اردنا ان نھلک قریۃ" امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا الخ** لہٰذا سرداروں کو اپنی زندگی بہت احتیاط سے گزارنی چاہئے' علماء' صوفیاء' بادشاہ' امراء سب اس آیت سے عبرت پکڑیں۔ پانچواں فائدہ: نیکیوں کی بالکل بربادی کفار کے لئے ہے' مومن کتنا ہی گنہگار ہو انشاء اللہ اس کی اصل نیکی برباد نہ ہو گی' کمی ثواب اور چیز ہے بالکل بربادی کچھ اور' کیونکہ قرآن کریم جو کفار کا عذاب بیان فرماتا ہے' مسلمان اس سے محفوظ ہوتے ہیں۔ چھٹا فائدہ: برباد کرنا' ہلاک کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر رب تعالیٰ نے اسے پالے والی برفانی ہوا کی طرف نسبت کیا' معلوم ہوا کہ نسبت مجازی درست ہے' یہ کہہ سکتے ہیں کہ فلاں چیز ہلاک کرتی ہے' فلاں چیز برکت دیتی ہے' لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عزت' ایمان دیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یتخبطہ الشیطن من المس** شیطان چھو کر دیوانہ کر دیتا ہے' حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **ابرئ الاکمہ والابرص و احی الموتی باذن اللہ** میں اللہ کے حکم سے کوڑھوں اور اندھوں کو شفا دیتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں' یہ سب اسنادیں مجازی ہیں' ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ ساتواں فائدہ: کبھی انسان کے کفر و فسق کی وجہ سے کھیتیاں برباد' رزق میں کمی' بلاؤں کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ **ظلموا انفسھم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں تشبیہ درست نہیں معلوم ہوتی کیونکہ یہاں کفار کے صدقات کو برفانی ہوا سے تشبیہ دی ہے' حالانکہ برفانی یا آتشی ہوا تباہ کن ہوتی ہے' اور یہ صدقات تباہ کن نہیں بلکہ تباہ شدہ ہیں۔ مثال ممثل لہ کے مطابق نہیں۔
جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اگر تشبیہ مرکب ہے' پھر تو بالکل ظاہر ہے کہ پورے واقعہ کو پورے واقعہ سے تشبیہ دی گئی ہے' جیسے گرم سرد ہوا سے لہلہاتا کھیت آن کی آن میں فنا ہو جاتا ہے' ایسے ہی ان کے صدقات کفر و شرک کی وجہ سے آناً "فاناً" ختم ہو جاتے ہیں اور اگر تشبیہ مفرد ہے تو مثل کے بعد کفر وغیرہ پوشیدہ ہے' یعنی کفار کے صدقات کے ساتھ کفر کرنے کی مثال اس ہوا کی سے ہے لہٰذا آیت واضح ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں یہ تشبیہ واقع کے مطابق نہیں' کیونکہ کفار کا صدقہ اول ہی سے مردود ہے' درست ہی نہیں' پھر کفر سے برباد ہونے کے کیا معنی' برباد وہ ہو جو پہلے آباد بھی ہو تو یہ صدقات اس برباد شدہ کھیت کے مشابہ کیونکر ہوئے کھیت تو پہلے موجود تھا' ہرا بھرا تھا' یہ صدقے پہلے ہی سے معدوم ہیں۔ جواب: یہاں بربادی کا ظہور مراد ہے یعنی دنیا میں کافر اپنے صدقات و خیرات کو ہری کھیتی کی طرح آباد سمجھتا ہے' مگر بعد موت اسے معلوم ہو گا کہ سب کچھ برباد ہو چکا ہے' اس کا موت پر مرنا گویا برفانی ہوا ہے اور اگر کفار کے خرچ سے مراد خلاف اسلام مال صرف کرنا ہے تو تشبیہ ظاہر ہے کہ انہوں نے مال خرچ کرکے اسلام کے خلاف اسکیم تیار کی' یہ اسکیم ان کا ذہنی و خیالی باغ ہے' پھر اللہ تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کو فتح دے کر ان کی امیدوں کو فنا کر دیا' یہ اس باغ کی بربادی ہے' جیسا کہ غزوۂ خندق وغیرہ میں ہوا' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ مسلمان کی نیکیاں برباد نہیں ہوتیں' یہ بربادی کفار پر عذاب ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے **یایھا الذین امنوا لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی** اے مسلمانو اپنے صدقات احسان جتا کر' ایذاء پہنچا کر باطل نہ کر لو اور فرماتا ہے **کالذی ینفق ماله رئاء الناس** اس کی طرح جو ریاکاری کے لئے خرچ کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ طعنے' ایذاء اور ریا سے مسلمانوں کے صدقات کی کھیتی بھی جل جاتی ہے' اگر بربادی صدقات کفار پر عذاب ہے تو مسلمانوں پر کیوں آیا؟ جواب: کفر کی نحوست سے اصل نیکی ہی برباد ہو جاتی ہے مگر طعنے' ایذاء اور ریاء وغیرہ سے مومن کی اصل نیکی ضائع نہیں ہوتی' مقبولیت یا تو جاتی رہتی ہے یا اس میں کمی آجاتی ہے' دیکھو ریاء کار امام کے پیچھے مخلص مومن کی نماز درست ہے' اور ریاکار کی نمازیں' صدقے شرعاً درست ہیں کہ اس کا فرض اسلام ادا ہو جاتا ہے' ریاکار کی زکوٰۃ اور ادائے حج درست ہو جاتا ہے' اور توبہ کرنے پر ان کو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہوتا' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **لا تبطلوا** کا فاعل خود مسلمانوں کو بنایا اور یہاں **فاھلکت** باطل کرنے اور ہلاک و برباد کرنے میں فرق ہے' نیز وہاں **لا تبطلوا** اور یہاں فرمایا **فاھلکته** کا فاعل ہوا کو قرار دیا' غرضکہ مومن کی ریاء اور کافر کے کفر میں بڑا فرق ہے' کفر سے اصل نیکی برباد ہوتی ہے اور ریاء سے یا ثواب ضائع ہوتا ہے یا اس میں کمی ہو جاتی ہے' اصل نیکی باقی رہتی ہے' یہ فرق باریک ہے خیال رکھنا چاہئے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کا صدقہ اور دوسری نیکیاں بالکل برباد ہیں جیسے جلا ہوا یا پالے سے مرا ہوا کھیت' جس میں نہ دانہ رہتا ہے نہ بھوسا' مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر کافر ایمان لے آئے تو اسے زمانہ کفر کی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے' اس زمانہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' جب اس کی نیکیوں کا کھیت بالکل جل ہی گیا تو جلے کھیت میں دانہ کیسے پڑ گیا۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ایمان اس بارش کی طرح ہے جو خشک کھیت میں بھی سبزی اور جلے کھیت میں بہار لگا دیتی ہے' بہت بار دیکھا گیا ہے کہ پالے کے مارے کھیت پر رحمت کی بارش پڑی اور وہ پھر ہرا ہو گیا' اللہ تعالیٰ ایمان کی بارش کی برکت سے اس کے کئے ہوئے گناہ' ان کے بنا دیتا ہے' اور برباد شدہ نیکیاں قبول فرما لیتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاولئک یبدل الله سیاتھم حسنت** اللہ تعالیٰ تو گناہوں کے خاردار درخت کو بھی باردار بنانے پر قادر ہے' دینے والے کو کون روک سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بارگاہ الٰہی میں کفر سے مراد اصل کفر ہے جس پر کافر کا خاتمہ ہو جائے' عارضی کفر جس کے بعد کافر کو ایمان مل جائے' وہ مراد ہی نہیں' لہٰذا وہ کفر و شرک برفانی یا آتشی ہوا کی طرح اس کی نیکیوں کو برباد کرے گا جس پر کافر مر جائے' یہاں وہی مراد ہے۔ چوتھا اعتراض: **ظلموا انفسھم** سے معلوم ہوا کہ صرف کفار کے ہی کھیت برباد ہوتے ہیں حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ مسلمان پرہیزگار کے کھیت اجڑ جاتے ہیں اور فجار و کفار کے کھیت ہرے بھرے رہتے ہیں' یہ آیت واقعہ کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ جواب: یہاں اجڑنے کا ذکر نہیں' ہلاکت کا ذکر ہے' خدا تعالیٰ کے فضل سے مومن کا کھیت بلکہ سارا مال بھی ہلاک نہیں ہوتا' برباد ہو کر بھی آباد رہتا ہے' کیونکہ مومن آباد رہنے پر شکر کر کے شاکرین کے زمرہ میں داخل ہو جاتا ہے اور اجڑ جانے پر صبر کر کے صابرین کے زمرے میں داخل ہو جاتا ہے۔ غرضکہ مومن اجڑے تو بھی آباد ہے اور کافر بسے تب بھی آباد نہیں ہے۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے! اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

www.alahazratnetwork.org

نقصان مومن کا امتحان ہے جس کے ذریعہ نبھا کر اور اونچا ہو جاتا ہے۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

خود رب تعالیٰ نے فرمایا ہے و لنبلونکم بشیء من الخوف الخ فرنکہ فا ملکہ نے بہت سے معنے حل کر دیئے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہر انسان کسان ہے' اس کی زندگی کھیت یا باغ' اعمال اس کے پھل موت کھیت کٹنے کا دن ہے' آخرت ان پھولوں کے استعمال کا زمانہ' جسے اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب کرے تو سمجھو کہ اس کی محنت کٹنے کا دن ہے' آخرت ان پھلوں کے استعمال کا زمانہ' جسے اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب کرے تو سمجھو کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی اور اس کا کھیت بخیریت کٹا' جیسے ایک شخص کے کھیت سے سینکڑوں فائدے اٹھاتے ہیں' جانور' فقیر' بیوپاری اور عوام الناس' ایسے ہی مومن کے اعمال کی کھیتی سے انشاء اللہ بہت لوگ فائدہ اٹھائیں گے' جیسے معمولی کسان کی کھیتی ایک خاندان کو مفید' مگر مربے والوں کی کھیتیاں ملک بھر کو فائدہ مند' ایسے ہی معمولی مسلمان کے اعمال کی کھیتی اور ہے' اولیاء انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی کھیتیاں اور ہی کچھ ہیں' انشاء اللہ ہم جیسے سینکڑوں گنہگار ان کے سوالی' بھکاری بن کر مزے اڑائیں گے' شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ در روز امید و بیم ۔ بداں را بہ نیکاں ببخشد کریم!

لیکن اگر خدا نہ کرے خاتمہ بگڑ گیا تو اس کا سارا کھیت اجڑ گیا' ہوئی محنت برباد ہو گئی' مگر اب بجز کف افسوس ملنے کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا' کیونکہ اب دوبارہ کھیت بونے کا وقت بھی نہ رہا' اس آیت کریمہ میں ان دوسرے بدنصیب کسانوں کا ہی ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے پر ظلم کیا کہ کفر و شرک کر کے اپنے اعمال کی کھیتی برباد کر لی۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًاؕ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ بناؤ اندرونی مشیر اپنے غیر کو وہ کوتاہی نہیں کرتے تمہارے متعلق
اے ایمان والو غیروں کو اپنا رازدار نہ بناؤ وہ تمہاری برائی میں کمی نہیں کرتے ان کی آرزو ہے
وَدُّوْا مَا عَنِتُّمْۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۖۚ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُؕ
فساد میں پسند کرتے ہیں اسے جس سے تمہیں ایذا ہو بیشک ظاہر ہو چکا بغض منہ سے ان کے اور جو دشمنی چھپاتے ہیں
جتنی تمہیں ایذا پہنچے بیر ان کی باتوں سے جھلک اٹھا اور وہ جو سینہ میں چھپاتے ہیں بڑا ہے
قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
سینے ان کے وہ بہت بڑی ہے بیشک بیان فرما دیں ہم نے تمہارے لئے نشانیاں اگر تم عقل رکھتے ہو
ہم نے نشانیاں تمہیں کھول کر سنا دیں اگر تمہیں عقل ہو

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں کفار کا اپنی جانوں پر ظلم بیان ہوا، اب ان کا ظلم و ستم مسلمانوں پر بیان ہو رہا ہے، یعنی پہلے ان کی لازم بیماری کا ذکر تھا اب متعدی بیماری کا تذکرہ ہے، یعنی وہ اپنے دشمن تو ہیں ہی، تمہارے بھی دشمن ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مومن و کافر کا فرق بیان کیا گیا تھا کہ یہ دونوں جماعتیں بالکل غیر جنس ہیں، ایمان نور ہے کفر اندھیری، ایمان دن ہے کفر رات، اب مسلمان کو کفار کی دوستی و مخالطت سے منع فرمایا جا رہا ہے کہ ناجنس کی صحبت اور غیر جنس سے الفت سخت نقصان دہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار کا مال و اولاد ان کے کفر کی وجہ سے ان کے لئے مفید نہ ہوئے، مضر ہوئے، اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! ان سے الفت و دوستی تمہارے لئے بھی مضر ہی ہوگی، مفید نہ ہوگی، جب انہوں نے اپنے کو برباد کر لیا تو تمہیں بھی برباد کریں گے، ان کی متعدی بیماری سے پرہیز کرو۔

شان نزول: (1) بعض انصار کی یہود مدینہ سے پہلے کی دوستی و رشتہ داریاں رضاعت سسرالی رشتے وغیرہ تھے، جن کے باعث یہ حضرات مسلمان ہونے کے بعد بھی ان یہود سے میل جول رکھتے اور ان سے مشورے وغیرہ لیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس میل جول، صلاح مشورہ سے روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (ابن اسحاق عن ابن عباس، تفسیر کبیر، صاوی، روح المعانی، خازن، خزائن وغیرھم)۔ (2) منافقین مسلمانوں سے ملے جلے رہتے تھے، حتیٰ کہ انہیں کے ساتھ نماز وغیرہ ادا کرتے تھے، جلیل القدر صحابہ تو ان سے متنفر بھی تھے، اور ان سے احتیاط بھی برتتے تھے، مگر بعض سیدھے اور سادے مسلمان انہیں مخلص مسلمان سمجھ کر ان سے خلط ملط بھی رکھتے تھے اور اپنے و مسلمانوں کے اسرار اور جنگی ارادوں و تیاریوں کا بھی ان سے تذکرہ کر دیتے تھے، یہ مردود فوراً یہود کو ان رازوں سے مطلع کر دیتے تھے، گویا یہ منافقین یہود کے جاسوس تھے، اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں ان سادہ لوح حضرات کو اس سے روکا گیا اور منافقین کے دلی بغض و عناد سے انہیں آگاہ کیا گیا، جنگ میں رازداری ہی تو ایک چیز ہے، اگر راز فاش ہو گیا تو جنگ ناکام ہو کر رہ گئی۔

تفسیر: **یا ایھا الذین امنوا**، پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اظہار کرم یا مضمون کی اہمیت بتانے کے لئے مسلمانوں کو پکار کر حکم سنایا جاتا تھا، چونکہ پرانے رشتہ داروں کو بالکل چھوڑ دینا اور ان سے قرابت داریاں ختم کر دینا اہم بھی تھا اور مشکل بھی، اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو پکارا، پھر انہیں حکم سنایا کہ اس ندائے محبوب کی لذت سے مشکل کام آسان ہو جائے، یہ نداء اور اس کی لذت اس بنک کی طرح ہے جس کی وجہ سے آپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی **لا تتخذوا بطانۃ**" **تتخذوا** **اتخاذ** سے بنا جس کا مادہ **اخذ** ہے، بمعنی بنانا، پکڑنا، لینا، اختیار کرنا، یہ دو مفعول چاہتا ہے جیسے **جعل** دوسرے معنی میں آکر" **بطانۃ**" **بطن** سے بنا بمعنی پیٹ، اصطلاح میں چیز کے ظاہر کو ظہارہ اور اندرون کو بطانہ کہا جاتا ہے، چنانچہ لحاف کے استر کو بطانہ کہتے ہیں اور ابرے کو ظہارہ، پھر بطور استعارہ دلی دوست کو جسے دل کی باتیں بتا دی جائیں، پیٹ کے خفیہ راز سنا دیئے جائیں بطانہ کہنے لگے یعنی رازدار اور مشیر کار، یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر، معانی وغیرہ) قبیلہ کے خاندان کو عربی میں بطن بھی اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بطن یعنی پیٹ کی طرح ہوتا ہے، جیسے جسم میں پیٹ ایسے ہی قبیلہ میں دو خاندان **من دونکم**، من یا تو زائدہ ہے یا صلہ کا یا تبیین کا اور یا تو **لا تتخذوا** کے متعلق ہے، یا کسی پوشیدہ چیز کے، اور **بطانۃ**" کی صفت یعنی

www.alahazratnetwork.org

ایسوں کو دلی راز نہ بتاؤ جو تمہارے غیروں میں سے ہوں' **دون** کبھی غیر کے معنی میں آتا ہے 'کبھی سواء کے معنی میں 'اور کبھی **ادون** یا **دنی** کے معنی میں 'اسی لئے کلمہ طیبہ میں **الا اللہ** کہا جاتا ہے **دون اللہ** نہیں کہا جاتا اس کے لغوی معنی ہیں غیر و علیحدگی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و وجد من دونہم امراتین** موسیٰ علیہ السلام نے لوگوں سے علیحدہ اور دو دو لڑکیوں کو پایا۔ اور فرماتا ہے' **و ادعوا شھداء کم من دون اللہ** قرآن کریم کے مقابلہ کے لئے اللہ کے غیر جو اللہ تعالیٰ سے الگ ہوں ان معبود یا علماء کو بلاؤ' غرضیکہ ہر ماسوئی **دون** نہیں بلکہ وہ **ما سوی دون** ہے جو اجنبی یا مقابل یا دشمن ہو' یہ معنی خیال میں رکھے جائیں' آج اسی لفظ سے دھوکا دیا جاتا ہے' چنانچہ یہاں **دونکم** سے مراد منافقین یہود یا دوسرے کفار ہیں نہ کہ مسلمان' حق یہی ہے کہ اگرچہ اس آیت کا نزول یہود یا منافقین کے متعلق ہے' مگر مراد سارے ہی کفار ہیں' کیونکہ آیات میں عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوصی نزول کا (کبیر) چنانچہ **دونکم** میں خوارج کو داخل کیا گیا ہے (تفسیر روح المعانی) **لا یالونکم خبالا** " **یالون**' **الو** سے بنا بمعنی کوتاہی' باب نصر سے ہے **الا یالو** یہ خود در اصل لازم ہے' مگر کبھی حرف جر کے ذریعہ متعدی ہو جاتا ہے' کہا جاتا ہے **لم ال فی الجھد** اور اگر اس میں منع کے معنی کی تضمین ہو جائے تو متعدی بہ دو مفعول بن جاتا ہے' جیسے **لا الوک نصحا** " یا **لا الوک جھدا** " جب بمعنی ترک یا چھوڑنا ہو تو متعدی بہ یک مفعول (روح المعانی) یہاں منع کے معنی پر شامل ہے' متعدی بہ دو مفعول ہے **خبال** وہ فساد جو کسی جاندار میں اضطراب و بے چینی پیدا کر دے' جیسے جنون یا بے چین کر دینے والی بیماری' کبھی بمعنی مطلق فساد بھی آتا ہے۔ **خبالا** یا **لا یالون** کا مفعول دوم ہے یا یہاں **فی** پوشیدہ ہے یا **کم** ضمیر سے حال ہے یا تمیز یعنی وہ تمہاری برائی و فساد میں کوئی کمی نہیں کرتے **ودوا ما عنتم**' **ودوا**' **ود** سے بنا بمعنی محبت یا تمنا و آرزو **عنتم**' **عنت** سے بنا بمعنی سخت مشقت اور بہت محنت و تکلیف' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو شاء اللہ لا عنتکم**' **ما** مصدریہ ہے یا موصولہ یعنی انہیں تمہارا سخت مشقت و تکلیف میں پڑنا بہت پیارا ہے یا انہیں اس کی آرزو ہے یا انہیں ہر وہ چیز پیاری ہے جو تمہیں مصیبت و مشقت میں ڈالے **قد بدت البغضاء من افواھم**' **بدت**' **بدو** سے بنا بمعنی ظاہر ہونا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ان تبدوا ما فی انفسکم**' **بغضاء**' **بغض** دشمنی کے معنی میں ہے جیسے **ضر** سے **ضراء** سخت تر' ایسے ہی **بغض** سے **بغضاء** شدید تر' **افواہ**' **فم** کی جمع اس کی اصل **فوہ** ہے بمعنی دہاں یا منہ' چہرہ کو وجہ کہتے ہیں لہٰذا فم اور وجہ میں فرق ہے یعنی یہ یہود و منافقین اگرچہ دلی عداوت چھپانے کی کوشش تو بہت کرتے ہیں' مگر قدرتی طور پر کبھی ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل ہی جاتی ہیں' جس سے ان کے دل کی آگ کا پتہ چل جاتا ہے' آگ کا پتہ دھوئیں سے لگ ہی جاتا ہے **وما تخفی صدورھم اکبر**' **تخفی**' **اخفاء** سے بنا بمعنی چھپانا **صدور**' **صدر** کی جمع ہے بمعنی سینہ اگرچہ محبت و عداوت' نفرت و رغبت دل میں رہتے ہیں' مگر چونکہ دل سینہ میں ہے اس لئے سینہ کو ان کی جگہ قرار دیا گیا' کہا جاتا ہے سینہ کینہ سے صاف کرو تاکہ اس میں انوار دیکھو' یعنی ان بدنصیبوں کے سینوں میں جو تمہاری عداوت کی آگ جل رہی ہے وہ اس سے کہیں زیادہ ہے جو ان کے منہ سے ظاہر ہوتی ہے۔ **قد بینا لکم الایت**' **بینا** **تبیین** سے بنا بمعنی خوب ظاہر اور واضح کر دینا **بین** کا معنی ہیں علیحدگی و جدائی ظاہر ہو کر بھی ہر چیز الگ الگ اور ممتاز ہو جاتی ہے' **لکم** میں لام نفع کا ہے یا صلہ کا **کم** میں خطاب صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے **ایت** سے مراد قرآن حکیم کی آیتیں ہیں یا کفار کی عداوت و دشمنی کی علامتیں' یعنی اے مسلمانو! ہم نے تم سے یا تمہارے نفع کے لئے یہ آیتیں بیا

www.alahazratnetwork.org

تمہارے دشمنوں کی دشمنی کی علامتیں واضح طور پر صاف صاف بیان فرمادی ہیں **ان کنتم تعقلون** یہاں عقل بمعنی جاننا ہے' یا سمجھنا' اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے' اور ان کی جزاء بھی مقدر ہے' یعنی اگر تم اللہ کے مواعظ یا قرآنی منافع یا دوست دشمن میں فرق کو جانتے' سمجھتے ہو تو ان کی چکنی چپڑی باتوں میں نہ آؤ اور ان سے دھوکا نہ کھاؤ۔

خلاصہ تفسیر: مدینہ منورہ میں مسلمان دو دشمنوں میں پھنسے تھے' یہودی اور مار آستین منافقین' یہود نے ادھر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کر رکھے تھے اور ادھر مسلمانوں کے دشمنوں سے ملے ہوئے تھے' کہ انہیں مسلمانوں پر چڑھائی کرنے کے لئے اکساتے رہتے تھے' منافقین کی زبانیں بظاہر مسلمانوں کے ساتھ تھیں مگر ان کے دل یہود کے ساتھ۔ مسلمانوں میں رہتے تھے اور ان کے راز یہود تک پہنچاتے تھے' ادھر بعض سادہ لوح مسلمان منافقین کے ظاہری اسلام پر اعتبار کر کے اور یہود مدینہ سے پرانی رشتہ داریوں کا لحاظ کر کے ان کے ساتھ **اٹھنا بیٹھنا** بھی رکھتے تھے اور ان سے صلاح مشورہ بھی کرتے تھے۔ جس سے کبھی ان کے منہ سے مسلمانوں کے اسرار بھی ظاہر ہو جاتے تھے' رب تعالیٰ نے اس آیت میں ان لوگوں کو ہدایت فرمائی کہ فرمایا اے مخلص مومنو! اپنے دشمنوں یعنی یہودیوں کو اور اپنے غیروں یعنی منافقین کو نہ اپنا مشیر کار بناؤ' نہ رازدار' کیونکہ یہ تمہارے دوست نہیں بلکہ کھلے و چھپے دشمن ہیں' یہ موقع پا کر تمہیں کسی قسم کا نقصان پہنچانے میں کوتاہی نہ کریں گے' تمہاری ترقی انہیں کھٹکتی ہے' اور تمہاری تکلیف و مصیبت انہیں پیاری ہے' تم ان کی باتیں غور سے سنا کرو' کبھی کبھی ان کے منہ سے ایسی باتیں نکل جاتی ہیں جن سے ان کی چھپی عداوت جھلک جاتی ہے' یہ الفاظ تو ان کی خفیہ دشمنی کی ہلکی سے غمازی کرتے ہیں' ورنہ ان کے دلوں میں تمہاری طرف سے بڑی بھاری عداوت ہے' ایسوں کو اپنے رازوں سے مطلع کرنا در حقیقت اپنی موت کو دعوت دینا ہے' ہم نے تو ان کی دشمنی کی علامتیں اور ان کے قلبوں کے حالات واضح طور پر تمہیں بتا دیئے' اگر تم میں عقل ہے تو سمجھ جاؤ' اور اپنے دشمن میں فرق کر لو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار سے دوستانہ تعلقات ان کے ساتھ **اٹھنا بیٹھنا**' ان سے میل جول' انہیں اپنے دلی راز بتانا ناجائز ہے' تجربہ شاہد ہے کہ ان باتوں سے مسلمانوں کو ہمیشہ نقصان ہی پہنچا۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کے مقابلہ میں سارے کفار ایک ہیں اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلافات ہوں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **بعضھم اولیاء بعض**' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الکفر ملۃ واحدۃ** اسلام کے مقابلہ' سارے کفر ایک دین ہیں' دیکھو منافقین' یہود اور مشرکین مکہ نے متفق ہو کر ہمیشہ مسلمانوں کو مٹانے کی کوششیں کیں' جس کا نمونہ غزوۂ خندق میں نظر آیا' آج بھی تقسیم ملک کے وقت ہم نے دیکھ لیا کہ ہندو' سکھ' پارسی' آریہ وغیرہ مسلمانوں کے مقابل ایک ہو گئے تھے' اور ان سب سے ہی مسلمانوں کو سخت نقصان پہنچا۔ **تیسرا فائدہ:** منافقین بھی مسلمانوں کے دشمن اور کفار کے دوست ہیں' اب بھی بعض اسلامی فرقوں کو دیکھا گیا کہ انہوں نے آڑے وقت میں مسلمانوں کے مقابل کفار کا ساتھ دیا اور دیتے ہیں' مذہبی مسلمان اور ہیں قومی مسلمان اور' منافقین قومی مسلمان تھے' دینی مسلمان نہ تھے نہ ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** تمام کفار خواہ یہودی ہوں یا اہل کتاب یا مشرکین یا منافقین' انہیں کلیدی آسامیاں دینا وزارت عظمیٰ و وزارت خارجہ یا اور ذمہ دار محکمے انہیں سونپنا سخت خطرناک ہے۔

www.alahazratnetwork.org

حکایت: حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا گیا کہ فلاں نصرانی (عیسائی) حیرہ میں ہے' بڑا حساب دان اور بہترین کاتب ہے' اگر ارشاد فرمائیں تو اسے دیگر ممالک سے خط و کتابت کرنے کے لئے رکھ لیا جائے' جناب عمر نے منع فرمادیا اور یہی آیت پڑھی **لا تتخذوا بطانۃ** " اور فرمایا کہ اگر یہ عیسائی مرگیا تو کیا کرو گے؟ (تفسیر کبیر) **پانچواں فائدہ:** اگرچہ اہل کتاب عورت سے مسلمان مرد نکاح کرسکتا ہے مگر اسے بھی اپنا قومی' سیاسی' ملکی' دینی مشیر اور رازدار نہ بنائے کہ وہ بھی ڈنگ مارنے میں کمی نہ کرے گی' وہ بمقابلہ شوہر اپنی قوم کی زیادہ خیر خواہ ہوگی' اسی طرح مسلمان اپنے کافر پڑوسیوں کو اپنا رازدار نہ بنائے ورنہ دھوکا کھائے گا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر ہم کسی کافر کو اپنا دوست سمجھ لیں تو یہ ہماری غلط فہمی ہے' اور اس کافر کی عیاری و مکاری کیونکہ رب تعالیٰ سارے بندوں کا خالق ہے ان کی حقیقت جیسی وہ جانتا ہے ہم نہیں جانتے' رب تعالیٰ نے ان کی عداوت کو "اکبر یعنی بہت بڑی فرمایا' جسے رب تعالیٰ اکبر کہے' سمجھ لو کہ وہ کیسی خطرناک و سخت ہوگی۔ **ساتواں فائدہ:** اگرچہ اہل کتاب کافر و مشرکین کفار کے احکام میں فرق ہے' اور یہود و عیسائیوں کی عداوت اسلام میں بھی فرق' کہ قرآن کریم نے دوسری جگہ یہود و مشرکین کو مسلمانوں کا سخت ترین دشمن بتایا اور عیسائیوں کو ان کا دوسرا درجہ دیا کہ فرمایا **لتجدن اشد الناس عداوۃ " للذین امنوا الیھود والذین اشرکوا ولتجدن اقربھم مودۃ " للذین امنوا الذین قالوا انا نصری** مگر نفس عداوت میں سب برابر ہیں' "کالے' پیلے بچھو زہریلے ہی ہیں' اگرچہ زہروں میں فرق ہے' اس کا تجربہ ہم کو تقسیم ملک سے ہوا کہ ہندوستان میں قریباً" سو برس تک عیسائیوں کی بادشاہت رہی' انہوں نے مسلمانوں کو دبایا تو مگر مٹایا نہیں' لیکن اب دس بارہ سال سے وہاں ہندوؤں کی بادشاہت ہے' اس دوران میں انہوں نے مسلمانوں کو مٹا کر رکھ دیا کہ وہاں اکثر صوبے مسلمانوں سے خالی ہوگئے۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر ماسوئی کو **دون** نہیں کہتے' بلکہ اجنبی غیر اور دشمن و مقابل کو **دون** کہا جاتا ہے دیکھو یہاں **من دونکم** کفار و منافقین کے لئے فرمایا گیا نہ کہ مومنین کے لئے' لہٰذا جہاں کہیں قرآن کریم نے فرمایا **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** وہاں دون کے معنی مقابل ہی ہیں' اور مطلب یہ ہے کہ خدا کا مقابل ہو کر نہ تمہارا کوئی دوست ہے نہ مددگار جو اس کے مقابل تمہیں عذاب سے بچالے۔ **غیر' الا' سوی' دون' حاشا** ان سب کے معنی سوئی ہی ہیں' مگر ان کے استعمال کے مواقع الگ الگ ہیں' چنانچہ **الا** ہر **ماسوی** کو کہتے ہیں' اپنا ہو یا غیر' دشمن ہو یا دوست' مگر دون' اس ماسوی کو کہا جائے گا جو دشمن یا غیر یا بے تعلق ہو' اسی لئے کلمہ طیبہ میں **الا اللہ** ہے **دون اللہ** نہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں دیکھو۔ **دون** کا مادہ اشتقاق اور اس کے لغوی معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے جاچکے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کافر کو دوست و مشیر نہ بنایا جائے' تو آج زندگی کیسے گزاریں' پاکستان بلکہ تمام جہان کی اسلامی سلطنتیں عیسائیوں کی امداد پر قائم ہیں فی زمانہ اس آیت پر عمل ناممکن ہے۔ (نئی روشنی)

جواب: تعاون اور رازداری میں بڑا فرق ہے' یہاں رازدار بنانے سے روکا گیا ہے' تعاون تعلقات لین دین جسے عربی میں **بر و قسط** کہتے ہیں کفار سے جائز تھا اور جائز ہے' خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ سے تجارتی لین دین کئے اور کفار سلاطین کے ہدیئے قبول فرمائے' اور انہیں ہدیئے دیئے ہیں' اور ان کی مسائیاں کی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا ینھکم اللہ**

www.alahazratnetwork.org

عن الذین لم یقاتلوکم الخ ہجرت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کافر کی راہبری قبول فرمائی (از شامی) انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق سورۂ ہود کی تفسیر میں کی جائے گی۔ دوسرا اعتراض: جب کفار خصوصاً یہود کو مشیر اور دوست بنانا منع ہے تو ان کی عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہوا؟ بیوی لامحالہ مشیر و رازدار ہی ہوتی ہے۔ جواب: ان سے نکاح اس لئے جائز کیا گیا کہ وہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے اسلام سے کچھ قریب ہیں اور عورت مرد کے ماتحت ہوتی ہے امید ہے کہ کتابیہ عورت مسلمان کی صحبت سے ہدایت پا جائے کتابیہ عورت کو گھربار کے کاروبار کا مشیر بناؤ نہ کہ ملکی اور قومی سیاسیات کا یاد رکھو کہ اگر کتابیہ سے نکاح میں مسلمان کے بہک جانے کا خطرہ ہو تو ہرگز ان سے نکاح نہ کیا جائے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں رب تعالیٰ نے کفار کی دو دشمنیاں بیان فرمائیں برائی میں کمی نہ کرنا اور مسلمانوں کی ایذاء کو تمنا کرنا ان دونوں میں فرق کیا ہے بظاہر دونوں ایک ہی معلوم ہوتی ہیں۔ جواب: پہلی عداوت میں تو مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی کوشش مراد ہے اور دوسری عداوت میں کوشش میں ناکام ہو کر مسلمانوں کی تکلیف کی تمنا کرنا مراد ہے لہذا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ چوتھا اعتراض: اگر دون مقابل و دشمن کو کہتے ہیں تو رب تعالیٰ نے عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو دون اللہ کیوں فرمایا؟ کہ ارشاد ہوا ان یتخذوا عبادی من دونی اولیاء اور فرمایا لا تعبدوا من دون اللہ کیا خدا کے دشمنوں کی عبادت حرام ہے اور نبیوں کی جائز ہے؟ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ان آیات میں غیر اللہ کی عبادت کو عبادت الٰہیہ کا مقابل قرار دیا گیا ہے عبادت خدا تعالیٰ کے سواء کسی کی بھی کی جائے عبادت الٰہیہ کے مقابل ہی ہوگی کیونکہ عبادت کے معنی ہیں کسی کو خدا یا خدا کے برابر سمجھ کر اس کی تعظیم و فرمانبرداری کرنا تو جس کو رب تعالیٰ کے برابر سمجھا گیا وہ رب تعالیٰ کا مقابل ہوا اور اس کی عبادت رب تعالیٰ کی عبادت کے مقابل ہوئی دوسرے یہ کہ یہود نے حضرت عزیر کو خدا تعالیٰ کا بیٹا مانا عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ کہا مشرکین نے اپنے معبود کا رب تعالیٰ کو محتاج مانا اور فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا لہذا انہوں نے ان بندوں کو رب تعالیٰ کے برابر یا مثل مانا اور برابر یا مثل مقابل ہوتا ہے نہ کہ محض بندہ اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں من دون اللہ فرمایا یعنی ان کے اعتقاد میں اللہ کے مقابل نہ کہ واقع میں بہرحال دون اس ماسوی کو کہتے ہیں جو برابر یا مقابل یا دشمن ہو خواہ واقع میں یا کفار کے اعتقاد میں ہر ماسوی دون اللہ نہیں ہے یہ فرق خیال میں رکھنا چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل گویا مومن ہے نفس امارہ منافق جو دل سے یارانہ جتاتا ہے اور شیطان سے دوستی گانٹھے ہوئے ہے شیطان کھلا کافر ہے قلوب سے خطاب ہے کہ اے مومنو! نفوس امارہ منافقوں کو اور شیاطین کفار کو اپنا جگری دوست اور مشیر کار راز دار نہ بناؤ اگر نفس و شیطان تمہارے یار ہو گئے تو تمہیں وہاں ہی پہنچائیں گے جہاں کے وہ لائق ہیں یعنی دوزخ میں کوا دوست ہو کر مردار پر لے جائے گا۔

اذا کان الغراب دلیل قوم سیھدیھم طریق الھالکین

یہ دونوں تمہیں بگاڑنے اور فاسد کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے نفس و شیطان اگرچہ تمہارے دوست بنکر سامنے آتے ہیں مگر بہت دفعہ ان کی دشمنی خود ان کے منہ اور حرکتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے تمہیں مصیبت میں ڈالنا شیطان کی عین مرضی ہے کیونکہ وہ تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہے تو وہ تمہارا دوست کیسے بن سکتا ہے؟ ہم نے

ہر بات دلیل سے تمہیں سمجھا دی اگر تم نے اب بھی دھوکا کھایا تو خود تم ہی ذمہ دار ہو گے اگر تم میں عقل رحمانی ہو تو دوست و دشمن کو پہچان لو کہ اللہ تعالیٰ عقل نفسانی اور عقل شیطانی سے بچائے اور عقل رحمانی نصیب کرے۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: ہر انسان دکاندار ہے' زندگی اس کی دکان ہے اور اعمال دکان کے سودے' دکان کے جیسے سودے ویسے ہی اس کے خریدار' عطر و جاء نمازی کی دکان پر نمازی گاہک ہوتے ہیں' اور شراب کی دکان کے گاہک شرابی' غرضکہ جیسی دکان ویسے خریدار' اسی طرح جس کی دکان میں نیک اعمال' عشق رسول کے سودے ہیں اس کا خریدار خود پروردگار ہے' خود فرماتا ہے **ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃ** اور اگر اس دکان زندگی میں بدکاریوں کے سودے ہیں تو اس کا خریدار شیطان ہے' رب تعالیٰ اپنے سودوں کی قیمت جنت دے گا اور شیطان اپنے خریدے ہوئے سودوں کی قیمت میں دوزخ میں پہنچائے گا' یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! اپنی دکان زندگی کا گاہک کفار و شیاطین کو نہ بناؤ' ان گاہکوں سے تمہیں نفع نہ ملے گا بلکہ یہ تمہاری دکان کا دیوالہ نکال دیں گے یہ تمہاری دکان کے خیر خواہ نہیں بلکہ بدخواہ ہیں' ان کی عداوت و بددیانتی تو ان کے منہ سے ظاہر ہے۔ خدا تعالیٰ دکان کے خریدار اچھے عطا فرمائے۔

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوْكُمْ

آگاہ ہو تم ہی وہ ہو کہ ان سے محبت کرتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں کرتے اور تم ساری کتابوں پر ایمان رکھتے ہو اور جب وہ تم سے

سنتے ہو یہ جو تم ہو انہیں چاہتے ہو اور وہ تمہیں نہیں چاہتے اور حال یہ ہے کہ تم سب کتابوں پر ایمان لاتے ہو اور

قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ ۭ قُلْ

ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں تو تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں غصہ کے باعث فرما دو مر جاؤ

وہ جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور اکیلے ہوں تو تم پر انگلیاں چبائیں غصہ سے تم فرما دو کہ

مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾

اپنے غصہ سے بے شک اللہ جاننے والا ہے سینہ والی چیزوں کو

مر جاؤ اپنی گھٹن میں اللہ خوب جانتا ہے دلوں کی بات

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں کفار و منافقین کو رازدار بنانے سے منع فرمایا گیا تھا جس کی ایک وجہ تو وہاں ہی بیان کی گئی اور دو وجہیں ان دو آیتوں میں بیان فرمائی جا رہی ہیں' وہاں بتایا گیا کہ یہ تمہارے بدخواہ ہیں خیر خواہ نہیں' اب بتایا جا رہا ہے کہ ان کے دل میں تمہاری محبت قطعاً نہیں گویا عملی دشمنی' بدخواہی کے بعد محبت کی نفی کا ذکر بہت موزوں ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں کفار و منافقین کی عملی دشمنی کا ذکر تھا اب ان کی دلی دشمنی کا تذکرہ ہے گویا ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں کفار اور منافقین کی چالاکی و عیاری کا ذکر تھا اب اس آیت میں مسلمانوں کی سادگی کا تذکرہ ہے کہ مسلمان کفار کی زبانی چاپلوسی پر اعتبار کر جاتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں بلکہ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت میں کفار و منافقین کی اس عداوت کا ذکر تھا جو مسلمانوں پر کبھی کبھی ظاہر ہو جاتی تھی' اب ان کی اس خفیہ عداوت کا تذکرہ ہے جس کا اثر ان کی خفیہ مجلسوں میں ہوتا ہے گویا جلوت کی حالت کے بعد خلوت کی حالت کا ذکر ہے۔

تفسیر: **ھا انتم اولاء تحبونھم'** **ھا** حرف تنبیہ ہے جو غافل کو بیدار کرنے یا سوتے کو جگانے کے وقت استعمال ہوتا ہے چونکہ بعض مسلمان کفار و منافقین کی چالوں سے غافل و بے خبر تھے اس لئے **ھا** فرمایا گیا' **انتم** سے ان ہی سیدھے سادے صحابہ کرام کو خطاب ہے جو ان کی چالوں سے بے خبر تھے نہ کہ تمام صحابہ سے' اور اب قیامت تک کے سیدھے سادے اور کفار کی چالوں میں آجانے والے مسلمانوں سے خطاب ہے' **انتم** مبتدا ہے اور **اولاء** اسم موصولہ **تحبونھم** صلہ' موصول صلہ سے مل کر **انتم** کی خبر ہے یعنی اے سیدھے مسلمانو! تم تو وہ غرور کریم ہو جو ان کفار سے محبت کرتے ہو' اس محبت سے مراد نہ تو ان کے کفر سے محبت ہے کہ یہ خود کفر ہے' اور نہ قوم کفار سے محبت نہ ان کی طرف میلان جو حرام ہے کہ صحابہ کرام ان دونوں جرموں سے محفوظ تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** بلکہ ان دونوں ناجائز محبتوں کے سواء کوئی اور محبت مراد ہے۔ جس کا ذکر ابھی آرہا ہے **ولا یحبونکم** سارے کفار و منافقین کا یہی حال ہے خواہ مشرکین ہوں یا یہود یا عیسائی وغیرہ' ایسے کفار کے جاسوس مسلم نما کافروں و منافقوں کا بھی یہی وطیرہ ہے' اس جملہ کے چند معنی ہیں' تم ان سب کے مسلمان ہو جانے کی رغبت رکھتے ہو' یہ ان سے اصل محبت و خیر خواہی ہے مگر وہ تمہارا کافر ہو جانا چاہتے ہیں' یہ ان کی دشمنی ہے' تم ان کی رشتہ داریوں و قرابت کی وجہ سے دنیاوی محبت طبعی رکھتے ہو' مگر انہیں تم سے اس بناء پر مطلقاً" محبت نہیں' وہ تمہیں دشمن سمجھتے ہیں' تم ان کے اظہار ایمان کے سبب محبت کرتے ہو' انہیں مسلمان سمجھتے ہو مگر وہ اپنے اندرونی کفر اور چھپے ہوئے نفاق کے سبب تم سے کوئی محبت نہیں رکھتے' تم انہیں آفات و مصیبت میں ڈالنا نہیں چاہتے' کیونکہ یہود مدینہ سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے' تم اپنے عہد کے پابند ہو مگر وہ تمہیں آفات میں ڈالنا چاہتے ہیں کہ اس عہد و پیمان و معاہدہ کے باوجود تمہارے کھلے دشمنوں سے وہ ساز باز رکھتے ہیں' کیونکہ وہ اپنے عہد و پیمان تو کیا اپنی قسموں کے بھی پابند نہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انھم لا ایمان لھم** ان کی قسموں کا بھی اعتبار نہیں' تم اپنی سادگی کی وجہ سے ان پر اپنے بعض اندرونی راز ظاہر کر دیتے ہو' مگر وہ عیار و چالاک لوگ تمہیں اپنے راز پر کبھی مطلع نہیں کرتے' غرضکہ تمہاری یہ محبتیں تمہاری سادگی کی بناء پر ہیں تم ہوشیار رہو **وتؤمنون بالکتاب کلہ** یہ مسلمانوں کا دوسرا حال ہے اور اس کے مقابل کفار و منافقین کا دوسرا فریب و مکر' **کتب** یا تو اسم جنس ہے یا اسم مصدر' اور اس سے مراد تمام آسمانی کتب ہیں یا قرآن شریف مراد ہے' یعنی تم تو تمام کتب آسمانی پر ایمان رکھتے ہو توریت ہو یا انجیل' مگر ان کا یہ حال ہے کہ وہ نہ تو تمہارے قرآن شریف پر ایمان رکھتے ہیں نہ توریت و انجیل پر اگر وہ توریت و انجیل پر ایمان رکھتے ہوتے تو مسلمان ہو جاتے کہ ان کتب نے نبی آخر الزمان پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا' یا تم تو سارے قرآن شریف پر ایمان رکھتے ہو جس میں ذمی کفار کے حقوق کی ادائیگی معاہدین سے اچھے سلوک' عہد و پیمان کی پابندی کی تاکید ہے' وہ قرآن شریف کا ایک بھی حکم نہیں مانتے' انہیں کیا معلوم کہ عہد و پیمان کیا چیز ہے' اسلامیت تو کیا انسانیت سے بھی بے خبر ہیں' وہ باطل پر ایسے مضبوط ہیں' تم حق پر مضبوط کیوں نہیں رہتے (کبیر) **وا ذا لقوکم قالوا امنا**

www.alahazratnetwork.org

یہ منافقین کا دوسرا حال ہے بلکہ یہود کی بھی دوسری چال 'یعنی جب منافقین تم سے مسجدوں یا کسی اور جگہ میں ملتے ہیں تو منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم قرآن و صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر سچے دل سے ایمان لے آئے' یا جب یہود تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تمہاری طرف سے اور تم ہماری طرف سے امن میں آگئے ہم اپنے معاہدہ پر پابند ہیں مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں اس جملہ کی پوری تحقیق الم پارہ اول کے شروع میں ہو چکی' قالوا فرما کر یہ بتایا کہ ان کا اقرار ایمان صرف زبانی ہے دل سے اس کا کوئی تعلق نہیں' امنا ماضی فرما کر یہ بتایا کہ پہلے ہم کافر تھے اب ایمان لا چکے ہیں و اذا خلوا عضوا علیکم الانامل من الغیظ خلو' خلو سے بنا' بمعنی اکیلا ہونا' اسی سے ہے خلوت اور خالی عضو' عض سے بنا بمعنی دانت سے کاٹنا یا دانت سے پکڑنا' انامل انملہ کی جمع ہے' بمعنی پورے' انگلی کو اصبع کہتے ہیں' علیکم میں صحابہ کرام سے اور پھر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے۔ غیظ سخت غصہ کو کہتے ہیں جس سے خون کھول جائے' معمولی یا درمیانی غصہ کو غضب کہتے ہیں' یعنی اکیلے میں یا اپنے ہم جنس کافروں کے ساتھ خلوت میں تم پر ہاتھ چباتے ہیں' ہاتھ چبانا سخت غضب بیان فرمانے کے لئے ہے' یہ لوگ مسلمانوں کے اتفاق و محبت اور اسلام کی ترقی کو دیکھ کر خون کے آنسو روتے اور غصہ میں اپنے ہاتھ کاٹتے تھے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے قل موتوا بغیظکم' قل میں خطاب یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مسلمان سے اور قول سے مراد عملی فرمانا ہے نہ کہ زبانی یعنی آپ اور زیادہ مسلمانوں کو متفق و متحد کریں اور اسلام کو اور زیادہ فروغ دیں (روح المعانی) موتوا بغیظکم یا تو یہ بددعا ہے یا ان بے ایمانوں پر اظہار غضب یعنی خدا کرے تم اپنے غصہ کی آگ میں جلتے مرتے رہو یا انشاء اللہ اسلام یونہی ترقی میں رہے گا تم پڑے مرجاؤ۔

رہے گا یونہی ان کا چرچا رہے گا　　　پڑے خاک ہو جائیں جل جلنے والے

لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ تم کافر رہو اور جلتے رہو حتی کہ مر جاؤ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کو ایمان لانے کی تلقین فرماتے تھے (تفسیر کبیر) ان اللہ علیم بذات الصدور' ذات' ذو کا مونث ہے' صدور' صدر کی جمع ہے' بمعنی سینہ اس سے مراد دل کے خطرات ہیں کیونکہ وہ بھی سینہ میں ہی ہوتے ہیں یا یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے پہلے جملہ سے علیحدہ یا یہ بھی قل کے تحت ہے یعنی رب تعالیٰ تمہارے انگلیاں چبانے کو بھی جانتا ہے اور تمہارے دلوں کے اس غیظ و غضب پر بھی مطلع ہے جو انگلیاں چبانے کا باعث ہے بلکہ اس نے ہم کو بھی تمہارے ان سارے حالات پر مطلع فرما دیا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم اپنی پاک فطرتوں کی وجہ سے منافقین کی باتوں اور اہل کتاب کی چالوں میں آجاتے ہو اور ان سے گذشتہ تعلقات کی بنا پر قرابت داریوں کی محبتیں اور میل ملاپ رکھتے ہو مگر وہ ایسے کفر میں پکے اور ضد میں مضبوط ہیں کہ تم سے مطلقاً محبت نہیں کرتے' غضب تو دیکھو کہ تم ان کی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کو مانتے ہو ان کے نبیوں پر ایمان رکھتے ہو' انہیں تو چاہیے تھا کہ بمقابلہ مشرکین کے تمہارا لحاظ کرتے اور ان کے مقابل تمہاری امداد کرتے' مگر معاملہ بر عکس ہے کہ وہ تمہارے مقابل انہیں عزیز رکھتے ہیں' اور ان کی امداد کرتے ہیں' ان کی چال ڈھال یہ ہے کہ جب تم سے ملتے ہیں' تو منافقین تو کہہ جاتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے' اور تمہاری طرح ہم بھی مسلمان ہیں اور کھلے کتابی کہتے ہیں کہ ہم تمہاری طرف سے بالکل امن میں ہیں' اور تم ہماری طرف سے ہر طرح امان میں' ہم تم گویا ایک ہی ہیں' زبان تو ان کی یہ ہے' مگر دل کا یہ حال ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

جب اکیلے ہوتے ہیں یا آپس میں اکٹھے ہوتے ہیں تو تمہارے اتفاق و اتحاد اور تمہاری فتوحات و دینی ترقیوں کا ذکر کر کے غصہ کے مارے اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں' اور سوچتے ہیں کہ کوئی تدبیر ایسی بن پڑے' جس سے مسلمانوں کو ہلاک کر دیا جائے' جب وہ اپنے کفر میں اتنے پختہ ہیں: تو تم ایمان میں پختہ کیوں نہیں ہوتے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم ان جلنے والوں حاسدوں سے خواہ زبان سے صراحۃً" یا عمل سے اشارۃً" یا استغناء سے کنایۃً" فرمادو کہ تم غصہ اور جلن میں مرجاؤ' تمہارے جلنے سے مسلمانوں اور اسلام کا کچھ نہ بگڑے گا' چمگادڑ جلتے رہیں گے اور قرآن پاک کا سورج چمکتا رہے گا' اللہ تعالیٰ دلوں کی بات کا جاننے والا ہے' تمہاری خفیہ تدابیر پر مسلمانوں کو مطلع فرمادے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صحابہ کرام کامل الایمان اور سچے مخلص مسلمان تھے جیساکہ **تؤمنون** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' جو ان کے ایمان میں شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے' صحابہ کرام پر ایمان لائے بغیر قرآن پر ایمان میسر نہیں ہو سکتا' ان بزرگوں کا ایمان ایسا ہی قطعی و یقینی ہے' جیسے اللہ تعالیٰ کی توحید اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت۔ **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام کا ایمان سارے قرآن پر پہلے ہی سے تھا جتنا نازل ہو چکا تھا اس پر تفصیلاً" اور جو نازل نہ ہوا تھا اس پر اجمالاً" (کہ جو کچھ آئے گا حق ہو گا) جیساکہ **کلہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کفار قرابت داروں سے بھی دلی محبت حرام ہے جیساکہ **تحبونہم** سے معلوم ہوا' مگر دلی محبت اور ہے ادائے حقوق کچھ اور ہے وقتیہ کچھ اور اس کی تفسیر گذشتہ آیت میں گزر گئی' کفار مسلمان سے کبھی محبت نہیں کر سکتے اگرچہ عزیز و قرابت داری ہوں جیساکہ **ولا یحبونکم** سے معلوم ہوا' تجربے نے بھی بتایا کہ مسلمان کا کفار کی دوستی پر اعتماد کرنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' حال ہی میں تقسیم ملک کے موقعہ پر بہت مسلمان اپنے کافر دوستوں کے ذریعہ ہلاک ہوئے۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمان فطرۃً" سیدھا اور دھوکا کھا جانے والا ہوتا ہے" کافر فطرۃً" چالاک اور دھوکا باز ہوتا ہے جیساکہ **اولاء** الخ سے معلوم ہوا' حدیث شریف میں ہے **المومن غر کریم والکافر خب لئیم**۔ **پانچواں فائدہ:** قدرتی طور پر ایمان میں قوت ہے اور کفر بزدلی کا باعث' مومن بے دھڑک اپنے ایمان کا اظہار کرتا ہے۔ کافر کفر چھپاتا پھرتا ہے دیکھو فرعونی جادوگر ایمان لاتے ہی کتنے دلیر ہو گئے کہ بے دھڑک کہہ دیا **فاقض ما انت قاض**۔ **چھٹا فائدہ:** تقیہ بازی اور اپنا ایمان چھپانا طریقہ کفار ہے جیساکہ **واذا لقوکم** الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کفار کتنی ہی سازشیں کریں مگر اسلام انشاءاللہ نہیں مٹ سکے گا' اگر مسلمان اسلام پر قائم رہیں تو وہ بھی کفار کے شر سے محفوظ رہیں گے' رب تعالیٰ کا وعدہ ہے جیساکہ **قل موتوا** الخ سے معلوم ہوا' مگر افسوس ہے کہ اب تو مسلمان ہی اسلام کو مسخ و تبدیل کرنے کی فکر میں ہیں' مسلمان خیال رکھیں کہ تبدیل کرنے والے انشاءاللہ تبدیل ہو جائیں گے اسلام تبدیل نہ ہو گا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یستبدل قوما" غیرکم** مروان نے نماز عید میں صرف اتنی تبدیلی کرنا چاہی تھی کہ خطبہ نماز سے پہلے کر دیا تھا مگر دنیا نے دیکھ لیا کہ مروان اور مروانیت ختم ہو گئی مگر خطبہ نماز کے بعد ہی رہا' اللہ تعالیٰ خود اپنے محبوب کی سنتوں کا حافظ و ناصر ہے' مسلمانو! اسلام کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنے کو اسلامی سانچے میں ڈھالو ہمیشہ پھلو پھولو گے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دلوں میں کفار سے محبت تھی' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا

www.alahazratnetwork.org

تحبونهم' اور کفار سے محبت رکھنے والا بحکم قرآن دوزخی ہے مومن نہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا** الخ۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی یہ ہے کہ اسی آیت میں صحابہ کرام کے ایمان کی بھی گواہی موجود ہے کہ فرمایا گیا ہے **و تومنون بالکتب کلہ** تم ساری کتاب کے پکے مومن ہو' دوسری جگہ ارشاد ہوا' **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** یعنی حضرات صحابہ کرام کافروں پر سخت ہیں آپس میں نرم' جواب تحقیقی یہ ہے کہ **تحبونَ** کی بہت تفسیریں ہیں' جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ تم چاہتے ہو کفار ایمان لے آئیں' یہ محبت تو عین ایمان ہے' جیساکہ ہم نے **تحبون** کی تفسیر میں تفسیر کبیر و خازن سے نقل کیا' اور اگر محبت بمعنی میلان قلب ہی ہو تو محبت بہت قسم کی ہوتی ہے کفر سے محبت (یہ کفر ہے) کفار سے محبت (یہ نفاق ہے)' کسی کافر سے قرابت داری کی بناء پر غیر اختیاری طبعی محبت (یہ کفر ہے نہ نفاق) جیسے کافر بیٹے یا بیوی سے محبت' یہاں یہ تیسری محبت ہی مراد ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے ان بزرگوں کو اس محبت کی بناء پر عتاب نہ فرمایا بلکہ آئندہ احتیاط رکھنے کا حکم دیا' اور ساتھ ہی ان کے ایمان کی گواہی بھی دے دی۔ دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا **موتوا بغیظکم** جس کا مطلب یہ ہوا کہ اے کافرو کفر پر قائم رہو' اور غصہ میں مر جاؤ' اس میں انہیں کفر پر قائم رہنے کا حکم دیا گیا۔ ایسی بات شان نبوت تو کیا شان اسلام کے بھی خلاف ہے۔ جواب: اس میں انہیں کافر رہنے کا حکم نہیں بلکہ اسلام کی ترقی کی دعا ہے یا کفار کو ناکامی کی بددعا یعنی خدا کرے اسلام یونہی ترقی میں رہے' یا تم بھی کامیابی کا منہ نہ دیکھو اور ایسے ہی جلتے رہو۔ خیال رہے کہ کفار کی ہلاکت کی دعا بھی جائز ہے' اور ان کے کفر پر مرنے کی بددعا بھی' موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے لئے بددعا کی تھی **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم**۔ یعنی خدایا انہیں عذاب آنے تک ایمان کی توفیق نہ ملے' عذاب آنے پر ایمان لائیں اور قبول نہ ہو' جناب کلیم کی دعا حرف بحرف قبول ہوئی' کہ ڈوبتے وقت فرعون پکارا **امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل** مگر اس ایمان کو یہ فرما کر رد کر دیا گیا **الئن وقد عصیت قبل**۔ تیسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے خبر دی کہ کفار تم سے محبت نہیں کرتے' مگر دیکھا جا رہا ہے کہ بعض کفار ہم سے بڑی محبت کرتے ہیں' بہت سے کافر ملک پاکستان کو امداد دے رہے ہیں۔ جواب: مسلمانو! یہ دھوکا ہے' وہ تم سے محبت نہیں کرتے' اور نہ تمہیں امداد دیتے ہیں' بلکہ اپنی غرض کے لئے یہ سب کچھ امدادیں ہیں' زیادہ کہنا مناسب نہیں' ان تمام چیزوں کو ڈاکٹر اقبال ایک شعر میں اشارۃً بتا گئے ہیں۔

توچہ دانی عہد مایا ماچہ کرد! از جمل مصطفیٰ بے گانہ کرد

آج ہم اپنا سب کھو چکے ہیں' ہم وہ لٹا ہوا قافلہ ہیں' جس کے موتی اوروں نے لئے اور ان کی ٹھیکریاں ہم نے اٹھالیں' دعا کرو ہمیں اپنے موتی سنبھالنے کی توفیق ملے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ظاہری حواس پر بعض بیماریاں چھا کر یا تو انہیں بیکار کر دیتی ہیں جن سے وہ حواس کام ہی نہیں کرتے' یا انہیں بگاڑ دیتی ہیں' جن سے الٹا اور غلط کام کرتے ہیں' اندھا کچھ دیکھتا ہی نہیں' اور احول (بھینگا) ایک کو دو دیکھتا ہے' خشک زبان کسی چیز کا مزہ محسوس ہی نہیں کرتی اور صفراوی بخار والا کڑوی چیز کو میٹھی اور میٹھی چیز کو کڑوی محسوس کرتا ہے' ایسے ہی اندرونی بیماریوں والے کے حواس کبھی بگڑ جاتے ہیں جن سے وہ کڑوے کفر کو میٹھا سمجھنے لگتا ہے اور میٹھے ایمان و تقویٰ کو کڑوا جاننے لگتا ہے' دشمن کفار کو اپنا دوست سمجھتا ہے اور اپنے دوست مسلمانوں کو دشمن تصور کرتا ہے' اس آیت میں اور اس جیسی دوسری

www.alahazratnetwork.org

آیات میں مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے کہ اپنے ذہنی احساسات نہ بگاڑیں دوستوں کو دشمن اور دشمنوں کو دوست نہ بنائیں ان کی دشمنی عیاں ہے نہاں نہیں، اس عیاں کو جانیں اور پہچانیں صوفیائے کرام فرماتے ہیں اپنا حال اسرار اپنے ہم جنس کو بتاؤ اگر غیر جنس کو حال بتایا تو دھوکا کھاؤ گے امام غزالی فرماتے ہیں کہ انسان کی ظاہری صورت سے دھوکا نہ کھاؤ جب تک کہ اس کی سیرت نہ آزماؤ، آزمائش یا تو اس کے ساتھ رہنے سہنے سے ہوتی ہے یا اس کے فقر و غنا کے حالات دیکھنے سے یا اس کے ساتھ سفر کرنے سے یا اس کے ساتھ روپیہ پیسہ کا معاملہ پڑنے سے یا اور کام پڑنے سے اگر ان موقعوں پر تم اسے درست پاؤ اگر بڑا ہے تو اپنا اسے والد سمجھو اگر چھوٹا ہے تو اسے اپنا بیٹا جانو اگر برابر ہے تو بھائی جانو اور ایسے دوست کی صحبت غنیمت جانو۔

ان الرجال صناديق مقفلة وما مفاتيحها الا التجارب

یعنی لوگ قفل لگے ہوئے صندوق ہیں، تجربہ و آزمائش ان کی چابی ہے تصوف میں دو چیزیں بہت ضروری ہیں اچھوں کی صحبت اور محبت، بروں سے علیحدگی و نفرت، بروں کی صحبت اتنی ہی مضر ہے جتنی اچھوں سے دوری نقصان دہ رب تعالیٰ کا جس پر کرم خاص ہوتا ہے اسے اچھے ساتھی عطا فرماتا ہے۔

إِن تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِن تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَفْرَحُوا بِهَا ۖ وَإِن

اگر چھو جائے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچے تم کو کوئی برائی تو خوش ہوتے ہیں وہ اس سے

تمہیں کوئی بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور تم کو برائی پہنچے تو اس پر خوش ہوں

تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿١٢٠﴾ ع

اور اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو نہ نقصان دے گا تمہیں ان کا مکر کچھ بھی بیشک اللہ اس کو جو وہ کرتے ہیں گھیرے ہے

اور اگر تم صبر اور پرہیزگاری کئے رہو تو ان کا داؤں تمہارا کچھ نہ بگاڑے گا بیشک ان کے سب کام خدا کے گھیرے میں ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا گذشتہ آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ منافقین تم پر انگلیاں کاٹتے ہیں، اس میں ایک قسم کا اجمال تھا اس آیت میں اس کی تفسیر بیان ہو رہی ہے کہ تمہاری بھلائیاں دیکھ کر انہیں سخت رنج ہوتا ہے۔ دوسرا تعلق: گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ منافقین کے دلی حالات جانتا ہے اب ان حالات کی اطلاع مسلمانوں کو دی جا رہی ہے گویا پہلے رب تعالیٰ کے جاننے کا ذکر ہے اب اس کے بتانے کا تذکرہ۔ تیسرا تعلق: گذشتہ آیت میں کفار کے کچھ عیوب اور برے حالات بیان کئے گئے ہیں اس آیت میں ان کے حسد اور عناد کا ذکر ہو رہا ہے، یعنی لازمی عیوب کا ذکر پہلے تھا متعدی عیوب کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر: ان تمسسکم حسنة، تمسس مس سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں لگنا چھونا مگر اصطلاح میں ہر قسم کے چھونے لگنے اور پہنچنے کو مس کہہ دیتے ہیں خواہ بھلائی پہنچے یا برائی، کبھی اصابة کے معنی میں آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وما مسنا من لغوب اور فرماتا ہے واذا مسكم الضر في البحر اور کبھی اصابة کا مقابل یعنی پورا پورا پہنچنا

www.alahazratnetwork.org

اصابت اور معمولی طور پر چھو جانا مس بعض مفسرین نے یہاں مس کو اصابۃ کا ہم معنی قرار دیا کہ اس کا مقابل ہے' کم یا سارے صحابہ سے خطاب ہے یا تا قیامت مسلمانوں سے حسنۃ' حسن کا صفت مشبہ ہے' ہر دل خوش کن اور مرغوب چیز کو حسنہ کہا جاتا ہے' یہاں اس سے ہر دنیاوی نفع و بھلائی مراد ہے' تندرستی' ارزانی' جنگ میں فتح' غنیمت کا حصول' دشمنوں کا فرار' مسلمانوں کا آپس میں اتفاق' حسنۃ کی تنکیر تحقیر کے لئے ہے جیسا کہ مس سے معلوم ہوا یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو اگر تمہیں کبھی معمولی سے بھلائی چھو بھی جائے تو تسوءھم سوء سے بنا بمعنی قباحت' رب تعالیٰ فرماتا ہے ساء ما یحکمون یہاں سوء سے دلی صدمہ اور غم مراد ہیں' ھم کا مرجع یا منافقین ہیں یا یہود یا سارے کفار یا منافقین و کفار دونوں یعنی انہیں بہت برا لگتا ہے اور بہت صدمہ و رنج و غم پہنچتا ہے و ان تصبکم سیئۃ' تصب' اصابۃ سے بنا بمعنی پورا پورا پہنچنا کم میں یا صحابہ سے خطاب ہے یا سارے مسلمانوں سے سیئۃ' حسنۃ کا مقابل ہے بمعنی برائی و غمگین کرنے والی چیز' جیسے حسنہ میں دنیوی نفعے مراد تھے ایسے ہی سیئۃ سے اس کے مقابل تکلیف دہ چیزیں مراد ہیں' بیماریاں' غربت' جنگ میں شکست' آپس کی نا اتفاقی' قرابت داروں سے جدائی' قتل و غارت وغیرہ' سیئۃ کی تنکیر تعظیم کے لئے ہے یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو! اگر تمہیں بڑی سے بڑی آفت و مصیبت بھی پہنچے تو یہ منافقین و کفار غم نہ کریں گے تم پر آنسو نہ بہائیں گے بلکہ یفرحوا بھا' یہ فرح سے بنا بمعنی دلی خوشی و سرور و فرحت' اسی سے ہے تفریح' باغ کی سیر کو تفریح اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے دل خوش ہوتا ہے' یفرحوا کا فاعل منافقین یا سارے کفار ہیں ب سببیہ ہے اور ھا کا مرجع سیئہ ہے یعنی یہ منافقین یا سارے کفار تمہاری مصیبتوں کی وجہ سے خوشیاں مناتے ہیں و ان تصبروا و تتقوا' تصبروا صبر سے بنا بمعنی روکنا نفس کو اطاعتوں پر روکنا یعنی قائم رکھنا' گناہوں سے روکنا یعنی بچانا' اپنے کو مصیبت میں گھبراہٹ سے روکنا اور دشمن کے مقابل انتقام کے جوش سے اپنے کو روکنا' یہ سب صبر کی ہی قسمیں ہیں' یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں' تتقوا' اتقاء سے بنا بمعنی بچنا و ڈرنا' اگر یہاں اس کا مفعول نار ہو تو بچنے کے معنی میں ہو گا اور اگر لفظ اللہ ہو تو ڈرنے کے معنی میں یعنی اے مسلمانو! اگر تم اطاعت الٰہی پر صبر کئے رہو یا گناہوں سے بچے رہو یا مصیبت کے وقت گھبراہٹ سے محفوظ رہو' یا ان ظالم کافروں کی سختیوں پر صبر سے کام لو' جوش میں نہ آجاؤ' اور اللہ سے ڈرتے رہو' آگ سے بچے رہو تو لا یضرکم کیدھم شیئا' یضر' ضرر سے بنا بمعنی تکلیف و نقصان' کید کے معنی ہیں خفیہ تدبیر اور کسی کے خلاف سازش' یہ اچھی بھی ہوتی ہے بری بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے انھم یکیدون کیدا" یہ کفار سازشیں کرتے ہیں' مسلمانوں کے خلاف چالیں چلتے ہیں' خفیہ تدابیر کرتے ہیں' اور فرماتا ہے واکید کیدا" میں ان کے خلاف خفیہ تدبیر کرتا ہوں' پہلا کید برا ہے دوسرا اچھا' کبھی نزع اور جان کنی کو بھی کید کہہ دیتے ہیں' حدیث شریف میں ہے دخل علی سعد و ھو یکید بنفسہ یعنی سرکار حضرت سعد کے پاس تشریف لے گئے جبکہ وہ حالت نزع میں تھے اور اپنی جان جان آفریں کے سپرد کر رہے تھے' نیز کید بمعنی سوق یعنی چلانا اور بمعنی جنگ بھی آتا ہے' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں کید بمعنی عداوت ہے (از تفسیر کبیر) یعنی تمہیں ان کفار کی عداوت' ان کی چالیں ان کی خفیہ تدابیر کچھ نقصان نہ دیں گی ان اللہ بما یعملون محیط ہماری قرات میں یعملون' ی سے ہے' اس کا فاعل منافقین و کفار ہیں اور عمل سے ان کی بد عملیاں مراد ہیں' ایک قرات میں تعملون ت سے ہے اس کا فاعل مسلمان ہیں یا صحابہ کرام اور عمل سے ان کا تقویٰ اور نیک اعمال مراد ہیں' محیط احاطہ سے بنا بمعنی ہر طرف سے گھیرنا

www.alahazratnetwork.org

کہ کوئی گوشہ خالی نہ رہ جائے چونکہ احاطہ اور گھیرنا جسم کی صفت ہے' رب تعالیٰ اس سے بری ہے اس لئے ان جیسی آیات میں احاطہ سے مراد رب تعالیٰ کے علم اور اس کی قدرت کا گھیرنا ہوتا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ محیط بالکافرین** اور فرماتا ہے **و احاط بما لدیھم و احصی کل شیء عددا** " یعنی کفار و منافقین کی تمام بد عملیوں کو یا اے مسلمانو تمہارے تقویٰ' صبر و تمام نیک اعمال کو اللہ تعالیٰ کا علم اور قدرت گھیرے ہوئے ہے کہ انھیں سزا پوری دے گا اور تمھیں جزاء مکمل۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! کفار و منافقین کا تم سے بغض و حسد اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ اگر تمھیں معمولی سی بھلائی و راحت پہنچ جائے' تو ان کے دلوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں' ان کے دل رنج و صدمہ سے بھر جاتے ہیں' تمہارا اہل جنگوں میں فتح پالینا' تمہارا مالدار ہو جانا' تمہارا تندرست و فربہ ہونا ان کے دل پر سانپ بن کر لوٹتا ہے' اور اگر تم پر کبھی بڑی سے بڑی آفت آ جائے' مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں' تو انھیں اس پر نہ کبھی غم ہوتا ہے' نہ رنج' نہ صدمہ بلکہ ان کے دل خوشی سے باغ باغ ہو جاتے ہیں وہ اس پر خوشیاں مناتے ہیں' مگر خیال رکھو کہ اگر تم عبادات پر قائم رہے یا گناہوں سے بچے رہے یا مصیبتوں میں نہ گھبرا گئے یا کفار سے بدلہ لینے پر جوش میں نہ آ گئے اور پرہیزگاری و تقویٰ کا دامن نہ چھوڑا کہ تمہارے دلوں میں خوف خدا اور عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا دریا موجزن رہا اور تمہارے اعضاء نیک اعمال میں مشغول رہے تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ کفار کی سازشیں' ان کی چالیں' ان کی تمہارے خلاف تدبیریں کبھی تمہارا بال بیکا نہ کر سکیں گے' ان کی تدابیر خود ان پر پڑیں گی' اور وہ ہمیشہ تمہارے مقابلہ میں خائب و خاسر ہوں گے' تمھیں کس بات کی فکر ہے' رب تعالیٰ تمہارا اولی و وارث ہے' اور ان کی تمام تدبیروں کو اپنی قدرت علم غضب کے احاطہ میں لئے ہوئے کہ وہ کسی طرح ان گھیروں سے نکل نہیں سکتے' انھیں دنیا میں بھی پکڑے گا اور آخرت میں بھی سزا دے گا' یا اے مسلمانو جو تم نیکیاں کر رہے ہو' وہ رب تعالیٰ کے علم' اس کی قدرت' اس کی رحمت کے احاطہ میں ہے' تمھیں دنیا و آخرت میں اس کی جزائیں دے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کی خوشی پر غم منانا طریقہء کفار ہے ان کی قومی' دینی' دنیوی' جائز خوشیوں میں شرکت کرنی چاہئے' لہٰذا یادگاری خوشیوں میں شرکت کرنا شعار اسلامی ہے' جیسا کہ **ان تمسسکم** الخ سے معلوم ہوا' حصول پاکستان کے دن مسلمانوں کے ساتھ جائز خوشی مناؤ' اس دن شکریہ میں نوافل' صدقات' خیرات' چراغاں وغیرہ کرو' عید میلاد' عید معراج' عید الفطر' عید الاضحیٰ کی خوشیوں میں مسلمانوں کے ساتھ شریک رہو۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کی مصیبتوں پر خوشی منانا بھی طریقہء منافقین و کفار ہے' علماء فرماتے ہیں کہ عاشورہ کے دن خوشی منانا خارجیوں کا طریقہ ہے' اور اس دن کو غم نا پیٹنا روافض کا شعار' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو حضرت فاروق کی شہادت کے دن عید مناتے ہیں۔

مسئلہ: خوشی کی یادگاریں قائم کرنا سنت ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے دن موسیٰ علیہ السلام کی نجات کی خوشی منائی' اور روزہ رکھا مگر غم کی یادگاریں منانا منع ہے' اس میں صبر بہتر' دیکھو بارہ ربیع الاول کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک بھی ہے اور وفات بھی مگر مسلمان اس دن عید میلاد مناتے ہیں' وفات کا غم نہیں مناتے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں

www.alahazratnetwork.org

کو چاہئے کہ اپنے حالات درست رکھیں، محبت و اتفاق سے رہیں، تاکہ کفار کو ان پر ہنسنے کا موقع نہ ملے۔ **چوتھا فائدہ:** اگر مسلمان صبر و تقویٰ پر قائم رہیں تو کبھی بھی کفار ان پر غالب نہیں آسکتے اور نہ انہیں نقصان پہنچا سکتے ہیں، تجربہ شاہد ہے کہ ہمیشہ مسلمانوں نے مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مار کھائی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** تقویٰ و پرہیزگاری مسلمان کے لئے مضبوط قلعہ ہے جس کی برکت سے مومن دنیاوی آفات سے بھی محفوظ رہتا ہے، جہاد میں تقویٰ وہ ہتھیار ہے جس سے کفار محروم ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا " و یرزقہ من حیث لا یحتسب**

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت میں بھلائی کے لئے **تمسسکم** اور برائی کے لئے **تصبکم** کیوں فرمایا گیا، دونوں کے لئے ایک ہی لفظ کیوں نہ آیا؟ **جواب:** اس کا جواب اشارۃ" تفسیر میں گزر گیا کہ اختلاف عبارت میں منافقین و کفار کی انتہائی عداوت بیان فرمائی گئی کہ دوسرے دشمن معمولی خیر پہنچنے پر غم نہیں مناتے اور بڑی مصیبت و حادثہ پر ان کے بھی آنسو نکل پڑتے ہیں، مگر یہ یہود و منافقین تمہارے ایسے سخت دشمن ہیں کہ اگر تمہیں معمولی بھلائی چھو بھی جائے تو یہ غمگین ہو جاتے ہیں اور تم پر مصائب کے پہاڑ بھی پڑ جائیں تو یہ بغلیں ہی بجاتے ہیں، ان کے دل انسانیت سے خالی ہیں، یہ انسان نما درندے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** آج کل دیکھا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی مصیبتوں میں کفار حکومتیں بھاری بھاری امداد دیتی ہیں، مشرقی پاکستان میں سیلاب وغیرہ حادثات میں امریکہ وغیرہ عیسائی حکومتوں نے بڑی امداد کی، دوائیں، غذائیں، لباس و کپڑے مفت تقسیم کئے، تو یہ آیت کریمہ کیسے درست ہوئی کہ وہ تمہارے غم و مصیبت پر خوشی مناتے ہیں۔ **جواب:** اس آیت میں یہود مدینہ اور منافقین کا حال بیان کیا گیا ہے، ان کی یہی کیفیت تھی، ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کہ یہود و مشرکین مسلمانوں کے سخت دشمن ہیں، عیسائیوں کا یہ حال نہیں، جس پر قرآن شریف گواہ ہے، امیر حمزہ کی بے کسی کی شہادت پر ہندہ نے جو اس وقت مشرکہ تھیں خوشی منائی، اس خوشی میں وحشی غلام آزاد کیا، اور ان کے اعضائے بدن کاٹ کر جائے اور گلے کا ہار بنائے، ہندوستان میں دیکھا گیا کہ مقروض مسلمان کی قرقی، نیلامی اور خانماں بربادی پر ہندو مہاجن خوشیاں مناتے تھے، لہٰذا آیت بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** مسلمان بھی تو کفار کی ہلاکت پر خوشیاں مناتے ہیں، فرعون کی غرقابی پر اب تک خوشی منائی جاتی ہے کہ عاشورہ کا روزہ سنت ہے، ابوجہل کے قتل کی خبر پاکر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر ادا کیا، پھر قرآن کریم اس کی کیوں شکایت کر رہا ہے کہ کفار مسلمانوں کی مصیبتوں پر خوشی مناتے ہیں۔ **جواب:** یہ کفار کی ہلاکت پر خوشی نہ تھی بلکہ اسلام کے ان کی آفت سے بچ جانے پر خوشی تھی جیسے سانپ کے مر جانے یا چور کے پکڑے جانے پر خوشی منائی جاتی ہے ورنہ جب کفار مکہ قومی حیثیت سے مصیبت میں گرفتار ہوئے اور سخت قحط میں گھر گئے، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک سے وہاں گندم اور جو بھیجے، خیال رہے کہ موذی شخص کے مارے جانے کی خوشی کچھ اور ہے، اور قومی مصیبت پر خوشی منانا کچھ اور، پہلی خوشی اچھی ہے، دوسری بری، یہاں دوسری خوشی کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ تم آفت زدہ کو دیکھ کر **الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا "** کسی کی بیماری دیکھ کر **الحمد للہ** پڑھنا خوشی ہی منانا ہے، یہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں اس کی بیماری پر خوشی نہیں بلکہ اپنی حفاظت کا شکریہ ہے، وہ خوشی بری ہے اور شکریہ اچھا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے فوائد میں کہا کہ غم کی یادگاریں قائم

www.alahazratnetwork.org

کرنا منع ہے' حالانکہ مسلمان میت کا تیجہ' چالیسواں' برسی مناتے ہیں اور بزرگوں کی وفات کے دن عرس کرتے ہیں' یہ غم کی ہی یادگاریں ہیں۔ جواب: یہ مجلسیں غم منانے کی نیت سے نہیں کی جاتیں' بلکہ ایصال ثواب اور بزرگوں کی یاد تازہ کرنے کو' فقہاء فرماتے ہیں کہ محرم شریف کی مجلس ذکر امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایصال ثواب کے لئے منعقد کرنا بہتر ہے' اگر دوران ذکر آنسو نکل پڑیں تو حرج نہیں مگر رونے پیٹنے اور غم منانے کے لئے منعقد کرنا ممنوع ہے۔ (صواعق محرقہ وغیرہ)

تفسیر صوفیانہ: جیسے اعضاء ظاہری کے اعمال مختلف نسبتوں سے مختلف حکم رکھتے ہیں' کبھی حلال ہوتے ہیں کبھی حرام' کبھی کفر و شرک' کبھی عبادت و فرض' کلمہ پڑھنا فرض و عبادت ہے' جھوٹ بولنا حرام ہے' کفری بات بکنا شرک و کفر ہے' رب تعالیٰ کے لئے سر جھکنا عبادت ہے' دوسرے کے سامنے تعظیماً پیشانی ٹیکنا حرام' بت کے سامنے سر جھکانا شرک' ایسے ہی دل کے اعمال خصوصاً خوشی و غم کبھی عبادت ہیں' کبھی حرام' کبھی کفر' جیسی نسبت ویسا حکم' عید کی خوشی منانا اللہ تعالیٰ کی رحمتوں پر خوش ہونا' مسلمانوں کے ساتھ ان کی خوشی میں شریک ہونا عبادت ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذٰلک فلیفرحوا** اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ' دنیاوی ساز و سامان پر اترانا' خوشی منانا حرام ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** اتراؤ مت' ناجائز خوشیاں نہ مناؤ' اللہ تعالیٰ ایسی خوشی منانے والوں کو پسند نہیں فرماتا' مسلمانوں کی مصیبت خصوصاً صحابہ کرام یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف پر خوشی منانا کفر ہے کہ یہاں ارشاد ہوا **و ان تصبکم سیئۃ یفرحوا بھا** یہی غم کا حال ہے' اپنے گناہ و معصیت پر رنج و غم کرنا عبادت ہے' جس کا انجام مغفرت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست — مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

مسلمانوں کی قومی' ملکی' مذہبی خوشیوں پر غم کرنا حرام اور اسلام کی شوکت' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقیوں پر غم کرنا کفر ہے کہ یہ ان محبوبوں سے عداوت کی نشانی ہے' یہاں اس آخری خوشی و غم کا ذکر ہے جو کفر اور طریقہ ء کفار ہے' صبر و تقویٰ وہ مضبوط قلعہ ہے جس کی وجہ سے مسلمان ہر آفت سے محفوظ و مامون رہتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ دو قسم کا ہے' تقویٰ قلب' تقویٰ قالب۔ تقویٰ قالب تو ظاہری نیک اعمال سے میسر ہوتا ہے اور تقویٰ قلب اللہ والوں کی تعظیم و توقیر سے نصیب ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** محبوبوں کی محبت محبوب بنا دیتی ہے اور جسے خدا تعالیٰ محبوب بنائے اسے دشمنوں سے محفوظ رکھتا ہے' سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا — کہ در دست دشمن گذارد ترا

یہاں یہی فرمایا گیا کہ اگر تمہارے دل صبر اور تقویٰ سے لبریز رہے تو جہان بھر کے کافر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارے لئے یہ محفوظ قلعے ہیں' حسن خلق اور برائی کا بدلہ بھلائی سے کرنا محبت خلق کا سبب ہے۔

بدی را بدی سہل باشد جزا — اگر مردی **احسن الی من اساء**

ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے ساتھ موافقت و اطاعت سے معاملہ کرو' خلق کے ساتھ خوش خلقی و خیر خواہی سے' نفس کے ساتھ مخالفت سے' شیطان کے ساتھ عداوت سے' متقین سے ہو جاؤ گے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ

اور جب روانہ ہوئے آپ اپنے گھر سے کہ قائم کرتے تھے آپ مسلمانوں کو جنگ کے لئے مورچوں پر اور اللہ

اور یاد کرو اے محبوب جب تم صبح کو اپنے دولت خانہ سے برآمد ہوئے مسلمانوں کو لڑائی کے مورچوں پر قائم

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا

سننے والا جاننے والا ہے جب قصد کیا دو گروہوں نے تم میں سے یہ کہ بزدل ہو جائیں اور اللہ والی ہے ان

کرتے اور اللہ سنتا جانتا ہے۔ جب تم میں کے دو گروہوں کا ارادہ ہوا کہ نامردی کر جائیں اور اللہ ان کا

وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

دونوں کا اور اوپر اللہ کے ہی توکل کریں توکل والے ۔

سنبھالنے والا ہے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقین و کفار کبھی تمہارے دوست نہیں ہو سکتے' اب اس کے ثبوت کے لئے جنگ احد وغیرہ کے واقعات یاد دلائے جا رہے ہیں' جبکہ منافقین نے عین نازک موقعہ پر مسلمانوں سے بدعہدی کی' اور کفار کو قوت پہنچانے کی کوشش کی' گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا' اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔ دوسرا تعلق: گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر صبر و تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہیں کفار نقصان نہ پہنچا سکیں گے' اب اس کے ثبوت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا جا رہا ہے کہ مسلمان تھوڑی سی بے صبری کی وجہ سے فتح کے بعد ہزیمت اٹھا گئے' تاکہ اس واقعہ سے آئندہ کے لئے سبق لیں اور ایسے موقعوں پر صبر و تقویٰ کا دامن نہ چھوڑیں۔ تیسرا تعلق: گذشتہ آیتوں میں اشارۃً حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم اور مخالفت سے منع فرمایا گیا تھا' اب جنگ احد و بدر کے واقعات کا ذکر کر کے بتایا جا رہا ہے کہ غزوۂ احد میں تم ان کے فرمان عالی کی غلطی سے مخالفت کر بیٹھے' تو باوجود زیادہ ہونے کے مصیبت میں پڑ گئے اور جنگ بدر میں تم ان کی اطاعت پر قائم رہے تو باوجود تھوڑے اور بے سروسامان ہونے کے بہت سے کفار پر جو سازوسامان سے لیس تھے غالب آ گئے' یقین کر لو کہ تمہاری کامیابی کا دارومدار اللہ رسول کی اطاعت پر ہے محض سامان پر نہیں۔

تفسیر: **واذ غدوت من اھلک** ' **اذ** ظرف ہے جس کا فعل **اذکر یا ذکر** پوشیدہ ہے' **غدوت' غدو** سے بنا بمعنی صبح کو جانا' سویرے روانہ ہونا' صبح صادق سے زوال تک کو غدا کہتے ہیں' اور بعد زوال سے رات تک کو عشاء کہا جاتا ہے' اسی لئے ناشتہ اور دوپہر کے کھانے کو غدا کہتے ہیں' اور بعد دوپہر کے کھانے کو عشاء' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتنا غداءنا**' یعنی ناشتہ کرنا' عشی' بعد دوپہر کھانا کھانا' حق یہ ہے کہ واؤ ابتدائیہ ہے کسی جملہ پر یہ جملہ معطوف نہیں بلکہ مستقل نیا جملہ ہے' **من** ابتدائیہ ہے' **اھل** کے معنی ہیں گھر والے' یہاں حضرت عائشہ صدیقہ مراد ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

جنگ احد کے لئے ام المومنین عائشہ صدیقہ کے گھر سے ہی روانہ ہوئے تھے' قرآن شریف میں اهل یا اهل بیت صرف بیوی کو کہا جاتا ہے' جیسا کہ انشاء اللہ فوائد میں عرض کیا جائے گا' اور نبی کے اہل بیت صرف مومن بیویاں کہلاتی ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کون سے واقعہ کی طرف اشارہ ہے' حضرت ابن عباس' سدی ابن اسحاق' ربیع عاصم' ابو مسلم وغیرھم فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کی طرف اشارہ ہے' خواجہ حسن بصری کا قول ہے کہ غزوۂ بدر مراد ہے' مجاہد فرماتے ہیں کہ غزوۂ احزاب کی طرف اشارہ ہے' مگر قول اول قوی ہے کیونکہ بعض لوگوں کا بزدلی کا ارادہ کرنا' پھر محفوظ رہنا اسی غزوۂ احد میں ہوا تھا' نیز احد ہی میں کفار کو ظاہری غلبہ ہو گیا تھا نہ کہ احزاب میں' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی مخالفت اسی غزوہ میں ہو گئی تھی نہ کہ بدر و احزاب میں' بہرحال ظاہر یہی ہے کہ اس سے غزوۂ احد مراد ہے یعنی اے محبوب یاد کرو یا یاد رکھو مسلمانوں کو وہ واقعہ یاد دلاؤ جبکہ آپ حضرت عائشہ کے حجرہ سے اور عائشہ صدیقہ کے پاس سے بوقت صبح روانہ ہوئے تھے' مگر کس لئے' اس لئے کہ تبوی‌ء المئومنین' تبوی‌ء بواء سے بنا' بمعنی ہموار جگہ' کہا جاتا ہے بوات یعنی سوہت میں نے ہموار کر دیا' یا میں نے اسے ہموار زمین میں بٹھا دیا' جما دیا جس سے اس کے پاؤں نہ اکھڑیں' پھر مطلقاً جگہ دینے' مکان دینے کو کہنے لگے' رب تعالیٰ فرماتا ہے و لقد بوانا بنی اسرائیل' اور فرماتا ہے یتبوا منہا حیث یشاء (یوسف) اور فرماتا ہے ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا" (یونس) یعنی آپ مسلمانوں کو مناسب جگہوں میں بٹھاتے تھے' مومنین سے مراد غازیان احد ہے' منافقین تو پہلے ہی دھوکا دے کر بھاگ گئے تھے' صرف مخلص مومن رہ گئے تھے' مقاعد للقتال' مقاعد' مقعد کی جمع ہے' بمعنی بیٹھنے کی جگہ چونکہ آگے ہے للقتال لہٰذا اس سے جنگی مورچے مراد ہیں یعنی آپ غازیان احد کو جنگ کے لئے مورچوں میں قاعدے قرینے سے بٹھال رہے تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے فی مقعد صدق خیال رہے کہ تبوی‌ء غدوت کی ضمیر ت کی سے حال مقدم ہے (روح المعانی) یعنی آپ اس مقصد و ارادے سے گھر سے روانہ ہوئے تھے کہ غازیوں کو مورچوں میں بٹھا دیں تاکہ وہ مورچے سنبھال لیں واللہ سمیع علیم یہ جملہ اسی عمل مبارک کی قبولیت کے اظہار کے لئے ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ کے اور آپ کے جانثار صحابہ کے اقوال' اعمال' احوال' نیات' ارادوں کو سنتا اور جانتا ہے' وہ گواہی دیتا ہے کہ آپ اور آپ کے یہ ساتھی قول' عمل اور ارادوں کے سچے تھے یا درۂ احد پر بیٹھنے والے صحابہ کے قول کو سنتا تھا' جب وہ وہاں سے غلطی سے ہٹ گئے' اور ان کی نیت کو جانتا تھا کہ بدنیت نہ تھے غلطی کر گئے' غرض یہ کلمہ یا اظہار کرم کے لئے ہے' یا اظہار عفو کے لئے (از روح البیان) اذ ھمت طائفتن منکم' ھمت' ھم سے بنا' بمعنی غم' صدمہ' رنج' قلق' ارادۂ قلبی' خیال' اسی لئے مشکل کام کو مہم یا اہم کہتے ہیں کہ وہ انسان کو فکر و غم میں ڈال دیتا ہے' مضبوط ارادے کو ہمت کہا جاتا ہے' یہ اذ یا تبوی‌ء کا ظرف ہے یا غدوت کا' یا سمیع علیم کا یا اذکر فعل پوشیدہ کا (کبیر و معانی) طائفتان' طائفہ کا تثنیہ ہے' جس کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے کہ یہ طوف بمعنی گھومنے سے ہے' اب قبیلہ و جماعت کو طائفہ کہا جاتا ہے' یہاں دو قبیلوں سے مراد خزرج کی جماعت بنو سلمہ ہے اور اوس کی جماعت بنو حارثہ' خیال رہے کہ یہاں ھم سے مطلقاً خیال مراد ہے نہ کہ ارادہ' نہ غم' نہ صدمہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے و لقد ھمت بہ و ھم بہا۔ ھمت بمعنی ارادہ ہے اور ھم بمعنی خیال یعنی تم مسلمانوں میں سے دو جماعتوں نے یونہی معمولی سا خیال کر لیا ان تفشلا یہ جملہ ھمت کا مفعول ہے' تفشلا فشل سے بنا بمعنی بزدلی والی کمزوری' ان مذکورہ دو جماعتوں میں منافقین کے لوٹ جانے

www.alahazratnetwork.org

پر کچھ کم ہمتی پیدا ہوئی جس کا ذکر انشاء اللہ آگے آرہا ہے **واللہ ولیھما** ولی کے بہت معانی ہیں یہاں بمعنی مددگار و دوست ہے یعنی یہ جماعتیں اس ارادے یا خیال کی وجہ سے ہماری دوستی و حمایت سے نکل نہ گئیں ہم ان کے ولی وارث حامی مددگار دوست ہیں ان سے غلطی ہو گئی جو معاف کر دی گئی (ان غلطی والوں پر قربان) **و علی اللہ فلیتوکل المؤمنون** یہ جملہ مستقل اور پہلے جملہ سے علیحدہ ہے **علی اللہ** کو فعل پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **توکل** **وکل** سے بنا بمعنی سونپنا سپرد کرنا یا بھروسہ کرنا اسی سے ہے وکیل جسے اپنا مقدمہ سپرد کر دیا جائے اور اس پر بھروسہ کیا جائے اللہ تعالیٰ کو وکیل اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ سب کا متولی ولی وارث ہے اسی پر سب بندے بھروسہ کرتے ہیں **مؤمنون** سے مراد یا تو سارے مسلمان ہیں یا تمام صحابہ کرام یا تمام غازیان احد یا وہ دو جماعتیں جنہوں نے کم ہمتی کا ارادہ کر لیا تھا یعنی مسلمانوں کو خصوصاً غازیوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنا چاہئے وہ کافی و وافی ہے۔

جنگ احد کا واقعہ

آپ حضرات تفسیر نعیمی جلد سوم میں **قد کان لکم اٰیۃ فی فئتین** کے ماتحت جنگ بدر کی تفصیل میں یہ تو پڑھ ہی چکے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے 19 غزووں میں بنفس نفیس شرکت فرمائی جن میں سے نو میں باقاعدہ معرکہ الارا جنگیں ہوئیں۔ بدر، احد، احزاب، بنی قریظہ، بنی مصطلق، خیبر، فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ طائف ان باقاعدہ غزووں میں پہلا غزوۂ بدر ہے جو 17 رمضان جمعہ کے دن 2ھ میں واقع ہوا۔ دوسرا غزوۂ احد ہے جو شوال 3ھ میں ہوا اس کا واقعہ بہت تفصیل چاہتا ہے ہم بقدر ضرورت یہاں عرض کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ کفار قریش جب جنگ بدر میں شکست فاش کھا کر اور ستر (70) کافر جن میں ابو جہل، امیہ ابن خلف، عتبہ جیسے 24 سرداران قریش مروا کر جب مکہ معظمہ پہنچے تو وہاں چین سے نہ بیٹھے غزوۂ بدر سے پہلے ابو سفیان جو تجارتی مال مع منافع لائے تھے جس کی مقدار ایک ہزار اونٹ ستر ہزار مثقال چاندی سونا تھی دار الندوہ میں رکھ کر میدان بدر میں پہنچ گئے تھے وہاں سے واپسی پر کفار مکہ نے ابو سفیان سے مطالبہ کیا کہ اس سارے مال کو یا اس کے نفع کو لشکر پر خرچ کر کے ابھی سے دوسری جنگ کا انتظام کیا جائے اور مدینہ کے مسلمانوں سے بدر کا بدلہ لیا جائے چنانچہ عرب کے تیز زبان خطیب جن میں عمرو ابن عاص بھی شامل تھے سارے علاقہ میں گشت کر کے کفار عرب کو مسلمانوں کے مقابلہ میں صف آراء کرنے میں مشغول ہو گئے مقتولین بدر کے نوحہ کے قصیدے لکھے گئے اور گانے والی عورتوں کو حفظ کرائے گئے یہ عورتیں ان خطیبوں کے ساتھ گشت میں مشغول ہوئیں جو عربی قبائل میں اس دردناک لہجہ سے گاتی تھیں کہ ان قبیلوں میں آگ لگا دیتی تھی ان گانے والیوں کا انتظام ابو سفیان کی بیوی ہندہ بنت عتبہ ابن ربیعہ نے کیا ہندہ کا باپ عتبہ بدر میں حضرت امیر حمزہ کے ہاتھوں مارا گیا تھا غرض تھوڑے عرصہ میں تین ہزار جنگجو مردوں کا لشکر جن میں سات سو زرہ پوش تھے اور تین ہزار اونٹ دو سو گھوڑے تھے تیار ہو گیا اس لشکر کے ساتھ پانچ سو عورتیں بھی تھیں تاکہ جوانوں کو لڑنے پر اکسائیں اور دوران جنگ سپاہیوں کی خوراک و مرہم پٹی کا انتظام کریں حضرت عباس ابن عبد المطلب نے جو اس وقت مکہ مکرمہ میں تھے خفیہ طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی تیاریوں اور ان کے لشکر کی تعداد کی خبر دے دی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر پا کر حضرت خباب ابن منذر کو جو

www.alahazratnetwork.org

عزم و رزم و برم کے بڑھے دھنی تھے حکم دیا کہ وہ اس خبر کی تحقیقات کریں کچھ روز کے بعد حضرت خباب نے خبر دی کہ لشکر کفار جن کے سردار ابو سفیان ہیں اتنے سپاہیوں اور اتنے ساز و سامان کے ساتھ ذوالحلیفہ پہنچ چکا ہے جو مدینہ منورہ سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ہے' یہاں پر شیخ عبدالحق نے مدارج النبوۃ شریف میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے کہ یہ لشکر کفار جب مقام ابواء سے گزرا جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ مطہرہ آمنہ خاتون کی قبر انور ہے تو انہوں نے چاہا کہ اس قبر اطہر کو اکھیڑ کر حضرت آمنہ کی لاش یا ہڈیاں اپنے ساتھ لے لیں تاکہ اگر اس جنگ میں ہمارے کچھ لوگ مسلمانوں کے قیدی ہو جائیں تو ہم ان سے کہہ سکیں کہ ہمارے قیدی ان ہڈیوں کے عوض چھوڑ دو اور ہم سے ان کی ہڈیاں یا لاش وصول کر لو مگر ابو سفیان نے اس رائے سے اتفاق نہ کیا' اور کہا کہ اگر تم نے یہ حرکت کی' تو بنو بکر اور بنو خزاعہ جو محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کے حلیف ہیں' تمہارے مردوں کی ساری قبریں اکھیڑ کر ہڈیاں باہر پھینک دیں گے' غرضیکہ جب حضرت خباب نے یہ خبر سنائی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین اور انصار کو جمع فرمایا' اور آج اس مجلس میں عبداللہ ابن ابی منافق کو بھی بلایا اور ان سے مشورہ کیا کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے' عبداللہ ابن ابی اور کچھ صحابہ کرام کی رائے یہ ہوئی کہ ہم اس جنگ میں باہر نہ جائیں بلکہ مدینہ منورہ میں رہ کر دشمن کا منہ توڑ جواب دیں گے کہ اگر وہ یہاں آکر جنگ کرے گا تو ہم محفوظ جگہ میں ہوں گے' اور اگر مدینہ کا محاصرہ کرے تو کچھ روز بعد پریشان ہو کر خود لوٹ جائے گا' خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک بھی یہی تھی' مگر حضرت حمزہ' سعد ابن عبادہ' مالک ابن سنان (ابو سعید خدری کے والد) اور بہت سے جوشیلے نوجوانوں کی رائے باہر نکل کر جنگ کرنے کی ہوئی' چونکہ کثرت رائے اس جانب تھی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کو قبول فرمایا' اور فرمایا ہم نے خواب دیکھی ہے کہ ہمارے سامنے کچھ گائیں ذبح کی جارہی ہیں' اور دیکھا کہ ہماری تلوار ٹوٹ گئی ہے مگر بعد میں پہلے سے بھی بہتر ہو گئی ہے' نیز دیکھا کہ ہمارے ہاتھ میں ایک مضبوط زرہ ہے اور فرمایا **حسبنا اللہ و نعم الوکیل اللھم بک احول و بک اصول۔** خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا نام ذوالفقار تھا جو پہلے منبہ ابن حجاج سہمی کی تھی بدر کی غنیمت میں آئی تھی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہتی تھی اور سرکار نے غزوۂ خندق میں امیر المومنین علی المرتضیٰ کو بخش دی تھی' چونکہ اس کے مختلف پرت تھے اس لئے اسے ذوالفقار کہتے ہیں یعنی جوڑ و پرت والی تلوار فقرہ یعنی جوڑ اسی تلوار کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خواب دیکھا تھا (مدارج) اور مدینہ کے دن چار شوال 3ھ کو یا بقول مدارج جمعہ کے دن لشکر کفار احد شریف کے اس جانب بطن وادی کے میدان عینین میں نازل ہوا' احد مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جانب شمال ایک پہاڑ ہے' چونکہ یہ تمام پہاڑوں سے علیحدہ ہے' اس لئے اسے احد کہتے ہیں یعنی اکیلا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا اور لوگوں کو خبر دی اگر تم ثابت قدم رہے تو فتح انشاء اللہ تمہاری ہو گی' اور بعد نماز عصر حجرہ شریف میں تشریف لے گئے' حضرت صدیق و فاروق ساتھ تھے' ان دو بزرگوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر عمامہ باندھا' زرہ پہنائی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تلوار حمائل کئے' ہاتھ میں برچھا لئے دو زرہیں زیب تن کئے' چمڑے کی پیٹی کمر پر کسے ہوئے مجاہدانہ شان سے باہر تشریف لائے' یہاں صحابہ کی بڑی جماعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی منتظر تھی' جب صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لباس میں دیکھا تو حیران رہ گئے' اور حضرت سعد ابن معاذ و اسید ابن حضیر نے تمام صحابہ کی طرف سے نمائندگی کرتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بڑی گستاخی ہو گئی جو ہم نے آپ

www.alahazratnetwork.org

کی رائے کے خلاف رائے قائم کی' اب ہماری رائے بھی یہی ہے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کی جائے (مدارج) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے نبی کی یہ شان نہیں کہ ہتھیار جنگ پہننے کے بعد بغیر جنگ کئے کھول دے' چلو اللہ پر توکل ہے' (تفسیر کبیر) یہ تمام کام جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ہوئے۔

لشکر کی بھرتی: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہزار جانباز صحابہ کرام کا لشکر جمع فرمایا' عبداللہ ابن عمر' زید ابن ثابت' اسامہ ابن زید' زید ابن ارقم' براء ابن عازب' ابو سعید خدری' سمرہ ابن جندب' رافع ابن خدیج وغیرہم چونکہ یہ بہت چھوٹے تھے انہیں واپس جانے کا حکم دیا' لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رافع ابن خدیج اگرچہ کمسن ہیں مگر غضب کے تیر انداز ہیں انہیں لشکر میں شامل کر لیا جائے' فرمایا منظور ہے' سمرہ ابن جندب نے عرض کیا' جب رافع کو بھرتی کر لیا گیا تو مجھے بھی کر لیا جائے' کیونکہ میں طاقت میں ان سے زیادہ ہوں' کشتی میں انہیں گرا سکتا ہوں' چنانچہ ان دونوں کمسنوں کی کشتی کرائی گئی' اور سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا' یا رافع سوچی ہوئی تدبیر کے مطابق خود ہی پچھڑ گئے' تو انہیں بھی بھرتی کر لیا گیا' یہ واقعہ ہفتہ کی رات منزل شیخین میں پیش آیا' سرکار نے تین جھنڈے بنائے' مہاجرین کا جھنڈا بروایت مدارج النبوۃ علی المرتضیٰ کو دیا اور بروایت تفسیر روح المعانی مصعب ابن عمیر کو عطا فرمایا' اور انصار میں سے اوس کا جھنڈا اسید ابن حضیر کو اور خزرج کا حباب ابن منذر کو مرحمت فرمایا' عبداللہ ابن ام مکتوم کو مدینہ منورہ کا خلیفہ بنایا اور جانب احد روانہ ہو گئے' میدان احد میں پہنچ کر لشکر کی ترتیب یوں کی کہ عبداللہ ابن جبیر کو مع پچاس سپاہیوں کے کوہ عینین (احد کا ایک حصہ) کے شگاف پر مقرر کیا جدھر سے خطرہ تھا کہ دشمن یہ شگاف عبور کر کے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کر دے' اور انہیں تاکید فرمائی کہ ہم فتح پائیں یا شکست تم یہاں سے نہ ہٹنا جب تک کہ ہم تمہیں نہ بلائیں' عکاشہ ابن محصن اسدی کو میمنہ پر (صف کا داہنا حصہ) اور ابو سلمہ ابن عبدالاسد مخزومی کو میسرہ پر (بائیں جانب) ابو عبیدہ ابن جراح' سعد ابن ابی وقاص' مقدمہ پر' اور مقداد ابن عمر کو ساقہ پر مقرر کیا۔ مشرکین نے اپنی صفیں یوں مرتب کیں کہ خالد ابن ولید کو میمنہ میں' عکرمہ ابن ابو جہل کو میسرہ میں' صفوان ابن امیہ اور عمرو ابن عاص کو پہاڑ کے شگاف کی جانب' ابو سفیان کو قلب میں' اور عبداللہ ابن ربیعہ کو تیر اندازوں میں مقرر کیا' طلحہ ابن طلحہ کو پرچم عطا فرمایا' اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں جو تلوار تھی اس پر یہ شعر کندہ تھا۔

فی الجبن عار و فی الاقبال مکرمۃ   والمرء بالجبن لا ینجوا من القدر

یعنی بزدلی میں شرم ہے' بہادری میں عزت ہے' انسان بزدلی کر کے تقدیر سے نہیں بچ سکتا' سرکار نے فرمایا کون ہے جو اس تلوار کو تھامے اور اس کا حق ادا کرے' ابو دجانہ اٹھے' عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا لڑتے لڑتے ٹیڑھا کر دینا' آپ نے تلوار لے لی' اور اس کا حق ادا کر کے دکھلایا' کہ کفار کو مارتے ہوئے ابو سفیان کی زوجہ ہندہ تک پہنچ گئے' جو عورتوں کے ساتھ دف بجا کر مقتولین بدر کے مرثیے گا رہی تھیں اور سپاہیوں کو لڑنے مرنے پر ابھار رہی تھیں' ان پر تلوار اٹھائی' مگر ہندہ پکار اٹھی' میں عورت ہوں' اسلام میں عورتوں کو قتل نہیں کرتے' آپ نے چھوڑ دیا۔

منافقین کی غداری اور بعض مسلمانوں کی گھبراہٹ: یہ تو عرض کیا جا چکا ہے کہ عبداللہ ابن ابی کی رائے مدینہ میں رہ کر جنگ کرنے کی تھی جو کثرت رائے کی مقابل فیل ہو گئی اسے اس کا غصہ تھا' دوسرا واقعہ یہ ہو گیا کہ ابن ابی کے حلیف یہودی احد

www.alahazratnetwork.org

میں مسلمانوں کی امداد کو حاضر ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھ کر فرمایا کہ ہم کو کفار کے مقابل کفار کی مدد نہیں چاہئے' تم واپس جاؤ' یہ لوگ چلے گئے' اس پر یہ منافق اور بھی بھن گیا' احد کے ایک ہزار سپاہیوں میں تین سو اس کے ساتھی یعنی منافقین تھے۔ اس نے اپنی جماعت سے کہا کہ قریش بہت زیادہ ہیں ان سے لڑنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے' میں نے پہلے ہی اچھی رائے دی تھی جو جوشیلے لڑکوں نے نہ مانی ہم کو یہ جنگ پسند نہیں' ہم اپنی موت خود نہیں چاہتے' یہ کہہ کر اپنی جماعت کے تین سو افراد کے ساتھ عین موقعہ پر مدینہ منورہ واپس ہو گیا اب اسلامی لشکر بجائے ایک ہزار کے صرف سات سو رہ گیا' انہیں تو مرتب کیا گیا' اس بھاری جماعت کے غداری سے منہ موڑنے پر حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن حزام سلمی نے کہا اے قوم خدا سے ڈر' اس وقت دھوکا نہ دے' مگر انہوں نے ایک نہ سنی' اس واقعہ پر انصار کی دو جماعتیں کچھ گھبرائیں' انہوں نے بھی واپس جانے کا ارادہ کیا' مگر رب تعالیٰ نے انہیں ثابت قدم رکھا' یہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے' اس آیت میں انہی کا ذکر فرمایا گیا' بہر حال اب مسلمانوں کا لشکر سات سو رہ گیا اسی نے غزوہ کیا۔

بزم کے بعد رزم: سب سے پہلے ابو عامر راہب جسے ابو عامر فاسق کہتے تھے پچاس آدمیوں کی جماعت کے ساتھ آگے بڑھا' اور بہت کچھ بکواس کر کے مسلمانوں پر پتھر برسائے' ادھر سے بھی پتھروں کا جواب پتھروں سے دیا گیا' تھوڑی ہی دیر میں یہ مردود مسلمانوں کے جواب کی تاب نہ لا کر مع اپنی جماعت کے پیچھے ہٹ گیا' ابو عامر کا بیٹا حضرت حنظلہ مسلمان صحابی تھے انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ ابو عامر کے مقابل جا کر اس سے جنگ کرنے کی اجازت مانگی' مگر اجازت نہ ملی' پھر مبارزت کی جنگ شروع ہوئی' پہلے طلحہ ابن طلحہ جو قریش کا علمبردار تھا میدان میں آیا' اپنا مقابل مانگا' ادھر سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ شیر ببر کی طرح گئے' ایک ہی وار میں اس کا سر چیر کر صفوف اسلام میں واپس آئے' لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے طلحہ کو قتل کیوں نہ کر دیا صرف زخمی کرنے پر ہی کفایت کی؟ فرمایا ضرب حیدری کا مارا ہوا جیا نہیں کرتا اب وہ عنقریب مر جائے گا' مگر ہوا یہ کہ جب وہ زخم کھا کر گرا تو ننگا ہو گیا مجھے اس کا ستر دیکھ کر شرم آئی اور چھوڑ دیا' کچھ دیر کے بعد طلحہ مر گیا۔ پھر حضرت حمزہ نے عثمان ابن طلحہ کو' اور سعد ابن ابی وقاص نے ابو سعید ابن طلحہ کو یکے بعد دیگرے قتل کیا' یہ کفار آگے پیچھے قریش کی علمبرداری کرتے' علم لے کر آتے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے جاتے آخر میں کفار کا علم ایک عورت عمرہ نے لیا جو علقمہ حارثی کی بیٹی تھی' آخر کار دونوں طرف سے گھمسان کا رن پڑا اور نقشہ یہ ہوا

مسلمانوں کا کوئی تیر بھی خالی نہ جاتا تھا　　دلوں میں بیٹھتا تھا یا کلیجوں میں سماتا تھا!
قریشی حملہ آور زخم کاری کھا کے گرتے تھے　　پیادے چیخ کر اور گھڑ چڑھے لہرا کے گرتے تھے

حضرت حمزہ نے بڑی بہادری سے کفار کے چوٹی کے بہادر ابو شیبہ کو اس طرح قتل کیا کہ آپ کی تلوار نے اس کا خود کاٹا' سر چیرا' حلق پھاڑا' سینہ چاک کیا اور کھیرے کی طرح اس کے جسم کے برابر دو ٹکڑے کر دیئے' کفار کی طرف سے دس سپاہیوں نے اکیلے حمزہ پر حملہ کیا جن میں سے آپ نے سات کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور تین بھاگ گئے' پھر اسلام و کفر گتھم گتھا ہو گئے' غضب کا رن پڑا' بہت سے کفار مارے گئے اور ان کے قدم اکھڑ گئے' سر پر پاؤں رکھ کر بھاگے' قریشی عورتیں بجائے دف بجانے اور گانے کے سر پیٹتی روتی چیختی بھاگیں' مسلمان ان کا پیچھا کرتے بہت دور تک انہیں لے گئے' صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ گویا میدان احد

www.alahazratnetwork.org

سے ہم اب کفار کو بدحواسی میں بھاگتے دیکھ رہے ہیں' غرضکہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو شاندار غلبہ عطا فرمایا اور کفار میدان سے بھاگ نکلے۔

اچانک نقشہ جنگ کا رخ بدل گیا: عبداللہ ابن جبیر کے پچاس ساتھیوں نے جو درہ پہاڑ پر متعین تھے جن سے فرمایا گیا تھا کہ درہ نہ چھوڑنا' جب کفار کو بھاگتے اور مسلمانوں کو بھگاتے' مال غنیمت حاصل کرتے دیکھا تو یہ بھی درہ سے نکل کھڑے ہوئے تا کہ مال غنیمت حاصل کرنے میں فاتح مسلمانوں کا ہاتھ بٹائیں' حضرت عبداللہ ابن جبیر نے بہت کچھ سمجھایا کہ درہ نہ چھوڑو' سرکار نے منع فرمایا ہے مگر وہ کہنے لگے کہ فتح تو ہو چکی' مقصد حاصل ہو گیا۔

ہوئی فضل خدا سے ہم کو حاصل آج فیروزی ۔۔۔ کریں مال غنیمت سے نہ کیوں اب بہرہ اندوزی

غرضکہ حضرت ابن جبیر اور ان کے ساتھ سات صحابہ رہ گئے باقی تمام نے یہ درہ چھوڑ دیا' ادھر خالد ابن ولید نے درہ خالی دیکھا' عکرمہ ابن ابوجہل اور دوسرے کفار کے ساتھ اسی درہ پر دھاوا بول دیا' یہ آٹھ حضرات جو درہ پر رہ گئے تھے شہید ہو گئے اور مسلمانوں کی پشت سے خالد ابن ولید کا حملہ ہو گیا اس اچانک حملہ سے جیتی ہوئی جنگ کا نقشہ بدل گیا اس سراسیمگی کی حالت میں کچھ مسلمان تو بھاگ اٹھے کچھ آپس ہی میں ایک دوسرے کو قتل کرنے لگے' حتیٰ کہ حضرت حذیفہ کے والد یمان کو مسلمانوں نے ہی مار دیا' حضرت حذیفہ چیختے ہی رہے کہ یہ میرے والد ہیں' یہ تو مسلمان ہیں مگر اس شور میں کون سنتا' تمام کے قدم اکھڑ گئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھ آٹھ مہاجر سات انصار جو آپ کے ساتھ تھے اپنے مقام پر جمے رہے مہاجرین میں حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر' علی مرتضیٰ اور عبدالرحمن بن عوف' سعد ابن ابی وقاص' زبیر ابن عوام' طلحہ ابن عبداللہ' ابوعبیدہ ابن جراح تھے' اور انصار میں سے خباب ابن منذر' ابودجانہ' عاصم ابن ثابت' سہل ابن حنیف' اسید ابن حضیر' سعد ابن معاذ' حارث ابن صمہ تھے' غرضکہ مسلمان چار گروہ میں بٹ گئے' کچھ تو جمے رہے اور شہید ہو گئے' کچھ پہاڑوں' غاروں میں چھپ گئے' کچھ کے قدم اکھڑ گئے اور وہ مدینہ منورہ چلے گئے' حضرت عثمان اس تیسرے گروہ میں تھے اور کچھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے' حضرت ابوبکر و عمر اور علی اس چوتھے گروہ میں تھے (مدارج) اس جماعت پر کفار نے سخت یلغار کی حتیٰ کہ ایک بدبخت کا پتھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر پڑا' دوسرے کا پتھر دندان مبارک پر لگا' جن سے خود ٹوٹ کر اس کی کچھ کڑیاں سر شریف میں گڑھ گئیں' اور ایک دانت مبارک کا کنگرہ شہید ہو گیا' سر اور منہ سے خون جاری ہو گیا اور آپ ایک غار میں آ گئے' کفار نے شور مچا دیا الا ان قتل محمد یعنی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) شہید کر دیئے گئے' جس سے مدینہ منورہ میں کہرام مچ گیا' وہاں کے مرد و زن جن میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی تھیں احد شریف پہنچے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زندہ پا کر خدا کا شکر بجا لائے۔

حضرت حمزہ کی شہادت: جناب حمزہ نے جنگ بدر میں طعیمہ ابن عدی ابن خیلو اور عتبہ کو جو ہندہ کا باپ تھا قتل کیا تھا جبیر ابن مطعم جو طعیمہ کا بھتیجا تھا اس نے اپنے غلام وحشی سے کہا کہ اگر تو حضرت حمزہ سے میرے چچا طعیمہ کا بدلہ لے لے اور انہیں شہید کر دے تو تو آزاد ہے' ادھر ہندہ زوجہ ابوسفیان نے وحشی سے کہا کہ اگر تو میرے باپ عتبہ کا بدلہ جناب حمزہ سے لے لے تو میں تجھے بہت سا سونا اور موتی دوں' حضرت حمزہ نے اپنے ایک مقابل سباع نامی کافر کو دامن احد میں قتل کیا' جب آپ اس قتل

www.alahazratnetwork.org

سے لوٹے تو وحشی دامن کوہ میں ایک بڑے پتھر کے نیچے چھپا بیٹھا تھا' جب حضرت حمزہ ادھر سے گزرے تو وحشی نے پتھر کی آڑ سے آپ پر نیزہ کا وار کیا جو زیر ناف لگا اور آرپار ہو گیا' آپ وحشی کے پیچھے بھاگے' وحشی آگے آگے تھا آپ پیچھے ایک جگہ وحشی مڑا' آپ بھی مڑے وہاں ایک خندق تھی جس میں آپ پھسل کر گرے اور اللہ کو پیارے ہو گئے **انا للہ و انا الیہ راجعون** وحشی لوٹ کر اس غار کے منہ پر پہنچا' جہاں مرد مجاہد ہمیشہ کی میٹھی نیند سو رہا تھا' موت پر یقین نہ آیا' تو کنکری ماری مگر جب جسم شریف میں حرکت ہوتی نہ پائی تو تب اسے شہادت کا یقین ہوا تو غار میں اتر کر نہایت بے دردی سے آپ کا سینہ چاک کیا' کلیجہ نکال کر ہندہ زوجہ ابو سفیان کے پیش کیا' ہندہ نے کچا کلیجہ دانتوں سے چبایا' پھر حضرت حمزہ کی نعش شریف پر آئی' چھری سے آپ کے گردے' کان' ناک' اعضائے نہانی کاٹے' ان سب کو ایک دھاگے میں پرو کر اپنے گلے میں ہار بنا کر پہنا اور اپنے گلے کا طلائی ہار وحشی کو انعام میں دیا اور مکہ پہنچ کر دس اشرفیاں اور دینے کا وعدہ کیا' اللہ تیری شان' یہ ہندہ ابو سفیان کی بیوی اور امیر معاویہ کی ماں ہے' جس نے آج یہ حرکت کی۔ اور پھر فتح مکہ کے دن مسلمان ہو گئی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے معافی دیدی۔ پھر عہد فاروقی میں اسی ہندہ نے اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہو کر بڑی اسلامی خدمات سرانجام دیں اور بار بار کہتی تھی کہ میں اپنے پرانے گناہوں کا کفارہ کر رہی ہوں۔ جنگ قادسیہ اور جنگ یرموک میں ہندہ کے کارنامے قیامت تک یاد رہیں گے' اب ہم اس کے لئے کہتے ہیں کہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا' وحشی بھی مسلمان ہو گئے اور عہد صدیقی میں مسلیمہ کذاب کو اسی نیزہ سے قتل کر کے بولے کہ یہ قتل حضرت حمزہ کے قتل کا بدلہ ہے' غرضکہ ان لوگوں نے اپنے گناہوں کے کفارے خوب ادا کئے۔

ہیچ کافر را بخواری منگرید کہ مسلماں بودنش باشد امید!

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حمزہ کی شہادت اور آپ کے مثلہ یعنی اعضاء کٹ جانے کا بہت صدمہ ہوا' جب حضرت صفیہ یعنی جناب حمزہ کی بہن ادھر آنے لگیں' جہاں حضرت حمزہ کی نعش اسی حالت میں پڑی تھی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زبیر ابن عوام سے فرمایا کہ اپنی والدہ صفیہ کو یہاں نہ آنے دو' وہ اپنے بھائی کا یہ حال دیکھ کر صبر نہ کر سکیں گی' آپ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر بار نماز جنازہ پڑھی کہ ہر شہید کے جنازہ کے ساتھ ان پر نماز پڑھی' اور احد کے میدان میں ہی دامن کوہ میں دفن فرمایا' فقیر نے قبر انور کی زیارت کی ہے' جب سرکار مدینہ واپس ہوئے تو وہاں کی عورتوں کو اپنے عزیز شہداء پر روتا پایا' غمگین ہو کر فرمایا **اما حمزة فلا بواكی له** کیا آج بیکس حمزہ پر رونے والی کوئی آنکھ نہیں۔

احد میں صحابہ کرام کی جانثاریاں: غازیان احد میں سے جن خوش نصیب صحابہ کرام نے مجاہدانہ سرفروشی کا ثبوت دیا ان کے نام قیامت تک چمکتے رہیں گے۔

حضرت علی حیدر کرار: جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کے پے در پے حملے ہو رہے تھے' حضرت علی آپ کے پہلو بہ پہلو تھے' فرمایا علی کفار کو مجھ سے دور رکھو' اور یہی وقت مدد کا ہے' کمر ہمت باندھو' اکیلے حضرت علی نے بہت کفار کو جہنم رسید کر کے ان کی جماعت کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا' بعض روایات میں ہے کہ اس حملہ حیدری کے وقت حضرت جبریل و میکائیل بھی جناب علی کے ساتھ تھے (مدارج)۔

شاہ مرداں شیر یزداں قوت پروردگار لافتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار (مدارج)

www.alahazratnetwork.org

اس مقابلہ میں اس شیر خدا نے سولہ زخم کھائے' چار زخموں میں تو آپ زمین پر آ رہے' پھر اٹھے اور کفار کو روکا۔

حضرت طلحہ: آپ نے اس وقت جب کفار ہر طرف سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر تیر برسا رہے تھے اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا دیا' کفار کے سارے وار اپنے جسم پر لئے' آپ نے سی زخم کھائے' مگر اس کے باوجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارد گرد ایسے گھومتے تھے جیسے حاجی طواف میں کعبہ کے گرد گھومتا ہے' اور ہر طرف سے حملے اپنے پر لیتے ہر وار خود سہتے تھے اچانک دو تلواریں آپ کے سر پر پڑیں' بیہوش ہو کر گرے' حضرت صدیق اکبر نے آپ پر پانی چھڑکا' ہوش آنے پر پوچھا' ابو بکر! بتاؤ رسول اللہ تو خیریت سے ہیں' صدیق نے جواب دیا بخیریت ہیں اور تمہارے لئے دعائیں فرماتے ہیں' طلحہ نے کہا جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سلامت ہیں تو ہر مشکل آسان ہے۔

حضرت انس ابن نضر: آپ کو خبر پہنچی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے تو بولے جناب حضور کے بعد زندگی بیکار ہے جس راستہ پر حضور گئے ہیں میں بھی جاتا ہوں' تلوار اٹھائی' حضرت سعد بن ابی وقاص سے ملاقات ہوئی' فرمایا اے سعد مجھے احد کی طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ صف کفار میں گھس گئے' اسی زخم کھائے اور شہید ہو گئے' بعد شہادت آپ کی نعش پہچانی نہ جاتی تھی' زخموں سے کوئی جگہ خالی نہ تھی' آپ کی بہن نے آپ کی انگلی کے تل سے آپ کو پہچانا۔

حضرت سعد ابن ابی وقاص: آپ تیر اندازی میں مشہور تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے فرماتے تھے **ارم فداک ابی و امی** اے سعد تجھ پر میرے ماں باپ قربان خوب تیر چلا' مالک ابن زہیر کافر کے ہاتھوں بہت مسلمان شہید و زخمی ہوئے تھے' آپ نے تاک کر اس کی آنکھ پر تیر مارا جو سر سے پار ہو گیا اور جہنم رسید ہو گیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی کہ اے سعد اللہ تمہیں مقبول الدعاء بنائے چنانچہ آپ ایسے مقبول الدعاء تھے کہ صحابہ آپ سے دعا کرانے آتے تھے' آخر میں نابینا ہو گئے تھے' کبھی اپنے لئے دعا نہ فرمائی' کہتے تھے یار کا یہ فیصلہ مجھے قبول ہے۔

حضرت ابو طلحہ انصاری: آپ احد کے دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ڈھال بن کر کھڑے ہو گئے تھے اور عرض کرتے تھے کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) رب تعالیٰ میرے جسم و جان کو آپ کے لئے ڈھال بنا دے' آپ کمال کے تیر انداز تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو لکڑیاں اٹھا کر دیتے تھے' جب آپ کمان میں لگاتے تو وہ لکڑی تیر بن جاتی تھی وہ آپ دشمن پر چلاتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کھجور کی شاخ دی جو آپ کے ہاتھ میں پہنچتے ہی تلوار بن گئی' جیسے کہ بدر کے دن حضرت عکاشہ کے ہاتھ میں لکڑی تلوار ہو گئی تھی' چنانچہ اس تلوار کا نام عرجون تھا' یہ **شمشیر عرجون معتصم باللہ** نے دو سو دینار میں خریدی۔

حضرت حنظلہ: جنگ احد سے ایک دن پہلے آپ کی شادی ہوئی' آج شب زفاف تھی' آپ صبح کے وقت غسل کی تیاری کر رہے تھے' بعض روایات میں ہے کہ سر کا ایک حصہ دھو بھی لیا تھا کہ اچانک صحابہ کی تنگ حالت کا آپ کو پتہ چلا' بعض روایات میں ہے کہ آپ نے غیبی آواز سنی **یا خیل اللہ ارکبی** بے قرار ہو کر اسی حال میں احد کی جانب روانہ ہو گئے' تلوار لے کر کفار پر ٹوٹ پڑے' بہت سوں کو جہنم واصل کر کے شہید ہو گئے' جنگ کے بعد جب شہداء کی لاشیں جمع کی گئیں تو آپ کی لاش

www.alahazratnetwork.org

مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا' آپ کی زوجہ جمیلہ سے پوچھا گیا' انہوں نے فرمایا کہ یہ جنابت کی حالت میں تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' انہیں جبریل و میکائیل نے دوسرے فرشتوں کے ساتھ (علیہم السلام) کوثر کے پانی سے غسل دیا ہے' یہ وہی پانی ٹپک رہا ہے' اسی دن سے آپ کا لقب **غسیل الملائکہ** ہوا' اسی حدیث کی بناء پر ہمارے امام صاحب فرماتے ہیں کہ جنبی شہید کو غسل دیا جائے گا' آپ کی بیوی کا نام جمیلہ ہے' آپ عبداللہ ابن ابی منافق کی سگی بہن تھیں فرماتی ہیں کہ میں نے اسی رات حضرت حنظلہ کی روانگی سے پہلے خواب دیکھا کہ آسمان میں شگاف ہوگیا' حنظلہ اس میں غائب ہوگئے' پھر شگاف بند ہوگیا' میں سمجھ گئی کہ یہ میرے پاس سے شہید ہونے چل دیئے' چونکہ ایک شب کی بیاہی تھی شرم سے زیادہ بات بھی نہ کرسکی' کسی شاعر نے یہ پورا واقعہ ہندی میں نظم کیا جس کا ایک شعر درج ذیل ہے۔

جو میں جانتی سیاں رو ٹھت ہیں نگری میں شور مچا دیتی — جو میں جانتی سیاں بچھڑت ہیں گھنگٹا میں آگ لگا دیتی

حضرت مصعب ابن عمیر: جب احد میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو مہاجرین کا جھنڈا آپ کے ہاتھ میں تھا' ابن قمیہ جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زخمی کیا تھا آپ پر پل پڑا' تلوار کے ایک وار سے آپ کا داہنا ہاتھ کاٹ دیا' آپ چیخ کر بولے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل** حالانکہ یہ آیت ابھی نازل ہوئی تھی مگر آپ کے لب پر جاری ہوگئی اور جھنڈا بائیں ہاتھ میں لے لیا' ابن قمیہ نے وہ ہاتھ بھی کاٹ دیا۔ آپ نے کٹے ہوئے بازوؤں سے جھنڈا سینہ سے لگایا' اس ملعون نے تاک کر سینہ پر وار کیا' آپ یہی آیت پڑھتے ہوئے چکر کھا کر گرے۔ ایک فرشتہ مصعب کی شکل میں نمودار ہوا جس نے جھنڈا پکڑ لیا' مسلمان اس فرشتہ کو مصعب ہی سمجھتے رہے مگر وہ تو کبھی کے شہید ہو چکے تھے۔

حضرت ام عمارہ: آپ کا نام نصیبہ بنت کعب ہے' آپ جنگ احد میں زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں' آپ کے خاوند زید ابن عاصم اور دونوں بیٹے عمارہ و عبداللہ بھی جنگ میں مشغول تھے' جب آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں میں گھرا دیکھا تو مشکیزہ پھینک کر چادر سے اپنی کمر باندھ لی اور نہتی اس ہجوم میں کود پڑیں' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے آپ کے آس پاس گھومنے لگیں' ہر وار اپنے پر لیتی تھیں' اس خدمت میں تیرہ زخم کھائے' ایک کافر نے آپ پر تلوار کا وار کیا۔ آپ نے ایک ہاتھ سے اس ظالم کا ہاتھ پکڑ کر مروڑا اور دوسرے سے تلوار چھین کر اسی تلوار سے اس کا سر کاٹ کر رکھ دیا۔ ایک کافر بھاگا جا رہا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام عمارہ اس نے تمہارے بیٹے کو زخمی کیا ہے' آپ نے بڑھ کر جو زور کا وار کیا تو اس ملعون کی دونوں ٹانگیں کاٹ ڈالیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا' شکر ہے تم نے اپنے بیٹے کا قصاص لے لیا۔ خیال رہے کہ جنگ احد وسط شوال 3ھ میں ہوئی' تاریخ اور دن میں مورخین کا اختلاف ہے' راجح قول یہ معلوم ہوتا ہے کہ دس شوال 3ھ بروز اتوار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میدان احد میں وارد ہوئے' گیارہ یا تیرہ شوال کو غزوہ ہوا' **واللہ اعلم بالصواب** مسلمان ان واقعات سے صحابہ کرام کی بہادری و جانثاری کا اندازہ لگائیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور تاریخی واقعات یاد رکھنا' لوگوں کو یاد دلانا خواہ قول سے ہو یا عمل سے حکم خداوندی ہے اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ **اذ غدوت** سے معلوم ہوا' زندہ قومیں اپنی یادگاریں زندہ رکھتی ہیں اور مردہ قومیں اپنی تاریخ بھلا دیتی ہیں' عید میلاد و عید معراج و عرس بزرگان کی اصل

www.alahazratnetwork.org

یہ آیت اور اس جیسی دوسری آیتیں ہیں۔ دوسرا فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہ مومنہ' متقیہ اور صالحہ ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت' رب تعالیٰ نے انہیں یہاں من اھلک فرمایا" کافر اولاد اور کافر بیوی نبی کے اہل بیت نہیں ہوتے' رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے ان کے بیٹے کنعان کے متعلق فرمایا انه لیس من اھلک اور لوط علیہ السلام سے ان کی کافرہ بیوی کے متعلق فرمایا الا امراتک قرآن کریم نے حضرت عائشہ کو حضور علیہ السلام کی اہل بیت فرما کر ان کے ایمان و تقویٰ سب کی گواہی دیدی۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں صرف بیوی کو اہل بیت کہا جاتا ہے' چنانچہ یہاں حضرت عائشہ صدیقہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اہل بیت کہا گیا' دوسری جگہ ارشاد ہوا" اذ قال لاھلہ امکثوا موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی سے فرمایا یہاں ٹھہرو' ایک جگہ فرماتا ہے کہ فرشتوں نے بیوی سارہ سے کہا رحمتہ اللہ وبر کاتہ علیکم اھل البیت' تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی علوم بھی سارے عطا فرمائے' جیسا کہ تبوی ء الخ سے معلوم ہوا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نماز کی امامت فرماتے تھے' دین کی تعلیم دیتے تھے' جھگڑوں کے فیصلے کرتے تھے' میدان جہاد میں اعلیٰ درجہ کے جرنیل یا کمانڈر کا کام کرتے تھے' سپاہیوں کو مورچوں پر جمانا' میدان جنگ کا نقشہ خطرناک دروں کو سنبھالنا' یہ تمام کام بذات خود انجام دیتے تھے۔ چوتھا فائدہ: غزوہ احد میں شریک ہونے والے تمام صحابہ مخلص مومن تھے اور ایمان پر ان کا خاتمہ ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں مومنین فرمایا" اگر ان کا ایمان آئندہ بھی مشکوک ہوتا تو علام الغیوب انہیں ہرگز مومن نہ فرماتا' جو شخص ان میں سے کسی کے ایمان میں شک کرے' وہ اس آیت کا منکر ہے۔ جنگ احد میں کوئی منافق و کافر شریک نہ ہوا۔ تین سو منافقین جو مدینہ منورہ سے لشکر اسلام کے ساتھ چلے تھے وہ جنگ سے پہلے ہی مخلصین سے چھٹ کر لوٹ گئے ایسے ہی بیعت الرضوان میں کوئی منافق یا کافر شریک نہ ہوا۔ پانچواں فائدہ: خیال گناہ" گناہ نہیں اور نہ اس سے کوئی شخص مجرم ہو سکتا ہے' دیکھو بنی سلمہ اور بنی حارثہ نے بھاگ جانے کا قصد کیا تھا مگر رب تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا طائفتن منکم اے مسلمانو وہ دونوں تمہاری ہی جماعتیں ہیں' اور فرمایا اللہ ولیھما اللہ ان دونوں کا والی و وارث ہے اور ظاہر ہے کہ اللہ مومن ہی کا والی ہے نہ کہ کفار کا' اب جو انہیں برا کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ چھٹا فائدہ: خطاء اجتہادی معاف ہے اگرچہ کتنی ہی سخت ہو اور اس کا نتیجہ کتنا ہی خطرناک ہو' دیکھو احد میں درہ والے مسلمانوں کی غلطی سے کتنا نقصان ہوا کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی زخمی ہو گئے" مگر رب تعالیٰ نے ان غلطی کرنے والوں کو بھی مومنین ہی فرمایا اور ان پر کسی قسم کا عتاب نہ کیا' کیونکہ انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کا مطلب سمجھنے میں غلطی کی' وہ سمجھے کہ فتح تو ہو ہی چکی ٹھہرنے کی علت جاتی رہی۔ ہمارے لئے اب یہاں سے ہٹ جانا جائز ہو گیا' یہی مجتہدین کہا کرتے ہیں' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آئمہ مجتہدین پر کیچڑ اچھالتے ہیں یا صحابہ کرام پر ان کی جنگوں کے باعث تبرا کرتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: جہاد کے وقت غنیمت پر ہرگز نظر نہ کی جائے بلکہ دشمن کا مقابلہ ڈٹ کر کیا جائے ورنہ مسلمان نقصان اٹھائیں گے' دیکھو جنگ احد میں درہ والے صحابہ نے غنیمت کے لئے درہ چھوڑا تو جنگ کا نقشہ بدل گیا۔ آٹھواں فائدہ: غزوہ احد میں مسلمانوں کو شکست ہرگز نہ ہوئی' کچھ سپاہیوں کے بھاگ جانے سے شکست نہیں ہوا کرتی' شکست ہوتی ہے سپہ سالار کے بھاگنے سے" حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام سے ایک انچ بھی نہ ہٹے" پھر شکست کیسی؟ علماء فرماتے ہیں جو کہے کہ احد میں مسلمان ہار گئے' وہ توبہ کرے" اگر نہ کرے تو حاکم اسلام اس کو سزا دے کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ (مدارج) ہو لیہ کہ

www.alahazratnetwork.org

کفار موقعہ پاکر چوروں کی طرح پیچھے سے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے 'کچھ کو شہید و زخمی کرکے بھاگ گئے' جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد مسلمان پھر جمع ہوگئے 'تو کفار میں وہاں ٹھہرنے کی بھی ہمت نہ رہی' اگر انہوں نے فتح پائی ہوتی 'تو کچھ علاقہ پر قبضہ کرتے' وہاں رہ کر جشن اور رنگ رلیاں مناتے 'جیسا کہ اس زمانہ میں فاتحین کیا کرتے تھے لہذا حق یہ ہے کہ مسلمانوں نے ہرگز شکست نہ کھائی 'ہاں اپنی غلطی سے کچھ تکلیف اٹھائی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے روانگی صبح کے وقت ہے کہ ارشاد ہوا 'غدوت' غدو صبح کے جانے کو کہتے ہیں مگر تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے نماز جمعہ کے بعد ہتھیار پہنے اور روانہ ہوئے۔ **جواب:** یہاں **غدوت** میں تجرید ہے صرف روانگی کے معنی ہیں 'جیسے کہ کبھی **اصبح' ظل' بات'** صرف صار کے معنی میں آتے ہیں 'رات یا صبح کے معنی سے خالی ہو جاتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **من اھلک** کیوں فرمایا گیا **من بیتک** یا **من بلدک** فرمانا زیادہ مناسب ہوتا 'کیونکہ انسان گھر سے جاتا ہے نہ کہ گھر والوں سے؟ **جواب:** تاکہ حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کے حجرہ کی عظمت ظاہر ہو کہ یہ وہ حجرہ ہے جہاں سے اس غزوہ کے سفر کی ابتداء ہوئی 'اور جناب عائشہ کی وہ ذات گرامی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے روانہ ہوئے' رب تعالٰی نے سفر معراج کی ابتداء مسجد حرام سے بیان فرمائی تاکہ اس مسجد کی عظمت کو چار چاند لگ جائیں۔ **تیسرا اعتراض:** غزوہ سے بھاگ جانا گناہ کبیرہ ہے جیسے زنا وغیرہ اور گناہ کبیرہ کرنے والا فاسق ہے 'تو جو حضرات صحابہ جنگ احد سے بھاگ گئے وہ فاسق ہوئے نیز جب تم عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے تین سو ساتھیوں کو اس لئے فاسق کہتے ہو کہ وہ جنگ احد سے پیٹھ دکھا گئے تو حضرت عثمان وغیرہ کو فاسق کیوں نہیں کہتے' وہ بھی اللہ کے رسول کو میدان میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے تھے 'اس کی کیا وجہ ہے کہ جرم ایک مگر تمہارے فیصلے مختلف (روافض و خوارج)۔ **جواب:** غزوہ سے بھاگ جانے کی تین نوعیتیں ہیں غداری کرکے بھاگنا تاکہ دوسرے مجاہدین پر برا اثر پڑے' بزدلی سے بھاگ جانا' کسی اچانک حادثہ جانکاہ پیش آجانے پر حواس باختہ ہو جائیں اور اسی مدہوشی کی حالت میں قدم اکھڑ جائیں' خبر ہی نہ رہے کہ کون کہاں ہے اور ہم کیا کر رہے ہیں 'کدھر جا رہے ہیں' پہلی دو صورتیں گناہ و فسق ہیں' پہلی صورت تو بہت ہی بڑا گناہ قریب کفر ہے' دوسری صورت اس سے کم گناہ 'مگر تیسری صورت نہ جرم ہے نہ گناہ' عبداللہ ابن ابی منافق اور اس کے ساتھیوں کا فرار پہلی قسم کا تھا یعنی غداری کی بناء پر مسلمانوں کو شکست اور کفار کو فتح دلانے کے لئے مگر ان حضرات کا قدم اکھڑ جانا تیسری قسم کا تھا کہ اچانک پیچھے سے حملہ ہوا جس کا نہیں وہم و گمان بھی نہ تھا' او پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت مشہور ہو گئی' ان پر غم پر غم ایسے پڑ گئے کہ ان کے ہوش و حواس ہی جاتے رہے' اس افراتفری کا اثر یہ ہوا کہ مسلمانوں نے ہی یمان کو قتل کر دیا' جناب حذیفہ پکارتے ہی رہے یہ تو میرے والد ہیں' مومن ہیں مگر کسی نے سنا بھی نہیں' ایسی مدہوشی کے اعمال نہ جرم ہوتے ہیں نہ گناہ' اسی لئے ان بزرگوں سے حضرت یمان کا نہ قصاص لیا گیا' نہ دیت' نہ فدیہ' نہ کفارہ' ابھی تقسیم ملک کے موقعہ پر مائیں اپنے شیر خوار بچوں کو ہندوستان چھوڑ کر پاکستان بھاگ آئیں' اور حدود پاکستان میں آکر معلوم ہوا کہ میری گود میں بچہ نہیں ہے' یہ بھی خبر نہ ہوئی کہ بچہ میں نے کہاں پھینکا' اور وہ کہاں گرا' یہاں آکر روئیں' خداوند تعالٰی ایسا وقت نہ دکھائے' اچھے اچھوں کے ہوش جاتے رہتے ہیں' اور اگر ان کا یہ عمل صورۃً گناہ بھی تھا تو رب تعالٰی نے ان کی معافی کا

www.alahazratnetwork.org

اعلان فرمایا ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعن انما استزلهم الشیطن ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنهم اے محبوب جو ان دو جماعتوں کے ٹکراؤ کے وقت پیٹھ پھیر گئے انہیں ان کی بعض غلطیوں کی وجہ سے شیطان نے پھسلا دیا اور ضرور ضرور اللہ نے انہیں معاف کردیا' کہو اب ان پر کیا اعتراض ہے' درہ خالی کردینا ان کی اجتہادی غلطی تھی' اس سے ان کے قدم اکھڑ جانا' نتیجہ نکلا' رب تعالیٰ کی معافی اس کا انجام ہوا' ان بزرگوں پر یہ اعتراض ایسا ہی ہے جیسے کوئی آدم علیہ الصلوۃ والسلام پر آج گندم کھانے کا اعتراض کرے' ان کی وہ خطائیں جن کی معافی کا قرآن شریف میں اعلان ہو گیا ہماری ان عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی خبر نہیں۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ پہنچ کر فرمایا کہ آج حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں' معلوم ہوا کہ شہیدوں پر رونا پیٹنا ماتم کرنا اچھی چیز ہے' اسی لئے آج ہم امام حسین رضی اللہ عنہ پر پیٹتے ہیں (روافض)۔ جواب: بوقت موت میت پر آنسو بہا کر رونا' اس کے درست حالات بیان کرنا سنت سے ثابت ہے مگر نوحہ پیٹنا' ماتم کرنا' سر کے بال نوچنا' کپڑے پھاڑنا حرام ہے' اور تین دن کے بعد تو رونا' بین کرنا بھی منع' تمہارے بناوٹی رونے اور اجرت دے کر ماتم کرانے میں اور ان بیویوں کے گریہ میں آسمان و زمین کا فرق ہے' وہ عین ایمان تھا یہ عین حرام' اس حدیث کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے بیویو! حمزہ جیسے مظلوم شہید پر ہمارے گھر میں رونا پیٹنا نہیں پڑا' تم اپنے شہداء پر کیوں رو رہی ہو' اس صورت میں یہ فرمان انہیں رونے سے روکنے کے لئے ہے نہ کہ ترغیب کے لئے۔ پانچواں اعتراض: رب تعالیٰ نے ایسے نازک موقعہ پر مسلمانوں کو شکست دی ہی کیوں؟ یہ تو محبت کے تقاضے کے خلاف ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محبوب بھی ہیں اور ان کے صحابہ کو جنگ احد میں شکست بھی دیدی گئی اس میں حکمت کیا ہے؟ جواب: اس واقعہ میں تاقیامت مسلمانوں کے لئے نمونہ قائم کرنا تھا کہ جہاد میں غنیمت پر دھیان کرنا شکست کا باعث ہوتا ہے' غنیمت بعد کی چیز ہے' نیز درہ خالی کردینا سخت مصیبت کا سبب ہے' نازک مورچے جہاد میں کبھی خالی نہ چھوڑنا' نیز ہمارے محبوب کے فرمان پر عمل کرتے رہنا ان کے حکم کی لوئی معمولی سی مخالفت بڑی مصیبت کا باعث ہے کہ درہ والے صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تھوڑی سی مخالفت کی وہ بھی غلطی سے' تو اس کا انجام یہ ہوا' یہ شکست بھی عملی تبلیغ ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فجر قضا ہو گئی' مسلمانوں کو قضا کے احکام بتانے کے لئے۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
اور البتہ تحقیق مدد کی اللہ نے بدر میں حالانکہ تم تھوڑے تھے بس ڈرو اللہ سے شاید تم شکر کرو
اور بے شک اللہ نے بدر میں تمہاری مدد کی جب تم بالکل بے سروسامان تھے تو اللہ سے ڈرو کہیں تم شکرگزار
اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ
جب فرماتے تھے آپ مسلمانوں سے کیا نہیں کافی نہیں یہ کہ مدد کرے تمہاری رب تمہارا تین ہزار
ہو جب اے محبوب تم مسلمانوں سے فرماتے تھے کیا تمہیں یہ کافی نہیں کہ تمہارا رب تمہاری مدد کرے تین ہزار

www.alahazratnetwork.org

اَلۡفٍ مِّنَ الۡمَلٰٓئِكَةِ مُنۡزَلِيۡنَ

فرشتوں سے جو اتارے ہوئے ہوں

فرشتے اتار کر

تعلق: ان آیات کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گذشتہ آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے خلاف کرنے کا نتیجہ دکھایا گیا یعنی احد میں ناکامی' اس آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کا نتیجہ یاد دلایا جا رہا ہے یعنی بدر میں کامیابی' تاکہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کریں اور مخالفت سے بچیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو توکل کا حکم دیا گیا تھا' اب توکل کا فائدہ بتایا جا رہا ہے کہ توکل کی برکت سے تم نے بدر میں فتح حاصل کی تھی اگرچہ تم تھوڑے بھی تھے اور بے سامان بھی' گویا پہلے توکل کا حکم تھا اور اب توکل کے مثالی فوائد کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ احد میں مسلمانوں کی دو جماعتوں نے اپنی کم تعداد دیکھ کر بھاگ جانے کا ارادہ کر لیا تھا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد میں فتح کمی بیشی سے نہیں ہوتی' ہمت اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہوتی ہے' دیکھو تم بدر میں بہت ہی تھوڑے تھے مگر جیت گئے لہٰذا آئندہ کمی بیشی کا خیال نہ کرنا۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں جنگ احد کا ذکر تھا جس میں مسلمان صابر' شہید' زخمی ہوئے' اب بدر کا ذکر ہے جس میں مسلمان شاکر' غازی فاتح بنے تھے یعنی عملی صبر کے بعد عملی شکر کا ذکر ہے تاکہ مسلمان ہمیشہ آرام و فتح میں شکر اور تکلیف یا ناکامی میں صبر کیا کریں۔

تفسیر: **ولقد نصر کم اللہ** ہلولام اور قد مضمون کی تاکید کے لئے آتے ہیں' تاکید کبھی شک دفع کرنے کے لئے ہوتی ہے اور کبھی مضمون کی اہمیت دکھانے کے لئے' یہ تاکید صحابہ کرام کے اعتبار سے اظہار اہمیت کے لئے ہے' کفار و مشرکین کے لحاظ سے' دفع شک کے لئے' چونکہ فتح بدر بہت اہم واقعہ ہوا' اس لئے لقد سے شروع فرمایا گیا' اور چونکہ مشرکین و کفار اس فتح کو اتفاقی واقعہ کہتے تھے کہ قضاء" ابوجہل پہلے مارا گیا' اس لئے مسلمان جیت گئے' ورنہ احد میں کیوں نہ جیتے' حالانکہ احد میں مسلمان بمقابلہ بدر قوی تھے' یہ وہم دفع فرمانے کے لئے لقد فرمایا گیا' **نصر**' نصرت سے بنا' بمعنی امداد خواہ ظاہری امداد ہو یا غیبی' یہاں غیبی امداد مراد ہے' **کم** میں سارے صحابہ سے خطاب ہے' خواہ بدر میں شریک تھے یا نہ تھے کیونکہ ایک جماعت کی امداد سب کی امداد ہے' اگرچہ بدر میں فرشتوں نے امداد کی تھی' مگر چونکہ وہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئے تھے' نیز ان مقبولوں کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے اس امداد کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا' **بدر** مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک میدان کا نام ہے' اس میدان میں ایک کنواں ہے جسے بدر ابن عامر نے کھدوایا تھا' کھدوانے والے کے نام سے اس کنوئیں کا نام بدر ہوا' اور کنوئیں کے نام سے سارے میدان کا نام بدر ہوا' اب وہاں چھوٹی سی بستی ہے' مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ جاتے ہوئے اب نئے راستہ میں آتی ہے' جنگ بدر جمعہ کے دن اکیسویں یا سترھویں رمضان 2ھ میں ہوئی' مسلمان 313 تھے اور بے سرو سامان' کفار ایک ہزار تھے اور سامان جنگ سے لیس' اس کا پورا واقعہ تفصیل وار تفسیر نعیمی پارہ سوم: میں بیان ہو چکا وہاں مطالعہ کرو **وانتم اذلۃ** واؤ حالیہ ہے۔ یہ جملہ **نصر** کے مفعول کا حال ہے' **انتم** میں غالباً شرکاء بدر سے خطاب

www.alahazratnetwork.org

ہے اور ہو سکتا ہے کہ سارے صحابہ یا سارے مسلمانوں سے خطاب ہو کیونکہ فوج کی کمزوری ساری قوم کی کمزوری ہوتی ہے'
اذلة جمع ذلیل کی ہے جس کا مادہ ذل ہے' عز کا مقابل' ذل کے معنی ہیں عجز و کمزوری' تنگی و مسکینی' حقارت و ذلت' بے
سروسامانی و قلت' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و لم یکن له ولی من الذل** رب تعالیٰ نے کمزوری و عجز کی بناء پر اپنا ولی کسی کو نہیں
بنایا ہے' اور فرماتا ہے **اذلة علی المومنین** مسلمانوں پر نرم اور مہربان' اور فرماتا ہے **لیخرجن الاعز منها الاذل**
مدینہ سے عزت والے ذلیلوں یعنی حقیروں کو نکال دیں گے' یہاں ذلیل بمعنی قلیل و کمزور ہے اور اگر بمعنی حقیر بھی ہو تو نظر
کفار میں حقیر مراد ہے نہ واقع میں یعنی تم واقع میں بے سامان و قلیل تھے' یا متکبر کفار کی نگاہوں میں تم حقیر تھے۔ خیال رہے کہ
ذلیل بروزن فعیل ہے' اس کی جمع کثرت یا تو بروزن **فعلاء** آتی ہے' جیسے ظریف کی جمع **ظرفاء** اور شریک کی شرکاء' یا
بروزن **افعلاء** جیسے قریب کی جمع اقرباء' اور جمع قلت یا بروزن **افعلة** آتی ہے جیسے جریب کی **اجربة** اور قفیز کی **اقفزة** یا
بروزن فعلی جیسے قریب کی **قربی** لہٰذا یہ جمع قلت ہے۔ رب تعالیٰ نے انہیں ذلیل فرما کر ان کا بے سامان ہونا بتایا اور جمع قلت فرما
کر ان کی تعداد کی کمی ظاہر کی۔ **فاتقوا الله**' **ف** جزائیہ ہے یا ترتیب کی اور یہ جملہ یا شرط محذوف کی جزاء ہے' یا **نصرکم** پر
مرتب' تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا اور اگر عذاب پوشیدہ ہو تو معنی ہوں گے بچنا یعنی جب اللہ نے تم پر ایسے آڑے وقت میں کرم فرمایا
تو تم اللہ سے ڈرتے رہو یا اللہ کے عذاب سے بچے رہو۔ **لعلکم تشکرون**' **لعل** امید کے لئے ہے مگر یہ امید بندوں کے
لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے لحاظ سے' شکر کے معنی اور اس کی اقسام اس کے درجے و احکام' نیز اس کے مقابل کفر کے احکام و
اقسام دوسرے پارے **و اشکروا لی ولا تکفرون** کی تفسیر میں بیان ہو چکے **اذ تقول للمومنین** **اذ** یا تو **نصر** کا ظرف
ہے یا **اذکر** فعل پوشیدہ کا' پہلی صورت میں یہ واقعہ بھی جنگ بدر کا ہی ہے اور دوسری صورت میں یہ واقعہ جنگ احد کا ہے' عام
مفسرین نے پہلی صورت کو ترجیح دی ہے' **تقول** میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور **مومنین** سے مراد یا
غازیان بدر ہیں یا مجاہدین احد' یعنی رب تعالیٰ نے بدر میں اے مسلمانو! تمہاری اس وقت مدد کی' جبکہ اے محبوب تم مسلمانوں
سے یہ کہتے تھے' یا اے محبوب انہیں احد کا وہ واقعہ بھی یاد دلاؤ' جب آپ مسلمانوں کو یہ کہہ کر تسلی دیتے تھے' خیال رہے کہ
اگر بدر کا واقعہ ہے' تو آیت میں التفات ہے کہ پہلے مسلمانوں سے خطاب تھا پھر محبوب کو خطاب اور مسلمانوں کا طریق غائب ذکر
فرمایا گیا **الن یکفیکم ان یمدکم ربکم** ہمزہ انکاری استفہام کا ہے' **یکفی** کفایت سے بنا بمعنی حاجت پوری کرنا اور کسی
کے معاملہ کا انتظام کرنا' اس کے اوپر غنی کا درجہ ہے' **یمد** امداد سے ہے' جس کا مادہ **مدد** ہے' جس کے معنی ہیں مسلسل دینا یا
جاری رکھنا' کہا جاتا ہے **مد فی السیر** سفر جاری رکھا' برابر چلتا رہا' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ امداد بھلائی میں مدد دینے کو کہتے
ہیں' **مد** برائی میں ڈھیل دینے کو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یمدهم فی طغیانهم یعمهون** بعض نے فرمایا کہ قوت دینے کے
لئے مدد امداد کہلاتی ہے' اور زیادتی کے لئے مد و مدد کہلاتی ہے' **لن** سے معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمان اس وقت گھبراہٹ میں اپنی
فتح سے مایوس ہو چکے تھے (تفسیر روح البیان و روح المعانی و کبیر وغیرہ) یعنی اے مسلمان غازیو! کیا تمہیں یہ کافی نہ ہوگا کہ تمہارا
مہربان رب تمہیں ایسے نازک موقعہ پر مدد دے' مدد بھی معمولی صرف ہتھیاروں وغیرہ سے نہیں بلکہ **بثلثة الاف من
الملئکة منزلین** تین ہزار زمینی فرشتوں سے نہیں بلکہ آسمانی اتارے ہوئے فرشتے' ملائکہ ملک کی جمع ہے' ملک کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ان کی اقسام، ان کے نام و کام ہم پہلے پارہ میں **و اذ قال ربک للملئکۃ** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں، ہماری قرات میں منزلین، ز کے فتح سے ہے، یعنی آسمان سے اتارے ہوئے، بعض میں **منزلین** ز کے کسرہ سے ہے، یعنی وہ فرشتے مسلمانوں کے دلوں میں سکون اور کفار کے قلب میں رعب اتارنے والے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غزوۂ احد کے غازیو! تم اس غزوہ میں منافقین کے دھوکہ دے جانے سے اور اپنی غلطی کی بنا پر اپنے قدم اکھڑ جانے سے بددل نہ ہو، فتح و شکست جنگ میں ہوتی ہی ہے، مگر یقین کر لو کہ فتح و کامرانی تعداد کی زیادتی یا سامان کی کثرت پر موقوف نہیں، بلکہ ہمارے رحم و کرم پر موقوف ہے، جس کا روشن ثبوت یہ ہے کہ غزوۂ بدر میں تم لوگ تعداد میں تھوڑے تھے کہ صرف 313 تھے، اور سامان بھی کم کہ تمہارے پاس دو گھوڑے، چھ زرہیں، آٹھ تلواریں تھیں، باقی کھجوروں کی شاخوں سے ہی لڑ رہے تھے مگر رب تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی اور تمہیں شاندار فتح دی کہ تم ایک ہزار مسلح کفار پر اس طرح غالب آئے کہ تم نے ان کے ستر پہلوان مار دیئے، جن میں 24 چوٹی کے سردار تھے، اور ستر قید کر لئے، جس کے ذریعہ تمہیں بہت مال ہاتھ آیا لہٰذا آئندہ ہمیشہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خوف خدا کا ہتھیار اپنے ساتھ رکھو کہ سارے ہتھیار اس کے مقابل ہیچ ہیں، اور تقویٰ اس امید پر اختیار کرو کہ تم بندۂ شاکر بن جاؤ، اے محبوب انہیں وہ وقت بھی یاد دلاؤ جبکہ جنگ احد میں عبداللہ ابن ابی منافق اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر غداری کر کے چلا گیا اور غازیوں کو اتنی بھاری جماعت کم ہو جانے سے سخت صدمہ ہوا تو آپ نے ان پیارے غازیوں کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا، تم گھبراتے کیوں ہو، اگر تین سو منافق تمہیں پیٹھ دکھا گئے تو رب العالمین نے تین ہزار فرشتے تمہاری امداد کے لئے آسمان سے اتار دیئے، کیا تمہیں اتنی بھاری غیبی امداد کافی نہیں؟ یقیناً کافی ہے، تو پھر منافقوں کے نکل جانے پر کیوں رنج کرتے ہو۔

دوسری تفسیر: رب تعالیٰ نے بدر کے میدان میں غازیوں کی مدد اس موقع پر کی تھی، جب انہیں پتہ لگا تھا کہ کرز ابن جابر محاربی مشرکین مکہ کی امداد کے لئے بڑی بھاری کمک بھیج رہا ہے، اس خبر سے غازیان بدر گھبرا گئے کہ پہلے ہی کفار کی تعداد مسلمانوں سے تین گنا تھی، اور اب انہیں مدد پہنچ رہی ہے، کیا بنے گا! تب آپ نے اے محبوب غازیوں کو خوشخبری دی تھی کہ تمہاری کمک آسمان سے آ رہی ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری مدد کے لئے تین ہزار فرشتے اتار رہا ہے، کیا تمہیں کرز ابن جابر کی کمک کے مقابلہ میں یہ مدد کافی نہیں؟ ضرور کافی ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ کرز کو خود اپنی پڑ گئی اور وہ کفار مکہ کی کوئی امداد نہ کر سکا، مگر تمہارے رب نے فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائی، یہ باتیں سوچو اور ہمیشہ رب تعالیٰ پر توکل رکھو (تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مقبول بندوں کو رب تعالیٰ سے ایسا قرب ہے کہ ان کا کام رب تعالیٰ کا کام کہلاتا ہے۔ اور رب تعالیٰ کے کام کو وہ اپنا کام کہتے ہیں، دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے فرشتوں کی امداد کو اپنی امداد کہا کہ فرمایا **نصرکم اللہ** اور بی بی مریم رضی اللہ عنہا سے جبریل امین نے کہا تھا **لاھب لک غلاما زکیا** "میں تمہیں ستھرا بیٹا بخشوں گا"، بیٹا بخشنا رب تعالیٰ کا کام ہے، فرماتا ہے **یھب لمن یشاء الذکور** الایہ مگر جبریل امین نے کہا کہ فرزند میں بخشتا ہوں۔ **دوسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی نعمتوں کا بہترین شکریہ یہ ہے کہ بندہ گناہ چھوڑ دے اور نیک اعمال اختیار کرے، جیسا کہ **فاتقوا اللہ** سے معلوم ہوا، بعض لوگ اپنی حاجت پوری ہونے پر شکریہ کے نوافل پڑھتے ہیں روزے رکھتے ہیں، میلاد

www.alahazratnetwork.org

شریف یا ختم پڑھواتے ہیں ان سب کا ماخذ یہ آیت بھی ہے کہ یہ اعمال صالح تقوٰی میں داخل ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی متقی اپنے نیک اعمال پر ناز نہ کرے قبولیت کی امید رکھے ختم ڈالنا ہمارا کام ہے پیدا اور رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جیسا کہ **لعلکم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** غازیان بدر و احد سب کے سب مومن تھے مومن ہی رہے اور دنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ان دونوں غزووں میں کوئی منافق شامل نہ ہوا ان دو غزووں کی شرکت ان حضرات کے ایمان کی قوی دلیل ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان سب کو مومن فرمایا کہ فرمایا **اذ تقول للمومنین** خیال رہے کہ رب تعالیٰ اس کو مومن فرماتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہو شیطان کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **و کان من الکافرین** وہ اپنے عبادت کے زمانہ ہی میں ہماری بارگاہ میں کافر تھا دوسرے مقام پر رب تعالیٰ جنگ احد کا تفصیلی ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے **و لیعلم المومنین و لیعلم الذین نافقوا** الخ یعنی غزوہ احد کی تکلیف مومن و منافقین کی چھانٹ کے لئے تھی منافقین پہلے ہی بھاگ گئے مومنین جنگ میں شریک ہوئے۔ **پانچواں فائدہ:** جنگ احد میں بھی فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے آئے تھے سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے جنگ مسلمانوں کے ساتھ مل کر صرف بدر میں ہی کی ہے دیگر غزوات میں آئے ہیں مگر انہوں نے جنگ نہ کی (تفسیر کبیر)۔ حضرت سعد ابن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میں نے احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں بائیں دو چٹے کپڑوں والے شخصوں کو دیکھا جنہیں نہ پہلے دیکھا تھا نہ بعد میں وہ تھے جبریل و میکائیل (تفسیر خازن)۔ حضرت سعد ابن مالک فرماتے ہیں کہ جب احد میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تو میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا کفار پر تیر برسا رہا تھا ایک اجنبی جوان میرے سامنے تیر بکھیرتا تھا اور کہتا تھا اے ابو اسحاق مارے جاؤ وہ فرشتہ تھا جسے میں نے اس سے قبل و بعد کبھی نہ دیکھا (تفسیر خازن)۔ **چھٹا فائدہ:** خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمانوں کی بڑی عزت ہے کہ ان کے دوش بدوش لڑنے کے لئے آسمان سے فرشتے نازل ہوئے کمک اپنے پیاروں کو پہنچائی جاتی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلقت سے افضل و اشرف ہیں کہ فرشتے آپ کی ماتحتی میں سپاہی بن کر جنگ کرتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں کے بھی جرنیل اعظم ہیں دیکھو فرشتے یہاں جرنیل بن کر نہ آئے سپاہی بن کر آئے لڑانے نہ آئے بلکہ لڑنے آئے۔ **آٹھواں فائدہ:** جنگ احد یا بدر میں زمینی فرشتوں نے مسلمانوں کی امداد نہ کی بلکہ آسمانی فرشتوں نے کی تھی جیسا کہ **منزلین** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اگر خدا تعالیٰ ہزاروں فرشتوں سے مسلمانوں کو امداد دیتا ہے تو ان کی بادشاہتیں برباد کیوں ہو رہی ہیں؟ یہ صرف جاہلوں کو لالچ دے کر پھنسانے کا ڈھکوسلہ ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** افسوس پنڈت دیانند عربی زبان سے بالکل ناواقف ہوتے ہوئے قرآن کریم پر اعتراض کرنے کا شوق رکھتے ہیں۔ یہاں یہ کب فرمایا گیا کہ ہم ہمیشہ فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی امداد کیا کریں گے اور مسلمان کبھی جنگ میں شکست نہ کھائیں گے **ان یمددکم** میں دوام یا استمرار کہاں سے نکال لیا یہاں تو صرف جنگ بدر یا احد میں امداد کا وعدہ ہے جو پورا کیا گیا اگر پنڈت جی نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا ہوتا تو وہ اس آیت کی حقانیت پر ایمان لے آتے صرف تین سو تیرہ (313) آدمیوں کا آٹھ تلواریں لے کر ایک ہزار مسلح پہلوانوں پر فتح پانا غیبی امداد نہیں تو اور کیا ہے؟ بلکہ حق یہ ہے کہ اگر مسلمان اخلاص کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کریں تو اب بھی ان کی امداد کے لئے فرشتے آتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں' کیا پنڈت جی! تم محمد بن قاسم کے معرکے بھول گئے؟ کیا تمہیں سلطان محمد غوری اور محمود غزنوی کے معرکے یاد نہ رہے' کیا پانی پت اور سومنات کی لڑائیاں تمہارے سامنے نہیں' جن میں مٹھی بھر مسلمانوں نے تمہارے لاکھوں جوانوں کو وہ سبق پڑھایا جو تمہیں اگلی جونوں تک یاد رہے گا' اب ہماری خانماں بربادی اور خراب حالی اس لئے ہے کہ ہم ہم نہ رہے۔ پنڈت جی مہاراج اگر ہم ہم رہتے تو پھر تم نہ رہتے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر جنگ احد میں مسلمانوں کی امداد کے لئے فرشتے آئے تھے تو انہیں ہزیمت کیوں ہو گئی' کیا فرشتے بھی کفار سے ہار گئے (آریہ) **جواب:** مسلمانوں کو احد میں اسی امداد کی برکت سے فتح ہو گئی تھی بعد میں ان کی ہزیمت ان کی اپنی جنگی غلطی سے ہوئی کہ اہم مورچہ یعنی درہ خالی کر دیا' اور یہ ہزیمت بھی آئندہ نسلوں کو جنگی قانون سکھانے کے لئے تھی کہ کبھی اہم مورچے نہ چھوڑیں' بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہزیمت کے بعد بھی رب تعالیٰ نے مدد کی' ورنہ کفار مکہ اس وقت سارے مدینہ پر ٹوٹ پڑتے اور اسے برباد کر ڈالتے مگر ہمت نہ پڑی حتی کہ کچھ دور پہنچ کر ابو سفیان اس ارادہ سے پھر لوٹے اور زخمی مسلمان یہ خبر پا کر پھر تیار ہوئے مگر ابو سفیان آگے بڑھنے کی ہمت نہ کر سکے جیسا کہ اس کا ذکر قرآن شریف میں ہی آئے گا۔ **تیسرا اعتراض:** کفار کی ہلاکت کے لئے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا' تین ہزار فرشتوں کی کیا ضرورت تھی' قوم لوط کی بستیوں کو ایک فرشتے نے ہی الٹ کر رکھ دیا تھا (بعض جہلا)۔ **جواب:** یہاں کفار کا ہلاک کرنا مقصود نہ تھا' بلکہ فقط مسلمانوں کی ہمت افزائی اور ان کا حوصلہ بڑھانا منظور تھا' ہلاکت کے لئے ایک فرشتہ کافی ہے' عزت افزائی کے لئے فرشتوں کی برات چاہئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے جانے کے لئے لاکھوں فرشتے براتی بن کر آئے تھے حالانکہ لے جانے کے لئے ایک براق ہی کافی تھا' ان کفار کو ہلاک بھی کیوں کیا جاتا' ان میں سے اکثر وہ تھے جو آئندہ مسلمان ہو کر اسلام کی خدمت کرنے والے تھے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں تو فرمایا گیا کہ تمہاری مدد تین ہزار فرشتوں سے ہو گی' اور اگلی آیت میں آ رہا ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں سے امداد ہو گی' آیتوں میں تعارض ہے! **جواب:** اس کا جواب اگلی آیت میں ہی دیا جائے گا' انشاء اللہ کہ تین ہزار کی امداد غیر مشروط ہے اور پانچ ہزار کی مشروط' لہٰذا دونوں آیات درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنوں کو توکل کا حکم بھی دیا اور اس کا نتیجہ بھی دکھایا اور بتایا' جس سے معلوم ہوا کہ توکل مومن کا زیور ہے اور ایمان کا نشان' توکل کی حقیقت یہ ہے کہ اسباب کو جمع کرے' رب تعالیٰ پر اعتماد کرے اور اپنے عجز کا اظہار' گھبراہٹ سے دور رہے۔ سہل ابن عبداللہ تستری فرماتے ہیں کہ سارے علوم عبادت سے ادنیٰ ہیں اور ساری عبادتیں ورع سے ادنیٰ اور سارے ورع زہد سے ادنیٰ اور سارے زہد توکل سے ادنیٰ' توکل کے تین درجے ہیں' پہلا درجہ اسباب جوڑنا' دوسرا درجہ اسباب چھوڑنا' تیسرا درجہ اسباب توڑنا۔

حکایت: جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گوپھن کے ذریعہ نمرودی آگ میں پھینکا گیا تو راستہ میں جبریل امین ملے عرض کیا کچھ آپ کو حاجت ہے' فرمایا تم سے کچھ نہیں۔ عرض کیا رب تعالیٰ سے ہے' فرمایا **حسبی عن سوالی علمه بحالی'** وہ میری حالت کو جانتا ہے' مجھے مانگنے کی حاجت نہیں' یہ ہے توکل کا آخری درجہ' کبھی رب تعالیٰ سے دعا کرنا عبادت ہے' کبھی دعا نہ کرنا اطاعت' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس توکل کی تین نشانیاں ہیں' کسی سے نہ مانگنا' بغیر مانگے جو ملے اسے رد نہ کرنا' جو آ جائے اس پر بخل نہ کرنا اور جو کچھ رکھنا نفس کے واسطے نہ رکھنا رب تعالیٰ کے لئے رکھنا' حضرت ابراہیم خواص متوکلین کے سردار تھے

www.alahazratnetwork.org

کہ کبھی نہ گھر بنایا نہ سامان رکھا مگر اس کے باوجود سوئی دھاگہ، قینچی اور کوزہ ساتھ رکھتے تھے، کسی نے پوچھا کہ یہ سامان بھی کیوں رکھا ہے؟ فرمایا کوزہ وضو کے لئے اور سوئی دھاگہ پھٹا کپڑا سی کر تن ڈھکنے کے لئے تاکہ نماز درست ہو، صوفیاء فرماتے ہیں کہ متوکلین کا لشکر ملائکہ ہیں، جو اپنے پر ادھر کا دروازہ بند کرتے ہیں، ان پر رب تعالیٰ اس طرف کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

بَلٰۤى اِنْ تَصْبِرُوْا وَ تَتَّقُوْا وَ یَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا یُمْدِدْكُمْ
ہاں اگر تم صبر کرو اور پرہیزگار رہو اور آجائیں تم پر کفار اپنے اس جوش سے تو مدد کریگا تمہاری
ہاں کیوں نہیں اگر تم صبر و تقویٰ کرو اور کافر اسی دم تم پر آپڑیں تو تمہارا

رکوع

رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ﴿۱۲۵﴾
رب تمہارا پانچ ہزار فرشتوں سے جو نشان والے ہیں
پروردگار تمہاری مدد کو پانچ ہزار فرشتے نشان والے بھیجے گا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں استفہام انکاری کے طریقے پر سوال کیا گیا تھا کہ کیا تمہیں تین ہزار فرشتوں کی امداد کافی نہیں؟ اب بغرض تعلیم اس کا اقراری جواب دیا جا رہا ہے کہ ہاں یہ امداد بہت کافی و وافی ہے، گویا گزشتہ آیت میں سوال تھا، اس آیت میں اس کا جواب۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں تین ہزار فرشتوں کی امداد کی بشارت تھی، اس آیت کریمہ میں اس پر ترقی فرماتے ہوئے پانچ ہزار فرشتوں کی امداد کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت کا ذکر فرمایا تھا کہ آپ نے ان مسلمانوں کو تین ہزار فرشتوں کی امداد کی خوشخبری دی، اس آیت میں رب تعالیٰ مع اضافہ امداد کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و تائید فرما رہا ہے مگر کچھ شرائط کی ترمیم کے ساتھ۔

شان نزول: اس آیت کے متعلق اختلاف ہے کہ یہ کون سی امداد کا ذکر فرما رہی ہے اور اس کا ظہور کب ہوا، تفسیر خازن و کبیر وغیرہ نے تین چار قول نقل فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ جب جنگ بدر میں مسلمانوں کو پتہ لگا کہ کرز ابن جابر محاربی مشرکین مکہ کی امداد کے لئے بہت بڑی کمک بھیج رہا ہے، تو انہیں سخت تردد و پریشانی ہوئی کہ ہم تو پہلے ہی مشرکین کے مقابلہ میں تہائی بھی نہ تھے، کفار ہم سے تین گنا سے بھی زیادہ، ہم بے سرو سامان، اور وہ سامان والے تھے، اب اگر انہیں اور بھاری مدد پہنچ گئی تو کیا بنے گا، تب مسلمانوں کی تسلی کے لئے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ اگر کرز کی امداد مشرکین مکہ کو پہنچی، تو ہماری پانچ ہزار فرشتوں کی مزید امداد تمہیں پہنچے گی بے فکر رہو، دوسرے یہ کہ ابو سفیان جب جنگ احد سے واپس گئے اپنے کو فتح یافتہ اور کامیاب سمجھ کر تو کچھ دور پہنچ کر خیال آیا کہ ہم نے لوٹنے میں جلدی کی، موقع اچھا تھا ہمیں مدینہ تباہ کر دینا چاہئے تھا اور مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دینا چاہئے تھا یہ سمجھ کر مع لشکر کے پھر چڑھائی کا ارادہ کیا، ادھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اس کی اطلاع دیدی گئی آپ نے انہی مجروح صحابہ کو پھر جنگ کی تیاری کا حکم دیا، یہ حضرات پھٹے ہوئے سروں، ٹوٹے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

بازوؤں، زخمی پاؤں میں پٹیاں باندھ کر اسی طرح پھر مقابلہ کے لئے چل دیئے، رب تعالیٰ کو صحابہ کرام کی فرمانبرداری اور یہ ادا بہت ہی پسند آئی، اس لئے اس آیت میں ان سے وعدہ کیا گیا کہ اگر کفار پھر لوٹ کر آئے تو ہم تمہاری امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے بھیجیں گے، تم بے فکر رہو، تمہیں جو کچھ تکلیف پہنچ گئی اتفاقی بات تھی تمہاری غلطی کی بناء پر اب تمہیں فتح دی جائے گی چنانچہ کسی شخص نے جو مسلمانوں کی یہ شان دیکھ کر گیا تھا ابو سفیان کو خبر دی کہ مسلمانوں کے حوصلے بہت بلند ہیں، ان میں سرفروشی و جانبازی کا جذبہ پہلے سے بھی زیادہ ہے، ابو سفیان اس خبر سے گھبرا گئے اور بہت تیزی سے مکہ معظمہ بھاگ گئے اس خوف سے کہ کہیں مسلمان ہمیں یہاں ہی نہ آلیں اور ہم پر یہاں ہی نہ ٹوٹ پڑیں (تفسیر روح المعانی) مرے شیر کی بھی ہیبت ہوتی ہے۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

تیسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ جنگ احزاب یعنی غزوۂ خندق کی خبر دے رہی ہے کہ اے مسلمانو! خیال رکھنا کہ مشرکین عرب بہت ساز و سامان اور بہت ہجوم کے ساتھ پھر تم پر چڑھائی کریں گے تم صابر و متقی رہنا ہم تمہاری مدد پانچ ہزار فرشتوں سے کریں گے (تفسیر خازن)۔ خیال رہے کہ کفار عرب صرف تین بار مدینہ طیبہ پر چڑھ کر آئے، بدر میں ایک ہزار نفری کے ساتھ تو رب تعالیٰ نے بدر میں ایک ہزار فرشتے مسلمانوں کی امداد کے لئے بھیجے، خود فرماتا ہے **انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین** (انفال) احد میں تین ہزار نفری کے ساتھ، تو رب تعالیٰ نے بھی احد میں تین ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد فرمائی جیسا کہ ابھی پچھلی آیت میں گزر گیا **بثلاثۃ الاف من الملئکۃ منزلین** احزاب (خندق) میں اس موقعہ پر تو بہت زیادہ تعداد میں کفار باہر سے حملہ آور ہوئے، اور یہود و منافقین اندرون مدینہ سے مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے، جس سے مسلمانوں کے دل گلے میں آ گئے اور ان کی سخت آزمائش ہوئی، کفار دس ہزار، اور بعض روایات کی بناء پر چوبیس ہزار تھے جن میں قریش پانچ ہزار تھے۔ باقی دوسری قومیں۔ رب تعالیٰ نے بھی مسلمانوں کی امداد کے لئے پانچ ہزار فرشتے نازل فرمائے، پھر غزوۂ خندق کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دیدی کہ آئندہ کفار مدینہ پر حملہ نہ کریں گے بلکہ اب ہمارے حملے ان پر ہوں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، چوتھے یہ کہ یہ پانچ ہزار ملائکہ کی امداد کا وعدہ قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم سب تقویٰ و اخلاص کے ساتھ کبھی بھی جنگ کرو گے، تو تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کی جائے گی، یہی قول خواجہ حسن بصری کا ہے۔ (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **بلی** دوسری زبانوں میں جواب دینے کا ایک ہی حرف ہوتا ہے، جیسے اردو میں ہاں، فارسی میں بلے، پنجابی میں آہو وغیرہ، مگر عربی میں آٹھ حرف ہیں **نعم، بلی، اجل، ای، جیر** وغیرہ، اور ان حروف کے استعمال کے موقع علیحدہ، چنانچہ **بلی** استفہام انکار کے بعد منفی کے اقرار کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے، اور **نعم** سے نفی کا ہی اقرار ہوتا ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں تمہارا رب نہیں، تو سب روحوں نے کہا **بلی** یعنی ہاں، تو ہمارا رب ہے، اگر **نعم** کہہ دیتے تو معنی ہوتے، ہاں تو ہمارا رب نہیں، یہاں بھی پہلے **الن یکفیکم** میں نفی کفایت کا سوال ہو چکا ہے، اب جواب آیا **بلی** تو معنی یہ ہوئے کہ ہاں ضرور یہ مدد تمہیں کافی ہے، یا تو یہ کلام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے **تقول** کا مفعول جسے رب تعالیٰ نے نقل فرمایا، یا

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں ارشاد ہوا' **ان تصبروا و تتقوا**' صبر کے معنی ہیں روکنا' اپنے کو اللہ کی اطاعت پر روکنا' نفس کو گناہوں سے روکنا' اور آفت و مصیبت میں دلوں کو گھبراہٹ و بیقراری سے روکنا' یہاں تیسرے معنی مراد ہیں' کیونکہ پہلے دو معنی تو **تتقوا** میں داخل ہیں صبر کی تحقیق و تقسیم دوسرے پارے میں **استعینوا بالصبر والصلوة** کی تفسیر میں ہو چکی ہے' **تتقوا** کا مفعول پوشیدہ ہے' اگر مخالفت' نافرمانی' گناہ مفعول ہو' تو تقویٰ کے معنی ہوں گے بچنا' اور اگر اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنے ہوں گے ڈرنا' یعنی تم مصیبتوں میں صبر کئے رہو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے یا مخالفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بچتے ہو۔ خیال رہے کہ یہاں خطاب یا غازیان بدر سے ہے یا غازیان احد سے' یا سارے ان صحابہ سے جنہیں' غزوہ خندق پیش آنا تھا' یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے' جیسا کہ ابھی نزول کے ماتحت عرض کیا گیا' پہلی تین صورتوں میں صبر و تقویٰ سے مراد ہوگا ان پر قائم رہنا جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا النبی اتق اللہ** کیونکہ صحابہ خصوصاً" غازیان بدر و احد و احزاب اول درجہ کے صابر' متقی تھے جن کی تعریف خود قرآن کریم جگہ جگہ فرما رہا ہے' اگر وہ حضرات صابر و متقی نہ ہوں تو دنیا میں پھر کوئی صابر و متقی نہیں' ہم نے صبر و تقویٰ سیکھا ہی ان سے ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میرے صحابہ تارے ہیں تم ان میں سے جس کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے' وہ حضرات ایمان' اعمال' صبر و شکر' تقویٰ سب میں ہی ہمارے لئے رہبر تارے ہیں' اور اگر ہم لوگوں سے خطاب ہو تو اس سے صبر و تقویٰ کرنا مراد ہے **و یاتوکم من فورھم ھذا**' **یاتوا** کا فاعل یا کرز ابن جابر کی وہ کمک کی فوج ہے جس کے آنے کا اندیشہ جنگ بدر میں تھا یا جنگ احد سے گئے ہوئے کفار ہیں یا جنگ احزاب میں آنے والے کافر یا قیامت تک کے وہ کفار جو مسلمانوں کے مقابلہ میں آئیں' اس لحاظ سے **کم** میں چار قسم کے مسلمانوں سے خطاب ہے **فور** کے لغوی معنی شدت و جوش ہیں' چنانچہ آگ کی بھڑک کو **فور** کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ھی تفور** پانی کے جوش اور ابال کو بھی **فور** کہا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و فار التنور** پھر سخت غصہ کو **فور** کہنے لگے کہ اس وقت بھی نفس میں جوش ہوتا ہے' پھر جلدی کام کو **فی الفور یا فورا**" کہنے لگے کہ وہ بھی جوش میں کیا جاتا ہے' یہاں **فور** بمعنی جوش و غضب ہے یا بمعنی اسی وقت و فوراً" **ھذا** میں اسی جوش کی طرف اشارہ ہے' جس کا مظاہرہ کفار جنگ احد میں کر چکے تھے یا اس وقت کی طرف اشارہ ہے' جس کا مسلمانوں کو خطرہ تھا یعنی اگر کفار کی کمک یا جنگ احد سے گئے ہوئے کفار اسی وقت یا اسی جوش سے تم پر آ پڑیں یا اگر کفار احزاب میں یا تاقیامت اسی احد والے جوش سے تم پر پڑیں تو **یمددکم ربکم** تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا' مدد کے معنی اور اس کی صورتیں پہلے بیان ہو چکیں' **ربکم** فرمانے میں ایک عجیب نکتہ ہے' وہ یہ کہ جسمانی و ظاہری ربوبیت کا فیض تو سارے عالم کو مل رہا ہے کیونکہ وہ رب العالمین ہے مگر باطنی و روحانی ربوبیت کا فیض صرف تم مسلمانوں کو حاصل ہے' رب کے معنی اور ربوبیت کی اقسام سورۂ فاتحہ کی تفسیر **رب العلمین** کے ماتحت بیان ہو چکے **بخمسۃ الاف من الملئکۃ مسومین**' **مسومین**' **سوم** سے بنا' **سوم** کے پانچ معنی ہیں' (1) جانور کو چرنے کے لئے چھوڑنا' اسی لئے جنگل میں چھوڑے ہوئے جانور کو **سائمۃ** کہتے ہیں۔ (2) طلب کرنا' (3) عذاب چکھانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یسومونکم سوء العذاب** - (4) بیچنا' اسی لئے بھاؤ و نرخ کو **سوم** کہتے ہیں' (5) نشانی' علامت اسی سے ہے **سیما**' رب تعالیٰ فرماتے ہیں **سیماھم فی وجوھھم من اثر السجود** یہاں آخری معنی میں ہے' ہماری قرات **مسومین** واؤ کے کسرہ سے ہے یعنی وہ فرشتے اپنے پر یا اپنے گھوڑوں پر نشان لگائے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

ہوں گے' چنانچہ جنگ بدر میں فرشتے سیاہ پگڑیوں میں اور جنگ احد میں سرخ پگڑیوں میں دیکھے گئے' اور ان کے گھوڑے چتکبرے رنگ میں تھے (ابن ابی شیبہ وغیرہ عن علی رضی اللہ عنہ، روح المعانی) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جنگ احد میں ملائکہ کی پگڑیاں زرد تھیں (تفسیر کبیر) بعض قراتوں میں **مسومین** واؤ کے فتح سے ہے یعنی یہ امدادی فرشتے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں تمام فرشتوں سے افضل و اعلیٰ ہیں کہ ان پر افضلیت کے نشان لگا دیئے گئے ہیں جیسے بہترین گھوڑوں پر خصوصی شاہی نشان ہوتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ کی چار تفسیریں ہیں جیسا کہ شان نزول کے ماتحت عرض کیا گیا ہم یہاں ایک اجمالی تفسیر عرض کرتے ہیں' ہاں تمہیں فرشتوں کی مدد ضرور کافی ہوگی' اے جماعت صحابہ اگر تم اسی طرح صابر و پرہیزگار رہے' اور اگر تم نے ایسے ہی صبر و تقویٰ کے مظاہرے کئے جیسے بدر و احد میں کئے ہیں اور اگر کفار کی کمک یا کفار اسی جوش کے ساتھ تم پر آ پڑیں جس جوش سے وہ جنگ احد میں یا بدر میں آئے تھے یا تم پر اسی وقت ٹوٹ پڑیں تو تمہارا رب تم سے وعدہ فرماتا ہے کہ تمہاری امداد ایسے پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو بارگاہ الٰہی میں دوسرے فرشتوں سے اعلیٰ ان سے افضل اور نشان یافتہ ہیں یا اے مسلمانو! اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو' اخلاص کے ساتھ جہاد کرو اور کفار تم پر اسی جوش سے ٹوٹ پڑیں جیسے صحابہ پر احد میں ٹوٹ پڑے تھے' تو ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم پانچ ہزار نشان یافتہ فرشتوں کے ذریعہ تمہاری امداد کریں گے' بشرطیکہ تم ان شرائط کو پورا پورا کرو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بدر و احد میں شرکت کرنے والے تمام صحابہ مہاجرین و انصار متقی ہیں' ان کے صبر و تقویٰ کا قرآن کریم گواہ ہے' کیونکہ ملائکہ کی امداد صبر و تقویٰ سے مشروط تھی اور رب تعالیٰ نے ان کی بذریعہ ملائکہ امداد کی کہ خود صحابہ کرام نے ان جنگوں میں فرشتوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا' پتہ لگا کہ وہ حضرات بھی صابر و متقی تھے ورنہ فرشتے نہ اترتے۔ **دوسرا فائدہ:** یہ امداد کرنے والے فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل ہیں کہ ان پر رب تعالیٰ نے خاص نشان لگا دیئے ہیں جن سے وہ دوسرے فرشتوں سے ممتاز معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ **مسومین** کی دوسری قرات سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اعلیٰ عبادت ہے کہ یہ خدام فرشتے دوسرے عابد فرشتوں سے افضل ہیں لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سارے مسلمانوں سے افضل کہ انہیں سرکار کی خدمت میسر ہوئی' جب سرکار کی خدمت فرشتوں کو افضل کر دیتی ہے تو انسانوں کو افضل کیوں نہ کرے گی۔ **چوتھا فائدہ:** بلکہ جس کو صحابہ کرام کی خدمت نصیب ہو جائے وہ بھی بڑا خوش نصیب ہے' بدر اور احد میں فرشتے درحقیقت صحابہ کرام ہی کی خدمت کرنے آئے تھے جنہیں رب تعالیٰ نے تمام فرشتوں سے افضل قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ:** جب صحابہ کرام کے خدام سب سے افضل ہیں تو ان کے دشمن سب سے بدتر بھی ہیں کہ جس کی نسبت بہت اونچا کرتی ہے اس کی عداوت بہت نیچا بھی کرتی ہے' پہاڑ سے گرنے والے کی ہڈیاں بھی سلامت نہیں رہتیں۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمانوں کو ہمیشہ اور خصوصاً جہادوں میں صبر و تقویٰ ضرور اختیار کرنا چاہئے' اسی کی برکت سے ربانی نصرت و فتح اترتی ہے' یہ جو مشہور ہے کہ فوجیوں پر نماز فرض نہیں کہ وہ مجاہد ہیں غلط ہے' انہیں نماز وغیرہ کی زیادہ پابندی چاہئے کہ موت ہر وقت سامنے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمان غازیوں پر انشاء اللہ

www.alahazratnetwork.org

ہمیشہ ہی آسمانی امداد آتی رہے گی۔ جس کا اب بھی مشاہدہ ہو رہا ہے فقیر سے جنگ کشمیر کے موقعہ پر بعض غازیوں نے غیبی امداد کے عجیب و غریب نظارے بیان کئے' مجھ سے ایک آدمی نے کہا کہ ہم نے بارہ مولا کے محاذ پر ایک دفعہ گیارہ غازیوں نے بارہ ہزار کے جرار لشکر کو بھگا دیا اور بہت سوں کو قیدی بھی کر لیا' ان قیدیوں کا بیان تھا کہ ہم نے اس میدان میں ہزاروں فائروں کی آوازیں سنیں' اور بھی کئی عجیب کرشمے ان غازیوں نے ہم سے بیان کئے' بہرحال آیت بالکل حق ہے اور رب تعالیٰ کا وعدہ بالکل سچا' مسلمان جہاں بھی شکست کھاتے ہیں اپنی حرکتوں سے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام نہ صابر تھے نہ متقی' ان کا صبرو تقویٰ مشکوک بلکہ معدوم ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا اگر تم صبرو تقویٰ اختیار کرو تو تمہاری مدد ہوگی نہ انہوں نے صبرو تقویٰ کیا نہ ان کی مدد ہوئی' اسی لئے جنگ احد میں شکست ہوگئی (روافض)۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' الزامی جواب تو یہ ہے کہ اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہ متقی ہوں نہ صابر کیونکہ یہاں **ان تصبروا و تتقوا** میں سب ہی سے خطاب ہے' اور بقول تمہارے جنگ احد میں سب ہی کو شکست ہوئی بلکہ حضرت علی مرتضیٰ اور خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت زخم پہنچے۔ جواب تحقیقی: تفسیر سے معلوم ہوچکا کہ اگر یہاں تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے تو آیت بالکل واضح ہے' اور اگر صحابہ کرام سے خطاب ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر تم صبرو تقویٰ پر قائم رہو تو تمہاری مدد ہوگی' رب تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **یا یھا النبی اتق اللہ** اے نبی پاک اللہ سے ڈرتے جاؤ' نیز بیان قانون کے لئے معصوموں' محفوظوں سے اس قسم کے کلام فرما دیئے جاتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب آپ کی طرف اور دوسرے انبیاء کی طرف وحی کی گئی تھی **لئن اشرکت لیحبطن عملک** اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے عمل ضبط ہو جائیں گے' میثاق کے دن حضرات انبیائے کرام علیہم السلام سے فرمایا **فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفسقون** اس کے بعد جو عہد سے پھرے گا وہ ظالم ہوگا' حالانکہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے پھرنے کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا' نیز اللہ تعالیٰ نے غزوۂ احد میں بھی صحابہ کی مدد فرشتوں کے ذریعہ فرمائی اور بعد کی دوسری جنگوں میں بھی' اسی لئے حضرات صحابہ کو احد میں شکست نہ ہوئی' نہ کوئی صحابی کفار کے ہاتھوں قید ہوا' نہ کفار مکہ نے کسی علاقہ پر قبضہ کیا' نہ انہوں نے مدینہ طیبہ کو تباہ کیا' وہ صرف مسلمانوں پر غفلت میں پیچھے سے حملہ کرکے بھاگ گئے' غزوۂ خندق وغیرہ میں رب تعالیٰ نے جیسی ان کی مدد فرمائی وہ سب کو معلوم ہے' ان واقعات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام صبرو تقویٰ پر قائم رہے اسی لئے رب ان کی مدد فرماتا رہا۔ دوسرا اعتراض: سورۂ انفال میں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد فرمائیں گے' یہاں سورۂ آل عمران میں پچھلی آیت میں فرمایا تین ہزار فرشتوں سے مدد کریں گے' اور اب فرما رہا ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں سے مدد کریں گے' آیات میں تعارض ہے؟ جواب: اس اعتراض کے جوابات تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو غزوۂ بدر میں ایک ہزار فرشتوں سے مدد کی' احد میں تین ہزار سے' خندق میں پانچ ہزار سے' یہ تین امدادیں تین جنگوں میں ہیں اور اگر تینوں امدادیں جنگ بدر میں ہی ہوں تو اسی دن پہلے ہزار سے مدد فرمائی پھر تین ہزار سے' پھر پانچ ہزار سے' غرضیکہ تین امدادیں تین وقتوں میں ہیں۔ تیسرا اعتراض: **مسومین** سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جنگوں میں امدادی فرشتوں کے خاص نشان تھے' جب وہ فرشتے اور ان کے نشانات لوگوں

www.alahazratnetwork.org

کو نظر ہی نہ آئے تو ان نشانوں سے فائدہ کیا ہوا' نشان تو دوسروں سے ممتاز کرنے کے لئے ہوتے ہیں! **جواب:** یہ نشان افضلیت و بہتری کی علامت تھی کہ یہ فرشتے دوسرے فرشتوں سے افضل تھے' ان کے یہ نشانات فرشتوں کو نظر آتے تھے' انہیں کو دکھانے کے لئے تھے' بعض صحابہ نے بھی وہ فرشتے دیکھے ان کے نشانات بھی دیکھے جیسا کہ ابھی تفسیر میں گزر چکا لہذا یہ نشانیاں عبث یا بیکار نہ تھیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار فرشتوں کی مدد تین شرطوں پر موقوف تھی' صبر' تقوٰی اور کفار کا جوش سے یا اسی دم آپڑنا تو کیا اگر کفار جوش سے یا اسی دم نہ آتے تو ان کی مدد بھی نہ ہوتی' یہ شرط خلاف عقل معلوم ہوتا ہے' جب ان کی مدد ہی کرنا تھی تو یہ بہرحال کرنا چاہئے کفار جوش سے آئیں یا ٹھنڈے ہو کر ابھی آئیں یا بعد میں (آریہ) **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اگر جنگ احد کے موقعہ پر یہ آیت آئی تب تو مطلب یہ ہے کہ اگر ابو سفیان مدینہ منورہ کو برباد مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے پھر واپس آئے تو اے زخمی مسلمانوں گھبراؤ مت ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری امداد کے لئے بھیجیں گے' اور اگر آئندہ جنگوں کے متعلق یہ وعدہ ہے' تو مطلب یہ ہے کہ اگر کفار احد جیسے جوش سے آپڑے تو پانچ ہزار فرشتوں سے مسلمانوں کی مدد ہوگی' اگر ٹھنڈے ہو کر آئے تو کم فرشتوں سے امداد ہوگی' بہرحال یہ قید اس بھاری امداد کے لئے ہے نہ کہ مطلق مدد کے لئے بھاری مصیبت میں بھاری مدد قرین قیاس ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بدن انسان گویا احد کا میدان ہے' نفس و شیطان دنیاوی الجھاوے گویا لشکر کفار ہے' روح اور آخرت کے اعمال گویا لشکر مومنین ہے' ہمارا دل گویا احد پہاڑ ہے' جس کے اس جانب لشکر مومنین ہے اس طرف لشکر کفار' اس دل کے درے میں کفار کے گھس آنے کا خطرہ ہے' اگر ان مذکورہ کفار کا دل کے اس درہ پر دخل ہو گیا تو مومنین کے لشکر کو سخت خطرہ ہے' اس لئے اس دل کے درہ پر سخت مضبوط پہرہ لگانا ضروری ہے۔ دل کے درہ پر پہرہ اپنا محاسبہ ہے اور کبھی نفس سے غافل نہ ہونا' اگر ہم نفس سے بے خبر نہ رہیں' اپنے اعمال کا حساب لیتے رہیں یہ درہ خالی نہ چھوڑیں' تو اللہ تعالٰی اپنے محبوب بندوں کے ذریعے جو فرشتوں کی طرح محفوظ و مامون ہے' ہماری مدد ضرور فرمائے گا' مرتے دم تک یہ جنگ جاری رہتی ہے اور ہر شخص کو اپنی آخری سانس تک اس درہ دل کی نگرانی رکھنا لازم ہے' یہ جنگ اس دن فتح ہو گی جس دن ہم خیریت سے ایمان لے کر یہاں سے نکل جائیں اور ہم کو خاتمہ بالخیر میسر ہو جائے' حدیث شریف میں ہے **الامور بالخواتیم** اعتبار خاتمہ کا ہے' امدادی فرشتوں کی طرح جو نیک بندے ہم گنہگاروں کی مدد کے لئے مقرر ہیں ان کی خاص نشانیاں رب تعالٰی نے مقرر فرما دی ہیں **سیماھم فی وجوھم من اثر السجود** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دل کا یہ چور دروازہ جس کی طرف سے کفار نفس کے گھس آنے کا خطرہ ہے' ہر وقت ہی خطرہ میں ہے مگر خوشی و غم کے وقت اس کا خطرہ بڑھ جاتا ہے' اس لئے ان اوقات میں اس درہ کی نگرانی سخت چاہئے۔

حکایت: حضرت سلطان العارفین بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک تیلن نے پوچھا کہ حضرت آپ کی داڑھی اچھی ہے یا میرے بیل کی دم؟ آپ نے فرمایا کہ مائی اگر مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جائے تو میری داڑھی تیرے بیل کی دم سے کہیں بہتر ہے' اور اگر خاتمہ بالخیر میسر نہ ہو تو تیرے بیل کی دم میری داڑھی سے افضل ہے کہ پھر دوزخ میرے لئے ہے اس کے لئے نہیں' وہ تو خاک کر دیا جائے گا (از شرح فقہ اکبر مصنفہ مولانا علی قاری) رب تعالٰی خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ وَمَا النَّصْرُ

اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے مگر خوشی تمہارے واسطے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں دل تمہارے اسکی وجہ سے اور نہیں

اور یہ فتح اللہ نے نہ کی مگر تمہاری خوشی کے لئے اور اسی لئے کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین ملے اور مدد نہیں

اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿١٢٦﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَوْ

ہے مدد مگر اللہ کی طرف سے جو غالب حکمت والا ہے۔ تاکہ قطع کر دے اللہ ایک کنارہ ان کا جو کافر ہیں یا

مگر اللہ غالب حکمت والے کے پاس سے۔ اس لئے کہ کافروں کا ایک حصہ کاٹ دے یا

يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿١٢٧﴾

سرزنش فرمائے انہیں پس لوٹیں وہ نقصان والے ہو کر

انہیں ذلیل کر دے کہ نامراد پھر جائیں

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب تعالیٰ نے جنگ بدر و احد میں اپنی آسمانی مدد اور غیبی تائید کا ذکر فرمایا تھا' اب اس آیت میں اس مدد و تائید کی حکمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اس امداد میں یہ حکمتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیات میں ان فرشتوں کی تعداد کا ذکر تھا جو مسلمانوں کی امداد کے لئے آئے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ تعداد اس لئے رکھی گئی کہ ان کفار کا ہلاک کر دینا منظور نہ تھا ورنہ ایک فرشتہ ہی یہ کام کر سکتا تھا بلکہ اس کا مقصد تمہاری ہمت افزائی' عزت افزائی' تمہارے دلوں کو چین دینا مقصود تھا' اس لئے فرشتوں کی اتنی بھاری جماعت بھیجی گئی۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ان نازک موقعوں پر تمہاری امداد کے لئے فرشتے بھیجے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ فرشتے بذات خود تمہارے مددگار نہیں' مددگار تو تمہارے ہم ہیں' یہ فرشتے ہماری مدد کے مظہر ہیں' تمام عالم کے مددگاروں کا یہی حال ہے کہ حقیقی مددگار رب تعالیٰ ہوتا ہے باقی چیزیں مجازی ناصر اور رب تعالیٰ کی مدد کی مظہر۔ **چوتھا تعلق:** کچھ پہلے فرمایا گیا تھا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی توکل و بھروسہ کرنا چاہئے' اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جو چیز بھی مدد کرتی ہے وہ رب تعالیٰ کی مہربانی سے ہی کرتی ہے۔

گرچہ تیر از کماں ہے گذرد　　از کماں دار بیند اہل خرد

پانچواں تعلق: گذشتہ آیات سے معلوم ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی لائق توکل ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ توکل کے معنی یہ نہیں کہ اسباب سے منہ موڑ لیا جائے' ہم غنی ہیں' بے نیاز ہیں' مگر اپنی امداد فرشتوں وغیرہ کے وسیلے سے بھیجتے ہیں' مددگار ہم ہوتے ہیں' وسیلہ فرشتے' تو تم محتاج ہو کر وسائل سے مستغنی کیسے ہو سکتے ہو؟ غرضیکہ پہلے توکل کا حکم دیا گیا' اب توکل کے معنی سمجھائے گئے۔

تفسیر: وما جعله الله جعل کے معنی کرنا بھی ہیں اور بنانا بھی' پہلی صورت میں اس کا مفعول صرف ایک ہوتا ہے' دوسری

صورت میں یہ دو مفعول چاہتا ہے'۔ ضمیر کا مرجع وہ امداد یا فتح ہے جو پہلی آیت سے معلوم ہوئی **ان یمدکم** سے یا **یمددکم** سے' چونکہ فعل کے ضمن میں مصدر آجاتا ہے' اس لئے فعل کے بعد مصدر کی طرف ضمیر لوٹ سکتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اعدلوا ھو اقرب للتقوی**' ھو ضمیر عدل کی طرف ہے۔ جو **اعدلوا** امر کے ضمن میں مذکور ہوا' اور فرماتا ہے **انہ لفسق** ھو ضمیر اکل کی طرف راجع ہے جو **لا تا کلوا** کے ضمن میں آیا' **الا بشری لکم** بشری بشارت سے بنا' بمعنی ایسی خوشی جس کا اثر بشرہ یعنی ظاہری کھال پر نمودار ہو جائے کہ چہرہ کھل جائے' ایسی خوشخبری کو بھی بشارت کہتے ہیں جس سے انسان کا چہرہ چمک جائے' اگر **جعل** کے معنی تھے کرنا تو **بشری جعل** کا مفعول لہ ہے' اور اگر اس کے معنی تھے بنانا تو یہ بشری **جعل** کا مفعول دوم یعنی اس مدد کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے بشارت ہی بنایا یا رب تعالیٰ نے یہ مدد تمہاری بشارت کے لئے کی کہ اس غیبی مدد سے تم کو اپنی آئندہ فتح کی امید غالب بلکہ یقین ہو جائے' **لکم** فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ مدد اور خوشخبری تم مسلمانوں کے لئے ہے' ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہیں' ان کے دل پر ایسی باتوں سے فکر و غم نہیں ہوتا' نیز فرشتے تمہاری مدد کے لئے آئے تھے کہ کمزور تم تھے' حضور اس سے غنی ہیں' ان کی تائید روحانی ہمیشہ رہتی ہے۔ (روح المعانی) **و لتطمئن قلوبکم بہ** یہ جملہ بشری پر معطوف ہے' اگرچہ بشری مفرد ہے' اور یہ جملہ مستقل اور مفرد کا مفرد پر اور جملہ کا جملہ پر عطف بہتر ہوتا ہے' مگر چونکہ اس غیبی امداد کا اصل مقصود یہ اطمینان دل اور قلوب کا چین ہی ہے' بشارت بھی اطمینان ہی کے لئے ہے' اسی لئے اطمینان کو مستقل جملہ سے اور لام تعلیلیہ کے ساتھ لایا گیا' بعض مفسرین نے فرمایا کہ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ زائدہ ہے اور یہ جملہ بشری کی علت ہے' مطلب یہ ہے کہ مدد کو بشارت کے لئے اور بشارت کو اطمینان قلب کے لئے نازل فرمایا (تفسیر کبیر) کہ اس اطمینان کے ذریعہ تمہیں دشمن کی زیادتی' اپنی کمی و بے سروسامانی کا خیال تک نہ آنے پائے' اطمینان باب افعلال کا مصدر ہے' جس کا مادہ طمن ہے' بمعنی برابری' ہمواری اسی لئے ہموار میدان کو ارض مطمئنہ کہتے ہیں' اس سے مراد دل کا سکون و چین ہے' جس سے دل ہموار ہے' **قلوبکم** فرما کر بھی اسی جانب اشارہ ہے کہ اس امداد غیبی سے تمہارے دلوں کو چین و سکون و اطمینان میسر ہو گا' ہمارے محبوب کا دل تو پہلے ہی سے چین میں تھا' انہیں بے چینی تھی ہی نہیں' ان کی نگاہ کرم سے تو دوسرے بے چینوں کو چین نصیب ہوتا ہے' اگر وہی بے چین ہو جائیں تو دوسرے بے چینوں کو چین و قرار کیسے میسر ہو **وما النصر الا من عند اللہ** النصر میں الف لام یا عہدی ہے اور اس سے جنگ بدر و احد کی نصرت و فتح مراد ہے یا استغراقی ہے اور اس سے تاقیامت فتح و نصرت مراد یعنی مذکورہ امداد یا تمام امدادیں **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا' یہ حصر حقیقی امداد کے لحاظ سے ہے یعنی حقیقی مدد صرف رب تعالیٰ کی طرف سے ہے' یہ فرشتے بھی اسی کے حکم اسی کی دی ہوئی قوت سے ہے۔

گر تو کرم کرے تو زمانہ ہو مہرباں تیرا کرم نہ ہو تو کوئی مہرباں نہیں

العزیز الحکیم عزیز عزت سے بنا' حکیم حکمت سے' عزت کے معنی ہیں غلبہ' پیاری چیز کو اسی لئے عزیز کہتے ہیں کہ اس کی محبت دل پر غالب ہوتی ہے' نادر الوجود کو بھی عزیز کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی پیاری اور اس کی الفت دلوں پر غالب ہوتی ہے' حکمت کے معنی ہیں مضبوطی و پختگی' اسی سے ہے محکم' مصلحت کو بھی حکمت کہتے ہیں' کیونکہ مصلحت والا کام مضبوط ہوتا ہے اور لغو کام کمزور' حکیم وہ جس کا کام و کلام مصلحت آمیز ہو' یہاں یہ دو صفتیں بیان فرما کر بتایا گیا کہ احد کے اس واقعہ میں بھی ہماری حکمتیں' مصلحتیں اور راز ہیں یا ملائکہ کے بھیجنے اور تمہاری مدد کرنے میں صدہا راز ہیں **لیقطع طرفا** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ

www.alahazratnetwork.org

و لقد نصرکم اللہ ببدر کے متعلق ہے اور اس میں فتح بدر کا مقصد بیان ہو رہا ہے محققین مفسرین کا یہی قول ہے' بعض نے **ما جعلہ** کے متعلق کیا' بعض نے **یمددکم** کے اور بعض نے **لتطمئن** کے متعلق مان کر اس کا تعلق غزوۂ احد سے قرار دیا' مگر ان سب صورتوں میں بہت بعد ہے' **یقطع قطع** سے بنا' بمعنی کاٹنا' مگر یہ ہلاک کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے' کیونکہ ہلاک شدہ چیز موجود چیز سے کٹ جاتی ہے' یہاں یہی معنی مراد ہیں' مفردات راغب میں ہے **لیقطع ای لیھلک** روح المعانی میں ہے **والقطع الاھلاک' طرف** کے معنی ہیں جانب و کنارہ' اس کا استعمال جسم و وقت اور اس کے ماسوئی بھی ہوتا ہے' کبھی جماعت کے ایک حصہ کو بھی طرف کہتے ہیں (غیاث) یہاں طرف سے مراد سرداران قریش ہیں جو جنگ بدر میں مارے گئے' اساس میں ہے **اطراف العرب ای اشرافھا**' کیونکہ سردار عوام سے کنارے پر ہی رہتے ہیں' یعنی کنارہ پر رہنے والی سرداروں کی جماعت میں **من الذین کفروا** یہ ثابتا" کے متعلق ہو کر **طرفا** " کی صفت ہے یا اس کا حال' اس سے کفار مکہ مراد ہیں یعنی جنگ بدر میں تمہیں فتح دینے کا ایک مقصد سرداران کفر کی ایک جماعت کا ہلاک کرونا ہے۔ **او یکبتھم فینقلبوا خائبین' یکبت کبت** سے بنا جس کے معنی ہیں پچھاڑنا' رسوا کرنا' شکست دینا' ذلیل کرنا' چنانچہ لسان العرب میں ہے **الکبت الصرف والاذلال** (کبیر و معانی وغیرہ) انقلاب کے معنی ہیں جدھر سے آیا تھا ادھر لوٹ جانا' خائبین **خیبۃ** سے بنا ظفر کا مقابل' خیبہ کے معنی ہیں محرومی' جو محرومی توقع کے بعد ہو وہ خیبہ ہے' اور مطلقاً" محرومی یاس' خیبہ کا مقابل ظفر ہے اور **یاس** مقابل **رجاء**' چونکہ کفار بدر اپنی فتح کا یقین کر کے آئے تھے' حتی کہ بعد فتح جشن منانے کے لئے شراب اور رنڈیاں بھی ساتھ لائے تھے' مگر کھا گئے شکست' اس لئے ان کے لئے خائبین فرمانا بہت ہی موزوں ہے' یعنی اس فتح کا دوسرا مقصد بقیہ کفار کو ذلیل کر کے واپس لوٹانا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان دونوں آیتوں میں یا تو جنگ احد کا ہی ذکر ہے یا جنگ بدر کا یا پہلی آیت میں جنگ احد کا ذکر ہے اور دوسری میں جنگ بدر کا' ہم تیسرے معنی کی بناء پر خلاصہ ء تفسیر لکھ رہے ہیں' اے بدر و احد کے غازیو! جنگ احد میں فرشتوں کا تمہارے پاس آنا اور ان کا تمہاری امداد کرنا کفار کو ہلاک کرنے کے لئے نہ تھا ورنہ ایک فرشتہ ہی زمین کا طبقہ لوٹ سکتا ہے' ان کی جنگ احد میں شرکت اس لئے تھی کہ تمہیں خوشی نصیب ہو' اور تمہارے دلوں کو چین میسر ہو' چنانچہ اسی جنگ احد میں صحابہ کرام کو ایسا سکون نصیب ہوا کہ بعض حضرات کھڑے کھڑے اونگھ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ اونگھ و نیند بے چینی میں نہیں آتی' خیال رکھنا کہ فتح و نصرت محض زیادتی تعداد و اسباب سے نہیں بلکہ اللہ تعالٰی کی طرف سے ہے' اللہ غالب ہے' اگر کمزور پر کرم فرمائے تو وہ غالب ہو جائے لہذا وہ اس پر قادر ہے کہ تمہیں جنگ احد کی تکالیف کا بدلہ دلا دے' اور وہ حکمت والا بھی ہے' جو کچھ احد میں پیش آیا' اس میں اس کی ہزاروں حکمتیں ہیں' اور اے مسلمانو جنگ بدر میں جو تمہیں شاندار فتح دی گئی' اس کا مقصد بھی کفار کو بالکل تباہ کرنا نہ تھا' بلکہ اس سے دو مقصد تھے' ایک تو سرداران کفر کو ہلاک کرنا' چنانچہ اس جنگ میں 70 کافر مارے گئے' جن میں 24 سردار تھے' اور ان 24 میں اٹھارہ روسائے عرب تھے' دوسرا باقی ماندہ کفار کو ذلیل کرنا' اور جو امیدیں باندھ کر وہ آئے تھے ان میں انہیں ناکام بنا کر واپس کر دینا' چنانچہ ان میں سے 70 گرفتار کئے گئے اور باقی بہت برے حال میں بھاگ گئے۔

فائدے: ان دو آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ والوں کا قرب اور رحمت کے فرشتوں کا نزول دلی

www.alahazratnetwork.org

اطمینان اور قلبی خوشی کا ذریعہ ہے کہ اس کی برکت سے قدرتی طور پر چین و سکون میسر ہوتا ہے جیسا کہ **الا بشری** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: جنگ احد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلقاً "گھبراہٹ، بے چینی نہ ہوئی اور نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چین کے لئے فرشتے نازل ہوئے جیسا کہ **لکم** اور **قلوبکم** سے معلوم ہوا کہ اس میں رب تعالیٰ نے صحابہ کرام سے خطاب فرمایا نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے، ابھی ہم تفسیر میں بحوالہ روح المعانی عرض کر چکے۔ تیسرا فائدہ: عموماً "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے خطابات عامہ میں داخل نہیں ہوتے یہ بھی **قلوبکم** اور **لکم** سے ہی معلوم ہوا، اس کی تحقیق اسی تفسیر میں کچھ پہلے کی جا چکی ہے، اور ہم نے اپنی دیگر تصانیف میں بھی کر دی ہے۔ چوتھا فائدہ: بارگاہ الہی میں صحابہ کرام کی وہ شان ہے کہ انہیں مصیبتوں کے موقعہ پر خوش و مطمئن رکھنے کے لئے آسمان سے فرشتے اترتے ہیں جن کے خدام فرشتے ہوں وہ مخدوم حضرات کس شان کے مالک ہوں گے، اور جب ان مخدوم ملائکہ کی عظمت و قربت کا یہ حال ہے تو ان مخدوموں کے مخدوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و حرمت تو ہماری عقل و وہم سے وراء ہے۔ پانچواں فائدہ: اگرچہ فرشتے مدد کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **والملئکۃ بعد ذلک ظہیر**، مگر حقیقی مددگار رب تعالیٰ ہی ہے، جیسا کہ **الا من عند اللہ** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: جنگ احد میں مسلمانوں کا غلطی کر جانا اور بعد فتح تکلیف پا جانا رب تعالیٰ کی طرف سے تھا جس میں اس کی صدہا حکمتیں تھیں جیسا کہ **الحکیم** سے معلوم ہوا، ہمیں ان بزرگوں کی خطاؤں کو اپنی غلطیوں پر قیاس نہیں کرنا چاہئے، ہماری غلطیاں نفسانی و شیطانی بھی ہوتی ہیں، ان محبوبین و مقبولین کی غلطیاں رحمانی یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے، تمام عالم کا ظہور آدم علیہ السلام کی ایک خطاء کی برکت سے ہوا۔ ساتواں فائدہ: صحابہ کرام کی فتح و نصرت ایک لحاظ سے کفار کے لئے رحمت تھی کہ وہ خارق العادت یہ فتح دیکھ کر یقین کر لیتے تھے کہ ان نورانی لوگوں کے ساتھ روحانی طاقت ضرور ہے، چنانچہ جنگ بدر کے حالات دیکھ کر ہی حضرت عباس و خالد ابن ولید بلکہ عکرمہ ابن ابی جہل کے دلوں میں اسلام کا وقار پیدا ہو گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں یہ سب لوگ ایمان لے آئے، ان بزرگوں کے دلوں میں جنگ بدر میں ایمان کی جڑ قائم ہوئی اور مختلف اوقات میں اس میں پھل پھول لگے۔ آٹھواں فائدہ: جنگ بدر میں کفار کے تین گروہ ہو گئے تھے، ایک گروہ مارا گیا، دوسرا قید ہوا، تیسرا بست ساز و سامان چھوڑ کر بھاگ گیا، **لیقطع** الخ میں ان تینوں گروہوں کی جانب اشارہ ہے۔ نواں فائدہ: جنگ میں اپنی قوت و طاقت پر ناز کرنا، اترانا، رب تعالیٰ کی نافرمانیاں کرنا طریقہ کفار ہے، اکثر اس کا انجام شکست ہوتی ہے جیسا کہ بدر کے کافروں کا حال ہوا، یہ فائدہ **خائبین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ **و لتطمئن** الخ **بشری** پر معطوف ہے حالانکہ نحوی قاعدے سے جملہ کا عطف مفرد پر ناجائز ہے، پھر یہ عطف جائز کیوں ہوا؟ جواب: تفسیر کبیر میں اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں، ایک یہ کہ یہ عطف ناجائز اس وقت ہوتا ہے جب فائدہ سے خالی ہو، مگر جب مفید ہو تو جائز ہے یہاں بتانا یہ مقصود ہے کہ جنگ احد میں فرشتوں کے نزول کی دو حکمتیں تھیں، ایک مسلمانوں کو بشارت، دوسرے ان کے دلوں کا اطمینان، مگر اطمینان کا مقصد اصلی تھا اور بشارت اس کے تابع، اس لئے بشارت کو مفرد فرمایا گیا اور اطمینان کو پورے جملے سے، اور اس پر لام داخل فرما کر تاکہ اصلی اور عارضی میں فرق ہو جائے، جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا **لترکبوھا و زینۃ**" یعنی ہم نے گھوڑے، گدھے، خچر تمہاری سواری

www.alahazratnetwork.org

اور زینت کے لئے پیدا فرمائے' چونکہ سواری اصل مقصود تھا' اسے جملے سے بیان فرمایا' اور زینت کا مقصد عارضی تھا' اس کا ذکر مفرد سے ہوا' دیکھو یہاں زینت جو مفرد ہے لتر کبوا جملہ پر معطوف ہوا' دوسرے یہ کہ یہ دولو' عاطفہ ہے ہی نہیں بلکہ زائدہ ہے' اور و لتطمئن' بشری کی علت' حاصل یہ ہے کہ فرشتوں کا اترنا بشارت کے لئے ہے' اور بشارت اطمینان قلب کے لئے۔ دوسرا اعتراض: جب غازیان احد وبدر نے فرشتوں کو دیکھا ہی نہیں تو انہیں فرشتوں کی وجہ سے اطمینان قلبی کیسے نصیب ہوا؟ جواب: اس طرح کہ انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نزول ملائکہ کی خبر دی' اور مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر پر اپنی آنکھوں سے زیادہ اعتماد ہے' آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتوں پر مسلمان جان سے کھیل جاتے ہیں۔ تیسرا اعتراض: خدا کے سوا مددگار کوئی نہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما النصر الا من عند الله** جو ولیوں نبیوں کو مددگار مانے' وہ اس آیت کا منکر ہے۔ جواب: جی ہاں! جب ہی تو جنگ بدر میں امداد کے لئے فرشتے بھیجے گئے اور تبھی تو آپ حضرات مدرسوں کی امداد کے لئے مالداروں کو پکارتے ہو' جناب! حقیقی امداد تو صرف رب تعالیٰ کی ہے' مجازی بندوں کی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والملئكة بعد ذلك ظهير**۔ چوتھا اعتراض: کیا صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اطمینان قلبی نصیب نہ ہوا' جو ان کے اطمینان کے لئے فرشتے اتارے گئے' جواب: اطمینان کی بہت قسمیں ہیں' دیکھو ہم لوگوں کو کوئی اطمینان تو مال سے حاصل ہوتا ہے' اور کوئی اطمینان وطن پہنچ کر' اور کوئی اطمینان دوست و احباب سے مل کر' ان حضرات کو تلاوت قرآن شریف سے بھی اطمینان ہوتا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے بھی' اور ملائکہ سے بھی' یہ سارے اطمینان مل کر **نور على نور** سے ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان جسم و روح کا مجموعہ ہے' جسم اس دنیا کا دیس ہے' اور روح یہاں پردیسی' روح کا دیس عالم بالا ہے' ہر شخص کو اپنے وطن پہنچ کر بلکہ اپنے وطن کا ذکر سن کر اپنے وطن کے لوگوں کو دیکھ کر چین ہوتا ہے' پردیس میں بے قراری ہے' دیس میں قرار' کوئی دل روح کی منزل ہے اور کوئی نفس امارہ کی' جسم و نفس کی راحت دنیوی سامان ہیں' مگر روح کی راحت و چین اخروی سامان' جس دل پر روح کی جلوہ گری ہے' اس دل کو روحانیات سے چین ملتا ہے' اور جس دل پر نفس امارہ چھایا ہوا ہے' اس کے لئے دنیاوی مشاغل باعث راحت ہیں' چونکہ صحابہ کرام کے دلوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے روحانیت غالب تھی' بلکہ وہ حضرات سراپا روحانیت بن چکے تھے' اس لئے ان کا چین حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت' اللہ تعالیٰ کے ذکر اور ملائکہ کے نزول سے تھا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بذكر الله تطمئن القلوب** کفار کے دلوں پر ان کے نفوس چھائے ہوئے تھے' اس لئے انہیں دنیا و دنیاوی سامان میں لذت آتی تھی' دنیا مثل دریا کے ہے اور مومن کا قلب کشتی' اگر کشتی دریا میں رہے تو پار لگ جائے گی لیکن اگر دریا کشتی میں آجائے تو غرق ہو جائے گی' مومن کا دل دنیا میں رہتا ہے' مگر اس کے دل میں دنیا نہیں رہتی' بلکہ اللہ تعالیٰ کا خوف' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت' طاعت کا جذبہ رہتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است — آب اندر زیر کشتی پشتی است

بدر کے میدان میں جسموں ہی کی جنگ نہ تھی' بلکہ روحانی و نفسانی دلوں کا بھی مقابلہ تھا' اللہ تعالیٰ نے روحانی دل والوں کے لئے

سامان فتح و نصرت اتارا' جس کے مقابلہ میں نفسانی دل والے شکست کھا گئے' یہ خیال نہ کرو کہ جنگ بدر و احد ایک مرتبہ ہی ہو چکیں بلکہ یہ معرکے ہوتے ہی رہتے ہیں' اور اللہ تعالیٰ روحانی دلوں کی غیبی امداد فرماتا ہی رہتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عقل اس جنگ کا ہتھیار ہے' اگر عقل نفس کے قبضہ میں آگئی تو اس کی امداد کرے گی' اگر روح کے قبضہ میں آگئی تو اس کی ممدو معاون ہوگی' ابو جہل کی عقل اس کے نفس کا ہتھیار تھی' اور صدیق اکبر کی عقل ان کے روح و دل کا اسلحہ بنی' اسلحہ جس کے قبضہ میں ہو' اسی کی مدد کرتا ہے' عقل کا بھی یہی حال ہے' اسی لئے عقل کو نفس کے تابع نہ کرو' عقل روحانی اللہ کی رحمت ہے' عقل نفسانی رب تعالیٰ کا عذاب۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ

نہیں ہے آپکو لائق اس کام میں سے کوئی چیز یا تو اللہ توبہ ڈالے ان پر یا عذاب دے انہیں کیونکہ وہ

یہ بات تمہارے ہاتھ نہیں یا انہیں توبہ کی توفیق دے یا ان پر عذاب کرے کہ وہ

ظٰلِمُونَ (۱۲۸) وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ يَغْفِرُ لِمَنْ

ظالم ہیں اور اللہ کا ہی ہے وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے' بخشے گا جس مجرم کو

ظالم ہیں اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے جسے

يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (۱۲۹)

چاہے اور سزا دے گا جسے چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب کرے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار بدر کے تین حصے ہو گئے' ایک وہ جو مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے' دوسرے وہ جنہیں مسلمانوں نے قید کر لیا' تیسرے وہ جو بھاگ گئے' اب اس تقسیم کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جو کفر پر مرنے والے تھے اور ان کی پشت سے اب کوئی مومن پیدا ہونے والا نہ تھا' انہیں تو بدر میں قتل کرا دیا گیا' اور جنہیں خود مسلمان ہونا تھا یا ان سے مسلمان پیدا ہونے تھے انہیں قتل سے بچا لیا گیا۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ احد کا واقعہ ہونے میں بھی ہماری حکمت ہے' کیونکہ ہم عزیز و حکیم ہیں' ہمارا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا' اب اس آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں جنگ بدر و احد کا ذکر کیا گیا' جن میں سے بدر میں کفار نے شکست فاش کھائی تھی' اور احد میں مسلمانوں نے تکلیف اٹھائی تھی' اب اس آیت میں رب تعالیٰ کی سلطنت قاہرہ کا ذکر ہے کہ ہم مالک حقیقی ہیں' جس کو چاہتے ہیں اونچا کرتے ہیں اور جسے چاہیں نیچا دکھاتے ہیں' ہم پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (1) ایک وہ جو مسلم و بخاری میں بروایت انس ابن مالک ہے' کہ جنگ احد میں عتبہ ابن ابی وقاص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زخم بھی پہنچایا اور اسی کے پتھر سے آپ کا دانت مبارک بھی شہید ہوا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرہ انور سے خون پونچھتے تھے اور سالم یعنی ابو حذیفہ کے غلام اور جناب علی مرتضیٰ خون دھوتے تھے' اسی حال میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ قوم کیسے کامیاب ہوگی جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو خون سے رنگ دیا' حالانکہ نبی ان کے خیر خواہ ہیں بد خواہ نہیں' وہ تو انہیں دوزخ سے بچانے جنت میں لے جانے کی کوشش کر رہے ہیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (2) دوسرے یہ ہے کہ جنگ احد ختم ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حمزہ کی لاش پر تشریف لائے' دیکھا کہ آپ کا مثلہ کیا گیا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دیکھ کر بہت صدمہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ہم اس کے بدلہ میں کفار کے تیس مقتولوں کا مثلہ کریں گے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (3) تیسرے یہ کہ صفر ۴ھ کے درمیان بیر معونہ سے جو کہ مکہ معظمہ اور عسفان اور علاقہ ہذیل کے درمیان ہے کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم لوگ مسلمان ہو چکے ہیں' ہمیں علم سکھانے کے لئے کچھ علماء دیئے جائیں' اس علاقہ میں رعل' ذکوان' عصیہ' بنی لیمان قبیلے آباد تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ستر (70) قاری بھیج دیئے' جن کا امیر حضرت منذر ابن عمرو کو بنایا' جب یہ حضرات بیر معونہ پہنچے تو مذکورہ قبائل نے بد عہدی کی اور عامر ابن طفیل کی سرکردگی میں ان سب کو شہید کر دیا' صرف کعب ابن زید نجاری بچے وہ بھی آخری سانسوں میں' جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ملی' آپ کو سخت صدمہ ہوا' اور آپ نے ان قبیلوں پر ایک ماہ تک بددعا فرمائی' اس طرح کہ جماعت نماز فجر میں دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھا کر قنوت نازلہ پڑھتے تھے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور قنوت نازلہ منسوخ فرمائی گئی۔ (بخاری و مسلم وغیرہ و تفسیر کبیر و خازن و بیضاوی و روح المعانی و تفسیر صاوی وغیر ھم) مگر ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ بیر معونہ کا واقعہ جنگ احد سے صرف چار ماہ بعد ہوا' ابھی جنگ احد کے زخم ہرے تھے کہ بیر معونہ والوں نے یہ چرکے اور لگا دیئے تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے کفار احد اور قبائل بیر معونہ سب پر ہی بددعا فرمائی' کفار احد پر احد کے واقعات کی بناء پر اور ان قبیلوں پر بیر معونہ کے واقعات کی وجہ سے' غرضیکہ یہ تمام واقعات ہی اس آیت کے نزول کا باعث ہیں۔

تفسیر: **لیس لک من الامر شیء۔** لیس فعل ناقص ہے شیء اس کا اسم موخر **لک** خبر مقدم ہے۔ **من الامر** شیء کا حال مقدم' اصل عبارت یوں تھی **لیس شیء لک من الامر۔** **الامر** میں الف لام عہدی ہے جس سے یا تو مذکورہ بالا چیزوں کی طرف اشارہ ہے' بعض کفار بدر کا قتل ہونا' بعض کفار کا قید ہونا اور بعض کا بھاگ جانا یا آئندہ دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے' یعنی کفار کو توبہ کی توفیق ملنا' یا ان پر عذاب آنا' یا اس دعا کی طرف اشارہ ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تیس روز تک پڑھی یعنی قنوت نازلہ' اگر **الامر** سے وہ بددعائیں مراد ہیں تو **لک** یا تو **مناسبا**" محذوف کے متعلق ہے یا **لائقا**" وغیرہ کے اور اگر پہلی دو چیزوں کی طرف اشارہ ہے تو **لک** **ملکا**" کے متعلق ہوگا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان بددعاؤں میں سے کوئی چیز آپ کی شان کے لائق نہیں کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں' یا ان دل گداز واقعات پر اتنا رنج و غم کرنا آپ کی شان استقامت کے لائق نہیں' آپ کا دل تو پہاڑوں سے بھی زیادہ مضبوط ہے' یا ان کفار بدر کا ہلاک ہونا' قید ہونا'

www.alahazratnetwork.org

بھاگ جانا' یا ان کفار کو آئندہ توبہ کی توفیق مل جانا' یا ان کا کفر پر رہنا اور اس کے باعث دنیا و آخرت میں عذاب پانا آپ کے ملک و قبضہ میں نہیں' یہ تو ہمارے قبضہ کی چیزیں ہیں' اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا ترجمہ اس چوتھے معنی کی طرف مشیر ہے (از تفسیر کبیر و بیضاوی و مدارک وغیرہ) **او یتوب علیھم او یعذبھم** اس جملہ کی ترکیب میں بہت اضطراب ہے اور مفسرین کے اس میں بہت سے قول ہیں' تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ دونوں **او** حرف عطف ہیں اور یہ **الامر** پر معطوف ہیں' اور دونوں **او** کے بعد **ان** پوشیدہ ہے۔ جس کی وجہ سے **یتوب** توبہ کے معنی میں ہو گیا' اور **یعذب** عذاب کے معنی میں' اور آیت کے معنی یوں ہوئے' کہ اے محبوب ان کفار کے گذشتہ معاملات یا ان کی آئندہ توبہ یا عذاب میں سے کوئی چیز آپ کی ملکیت میں نہیں' تفسیر کبیر و معانی و خازن اور بیضاوی وغیرہ نے فرمایا کہ پہلا **او' الی ان یا الا ان** کے معنی میں ہے' اور دوسرا **او** عاطفہ' اور یہ جملہ **لیس** کی انتہاء ہے' یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کی توبہ یا عذاب تک آپ ان سے کوئی تعلق نہ رکھیں' اگر انہیں توبہ کی توفیق مل جائے تو آپ شکریہ ادا کریں' اور اگر یہ عذاب پا جائیں تو آپ ان کی تکلیف سے چھوٹ جائیں' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں **او** عاطفہ ہیں' اور یہ جملہ **لیقطع طرفا**" پر معطوف ہے اور **لیس** سے **شیء** تک کا جملہ معترضہ ہے' یعنی بدر کا یہ واقعہ اس لئے ہوا تاکہ کفار کا ایک حصہ کٹ جائے یا توبہ کرے یا عذاب پائے (کبیر وغیرہ) بہرحال آیت کی ترکیب پیچیدہ ہے' اور ہو سکتا ہے کہ پہلا **او** زائدہ ہو' اور دوسرا عاطفہ' جیسا کہ **اما** عاطفہ میں ہوتا ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی جانب اشارہ کر رہا ہے **فانھم ظلمون** یہ جملہ **یعذبھم** کی علت ہے' ظالم بمعنی کافر و مشرک ہے یعنی انہیں توبہ کی توفیق ملے گی' تو اس۔ لئے کہ ہم **تواب و رحیم** ہیں' اور اگر عذاب دیں تو اس لئے' کہ یہ کفار ظالم ہیں **و للہ ما فی السموات وما فی الارض** یہ جملہ گذشتہ جملہ کی دلیل ہے' لام ملکیت کا ہے اور **ما** سے مراد آسمانی و زمینی ساری مخلوق ہے عاقل ہو یا غیر عاقل' چونکہ غیر عاقل مخلوق کے اقسام زیادہ ہیں' اور عاقل مخلوق کے اقسام تھوڑے' اس لئے یہاں **ما** فرمایا گیا' اگرچہ آسمان و زمین کے علاوہ عالم انوار' عالم امر وغیرہ میں بھی مخلوق ہے' مگر چونکہ ہمارے سامنے آسمان و زمین ہی ہیں' اس لئے انہی کا ذکر فرمایا گیا' ہوا' فضا اور پانی میں رہنے والی مخلوق بھی زمینی مخلوق ہی ہے' یعنی ہم توبہ کی توفیق اور عذاب دینے پر قادر ہیں' کیونکہ ہم ہر چیز کے مستقل مالک ہیں ہمارے فیصلہ میں کسی کو دخل نہیں **یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء' یغفر** کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے' مغفرت و عذاب کے اقسام بھی ذکر کئے جا چکے ہیں دونوں جگہ **من** سے مراد مجرمین و گنہگار ہیں' کیونکہ بخشش بھی گناہوں کی ہوتی ہے' اور عذاب بھی گناہوں پر' بخشش کے معنی کیا ہیں؟ گناہ معاف کر دینا' عذاب کے معنی کیا ہیں؟ گناہوں پر سزا دینا' لہذا یہ دونوں کام بغیر گناہ ہو سکتے ہی نہیں' یعنی اللہ پاک جس مجرم کو چاہے گا بخشے گا' اور جس مجرم کو چاہے گا دنیا یا آخرت میں دونوں جگہ سزا دے گا' خیال رہے کہ اس آیت مغفرت سے وہ لوگ علیحدہ ہیں جو کفر پر مر گئے' کافر کی بخشش نہیں ہو سکتی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے **واللہ غفور رحیم** رب تعالیٰ کی صفت بخشنا بھی ہے اور عذاب دینا بھی' بخشش اس کی رحمت کا ظہور ہے اور عذاب اس کے غضب کی جلوہ گری' مگر اس کی رحمت غضب پر غالب ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے توبہ کا ذکر پہلے فرمایا' عذاب کا بعد میں اور مغفرت کا ذکر پہلے کیا' عذاب کا بعد میں' اور آیت کو صرف رحم و کرم پر ختم فرمایا' نہ کہ قہر و غضب پر' اس لئے فرمایا کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم احد کے ظالم کافروں کے لئے بددعا کرنا یا ایک مثلہ کے عوض تین مقتول کفار کا مثلہ کرنا یا بیر معونہ کے غدار کافروں کے لئے فجر کی نماز میں قنوت نازلہ کی شکل میں بددعا فرمانا وغیرہ ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کی شان رحیمی کے لائق نہیں' ان معاملات کو آپ رب تعالیٰ پر چھوڑ دیں کہ رب تعالیٰ انہیں یا تو توبہ کی توفیق دے جس سے وہ مسلمان ہو کر آپ کے قدموں میں آگریں' اور آپ کے دامن کرم سے وابستہ ہو جائیں' یا پھر انہیں عذاب دے کہ وہ ظالم تو ہیں ہی۔

دوسری تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار بدر کے تین حصے کرنا کہ بعض مقتول ہو گئے' بعض گرفتار' اور بعض فرار' ان میں سے کوئی چیز آپ کے بس کی نہیں' یہ تو رب تعالیٰ ہی کے قبضہ کی بات ہے' ان بھاگے ہوؤں اور قیدیوں کو رب تعالیٰ ہی یا توبہ کی توفیق دے گا یا عذاب' اگر تمہارے قبضہ میں یہ بات ہوتی تو تم سب کو مسلمان ہی کر لیتے' تم رحمت جو ہوئے' میں جبار بھی ہوں' غفار بھی' اگر میں انہیں توبہ کی توفیق دوں تو یہ میری غفاری ہے' اور اگر انہیں عذاب دوں تو میری جباری ہے۔

تیسری تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کو توبہ کی توفیق دینا' ان میں سے کوئی چیز بھی آپ کی ملک نہیں' یہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے' آپ تو ہادی و راہبر ہیں۔

چوتھی تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب تک کہ ہم ان کفار کو توبہ کی توفیق یا عذاب نہ دیں تب تک آپ کو ان میں سے کسی چیز میں کچھ رائے قائم کرنا مناسب نہیں' آپ آئندہ کا انتظار فرمائیں' کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ آپ ان کے متعلق بددعا کریں' اور ہم قبول نہ فرمائیں' آپ کی زبان خالی جانا ہمیں پسند نہیں' آپ ان کا معاملہ رب تعالیٰ پر چھوڑیں' اگر ہم توبہ کی توفیق دیں تو ہم غفور رحیم ہیں' یا انہیں عذاب دیں تو وہ اسی کے مستحق ہیں کہ وہ ظالم ہیں یعنی مشرک و کافر ہیں اور ستمگار و غدار بھی خیال رکھئے کہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ کی مخلوق' اللہ کی مملوک اور اسی کے قبضہ میں ہیں' کوئی شے اس کے احاطہ قدرت سے خارج نہیں' وہ مالک و مختار ہے' جس کافر کو چاہے توبہ کی توفیق دے کر بخش دے اور جس کو چاہے کفر پر مار کر دائمی عذاب دے یا جس گنہگار کو چاہے معافی دیدے اور جس مجرم کو چاہے سزا دیدے' اس کا ہاتھ پکڑنے والا کون ہے مگر اس کی رحمت غضب پر غالب ہے کہ وہ بخشنے والا غفور بھی ہے اور مہربان رحیم بھی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تمام جہان سے عالی و نرالی ہے' بہت سی باتیں دوسروں کے لئے مناسب ہیں' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے غیر مناسب' جیسا کہ لیس لک کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی تباہی کی بددعا فرمائی' رب تعالیٰ نے حرف بحرف قبول فرمائی' انہیں بددعا سے روکا نہیں' حتی کہ آپ نے عرض کیا' مولا فرعونیوں کا دل سخت کر دے کہ ان میں ایمان داخل ہی نہ ہو سکے' اور یہ بھی عرض کیا کہ وہ عذاب دیکھ کر ایمان لائیں اور وہ قبول نہ ہو' میں دیکھوں کہ وہ کلمہ پڑھتے ہوں اور عذاب آرہا ہو' فرماتے ہیں فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم خیال تو کرو کیسی خطرناک بددعا ہے' مگر رب تعالیٰ نے قبول فرمائی' ہو بہو اور سو بسو ایسا ہی ہوا کہ وہ چیخ چیخ کر ایمان لاتا اور ڈوبتا رہا' اور آپ اور سارے بنی اسرائیل دیکھتے رہے' مگر اپنے

www.alahazratnetwork.org

حبیب کو ہلاکت جان کی بددعا سے بھی سمجھا کر روک دیا گیا کہ اے حبیب! وہ جلال والے تھے، تم جمال والے، وہ کلیم تھے، تم رؤف و رحیم ہو اور رحمۃ للعالمین ہو غرضیکہ یہ آیت کریمہ اعلیٰ درجہ کی نعت ہے، دیکھو ہم لوگوں کو شادی بیاہ میں نیوتے دے کر پھر ان سے زیادہ وصول کرنے کی اجازت ہے مگر اپنے پیارے محبوب کو اس کی بھی اجازت نہیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **ولا تمنن تستکثر** اے محبوب کسی سے زیادہ وصول کرنے کے لئے اس پر احسان نہ کرو، تم دینے کے لئے ہو، مخلوق لینے کے لئے۔

وہی رب نے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

دوسرا فائدہ: عذاب و توبہ کا حقیقی اختیار رب تعالیٰ ہی کو ہے، حضرات انبیائے کرام مصلحین و راہنما ہیں، جیسا کہ **لیس لک** الخ کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک لا تھدی من احببت** اور دوسری جگہ فرماتا ہے **انک لتھدی الی صراط مستقیم** وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت حقیقیہ کی نفی ہے، اور یہاں آپ کے لئے ہدایت مجازی یعنی راہبری کا ثبوت، وہ آیت اس کی تفسیر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مقبول بارگاہ الٰہی ہیں، آپ سیف زبان ہیں، کہ جو دعا قابل قبول نہ ہو اس سے آپ کو روک دیا جاتا ہے، دعا سے روکنا اور ہے اور دعا کا رد کرنا کچھ اور، دعا سے روکنے میں محبوبیت کا اظہار ہے جیسا کہ **لیس لک** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نیک روحیں دنیا میں آنے سے پہلے بھی فیض پہنچاتی ہیں، دیکھو مومن روحوں کی برکت سے وہ کافر عذاب سے بچ گئے جن کی پشت میں یہ روحیں تھیں، کفار بدر جو وہاں سے بچے، وہ بعد میں یا خود مسلمان ہو گئے یا ان سے مسلمان اولاد پیدا ہوئی جیسا کہ **یتوب علیھم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر بحالت جنگ مسلمانوں پر کتنے ہی ظلم کرلیں، مگر اسلام لانے سے سب معاف ہو جاتے ہیں یہ بھی **یتوب علیھم** سے معلوم ہوا، دیکھو ہندہ، وحشی وغیرہم نے جنگ احد میں مسلمانوں پر کیسے ظلم ڈھائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیسی ایذائیں پہنچائیں، مگر جب انہوں نے اسلام قبول کر لیا، سب کچھ معاف کر دیا گیا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا من تاب و امن و عمل صالحا** وہ آیت اس **یتوب علیھم** کی تفسیر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ کے سوا کوئی ایک ذرہ کا بھی دائمی و حقیقی مالک نہیں، جیسا کہ **للہ** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا، جس کو جو ملکیت ملی وہ عارضی ملی اور رب تعالیٰ کی عطاء سے۔ **ساتواں فائدہ:** رب تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر اور اس کی بخشش اس کے عذاب پر غالب ہے، دیکھو ان آیات میں توبہ کا ذکر پہلے ہے عذاب کا بعد میں، ایسے ہی مغفرت کا ذکر پہلے ہوا اور سزا کا بعد میں، آیت کے خاتمہ پر اس کی مغفرت و رحمت کا ہی ذکر ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں کوئی چیز نہیں، آپ ہماری ہی طرح بندۂ مجبور ہیں، دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیس لک من الامر شیء** آپ کو کسی معاملے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں، جو انہیں مختار مانے، وہ اس آیت کا منکر ہے نیز نبی مقبول الدعاء بھی نہیں ہوتے، دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مہینہ بھر تک بیر معونہ والوں کے لئے بددعا کی، کچھ بھی نہ ہوا؟! (بعض گستاخ) **نوٹ:** تفسیر صاوی شریف نے اس آیت کے ماتحت فرمایا کہ جو شخص **لیس لک** الخ کی بنا پر یہ کہے کہ نبی عام لوگوں کی طرح ہیں ان سے کچھ نفع نقصان نہیں پہنچتا، وہ کسی چیز کے مالک و

www.alahazratnetwork.org

مختار نہیں **فهو كافر خاسر فی الدنيا والاخرة و استدلاله بهذه الاية ضلال مبين** وہ کافر ہے' دنیا و آخرت میں ٹوٹے میں ہے اور اس کا اس آیت کو بطور دلیل پیش کرنا کھلی گمراہی ہے۔ (تفسیر صاوی) جواب: اس آیت کے وہ معنی نہیں جو معترض نے کئے'۔ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اور اس معنی سے یہ آیت بہت آیتوں کے خلاف ہو جائے گی' آیات قرآنیہ' انبیائے کرام کے اختیارات خداداد' ان کی سیف زبانی و ملکیت کی اعلان فرما رہی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے (1) **انا اعطينك الكوثر** ہم نے آپ کو کوثر بخشا' حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کوثر کے معنی ہیں خیر کثیر' جس میں حوض کوثر بھی داخل ہیں (بخاری شریف) اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے۔ (2) **و سخرنا له الريح تجري بامره** ہم نے ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی اور فرماتا ہے (3) **والشيطين كل بناء و غواص و اخرين مقرنين في الاصفاد** یعنی ہم نے تمام جنات کو ان کے قبضہ میں دیدیا جو بڑے مستری غوطہ خور تھے اور آپ نے قید کر دیئے تھے' اور فرماتا ہے (4) **اغنهم الله و رسوله من فضله**۔ (5) **ما اتهم الله و رسوله** اور فرماتا ہے (6) **و كان فضل الله عليك عظيما**" اور فرماتا ہے (7) **و لسوف يعطيك ربك فترضى** ان آیات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غنی فرما دینے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ کا بڑا فضل ہونے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کی بیشمار عطاؤں کا ذکر ہے' ان کی سیف زبانی بھی قرآن کریم نے جگہ جگہ بیان فرمائی' یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا **قضي الامر الذي فيه تستفتين** اے خواب بیان کرنے والے قیدیو! جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا' یعنی ایک کی پھانسی' ایک کی بحالی' موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے کہ آپ نے سامری سے ناراض ہو کر فرمایا (9) **اذهب فان لك في الحيوة ان تقول لا مساس** جا تو زندگی بھر لوگوں سے کہتا پھرے گا مجھے مت چھو یعنی تیرا جسم ایسا بنا دیا گیا کہ جو تجھے ہاتھ لگائے وہ بھی بیمار تو بھی' بہرحال ان حضرات کے خداداد اختیارات و سیف زبانی پر بے شمار آیات قرآنیہ شاہد ہیں' دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ۔ اگر اس آیت کریمہ کے وہ معنی ہوتے جو تم کہتے ہو' تو آیت یوں ہوتی **ليس في يدك من الامر شيء** اس آیت کریمہ کے وہی معانی ہیں جو تفسیر میں عرض کئے گئے کہ **الامر** میں الف لام عہدی ہے' اور **ليس لك** میں مطلق ملکیت کی نفی نہیں' بلکہ موافق شان ہونے کی نفی ہے' یعنی یہ باتیں آپ کی شان کے لائق نہیں' یا توبہ و عذاب آپ کی مخلوق و ذاتی مملوک نہیں وغیرہ' لہٰذا یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے ثبوت کے لئے ہے نہ کہ نفی اختیارات کے لئے' اس جگہ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نفع و نقصان کے خلق و ایجاد کے مالک نہیں' شفاعت و رہبری کے لحاظ سے آپ نفع کے بھی مالک ہیں اور نقصان کے بھی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے والوں پر کوئی عذاب نہیں آتا اور نہ آپ کی دعا یا بددعا میں کوئی تاثیر ہے' دیکھو ہندہ اور وحشی نے جنگ احد میں' اور بیر معونہ والوں نے اس واقعہ بیر معونہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا مگر ان کا کچھ نہ بگڑا' بیر معونہ کے لئے بددعا بھی کی مگر آپ کو بددعا سے روکا گیا' وہ سب مزے میں رہے۔ جواب: بالکل غلط' یہ عقیدہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے حدیث شریف کے بھی' رب تعالیٰ ایذا دینے والوں کے بارے میں فرماتا ہے **والذين يؤذون رسول الله لهم عذاب اليم** جو رسول اللہ کو ایذا دیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے' اور فرماتا ہے **لا تعتذروا قد كفرتم بعد ايمانكم** اے نبی کا مذاق اڑانے والے منافقو! بہانے نہ بناؤ' تم اظہار ایمان کے بعد کافر ہو چکے' اور فرماتا ہے **ان**

www.alahazratnetwork.org

تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون اے مسلمانو! اگر تم نے ہمارے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آواز پر اپنی آوازیں اونچی کیں' یا انہیں معمولی القاب سے پکارا جس سے انہیں تکلیف پہنچی تو تمہاری ساری نیکیاں ضبط ہو جائیں گی اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا اندازہ اس سے لگاؤ کہ سرکار نے تبدیلی قبلہ کی دعا نہ کی تھی' صرف آرزو فرماتے ہوئے آسمان کی طرف نگاہ کی تھی قبلہ تبدیل کر دیا گیا' فرمایا گیا **فلنولینک قبلۃ ترضھا** ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف ابھی پھیرے دیتے ہیں جو آپ کو پسند ہے' دوران خطبہ میں بارش کی دعا فرمائی' ابھی خطبہ ختم نہ ہوا تھا کہ بارش سے مسجد ٹپکنے لگی' اس کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں' یہاں تو واقعہ ہی کچھ اور تھا' مرضی الٰہی یہ تھی کہ ان میں سے اکثر لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر آپ کے قدموں میں گریں' اور بعض کی اولاد آپ پر ایمان لائے' اس لئے اپنے محبوب (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بددعا رد نہ فرمائی' بلکہ انہیں بددعا کرنے سے روک دیا گیا' جیسے ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے لئے دعائے نجات کرنا چاہی' تو ان سے فرمایا گیا **یا برھیم اعرض عن ھذا انہ قد جاء امر ربک و انھم اتیھم عذاب غیر مردود** اے ابراہیم یہ دعا نہ کرو اب ان پر عذاب ہی آئے گا۔

حکایت: ایک گستاخ نے کہا کہ تم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال و اولاد مانگتے ہو' اگر ان سے کچھ ملتا ہو تا تو حضرت عائشہ صدیقہ کو ضرور بیٹا ملتا (نعوذ باللہ) میں نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو جنت بھی دے دیتے ہیں۔ حضرت ربیعہ نے کہا تھا **اسئلک مرافقتک فی الجنۃ** یا رسول اللہ میں آپ سے یہ مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں' کیا مال و اولاد جنت سے بڑھ کے ہے؟ عائشہ صدیقہ یا خود سرکار نے بیٹے کی دعا کب مانگی؟ جن نبیوں نے بیٹے کی دعائیں مانگیں انہیں فوراً بیٹے کی بشارت اور بعد میں فرزند دیا گیا اگرچہ وہ حضرات اس وقت بوڑھے تھے اور ان کی بیویاں بوڑھی بھی' اور بانجھ بھی' دیکھو حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام اور بی بی سارہ نے تو اسحاق علیہ الصلوۃ والسلام کی خوشخبری پا کر حیرت سے کہا تھا کہ کیا میں بوڑھی اور بانجھ بچہ جنوں گی' قرآن کریم فرماتا ہے **وانا عجوز عقیم** تعجب ہے کہ حضرت طلحہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے سو اولادیں ملیں یعنی اولاد اور اولاد اور اولاد' اور بی بی عائشہ صدیقہ کو ایک بیٹا بھی نہ ملے' یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخش دے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ ہو' اور جسے چاہے عذاب دے اگرچہ نبی ہی کیوں نہ ہو' لہٰذا مسئلہ امکان کذب ثابت ہو گیا۔ جواب: مسئلہ امکان کذب کی مکمل بحث ہم پہلے پارے میں **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کی تفسیر میں کر چکے' اس سوال کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ یہاں گنہگار مسلمانوں کا ذکر ہے' کیونکہ معافی اور سزا گناہ کی ہوتی ہے' اس آیت کو نہ حضرات انبیاء سے کوئی تعلق ہے' نہ کفار سے کوئی واسطہ' ورنہ یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے' کیونکہ تم بھی کذب کا امکان مانتے ہو نہ کہ وقوع' اور یہاں وقوع کا ذکر ہے' کہ رب تعالیٰ جس کو چاہے گا بخش دے گا اور جسے چاہے گا عذاب دے گا۔ چوتھا اعتراض: مسلمانوں کے خدا کے راج میں بڑی اندھیر نگری ہے کہ جسے چاہے عذاب دیدیا جائے اگرچہ اس نے کوئی پاپ نہ کیا ہو' اور جسے چاہے جنت دیدی جائے اگرچہ وہ مہاپاپی ہو' ایسا اندھیر مچانے والا خدا نہیں ہو سکتا' ہمارا پرماتما انصاف والا ہے کہ اچھوں کو جزا اور بروں کو سزا ضرور دیتا ہے (آریہ از ستیارتھ پرکاش) جواب: ہم اس کا تحقیقی و تفصیلی جواب سورۂ بقرہ کے آخر میں دے چکے ہیں کہ یہاں گنہگاروں کا تذکرہ ہے کیونکہ معافی و سزا کا ذکر ہو رہا ہے' معافی بھی گناہ کی ہوتی ہے اور سزا بھی' بھولے ناسمجھ پنڈت نے مغفرت اور عذاب کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہی نہ سمجھے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قنوت نازلہ پڑھنا اور کفار کو بددعائیں دینا غلط تھا یا صحیح اگر صحیح تھا تو رب تعالیٰ نے اس سے روکا کیوں' اور اگر غلط تھا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیوں؟ آپ کا تو ہر قول وحی الٰہی سے ہے اور ہر عمل رب تعالیٰ کی طرف سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل بھی درست تھا اور یہ بھی' مگر وہ اچھا تھا' یہ بہت اچھا' رب تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب تم بہت ہی اچھے رسول ہو' اس لئے بہت ہی اچھا عمل کرو' یہ ایسا ہی ہے جیسے رب تعالیٰ نے صحابہ کرام سے فرمایا **و ان عاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم به ولئن صبرتم لهو خير للصبرين** اے مسلمانو! اگر تم کفار سے بدلہ لو تو برابر لینا' زیادہ نہ لینا' اور اگر تم صبر کرو' تو یہ اور بھی اچھا ہے۔ **نوٹ:** یہ سوال جواب تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے نقل فرمایا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں دیا گیا' اگر علم غیب ہوتا تو آپ بیر معونہ والوں کی منافقت کو جان لیتے' اور ان کے ساتھ قاری صحابہ کی اتنی جماعت کو نہ بھیجتے' اور وہ حضرات اس طرح شہید نہ ہوتے۔ **جواب:** ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں اس کے تین جواب دیئے ہیں' جن میں سے ایک یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم تھا کہ ان حضرات کی شہادت کا وقت آچکا ہے' آپ راضی برضائے الٰہی تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو بدر میں مرنے والے کافروں کی موت کی جگہ اور وقت ایک دن پہلے ہی بتا دیا تھا' اس کے اور بھی بہت جواب ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہم بذات خود بے قدرے اور بے قیمتے ہیں ہم وہ کھوٹا مال ہیں جسے کوئی نہ لے' لیکن اگر رب تعالیٰ فضل کر دے تو ہماری قدر بھی ہے اور قیمت بھی' وہ قدر ہماری نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے فضل کی ہے' نوٹ کا کاغذ قیمتی نہیں' اس کی سرکاری مہر قیمتی ہے' یہی حال ہماری ذات' ہمارے مال اور ہمارے سارے اعمال کا ہے' حضرت سید بھیک صاحب فرماتے ہیں۔

سائیں اکھاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام — ذرا سی جھانکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام
سائیں تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے — در در کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

اس آیت کریمہ میں **یتوب** اور **یغفر** میں رب تعالیٰ نے اپنے اس فضل کا ذکر فرمایا' جس سے ہماری قدر و قیمت ہو جاتی ہے' اور **یعذب** میں اپنے اس عدل کا ذکر فرمایا جس سے ہماری اصلی حالت ظاہر ہو جاتی ہے' اسی لئے فرمایا **فانهم ظلمون** ایک شخص دعا کرتا تھا کہ مولیٰ ببول کے درخت میں آم یا پھول نہیں لگ سکتے اور درخت آم کانٹوں سے پاک ہے' مولیٰ میں ظالم و جاہل' تو غفور رحیم' مجھ درخت خاردار میں بار و بر کہاں سے آئیں' جس لائق ہم ہیں وہ ہم نے کر لیا' جو تیری شان کے لائق ہے وہ تو کر' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ما خطا آریم تو بخشش کنی — نعرۂ انی غفور ے زنی

مولیٰ ہمارا حساب نہ لے' ہمارے جرم و گناہ بے حساب ہیں' تو بے حساب ہی بخشش کر دے' کریم کے دروازہ پر جب بھکاری آتا ہے تو وہ بھکاری کو نہیں دیکھتے اپنے دروازہ کو دیکھتے ہیں' اور اپنی شان کے لائق دیتے ہیں' حضرت ابراہیم خواص فرماتے ہیں بیمار دل کی پانچ دوائیں ہیں' سمجھ کر قرآن شریف پڑھنا' قدرے پیٹ خالی رکھنا' آخر رات میں عبادت کرنا' صبح کے وقت رب تعالیٰ سے معافی مانگنا' اچھوں کی صحبت میں بیٹھنا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی صفائی اور دماغ کی مالش' اللہ کے ذکر' تلاوت قرآن' کثرت درود شریف سے ہے' اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے۔

www.alahazratnetwork.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰۤوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ کھاؤ تم سود بڑھا چڑھا کر دوگنا چوگنا اور ڈرو اللہ سے

اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ اور اللہ سے ڈرو

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۚ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْۤ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ۚ﴿۱۳۱﴾

شاید تم کامیاب ہو اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی واسطے کافروں کے

اس امید پر کہ تمہیں فلاح ملے اور اس آگ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کر رکھی ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کو جو تکلیف پہنچی وہ مال کی بے جا محبت کی وجہ سے پہنچی کہ غنیمت لینے کے لئے درہ چھوڑ بیٹھے' اب سود کی ممانعت فرمائی جارہی ہے کہ یہ بھی مال کی ناجائز محبت کی وجہ سے وصول کیا جاتا ہے اور یہ بھی ایسا ہی نقصان دہ ہے جیسا جہاد میں بے موقعہ غنیمت کے پیچھے پڑنا اور اپنے مورچہ چھوڑنا۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں بدر و احد جیسے عظیم الشان غزووں کا ذکر ہوا' اب حرمت سود کا تذکرہ ہے' کیونکہ اکثر قومیں سود کے بل بوتے پر جنگیں کرتی ہیں کہ سودی روپے سے سامان جنگ خریدتی ہیں' اور فوجوں کو تنخواہیں وغیرہ دیتی ہیں' مسلمان کو اس سے منع کیا گیا کہ تم ان پاک لڑائیوں کے لئے ناپاک کمائی مت حاصل کرنا' سورۂ بقر میں جنگ و جہاد کے تذکرہ میں شراب و جوئے سے منع کیا گیا تھا' اسی طرح اب جنگ ہی کے تذکرہ کے ضمن میں سود سے منع کیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** جنگ بدر کا بدلہ لینے کے لئے کفار مکہ نے سود سے روپیہ کمایا اور اسے جنگ احد پر خرچ کیا' اندیشہ تھا کہ مسلمان بھی جنگ احد کا بدلہ لینے کے لئے سود کی طرف مائل ہو جاتے اور سودی روپے سے آئندہ جنگیں کرتے' اس لئے رب العالمین نے جنگ احد کے ذکر کے بعد سود سے ممانعت فرمائی۔ **چوتھا تعلق:** گذشتہ آیتوں میں جنگوں کا ذکر تھا اور جنگ اگر ضرورت ہو تو مفید ہے بلا ضرورت ہو تو مضر' بلا ضرورت جنگوں کا باعث اکثر سود ہوتا ہے کہ جب کسی قوم کے پاس سودی سرمایہ بہت بڑھ جاتا ہے تو آخر کار وہ قوم یہ روپیہ لڑنے پر خرچ کرتی ہے یا لڑانے پر' ان غیر ضروری جنگوں کو روکنے کے لئے رب تعالیٰ نے حرمت سود کا ذکر یہاں فرمایا' گویا ضروری جنگوں کا ذکر فرمانے کے بعد غیر ضروری جنگوں کے اسباب سے روکا گیا تاکہ پتہ لگے کہ مسلمان کی جنگ بقائے قوم یا قیام امن کے لئے انسانی ہمدردی کے ماتحت ہوتی ہے نہ کہ عالم میں فساد برپا کرنے کے لئے۔ شعر۔

جنگ شاہاں فتنہ و غارت گری است — جنگ مومن سنت پیغمبری است

شان نزول: کفار عرب کا دستور تھا کہ جب ان کے قرض کی مدت پوری ہوتی' اور وہ مقروض سے تقاضا کرتے' اور مقروض ادا پر قادر نہ ہوتا اور معذرت کرتا تو اس سے کہتے کہ تو قرض بڑھا دے' ہم ادا کی مدت بڑھا دیتے ہیں' چنانچہ مقروض اپنے پر دوگنا قرض مان لیتا' تو یہ اسے دوگنی مہلت دے دیتے' بارہا ایسا ہی ہوتا' وصول ہونے تک قرض کئی گنا ہو جاتا' اور یہ ظالم اس بیچارے مقروض سے ایک ایک کے پچاس بلکہ سو سو وصول کرتے' اس ظلم کو روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر

www.alahazratnetwork.org

صاوی 'کبیر' خازن 'مدارک 'بیضاوی وغیرہا)۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** چونکہ مال سے انسان کو فطری طور پر محبت ہے اور عرب میں صدیوں سے سود کا رواج تھا گویا سود ان کی گھٹی میں پڑا تھا' اس بنا پر ایک دم سود کا بند کرنا آسان نہ تھا' اس لئے رب العالمین نے پہلے مومنوں کو پیارے خطاب سے پکارا' پھر یہ سخت حکم سنایا' تاکہ اس خطاب کی برکت سے وہ خلاف نفس امر آسان ہو جائے' کڑوی دوائیں شکر میں لپیٹ کر کھلائی جاتی ہیں اور آپریشن سے پہلے ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے' ایسے ہی سخت احکام پیارے خطاب کے ساتھ سنائے جاتے ہیں' تفسیر تنویر المقیاس میں ہے کہ یہاں خطاب قبیلہ بنی ثقیف کے مالداروں سے ہے جو اسلام سے پہلے سودی کاروبار بہت کرتے تھے **لا تاکلوا الربوا** کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہم اسی تفسیر کے تیسرے پارے میں **الذین یاکلون الربوا** کی تفسیر میں نہایت تفصیل سے عرض کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ فرماؤ' یہاں اتنا سمجھ لو کہ سود دو قسم کا ہے' ایک زیادتی کا' دوسرے ادھار کا' زیادتی کے سود میں دو طرفہ مال کا جنس و وزن میں ایک ہونا ضروری ہے' مگر ادھار کے سود میں ان دونوں میں سے ایک میں اتحاد کافی ہے' یہاں دونوں قسم کے سودوں کو حرام فرمایا جا رہا ہے اور **اکل** یعنی کھانے سے مراد لینا ہے' چونکہ سود لینے کا مقصد اس کا کھانا ہوتا ہے نیز اہل عرب عموماً دانہ وغیرہ میں سود لیا کرتے تھے اور یہ کھانے کی چیز ہے اس لئے یہاں کھانے کا ذکر فرمایا گیا **اضعافا** " **مضعفۃ** " یہ دونوں ربوا کے حال ہیں **اضعاف** ' **ضعف** کی جمع ہے بمعنی مثل جس کے ساتھ مل کر چیز دوگنی ہو جائے' ایک مثل کو ضعف کہتے ہیں' دو کو ضعفین' اور بہت سی مثلوں کو اضعاف (روح المعانی) چونکہ اضعاف جمع قلت تھی جو نو تک بولی جا سکتی تھی' اور مقصود تھا بہت زیادتیوں کا بیان کرنا اس لئے ساتھ میں **مضاعفۃ** بھی فرمایا گیا' **مضاعفۃ** اسم مفعول ہے نہ کہ مصدر اور **اضعافا** " کی صفت ہے' دونوں مل کر ربوا کا حال' خیال رہے کہ یہ **اضعافا** " بیان حالت کے لئے ہے نہ کہ حتمیید کے لئے' یعنی یہ مطلب نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا سود کھا لیا کرو **اضعافا** " **مضعفۃ** " یعنی زیادات مکررہ تگنا چوگنا نہ کھایا کرو کہ یہ منشائے کلام کے خلاف ہے' چونکہ جن کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری ہے' ان کا عمل ہی یہ تھا کہ ایک ایک کے پچاس پچاس بلکہ سو سو لے لیتے تھے' اس حالت کے بیان کے لئے یہ فرمایا گیا' چنانچہ حرمت سود کی دوسری آیات میں قید نہیں' رب تعالیٰ نے فرمایا **الذین یاکلون الربوا لا یقومون** الخ اور فرمایا **و حرم الربوا** الخ اور فرمایا **یمحق اللہ الربوا** اور فرمایا **و ذروا ما بقی من الربوا** ان تمام آیتوں میں نہ دوگنے تگنے کی قید ہے' نہ سوائے ڈیوڑھے کی' معلوم ہوا کہ سود کا ایک پیسہ بھی ایسا ہی حرام ہے جیسے اس کے لاکھ روپے **واتقوا اللہ** اگرچہ ہر گناہ سے بچنا تقویٰ ہے لیکن یہاں خصوصیت سے سود سے بچنا مراد ہے اور عموماً دوسرے گناہوں سے بچنا یعنی اللہ سے ڈرو کہ سارے گناہوں خصوصاً سود لینے سے بچو (روح البیان و معانی) **لعلکم تفلحون** لعل بمعنی کے ہے یا بمعنی امید **تفلحون** ' **فلاح** سے بنا بمعنی کامیابی **فلاح** کی تحقیق و بیان اقسام پہلے پارہ میں زیر آیت **اولئک ھم المفلحون** ہو چکا یعنی اللہ سے ڈرو تاکہ تم کامیاب ہو' یا اس امید پر کہ تمہیں کامیابی ملے **واتقوا النار التی اعدت للکفرین** پہلے کہا جا چکا ہے کہ اگر تقویٰ کے بعد اللہ کا ذکر ہو تو بمعنی ڈرنا ہوتا ہے' اور اگر آگ کا ذکر ہو تو بمعنی بچنا' لہٰذا یہاں بمعنی بچنا ہے' آگ سے مراد مطلقاً دوزخ ہے' خواہ وہاں کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا' آگ سے بچنے سے مراد ان اعمال سے بچنا ہے جو جہنم میں جانے کا ذریعہ

www.alahazratnetwork.org

ہیں یعنی سارے گناہ خصوصاً "سود خواری" **اعدت** **اعداد** سے بنا بمعنی تیاری **کافرین** سے مراد سارے غیر مومن ہیں یعنی آگ کے اس طبقہ سے بچو جو کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے یا مطلقاً "آگ سے بچو کہ ہم نے آگ بنائی تو کافروں کے لئے ہے اب جو ان کی سی حرکتیں کرے گا اسے بھی وہاں جانا پڑے گا۔

خلاصہ تفسیر: گذشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ جس گنہگار کو چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا اس آیت کریمہ میں اس کی بخشش حاصل کرنے اور عذاب سے بچنے کی تدبیر بتائی جاری ہے یعنی گناہوں خصوصاً "سود خواری سے بچنا کہ ارشاد فرمایا گیا اے ایمان والو! اندھا دھند دو نا دون سود خواری سے بچو اپنے مال کے ذریعہ غریبوں کا خون نہ چوسو خیال رکھو کہ تمہیں دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں اپنی کرنی بھرنی ہے لہذا اللہ سے ڈرو تاکہ کامیابی پاؤ محض مالداری کامیابی نہیں ورنہ قارون و فرعون بڑے کامیاب ہوتے "کامیاب وہ ہے جو اپنے رب کو راضی کرے دوزخ کی آگ سے بچو جو تیار تو کی گئی ہے کافروں کے لئے مگر جو مسلمان سود کی حرمت کا انکار کر کے کافر ہو جائے وہ بھی اس میں ہمیشہ رہے گا اور جو سود خواری وغیرہ کی حرکتیں کرے وہ بھی اس میں جائے گا اگرچہ عارضی ہی طور پر ہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سود کا لین دین مسلمانوں کے لئے حرام ہے جیسا کہ **امنوا** سے معلوم ہوا اگر کفار آپس میں یہ لین دین کریں تو کریں ہاں اسلامی حکومت میں کفار کو مسلمانوں سے سود لینے کی اجازت نہ ہوگی اور نہ مسلمانوں کو اجازت ہوگی کہ ان کے سودی لین دین میں ان کا ہاتھ بٹائیں کہ اس میں ان کے گواہ کاتب وغیرہ بنیں بلکہ اسلامی حکام ان کے سودی مقدمات طے بھی نہ کریں گے کہ یہ بھی سود میں امداد ہے۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ہو جاتا جب تک عقیدہ میں فساد نہ ہو دیکھو یہاں سود خواروں کو **الذین امنوا** کے خطاب سے پکارا گیا آج سود خوار مسلمان بھی اس آیت میں داخل ہوں گے اور اسی آیت کا انہیں وعظ سنایا جائے گا۔ **تیسرا فائدہ:** سود لینا سود دینے سے زیادہ خطرناک ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر جگہ سود لینے کی ممانعت پر زور دیا ہے اور انہی سود خواروں کو اعلان جنگ بھی دیا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اگرچہ سودی پیسہ کا استعمال مطلقاً "حرام ہے مگر اس کا کھانا بہت برا کہ حرام غذا سے جو خون و گوشت بنے گا وہ بہت ہی برا ہو گا بری خصلتیں برے خیالات بری عادات اکثر بری غذا سے پیدا ہوتی ہیں خراب پٹرول موٹر کی مشین کو خراب کر دیتا ہے حرام غذا کا خون انسانی مشین کو خراب کر دے گا یہ فائدہ **لا تاکلوا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سود کا پیسہ حرام اور اس پیسے سے جو چیز خریدی جائے اس کا استعمال حرام خود سود خوار کو بھی اور دوسروں کو بھی جیسا کہ **لا تاکلوا** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** سود کھانا گناہ کبیرہ ہے اس میں خطرہ ہے کہ سود خوار جہنم کے تحت طبقہ میں جو کافروں کے واسطے ہے جائے جیسا کہ **اعدت للکافرین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حرمت سود کی آیتوں میں یہ آیت سخت خوفناک ہے کہ اس میں ڈرایا گیا ہے کہ سود خوار کہیں کافر ہو کر نہ مرے اور کہیں کافروں والی آگ میں نہ جائے (روح المعانی و خازن وغیرہ) **ساتواں فائدہ:** دوزخ میں عذاب آگ کا ہی ہو گا خواہ ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم آگ کے قرب سے گرم عذاب ہو گا اور آگ کی دوری سے ٹھنڈا جیسا کہ **واتقوا النار** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** دوزخ اور وہاں کی آگ و عذاب سب پیدا ہو چکے ہیں جیسا کہ **اعدت** ماضی سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

تقویٰ بذات خود کامیابی نہیں' بلکہ حصول کامیابی کا ذریعہ ہے' جیسا کہ **لعلکم تفلحون** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: کوئی شخص اپنی نیکیوں پر نازاں نہ ہو' بلکہ قبولیت کی امید رکھے' اور مردودیت سے ڈرتا رہے' یہ بھی لعل سے معلوم ہوا۔ عمل کی قبولیت کامیابی ہے۔ گیارہواں فائدہ: ایمان امید و خوف کے درمیان ہے' بے ڈر اور مایوس مومن نہیں' جیسا کہ **تفلحون** اور **اتقوا النار** کے یکجا بیان کرنے سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دگنا' چوگنا سود کھانا حرام ہے' سوایا ڈیوڑھا جائز' کیونکہ **اضعافا مضاعفۃ** یہاں ربوٰ کا حال ہے' اور حال قید ہوتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا' کہ قید کبھی اتفاقی ہوتی ہے' کبھی احترازی' کبھی بیان واقعہ کے لئے' یہاں بیان واقعہ کے لئے قید ہے نہ کہ احترازی۔ **دوسرا اعتراض:** کلام الٰہی میں لعل نہ آنا چاہئے' کیونکہ لعل امید کے لئے ہوتا ہے اور امید بے علمی سے ہوتی ہے' علم سے تو یقین ہوتا ہے' امید کیسی؟ **جواب:** یہ لعل بندوں کے لحاظ سے ہے' یعنی تم تقویٰ اور نیک اعمال کامیابی کے یقین پر نہ کرو' بلکہ امید فلاح پر کرو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کتنا ہی بڑا گنہگار ہو' دوزخ میں کبھی نہ جائے گا' ایمان کے ہوتے گناہ مضر نہیں' کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا **اعدت للکفرین** آگ کافروں کے لئے ہی۔

نوٹ: مسلمانوں میں ایک فرقہ مرجیہ بھی ہے' جس کا عقیدہ ہے کہ مسلمان کچھ بھی کرے جنتی ہے' ان کی دلیل یہ آیت ہے' آج کل کے بھنگی چرسی' دنہ شاہی' نوشاہی فقیروں کا بھی قریباً" یہی عقیدہ ہے' جو نماز روزہ کے قریب نہ جائیں' نشہ میں مست رہیں اور اپنے کو جنت کا ٹھیکیدار جانیں' جن کا نعرہ یہ ہوتا ہے "گھٹے بھنگ" "چڑھے رنگ" "یا علی مدد" "پنجتن پاک کی بچے" یہ مردود ترین فرقہ ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ جو سود کو حلال جانے' وہ کافر ہو گا' پھر آگ کے اس طبقہ میں جائے گا جو کافروں کے لئے تیار کیا گیا ہے' آگ کے بہت طبقے ہیں' جن میں سے بعض طبقے منافقوں کے لئے ہیں بعض کھلے کافروں کے لئے' بعض گنہگار مسلمان کے لئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ **ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار** دوسرے یہ کہ دوزخ بنی کافروں کے لئے ہی ہے' جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے' جو مسلمان ان کی سی حرکتیں کرے' وہ بھی کچھ روز کے لئے وہاں جائے گا' جیل چوروں کے لئے ہے' مگر چوروں کے مددگار بھی جیل کے مستحق ہیں' تیسرے یہ کہ واقعی آگ ہے کفار کے لئے' مگر ان کے لئے منحصر نہیں' جائیں گے اس میں اور لوگ بھی' جیسے جنت بنی تو متقیوں کے لئے' مگر مسلمان بچے اور دیوانے بھی وہاں جائیں گے' کسی کے لئے ہونا اور چیز ہے اور کسی کے ساتھ خاص ہونا کچھ اور' چوتھے یہ کہ دوزخ کافروں کا ٹھکانہ ہے' گنہگار مسلمانوں کی منزل' لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ دوزخ کافروں کے لئے بنائی گئی' اگر ہمارے گھر میں ایک دو دن کے لئے کوئی مہمان ٹھہر جائے' تو وہ گھر مہمان کا نہ ہو گا بلکہ ہمارا ہی ہے اور ہمارے لئے ہی بنا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فکبکبوا فیھا ھم والغاو ون**۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ظاہری جسم پر صدہا بیماریاں آتی ہیں' بعض معمولی' بعض تکلیف دہ' بعض مہلک' ایسے ہی نفس کی بیماریاں بہت ہیں' جن میں سے خطرناک بیماری دنیا کی محبت اور مال کی ہوس ہے' جوا' سود بلکہ آخر میں قتل و خون کے نتیجے اسی کے ہیں' صوفیاء تو فرماتے ہیں کہ ایک حرص سود کی رغبت دیتی ہے اور دوسری قسم کی حرص سود سے پیدا ہوتی ہے' وہ حرص

www.alahazratnetwork.org

اضعافا" مضاعفۃ" ہو کر بڑھتی ہی چلی جاتی ہے' وہ قبر میں پہنچ کر ہی ختم ہوتی ہے' اسی کی جانب اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر انسان کے پاس سونے کا جنگل ہو تو دوسرے جنگل کی بھی تلاش کرے گا' انسان کے پیٹ کو قبر کی مٹی ہی بھر سکتی ہے' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گفت چشم تنگ دنیا دار را | یا قناعت پر کند یا خاک گور

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

قناعت کن اے نفس بداند کے | کہ سلطان و درویش بینی یکے

اس کا علاج قناعت و ایثار ہے' ہوس سے بھوک بڑھتی ہے گھٹتی نہیں' قناعت و توکل سے پیٹ بھرتا ہے' زیادتی کچھ اور ہے برکت کچھ اور' زیادتی کی کوشش نہ کرو' برکت کی کوشش کرو حضرت سید بھیک صاحب فرماتے ہیں۔

عیسا بھوکا کوئی نہیں ہے سب کی گٹھڑی لال | گرہ کھول نہیں جانتے تس ہوئے کنگال

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زیادتی گناہوں کی وجہ سے کبھی مرتے وقت ایمان سلب ہو جاتا ہے خصوصاً ظلم کہ یہ اکثر ایمان سلب کر دیتا ہے۔

لطیفہ: کسی نے حضرت پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ سید دوزخ میں جائیں گے یا نہیں؟ فرمایا رب تعالیٰ تو نہیں چاہتا کہ یہ دوزخ میں جائیں اگر خود چھلانگ لگا دیں تو ان کی مرضی' رب تعالیٰ نہیں چاہتا کہ مسلمان دوزخ میں جائیں' اس نے دوزخ کافروں کے لئے بنائی ہے' اگر یہ خود کافروں کے سے کام کر کے دوزخ میں جائیں تو ان کی خوشی۔

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۝ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى
اور اطاعت کرو اللہ اور رسول کی تاکہ تم رحم کئے جاؤ اور جلدی کرو طرف
اور اللہ اور رسول کے فرمانبردار رہو اس امید پر کہ تم رحم کئے جاؤ اور دوڑو اپنے رب
مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ
بخشش کے اپنے رب کی طرف سے اور طرف جنت کے جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین میں تیار کی گئی واسطے
بخشش اور ایسی جنت کی طرف جس کی چوڑان میں سب آسمان و زمین آجائیں پرہیزگاروں کیلئے
لِلْمُتَّقِيْنَ ۝
پرہیزگاروں کے
تیار کر رکھی ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بدکاروں کو دوزخ سے ڈرایا گیا تھا' اب اس آیت میں نیک کاروں کو جنت کا وعدہ دیا جا رہا ہے' تاکہ مسلمان بدکاری سے پرہیز کریں' اور نیک کاری اختیار کریں' قرآن کریم کا اکثر طریقہ یہی ہے کہ وعدہ کو وعید کے ساتھ 'تقویٰ کو فسق کے ساتھ بیان فرماتا ہے' یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو' تقویٰ حاصل کرو' اب تقویٰ کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت کرو' گویا تقویٰ کا اجمالی حکم دے کر اب اس کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو سود سے منع فرمایا گیا' یہ ممانعت نفس امارہ پر بھاری و گراں تھی' اب ارشاد ہو کہ نفس کے مقابلہ میں اللہ رسول کی اطاعت کرو کہ تمہیں اس میں فائدہ ہے' گویا نفس امارہ کی اطاعت سے روک کر اللہ رسول کی اطاعت پر لگایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی گذشتہ آیات میں مسلمانوں کو غزوہ احد کی تکالیف کی وجہ بتائی گئی یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم عالی پر عمل نہ کرنا اور حکم آئے بغیر درہ احد خالی چھوڑ دینا کہ یہی معمولی سی مخالفت بڑی تکلیف و نقصانات کا باعث بنی' اب بطور نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اس واقعہ احد سے عبرت پکڑو اور آئندہ زندگی میں اللہ رسول کی اطاعت کو لازم سمجھو۔

شان نزول: عبد ابن حمید وغیرہ محدثین نے حضرت عطاء ابن ابی رباح سے روایت کی کہ ایک بار صحابہ کرام کی ایک جماعت نے بارگاہ نبوی شریف میں عرض کیا کہ بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے تھے' کہ جب ان میں سے کوئی رات میں گناہ کر لیتا تو سویرے ہی اس کا کفارہ ادا ہو جاتا' کہ رب تعالیٰ اس کے دروازے پر اس کا گناہ تحریر فرما دیتا' جس سے وہ گنہگار بدنام ہو کر آئندہ کے لئے تائب اور گذشتہ پر نادم ہو جاتا تھا' ہماری پردہ پوشی تو فرمائی مگر اس سے کفارہ گناہ تو ادا نہ ہوا' اس پر یہ آیات نازل ہوئیں' جن میں اللہ رسول کی اطاعت اور نیک اعمال میں سبقت کا حکم دیا گیا' فرمایا گیا کہ یہی تمہارے گناہوں کا کفارہ ہے (روح المعانی)۔

تفسیر: **و اطیعوا اللہ والرسول** واؤ اگر ابتدائیہ ہے' تو یہ جملہ مستقل ہے' اور اگر عاطفہ ہے' تو یہ جملہ پہلے جملہ **واتقوا اللہ** پر معطوف' **اطیعوا** الطاعت کا امر ہے' طاعت طوع سے بنا' بمعنی خوشی و رغبت' رغبت و خوشی سے کسی کا حکم ماننا طاعت کہلاتا ہے' اب مطلقاً" حکم ماننے کو اطاعت کہا جاتا ہے خوشی سے ہو یا ناخوشی سے' مگر یہاں بخوشی فرمانبرداری مراد ہے کہ رحم و کرم اسی فرمانبرداری سے ہوتا ہے' ناخوشی کی اطاعت تو منافقین بھی کر لیتے تھے مگر وہ رحمت کے مستحق نہ ہوئے' چونکہ اللہ کا درجہ رسول سے بڑا ہے' نیز اسی کا احسان بندوں پر زیادہ' اس لئے اللہ کو مقدم فرمایا گیا' یا تو اللہ کی اطاعت سے مراد قرآنی احکام کی پابندی ہے اور رسول کی اطاعت سے مراد احادیث شریف پر عمل' یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہی در حقیقت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے' کیونکہ ہم کو رب تعالیٰ نے کوئی حکم بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ نہ دیا' جو کچھ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت فرمایا۔ خیال رہے کہ **الرسول** میں الف لام عہدی ہے' اور اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' کیونکہ پچھلے رسولوں پر ہمارا ایمان تو ہے کہ وہ سب حضرات برحق ہیں' مگر ان میں سے کسی کی اطاعت ہم پر فرض نہیں' صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایسی ہی فرض ہے جیسی اللہ تعالیٰ کی' اس لئے دونوں ذاتوں کے لئے ایک ہی **اطیعوا** ارشاد ہوا' یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے ان رسول کی

www.alahazratnetwork.org

اطاعت یکساں کرو' ماں باپ' سلطان' حکام کی اطاعت بھی چاہیے مگر وہ اطاعتیں دین کا رکن نہیں' کہ ان کا انکار کفر ہو' مگر جیسے رب تعالیٰ کی اطاعت سے انکار کفر ہے' ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے سرتابی و انکار کفر' اسی لئے اطاعت ایک اور مطاع دو بیان ہوئے' یہ بھی خیال رہے کہ اطاعت تو اللہ تعالیٰ کی بھی ہوگی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی' اور اولوالامر علماء و سلاطین کی بھی' رب تعالیٰ کا ارشاد ہے **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**' مگر اتباع صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہوگی' نہ اللہ تعالیٰ کی اتباع ہوگی' نہ ماں باپ کی' نہ سلطان کی' نہ پیر و استاذ کی' اطاعت کے معنی ہیں فرمان ماننا' اتباع کے معنی ہیں کسی کے قدم بہ قدم چلنا' یعنی اندھا دھند اسی کی تقلید کرنا' جو اسے کرتے دیکھا خود کرنے لگے' اسی لئے اتباع کے موقعہ پر صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی**' اتباع کی نفیس تحقیق اسی **قل ان کنتم** الخ کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ **لعلکم ترحمون** یہاں بھی لعل میں دو احتمال ہیں' تاکہ شاید کہ رب کے لحاظ سے تاکہ کے معنی میں ہے' اور ہمارے لحاظ سے شاید کہ معنی میں' یعنی اللہ و رسول کی فرمانبرداری کرو تاکہ تم پر رحمت ہو' ہمارے ہاں رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ از روئے قانون اطاعت ہے' یا اللہ رسول کی تابعداری کرو اس امید پر کہ تم پر رحم کیا جائے' یعنی اطاعت کرو اور رب سے ڈرو' اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو' رحمت کا ذکر فرما کر اشارہ اس جانب ہے کہ اس اطاعت پر تمہیں جو کچھ ملے گا' دنیا میں ترقیاں' مرتے وقت ایمان پر قیام' قبر میں کامیابی' محشر میں معافی' بعد میں دوزخ سے امان' پھر پل صراط پر خیریت سے گزر' پھر جنت کا داخلہ' یہ سب ہمارے رحم خسروانہ سے ہی ملے گا' **ترحمون** ان دنیاوی و اخروی لاکھوں رحمتوں پر مشتمل ہے' حق تو یہ ہے کہ ہر رحمت کا ذریعہ اطاعت ہے' اللہ رسول کو مانو' سب کچھ لے لو۔

ہر کہ عشق مصطفیٰ سامان اوست بحر و بر در گوشۂ دامان اوست

و سارعوا الی مغفرۃ من ربکم' **سارعوا**' **مسارعۃ** کا امر ہے' جس کا مادہ سرعت بمعنی جلدی و تیزی ہے' مفاعلت مقابلہ کے لئے ہے' تو معنی ہوئے دوڑو' بھاگو' ایک دوسرے پر سبقت کرو' دوسروں سے آگے رہنے کی کوشش کرو' **مغفرۃ** کی تنوین تعظیم کی ہے' **من ربکم** **مغفرۃ** کا حال ہے' یعنی اس بڑی بھاری بخشش کی طرف دوڑو جو تمہارے رب کی طرف سے تم کو نصیب ہوگی' تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں **مغفرۃ** سے پہلے مضاف پوشیدہ ہے' یعنی ان اعمال کی طرف دوڑو جو مغفرت الٰہی کا ذریعہ و سبب ہیں' اس میں گفتگو ہے کہ وہ ذریعہ و سبب ہے کیا چیز' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ اسلام ہے' حضرت علی فرماتے ہیں' ادائے فرائض' اور حضرت عثمان غنی کا قول ہے کہ اخلاص فی العمل' ابو العالیہ فرماتے ہیں کہ ہجرۃ' امام ضحاک و محمد ابن اسحاق کہتے ہیں جہاد' سعید ابن جبیر کا فرمان ہے نماز با جماعت کی تکبیر اولیٰ پانے کی پابندی' بعض کا قول ہے نماز پنجگانہ' امام اصم فرماتے ہیں گناہوں خصوصاً" سود سے توبہ (تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ) حضرت عشق کا فتویٰ یہ ہے کہ سب اعلیٰ ان تمام نعمتوں کا عشق جناب مصطفیٰ اور فنا در ذات حبیب کبریا ہے' کہ جسے یہ مل گیا وہ سب کچھ پالے گا' **و جنۃ عرضھا السموت والارض** یہ مغفرت پر معطوف ہے چونکہ جنت کا ملنا گناہوں کی بخشش کے بعد ہوگا اس لئے پہلے مغفرت کا ذکر فرمایا پھر جنت کا' بعض نے فرمایا کہ پل صراط سے بخیریت گزر جانا مغفرت ہے' جنت کا داخلہ اس کے بعد ہے۔ عرض کے لغوی معنی ہیں چوڑائی یعنی جسم کا دوسرا بعد۔ پہلا بعد طول یعنی لمبائی۔ دوسرا بعد فاصلہ عرض ہے یعنی چوڑائی'

www.alahazratnetwork.org

تیسرا بعد عمق یعنی گہرائی 'عموماً' چوڑائی لمبائی سے کم ہوتی ہے 'عرض عموماً' جسم کے لئے بولا جاتا ہے 'مگر کبھی غیر جسم پر بھی بول دیتے ہیں 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **فذو دعاء عریض** پھر انسان لمبی چوڑی دعائیں مانگتا ہے 'کبھی وسعت و فراخی کو بھی عرض کہہ دیتے ہیں 'کبھی عوض و معاوضہ کو بھی عرض کہا جاتا ہے 'یہاں عرض کے کئی معنی ہو سکتے ہیں 'جنت کی وسعت تمام آسمانوں و زمین کے برابر ہے 'اگر ساتوں آسمان اور زمین کے طبقے بنا کر ملا دیئے جائیں 'تو وہ سب مل کر جنت کی چوڑائی کے برابر ہوں 'سمجھ لو کہ اس کی لمبائی کتنی ہوگی 'ساتوں آسمان اور زمین جنت کی قیمت ہیں 'سارے آسمان و زمین ملا کر جنت کے مقابلہ میں رکھے جائیں 'تو اس کی چوڑائی میں آجائیں 'بعض کا خیال ہے کہ یہ کلام جنت کی وسعت دکھانے کے لئے بطور تمثیل ہوا 'یعنی تمہاری نگاہ میں سب سے بڑی اور فراخ چیزیں آسمان و زمین ہیں 'مگر جنت کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ یہ سب مل کر اس کی چوڑائی میں سما جائیں **اعدت للمتقین** حق یہ ہے کہ یہاں **متقین** سے مراد پرہیزگار انسان ہیں 'خواہ حضرات انبیاء ہوں 'یعنی معصومین یا خاص اولیاء اللہ یعنی محفوظین یا وہ حضرات جو گناہوں پر قائم نہیں رہتے رہے 'چھوٹے بچے یا دیوانے یا ہم جیسے گنہگار 'وہ انشاء اللہ ان پرہیزگاروں کے تابع ہو کر جنت میں جائیں گے 'جنت بنی تو پرہیزگاروں کے لئے ہے 'دوسرے بھی وابستگان دامن وہاں چلے جائیں گے '**متقین** میں گناہوں سے بچنا 'نیکیاں کرنا ان سب کی طرف اشارہ ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے انسانو یا اے مسلمانو یا اے عقل رکھنے والی مخلوق 'بقدر طاقت ہر طرح اللہ تعالیٰ کی اور ان رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کرو 'جس کا حکم دیں کرو 'جس سے منع کریں اس سے بچو تاکہ تم پر تمہاری حیثیت کے لائق رحم کیا جائے 'جنات پر اور رحم ہے انسانوں پر کچھ اور 'پھر انسانوں میں صدیق و شہداء پر رحم کی نوعیت اور ہے اور ہم جیسے گنہگاروں پر رحم کی نوعیت کچھ اور 'اور ان اسباب کے حاصل کرنے میں جلدی کرو 'ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو 'جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنت کا ذریعہ ہیں یعنی اسلام 'ادائے فرائض 'اخلاص 'ہجرت 'جہاد 'باجماعت نمازوں کی تکبیر اولیٰ 'گناہ سے توبہ 'اپنی مرضی کو مرضی محبوب میں فنا کر دینا وغیرہ 'جنت کی کیفیت یہ ہے کہ سارے آسمان و زمین کی وسعتیں اگر ملا لی جائیں 'تو یہ سب مجموعہ اس کی چوڑائی ہیں 'پھر لمبائی تو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتی یا جنت ایسی قیمتی چیز ہے کہ تمام آسمان و زمین اس کی قیمت ہیں مگر خیال رکھنا کہ جنت بنی پرہیزگاروں کے لئے ہے۔

لطیفہ: ابن جریر نے تنوخی سے روایت کی 'کہ میں شاہ روم ہرقل کی طرف سے قاصد بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا 'ہرقل نے میرے ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک عریضہ بھی بھیجا تھا 'جس میں دیگر معروضات کے سوا یہ بھی لکھا تھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں کہ آسمان و زمین کی وسعتیں اس کی چوڑائیں کے برابر ہیں 'جب جنت اتنی وسیع ہے تو دوزخ کہاں ہے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال ملاحظہ فرما کر تبسم فرمایا 'اور فرمایا سبحان اللہ جب دن آتا ہے 'تو رات کہاں ہوتی ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) کتنا حکیمانہ فیصلہ کن جواب ہے 'کہ جیسے آفتاب کے نور کا پھیلاؤ 'باوجود اس قدر وسیع ہونے کے رات کی ہستی کو فنا نہیں کر دیتا 'بلکہ زمین کے ایک جانب دن ہوتا ہے تو اس کے مقابل نچلی طرف رات 'اسی طرح جنت کی یہ وسعت دوزخ کی ہستی کے منافی نہیں 'جنت کے نچلے حصہ میں دوزخ ہے 'بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ وسعت ساری جنت کی نہیں بلکہ جو جنت متقیوں کو ملے

www.alahazratnetwork.org

گی' اس کی وسعت یہ ہے اور جو ہم گنہگار طفیلیوں کو ملے گی وہ اس کے علاوہ ہے وہ فرماتے ہیں کہ **اعدت للمتقین** اس جنت کی صفت ہے، جس کی وسعت پہلے مذکور ہوئی' بعض کا خیال ہے کہ ہر متقی کو اتنی بڑی جنت ملے گی جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہیں' بعض کا خیال ہے کہ یہ وسعت جنت الفردوس کی ہے جس کے اوپر عرش رحمان ہے' رہے جنت کے اور طبقے' وہ اس کے علاوہ ہیں' جیسے جنت عدن' جنت نعیم' جنت الماویٰ وغیرہ' بہر حال جنت کی وسعت رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ساری مخلوق پر لازم ہے' جیسا کہ **اطیعوا** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس کا فاعل ساری خلق ہے' جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے' اس کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں' خود فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا**" اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین**' اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا کافۃ" للناس بشیرا" و نذیرا**" **-دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا حکم یکساں ہے کہ دونوں تقویٰ و ایمان کے لئے ضروری ہیں' دیکھو یہاں صیغہ **اطیعوا** ایک ہے مگر مطاع دو' اللہ تعالیٰ بھی اور اس کے رسول بھی' دوسروں کی اطاعتیں اگرچہ کبھی ضروری ہوں مگر داخل فی الدین نہیں' بادشاہ کا سرکش باغی ہے کافر نہیں' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سرکش کافر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جس قسم کی اطاعت رب کی واجب ہے' اسی قسم کی اطاعت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی واجب ہے' یعنی محبت کے ساتھ ایمانی و ایقانی اطاعت' اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا نتیجہ ہے' وہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا بھی انجام ہے یعنی رحمت و مغفرت اور جنت۔ **چوتھا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کرنا شرک نہیں بلکہ سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ **والرسول** کی واؤ سے معلوم ہوا' حق تو یہ ہے کہ اللہ رسول کو ملانے کا نام ایمان ہے اور انہیں الگ کرنے کا نام کفر ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ** کفار چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کردیں' ان پر خود فتویٰ دیتا ہے **اولئک ھم الکفرون حقا** یہ پکے کافر ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** ایمان لانا سارے رسولوں پر ضروری ہے' مگر اطاعت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لازم' اسی لئے ایمان کے موقعہ پر فرمایا جاتا ہے **و رسلہ**' مگر اطاعت کے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے **والرسول**۔ **چھٹا فائدہ:** ہر قسم کی رحمتیں خواہ دنیا میں ہوں یا مرتے وقت یا قبر میں یا حشر میں یا پل صراط پر یا جنت میں ابدالآباد تک' سب اللہ رسول کی اطاعت سے ملتی ہیں' جیسا کہ **ترحمون** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دینی کاموں میں جلدی کرنا اور ایک دوسرے پر سبقت کی کوشش کرنا رب تعالیٰ کو پسند ہے جیسا کہ **سارعوا** کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاستبقوا الخیرت** انسان ہر سانس کو آخری جانے۔ **آٹھواں فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں' جیسا کہ **اعدت** ماضی فرمانے سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** جنتیں اور وہاں کی نعمتیں مستحقین کے نامزد ہو چکی ہیں' اور یہ مستحقین ان کے مالک بن چکے ہیں' قیامت کے بعد قبضہ دیا جائے گا' جیسا کہ **للمتقین** کے لام سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و زوجنھم بحور عین** ہم نے آنکھ والی حوروں سے ان کا نکاح کردیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جنتیوں کے مکانات اور ان کی منکوحہ حوروں کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمایا۔ **دسواں فائدہ:** دنیا کے میدان میں دوڑ لگانا اور ایک دوسرے پر آگے بڑھنے کی کوشش کرنا عبث ہے' مگر آخرت کے معاملہ میں دوڑ اور سب

www.alahazratnetwork.org

سے آگے بڑھنے کی کوشش عین عبادت ہے' مال کی حرص بری' اعمال و کمال کی حرص اچھی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ایک صیغہ اطیعوا کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے اور اس کے رسول کا بھی' مگر دوسری جگہ ارشاد ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے الگ اطاعت کا صیغہ استعمال ہوا' اور رسول کے لئے الگ' اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** یہاں دونوں اطاعتوں کا متحد النوع ہونا بتایا گیا یعنی اللہ اور رسول کی اطاعت ایک ہی قسم کی ہے' کہ جس کا بھی انسان انکار کرے کافر ہو جائے' قرآن و حدیث دونوں کی اطاعت یکساں فرض ہے' دیکھو حضرت ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر حدیث سے ہوئی' جسے تمام صحابہ نے بلا تامل قبول کر لیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ ہونا حدیث سے ثابت تھا' صدیق اکبر و تمام صحابہ نے بلا تامل مان لیا مگر ان آیات میں دونوں اطاعتوں کی کیفیتوں کا فرق بتانا مقصود ہے' اطاعت خدا کی اور کیفیت ہے' اطاعت رسول کی دوسری' رب تعالیٰ کی اطاعت صرف اس کے فرمان و احکام میں ہے' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرمان' اعمال' سکوت سب میں ہے' جو حکم دیں وہ مانو' جو کر کے دکھائیں وہ مانو' اور جو صحابہ کرام کو کرتے دیکھیں' مگر منع نہ فرمائیں وہ مانو۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ اطاعت میں تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ہے' رسول کا بھی اور امر والوں کا بھی' مگر اتباع میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر ہے فاتبعونی۔ **جواب:** جیسے عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے' دوسرے کی نہیں' نہ رسول کی' نہ ولی کی' نہ کسی اور کی' ایسے ہی اتباع صرف رسول کی ہو سکتی ہے' نہ خدا تعالیٰ کی ہو سکتی ہے نہ کسی اور بندے کی' اتباع کے معنی ہیں کسی کے سے اعمال کرنا' ہم خدا کے سے کام نہیں کر سکتے' موت' زندگی' روزی کسی کو نہیں دے سکتے' رہے دوسرے بندے' ان کے کام اچھے بھی ہو سکتے ہیں برے بھی' برے کام میں اتباع نہیں ہو سکتی' بلکہ اس کی اصلاح کی جائے گی' اگر بادشاہ نماز نہ پڑھے تو تم نماز نہ چھوڑو بلکہ اسے سمجھاؤ اور نماز پڑھاؤ' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عمل برا ہو سکتا ہی نہیں' کیونکہ ان کا ہر قول و فعل رب تعالیٰ کی طرف سے ہے' ان کے اعمال کی بے دھڑک نقل کرو' جب تک کہ وہ خود منع نہ فرماویں اور یہ نہ فرماویں کہ یہ میرے لئے خاص ہے' تم نہ کرنا' جیسے خالصۃ" لک من دون المومنین اگر وہ کوئی نماز قضا کریں تو تم رب کی اس نماز کا قضا کرنا فرض ہے' کیا تمہیں نہیں خبر کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج میں عرفہ کے دن نماز مغرب قضا کر کے مزدلفہ میں عشاء کے وقت میں پڑھی' تو حجاج پر یہ نماز قضا کرنا قیامت تک فرض ہے' مگر خیال رہے کہ قضاء کرنا اور ہے' قضا ہو جانا کچھ اور' اگر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم طواف میں رمل کریں (اکڑ کر چلنا) تو قیامت تک اس طواف میں مسلمانوں پر رمل ہی لازم ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

گر طمع خواہد زمن سلطان دیں — خاک بر فرق قناعت بعد ازیں

یعنی اگرچہ قناعت اچھی چیز ہے لیکن اگر کبھی کسی چیز کی طمع کا سرکار ہی حکم فرماویں تو قناعت کے سر پر خاک' یہ ہے فاتبعونی کی جلوہ گری' خیال رکھئے کہ جیسے ریل کا ڈبہ لائین کلئیر انجن سے آگے نہیں نکل سکتا' کہ اس کا راستہ لائن کے سوا کچھ ہے ہی نہیں' ذرا ہٹا اور گرا' وہ تو انجن کی اتباع ہی کرے گا' ایسے ہی کوئی شخص راہ ہدایت طے کرتے ہوئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر' یا آگے آ سکتا ہی نہیں' پیچھے ہی رہے گا' کیونکہ اگر برابر آئے یا آگے بڑھنے کی کوشش میں ذرا کترائے گا جہنم میں گرے گا' اس لئے فرمایا گیا فاتبعونی۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے و اتبعوا النور الذی انزل معہ اس

www.alahazratnetwork.org

آیت میں ہمیں اس نور کی اتباع کا حکم دیا گیا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کی بھی اتباع جائز ہے۔ جواب: پہلے تو اس نور میں ہی گفتگو ہے کہ وہ کیا چیز ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال کریمہ ہیں یا اقوال طیبہ یا اعمال یا احوال یا قرآن شریف اگر مان لو کہ قرآن شریف ہی مراد ہے تو قرآن شریف ہے کیا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور العمل، پھر بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اتباع ہوئی ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں **و کان خلقه القران**۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت کی چوڑائی و فراخی آسمانوں و زمین کے برابر ہے مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ جنت آسمان میں ہے یعنی آسمان اس کا ظرف ہے اور جنت اس کا مظروف، چنانچہ حضرت انس فرماتے ہیں کہ جنت چوتھے آسمان میں ہے تو بڑی چیز چھوٹی میں کیسے سمائی؟ **جواب:** جنت کے آسمان میں ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آسمان کی جانب میں ہے یعنی اوپر ہے، جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آسمان سے بارش اتاری یعنی آسمان کی طرف سے، چنانچہ انہی حضرت انس سے سوال کیا گیا کہ کیا جنت آسمان میں ہے تو آپ نے فرمایا کہ جنت کو کون سا آسمان گھیر سکتا ہے، پوچھا گیا پھر کہاں ہے؟ فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش اعظم کے نیچے (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) یا مطلب یہ ہے کہ آسمان میں جنت کا دروازہ (راستہ) ہے، جیسے کہا جاتا ہے ہمارا گھر باغ میں ہے یعنی گھر کا دروازہ باغ کی طرف ہے (معانی) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت متقیوں کی ملک ہے، جیسا کہ **للمتقین** کلام بتا رہا ہے، مگر دوسرے مقام پر قرآن فرماتا ہے **نزلا " من غفور رحیم** جنت میں رب تعالیٰ کی طرف سے تمہاری مہمانی ہوگی، مہمان مالک نہیں ہوا کرتا۔ **جواب:** اس آیت میں خاطر مدارات کے لحاظ سے مہمانی فرمایا گیا، مالک مکان کی روزانہ خاطر نہیں ہوتی مہمان کی خاطر خوب ہوتی ہے، مقصد یہ ہے کہ تم ہوگے تو وہاں کے مالک مگر تمہاری خاطر ہمیشہ مہمانوں کی طرح ہوگی، دنیا کی طرح نہیں کہ دو دن بعد خاطر میں کمی ہو جائے۔ **چھٹا اعتراض:** ان دو آیتوں سے معلوم ہوا کہ دوزخ کافروں کے لئے بنی ہے اور جنت پرہیزگاروں کے لئے تو وہ لوگ کہاں جائیں گے، جو نہ کافر ہیں نہ پرہیزگار بلکہ مومن ہیں اور گنہگار۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ذکر جانے کا نہیں بلکہ بنائے جانے کا ہے یعنی دوزخ کافروں کے لئے بنی ہے، اور جنت متقیوں کے لئے، اب دوسرا کوئی جائے تو ان کی وجہ سے جائے، برات کی دھوم دھام دولہا کے لئے ہے، کوئی اور بھی اس سے فائدہ اٹھائے تو دولہا کی طفیل اٹھائے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیاوی راستے مختلف طریقوں سے طے کئے جاتے ہیں، کوئی پیدل طے کرتا ہے، کوئی گھوڑے پر، کوئی موٹر میں، کوئی ریل میں، پھر سمندری راستے کوئی کچھ دور تیر کر طے کرتا ہے، کوئی لانچ یا کشتی میں، کوئی بڑے جہاز میں، یہ اختلاف کار ان لوگوں کے لئے ہیں، جو زمین یا پانی میں رہ کر انہیں طے کریں، مگر پر والے شاہباز ان تمام خشکی و تری کے راستوں کو اڑ کر نرالے انداز سے طے کرتے ہیں، کیونکہ ان کا مقام دوسرا ہوتا ہے، اسی طرح راہ جنت طے کرنے والے مختلف الحال ہیں بعض لوگ عبادت کے قدموں سے اطاعت کی سواریوں میں فرمانبرداری کے جہازوں میں یہ راہ طے کرتے ہیں، پھر جیسی ان کی اطاعت و عبادت، ویسی ان کی رفتار، بعض خوش نصیب بندے وہ بھی ہیں، جو فنا کے پروں سے عشق کی فضاء میں شاہباز لامکانی ہو کر اڑتے ہوئے یہ راستہ طے کر کے جنت کی منزل سے گزرتے ہوئے قرب یار تک پہنچتے ہیں، **اطیعوا اللہ** الخ میں ان پہلے مسافروں کا ذکر ہے، جو سواریوں سے یہ راہ طے کر رہے ہیں اور **سارعوا** الخ میں ان لامکانی شاہبازوں کا ذکر ہے، جو اڑ کر یہ راہ

طے کر رہے ہیں' چونکہ ان کی رفتار پہلوں سے زیادہ اور تیز ہے' اس لئے ان کے متعلق سارعوا فرمایا گیا' قرآن کریم گواہ ہے' کہ فرعونی جادوگر نگاہ موسوی کی برکت سے چند گھنٹوں میں جست لگا کر وہاں پہنچے' جہاں خشک زاہد عمر گزار کر نہیں پہنچ سکتے' حدیث گواہ ہے کہ میدان جنگ میں ایک کافر سپاہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہو گیا' مسلمان ہوا' فوراً شہید ہوا' یعنی دل نگاہ یار سے گھائل ہوا' اور جسم تلوار کفار سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا سر اپنے زانو مبارک پر رکھ کر فرمایا کہ مبارک ہو' تیرے اعمال تھوڑے تیری جزاء زیادہ' یہاں فرمایا گیا کہ اے عقل والو! عبادت و اطاعت کی سواریوں میں مجھ تک پہنچو' اور اے عشق والو! جنہیں اپنے تن بدن کی ہوش نہیں' فناء کے بازوں سے بقاء کے میدان میں داخل ہو کر لقاء سے کامیاب ہو۔

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی اور غم میں اور ضبط کرنے والے غصہ کے اور معاف کرنے

وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور رنج میں اور غصہ پینے والے اور لوگوں سے

عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾

والے لوگوں سے اور اللہ محبت کرتا ہے نیک کاروں سے

درگزر کرنے والے اور نیک لوگ اللہ کے محبوب ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا تھا' اب اس اطاعت کی کچھ تفصیل بیان کی جا رہی ہے' گویا یہ آیت کریمہ پچھلے اجمال کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ کے رحم و کرم کا امیدوار بنایا گیا' اب اس آیت میں انہیں لوگوں پر رحم کرنے کا حکم دیا گیا' جو رب تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے' یعنی مخلوق پر تم رحم کرو' خالق تم پر رحم فرمائے گا' رحم چاہتے ہو تو رحم کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مغفرت اور جنت کی طرف دوڑو' اس آیت میں اس دوڑ کا طریقہ بتایا جا رہا ہے' یعنی اس دوڑ کے لئے بدن کے یہ پیر کافی نہیں' بلکہ اس کے لئے اعمال کے قدم چاہئیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جنت پرہیزگاروں کے لئے بنی' اب پرہیزگاروں کے اوصاف کا ذکر ہے' تاکہ معلوم ہو کہ جنت پرہیزگاری سے کمائی جاتی ہے' اور پرہیزگاری ان اعمال سے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں جنت کی وسعت کا ذکر تھا' اس آیت کریمہ میں متقی مومن کے قلب کی وسعت کا ذکر ہے' یعنی اگر ایسی وسیع جنت چاہتے ہو تو ایسے وسیع اخلاق اختیار کرو۔

تفسیر: **الذین ینفقون** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** مجرور ہے **المتقین** کی صفت یا بدل یا بیان ہے' اور ہو سکتا ہے کہ منصوب ہو اعنی پوشیدہ کا مفعول' یا مرفوع **ھم** کی خبر' **ینفقون** مضارع استمراری ہے' کیونکہ ایک بار خیرات کر دینا کمال نہیں' بلکہ خرچ کرتے رہنا کمال ہے' اس کا مفعول پوشیدہ ہے' جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوا' اور یہ مال' اعمال' علم' عزت' سب کے خرچوں

www.alahazratnetwork.org

کو شامل ہے' یعنی متقی وہ لوگ ہیں' یا جنت ان متقیوں کے لئے ہے' یا ہم متقی انہیں کہتے ہیں' جو اپنی ہر چیز مال' علم وغیرہ خرچ کرتے رہتے ہیں' **فی السراء والضراء** **و سراء** سرور سے ہے۔ جس کا مادہ سر ہے' بمعنی چھپانا' چھپے بھید کو سر کہتے ہیں اور دل کی چھپی خوشی کو سرور' **ضراء** ضر سے بنا' **ضراء** کا مقابل سراء بھی آتا ہے اور نعماء بھی' یہاں تو مقابلہ میں سراء آیا ہے' دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولئن اذقنہ نعماء بعد ضراء** وہاں **ضراء** کا مقابل **نعماء** آیا' ان دو لفظوں کی بہت سی تفسیریں ہیں' عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ امیری میں اور فقیری میں' بعض نے فرمایا خوشی میں اور غم میں' بعض کے ہاں زندگی میں اور بعد وفات' بعض نے فرمایا کہ جہاں دل چاہے وہاں' اور جہاں دل نہ چاہے وہاں' جیسے اپنے دوستوں پر خرچ کرنا اور دشمنوں کو دینا' بعض کہتے ہیں کہ مالداروں' تندرستوں پر خرچ کرنا اور غریبوں و بے چاروں پر صرف کرنا' مگر ان سب میں حضرت ابن عباس کی تفسیر زیادہ ظاہر ہے (روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ) چونکہ ہر حال میں خرچ کرنا نفس پر گراں تھا' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے اسی کا ذکر فرمایا **والکاظمین الغیظ** **کاظمین** **کظم** سے بنا' کظم لغت میں سانس کی نلی کو کہتے ہیں' کظوم سانس روکنا یا خاموش ہو جانا' اصطلاح میں اس کے معنی ہیں بھرنا' روکنا' بھرے ہوئے مشکیزے کا منہ باندھ دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وابیضت عینٰہ من الحزن فھو کظیم** یعنی یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں غم سے سفید پڑ گئیں' اور وہ غم کھاتے رہے' یا ان کا دل صدموں سے بھرا رہا' اہل عرب کہتے ہیں **کظم فلانا**" اس کا گلا گھونٹ دیا (معانی و کبیر)۔ غیظ کے لغوی معنی ہیں دل کا جوش و نفس کی بھڑک عرف میں تیز غصہ کو غیظ کہتے ہیں' جو ناپسندیدہ چیز دیکھ کر دل میں جوش پیدا کر دے غیظ و غضب قریب المعنی ہیں یعنی سخت غصہ' مگر غیظ عام ہے' اور غضب وہ غصہ وہ جس کے ساتھ بدلہ لینے کا ارادہ پیدا ہو جائے' بعض نے فرمایا' غضب وہ غصہ ہے جس کی علامات ظاہر ہو جائیں' غیظ میں یہ قید نہیں' خیال رہے کہ غضب خدا کی صفت بھی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **غضب اللہ** مگر غیظ رب کی صفت نہیں' یعنی متقیوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ غصہ پی جاتے ہیں' سامنے والے سے بدلہ نہیں لیتے **والعافین عن الناس'** **عافین** **عفو'** سے بنا' مٹانا اور چھوڑنا' کہا جاتا ہے **عفت اثارھا** اس کی نشانیاں مٹ گئیں' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **قصوا الشوارب واعفوا اللحی** مونچھیں کٹواؤ' داڑھیاں چھوڑ دو یعنی بڑھنے دو' خطاء بخش دینے کو بھی عفو یا معافی کہتے ہیں کہ اس میں مجرم کو سزا سے چھوڑ دیا جاتا ہے اور غصہ کو مٹا دیا جاتا ہے' **ناس** سے مراد یا تو اپنے غلام اور ماتحت ہیں' جو ہمارا اپنا قصور کریں' یا مطلقاً" زیادتی کرنے والے لوگ یعنی متقیوں کی تیسری صفت یہ ہے کہ قصورواروں سے درگزر کرتے ہیں اور انہیں معافی دے دیتے ہیں' **واللہ یحب المحسنین** المحسنین میں الف لام یا جنسی ہے یا استغراقی ہے یا عہدی یعنی رب تعالیٰ تمام نیک کاروں سے محبت کرتا ہے یا ان نیک کاروں سے جن میں یہ گذشتہ صفات ہوں' **احسان** حسن سے بنا بمعنی اچھا ہونا' یا اچھائی کرنا اسی لئے حدیث شریف میں احسان کی تفسیر اخلاص فی العمل سے کی گئی ہے کہ ارشاد ہوا یہ سمجھ کر عبادت کرو کہ تم خدا کو دیکھ رہے ہو' اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہی خیال کر لو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ دوسروں سے بھلائی کرنے کی دو صورتیں ہیں انہیں نفع پہنچانا' اور ان سے نقصان و تکلیف دور کرنا' رب تعالیٰ نے یہاں ان دونوں کا ذکر فرمایا' چنانچہ بہرحال خرچ کرنے میں نفع رسانی کا ذکر ہے' اور غصہ پی جانے و معافی دینے میں دفع ضرر کا تذکرہ لہذا محسن کامل وہ ہے' جس میں دونوں صفتیں جمع ہوں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہء تفسیر: رب تعالیٰ نے اس آیت میں متقیوں کی چار صفتیں بیان فرمائیں' چنانچہ فرمایا کہ متقی وہ لوگ ہیں جو امیری غریبی' یا خوشی و غم' یا شادی و موت' یا راحت و مصیبت' یا زندگی و موت و بعد موت ہر حال میں بطور خلافت اپنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں اور سخت غصہ کی حالت میں آپے سے باہر نہیں ہو جاتے' بلکہ نفسانی غصہ پی جاتے ہیں کہ باوجود قدرت کے غصہ جاری نہیں کرتے اور اپنے ماتحتوں کی خطاؤں یا دوسروں کی ایذاؤں یا مجرموں کے جرموں کو بخش دیتے ہیں کہ باوجود قادر ہونے کے اپنے نفس کا بدلہ نہیں لیتے' اللہ تعالیٰ ایسے نیک کاروں کو جو مخلوق کے لئے مضر نہ ہوں بلکہ مفید ہوں بہت ہی پسند فرماتا ہے کہ ان پر اس احسان کے بدلے احسان فرمائے گا اور انہیں انعام دے گا' یہ لوگ اپنی حیثیت کے لائق نیکیاں کر لیں' رب تعالیٰ اپنی شان کے لائق انہیں انعام دے گا۔

حکایت: بیہقی میں ہے کہ امام زین العابدین کی لونڈی آپ کو وضو کرانے کے لئے بھر الوٹا لائی اس کے ہاتھ سے وہ لوٹا آپ پر گر گیا' اور آپ زخمی ہو گئے' آپ نے نگاہ اٹھا کر اسے دیکھا' وہ بولی **والکاظمین الغیظ** آپ نے فرمایا' میں نے غصہ پی لیا' وہ بولی **والعافین عن الناس** ' آپ نے فرمایا میں نے معاف کیا' رب تجھے معاف دے' وہ بولی **واللہ یحب المحسنین** آپ نے فرمایا جا تو فی سبیل اللہ آزاد ہے (روح المعانی) اسی کے قریب امام حسن رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے کہ آپ کے خادم کے ہاتھ سے آپ کے سر پر شوربہ گر گیا۔ آپ کو ناگوار گزرا تو خادم نے یہی آیت پڑھی' آپ نے فرمایا' تجھے معاف کرتا ہوں' آزاد کرتا ہوں' اور تیرا نکاح اپنی فلاں لونڈی سے کرتا ہوں' اور تم دونوں کا خرچ تا زندگی میرے ذمہ۔ **حکایت:** حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہ کے ایک مرید خاص نے کوئی بڑا ہی سخت قصور کیا' آپ نے ناراض ہو کر اسے لنگر سے نکال دیا' اس نے بہت تدبیریں کیں' آپ راضی نہ ہوئے' آپ کے محبوب خلیفہ حضرت محمد عالم صاحب قدس سرہ نے آپ کی خدمت میں یہی آیت تلاوت کی' اور حضرت امام حسن و امام زین العابدین رضی اللہ عنہما کے یہ واقعات سنائے' سائیں صاحب رو پڑے' نکالے ہوئے خادم کو بلایا' اسے کھانا کھلایا اور کچھ نقدی و کپڑے دیئے اور معافی بخشی' کچھ دیر کے بعد بہت روپے اس شکریہ میں خیرات کئے کہ مجھے رب تعالیٰ نے اہل بیت اطہار رضی اللہ عنہم کی اتباع کی توفیق بخشی اور مجھ سے ان کی طرح عمل کرا لیا (ذکر خیر)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے بندوں پر مہربانی کرنا بہترین عبادت ہے کہ رب تعالیٰ نے متقین کی صفت میں پہلے اس کو ذکر کیا' شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

خواہی کہ خدائے بر تو بخشد   با خلق خدائے کن نکوئی

اگر خالق کی بخشش چاہتے ہو' تو مخلوق سے بھلائی کرو۔ **دوسرا فائدہ:** خوشحالی و تنگی' امیری و غریبی' ہر حال میں جو بن پڑے خیرات کرنا چاہئے' جیسا کہ سراء و ضراء کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' انسان دو ہی وقت میں خدا کو بھولتا ہے' حد درجہ کے آرام و راحت میں' اور حد درجہ کی تنگی و تکلیف میں' جو ان دو وقتوں میں رب تعالیٰ کو یاد رکھے' وہ مرد کامل ہے' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک دفعہ پیاز کی گانٹھ خیرات فرمائی' سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک بار انگور کا ایک دانہ خیرات کیا (از کبیر) رب تعالیٰ کے ہاں مقدار خیرات نہیں دیکھی جاتی' دل کا ولولہ دیکھا جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** شادی بیاہ کے

www.alahazratnetwork.org

موقعہ پر ولیمہ کرنا، نعمتیں ملنے پر اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنا، یونہی مصیبتوں میں ختم پڑھوانا، طلباء کو کچھ دینا، میت کو ایصال ثواب کرنا رب تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں کہ پہلے دو خرچ انفاق فی السراء میں داخل ہیں، یعنی خوشی کے خرچ اور آخری خرچ انفاق فی الضراء میں شامل، جو لوگ بہانے بنا بنا کر مسلمانوں کو ان چیزوں سے روکتے ہیں وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں، ان عقلمندوں کو یہ توفیق تو نہیں ہوتی کہ بے نمازیوں کو نمازی بنائیں، یا بخیلوں کو سخی کریں، بلکہ لوگوں کو سخاوت سے روکتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: جن لوگوں کے ساتھ سلوک کرنے سے نفس روکے ان سے سلوک کرنا بڑی بہادری ہے جیسا کہ **والضراء** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ کیا تمہیں نہیں خبر کہ حضرت مسطح، جناب صدیق اکبر کے عزیز قریب تھے اور فقیر تھے، ان کا سارا خرچ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اٹھاتے تھے، یہی مسطح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت میں شریک ہو گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ان سے سلوک کروں اور یہ میری بیٹی کو عیب لگائیں، آپ نے ان کا وظیفہ بند کر دیا، تب یہ آیت کریمہ اتری **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ** الآیۃ یعنی جنہیں اللہ پاک نے تمام جہان پر بزرگی دی ہے وہ ان غریبوں کی خدمت میں کوتاہی نہ کریں۔ پھر غصہ پی جائے، تو رب تعالیٰ اس کا دل امن و امان سے بھر دے گا، (عبد الرزاق و ابن جریر عن ابی ہریرۃ) نیز احمد نے حضرت انس سے مرفوعاً" روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو قادر ہو کر غصہ پیئے، تو رب تعالیٰ قیامت میں تمام مخلوقات کے سامنے اس سے فرمائے گا تو جنت کی جو حور و نعمت چاہے لے لے (روح المعانی)۔ چھٹا فائدہ: اپنے ذاتی معاملات میں لوگوں کو معافی دینا بہت محبوب ہے، جیسا کہ **والعافین** سے معلوم ہوا، طبرانی نے حضرت ابی ابن کعب سے مرفوعاً" روایت کی کہ جو اپنے مرتبوں کی بلندی اور دین و دنیا میں عزت چاہتا ہو وہ اپنے ظالم کو معافی دے۔ ساتواں فائدہ: اللہ کی راہ میں ہر حال میں خرچ کرنا تمام خوبیوں سے بہترین خوبی ہے، دیکھو رب تعالیٰ نے خرچ ہی کا ذکر پہلے فرمایا، باقی غصہ پینے، معافی دینے کا ذکر بعد میں فرمایا اور خرچ کا ذکر **ینفقون** مضارع استمراری سے فرمایا، اور ان صفات کا ذکر **کاظمین**، **عافین** اسم فاعل سے فرمایا یعنی خرچ ہمیشہ کریں، خیرات و صدقات میں بہت کوشش کرنی چاہئے (روح المعانی)۔ آٹھواں فائدہ: جو کوئی خدا تعالیٰ کا محبوب بندہ بننا چاہے، وہ نیک اعمال کر کے محسن بنے، اگر کوئی بدعمل ہو کر اپنے کو رب تعالیٰ کا پیارا جانے وہ بہت ہی بے وقوف ہے، اس سے وہ بدعمل علماء یا بدکار بھنگی چرسی عبرت پکڑیں، جو ان بدکاریوں پر بھی اپنے آپ کو ولی اللہ سمجھتے ہیں، نیز وہ بھی عبرت پکڑیں جو اپنے نسب پر نازاں ہو کر اپنے کو اعمال سے بے نیاز جانتے ہیں، رب تعالیٰ نے قانون فرما دیا کہ اللہ تعالیٰ نیک کاروں کو پسند فرماتا ہے، بدعمل، بے دین عالم فاضل، فقیر سے باعمل جاہل دنیادار بہتر ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خوشی غمی میں خوب خرچ کرنا چاہئے لہذا بیاہ شادی، ختنہ، عقیقہ میں باجے بجانا، آتشبازی، کنجر نچانا چاہئے کہ یہاں مطلق خرچ کی تعریف کی گئی ہے، خوشی غمی میں ہر طرح کا خرچ چاہئے۔ (بعض بے دین)۔ جواب: یہ فضول خرچیاں انفاق نہیں بلکہ اسراف یا تبذیر ہے، انفاق اچھی راہ میں خرچ کرنے کو کہتے ہیں، ان فضول خرچیوں کو قرآن شریف نے اسراف یا تبذیر فرمایا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **کلوا واشربوا ولا تسرفوا** اور فرماتا ہے **ولا تبذر تبذیرا**" اور فرماتا ہے **ان المبذرین کانوا اخوان الشیطین**، خدا تعالیٰ توفیق دے تو شادی میں

www.alahazratnetwork.org

خیرات اور تمی میں صدقات دو' اپنی قوم پر' دین پر خرچ کرو' ان فساق پر خرچ کرنا گناہ ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غصہ پینا اچھی صفت ہے' تو کیا ہم کافروں اور فاسقوں پر بھی غصہ نہ کیا کریں' جو اپنی بیوی کے پاس غیر مرد کو دیکھ کر غصہ نہ کرے اسے دیوث کہا جاتا ہے۔ جواب: کفار' فساق پر غصہ کرنا عبادت ہے' یہاں وہ غصہ مراد ہے جو اپنے ذاتی مجرم پر آئے' شریعت' دین' قوم' ملک کے مجرموں پر غصہ نہ کرنا گناہ ہے۔ الغیظ میں الف لام عہدی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے اشداء علی الکفار رحماء بینھم مومن کفار پر سخت' آپس میں ایک دوسرے پر رحیم ہوتے ہیں' وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجرموں کو معافی دینا اچھی صفت ہے۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کو معافی نہ دی' اس کے ہاتھ کٹوا دیئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ عمل اس آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ جواب: مجرم تین قسم کے ہیں' ذاتی مجرم' دینی مجرم قومی و ملکی مجرم' پہلے مجرم کو معافی دے دینا کمال ہے' وہی یہاں مراد ہے' باقی دو قسم کے مجرموں کو معافی دینا بے امنی اور فساد کا باعث ہے' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کو معاف نہ کیا کہ وہ قانون کا مجرم تھا' مگر فتح مکہ فرما کر تمام ان خون کے پیاسوں کو معافی دیدی' جنہوں نے عمر بھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا تھا' کہ وہ ذاتی دشمن تھے' دیکھو شریعت نے قاتل کی معافی کی سبیل رکھی ہے کہ مقتول کے وارث معاف کر سکتے ہیں' مگر زانی و چور کی معافی کا کوئی ذریعہ نہیں رکھا' اسے سزا ہی ہوگی کہ قاتل مجرم ذات ہے' مگر یہ دونوں مجرم ملک و قوم۔ چوتھا اعتراض: یہاں معافی کے ساتھ ناس یعنی انسانوں کی قید کیوں لگائی' کیا غیر انسان کو معافی نہ دینا چاہئے۔ جواب: انسان کو معافی دینا خوبی ہے' سانپ' شیر' خونخوار جانوروں کو معافی دینا انسانوں پر ظلم ہے' حلال جانوروں کا ذبح' موذی جانوروں کا قتل تو ثواب ہے' کیا تمہیں خبر نہیں کہ ایک عراقی حاجی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ بحالت احرام مچھر یا مکھی مارنا کیسا ہے' آپ نے فرمایا کہ تعجب ہے کہ تم لوگوں نے حضرت حسین علیہ السلام کو قتل کر دیا' اور آج مجھ سے مکھی مارنے کا مسئلہ پوچھ رہے ہو' واقعہ کربلا کے وقت یہ مسئلہ کیوں نہ پوچھا؟ تم لوگ پرہیزگار کب کے ہوئے؟ بہرحال انسانوں پر ظلم کر کے جانوروں پر رحم کرنا ہنود کا طریقہ ہے' ان کے ہاں چیونٹی کو مارنا بتیا ہے' بے گناہ مسلمانوں کا قتل ثواب۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس شخص میں یہ تین مذکورہ صفات ہوں وہ محسن ہے' امیری غریبی میں خیرات' غصہ پینا' لوگوں کو معافی دینا اور اللہ تعالیٰ ہر محسن کو پسند فرماتا ہے' جیسا کہ المحسنین کے الف لام سے معلوم ہوا تو جس کافر میں یہ تین صفات ہوں کیا وہ بھی خدا تعالیٰ کو پیارا ہے' یہ خوبیاں بہت سے کفار میں بھی ہیں' اگر ایسے کفار بھی رب تعالیٰ کو پیارے ہیں تو اسلام لانے کی ضرورت ہی کیا؟ جس مذہب میں رہ کر نیکیاں کر لو' خدا کے پیارے بن جاؤ گے۔ نوٹ: یہ اعتراض ان لوگوں کی اختراع ہے جو کہتے ہیں کہ ہر مذہب کا نیک کار بخشا جائے گا ان کے خیال میں ہر مطیع مسلم ہے اور ہر اطاعت اسلام' جیسے ہمارے مولوی ابوالکلام آزاد وغیرہ۔ جواب: استغفر اللہ! اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں دین اسلام پیش نہ فرماتے' بلکہ کفار کو ان کے دین میں رہتے ہوئے نیک اعمال کی ہدایت دیتے' جسے کفار بخوشی قبول کر لیتے' نہ جہادوں کی ضرورت پیش آتی نہ ہجرت کی' یہاں المحسنین میں مومنین مراد ہیں' کیونکہ یہ متقین کی تفسیر ہے' جو جنت کے مستحق ہیں' آیت کے معنی یہ ہوئے کہ جن مسلمانوں میں یہ تین صفتیں ہوں وہ محسن ہیں اور محسن خدا کو پیارے ہیں' گو روزہ نماز کے پابند جن میں یہ صفات نہ ہوں وہ محسن نہیں گنہگار ہیں' رب تعالیٰ ان سے ناراض ہے' وہ توبہ کریں توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: مومن کا دل یار کا کاشانہ ہے' جس میں یا یار رہتا ہے یا یار کے اسباب و سامان' یار کا سامان خوف' امید اور عشق و درد ہے۔

بے تحجابانہ درآ اندریں کاشانہ ما ۔۔۔ کہ بجز درد تو کس نیست دریں خانہ ما

یا رسول اللہ میرے دل میں بے پردہ تشریف لاؤ' کہ اس میں آپ کے درد کے سوا کوئی اور نہیں' امیری فقیری' خوشی و غم صحت و بیماری وغیرہ یار کے مہمان ہیں' جو کبھی نہ کبھی اس منزل میں کچھ دیر ٹھہر کر چلے جاتے ہیں' مومن کو یار پیار لیار کے مہمان بھی پیارے' وہ ان دونوں کی آمد پر خرچ ہی کرتا ہے' دل تنگ نہیں ہوتے' بلکہ ان سراء اور ضراء میں خرچ کرنا ان کی علامت ہے' معافی و در گزر ان کی غذائے روحانی ہے' اور غیظ و غضب ان کا پانی ہے جسے بے تکلف پیتے رہتے ہیں' بعض بزرگوں کی غذا اور پانی ایسی چیزیں ہیں جن کا انجام احسان جاودانی ہے' وہ ہر حال میں اور ہمیشہ محسن ہیں اللہ تعالیٰ کو محسن پیارے ہیں حضرت فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ احسان کے عوض احسان کرنا بدلہ ہے' اور برائی کے عوض برائی کرنا مجازات ہے یا سزا۔

بدی را بدی سہل باشد جزاء! ۔۔۔ اگر مردی احسن الی من اساء

رب تعالیٰ فرماتا ہے جزاء سیئة سیئة مثلها بھلائی کے عوض برائی کرنا خباثت ہے' مگر برائی کے عوض بھلائی کرنا کرم و جود کی بڑا کمال ہے' اس آیت میں کرم و جود ہی کا ذکر ہے' انہی کو محسن فرمایا گیا' آیت کا مطلب یہ ہے کہ غصہ پینے والے اور مجرموں کو معافی دینے والے تو متقی ہیں' مگر ان کے ساتھ سلوک کرنے والے محسن ہیں اور محسن خدا تعالیٰ کو بڑے پیارے' تفسیر کبیر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں احسان یہ نہیں کہ تو بھلائی کے عوض بھلائی کر دے' یہ تو بدلہ چکانا ہے' احسان یہ ہے کہ جو تیرے ساتھ برائی کریں تو ان سے بھلائی کر' اگر حضرت روح اللہ کے فرمان کی عملی تفسیر دیکھنا ہے تو حبیب اللہ صلوات اللہ علیہ و سلامہ کی زندگی پاک میں غور کرو' وہ اس آیت کی زندہ جاوید تفسیر ہے اور اس قول کی نہ مٹنے والی شرح' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا! ۔۔۔ دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ!
ترا کے میسر شود ایں مقام! ۔۔۔ کہ با دوستانت خلاف است جنگ

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ
اور وہ لوگ جو جب کبھی کریں فحش یا ظلم کریں اپنی جانوں پر تو اللہ کو یاد کریں پھر
اور وہ کہ جب کوئی بے حیائی یا اپنی جانوں پر ظلم کریں اللہ تعالیٰ کو یاد کرکے اپنے گناہوں کی
فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا
معافی مانگ لیں اپنے گناہوں کی اور کون بخشتا ہے گناہ سوائے اللہ کے اور نہ اڑیں اس پر جو
معافی چاہیں اور گناہ کون بخشے اللہ کے سوا اور اپنے کئے پر جان بوجھ کر نہ

www.alahazratnetwork.org

عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ

کریں حالانکہ وہ جانتے ہوں یہ وہ ہیں جن کا عوض بخشش ہے انکے رب کی طرف

اڑ جائیں ایسوں کو بدلہ ان کے رب کی بخشش اور

رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ

سے اور باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور اچھا ہے

جنتیں ہیں ان کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں اور کامیوں کا کیا

اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ۝

ثواب (بدلہ) کام کرنے والوں کا

اچھا نیگ ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جنت متقیوں کے لئے تیار کی گئی اور متقی دو قسم کے ہیں ' ایک نیکیاں کرنے والے ' گناہوں سے بچنے والے ' دوسرے گناہ کر کے توبہ کر لینے والے ' پہلی قسم کا ذکر پچھلی آیت میں تھا ' اور دوسری قسم کے متقیوں کا ذکر اس آیت میں ' چونکہ پہلی قسم کے متقی اعلیٰ درجہ کے ہیں ' اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا ' اور ان متقیوں کا درجہ ان کے بعد ' اس لئے ان کا ذکر بھی بعد میں ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں لوگوں پر احسان کرنے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی رغبت دی گئی تھی۔ اب اس آیت میں خود اپنے نفس پر احسان کرنے اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے کہ توبہ کرنے والا اپنے پر احسان کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں معافی اور غصہ پینے کا ذکر تھا جس سے لوگوں کے ٹوٹے دل جڑ جاتے ہیں اور بچھڑے مل جاتے ہیں ' اب توبہ و شرمندگی کا ذکر ہے ' جس سے گنہگار کا اپنے رب غفار کے ساتھ ٹوٹا ہوا رشتہ عبدیت پھر قائم ہو جاتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں خوشی و غم میں خرچ کرنے کی ترغیب تھی ' خرچ مال کا بھی ہوتا ہے ' اعمال کا بھی ' احوال کا بھی ' الفاظ کا بھی ' اب توبہ کا ذکر ہے ' جس میں الفاظ و احوال کا خرچ ہوتا ہے ' گویا عام خرچوں کے بعد خاص خرچ کا ذکر ہے ' **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ متقی وہ ہیں جو ایسے اعلیٰ کام کریں ' اب گنہگاروں کو خوشخبری دی جا رہی ہے کہ اگر تم وہاں تک نہ پہنچ سکو تو گناہوں سے توبہ کر لو ان کے ساتھ ملحق کر دیئے جاؤ گے۔

شان نزول: ان آیات کے شان نزول کے متعلق تین روایتیں ہیں۔ (۱) ایک تو وہی جس کا ذکر پہلی آیت کے شان نزول میں کیا جا چکا ہے کہ بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں عرض کیا گیا کہ بنی اسرائیل بہت خوش قسمت تھے جن کے گناہوں کی معافی یہاں کی بدنامی کے ذریعہ کر دی جاتی تھی ' ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری کہ نہیں بلکہ خوش نصیب تم ہو کہ تمہارے بڑے سے بڑے گناہ صرف سچی توبہ سے معاف کر دیئے جاتے ہیں ' تمہاری بدنامی بھی نہیں ہوتی ' اور معافی بھی ہو جاتی ہے ' حضرت

www.alahazratnetwork.org

ابن مسعود کا یہی قول ہے کہ اس سوال پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (2) دوسرے وہ جو کلبی نے روایت کی ہے کہ ایک انصاری اور ایک ثقفی جن میں گہری دوستی و بھائی چارہ تھا' وہ کبھی آپس میں جدا ہوتے ہی نہ تھے' ایک بار ثقفی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد میں گئے اور اپنے گھر کا انتظام و کاروبار انصاری کے سپرد کر گئے' چنانچہ وہ انصاری کام کاج کے لئے ثقفی کے گھر پردہ کے ساتھ جاتے آتے رہے' ایک دن گوشت یا کوئی اور چیز ثقفی کے گھر دینے گئے' ثقفی کی بیوی نے اندر سے لینے کے لئے ہاتھ بڑھایا' انہوں نے اس کا ہاتھ چوم لیا' فوراً ہی شرمندہ ہو گئے اور جنگل کی طرف چلے گئے' اپنے سر پر خاک ڈالتے تھے' منہ پر طمانچے مارتے تھے' کہتے تھے کہ میں نے غازی بھائی کی خیانت کی' کئی روز تک ان کا یہی حال رہا' جب ثقفی اپنے گھر واپس آئے' تو اپنی بیوی سے پوچھا میرے انصاری بھائی کا کیا حال ہے' وہ بولی خدا ایسے بھائی کسی کو نہ دے' اور تمام ماجرا سنا دیا' ثقفی اس انصاری کی تلاش میں نکلے' انہیں پہاڑوں میں سجدہ ریز اور آنسو بہاتے پایا' جو چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے' الٰہی لٹ گئی میری ساری کمائی' میں اپنے مجاہد و غازی بھائی کا خائن ہوں' اس درد سے عرض کر رہے تھے کہ ثقفی رو پڑے' محسوس یوں ہوتا تھا کہ پہاڑوں کے پتھر بھی ان کے ساتھ رو رہے تھے' ثقفی نے انصاری کو سجدہ سے اٹھایا اور کہا کہ یہاں سجدے نہ کرو' اس شفاخانہ میں چلو جہاں ہر دردمند کا علاج اور ہر بیماری کی دوا ہے' وہاں چلو جہاں گنہگار جایا کرتے ہیں' وہاں چلو جہاں گنہگاروں کو قرآن بھیج رہا ہے **ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک** الخ غرضکہ انہیں مدینہ منورہ لے آئے' اتفاقاً عصر کی نماز کے وقت یہ دونوں حضرات مسجد نبوی شریف میں داخل ہوئے' ادھر پہاڑ سے یہ دونوں آئے' ادھر سدرہ سے جبریل امین یہ دونوں آیتیں لے کر آئے' حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ (3) تیسرے یہ کہ مدینہ منورہ میں ایک شخص تیہان تھے' جنہیں تیہان تمار کہا جاتا تھا' کیونکہ ان کی کھجوروں کی دکان تھی' ان کی دکان پر ایک حسین عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی' انہوں نے اس سے کہا کہ یہ کھجوریں ردی ہیں' اعلیٰ کھجوریں گھر میں ہیں' وہاں چلو' لے لو' اس بہانے سے اسے گھر میں لے گئے اور اس کا بوسہ لے لیا۔ عورت نے کہا' اللہ کے بندے اللہ تعالیٰ سے ڈر' کل قیامت میں اللہ کو کیا منہ دکھائے گا' اور اللہ تعالیٰ کا نام سنتے ہی اسے پسینہ آ گیا' رونگٹے کھڑے ہو گئے' شرمندہ ہو کر بارگاہ نبوی شریف میں حاضر ہوئے' تب یہ آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر کبیر' خازن' خزائن' روح المعانی وغیرہ) لیکن ان روایتوں میں تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ تینوں واقعات بیک وقت یا قریب وقت میں پیش آئے ہوں' اور ان تینوں واقعات پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔

تفسیر: **والذين اذا فعلوا فاحشة**" واؤ عاطفہ ہے' اور یہ **الذين** پہلے **الذين** پر معطوف ہے اور جو اس **الذين** کا حال تھا پیش یا کسرہ یا زبر' وہی اس کا بھی حال ہے' **اذا** یہاں عموم زمان کے لئے ہے' یعنی جب کبھی **فاحشة**" فحش سے بنا بمعنی بوجھ' وزن' یا بھاری ہونا' یا برائی میں حد سے بڑھ جانا' یہ پوشیدہ موصوف کی صفت ہے' **فعلة**" **فاحشة**" موصوف اپنی صفت سے مل کر **فعلوا** کا مفعول مطلق ہے یا مفعول بہ' یعنی جب کبھی کوئی فحش حرکت لیں **او ظلموا انفسهم** یہ جملہ **فعلوا** الخ پر معطوف ہے' **ظلموا**' ظلم سے بنا جس کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' **انفس**' نفس کی جمع ہے' نفس کے معنی سانس' دل اور ذات وغیرہ ہیں' یہاں بمعنی ذات ہے' فاحشہ اور ظلم میں چند طرح فرق کیا گیا ہے۔ (1) گناہ کبیرہ فاحشہ ہے اور گناہ صغیرہ ظلم۔ (2) عملی گناہ فاحشہ ہے اور قولی گناہ ظلم۔ (3) متعدی گناہ فاحشہ ہے جس کا اثر دوسروں پر پڑے' لازم گناہ ظلم

www.alahazratnetwork.org

جس سے دوسرے متاثر نہ ہوں۔ (4) زنا فاحشہ ہے' اور مقدمات زنا' بد نظری وغیرہ ظلم' قرآن کریم میں زنا کو فاحشہ بھی کہا گیا ہے' فرماتا ہے **ولا تقربوا الزنی انه کان فاحشة** "۔ (5) حد سے بڑھنے والا گناہ فاحشہ ہے' اور حد کے اندر والا گناہ ظلم **ذکروا اللہ** ذکر سے مراد یا تو دل کا ذکر ہے' اور عذاب' جلال' سزا پوشیدہ ہے' یا زبان کا ذکر مراد ہے' اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کرنا اس کی غفاری ستاری کا بیان کرنا' یعنی گناہ کرتے ہی انہیں رب تعالیٰ کا عذاب' حساب یاد آجاتا ہے' یا وہ اس گناہ کی معافی کے لئے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں **ذکر** کے بہت سے معنی ہیں جو ہم دوسرے پارہ میں **فاذ کرونی اذکرکم** کے ماتحت بیان کر چکے ہیں' یہاں یاد کرنا مراد ہے یا یاد کرنا یا سوچنا اور غور کرنا۔ **فاستغفروا لذنوبهم' ف** تعقیبیہ ہے' استغفار کے معنی ہیں بخشش و معافی مانگنا' اس کا مفعول نہ پوشیدہ ہے' جو لفظ اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے' **ل** یا تعلیلیہ ہے یا صلہ کا یعنی پہلے وہ خدا تعالیٰ کی حمد و ثناء کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی وجہ سے اس سے معافی مانگتے ہیں' یا اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں' **ذنوب** سے سارے چھوٹے بڑے' نئے' پرانے' کھلے چھپے حقوق اللہ' حقوق شرع اور حقوق عباد سارے ہی مراد ہیں' خیال رہے کہ اس جیسی آیات میں **ذنوب** کی نسبت فاعل کی طرف ہے' یعنی گناہ کی گنہگار کی طرف اور **واستغفر لذنبک** میں **ذنب** کی نسبت مفعول کی طرف ہے' وہاں یہ معنی ہیں کہ یا رسول اللہ! گنہگاروں نے جو آپ کی خطائیں اور گناہ کئے ہیں' آپ شفاعت کرتے ہوئے ان کے لئے ہم سے معافی مانگو **و من یغفر الذنوب الا اللہ** یہ جملہ معطوف معطوف علیہ یا ذوالحال اور حال کے درمیان معترضہ ہے' **من** استفہام انکاری کے لئے ہے' خیال رہے کہ یہاں خبر کو بطریق انشاء بیان کیا گیا اور اس میں بھی نفی و اثبات سے کام نہ لیا گیا یعنی نہ تو یہ کہا گیا کہ اللہ گناہ معاف کرتا ہے' نہ یہ کہ خدا کے سوا کوئی گناہ معاف نہیں کرتا' بلکہ بندوں سے پوچھا گیا' اے بندو! بتاؤ خدا کے سوا ایسا کون ہے۔ جس کی بارگاہ میں مجرم و گنہگار پناہ لیں' اور جو گناہوں میں لتھڑے ہوئے کو اپنی بخشش کے پانی میں غسل دے کر پاک و صاف کرے تاکہ بندہ خود اقرار کرے اور جواب دے کہ مولا تیرے سوا عذرخواہوں کو ترانے والا' گرتوں کو اٹھانے والا اور مجرموں کو معافی دینے والا اور کوئی نہیں' اور یہ اقرار ہی ایمان و تقویٰ کی اصل ہے **الذنوب** کو جمع اور معرف باللام فرمانے میں وسعت مغفرت کی طرف اشارہ ہے کہ گناہ بڑے سے بڑا اور چھوٹے سے چھوٹا ہو' معاف فرمانے والے ہم ہی ہیں اس جگہ روح المعانی نے عجیب و غریب نکات لکھے ہیں' جو ہم طوالت کے خوف سے بیان نہیں کرتے **ولم یصروا علی ما فعلوا** یہ جملہ یا تو **فاستغفروا** کا معطوف ہے یا **فاستغفروا** کی ضمیر سے حال ہے جو شرط کے معنی کا مفید ہے' **لم یصروا** اصرار سے بنا جس کا مادہ صر ہے' یعنی مضبوط باندھنا' مضبوط ہو جانا' کسی کے ساتھ ایسا وابستہ ہونا کہ اس سے جدا نہ ہو سکنا' اصطلاح میں خطا پر جم جانے کو اصرار کہتے ہیں' ضد' ہٹ دھری کرنا (غیاث) **ما** سے مراد وہ گناہ ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا' یعنی وہ اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اڑتے نہیں' ضد نہیں کرتے' بلکہ شرمندہ ہو کر توبہ کرتے ہیں **و هم یعلمون** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ **لم یصروا** کے فاعل کا حال ہے' اور ہو سکتا ہے کہ **استغفروا** کے فاعل کا حال ہو **یعلمون** کا مفعول یہ پوشیدہ ہے' اس میں بہت سے احتمال ہیں' یعنی وہ اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ ہمارا کوئی رب ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ ہم گناہگار ہیں' یا یہ جانتے ہوئے کہ ہمارے گناہوں سے اس کی رحمت زیادہ ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ بڑے سے بڑا گناہ بخشنا رب تعالیٰ کو آسان ہے' یا یہ جانتے ہوئے کہ میں اگرچہ گنہگار ہوں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہوں' قابل معافی ہوں یا یہ مطلب ہے کہ وہ جانتے ہوئے گناہ پر ضد نہیں کرتے' اگر بلا فی

www.alahazratnetwork.org

سے دوبارہ گناہ ہو جائے تو دوسری بات ہے **اولئک جزاؤھم مغفرۃ من ربھم** اولئک سے ان متقین کی طرف اشارہ ہے جن میں مذکورہ بالا سارے صفات جمع ہوں' ہر حال میں خیرات کرنا' غصہ پینا' لوگوں کو معافی دینا' گناہ کرکے توبہ کرلینا' گناہ پر ضد نہ کرنا بعد میں **ابدا** " بھی فرمایا گیا ہے۔ یعنی جنتی وہاں پہنچ کر نہ مریں گے' نہ کبھی نکالے جائیں گے' نہ منتقل ہوں گے' نیز نہ ان کے باغوں کے پھل کبھی ختم ہوں گے' نہ نہروں کے پانی وغیرہ کبھی خشک ہوں **و نعم اجر العملین** یہ گذشتہ مضمون کا بقیہ ہے' جس میں بتایا یہ ہے کہ ان کا اجر و ثواب نہ بیان میں آسکتا ہے' نہ زبان میں یوں سمجھ لو کہ ان کا ثواب بہت ہی اچھا ہے' جسے رب تعالیٰ اچھا فرمائے' سمجھ لو کہ وہ کیسا ہو گا **عاملین** فرماکر یہ بتایا گیا کہ یہ ثواب اعمال کا ہے' اگر تمہیں چاہئے تو نیک عمل کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: جن متقیوں سے جنت کا وعدہ کیا گیا ہے' ان میں وہ نیک کار بھی ہیں جن میں مذکورہ بالا صفات ہوں' اور وہ گنہگار بھی داخل ہیں' جن کا حال یہ ہے کہ جب ان سے کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ سرزد ہو جائے تو فوراً ان کا دھیان اللہ کے جلال' اس کے عذاب اور اس کی پکڑ کی طرف جائے اور وہ دل میں سوچیں کہ آج تو ہم نے یہ کر لیا کل حساب کیا دیں گے' اور رب تعالیٰ کے سامنے کیونکر پیش ہوں گے' یہ سوچ کر فوراً اپنے گناہوں کی معافی مانگیں' یا جب بھی ان سے کوئی گناہ ہو جائے تو پہلے اللہ کی حمد و ثنا کرتے ہیں' پھر اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں' کیونکہ حمد کے بعد معافی مانگنا زیادہ مفید ہے' خود سوچ لو کہ اے بندو اللہ تعالیٰ کے سواء تمہارا بخشنہار کون ہے جو تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے اور تمہیں معافی دے اور ان کی صفت یہ بھی ہے کہ اپنے کئے ہوئے گناہوں پر اڑ نہیں جاتے' دیدہ و دانستہ پھر گناہ کی ہمت نہیں کرتے' یہی متقی وہ مقبول بندے ہیں جن کی جزاء یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان کے سارے گناہ بخش دے گا' اور بجائے عذاب دینے کے ان میں سے ہر ایک کو ایسے باغات دے گا جن کے نیچے یا جن میں کوثر' سلسبیل' شراب طہور' دودھ اور شہد کی نہریں رواں ہیں' کبھی خشک نہیں ہوتیں' یہ لوگ ان باغوں اور نہروں میں ہمیشہ رہیں گے' نہ مریں' نہ نکالے جائیں' اور نہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں منتقل کئے جائیں' نہ بیمار پڑیں اور نہ کسی چیز سے انہیں پرہیز کرنے کی ضرورت پڑے' ان کا ثواب اور جنتوں کی تعریف احاطہ ء بیان میں نہیں آسکتی' الفاظ کا دائرہ تنگ ہے' یہ سمجھ لو کہ ایسے اعمال والوں کی بہت ہی اچھا ثواب دیا جائے گا' ترمذی نے حضرت عطاف ابن خالد سے روایت کی' وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حدیث پہنچی ہے' جب یہ آیت کریمہ اتری تو ابلیس چیختے چلاتے' روتے پیٹتے اور سر پر خاک ڈالنے لگا' اس کی ذریت جمع ہو گئی' بولی تجھے کیا ہوا؟ وہ بولا کہ قرآن میں ایسی آیت اتری ہے کہ اب کوئی گنہگار سزا نہ پائے گا' مغفرت کا بڑا عظیم الشان دروازہ کھول دیا گیا ہے' وہ بولے فکر نہ کر' ہم ان انسانوں کو حتی الامکان توبہ کی طرف آنے ہی نہ دیں گے' بلکہ ان کے برے اعمال کو ان کی نگاہوں میں اچھا کرو کھائیں گے' جس سے وہ اپنے گناہوں پر بجائے ندامت کے فخر کیا کریں گے' ابلیس اس پر وہ بہت خوش ہوا (روح المعانی) ابو داؤد نے حضرت ابو بکر صدیق سے روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص گناہوں کی معافی مانگتا رہے' وہ گناہوں پر مصر نہیں اگرچہ دن میں (70) ستر بار گناہ کرے (خازن)۔ بیہقی نے حضرت عبد اللہ ابن عباس سے موقوفاً" روایت کی" کہ گناہ صغیرہ اصرار سے کبیرہ ہو جاتا ہے اور جس سے بندہ توبہ کرے وہ کبیرہ نہیں رہتا (روح المعانی)۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: توبہ و استغفار اسلام میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے' ہمارے جد امجد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت سے زمین پر آکر پہلی عبادت یہی کی کہ اپنی لغزش کی معافی مانگتے رہے استغفار ہی ایک ایسا وظیفہ ہے' جس کے فضائل و فوائد قرآن کریم نے بیان فرمائے کہ ارشاد فرمایا **فقلت استغفروا ربکم انه کان غفارا "' یرسل السماء علیکم مدرارا "** الایہ۔ اور استغفار ہی ایسا وظیفہ ہے' جس کا وقت بھی قرآن شریف نے بتایا' کہ فرمایا **والمستغفرین بالاسحار** استغفار ہی ایسا عمل ہے' جس کی جگہ بھی قرآن شریف نے ہی بتائی کہ فرمایا **جاء وک فاستغفروا الله** الایہ۔ استغفار کے فضائل' مسائل اور اس کا تفصیلی بیان ہم تیسرے پارے کی تفسیر میں زیر آیت **والمستغفرین بالاسحار** کر چکے ہیں۔ دوسرا فائدہ: صحابہ کرام کی خطائیں ہمارے لئے عطاؤں کا باعث ہیں' دیکھو ان ثقفی یا تمار صاحب کی خطا پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن سے ہم جیسے گنہگاروں کی ڈھارس بندھ گئی' چنانچہ اس آیت کے نزول پر حضرت فاروق اعظم نے عرض کیا یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بشارتیں صرف ان کے لئے ہیں یا سب کے لئے؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری ساری امت کے لئے۔ تیسرا فائدہ: صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ گنہگاروں کا شفاخانہ ہے' وہ خود اپنا علاج نہ کر لیتے تھے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ایمان کی نبض دکھا کر دوا کراتے تھے' دیکھو وہ انصاری ان ثقفی کو پہاڑوں سے اٹھا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر توبہ کے لئے لائے۔ چوتھا فائدہ: استغفار سے پہلے حمد الٰہی کرنا بہتر ہے' جیسا کہ **ذکروا الله** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: گناہ کرتے وقت یا کر چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی ہیبت دل میں آجانا خدا کی خاص رحمت ہے' جیسا کہ **ذکروا الله** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: ہر چھوٹا بڑا گناہ قابل معافی ہے' جیسا کہ **فاحشة**" اور **او ظلموا** کی تفسیر سے معلوم ہوا' مومن کسی گناہ پر بھی رحمت خدا سے مایوس نہ ہو۔ ساتواں فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اپنے سارے گناہوں کی معافی مانگا کرے ان کی تفصیل یاد ہو یا نہ ہو' جیسا کہ **ذنوب** جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: گناہ کی معافی دینا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے' کسی بندے کو اس کا اختیار نہیں جیسا کہ **الا الله** سے معلوم ہوا' عیسائیوں کے ہاں پوپ صاحب گناہ معاف کیا کرتے ہیں' یہ خبر نہیں کہ خود پوپ صاحب کے گناہ کون معاف کرتا ہے' خود ہی کر لیتے ہیں یا کسی اور سے معاف کراتے ہیں۔ نواں فائدہ: گناہ صغیرہ پر اڑ جانا اس کو گناہ کبیرہ بنا دیتا ہے' جیسا کہ **لم یصروا** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: توبہ کے لئے اصرار مضر ہے' توبہ کی شرط یہ ہے کہ گذشتہ گناہ پر نادم ہو اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا مضبوط ارادہ ہو' گناہ بھی کرتا جائے اور توبہ بھی' تو یہ توبہ مقبول نہیں' یہ بھی **لم یصروا** سے معلوم ہوا' مگر خیال رہے کہ توبہ کے وقت ہی گناہ کرنے کا ارادہ بھی ہو' یہ برا ہے' لیکن اگر توبہ کے وقت نہ کرنے کا ارادہ مکمل تھا بعد میں پھر گناہ ہو گیا' تو یہ توبہ کے لئے مضر نہیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے' کہ دن میں ستر (70) بار بھی توبہ و گناہ کرتے رہنا قابل معافی ہے۔ گیارہواں فائدہ: نادانی' بے خبری میں بغیر ارادہ برائی سرزد ہو جانا گناہ نہیں' جیسا کہ **و هم یعلمون** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ سے ہر گناہ بخشا جاتا ہے' مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ قرض وغیرہ حقوق العباد بغیر ادا کئے' یا حق والے سے معافی مانگے ادا نہیں ہوتے' وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: یہاں

www.alahazratnetwork.org

گناہوں کے معاف ہونے کا ذکر ہے' اور حدیث شریف میں حقوق معاف نہ ہونے کا ذکر' گناہ اور ہیں حقوق کچھ اور حقوق تو حق والے کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوں گے' رب تعالیٰ فرماتا ہے' **فمن عفی له من اخیه شیء** الآیہ دیکھو یہاں حق خون کی معافی بندہ کی طرف منسوب کی گئی اور فرماتا ہے **الا ان یعفون** یہاں مہر کی معافی دینے والا بیوی کو قرار دیا گیا ہے' یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ گناہ توبہ سے معاف ہوتا ہے' اور حقوق العباد سے توبہ کے لئے معافی حاصل کرنا یا حق کا ادا کر دینا شرط ہے تو گویا یہ معافی وغیرہ اس توبہ کا رکن ہے۔ دوسرا اعتراض: اگر ہمیشہ کا بے نمازی صرف منہ سے توبہ کرے تو کیا چھوڑی ہوئی نمازیں معاف ہو جائیں گی اگر نہیں تو کیوں؟ یہاں **ذنوب** تو مطلق ہے۔ جواب: ہرگز معاف نہیں ہوں گی' بلکہ نمازیں قضا کرے' پھر تاخیر کی معافی مانگے' نماز حق ہے اور اس کا چھوڑنا حق شریعت مارنا ہے' حق کی معافی ادا کے بغیر کیسی؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چور کا ہاتھ کٹوایا' پھر اس سے توبہ کرائی' معلوم ہوا کہ ہاتھ کٹنا حق کے لئے تھا اور توبہ گناہ کی معافی کے لئے۔ تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ گناہ معاف کرنا صرف رب تعالیٰ کا کام ہے' کسی بندہ کو اس کا اختیار نہیں' اور **الا اللہ** سے معلوم بھی یہی ہوا' مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی گناہ معاف کیا کرتے ہیں' تم لوگ پڑھا کرتے ہو۔

بخش دو میری خطائیں دور ہوں غم کی گھٹائیں
بھیج دو اپنی عطائیں **صلوات اللہ علیک**

یہ عقیدہ اور یہ اشعار صریح شرک ہے اور اس آیت کے خلاف۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک عالمانہ' دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ: تو یہ ہے کہ شریعت کے سارے احکام اللہ کا بھی حق ہیں اور اس کے رسول کا بھی' عبادات کرنا اللہ رسول کا حق ہے اور گناہوں سے بچنا اللہ رسول کا حق ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے عبادات کے بارے میں فرمایا **واللہ و رسوله احق ان یرضوہ** اللہ رسول اس کے حق دار ہیں کہ انہیں لوگ راضی کریں' اور گناہوں کے بارے میں فرمایا **ولا یحرمون ما حرم اللہ و رسوله** یعنی جسے اللہ رسول نے حرام کیا اسے یہ حرام نہیں سمجھتے ہیں' اور فرمایا **و یحرم علیھم الخبائث** یہ نبی ان پر گندی چیزیں حرام فرماتے ہیں' اور سارے احکام شرعیہ کے لئے فرمایا **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** معلوم ہوا کہ ہر حکم شرعی میں اللہ کی بھی اطاعت ہے' اس کے رسول کی بھی' اب ہر نیکی کرنے والا دو حق ادا کرتا ہے حق اللہ اور حق الرسول' اور ہر گناہ کرنے والا دو حق مارتا ہے اللہ کا اور اس کے رسول کا' لہٰذا مجرم جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی چاہتے ہیں' وہ ان کے حق کی معافی چاہتے ہیں' اب پڑھو' بخش دو میری خطائیں' یعنی یا رسول! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے جو گناہ کئے' ان سے آپ کو تکلیف پہنچی' مجھے معافی دے دو' دیکھو ہجرت اللہ کی عبادت ہے' مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یخرج من بیته مہاجرا الی اللہ و رسوله** جواب: عاشقانہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فنا فی اللہ ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول و فعل رب تعالیٰ کا قول و فعل ہے' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اور فرماتا ہے' اے محبوب جو کنکر تم نے پھینکے تھے وہ تم نے نہ پھینکے تھے **ولکن اللہ رمی** (اللہ نے پھینکے) اور جو تم سے بیعت کرتے ہیں وہ اللہ سے بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے **ید اللہ فوق ایدیھم** جب یہ معلوم ہو گیا تو سمجھ لو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاف فرمانا رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ ہی کا معاف فرمانا ہے، جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں معاف کردیا' وہاں فرمارب رہا ہے' اور زبان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ادا ہو رہا ہے' بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ نقش آئینہ کی ہر حرکت و سکون اس نقش کی نہیں بلکہ آئینہ دار کی ہے۔

چوتھا اعتراض: ہر جگہ جنتوں کی تعریف میں یہی آتا ہے کہ اس کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں' یہ کیوں نہیں کہ دریا بہہ رہے ہیں' دریا میں پانی نہر سے زیادہ ہوتا ہے۔ **جواب:** اس کے جوابات غالباً" ہم جلد سوم میں دے چکے ہیں کہ نہر میں حسن ہے' بحر میں نہیں' کہ نہر سیدھی خوشنما ہوتی ہے' اور بحر ٹیڑھا کچا' نہر فائدہ مند ہی ہوتی ہے مگر بحر نقصان دہ بھی کہ سیلاب میں شہروں کو بہا لے جاتا ہے' نہر کا پانی اپنے قبضہ میں ہوتا ہے جتنا چاہو چھوڑ دو مگر بحر کا پانی قبضہ سے باہر۔ نیز باغوں' کوٹھیوں اور محلات میں نہریں جاتی ہے' بحر نہیں' جیسا کہ دہلی کے لال قلعہ اور لاہور کے شالامار باغ میں دیکھا گیا لہذا جنتوں میں بھی نہریں ہی چاہئیں۔

تفسیر صوفیانہ: بندہ پر سب سے پہلے اپنی ذات کا حق ہے' دوسرے بندوں کا حق بعد میں' گنہگار اپنے اوپر ظلم کرتا ہے اسی لئے حضرات انبیاء نے اپنی لغزشوں کو جو در حقیقت گناہ نہ تھیں اپنے نفوس پر ظلم قرار دیا' کہ عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** اور عرض کیا **انی کنت من الظلمین** اور یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **او ظلموا انفسهم** ہر زنگ کے لئے ایک صیقل ہے' ہر میل کے لئے علیحدہ صابن' ہر تلوث کے لئے علیحدہ پالش' غسل کا صابن اور ہے کپڑے دھونے کا اور' اور چمڑے کی پالش اور ہے' لکڑی و پیتل کی اور' میلے دل کا صابن اللہ کا ذکر ہے' اور زنگ آلود نفس کا صیقل استغفار' بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ ہو' گناہوں پر اصرار اور ہمیشگی دل کے لئے ایسی ہے جیسے لوہے کے لئے کٹ' کٹ خوردہ لوہے سے کوئی ہتھیار نہیں بنتا' ایسے ہی کٹ خوردہ دل کے ساتھ انسان کچھ بھی نہیں بن سکتا' اگر کچھ بننا چاہتے ہو' تو دل سے یہ سب کچھ نکال دو' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **و لم یصروا** الآیہ' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ گناہ کرکے استغفار پڑھتے ہیں' مگر مقبولین بارگاہ گناہ نہ کرکے بلکہ عبادتیں کرکے استغفار پڑھتے ہیں۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند   عارفاں از اطاعت استغفار

محل میں بیٹھ کر شکار نہیں کھیلا جاسکتا' شکار کے لئے جنگل جانا پڑتا ہے' ایسے ہی غفلت کی کوٹھڑی میں رہ کر قبولیت کا شکار کیسے مل سکتا ہے' اگر قبولیت چاہتے ہو تو بیداری کی وادی میں آؤ' اللہ تعالیٰ ہم سب کو غفلت سے نکلنے اور بیداری میں آنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا

بے شک گزر چکے تم سے پہلے طریقے پس سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا

تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں تو زمین میں چل کر دیکھو کیسا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۳۷ هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّ

ہوا نتیجہ جھٹلانے والوں کا یہ بیان ہے واسطے لوگوں کے اور ہدایت اور

انجام ہوا جھٹلانے والوں کا یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور

www.alahazratnetwork.org

مَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾

نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے	
پرہیزگاروں کو نصیحت ہے	

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جنت و مغفرت کی خوشخبریاں دے کر توبہ اور نیک اعمال کی رغبت دی گئی' اب گذشتہ بدکار کفار کی سزاؤں کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو گناہوں پر اڑنے اور توبہ نہ کرنے سے ڈرایا جارہا ہے' کہ بعض لوگ بشارتوں سے مانتے ہیں اور بعض ڈر سے' پہلے قسم کے لوگوں کے لئے پچھلی آیتیں تھیں' اور دوسروں کے لئے یہ آیتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ گناہوں سے توبہ کرنے والوں اور نیک کاروں کو ثواب (مغفرت و جنت وغیرہ) قیامت کے بعد ملے گا' اب فرمایا جارہا ہے کہ ان اعمال کا کچھ فائدہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے' تم لوگ گذشتہ تاریخ پر نظر ڈالو' پتہ لگے گا کہ بدکار ہلاک ہوئے اور نیک کار محفوظ رہے' گویا ادھار معاوضہ کا ذکر پہلے تھا' نقد کا ذکر اب کیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ عمل والوں کا ثواب اچھا ہے اور ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' چنانچہ اس آیت میں بد عملیوں کی سزا کا ذکر ہے' تاکہ نیک عملوں کی جزاء پہچانی جائے۔

تفسیر: **قد خلت** یہ **قد** یا تقریب کے لئے ہے یا تحقیق کے لئے **خلت'** **خلو** سے بنا' بمعنی اکیلا و علیحدہ ہونا۔ اسی سے ہے خلوت' جلوت کا مقابل' مکان خالی وہ جگہ ہے جو رہنے والوں سے الگ ہو' جب یہ لفظ زمانہ کے لئے بولا جائے گا تو گزرنے کے معنی میں ہوگا' کیونکہ گذری ہوئی چیز بھی موجودہ چیزوں سے الگ ہو جاتی ہے (کبیر) یعنی بے شک تم سے پہلے گزر چکے ہیں یا ابھی قریب میں ہی گزرے ہیں **من قبلکم سنن** جار مجرور **خلت** فعل کے متعلق ہے اور **سنن** اس کا فاعل' **سنن سنۃ** کی جمع ہے جس کا مادہ ہے **سن'** **سن** کے بہت معنی ہیں۔ (1) ایک رخ پر پانی بہانا۔ (2) تیر یا تلوار تیز کرنا۔ (3) جانور کو اچھی طرح چرانا اور اس کی حفاظت کرنا۔ (4) بدلنا و بگڑنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **من حما مسنون'** اصطلاح میں سنت سیدھے راستہ کو بھی کہتے ہیں' اچھے طریقہ کو بھی' عبرتناک واقعہ کو بھی' جماعت اور امت کو بھی' ایک شاعر کہتا ہے۔

ما عاین الناس من فضل کفضلکم ولا راد مثلکم فی سالف السنن!

اس شعر میں سنن بمعنی جماعتیں اور امتیں ہے' نیز سنت شرعی احکام کو بھی کہتے ہیں اور دین کو بھی' یہاں سنن میں بہت احتمال ہیں' تم سے پہلے امتیں گزر چکیں یا شریعتیں اور دین گزر چکے یا لوگوں کے برتاوے یا ہماری سزاؤں کے واقعات' سنت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال طیبہ و طاہرہ کو بھی کہتے ہیں' اور رب تعالیٰ کی عادت کریمہ کو بھی' لوگوں کے اچھے برے اعمال کو بھی' یہ لفظ قرآن شریف میں ان سب معنی میں آیا ہے (کبیر' خازن' روح المعانی' و بیان وغیرہ) **فسیروا فی الارض'** **سیروا** سیر سے بنا' بمعنی چلنا اور دوڑنا' اسی عربی میں موٹر کو سیارہ کہتے ہیں' کہ وہ چلتی اور دوڑتی رہتی ہے' **الارض** سے مراد وہ زمین ہے جہاں گذشتہ قومیں آباد تھیں' چونکہ اہل عرب اپنے سفروں میں ان زمینوں پر گزرتے تھے' اس لئے خصوصیت سے

www.alahazratnetwork.org

انہیں یہ حکم دیا گیا' تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہاں سیروا میں صرف قدموں سے چلنے کا ہی حکم نہیں' بلکہ وہاں چل کر جانا' جانے والوں سے ان کے حالات پوچھنا' حتی کہ صحیح تاریخ سے ان کے حالات معلوم کرنا سب مراد ہیں' ایک شاعر کہتا ہے۔

ان اثارنا تدل علینا فانظروا بعدنا الی الاثار

یعنی ہمارے بعد ہمارے نشان و آثار تمہیں ہمارے حالات بتائیں گے' اگر تمہیں ہم کو دیکھنے کا شوق ہو تو ہمارے نشانات دیکھ لیا کرنا **فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔** **فاء تعقیبیہ ہے' انظروا'** نظر سے بنا بمعنی دیکھنا' غور کرنا' عبرت پکڑنا' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں' **کیف** اگلے کا مفعول ہے' **عاقبۃ** عقب سے بنا بمعنی پیچھے' اسی لئے ایڑی کو عقب کہتے ہیں' کیونکہ وہ قدم کے پیچھے ہوتی ہے' اگلی دنیا کو عاقبت کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا کے بعد ہے' نتیجہ اور انجام کو عاقبت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کام کے بعد ہوتا ہے' یہاں بمعنی انجام و نتیجہ ہے' **مکذبین** سے مراد نبیوں اور ان کے علماء کو جھوٹا کہنے والے کفار ہیں یعنی زمین میں اس لئے چلو پھرو اور سیر کرو' تاکہ تم آنکھوں سے دیکھو' دل میں سوچو اور عبرت پکڑو' کہ ان جھٹلانے والے کفار کا جنہوں نے اپنے نبیوں کو جھوٹا کہا کیا انجام ہوا' ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کو ہے' کیونکہ ابھی ان کا ہی ذکر ہو چکا ہے' اور ہو سکتا ہے کہ کفار کو حکم ہو' اور ممکن ہے کہ سب ہی کو یہ حکم ہو **ھذا بیان للناس'** **ھذا** سے اشارہ یا تو سارے قرآن شریف کی طرف ہے یا ابھی گذری ہوئی آیتوں کی طرف' **بیان'** **بین** سے بنا بمعنی علیحدگی و کشف' کسی چیز کی حقیقت واضح کر دینے کو بیان کہا جاتا ہے' **بیان** نطق سے عام ہے' کیونکہ نطق انسان کے بولنے کو کہتے ہیں' مگر بیان کسی خاص حالت پر دلالت کرنے اور خبر دینے کو بھی کہتے ہیں' خواہ نطق کے ذریعہ ہو یا لکھ کر یا اشارۃ" و کنایتہ" پھر بیان ہدایت سے عام ہے' بیان ہر اظہار کو کہتے ہیں' خواہ کسی قسم کا ہو' مگر ہدایت کامیابی کا راستہ بتانے کو کہا جاتا ہے' حق یہ ہے کہ **للناس** میں **الف لام** استغراقی ہے' یعنی یہ قرآن شریف یا یہ آیتیں بیان تو سارے ہی لوگوں کے لئے ہیں' مومن ہوں یا کافر مگر **و ھدی" و موعظۃ للمتقین** ہدایت کے معنی اور اقسام سورۂ فاتحہ کی تفسیر زیر آیت **اھدنا الصراط المستقیم** بیان ہو چکے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہ بیان جو کامیابی کا راستہ دکھائے ہدایت کہلاتا ہے' اور وہ بیان جو برے راستے سے بچائے **موعظت** کہلاتا ہے' گویا **بیان** ایک جنس ہے جس کے نیچے دو نوعیں ہیں' ایک ہدایت دوسرے موعظۃ' خیال رہے کہ **موعظۃ' وعظ** سے بنا بمعنی پند و نصیحت و خیر خواہی' **متقین** سے مراد یا سارے مسلمان ہیں یا وہ کفار بھی جن کے نصیب میں ایمان لکھا ہے' یعنی یہ قرآن ہدایت و نصیحت صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے کہ قرآن سے یہ نعمتیں صرف پرہیزگاروں کو ملتی ہیں۔

خلاصۂ تفسیر: اے مسلمانو! نیک اعمال کئے جاؤ' بد عملی سے بچتے رہو تاکہ رب تعالیٰ تم سے راضی رہے' اور تم اس کے عذاب سے محفوظ رہو' کوئی طاقت و قوت کسی کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی' چنانچہ تم سے قبل بہت سی امتیں گزر چکیں' ان کے تکبر ... اور ان کی حرکات بھی گزر چکیں' ان کی حرکتوں پر جو عذاب الہٰی آئے' وہ بھی گزر گئے' تم زمین میں چلو پھرو اور غور کرو' کہ ان لوگوں کا انجام کیا ہوا' کہ جب ان پر عذاب الہٰی آیا' تو نہ ان کے مال بچا سکے' نہ کوٹھیاں' نہ جتھے قبیلے' ان چیزوں میں غور کرو' اور اپنے حالات کو درست رکھو' بعد مرے نیک نام انہی کا ہوتا ہے' جو کچھ اچھے کام کر کے جاتے ہیں' کھلایا' مال جمع کیا' لوگوں کو ستایا' کفر و بدکاریاں کیں اور چلے گئے' اس کا انجام دائمی لعنت ہی ہے' یہ قرآن کریم بیان واضح تو سارے لوگوں کے

www.alahazratnetwork.org

لئے ہے، مگر ہدایت و نصیحت صرف شرک و کفر سے بچنے والے مسلمانوں کے لئے کہ اس سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں، جیسے سورج کی روشنی تو سارے عالم کے لئے ہے مگر راہ دکھانے والا صرف آنکھوں والوں کے لئے ہے نہ کہ اندھوں کے لئے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا عذاب دیکھنا ہو اور اس کے قہر و غضب کا نظارہ کرنا ہو تو عذاب والی اجڑی بستیوں کو جا کر دیکھنا چاہئے، جیسا کہ **سیروا** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے کرم کا پتہ لگانا ہو تو سفر کرکے رحمت والی بستیوں کو جا کر دیکھو، اور ان بزرگوں کے آستانوں پر حاضری دو، جو خود تو صدیوں سے قبور میں سو رہے ہیں مگر ان کے مزارات پر رونقیں لگی ہوئی ہیں، یہ بھی **سیروا** ہی سے معلوم ہوا۔ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ یہاں **سنن** سے مراد کافر پر عذاب اور مومنین پر رحمت سبھی کچھ ہے کہ دنیا نہ تو مومنوں کے ساتھ رہی نہ کافروں کے ساتھ، مگر مومن کی ثنائے جمیل دنیا میں اور ثواب جزیل آخرت میں رہ گئے، اور کافر پر لعنت دنیا میں اور عذاب آخرت میں رہے (تفسیر کبیر)۔ **تیسرا فائدہ:** بزرگوں کے عرسوں پر سفر کرکے جانا باعث ثواب ہے کہ یہ بھی **سیروا فی الارض** کی ایک قسم ہے، جب عبرت حاصل کرنے کے لئے کفار کی بستیوں میں سفر کرکے جانا جائز ہوا تو امید و رجا حاصل کرنے کے لئے ان مقدس مقامات کا سفر کیوں حرام ہوگا۔ **چوتھا فائدہ:** علم تاریخ مبارک ہے، اس کا پڑھنا سعادت اگرچہ کفار کی ہلاکت کی ہی تاریخ ہو، بشرطیکہ تاریخ درست ہو کہ اس سے بہت عبرتیں نصیب ہوتی ہیں، جیسا کہ **فانظروا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** گذشتہ امتوں نے اگرچہ بڑی بدکاریاں کیں مگر عذاب الٰہی صرف نبی کو جھٹلانے پر آیا، فرعون بنی اسرائیل کے بچے ذبح کراتا رہا، قوم شعیب ناپ تول میں بے ایمانیاں کرتی رہی، قوم لوط صدیوں سے بدکاریوں میں مبتلا رہی، مگر عذاب میں اسی وقت گرفتار ہوئی جب پیغمبر کے مقابلہ میں آئی، جیسا کہ **عاقبۃ المکذبین** سے معلوم ہوا، مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد　　　میلش اندر طعنہ پاکاں دہد

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد　　　تا دلے صاحبدلے نامد بدرد

چھٹا فائدہ: قرآن شریف کا عام فیض تو عام لوگوں کے لئے ہے یعنی ہر چیز کا بیان واضح مگر خاص فیض خاص لوگوں کے لئے یعنی ہدایت دینا اور راہ راست پر لگا دینا، جیسا کہ **ھذا بیان** الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** قرآن کریم کا بیان یا ہدایت ہونا ہم لوگوں کے لئے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے ہی سے سب کچھ سکھا پڑھا اور سمجھا دیا تھا اور آپ پہلے ہی سے ہدایت پر تھے، جیسا کہ **للناس** اور **للمتقین** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: **سیروا** صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے تو چاہئے کہ نماز و روزہ کی طرح کفار کی اجڑی بستیوں پر سفر کرکے جانا بھی ہر شخص پر فرض ہو، حالانکہ اسے کوئی فرض نہیں مانتا۔ **جواب:** امر صرف وجوب کے لئے نہیں آتا بلکہ استحباب و اباحت کے لئے بھی ہوتا ہے، یہاں استحباب کے لئے ہے، اور اگر وجوب کے لئے بھی ہو تو یہ وجوب ان لوگوں کے لئے ہوگا جنہیں بغیر یہ نظارے کئے ہوئے خوف خدا میسر نہ ہو سکے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عذاب کی زمینوں میں سفر کرکے جانا جائز، بلکہ بہتر ہے مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ سوائے تین مساجد کے اور کسی طرف سفر نہ کرو، وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** حدیث شریف میں ان تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنے کی

www.alahazratnetwork.org

ممانعت ہے' وہ بھی اس وقت جبکہ دوسرے شہر کی مسجدوں میں نماز کا زیادہ ثواب ملنے کا عقیدہ ہو' مثلاً کوئی سمجھے کہ دہلی کی جامع مسجد میں لاہور کی مسجد سے نماز کا زیادہ ثواب ملتا ہے پھر لاہور سے سفر کر کے وہاں نماز پڑھنے جائے' یہ سفر منع ہے کہ بد عقیدگی پر مبنی ہے' ورنہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد' تجارتوں وغیرہ کے لئے بہت سفر کئے ہیں' قرآن شریف سے بہت سفر ثابت ہیں' سفر کے اقسام و احکام ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھئے۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم نے یہ تو فرمایا کہ زمین میں چلو پھرو اور وہاں کے واقعات سے عبرت پکڑو' مگر جغرافیائی حیثیت سے نہ زمین کا پتہ بتایا' نہ وہاں کے باشندوں کا' مضمون ناقص رہا' یہ فرمانا چاہئے تھا کہ فلاں قوم فلاں جگہ آباد تھی جو تباہ کر دی گئی۔ **جواب:** یہ بتانے کی ضرورت نہ تھی' کیونکہ عرب میں یہ واقعات اور ہلاک شدہ قوموں کے مقامات مشہور تھے' سب کو معلوم تھے' ان میں کا ہر شخص جانتا تھا کہ یہ جگہ فلاں قوم کی ہے' اور اس جگہ فلاں قبیلہ آباد تھا' اور نسب و نسبت' شہرت سے بھی معتبر ہے' دیکھو ہم کہتے ہیں فلاں شخص فلاں کا بیٹا ہے' محض شہرت سے' ورنہ ہم نے اس کے والدین کا نکاح نہ دیکھا' فلاں جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف ہے کیوں؟ فقط شہرت سے' ہم نے اس بال شریف کی اسناد نہ پڑھی' آج فلاں تاریخ فلاں دن' فلاں مہینہ ہے' کیوں؟ فقط شہرت سے' ہم نے یہ اس دن و تاریخ اور مہینہ کی پیدائش دیکھی' نہ اس کا تقرر' اس کی پوری بحث ہماری کتاب **جاء الحق** حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف لوگوں کے لئے بیان ہے' حالانکہ یہ تو جنات اور فرشتوں کے لئے بھی بیان ہونا چاہئے کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں' تو قرآن بھی ساری مخلوق کی کتاب ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اصل مقصود انسان ہیں' دوسری مخلوق ان کے تابع ہے' جب یہ انسانوں کے لئے بیان ہوا' تو دیگر مخلوقات کے لئے بھی ہو گیا' نیز قرآن کریم کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں' دیگر مخلوق پر نہیں' روزہ و زکوٰۃ فرشتوں پر نہیں' حج مع ان شرائط کے جنات پر فرض نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ **هذا** سے مراد وہ عذاب ہیں جو پچھلی قوموں پر آئے' چونکہ عذاب انسانوں پر ہی آئے تھے' جنات یا فرشتوں پر نہ آئے تھے لہٰذا ان سے عبرت بھی انسان ہی پکڑیں' لہٰذا ان ہی کے لئے اس کا بیان مناسب ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے نصیحت بھی' وہ تو پہلے ہی سے پرہیزگار ہیں' انہیں ہدایت و نصیحت کی ضرورت ہی کیا' **جواب:** اس کا تفصیلی جواب سورہ بقر کے شروع میں **هدى** للمتقین کی تفسیر میں گزر گیا کہ متقین سے مراد مومنین ہیں اور ہدایت سے مراد اعمال کی ہدایت ہے' واقعی عمل کی ہدایت مومن ہی کو ہو سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سیر دو قسم کی ہے قلب کی اور قالب کی' قالب کی سیر دو قدموں سے ہے' مگر قلب کی سیر فکر و نظر کے قدموں سے ہے' قالب کی سیر کے لئے یہ زمین ہے' جس پر یہ ظاہری آسمان سایہ فگن ہے' مگر قلب کی سیر کے لئے زمین ہی دوسری ہے' جس کا آسمان ہی نرالا ہے' اور اس آسمان پر چاند سورج تارے جدا گانہ ہی ہیں' اس آیت میں اسی سیر قلب کا حکم دیا گیا ہے یعنی اے وہ لوگو جو وطن قالب سے منتقل ہو کر خالق کی طرف جانا چاہتے ہو' تم نفسانی محبوبوں سے جدا ہو کر اور نفسانی وطن کو چھوڑ کر نظر و فکر کے قدموں سے زمین معرفت میں چلو اور سیر کرو' مگر اس سیر میں وہ راستہ اختیار نہ کرنا جو تم سے پہلے والے بوالہوسوں کا تھا' حیوانیت کے عیوب سے گزر کر روحانیت کے آسمان تک پہنچو' اور اخلاق ربانی اختیار کرو' وہاں پہنچ کر تمہیں پتہ

www.alahazratnetwork.org

گے گا کہ ان جھوٹوں کا انجام کیا ہوا جو نفسانیات میں پھنس کر روحانیات کے مدعی تھے' یہ قرآن کریم ناس یعنی عہد و میثاق کو بھول جانے والوں اور غفلت میں پھنس جانے والوں کے لئے کھلا بیان ہے' اور دنیا سے بچنے والوں کے لئے رب تعالیٰ تک پہنچنے کلی ہے' اور بروں سے بچنے کا صحیح واعظ ہے' خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک اس آیت کریمہ میں کسی اور ہی زمین کی سیر کا حکم دیا گیا ہے' مولانا فرماتے ہیں کہ اس زمین کے حالات اس زمین سے جداگانہ ہیں' اس زمین کی بارشیں' کھیتیاں' باغات کچھ اور ہی ہیں۔

نیست ایں باراں ازیں ابر شما　　ہست باراں دیگر و دیگر سما!

رب تعالیٰ ہمیں اس قال کو حال بنائے اور وہ سفر نصیب کرے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ اِنْ

اور نہ سستی کرو اور نہ غمگین ہو اور تم ہی غالب ہو اگر ہو تم ایمان والے اگر

اور نہ سستی کرو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب آؤ گے اگر ایمان رکھتے ہو اگر

يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ؕ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِ

پہنچی ہے تم کو تکلیف تو بے شک پہنچی تھی اس قوم کو تکلیف اسی طرح کی اور یہ زمانہ ہے کہ گھماتے ہیں

تمہیں کوئی تکلیف پہنچی تو بے شک وہ لوگ بھی ویسی ہی تکلیف پا چکے ہیں اور یہ دن ہیں جنہیں ہم نے

لُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ

ہم اس کو درمیان لوگوں کے اور تاکہ جان لے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور بنائے تم میں سے

لوگوں کے لئے باریاں رکھی ہیں اور اس لئے کہ اللہ پہچان کرا دے ایمان والوں کی اور تم میں سے کچھ لوگوں کو

شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ

شہید اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو اور تاکہ صاف کر دے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان

شہادت کا مرتبہ دے اور اللہ دوست نہیں رکھتا ظالموں کو اور اس لئے کہ اللہ مسلمانوں کو نکھار

اٰمَنُوْا وَ يَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

لائے اور مٹا دے کافروں کو

دے اور کافروں کو مٹا دے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ گزشتہ زمانہ میں کفار ہلاک کئے گئے' اور مومن غالب رکھے گئے اب نتیجہ کے طور پر مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے' کہ تم احد کی تکلیف پر پریشان نہ ہو' یہ ایک عارضی چیز تھی جو گزر گئی' آخر کار فتح اور غلبہ تمہارے ہی لئے ہے' گویا پچھلی آیت میں مثال تھی اور اس آیت میں

www.alahazratnetwork.org

اس کے نتیجہ کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ قرآن کریم پرہیزگاروں کے لئے ہدایت و نصیحت ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ پرہیزگار وہ ہے جو دنیا کے ہر نرم و گرم برداشت کرنے کا عادی ہو کہ اس کے بغیر تقویٰ پر استقامت ناممکن ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں گذشتہ کافروں کے انجام میں غور کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اس آیت میں موجودہ کافروں کا انجام دیکھنے کے لئے مسلمانوں کو تیار کیا گیا۔

شان نزول: ان آیات کے شان نزول میں چند روایتیں ہیں۔ (1) ایک یہ کہ جنگ احد کے مسلمانوں کو پتہ لگا کہ ابو سفیان مع اپنے لشکر کے پھر مدینہ پر چڑھائی کرنے کے لئے آ رہے ہیں' وہ میدان احد میں اپنے ظاہری غلبہ سے دھوکا کھا گئے ہیں اور اب مدینہ کو برباد کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ صرف وہی حضرات جو غزوۂ احد میں شریک تھے فوراً" روانہ ہو جائیں اور ابو سفیان کے مقابلہ میں پہنچیں اور پتہ کریں کہ ان کی فوج کہاں ہے' اس حکم پر ان مسلمانوں کو بہت تکلیف کا احساس ہوا' ان کی تسلی کے لئے یہ آیات کریمہ اتریں۔ (2) غزوۂ احد میں عین جنگ کی حالت میں جبکہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ چکے تھے' اور ان میں افراتفری پھیل گئی تھی کہ خالد ابن ولید نے مشرکین کی ایک جماعت لے کر احد کے ایک ٹیلہ پر چڑھنے اور وہاں سے مسلمانوں پر بھرپور حملہ کرنے کی کوشش کی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملاحظہ فرما رہے تھے' آپ نے یہ سخت خطرہ محسوس فرما کر دعا کی' خدایا تو ہی ہماری طاقت و قوت ہے' اس وقت سوا ان مسلمانوں کے تیری عبادت کرنے والا دنیا میں کوئی نہیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' اور اس دعاء شریف کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پریشاں حال مسلمانوں میں سے ہی ایک جماعت خالد ابن ولید سے پہلے احد پر چڑھ گئی اور انہوں نے حضرت خالد کی اس فوج پر حملہ کر دیا جس سے مشرکین کی یہ جماعت بھاگ نکلی' اور مسلمانوں پر حملہ نہ کر سکی' اگر خدانخواستہ یہ حملہ ہو جاتا تو مسلمانوں کو بے اندازہ تکلیف پہنچ جاتی (تفسیر کبیر' روح المعانی' تفسیر خازن وغیرہ)۔ (3) جنگ احد ختم ہونے کے بعد ابو سفیان نے تین آوازیں دیں' کیا قوم میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ کیا قوم میں ابو بکر ہیں؟ کیا قوم میں عمر ابن خطاب ہیں؟ ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ خاموش رہو' جب ادھر سے کوئی جواب نہ دیا گیا تو ابو سفیان بولے' یہ تینوں قتل کر دیئے گئے' حضرت عمر سے نہ رہا گیا' چیخ پڑے کہ اے **عدوا اللہ** اللہ کی قسم یہ تینوں زندہ ہیں' اور تیرے سینہ میں کھٹکتے رہیں گے' تب ابو سفیان فخریہ کہنے لگے **اعل ھبل اعل ھبل** یعنی اے ہبل اونچا ہو جا اونچا ہو جا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو **اللہ اعلی و اجل** یعنی ہبل بے چارہ کیا اونچا ہو گا' اونچا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے' ابو سفیان بولے **ان لنا عزی ولا عزے لکم** یعنی ہمارے پاس تو عزی بت ہے تمہارے پاس کچھ بھی نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو **اللہ مولانا ولا مولی لکم** ہمارا والی اور وارث اللہ تعالیٰ ہے تمہارا کوئی والی وارث نہیں' تب ابو سفیان بولے کہ بدر کا بدلہ ہو گا' ہم تم برابر ہو گئے' عمر فاروق بولے ہرگز نہیں' ہمارے مقتول جنتی' تمہارے مقتول جہنمی' پھر برابری کیسی؟ تب دریائے رحمت الٰہی جوش میں آ گیا اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں حضرت فاروق اعظم کی تائید فرمائی گئی اور مسلمانوں سے اس تکلیف کے عوض آئندہ فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا (تفسیر صاوی و کبیر)۔

تفسیر: ولا تھنوا ولا تحزنوا' لا تھنوا وھن سے بنا' معنی ضعف و کمزوری' ذکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی رب

www.alahazratnetwork.org

انی وھن العظم منی خدایا میری ہڈیاں کمزور ہو گئیں' دراصل **لا توھنوا** تھا' لو گر گیا بعد کے قاعدے سے' **لا تحزنوا حزن** سے بنا' معنی غم و رنج کرنا' **وھن** کا تعلق آئندہ زمانہ سے ہے اور حزن کا تعلق گذشتہ سے' ظاہر یہ ہے کہ دونوں خطاب غازیان غزوۂ احد کو ہیں پھر تمام صحابہ کو' پھر سارے مسلمانوں کو' یعنی اے غازیان احد' تم احد کی تکلیف سے آئندہ کے لئے ضعیف' ناتواں' کمزور نہ ہو جاؤ' آئندہ جملوں کے لئے تیار رہو' اور نہ اس احد کی تکلیف کا غم و پرواہ کرو' **و انتم الاعلون** واؤ حالیہ ہے' **انتم** میں غازیان احد' پھر تمام صحابہ پھر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے' **اعلون' اعلی** کا جمع مذکر ہے' **اعلی علو** کا اسم تفضیل' اس جملہ میں یا ماضی کی طرف اشارہ ہے' یا زمانہ حال کی جانب یا استقبال کی طرف' یعنی جنگ بدر میں تم ان سے اعلیٰ رہے تھے کہ تم نے کفار کے ستر (70) سپاہی مارے تھے اور ستر (70) قید کئے تھے اور بہت سے زخمی' تم نے ستر قیدیوں کا فدیہ لیا تھا' جنگ احد میں کفار صرف ستر مسلمانوں کو شہید کر گئے' تمہارا کوئی قیدی ان کے ہاتھ نہ لگا' نہ تم نے انہیں کوئی فدیہ دیا' یا جنگ احد میں بھی تم ہی اعلیٰ ہو' کہ تمہارے مقتول شہید ہیں' شہادت بڑی اعلیٰ نعمت ہے' ان کے مقتول حرام کی موت مرنے والے' تمہاری ظاہری شکست بھی تمہاری بلندی ہے' نیز تمہاری جنگ اللہ کے لئے ہے' کفار کی جنگ شیطان کے لئے' تم لڑو تو غازی ہو' وہ لڑیں تو فسادی' لہٰذا اعلیٰ تم ہی ہو یا آئندہ تم سربلند رہو گے' چنانچہ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ احد کے بعد صحابہ نے کفار سے کبھی شکست نہ کھائی' غزوۂ حنین میں اگرچہ اولاً مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' مگر پھر جم گئے اور مظفر و منصور ہوئے بلکہ عہد صدیقی و فاروقی میں بھی شکست نہ کھائی' خصوصاً غازیان احد میں سے اگر ایک صحابی بھی کسی جنگ میں شریک ہو گئے' تو فتح و نصرت نے اس لشکر کی قدم بوسی کی (روح المعانی' کبیر وغیرہ) **ان کنتم مومنین** اگر **انتم الاعلون** ماضی یا حال تھا' تو اس میں ان کی جزا پوشیدہ ہے' اور اگر مستقبل تھا تو وہ جملہ اس شرط کی جزاء ہے' یعنی اگر تم مومن ہو تو ایمان لاؤ اور مان جاؤ کہ پہلے بھی تم ہی اعلیٰ تھے اور اس جنگ احد میں بھی تم ہی اعلیٰ رہے' غازی اور شہید بنے' یا اگر تم مومن رہے تو اعلیٰ اور فتح یاب تم ہی رہو گے' یا اے مسلمانو! اگر تم کامل مسلمان ہو تو فتح و غلبہ تمہارا حق ہو گا **ان یمسسکم قرح** یہ تمام آیت **اعلون** کا ثبوت ہے یا **لا تھنوا** کی وجہ' ان شک کے لئے نہیں بلکہ تسلی و تشفی کے لئے ہے کیونکہ غازیان احد کو تکلیف تو یقیناً پہنچی تھی' **یمسس مس** سے بنا' معنی چھونا یا پہنچنا' یہاں دوسرے معنی میں ہے' **قرح' ق** کے فتح سے زخم اور پیش سے بھی' یا تو دونوں ہم معنی ہیں جیسے **جھد و جھد** یا **ضعف و ضعف** اور **وجد و وجدیا** **قرح** فتح سے زخم اور پیش سے زخم کا درد و تکلیف' بعض نے کہا کہ **قرح** فتح سے وہ زخم جو خارجی وجہ سے پہنچے' اور **قرح** پیش سے' وہ زخم جو داخلی وجہ سے لگے' یہاں وہ تکلیف مراد ہے' جو مسلمانوں کو احد میں پہنچی **فقد مس القوم قرح مثلہ'** **فقد** کی فاء تعلیلیہ ہے جزائیہ نہیں' گذشتہ شرط کی جزا تو پوشیدہ ہے' یہ جملہ اس جزاء کی علت ہے' **قوم** سے مراد کفار مکہ ہیں' جو احد میں آئے تھے' اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کفار کی کون سی تکلیف مراد ہے' جو انہیں پہنچی' بعض فرماتے ہیں کہ جنگ بدر کی تکلیف مراد ہے' تو **مثل** سے مراد برابری نہیں بلکہ تشبیہ دینا مقصود ہے' کیونکہ کفار کو بدر میں مسلمانوں سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی اور احد میں مسلمانوں کو کم' بعض کے خیال میں خود جنگ احد کی تکلیف مراد ہے' کیونکہ احد کے شروع میں کفار قریباً پچیس چھبیس مارے گئے تھے' جن میں ان کا علمبردار بھی تھا' اور بہت سے زخمی ہوئے تھے' بعد میں درہ خالی چھوڑ دینے پر مسلمان ستر شہید اور ستر زخمی ہو گئے' اب بھی **مثل** سے مراد برابری نہیں' بلکہ تشبیہ ہے' ورنہ احد میں مسلمانوں کو زیادہ تکلیف پہنچی تھی' یعنی اے غازیان

www.alahazratnetwork.org

احد اگر تمہیں احد میں تکلیف پہنچ گئی تو غم نہ کرو کیونکہ ان کفار کو بھی بدر میں یا خود احد میں اول وقت اسی طرح تکلیف پہنچی (کبیر و معانی)۔ **و تلک الایام نداولہا بین الناس** تلک مبتدا ہے اور ایام خبر نداول ایام کی صفت یا تلک الایام مبتدا ہے اور نداول خبر تلک سے مراد یا تو تکلیف کے دن ہیں یا راحت کے' ایام یوم کی جمع ہے یوم دن کو بھی کہتے ہیں' وقت کو بھی اور وقت میں ہونے والے واقعات کو بھی خواہ واقعات رحمت کے ہوں یا عذاب کے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وذکرھم بایام اللہ** یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور رحمت کے واقعات یاد دلاؤ' **نداول** دول سے بنا بمعنی پھرنا' گھمانا' منتقل کرنا اسی لئے گردش یا باری و نوبت کو دولتہ یا دولتہ کہتے ہیں' مال کو دولت اسی لئے کہتے ہیں کہ گھومتا رہتا ہے' رہٹ کو دولاب اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ گھومتا رہتا ہے' اور پانی گھماتا رہتا ہے' یہ دول اور آب سے بنا' **ناس** سے مراد سارے ہی انسان ہیں مومن ہوں یا کافر' یعنی یہ فتح و ظفر یا شکست اور تکلیف کے زمانے یا ان کے واقعات ہم لوگوں میں گھماتے اور چکر دیتے رہتے ہیں **و لیعلم اللہ الذین امنوا** واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہو کر **نداول** کی علت ہے اور **لیعلم** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' **الذین امنوا** اس کا مفعول' **امنوا** سے مراد مخلص مومن ہیں منافقوں کے مقابل' یا یہ جملہ **ان یمسسکم** کی علت ہے یعنی فتح و ظفر کا قوموں میں الٹتے بدلتے رہنا یا احد میں مسلمانوں کو تکلیف اور ظاہری شکست پہنچ جانا بہت سی حکمتوں سے ہے اور اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ ظاہر ظہور مخلص مسلمانوں کو منافقوں سے چھانٹ کر جان لے کہ منافق تو ان تکالیف پر چیخ اٹھیں یا گھبرا جائیں' مگر مخلص مومن اللہ پر صابر شاکر رہیں' یا اللہ کے دوست صحابہ کرام مخلص مومنوں کو ان علامات سے پہچان لیں' صحابہ کا جاننا پہچاننا گویا رب تعالیٰ ہی کا جاننا ہے (کبیر) **و یتخذ منکم شہداء** یہ جملہ **لیعلم** الخ پر معطوف ہے' اور **نداول** کی دوسری حکمت کا بیان' **یتخذ** اتخاذ سے بنا بمعنی بنانا' جیسے **باتخاذکم العجل** **منکم** کا من ابتدائیہ یا تبعیضیہ ہے **شہداء شہید** کی جمع ہے' جس کے لغوی معنی ہیں حاضر' گواہ' اور اصطلاحی معنی ہیں' وہ مسلمان جو ظلماً مارا جائے' یہ جمع ایسی ہے جیسے کریم کی جمع **کرماء** اور رحیم کی جمع **رحماء** ظریف کی **ظرفاء** یعنی غزوہ احد کی تکالیف میں یا ان واقعات فتح و شکست کے الٹتے بدلتے رہنے میں دوسری حکمت یہ ہے کہ ان کے ذریعہ مسلمانوں کو درجۂ شہادت ملتا ہے' جو اسلام میں بہت اعلیٰ ہے' بعض صحابہ کو غزوۂ بدر میں شرکت نہ کر سکنے پر افسوس ہوا تھا' اور ان کے دلوں میں شوق شہادت تھا' اس غزوۂ احد میں وہ حضرات اپنی مراد کو پہنچ گئے **واللہ لا یحب الظلمین** ظالمین سے مراد یا تو منافقین ہیں' جو احد کی جنگ سے عین موقعہ پر لوٹ گئے یا کفار' یعنی ان کفار احد کے ظاہری غلبہ یا منافقوں کے ان تکالیف سے بچ جانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ ہم کفار یا منافقین سے محبت کرتے ہیں' یہ تو ہمارے ہاں بڑے مردود ہیں' ان کی وجہیں وہ ہیں جو بیان ہوئی ہیں' ان کفار کو حقیقی فتح نہ ملی ہے نہ ملے گی' حقیقی فتح تو تمہاری ہوگی **و لیمحص اللہ الذین امنوا** یہ جملہ **و یتخذ** پر معطوف ہے' اور واقعہ احد کی تیسری حکمت کا بیان' **یمحص** تمحیص سے بنا جس کا مادہ **محص** ہے۔ جس کے لغوی معنی ہیں خالص کرنا' نکھارنا' صاف کرنا' کسی چیز کا ہر عیب سے پاک کر دینا یہاں جماعت صحابہ کو منافقین سے پاک و صاف کر دینا' مخلص و منافق سے پہچان کرا دینا مراد ہے' یعنی واقعہ احد میں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ذریعہ مخلصین کو نکھار دیا' منافقوں سے پاک و صاف کر دیا' اور مخلصین کا چھٹ جانا رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے **و یمحق الکافرین** یہ جملہ **لیمحص** پر معطوف ہے اور واقعہ احد کی چوتھی حکمت' **محق** کے معنی ہیں کم کرنا' بے برکت کرنا یا بتدریج بالکل فنا کر دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے

www.alahazratnetwork.org

یمحق اللہ الربوا ۔ کافرین سے مراد یا تو غزوۂ احد میں آنے والے کفار ہیں یا سارے کفار۔ **تعلیق** اس واقعہ احد میں یہ حکمت بھی ہے کہ اس سے کفار کو کم یا فنا کر دیا جائے گا کہ وہ کفار اس غلبہ سے خوش ہوں گے ان کے حوصلے بڑھیں گے' پھر مسلمانوں سے جنگ کی ہمت کریں گے' اور خوب مار کھائیں گے ان کا یہ غلبہ آئندہ مغلوبیت کا پیش خیمہ ہو گا اگر اب بھی وہ بدر کی طرح شکست ہی کھا جاتے تو آئندہ مسلمانوں کے مقابلہ کی شاید ہمت نہ کرتے اور محفوظ رہتے' یہ مطلب نہیں کہ احد کے سارے کفار ہلاک کر دیئے جائیں گے ان میں سے اکثر بعد میں مسلمان ہو گئے۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! اس غزوۂ احد کے پیش آنے والے واقعات کی بناء پر تم نہ تو آئندہ کے لئے کمزور و سست پڑو اور نہ گذشتہ تکلیف کی کچھ پروا کرو' تم ہی پہلے بھی غالب تھے' اور احد میں بھی غالب رہے اگر سچے مومن ہو تو یہ بات مان لو' یا اگر تم سچے پکے مومن رہے تو ہمیشہ غالب تم ہی رہو گے' یہ سوچ لو کہ اگر احد میں تمہیں کچھ تکلیف پہنچ گئی تو بدر میں یا خود جنگ احد کے شروع میں یوں ہی کفار کو بھی تکالیف پہنچیں' وہ تو سست نہ پڑے' حالانکہ وہ جھوٹے ہیں' تو تم سچے ہو کر ان کی عارضی مغلوبیت پر سست کیوں پڑے جاتے ہو' خیال رکھو کہ یہ فتح و شکست کے واقعات تو قوموں میں لوٹتے بدلتے ہی رہتے ہیں' کبھی کوئی قوم غالب ہے تو کبھی وہ مغلوب' کبھی دن ہے کبھی رات' کبھی چاند پورا ہے کبھی ناقص' کبھی کوئی صحت مند ہے کبھی بیمار' کبھی کوئی دولت مند تو کبھی وہ فقیر' ان عارضی حالات کا دل پر کیوں اثر لیتے ہو' احد شریف کے ان واقعات میں بہت سی مصلحتیں ہیں جن میں سے ایک تو یہ ہے کہ ان تکالیف سے مخلص و مومن ممتاز ہو گئے' اب تک رلے ملے تھے' اب چھٹ گئے اور مخلصین کو ہمیشہ کے لئے منافقین کی چالوں سے امن مل گئی' دوسرے یہ کہ اسی احد شریف میں بعض مخلصین کو اللہ نے درجہء شہادت نصیب کیا کہ یہ حضرات مر کر بھی نہ مرے' اور کفار جی کر بھی مر گئے ہم کافروں سے محبت نہیں فرماتے ان کا یہ غلبہ محبوبیت کی علامت نہیں' تیسرے یہ کہ اس واقعہ احد کی برکت سے نکھار ہو گیا کہ مسلمان تو اپنے تمام گناہوں سے پاک و صاف ہو گئے' منافقوں سے الگ تھلگ ہو گئے اور کفار کے آئندہ مار کھانے' کفر مٹنے کا سامان ہو گیا کہ اب کفار اسی غلبہ سے دھوکا کھا کر پھر مسلمانوں کے مقابل آئیں گے اور مار کھائیں گے خیال رہے کہ احد شریف میں پچھتر (75) مسلمان شہید ہوئے' جن میں سے پانچ مہاجرین تھے' جن میں حضرت حمزہ ابن عبد مطلب اور مصعب ابن عمیر بھی تھے اور ستر (70) انصار (تفسیر خازن)۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کل شہداء احد ستر (70) ہیں' جن میں سے پانچ مہاجر اور پینسٹھ (65) انصار واللہ اعلم' ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کیا کہ مدینہ منورہ کی عورتوں میں ایک عورت انصاری میدان احد میں پہنچی' اپنے بیٹے اور خاوند کو مقتول و شہید پایا' دوسری عورتوں نے بتایا کہ یہ تیرے جوان لخت جگر اور خاوند کی نعشیں ہیں' وہ بولی یہ بتاؤ کہ جناب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کس حال میں ہیں؟ اسے بتایا گیا کہ زندہ ہیں' وہ بولی کہ جب وہ زندہ ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے (روح المعانی) یہ تھا ان بیویوں کا کمال ایمان' ورنہ ماں کو اولاد سے خصوصاً" جوان بیٹے سے جو محبت ہوتی ہے وہ ظاہر ہے' اللہ تعالیٰ ان بیویوں کا صدقہ ہم کو نصیب فرمائے اور ان کے طفیل ہمارے بگڑے حال بنا دے' آمین۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صحابہء کرام رب تعالیٰ کے ایسے محبوب و پیارے ہیں کہ جب ان پر کوئی رنج و غم آتا ہے' تو رب تعالیٰ ان کی تسلی و تشفی کے لئے قرآنی آیتیں اتارتا ہے' تاکہ قیامت تک لوگ یہ آیتیں

www.alahazratnetwork.org

پڑھتے رہیں اور ان کی محبوبیت کے گیت گاتے رہیں جیسا کہ **ولا تحزنوا** سے معلوم ہوا اپنے پیاروں کو ہم تسلی دیتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غلاموں کو رب تعالیٰ تسلی دیتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام کامل مومن تھے' کامل مومن رہے' اور انہوں نے کمال ایمان پر وفات پائی' کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا' اگر تم مومن رہو گے تو **وانتم الاعلون** سربلند رہو گے' اور حضرات سربلند تو رہے' کہ تخت و تاج و خلافت الٰہیہ کے مالک رہے' معلوم ہوا کہ وہ کامل مومن بھی رہے' دیکھو رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ ہم مومنین کو زمین کی خلافت دیں گے' اور انہیں یہ خلافت کامل طور پر عطاء فرمائی۔ **تیسرا فائدہ:** دنیوی تکلیف پر کبھی دین میں سستی نہ کرنی چاہئے' اور نہ اس کا اثر دل میں لینا چاہئے' دنیا کچھ بھی رنگ دکھائے' مگر مسلمان دین پر قائم رہے' یہ بھی **لا تهنوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مسلم قوم کو کفار کے حالات سنا کر جوش دلانا سنت الٰہیہ ہے' جیسا کہ یہاں **مس القوم** فرمانے سے معلوم ہوا' **پانچواں فائدہ:** دنیا میں بلندی اور پستی باری باری سے قوموں کو ملتی ہے' اس پر کسی ایک قوم کا اجارہ نہیں' جیسا کہ **نداولها** سے معلوم ہوا' یہ قانون قدرت قیامت تک جاری ہے' اخبارات دیکھنے والوں کو معلوم ہو گا کہ آج کل بعض بادشاہ اور شہزادے نوکری (مزدوری) کر کے پیٹ پال رہے ہیں' اور ان کے ملک پر ان کے جیتے جی دوسرے قابض ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمانوں کے لئے اتفاقی شکست بھی ترقی درجات کا باعث ہے' جیسا کہ **و يتخذ منكم** سے معلوم ہوا' مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ مار آئے تو غازی' مر گئے تو شہید' لٹ گئے تو روزہ' لوٹ لائے تو عید۔ **ساتواں فائدہ:** مصیبت و تکلیف کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہے' جیسا کہ **و ليعلم الله الخ** سے معلوم ہوا' سچا وہ ہے جو تکلیف میں ساتھ رہے' دیکھو فتح مکہ سے پہلے جن صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانی و مالی خدمات کیں ان کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **اولئك اعظم درجة** لہٰذا کوئی مسلمان صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا' کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشکلات کے ساتھی ہیں' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ کو کبھی نہ بھولے' کیوں؟ اس لئے کہ وہ مصیبتوں کی ساتھی تھیں' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

سبھا پہلی ماں کہف امن و اماں حق گزار رفاقت پہ لاکھوں سلام

آٹھواں فائدہ: کافر خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے مگر رب تعالیٰ کو پیارا نہیں' جیسا کہ **لا يحب الظلمين** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو مگر اسے رب تعالیٰ نکالتا نہیں' جیسا کہ **و يتخذ الخ** سے معلوم ہوا' دیکھو جو حضرات غلطی سے احد کا درہ چھوڑ گئے تھے' انہی کی غلطی سے یہ تمام تکلیف آئیں' مگر انہیں بھی شہداء فرما کر اپنے دامن کرم میں لے لیا۔ **دسواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے ہاں شہید کا بڑا درجہ ہے' جیسا کہ **شهداء** سے معلوم ہوا' اسے شہید اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جان نکلتے ہی جنت بلکہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو جاتا ہے' (شہید بمعنی حاضر) یا اس لئے کہ دوسرے تو اپنی زبان ار کان جنان سے توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں' مگر شہید اپنے خون کے قطروں سے یہ گواہیاں دیتا ہے' دیکھو سب کا خون ناپاک' شہید کا خون پاک' اسی لئے رب تعالیٰ نے شہید کو تیسرے نمبر پر رکھا' کہ فرمایا **من النبين والصديقين والشهداء**۔ **گیارھواں فائدہ:** جہاد میں مومن کا قتل اس کے گناہوں سے نکھر جانے کا ذریعہ ہے' جیسا کہ **وليمحص** سے معلوم ہوا' حتیٰ کہ امام شافعی کے ہاں شہید پر نماز بھی نہیں پڑھی جاتی کہ اس کے سارے گناہ تلوار سے معاف ہو چکے' اب نماز کی ضرورت ہی کیا رہی' اور اسے غسل و کفن تو ہمارے ہاں بھی نہیں' سبحان اللہ شہید ایسا نکھرا کہ اس کے کپڑے و بدن بھی نکھر گئے' دل' نفس اور روح کے نکھار

www.alahazratnetwork.org

کافر کیا پوچھنا۔ بارھواں فائدہ: کافر کا قتل اس کے مٹانے کا ذریعہ ہے جیسا کہ **و یمحق** سے معلوم ہوا کیا لطف ہے کہ قتل ایک ہے مگر نتیجے اس کے دو کہ اس سے مومن بڑھتے اور نکھرتے ہیں مگر کافر گھٹتے اور بگڑتے ہیں، مومن راہ خدا میں مر کر دین و قوم کو زندہ کر جاتا ہے۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک تھا جسے رب تعالیٰ نے ان کے ساتھ بیان فرمایا کہ فرمایا **ان کنتم مؤمنین** ان شک کے لئے آتا ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی: تو یہ ہے کہ تم صحابہ کے ایمان کی فکر تو پیچھے کرنا پہلے خدا کے علم کی خیر مناؤ کہ اسی تقریر سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان شک کے لئے آتا ہے، اور شک بے علم کرتا ہے، معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو خبر نہ تھی کہ یہ ایمان پر رہیں گے یا نہیں **العیاذ باللہ**۔ جواب تحقیقی: یہ ہے کہ ایسے مقام پر ان کر شک کے لئے نہیں ہوتا بلکہ سننے والے کو جوش دلانے کے لئے ہوتا ہے، ماں اپنے سگے بیٹے سے کہتی ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری نافرمانی نہ کرنا کیا اسے اس کے بیٹا ہونے میں شک ہے، کتاب اللہ کی فہم کے لئے عقل کے ساتھ ایمان کی بھی ضرورت ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبتوں پر غم کرنا ایسا ہی ممنوع ہے جیسے دیگر محرمات شرعیہ کیونکہ وہاں بھی صیغہ نہی آیا ہے، یہاں بھی پھر تو سارے مسلمان فاسق ہوئے کہ مصیبت پر غم ایک غیر اختیاری چیز ہے، جو سب ہی کو ہوتا ہے۔ جواب: مطلقاً غم ممنوع نہیں، بلکہ غم کے باعث دین میں سستی کرنا ممنوع ہے، اسی لئے یہاں **لا تحزنوا** کو **لا تھنوا** کے ساتھ جمع فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو واقعات عالم کا پہلے سے علم نہیں ہوتا بلکہ ہو چکنے پر وہ جانتا ہے، دیکھو یہاں فرمایا گیا **لیعلم اللہ** تاکہ اللہ جان لے اور دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا** اب تک اللہ نے مجاہدین کو نہ جانا، ایک جگہ فرمایا گیا **الا لنعلم من یتبع الرسول**۔ نوٹ: مسلمانوں میں ایک ملحد گزرا ہشام ابن حکم، اس نے ان آیات کی بناء پر یہی مذہب اختیار کیا کہ رب تعالیٰ کو علم واقعات ہو چکنے کے بعد ہوتا ہے، اور اس زمانہ میں وہاں بیوں کے بعض جہلاء نے بھی یہی عقیدہ اختیار کیا۔ جواب: اس اعتراض کے علماء نے مختلف جواب دیئے ہیں، جن میں سے بڑا پیارا جواب یہ ہے کہ یہاں اللہ کے پیاروں یعنی صحابہ کرام کا جاننا مراد ہے، ان کی عزت افزائی کے لئے رب تعالیٰ نے ان کے علم کو اپنی طرف منسوب فرمایا لہذا مطلب یہ ہوا کہ تاکہ صحابہ کرام مخلصوں و منافقوں کو جان پہچان لیں (تفسیر کبیر و خازن)۔ جیسے **یخدعون اللہ** کی تفسیر میں خازن نے فرمایا **یخدعون رسول اللہ** بعض نے فرمایا کہ اللہ ممتاز کر دے، ظاہر کر دے، ظاہر کر کے جان لے وغیرہ۔ چوتھا اعتراض: جب مسلمان خدا کے پیارے ہیں تو ان پر گردشیں آتی ہی کیوں ہیں؟ **نداولھا** سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کبھی مسلمانوں کا مددگار ہو جاتا ہے کبھی کافروں کا، یہ عجیب دوستی ہے کہ دوست کو دشمنوں سے پٹوا لیا جائے، تمہارے بزرگوں کا کلام بھی اس کے خلاف ہے، چنانچہ سعدی کہتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا کہ در دست دشمن گذارد ترا (آریہ)

جواب: اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ اعتراض تم پر بھی پڑ سکتا ہے، پنڈت جی بولو! تم لوگ خدا کے پیارے ہو یا نہیں؟ اگر

www.alahazratnetwork.org

نہیں تو چھوڑو اس دھرم کو جس میں رہ کر تم مردود بن گئے اور اگر ہو تو پھر دوسروں کے ہاتھ مار کیوں کھاجاتے ہو ' پرماتما تمہاری مدد کیوں نہیں کرتا؟؟ قریباً" آٹھ سو سال تک تم پر ہتیارے مسلمانوں نے حکومت کیوں کی؟ جواب تحقیقی: یہ ہے کہ دنیا میں ایمان بالغیب ضروری ہے ' اگر ہمیشہ مسلمانوں کو ہی فتح ہوا کرے تو یہ دیکھ کر سارے کافر مسلمان ہو جائیں یعنی اسلام کی حقانیت شہادت بن جائے ' اس لئے کبھی مسلمانوں سے ایسی غلطیاں سرزد ہو جاتی ہیں جس سے مسلمان شکست کھاجاتے ہیں ' شیخ سعدی نے اس کے خلاف نہیں فرمایا ' وہ تو فرمارہے ہیں کہ اگر تم خدا کے دوست ہو تو وہ تمہیں دشمنوں میں چھوڑے گا نہیں ' کبھی پھنس جاؤ گے تو رہائی دے گا ' اور صحابہ کرام کی تکالیف تاقیامت مسلمانوں کے لئے مثال ہے کہ آئندہ مسلمان تکالیف میں گھبرایا نہ کریں ' بلکہ ایسے حالات میں ان بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیا کریں۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا دل کاشانہ عیار ہے ' جس میں سوائے محبوب اور اس کے سامان کے دوسرے کی گنجائش نہیں دنیا کے رنج و غم ' راحت و خوشی دل میں نہیں جانے پاتے کہ وہاں ان کی جگہ ہی باقی نہیں رہی ' چاہیئے یہ کہ دل دنیاوی خوشی و غم میں رہے ' خوشی و غم دل میں نہ رہے۔

دیکھ اے آتش سوزاں میرا گلشن نہ جلے   چاہے رگ رگ جلے پر یار کا مسکن نہ جلے

اسی لئے فرمایا گیا اے مسلمانو! تم تو بہت اونچے پہنچ چکے ہو ' دنیوی رنج و غم تو بہت نیچے کی چیزیں ہیں ' وہ تم تک کیسے پہنچ سکتے ہیں ' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے نمک کی کان میں جو چیز پہنچے نمک بن جاتی ہے اور گندھک سے جو دھات لگے سونا بن جاتی ہے ' ایسے ہی جو مصیبت و راحت مومن کو پہنچے ' وہ اس کا ایمان بن جاتی ہے ' مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ گیرد علتے علت شود   کفر گیرد ملتے ملت شود!

حضرت مولانا حسن رضا خان صاحب فرماتے ہیں۔

جو کچھ نمک کی کان میں آیا نمک ہوا   قاتل کے تیر بھی مرے ارمان ہو گئے

دیکھو رب تعالیٰ نے غازیان احد کے لئے وہاں کی تکلیف کو شہادت ' نکھار ' علم یقین کا ذریعہ بنایا ' روح البیان نے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ایک جنگل میں ایک شخص کو حیرانی کی حالت میں بیٹھا ہوا دیکھا ' جو برابر آسمان کو دیکھ رہا تھا ' دنیا و مافیہا سے بے خبر تھا ' آپ نے اسے آواز دی ' بازو پکڑ کر ہلایا ' مگر اسے مطلقاً خبر نہ ہوئی ' وحی آئی کہ اے عیسیٰ اگر تم اسے قتل بھی کر دو تو اسے خبر نہ ہو گی ' کیونکہ ہم نے اس کے دل میں اپنی معرفت کا ایک ذرہ رکھ دیا ہے ' جسے لوھر کی خبر ہو جائے وہ لوھر کا نہیں رہتا ' مگر خیال رہے کہ مجاہدہ کے بعد مشاہدہ ملتا ہے ' ان نعمتوں کو حاصل کرنے کے لئے محنتوں کی ضرورت ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا یَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ
کیا تم نے خیال کر لیا ہے کہ داخل ہو جاؤ تم جنت میں حالانکہ اب تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جو
کیا اس گمان میں ہو کہ جنت میں چلے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے تمہارے غازیوں کا امتحان

www.alahazratnetwork.org

جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۱۴۲ وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ
جہاد کریں تم میں سے اور نہ جانا صبر والوں کو اور بے شک تم تمنا کرتے تھے موت کی
نہ دیا اور نہ صبر والوں کی آزمائش کی اور تم تو موت کی تمنا کیا کرتے تھے
مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ۝۱۴۳
اس سے پہلے کہ تم ملو اس سے بس بیشک دیکھ لیا تم نے اسے حالانکہ تم نظر کر رہے تھے
اس کے ملنے سے پہلے تو اب وہ تمہیں نظر آئی آنکھوں کے سامنے

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں جنگ احد کی مصیبتوں کی تین حکمتیں ارشاد ہوئیں' اب چوتھی حکمت کا ذکر ہو رہا ہے' یعنی پچھلی آیتیں بھی بیان حکمت کی تھیں' اور یہ آیت بھی اسی کی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں واقعات احد کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہوا' اب اس آیت میں انہی کے دینی فائدے کا ذکر ہے' یعنی وہاں شہادت و کھرے کھوٹے کی چھانٹ وغیرہ مذکور تھے' اب جنت میں داخلے کا ذکر ہے' جس کا ظہور قیامت کے بعد ہو گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ ان واقعات سے مومنوں کا نکھار اور کافروں کا مٹانا مقصود ہے' اب اس آیت میں اس نکھار کا مقصد بتایا جا رہا ہے کہ جنت کا داخلہ نکھرے ہوئے اور ستھرے ہوئے مسلمانوں کو میسر ہو گا۔

تفسیر: **ام حسبتم ان تدخلوا الجنة** ظاہر یہ ہے کہ **ام** منقطعہ ہے بمعنی بل و ہمزہ استفہام' **حسبتم' حسبان** سے بنا بمعنی خیال و گمان' خیال درست ہو یا غلط' مگر یہاں غلط خیال مراد ہے' غالباً اس میں خطاب ان غازیان احد سے ہے' جن کے قدم اکھڑ گئے تھے یا جنہیں ان مصیبتوں سے کچھ دل تنگی ہو گئی تھی' صابرین و شاکرین سے نہیں (معانی و کبیر وغیرہ) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ بظاہر خطاب غازیان احد سے ہے' مگر درحقیقت آئندہ مسلمانوں کو سنانا ہے کہ ان لوگوں نے تو صبر و جہاد کا حق ادا کر دیا' **داخلہ** سے مراد جزاء کے لئے داخلہ ہے' آدم علیہ السلام کا کچھ روز جنت میں رہنا اور ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج کی شب جنت میں جانا جزاء نہ تھا' **جنت** سے مراد کسبی جنت ہے نہ کہ وہبی و عطائی' لہٰذا آیت بالکل صاف ہے' خیال رہے کہ جنت میں روحانی داخلہ شہداء وغیرہ کو مرتے ہی مل جاتا ہے مگر جسمانی داخلہ سب کو بعد قیامت ملے گا' یعنی اے غازیان احد یا اے گھبرا جانے والو! کیا تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ تم جنت میں یونہی پہنچ جاؤ گے **ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم' لما' لم** اور **ما** سے بنا' **لم** مطلقاً ماضی کی نفی کے لئے آتا ہے' **لما** ماضی میں نفی کے استغراق اور آئندہ کی توقع کے موقع پر استعمال ہوتا ہے' **لم یضرب** اس نے نہ مارا' **لما یضرب** اس نے اب تک تو نہیں مارا' آئندہ مارنے کی توقع ہے' زجاج کہتے ہیں کہ اگر کہا جائے کیا فلاں نے یہ کام کیا؟ تو جواب ہو گا **لم یفعل** نہ کیا اور نہ کہا جائے کیا فلاں نے یقیناً یہ کام کیا تو جواب ہو گا **لم یفعل** نہ کیا اور یہ کہا جائے کیا فلاں نے یقیناً یہ کام کیا تو جواب ہو گا **لما یفعل** ہرگز نہ کیا (کبیر و معانی) گویا **لما** میں نفی مع مبالغہ ہوتی ہے' یہاں اللہ کے علم کی نفی سے مراد یا ظہور علم کی نفی ہے یا خود واقعہ کی نفی' کیونکہ علم الٰہی واقعہ کے مطابق ہونا ضروری ہے بلکہ واقعہ کا علم الٰہی کے موافق ہونا لازم اور لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی خود بخود ہو جاتی

www.alahazratnetwork.org

ہے لہٰذا اللہ کے نہ جاننے سے مراد اس کا واقع نہ ہونا ہے کہ اگر واقع ہوتا تو اللہ یقیناً جان لیتا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ کے علم سے مسلمانوں کا علم مراد ہو، حضرت مترجم قدس سرہ نے ان دونوں علموں کا ترجمہ امتحان و آزمائش فرمایا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم سے علم ظہور مراد ہے، جو آزمائش کے بعد ہوتا ہے، کیونکہ رب تعالیٰ کا علم ازلی قدیم ہے، لہٰذا آیت بالکل بے غبار ہے، **جاھدوا** **جھد** سے بنا بمعنی مشقت اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنے کو جہاد اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں جانی و مالی بہت مشقتیں ہوتی ہیں، یعنی اب تک رب تعالیٰ نے ظاہر کر کے تمہارے غازیوں کو نہ جانا، یا رب تعالیٰ نے ابھی غازیوں کی آزمائش نہیں فرمائی، یا اب تک مسلمانوں نے غازیوں کو نہیں جانا **و یعلم الصبرین** **یعلم** سے پہلے **ان** مقدر ہے، کیونکہ یہ واؤ صرف ہے، جس کے بعد **ان** پوشیدہ ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے **لا تاکل السمک و تشرب اللبن** امام حسن کی قرات میں اس **یعلم** کے میم کو زیر ہے، کیونکہ ان کے ہاں واؤ عاطفہ ہے، اور یہ **یعلم** پہلے **یعلم** پر معطوف ہے اور **لما** کی وجہ سے مجزوم، **صبرین** سے مراد یا شہداء ہیں کہ وہ لوگ صابروں کے سردار ہیں یا جہاد میں جم کر لڑنے والے غازی یا مطلقاً ہر مصیبت میں صبر کرنے والے لوگ یعنی نہ اب تک اللہ نے صابروں کو ظاہر طور پر جانا ہے یا آزمایا ہے، خیال رہے: کہ ایک قرات اس **یعلم** کے پیش سے ہے، اس صورت میں یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور جملہ نیا اب معنی یہ ہوں گے کہ رب تعالیٰ صابروں کو جانتا ہے انہیں بقدر صبر اجر دے گا **ولقد کنتم** اس میں خطاب یا تو ان صحابہ سے ہے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، کیونکہ اس وقت نہ جنگ کا اعلان تھا نہ اس کا ارادہ، صرف ابو سفیان کے قافلہ کو روکنے کا قصد تھا، کچھ صحابہ گئے تھے، کچھ نہ گئے تھے واقعہ بدر کے بعد نہ جانے والے بہت پچھتائے اور روئے کہ اے کاش! ہم بھی وہاں ہوتے تو جام شہادت پیتے، یا ان صحابہ سے ہے جنہوں نے غزوۂ احد کے موقعہ پر شوق شہادت میں مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کی مخالفت کی تھی، میدان کارزار میں جا کر جارحانہ جنگ پر زور دیا تھا **تمنون الموت** **تمنون** تمنی سے بنا جس کا مادہ منی ہے بمعنی آرزو، خواہش جمع امانی، تمنا ممکن بات کی بھی ہوتی ہے ناممکن کی بھی مگر امید صرف ممکن کی ہوتی ہے، یہ کہا جا سکتا ہے کہ کاش جوانی لوٹ آتی، مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ شاید جوانی لوٹ آئے، **موت** سے مراد راہ خدا میں موت یعنی شہادت ہے، اس کی تمنا بری نہیں بلکہ عبادت ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اس سے جنگ مراد ہو، کیونکہ یہ سبب موت ہے، یعنی اے بدر سے رہ جانے والے صحابہ یا اے میدان احد میں آنے کی کوشش کرنے والے جانثارو! تم تو شہادت یا جہاد کی تمنا کرتے تھے **من قبل ان تلقوہ** جار مجرور **تمنون** کے متعلق ہے، **تلقوہ** لقاء سے بنا **ہ** کا مرجع موت ہے یعنی تمہاری آرزوئے شہادت موت یا علامات موت یا اسباب موت (جنگ) دیکھنے سے پہلے تھی، وقت پڑنے پر تم گھبرا گئے **فقد رایتموہ و انتم تنظرون** **فقد** کی فاء تعقیبیہ ہے یا تعلیلیہ اور **و انتم** کا واؤ حالیہ ہے، اور مابعد واؤ ہے، یا تو **رایتموہ** کے واؤ سے حال ہے یا **ہ** ضمیر سے۔ رویت اور نظر قریب المعنی ہیں، یہاں یا تو رویت سے مراد آنکھوں سے دیکھنا ہے، اور نظر سے مراد دل سے دیکھنا اور غور کرنا یا دونوں بالکل ہم معنی ہیں، اور دوسرا جملہ پہلے کی تاکید جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا یا آنکھیں کھول کر دیکھا، یا ایسی آنکھوں سے دیکھا جن میں کوئی بیماری نہیں یعنی تم نے اس تمنا کی ہوئی موت کو ظاہر ظہور آنکھوں کے سامنے دیکھ لیا یا آنکھوں سے دیکھا اور دل سے پہچان لیا کہ موت ایسی سخت چیز ہے، بعض لوگوں نے فرمایا کہ **تنظرون** کا مفعول لفظ محمد ہے، یعنی تم نے موت کو اس حال میں دیکھا کہ تمہاری نظریں حضور انور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر لگی ہوئی تھیں۔ (معانی)۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! کیا تمہیں یہ خیال ہو گیا ہے کہ تم جنت جیسے اعلیٰ مقام میں یونہی پہنچ جاؤ گے' تمہارا امتحان آزمائش کچھ نہ ہوگی؟ ابھی تو رب تعالیٰ نے یہ دیکھا بھی نہیں ہے کہ تم میں مجاہد کون ہے' غیر مجاہد کون' صبر والا کون ہے گھبرانے والا کون' جب تک کہ یہ چھانٹ نہ ہو' تب تک جنت میں داخلہ کیسا؟ وہاں تو چنے ہوئے' نکھرے ہوئے' ستھرے ہوئے مسلمانوں کی جگہ ہے' خیال رہے کہ یہ سوال بمعنی نفی ہے یعنی ایسا خیال کبھی نہ کرنا' جنت میں جانا ہے تو اس کے لئے مشقتیں برداشت کرنا پڑیں گی' جب دنیا کی فانی نعمت بغیر محنت نہیں ملتی' تو وہ نعمت لازوال بغیر کمال کیسے ملے گی' تم تو اس سے پہلے جہاد کی شہادت کی تمنائیں کرتے تھے اور تمہاری آرزو تھی کہ کبھی ہمیں جانثاری کا موقع ملے' اب تم نے ظاہر ظہور اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ جہاد یہ ہے اور موت ایسی ہوتی ہے' تمہیں یہ دکھانے کے لئے یہ واقعات پیش آئے آئندہ کبھی مصیبت میں گھبرا نہ جانا' اور آفات ناگہانیہ میں دل چھوڑ نہ دینا' ہمیشہ ثابت قدمی سے جہاد کرنا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ سے امید ایمان کا رکن ہے' مگر صحیح امید یہ ہے کہ پہلے اس کی فرمانبرداری کرے' پھر اس کے کرم سے امید رکھے' نیکی نہ کرنا اور امید رکھنا بوالہوسی ہے' بدکاریاں کرنا اور امید رکھنا گویا اسلام کا مذاق اڑانا ہے' جیسا کہ **ولما یعلم اللہ** سے معلوم ہوا' ایک شاعر کہتا ہے۔

ترجوا النجاة ولم تسلک مسالکها ان السفینة لا تجری علی الیبس

امید کی کشتی نیکیوں کے دریا میں تیراؤ' ریتے میں کشتی نہیں تیرتی' حضرت شہر ابن حوشب فرماتے ہیں کہ گناہ کر کے جنت کی طلب' یہ بھی گناہ ہے' شفاعت کا انتظار بغیر سبب دھوکا ہے' جس کی اطاعت نہ کی جائے' اس کی رحمت کا انتظار حماقت ہے (روح المعانی)۔ **دوسرا فائدہ:** جنتیوں اور دوزخیوں کی حقیقی چھانٹ تو قیامت ہی میں ہوگی' کہ جنتیوں کے منہ اجیالے' دوزخیوں کے کالے ہوں گے وغیرہ' مگر اس چھانٹ کی علامات دنیا میں بھی قائم ہیں' جن سے یہاں ہی جنتی' دوزخی کا اندازہ" پتہ لگ جاتا ہے' ان علامات میں سے جہد اور صبر بڑی علامتیں ہیں' انشاء اللہ مجاہد اور صابر جنتی ہیں' جیسا کہ **جاھدوا** اور **صابرین** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہمیشہ نیک اعمال میں رب تعالیٰ کی رضا کی نیت کرنی چاہئے' دکھلاوے اور دنیاوی نام و نمود کا ارادہ ہرگز نہ کرے' یہ بھی **ولما یعلم اللہ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تمنائے شہادت جائز بلکہ بہتر ہے' جیسا کہ **الموت** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جنگ کی تمنا بہتر نہیں' جیسا کہ **الموت** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' کہ موت سے مراد جنگ ہے' اور یہ کلام عتابانہ ہے' اور فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنگ کی دعائیں نہ کرو' اللہ کریم سے امن و عافیت مانگو' اور جب جنگ آپڑے تو صبر و استقامت سے کام لو۔ **چھٹا فائدہ:** بارگاہ الٰہی میں حضرات صحابہ کا بڑا احترام ہے' کہ ان کی خطاؤں کا ذکر بھی اس طرح فرماتا ہے' کہ ان کے احترام و عزت میں فرق نہ آئے' دیکھو جن کے قدم جنگ احد میں اکھڑ گئے تھے' ان سے یہ نہ فرمایا کہ تم نے بغیر عمل جنت میں جانے کی نیت کر رکھی ہے بلکہ استفہام انکاری کے طریقہ پر یہ مضمون ادا کیا' یہ سب کچھ ہماری تعلیم کے لئے ہے' دیکھو داؤد علیہ السلام کو ان کی ایک لغزش یا خطاء پر خبردار کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے ان کی خدمت میں دو فرشتے فتویٰ لینے بھیجے' جنہوں نے عرض کیا کہ اس کے پاس 99 بکریاں ہیں' میرے پاس ایک' مجھ سے وہ یہ ایک بھی لینا چاہتا ہے' فرمایئے اس کے متعلق آپ کا کیا حکم ہے؟ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو بے دھڑک حضرات انبیاء کرام پا

www.alahazratnetwork.org

صحابہ عظام پر زبان طعنہ دراز کرتے رہتے ہیں' رب تعالیٰ تو رب تعالیٰ ہو کر ان کا احترام فرمائے اور یہ بندے ہو کر بے لگام ہو جائیں' ساتواں فائدہ: سارے صحابہ جنتی ہیں' جیسا کہ **ان تدخلوا** الخ سے معلوم ہوا' کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں ان حضرات کے جنتی ہونے کی نفی نہ فرمائی' بلکہ انہیں جنت میں جانے کی تدبیر بتائی کہ تم جنت کے لئے منتخب ہو چکے ہو فلاں فلاں نیکیاں کرو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام آرام طلب تھے' بغیر محنت جنت میں جانا چاہتے تھے' اس میں ان کی بدعقیدگی بھی تھی اور بدعملی بھی' ورنہ رب تعالیٰ اس آیت میں ان کی تردید **ام حسبتم** الخ سے نہ فرماتا۔ **جواب:** یہ آیت ہی بتا رہی ہے کہ ان کے دل میں آرام طلبی اور بغیر عمل جنت میں جانے کا خیال بھی پیدا نہیں ہوا' اسی لئے رب تعالیٰ نے انکاری سوال کے ذریعہ انہیں آئندہ کے لئے اس سے منع فرمایا' یہ فرمایا کہ تم ایسا گمان کئے بیٹھے ہو' اور بہت دفعہ نیک کاروں کو بھی برائیوں سے منع فرمایا جاتا ہے' حضرت لقمان نے اپنے مومن بیٹے سے کہا تھا **یا بنی لا تشرک باللہ** بیٹا! کبھی شرک نہ کرنا' رب تعالیٰ نے میثاق کے دن حضرات انبیاء علیہم السلام سے فرمایا تھا' جو اس عہد سے پھرے گا وہ فاسق ہو گا' حالانکہ وہاں پھرنے کا احتمال بھی نہ تھا' افسوس کہ معترض کی نظر ان بے عیبوں کی طرف تو اٹھتی ہے مگر کبھی اپنے گریبان میں منہ نہیں ڈالا جاتا کہ ہم نے اسلام کی خدمات میں کون سی قربانیاں پیش کیں اور کیا بہادری دکھلائی وہ حضرات تو قرآن شریف جمع کرکے' ملک فتح کرکے' لاکھوں کو مسلمان بنا کر دین کو دنیا میں پھیلا کر ہم تک اسلام پہنچا کر دنیا سے گئے ہم نے کون سا کام کیا اللہ تعالیٰ انہیں ہم سب کی طرف سے جزائے خیر دے کہ ہمیں ان کی بدولت ہی دولت ایمان ملی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو واقعات عالم کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی' جب واقعات عالم رونما ہو جاتے ہیں تب جانتا ہے' جیسا کہ **لما یعلم اللہ** سے پتہ لگا۔ **جواب:** اس کی جوابات تفسیر میں گزر گئے' یہاں ایک مثال سمجھ لو' ایک شخص ایک مکان بنانا چاہتا ہے تو پہلے اس کا نقشہ اپنے ذہن میں لیتا ہے' پھر اسے کاغذ پر کھینچ کر اپنے ذہنی نقشے کے مطابق کرتا ہے' پھر مکان بنا کر اسے دیکھتا ہے' اور اپنے ذہنی اور کاغذی نقشوں کے مطابق پاتا ہے' اس شخص کو اس مکان کے تین علم ہوئے ایک ذہنی نقشہ قائم کرتے وقت' دوسرا کاغذ کا نقشہ دیکھ کر' تیسرا اس مکان کو دیکھ کر ان تینوں علموں کے اوقات جداگانہ ہیں' رب تعالیٰ کو عالم کے ذرہ ذرہ کا پہلے ہی سے علم تھا' یہ علم قدیم ہے' پھر اس کا نقشہ لوح محفوظ پر کھینچا گیا اور اس کھینچے ہوئے نقشہ کا علم بھی خدا کو ہوا مگر نقشہ کھینچنے کے بعد پھر ان نقشوں کے مطابق عالم ظہور میں آیا' اس عالم کو دیکھ کر بھی رب تعالیٰ کو مشاہدہ سے علم ہوا مگر عالم بن جانے کے بعد یہ آخری دونوں علم حادث ہیں' جہاں کہیں قرآن کریم میں یہ ارشاد ہوا' تاکہ ہم جان لیں یا اب تک ہم نے نہیں جانا' اس سے یہ تیسرا علم ہی مراد ہوتا ہے جسے علم ظہور کہتے ہیں' ہم کو بھی یہ تین قسم کے علوم حاصل ہیں جسے علم الیقین' عین الیقین اور حق الیقین کہا جاتا ہے' ہم کو جنت کا آج بھی علم ہے اور دیکھ کر بھی علم ہو گا مگر ان دونوں علموں میں فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بغیر جہاد و صبر کے اور نیک اعمال کے جنت نہیں مل سکتی تو چاہئے کہ مسلمانوں کے فوت شدہ بچے دیوانے اور گنہگار جنہوں نے اپنی عمریں گناہوں میں گذاریں' جنت میں نہ جائیں' حالانکہ تمہارا عقیدہ اس کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں جنت عملی و کسبی کا ذکر ہے' جنت عطائی وہبی کا ذکر دوسری آیتوں اور احادیث میں ہے' واقعی جنت کسی بغیر

www.alahazratnetwork.org

اعمال نہیں ملتی' اچھوں کے طفیل ہم بروں کا جنت میں جانا عطائی یا وہبی طور پر ہوگا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام موت کی تمنا کرتے تھے' حالانکہ حدیث شریف میں اس سے منع فرمایا گیا ہے اور اسے جرم قرار دیا گیا۔ **جواب:** حدیث شریف میں تمنائے موت سے ممانعت اس صورت کی گئی' جبکہ دنیوی تکلیف سے پریشان ہو کر ہو' لیکن شہادت کے شوق' دیدار مصطفوی کے ذوق اور رب تعالیٰ سے ملنے کی خواہش کی بناء پر یہ تمنا ہو تو بہت بہتر ہے' اس آیت میں یہ آخری تمنا ہی مراد ہے' حضرت خالد ابن ولید' ضرار ابن ازور' عبداللہ ابن رواحہ وغیرھم جلیل القدر صحابہ سے یہ تمنا بلکہ شوق شہادت ثابت ہے' خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' میری تمنا یہ ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل ہوؤں' پھر زندہ ہوؤں' پھر قتل ہوؤں' پھر زندہ ہوؤں' پھر قتل ہوؤں۔ حضرت عمر فاروق نے دعا مانگی تھی کہ خدایا مجھے اپنے حبیب کے شہر میں شہادت کی موت دے' جو قبول ہوئی' اور آپ کو بے مثال شہادت نصیب ہوئی۔ **پانچواں اعتراض:** اپنی شہادت کی تمنا در پردہ کفار کے غلبہ کی تمنا ہے' لہٰذا یہ بھی منع ہونی چاہئے۔ **جواب:** ہرگز نہیں' بلکہ اس میں اپنی بلندی درجات کی نیت ہے' جو شہادت سے نصیب ہوتی ہے' اس میں غلبہء کفار کا خیال بھی نہیں ہوتا' جیسے بیمار مسلمان کافر حکیم سے علاج کرائے تو اس کی نیت اپنی شفاء ہے نہ کہ اس کافر کی نفع رسانی یا اس کی دکان چمکانا۔

تفسیر صوفیانہ: گرنا آسان ہے مگر چڑھنا مشکل' کنوئیں میں گرنے کے لئے فقط چھلانگ لگا دینا ہی کافی ہوتا ہے' مگر وہاں سے نکلنے کے لئے سیڑھی یا رسی' پھر اس کا پکڑنا' پھر اس پر چڑھنا غرضیکہ بہت چیزیں درکار ہیں' ہمیں دنیا میں گرانے کی کوشش نفس کر رہا ہے اور رب تعالیٰ ہمیں اونچا کرنا پسند کرتا ہے' اس لئے اس کریم نے یہاں اعمال کی سیڑھی بھی لگائی ہے اور کرم کی ڈور بھی لٹکائی ہے' اور ہمیں اس رسی کے پکڑنے کا بھی حکم دیا ہے اور اس سیڑھی پر چڑھنے کا بھی' اس آیت کریمہ میں اس سیڑھی کا ہی ذکر فرمایا گیا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حب دنیا اور سعادت آخرت کبھی جمع نہیں ہو سکتے' ان دونوں میں سے ایک جس قدر زیادہ اور قوی ہوگی' اسی قدر دوسری کم اور کمزور' رب تعالیٰ نے اس آیت میں ہمیں آرام طلبی سے منع فرمایا' حب الٰہی اور حب آخرت ایک دعویٰ ہے' جس کے دلائل نیک اعمال اور مکروہات میں صبر اور حرام چیزوں سے اپنے کو روکنا ہیں' محبت کامل وہ ہے جو یار کی جفا سے کم نہ ہو' اور اس کی وفا سے زیادہ نہ ہو' یہاں فرمایا گیا کہ اے مسلمانو! تم ایمان لا کر میری محبت کے دعویدار بنے' اس کے کچھ دلائل تو دو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا و ھم لا یفتنون** کسی نے حضرت شبلی سے پوچھا کہ عارف کی پہچان کیا ہے؟ فرمایا جس کی زبان ناطق ہو' دل صادق ہو' سر واثق ہو' روح سابق ہو' جو اللہ کی راہ میں سبقت کرے اور وہ خود اللہ پر عاشق ہو' جس میں یہ باتیں نہ ہوں وہ معرفت کا مدعی ہے عارف نہیں' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

تحمل چو زہرت نماید نخست ولے شہد گردد چو در طبع رست
زعلت مدار اے خردمند بیم چو داروئے تلخ فرستد حکیم!

یعنی مصائب بظاہر زہر ہوتے ہیں' حقیقت میں شہد' عقل مند کو چاہئے کہ آفات سے گھبرا نہ جائے' یہ تو کڑوی دوا ہے' جو حکیم نے ہماری شفاء کے لئے بھیجی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنْ

اور نہیں ہیں محمد مگر پیغمبر بے شک گزر گئے ان سے پہلے بہت رسول تو اگر وہ

اور محمد تو ایک رسول ہیں ان سے پہلے اور رسول ہو چکے تو کیا اگر وہ

مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ

وفات پا جائیں یا شہید کر دیئے جائیں تو تم لوٹ جاؤ گے اپنی ایڑیوں پر اور جو لوٹ چلے اپنی ایڑیوں

انتقال فرمائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جو الٹے پاؤں پھرے گا

فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـًٔا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

پر تو وہ ہرگز نہ نقصان دے گا اللہ کو کچھ بھی اور عنقریب جزا دے گا اللہ شکر گزاروں کو

اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور عنقریب اللہ شکر والوں کو صلہ دے گا

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو آئندہ جنت کی بشارت دے کر بہادر بنایا گیا کہ اگر تم جنتی بننا چاہتے ہو' تو ثابت قدمی اور بہادری دکھاؤ' اب اس آیت میں پچھلی امتوں کا اجمالی ذکر سنا کر انہیں بہادر بنایا جا رہا ہے کہ پہلے بہت رسول گزرے' اور ان کی امتوں نے بڑی دینی خدمات کیں' تم خیر الامم ہو کر ان سے بڑھ کر بہادر و دلیر بنو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اخلاص کی تعلیم دی گئی کہ ہر نیکی رب تعالیٰ کو دکھانے کے لئے کرو' اب انہی کو استقامت کی تعلیم دی جا رہی ہے کہ ہمارے محبوب زندہ رہیں یا وفات پا جائیں' تم دین پر قائم رہو' ان کی وفات کی خبر سن کر گھبرا نہ جاؤ' اخلاص و استقامت ہی کامیابی کی چابی ہے۔ **تیسرا تعلق:** اس سے پچھلی آیت میں مسلمانوں کو خبر دی گئی تھی کہ تمہاری چھانٹ کرنے کے لئے کچھ آزمائشیں آئیں گی تاکہ منافق و مخلص الگ ہو جائیں' اب ایک بڑی آزمائش کی خبر دی جا رہی ہے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف جو مسلمانوں کے لئے تمام آزمائشوں سے بڑی آزمائش ثابت ہوگی' گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیت **و لیمحص اللہ** الخ کے اجمال کی کچھ تفصیل ہے۔

شان نزول: ہم جنگ احد کے بیان میں بدر کے غازیوں پر مصیبتوں کی تفصیل اور ان کی وجہ' صحابہ کرام کی جانثاری و فداکاری تفصیل وار عرض کر چکے ہیں کہ حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنے بدن سے کی' کفار کے تیر اپنے پر لئے' جس سے آپ کا ایک ہاتھ شل (خشک) ہو گیا' حضرت قتادہ ابن نعمان بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آپ کی حفاظت کے لئے کھڑے تھے' ایک تیر آپ کی آنکھ پر لگا' جس سے آپ کی آنکھ نکل کر رخسارہ پر آ گئی' اگرچہ احد کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ نکلی ہوئی آنکھ اس کی جگہ پر فٹ کر کے اس میں اپنا لعاب دہن لگایا' جس سے وہ دوسری آنکھ سے زیادہ روشن اور تندرست ہو گئی (روح المعانی) اور حضرت انس ابن مالک کے چچا انس ابن نضر نے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سنی' تو بولے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جی کر کیا ہوگا' میں بھی آپ ہی کے

www.alahazratnetwork.org

راستہ پر جاؤں گا' یہ کہہ کر کفار کی بھیڑ میں مار دھاڑ کرتے گھس گئے' 83 زخم کھا کر شہید ہو گئے' ایک مهاجر ایک انصاری کے تڑپتے ہوئے لاشہ پر گزرے' جو اپنے خون میں لوٹ رہے تھے' مہاجر نے اس لوٹنے والے سے کہا' سنا گیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے' اس نے آخری ہچکیوں میں جواب دیا کہ اگر یہ صحیح ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے مقام پر پہنچ گئے' اب تم ان کے دین پر قائم رہو' اور آخر دم تک جہاد کرتے رہو (تفسیر کبیر) ایک کافر ابی ابن خلف تھا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کرتا تھا کہ میں یہ گھوڑی اس لئے پال رہا ہوں کہ اس پر بیٹھ کر آپ کو قتل کروں گا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ انشاء اللہ تو ہی میرے ہاتھوں قتل ہو گا' آج جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ابی ابن خلف نے کفار میں گھرا ہوا دیکھا' تو فخر سے بولا کہ محمد سنبھل جاؤ' آج یا تم نہیں یا میں نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خالی ہاتھ تھے' آپ نے حارث ابن صمہ کے ہاتھ سے نیزہ لے کر جو اس کی گردن پر مارا ہے تو نیزہ اس کے آرپار ہو گیا' اور وہ بیل کی طرح چیختا ہوا گھوڑے سے گرا' اس کے ساتھی اسے اٹھا کے لے گئے' ایک دن وہ مقام سرف میں مر گیا۔ (تفسیر خازن و معانی)۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے صرف یہی ایک کافر مارا گیا اور ایک ہی زخمی ہوا ہے' جب یہ حالات رونما تھے' تو اس وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت طلحہ ابن عبید اللہ' ابو بکر صدیق' علی ابن ابی طالب' مصعب ابن عمیر کر رہے تھے' کہ ایک کافر عبد اللہ ابن قمیعہ' اور بروایت روح المعانی عتبہ ابن ابی وقاص' اور ممکن ہے کہ یہ دونوں ہی ہوں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ٹوٹ پڑے' پہلے تو اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر سے حملہ کیا' جس سے آپ کی ناک شریف میں زخم آیا' دانت شریف شہید ہوا اور خود شریف ٹوٹ کر سر مبارک میں گڑھ گیا' پھر اس نے قتل کے ارادہ سے حملہ کیا کہ حضرت مصعب ابن عمیر نے جو اس دن بھی اور بدر کے دن بھی مسلمانوں کے علمبردار تھے بڑھ کر اس کا وار اپنے پر روکا' اور شہید ہو گئے' ابن قمیعہ سمجھا کر میرا وار حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ہوا' اور آپ شہید ہو گئے' وہ چیخا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میں نے شہید کر دیا' ابلیس نے یہ شہادت کی خبر اس زور سے دی کہ مدینہ میں پہنچ گئی' اس پر بعض منافقین نے مدینہ والوں سے کہا کہ جن کے دم کی بہار تھی وہ چلے گئے ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

اب اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ' اگر وہ سچے نبی ہوتے تو کفار کے ہاتھوں شہید کیوں ہوتے' بعض ضعفاء بولے کہ عبد اللہ ابن ابی (منافق) سے کہو کہ ہمیں ابو سفیان سے امان دلوا دے' ہم ان کی اطاعت قبول کر لیں گے' مگر راسخ العقیدہ مخلص مسلمان بولے اگر حضور شہید ہو گئے تو اللہ تو زندہ ہے' پھر سب سے پہلے حضرت کعب ابن مالک نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی لوگوں کو خبر دی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' اے مسلمانو! میرے پاس آؤ' چنانچہ مسلمان آپ کے پاس جمع ہو گئے' تب یہ آیت کریمہ اتری' جس میں راسخین کی تائید کی گئی' منافقین کی تردید' اور ضعفاء مومنین پر عتاب فرمایا گیا (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' روح البیان' صاوی وغیرہ) اس جگہ خازن و معانی میں بہت تفصیلی واقعات ہیں جو ہم نے اختصاراً" چھوڑ دیئے۔

تفسیر: **وما محمد الا رسول** مانافیہ ہے' محمد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم ذات ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کے ذاتی نام دو ہیں۔ محمد' احمد' باقی صفاتی نام دو سو ایک ہیں (دلائل الخیرات) اور بروایت مدارج النبوۃ ایک ہزار
ہیں' قرآن شریف میں محمد چار جگہ آیا ہے' ایک تو اس آیت میں' دوسرے محمد رسول اللہ والذین معہ میں'
تیسرے بما نزل علی محمد میں' چوتھے ما کان محمد ابا احد من رجالکم میں' اور احمد ایک جگہ سورہ صف میں
یاتی من بعدی اسمہ احمد' محمد' حمد بمعنی تعریف سے بنا' باب تفعیل میں آکر مبالغہ اور استمرار کا مفید ہے' اس
کے معنی ہوئے ہمیشہ تعریف کئے ہوئے کہ جب سے نام بنا تب سے ان کی حمد و ثنا ہوئی اور ہمیشہ ہمیشہ دنیا میں' قیامت میں' جنت
میں مقام محمود پر ان کی حمد و ثنا ہوتی رہے گی' اور ہر طرح حمد کئے ہوئے کہ آپ کی ذات و صفات و احوال کی تعریفیں ہوتی ہیں اور
ہوتی رہیں گی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کے ساتویں دن عبدالمطلب نے یہ نام رکھا' لوگوں نے اس انوکھے نام
کی وجہ پوچھی' تو بولے کہ میں نے خواب میں حکم پایا ہے کہ یہ نام رکھوں' اور مجھے امید ہے کہ میرے اس فرزند کی ہمیشہ اور ہر
طرح تعریفیں ہوا کریں گی' احمد کے معنی ہیں بہت حمد کرنے والے' اس کی اپنے رب تعالیٰ کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم
کی محمدیت کا ظہور تو دنیا میں بھی ہو رہا ہے کہ ہر زبان پر آپ کی تعریفیں ہر زبان میں ہر جگہ ہو رہی ہیں اور احمدیت کا ظہور قیامت
میں ہو گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کی ایسی حمد کریں گے کہ کسی نے نہ کی ہو گی' رب تعالیٰ نے اپنے ناموں
میں سے یہ نام اپنے محبوب کے لئے نکالے' رب تعالیٰ حامد ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محمود' رب تعالیٰ محمود ہے اور
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم احمد' انشاء اللہ العزیز اس نام پاک کے فضائل و فوائد ہم خلاصہ تفسیر سے متصل عرض کریں گے'
الا رسول' الا قصر و حصر کے لئے ہے' اور حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ
وسلم صرف رسول ہیں اور کچھ نہیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ آپ خدا نہیں' خدا تعالیٰ کے فرزند نہیں بلکہ رسول ہیں' اگرچہ رب
تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کروڑوں صفات بخشیں مگر صفت رسالت بہت جامع ہے کہ رسول کی نسبت رب تعالیٰ
سے بھی ہے اور ساری خلقت سے بھی رسول خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں کہ رب تعالیٰ جسے جو دے' وہ حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دے' اور خلقت جو لے' وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے لے' حضور انور
صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دم سے خالق و مخلوق کا تعلق قائم ہے' اگر یہ واسطہ درمیان میں نہ ہو تو مخلوق خالق سے علیحدہ ہو جائے
دیکھو مختلف ممالک کے درمیان ڈاک' ریل اور تار وغیرہ ہی ایسے وسائل ہیں جن سے ممالک ملتے رہتے ہیں کہ خبر' مال' انسان
ان ہی کے ذریعہ ایک دوسرے ملک میں آتے جاتے ہیں' اسی لئے رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں رسول
فرمایا اور کلمہ طیبہ میں بھی آپ کا وصف رسالت ہی بیان ہوا' محمد رسول اللہ کہ تمام اوصاف اس میں آجاتے ہیں'
خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' وکیل نہیں' وکیل وہ جو اپنی ذمہ داری پر کام کرے' رسول وہ جو
بھیجنے والے کی ذمہ داری پر کام کرے' وکیل وہ جس سے خود اسی کے معاملہ کا مطالبہ ہو اور رسول وہ جس کے معاملہ کا مطالبہ بھیجنے
والے سے ہو' رسول کی تنوین عظمت کے لئے ہے' یعنی بہت بڑے اور شان والے رسول' اور رسالت کا اطلاق عموم کے لئے
یعنی ساری خلقت کے رسول' حتیٰ کہ رسولوں کے بھی رسول' انشاء اللہ العزیز اس کی تحقیق لقد جاء کم رسول کی تفسیر میں
ہو گی' اگر زندگی رہی قد خلت من قبلہ الرسل' قد خلت کی تحقیق ابھی کچھ پہلے ہو چکی ہے' من قبلہ میں ہ ضمیر حضور
انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے' رسل سے مراد سارے نبی ہیں خواہ رسول بھی ہوں یا مرسل بھی ہوں یا صرف نبی

www.alahazratnetwork.org

ہوں' یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے رسول گزر چکے' کہ نہ تو کوئی رسول آپ کے زمانہ میں تشریف فرما ہیں' کہ ان کے احکام جاری ہوں' اور نہ آپ کے بعد کوئی نیا نبی نبوت پاکر آنے والا ہے' رسولوں کا گزر جانا یا تو اس طرح ہے کہ وہ حضرات وفات پا چکے' جیسے حضرت موسیٰ و ابراہیم علیہما السلام وغیرھم' یا زمین سے آسمان پر اٹھائے جا چکے' جیسے حضرت عیسیٰ و ادریس علیہما السلام یا اس طرح کہ زمین پر وہ حضرات ہوں' مگر ان کی نبوت منسوخ ہو چکی' اور وہ لوگوں کی نگاہوں سے روپوش ہو گئے' جیسے حضرت خضر اور الیاس علیہم السلام' غرضکہ **قد خلت** بہت جامع کلمہ ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے یہاں موت کا صیغہ استعمال نہ فرمایا کہ ابھی بعض رسول زندہ ہیں مگر چونکہ ان کی نبوت منسوخ ہو چکی' اور ان کے احکام نافذ نہ رہے' ان کی اطاعت لوگوں پر واجب نہ رہی' اور فرمایا گیا **قد خلت** وہ حضرات گزر گئے **افائن مات او قتل** یہاں لفظ **ان** جو شک و تردد کے لئے آتا ہے' ہم بندوں کے لحاظ سے ہے' کہ رب تعالیٰ شک و تردد سے پاک ہے' وہ تو جانتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شہادت کے ذریعہ نہ ہوگی' طبعی ہوگی' وہ تو خبر دے چکا ہے **واللہ یعصمک من الناس** رب تعالیٰ آپ کو لوگوں سے محفوظ رکھے گا' اور فرما چکا ہے **انک میت و انہم میتون** اور فرما چکا ہے **لیظھرہ علی الدین کلہ** یعنی اگر ہمارے محبوب اپنی طبعی وفات سے وفات پائیں یا جام شہادت نوش کریں تو **انقلبتم علی اعقابکم**' انقلاب قلب سے بنا' بمعنی لوٹ جانا اور **اعقاب عقب** کی جمع ہے' بمعنی ایڑی' انسان جہاں سے آیا ہو بالکل ادھر ہی لوٹ جانے کو ایڑیوں پر لوٹ جانا کہا جاتا ہے' کہ اگر ایڑی اپنی جگہ رہے' باقی جسم پھرے' تو اسے مڑنا اردو میں کہتے ہیں' اور التفات عربی میں' جب ایڑی بھی گھوم جائے' تو اسے اردو میں پھر جانا' اور عربی میں انقلاب کہا جاتا ہے' یہاں انقلاب سے مراد یا تو دین اسلام سے پھر کر مرتد ہو جانا ہے' یا بزدل ہو کر جہاد نہ کرنا' یا جہاد سے بھاگ جانا ہے' روح المعانی نے فرمایا کہ الٹے پاؤں چلے جانے کو ایڑی پر لوٹ جانا کہتے ہیں' اگرچہ یہ حضرات احد شریف میں صرف گھبرا کر بھاگ کھڑے ہوئے تھے' مگر رب تعالیٰ نے سختی سے روک دینے کے لئے یہ صیغہ استعمال فرمایا' کہ تم لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی جھوٹی خبر سن کر جب ایسا گھبرا گئے تو کیا جب سچی خبر شہادت کی سنو گے' تو اسلام ہی چھوڑ دو گے' یا جہاد ہی بند کر دو گے؟ خبردار! ایسا ہرگز نہ کرنا! یا روئے سخن ان ضعفاء کی طرف ہے جو گھبرا کر کہہ اٹھے تھے کہ ہم کو ابو سفیان سے امان دلوا دو' یا ان لوگوں سے کلام ہے جن سے منافقین نے کہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تو شہادت ہو چکی' اب تم لوگ اپنے پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ' مقصد یہ ہے کہ نبی تبلیغ کے لئے تشریف لاتے ہیں نہ کہ امت کے پاس ہمیشہ رہنے کے لئے' جیسے پچھلے رسول تشریف لائے اور تبلیغ فرما کر چلے گئے' ہمارے یہ محبوب بھی آخر وفات پائیں گے' نبی کی وفات سے دین ختم نہیں ہو جاتا **و من ینقلب علی عقبیہ** اس من میں سارے مسلمان داخل ہیں' صحابہ کرام ہوں یا بعد کے لوگ' انقلاب سے مراد اسلام چھوڑ دینا ہے' یا جہاد چھوڑ بیٹھنا' یا جہاد سے بھاگ جانا' یعنی جو بھی اسلام سے' یا جہاد سے' یا جہاد میں بہادری دکھانے سے لوٹ جائے تو **فلن یضر اللہ شیئا** وہ اللہ تعالیٰ کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکے گا' یا اللہ تعالیٰ کے حبیب کا' یا دین اسلام کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا کہ اللہ تعالیٰ کا دین حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا علو تو ہمیشہ پھیلتا ہی رہے گا' اور قومیں پیدا ہو کر دین کی خدمت کریں گی' **ضر**' ضرر سے بنا بمعنی نقصان' یا کسی' خواہ بدنی نقصان ہو یا جانی یا مالی یا عزت و آبرو کا' بھاری ہو یا معمولی' **شیئا** فرما کر عموم کی طرف اشارہ کیا' یعنی معمولی سا نقصان بھی نہ کر سکے گا' خود اپنا ہی نقصان کرے گا' کہ دارین کی سعادت سے محروم ہو جائے گا' **و سیجزی اللہ الشکرین**' س قرب استقبال کے لئے ہے' **جزاء**

www.alahazratnetwork.org

مطلقاً بدلہ کو کہتے ہیں' ثواب ہو یا سزا' مگر یہاں اچھا بدلہ مراد ہے' شاکرین' سے مراد دین پر قائم رہنے والے یا جہاد کرنے والے یا جہاد میں ثابت قدم رہنے والے مسلمان ہیں' کیونکہ ہر نیک عمل رب تعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ ہے' شکر قولی بھی ہوتا ہے' عملی بھی' اعتقادی بھی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خدا نہیں ہیں کہ انہیں وفات نہ ہو' وہ تو خاص بندے اور تمام جہان کے شاندار رسول ہیں' ان سے پہلے بہت سے پیغمبر گزرے' جو دنیا میں تشریف لائے اور اپنا فرض تبلیغ ادا کر کے تشریف لے گئے اور ان کے بعد ان کی امتوں نے دین پر استقامت کی' دینی خدمات انجام دیں' اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ وفات پا جائیں' یا فرض کرو شہادت کا جام نوش فرمالیں' تو کیا تم اسلام سے یا جہاد سے یا جہاد میں استقامت سے پھر جاؤ گے' ہرگز نہ پھرو گے' پھر تم غزوہ احد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر گھبرا کیوں گئے' اور تم میں بعض نے ابو سفیان سے امان کی درخواست کرنے کا خیال بھی کیوں کیا' اور تم سے منافقین نے یہ کیوں کہا کہ اسلام چھوڑ کر پرانے دین کی طرف لوٹ جاؤ' ان بد نصیبوں کو تم سے یہ کہنے کی ہمت و جرات ہی کیوں ہوئی؟ خیال رکھو کہ اسلام تو قائم رہے گا اور پھولتا پھلتا رہے گا' اگر کوئی اسلام یا جہاد سے پھر بھی جائے' تو نہ اللہ کا کچھ بگاڑ سکتا ہے' نہ اس کے حبیب کا اور نہ اسلام کا بلکہ اپنا ہی بگاڑے گا' دیکھو مکہ معظمہ کے سرداران قریش نے اسلام کی خدمت نہ کی' بلکہ اسے بگاڑنا اور فنا کرنا چاہا تو وہی ختم ہو گئے' اسلام کی خدمت کرنے کے لئے مدینہ منورہ کے غریب انصار مقرر فرما دیئے گئے' اس سے عبرت پکڑو اور اسلام و جہاد پر استقامت اختیار کرو' تاکہ تمہارا نام شاکر بندوں کی فہرست میں آئے' اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو دنیا میں بھی بدلہ دیتا ہے اور آخرت میں بھی ثواب' لہذا شاکر رہو' ناشکرے نہ ہو۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت صحابہ کے ہوش اڑ گئے' حضرت عمر فاروق تک کا بھی یہ خیال ہو گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو سکتی ہی نہیں' آپ سو گئے ہیں یا رب تعالیٰ سے ملنے گئے ہیں' پھر آتے ہی ہوں گے' جناب فاروق کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے ہیں میں اس کی گردن اڑا دوں گا' حضرت ابو بکر صدیق نے اس وقت لوگوں کو یہی آیت سنائی' صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم کو ایسا معلوم ہوا کہ یہ آیت آج نازل ہوئی ہے' ہم لوگ یہ آیت بھول ہی گئے تھے' حضرت عمر کو جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا یقین ہوا تو آپ غش کھا کر گر گئے' فرماتے ہیں کہ میرے قدم مجھے اٹھا نہ سکے' اس وقت ایک صدیق اکبر کا دم تھا جن کے ہوش و حواس قائم رہے' اور آپ ہی نے تمام بوجھ اٹھائے۔

www.alahazratnetwork.org

محمد صلی اللہ علیہ وسلم

ہم لفظ محمد کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس کے معنی ہیں ہر طرح تعریف کئے ہوئے ' ہر وقت ' ہر زمانہ ' ہر زبان میں حمد و ثناء کئے ہوئے ' اب اس لفظ پاک کے فضائل عرض کئے جاتے ہیں ' سنو اور ایمان تازہ کرو ' حقیقت یہ ہے کہ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خلقت سے افضل ' تمام رسولوں کے سردار ہیں ' اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف بھی تمام نبیوں کے بلکہ تمام خلق کے ناموں کا سردار ہے ' اس نام پاک کے بے شمار فضائل ہیں ' جن میں سے چند یہ ہیں۔ (1) اس نام پاک کو اللہ تعالیٰ کے نام یعنی لفظ **اللہ** سے بہت مناسبت ہے ' **اللہ** میں حرف چار ' چاروں حرف نقطوں سے خالی ' ان میں ایک شد ' دو حرکتیں ' ایک سکون ہے ' اسی طرح لفظ **محمد** چار حرف ' چاروں حرف نقطوں سے خالی ' ایک شد ' دو حرکتیں ' ایک سکون ' ہاں اللہ کے شد پر کھڑا الف بھی ہے ' مگر **محمد** کی شد پر الف نہیں کہ بادشاہ رب تعالیٰ ہے ' اور مملکت الہیہ کے مختار وزیر اعظم **محمد** مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ (2) **اللہ** بولنے سے دونوں ہونٹ جدا ہو جاتے ہیں ' **محمد** کہتے ہیں تو دونوں لب مل جاتے ہیں کہ وہ مخلوق کو خالق سے ملانے ہی تو آئے ہیں ' اگر ان کا واسطہ نہ ہو تو مخلوق خالق سے بہت ہی دور ہے۔ (3) لفظ **اللہ** اپنے دلالت میں حرفوں کا محتاج نہیں ' اگر اول کا الف نہ رہے تو **للہ** بن جاتا ہے ' اگر اول کا لام بھی نہ رہے تو **لہ** ہے ' اگر درمیان کا الف بھی نہ ہو تو **ہ** ہے ' یونہی لفظ **محمد** دلالت میں حرفوں کا حاجت مند نہیں ' اگر اول کی میم الگ ہو جائے تو **حمد** رہتا ہے ' اگر ح بھی اڑ جائے تو ' **مد** ہے یعنی کھینچنا ' مخلوق کو کھینچ کر خالق تک پہنچانا ' اگر بیچ کی میم بھی نہ رہے ' تو دال باقی رہے ' یعنی رہبر۔ (4) **محمد** کے عدد 92 ہیں ' اور 92 میں اکائی 2 کی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!

دوسرے درجہ والے ' اور دہائی 9 کی ' 9 میں یہ خصوصیت ہے کہ سارے پہاڑے میں کہیں فنا نہیں ہوتا ' چنانچہ 1+8 اور 3+6 اور 4+5 نو ہی بنتے ہیں۔ اسی طرح 9 کا پہاڑہ گنو تو ہر درجہ میں 9 ہی حاصل ہوں گے۔ 9 دونا 18 ' 9 بن گئے یونہی 3x9=27 ' 4x9 =36 سب کا حاصل جمع 9 ہی ہیں ' جب ان کے نام کے عدد کو ایسی بقا ملی ہے ' تو ان کے خدام کو بھی بقا ملے گی ' دیکھ لو تمام بادشاہوں کے فتح کئے ہوئے ملک دوسرے کے پاس پہنچ گئے ' مگر حضرت عمر کے فتوحات اب تک مسلمانوں ہی کے پاس ہیں اگرچہ چودہ سو برس کا زمانہ گزر چکا ' مگر ان کے فتوحات ان کی قوم یعنی مسلمانوں کے پاس رہی یہ ہے بقا باللہ کا ظہور۔ (5) **لا الہ الا اللہ** میں حرف 12 ' اسی طرح **محمد رسول اللہ** ' ابو بکر الصدیق ' عمر ابن الخطاب ' عثمان ابن عفان ' علی ابن ابی طالب ' سب میں حرف 12 ہی ہیں۔ محمد کے زبر والے عدد 314 ہیں کہ تین میم ہیں ' ہر میم کے عدد (90) نوے حلقہ کے دس دال کے چونتیس (34) تین سو تیرہ رسولوں کی تعداد ہے ' اور ایک مرسل خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں گویا آپ کے نام کے ایک عدد میں ایک کمال ہے ' دوسرے عدد میں دوسرا کمال۔ (6) سب کے نام ان کے ماں باپ رکھتے ہیں ' لقب قوم دیتی ہے ' خطاب

www.alahazratnetwork.org

حکومت سے ملتا ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام لقب و خطاب سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں کہ عبدالمطلب نے فرشتے کی بشارت سے یہ نام رکھا۔ (7) دوسروں کے نام پیدائش سے ساتویں دن رکھے جاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام رب تعالیٰ نے عالم کی پیدائش سے پہلے عرش اعظم پر لکھا اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے قریباً چھ سو برس پہلے اپنی قوم کو فرمایا **اسمہ احمد** ان کا نام پاک احمد ہے' پچھلی قومیں آپ کے نام کی برکت سے دعائیں مانگتی تھیں' (8) کوئی شخص آپ کو **محمد** کہہ کر برا نہیں کہہ سکتا اگر کہے گا تو خود اپنے منہ سے جھوٹا ہو گا' کہ انہیں کہتا تو ہے **محمد** لائق حمد اور کرتا ہے برائیاں' اسی لئے کفار مکہ نے آپ کا نام مذمم رکھ کر آپ کی شان اقدس میں بکواس کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دیکھو ہم کو ہمارے رب تعالیٰ نے ان کفار کی گالیوں سے بچالیا' یہ لوگ مذمم کو برا کہتے ہیں' ہو گا کوئی مذمم ہم تو محمد ہیں۔ (9) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام **محمد** بہت ہی جامع ہے' جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بے شمار فضائل بیان ہو گئے' آدم کے معنی تھے مٹی سے پیدا ہونے والے' ابراہیم کے معنی ہیں مہربان باپ' اب' رحیم' نوح کے معنی ہیں خوف خدا سے گریہ وزاری و نوحہ کرنے والے' عیسیٰ کے معنی ہیں بہت شریف النفس کریم الطبع ان تمام ناموں میں ایک ایک وصف کی طرف اشارہ ہے' مگر **محمد** کے معنی ہیں ہر طرح ہر وصف میں بے حد تعریف کئے ہوئے' اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعداد کمالات و خوبیوں کی طرف اشارہ ہو گیا۔ (10) لفظ **محمد** میں غیبی خبر بھی ہے کہ ہمیشہ یعنی دنیا و آخرت میں ان کی ہر جگہ ہر طرح حمد و ثناء ہوا کرے گی' اسی خبر کی صداقت ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر کسی کی تعریف نہیں ہوتی' بلکہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہو گئے ان کی بھی تعریف ہو گئی' فرش پر ان کی' سوم' عرش پر ان کے چرچے' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

فرش پہ طرفہ دھوم دھام عرش پہ تازہ چھیڑ چھاڑ　　　کان جدھر لگائیے' تیری ہی داستان ہے

(11) **محمد** ایسا اچھوتا نام ہے کہ رب تعالیٰ نے کسی نبی کو نہ دیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے لئے منتخب فرمایا' بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی اور عام انسان کا نام بھی **محمد** نہ ہوا' لسان العرب سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سات آدمیوں نے اپنے بچوں کے نام محمد رکھے' اس امید پر کہ نبی آخر الزمان وہی ہوں' مگر وہ لوگ اس نام میں مشہور ہی نہ ہوئے۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب　　　نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود!

(12) جو اپنے بیٹے کا نام محبت میں **محمد** رکھے' اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے گا کہ مجھے ایسے شخص کو عذاب دیتے شرم آتی ہے جس نے میرے محبوب کی محبت میں اپنے بیٹے کا نام محمد رکھا تھا۔ (13) جس دسترخوان پر **محمد** نام کا مسلمان ہو اس کھانے میں برکت ہوتی ہے۔ (14) جس کا نام **محمد** ہو اس کا بھی احترام کرنا چاہئے اور اس کے نام کا بھی کہ یہ نام بگاڑ کر نہ لے' چنانچہ تفسیر روح البیان نے سورۂ احزاب **ما کان محمد ابا احد** کی تفسیر میں فرمایا کہ سلطان محمود غزنوی نے ایک بار ایاز کے بیٹے کو پکارا اے ایاز کے بیٹے! استنجے کے لئے پانی لا' ایاز نے تھوڑے دنوں بعد عرض کیا کہ حضور مجھ سے یا اس سے کیا قصور ہوا کہ آپ نے اس کا نام نہ لیا؟ فرمایا تیرے بیٹے کا نام **محمد** ہے' میں اس دن بے وضو تھا' میں نے کبھی بغیر وضو **محمد** نام کو اپنی زبان

www.alahazratnetwork.org

سے لوانہ کیا۔

ہزار بار بشویم دہن مشک و گلاب! ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایک اسرائیلی سو برس کا گنہگار تھا بعد موت اسے لوگوں نے گھورے (روڑی) پر ڈال دیا' رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی کہ میرے اس بندے کو غسل 'کفن' نماز کے بعد دفن کرو اس نے ایک بار توریت میں **محمد** نام دیکھ کر اسے بوسہ دیا تھا' آنکھوں سے لگایا تھا ہم نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے (روح البیان سورۂ احزاب)۔
(15)۔ جس شخص کے لڑکیاں ہی ہوتی ہوں بیٹا نہ ہو' وہ شروع زمانہ حمل میں اپنی بیوی کے پیٹ پر انگلی سے یہ عبارت لکھ دیا کرے **من کان فی ھذا البطن فاسمہ محمد** جو اس پیٹ میں ہے اس کا نام محمد ہے' انشاء اللہ بیٹا ہو گا اور زندگی والا ہو گا' یہ عمل مجرب ہے' مگر حمل کے چار ماہ کے اندر یہ عمل چالیس دن تک کرے۔ (16) سکھوں کے گورو نانک صاحب نے **محمد** کے متعلق ایک عجیب بات بیان کی' وہ کہتے ہیں۔

نام لیو جس چیش کا کرو چوگنا تام دو ملاؤ پچگن کرو کاٹو بیس بنا
نانک بچے سو نو گنے دو اس میں اور ملا اس بدہر کے نام سے نام محمد بنا

یعنی کسی نام کے عدد نکال کر انہیں چوگنا کرو' پھر دو ملا کر پچ گنا کرو' پھر اس مجموعہ سے بیس بیس نکالتے چلے جاؤ' جو بچیں کہ بیس ان سے نہ نکل سکیں' انہیں نو گنا کرے' دو اور ملاؤ تو 92 کا عدد حاصل ہو گا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی اصل ہیں' کہ سب کچھ انہیں کے نور سے بنا' غرضکہ لفظ محمد بڑی خوبیوں والا نام ہے' اس نام کو لے کر سو برس کا کافر گنہگار' مومن متقی بن جاتا ہے' جب نام کا فیض یہ ہے تو نام والے کا فیض کیسا ہو گا۔

چو نام ایں است نام آورچہ باشد گرامی تر بود از ہرچہ باشد!

اللھم صل علی سیدنا و مولنا محمد و علی الہ و اصحابہ و بارک وسلم

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کو ہر نیک کام میں استقامت چاہئے' کسی خوشی و غم میں اپنے راستہ سے نہ ہٹے' دیکھو مسلمانوں کے لئے سب سے بڑی مصیبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تھی' فرمایا گیا کہ اس وفات سے اپنی راہ سے نہ ہٹنا اس کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کی زندگی شریف اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غم میں زیادہ جی نہ سکے' مگر جس قدر جئے دین کے کام جہاد وغیرہ کرتے رہے' پھر اور غموں کا کیا پوچھنا۔
دوسرا فائدہ: تمام نبی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے گزر چکے' ان کی نبوتیں منسوخ ہو چکیں' نہ تو آپ کے زمانہ میں کوئی نبی شان نبوت سے موجود تھے' نہ آپ کے بعد کوئی نبی بنے گا' نہ نبی بن کر آئے گا' آپ کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہے' اگر کوئی دین آپ کے زمانہ میں یا آپ کے بعد ہوتا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین اسے ناسخ نہ ہوتا' جیسا کہ **قد خلت** الخ سے معلوم ہوا' اسی لئے پہلے انبیاء دوسرے انبیائے کرام کے مبشر تھے' مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے مصدق تو ہوئے کسی کے بشارت رساں نہ ہوئے' تصدیق کی جاتی ہے پچھلوں کی' بشارت دی جاتی ہے اگلوں کی۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام ہم سے بے نیاز ہیں' انہیں ہماری ضرورت نہیں' ہم کو ان کی ضرورت

www.alahazratnetwork.org

ہے' دین رہے گا' ہم دین پر رہیں یا نہ رہیں جیسا کہ **فلن یضر اللہ الخ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** امت کے فساد کے وقت دین پر قائم رہنا' سنت پر عمل کرنا بڑے ثواب کا باعث ہے' جیسا کہ **و سیجزی اللہ الشکرین** سے معلوم ہوا' حدیث شریف میں ہے کہ فساد امت کے وقت سنت پر عمل کرنے والے کو سو شہیدوں کا ثواب ہے' وجہ ظاہر ہے کہ شہید تو ایک بار تلوار کا گھاؤ کھا کر دنیا سے چلا گیا' مگر یہ بہادر عمر بھر لوگوں کے طعن و تشنیع کے گھاؤ کھاتا رہتا ہے' مگر صبر کے ساتھ دین پر قائم رہتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** گذشتہ انبیائے کرام کی امتوں کے حالات سنا کر مسلمانوں میں دلیری پیدا کرنا سنت الٰیہ ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے غزوۂ احد کے غازیوں کو گذشتہ امتوں کی استقامت سنائی کہ وہ لوگ اپنے رسولوں کے گزر جانے پر دین سے نہ ہٹے تم اپنے محبوب کی وفات کی خبر سن کر کیوں گھبرا گئے؟ اسی لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ گذشتہ امتوں کے تاریخی حالات بیان ہوئے' اس نیت سے صحیح تاریخ کا مطالعہ بھی عبادت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی خصوصی صفت نہیں' صرف وہ رسول ہیں باقی جو ہم ہیں وہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا ہے؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین' رحمۃ للعالمین بھی' خاتم النبیین' شاہد' بشیر' نذیر' سراج' منیر بھی نہ مانو' حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ صفات قرآن شریف میں صراحۃً مذکور ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا و مبشرا** " الایۃ جناب یہاں رسول کی تنوین تعظیم کی ہے' شاندار رسول میں یہ تمام صفات داخل ہیں' **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ یہاں حصر اضافی ہے الوہیت کے لحاظ سے یعنی حضور **محمد صلی اللہ علیہ وسلم** نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے' صرف رسول ہیں اور رسول کی وفات کے بعد امت کو دین سے پھر جانا نہ چاہئے' بقاء تو اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' باقی سب کی وفات ہونی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سارے نبی وفات پا چکے' اب کوئی زندہ نہیں' عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر ماننا اس آیت کے خلاف ہے۔ **نوٹ:** اس جگہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اسی آیت سے وفات مسیح پر زور دیا۔ **جواب:** اس سوال کا تفصیلی جواب ہم تیسرے پارہ کی تفسیر حیات مسیح کے مسئلہ میں زیر آیت **اذ قال اللہ یعیسی** دے چکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو کہ **خلت** خلو سے بنا' خلو کے معنی موت نہیں بلکہ علیحدگی اور خالی ہونا ہیں' اسی لئے بیت الخلاء پاخانہ کو کہتے ہیں' نہ کہ پھانسی گھر کو' لہٰذا اس کے معنی ہوئے گزر گئے' گزرنے سے مرجانا لازم نہیں' گذشتہ انبیائے کرام کا دین منسوخ ہو جانا' ان کا دنیا سے روپوش ہو جانا' خواہ موت سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے ہمیں ان کا گزر جانا ہے' دوسری آیات میں عیسیٰ علیہ السلام کی حیات صراحۃً مذکور ہے جو ہم تیسرے پارہ میں پیش کر چکے ہیں' اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں خلو سے موت مراد ہے' تو بھی یہ واقعہ کلیہ نہیں' بلکہ اکثریہ ہے' چونکہ ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں میں صرف تین چار پیغمبری زندہ ہیں' اس لئے انہیں **خلت** فرما دیا گیا' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** " ہم نے انسان کو مخلوط منی یعنی ماں باپ کے نطفے سے پیدا فرمایا' حالانکہ حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام کی پیدائش نطفہ سے نہیں' وہاں عام قانون کا ذکر ہے' ایسے ہی قانون کا ذکر یہاں بھی ہے' قانون اور ہے قدرت کچھ اور' ہم قانون پر بھی ایمان

www.alahazratnetwork.org

رکھتے ہیں اور رب تعالیٰ کی قدرت پر بھی بہرحال **قد خلت** سے موت تمام انبیاء کی ثابت نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** اسی مضمون کی ایک آیت قرآن کریم میں دوسری جگہ بھی ہے مگر تم نے وہاں **خلت** کے معنی موت کئے ہیں تو یہاں موت کے معنی کیوں نہیں کرتے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل** (مائدہ) دیکھو اس آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان سے پہلے رسول گزر چکے' تم مانتے ہو کہ حضرت مسیح سے پہلے تمام رسول وفات پا چکے تو جیسے تم عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے تمام رسولوں کو وفات یافتہ مانتے ہو' ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام رسولوں کو مان لو۔ **نوٹ:** مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے بہت فخر سے یہ دلیل اپنی تفسیر بیان القرآن میں پیش کی ہے۔ **جواب:** معلوم ہوتا ہے کہ معترض کو ہمارے مذہب کا پتہ نہیں' یا اگر ہے تو وہ دیدہ دانستہ دھوکا کھا رہے ہیں' جناب! ہم چار پیغمبروں کو زندہ مانتے ہیں' دو کو آسمان میں' حضرت ادریس و عیسیٰ علیہما السلام' اور دو کو زمین میں حضرت الیاس و خضر علیہما السلام۔ حضرت ادریس' الیاس اور خضر علیہم السلام یہ تینوں پیغمبر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے کے پیغمبر ہیں' لہٰذا وہاں بھی **خلت** کے معنی ہیں گزر گئے' وفات پانے یا مر جانے کے معنی وہاں بھی نہیں ہیں' بہرحال یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام اور آپ سے نفع' یہ تمام چیزیں آپ کی حیات شریف میں ہی تھیں' بعد وفات تمام فیوضات و برکات ختم ہو چکے' اب آپ سے کسی کو کچھ فائدہ نہیں' دوسرے مردوں کی طرح آپ بھی ہیں۔ **جواب:** آپ کی یہ بکواس اس آیت کے کسی لفظ سے ثابت نہیں' یہاں ذکر صرف وفات کا ہے' باقی بعد وفات فیوض بند ہو جانے کا ذکر یہاں تو کیا کسی آیت میں بھی نہیں' اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض وفات کے بعد بند ہو چکے' تو اب ان کے نام کا کلمہ کیوں پڑھتے ہو' یہ بھی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی فیض ہے کہ ان کے نام سے کافروں کو ایمان مل جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **وما ارسلنک الا رحمة للعلمین** جب حضور انور تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں' تو جہان تو اب بھی موجود ہیں' لہٰذا آپ کی رحمتیں اب بھی موجود ہیں' اس جگہ تفسیر صاوی شریف میں ہے کہ جو شخص اس آیت کی بناء پر کہے' کہ **حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم** کے فیوض وفات شریف کے بعد بند یا ختم ہو گئے' وہ گمراہ اور گمراہ کن ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسئلہ حیات النبی غلط ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی دوسروں کی طرح وفات یافتہ ہیں' کہ نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں' **نوٹ:** یہ اعتراض آج کل بعض گجراتی جہلاء کو سوجھا کہ اس جیسی آیات کی بناء پر وہ مسئلہ **حیات النبی** کے منکر ہو گئے' خود ان کے ہم مذہبوں نے بھی ان کی تردیدیں کیں۔ **جواب:** مسئلہ حیات النبی اور حیات الشہداء کی پوری تحقیق ہم اسی تفسیر کے دوسرے پارے آیت **بل احیاء ولکن لا تشعرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' نیز اس کی اور زیادہ تحقیق ہم نے اپنی کتاب مرات شرح مشکوٰۃ جلد دوم باب الجمعۃ میں **فنبی اللہ حی یرزق** کے ماتحت کی ہے' یہاں مختصراً اتنا سمجھ لو کہ موت کے دو معنی ہیں روح کا جسم سے نکل جانا' جسے موت حسی کہتے ہیں' جس پر شرعی احکام غسل' کفن' دفن وغیرہ مرتب ہوتے ہیں' دوسرے روح کا جسم کو چھوڑ دینا جس سے جسم کے احساسات ختم ہو جائیں' سننا' دیکھنا' سونگھنا وغیرہ اور جسم گل سڑ جائے' پہلی موت کا نام موت حسی ہے اور یہ موت حقیقی' پہلی موت ہر نفس کو آتی ہے انبیاء ہوں یا غیر انبیاء' اور دوسری موت سے حضرات انبیاء و اولیاء و شہداء

www.alahazratnetwork.org

محفوظ ہیں' انک میت لا یتہ الا ان مات لا یتہ کل نفس ذائقۃ الموت وغیرہ آیتوں میں پہلی موت ہی مراد ہے' اور بل احیاء ولکن لا تشعرون جیسی آیات میں دوسری یعنی موت حقیقی کی نفی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات تو ایسی یقینی اور قطعی ہے کہ اس پر بہت سے شرعی احکام موقوف ہیں' اگر آپ حیات نہیں تو اسلام کا کلمہ محمد رسول اللہ غلط ہو گیا کہ اس کے معنی ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں' پھر تو یوں کہنا چاہئے تھا کہ محمد اللہ کے رسول تھے' نیز نماز بھی غلط ہو جائے گی' کیونکہ ہر نماز میں التحیات واجب ہے اور التحیات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام ہی کیا جاتا ہے' نہ سننے والے اور بے جان کو سلام کیا معنی' نیز آپ کی میراث کا تقسیم نہ ہونا' آپ کی بیویوں کا نکاح سے نہ نکلنا اور آپ کے ذمہ بعد وفات اپنی بیویوں کا نان نفقہ واجب ہونا' زائرین کا روضہ اطہر پر آپ کے سامنے باادب کھڑا ہونا اسی حیات النبی کے مسئلہ کی بناء پر ہے' یہ احکام قرآن کریم میں صراحۃً موجود ہیں' اور اس بارے میں احادیث تو بے شمار ہیں' یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ معراج کی شب سارے نبیوں نے بیت المقدس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی' اور ہر آسمان پر آپ کا استقبال کیا گیا لہٰذا بے جان جسم نہ نماز پڑھ سکتے ہیں نہ کسی کا استقبال کر سکتے ہیں ہم نے یہاں اشارات کر دیئے ہیں اس مسئلہ کی تفصیل و تصریح ہماری فہرست القرآن اور تفسیر نعیمی جلد دوم مرات جلد دوم میں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں بظاہر خطاب غازیان بدر سے ہے لیکن در حقیقت خطاب تقلیدی ایمان والوں سے ہے' جن کے دل میں نور ایمانی نہیں پہنچا' اور جنھوں نے اپنے خانہ دل کو دوسروں کے گزرتے ہوئے چراغ سے عارضی طور پر روشن کر لیا' ماں باپ یا استاذ یا شہر والوں یا قوم کی دیکھا دیکھی ایمان لے آئے' خود لذت ایمان سے واقف نہ ہوئے اس قسم کے لوگ ان رشتوں کو ٹوٹتے ہی اور موت کے آتے ہی اندھیرے میں رہ جاتے ہیں' حتی کہ قبر میں منکر نکیر کے سوالات پر یوں کہتے ہیں کہ مجھے خبر نہیں یہ کون ہیں لوگ ان کے متعلق کچھ کہتے تھے میں بھی وہی کہہ دیا کرتا تھا' خیال رہے کہ روح کے بغیر جسم کی کوئی قیمت نہیں' پرندہ کے بغیر پنجرہ کی کوئی قیمت نہیں' ایسے ہی نور تحقیق کے بغیر ایمانی کلمہ منہ سے نکالنے اور تقلیدی ایمان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔

غنیمت شمار ایں گرامی نفس — کہ بے مرغ قیمت ندارد قفس!

آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم محض اس بناء پر ایمان لائے ہو کہ تم میں ہمارے نبی جلوہ گر ہیں اور تم پر اپنی نعمتوں کی بارشیں کرتے رہتے ہیں اور تمہارے دل میں ایمان پہنچا نہیں ہے' تو تمہارا یہ ایمان بہت کمزور ہے' سخت خطرہ ہے کہ تم محبوب کی وفات کے بعد ایمان سے پھر جاؤ' جو ایمان سے پھرے گا' سخت سزا پائے گا' بچہ کو ماں ہمیشہ گود میں نہیں رکھتی' آخر کار اسے اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا پڑتا ہے' اور ہمیشہ اسے دودھ نہیں دیتی' کبھی تو اسے خود کھانا اور کمانا پڑتا ہے۔ (از روح البیان مع زیادت)۔

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ؕ وَ
اور نہیں ہے واسطے کسی جان کے یہ کہ مر جائے بغیر حکم اللہ کے تحریر ہے مقرر اور وہ جو
اور کوئی جان بے حکم خدا کے مر نہیں سکتی سب کا وقت لکھا رکھا ہے اور جو

www.alahazratnetwork.org

مَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ

ارادہ کرے گا دنیا کے بدلے کا ہم اسے دیں گے اس سے اور جو ارادہ کرے گا آخرت کے ثواب کا

دنیا کا انعام چاہے ہم اس میں سے اسے دیں گے اور جو آخرت کا انعام چاہے ہم اس میں سے

نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

تو ہم اسے دیں گے اس سے اور عنقریب ہم شکر کرنیوالوں کو جزا دیں گے

اسے دیں اور قریب ہے کہ ہم شکر والوں کو صلہ عطا کریں

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازی مسلمانوں کو گذشتہ بہادر مومنوں کے اجمالی حالات سنا کر انہیں جنگ پر دلیر کیا گیا' وہ لوگ اپنے نبیوں کی وفات پر بزدل نہ ہوتے تھے فقط حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروفات سن کر میدان سے کیوں بھاگ پڑے' اب آئندہ کے متعلق کچھ قانون بتا کر انہیں دلیر کیا جارہا ہے کہ کوئی شخص بغیر عمر ختم ہوئے مر نہیں سکتا' پھر جہاد سے بھاگنے میں سوائے گناہ اور ثواب سے محرومی کے کچھ حاصل نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر اشارۃً دی گئی' اب فرمایا جارہا ہے کہ چونکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا اس لئے انہیں رب تعالیٰ نے محفوظ رکھا' ورنہ وفات یا قتل کے سارے اسباب جمع ہو چکے تھے کہ غازیوں کے پاؤں اکھڑ گئے تھے' کفار نے گھیر لیا تھا' بھرپور حملہ کر دیا تھا' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بچاؤ کا سامان کوئی نہ تھا مگر پھر بھی محفوظ رہے' گویا پچھلی آیت میں ایک واقعہ کا اجمالی ذکر تھا اور اس آیت میں اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارۃً منافقین کا وہ قول نقل کیا گیا جو انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت سن کر کہا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہوتے تو شہید کیوں ہوتے یا اے مسلمانو! اب تم اسلام سے پھر جاؤ' اور فرمایا جارہا ہے کہ ہر نفس کو موت تو آتی ہے' نبی کی وفات سے دین ختم نہیں ہو جاتا۔

تفسیر: **وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ** اس جملہ کی نحوی ترکیبیں بہت کی گئی ہیں' آسان ترکیب یہ ہے کہ **کان** فعل ناقصہ ہے' اور **ان تموت الا** اس کا اسم **لنفس** ممکنا کے متعلق ہو کر خبر مقدم' باقی دیگر ترکیبوں میں اشکال زیادہ ہے اور معنی میں پیچیدگی' حق یہ ہے کہ نفس سے مراد مطلقاً جان ہے' انسان ہو یا جانور یا جنات وغیرہ' بعض مفسرین نے بلاوجہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد لی' **اذن** کے معنی حکم بھی ہیں' اجازت بھی' ارادہ بھی' علم بھی' بتانا بھی اور چھوڑ دینا بھی' یہاں سارے ہی معنی بن سکتے ہیں' رب تعالیٰ جب کسی کی موت کا ارادہ کرتا ہے' تو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام کو قبض روح کا حکم دیتا ہے' اجازت دیتا ہے' انہیں اس مرنے والے پر مسلط کر دیتا ہے' حق یہ ہے کہ ہر ایک کی روح قبض کرنے والے صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام اکیلے ہیں' ان کے ساتھی فرشتے قبض روح نہیں کرتے' بلکہ قبض روح کے انتظامات کرتے ہیں' جیسے ہڈی' پٹھوں' گوشت اور رگوں سے روح کو سمیٹنا' روح نکالنے کا کام صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام کا ہی ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام صرف جن وانس کی جان نکالتے ہیں' بعض بے

www.alahazratnetwork.org

دین کہتے ہیں کہ جانوروں کی جان حضرت عزرائیل کے خدام فرشتے نکالتے ہیں مگر یہ سب باطل ہے حق یہی ہے کہ ہر جاندار کی جان صرف اکیلے حضرت عزرائیل قبض کرتے ہیں حتی کہ اپنی جان بھی خود ہی نکالیں گے (تفسیر روح المعانی)۔

لطیفہ: اس زمانہ کے بعض جہلا کہتے ہیں کہ چونکہ ایک فرشتہ بیک وقت ہر جگہ نہیں پہنچ سکتا اور اتنوں کی جان نہیں نکال سکتا اس لئے رب تعالیٰ نے جان نکالنے کے لئے کروڑوں فرشتے مقرر کئے ہیں جن کے علاقے اور ایریئے (AREAS) بٹے ہوئے ہیں مگر یہ سب باتیں ملائکہ کی طاقت کا علم نہ رکھنے کی وجہ سے ہیں' سارا جہان ملک الموت کے سامنے دستر خوان کی طرح ہے کہ جہاں سے چاہا لقمہ اٹھالیا' اور بیک وقت بیسیوں چاول اپنی انگلیوں میں لے لئے' انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق اس آیت میں کی جائے گی **قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم**' **کتبا**" **موجلا**' **کتاب** **کتب** فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے۔ **متوجل**' **تاجیل** سے بنا جس کا مادہ **اجل** ہے بمعنی مدت مقررہ' کبھی انسانی زندگی کو بھی **اجل** کہہ دیتے ہیں اور کبھی موت پر یہ لفظ بولا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذا جاء اجلھم** (**اجل** بمعنی موت) یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی موت مقرر کرکے کتاب لوح محفوظ میں لکھ دی ہے کہ کون کب' کہاں اور کس طرح مرے گا' کتاب سے مراد یا تو لوح محفوظ ہے جس میں قیامت تک کے سارے واقعات من وعن لکھ دیئے گئے ہیں یا ہر شخص کی اپنی کتاب مراد ہے جو کاتب تقدیر نے ماں کے پیٹ میں ہی بچے کی پیشانی پر لکھ دی ہے۔ جس میں اس کے سارے حالات من وعن درج ہیں' یا وہ کتاب مراد ہے جو ہر سال شب قدر میں فہرست کے طور پر ملک الموت کو دے دی جاتی ہے۔ جس میں سال بھر میں مرنے والوں کے نام' موت کی جگہ اور وقت کا ذکر ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فیھا یفرق کل امر حکیم** اس شب قدر میں تمام کام تقسیم کر دیئے جاتے ہیں' خیال رہے: کہ اس رات میں ساری ہی فہرستیں تیار ہوتی ہیں' پیدائش' موت' رزق' عمل' عزت' ذلت وغیرہ' ان میں سے ہر فہرست اس فرشتے کو ملتی ہے۔ جس کے ذمہ یہ کام ہے' اسی لئے اس رات کو شب قدر کہتے ہیں یعنی مقرر کرنے کی رات انشاء اللہ اس کی پوری تحقیق سورۂ دخان میں اسی آیت کے ماتحت کی جائے گی' **ومن یرد ثواب الدنیا** ظاہر یہ ہے کہ **من** سے مراد مومن انسان ہیں' ارادہ سے مراد نیت ہے' **ثواب**' **ثوب** سے بنا بمعنی لوٹنا' کپڑے کو ثوب اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ لوٹ لوٹ کر پہنا جاتا ہے یا تہ کرنے میں لوٹا جاتا ہے' اصطلاح میں ثوب کے دو معنی ہیں' کسی چیز کا اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا کہا جاتا ہے۔ **ثاب فلان الی دارہ** فلاں شخص اپنے گھر لوٹ گیا دوسرے کسی چیز کا اپنی مقدر حالت کی طرف آجانا جس کے لئے وہ بنی تھی' عمل کے بدلہ کو خواہ اچھا ہو یا برا اسی لئے ثواب کہا جاتا ہے کہ وہ عمل کے نتیجہ کے طور پر انسان کی طرف لوٹ کر آتا ہے' گویا عمل خود نتیجہ کی شکل میں عمل والے کی طرف لوٹتا ہے' خیال رہے کہ انسان سمجھتا ہے میرا عمل ایک چڑیا تھی جو کرتے ہی میرے ہاتھ سے نکل گئی مگر حقیقت یہ نہیں ہے' اس کا عمل اس کے گلے کا ہار بن جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و کل انسان الزمنہ طئرہ فی عنقہ** یعنی ہم نے ہر انسان کے اعمال کو جسے وہ پرندہ سمجھتا تھا اس کے گلے لگا دیا' ثواب دنیا سے مراد یا غنیمت ہے یا دنیاوی عزت و نیک نامی وغیرہ یعنی جو کوئی جہاد وغیرہ سے صرف دنیوی فائدوں کی نیت کرے گا تو **نوتہ منھا**' **ہ** ضمیر کا مرجع **من** ہے اور **منھا** کی ضمیر دنیا کی طرف لوٹتی ہے یعنی ہم اسے دنیا میں سے ہی کچھ دے دیں گے' اس طرح کہ یہاں کے عیش و آرام اور نعمتوں کو اس کے اعمال میں وضع کر دیں گے یا اگر چاہیں گے تو جتنا چاہیں گے اسے دنیا سے

www.alahazratnetwork.org

دے دیں گے' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **من کان یرید العاجلۃ عجلنا لہ فیہا ما نشاء لمن نرید الآیہ** 'یہ مطلب نہیں کہ ایسے شخص کو اس کی خواہش کے مطابق دنیا دے دی جائے گی بہت لوگ دنیا کی خاطر نماز روزے ادا کرتے ہیں' مگر دنیا نہیں پاتے' اس جملہ میں اشارۃً ان حضرات پر عتاب ہے' جو غزوہ احد میں مسلمانوں کی فتح ہو جانے پر مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے درہ سے ہٹ گئے' جس کی وجہ سے جنگ کا نقشہ بدل گیا **و من یرد ثواب الاخرۃ** یہاں بھی من سے مراد مسلمان ہیں' کفار ثواب آخرت کے لئے کوئی بھی نیکی کریں' انہیں وہاں کا ثواب نہیں ملتا' ان کے اعمال برباد ہیں کہ اعمال کی قبولیت کے لئے ایمان ایسا شرط ہے جیسے نماز کے لئے وضو' ثواب آخرت سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں' عشاق کے نزدیک رب تعالیٰ کی رضا' کہ اصل ثواب یہی ہے کہ یار راضی ہو جائے' منہا کی ضمیر آخرت کی طرف لوٹتی ہے' من ابتدائیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ' کیونکہ رب تعالیٰ نیت خیر والے مومن کو اس کی امید سے زیادہ ثواب دے گا نہ کہ کم' اور ہو سکتا ہے کہ یہ ضمیر بھی دنیا کی طرف راجع ہو یعنی جو آخرت کے ثواب کی امید سے نیکیاں کرے گا ہم اسے ثواب آخرت ضرور دیں گے' یا جو آخرت کے ثواب کی نیت سے نیکیاں کرے گا اسے دنیا بھی ضرور دیں گے' ثواب آخرۃ اس کے علاوہ' یہ تفسیر بہت بہتر ہے' اس جملہ میں ان غازیان احد کی تعریف ہے جو احد میں ثابت قدم رہے' اگرچہ آیت کا نزول خاص طور سے غزوہ احد کے متعلق ہوا' مگر تمام نیکیوں کو شامل ہے' کہ عموم عبارت کا اعتبار ہوتا ہے' نہ کہ خصوصی شان نزول کا خیال رہے: کہ آخرت سے مراد قبر سے اٹھنے سے ابدالاباد تک کا زمانہ ہے' کبھی برزخی زندگی بھی آخرت میں شامل ہوتی ہے' انسان کی زندگیاں تین ہیں' دنیاوی برزخی' اخروی' دنیاوی اور برزخی زندگیاں تو محدود ہیں' مگر اخروی زندگی غیر محدود **و سنجزی الشکرین** یا تو شاکرین سے مراد یہی دوسری جماعت ہے' آخرت کے لئے نیکیاں کرنے والے تب تو یہ جملہ اس آخری جملہ کی تفسیر ہے' یا شاکرین سے وہ لوگ مراد ہیں' جو محض رضاء الٰہی کے لئے فرائض سے زیادہ نیکیاں کریں' اس صورت میں یہ عاملین کی مدح ہے' یعنی ان شاکرین کو جو آخرت کے لئے عمل کریں پورا پورا بلکہ زیادہ بدلہ عطا کریں گے' یا جو لوگ شاکر ہو کر ہماری رضاء کے جویاں ہیں ان کو وہ بدلہ دیں گے' جو ان کے خیال سے وراء ہے' بہرحال یہ جملہ شاکرین کے بڑے فضائل بیان فرما رہا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! خیال رکھو کہ کوئی جاندار بغیر حکم الٰہی بغیر ارادۂ خداوندی مر نہیں سکتا' ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے' جو لوح محفوظ میں یا اس کی پیشانی میں لکھ دیا گیا' اس سے آگے پیچھے مرنا ناممکن ہے' لہٰذا جہاد میں ثابت قدم رہنے سے کوئی مر نہیں جاتا اور اگر موت آ گئی ہے تو خواہ تم کیسے ہی آرام کی جگہ میں ہو اور خواہ تم جہاد سے بھاگ بھی جاؤ بچ نہیں سکتے' غرضکہ ثابت قدمی مار نہیں دیتی' اور گھبراہٹ بچا نہیں لیتی' خوب یاد رکھو کہ جو شخص دنیاوی عیش و آرام پر نگاہ رکھے گا' اسی کی نیت سے جہاد وغیرہ نیک اعمال کرے گا تو اسے کچھ دنیا ہی مل جائے گی جتنی ہم چاہیں' اور جو آخرت کے ثواب کی نیت سے کرے گا تو اسے دنیا بھی ملے گی اور آخرت بھی' ہم شکر گزار بندوں کو بہت بڑا اجر دیں گے' اور عنقریب دیں گے' لہٰذا ہمیشہ نیک اعمال میں آخرت کی نیت کیا کرو' دانہ کی نیت کرو بھوسہ اپنے آپ مل جائے گا' حدیث شریف میں ہے کہ مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو کچھ عالم میں ہونے والا ہے اس سب کی تحریر پہلے ہی ہو

www.alahazratnetwork.org

چکی ہے' جیسا کہ "کتبا" "مئوجلا" کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' یہاں واقعات یونہی اتفاقاً" نہیں ہو رہے ہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ دوسرا فائدہ: سال بھر کے واقعات کی فہرستیں بنا کر متعلقین فرشتوں میں تقسیم کر دی جاتی ہیں جس کے مطابق وہ فرشتے سال بھر تک عمل در آمد کرتے رہتے ہیں' جیسا کہ "کتبا" "مئوجلا" کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: ہر شخص کے پورے حالات زندگی' رزق' زندگی و موت' سعادت' بدبختی' اس کی ماں کے پیٹ میں لکھ دی جاتی ہے' جس کے مطابق اس کی زندگی گزرتی ہے' جیسا کہ "کتبا" "مئوجلا" کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا' خیال رہے کہ انسان کے اعمال وغیرہ کی تحریر ایک تو اس کی پیدائش سے پہلے ہو چکی ہے جسے شخصی تقدیر کہہ سکتے ہیں' اور دوسری تحریر اس کے عمل کرنے پر ہوتی ہے جسے نامہ ء اعمال کہا جاتا ہے' پہلی تحریر فرشتہ کاتب تقدیر ماں کے پیٹ میں کر جاتا ہے' دوسری تقدیر نامہ ء اعمال لکھنے والے فرشتے کرتے رہتے ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں' ان کے قلم اور بندے کے اقوال و اعمال میں ایک بجلی کا سا کنکشن (CONCUTION) ہے' کہ بندے نے کوئی بات یا عمل کیا' اور ان کے قلم کو حرکت ہوئی' بندہ خاموش ہوا کہ ان کا قلم بھی رکا' رب تعالیٰ فرماتا ہے ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید' یہ بعد والی تحریر یعنی نامہ ء اعمال کل قیامت میں ہر شخص کو دیئے جائیں گے اور حکم ہوگا اقرا کتابک اپنی تحریر پڑھ' یوں سمجھو کہ پہلی تحریر کے عمل مطابق اور دوسری تحریر عمل کے مطابق ہے۔ چوتھا فائدہ: ہر جاندار کی قبض روح حضرت ملک الموت فرماتے ہیں' جیسا کہ "کتبا" "مئوجلا" کی دوسری تفسیر کے ماتحت بیان کیا گیا' وہ تمام عالم میں حاضر و ناظر ہیں' جیسے سورج ہر جگہ حاضر ہے اور وہ سارے عالم پر تصرف کرتے ہیں' لہذا کسی بندے کا بحکم پروردگار عالم میں حاضر' ناظر' متصرف ہونا شرک نہیں ہے کہ یہ سب طاقتیں بہ عطاء الہی ہیں' دیکھو حضرت آصف بن برخیا جو بنی اسرائیل کے ولی تھے' فرشتہ یا نبی نہ تھے' مگر ایک آن میں تخت بلقیس یمن سے شام میں لے آئے' معلوم ہوا کہ وہاں حاضر بھی تھے ناظر بھی' پھر ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید الانس والجان ہیں' ان کی شان کا کیا پوچھنا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سارے علوم غیب اپنے بعض محبوب بندوں کو بخشے' جیسا کہ "کتبا" "مئوجلا" سے معلوم ہوا کہ یہ تحریر وغیرہ انہیں کو بتانے کے لئے تو ہے' اگر کسی کو بتانا نہ تھا تو تحریر کیوں کی گئی' کیا خدا تعالیٰ کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا؟ لوح محفوظ پر رہنے والے فرشتے یہ تمام علوم رکھتے ہیں' کاتب تقدیر فرشتہ سارے لوگوں کے سارے حالات جانتا ہے کہ وہ خود ہی تو لکھ کر گیا ہے۔ چھٹا فائدہ: ہر شخص اپنی ہی موت سے مرتا ہے' خواہ خدا مارے یا اسے کوئی قتل کر دے' جیسا کہ الا باذن اللہ سے معلوم ہوا' یہی اہلسنت کا مذہب ہے' (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ ساتواں فائدہ: نماز استسقاء' نماز حاجت' نماز غوثیہ وغیرہ میں اور تمام ان وظائف میں جو دفع حاجات یا حصول مرادات کے لئے جاتے ہیں' ثواب آخرت کی ہی نیت کرنی چاہئے' ساتھ میں رب تعالیٰ حاجتیں بھی پوری فرما دے گا' یہ حاجتیں و مرادیں ان عبادات کا مقصود نہ ہوں' جیسا کہ ثواب الاخرة سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جہاد وغیرہ عبادات میں غنیمت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو' صرف تبلیغ اسلام اور اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت ہو' لہذا غنیمت بھی دے گا۔ نواں فائدہ: جو آخرت کی نیت کرے گا اسے دنیا بھی ملے گی' بلکہ دنیا اسے دوسروں سے زیادہ ملے گی' جیسا کہ منھا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عمر موت اور زندگی تحریر میں آ چکی ہے جس میں زیادتی کی ناممکن ہے' مگر

www.alahazratnetwork.org

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک اعمال اہل قرابت سے سلوک کی برکت سے عمر رزق بڑھ جاتے ہیں' وہ احادیث اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفصیل وار تفسیر جلد سوم میں مسئلہ تقدیر میں عرض کیا جا چکا ہے' یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جیسے کہا جاتا ہے کہ دوا سے شفا ملتی ہے یا روٹی سے پیٹ بھرتا ہے یا پانی سے پیاس بجھتی ہے' ایسے ہی کہا جاتا ہے کہ نیکیوں سے عمر بڑھتی ہے' جیسے مرض اور دوا دونوں لوح محفوظ میں تحریر ہیں کہ فلاں شخص فلاں تاریخ بیمار ہو گا اور فلاں دوا سے شفا پائے گا' ایسے ہی وہاں یہ موجود ہے کہ فلاں شخص نیکی کرے گا اور اس قدر عمر پائے گا یا فلاں کی دعا سے اس کی یہ بگڑی بنے گی غرضیکہ کتبا " مئوجلا " میں سب چیزیں موجود ہیں' لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ ہر جاندار کی جان حضرت عزرائیل نکالتے ہیں' حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **توفته رسلنا** ہمارے بہت سے فرشتے اسے موت دیتے ہیں' اس سے پتہ لگتا ہے کہ موت کے فرشتے بہت ہیں' **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں عرض کیا جا چکا کہ حضرت عزرائیل علیہ السلام جان نکالتے ہیں ان کے مددگار فرشتے ان کا تعاون کرتے ہیں' جیسے آپریشن (OPREATION) بڑا ڈاکٹر کرتا ہے' مگر دوسرے کمپونڈر وغیرہ اس کا تعاون کرتے ہیں' اس لئے دوسرے مقام پر ارشاد ہے' **قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم** اگر یہ مطلب نہ ہو تو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہو گا۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ تمام کی روح ملک الموت ہی قبض کرتے ہیں' مگر حضرت جریر ابن عبداللہ کی روایت میں ہے کہ دریا کے شہید کی جان خود رب تعالیٰ قبض فرماتا ہے' وہ حدیث اس تفسیر کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں اضافت اور نسبت تشریفی ہے یا حقیقتہً "فاعلی" مراد ہے' کہ تمام کاموں کا فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے' خود رب تعالیٰ فرماتا ہے **ھو الذی یتوفکم باللیل ویعلم** الخ اور فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا**۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اعمال میں آخرت کے ثواب کی نیت چاہئے' دنیا کی نیت نہ کرے' مگر بعض نمازیں بارش' حاجت کے لئے پڑھی جاتی ہیں' ایسے ہی بہت سے وظیفے' عملیات بھی دنیاوی مقاصد کے لئے پڑھے جاتے ہیں وہ سب ان آیات کے خلاف ہیں۔ **جواب:** یہ اعمال بھی رضائے الٰہی کے لئے کرنے چاہئیں' خیال یہ کرے کہ اس کے طفیل رب تعالیٰ ہمارا کام بھی کر دے' جیسے جہاد رضائے الٰہی کے لئے کرے' پھر غنیمت اور فتح ملک بھی مل جاتے ہیں' لہٰذا وہ احادیث اس آیت کے خلاف نہیں' ہم کو دعا کی تعلیم خود رب تعالیٰ نے دی **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ" وفی الاخرۃ حسنۃ"** رب تعالیٰ سے دنیا بھی مانگو' آخرت بھی' یہاں ان کی برائی ہو رہی ہے جو رب تعالیٰ سے صرف دنیا مانگیں' آخرت نہ مانگیں یا نیک اعمال سے صرف دنیا کی نیت کریں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں تین قسم کے لوگ ہیں' طالب دنیا' طالب آخرت' طالب مولا' طالب دنیا کا ثواب صرف دنیا ہے' آخرت میں اسے کچھ نہیں ملتا' طالب آخرت کا ثواب آخرت میں ملے گا' مگر طالب مولا کا ثواب دنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھو معکم اینما کنتم** بندے کو چاہئے کہ طالب مولا ہو' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بعض لوگ دنیا میں رہتے ہیں' اور بعض لوگوں میں دنیا رہتی ہے' جن میں دنیا رہے وہ غرق ہوں گے' اور جو دنیا میں ہیں وہ پار لگیں گے' جو کشتی دریا میں رہے پار لگے گی' جس کشتی میں دریا آ جائے وہ ڈوبے گی' عصر کے وقت نمازی کے آگے سورج ہوتا ہے' اور سورج کے پجاری بھی سورج ہی کے آگے سجدے کرتے ہیں' مگر نمازی مسلمان اس سجدے سے مشرک نہیں متقی بن جاتا ہے' سورج

www.alahazratnetwork.org

پرست اس سجدے سے مشرک ہو جاتا ہے' کیونکہ اگرچہ مومن کے آگے بھی سورج ہے' مگر اس کا مقصود رب تعالیٰ ہے' مشرک کا مقصود سورج ہے' موجود ہونے اور مقصود ہونے میں بڑا فرق ہے' مومن کا مقصود اللہ ہے' منافق کا مقصود دنیا' اگرچہ دونوں کے سامنے دنیا موجود تو ہے مگر مومن کی مقصود نہیں' اللہ تعالیٰ نیت خیر نصیب کرے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ

اور بہت سے نبی جن کے ساتھ جہاد کیا بہت سے اللہ والوں نے پس نہ سست پڑے اس وجہ سے جو انہیں پہنچی

اور کتنے ہی انبیاء نے جہاد کیا ان کے ساتھ خدا والے تھے تو سست نہ پڑے ان مصیبتوں سے جو اللہ کی راہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اللہ کی راہ میں اور نہ ضعیف و ناتواں ہوئے اور نہ دبے اور اللہ پسند فرماتا ہے صبر والوں کو

میں انہیں پہنچیں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ دبے اور صبر والے اللہ کو محبوب ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیان اسلام کو اخروی نعمتوں کا ذکر سنا کر انہیں بہادر و دلیر بنایا گیا' اب گذشتہ انبیائے کرام کے غازی امتیوں کا ذکر سنا کر انہیں بہادری کا سبق پڑھایا جا رہا ہے' کہ بہادر سپاہیوں کو کبھی لالچ دے کر کبھی دوسروں کی مثال دے کر دلیر کیا جاتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مخلصین شاکرین کی جزاء و ثواب کا ذکر تھا' اب اسی جزاء و ثواب کے مستحقین کا تذکرہ ہے کہ پچھلی امتوں میں لوگ بڑے کارنامے کر کے ان جزاؤں کے مستحق ہو گئے' منشاء یہ ہے کہ اے امت مصطفوی تم ان سے پیچھے نہ رہو' ان سے بڑھ چڑھ کر حصہ لو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں جہاد میں بہادری کی ایک عظمت کا ذکر ہوا کہ یہ اخروی نعمتوں کا بھی ذریعہ ہے اور دنیاوی نعمتوں کا بھی' کہ اس سے فتح ملک' سلطنت' سرخروئی وغیرہ میسر ہوتی ہے' اور اس سے رضائے الٰہی' جنت وغیرہ نصیب ہوتی ہے' اب اس بہادری و استقامت کی دوسری عظمت بیان ہو رہی ہے' کہ گذشتہ نبیوں اور ان کے ساتھیوں کی سنت ہے' کسی چیز کا سنت انبیاء ہونا اس کی عظمت کی دلیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک عقیدے کا مسئلہ بیان ہوا کہ کوئی نفس بغیر عمر پوری کئے نہ مرے گی' اب اس کے معتقدین کا ذکر ہے کہ گذشتہ انبیاء اور ان کے ساتھیوں کا عقیدہ یہی تھا' کہ وہ حضرات یہی عقیدہ رکھ کر میدان جہاد میں جاتے تھے' اور بڑے بڑے کارنامے کر دکھاتے تھے تم نبیوں کے سردار کی امت ہو' چاہئے کہ تمہارے کارنامے ان سے بڑھ چڑھ کر ہوں۔

تفسیر: **وکاین من نبی** لفظ **کاین** میں اہل لغت و مفسرین کے بہت قول ہیں' جن میں دو قول قوی ہیں باقی ضعیف' ایک یہ کہ **کاین** مفرد لفظ ہے' جس کا نون اصلی ہے' اور خاص اپنے معنی کے لئے وضع ہوا ہے' ابن حیان وغیرہ یہی کہتے ہیں' دوسرے یہ کہ لفظ **کاف** تشبیہ اور **ای** استفہامیہ سے مرکب ہے' **ای** کی تنوین نے نون کی شکل اختیار کر لی ہے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سوائے اس لفظ کے اور کہیں تنوین نون کی شکل میں نہ لکھا گیا' جیسے **کذا** **کاف** تشبیہ اور **ذا** اسم اشارہ سے مرکب

www.alahazratnetwork.org

ہے' کاین بمعنی کم ہے' یعنی کتنے ہی یا بہت سے' پھر اس میں گفتگو ہے کہ یہ کیا ہے' بعض کے خیال میں اوی یا وی کا مصدر ہے۔ اصل میں اوی تھا' واو' ی ہو کر ی میں مدغم ہو گیا' جیسے طی اور شی کہ اصل میں طوی اور شوی تھے' مرکب ہو کر اس میں کثرت کے معنی پیدا ہو گئے' بہرحال اس کے معنی بہت سے یا کتنے ہی ہیں' بعض نے اسے کائن یعنی کان یکون کا اسم فاعل پڑھا' مگر یہ ضعیف ہے' (معانی' کبیر وغیرہ) من نبی' کاین کا بیان ہے' جیسے کم خبریہ کی تمیز میں من آتا ہے' ایسے ہی یہاں آیا' خیال رہے کہ نبی سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے بعد والے وہ پیغمبر ہیں۔ جن کی شریعت میں جہاد تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے جہاد تھا ہی نہیں' آپ ہی پہلے مجاہد ہیں' آپ کے بعد بعض نبیوں کی شریعت میں جہاد تھا' بعض کے ہاں نہ تھا قتل معہ ربیون کثیر' کاین من نبی مبتدا تھا اور یہ جملہ خبر ہے' قاتل کا فاعل نبی کی ضمیر ہے' اور معہ ربیون کثیر اس ضمیر کا حال' اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی ترکیب سے ہے' یعنی بہت سے نبیوں نے جہاد کئے اس حالت میں کہ ان کے ساتھ بہت سے مومنین تھے' ایک احتمال یہ ہے کہ ربیون' قاتل کا فاعل ہو' اور معنی یہ ہوں کہ بہت سے نبی وہ ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا' ہمارا ترجمہ اسی ترکیب کی بناء پر ہے' خیال رہے کہ ایک قراۃ میں قتل ہے' فعل ماضی مجہول' اس صورت میں ربیون ہی نائب فاعل ہو گا نہ کہ نبی' کیونکہ کوئی نبی جہاد میں شہید نہ ہوئے' (کبیر و صاوی)' اب معنی یہ ہوئے کہ بہت نبی وہ ہیں' جن کے ساتھ بہت سے اللہ والے شہید کر دیئے گئے' ربیون' ربی کی جمع ہے' حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ربی' ربۃ یا ربو سے بنا بمعنی کثرت و زیادتی' رب تعالیٰ فرماتا ہے و یربی الصدقت اور فرماتا ہے فلا یربوا عند اللہ' لہٰذا ربی کے معنی ہوئے بڑی جماعت اور ربیون کے معنی ہوئے بہت بڑی بڑی جماعتیں' ضحاک فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کی جماعت ربی کے معنی ہوئے بڑی جماعت اور ربیون کے معنی ہوئے بہت بڑی بڑی جماعتیں' ضحاک فرماتے ہیں کہ ایک ہزار کی جماعت ربی ہے' مگر امام راغب وغیرہ نے فرمایا کہ ربانیون ربانیوں کے معنی میں ہے۔ لہٰذا ربی کے معنی ہوئے اللہ والا' اگرچہ رب کی راء کو فتح ہے' مگر نسبت کے وقت راء کو کسرہ دے دیا گیا' جیسے بصرہ سے بصری اور دہر سے دہری' ربانی اور ربی' علماء' فقہاء' صوفیاء' مشائخ' مومن صالحین ہیں فما وھنوا' لما اصابھم' وھنوا وھن سے بنا بمعنی ضعف و کمزوری یا بزدلی یا جبن' ما سے مراد تکالیف و مصیبتیں ہیں جو جہاد میں پیش آتی ہیں یعنی ان مصیبتوں و آلام کی وجہ سے جو انہیں اللہ کی راہ میں مصیبتیں پہنچیں وہ ان سے کمزور نہ ہوئے یا وہ لوگ اللہ کی راہ میں کمزور نہ ہوئے بلکہ قوی و بہادر رہے وما ضعفوا وما استکانوا' استکانوا کا مصدر استکانت ہے۔ جس کا مادہ سکون یا سکن یا سکون ہے بمعنی عاجزی و تضرع' بعض نے فرمایا کہ دلی کمزوری استکانت ہے' بعض کے نزدیک دشمن کے دین کی طرف منتقل ہو جانا استکانت ہے (کبیر) اس صورت میں استکانوا باب افتعال کا ماضی جمع مذکر غائب ہے' اصل میں استکنوا تھا الف اشباع کا ہے واللہ یحب الصبرین صابرین صبر سے بنا بمعنی روکنا' اطاعت پر رکنا' گناہوں سے رکنا' آفات میں گھبراہٹ سے رکنا' یہاں تیسرے معنی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ مصیبتوں میں نہ گھبرانے والوں اور استقامت والوں کو دوست رکھتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے اللہ کے غازیو! تم تو اپنے نبی کی خبر شہادت پر گھبرا گئے' تم سے پہلے جن نبیوں نے جہاد کئے ان کے ساتھ

www.alahazratnetwork.org

بڑے اللہ والوں نے شرکت کی' ان پر جہاد میں کیسی ہی مصیبت آئی' مگر وہ نہ تو سست پڑے' نہ کمزور ہوئے' نہ دشمن کے آگے دبے' پھر تم تو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہو' تمہیں چاہئے کہ ان سے بڑھ چڑھ کر صابر و شاکر اور بہادر بنو' تاکہ قیامت میں تم ان سے اول نمبر رہو' تم نے احد میں کیا کیا' کہ بعض تو بھاگ پڑے' اور بعض نے ابو سفیان سے امان مانگ لینے کی خواہش کی' حالانکہ ابو سفیان بھاگ چکے تھے' بعض نے ابن ابی وغیرہ منافقین کو بیچ میں ڈالنے کی کوشش کی' آئندہ ایسی حرکت نہ کرنا' اگر ہمارے پیارے بننا چاہتے ہو تو ہر طرح کا صبر اختیار کرو' کیونکہ ہم صبر والوں سے محبت کرتے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** افضل شخص' افضل قوم کو اعلیٰ و افضل کام کرنے چاہئیں' صرف نسب یا نسبت پر قناعت نہ کرنا چاہئے' علماء' مشائخ' صوفیاء اور سادات کو چاہئے' کہ ان کے اعمال دوسرے مسلمانوں سے زیادہ اعلیٰ ہوں' بڑا انعام لینا ہے تو بڑا کارنامہ کرو' جیسا کہ اس آیت کے مقصد سے معلوم ہوا' ہیڈ ماسٹر اپنے ماتحتوں سے زیادہ قابل ہونا چاہئے۔ **دوسرا فائدہ:** دوسروں کے کارنامے سنا کر مسلمانوں کو جوش دلانا سنت الٰہیہ ہے' بلکہ اس نیت سے تاریخی حالات جاننا' سیکھنا' عبادت ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد بڑی پرانی سنت ہے کہ اسلام سے پہلے بھی حضرات انبیاء نے کیا' جیسا کہ **و کاین من نبی** سے معلوم ہوا' لہٰذا یہ سنت ہی نہیں بلکہ فطرت بھی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** سارے نبیوں کے دین میں جہاد نہ تھا' بلکہ بہت سے انبیاء کے دین میں جہاد تھا' بہت سوں کے دین میں نہ تھا' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے **کاین** فرمایا کل یا جمیع نہ فرمایا' چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے پہلے کسی نبی پر جہاد نہ تھا' حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جہاد شروع ہوا' اور آپ کے بعد بھی ہر نبی پر جہاد فرض ہوا' کسی پر نہ ہوا' چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کے دین میں جہاد نہیں' عیسائی لوگ سیاسی جنگیں کرتے ہیں مذہبی نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** جہاد کے لئے طاقت و قوت شرط ہے' اور فوج بھی طاقت ہی کا ایک رکن ہے جیسا کہ **ربیون** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان حضرات نے اکیلے جہاد نہ کیا' بلکہ جب مجاہدین کی جماعت کثیر ساتھ ہوئی' تب جہاد کے لئے قدم اٹھایا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے جہاد نہ کیا' بلکہ آپ پر اس وقت جہاد فرض ہی نہ ہوا کہ طاقت نہ تھی۔ **چھٹا فائدہ:** غازی مجاہدوں کو بحالت جہاد نہایت' نیک صالح ہونا' اپنی نیت خیر رکھنا بہت ضروری ہے' اللہ والے بن کر میدان میں جائیں' جیسا کہ **ربیون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا' کہ رب تعالیٰ نے ان مجاہدین کو اللہ والا فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** تقویٰ اور طہارت سے دل میں ہمت و جرات پیدا ہوتی ہے' جس سے متقی کے دل میں غیر خدا کا خوف نہیں آتا' دیکھو ان مجاہدین پر بڑی سے بڑی آفت میں بھی دشمن کا خوف نہ ہوا' دیکھو فرعونی جادوگر ایمان لاتے ہی ایسے دلیر ہو گئے' کہ فرعون کے دھمکانے پر صاف بولے' کہ جو بھی تجھ سے ہو سکے کر لے' ہم تو ایمان لا چکے۔ **آٹھواں فائدہ:** بزرگوں کے ساتھ یا ان کے پاس نیکیاں کرنا بہت ہی بہتر ہے' اس قرب سے نیکیوں کو چار چاند لگ جاتے ہیں' جیسا کہ **معه** فرمانے سے معلوم ہوا' یعنی ان مجاہدین کی بڑی خوش نصیبی یہ تھی کہ انہیں نبی کی ہمراہی میں جہاد نصیب ہوا' آج مسجد نبوی کی عبادات کا ثواب بہت زیادہ ہے' کیوں؟ اسی قرب رسول کی برکت سے' کوئی ولی' کوئی غوث' کوئی قطب' صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا' کیوں؟ اس لئے کہ وہ صحبت مصطفوی کہاں سے لائے گا۔ **نواں فائدہ:** نبی بزدل نہیں ہوتے وہ بڑے بہادر اور شجاع ہوتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو دوسری صفات کے ساتھ بہادری و شجاعت بھی عطا فرماتا ہے' جیسا کہ **وما ضعفوا** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کے محبوب بندے بننے کے لئے صبر و نیک اعمال کرنے ضروری ہیں' جیسا کہ **یحب الصبرین** سے معلوم ہوا' کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

تعصی الرسول و انت تظہر حبہ — ھذا لعمری فی الفعال بدیع
لو کان حبک صادقا لا طعتہ — ان المحب لمن یحب مطیع

یعنی تو دعویٰ تو کرتا ہے پیغمبر کی محبت کا اور کرتا ہے ان کی نافرمانی' یہ عجیب بات ہے' اگر تیری محبت سچی ہوتی' تو ان کی اطاعت ضرور کرتا عاشق محبوب کا فرمانبردار ہوتا ہے' جب محبوب پیارا تو اس کے فرمان و اعمال بھی پیارے۔

پہلا اعتراض: **ربیون** خود جمع ہے' جمع میں کثرت و زیادتی آہی جاتی ہے' پھر اس کے ساتھ کثیر کیوں فرمایا گیا' یہ معنی تو **ربیون** ہی میں آگئے تھے۔ جواب: یہاں جمع تعدد افراد کے لئے ہے اور کثیر تعدد انواع کے لئے یعنی نبیوں کے ساتھ بہت قسم کے بہت اللہ والے جہاد میں ہوتے تھے یا جمع کثرت افراد کے لئے ہے اور کثیر کثرت واقعات کے لئے یعنی بہت دفعہ بہت سے مجاہدوں نے نبیوں کے ساتھ مل کر جہاد کئے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف مولویوں' پیروں اور متقیوں کو ہی کرنا چاہئے' فاسق و فاجر لوگ نہ کریں' کیونکہ رب تعالیٰ نے مجاہدوں کو **ربیون** فرمایا یعنی اللہ والے' لہذا دنیا والے نفس والے لوگ چونکہ اللہ والے نہیں' وہ جہاد میں بھی نہ جائیں' حالانکہ اکثر جہاد میں گنہگار لوگ ہی زیادہ کام آتے ہیں' جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے۔ جواب: معترض نے اوندھی بات کہی' گنہگاروں کو جہاد نہ چھوڑنا چاہئے' بلکہ جہاد کے موقعہ پر گناہ چھوڑ کر اللہ والا بن جانا چاہئے سو برس کا گنہگار جب سچے دل سے توبہ کر لے' تو وہ اللہ والا بن جاتا ہے' اور پھر ختنہ تعالیٰ اللہ والا بن کر میدان جہاد میں پہنچتا ہے' اگر کوئی بے نمازی ہے' تو اسے نمازی بناؤ' مقاومت نہ چھڑاؤ۔ تیسرا اعتراض: نبی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں' پھر انہیں جہاد کفار میں فوجوں کی کیا ضرورت' گذشتہ انبیاء ربیون یعنی اللہ والوں کی جماعت جہاد میں ساتھ کیوں رکھتے تھے' جب یوشع علیہ السلام ڈوبتے ہوئے سورج کو روک سکتے ہیں' کیا وہ کفار کی یلغار کو نہیں روک سکتے تھے (بعض بے دین)۔ جواب: تبلیغ و جہاد اسباب کے ماتحت ہوتے ہیں' تاکہ نبی کے پردہ فرمانے کے بعد بھی جاری رہیں' اگر وہ حضرات معجزے کے طور پر کفار کو شکست دیدیا کرتے' تو بعد کے لوگ جہاد کی ہرگز ہمت نہ کرتے' بلکہ کہتے کہ جس ہتھیار سے جہاد ہوتا تھا یعنی معجزہ وہ تو چلا گیا اب جہاد کیسا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں پتھروں کو کلمہ پڑھایا' مگر ابو جہل سے بطور معجزہ کلمہ نہ پڑھایا' کہ اس طرح کلمہ پڑھوانے میں ابو جہل کا ایمان شرعی نہ ہوتا' معجزے کا اظہار اپنی حقانیت دکھانے کو ہوتا ہے' نہ کہ کسی کو جبراً مسلمان بنانے کو' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ سے بت معجزہ سے نہ نکالے' بلکہ لشکری طاقت سے' تاکہ تاقیامت جہاد پر عمل ممکن ہو۔ چوتھا اعتراض: معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بزدل تھے' تب ہی تو رب تعالیٰ انہیں بہادروں کے قصے سنا کر دلیر فرما رہا ہے' اگر وہ خود ہی بہادر ہوتے تو انہیں یہ قصے سنانے کی کیا ضرورت تھی' تیز رفتار گھوڑے کو کوڑے کی ضرورت نہیں ہوا کرتی۔ جواب: اگر اس قسم کی قیاس آرائیاں کی گئیں' تو پھر شان نبوت کی بھی خیر نہیں' رب تعالیٰ نے اپنے محبوب سے فرمایا **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل** اے محبوب صبر سے کام لو' جیسا کہ پچھلے شاندار نبیوں نے صبر کیا' تو کیا کہو گے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صابر نہ

www.alahazratnetwork.org

تھے ؟ کھو گے تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے صحابہ کرام جیسے بہادر شجاع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہونے والے جانباز نہ آسمان نے کبھی دیکھے تھے نہ دیکھے گا' بہادروں کو دوسرے بہادروں کے کارنامے سنا کر اور زیادہ دلیر کیا جاتا ہے' نیکی و خوبی کی جس قدر زیادتی ہو بہتر ہے نیز یہ آیات تاقیامت مسلمانوں کے لئے ہیں' اگرچہ ان کا نزول صحابہ کرام کے لئے ایک خاص موقع پر ہوا' خیال رہے کہ جنگ احد میں بعض صحابہ کے پاؤں اکھڑ جانا بزدلی کی بناء پر نہ تھا بزدلی اور چیز ہے اور کسی اچانک حادثہ پر گھبراہٹ دوسری چیز' موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولیٰ ہم کو فرعون اور فرعونیوں سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ہم پر زیادتی کرے گا' یہ خوف ایک حادثہ کے احتمال پر ہے نہ کہ بزدلی کی وجہ سے' حضرات انبیائے کرام علیہم السلام بزدلی سے پاک ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عقل میں بزدلی ہے' عشق میں دلیری و بہادری' جب عشق عقل پر غالب آجاتا ہے تو اسے دیوانہ بنا کر بہت دلیر کر دیتا ہے' معمولی چڑیا کے بچوں کو جب چیل جھپٹ لیتی ہے' تو چڑیا اپنے بچوں کے عشق میں دیوانی ہو کر چیل پر حملہ کر دیتی ہے اور چیل آگے آگے بھاگتی ہے' چڑیا پیچھے پیچھے تعاقب کرتی ہے' گویا عشق نے شکار کو شکاری بنا دیا اور اسی کے مقابل شکاری کو شکار کر دیا' اللہ والے غازی مجاہد جب عشق الٰہی کے شراب سے متوالے ہو کر سروں سے کفن لپیٹ کر نکلتے ہیں تو ان کے دلوں میں دشمن کی قوت یا کثرت کا مطلقاً احساس نہیں ہوتا اور وہ حضرات آفات و مصیبتوں کے جام کے جام شیر کی طرح مزے لے کر پیتے ہیں انہیں کو رب تعالیٰ نے یہاں ربیون فرمایا یعنی عشق الٰہی کے نشہ میں سرشار' جہاد میں یہی وہ ہتھیار ہے' جس کا مقابلہ کفار کے ہتھیار نہیں کر سکتے' اگر راکھ میں شرر ہے تو آگ کا کام کرے گی' بجھی ہوئی راکھ خاک کے ڈھیر سے بدتر ہے' کہ خاک تو گارے وغیرہ میں کام بھی آتی ہے مگر راکھ بجز گندا برتن صاف کرنے کے کسی اور مصرف کی نہیں' ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے!   مسلماں نہیں راکھ کا ڈھیر ہے
تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے   دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا

اور نہ تھا ان کا کہنا اس کے سوا کہ وہ بولے اے ہمارے رب بخش دے ہمارے گناہوں کو اور ہماری زیادتیوں

وہ کچھ بھی نہ کہتے تھے سوا اس دعا کے کہ اے رب ہمیں بخش دے ہمارے گناہ اور جو زیادتیاں ہم نے اپنے

وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۴۷﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ

کو ہمارے کاموں اور ثابت رکھ ہمارے قدموں کو اور مدد فرما ہماری کافر قوم پر بس دیا اللہ نے

کام میں کیں اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں ان کافروں پر مدد دے تو اللہ نے انہیں

www.alahazratnetwork.org

ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ان کو ثواب دنیا کا اور اچھا ثواب آخرت کا اور اللہ پسند کرتا ہے نیک کاروں کو

دنیا کا انعام دیا اور آخرت کے ثواب کی خوبی اور نیکی والے اللہ کو پیارے ہیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں امت کے غازیوں کی عملی خوبیاں بیان ہوئیں یعنی مصیبت میں گھبرانہ جانا' سست نہ پڑنا' اب اس آیت میں ان کی قولی خوبیاں بیان ہو رہی ہیں' یعنی ایسے نازک حالات میں بھی رب تعالیٰ سے دعائیں کرنا گویا ارکانی نیکیوں کے بعد ان کی لسانی و زبانی نیکیوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گذشتہ غازیوں کی استقامت کا ذکر تھا' اب بحالت جہاد ان کی عبادت کا ذکر ہے کہ وہ حضرات ایسی خطرناک حالت میں بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہوتے تھے اور جہاد میں دو ہی چیزیں لازم ہیں' استقامت و عبادت' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا** " جب کفار سے مڈھ بھیڑ ہو تو ڈٹ جاؤ اور اللہ کا ذکر بہت کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گذشتہ غازیوں کی اعلیٰ عبادت یعنی جہاد میں ڈٹ جانے کا ذکر تھا' اب اس عبادت کی قبولیت کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے' یعنی مومن کا اپنی عبادت پر نازاں نہ ہونا' اپنے کو ہر حال میں گنہگار جان کر رب تعالیٰ سے توبہ کرنا' کہ وہ حضرات اتنی بڑی نیکیاں کرنے کے بعد بھی توبہ و استغفار کرتے تھے' شیخی میں نہ آتے تھے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے گذشتہ غازیوں کے متعلق اپنے فیصلہ کا ذکر فرمایا کہ وہ حضرات صابر تھے' اور صابر ہمارے پیارے ہیں' لہذا ہمیں پیارے تھے' اب اس آیت خود ان کے فیصلہ کا ذکر ہے' جو انہوں نے اپنے متعلق کیا تھا کہ ہم گنہگار خطاکار ہیں' لطف جب ہی ہے کہ بندہ کہے میں گنہگار' رب تعالیٰ کہے تو متقیوں کا سردار تو پرہیزگار' غرضکہ ان کے ایک کمال کا ذکر پچھلی آیت میں تھا' رب تعالیٰ کے ہاں مقبول و صابر ہونا' دوسرے کمال کا ذکر اب ہے اپنے کو گنہگار جاننا۔

تفسیر: **وما کان قولھم الا ان قالوا** حق یہ ہے کہ **قولھم** کی ضمیر ربیون کی طرف راجع ہے' اس میں انبیائے کرام داخل نہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام معصوم ہیں' ان کے نزدیک بھی گناہ و اسراف نہیں جاتے (صاوی و خازن) روح البیان نے فرمایا کہ یہ مناجات وہ حضرات سخت خطرناک حالت میں کرتے تھے' جبکہ جنگ خطرناک صورت اختیار کر جاتی تھی' اور غازیوں کو اپنی شکست نظر آتی تھی' تب یہ عرض کرتے تھے کہ مولیٰ ہماری یہ حالت ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے معافی دے' کرم کر' اور ہو سکتا ہے کہ وہ جہاد میں ہر وقت ہی یہ کہتے رہتے ہوں' **قولھم** کان کی خبر مقدم ہے' اور **ان قالوا** مصدر ہو کر اسم مؤخر' الا استثناء مفرغ ہے' یعنی وہ حضرات جہاد میں ان کلمات کے سوا اور کوئی بھی کلام منہ سے نہ نکالتے تھے **ربنا اغفرلنا ذنوبنا** یہ پورا جملہ **قالوا** کا مفعول ہے' مغفرت اور ذنب کے معانی پہلے بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' ان غازیوں کا یہ عرض کرنا اگلی دعا کی تمہید ہے' کہ دعا سے پہلے اپنے گناہوں کا اقرار و توبہ سنت بزرگان ہے اور ہر دعا پر اپنے رب کو ربنا کہہ کر پکارنا ذریعہ قبولیت ہے' یہ پکار اظہار عجز کے لئے ہے' نہ کہ رب تعالیٰ کو بے خبر جاننے کی بناء پر' ذنوب سے سارے گناہ مراد ہیں نئے ہوں یا پرانے' یا بحالت جہاد کوتاہیاں و غلطیاں کریم کو پکار کر اپنے قصور کا اقرار سنت ابرار ہے **و اسرافنا**

www.alahazratnetwork.org

فی امرنا واؤ عاطفہ ہے اور مابعد ذنوب پر معطوف' **اسراف** سرف سے بنا بمعنی حد سے بڑھ جانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **کلوا و اشربوا ولا تسرفوا** اور فرماتا ہے' **قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم** اور فرماتا ہے **فلا یسرف فی القتل'** **امر** سے مراد اپنا ہر عمل ہے بدنی ہو یا دلی یا مالی اس میں گفتگو ہے کہ ذنب و اسراف میں کیا فرق ہے' امام ضحاک فرماتے ہیں کہ ذنب صغیرہ گناہ ہیں' اور اسراف کبیرہ' بعض کے نزدیک ذنب عام ہے اسراف خاص یعنی ذنب ہر گناہ' اسراف بڑا گناہ' بعض کے نزدیک نہ کرنے والے کام کر لینا ذنب ہے اور کرنے والے کام نہ کرنا اسراف' بعض کہتے ہیں بدنی گناہ' اختیاری اعمال ذنب ہیں' اور دلی گناہ حسد' بغض یا جہاد میں بے ہمتی اسراف ہے' بعض کے نزدیک حقوق اللہ میں زیادتی کی ذنب ہے' حقوق العباد میں کج روی اسراف کچھ بھی سہی' ان حضرات نے اپنے ہر قسم کے سارے گناہوں سے معافی مانگ لی' خیال رہے کہ یہ لوگ افراط و تفریط سے پاک و صاف تھے' رب تعالیٰ نے انہیں **ربیون** یعنی اللہ والے فرمایا مگر پھر بھی ان کا اپنے کو گنہگار جاننا اور بھی کمال ہے' یعنی وہ لوگ جہاد کی حالت میں یوں کہتے تھے کہ خدایا ہمارے سارے چھوٹے بڑے' کھلے چھپے' شرعی اور حقوق العباد کے گناہ معاف فرمادے **و ثبت اقدامنا** وہ جملہ تمہید تھا یہ اصل دعا ہے' **ثبت** تثبیت سے بنا بمعنی جمادینا' یہ لغزش کا مقابل ہے' اگرچہ ذکر تو قدموں کا کیا' مگر مراد دلی قوت و ہمت ہے' کہ دل میں ہمت ہو تو قدم جمے رہتے ہیں' دل گھبرا گیا کہ قدم اکھڑے' یہاں ثابت قدمی سے مراد جہاد میں جمے رہنا ہے' کسی آفت سے نہ گھبرانا' چونکہ یہ ثابت قدمی رب تعالیٰ کا خاص عطیہ ہے' اس لئے بہت اہتمام سے ان بزرگوں نے اس کی دعا کی' یعنی اے مولیٰ' ہمیں جہاد میں ثابت قدمی نصیب کر کہ مضبوط دیوار کی طرح جمے رہیں' میدان سے بھاگ نہ جائیں **وانصرنا علی القوم الکفرین'** **نصرت** کے معنی مدد بھی ہیں اور فتح بھی' یہاں دونوں معنی درست ہیں' قوم کافرین سے مراد سارے ہی کفار ہیں' مشرکین ہوں یا اہل کتاب' اب ہمارے مقابل آگئے ہوں یا آئندہ آئیں' اور نصرت سے مراد غیبی امداد ہے' جو فرشتوں کے ذریعہ سے ہو جس کا اثر یہ ہے کہ مومنوں کے دل قوی اور مضبوط ہو جاتے ہیں' اور کفار کے دلوں پر رعب و ہیبت چھا جاتی ہے' رب تعالیٰ کی امداد کی بہت صورتیں ہیں' جنگ بدر میں فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرمائی اور غزوۂ خندق میں ہوا کے ذریعہ' موسیٰ علیہ السلام کو پانی کے ذریعے فرعون پر فتح بخشی' یعنی اے مولیٰ ہم کو اپنی کثرت' قوت' ہتھیاروں پر ناز نہیں' تیری بارگاہ میں التجا ہے کہ ہمیں فتح و نصرت نصیب کر **فاتھم اللہ ثواب الدنیا'** **فاء** ترتیب کی ہے اور یہ عطا پہلی دعا پر مرتب ہے' **ثواب** کے معنی ہم ابھی پہلے عرض کر چکے' کہ یہ ثوب سے ہے' بمعنی لوٹنا' پلٹنا' اب جزاء عمل کو ثواب کہتے ہیں' کہ یہ بندے کی طرف لوٹتی ہے' یہاں دنیاوی ثواب سے مراد فتح' غنیمت' ملک' نیک نامی' غلبہ وغیرہ سب ہی مراد ہیں' یعنی جب ان لوگوں نے ایسی استقامت دکھائی اور استقامت کے باوجود ایسی دعائیں مانگیں' تو ہم نے انہیں صرف اخروی ثواب ہی نہ دیا بلکہ دنیا میں بھی اچھا نتیجہ و ثواب بخشا **و حسن ثواب الاخرۃ** مرنے کے بعد سے ابد الآباد تک کا نام آخرت ہے' وہاں مختلف اوقات میں مختلف ثواب ہیں' نزع کی سختی سے حفاظت جانکنی کا ثواب ہے' قبر میں حساب و کتاب نہ ہونا یا آسان ہونا یا اس میں کامیاب ہو جانا قبر کا ثواب ہے۔ قیامت کی دھوپ سے بچ جانا حساب میں آسانی ہونا' پل صراط سے بخیریت گزر جانا' قیامت کا ثواب ہے' جنت کا داخلہ رب تعالیٰ کا راضی ہو جانا' یہ بعد کا ثواب ہے' اس ایک جملہ میں رب تعالیٰ نے ان تمام ثوابوں کا ذکر فرمایا' چونکہ دنیا کے ثواب سے آخرت کا ثواب زیادہ اہم ہے' کہ دنیا کی راحتیں فانی ہیں' مصیبتوں سے مخلوط ہیں' اور تھوڑی ہیں' آخرت کی نعمتیں بہت ہیں' باقی ہیں' خالص ہیں' اسی

www.alahazratnetwork.org

لئے آخرت کے ثواب کے ساتھ لفظ حسن ارشاد ہوا' چونکہ دنیا پہلے ہے آخرت بعد میں' اس لئے ثواب دنیا کا ذکر پہلے ہوا' آخرت کا بعد میں' خیال رہے کہ آخرت کا ثواب ابھی ملا نہیں' آئندہ ملے گا' مگر چونکہ رب تعالیٰ کے وعدے یقینی ہیں' جن کے غلط ہونے کا کوئی احتمال ہی نہیں' اس لئے یہاں ماضی فرمایا گیا یا یہ مطلب ہے کہ ثواب آخرت ان کے نامزد کردیئے' یعنی رب تعالیٰ نے ان غازیوں کو آخرت کے ہر طرح کے ثواب بخشے **واللہ یحب المحسنین** یہ ان کا تیسرا انعام ہے' جو ان دونوں سے اعلیٰ وارفع ہے' محسن احسان سے بنا بمعنی نیک عمل کرنا' جس میں اخلاص بھی شامل ہے' یعنی یہ لوگ ہماری بارگاہ میں محسن و نیک کار ہیں' اور ہم کو نیک کار پیارے' لہٰذا یہ حضرات سب ہمارے محبوب و مقبول بندے ہیں' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے ان بزرگوں کی دعا نقل فرما کر انہیں محسن فرمایا' اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ وہ تو اپنے کو گنہگار' خطاکار کہہ کر ہم سے معافی کے خواستگار اور مغفرت کے طلبگار ہیں' مگر ہم انہیں محسن' نیک کار اور پرہیزگار فرما کر انہیں اپنی محبوبیت کا تمغہ عطا فرماتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** اور فرماتا ہے **للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ** جب یہ لوگ احسان والے اور محسن ہوئے تو ان پر اللہ تعالیٰ احسان ہی فرمائے گا اور انہیں جنت ہی بخشے گا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم غزوۂ احد میں ایک مصیبت دیکھ کر کیوں گھبرا گئے؟ تم سے پہلی امتوں کے غازیوں کا تو یہ حال تھا کہ وہ ہزارہا مصیبتیں دیکھ کر بھی دل نہ چھوڑتے تھے' اور ڈٹ کر مقابلہ کرتے تھے' ہر دکھ درد سہتے تھے' اور ان کی پاکبازی' نیک کاری کا یہ حال تھا کہ جب وہ لوگ جہاد میں صف آرا ہوتے' تو اس طرح عرض کرتے اور کچھ نہ کہتے تھے کہ اے ہمارے پالنہار! تو پالنے والا ہے' ہم پلنے والے اور پلنے والے پالنے والے سے مانگا ہی کرتے ہیں' تو ہم پر کرم فرما' ہمارے پچھلے چھوٹے گناہ بھی بخش دے اور بڑے گناہ بھی' جو کچھ ہم سے اپنے معاملات میں غلطیاں' زیادتیاں سرزد ہوئیں' اے مولیٰ تو ان سے درگزر کر' اور اس نازک موقعہ پر ہمارے دلوں کو مضبوط فرما کہ ان میں خوف و ہراس نہ آنے پائے' جس سے ہمارے قدم جمے رہیں' اور ہم کفار کے مقابلے میں ڈٹے رہیں' اور مولیٰ ہم کو اپنے جتھے' اپنی قوت اور اپنے ہتھیاروں پر ناز نہیں ہم کو صرف تیری مدد و نصرت پر ناز ہے' مولیٰ تمام کفار پر ہم کو غلبہ عطا فرما' ان لوگوں کو ان کے اعمال و اقوال کی بناء پر رب تعالیٰ نے انہیں دنیا میں بھی انعام دیئے کہ انہیں فتح و کامرانی بخشی' غنیمت دی' ملک عطا کئے' ان کا نیک نام قیامت تک کے لئے باقی رکھا اور آخرت میں ہر موقعہ پر ثواب ان کے نامزد کردیا' کہ انہیں جانکنی آسان ہوگی' حساب قبر ان سے بالکل نہ ہوگا' محشر کی آفتوں اور مصیبتوں سے انہیں دور کا واسطہ بھی نہ ہوگا' پل صراط پر آسانی سے گزر جائیں گے' جنت اور وہاں کی نعمتیں پائیں گے' سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ نیک کار محسن ہیں' اور ہم کو نیک کار پیارے ہیں' لہٰذا یہ لوگ ہمارے محبوب بندے ہیں' ہم ان سے راضی ہیں' اور جس سے ہم راضی ہو جائیں' انہیں پھر کاہے کی کمی ہے' تم بھی انہیں کے سے اعمال کرو' تاکہ ان سے بڑھ کر ثواب پاؤ' کہ تم محبوب کی امت ہو' تمہیں تھوڑے عمل پر ثواب زیادہ دیں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد کے وقت نیک دعائیں کرنا چاہئیں کہ یہ قبولیت دعا کا وقت ہے' حدیث شریف میں ہے کہ بارش کے وقت' مرغ بولتے وقت' آخری شب میں اور جہاد کی حالت میں دعائیں زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد کی حالت میں ناجائز باتیں نہ کی جائیں' اللہ تعالیٰ کا ذکر اور دعائیں کرنا چاہئیں' مجاہد کی حالت

www.alahazratnetwork.org

یہ ہونی چاہئے کہ اس کے ہاتھ میں تلوار رہو اور منہ پر ذکر اللہ کیونکہ جہاد بھی روزہ و نماز کی طرح عبادت ہے اور عبادتوں میں اللہ کا ذکر بہتر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دعا سے قبل رب تعالیٰ کو پکارنا چاہئے جیسی دعا مانگنا ہو ویسے ہی نام سے اسے پکارو دعائے مغفرت میں یا غفار کہو اور دعائے شفا میں یا شافی الامراض مگر ربنا ہر دعا کے ساتھ استعمال ہو سکتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دعا سے پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے دعا مانگنے والا پہلے حمد الٰہی کرے پھر درود شریف پڑھے پھر استغفار کرے پھر دعا مانگے کہ یہ سب دعا کے آداب ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** مجاہدین جہاد میں اپنے سامان اور فوج پر بھروسہ نہ کریں بلکہ رب تعالیٰ کے کرم پر اعتماد کریں اور اس سے ثابت قدمی مانگیں جیسا کہ **ثبت اقدامنا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کوئی نیک کار اپنی نیکی پر پھول نہ جائے رب تعالیٰ کو بھی بھول نہ جائے بڑی سے بڑی نیکی کرنے کے بعد بھی اپنے کو خطاکار ہی جانے دیکھو ان نمازیوں کو رب تعالیٰ نے صابر اور محسن فرمایا مگر انہوں نے اپنے کو گنہگار ہی کہا۔ **ساتواں فائدہ:** دین کی خدمت کرنے والے کو دنیا بھی ملتی ہے جیسا کہ **ثواب الدنیا** سے معلوم ہوا تجربہ بھی ہے کہ دینی خدمت کرنے والے ننگے بھوکے نہیں رہتے بلکہ بعض کی قبروں پر بھی زر و جواہر نثار ہوتے رہتے ہیں کہ ان کے نام سے دوسرے پلتے ہیں یہ ہے **ثواب الدنیا** کا ظہور۔ **آٹھواں فائدہ:** نیک کاروں کی دنیوی نعمتیں آخرت کی نعمتوں کو کم نہ کریں گی بلکہ وہاں اس دنیا سے بڑھ چڑھ کر نعمتیں ملیں گی جن کے مقابلہ میں دنیاوی نعمتوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں جیسا کہ **و حسن ثواب الاخرة** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** فتح ظفر غنیمت نیک نامی اچھی شہرت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں ہیں جو اکثر مجاہدوں کو نصیب ہوتی ہیں جیسا کہ **ثواب الدنیا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** غازی و شہید بفضلہ تعالیٰ جانکنی کی شدت قبر کے حساب آخرت کے عذاب ان سب سے محفوظ ہے حدیث شریف میں ہے کہ شہید کو جانکنی میں صرف ایسی تکلیف ہوتی ہے جیسے چیونٹی کاٹنے کی۔ **گیارھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو نیک کار پیارے ہیں اگر رب تعالیٰ کا پیارا بننا ہے تو نیکیاں کرو بندی مثل و کہاوت ہے کہ چام پیارا نہیں "کام پیارے ہیں" جیسا کہ **یحب المحسنین** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: **ذنوب** کے بعد **اسراف** کا ذکر کیوں کیا گیا؟ **اسراف** بھی **ذنوب** میں داخل تھا۔ **جواب:** اس کے کئی جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ یا تو **ذنوب** اسراف سے عام ہے کہ اسراف بھی ذنوب میں داخل ہے تب تو اظہار اہتمام کے لئے بطریق تخصیص بعد تعمیم خصوصیت سے اس کا ذکر زیادہ کیا کہ **ذنوب** میں گناہ کبیرہ و صغیرہ سب داخل تھے اور اسراف میں گناہ کبیرہ شامل چونکہ گناہ کبیرہ دیگر گناہوں سے سخت ہیں اس لئے ان کی معافی خصوصیت سے علیحدہ مانگی اور اگر اسراف ذنب کا مقابل ہے تب تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں قوم کافرین پر فتح کیوں مانگی گئی؟ کافرین پر ہی فتح مانگنا چاہئے تھا یعنی یوں فرمایا جاتا **وانصرنا علی الکفرین** لفظ قوم کا اضافہ کیوں کیا گیا؟ **جواب:** اس لئے کہ ان کافروں پر فتح مانگی گئی ہے جو مجتمع قوم ہو کر ہمارے مقابلہ میں جنگ کے لئے آئے رہے وہ کفار جو ہمارے ملک میں رعایا بن کر رہیں یا امن لے کر چند روز کے لئے ہمارے ملک میں آئیں یا جن سے ہمارا معاہدہ و صلح ہو ان سے نہ جنگ ہے اور نہ ان کے مقابلہ میں دعائے فتح اگر یہاں قوم کا لفظ نہ ہوتا تو اس میں سارے کافر داخل ہو جاتے۔ **تیسرا اعتراض:** قوم واحد ہے پھر اس کی صفت کافرین جمع کیوں آئی؟ **جواب:** اس لئے کہ قوم لفظاً "واحد ہے مگر معنیً" جمع کہ اس میں اگرچہ افراد نہ سہی اجزاء

www.alahazratnetwork.org

بہت زیادہ ہیں کہ ہر شخص قوم کا جزو ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے **ثواب الدنیا** کی تفسیر میں فتح' غنیمت' عزت و شہرت کا بیان کیا' حالانکہ اسلام سے پہلے مجاہدین کے لئے غنیمت حلال تھی ہی نہیں' فاتحین مال غنیمت جمع کر کے پہاڑ پر رکھ آتے تھے' اور غیبی آگ اسے جلا جاتی تھی' پھر ان کے لئے غنیمت **ثواب الدنیا** میں داخل کیسے ہوئی۔ **جواب:** امام ابن جریج نے اس کی تفسیر فتح اور غنیمت سے کی' تفسیر روح المعانی نے اس سوال کا جواب یہ دیا ہے کہ اس زمانہ میں غنیمت کے جانور مجاہدین کے لئے حلال تھے' حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کے لئے حرام جانوروں کے علاوہ دوسرے مال سونا' چاندی وغیرہ مطلقاً حرام تھے' وہی پہاڑ پر رکھے جاتے تھے' اور انہی کو آکر آگ کھاتی تھی' یہ جواب قرین قیاس بھی ہے' کہ اس زمانہ میں بھی لڑاکے کفار غنیمتاً گرفتار کئے جاتے تھے' اور انہیں لونڈی و غلام بنا کر خدمتیں لی جاتی تھیں' تفسیر صاوی نے اس کا جواب یہ دیا کہ اس زمانہ میں بھی غازی مال غنیمت کے مالک ہو جاتے تھے' اگرچہ اسے استعمال نہ کر سکتے تھے' ان بزرگوں کا مالک غنیمت بن جانا ہی ثواب دنیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جہاد میں ظاہری ہتھیاروں کے ساتھ باطنی اسلحہ بھی ہونا چاہئے' ظاہری ہتھیار تو دنیوی کارخانوں کے بنے ہوئے توپ و تفنگ ہیں' اور باطنی ہتھیار کارخانہ و قدرت کے ڈھلے ہوئے استغفار' ذکر اللہ' تقوٰی اور طہارت ہیں' کفار کے پاس جسمانی ہتھیاروں کا توڑ تو ہے' مگر روحانی ہتھیار کا توڑ کوئی نہیں' اگر مسلمان غازی اس ہتھیار سے بھی آراستہ ہوں تو انشاء اللہ مدد الٰہی ضرور ان کی دستگیری کرے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ صبر و احسان خدا کی صفات ہیں اور خدا تعالٰی کو پیاری' اسی لئے رب تعالٰی نے پہلے فرمایا کہ ہم صابروں سے محبت کرتے ہیں' اور اب فرمایا کہ ہمیں احسان والے پیارے ہیں' یوں تو ہر وقت ہی انسان کو ان صفات سے موصوف رہنا چاہئے' مگر جہاد میں تو ضرور یہ صفتیں اختیار کرنا چاہئیں' کہ اس وقت موت سامنے ہوتی ہے' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

کنوں بایدت عذر تقصیر گفت ۔۔۔ نہ چوں نفس ناطق ز گفتن بخفت

تو پیش از عقوبت در عفو کوب ۔۔۔ کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ابھی زبان چل رہی ہے کچھ معذرت کر لو' زبان بند ہو جانے پر پچھتاؤ گے' سزا سے پہلے معافی مانگ لو کہ جب ڈنڈا پڑنے لگے تو شور مچانا بیکار ہوتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو اپنے کو مسیء (گنہگار) سمجھے' وہی رب تعالٰی کے ہاں محسن یعنی نیک کار ہے' دیکھو ان لوگوں نے اپنے گناہوں اور اسراف کا اقرار کیا' تو رب تعالٰی نے انہیں محسن فرمایا' اور اپنی محبوبیت کاملہ کو تمغہ عطا فرمایا' تمام اعمال کا بدلہ دنیوی و اخروی ثواب ہے' مگر عجز و انکسار کا بدلہ رب تعالٰی کی محبوبیت ہے' دیکھو درخت جو اکڑے کھڑے ہوتے ہیں' انہیں چھوٹے پھل ملتے ہیں' کدو وغیرہ کی بیلیں جو زمین پر سجدہ کناں ہوتی ہیں' انہیں وزنی اور بڑے پھل ملتے ہیں' پھر لطف یہ ہے کہ پھل ان کے ہوتے ہیں اور پھلوں کا بوجھ زمین اٹھاتی ہے' کہ وہ زمین پر ہی رکھے ہوتے ہیں' یہ ہے عجز و انکسار کا انجام رب تعالٰی نے داؤد علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ میں تم کو وہ مکان دوں گا' جس کی دیواریں چار ہیں۔ (1) آبادیوں کی ویرانی۔ (2) جن سے ملنا چاہتے ہو ان سے علیحدگی۔ (3) جن کو چاہتے ہو' ان کی موت۔ (4) جس مال کو جمع کرتے ہو اس کی فنا' حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک گنہگار کہا کرتا تھا کہ اے مولٰی اگر تو مجھے نہ بچائے تو میں تو گناہ کروں گا' پھر کروں

www.alahazratnetwork.org

کا رب تعالیٰ نے حضرت سلیمان علیہ السلام سے فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ ہم اسے بخشیں گے' پھر بخشیں گے (از تفسیر روح البیان مع زیادت)۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِیْعُوا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓی
اے وہ لوگو جو ایمان لائے اگر تم بات مانو گے ان کی جو کافر ہیں تو لوٹا دیں گے وہ تم کو تمہاری ایڑیوں پر کھیر
اے ایمان والو اگر تم کافروں کے کہے پر چلے تو وہ تمہیں الٹے پاؤں لوٹا دیں گے پھر ٹوٹا کھا کے
اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ وَهُوَ خَیْرُ
لوٹو گے تم نقصان پاتے ہوئے بلکہ اللہ والی ہے تمہارا اور وہ تمام مددگاروں سے
پلٹ جاؤ گے بلکہ اللہ تمہارا مولیٰ ہے اور وہ سب سے بہتر

النّٰصِرِیْنَ ﴿۱۵۰﴾
بہتر ہے
مددگار ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مقبول جماعتوں کا ذکر تھا' اب مردودین بارگاہ یعنی منافقین و کفار کا تذکرہ ہے' تاکہ مسلمان پہلی جماعت سے بنیں اور ان سے دور رہیں۔ دوسرا تعلق: گذشتہ آیت میں بہادر غازیوں کے بہادرانہ کلام اور دعاؤں کا ذکر تھا' اس آیت میں منافقین و کفار کے بزدلانہ کلام اور غلط مشوروں کا تذکرہ ہے' وہ عمل کرنے کے لئے تھا اور یہ بچنے کے لئے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں دنیا اور آخرت میں ثواب حاصل کرنے کے لئے اسباب کا ذکر تھا' اب اس آیت میں ان ثوابوں سے محروم کرنے والے اسباب کا تذکرہ ہے' یعنی کفار کی اطاعت و پیروی۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کو محسن پیارے ہیں' اب فرمایا جا رہا ہے کہ محسن وہ ہیں جو نرے اور کھرے ہوں' کہ ان کے دلوں میں کفار کی طرف میلان بالکل نہ ہو' کھرا سونا قیمتی' خالص دودھ قابل قدر یونہی خالص اور کھرا مومن رب تعالیٰ کو پیارا ہے۔

شان نزول: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب جنگ احد میں مسلمانوں کو ہزیمت ہوئی تو عبداللہ ابن ابی نے ضعفاء مومنین سے کہا کہ چلو ہم ابو سفیان کے پاس چلیں' اور ان سے اپنے جان و مال کے لئے امان لے لیں ہم نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں' ورنہ وہ جنگ میں شہید نہ کئے جاتے اور دوسرے منافقین ان سے بولے کہ اسلام ایک عارضی چیز تھی جو آج ختم ہو گئی' چلو اپنے پرانے بھائیوں کے دین میں داخل ہو کر ان سے گلے مل لیں' ہمیں ان میں رہنا سہنا اور عمر گزارنا ہے' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر' مدارک' صاوی' بیضاوی و روح المعانی وغیرہ)

www.alahazratnetwork.org

بعض روایات میں ہے کہ یہود مدینہ اسلام کی طرف سے نو مسلم مومنین کے دلوں میں شکوک و شبہات ڈالتے رہتے تھے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ ان یہودیوں نے احد کے اس واقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنے کی کوشش کی ہو لہٰذا ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر: **یاایہا الذین امنوا**' ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب ان ہی نو مسلم مومنوں سے ہے جنہیں کفار و منافقین نے بہکانے کی کوشش کی تھی' یا تو اگلے مضمون کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے پہلے پکارا گیا' پھر ان سے کچھ فرمایا گیا' یا اظہار کرم کے لئے' یا اظہار تعجب کے لئے یا عتابانہ انداز میں یہ خطاب ہوا یعنی اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے کیسے ہو سکتا ہے کہ تم ان کی اطاعت کر لو' یا اے ایمان والو تم مومن ہو کر ان بے ایمانوں کی بات سنے لیتے ہو' یا اے ایمان والو تم احد میں بھاگ جانے اور منافقین کی یہ بات سن لینے یا ابوسفیان سے امن لینے کا ارادہ کر لینے پر ایمان سے خالی نہیں ہو گئے' تم سے غلطی ہو گئی' ہم تمہارے ہیں تم ہمارے ہو' بہرحال اس خطاب میں نرالے ناز ہیں اور انوکھے انداز **ان تطیعوا الذین کفروا**' **تطیعوا**' اطاعت سے بنا جس کا مادہ **طوع** ہے' اس کے معنی بارہا کئے جا چکے ہیں' یہاں اطاعت سے مراد یا تو کفار و منافقین کی بات مان لینا ہے' یا ان کے سامنے کمزور ہو کر عاجزی اختیار کرنا' یا ان کی ماتحتی قبول کر لینا' یا ان کی ہاں میں ہاں ملانا' یا ان کا دین اختیار کر لینا ہے' غرضکہ یہ کلمہ اطاعت قولی' عملی اور اعتقادی سب ہی کو شامل ہے' **کفروا** سے مراد یا تو منافقین ہیں کہ یہ حقیقت میں کافر ہی تھے' اگرچہ مسلمان بنتے تھے' یا یہود و نصاریٰ یا سارے کفار مراد ہیں' کوئی بھی ہو' بعض کا قول ہے کہ اس سے مراد ابوسفیان ہیں' اس صورت میں اطاعت سے مراد جھک جانا اور ماتحتی قبول کر لینا جس کا نتیجہ امان طلبی ہے یعنی اگر تم کافروں کی رائے مانو گے یا اگر تم کافروں کے پیش کردہ شبہات کو اپنے دل میں جگہ دو گے یا اگر تم ان سے امان مانگ کر ان کی ماتحتی قبول کرو گے تو **یردوکم علی اعقابکم**' **یردوا**' ردے بنا جس کے معنی ہیں پہلی حالت' پہلی جگہ' پہلے عقیدے کی طرف لوٹا دینا' چونکہ یہ مومنین پہلے مشرک ہی تھے اس لئے اب ان کے دوبارہ مشرک ہو جانے کو رد یعنی لوٹ جانا فرمایا گیا' **اعقاب**' **عقب** کی جمع ہے بمعنی پیچھے' ایڑی کو عقب اس لئے کہتے ہیں کہ قدم کے پیچھے ہوتی ہے' اور اس پر گھوم جانے سے انسان پورا پیچھے پلٹ جاتا ہے' اس لئے اسے عقب کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ ایڑی پر گھومنے سے انسان رہتا اسی جگہ ہے' مگر اس کا رخ بالکل بدل جاتا ہے کہ پیٹھ کی طرف منہ اور منہ کی طرف پیٹھ ہو جاتی ہے' یہاں ایڑی کا ذکر فرما کر اشارۃً فرمایا گیا' کہ تم رہو گے تو مدینہ میں ہی' کھاؤ گے یہی روزی' پیو گے یہی پانی' مگر تمہارا رخ جنت سے دوزخ کی طرف اللہ سے ہٹ کر بتوں کی طرف رحمان سے پھر کر شیطان کی طرف ہو جائے گا جس کا انجام یہ ہو گا کہ **فتنقلبوا خسرین**' **خاسرین خسران** سے بنا بمعنی بالکل خسارہ کہ نفع تو کیا آئے' اصل رقم بھی ہاتھ سے جائے' یعنی اگر تم اب مشرک ہو گئے' تو دنیا میں بھی پورا نقصان پاؤ گے اور آخرت میں بھی' کوئی عقل مند ایسا نقصان گوارا نہیں کرے گا **بل اللہ مولکم**' **بل** اضراب یعنی پھیرنے یعنی منتقل کرنے کے لئے آتا ہے' اور ہمیشہ دو کلاموں کے درمیان ہوتا ہے' ماقبل کی نفی کرتا ہے مابعد کا ثبوت' **مولی** کے معنی بارہا عرض کئے گئے کہ یہ لفظ یا تو **ولی** سے بنا ہے یا **ولایت** سے' **کم** میں خطاب انہی مسلمانوں سے ہے جن سے اب تک سارے خطاب ہوئے' **بل** سے پہلے ایک کلام پوشیدہ ہے' یعنی یہ منافقین' یہودی' نصاریٰ' مشرکین' سارے ہی کفار تمہارے دوست و مددگار نہیں' بلکہ تمہارا مددگار' تمہارا والی'

www.alahazratnetwork.org

وارث صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ **وهو خير النصرين** هو کا مرجع یا اللہ ہے یا مولیٰ، ناصرین سے مراد ظاہری و عارضی مددگار ہیں، جو مدد وغیرہ کے وعدے کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ہی تمام مددگاروں میں بہترین مددگار ہے کہ اس کی مدد حقیقی اور اصلی ہے، دوسروں کی مدد ظاہری، عارضی، مجازی، اس کے ہوتے ہوئے دوسروں کی امداد کا سہارا کیوں لیتے ہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے وہ لوگو! جو ایمان لا کر ہمارے بندگان خاص میں داخل ہو چکے، اگرچہ تم سے خطائیں ہوئیں اور ہوتی رہتی ہیں، مگر تم ان کے باعث ایمان سے نہیں نکلتے، ہاں ایک غلطی ایسی ہے کہ اگر تم سے وہ سرزد ہو گئی تو پھر تمہارے ایمان کی خیر نہیں ہم تمہیں آگاہ کئے دیتے ہیں، خبردار رہنا وہ یہ ہے کہ اگر تم ان بہکانے والے منافقوں اور چالباز سودیوں کی باتوں میں آگئے یا اگر تم کفار مکہ کے سامنے کبھی بھی ہتھیار ڈال گئے، اور تم نے ان کی ماتحتی قبول کر لی تو وہ تمہاری صرف اس اطاعت پر بس نہ کریں گے بلکہ وہ تم کو نور سے ظلمت کی طرف، ایمان سے کفر کی طرف، پرہیزگاری سے بدکاری کی طرف پورا پورا واپس کریں گے، اور تم کو تمہارے پہلے حال کی طرف لوٹا دیں گے کہ تم جیسے تھے ویسے ہی ہو جاؤ گے اگر خدا نہ کرے، تم نے ایسی غلطی کی تو تم دنیا میں بھی نقصان میں رہو گے، کہ اپنے دشمن کے سامنے پیشانی رگڑنا انتہائی ذلت و خواری ہے، اور دوسری قوموں میں بدنامی، اور آخرت میں بھی ٹوٹا پاؤ گے، کہ بجائے وصال یار کے مستحق نار بن جاؤ گے، خوب خیال رکھو کہ تمہارے دوست و مددگار یہ لوگ نہیں، تمہارا اولیٰ و وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے، جو تمام مددگاروں سے اعلیٰ و بہتر ہے، اس کی مدد کے ہوتے ہوئے تمام جہان کی دشمنی بیکار ہے، تفسیر کبیر نے فرمایا کہ چند وجوں سے رب تعالیٰ بہترین مددگار ہے، ایک یہ کہ وہ تمہاری مدد پر ہر طرح قادر ہے، تمہارے ہر حال کو جانتا ہے، تم پر تمہارے ماں باپ بلکہ اپنے آپ سے بھی زیادہ مہربان، اور دوسرے مددگاروں میں یہ بات نہیں، دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ ہماری زندگی، موت، قبر، حشر میں ہر جگہ مددگار ہے، دوسرے ایسے نہیں، تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ کی مدد ہمارے مانگنے پر موقوف نہیں، جب ہمیں مانگنا بھی نہ آتا تھا تب بھی اس کی امدادیں ہمیں اپنی آغوش میں لئے ہوئے تھیں، مولانا فرماتے ہیں۔

ما نہ بودیم و تقاضائے ما نبود   لطف تو نا گفتہ ما مے شنود

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غزوۂ احد میں جن صحابہ کرام کے قدم اکھڑ گئے، اور جنہوں نے منافقین کے کہنے پر ابو سفیان سے امان حاصل کرنے کا خیال کر لیا، اور جنہوں نے یہود کی بکواس پر دھیان دیا، وہ تمام کے تمام مومن متقی صالح رہے ان خطاؤں کی وجہ سے وہ حضرات ایمان و تقویٰ سے خارج نہیں ہو گئے، دیکھو رب تعالیٰ نے ان سب کو **الذين امنوا** فرما کر خطاب فرمایا، اور ان کی معافی کا اعلان اگلی آیات میں آ رہا ہے، جو ان میں سے کسی کو کافر یا فاسق مانے، وہ بے دین ہے، اور ان آیات کا منکر ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کو کفار کی پیروی و اطاعت نہ کرنا چاہئے کہ یہ دین کے لئے خطرناک ہے، مسلمان صورۃ، سیرۃ، اخلاقاً، اعمالاً کفار سے علیحدہ رہیں، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کافر مسلمان کو نماز پڑھنے کے لئے بھی کہے، تو خود سوچ سمجھ کر عمل کرے، کہ وہ اس میں بھی کوئی داؤ کھیل رہا ہو گا، حضرت امیر معاویہ کو ابلیس نے نماز فجر کے لئے بیدار کیا تو اس میں بھی اس کی چال تھی۔ **تیسرا فائدہ:** ہر کافر عداوت مسلمین میں یکساں ہے، مسلمانوں کا ہمدرد و خیر خواہ کوئی نہیں، جیسا کہ **كفروا** کے اطلاق سے معلوم ہوا، اگرچہ بعض کی عداوت سخت تر ہے، بعض کی نرم، سانپ

www.alahazratnetwork.org

زہریلے سب ہیں، بعض زیادہ بعض کم، سب سے ہی احتیاط چاہئے۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی مسلمان اپنے اسلام کو لازوال نہ سمجھے، اور اس اطمینان پر کفار سے دوستی نہ کرے، دیکھو صحابہ کرام جنہیں دوسرے مسلمانوں کا تارہ ہدایت قرار دیا گیا ان سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم کفار کے کہے میں آگئے تو وہ تمہیں اسلام سے پھیر دیں گے، حضرت آدم علیہ السلام خود معصوم نبی تھے، جنت محفوظ جگہ تھی، مگر وہاں بھی شیطان نے داؤ چلا دیا اور آپ کو مصیبت میں ڈال دیا، ہم نہ معصوم ہیں، نہ دنیا جگہ محفوظ، پھر کس برتے پر اپنے کو شیطان سے محفوظ سمجھیں، لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ کفار کے مشورہ پر آنکھ بند عمل نہ کریں، ورنہ دھوکا کھائیں گے۔ **پانچواں فائدہ:** مومن اگرچہ گنہگار ہو، اللہ تعالیٰ اس کا والی وارث ہے، رب تعالیٰ کی ولایت منقطع نہیں ہوتی، دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **مولکم**۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ کفار کا اگرچہ مالک، خالق، رازق وغیرہ ہے، مگر ان کا والی نہیں، والی صرف مومنوں کا ہے، یہ بھی **مولکم** سے معلوم ہوا، ربوبیت، رزاقیت اور ہے، ولایت کچھ اور۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمان کبھی اپنے کو لاوارث اور بے سہارا نہ سمجھے، جب رب تعالیٰ اس کا والی وارث ہے تو وہ اگرچہ اکیلا ہو سہارے والا ہے، اور کفار لاکھوں ہوں مگر بے سہارا ہیں، کہ رب تعالیٰ کی ولایت سے خالی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر مومن سے کبھی راضی نہیں ہو سکتے، جب تک کہ مومن مومن ہے، جیسا کہ **یردوکم** سے معلوم ہوا، کافر و مومن ایسے ہی ہیں، جیسے سانپ اور انسان کہ سانپ پر کتنے ہی احسان کرو مگر وہ حملہ کرنے سے باز نہیں رہتا۔ **نواں فائدہ:** مومن پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اس کا مولیٰ ہے، اور غلام پر اللہ تعالیٰ کی اطاعت لازم ہے، نافرمان بندہ کتے سے بدتر ہے، کہ کتا اپنے مالک کے ٹکڑے کھا کر اس کی ہر طرح خدمت کرتا ہے، اور اس کی ہر سختی سہتا ہے، یہ رب تعالیٰ کی نعمتیں کھا کر سرتابی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنی فرمانبرداری کی توفیق دے، آمین۔ ہماری اطاعت بھی اسی کی کرم نوازی سے ہے، کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

میری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں

دسواں فائدہ: تمام جہان کی متفقہ مدد سے اکیلے رب تعالیٰ کی مدد اعلیٰ ہے، جیسا کہ **خیر الناصرین** سے معلوم ہوا، کہ **الناصرین** جمع معرف و جمع کثرت ہے، سب سے رب تعالیٰ قوی ہے۔

اعتراض: **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنوں کو کفار کی اطاعت نہ چاہئے، حالانکہ ہم کافر بادشاہوں کی اطاعت کرتے ہیں، ان کے قوانین پر عمل پیرا ہیں، تو کیا ہم سب مجرم ہیں؟ **جواب:** یہاں اطاعت سے دینی اطاعت مراد ہے، اور ان کے منشور قبول کرنا کہ یہی خطرناک ہے، نیز ہم مسلمان جبراً کفار کے قوانین پر عمل کرتے ہیں نہ کہ خوشی سے، ضرورات محذورات کو مباح کر دیتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمارا والی وارث صرف اللہ تعالیٰ ہے اور وہی تمام سے افضل و اعلیٰ ہے، پھر تم نبیوں، ولیوں سے مدد کیوں مانگتے ہو، کیا خدا تعالیٰ کی مدد کافی نہیں؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں، ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب:** تو یہ ہے کہ آپ حضرات حکیم و حاکم سے مدد کیوں لیتے ہو، مدرسہ کے لئے امیروں سے چندہ کیوں اکٹھا کرتے ہو، کیا حق تعالیٰ کی مدد کافی نہیں؟ ایسے ہی ہم نبیوں، ولیوں سے مدد لیتے ہیں، **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ یہ حضرات رب تعالیٰ کے خدام اور اس کے مظہر ہیں، خدام کی مدد مولیٰ کی مدد ہے، حکام کی امداد اور ان کی طرف رجوع کرنا سلطان ہی کی مدد ہے، اسی کی طرف رجوع ہے، رب تعالیٰ خود ہی ہم کو ان بزرگوں کے آستانوں پر بھیج رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

مجرم بلائے آئے ہیں جاءوک ہے گواہ پھر رد ہو کب یہ شان کریموں کے در کی ہے

تیسرا اعتراض: اس جگہ یردوکم کیوں فرمایا گیا؟ رد کے معنی ہیں پچھلی حالت پر پہنچا دینا کیا کفر پہلا حال ہے؟ اصلی حال تو اسلام ہے؟ **جواب:** یہاں روئے سخن ان غازیان احد سے ہے جو پہلے سے مومن نہ تھے' کفر میں مبتلا تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ میں تشریف آوری پر ایمان لائے' ان کا پہلا حال کفر تھا' فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان کفار کی باتوں میں آگئے تو جیسے تم پہلے تھے یعنی کفر میں' ویسا ہی تم کو پھر کردیں گے' وہ جو کہا جاتا ہے کہ اسلام فطری دین ہے اور اسلام ہی ہمارا اصلی حال ہے' وہاں اسلام سے مراد لغوی اسلام ہے' یعنی میثاق کے دن جو رب تعالیٰ سے سب نے اقرار توحید و رسالت کیا تھا اس اقرار پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے' پھر یہاں آکر ماں باپ سے اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں' وہ حالت یہاں مراد نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** احد کی ہزیمت پر نومسلم حضرات کو ورغلانے والے عموماً منافقین تھے' جو یہود تھے یا پہلے یہود ورغلاتے تھے' یہ دونوں ٹولے ان حضرات کا پھر مشرک بن جانا نہیں چاہتے تھے' یہ تو انہیں یہود بنانا چاہتے تھے' پھر یردوکم کیونکر درست ہوا' رد کے معنی ہیں پہلی حالت پر لوٹ جانا' پہلی حالت ان حضرات کی شرک تھی نہ کہ یہودیت۔ **جواب:** یہود چاہتے تھے کہ یہ حضرات مسلمان نہ رہیں' خواہ اپنے ہی دین میں لوٹ جائیں' یعنی مشرک بن جائیں' ہر کافر اسلام دشمنی میں یکساں ہے' **الکفر ملۃ واحدۃ** بالکل حق ہے' کہ وہ بہکانے والے یہود ان حضرات کو پھر دوبارہ مشرک کر دینا ہی چاہتے تھے کہ اسلامی طاقت و جماعت کم ہو گیا تمہیں خبر نہیں کہ یہود مدینہ مشرکین مکہ کے پاس جا کر ان کے بتوں کی قسمیں کھا آئے' اور بولے اے مشرکو تم حق پر ہو' مسلمانوں سے تم زیادہ ہدایت پر ہو جیسے قرآن کریم فرماتا ہے' **یؤمنون بالجبت والطاغوت** الایہ۔

تفسیر صوفیانہ: مال کا چور تین چیزیں دیکھ کر کسی گھر میں گھستا ہے' دولت اور غفلت و ظلمت یعنی گھر دولت سے بھرا ہو' مالک غافل ہو' وقت اندھیرے کا ہو' دنیا اندھیری جگہ ہے' دل دولت ایمان کا گھر ہے' اگر مومن بیدار و ہوشیار ہے تو شیطان جو ایمان کا چور ہے' وہاں نہیں گھستا' اور اگر غافل ہے تو داؤ لگاتا ہے' دیکھو جنگ بدر کے شکست خوردہ کفار سے مدینہ کے منافقین یا یہودیوں نے نہ کہا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو شکست کیوں کھاتے' کیونکہ ان کے دل دولت ایمان سے پہلے ہی خالی تھے' وہاں جا کر چور لیتا کیا' اور جنگ احد کی ہزیمت پر حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما سے کسی بے دین کو ایسی گفتگو کرنے کی ہمت نہ پڑی کیونکہ وہاں خانہ دل میں دولت تو تھی مگر مالک بیدار تھا' ہاں ضعفائے مومنین اور نومسلم حضرات جن کی بیداری ابھی مکمل نہ ہوئی تھی' وہاں چور نے نقب لگانے کی کوشش کی' ان بے دینوں نے کہا اگر تم حق پر ہوتے' تو شکست کیوں کھاتے یا اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی تھے' تو وہ شہید کیوں ہو گئے وغیرہ وغیرہ' مگر چونکہ ان دلوں پر بھی آفتاب نبوت کی شعاعیں پہنچ ہی رہی تھیں' یہاں ظلمت نہ تھی' اس لئے چور یہاں بھی ناکام رہے' اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے ہم غافلوں کو جگایا ہے' اور فرمایا ہے کہ اے ایمان کی دولت والو! تمہارے گھر میں چونکہ دولت ہے' تمہارے واسطے غفلت اور ظلمت بڑی خطرناک ہے' اگر تم نے کفار کے مشوروں کو مان لیا' تو جان لو کہ چور تمہارے گھر میں داخل ہو گیا' اب تمہاری دولت کی خیر نہیں' دنیا کا یہ سنسان اور ویران جنگل بہت بیداری سے طے کرو' یہ جگہ سونے کی نہیں آنکھ سے سونا گانٹھ کے سونے کی چوری کرا دے گا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کا کیسا نفیس نقشہ کھینچا ہے کہ فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

سوتا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے　　سونے والو جاگتے رہیو چوروں کی رکھوالی ہے
سوتا پاس ہے سوتا بن ہے سوتا زہر ہے اٹھ پیارے　　تو کہتا ہے میٹھی نیند ہے مت ہی تیری نرالی ہے

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ خاسرین فرمانے میں ایک لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ خاسر وہ ہوتا ہے جس کے پاس پہلے مال ہو' پھر نہ رہے جو پہلے ہی سے قلاش تھا وہ خاسر کیسا؟ تمہارے پاس دولت ایمان ہے' اگر کھو بیٹھے تو بڑا خسارہ اٹھاؤ گے' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کی دولت ایمان کا حافظ و ناصر ہے۔

سَنُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا
عنقریب ڈال دیں گے ہم ان کے دلوں میں رعب جو کافر ہوئے اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک مانا ان چیزوں کو
کوئی دم جاتا ہے ہم کافروں کے دلوں میں رعب ڈالیں گے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا جس پر اس نے
لَمْ يُنَزِّلْ بِهِ سُلْطَانًا وَمَأْوَاهُمُ النَّارُ وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿١٥١﴾
جن پر کوئی حجت نہ اتاری اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور بری ہے خواب گاہ ظالموں کی
کوئی سمجھ نہ اتاری اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا برا ٹھکانا ہے ناانصافوں کا

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان غازیوں کو گزشتہ زمانوں کے مجاہدین کے کارنامے سنا کر انہیں جہاد پر دلیر کیا تھا اب انہی غازیوں کو فتح و نصرت کے وعدے دے کر دلیر بنایا جا رہا ہے' غرضکہ پچھلی آیتیں بھی دلیری کے لئے تھیں اور یہ آیت بھی اسی لئے ہے' مگر وہ آیتیں ماضی کے لحاظ سے تھیں اور یہ مستقبل کے لحاظ سے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین و یہود کی ان باتوں کا ذکر تھا جو غازیوں میں بزدلی پیدا کریں' اب رب تعالیٰ کے ان وعدوں کا ذکر ہے جن سے غازیوں کی ہمتیں بڑھیں' گویا زہر کا ذکر پہلے تھا تریاق کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تمہارا والی وارث اللہ تعالیٰ ہے' وہی تمہارا مددگار ہے' اب اس آیت میں اسی کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم تمہیں کفار کے سامنے شکست نہ کھانے دیں گے' تم بہادر رہو گے' مگر تمہارا رعب کفار کے سینوں میں نیزہ بن کر گزرا رہے گا۔

شان نزول: ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ جب ابو سفیان اور مشرکین مکہ احد کے میدان میں واپس مکہ کی طرف گئے تو ابو سفیان نے ایک مقام پر اپنے ساتھی کفار سے کہا کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ درخت اسلام تو کاٹ آئے مگر اس کا تنا اور جڑ باقی چھوڑ آئے' حالانکہ اس کا کاٹنا اس وقت نہایت آسان تھا' لوٹو! اسلام کا خاتمہ ہی کر کے دم لیں گے' ایک اعرابی (بدوی) کو کچھ مزدوری دے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ابو سفیان نے بھیجا کہ کہہ دینا ہم پھر آ رہے ہیں' سنبھل جائیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی صحابہ کو حکم دیا کہ چلو' یہ حضرات اسی حالت میں زخموں پر پٹیاں باندھے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

ابو سفیان کے مقابلے کے لئے نکل پڑے' حتی کہ منزل حمراء الاسد پر پہنچ گئے مگر کفار کا کہیں پتہ نہ لگا اسی منزل میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا گھبراؤ نہیں اب وہ تمہارے مقابلہ میں نہیں آسکیں گے' چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ ابو سفیان اور ان کے ساتھیوں پر مسلمانوں کی ہیبت چھاگئی اور پھر وہ مدینہ پاک کا رخ نہ کرسکے (تفسیر روح المعانی وغیرہ) بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت جنگ احزاب (خندق) کے موقعہ پر اتری ہے مگر پہلا قول قوی ہے۔

تفسیر **سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب** یہ' س قرب زمانی کے لئے ہے' **نلقی' القاء** سے بنا جس کا مادہ لقی ہے' بمعنی ملنا' **القاء** ملانا' اصطلاح میں گزرنے اور ڈالنے کو القاء کہتے ہیں' یہاں مراد ہے دل میں خاص کیفیت کا پیدا کرنا' کیونکہ یہ کیفیت دماغی خیال کے بعد قلب میں پیدا ہوتی ہے' اور دماغ اوپر ہے دل نیچا اس لئے اسے القاء کہہ دیتے ہیں' **نلقی** جمع متکلم فرما کر اشارۃً بتایا کہ تمہاری قوت اور چیز ہے اور تمہارا رعب کفار کے دل میں پڑ جانا کچھ اور قوت جمع کرنا تمہارا کام ہے' اور ان کے دلوں میں تمہارا رعب پڑ جانا ہماری طرف سے ہے' **الذین کافروا** سے مراد ابو سفیان اور ان کے ساتھی کفار مکہ ہیں' اور ہوسکتا ہے کہ سارے ہی کفار مراد ہوں' اور یہ وعدہ تاقیامت مومن غازیوں سے ہو بشرطیکہ وہ نیت خیر سے جہاد کریں' رعب' ع کے سکون یا پیش سے بمعنی بھر جانا اور بھرنے کی وجہ سے دوسرے سے کٹ جانا کہا جاتا ہے **رعبت الحوض** میں نے حوض بھر دیا' اور کہتے ہیں **سیل راعب** جنگل کو بھر دینے والا سیلاب' اصطلاح میں ہیبت اور رعب کی وجہ سے پیدا ہونے والی گھبراہٹ کو رعب کہا جاتا ہے' کیونکہ یہ دل کو بھر دیتی ہے اور کہتے ہیں **رعبت السنام** میں نے کوہان کاٹ دیا' چونکہ ہیبت کی وجہ سے مرعوب' سامنے والے سے الگ اور کٹا ہوا رہتا ہے' اس لئے اسے رعب کہا جاتا ہے **بما اشرکوا باللہ'** یہ جار مجرور **نلقی** کے متعلق ہیں' اور **ما** مصدریہ ہے' **اشرکوا** بمعنی **اشراک** شرک بمعنی کفر آتا ہے' جیسے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ (اے یکفر بہ)** اور کبھی بمعنی شریک ٹھہرانا' یہاں دوسرے معنی میں ہے جیسا کہ اگلی عبارت سے ظاہر ہے **ما لم ینزل بہ سلطنا**" **ما** موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ **اشرکوا** کا مفعول ہے' اور **ینزل** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے' **سلطان' سلط** سے بنا' سلط اور سلاط کے معنی ہیں غالب آکر مضبوط ہو جانا' لہٰذا سلطان کے معنی ہوئے غلبہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیس لک علیہم سلطن** اور فرماتا ہے **فقد جعلنا لولیہ سلطنا**" حکومت کو سلطنت کہتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی وجہ سے مضبوط ہوتی ہے' اور بادشاہ کو سلطان' کہ وہ رعایا پر غالب ہوتا ہے' دلیل و حجت کو بھی سلطان کہا جاتا ہے کہ اس سے مدعی اپنے مقابل پر آجاتا ہے' یہاں بمعنی دلیل ہے' تیز زبان والے کو سلیط اللسان کہتے ہیں' کہ وہ اپنی زبان سے دوسروں پر غالب آجاتا ہے' لقمہ یعنی آگ کا شعلہ جس سے چراغ روشن کئے جائیں سلیط کہلاتا ہے' غرضکہ اس کا استعمال بہت طرح ہوتا ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) اسی سے ہے مسلط کرنا یعنی کفار کے دلوں کا یہ رعب اس لئے ہے کہ انہوں نے ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک مانا جن کے شریک ہونے پر کوئی دلیل رب تعالیٰ نے نہ اتاری' نہ نقلی نہ عقلی' چونکہ مشرک کے عقیدہ میں الہ بہت ہیں' اس لئے وہ مصیبت کے وقت حیران رہتا ہے کہ میں کس خدا سے مدد مانگوں' چنانچہ وہ مرعوب رہتا ہے **وماوٰھم النار** یہ کفار کی اخروی خرابی ہے یعنی دنیا میں مرعوب رہے' اور آخرت میں دوزخ میں گئے' **ماوی' اوی** کا اسم ظرف ہے' **اوی** کے معنی ہیں ملانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اوی الیہ اخاہ** یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائی کو اپنے سے ملالیا' اور فرماتا ہے **او اوی الی**

www.alahazratnetwork.org

وکن شدید ٹھکانے کو **ماوی** اس لئے کہتے ہیں کہ ٹھکانے والا اسے جا کر ملتا ہے' اور وہیں ٹھہرتا ہے **و بئس مثوی الظلمین**' **مثوی**' **ثوی** سے بنا' معنی مستقل ٹھہرنا یوں سمجھو کہ **اوی** عارضی طور پر ٹھہرنے کو کہا جاتا ہے اور **ثوی** مستقل طور پر ٹھہرنے کو چونکہ دوزخ کفار کی دائمی قیام گاہ ہے' اس لئے اسے **مثوی** کہا گیا یعنی کفار کا یہ دائمی ٹھکانہ بہت ہی برا ہے' **ظالم**' **ظلم** سے' معنی کفر ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! احد کا واقعہ ایک عارضی تھا تم اس سے بددل مت ہونا' اور جو خبریں کفار مکہ کے لوٹنے کی آ رہی ہیں' تم ان سے گھبرا نہیں جانا' ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تمہارا رعب و ہیبت ان کے دلوں میں ایسا پیدا کر دیں گے کہ اب انہیں تمہاری طرف رخ کرنے کی ہمت ہی نہ پڑے گی' وہ سمجھیں گے کہ احد میں ہمارا یہ غلبہ ایک اتفاقی امر تھا جو ایک دھوکا کی بناء پر ہو گیا' ورنہ پہلے مسلمان ہی جیت گئے تھے' اب اگر مقابلہ ہوا' تو مسلمان ہمیں پیس کر رکھ دیں گے' ان کی یہ مرعوبیت اس بناء پر ہے کہ وہ ہیں مشرک' جنہوں نے بغیر نقلی یا عقلی دلیل کے محض اپنے وسوسوں سے بہت چیزوں کو خدا کا شریک مان لیا' اب مصیبت کے وقت انہیں یہی نہیں سوجھتا کہ ہم جائیں کدھر' اور فریاد کون سے خدا سے کریں' چند گھروں کا مہمان بھوکا ہی رہتا ہے' خصوصاً" جب کہ ناخواندہ اور بن بلایا بھی ہو' دنیا میں تو ان کی یہ ذلت و خواری ہے اور آخرت میں ان کا یہ حال ہو گا کہ ان کا عارضی ٹھکانا یعنی جائے پناہ بھی آگ ہو گی' اور دائمی قیام گاہ بھی آگ کہ جب وہاں کی مصیبتوں سے گھبرائیں گے تو آگ ہی کے کسی طبقہ کی طرف بھاگیں گے' پیاسے ہوں گے' تو حمیم یعنی کھولتے پانی کی طرف بھاگیں گے' اور بھوکے ہوں تو زقوم یعنی تھوہر کی طرف پناہ لیں گے' جس کا کھانا پینا ان کے لئے بھوک سے زیادہ تکلیف دہ ہو گا' سوچ لو ایسی جائے قرار کیسی بری اور کتنی تکلیف دہ ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رعب یعنی دلوں میں ہیبت اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے' جو کسی کسی کو ملتی ہے' اس ہیبت سے دنیوی' دینی بہت کام نکلتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے اخلاق کے مالک تھے کہ جو آپ کے ساتھ رہتا' آپ کا گرویدہ ہو جاتا تھا' مگر ہیبت کی یہ کیفیت تھی کہ ایک مہینہ کی راہ سے آپ کی ہیبت زائر کے دل میں بیٹھ جاتی تھی' چنانچہ احمد وغیرہ نے حضرت ابو امامہ سے مرفوعاً" روایت کی' کہ رب تعالیٰ نے میری ہیبت ایک ماہ کے راستہ سے قائم فرمائی' بلکہ اب بھی زائرین مدینہ کے دلوں میں راہ مدینہ میں ہی ہیبت بیٹھ جاتی ہے' بعض حضرات حاضری کے وقت باب السلام پر ہی کانپتے اور لرزتے دیکھے گئے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان و تقویٰ کی برکت سے متقی مومن کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں بیٹھتی ہے' اگرچہ وہ مومن بالکل سیدھا سادھا ہی ہو بلکہ بعض اللہ والوں کی ہیبت تو جانوروں' دریاؤں' لکڑی' پتھروں میں بھی ہوتی ہے' اور وہ سب اس کی اطاعت کرتے ہیں' کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حکم اور ہیبت سے سوکھا ہوا دریائے نیل تاقیامت جاری ہو گیا' اور آپ کے خوف سے زمین نے چوسا ہوا تیل اگل دیا' تاریخ دان حضرات پر یہ باتیں مخفی نہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

اور پھر مولانا یوں فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق! زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق!

بوستان میں شیخ سعدی نے فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو شیر پر سوار دیکھا تو میں گھبرا گیا اس نے مسکراتے ہوئے مجھ سے فرمایا۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ! کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

تیسرا فائدہ: کفر میں قدرتی طور پر بزدلی ہے' اور کافر میں مرعوبیت' ایمان و تقویٰ وہ نور ہے جو کافر کے دل کی آنکھ کو خیرہ کر دیتا ہے' یہ تو قرآن شریف فرما رہا ہے' کہ فرعون کے جادوگر بحالت کفر اس کی پرستش کرتے تھے' مگر ایمان لاتے ہی ایسے دلیر ہو گئے' کہ اسے للکار کر کہنے لگے **فاقض ما انت قاض** یعنی جو تجھ سے ہو سکے ہمارا بگاڑ لے' ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہتیں' ایک دل میں دو خوف جمع نہیں ہوتے' خوف خالق اور خوف مخلوق۔ چوتھا فائدہ: مشرکین نے جن چیزوں کو بھی خدا کا شریک ٹھہرا لیا' بلا دلیل محض اپنے خیال فاسد سے ٹھہرا لیا' جیسا کہ **ما لم ینزل بہ سلطنا** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اگرچہ بعض گنہگار مسلمان بھی دوزخ میں جائیں گے' مگر دوزخ ان کا ٹھکانہ نہ ہو گا' محض عارضی منزل ہو گا' ٹھکانہ صرف کفار کے لئے ہے' جیسا کہ **ماوٰھم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے دل میں مومنوں کا قدرتی رعب ہو گا' مگر اب معاملہ بالکل برعکس ہے' کہ اب تو مسلمانوں کے دلوں میں کافروں کا رعب ہے اور کافر مسلمانوں پر دلیر ہیں' تو یہ آیت صحیح کیونکر ہوئی؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ وعدہ غازیان احد کے لئے تھا' جو پورا ہو چکا کہ رب تعالیٰ نے ابو سفیان وغیرہ کفار مکہ کے دلوں میں ان زخمی مسلمانوں کا ایسا رعب ڈالا کہ وہ واپس لوٹنے کا ارادہ کر کے نہ آ سکے اور مسلمانوں پر دوبارہ حملہ نہ کر سکے' دوسرے یہ کہ یہ وعدہ تاقیامت مسلمانوں کے لئے ہے' مگر جب مسلمان صحیح طور پر مسلمان رہیں' اور اخلاص کے ساتھ جہاد کریں' لیکن اگر مسلمان خود ہی اپنا جوہر کھو دیں کہ نہ دل میں تقویٰ ہو نہ نیت میں اخلاص تو ان کا اپنا قصور ہے' رب تعالیٰ کی رحمت اب بھی تیار ہے' ہم لینے والے تو بنیں' حدیث شریف میں فرمایا گیا' ایک زمانہ وہ آ جائے گا کہ کفار ایک دوسرے کو مسلمانوں کو مٹانے کے لئے ایسی دعوت دیں گے' جیسے دسترخوان پر کھانے والوں کو بلایا جاتا ہے' عرض کیا گیا کیوں؟ فرمایا مسلمانوں کی ہیبت کفار کے قلب سے نکل جائے گی' عرض کیا گیا' کیوں نکلے گی' فرمایا دو چیزوں سے' محبت دنیا اور موت سے ڈر' ڈاکٹر اقبال اسی کو دیکھ کر روئے ہیں' کہ اپنی کتاب جواب شکوہ میں فرماتے ہیں۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کی دلیل تو ہے مگر رب تعالیٰ نے اتاری نہیں کیونکہ **ما لم ینزل** میں اتارنے کی نفی ہے نہ کہ ہونے کی۔ جواب: ہرگز نہیں' اگر کوئی دلیل ہوتی تو رب تعالیٰ ضرور اتارتا' اس کا نہ اتارنا نہ ہونے کی دلیل ہے' جیسے بعض جگہ فرمایا گیا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے شریکوں کو نہ جانا' اس کا مطلب یہ نہیں کہ شریک تو ہیں مگر جانا نہیں بلکہ نہ جاننا' نہ ہونے کی دلیل ہے' مطلب بالکل واضح ہے کہ ہم نے تمہیں شرک بتایا نہیں' نہ اس پر کوئی عقلی یا نقلی دلیل قائم فرمائی' اب شرک کا عقیدہ محض بے بنیاد ہے۔ تیسرا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عارضی پناہ گاہ کو **ماوٰی** کہتے ہیں' جیسے مسافر بارش میں درخت کے نیچے کھڑا ہو جائے' تو یہ درخت اس کا ماویٰ ہے' اور دائمی قیام گاہ کو مثویٰ

www.alahazratnetwork.org

یہاں دوزخ کو کافروں کا ماویٰ بھی کہا گیا اور مثویٰ بھی' ان میں سے کون سی بات درست ہے۔ **جواب:** دونوں ہی صحیح ہیں' کفار کے لئے دوزخ میں بعض مقامات تو رہنے سہنے کے لئے ہوں گے' اور بعض کچھ دیر کے لئے وہاں جانے اور خاص کام کرانے کے لئے ہوں گے' جیسے قیدیوں کے لئے رہنے کی بارکیں علیحدہ ہوتی ہیں' اور کام کرنے کی چکی گھر وغیرہ علیحدہ' بارکوں میں ان کا مستقل قیام ہوتا ہے' اور چکی گھروں میں روزانہ کچھ وقت کے لئے داخلہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پورا دوزخ ان کے لئے مثویٰ ہو' اور دوزخ کے طبقات ماویٰ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ابو سفیان' ہندہ اور تمام وہ کفار مکہ جو جنگ احد میں شریک ہوئے تھے سب دوزخی ہیں' ان میں سے کوئی مسلمان نہیں ہوا' دیکھو ان سب کے لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ما وهم النار۔** **جواب:** یہ جزاء ان لوگوں کے لئے بیان ہو رہی ہے جن کا کفر پر خاتمہ ہو جائے' اسی لئے رب العلمین نے یہاں **الذین كفروا** فرمایا' خلاصہ یہ ہے کہ مسلمان کے مقابلہ میں رعب تو ہر کافر پر پڑے گا' خواہ کافر عارضی ہو یا اصلی' مگر جہنم میں ہمیشگی انہی کفار کے لئے ہے' جن کا خاتمہ کفر پر ہو' ابو سفیان اور ہندہ کا ایمان قرآن شریف کی صریح آیت سے ثابت ہے' رب تعالیٰ فتح مکہ میں ایمان لانے والوں کے متعلق فرماتا ہے **ورايت الناس يدخلون في دين الله افواجا**" معلوم ہوا کہ یہ لوگ اللہ کے دین میں داخل ہو چکے' جس کی خبر عالم الغیب رب تعالیٰ نے دیدی' جیسے ان کفار مکہ پر مسلمانوں کا رعب بھی اسی وقت تک رہا جب تک وہ کافر رہے' جب ایمان لائے تو نہ رعب رہا نہ وہ جہنمی رہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا نفس کافر ہے' دل مومن' بدن میدان جنگ' ان کی آپس میں ہمیشہ جنگ جاری رہتی ہے' اگر قلب میں ایمان رہے' تو نفس مرعوب ہو کر اس کے سامنے ہتھیار ڈال دیتا ہے' اور اگر دل نفس کی خواہشات میں اس کی پیروی کرے' تو اس پر نفس چڑھ جاتا ہے' اور اسے بشریت کے اسفل السافلین میں پہنچا دیتا ہے' نفس کا سرکش گھوڑا عقل کے قبضہ میں نہیں آتا' جب تک کہ اس کے منہ میں شریعت کی لگام نہ ہو' اور توفیق خداوندی دل کی امداد نہ کرے' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نمی تازد ایں نفس سرکش چناں   کہ عقلش تواند گرفتن عناں!

کہ بانفس و شیطاں بر آید بزور   مصاف پلنگاں نیاید زمور

شیخ ابو علی رودباری فرماتے ہیں کہ دل کی آفتیں تین ہیں' طبیعت کی بیماری' عادت کی پیروی' صحبت کی خرابی' عرض کیا گیا طبیعت کی بیماری کیا ہے؟ فرمایا حرام غذا کھانا' پوچھا گیا' عادت کی پیروی کیا ہے؟ فرمایا ناجائز نگاہیں' حرام چیزیں سننا' غیبت کرنا' عرض کیا گیا کہ صحبت کی خرابی کیا ہے؟ فرمایا جو نفس چاہے وہ کر لینا' اس آیت میں فرمایا گیا کہ ہم مومن دلوں کا رعب نفس امارہ پر ڈال دیں گے' نفس امارہ نے دنیا کو اللہ کا شریک ٹھہرا دیا کہ اسے اصل مقصود بنا لیا' نفس امارہ کی پیروی کرنے والوں کا انجام فراق یار کی نار ہے' جو ان کا برا ٹھکانہ ہے۔ (از روح البیان مع زیادت)۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗۤ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ
اور یقیناً سچ کر دکھایا تم کو اللہ نے وعدہ اپنا جب قتل کرتے تھے تم انہیں اللہ کے حکم سے تا آنکہ جب بزدلی کی تم
اور بیشک اللہ نے تمہیں سچ کر دکھایا اپنا وعدہ جبکہ تم اس کے حکم سے کافروں کو قتل کرتے تھے' یہاں تک کہ جب تم نے

www.alahazratnetwork.org

وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَآ أَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۚ مِنْكُمْ

نے اور جھگڑ پڑے تم حکم میں اور نافرمانی کی تم نے پیچھے اس کے کر دکھا دی رب نے تمہیں وہ چیز جو پسند کرتے تھے تم

بزدلی کی اور حکم میں جھگڑا ڈالا اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ اللہ تمہیں دکھا چکا تھا تمہاری خوشی کی بات تم

مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ

بعض وہ تھے جو ارادہ کرتے تھے دنیا کا اور تم میں بعض وہ تھے جو ارادہ کرتے تھے آخرت کا پھر پھیر دیا تم کو ان سے

میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا پھر تمہارا منہ ان سے پھیر دیا

لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

تا کہ امتحان کرے تمہارا اور یقیناً معاف کر دیا تم سے اور اللہ مہربانی والا ہے مسلمانوں پر

کہ تمہیں آزمائے اور بے شک اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مسلمانوں پر فضل کرتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے ایک وعدہ خاص کا ذکر تھا' اب اس وعدہ سے فائدہ اٹھانے کی شرط کا تذکرہ ہے یعنی وعدہ دینے کے بعد فائدہ لینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک خصوصی وعدہ کا ذکر تھا اب اس کی تفصیل کا تذکرہ ہے کہ اس وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ تم بزدلی وغیرہ نہ کرو گویا قانون کے بعد اس کی فہمائش فرمائی جا رہی ہے' قانون اور ہوتا ہے اس کی فہمائش کچھ اور بغیر فہمائش قانون واضح نہیں ہوتا۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ایک وعدہ کی خبر دی گئی تھی' اب اس خبر سے دفع اعتراض کیا جا رہا ہے کہ اگر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کا رعب کفار کے قلب میں ڈال دیا ہے تو جنگ احد میں یہ رعب کیوں کام نہ آیا۔

شان نزول: محمد ابن کعب فرماتے ہیں کہ جب صحابہ کبار غزوۂ احد سے سخت تکالیف پا کر مدینہ منورہ لوٹے تو بعض لوگوں نے آپس میں کہا کہ ہم سے رب تعالیٰ نے بھی فتح کا وعدہ کیا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی' پھر ہمیں شکست کیوں ہو گئی' اور یہ وعدہ ظاہر کیوں نہ ہوا' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان کے سوال کا جواب بھی دیا گیا اور انہیں سمجھایا بھی گیا' (تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' تفسیر صاوی' تفسیر خازن وغیرہ)۔ خیال رہے کہ ان حضرات کی یہ گفتگو وعدۂ الٰہی میں شک کی بناء پر نہ تھی کہ یہ شک تو کفر ہے' بلکہ اپنی کوتاہی میں غور و خوض کرنے کے لئے تھی کہ سوچو تو ہم سے کیا قصور ہوا' جو اس وعدہ کے ظہور کا مانع ہوا' اور اپنا قصور سوچنا عین عبادت ہے' بارگاہ صحابہ کا ادب ضروری ہے۔

تفسیر: **ولقد صدقکم اللہ وعدہ'** واؤ ابتدائیہ ہے نہ کہ عاطفہ' کیونکہ یہ جملہ نیا ہے' پہلے پر معطوف نہیں' لقد میں دو تاکیدیں ہیں' لام کی اور قد کی تاکیدیں' کبھی شبہ دفع کرنے کے لئے ہوتی ہیں' اور کبھی مضمون کو ذہن نشین کرانے کے لئے یہاں دوسرے مقصد کے لئے ہیں' کیونکہ کلام ربانی میں صحابہ کرام کو شبہ ہو سکتا ہی نہ تھا' **صدق'** **صدق** سے بنا جس کے معنی ہیں سچا ہونا' سچا کرنا' سچا کر دکھانا' پہلے معنی کی بناء پر لازم ہے دوسرے معنی پر متعدی بیک مفعول اور تیسرے معنی پر متعدی بدو مفعول'

www.alahazratnetwork.org

یہاں تیسرے معنی میں ہے' اسی لئے دو مفعول آئے' کم اور وعدہ' وعدہ سے وہ وعدہ تو مراد ہو نہیں سکتا جو ابھی سنلقی لاٰیہ میں گزرا کیونکہ وہ آیت اس آیت کے بعد آئی ہے' بلکہ کوئی اور وعدہ مراد ہے جو اس آیت کے نزول سے پہلے ہو چکا تھا' یا تو **و انتم الاعلون ان کنتم مئومنین** والا وعدہ مراد ہے یا **ان یکن منکم مائتہ صابرۃ یغلبوا مائتین** والا وعدہ مراد ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں وعدہ الٰہی سے مراد وعدہ رسول اللہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے درہ احد پر حضرت عبداللہ ابن جبیر کی کمان میں پچاس تیر انداز بٹھائے' اور فرمایا کہ تم ہی غالب رہو گے اگر یہاں سے نہ ہٹے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ احد سے کچھ پہلے صحابہ کرام کو اپنا خواب سنایا کہ ہم ایک بکرا ذبح کر رہے ہیں اور تعبیر دی کہ ہم جنگ احد میں کافروں کو ذبح کریں گے' رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کی خواب سچی کر دکھائی' کہ کفار مکہ کا علمبردار طلحہ ابن عثمان مع اپنے نو ساتھیوں کے جو جھنڈے کے آس پاس تھے پہلے ہی بلہ میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارا گیا' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب اور وعدہ در حقیقت رب تعالیٰ کا ہی وعدہ ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے اسے وعدہ فرمایا' **اذ تحسونہم باذنہ' تحسون'** حس سے بنا' حس اس قوت اور اکیہ کا نام ہے' جس سے محسوس چیزوں کو جانا جاتا ہے' اسی سے ہے حاسہ' جمع حواس' مفردات راغب میں ہے کہ حست کا استعمال دو طرح ہوتا ہے ایک کسی چیز کو قوت حاسہ سے جان لینا' دوسرے کسی پر ایسی آفت ڈال دینا کہ اس کے حواس خراب ہو جائیں یعنی حواس باختہ کر دینا' یہاں حس دوسرے معنی میں ہے' یعنی کافروں کو اتنی تیزی سے قتل کرنا کہ ان کے حواس بگڑ جائیں' اہل عرب کہتے ہیں **حطنہ** اور **راسہ** یعنی اس کا پیٹ بگاڑ دیا اور سر فنا کر دیا' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد قتل ہے' اور آپ نے اپنی تائید میں عتبہ لیثی کا یہ شعر پڑھا۔

نحس ہم بالبیض حتی کانما   نفلق منہم بالجما جم حنز لا

عرب والے کہتے ہیں **جراد محسوس** یعنی سردی سے مری ہوئی ٹڈیاں' اور کہتے ہیں **سنتہ الحسوس** ہلاک کرنے والی قحط سالی' بہرحال حس بمعنی قتل و استیصال آتا ہے' **اذن** بمعنی ارادہ الٰہی ہے نہ کہ بمعنی حکم و امر' یعنی جبکہ تم رب تعالیٰ کے ارادہ سے کفار مکہ کو جلد جلد تہ تیغ کر رہے تھے **حتی اذا فشلتم و تنازعتم** یا تو **حتی** بمعنی **الی** ہے' **اذا** بمعنی **ان** اور یہ تمام جملے مصدر کے معنی میں ہیں' اور یہ سب **صدق** کی انتہاء کا بیان ہے' یعنی رب تعالیٰ نے تمہارے بزدل وغیرہ ہونے تک اپنا وعدہ سچا کر دکھایا' اور یا **اذا** شرطیہ ہے اور **فشلتم** وغیرہ شرط' اور جزاء اس کی محذوف **منعکم اللہ نصرہ** یعنی جب تم نے بزدلی وغیرہ کی' تو ہم نے اپنی مدد روک لی' اہل کوفہ کہتے ہیں کہ **اذا** شرطیہ ہے' اور **فشلتم** شرط **و تنازعتم** اس کی جزاء' واؤ زائدہ ہے' قرآن کریم میں بہت جگہ جزاء پر واؤ زائدہ آیا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **حتی اذا جاء وہا و فتحت ابوابہا'** دیکھو **فتحت** جزاء ہے' اور واؤ اس کے اول میں آیا' اور فرماتا ہے **فلما اسلما و تلہ للجبین و نادینہ ان یا ابرھیم'** دیکھو **نادینا** جزاء ہے' اس پر واؤ آیا' یعنی جب تم بزدل ہو گئے' تو جھگڑ پڑے' بعض کے خیال میں **اذا** شرطیہ ہے اور **فشلتم' تنازعتم' عصیتم** یہ سب شرط' اور **منکم' من یرید الدنیا** جزاء' یعنی جب تم بزدل ہو گئے اور جھگڑ پڑے' اور نافرمانی کر بیٹھے' تو تم دو گروہ ہو گئے' بعض طالب دنیا بعض طالب آخرت اور بھی اس جملہ کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں' غرضکہ یہ آیت بہت معرکہ کی ہے (تفسیر کبیر) **فشلتم'** **فشل** سے بنا' بمعنی وہ کمزوری جو بزدلی کے باعث پیدا ہو' **جبن' و فشل** اور ضعف میں یہ فرق ہے' **تنازعتم** نزع سے بنا' بمعنی کھینچنا' یا کسی کو اپنے ٹھکانے سے ہٹانا' دل سے محبت یا عداوت نکال دینے کو

www.alahazratnetwork.org

بھی نزع کہتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و نزعنا ما فی صدورھم من غل** کسی چیز کے چھین لینے کو نزع کہا جاتا ہے' قرآن کریم میں ہے **و تنزع الملک ممن تشاء** جھگڑے مجادلہ کو بھی **منازعت** کہہ دیتے ہیں کہ اس میں ہر جھگڑالو دوسرے کو اپنی رائے اور جگہ سے کھینچتا ہٹاتا ہے' یہاں یہ آخری معنی ہی مراد ہیں' **امر** سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان عالی ہے کہ تم اس درہ سے نہ ہٹنا' یعنی تم محبت غنیمت میں بزدل ہو گئے' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے متعلق آپس میں درہ والے ہی جھگڑ پڑے کہ کسی نے کہا منشا سرکار پورا ہو چکا' درہ چھوڑ دو' کسی نے کہا نہ چھوڑو **و عصیتم من بعد ما ارکم ما تحبون** یہ واؤ عاطفہ ہے' اور اس جملہ کی ترکیب پہلے بیان ہو چکی ہے' کہ یا تو **فشلتم** پر معطوف ہو کر شرط ہے' اور یا **تنازعتم** پر معطوف ہو کر جزاء' **عصیان** سے مراد دیدہ و دانستہ نافرمانی نہیں' بلکہ خطاء" سرکار کے فرمان پر عمل نہ کرنا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و عصی ادم ربہ فغوی** ان جیسے مقامات میں جو عصیان کے معنی نافرمانی کر کے صحابہ کرام یا آدم علیہ السلام کو فاسق یا کافر کہے وہ بے ایمان ہے' دونوں **ما** موصولہ ہیں' **ارکم** سے آنکھوں سے دکھانا مراد ہے' **ما تحبون** سے مراد کفار کا بھاگنا' مسلمانوں کا غلبہ اور غنیمت کا حصول ہے' یعنی تم نے اس وقت دھوکا کھایا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کر بیٹھے' جبکہ تمہیں رب تعالیٰ نے تمہاری پسندیدہ چیز' تمہاری فتح' کفار کی بھاگڑ' غنیمت کا حصول آنکھوں دکھا دیا تھا' خیال رہے کہ یہ تینوں خطائیں اگرچہ صرف ان چالیس حضرات سے سرزد ہوئیں' جنہوں نے درہ چھوڑ دیا' مگر چونکہ اس کا اثر ساری قوم پر پڑا' اس لئے ان سب سے ہی خطاب کیا گیا' ورنہ دوسرے غازی ان تینوں خطاؤں سے محفوظ تھے جیسے رب تعالیٰ نے مدینہ کے یہود سے فرمایا **و اذ قتلتم نفسا** " الایہ' **منکم من یرید الدنیا** یہاں بھی انہی صحابہ سے خطاب ہے جو احد کے درہ پر حفاظت کے لئے کھڑے کئے گئے تھے۔ یہ حضرات پچاس تھے جن میں سے کفار کی بھاگڑ پر چالیس حضرات درہ چھوڑ گئے' دس وہاں رہ گئے' **دنیا** سے مراد مال غنیمت ہے اور ارادہ کرنے سے مراد اس کا حاصل کرنا ہے' یہاں دنیا سے مراد وہ دنیا نہیں' جو دین کے مقابل ہو کہ وہ تو بری چیز ہے' بلکہ غنیمت اگرچہ خلاف قانون حاصل کی جائے تو دنیا ہے' اور اگر قانون کے ماتحت لی جائے تو دین ہے' جیسے قتل کفار قانون کے ماتحت عبادت ہے' خلاف قانون جرم چونکہ ان حضرات کو یہاں سے ہٹنا ممنوع تھا' اس لئے ان کے حق میں غنیمت دنیا بن گئی' اور دوسروں کے لئے یہی غنیمت دین تھی **و منکم من یرید الاخرۃ** اس میں بھی انہی درہ والوں سے خطاب ہے' آخرت سے مراد درہ پر ڈٹا رہنا ہے اور وہاں سے نہ ہٹنا' چونکہ یہ عمل سرکار کے فرمان کے ماتحت تھا اور آخرت کے بڑے ثواب کا باعث' اس لئے اسے آخرت فرمایا گیا' یعنی اس موقعہ پر تم درہ والوں کی دو جماعتیں ہو گئیں' ایک وہاں سے ہٹ جانے والوں کی' جو خطائے اجتہادی کی بناء پر غنیمت لینے کے لئے درہ چھوڑ گئے اور دوسرے ڈٹے رہنے والوں کی جو وہاں شہید ہو کر بارگاہ الٰہی میں بہت سرخرو ہوئے **ثم صرفکم عنھم** ظاہر یہ ہے کہ **کم** میں خطاب ان غازیوں سے ہے جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے تھے' اور **عنھم** سے مراد کفار ہیں' چونکہ یہ واقعہ درہ چھوڑنے کی وجہ سے ہوا' اور اس کے بعد ہوا کہ بھاگے ہوئے کفار درہ میں گھس پڑے' وہاں ڈٹے ہوئے صحابہ کو شہید کر دیا' پھر ان کا پیچھا کرنے والے غازیوں پر ٹوٹ پڑے' اس لئے یہاں **ثم** فرمایا گیا' خیال رہے کہ اس موقعہ پر مسلمانوں کے منہ پھرنے کے اسباب تو ان کے اپنی طرف سے ہوئے' اور قیام اسباب کے بعد اس واقعہ کی خلق رب تعالیٰ کی طرف سے' اس لئے **صرف** کا فاعل رب تعالیٰ ہے' یعنی تمہاری ان غلطیوں کی بناء پر تمہیں رب تعالیٰ نے کفار سے پھیر دیا کہ پہلے کفار آگے تھے تم پیچھے'

www.alahazratnetwork.org

کفار کی ہنسی تمہیں تمہارے چرے' مگر اب جو حالات بدلے اور نقشہ وجنگ نے پلٹا لیا تو اس کے برعکس ہو گیا کہ تم آگے ہو گئے' کفار تمہارے پیچھے' تمہاری پشتوں کی طرف ان کے منہ ہو گئے' تم پر غالبیت کے بعد مغلوبیت کے آثار نمودار ہو گئے **لیبتلیکم** یہ لام تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ **صرفکم** کی وجہ۔ **ابتلاء' بلاء** سے بنا بمعنی آفت اور امتحان و جانچ و چھانٹ' یہاں سارے معنی درست ہیں' یعنی یہ نقشہ و جنگ کی تبدیلی اور تمہارا کفار سے پھر جانا اس لئے ہوا' تاکہ رب تعالیٰ تمہیں آفت میں مبتلا کرکے صابر و شہید بنائے یا تاکہ تم میں قوی الایمان اور ضعیف الاعتقاد لوگوں کا امتحان لے کہ جو اس موقعہ پر حرف شکایت زبان پر لائے وہ ضعیف ہے' اور جو صبر و شکر سے کام لے وہ قوی الاعتقاد یا تاکہ اس کے ذریعہ مخلص و منافق میں چھانٹ فرمادے' کہ جو اس وقت اسلام کو برا' رب تعالیٰ کے وعدوں کو جھوٹا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنے لگے وہ منافق ہے' اور جو اس سے محفوظ رہے وہ مخلص **و لقد عفا عنکم** حق یہ ہے کہ **عنکم** میں خطاب درہ چھوڑنے والوں سے بھی ہے' اور ان سے بھی جن کے قدم میدان جنگ سے اکھڑ گئے' چونکہ رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بعض بدباطن ان بزرگوں کے ان اعمال پر اعتراضات کیا کریں گے' اس لئے اس جملہ کو لام اور قد کی تاکیدوں سے موکد کیا' **عفا' عفو** سے بنا بمعنی مٹانا یہاں دنیاوی اور دینی دونوں مٹانے مراد ہیں' خیال رہے کہ اس موقعہ پر نہ درہ سے ہٹنے والے گنہگار تھے' کیونکہ وہ خطاء اجتہادی سے ہٹے تھے' اور خطاء اجتہادی گناہ نہیں' اور نہ وہ گنہگار تھے جن کے قدم یہاں سے اکھڑ گئے' کیونکہ یہ حضرات سخت اضطرار کی حالت میں اپنی جان بچانے کے لئے وہاں سے ہٹے تھے' جب کفار کا زور بہت زیادہ بڑھ جائے' تب میدان سے ہٹ کر جان بچانا گناہ نہیں ہوتا' اس وقت تو خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ایک غار کی آڑلی تھی' بلکہ ہجرت کی رات شر کفار سے بچنے کے لئے غار ثور میں کئی دن قیام فرمایا' مگر چونکہ یہ عمل صورۃً "غلط تھا' اور اگر یہ آیت نہ اترتی' تو تاقیامت بدباطن ان بزرگوں کے ان اعمال پر زبان طعن دراز کرتے رہتے' اس لئے رب تعالیٰ نے اس کی بھی معافی کا اعلان فرمادیا' یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ رب تعالیٰ نے اس سید المعصومین سند المحبوبین صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **عفا اللہ عنک لم اذنت لھم**' حالانکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن تک کسی گناہ کی رسائی نہیں' یعنی اے درہ سے ہٹ جانے والو اور اے احد کے میدان سے چلے جانے والو! اللہ نے تمہاری ساری خطائیں مٹادیں' کہ نہ تم دنیا میں خطاکار رہے نہ آخرت میں' جب ہم معاف کرتے ہیں تو کسی کو اعتراض کا کیا حق ہے' تم سب ابرار' اخیار اور متقیوں کے سردار ہو **واللہ ذو فضل علی المؤمنین** اس آخری جملے نے گذشتہ ساری آیت کی تشریح کردی' **فضل** کے معنی ہیں مہربانی یعنی کسی کو بلا استحقاق یا استحقاق سے زیادہ نعمت دے دینا' **المؤمنین** سے مراد یا وہی درہ والے اور قدم اکھڑنے والے صحابہ ہیں یا سارے غازیان احد یا وہ بھی اور ان کے طفیل ہم جیسے سارے گنہگار مسلمان بھی' یعنی اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان ہے' کہ اگر ان پر راحت آئے تو بھی اچھی' آفت آئے تو بھی اچھی' اگر فتح پائیں تو بھی کامیاب' اگر ان کے قدم اکھڑ جائیں تو بھی کامیاب' ان کی شکستوں میں بھی رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہوتی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم واقعات احد کو دیکھ کر یہ کبھی خیال بھی نہ کرنا اور کسی کی اس بکواس پر دھیان بھی نہ دینا کہ رب تعالیٰ نے اپنا اور اپنے حبیب کا وعدہ سچا نہ کیا' احد کے اول واقعے پر دھیان دو' کہ تم فتح تو پا چکے تھے' کفار میدان چھوڑ چکے تھے' تم نے رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے انہیں خوب قتل کیا تھا' حتی کہ وہ بھاگ رہے تھے' اور تم ان کے تعاقب میں تھے' نقشہ و جنگ

www.alahazratnetwork.org

بدلا اس لئے کہ تم میں سے بعض لوگوں نے یعنی درہ والوں نے بزدلی کی کہ ان کے دل میں غنیمت کی محبت آگئی اور وہ اپنے امیر سے جھگڑ پڑے' ان میں سے اکثر ہمارے محبوب کی نافرمانی کر بیٹھے کہ بغیر سرکاری حکم آئے درہ سے ہٹ گئے' یہ سب کچھ اس وقت ہوا' جب رب تعالیٰ نے تمہیں پیاری چیزیں' اسلام کی فتح' کفار کی شکست' غنیمت کا حصول سب کچھ تمہاری آنکھوں دکھلا دیا' پھر درہ والوں کی غلطی کا انجام یہ ہوا کہ تم پر کفار کا پیچھے سے حملہ ہو گیا جس سے تمہارے رخ بدل گئے' جو بھگا رہے تھے خود بھاگ پڑے' یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تاکہ رب تعالیٰ تمہیں جانچ لے' تمہیں چھانٹ دے' اور اس کے ذریعہ تمہارے درجے بلند کر دے' تم سے جو کچھ بھی ہو گیا رب تعالیٰ نے سب کچھ معاف کر دیا' کہ نہ دنیا میں اس پر عتاب نہ آخرت میں اس کا حساب نہ تمہارے نامہ اعمال میں اس کی تحریر' سمجھ لو اللہ تعالیٰ مومنوں پر بڑا مہربان ہے ان پر ہر طرح فضل و کرم فرماتا ہے۔

حکایت: بخاری وغیرہ میں حضرت عثمان ابن موہب سے روایت ہے کہ ایک خارجی حضرت عبداللہ ابن عمر کی خدمت میں بیت اللہ شریف کے اندر حاضر ہوا' اور بولا کہ آپ کو اسی کعبہ کے رب کی قسم' کیا آپ جانتے ہیں کہ عثمان ابن عفان احد کے دن بھاگ گئے تھے' فرمایا ہاں' بولا آپ کو یہ بھی خبر ہے کہ وہ جنگ بدر سے غائب رہے' فرمایا ہاں' بولا آپ کو اس کا بھی علم ہے کہ وہ بیعت رضوان میں شریک نہ ہوئے' فرمایا ہاں' اس نے خوشی میں نعرہ مارا اللہ اکبر (خارجی حضرت عثمان' علی' معاویہ' حسنین کریمین وغیرہم کے بدترین دشمن ہیں) آپ نے فرمایا' جواب بھی سنتا جا' جنگ احد میں بھاگ جانے کی رب تعالیٰ نے معافی دیدی ہے' جس کا اعلان قرآن کریم میں کئی جگہ ہوا ہے' جنگ بدر کے موقعہ پر آپ کی زوجہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار تھیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' تم یہیں رہو ان کی تیمارداری کرو' تمہیں غزوہ بدر کا ثواب گھر بیٹھے ملے گا' پھر بعد میں آپ کو غنیمت بدر کا حصہ بھی دیا' بیعت رضوان کے موقعہ پر حضرت عثمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نمائندہ ہو کر کفار مکہ سے صلح کی بات چیت کے لئے تشریف لے گئے' اس کام کے لئے آپ ہی موزوں تھے' آپ کی غیر موجودگی میں بیعت الرضوان ہوئی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ہاتھ کو فرمایا' یہ عثمان کا ہاتھ ہے' اور اس ہاتھ کو دوسرے ہاتھ میں لے کر فرمایا کہ یہ عثمان کی طرف سے بیعت ہے' جا یہ جوابات ساتھ لے جا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ کے سارے وعدے برحق ہیں' اس کی وعدہ خلافی ایسی ہی ناممکن ہے' جیسے دو رب ہونا' اگر کبھی کسی وعدہ کا ظہور نہ ہو تو اس میں قصور ہمارا اپنا ہوتا ہے' جیسا کہ احد کے پورے واقعہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے رب تعالیٰ کے ہی وعدے ہیں' کہ ان کا پورا کرنا رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہے' جیسا کہ **وعدہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' ہم کو تو رب تعالیٰ نے یہ دعا سکھائی **ربنا و اتنا ما وعدتنا علی رسلک** خدایا ہمیں وہ سب چیزیں دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کی زبانی ہم سے وعدہ کر لیا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت دنیاوی تکالیف کا بھی باعث ہے' جیسا کہ **و عصیتم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی سے نعمتیں چھن جاتی ہیں' جیسا کہ **من بعد ما** الخ سے معلوم ہوا' آج ہم مسلمانوں پر مصیبتوں کے پہاڑ اسی لئے ٹوٹ رہے ہیں کہ ہم نے اطاعت رسول کریم کی پناہ چھوڑ دی۔ **پانچواں فائدہ:** یوں تو جھگڑا و اختلاف ہر وقت ہی برا ہے' مگر بحالت جہاد بہت ہی برا' جیسا کہ **تنازعتم** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

بحالت جنگ مال پر نظر کرنا اور غنیمت حاصل کرنے کی کوشش کرنا سخت ہلاکت کا باعث ہے' پہلے دشمن کو شکست دے لو' پھر سب کچھ تمہارا ہے' احد کا سارا واقعہ صرف غنیمت حاصل کرنے کے باعث ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جنگ احد کی تکالیف بھی غازیان احد کے بلندی درجات کا سبب بنیں' جیسا کہ **لیبتلیکم** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** غازیان احد سے جو کچھ خطائیں سرزد ہوئیں' وہ سب معاف ہو چکیں' اب جو ان بزرگوں پر ان چیزوں کا طعنہ دے یا بہ نیت توہین بیان کرے' وہ بے ایمان ہے اور قرآن کریم کا مخالف ہے' جیسے حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کھانا معاف ہو چکا' اور اب جو ان پر طعن کرے' وہ کافر ہے۔ **نواں فائدہ:** وہ خطائیں جن کی معافی کا قرآن کریم اعلان فرمادے' ہماری ان عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی خبر ہی نہیں' جیسا کہ **ذو فضل** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** عمل میں نیت کا بڑا دخل ہے' ایک ہی چیز نیت خیر سے دین بن جاتی ہے' اور دوسری نیت سے دنیا' نیز ایک ہی چیز قانون کے ماتحت لی جائے تو دین ہے' خلاف قانون دنیا' دیکھو احد کی غنیمت درہ والوں کے لئے دنیا تھی' اور دوسرے غازیوں کے لئے عین ایمان' جیسا کہ **من یرید الدنیا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بزدل بھی تھے' اور بات بات پر آپس میں جھگڑ بھی پڑتے تھے' دیکھو یہاں **فشلتم** اور **تنازعتم** فرمایا گیا (**العیاذ باللہ**)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب** تو یہ ہے کہ اگر وہ حضرات بزدل تھے تو اتنے ممالک فتح کس نے کئے ان جیسے بہادر تو آسمان نے کبھی نہ دیکھے' یہی تھے کہ بدر میں تین سو تیرہ بے سامانوں نے ایک ہزار سامان والوں سے ٹکر لے لی' یہی تھے کہ جنگ قادسیہ و یرموک میں چالیس ہزار نے سات لاکھ کا مقابلہ کیا' ان کی بہادری کی داستانیں رہتی دنیا تک رہیں گی۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ اگر یہاں **فشل** کے معنی بزدلی کر بھی لئے جائیں' تو یہ ایک بار کا واقعہ ہے' اور وہ بھی صرف درہ کے چالیس آدمیوں کا' بزدل وہ ہوتا ہے جو کبھی بہادری دکھا سکے ہی نہیں اور جھگڑے سے مراد دنگا فساد نہیں' بلکہ اجتہادی اختلاف مراد ہے' کہ بعض صاحبوں نے فرمایا' یہاں سے اب ہٹ جانا جائز ہے' کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء مبارک پورا ہو چکا' فتح ہو گئی' بعض نے فرمایا نہیں' جب تک خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بلائیں یہاں سے ہٹنا منع ہے ان میں ایک اجتہاد درست تھا ایک غیر درست' اگر اس طرح لفظی گفتگو کی جائے تو مصیبت آجائے گی' رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **یجادلنا فی قوم لوط** بتاؤ خدا تعالیٰ سے لڑنا جھگڑنا کیسا ہے' اور جناب خلیل علیہ السلام پر کیا فتویٰ لگاؤ گے؟ سچ ہے کہ بغیر محبت صحابہ قرآن کی فہم ناممکن ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **و عصیتم** سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نافرمان تھے اور نافرمانی کفر یا فسق ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ **عصیتم** سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی نہیں بلکہ اپنے امیر سیدنا عبداللہ ابن جبیر کی مخالفت مراد ہے' کہ ان چالیس درہ والوں نے ان کی بات نہ مانی اور درہ سے ہٹ گئے' دوسرے یہ کہ **عصیتم** سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی نافرمانی مراد ہے' مگر سرکشی سے نہیں بلکہ غلط فہمی سے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و عصی ادم ربہ فغوی** آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی نافرمانی کی' یہاں بھی غلط فہمی کی نافرمانی مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام دلوں میں حب دنیا رکھتے تھے' اور حب دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **منکم من یرید الدنیا** اور صوفیائے کرام فرماتے ہیں **حب الدنیا راس کل خطیئۃ**

www.alahazratnetwork.org

جواب: دنیا کی بہت نو عیتیں ہیں اور محبت دنیا کی بھی بہت سے قسمیں ہیں' بعض دنیا کفر ہے' بعض فسق' بعض غفلت اور بعض دنیا عین ایمان' ابوجہل کی دنیا کفر تھی' اور حضرت عثمان غنی کی دنیا عین ایمان' یونہی قارون' فرعون کی دنیا کفر تھی' حضرت سلیمان علیہ السلام کی دنیا عین ایمان' ایسے ہی محبت دنیا اگر نفسانی یا شیطانی ہو تو بری' اور رحمانی یا ایمانی ہو تو اچھی' ان حضرات کی یہ محبت دنیا' ان کے خیال میں آخری قسم کی تھی' وہ سمجھے کہ ہم بھی یہاں سے ہٹ کر قتل و غنیمت میں حصہ لیں' تو کفار زیادہ مارے جائیں گے اور غنیمت زیادہ ہاتھ آئے گی' عتاب میں آگئے' آخر میں عرض ہے کہ براہ مہربانی صحابہ کرام کی غلطیاں مت پکڑو' اور ان کی فکر نہ کرو' ان کی خطاؤں کی معافی کا تو قرآن کریم نے اعلان کر دیا' اپنی فکر کرو' اور اپنی خطاؤں پر آنسو بہاؤ۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو احد میں رب تعالیٰ نے پھیر دیا کہ فرمایا **ثم صرفکم عنھم** مگر دوسرے مقام پر اسی واقعہ کے متعلق ارشاد ہوا **انما استزلھم الشیطن** انہیں شیطان نے پھسلا دیا' ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب: ہر برے کام میں تین چیزیں ہوتی ہیں' ترغیب' کسب' خلق' ترغیب شیطان کی طرف سے ہوتی ہے' کسب بندہ کی طرف سے' خلق رب تعالیٰ کی طرف سے' غصہ میں کسی کے تلوار ماری' جس سے وہ مر گیا' یہاں تلوار مارنے کی رغبت شیطان نے دی' تلوار انسان نے ماری' اور خلق موت رب سبحان کی طرف سے ہوا' کہ زندگی موت اسی کی طرف سے ہے' یہاں خلق کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہے' اور تمہاری پیش کردہ آیت میں ترغیب اور دھوکہ دینے کی نسبت شیطان کی طرف ہے' وہاں کی نسبت شیطان کی طرف ہے' اسی لئے یہاں **صرف** فرمایا اور وہاں **استزل** اس کی تحقیق ہم تیسرے پارے میں تقدیر کی بحث میں کر چکے ہیں' اور مرات شرح مشکوٰۃ **باب التقدیر** میں بھی اس کا مفصل ذکر کر چکے ہیں۔ پانچواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ صحابہ احد میں کوئی بھی گنہگار نہ تھا' نہ درہ چھوڑنے والے' اور نہ میدان چھوڑنے والے' تو پھر معافی کس کو دی گئی' اور کس جرم کی دی گئی' کہ فرمایا گیا **ولقد عفا عنکم** جناب جہاد سے بھاگنا بڑا بھاری گناہ ہے۔ (کبیرہ) رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یولھم یومئذ دبرہ** الایہ غضب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ جائیں اور پھر بے گناہ رہیں (یہ مخالفین کا انتہائی اعتراض ہے)۔ جواب: حق یہی ہے کہ وہ حضرات اس موقعہ پر خطاکار تھے' گنہگار نہ تھے' معافی خطا کی ہے نہ کہ گناہ کی جیسا ہم تفسیر میں عرض کر چکے' کہ لفظ **عصی** قرآن کریم میں انبیائے کرام کے لئے بھی استعمال ہوا ہے' حالانکہ وہ حضرات معصوم ہیں' وہاں بھی خطا کی معافی مراد ہے' تم نے یہ آیت پوری نہ پڑھی' وہاں ارشاد ہوا ہے **و من یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا" لقتال او متحیزا" الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ** اس سے معلوم ہوا کہ جہاد میں وہ بھاگنا برا ہے' جو بے وفائی یا بزدلی سے ہو' جنگی چال سے یا پناہ کی طرف دوڑ کر جانا ممنوع و گناہ نہیں' اس موقعہ پر صحابہ نے جس شان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کی ہے' اس کی مثال نہ ملے گی' کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی شہید کرنا چاہتے تھے' اسی لئے پوری یلغار سے انہوں نے آپ پر حملہ کیا' اور ہر طرف سے آپ پر وار کئے' ایک طرف ابودجانہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منہ اور کفار کی طرف پشت کر کے کھڑے ہو گئے اور کفار کے سارے وار اپنی پیٹھ پر لئے' دوسری جانب طلحہ نے اپنا ہاتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈھال بنا دیا' اور اتنے زخم کھائے کہ ہاتھ شل (یعنی بیکار) ہو گیا' اور تمام جسم زخموں سے چور ہو گیا' جب احد سے لوٹے تو اپنے جسم سے خون اس طرح پونچھتے تھے' جیسے غسل کے بعد غسل کا پانی ہاتھ سے جھاڑا جاتا ہے اور فرماتے تھے خدا کا شکر ہے کہ میں نے وہ مقصد پورا کر دیا جس کے لئے

www.alahazratnetwork.org

میری ماں نے مجھے جنا تھا' انہی ابو طلحہ کے متعلق قرآن کریم کی آیت نازل ہوئی **منھم من قضی نحبہ** یعنی بعض صحابہ نے اپنی منت پوری کردی اور تیسری طرف حضرت مصعب ابن عمیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے فولاد کی دیوار بن کر کھڑے ہو گئے' اور کفار کے وار اپنے پر لیتے رہے یہاں تک کہ ایک وار گردن پر پڑا' سر دھڑ سے الگ ہو گیا اور حفاظت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جان دیدی' حضرت صدیق و فاروق و علی مرتضیٰ اپنے اپنے مورچے سنبھالے ہوئے کفار سے لڑ رہے ہیں جو شجاعت' بہادری اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت صحابہ کرام نے اس میدان میں کی اس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی' اس لئے رب تعالیٰ نے خوش ہو کر یہاں فرمایا **لیبتلیکم** احد میں تم سب کا امتحان تھا سارے ہی پاس ہوئے کوئی فسٹ ڈویژن کوئی سیکنڈ' کوئی اس کے بعد' غرضکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بے مثال نبی ہیں تو مہاجرین و انصار بے مثال یار۔

تفسیر صوفیانہ: صبر' یقین' توکل علی اللہ' دنیاوی ٹیپ ٹاپ سے بچنا اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت سے باز رہنا دینی و دنیوی فتح و نصرت کا ذریعہ ہے' گویا فتح کی عمارت ان چار ستونوں پر قائم ہے' اسی طرح محبت دنیا' دنگے فساد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی' دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں دل لگنا' ناکامی اور دشمن کے غلبہ کا سبب ہیں' جو شخص ظاہری باطنی دشمنوں پر فتح چاہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بنائے ہوئے راستہ کے سوا اور راستہ پر نہ جائے' رب تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مصیبت پر راضی رہے' دنیا کے غم پر آخرت کے غم کو ترجیح دے' صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے' مولانا فرماتے ہیں۔

صبر آرد آرزو را نے شتاب! صبر کن **واللہ اعلم بالصواب**

یعنی صبر تمام آرزوؤں کو پورا کرتا ہے' مگر جلدی نہیں' اس لئے صبر اختیار کرنا چاہیے' ذوالنون مصری فرماتے ہیں' مرید کامل وہ ہے' کہ اگر اللہ تعالیٰ اسے زندہ آگ میں ڈال دے' تو یہ آگ اس کے عشق کی آگ کو اور بھڑکا دے' اور جو اپنے نفس کو اطاعت کی تختی چکھاتا رہے' ایسے ہی مرید کی رب تعالیٰ کے ہاں قدر و منزلت ہے' انہی کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے **یریدون وجہ اللہ** احد کا یہ واقعہ تاقیامت مریدین باصفا کے لئے راہنما ہے' زندگی کے ہر دن میں کارزار احد نمودار ہوتی ہے' اور ہم اپنے نفس پر حملہ کرتے رہتے ہیں' کبھی غالب آجاتے ہیں' کبھی مغلوب ہو جاتے ہیں' کبھی بھاگ جاتے ہیں' کبھی پھر لوٹ آتے ہیں' غرضیکہ غزوہ احد مرتے وقت تک ہوتا رہتا ہے' اللہ تعالیٰ اس میں ہر مسلمان کو فتح کامل نصیب فرمائے۔

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓى اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ
جب چلے جا رہے تھے تم اور نہ رخ کرتے تھے کسی پر حالانکہ رسول بلا رہے تھے تم کو تمہاری پچھلی
جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے اور پیٹھ پھیر کر کسی کو نہ دیکھتے تھے اور دوسری جماعت میں ہمارے رسول
اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى مَا فَاتَكُمْ وَلَا
جماعت میں تو پہنچایا تم کو غم پر غم تاکہ تم نہ غمگین ہو اس پر جو تم سے چھوٹ گیا اور نہ اس پر
تمہیں پکار رہے تھے تو تمہیں غم کا بدلہ غم دیا اور معافی اس لئے سنائی کہ جو ہاتھ سے گیا اور جو افتاد پڑی

www.alahazratnetwork.org

مَآ اَصَابَكُمْ وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾
جو پہنچا تم کو اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو
اس کا رنج نہ کرو اور اللہ تعالیٰ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم غازیان احد میں بعض دنیا کا ارادہ کرتے تھے' بعض آخرت کا اب ان دونوں جماعتوں کی تفصیل بتائی جارہی ہے کہ جو لوگ اس وقت بھاگ رہے تھے' وہ تو دنیا کے ارادہ و قصد میں تھے' اور جس جماعت میں ہمارے محبوب رہ گئے تھے' اور جو ان کے ساتھ تھے' وہ آخرت کے طالب تھے' گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم مومنوں پر بڑے فضل والے ہیں' اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ باوجودیکہ غزوۂ احد میں تم دو جماعتیں ہوگئے جن میں سے ایک جماعت خطاکار تھی' مگر ہم نے دونوں پر فضل و کرم فرمایا کہ خطاکاروں کو معافی دی' اور ان سب کو آئندہ فتوحات بھی بخشیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے تمہیں کفار سے پھیر دیا' اور اب اسی پھیرنے کا نقشہ کھینچ کر دکھایا جارہا ہے' گویا پچھلی آیت میں بیان تھا اور اس آیت میں عیان۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اس اختلاف کا ذکر تھا جو درہ والوں میں پیدا ہوا کہ فرمایا گیا **و تنازعتم فی الامر** اب اس اختلاف کا ذکر ہے جو غازیوں میں پیدا ہوا یعنی بعض کا میدان سے بھاگ جانا اور بعض کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ جانا' غرضکہ ایک اختلاف کے بعد دوسرے اختلاف کا ذکر ہے۔

تفسیر: **اذ تصعدون** یا تو یہ **اذ** گذشتہ آیت کے **عفا** یا **لیبتلیکم** کا ظرف ہے' اور یہ ساری آیت پہلی آیت سے متعلق ہے' یا **اذکروا** فعل محذوف کا ظرف ہے' اور یہ آیت مستقل الگ جملہ **تصعدون** جمہور کی قرأت میں **ت** کے پیش اور **ع** کے زیر سے ہے' باب افعال کا مضارع' بعض قرأتوں میں **ت** اور **ع** دونوں کے زبر سے ہے' یعنی باب **فتح** کا مضارع' بہر حال یہ لفظ **صعد** یا **صعود** سے ہے' لطف یہ ہے کہ **صعد** مجرد میں اگرچہ چڑھنے کے معنی دیتا ہے' اور باب افعال میں پہنچ کر بڑھنے کے معنی میں ہو جاتا ہے' بعض نے فرمایا کہ افعال میں بھی چڑھنے ہی کے معنی میں آتا ہے' مگر یہاں تجرید کے طریقہ پر بڑھنے کے معنی میں ہے' گویا اس کے معنی تھے اوپر جانا' اب معنی رہ گئے جانا' جیسے **تعال** کہ اس کی اصل علو ہے' اس کے معنی ہونے چاہئے تھے اوپر آؤ' مگر اب بطریق تجرید فقط آؤ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے' بہر حال یہاں جانے' دوڑنے' بھاگنے کے معنی میں ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تو کمال ہی کردیا کہ ترجمہ فرمایا' جب تم منہ اٹھائے چلے جاتے تھے' اس ترجمہ میں **صعود** کے اصلی معنی بھی رہے اور منشاء بھی حاصل ہو گیا' یہ تمام توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ غزوۂ احد میں ہزیمت یافتہ حضرات پہاڑ پر نہ چڑھے تھے کہ ادھر سے تو کفار نے پیچھے سے یلغار کی تھی' بلکہ میدان ہی میں بھاگڑ پڑ رہی تھی یعنی ہم نے تمہیں اس وقت کفار سے پھیرا یا اس وقت تمہارا امتحان لیا یا اس وقت تم کو معافی دیدی تھی جبکہ میدان میں دوڑے چلے جارہے تھے یا یہ معنی ہیں کہ اے مسلمانو! یا اس وقت کو بھی یاد رکھو جبکہ تم میدان احد میں دوڑے چلے جارہے تھے تاکہ تم خدا کا شکر ادا کرو کہ اب اس نے تمہیں کتنی قوت دیدی' **ولا تلوٗن علی احد** **تلوٗن** **لوی** سے بنا بمعنی پھیرنا اور موڑنا اسی لئے رسی بٹنے کو بھی **لو**

www.alahazratnetwork.org

کہا جاتا ہے کہ اس میں رسی کے اجزاء کو موڑ کر بل دیا جاتا ہے' کبھی ٹھہرنے اور انتظار کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے کیونکہ کسی کے لئے ٹھہرنے اور انتظار کرنے والا منہ پھیر پھیر کر اس کی طرف دیکھتا ہے' یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں' یعنی تم اس افراتفری کے عالم میں ایک دوسرے کو مڑ کر اور پھر کر بھی نہ دیکھتے تھے نہ انتظار کرتے تھے' اگر اس وقت مڑ کر دیکھ لیتے تو سب کچھ ٹھیک ہو جاتا کیونکہ **والرسول یدعوکم فی اخرکم** واؤ یا عاطفہ ہے' اور یہ جملہ **تصعدون** پر معطوف یا حالیہ ہے' اور یہ جملہ **تصعدون** کی ضمیر **ھم** سے حال' **الرسول** سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' آپ کو یہاں **الرسول** سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ نبی کی پکار سننا ہر امتی پر واجب ہے' نیز یہ پکار رب تعالیٰ کی طرف سے تھی' جسے آپ بطریق رسالت ادا کر رہے تھے' **یدعوا**' **دعو** سے بنا' بمعنی پکارنا' بلانا' یا پوجنا' یہاں پہلے دو معنی میں ہو سکتا ہے' **اخری**' **اخر** کا مونث ہے' پچھلی جانب کو بھی اخریٰ کہتے ہیں' جیسے کہا جاتا ہے **جاء فلان فی اخریات القوم** اور پچھلی جماعت کو بھی کہا جاتا ہے' **جئت فی اخر الناس و اخرھم ھم**' یہاں دوسرے معنی میں ہے' یعنی یہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں پچھلے لوگوں میں تشریف فرما ہو کر پکار رہے تھے' چنانچہ آپ فرما رہے تھے "اے لوگو! میں یہ ہوں! لوٹ آؤ! جو لوٹ آئے گا جنتی ہو گا **فاثابکم غما بغم**' **فا** یا تعقیبیہ ہے یا جزائیہ' اور یہ جملہ یا پہلے جملہ پر معطوف ہے یا پوشیدہ شرط کی جزاء' **اثاب**' **ثوب** سے بنا' بمعنی لوٹنا' اسی سے ہے **مثاب** بمعنی جائے رجوع' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس**" اسی سے ہے ثیبہ بمعنی شادی عورت' جس کی طرف خاوند لوٹ کر جائے' اسی سے ہے **ثوب** بمعنی کپڑا کہ وہ بار بار پہنا جاتا ہے' اصطلاح میں بدلہ کو ثواب کہتے ہیں' خواہ بدلہ خیر ہو یا بدلہ شر یعنی جزاء یا سزاء' یہاں بمعنی سزا ہے' غم کے معنی ہیں ڈھانپنا' اسی لئے بادل کو غمام کہتے ہیں کہ وہ سورج کی روشنی کو ڈھانپ لیتا ہے' رنج کو اس لئے غم کہتے ہیں کہ وہ دل کی لذت و سرور کو ڈھانپ لیتا ہے' حق یہ ہے کہ کرب' غم' حزن سب قریباً ہم معنی ہیں' بغم کی ب یا ہمراہی کی ہے یا عوض کی' یا بمعنی علی یا مع ہے' تو پہلے غم سے مراد اس غنیمت اور فتح کے جاتے رہنے کا غم ہے جو انہیں حاصل ہو چکی تھی اور دوسرے غم سے مراد اپنا زخمی اور قتل ہونے کا غم ہے' یا پہلے غم سے مراد اپنی ان تکالیف کا غم ہے' اور دوسرے غم سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر کا غم ہے' یعنی تمہیں رب تعالیٰ نے عتاباً" غم پر غم دیئے **لکیلا تحزنوا** لام جارہ یا تو **اصاب** کے متعلق ہے یا **عفا** کے متعلق جو پہلی آیت میں گزر چکا' اعلیٰ حضرت نے دوسرا احتمال اختیار فرمایا ہے' اور یہی قوی بھی ہے' کیونکہ غم خوشی سے زائل کیا جاتا ہے' نہ کہ غم سے (تفسیر خازن) اور بھی یہاں بہت توجیہیں ہیں **علی ما فاتکم ولا ما اصابکم**' **لا تحزنوا** کے متعلق ہے' **ما** موصولہ ہے' **فات**' **فوت** سے بنا' کسی چیز کا اس طرح دور ہو جانا کہ اس کا پانا محال ہو جائے فوت کہلاتا ہے' اسی لئے موت کو فوت کہا جاتا ہے' یہاں مال غنیمت اور فتح و نصرت کا جاتا رہنا مراد ہے' جو آ کر چلے گئے اور ایسے گئے کہ پھر نہ آئے اور پہنچنے سے مراد زخم و قتل کا غم پہنچنا ہے' یعنی فوراً" تمہاری معافی کا اس لئے اعلان کر دیا' تاکہ تم فوت شدہ نفعوں پر اور حاصل شدہ تکالیف پر غم نہ کرو' یہ معافی تمہارے ان زخموں کا مرہم بن جائے یا تمہیں یہ بھاری غم (یعنی خبر شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) اس لئے دیا' تاکہ تم اس بڑے غم کو دیکھ کر غنیمت وغیرہ کے چھوٹے چھوٹے غم سب بھول جاؤ اور واقعی صحابہ کو اس خبر سے اتنا غم ہوا کہ جتنا اپنوں کے قتل اور اپنے زخم کا نہ ہوا' چنانچہ جب ایک بی بی کو خبر دی گئی کہ تیرا باپ' بیٹا اور خاوند سب شہید

www.alahazratnetwork.org

ہو گئے' تو اس نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو زندہ ہیں نا؟ لوگوں نے کہا ہاں! وہ بولی **کل مصیبۃ بعدک جلل** تمہاری خیرحیات کے بعد ہر غم حقیر ہے **واللہ خبیر بما تعملون** اس میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے' اور عمل سے دلی اعمال یعنی نیت' اور بدنی اعمال یعنی بعض کا ڈٹا رہنا اور بعض کا بھاگ جانا سب مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے سارے عملوں سے خبردار ہے وہ جانتا ہے کہ بھاگنے والوں کی نیت خراب نہ تھی۔

خلاصہ و تفسیر: اے مسلمانو! ہم نے تمہیں اسی وقت معافی دیدی تھی اور تم پر اسی وقت اپنا فضل کر دیا تھا جبکہ تم میدان احد میں قدم اکھڑ جانے کی صورت میں بھاگے چلے جا رہے تھے' یا اے مسلمانو! تم اپنا وہ بے بسی کا وقت بھی یاد رکھو جب کہ قدم اکھڑ جانے پر تم دوڑے چلے جا رہے تھے' اور کسی کو پیٹھ پھیر کر دیکھتے بھی نہ تھے' حالانکہ کیفیت یہ تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جماعت میں خود بنفس نفیس تشریف فرما تھے' جو تم سے پیچھے تھی' اور تمہیں پکار رہے تھے' اللہ کے بندو! کہاں جاتے ہو' ارے میں یہ ہوں! میرے پاس آجاؤ مگر تم تھے کہ کچھ سنتے ہی نہ تھے' چونکہ تمہارے اس عمل سے ہمارے محبوب کو غم ہوا اس لئے اس کے عوض رب تعالیٰ نے بھی تمہیں غم دیا' یا میدان احد میں تمہیں رب تعالیٰ نے غم پر غم دیا' آئی ہوئی غنیمت نکل جانے' حاصل شدہ فتح جاتی رہنے کا غم تو تمہیں تھا ہی' اپنے عزیزوں کے قتل اپنے زخمی ہونے کا غم بھی' اور سب سے بڑھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر کا غم تمہیں دیا' تاکہ تم اس بڑے غم کی وجہ سے فوت غنیمت فوت فتح کا غم بھی بھول جاؤ' اور قتل و زخم کی تکلیف بھی محسوس نہ کرو' یا ہم نے اسی وقت تمہاری معافی کا اعلان اس لئے کر دیا کہ تم اس معافی کی خوشی میں یہ مذکورہ غم بھی بھول جاؤ' اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں سے خبردار ہے ہمیشہ یہ خیال رکھو کہ ہم تمہارے ظاہری و باطنی سارے اعمال کو دیکھ رہے ہیں تو تم کبھی بھی گناہ پر دلیری نہ کرو گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان احد قدم اکھڑ جانے پر بھی غاروں یا پہاڑوں میں نہ چھپے بلکہ میدان ہی میں رہے جیسا کہ **تصعدون** کی تفسیر سے معلوم ہوا' بھاگ پڑ جانا اور ہے' چھپتا پھرنا کچھ اور' بھاگڑ اچانک آفت پر بھی پڑ جاتی ہے' اور چھپتا پھرنا بزدلی سے ہی ہوتا ہے' جو ان حضرات کو اس واقعہ کی بناء پر بزدل کہے' وہ اس آیت کا منکر ہے' یہی تو وہ حضرات ہیں جنہوں نے بعد میں تبوک' حنین' فتح مکہ کے میدان سر کئے' اور یہی وہ حضرات ہیں جنہوں نے بعد میں بزمانہ فاروقی یرموک و قادسیہ جیسے ہولناک معرکوں میں شجاعت کے جوہر دکھائے۔ **دوسرا فائدہ:** اس وقت ان غازیوں پر پیچھے کے حملہ کی باعث مدہوشی سی چھا گئی تھی جس سے انہیں کچھ سوجھتا ہی نہ تھا' جیسا کہ **ولا تلوٗن** سے معلوم ہوا اسی وجہ سے اس افراتفری میں بعض مسلمانوں نے خود مسلمانوں ہی کو شہید کر دیا' چنانچہ حذیفہ ابن یمان فرماتے ہیں کہ اس وقت میرے باپ یمان انہی حضرات کے گھیرے میں آ گئے میں چیختا ہی رہا کہ یہ میرے والد ہیں اور مسلمان ہیں مگر کسی نے نہ سنا اور انہیں شہید کر دیا۔ **تیسرا فائدہ:** مدہوشی اور بے خبری کی حالت میں کوئی گناہ گناہ نہیں ہوتا اور نہ اس پر شرعی احکام مرتب ہوں' دیکھو ان بزرگوں سے حضرت یمان وغیرہ مقتولین مومنین کا نہ قصاص لیا گیا' نہ دیت وغیرہ' نہ ان لوگوں پر کفارہ واجب ہوا' نہ کوئی اور چیز۔ **چوتھا فائدہ:** مصیبت کے وقت اللہ کے بندوں کو پکارنا سنت ہے' جیسا کہ **والرسول یدعوکم** سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آفت میں اپنے صحابہ کو پکارا' عیسیٰ علیہ السلام نے ایک مصیبت پر فرمایا تھا **من**

www.alahazratnetwork.org

انصاری الی اللہ کون ہے میرا مددگار' سکندر ذوالقرنین نے آہنی دیوار بناتے وقت فرمایا **اعینونی بقوۃ** اپنی طاقت سے میری مدد کرو' جو شخص اس پکارنے کو شرک کہے' وہ ان آیات کا منکر ہے۔ **پانچواں فائدہ:** احد میں سارے صحابہ کے قدم نہ اکھڑے تھے بلکہ بہت لوگ اپنی جگہ قائم رہے تھے' اور ایک جماعت تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہی' جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت آخر تک کرتی رہی' اسی جماعت کی کوشش سے کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھرپور وار نہ کر سکے' ورنہ وہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی فکر میں تھے' یہ فائدہ **فی اخرکم** سے حاصل ہوا' چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں سات انصاری جنگ کرتے ہوئے یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اور حضرت طلحہ نے اس حالت میں ستر (70) سے زیادہ زخم کھائے' حتی کہ آپ کی انگلیاں بھی کٹ گئیں۔ بعض مفسروں نے فرمایا کہ احد سے بھاگ کر مدینہ پہنچنے والوں کی تعداد کل سات یا دس ہے' باقی تمام حضرات اس میدان ہی میں رہے' کچھ تو اپنے مورچوں پر ہی جمے ہوئے لڑتے رہے جیسے حضرت صدیق و فاروق و علی مرتضیٰ' جو بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے اور بعض اسی میدان میں پریشان حال رہے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بارہ یا اٹھارہ آدمی رہے' جن میں سے حضرت طلحہ ایک آن کے لئے بھی آپ کے پاس سے نہ ہٹے' اگر سارے ہی بھاگ گئے ہوتے تو صرف ستر (70) شہید نہ ہوتے' بلکہ پورے سات سو (700) شہید ہو جاتے۔ **چھٹا فائدہ:** محبوبیت الہی کی علامت یہ ہے کہ دنیا میں اس کی معمولی خطا پر بھی پکڑ ہو جاتی ہے' اور اس پر عتاب آجاتا ہے' جیسا کہ **فاصابکم** الخ سے معلوم ہوا' دیکھو آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی معمولی خطا یعنی گندم کھانے پر عتاب آگیا اور ہم ہزاروں گناہ کرتے رہتے ہیں' مگر ہمیں کچھ نہیں ہوتا' کیونکہ وہ' وہ تھے اور ہم ہم ہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

ساتواں فائدہ: یہ عتاب اور دنیوی تکالیف ان بزرگوں کی خطاؤں کا کفارہ بن جاتے ہیں' جس سے یہ محبوبین پاک و صاف ہو کر بارگاہ الہی میں جاتے ہیں' جیسا کہ **بغم** سے معلوم ہوا' یعنی تم سے جو غم ہمارے نبی کو پہنچا اس کے بدلہ میں رب تعالیٰ نے تم کو یہیں غم پہنچا دیا' تمہارا اگلا معاملہ بالکل صاف ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** اس معرکہ میں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار کے لوٹ آنے کا کوئی غم اور صدمہ نہیں ہوا' جیسا کہ **اصابکم** میں **کم** ضمیر سے معلوم ہوا' یعنی صرف تمہیں غم پہنچا' نہ کہ اپنے حبیب کو' نہ آپ سرکار اپنی جگہ سے ہٹے' لہذا احد میں مسلمانوں کو شکست نہیں کہ شکست جرنیل کے ہٹنے پر ہوتی ہے

ع

مصطفیٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام

نواں فائدہ: اس موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم تھا' مگر کس کا؟ ان صحابہ کی تکلیف کا' نہ کہ اپنا! جیسا کہ **بغم** کی تفسیر سے معلوم ہوا' اس کی شرح وہ آیت ہے **عزیز علیہ ما عنتم**۔ **دسواں فائدہ:** صحابہ کرام کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مال اولاد اور جان سے زیادہ پیارے تھے' کہ آپ کی شہادت کی خبر سے وہ حضرات اپنے سارے غم بھول گئے' جیسا کہ **لکیلا تحزنوا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' صحابہ کرام اس حدیث کی چلتی پھرتی اور زندہ جاوید تفسیر ہیں **لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ و ولدہ والناس اجمعین** تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو

www.alahazratnetwork.org

سکتا' جب تک میں اسے اس کے ماں باپ 'اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں ان بزرگوں کی زندگی اس حدیث کا بیان بلکہ عیاں ہے۔ گیارہواں فائدہ: صحابہ کرام کی بارگاہ الہٰی میں وہ شان ہے کہ خود رب تعالیٰ ان کے غم دور فرماتا ہے' ذرا سی غلطی ہوئی کہ فوراً "معافی کا اعلان" تاکہ زخم پر فوراً "مرہم لگا دیا جائے' جیسا کہ لکیلا تحزنوا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کو پکارتے رہے مگر صحابہ نے آپ کی پکار بھی نہ سنی اور جو نبی کی پکار بھی نہ سنے' وہ بڑا گنہگار ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے استجیبوا للہ و للرسول اذا دعاکم۔ جس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نہ سنی خدا کی کیا سنے گا۔ جواب: گناہ اس صورت میں ہے کہ جبکہ کانوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچے' اور بندہ بلاوجہ حاضر نہ ہو' اس افراتفری میں ایسا شور برپا تھا کہ کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی' ابھی تم نے جنگ کے حالات دیکھے نہیں' کمرے میں بیٹھ کر اعتراض ہی کرنا سیکھے ہیں' اور جن کے کانوں میں بھنک بھی پڑ گئی' وہ حاضر بارگاہ ہو گئے تھے' جیسے جناب صدیق و فاروق اور علی مرتضیٰ وغیرھم صحابہ کرام رضوان اللہ علیھم۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام سے گناہ بھی ہوتے تھے اور انہیں ان کی سزائیں بھی ملتی تھیں' جیسا کہ خود تم نے فاصابکم الخ کی تفسیر میں بتایا' پھر تم کیوں انہیں پاکباز اور متقیوں کا سردار سمجھتے ہو۔ جواب: ہم نے ان تمام حضرات کو معصوم نہیں مانا ہے' بلکہ عادل و متقی مانا ہے' ان میں سے بعض سے گناہ سرزد ہوتے تھے' مگر بفضلہ تعالیٰ وہ یہاں ہی پاک و صاف ہو جاتے تھے' یہ تو انسان کی خوش نصیبی ہے کہ گناہ سارے یہیں چھوڑ جائے صرف نیکیاں لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو' ہم گنہگاروں کو ان سے نسبت ہی کیا' ہم تو صرف گفتار ہیں وہ سراپا کردار تھے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی ۔۔۔ کہ تو گفتار وہ کردار تو ثابت وہ سیارہ!

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کو امداد کے لئے پکارنا جائز ہے' مگر دوسری آیت میں اس سے منع فرمایا گیا' رب تعالیٰ فرماتا ہے لا تدعوا من دون اللہ۔ جواب: ان تمام آیات میں دعا سے مراد عبادت ہے' یعنی خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو' اس کی شرح وہ آیت ہے و کانوا بعبادتھم کٰفرین۔

تفسیر صوفیانہ: بندوں کے مختلف حالات ہیں' بعض وہ ہیں جو مانگیں اور نہ ملے' بعض وہ ہیں کہ مانگتے ہی ان کی مراد پوری کر دی جائے' بعض وہ خوش نصیب ہیں کہ جن کے دل میں خیال آئے اور کام ہو جائے' بعض وہ بھی ہیں جو بحر عشق میں فنا ہو کر اس درجہ پر پہنچ گئے' کہ رب تعالیٰ انہیں دیدے کر بخششیں کر کر کے منائے' یہ حضرات غازیان احد ان آخری دو درجہ والوں میں سے ہیں' کہ رب تعالیٰ نے ان کی خطا کا ذکر تو کیا' مگر ان سے توبہ یا کفارہ کا مطالبہ نہ کیا' بلکہ بغیر توبہ کا مطالبہ فرمائے معافی کا اعلان کیا' پھر اس کی وجہ بھی بتادی کہ یہ اس لئے کیا گیا' تاکہ تمہارے دلوں پر صدموں کا میل نہ آنے پائے' کہ فرمایا لکیلا تحزنوا الخ' یہ درجہ انسان کا انتہائی کمال ہے' جو بہت مشکل سے میسر ہوتا ہے' اس درجہ میں پہنچ کر رب تعالیٰ وہی کرتا ہے' جو بندہ چاہتا ہے' اس بارگاہ میں بعض مرید ہیں' اور بعض مراد' یہاں روح البیان نے فرمایا کہ ایک بار علی مرتضیٰ نے صدیق اکبر سے پوچھا کہ آپ کس وجہ سے ہم سب پر سبقت لے گئے؟ فرمایا پانچ وجہ سے' ایک یہ کہ میں نے کسی کو مرید دنیا پایا کسی کو مرید آخرت مگر میں مرید مولا ہوا' دوسرے یہ کہ جب سے میں اسلام میں داخل ہوا' دنیا کے کھانوں سے سیر نہ ہوا' کیونکہ مجھے معرفت کی لذت نے

www.alahazratnetwork.org

دنیا کی لذت سے بے نیاز کر دیا۔ تیسرے یہ کہ میں اسلام لا کر دنیا کے پانیوں سے سیراب نہ ہوا کہ عشق الٰہی کی شراب نے مجھے ان شربتوں سے بے نیاز کر دیا۔ چوتھے یہ کہ جب میرے سامنے دنیا اور دین کے اعمال آئے تو میں نے دنیا کے کاموں پر دین کے کام کو مقدم رکھا۔ پانچویں یہ کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میسر ہوئی تو میں نے آپ کو راضی رکھنے کی کوشش کی سبحان اللہ فقیر کہتا ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غار ثور میں پہلے صدیق گئے بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا اور غار قبر میں پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے بعد میں صدیق کو بلایا' اور غار ثور میں ایک شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پہلو پر سلایا' اور غار قبر میں تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے پہلو میں صدیق کو سلایا' **صلی اللہ علی حبیبہ محمد و الہ و اصحابہ و بارک وسلم۔**

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآىِٕفَةً

پھر اتارا اللہ نے تم پر غم کے بعد امن یعنی اونگھ جو چھا جاتی تھی تم میں سے ایک گروہ پر

پھر تم پر غم کے بعد چین کی نیند اتاری کہ تمہاری ایک جماعت کو گھیرے تھی

مِّنْكُمْ ۙ وَطَآىِٕفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ

اور دوسرا گروہ بے شک غم میں ڈال دیا تھا ان کو ان کی جانوں نے گمان کرتے تھے اللہ پر ناحق

اور ایک گروہ کو اپنی جان کی پڑی تھی اللہ پر بے جا گمان کرتے تھے جاہلیت کے سے گمان

ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ

کہتے تھے کیا ہے ہمارے لئے اس کام میں کچھ اختیار فرماؤ بے شک اختیار سارا اللہ

کہتے کیا اس کام میں کچھ ہمارا بھی اختیار ہے تم فرما دو کہ اختیار تو سارا اللہ کا

كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا

کا ہے چھپاتے تھے اپنے دلوں میں وہ جو نہیں ظاہر کرتے تھے آپ کے لئے کہتے تھے اگر ہوتا ہمارے لئے

ہے اپنے دلوں میں چھپاتے ہیں جو تم پر ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں ہمارا کچھ بس ہوتا تو ہم

مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ

اس کام میں کچھ اختیار تو نہ قتل کئے جاتے ہم اس جگہ فرما دو اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں تو البتہ نکل آتے وہ جن

یہاں نہ مارے جاتے تم فرما دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے تب بھی جن کا مارا جانا لکھا جا چکا

كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ

پر قتل ہونا لکھا گیا تھا اپنی قتل گاہوں کی طرف اور تاکہ آزمائے اللہ وہ جو

تھا اپنی قتل گاہوں تک نکل کر آتے اور اس لئے کہ اللہ تمہارے سینوں کی بات آزمائے

www.alahazratnetwork.org

صُدُوۡرِکُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ

تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ ظاہر کرے وہ جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ جانتا ہے سینہ والی

اور جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے کھول دے اور اللہ دلوں کی بات

الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾

باتوں کو

جانتا ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: گزشتہ آیتوں میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا' اور یہ فتح اسی وقت ہو سکتی ہے جب مسلمانوں کے دل سے کفار کا خوف جاتا رہے' گویا انہیں امن چین میسر ہو' اب اس آیت میں اسی امن چین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ گویا فرمایا جا رہا ہے کہ فتح کی تمہید تو جنگ احد میں ہی قائم ہو چکی تھی کہ تمہیں وہاں نیند آگئی تھی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں احد کے دو حالوں کا ذکر ہوا تھا' ابتدائی حال مومنوں کی فتح' درمیانی حال مومنوں کا اپنی غلطی سے ہزیمت پا جانا' اب آخری تیسرے حال کا ذکر ہے یعنی ہزیمت کے بعد دلوں میں قدرتی طور پر چین آجانا' حتیٰ کہ ان کا اونگھ جانا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ نے تمہیں احد میں غم پر غم دیئے' جس سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید رب تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا تھا' اب اس شبہ کو دور فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں ہم ان سے راضی ہی تھے' جس کا ثبوت یہ ہے کہ ہم نے ان کے دلوں میں سکینہ اور چین اتار دیا' جو پیاروں کے دلوں میں اتارا جاتا ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات سے شبہ ہوتا تھا کہ احد میں مسلمان شکست کھا گئے اور کفار جیت گئے' اس آیت میں یہ شبہ دفع کیا جا رہا ہے' او ر بتایا جا رہا ہے کہ ان پر تکلیف آئی تھی' شکست نہیں آئی' شکست خوردہ قوم اپنی جگہ ڈٹی نہیں رہتی' او ر وہاں چین سے سویا نہیں کرتی' جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھ مسلمانوں کی جماعت مورچوں پر قائم رہی اور کفار جلدی میدان سے نکل گئے تو مسلمانوں کو شکست کیسے ہوئی؟

شان نزول: ابن جریر نے سدی سے روایت کی' کہ مشرکین مکہ احد سے لوٹتے وقت نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بولے کہ اگلے سال بدر میں پھر ہمارا آپ کا مقابلہ ہو گا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ضرور' مسلمانوں کو خطرہ ہوا کہ کہیں یہ کفار ابھی جاتے ہوئے مدینہ پر حملہ نہ بول دیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو بھیجا' اور فرمایا دیکھو تو وہ کیا کر رہے ہیں' اگر اپنے گھوڑوں پر سوار ہو رہے ہوں' تو سمجھ لو کہ ان کی نیت بری ہے' وہ مدینہ پر حملہ کرنا چاہتے ہیں' ان کے مقابلہ کے لئے تیار ہو جاؤ' اور اگر وہ سامان باندھ کر اونٹوں پر لاد رہے ہیں تو سمجھ لو کہ وہ گئے' قاصد نے آکر بتایا کہ وہ بہت تیزی سے سامان باندھ کر بھاگنے کی کوشش کر رہے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ گئے' مسلمان کچھ تو پہلے ہی سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے تھے اور جو متفرق بھی تھے' ان میں بھی اضطراب نہ رہا' اللہ کی شان کہ اسی حال میں احد والوں کے دو گروہ ہو گئے' ایک وہ جن پر قدرتی طور پر اونگھ چھا گئی' ان کا یہ حال تھا کہ بار بار ان کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ جاتی تھی' پھر

www.alahazratnetwork.org

اٹھاتے تھے' چنانچہ حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ کئی دفعہ میرے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی' جسے میں نے کئی دفعہ اٹھایا' حالانکہ ابھی ہم صف بستہ ہی تھے' حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں' میں نے خود اپنے کو دیکھا کہ سخت خطرناک حالت میں اونگھ رہا تھا اور تلوار میرے ہاتھ سے گر گر جاتی تھی۔ ترمذی شریف میں حضرت انس سے مروی ہے کہ احد کے دن سارے ہی مسلمان تلواریں اور ڈھالیں ہاتھوں میں لئے اونگھ رہے تھے' ان کا اونگھ سے جھومنا گویا میں اب دیکھ رہا ہوں' دوسری جماعت کا سخت خراب حال تھا' پراگندہ خیال تھا' چہرے اترے ہوئے تھے' سونا تو کیا انہیں قرار بھی نہ تھا' کبھی کہتے ہم ناحق یہاں آگئے' کبھی کہتے ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرو مگر ہماری نہ مانی گئی' کبھی کہتے کہ نہ مسلمان یہاں آتے' نہ مارے جاتے' اس دن امن چین اور نیند مخلص مومن کی علامت تھی اور بدحواسی' پریشانی منافق کی پہچان' اس آیت کریمہ میں یہی حالات دکھائے گئے ہیں' اور اسی موقعہ پر آیت کریمہ نازل کی گئی (تفسیر روح المعانی و خازن)۔

تفسیر: **ثم انزل علیکم**' **ثم** حرف عطف ہے' اور یہ جملہ **اثابکم** پر معطوف' چونکہ یہ نیند کو رہ غم کے کچھ بعد تھی' اس لئے **ثم** ارشاد ہوا' **انزل** کا فاعل رب تعالیٰ ہے' کیونکہ یہ نیند غیبی طریقہ پر رب تعالیٰ کی طرف سے اتری تھی' ورنہ ایسے مواقع پر نیند کے آتی ہے' نیند تو سکون و چین چاہتی ہے' **علیکم** میں مخلصین صحابہ سے خطاب ہے' کہ انہی کو نیند آئی تھی جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہو رہا ہے **من بعد الغم امنۃ نعاسا**" غم کی تحقیق اور اس کے معانی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے' بعض نے فرمایا کہ امان' امن' **امنۃ** تینوں ہم معنی ہیں' یہ **امن** یا **من** کا مصدر ہے جیسے **عظمۃ** اور **غلبۃ** مگر تفسیر صاوی و خازن نے فرمایا کہ امن وہ چین و سکون ہے جو زوال خوف کے ساتھ ہو' اور **امنۃ** وہ سکون قلبی ہے جو خوف و اسباب خوف کی موجودگی میں ہو' چونکہ احد میں مسلمانوں کو یہ امن خطرناک حالت میں ہی نصیب ہوا تھا اس لئے یہاں **امنۃ**" فرمایا گیا' **امنۃ**" **انزل** کا مفعول بہ ہے' اور **نعاسا**" اس کا عطف بیان یا بدل' بعض نے فرمایا کہ **انزل** کا مفعول بہ **نعاسا**" ہے اور **امنۃ**" اس **نعاسا**" کا یا حال مقدم ہے یا مفعول بہ' لہٰذا اس جملہ کے کئی معنی ہیں' یعنی اے مخلص غازیو! رب تعالیٰ نے تم پر یہ کرم کیا' کہ ایسی پریشانی میں ایسے غم کے بعد تم پر اپنی طرف سے دلی چین و اطمینان اتارا' جو اونگھ کی شکل میں تھا' یا امن کے لئے اونگھ اتاری' **نعاس** ہلکی نیند کو کہتے ہیں یعنی اونگھ' **سنۃ** اور **نعاس** قریباً ہم معنی ہیں **یغشی طائفۃ**" **منکم**' **یغشی**' **غشی** سے بنا' معنی چھا جانا اور ڈھانپ لینا' اسی لئے موٹے پردے کو **غشاوہ** کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اندر کی چیز چھپائے ہوتا ہے' **طائفۃ**' **طوف** سے بنا' معنی گھومنا' اسی سے طواف ہے' چھوٹی جماعت کو **طائفہ** اس لئے کہتے ہیں کہ ان کے معاملات و ضروریات آپس میں دائر ہوتے ہیں' کہ ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کی ضرورت ہوتی ہے' سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس طائفہ سے مراد مہاجرین اور عام انصار ہیں' **منکم** سے معلوم ہوا کہ یہ نیند سب کو نہیں آئی یعنی سب کے لئے تھی' چھائی بعض پر' اسی لئے **انزل** کے بعد **علیکم** تھا' اور **یغشی** کے بعد **منکم** ہماری قرات میں **یغشی** ہے' ی سے' جس کا فاعل **نعاس** ہے' بعض قرأتوں میں **تغشی** ہے ت سے' جس کا فاعل **امنۃ** ہے' یعنی وہ نیند تم حاضرین احد میں سے ایک گروہ پر چھا گئی' یعنی **مخلصین** پر' **کم** سے مراد حاضرین احد ہیں اور **من** تبعیضیہ' اور ہو سکتا ہے کہ **کم** سے مراد مومنین ہوں' اور **من** بیانیہ' یعنی ساری مومن جماعت پر نیند چھا گئی **و طائفۃ قد اھمتھم انفسھم** اس طائفہ سے

www.alahazratnetwork.org

مراد منافقین ہیں' عبداللہ ابن ابی معتب ابن قشیر کے ساتھی' چونکہ یہ مومن نہ تھے اس لئے یہاں منکم نہ فرمایا گیا' اهمت اھمام سے بنا' بمعنی غم میں ڈالنا' انفس' نفس کی جمع ہے بمعنی جان و ذات طائفہ موصوف ہے' قد اھمت الخ صفت یظنون خبر اول' یقولون الخ خبر دوم (تفسیر کبیر) اور ہو سکتا ہے کہ قد اھمت بھی اس کی خبر ہی ہو' یعنی میدان احد میں ایک گروہ وہ بھی تھا جنہیں صرف اپنی جان کا غم اور ذات کی فکر تھی' نہ اسلام کی فکر تھی' نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی' اس لئے انہیں نیند اور چین کہاں۔ یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ' یظنون ظن سے بنا بمعنی بدگمانی' اسی لئے آگے غیر الحق فرمایا گیا' جس سے مراد وہ بدگمانی ہے جو باعث کفر ہے' ظن الجاھلیۃ غیر الحق کا بدل ہے' جاہلیت سے پہلے اہل پوشیدہ ہے' یعنی یہ منافقین اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی بدگمانیاں کرتے تھے' جیسے جاہلیت والے یعنی مشرکین کیا کرتے تھے' مثلاً یہ کہ رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کرے گا یہ کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہوتے تو کفار کے ہاتھوں شہید کیوں ہوتے یا یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت سے اسلام ختم ہو گیا' اب ہم کو پرانے دین کی طرف لوٹ جانا چاہئے' پہلی بدگمانی بلاواسطہ اللہ تعالیٰ پر بدگمانی ہے' اور دوسری' تیسری بدگمانیاں بلاواسطہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر ہیں' اور بالواسطہ رب تعالیٰ پر' بہرحال باللہ فرمانا بالکل درست ہے' یقولون ھل لنا من الامر من شیء' یقولون قول سے بنا بمعنی کہنا' یا تو اپنے دل میں کہنا مراد ہے' یعنی سوچنا' تب تو یہ یظنون کا بیان ہے' اور یا آپس میں ایک دوسرے منافق سے کہنا مراد' تب یہ ان کا دوسرا عیب ہے' ھل استفہام انکاری ہے' الامر سے مراد فتح و نصرت ہے شیء سے مراد حصہ یعنی وعدہ تو ہم سے یہ کیا گیا تھا کہ پروردگار مسلمانوں کی مدد کرے گا' مگر دیکھ لو پوری مدد تو کیا ہوتی' کیا ہمیں مدد کا کچھ حصہ بھی ملا یعنی کچھ نہ ملا' سارے وعدے غلط تھے (روح المعانی) تفسیر کبیر و خازن نے اس جملے کے کچھ اور بھی معنی بیان کئے' وہ یہ کہ امر سے مراد مشورہ ہے اور مطلب یہ ہے کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان مسلمانوں نے ہمارے مشورہ میں سے کچھ بھی مانا' ہم نے پہلے ہی کہا تھا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرو میدان میں نہ جاؤ' یہ نہ مانے' اب سزا بھگتیں' اس صورت میں لنا سے پہلے قبل پوشیدہ ہے' من شیء اس کا نائب فاعل' اصل عبارت یوں تھی ھل قبل من امرنا و مشورتنا شیء اور بھی اس جملے کے بہت معنی کئے گئے ہیں' اس کی تفسیر وہ آیت ہے لو اطاعونا ما قتلوا' قل ان الامر کلہ للہ یہ ان کی بکواس کا جواب ہے' جیسے ان کے کلام کے چند معنی تھے' ایسے ہی اس جملہ کے بھی چند معنی ہوں گے' کہ امر سے مراد یا نصر و ظفر ہے' یا قضاء و قدر یعنی نصرت و فتح سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے' اس پر کسی کا دعویٰ نہیں' جو اس کی اطاعت کرے گا فتح پائے گا' ہمارے بعض غلطی کر گئے' فتح نہ ہوئی' یا سارا اختیار اللہ تعالیٰ کا ہے' مدینہ سے نکل کر ہمارا یہاں آجانا اس رب تعالیٰ کے ارادے سے ہوا' سبحان اللہ کیسا پاکیزہ جواب ہے یخفون فی انفسھم ما لا یبدون لک' یخفون اخفاء سے بنا بمعنی دل میں چھپانا' یا کسی سے خفیہ" کہنا' انفس سے مراد یا ان کے دل ہیں یا دلی دوست' یبدون' ابداء سے بنا بمعنی ظاہر کرنا لک سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا آپ اور آپ کے تابع سارے مسلمان' یعنی اپنے دلوں میں وہ بدعقیدگیاں اور برے خیالات چھپائے ہوئے ہیں جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے' ظاہر تو یہی کرتے ہیں کہ ہم مومن ہیں مگر ہیں بڑے بے ایمان یا وہ آپس میں ایک دوسرے منافق سے ایسی بے ایمانی کی باتیں کرتے ہیں' جو مسلمانوں کے سامنے نہیں کر سکتے' یقولون لو کان لنا من الامر شیء ما قتلنا ھھنا اس جملہ کے بھی کئی معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ الامر سے

www.alahazratnetwork.org

مراد فتح و نصرت ہے' جس کا مسلمانوں سے وعدہ مشروط کیا گیا تھا' یا امر سے مراد ان کا وہی مشورہ ہے' جو ابھی عرض کیا گیا یا امر سے مراد اختیار ہے' یعنی اگر فتح و نصرت میں سے کچھ حصہ بھی ہمیں مل جاتا تو ہم یہاں نہ مارے جاتے' جھوٹے وعدوں نے ہمیں مروا دیا' یا اگر ہمارا مشورہ کچھ بھی مان لیا جاتا تو ہم یہاں یوں قتل نہ ہوتے' یا اگر ہمیں جنگ میں آنے نہ آنے کا اختیار ہوتا تو نہ ہم یہاں آتے اور نہ مارے جاتے' ہم آئے نہیں بلکہ لائے گئے ہیں' خود مرے نہیں' بلکہ مروائے گئے ہیں **قل لو کنتم فی بیوتکم لبرز الذین کتب علیہم القتل الی مضاجعہم** یہ جملہ ان کی دوسری بکواس کا جواب ہے' اور **لو کنتم** میں منافقین سے خطاب ہے' **بیوت** سے مراد یا گھر ہیں یا گھروں کی اندرونی کوٹھڑیاں' **کنتم** کے معنی ہیں ہوتے تم یا رہتے تم' **لبرز' بروز** سے بنا' معنی ظہور یا خروج' اسی لئے میدان کو براز کہتے ہیں کہ اس میں پہنچ کر آدمی ظاہر ہو جاتا ہے' **کتب** سے لوح محفوظ کی تحریر مراد ہے' **مضاجع مضجع** کی جمع ہے' جس کا مادہ **ضجع** ہے' معنی لیٹ جانا' کروٹ کو زمین پر لگانا' یا سو جانا' اسی لئے بستر کو **مضجع** کہا جاتا ہے' کہ وہاں انسان سوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **تتجافی جنوبہم عن المضاجع** یہاں اس سے قتل گاہ مراد ہے' کیونکہ وہ انسان کی آخری آرام گاہ ہوتی ہے' یعنی اے منافقو! اگر تم لوگ اپنے اپنے گھروں میں ہی بیٹھ رہتے اور احد کے میدان میں نہ آنے کا فیصلہ کر لیتے' جب بھی جس کی موت جہاں لکھی تھی' وہ کسی نہ کسی وجہ سے اپنی قتل گاہ تک ضرور پہنچتا اور وہیں جا کر مارا جاتا' تدبیر سے تقدیر نہیں بدلتی' موت کی جگہ اور وقت مقرر ہیں' یا اے منافقو! اگر تمہارا مشورہ مان لیا جاتا اور تمام لوگ مدینہ ہی میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرتے' تب بھی جسے جہاں مرنا تھا' وہیں پہنچ کر مرتا اور بھی اس کے کئی معنی ہیں **و لیبتلی اللہ ما فی صدورکم** واؤ ابتدائیہ ہے اور **صدورکم** کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے (وقع ہذا) یا واؤ عاطفہ ہے' جس کا معطوف علیہ پوشیدہ ہے' **کم** میں خطاب منافقین سے ہے' **ما** سے مراد نفاق وغیرہ ہیں' یعنی بدر میں جو کچھ ہزیمت وغیرہ ہوئی' اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو چھوڑ دیا ہے' بلکہ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ تمہارے دلی نفاق کی جانچ ہو جائے اور سارے مسلمان تمہارے کردار سے تمہیں پہچان لیں **ولیمحص ما فی قلوبکم** یہ واؤ عاطفہ ہے اور جملہ **لیبتلی** پر معطوف' **یمحص' تمحیص** سے بنا' معنی **تخلیص** یا اظہار' **ما** سے مراد وسوسے اور برے عقیدے ہیں چونکہ اعتقاد اور وسوسے دل میں رہتے ہیں' اس لئے یہاں **قلوب** فرمایا گیا' بعض نے فرمایا کہ اسلام کی جگہ سینہ ہے' اور ایمان کی جگہ دل' مشاہدہ کی جگہ فواد اور توحید کی جگہ لب' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام** جس کا سینہ اللہ نے اسلام کے لئے کھول دیا' اسلام کے لئے سینہ استعمال کیا گیا' اور فرماتا ہے **اولئک کتب فی قلوبہم الایمان** ان کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا' دیکھو ایمان کے لئے دل فرمایا گیا' یعنی یہ واقعہ اس لئے ہوا کہ اے منافقو! اللہ تمہارے دل کے نفاق اور وسوسے ظاہر فرمائے' یا اے مسلمانو! تمہارے دل کا ایمان و اخلاص اللہ ظاہر فرمائے' یہ سب کچھ تم پر ظاہر کرنے کے لئے ہے' ورنہ **واللہ علیم بذات الصدور** اللہ تو ہمیشہ سے ہی ہر ایک کے دل کی بات جانتا ہے' یہ امتحان وغیرہ اس کے علم کے لئے نہیں' **علیم' عالم' علام** کے فرق بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' **ذات ذو** کا مونث ہے' اصل میں **ذوۃ** تھا' فتح ما قبل کی وجہ سے واؤ الف بن گیا **ذو** کے معنی والا اور **ذات** کے معنی والی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! احد میں جو واقعہ در پیش آیا' اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ ہمارا وعدہ نصرت غلط تھا' یا ہم تم سے ناراض

www.alahazratnetwork.org

ہو گئے تھے' تم تو ہمارے حبیب کے امتی ہو ہم تم سے ناراض کیوں ہوں' بلکہ تمہاری کچھ اپنی غلطی تھی جس سے یہ حادثہ پیش آیا' ورنہ ہم تو تم پر ویسے ہی مہربان ہیں' اس کا ثبوت یہ ہے کہ اسی احد کے میدان میں ایسی مصیبت کی حالت میں ہم نے تمہارے دلوں پر سکینہ اتارا' جس سے تمہارے قلبوں کو چین آگیا' اور ایسا چین و سکون نصیب ہوا کہ تم اونگھنے لگے' حضرت زبیر فرماتے ہیں کہ اس دن کیفیت یہ تھی کہ جس کو دیکھو وہ جھوکے کھا رہا ہے' اور اس کی ٹھوڑی سینہ سے لگی ہوئی ہے' حتیٰ کہ بعض خراٹے لے رہے تھے' ان اونگھنے والوں میں میں بھی تھا اسی حالت میں میں نے معتب ابن قشیر کا یہ کلام سنا کہ اگر ہمارا اختیار ہوتا تو ہم کیوں مارے جاتے' میں نے ایسے سنا جیسے خواب میں سن رہا ہوں (معانی) اے مسلمانو! یہ چین و سکون اور لوگ کھرے کھوٹے میں فرق کا باعث تھی کہ مخلصین تو اللہ رسول کے وعدہ پر مطمئن تھے' مزے سے خراٹے لے رہے تھے' مگر منافقین جنہیں ان وعدوں پر اعتماد نہ تھا انہیں اس وقت اپنی جانوں کے لالے پڑے تھے' چہرے اترے ہوئے تھے' رنگ زرد تھے' دل میں سوچتے تھے کہ اللہ رسول نے ہم سے وعدے غلط کئے تھے' اگر وعدے سچے ہوتے تو ہم پر یہ آفت کیوں آتی' اور دبی زبان سے یہ کہتے تھے کہ پہلے ہماری رائے نہ مانی گئی' اگر مسلمان ہماری بات مان لیتے اور مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ کرتے تو یہ نوبت کیوں آتی' اے محبوب ان بے عقلوں سے فرمادو کہ ہر چیز کا اختیار اللہ کو ہے' اس کا فیصلہ اٹل ہے' اے محبوب یہ منافق بڑے بد طینت ہیں' ان کے دلوں میں وہ بھرا ہوا ہے جو زبان سے ظاہر نہیں کرتے' یہ جو کچھ ان کے منہ سے نکل جاتا ہے ان کے دلوں کی بات کا ایک شمہ ہے' یہ تو آپس میں یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو یہاں جبراً لائے گئے ہیں' اپنی خوشی اور اختیار سے نہیں آئے' اگر ہماری چلتی تو یہاں کیوں آتے اور کاہے کو مارے جاتے' فرمادو کہ بے وقوفو! کیا تم قدرت کا مقابلہ کرسکتے ہو' اور کیا تم حکم الٰہی پھیر سکتے ہو؟ اگر تم اپنے گھروں میں بھی رہتے تو بھی جس کو جہاں مرنا تھا' وہ کسی نہ کسی وجہ سے وہاں پہنچتا اور وہیں مارا جاتا' موت کا وقت اور اس کی جگہ کا پروگرام پہلے سے بن چکا ہے' جس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی' اے مسلمانو! حادثات احد بیکار نہیں ہوئے' اس میں صدہا حکمتیں ہیں' چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے تم سب کے دلوں کے حالات ظاہر کردیئے' اور تمہارا امتحان بھی لے لیا' احد کا میدان ایک یونیورسٹی تھی' جس میں آکر مخلصین پاس ہوئے' منافقین فیل' اور یہاں کی آفات کسوٹی تھیں' جس سے کھرے کھوٹے پرکھ لئے گئے' یہ سب کچھ تمہارے لئے کیا گیا' تاکہ تم اپنے پرائے کو پہچان لو' ورنہ رب تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہر ایک کے دل کی ہر بات جانتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مومنوں پر کبھی سکینہ نازل فرماتا ہے' جس کی برکت سے مصیبتوں میں مومن کا دل نہیں گھبراتا' یہ اس کی خاص مہربانی ہوتی ہے' دیکھو جب بنی اسرائیل طالوت کے ساتھ جالوت کے مقابل بھیجے گئے تو ان پر تابوت اور سکینہ اترا' جس کا ذکر تیسرے پارہ میں ہوچکا' ہجرت کی رات غار ثور میں صدیق اکبر پر سکینہ اتارا' جس کا ذکر سورۂ فتح شریف میں تفصیل سے ہے' ایسے ہی جنگ احد میں مسلمان غازیوں پر سکینہ اترا' جس سے انہیں چین آگیا' یہ سکینہ انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک مسلمانوں پر وقتاً "فوقتاً" آتا ہی رہے گا' بشرطیکہ مسلمان مسلمان رہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جنگ احد میں اگرچہ عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کو لے کر واپس لوٹ گیا تھا مگر پھر بھی کچھ منافق اپنی بدنامی کے خوف سے بادل ناخواستہ جنگ میں شریک ہوگئے تھے' جیسا کہ **و طائفۃ** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات صحابہ پر

www.alahazratnetwork.org

منافق اور مخلص ظاہر ہو چکے تھے' رب تعالیٰ نے بہت ذریعوں سے ان کی چھانٹ فرمادی' ان میں سے جنگ احد کی یہ نیند بھی تھی' جس پر نیند طاری تھی وہ مخلص تھا اور جس پر دہشت تھی وہ منافق تھا جو کہے کہ مخلص و منافق کی پہچان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہ تھی' وہ اس آیت کا منکر ہے' اور جو کہے کہ حضرات صدیق و فاروق منافق تھے مگر اہل بیت کو اس کا پتہ نہ چلا' وہ بھی ان آیات کا منکر ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **حتی یمیز الخبیث من الطیب** ہم مخلصین و منافقین کو مخلوط نہ رہنے دیں گے' ان کو چھانٹ دیں گے۔ **چوتھا فائدہ:** مصیبتوں میں گھبرا کر اسلام یا رب تعالیٰ پر اعتراض کرنا اور رب تعالیٰ کی شکایتیں کرنا منافقوں کا کام ہے' اور ایسے موقعہ پر اپنے کو گنہگار جان کر توبہ کرنا مخلصین کا طریقہ ہے۔ **پانچواں فائدہ:** نیکی کر کے پچھتانا یا گناہ نہ کرنے پر نادم ہونا طریقہ ء کفار ہے' جس سے کی ہوئی نیکی ناکردہ بن جاتی ہے اور ناکردہ گناہ کیا ہوا بن جاتا ہے' دیکھو جنگ احد میں شریک ہونا نیکی تھا اور یہاں نہ آنا گناہ' مگر منافقین یہاں آنے پر نادم ہوئے' اور وہاں نہ رہ جانے پر پچھتائے' جس سے ان کا آنا بیکار ہو گیا' مومن کو چاہئے کہ گناہ کر لینے یا نیکی نہ کرنے پر پچھتائے اور نیکی کرنے و گناہ سے بچنے پر خدا تعالیٰ کا شکر کرے' یہ ندامت و پچھتاوا بھی عبادت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ راضی برضا رہے' اور سمجھے کہ جو ہوا' وہ ہونا ہی تھا' اور جو نہ ہوا وہ ہو سکتا ہی نہ تھا' زیادہ اگر مگر بے توکلی بتاتی ہے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے' دیکھو منافقین نے کہا تھا کہ اگر ہماری بات مانی جاتی' تو یہ تکلیف کیوں آتی' اگر ہم یہاں نہ آتے تو مارے کیوں جاتے' رب تعالیٰ نے ان کی اس بکواس پر عتاب فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** وقت موت کی طرح موت کی جگہ بھی مقرر ہے' جہاں انسان لا محالہ پہنچ کر مرتا ہے' جیسا کہ **الی مضاجعھم** سے معلوم ہوا ان باتوں کی اطلاع ملک الموت ان کے معاون فرشتوں اور حضرات انبیاء و اولیاء کو دے دی جاتی ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے ایک دن پہلے نقشے کھینچ کر بتا دیا تھا کہ یہاں کل فلاں کافر مارا جائے گا' اور یہاں فلاں' حضرت علی شیر خدا نے ایک بار میدان کربلا سے گزرتے ہوئے خطے مقرر کر دیئے تھے' کہ یہاں فلاں شہید ہوں گے یہاں فلاں' اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ **آٹھواں فائدہ:** دوست و دشمن کی پہچان اور کھرے کھوٹے کی چھانٹ مصیبتوں میں ہوتی ہے' جیسا کہ **و لیمحص** الخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** امتحان لینا ممتحن کی بے علمی کی دلیل نہیں' کبھی امتحان دوسروں پر ظاہر کرنے کے لئے لیا جاتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے' مگر اس نے احد میں اپنے بندوں کا امتحان لیا' اور ہمیشہ لیتا رہتا ہے۔

پہلا اعتراض: منافقین تو احد سے پہلے ہی چلے گئے جن کی تعداد تین سو تھی' جو عبداللہ ابن ابی کے ماتحت تھے' پھر یہاں احد میں دو گروہوں کا ذکر کیوں فرمایا گیا؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ بعض ڈرپوک منافق اپنا راز آؤٹ ہو جانے کے خوف سے احد میں رہ بھی گئے تھے' انہی کو یہاں طائفہ فرمایا گیا' اور ہو سکتا ہے کہ لوٹ جانے والوں منافقوں کا ہی یہ حال ہوا ہو کہ مسلمان تو میدان جنگ میں بھی رو کر او نگھ رہے تھے اور چین میں تھے مگر منافق گھروں میں پہنچ کر بھی بے چین تھے' انہیں یہاں طائفہ فرمایا گیا' لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے اس سے قبل کہا ہے کہ احد میں کوئی منافق نہیں مارا گیا' وہاں شہید ہونے والے سارے مخلص مومن تھے مگر یہاں فرمایا گیا **ما قتلنا ھھنا** کہ اگر ہم اختیار والے ہوتے تو یہاں کیوں مارے جاتے۔ **جواب:** یہ منافقین اپنے کو زمرۂ مومنین میں ظاہر کرتے تھے اور مسلمانوں کے قتل کو اپنی جماعت کا قتل کہتے

www.alahazratnetwork.org

تھے' یہ بھی ان کا فریب تھا' یہاں وہ یہی کہہ رہے ہیں کہ ہائے افسوس ہمارے کتنے مسلمان شہید ہو گئے' لہٰذا آیت واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں منافقین کے دو قول نقل کیے گئے' ایک **هل لنا من الامر من شیء** اور دوسرا **لو کان من الامر شیء** ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ بظاہر تکرر کلام معلوم ہوتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ پہلے امر سے مراد وہ مشورہ ہے جو انہوں نے مسلمانوں کو دیا تھا کہ جنگ کے لئے باہر نہ جاؤ اور دوسرے امر سے مراد خود ان کا اپنا جنگ میں آنا ہے' منافقین کو ایک رنج تو یہ تھا کہ اس مشورہ میں ہماری رائے کیوں قبول نہ ہوئی اس میں ہماری توہین ہو گئی' جسے انہوں نے **لو کان لنا** الخ سے بیان کیا لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ منافقین اپنے دلوں میں وہ باتیں چھپائے ہوئے ہیں' جو آپ پر ظاہر نہیں کرتے' مگر **یقولون** سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ ظاہر کر گئے تھے' ان دو جملوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ ظاہر کرنا اور ہے' اور بے اختیار ظاہر ہو جانا کچھ اور' مطلب یہ ہے کہ' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ باتیں ان کے منہ سے بے اختیار نکل جاتی ہیں' جس سے ان کا نفاق ظاہر ہو جاتا ہے' ورنہ وہ اپنا نفاق ظاہر کرنا چاہتے نہیں' دوسرے یہ کہ جو کچھ ظاہر کرتے ہیں وہ بہت کم ہے' جو ان کے دل میں ہے' وہ بہت زیادہ ہے' ظاہر صرف یہ کیا کہ ہم یہاں کیوں آ گئے' نہ آتے تو اچھا تھا' مگر دل میں یہ ہے کہ اسلام غلط ہے' رب تعالیٰ کے وعدے جھوٹے ہیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول نہیں ہیں' اگر یہ سب کچھ درست ہوتا تو ہم احد میں ہزیمت کیوں پاتے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **و لیبتلی** کے بعد **صدور** فرمایا گیا' اور **و لیمحص** کے بعد **قلوب** ارشاد ہوا' اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا چکا کہ سینہ محبت یا کینہ کا گنجینہ ہے' وسوسے یا الہامات سینہ میں ہوتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوسوس فی صدور الناس** اور کفر و ایمان' نفرت و میلان دل میں رہتے ہیں' یہاں فرمایا یہ گیا کہ واقعہ احد میں مومنوں کے ایمان اور منافقوں کے کفر کا بھی امتحان تھا' اور ان کے نفرت و میلان' وسوسوں اور الہام کی بھی جانچ تھی' بعض صرف مدینہ میں رہتے تھے' اور بعض کے سینوں میں مدینہ آباد تھا' ایک جنگ احد نے ان سب کو نکھار کر رکھ دیا' اور سب کو ایک دوسرے سے ممتاز کر دیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے ایک جانور ایسا پیدا فرمایا جو پانی میں بھی رہتا ہے' خشکی میں بھی اور ہوا میں بھی اڑتا ہے' جسے مرغابی کہتے ہیں' کہ وہ مرغ بھی ہے اور آبی بھی' یعنی تیرندہ اور پرندہ بھی بلکہ چلندہ بھی اسے قدرت نے اڑنے کے لئے پر بھی دیئے ہیں چلنے کے لئے پیر بھی اور تیرنے کے لئے پنجوں میں جالی بھی' جس سے وہ دریا میں تیرنے کے لئے چپو کا کام بھی لیتا ہے' ایسے ہی رب تعالیٰ نے مومن کامل کو وہ قوتیں بخشی ہیں کہ وہ مصائب کے سمندر میں صبر کے بازوؤں سے تیر بھی لیتا ہے' راحتوں کی فضاؤں میں شکر کے پروں سے اڑ بھی لیتا ہے' اور نارمل حالات کے میدانوں میں عبادات کے پیروں سے چل بھی لیتا ہے' ایسا بندہ کامل ہے' اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کو چھانٹنے کے لئے **بدر و احد** کے میدان قائم فرمائے' کوئی کمزور صبر کے دریا کو طے نہیں کر سکتا' اور کوئی ضعیف نعمتوں کی فضاؤں میں اڑ نہیں سکتا' اور کوئی عبادات میں کچا نکلتا ہے' مبارک ہے وہ بندہ جو ہر طرح پختہ ہو' حضرات صحابہ نے بدر کے میدان میں شکر کے پروں سے اڑ کر دکھا دیا' اور احد کے بحر ناپید اکنار میں صبر کے بازوؤں سے تیر کر دکھلا دیا' اب رب تعالیٰ ان سے راضی ہو چکا' وہ رب تعالیٰ سے راضی' یہ مصیبتیں اور راحتیں انسان کی امتحان گاہ ہیں'

ہر حال میں راضی رہنے والے مرد کامل ہیں' انہی سے شیطان گھبراتا ہے۔

حکایت: حضرت جنید بغدادی نے شیطان کو خواب میں ننگا دیکھا' فرمایا تو لوگوں سے حیا کیوں نہیں کرتا؟ وہ بولا' یہ لوگ ہی نہیں بلکہ لوگوں کے لباس میں کوڑا ہیں' لوگ وہ ہیں جو شونیزیہ مسجد میں رہتے ہیں' انہوں نے میرا کلیجہ پھاڑ دیا' اور میرا جسم فنا کر دیا' حضرت جنید فرماتے ہیں' میں بیدار ہو کر اس مسجد میں گیا' وہاں ایک قوم کو دیکھا' جو بحر فکر میں ڈوبی ہوئی ہے' وہ حضرات مجھے دیکھ کر بولے' اے جنید! اس خبیث کی حدیث (یعنی بات) سے دھوکا نہ کھانا' دل کے تنور میں نور معرفت چمکاؤ' تاکہ ناری شیطان اس کے قریب بھی نہ آ سکے' شیطان لاٹھی سے نہیں ڈرتا' وہ نور معرفت سے خوف کرتا ہے (از روح البیان مع زیادت)۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ

بیشک وہ لوگ جو پیٹھ پھیر کر تم میں سے اس دن کو پھر گئیں دو جماعتیں پھر اس کے نہیں کر انہیں

بیشک وہ جو تم میں سے پھر گئے جس دن دونوں فوجیں مل تھیں انہیں شیطان ہی نے لغزش

الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ

شیطان نے پھسلا دیا بوجہ بعض ان کے اعمال کے جو انہوں نے کئے اور بیشک معاف فرما دیا انکو اللہ نے

دی ان کے بعض اعمال کے باعث اور بے شک اللہ نے انہیں معاف فرما دیا بے شک اللہ

غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾

بیشک اللہ بخشنے والا حلم والا ہے

بخشنے والا حلم والا ہے

تعلق: اس آیت کے گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں میدان احد میں مسلمانوں کی ہزیمت کی حکمتیں بیان فرمائی گئیں کہ اس سے کھرے کھوٹے کی جانچ مقصود تھی' اب اس ہزیمت کا سبب بیان فرمایا جا رہا ہے' کہ یہ واقع کیوں ہوئی' تاکہ مسلمان آئندہ اس چیز سے بچیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں تقدیر خداوندی کا ذکر تھا کہ احد میں جو کچھ ہوا' ہمارے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہوا' یہ پہلے ہی سے ہمارے علم میں آ چکا تھا' اب بندہ کی تدبیر کا ذکر ہے کہ چونکہ تم سے تدبیر میں بعض غلطیاں ہوئیں' اس لئے ان چیزوں کا ظہور ہوا' تمہیں چاہئے کہ تم صرف تقدیر پر شاکر نہ رہو' بلکہ تدبیریں بھی ٹھیک کرو' مضر چیزوں سے پرہیز تقدیر کے خلاف نہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی ان نعمتوں اور رحمتوں کا ذکر تھا' جو احد میں غازیوں پر نازل ہوئیں' اب شیطان کے ان وسوسوں کا تذکرہ ہے' جن کی بناء پر اسے موقعہ ملا۔

تفسیر: **ان الذین تولوا منکم** چونکہ اس آیت کے مضمون کے انکاری زمانہ رسالت میں بھی تھے' اور آئندہ قیامت تک پیدا ہونے والے بھی تھے' کہ بعض بدبخت احد کے واقعہ کو آڑ بنا کر صحابہ کرام پر تبرا کرتے تھے اور کریں گے اس لئے رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ نے اسے **ان** سے شروع کیا اور درمیان میں **انما** فرمایا اور آخر میں **لقد** کی تاکید فرمائی' تاکہ معلوم ہو کہ اس دھوکا کا ذمہ دار شیطان ہی ہے' اور اس دھوکے کی بناء پر جو کچھ صحابہ سے ہوا' رب تعالیٰ نے بالکل معاف فرمایا **الذین** سے احد کے مخلص غازی مراد ہیں' منافقین اس میں داخل نہیں' کیونکہ معافی مخلصین ہی کی ہوئی' **تولوا**' ولی سے بنا' بمعنی قرب باب تفعل سلب کے لئے ہے' باب افعال بھی اسی لئے آتا ہے' تولی اور **ابلاء** کے لغوی معنی ہیں قرب نہ رہنا' اصطلاح میں پیٹھ پھیرنے' منہ پھیرنے اور بھاگنے کو بھی تولی کہہ دیتے ہیں' تولی بمعنی محبت و دوستی **ولا** بمعنے بنانہ کہ ولی سے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **و من یتولھم منکم فانہ منھم** جو کفار سے دوستی و محبت کرے گا وہ ان میں سے ہوگا' یہاں **تولوا** کا مفعول بہ' وجہہ یا دبرہ اور ظرف **باحد** پوشیدہ ہے' **منکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے' **یوم** سے مراد احد کا دن ہے' **التقاء** سے مراد بھڑ جانا' گتھم گتھا ہو جانا ہے نہ کہ محبت کی ملاقات' **جمعان** سے مراد ایمانی اور ابو سفیانی لشکر ہیں' جن کا مقابلہ احد میں ہوا تھا' یعنی وہ مخلص مسلمان جنہوں نے احد میں اسلامی اور کفار کی فوج کی جنگ کے وقت اپنے چہرے یا پیٹھیں پھیرلیں' یہاں تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ غازیان احد کے تین حصے ہو گئے تھے' ایک حصہ جو وہاں جما رہا' اور ایک حصہ زخمی ہوا' اور ایک حصہ کے قدم اکھڑ گئے' قدم اکھڑنے والوں میں سے بعض وہ تھے جن کے پہلے قدم اکھڑے' مگر وہ فوراً ہی پہاڑ کے پاس جا کر جم گئے اور وہیں کفار سے جنگ کرتے رہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلامتی کی خبر پاکر فوراً وہاں حاضر ہو گئے' ان میں حضرت عمر فاروق بھی تھے' اور بعض وہ حضرات تھے جو قطعاً اپنی جگہ سے نہ ہٹے' بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہے' اور آپ کی حفاظت کرتے رہے' یہ چودہ حضرات تھے' سات مہاجر' ابو بکر صدیق' علی مرتضیٰ اور عبد الرحمن ابن عوف' سعد ابن ابی وقاص' طلحہ ابن عبید اللہ' ابو عبیدہ ابن جراح' زبیر ابن عوام اور سات انصاری خباب ابن منذر' ابو دجانہ' عاصم ابن ثابت' حارث ابن صمہ' سہل ابن حنیف' اسید ابن حضیر' سعد ابن معاذ' یہ تفسیر کبیر اور روح المعانی کی تحقیق ہے' تفسیر خازن نے بھی اس کے قریب ہی کہا' مگر فقیر کو اس میں دو طرح گفتگو ہے' ایک یہ کہ ٹھہرنے والے حضرات اگر صرف تہائی ہوتے تو ان کی تعداد تقریباً دو سو تینتیس ہوتی' کیونکہ غازیان احد کل سات سو تھے اور کفار مکہ تین ہزار' اتنی تعداد کو کفار کی یہ جماعت بالکل فنا کر دیتی' یقیناً ڈٹے رہنے والے بہت زیادہ ہوں گے جنہوں نے کفار کی یلغار روک لی' دوسرے عمر فاروق کا وہاں سے ہٹنا مسلم بخاری کی روایت کے خلاف ہے' تفسیر روح المعانی نے بحوالہ ابن جریر کچھ جرح کے ساتھ اس کو نقل کیا ہے' لہذا حق یہی ہے کہ حضرت عمر اپنے مرکز سے قطعاً نہ ہٹے' ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ اپنی جگہ سے ہٹ کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے ہوں' اس کا نام بھاگنا نہیں' بلکہ اہم مقام پر پہنچ جانا ہے' کیونکہ جب ابو سفیان نے اعلان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابو بکر و عمر شہید ہو چکے' تو اس وقت جناب عمر نے ہی انکار کر کہا ہے کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے کفار کو ذلیل کرنے کے لئے زندہ ہیں' (بخاری شریف) اس کے بعد ابو سفیان اور حضرت عمر کے درمیان تمام سوال و جواب نعروں کے جواب میں نعرے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے وہ جماعت کرتی رہی' جس میں حضرت عمر بھی تھے **انما استزلھم الشیطن**' **انما** حصر کے لئے آتا ہے' جس سے پہلا جزو دوسرے میں منحصر ہو جاتا ہے' **استزل** زل سے بنا' بمعنی لغزش و پھسل جانا' بغیر ارادہ پاؤں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا لغزش یا پھسلنا کہلاتا ہے' **استزلال** باب استفعال کا مصدر ہے' جس کے معنی ہیں لغزش دینا یا پھسلنے کے اسباب مہیا کرنا' یعنی ان لوگوں نے عمداً کوئی قصور نہ کیا' صرف لغزش کھا گئے' پھسل گئے اور

www.alahazratnetwork.org

پھسلن بھی نفس یا ذاتی نفع یا خود غرضی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی مخالفت کے ارادے سے نہ ہوئی' بلکہ شیطان نے انہیں دھوکا دے دیا جس سے وہ پھسل گئے سبحان اللہ کیسی زوردار حمایت ہے ان حضرات کی گویا حق تو ان کے عمل کو لغزش فرمایا جس میں قصد و ارادہ ہو تا ہی نہیں' پھر اس لغزش کا ذمہ دار بھی انہیں نہ بنایا' شیطان کو بنایا **ببعض ما کسبوا** جار مجرور **استزل** کا متعلق ہے با سببیہ ہے' جیسے **کتبت بالقلم** میں۔ ما یا مصدریہ ہے' یا موصولہ **کسبوا**' **کسب** سے بنا بمعنی اعضائے ظاہرے عمل کرنا' یعنی انہیں شیطان نے ان کے بعض اعمال ظاہری کی وجہ سے پھسلا دیا لغزش دیدی' جیسے آدم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا **فازلهما الشیطن**' خیال رہے کہ **منکم** میں **من** تبعیضیہ ہے فرمایا گیا کہ احد میں غلطی سب سے نہ ہوئی بلکہ بعض سے ہوئی' اور **ببعض** فرما کر یہ بتایا کہ ان بعض غلطی کھا جانے والوں کے بھی سارے کام غلط نہ تھے' صرف ایک آدھ کام غلط ہو گیا' بعض کام سے مراد وہ والوں میں سے چالیس حضرات کا مرکز چھوڑ کر ہٹ جانا اور دیگر حضرات کا اس خبر پر اعتماد کر لینا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید کر دیئے گئے' اور یہ خبر سن کر بھاگ پڑنا ہے اس جگہ تفسیر روح المعانی نے فرمایا' میدان احد چھوڑ دینے والے حضرات عثمان ابن عفان' رافع ابن معلی' خارجہ ابن زید' ابو حذیفہ ابن عتبہ' ولید ابن عتبہ' سعد ابن عثمان' عقبہ ابن عثمان انصاری زرقی ہیں' اس لئے رب تعالیٰ نے **منکم** فرمایا' نیز یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس دن یعنی احد میں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرکین نے ناپاک ارادے سے گھیر لیا تو تیس صحابہ یکے بعد دیگرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس طرح آتے اور شہید ہوتے رہے کہ ہر شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے جم جاتا' اور کہتا **وجهی لوجهک الفداء** میری ذات آپ پر فداء اور **نفسی لنفسک الفداء** میری جان آپ کی جان پر نثار' **و علیک السلام غیر مودع** السلام علیکم مجھے قیامت میں نہ چھوڑنا' نہ کہتا اور جان دے دیتا۔

لے بجاں اساں توڑ نبھائی جان دتی رہ تیرے حشر دیہاڑے شرماں تینوں پردے رکھ لئی میرے

یہ تھی صحابہ کرام کی بے مثال قربانی' کہ ایسی قربانی آسمان نے بھی نہ دیکھی ہو گی' اسی لئے رب تعالیٰ نے **منکم** اور **ببعض** فرمایا **و لقد عفا اللہ عنهم** ابھی کچھ پہلے بھی ان بزرگوں کی معافی کا نہایت شاندار طریقہ سے اعلان ہو چکا کہ فرمایا گیا **ولقد عفا عنکم**' دوبارہ یہاں اسی معافی کا نہایت تاکیدی طریقہ سے اعلان ہو رہا ہے' آگے اپنے حبیب سے سفارش فرما کر ان حضرات کو معافی دلوائی جا رہی ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے **فاعف عنهم و استغفر لهم** اے محبوب آپ بھی انہیں معاف فرما دو' اور ان کے لئے دعائے مغفرت فرما دو' یعنی ہم نے انہیں معاف کر دیا' تم بھی معافی دے دو' ہم سفارش کرتے ہیں سبحان اللہ ایسی خطاؤں پر ہماری ساری عبادات قربان ہوں' جن کی معافی کا اتنا اہتمام ہے' لام اور **قد** کی تاکید سے اس مضمون کو اور زیادہ موکد فرمایا' رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بعض بدباطن ان حضرات پر زبان طعن دراز کریں گے' اس لئے معافی کا اتنا اہتمام فرمایا گیا **ان اللہ غفور حلیم** یہ جملہ **عفا اللہ عنهم** کی دلیل ہے' یعنی ہم نے ان حضرات کو معافی دے دی' اس لئے کہ ہم غفور بھی ہیں کہ جو توبہ کرے' اسے بخش دیتے ہیں اور حلیم بھی ہیں' کہ جو توبہ نہ کرے اپنے کئے پر ڈٹا رہے' اس پر عذاب جلد نہیں بھیجتے' اسے توبہ کا موقع دیتے ہیں کہ اب بھی باز آ جائے' یہ حضرات تو اپنی اس خطا پر نادم بھی ہیں شرمسار بھی' ہم غفور بھی ہیں' رحیم بھی' ہم نے سب کچھ معاف کر دیا۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: غزوۂ احد میں دو جماعتوں سے دو لغزشیں و خطائیں ہوئیں' درہ والوں میں سے چالیس حضرات سے تو یہ خطا ہوئی کہ انہوں نے غلط فہمی میں مبتلا ہو کر درہ چھوڑ دیا' جس پر بھاگے ہوئے کفار ٹوٹ پڑے اور گھبرا کر بھاگ پڑنے والوں سے یہ خطا ہوئی کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ بھاگے' بلکہ دوسری طرف ان کا رخ ہو گیا' اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھاگتے' تو سبحان اللہ بہت ہی اچھا ہوتا' اس آیت کریمہ **تولوا منکم** میں دوسری خطا کا ذکر ہے' اور **ببعض ما کسبوا** میں پہلی لغزش کا ذکر اور دونوں لغزشوں کی معافی کا اعلان ہے' یعنی اے غازیان احد تمہاری جماعت میں سے جو مسلمان دو لشکر یعنی لشکر اسلام اور لشکر کفار کی گھمسان کی جنگ ہونے کی حالت میں منہ پھیر گئے یہ عمداً" یا ارادۃً" نہ تھا' وہ لغزش کھا گئے' پھسل گئے' اور لغزش و پھسلن بھی اپنی نفسانی وجہ سے نہ ہوئی انہیں شیطان نے دھوکا دے دیا' اس دھوکا کی وجہ یہ ہوئی کہ ان میں سے بعض غلطیاں سرزد ہو گئیں' جس سے شیطان کو انہیں لغزش دے دینے کا موقعہ مل گیا' تم لوگ کان کھول کر سن لو کہ یقیناً بے شک اللہ نے انہیں معافی دے دی' اب جو ان پر طعن کرے گا وہ مردود ازلی ہو گا' اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے کہ بڑے سے بڑے قصور کو بخش دیتا ہے' اور حلم والا بھی کہ سرکشوں کو بھی یکدم نہیں پکڑتا' انہیں بھی توبہ وغیرہ کا موقعہ بخشتا ہے' اب جو رب تعالیٰ کے معافی دے دینے کے بعد بھی ان حضرات کو برا کہے' وہ ہماری پکڑ میں یقیناً آئے گا' اگرچہ ہم اسے جلد نہ پکڑیں کہ ہم حلیم ہیں' مگر اسے چھوڑیں گے نہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان احد میں صرف معدودے چند حضرات سے غلطی ہوئی' تمام سے نہ ہوئی' جیسا کہ **منکم** سے معلوم ہوا کہ **من** تبعیضیہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ان بعض حضرات سے بھی صرف ایک غلطی ہوئی' درہ والوں سے درہ چھوڑنے کی اور بھاگنے والوں سے رخ غلط ہو جانے کی' ان کے بقیہ تمام اعمال درست و صحیح باعث ثواب تھے جیسا کہ **ببعض ما کسبوا** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ان بزرگوں سے جو بھی غلطیاں ہوئیں وہ دانستہ طور پر نہ ہوئیں بلکہ خطاء اجتہادی یا غلط فہمی کی بناء پر ہوئیں' جیسا کہ **استزلھم** سے معلوم ہوا کہ یہی کلمہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کے لئے ارشاد ہوا' حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا تھا **وما انسنیہ الا الشیطن**۔ **چوتھا فائدہ:** ان حضرات سے بھی جو غلطی ہوئی' وہ دنیاوی لالچ یا نفسانی خواہش کی بناء پر نہ ہوئی بلکہ شیطان نے انہیں دھوکا دیدیا' جس سے وہ دھوکا کھا گئے' جیسے حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جو کچھ ان حضرات سے خطاءً" سرزد ہوا' وہ معاف ہو چکا' جس کا اعلان قرآن کریم نے بار بار فرمایا' اب کسی کو ان پر طعن کرنا اپنا ایمان برباد کرنا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کبھی بعض کی خطا دوسروں کی خطا کا ذریعہ بن جاتی ہے' دیکھو درہ والوں کی خطا' ان بزرگوں کی خطا کا ذریعہ بن گئی جن کے قدم اکھڑ گئے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں خطا سے خطا سرزد ہوتی ہے' نیکیوں سے نیکیاں۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی بعض صاحبوں کی خطا دوسروں کے لئے مصیبت کا ذریعہ بن جاتی ہے' دیکھو درہ والوں کی خطا غزوۂ احد کی ہزیمت کا سبب بنی' ایسے موقعہ پر ہر شخص کو نہایت احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ **آٹھواں فائدہ:** شیطان کا مکر و فریب بہت سخت ہے' کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے' دیکھو حضرات صحابہ کرام جن میں سے ایک صحابی تمام جہان کے اولیاء سے افضل ہے' انہیں بھی اس مردود نے دھوکا دیدیا' تو ہم کس شمار میں ہیں۔ **نواں فائدہ:** کبھی ہمارے بعض اعمال سے شیطان کو ہم پر موقعہ مل جاتا ہے اور وہ ہم کو بہکا دیتا ہے' جیسے بعض

www.alahazratnetwork.org

اعمال شیطان کے دفعیہ کا ذریعہ ہیں' ویسے ہی بعض اعمال شیطان کے تسلط کا سبب ہیں' ایسے اعمال سے بچنا چاہئے' جیسا کہ **ببعض ما کسبوا** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: صحابہ کرام کا جنگ احد میں بھاگ جانا گناہ نہ تھا' دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں لغزش فرمایا لغزش وہ جو بغیر ارادہ سرزد ہو جائے اور گناہ میں ارادہ ضروری ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو شیطان نے بہکا دیا اور دوسری جگہ ارشاد ہے **ان عبادی لیس لک علیہم سلطن** میرے بندوں پر تیرا غلبہ نہیں ہو سکتا' پھر ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو؟ جواب: اس کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ شیطان اللہ کے خاص بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا' معصومین و محفوظین سے عمداً گناہ نہیں کرا سکتا' رہیں غلطیاں و خطائیں وہ سرزد کرا سکتا ہے' یہاں خطا ہی سرزد ہوئی نہ کہ بد عقیدگی یا بد عملی لہٰذا دونوں آیتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ احد میں دو لشکر ملتے ہی یہ حضرات بھاگ پڑے' تاریخ کہتی ہے کہ اولاً مسلمانوں کو فتح ہو گئی تھی' کفار بھاگ گئے تھے' بتاؤ کہ ان دونوں واقعہ میں کونسا درست ہے؟ جواب: یہاں ملنے سے مراد کفار کا پیچھے سے حملہ کرنا ہے' اس وقت فوراً ہی مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے تھے اور مسلمانوں کو فتح پہلی مڈبھیڑ میں میسر ہوئی تھی' لہٰذا دونوں چیزیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں' پہلی مڈبھیڑ میں مسلمانوں کو فتح ہوئی' اور دوسری مڈبھیڑ میں مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے' آیت واضح ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان حضرات سے غلطی پہلے ہوئی اور ابلیس نے بعد میں بہکایا' کیونکہ ارشاد ہوا **ببعض ما کسبوا** 'کسب کو سبب فرمایا گیا' اور شیطان کے بہکانے کو مسبب' اور سبب پہلے ہوتا ہے حالانکہ شیطان بہکاتا ہے پہلے' اور انسان غلطی کرتا ہے بعد میں' ہماری غلطی یا گناہ شیطان کے بہکانے سے ہوتی تو آیت کیسے درست ہوئی؟ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک تو وہ جو تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی وغیرہ نے دیا کہ یہاں **ببعض ما کسبوا** سے مراد ان حضرات کے وہ گناہ ہیں جو انہوں نے کبھی اپنی پہلی زندگی میں کئے تھے' جب ان بزرگوں کو اپنی شہادت یقینی معلوم ہوئی' تو وہ حضرات بزدلی یا بھاگ جانے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کی وجہ سے نہ بھاگے' بلکہ انہوں نے خیال کیا کہ ان گذشتہ گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا مناسب نہیں' بلکہ پہلے ہم ان سے توبہ کر کے پاک و صاف ہو لیں' ان کے کفارے ادا کر لیں' پھر کسی موقعہ پر شہید ہوں گے' غرضکہ توبہ و کفارہ کے لئے اس جگہ سے ہٹے' یہ گناہ یاد دلا کر وہاں سے ہٹانا شیطانی دھوکا تھا' ان کے سارے گناہ تو ایمان لاتے ہی معاف ہو چکے تھے' اور پھر شہادت تو تمام جرم و خطا کا کفارہ بن جاتی' شیطان نے انہیں اس طرف متوجہ نہ ہونے دیا' اس صورت میں یہ اعتراض جڑ سے اکھڑ جاتا ہے' امام زجاج کا یہی قول ہے' اگرچہ وہ گناہ بھی شیطانی اثر سے ہوئے تھے مگر یہاں کچھ اور ہی بتانا مقصود ہے' دوسرا یہ کہ **ببعض ما کسبوا** سے مراد درہ والوں کا اپنی جگہ سے ہٹ جانا ہے' جو گناہ نہ تھا' اجتہادی غلطی سے تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا مقصد پورا ہو چکا' علت ختم ہو جانے سے حکم بھی اٹھ جاتا ہے' اب ہم کو یہاں سے ہٹ جانا ممنوع نہیں' پھر اس عمل پر غازیوں میں بھاگڑ پڑ جانا شیطانی اثر سے ہو' یہ غلط اجتہادی نہ تھی' لہٰذا اسے شیطان کا پھسلانا قرار دیا گیا' اگرچہ درہ سے ہٹ جانے والے اور لوگ تھے' اور یہاں سے بھاگ جانے والے اور لوگ' مگر چونکہ دونوں ایک قوم تھے' ایک ہی مقصد کے لئے آئے تھے' اس لئے ایک کا قصور دوسروں کی طرف بھی منسوب کیا گیا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: جیسے جسمانی غذائیں دو قسم کی ہیں بعض صحت کو مضر اور بعض صحت کے لئے مفید "اطبائے یونان مضر غذاؤں سے بچاتے ہیں اور مفید دوا و غذاؤں کی رغبت دیتے ہیں مضر غذا صدہا بیماریاں پیدا کرتی ہے" ایسے ہی روحانی غذائیں یعنی اعمال و صحبت دو قسم کی ہیں "بعض دلی صحت کو نقصان دہ بعض مفید" نقصان دہ اعمال شیطان آور ہوتے ہیں کہ ان کی وجہ سے شیطان قریب ہو جاتا ہے "اور بعض رحمت رحمان آور جن کی برکت سے شیطان دور ہو جاتا ہے" اور رحمت الٰہی قریب تر ہو جاتی ہے" حدیث شریف میں ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے "اور تلاوت قرآن پاک کی حالت میں رب تعالیٰ بندے سے بہت ہی قریب ہوتا ہے" اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب اجنبی مرد اجنبی عورت کے ساتھ خلوت میں ہوتا ہے تو شیطان بہت ہی قریب ہوتا ہے" غرضیکہ انسان کو ہر عمل سے پہلے سوچ لینا چاہئے "کہ یہ عمل قرب شیطان کا باعث ہو گا یا قرب رحمان کا ذریعہ بنے گا" پہلی قسم کے اعمال سے بچے "دوسری قسم کے اعمال اختیار کرے" اس آیت میں یہی ارشاد ہو رہا ہے کہ اے غازیان اسلام تم سے بعض اعمال وہ سرزد ہوئے جن کی باعث شیطان تم سے قریب ہو گیا اور اس کا لوتم پر چل گیا" چونکہ وہ اعمال بذات خود برے نہ تھے "اور نہ تمہاری نیت بری تھی" اسی لئے رب تعالیٰ نے تمہیں اس پر مرتب ہونے والی خطا سے معافی دیدی" اس آیت میں آئندہ مسلمانوں کو ہدایت ہے کہ ایسے جائز کاموں سے بھی بچیں جن سے شیطان کو تسلط کا موقعہ ملے "مضر غذا شرعاً حرام نہیں ہوتی" مگر صحت کی حفاظت کے لئے اس سے بچو" تمام رات بیدار رہ کر اللہ اللہ کرنا حرام نہیں "بظاہر اچھا ہے" مگر عوام اس سے بچیں "کہ اس کے ذریعہ آئندہ فرض نمازیں چھوٹ جانے کا خطرہ ہے" اللہ تعالیٰ شیطان کے اغواء سے بچائے۔

یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِینَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو کافر ہوئے اور اپنے بھائیوں کے متعلق

اے ایمان والو ان کافروں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے اپنے بھائیوں کی نسبت کہا

إِذَا ضَرَبُوا فِي الْأَرْضِ أَوْ كَانُوا غُزًّى لَوْ كَانُوا عِنْدَنَا مَا مَاتُوا

بولے جبکہ وہ چلے زمین میں یا ہوئے غازی کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو نہ

جب وہ سفر کو یا جہاد کو گئے کہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے یا نہ

وَمَا قُتِلُوا لِيَجْعَلَ اللَّهُ ذَٰلِكَ حَسْرَةً فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ يُحْيِي

مرتے اور نہ قتل کئے جاتے تاکہ کردے اللہ اس کو حسرت ان کے دلوں میں اور اللہ ہی زندہ رکھتا

مارے جاتے اس لئے کہ اللہ ان کے دلوں میں اس کا افسوس رکھے اور اللہ جلاتا

وَيُمِيتُ ۗ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١٥٦﴾

اور موت دیتا ہے اور اللہ دیکھنے والا ہے اسے جو تم کرتے ہو

اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے غازیان احد کو ان کی گزشتہ غلطی پر متنبہ فرمایا یعنی درہ چھوڑ دینا اب انہیں دوسری قسم کی غلطی سے بچنے کی ہدایت فرما رہا ہے یعنی توکل چھوڑ دینا' کہ اس درہ کے چھوڑ دینے سے تو کفار مکہ لوٹ پڑے تھے مگر اس درہ کو چھوڑ دینے سے شیطان تم پر پلٹ پڑے گا اور مسلط ہو جائے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس قابل معافی قصور کا ذکر تھا جس کی رب تعالیٰ نے معافی دیدی یعنی میدان سے قدم اکھڑ جانا' اب اس ناقابل معافی جرم کا ذکر ہو رہا ہے جو انسان کو تقدیر کا انکاری بنا دیتا ہے اور اپنی تدبیر پر اعتماد دلاتا ہے یعنی اگر مگر کے پھندے میں پھنسنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اسی عمل گناہ کا ذکر تھا جو کبھی کبھی انسان سے سرزد ہوتا ہے یعنی جہاد سے بھاگ جانا' اب اس قولی گناہ کا ذکر ہو رہا ہے' جو دن رات ہم سے ہوتا رہتا ہے' جس سے بچنا بہت ہی مشکل ہے یعنی گزشتہ پر بلاوجہ ندامت' کہ اگر ایسا ہوتا تو ویسا ہو جاتا' اگر یہ نہ ہوتا تو وہ نہ ہوتا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی گزشتہ آیت میں منافقین کی اس بکواس کا ذکر تھا' جو انہوں نے اپنے متعلق کی تھی کہ اگر ہم احد کے میدان میں نہ آتے تو نہ مارے جاتے' اب انہی منافقین کی اس بکواس کا تذکرہ ہے' جو انہوں نے دوسرے غازیوں کے متعلق کی' کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے تو کیوں شہید ہوتے۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** چونکہ اس آیت میں مسلمانوں کو ایسی چیز سے بچنے کی ہدایت ہے جو ہم سے بہت ہی صادر ہوتی رہتی ہے' بظاہر معمولی معلوم ہوتی ہے مگر کبھی اس کا نتیجہ بڑا خطرناک نکلتا ہے' اور اس سے بچا رہنا بہت مشکل ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو دل نواز' ایمان پرور خطاب سے پکارا' پھر حکم سنایا' مشکل احکام پکار کر سنائے جاتے ہیں' تاکہ خطاب کی لذت سے مشکل آسان ہو جائے' اگرچہ بظاہر احد کے مسلمانوں سے خطاب ہے' مگر در حقیقت سارے ہی مسلمانوں کی طرف روئے سخن ہے **لا تکونوا کالذین کفروا**' **لا تکونوا** میں نہی استمراری ہے یعنی نہ تو اب ایسے ہو' نہ آئندہ کبھی ہونا' **کفروا** سے مراد یا تو سارے منافقین ہیں یا عبداللہ ابن ابی' ابن سلول اور معتب ابن قشیر یا سارے ہی کفار تیسرا قول زیادہ قوی ہے' چونکہ منافق زبان کے مسلمان تھے دل کے کافر' اس لئے انہیں قرآن کریم کبھی **الذین امنوا** میں داخل فرماتا ہے اور کبھی **الذین کفروا** میں' یہاں ان کے دل کا اعتبار فرماتے ہوئے **کفروا** فرمایا گیا' یعنی اے ایمان والو! تم کبھی کافروں یعنی منافقوں کی طرح نہ ہونا' یا کسی کافر کی مثل نہ ہونا **و قالوا لاخوانھم** واؤ عاطفہ ہے' اور **قالوا الخ کفروا** پر معطوف ہے' **لاخوانھم** کا لام صلہ کا نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے' ابن حاجب فرماتے ہیں کہ بمعنی عن ہے' کیونکہ منافقین کی یہ گفتگو فوت شدہ یا شہید شدہ لوگوں کے متعلق ہے' لہٰذا ان سے نہیں کہا' بلکہ ان کے بارے میں لوگوں سے کہا' **اخوان** جمع اخ کی ہے' بمعنی بھائی' **اخ** کی جمع قلت **اخوۃ** ہے اور جمع کثرت **اخوان** یہاں یا تو منافقین کے نسبی بھائی مراد ہیں یعنی مومن انصار' قرآن کریم میں نسباً کافروں کو مومنوں کا بھائی فرمایا ہے' فرماتا ہے **والی عاد اخاھم ھودا**" یا دینی بھائی مراد ہیں' یعنی وہ منافقین نفاقاً" جہادوں میں آتے اور مارے جاتے **اذا ضربوا فی الارض او کانوا غزی**"' **اذا** **قالوا** کا ظرف ہے' **ضرب** کے معنی ہیں' کسی چیز پر واقع کرنا' چلنے کو اسی لئے ضرب کہتے ہیں کہ اس میں پاؤں زمین پر واقع کئے جاتے ہیں مارنا اور بیان کرنا بھی ضرب کہلاتا ہے کہ مارنے میں مار مضروب پر اور کہاوت کسی چیز پر واقع کی جاتی ہے' چونکہ عرب

www.alahazratnetwork.org

میں عام سفر خشکی میں ہوتے تھے' دریائی سفر بہت کم ہوتے تھے اس لئے یہاں زمین کی قید لگائی' غزی" غازی کی جمع ہے خلاف قیاس' جیسے عالی کی جمع علا" ساجد کی جمع سجد اور راکع کی جمع رکع" قائل کی جمع قول (کبیر) اصل میں غزوی تھا' واؤ زن کر ز میں مدغم ہو گیا اس کی جمع غزاۃ بھی آتی ہے جیسے قاضی کی جمع قضاۃ اور رامی کی جمع رماۃ نامی کی جمع نحاۃ اور غزی بھی آتی ہے جیسے حاجی کی جمع حجیج اور قاطن کی جمع قطین اور غزاء بھی جیسے فاسق کی جمع فساق اور غازون بھی جیسے داع کی داعون غرضیکہ غازی کی پانچ جموع ہیں' غزی" ' غزاۃ ' غزی' غزاء اور غازون ایک شاعر کہتا ہے۔

فیوما" بغزاء و یوما" بسریۃ　　　و یوما" بخشخاش من الرجل هیضل

(روح المعانی)

اس جملہ میں فی الارض کے بعد فماتوا پوشیدہ ہے اور غزی" کے بعد قتلوا یعنی یہ منافقین اپنے نسبی بھائی مومنین یا دینی بھائی منافقین کے متعلق جبکہ وہ سفر میں فوت ہو جائیں یا غزوہ میں شہید ہو جائیں تو ان کے عزیزوں سے یا آپس میں یوں کہتے ہیں لو کانوا عندنا ما ماتوا وما قتلوا۔ یہ جملہ قالوا کا مفعول بہ ہے' لو یا شرطیہ ہے یا تمنا کا کانوا کے معنی ہیں ہوتے یا رہتے' ان تینوں فعلوں یعنی کانوا' ماتوا اور قتلوا کا مرجع علیہ اخوان ہیں یعنی کاش کہ یا اگر یہ مرنے اور شہید ہونے والے سفر اور جہاد میں نہ جاتے' بلکہ ہمارے پاس اپنے گھروں میں رہتے تو نہ مرتے نہ مارے جاتے' زندہ رہتے' مزے کرتے لیجعل اللہ ذلک حسرۃ " فی قلوبہم لام عاقبت و انجام کا ہے' یجعل' جعل سے بنا' اور جعل کبھی معنی خلق آتا ہے (پیدا کرنا) تب اس کا مفعول ایک ہوتا ہے اور کبھی معنی تصییر (بنانا) تب یہ دو مفعول چاہتا ہے' یہاں دوسرے معنی میں ہے' اسی لئے اس کے دو مفعول آئے' ایک ذلک اور دوسرا حسرۃ " یہ جملہ یا تو قالوا کے متعلق ہے' یا لا تکونوا کے' حسرت وہ دلی رنج ہے جو کسی محبوب چیز کے حاصل نہ ہونے پر ہو' اس کا مادہ حسر ہے بمعنی کھلنا' چونکہ اس افسوس سے دلی میلان کھل جاتا ہے' اس لئے اسے حسرت کہتے ہیں یعنی اس کہنے سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ہوتا بلکہ الٹا ان کے دلوں میں حسرت اور افسوس پیدا ہوتا ہے' جس سے ان کی تکلیف اور بڑھ جاتی ہے' یا یہ مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم منافقوں کی طرح بے صبرے نہ بننا' بلکہ صابر و شاکر رہنا' تاکہ تمہارا صبر و شکر ان کے لئے دلی حسرت کا باعث ہو واللہ یحی و یمیت یہ ان کے کلام کی تردید ہے' وہ سمجھتے تھے کہ سفر و جہاد سے موت آتی ہے اور بزدل ہو کر گھر میں بیٹھ رہنے سے زندگی مل جاتی ہے غلط ہے موت و زندگی اللہ کے قبضہ میں ہیں' وہ اگر چاہے تو دشوار سفر اور خطرناک جہاد میں بھی زندہ رکھے' اور اگر چاہے تو آرام سے گھر بیٹھنے والے کو موت دیدے' جیسا کہ دن رات دیکھا جا رہا ہے' خیال رہے کہ یحی کے دو معنی ہو سکتے ہیں' زندہ کرتا ہے اور زندہ رکھتا ہے واللہ بما تعملون بصیر اس جملہ کا مقصد کفار و منافقین کو ڈرانا ہے اور مسلمانوں کو رغبت دینا ہے ہماری قرات تعملون ت سے ہے' لا تکونوا سے تعلق رکھتی ہے' ابن کثیر' حمزہ اور امام کسائی کی قرات میں یعملون ی سے ہے' یحی و یمیت کے مناسب یعنی اے مومنو کافرو! جو کچھ تم نیک و بد اعمال کرتے ہو اللہ اسے دیکھ رہا ہے' یا وہ منافقین جو ظاہری و خفیہ حرکتیں کرتے ہیں ہم سے مخفی نہیں ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں ان سے نبٹ لیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم ان منافقوں کی طرح کبھی نہ ہونا' جن میں دو عیب خصوصیت سے ہیں' ایک یہ کہ وہ دلی کافر ہیں' اگرچہ بظاہر تمہارے ساتھ ہیں' دوسرے یہ کہ وہ بے صبرے ناشکرے ہیں' خود بھی بزدل ہیں دوسروں کو بھی بزدل کرنے کی کوشش کرتے ہیں' چنانچہ ان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے ہم مذہب منافق یا ان کے رشتہ دار مسلمان کسی لمبے سفر میں جائیں کاروباری سلسلہ میں یا کسی اور وجہ سے' اور وہاں اتفاقاً" فوت ہو جائیں یا جہاد میں جائیں' اور وہاں شہید ہو جائیں تو ان مرحومین کے عزیزوں و قرابت داروں کے پاس بڑے خیر خواہ اور غمگسار بن کر پہنچتے ہیں' اور بظاہر خیر خواہی کرتے ہوئے' مگر در حقیقت انہیں بزدل بنانے کے لئے کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو پہلے ہی انہیں منع کرتے تھے کہ نہ جاؤ' اگر وہ ہماری بات مان لیتے اور مدینہ منورہ ہی میں ہمارے پاس رہتے' تو نہ سفر میں مرتے اور نہ جہاد میں مارے جاتے' خیال رکھو کہ اس گفتگو سے کوئی فائدہ نہیں' یہ محض ایک حسرت ہے' جو ان کے دل میں رہ جاتی ہے رہا مرنا جینا' تو خیال رکھو کہ یہ اللہ کے قبضہ میں ہے' جسے چاہتا ہے زندہ رکھتا ہے' اور جسے چاہتا ہے موت دیتا ہے' لہذا موت کا خوف تمہارے لئے دنیوی و دینی سفروں اور جہادوں سے رکاوٹ نہ بنے' کہ بات' بات میں ڈرنے والے کمزور دل ہو کر نکمے ہو جاتے ہیں اور نکما آدمی کبھی عزت نہیں پا سکتا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کھلے چھپے کام کو دیکھ رہا ہے' حضرت علی فرماتے ہیں کہ اگر تم نہ بھی شہید ہوئے تب بھی ضرور مر جاؤ گے قسم رب تعالیٰ کی تلوار کی ہزار ضربیں' بستر پر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے آسان ہیں' جو موت کے خوف سے چھپ کر گھروں میں بیٹھ رہتے ہیں' وہ جہالت اور رذلت کی زندگی میں رہتے ہیں' اور عزت کی موت ذلت کی زندگی سے بہتر ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو لازم ہے کہ کافروں کی سی باتیں بھی منہ سے نہ نکالا کریں' صورت' سیرت' اعمال' افعال' اقوال میں ان سے ممتاز رہیں' جیسا کہ **لا تکونوا** الخ سے معلوم ہوا' جو لوگ مسلمان ہو کر وضع قطع اور لباس کافروں کے سے رکھتے ہیں' وہ اس سے عبرت پکڑیں۔ **دوسرا فائدہ:** کھلے کفار اور منافقین در پردہ ایک ہی ہیں' جیسا کہ **کفروا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے منافقوں کو کافر فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** زیادہ اگر مگر کرنا کفار کی علامت ہے' مومن تدبیر کرکے تقدیر پر صابر ہوتا ہے' جیسا کہ **لو کانوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تقدیر پر صابر نہ ہونے سے غم و تکلیف زیادہ ہوتے ہیں' صبر و شکر دلی راحت کا ذریعہ ہیں' جیسا کہ **حسرۃً فی قلوبھم** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دنیا میں زیادہ مشغولیت زندگی کی زیادہ چاہت موت کو سخت بنا دیتی ہے' اور آخرت سے تعلق موت کو آسان کر دیتا ہے' جیسا کہ **ما ماتوا** الخ سے اشارۃً" معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** موت زندگی حقیقتاً" رب تعالیٰ ہی دیتا ہے' سانپ کو مارنے والا یا بعض نبیوں اور ولیوں کو زندہ کرنے والا مجازاً" کہا جاتا ہے جیسا کہ **یحی و یمیت** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** زندگی کی چاہت اور موت سے کراہت انسان میں بزدلی پیدا کرتی ہے' جیسا کہ **لو کانوا** الخ سے معلوم ہوا' آرام طلب قوم کو دنیا میں رہنے کا حق نہیں' جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا بھی نہیں آتا۔ **آٹھواں فائدہ:** کوئی تدبیر موت سے نہیں بچا سکتی' موت آنی ہے اور ضرور آنی ہے' جیسا کہ اس آیت کے پورے مضمون سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** ایمان صرف زبانی اقرار کا نام نہیں' جب تک عقائد درست نہ ہوں' دیکھو رب تعالیٰ نے ان منافقوں کو کافر فرمایا' جو زبان سے ایمانیات کے اقراری تھے (کبیر)۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں **کفروا** سے مراد منافقین ہیں حالانکہ وہ تو مسلمانوں میں شمار تھے' اور ان پر زندگی و موت میں اسلامی احکام جاری تھے' تو یہ تفسیر کیسے درست ہوئی؟ جواب: شریعت کا حکم ظاہر پر ہے مگر بارگاہ الٰہی میں حقیقت پر حکم ہوتا ہے' یہاں **کفروا** سے شرعی کفر مراد نہیں' بلکہ حقیقی کفر مراد ہے۔ دوسرا اعتراض: **لاخوانہم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ غازی مسلمان منافقین کے بھائی تھے' کیا کفار مسلمانوں کے بھائی ہیں' اور کیا انہیں بھائی کہنا درست ہے؟ جواب: بھائی بہت سی قسم کے ہیں' نسبی' قومی' دینی' عملی' یہاں نسبی بھائی مراد ہیں' واقعی بعض منافقین مسلمانوں کے رشتہ میں بھائی تھے مگر محبت کے طور پر کفار و منافقین کو بھائی کہنا درست نہیں' بھائی ہونا اور ہے' بھائی کہنا کچھ اور' دیکھو خاوند بیوی کا دینی قومی' وطنی بلکہ بعض صورتوں میں رشتہ کا بھی بھائی ہوتا ہے' چچازاد وغیرہ' مگر اسے بھائی کہنا بیوی کے لئے درست نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت میں **قالوا** ماضی ہے' اور **اذا ضربوا** بمعنی مستقبل تو معنی کیسے درست ہوئے' اگر بجائے **اذا ضربوا** کے **حین ضربوا** ہوتا تو بہتر تھا۔ جواب: تفسیر کبیر و روح المعانی نے اس کے کئی جواب دیئے ہیں' ایک یہ کہ یہ **اذا** بمعنی **اذ** ہے لہٰذا **ضربوا** ماضی ہی رہا' دوسرے یہ کہ **قالوا** بمعنی **یقولون** ہے عربی میں کبھی یقینی مستقبل کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں' آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب مسلمان سفر یا جہاد میں جاتے ہیں اور وہاں فوت یا شہید ہو جاتے ہیں' تو منافقین یہ کہا کرتے ہیں۔ چوتھا اعتراض: سفر کے بعد غزوہ کا ذکر کیوں کیا' غزوہ میں سفر بھی آ گیا تھا کہ جہاد سفر ہی میں ہوتے ہیں؟ جواب: یہ غلط ہے' بہت دفعہ جہاد گھر میں یا گھر سے قریب ہی ہوتے ہیں' دیکھو غزوۂ خندق خاص مدینہ شریف ہی میں ہوا' اور غزوۂ احد مدینہ پاک سے بہت قریب تین میل کے فاصلہ پر ہوا' یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ سفر سے مراد دنیاوی کاروباری سفر ہیں' اور غزوہ سے مراد جہاد کے سفر' اور ہو سکتا ہے **ضرب فی الارض** سے مراد عام سفر ہوں' اور غزی" سے مراد خاص جہاد کے سفر' چونکہ سفر جہاد تمام سفروں سے اعلیٰ ہے' اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ کیا گیا' کیر ل آیت کا جواب بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان دو قسم کے ہیں' واقفین اور سائرین۔ واقفین کو اغیار کہتے ہیں' اور سائرین کو اخیار' واقفین وہ ہیں جو دنیا پر قناعت کر گئے' اور سائرین وہ ہیں' جنہوں نے دنیا کو ایک منزل جانا' اور اپنے وطن کی طرف چلنے کی کوشش کی' ان سائرین میں بعضے طائرین ہیں' اور بعضے راجلین یعنی بعض پیدل جا رہے ہیں۔ آہستہ یا تیز' اور بعض اڑ کر' غرضکہ یہ راستہ کوئی پیروں سے طے کر رہا ہے' کوئی پروں سے' واقفین کم ہمت ہیں' وہ جب ان سائرین کے اس سفر کو دیکھتے ہیں' اور جب ان کے اس جہاد پر نظر کرتے ہیں' جو انہیں اس راستہ میں شیطان نفس اور دنیاوی الجھنوں سے کرنے پڑتے ہیں' تو کہتے ہیں' کہ یہ لوگ بلاوجہ یہ ریاضتیں مشقتیں کر رہے ہیں' کہ اگر ہماری طرح یہ بھی دنیا پر قناعت کر لیں اور آگے بڑھنے کی کوشش نہ کریں تو مزے سے کھائیں پئیں اور چین کریں' ان کم ہمتوں کی یہ باتیں کل قیامت میں حسرتیں ہوں گی کہ یہ لوگ سائرین کے درجات دیکھ کر کف افسوس ملیں گے کہ ہم نے بڑی غلطی کی' اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے **فنا فی اللہ** کے ذریعہ **بقا باللہ** کی دائمی زندگی بخشتا ہے اور جسے چاہتا ہے جہالت اور دوری بارگاہ کی موت دیتا ہے' اللہ تعالیٰ تمہاری ہمتوں کو بھی دیکھ رہا ہے اور کم ہمتیوں کو بھی (روح المعانی) امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا' کہ ابلیس نے زمانۂ صحابہ میں اپنے شیطانی لشکر پھیلائے وہ سب نہایت

www.alahazratnetwork.org

مایوس ہو کر لوٹے۔ ابلیس بولا کیا حال ہے۔ کہنے لگے کچھ نہ پوچھ ان صحابہ نے ہمیں تھکا دیا' لور اپنی سیر سے باز نہ آئے' وہ بولا کہ تمہارا ان پر داؤں نہ چلے گا' یہ لوگ اپنے نبی کے صحبت یافتہ ہیں' انہوں نے وحی اترتے دیکھی جب زمانہ ء تابعین آیا تو ابلیس نے پھر اپنے لشکر چھوڑے' وہ بولے کہ ان سے ہم گناہ تو کرا لیتے ہیں مگر کریں کیا کہ شام کو یہ لوگ توبہ کر کے ہمارا کرا دھرا اکارت کر دیتے ہیں' کیونکہ ان کی توبہ سے گناہ نیکیاں بن جاتے ہیں' وہ بولا' یہ لوگ اپنی نبی کی سنت کے قلعہ میں ہیں' تم ان پر بھی کامیاب نہ ہو سکو گے' البتہ ان کے بعد ایسے مسلمان ہوں گے' جو گناہ کر کے توبہ نہ کریں گے' اپنی اکڑ کی وجہ سے تمہاری پکڑ میں آجائیں گے' تم انہیں جہاں چاہنا' لئے پھرنا۔

نہ ابلیس درحق ما طعنہ زد! کز ایشاں نیاید بجز کار بد!
چو ملعون پسند آمدش قہر ما! خدائش بر انداخت از بہر ما
کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ کہ با او بصلح و باحق بجنگ! (تفسیر روح البیان)

افسوس کہ رب تعالیٰ نے ہماری خاطر ابلیس کو جنت سے نکالا مگر ہم اسی ابلیس کو اپنے خانہ دل میں آباد کرتے ہیں۔

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ

اور البتہ اگر تم قتل کیے جاؤ اللہ کے راستہ میں یا مرجاؤ البتہ بخشش اللہ کی اور مہربانی

اور بے شک اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی بخشش اور رحمت ان کے

خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِ۟لَى

اچھی ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں اور البتہ اگر تم مرجاؤ یا قتل کیے جاؤ یقینا اللہ کی طرف

سارے دھن دولت سے بہتر ہے اور اگر تم مرو یا مارے جاؤ تو اللہ ہی کی طرف

اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ہی جمع کیے جاؤ گے

اٹھنا ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کی حوصلہ شکن گفتگو کا ذکر فرمایا گیا تھا جسے سن کر غازیوں کی ہمتیں پست ہو سکتی تھیں۔ اب رب تعالیٰ کے حوصلہ افزا وعدوں کا تذکرہ ہے' جسے سن کر غازیوں کی اور ہمت بڑھ جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کی بکواس کا ایک جواب دیا گیا تھا کہ موت و حیات اللہ کے قبضہ میں ہے' سفر یا گھر' میدان جہاد یا گھر کی کوٹھڑی اس میں فرق نہیں کر سکتی' اب ان کی اسی بکواس کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ اللہ کی راہ کی موت دوسری موتوں سے افضل ہے' یہ بے وقوف اعلیٰ نعمت پانے والوں پر حسرت کر رہے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ ان کی گفتگو کے دو جواب دیئے گئے ایک جواب پچھلی آیت میں اور دوسرا جواب جو اس سے اعلیٰ ہے اس آیت میں۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ سب کی زندگی اور موت اللہ کے قبضہ میں ہے' اب موت کی ایک اعلیٰ قسم کا ذکر ہو رہا ہے' یعنی اللہ کی راہ میں موت' گویا موت کا عمومی حال بیان فرمانے کے بعد اس کی خصوصی صفت کا ذکر ہو رہا ہے' بہرحال یہ آیت گزشتہ آیت سے پورا تعلق رکھتی ہے۔

تفسیر: **ولئن قتلتم فی سبیل اللہ** لئن کلام قسمیہ اور **ان** شرطیہ لہٰذا اس کے بعد جواب قسم کی بھی ضرورت ہے اور جزاء کی بھی' قتلتم میں مسلمانوں سے خطاب ہے' کیونکہ جہاد وغیرہ نیک اعمال مسلمان ہی کے لئے مفید ہیں' اللہ کی راہ سے مراد جہاد ہے' جیسا کہ اس موقعہ سے معلوم ہو رہا ہے' یعنی اے مسلمانو! اگر تم جہاد میں شہید کر دیئے جاؤ **او متم** نافع' حمزہ اور امام کسائی کی قرات میں **متم** میم کے کسرہ سے ہے' باب سمع' یسمع کا ماضی ان کے ہاں موت اسی باب سے ہے' **مات یمات موتا**" جیسے **خاف یخاف خوفا**" مبرد نے بھی اسے نقل کیا ہے' مگر جمہور کی قرات **متم** میم کے پیش سے ہے **مات یموت موتا**" جیسے **قال یقول قولا**" یہاں موت سے مراد غیر شہادت کی موت ہے' کیونکہ شہادت کا ذکر تو ابھی ہو چکا' خیال رہے کہ اس موت سے مراد بھی اللہ کی راہ میں موت ہے جو اللہ کا کام کرتے کرتے آئے (کبیر بیضاوی' مدارک اور روح البیان وغیرہ) عبادت کرتے ہوئے' ذکر الٰہی کرتے ہوئے علمی خدمات و دینی خدمات کرتے ہوئے مرنا سب اللہ کی راہ میں موت ہے **لمغفرۃ من اللہ و رحمۃ** یہ جملہ جواب قسم ہے نہ کہ جزائے شرط اسی لئے اس پر لام آیا **ف** جزائیہ نہ آئی' جزائے شرط پوشیدہ ہے **غفرتم و رحمتم** مغفرت کے معنی ہیں گناہ بخش دینا' سزا نہ دینا' اور رحمت سے مراد ہے کچھ انعام دے دینا چونکہ بخشش پہلے ہے اور رحمت بعد میں' اس لئے بخشش کا ذکر پہلے ہوا' ظاہر یہ ہے کہ مغفرت اور رحمت دونوں کی تنوین تقلیل کی ہیں' یعنی خدا تعالیٰ کی تھوڑی بخشش اور تھوڑی سی رحمت بھی **خیر مما یجمعون** ہماری قرات **یجمعون** ی سے ہے' غائب کا صیغہ' جس کا فاعل کفار و منافقین ہیں' **ما** سے مراد ان کے مال' دولت' سلطنت' جائیدادیں اور سارے اعمال ہیں کہ اگلی چیزیں وہ دنیا کے لئے جمع کرتے ہیں' اور اعمال آخرت کے لئے ان سب سے مومن کی شہادت و موت افضل' بعض قراتوں میں **تجمعون** ت سے ہے' خطاب مسلمانوں سے' اس صورت میں ظاہر یہ ہے کہ **ما** سے مراد دنیاوی مال و دولت' آرائش و آسائش ہے نہ کہ اخروی اعمال' کیونکہ مومن کے بعض اعمال' ایمان معرفت الٰہی' محبت مصطفوی شہادت سے بھی افضل ہے' **و لئن متم او قتلتم** اس جملہ میں بھی وہی تحقیق ہے جو ابھی **لئن قتلتم** کی تفسیر میں کی گئی' چونکہ قتل فی سبیل اللہ موت فی سبیل اللہ سے افضل ہے' اس لئے پہلی آیت میں قتل کا ذکر موت سے پہلے ہوا' اور چونکہ موت قتل سے زیادہ ہوتی ہے اور عام قتل موت سے کچھ افضل نہیں' اس لئے یہاں موت کا ذکر پہلے ہوا اور قتل کا بعد میں **لا الی اللہ تحشرون** یہ جملہ بھی لئن کا جواب قسم ہے' **تحشرون حشر** سے بنا' معنی جمع ہونا' یا جمع کرنا' **لا الی اللہ** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا' یعنی تم دنیا سے کیسے ہی جاؤ' معمولی موت سے یا قتل کے ذریعہ تم سب کو جمع رب تعالیٰ کی بارگاہ ہی میں ہونا ہے' اس دن رب تعالیٰ کے سوا کوئی حاکم نہیں' لہٰذا بہتر یہ ہے کہ اس کی راہ میں دنیا سے جاؤ تاکہ وہاں درجات پاؤ۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! تم منافقین و کفار کے بزدلانہ اور ہمت ہاری باتوں پر دھیان نہ دو' بجائے دنیا جمع کرنے کے رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرو' قسم ہے اسی کے وجہ کریم کی کہ اگر تم جہاد میں مارے گئے یا اللہ کی راہ میں رب تعالیٰ کا کام

www.alahazratnetwork.org

کرتے ہوئے اپنے بستر ہی پر مرگئے' تو تم بخشے بھی جاؤ گے اور تم پر رحم بھی کیا جائے گا اور یقین رکھو کہ رب تعالیٰ کی تھوڑی بخشش اور تھوڑی مہربانی بھی ان سارے کفار کے سارے جمع کردہ مال' دھن دولت' ملک وغیرہ سے بہتر ہے' لہٰذا وہ اگر بہت جئیں اور بہت کچھ جمع کرلیں' اور تم تھوڑا جی کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید ہو جاؤ یا اللہ کی راہ میں مارے جاؤ اور دھن دولت جمع نہ کرو' تو نفع میں تم ہی ہو نہ کہ وہ' چند وجوہ سے (1) ایک یہ کہ مال جمع کرنے میں مشقت تو یقیناً ہے' مگر اس سے نفع حاصل کرنا غیر یقینی' ممکن ہے کہ کل مال رہ جائے تم نہ رہو' لیکن رب تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت یقیناً تمہیں نفع دیدے گے' رب تعالیٰ فرماتا ہے. فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا " یرہ مگر مال بے وفا ہیں' رحمت ذوالجلال باوفا' تم بے وفا کی محبت میں وفادار کو کیوں چھوڑتے ہو۔(2) دوسرے یہ کہ ممکن ہے کہ تم رہو مگر مال نہ رہے' بہت دیکھا گیا ہے کہ ایک انسان آج امیر ہے کل فقیر اور پرسوں امیر' رب تعالیٰ کی رحمت کا یہ حال نہیں' وہ تمہارا ساتھ کبھی نہ چھوڑے گی' خود فرماتا ہے ما عندکم ینفد وما عند اللہ باق۔(3) تیسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم بھی رہو اور مال بھی رہے' مگر نفع حاصل نہ کر سکو' دیکھا گیا ہے کہ لکھ پتی لوگ ایسی بیماری میں پھنس جاتے ہیں کہ ایک لقمہ نہیں کھا سکتے' آخرت کی رحمتیں ایسی نہیں۔(4) چوتھے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ تم ان سے نفع بھی حاصل کرلو' مگر دنیا کی لذتیں تکلیف سے مخلوط ہیں' یہاں کے پھول کانٹوں سے گھرے ہوئے ہیں' آخرت کے نفعے خالص ہیں۔(5) پانچویں یہ کہ مان لو کہ کچھ دیر کے لئے دنیا میں نفع خالص بھی مل جائے' مگر وہ باقی نہیں فانی ہے' آخرت کی نعمتیں باقی۔(6) چھٹے یہ کہ دنیا کے نفعے حسی اور خسیس ہیں' آخرت کے نفعے عقلی اور شریف ہیں' یہاں کے پیٹ بھرنے کی لذت دیدار الٰہی اور قرب مصطفوی کی لذتوں سے کچھ نسبت ہی نہیں رکھتی' اتنے فرق ہوتے ہوئے جو کوئی دنیا کو آخرت پر ترجیح دے بڑا بیوقوف ہے' قسم ہے اسی کی ذات کریم کی' کہ تم سب کو جانا رب تعالیٰ کی بارگاہ ہی میں ہے' خواہ شہادت کے راستے سے جاؤ یا بیداری کی موت کے ذریعہ پہنچو یا غفلت کی موت مرو یا مجرمانہ زندگی بسر کرکے پکڑے ہوئے وہاں جاؤ' لہٰذا بہتر ہے' کہ وہاں معزز مہمان کی شکل میں جاؤ' قیدی کی شکل میں نہ جاؤ ع

جانا ہے انہیں کے دسوا میں چاہے اس جائی چاہے بس جائی

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: زندگی بھی تین قسم کی ہے اور موت بھی تین طرح کی رحمانی' نفسانی' شیطانی۔ رحمانی زندگی اور موت تو وہ ہے' جس سے رحمان راضی ہو جائے' ہم نے عرض کیا ہے۔

وہی موت ہے وہی زندگی جو خدا نصیب کرے مجھے! کہ مرے تو انہی کے نام پر جو جئے تو ان پہ نثار ہو

نفسانی زندگی وہ جو غفلت میں گزرے' اس کی حقیقت یہ ہے۔

عمر گراں مایہ دریں صرف شد تاچہ خورم صیف چہ پوشم شتا

شیطانی زندگی اور موت وہ ہے' کہ زندگی گزرے گناہوں میں' اور موت آئے کفر پر' پہلی زندگی و موت مغفرت و رحمت کا ذریعہ ہے' دوسری زندگی و موت حسرت و ندامت کا وسیلہ' اور تیسری زندگی اور موت غضب و لعنت کا سبب' یہ فائدہ فی سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: کفار کے تمام مال و منال سے مسلمان کی غریبی اور فقیری افضل ہے کہ کفار کے گھر میں مال رہتا ہے اور مومن کے خانہ دل میں نور ذوالجلال' یہ فائدہ یجمعون غائب فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: کافر کے سارے

www.alahazratnetwork.org

نیک اعمال صدقہ و خیرات وغیرہ سے مومن کا شہید ہو کر مرنا یا اللہ کی راہ میں جان دینا افضل ہے' یہ فائدہ قتلتم' اور متم کے حاضر فرمانے سے حاصل ہوا' لیکن شہادت یا فی سبیل اللہ موت مومن کے سارے اعمال سے افضل نہیں' دیکھو حضرات صحابہ کرام کا ایک آن جمال مصطفائی دیکھنا ہماری لاکھوں شہادتوں سے افضل ہے اسی لئے علماء کرام فرماتے ہیں کہ عہد پاک مصطفوی میں مومن کی زندگی موت سے افضل تھی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد اکثر موت زندگی سے افضل ہوتی ہے کہ اب نظارہ یار موت کے بعد ہے' اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز نے ایک شعر میں یہ معمہ حل فرمادیا ہے کہ فرماتے ہیں۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے   کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارہ تیرا!

یہ فائدہ بھی **یجمعون** سے ہی حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سے رحمت دنیا کی تمام نعمتوں سے بہتر ہے' جیسا کہ **رحمۃ** کی تنوین سے معلوم ہوا' لہٰذا مومن' فقیر' کافر امیر بلکہ بادشاہ سے بھی افضل ہے' بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں رحمت سے مراد جنت ہے' کہ رحمت جنت کا ایک نام ہے' تو خیال کرو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن پر خدا کی بڑی ہی رحمت ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی رحمتوں کا مرکز ہیں' رب تعالیٰ خود فرماتا ہے **و کان فضل اللہ علیک عظیما**" لہٰذا کوئی شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہو سکتا' نہ کسی پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی رحمت ہوگی اور نہ کوئی آپ کی مثل ہوگا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو اپنے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل کہتے ہیں **انا بشر مثلکم** تو کہتے ہیں' **یوحی الی** پر نظر نہیں کرتے' حالانکہ وحی الٰہی نے نبی اور غیر نبی میں زمین و آسمان کا فرق کر دیا۔ **پانچواں فائدہ:** سب کو بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے خواہ کیسی ہی زندگی گزارے' اور خواہ کیسی ہی موت آئے' مگر حساب سب کا نہیں' چنانچہ بچے' دیوانے' بعض اولیاء اور حضرات انبیاء کرام حساب سے مستثنیٰ ہیں' غرضکہ حشر سب کے لئے ہے' حساب سب کے لئے نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کی رحمت کفار کے جمع کئے ہوئے مال سے زیادہ بہتر ہے' کفار کا مال اچھا ہے ہی کہاں' وہ تو خبیث ہے' لہٰذا یہ آیت کیسے درست ہوئی؟ **جواب:** یہ کلام کفار کی سمجھ کے لحاظ سے ہے' یعنی جس دولت کو وہ اچھا سمجھے ہوئے ہیں' اور جس کی وجہ سے وہ موت سے گھبراتے اور جنگ سے جان چراتے ہیں' اس سے جہاد کی موت اور مغفرت و رحمت بہتر ہے' اور اگر **تجمعون** ت سے ہو' تو معنی بالکل ظاہر ہیں کہ اے مسلمانو! تمہاری جمع کی ہوئی دولت سے رب تعالیٰ کی رحمت زیادہ اچھی ہے' کہ یہ دولت بھی رحمت ہے' اور مغفرت بھی' مگر دولت سے یہ رحمت بڑی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **مما یجمعون** سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے تعالیٰ کی رحمت ان کے جمع کردہ مال سے بہتر ہے تو کیا خرچ کئے ہوئے مال سے بہتر نہیں۔ **جواب:** کفار جمع شدہ مال کو خرچ شدہ مال سے بہتر جانتے تھے' اسی لئے جہاں تک ہو سکتا تھا مال خرچ نہ کرتے تھے' اور خرچ کرتے بھی تھے تو بہت خساست سے جیسا کہ اب بھی ہندوؤں کو دیکھا جاتا ہے' جب رب تعالیٰ کی رحمت ان کی جمع شدہ دولت سے بہتر ہوئی تو خرچ شدہ سے تو بدرجہا بہتر ہوگی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر تم مر گئے یا مار دیئے گئے' تو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں جمع کئے جاؤ گے' کیا موت و قتل حشر کی شرط ہے کہ اس کے بغیر حشر ہی نہ ہو۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: جی ہاں شرط ہے جیسے موت کے لئے یہ زندگی شرط ہے کہ اس کے بغیر موت آ سکتی ہی نہیں ایسے ہی اس زندگی یعنی حشر وغیرہ کے لئے موت شرط ہے کہ جب تک ایک متنفس زندہ ہے قیامت یعنی حشر نہ ہوگا قیامت سے پہلے سب کو مار دیا جائے گا۔ **چوتھا اعتراض:** **الی اللہ** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا اس میں کیا حکمت ہے؟ **جواب:** اس کی حکمت تفسیر میں عرض کر دی گئی ہے کہ اگرچہ دنیا میں بھی سارے بندے رب تعالیٰ کے روبرو حاضر ہیں اور اس کے قبضہ میں ہیں مگر یہاں اور بھی ظاہری حکام ہیں جن کی طرف حاجت مند حاجت روائی کے لئے رجوع کرتے ہیں مگر قیامت میں یہ ظاہری سارے ختم ہو جائیں گے ہر شخص کو صرف رب تعالیٰ سے ہی واسطہ ہوگا حضرات انبیاء اس کی بارگاہ میں سفارشی ہوں گے خود فیصلہ نہ فرمائیں گے حاکم وہی ہوگا بہرحال اس حصر میں بڑے فوائد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بندوں کی عبودیت تین قسم کی ہے بعض وہ ہیں جو عذاب کے ڈر سے عبادت کرتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو جنت کی امید میں اطاعت کرتے ہیں غرضکہ عبادت خوف کی بھی ہوتی ہے ذوق کی بھی اور شوق کی بھی اس آیت کریمہ میں تینوں عبادتوں کا ذکر ہے اور تینوں جماعتوں کا تذکرہ چنانچہ خوف والوں کے لئے فرمایا گیا **لمغفرة من اللہ** اور ذوق والوں کے لئے ارشاد ہوا **و رحمۃ** شوق والوں کے لئے فرمایا گیا **لا الی اللہ تحشرون** جس قسم کا آدمی ہو اسی قسم کی عبادت سے فائدہ اٹھائے صوفیائے کرام فرماتے ہیں دنیا زاد المعاد ہے یعنی مسافر کے راستہ کا توشہ جو مراد کو پہنچ گیا اسے زاد کی ضرورت نہیں اس آیت میں یہی ارشاد ہوا ہے کہ مسافرو! زاد میں پھنس کر مراد کو نہ بھول جانا۔ مبارک ہے وہ بندہ جس کی مراد ذات الٰہی ہو نہ دوزخ سے بچنا نہ جنت حاصل کرنا جس سے رب تعالیٰ راضی ہو گیا اسے یہ سب کچھ خود ہی مل جائے گا۔

حکایت: عیسیٰ علیہ السلام عابدین کی ایک جماعت پر گزرے جن کے بدن مشقت عبادت کی وجہ سے کمزور تھے اور چہرے پیلے فرمایا تم عبادت سے کیا چاہتے ہو وہ بولے عذاب الٰہی سے پناہ فرمایا رب تعالیٰ تمہیں اس سے پناہ دے دوسری جماعت پر گزرے جن میں یہی آثار عبادت تھے فرمایا تم کیا چاہتے ہو؟ وہ بولے جنت و رحمت فرمایا خدا تعالیٰ تمہیں نصیب کرے تیسری جماعت پر گزرے جن پر آثار عبادت پہلوں سے زیادہ تھے پوچھا تم کیوں یہ مشقتیں کر رہے ہو؟ وہ بولے اس لئے کہ ہم ہیں بندے وہ ہے رب بندے کا حق ہے مولیٰ کو راضی کرنا ہم صرف اس کی رضا چاہتے ہیں نہ جہنم سے پناہ نہ جنت کا حصول آپ نے فرمایا کہ مخلص عابد تم ہی ہو حافظ فرماتے ہیں۔

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

یعنی رب تعالیٰ کی عبادت کرو مزدوری نہ کرو رب تعالیٰ سے دعائیں کرو اسے رائے نہ دو اس نے تم جیسے کروڑوں پالے ہیں اسے بندہ پروری خوب آتی ہے سر کا قبلہ بیت اللہ ہے دل کا قبلہ رضاء اللہ ہونا چاہئے جب ان دو قبلوں کا اجتماع ہوگا تو عبادت مجمع قبلتین ہوگی اور وہ بندہ مجمع بحرین ہوگا اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنائے اور ایسی جامع عبادت نصیب کرے۔

www.alahazratnetwork.org

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا

پس بوجہ اللہ کی رحمت کے نرم ہوئے ان کے لئے اور اگر ہوتے آپ تیز مزاج سخت دل تو وہ ضرور بکھر

تو کیسی کچھ اللہ کی مہربانی ہے کہ اے محبوب تم ان کے لئے نرم دل ہوئے اور اگر تند مزاج سخت دل ہوتے

مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ

جاتے آپ کے پاس سے لہذا آپ انہیں معافی دے دو اور معافی مانگو ان کے لئے اور مشورہ فرماؤ ان

تو وہ ضرور تمہارے گرد سے پریشان ہو جاتے تو تم انہیں معاف فرماؤ اور ان کی شفاعت کرو اور کاموں

فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

سے کاموں میں پھر جب مصمم ارادہ کرو تو بھروسہ کرو اللہ پر بے شک اللہ پسند کرتا ہے توکل کرنے والے کو

میں ان سے مشورہ کرو اور جو کسی بات کا ارادہ پکا کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو بیشک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں

تعلق: اس آیت کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے ان غازیان احد کی معافی کا اعلان فرمایا جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے' اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی سفارش فرما رہا ہے کہ ہم نے تو انہیں معاف فرمادیا' اے محبوب تم بھی انہیں معاف فرمادو گویا پہلے معافی دینے کا ذکر تھا' اب معافی دلوانے کا۔ **دوسرا تعلق:** گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے غازیان احد پر خصوصاً" اور عام مسلمانوں پر عموماً" اپنے احسانات کا ذکر فرمایا اب ایک اور احسان کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ انہیں ایسے رحمت والے نبی کی امت بنایا' جو اپنے مجرموں' خطاکاروں پر کبھی غصے ہوتے ہی نہیں' کریم ہیں رحیم ہیں گویا فرمایا گیا کہ مسلمانوں تم دو کریموں کے درمیان ہو' تمہارا بیڑا پار ہے۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم — صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے اپنی حمد فرمائی کہ ہم غفور ہیں رحیم' ہم نے احد والے غازیوں کو بالکل معافی دیدی' اب اپنے محبوب کی نعت خوانی فرماتا ہے کہ ہمارے حبیب نرم دل' نیک خصلت ہیں گویا پچھلی آیتوں میں حمد الٰہی کا ذکر تھا' اور اب نعت مصطفوی کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے ان نعمتوں' رحمتوں کا ذکر فرمایا جو صحابہ پر کی گئیں' اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو ان کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر فرمائی گئیں گویا پہلے صحابہ کرام کے مناقب کا ذکر تھا' اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کا تذکرہ ہے۔ خیال رہے کہ حمد الٰہی اور مناقب اولیاء تمام کا تمہ نعت مصطفوی ہے' جو حمد یا جو منقبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف سے خالی ہو وہ ناقص بلکہ غیر مقبول ہے۔

شان نزول: حضرت عثمان ابن عفان کی زوجہ بعد غزوۂ احد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں' اور اپنے خاوند حضرت عثمان پر ناراضی کا اظہار فرما کر بولیں کہ عفان کے فرزند نے یہ کیا کیا وہ آئندہ کسی امامت اور کلیدی عہدے کے لائق نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مرتضیٰ اس وقت اپنے ہتھیار دھو رہے تھے'

www.alahazratnetwork.org

حضرت علی نے ان بی بی صاحب سے فرمایا کہ آج ہم کو عثمان نے رسوا کر دیا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بزرگوں کو حضرت عثمان کے برا کہنے سے منع فرمایا' فرمایا مہ مہ یعنی بس بس آگے کچھ نہ کہنا' جب حضرت عثمان اپنے دونوں ساتھیوں کے ساتھ جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو آپ کے ساتھ بھاگ کر مدینہ منورہ پہنچ گئے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہیں دیکھ کر سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ **لقد ذهبتم فيها عريضة**" بھائی تم اس دن بہت ہی دور چلے گئے۔

جس کی تسکین سے روتے ہوئے ہنس پڑیں   اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام!

اس آیت کریمہ میں یہ واقعہ مذکور ہے' اور رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خلق کریمانہ' اخلاق حمیدہ کی تعریف فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب یہ اخلاق بے مثال رب تعالیٰ کی رحمت ہیں (کبیر وغیرہ)۔

تفسیر: **فبما رحمة من الله لنت لهم** اس جملہ میں **ف** ترتیب کے لئے ہے' تاکہ معلوم ہو کہ اس جملہ کا مضمون گذشتہ مضمون پر مرتب ہے' اجنبی نہیں' **ب** سببیہ ہے' اور **لنت** کا متعلق مقدم ہے' اس تقدیم سے حصر کا فائدہ ہوا' **فبما** کا **ما** یا تو زائدہ ہے' جیسے **عما قليل** اور **جند ما هنالك** اور **فبما نقضهم** اور **مما خطيئاتهم** وغیرہ آیات میں **ما** زائد ہے' چونکہ قرآن شریف زبان عربی میں ہے' اور اہل عرب تاکید کے لئے کبھی کچھ حروف زائدہ بھی استعمال کرتے ہیں' لہٰذا قرآن کریم میں حرف زائدہ بھی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما ان جاء البشير** دیکھو یہاں **ان** زائدہ ہے' اور ہو سکتا ہے کہ ما تنکیریہ ہو بمعنی **شي** یا **ما** استفہامیہ ہو' اور استفہام تعجب کے لئے **رحمة** کی تنوین تعظیم کی ہے' جس کے معنی ہیں بہت بڑی رحمت' **من الله** کا **من** ابتدائیہ ہے' **لنت**' **لين** سے بنا' بمعنی نرمی' اس کا مقابل ہے خشونت یعنی سختی' اگرچہ لین اور خشونت جسم کی نرمی و سختی کو کہتے ہیں' مگر اخلاق و طبیعت کی نرمی سختی پر بھی بول دیا جاتا ہے (لسان العرب) یعنی اے محبوب اللہ تعالیٰ کی بڑی رحمت کے سبب تم اپنے ان غلاموں کے لئے نرم ہو گئے یا بہت شاندار رحمت کی وجہ سے' یا تعجب ہے کہ کیسی رحمت کی وجہ سے تم ان پر نرم ہو گئے' خیال رہے کہ یہاں رحمت الٰہی سے مراد یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمت ہے یا امت پر رحمت یعنی آپ پر یا آپ کی امت پر رب تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت ہے کہ آپ ان پر نرم ہیں' گویا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم پر نرم ہونا رب تعالیٰ کی عنایت بے غایت ہے' ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کریم ہیں رب تعالیٰ کے فضل سے **ولو كنت فظا** " **غليظ القلب** یہ علیحدہ جملہ ہے' جس میں نرمی اخلاق کے فوائد بتائے گئے' **فظ** اصل میں **فظظ** تھا بمعنی کلام سخت (لسان العرب) یا سخت عادت والا کریہہ الخلق (غیاث) غلیظ **غلظة** سے بنا' غلظت و خشونت قریباً ہم معنی ہیں یعنی سختی' بعض نے فرمایا کہ فظ وہ بد خلق ہے' جو دوسروں سے سختی سے پیش آئے' اور غلیظ القلب وہ ہے' جس کا دل دوسروں کی مصیبت پر نہ دکھے' دوسرے کے لئے اس کے دل میں رقت و ہمدردی نہ ہو' امام کلبی نے فرمایا کہ فظ اقوال میں سختی کا نام ہے' اور غلیظ القلب افعال میں سختی کا نام دوسرا پہلے کا سبب ہے کہ جب دل سخت ہوتا ہے تو باتیں بھی کرخت نکلتی ہیں **لانفضوا من حولك**' **لانفضوا** **فض** سے بنا بمعنی بکھر جانا' کسی چیز کا ٹوٹ کر اس کے اجزاء الگ الگ ہو جانا' کہا جاتا ہے **انفض القوم** قوم بکھر گئی یعنی اس کے افراد منتشر ہو گئے' (غیاث) لسان العرب میں ہے کہ فض کے معنی ہیں' لوگوں کے حلقہ کو ان کے

www.alahazratnetwork.org

اجتماع کے بعد پراگندہ کرو یعنی یہ لوگ آپ کے ارد گرد سے الگ الگ ہو جاتے 'بکھر جاتے **فاعف عنھم و استغفر لھم و شاورھم فی الامر** اس جملہ میں رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کا حکم دیا معافی یعنی اپنے حقوق کی معافی دینا' اس سے در گزر کرنا' استغفار حقوق اللہ کے متعلق' رب تعالیٰ سے ان کی معافی کی درخواست کرنا اور آئندہ انہیں اپنے دامن کرم میں رکھنا' اپنی مجالس میں ان سے مشورے کرنا' تاکہ انہیں یہ محسوس نہ ہو کہ اس خطا کی وجہ سے ہم بارگاہ عالیہ سے علیحدہ کر دیئے گئے' خیال رہے کہ **شاور** کا مصدر **مشاورۃ** ہے شور سے بنا' بمعنی چھتے سے شہد نکالنا' کہا جاتا ہے **شرت العسل** یا جانور پر اس کا قیام گاہ پیش کرنا' اسی لئے اصطبل کو عربی میں مشوار کہتے ہیں' کیونکہ رائے لینے کو مشورہ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے دوسروں کے دل کی بات معلوم کی جاتی ہے' دلی خیالات نکلوائے جاتے ہیں' بعض نے فرمایا کہ یہاں مشورہ سے مراد آئندہ جنگوں' جہادوں میں مشورہ لینا ہے مگر حق یہ ہے کہ ہر مشورہ مراد ہے' کیونکہ آیت میں مشورہ کے ساتھ کوئی قید مذکور نہ ہوئی' یعنی اے محبوب ان حضرات کو اپنے حقوق کی معافی دو' اور حقوق اللہ کی معافی کے لئے ہم سے ان کی سفارش و شفاعت فرماؤ' اور گذشتہ کی طرح پھر انہیں اپنا ہم نشین اور مشیر کار بناؤ' غرضکہ اس واقعہ کی بنا پر ان کے قرب حضوری میں کوئی فرق نہ آئے۔ خیال رہے کہ معافی اور استغفار تو ان سارے صحابہ کے لئے ہے' مگر مشورہ میں شریک فرمانا' اہل الرائے صحابہ کے لئے ہے' کہ مشورہ ہر شخص سے نہیں کیا جاتا' اور ان امور میں مشورہ مراد ہے جو قابل مشورہ ہوں' احکام قرآنیہ یا احکام نبویہ میں مشورہ مراد نہیں' کہ یہ چیزیں مشورہ کے لائق نہیں **فاذا عزمت فتوکل علی اللہ** عزم کے معنی ہیں عقد قلبی یعنی دل کا پختہ ارادہ' اسی لئے سخت جنگجو کو عزوم کہا جاتا ہے' حضور غوث پاک فرماتے ہیں **عزوم قاتل عند القتال** توکل کے معنی بارہا بیان ہو چکے' کہ توکل اپنا کام دوسرے کے سپرد کر دینے کو کہتے ہیں' اسی سے ہے وکیل' یعنی اے محبوب جب آپ مشورہ وغیرہ کے بعد کسی کام کا مصمم ارادہ فرمالیں' تو رب تعالیٰ پر بھروسہ کریں' نہ اپنی قوت پر' نہ دوستوں کی جماعت پر' یعنی تدبیر کے بعد تقدیر پر صابر و شاکر رہیں' امر الٰہی کا انتظار فرمائیں **ان اللہ یحب المتوکلین** یہ جملہ توکل کی وجہ ہے' یعنی توکل اس لئے کریں کہ توکل رب تعالیٰ کو پیارا ہے' اور متوکل لوگ رب تعالیٰ کو محبوب' اور یہ نہیں ہو سکتا' کہ ہم اپنے محبوبوں کو دشمنوں کے حوالہ کر دیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا!   کہ در دست دشمن گذارد ترا

لہٰذا آپ جہاد وغیرہ میں توکل کے ہتھیار ضرور ساتھ رکھیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے غازیان احد جن کے میدان میں قدم اکھڑ گئے تھے' ان کی ہمت افزائی' بلکہ عزت افزائی کے لئے اپنی معافی کا دوبارہ اعلان فرما کر' اور کفار کے جوابات دے کر اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف فرما کر ان کے متعلق تین باتیں بیان فرمائیں' فرمایا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر یا آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی رحمت ہے' کہ آپ قدرتی طور پر ان حضرات پر بہت ہی نرم دل واقع ہوئے' کہ جنگی حالات میں حکم سے سرتابی کرنے والے سپاہیوں کو نرم سے نرم بادشاہ و سلاطین بھی سخت سے سخت سزائیں دیتے ہیں' خصوصاً جبکہ ان کی غلطی سے سخت نقصان بھی پہنچا ہو' مگر آپ بفضلہ تعالیٰ ایسے رؤف ہیں' ایسے رحیم و کریم ہیں کہ احد کی جنگ سے چلے جانے والے صحابہ پر بھی آپ نے کوئی سختی نہ کی'

www.alahazratnetwork.org

حالانکہ ان کی اس غلطی سے جنگ کا نقشہ بھی بدل گیا' آپ کو بھی تکالیف پہنچیں' یہ وقت سخت سزا دینے کا تھا' مگر آپ نے اس وقت بھی کرم ہی سے کام لیا' اگر آپ سخت زبان یا سخت دل ہوتے' تو لوگ آپ پر ایسے فدا نہ ہوتے' سب آپ کے پاس سے بھاگ جاتے' لہذا اب ہم ان سب کی سفارش فرماتے ہیں' کہ آپ کو جو کچھ تکالیف پہنچیں انہیں معاف فرمادو' اور ان کے بھاگ جانے پر جو کچھ دین کا نقصان ہوا اس کی درگزر کے لئے ہم سے شفاعت کرو' تاکہ ہم بھی انہیں مزید معافی دے دیں' اور ان کے درجے بڑھادیں' اور اس بار جو ان سے غلطی رائے ہوئی' اس سے انہیں منصب وزارت سے علیحدہ نہ کرو' بلکہ پہلے کی طرح آئندہ بھی انہیں اپنے مشوروں وغیرہ میں شریک رکھو' ہر قابل مشورہ چیز میں ان سے مشورے لو' اور جب مشورہ وغیرہ کے بعد کسی کام کا پختہ مصمم ارادہ فرمالو' تو پھر اللہ تعالیٰ پر توکل کرو' نہ اپنی قوت پر' نہ ان کے مشوروں پر' اور پھر جو قدم اٹھ چکا ہے' اسے پیچھے نہ کرو' کیونکہ توکل کرنے والے رب تعالیٰ کو پیارے ہیں' اور پیارے دشمنوں کے حوالے نہیں کئے جاتے تو تم کیسے مغلوب ہوگے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جیسے اور صفات عالیہ میں کمال بخشا ہے' ایسے ہی نرمی طبیعت' اعلیٰ گفتار' خوش خلقی میں بھی کمال بخشا ہے' تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قوت نظری میں **نور علی نور** ہیں اور یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی شان میں ہے (کہ **نور علی نور**) اور قوت عملی میں انتہائی کمال کو پہنچے ہوئے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک لعلی خلق عظیم** گویا آپ جسماً بشر اور روحاً فرشتہ ہیں' اسی لئے شہوت' غضب' حب مال اور حب جاہ سے آپ کی طبیعت پاک متاثر نہیں ہوتی (تفسیر کبیر) یہ فائدہ **لنت** الخ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** نرمی دل اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے جو اس کے کرم ہی سے ملتی ہے' انسان فقط اپنی کوشش سے یہ وصف حاصل نہیں کرسکتا' جیسا کہ **فبما رحمۃ** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کسی کی طرف لوگوں کا میلان اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' اور لوگوں کی نفرت خدا تعالیٰ کا عذاب جیسا کہ **لا نفضوا** الخ سے معلوم ہوا' اللہ والوں کی قبروں پر ہجوم' میلے لگے رہتے ہیں' یہ ان کی قبولیت کی علامت ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حقوق العباد بندے ہی کے معاف کرنے سے معاف ہوسکتے ہیں' جیسا کہ **فاعف عنھم** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور اس کے غضب سے پناہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے وسیلہ سے حاصل ہوسکتی ہیں' جیسا کہ **واستغفر لھم** سے معلوم ہوا' جب رب تعالیٰ اپنے بندوں کو معافی دینا چاہتا ہے' تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے فرماتا ہے **واستغفر لھم** ان کے لئے ہم سے معافی مانگو' معلوم ہوا کہ دروزاۂ عطاء جناب مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چھٹا فائدہ:** غازیان احد جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے تھے بڑی ہی شان والے ہیں' کہ رب تعالیٰ نے پہلے تو اپنی معافی کا اعلان کیا' پھر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ تم بھی انہیں معاف فرمادو' جنہیں اللہ بھی معاف کردے اور اس کا رسول بھی' اس کی عظمت کا کیا پوچھنا۔ **ساتواں فائدہ:** حقوق اللہ کوئی بندہ معاف نہیں کرسکتا' اسی لئے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو عفو کے بعد استغفار کا حکم دیا' یعنی اے حبیب اپنے حق تم معاف کرو' اور حقوق اللہ کے متعلق ہماری بارگاہ میں ان کی شفاعت فرماؤ۔ **آٹھواں فائدہ:** بڑا چھوٹے سے سفارش کرسکتا ہے' دیکھو اللہ تعالیٰ نے رب ہوکر اپنے حبیب سے خطاکاروں کی سفارش فرمائی' مگر اس کا نام سفارش ہوگا نہ کہ شفاعت ہوگا' لہذا

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ کو شفیع نہیں کہہ سکتے' وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ کسی نے عرض کیا' یارسول اللہ میں رب تعالیٰ کو آپ کی بارگاہ میں شفیع لاتا ہوں' تو سرکار اس پر بہت ناراض ہوئے' اس کی یہی وجہ تھی' لہٰذا وہ حدیث اس آیت کے خلاف نہیں۔ نواں فائدہ: اہم کاموں میں مشورہ لینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہے اور حکم قرآنی بھی مشورے سے کام کرنے والا نادم نہیں ہوتا۔ دسواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اجتہاد جائز تھا' جیسا کہ شاورھم سے معلوم ہوا' کیونکہ مشورے میں ہر شخص اپنے اجتہاد سے ہی رائے دے گا۔ گیارھواں فائدہ: صحابہ کرام بڑی ہی عظمتوں کے مالک ہیں' کہ رب العالمین نے انہیں اپنے حبیب کا مشیر بنایا' یہ دونوں فائدے تفسیر روح المعانی نے بیان کئے' اسی روح المعانی میں بروایت حاکم و بیہقی حضرت ابن عباس سے بسند صحیح روایت ہے کہ آیت و شاورھم میں حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم مراد ہیں' یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان دو بزرگوں کے مشورے سے کام کیا کریں' فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جس چیز پر ابوبکر و عمر جمع ہو جائیں' تو میں اس کی مخالفت کبھی نہ کروں گا' احمد' اور فرمایا کہ جس پر یہ دونوں جمع ہو جائیں' وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے موافق ہے' یہ تمام فائدے تفسیر روح المعانی وغیرہ میں مصرح ہیں۔ بارھواں فائدہ: مشورے اور اسباب پر عمل توکل کے خلاف نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے پہلے اپنے حبیب کو مشورہ کا حکم دیا' پھر توکل کا تیرھواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ خوب سوچ سمجھ کر کسی کام میں قدم رکھے اور جب قدم رکھ دے پھر پیچھے نہ ہٹائے' جیسا کہ فاذا عزمت سے معلوم ہوا' بغیر سوچے ہر کام شروع کر دینا' پھر فوراً ہی چھوڑ دینا سخت غلطی ہے' استقامت کے بغیر حکمرانی' تجارت' جہاد کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔ چودھواں فائدہ: خوش خلقی بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے' افسوس کہ آج ہم مسلمان رفع یدین' آمین بالجہر پر ان کو سنت جان کر جھگڑا کرتے ہیں اور جھگڑوں میں آپے سے باہر ہو کر اخلاق محمدی کو طاق میں رکھ دیتے ہیں' یہ نہیں سوچتے کہ اخلاق کا یہ تو اعلیٰ تو سنت ہے۔

اعتراض: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نرمی دل اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے' مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے واغلظ علیہم اے محبوب ان پر خوب سختی کرو اور مسلمانوں کو حکم دیتا ہے و لیجدوا فیکم غلظۃ' ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں مسلمانوں پر نرمی کا ذکر ہے اور ان آیات میں جنگجو کفار و منافقین پر سختی کا حکم ہے مسلمانوں پر نرمی اچھی ہے' کفار پر سختی ضروری' سانپ کا سر کچل دو' مفید جانوروں کی پرورش کرو' اس کی تفسیر وہ آیت ہے اشداء علی الکفار رحماء بینھم۔ دوسرا اعتراض: اگر کفار پر سختی اچھی چیز ہے تو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے کیوں فرمایا تھا و قولا لہ قولا" لینا" تم دونوں فرعون سے نرم گفتگو کرنا' فرعون بھی تو کافر تھا۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام میں فرعون پر سختی کرنے کی طاقت نہ تھی' کفار پر سختی طاقت حاصل ہونے پر کی جاتی ہے' دیکھو ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت سے پہلے حکم دیا گیا کہ جاہلوں سے چشم پوشی کرو ان سے درگزر کرو' کیوں؟ اس لئے کہ اس وقت جہاد کی قوت نہ تھی' بعد ہجرت جب اسباب جمع ہو گئے' تو جہاد کا حکم دیا گیا' دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں انہیں نرم کیا گیا' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جمالی رسول ہیں' رحمت والے' کرم والے پیغمبر ہیں کہ طائف میں پتھر مارنے والوں کو رحمت کی دعائیں دیتے ہیں' انہیں فرمایا گیا محبوب کچھ تو سختی کرو' غرضکہ یہ مختلف احکام

www.alahazratnetwork.org

مختلف طبیعتوں کے لحاظ سے ہیں۔ تیسرا اعتراض: معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے دل میں ایمان نہ تھا اور نہ وہ ایمان کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے تھے' بلکہ فقط اپنے ذاتی فائدوں یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے فائدے اٹھانے کے لئے آپ کے گرد جمع ہو گئے تھے' دیکھو رب تعالیٰ فرمارہا ہے کہ اگر آپ سخت دل ہوتے' تو یہ لوگ آپ کے پاس سے بھاگ جاتے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی: تو یہ ہے کہ پھر حضرات اہل بیت کے ایمان کی بھی خیر نہیں کیونکہ یہاں کسی کا استثناء نہیں کیا گیا کہ سوائے فلاں فلاں چار پانچ شخصوں کے باقی سب بھاگ جاتے' جواب تحقیقی: یہ ہے کہ یہاں **لا نفضوا** کے معنی یہ نہیں جو تم سمجھے' بلکہ مقصد یہ ہے کہ اگر آپ اتنے بڑے اخلاق کے مالک نہ ہوتے' تو یہ حضرات آپ کے پاس اول سے آتے ہی نہ' اور جب آتے نہ تو ہدایت بھی نہ پاتے' اور آپ کے بھیجنے کا منشاء ہی فوت ہو جاتا' اور آجانے کے بعد بھی جب ان سے کوئی خطا سرزد ہو جاتی تو خوف کی وجہ سے آپ کی بارگاہ میں حاضری کی ہمت ہی نہ کرتے' جب انہوں نے آپ کے عفو و کرم کو آزمالیا تو ہزار دفعہ خطاء کر کے آپ کے دامن سے ایسے لپٹتے ہیں جیسے خطاوار بچہ اپنی ماں سے لپٹتا ہے' تمہاری شان تو یہ ہے۔

کر کے تمہارے گناہ' مانگیں تمہاری پناہ ۔۔۔ تم کہو دامن میں آ' تم پہ کروڑوں درود!

چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف ۔۔۔ تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا!

ان حضرات صحابہ نے اسلام کی خاطر وہ سختیاں برداشت کیں' جس کی مثال آسمان و زمین نے نہ دیکھی' انہی کی جانبازیوں اور سرفروشیوں کے صدقے میں ہم مسلمان نظر آرہے ہیں۔ چوتھا اعتراض: جب ان غازیان احد کی معافی کا رب تعالیٰ نے اعلان فرمادیا' تو پھر کیوں کہا کہ آپ ان کے لئے ہم سے معافی مانگیں۔ جواب: **استغفر لهم** میں اس خطا کی معافی مراد نہیں' وہ تو پہلے ہی ہو چکی' بلکہ اور خطاؤں کی معافی مراد ہے' کہ خدایا ان سے آئندہ جو بھی خطائیں ہوں انہیں معاف فرمادیا کرنا۔ پانچواں اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو صحابہ کرام سے مشورہ کی کیا ضرورت تھی' آپ تو صاحب وحی ہیں' جو چاہیں رب تعالیٰ سے پوچھ لیں۔ جواب: کام دو قسم کے ہیں دینی اور دنیاوی' دینی کام پھر دو قسم کے ہیں' منصوص اور اجتہادی' منصوص احکام میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے مشورہ نہ فرماتے تھے' بلکہ جو حکم الٰہی آتا' عمل کرتے اور کراتے تھے' اجتہادی احکام میں اختلاف ہے' بعض علمائے کے ہاں اس میں مشورہ نہیں' بلکہ سرکار اپنے اجتہاد پر عمل فرماتے تھے' مگر بعض علماء کے نزدیک اس میں مشورہ کرنا جائز تھا' رہے دنیوی امور' نکاح شادی یا نوعیت جنگ' اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ مشورے کئے' چنانچہ بدر کے قیدیوں' غزوۂ خندق کی نوعیت احد کے دفاع میں سرکار نے مشورے کئے ہیں' ان مشوروں میں ان حضرات کی عزت افزائی تھی' اور ہم لوگوں کو مشورے کی تعلیم' ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل تمام جہان سے اعلیٰ اور کامل ہے' خود رب تعالیٰ نے خلیفۃ اللہ پیدا فرماتے وقت فرشتوں سے مشورہ کیا' اسی لئے ان کو خلاف رائے دینے کی ہمت ہوئی' تفسیر کبیر نے یہاں بڑے مزے کی بات فرمائی' وہ فرماتے ہیں' کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے اپنا علم حاصل کرنے کے لئے نہ تھے' بلکہ ان حضرات کی ذہانت معلوم کرنے کے لئے تھے' کہ کن کی قوت اجتہادی کس درجہ کی ہے' اور بھی اس میں صدہا حکمتیں تھیں۔ چھٹا اعتراض: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو صحابہ کرام سے پہلے بھی مشورے لیا کرتے تھے' اب کیوں حکم ہو رہا ہے کہ ان سے مشورے لو۔ جواب: اس لئے کہ ان بزرگوں کے مشوروں سے احد کی جنگ

www.alahazratnetwork.org

میدان میں لڑی گئی، جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا انہیں خیال ہوا ہو گا کہ اب ہم بہت بخشوتیہ نہ لئے جائیں گے ہم اس لائق نہیں اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب آپ پہلے کی طرح اب بھی ان حضرات سے مشورے لیا کریں۔ **ساتواں اعتراض:** تم نے فوائد میں بیان کیا کہ شاورھم میں ھم سے مراد صدیق و فاروق ہیں یہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جن کے قدم میدان سے اکھڑ گئے تھے انہی کے لئے فرمایا گیا کہ انہیں معافی دے دو ان کے لئے بخشش مانگو ان سے مشورے کرو جب یہ حضرات میدان سے ہٹے ہی نہیں تو نہ ان کے لئے معافی نہ ان سے مشورہ کا حکم۔ **نوٹ:** یہ اعتراض امام فخرالدین رازی علیہ الرحمتہ نے تفسیر کبیر میں کیا۔ **جواب:** چونکہ اس بارے میں سیدنا عبداللہ ابن عباس کی روایت آچکی اس لئے اعتراض کی گنجائش ہی نہیں اور حدیث کا منشاء یہ ہے کہ یہ دونوں حضرات علی وجہ الکمال مشورہ کے لائق ہیں کہ صحابہ میں مجتہد اعظم ہیں باقی دیگر حضرات بھی ان میں شامل ہیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ معافی اور استغفار سب کے لئے تھے مگر مشورہ اہل الرائے سے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی نرم دل، خوش خلق تھے باقی انبیائے کرام نہ نرم دل تھے نہ خوش خلق تو کیا وہ حضرات بد خلق تھے بد خلقی تو عیب ہے۔ **جواب:** اولاً تو آیت کریمہ میں حصر کا لفظ ہے نہیں تاکہ اس سے دوسرے انبیائے کرام کی بد خلقی ثابت ہو اگر بلا دلیل حصر مان بھی لیا جائے تو یہ حصر دوسرے سلاطین امراء وغیرھم کے مقابلہ میں ہو گا یعنی آپ دوسرے بادشاہوں امیروں کی طرح کج خلق نہیں جو بات بات میں اپنے ماتحتوں پر سختی کرتے ہیں اور اگر حصر بھی مان لو اور یہ بھی کہ یہ حصر دوسرے نبیوں کے مقابلہ میں ہے تب بھی ان حضرات کی بد خلقی ثابت نہ ہو گی بلکہ مطلب یہ ہو گا کہ بعض انبیائے کرام جلالی تھے اور یہ جمالی رسول ہیں جلالی نبیوں نے کفار کو بددعا فرما کر ہلاک کرادیا یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت نوح و ہود اور صالح علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح جلال والے رسول ہوتے رحمۃ للعالمین نہ ہوتے تو ہم سب ہلاک ہو جاتے ان جلالی پیغمبروں نے اپنے نافرمانوں کے لئے جو چیزیں رب تعالیٰ سے مانگیں ہمارے رحمت والے رسول نے ان ہی چیزوں کے دفعیہ کی رب تعالیٰ سے سفارش فرمائی۔ **نواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت نرم دل ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی چور اور زانی وغیرہ کو معافی نہ دی بہت سخت پکڑی یہ نرمی کیسی؟ اسلام کے قوانین جس قدر سخت ہیں اتنے کسی دین کے قوانین سخت نہیں۔ **جواب:** اپنے معاملات میں درگزر اور اپنے ذاتی مجرم کو معاف کر دینا خوش خلقی ہے مگر قوم و ملک کے دشمنوں سے درگزر کرنا لاقانونی ہے جس سے فساد پھیلتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نرم دل ہیں لاقانونی نہیں ہونے دیتے سخت قوانین سے ہی جرم رکتے ہیں اور امن قائم ہوتا ہے نرم قوانین کا وہ انجام ہے جو آج دیکھا جا رہا ہے کہ نہ کسی کی جان محفوظ ہے نہ مال نہ آبرو۔

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیائے کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں اسی لئے ان کے رنگ مختلف ہیں صفت قہر و جبر کے مظہر جلالی ہوتے ہیں اور صفت رحم و کرم کے مظہر جمالی تمام حضرات یک رنگ نہیں پھر حضرات اولیاء حضرات انبیاء کے نقش قدم پر ہیں اس لئے ان کے حالات بھی مختلف ولایت نوحی والے ولی سخت جلالی اور ولایت ابراہیمی والے ولی جمالی ولایت سلیمانی والے اولیاء صاحب تخت و تاج ہوتے ہیں اور ولایت عیسوی والے اولیاء تارک الدنیا ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

مظہر ذات کبریا ہیں' اور رب تعالیٰ کی تمام صفات کے مظہر اتم ہیں' یہاں لنت لہم میں آپ کی صفت جمالی رحم و کرم کا ذکر ہے' اور **واغلظ علیہم** میں آپ کی صفت جلالی کا تذکرہ' چونکہ رحمت الٰہی غضب پر غالب ہے اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم و کرم غضب پر غالب' اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسی کشش ہے کہ آپ کی طرف انسان تو کیا جنات' فرشتوں بلکہ لکڑی اور پتھروں کے دل بھی کھچتے ہیں' آپ کے نام پر آنسو نکل پڑتے ہیں' اس آیت میں اسی کشش کا ذکر ہے کہ اگر آپ پر غضب غالب ہوتا تو آپ کے زیر سایہ تمام خلق الٰہی یوں جمع نہ ہوجاتی بلکہ سب بکھر جاتے' اسی رحمت پر اور زیادتی فرماتے ہوئے فرمایا کہ محبوب انہیں خوب معافیاں دیا کرو' ان کے لئے دعائیں کیا کرو' تمہاری دعاؤں سے ہی ان بے سہاروں کا سہارا ہے' انہیں ہر موقعہ محل پر اپنے پاس رکھا کرو' محبوب کو انداز محبوبانہ اور زیادہ سکھائے جارہے ہیں۔

حکایت: کسی جلسہ میں ڈاکٹر اقبال موجود تھے نعت خواں نے وہ مشہور نعت پڑھی ع

جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا

جب نعت خواں نے یہ شعر پڑھا کہ۔

حق نے کہا معراج آ جا پیاری لوا پیارے دکھلا جا　　پردہ میں نہیں آ جا تو ہے دیکھا بھالا!

تو ڈاکٹر صاحب کو وجد آگیا بولے' دو شعر میرے بھی اس نعت میں ملا دو۔

قدرت کی تحریریں جانے' ہی اور تقریریں جانے　　بخشش کی تدبیریں جانے' پھر ہے بھولا بھالا

آن کی آن میں عرش پہ جائے' پلک جھپکتے فرش پہ آئے　　مکہ کا سورج کہلائے' یثرب کا اجیالا

غالباً ڈاکٹر صاحب کو یہ خبر نہ ہوئی ہوگی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھولا بھالا اور مدینہ پاک کو یثرب کہنا منع ہے' اسی لئے یہ لفظ بول گئے' بہرحال محبوب اولا" خود ہی حسین تھے' پھر ان آیات نے سونے پر سہاگہ یا حسن پر زیور کا کام دیا' مولانا محمد یار صاحب بہاولپوری فرماتے ہیں۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے　　امی لقبی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا!　　بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

صلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد و آلہ و صحبہ وسلم

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ
اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں ہے کوئی غالب آنے والا تم پر اور اگر وہ چھوڑ دے تم کو تو کون
اگر تمہاری مدد کرے اللہ تو کوئی تم پر غالب نہیں آ سکتا اور اگر وہ تمہیں
ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
ہے وہ جو مدد کرے تمہاری اس کے بعد اور اللہ پر ہی بھروسہ کریں بھروسہ
چھوڑ دے تو ایسا کون ہے جو پھر تمہاری مدد کرے اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ

www.alahazratnetwork.org

الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۰
کرنے والے
چاہیئے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشورہ کرنے کا حکم دے کر رب تعالیٰ پر توکل کرنے کا حکم دیا تھا اب اس حکم کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ مشورہ وغیرہ اس وقت کام دیتے ہیں جب ہماری مدد شامل حال ہو' ورنہ یہ سب بیکار' بلکہ بعض حال میں وبال بلکہ نکال بن جاتے ہیں گویا پہلے دو حکم تھے اب ان حکموں کی وجہ کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں رب تعالیٰ نے جنگ احد کے دو نقشے دکھائے اولاً فتح و غنیمت بعد میں ہزیمت' اب ان دونوں باتوں سے نتیجہ نکالا جا رہا ہے کہ سب کچھ ہمارے کرم پر موقوف ہے' اگر کرم کریں تو وہ ہو جو احد میں پہلے پہل ہوا' اگر نہ کریں تو وہ ہو جو بعد میں ہوا لہذا ہم پر نظر رکھو ہم کو راضی رکھنے کی کوشش کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائے خیر کرنے کا حکم دیا گیا اب مسلمانوں کو در پردہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ہمارے محبوب کی دعائیں لو اگر وہ دعا کریں گے تو ہم تمہاری مدد کریں گے' اور جب ہم مدد کریں گے تو تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کسی کام کا ارادہ مصمم کرنے سے پہلے مشورہ وغیرہ کر لیا کرو' مگر جب عزم بالجزم کر لو' تو صرف توکل کرو' اب کسی مشورہ وغیرہ کی ضرورت نہیں' اب اس آیت میں اس حکم کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ ہماری مدد کے ہوتے تم پر کوئی غالب نہ آسکے گا۔ لہذا عزم کے بعد رزم ہی چاہئے نہ کہ بزم۔

تفسیر: **ان ینصرکم اللہ'** **ان** شرطیہ ہے' جو شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے' مگر کلام الٰہی میں شک بندوں کے لحاظ سے ہوتا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے لحاظ سے' کہ وہ تو علیم و خبیر ہے' یہاں **ان** فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ تم ہماری مدد کی امید رکھو' یقین نہ کرو' اگر مدد نہ کریں' تو اس کی وجہ تمہاری اپنی غلطی پر ہوگی' **نصر** کے معنی مدد کرنا بھی ہیں' اور بچانا بھی' اور روکنا بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فمن ینصرنی من اللہ ان عصیتہ** اور فرماتا ہے **انی مغلوب فانتصر** یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں (صاوی) **کم** میں خطاب یا تو غازیان احد سے ہے یا تمام صحابہ کرام سے یا تاقیامت مسلمانوں سے' تیسری بات زیادہ قوی ہے' **نصر** سے مراد غیبی مدد بھی ہے' اور ظاہری سامان کی مدد بھی' کیونکہ ظاہری مدد جب کام آتی ہے جب غیبی مدد شامل حال ہو' یعنی اے غازیو یا اے صحابیو! یا اے مسلمانو! اگر اللہ تعالیٰ تمہاری غیبی اور ظاہری مدد کرے' غازی کے دل میں ہمت' کفار کے دل میں ہیبت پیدا فرمانا' کبھی غازیوں کے لئے حالات کا سازگار کر دینا' لوگوں کو ان کی مدد کی طرف راغب فرما دینا' رب تعالیٰ کی غیبی اور ظاہری مددیں ہیں **فلا غالب لکم** یہ جملہ شرط مذکور کی جزاء ہے' **لکم** میں لام بمعنی **علی** ہے اور **غالب** میں کفار' شیاطین' جن وغیرہ تمام موذی مخلوق داخل ہے' یعنی ہماری مدد کی صورت میں تم پر کوئی جماعت' کوئی شخص' جن' موذی جانور بلکہ تمہارا نفس غرضیکہ کوئی چیز تم پر غالب نہیں آسکتی' خواہ وہ کتنی ہی قوی ہو اور تم کتنے ہی کمزور ہو **و ان یخذلکم** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے' جس میں پہلی صورت کے مقابل کا مع اس کے نتیجہ کے تذکرہ ہے' **یخذل'** **خذل** سے بنا' **خذل**

www.alahazratnetwork.org

کے معنی ہیں کسی ایسے دوست کا چھوڑ دینا' جس کی مدد کی امید ہو (غیاث) خزی' خ اور ز سے اس کے معنی ہیں رسوائی اسی خذ ل سے خذلا ن بھی ہے' ہماری قراءت میں یخذ ل ی کے فتح ذ کے پیش سے ہے' یعنی نصر کا مضارع دیگر قراتوں میں ی کے پیش اور ذ کے کسرہ سے ہے' یعنی باب افعال کا مضارع یعنی اگر رب تعالیٰ ہی تم کو چھوڑ دے کہ تمہاری مدد نہ کرے فمن ذ ا الذی ینصر کم یہ جملہ اس دوسری شرط کی جزاء ہے' من استفہامیہ ہے' اور استفہام انکاری ہے' ذا اسم اشارہ ہے اپنے مشار الیہ سے مل کر من کی خبر ہے' یعنی سوچو کہ پھر ایسا کون ہے جو تمہاری مدد کر سکے' ظاہری یا باطنی' یعنی کوئی انس و جن بلکہ تمام خلق تمہاری مدد نہیں کر سکتی' لطف یہ ہے کہ یہاں لا غالب لکم کا مقابل بیان نہ ہوا' یعنی یغلبکم بلکہ اس کا لازم ذکر فرمایا گیا کہ جب ہم مدد چھوڑ دیں تو تمہارا کوئی مددگار نہیں' جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم مغلوب یا ہلاک ہو جاؤ گے' من بعدہ جار مجرور ینصر کم کے متعلق ہے' اور بعدہ کی ضمیر خذلا ن کی طرف راجع ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی طرف' تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ ہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے' پہلی صورت میں بعد ظرف زمان ہے' اور دوسری صورت میں ظرف مکان کے لئے مانگی گئی' یعنی اللہ تعالیٰ کے مدد چھوڑ دینے کے بعد تمہارا کوئی مددگار نہیں' یا اللہ تعالیٰ سے بھاگ کر اور جگہ چلے جانے پر تمہارا مددگار کوئی نہیں و علی اللہ فلیتوکل المئومنون' علی اللہ متعلق مقدم ہے فلیتوکل کا' اس تقدیم سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا' یعنی صرف رب تعالیٰ پر ہی ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہئے نہ کہ کسی اور پر' کہ کارساز حقیقی وہی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! عاقل وہی ہے جو واقعات عالم سے سبق لے' عالم مدرسہ ہے واقعات اسباق' تم نے بدر و احد دونوں جنگوں کو دیکھا' نیز احد کا اول وقت بھی دیکھا اور آخر بھی' کہ بدر میں تم تھوڑے تھے اور بے سامان' مگر بہت سامان والی جماعت پر غالب آ گئے' گویا تین سو تیرہ (313) نہتوں نے ایک ہزار ہتھیار بند فوج کو مار دیا' پکڑ لیا' بھگا دیا' اور احد میں تم زیادہ بھی تھے' ہتھیار بند بھی اور جنگ کے لئے تیار بھی' مگر تم نے پہلے تو بھگایا اور بعد میں خود تمہیں بھاگنا پڑ گیا اس سے نتیجہ یہ نکلا کہ اگر اللہ تمہاری مدد کرے' تو خواہ تمام دنیا تمہارے مقابلہ میں جمع ہو کر آ جائے' مگر تم پر غالب نہیں آ سکتی' تم ہی غالب رہو گے' اور اگر تمہاری کسی غلطی کی وجہ سے کسی خاص موقعہ پر رب تعالیٰ تمہاری امداد چھوڑ دے' تو خود سوچ لو' کہ زمین و آسمان میں ایسا کون ہے' جو رب تعالیٰ کے مقابل ہو کر اس کے چھوڑنے کے بعد تمہاری کسی قسم کی امداد کر سکے' ایسا نہ کوئی ہے' نہ ہو گا' نہ ہو سکتا ہے' جب یہ بات تمہارے ذہن نشین ہے' اور یقیناً ہے' کیونکہ تم مومن ہو تو چاہئے کہ سارے مومن اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں' اس کے سواء ساز و سامان' دوست' جماعت' زور وغیرہ کسی چیز پر بھروسہ و اعتماد نہ کرو' فتح و کامرانی فقط زور سے نہیں' بلکہ رب تعالیٰ کے آگے زاری سے بھی ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ وہ قدرت والا ہے' جس نے ابابیل کے ذریعہ فیل مروا دیئے' تو تمہیں غلبہ دینا اس کے نزدیک کیا مشکل ہے؟

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو رب تعالیٰ سے مدد چاہے' وہ رب تعالیٰ پر بھروسہ کرے' اس پر بھروسہ اس کی مدد کی شرط ہے' جیسا کہ فلیتوکل کی ف سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** مدد کے لئے توکل شرط' اور توکل کے لئے ایمان شرط' کافر کیسا ہی تارک الدنیا ہو' اور کتنا ہی رب تعالیٰ پر قانع ہو' مگر متوکل نہیں' جیسا کہ المئومنون

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوا جیسے ایمان کے بغیر نماز روزہ صحیح نہیں' ایسے ہی ایمان کے بغیر توکل درست نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جب اللہ تعالیٰ کرم کرتا ہے' تو اس کے بندے مدد کرتے ہیں' ان بندوں کی مدد رب تعالیٰ ہی کی مدد ہے' جیسا کہ **من بعدہ** سے معلوم ہوا' کیونکہ آیت میں فرمایا یہ گیا کہ اگر ہم تمہیں چھوڑ دیں تو تمہارا مددگار کوئی نہیں یعنی اگر ہم تمہیں نہ چھوڑیں' تو تمہارے مددگار بہت ہیں' اگر نہ چھوڑنے پر بھی مددگار کوئی نہ ہو' تو **ان یخذلکم** شرط محض بیکار ہوگی' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا** تمہارے مددگار اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اور مومنین ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** جن آیات میں آیا کہ تمہارا مددگار کوئی نہیں' وہاں یہی مراد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد چھوڑ دے' تو تمہارا مددگار کوئی نہیں یہ آیت کریمہ ان آیات کی تفسیر ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ تعالیٰ کے سواء تمہارا دوست و مددگار کوئی نہیں' وہاں یہی مراد ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی اللہ تعالیٰ عارضی طور پر مسلمانوں کی امداد چھوڑ دیتا ہے' ان کی اپنی کسی غلطی اور خطاء کی وجہ سے' یہ چھوڑنا عارضی ہوتا ہے' وہ بھی آئندہ سمجھانے اور بتانے کے لئے' یہ چھوڑنا بھی اس کی رحمت ہے' جیسا کہ **ان یخذلکم** سے معلوم ہوا' **بلا تشبیہ** یوں سمجھو کہ مہربان باپ اپنے عزیز بچے کو کبھی مٹھائی دے کر پڑھاتا ہے' اور کبھی چپت لگا کر' یہ دونوں طریقے تعلیم ہی کے لئے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** سمجھانا کبھی بتا کر ہوتا ہے کبھی پوچھ کر' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے ہمیں سمجھایا کہ ہمارے بغیر تمہارا مددگار کوئی نہیں' مگر **لا ناصر لکم** نہ فرمایا بلکہ اتنی بڑی عبارت فرمائی **فمن ذا الذی** الخ پوچھ کر سمجھانا ہی مفید ہوتا ہے کہ جب یہ مخص خود سوچ کر کوئی بات سمجھے گا تو اسے یاد بھی خوب رہے گی' غرضکہ منشاء ایک ہے یعنی بندوں کی تعلیم مگر طریقے مختلف۔

اعتراض: پہلا اعتراض: **من بعدہ** سے معلوم ہوا کہ یا تو رب تعالیٰ کے لئے فنا ہے یا اس سے کوئی چیز غائب ہے' کیونکہ **بعد** تو فانی کے لئے ہوتا ہے اور پیچھے غائب کے لئے' تو گیا اسلام خدا کے لئے فنا مانتا ہے (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ **بعدہ** کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف نہیں لوٹ رہی ہے' بلکہ **یخذل** کے مصدر کی طرف یعنی رب تعالیٰ کے چھوڑ دینے کے بعد تمہارا مددگار کوئی نہیں' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے' قرآن شریف سمجھنے کے لئے روشن دماغ چاہئے اس کے اور جواب بھی تفسیر میں دیئے گئے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ مسلمانوں کو چھوڑ بھی دیتا ہے' اور کفار کو اپنا لیتا ہے' جس سے مسلمان مغلوب ہو جاتے ہیں' کافر غالب' جب یہ ہے تو پتہ کیسے لگے کہ کون اللہ کا پیارا ہے' کون دشمن' رب تعالیٰ کبھی مسلمانوں کو اپناتا ہے' کبھی کافروں کو۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ رب تعالیٰ مسلمانوں کو نہیں چھوڑتا' بلکہ ان کی مدد چھوڑتا ہے' اور یہ مدد چھوڑنا بھی ان کی اپنی کسی غلطی سے ہوتا ہے' وہ بھی عارضی' اور وہ بھی تعلیم کے لئے انجام کار مسلمانوں ہی کی مدد ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والعاقبۃ للمتقین** ایسی حالت میں رب تعالیٰ کافروں کو فتح نہیں دیتا بلکہ مسلمانوں کو سزا یا تادیب دیتا ہے' جیسے مہربان استاد اپنے بیٹے کی جو مدرسہ میں پڑھ رہا ہے کسی وقت دوسرے بچے سے کن پکڑی کرا دے یا دو چار چپت لگوا دے' اس وقت بیٹا ہلاک ہوتا ہے اور اجنبی بیگانہ ہی' یا جیسے ماں ناراض ہو کر اپنے بچے کو کچھ دیر کے لئے گھر سے باہر نکال کر دروازہ بند کر لیتی ہے' جب بچہ چیختا چلاتا ہے تو دروازہ کھول دیتی ہے' اسے بلا کر اپنے گلے سے لگا لیتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے چھوڑنے کے بعد کوئی امداد

www.alahazratnetwork.org

نہیں کر سکتا تو کیا رب بھی نہیں کر سکتا اگر نہیں تو رب مجبور ہو۔ تو مجبور ہو وہ رب کیسا؟ **جواب:** ایسے مقامات پر چھوڑنے والے کے ماسوا مراد ہوتے ہیں اور مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر رب چھوڑ دے تو کوئی دوسرا مدد نہیں کر سکتا' رب نے تو پہلے ہی چھوڑ دیا ہے' اگر وہ مدد کرے تو چھوڑنا ختم' اجتماع ضدین اور اجتماع نقیضین دونوں ناممکن ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدائے تعالیٰ کے سوا مددگار کوئی نہیں' اور مومن وہ ہے جس کا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی ہو' مگر تم لوگ نبیوں' ولیوں کو مددگار بھی سمجھتے ہو' اور ان پر بھروسہ بھی کرتے ہو' تمہارا یہ عمل شرک ہے۔ (بعض الٹی توحید والے)۔ **جواب:** جی ہاں! جسے خدا چھوڑ دے اس کا مددگار کوئی نہیں' اور جس کا خدا تعالیٰ حامی ہو اس کے مددگار بہت ہیں' مددگاروں کا انکار اپنے کفر کا اقرار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا آئینہ خانہ ہے اور رب تعالیٰ آئینہ دار' سارے آئینوں میں اسی کی تجلی ہے' اور اس تجلی کی ہی بہار اگر وہ کام نہ کرے تو سارے آئینے بیکار' دنیا والوں کی دوستی محبت مدد اسی کے کرم کی جلوہ گری ہے' ورنہ سب ہم سے اجنبی بیگانے بلکہ ہمارے دشمن ہیں اس لئے مومن کو چاہئے کہ بجائے آئینوں کے آئینہ دار پر نظر رکھے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

گرچہ تیر از کماں ہے گزرد — از کماں دار بیند اہل خرد!

حق یہ ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کی مدد سے ملتا ہے' اور کفر و طغیان اس کے چھوڑ دینے سے ہمارے گلے پڑتے ہیں' صوفیاء کے نزدیک توکل کی تین علامتیں ہیں' ایک یہ کہ بندہ خدا کے غیر کو اپنا مددگار نہ جانے' دوسرے یہ کہ بندہ خدا کے سواء کسی کو اپنے رزق کا مالک نہ سمجھے' تیسرے یہ کہ خدا کے سواء کسی کو اپنے علم و عمل کا مقصود نہ جانے' ایسا توکل بے حساب و کتاب جنتی ہونے کا ذریعہ ہے' توکل دو قسم کا ہے' عقلی اور عشقی' عقلی توکل اسباب جمع کرنا اور اسباب میں مسبب اسباب کو دیکھنا ہے' اور عشقی توکل اسباب کی آڑ کو پھاڑ کر یار تک پہنچنے کا نام ہے' اللہ تعالیٰ سچے توکل کی توفیق بخشے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت میں سے ستر ہزار مسلمان بے حساب جنت میں جائیں گے' عرض کیا گیا حضور وہ کون ہیں؟ فرمایا جو ناجائز منتر ٹونکے نہیں کرتے' فال کے لئے پرندے نہیں اڑاتے' اور اپنے رب پر ہی توکل کرتے ہیں' حضرت عکاشہ نے عرض کیا' حضور دعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں سے ہوں' فرمایا! تم ان میں سے ہو' دوسرے شخص نے عرض کیا' حضور دعا فرمادیں' میں بھی ان سے ہوں' فرمایا عکاشہ پہل کر گئے' اور فرمایا کہ اگر تم اللہ تعالیٰ پر پورا توکل کرو' تو تمہیں چڑیوں کی طرح روزی ملے کہ وہ صبح کو بھوکے جاتے ہیں شام کو سیر ہو کر واپس ہوتے ہیں' غرضیکہ توکل اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ
اور نہیں ہے ممکن کسی پیغمبر کے لئے کہ خیانت کرے اور جو خیانت کرے وہ لائے گا وہ مال جو خیانت کیا قیامت کے دن
اور کسی نبی پر گمان نہیں ہو سکتا کہ کچھ چھپا رکھے اور جو چھپا رکھے وہ قیامت کے دن اپنی چھپائی چیز لے کر آئے

www.alahazratnetwork.org

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

تو پورا دیا جائے گا	ہر نفس کو	وہ جو کمایا اس نے	اور وہ نہ ظلم کیے جائیں گے			

گا پھر ہر جان کو ان کی کمائی بھرپور دی جائے گی اور ان پر ظلم نہ ہوگا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دی' اب جہاد کے کچھ احکام بیان ہو رہے ہیں' یعنی غنیمت میں خیانت نہ کرنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو توکل کا حکم دیا گیا' اب خیانت سے روکا جا رہا ہے' کہ خیانت کرنے والا متوکل کبھی نہیں ہو سکتا' غرضیکہ توکل کی ترغیب کے بعد توکل سے مانع چیزوں کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر رب تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب تعالیٰ کی مدد چاہتے ہو تو خیانت وغیرہ گناہوں سے بچو' غرضیکہ پہلے رب تعالیٰ کی مدد دینے کا ذکر تھا' اب اس سے مدد لینے کے طریقہ کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی حمد تھی' کب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے کہ یہ محبوب تمام عیوب' خیانت وغیرہ سے پاک ہیں' حمد کے بعد نعت چاہئے کہ نعت حمد کا تکملہ ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد میں مستقل رہنے کا حکم دیا اور گھبراہٹ و بے صبری سے منع فرمایا گیا' اب مسلمانوں کو بد عقیدگی سے روکا جا رہا ہے کہ ہمارے نبی کو تہمت نہ لگاؤ' یعنی بد عملی سے بچانے کے بعد بد عقیدگی سے بچایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق بہت روایات ہیں جن میں سے کچھ یہاں عرض کی جاتی ہیں۔ (1) جنگ بدر کی غنیمت میں ایک چادر گم ہوئی' تلاش کرنے پر نہ ملی' بعض منافقین نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہوگی' انکی تردید میں یہ آیت اتری' جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلیٰ درجہ کی صفائی دی گئی' اور آپ کی شان بیان کی گئی۔ (2) جنگ احد میں جو پچاس حضرات درہ کی حفاظت پر مامور تھے' انہوں نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کو فتح ہو گئی' اور کفار بھاگ رہے ہیں' مسلمان انکا پیچھا کر رہے ہیں' غنیمت لے رہے ہیں تو یہ حضرات درہ سے غنیمت لینے کیلئے ہٹ گئے اور درہ خالی چھوڑ گئے اس خیال سے کہ شاید بعد فتح غنیمت ان ہی لوگوں کو ملے جنہوں نے حاصل کی ہو' اور شاید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ اعلان فرمائیں کہ جو جس نے غنیمت لے لی وہ اسی کی ہے' اگر ہم لوگ یہاں ہی رہے اور مال نہ حاصل کیا تو ہم محروم ہو جائیں گے' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ارشاد ہوا کہ یہ اعلان غنیمت میں خیانت ہے' ہمارے نبی ایسا کبھی نہیں کر سکتے' غنیمت کی تقسیم مطابق شرعی قانون کے فرمائیں گے۔ (3) کسی جہاد میں بعض بڑے لوگوں نے خواہش کی تھی کہ ہم کو غنیمت میں زیادہ حصہ دیا جائے' انکی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں انکی اس خواہش کی تردید کی گئی' کہ یہ غنیمت میں خیانت ہے' ہمارے محبوب یہ نہیں کر سکتے۔ (4) کسی جہاد میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح دی' بعد فتح کسی وجہ سے تقسیم غنیمت میں دیر ہوئی' بعض لوگ بولے کہ کیا غنیمت تقسیم نہ کی جائے گی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر ہمارے پاس احد پہاڑ کے برابر سونا ہو تب بھی ہم تم میں تقسیم فرما دیں' کیا تم نے یہ سمجھ لیا کہ تمہاری غنیمت تم کو نہ

www.alahazratnetwork.org

ملے گی ہم لے لیں گے' یہ تو خیانت ہے' اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خیانت سے محفوظ رکھا ہے' اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر' خازن' مدارک' جلالین' روح البیان' روح المعانی' بیضاوی وغیرہ) مگر دوسری روایت اس مقام کے زیادہ مناسب ہے' کیونکہ یہاں غزوہ احد کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: وما کان لنبی ان یغل: لنبی جار مجرور کسی پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے' بعض نے فرمایا کہ وہ پوشیدہ لفظ مناسباً ہے' بعض نے فرمایا ینبغی ہے' بعض نے فرمایا جائزاً ہے' مگر حق یہ ہے کہ "ممکناً" پوشیدہ ہے یعنی کسی نبی کیلئے ممکن نہیں کہ وہ خیانت کرلیں' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما کان لکم ان تنبتوا شجرھا** یا فرماتا ہے **ما کان لنا ان نشرک باللہ** یا فرماتا ہے **ما کان لیاخذ اخاہ فی دین الملک** یا فرماتا ہے **ما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ** ان سب میں ممکن ہی پوشیدہ ہے' ایسے ہی یہاں بھی' نبی کی تنکیر سے معلوم ہوا کہ کوئی نبی کبھی خیانت نہیں کر سکتے' وہ حضرات معصوم ہیں' **ان یغل** غلول سے بنا جس کا مادہ غل ہے' معنی چھپا کرلے جانا' اسلئے چوری کو بھی غلول کہہ دیتے ہیں' درخت کی جڑ میں پانی جذب ہونے کو غل کہتے ہیں' دل کی عداوت کو غل کہا جاتا ہے کہ دل میں چھپی ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** گرمی کو اور سخت پیاس کو غلیل کہا جاتا ہے' نیچے کے کپڑے کو جو جسم سے متصل ہو غلالہ کہتے ہیں کہ یہ سب چیزیں چھپی ہوتی ہیں' اب اصطلاح میں غنیمت میں خیانت کرنے کو غلول کہتے ہیں کہ وہ بھی خفیہ ہی کی جاتی ہے (معانی وغیرہ) بعض کا خیال ہے کہ یہاں مطلقاً خیانت مراد ہے نہ کہ غنیمت میں خیانت' کیونکہ اسلام سے پہلے کسی نبی کے دین میں غنیمت تقسیم نہ ہوتی تھی بلکہ غنیمت کا مال پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا' جسے غیبی آگ جلا جاتی تھی' جب ان دینوں میں تقسیم غنیمت کا رواج ہی نہ تھا' تو وہاں اس میں خیانت کرنے نہ کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' مگر صحیح تر یہی ہے کہ یہاں غلول سے غنیمت ہی میں خیانت مراد ہے' جیسا کہ شان نزول کی روایات سے معلوم ہوتا ہے' اگرچہ پچھلے دینوں میں تقسیم غنیمت نہ تھی' مگر غنیمت کے مال آتے تو تھے' جمع تو کئے جاتے تھے' بعض دفعہ ان میں کچھ لوگ خیانتیں بھی کرلیتے تھے' جو بعد میں وصول کی جاتی تھیں' لہٰذا آیت بالکل درست ہے' اور رب تعالیٰ کا تمام نبیوں کی یہ صفائی بیان فرمانا بالکل برحق ہے۔ خیال رہے کہ ہماری قراءت یغل ی کے فتح اور غ کے پیش سے ہے نصر کا مضارع معروف مگر بعض قراءتوں میں یغل ی کے پیش اور غ کے فتح سے باب نصر یا باب افعال کا مضارع مجہول' اس صورت میں اس لفظ کے تین معنی ہوں گے۔ (1) کسی نبی کے متعلق یہ جائز نہیں کہ انہیں خیانت سے متہم کیا جائے۔ (2) یا نا ممکن ہے کہ کوئی نبی خائن پائے جائیں۔ (3) کسی نبی کے متعلق یہ جائز نہیں کہ ان کی غنیمتوں میں خیانت کی جائے' یعنی تاقیامت جہاد کی غنیمتیں نبی کی زیر تصرف ہیں ان میں خیانت کرنے والا نبی کا مجرم ہوگا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اور نبی کا مجرم سخت سزا کا مستحق **ومن یغلل یات بما غل یوم القیمۃ** ظاہر یہ ہے کہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ' اور ہو سکتا ہے کہ واؤ حالیہ ہو' اور یہ جملہ گزشتہ کا حال۔ یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی نبی خیانت کرے حالانکہ خیانت اتنا بڑا جرم ہے۔ جس کی سزا یہ ہے کہ' ظاہر یہ ہے کہ **ما غل** سے مراد خیانت کیا ہوا سارا مال ہے۔ جو بہت زیادہ اور وزنی ہو کر خائن کی گردن پر رکھا جائے گا جس سے وہ رسوا بھی ہوگا اور بوجھ میں دب کر پریشان بھی' اور ہو سکتا ہے کہ **ما غل** میں ما مصدریہ ہو' اور **ما غل** سے مراد اس کا خیانت کرنا کیونکہ قیامت میں سارے اعمال کی شکلیں بھی ہوں گی' اور جسامت

www.alahazratnetwork.org

بھی' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے' یوم قیامت سے مراد مخلوق کا قبروں سے اٹھ کر بعد فیصلہ جنت و دوزخ میں پہنچنے تک کا وقت ہے' یعنی پچاس ہزار سال کا زمانہ یعنی جو کوئی بھی خیانت کریگا' وہ قیامت کے دن خیانت کا سارا مال گردن پر لاد کر جائیگا' یا اس کا جرم خیانت اس کی گردن پر سوار ہو گا' یہ تو قیامت کا حال ہے' اس کے بعد جو رب کا فیصلہ ہو **ثم توفی کل نفس ما کسبت** حق یہ ہے کہ ثم اپنے ہی معنی میں ہے' یعنی مہلت والی ترتیب' جس سے معلوم ہوا' کہ یہ سزا اس مذکورہ بالا سزا کے بہت عرصہ بعد ہو گی' جس کا ذکر ابھی پہلے جملہ میں گزرا' یعنی خیانت کا بوجھل مال گردن پر لادے پھرنا' **توفی** **وفاء** سے بنا معنی پورا دینا' کمی نہ کرنا' ظاہر یہ ہے کہ **کل نفس** سے مراد سارے انسان ہیں نہ کہ فرشتے' جنات اور جانور کیونکہ پہلے سے انسانوں ہی کا ذکر ہو رہا ہے' نیز انسانوں سے بھی وہ انسان مراد ہیں جنکے اعمال قابل سزا و جزاء ہیں' ورنہ دیوانے اور بچوں کے گناہوں پر پکڑ نہیں' اور کافروں کی نیکیوں پر کوئی ثواب نہیں' ما سے دلی' بدنی' مالی سارے اچھے برے اعمال مراد ہیں' کہ ان سب میں کچھ نہ کچھ کسب کو دخل ہے' یعنی خائن پچاس ہزار برس تک تو خیانت کیا ہوا سارا مال لادے پھرے گا' پھر اسکے بعد جو سزا ملے گی وہ بھگتے گا' کیونکہ قیامت کے بعد ہر عاقل بالغ انسان کو اس کے سارے دلی' بدنی' مالی اچھے برے کاموں کا پورا بدلہ دیا جائے گا' **وھم لا یظلمون** یہ جملہ توفی پر معطوف ہے یا کل نفس کا حال' ھم کا مرجع **کل نفس** ہے' کہ وہ اگرچہ صورۃ" واحد ہے مگر معنی" جمع' **لا یظلمون**' ظلم سے بنا جس کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے ہیں' یہاں ظلم سے مراد غیر مجرم کو سزا دے دینا' یا مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دینا' یا نیک کار کو ثواب سے محروم کر دینا' یا اسکا ثواب بلاوجہ کم کر دینا ہے مراد ہے' مجرم کو معافی دینا' یا سزا کم کر دینا' یا کسی کو نیکیوں سے زیادہ ثواب دے دینا' یا بغیر نیکیاں کئے جنت دے دینا فضل و کرم ہے' یہ سب قیامت میں انشاء اللہ ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو! کبھی بھول کر بھی نبی کے دامن کو خیانت جیسے جرم سے داغدار نہ سمجھنا' یہ محبوب تو سید الانبیاء ہیں صلی اللہ علیہ وسلم انکی تو بہت اونچی شان ہے' یہ کیا کسی نبی کیلئے یہ بات ممکن ہی نہیں کہ وہ غنیمت میں یا کسی مال میں خیانت کرے' نبوت و خیانت کبھی جمع ہو سکتیں ہی نہیں' یہ دونوں چیزیں اندھیرے اجیالے کی طرح ضدین ہیں' اگر یہ حضرات پورے امین نہ ہوتے' تو وحی جیسی امانت انکے سپرد نہ کی جاتی' جب وہ خدا کے امین ہیں' وحی میں امین ہیں' تو حقیر مال میں امین کیوں نہ ہوں گے' یا یہ مطلب ہے کہ کوئی مومن و کافر انسان اتنی جرات نہیں کر سکتا کہ نبی کو خیانت کی تہمت لگائے' اگر ایسی حماقت کریگا تو خود اس کا نفس اسے ملامت کریگا' اور دنیا اسے تھوکے گی' کہ تو کیا کہہ رہا ہے' اسی لئے کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر' شاعر' مجنون وغیرہ تو کہا' مگر اس قسم کا کوئی اتہام نہ لگا سکے' صادق الوعد اور امین وہ بھی کہتے تھے' خیال رکھو خیانت اتنا بڑا جرم ہے' کہ خائن قیامت کے دن اپنا سارا خیانت کا مال جو اس دن بہت ہی وزنی ہو گا' اپنے سر پر اٹھائے پھرے گا' جس سے وہ رسوا بھی ہو گا' اور بوجھ میں بھی دبے گا' اور یہ سزا اس کی اصل سزا نہ ہو گی' یہ تو دوران مقدمہ کی تکلیف ہے جو اسے دی جائیگی' پھر ہر شخص کو اسکے سارے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائیگا کہ بے قصور کو سزا اور قصور مند کو زیادہ سزا نہ دی جائیگی' اس سلسلہ میں خیانت کی جو سزا ہو گی' وہ خائن کو پوری پوری ملے گی' خیال رکھو کہ پروردگار کے ہاں کسی پر ظلم نہ ہو گا کہ کوئی بے قصور پھانس دیا جائے' یا نیک کار کو بدلہ نہ دیا جائے' وہاں فضل و عدل ہے' ظلم نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: حضرات انبیاء رب تعالیٰ کے بڑے ہی پیارے بندے ہیں کہ لوگ جب انہیں تہمت لگائیں تو رب تعالیٰ انکی صفائی دے اور انکے الزاموں کو اٹھائے۔

لطیفہ: قرآن کریم میں اکثر جگہ رب تعالیٰ کے اعتراضوں کو نبی کی معرفت دفع کیا گیا ہے کہ جب لوگوں نے الوہیت پر اعتراض کئے تو قل فرما کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دلوائے گئے جیسے **قل لو کان للرحمن ولد فانا اول العبدین** یا **قل ھو اللہ احد** وغیرہ اور نبی کے اعتراضوں کو بغیر قل فرمائے خود رب تعالیٰ نے دفع فرمایا ہے جیسے **تبت یدا ابی لھب وتب** اور جیسے **وما کان لنبی** اس سے اندازہ کرو کہ حضرات انبیاء کا بارگاہ الٰہی میں کیا درجہ ہے۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانا ان میں نقص ڈھونڈھنا سنت کفار و منافقین ہے اور انکی تعریفیں کرنا ان پر سے اعتراضات کو اٹھانا سنت رب العالمین ہے اللہ تعالیٰ سنت الہیہ پر عمل کی توفیق بخشے۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء گناہ کر سکتے ہی نہیں خصوصاً وہ گھناؤنے بھی ہوں جیسے چوری اور خیانت وغیرہ جیسا کہ ماکان لنبی کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: علماء و مشائخ کو لوگوں کے الزام و اتہام پر ناراض نہ ہونا چاہئے جب لوگوں نے اللہ رسول کو الزام لگا دیئے تو ہم کس شمار میں ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ما نجی اللہ والرسول معاً　　من لسان الوری فکیف انا
قیل ان الالہ ذو ولد　　قیل ان الرسول قد کھن

یعنی جب اللہ رسول مخلوق کی زبان سے نہ بچے تو میں کون ہوں دیکھو لوگوں نے کہا کہ خدا کے بال بچے ہیں اور کہا گیا کہ نبی جادوگر تھے اپنے کو لوگوں کے طعن سے بچانے کی کوشش کی جائے ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے کسی کو انگلی اٹھانے کا موقع ملے مگر اگر پھر بھی لوگ الزام لگائیں تو پرواہ نہ کرو۔ چھٹا فائدہ: غلول یعنی خیانت بدترین جرم ہے جس کی سزا بہت سخت ہے جیسا کہ **ومن یغلل** سے معلوم ہوا چنانچہ مسلم بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تم میں سے کوئی اپنی گردن پر اونٹ لادے ہو جو آواز کر رہا ہو یا اس کی گردن پر گھوڑا ہو ہنہناتا ہوا یا اسکی گردن پر بکریاں ہوں جو آواز کرتی ہوں یا اسکی گردن پر کپڑے کے تھان لدے ہوئے پھڑ پھڑ کرتے ہوں اور مجھے کہے **اغثنی یا رسول اللہ** تو ہم فرمائیں اب ہم تمہاری کسی چیز کے مالک نہیں اب ہم تم سے عذاب الٰہی دفع نہیں کر سکتے نیز انہی بخاری و مسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام رفاعہ ابن زید ایک جنگ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے ایک منزل پر اونٹ کس رہے تھے کہ ناگہانہ تیر لگا شہید ہو گئے ہم لوگوں نے کہا مبارک ہو رفاعہ تو سیدھے جنت میں گئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں کیونکہ انہوں نے خیبر کے دن ایک چادر مال غنیمت سے بغیر تقسیم کئے ہوئے لے لی تھی وہ چادر ان پر آگ کا کام دے رہی ہے یہ سن کر لوگ گھبرا گئے ایک صاحب ایک دو تسمہ حاضر لائے عرض کیا یا رسول اللہ! یہ میں نے خیبر کی غنیمت سے لے لیا تھا فرمایا کہ یہ تسمہ بھی آگ بن جاتا (اچھا کیا جو واپس کر دیا) بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کا منتظم ایک شخص تھا جسے کرکرہ کہا جاتا تھا جب وہ فوت ہوئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ آگ میں ہیں

www.alahazratnetwork.org

لوگوں نے ان کا سامان تلاش کیا' تو اس میں ایک عبا پایا' جو تقسیم غنیمت سے پہلے انہوں نے لے لیا تھا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر ہم نماز نہ پڑھیں گے' تم پڑھ لو اس فرمان عالی سے لوگوں کے منہ فق ہو گئے' ہم نے انکا سامان تلاش کیا تو ہم کو انکے سامان میں کچھ منکے ملے' جن کی قیمت دو درہم سے بھی کم تھی' جو انہوں نے تقسیم غنیمت سے پہلے لے لئے تھے۔ (ابو داؤد' نسائی) نیز ابو داؤد' ترمذی نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو غنیمت میں خیانت کرے' اس کا سامان جلا دو' اور اسے سزا دو' غرضیکہ خیانت کی مذمت میں بہت احادیث وارد ہیں' ہر مسلمان کو ہر قسم کی خیانت سے بچنا چاہئے۔ (تفسیر خازن) مسئلہ: بحالت جنگ کھانا' پھل چارہ استعمال کرنا جائز ہے' اسی طرح جنگ کے دوران میں مشرکین و کفار کے ہتھیار چھین کر ان سے جنگ کرنا درست ہے' یہ غلول و خیانت نہیں' چنانچہ حضرت سلمان فارسی نے جنگ مدائن میں کچھ روٹیاں غنیمت میں پائیں کچھ پنیر اور ایک چھری ہاتھ آئی آپ نے اسی چھری سے یہ پنیر و روٹیاں کاٹیں' اور خود لوگوں سے فرمایا بسم اللہ کرو اور کھاؤ (تفسیر کبیر) ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کی حالت میں کھانے پینے کی چیزیں کھا پی لینا بھی درست ہے اور ہتھیار استعمال کر لینا بھی جائز ہے' مگر ہتھیار بعد جنگ مال غنیمت میں رکھ دینا ہوں گے' انکا الگ نہ ہو گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خیانت کیا ہوا مال خائن اٹھائے ہو گا' حالانکہ پہلی بار صور پھونکنے پر تمام چیزیں فنا ہو جائیں گی' اور دوسری پھونک پر صرف انسان یا جاندار چیزیں اٹھیں گی' بے جان چیزیں پھر نہ پیدا ہوں گی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون** جب خیانت کردہ مال پیدا ہی نہ ہوا تو اسے لانے یا اٹھانے کے کیا معنی؟ یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ دوبارہ پیدا ہونا صرف انسانوں یا جانوروں کا نہیں' بلکہ انکے ساتھ جن چیزوں کا تعلق سزا جزا ہے' وہ بھی دوبارہ پیدا ہوں گی' ہاں یہ غیر متعلق چیزیں پیدا نہ ہوں گی' دیکھو چاند سورج بنیں گے' اور دوزخ میں جائیں گے' دوزخیوں کو سزا دینے کیلئے' بت پرستوں کے پوجا کے پتھر پیدا ہوں گے' دوزخ میں جائیں گے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجمع الشمس والقمر** قیامت میں چاند و سورج جمع کر دیئے جائیں گے' اگر پیدا نہ ہوتے تو جمع کیسے ہوتے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقودها الناس والحجارة** اس کا ایندھن لوگ و پتھر ہیں' اگر پتھر پیدا نہ کئے جاتے' تو آگ کا ایندھن کیسے بنتے' اور فرماتا ہے کہ جو سونا چاندی جمع کر کے زکوۃ نہیں دیتے' انہیں آگ میں تپا کر **فتکوی بها جباههم و جنوبهم** ان سے بخیلوں کی پیشانیاں و کروٹیں داغی جائیں گی' اگر سونا چاندی پیدا نہ کئے جاتے' تو تپایا کیسے جاتا' اور داغ کیسے دیا جاتا' لٰہذا خیانت شدہ مال بھی پیدا کیا جائیگا' تاکہ اس سے خائن کو عذاب دیا جائے' تمہاری پیش کردہ آیت میں جانوروں کی پیدائش کا تو ذکر ہے' مگر دوسروں کی پیدائش کی نفی نہیں' چونکہ اصل مقصود انسان کی پیدائش تھی' باقی انکے تابع' اس لئے ان کا ذکر نہ ہوا' دوسرے یہ کہ یہاں خیانت کے عمل کا بوجھ اٹھانا مراد ہے نہ کہ مال کا اٹھانا جیسے آج قرض' خون ایک بوجھ ہوتا ہے' ایسے ہی کل خیانت ایک بوجھ ہوگی' تیسرے یہ کہ یہ صرف ایک تمثیل ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر عمل ذرہ برابر ہو' پھر وہ پتھر کی چٹان یا آسمان میں ہو' **تو یات بها الله** تب بھی اللہ اسے لے آئیگا' یہاں بھی ایک مثال ہی دی گئی ہے' تفسیر کبیر نے یہ ہی جواب راجح قرار دیا' مگر فقیر کے نزدیک جواب اول قوی ہے' کسی آیت میں بلا ضرورت شرعیہ تاویل نہ

www.alahazratnetwork.org

کرنا چاہئے۔ دوسرا اعتراض: تمہارے پیش کردہ فوائد سے معلوم ہوا کہ قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خائن کی شفاعت نہ فرمائیں گے، تو مسئلہ شفاعت ختم ہوا، خیانت کی طرح اور بھی بہت سے جرم ہیں، چاہئے کہ انکی شفاعت بھی نہ ہو۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں، ایک یہ کہ یہ فرمان ڈرانے کیلئے ہے جس کی مثال یوں سمجھو کہ ماں شریر بچے سے کہتی ہے کہ اگر تو نے میرا کہنا نہ مانا تو باپ کی مار سے نہ بچاؤں گی، تاکہ بچہ شرارت سے باز آجائے مگر جب باپ مارتا ہے تو پھر رحم کھاکر بچا لیتی ہے، ممکن ہے وہاں بے کسی دیکھ کر رحم فرمائیں، فرماتے ہیں کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والے امتی کو پہنچے گی۔

دیکھی جو بے کسی تو انہیں رحم آگیا گھبرا کے ہو گئے وہ گنہگار کی طرف

دوسرے یہ کہ یہ وعید ان لوگوں کیلئے ہے جو خیانت حلال جان کر کریں اب وہ کافر ہوئے اور کافر کیلئے شفاعت نہیں، یہ ہی وعید مانعین زکوۃ کیلئے بھی ہے، وہاں بھی منکرین زکوۃ مراد ہیں، نہ کہ تارکین زکوۃ۔ تیسرا اعتراض: **توفی کل نفس** سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو پورا بدلہ دیا جائے گا تو نہ معافی کوئی چیز رہی نہ شفاعت۔ جواب: اسکے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ یہاں قانون کا ذکر ہے، اور **ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** میں اسکی قدرت کا تذکرہ ہے، ہمارا ایمان قانون پر بھی ہے قدرت پر بھی، دوسرے یہ کہ **توفی** کے معنی یہ ہیں کہ گناہوں کی سزا میں زیادتی نہ ہوگی اور نیکیوں کی جزا میں کمی نہ کی جائیگی۔ رہا گناہ معاف فرمانا نیکیوں کا بدلہ زیادہ دے دینا یہ کرم ہے، غرضیکہ یہاں عدل کا ذکر ہے عدل فضل کے خلاف نہیں، تیسرے یہ کہ یہ پورا دینا ظلم کے مقابل ہے، اس لئے فرمایا گیا **وھم لا یظلمون** اگر رب تعالیٰ کسی کی نیکیاں ساری برباد فرمادے تو ظلم نہیں اور اگر کسی کو بلا جرم سخت سزا دے تب بھی ظلم نہیں، ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملک میں بلا اجازت عمل درآمد کرنا سب اللہ کے بندے ہیں اسی کی ملکیت ہیں، وہ اپنے بندوں سے جو معاملہ فرمادے عین عدل یا فضل ہے، ظلم کیسا؟ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائیگا، تو کیا نابالغ بچوں کے اعمال کی بھی سزا جزا ہے؟ نفس تو وہ بھی ہیں۔ جواب: یہاں نفس سے مراد مکلف بندہ ہے، جس پر شرعی احکام جاری ہوں اسی لئے آگے ارشاد ہوا **بما کسبت** اس کے کسب کا بدلہ دیا جائے گا، ناسمجھ بچے کے عمل کسب میں داخل نہیں، ان کا صدور ہوتا ہے کسب میں عقل، ارادہ سب معتبر ہے، صدور بے عقلی بے ارادہ افعال پر بولا جاتا ہے، اسی لئے یہاں کسبت ارشاد ہوا نہ کہ صدرت بالغ کے بے اختیاری اعمال کی بھی سزا نہیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کبھی چوری، خیانت نہیں کرتے مگر سورہ یوسف سے معلوم ہوتا ہے کہ یوسف علیہ السلام نے چوری کی تھی کہ برادران یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **فقد سرق اخ لہ من قبل**: جواب: وہ چوری نہ تھی بلکہ حقیقتہً "کفر کا مٹانا تھا کہ آپ نے ایک شخص کا بت اٹھا کر پھینک دیا تھا، اسے صورۃً" چوری کہا (صاوی)۔

تفسیر صوفیانہ: کوئی عقلمند ٹوٹے گھڑے میں دودھ نہیں بھرتا کہ وہ خائن ہے مالک کو پورا دودھ واپس نہیں دیتا اسی طرح کوئی عاقل خراب میلے برتن میں دودھ نہیں جماتا کہ اس میں دودھ خراب ہو جاتا ہے، مکھن درست نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ اپنی وحی اور نبوت کیلئے جو سینے اور دل منتخب فرماتا ہے، وہ ہر قسم کی خیانت وغیرہ سے پاک و صاف ہوتے ہیں کہ وہاں وحی جو اعلیٰ درجہ کی نعمت ہے، اس اعلیٰ نعمت کیلئے دل و جگر بھی اعلیٰ ہی چاہئے، خائن اور غال وہ ہوتا ہے، جس کا نفس و ہوا اس پر غالب ہو، حضرات انبیاء

www.alahazratnetwork.org

علیہم الصلوۃ والسلام بشری صفات سے نکل کر ربانی صفات سے موصوف ہوتے ہیں' نفسانی عیوب' شیطانی خصلتوں سے یکدم علیحدہ ہوتے ہیں' انکے اعمال اللہ تعالیٰ کے زیر نگرانی ہوتے ہیں' لہٰذا ان سے خیانت' غلول صادر ہوسکتے ہی نہیں' نبی صفات رضوان کی جنت میں رہتے ہیں' نفس کے جحیم ہوا کے بادیہ سے دور' لہٰذا نبوت و خیانت کبھی جمع نہیں ہوسکتیں' جو شخص ان حضرات کو خیانت وغیرہ کسی عیب سے اتہام لگائے' اس کے پاس نبی کو دیکھنے والی آنکھ نہیں' باریک چیزیں خوردبین سے اور دور کی چیزیں دوربین سے دیکھی جاتی ہیں یہ عینکیں ان چیزوں کے دیکھنے کا ذریعہ ہیں' یوں ہی نبی کی شان ایمان کی عینک کے بغیر نظر نہیں آتی' انہیں دیکھنے کیلئے آنکھ بھی اور ہے نور بھی اور' پھر اس آنکھ کا سرمہ بھی دوسرا اور اس سرمہ کے حاصل کرنے کے دکانیں اور بازار بھی علیحدہ' مولانا فرماتے ہیں۔

اشقیا را دیدۂ بینا نہ بود! نیک و بد در چشم شاں یکساں نمود

اللہ تعالیٰ چشم بینا نصیب کرے (از روح البیان) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جو نبی کو خائن مانے وہ کافر ہے' جیسے جو رب تعالیٰ کو صاحب اولاد مانے وہ بے دین ہے۔

اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ
تو کیا وہ شخص جو پیچھے چلے اللہ کی رضا کے مثل اس کے ہو سکتا ہے جو لوٹے اللہ کی ناراضگی کے ساتھ اور ٹھکانہ اسکا
تو کیا جو اللہ کی مرضی پر چلا وہ اس جیسا ہوگا جس نے اللہ کا غضب اوڑھا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے
وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾
دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے وہ لوگ درجے والے ہیں اللہ کے نزدیک اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں
اور کیا بری جگہ ہے پلٹنے کی وہ اللہ کے ہاں درجہ بدرجہ ہیں اور اللہ ان کے کام دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ نبی خیانت نہیں کر سکتے' جسکی ایک وجہ تو وہاں ہی بیان فرمادی گئی تھی' کہ خائن خیانت کا مال قیامت میں اپنے پر لادے پھرے گا' دوسری وجہ اب بیان ہو رہی ہے کہ خائن پر رب تعالیٰ سخت ناراض ہے' اور نبی سے اللہ تعالیٰ راضی ہے' تو نبی خائن کیونکر ہوسکتے ہیں' محبوبیت کے ہوتے ناراضی کے اعمال صادر ہوسکتے ہی نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ ہر نفس کو اس کی کمائی ملے گی' اب اسکی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ خائنین اور رب تعالیٰ کو ناراض کرنے والوں پر غضب کی آگ ہوگی اور نیک کاروں کو درجات عطا ہوں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں قانون الٰہی کا ذکر ہوا' کہ ہر نفس کو اسکے اعمال کا بدلہ ملے گا' اب اس آیت میں اس کی قدرت کا ذکر ہے' کہ نیک کاروں کو علاوہ جزاء کے درجات کی عطاء بھی ہوگی' گویا پہلے عدل کا ذکر تھا' اب فضل کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بندوں پر ظلم نہ کیا جائیگا' اب اس کا مطلب سمجھایا جا رہا ہے' کہ کسی کی نیکی ضائع نہ ہوگی' ہاں درجے بڑھا دیئے جائیں گے' کہ یہ رب تعالیٰ کی عطا ہے' ظلم کی نفی کے بعد کرم کریمانہ اور رحم خسروانہ کا اثبات ہے' گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شانِ نزول: جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے احد کی طرف چلنے کا حکم دیا تو مخلص مومنین تو بے تامل روانہ ہو گئے ہم منافقین کچھ تو روانہ ہی نہ ہوئے اور کچھ لوگ روانہ تو ہوئے مگر بعد میں واپس لوٹ گئے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان دونوں گروہوں کی سزا و جزا کا ذکر ہوا۔ (تفسیر خازن، روح المعانی)

تفسیر: افمن اتبع رضوان اللہ: ہمزہ استفہامیہ ہے اور اس جملہ میں انکاری استفہام ہے، من سے مراد سارے انسان ہیں، فرشتے و جنات اس میں داخل نہیں کیونکہ آئندہ تو جزا و سزا کا ذکر ہے، وہ صرف انسانوں کیلئے ہے، اتباع کے معنی ہوتے ہیں کسی کے پیچھے پیچھے چلنا جیسے انجن کے پیچھے ریل کے ڈبے دوڑتے ہیں کہ لائن کی نگرانی کی ذمہ داری صرف انجن والوں پر ہے، یہاں چونکہ اس کا مفعول رضوان ہے نہ کہ کوئی انسان، اس لئے یہاں اتباع سے مراد ہے حاصل کرنے کی کوشش کرنا اور اس کی طرف چلنا، چونکہ یہ دونوں کام نبی کے پیچھے چلنے سے میسر ہوتے ہیں، اس لئے اتبع فرمایا گیا، رضوان بمعنی رضا و خوشنودی "ر" کے پیش سے بھی ہے جیسے کفر سے کفران اور ر کے کسرہ سے بھی جیسے حسب سے حسبان مگر ہماری قراءت میں ر کے کسرہ سے ہے یعنی اچھا سوچو تو کہ بھلا وہ شخص جو اللہ کی رضا تلاش کرے، اسی کی طرف چلے اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرے، اس میں گفتگو ہے کہ یہاں رضائے الٰہی حاصل کرنے سے کیا مراد ہے، بعض نے فرمایا کہ ایمان لے آنا، بعض نے فرمایا نیک اعمال کرنا، بعض نے کہا جہاد کیلئے چل پڑنا، بعض نے فرمایا غنیمت میں خیانت نہ کرنا، اپنے کو اس جرم سے محفوظ رکھنا مگر نہایت جامع بات یہ ہے کہ اتباع سے مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنا کہ اس میں یہ تمام چیزیں آ جاتی ہیں، اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** پھر اس میں گفتگو ہے کہ من سے کون لوگ مراد ہیں، بعض نے فرمایا سارے صحابہ، بعض نے کہا مہاجرین، بعض نے فرمایا انصار، بعض کے خیال میں احد کے میدان کی طرف اخلاص سے روانہ ہونے والے، مگر قوی تر یہ ہے کہ اس سے ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہے، کہ اگرچہ آیت کا نزول خاص ہے مگر عبارت عام، تفسیر میں عام الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے نہ کے خاص نزول کا **کمن باء بسخط من اللہ** یہ عبارت من کی خبر ہے، یہاں بھی من سے مراد یا سارے کفار ہیں یا سارے منافقین یا احد سے رہ جانے والے منافقین یا وہاں جا کر لوٹ جانے والے منافقین پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں **باء،** **بوء** کا ماضی ہے باب نصر سے بمعنی لوٹ جانا، سخط مصدر رقیاسی ہے، اس کا ماضی مضارع آتا ہے، **من اللہ** ثابت کے متعلق ہو کر یا تو سخط کا حال ہے یا صفت، اس میں بھی گفتگو ہے کہ یہاں لوٹنے سے کیا مراد ہے یا کفر کرنا یا منافقت اختیار کرنا یا غزوہ احد میں نہ جانا یا جا کر لوٹ آنا یا غنیمت میں خیانت کرنا، غرضیکہ جتنے احتمال اتباع رضوان اللہ میں تھے، اسکے مقابل اتنے ہی احتمال اس لوٹنے میں ہوں گے، حق یہ ہے کہ اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی نہ کرنا آپ کے حکم سے سرتابی کرنا ہے، کہ اس میں تمام جرم خود بخود آ جاتے ہیں، یعنی کیا ایسا بندہ اس شخص کی طرح ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی لے کر لوٹا، یا تو احد کے میدان سے لوٹا یا مر کر دنیا سے لوٹا **وماوہ جہنم** یہ جملہ باء پورے جملہ پر معطوف ہے، اور دونوں جملے **کمن** موصول کے صلہ میں ہیں ماوی کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ اوی کا اسم ظرف ہے بمعنی لوٹنا، رجوع کرنا، اوی یاوی اس کا ماضی مضارع ہے۔ ماوی بمعنی ٹھکانہ اور جائے قرار **وبئس المصیر** یہ نیا جملہ ہے، واو ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں، بئس کا فاعل تو

www.alahazratnetwork.org

مصیر ہے مخصوص بالذم پوشیدہ ہے جو یعنی دوزخ بڑی ہی برا ٹھکانہ ہے **هم درجت عند الله** یا تو **هم** سے پہلے لام پوشیدہ ہے یا درجت سے پہلے ذو پوشیدہ یا کاف مضمر ہے' درجت درجۃ کی جمع ہے بمعنی زینہ کے تختے یا ترقی کے مدارج' **عند الله درجت** کا ظرف ہے یا پوشیدہ کا ظرف ہو کر درجت کی صفت' اس میں گفتگو ہے کہ **هم** سے مراد کون لوگ ہیں' بعض نے فرمایا کہ **من اتبع** والے اور درجت سے مراد ثواب کے درجے ہیں' کیونکہ ثواب کے مراتب کو درجات کہتے ہیں' اور عذاب کے مرتبوں کو درکات' بعض کے خیال میں **هم** کا مرجع کمن ہے' بعض کے خیال میں دونوں من مرجع ہیں' یعنی نیک بندوں کے اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجے ہیں' جیسے انکے اعمال' ویسے ان کے درجے' یا بدکار لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجے والے ہیں' جیسی ان کی بدکاری ویسا ان کا درجہ اور عذاب' یا یہ نیک و بد لوگ مختلف درجہ والے ہیں' کہ نیکوں کا درجہ اعلیٰ ہے' بدوں کا درجہ ادنیٰ' یا یہ لوگ مختلف درجوں کی طرح ہیں کہ درجات آپس میں یکساں نہیں ہوتے' کوئی ادنیٰ ہوتا ہے کوئی اعلیٰ' ایسے ہی یہ لوگ برابر نہیں' **والله بصیر بما یعملون** یہاں **یعملون** کا فاعل سارے نیک و بد بندے ہیں' خیال رہے کہ دیکھنا رب تعالیٰ کی ایک صفت ہے' جاننا دوسری صفت لہذا البصیر ایک اسم الٰہی ہے اور علیم دوسرا اسم' رب تعالیٰ کا دیکھنا نہ تو ہماری طرح آنکھ وغیرہ سے ہے اور نہ چیز کے ہو جانے پر موقوف' یعنی اللہ تعالیٰ سارے کفار و مومنین کے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے' کوئی اس سے چھپا ہوا نہیں' لہذا سب کو بقدر اعمال سزا جزا ضرور ملے گی۔

خلاصہ تفسیر: دنیا میں دو قسم کے بندے ہیں' ایک رب تعالیٰ کی رضاء کے متلاشی' دوسرے اسے ناراض کرنے والے' تم غور تو کرو کہ اگرچہ دونوں قسم کے لوگ رنگ و روپ شکل و صورت میں یکساں ہیں' مگر سوچو تو کیا اللہ کی رضا کے پیچھے چلنے والے کہ جدھر اور جس کے ساتھ انہیں اللہ تعالیٰ کی رضا نظر آئے ادھر ہی چلدیں' اور اسی کے ساتھ ہو جائیں اسی میں زندگی گزار دیں' مرتے وقت تک رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کریں' ایسے لوگ کیا ان بدبختوں کی طرح ہو سکتے ہیں' جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی' اس کا غضب لے کر شام کو اپنے گھر لوٹیں' یا مرتے وقت رب تعالیٰ کی طرف لوٹیں اور جن کا ٹھکانہ و جائے قرار دوزخ ہو' ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا' یہ دونوں جماعتیں یکساں نہیں ہو سکتیں' دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے' تو اس میں جانے والے بہت ہی برے ہیں' یہ جنتی لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں مختلف درجوں والے ہیں' بعض اعلیٰ اور بعض بہت ہی اعلیٰ' یا یہ دوزخی لوگ اللہ کے ہاں مختلف درجہ والے ہیں' بعض بد اور بعض بدتر' یا یہ دوزخی جنتی یکساں نہیں' بلکہ درجوں میں مختلف ہیں' کہ جنتی اعلیٰ اور دوزخی ادنیٰ' پھر یکساں کیسے ہو سکتے ہیں' خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی وقت کسی کے عمل سے غافل نہیں' یہ دوزخی و جنتی جو کچھ کر رہے ہیں' رب تعالیٰ برابر دیکھ رہا ہے' ہاں سزا جزا کا ایک وقت مقرر ہے' وہ وقت آنے پر بدلہ دیا جائیگا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** مومن کافر کے برابر نہیں' اور متقی فاسق کی مثل نہیں' جیسا کہ یہاں استفہام انکاری سے معلوم ہوا' دوسری جگہ قرآن کریم نے اسے اور بھی واضح فرما دیا ہے' کہ فرمایا **لا یستوی اصحب النار واصحب الجنۃ' اصحب الجنۃ هم الفائزون** دوزخی و جنتی برابر نہیں' بلکہ قرآن شریف تو فرماتا ہے کہ عالم جاہل برابر نہیں' فرماتا ہے **هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون** جب ایمان کی وجہ سے مومن کافر جیسا نہیں' اور علم کی برکت سے عالم جاہل کی مثل نہیں تو نبوت کے ہوتے ہوئے نبی غیر نبی کی مثل کیونکر

www.alahazratnetwork.org

ہوسکتے ہیں' جو لوگ بشریت یا عبدیت کی وجہ سے نبی کو اپنے جیسا کہتے ہیں' انہیں چاہئے کہ اسی بشریت کی وجہ سے اپنے آپ کو ابوجہل جیسا کہا کریں' اور اپنے سرداروں کو ابولہب جیسا بتایا کریں **انما انا بشر مثلکم** ایسا ہی ہے جیسے **الا امم امثالکم** کہ اس میں رب تعالیٰ نے جانوروں کو انسان کا مثل قرار دیا' اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** مومن اگرچہ لاچار نادار' بیمار ہو' کافر سے افضل ہے اگرچہ کافر مالدار بلکہ بادشاہ بھی کیوں نہ ہوں' جیسا کہ افمن میں من کے عموم سے معلوم ہوا' کسی ہندی شاعر نے کیا خوب کہا۔

رام نام کٹے بھلے کہ ٹپ ٹپ ٹپکے چام — واروں کنچن دیہہ کو کہ جس مکھ ناہیں رام

یعنی جس کوڑھی کے منہ میں اللہ کا نام ہو' اگرچہ اس کا گوشت گل رہا ہو' وہ اس سنہرے جسم والے سے بہتر ہے جو خدا سے غافل ہو۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا بندے پر بڑا کرم یہ ہے' کہ اسے نیک اعمال کی توفیق دے دے' اعمال کمال کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال' مال تو شداد و فرعون کو بھی مل گیا تھا' جیسا کہ **اتبع رضوان الله** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نہ سارے مومن درجات میں برابر ہیں' نہ سارے کافر درکات میں یکساں' بلکہ یہ لوگ آپس میں مختلف' جیسا کہ **هم درجت** کی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے فضل سے مومن اگرچہ گنہگار ہو' مگر رب تعالیٰ کی ناراضی لے کر لوٹتا نہیں' بلکہ آخر کار رب تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے توبہ کی توفیق دیتا ہے' جیسا کہ **باء بسخط** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں رضائے الٰہی کی اتباع کی تعریف فرمائی گئی' رضاء کی اتباع کیسے ہوسکتی ہے؟ اتباع تو کسی انسان وغیرہ کی ہوگی' کہ اس کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یا اتباع رضا کے یہ معنی ہیں کہ انکے پیچھے چلنا جس سے رب تعالیٰ راضی ہو چکا' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان کنتم تحبون الله فاتبعونی** وہاں فرمایا میری اتباع کرو' یہاں فرمایا رضائے الٰہی کی اتباع کرو' معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع رضائے الٰہی کی اتباع ہے' یا اتباع رضاء کے یہ معنی ہیں' کہ جس جگہ جس کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا معلوم کرے' وہاں اور اس کے پیچھے ہولے' وہاں جانا گویا رضاء کے پاس جانا ہے' حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شام کی طرف ہجرت کرتے ہوئے فرمایا تھا **انی ذاهب الی ربی سیهدین** : میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس جا رہا ہوں' اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کو اپنے پاس آنا فرمایا' کہ فرمایا' **ومن یخرج من بیته مهاجرا الی الله ورسوله** **دوسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے دوزخ کے متعلق فرمایا **وبئس المصیر** وہ برا مصیر ہے' مرجع اور مصیر میں کیا فرق ہے' کہ اسے مرجع نہ فرمایا۔ **جواب:** مصیر میں ضروری ہے کہ پہلے حال کے خلاف ہو' مرجع میں یہ ضروری نہیں' کفار دنیا میں راحت و آرام میں تھے' کہ دنیا ان کیلئے جنت تھی' وہاں مصیبت میں گرفتار ہوں گے' اس لئے اسے مصیر فرمانا زیادہ موزوں تھا (تفسیر روح البیان) **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا هم درجت وہ لوگ درجے ہیں' حالانکہ لوگ درجے نہیں بلکہ درجے والے ہیں۔ **جواب:** اس کے بہت سے جوابات تفسیر میں گزر گئے' کہ یا تو هم سے پہلے لام پوشیدہ ہے یا درجت سے پہلے ذو یا کاف یا فی وغیرہ پوشیدہ ہے' یعنی انکے مختلف درجے ہیں یا وہ مختلف درجوں والے ہیں یا وہ درجوں کی طرح ہیں' کہ جیسے درجے آپس میں یکساں نہیں ہوتے' ایسے ہی یہ لوگ یکساں نہیں' سیڑھی کے ڈنڈے بظاہر سب ڈنڈے ہی ہیں' مگر ایک دوسرے سے مرتبے میں مختلف یوں ہی یہ لوگ رنگ و روپ میں بظاہر یکساں ہیں' مگر مراتب میں مختلف' ظاہر کو نہ دیکھو' اصل حقیقت پر نظر کرو۔ **چوتھا اعتراض:**

www.alahazratnetwork.org

کمن باء سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان پہلے بے دین و کافر تھا' پھر مسلمان ہوتا ہے' حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے' پھر دنیا میں آکر یہودی نصرانی بنتا ہے باء' بوء سے بنا معنی اصل کی طرف لوٹنا۔ جواب: ہر شخص مر کر رب تعالیٰ کی طرف لوٹتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے والیہ المصیر جو ایمان لے کر گیا' وہ ایمان کے ساتھ اپنی اصل کی طرف لوٹا اور جو کفر پر مرا' وہ کفر لے کر لوٹا' لوٹنا ادھر جانے کے لحاظ سے ہے' اسی لئے یہاں الی سخط نہ فرمایا بلکہ بسخط ارشاد ہوا' یعنی رب تعالیٰ کے غضب کے ساتھ لوٹا' کہاں لوٹا' رب تعالیٰ کی طرف' جہاں سے آیا تھا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے انسان کو دو رہبر دیئے ہیں' عقل و نفس' عقل تو جنت رضوان' رضائے رحمان کا راستہ دکھاتی ہے' نفس دوزخ' نیران' رضائے شیطان کی راہ بتاتی ہے' جو عقل کی مانتے ہیں' وہ رضوان کی راہ چل کر جنان تک پہنچتے ہیں' جو نفس کی پیروی کرتے ہیں' وہ شیطان کی راہ چل کر دوزخ تک پہنچتے ہیں' حتیٰ کہ دنیا میں مشغولیت اگر سنت رسول سمجھ کر ہو تو یہ رضوان کی راہ ہے' اور اگر نفس کی پیروی میں ہوا تو یہی دوزخ کا راستہ ہے جیسے نفس و عقل اور جنت و دوزخ' شیطان' رضوان یکساں نہیں' ایسے ہی ان کی پیروی کرنے والے یکساں نہیں' ان پیروکاروں میں وہی فرق ہو گا' جو ان راہوں میں فرق ہے' پھر مومن آپس میں یکساں نہ آج ہیں نہ جنت میں ہوں گے' جنتیوں کے چار گروہ ہوں گے' انبیاء' اولیاء' علماء' عام مومنین' حضرات انبیاء نور کے منبروں پر ہوں گے' حضرات اولیاء تختوں پر' علماء کرسیوں پر' عام مومنین مشک کے ٹیلوں پر۔

قیامت کہ بازار مینو نہند! منازل باعمال [illegible] نیکو دہند

دنیا میں مومنوں کا عملی فرق چند طرح ہے۔ (1) عمر سے کہ بڈھا مومن بچے مومن سے افضل ہے۔ (2) وقت سے' چنانچہ رمضان' شب قدر' عاشورہ میں نیکیاں کرنے والا' دوسرے زمانہ میں نیکیاں کرنے والے سے افضل ہیں۔ (3) جگہ سے چنانچہ مسجد حرام اور مسجد نبوی کا نمازی دوسری جگہ کے نمازیوں سے بہتر ہے۔ (4) حالت سے' چنانچہ جماعت سے نماز پڑھنے والا اکیلے نمازی سے افضل ہے۔ (5) نوعیت عمل سے' چنانچہ اپنے عزیزوں کو صدقہ دینے والا اجنبیوں کو صدقہ دینے والے سے افضل ہے' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بضاعت بچنداں کہ آری بری! اگر مفلسی شرمساری بری

ہر دن پکارتا ہے کہ میں خلق جدید ہوں' اور کل تیرے اعمال کا شہید' مجھے تو آج کے بعد نہ دیکھے گا' تو یہ سمجھ کر عمل کر کہ کل تجھے رب تعالیٰ کے ہاں ضرور پیش ہونا ہے۔ (از روح البیان مع زیادۃ)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ
یقیناً احسان فرمایا اللہ نے مومنوں پر کیونکہ بھیجا ان میں ایک رسول ان کی
بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مسلمانوں پر کہ ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان پر

www.alahazratnetwork.org

اَنْفُسِہِمْ یَتْلُوْا عَلَیْہِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْہِمْ وَیُعَلِّمُہُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ ۚ
جانوں سے جو تلاوت کرتے ہیں اس کی آیتیں اور پاک کرتے ہیں انہیں اور سکھاتے ہیں کتاب
اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے

وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱۶۴﴾
اور مفید باتیں اگرچہ وہ تھے پہلے سے کھلی گمراہی میں
اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اس بہتان کا ذکر کیا گیا تھا جو بعض بدبختوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لگایا' اب اس آیت میں نہایت نفیس طریقہ سے اس بہتان کی تردید ہو رہی ہے کہ وہ نبی جن کی شان یہ ہو' وہ خیانت کیسے کر سکتے ہیں؟ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عیبوں سے پاک ہونا بیان فرمایا' اب اس آیت میں آپ کا خوبیوں سے موصوف ہونا' بیان فرمایا جا رہا ہے یعنی ایک قسم کی نعت کا ذکر پہلے ہوا' اور دوسری قسم کی نعت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہمارے محبوب بے عیب ہیں' اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اوروں کو بے عیب بنانے والے ہیں یعنی پہلے آپ کے اچھا ہونے کا ذکر تھا' اور اب دوسروں کو پاک بنانے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی گئی' اب بھی جہاد ہی کی ترغیب ہے مگر اور نوعیت سے کہ اس نبی کی ذات سے تم کو بے شمار فائدے حاصل ہوئے' لہٰذا تمہارا بھی فرض ہے کہ ان کی حمایت کرو' اور جو لوگ ان کی حمایت سے روکنا چاہیں' ان سے لڑو۔

تفسیر: **لقد من اللہ علی المومنین :** جس مضمون کے انکاری موجود ہوں یا ہونے والے ہوں اسے تاکیدوں سے موکد کیا جاتا ہے' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کے منکر پہلے بھی موجود تھے اور تاقیامت ہونے والے تھے بلکہ بعض کلمہ گویوں میں بھی ان کے فضائل کے انکاری پیدا ہو چکے تھے' اور ہونے والے تھے' اس لئے اس آیت کو لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا من' من سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں قطع کر دینا' کاٹ دینا' (روح المعانی) مگر اصطلاح میں اس کے بہت سے معنی ہیں۔ (۱) آسمان سے اترا ہوا غیبی رزق' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وانزلنا علکم المن والسلوی :** (2) کسی پر احسان جتانا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یمنون علیک ان اسلموا** (3) کسی کو طعنہ دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی :** (4) بند کرنا اور کاٹ دینا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وان لک لاجرا غیر ممنون :** (5) کسی کو بلا معاوضہ نعمت دینا' اور بغیر بدلہ اس پر احسان کرنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فامنن اومسک** یہاں من آخری معنی میں ہے' اسمائے الہیہ میں سے منان بھی ہے' وہ اسی من سے مشتق ہے' اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سارے جہانوں پر بڑی نعمت اور احسان ہے' مگر چونکہ اس سے پورا اور دائمی فائدہ مسلمانوں نے ہی اٹھایا' اس لئے خصوصیت سے یہاں انہی کا ذکر ہوا' دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے دنیا میں عذاب الٰہی آنا بند ہوئے' بلکہ مخلوق کو بارشیں اور

www.alahazratnetwork.org

روزیاں ملنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طفیل ہے' جن سے کفار اور جانور بھی فائدہ اٹھا رہے ہیں' مگر یہ فائدے موت کے بعد ختم ہو جائیں گے' مسلمانوں نے ان نعمتوں کے ساتھ ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان و عرفان بھی لیا' جو نعمت لازوال ہے' اس لئے علی المومنین فرمایا گیا' حق یہ ہے کہ اس سے سارے ہی مومن مراد ہیں نہ صرف مدینہ کے' نہ صرف حجاز یا عرب کے' خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے ہاں مومن وہ ہوتا ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہونیوالا ہو' کفر پر مرنے والا آدمی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخروی فائدہ کیسے اٹھائے گا؟ **اذ بعث فیھم رسولا** : **اذ** کا تعلق من سے ہے' اذ ظرفیہ بھی ہوتا ہے تعلیلیہ بھی' یہاں دونوں بن سکتے ہیں' مگر ظرفیہ ہو' تو مطلب یہ ہو گا کہ اگرچہ پہلے ہی سے رب تعالیٰ کے بندوں پر کروڑوں احسانات ہیں' مگر بڑا احسان اسی وقت ہوا جب یہ رسول بھیجا اور اگر تعلیلیہ ہو تو معنی ظاہر ہیں' کہ اس لئے رب تعالیٰ نے احسان کیا کہ ان میں رسول بھیجا' نیست کو ہست کرنا خلق کہلاتا ہے' اور جو پہلے موجود ہو' اسے اپنے کام یا پیغام کیلئے کہیں بھیجنا بعثت' چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدائش میں سب سے پہلے ہیں' مگر تشریف آوری میں سب نبیوں کے بعد اور یہاں تشریف آوری کا ہی ذکر ہے۔ نیز سب لوگ دنیا میں اپنے کام کیلئے آئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے کام کیلئے' نیز سب لوگ عالم ارواح سے یہاں آئے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خاص بارگاہ قدس سے' اس لئے خلق نہ فرمایا بلکہ بعث فرمایا' اسی بنا پر ہم صرف مخلوق ہیں' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق بھی ہیں مبعوث بھی' ہمیں مبعوث نہیں کہا جا سکتا **فیھم بعث** کا ظرف ہے' ھم کا مرجع مومنین' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ میں ہوئی' قریش و بنی ہاشم میں ہوئی' مگر بعثت سارے عالم اور سارے مومنین میں ہوئی' اس لئے فیھم فرمایا بالکل صحیح ہے' سورج رہتا چوتھے آسمان پر ہے مگر چمکتا ہے سارے جہان پر' دن ہر جگہ نکال دیتا ہے' چراغ ہر جگہ کے گل کر دیتا ہے' اس لئے کہہ سکتے ہیں کہ زمین پر سورج چمکا' ایسے ہی نبوت کا سورج رہا تو مکہ مدینہ میں' مگر چمکا ہر مومن کے دل اور سینہ میں' اس لئے فیھم ارشاد ہوا' اس فیھم پر صوفیائے کرام وجد کرتے ہیں' وہ کہتے ہیں۔۔

سنا ہے رہتے ہیں دولہا فقط مدینہ میں غلط ہے رہتے ہیں وہ عاشقوں کے سینہ میں

رسول بروزن فعول رسالت کا صفت مشبہ ہے' بعثت اور رسالت میں فرق یہ ہے' کہ بعثت مطلقاً بھیجنے کو کہتے ہیں' اور رسالت یا ارسال پیغام دیکر بھیجنے کو' رسول کی تنوین تعظیمی ہے' یعنی شاندار رسول' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بھی رسول ہیں اور ہمارے بھی' کہ اللہ کی طرف سے لانے والے ہیں اور ہمیں پہنچانے والے' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کسی وقت یا کسی جگہ یا کسی قوم کے ساتھ خاص نہیں' ہر وقت ہر جگہ ہر قوم کے رسول ہیں بلکہ رسولوں کے بھی رسول ہیں' اس لئے یہاں "رسولا" کو نہ تو خالق یا مخلوق کی طرف نسبت کیا گیا کہ تمہارے یا ہمارے رسول اور نہ کسی قید سے مقید کیا گیا کہ فلاں کے رسول' غرضیکہ "رسولا" میں کئی طرح سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا اظہار ہے' گنہگار کہتے ہیں ہمارے رسول' نیک کار کہتے ہیں ہمارے رسول' چڑیاں' فرشتے' جنات کہتے ہیں ہمارے رسول' اور پروردگار کہتا ہے میرے رسول' چاند کو سبھی دیکھا کرتے ہیں' اور سبھی کی انگلیاں اس کی طرف اٹھا کرتی ہیں۔۔

بلبل نے گل ان کو کہا قمری نے سرو جانفزا حیرت نے جھنجھلا کر کہا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

من انفسھم جار مجرور کائنا" یا ثابتا" کا متعلق ہو کر رسول کا حال یا اس کی صفت ہے **انفس**' نفس کی جمع ہے' بمعنی ذات

www.alahazratnetwork.org

دل روح و جان' قرآن شریف فرماتا ہے **تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک** یہاں بمعنی ذات یا بمعنی جان ہے یعنی وہ رسول ان مومنین کی ذات سے ہیں کہ انسان ہیں جن یا فرشتہ نہیں' جن کی وجہ سے انسانیت' ملکیت پر بھی فخر کرے گی۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے ۔۔۔ بے نور تھا خرد کا ستارہ ترے بغیر

یا وہ رسول مسلمانوں کی جانوں کے قبیلہ سے ہیں' کہ جیسے جان ہر عضو کی خبر رکھتی ہے' ہر عضو کو فیض دیتی ہے' مگر آنکھوں سے نہاں رہتی ہے' ایسے ہی وہ رسول تمہارے ہر حال سے خبردار ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم** تمہاری مشقت یا مصیبت ان پر گراں ہے' بے خبر پر گرانی کیسی؟ مگر آنکھوں سے ایسے چھپے ہوئے ہیں کہ بجز پروردگار انہیں کما حقہ' کسی نے نہ دیکھا ہم نے عرض کیا ہے۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں و لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

جان ہیں جان کیا نظر آئے! ۔۔۔ کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں!

مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی فرماتے ہیں۔

رہا جمال پہ تیرے حجاب بشریت ۔۔۔ نہ جانا کچھ بھی کسی نے تجھے بجز ستار

بعض مفسرین جیسے خازن' کبیر' روح المعانی نے اس لفظ کی تفسیر یوں بھی کی ہے کہ انفس سے مراد جماعت و قبیلہ ہے' اور ھم سے مراد اہل عرب ہیں' معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب میں بھیجا' اہل عرب کے خاندان سے' جنکی زبان و حالات زندگی سے یہ لوگ خبردار ہیں' اسی بعثت سے ان اہل عرب کی عزت و عظمت کی دھوم چاروں طرف مچ گئی' مگر اس تفسیر کی بنا پر لازم یہ آئے گا کہ اگلی ساری ضمیریں بھی اہل عرب کی طرف ہی راجع ہوں' اور مطلب یہ ہو کہ وہ نبی اہل عرب ہی کو کتاب و حکمت سکھاتے ہیں' اور ان ہی کو پاک فرماتے ہیں' یہ بات درست نہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے جہان کے مسلمانوں کو علم و حکمت بھی سکھائی' انہیں پاک بھی فرمایا' بعض قراءتوں میں **من انفسھم** ہے ف کی فتح سے نفیس کی تفضیل یعنی تشریف لائے وہ رسول نفیس بہترین جماعت سے' کہ آپ عربی' قرشی' مطلبی' ہاشمی ہیں' جو تمام جہان میں بہتر خاندان ہیں' اس کی تحقیق انشاء اللہ **لقد جاء کم** کی تفسیر میں کی جائے گی **یتلوا علیھم ایتہ** یہ جملہ رسولاً کا دوسرا حال ہے یا دوسری صفت' **یتلو' تلاوۃ** سے بنا' تلاوت کی پوری تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی ہے' علیم میں ھم ضمیر سارے مومنین کی طرف لوٹتی ہے' آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں' اور تلاوت سے مراد بلاواسطہ و بالواسطہ دونوں تلاوتیں ہیں' کہ قیامت تک مسلمانوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بواسطہ علماء و حفاظ قرآنی آیات سنا رہے ہیں' یعنی وہ رسول مسلمانوں کو وہ قرآنی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں' کہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ نہ ہوتا تو یہ آیتیں ان تک پہنچ سکتی ہی نہ تھیں' کیونکہ آیتیں عرشی تھیں اور یہ لوگ فرشی' سنانے والا بھی وہ چاہئے تھا جو عرشی بھی ہو اور فرشی بھی' وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تلاوت فرمانا سنانے کیلئے بھی ہے اور سکھانے کیلئے بھی' حضور انور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کے بغیر سکھائے کوئی شخص قرآن پاک کی صحیح تلاوت نہیں کرسکتا **وبزکیهم** یہ جملہ **بتلوا** پر معطوف ہے اور رسول کا تیسرا حال یا صفت' یہ لفظ تزکیہ سے بنا' معنی پاک و صاف کرنا' اکثر جسمانی اور ظاہری پاکیزگی کو طہارت کہا جاتا ہے اور دلی و روحانی پاکیزگی کو تزکیہ' اسی لئے مذبوحہ جانور کو مزکی کہتے ہیں' اور ایک خاص صدقہ کو زکوۃ کہا جاتا ہے' باب تفعیل مبالغہ کیلئے ہے نہ کہ محض آہستگی کیلئے' یعنی یہ رسول مسلمانوں کو برے اعتقاد' خراب رسوم' بداعمال وغیرہ سے خوب پاک و صاف کرتے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ معنی مستقبل ہو' اور اس میں قیامت کا ذکر ہو' یعنی یہ رسول ان مسلمانوں کا تزکیہ بارگاہ الٰہی میں کریں گے' عرض کریں گے کہ مولیٰ میری امت متقی ہے فاسق نہیں' مقبول الشہادت ہے مردود الشہادت نہیں' جیسا کہ دوسرے پارہ میں عرض کیا گیا **ویعلمهم الکتب والحکمة** حکمت کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' "قریبا" سارے مفسرین تفسیر خازن' بیضاوی' روح البیان' جلالین اور مدارک و صاوی وغیرھم نے فرمایا کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے' اور حکمت سے سنت' بعض لوگ کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد قرآنی احکام ہیں' مگر یہ غلط ہے کہ یہ تو **الکتب** میں آ چکے' خیال رہے کہ الفاظ قرآن کی تعلیم کا ذکر تو یتلوا میں ہو گیا' اور معانی قرآن' اسرار قرآن شریف کا ذکر **یعلمهم** میں ہو گیا' اب حکمت سے مراد کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز ہونی چاہئے' تاکہ کلام کا کوئی جز بیکار نہ ہو' اور وہ سنت ہی ہے' چونکہ تلاوت قرآن ابتدائی چیز تھی' اور تعلیم قرآن انتہائی درجہ' اس لئے تلاوت کا ذکر پہلے ہوا' اور تعلیم کا ذکر تزکیہ کے بعد کہ علم کتاب و سنت اسی کو میسر ہوتا ہے جو پاک و صاف ہو **وان کانوا من قبل** بعض مفسرین کا قول ہے کہ یہ ان کا مخفف ہے' جس کا اسم یعنی ضمیر ھم پوشیدہ ہے' اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی اسی پر دال ہے' اور بعض نے فرمایا کہ واؤ حالیہ ہے اور ان شرطیہ معنی اگرچہ' حق یہ ہے کہ کانوا کا فاعل سارے ہی انسان ہیں نہ کہ صرف اہل عرب اور قبل کا مضاف الیہ وہاں پوشیدہ ہے' جس کا مرجع رسول ہیں یا بعثت **لفی ضلل مبین:** ضلال سے مراد گمراہی ہے' عقائد کی ہو یا اعمال کی' یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سارے ہی لوگ "خصوصا" اہل عرب عقائد کی گمراہی میں بھی تھے اور اعمال کی گمراہی میں بھی اور کیوں نہ ہوتے کہ عرب میں تو چار ہزار سال یعنی ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ سے کوئی نبی ہی نہیں آئے تھے' اور دوسرے ممالک میں اگرچہ نبی تشریف لائے تھے' مگر انکی تعلیم گم ہو کر رہ گئی تھی' طلوع سورج سے پہلے دنیا میں رات ہی ہوتی ہے' خیال رہے کہ دیگر انبیاء چراغ تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سورج' چراغ روشنی تو دے سکتے ہیں مگر دن نہیں نکال سکتے' دن نکالنا تو سورج ہی کا کام ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے سارے عالم پر "عموما" اور مسلمانوں پر "خصوصا" بڑا ہی احسان فرمایا کہ ان ہی میں ایک ایسا شاندار رسول بھیجا جو ان ہی میں سے ہے نہ کہ جنات اور فرشتوں میں سے' جس کے باعث انکی عزت و عظمت کو چار چاند لگ گئے' پھر وہ رسول خالی نہ آئے بلکہ بہت نعمتوں کو ساتھ لائے' چنانچہ وہی رسول انہیں آیات قرآنیہ پڑھ کر سناتے اور سکھاتے ہیں' اگر وہ نہ پڑھتے تو کسی کو قرآن پڑھنا بھی نہ آتا' اور صرف قرآن سنانے پر ہی بس نہیں کرتے' بلکہ اپنی نگاہ کرم سے ان کے دل' دماغ' عقائد' خیالات' حالات' روزیوں' رسوم وغیرہ کو اچھی طرح خوب پاک و صاف فرماتے ہیں' جس سے ان میں کسی گندگی کا شائبہ بھی نہیں رہتا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ انہیں کتاب الٰہی اور سنت رسول اکمل طریقہ پر سکھاتے ہیں' جس کے بعد انہیں کسی معلم کے پاس جانے کی ضرورت نہیں ہوتی تمہیں خبر ہے کہ انکی تشریف آوری سے پہلے لوگ ہر طرح کی کھلی گمراہی میں تھے کہ نہ ان کے عقائد ہی ٹھیک تھے نہ عبادات ہی نہ معاملات ہی' نہ رسوم اچھی تھیں' نہ غذائیں حلال' یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ

www.alahazratnetwork.org

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری چند وجہوں سے اللہ کی نعمت ہے' ایک یہ کہ نفس انسانی بذات خود نیچے گرتا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اوپر اٹھاتے ہیں جیسے ڈھیلا چھوڑ دو تو نیچے آئے گا' پھینکو تو اوپر جائے گا دوسرے یہ کہ قدرتی طور پر ہر شخص کے دل میں رب تعالیٰ کو راضی کرنے کی تڑپ ہے' مگر عقل سے یہ بات نہیں معلوم ہو سکتی کہ اسے کیسے راضی کیا جائے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عرب میں پیدا ہو کر عرب میں ہی رہنا اہل عرب کیلئے بہت مفید ہوا چند وجہ سے' ایک یہ کہ اہل عرب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی دیکھی اور دیکھا کہ سرکار نے ساری عمر شریف میں ایک دفعہ بھی کوئی بات غلط نہ کی' پاکدامنی' سچائی آپ کا طریقہ رہا اب جو آپ اپنی نبوت اور آخرت کے حالات کی خبر دے رہے ہیں اس میں آپ یقیناً سچے ہیں' دوسرے یہ کہ انہوں نے دیکھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ایک لفظ نہ پڑھا' نہ کسی عالم کے پاس بیٹھے' مگر اچانک چالیس سال کی عمر شریف میں لوگوں کو ایسی کتاب سنائی جس سے چوٹی کے علماء حیران رہ گئے معلوم ہوا کہ آپ وحی سے ہی فرما رہے ہیں' تیسرے یہ کہ اہل عرب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر آپ کے دعوئی نبوت کے بعد بہت سا مال اور حسین ترین عورتیں پیش کیں' کہ آپ تبلیغ چھوڑ دیں تو یہ سب کچھ آپ کا ہے' لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ قبول نہ فرمایا اور مسکینیت میں زندگی گزاری' پھر رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے ملک اور غنیمتیں عطا فرمائیں' مگر اس کے باوجود زندگی مبارک میں کوئی فرق نہ آیا یعنی دنیا نے آپ کو نہ بدلا' آپ نے دنیا کو بدل دیا' یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ نے دعوئی نبوت دنیا حاصل کرنے کیلئے نہ کیا تھا' چوتھے یہ کہ آپ کی تشریف آوری سے پہلے عرب بدترین زندگی گزار رہے تھے' عقائد' اعمال' اخلاق' غذاؤں وغیرہ میں تمام دنیا سے گرے ہوئے تھے' جانور بھی اپنے بچے کو خود نہیں مارتا' مگر وہ اپنی بیٹیوں کو زندہ گاڑتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے یہی لوگ تمام دنیا سے افضل ہو گئے' انہی میں سے عالم' زاہد' عابد بلکہ صدیق و فاروق بن گئے' اس لئے رب تعالیٰ نے یہاں فیہم اور من انفسہم فرمایا' تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش معجزہ نہیں بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے' چنانچہ آپ کی ولادت پر بت اوندھے گرے' کسریٰ کے محل میں زلزلہ آیا' جس سے چودہ کنگرے گر گئے' اشارتاً بتایا گیا کہ چودہ بادشاہوں کے بعد یہ ملک مسلمانوں کے پاس پہنچ جائیگا' چنانچہ عہد فاروق تک یہ چودہ سلاطین پورے ہو چکے تھے' فارس کی ایک ہزار سال کی جلتی ہوئی آگ بجھ گئی' بحیرۂ ساوہ کا چشمہ اچانک خشک ہو گیا' غرضیکہ سورج کی طرح آپ کی ولادت کی خبر سارے عالم میں پھیلا دی گئی' اس جگہ روح البیان نے ابو طالب کا وہ خطبہ نقل کیا ہے' جو آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بی بی خدیجہ کے ساتھ نکاح کرتے وقت رؤسائے بنی ہاشم اور امرائے مضر کے سامنے ارشاد کیا' کہ فرمایا' اس خدا کا شکر ہے' جس نے ہمیں اولاد ابراہیم' نسل اسمٰعیل' شاخ معد اور مضر کا درخت بنایا' اور حرم کا باشندہ' بیت اللہ کا خادم قرار دیا' میرے بیٹے محمد ابن عبداللہ کو اگر تمام جہان کے ساتھ تولا جائے' تو یہ سب پر بھاری ہو گا' اور دیکھ لینا کہ آگے چل کر میرا یہ لخت جگر بڑی شان والا ہو گا: حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' مجھ سے جبرئیل بولے یا رسول اللہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب چھان ڈالے تمہارے جیسا کوئی نہ پایا۔

ادم ومن دونہ تحت اللوی! زانکہ بہر اوست خلق ما سوی

اس لئے رب تعالیٰ نے اذ بعث بطور احسان فرمایا' اس جگہ روح البیان نے عبدالمطلب کی عجیب خوابیں اور کاہنوں کی بہترین

www.alahazratnetwork.org

تعبیریں بہت تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہ امم ۔ تم نے تو دیکھے ہیں بہت بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامیں کہنے لگے اے مہ جبیں تیری قسم ۔ آفاقہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری!

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اللہ تعالٰی کی تمام نعمتوں سے اعلٰی نعمتوں ہے کہ رب تعالٰی نے قرآن کریم میں کسی نعمت پر لفظ من نہیں فرمایا، صرف اس نعمت پر ہی فرمایا، وجہ ظاہر ہے کہ ساری دنیاوی نعمتیں فانی ہیں اور ایمان و عرفان وغیرہ باقی اور یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ملیں، نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ساری نعمتوں کو نعمت بنانے والے ہیں کہ اگر اعضاء اور اولاد، مال وغیرہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق استعمال کیا جائے تو یہ سب رحمتیں ہیں ورنہ زحمتیں نیز یہ اعضاء قیامت میں ہماری شکائتیں کر کے پردہ دری کریں گے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری سفارش اور پردہ پوشی فرمائیں گے۔

رب اعلٰی کی نعمت پر اعلٰی درود ۔ حق تعالٰی کی منت پر لاکھوں سلام!

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عام ہے، کسی قوم، کسی ملک، کسی وقت سے خاص نہیں کیونکہ یہاں رسولا بغیر قید کے ذکر ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان تمام نسبوں، ملکوں اور زبانوں سے اعلٰی ہے، جیسا کہ من انفسہم کی ایک قراءت سے معلوم ہوا، جس میں انفس ہے بمعنی نفیس ترین۔ چوتھا فائدہ: قرآن کریم کی تلاوت بلکہ کتابت بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے مطابق چاہئے، جیسا کہ یتلوا سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: ہم لوگوں کو پاکی صرف نیک اعمال سے نہیں مل سکتی، یہ نیکیاں تو پاکی کے سبب بعید ہیں، پاکی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے ملتی ہے، جیسا کہ ویزکیہم سے معلوم ہوا، تخم بغیر آب رحمت بیکار نیکیاں بغیر نگاہ کرم بیکار جیسے شیطان کی عبادتیں غرضکہ کوئی متقی اور ولی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ چھٹا فائدہ: قرآن شریف اتنا آسان نہیں کہ صرف ترجمہ پڑھ لینے سے آجائے، بلکہ اس کے مسائل، فوائد، اسرار مشکل ترین علم ہیں، اسی لئے رب تعالٰی نے اس کی تعلیم کیلئے سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، جیسا کہ ویعلمہم سے معلوم ہوا، بڑے معلم بڑی ہی کتاب پڑھانے کیلئے مقرر ہوتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: اسلام میں قرآن کے ساتھ حدیث بھی ضروری ہے، اور حدیث دانی بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مہربانی سے میسر ہوتی ہے، اسی لئے یہاں کتاب کے ساتھ حکمت کا ذکر بھی ہوا۔ آٹھواں فائدہ: قرآن و حدیث کا علم تزکیہ نفس یعنی دل صفائی کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا، دیکھو رب تعالٰی نے یزکیہم پہلے فرمایا اور یعلمہم بعد میں، امام شافعی اپنا ایک عجیب واقعہ دو شعروں میں بیان فرماتے ہیں۔

شکوت الی وکیع سوء حفظی ۔ فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الہ ۔ وان النور لا یعطی لعاصی

www.alahazratnetwork.org

یعنی میں نے اپنے استاد وکیع سے خرابی حافظہ کی شکایت کی' تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ چھوڑ دو' کیونکہ علم خدا کا نور ہے' اور نور گنہگار کو نہیں ملتا۔ **نواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سیکھنے کیلئے نہیں آئے بلکہ سکھانے آئے جیسا کہ **یعلمھم** سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ سے ہی سب کچھ سیکھ کر آئے' فرماتا ہے **الرحمن' علم القران'** **دسواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قولی تعلیم بھی دیتے ہیں اور عملی بھی' جیسا کہ **یعلمھم** کے اطلاق سے معلوم ہوا' دیکھو جب آیت **اقیموا الصلواۃ** نازل ہوئی تو فرمایا **صلوا کما رایتمونی اصلی** نماز ایسے پڑھو جیسے مجھے پڑھتے دیکھو' نیز زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے سارے احکام تفصیل وار بیان فرمائے' حالانکہ قرآن شریف نے ان چیزوں کا صرف نام ہی لیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور نعمت ہیں' مگر دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے کہ **وما ارسلنک الا کافۃ للناس** ان تینوں آیات میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت تین قسم کی ہے' عامہ' خاصہ' اور خاص الخاصہ: رحمت عامہ سارے عالم کیلئے' رحمت خاصہ سارے انسانوں کیلئے اور خاص الخاصہ صرف مومنین کیلئے' ان تین آیتوں میں تین نعمتوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہی ایک بشر ہیں' کہ فرمایا گیا **من انفسھم** پھر ہم میں اور ان میں فرق ہی کیا؟ **جواب:** فرق اس آیت سے ہی معلوم ہو رہے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا احسان ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب کو پاک فرمانے والے ہیں' ہم پاک ہونے والے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے معلم ہیں' ہم سب سیکھنے والے ہیں **من انفسھم** کے وہ معنی ہیں جو تفسیر میں عرض کئے گئے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد ہم پر ایسی ہے جیسے جسم میں جان کا آنا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے سب ہی گمراہ تھے' تو کیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین بھی گمراہ تھے تم تو انہیں مومن مانتے ہو؟ **جواب:** اگر یہاں ضلال سے مراد ناواقفیت ہے' تو ظاہر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین شرعی احکام سے ناواقف تھے کہ اس وقت تک شریعت آئی ہی نہ تھی' اور اگر اس سے مراد شرک و کفر ہے' تو روئے سخن ان لوگوں سے ہے' جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا اعلان فرمایا اور انہوں نے قبول کرنے سے پس و پیش کیا' اس کی پوری بحث ہماری تفسیر نعیمی جلد اول میں ملاحظہ فرمایئے' رب تعالیٰ حج کے احکام بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے **وان کنتم من قبلہ لمن الضالین** وہاں بھی ضال' معنی ناواقف ہی ہیں' بہر حال آیت بے غبار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے درخت کی ترو تازگی' اسکے پھول پھل' اس کی رونق جڑ کا صدقہ ہے' جڑ کی طرف سے اندرونی رس برابر آتا ہے' جو درخت کی رگ رگ میں پہنچتا ہے' جس سے درخت کی بقاء ہے' اسی طرح عالم کی ساری نعمتیں گویا درخت ہیں' اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے اصل اصول' اسی لئے رب تعالیٰ نے اس نعمت پر **لقد من** فرمایا' پھر جیسے جڑ رہتی ایک جگہ ہے' مگر فیض ہر جگہ پہنچاتی ہے' یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں رہ کر ہر ایک کے سینہ میں فیض پہنچاتے ہیں'
خود بے سایہ ہیں مگر عالم پر سایہ فگن ہیں۔۔۔

www.alahazratnetwork.org

امی و دقیقہ دان عالم! بے سایہ و سائبان عالم

جیسے قرآن کریم کے نقوش کاغذ میں ہیں' الفاظ زبان میں' معانی دماغ میں' اسرار دلوں میں یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر عرب میں ہے' فرمان عالی شان تمام مسلمانوں کے جسموں پر جاری فیضان شریف دلوں میں' تجلی عرش و فرش میں اس لئے رب تعالیٰ نے انکے متعلق فیہم بھی فرمایا اور **من انفسہم** بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت ہمارے جسموں کو شریعت کے پانی سے' دلوں کو طریقت کے پانی سے' خیالات کو حقیقت کے پانی سے اور روح کو معرفت کے پانی سے پاک فرماتے ہیں اور پاک فرماتے رہیں گے' اسی لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ویزکیہم** سارا عالم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدرسہ ہے' کتاب و سنت اس مدرسہ کا درس تعلیم' سارے علماء و صوفیائے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر مدرسین جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر دنیا کو سکھاتے ہیں' اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ویعلمہم الکتب والحکمۃ** صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ عجیب راز ہے' رب تعالیٰ اپنے اور اپنی آیات کے بارے میں فرمایا **وفی انفسکم افلا تبصرون** ہم اور ہماری آیتیں تمہارے نفسوں میں ہیں' دیکھتے کیوں نہیں اور اپنے حبیب کے بارے میں فرماتا ہے **من انفسکم** اور **من انفسہم**: نیز اپنے بارے میں فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** ہم تمہاری شہ رگ سے بھی زیادہ انسان کے قریب ہیں اور اپنے حبیب کے بارے میں فرماتا ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسہم** نبی مومنوں کی جان سے زیادہ ان سے قریب ہیں' غرض رب تعالیٰ **فی انفسکم** محبوب **من انفسکم** رب تعالیٰ اقرب' نبی اولیٰ' رب تعالیٰ شہ رگ سے اقرب' نبی جان سے اولیٰ اور قریب تر' معلوم ہوا کہ مومن کا دل تجلی گاہ یار بھی ہے اور تجلی گاہ غفار بھی اگر ان دونوں کو ڈھونڈنا ہے تو مومن کے دل میں ہی ڈھونڈو' یہاں مکہ بھی ہے' مدینہ بھی ہم نے عرض کیا ہے۔

سینہ میں جو آ جاؤ بن آئے مرے دل کی — سینہ تو مدینہ ہو دل اسکا ہو شیدائی
یہ دل ہو خدا کا گھر سینہ ہو ترا مسکن — پھر کعبہ و طیبہ کی سینہ میں ہو یکجائی

اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے' ہمارے سینے **بعث فیہم** اور **من انفسہم** دونوں کے گنجینے بن جائیں' خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت ہیں ہم سب ضلالت' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں ہم سب ظلمت' جب تک ہم میں من ہے' تب تک ہم ضلالت اور ظلمت کا مجموعہ ہیں' اور جب اللہ تعالیٰ کرے من فنا ہو جائے اور تو کی جلوہ گری ہو جائے' یہ دل کاشانہ' یار بن جائے' اور **بعث فیہم** کا ظہور ہو جائے' پھر سبحان اللہ یہاں ہدایت بھی آ جائے اور نور بھی' اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا ہے۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست — مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا!

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا قُلْ

اور کیا جب پہنچی تم کو ایک مصیبت جو پہنچا چکے ہو تم دو گنی اس سے تو بولے تم کہاں سے آئی یہ فرما دو

کیا جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچے کہ اس سے دونی تم پہنچا چکے ہو تو کہنے لگو کہ یہ کہاں سے آئی تم فرما دو

www.alahazratnetwork.org

هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾

وہ تمہاری ہی نفسوں کی طرف سے ہے بے شک اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

کہ وہ تمہاری ہی طرف سے آئی بے شک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں منافقین کے اس بہتان کی تردید کی گئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے چادر لے لی اب انکے اس الزام کی تردید ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے ہمیں جنگ احد میں ہزیمت کیوں پہنچی گویا پہلے اس ذات کریم سے بہتان کو دفع کیا اب الزام کی مدافعت کی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل شاندار طریقہ سے بیان فرمائے' جس پر کسی بدباطن کو اعتراض ہو سکتا تھا کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی اتنی بڑی نعمت ہیں تو احد میں اس رحمت کے ہوتے ہوئے مسلمان زحمت میں کیوں پڑ گئے اس آیت کریمہ میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ یہ زحمت تمہاری اپنی غلطی سے ہے لین دین کیلئے دینے والے میں دینے کا زور چاہئے' اور لینے والے میں لینے کی طاقت' وہاں دینے والے کے زور کا ذکر تھا' یہاں ہم لینے والوں کی کمزوری کا۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف تھی' اور اس آیت میں بھی انہی کی مدحت و ثناء ہے مگر وہاں اوصاف ثابت کر کے' اور یہاں عیوب کی نفی فرما کر۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیت سے معلوم ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سارے مسلمانوں کو خدا تعالیٰ کی نعمتیں دیتے ہیں' تزکیہ (پاکی)' تلاوت' علم' قرآن' سنت' سب انہی کے ہاتھوں ملتی ہیں اب ہم گنہگاروں کو ان سے لینے اور مانگنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ ان کی اطاعت کرو' کبھی ان کے فرمان سے باہر نہ ہو جاؤ' دیکھو پھر کیسے باغ کھلتے ہیں۔

فیض جلیل خلیل سے پوچھو۔ آگ میں باغ لگاتے ہیں!
وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا!

تفسیر: **اولما اصابتکم مصیبۃ** یہ نیا جملہ ہے' ہمزہ استفہام انکاری کا ہے' لما ظرف بمعنی شرط ہے جس کی شرط تو اصابت ہے اور ظروف قسم۔ اسی قسم میں جزاء کے معنی بھی ہیں' اصابت متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے' اور بدو مفعول بھی' یہ متعدی بیک مفعول ہے اور اصبتم متعدی بدو مفعول یعنی اسکے معنی پہنچنا بھی ہیں پہنچانا بھی' ظاہر یہ ہے کہ مصیبت سے مراد غزوہ احد کی مصیبت ہے جو غازیوں کو پہنچی تھی' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ہر مصیبت مراد ہو' اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسرے معنی پر ہے' اور ہمارا ترجمہ پہلی توجیہ پر' یعنی جب تم کو احد میں ایک مصیبت پہنچی' یا تمہارا دستور یہ ہے کہ جب تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے **قد اصبتم مثلیھا** یہ جملہ مصیبۃ کی صفت ہے اصبتم متعدی بدو مفعول ہے' مفعول اول یعنی کفار پوشیدہ ہے اور مفعول دوم مثلیھا ہے' یعنی جب تمہیں ایسی مصیبت پہنچی' جس سے دگنی تم کفار کو پہنچا چکے تھے' اس میں گفتگو ہے کہ دوگنی سے کیا مراد ہے' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ قتل و قید ہے جو بدر میں مسلمان کے ہاتھوں کفار کو

www.alahazratnetwork.org

پہنچا' چونکہ قید بھی قتل کی طرح ہے کہ مسلمان ان قیدیوں کے قتل پر قادر ہو چکے تھے' اس لئے مثلیہا فرمایا' بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ بدر اور جنگ احد کا قتل کفار ہے کہ احد میں بھی پہلے کافر ہی قتل ہوئے تھے' چنانچہ میں سے زیادہ قریش مارے گئے' مطلب یہ ہوا کہ تم تو بدر میں کفار کو قتل بھی کر چکے ہو' اور قید بھی' اور احد میں تم صرف قتل ہوئے' تم میں سے کوئی قید نہ ہوا' یا تم تو انہیں دو مرتبہ قتل کر چکے' بدر میں بھی احد میں بھی' اور تم صرف ایک بار قتل ہوئے' مگر وہ نہ گھبرائے' تم گھبرا گئے' کہ تم اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہی عجیب باتیں کرنے لگے کہ **قلتم انی ھذا** حق یہ ہے کہ قلتم میں خطاب منافقین اور ان ضعفائے مومنین سے ہے جو منافقین کی چال میں آکر کچھ سے کچھ کہہ بیٹھتے تھے' انی کی تحقیق ہم دوسرے پارے میں کر چکے ہیں کہ یہ بمعنی کیف بھی ہوتا ہے اور بمعنی این بھی' جب بمعنی این ہو گا تو من پوشیدہ ہو گا' بلکہ بعض کے نزدیک من این ہی اس کے معنی ہیں' یہاں دوسرے معنی میں ہے' اس لئے اس کے جواب میں من آیا' یعنی تم یہ کہنے لگے کہ یہ مصیبت کہاں سے آگئی باوجودیکہ ہم مسلمان ہیں اور یہ قریش کفار ہم اللہ کیلئے لڑنے آئے ہیں' وہ بتوں کی خاطر' ہم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں جو رحمت عالم ہیں ان میں یہ نعمت نہیں' پھر غالب وہ آگئے مغلوب ہم ہو گئے' خیال رہے کہ یہ کلام منافقین کا تو انکار کیلئے تھا کہ اگر اسلام سچا تھا تو یہ آفت کہاں سے آگئی' اور ضعفائے مومنین کا تعجب کیلئے کہ تعجب ہے حق پر ہم اور غالب وہ **قل ھو من عند انفسکم** قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' وہ لوگ اگرچہ یہ گفتگو آپس میں کرتے تھے' مگر چونکہ ان کی یہ گفتگو شائع ہو گئی تھی' بلکہ خود قرآن کریم نے نقل فرمائی اس لئے اس کا جواب بھی شائع کیا گیا' جواب بتایا رب تعالیٰ نے' کہلوایا اپنے حبیب سے' قرآن کریم میں ایسا بارہا ہوا ہے' جس کی تحقیق عرض کی جا چکی ہیں' ھو کا مرجع مصیبۃ نہیں' کیونکہ **مصیبۃ** مونث ہے ھو مذکر' بلکہ اس کا مرجع اصابت فعل کا مصدر ہے' یعنی مصیبت کا پہنچنا' انفس نفس کی جمع ہے بمعنی ذات' کم میں خطاب سارے صحابہ سے نہیں' بلکہ ان سے ہے' جن سے غزوۂ احد میں لغزش واقع ہوئی' مگر چونکہ وہ بھی قوم کے افراد تھے' اس لئے خطاب ساری قوم سے کر دیا گیا' دیکھو رب تعالیٰ نے سارے اسرائیلیوں سے خطاب کر کے فرمایا **واذ قتلتم نفسا** حالانکہ قتل کرنے والے ان میں سے چند لوگ تھے' ایسے ہی یہاں قلتم کے خطاب کا حال ہے' یعنی فرما دو کہ یہ تکلیف کا پہنچنا خود تمہارے اپنے قصور سے ہے' کونسا قصور' اس میں تین احتمال ہیں۔ (1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ مشورہ دینا کہ مدینہ میں رہ کر مدافعانہ جنگ نہ کی جائے' بلکہ میدان میں نکل کر کفار مکہ سے ڈٹ کر مقابلہ کیا جائے' حالانکہ اس وقت مدینہ پاک میں رہ کر دفاع کرنا بہتر ہوتا۔ (2) درہ احد والوں کا درہ چھوڑ کر ہٹ جانا' اور وہ جگہ خالی چھوڑ جانا جس سے کفار کو حملہ کرنے کا موقعہ ملا۔ (3) ابن ابی شیبہ' ترمذی' نسائی' ابن جریر وغیرہم نے بروایت عبیدہ سلمانی وغیرہ امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جنگ بدر کے بعد جبریل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ آپ اپنے صحابہ کو اختیار دیں کہ یا تو یہ حضرات ان قیدیوں کی گردنیں اڑا دیں یا ان سے فدیہ لے لیں' مگر فدیہ کی صورت میں ان صحابہ میں سے بھی آئندہ جنگ میں اسی قدر یعنی ستر افراد شہید ہوں گے' اکثر صحابہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تمام قیدی ہمارے ہی بھائی برادر ہیں' ممکن ہے کہ بعد میں ایمان لے آئیں' اور فدیہ کے مال سے ہمیں آئندہ جہادوں میں مدد ملے گی' لہٰذا ان سے فدیہ ہی لیا جائے' رہی ہماری شہادت اس کے تو ہم منتظر ہیں' ہماری جانوں کی بڑی قیمت یہی ہے کہ راہ خدا میں قربان ہو جائیں' چنانچہ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لے لیا گیا اور غزوۂ

www.alahazratnetwork.org

احد میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہوئے۔ (تفسیر خازن' روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ) مگر پہلی وجہ بہت قوی معلوم ہوتی ہیں' ان اللہ علی کل شیء قدیر : رب تعالیٰ نے اس جملہ کو اپنی قدرت کے ذکر پر ختم فرمایا' یا تو گزشتہ سے ڈرانے کیلئے یا آئندہ امید دلانے کیلئے یعنی تم نے آزمالیا کہ ہم جو چاہیں کرسکتے ہیں' دیکھو بدر میں تم صرف تین سو تیرہ تھے مگر غالب آگئے اور احد میں تم سات سو مگر غالب نہ آسکے معلوم ہوا کہ فتح و شکست ہمارے قبضہ میں ہے' بعض وجوہ سے جنگ احد کا نقشہ بدلا' ان وجوہ سے آئندہ پرہیز کرنا' یا یہ مطلب ہے کہ مایوس نہ ہو اللہ ہر شے پر قادر ہے' تمہیں آئندہ جنگوں میں فتح عطا فرمائے گا جس سے احد کا بدلہ بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائے گا' رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمایا شیء اور قدیر کے معانی ہم پہلے پارے میں عرض کرچکے ہیں' اس آیت سے مسئلہ امکان کذب کسی طرح حاصل نہیں ہو سکتا' اسکے یہ معنی ہرگز نہیں ہو سکتے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر بری بھلی چیز' جھوٹ' زنا' موت سے موصوف ہو سکتا ہے جیسا کہ بعض بدنصیبوں نے سمجھا' اسکی مکمل بحث پارہ اول میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو' وہاں پوری بحث کردی گئی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! یہ کچھ عجیب سا معاملہ ہے کہ جب تمہیں جنگ احد میں کچھ تکلیف پہنچ گئی کہ تم میں سے ستر حضرات شہید ہو گئے' حالانکہ تم اس سے دگنی تکلیف کافروں کو جنگ بدر میں پہنچا چکے تھے اور وہ کفار تمہارے ہاتھوں ذلیل مصیبت اٹھا چکے کہ تم تو صرف ستر ہی شہید ہوئے' اور وہ ستر مارے بھی گئے' اور ستر قیدی بھی ہوئے تھے' نیز تم تو صرف غزوہ احد میں شہید ہوئے وہ تمہارے ہاتھوں دو دفعہ مار کھا گئے' مگر اس کے باوجود وہ ہمت نہ ہارے اور نہ کسی قسم کی انہوں نے شکایت کی' نہ انہیں اپنے دین میں کچھ تردد ہوا' بلکہ ایک سال بعد ہی بہت جوش سے تم پر حملہ آور ہو گئے' مگر تم ہو کہ ذرا سی مصیبت میں گھبرا کر اور قسم کی باتیں کرنے لگے' تم میں سے بعض نے یہاں تک کہہ دیا کہ ہم حق پر بھی ہیں' ہمارا دین بھی سچا ہے' ہم لڑتے بھی اللہ کیلئے ہیں' ہمارے ساتھ اللہ کے رسول بھی ہیں جن کا لقب ہے رحمتہ للعالمین' اور کفار باطل پر بھی ہیں' وہ لڑتے بھی ہیں بتوں کیلئے' اور کسی کے سایہ میں بھی نہیں ہیں' پھر بھی غالب وہ آگئے' مغلوب ہم ہو گئے' یہ واقعہ بن کیسے گیا اور ہماری یہ مغلوبیت آئی کہاں سے' اے محبوب! آپ ان گھبرانے والوں کو جواب دے دو کہ احد میں جو کچھ پیش آیا وہ تمہارے اپنے قصور سے تھا' ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا سنبھالا ہوا ورہ تم نے غلطی سے چھوڑ دیا' یا میدان جنگ معین کرنے اور نقشہ جنگ بنانے میں تم نے غلطی کی' یا بدر کے موقعہ پر قیدیوں سے فدیہ لیتے وقت تم خود یہ شہادت منظور کرچکے تھے' پھر اسلام کی حقانیت یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کے متعلق تردد کیوں کرتے ہیں' اپنی غلطی میں غور کیوں نہیں کرتے' اچھا جو ہوا سو ہوا اب آئندہ ایسی غلطیاں نہ کرنا' ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ تمہیں فتوحات دیں گے' ہم ہر چیز پر قادر ہیں جو چاہیں کریں' ہم پر توکل کرو' ہمارے محبوب کے زیر سایہ رہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے' **پہلا فائدہ:** اپنے مقابل کا حال سنا کر اور انکی استقامت دکھا کر مسلمانوں کو جوش دلانا سنت الہیہ ہے جیسا کہ مثلیہا سے معلوم ہوا' جہاد کے موقعوں پر فوجی آفیسران کو اس پر خصوصیت سے عمل کرنا چاہئے۔ **دوسرا فائدہ:** دنیوی تکالیف اور مصیبتوں پر اپنے سے بدتر کو دیکھنا چاہئے کہ اس سے دل کو قرار ہوتا ہے' اور ناشکری کے الفاظ منہ سے نہیں نکلنے پاتے بلکہ مصیبت میں بندہ شکری کرتا ہے' ننگے پاؤں والا بے دست و پا کو دیکھے جو سرین کے بل زمین پر گھسٹتا ہے' یہ بھی مثلیہا سے ہی معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مصیبت و تکالیف پر بے صبری کے الفاظ منہ سے نکل جانا اگرچہ

www.alahazratnetwork.org

ضعف ایمان کی دلیل ہے مگر کفر نہیں' دیکھو وہ ضعفائے مومنین جن سے جنگ احد کے بعد شکایت کے الفاظ صادر ہوئے انہیں کافر قرار نہیں دیا گیا' بلکہ نہایت کرم اور مہربانی سے ان کی شکایت دور کر کے انہیں مطمئن کر دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** بات بات پر صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنا اور انہیں ملامت کرنا قرآنی دستور کے خلاف ہے' ہم تو ان حضرات کے غلاماں غلام بننے کے قابل بھی نہیں' ہمیں انکی غلطیاں پکڑنے کا حق ہی کیا ہے' رب تعالیٰ انکا رب ہو کر ایسے نازک موقعوں پر انکی دلجوئی فرماتا ہے' انہیں تسلیاں دیتا ہے' انکے کلاموں کے جواب دیکر سمجھاتا ہے' ان کی معافی کا اعلان فرماتا ہے' بلکہ اپنے حبیب سے سفارش فرماتا ہے' کہ آپ بھی انہیں معاف فرمادو' اور انہیں گلے سے لگاؤ' کیوں نہ ہو کہ یہی حضرات تو دین کا ستون تھے' انہی کے ذریعہ دین پھیلانا تھا اور دنیا میں اجالا کرنا تھا۔

یہ وہ تھے جن سے دنیا میں اجالا ہونیوالا تھا! یہ وہ تھے جن سے حق کا بول بالا ہونیوالا تھا!

آج بھی حکومتیں وفادار سپاہیوں کی ہمیشہ اور جنگ کے موقعہ پر خصوصاً" بڑی ہی دلجوئی کرتی ہیں کہ انہوں نے حکومت کو اپنا خون دیا ہے' صحابہ کرام نے تو خون' جان' مال' اولاد سب کچھ ہی دین پر قربان کر دیا تھا' انکی دلجوئی کیسے نہ کی جاتی۔ **پانچواں فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ مصیبتوں اور تکلیفوں کو اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ جانے' رب تعالیٰ کی شکایت نہ کرے' راحتیں رب تعالیٰ دیتا ہے' تکلیفیں ہم منگالیتے ہیں' جیسا کہ **من عند انفسکم** سے معلوم ہوا' حضرت ابراہیم خلیل اللہ فرماتے ہیں **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہوتا ہوں تو رب تعالیٰ شفا دے دیتا ہے یعنی بیمار میں ہو تا ہوں شفا وہ دیتا ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید بر تو از ظلمات و غم — ایں زبے باکی و گستاخی است ہم

ہم جیسوں کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم** **چھٹا فائدہ:** کیسی ہی مصیبت پڑے مسلمان رب تعالیٰ سے مایوس نہ ہو' سمجھے کہ رب تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے' وہ چاہے تو آن کی آن میں عالم کا رخ بدل دے' جیسا کہ **ان اللہ** سے معلوم ہوا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

نہ ہو مایوس آتی ہے صدا گور غریباں سے — نبی امت کا حامی ہے خدا بندوں کا والی ہے

ہم پاکستانیوں کو بھی چاہئے کہ کبھی رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہوں **فان مع العسر یسرا** پر نظر رکھیں۔

خزاں جائیگی جائے گی بہار آئیگی کلیوں میں — لگیں گے نعرۂ تکبیر پھر دہلی کی گلیوں میں!

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بہت گھبرا جانے والے تھے' اور معمولی آفتوں پر دین میں تردد کر لیتے تھے' یہ تردد کفر ہے! **جواب:** اگر اس آیت میں منافقین کا ذکر ہے' تب تو کوئی سوال ہی نہیں' اور اگر ضعفائے مومنین کا ذکر ہے' جیسا کہ وہ ظاہر ہے' تو یہ تردد کے لئے نہیں بلکہ تعجب کے طور پر ہے' فرشتوں نے عرض کیا تھا **اتجعل فیھا من یفسد فیھا** بنی اسرائیل نے طالوت کے بارے میں کہا تھا **انی یکون لہ الملک علینا** حضرت مریم رضی اللہ عنہا نے فرزند کی خوشخبری پا کر کہا تھا **انی یکون لی ولد** بلکہ زکریا علیہ السلام نے فرزند کی بشارت پا کر ایسا ہی سوال کیا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** **مثلیھا** میں مصیبت کیلئے ضمیر مونث لائی گئی اور **قل ھوا** میں اسی مصیبت کیلئے ضمیر مذکر ارشاد ہوئی' اس کی وجہ کیا ہے' مصیبت مذکر ہے یا مونث! **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ھو کا مرجع مصیبت نہیں بلکہ اصابت فعل کا مصدر ہے' چونکہ مصدر مذکر بھی استعمال ہوتا ہے مونث بھی اس لئے ضمیر مذکر لوٹ گئی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا

www.alahazratnetwork.org

کہ صحابہ کرام گناہ بھی کرتے تھے اور انہیں اس پر سزائیں بھی ملتی تھیں' دیکھو احد کی شکست انکے گناہوں کا نتیجہ تھی' پھر تم کیسے کہتے ہو کہ تم صحابہ عادل تھے؟ **جواب:** اس موقعہ پر ان حضرات سے گناہ نہ ہوا بلکہ خطا ہوئی' اور یہ عذاب نہ تھا بلکہ محبوبانہ عتاب تھا' خطاء پر عتاب' انتہائی محبت کی دلیل ہے' استاد کو جس شاگرد سے زیادہ محبت ہوتی ہے اس کی کڑی نگرانی رکھتا ہے' اور بات بات پر اس پر عتاب کرتا ہے' کیوں؟ اس کی اصلاح کیلئے' یونس علیہ السلام آدم علیہ السلام جیسے مقدس بزرگوں سے معمولی لغزش ہوئی' جس پر سخت عتاب ہوا کیا تم ان پر بھی زبان درازی کرو گے؟ غرضیکہ عتاب' عقاب' عذاب میں فرق نہ کرنا بڑی غلطی ہے' خیال رہے کہ خطاء اجتہادی پر گناہ تو نہیں ہوتا مگر عتاب ہو سکتا ہے' اور اس پر دنیاوی تکالیف بھی آسکتی ہیں' یہاں **من عند انفسکم** میں اسی طرف اشارہ ہے' حضرت آدم و یونس علیہما السلام پر لغزش اجتہادی کے باعث عتاب بھی ہوئے تکالیف بھی آگئیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں' ایک وہ جن پر نفس غالب ہے' دوسرے وہ جن پر عقل غالب' تیسرے وہ جن پر عشق غالب' نفسانی لوگ چاہتے ہیں کہ بغیر کچھ کئے ان کی تعریفیں بھی ہوں اور انہیں سب کچھ مل بھی جائے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان یحمد وا بما لم یفعلوا** بلکہ نفس کا جب غلبہ ہوتا ہے وہ اچھی باتوں کو تو اپنی طرف نسبت کرتے ہیں کہ ہم نے یہ کارنامے کئے' اور بری باتوں کو وہ رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں' یہ عقل در حقیقت شیطانی ہوتی ہے' شیطان نے عرض کیا تھا **رب بما اغویتنی** خدایا تو نے مجھے گمراہ کر دیا' یعنی میں تو ہدایت پر تھا' عابد زاہد تھا تو نے مجھے گمراہ کر دیا' مگر جن خوش نصیبوں پر حضرت عشق کا تسلط ہے' وہ ہر برائی کو اپنے طرف نسبت دیتے ہیں اور بھلائی کو رب تعالیٰ کی طرف' یہاں منافقین یا ضعفاء کے **انی هذا** کہنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ پوچھتے ہیں یہ مصیبت کہاں سے آئی' یعنی ہماری طرف سے ہو نہیں سکتی' ہم تو بڑے عاقل' نیک کار ہیں' اور **من عند انفسکم** میں عقل کو چھوڑ کر عشق اختیار کرنے کی تعلیم ہے کہ یہ جو کچھ بلا آفت آئی تمہارے اپنے نفس کی طرف سے ہے' ہمیشہ شر کو اپنی طرف نسبت دو' اور خیر کو رب تعالیٰ کی طرف منسوب کرو' عاشق تو اپنی ہستی کو قصور سمجھتے ہیں' اپنے کو فنا کر دینا عشق کا کمال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عقل مے گوید کہ خود را پیش کن! عشق مے گوید کہ ترک خویش کن!

ترک خویش بڑا کمال ہے' سارا فساد اسی میں ہے۔

مینا نے مینا کی سو مول ہوئے دس بیس بکری نے میں میں کی سو چھوڑ کٹایا سیس

یعنی مینا ہمیشہ کہتی ہے میں نا' یعنی میں کچھ نہیں' تو قیمتی ہے' بکری ہمیشہ کہتی ہے میں یعنی میں سب کچھ ہوں' تو ذبح کر دی جاتی ہے۔

خود کو اتنا مٹا کہ تو نہ رہے! تجھ میں اپنی خودی کو بو نہ رہے!

www.alahazratnetwork.org

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ

اور وہ جو مصیبت پہنچی تم کو جس دن میں دو جماعتیں پس اللہ کے حکم سے تھی اور تاکہ جان لے

اور وہ مصیبت جو تم پر آئی جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں وہ اللہ کے حکم سے تھی اور اس لئے کہ پہچان

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا

مومنوں کو اور تاکہ جان لے ان کو جو منافق ہوئے اور کہا گیا ان سے آؤ جنگ کرو

کرادے ایمان والوں کی اور اس لئے کہ پہچان کرادے ان کی جو منافق ہوئے اور ان سے کہا گیا کہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ

اللہ کی راہ میں یا دفع کرو تو بولے اگر جانتے ہوتے ہم جنگ تو ضرور پیروی کرتے

آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا دشمن کو ہٹاؤ بولے اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے

لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ

تمہاری وہ آج زیادہ قریب ہیں کفر سے بمقابلہ ایمان کے کہتے ہیں اپنے منہ سے وہ جو نہیں ہے انکے

وہ اس دن ظاہری ایمان کی بہ نسبت کھلے کفر سے زیادہ قریب ہے اپنے منہ سے کہتے ہیں جو انکے

قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿۱۶۷﴾

دلوں میں اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے وہ جو چھپاتے ہیں

دل میں نہیں اور اللہ کو معلوم ہے جو چھپا رہے ہیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غزوۂ احد میں مسلمانوں پر مصیبت آ جانے کی ایک وجہ بیان فرمائی گئی تھی' یعنی مسلمانوں کی اپنی غلطی' اب اس کی دوسری دو اور وجہیں بیان ہو رہی ہیں' یعنی مومن و منافق کی چھانٹ اور منافقوں کو ظاہر فرما دینا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں غزوۂ احد کی تکالیف کی وجہ مذکور ہوئی تھی اس آیت میں اس کی حکمت الٰہیہ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو غزوۂ احد میں پیش آنیوالے واقعات کا ذمہ دار بنایا گیا تھا' اب ان کی اشک شوئی اور دلجوئی کی جا رہی ہے کہ گھبراؤ مت' تمہاری اس غلطی میں بھی رب تعالیٰ کا راز ہے' تمہاری اس غلطی سے مسلمانوں کو بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر تھا' اب اس قدرت کا اظہار ہے کہ اس نے اپنی قدرت سے تمہاری غلطی سے لوگوں کو بہت فائدے پہنچائے۔

تفسیر: **وما اصابکم یوم التقی الجمعن** یہ جملہ مستقل ہے' واؤ ابتدائیہ ہے' اصاب سے وہ تکالیف و مصیبتیں مراد

www.alahazratnetwork.org

ہیں جو مسلمانوں کو پہنچیں یوم سے غزوۂ احد کا دن مراد ہے اور جمعان سے غازی مسلمانوں اور کفار مکہ کے لشکر مراد ہیں التقے سے مراد جنگ میں بھڑ جانا ہے یعنی اے مسلمان غازیو! غزوۂ احد کے دن جبکہ مومن و کافر لشکر بھڑ گئے تھے اس دن جو کچھ تکلیف و مصیبت تمہیں پہنچی **فباذن اللہ** یہ ما کی خبر ہے چونکہ ما ابتداء میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے خبر پر ف آگئی اگرچہ یہ واقعہ ماضیہ کا ذکر ہے اور ف مستقبل شرط و جزاء پر آتی ہے نہ کہ ماضی پر مگر چونکہ اس کا ظہور اس آیت کے بعد ہوگا اس لئے ایک لحاظ سے یہ مستقبل ہے لہٰذا ف کا آنا درست ہوا (روح المعانی) یعنی رب تعالیٰ کے بتانے کے بعد مسلمانوں کو اس ہزیمت کی حکمتیں معلوم ہوں گی عربی خصوصاً قرآنی اصطلاح میں اذن کے بہت معنی ہیں ارادہ علم اسی لئے بتانے اعلان کرنے کو اذان کہا جاتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذان من اللہ ورسولہ** اور فرماتا ہے **اذنک ما منا من شہید** اور فرماتا ہے **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ**: قضاء و قدر تخلیہ حکم یہاں سارے معنی درست ہیں یہ جو کچھ ہوا اللہ کے ارادہ اللہ کے علم سے اللہ کے قضاء و قدر سے ہوا اللہ کے تخلیہ سے ہوا اس نے کافروں کو آزاد چھوڑ دیا کہ تم پر ٹوٹ پڑے یا اللہ کے حکم سے ہوا کہ تمہیں احد میں جہاد کا حکم دیا پھر اس کا انجام یہ ہوا (کبیر و خازن وغیرہ) لہٰذا اے مسلمانو! تم راضی برضاء رہو! اور صبر سے کام لو **ولیعلم المومنین**: یہ جملہ **باذن اللہ** پر معطوف ہے واؤ عاطفہ ہے کام عمنی کے ہے اس لئے ان پوشیدہ ہے اور یعلم منصوب علم سے مراد جانتا ہے یا جتوانا بتانا جاننے سے مراد علم ظہور ہے ورنہ رب تعالیٰ ہمیشہ سے علیم و خبیر ہے اور رہیگا یعنی اور اس لئے یہ واقعات ہوئے کہ اللہ تعالیٰ مخلص مسلمانوں کو ظاہر فرما کر جان لے یعنی دیکھ لے یا لوگوں کو بتا دے پہچان کرا دے **ولیعلم الذین نافقوا** یہ جملہ پہلے **ولیعلم** پر معطوف ہے اور اس واقعہ کی تیسری وجہ یہاں بھی **یعلم** کے وہی معانی ہیں جو پہلے یعلم کے بیان کئے گئے چونکہ مومن اول سے آخر تک ایمان پر یکساں قائم تھے اور منافق ہمیشہ نئی چال چلتے رہتے تھے جس سے انکا نفاق ظاہر ہوتا رہتا تھا احد میں بھی ان کا جنگ سے پہلے ہی لوٹ جانا انکے منافق ہونے کی علامت تھی اسی لئے وہاں **مئومنین** فرمایا گیا مگر یہاں **المنافقین** نہ فرمایا بلکہ **الذین نافقوا** ارشاد ہوا یعنی جو اب منافق ہو گئے کہ انکا نفاق اور بھی کھل گیا خیال رہے کہ نفاق نفق سے بنا بمعنی گزر جانا ختم ہو جانا اسی لئے خرچ کو نفقہ کہتے ہیں جاری راستہ کو طریقہ نافقہ کہ مال تو خرچ ہو کر ختم ہو جاتا ہے اور اسی راستہ سے راہگیر گزر جاتا ہے نافقہ لومڑی کے رہنے کے سوراخ کو بھی کہتے ہیں جس کے دو راستے ہوتے ہیں ایک ظاہر دوسرا خفیہ کہ اگر کوئی شکاری اس کا ظاہری راستہ روک لے تو وہ خفیہ راستہ سے نکل جائے آرپار سرنگ کو بھی نافقہ کہا جاتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تبتغی نفقا فی الارض** تم زمین میں سرنگ تلاش کرو شریعت میں منافق وہ ہے جو دل میں کافر ہو مگر اپنے کو مسلمان ظاہر کرے اس شرعی معنی کی لغوی معنی سے مناسبت بالکل ظاہری ہے اس کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی **وقیل لہم تعالوا** یہ جملہ مستقل ہے واؤ ابتدائیہ اس میں منافقوں کے نفاق کا ذکر ہے قیل کا فاعل یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام مخلص مسلمان یا حضرت جابر کے والد عبداللہ ابن عمرو ابن حرام انصاری جب عبداللہ ابن ابی منافق اپنے تین سو ہمراہیوں کے ساتھ احد کے میدان سے پلٹا تو آپ نے اس سے کہا تجھے رب کی قسم ہے اس وقت ہمارا ساتھ نہ چھوڑ اور اہل مدینہ کو مکہ والوں کے سامنے شرمندہ نہ کر اس وقت تیری جماعت کے نکل جانے سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ جائیں گے کفار کی ہمتیں بڑھ جائیں گی تعالوا کی تحقیق ابھی کچھ پہلے ہو چکی کہ یہ علو سے بنا بمعنی بلندی اس کے معنی تھے اوپر آؤ مگر قاعدۂ تجرید معنی ہو گئے آؤ جب یہ منافقین احد سے لوٹ

www.alahazratnetwork.org

چلے تھے' تب ان سے حضرت عبداللہ نے یہ کہا تھا **قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا** : **قاتلوا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ قتل سے بنا بمعنی ایک دوسرے سے جنگ کرنا' دفع کے معنی ہیں قوت سے کسی چیز کو دور کرنا' جب اس کے بعد عن ہو تو معنی ہوتے ہیں حمایت کرنا' یہاں عن پوشیدہ ہے' عن مد کا مفعول یا تو ضمیر ہے' یا **انفسکم** ہے یا **اولادکم** یا **ملککم** یعنی حمایت کرو ہماری یا دفع کرو اپنے سے خلق کا بہتان یا دفع کرو دشمن کو اپنے بال بچوں سے اپنے گھر بار یا اپنے ملک سے' مطلب یہ ہے کہ اول تو اللہ کی راہ میں جہاد ہی کرو' اور اگر یہ نہیں کر سکتے' تو کم از کم ہماری اتنی ہی حمایت کرو کہ ہم میں رہ کر ہماری جماعت کی تعداد بڑھاؤ جس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند رہیں اور کفار پر ہیبت طاری ہو جائے یا اب تک لوگ تمہیں منافق سمجھتے رہے آج تمہیں خدا تعالیٰ نے موقعہ دیا ہے جہاد میں جوانمردی دکھاؤ اور اپنے سے یہ الزام دور کرو' یا اے بد نصیبو! اگر تم جہاد فی سبیل اللہ نہیں کر سکتے' تو اپنے بال بچوں' گھر بار' اپنے ملک سے تو دشمن کو دور کرو' اگر دشمن غالب آ گیا تو سارے مدینہ کو تباہ کرنے کی کوشش کرے گا' جس میں تمہارے بال بچے اور گھر بار بھی رگڑے جائیں گے۔ کیونکہ۔

سب مصیبت جھیلتے ہیں جب اجڑتا ہے چمن

قالوا لو نعلم قتالا لا اتبعنکم یہ جملہ **قیل لھم** کا جواب ہے' جس میں منافقین کا جوابی کلام نقل فرمایا گیا' اگرچہ جواب دینے والا صرف عبداللہ ابن ابی تھا' یا بعض سرداران منافقین' مگر چونکہ ان سب منافقوں کی طرف سے یہ جواب تھا اس لئے سب کو اس کا فاعل بنایا گیا' اور **قالوا** ارشاد ہوا' **لو نعلم قتالا** میں چند احتمال ہیں' اور ان کی اس بکواس کے چند مطلب ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ ہمیں لڑنا بھڑنا آتا ہی نہیں' ہم تو ایسی باز صلح کل ہیں' اگر ہمیں لڑنا بھڑنا آتا ہوتا تو تمہارے ساتھ رہتے' دوسرے یہ کہ اگر ہم جانتے ہوتے کہ اس وقت جنگ ہو گی تو تمہارے ساتھ رہتے' ہمیں یقین ہے جنگ کوئی نہیں ہوئی لہٰذا ہمارے ٹھہرنے کی کیا ضرورت ہے' یہ انہوں نے طنزاً' مذاقاً' استہزاءً کہا' تیسرے یہ کہ اگر ہم اسے جنگ سمجھتے تو تمہارے ساتھ رہتے' یہ جنگ نہیں ہے بلکہ مسلمانوں کا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے' کیونکہ جنگ میں برابر کی طاقت چاہئے' تم مٹھی بھر سات سو' وہ کفار تین ہزار کا لشکر جرار' پھر یہ جنگ ہوئی کہ ہلاکت' خیال رہے کہ یہاں اتباع سے مراد مسلمانوں کی بات ماننا ہے یا مسلمانوں کے پیچھے پیچھے رہنا' کیسی بات ان کے منہ سے نکلی' جس سے ان کا نفاق اور بھی ظاہر ہو گیا' یعنی اگر ہم لڑنا بھڑنا جانتے ہوتے تو بھی لڑتے نہیں تمہارے ساتھ ہی رہتے **ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان** یہ جملہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کی بکواس کا جواب ہے' اس میں چاروں ظرف **للکفر' یومئذ' منھم** اور چوتھا **للایمان' اقرب** تفضیل کے متعلق ہیں' اور دونوں لام بمعنی الیٰ ہیں یا اپنے ہی معنی میں ہیں' کیونکہ اقرب قرب سے بنا بعد کا مقابل یہ لام الیٰ اور من سب سے متعدی ہوتا ہے' اور ہو سکتا ہے کہ یہ اقرب قرب ر کے فتح سے مشتق ہو بمعنی تلاش پانی' اسی لئے مشکیزہ کو قارب اور قربت کہتے ہیں اور گھاٹ پر آنے کے دن کو یوم القرب' بعض مفسرین نے فرمایا کہ **للکفر** کلام حملیہ ہے (روح المعانی) **الکفر** یا تو اپنے ظاہری معنی پر ہے' یا بمعنی کفار یا اس سے پہلے اہل پوشیدہ ہے' بہرحال اس جملہ کے تین معنی ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ وہ منافقین آج ظاہر ظہور بمقابلہ ایمان کفر سے زیادہ قریب ہیں کہ کفار کی حمایت کر رہے ہیں' اور تمہاری مخالفت' دوسرے یہ کہ وہ منافقین آج ایمان کے مقابلہ میں کفر کے زیادہ طلبگار ہیں' اگرچہ اس سے پہلے وہ تمہارے طرفدار بنتے تھے' تیسرے یہ کہ وہ منافقین اپنے دلی کفر کی وجہ سے مومنوں کے مقابلہ میں کافروں سے زیادہ قریب ہیں' چوتھے معنی وہ بھی ہو سکتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں، جو اعلیٰ چوتھے معنی وہ بھی ہو سکتے ہیں، جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس ترجمہ میں اشارۃً بیان فرمائے کہ کفر سے مراد ان کا حقیقی اور دلی کفر ہے' اور ایمان سے مراد ان کا وہ ادعائی ایمان ہے، جس کا وہ اظہار کرتے تھے یعنی اب تک تو وہ ظاہری ایمان اور حقیقی کفر کے درمیان رہنے کی کوشش کرتے تھے' لیکن آج ان کے اس عمل سے کھل گیا کہ وہ ادعائی ایمان کے مقابل اپنے چھپے کفر سے زیادہ قریب ہیں **یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے، جس میں ان کی عام عادت کا ذکر کیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ اقرب کے فاعل سے حال ہو' اس صورت میں انکے اس وقت کے کلام کا ذکر ہے' اگرچہ انسان منہ سے ہی کلام کرتا ہے' مگر یہاں **بافواھھم** فرمانا عجیب لطف دے رہا ہے' معتبر بات وہ ہوتی ہے، جو دل سے نکلے' کہ کلام لفظی کلام نفسی کے مطابق ہو' مگر ان کی یہ بکواس صرف منہ کی ہے دل میں کچھ اور ہے' یا یہ صرف تاکید کیلئے ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا طئر یطیر بجناحیہ**' ایسا کوئی پرندہ نہیں جو اپنے پروں سے نہ اڑتا ہو مگر پھر یہ فرمانا تاکید کیلئے ہے' منہ سے مراد کلام لفظی ہے' خلاصہ یہ ہے کہ وہ لوٹتے وقت ظاہر تو یہ کرتے ہیں' کہ ہم کو لڑنا نہیں آتا' یا اس وقت جنگ ہونے کا یقین نہیں' یا اس وقت لڑنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے' اسی لئے ہم واپس جا رہے ہیں' مگر انکے دل میں یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کی حمایت میں کفار سے کیوں بگاڑیں' کفار کا پلہ بھاری ہے' مسلمان ختم ہونے والے ہیں' غلبہ کفار کی صورت میں ہم ان کی گود میں جا بیٹھیں گے اور مزے اڑائیں گے **واللہ اعلم بما یکتمون** یہ جملہ مستقل اور نیا ہے' جس سے ان کے سخت کافر ہونے کی تاکید فرمانا مقصود ہے' اعلم اسم تفضیل فرمانے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ان منافقوں کے نفاق کو مسلمانوں نے بھی جان لیا ہے' مگر ہم ان سے زیادہ ان کے چھپے کفر و نفاق کو جانتے ہیں' کہ مومن تو اجمالاً علامات کے ذریعہ جانتے ہیں ہم تفصیلاً' تحقیق سے جانتے ہیں' مسلمانوں کا علم حادث ہے' ہمارا علم قدیم' ایسے موقعہ پر یہ فرمان انتہائی غضب کا ہوتا ہے' مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم ان ظالموں کو خوب جانتے ہیں' انہیں ایسی ماریں گے کہ یہ یاد کریں گے' اگرچہ رب تعالیٰ انکے ظاہر کلام کو بھی خوب جانتا ہے' مگر چونکہ عذاب انکے دلی کفر پر ہو گا اس لئے اسی کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! یہ نہ سمجھنا کہ غزوۂ احد میں جو کچھ ہوا' وہ یوں ہی اتفاقاً ہو گیا' نہیں بلکہ ہمارے طے شدہ پروگرام کے مطابق ہمارے ارادہ' ہمارے علم سے ہوا' احد کی یہ مصیبت محض تمہارے دکھ کیلئے نہیں آئی' جس میں کوئی حکمت نہ ہو' صرف تم کو دکھ پہنچانا مقصود ہو' بلکہ اس میں ہماری خاص حکمت ہے اور ہمارے خاص راز ہیں' اس ہزیمت سے مخلص مومن نکھر گئے' ہر شخص کو پتہ لگ گیا مخلصین وہ ہیں، جو اس موقعہ پر ثابت قدم رہے' اگر ان کے قدم اکھڑ بھی گئے تو بعد کو نادم ہو گئے' اور منافق وہ ہیں، جو جنگ سے پہلے ہی پیٹھ دکھا گئے' منافق بالکل چھٹ گئے' تم نے دیکھ لیا کہ جب منافق احد سے پلٹنے لگے' تو ان سے مومنین نے یا عبداللہ ابن عمرو نے یا خود بنفس نفیس حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جاتے کہاں ہو؟ اللہ کی راہ میں جہاد کرو' اور اگر تمہیں جہاد کی توفیق نہیں ہے' تو کم از کم ہم میں رہ کر دشمن کا دفاع کرو' کہ تمہاری موجودگی سے ہماری تعداد بڑھے اور دشمن کے دل میں خوف پیدا ہو' یا اگر تم اللہ کی راہ میں جہاد نہیں کر سکتے' تو کم از کم اپنی جان اپنے بال بچوں اور اپنے گھر بار کی حفاظت کیلئے تو لڑو' کہ مدینہ سے حملہ آور دشمنوں کو بھگا دو تو وہ نہایت بے حیائی سے بولے کہ ہم کیا کریں' ہمیں تو جنگ کرنا آتی ہی نہیں' اگر ہم اس فن سے واقف ہوتے' تو تمہاری بات مان لیتے اور تمہارے ساتھ رہتے' مسلمانو! تم نے دیکھ

www.alahazratnetwork.org

لیا اور آج تمہیں پتہ لگ گیا کہ یہ منافق بمقابلہ ایمان کفر سے زیادہ قریب ہیں اور بمقابلہ مسلمانوں کے کفار سے زیادہ نزدیک کیونکہ انکی زبانیں تمہارے ساتھ تھیں دل کفار کے ساتھ' صرف ان کے منہ کی بکواس ہے دل میں ان کے کچھ اور ہے' دل میں یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے ساتھ رہ کر کفار سے کیوں بگاڑ لیں' آج کفار ہی جیتیں گے تو ہم انکے ساتھ مل جائیں گے' اور ان سے بھی نفع اٹھائیں گے' سمجھ دیں گے کہ تمہاری یہ فتح ہماری تدبیر کے طفیل ہوئی کہ موقع پر ہمارے ہٹ جانے سے مسلمان دل چھوڑ گئے' اور تم غالب آگئے' اللہ تعالیٰ ان کی چھپی سازشوں کو خوب جانتا ہے' وہ سزا دیگا جو انکے لائق ہوگی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: بزرگوں کی خطاء بھی عبث نہیں' اس میں رب تعالیٰ کے راز ہوتے ہیں' دیکھو احد کی ہزیمت میں کتنے راز تھے جو یہاں بیان فرمائے گئے۔ دوسرا فائدہ: مقبولوں کی لغزشیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں نہ کہ محض نفس یا شیطان کی طرف سے' اگرچہ بظاہر شیطان اس کا سبب بن جاتا ہے' جیسا کہ **لیا ذن الله** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' اور ہماری حرکتیں اور گناہ نفسانی و شیطانی ہوتے ہیں' جب ہماری اور ان کی غلطیوں میں اتنا فرق ہے تو عبادتوں میں کتنا فرق ہوگا' اسی لئے مولانا فرماتے ہیں۔

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر
شیر آں باشد کہ مردم را درد شیر آں باشد کہ مرد اورا خورد!

یعنی اپنے کو بزرگوں پر قیاس نہ کرو' تمہارا اور بزرگوں کا ہم شکل ہونا ایسا ہے جیسے شیر و شیر کا لفظوں میں یکساں ہونا کہ شیر اور شیر ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں' مگر انسان شیر کی غذا ہے' اور شیر (دودھ) انسان کی خوراک۔ تیسرا فائدہ: مصیبتیں اور تکلیفیں دوست و دشمن' مخلص و منافق کی پہچان کا بہترین ذریعہ ہیں' جیسا کہ **لیعلم** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: جہاد میں صرف رضائے الٰہی کی نیت چاہئے' ملک گیری یا مال حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہ ہو' جیسا کہ **قاتلوا فی سبیل الله** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: میدان جہاد میں لڑنا بھی عبادت ہے' اور دشمن کے مقابل ڈٹ جانا' تاکہ وہ حملہ آور نہ ہو سکے' یہ بھی عبادت ہے' جیسا کہ **او ادفعوا** سے معلوم ہوا' مگر لڑنا اول نمبر عبادت ہے' اور محض ڈٹنا نمبر دوم اسی لئے **قاتلوا** کا ذکر پہلے ہوا' اور **ادفعوا** کا ذکر بعد میں۔ چھٹا فائدہ: ضرورت کے وقت جہاد سے باز رہنا اور جھوٹے بہانے بنانا بھی منافقوں کی علامت ہے' جیسا کہ **لو نعلم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: صحابہ کرام کا مذاق اڑانا کفر و بے دینی ہے' جیسا کہ **لو نعلم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: جسمانی قرب سے روحانی قرب قریب تر ہے' دیکھو منافق بظاہر مسلمانوں سے قریب تھے' کہ انکے ساتھ مدینہ میں رہتے تھے اور کافروں سے دور' مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کافروں سے قریب ہیں' مسلمانوں سے دور' ابوجہل اگرچہ مکہ معظمہ میں رہتا تھا' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور تھا' حضرت اویس قرنی رحمتہ اللہ علیہ اگرچہ یمن میں رہتے تھے' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب تھے لقاء کی کوشش نہ کرو' رضاء کی کوشش کرو۔

لقائے دوست چہ خواہی رضائے دوست طلب کہ حیف باشد ازو غیر او تمنائے!

نواں فائدہ: منہ کی بات وہی قوی ہے' جس کے ساتھ دلی جوش بھی ہو' بات گولی ہے اور دلی جوش بارود' وہی گولی شکار کرتی ہے

www.alahazratnetwork.org

جو بارود کی طاقت سے جائے' دیکھو رب تعالٰی نے منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں کو یوں رد فرمایا کہ انکا دل انکی زبان کے ساتھ نہیں۔ دسواں فائدہ: مسلمانوں میں مسلم نما کفار یعنی ملک' قوم و دین کے غدار ہمیشہ ہی رہیں گے جن کا خیال یہ ہو گا کہ کفار کو اپنا دشمن نہ بناؤ' مسلمانوں کو انکے ہاتھوں تباہ ہو جانے دو' جیسا کہ اب بھی دیکھا جا رہا ہے' ڈاکٹر اقبال فرماتے ہیں۔

صادق از بنگال جعفر از دکن! ننگ آدم' ننگ دیں' ننگ وطن!

چوں شب ہندوستان آید بروز مرد جعفر روح او زندہ ہنوز!!

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ احد میں مسلمانوں کا مرکز سے ہٹ جانا اور ہزیمت پا جانا اللہ تعالٰی کے حکم سے تھا' جب اللہ تعالٰی کے حکم سے ہوا' تو بہت ہی بہتر ہوا' پھر ہٹ جانے والوں پر عتاب کیوں ہوا اور ان کی معافی کا اعلان کیسا؟ معافی تو برائی کی ہوتی ہے! جواب: یہاں **اذن** بمعنی ارادہ ہے نہ کہ بمعنی امر' ارادہ اور امر میں بڑا فرق ہے' اذن کی تحقیق ابھی تفسیر میں ہو چکی' بہت دفعہ اذن و ارادہ امر کے خلاف بھی ہوتا ہے' یہاں امر تھا کہ ڈٹ جاؤ' ارادہ تھا کہ ہٹ جاؤ' چونکہ ہٹنا امر کے خلاف تھا' اسلئے عتاب بھی ہوا' اور معافی کا اعلان بھی' اس کی تحقیق **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں ہو چکی' دیکھو امر تھا کہ اسمٰعیل کو ذبح کر دو' اذن و ارادہ تھا کہ ان کا بال نہ کٹنے پائے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ احد میں جو کچھ ہوا' اللہ کے اذن سے ہوا' مگر پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا کہ جو کچھ ہوا' شیطان کے بہکانے اور ان غازیوں کی اپنی غلطی سے ہوا' کہ فرمایا **انما استزلھم الشیطن**' ان میں کونسی بات صحیح ہے! جواب: دونوں باتیں درست ہیں' وہاں ظاہری سبب کا ذکر تھا' اور یہاں حقیقی علت کا بیان ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص تپ دق سے مر گیا' پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ کے حکم سے مر گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی نے مومنوں اور منافقوں کو احد میں جانا' یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے' اس کا علم قدیم ہے۔ جواب: اس کے کئی جواب پہلے گزر چکے' کہ یا تو اس سے مراد ہے مسلمانوں کو بتانا' ان کے علم کو اپنی طرف نسبت فرمانا کمال کرم کی بنا پر ہے' یا علم ظہور مراد ہے یعنی ظاہر کر کے دیکھ کر جاننا' جس کی بہت نفیس مثال نقشہ' مکان' خاکہ مکان' اور خود مکان سے دی جا چکی ہے۔ چوتھا اعتراض: اقرب اسم تفضیل ہے' جس کا صلہ یا الی آتا ہے یا من' لام نہیں آتا' مگر یہاں **للکفر** اور **للایمان** دونوں میں لام آیا' یہ قانون نحو کے خلاف ہے۔ جواب: اس کے جوابات تفسیر میں گزر گئے' کہ یا تو یہ دونوں لام بمعنی الی ہیں یا تینوں حرف تفضیل کا صلہ بن جاتے ہیں' قرآن کریم نحوی قوانین کا پابند نہیں بلکہ نحو قرآن کے تابع ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت نے فرمایا کہ منافقین آج کفر سے قریب ہیں' وہ تو پہلے بھی قریب تھے۔ جواب: آج اس قرب کا ظہور ہوا' اور ظہور بھی ایسا کہ منافقین بھی اس کا انکار نہیں کر سکتے' یہ آج کی قید ظہور کے لحاظ سے ہے۔ چھٹا اعتراض: منافقوں کو کفر سے قریب کہا گیا' وہ تو کافر ہی تھے' پھر قرب کے کیا معنی؟ نیز زیادہ قریب کہنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایمان سے بھی قریب ہیں' حالانکہ وہ تو بہت دور تھے۔ جواب: اس کے کئی جواب ہیں' ایک وہ جو امام حسن نے دیا' کہ قرآن کا اقرب فرمانا یقینی عینیت کیلئے ہوتا ہے' دیکھو رب تعالٰی نے فرمایا **مائتہ الف او یزیدون** یقیناً وہ لوگ یعنی قوم یونس علیہ السلام لاکھ سے زائد ہی تھے' مگر فرمایا گیا **او**' دوسرے یہ کہ منافقین قومی مومن تھے اور دینی کافر' اور قومیت سے دینیت قریب تر ہوتی ہے' تیسرے یہ کہ ان منافقین پر دنیا میں مومنوں کے احکام جاری رہے' کہ ان میں جہاد نہ ہوا'

www.alahazratnetwork.org

انہیں مسجدوں میں آنے 'مسلمانوں کے ساتھ عبادات کرنے کی اجازت دی گئی 'مرے بعد مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کئے گئے 'مگر آخرت میں ان پر کفار کے احکام جاری ہوں گے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہیں گے بلکہ اسفل السافلین میں 'دنیا دور ہے کہ جاری ہے 'آخرت قریب ہے کہ آ رہی ہے 'تیسرے یہ کہ وہ زبانی طور پر مسلمانوں سے قریب تھے 'اور روحانی طور پر کفار سے 'خلاصہ یہ ہے کہ منافق تھے کافری مگر ان وجوہ کی بنا پر انہیں کفر سے قریب تر کہا گیا۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد میں کفار و منافقین سے امداد لینا جائز ہے 'مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین و کفار کی امداد قبول نہ فرمائی 'حدیث و قرآن میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں 'ایک یہ کہ وہ حدیث مشرکین و کفار کے متعلق ہے 'اور یہ آیت منافقین کے بارے میں جو اسلام کے مدعی تھے 'جیسے انہیں ظاہری اسلام کی بنا پر مسجدوں میں آنے اور نماز پڑھنے کا حکم تھا 'یونہی انہیں جہاد میں جانے اور کفار سے لڑنے کا بھی حکم تھا 'دوسرے یہ کہ بلا ضرورت کفار سے امداد نہ لی جائے 'ضرورۃً لی جائے 'حدیث شریف میں بلا ضرورت کا ذکر ہے 'اور قرآن شریف میں ضرورت کا 'عہد فاروقی میں بارہا جہادوں میں مشرکین سے امداد لی گئی ہے 'آج کفار کی امداد کے بغیر کوئی اسلامی ملک قائم نہیں رہ سکتا۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا گویا احد کا میدان ہے 'شیطانی لوگ کفار ہیں اور رحمانی لوگ مومنین 'نفسانی لوگ گویا منافقین ہیں جو بظاہر مومنوں کے ساتھ ہیں 'مگر در پردہ نفس امارہ کے تابع 'کہ جدھر نفس لے جاتا ہے ادھر جاتے ہیں 'اور نفس کی یہ کیفیت ہے کہ یہ دو منہ والا سانپ ہے جس کے منہ میں بھی زہر ہوتا ہے دم میں بھی 'اگر کبھی ایمان کی طرف مائل ہو تو بھی اس میں کچھ فی ہوتی ہے (چال) اور اگر کفر کی طرف مائل ہو تو بھی کچھ شرارت ہوتی ہے 'نفس اور نفسانی لوگ بمقابلہ ایمان کفر سے قریب تر ہیں 'مسلمانوں کو ان کی چالوں میں نہیں آنا چاہئے 'اللہ تعالیٰ ان کی شرارتوں سے بے خبر نہیں 'یہ مت سمجھو کہ فرعون اور فرعونی لوگ ختم ہو چکے ہمارے پہلوؤں میں ہمارا فرعون ساتھ ہے 'اس کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے 'مولانا فرماتے ہیں۔۔

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست ۔ لیک اورا عون مارا عون نیست

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِہِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا
وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں کے لئے اور بیٹھ رہے اگر اطاعت کرتے ہماری تو نہ قتل کئے جاتے فرماؤ پس تم
وہ جنہوں نے اپنے بھائیوں کے بارے میں کہا اور آپ بیٹھ رہے کہ وہ ہمارا کہا مانتے تو نہ مارے جاتے تم فرما دو

عَنْ اَنْفُسِکُمُ الْمَوْتَ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۱۶۸﴾
دفع کرو اپنی جانوں سے موت اگر ہو تم سچے
تو اپنی ہی موت ٹال دو اگر سچے ہو

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں منافقوں کے نفاق کی ایک علامت کا ذکر تھا یعنی غزوۂ احد سے لوٹ جانا' اب انکی دوسری علامت کا ذکر ہے' یعنی شہدائے مومنین پر طعن کرنا۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں منافقوں کے جہاد سے رک جانے کا ذکر تھا اب دوسروں کو روکنے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ان منافقوں کا ذکر تھا جو میدان احد میں آکر جنگ سے پہلے ہی لوٹ گئے اب ان کے اس ٹولہ کا ذکر ہے جو مدینہ منورہ سے میدان جنگ میں آئے ہی نہیں۔

تفسیر: **الذین قالوا لاخوانہم** یہ **الذین** یا تو **یکتمون** کی ضمیر کا بدل ہے' یا ھم پوشیدہ کی خبر یا مبتداء ہے' اور **قل فادرءوا** اس کی خبر' ان تینوں صورتوں میں یہ مرفوع ہوگا' اور معنی اس کے الگ الگ' یا **الذین نافقوا** کی صفت تو منصوب ہے یا **افواھھم** یا **قلوبھم** کی ضمیروں سے بدل ہے تو مجرور اسم ظاہر ضمیر کا بدل ہو سکتا ہے' فرزدق کہتا ہے۔

علی حالۃ لو ان فی القوم حاتما علی جودہ لضن بالماء حاتم

دیکھو حاتم جودہ کی ضمیر سے بدل ہے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) قالوا سے مراد ان کی وہ گفتگو ہے جو انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے خفیہ طور پر کی' رب تعالیٰ نے ان کا یہ راز آؤٹ کر دیا' **لاخوانہم** میں لام قالوا کے صلہ کا نہیں' کیونکہ انہوں نے یہ بات ان بھائیوں سے نہ کہی تھی وہ تو شہید ہو چکے تھے' بلکہ **لاجل** کے معنی میں ہے' **اخوان اخ** کی جمع ہے' معنی بھائی' یہاں سے دینی بھائی مراد نہیں بلکہ نسبی' قومی' وطنی بھائی مراد ہیں' اس لئے کہ انہوں نے یہ گفتگو شہدائے احد کیلئے کی تھی' وہ سب مخلص مومن تھے' مگر ان منافقوں کے رشتہ دار و عزیز تھے' یعنی یہ منافقین وہ خبیث ہیں جو آپس میں اپنے ان برادری والے بھائیوں کے متعلق جو احد میں فی سبیل اللہ شہید ہوئے یہ بکواس کرتے ہیں' اور ہو سکتا ہے کہ لام قالوا کا صلہ ہو' اور **اخوان** سے مراد منافقین ہی ہوں' اور معنی یہ ہوں کہ یہ لوگ دوسرے منافقوں سے یہ کہتے ہیں' اگرچہ یہ توجیہ بعید ہے مگر ہو سکتی ہے **وقعدوا** یہ جملہ قالوا کی ضمیر کا حال ہے' اور واؤ حالیہ اور ہو سکتا ہے کہ قالوا پر معطوف ہو' اور واؤ عاطفہ ہو' اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی معنی پر ہے' ظاہر یہ ہے کہ یہاں بیٹھ رہنے سے مراد جہاد کیلئے نہ آنا ہے' اور اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو اس موقعہ پر مدینہ منورہ سے باہر نکلے ہی نہیں' اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہی لوگ ہوں جو احد سے لوٹ گئے تھے' چونکہ انہوں نے جہاد کیا نہیں' اس لئے گویا وہ بیٹھ ہی رہے' کیونکہ ان کا آنا نہ آنے کی مثل ہوا' خیال رہے کہ یہاں **قعود** یعنی بیٹھ رہنے سے مراد کھڑے ہونے کا مقابل نہیں بلکہ نکلنے کا مقابل ہے اگرچہ وہ چلتے پھرتے ہوں مگر جہاد کے لئے نہ نکلے تو بیٹھ ہی رہے **لو اطاعونا ماقتلوا** یہ قالوا کا مفعول ہے' اس کا مقصد اظہار افسوس نہیں بلکہ شہداء پر طعن و تشنیع ہے' اسی لئے رب تعالیٰ نے ان منافقین کے کفریات کے سلسلہ میں ان کا ذکر فرمایا' اطاعت سے مراد یا تو ان کی بات ماننا ہے یا ان کا سا عمل کرنا یعنی اگر یہ شہداء مومنین یا سارے مسلمان ہماری بات مان لیتے اور ہماری رائے پر عمل کرتے کہ مدینہ پاک میں رہ کر ہی مدافعانہ جنگ کرتے' میدان احد میں نہ جاتے یا ہماری طرح وہ بھی بیٹھ رہتے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر عمل نہ کرتے یا جیسے ہم لوٹ آئے تھے' ہمارے ساتھ وہ بھی لوٹ آتے' وہاں نہ ٹھہرتے تو ہماری طرح وہ بھی قتل سے بچ جاتے' یہ توجیہیں اس لئے کی گئیں کہ منافقین نے احد کے موقع پر مسلمانوں کو جنگ میں جانے سے زبانی منع نہ کیا تھا' لہٰذا ان کی یہ بات نہ ماننے کا سوال ہی

www.alahazratnetwork.org

پیدا نہیں ہوتا **قل فادرء وا** یہ جملہ قالوا کا جواب ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے دلوایا گیا' **فادرء وا** شرط پوشیدہ کی جزاء ہے' اور ف جزائیہ **ادراء وا**' **درء** سے بنا' بمعنی ایک جانب مائل ہو جانا' جب اسکے بعد عن آئے تو بمعنی دفع ہوتا ہے' کہا جاتا ہے **درءت عنہ** یعنی **دفعتہ** کبھی بغیر عن بھی دفع کے معنی دیتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یدرئون بالحسنۃ السیئۃ (رعد)** **عن انفسکم الموت** عن **فادرء وا** کا صلہ ہے' اور موت اس کا مفعول' نفس سے مراد اپنی ذاتیں یا جانیں ہیں' یعنی آپ فرمادو کہ اگر واقعی جنگ میں جانے سے موت آجاتی ہے اور بیٹھے رہنے سے آدمی موت سے بچ جاتا ہے' تو تم تو بیٹھ رہے تھے' اب موت سے بچ جاؤ اور موت کو اپنے وقت سے ٹال دو **ان کنتم صدقین** یہ جملہ گزشتہ جملہ کی شرط مؤخر ہے اور یا اس کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی اگر تم سچے ہو تو ضرور یہ کام کر گزرو۔

خلاصہ ء تفسیر: یہ منافقین وہ بے ایمان ہیں' جو خود تو جہاد میں جاتے نہیں' اور جانے والے غازیوں اور شہداء کا مذاق اڑاتے ہیں' کہ خود تو بیٹھ رہتے ہیں یا میدان میں جا کر لوٹ آتے ہیں' اور جو ان کے عزیز' قرابتدار مسلمان جہاد میں شہید ہو جاتے ہیں' ان پر طعن کرتے ہوئے آپس میں کہتے ہیں کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ مفت جانیں گنواتے ہیں' اگر یہ ہماری رائے مان لیتے یا ہماری طرح یہ بھی عقل سے کام لیتے کہ جہاد میں جاتے ہی نہ یا جا کر لوٹ آتے تو جیسے ہم محفوظ رہے ایسے ہی یہ بھی محفوظ رہتے' اور مارے نہ جاتے' یہ لوگ نہ تو خود عقلمند ہیں نہ ہم عقلمندوں کی مانتے ہیں' جسکی سزا بھگتتے ہیں' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے اتنا تو فرمادو کہ اگر تم سچے ہو' اور واقعی جہاد سے بیٹھ رہنا موت سے بچالیتا ہے' اور تم اسی وجہ سے بچے کہ غزوہ احد میں نہ گئے' تو اپنے سے موت دفع کردو اور دنیا میں ہمیشہ زندہ رہ کر دکھاؤ' تم جھوٹے ہو' جہاد میں جانا مار نہیں دیتا اور نہ جانا بچا نہیں لیتا' جب موت بہرحال آنی ہی ہے' اور وقت مقرر پر آئی ہے' اور جان جانی ہی ہے تو بہتر یہی ہے کہ راہ خدا میں جائے' اس سے بڑھ کر جان کی قیمت اور کیا ہو سکتی ہے' وہ شہداء عزت کی موت فوت ہوئے' اور تم ذلت کی موت مروگے' چنانچہ تفسیر کشاف' تفسیر صاوی' تفسیر روح المعانی اور تفسیر خزائن العرفان نے اس جگہ فرمایا کہ جس دن منافقین نے شہدائے احد پر یہ طعن کیا' اسی دن بیک وقت ستر منافق مر گئے' غالباً ہارٹ فیل ہو کر رب تعالیٰ نے شہدائے احد کی تعداد کے برابر انہیں ہلاک کیا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** سارے منافقین جنگ احد میں میدان احد کی طرف نہ نکلے تھے' بعض وہاں ہی رہ گئے تھے جیسا کہ **قعدوا** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی کام شروع کرکے ادھورا چھوڑ دینا نہ کرنے کی طرح ہے بلکہ اس سے بھی بدتر' دیکھو رب تعالیٰ نے ان منافقوں کے بارے میں جو میدان احد میں جا کر لوٹ آئے تھے **قعدوا** فرمایا' جیسا کہ **قعدوا** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** غزوہ احد میں جن مخلصین کے قدم اکھڑ گئے تھے' جس پر وہ نادم ہوئے وہ تمام حضرات مجاہدین و غازی مانے گئے' اجر و ثواب کے مستحق ہوئے' دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں **قاعدین** یعنی بیٹھنے والوں میں شامل نہ کیا' بیٹھنے والا انہیں قرار دیا گیا جو جنگ سے پہلے ہی لوٹ گئے تھے' ان بزرگوں کی معافی کا اعلان ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نیکی پر پچھتانا سخت گناہ ہے خواہ اپنی نیکی پر پچھتائے یا دوسروں کی نیکی پر' دیکھو رب تعالیٰ نے منافقین کے اس پچھتانے کو انکے جرموں میں شمار کیا۔ **پانچواں فائدہ:** صحابہ کرام پر زبان طعن دراز کرنا منافقین کا طریقہ ہے جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** غازی و شہید اور سارے مقتول اپنی ہی موت سے

www.alahazratnetwork.org

مرتے ہیں' یہ کہنا غلط ہے کہ زندگی ابھی باقی تھی' قتل سے مرگئے' جیسا کہ **فادرءوا** سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: ہر امر وجوب کیلئے نہیں بلکہ اور مقاصد کیلئے بھی ہوتا ہے' دیکھو **فادرءوا** امر ہے مگر تعجیز (یعنی ان کا عجز دکھانے) کیلئے استعمال ہوا۔ آٹھواں فائدہ: گناہ پر خوش ہونا بدتر گناہ بلکہ کفر ہے' اس پر تو ندامت چاہئے' جیسا کہ **وقعدوا** سے معلوم ہوا کہ انہیں بیٹھ رہنے پر خوش ہونے کی بنا پر ملامت کی گئی۔

پہلا اعتراض: **لاخوانہم** سے معلوم ہوتا ہے کہ احد میں بعض منافقین بھی مارے گئے تھے' کیونکہ مومنین منافقین کے بھائی کب ہوتے ہیں۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں نسبی یا وطنی بھائی مراد ہیں' چونکہ شہداء انصار ان منافقوں کے قرابتدار تھے' اس بنا پر **لاخوانہم** فرمایا گیا' رب تعالیٰ نے فرمایا **الی ثمود اخاہم صالحا** صالح علیہ السلام کو کافر قوم ثمود کا بھائی کہا گیا' کیوں؟ قرابتداری کی وجہ سے' حق یہ ہے کہ غزوۂ احد میں نہ کوئی منافق شہید ہوا نہ مارا گیا' کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کی نماز جنازہ پڑھی' جس میں ہر بار جناب حمزہ کی لاش مبارک کو ساتھ رکھا گیا' منافق پر نماز جنازہ کیسی۔ دوسرا اعتراض: **لو اطاعونا** سے معلوم ہوا کہ منافقوں نے مخلصین کو غزوۂ احد میں جانے سے زبانی طور پر بھی روکا تھا' مگر یہ تاریخ کے خلاف ہے' تو اطاعوا کیونکر درست ہوا' جواب: اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ منافقین نے مسلمانوں بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے دی تھی کہ شہر میں رہ کر جنگ کریں جو نہ مانی گئی' اس پر وہ ناراض ہو گئے تھے' اطاعوا سے یہی مراد ہے' یا اطاعت سے مراد اتباع ہے' یعنی مسلمان بھی ہمارے جیسا کام کرتے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو مسلمانوں کی شہادت پر افسوس ہوا تھا' افسوس تو عبادت ہے' پھر رب تعالیٰ نے اس پر ملامت کیوں فرمائی؟ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر سخت صدمہ ہوا تھا' حتیٰ کہ مدینہ کی عورتوں کو اپنے شہداء پر روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا **اما حمزۃ فلا بواکی لہ** آج بے کس حمزہ پر رونے والی کوئی نہیں' یہ فرمان عالی انتہائی صدمہ پر دلالت کرتا ہے۔ جواب: منافقین کی یہ بکواس اپنی سلامتی کی خوشی اور غازیوں کی شہادت پر طعن کیلئے تھی۔

تفسیر صوفیانہ: عقل انسان اگر ایمان کی معاون ہو تو نعمت ہے' اور اگر اس سے رکاوٹ کے ذریعہ بنے تو لعنت' منافقین کی عقل جس پر انہیں ناز تھا لعنت تھی' غازیوں اور شہیدوں کی عقل' جس پر منافقین طعن کرتے تھے رحمت تھی' اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹ جانا' سب کچھ لٹا دینا حسینی عقل ہے' جسے ایمانی عقل کہا جاتا ہے' اور دوسرے کو لوٹ لینا' تباہ کر دینا یزیدی عقل ہے' ایمانی عقل لٹ جانے پر خوش ہوتی ہے' اور شیطانی عقل بچ جانے پر ناز کرتی ہے' یہاں شیطانی عقل والوں یعنی منافقوں پر اظہار غضب فرمایا جا رہا ہے۔

جو دہکتی آگ کے شعلوں پہ سویا وہ حسین　　جس نے اپنے خون سے ملت کو دھویا وہ حسین
جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین　　جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین

جس نے قانون شرع جاں دے کے پورا کر دیا!
بیعت باطل نہ کی اور راہ حق میں سر دیا!

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نہ تو ہمیں اپنی موت کی عمر معلوم ہے' نہ وقت معلوم' نہ جگہ معلوم' نہ مرض معلوم' نہ معلوم کتنی

www.alahazratnetwork.org

عمر میں کہاں کب اور کس بیماری سے مریں گے' یہ اس لئے ہے تاکہ ہم ہردم موت کیلئے تیار رہیں' یہاں روح البیان نے ایک عجیب حکایت لکھی کہ حضرت دانیال علیہ السلام ایک جنگل میں ایک جوان شخص کی لاش پر گزرے جس کے سر پر سونے کا تاج تھا اور بائیں ہاتھ میں سونے کی انگوٹھی' بہترین لباس اور زیورات سے آراستہ' اس کے پاس ایک تختی پر لکھا تھا کہ میں صمصام ابن عود ابن عنق ابن عاد ابن ارم ہوں' میں نے ایک ہزار سات سو برس عمر پائی' اس زمانہ میں بارہ ہزار کنواری لڑکیوں سے نکاح کئے' چالیس ہزار شہر آباد کئے' کئی ہزار جنگیں جیتیں' میرے خزانوں کی چابیاں چار سو خچر اٹھاتے تھے مگر میں نے عاقلوں سے دوری اور غافلوں سے قرب اختیار کیا' جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میں دعویٰ خدائی کر بیٹھا' میں اس جنگل میں پھنس گیا' میں نے بہت چاہا کہ ایک تھیلی بچے موتیوں کے عوض مجھے مٹھی بھر جوار کے دانے مل جائیں جنہیں چبا کر میں جان بچالوں مگر نہ ملے' چنانچہ اب میں بھوک سے دم توڑ رہا ہوں' اے دنیا والو! مجھ سے عبرت لو' اور دنیا سے دھوکا نہ کھاؤ' دیکھو اس وقت کوئی چیز میرے کام نہیں آرہی' اور میں نہایت بے کسی کی حالت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو رہا ہوں۔ (تفسیر روح البیان)

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور ہرگز گمان نہ کرو ان لوگوں کو جو قتل کئے گئے اللہ کی راہ میں مردہ. بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے ہرگز انہیں مردہ خیال نہ کرنا بلکہ وہ اپنے رب کے

يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ

نزدیک روزی دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اس سے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور شادیاں منا

پاس زندہ ہیں روزی پاتے ہیں شاد ہیں اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اور خوشیاں منا

بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا

رہے ہیں ان لوگوں کے ذریعہ جو نہیں ملے ان کے ساتھ ان کے پیچھے سے یہ کہ نہیں ہے کوئی ڈر ان پر

رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ

هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ

اور نہ وہ غمگین ہوں گے شادیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور بے شک اللہ

کچھ غم خوشیاں مناتے ہیں اللہ کی نعمت اور فضل کی اور یہ کہ اللہ

لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

برباد نہیں فرماتا اجر مسلمانوں کا

ضائع نہیں کرتا اجر مسلمانوں کا

وقف لازم

ع ۱۷

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین کے اپنے زندہ رہنے پر خوشی منانے اور مسلمان غازیوں کے شہید ہونے پر طعنہ دینے کا ذکر تھا' اب ان آیات میں شہادت کی موت کی افضلیت اور اس کی برتری کا ذکر ہے' جس سے معلوم ہوا کہ ان منافقوں کے زندہ رہنے سے ان شہداء کی موت بہتر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقوں کے شہداء پر طعن کا ذکر ہوا' اس میں دو مضمون تھے' ایک یہ کہ جہاد قتل کا ذریعہ ہے' دوسرے یہ کہ مسلمانوں کا قتل بری چیز ہے' جس کا نتیجہ یہ نکلا تھا کہ جہاد بری چیز ہے' ان کی پہلی بات کا جواب تو اسی آیت میں دے دیا گیا تھا کہ جہاد قتل کا ذریعہ نہیں' قتل یا موت کا ذریعہ حکم الٰہی ہے' دوسری بات کا جواب ان آیات میں دیا جا رہا ہے کہ قتل بری چیز نہیں۔
تیسرا تعلق: گزشتہ آیت سے معلوم ہوا تھا کہ منافقوں کو زندگی بڑی پیاری ہے' اب یہاں فرمایا جا رہا ہے' بے وقوفو! اگر تمہیں زندگی ہی پیاری ہے تو مخلص مومن بن کر اللہ کی راہ میں مرو جس سے نہ مٹنے والی دائمی زندگی پاؤ۔

شان نزول: ان آیات کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں: (1) یہ آیت کریمہ شہدائے بدر کے متعلق نازل ہوئی جو چودہ تھے' چھ مہاجر اور آٹھ انصار (تفسیر خازن' کبیر و صاوی)۔ (2) یہ آیت شہدائے احد کے متعلق نازل ہوئی' جو ستر حضرات تھے' چار مہاجر' حضرت حمزہ ابن عبدالمطلب' مصعب ابن عمیر' عثمان ابن شماس اور عبداللہ ابن جحش' باقی چھیاسٹھ انصار (تفسیر روح البیان' صاوی' روح المعانی) چنانچہ ابوداؤد و دیگر محدثین نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی' کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تمہارے بھائی احد میں شہید ہوئے' تو اللہ تعالیٰ نے ان کی روحوں کو سبز پرندوں میں رکھا' کہ وہ جنت کی نہروں پر جاتی اور وہاں سے پھل کھاتی ہیں' اور ان سنہری قندیلوں میں رہتی ہیں جو عرش کے نیچے لٹکی ہوئی ہیں' انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا' کہ کاش ہمارے اس عیش کی خبر ہمارے ان بھائیوں کو مل جاتی جو ابھی دنیا میں ہیں تاکہ وہ جہاد سے سست نہ ہوتے' رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ خبر ہم بھیجے دیتے ہیں' چنانچہ یہ آیتیں نازل فرمائیں' نیز ترمذی نے باسناد حسن اور حاکم وغیرہ نے باسناد صحیح حضرت جابر ابن عبداللہ سے روایت کی کہ ایکبار مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل شکستہ دیکھ کر فرمایا' کیوں پریشان ہو؟ میں نے عرض کیا کہ میرے والد احد میں شہید ہوگئے' اور بہت قرض اور بال بچے چھوڑ گئے جن کا بوجھ مجھ پر ہے' فرمایا کیا میں تمہیں خوشخبری دوں؟ میں نے عرض کیا' ہاں! فرمایا کہ آج تک رب تعالیٰ نے کسی سے بے حجابانہ کلام نہ فرمایا' حجاب میں ہی کلام ہوتا تھا سوائے تمہارے والد کے کہ انہیں اپنا دیدار دیا اور کلام فرمایا کہ فرمایا اے میرے بندے کچھ مجھ سے مانگ! انہوں نے عرض کیا کہ مولیٰ! مجھے پھر زندہ کر دنیا میں بھیج تاکہ پھر تیری راہ میں جہاد کروں اور مارا جاؤں' ارشاد باری ہوا کہ بعد موت ہم واپس نہیں بھیجا کرتے' تمہارے والد نے عرض کیا کہ اچھا پھر میری خبر دنیا میں بھیج دے کہ تو نے میرا اتنا احترام فرمایا' رب تعالیٰ نے فرمایا' ہاں یہ کئے دیتے ہیں' چنانچہ یہ آیت نازل فرمائی (روح المعانی' کبیر' خازن و صاوی وغیرہ)۔ (3) یہ آیت ان ستر قاریوں کے متعلق نازل ہوئی' جو غزوہ احد کے چار ماہ بعد ماہ صفر ۴ھ میں مقام بیر معونہ شہید ہوئے' جن میں مشہور صحابہ یہ ہیں: منذر ابن عمرو' حارث ابن صمہ' حرام ابن ملحان' عروہ ابن اسماء' نافع ابن یزید' عامر ابن فہیرہ جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے آزاد کردہ غلام تھے انہی کی لاش آسمان پر اٹھائی گئی جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ میں ہے اور یہاں تفسیر خازن نے بھی نقل فرمایا' بیر معونہ مکہ معظمہ اور عسفان کے درمیان علاقہ ہذیل میں واقع ہے' کچھ

www.alahazratnetwork.org

نجدی لوگ دھوکا سے ان حضرات کو تبلیغ کے بہانہ لے گئے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے نجدیوں کا اعتبار نہیں' ان کی جانوں کا خطرہ ہے' مگر ابو براء عامر ابن مالک ابن جعفر بولا کہ میں انکا ذمہ دار ہوں' تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے باول نخواستہ ان کو بھیجا' ان بد نصیب نجدیوں نے مقام بیر معونہ پر سوائے کعب ابن زید کے سب کو شہید کر دیا' اور یہ بھی آخری سانسوں میں بچ رہے' اور پھر غزوۂ خندق میں شہید ہوئے' انکے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن' روح المعانی' صاوی وغیرہ) یہاں تفسیر خازن نے غزوۂ بیر معونہ کا تفصیلی واقعہ بیان فرمایا' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان روایات میں کچھ تعارض نہیں ہو سکتا کہ اسکے نزول کا تعلق ان تمام واقعات سے ہو۔

تفسیر: **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا** : ہماری قراءت میں **تحسبن** ت سے ہے بصیغہ مخاطب' اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مسلمان کو یا منافقین کو' جو حیات شہداء کے منکر تھے' ایک قراءت میں یحسبن ی سے ہے بصیغہ غائب' اس کا فاعل یا مسلمان ہیں یا منافقین' یہ کلمہ حسبان سے بنا بمعنی گمان کرنا' افعال قلوب میں سے ہے' دو مفعول چاہتا ہے' یہاں پہلا مفعول الذین ہے' اور دوسرا مفعول امواتا' روح المعانی نے فرمایا کہ **الذین** **یحسبن** کا فاعل ہے' اور اس کا مضمون اول پوشیدہ ہے' یعنی انفسہم اور مفعول دوم امواتا ہے اور معنی یہ کرتے ہیں کہ جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے وہ اپنے کو کبھی ہرگز مردہ نہ سمجھیں' مگر یہ عجیب سی تفسیر ہے' کیونکہ شرعی احکام اور درستی عقائد زندوں پر لازم ہیں نہ کہ مردوں پر نیز افعال قلوب کا ایک مفعول پوشیدہ ہونا سوائے اخفش کے کسی کے ہاں جائز نہیں' بہرحال پہلی تفسیر ہی قوی تر ہے' اگر قتل دھار دار آلہ سے کاٹ کر مارنے کو کہا جاتا ہے مگر کبھی مطلقاً موت کو بھی کہہ دیا جاتا ہے' یہاں اسی معنی میں ہے' کیونکہ راہ خدا میں مسلمان کیسے ہی مارا جائے' تلوار سے' گولی سے' گولہ سے' آگ سے یا موت کی شعاع سے' یا لاٹھی سے ان سب کا یہی حکم ہے' اللہ کی راہ سے مراد یا جہاد ہے یا تمام وہ ذریعے جس سے رب تعالیٰ راضی ہو' امواتا کی تحقیق دوسرے پارے میں کی جا چکی ہے' یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم' یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان یا اے حیات شہداء کا انکار کرنے والے منافق! اللہ تعالیٰ کی راہ میں مارے جانے والوں کو خبردار ہرگز مردہ نہ سمجھنا اور اس کا وہم بھی نہ کرنا **بل احیاء** : **بل اضراب** کیلئے ہے یعنی گزشتہ کی نفی اور آئندہ کے ثبوت کیلئے **احیاء**' **حی** کی جمع ہے' بمعنی زندہ' جمہور کی قراءت میں ہمزہ کا پیش ہے' اور یہ ھم پوشیدہ کی خبر ہے' بعض قراءت میں احیاء ہمزہ کے فتح سے ہے' **احسبوا یا اعتقدوا** پوشیدہ کا مفعول' پہلی صورت میں معنی یہ ہوئے کہ شہداء مردے نہیں بلکہ وہ زندہ ہیں' اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوئے کہ شہداء کو مردہ مت سمجھو بلکہ انہیں زندہ سمجھو اور اعتقاد رکھو (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ منکرین حیات شہداء نے اس جگہ بڑے غوطے کھائے ہیں' چنانچہ معتزلہ کہتے ہیں کہ وہ آئندہ زندہ ہوں گے' جیسے کہ **انک میت وانھم میتون** میں آئندہ کی خبر ہے' ایسے ہی یہاں' اب **یرزقون**' **فرحین** اور **یستبشرون** وغیرہ سب کو مستقبل کیلئے مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سب کچھ قیامت میں ہوگا' مگر یہ تفسیر نہیں' بلکہ آیت کی تحریف ہے' تفسیر خازن و کبیر نے اس کی پر زور تردید کی ہے' ان بے وقوفوں نے یہ نہ خیال کیا کہ قیامت میں تو سارے ہی مردے زندہ ہوں گے' پھر اسے شہداء کی صفات کے سلسلہ میں بیان کرنے کے کیا معنی؟ نیز جنت کی روزیاں سارے جنتیوں کو ملیں گی' اس میں شہداء کی کیا خصوصیت ہے' نیز اگر یہ آیت قیامت کے متعلق ہے

www.alahazratnetwork.org

تو **لم یلحقوا بھم** کے کیا معنی' اس دن تو سارے ہی موت پا کر شہداء سے مل چکے ہوں گے بہرحال یہ توجیہ باطل محض ہے' بعض نے کہا کہ اس سے روحانی اور برزخی زندگی مراد ہے نہ کہ جسمانی' مولوی محمد علی لاہوری قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہی کہا مگر یہ بھی باطل محض ہے کیونکہ یہ برزخی و روحانی زندگی تو ہر مردے کو میسر ہے' حتیٰ کہ کافر کو بھی' ورنہ اسے عذاب کیسے ہوتا' نیز روزی کھانا جسم کا کام ہے نہ کہ فقط روح کا' نیز دیکھا گیا ہے کہ شہید کا جسم قبر میں گلتا نہیں' اگر جسم زندہ نہیں ہے تو نہ گلنے کی وجہ' نیز یہاں تفسیر کبیر و خازن نے فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ نے ایک موقعہ پر کسی ضرورت سے کچھ شہداء کی قبریں اکھیڑنے اور انکی لاشوں کو منتقل کرنے کا حکم دیا' حضرت جابر فرماتے ہیں کہ ہم نے انکی لاشیں نکالیں تو تازہ تھیں' حتیٰ کہ ایک شہید کی انگلی میں پھاوڑا لگ گیا تو اس سے خون جاری ہو گیا' اسی خازن میں ہے کہ امام بغوی نے حضرت عبداللہ ابن عمیر سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب احد سے واپس ہوئے' تو حضرت مصعب ابن عمیر شہید کی لاش پر کھڑے ہوئے' ان کیلئے دعا کی' اور یہ آیت پڑھی **من المومنین رجال صدقوا** پھر فرمایا میں گواہ ہوں کہ یہ شہید ہیں تم ان کی زیارتیں کیا کرو' انہیں سلام کیا کرو' قسم رب کی (تفسیر خازن) بہرحال

صحیح یہی ہے کہ شہداء کی روح بھی زندہ ہے اور جسم بھی' تعلق روح کا جسم سے قائم ہے' انکے حواس درست ہیں' بلکہ بمقابلہ زندگی زیادہ قوی ہیں' اس کی پوری تحقیق ہم دوسرے پارے میں کر چکے ہیں **عند ربھم** یہ ھم محذوف کی خبر دوم ہے' خبر اول احیاء تھی عند بمعنی مقرب یا معظم ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن عنده لا یستکبرون** اور فرماتا ہے **فالذین عند ربک** بعض نے فرمایا کہ عند ظرف ہی ہے اور یہ **یرزقون** کا ظرف مقدم ہے' مگر پہلی توجیہیں زیادہ قوی ہیں (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی' کبیر' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) یعنی وہ شہداء زندہ ہیں رب تعالیٰ کے ہاں مقرب' معظم و مکرم ہیں' منکرین حیات شہداء نے عند کو احیاء کا ظرف مانا اور معنی یہ کئے کہ وہ دنیا میں زندہ نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے نزدیک زندہ ہیں' دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری قادیانی' شاید ان کے ہاں دنیا خدا سے دور ہو گی' کوئی اور عالم خدا کے نزدیک ہو گا' اللہ کے بندو دنیا بھی خدا کے نزدیک ہی ہے' یہاں قرب مکانی بن سکتا ہی نہیں' **یرزقون** یہ ھم کی تیسری خبر ہے' رزق کے معنی اور اسکی قسمیں ہم **مما رزقنھم** کی تفسیر میں پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں' یہاں جنت کا رزق مراد ہے' وہاں کے پھل' پانی' دودھ' شربت وغیرہ سب کچھ جیسا کہ گزشتہ مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا' اور اس میں شہداء کی جسمانی زندگی کی تاکید ہے (تفسیر روح البیان) کہ اگر وہ حضرات مع روح و جسم زندہ نہ ہوتے تو رزق دیئے جانے کے کیا معنی رزق ملنا جسم ہی کی صفت ہے' اس کے مضارع فرمانے سے پتہ لگا کہ ان کو برابر مسلسل رزق مل رہا ہے **فرحین بما اتھم اللہ من فضله** یہ عبارت یا تو **یرزقون** کی ضمیر سے حال ہے یا احیاء سے یا **عند ربھم** کے متعلق کی ضمیر سے فرح وہ خوشی ہے جو رنج و غم سے مخلوط نہ ہو' فخر و تکبر کی فرح و خوشی تو ممنوع ہے' اور شکر کی فرحت و خوشی بہتر رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** یہاں فخر کی فرحت سے ممانعت ہے' اور فرماتا ہے **قل بفضل اللہ وبرحمته فبذلک فلیفرحوا** یہاں شکر کی فرحت و سرور کا حکم ہے' رب کے فضل سے مراد شہادت' مغفرت' جنت اور وہاں کی نعمتیں رب کی رضا ہیں چونکہ یہ سب کچھ اس کریم و رحیم کی مہربانی ہے' نہ کہ محض اپنی بہادری سے' اس لئے اسے **من فضله** فرمایا **من فضله** میں من بیانیہ

www.alahazratnetwork.org

ہے ' بما کا بیان یعنی ان شہداء کو اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں کے ساتھ خوشی بھی بخشی کہ وہ خوش و خرم ہیں ان نعمتوں کی وجہ سے جو انہیں رب تعالیٰ نے بخشیں محض اپنے فضل سے **ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بھم من خلفھم** یہ جملہ یا تو مستقل ہے علیحدہ ہے یا تو **یرزقون** پر معطوف یا **یرزقون** کی ضمیر سے حال ہے ' اس صورت میں ' ھم پوشیدہ ہے ' کیونکہ جب حال مضارع ہو تو اس پر واؤ نہیں آتا یا فرحین پر معطوف ہے ' اس طرح کہ یا تو فرحین جملہ فعلیہ کی تاویل میں ہے یا **یستبشرون** مفرد کی تاویل میں ' غرضیکہ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں ' اور ہر ترکیب کے علیحدہ معنی ' استبشار بشارت سے بنا ' بشارت کے معنی ہم دوسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں ' یہاں اتنا سمجھ لو کہ بشارت وہ خوشخبری ہے جس کا اثر ہر سننے والے کے بشرہ یعنی چہرہ پر ظاہر ہو جائے ' یہاں استبشار مبالغہ کیلئے ہے یعنی خوب خوشیاں مناتے ہیں **الذین لم یلحقوا بھم** سے مراد قیامت تک ایمان پر مرنے والے مسلمان ہیں اور جو مر کر جنت میں پہنچیں گے ' کیونکہ یہ شہداء تاقیامت مومنوں کے حسن خاتمہ اور ان کی منزلت ' قرب ' جنت کے مقامات اور انکی ہاں زو کردہ نعمتوں سے خبردار ہیں (تفسیر صاوی) **لم یلحقوا** سے مراد ہے ان کا ابھی تک نہ مرنا اور ان شہداء سے ملاقات نہ کرنا خواہ ابھی دنیا میں زندہ ہوں یا ابھی پیدا بھی نہ ہوئے ہوں ' **من خلفھم** سے مراد یہ ہے کہ یہ شہداء تو ان کے سلف بن کر آگے جنت میں پہنچ گئے اور وہ حضرات خلف بن کر انکے پیچھے جنت میں پہنچنے والے ہیں ' اسی سے ہے خلف بمعنی بیٹا ' کہ وہ دنیا میں باپ سے پیچھے آتا ہے ' یعنی وہ شہداء اپنی نعمتوں پر بھی خوش ہیں اور تاقیامت ان مومنوں کے احوال سے مطلع ہو کر خوشیاں منا رہے ہیں ' جو ایمان پر مر کر جنت میں داخل ہونے والے ہیں ' اور اپنی نعمت سے زیادہ پچھلے مسلمانوں کی کامیابیوں پر خوش ہیں ' اس لئے وہاں **فرحین** فرمایا گیا تھا اور یہاں **یستبشرون**: خلاصہ یہ ہے کہ وہ حضرات آئندہ جنت میں آنے والے مومنوں پر حاسد نہیں ہیں بلکہ خوش ہیں اور بہت ہی خوش ہیں **الا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہ عبارت **الذین لم یلحقوا** کا بدل اشتمال ہے ' اور علیہم اور ھم کی ضمیریں اسی **الذین** کی طرف راجع ہیں ' خوف آئندہ کے اندیشے کو کہتے ہیں ' حزن گزشتہ پر غم کو ' خوف و ہم مفید بھی ہوتا ہے ' جیسے اللہ سے خوف اپنے گناہوں پر غم اور نقصان دہ بھی ' جیسے لوگوں کے خوف سے ایمان یا تقویٰ چھوڑ دینا یا دنیاوی مال نہ ملنے پر غم کہ اگر ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی بدمعاشیاں کرتے ' یہاں علیٰ فرما کر یہ بتایا کہ انہیں مضر خوف و غم نہیں یعنی وہ شہید ان آئندہ آنے والے مسلمانوں پر اس لئے خوشیاں مناتے ہیں ' کہ وہ لوگ دنیا و آخرت میں نقصان دہ خوف و غم سے آزاد ہیں ' اس لئے ان کی دنیا بھی اچھی اور آخرت بھی اچھی ' اور وہ ہماری ہی طرح کامیاب ہوں گے ' نہ دنیا میں رہتے ہوئے مرنے سے ڈریں گے نہ مرتے وقت دنیا چھوڑنے پر غم کریں گے ' امام سدی نے فرمایا کہ ان سے وہ لوگ مراد ہیں جو درجہ شہادت سے محروم رہے مگر اعمال صالح کئے اور شہداء سے پیچھے رہے ' **لم یلحقوا** سے یہ مراد ہے کہ وہ شہداء تک نہ پہنچے (روح المعانی) **یستبشرون بنعمۃ من اللہ وفضل** یہ جملہ فرحین کا بیان ہے اور **یستبشرون** کا فاعل وہ ہی شہداء ہیں ' فرحت اور اس بشارت میں فرق کئی طرح کیا گیا ہے ' معانی و سیئات پر فرحت ہے اور عطائے نعمت پر بشارت ' موجودہ نعمتوں پر فرحت ہے اور آئندہ ملنے والی نعمتوں پر بشارت ' نعمتوں سے مراد اعمال صالح کا ثواب ہے ' فضل سے مراد رب تعالیٰ کا عطیہ علاوہ ثواب کے یعنی یہ شہداء اللہ تعالیٰ کی موجودہ نعمتوں پر خوشیاں منا رہے ہیں ' اور آئندہ بعد قیامت ملنے والی نعمتوں پر بھی **وان اللہ لا یضیع اجر المومنین** ہماری قراءت میں ان

www.alahazratnetwork.org

الف کے فتح سے ہے' اصل میں بان تھا' نعمۃ پر معطوف اور امام کسائی کی قراءت میں ان الف کے کسرہ سے نیا جملہ **یضیع** **اضاعۃ** سے بنا' معنی برباد کردینا' ثواب نہ دینا' یعنی وہ شہداء اس پر بھی خوشیاں مناتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت نعمتیں بخشیں' اور اس پر بھی شادماں ہیں کہ اللہ تعالیٰ تاقیامت کسی مومن کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرمائے گا' سب کو بقدر اعمال بدلہ دیگا فضل اسکے علاوہ ہے' یہاں مومنین فرمانے سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ پہلے **الذین لم یلحقوا** سے مراد سارے مومن تھے نہ کہ صرف صحابہ کرام نہ صرف غازیان اسلام نہ صرف آئندہ شہید ہونے والے حضرات کیونکہ لفظ مومنین سب کو ہی شامل ہے۔ (از تفسیر کبیر و معانی و خازن وغیرہ)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پر ایمان رکھنے والے! ابھی خیال و گمان بھی نہ کرنا کہ جو لوگ راہ خدا میں مارے گئے وہ مردہ ہیں نہیں ہرگز نہیں وہ تو زندہ ہیں اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب ہیں' انہیں برابر جنت کی روزیاں' پھل فروٹ' کوثر و سلسبیل وغیرہ نعمتیں مل رہی ہیں' ہروقت خوش ہیں' کبھی رنج و غم انکے پاس نہیں بھٹکتا کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ دے رکھا ہے' صرف اپنی کامیابی پر وہ خوش نہیں بلکہ قیامت تک جس قدر مسلمان ایمان پر مرنے والے ہیں' جو ابھی تک ان سے نہیں ملے یا تو پیدا ہو چکے ہیں مگر فوت نہیں ہوئے' یا ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے پیچھے آنے والے ہیں' انکے حالات سے بھی خبردار ہیں' اور انکو ملنے والی نعمتوں پر بھی خوشیاں منا رہے ہیں کہ ان لوگوں پر بھی نہ دنیا میں کوئی خوف اور نہ آخرت میں کچھ غم یہ شہداء اللہ کی نعمتوں یعنی غزوہ' شہادت' حسن خاتمہ اور اعمال کے ثواب پر بھی خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس کے علاوہ جو انہیں ملا اس پر بھی شاداں اور اس پر بھی خوش و خرم ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کسی مسلمان کا اجر برباد نہ کریگا' سب کو بقدر عمل جزا دیگا کمی نہ فرمائیگا' بلکہ انکی زندگی بھی دائمی ہے' اور انکی نعمتیں و عیش و خوشیاں بھی دائمی' غرضیکہ شہداء کی زندگی بھی اعلیٰ ہے اور موت بھی افضل۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں' اب موجود ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** بعض مقبول بندے مرنے کے بعد وہ نعمتیں کھاتے ہیں' یہ دونوں فائدے **یرزقون** سے حاصل ہوئے بلکہ بعض بندوں کو زندگی ہی میں جنت کی نعمتیں دی جاتی ہیں' دیکھو قرآن کریم فرمارہا ہے کہ حضرت مریم زندگی میں جنت کے میوے کھاتی تھیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو جنت کا پانی پلایا' جو آپ کی انگلیوں سے چشمہ کے طور پر ظاہر ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بعد موت روح کو فنا نہیں بلکہ اپنے اعمال کے مطابق مقام میں رہے گی۔ **چوتھا فائدہ:** شہید بعد موت زندہ ہیں' انکے جسم بھی زندہ کہ نہ سڑتے ہیں نہ گلتے ہیں' اور انکے حواس درست رہتے' روزی اخروی کھاتے پیتے ہیں جیساکہ **یرزقون** کی تفسیر سے معلوم ہوا' انکو موت آتی ہے بایں معنی کہ جسم سے روح نکل جاتی ہے' اور وہ زندہ ہیں بایں معنی کہ نکلنے کے بعد روح نے جسم کو چھوڑا نہیں' روح نکلنا کچھ اور ہے چھوڑنا کچھ اور' اس کی نہایت نفیس تحقیق دوسرے پارہ **ولا تقولوا لمن یقتل** کی تفسیر میں عرض کی جاچکی۔ **پانچواں فائدہ:** شہداء کو بعد موت کبھی رنج و غم' خوف و ہراس نہیں ہوتا' دائمی خوشی میسر ہے جیساکہ **فرحین** سے معلوم ہوا یہ فرحت و سرور بھی ان کی جزا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شہید تاقیامت ہر مومن کے اچھے خاتمہ' اس کے انجام' اسکے ثواب' اسکی ہاصرہ کی نعمتوں سے واقف ہوتا ہے جیساکہ **لم یلحقوا** کی تفسیر سے معلوم ہوا'

یہاں تفسیر صاوی کا حوالہ یاد رکھئے" اگر وہ ان باتوں سے بے خبر ہوتا تو ان پر خوشیاں منانے کے کیا معنی تھے؟ بلکہ اسے شہید اس لئے بھی کہتے ہیں کہ وہ ہر ایک کے حال کا مشاہدہ کر رہا ہے' ہر ایک کا گواہ ہے' خیال رہے کہ اچھا انجام علوم خمسہ سے ہے' جب شہید کے علم کا یہ حال ہے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنکے صدقہ سے شہید شہید بنا' انکے علوم غیبیہ کا کیا پوچھنا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن کے دل سے اسکی موت کے بعد تمام غل و غش' عداوت و کدورت نکال دیتا ہے' دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ شہداء آنے والے مومنین کے درجات پر خوشیاں مناتے ہیں' معلوم ہوا کہ حسد نہیں کرتے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** آٹھواں فائدہ: حیات شہداء قطعی یقینی مسئلہ ہے' اسکا منکر کافر ہے' رب تعالیٰ نے اس مسئلہ پر بہت زور دیا کہ ایک جگہ تو فرمایا کہ شہداء کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں' یہاں فرمایا کہ شہداء کو ہرگز ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ وہ زندہ ہیں' مردہ کہنے سے بھی روکا اور مردہ سمجھنے سے بھی' اور ہر ممانعت کے بعد انکی زندگی کا اعلان کیا' اور یہاں تو زندگی کے ثبوت کیلئے انکا روزی پانا' خوشیاں منانا' آئندہ ہونے والے مسلمانوں کے درجات سے واقف ہونا سب کچھ ہی بیان فرمایا' غرضیکہ اتنا زور اور مسئلہ پر نہ دیا جتنا اس مسئلہ پر دیا' اب اس کا منکر کافر ہے' اور اس میں بلاوجہ تاویلیں کرنے والا گمراہ' مذہب اہل سنت یہی ہے کہ شہداء کی زندگی جسمانی اور جاودانی ہے' یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ اولیاء و شہداء بعد وفات ایک جگہ رہتے ہوئے ان کی روح بیک وقت ہزارہا جگہ موجود ہو جاتی ہے اور عالم میں تصرف کرتی ہے' حضرات انبیائے کرام کی زندگی ان تمام سے بہت اعلیٰ ہے عام مومنین قبر میں رہتے ہوئے جنت کو دیکھتے ہیں' مگر شہداء جنت میں داخل ہو جاتے ہیں۔ نواں فائدہ: کوئی مومن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا' آخر کار جنت میں پہنچے گا' کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کا ثواب ضائع نہیں کرتا' ایمان بھی ایک ثواب کا کام ہے یہ بھی ضائع نہیں ہو سکتا' لہذا بڑے سے بڑا گنہگار فاسق ہو' فاجر ہو' مگر ہو مومن' وہ آخر کار جنتی ہے' اس حدیث کے یہی معنی ہیں کہ جس نے **لا الہ الا اللہ** پڑھا جنتی ہو گیا اگرچہ زنا چوری کرے' یہ آیت اس حدیث کے تائید ہے اور وہ حدیث اس آیت کی شرح۔ دسواں فائدہ: کافر کے کسی عمل کا ثواب آخرت میں نہ ملے گا خواہ کتنا ہی نیک و صالح نظر آتا ہو' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کے اجر ضائع نہیں کرتا' یعنی کافروں کے عمل ضائع فرما دیتا ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنہ ھباء منثورا** ہم نے کفار کے سارے اعمال صالحہ باریک غبار بنا کر اڑا دیئے۔

پہلا اعتراض: بہت سی آیتوں اور صدہا احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی' ولی' شہید سب کو موت آتی ہے' یہ آیت ان تمام کے خلاف ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک میت وانھم میتون** اے محبوب آپ کو موت آتی ہے اور ان سب کو بھی' اور فرماتا ہے **کل من علیھا فان** اور فرماتا ہے **کل نفس ذائقۃ الموت** اور فرماتا ہے **افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم** اور فرماتا ہے **لا تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا** وغیرہ' حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے دن فرمایا کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پوجتا ہو تو وہ تو وفات پا گئے' اور جو اللہ کو پوجتا ہو تو وہ حی لا یموت ہے' اور فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع انہیں کرنا پڑتی یعنی وہ زندہ نہیں ہیں' نیز اگر حضرات شہداء زندہ ہیں تو ان کا کفن دفن کیوں ہوتا ہے؟ انکی میراث کیوں تقسیم ہوتی ہے' انکی

www.alahazratnetwork.org

بیویاں نکاح کیوں کر سکتی ہیں؟ لہٰذا ان جیسی آیتوں میں جہاں کہیں حیات کا لفظ ہے' وہاں صرف روحانی' برزخی یا کارناموں کی زندگی مراد ہے یا عند اللہ سے مراد یہ ہے کہ وہ اللہ کے علم میں زندہ ہیں جیسے کہا جاتا ہے ھذا عند ابی حنیفۃ یہ مسئلہ امام اعظم کے نزدیک ہے' یعنی انکے علم میں' انکے مذہب میں ہے لہٰذا یہاں احیاء کے معنی یہ ہیں کہ شہداء کے کام' ان کے نام زندہ ہیں' کہ لوگ انہیں اچھی طرح یاد کرتے ہیں' یا ان کی روحیں زندہ ہیں بحیات برزخی' یا وہ کسی اور عالم میں زندہ ہیں' نہ کہ اس جہان میں۔

نوٹ ضروری: گجرات کے بعض جہلاء نے آج کل مسئلہ حیات النبی' حیات ولی' حیات الشہداء کا شدت سے انکار کیا ہے' انکے یہ دلائل ہیں' بلکہ جس متانت سے ہم نے ان کی طرف سے دلائل بیان کر دیئے' انشاء اللہ وہ خود بھی بیان نہ کر سکیں گے' آجکل اسی مسئلہ پر بہت زور ہے۔ جواب: اس اعتراض کے تفصیلی جوابات ہم اسی تفسیر کے دوسرے پارے میں زیر آیت ولا تقولوا لمن یقتل عرض کر چکے ہیں' نیز مرات جلد دوم باب الجمعہ میں مسئلہ حیات النبی بہت تحقیق سے ہم عرض کر چکے ہیں' یہاں اتنا سمجھ لو' زندگی و موت کے بہت معنی ہیں' ایک معنی سے جسم کو زندہ و مردہ کہا جاتا ہے' دوسرے معنی سے روح کو' تیسرے معنی سے زمین کو' چوتھے معنی سے شہر وغیرہ کو' اور پانچویں معنی سے دل کو زندہ و مردہ کہا جاتا ہے' ان تمام معنی میں یہ لفظ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ نے زندہ کافروں کو مردہ فرمایا ہے۔ جسم انسان کی زندگی و موت کے دو معنی ہیں' روح کا جسم سے نکل جانا' روح کا جسم کو چھوڑ دینا' پہلے معنی سے ہر شخص کو موت ہے' خواہ نبی ہو' ولی ہو' شہید ہو' یا عام مومن یا غیر مومن' تمہاری پیش کردہ آیتوں و حدیثوں میں موت سے یہی مراد ہے' یعنی روح ہر ایک کے جسم سے نکلنے والی ہے یقیناً اس معنی سے سب کو موت آنے والی ہے' مگر دوسرے معنی سے حضرات انبیاء' اولیاء' شہداء کو ہرگز موت نہیں' انکے جسم سے روح نکل کر جسم کو چھوڑتی نہیں' جس سے ان کا جسم سڑ تا گلتا نہیں اور ان کے حواس بھی قائم رہتے ہیں' دیکھو دل نکل جانے پر موت یقیناً واقع ہو جاتی ہے' مگر معراج وغیرہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل نکالا گیا' چاک کیا گیا' صاف فرمایا گیا مگر موت واقع نہ ہوئی' حیات کی تمام آیات و حدیث میں یہی مراد' دوسرے معنی کی موت کی نفی ہے' پہلی موت ہی کی وجہ سے کفن' دفن' میراث' انکی بیویوں کا دوسرے سے نکاح کے احکام جاری ہوتے ہیں' دوسرے معنی کے لحاظ سے انہیں سلام و کلام' احترام وغیرہ کیا جاتا ہے ان سے مدد مانگی جاتی ہے' لہٰذا دونوں قسم کی آیات و احادیث درست ہیں' جو توجیہ تم نے ان آیات کی کیں وہ محض غلط و باطل ہیں' اگر انکا نام و کام باقی ہونا مراد ہوتا' تو پھر انہیں روزی ملنے' خوشیاں منانے' آئندہ لوگوں کے حالات سے واقف ہونے کے کیا معنی؟ نیز بہت سے لیڈروں کے نام و کام باقی رہتے ہیں' لوگ انہیں بھی اچھائی سے یاد کرتے ہیں' پھر اس میں شہداء یا انبیاء کی کیا خصوصیت تھی اور اگر روحانی' برزخی زندگی مراد ہوتی' تو یہ زندگی تو ہر مومن بلکہ کافر کو بھی حاصل ہے' پھر خصوصیت شہداء کے کیا معنی؟ خصوصیت سے شہداء و انبیاء کی حیات پر قرآن کریم جو زور دے رہا ہے' یقیناً اس سے کوئی خاص زندگی مراد ہے' خلاصہ تعالیٰ مراد وہی ہے جو ہم نے عرض کیا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے تو یہ مسئلہ ایک شعر میں حل فرما دیا' فرماتے ہیں۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے — مگر اتنی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد انکی حیات — مثل سابق وہی جسمانی ہے

www.alahazratnetwork.org

فیصلہ یہ فرمایا کہ موت آنا اور ہے' موت کا باقی و قائم رہنا کچھ اور' موت آنی سب کو ہے' مگر ہم کو موت آکر باقی بھی رہتی ہے' ان حضرات کو آنی طور پر آنی ہے' پھر انکی حیات جاودانی ہے' اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی فہم عطا فرمائے' حدوث موت اور بقائے موت کا فرق خیال میں رہے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری پیش کردہ حدیث سے کہ شہداء کی روحیں سبز پرندوں میں رہتی ہیں' جنت کی سیر کرتی ہیں' مسئلہ تناسخ یعنی آریوں کا آواگون ثابت ہو گیا کہ مرے بعد شہید چڑیا بن جاتا ہے' یہی آریہ کہتے ہیں کہ مرے بعد انسان جانور بن جاتا ہے' وہ کہتے ہیں کہ جانور بن کر دنیا میں رہتا ہے' تم کہتے ہو کہ جانور بن کر جنت میں رہتا ہے۔ **جواب:** آواگون و تناسخ میں روح کی تبدیلی مانی جاتی ہے' کہ انسان کی نفس باطقہ گدھے کی جون میں پہنچ کر نفس ناطقہ بن جاتی ہے' یہاں یہ صورت نہیں' شہید کی روح انسان ہی رہتی ہے' پرندے کا جسم اس کیلئے ایسا ہوتا ہے جیسے سوار کیلئے اونٹ کا ہودج اور عرش کے نیچے کی قندیل ان کیلئے ایسی ہیں جیسے پرندے کیلئے آشیانہ (صاوی) جیسے سوار ہودج میں بیٹھ کر انسان ہی رہتا ہے ایسے ہی یہ روح اس جسم میں رہ کر انسان ہی رہتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب شہید کی روح سبز پرندے کے پوٹے میں ہے' اور وہ پرندے جنت میں تو انکے مدفون اجسام بغیر روح کے رہ گئے' اسی کا نام مردہ ہے' لہٰذا شہداء کے اجسام مردے ہیں۔ **جواب:** شہید کی روح وہاں پہنچ کر بھی جسم کی پرورش چھوڑتی نہیں' رہتی جنت میں ہے' مگر تعلق اس جسم سے بھی رکھتی ہے' اور روح کا جسم کو نہ چھوڑنا' اسکی تربیت کرنا ہی زندگی ہے' بادشاہ ملک سے باہر سیر کیلئے جا کر بھی اپنے ملک کو چھوڑتا نہیں' بادشاہ وہی ہوتا ہے' اپنے ملک کی نگرانی اور پرورش برابر کرتا ہے' سونے کی حالت میں آپ کی ایک روح جسم سے نکل کر بھی آپ کے جسم کو چھوڑتی نہیں لہٰذا انکی روح جنت میں رہتے ہوئے بھی انکو جسمانی حیات حاصل ہے۔ **چوتھا اعتراض:** آیت **لم یلحقوا بھم** کے معنی صرف یہ ہیں کہ شہید جن غازیوں کو زندہ چھوڑ کر شہید ہو گیا ہے' ان پر خوشیاں مناتا ہے کہ یہ بھی عنقریب ہم میں آنے والا ہے اس کے استقبال کی تیاریاں کرتا ہے' یہ مطلب نہیں کہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے حالات سے باخبر رہتا ہے جیسا کہ تفسیر خازن و روح وغیرہ میں ہے' لہٰذا اس سے شہید کا علم غیب ثابت نہیں ہوتا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے' کہ یہ بھی تمہارے وہابیوں کے مذہب کے خلاف ہے' تمہارا عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو ایک انجام کی بھی خبر نہیں' سعادت و شقاوت علوم خمسہ میں سے ہے' اسکا علم دوسرے کو ماننا شرک اکبر ہے' اگر ان شہداء کو ان غازیوں کے شہید ہونے' ایمان پر مرنے' ان کے پاس پہنچنے کا علم ہوا اور انہوں نے ان غازیوں کے استقبال کی تیاری کی' تو انکی سعادت و شقاوت' وقت موت کا علم ہو گیا' کسی کا استقبال وہی کر سکتا ہے' جو اسکی آمد اور وقت آمد اور آمد کی جگہ سے خبردار ہو' ان چیزوں سے بے خبر استقبال کیا خاک کریگا۔ **جواب تحقیقی:** یہ ہے کہ آیت کریمہ میں کوئی قید نہیں **الذین** اور **لم یلحقوا** دونوں عام ہیں' قرآنی عموم کو محض اپنے قیاس سے ختم نہیں کر سکتے ہم تفسیر صاوی کا حوالہ پیش کر چکے کہ انہوں نے تاقیامت کا صاف صاف ذکر فرمایا' احادیث سے تو ثابت ہے کہ شہید کو بھی اپنی شہادت سے پہلے انجام و موت کی خبر ہو جاتی ہے' زندگی میں جنت اور اپنا مقام دیکھ لیتا ہے' زخمی صحابہ نے بدر کے میدان میں تڑپتے ہوئے جان نکلنے سے پہلے ہی مسلمانوں کو جنت' وہاں کی نعمتوں کی خبر دے دی کہ ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں' جنگ جمل میں حضرت زبیر نے اپنے بیٹے عبداللہ سے فرمایا کہ آج میری شہادت ہے تم میرے بعد میرے مال کا اس طرح انتظام کرنا (بخاری شریف) ایک نومسلم صحابی نے عین جنگ کی

www.alahazratnetwork.org

حالت میں ایمان لایا کھجوریں پھینک دیں اور بولا کہ اب آگے چل کر جنت کے پھل کھائیں گے اور کچھ دور جاکر بولا، یارسول اللہ میں جنت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں، وہ تلواروں کے سایہ میں ہے، جب شہید کا اپنی زندگی میں یہ حال ہے تو بعد شہادت کیا حال ہو گا، بہر حال حق یہ ہی ہے کہ شہید تا قیامت ہر مسلمان کے انجام سے خبردار ہے، ہر ایک کا انجام، مقام و درجہ جانتا ہے، آیت کریمہ بالکل ظاہری معنی پر ہے کسی تاویل یا قید کی گنجائش نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عوام کی زندگی انکی روح سے ہے، خواص کی زندگی رب سے، روحانی زندگی والے روح نکل جانے سے مر جاتے ہیں، مگر ربانی زندگی والے روح نکلنے کے بعد طبعی زندگی سے منتقل ہو کر اصلی و حقیقی زندگی میں پہنچ جاتے ہیں، شریعت کی تلوار سے مرنے والے زندہ ہیں، مرزوق ہیں تو صدق و صفا اور عشق کی تلوار سے مرنے والے بھی زندہ جاوید ہیں۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما!

کفار سے جہاد جہاد اصغر ہے، اور نفس نابنجار سے جہاد، جہاد اکبر، جہاد اصغر میں شہید ہونے والے بعد وفات جنت صوری میں رہتے ہیں، اور جہاد اکبر میں شہید ہونے والے جیتے جی معنوی جنت میں رہتے ہیں اور وہاں کے پھل پاتے ہیں، کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ **ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی** میں اپنے رب کے پاس رات گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے، صوفیائے کرام فرماتے ہیں، کہ کل قیامت میں ہر ٹولہ اپنے اپنے امام کے ساتھ رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہو گا، چنانچہ صدیقین کا ٹولہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جھنڈے کے نیچے ہوں گا، عادل بادشاہوں کی جماعت لواء فاروقی کے نیچے، غنیوں کا گروہ عثمانی جھنڈے کے نیچے، شہیدوں کی جماعت لواء حیدری کے تلے، فقہا علماء کا گروہ معاذ ابن جبل کے جھنڈے کے نیچے، تارک الدنیا فقراء کا گروہ حضرت ابوذر کے جھنڈے تلے، موذنوں کی جماعت حضرت بلال کے جھنڈے کے نیچے، اور مظلوم مقتولوں، شہیدوں کی جماعت جناب حسین کے جھنڈے کے نیچے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم ندعوا کل اناس بامامہم** ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ بلائیں گے، جس کا دنیا میں کوئی امام نہ ہو گا اس کا امام ابلیس ہے، صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شریعت والے شہید بعد وفات جنت میں جاکر وہاں کی نعمتیں کھاتے ہیں مگر طریقت کے شہید دنیا ہی میں جنت میں رہتے ہیں، اور وہاں کے کوثر میں غوطہ لگاتے ہیں اور جنت کے ہی پھل کھاتے ہیں، چنانچہ یہاں کے احوال کشف معرفت الٰہی ان کی اس جنت کے پھل ہیں، قرآن و حدیث یہاں کی نہریں ہیں، یہ لوگ دنیا میں بے خوف بھی ہیں بے غم بھی، مگر یہ نعمتیں محنتوں سے ملتی ہیں، بغیر محنت اس جنت کی ہوس خیال خام ہے۔

دنا طمع مبراز لطف بے نہایت دوست چولاف عشق زدی سرباز چابک دست!

یہ حضرات خود شکار بن کر شکاری کے انتظار میں رہتے ہیں، کہ کوئی شکاری تیر نظر سے ہمارا دل و جگر شکار کرے (از تفسیر روح البیان معہ زیادت) مولانا خسرو دہلوی نے ایک شعر میں انکی حالت کا کیسا نفیس نقشہ کھینچا ہے، فرماتے ہیں۔

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد!

یہ شہید پہلے رب تعالیٰ کے جویاں ہوتے ہیں، پھر رب تعالیٰ ان کی مرضی کا خواہاں ہو جاتا ہے، یہ پہلے رب کو راضی کرتے ہیں، پھر رب انہیں راضی کرتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِن بَعْدِ مَا أَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛ

وہ لوگ جنہوں نے قبول کیا اللہ رسول کا حکم اس کے بعد پہنچا ان کو زخم

وہ جو اللہ رسول کے بلانے پر حاضر ہوئے بعد اس کے کہ انہیں زخم پہنچ چکا تھا

لِلَّذِينَ أَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿١٧٢﴾

ان لوگوں کے لئے جو بھلائی کریں ان میں سے اور پرہیزگاری کریں بڑا ثواب ہے

ان کے نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کے لئے بڑا ثواب ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے شہدائے احد کے فضائل و مراتب کا ذکر فرمایا تھا' اب ان غازیان احد کا ذکر ہے جو وہاں شہید نہ ہوئے بلکہ اپنے گھروں کو زندہ لوٹ آئے تاکہ معلوم ہو کہ اس غزوہ کے شہید بھی شان والے ہیں اور غازی بھی۔ **دوسرا تعلق:** کچھ پچھلی آیتوں میں ان بزرگوں کی خطاء کا ذکر تھا جن کے قدم احد میں اکھڑ گئے تھے' اب انہی بزرگوں کے اس کارنامہ کا ذکر ہو رہا ہے' جو انہوں نے احد کے بعد ہی بطور کفارہ ادا کیا یعنی غزوہ حمراء الاسد کیلئے اپنے کو پیش کر دینا۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ مومنوں کا اجر ضائع نہیں کرتا' اب ان مومنوں کے صفات بیان ہو رہے ہیں کہ یہ حضرات وہ ہیں جو مصیبت پہنچنے پر بھی اللہ رسول کے فرمانبردار رہتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شہدائے احد پیچھے آنیوالے مسلمانوں کے استقبال کی تیاریاں کر رہے ہیں' اور انکی ملاقات کی خوشیاں منا رہے ہیں' اور انکے مراتب سے واقف ہیں' اب ان ہی پیچھے رہ جانے والے مسلمانوں کے اعمال کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے بارے میں بہت روایتیں ہیں' زیادہ قوی اور صحیح روایت یہ ہے کہ پندرہ شوال ہفتہ کے دن جنگ احد ختم ہوئی' جب ابو سفیان اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ معظمہ لوٹتے ہوئے مقام روحاء پہنچے تو حسرت سے کہنے لگے کہ ہم نے بڑی غلطی کی کہ جیتا ہوا میدان یونہی چھوڑ آئے' نہ ان کے کچھ قیدی ساتھ لائے' نہ انکے چوٹی کے سرداروں کو شہید کیا' اور نہ ان کی عورتوں کو لونڈی بنایا' یہ سوچ کر پھر مدینہ پاک کا رخ کرنا چاہا' یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی' تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سولہ شوال اتوار کے دن یعنی احد کے ایک دن بعد اعلان فرمایا کہ ابو سفیان کے مقابلہ کے لئے نکلو' اور فرمایا کہ اس غزوہ میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو کل ہمارے ساتھ جنگ احد میں تھے' سوائے غازیان احد کے اور کسی کو اس غزوہ میں شرکت کی اجازت نہ ہوگی' یہ اعلان ہوتے ہی یہ غازی اور کل کے زخمی شیر پھر تیار ہو گئے' تیار اس طرح ہوئے کہ بعضوں نے اپنے زخموں پر پٹیاں باندھ لی تھیں اور بعض ابھی مرہم پٹی بھی نہ کر سکے تھے اور اس طرح روانہ ہوئے کہ ایک زخمی دوسرے زخمی کو کچھ دور اپنے کندھے پر اٹھاتا' اور پھر یہ اتر کر اپنے اٹھانے والے کو اپنے کندھے پر اٹھاتا' بعض کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ایک کچھ دور دوسرے پر ٹیک لگا کر چلتا اور کچھ دور دوسرا اس پر ٹیک لگاتا' کیونکہ یہ حضرات سخت کمزور' بیمار تھے' مسلسل پیدل نہ چل سکتے تھے' غرضیکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ستر حضرات اس شان سے روانہ ہوئے'

www.alahazratnetwork.org

ان میں حضرت ابو بکر، عمر، عثمان، علی، طلحہ، زبیر، سعید، عبدالرحمان ابن عوف، ابو عبیدہ ابن جراح، عبداللہ ابن مسعود، حذیفہ ابن یمان جیسے حضرات بھی تھے، جو حضرات رہ گئے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے رہے تھے، خود نہ رہے تھے، جیسے حضرت جابر کو سرکار عالی نے حکم دیا تھا کہ کل تمہارے والد شہید ہو چکے ہیں تمہاری سات یتیم بہنیں رہ گئیں ہیں انہیں سنبھالو، یہ قافلہ اس شان سے مدینہ طیبہ سے روانہ ہوا، اور شام تک منزل حمراء الاسد میں پہنچ گیا، تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ منزل مدینہ پاک سے تین میل ہے، مگر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ آٹھ میل ہے، ہو سکتا ہے کہ ایک راستہ سے تین میل ہو، اور دوسرے سے آٹھ میل، جیسے منیٰ شریف مکہ معظمہ سے پرانے راستے سے تین میل ہے اور نئے سرکاری راستہ سے گیارہ میل، لہٰذا دونوں روایتیں درست ہیں، ادھر قدرتی معاملہ یہ بنا کہ اس جماعت کو معبد ابن ابی معبد خزاعی نے دیکھا، یہ ابو سفیان کا بہت دوست تھا، اور ابھی ایمان نہ لایا تھا، اسے مسلمانوں کا یہ حال دیکھ کر حیرت ہو گئی، جب یہ مقام روحاء پہنچا تو ابو سفیان کو دیکھا کہ وہ مدینہ منورہ پر دوبارہ حملہ کرنے کیلئے لوٹ رہے ہیں، ابو سفیان نے پوچھا کہ معبد تجھے کچھ خبر ہے، معبد بولا ہاں! وہ تمہارے مقابلہ کیلئے اس شان سے نکل چکے ہیں اور حمراء الاسد پہنچ چکے ہیں کہ اس شان کے سپاہی میں نے آج تک نہیں دیکھے، اگر تمہارا ان سے مقابلہ ہو گیا، تو تمہاری چٹنی کر دیں گے، اس نے چھ شعر پڑھے، جو یہاں تفسیر خازن اور روح المعانی وغیرہ نے بیان کئے ہیں، جس کا آخری شعر یہ ہے۔

من خیل احمد لا وخشا تنابلہ ولیس یوصف ما انذرت بالقیل

یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لشکر کی تعریف اور اسکی عظمت زبان سے بیان نہیں ہو سکتی، وہ تو جب ہی معلوم ہو گی، جب آپس میں تیر تلوار اور بھالوں کا تبادلہ ہو گا، اس پر صفوان ابن امیہ ابن خلف نے ابو سفیان سے کہا کہ مکہ چلو، ورنہ ہماری خیر نہیں، انکا سارا لشکر صفوان کا ہم زبان ہو گیا اور وہ لوگ مکہ معظمہ چلے گئے، ادھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے پیر، منگل، بدھ حمراء الاسد میں قیام کیا، تفسیر صاوی سے معلوم ہوتا ہے کہ جمعہ تک قیام رہا، جب کوئی کافر مقابل نہ آیا تو یہ غازی صبر و اجر کے تحفے لیکر نہایت شان و شوکت سے، بخیریت تمام مدینہ واپس آ گئے، اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، جس میں ان حضرات کی بہت مدح سرائی کی گئی اس غزوہ کا نام غزوۂ حمراء الاسد ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن و روح البیان، صاوی، مدارک اور بیضاوی وغیرہ) تفسیر کبیر نے اسکے نزول کی دوسری روایت: یوں بیان کی ہے کہ یہ آیت کریمہ ان غازیان احد کے بارے میں نازل ہوئی، جنکے قدم پہلے تو اکھڑ گئے تھے، مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلانچی کی آواز سن کر پھر لوٹ پڑے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے، شہداء کی نعشوں کو مثلہ سے بچا لیا (ناک، کان وغیرہ کاٹنا) کفار صرف جناب حمزہ کی لاش مبارک ہی کی بے حرمتی کر سکے ورنہ انکا ارادہ تمام شہداء کے ساتھ یہی تھا، یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان بے مثال صابروں کا کیا کہنا، انکے صبر کی اونیٰ مثال یہ ہے کہ حضرت صفیہ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی جناب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بہن جب گھبراہٹ میں احد کے میدان میں پہنچیں اور چاہا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو دیکھیں، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی جناب حمزہ رضی اللہ تعالیٰ کی بہن جب گھبراہٹ میں احد کے میدان میں پہنچیں اور چاہا کہ حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نعش کو دیکھیں، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ انکو وہاں نہ جانے دو، وہ اپنے بھائی کا یہ حال دیکھ نہ سکیں گے، بی بی صفیہ یہ پیغام سن کر بولیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا میں حمزہ کے

www.alahazratnetwork.org

سارے واقعات سن چکی ہوں' یہ سب کچھ مجھ پر آسان ہے جب میں نے آپ کو زندہ دیکھ لیا' میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ بھائی کی لاش دیکھ کر اف نہ کروں گی! حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی' لاش پر پہنچیں تو صرف یہ کہا' اے حمزہ اللہ تجھے بخشے' تم بہت اچھے گئے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام لاشوں پر نماز جنازہ پڑھی اور ایک ایک قبر میں کئی کئی شہیدوں کو اپنے ہاتھ سے دفن کیا (تفسیر کبیر) مبارک تھے وہ لوگ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہو گئے۔ دانہ کسان کے ہاتھوں دفن ہو کر خود زندہ ہی نہیں ہوتا بلکہ ہزاروں کو زندہ رکھتا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دفن ہونے والے زندہ ہیں اور زندہ رہیں گے' مگر تفسیر کبیر نے بھی پہلی ہی روایت کو ترجیح دی ہے۔

تفسیر: **الذین استجابوا للہ والرسول**: ظاہر یہ ہے کہ **الذین** مبتداء ہے اور **للذین** پوری عبارت اسکی خبر اور ہو سکتا ہے کہ یہ **المومنین** کا بدل ہو' اور ممکن ہے کہ **امدح** فعل محذوف کا مفعول بہ ہو' پہلی صورت میں مرفوع ہو گا' دوسری میں مجرور اور تیسری میں منصوب' لہٰذا اس آیت کے تین معنی ہوں گے' **استجابوا** باب استفعال کا ماضی ہے۔ جس کا مادہ جوب ہے' بمعنی قبول کرنا' اسی سے ہے جواب' بعض علماء نے فرمایا کہ یہاں استفعال مجرد ہے' باب افعال کا ہم معنی ہے (یعنی قبول کیا یا قبولیت کا جواب دیا) اور بعض کے نزدیک مبالغہ کیلئے ہے' یعنی خوب ہی قبول کیا' عملاً' قولاً' اعتقاداً ہر طرح قبول کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمان برداری کا ریکارڈ قائم کر دیا' اگرچہ اس موقعہ پر ان حضرات کو بلایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تھا' اور ان مقبولوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا فرمان قبول کیا تھا' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس دوڑ کر آئے تھے تو چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار رب تعالیٰ کی پکار ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا رب تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے' اس لئے یہاں ارشاد ہوا **للہ والرسول**۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور مصطفیٰ

(یا اولیاء)

جسے رب تعالیٰ کے حضور بیٹھنے کا شوق ہو وہ جناب مصطفیٰ کی بارگاہ میں بیٹھے یعنی اے محبوب ہم بہت ہی خوش ہیں' اور تعریف کرتے ہیں ان لوگوں کی جنہوں نے اللہ رسول کی پکار قبول کی اور دوڑے ہوئے آ گئے **من بعد ما اصابھم القرح** یہ **استجابو** کا متعلق ہے' من زائدہ ہے' جو بعدیت کا قرب بیان کرنے کیلئے لایا گیا' ما مصدریہ ہے یا موصولہ' قرح زخم کو کہتے ہیں' مگر یہاں بمعنی زخم و تمام تکالیف ہے' اسی لئے جرح نہ فرمایا قرح فرمایا' یعنی انہوں نے یہ پکار قبول بھی کی تو کب' زخم کھانے تکلیف اٹھانے' احد میں مصیبتیں جھیلنے کے فوراً بعد ہی **للذین احسنوا منھم واتقوا اجر عظیم** اگر پہلا **الذین** مبتداء تھا تو یہ پوری عبارت اس کی خبر ہے' اور اگر وہ المومنین کا بدل تھا یا امدح کا مفعول تو یہ مستقل جملہ ہے' کہ **للذین** مع صلہ کے خبر مقدم ہے' اور **اجر عظیم** مبتداء مؤخر' چونکہ ان غازیان احد کا تقویٰ' پرہیزگاری' نیک کاری بھی بیان کرنا مقصود تھی' اس لئے رب تعالیٰ نے اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی' صرف لھم نہ فرمایا' احسنو اور اتقوا ماضی فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ تو پہلے ہی نیک کار اور پرہیزگار ہیں' اور یہ بھی بتایا کہ کل احد میں ان کے پاؤں اکھڑ جانے سے ان کی نیک کاری اور پرہیزگاری میں

www.alahazratnetwork.org

کوئی فرق نہ آیا' یہ بدستور پہلے کی طرح محسن بھی ہیں اور متقی بھی' خیال رہے کہ ہر قسم کے نیک اعمال کرنے کو احسان کہتے ہیں' اور ہر قسم کے گناہ سے بچنے کو تقویٰ' اللہ تعالیٰ نے ان دو لفظوں میں ان حضرات غازیان احد کی زندگی کا نقشہ کھینچ کر رکھ دیا کہ انکی زندگی کیا ہے نیک کاری اور پرہیزگاری کا مرقع ہے' تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ **منہم** کا من تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے' کیونکہ وہ سارے ہی حضرات محسن اور متقی ہیں' **اجر عظیم** فرما کر بتایا گیا کہ انکا ثواب تمہارے حساب' کتاب' خیال' وہم و گمان سے وراء ہے کیونکہ جس رب تعالیٰ نے تمام دنیا کو قلیل فرمایا وہ انکے اجر کو عظیم فرما رہا ہے تو سمجھ لو کہ انکا اجر کیسا ہو گا یعنی ان سارے محسنوں اور متقیوں کا ہماری بارگاہ میں بڑا ہی ثواب ہے جو تمہارے خیال و گمان سے وراء ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم مدح و ثناء کرتے ہیں ان مہاجرین و انصار غازیوں کی' جنہوں نے احد میں صدہا مصیبتیں جھیلنے کے بعد ہی اللہ کے رسول کی پکار سنی اور اطاعت کی' کہ کل ہفتہ ہی کے دن یہ حضرات مصیبتوں کا نشانہ بنے' اور آج اتوار کو آپ کی پکار پر لبیک کہتے ہوئے حاضر ہو گئے' اور سر کف ہو کر اپنی جانیں اپنی ہتھیلیوں پر رکھ کر دوسرے غزوہ کیلئے نکل پڑے' ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ سارے پہلے ہی سے نیک کار بھی ہیں اور پرہیزگار بھی' کل احد میں جو ان سے خطائیں ہو گئیں' ان سے ان کی نکوکاری و پرہیزگاری میں کوئی فرق نہ آیا' اور آج کی فرماں برداری نے انکی پرانی نیک کاری کو اور بھی چار چاند لگا دیئے جس نے سونے پر سہاگے کا کام دیا' ان سب کیلئے دنیا اور آخرت میں بڑا ہی ثواب ہے' جو انسان تو کیا فرشتوں کے گمان و وہم سے بھی وراء ہے' الحمد للہ کہ رب تعالیٰ کا یہ وعدہ پورا ہوا' ہم نے انکا دنیا کا اجر تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ زمانہ ان کے گیت گا رہا ہے' اور مسلمان انکا نام لے کر جی رہے ہیں' ہر شخص انکے نقش قدم پر چلنے کی تمنا کرتا ہے ان پر نمازوں تک میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ درود شریف پڑھا جاتا ہے' اور انکا آخرت کا ثواب انشاء اللہ قیامت میں ہم کیا سارا جہان دیکھے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان احد خواہ ڈٹے رہنے والے ہوں یا وہ جنکے قدم اکھڑ گئے تھے' سب اللہ کے ہاں بڑے ہی درجہ والے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انکے ایمان' احسان' تقویٰ کی گواہی دی' اور ان کیلئے بڑے ہی ثواب کا وعدہ فرمایا' اب جو ان میں سے کسی پر زبان طعن دراز کرے' وہ رب تعالیٰ کا مقابلہ کرتا ہے اور اس آیت کریمہ کا انکار۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت میں اللہ رسول کی فرمانبرداری کا بہت درجہ ہے اور رب تعالیٰ کی بڑی نعمتوں کا ذریعہ جیسا کہ **اصابہم القرح** سے معلوم ہوا' جناب حسین کی کربلا والی آخری نماز جو تہ خنجر ادا ہوئی' وہ خاص کعبہ میں لاکھوں نمازوں سے افضل ہے۔۔

نہ مسجد میں' نہ مندر میں' نہ بیت اللہ کے سائے میں نماز عشق ادا ہوتی ہے' تلواروں کے سائے میں!

تیسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار اللہ تعالیٰ کی پکار ہے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا اللہ تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے جیسا کہ **استجابوا للہ والرسول** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نئے غم اور تازہ گھاؤ میں صبر و اطاعت کا درجہ زیادہ ہے' غم پرانا ہونے اور گھاؤ خشک ہونے پر سب ہی صبر کر لیتے ہیں' جیسا کہ **من بعد ما** کی من سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** غازیان احد پہلے ہی سے محسن اور متقی تھے جیسا کہ **احسنوا** اور **اتقوا** ماضی سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** خطائے

www.alahazratnetwork.org

اجتہادی نہ فسق ہے نہ گناہ' اسکے ہونے کے بعد بھی مجتہد کے پہلے مرتبے و درجات قائم رہتے ہیں' یہ بھی **احسنوا** اور **اتقوا** سے معلوم ہوا' دیکھو رب تعالیٰ نے ان خطاکاروں کو بھی احسان و تقویٰ کے تمغے عطا فرمائے۔ **ساتواں فائدہ:** احد میں مسلمانوں کی تین جماعتیں ہو گئیں' ایک وہ جو شہید ہو گئی' دوسری وہ جو میدان میں ڈٹی رہی' تیسری وہ جن کے قدم اکھڑ گئے مگر ان تینوں جماعتوں کا اجر و ثواب ہمارے خیال و گمان و وہم سے وراء ہے' جیسا کہ **اجر عظیم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: یہ آیت کریمہ بدر صغریٰ میں شرکت کرنے والے صحابہ کے حق میں آئی نہ کہ غزوۂ حمراء الاسد میں شرکت کرنے والوں کے متعلق اور نہ غازیان اُحد کے متعلق' جیسا کہ تفسیر کبیر اور خازن میں ہے' لہٰذا اس سے احد میں بھاگ جانے والوں کے فضائل ثابت نہیں ہوتے۔ **جواب:** تفسیر کبیر اور خازن نے اس قول کو ضعیف کہا ہے' بدر صغریٰ والوں کیلئے اگلی آیت ہے' نیز بدر صغریٰ کے موقعہ پر احد کے زخم مندمل ہو چکے تھے' کیونکہ وہ احد سے ایک سال بعد ہوا' اور **من بعد** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ زخم لگتے ہی ہوا تھا' اور یہ غزوۂ حمراء الاسد میں ہی ہوا جو غزوۂ احد سے ایک دن بعد پیش آیا' اگر مان بھی لیا جائے' تب بھی تمہیں مفید نہیں' کیونکہ بدر صغریٰ میں بھی حضرت عثمان اور احد میں ہٹ جانے والے صحابہ شریک تھے' لہٰذا وہ ان درجات کے بہرحال مستحق ہوئے۔ **دوسرا اعتراض:** **احسنوا منہم** سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے غازیان احد نہ محسن تھے نہ متقی' اور نہ ان درجوں کے مستحق' کیونکہ من تبعیضیہ ہے۔ **جواب:** ہرگز نہیں بلکہ من تبیینیہ ہے' جیسا کہ تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ میں ہے' کیونکہ آیت کریمہ میں **استجابوا** کو اجر عظیم کا باعث قرار دیا گیا ہے' یعنی جن لوگوں نے زخمی ہونے کے باوجود اس وقت اللہ رسول کی فرمانبرداری کی ان کیلئے بڑا ثواب ہے اور یہ فرمانبرداری تو سارے ہی غازیان احد نے کی تھی' تو سب ہی محسن ہوئے' سب ہی متقی اور سب ہی اجر عظیم کے مستحق' خلاصہ یہ ہے کہ اس دن کی استجابت' احسان' تقویٰ' اور بڑے ثواب کی علت ہے' جب علت اور وجہ عام ہے' تو اسکے یہ تین نتیجے بھی عام ہوں گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو احد میں زخمی ہوئے' اور پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے پر آ گئے' انکے تو یہ درجے ہیں' اور جو زخمی ہی نہ ہوئے' انکے یہ مراتب بھی نہیں' تو اس درجہ کے مستحق نہ صدیق و فاروق ہیں نہ عثمان غنی' کیونکہ انہیں احد میں زخم نہیں پہنچے تھے! **جواب:** جی ہاں نہ حضرت علی' کیونکہ وہ بھی احد میں زخمی نہ ہوئے تھے' جناب جسم کے جرح یعنی زخم تو بعض کو لگے تھے' مگر دل کے قرح یعنی زخم سب کو ہی پہنچے تھے' جب یہ خبر اڑی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے' تو صحابہ کو کتنا دکھ پہنچا اور کتنا صدمہ ہوا' اسکا اندازہ بے درد کیا لگائیں' پھر حاصل شدہ فتح کا فوت ہو جانا' ہر ایک کے کسی نہ کسی عزیز کا شہید یا زخمی ہو جانا' یہ وہ زخم تھے جو سب کے دلوں پر لگے' لہٰذا یہ آیت سارے غازیان احد کو اپنے میں لئے ہوئے ہیں' اس دن تو مسلمان اپنی شہید شدہ اولاد پر غم کرنا بھول گئی تھیں' اس سے بڑا قرح اور کیا ہو گا؟

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ہمارے مشرب میں بھی زخمی جگر' بے قرار دل' مجروح نفس' جبکہ یہ زخم تلوار عشق سے ہوں' اور بیقراری فراق یار میں ہو بڑے درجہ والے ہیں' جو یہ زخم اور بے قراری لے کر اللہ رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو وہ بڑے ہی درجہ والا ہے' اس زخم اور بے قراری کو حاصل کرنے کیلئے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں اور بڑی مصیبتیں جھیلنا پڑتی ہیں' زخمی دل والے کا ایک سجدہ' بے قرار دل کی ایک آہ' مجروح نفس والے کی آنکھ کا ایک آنسو دوسروں کو صدہا عبادات سے افضل

www.alahazratnetwork.org

ہے یا تو خود زخمی اور بے قرار ہو' یا کسی بے قرار و مجروح کے ہو کر رہو' اس قسم کا ایک بے قرار ہزاروں کو قرار دے دیتا ہے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

چراغے زندہ می خواہی درشب زندہ داراں زن — کہ بے داری بخت از بخت بیداراں شود پیدا

اگر دنیا و آخرت میں چین چاہتے ہو تو کسی بے چین کی آستانہ بوسی کرو' اگر بخت بیدار چاہتے ہو تو کسی شب بیدار کے دامن میں چھپو' اگر ہزاروں زخموں سے شفا چاہتے ہو تو کسی زخمی دل والے کے آستانہ کی خاک کا مرہم لگاؤ' رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں ایسے ہی زخمی دل والوں کی تعریف فرمائی ہے کہ جو زخمی دل لے کر اللہ رسول کے بلانے پر حاضر ہوتے ہیں یہی محسن ہیں یہی متقی ہیں ان ہی کیلئے بڑا ثواب ہے۔

لوگ جو چاہیں خدا سے مانگ لیں — میں نہ کچھ مانگوں سوائے درد دل
کوچہ محبوب ہو کچکول ہو — چاک دلاں ہو گدائے درد دل
ہو چکی ہے انتہائے درد دل — لب تو سن لو ماجرائے درد دل

اَلَّذِیْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ

وہ لوگ کہ کہا ان سے لوگوں نے بیشک ان لوگوں نے اکٹھ کیا تمہارے لئے تو ڈر جاؤ ان سے پس بڑھا دیا

وہ جن سے لوگوں نے کہا کہ لوگوں نے تمہارے لئے جتھا جوڑا تو ان سے ڈرو تو ان کا

فَزَادَهُمْ اِیْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ

ان کے ایمان کو اور وہ بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور اچھا کارساز ہے تو لوٹے اللہ کی نعمت اور

ایمان اور زیادہ ہوا اور بولے اللہ ہم کو بس ہے اور کیا اچھا کارساز تو پلٹے اللہ کے

مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ یَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ

اس کے فضل کے ساتھ کہ نہ پہنچی انہیں کوئی تکلیف اور پیروی کی انہوں نے اللہ کی رضا کی اور اللہ

احسان اور فضل سے کہ انہیں کوئی برائی نہ پہنچی اور اللہ کی خوشی پر چلے اور اللہ

ذُوْ فَضْلٍ عَظِیْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّیْطٰنُ یُخَوِّفُ اَوْلِیَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ

بڑی مہربانی والا ہے اس کے سوا نہیں کہ یہ شیطان ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے پس نہ خوف

بڑے فضل والا ہے وہ تو شیطان ہی ہے کہ اپنے دوستوں کو دھمکاتا ہے تو ان سے

وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷۵﴾

کرو ان سے اور ڈرو مجھ سے اگر تم ایمان والے ہو

نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کا گزشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیان احد کی ایک بہادری کا ذکر تھا جو انہوں نے احد کے ایک دن بعد غزوۂ حمراء الاسد میں دکھائی' اب انہی کی دوسری دلیری کا ذکر ہے جو انہوں نے احد سے ایک سال بعد غزوۂ بدر صغریٰ کے موقعہ پر ظاہر کی' گویا پچھلی آیت بھی انہی بزرگوں کے مناقب کی تھی' اور یہ آیت بھی انہی کے فضائل کی ہے' مگر نوعیت منقبت میں فرق ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیان احد کا یہ استقلال بیان ہوا کہ وہ جہاد کے موقعہ پر اپنے زخم و تکلیف کی بھی پرواہ نہیں کرتے' اب ان کا دوسرا استقلال بیان ہو رہا ہے کہ وہ کسی کے ڈرانے دھمکانے پر کان نہیں دھرتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں محسنوں کیلئے بڑے ثواب کا وعدہ کیا گیا تھا' اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کو ثواب صرف آخرت میں ہی نہ ملے گا بلکہ دنیا میں بھی اللہ کا فضل ان کے شامل حال رہے گا' جس کی مثال کیلئے غزوۂ بدر صغریٰ کا واقعہ سامنے ہے۔

شان نزول: غزوۂ احد کے ختم ہونے پر جب ابو سفیان مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ لوٹنے' تو بولے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگلے سال مقام بدر صغریٰ میں ہمارے اور آپ کے دو دو ہاتھ پھر ہوں گے تیار رہنا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمر جواب دو کہ ہاں ضرور انشاء اللہ تعالیٰ' چنانچہ اگلے سال ۴ھ میں ابو سفیان ایک بھاری جماعت لے کر مکہ مکرمہ سے اس میدان کی طرف روانہ ہوئے' مگر جب مر الظہران یا منزل عسفان میں پہنچے' تو قدرتی طور پر ان سب کے دل میں مسلمانوں کی ایسی ہیبت چھائی کہ آگے بڑھنے کی ہمت نہ رہی' اتفاقاً" نعیم ابن مسعود ا بھی عمرہ کر کے واپس آتے ہیے ملے' ابھی تک نعیم ایمان نہ لائے تھے آپ غزوۂ خندق میں ایمان لائے ہیں' ابو سفیان نے پوچھا' نعیم کہاں جارہے ہو' بولے اپنے وطن' ابو سفیان نے پوچھا کیا مدینہ بھی جاؤ گے؟ نعیم بولے ہاں مدینہ سے گزروں گا' ابو سفیان نے کہا کہ ہمارا ایک کام کر دو تو ہم تمہیں دس اونٹ بطور انعام دیں گے' نعیم نے کہا وہ کیا؟ ابو سفیان بولے ہم نے گزشتہ سال محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بدر صغریٰ میں جنگ کا وعدہ کیا تھا' اور اسی ارادہ سے ہم آج نکلے تھے' مگر اب خیال یہ ہے کہ یہ وقت جنگ کیلئے مناسب نہیں' کیونکہ اس سال قحط ہے' جب بارشیں ہوں گی' اور ہمارے اونٹ خوب چر لیں گے' اور ہم دودھ پی لیں گے تو لڑ بھی لیں گے' لیکن اگر ہم تو لوٹ جائیں اور مسلمان وہاں پہنچ جائیں تو ہماری عزت خاک میں مل جائیگی' اور مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو جائیں گے' تم مدینہ میں مسلمانوں سے کہہ دو کہ ابو سفیان لشکر جرار لے کر تمہارے مقابلہ کیلئے بدر صغریٰ پہنچ گئے ہیں' تم ہرگز نہ جاؤ' ورنہ زندہ نہ لوٹو گے' غرض جس طرح ہو سکے مسلمانوں کو مدینہ سے نکلنے نہ دو' تاکہ میدان میں نہ وہ پہنچیں نہ ہم' مگر ہم اپنا نکلنا مشہور کر دیں' کہ ہم تو مکہ سے چل پڑے تھے' مگر جب پتہ لگا کہ مسلمان موقعہ پر نہیں پہنچے تو ہم نے بھی وہاں پہنچنا مناسب نہ سمجھا اور مر الظہران سے ہی لوٹ آئے' نعیم نے کہا' یہ کیا بڑی بات ہے' ابو سفیان مطمئن ہو کر مع سب جماعت کے لوٹ پڑے' لوٹتے ہوئے راستہ میں انہیں قبیلہ عبد القیس کا ایک قافلہ ملا' جو تجارت کی غرض سے مدینہ منورہ جارہا تھا' ابو سفیان نے ان سے بھی یہی کہلوایا' اور انہیں میلہ عکاظ میں چند اونٹ پیش کرنے کا وعدہ کیا' بہرحال نعیم مدینہ منورہ پہنچے' مسلمانوں کو جہاد کی تیاری کرتے پایا' تو ان میں سے ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ خفیتہً" ملے' اور بہت ہی خطرناک اور ہیبت ناک باتیں کر کے مسلمانوں کو ڈرایا کہ میں ایسی جماعت جرار مسلح دیکھ کر آیا ہوں' جو تمہاری چٹنی کر دیگی' جب وہ تمہیں تمہارے گھر میں آکر اتنا نقصان پہنچا گئے تو سمجھ لو اس موقعہ پر

www.alahazratnetwork.org

کیا کریں گے' مسلمانوں نے یہ خبر سن کر بے ساختہ کہا حسبنا اللہ ونعم الوکیل ان کے ساتھ سب ہیں ہمارے ساتھ رب تعالیٰ' حتیٰ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار پانچ سو کا لشکر جرار لے کر بدر صغریٰ پہنچ گئے' دیکھا تو میدان صاف تھا' بدر صغریٰ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے درمیان ایک پانی کا گھاٹ ہے جہاں قبیلہ بنی کنانہ آباد تھا جس کے پاس ہی عرب کا ایک سالانہ میلہ لگا کرتا تھا جو آٹھ دن رہتا تھا جس میں تمام قبائل جمع ہوتے تھے' اتفاقاً اس وقت یہ میلہ لگا ہوا تھا' مسلمانوں کے پاس جو کچھ نقدی یا مال تھا اس کی انہوں نے خوب تجارت کی جس سے انہیں بہت ہی نفع ملا اور میلہ میں تبلیغ بھی کی جس سے کئی قبیلے اسلام لے آئے' آٹھ دن کے بعد مسلمان وہاں سے شاداں و فرحاں دین و دنیا کی نعمتیں کما کر تجارتی نفع لے کر اور بہت سوں کو دولت ایمان دے کر لوٹے' ادھر ابو سفیان اور ان کی جماعت اس میلہ کی وجہ سے سارے عرب میں بدنام ہو گئی' حتیٰ کہ مکہ والوں نے ان کے اس لشکر کا نام جیش السویق رکھا یعنی ستو پینے والا لشکر' جو کھا پی کر لوٹ آیا' اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری جس میں اس سارے واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا (تفسیر صاوی' خازن' کبیر' روح المعانی' روح البیان' مدارک و بیضاوی وغیرہ)

تفسیر: **الذین قال لھم الناس'** **الذین یا المؤمنین** کا بدل ہے یا **الذین احسنوا** کا' ان دونوں صورتوں میں مجرور ہے یا مبتداء ہے' **فزادھم** اس کی خبر' **الذین** سے مراد سارے وہ صحابہ ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بدر صغریٰ میں گئے' **الناس** سے مراد نعیم ابن مسعود اشجعی ہیں' اگرچہ اکیلے ہی کہنے والے تھے' مگر چونکہ انکی اس خبر سے راضی سارے کفار و منافقین تھے' اس لئے **الناس** ارشاد ہوا جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہودیوں سے رب تعالیٰ نے فرمایا **واذ قتلتم نفسا** اور ہو سکتا ہے کہ ناس سے مراد منافقین مدینہ ہوں کہ انہوں نے بھی صحابہ کرام سے روانگی کے وقت خفیتہً کہا تھا کہ جب کفار جنگ احد میں یہاں آکر تمہیں مار گئے تو آج تمہارا کیا حال کریں گے' تم لوگ موت کے منہ میں جا رہے ہو' اور ممکن ہے کہ اس **الناس** سے مراد عبد القیس کا وہ قافلہ ہو جن کے ہاتھ ابو سفیان نے یہ پیغام بھیجا تھا مگر پہلی توجیہ قوی ہے (تفسیر کبیر و معانی) **ان الناس قد جمعوا لکم** اس **الناس** سے مراد ابو سفیان اور دیگر سرداران قریش ہیں معرفہ مکرر' کبھی پہلے معرفہ کا غیر بھی ہوتا ہے' جیسا کہ یہاں ہے کہ دونوں **الناس** معرفہ ہیں' مگر پہلے سے اور لوگ مراد ہیں دوسرے سے اور' **جمعوا' جمع** سے بنا اکٹھا کرنا' اکٹھا ہونا کیلئے اجتماع آتا ہے' اسی لئے یہاں مفعول پوشیدہ مانا گیا ہے **الجیوش یا العساکر فاخشوھم** : ف تعقیبہ ہے' خشیت' خوف' رہبت' اتقاء ان سب کے معنی ہیں ڈرنا مگر انکے استعمال کے موقع علیحدہ ہیں' خشیت اکثر اس ڈر کو کہتے ہیں جس کے ساتھ خشوع' خضوع' عجز' ترک مقابلہ پایا جائے' خوف اس سے عام ہے اسی لئے نعیم نے فاخشوا کہا یعنی کفار سے خوب ڈرو' ان کا مقابلہ نہ کرو' ان کے سامنے پست ہو جاؤ' مگر آگے رب تعالیٰ فرما رہا ہے **لا تخافوھم** ان سے بالکل کسی طرح نہ ڈرو **فزادھم ایمانا : زاد زیادت** سے بنا بمعنی بڑھنا یا بڑھانا' یہاں دوسرے معنی میں ہے اس کا فاعل یا تو پہلا **الناس** ہے یا ان کا کلام' **ھم** کا مرجع صحابہ کرام ہیں' زاد کا مفعول بمعنی ۲ اس کی تمیز ہیں' یا یوں کہو کہ اصل عبارت زاد ایمانھم تھی جسے اس طرح بیان فرمایا گیا اہتمام کیلئے ایمان کی زیادتی سے مراد کیفیت کی زیادتی ہے نہ کہ مقدار کی' کیونکہ ایمان مرکب چیز نہیں تاکہ مقدار میں گھٹے بڑھے' اگرچہ ایمان بڑھانے والا اللہ تعالیٰ ہے' مگر چونکہ نعیم کی یہ خبر صحابہ کرام کیلئے زیادتی ایمان کا باعث بنی اس لئے اسے اس قول کا فاعل قرار دیا گیا ہے' جیسے نوح علیہ السلام نے بارگاہ

www.alahazratnetwork.org

انہی میں عرض کیا تھا فلم یزدھم دعاءی الا فرارا یا جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے ما زادھم الا نفورا یعنی ابو نعیم کی اس خبر نے صحابہ کرام کا ایمان بڑھا دیا اس طرح کہ ان کے دل میں کفار کا خطرہ مطلقاً نہ پیدا ہوا اور رب تعالیٰ پر توکل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبروں پر اعتماد اور زیادہ بڑھ گیا اور یہ چیزیں واقعی کمال ایمان ہیں **وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل** خیال رہے کہ **فزادھم ایمانا** میں ان صحابہ کے دل کی حالت کا ذکر تھا اور **وقالوا** میں ان کے زبانی کلام کا بیان ہے چونکہ حال قال سے افضل ہوتا ہے نیز دل کا جوش اس کلام سے پہلے تھا اس لئے اولاً صحابہ کا کمال ایمان بیان کیا گیا پھر ان کا یہ کلام حسب کے معنی ہیں کفایت کافی ہونا یہاں بمعنی اسم فاعل ہے' حسبنا' اضافت مفعول کی طرف ہے اضافت لفظی اسی لئے یہ نکرہ کی صفت بھی آجاتا ہے اگرچہ معرفہ کی طرف مضاف ہو' کہا جاتا ہے **رجل حسبک** واؤ عاطفہ ہے اور نعم فعل مدح' وکیل وکل سے بنا بمعنی سپرد کرنا بروزن فعیل' بمعنی مفعول ہے یا بمعنی فاعل' کفیل' کافی' مختار عام' ذمہ دار سب کو وکیل کہا جاتا ہے (تفسیر کبیر) **نعم الوکیل** کو اگر جملہ خبریہ مانو تب تو بلا تکلف **حسبنا اللہ** پر معطوف ہو جاویگا اور اگر جملہ انشائیہ مانا جائے تب ان لوگوں کے مذہب پر دشواری ہوگی جو انشاء کا عطف خبر پر جائز نہیں مانتے' مگر چونکہ یہ دونوں جملے قالوا کا مفعول ہیں اور مفعول مفرد کے حکم میں ہوتا ہے' اس لئے ان کے ہاں بھی عطف جائز ہو گیا یعنی نعیم کی اس خبر سے صحابہ کا ایمان بڑھ گیا اور انہوں نے نہایت اطمینان سے بے ساختہ یہ کہا کہ کوئی پرواہ نہیں' ہمیں لشکر کفار سے کوئی ڈر نہیں' ہمارا رب تعالیٰ ہمیں کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے **فانقلبوا بنعمۃ من اللہ وفضل** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے **فخرجوا وبلغوا واقاموا فانقلبوا** یعنی وہ حضرات روانہ ہو گئے' میدان میں پہنچ گئے' وہاں ٹھہرے' پھر لوٹے' مگر خالی نہیں' بلکہ اللہ کی نعمت اور فضل لے کر نعمت اور فضل کے معنی بارہا بیان ہو چکے' یہاں نعمت سے مراد عافیت ہے' اور فضل سے مراد تجارتی نفع' یا نعمت سے مراد دنیوی نفعے ہیں اور فضل سے مراد اخروی اجر و ثواب' چونکہ انہیں یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے بطور عطیہ ملا تھا اس لئے من اللہ ارشاد ہوا یعنی یہ لوگ دین و دنیا کی نعمتوں سے اپنے دامن بھر کر لوٹے' رب تعالیٰ کو راضی کر آئے' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خوش کر آئے' تجارتی نفعے کما لائے دنیا کی نعمتیں لے آئے' لوگوں کو ایمان و عرفان دے آئے اس کے باوجود **لم یمسسھم سوء'** سوء سے مراد تکلیف ہے جو نفس پر گراں گزرتی ہے' ورنہ جہاد و شہادت اعلیٰ چیزیں ہیں نہ کہ برائی۔ سوء کی تنکیر میں تمام تکالیف کی طرف اشارہ ہے اور **لم یمسس** فرما کر یہ بتلایا گیا کہ کوئی تکلیف ان کے قریب بھی نہ آئی انہیں چھو بھی نہ گئی' اس طرح کہ جاتے آتے سفر آسانی سے کٹا اس میدان میں پہنچ کر ٹھہرنے کیلئے اچھی جگہ ملی' جنگ بالکل نہ ہوئی' کوئی ناگوار واقعہ پیش نہ آیا' اس کے ساتھ یہ بھی کمال ہے کہ **واتبعوا رضوان اللہ' اتبعوا' اتباع** سے بنا بمعنی پیچھے چلنا' **رضوان' رضاء** کا مصدر ہے' زیادتی حروف سے زیادتی معنی کا فائدہ حاصل ہوا **اتبعوا** کا متعلق پوشیدہ ہے **فی جمیع احوالھم** یعنی یہ حضرات مدینہ سے مدینہ تک جانے آنے' کھانے پینے' چلنے پھرنے' سونے جاگنے' تجارت کرنے' نفع کمانے غرضیکہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی رضاء کے تابع رہے کہ ان کے ہر حال' ہر کام سے رب تعالیٰ راضی ہو گیا کیونکہ **واللہ ذو فضل عظیم** اللہ تعالیٰ سب پر خصوصاً ان حضرات پر بڑے ہی فضل و کرم والا ہے کہ ادھر تو کفار کے دل میں رعب ڈال کر انہیں پیچھے لوٹا دیا' ادھر ان کے دلوں میں جرأت پیدا فرما کر میدان مقابلہ میں پہنچا دیا' پھر ان حضرات کو تجارتی و اخروی ثواب سے مالا مال کر دیا'

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے کہ فضل کی تنوین تعظیم کی ہے بعد میں اس کی صفت عظیم ارشاد ہوئی، جس سے رب تعالیٰ کا بڑا ہی فضل و احسان معلوم ہوا **انما ذلکم الشیطٰن** ذلکم سے اشارہ نعیم کی طرف ہے یا قبیلہ عبدالقیس کی جانب یا کفار مکہ کی طرف "کم" میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ شیطان سے مراد یا ابلیس ہی ہے یا شیطانی لوگ یعنی یہ ڈرانے والے کفار یا کہلا کر بھیجنے والے سرداران قریش انسانی شیطان ہیں یا یہ سب کام ابلیس کا ہے، جو اس نے ان سے کرایا خیال رہے کہ ان لوگوں کو شیطان کہنا اس وقت کے لحاظ سے ہے جب وہ کافر بھی تھے اور ظالم بھی، مگر بعد میں نعیم اور بہت سے سرداران قریش ایمان لے آئے، خطاب موقعہ اور حالات کے لحاظ سے ہوتے ہیں **یخوف اولیاءہ** یخوف تخویف سے بنا، معنی ڈرانا، یہ دو مفعول چاہتا ہے، اولیاء یا اس کا مفعول اول ہے یا دوم یعنی ڈراتا ہے اپنے دوستوں کو یا ڈراتا ہے تم کو اپنے دوستوں سے کہ منافقین کو کفار مکہ سے ڈراتا ہے یا تمہیں ان سے ڈرانے کی کوشش کرتا ہے **فلا تخافوهم وخافون ان کنتم مؤمنین** ظاہر یہ ہے کہ یہ سارے خطابات انہیں صحابہ سے ہیں، جو بدر صغریٰ میں تشریف لے گئے۔ اس قسم کے الفاظ بھڑکانے اور شوق دلانے کیلئے فرمائے جاتے ہیں، اس کا مقصد یہ نہیں کہ ان حضرات کے ایمان میں کوئی شک تھا یا انکے دل میں خوف خدا نہ تھا، ان کی تو رب تعالیٰ تعریفیں فرما رہا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے بغیر تشبیہ مہربان باپ اپنے سعادتمند بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو اسی طرح سعادتمند رہنا، رب تعالیٰ فرماتا ہے **یایھا النبی اتق اللہ** (اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو) یعنی اے جماعت صحابہ اگر تم سچے پکے مسلمان ہو، تو مجھ سے ہی ڈرنا ان ڈرانے دھمکانے والوں سے کبھی مطلقاً خوف نہ کرنا، میں تمہارے واسطے کافی وافی ہوں۔

خلاصہ ء تفسیر: یہ صحابہ کرام ایسے شاندار مومن ہیں، اور ایسی آن والے متوکل ہیں، کہ ان سے کفار مکہ کے ایجنٹوں نے کہا، تم بدر صغریٰ میں مار لوگے، جہاد ہرگز نہ جاؤ، کیونکہ انہوں نے تمہارے مقابلہ کیلئے بہت ساز و سامان والے بیشمار لشکر جمع کر رکھے ہیں، تمہارا وہاں جانا گویا موت کے منہ میں جانا ہے، ان سے ڈرو اور خوف کرو، مفت کیوں جانیں گنواتے ہو، تو اس کلام کو سن کر ان مقبولوں کے دلوں میں بجائے خوف و ڈر پیدا ہونے کے اور زیادہ کمال ایمان پیدا ہو گیا، ان کا ایمان و توکل بڑھ گیا ہے، بے ساختہ بول اٹھے کہ کوئی مضائقہ نہیں، ہمیں کفار کی یلغار سے کوئی ڈر نہیں، ان کے مقابلہ میں ہمیں اللہ کافی و وافی ہے، ہمارا تو وہی کارساز ہے، جس کا کارساز ایسا شاندار ہو اسے کیا پرواہ، چنانچہ وہ حضرات بے دھڑک روانہ ہو گئے، وہاں پہنچے تو میدان خالی پایا، مزے سے وہاں رہے، بدر صغریٰ کے پاس ہی میلہ میں تجارتیں کیں، خوب کمائی کی اور لوٹے تو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی نعمت یعنی تجارتی نفعے اور اللہ تعالیٰ کے فضل یعنی اخروی ثواب سے ان کے دامن بھرے ہوئے تھے، انہیں اس سارے سفر میں تکلیف پہنچنا تو کیا معنی کسی معمولی خراش نے چھوا بھی نہیں، اور مزید مہربانی یہ ہوئی کہ یہ حضرات نفس سفر کے سارے حالات میں رضائے الٰہی کے تابع رہے، کہ ان کے ہر حال ہر جنبش سے رب تعالیٰ راضی ہوا، اللہ تعالیٰ بڑے ہی فضل و کرم والا ہے، اے جماعت صحابہ کی مقبول جماعت! یہ شیطان ہے جو تمہیں اپنے دوستوں سے ڈراتا ہے یا مدینہ منورہ میں خود شیطان کے دوست یعنی منافقین ہیں انہیں ڈراتا ہے، تم ان سے کیوں ڈرو، خیال رکھنا کہ ان شیاطین اور ان کے دوستوں سے کبھی نہ ڈرنا، ہمیشہ مجھ سے ہی ڈرنا، اگر تم سچے مسلمان ہو تو اس نصیحت پر کاربند رہنا، ایمان کا تقاضا ہے کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہو، غیروں کا

www.alahazratnetwork.org

خوف نہ ہو۔

نوٹ: بخاری نے باب الاسماء والصفات میں حضرت عبداللہ ابن عباس اور عبدالرزاق وغیرہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ جب ابراہیم علیہ السلام نمرود کی آگ میں گئے تو آپ پڑھ رہے تھے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**: ابن مردویہ نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب تم کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو تو پڑھا کرو **حسبنا اللہ ونعم الوکیل**: ابن ابی الدنیا نے حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بہت غم ہوتا تو اپنے سر مبارک اور داڑھی شریف پر ہاتھ پھیرتے اور لمبی سانس لے کر فرماتے **حسبی اللہ ونعم الوکیل**: ابو نعیم نے شداد ابن اوس سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر خوف زدہ کی امان ہے **حسبی اللہ ونعم الوکیل** (تفسیر روح المعانی)۔

عمل: صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو کسی بڑی مصیبت میں گرفتار ہو' وہ چار سو پچاس بار پڑھے **حسبنا اللہ ونعم الوکیل** اللہ تعالیٰ اسے نجات دیگا۔ (تفسیر صاوی) بعض لوگ روزانہ اتنی بار پڑھتے ہیں مگر حق یہ ہے کہ ایک بار پڑھنا بھی انشاء اللہ کافی ہوگا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** مصیبت کے موقعہ پر ذکر اللہ کرنا اس مصیبت کے دفعیہ کا ذریعہ ہے' ذکر سے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی نیت کرے' مصیبت خود دفع ہو جائے گی' دوا کیلئے کھیت کرو انشاء اللہ بھوسا بھی مل جائے گا' یہ ذکر سنت انبیاء اور سنت صحابہ ہے' جیسا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت کی خبر سن کر گھبرا نہ جانا بلکہ ہمت کی باتیں کرنا رب تعالیٰ کو محبوب ہے' اور اس کے مقبول بندوں کا عمل' بعض لوگ آفات و مصیبت میں اور خطرے پیش آنے پر ختم خواجگان' ختم غوثیہ' ختم آیت کریمہ' میلاد شریف کرتے ہیں' اس کی اصل یہ آیت بن سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دنیاوی مصیبتیں دو آتیں مسلمان کیلئے ترقی ایمان کا ذریعہ ہیں جیسا کہ **فزادھم ایمانا** سے معلوم ہوا لہٰذا یہ بھی اللہ کی نعمتیں ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** دینی سفر میں دنیاوی کاروبار تجارت وغیرہ کرنا ممنوع نہیں' دیکھو صحابہ کرام نے سفر جہاد میں تجارات کیں' ان سے نفع کمایا' رب تعالیٰ نے اسے نعمت فرمایا' لہٰذا غازی اگر جہاد میں تنخواہ لے یا حاجی سفر حج میں تجارت یا مزدوری بھی کرے تو کوئی حرج نہیں' اس سے جہاد یا حج برباد نہیں ہوتا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم** تم پر اس میں گناہ نہیں کہ تم حج میں رب تعالیٰ کا فضل بھی کمایا کرو' یہ آیت اس موجودہ آیت کی شرح ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جہاد میں قتل نہ ہونا اور مسلمانوں کا تکلیف سے محفوظ رہنا بھی اللہ کی رحمت ہے' اس سے مومن کا ثواب کم نہیں ہوتا' دیکھو یہاں اسے اللہ تعالیٰ کا فضل فرمایا گیا' اس موقعہ پر خواہ مخواہ جنگ کی کوشش ہی نہ کرنا چاہیے اگر بغیر جنگ مسلمانوں کا مقصد پورا ہو جائے' تو بہت اچھا' ان سے ثواب میں کمی نہیں آتی۔ **چھٹا فائدہ:** مجاہد کا سفر جہاد میں ہر کام رضائے الٰہی کا باعث ہے' کھانا پینا' سونا جاگنا' چلنا پھرنا عبادت' جیسا کہ **واتبعوا رضوان اللہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جو انسان شیطانی کام کرے وہ شیطان ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے نعیم ابن مسعود ثقفی کو یہاں شیطان فرمایا کہ اس نے مسلمانوں کو ورغلانے کی' انہیں جہاد سے روکنے کی کوشش کی' یہ دونوں کام شیطانی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** ایمان میں زیادتی

www.alahazratnetwork.org

کمی ہوتی رہتی ہے' متقی و فاسق کا ایمان یکساں نہیں' ہمارے اور صحابہ کرام کے ایمان میں فرق ہے' مگر یہ زیادتی کیفیت ایمان میں ہے نہ کہ مقدار یا ماہیت ایمان میں' ماہیت ایمان میں سب مسلمان برابر ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ہوں مسلماں گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو ماہیت پانی کی یم سے نم میں ہرگز کم نہیں!

یعنی قطرہ و دریا ماہیت پانی میں برابر ہیں۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سے کبھی مایوس نہ ہونا اگرچہ حالات کیسے ہی ناموافق ہوں اس کے کرم سے آس رکھنا کمال ایمانی کی دلیل ہے' جیساکہ **وقالوا** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: کفار و منافقین شیطان کے دوست ہیں رحمان کے دشمن' اور مومن' خصوصاً تعالیٰ رحمان کے دوست ہیں شیطان کے دشمن' جیساکہ **اولیاء** سے پتہ لگا۔

پہلا اعتراض: اصول کا قاعدہ ہے کہ جب معرفہ کے بعد معرفہ آئے تو دوسرے معرفہ سے مراد پہلے معرفہ کا عین ہوتا ہے' اور اگر نکرہ کے بعد نکرہ آئے تو دوسرے نکرہ سے پہلے کا غیر مراد ہوتا ہے تو چاہیے کہ یہاں دوسرے الناس سے پہلے الناس کا عین مراد ہو' حالانکہ پہلے الناس سے مراد تو نعیم ثقفی ہے' اور دوسرے الناس سے مراد کفار مکہ' وہ قاعدہ غلط ہے یا یہ آیت صحیح نہیں؟ جواب: علم اصول کا یہ قاعدہ ہے تو صحیح مگر کلیہ نہیں' بلکہ اکثریہ ہے' کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **فی السماء الہ وفی الارض الہ** دیکھو دونوں جگہ الہ نکرہ ہے' مگر زمین و آسمان کا معبود ایک ہی ہے' لہٰذا آیت بھی درست ہے' قاعدہ اکثریہ بھی درست۔ دوسرا اعتراض: علم کلام کا مسئلہ ہے کہ ایمان میں زیادتی کمی نہیں' وہ تو ایک بسیط چیز ہے' مگر قرآنی آیت یہاں فرما رہی ہے کہ ایمان زیادہ ہوتا ہے تو لامحالہ کم بھی ہونا چاہیے کہ زیادتی بغیر کمی کے ناممکن ہے وہ قاعدہ اس آیت کے خلاف ہے؟ جواب: علم کلام میں مقدار کی زیادتی کمی کی نفی ہے' یہاں اسی آیت میں کیفیت کی زیادتی و کمی کا ذکر ہے' یہ مطلب نہیں کہ حضرات صحابہ اس سے پہلے آدھے یا پونے مومن تھے آج پورے مومن ہوئے' یا اب تک پورے مومن تھے آج سوائے' ڈیوڑھے مومن بنے' بلکہ مطلب یہ ہے کہ اب تک کامل مومن تھے آج کامل تر یعنی اکمل مومن بنے' لہٰذا آیت بھی درست ہے اور علم کلام کا مسئلہ بھی صحیح۔ تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے قتال و جنگ کو سوء کیوں فرمایا سوء تو بری چیز کو کہتے ہیں' اور جہاد اچھی چیز ہے۔ جس سے لوگ غازی یا شہید بنتے ہیں! جواب: سوء سے مراد یہاں تکلیف دہ چیز ہے' اور ظاہر ہے کہ جنگ و قتال میں تکلیف تو ہوتی ہے' یہ تکلیف ہی باعث ثواب ہے' سوء سے مراد شر یعنی خیر کا مقابل نہیں۔ چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے نعیم یا کفار قریش کو شیطان کیوں فرمایا؟ بعد میں نعیم بھی ایمان لے آئے' اور ان کفار قریش میں سے بہت سے لوگ بھی' رب تعالیٰ **علام الغیوب** ہے اسے خبر تھی کہ یہ بہت سے آخر کار مومن بننے والے ہیں۔ جواب: یہاں شیطان سے مراد شیطانی کام کرنے والے ہیں' نہ کہ آئندہ شیطان رہنے والے بھی' واقعی اس وقت نعیم اور یہ سرداران کفر شیطانی کام کر رہے تھے' جھوٹ' فریب' دھوکا دہی' مسلمانوں کو جہاد سے روکنے کی کوشش' وغیرہ اس وقت کے لحاظ سے انہیں شیطان کہا گیا' جب وہ مسلمان ہو گئے تو ان کے خطاب بھی بدل گئے' کام بدلے' نام بدلا' وہ تو اس وقت کافر تھے' اب اگر کوئی مسلمان بھی برا کام کرنے لگے تو اسے شیطان کہہ دیتے ہیں کہ فلاں آدمی بڑا شیطان ہے' پھر جب توبہ کرکے اپنے حال کو درست کرلے تو اسی کو اچھے خطابات سے یاد کرتے ہیں' رب تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی لغزش کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا **وعصی ادم ربہ فغوی** حضرت یونس علیہ اسلام نے اپنے متعلق فرمایا **انی کنت من الظلمین**:

www.alahazratnetwork.org

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے لئے فرمایا **وانا من الضالین** : اس ظالم و ضال کے جو معنی بھی کئے جائیں اس خاص وقت کے لحاظ سے ہیں' بعد میں جو انہیں ایسا کہے 'وہ بے ادب گستاخ ہے' اب نعیم یا ایمان لے آنیوالے سرداران قریش کو جو ان الفاظ سے یاد کرے 'وہ بے دین ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین شیطان کے دوست ہیں' رب تعالیٰ نے فرمایا **یخوف اولیاء** شیطان مسلمانوں کو اپنے دوستوں یعنی کفار قریش سے ڈراتا ہے یا اپنے منافقوں کو ڈراتا ہے' مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الشیطن للانسان عدو مبین** : شیطان ہر انسان کا کھلا دشمن ہے' انسان خواہ مومن ہو' یا کافر شیطان اس کا دشمن ہے ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں اگر شیطان سے مراد نعیم وغیرہ ہیں تو تب تو کوئی سوال ہی نہیں کہ نعیم اس وقت کفار مکہ کا بھی دوست تھا اور منافقین کا بھی' اور اگر شیطان سے مراد ابلیس ہو تو یہاں ظاہری دوستی کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں حقیقی دشمنی کا تذکرہ' یعنی شیطان بظاہر کفار کا بہت دوست ہے' مگر درحقیقت ان کا بھی سخت دشمن ہے' دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **والذین کفروا اولیئھم الطاغوت** : کفار کے دوست شیاطین ہیں' اس آیت میں بھی اسی ظاہری دوستی کا ذکر ہے جو شیطان کفار سے ظاہر کرتا ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک ہے' رب تعالیٰ نے فرمایا **ان کنتم مومنین** : ان شک کیلئے آتا ہے' پھر تم نے ان حضرات کے ایمان' تقویٰ پر یقین کیسے کر لیا۔ جواب: آپ نے آدھا اعتراض کیا' پورا اعتراض یہ کرو کہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک ہے' اس میں خدا تعالیٰ کو شک ہے اسے بھی خبر نہیں کہ صحابہ سچے مومن ہیں یا نہیں' کیونکہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا ان' جناب ایسے الفاظ جوش دلانے کیلئے کہے جاتے ہیں' ہم اپنے بیٹے سے کہتے ہیں اگر تو میرا بیٹا ہے تو یہ کام کرلے' یہاں بھی جوش دلانا مقصود ہے' نیز وہ حضرات نعیم کے قول سے بالکل نہیں ڈرے تھے بلکہ انکے جوش توکل وغیرہ میں اور بھی زیادتی ہو گئی تھی' جس کی خود رب تعالیٰ نے گواہی دی' اب اس جملہ کا منشاء یہ ہے کہ آئندہ بھی کفار سے نہ ڈرنا' صرف مجھ سے ہی ڈرا کرنا اگر پکے مسلمان ہو۔ ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو مسلمان کفار سے ڈر جائے وہ مومن نہیں' حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خوف کیا آج بھی عام مسلمان ہزارہا موقعہ پر کفار سے خوف کرتے ہیں' خود صحابہ کرام بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو خندق کے موقعہ پر کفار سے خوف ہوا' اسی خوف کی وجہ سے مدینہ کے اردگرد خندق کھدوائی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وبلغت القلوب الحناجر** : خوف سے دل گھانٹیوں (گلے) میں آگئے تھے تو کیا وہ حضرات مومن نہ تھے؟ جواب: جو شخص کفار کے خوف کی وجہ سے نیک اعمال اختیار نہ کرے وہ مومن کامل نہیں' یہ معنی یہاں ہیں' وہ حضرات خوف کفار کی وجہ سے کسی نیکی سے باز نہ رہے' خوف بمعنی اندیشہ تو کفار سے ہوتا ہے' اسی اندیشہ کی وجہ سے جہاد' احتیاط اختیار کئے جاتے ہیں' یہ اندیشہ تو باعث ثواب ہے کہ اس پر بہت سے نیک اعمال مبنی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں' ایسے ہی ایک دل میں دو حقیقی خوف نہیں رہ سکتے' اللہ کا خوف اور مخلوق کا خوف' جس دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف سما گیا وہاں دوسرے کے خوف کی جگہ نہ رہی؟ پھر اللہ کا خوف تین قسم کا ہے' اللہ کے عذاب کا خوف' یہ اخص الخواص کا خوف ہے' انہی تین قسموں کی طرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دعاء میں اشارہ فرمایا کہ عرض کیا **اعوذ بعفوک من عقابک** : خدایا تیرے عذاب سے تیرے عفو و کرم کی پناہ۔ یہ پہلا خوف ہوا' **اعوذ برضاک من سخطک** خدایا تیری ناراضی سے تیری رضا کی پناہ' یہ دوسرا خوف ہوا **واعوذبک منک** : خدایا تجھ

www.alahazratnetwork.org

سے تیری پناہ' یہ تیسرا خوف ہوا۔ نجم الدین کبریٰ فرماتے ہیں کہ مقام خلت یہ ہے کہ بندہ اپنے نفس اور تمام کائنات پر چار تکبیریں (نماز جنازہ) پڑھ دے اور کہے مجھے رب کافی و وافی ہے' حافظ صاحب فرماتے ہیں۔۔

من ہماں دم کہ وضو ساختم از چشمہ عشق　　　چار تکبیر زدم یکسو برہرچہ کی ہست!

حکایت: کسی نے حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا' پوچھا قبر میں منکر نکیر کے ساتھ کیا گزری' فرمایا کہ مجھ سے جب انہوں نے پوچھا من ربک تیرا رب کون ہے' میں نے کہا رب سے پوچھو' اگر وہ مجھے اپنا بندہ کہے' تو مجھے کافی و وافی ہے' ورنہ میں ہزار بار اسے اپنا رب کہے جاؤں بے کار ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اپنی ذات اپنی عبادات بلکہ تمام ماسویٰ کو کچھ سمجھنا بھی کفر کا زنار ہے۔

حکایت: حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے آخر وقت میں محراب مسجد میں داخل ہوئے' بولے مولیٰ' نہ میرے پاس نمازیں ہیں' نہ روزے' نہ کوئی اور نیکی' صرف یہ عرض کرتا ہوں کہ میں نے اپنی عمر برباد کر دی' گناہوں میں صرف کر دی' خدایا' میں یہ تمام زناریں توڑ کر دروازہ پر حاضر ہوں' حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنے شیخ کا ایک واقعہ یوں نقل فرمایا۔۔

شبے دانم از ہول دوزخ نہ خفت!　　　بگوش آمدم صبح گاہے کہ گفت
چہ بودے کہ دوزخ زمن پر شدے　　　مگر دیگراں را رہائی بدے

یعنی مجھے یاد ہے کہ میرے شیخ ایک رات دوزخ کے خوف سے بالکل نہ سوئے' صبح کے وقت میں نے انہیں کہتے سنا کہ کاش میرا جسم اتنا بڑا ہو جاتا کہ ساری دوزخ مجھ سے ہی بھر جاتی' تاکہ دوسروں کو وہاں سے رہائی مل جاتی' مومن کو چاہئے کہ اپنے اور اپنے نیک اعمال کو معدوم سمجھے' اپنے گناہوں کو پہاڑ تصور کرے' حق کے معاملہ میں کسی سے خوف نہ کرے' کسی عارف نے کیا خوب فرمایا۔۔

میں تھا بھی کہاں' اور ہوں بھی کہاں' ہستی ہے مری اک وہم و گماں
جب آئے یقین' مٹ جائے گماں' بس تو ہی رہے' اور میں نے نہ رہوں!

صحابہ کرام کا یہ واقعہ جو رب تعالیٰ نے یہاں نقل فرمایا' ان کے انتہائی توکل' فناء' رضاء بالقضاء دنیا سے بے خوفی رب پر انتہائی بھروسہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر انتہائی اعتماد اپنے کو موت کیلئے پیش کرنا وغیرہ صفات حمیدہ بتا رہا ہے' جو قوم رب تعالیٰ اور اس کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس طرح جان فدا کر دے اسے رب تعالیٰ کیوں نہ اپنے کرم سے نوازے' خدا تعالیٰ ان اچھوں کے صدقے ہم بروں پر بھی رحم فرما دے آمین۔ (از روح البیان)۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ

اور نہ غمگین کریں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں۔ بیشک وہ ہرگز نہ نقصان دینگے اللہ کو

اور اے محبوب ان کا کچھ غم نہ کرو جو کفر پر دوڑتے ہیں　　وہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے

www.alahazratnetwork.org

يُرِيدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ

کچھ بھی ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ نہ بنائے ان کے لئے کوئی حصہ آخرت میں اور واسطے انکے بڑا عذاب ہے

اور اللہ چاہتا ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ان مقبولوں کا ذکر تھا جنہیں خوف' مصیبت کسی کا ڈرانا دھمکانا راہ حق سے نہیں پھیر سکتا' اب ان مردودوں کا تذکرہ ہے جو معمولی بات پر پھسل جاتے ہیں' تاکہ مسلمان کوشش کریں کہ مقبولوں کی جماعت سے ہوں مردودوں سے نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ بعض انسان شیطان کے دوست ہیں جنہیں شیطان ڈراتا دھمکاتا رہتا ہے' اب انہیں شیطانوں کے دوستوں کو معین کرکے بتایا جا رہا ہے' تاکہ ہر شخص اولیاء اللہ اور اولیائے شیطان میں فرق کرے گویا پہلی آیت میں اجمال تھا اس آیت میں تفصیل۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا کہ مدینہ میں بعض اولیائے شیطان بھی رہتے ہیں' اب ارشاد ہے کہ مسلمانو! تم کو ان سے کوئی نقصان نہ پہنچ سکے گا تم اللہ کی امان میں ہو گویا پچھلی آیت میں مضر چیز کا ذکر تھا اس آیت میں اس سے حفاظت کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اولیائے شیطان کا ذکر تھا' اب ان کی سزا کا تذکرہ ہے کہ وہ آخرت کی نعمتوں سے محروم بھی ہیں اور وہاں سخت سزا کے مستحق بھی۔

شان نزول: تفسیر کبیر نے اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند قول نقل فرمائے' ایک یہ کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی' جو وقتاً فوقتاً مسلمانوں کو پریشان کرتے رہتے تھے' جس میں بتایا' تاکہ صرف پریشان ہی کر رہے ہیں انشاء اللہ تمہارا بگاڑ کچھ نہ کر سکیں گے' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے سے مراد ان کاموں میں جلدی کرنا ہے جو کفر ہیں یعنی مسلمانوں کے مقابل لشکر وغیرہ جمع کرتے رہنا' دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ منافقین مدینہ کے متعلق نازل ہوئی' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے سے مراد مسلمانوں کو کفار مکہ سے ڈرانا ہے اور ان کے دلوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے طرح طرح کے شک ڈالنا کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو احد میں فتح کیوں نہ پاتے' تیسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ ان کفار کے متعلق نازل ہوئی جو پہلے اسلام لائے تھے' پھر مشرکین عرب کے خوف سے مرتد ہو گئے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے ارتداد سے بہت صدمہ ہوا' وہ صدمہ دفع کرنے کیلئے یہ آیت کریمہ اتری' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے کے معنی بالکل ظاہر ہیں' چوتھے یہ کہ رؤسائے یہود کے متعلق نازل ہوئی جیسے کعب ابن اشرف وغیرہ نے توراۃ کی نعتیہ آیتوں کو بدل کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا' اور مسلمانوں کو بھی اسلام چھوڑ دینے کی رغبت دی' اس صورت میں کفر میں جلدی کرنے سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا چھپانا ہے مگر تیسری وجہ زیادہ ظاہر ہے کہ یہ آیت مرتدین کے بارے میں آئی کیونکہ کفر میں جلدی کرنے کے معنی اس صورت میں بالکل واضح ہیں' امام قفال فرماتے ہیں کہ یہ سارے ہی واقعات آیت کا شان نزول بن سکتے ہیں ان میں کوئی تعارض نہیں (تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن وغیرہ)۔

تفسیر: ولا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر : ہماری قراءت میں لا یحزنک ی کے زبر' ز کے پیش اور ن

www.alahazratnetwork.org

کے جزم سے ہے باب نصر کا نفی مضارع مگر نافع کی قرات میں سارے قرآن شریف میں **یحزن** ی کے پیش اور ز کے کسرہ سے ہے سوا اس آیت کریمہ کے **لا یحزنھم الفزع الاکبر** : خلاصہ یہ کہ اس ایک آیت میں تو یہ باب نصر سے ہے' باقی میں باب افعال سے 'ہماری قرآت میں نون کے جزم سے ہے بعض قراتوں میں نون کے پیش سے ہے 'حزن کے معنی ہیں غمگین ہونا بھی اور غمگین کرنا بھی' پہلے معنی میں لازم ہے دوسرے میں متعدی' یہاں دوسرے معنی میں ہے 'نیز یہ باب **سمع یسمع** سے بھی آتا ہے اور **نصر ینصر** سے بھی' یہاں نصر سے ہے 'اور سورہ یونس میں سمع سے 'کہ ارشاد ہوا **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** جیسے مت بھی قرآن شریف میں آیا ہے م کے کسرہ سے اور مت بھی م کے پیش سے **نصر** سے بھی ہے اور **ضرب** سے بھی' ک میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے 'کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ان کی حرکت سے سخت رنج و غم ہوتا تھا' **الذین** سے مراد منافقین یا مرتدین یا یہود یا کفار مکہ ہیں 'جیساکہ شان نزول میں عرض کیا گیا' **یسارعون مسارعت** سے بنا جس کا مادہ سرعت ہے بمعنی جلدی یہاں مفاعلت مقابلہ کیلئے نہیں بلکہ مبالغہ کیلئے ہے 'جلدی کرنے کو بھی سرعت کہا جاتا ہے اور جلدی فارغ ہونے کو بھی' جیسے **ان اللہ سریع الحساب** اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی عنقریب حساب لے گا' کفر کے معانی ابھی شان نزول میں عرض کیے گئے یعنی اے محبوب وہ لوگ آپ کو غمگین نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں کہ ذرا سی بات پر اسلام چھوڑ دیتے ہیں یا آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں 'اگرچہ یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ آپ غم نہ کریں 'مگر یہ طریقہ بیان بہت پیارا اور دلکش ہے کہ لوگ آپ کو غمگین کرنا چاہتے ہیں مگر ہم آپ کا غم غلط فرماتے ہیں کہ آپ ہمارے محبوب جو ہوئے 'کیونکہ **انھم لن یضروا اللہ شیئا** : یہ جملہ پہلے جملہ کی علت اور وجہ ہے 'اللہ کو نقصان نہ دینے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام یا سارے مومنوں کو نقصان نہ دے سکنا ہے' تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن' بیضاوی' جلالین وغیرہ تمام مفسرین اس پر متفق ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا اور اپنے مومنین یا محبوب مراد لیے کہ ان حضرات کو نقصان پہنچانا در پردہ رب تعالیٰ کو نقصان پہنچانا ہے کہ انہیں وہ ہی سزا ملے گی جو اگر کوئی اللہ کو نقصان پہنچاتا تو اسے ملتی' قرآن کریم میں بہت جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا اور اپنے محبوب کا ارادہ کیا' ان میں سے یہ مقام بھی ہے' **شیئا** نکرہ فرما کر تمام قسم کے نقصانات کی نفی فرما دی یعنی یہ لوگ اپنی ان حرکتوں سے آپ کو' اسلام کو' آپ کے خدام کو بھی کچھ بھی نقصان نہ دے سکیں گے' وہ رب کو یا آپ کی چیزوں کو نقصان دیتے' حقیقت یہ ہے کہ **یرید اللہ الا یجعل لھم حظا فی الاخرۃ** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کے کفر کی اصل وجہ بیان فرمائی گئی' **یجعل جعل** سے بنا بمعنی پیدا کرنا اور بنانا' پہلی صورت میں ایک مفعول چاہتا ہے' دوسری صورت میں دو مفعول یہاں دوسرے معنی میں ہے **حظا** کے معنی ہیں حصہ' نصیبہ' اس کی تنوین تحقیر کے لئے ہے **اخرۃ** سے مراد دنیاوی زندگی کے بعد والا عالم ہے' برزخ' قیامت اور مابعد قیامت لینے ارادہ الٰہی ان کے متعلق یہ ہے کہ انہیں قبر میں' حشر میں اور بعد میں اللہ کی رحمت سے کوئی حصہ نہ ملے 'کیونکہ حصہ کا استحقاق ایمان سے ہوتا ہے جب ان کے پاس ایمان ہی نہیں تو ان کا حصہ کیسا؟ صرف محرومی پر ہی بس نہیں بلکہ **ولھم عذاب عظیم** : **عذاب** کے معانی بارہا بیان ہو چکے' نیز عتاب' عذاب اور عقاب میں فرق بھی بیان کیا جا چکا ہے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ عذاب کی تنوین تعظیمی ہے جس کے معنی ہوئے بڑا عذاب' پھر اس کی صفت بھی عظیم آئی' جس سے عذاب کی بڑائی میں اور اضافہ ہو گیا تو معنی یہ ہوئے 'کہ انہیں اتنا بڑا عذاب ہو گا جو کسی کے خیال' قیاس' گمان و وہم میں نہ آ سکے' رب تعالیٰ نے ساری دنیا اور سامان

www.alahazratnetwork.org

دنیا کو حقیر و قلیل فرمایا' اب جس عذاب کو وہ **عذاب عظیم** فرمائے' تو اندازہ لگاؤ کہ وہ عذاب کیسا اور کتنا ہوگا' بیان میں نہیں آ سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کی وجہ سے بالکل غم نہ کریں جو کفر میں جلدی کرتے ہیں' اور کفر کی طرف دوڑے چلے جاتے ہیں' کہ ذرا سی بات پر اسلام چھوڑ کر مرتد ہو جاتے ہیں یا کلمہ پڑھتے ہوئے اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں یا اسلام کے مقابلہ میں صف آرائیاں کر کے اپنے کفر میں اور اضافہ کرتے ہیں' ہم آپ سے وعدہ کرتے ہیں کہ سارے مرتدین' منافقین' مشرکین اور ہر قسم کے کفار مل کر ایڑی چوٹی کا زور لگالیں' آپ کو' آپ کے اسلام کو' آپ کے صحابہ کو' آپ کے خدام کو ذرہ بھر نقصان نہ پہنچا سکیں گے' رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمادیا' چنانچہ زمانہ ء نبوی میں غزوہ خندق کے موقعہ پر ان سب نے گٹھ جوڑ کیا' مگر اسلام کے مقابلہ میں منہ کی کھائی اور عہد فاروقی میں عرب و عجم کے کفار اسلام کے مٹانے پر متفق ہو گئے' مگر سب ناکام رہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند ترقی میں رہا' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کے تمام کفریات کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ دنیا میں جانوروں کی طرح یہ کچھ کھا پی لیں' عیش و آرام کر لیں' آخرت میں اللہ کی رحمت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو' قبر و حشر ہر جگہ محروم ہی رہیں' اس محرومی پر ہی بس نہیں بلکہ ان کیلئے عظیم ترین عذاب ہو جو کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکے' یہ مسلمانوں کو پھانسنا چاہتے ہیں' مگر در حقیقت پھنس خود رہے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کی اسلام دشمنی پر حیرت یا غم نہ کرنا چاہیے' بلکہ سکون قلب کے ساتھ اس کے دفع کی تدبیر کرنی چاہیے' جیسا کہ **ولا یحزنک** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کی خلاف اسلام تدبیریں انکے کفر میں اضافہ کا باعث ہیں' جیسا کہ **فی الکفر** کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نفاق اور کفار کی حمایت میں مسلمانوں کو کافروں سے ڈرانا کفر ہے' جیسا کہ **فی الکفر** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کفار انشاء اللہ اسلام کو مٹا نہیں سکیں گے' جیسا کہ شیئا کی تفسیر سے معلوم ہوا' وہ وعدہ الٰہی ہے' جس کا تجربہ ساڑھے تیرہ سو برس سے ہو رہا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کو رب سے وہ قرب خصوصی ہے کہ ان کی مخالفت رب تعالیٰ کی مخالفت ہے' ان کی محبت' رب تعالیٰ سے محبت' ان کو نقصان پہنچانا گویا رب تعالیٰ کو نقصان دینا ہے' جیسا کہ **لن یضروا اللہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نفی اور عدم بھی مشیت الٰہی کے ماتحت ہے' یہ بھی رب کے ارادہ سے ہی ہوتی ہے' یہی اہلسنت کا مذہب ہے' معتزلہ کہتے ہیں کہ عدم ارادہ ثبوت نفی کی علت ہے' مگر ہم کہتے ہیں کہ ارادہ عدم نفی کی علت ہے' دیکھو یہاں فرمایا گیا اللہ ارادہ کرتا ہے کہ ان کا حصہ آخرت میں نہ ہو' حصہ نہ ہونے کا ارادہ ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کافر کا کفر' منافق کا نفاق سب کچھ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے' ارادہ حکم اور رضا میں بڑا فرق ہے' اہلسنت کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر خیر و شر رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے' یہ آیت ہماری دلیل ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دنیا میں کافر مومن' منافق مرتد سب رب تعالیٰ کی رزاقیت سے فائدہ اٹھا رہے ہیں' مگر آخرت میں صرف مومنوں کو رحمت الٰہی سے حصہ ملے گا' کفار کیسی ہی نیکیاں کر کے جائیں مگر آخرت کی رحمت سے محروم ہیں۔ **نواں فائدہ:** نکرہ نفی کے تحت عموم کا فائدہ دیتا ہے' دیکھو یہاں حظا سے نکرہ ہے **الا یجعل** کے تحت آکر مفید عموم ہوا کہ اس کے معنی ہوئے ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ **دسواں فائدہ:** بڑا عذاب صرف کفار کو ہو گا' مسلمان کیسا

www.alahazratnetwork.org

ی گنہگار ہوا سے بڑا عذاب نہ ہو گا جیسا کہ ظلم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا' بلکہ گنہگار مومن کو عذاب ہو گا ہی نہیں' اگر ہو گا تو عتاب ہو گا جس کے ذریعہ اسے پاک و صاف کیا جائے گا۔

پہلا اعتراض: کفار کے کفر پر غم کرنا تو عبادت ہے' اس سے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو منع کیوں فرمایا؟ **جواب:** بہت غم کرنا جس سے اپنے دل کو سخت تکلیف پہنچے' اس سے منع فرمایا' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فلا تذهب نفسك عليهم حسرت** یا اس خیال پر غم کرنا کہ ان کے اسلام سے نکل جانے پر اسلام ترقی نہ کر سکے گا' یا یہ مسلمانوں کو مٹا دیں گے' یہ ممنوع ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ کفار مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا سکیں گے' مگر دن رات مسلمانوں کو کفار کے ہاتھوں نقصان پہنچ رہا ہے' تو آیت کیونکر صحیح ہوئی؟ **جواب:** کبھی مسلمانوں کا کفار کے ہاتھوں شہید یا زخمی ہو جانا ضرر نہیں' اس میں تو مسلمانوں کا نفع ہے کہ شہادت عین سعادت ہے' یہاں ضرر سے مراد اسلام کا خاتمہ کر دینا یا مسلمانوں کو جڑ سے اکھیڑ دینا ہے یہ ان شاء اللہ کفار سے ناممکن ہے وہی یہاں مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کفار و منافقین تو پہلے ہی کافر تھے' ان کے متعلق یہ فرمانا کیسے درست ہوا کہ **يسارعون في الكفر** کہ وہ کفر میں جلدی سے داخل ہو جاتے ہیں' کفر میں داخل وہ ہو جو پہلے سے خارج ہو؟ **جواب:** اگر یہ آیت مرتدین کے متعلق ہے' تب تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' اور اگر کفار مکہ یا منافقین کے متعلق ہے تو کفر سے مراد کفر کے اعمال ہیں نہ کہ عقائد یعنی یہ لوگ بہت جلد اعمال کفریہ کرنا شروع کر دیتے ہیں' منافقین تو اس طرح کہ کفار سے سازشیں کرنے لگتے ہیں' کفار مکہ اس طرح کہ وہ موقعہ پاتے ہی مسلمانوں کے مقابل لشکر کشی کرنے لگتے ہیں' بہرحال آیت بالکل واضح و صاف ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی نہیں چاہتا کہ ان منافقین مرتدین' کفار کا آخرت کی رحمتوں میں حصہ ہو تو پھر ان بیچاروں کا کیا قصور ہے وہ تو رب تعالیٰ کی طرف سے روکے ہوئے ہیں پھر ان پر الزام کیسا؟ **جواب:** یہ سوال مسئلہ تقدیر پر مبنی ہے' اس کی نفیس تحقیق تیسرے پارے میں ہو چکی زیر آیت **ولو شاء الله ما اقتتلوا** وہاں مطالعہ فرمایئے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اولاً ان منافقین و کفار نے سرکشی کی اور سرکشی میں حد سے آگے بڑھ گئے' تو رب تعالیٰ کا ارادہ ان کے متعلق ہو گیا کہ ان کا حصہ آخرت میں بالکل نہ ہو' اس ارادہ کا تعلق ان کی اپنی بدکاریاں ہیں' یا یہ کہو کہ رب تعالیٰ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ لوگ اپنے اختیار سے کفر کئے جائیں' پھر اللہ کی نعمتوں سے محروم ہوں' جیسے ان کا کفر اللہ تعالیٰ کے ارادے میں آ چکا' ویسے ہی ان کا ارادہ کفر بھی آ چکا لہذا ان کا کفر و نفاق اپنے ارادے سے ہے' جیسے مقتول کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے حکم و ارادہ سے مرا' حالانکہ قاتل کو بھی مجرم مانا جاتا ہے' کیونکہ اس کے ارادہ کو مقتول کو موت میں دخل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل گویا خشک اور ہلکا پتہ ہے' دنیا ایک سنسان جنگل ہے' جہاں کفر' نفاق اور طغیان کی تیز آندھیاں چل رہی ہیں' جن کی وجہ سے انسانی دل کو قرار نہیں' ہر وقت خطرہ ہے کہ نہ معلوم کون سی ہوا اس دل کو کب اور کدھر اڑا لے جائے' ایسے جنگل میں ایسے ہلکے پتے کیلئے امان کی صرف ایک ہی صورت ہے' وہ یہ ہے کہ پہاڑ کی آڑ میں آ جائے یا کسی وزنی پتھر کی ماتحتی قبول کر لے' حضرات اولیاء' انبیائے عظام علیہم السلام خصوصاً حضور انور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے لئے پہاڑ ہیں جن کے دامن میں عالم کو پناہ ملتی ہے' حضرات صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ تھے' وہ ہر قسم کی ہوا سے

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

محفوظ رہے تیز آندھیاں آئیں اپنا زور دکھا کر چلی گئیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے منافقین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ نہ لی جس کا انجام یہ ہوا کہ وہ ہر کفر میں فوراً داخل ہو جاتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی کہ آپ ان بے پناہوں بے پیروں بے نوروں کے کفر پر غم نہ کریں جو آپ کی پناہ نہ لے اسے دنیا میں قرار نہیں ہو سکتا نہ قرار اس کے مقدر میں ہے وہ اخروی نعمتوں سے بھی محروم ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں سے نکالا ہوا ہو وہ ہر جگہ در کار دیا جاتا ہے شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

ہر سود ووداں کس زدر خویش براند ۔۔۔ وآں را کہ بخواند بدر کس نرواند!

وہاں کا نکالا ہوا ہر جگہ بھاگا پھرتا ہے جسے اس کے دروازے پر جگہ مل جاتی ہے وہ کہیں نہیں جاتا بلکہ خلق اس کے دروازہ پر آتی ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

جو ترے در سے یار پھرتے ہیں ۔۔۔ دربدر یونہی خوار پھرتے ہیں

اور فرماتے ہیں۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو ۔۔۔ قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا وَلَهُمْ عَذَابٌ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے خرید لیا کفر کو بدلے ایمان کے وہ ہرگز نہ نقصان دیں گے اللہ کو کچھ بھی اور انہیں کیلئے

وہ جنہوں نے ایمان کے بدلے کفر مول لیا اللہ کا کچھ نہ بگاڑیں گے اور ان کے لئے دردناک عذاب

أَلِيمٌ ﴿۱۷۷﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا

عذاب ہے دردناک اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جو کافر ہوئے کہ ہمارا ان کو مہلت دینا بہتر ہے انکی جانوں کیلئے

ہے۔ اور ہرگز کافر اس گمان میں نہ رہیں کہ وہ جو ہم انہیں ڈھیل دیتے ہیں کچھ ان کے لئے بھلا ہے

نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۷۸﴾

اس کے سوا نہیں کہ ہم مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ وہ گناہ بڑھالیں اور انہی کیلئے خواری والا اہانت والا عذاب ہے

ہم تو اسی لئے انکو ڈھیل دیتے ہیں کہ اور گناہ میں بڑھیں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اسلام کی ایک دشمن جماعت کا ذکر تھا۔ مرتدین یا منافقین اب دوسری دشمن جماعت کا ذکر ہے یعنی علمائے یہود پچھلی آیت میں ان دشمنوں کے شر سے حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا تھا اس آیت میں دوسری جماعت کی شر سے اسلام کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا

www.alahazratnetwork.org

ولھم عذاب الیم: لھم اور عذاب کی تفسیر گزشتہ آیت میں ہو چکی ہے الیم الم سے بنا بمعنی انتہائی تکلیف یا انتہائی والی رنج، الیم کے معنی ہیں بہت دردناک، اور بہت تکلیف دہ، اس سے مراد دائمی اور انتہائی سخت عذاب ہے کیونکہ ہلکا اور ختم ہونے والا عذاب تکلیف دہ تو ہے مگر سخت تکلیف دہ، اور دردناک نہیں، یعنی ان بدنصیبوں کیلئے ہی بہت دردناک عذاب ہے **ولا یحسبن الذین کفروا** ہماری قرات **لا یحسبن** ی سے ہے غائب کا صیغہ **الذین** اس کا فاعل اور **انما نملی** پورا جملہ دو مفعولوں کا قائم مقام، مگر ابن کثیر اور ابو عمرو کی قراءتوں میں **لا تحسبن** ت کے ساتھ ہے حاضر کا صیغہ ہے، جس میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے، اس صورت میں الذین اس کا پہلا مفعول ہو گا اور **انما نملی** دوسرا مفعول (تفسیر کبیر، معانی و خازن) **الذین کفروا** سے مراد وہ کفار ہیں، جو دنیوی مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اپنی حقانیت کی دلیل سمجھے بیٹھے تھے، جن کے بارہ میں یہ آیت کریمہ اتری ہے اور ہو سکتا ہے کہ سارے ہی کفار مراد ہوں کیونکہ آیات میں الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا **انما نملی لھم خیر لا نفسھم:** انما کا ما یا مصدریہ ہے، جس کی وجہ سے **نملی املاء** کے معنی میں ہو گیا، تفسیر کشاف نے اسی کو اختیار کیا، یا موصولہ بمعنی الذی اس کا صلہ نملی ہے جو دراصل نملیہ تھا کیونکہ صلہ میں موصول کی ضمیر چاہئے۔ چونکہ یہ ضمیر مفعول تھی اس لئے حذف کر دی گئی، خیال رہے کہ رسم خط کے لحاظ سے ما ان سے الگ ہونا چاہئے تھا، کیونکہ ان کے ساتھ صرف ما کافہ ہی ملتا ہے نہ کہ ما موصولہ یا مصدریہ، مگر چونکہ مصحف عثمانی میں ایسے ہی لکھا گیا ہے، اس لئے اسی کی پیروی کی جاتی ہے کہ قرآن کی قرآت و کتابت میں نقل کی پیروی ہے نہ کہ محض عقل و قیاس کی (تفسیر کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ ہماری قرات میں انما الف کے فتح سے ہے کہ یہ درمیان کلام میں ہے، **لا یحسبن** کا مفعول، مگر یحییٰ ابن وثاب کی قرات میں انما الف کے کسرہ سے ہے نیا جملہ ہے قائم مقام مفعول (تفسیر روح المعانی) **نملی املاء** سے بنا جس کا مادہ ملا و یا ملی ہے معنی دراز مدت کہا جاتا ہے **ملاوۃ من الدھر** اور کہا جاتا ہے **ملی من الدھر:** قرآن کریم میں ہے **واھجرنی ملیا** اسی لئے دن رات کو ملوان کہا جاتا ہے، رب تعالیٰ فرماتا ہے **قال الملاء الذین کفروا** کیونکہ جماعت کا اجتماع دیر ہی میں ہوتا ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) لہٰذا املاء کے معنی ہوئے عرصہ تک چھوڑے رہنا، ڈھیل دینا، مہلت دینا، **لا نفسھم** فرما کر یہ بتایا کہ کفار کو لمبی عمریں اور مال و دولت ملنا ان کیلئے بہتر نہیں، مسلمانوں کے حق میں بہتر ہے، جس میں ہزاروں ہی فائدے ہیں، یعنی کفار اس خیال میں ہرگز نہ رہیں کہ ہم جو انہیں مہلت دے رہے ہیں، کہ انکے گناہ و کفر کے باوجود انہیں دولت، اولاد، عمر سے نواز رہے ہیں، یہ ان کے حق میں بہتر ہے، یا کفار اس خیال میں نہ رہیں، کہ ہمارا انہیں ڈھیل دینا ان کیلئے بہتر ہو، نہیں بلکہ **انما نملی لھم لیزدادوا انما** چونکہ یہ نیا جملہ ہے اور انما شروع کلام میں واقع ہے، اس لئے یہاں **انما** الف کے کسرہ سے ہے، اس کا ما کافہ ہے، اسی لئے ان سے مل کر آتا ہے، یہ کلمہ حصر کیلئے ہے، **لیزدادوا** میں لام ارادہ یا انجام کا ہے، **یزدادوا** باب افتعال سے ہے اس کا مصدر ازدیاد، مادہ زیادت ہے، بمعنی بڑھالینا، زیادہ کر لینا اثم کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں، یہاں اس سے قالب و قلب دونوں کے گناہ مراد ہیں، کفر و فسق یعنی ہمارا ان کفار کو مہلت دینا اس ہی ارادہ سے ہے کہ وہ مال و عمر کے ذریعہ اور زیادہ گناہ کر لیں یا ہمارے مہلت دینے کا انجام یہی ہے کہ وہ اس مہلت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر کفر و طغیان ہی بڑھائیں گے اور یہی سمجھتے رہیں گے کہ ہم اچھا کر رہے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ **ولھم عذاب مھین:** **مھین اھانتہ** کا اسم فاعل ہے، جس کا مادہ ھون ہے بمعنی

www.alahazratnetwork.org

ہلکا ہونا اسی سے ہے مہین بمعنی ہلکا و آسان' چونکہ ذلیل آدمی لوگوں کی نگاہوں میں ہلکا ہوتا ہے' اس لئے ذلیل کرنے کو اہانت کہتے ہیں' ذلیل کرنیوالے کو مہین اور ذلیل چیز کو مہان یا مستہان یعنی دنیا میں' برزخ میں' حشر میں اور بعد حشر ایسا عذاب ہوگا جو تکلیف کے ساتھ انہیں ذلیل بھی کریگا' دنیا میں بعض پر اور کبھی عذاب آئیگا' مگر آخرت میں سارے کفار کو عذاب و ذلت و خواری ہمیشہ ہمیشہ رہے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: یقیناً وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے عوض کفر خرید لیا' یا تو اس طرح کہ مسلمان تھے مرتد ہو گئے یا اس طرح کہ منافقت سے کلمہ پڑھ کر مومنوں میں شمار ہو گئے تھے' پھر اپنی حرکتوں سے اپنا کھلا کفر ظاہر کر بیٹھے' یا اس طرح کہ دنیا میں میثاق ایمان لے کر آئے تھے' مگر یہاں کفر اختیار کر بیٹھے یا اس طرح کہ رب تعالیٰ نے ان میں ایمان لانے کی استعداد پیدا کی تھی اور عالم کے ذرہ ذرہ میں اپنی توحید کی علامات قائم فرمائی تھیں' اگر یہ ان میں ذرا سا تدبر کرتے' تو ایمان لے آتے' مگر یہ نہ کیا اندھا دھند کافر ہو بیٹھے' کچھ بھی سہی' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے دین کو اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو کبھی کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکیں گے' بلکہ اس اندھی تجارت کا وبال ان پر ہی پڑے گا اور انہیں دردناک عذاب ہوگا' جس کی کیفیت ان کے وہم و گمان سے وراء ہے' اے مسلمانو! تم یہ خیال نہ کرنا یہ سارے کفار اس خیال میں نہ رہیں کہ ہم نے جو انہیں انکے کفر و شرک کے باوجود لمبی عمریں' زیادہ اولاد' مال کی کثرت وغیرہ جو دے رکھی ہے' یہ ان کیلئے بہتر ہے' اور یہ اس کی علامات ہے کہ ہم ان سے راضی ہیں ہرگز نہیں' یہ مال و اولاد اور دراز عمران کیلئے زیادہ وبال ہے' یہ سب کچھ اس لئے ہو رہا ہے تاکہ وہ ان میں پھنس کر رب تعالیٰ سے غافل ہو کر اور زیادہ عصیان و طغیان بڑھالیں' ان کیلئے تو بڑی ذلت اور خواری کا عذاب ہے کہ دنیا میں اگر مسلمانوں کے ہاتھوں جہاد میں مارے گئے تو ذلیل ہو کر مرے' برزخ میں ملائکہ کے ہاتھوں پٹیں گے بھی' ذلیل بھی ہوں گے' محشر میں بر سر عام ان کا حساب ہوگا' ان کے عیب کھلیں گے' اور سب کے سامنے دوزخ میں اس طرح پھینکے جائیں گے کہ۔

پا بدست دگراں دست بدست دیگر

دوزخ میں پہنچ کر بھی ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے' غرضیکہ کفار کی یہ عارضی راحتیں دائمی عذاب و ذلت کا پیش خیمہ ہیں' اس لئے نہ تو کوئی مسلمان ان کی راحتوں کو دیکھ کر للچائے' اور نہ خود وہ لوگ اس سے دھوکا کھائیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** بمقابلہ کافر اصلی کے کافر مرتد بدتر ہے' جیسا کہ **الذین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس نے ایمان لا کر کفر اختیار کیا' شادی شدہ زانی کی سزا کنوارے زانی سے زیادہ سخت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** منافق کھلے کافر سے زیادہ برا ہے۔ جیسا کہ **الذین** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر کافر ایک لحاظ سے بعد ایمان ہی کافر ہوتا ہے۔ جیسا کہ **الذین** اور **اشتروا** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اسلام کی اشاعت اور اس کا پھیلنا کسی بندہ کی مہربانی سے نہیں' خاص رب تعالیٰ کے کرم سے ہے' اگر سارے بندے اسلام کے مقابلہ کی ٹھان لیں' پھر بھی اسلام کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' جیسا کہ **لن یضروا اللہ** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** لمبی عمر اور زیادتی مال و عیش و آرام اس وقت اچھے ہیں جب کہ ان کے ذریعہ نیکیاں کمائی جائیں' ورنہ یہ سب چیزیں وبال جان ہیں' لہٰذا مومن پرہیزگار کی لمبی عمر رحمت ہے' اور کفار بدکار کی لمبی عمر عذاب۔ شیطان کی عمر بڑی ہی لمبی ہے' مگر وہ بڑا ہی مردود ہے۔ **چھٹا فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

بھی کفار کی عمریں اور انکے مال مسلمانوں کیلئے مفید ہو جاتے ہیں کہ جہاد میں انکے مال غنیمت بنتے ہیں اور وہ خود مسلمانوں کے لونڈی غلام، سانپ اور اس کا زہر بھی کبھی کام آجاتا ہے یہ فائدہ **لا نفسهم** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہر خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے اور اس کے ارادہ سے ہے جیسا کہ **ليزدادوا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر کا جینا اور کھانا پینا بھی گناہ ہے، اور مومن کا جینا اور کھانا پینا وغیرہ انشاء اللہ رحمت ہیں، یہ فائدہ بھی **ليزدادوا اثما** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مومن کو اگرچہ گناہوں کی وجہ سے عذاب ہو جائے مگر انشاء اللہ دردناک عذاب نہ ہوگا۔ دردناک عذاب تو کفار کیلئے خاص ہے جیسا کہ **لهم عذاب اليم** میں لهم کے مقدم ہونے سے معلوم ہوا، چنانچہ گنہگار مومن کو عین عذاب کے زمانہ میں چھوٹنے کی امید ہوگی، اور یہ رہائی کی خوشی اسکی تکلیف کو ہلکا کر دیگی، وہ منتظر رہے گا کہ اب کوئی چھوڑانے والا آتا ہے اور مجھے دوزخ سے نکال لے جاتا ہے، نیز دوزخ کی آگ نہ تو مومن کے قلب پر اثر کریگی، نہ اس کے اعضائے سجدہ پر، یہ دونوں باتیں کافر کو میسر نہ ہوں گی، اس لئے ارشاد ہوا کہ دردناک عذاب کفار ہی کیلئے ہے۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ گنہگار مومنوں کو قیامت میں ذلیل نہ کریگا، ذلت و رسوائی کفار کیلئے خاص ہے جیسا کہ **لهم عذاب مهين** میں لهم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا حتی کہ مومن کے گناہوں کا حساب بھی خفیۃً لیا جائے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** کبھی گناہ کرنے کیلئے بھی لمبی عمر مل جاتی ہے جیسا کہ **ليزدادوا** سے معلوم ہوا تھا، رب تعالیٰ نے شیطان کو اتنی لمبی عمر گمراہی پھیلانے کیلئے دی، لہٰذا نیکیاں کرنے کیلئے بھی لمبی عمر مل سکتی ہے، چنانچہ حضرت نوح، حضرت خضر، حضرت الیاس علیہم السلام کو بہت لمبی عمریں ملی ہیں، اصحاب کہف کی لمبی عمر تو قرآن مجید سے ثابت ہے، وہ سوتے میں بھی، ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہے ہیں جیسا کہ پاس انفاس والوں کا حال ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے کہ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کی عمر دراز ہو، اور اعمال صالح ہوں، اور بدنصیب ہے وہ بندہ جس کی عمر دراز ہو، اور اعمال برے ہوں، خدا تعالیٰ جب زندگی دے، تو نیکیوں کی توفیق بھی دے، جب دولت نہ ہو تو خالی ہوئے گھر میں رکھنا بیکار ہیں۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی — جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے تربت محمد کی
مسلمانوں کو کوئی خلد سے روکے تو کیوں روکے — وہ جنت ہے محمد کی یہ امت ہے محمد کی

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافروں نے ایمان کے عوض کفر خریدا، ان کے پاس ایمان تھا ہی کہاں؟ پھر خریدنا کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس کے کئی جواب ہیں جو تفسیر اور خلاصہ تفسیر میں بیان کئے گئے، کہ ان کفار سے مراد یا تو مرتدین ہیں جنکے پاس پہلے حقیقی ایمان تھا یا منافقین ہیں جن کے پاس ظاہری ایمان تھا یا عام کفار مراد ہیں جنکے پاس میثاقی ایمان تھا یا ایمان لانے کی استعداد و قابلیت تھی، لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** خرید و فروخت میں خریدار دکاندار کی چیز لے لیتا ہے، اور دکاندار خریدار کی چیز پر قبضہ کرتا ہے، اگر یہ کفار کفر کے خریدار ہیں تو کس دکان سے انہوں نے کفر لیا، اور اس دکاندار نے جو ان سے ایمان لیا، وہ مومن ہو گیا یا نہیں، اگر نہیں ہوا تو یہ تجارت کیونکر درست ہوئی؟ جب یہ اس سے کفر لیکر کافر ہو چکے ہیں تو چاہیے کہ وہ دکاندار ان سے ایمان لے کر مومن ہو جائے! **جواب:** اس کے چند جواب ہیں، ایک یہ کہ اس چیز کو خرید و فروخت فرمانا مجازاً ہے، ایک شے کو چھوڑ کر دوسری چیز اختیار کر لینے کو خرید و فروخت فرما دیا گیا ہے، دیکھو رب تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنت کے عوض مسلمانوں کے جان و مال خرید لئے' حالانکہ جنت بھی رب تعالیٰ کی ہے اور رہے گی اور مومنوں کے جان و مال بھی اسی کے دوسرے یہ کہ یہ کفار خریدار ہیں شیطان دکاندار' کفار نے شیطان سے کفر لے کر استعمال کرلیا مگر شیطان نے ان کا ایمان لے کر استعمال نہ کیا برباد کردیا بہت دفعہ تاجر اپنی چیز دے دیتا ہے' مگر دوسرے کی چیز نہیں لیتا جیسے کوئی شخص اپنے باپ یا بیٹے کو خرید لے وہ فروخت شدہ کو قیمت کا مالک کر دیتا ہے۔ خود اپنے باپ کا مالک نہیں ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کی زیادتی عمر اور زیادتی مال مفید نہیں حالانکہ بہت سے کافر بڑھاپے میں ایمان لے آتے ہیں' اگر وہ جوانی میں مرجاتے' تو ایمان کیسے پاتے' دیکھو بدر کے قیدی جو حضرت صدیق اکبر کی رائے کی بناء پر چھوڑ دیئے گئے بعد میں مسلمان ہو گئے اگر قتل کر دیئے جاتے تو کافر ہی مرتے' ان کی زیادتی عمر نے انکو فائدہ پہنچا دیا۔ **نوٹ:** واہ رے صدیق تیرے نعلین کی خاک پر ہماری جانیں قربان کہ تیری اس خطا سے بہتوں کو ایمان مل گیا' اللہ تعالیٰ تیری برکت سے ہمارا بیڑا بھی پار کرے۔

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد — ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زر صدیق

جواب: یہ سوال بہت ہی پیارا اور دلکش ہے' مگر اس آیت میں روئے سخن ان کافروں سے ہے جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے ہیں' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے دیکھو تفسیر خازن۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کو عمر گناہ بڑھانے کیلئے ملتی ہے کہ فرمایا گیا **لیزدادوا اثما**' مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ہم نے جن و انس کو عبادت ہی کیلئے پیدا کیا' معلوم ہوا کہ کافر کی زندگی بھی عبادت کیلئے کہ وہ بھی انسان ہے' دیکھو لیعبدون میں بھی لام ہی ہے' لہٰذا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تعارض ہرگز نہیں **لیزدادوا** میں لام انجام و عاقبت کا ہے یا ارادہ کا' اور **لیعبدون** میں لام مقصد کا' ہر ایک کی پیدائش عبادت ہی کے مقصد سے ہے' اگرچہ بعض لوگ اسے غلط استعمال کرلیں' پیالہ سالن کیلئے بنا ہے' لیکن بعض نادان اس سے پانی پینے کا کام بھی لے لیتے ہیں۔ مقصد اور انجام میں بڑا فرق ہے' دیکھو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو پالا کیوں' خود کہتا ہے **عسى ان ينفعنا او نتخذه ولدا** کہ ہمیں یہ نفع دیں گے اور ہم انہیں بیٹا بنائیں گے یہ ہوا پرورش کا مقصد' مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **ليكون لهم عدوا وحزنا** اس نے جناب موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے پالا' کہ جناب اس کے دشمن اور باعث غم بنیں' یہ ہوا اس کی پرورش کا انجام' ان دونوں آیتوں میں لام ہے' مگر ایک لام مقصد کا ہے' دوسرا انجام کا' ہم چور سے کہتے ہیں تو چوری کرتا ہے جیل جانے کیلئے' حالانکہ وہ چوری کرتا ہے مال حاصل کیلئے' تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے اس سوال کو مشکل ترین سمجھا اور اس کے نہایت دقیق جوابات دیئے ہیں فقیر نے جو جواب عرض کیا ہے اس میں۔ بفضلہ تعالیٰ کفایت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** عقائد کا مسئلہ ہے کہ رب تعالیٰ کے افعال و کام غرض سے پاک ہیں اسکے کام بے غرض ہیں مگر **لیزدادوا** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے کاموں کی بھی غرض ہوتی ہے' دیکھو ان کفار کو ڈھیل دینے کی غرض انکے گناہوں کی زیادتی ہے کہ وہ اس مدت میں گناہ زیادہ کریں۔ **جواب:** رب تعالیٰ کے کام غرض سے خالی ہیں' حکمت سے خالی نہیں' بے غرض ہیں بے فائدہ نہیں' **لیزدادوا اثما** میں حکمت کا بیان ہے' غرض کا نہیں' غرض اپنے فائدہ کو کہتے ہیں حکمت دوسرے کے فائدے کو' رب تعالیٰ کسی چیز' کسی کام سے خود فائدہ حاصل نہیں فرماتا'

www.alahazratnetwork.org

دوسرے کو عطا فرماتا ہے وھو یطعم ولا یطعم تمام رزق اور روزی کی پیدائش رب تعالیٰ کے فائدے کیلئے نہیں ہمارے فائدے کیلئے ہے لہذا غرض سے نہیں فائدے سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا ایک منڈی ہے۔ جس میں مختلف قسم کی دکانیں ہیں ان دکانوں میں مختلف سودے' رحمانی دکانوں میں ایمان و عرفان کے سودے ہیں' اور شیطانی دکانوں میں کفر و طغیان کے سودے' دونوں قسم کی دکانوں پر منیم اور ایجنٹ کام کر رہے ہیں' شیطانی لوگ شیطان کے ایجنٹ ہیں' اور رحمانی لوگ رب تعالیٰ کے مقرر کردہ گویا منیم اور ایجنٹ ہیں' ہر شخص کی استعداد و قابلیت گویا رائج الوقت سکہ ہے' جیسے سو کے نوٹ سے شراب اور خنزیر بھی خریدا جاسکتا ہے' اور مصلیٰ و تسبیح بھی نوٹ یکساں ہے مگر جیبیں دو قسم کی' شرابی کی جیب میں یہ نوٹ لعنت ہے' حاجی اور نمازی کی جیب میں یہی نوٹ رحمت ہے کفار نے ایمان یعنی اپنی استعداد و قابلیت کے ذریعہ کفر و طغیان خریدا' اگرچہ لوگ بظاہر ان کی تعریف کریں اور انکے مال و منال کو للچائی نگاہوں سے دیکھیں' مگر در حقیقت ان کا مال ان کیلئے وبال ہے' زہر آلود مٹھائی ہے کہ منہ میں خوش ذائقہ اور پیٹ میں پہنچ کر مہلک۔

غرہ مشو بانکہ جہانت عزیز کرد   اے بس عزیز را کہ جہاں کرد زود خوار
مار است ایں جہاں و جہاں جوئے مار گیر   واز مار گیر مار برآورد گے و مار

یعنی دنیا والوں کی تعریف اور ان کے زندہ باد کے نعروں سے دھوکا مت کھاؤ کہ دنیا داروں کو ذلیل کرتے اور مردہ باد کے نعرے لگاتے دیر نہیں لگتی' دنیا گویا سانپ ہے' دنیا دار سپیرا' سپیرا بھی سانپ سے ہی مرتا ہے' رب العالمین نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ میں نے تمہاری امت پر چند خصوصی احسان کئے ہیں' ایک یہ کہ ان کی عمریں عموماً کم رکھیں تاکہ گناہ کم کریں' دوسرے یہ کہ انہیں مال کم دیا' تاکہ ان کا بوجھ قیامت میں ہلکا ہو اور انہیں سب سے آخر میں پیدا کیا' تاکہ قبروں میں کم رہنا پڑے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ نفس کی مثال شتر مرغ کی سی ہے کہ بہت کھاتا ہے اور بہت بہانے بناتا ہے' اگر اس پر بوجھ لادو' تو کہتا ہے میں پرندہ ہوں' میرے پر دیکھو' اور اگر اس سے اڑنے کو کہو' تو کہتا ہے میں چرندہ ہوں' میرے پیر دیکھو' غرضیکہ ہر ساعت اس کا نیا قبلہ ہے' یہاں کی نعمتیں کھاتے وقت آخرت کے حساب کا خیال رکھو' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

شنیدہ ام کہ بقصاب گو سفندے گفت   دراں زماں کہ بخنجر سرش زتن ببرید!
جزائے ہر بن خارے کہ خوردہ ام دیدم   کسے کہ پہلوئے چربم خورد چہ خواہد دید

یعنی ایک قصاب نے بکری کو ذبح کیا' تو بکری بولی میں نے جنگلی گھاس اور کانٹے کھائے تھے' اس کا بدلہ یہ پایا' جو میری چربی اور گوشت غفلت سے کھائے گا' تو سوچ لے کیا بدلہ پائے گا' ہم کو چاہئے کہ گزشتہ امتوں کے حالات میں غور کریں کہ وہ ہم سے زیادہ عمر و مال والے تھے' مگر کہاں گئے اور کیا لے گئے' ان کے محل کہاں گئے' مال' اولاد' بیویاں سب ساتھ چھوڑ گئے' دنیا وہ اچھی جس میں آخرت کیلئے کھیتی کرلی جائے' ورنہ خیال رکھو کہ دنیا کی حقیقت یہ ہے' محنت سے جوڑنا' حسرت سے چھوڑنا (از روح البیان مع زیادت)

www.alahazratnetwork.org

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ

یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالٰے چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حال پر جس پر تم ہو یہاں تک کہ چھانٹ

اللہ مسلمانوں کو اس حال پر چھوڑنے کا نہیں جس پر تم ہو جب تک جدا نہ کر دے گندے کو

الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ

دے خبیثوں کو پاکوں سے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تمہیں غیب پر خبردار کرے اور لیکن

ستھرے سے اور اللہ کی شان یہ نہیں ہے کہ اے عام لوگو تمہیں غیب کا علم دے ہاں اللہ چن

اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ

اللہ چن لیتا ہے جسے چاہے اپنے رسولوں میں سے پس ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر

لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسولوں پر اور اگر

تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اور اگر ایمان لاؤ گے تم اور پرہیزگاری اختیار کرو گے تو تمہارے لئے ثواب ہے بڑا

ایمان لاؤ اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے جنگ احد' غزوۂ حمراء الاسد اور بدر صغریٰ کا ذکر چلا آ رہا ہے' اب اس آیت میں ان تمام حادثات کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ واقعات کھرے کھوٹوں میں چھانٹ کا ذریعہ ہیں' کہ جو ان موقعوں پر گھبرا کر کفار کے حامی بن جائیں وہ کھوٹے ہیں' اور جو اسلام پر قائم رہیں وہ کھرے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا' کہ بعض لوگ ایمان کے عوض کفر خرید لیتے ہیں' ان کی عمر و دولت نعمت نہیں عذاب ہے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایسے لوگوں کو تم لوگ خود نہیں پہچان سکتے' جب تک کہ ہم اپنے نبی کی معرفت پہچان نہ کرائیں کیونکہ بظاہر کھرے کھوٹے رنگ و روپ میں یکساں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگوں کی عمر زیادتی گناہ کا ذریعہ ہے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان میں سے نہ بننا' اس طرح کہ ہم پر اور ہمارے رسولوں پر ایمان لے آنا' خلاصہ یہ ہے کہ بد نصیبوں کا ذکر فرمانے کے بعد ان سے بچنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کفار و منافقین کے اخروی عذاب کا ذکر تھا' اب ان کے دنیوی عذاب کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں سے چھٹ جائیں گے' ذلیل و خوار ہو کر رہیں گے' مگر چونکہ اخروی عذاب دائمی ہے' اور سخت تر اور دنیوی عذاب عارضی و آسان' اس لئے پہلے دائمی و سخت عذاب کا ذکر کیا' پھر عارضی و ہلکے عذاب کا۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں' ایک وہ جو واحدی نے امام سدی سے روایت کی' کہ ایک دن حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جیسے آدم علیہ السلام پر روحیں پیش کی گئی تھیں ایسے ہی عالم کی

www.alahazratnetwork.org

پیدائش سے پہلے مجھ پر میری امت (امت دعوت یعنی سارے انسان) اپنی صورتوں میں پیش کئے گئے' میں نے سب کو جان پہچان لیا' کہ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون کفر کریگا جب یہ خبر منافقوں کو پہنچی تو وہ مذاق اڑانے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ان لوگوں کو پہچاننے کا دعوے کرتے ہیں جو ابھی پیدا ابھی نہیں ہوئے اور ہم تو عرصہ سے آپ کے ساتھ ہیں' ہمیں آج تک آپ نہ پہچان سکے' یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کو ناگوار ہوئی' تو آپ نے منبر پر کھڑے ہو کر رب تعالیٰ کی حمد و ثناء کی' پھر فرمایا لوگوں کا کیا حال ہے کہ ہمارے علم کے متعلق زبان طعن دراز کرتے ہیں؟ آج سے قیامت تک کی جو بات چاہو پوچھ لو تم جو بھی پوچھوگے ہم بتائیں گے' حضرت عبداللہ ابن حذافہ سہمی کھڑے ہو گئے اور بولے یارسول اللہ میرا باپ کون ہے؟ فرمایا تمہارے باپ حذافہ ہیں! اور پوچھو' تب حضرت عمر نے عرض کیا کہ' یارسول اللہ! ہم اللہ کی ربوبیت' اسلام کے دین ہونے' قرآن کے امام ہونے اور آپ کے نبی ہونے پر ایمان رکھتے ہیں ہمیں معاف دیجئے' تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا' کیا تم ایسے طعنوں سے باز رہو گے کیا تم باز رہو گے؟ اور منبر سے نیچے اتر آئے' تب یہ آیت اتری۔ دوسری وہ جو ابن جریر نے امام سدی سے روایت کی' کہ ایکبار کفار عرب نے کہا کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہمیں خبر دیں کہ ہم میں سے ایمان کون لائے گا اور کون کافر مرے گا' تب یہ آیت کریمہ اتری۔ 3 امام کلبی کہتے ہیں کہ قریش نے کہا تھا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کہتے ہیں کہ آپ کا مخالف دوزخ میں جائیگا' اللہ اس سے ناراض ہے' اور آپ کی پیروی کرنیوالا جنت میں جائے گا' اللہ اس سے راضی ہے' بتایئے جنتی کون کون ہیں' کتنے ہیں اور دوزخی کون کون ہیں' ان کی تعداد کیا ہے؟ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ 4 حضرت ابوالعالیہ فرماتے ہیں کہ خود مسلمانوں نے عرض کیا تھا یارسول اللہ ہمیں مومن اور کافر کو پہچاننے کیلئے علامات بتادی جائیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ منافقین دعوے کرتے تھے کہ ہم صحابہ کرام کی طرح مخلص مومن ہیں' مگر غزوہ احد میں ان کا نفاق کھل گیا' تب یہ آیت کریمہ آئی۔ (تفسیر روح المعانی و خازن و خزائن العرفان)۔

تفسیر: ما كان الله ليذر المومنين: ما نافیہ ہے جو اگرچہ داخل تو کان پر ہو مگر نفی یذر کی کر رہا ہے کیونکہ لیذر میں لام جحد ہے' اور لام جحد کا کام یہی ہے' کہ وہ کان منفیہ کی نفی کو اپنے مابعد کی طرف کھینچ لیتا ہے اور اس کے بعد ان پوشیدہ ہوتا ہے' یذر ایک ایسا مضارع ہے جس کا نہ مصدر ہے نہ ماضی' نہ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع اور امر ہی آتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وذروا البيع:** يذر اصل میں یوذر تھا' واؤ صرف یدع کی مشابہت سے گرا' ورنہ چونکہ یہاں واؤ کے بعد کسرہ نہیں ہے' اس لئے واؤ گرنا چاہئے ہی نہ تھا۔ خیال رہے کہ یدع اصل میں یودع تھا دال کے کسرہ سے اور دال کو اس لئے فتح دیا گیا ہے کہ اس کلام کلمہ حرف حلقی ہے' حرف حلقی کے ماقبل کو فتح دے دیا جاتا ہے جیسے یسع یقع اور یطا میں یضع میں لام کلمہ ع ہے (روح المعانی) یہ قاعدہ خیال میں رہے' بہت کام آئے گا **على ما انتم عليه** جار مجرور لیذر کے متعلق ہے' ما سے مراد کافر و مومن کا خلط ملط ہے' ظاہر یہ ہے کہ انتم میں خطاب منافقین سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں سے ہو بطریق التفات یا منافقین و **مخلصين** سب سے ہو یعنی ایسا نہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اسی گڈمڈ حالت میں چھوڑ دے' جس حالت میں اے منافقین تم اب ہو کہ **مخلصين** سے گھلے ملے ہو بالکل پہچانے ہی نہیں جاتے **حتى يميز الخبيث من الطيب:** حتی سے پہلے ایک جملہ پوشیدہ ہے **بل يقدر الامور او بل يرتب الاسباب'** حتی اسی یقدر یا یرتب کے متعلق ہے' ہماری قراء

www.alahazratnetwork.org

ت میں یمیز بروزن یبیع ہے 'ماز یمیز' میزا' کا مضارع مگر امام کسائی و حمزہ کی قراءت میں یمیز باب تفعیل سے ہے **تمییز** کا مضارع امام واحدی فرماتے ہیں کہ اگرچہ یمیز اور یمیز بابوں میں مختلف ہیں مگر معنی میں کوئی فرق نہیں' لیکن ابو عمر کہتے ہیں کہ باب تفعیل میں کثرت اور شدت کے معنی ہیں' خیال رہے کہ امتیاز' تمیز دونوں میز سے بنے بمعنی علیحدگی اصطلاح میں میز کے معنی ہیں **الفصل بین المتشابهات** جیسا کہ غیاث میں ہے یعنی ملتی جلتی چیزوں کو الگ الگ کر دینا' خبیث سے مراد منافقین ہیں اور طیب سے مومنین' اگرچہ منافقین و مومنین کی تعداد بہت زیادہ تھی' مگر یہاں نوعیت کی وجہ سے ان دونوں کو واحد لایا گیا' یعنی رب تعالیٰ اسباب و واقعات پیدا فرماتا رہے گا' یہاں تک کہ منافقین کو مخلصین سے پورا پورا چھانٹ دیگا' خیال رہے کہ اس چھانٹ میں مومنین تو اپنے حال میں رہیں گے' منافقوں کا حال بدلے گا' ان کو بین بین کر نکالا جائے گا' اس لئے خبیث کو یمیز کا مفعول بنایا گیا' ردی چیزیں کھری میں سے نکال کر پھینکی جاتی ہیں' وہ چھانٹنے والے اسباب کیا ہیں' غزوات کی مصائب' تکالیف جس سے منافقین گھبرا جاتے ہیں اور مومنین مطمئن رہتے ہیں اور مسلمانوں کی فتوحات ہیں جنہیں دیکھ کر مسلمان خوش ہوتے ہیں' منافقین جلتے ہیں **وما کان الله لیطلعکم علی الغیب**: ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے' واؤ ابتدائیہ اس سے مخلصین و منافقین کے ممتاز کرنے کا طریقہ ارشاد ہوا' ما کان کی تفسیر و ترکیب وہ ہی ہے جو ابھی **ما کان الله لیذر** میں گزر گئی' **یطلع** طلع سے بنا بمعنی چمکنا و ظاہر ہونا ہے' اسی سے طلوع ہے کہ سورج طلوع ہو کر چمکتا و ظاہر ہوتا ہے' اطلاع باب افعال سے ہو یا افتعال سے معنی ہوتے ہیں ظاہر کرنا' خبردار کرنا' چونکہ اس میں تسلط کے معنی بھی ہیں' اسی لئے اسکے بعد علیٰ آتا ہے' غیب کی تعریف و تقسیم نیز غائب و غیب کا فرق نیز علم غیب و علم بالغیب میں فرق شروع پارہ الم میں عرض کیا گیا' یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس جگہ غیب سے مراد وہ غیب ہے جو دلائل سے بھی معلوم نہ ہو سکے جیسے آئندہ کے واقعات' لوگوں کے دل کے حالات' جو رب تعالیٰ کا علم ہے جسے علوم غیبیہ کہا جاتا ہے' وہ غیب جو دلائل سے معلوم ہو جائے' جیسے رب تعالیٰ کی ذات و صفات' یہ تو لوگوں کے دلائل کے ذریعہ بتایا گیا' اسی غیب کے جاننے پر ایمان موقوف' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یومنون بالغیب** لہذا یہ آیت واضح ہے' یہاں کم میں خطاب عام لوگوں یا عام مسلمانوں سے ہے' اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں جیسا کہ اس آیت کے مضمون سے واضح ہے یعنی اے مسلمانو! خبیث و طیب منافق و مخلص میں فرق اس طرح نہ ہو گا کہ تم عوام کو رب تعالیٰ غیب پر مطلع کر دے' جس سے تم سب لوگ لوگوں کے دلی حالات' دماغی خیالات' اخلاص و نفاق ایمان و کفر معلوم کر لیا کرو' بلکہ اس چھانٹ کا طریقہ یہ ہو گا کہ **ولکن الله یجتبی من رسله من یشاء**: لکن حرف استدراک ہے یعنی گزشتہ جملہ سے وہم کا دفع کرنا' یہ ایسے دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے جن کے مضامین مختلف ہوں' پہلے جملہ سے وہم پیدا ہو' دوسرے جملہ سے دفع ہو جائے لکن کا قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ پہلے جملہ میں جس چیز کی نفی ہو گی' دوسرے میں اس کا ثبوت ہو گا' جیسے میرے پاس زید نہ آیا لیکن عمرو آیا' چونکہ **ما کان الله** سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بھی علم غیب نہ دیا' اس وہم کو دفع فرمانے کیلئے یہاں لکن ارشاد ہوا' اور اس جملہ میں اپنے حبیب کیلئے اسی غیب کی عطاء کا ذکر کیا گیا جسکی دوسروں سے نفی کی گئی تھی' **یجتبی' جبی** سے بنا جسکے معنی ہیں حوض میں پانی جمع کرنا' کہا جاتا ہے **جبیت الماء** میں نے پانی حوض میں جمع کیا' اسی لئے حوض کو جابیہ کہتے ہیں' جس کی جمع جواب آتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **جفان کالجواب' اجتباء** کے معنی ہیں فیوض ربانی جمع کرنے کیلئے کسی کو چن لینا' تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ **اجتباء' اصطفاء' اختیار** ہم معنی ہیں' اسی روح المعانی

www.alahazratnetwork.org

میں ہے کہ من رسلہ میں من ابتدائیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ کیونکہ رب تعالیٰ نے سارے ہی رسولوں کو علم غیب بخشا ہے' اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ علم بالکل ظاہر ہے کیونکہ آپ رسولوں کے سردار ہیں' اور سارے رسول علم غیب کیلئے چنے جاچکے ہیں تو آپ کے علم کا کیا پوچھنا' اور ہو سکتا ہے کہ من تبعیضیہ ہو' اور مطلب یہ ہو کہ خاص غیوب کیلئے خاص رسولوں کا انتخاب ہو چکا ہے' ان میں ہمارے یہ حبیب بھی ہیں' اسی روح المعانی میں اسی جگہ پر بھی ہے کہ بعض اہل کشف اولیاء اللہ بھی غیوب پر مطلع کئے جاتے ہیں مگر نبی کے واسطے سے نہ کہ استقلالاً' اور یہاں بلا استقلال مراد ہے' لہٰذا آیت صاف ہے' حضرات انبیاء علیہم السلام غیب کے مورث ہیں' اور اولیاء اللہ ان کے وارث (روح المعانی) تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ لوگوں کے اندرونی حالات و خیالات پر ان کے ایمان و نفاق پر تم سب کو مطلع نہ کریگا تاکہ تم رسول سے مستغنی ہو جاؤ' بلکہ رب تعالیٰ ان باتوں کی اطلاع اپنے حبیب کو دیگا اور وہ تمہیں بتائیں گے (تفسیر کبیر) جب یہ بات ہے کہ تم ہر بات میں قدم قدم پر رسول کے محتاج ہو تو فامنوا باللہ ورسلہ یہاں ایمان سے مراد اخلاص والا ایمان مراد ہے نہ کہ نفاق والا اور ظاہر یہ ہے کہ خطاب مخلص مومنوں سے ہے' کیونکہ لیطلعکم میں بھی خطاب انہی سے تھا' تو ایمان لانے سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا الذین اٰمنوا' اٰمنوا اور ہو سکتا ہے کہ خطاب سارے ہی لوگوں کو ہو' مومن' کافر' منافق اور معنی یہ ہوں کہ اللہ رسول کی ہر بات مان لیا کرو' جسے وہ مخلص بتائیں اسے مخلص مانو اور جسے منافق فرمائیں اسے منافق جانو' رسل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' چونکہ آپ تمام رسولوں کی صفات کے جامع ہیں' نیز آپ پر ایمان سب پر ایمان لانا ہے' اس لئے آپ کو رسل جمع فرمایا گیا (روح المعانی) وان تومنوا وتتقوا فلکم اجر عظیم: ہو سکتا ہے کہ یہ خطاب بھی مخلصین صحابہ سے ہو تو ایمان لانے اور تقویٰ اختیار کرنے سے مراد ان دونوں صفات پر قائم رہنا ہے کیونکہ سارے صحابہ مومن و متقی تھے' رب تعالیٰ فرماتا ہے یاایھا النبی اتق اللہ اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی اس پر قائم رہو اور ہو سکتا ہے کہ اس میں خطاب منافقین و کفار سے ہو' خیال رہے کہ گزشتہ آیتوں میں منافقین کیلئے عذاب عظیم' عذاب الیم اور عذاب مہین کی خبر دی گئی' یہاں ان سب کے مقابلہ میں اجر عظیم کی خبر ہے' جس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کفر و نفاق پر مرو گے تو وہ سزائیں پاؤ گے' جن کا ذکر ہو چکا اور اگر ایمان و تقویٰ پر مرو گے تو یہ ثواب پاؤ گے۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! یہ خیال نہ کرنا کہ جہاد اور اس کی تکالیف و دیگر حادثات و آفات یونہی بیکار نمودار ہوتے رہتے ہیں' ان میں بہت سی حکمتیں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ منافق و مخلص خلط ملط' ملے جلے نہ رہیں' بلکہ ایک دوسرے سے چھٹ جائیں' کہ جو ان آفتوں میں صابر و شاکر رہے وہ مخلص مومن ہو' اور جو ان حالات سے گھبرا کر کواس شروع کر دے اس کا نفاق کھل جائے خیال رکھو کہ رب تعالیٰ مومنوں کو اس خلط ملط کی حالت میں رہنے دیگا نہیں' جس پر کہ اب ہیں' بلکہ ایسے حادثات اور واقعات اور بھی پیدا فرمائیگا جن سے لوگوں کی چھانٹ ہو جائے گی کہ رب تعالیٰ اس ذریعہ سے گندے کو ستھرے سے' منافق کو مخلص سے' خبیث کو طیب سے صاف الگ کر دیگا' مگر اس چھانٹ کی پوری وجہ نہ تو یہ واقعات ہوں گے' اور نہ یہ وجہ ہو گی' کہ تم سب کو علم غیب پر مطلع کر دیا جائے' جس سے تم سب ہر ایک کے دلی اخلاص اور نفاق کو جان لو' بلکہ اس کام کیلئے قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو منتخب کرتا ہے' انہیں غیوب کی خبریں دیتا ہے' جس سے وہ لوگوں کے دلی حالات' ہر ایک کے کفر یا ایمان بلکہ مومنین کے ایمانی درجات اور کفار کے کفر مراتب سے خبردار ہوتے ہیں پھر وہ رسول جسے چاہیں اس کے

www.alahazratnetwork.org

ایمان و کفر پر مطلع کردیں' چنانچہ دیکھ لو کہ آقائے دو جہاں نے بشارتیں دے دیں کہ حسن و حسین جوانانِ جنت کے سردار ہیں' صدیق و فاروق جنت میں میرے ساتھی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ رسولوں کا انتخاب اس لئے ہے کہ تاکہ تم کبھی بھی ان سے مستغنی و بے نیاز نہ ہو سکو اپنا حال بھی ان سے پوچھو' دوسروں کا حال بھی ان سے پوچھو' بیماری ہوتی تو ہے مریض کے جسم میں مگر بتاتا ہے طبیب' لہٰذا تم رسول اللہ پر ایمان لاؤ اور انہی پر ایمان رکھو کہ جسے وہ مخلص یا جنتی فرمائیں' اسے مخلص و جنتی مانو' اور جسے وہ منافق یا جہنمی بتائیں' اسے ویسا ہی مانو' ہم تم سے وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تم ایمان و تقویٰ اختیار کئے رہو تو تمہیں بہت بڑا ثواب ملے گا جو تمہارے وہم و گمان سے وراء ہو گا اس نعمت کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: زمانہ رسالت ہی میں مخلصین و منافق کی چھان ہو گئی تھی کہ کوئی منافق صحابہ پر چھپا نہ رہا تھا' جیسا کہ حتی یمیز سے معلوم ہوا' بلکہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بر سر منبر فرمادیا تھا کہ فلاں فلاں منافق ہے' دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول' اب جو شخص کہے کہ سوائے چار پانچ کے باقی سارے صحابہ چھپے منافق تھے' جن کا نفاق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ظاہر ہوا کہ وہ سیدنا علی کے مقابلہ میں خلافت کے دعویداریا دعویداروں کے طرفدار بن گئے وہ خود منافق ہے' اور اس آیت کا صاف انکاری ہے' کیسے ہو سکتا ہے' کہ رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اس بات کو صاف نہ کردیں۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت تک کے ہر شخص کے ہر حال کی خبر دے دی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کا ایمان و کفر اور گناہگاری و پرہیزگاری اچھی طرح جانتے ہیں' تمام عالم کے ایمان کی نبض پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہے' جیسا کہ **ولکن اللہ** سے معلوم ہوا۔

اک ماہ بدن' گورا سا بدن' نیچی نظریں' کل کی خبریں!

شاہ عبد العزیز صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے تفسیر عزیزی میں آیت **ویکون الرسول علیکم شھیدا** کی تفسیر میں فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ایمان و اعمال کے مدارج کو جانتے ہیں' تب ہی تو آپ قیامت میں سب کی گواہی دیں گے' اس کی نہایت نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمایئے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ساری خلق کی ایسی پوشیدہ باتوں میں مطلع فرمایا ہے جو دوسروں کو نہیں معلوم ہو سکتیں' دیکھو سیدنا عبد اللہ کے باپ حذافہ ہی ہیں نہ کہ کوئی اور' اور یہ ایسی بات ہے جو عبد اللہ کی ماں کے سوا کوئی نہیں جان سکتا' مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم باذن پروردگار اس پر بھی مطلع ہیں' حدیث شریف میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد عبد اللہ کی والدہ اپنے بیٹے عبد اللہ پر بہت ناراض ہوئیں اور بولیں کہ تم نے آج مجھے بدنام کر دیا تھا' اگر زمانہ جاہلیت میں میں نے کوئی جرم کیا ہوتا' تو آج میں بھرے مجمع میں کیسی رسوا ہوتی' ہم لوگوں نے دور جاہلیت میں بڑے بڑے گناہ کئے ہیں' ان سے پوچھ پوچھ کر ہمارے پردے فاش کراتے ہو! میرے ایک دوست حاجی عبد اللطیف ایوب بھورا نے جو میرے شیخ الدلائل بھی ہیں' ایک شعر بہت وجد آفریں فرمایا ہے' عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ۔

غریق بحر عصیاں بندۂ عبد اللطیف پردہ عیبوں پر مرے ستار رہنے دیجئے

www.alahazratnetwork.org

ایک اور شاعر کہتا ہے۔

دامن میں چھپا لو مجھے دامن میں چھپا لو! پردہ مرے عیبوں کا نہ کھل جائے محمد
خدا مطلع ساخت بر جملہ غیب علی کل شئی خبیر آمدی!
نیامد مثال تو در دو جہاں نذیر آمدی بے نظیر آمدی!

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار کرنا اس کا مذاق اڑانا منافقوں کا کام ہے' جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا ام المومنین عائشہ صدیقہ اور تمام صحابہ کرام کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آسمان و زمین کی کوئی چیز مخفی نہیں' چنانچہ ام المومنین نے ایک سوال کیا تھا کہ یا رسول اللہ کوئی ایسا شخص بھی ہے' جس کی نیکیاں آسمان کے تاروں کے برابر ہوں؟ فرمایا ہاں وہ عمر ہیں' یہ سوال اسی سے ہو سکتا ہے جسے ہر شخص کی ہر کھلی چھپی نیکی کی بھی خبر ہو' اور آسمان کے تاروں کی گنتی کی بھی خبر ہو۔ **پانچواں فائدہ:** تمام رسولوں پر ایمان لانا ایسا ہی ضروری ہے' جیسے خدا تعالیٰ پر ایمان لانا جیسا کہ **فامنوا باللہ ورسلہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا انکار کر کے' ایمان کا دعویٰ غلط ہے' دیکھو منافقین نے اس علم ہی کا تو انکار کیا تھا' رب تعالیٰ نے فرمایا **فامنوا باللہ** **ساتواں فائدہ:** ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جیسا کہ **وان تومنوا وتتقوا** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ مومنوں کو ثواب ان کی شان کے لائق نہ دیگا' بلکہ اپنی شان کریمی کے لائق عطا فرمائے گا جو ان کے وہم و گمان سے وراء ہو گا' جیسا کہ **اجر عظیم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر میں تعارض ہے' تمہارے پہلے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جملہ تکالیف اور مصیبتیں مخلص و منافق کی چھانٹ کا ذریعہ ہیں' اور آخری بات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان اور آپ کی خبریں اس امتیاز کا ذریعہ ہیں' ان دونوں کلاموں میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ حوادثات سے چھانٹ ان منافقوں کی ہوئی جو اس وقت موجود تھے' باقی تمام کی پہچان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سے ہے' کلی جزئی پہچانوں میں فرق ہے' دوسرے یہ کہ علامات سے پہچان ظنی ہوتی ہے' مگر سرکار کے فرمان سے یقینی' لہذا دونوں باتیں صحیح ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن کریم فرماتا ہے **لا تعلمھم نحن نعلمھم** اے محبوب منافقوں کو تم نہیں جانتے ہم جانتے ہیں' جس سے معلوم ہوا کہ منافقوں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے خبر تھے' پھر آپ لوگوں کو ان سے خبردار کیسے کر سکتے ہیں؟

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں' ایک یہ کہ تمہاری پیش کردہ آیت اس زمانہ کی ہے' جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کا علم نہیں دیا گیا تھا' پھر بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا علم دیا گیا' رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **ولتعرفنھم فی لحن القول** آپ انہیں گفتگو کے لہجوں سے پہچان لیتے ہیں' لہذا دونوں آیات درست ہیں ان آیات کے موقعہ مختلف ہیں' مگر یہ جواب کچھ ضعیف سا ہے' کیونکہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل ہی میں دنیا بھر کے بعض منافق مومن دکھا دیئے گئے تھے اور آپ اول ہی سے سب کو پہچانتے ہیں' دوسرا یہ کہ **لا تعلمھم** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں ہے بلکہ عام قرآن خواں مسلمان سے' یعنی اے مسلمان ان

www.alahazratnetwork.org

منافقوں کو تو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں تاکہ آیات متعارض نہ ہوں۔ تیسرا یہ کہ **لا تعلمهم** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے خطاب ہے مگر اس کا مقصد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں بلکہ منافقوں پر اظہار غضب ہے' بلا تشبیہ باپ نالائق بیٹے کو مارنے لگے' ماں سفارش کرے' تو باپ کہتا ہے کہ اس موذی کو تم نہیں جانتیں' اسے تو میں ہی جانتا ہوں' حالانکہ ماں اسکی نالائقی کو جانتی ہے' مقصد یہ ہوتا ہے کہ تم اسے چھوڑ دو مت' میں ضرور سزا دونگا' ایسے ہی یہ بھی ہے' لہذا آیات میں تعارض نہیں' یہ جواب قوی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے انجام و آغاز پر مطلع فرمایا ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کے موجودہ حالات سے بے خبر ہوں' اسکی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرمائیے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا کہ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہیں غیب پر اطلاع نہیں بخشتا مگر بغیر غیب جانے ایمان نہیں ملتا' رب تعالیٰ کی ذات و صفات' فرشتے' جنت و دوزخ' قیامت وغیرہ سبھی غیب ہیں ان سب ہی پر ایمان لانا ضروری ہے' بغیر غیب جانے ماننا اور ایمان لانا کیسا؟؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ غیب دو قسم کے ہیں' ایک قسم کے غیب پر ایمان لانا ضروری ہے' ہر مومن کو اس کی اطلاع دی گئی' دوسرا وہ جو رب تعالیٰ کا خاص غیب ہے' اس پر ایمان لانا ضروری نہیں' نہ اسکی اطلاع عام مسلمانوں کو دی گئی' آیات ثبوت میں اور قسم کا غیب مراد ہے' اور آیات نفی میں دوسری قسم کا غیب مراد۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ رسولوں کو چن لیتا ہے' اس میں یہ کب فرمایا گیا کہ انہیں علم غیب بھی دیتا ہے' آیت میں رسولوں کو علم غیب دینے کا بالکل ذکر نہیں۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ لکن اس چیز کا ثبوت کرتا ہے جسکی پہلے نفی ہوئی ہو' جبکہ پہلے علم غیب دینے کی نفی ہوئی' جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید **لیطلعکم** کے خطاب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہوں' اور آپ کو بھی علم غیب نہ دیا گیا ہو تو ارشاد ہوا **ولکن الله** لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو چن لیتا ہے' کاہے کیلئے منتخب کیا بلانے اور دعوت دینے کیلئے' نہ کہ دوسرے کام کیلئے' لہذا یہ چننا عطائے علم غیب کیلئے ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطائے علم غیب کیلئے صرف رسولوں کا انتخاب ہوتا ہے' تو کیا اولیاء کو غیب نہیں سکھایا بتایا جاتا؟؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر روح المعانی نے اسی جگہ یہ دیا ہے کہ قوت قدسیہ والے اہل کشف کو بھی غیوب پر مطلع فرمایا جاتا ہے' مگر وہ بواسطہ نبی ہوتا ہے نہ کہ بلاواسطہ' یہاں بلاواسطہ علم غیب کیلئے انتخاب کا ذکر ہے' لہذا یہ آیت کریمہ علم اولیاء کے خلاف نہیں' اولیاء اللہ کا علم غیب قرآنی آیات سے ثابت ہے' دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کھیت میں دانہ' بھوسہ' گھاس' درخت خاردار اور باردار یکجا ہوتے ہیں سب ہی پانی لیتے دھوپ و ہوا کھاتے ہیں مگر ایک دن آتا ہے کہ مالک گھاس خار وغیرہ کو کاٹ کر باہر پھینک دیتا ہے' کھیت میں خالص پودے چھوڑ دیتا ہے' پھر دوسرا وقت آتا ہے کہ خود پودے کے دانہ بھوسے سے علیحدہ کر دیئے جاتے ہیں' ایسے ہی دنیا میں مخلص منافق' کافر رلے ملے بس رہے ہیں' رب تعالیٰ کی ربوبیت سے سب ہی فائدہ اٹھا رہے ہیں' مگر اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بھیج کر مومن و کافر میں عملی' قولی چھانٹ کر دی' منافقوں کی بھی قولی چھانٹ کر کے مخلصوں کو ان سے آگاہ کر دیا' پھر قیامت میں ان تینوں جماعتوں کی ایسی چھانٹ ہوگی کہ سبحان اللہ! کافر و منافق تو دوزخ میں پھینکے جائیں گے اور مخلص مومن جنت میں رکھے

www.alahazratnetwork.org

ہی بس نہیں ہوگی بلکہ **ونقول ذوقوا عذاب الحریق** اگرچہ یہ کہنے والے فرشتے ہوں گے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے کہیں گے لہٰذا گویا رب تعالیٰ ہی فرمائے گا **ذوق** کے معنی ہیں چکھنا' کبھی یہ لفظ کمی بیان کرنے کیلئے آتا ہے' کہا جاتا ہے میں نے کھایا نہیں صرف چکھا ہے' کبھی انتہائی شدت بیان کرنے کیلئے' کہا جاتا ہے کہ اپنے کئے کا مزا چکھ' یہاں دوسرے معنی میں ہے' یہ فرمان یا تو ان کے مرتے وقت ہوگا یا قبر میں جاکر یا محشر میں پہنچ کر یا دوزخ میں داخل ہوکر (تفسیر کبیر) **حریق حرق** سے بنا بمعنی جلنا' جلانا اور جلن' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں' آگ کو بھی حریق کہتے ہیں کہ وہ جلانے والی ہے (از غیاث) خیال رہے کہ کفار کو مرتے وقت اور قبر میں بلکہ محشر میں بھی آگ کا عذاب ہوگا اور دوزخ میں پہنچ کر آگ میں عذاب ہوگا۔ لہٰذا **عذاب حریق** ہر جگہ صادق آئے گا **ذلک بما قدمت ایدیکم** یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے جملہ کی وعیدوں کی وجہ بیان فرما رہا ہے **ذلک** سے اشارہ ہے قول کی طرف ہے یا ذوق کی طرف یا عذاب کی جانب یا حریق کی طرف **ب** سببیہ ہے' **ما** مصدریہ' اور **قدمت تقدیم** سے بنا بمعنی آگے بھیجنا یا آگے کرنا' اگرچہ کفار سارے ہی اعضاء سے گناہ کرتے ہیں مگر چونکہ زیادہ تر گناہ ہاتھوں سے ہوتے ہیں اس لئے یہاں ایدی کا ذکر فرمایا' نیز کبھی ید یا وجہ بول کر پوری ذات مراد لیتے ہیں یعنی ہمارا یہ فرمان' عذاب یا تمہارا عذاب کا چکھنا یا عذاب یا آگ ان اعمال کی وجہ سے ہے جو تم دنیا کی زندگی میں پہلے بھیج چکے ہو' تمہارے گناہوں کے سارے پارسل ہمارے پاس محفوظ ہیں **وان اللہ لیس بظلام للعبید** واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ **ما قدمت** پر معطوف **ظلام** مبالغہ کیلئے نہیں بلکہ نسبت کیلئے ہے یعنی ظلم والا جیسے تمار چھوہاروں والا ابن مالک نحوی کہتے ہیں۔

ومع فاعل وفعال فعل فی نسب اغنی عن الیا فقبل
(صاوی)

یعنی محض گناہوں پر سزا دینا' بغیر گناہ کسی کو نہ پکڑنا' اس لئے ہے کہ پروردگار بندوں پر ظلم نہیں فرماتا جو خود ہی سزا کا مستحق بن جائے اسے سزا دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب انور صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق بالکل سچے ہیں' یہ فخاص کی جو بکواس بیان فرما رہے ہیں درست ہے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کا یہ قول سن لیا' جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے ہم غنی ہیں اس لئے وہ ہم سے قرض مانگتا ہے فقیر غنی سے قرض مانگا کرتے ہیں' جو کچھ یہ کہہ رہے ہیں وہ بھی' اور جو یہ لوگ گزشتہ زمانہ میں نبیوں کو ناحق قتل کر چکے وہ بھی ہم لکھ رکھیں گے' انکی یہ تحریر ہمارے ہاں محفوظ رہے گی۔ نہ ضائع ہوگی نہ تبدیل جب یہ ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو ہم بلا واسطہ یا فرشتوں کے ذریعہ انہیں فرمائیں گے کہ اب اپنے جرموں کی سزا میں آگ کا عذاب خوب چکھو۔ انہیں جرموں پر آخرت میں سزا دینا' ان اعمال بد کی وجہ سے ہوگا' جو وہ دنیا میں کر چکے تھے اور بغیر جرم سزا نہ دینا اور مجرم کو فوراً نہ پکڑنا توبہ کیلئے بہت ڈھیل دینا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں کرتا' وہ عدل و فضل ہی فرماتا ہے' لہٰذا اس کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہئے اللہ تعالیٰ نے ان یہود کو عذاب حریق کا کچھ مزہ دنیا میں بھی چکھا دیا کہ یہ متکبر مالدار سود مدینہ طیبہ سے جلا وطن کر کے دربدر پھرائے گئے' اور وہ فقراء غرباء مسلمین جنہیں یہ نظر حقارت سے دیکھتے تھے' تخت و تاج' ملک و دولت کے مالک بنا دیئے گئے' جس سے انکے دل جلتے تھے مگر کچھ نہ کر سکتے تھے یہ تو دنیا کی جلن ہے' آخرت کی جلن اور زیادہ ہوگی۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق بارگاہ الٰہی میں بڑے درجہ و منزلت والے ہیں کہ رب تعالٰی انکی حقانیت کی گواہی دیتا ہے' دیکھو اس مقدمے میں جو بارگاہ نبوی میں پیش ہوا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم' صدیق اکبر رضی اللہ عنہ مدعی' رب تعالٰی صدیق اکبر کا گواہ مگر یہ گواہی ایسی ہے جیسے بادشاہ اپنے قاضی کی کچہری میں اپنے کسی رعایا کی گواہی دے' اس سے حاکم یا مدعی کا درجہ بادشاہ سے نہ بڑھ جائے گا' بادشاہ بادشاہ ہے قاضی اس کا ملازم۔ دوسرا فائدہ: مسلمانوں یا اسلام یا آیات قرآن کا مذاق اڑانا بدترین جرم ہے کہ رب تعالٰی نے اسے قتل انبیاء کے ساتھ بیان فرمایا اور ان دونوں جرموں کی سزا ایک بیان فرمائی' رب تعالٰی کو عزت انبیاء بڑی پیاری ہے کہ جو ان کی تعظیم کرے وہ رب تعالٰی کا پیارا ہے' جو ان کی توہین کرے' رب تعالٰی کے ہاں مردود ہے۔ تیسرا فائدہ: رب تعالٰی کے شان میں بلکا لفظ استعمال کرنا کفر بلکہ بدترین کفر ہے' دیکھو رب تعالٰی کو فقیر کہنا کفر قرار دیا گیا' اسی طرح حضرات انبیاء علیہم السلام کو اولیاء اللہ کو فقیر کہنا سخت بے ادبی ہے' اگرچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الفقر فخری** کہ فقر میرا فخر ہے' مگر لفظ فقیر ہلکا ہے' اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نہ بولو' دیکھو رب تعالٰی کو زارع کہہ سکتے ہیں' حارث نہیں' **ام نحن الزارعون** یوں ہی رب تعالٰی کو حکیم کہہ سکتے ہیں' شافی الامراض کہہ سکتے ہیں' طبیب نہیں کہہ سکتے' کہ حارث پیشہ ور کسان کو اور طبیب پیشہ ور حکیم کو کہا جاتا ہے' رب تعالٰی کیلئے یہ لفظ موزوں نہیں' اس کی مکمل بحث ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ فرمائیے۔ چوتھا فائدہ: رب تعالٰی کے مقابلہ میں اپنے کو غنی کہنا حرام بلکہ کفر ہے جیسا کہ **نحن اغنیاء** سے معلوم ہوا' انسان کتنا ہی غنی و مالدار ہو' مگر اللہ رسول کے دروازے کا فقیر ہے رب تعالٰی فرماتا ہے **اللہ الغنی وانتم الفقراء** اللہ تعالٰی غنی ہے اور تم سب اسکے فقیر اور فرماتا ہے **اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ** انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل و کرم سے غنی کردیا معلوم ہوا کہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقیر ہیں' مگر اغناء ان کے دروازہ کی بھیک ہے مولانا فرماتے ہیں۔

چونکہ ذاتش ہست محتاج الیہ زاں سبب فرمود حق صلوا علیہ

چونکہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں' اسی لئے رب تعالٰی نے فرمایا انہیں دعائیں دو کہ فقیر غنیوں کو دعائیں دیکر ہی بھیک مانگتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: فرشتے بارگاہ الٰہی میں بڑے مقبول بندے ہیں کہ رب تعالٰی نے انکے کام کو اپنا کام فرمایا' دیکھو نامہ اعمال لکھنا فرشتوں کا کام ہے' مگر رب تعالٰی نے فرمایا **سنکتب** ہم لکھ رکھیں گے' اسکا عکس بھی ثابت ہے' حضرت جبریل نے بی بی مریم علیہا السلام سے عرض کیا **لاھب لک غلاما زکیا** تاکہ میں تمہیں ستھرا بیٹا بخشوں' دیکھو بیٹا دینا رب تعالٰی کا کام ہے' مگر حضرت جبریل فرماتے ہیں میں بیٹا دوں گا' عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ باذن پروردگار میں مردے زندہ' کوڑھے' اندھے اچھے کرتا ہوں۔ چھٹا فائدہ: گناہ سے راضی ہونا' گناہگار کی حمایت کرنا بھی گناہ ہے دیکھو موجودہ بنی اسرائیل نبیوں کے قاتل نہ تھے' مگر چونکہ وہ قاتلوں کے حامی تھے' اس لئے انہیں بھی قاتلوں کی صف میں رکھا گیا' یہاں تفسیر کبیر میں ہے کہ کسی نے امام شعبی کے پاس بیٹھ کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قتل کا واقعہ بیان کیا اور قاتلین کی تعریف کی تو امام شعبی نے فرمایا تو بھی خون عثمانی میں شریک ہو گیا اور یہ آیت تلاوت کی **فلم قتلتموہ** دیکھو ان قاتلین اور ان قائلین میں سات سو برس کا فاصلہ تھا' مگر قائلین کو قاتلین فرمایا گیا' آج جو بدنصیب قتل حضرت عمر یا قتل عثمان یا قتل حسین پر خوشی منائے یا قاتلوں کی حمایت کرے وہ بھی قاتلین کے زمرہ میں شامل ہے۔ (تفسیر کبیر) ساتواں فائدہ: اللہ تعالٰی بغیر جرم کسی کو دوزخ

www.alahazratnetwork.org

جائیں گے "اس آیت میں دنیاوی ایک چھانٹ کا ذکر ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت مومن و منافق میں قولی چھانٹ کر دی جائیگی "حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بلکہ آپ کا نام شریف آج تک مومن و منافق میں چھانٹ کا ذریعہ ہے کہ آج بھی ان ہی کا نام مومن و منافق میں باعث فرق ہے۔

مومن وہ ہے جو ان کی عزت پہ مرے دل سے
تعظیم بھی کرتا ہے نجدی تو مرے دل سے

جو کسوٹی پر سیاہ رو ہو جائے وہ سونا کھوٹا ہے جو کسوٹی پر سرخ رو رہے ہیں وہ ہی اصلی سونا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سن کر سیاہ رو ہو جائے وہ منافق ہے "جو ان کی تعریف پر کھل جائے وہ مومن مخلص ہے "صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ یار کا راہ طے کرنے کیلئے ایمان و تقویٰ کے قدم ضروری ہیں "اور ایمان و تقویٰ بغیر وسیلہ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میسر نہیں ہوتا "حقائق و احوال کے غیب صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کھلتے ہیں "اس آیت کریمہ میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب۔

حقا کہ بے متابعت سید رسل
ہر گز کسے بمنزل مقصود رہ نہ یافت
از ہیچ او بہ ہیچ درے رہ نمے وہند
آں را کہ زآستانہ او روئے دل بتافت

دوزخ کے بحر نار سے گزرنے کیلئے توحید کی کشتی قرآن کی رسی "نماز کی میزان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کشتی بان چاہئیں "ان کے بغیر وہ دریا عبور ہونا غیر ممکن ہے "مسلمان کو چاہئے کہ زندگی کی ساعات رب تعالیٰ کی طاعات میں گزار دے" موت و فوت سے پہلے آخرت کیلئے توشہ تیار کرے بعد موت سوائے افسوس کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

اگر مردہ مسکیں زباں داشتے!
بفریاد و زاری فغاں داشتے
کہ اے زندہ ہست امکان گفت
لب از ذکر چوں مردہ برہم مخفت
چو مارا بغفلت بشد روزگار
تو باری دے چند فرصت شمار

دنیا میں مومن و مخلص میں فرق اقوال یا افعال سے ہوتا ہے "آخرت میں فرق چہرے کی سفیدی و سیاہی سے ہوگا کہ اس دن دل کا حال چہرے پر ظاہر ہوگا (از روح البیان مع زیادۃ)۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا
اور ہرگز نہ گمان کریں وہ لوگ جو کنجوسی کرتے ہیں اس میں جو اللہ نے انہیں دی اپنے فضل دی اس کو
اور جو بخل کرتے ہیں اس چیز میں جو اللہ نے انہیں اپنے فضل دی ہرگز اسے اپنے لئے اچھا نہ
لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اپنے لئے اچھا بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب طوق ڈالے جائیں گے اپنی بخل کی ہوئی چیز کا قیامت کے دن
سمجھیں بلکہ وہ ان کے لئے برا ہے عنقریب وہ جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن ان کے گلے کا ہار ہوگا اور

www.alahazratnetwork.org

وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ ع

اور اللہ ہی کے لئے ہے میراث آسمانوں اور زمین کی اور اللہ اس پر خبردار ہے جو تم کرتے ہو

اللہ ہی وارث ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے خبردار ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مومن و منافق کی دنیاوی چھانٹ کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں ان کی اخروی چھانٹ کا ذکر ہے کہ مومن عموماً سخی ہوتا ہے منافق عموماً بخیل تو قیامت میں عموماً منافق کے گلوں میں انکے مال بطور ہار پڑے ہوں گے مومنین کے گلے کھلے ہوں گے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں لوگوں کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا اب زکوٰۃ و خیرات کا حکم دیا جا رہا ہے جو تقویٰ کا رکن اعلیٰ ہے گویا اجمال کے بعد قدرے تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت متعدد طریقوں سے دی گئی جہاد میں جان راہ خدا میں ہی خرچ کی جاتی ہے' اب راہ خدا میں مال خرچ کرنے کی ترغیب ہے گویا جانی جہاد کے بعد مالی جہاد کا حکم ہے۔

چوتھا تعلق: بہت دور سے جہاد کی ترغیب اور جہاد نہ کرنے والوں کی برائیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے' اور جہاد میں پہلے مال خرچ کیا جاتا ہے' ہتھیار وغیرہ خرید کئے جاتے ہیں' پھر جان کے خرچ کی باری آتی ہے' اسی لئے اب ان لوگوں کی مذمت کا تذکرہ ہے جو ایسے موقعوں پر بخل سے کام لیتے ہیں۔

شان نزول: حضرت امام جعفر صادق و ابن مسعود' شعبی' سدی وغیرہم فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان مالدار مسلمانوں کے متعلق نازل ہوئی جو زکوٰۃ نہیں دیتے یا کم دیتے ہیں' پوری نہیں دیتے' ابن جریر ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت ان علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی' جو توریت کی وہ آیات چھپاتے تھے جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ہیں انہیں بیان کرنے میں بخل کرتے تھے (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)

تفسیر: **ولا یحسبن الذین یبخلون بما اتھم اللہ من فضلہ:** ہماری قراءت میں **لا یحسبن** ی سے ہے' اسکا فاعل یا تو رسول اللہ علیہ وسلم ہیں یا ہر قرآن کا پڑھنے والا' اور **الذین** سے پہلے بخل پوشیدہ ہے یہ سب مل کر **یحسبن** کا پہلا مفعول ہے' ھو ضمیر فصل ہے' **خیرا لھم** مفعول دوم یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن پڑھنے والا مسلمان ان کنجوسوں کے بخل کو ان کیلئے بہتر ہر گز نہ سمجھیں' یا **لا یحسبن** کا فاعل **الذین** مع صلہ کے ہے' اور اس کا پہلا مفعول یعنی **بخلھم** پوشیدہ ہے کیونکہ **یبخلون** اس پر صاف دلالت کر رہا ہے' ایسی دلالت پر افعال قلوب کا مفعول پوشیدہ ہو سکتا ہے اور **خیرا لھم** مفعول دوم یعنی یہ مذکور کنجوس لوگ اپنے بخل کو اپنے حق میں بہتر ہر گز نہ سمجھیں۔ (کبیر معانی وغیرہ) مگر حمزہ کی قراءت میں **لا تحسبن'** ت سے ہے' اور خطاب یا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا قرآن پڑھنے والے سے یعنی اے محبوب یا اے قرآن پڑھنے والے تم ان لوگوں کے بخل کو ان کے حق میں بہتر نہ سمجھو' ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد مالدار مسلمان ہیں کیونکہ غریب مسلمان پر زکوٰۃ فرض نہیں' اور کافر شرعی احکام کا مکلف نہیں' نہ اس پر سخاوت واجب ہے' نہ بخل شرعاً حرام' اور ہو سکتا ہے کہ الذین سے مراد علمائے یہود ہوں' اس صورت میں بخل سے علم کا بخل مراد ہو گا' **یبخلون'** **بخل** سے بنا' بخل جود

www.alahazratnetwork.org

وسخاء کا مقابل ہے' بخل کے معنی ہیں روکنا' اصطلاح میں بخل یہ ہے وہاں سے مال وغیرہ کا روکنا جہاں سے مناسب نہ ہو' حقوق کا ادا نہ کرنا بھی بخل ہے' خواہ انسانوں کا حق ادا نہ کرے یا شریعت کا یا اللہ تعالیٰ کا' لہٰذا زکوۃ نہ دینے والا اپنے حاجتمند ماں باپ' بال بچوں کمال قرابت پر خرچ نہ کرنیوالا نیز اپنے پر خرچ نہ کرنے والا بخیل' یوں ہی بوقت ضرورت مسلمانوں پر خرچ نہ کرنیوالا' جہاد میں باوجود ضرورت کے صرف نہ کرنے والا بخیل' بما سے مراد یا تو مال ہے یا علم یا اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتیں' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں' من فضلہ فرما کر اشارۃ" دو باتیں ارشاد ہوئیں' ایک یہ کہ جسے جو کچھ ملا رب تعالیٰ کے فضل اسکی مہربانی سے ملا نہ کہ محض اپنے کمال سے' دوسرے یہ کہ جب رب تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں سب کچھ دیا ہے تو تم بخل کیوں کرتے ہو' اس کے دیئے سے اس کی راہ میں خرچ کرو هو خیرا لهم: هو ضمیر فصل ہے جو لا یحسبن کے دو مفعولوں کے درمیان واقع ہوئی خیرا اس کا دوسرا مفعول ہے' اس کی تنوین تحقیری ہے یعنی یہ ہرگز گمان نہ کرو کہ جو لوگ اللہ کے دیئے میں بخل کرتے ہیں' ان کا بخل ان کیلئے کچھ بھی اچھا ہے نہیں بل هو شر لهم: بل اضراب کیلئے ہے یعنی پہلے کلام کی نفی اور مابعد کا ثبوت ہے ھو کا مرجع بخل ہے' اور ہو سکتا ہے کہ اسکا مرجع ما ہو' شر خیر کا مقابل ہے' جس کا انجام اچھا ہو وہ خیر ہے' جس کا انجام برا ہو وہ شر' اور شر کی تنوین تعظیم کیلئے ہے یعنی وہ بخل یا جس مال میں بخل کیا گیا' وہ مال ان بخیلوں کیلئے بہت ہی برا ہے سیطوقون ما بخلوا به یوم القیمۃ یہ جملہ شر لهم کا بیان ہے یطوقون' طوق سے بنا' جو چیز گلے میں ڈالی جائے وہ طوق ہے' خواہ قدرتی ہو' جیسے کبوتر کے گلے کا طوق یا مصنوعی جیسے ہار ہنسلی وغیرہ' بھی لازم چیز کو طوق کہہ دیا کرتے ہیں' کہا جاتا ہے قرض میرے گلے کا ہار بن گیا یا فلاں کا احسان میرے گلے کا طوق ہے' اس فعل میں ضمیر' ھم پوشیدہ ہے جو اس کا پہلا مفعول ہے اور ما بخلوا دوسرا مفعول' اگر ما بخلوا سے مراد وہ مال ہے جس میں بخل کیا گیا تو طوق سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ وہ مال سانپ کی شکل میں بخیل کی گردن میں پڑیگا' اسے ڈسے گا' اور اگر ما بخلوا سے مراد علم ہے تو طوق سے مجازی معنی مراد ہیں۔ یوم القیامۃ فرما کر دو باتیں بتائی گئیں' ایک یہ کہ بخیل کی قیامت میں پردہ پوشی نہ ہوگی' بلکہ اس طوق کے ذریعہ اسے سارے محشر میں رسوا کیا جائیگا۔ دوسرے یہ کہ بخل کا اصل عذاب تو بعد قیامت ہوگا' عارضی سزا اس کی یہ ہوگی کہ پچاس ہزار سال کے دن میں اسے یہ طوق ڈالے ہوئے پھرنا ہوگا یعنی بخیل لوگوں کو قیامت کے دن انکے بخل کئے ہوئے مال کا طوق و ہار پہنایا جائے گا یا بخیل علماء کا بخل کیا ہوا علم قیامت کے دن گلے کا طوق بن کر انہیں لازم ہو جائیگا جس کے وبال سے وہ چھوٹ نہ سکیں گے' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ جس عالم سے دینی مسئلہ پوچھا جائے' اور وہ بلا مانع شرعی نہ بتائے' علم دین چھپائے تو قیامت میں اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی (تفسیر کبیر) ولله میراث السموت والارض یہ نیا جملہ ہے جس میں بخیلوں کی نادانی کا ذکر ہے میراث مصدر ہے' جیسے میعاد' میلاد' معراج وغیرہ' میراث' موراث تھا' میم کے کسرہ کی وجہ سے واؤ' ی بن گیا' اس کا مادہ ورث ہے کسی چیز کا دوسرے کی طرف بغیر کسی عقد کے منتقل ہو جانا ورثہ کہلاتا ہے' اس جملہ کے دو معنی ہیں' ایک یہ کہ آسمان و زمین کی وہ چیزیں جو ایک دوسرے کو بطور میراث ملتی ہیں' وہ سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں' نہ مال تمہارا اپنا ہے نہ علم تمہارا اپنا' اس صورت میں آیت بالکل ظاہر ہے' دوسرے یہ کہ آسمان و زمین والے آخر فنا ہوں گے اور ان کی ظاہری ملکیتیں ختم ہوں گی' ان کی مملوک چیزیں ظاہری طور پر بھی اللہ ہی کی رہ جائیں گی جیسے فانی مردہ کا مال زندہ وارثوں کا ہو جاتا ہے' اس صورت میں اسے میراث فرمانا مجازاً ہے' یعنی بخیل بڑے بے وقوف ہیں' وہ بخل کریں یا سخاوت مال وغیرہ ان کے پاس رہیں گے نہیں' اس کا وبال

www.alahazratnetwork.org

رہ جائیگا (تفسیر کبیر و روح المعانی) واللہ بما تعملون خبیر یہ جملہ وعید بھی ہے وعدہ بھی ہے بشارت بھی ہے انداز بھی یعنی اے سخیو! جو کچھ تم سخاوت کرتے ہو ہمیں اسکی خبر ہے، تمہیں پورا پورا بدلہ مع انعام کے عطا فرمایا جائے گا اور اے کنجوسو! تمہارے بخل و کنجوسی کی رب تعالیٰ کو خبر ہے اپنا حال سنبھالو ورنہ مار کھاؤ گے۔

خلاصہ ءِ تفسیر: اس آیت کریمہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں جو ابھی ابھی عرض کی گئیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں وہ لوگ جو اس مال میں بخل و کنجوسی کرتے ہیں، جو انہیں اللہ نے محض اپنے فضل سے دیا نہ کہ محض ان کے کمال سے، اس طرح کہ مال کے شرعی حقوق ادا نہیں کرتے، زکوٰۃ اور دیگر واجب صدقے نہیں دیتے، خود نہیں کھاتے پیتے، بال بچوں کو تنگی میں رکھتے ہیں، ماں باپ، عزیز و اقارب پر انکی حاجت کے باوجود خرچ نہیں کرتے مسلمانوں کو اڑی ضرورت میں بھی مال نہیں دیتے وہ لوگ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ ان کا بخل یا ان کا بخل کیا ہوا مال ان کیلئے کچھ بھی بہتر ہو یعنی اپنے بخل کو اپنے لیے اچھا نہ جانیں ان کیلئے یہ مال یا بخل پوری مصیبت ہے۔ جس کا انجام بہت ہی خراب ہو گا، قیامت کے دن ان کا بخل کیا ہوا مال گنجے سانپ کی شکل میں ان کے گلے کا طوق بن کر انہیں ڈسے گا جس سے انہیں سخت تکلیف بھی ہو گی اور بھرے مجمع میں رسوائی بھی، وہ بیوقوف یہ نہیں سمجھتے کہ ان کے مال و متاع کا آسمان و زمین تمام چیزوں کا اللہ ہی والی و وارث ہے، پھر انہیں بخل سے فائدہ کیا، سخاوت کریں یا بخل مال ان کے پاس ٹھہرنے کا نہیں، ہاں سخاوت کا مال (اچھا نتیجہ) اور بخل کا وبال دائم و قائم رہے گا، خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم سب کے ہر اچھے برے کام کو دیکھ رہا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: بخل سخت گناہ ہے، جس کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ ابوداؤد میں بروایت حضرت ابن عمر ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بخل سے بچو، پچھلی امتیں بخل کی وجہ سے ہلاک ہوئیں، ترمذی شریف میں بروایت حضرت ابو سعید خدری ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو خصلتیں مومن میں جمع نہیں ہوتیں، بخل، بد خلقی، بخاری شریف میں بروایت ابو ہریرہ ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ مال دے، پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ نکالے تو قیامت میں اس کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کے گلے میں پڑے گا، اس کے جبڑے چبائے گا اور کہے گا، میں ہوں تیرا مال، میں ہوں تیرا خزانہ۔ مسلم بخاری میں بروایت ابوذر غفاری ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم رب کعبہ کی ہلاک ہو گئے مالدار سوا ان کے جو اپنے آگے پیچھے، دائیں بائیں راہ خدا میں خرچ کرتے رہیں، زکوٰۃ نہ دینے والے قیامت میں اونٹ والے اپنے اونٹوں کو، گائے بکری والے اپنی گائے بکریوں کو اپنی گردنوں پر لادے پھریں گے۔ بعض روایتوں میں یوں ہے کہ بے زکوٰتی جانور اپنے مالک کو پاؤں تلے روندیں گے اور سینگ گھونپیں گے۔ (تفسیر خازن) دوسرا فائدہ: غیر مملوک اور حرام مال میں زکوٰۃ واجب نہیں جیسا کہ اٰتٰھم سے اور من فضلہ سے معلوم ہوا، غیر مملوک مال تو اللہ نے اسے دیا ہی نہیں، اور حرام مال اگرچہ اللہ نے دیا تو ہے مگر فضل سے نہیں دیا بلکہ قہر سے دیا۔

مسئلہ: تجارتی شراب اور سور میں زکوٰۃ نہیں کہ یہ مال حرام لعینہ ہے خالص چوری، سود، رشوت میں زکوٰۃ نہیں کہ یہ مال حرام لغیرہ ہے، بلکہ واجب ہے کہ سارا مال مالکوں کو دے دیا جائے اگر مالک معلوم نہ ہوں تو ان کے نام پر سارا ہی خیرات کر دیا جائے۔
تیسرا فائدہ: علم و مال بلکہ سارے کمال عطائے رب ذوالجلال ہیں محض ہماری بہادری کا نتیجہ نہیں، جیسا کہ من فضلہ سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: جس مال کی زکوۃ نہ نکالی جائے وہ مالک کیلئے بالکل خیر نہیں بلکہ محض شر ہے' وارث وغیرہ کیلئے خیر ہے جیسا کہ **لهم** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: دوسرے مجرموں کے مقابلہ میں بخیل کی سزا سخت تر ہے کہ اسے قیامت کے دن بھی سزا دی جائیگی اور بعد میں بھی جیسا کہ **یوم القیامة** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ بعض گنہگاروں کو قیامت میں رسوا فرمائے گا جیسا کہ **سیطوقون** سے معلوم ہوا' پردہ پوشی اور گناہوں کی ہے' رسوائی دوسرے گناہوں کی۔ ساتواں فائدہ: علم دین کا بخل بد ترین گناہ ہے جیسا کہ **یبخلون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ **لا یحسبن** کا پہلا مفعول **بخلهم** پوشیدہ ہے' حالانکہ **لا یحسبن** افعال قلوب میں سے ہے' اس کا مفعول پوشیدہ نہیں ہو سکتا! جواب: افعال قلوب کا مفعول پوشیدہ ہونا اس وقت منع ہوتا ہے جبکہ قرینہ سے بھی معلوم نہ ہو سکے' یہاں **یبخلون** سے معلوم ہو رہا ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بخیل کا مال طوق بن کر اس کے گلے میں پڑے گا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مال گرم کرکے بخیل کے جسم پر رکھا جائے گا اور اس سے داغا جائیگا **فتکوی بها جباههم** ان میں سے کون سی آیت صحیح ہے؟ جواب: دونوں آیات درست ہیں' طوق کا عذاب قیامت کے دن ہوگا اور داغنے کا عذاب دوزخ میں پہنچ کر یا قیامت ہی میں پہلے داغنے کا عذاب ہوگا' پھر طوق کا' یا سونے چاندی سے داغا جائے گا اور دوسرا تجارتی مال طوق بن کر گلے میں پڑے گا۔ تیسرا اعتراض: اونٹ گائے' بیل وغیرہ طوق کیسے بنیں گے؟ جواب: مختلف بخیلوں کی مختلف سزائیں ہیں' جانوروں کا بخیل قیامت میں جانور لادے پھریگا اور دوزخ میں ان سے روندا جائے گا' سونے چاندی کا بخیل داغا جائے گا' دوسرے تجارتی مالوں کا بخیل طوق پہنایا جائیگا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے قیامت میں بخیلوں کو رسوا کیا جائیگا مگر حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ میری امت کے گناہ چھپائے گا انہیں رسوائی سے بچائیگا' آیت و حدیث میں مطابقت کیسے ہو؟ جواب: اس امت کے خفیہ گناہ قیامت میں ظاہر نہ کئے جائیں گے' انکا حساب بھی خفیہ ہی ہوگا مگر اعلانیہ گناہ کا وہاں اظہار ہو جائیگا' یہ اظہار رب تعالیٰ نے نہ کیا بلکہ گنہگار نے خود کیا' نہ وہ دنیا میں بے حیائی سے اعلانیہ گناہ کرتا' نہ آخرت میں رسوا ہوتا' اللہ تعالیٰ اپنا خوف اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرم ہر مسلمان کو عطا فرمائے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانی زمینی چیزوں کا ابھی مالک نہیں ہے' بلکہ موجودہ مالکوں کے مرنے کے بعد بطور وراثت مالک ہوگا کیونکہ وارث میراث کا مالک جب ہی ہوتا ہے جب مورث مر جائے (آریہ) جواب: اس کا جواب ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یا تو آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمانی زمینی چیزیں جو میراث میں تم ایک دوسرے سے لیتے ہو وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہیں تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں' یا مطلب یہ ہے کہ جیسے جب مورث مر جاتا ہے تو زندہ وارث اس کی چیز کے مالک ہو جاتے ہیں' ایسے ہی تمہیں فنا ہے ہم حی و باقی ہیں' لہٰذا جن چیزوں میں تم آج قابض و مالک ہو' ایک وقت ایسا آئے گا کہ تم نہ ہوگے' تمہاری چیزیں ظاہری طور پر بھی صرف ہماری ہی ملک رہیں گی' یہاں بندوں کی ملکیت مٹ جانے کے لحاظ سے میراث فرمایا گیا' وصیت' میراث وغیرہ جب رب تعالیٰ کی صفتیں ہوں تو اسکے معنی رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہوتے ہیں' خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا نام وارث بھی ہے' وہاں وارث بمعنی حامی و مددگار ہے' جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں میرا والی وارث ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: جیسے اکسیر جمادات کی حقیقت بدل دیتی ہے' تانبہ کو سونا' رانگ کو چاندی بنادیتی ہے' ایسے ہی بخل شقاوت و بد نصیبی کی اکسیر ہے اور سخاوت' سعادت و خوش نصیبی کی اکسیر' دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے مال کو اپنا فضل فرمایا مگر بخل کی اکسیر کی وجہ سے وہ فضل قہر بن گیا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا یہی مال بخیلوں کیلئے خیر نہیں بلکہ شر ہے' بدنصیب کیلئے دنیا او رمال مثل طوق کے لازم ہے کہ جیسے طوق گلے کو ہر طرح گھیر لیتا ہے' ایسے ہی دنیا غافل کے دل پر ایسے چھا جاتی ہے کہ اس کا دل کبھی نجات پاتا ہی نہیں' پھر اس کی وجہ سے حرص' حسد' کینہ' عداوت' تکبر' غصہ وغیرہ پیدا ہوتے ہیں اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے' زکوٰۃ نہ دینے سے نورانی روح ظلمانی بن جاتی ہے' خسیس روح خبیث مال سے شریف نہیں بن جاتی' گدھے کو ریشم پہنادو' وہ گدھا ہی رہتا ہے' زکوٰۃ و صدقات دنیا میں مال کیلئے مضبوط قلعہ ہیں' بلاؤں کا دفعیہ ہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ بیماروں کا علاج صدقہ سے کرو' بلاؤں کو دعاؤں سے ٹالو وہ شخص اچھا نہیں جو ایک ہفتہ میں کوئی خیرات نہ کرے اور چالیس دن میں کوئی تکلیف نہ دیکھے۔

تو باخود ببر توشہ خویشتن!	کہ شفقت نیاید ز فرزند و زن!
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک!	کہ فرداشوی سرمہ در چشم خاک!
توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ جی!	کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی
بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے	فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے

(تفسیر روح البیان)

وہ شخص بہت بیوقوف ہے جو اپنے پسماندگان کے ایصال ثواب پر بھروسہ کرکے خود نیکیاں نہ کرے عقلمند وہ شخص ہے جو اپنا توشہ خود ساتھ لے جائے بغل میں توشہ منزل کا بھروسہ۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیْرٌ وَّ نَحْنُ اَغْنِیَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ

البتہ تحقیق سن لیا اللہ نے کلام ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم غنی عنقریب ہم لکھ

بے شک اللہ نے سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ محتاج ہے اور ہم غنی اب ہم لکھ رکھیں گے

مَا قَالُوْا وَ قَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِیَآءَ بِغَیْرِ حَقٍّ ۙ وَّ نَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ (۱۸۱)

رکھیں گے جو انہوں نے کہا اور ان کا نبیوں کو قتل کرنا ناحق اور ہم کہیں گے چکھو جلنے کا عذاب

ان کا کہا اور انبیاء کو ان کا ناحق شہید کرنا اور فرمائیں گے کہ چکھو آگ کا عذاب

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَیْدِیْكُمْ وَ اَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ (۱۸۲)

یہ اس وجہ سے ہے جو آگے بھیج چکے تمہارے ہاتھ اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر

یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں صدقہ و خیرات نہ کرنے کے دنیاوی و دینوی نقصانات بتائے گئے اب مسئلہ زکوۃ و صدقات سے مخالفین کے اعتراضات اٹھائے جارہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صدقات کا حکم تھا جس کی وجہ سے یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کردیا اور بولے کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو امیروں کے صدقات و زکوۃ فقیروں کو کیوں کھلاتے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ سب کچھ پہاڑ پر رکھوا دیا کرتے جسے غیبی آگ آکر کھا جایا کرتی' اس آیت میں ان کے جوابات دیئے جارہے ہیں۔ (تفسیر کبیر) **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بخل کے اخروی برے انجاموں کا ذکر کیا گیا' اب دنیاوی برے نتائج کا ذکر ہے کہ اس بخل ہی کی وجہ سے گزشتہ قوموں نے نبیوں کو قتل کردیا۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے بندوں کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیا تھا اب کفر و فسق کا ذکر ہورہا ہے۔ جن سے بچ کر انسان مومن و متقی بنتا ہے۔

شان نزول: ابن اسحاق' ابن جریر' ابن ابی حاتم نے بروایت عکرمہ عن ابن عباس نقل فرمایا کہ ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ یہود کے بیت المدارس یعنی کنیسہ یا مدرسہ میں گئے' خود یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے تو آپ نے وہاں ملاحظہ فرمایا کہ قبیلہ بنی قینقاع کے یہود جمع ہیں اور انکے بڑے بڑے علماء جیسے حیی ابن اخطب کعب ابن اشرف اشیع بھی موجود ہیں اور انکا لاٹ پادری فخاص ابن عازورا بھی وہاں ہے' حضرت صدیق نے فخاص کو خطاب کرکے فرمایا اے فخاص اللہ سے ڈر' اسلام لے آ' قسم خدا کی تو جانتا ہے کہ **محمد رسول اللہ** صلی اللہ علیہ وسلم وہی سچے رسول ہیں جن کی بشارتیں توریت میں دی گئیں۔ لہٰذا ایمان اختیار کر نماز قائم کر زکوۃ ادا کر اور رب تعالیٰ کو قرض دے' اجر و ثواب پائے گا' فخاص بولا کہ اگر ہم خدا کو قرض دیں تو ہم غنی ہوئے اور خدا تعالیٰ فقیر کہ فقیر ہی غنی سے قرض لیتے ہیں' نیز تمہارے رسول سود کے لین دین کو حرام کہتے ہیں' پھر یہ بھی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والے کو ایک سے دس بلکہ سات سو تک بلکہ اس سے بھی زیادہ دیگا' یہ خالص سود ہوا' اگر خدا تعالیٰ فقیر نہ ہوتا تو ہم غنی لوگوں کو ایک ایک کے دس دس کیوں دیتا' ایسے اسلام کو ہم کیسے قبول کرلیں جس نے اللہ تعالیٰ کے متعلق ایسے عقیدہ ہمیں بتائے' جناب صدیق اکبر کو اس کی یہ گفتگو سن کر جوش آگیا اور آپ نے اس کے منہ پر زناٹے دار تھپڑ رسید کیا اور فرمایا کہ اگر تو ہمارا ذمی نہ ہوتا تو میں تجھے یہیں قتل کردیتا' فخاص روتا فریاد کرتا بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی شکایت کی' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دعویٰ کیلئے حضرت صدیق اکبر کو طلب فرماکر اس مارنے کی وجہ پوچھی' صدیق اکبر نے سارا واقعہ عرض کیا کہ اس نے بارگاہ الٰہی میں ایسی بکواس کی تھی میں نے مار دیا' فخاص انکاری ہوگیا اور قسم کھاکر بولا میں نے یہ کچھ نہیں کہا' اس پر آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں صدیق اکبر کی تائید اور فخاص کی تردید کی گئی' چنانچہ اس مقدمہ میں حضرت صدیق اکبر کی ڈگری ہوئی' فخاص کا دعویٰ خارج ہوا۔ (تفسیر روح المعانی' کبیر' خازن' بیضاوی' صاوی وغیرہ) خیال رہے کہ اس مقدمہ میں جناب صدیق اکبر مدعی تھے اور فخاص مدعی علیہ' قانون شرعی یہ ہے کہ مدعی گواہ پیش کرے' ورنہ مدعی علیہ قسم کھائے' اس موقعہ پر جناب صدیق اکبر کے پاس کوئی گواہ نہ تھا اندیشہ تھا کہ فخاص کے حق میں فیصلہ ہوجاتا' رب تعالیٰ جناب صدیق کا گواہ بن گیا اور صدیق اکبر کو فتح و کامرانی نصیب ہوئی' صدیق اکبر کی شان تو دیکھو کہ انکا گواہ بھی رب تعالیٰ اور انکی دختر نیک اختر عائشہ کا گواہ بھی رب تعالیٰ کہ تہمت کے موقعہ پر خود رب تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

آپکی عصمت و پاک دامنی کی گواہی دی یوسف علیہ السلام و بی بی مریم کی طرح بچوں سے گواہی نہ دلوائی۔

تفسیر: **لقد سمع اللہ** چونکہ یہود زبان سے قرآن کریم کے انکاری تھے' اگرچہ ان کے دل کہتے تھے کہ قرآن سچا ہے' اس لئے یہ آیت کریمہ لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع کی گئی' رب تعالیٰ ہر ایک کی بات سنتا ہے' جانتا ہے' مگر بعض باتیں قہر سے سنتا ہے بعض رحمت سے' فخاص کی یہ بکواس قہر و غضب سے سنی' اس لئے خصوصیت سے اس سننے کا ذکر فرمایا' ایک صحابیہ کے متعلق بھی یہی **قد سمع** ارشاد ہوا ہے' وہاں رحمت کے ساتھ سننا مراد ہے کہ ارشاد ہوا **قد سمع اللہ قول التی تجادلک**۔ **قول الذین قالوا** اگرچہ یہ بدتمیزی کی گفتگو صرف فخاص نے کی تھی مگر چونکہ سارے مدارس والے یہودی اس کے ہمنوا تھے اس لئے ان سب کو قائل قرار دیا گیا اور **قالوا** بصیغہ جمع ارشاد ہوا' **الذین** سے مراد یا سارے یہودی ہیں یا بیت المدارس والے **ان اللہ فقیر و نحن اغنیاء** یہ جملہ قالوا کا مقولہ ہے' ان کی یہ بکواس اپنے عقیدے کے اظہار کیلئے نہ تھی بلکہ اسلام کا مذاق اڑانے کیلئے تھی' ورنہ ان کا عقیدہ یہ نہیں تھا کہ رب تعالیٰ فقیر ہے' ان کا مطلب یہ تھا کہ چونکہ قرآن شریف میں یا صدیق اکبر کی تبلیغ میں یہ موجود ہے **اقرضوا اللہ قرضا حسنا** اور قرض فقیر ہی مانگا کرتے ہیں' لٰہذا رب تعالیٰ فقیر ہے' بے وقوف اتنا نہ سمجھے' کہ اس فرمان عالی میں فقراء پر اظہار کرم ہے' کہ جیسے بادشاہ کے شاہزادوں یا نوکروں چاکروں کو کچھ دینا در پردہ بادشاہ پر قرض ہوتا ہے' شادی بیاہ میں دولہا پر نچھاور کرنا دولہا کے ماں باپ پر قرض ہے بلکہ نیوتا دینا دولہا کے کمیوں کے کچھ دینا دولہا کے ماں باپ پر قرض ہے جسے وہ ان کی شادی کے موقع پر چکاتے ہیں ایسے ہی رب تعالیٰ کے غریب بندوں کو کچھ دینا' رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر گویا قرض ہے' جس کا بدلہ وہ ضرور دیگا' یہ کند ذہن یہود اس قسم کے بکواس کرتے ہی رہتے تھے' اگر کبھی بارش نہ ہوتی تو کہتے **ید اللہ مغلولۃ** اللہ کے ہاتھ بند ہیں' یعنی وہ کنجوس ہو گیا' اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ اور آپ کا رب جاؤ کفار سے جہاد کرو' ہم یہاں بیٹھے ہیں' جب جیت لوگے آجائیں گے' یعنی رب تعالیٰ قوی قادر ہے' اس کے ہوتے ہمیں جہاد میں جانے کی کیا ضرورت ہے' ایسے ہی آج کہہ رہے ہیں' کہ رب تعالیٰ غنی ہے کہ اسکے ہوتے ہمیں فقیروں کو دینے کی کیا ضرورت ہے وہ خود فقیروں کو دے لے گا' اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا کوئی جواب نہ دیا' بلکہ فرمایا **سنکتب ما قالوا** ظاہر یہ ہے کہ یہاں لکھنے سے مراد فرشتوں کا ان کے نامہ اعمال میں لکھنا ہے' چونکہ فرشتے اللہ کے محبوب بندے ہیں' ان کا کام گویا رب تعالیٰ کا کام ہے' اس لئے فرمایا کہ ہم لکھ لیں گے' اگرچہ یہ تحریر ان کے بولتے ہی ہو چکی تھی' مگر چونکہ یہ تحریر قیامت تک رہنے والی تھی' اور کسی عمل سے نہ مٹنے والی تھی' اس لئے فرمایا گیا' ہم لکھ لیں گے' کہا جاتا ہے تمہاری بات میرے دل میں لکھی گئی' دل پر نقش ہو گئی' یعنی یاد ہو گئی' بھولوں گا نہیں' یا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کی گفتگو یا بکواس قرآن میں لکھ دیں گے' کہ قیامت تک لوگ پڑھیں گے اور ان پر ہنسیں گے' **ما قالوا** سے مراد ان کی وہی گفتگو ہے جو جناب صدیق اکبر کے ساتھ ہوئی' ما مصدریہ ہے قالو بمعنی مصدر **وقتلهم الانبياء بغير حق** یہ عبارت ما قالو پر معطوف ہے' چونکہ وہ بھی ما مصدریہ کی وجہ سے مصدر ہو گیا تھا اس لئے مصدر کا مصدر پر عطف درست ہوا' مقصد یہ ہے کہ یہ تو پرانے جاہل اور بدکار ہیں' انہوں نے گزشتہ نبیوں کو ناحق قتل کر دیا' اگر آج ایسی بکواس کریں تو ان سے کیا بعید ہے' اگلے وہ قتل بھی تحریر میں آچکے ہیں اور یہ بکواس بھی' محشر میں بر سر عام ان کی یہ حرکتیں پڑھ کر سنائی جائیں گی' اور انہیں رسوا کیا جائیگا' اور صرف رسوائی پر

www.alahazratnetwork.org

میں نہ ڈالے گا جیسا کہ بما قدمت ایدیکم سے معلوم ہوا لہٰذا کفار کے نا سمجھ بچے 'دیوانے' جو نا سمجھی میں فوت ہو گئے دوزخ میں نہ ڈالے جائیں گے 'یہ ہی صحیح ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے یہود کا اعتراض تو بیان فرمایا مگر جواب نہ دیا بلکہ اس اعتراض پر سزا کا ذکر فرمادیا 'اعتراض کا جواب دینا چاہیئے نہ کہ معترض کو سزا؟ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں 'ایک یہ کہ جواب اس اعتراض کا دیا جاتا ہے جو شبہ کی وجہ سے کیا جائے مگر جو مذاق 'دل لگی 'استہزاء کے طور پر کیا جائے 'اس کا جواب جوتہ کاری ہے کہ وہ اعتراض نہیں بلکہ بادشاہ کا مذاق اڑاتا ہے 'دوسرے یہ کہ جواب جب دیا جاتا ہے جب معترض سنتا یا سمجھنا چاہے 'جہاں اسکی نیت ہٹ دھرمی یا ضد ہو 'وہاں جواب دینا مناسب نہیں '۔ جواب جاہلاں باشد خموشی

یا ۔ این است جوابش کہ جوابش نہ دہی

تیسرے یہ کہ حاسد کے حاسدانہ اعتراض کا جواب نہیں دیا جاتا 'بلکہ اسے ذلیل کرنا چاہیئے 'دیکھو شیطان نے دلائل قائم کئے تھے 'کہ سجدہ حضرت آدم کو مجھے نہ کرنا چاہیئے 'مگر رب تعالیٰ نے اسے جواب نہ دیا 'بلکہ فرمایا 'نکل! تو مردود ہو گیا 'تجھ پر قیامت تک لعنت ہے 'چوتھے یہ کہ جہاں جواب بالکل ظاہر ہو وہاں جواب دینا ضروری نہیں 'اسے ہر شخص جواب دیکر خاموش کر دیگا 'اگر دن میں کوئی شخص سورج کا انکار کرے 'اسے جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں 'ہر شخص اسے پاگل یا اندھا کہہ کر جواب دیگا بلکہ سورج دکھادیگا۔ **دوسرا اعتراض:** آخر ان دو اعتراضوں کے جواب ہیں کیا 'ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے بندوں سے قرض مانگا اور قرض مانگنے والا فقیر ہی ہوتا ہے 'دوسرے یہ کہ سود دینا حرام ہے رب تعالیٰ خود جزاء میں سود کیوں دیتا ہے کہ ایک ایک کے دس دس دیتا ہے! **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا 'کہ فقیر وہ ہے 'جو اپنی حاجت برداری کیلئے قرض مانگے 'اس کے پاس کچھ نہ ہو 'مگر جو فقیروں کو دلوا کر اس کا عوض خود دے 'وہ فقیر نہیں بلکہ کریم ہے 'رب تعالیٰ نے امیروں کو تو خود دیا 'فقیروں کو امیروں سے دلوا کر امیروں کو ثواب دیا 'اور وعدہ فرمایا کہ تمہاری جزائیں ہم پر ایسی لازم ہیں جیسے قرض مقروض پر 'یہ اس کا کرم ہے 'کسی کی اولاد 'اس کے نوکر چاکر کو انعام دینا مالک پر قرض سا ہوتا ہے 'سود تبادلہ و تجارت میں ہوتا ہے نہ کہ کرم و بخشش میں فقیر نے بادشاہ کی خدمت میں یا اس کے شاہزادوں کی خدمت میں حقیر نذرانہ پیش کیا 'بادشاہ نے لاکھوں روپیہ کی جاگیر انعام میں بخش دی 'یہ سود نہیں شاہانہ خسروانہ عطیہ ہے۔ ایسی موٹی بات کا پوچھنا بیکار ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا سنکتب ما قالوا اس کی بکواس لکھ لیں گے 'اس سے کون سی تحریر مراد ہے 'لوح محفوظ کی یا نامہ اعمال کی 'لوح محفوظ کی تحریر تو لاکھوں سال پہلے ہو چکی 'نامہ اعمال بھی عمل کرتے ہی لکھ لئے گئے 'اب آئندہ کونسی تحریر ہوگی! **جواب:** اسکا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا 'کہ یا تو قرآن کریم میں لکھ دینا مراد ہے 'جس سے وہ تا قیامت بدنام رہیں یا نامہ اعمال کا محفوظ رکھنا مراد ہے سنکتب کے معنی لکھ رکھیں گے 'مومنوں کے گناہ لکھے جاتے تو ہیں مگر لکھ کر رکھے نہیں جاتے 'نیک اعمال کی برکت سے مٹتے رہتے ہیں 'ان الحسنت یذھبن السیات **چوتھا اعتراض:** کیا رب تعالیٰ صرف ہاتھوں کے گناہوں کی سزا دیگا دوسرے اعضاء کے گناہوں کی سزا نہ دیگا 'اگر دیگا تو قدمت ایدیکم کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ایدی یعنی ہاتھوں سے مراد خود ہاتھوں والا گناہگار ہے 'بعض اعضاء بول کر ذات مراد ہوتی ہے یا چونکہ اکثر گناہ ہاتھوں سے کئے جاتے ہیں 'اسی لئے

www.alahazratnetwork.org

ہاتھوں کو ذکر کیا کہا جاتا ہے "اس کام میں فلاں کا ہاتھ ہے یا فلاں پر حکومت کا ہاتھ ہے یا میری طرف بھی دست کرم بڑھایئے وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض:** **وان اللہ** میں ان فتح سے ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ نیا جملہ نہیں بلکہ **ما قدمت** پر معطوف ہے اور عذاب کا دوسرا سبب تو گناہ کا سبب ہے رب کا ظلم نہ کرنا سزا کا سبب کیسے ہو سکتا ہے؟ **نوٹ:** اس اعتراض کو تفسیر روح المعانی نے بہت اہمیت دی اور اس کے بہت جوابات دیئے۔ **جواب:** اس کا اصل جواب یہ ہے کہ سزا کی وجہ تو بے گناہ اور گناہوں پر سزا کی وجہ ہے رب تعالیٰ کا ظالم نہ ہونا یعنی ہم گناہوں پر ہی سزا کیوں دیتے ہیں بغیر گناہ کیوں نہیں پکڑتے' اس لئے کہ ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے یا دونوں ایک ہی کی وجہ ہیں یعنی انہیں سزا سخت کیوں دیتے اس لئے کہ وہ مجرم ہیں اور ہم ظالم نہیں بلکہ عدل فرمانے والے' اور بھی جوابات دیئے گئے ہیں مگر یہ جواب کافی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں رب سے ظلام یعنی بڑا ظالم ہونے کی نفی کی گئی معلوم ہوا کہ وہ ظالم تو ہے مگر بڑا ظالم نہیں (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ظلام مبالغہ کیلئے نہیں بلکہ نسبت کیلئے ہے جیسے تمار' تمر والا' نمام' چغلی والا' حمام' گرمی والا' (روح المعانی) تفسیر کبیر' بلکہ روح المعانی نے یہ بھی جواب دیا کہ رب تعالیٰ کی جو صفت بھی ہے عظیم ہی ہے' اگر ظلم بھی اسکی صفت ہوتی تو عظیم ہی ہوتی' وہ نعوذ باللہ ظلم بھی کرتا تو بڑا ہی ظلم کرتا لہٰذا رب تعالیٰ کیلئے بڑے ظلم کی نفی گویا اصل ظلم کی نفی ہے کہ ناقص چیز اس کی صفت بن سکتی ہی نہیں مگر پہلا جواب زیادہ قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان دو قسم کے ہیں' ایک وہ جن پر ہدیٰ غالب ہے' دوسرے وہ جن پر ہویٰ غالب' ہدیٰ والے بھی اس مرتبہ میں پہنچ جاتے ہیں کہ ان کی زبان پر فرشتہ بلکہ خالق بولتا ہے' اور ہویٰ والوں کی زبان پر اولاً تو نفس امارہ بولتا ہے' پھر شیطان بولنے لگتا ہے' زبان اس کی ہوتی ہے بات شیطان کی' اس حالت میں شیطان اسکی زبان سے ایسی باتیں ادا کرتا ہے جو خود نہیں بول سکتا' دیکھو شیطان نے خود نہ کہا تھا کہ میں رب ہوں' مگر فرعون سے کہلوایا' شیطان نے خود کبھی نہ کہا کہ اللہ فقیر ہے' میں غنی' مگر ان پڑھے لکھے اسرائیلیوں سے کہلوایا' انسان اگر درست رہے تو وہ کر دکھلائے جو فرشتوں سے نہ ہو سکے اور اگر ٹیڑھا ہو تو وہ کرے' جو شیطان سے نہ ہو سکے' اسرائیلیوں کی یہ بکواس وحی شیطانی سے تھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الشیطین لیوحون الی اولیٰئھم** یہ بکواسیں وحی شیطانی ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اسرائیلیوں کے اسی قول اور قتل انبیاء والے فعل کی وجہ سے ہم ان کے دلوں پر شقاوت لکھ دیں گے' بد نصیبی کی مہر لگا دیں گے' جس سے وہ ایمان و نیک اعمال کیطرف متوجہ نہ ہو سکیں گے اور انہیں دنیا میں فراق یار کی نار جلائیں گے اور آخرت میں قہر قہار کی نار کا مزہ چکھائیں گے' کیونکہ انکے اعمال و احوال نے انہیں وصال یار اور گلزار' دار اقتراء کے لائق نہ رکھا' رب تعالیٰ ظالم نہیں کہ غیر لائق کو دے' وصال کے اہل کو وصال دیتا ہے' فراق کے لائق کو فراق (روح البیان) اگرچہ الفاظ قرآن سب پڑھ لیتے ہیں مگر اس کے رموز و اسرار سے کوئی کوئی فائدہ اٹھاتا ہے یہ آیت کہ **من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا** کوئی ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے' عاشقوں کو تڑپا دیتی ہے' وہ تو کہتے ہیں سبحان اللہ! خود ہی دینے والا' خود ہی لینے والا! اپنا مال' اپنا بندہ' اپنی ہی مخلوق' اپنے فقیر' اپنے امیر' اپنی طرف سے حاجات' اپنی طرف سے مرادات' سب کچھ اپنا' مگر پھر کیسا ناز و انداز کا اعلان ہے کہ ہے کوئی جو مجھے قرض دے! جو دیکر خود مانگنا انداز محبوبانہ ہے' اس میں وہ جذبہ ہے جو الفاظ سے ادا نہیں ہو سکتا مگر جاہل اس آیت سے کفر بکتے ہیں۔

کہ رب تو فقیر ہو گیا ہم غنی! لا حول ولا قوۃ الا باللہ بھلا ٹاٹ بننے والے ریشم بنا کیا جانیں' شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ندہد ہوشمند روشن رائے بہ فرو مایہ کارہائے خطیر
بوریا باف گرچہ بافندہ است نہ برندش بہ کارگاہ حریر

لہذا قرآن شریف اس سے پڑھو' اس سے سیکھو' جس کی زبان پروحی رحمانی ہو' اس سے نہ پڑھو جس کی زبان پروحی شیطانی ہو' کلام الٰہی کیلئے نور الٰہی ضروری ہے۔

اَلَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰہَ عَہِدَ اِلَیْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰی یَاْتِیَنَا

وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ نے عہد کیا طرف ہماری یہ کہ نہ ایمان لائیں ہم کسی رسول پر یہاں تک

وہ جو کہتے ہیں اللہ نے ہم سے اقرار کر لیا ہے کہ ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک ایسی

بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِیْ بِالْبَیِّنٰتِ

کہ لائیں وہ ہمارے پاس قربانی کھائے جسے آگ آپ فرماؤ کہ بیشک لائے تمہارے پاس رسول مجھ سے پہلے روشن

قربانی کا حکم نہ لائے جسے آگ کھائے تم فرماؤ مجھ سے پہلے بہت رسول کھلی نشانیاں

وَبِالَّذِیْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ

نشانیاں اور وہ جو تم کہتے ہو تو کیوں قتل کیا تم نے انہیں اگر ہو تم سچے پس اگر جھٹلائیں یہ

اور یہ حکم لے کر آئے جو تم کہتے ہو پھر تم نے انہیں کیوں شہید کیا اگر تم سچے ہو تو اے محبوب

فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِیْرِ ۝

لوگ آپکو تو بے شک جھٹلائے گئے رسول تم سے پہلے جو لائے روشن نشانیاں اور صحیفے اور روشن کتاب

اگر وہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو تم سے اگلے رسولوں کی بھی تکذیب کی گئی جو صاف نشانیاں اور صحیفے اور چمکتی کتاب لے کر آئے تھے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ میں نے یہود کا وہ اعتراض بیان فرمایا تھا جس کا تعلق قرآن سے تھا یعنی من ذا الذی یقرض اللہ اب ان کا وہ اعتراض بیان فرمایا جا رہا ہے۔ جس کا تعلق قرآن لانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' چونکہ قرآن اور صاحب قرآن دونوں رکن ایمان ہیں' اس لئے اس اعتراض کے بعد اس کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی اس بکواس کا ذکر تھا' جس کا تعلق ذات باری تعالیٰ سے تھا' رب تعالیٰ کی شان میں بے ادبی اے فقیر کہنا اب اس کے رسول کی شان میں بے ادبی کا ذکر ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کی بے ادبی یوں کرتے ہیں اور اسکے محبوب کی شان میں گستاخی اس طرح کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی عداوت انبیاء

www.alahazratnetwork.org

کا ذکر تھا کہ انہوں نے رسولوں کو قتل کیا اب عداوت سید الانبیاء کا تذکرہ ہے کہ وہ آپ پر دانستہ طور پر ایمان نہ لائے بلکہ بہتان لگاتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے قتل انبیاء کا ذکر تھا اب آسمانی کتابوں پر بہتان لگانے کا ذکر ہے کہ غلط باتیں ان کتب کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کا وہ عیب بیان ہوا جو ہم نے دیکھا نہیں سن کر جانا مانا یعنی قتل رسل' اب ان کا وہ عیب بیان ہو رہا ہے جو اب آنکھوں دیکھا جا رہا ہے یعنی آسمانی کتابوں پر بہتان باندھنا۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار کعب ابن اشرف' کعب ابن اسد' مالک ابن صیف' وہب ابن یہودا' زید ابن تابوت' فنحاص' ابن عازورا' وغیرہ علماء یہود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم آپ پر ایمان تو لے آتے مگر ایک مجبوری ہے' وہ یہ ہے کہ توریت شریف میں ہم کو تاکیدی حکم دیا گیا کہ ہم اسی پیغمبر پر ایمان لائیں جو اپنی نبوت کے ثبوت کیلئے قربانی کرے' پھر قربانی کا گوشت ایک پہاڑ پر رکھے' غیب سے سفید رنگ کی بے دھوئیں والی آگ نمودار ہو' اور گوشت جلا جائے' جو نبی یہ معجزہ دکھائے' اس پر ہم ایمان لا سکتے ہیں' آپ نے یہ معجزہ دکھایا نہیں اس لئے ہم بحکم توریت آپ پر ایمان نہیں لا سکتے' اگر آپ یہ معجزہ دکھا دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں' ان کے جواب میں یہ کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان کی پر زور تردید کی گئی کہ نہ توریت شریف میں یہ حکم ہے اور نہ خود یہ لوگ اس پر عامل ہیں۔
(تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' تفسیر جلالین' خازن' مدارک' بیضاوی' خزائن العرفان وغیرہ)

تفسیر: الذین قالوا یہ جملہ یا تو ھم پوشیدہ کی خبر ہے اور حالت رفعی میں ہے یا للعبید کا بدل ہے' اور حالت جری میں یا **قول الذین** کے **الذین** کا بیان یا پوشیدہ فعل کا مفعول ہے' اور حالت نصبی میں **الذین** سے مراد وہ لوگ ہیں' جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے تھے' اگرچہ یہ گفتگو ان میں سے ایک نے کی تھی' مگر چونکہ وہ ایک اس سب جماعت کا نمائندہ تھا' اس لئے اس کا کلام ان سب کا کلام مانا گیا' یعنی ایک نے بلاواسطہ باقی دوسروں نے اس ایک کے واسطے سے کہا **ان اللہ عھد الینا** یا قالوا کا مقولہ ہے' عہد مضبوط وعدہ لینے کو بھی کہتے ہیں اور دینے کو بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں' یعنی اللہ نے ہم تک اپنا تاکیدی عہد و حکم پہنچایا' یا ہم سے تاکیدی وعدہ لیا یا توریت شریف میں یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت زبانی **الا نؤمن لرسول** یہ عہد کا بیان ہے لرسول یا بمعنی ب ہے یا اپنے معنی ہی میں ہے اور اس سے عام رسول مراد ہیں خواہ بنی اسرائیل سے ہوں یا بنی اسمٰعیل سے' یعنی ہم کسی رسول پر ایمان نہ لائیں یا کسی رسول کیلئے رسول کی خاطر اس کے دین اور کتاب پر ایمان نہ لائیں' کیونکہ کتاب اور دین کو رسول کی وجہ سے مانا جاتا ہے' رسول کا ماننا اصل ہے باقی تمام کا ماننا اس کے بعد' اسی لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن یا نماز پڑھا کر لہذا **لرسول** کلام اپنے معنی پر بھی ہو سکتا ہے **حتی یاتینا بقربان تاکلہ النار:** یہ جملہ ایمان نہ لانے کی انتہا ہے' حتی انتہا کا ہے' قربانی لانے سے مراد قربانی دکھانا ہے نہ کہ عالم غیب سے لانا' قربان' کفران' رجحان' خسران' غفران وغیرہ کے وزن پر مصدر ہے بمعنی قریب ہونا' لیکن اصطلاح میں قربان وہ چیز کہلاتی ہے' جس کے ذریعہ قرب الٰہی حاصل کیا جائے' اسلئے حدیث شریف میں آیا کہ روزہ ڈھال ہے اور نماز قربانی یعنی قرب الٰہی کا ذریعہ (تفسیر کبیر) آگ کے کھانے سے مراد اس کا قربانی کو جلا کر راکھ کر دینا ہے آگ سے وہ غیبی آگ مراد ہے جو سفید رنگ کی بغیر دھوئیں والی شرائے مارتی آسمان سے اترتی تھی اور مقبول قربانی کو جلا کر خاک کر جاتی تھی جسے لوگ

www.alahazratnetwork.org

اپنی آنکھوں سے دیکھتے تھے' خیال رہے کہ پچھلے انبیاء کرام کے زمانہ میں قربانیوں کے گوشت غنیمتوں کے مال بھی اسی طرح بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جاتے تھے اور جھگڑے کی صورت میں اپنی حقانیت بھی اسی طرح ثابت کی جاتی تھی جو سچا ہوتا تھا اس کی قربانی کو آگ جلا جاتی تھی' جھوٹے کی قربانی یوں ہی پڑی رہتی تھی' چنانچہ جب ہابیل و قابیل ایک عورت عقلیمہ کے بارے میں جھگڑے کہ وہ کس کیلئے حلال ہے' تو ان دونوں نے قربانیاں ہی پہاڑ پر رکھیں' ہابیل کی قربانی قبول ہوئی کہ اسے غیبی آگ جلا گئی' قابیل کی قربانی رد ہوئی کہ اسی طرح پڑی رہی' رب تعالیٰ فرماتا ہے اذ قربا قربانا الخ بعض مفسرین حتی کہ امام سدی و جلال الدین سیوطی نے یہاں فرمایا کہ واقعی تورات میں یہ حکم تھا کہ کسی پر بغیر قربانی دیکھے ایمان نہ لائیں مگر ساتھ میں یہ بھی تھا کہ سوائے عیسیٰ و محمد علیہما الصلوۃ والسلام کے کہ وہ دونوں حضرات سچے نبی ہوں گے مگر قربانی نہ دکھائیں گے ان یہود نے آدھی بات بیان کی' مگر تفسیر کبیر وغیرہ نے ترجیح اسی کو دی ہے کہ توریت شریف میں اس کا ذکر بھی نہ تھا' یہ محض ان یہود کا بہتان تھا چنانچہ سارے انبیاء بنی اسرائیل نے اپنی صداقت کیلئے قربانی کے معجزے نہیں دکھائے' بلکہ بعض رسولوں نے ہی دکھائے جیسے زکریا اور یحییٰ علیہما السلام بلکہ خود حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے فرعونیوں کو قربانی کا معجزہ نہیں دکھایا تھیز جیسے یہ قربانی ایک معجزہ تھی' ویسے ہی دوسرے معجزات بھی معجزے ہی ہیں' نبوت کے ثبوت کیلئے ایک معجزہ ہی کافی ہے خواہ کوئی سا ہو تو کیا وجہ ہے کہ قربانی سے تو نبوت کا ثبوت ہو' اور دوسرے معجزوں سے نہ ہو' لہٰذا ترجیح اسی کو ہے کہ توریت شریف میں یہ حکم تھا ہی نہیں' یہ ان اسرائیلیوں کا سفید جھوٹ تھا۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) یہ محض ایمان نہ لانے کا بہانہ تھا قل قد جاء کم رسل من قبلی بالبینت وبالذی قلتم: یہ جملہ ان کے اس بہتان کا جواب ہے: قل فرما کر اشارۃً" فرمایا گیا کہ مناظرہ کیجئے" آپ کراتے ہم ہیں' جواب ہمارا ہے زبان تمہاری' سبحان اللہ کیسا پیارا' دلکش' الزامی جواب ہے' یہ نہ فرمایا گیا کہ توریت میں یہ حکم نہ تھا کیونکہ وہ کہہ سکتے تھے کہ ہم سے حضرات انبیائے کرام زبانی فرما گئے تھے یا توریت میں حکم تو تھا مگر کچھ توریت ضائع بھی ہو گئی اس ضائع شدہ میں تھا جو سینہ بسینہ ہم تک پہنچا' بلکہ بطور الزام فرمایا گیا کہ تم جھوٹے ہو' تم قربانی لانے والے نبیوں پر بھی ایمان نہ لائے' خیال رہے کہ یا تو کم سے پہلے اباء پوشیدہ ہے' اصل عبارت یوں تھی قد جاء اباء کم کیونکہ گزشتہ رسول موجودہ یہود کے پاس نہیں آئے تھے' بلکہ ان کے باپ دادوں کے پاس یا کچھ پوشیدہ نہیں' چونکہ باپ دادوں کے پاس رسولوں کا آنا گویا ان کے پاس ہی آنا تھا اس لئے جاء کم فرمایا گیا رسل کی تنوین تقلیل (بیان کمی) کیلئے ہے یعنی کچھ چند ہی رسول قربانی لائے سب نہ لائے' من قبلی میں اشارۃً" فرمایا گیا کہ جتنے رسول آئے تھے مجھ سے پہلے آچکے' اب کوئی رسول نہ آئے گا' میں آخری نبی ہوں ورنہ ارشاد ہوتا کہ مجھ سے پہلے بھی انبیاء قربانیاں لائے تھے اور میرے بعد بھی لائیں گے بینت' بینۃ کی جمع ہے جس کا مادہ بین ہے معنی ظہور' اسی لئے کلام کو بیان کہا جاتا ہے کہ وہ دل کی بات ظاہر کر دیتا ہے' گواہوں کو بینہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ دعویٰ کو ظاہر کرتے ہیں بینہ کے معنی ظاہر یا ظاہر کرنے والی چیز ہے' یہاں اس سے معجزات مراد ہیں کہ وہ نبوت کو ظاہر کرتے ہیں' معجزہ' کرامت' ارہاص' استدراج کی تعریفیں اور ان کے فرق ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے' خیال رہے کہ پچھلے نبیوں کو ایک ایک دو دو معجزے ملے تھے' موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا ہوئے' ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے ان گنت ہیں' الذی قلتم سے مراد وہی قربانی ہے جس کا ذکر انہوں نے کیا تھا یعنی آپ فرما دو کہ مجھ سے پہلے کچھ رسول روشن معجزات بھی لائے تھے اور یہ قربانی بھی جس کا تم مجھ سے مطالبہ کرتے ہو مگر تم ان پر ایمان نہ لائے ورنہ فلم قتلتموھم ان

www.alahazratnetwork.org

کنتم صدقین اگرچہ قاتلین انبیاء موجودہ یہود کے باپ دادے تھے نہ کہ خود، مگر چونکہ یہ ان قاتلوں کا ادب و احترام بھی کرتے تھے اور حمایت بھی اس لئے انہیں بھی قاتل قرار دیا گیا یعنی اگر تم سچے ہو کہ واقعی تم قربانی لانے والے نبی پر ایمان لاتے ہو تو بتاؤ تم پچھلے قربانی والے نبیوں پر ایمان کیوں نہ لائے، تم ان پر ایمان تو کیا لاتے، تم نے انہیں شہید کر ڈالا **فان کذبوک:** ف تعقیبہ ہے اور ان فقط تعلیق کیلئے ہے نہ کہ شک کیلئے کیونکہ وہ یہود تو ظاہر ظہور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ ان شک کیلئے ہی ہو اور جھٹلانے سے مراد اس مذکورہ بیان میں جھٹلانا ہو یعنی اے محبوب اگر اب بھی یہ لوگ آپ کو جھٹلائیں اور آپ کو نبی نہ مانیں یا اگر اپنی بے حیائی سے کہہ بیٹھیں کہ قتل انبیاء کا واقعہ ہم سے ہوا ہی نہیں یا جنہیں ہم نے قتل کیا تھا وہ قربانی لائے ہی نہ تھے تو آپ غم نہ کریں کیونکہ **فقد کذب رسل من قبلک:** فقد کی ف تعلیلیہ ہے نہ کہ جزائیہ' یہ جملہ پوشیدہ جزاء کی علت ہے "کذب" تکذیب سے بنا بمعنی جھوٹا کرنا' جھوٹا کہنا' جھوٹا سمجھنا' یہاں آخری دو معنی میں ہے' یعنی آپ غم نہ کریں' آپ سے پہلے بہت سے رسولوں کو جھوٹا کہا گیا' جھوٹا سمجھا گیا' کسی رسول کو سب نے نہیں مانا **جآء وا بالبینت والزبر والکتب المنیر** یہ جملہ رسل کی صفت ہے بینات سے مراد معجزات ہیں' زبر جمع زبور کی ہے' جس کا مادہ زبر ہے بمعنی لکھنا' اچھا کرنا' ڈانٹنا' وعظ' ٹکڑا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتونی زبر الحدید:** مجھے لوہے کے ٹکڑے دو' کہا جاتا ہے کہ زبرت الرجل: میں نے اس شخص کو ڈانٹا اور برائیوں سے روکا (تفسیر کبیر وغیرہ) یہاں اس سے صحیفے مراد ہیں جو گزشتہ انبیائے کرام کو عطا فرمائے گئے کیونکہ وہ لکھے ہوئے بھی تھے' ان میں وعظ و نصیحت بھی تھی اور ڈانٹ ڈپٹ بھی' اس لئے نہیں زبر فرمایا گیا' کتاب میں الف لام جنسی ہے' اس لئے یہ لفظ ایک پر بھی بولا جائے گا زیادہ پر بھی' یہاں ایک سے زیادہ کتابیں مراد ہیں کیونکہ قرآن سے پہلے آسمانی کتابیں آچکی تھیں توریت' زبور اور انجیل: صحیفے اور کتاب کا فرق اور ان کی تعداد ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں' بعض علماء نے فرمایا کہ کتاب منیر سے مراد قرآن شریف ہے' چونکہ قرآن شریف کے مضامین گزشتہ کتابوں میں تھے' اس لئے ارشاد ہوا کہ وہ انبیاء قرآن بھی لے کر آئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وانہ لفی زبر الاولین** مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) یعنی ان یہودیوں نے ایسے نبیوں کو جھٹلایا جو معجزات بھی لائے تھے صحیفے بھی اور کتابیں بھی' انہوں نے صبر کیا تھا آپ بھی صبر کیجئے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاصبر کما صبر اولوا العزم من الرسل** صبر نبیوں اور ولیوں' مقبولوں' محبوبوں کا عمل ہے' صبر پر بڑا اجر ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہود ایسے ڈھیٹ ہیں کہ اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر' اس کی کتابوں پر بہتان باندھنے میں ذرا شرم نہیں کرتے' غور تو کرو' کہتے ہیں کہ ہم سے اللہ تعالیٰ نے توریت شریف میں یا انبیاء بنی اسرائیل کی معرفت پختہ وعدہ لے لیا ہے' اور ہم اس سے معاہدہ کر چکے ہیں کہ کسی دعوی نبوت کرنے والے پر ایمان نہ لائیں تاوقتیکہ وہ ہمیں قربانی کا معجزہ دکھائیں کہ اپنی نبوت کے ثبوت کیلئے جانور کی قربانی کریں اس کا گوشت پہاڑ پر رکھیں غیبی آگ آئے جو اس گوشت کو جلا کر خاک کر جائے چونکہ آپ نے یہ معجزہ دکھایا نہیں' اس لئے ہم اپنے اس عہد کے موافق آپ پر ایمان نہیں لا سکتے' ہمارے لئے آپ پر ایمان لانا گناہ ہے' کہ اس میں اپنے معاہدہ کی خلاف ورزی ہے' یہ جھوٹے ہیں' نہ ہم نے انہیں یہ حکم دیا ہے اور نہ سارے انبیائے بنی اسرائیل قربانی کا معجزہ لائے' آپ بطور معارضہ ان کا منہ بند کرنے کیلئے یہ پوچھیں کہ تمہاری

www.alahazratnetwork.org

بات سے معلوم ہوا کہ قربانی نہ لانے والے پیغمبروں پر ایمان لانا گناہ ہے تو یقیناً قربانی لانے والے پیغمبروں پر ایمان لانا فرض ہو گا' اور جس پر ایمان لایا جائے' اس کا احترام و ادب اور اطاعت لازم ہے' تو بتاؤ کہ تم نے ان گزشتہ پیغمبروں کو قتل کیوں کیا تھا جو تمہارے معیار پر بھی نبی تھے کہ وہ دیگر معجزات بھی لائے تھے اور قربانی کا معجزہ بھی' اگر تم سچے ہو تو تمہارا عمل تمہارے قول کے خلاف کیوں ہے؟ اس جواب پر انہیں خاموش ہی ہونا پڑے گا' لیکن اگر یہ پھر بھی خاموش نہ ہوں یہ سن کر بھی آپ کو جھٹلائیں یا اپنے قتل کا ہی انکار کر دیں تو آپ بالکل غم نہ کریں کہ انہوں نے پچھلے پیغمبروں پر نہایت ڈھٹائی سے انکار کیا حالانکہ ان پیغمبروں کے پاس معجزات بھی تھے صحیفے بھی اور چمکتی دمکتی کتاب آسمانی بھی' اس طرح کہ بعض کے پاس صرف معجزات تھے' بعض کے پاس معجزات بھی اور صحیفے بھی جیسے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام' اور بعض کے پاس معجزات بھی' صحیفے بھی' کتاب بھی' جیسے حضرت موسیٰ و داؤد علیہما السلام' جب ان نبیوں نے ان کی تکذیب پر صبر کیا' آپ بھی صبر کریں' اگرچہ صبر تلخ ہے مگر اسکے پھل میٹھے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: کفار کا کفر اور جھوٹ کا جھوٹ ان کی تردید کیلئے بیان کرنا برا نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کا جھوٹ بیان فرما کر ان کی تردید فرمائی' ہاں اس جھوٹ سے راضی ہو کر اسکی اشاعت کرنے کیلئے بیان کرنا منع ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ہر سنی بات بیان کر دے وہ بھی جھوٹا ہے۔ دوسرا فائدہ: نبی پر' کتاب الٰہی پر' اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا بد ترین جرم ہے' اور طریقہ یہود اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جھوٹی اور گندی باتیں قرآن شریف یا حدیث شریف کی طرف نسبت کر دیتے ہیں' اور پھر آیات و احادیث میں کھینچ تان کر کے اس پر چسپاں کرتے ہیں' جیسا کہ آجکل عام طور پر ہو رہا ہے۔ تیسرا فائدہ: ایمان میں رسول مقدم ہیں' آسمانی کتاب اور دیگر چیزیں بعد میں' دیکھو ان لوگوں نے یہاں ایمان کے ساتھ رسول کا ذکر کیا نہ کہ کتاب وغیرہ کا۔ چوتھا فائدہ: ثبوت نبوت کیلئے ایک معجزہ بھی کافی ہوتا ہے' اپنی طرف سے معجزے مقرر کر کے اس کا مطالبہ کرنا طریق یہود ہے جیسا کہ حتی یاتینا الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: سارے نبی نہیں' قربانی کا معجزہ چند حضرات ہی لائے جیسا کہ رسل کی تنوین تقلیلی سے معلوم ہوا' مگر مطلقاً معجزہ ہر پیغمبر کے پاس تھا۔ چھٹا فائدہ: قتل نبی و ایذائے نبی انکار نبوت کی دلیل ہے جیسا کہ قتلتموھم سے معلوم ہوا' دیکھو رب تعالیٰ نے استہزائے نبی کو کفر قرار دیا ہے کہ فرمایا لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم' فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کو گندگی میں ڈالنا کفر ہے' کہ یہ انکار قرآن کی دلیل ہے' ان کا ماخذ یہ آیت بھی ہے یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں یا نسبتوں کا مذاق اڑانا کفر ہے کہ یہ انکار نبی کی علامت ہے' حتیٰ کہ امام ابو یوسف کے سامنے' کسی نے کہا کہ کدو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا محبوب تھا' دوسرا بولا مگر مجھے پسند نہیں' آپ نے اس سے توبہ کرائی' اگر توبہ نہ کرتا' تو آپ اسے قتل کرا دیتے' ان سب کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔ ساتواں فائدہ: قول کی تصدیق عمل سے ہوتی ہے' جسکا عمل اسکے قول کے خلاف ہو وہ جھوٹا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں یہود کو جھٹلانے کیلئے ان کی بد عملی یعنی قتل انبیاء کو پیش فرمایا' آج جو کہتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی سے مدد نہ مانگو مگر خود مدد مانگنے کیلئے حاکموں' حکیموں' وکیلوں' مالداروں کے دروازوں پر پھرتے ہیں' وہ اپنے عمل سے خود جھوٹے ہیں ایسے ہی جو کہتے ہیں کہ اولیاء اللہ کی قبور پر قبہ وغیرہ بنانا حرام ہے' امام ضامن باندھنا شرک ہے مگر خود قائد اعظم

www.alahazratnetwork.org

کے مزار کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھنے پر شرکت کریں' اس کام کی تعریف کریں' اور صدر ایوب صدر پاکستان کے بازو پر امام ضامن باندھیں وہ اپنے عمل سے اپنی خود تردید کرتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** پچھلی آسمانی کتابیں معجزہ نہ تھیں' صرف قرآن شریف آسمانی کتاب بھی ہے اور معجزہ بھی' دیکھو یہاں کتاب منیر کو بینات پر معطوف کیا گیا اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ (تفسیر کبیر) **نواں فائدہ:** کفار کے جھٹلانے اور اسلام قبول نہ کرنے پر دل تنگ نہ ہونا چاہئے بلکہ صبر کیساتھ تبلیغ کئے جائے کام کرنا ہمارے ذمہ ہے انجام خدا کے قبضہ میں۔

پہلا اعتراض: ان یہود کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قربانی کا معجزہ بھی کیوں نہ دکھایا' تاکہ ان کا منہ بند ہو جاتا اور اتنے بڑے جواب کی ضرورت پیش نہ آتی! **جواب:** اس لئے کہ وہ یہود ایمان لانے کے واسطے یہ نہ کہہ رہے تھے ان کے محض بہانے تھے' اگر یہ معجزہ دکھا دیا جاتا تو وہ کوئی اور بہانہ بنا لیتے اور قانون قدرت یہ ہے کہ اگر کسی قوم کے مطالبہ پر کوئی معجزہ دکھایا جائے' پھر وہ اسے نہ مانے' تو عذاب الٰہی آجاتا ہے اور قوم تباہ کر دی جاتی ہے' ضدی لوگوں کے مطالبہ پر مکہ کی زمین سے پانی کے چشمے نہ نکالے گئے مگر ویسے انگلیوں سے پانی نکال کر لوگوں کو سیراب کیا گیا' کنکر پتھروں کا کلمہ پڑھنا اور جانوروں کا آپ سے فریاد کرنا' ڈوبے ہوئے سورج کا لوٹنا' چاند ٹوٹ کر جڑنا قربانی کے معجزہ سے کچھ کم تھا؟ ان معجزات کے ہوتے ہوئے قربانی کا مطالبہ محض ضد تھی۔ **دوسرا اعتراض:** کیا سارے پچھلے پیغمبروں کے پاس ایک ہی کتاب تھی' اگر نہیں بلکہ چند تھیں' تو کتاب واحد کیوں فرمایا گیا؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ الکتاب میں الف لام جنسی ہے جو واحد جمع سب پر آتا ہے لہٰذا تمام کتابوں کو الکتاب فرمانا درست ہے اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن شریف ہے کہ یہ قرآن شریف ان تمام کتابوں میں بالاقساط موجود تھا۔ **تیسرا اعتراض:** صحیفہ اور کتاب میں کیا فرق ہے؟ جس کی وجہ سے زبر کے بعد الکتاب کا ذکر کیا گیا! **جواب:** وہی فرق ہے جو آج کل آرٹیکل' رسالے اور کتاب میں فرق ہوتا ہے کہ صحیفہ میں صرف ایک دو مضمون ہی ہوتے تھے مگر کتاب میں باقاعدہ بہت سے احکام۔ صحیفہ اور کتاب کے بہت سے فرق ہم پہلی جلد میں بیان کر چکے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے انسان ۲ قسم کے ہیں' بعض وہ جو نبی کی ماتحتی قبول کر لیتے ہیں' وہ سعادت مند ہیں' اور بعض وہ جو نبی پر سرکشی کرتے ہیں حتی کہ انہیں قتل کر دیتے ہیں' جیسا کہ اس آیت سے معلوم ہوا' وہ شقی اور بد نصیب ہیں ایسے ہی ہمارے اندر نفسانیت بھی ہے' اور روحانیت بھی' بعض نفوس وہ ہیں جو روحانیت کے سامنے جھک جاتے ہیں' اور اسکی اطاعت قبول کر لیتے ہیں' یہ نفس رحمت الٰہی کے مستحق ہیں بعض نفس سرکشی کرتے ہیں اور روحانیت کو دبا لیتے ہیں' یہ نفوس قہر الٰہی کے مستحق ہیں' ایسے نفوس کے وسوسے اعمالات پر غالب آجاتے ہیں' نفسانی عیوب روحانی صفات پر چھا جاتے ہیں جس سے انسان جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے' انہی کیلئے ارشاد ہوا **اولئک کالانعام بل ھم اضل** نفسانی لوگوں کی صحبت سے بچو ورنہ خود نفسانی بن جاؤ گے' روحانی لوگوں کے پاس بیٹھو تاکہ خود روحانی بن جاؤ' کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

نفس ازہم نفس بگیرد خو! 　　پرحذر باش ازلقائے خبیث
بادچوں برفضائے بدگزرد 　　بوئے بدگیرد از ہوائے خبیث

یعنی جہاں تک ہو سکے برے یار سے بھاگو کہ انسان یار کا اثر لیتا ہے گندگی سے ہوا مس کرکے خود گندی ہو جاتی ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

لوگوں کو بیمار و پریشان کر دیتی ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ دنیا اور اہل دنیا کی مثال ماں اور شیر خوار بچے کی سی ہے کہ ماں آئی بچہ خوش ہو گیا' ماں گئی بچہ رونے لگا' دن بھر میں کئی مرتبہ یہ واردات اس پر گزرتی ہے' دنیا دار کا بھی یہی حال ہے کہ جب دنیا آئی اکڑ گیا جب دنیا چھوٹ گئی بچھڑ گیا' مولانا فرماتے ہیں۔

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی! چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

کسی شاعر نے کیا مزے کا شعر لکھا ہے۔

عد وی البلد الی الجلید سر یعتہ والجمر یوضع فی الرماد فیخمد!

یعنی خسیس نفیس پر جلد اثر کر لیتا ہے' راکھ کی صحبت چنگاری کو بجھا دیتی ہے۔ (تفسیر روح البیان) لہذا کوئی اپنے پر اعتماد کر کے بری صحبت اختیار نہ کرے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
ہر جان چکھنے والی ہے موت کو اور بات یہی ہے کہ تم پورے دیئے جاؤ گے اپنی اجریں قیامت کے دن
ہر جان کو موت چکھنی ہے اور تمہارے بدلے تو قیامت ہی کو پورے ملیں گے
فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيٰوةُ
تو جو کوئی آگ سے دور رکھا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا وہ یقیناً کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے دنیوی
تو جو آگ سے بچا کر جنت میں داخل کیا گیا وہ مراد کو پہنچا اور دنیا کی زندگی تو

الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾
زندگی مگر دھوکے کا سامان ۔
یہی دھوکے کا مال ہے ۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گزشتہ انبیائے کرام کے حالات سنا کر تسلی تشفی دی گئی تھی اب اس آیت میں آئندہ آنیوالی موت کی طرف دھیان دلا کر تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ تکالیف عارضی ہیں کیونکہ ان تکالیف کی جگہ یعنی دنیا بھی عارضی ہے (روح المعانی و کبیر) **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی ضد اور ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا اب اس ضد کی انتہاء اور اس کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ ضد ہمیشہ نہ رہے گی' موت کو دیکھتے ہی بڑی اکڑ والے بھی سیدھے ہو جائیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ بنی اسرائیل نے اپنے نبیوں کو قتل کیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ قتل انبیاء اس لئے نہیں ہوا کہ نبی لاوارث اور بے والی تھے' یا رب تعالیٰ نے انہیں

www.alahazratnetwork.org

چھوڑ دیا تھا' بلکہ اس لئے ہوا کہ ہر ایک کو موت آنی ہے' کس طرح آنی ہے' جس طرح ہم چاہیں ان حضرات انبیاء کی موت اسی طرح مقدر تھی' جس میں ہماری صدہا حکمتیں تھیں' اس لئے ان کا شہید ہونا نہ ان کی شان کے خلاف ہے اور نہ ہمارے اس وعدہ کے خلاف کہ ہم اپنے نبیوں کی مدد کریں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی انتہائی بد عملیوں کا ذکر تھا اب ان بد عملیوں کی سزا کے وقت کا بیان ہو رہا ہے کہ ہماری ڈھیل سے دھوکا نہ کھاؤ' یہ ڈھیل محض اس لئے ہے کہ ابھی سزا کا وقت نہیں آیا۔

تفسیر: کل نفس ذائقۃ الموت: کل نفس مبتداء ہے اور **ذائقۃ الموت** خبر' کل افرادی ہے' جس میں نفس کا ہر فرد شامل ہے' نفس کے چند معنی ہیں: ذات: **لا اعلم ما فی نفسک** دل: **تعلم ما فی نفسی** روح' جان والابدن' خواہ نوری ہو یا ناری یا خاکی' جیسے فرشتہ' جن' حیوانات' نفس امارہ' نفس مطمئنہ' یہاں نفس یا بمعنی روح ہے یا بمعنی جاندار جسم' فرشتے' جنات' حیوانات' ذات یا دل مراد نہیں' بمعنی ذات تو اللہ تعالیٰ بھی ہے' وہ موت سے پاک ہے' یوں ہی بغیر دل والی مخلوق یعنی فرشتوں کو بھی موت ہے' ذائقہ ذوق بمعنی چکھنے سے بنا' یہ چکھنا کھانے کے مقابل نہیں تاکہ کمی پر دلالت کرے گا بلکہ برداشت کرنے کے معنی میں ہے یا بمعنی نازل ہونا وغیرہ' موت کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں کہ روح کا بدن سے نکل جانا موت ہے' اور روح کا جسم میں ہونا حیات یعنی زندگی' خشک زمین یا زندہ کافروں کو جو میت فرمایا گیا وہاں موت سے مراد بے کار ہے' حقیقی معنی موت کے یہ ہی ہیں' حق یہ ہے کہ اس **کل نفس** میں تمام فرشتے' جنات' حیوانات' انسان داخل ہیں' کوئی اس سے خارج نہیں یعنی ہر جاندار جسم کو موت برداشت کرنی ہے اس پر موت یقیناً نازل ہونی ہے: حضرت عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے کہ جب آیت کریمہ **کل من علیھا فان** نازل ہوئی تو فرشتے بولے' صرف زمین والوں کو فنا ہے' ہم تو زمین والے نہیں مگر جب یہ آیت کل نفس نازل ہوئی تو بولے ہم بھی گئے' اس روایت سے معلوم ہوا کہ کل نفس میں فرشتے بھی داخل ہیں' کسی کو موت سے چارہ نہیں' ضرور مرنا ہے (کبیر' روح المعانی) اس آیت کے عموم میں انبیاء' شہداء' صوفیاء' علماء سب ہی داخل ہیں جیسا کہ عرض کیا جائے گا' غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہر زندہ کو موت آنی ہے **وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ انما** حصر کیلئے ہے' **توفون' وفاء** سے بنا بمعنی پورا توفی کے معنی ہیں پورا پورا لو' اجور اجر کی جمع ہے بمعنی جزاء عمل خواہ برے عمل کی سزا ہو یا اچھے عمل کا ثواب' یہاں اجر سزا و ثواب دونوں کو شامل ہے' کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر' متقی ہوں یا فاجر' جن و ملائکہ اس سے خارج ہیں کہ جنات کی سزا تو ہے مگر ثواب یعنی جنت نہیں' اور فرشتوں کو نہ سزا نہ ثواب' دوزخ جنت تو صرف انسانوں کیلئے ہے اسی لئے یہاں کم فرمایا **توفون** کا نائب فاعل نفس کو نہ بنایا کہ موت تو ہر جاندار کو آنی ہے جن و انس' فرشتہ مگر سزا جزا صرف انسانوں کو' قیامت کے دن سے مراد خاص حساب کا دن مع انتہاء ہے' قیامت کی انتہا جنت و دوزخ کو ہے لہٰذا آیت صاف ہے' یوم بمعنی دن کہ قیامت میں دن رات نہ ہوں گے' سورج دن نہ نکالے گا' تجلّے رب تعالیٰ کے نور کی ہوگی' چونکہ اس دن سب کھڑے ہوں گے یا اپنی قبروں سے اٹھیں گے اسی لئے اسے قیامت کہتے ہیں یعنی کھڑے رہنے یا اٹھنے کا دن یعنی موت تو ہر جاندار کو آنی ہے مگر اے انسانو! سزا و جزاء صرف تم ہی کو ملنی ہے' اور وہ سزا و جزا مکمل طور پر صرف قیامت ہی کو ملے گی' دنیا یا برزخ میں جو کچھ دیا جاتا ہے وہ نہ پوری سزاء ہے نہ پوری جزاء'

www.alahazratnetwork.org

پورے بدلہ کا دن صرف قیامت ہے **فمن زحزح عن النار وادخل الجنۃ فقد فاز**: ف تفصیل کی ہے' یہ جملہ **توفون** کا تفصیلی بیان ہے' من سے مراد صرف انسان ہیں جنات و ملائکہ اس سے بھی خارج ہیں کہ جنت میں ثواب انسان ہی کو ہے' **زحزح زحزحۃ** سے بنا بمعنی دور رکھنا' جلدی سے کھینچ لینا' پیچھے رکھنا' چنانچہ اعتراض اٹھ جانے پر کہتے ہیں زاح السوال: رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما ھو بمزحزحہ من العذاب** نار سے مراد دوزخ کے تمام طبقے ہیں گرم ہوں یا سرد کہ وہاں دونوں گرمی و سردی آگ کی وجہ سے ہیں زحزح اور ادخل مجہول فرما کر بتایا گیا کہ آگ سے بچنا' جنت میں پہنچنا محض انسان کے کمال سے نہیں بلکہ عطائے ذوالجلال سے ہے' جنت کے معنی اور اس کی پوری تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی کہ اس کے معنی ہیں چھپنا اور گھنا باغ' **فاز فوز** سے بنا جس کے معنی ہیں کامیابی کے ساتھ بھلائی پالینا' چونکہ یہاں ہر قسم کی کامیابی مراد ہے نہ کہ خاص کامیابی' اس لئے **فاز** کا مفعول بیان نہ ہوا یعنی جو انسان اللہ کے فضل و کرم سے اس دن آگ سے بچالیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا' حقیقتہ "کامیاب وہ ہی ہوا' دنیا میں مال دار' عیالدار' تاجدار ہونا حقیقی کامیابی نہیں **وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور** یہ نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے' یہاں دنیا لفظا" اگرچہ حیوۃ کی صفت ہے مگر معنی مضاف الیہ حیوۃ موت کا مقابل ہے بمعنی زندگی یعنی روح کا جسم میں رہنا' دنیا کی زندگی وہ ہے جو غفلت میں گزرے' جس زندگی میں آخرت کی تیاری کر لی جائے' وہ دنیا میں زندگی تو ہے مگر دنیا کی زندگی نہیں' یہاں دنیا کی زندگی کا ذکر ہے متاع وہ سامان ہے' جو برت کر چھوڑ دیا جائے جو برت کر فنا کر دیا جائے اسے متاع نہیں کہتے' لہذا کھانا کپڑا متاع نہیں کہ انہیں کھا پہن کر فنا کر دیا جاتا ہے' مگر برتن بھانڈے مکان وغیرہ متاع ہیں کہ برتنے کے بعد ویسے ہی رہتے ہیں چونکہ دنیا رہ جاتی ہے' دنیادار برت کر چل دیتا ہے' اس لئے اسے متاع فرمایا گیا' کبھی تجارتی سامان کو بھی متاع کہتے ہیں' یہاں پہلے زیادہ موزوں ہیں: تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ لذتیں' شہوتیں' زینتیں دنیا ہیں' اور ان چیزوں کے سامان متاع دنیا: غرور' غر سے بنا بمعنی غفلت' دھوکا' غرور مصدر بھی ہے اور غارہ کی جمع بھی' یعنی غفلت پیدا کرنے والے یا دھوکا دینے والے' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی دنیا کی زندگی جو غفلت میں گزرے وہ دھوکے کا سامان ہے یا دھوکا دینے والے شیاطین کا سامان: تفسیر کبیر نے فرمایا کہ دنیا اس تجارتی سامان کی طرح ہے جو ملمع کر کے رات کے اندھیرے میں کسی ناواقف کے ہاتھ فروخت کر دیا جائے کہ دیکھنے میں بڑا خوبصورت ہو' مگر دن نکلنے اور واقف کے بتانے پر اس کی اصلیت کھل جائے' جس سے خریدار کو سخت صدمہ ہو' انسان خریدار ہے' شیطان بیوپاری' دنیا ملمع کیا ہوا سامان جو بظاہر بڑا دلفریب ہے' مگر علماء کے بتانے یا موت آنے سے اس کی اصلیت کھل جاتی ہے: حضرت علی مرتضی فرماتے ہیں کہ دنیا اس خوشنما سانپ کی طرح ہے جو دیکھنے میں حسین' چھونے میں نرم و ملائم ہے' مگر اس کا زہر قاتل ہے' بظاہر اس میں سرور یعنی خوشی ہے مگر بباطن اس میں شرور یعنی شر و فساد ہے۔ (کبیر)۔

خلاصہ ء تفسیر: ہر زندہ و جاندار کو فرشتہ ہو یا حیوان یا جن ضرور موت کا مزہ چکھنا ہے' کسی کو موت کی لذت چکھنا ہے' کسی کو اس کی شدت کسی کو موت سے چارہ نہیں۔۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہو گا جانا ایک دن سب کو ہے منہا خلقنکم کا صدمہ ایک دن

خیال رکھو کہ موت تو سب کو آئی ہے' جان تو سب کی جاتی ہے' مزلو جزا اے انسانو! صرف تمہارے لئے ہے' اور یہ بھی

www.alahazratnetwork.org

خیال رکھو' سزا و جزاء کی جگہ نہ تو دنیا ہے نہ برزخ' اس کی جگہ قیامت اور اس کا وقت روز قیامت ہے' اس ہی دن نیک کاروں کو پورا ثواب اور بدکاروں کو پورا عذاب دیا جائے گا' دنیا کی مصیبت و آرام تو معمولی چیزیں ہیں' پورا کامیاب وہ ہی ہے جو قیامت کے دن دوزخ سے بچالیا جائے کہ وہاں بالکل سزا نہ پائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے' دنیا کی یہ کامیابیاں معمولی ہیں' دھیان رکھو کہ دنیاوی زندگی جو غفلت میں کٹے' وہ تو صرف پونجی ہے جو برت کر چھوڑ دی جائیگی' اور پونجی بھی کیسی دھوکا فریب کی' کہ شیطان نے اسے دلکش' دلفریب' خوبصورت' حسین دکھلایا ہے' لوگ اس کے فریب میں آگئے' جب موت آئے گی' تو اس کی حقیقت کھل جائے گی' جس نے اس زندگی کو اپنی غرض و غایت بنایا' اس نے دھوکا کھایا کہ خالی ہاتھ یہاں سے گیا' جو یہاں غافل نہ رہا' یہاں نیکی کے بیج بوتا رہا' وہ ہی کامیاب گیا۔

ایک دن آخر کو مرنا ہوئے گا باغ عالم سے گزرنا ہوئے گا
کر لے نیکی جو کہ تجھ سے ہو سکے بیج نیکی کا تو بوجو بو سکے

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** موت یعنی بدن سے جان کا نکلنا ہر زندہ جسم کیلئے ہے' فرشتے' جنات' انسان سب ہی موت کی زد میں ہیں' پھر انسانوں میں ہر قسم کے انسان حضرات انبیائے کرام علیہم السلام اولیاء اللہ سب کو یہ موت ضرور آتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **انک میت وانهم میتون**' جیسا کہ کل نفس کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** روح کو موت نہیں بلکہ موت صرف جسم کو ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے اگر روح بھی مرجائے تو مزہ کون چکھے' روح باقی ہے (کبیر' روح المعانی) **تیسرا فائدہ:** موت میں بھی مزہ ہے' کسی کی موت لذیذ ہے کسی کی شدید کسی کی موت میٹھی ہے کسی کی کڑوی' مگر چکھنی سب نے ہے' بعض لوگ مر کر محبوب سے چھوٹتے ہیں' بعض لوگ مر کر محبوب سے ملتے ہیں' جو چھوٹتے ہیں ان کے لئے موت کڑوی ہے' جو موت کے ذریعہ محبوب سے ملتے ہیں ان کی موت میٹھی۔ **چوتھا فائدہ:** موت آتی سب کو ہے' مگر کسی کی موت آنی فانی طور پر آتی ہے کہ آئی اور ختم ہوئی' پھر انہیں زندگی مل گئی اور کسی کو موت قیامت تک باقی' یہ بھی **فانقته الموت** سے معلوم ہوا (تفسیر صاوی وغیرہ) **پانچواں فائدہ:** سزا و جزاء اخروی صرف انسانوں کو ہے' فرشتوں یا جنات کو نہیں' جانور' جنات تو بد عملیوں' ظلموں کی سزا دیکر مٹی کر دیئے جائیں گے' فرشتے ذکر الٰہی یا اہل جنت کی خدمت کیلئے رکھے جائیں گے' جیسا کہ اجورکم سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہر نفس کو یہاں مخاطب نہ فرمایا صرف انسانوں کو مخاطب کیا۔ **چھٹا فائدہ:** نیک و بد اعمال کا پورا بدلہ قیامت ہی کو ملے گا اس سے پہلے نہیں' اسلئے اس قیامت کو **یوم الدین** یا **یوم الجزاء** بھی کہتے ہیں جیسا کہ یوم القیمۃ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نیکیوں کا اجر و ثواب تو پورا ملے گا' جس میں بالکل کمی نہ ہو گی مگر گناہوں کی سزا کم بلکہ معاف بھی ہو جائیگی جیسا کہ اجورکم سے اشارۃً معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** صرف آگ سے نجات پا جانا پوری کامیابی نہیں کہ یہ تو جنات و جانوروں کو حاصل ہو گی' بلکہ جنت میں داخلہ پوری کامیابی ہے جیسا کہ **وادخل الجنة** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** آگ سے نجات جنت کا داخلہ' رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہی میسر ہو گا نہ کہ اپنی بہادری سے' کوئی شخص بغیر رحمت الٰہی جنت میں نہیں جا سکتا جیسا کہ زحزح اور ادخل مجہول فرمانے

www.alahazratnetwork.org

سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: دنیاوی زندگی پر اعتماد نہ کرنا چاہئے کہ یہ دھوکا ہے بلکہ یہاں جس قدر کمایا جاسکے کمانا چاہئے' جیسا کہ متاع الغرور سے معلوم ہوا' دنیا آخرت کی کھیتی ہے' یہاں کماؤ وہاں کھاؤ' حدیث شریف میں ہے کہ مرد صالح کیلئے مال صالح اللہ کی نعمت ہے (روح المعانی) حضرت صدیق اکبر و عثمان غنی کا مال رحمت تھا' فرعون کا مال عذاب۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر جاندار کو موت آنی ہے' مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **فصعق من فی السموت والارض الا ما شاء اللہ** جس سے معلوم ہوا کہ بعض کو موت نہ آئے گی جیسا کہ الا کے استثناء سے معلوم ہوا۔ جواب: تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے تو فرمایا کہ کل نفس سے بعض چیزیں مستثنیٰ ہیں اور یہ ہی آیت پیش فرمائی' فقیر کی تحقیق یہ ہے کہ کل نفس اپنے عموم پر ہے کسی قید کی ضرورت نہیں' تمہاری پیش کردہ آیت میں نفخ صور سے مرنے کا استثناء ہے یعنی قیامت کے دن پہلا صور پھونکنے پر سب فنا یا بے ہوش ہو جائیں گے' سوائے چند کے' چنانچہ خود صور اور پھونکنے والے یعنی حضرات اسرافیل' اور حضرت جبرائیل وغیرہ فنا نہ ہوں گے' وہ حکم الٰہی سے فنا ہوں گے کہ تم بھی مر جاؤ' پھر بہت عرصہ کے بعد صور یہ فرشتے بحکم پروردگار پیدا ہوں گے' اور حضرت اسرافیل صور پھونکیں گے' تب تمام لوگ زندہ ہوں گے' لہٰذا نہ تو صور سے سب کی موت ہے نہ صور سے سب کی زندگی بلکہ اکثر کی موت و زندگی ہے' لہٰذا وہ آیت کریمہ اس آیت کے عموم کے خلاف نہیں' نیز یہاں موت کا ذکر ہے وہاں صعقہ یعنی غشی کا' چنانچہ پہلے نفخ پر تمام روحوں کو بھی غشی آجائیگی مگر موت نہیں کہ روح موت سے علیحدہ ہے۔ دوسرا اعتراض: جنتی حور و غلمان کو بھی موت ہے یا نہیں' اگر ہے تو احادیث بلکہ دوسری آیات کے بھی خلاف ہے' اور اگر نہیں تو اسکے خلاف ہے! جواب: اس کا مکمل جواب تو انشاء اللہ **ونفخ فی الصور** کی تفسیر میں عرض کیا جائیگا' یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں نفس سے مراد وہ اجسام ہیں جن میں روح پھونک کر زندہ کیا گیا ہو' حور و غلمان کی زندگی ایسی نہیں' لہٰذا وہ نفس سے خارج ہیں انہیں موت نہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نفس کو موت ہے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ شہداء کو مردہ نہ کہو وہ زندہ ہیں شہداء کو مردہ مت سمجھو وہ زندہ ہیں' انہیں روزیاں مل رہی ہیں' آیات میں تعارض ہے! جواب: اس کے جوابات ابھی کچھ پہلے **ولا تحسبن** الخ کی تفسیر میں اور دوسرے پارہ میں **ولا تقولوا لمن یقتل** الخ کی تفسیر میں گزر چکے کہ موت چکھنا اور ہے اور مردہ رہنا کچھ اور' وہ حضرات موت چکھتے تو ہیں مگر مردہ رہتے نہیں' ان کی موت آنی ہے یا پھر انہیں حیات جاودانی ہے' یا موت دو قسم کی ہے' موت حسی: جسم سے جان نکل جانا' موت حقیقی' جان کا جسم کو چھوڑ دینا' موت حسی سب کو ہے' موت حقیقی ان حضرات کو نہیں' یہاں موت حسی کا ثبوت ہے وہاں موت حقیقی کی نفی' چوتھا اعتراض: اگر روح' جنت و دوزخ' حور و غلمان کو موت یا فنا نہیں' تو وہ سب خدا ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ باقی ہے یہ چیزیں بھی باقی' نیز آریہ صرف روح و مادہ کو قدیم مانتے ہیں تو انہیں مشرک کہتے ہو' تم نے لاکھوں چیزوں کو غیر فانی مانا' تم مشرک کیوں نہ ہوئے؟ (ہندو آریہ) جواب: ایک ہے ازلی ہونا یعنی ہمیشہ سے ہونا' یہ صرف خدا تعالیٰ کی صفت ہے' باقی تمام چیزیں اس کے پیدا کرنے سے ہوئیں' رب تعالیٰ خالق ہے باقی تمام مخلوق' اور ایک ہے ابدی ہونا یعنی ہمیشہ تک رہنا' یہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے دوسرے بندوں کو بھی حاصل ہے' رب تعالیٰ نے انہیں ہمیشہ رکھا' وہ ہمیشہ رہیں گی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **خلدین فیها ابدا** : اور فرماتا ہے **اکلها دائم**: خدا تعالیٰ کے

www.alahazratnetwork.org

سوا کسی کو ازلی ماننا شرک ہے کہ ازلی چیز رب تعالیٰ کا بندہ' رب تعالیٰ کی مخلوق نہیں ہوتی' مگر حکم الٰہی سے کسی کو ابدی ماننا بالکل درست ہے' رب تعالیٰ باقی ہے اور قیوم بھی یعنی خود قائم رہنے والا اور بعض کو قائم رکھنے والا' جو کچھ ابدا" رہے گا وہ رب تعالیٰ کی قیومیت سے رہیگا۔ **پانچواں اعتراض:** موت و فنا میں کیا فرق ہے؟ کہ موت کیلئے فرمایا گیا **کل نفس** اور فنا کیلئے فرمایا گیا **کل من علیھا فان** جو زمین پر ہے وہ فانی' اور ہلاکت کیا چیز ہے؟ جس کے متعلق ارشاد ہوا **کل شی ھالک الا وجھہ** موت کیلئے نفس' فنا کیلئے **من علیھا**' ہلاکت کیلئے کل شئی کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** موت تو حیات کا مقابل ہے' حیات کے معنی ہیں روح کا جسم میں رہنا' موت کے معنی ہیں' روح کا جسم سے نکل جانا' موت صرف اس مخلوق کو آئے گی جو حیات والی ہو' لکڑی' اینٹ' پتھر کو موت نہیں کہ ان میں حیات نہیں' فنا بقاء کا مقابل ہے' بقا ہستی کا قائم رہنا ہے' فنا ہستی کا قائم نہ رہنا ہے' نیستی آجانا' ہر زمینی چیز فانی ہے' اینٹ پتھر وغیرہ تمام چیزیں جو موجود ہیں وہ معدوم ہوں گی' ہلاکت کے معنی ہیں قابل نیستی یعنی مٹ سکنا' جس کا منطقی ترجمہ ہے امکان خاص' یہ موت و فنا دونوں سے عام تر ہے' جنت اور وہاں کی مخلوق کو نہ موت ہے نہ فنا مگر ھالک یعنی قابل فناوہ بھی ہیں کہ ممکن ہے اس لئے وہاں کل شئی ارشاد ہوا' خیال رہے کہ موت جسم و روح کی جدائی کا نام ہے' موت میں روح فوت ہوتی نہیں' جسم باقی رہتا ہے یا مٹی بن جاتا ہے مگر یہ ظاہری ترکیب کھل جاتی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سارے انسانوں کو انکے نیک و بد اعمال کے بدلے ملیں گے مکلف ہو یا غیر مکلف' حالانکہ تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نا سمجھ بچے' دیوانے وغیرہ نہ ان کا حساب ہے نہ عذاب ثواب' یہ عقیدہ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے' کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں۔
جواب: ان جیسے خطابات میں روئے سخن عاقلوں' بالغوں سے ہوتا ہے' غیر مکلف عقلی طور پر ان احکام سے مستثنیٰ ہوتے ہیں' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **اقیموا الصلوۃ** نماز قائم کرو' اور فرماتا ہے **کتب علیکم الصیام**: اور فرماتا ہے **کتب علیکم القتال** ان سب آیتوں میں خطاب مطلق ہے' مگر روئے سخن عاقلوں' بالغوں سے ہے' ایسے ہی یہاں بھی ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سب کو اعمال کی اجرتیں پوری ملیں گی تو جن کے پاس اعمال ہی نہ ہوں جیسے دیوانے اور نا سمجھ بچے' انہیں کس چیز کا بدلہ ملیگا؟ اور وہ کہاں جائیں گے؟ **جواب:** انہیں اللہ کا فضل ملے گا اور وہ انشاء اللہ جنت میں جائیں گے' یہاں جنت کسبی کا ذکر ہے' وہ اعمال سے ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس اعتراض سے معلوم ہوا کہ دنیوی زندگی دھوکا ہے' تو رب تعالیٰ نے اسے پیدا ہی کیوں فرمایا' دھوکہ کی چیز کا پیدا کرنا بھی تو برا ہے! **جواب:** ہرگز نہیں' بلکہ دھوکہ دینا برا ہے' زہر پیدا کرنا برا نہیں' کسی کو دھوکہ دیکر زہر کھلانا برا ہے' اگر رب تعالیٰ نے ہمیں اس پر مطلع نہ کیا ہوتا' اس حیات دنیوی کو اچھا بنایا ہوتا' اور ہوتی بری تو یہ دھوکہ دینا ہوتا' جب وہ بار بار اعلان فرما رہا ہے کہ اس کی ٹیپ ٹاپ میں پھنسنا مت' یہ ایک دھوکا ہے تو پھر رب تعالیٰ نے دھوکا کہاں دیا' نیز ہمیں زندگی آخرت کی تیاری کرنے کیلئے ملی' اگر ہم یہ نہ کریں اور اس میں پھنس کر رہ جائیں تو ہم نے اس دھوکا بنایا بہر حال عیب دار ہم ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہر نفس کو موت آتی ہے' مگر نفس تین قسم کے ہیں تو ان کی موتیں بھی تین طرح کی' ایک وہ جن کیلئے

www.alahazratnetwork.org

موت ہے مگر حشر نہیں' جیسے عام جانور کہ ان میں سے جو زندہ کئے بھی جائیں گے تو کچھ دیر کیلئے اور پھر ایکدوسرے کا بدلہ دلا کر فنا کر دیئے جائیں گے' دوسرے وہ جنہیں دنیا میں موت ہے اور آخرت میں حشر' جیسے عام انسان' فرشتے' جنات' شیاطین' تیسرے وہ نفس جنہیں موت دنیا میں ہے اور حشر دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی کہ وہ ایک آن کیلئے مرتے ہیں' پھر دائمی حیات پالیتے ہیں' جیسے حضرات انبیاء کرام و شہداء اور خاص مومنین' یہ وہ نفوس ہیں جو عشق کی تلوار سے جیتے جی ہی مر گئے اور موتوا قبل ان تموتو پر عمل کر گئے' ان کی فنا فی اللہ اور رضا ہے تو ان کی بقاء باللہ ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے اومن کان میتا فاحیینہ وجعلنا لہ نورا یمشی بہ فی الناس: اس آیت کریمہ میں اسی صوفیانہ موت و حیات کا ذکر ہے' جو دنیا میں ہی اللہ والوں پر طاری ہوتی ہے' اور وہ آیت اس آیت کل نفس کی تفسیر ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ آگ سے دوری' جنت کی حضوری (داخلہ) گناہوں سے بچنے اور طاعتوں میں جلدی کرنے سے میسر ہوتی ہے' یہ اسی کو حاصل ہوگا جو مقام نفس سے نکل کر حرم دل میں داخل ہو جائے' جو اس حرم میں آیا امن میں آگیا ومن دخلہ کان امنا اب پڑھو یہ آیت فمن زحزح الخ یہ آگ سے دوری جنت میں داخلہ دنیا میں ہی ہو رہا ہے' بعض لوگ سستی جنت نہیں خریدتے' اور دوزخ بڑی مہنگی خرید لیتے ہیں' لاکھوں روپے فسق و گناہ میں خرچ کرتے ہیں اور دوزخ خریدتے ہیں' چند پیسے اللہ کی راہ میں نہیں دیتے اور جنت نہیں خریدتے' ان کیلئے دنیا متاع غرور ہے' شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

غم و شادمانی نماند ولیک! جزائے عمل ماند و نام نیک

کرم پائے دارد نہ دیہیم تخت بدہ کز تو ایں ماند اے نیک بخت

یعنی غم و خوشی' مال و دولت' تخت و تاج ریت کی دیواریں ہیں' جنکی عمر کچھ نہیں' موت کے ایک ریلے میں سب بہہ جاتی ہیں' نیک اعمال اور نیک نام' رب تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا ہوا پیسہ' یہ لوہے کی دیواریں ہیں' جنہیں اخلاص کا سیسہ پلا دیا گیا ہے' انہیں کوئی سیلاب نہیں بہاتا' ان کی عمریں ابد الآباد تک ہیں' دہلی میں جا کر دیکھو کہ ایک فقیر یعنی نظام الدین اولیاء اور ایک بادشاہ یعنی ہمایوں آمنے سامنے سو رہے ہیں' سڑک کی اس طرف اس تارک الدنیا فقیر کا روضہ ہے اور سڑک کے اس پار ہمایوں کا مقبرہ' مگر نظام الدین کی قبر پر میلے لگے ہوئے ہیں' خوشبوؤں کے طلے' پھولوں کے ڈھیر اور مقبرہ ہمایوں کی دیواریں پکار کر کہہ رہی ہیں۔

برمزار ما غریباں نے چراغے نے گلے نے پر پروانہ سوزونے صدائے بلبلے

یہ ہے اس آیت کی زندہ جاوید تفسیر وما الحیوۃ الدنیا الا متاع الغرور ○ (از تفسیر روح البیان مع زیادۃ)

www.alahazratnetwork.org

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

البتہ ضرور جانچے جاؤ گے تم اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور یقینا سنو گے تم ان لوگوں سے جنہیں دی گئی

بے شک ضرور تمہاری آزمائش ہو گی تمہارے مال اور تمہاری جانوں میں اور بے شک ضرور تم اگلے

الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ

کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جو مشرک ہوئے بہت تکلیف دہ باتیں اور اگر

کتاب والوں اور مشرکوں سے بہت کچھ برا سنو گے اور اگر تم

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ۝١٨٦

تم صبر اور پرہیزگاری اختیار کئے رہو تو بیشک یہ بہادری کے کاموں سے ہے

صبر کرو اور بچتے رہو تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے

تعلق: اس آیت کے گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہیں۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں آنے والی موت اور آئندہ ملنے والے ثواب کا ذکر فرما کر مسلمانوں کی تسلی کی گئی تھی کہ گھبراؤ مت ان تمام تکالیف کا خاتمہ ہونے والا ہے' یہ تکالیف عارضی ہیں' اب آئندہ لئے جانے والے امتحانوں کا ذکر فرما کر مسلمانوں کو تسلی ہی دی جا رہی ہے کہ آئندہ تمہارے امتحانات ہوں گے گھبرانا مت گویا موجودہ تکالیف سے تسلی تشفی گزشتہ آیت میں دی گئی تھی اور آئندہ پیش آنے والی تکالیف سے تسلی اس آیت میں دی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ دنیا دار محنت و غرور ہے' اب بتایا جا رہا ہے کہ دنیا جائے امتحان ہے' یہ دونوں مسلمانوں کے صبر و اجر کیلئے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دنیا کی تکالیف کا اجمالی ذکر تھا' اب اس آیت میں دنیا داروں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ 1 حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی معرفت قبیلہ بنی قینقاع کے سردار فنحاص کے پاس ایک خط بھیجا جس میں فرمایا گیا تھا کہ مشرکین کے مقابل تم ہماری مدد کرو' اور صدیق اکبر کو تاکید فرمائی تھی کہ تم اگر فنحاص کی طرف سے کوئی تکلیف دہ بات سنو تو اس سے جنگ نہ کرنا' جب صدیق اکبر نے یہ خط فنحاص کو دیا' تو وہ بولا کیا تمہارا رب تھک گیا جو ہم سے مدد مانگی جاتی ہے؟ جناب صدیق نے اسے قتل کرنا چاہا' مگر سرکار کا حکم یاد آیا اور واپس آگئے' تب یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن و کبیر)۔ 2 امام واحدی نے عروہ ابن زبیر سے روایت کی کہ اسامہ ابن زید کہتے ہیں' ایک بار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دراز گوش پر سوار تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی حارث میں سعد ابن عبادہ کی مزاج پرسی کیلئے تشریف لے گئے' راستہ میں ایک مقام پر گزرے جہاں مسلمان کفار و مشرکین سبھی تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں قیام فرما کر جمیع کو دعوت اسلام دی' دراز گوش کا غبار اڑ رہا تھا' عبداللہ ابن ابی اپنی ناک پر کپڑا رکھ کر بولا کہ آپ کی یہ باتیں اگر حق ہوں تو اچھی ہوں گی لیکن ہم کو ہماری مجلسوں میں مت ستایا کرو' جو آپ کے پاس آئے اسے تبلیغ کیا کرو' حضرت عبداللہ ابن رواحہ نے کہا یا رسول اللہ

www.alahazratnetwork.org

آپ ضرور تبلیغ کریں' ہمیں آپ کی باتیں پیاری معلوم ہوتی ہیں' اس پر مسلمانوں اور کفار میں تو تو میں میں ہو گئی' قریب تھا کہ مار پیٹ ہو جاتی' لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت حلم و تدبر سے معاملہ رفع دفع فرمایا' اور سعد کے پاس تشریف لے گئے' حضرت سعد سے عبداللہ ابن ابی کی اس حرکت کا ذکر فرمایا' سعد نے عرض کیا حضور اہل مدینہ عبداللہ ابن ابی کو اپنا سردار چن رہے تھے آپ کی تشریف آوری سے اسے یہ نصیب نہ ملی' اس لئے وہ جل کر باتیں کرتا ہے تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر روح المعانی) یہ واقعہ بدر سے پہلے کا ہے جبکہ عبداللہ ابن ابی نے اسلام ظاہر نہیں کیا تھا۔ 3 امام زہری فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں ایک یہودی تھا کعب ابن اشرف' جو شاعر بھی تھا اور مالدار بھی' مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف جنگ پر اکساتا تھا' انہیں روپیہ تقسیم کرتا تھا' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت' مسلمانوں کی ہجو میں قصیدے لکھتا تھا' جن میں مسلمان بیبیوں کی بے حرمتی کرتا تھا' اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن' روح المعانی) بخاری' مسلم میں کعب ابن اشرف کے قتل کا عجیب و غریب واقعہ بیان فرمایا گیا' اسے محمد ابن مسلمہ و ابو نائلہ نے عجیب شان سے قتل کیا۔

تفسیر: لتبلون فی اموالکم وانفسکم: لتبلون' بلاء سے بنا جس کا مادہ بلو ہے' بمعنی آزمائش و امتحان' لام قسم کا ہے اور نون تاکید کا' اس سے پہلے واللہ' باللہ قسم پوشیدہ ہے نون تاکید کا ہے' خیال رہے کہ جمع کا واؤ تو نون تاکید کی وجہ سے گر گیا' یہ موجود واؤ مادہ کا ہے اسے پیش دے دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں واؤ گرا ہے' ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے کہ رب تعالیٰ کے امتحانات اور کفار کی طرف سے تکالیف مسلمانوں کو پہنچتی ہی رہیں گی' اور ہو سکتا ہے کہ صرف صحابہ سے خطاب ہو' ممکن ہے کہ اس خطاب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہوں' اموال مال کی جمع ہے' جس میں ہر قسم کے مال داخل ہیں منقولی ہوں یا غیر منقولی' انفس نفس کی جمع ہے' بمعنی جان یا ذات چونکہ مال کے امتحانات زیادہ ہوتے ہیں اور جانی کم' اس لئے مالوں کا ذکر پہلے ہوا جانوں کا بعد میں' یعنی اے مسلمانو! یا اے صحابیو یا اے محبوب! اور ان کے صحابہ کبار! آگاہ و تیار رہو کہ تمہارے مالی و جانی امتحانات لئے جائیں گے' خیال رہے کہ یہ امتحان رب تعالیٰ کے علم کیلئے نہیں بلکہ کھروں کھوٹوں کو الگ کرنے' چھانٹنے کیلئے ہے تاکہ اس چھانٹ پر آئندہ سزا و جزاء مرتب ہو' یہ امتحان یا شرعی احکام کی شکل میں ہوں گے یا دنیاوی آفات کی شکل میں **ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم** یہ جملہ گزشتہ جملہ تبلون پر معطوف ہے' واؤ عاطفہ ہے' اس میں بھی مسلمانوں کی آزمائش ہی کا ذکر ہے اگرچہ گزشتہ آزمائش میں یہ آزمائش داخل تھی' مگر چونکہ یہ سخت ترین آزمائش تھی' اس لئے اس کا الگ ذکر فرمایا' کیونکہ لوہے کی تلوار سے انسان ایک بار مرتا ہے مگر زبانوں کے زخم ہمیشہ ہی کھاتا رہتا ہے' تیز تلوار کا زخم بدن پر لگتا ہے جو مرہم سے بھر جاتا ہے مگر زبان کا زخم دل پر لگتا ہے جو کبھی نہیں بھرتا' کتاب والوں سے مراد یہودی و عیسائی ہیں کہ یہ دو فرقے مدینہ پاک میں تھے اور انہی سے مسلمانوں کے مقابلے زیادہ ہوئے' داؤدی وغیرہ کہیں دیکھنے میں نہیں آتے' چونکہ اہل کتاب بمقابلہ مشرکین کے مسلمانوں سے کچھ قریب ہیں' اس لئے ان کے طعنوں کا گھاؤ دلوں پر گہرا لگتا ہے اس لئے پہلے اہل کتاب کا ذکر ہوا بعد میں مشرکین کا **ومن الذین اشرکوا اذی کثیرا:** یہ ومن پچھلے من الذین پر معطوف ہے' مشرکین سے مراد سارے کفار ہیں کہ ایسے موقعوں پر کفر کو شرک اور کافروں کو مشرک کہا جاتا ہے' اذی سے مراد ہر دل دکھانے والی بات ہے' اسلام پر طعن' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی'

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں پر آوازے کسنا مسلمان عورتوں کے متعلق عشقیہ گیت بنانا انہیں مجمعوں میں پڑھ کر گستاخی اور ناچنا جیسا کہ اس زمانہ میں عام مروج تھا (تفسیر روح المعانی) **وان تصبروا وتتقوا** : اس میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے صبر سے مراد ہے ناپسندیدہ باتوں کی برداشت۔ تقویٰ سے مراد ہے غیر مناسب باتوں سے بچنا چونکہ صبر پہلے ہوتا ہے تقویٰ بعد میں 'غیر صابر متقی کبھی نہیں ہو سکتا' اس لئے صبر کا ذکر پہلے کیا تقویٰ کا بعد میں ' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ان دو لفظوں میں دونوں جہان کی درستی ہے ' کیونکہ برائی کے بدلہ میں برائی کرنے سے زیادہ برائی پھیلتی ہے کہ سامنے والا اور زیادہ برائی کرنے پر آمادہ ہوتا ہے ' لیکن صبر کے ذریعہ برائی وہیں رک جاتی ہے اگلا شرمندہ ہو جاتا ہے ' غرضیکہ صبر دنیوی تکالیف کم کرنے والا ہے اور تقویٰ اخروی تکالیف کو دفع کرنے والا **فان ذلک من عزم الامور** جملہ **ان تصبروا** کی جزا نہیں' اس کی جزا تو پوشیدہ ہے بلکہ وجہ جزا ہے' اس کی ف تعلیلیہ ہے ' ذلک سے صبر و تقویٰ کی طرف اشارہ ہے ' عزم مصدر بمعنی اسم مفعول ہے ' اس کے معنی ارادہ و قصد بھی ہیں ' اور ہمت و جرات بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے **کما صبر اولوا العزم من الرسل** یہاں عزم بمعنی بہادری و ہمت ہے ' اور فرماتا ہے **ولم نجدله عزما** یہاں عزم بمعنی ارادہ ہے ' کہ ہم نے آدم کا ارادہ گناہ نہ پایا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں ' یعنی یہ صبر و تقویٰ لائق ارادہ کاموں میں سے ہے کہ ہر مومن کو ان کاموں کا ارادہ کرنا چاہئے ' یا یہ صبر و تقویٰ ہمت و بہادری کے کاموں میں سے ہے ' بہادر لوگ ان پر کاربند رہتے ہیں ' تم بھی صبر و تقویٰ کا دامن مضبوط پکڑو ' بہادر بنو ' محبوب کی امت ہو۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثار صحابہ ہم تم کو اطلاع دیئے دیتے ہیں کہ تم کو دو قسم کی سختیاں جھیلنا پڑیں گی ' ایک یہ کہ تمہارے جانی و مالی امتحانات لئے جائیں گے یا اس طرح کہ تمہارے مالوں میں سے زکوۃ ' صدقات ' قربانیاں ' جہادوں میں خرچ وصول کئے جائیں گے ' اور جانی بھاری عبادات تم پر لازم کی جائیں گی ' روزہ ' حج ' جہاد وغیرہ یا اس طرح کہ وقتاً " فوقتاً " تمہارے جانی و مالی نقصان قدرتی طور پر ہوا کریں گے ' کہ کبھی بیماری ' کبھی اولاد کی موت ' کبھی تجارتوں میں نقصانات ' کبھی باغوں ' کھیتوں کی تباہی ' کبھی جہاد میں زخمی یا شہید ہوتا ہوتا رہے گا ' دوسرے یہ کہ تم اہل کتاب کفار اور سارے مشرکین و کفار سے ایذا و رساں ' تکلیف دہ باتیں سنا کرو گے ' کہ وہ تمہارے دین کا مذاق اڑائیں گے ' تمہارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان طعن دراز کریں گے ' تم پر پھبتیاں کسیں گے ' تمہارے خلاف قصیدے لکھیں گے ' حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو خدا تعالیٰ کا بیٹا کہیں گے ' بی بی مریم کو تمہارے سامنے رب تعالیٰ کی بیوی بتائیں گے وغیرہ وغیرہ ' اگر تم ان موقعوں پر طیش میں نہ آ گئے صبر کئے رہے ' تقویٰ و پرہیز گاری نہ چھوڑ بیٹھے ' تو تمہارے واسطے بہت ہی اچھا ہو گا ' کیونکہ تقویٰ صبر بڑی بہادری کے کام ہیں ' ان پر بہادر لوگ ہی کاربند رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اگر یہاں صبر سے مراد پر سختی نہ کرنا ' ان کی تکلیف پر صبر کئے رہنا ' بدلہ نہ لینا ' ان پر جہاد نہ کرنا ہے ' تب تو یہ حکم منسوخ ہے ' اس کی ناسخ آیات جہاد ہیں ' اور اگر صبر سے مراد مصیبت میں گھبرا نہ جانا ' اہل کتاب کے اخلاق سوز حرکتوں پر طیش میں نہ آنا ' اپنے کو بد اخلاق نہ بنانا ' ان کی توہین کے جواب میں حضرت عیسیٰ و عزیر اور موسیٰ علیہم السلام کی شان میں گستاخی نہ کر بیٹھنا ہے ' تو یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں ' مسلمانوں کو تاقیامت یہ حکم ہے ' دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ یہ آیت مدنیہ ہے بلکہ بعض مفسرین کے خیال میں اس کا نزول غزوہ احد کے بعد ہوا ہے ' تو یہ آیت حکم جہاد سے کیسے منسوخ ہو سکتی ہے ' خود اس کا نزول حکم جہاد کے بعد ہوا ' مدنی آیتیں حکم جہاد سے منسوخ نہیں کہ بعد ہجرت حکم جہاد آ گیا تھا۔ (از کبیر و معانی وغیرہ مع زیادۃ)۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا مہربان ہے' دیکھو اس نے امتحان سے پہلے اس کی اطلاع دے دی بلکہ امتحان کے پرچے آؤٹ فرمادیئے' تاکہ مسلمانوں پر یہ امتحان آسان ہو' اچانک مصیبت سخت مشکل معلوم ہوتی ہے' اور اگر پہلے سے خبر ہو جائے تو قدرے ہلکی ہو جاتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو آزمائشوں کیلئے تیار رہنا چاہئے' امتحانات کے بعد درجات ملتے ہیں' سونا اگرچہ سونا ہے مگر آگ میں تپ کر سنار کے ہتھوڑے کھا کر زیور بنتا ہے اور محبوب سے قرب پاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** امتحانات صرف دنیا میں ہی نہ ہوں گے بلکہ برزخ و حشر میں بھی ہوں گے' اگرچہ ان امتحانوں کی نوعیت جداگانہ ہے جیسا کہ **لتبلون** کے عموم سے معلوم ہوا' خیال رہے کہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی قبر میں ہونے والے امتحان کی خبر دے دی اور وہاں کے پرچے بھی آؤٹ فرمادیئے' ارشاد فرمایا کہ وہاں تین پرچے حل کرنا ہیں توحید' رسالت' دین' رب تعالیٰ بھی کریم ہے' اس کے محبوب بھی کریم۔ **چوتھا فائدہ:** سارے مشرکین و کفار مسلمانوں کے یکساں دشمن ہیں' اگرچہ دشمنی کی نوعیت میں فرق ہو جیسا کہ **اذی کثیرا** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** صبر و پرہیزگاری ہر مشکل کا حل ہے اگرچہ بعض دفعہ یہ چیزیں مشکل معلوم ہوتی ہیں مگر ان کے پھل بڑے میٹھے ہوتے ہیں جیسا کہ **وان تصبروا** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی تردید کیلئے ہم حضرت مسیح و موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام کی شان اقدس میں گستاخی نہیں کر سکتے' کہ ان پیغمبروں بلکہ سارے نبیوں علیہم السلام کا احترام رکن ایمان ہے جیسا کہ **ان تصبروا** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** یہ آیت کریمہ دین و دنیا کے آداب کی جامع ہے' صبر سے فساد دنیاوی نہیں پھیلتا' اگر ہم ظالم سے نفسانی طور پر کس کر بدلہ لیں' تو یہ اس سے زیادہ سخت بدلہ لینے کی کوشش وہ کرے گا' اگر اس سے درگزر کریں تو اولاً تو وہ شرمندہ ہو جائے گا' ورنہ کم از کم آئندہ بدلہ کی کوشش نہ کرے گا اور تقویٰ و پرہیزگاری سے آخرت میں عذاب نہیں ہوتا' یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں (کبیر) **آٹھواں فائدہ:** قرآن کریم کا کنٹرول اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قبضہ مسلمانوں پر بہت مضبوط ہے' دوسرے نبیوں کا قبضہ اپنی امتوں پر اور دوسری کتابوں کا کنٹرول اپنے ماننے والوں پر اتنا مضبوط نہ تھا' دیکھو اس آیت کریمہ نے مسلمانوں کو اہل کتاب اور مشرکین کی اذیت پر صبر کا حکم دیا کہ جواب میں ان کے بزرگوں کو تم برا نہ کہو' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اہل کتاب کے نبیوں پر ایمان لاؤ' وہ تمہارے ہی نبی ہیں' نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی مسلمان ان پیغمبروں کی بارگاہ میں گستاخی نہ کرتا ہے نہ کر سکتا ہے مگر اس کے برعکس ان نبیوں نے اپنی امتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لانے کا حکم دیا تھا مگر کسی نے نہ مانا' یہ کنٹرول بھی ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا بڑا معجزہ ہے۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا امتحان کیوں لیتا ہے؟ ناواقف امتحان لیتا ہے تاکہ سامنے والے سے خبردار ہو جائے' رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے پھر اسے امتحان کی کیا ضرورت (آریہ)؟ **جواب:** اس کا جواب ہم اسی تفسیر نعیمی پارہ دوم اور اس آیت کی تفسیر میں دے چکے ہیں کہ امتحان ہمیشہ ممتحن کے علم کیلئے نہیں ہوتا' کبھی دوسروں کو بتانے دکھانے کو ہوتا ہے' کبھی بھلے برے کی چھانٹ کیلئے اور عطائے درجات کیلئے بھی ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ کے امتحانات ان آخری حکمتوں پر مبنی ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** پھر رب تعالیٰ صرف مومنوں مخلصوں کا ہی کیوں امتحان لیتا ہے کفار کا کیوں نہیں لیتا' وہ بھی تو رب کے بندے ہیں اس کی نعمتیں کھاتے ہیں: **جواب:** اس لئے کہ درجات انہیں کو امتحان اسی کا لیا جاتا ہے جسے نوکر رکھنا ہو' کچھ دینا ہو' ہر ایک

www.alahazratnetwork.org

کا امتحان کوئی نہیں لیا کرتا' سونے کو ہی کسوٹی پر کسا جاتا ہے' پیتل' تانبے کو کوئی نہیں لیتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو کفار و مشرکین کی گستاخی پر ہمیشہ صبر ہی کرنا چاہئے' خواہ وہ رب تعالیٰ کو گالیاں دیں یا اسلام و قرآن کو یا انبیاء و اولیاء کو' تو پھر مسلمان ان گستاخوں کو قتل کیوں کر دیتے ہیں؟ فقہا فرماتے ہیں کہ نبی کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں' اسے قاضی قتل ہی کرائے گا' فقہ کا یہ حکم اس آیت کے خلاف ہے! **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ اگر صبر سے مراد گستاخوں کو سزا نہ دینا' ان پر جہاد نہ کرنا ہو تو یہ آیت جہاد سے منسوخ ہے جیسے مسامحت' اعراض و چشم پوشی کی دوسری آیتیں' اور اگر صبر سے مراد یہ ہے کہ تم ان کی گستاخی کے بدلہ میں ان کے نبیوں کی شان میں گستاخی نہ کرو تو یہ حکم تاقیامت باقی ہے' کوئی مسلمان اس کی جرات نہیں کر سکتا کہ عیسائیوں' یہودیوں کی گستاخی کے جواب میں حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہم السلام کی شان میں گستاخی کرے' تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا کہ صبر و تقویٰ سے مراد نرمی کے ساتھ تبلیغ کرنا ہے' رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو حکم دیا تھا **وقولا له قولا لينا** **چوتھا اعتراض:** **وان تصبروا** کی جزا **فان ذلك** کیسے ہو سکتی ہے' اس آیت کے معنی فاسد ہو جائیں گے کیونکہ معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم صبر کرو تو صبر بہادری کا کام ہے تو کیا اگر ہم صبر نہ کریں وہ بہادری کا کام نہیں؟ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ **فان** کی ف جزائیہ نہیں بلکہ علیلیہ ہے **وان تصبروا** کی جزا پوشیدہ ہے' آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم صبر و تقویٰ اختیار کرو تو بہت اچھا ہے کیونکہ یہ بہادری کا کام ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے مومن کی زندگی کو مصیبتوں' بلاؤں' دشمنوں سے گھیر دیا ہے اور ان سب پر صبر کا حکم دیا' کیونکہ نفس انسانی سخت زمین کی طرح ہے' جس میں ایمان و عرفان' معرفت رحمان کے باغ و کھیت لگانے ہیں اور سخت زمین کو نرم کرنے کے بعد ہی یہ سب کچھ لگایا جا سکتا ہے' یہ ساری آفتیں و مشکلات و ہل یا ٹریکٹر ہیں جس سے یہ زمین نرم پڑتی ہے' چنانچہ دیکھا گیا ہے کہ ہمیشہ آرام سے رہنے والے لوگ حد بندگی سے نکل جاتے ہیں' فرعون' نمرود و شداد نے اسی لئے دعویٰ خدائی کر دیا' ان کے نفسوں پر یہ ہل نہ چلے تھے اور جب فرعون غرقابی میں گرفتار ہوا تو پکار اٹھا کہ موسیٰ بنی اسرائیل کی طرح میں بھی ایمان لاتا ہوں مگر چونکہ کاشت کا وقت نکل چکا تھا' اس لئے اس کا یہ ہل چلانا بے کار رہا' اس آیت میں اسی جانب اشارہ ہو رہا ہے کہ مسلمانو! تمہاری زمین نفس پر یہ ہل چلتے رہیں گے گھبرا نہ جانا صبر کرنا' اگر صبر کر گئے تو دیکھنا اس نفس میں کیسے باغ لگتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

سالہا تو سنگ بودی دل خراش ۔۔۔ آزموں را یک زمانے خاک باش
در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ۔۔۔ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ
پاسبانی کن بے در کوئے دل ۔۔۔ زانکہ وز دانند در پہلوئے دل
معدہ را بگذار سوئے دل خرام ۔۔۔ تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

یعنی تو نے دل خراش پتھر بن کر دیکھ لیا' اب آزمائش کے طور پر کچھ دن خاک بن کر بھی دیکھ لے' موسم بہار میں پتھروں پر سبزہ نہیں آتا' تو خاک ہو جا' تاکہ رنگ برنگے پھول کھلیں' دل کی گلی میں پہرا دے کہ اسی گلی میں چور زیادہ ہیں' اے غافل ہر وقت پیٹ کی فکر میں نہ رہ' دل کی فکر کر' اگر تو نے یہ کر لیا تو تجھے رب تعالیٰ کی طرف سے براہ راست سلام پہنچا کریں گے' سونا کشتہ ہو کر شفا بخشتا ہے' خود مر کر دوسرے مردوں کو زندگی بخشتا ہے' تو کشتہ ہو جا تاکہ دوسرے تجھ سے زندگی پائیں۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ

اور جبکہ اللہ نے مضبوط وعدہ لیا ان لوگوں سے جنہیں کتاب دی گئی کہ تم ضرور بیان کرنا اسے لوگوں کے

اور یاد کرو جب اللہ نے عہد لیا ان سے جنہیں کتاب عطا ہوئی کہ تم ضرور اسے لوگوں سے بیان کر دینا اور

وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

واسطے اور نہ چھپانا اسے پس ڈال دیا انہوں نے اس وعدہ کو اپنی پیٹھوں کے پیچھے اور اسکے بدلے تھوڑی

نہ چھپانا تو انہوں نے اسے اپنی پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا اور اس کے بدلے ذلیل دام حاصل کئے

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

قیمت خرید لی پس برا ہے وہ جسے یہ خریدتے ہیں

تو کتنی بری خریداری ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں علمائے یہود کے اعتراضات مع جوابات بیان ہوئے' ان جوابات پر وہ علماء خاموش نہ ہوئے' تو مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا گیا کہ یہ موذی ہیں' محض ایذا رسانی کیلئے ایسی باتیں کرتے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے' ان کمبختوں نے ہم سے وعدہ کیا تھا کہ ہم توریت و انجیل کے ذریعے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کریں گے' چاہئے تو یہ تھا کہ اس قسم کے اعتراضوں کے جواب یہ خود دیتے چہ جائیکہ یہ خود ہی معترض بن بیٹھے' غرضیکہ پچھلی آیتوں میں ان پادریوں کے اعتراضات و ایذاء کا ذکر تھا' اب ان کی خباثت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تم اہل کتاب کی طرف سے تکلیف دہ باتیں سنو گے' اب ان باتوں کا اجمالی ذکر ہے کہ وہ تکلیف دہ باتیں کیا ہیں' ان پوپ پادریوں کا توریت و انجیل کی آیات نعت چھپانا اور اسکے خلاف ظاہر کرنا' گویا یہ آیت پچھلی آیت کا اجمالی بیان ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں پوپ پادریوں کا مسلمانوں کو تکلیف دینے کا ذکر تھا' اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ لوگ ان ایذا اور ساتیوں سے اپنے پیٹ پال رہے ہیں کہ اسی ذریعہ سے اپنے معتقدین سے پیسے کماتے کھاتے ہیں' پھر تمہاری ایذاء سے باز کیسے آئیں' یہ تو ان کا بزنس اور کاروبار ہوا' خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کھاتا' انہی کے نام پر ہے' کوئی ان کے گیت گا کر اور کوئی ان کے اوصاف چھپا کر۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں سے فرمایا گیا تھا کہ تم یہود کی ایذاء پر صبر کرنا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ انہوں نے تم سے زیادہ تو مجھے ایذا پہنچائی کہ میرے معاہدوں کو توڑ ڈالا' میری کتابوں سے منہ موڑا' مگر میرا صبر دیکھو کہ میں انہیں روزی بھی دے رہا ہوں' ان پر عذاب نہیں بھیجتا' تو تم بھی صبر کرو کہ صبر سنت الٰہیہ ہے' بے صبر ی کار رندر ہو۔

تفسیر: **واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب:** **اذ** ظرف ہے جس کا ظروف فعل **اذکر** یا **ذکر** پوشیدہ ہے' یعنی اے محبوب یاد کرو یا لوگوں کو یاد دلاؤ' **میثاق** **وثق** یا **وثوق** کا مصدر ہے بمعنی مفعول **وثق** کے معنی ہیں مضبوطی' اصطلاح میں مضبوط وعدہ کو میثاق کہا جاتا ہے' جس کے پورا نہ کرنے پر کچھ سزا بھی مقرر کی گئی ہو' وعدہ' عہد' میثاق اور اصر کے معنی اور ان میں فرق ہم تیسرے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' سیدنا ابن جبیر' ابن عباس و عکرمہ

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں الذین سے مراد صرف یہودیوں کے پوپ ہیں مگر حضرت علقمہ فرماتے ہیں کہ اس سے یہودیوں کے پوپ بھی مراد ہیں اور عیسائیوں کے پادری بھی (تفسیر روح المعانی و کبیر) پہلی صورت میں کتاب سے مراد توریت شریف ہے دوسری صورت میں توریت و انجیل دونوں مگر کتاب دیئے جانے سے مراد ان کتابوں کا علم دیا جانا ہے یعنی اے محبوب وہ وقت یاد کرو یا ان اہل کتاب کو یاد دلاؤ یا مسلمانوں کو یاد کراؤ جبکہ رب تعالیٰ نے ان لوگوں سے مضبوط عہد لیا تھا جنہیں توریت و انجیل دونوں کا علم دیا گیا یہ عہد کب لیا گیا یا تو میثاق کے دن یا توریت و انجیل میں انبیائے کرام کی معرفت **لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ** یہ اس عہد کا بیان ہے لتبینن' تبیین سے بنا جس کا مادہ بیان ہے بمعنی اظہار تبیین کے معنی ہیں خوب بیان کرنا' آہستہ آہستہ سمجھا کر بیان کرنا کہ سننے والے کے دل میں اتر جائے' یا ہمیشہ بیان کرتے رہنا' تاکہ لوگ بھول نہ جائیں' ہ کا مرجع یا میثاق ہے یا کتاب یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات (تفسیر کبیر و روح المعانی) سدی و ابن جبیر کا یہی قول ہے کہ ہ کا مرجع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ آپ سب کو معلوم ہیں بغیر ذکر کئے ہوئے ادھر ضمیر لوٹ گئی (معانی) ہماری قرات لتبینن ت سے ہے جس میں اس وقت یعنی میثاق کے دن کا کلام دہرایا گیا ہے جیسے **وقضینا الی بنی اسرائیل فی الکتاب لتفسدن فی الارض** وغیرہ مگر ابوبکر' عامر' ابو عمرو کی قرات میں لیبینن ی سے ہے لئے ہوئے عہد کا بیان' بہرحال خطاب یا ذکر پوپ و پادریوں کا ہے وہ ہی اس فعل کا فاعل ہیں' للناس سے مراد یا تو عوام یہود و نصاریٰ ہیں یا عام لوگ' دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اگر اس زمانہ کے لوگ مراد ہیں تو بیان سے قولی بیان ہو گا اور اگر عام لوگ مراد ہوں خواہ اس زمانہ کے ہوں یا بعد کے' تو تقریری تحریری دونوں بیان مراد ہوں گے' للناس میں لام یا صلہ کا ہے یا نفع کا' لوگوں سے بیان کرے یا لوگوں کے نفع کیلئے بیان کرے کہ جس طرح لوگوں کو فائدہ پہنچے اس طرح بیان کرے **لا تکتمون**' کتم سے بنا بمعنی چھپانا' ہ کی ضمیر میں وہی احتمالات ہیں جو پہلی ضمیر میں تھے' واؤ عاطفہ نہیں بلکہ حالیہ ہے اور یہ جملہ لتبینن کی ضمیر فاعل سے حال ہے' اسی لئے یہاں نون تاکید نہیں آیا' اگر واؤ عاطفہ ہوتا تو **لا تکتمون** میں بھی معطوف علیہ کی طرح نون تاکید آتا' خیال رہے کہ کتاب کے بیان کرنے سے مراد ہے اس کا لوگوں پر ظاہر کر دینا اور نہ چھپانے سے مراد ہے اس میں غلط تاویلیں نہ کرنا یعنی ہم نے پوپ پادریوں سے یہ عہد لیا تھا کہ توریت و انجیل یا ان میں آپکی آیات نعت یا خود یہ عہد و میثاق اپنے معتقدین سے یا سارے لوگوں سے ہمیشہ ہر طرح جلسوں جلوسوں میں علیحدگی میں تقریراً تحریراً خوب بیان کرتے رہیں ان میں کسی قسم کی تاویل نہ کریں' صاف بتا دیں کہ یہ وہی آخر الزمان ہیں جن کی خبر ہماری کتابوں نے دی ہے یہی دعائے خلیل ہیں یہی بشارت مسیح' یہی منشائے ذبیح ہیں' یہی مقصود کلیم' مگر ہوا یہ کہ **فنبذوہ وراء ظھورھم**: نبذ و' نبذ سے بنا بمعنی ڈالنا' پھینکنا' دور کرنا' یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں ورآء بمعنی پیچھے' خلف مطلقاً پیچھے کو کہتے ہیں اور وراء بہت پیچھے کو' جو پیچھے بھی ہو' دور بھی' غائب بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان وراءھم ملک** وہ ظالم و کشتیاں چھیننے والا بادشاہ ان سے دور و غائب تھا' ظھور ظھر کی جمع ہے' بمعنی پیٹھ' اگرچہ پھینکنا دائیں بائیں بھی ہوتا ہے اور سامنے بھی مگر پیچھے پھینکنا بہت اہم ہے کہ جس سے چیز پھینک بھی جاتی ہے' چھپ بھی جاتی ہے' نہ نظر آتی ہے نہ اس کی طرف التفات ہوتا ہے چونکہ ان لوگوں نے کتاب کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اس لئے اسطرح بیان فرمایا گیا یعنی ان لوگوں نے کتاب اللہ یا اس میثاق کو بالکل ہی پس پشت ڈال دیا کہ اس کی طرف توجہ ہی نہ کی **واشتروا بہ ثمنا قلیلا** یہ پچھلے جملہ کی وجہ ہے' اس کی تفسیر **لا تشتروا بایتی** کے

www.alahazratnetwork.org

ماتحت پہلے سیپارے میں کی جاچکی ہے کہ دنیا بے قیمت' آخرت بے اصل سامان' قیمت سے سامان خریدتے ہیں' مگران بے وقوفوں نے سامان سے قیمت خریدی کہ دین دیا اور دنیالی آیات کتاب چھپائیں پیسے کمائے **فبئس ما یشترون** اس جملہ کی تفسیر بھی بارہا ہوچکی ہے ما مصدریہ ہے یا موصولہ یہ جملہ بئس کا فاعل ہے اور اس کا مخصوص بالذم پوشیدہ ہے یعنی ان کی یہ خریداری بری ہے یا وہ مال و متاع برا ہے جو دین کے عوض خریدا۔

خلاصہ ءتفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت یاد کرو' یا مسلمانوں کو یا اہل کتاب کو یاد دلاؤ کہ جب اللہ تعالیٰ نے علمائے بنی اسرائیل سے جنہیں کتاب کا علم دیا گیا ہے' میثاق کے دن یا توریت و انجیل میں نہایت پختہ و مضبوط وعدہ لیا تھا کہ تم یہ کتاب یا اس کی آیات نعت یا نبی آخر الزمان کی ذات و صفات عام لوگوں سے خصوصاً اپنے معتقدین سے خوب بیان کرتے رہنا اور ان آیتوں میں کوئی تاویل و توجیہ نہ کرنا' لوگوں کے دلوں میں شبہات نہ ڈالنا تاکہ تمہاری ہدایت سے ایمان لائیں۔ اور تمہیں ثواب ملے' تحریر تقریر کے ذریعہ جلسوں جلوسوں و علیحدگیوں میں بیان کیا کرنا مگر ان بد نصیبوں نے ہمارے اس عہد کو بالکل ہی دور پشتوں کے پیچھے پھینک دیا کہ اس پر عمل تو کیا کرتے کبھی اس طرف دھیان بھی نہ دیا' اور سب کچھ اتفاقاً نہ ہوا' بلکہ محض دنیا کمانے کیلئے دیدہ دانستہ کیا کہ اپنے ماتحتوں سے نذرانے' بدعے لئے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آیتیں چھپائی ہی نہیں بلکہ بدل ڈالیں تاکہ اپنے معتقدین میں ان کی نمبرداری و چودھریت قائم رہے' خیال رکھو کہ ان کی یہ تجارت بہت گھاٹے کی ہے کہ انہوں نے مال سے قیمت خریدی ہے۔ جس کے وبال میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** دینی علماء کو بڑی اہمیت حاصل ہے' ان کی درستی میں دین کی درستی ہے اور انکے بگڑ جانے سے دین کا فساد اور قوم کی تباہی ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے میثاق کے دن یا توریت میں علماء سے علیحدہ عہد لیا کہ تم درست رہنا تاکہ لوگ درست رہیں۔ یہ فائدہ للناس کے لام سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** علماء کتاب الٰہی کے امین ہیں' امین اگر امانت داری سے کام لے تو اس کا بڑا درجہ ہے اگر خیانت کرے تو بڑا مجرم ہے' علماء اگر کتاب اللہ کو چھپائیں یا اس میں غلط تاویلیں کریں تو خائن ہیں اور رب تعالیٰ کے بھی مجرم ہیں قوم کے بھی' اور اگر صحیح تبلیغ کریں تو انکے برابر کسی کا ثواب نہیں' یہ فائدہ لتبیننہ سے معلوم ہوا یہ مت سمجھو کہ یہ پابندیاں اور تاکیدی احکام صرف علماء اہل کتاب کیلئے ہی تھے' علمائے اسلام پر بھی یہ فرائض عائد ہوتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** شرعی مسئلہ چھپانا حرام ہے' علماء پر لازم ہے کہ اپنے علم سے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں' جیسا کہ فنبذوہ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** علماء کو چاہئے کہ اپنا لباس وضع قطع عالموں کی سی رکھیں تاکہ لوگ انہیں عالم سمجھ کر مسائل پوچھ لیا کریں' عالم کا غیر عالم کے لباس میں رہنا بہتر نہیں' خطرہ ہے کہ یہ بھی علم چھپانے میں داخل ہو جائے۔ **پانچواں فائدہ:** تقیہ حرام ہے' کیونکہ اپنا ایمان ظاہر کرنا ضروری ہے' اور تقیہ میں سب چھپایا جاتا ہے' یہ فائدہ بھی لتبیننہ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** روپیہ لے کر احکام شرعی بدلنا یا چھپانا حرام بلکہ قریباً کفر ہے جیسا کہ واشتروا بہ سے معلوم ہوا' قرآن شریف چھاپ کر فروخت کرنا' تعلیم قرآن پر اجرت لینا' امامت' مدرسی پر تنخواہ لینا اس میں داخل نہیں' ورنہ علمائے متاخرین اسے کبھی جائز نہ رکھتے' حضرات خلفائے راشدین نے امامت کبریٰ یعنی خلافت پر تنخواہیں لی ہیں سوائے حضرت عثمان غنی کے۔ **ساتواں فائدہ:** دین بیچ کر جتنی دولت بھی وصول کی جائے تھوڑی ہے کیونکہ وہ

www.alahazratnetwork.org

حرام دنیا ہے۔ جب حلال دنیا تھوڑی ہے۔ قل متاع الدنیا قلیل تو حرام دنیا کا کیا کہنا یہ فائدہ ثمنا قلیلا سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: علم دین چھپانا حرام' قتادہ فرماتے ہیں جو علم بتایا نہ جائے' وہ اس مدفون خزانہ کی طرح ہے۔ جس سے کچھ خرچ نہ کیا جائے' اور جو حکمت ظاہر نہ کی جائے' وہ اس بت کی طرح ہے۔ جو نہ کھائے نہ پئے: ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس سے علمی مسئلہ پوچھا جائے وہ چھپالے تو قیامت میں اسکے منہ میں آگ کی لگام دی جائیگی' سیدنا علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے جاہلوں کو علم سیکھنے کا حکم پیچھے دیا' پہلے علماء کو علم سکھانے کا حکم دیا۔ (تفسیر خازن و روح المعانی وغیرہ)

پہلا اعتراض: دوسری آیتوں میں دو ہی میثاقوں کا ذکر ہے' ایک رب تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد جو سب سے لیا گیا قالوا بلی دوسرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کا عہد جو انبیائے کرام سے لیا گیا واذ اخذ اللہ میثاق النبین : علماء سے خصوصی عہد لینا ان آیات کے خلاف ہے' لہذا اس سے کوئی اور عہد مراد ہوگا۔ جواب: بعض مفسرین نے اس میثاق سے وہ عہد و پیمان مراد لیا ہے۔ جو توریت و انجیل میں علمائے اہل کتاب سے لیا گیا تھا ان کے قول پر تو کوئی سوال ہی نہیں' مگر بعض کے نزدیک یہ عہد میثاق کے دن ہی لیا گیا تھا جو توریت و انجیل میں یاد دلایا گیا' یہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس دن کل چار عہد لئے گئے تھے۔ ربوبیت الٰہیہ کا سارے انسانوں سے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا انبیائے کرام سے: لوگوں کی دادرسی' فریاد رسی کا عہد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ومنک ومن نوح تبلیغ دین کا علماء سے اس آیت میں اس چوتھے عہد کا ذکر ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دینی باتیں چھپانی نہ چاہئیں' مگر حدیث شریف میں ہے کہ جو غیر اہل پر علم پیش کرے وہ ایسا ہے جیسے کوئی سچے موتیوں کا ہار خنزیر کے گلے میں ڈالے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ علم چھپانا چاہئے' حدیث و قرآن میں تعارض ہے! جواب: دینی ضروری مسائل کا چھپانا حرام ہے غیر ضروری علمی نکات و رموز نااہلوں کو بتانا منع' کہ وہ سمجھیں گے نہیں' اور فتنہ اٹھائیں گے' اس آیت میں پہلے مسئلے کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں دوسرے کا' اسی لئے ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ للناس میں لام نفع کا ہے یعنی جو چیزیں لوگوں کو مفید ہوں اس کا چھپانا جرم ہے' رموز و نکات نااہلوں کو مضر ہیں۔ تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ لوگوں سے بیان کرو اور نہ چھپاؤ' بیان کرنا نہ چھپانا ایک ہی چیز ہے' یہاں دو طرح کیوں ذکر ہوا؟ جواب: تفسیر میں عرض کیا گیا کہ بیان کرنے سے مراد ہے آیات نعت کا ظاہر کرنا' اور نہ چھپانے سے مراد ہے ان آیتوں میں غلط تاویلیں نہ کرنا' لہذا آیت میں تکرار نہیں۔ چوتھا اعتراض: قیمت سے چیز خریدی جاتی ہے نہ کہ چیز سے قیمت' مگر یہاں فرمایا گیا کہ انہوں نے قیمت کو خریدا' یہ آیت شرعی قواعد کے خلاف ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ دنیا قیمت ہے' اور دین اصلی سامان' جو دین کو چھوڑ کر دنیا اختیار کرے وہ اصل سامان کو چھوڑ کر قیمت اختیار کر رہا ہے۔ پانچواں اعتراض: بعض علماء فتویٰ لکھنے پر معاوضہ لیتے ہیں وہ بھی اس آیت کی زد میں آنا چاہئیں' پھر علماء ایسا کیوں کرتے ہیں؟ جواب: اس کی پوری تحقیق ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا کی تفسیر میں گزر چکی کہ بغیر پیسہ لئے دینی مسئلہ نہ بتانا حرام ہے کہ یہ دین کا چھپانا' اور پیسے لے کر غلط فتویٰ دینا حرام ہے کہ یہ دین کا بدلنا ہے' مگر معاملات کے مسائل لکھ کر دینا ان پر مہر لگانا جو اکثر کچہریوں میں پیش ہو جاتے ہیں' اور مفتی کو بطور گواہ تاریخیں بھگتنا پڑتی ہیں اور مستفتی لوگ بھی ان فتووں

کے ذریعہ دنیاوی نفعے حاصل کرتے ہیں' اس کی اجرت لینا بالکل جائز ہے' کہ یہ حق محنت ہے نہ دین کا بدلہ لہٰذا چھپانا صحابہ کرام نے سانپ کاٹے ہوئے پر سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کی اور تیس بکریاں اس کی اجرت لیں' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اجرت کو حلال ہی نہیں بلکہ بہترین روزی فرمایا' اور خود بھی اس گوشت میں سے تناول فرمایا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یضار کاتب ولا شہید** قرآن کریم کی کتابت' قرآن چھاپنے' قرآن فروخت کرنے کی اجرت جائز ہے اس کی پوری بحث وہاں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے شریعت کے احکام جسم کیلئے بھیجے اور طریقت کے اسرار دل و روح کیلئے جسم ظاہر ہے تو شریعت بھی ظاہر دل و روح پوشیدہ ہیں لہٰذا طریقت کے اسرار بھی پوشیدہ ہی چاہئیں' اگر جسم زمین میں دبا یا چھپایا جائے تو انسان مر جائیگا اور اگر دل کو باہر نکال کر ظاہر کر دیا جائے تو موت واقع ہو جائے گی' اگر زندگی چاہئے تو ظاہر کو ظاہر رہنے دو' باطن کو باطن' کہ اس کے ردوبدل میں ہلاکت ہے' اس آیت کریمہ میں پہلی قسم کی تبدیلی کا ذکر ہے کہ علمائے اہل کتاب نے ان عقائد و مسائل کو چھپایا بدلا جو ظاہر کرنے چاہئے تھے' جس سے ان کی دینی موت واقع ہو گئی' اسی دینی خود کشی کی وجہ سے ان پر عتاب' عذاب' عقاب ہوا' اور وہ رب تعالیٰ سے حجاب میں ہو گئے' متصور کا دوسرا رخ یہ ہے کہ جو کوئی طریقت کے اسرار و رموز' نامحرموں پر ظاہر کرے وہ بھی ایسا ہی مجرم ہو گا۔ سیدنا ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو قسم کے علم سیکھے ایک وہ جو تم میں ظاہر کر دیا دوسرا وہ علم کہ اگر میں ظاہر کروں تو میری گردن مار دی جائے۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم) صوفیائے کرام کا ارشاد ہے کہ مال بجنسہٖ پاک و طیب ہے' مگر اس کے حاصل کرنے راستے دو ہیں' طیب و خبیث' اگر طیب راستے سے آئیگا تو مال طیب رہیگا بلکہ اس کی پاکی اور بڑھ جائے گی' اور اگر خبیث راہ سے آئیگا تو مال خبیث ہی ہو گا اور استعمال کرنے والے کو بھی خبیث بنا دیگا' اسی مال کے متعلق ارشاد ہوا **فبئس ما یشترون** ان کی یہ خریداری بھی بری اور اس خرید سے جو مال حاصل ہوا وہ بھی برا' مال کی مثال بارش کے پانی یا ہوا کی سی ہے کہ یہ دونوں چیزیں بذات خود طیب و طاہر ہیں لیکن گندے راستے سے گزرنے سے گندے ہو جاتے ہیں' اور لوگوں کو بیمار کر دیتے ہیں' گلشن کی ہوا بھینی مہک رکھتی ہے' بیماروں کو تندرست کر دیتی ہے' گندگی کی ہوا دماغ سڑا دیتی ہے' تندرستوں کو بیمار کر دیتی ہے مال پر ہی کیا موقوف ہے' علم و عقل اگر نفس کے راستے سے آئیں تو گندے ہیں' اگر دل کے راستہ آئیں تو پاک' شیخ کو اس لئے پکڑتے ہیں کہ اس کے دل کے راستے سے جو ذکر و فکر اور علم آئیگا' ہمارے بیمار دل کو تندرست کر دیگا ذریعہ معرفت کا بڑا اثر ہے۔

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا

ہرگز نہ گمان کرو ان کو جو ارشاد ہوتے ہیں اس سے جو انہوں نے کیا اور پسند کرتے ہیں یہ بات کہ تعریف کئے جاویں اس پر

ہرگز نہ سمجھنا انہیں جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ بے کئے ان کی تعریف

لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

جو انہوں نے نہ کیا تو تم انہیں ہرگز گمان نہ کرنا دور عذاب سے اور ان کے واسطے عذاب ہے تکلیف دہ

ہو ایسوں کو ہرگز دور عذاب سے دور نہ جاننا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ع

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۸۹﴾

اور اللہ کا ہی ہے ملک آسمانوں اور زمین کی بادشاہی اور اللہ ہر چیز پر قدرت والا ہے

اور اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں علمائے اہل کتاب کے دو گناہ بیان ہوئے کتاب اللہ چھپانا اور پیسے لے کر احکام الٰہی بدل دینا' اب ان کا تیسرا باب بیان ہو رہا ہے جو ان دونوں سے بدتر ہے یعنی ان گناہوں پر نادم نہ ہونا بلکہ الٹا خوش ہونا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ علمائے یہود نے توریت کے احکام کو پس پشت پھینک دیا' اب اس کا ثبوت اس آیت میں دیا جا رہا ہے کہ کتاب اللہ میں حکم تھا گناہ پر نادم ہونے کا اور یہ اس کے خلاف گناہوں پر نادم ہوتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پہلے گزشتہ آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو تم اہل کتاب و مشرکین سے تمت لذتیں دیکھو گے' ان لذتوں میں سے ایک لذت کا ذکر پچھلی آیت میں کیا گیا' اور دوسری لذت کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے' یعنی اپنے گناہوں پر انکا شرمندہ نہ ہونا بلکہ خوش ہونا۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں مسلمانوں کو صبر و تقویٰ کا حکم دیا گیا۔ اب اس تقویٰ کے سمجھانے کیلئے بدکار یہودیوں' پادریوں کے دو عیب بیان ہوئے' ایک گناہ' دوسرے گناہ پر فخر' تاکہ مسلمان ان عیبوں سے بچیں اور متقی بنیں' کیونکہ ہر شے اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

شان نزول: (1) ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے علمائے یہود سے کوئی توریت کا مسئلہ پوچھا' انہوں نے دانستہ طور پر غلط بتایا اور ظاہر یہ کیا کہ ہم بالکل سچ بول رہے ہیں اور اس کے منتظر رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام' انکے کمال کی تعریف کریں' کہ انہوں نے برجستہ جواب دیا اور صحیح دیا' یہ لوگ توریت کے بڑے ماہر ہیں' تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (2) سیدنا ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ زمانہ نبوی میں منافق غزوات میں نہ جاتے تھے' اور رہ جانے پر خوب خوش ہوتے' قرآن کریم فرماتا ہے **فرح المخلفون بمقعدهم خلف رسول الله**' جب سرکار واپس تشریف لاتے' تو یہ منافقین بہانے بناتے' قسمیں کھاتے ہم بیمار تھے' ہمیں یہ عذر تھا' جب ان پر کوئی عتاب نہ کیا جاتا تو چاہتے تھے کہ غازیوں کی طرح ہماری بھی تعریف ہو' انکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی وغیرہ)۔ (3) علمائے یہود توریت کے احکام بدلتے تھے' اور بدلی ہوئی آیتوں کی تبلیغ کرکے لوگوں کو گمراہ کرتے تھے پھر چاہتے تھے کہ ان کے ہاتھ چومے جائیں' انہیں عالم کہا جائے' ان کی عزت و توقیر کی جائے' انکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ (خزائن العرفان و کبیر)۔

تفسیر: **لا تحسبن الذين يفرحون بما اتوا** : ہماری قرات میں **لا تحسبن** ت کے ساتھ ہے ب مفتوح صیغہ واحد مخاطب جس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے: **الذين** مع صلہ کے اس کا پہلا مفعول ہے اور **بمفازة** دوسرا مفعول اس صورت میں آیت کے معنی بالکل واضح ہیں' مگر بعض قراتوں میں **تحسبن** ب کے پیش سے ہے صیغہ جمع مخاطب' تمام مسلمانوں سے خطاب' اس صورت میں بھی الذین مفعول اول ہے اور **بمفازة** مفعول دوم: ابن کثیر' نافع' ابو عمرو' ابن عامر کی قرات میں **لا يحسبن** ی سے ہے اور ب کے فتح سے صیغہ واحد غائب' اس صورت میں

www.alahazratnetwork.org

الذین اس کا فاعل ہے اور مفعول اول **انفسھم** پوشیدہ ہے اور **بمفازۃ** دوسرا مفعول' اور بعض قراتوں میں **لا یحسبن** ہے ی سے اور ب کے پیش سے صیغہ جمع غائب' اس صورت میں اس کا فاعل ھم ہے۔ جس کا مرجع عام مسلمان ہیں' **الذین** الخ مفعول اول' اور ہو سکتا ہے کہ ھم سے مراد علمائے یہود ہوں اور **الذین** اس کا بدل' غرضکہ آیت کریمہ کی پانچ تفسیریں ہوں گی اور ہر تفسیر کے ماتحت مختلف فائدے (تفسیر کبیر و معانی) **الذین** سے مراد وہ سرداران یہود! منافقین مراد ہیں جن کا اس آیت میں بیان ہے' **یفرحون فرح** سے بنا بمعنی خوشی یا شیخی' یہاں دوسرے معنی میں ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** شیخی نہ مار اللہ شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا' اور دوسری جگہ فرماتا ہے **وبرحمتہ فبذلک فلیفرحوا** اللہ کے فضل و رحمت پر خوب خوشیاں مناؤ' ب سببیہ ہے' ما موصولہ ہے اس سے مراد ہے بدکاریاں اور گناہ اتی اور جلہ بھی فعل کے معنی میں آتے ہیں' یہاں اس معنی میں ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **والذن یاتینھا منکم** اور دوسری جگہ فرماتا ہے **لقد جئت شیئا فریا** ان دونوں آیتوں میں یہ دونوں کلمے اتیان اور مجئی بمعنی فعل ہیں یعنی اے محبوب یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمانو! تم ان لوگوں کو ہرگز عذاب سے دور نہ سمجھنا' جو اپنی بدکاریوں پر خوش ہوتے ہیں کہ کرتے ہیں منافقت' دھوکہ بازیاں اور ہوتے ہیں اس پر خوش **ویحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا** : یہ جملہ **یفرحون** پر معطوف ہے اور ان منافقین و علمائے یہود کے دوسرے عیب کا بیان' **یحبون حب** سے بنا بمعنی چاہنا' پسند کرنا' خواہش کرنا ما سے مراد نیک اعمال ہیں' اور یہ ما بھی موصولہ ہی ہے یعنی یہ منافقین اور سرداران یہود برے کام کر کے خوش ہوتے ہیں اور نیکیاں کرتے نہیں' مگر چاہتے یہ ہیں کہ انہیں عالم سمجھا جائے' ایسے لوگوں کے متعلق **فلا تحسبنھم بمفازۃ من العذاب** : **فلا تحسبنھم** تاکید کیلئے دوبارہ لایا گیا' کیونکہ پہلا **لا تحسبن** بہت دور ہو گیا تھا' جیسے کہا جاتا ہے کہ تم زید کو سچا نہ سمجھنا' جب وہ تمہارے پاس آئے' اور تم سے فلاں فلاں باتیں کہے تو اسے سچا نہ سمجھنا' یہ دوسرا نہ سمجھنا' تکرار کیلئے لایا گیا **بمفازۃ** ایک پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے' **مفازہ** یا مصدر میمی ہے بمعنی **فوز** و کامیابی یا نجات یا ظرف مکان بمعنی کامیابی یا نجات کی جگہ' تفسیر کبیر میں فرمایا کہ **فوز** کے لغوی معنی آفتوں سے دوری ہے۔ کامیابی کو اسی لئے فوز کہتے ہیں کہ کامیاب آدمی ناکامی سے دور رہتا ہے' روح المعانی میں فرمایا کہ وسیع میدان کو مفازہ کہا جاتا ہے کہ وہ بھی ایک طرح نجات کی جگہ ہے' کیونکہ میدان میں دشمن سے بھاگا جا سکتا ہے۔ عذاب کے معنی بارہا بیان ہو چکے یعنی ایسے لوگوں کو جن میں یہ دو عیب ہیں انہیں کبھی نہ سمجھنا کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے یا عذاب سے بچنے کی جگہ میں پہنچ جائیں گے **ولھم عذاب الیم** ایسے فریبیوں کیلئے دردناک یعنی رسوا کن اور بہت تکلیف دہ عذاب ہے' **لھم** کو مقدم فرمانا حصر کیلئے ہے **وللہ ملک السموت والارض** یہ جملہ ترکیب میں مستقل جملہ ہے اور پہلے جملہ سے علیحدہ' لیکن اگر غور کیا جائے تو عذاب الیم کی وجہ بیان فرما رہا ہے' کہ چونکہ رب تعالیٰ آسمانوں و زمینوں کا مالک ہے' اس لئے وہ سخت سزا دے سکتا ہے' نہ اسے کوئی سزا دینے سے روک سکتا ہے' نہ مجرم اس کے ملک سے بھاگ سکتا ہے' للہ کا لام ملکیت کا ہے نہ کہ نفع کا' کیونکہ رب تعالیٰ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے' کبھی ظاہری بادشاہت کو ملک کہتے ہیں' اور اندرونی و باطنی سلطنت کو ملکوت' چونکہ آسمان و زمین ظاہری چیزیں ہیں اس لئے یہاں ملک فرمانا ہی موزوں و مناسب تھا' اگرچہ آسمان بھی سات ہیں زمینیں بھی سات' مگر چونکہ سات آسمانوں میں فاصلہ ہے۔ زمین کے سات طبقوں میں فاصلہ نہیں' پیاز کے چھلکوں کی طرح چپٹے ہوئے ہیں' نیز ساتوں آسمانوں کی حقیقتیں مختلف ہیں مگر ساتوں زمینوں کی

www.alahazratnetwork.org

حقیقت ایک مٹی، اس لئے ہر جگہ آسمانوں کو جمع اور زمین کو واحد فرمایا جاتا ہے، خیال رہے کہ یہاں ملکیت سے مراد حقیقی و دائمی ملکیت ہے، یہی ملکیت رب تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، مجازا عارضی مالک، عطائے الٰہی بندے بھی ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ہی کا ہے آسمانوں اور زمین کا ملک، کہ اس کے سواء کوئی انکا حقیقی مالک و خالق و قابض نہیں اور اس کے ساتھ ہی واللہ علی کل شئی قدیر اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر بھی ہے بہت دفعہ مالک اپنی چیز پر قابض نہیں ہوتا اور کبھی قابض ملک نہیں ہوتا اور کبھی قابض و مالک مملوک پر قادر نہیں ہوتا، رب تعالیٰ کی یہ صفت ہے، کہ وہ ہر چیز کا مالک بھی ہے، اس پر قابض بھی اور قادر بھی، کل شئی کے معانی قدیر کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں اور وہاں ہی اسکے متعلق پوری شرح کر دی گئی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کے پانچ ترجمے و تفسیریں ہو سکتی ہیں، جیسا کہ ہم نے اشارۃ" تفسیر میں عرض کر دیا ہے ہم ان میں سے یہاں اپنی قرات کے مطابق ایک ترجمہ و تفسیر عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے! تم ان لوگوں کو عذاب الٰہی سے ہرگز دور مت سمجھنا جو اپنی کی ہوئی بدکاریوں پر خوشیاں مناتے ہیں انہیں اپنا کمال سمجھتے ہیں، ان بدکاریوں کی بنا پر اپنے کو سیاست دان، چالاک، پالیسی ساز جانتے ہیں کہ مسلمانوں کو بہکا دیا۔ اپنے نفاق کو چھپا لیا، یا توریت کے مسائل غلط بیان کر دیئے اور خوش ہو گئے کہ ہم خوب دھوکا دے آئے، مسلمانوں کو بیوقوف بنا آئے، اور اس کے ساتھ ہی ساتھ نہ کئے ہوئے کاموں پر اپنی تعریف چاہتے ہیں، نمازی نہیں ہیں، عالم نہیں ہیں، مخلص مومن نہیں ہیں مگر چاہتے یہ ہیں کہ انہیں نمازی صاحب، مولوی صاحب، متقی و پرہیزگار کہا جائے، ایسے شیخی خوروں، چالاکوں، دھوکابازوں کو تم عذاب الٰہی سے کبھی دور نہ سمجھنا، عنقریب ان پر عذاب آنے والا ہے، اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکا نہ کھانا چاہئے، انہی کیلئے دردناک یعنی دائمی رسوا کن، قلب و قالب کو جلانے والا عذاب ہے، پھر یہ بھی نہ سمجھو کہ انہیں کوئی ہمارے عذاب سے بچا سکتا ہے یا یہ کہیں بھاگ کر عذاب سے بچ سکتے ہیں کیونکہ آسمانوں و زمینوں کا مالک و قابض اللہ تعالیٰ ہی ہے، جہاں جائیں گے اللہ کے ملک میں رہیں گے اس کے باوجود رب تعالیٰ ہر چیز پر قادر بھی ہے۔ لہٰذا یہ ناممکن ہے کہ اس کے ملک میں رہتے ہوئے چھپ کر، دب کر اس کے عذاب سے بچ جائیں اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ یہ لوگ ان گناہوں سے توبہ کر لیں، چالاکیاں، دھوکابازیاں چھوڑ دیں، ہمارے محبوب پر سچے دل سے ایمان لے آئیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: گناہ کرنا ایک گناہ ہے، اور گناہ خوش ہونا دو گنا گناہ ہے، جب نیکی پر شیخی جائز نہیں تو گناہ پر شیخی کیونکر جائز ہو گی، یہ فائدہ یفرحون سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: جو خوبیاں اپنے اندر موجود نہ ہوں، ان کا اظہار اور ان پر تعریف چاہنا طریقہ کفار ہے جیسا کہ ویحبون سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: بے علموں کو شمس العلماء، بزدلوں کو خان بہادر، جاہلوں کو مولوی فاضل وغیرہ کے خطاب دینا حرام ہے، اور ان خطابوں پر خطاب یافتہ لوگوں کا اکڑنا، شیخی مارنا بدترین جرم ہے، یہ فائدہ بھی ویحبون سے معلوم ہوا جب واقعی خوبی پر شیخی مارنا جائز نہ ہوا تو غیر واقعی بناوٹی خوبی پر فخر کیسے جائز ہو گا، آجکل بعض جاہل چالاکیوں سے مولوی عالم فاضل وغیرہ کی ڈگریاں حاصل کر لیتے ہیں، پھر اپنے کو مولوی، عالم وغیرہ لکھتے بھی ہیں اور کہلواتے بھی ہیں، وہ آیت سے عبرت پکڑیں۔ چوتھا فائدہ: دنیا اور آخرت میں عذاب الٰہی مختلف شکلوں میں نمودار ہوتے ہیں اور ہوں گے جیسا مجرم ویسا اس کا عذاب۔ ایسے شیخی خوروں کا دنیاوی عذاب یہ بھی ہے کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

کمال سے محروم رہ جاتے ہیں کہ جو برتن پہلے ہی بھر گیا وہ کنوئیں سے کیا لائیگا۔ پانچواں فائدہ: رب تعالیٰ کے ہاں دیر ہے مگر اندھیر نہیں' اس کے غضب کی چکی چلتی ہے آہستہ 'مگر پیستی ہے باریک۔ چھٹا فائدہ: آخرت میں عذاب کے درجے مختلف ہوں گے بعض نرم 'بعض گرم 'مگر سخت تر عذاب ان لوگوں کو ہو گا' جو عیب کو ہنر اور ہنر کو عیب جانیں 'جیسا کہ لھم کو مقدم کرنے سے معلوم ہوا' کیونکہ لھم کا مقدم فرمانا حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ ساتواں فائدہ: سارے عالم پر حقیقی ملکیت رب تعالیٰ کی ہی ہے' جو کوئی کسی بندہ کو ایک ذرہ کا مالک حقیقی جانے وہ مشرک ہے جیسا کہ للہ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خلق پر قادر ہے مگر بری چیزوں کے کسب پر قادر نہیں کہ وہ برائیوں سے پاک ہے' تمام اچھائیوں' برائیوں کا پیدا کرنے والا وہی ہے' فرماتا ہے خالق کل شئی مگر اچھائیوں سے موصوف نہ کہ برائیوں سے 'جیسا کہ علی کل شئی قدیر سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: اپنی تعریفیں کرنا' لوگوں سے کرانا' اس پر فخر کرنا' اکڑنا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے کئے ہوئے اعمال پر خوش ہونا برا ہے' حالانکہ مال کی طرح اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور خدا تعالیٰ کی نعمتوں پر خوش ہونا اچھا ہے۔ اس سے منع کیوں فرمایا گیا؟۔ جواب: اس کے دو جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے' ایک یہ کہ بما اتوا میں ما سے مراد گناہ ہیں' گناہوں پر خوش ہونا منع ہے' دوسرے یہ کہ فرحت سے مراد شیخی کی خوشی ہے یعنی فخریہ خوشی سخت جرم ہے' رب تعالیٰ کی نعمتوں پر شکر کی خوشی عبادت ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں لا تحسبن دو جگہ ارشاد ہوا' اور یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے بمفازۃ دوسرے لا تحسبن کا مفعول دوم ہے' بتاؤ کہ پہلے لا تحسبن کا مفعول دوم کہاں ہے؟ جواب: ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ دوسرا لا تحسبن صرف تاکید کیلئے لایا گیا' لہٰذا یا تو یہ مفعولوں کو چاہتا ہی نہیں یا چاہتا ہے مگر پہلے فعل کے مفعول اس کے بھی مفعول ہیں۔ تیسرا اعتراض: لھم عذاب الیم سے معلوم ہوا کہ صرف ان شیخی خوروں کو ہی دردناک عذاب ہو گا مگر دوسری آیتوں میں دوسرے مجرموں کیلئے بھی عذاب الیم فرمایا گیا ہے' وہ آیتیں اس آیت کے خلاف ہیں۔ جواب: ہرگز نہیں' دردناک عذاب کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک قسم صرف ان شیخی خوروں کیلئے ہے' دوسری قسمیں اور مجرموں کیلئے۔
چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین کا ہر حصہ اللہ تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے' کوئی تارا' کوئی ذرہ اس کی ملک سے خالی نہیں' پھر تم نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم کو مالک کیوں مانتے ہو؟ تمہارا مشہور شعر ہے۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

یہ شعر اس آیت کریمہ کے بالکل خلاف ہے۔ جواب: اس شعر میں لفظ بنا دیا تمہارے سارے اعتراض کا جواب ہے رب تعالیٰ خود مالک ہے اور دوسرے اس کے بنانے سے مالک جیسے وہ خود زندہ ہے سمیع و بصیر ہے مگر بندے اس کے بنانے سے زندہ و سمیع و بصیر ہیں' بتاؤ تم اپنے گھر بار کے مالک ہو یا نہیں؟ اگر ہو تو مشرک ہوئے' ان کا مالک تو رب تعالیٰ ہے اور اگر نہیں تو خالی کرو' ناجائز قبضہ کئے کیوں بیٹھے ہو' انہیں بیچ کر قیمت کیوں لیتے ہو؟ غیر مملوک کا فروخت کرنا جرم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اگرچہ یہ آیت کریمہ منافقین یا یہود کیلئے آئی ہے۔ لیکن ہمارے لئے بھی درس عبرت لائی ہے' ہم میں سے

www.alahazratnetwork.org

بہت لوگوں میں یہ دونوں بیماریاں موجود ہیں (تفسیر کبیر) ان پر ملامت کرنے سے پہلے اپنے کو ان عیوب سے پاک کرو تپ دق کی طرح گناہوں کے بھی تین درجے ہیں' پہلا درجہ یہ ہے کہ گناہگار گناہ پر نادم ہو جائے' یہ درجہ قابل علاج ہے۔ دوسرا درجہ یہ ہے کہ گناہ کا احساس دل سے جاتا رہے' اس کا علاج ممکن تو ہے مگر مشکل ہے: تیسرا درجہ یہ ہے کہ جرم پر مجرم خوش ہو اور اس پر فخر کرے۔ منع کرنے والوں کا دشمن ہو جائے یہ درجہ ناقابل علاج ہے' رب تعالیٰ ہی کرم کرے تو شفا ہوتی ہے۔ اس آیت میں اس تیسرے درجے کا ہی ذکر ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جس علم سے فنا میسر ہو جائے وہ اللہ کی رحمت ہے' اور جس علم سے انا پیدا ہو' وہ عذاب: حکیم سنائی نے کیا خوب فرمایا ہے۔

تا ترا علم از تو نہ ستاند جہل زاں علم بہ بود بسیار

جو علم تجھ سے تیری خودی نہ چھین لے' اور تجھے فنا نہ کر دے' اس علم سے جہالت اچھی' اس کا ترجمہ پنجابی میں یوں کیا گیا۔

جیہڑا علم غرور ودھاوے قابو نفس نہ آوے اس علموں بے علمی چنگی آکھ حکیم سناوے

خیال رکھو کہ جب کوئی ہماری تعریف کرے' تو یہ نہ سمجھو کہ واقعی اچھے ہیں' ہمیں اس تعریف کی وجہ صرف یہی ہے' کہ ستار عیوب نے ہمارے عیب چھپائے ہیں لوگوں کو ہمارے عیبوں کی خبر نہیں ہے' اس لئے تعریفیں کر رہے ہیں' ایسے موقعہ پر تم اپنے عیب سوچ کر اپنی برائی کرنے لگو' انشاء اللہ نفس قابو میں رہے گا اس تعریف کے زہر کا یہ تریاق ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰیٰتٍ

بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا فرمانے اور رات و دن کے متفرق ہونے میں البتہ نشانیاں

بے شک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کی باہم بدلیوں میں نشانیاں ہیں

لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚ الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی

ہے خالص عقل والوں کے لئے جو ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں

عقل مندوں کے لئے جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور

جُنُوْبِهِمْ وَیَتَفَكَّرُوْنَ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا

پر اور سوچ بچار کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اے پالنہار

اپنی کروٹ پر لیٹے اور آسمانوں و زمین کی پیدائش میں غور کرتے ہیں اے رب

خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

ہمارے نہیں پیدا کیا تو نے یہ عبث پاکی ہے تجھے تو بچا لے ہم کو آگ کی سزا سے

ہمارے تو نے یہ بیکار نہ بنایا پاکی ہے تجھے تو ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمانوں و زمین میں بادشاہت رب تعالیٰ ہی کی ہے' اب اس آیت میں اسی بادشاہت کا ثبوت دیا جارہا ہے خود آسمان و زمین کے حالات اس کے گواہ ہیں' ان کے حالات کی تبدیلیاں بدلنے والے کا پتہ دے رہے ہیں پتنگ اڑتے ہوئے بھی بتاتی ہے کہ میری ڈور کسی اور کے ہاتھ میں ہے' وہ جدھر چاہتا ہے' مجھے جنبش دیتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود اپنے فضائل و کمالات سوچتے رہتے ہیں' اور اپنی تعریف چاہتے ہیں' اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم ان کے برخلاف رب تعالیٰ کی بڑائیاں اور اس کے کمالات سوچو اور اس کی تعریفیں کرو' تاکہ تم میں اور کفار میں ظاہری طور پر فرق ہو جائے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے جوابات دیئے گئے تھے' اب اپنی قدرت کے دلائل کاملہ بیان ہو رہے ہیں' مناظرہ میں دو ہی چیزیں ہوتی ہیں' اپنے دعوے کے دلائل' مقابل کے شبہات کے جوابات' ایک چیز کا ذکر فرمانے کے بعد دوسری بات کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان عیوب کا ذکر تھا جو انسان کو دوزخ میں پہنچانے والے ہیں' اپنی بڑائی و شیخی اور رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو چھپانا' اب ان صفات کا ذکر ہے جو' انسانوں کو جنت میں پہنچانے والے ہیں جیسے رب تعالیٰ کی حمد و ثناء اس کی مصنوعات میں غور و فکر وغیرہ تاکہ ہم پچھلے عیوب سے بچیں' اور یہ صفات اختیار کریں' بہر حال یہ پچھلی آیتوں سے پورا پورا تعلق رکھتی ہے۔

شان نزول: سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعض مشرکین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا تھا کہ آپ توحید کی طرف ہم کو دعوت دیتے ہیں' مسئلہ توحید وہ ہے جسے ہماری عقلیں نہیں مانتیں' اتنا بڑا عالم اکیلا خدا کیسے بنا اور چلا سکتا ہے' اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا کہ عالم کا ذرہ ذرہ' دن رات کی تبدیلی' اس کی توحید کی دلیل ہے' ایسے ظاہر و باہر کھلے مسئلہ پر دلائل مانگنا کیسا' اپنے کو جان لو' اپنے خالق کی توحید مان لو' اس کی صفات پہچان لو (تفسیر خازن' صاوی' روح البیان) روح المعانی نے حضرت ابن عباس سے یوں روایت کی کہ ایک بار قریش مکہ یہود مدینہ کے پاس آکر بولے' کہ تمہارے موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کیا تھے؟ یہود بولے عصا و ید بیضاء' پھر عیسائیوں سے بولے کہ تمہارے عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کیا ہیں؟ وہ بولے مردے زندہ کرنا' کوڑھوں' اندھوں کو اچھا کرنا' پھر وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے' بولے دعا فرمائیں کہ مکہ کے دو پہاڑ صفا و مروہ سونے کے ہو جائیں' تاکہ ہم رب تعالیٰ کی قدرت کا نظارہ کرلیں' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں انہیں بڑی قدرتوں میں غور کرنے کا حکم دیا گیا (معانی)۔

روایت و حکایت: تفسیر کبیر و معانی نے یہاں حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی' فرماتے ہیں ایک بار میں نے ام المومنین عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی عجیب واقعہ مجھے سنائیں آپ رو پڑیں' فرمانے لگیں' انکے سارے واقعات ہی عجیب تھے' ایک رات میرے گھر سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام کی باری تھی' میرے بستر پر آرام کیلئے لیٹ گئے' پھر فرمایا عائشہ آج دل چاہتا ہے کہ خوب دل بھر کر رب تعالیٰ کی یاد کروں' اجازت دو کہ یہ رات قیام و سجود

www.alahazratnetwork.org

میں گزاروں میں نے عرض کیا حضور اصلی اللہ علیہ وسلم میں آپ کا قرب بھی چاہتی ہوں اور آپ کی رضاء بھی یعنی عبادت کریں مگر میرے گھر میں مجھ سے قریب رہ کر' چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے درمیانہ وضو کیا' پھر مصلے پر کھڑے ہو گئے' سجدہ کیا تو اتنا روئے کہ زمین آپ کے آنسوؤں سے بھیگ گئی تمام رات گریہ وزاری میں گزار دی حتی کہ حضرت بلال دروازہ شریف پر نماز فجر کی اطلاع دینے حاضر ہو گئے' آپ مسجد تشریف لے گئے' فجر پڑھا کر جب واپس تشریف لائے تو میں نے اس گریہ وزاری کا سبب پوچھا' فرمایا کیوں نہ روؤں' آج شب یہ آیت نازل ہوئی **ان فی خلق السموت والارض** پھر فرمایا خرابی ہے ان کی جو یہ آیت پڑھیں اور مصنوعات الیہ میں غور نہ کریں۔ (کبیر و معانی) روایت: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک رات جب کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی باری میری خالہ ام المومنین میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہاں قیام کی تھی میں ان کے گھر رات کو رہا تاکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی عبادات اپنی آنکھوں سے دیکھوں میں نے دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول شب آرام فرمایا' آدھی رات یا کچھ آگے پیچھے بیدار ہوئے' آپ نے یہ آیات **ان فی خلق السموت والارض** تلاوت فرمائیں' پھر وضو کیا پھر تہجد پڑھی (بخاری' مسلم' از تفسیر خازن و روح المعانی)۔

تفسیر: **ان فی خلق السموت والارض** چونکہ رب تعالیٰ کی توحید و قدرت کے بہت لوگ انکاری تھے بھی اور ہیں بھی' جو ان مذکورہ چیزوں کو دلیل توحید نہیں مانتے' اس لئے یہ آیت کریمہ ان سے شروع فرمائی گئی' خلق یا مصدر ہے اور **سموت والارض** اس کا مفعول یا حاصل مصدر ہے اور **سموت والارض** اس کا فاعل اور ہو سکتا ہے کہ خلق بمعنی مخلوق ہو اور سماوات و ارض اس کا ظرف فی پوشیدہ ہو' چونکہ آسمان فیض دینے والے ہیں اور زمین فیض لینے والی اس لئے آسمانوں کا ذکر پہلے ہوا زمین کا بعد میں' آسمان کو جمع زمین کو واحد فرمانے کی وجہ پہلے بیان ہو چکی یعنی آسمانوں و زمین کے پیدا فرمانے میں یا آسمانوں و زمین کی پیدائش میں یا اس مخلوق میں جو آسمانوں اور زمین میں ہے (روح المعانی) غرضیکہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں **واختلاف اللیل والنہار** واؤ عاطفہ ہے' اختلاف خلق پر معطوف' اختلاف خلف سے بنا بمعنی پیچھے اصطلاح میں بدلنے کو اختلاف کہتے ہیں کہ اس میں حالات آگے پیچھے آتے ہیں' یہاں اختلاف سے مراد یا تو رات و دن کا آنا جانا ہے یا گھٹنا بڑھنا کہ سردیوں میں رات بڑی دن چھوٹا' اور گرمیوں میں اس کے برعکس یا بیک وقت مختلف جگہوں میں دن رات کا مختلف ہونا کہ کہیں' اس وقت سویرا ہے کہ کہیں دوپہر کہیں شام کہیں رات کا آخری کہیں درمیانی حصہ' اور یا رات دن کا سرد گرم ہونا' یا مختلف مقام میں رات دن کا چھوٹا بڑا ہونا کہ آج کسی ملک میں دن دس گھنٹے کا ہے' کسی میں چودہ گھنٹے کا بلکہ کہیں چھ ماہ کا دن ہے اور چھ ماہ کی رات' مگر پہلے دو معنی زیادہ ظاہر ہیں' چونکہ وجود میں رات پہلے ہے دن بعد میں اس لئے لیل کا ذکر پہلے ہوا نہار کا بعد میں لیل یا تو جنس ہے کہ ایک رات کو بھی لیل کہتے ہیں اور بہت سی راتوں کو بھی' یا لیلۃ واحد ہے اور لیل و لیالی جمع' بعض نے فرمایا کہ لیل واحد ہے لیالی اس کی جمع جیسے اہل واحد ہے اہالی جمع (از روح المعانی مع زیادت) یعنی رات دن کے آنے جانے یا گھٹنے بڑھنے یا ٹھنڈے گرم ہونے یا کہیں چھوٹے کہیں بڑے ہونے وغیرہ میں **لایت لاولی الالباب** لایت ان کا اسم ہے۔ اور **فی خلق السموت** الخ اس کی خبر تھی' ایت آیت کی جمع ہے بمعنی کھلی نشانیاں' اولی ذو کی جمع ہے بمعنی والا' الباب لب کی جمع ہے بمعنی خالص ہونا' اصطلاح میں لب وہ عقل ہے جو وہم و حس کے دھوکوں سے خالی ہو' انسان کو اولا

www.alahazratnetwork.org

عقل ملتی ہے بعد میں لب' اور بعض لوگ لب سے بالکل محروم ہی رہتے ہیں (کبیر و معانی و روح البیان) یعنی ان مذکورہ چیزوں میں خالص عقل رکھنے والوں کیلئے توحید و قدرت الہیہ کی ایک نشانی نہیں بلکہ بہت سے نشانیاں ہیں' رہے کفار وہ اگرچہ عقل تو رکھتے ہیں' مگر لب یعنی خالص عقل نہیں رکھتے اس لئے وہ ان فائدوں سے محروم ہیں۔ خیال رہے کہ آیات جمع قلت ہے' جمع قلت لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ آسمان و زمین اور دن و رات کے اختلاف بعض ظاہری نشانیاں ہیں جو عقل خالص سے معلوم ہوتی ہیں' اور بعض باطنی نشانیاں ہیں' جو نور معرفت سے جانی جاتی ہیں' ظاہری نشانیاں تھوڑی ہیں اور باطنی نشانیاں بہت زیادہ لہذا بمقابلہ عاقلین کے عارفین ان سے زیادہ فائدے اٹھاتے ہیں' اور جہاں تک معرفت انہیں میسر ہوتی ہے' کل عقل کو نصیب نہیں ہوتی (روح المعانی) **الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم** یہاں الذین یا اولی الالباب کی صفت ہے اور مجرور یا ہم مبتدا محذوف کی خبر اور مرفوع یا امنی فعل پوشیدہ کا مفعول ہے اور منصوب پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے کہ اس میں کوئی چیز پوشیدہ نہیں ماننی پڑتی' اللہ کے ذکر سے مراد یا تو نماز ہے' جو تندرستی میں کھڑے ہو کر' بیماری میں بیٹھ کر اور لاچاری مجبوری میں لیٹ کر پڑھی جاتی ہے' کبھی معاف نہیں ہوتی' حضرت ابن مسعود کا یہی قول ہے' جیسا کہ طبرانی کی روایت میں ہے: حضرت عمران ابن حصین کو سخت بواسیر تھی' تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں لیٹ کر نماز پڑھنے کا حکم دیا (روح المعانی) اور یا عام ذکر مراد ہیں' خواہ تلاوت قرآن ہو یا اور کوئی ذکر پھر خواہ زبان سے ہو یا دل سے یا بقیہ اعضاء سے' خواہ علانیہ ہو یا خفیہ' خواہ مجمعوں میں ہو یا گوشوں و حجروں میں' مراقبہ کی شکل میں' **قیاما وقعودا** یا تو مصدر ہیں اور **یذکرون** کا ظرف فی پوشیدہ ہے یا قیام قائم کی جمع ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاذا ھم قیام ینظرون'** اور قعود قاعدہ کی جمع' اس صورت میں یہ دونوں کلمے **یذکرون** کی ضمیر سے حال ہیں اور **علی جنوبھم** یا تو **یذکرون** کا متعلق ہے یا مضطجعین پوشیدہ کے متعلق ہو کر یہ بھی حال' غرضیکہ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں اور مختلف تفسیریں یعنی ان عاقلوں کیلئے نشانیاں ہیں' جو کھڑے' بیٹھے' لیٹے' جس طرح بن پڑے نماز پڑھتے ہیں' کبھی چھوڑتے نہیں' یا وہ جو ہر حال میں اللہ کا ذکر ہر طرح کرتے ہیں' کھڑے' بیٹھے' لیٹے خیال رہے کہ انسان کے تین حال ہیں کھڑا ہونا' بیٹھنا' لیٹنا' اور تین طرح کے ذکر انسان کر سکتا ہے' زبانی' خیالی' ارکانی' اس ایک جملہ میں تمام حالات کے تمام ذکروں کا بیان فرما دیا گیا' اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے ہاں عاقل وہ نہیں جو دنیا اور دنیا کے سامان بنائے' ہوائی جہاز' اور ٹینک بنائے' بلکہ ہمارے ہاں عاقل وہ ہے جو رب تعالیٰ کا ہر وقت ذکر کرکے رحمان کو منائے ایمان بنائے **ویتفکرون فی خلق السموت والارض** یہ جملہ یذکرون پر معطوف ہے اور الذین کا صلہ' انسان نفس و بدن کا مجموعہ ہے' بدن ظاہر ہے نفس باطن' بدن کی عبادت ذکر ہے' نفس و روح کی عبادت فکر' اپنی عبودیت کا اظہار ذکر سے ہوتا ہے اقرار دل سے' ذکر سے فکر اعلیٰ ہے' حتی کہ حضرت ابن عباس' ابو ہریرہ' عامر ابن قیس' ابو الدرداء' انس بن مالک رضی اللہ عنہم سے مرفوعاً" روایت ہے' کہ ایک ساعت کی فکر ساٹھ سال یا اسی سال کے ذکر سے افضل ہے۔ (دیلمی' ابو الشیخ' ابن منذر' ابن ابی الدنیا وغیرہ) از روح المعانی: اس لئے ذکر پہلے فرمایا گیا' اور فکر کا تذکرہ بعد میں ہوا' خیال رہے کہ ذکر تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات و افعال سب کا ہوتا ہے' مگر فکر اللہ تعالیٰ کی ذات میں نہیں ہوتی' اس کی مخلوق میں ہوتی ہے' اس لئے ذکر کیلئے ارشاد ہوا **یذکرون اللہ** اور فکر کیلئے ارشاد ہوا **فی خلق السموت والارض**: حدیث شریف۔

www.alahazratnetwork.org

میں ہے کہ مخلوق میں فکر کرو' خالق میں فکر نہ کرو' یعنی اسے نہ سوچو کہ وہ کون ہے' کیسا ہے؟ نعوذ باللہ نیز ذکر و فکر ہمیشہ ہی چاہئیں' اسی لئے دونوں کو بصیغہ مضارع فرمایا گیا (کبیر) ذکر اللہ ساری مخلوق کرتی ہے مگر فکر صرف انسان' فکر یعنی غور و خوض صرف انسان کی عبادت ہے **خلق السموت** میں وہی تین احتمال ہیں جو ابھی مذکور ہوئے یعنی آسمان و زمین کا پیدا فرمانا یا ان کی پیدائش یا وہ مخلوق جو ان میں ہے **ربنا ما خلقت هذا باطلا** چونکہ اس جملہ میں دعا کی جاری ہے اس لئے اسے ربنا سے شروع فرمایا' ھذا سے مذکورہ بالا چیزوں کی طرف اشارہ ہے' آسمان زمین اور ان کی چیزیں چونکہ یہ سب مخلوقیت میں یکساں ہیں' اس لئے ھذا واحد فرمایا گیا' باطل حق کا مقابل ہے' حق کے معنی ثابت' صحیح' فائدہ مند حکمتوں پر مشتمل ہیں تو باطل کے معنی ہوں گے عبث' لغو' بے فائدہ' حکمتوں سے خالی' ربنا سے پہلے یقولون پوشیدہ ہے اور باطلا ھذا کا حال ہے یعنی وہ کہتے ہیں اے ہمارے پالنے والے ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو نے آسمان و زمین اور ان کی چیزیں عبث' لغو' بے فائدہ نہ بنائیں' ان میں لاکھوں حکمتیں ہیں بعض حکمتوں تک ہمارے ذہنوں کی رسائی ہے اور بعض تک رسائی بھی نہیں' **سبحنک فقنا عذاب النار** سبحان کے معنی بارہا عرض کئے جاچکے ہیں اصل عبارت یوں تھی **نسبحک سبحانا** اے خدا ہم تجھے ہر عیب سے پاک جانتے ہیں' یہ کلمہ کبھی رب تعالیٰ کی عظمت بیان کرنے کیلئے بولا جاتا ہے' اور کبھی اپنے عجز کو ظاہر کرنے کیلئے یہاں دونوں مطلب ہو سکتے ہیں' ایک یہ کہ اس سے پاک ہے' کہ کسی چیز کو بے فائدہ پیدا فرمائے یا ہم اس سے عاجز ہیں کہ تیری مخلوق کے اسرار و رموز پورے پورے معلوم کرلیں' **فقنا** کی ف جزائیہ ہے جس کی شرط پوشیدہ ہے' نار سے مراد پورا دوزخ ہے' خواہ اس کے ٹھنڈے طبقے ہوں یا گرم' کیونکہ وہاں کی ٹھنڈک اور گرمی دونوں آگ کی ہی وجہ سے ہیں' آگ کی دوری سے ٹھنڈک ہے' اور آگ کے قرب سے گرمی' عذاب نار فرما کر ایک عجیب بات ارشاد ہوئی' وہ یہ کہ آگ سے پناہ نہ مانگو' بلکہ آگ کے عذاب سے پناہ مانگو' کفار برزخ میں آگ سے دور رہ کر بھی آگ کا عذاب پائیں گے' جنتی مسلمان گنہگار دوزخیوں کو نکالنے کیلئے دوزخ میں کود جائیں گے' مگر اسکا عذاب نہ پائیں گے' یعنی اے مولیٰ چونکہ ہم مومن ہیں' تیری مخلوق کی حکمتوں کا اقرار کرتے ہیں' لہٰذا تو ہمیں دوزخ کی سزا سے بچالے۔

خلاصہ ء تفسیر: جو چیز دیکھی نہ جاسکے' اسے آثار و علامات سے جانا پہچانا جاتا ہے' ذات باری تعالیٰ ہماری عقل' گمان' وہم سے برتر ہے' اور ایمان کیلئے اس کا جاننا پہچاننا ضروری ہے تو اس پہچان کی صرف یہی صورت ہے کہ اسکی مخلوق کو دیکھو اور اسے پہچانو' اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ مخلوق کے ذریعہ خالق کی معرفت کرائی گئی ہے' چنانچہ سورۂ بقر پارہ دوم میں آٹھ چیزوں کا ذکر تھا' آسمان زمین کی پیدائش' دن رات کی تبدیلی' لدی ہوئی کشتیوں کا دریا میں تیرنا' آسمان سے بارش آنا بارش سے خشک زمین کا تر ہو جانا' اور اس تری سے ہر قسم کے جانوروں کی پیداوار' او ان کا بقاء و اقرار' ہواؤں کا انقلاب و گردش' بادلوں کا آسمان و زمین کے درمیان دوڑنا' یہاں تین چیزوں کا ذکر فرمایا' آسمان و زمین کی پیدائش اور دن رات کی تبدیلی' چونکہ عالم اجسام کی مخلوقات کروڑوں ہیں مگر ہیں تین قسم کی' صرف آسمانی' صرف زمینی' مشترکہ' ان تین میں سب کچھ آجاتا ہے' **خلق سموت** میں پہلی مخلوق کا ذکر ہے **والارض** میں دوسری کا' اور رات کی تبدیلی میں تیسری مخلوق کا کہ یہ تبدیلی آسمان کی طرف سے آتی ہے' اور زمین پر فرمایا گیا کہ آسمانوں کی پیدائش ان کی ترتیب' ان کے فاصلوں اور ان کی اندرونی مخلوق چاند سورج تارے اور برج

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ یوں ہی زمین کی پیدائش' اس کے اقسام' اس کی مخلوق' جمادات' نباتات' حیوانات وغیرہ معدنیات' تیل اور پانی کے چشمے وغیرہ' یوں ہی رات اور دن کی تبدیلیاں' ان کا آنا جانا' چھوٹا بڑا اور گرم و سرد ہونا' ایک ہی وقت میں مختلف جگہوں میں ان کا مختلف ہونا' یہ وہ چیزیں ہیں جن میں خالص عقل والوں کیلئے بے شمار نشان قدرت ہیں' ہماری بارگاہ میں خالص عقل والے وہ نہیں جو دنیا خوب کمالیں' بلکہ عقلاء وہ ہیں جو کھڑے بیٹھے لیٹے ہر حال میں زبانی' دلی' ارکانی طور پر اللہ تعالیٰ کو یاد کریں' کبھی اس سے غافل نہ رہیں' اور بدنی عبادت یعنی ذکر کے ساتھ دلی عبادت یعنی غور و فکر بھی کرتے ہیں کہ آسمان و زمین اور ان کی مخلوقات میں تفکر کرکے رب تعالیٰ کی قدرتیں و حکمتیں معلوم کریں جس سے ان کا ایمان اور بھی پختہ ہو جائے' یہ سب کچھ سوچ کر عرض کریں کہ اے ہمارے پالنے والے تو نے ان میں سے کوئی چیز بے فائدہ نہ پیدا فرمائی' ہر چیز میں کروڑوں حکمتیں ہیں۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ تو سمجھ میں آنے اور تمام عیوب سے پاک ہے' اے مولیٰ! ہم مومن ہیں اپنا کرم فرما ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لے۔ خیال رہے کہ آسمان و زمین تو بہت بڑی مخلوق ہیں' درخت کا پتہ پتہ معرفت الٰہی کا دفتر ہے' کبھی اس میں غور کرو کہ اس کے درمیان ایک موٹی رگ ہوتی ہے' اس رگ میں سے دو طرفہ رگیں نکلتی ہیں' پھر ان رگوں میں سے اور باریک رگیں پھوٹتی ہیں' پھر ان میں سے اور باریک' حتیٰ کہ آخری رگیں اتنی باریک ہوتی ہیں جو نظر بھی نہیں آتیں' رب تعالیٰ نے ان میں قوت جاذبہ رکھی ہے' جڑ سے تنا' تنے سے شاخ سے پتہ کی پہلی رگ غذا چوستی ہے' اس رگ سے دوسری رگیں ترتیب وار بقدر ضرورت غذا لیتی ہیں' جس سے وہ غذا تمام پتے میں پھیلتی ہے' پتا سرسبز رہتا ہے' ہر جگہ اتنی ہی غذا پہنچتی ہے' جتنی وہاں ضرورت ہے' بتاؤ کہ اندازہ لگانے والا کتنا علیم و قدیر ہے (از تفسیر کبیر) میں نے خود پیپل کا سوکھا ہوا پتہ دیکھا ہے معلوم ہوتا ہے کہ رگوں کا جال تنا ہوا ہے' اب ذرا اپنے جسم میں غور کرو' اس کی بناوٹ دیکھو تو حیرت میں ڈوب جاؤ گے' کہ دل کا فیض سارے اعضاء پر کس طرح ترتیب سے پہنچ رہا ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

نوٹ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے وقت بیدار ہو کر آسمان میں نظر فرماتے اور یہی آیت کریمہ میعاد تک پڑھتے تھے اب تہجد کیلئے اٹھنے والوں کو یہ آیت پڑھنا ثواب کا باعث ہے کہ سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: علم جغرافیہ' علم ریاضی و ہیئت بلکہ علم سائنس پڑھنا ثواب ہے' بشرطیکہ یہ علوم اسلامی عقائد کے موید ہوں' کیونکہ ان سے رب تعالیٰ کی قدرتوں و حکمتوں کا پتہ لگتا ہے۔ دوسرا فائدہ: رات و دن کی آمد و رفت' زیادتی' کمی بتا رہی ہے کہ قوموں کا بھی یہی حال ہے کہ کبھی کسی قوم کو عروج ہے کبھی کسی کو' اس عروج پر تکبر و غرور نہ چاہئے بلکہ جہاں تک ہو سکے عروج کے زمانہ میں کچھ نیکیاں کما لیتی ہیں۔

دریاب کنوں کہ دولتے ہست بدست کیں دولت و ملک می رود دست بدست

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

تیسرا فائدہ: عقل سے لب افضل ہے' لب کے معنی تفسیر میں عرض کئے گئے' وہم و خیالات سے پاک و صاف عقل۔ چوتھا

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: عاقل وہ ہے جو اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی یاد میں گزارے اگر دنیا زیادہ نہ کمائے جیسا کہ **الذین یذکرون اللہ** الخ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر چاہئے کھڑے بیٹھے لیٹے وضو مرتے وقت کس کا وضو ہوتا ہے مگر ذکر اللہ خصوصاً کلمہ طیبہ پڑھ کر مرتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ذکر بہترین عبادت ہے خواہ زبان سے ہو یا دل سے یا ارکان سے ذکر و شکر کی نفیس تحقیق اور اسکے اقسام (دوسرے پارہ) تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ چھٹا فائدہ: فکر یعنی غور و خوض اللہ تعالیٰ کی ذات میں ہرگز نہ کرو کہ یہ کفر تک پہنچا دیتی ہے اس کی مخلوق میں فکر اعلیٰ درجہ کی فکر ہے اسی لئے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا اور فکر میں **فی خلق السموت والارض** ارشاد ہوا اپنی بے کسی بے بسی و گنہگاری سوچنا اللہ تعالیٰ کی قدرت ستاری میں غور کرنا عبادت ہے۔ ساتواں فائدہ: کوئی مخلوق عبث نہیں اچھی ہو یا بری پاک ہو یا ناپاک اس کی پیدائش میں لاکھوں حکمتیں ہیں اگرچہ شے خود بری ہو۔ آٹھواں فائدہ: دعا سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا قبولیت دعا کا ذریعہ ہے دیکھو **فقنا عذاب النار** دعا ہے اس سے پہلے رب تعالیٰ کی کیسی شاندار حمد بیان ہوئی۔ نواں فائدہ: دعا سے پہلے رب تعالیٰ کو **ربنا** یا **اللھم** کہہ کر پکارنا بہتر ہے یہ پکار اس کا کرم حاصل کرنے کیلئے نہ کہ عاقل کو بیدار کرنے کیلئے پروردگار غفلت سے پاک ہے۔ دسواں فائدہ: انسان کتنا ہی متقی پرہیزگار ہو مگر عذاب سے پناہ مانگتا ہے اپنے کو دعا سے مستغنی نہ جانے دیکھو **فقنا عذاب النار** سارے مسلمانوں سے کہلوایا گیا گنہگار ہوں یا ابرار۔ گیارہواں فائدہ: ذکر بالجہر بھی جائز ہے اور بالاخفا بھی دونوں پر ثواب ملیگا کیونکہ **یذکرون** مطلق ہے۔ بارہواں فائدہ: مومن صرف مراقبہ و فکر پر ہی قناعت نہ کرے بلکہ ذکر اللہ بھی کرے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ذکر و فکر دونوں کی تعریف فرمائی۔

پہلا اعتراض: سورہ بقر میں آٹھ چیزوں کا ذکر کیوں تھا اور یہاں تین کا ذکر کیوں ہوا پانچ چیزیں کیوں اڑا دی گئیں۔ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ وہ پانچ چیزیں ان تین چیزوں میں آجاتی ہیں کیونکہ ہوا اور بادل تو آسمان کے ذکر میں آگئے اور جانور کھیتیاں کشتیاں وغیرہ زمین کے ذکر میں دوسرے یہ کہ سورہ بقر میں ابتدائی عقل والوں کا ذکر تھا یہاں انتہائی عقل والوں کا تذکرہ ہے عقل ابتداء بہت دلائل چاہتی ہے انتہاء کم دلائل پر ہی کفایت کرلیتی ہے اسی لئے وہاں ارشاد ہوا **لقوم یعقلون** یہاں ارشاد ہوا **لاولی الالباب** دوسرا اعتراض: بیمار لاچار کو جو بیٹھنے پر قادر نہ ہو کروٹ پر لیٹ کر نماز پڑھنی چاہئے نہ کہ چت لیٹ کر دیکھو یہاں ذکر اللہ سے نماز مراد ہے جس کے متعلق آخر میں ارشاد ہوا **وعلی جنوبھم** پھر احناف کیوں کہتے ہیں کہ سخت بیمار چت لیٹ کر نماز پڑھے (شافعی) جواب: اس آیت سے مذہب شافعی پر دلیل پکڑنا بہت ضعیف ہے اس لئے کہ ذکر اللہ سے عام ذکر مراد ہیں اور مقصد یہ ہے کہ عاقل وہ ہیں جو ہر حال میں خدا کو یاد کریں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ یہ نہیں فرماتے کہ اس ذکر سے نماز ہی مراد ہے بلکہ فرماتے ہیں کہ نماز بھی مراد ہے نیز ایسے موقعوں پر **علی جنوبھم** سے مطلقاً لیٹنا مراد ہوتا ہے نہ کہ صرف کروٹ پر لیٹنا کیونکہ یہ قیام و قعود کے مقابل ارشاد ہوا ہے کھڑے بیٹھے کا مقابل مطلقاً لیٹنا ہے نہ کہ صرف کروٹ پر لیٹنا ورنہ آیت کا منشاء ہی فوت ہو جائیگا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے صرف اچھی چیزیں پیدا فرمائیں باطل چیزیں جیسے کفر گمراہی نجاستیں کسی اور نے پیدا کی ہیں کیونکہ یہاں فرمایا گیا کہ خدایا تو نے انہیں باطل نہ بنایا۔ جواب: یہ غلط ہے چیز کا باطل ہونا کچھ اور ہے اور اس کی پیدائش کا باطل ہونا کچھ اور ہر اچھی بری چیز

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ نے ہی پیدا فرمائی، مگر چونکہ ان بری چیزوں کی پیدائش میں بھی لاکھوں حکمتیں ہیں، اس لئے ان کی پیدائش بری نہیں، کفر و گمراہی سود وغیرہ بچنے کیلئے پیدا کئے گئے تاکہ لوگ ان سے بچیں اور ثواب پائیں، اگر غور کیا جائے تو عالم کا نظام اور ہزاروں عبادات شیطان کے ذریعہ قائم ہیں، اگر شیطان نہ ہوتا تو مسلمان مجاہد و غازی کیسے بنتے، اس کی پوری تحقیق ہم پہلے سیپارے کے شروع میں کرچکے ہیں۔ چوتھا اعتراض: آسمان و زمین وغیرہ کی پیدائش رب کی معرفت کا ذریعہ کیسے ہے؟ بڑے بڑے عقلاء ان چیزوں کو دیکھتے ہیں اور خدا کو نہیں مانتے! جواب: وہ لوگ عاقل نہیں ہیں، غافل ہیں، وہ ان چیزوں کو فقط دیکھتے ہیں مگر ان میں فکر نہیں کرتے مخلوق کی صفات دیکھ کر اس کے مخالف صفات رب تعالیٰ میں مانی چاہئیں نہ کہ موافق، خیال کرلو کہ عالم حادث ہے تو خالق قدیم، عالم محتاج ہے تو خالق غنی عالم میں تبدیلی ہے تو خالق تبدیلیوں سے پاک ہے، عالم کی چیزوں میں مقدار، کیفیت، شکل و صورت ہے تو خالق ان سے پاک ہے۔ عالم میں امکان ہے تو خالق میں وجوب عالم میں بدلتا ہے خالق بدلنے سے پاک ہے، بلکہ وہ بدل دینے والا ہے، کہ اگر مخلوق کی یہ صفتیں خالق میں بھی ہوتیں تو وہ بھی مخلوق کی طرح کسی اور خالق کا محتاج ہوتا، اسی لئے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے رب تعالیٰ کو جان لیا، مطلب یہی ہے کہ اپنی گناہگاری سے اس کی غفاری جانو، اپنی بدکاری سے اس کی ستاری پہچانو، اپنی محتاجی سے اس کی غناء معلوم کرو، غرضیکہ مخلوق خالق کا مکمل پتہ لگتا ہے (از تفسیر کبیر) پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین وغیرہ باطل نہیں، مگر حدیث شریف میں ہے کہ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الا کل شیء ما خلا اللہ باطل** اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے، آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: حدیث میں باطل سے مراد قابل زوال ہے یعنی ممکن، اور آیت میں باطل سے مراد عبث و بے فائدہ ہے لہٰذا دونوں برحق ہیں، اور حدیث کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جو چیز اللہ سے خالی یعنی اس کی یاد سے خالی ہو اور اس سے غافل کرے وہ باطل و لغو ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کھڑے، بیٹھے، لیٹے ہر حال میں صرف اللہ ہی کا ذکر کرے اور کسی کا ذکر نہ کرے، بعض لوگ اٹھتے بیٹھے **یا رسول اللہ** (صلی اللہ علیہ وسلم) یا غوث کہتے ہیں وہ مشرک ہیں اور اس آیت کے مخالف (مولوی ثناء اللہ صاحب) جواب: اس کے دو جواب ہیں، ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو ہر حال میں اور ہر وقت نہ تو کلمہ پڑھ سکتے ہیں، نہ قرآن نہ نماز نہ درود کہ ان سب میں صرف اللہ کا ذکر نہیں بلکہ اسکے بندوں کا ذکر بھی ہے: جواب: تحقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، اس کے مقبول بندوں کی تعریف، مردودوں کی برائی سب اللہ کا ذکر ہے، سارا قرآن ذکر اللہ ہے، خواہ ابولہب کی برائی کی آیتیں ہوں یا حضرات انبیاء و اولیاء کی عظمت کی یا ذات و صفات کی آیتیں۔ ساتواں اعتراض: اٹھتے بیٹھتے اللہ کا نام لینا بالکل بیکار ہے عمل میں کوشش چاہئے دوا کا نام جپنے سے بیماری نہیں جاتی بلکہ اس کے استعمال کرنے سے جاتی ہے۔ جواب: اللہ تعالیٰ کا نام جپنا بھی ایک عمل ہے کہ ذکر اللہ بھی باعث نجات ہے، ہر دوا کھائی ہی نہیں جاتی، بعض دوائیں لگائی جاتی ہیں، بعض سونگھی جاتی ہیں، بعض دیکھی جاتی ہیں بلکہ بولنے چلنے اور سننے سے بھی علاج کئے جاتے ہیں باغوں میں چلنا، سبزہ کو دیکھنا علاج ہے، غمزدوں کو نغمے سننا علاج ہے، اگر روزہ میں خشکی ہو جائے تو روزہ دار کے سامنے لیموں کاٹنا بلکہ کھٹی چیزوں کا ذکر منہ میں پانی لاتا ہے۔ اور خشکی دفعہ کرتا ہے، ہر وقت اللہ کے ذکر سے اس کی طرف دھیان رہے گا اس سے محبت پیدا ہوگی اس

www.alahazratnetwork.org

محبت سے نیک اعمال آسان ہوں گے اور برے اعمال سے نفرت ہوگی' دل کو چین نصیب ہوگا۔

حکایت: کسی نے مجنوں کو دیکھا کہ ریگستان میں بیٹھا انگلی سے کچھ لکھ رہا ہے' پوچھا کسے خط لکھتا ہے' بولا لیلیٰ کے نام کی مشق کر رہا ہوں' بے چین دل کو چین دے رہا ہوں۔

دید مجنوں را کسے صحرا نورد — در بیابان جنوں نشستہ فرد
ریگ کاغذ بود انگشتاں قلم — می نمودے نامہ بہر کس رقم!
گفت اے مجنوں شیدا چیست ایں — می نویس نامہ بہر کیست ایں
گفت مشق نام لیلیٰ می کنم — خاطر خود را تسلے مے دہم

مجنوں کو لیلیٰ کے ذکر سے تسلی ہوتی ہے' بندے کو مولیٰ کے ذکر سے تسلی ہوتی ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**

تفسیر صوفیانہ: جیسے آنکھ بیک وقت دو چیزیں نہیں دیکھ سکتی' ایسے ہی عقل بیک وقت دو چیزیں نہیں سوچ سکتی' عارف کا ابتدائی حال یہ ہے کہ دلائل میں غور کرے' رب تعالیٰ کو پہچانے' مگر انتہائی حال یہ ہے کہ نور معرفت سے اسے' جب یہ نور مل جاتا ہے' تو دلائل اس کیلئے حجاب بن جاتے ہیں' جس قدر غیر اللہ میں مشغولیت کم ہوگی' اسی قدر نور معرفت زیادہ حاصل ہوگا' رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** اے موسیٰ اپنے دونوں جوتے اتار دو' اب تم مبارک جنگل طویٰ میں آگئے ہو' دو جوتے کیا تھے' دلیل کے صغریٰ کبریٰ وادی مقدس کیا ہے؟ معرفت الٰہی کا میدان یعنی تم مجھے اب صرف دلائل سے نہ مانو بلکہ نور معرفت سے پہچانو' (تفسیر کبیر) بندہ اولاً رب تعالیٰ کو عالم کے ذریعہ پہچانتا ہے پھر خود اپنی ذات کے ذریعہ اسے مانتا ہے **وفی انفسکم افلا تبصرون من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** کہ اپنے کچھ نہ ہونے سے رب تعالیٰ کا سب کچھ ہونا جانتا ہے' آخر میں رب کو رب ہی جانتا ہے' یہ وہ مقام ہے جہاں عارف خود بھی فنا ہو چکتا ہے **لا الہ الا اللہ** کے معنی عام مومنین کے ہاں یہ ہیں کہ **لا معبود الا اللہ** خواص فرماتے ہیں کہ اس کے معنی ہیں **لا محبوب الا اللہ** اور **لا مقصود الا اللہ** آگے بڑھ کر کہتے ہیں **لا موجود الا اللہ** اس مرتبہ میں پہنچ کر عارف معرفت کے دریا میں غرق ہو چکتا ہے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ذکر اللہ کے تین مرتبے ہیں' ذکر زبانی' جسے ذکر کہا جاتا ہے' ذکر دلی جسے فکر کہتے ہیں' ذکر روحانی جس کا نام معرفت ہے' ذکر فکر کا اور فکر معرفت کا ذریعہ ہے: توحید کے چار مرتبے ہیں' پہلا مرتبہ قشر القشر یعنی پوست پر پوست ہے' دوسرا قشر القشر یعنی پوست ہے' تیسرا مرتبہ لب یعنی مغز ہے: چوتھا مرتبہ لب لباب یعنی مغز کا خلاصہ ہے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ بادام اور اخروٹ اس میں دو چھلکے ہیں' اوپر کا چھلکا سخت اور بے مزہ' نیچے کا چھلکا جو گری پر ہے' گری کے ساتھ کھا بھی لیا جاتا ہے' تیسری چیز ہے۔ چوتھی چیز گری کا پھل' گری لب ہے' اور گری کا تیل لب لباب' ایسے ہی منافقین کا کلمہ پڑھ لینا جب کہ دل غافل یا منکر ہو توحید کا قشر القشر ہے' جس کی وجہ سے وہ سیف و سنان یعنی مسلمانوں کی تلوار سے بچ جاتے ہیں' مسلمانوں کا عقیدۂ توحید قشر ہے' یعنی اندرونی پوست' عارفین کا مشاہدہ نور الٰہی لب توحید ہے' کاملین کا' بحر توحید میں فنا ہو جانا لب لباب توحید' اس مرتبہ میں عارف اپنے کو بھی نہیں دیکھتا' پہلی توحید سے منافق دنیوی عذاب سے بچ جاتا ہے' دوسری توحید سے مومن اخروی عذاب سے محفوظ رہتا ہے' تیسری توحید سے عارف غفلت کی

www.alahazratnetwork.org

سزا سے بچ جاتا ہے اور چوتھی توحید سے کامل دوئی و فراق کے عذاب سے محفوظ ہو جاتا ہے جیسے چھلکا مغز کیساتھ رہے تو قیمتی ہے' مغز سے علیحدہ ہو جائے تو کوڑے کا ڈھیر ہے جو پھینکا جائے یا جلایا جائے' ایسے ہی زبانی کلمہ ان چیزوں سے الگ ہو کر قیمت نہیں پاتا بلکہ نقصان دہ ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان المنٰفقین فی الدرک الاسفل من النار** یہ توحید کے اوپری پوست کا ذکر تھا لب توحید کے بارے میں رب تعالیٰ فرماتا ہے **افمن شرح اللہ صدرہ للاسلام فھو علی نور من ربہ** اور فرماتا ہے **فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام** جیسے مغز چھلکے کے لحاظ سے نفیس ہے مگر روغن کے لحاظ سے مخلوط' ایسے ہی یہ تیسری توحید چوتھی توحید سے درجہ میں کم ہے کہ اس میں التفات الی الکثرت ہے' چوتھی توحید میں یہ بھی نہیں' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے **یذکرون** اور **قیاما' قعودا یتفکرون** وغیرہ جمع فرمائے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ ذکر الٰہی مجمعوں اور حلقوں میں بہت محبوب ہے' ایک اعتبار سے ذکر جہری افضل ہے کہ اس میں قلب غافل بیدار ہو جاتا ہے جہاں تک ذاکر کی آواز پہنچے وہاں تک کی چیزیں اس کی گواہ ہو جاتی ہیں' شیطان بھاگتا ہے' غافلوں کو بھی ذکر کا شوق پیدا ہو جاتا ہے' اور ایک اعتبار سے ذکر خفی بہتر ہے کہ ریاء سے دور ہے' خواص کیلئے تنہائی میں ذکر خفی افضل ہے' عوام کیلئے مجمعوں میں ذکر جلی افضل کہ ذکر جلی حجاب کے پھاڑنے میں اعلیٰ چیز ہے سخت پتھر طاقت سے ٹوٹتا ہے سخت دل قوت ذکر سے ٹکڑے ہوتا ہے۔

گفتگوئے عاشقاں درکار رب — جوشش عشق است نے ترک ادب

ہر کہ کردار از جام حق یک جرعہ نوش — نے ادب ماند دروئے عقل و ہوش

عشاق اگر ذکر رب سے وجد میں آ جائیں تو ان پر اعتراض نہ کرو کہ یہ ان کا جوش عشق ہے نہ کہ بے ادبی' جسے شراب عشق کا ایک گھونٹ ملا اس کے پاس سے ادب عقل و ہوش سب روانہ ہو گئے' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس قابل کو حال بنا دے (از روح البیان مع زیادت)۔

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اے ہمارے پالنہار بے شک تو جسے آگ میں ڈالے تو تو نے اسے رسوا کر دیا اور نہیں ہے ظالموں کا

اے رب ہمارے بے شک جسے تو دوزخ میں لے جائے اسے ضرور تو نے رسوائی دی اور ظالموں کا کوئی

مِنْ اَنْصَارٍ ۝ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ

کوئی مددگار اے ہمارے پالنے والے بے شک ہم ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کے

مددگار نہیں اے رب ہمارے ہم نے ایک منادی کو سنا کہ ایمان کے لئے ندا فرماتا ہے کہ اپنے رب پر ایمان

اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا

لئے پکارتا ہے کہ لے اپنے رب پر ایمان لاؤ چنانچہ ہم ایمان لے آئے اے ہمارے پالنہار تو بخش دے ہمارے لئے

لاؤ تو ہم ایمان لائے اے رب ہمارے تو ہمارے گناہ بخش دے اور ہماری برائیاں

www.alahazratnetwork.org

سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى

ہمارے گناہ اور دور کردے ہم سے ہماری خرابیاں اور موت دے ہم کو نیکوں کے ساتھ اے ہمارے پالنہار ہمیں

محو فرما دے اور ہماری موت اچھوں کے ساتھ کرلے رب ہمارے اور ہمیں دے وہ جس کا تو نے ہم سے وعدہ

رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾

وہ دے جس کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اپنے رسولوں کی زبان پر اور نہ رسوا کر ہم کو قیامت کے دن بیشک تو نہیں خلاف کرتا وعدہ

کیا ہے اور اپنے رسولوں کی معرفت اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر بیشک تو وعدہ خلاف نہیں کرتا

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں عذاب نار سے بچنے کی دعا سکھائی گئی تھی۔ اب اس آیت میں اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اس لئے اس سے پناہ مانگو کہ وہاں سخت تکلیف بھی ہے رسوائی بھی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں عقلمندوں کی تین نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ ذکر' فکر' ہر چیز کی حقانیت کا اقرار' اب انہی عاقلوں کی کچھ اور نشانیاں بیان فرمائی جا رہی ہیں' یعنی اپنے کو گناہگار اور رب تعالیٰ کو غفار جانتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا کہ عاقلین مخلوق میں غور و فکر کرتے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ صرف اسی غور و فکر پر قناعت نہیں کرتے بلکہ خود اپنے میں بھی غور کرتے ہیں' کہ یہ فکر اس فکر سے اعلیٰ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہمارے مقبول بندے ہماری حمد و ثنا میں مشغول رہتے ہیں' اور اپنی زبان ذکر میں تر رکھتے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ اسی پر بس نہیں کرتے بلکہ اپنے قصور اور کوتاہیوں کا اقرار بھی کرتے ہیں' رب تعالیٰ کی عظمت کے ساتھ اپنے عجز کا اقرار سونے پر سہاگہ ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں حمد الٰہی کا ذکر تھا جو اس کے بندے کرتے ہیں' اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے محامد و اوصاف کا ذکر ہے جن کی معرفت یہ حمد الٰہی ہوتی ہے' گویا ایمان کے ایک رکن کا ذکر پہلے تھا۔ دوسرے کا اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: **ربنا انک من تدخل النار فقد اخزیتہ** چونکہ دعا میں بار بار رب تعالیٰ کو پکارنا زیادہ قبولیت کا باعث ہے' نیز اس بار بار پکارنے سے بندے کا ذوق و شوق بڑھتا ہے' اس لئے اس دعا میں چار جگہ ربنا ارشاد ہوا۔ یہ دوسری جگہ ہے' من سے مراد جن و انس ہیں' کیونکہ عذاب کیلئے دوزخ میں صرف یہ دو گروہ ہی جائیں گے' داخل فرمانے سے مراد ہمیشہ عذاب پانے کیلئے دوزخ میں داخل فرمانا ہے' لہٰذا اس سے وہ گناہگار مومن خارج ہیں جو عارضی طور پر دوزخ میں داخل کئے جائیں گے تاکہ گناہوں کے میل سے صاف ہو کر جنت کے قابل ہو جائیں' نار سے مراد دوزخ ہے' خواہ وہاں کا ٹھنڈا طبقہ ہو یا گرم طبقہ' **اخزیتہ**' خزی سے بنا جس کے معنی ہیں دور کرنا' رسوا کرنا' ذلیل کرنا' ہلاک کرنا' آفات میں مبتلا کرنا (کبیر) یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں یعنی اے ہمارے پالنے والے تو جس جن و انس کو ان کے کفر کی وجہ سے ہمیشہ کیلئے دوزخ میں داخل کردے تو تو نے اسے رسوا کر دیا' ہلاک کر دیا' آفت میں مبتلا کر دیا' اپنی رحمت سے قطعاً دور فرما دیا **وما للظلمین من انصار** واؤ عاطفہ ہے' ما نافیہ' ظالمین سے مراد کفار ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **والکفرون ھم الظلمون** نیز وہ آیت **ان الشرک لظلم**

www.alahazratnetwork.org

عظیم چونکہ کفار بہت قسم کے تھے دہریئے مشرک اہل کتاب کافر وغیرہ اسی لئے **الظلمین** جمع کثرت ارشاد ہوا من مبالغہ کا ہے انصار ناصر کی جمع ہے بمعنی مددگار، تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ قوت و زور کے ساتھ آفت دفع کرنا نصر ہے اور عاجزی و زاری و دعا کے ذریعہ دفع آفت کرانا شفاعت ہے "کافر کیلئے محبوبوں کی شفاعت تو ہے ہی نہیں" احتمال ہو سکتا تھا کہ ان کے بت جبراً رب تعالیٰ کے عذاب سے بچالیں گے جیسا کہ کفار کا عقیدہ ہے' اسی لئے یہاں اس کی بھی نفی فرمادی گئی مگر حق یہ ہے کہ انصار سے مطلقاً مددگار مراد ہیں قوت سے مدد کرنے والے ہوں یا شفاعت کے ذریعہ جہنم سے بچانے والے جیسا کہ دوسری آیات میں اس کی تصریح ہے **فما لہم من دون اللہ من ولی ولا شفیع** چونکہ مددگار بہت سی قسم کے ہوتے ہیں' جان سے مدد کرنے والے' مال سے' ہتھیاروں سے' جتھہ سے' اس لئے انصار جمع ارشاد ہوا' یعنی اے مولیٰ ہم کو یقین ہے کہ ہر قسم کے کفار کیلئے کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں' جو انہیں تیرے عذاب سے بچالے' اس لئے رب کریم ہمیں ظالموں سے نہ کر' توفیق دے کہ مومن ہو کر جئیں' مومن ہو کر مریں' مومنوں کے ساتھ اٹھیں **ربنا اننا سمعنا منادیا** یہ اس دعا کا تیسرا جملہ ہے' جس میں تیسری بار ربنا ارشاد ہوا اننا سے مراد سارے مسلمان ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ سننے سے مراد مطلقاً سننا ہے بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ۔ حضرات صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان براہ راست بلاواسطہ سنے' بعد کے لوگوں نے بواسطہ علماء سنے' لہٰذا سارے مسلمانوں نے سن لئے۔ منادی نداء سے بنا بمعنی پکارنا محض چلانے چیخنے کو بھی نداء کہہ دیا جاتا ہے جیسے **الا دعاء و نداء** مگر یہاں مقصود والی پکار کو نداء فرمایا گیا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **واذ نادی ربک موسی** یا فرماتا ہے **واذا نادیتم الی الصلوۃ** یہاں منادی سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' حضرت ابن مسعود ابن عباس ابن جریج وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہی قول ہے' دیکھو تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن' بیضاوی' مدارک' روح المعانی' جلالین وغیرہ' اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **ادع الی سبیل ربک** اور فرماتا ہے **داعیا الی اللہ باذنہ** اور فرماتا ہے **ادعوا الی اللہ** ان آیات و اقوال و روایات سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی منادی ہیں' آپ ہی داعی ہیں' نداء و دعا ہم معنی ہی ہیں بعض نے کہا کہ منادیا سے مراد قرآن شریف ہے' بعض نے کہا کہ مومن کی عقل جو حق کی طرف رہبری کرے' اس صورت میں منادی مجازی معنی میں ہو گا' کیونکہ قرآن شریف و عقل حقیقی نداء نہیں کر سکتے' بعض کے خیال میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم' عقل سلیم سب ہی مراد ہیں' اس صورت میں منادی کے حقیقی و مجازی معنی کا اجتماع لازم آئیگا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو حقیقی منادی ہیں' یہ دو چیزیں مجازی منادی' بہرحال قوی تر یہی ہے کہ یہاں منادی سے مراد ذات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے' اگرچہ سرکار نے تبلیغ چیخ و پکار سے نہ کی' مگر چونکہ رب تعالیٰ نے آپ کی ہدایات تمام میں پھیلائی اور باقی رکھی اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کو نداء قرار دیا گیا اور آپ کی منادی **ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا** یہ جملہ **منادیا** کا بیان ہے' ینادی بمعنی حال ہی ہے چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء و تبلیغ قیامت تک قائم رہے گی' لہٰذا اسے ینادی صیغہ حال سے تعبیر فرمایا گیا۔ گویا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی نداء دے رہے ہیں' نیز چونکہ یہ نداء کسی خاص جماعت یا قوم سے خاص نہیں۔ ہر شخص کیلئے عام ہے اس لئے ینادی کا مفعول بیان نہ ہوا کہ پکار رہے ہیں' یعنی سب کو پکار رہے ہیں بلا رہے ہیں۔ **للایمان** کا لام یا تو بمعنی الی ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ثم یعودون لما نہوا عنہ** یا فرماتا ہے **بان ربک اوحی لہا** یا فرماتا ہے

www.alahazratnetwork.org

ھدنا لبھذا ان تمام آیات میں لام معنی الی ہے' یالام اجل کا ہے' یہ جملہ منادیا کا حال ہے یا صفت ۔ **ان امنوا الخ بنادی** کا بیان ہے' رب تعالٰی پر ایمان لانے سے مراد اس کی ذات و صفات اس کے انبیاء و اولیاء اس کی کتابوں' فرشتوں غرضیکہ تمام ایمانی چیزوں کو صحیح طور پر مان لینا ہے **ان امنوا** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کا بیان ہے اور فامنا میں اپنے عمل کا ذکر ہے کہ ان کا فرمان ہم نے سن لیا مان لیا' اس پر عمل کر لیا کہ ہم ان کے تمام فرمانوں پر ایمان لے آئے یعنی اے مولٰی ہم نے تیرے محبوب حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء' ایمان' دعاء اسلام سن لی بواسطہ علماء ان کے فرامین ہم تک پہنچ گئے تو ہم نے وہ نداء قبول کر لی اور ایمان لے آئے' لہٰذا اب **ربنا فاغفرلنا ذنوبنا** یہ اس دعا کا تیسرا جملہ ہے جس میں تیسری بار ربنا فرمایا گیا' مغفرت کے معانی و اقسام بارہا بیان ہو چکے' لنا میں لام نفع کا ہے' **ذنوب ذنب** کی جمع ہے بمعنی گناہ' یہاں گناہ سے مراد گناہ کبیرہ ہیں' اس جملہ میں تین دعائیں کی گئیں گناہوں کی مغفرت سیات کا کفارہ نیکیوں کے ساتھ یا نیکوں کے زمرہ میں موت' چونکہ مغفرت بہت اہم بھی ہے اور تمام رحمتوں کا پیش خیمہ بھی' اس لئے پہلے اسی کا ذکر ہوا' چونکہ ہم صدہا قسم کے گناہ کرتے رہتے ہیں' اس لئے ذنوب جمع کثرت فرمایا گیا یعنی اے ہمارے بےشمار ہمارے سارے گناہ ہر قسم کے گناہ معاف فرما دے' **وکفرعنا سیاتنا** یہ دوسری دعا ہے۔ **کفرفا غفر** پر معطوف ہے۔ یہ تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر بمعنی چھپانا ہے' چونکہ اس کے بعد عن آرہا ہے لہٰذا اس کے معنی ہوئے دفع کرنا' سیئات سے مراد یا تو چھوٹے گناہ ہیں یا وہ گناہ جو بھول چوک سے صادر ہو جائیں یا وہ گناہ جو بے علمی سے ہو جائیں ہم کو خبر نہ ہو کہ یہ فعل گناہ ہے اور کر لیں' مگر واقعہ میں وہ گناہ ہوں یعنی ہم سے ہمارے چھوٹے گناہ یا جہالت کے گناہ یا غضب کے گناہ دفع فرما دے **وتوفنا مع الابرار** یہ تیسری دعا ہے' **توف** وفات سے بنا بمعنی موت دینا' پورا لینا **اللہ یتوفی الانفس**' نا میں سارے مسلمانوں کو داخل فرمایا گیا ہے تاکہ دعاء صرف اپنے اکیلے کیلئے نہ ہو بلکہ سارے مسلمانوں کیلئے ہو مع سے مراد زمانی معیت و ہمراہی نہیں بلکہ وصفی ہمراہی مراد ہے' ابرار یا بر کی جمع ہے جیسے رب کی جمع ارباب یا بار کی جمع ہے' جیسے صاحب کی جمع اصحاب' مگر پہلا قول قوی ہے کہ اسم فاعل کی جمع بروزن افعال نہیں آتی' اصحاب بھی صاحب کی جمع نہیں بلکہ صحب صفت مشبہ کی جمع ہے' بار کے معنی ہیں نیکی والا' اس سے مراد اللہ تعالٰی کے مقبول بندے ہیں' سبحان اللہ کیسے عجز و انکسار کی تعلیم ہے' یہ نہ فرمایا کہ نیک بنا کر اٹھا بلکہ فرمایا ہمیں نیکوں کے زمرہ میں اٹھا یعنی ہم نیک ہیں تو نہیں' ہم ہیں تو گنہگار' مگر اے مولٰی نیکوں کے زمرہ میں ہم کو موت دے تاکہ ان کی برکت سے ہم پر بھی تیرا فضل و کرم ہو جائے' اچھوں کے پڑوسی بھی مزے کرتے ہیں' یہ دعا نہایت اعلٰی درجہ کی ہے اچھوں کی ہمراہی رب تعالٰی کی اعلٰی نعمت ہے۔ **ربنا واتنا ما وعدتنا علی رسلک** یہ چوتھی دعا ہے جس میں چوتھی بار ربنا ارشاد ہوا' ربنا تو رب تعالٰی کو پکارنے کیلئے ہے اور واؤ کا واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ گزشتہ دعاؤں پر معطوف' ات ایتاء سے بنا بمعنی دینا' نا سے مراد سارے مسلمان ہیں کہ دعا سب کیلئے چاہئے' ما سے مراد تمام دینی و دنیاوی نعمتیں ہیں' **وعدت وعد** سے بنا بمعنی امیدوار خیر کرنا' کسی سے اچھی بات کا وعدہ کرنا' **علی رسلک** سے پہلے ایک چیز پوشیدہ ہے یا **السنتہ** یا **طاعتہ** یعنی اے ہمارے پالنے والے ہم سب مسلمانوں کو وہ تمام دینی و دنیاوی نعمتیں عطا فرما جس کا تو نے حضرات انبیاء کرام کی زبانی' ان کی معرفت وعدہ فرمایا ہے کہ نماز کا یہ اجر ہے' زکوٰۃ کا یہ ثواب' فلاں دعا کا یہ اثر ہے فلاں وظیفہ کی یہ تاثیر' تہجد کے وقت دعا قبول ہوتی ہے وغیرہ وغیرہ یا اے مولٰی ہم کو وہ تمام نعمتیں دے جس کا تو نے اپنے رسولوں کی اطاعت کی بناء پر وعدہ فرمایا ہے کہ اگر ان کی اطاعت کرو گے تو بخشے جاؤ گے' دین

www.alahazratnetwork.org

دنیا میں سرخرو ہوگے' خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو ان حضرات کی اطاعت کی توفیق دے' تاکہ ہم اس وعدہ کے مستحق ہو جائیں' حق یہ ہے کہ وسل سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' چونکہ آپ کی اطاعت سارے رسولوں کی اطاعت ہے۔ آپ کا وعدہ تمام نبیوں کا وعدہ ہے۔ اس لئے آپ کی ذات عالی کیلئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ (روح المعانی) **ولا تخزنا یوم القیمۃ** یہ گزشتہ دعا کا گویا تتمہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قیامت میں ہم کو بغیر عذاب دیئے' بغیر رسوا کئے بخش دے کہ بعض لوگ وہ بھی ہوں گے جنہیں پہلے کچھ سزا ملے گی بعد میں بخشش ہوگی ہم کو ان میں سے نہ کر خزی کے معنی ابھی عرض کئے گئے یوم قیامت سے مراد قیامت کا سارا دن ہے' قبروں سے اٹھنے سے لے کر پل صراط گزر جانے تک یعنی ہم کو ثواب کے ساتھ قیامت میں سرخروئی نیک نامی بھی عطا فرما **انک لا تخلف المیعاد** سبحان اللہ کیسا اچھا تتمہ ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ مولیٰ ہم کو تیرے وعدہ خلاف ہونے کا اندیشہ نہیں' تو سچا' تیرے وعدے سچے' ہم کو اپنی طرف سے ڈر ہے کہ کہیں بہک کر تیرے وعدوں کے مستحق نہ رہیں' تو کرم فرما' ہم کو سیدھا راستہ دکھا' سیدھی راہ پر چلا' سیدھی راہ پر چلتے ہوئے اٹھا تاکہ تیرے وعدوں کے حقدار بنیں' **تخلف** اور **میعاد** کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ اخلاف کے معنی ہیں وعدہ کرکے پورا نہ کرنا' وعید دے کر پوری نہ کرنا معنی ہے رب تعالیٰ اخلاف سے پاک ہے اور بہت ہی معاف فرمانے والا ہے' اگر اس کی معافی وسیع نہ ہو' تو ہمارا ٹھکانہ کہاں لگے' میعاد وعد کا مصدر ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: ہمارے مومن بندوں کی پہچان یہ ہے کہ ہر حال میں ہمارا ذکر' ہماری مخلوق میں غور و فکر بھی کرتے ہیں' ہماری پاکی بولتے ہیں' ساتھ ہی یہ دعائیں بھی کرتے ہیں کہ اے مولیٰ جو کفر پر مرے اور تو اسے کفر کی بنا پر دائمی عذاب کیلئے دوزخ میں داخل فرمادے' اسے تو تو نے رسوا کر دیا' ایسے ظالموں' کافروں کا کوئی شفاعت کرنے والا تو ہے ہی نہیں' انکا مددگار بھی کوئی نہیں' جو انہیں تیرے عذاب سے بچالے یا ایسوں کا کوئی شفاعت کرنے والا نہیں' نہ ان کا کوئی یار ہے' نہ مددگار' اے ہمارے پالنے والے ہم نے تیرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا پکار' ان کی دعوت سن لی کہ وہ سارے بندوں کو ایمان کی دعوت دے رہے ہیں اور ان کی تبلیغی دعوت سارے جہان میں پہنچ رہی ہے' دنیا ان کی تعلیمی آواز سے گونج رہی ہے' ہم نے محض تیرے فضل و کرم سے ان کی دعوت قبول کرلی' ہم ایمان لے آئے اے مولیٰ ہمارا ایمان قبول فرما اور اس کی برکت سے ہمارے بڑے گناہ یا نئے گناہ یا دانستہ کئے ہوئے گناہ تو معاف فرمادے' اور چھوٹے گناہ یا بھول سے کئے ہوئے گناہ یا جہالت سے صادر شدہ گناہ' دفع فرمادے۔ اس کے ساتھ ہی ہم کو نیکوں کے زمرہ اور ان کے متبعین میں موت دے' کہ جب مریں تو تیرے مقبولوں کی جماعت میں ہوں' ان سے علیحدہ نہ ہوں' اے ہمارے پالنے والے تو نے جن نعمتوں بھلائیوں کا وعدہ اپنے رسولوں کی معرفت ہم سے کیا ہے وہ تمام نعمتیں ہم کو عطا فرما اور قیامت میں ہماری پردہ پوشی کر' ہم کو رسوا نہ کر' ہمارے پردے رہنے دے ہم کو یقین ہے کہ تیرے سارے وعدے سچے ہیں تو اپنے وعدے خلاف نہیں کرتا' البتہ ہم کو اپنے سے اندیشہ ہے' کہ اس وعدے کے مستحق ہم رہیں یا نہ رہیں' اے کریم ہم کو توفیق دے' تیرے وعدوں کے اہل نہیں نکل رہیں' تاکہ تیری نعمتوں کے مستحق ہوں۔ **نوٹ:** یہ آیت کریمہ بہترین دعاؤں کی جامع ہے' یوں تو ہر وقت ہی یہ آیت پڑھنی چاہئے' مگر خصوصیت سے تہجد کے وقت اور تہجد کی نماز میں پڑھنے سے بہت لطف بھی آتا ہے' قبولیت کی بھی امید ہے' اس آیت میں چار بار ربنا عرض کیا گیا ہے' امام جعفر صادق فرماتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ جو کسی مصیبت میں گرفتار ہو جائے وہ پانچ بار ربنا کہے' اللہ تعالیٰ اسے مصیبت سے نجات دیگا۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عطاء سے روایت کیا' فرماتے ہیں جو بندہ تین بار یارب' یارب' یارب' کہے' اللہ تعالیٰ اس پر نظر کرم فرماتا ہے' جب یہ قول خواجہ حسن بصری سے بیان کیا گیا تو آپ نے اس کی تائید میں یہ آیت کریمہ تلاوت کی اور فرمایا کہ اس آیت میں بار بار ربنا فرمایا گیا ہے' حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا یارب' اے میرے رب فوراً جواب آیا لبیک' اے موسیٰ میں حاضر ہوں' موسیٰ علیہ السلام اس جواب پر بہت خوش ہوئے' عرض کیا اے مولیٰ! کیا یہ صرف میری خصوصیت ہے' کہ میری پکار پر تو نے جواب دیا یا دوسروں پر بھی یہ کرم ہو گا؟ فرمایا نہیں بلکہ جو بندہ مجھے رب کہہ کر پکارے گا میں اس کے جواب میں لبیک فرماؤں گا (روح المعانی) غرض یہ آیت کریمہ دعاؤں پر مشتمل ہے اور اس میں بہترین دعائیں بہترین طریقہ سے مانگی گئی ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دعا میں رب تعالیٰ کو بار بار پکارنا اور ربنا کہہ کر پکارنا بہت ہی بہتر ہے۔ یہ پکار اپنے عجز کے اظہار کیلئے ہے۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار مومن انشاء اللہ قیامت میں رسوا نہ ہو گا اگرچہ اسے کچھ سزا مل جائے' مگر رب تعالیٰ اسے وہاں کی رسوائی سے بچائے گا جیسا کہ **فقد اخزیتہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ** اللہ تعالیٰ ہر مومن کو دوزخ میں اگر عذاب بھی دیگا تو خفیہ کہ کسی کو خبر بھی نہ ہو گی کیوں نہ ہو کہ اگرچہ گنہگار ہے مگر غدار نہیں وفادار ہے' امت احمد مختار ہے' اللہ تعالیٰ اس رحمت والے کے سایہ میں رکھے' مولانا حسن میاں فرماتے ہیں۔

جو یہاں عیب کسی پر نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو

تیسرا فائدہ: دنیا آخرت میں بفضلہ تعالیٰ مومنوں کے مددگار بہت ہوں گے کہ رب تعالیٰ سے شفاعت کر کے اسے بخشوائیں گے اس دن بے یارومددگار ہونا کفار کیلئے ہے جیسا کہ **للظلمین** کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ تقدیم حصر کا فائدہ دے رہی ہے جو کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ در حقیقت اپنے کفر کا اقرار کرتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** مسلمانوں کے مددگار اللہ' رسول' نیک مومنین' فرشتے بلکہ قرآن شریف' کعبہ معظمہ وغیرہ ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے منادی اور رب تعالیٰ کے داعی ہیں۔ آپ کی دعوت وندا تاقیامت دنیا میں پہنچ رہی ہے' سنی جا رہی ہے' ہم جیسے لوگ تو علماء' صلحاء' اولیاء کی معرفت سنتے ہیں۔ بعض کامل حضرات اپنے کانوں سے بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سنتے اور آپ کا دیدار کرتے ہیں' مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

گرچہ صد مرحلہ دورم زپیش نظرم وجہہ فی نظری کل غداۃ وعشی

یہ فائدہ **سمعنا منادیا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے داعی مطلق ہیں' جس کا خدا تعالیٰ رب ہے اس کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں' داعی ہیں جیسا کہ **منادیا** کے اطلاق سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ نے فرمایا **لیکون للعلمین نذیرا**۔ **چھٹا فائدہ:** وہی ایمان معتبر ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے ہو' آپ کا منکر اگرچہ تمام ایمانیات کو مانے کافر ہے جیسا کہ **فامنا** کی ف سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے ایمان کے توسل سے دعا کرنا چاہئے۔ جیسا کہ **فاغفرلنا** کی ف سے معلوم ہوا' جب ہمارا ایمان وسیلہ بن سکتا ہے تو حضور انور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم یقیناً وسیلہ اعلیٰ ہیں۔ آٹھواں فائدہ: دعاسب مسلمانوں کیلئے کرنا چاہئے' صرف اپنے لئے ہی نہ کرے جیسا کہ فاغفرلنا وغیرہ میں نا جمع سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: اچھوں کا ساتھ رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے جیسا کہ مع الابرار سے معلوم ہوا' لکڑی کے سہارے لوہا بھی تیر جاتا ہے۔ دسواں فائدہ: ہر شخص خواہ کتنا ہی نیک ہو' اپنی استقامت اور حسن خاتمہ کی دعا ہمیشہ کیا کرے اس سے غافل نہ رہے جیسا کہ وتوفنا سے معلوم ہوا' تمام اعمال کا مدار خاتمہ پر ہے۔

پانی بھریں پنہاریاں اور رنگے برنگے گھڑے بھرا اس کا جانیئے جس کا توڑ چڑھے

کنوئیں سے پانی بھرنا آسان ہے' مگر پانی لے کر بخیریت گھر پہنچنا بہت مشکل ہے' اللہ تعالیٰ اس مشکل کو آسان کرے اور سارے مسلمانوں کو سب کی طفیل مجھ گنہگار کو ایمان و عمل صالح پر خاتمہ نصیب کرے۔ گیارھواں فائدہ: علمائے دین کی آواز در حقیقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء ہے لہٰذا ان حضرات کی ماننا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا ہے' ان کی اطاعت کرنا در حقیقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہے' ان علمائے دین کی نافرمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی ہے جیسا کہ سمعنا منادیا سے معلوم ہوا۔ بارھواں فائدہ: ہم سب مسلمانوں کا ایمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء کی برکت سے ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نداء کے بغیر کوئی صحیح ایمان لا سکتا ہی نہیں' جیسا کہ فامنا کی ف سے معلوم ہوا یعنی جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نداء دی' تو ہم ایمان لائے' ان کی نداء کے بغیر ہم ایمان کے قریب بھی نہ ہوتے ہمارا ایمان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے ہے۔

اے رضا احمد پاک کا فیض ہے ورنہ تم کیا سمجھتے خدا کون ہے

تیرھواں فائدہ: مسلمان اپنے کو گناہگار تو سمجھے مگر کافر ہرگز نہ سمجھے نہ کہے' اپنے کفر کا اقرار کفر ہے بلکہ اپنے کو مومن کہے' مومن سمجھے' جیسا کہ فامنا سے معلوم ہوا۔ چودھواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب تعالیٰ سے وعدہ ہے جس کے پورا کرنے کی دعا کی جا رہی ہے جیسا کہ ما وعدتنا سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی ہونے یا جنت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا وعدہ فرمالیا اس سے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمالیا' وہ یقیناً جنتی ہے' صدیق و فاروق' حسنین کریمین وغیرھم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یقیناً جنتی ہیں ان کے جنتی ہونے میں شک کرنا رب تعالیٰ کے وعدے میں تردد کرنا ہے کہ وہ تو بوعدہ رب تعالیٰ جنتی ہو چکے ہیں۔ پندرھواں فائدہ: دعا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے کا حوالہ دیا جائے تاکہ وہ قریب القبول ہو جائے' خود رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہمارے نبی کے حوالے سے ہم سے دعا کرو' تہجد کے وقت جو دعا کی جائے اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ کا حوالہ ضرور دیا جائے کہ اس وقت کی دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے' امید ہے کہ اس حوالے سے رب تعالیٰ ہم گناہگاروں کی دعا ضرور قبول فرمائے گا۔ سولھواں فائدہ: قیامت کی رسوائی بڑا سخت عذاب ہے' اللہ تعالیٰ اس سے ہر مسلمان کو بچائے جیسا کہ ولا تخزنا الخ سے معلوم ہوا۔ سترھواں فائدہ: رب تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں ان کے خلاف کبھی نہیں ہو سکتا کہ خلاف وعدہ جھوٹ ہے' جھوٹ عیب ہے' رب تعالیٰ تمام عیبوں سے پاک ہے جیسا کہ لا تخلف المیعاد سے معلوم ہوا اس کی مکمل بحث پہلے پارے میں مسئلہ

www.alahazratnetwork.org

امکان کذب میں ہو چکی ہے' یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسے رب تعالیٰ کا شریک ناممکن ہے ایسے ہی اس کا جھوٹ غیر ممکن جھوٹ تمام عیبوں میں بدتر عیب ہے' پھر رب تعالیٰ تک اس کی رسائی کیونکر ہو سکتی ہے۔ **اٹھارھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت برحق ہے جو ہر مومن کو پہنچے گی اگرچہ کیسا ہی گناہگار ہو کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہم کو دعائے مغفرت کی تعلیم دی گئی بغیر قید جس سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ قابل بخشش ہے خواہ کتنا ہی بڑا ہو' جب دعائے مغفرت ہو سکتی ہے "تو شفاعت مصطفیٰ ہماری دعا سے زیادہ قبول ہے" اس سے بھی یقیناً مغفرت ہو گی' نیز تمام ضمیریں جمع لا کر شفاعت کی تعلیم ہے کہ ہر مسلمان اپنے لئے دعا' دوسرے کیلئے شفاعت کرے' جب ہر مسلمان کی شفاعت قبول ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت تو سبحان اللہ۔ (تفسیر کبیر)۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی مسلمان کتنا ہی بڑا گناہگار ہو دوزخ میں نہیں جا سکتا کیونکہ دوزخ میں جانے کیلئے رسوائی لازم ہے۔ جیسا کہ **فقد اخزیتہ** سے معلوم ہوا۔ اور دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی اور مومنوں کو رسوا نہ کریگا۔ ارشاد ہے **یوم لا یخزی اللہ النبی والذین امنوا معہ** جب مومنوں کیلئے رسوائی نہیں تو ان کیلئے دوزخ بھی نہیں' لازم کی نفی سے ملزوم کی نفی ہو جاتی ہے۔ **نوٹ:** اسلام میں ایک فرقہ گزرا ہے مرجیہ' جو کہتا تھا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد کوئی گناہ مضر نہیں' مسلمان جو چاہے کرے' ان کی دلیل یہ آیت ہے' آج بھی بھنگی پوستی اور دو تاشاہی فقیروں کا یہی عقیدہ ہے کہ محبان حسین رضی اللہ عنہ کو کسی نیکی کی ضرورت نہیں' نہ کسی گناہ سے بچنے کی ضرورت ہے' انہیں جنت کا ٹکٹ مل چکا ہے نعوذ باللہ۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک تو وہ جو تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں آگ میں جانے سے مراد ہمیشہ کیلئے جانا ہے' یہ صرف کفار کو ہو گا' اس جانے کیلئے رسوائی لازم ہے' گناہگار مسلمان چونکہ عارضی طور پر جائے گا لہٰذا اس کی رسوائی نہ ہو گی' دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان ہی مسلمانوں کو رسوا نہ فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے جو نبی کے ساتھ ہوں کہ فرمایا **والذین امنوا معہ** اور نبی کے ساتھ متقی ابرار ہوں گے نہ کہ فساق و فجار' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبین** الخ (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں منادیا کے ساتھ ینادی کیوں ارشاد ہوا یہ منادیا سے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ **جواب:** تاکہ ایمان کی اہمیت معلوم ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ایمان کی ہی دعوت نہ دی بلکہ ایمان کے ساتھ تقویٰ' پرہیزگاری' عبادات و معاملات کی درستی کی بھی دعوت دی' مگر چونکہ دعوت ایمان بھی بہت اہم تھی کہ اس پر ہی اعمال کا دارومدار تھا اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بھی دوزخ میں داخل ہو گا وہ رسوا ہو گا' دوزخ میں فرشتے بھی داخل ہوں گے اور شفاعت کرنے والے صالح مومن بھی' اور وہاں سے گزرنا تو سب ہی کو ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ داخلہ سے مراد ہمیشہ سزا پانے کیلئے داخلہ ہے' فرشتے سزا دینے کیلئے اور نیک مومن شفاعت کیلئے وہاں جائیں گے نہ کہ سزا پانے کیلئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہمیں نیکوں کے ساتھ وفات دے تو کیا نیک لوگ مرجائیں' اس مرجانے سے کیا فائدہ؟ **جواب:** یہاں ہمراہی سے مراد زمانی ہمراہی نہیں بلکہ رتبی ہمراہی ہے یعنی ہمیں نیکوں کے زمرے میں پہنچتے ہوئے وفات دے اور اگر زمانی ہمراہی مراد ہو تو بھی ٹھیک ہے' مطلب یہ ہے کہ مولیٰ جب وہ وقت آئے کہ تمام نیک زمین سے اٹھ جائیں تو ہمیں اس فساد

www.alahazratnetwork.org

عالم کے وقت زندہ نہ رکھ ایمان سے اٹھوے اس کی شرح وہ حدیث ہے واذا اردت بعبادک فتنۃ فاقبضنی الیک غیر مفتون خدایا جب تو اپنے بندوں پر فتنہ بھیجنے لگے تو مجھ کو فتنے سے بچے ہوئے وفات دے دے' امن میں زندگی اچھی' فساد میں ایمان کے ساتھ موت اچھی۔ پانچواں اعتراض: جب رب تعالیٰ کے وعدے خلاف ہو ہی نہیں سکتے' تو یہ دعا مانگنے کی کیا ضرورت ہے کہ خدایا جو تو نے نبیوں کی معرفت وعدے کئے ہیں وہ پورے کر' مانگی وہ چیز جاتی ہے جو حاصل نہ ہو۔ جواب: اس دعا کا مقصد یہ ہے کہ خدایا تو ہم کو اس وعدے کا اہل بنا کہ اس زمرہ میں آجائیں جن سے تیرا وعدہ ہے' ہمیں رب تعالیٰ سے وعدہ خلافی کا خوف نہیں' خوف اپنی حرکتوں سے ہے' مولانا عطار منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود کز تو نیکی دیدہ ام و از خویش بد

چھٹا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ صرف ظالموں' کافروں کا مددگار کوئی نہیں' مگر دوسری آیت میں ومالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار نہیں جس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کا بجز خدائے تعالیٰ کوئی مددگار نہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اس آیت کا مطلب یہ بھی ہے کہ اے مسلمانو اگر تم نے شرک و کفر کیا تو تمہارا مددگار کوئی نہیں دوسرے یہ کہ وہاں فرمایا گیا من دون اللہ اللہ کے مقابل ہو کر تمہارا مددگار کوئی نہیں۔ من دون اللہ کی نفیس بحث ہماری کتاب درس القرآن کے دوسرے ایڈیشن میں دیکھو۔ دون' سوی' حاشا' الا ان سب کے معنی سوا یا علاوہ ہی ہیں مگر الا ہر سوا کو کہتے ہیں' کہنا ہو یا غیر مگر حاشا غیر کو' دون مقابل کو' الگ کو' اس لئے اگر کلمہ طیبہ یوں پڑھا جائے لا الہ دون اللہ تو کلمہ توحید نہ رہے گا' دون میں انقطاع' کٹ جانا' علیحدگی ضروری ہے خواہ واقعی ہو یا اعتقادی' رب تعالیٰ فرماتا ہے ووجد من دونہم امراتین تذودٰن موسیٰ علیہ السلام والسلام نے مردوں سے علیحدہ' جدا' دو دو لڑکیاں پائیں جو بکریاں روکے ہوئے تھیں' لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ ساتواں اعتراض: اس آیت میں ذنوب کی مغفرت اور سیئات کی تکفیر کی دعا فرمائی گئی۔ ذنوب اور سیئات تو ایک ہی چیز ہے' یعنی گناہ ذنب بھی ہے اور سیئہ بھی' پھر یہ فرق کیوں؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ذنب سے مراد گناہ کبیرہ ہیں' اور سیئہ سے مراد گناہ صغیرہ' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ان تجتنبوا کبائر ما تنہون عنہ نکفر عنکم سیاتکم اگر تم بڑے گناہوں سے بچو گے تو چھوٹے گناہ ہم مٹا دیں گے یا ذنوب سے مراد دیدہ و دانستہ کئے ہوئے گناہ ہیں' اور سیئات سے مراد غفلت و نادانی سے کئے گناہ' اس جملہ کی پندرہ تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا کی جو چیز رب تعالیٰ سے غافل کرے وہ ہی آگ ہے۔ غافل کی دولت' اولاد بلکہ زندگی نار ہے کہ ذریعہ فراق یار ہے' ایسے آگ میں رہنے والوں کا مددگار کوئی نہیں' یہ آگ نہ پانی سے بجھے' نہ مٹی سے ٹھنڈی پڑے' ایسے غافلوں کا انجام ذلت و خواری ہے' جیسے غفلت میں مرنے' کفر میں اٹھنے زمرہ شیاطین میں جیئے' اکبر نے غافلوں کی سوانح عمری ایک شعر میں بیان کی۔

کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے بی اے ہوئے نوکر ہوئے پنشن ملی پھر مر گئے

حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی قبر انور سے لوگوں کو ندائے ایمان دے رہے ہیں' رب تعالیٰ کی طرف بلا رہے

www.alahazratnetwork.org

ہیں' یہ نداء اللہ والے اپنے کانوں سے سنتے ہیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہ بریلوی فرماتے ہیں۔

جنہیں تم حشر تک یا امتی کہہ کر پکارو گے　　ہمیں بھی ان میں کرنا یاد صدقہ اپنی رحمت کا

اسی پکار ہی کا نتیجہ ہے کہ آپ کی ساری امت گمراہ نہ ہوئی۔ صالحین کے دل وہ آواز سنتے ہیں' لبیک کہتے ہیں' نیکیاں کرتے ہیں' اگر یہ نداء بند ہو جائے تو ہم سب ہلاک و گمراہ ہو جائیں' اس نداء کو سن کر اس پر عمل کرکے بندہ رب تعالیٰ سے کچھ مانگنے کا حقدار ہوتا ہے' تب عرض کرتا ہے خدایا بخش دے ہم گناہگار ہیں' مگر تیرے حبیب کی پکار پر لبیک کہتے ہیں' خدایا ان ہی لبیک کہنے والوں میں ہمیں زندگی و موت دے' اس کی برکت سے ہمارے گناہ بخش دے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں ہم گناہگاروں کو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو رسوانہ کرے' ہمارے گناہوں کا حساب نہ لے' اگر لے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں سے خفیہ' تاکہ ان سلطان کونین کے سامنے خجل نہ ہوں' ڈاکٹر اقبال نے کس درد سے عرض کیا۔

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر　　روز محشر عذر ہائے من پذیر

ور حسابم را تو بینی ناگزیر　　از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر

ڈاکٹر صاحب دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

مکن رسوا بروئے خواجہ مارا　　حساب من زچشم او نہاں گیر

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بھی یہ مضمون دوسرے پیرایہ میں عرض کیا۔

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب　　بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

بڑی رسوائی یہ ہے کہ امتی گناہگار کی رسوائی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہو۔ اور وہ فرمائیں کہ تو نے میرا امتی ہو کر میری سنتوں کی مخالفت کی! اللہ تعالیٰ ہم گناہگاروں کو ان کے سامنے رسوانہ کرے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے غضب سے رسول اللہ علیہ وسلم کا غضب زیادہ خطرناک ہے روٹھے رب تعالیٰ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت سے منائیں مگر روٹھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو کون منائے! حضرت شاہ بھیک فرماتے ہیں۔

بھیکا وہ نر کوڑ ہیں جو جانیں گر کو اور　　رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں بھور

اے بھیک وہ لوگ بے وقوف ہیں جو گرو معلم اول کو غیر جانیں' رب روٹھ جائے تو یہ منائیں' لیکن اگر یہ روٹھ جائیں تو کون منائے۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ

پس قبول کر لیا ان کے لئے ان کے پروردگار کے لئے بے شک میں نہیں برباد کرتا تم میں سے کسی	تو ان کی دعا سن لی ان کے رب نے کہ میں تم میں کام والے کی محنت اکارت نہیں کرتا

www.alahazratnetwork.org

مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا

کام والے کا کام مرد یا عورت کا تم میں سے بعض بعض سے ہیں پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے

مرد یا عورت تم آپس میں ایک ہو تو جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے

مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُ

گھروں سے نکالے گئے اور تکلیف دیئے گئے میری راہ میں اور انہوں نے جنگ کی اور قتل

اور میری راہ میں ستائے گئے اور لڑے اور مارے گئے میں

كَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کئے گئے البتہ مٹا دوں گا میں ان سے ان کے گناہ اور ضرور داخل کروں گا میں ان کو ایسے باغوں

ضرور ان کے سب گناہ اتار دوں گا اور ضرور انہیں باغوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے

الْاَنْهٰرُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں ثواب اللہ کے پاس سے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ہے اچھا ثواب ہے

نہریں رواں اللہ کے پاس کا ثواب اور اللہ تعالیٰ ہی کے پاس اچھا ثواب ہے

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو مقبول دعاؤں کی تعلیم دی گئی۔ اب اس آیت میں ان دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے' چونکہ قبول دعاء مقبول کا نتیجہ ہے' اس لئے پہلے دعا کا ذکر ہوا۔ پھر اس کی قبولیت کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مومنوں کے چار نیک اعمال کا ذکر ہوا۔ (1) ہر حال میں رب تعالیٰ کا ذکر۔ (2) اس کی خلقت میں ذکر۔ (3) رب تعالیٰ کی حکمتوں کا اقرار۔ (4) یہ سب کچھ کر کے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی سے گڑگڑا کر دعا مانگنا اب انہیں قبولیت کی بشارت دی جا رہی ہے۔ تاکہ اس بشارت سے ان میں اور زیادہ جذبہ عمل پیدا ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کی چند دعاؤں کا ذکر تھا' بڑے گناہوں کی بخشش' چھوٹے گناہوں کا کفارہ' اچھوں کے زمرے میں موت' رسولوں کے کئے ہوئے وعدوں کا پورا فرمانا قیامت کی رسوائی سے بچانا' اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! تم فقط دعا پر قناعت نہ کرنا' کچھ اعمال بھی کرنا' کیونکہ بغیر تخم بوئے پیداوار کی امید رکھنا غلطی ہے۔

شان نزول: (1) ترمذی حاکم و دیگر محدثین نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی میں نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ہم نے مردوں کی طرح ہجرت کی مگر رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں عورتوں کی ہجرت کا ذکر نہ فرمایا صرف مردوں کا ذکر فرمایا' کیا ہماری ہجرت قبول نہیں؟ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ جزاء عمل پر ہے مرد کرے یا عورت۔ ہم کسی کے عمل ضائع نہیں فرماتے۔ (روح المعانی' جلالین' تفسیر کبیر' خازن و روح المعانی وغیرہ) ابن مردویہ نے انہی ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی کہ سب سے آخری آیت یہی **فاستجاب** نازل ہوئی۔ (2) مسلم بخاری نے حضرت

www.alahazratnetwork.org

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کہ ایک شخص نے کسی اجنبیہ عورت کا بوسہ لے لیا' پھر شرمندہ ہو کر بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں توبہ کرنے حاضر ہوا اور معذرت کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر یہ آیت سنائی' صحابہ کرام نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا یہ معافی اسی کیلئے خاص ہے یا اوروں کیلئے بھی ہے؟ فرمایا سارے انسانوں کیلئے۔ (روح المعانی)۔ نوٹ: سبحان اللہ یہ وہی اہل عرب ہیں جو زمانہ جاہلیت میں زنا پر فخر کرتے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض نظر سے ان کے خوف و خشیت کا یہ عالم ہو گیا۔

تفسیر: **فاستجاب لهم ربهم** حق یہ ہے کہ **استجابت** اور اجابت ہم معنی ہیں یعنی قبول کرنا اور قبولیت کا جواب دینا' فراء نحوی کہتے ہیں کہ اجابت مطلقاً جواب دینے کو کہا جاتا ہے' خواہ قبولیت سے ہو یا رد سے' مگر استجابت صرف قبولیت کے جواب کو کہتے ہیں' کیونکہ یہاں باب استفعال طلب کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہوا کہ انہیں جواب مطلوب دیا' اور ظاہر ہے کہ جواب مطلوب مقبول جواب ہی ہوتا ہے۔ استجاب اکثر لام سے متعدی ہوتا ہے' اور کبھی بغیر حرف کے کہا جاتا ہے **استجابه الله دعاءه'** **لهم** میں **هم** کا مرجع وہی مومنین ہیں جن کا ذکر ابھی گزشتہ آیت میں ہو چکا۔ **ربهم** فرمانے میں ادھر اشارہ ہے کہ یہ قبولیت حق تعالیٰ کی ربوبیت کی بنا پر ہے' یعنی ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمالی۔ **انی لا اضیع عمل عامل منکم** یہ جملہ پہلے جملے **فاستجاب** کی وجہ بیان فرما رہا ہے۔ ہماری قراءت انی الف کے فتح سے ہے۔ در اصل بانی تھا ب سبیہ کے ساتھ۔ بعض قراءتوں میں انی الف کے کسرہ سے ہے و قال فعل پوشیدہ کا مفعول ہماری قراءت اضیع ض کے کسرہ ی کے سکون سے ہے باب افعال کا مضارع۔ بعض قراءتوں میں اضیع ض کے فتح ی کے شد سے ہے باب تفعیل کے مصدر سے۔ بہرحال یہ ہے ضیاع سے بمعنی ہلاک یا برباد ہونا' ان بابوں میں آکر ہلاک کرنے کے معنی میں ہوا عمل سے مراد نیک عمل ہے' دل کا عمل جو ایمان خوف خدا' عشق رسول وغیرہ یا بدن کا عمل' نماز روزہ' یا مالی عمل' زکوۃ صدقہ وغیرہ عامل سے مراد ہر نیک کار ہے بالغ ہو یا نابالغ کیونکہ نابالغ کو بھی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ منکم من بیانیہ ہے۔ کم سے مراد مسلمان ہیں' کیونکہ کفار کے اعمال نیک برباد ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فجعلنه هباء منثورا** یعنی رب تعالیٰ نے ان کے اعمال و دعائیں اس لئے قبول فرمائیں کہ اے مسلمانو! ہم کسی نیک کار مسلمان کے عمل ضائع و برباد نہیں کرتے' اسے جزاء ضرور دیتے ہیں **من ذکر او انثی** یہ کلمہ یا تو عامل کا بیان ہے یا کم کا بدل ذکر سے مراد مذکر مسلمان ہے۔ انثی سے مراد مونث مسلمان بالغ ہوں یا نابالغ' کسی ملک کے ہوں' کسی خاندان و نسل سے ہوں' یعنی ہم کسی مرد و عورت کے نیک اعمال برباد نہیں کرتے۔ جزاء عمل کی ہے نہ کہ نسل یا خاندان یا کسی خاص ملک کی **بعضکم من بعض'** **بعضکم** مبتداء ہے **من بعض** خبر یا تو ثابت کے متعلق ہے یا حاصل کے یا قریب کے' کم سے مراد سارے مسلمان ہیں یعنی بعض مسلمان بعض کی جنس سے ہیں کہ عورت و مرد سب مسلمان ہیں یا تم سب ایک اصل حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے ہو یا تم میں سے بعض کی پیدائش بعض سے ہے کہ مرد عورت سے اور عورت مرد سے پیدا ہوئے ہیں یا تم میں سے بعض بعض سے قرب و تعلق رکھتے ہیں۔ کہ عورتوں کو مردوں کی ضرورت ہے' مردوں کو عورتوں کی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **سلمان منا اهل البیت** سلمان فارسی ہم اہل بیت سے ہیں یا فرماتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

الحسین منی وانا من الحسین حسین مجھ سے ہیں اور میں حسین سے رضی اللہ عنہ ان جملوں کے یہ ہی معنی ہیں۔ فالذین ھاجروا واخرجوا من دیارھم یہ جملہ گزشتہ لا اضیع کا بیان ہے۔ الذین سے مراد سارے مسلمان مرد عورت' بچے جوان 'اور بوڑھے ہیں۔ ھاجروا ھجر سے بنا معنی چھوڑنا' اصطلاح میں وطن چھوڑنے کو ہجرت کہتے ہیں' یہاں وہ ترک وطن مراد ہے جو رضائے الٰہی کیلئے کیا جائے کہ اسی پر ثواب ہے۔ اخرجوا اخراج سے بنا معنی نکالنا یا نکلنے پر مجبور کرنا۔ دیار دار کی جمع ہے معنی گھر یا وطن۔ خیال رہے کہ یا تو اخرجوا' ھاجروا کی تفسیر ہے یا اس سے ہجرت کی دوسری قسم مراد ہے' بعض صحابہ تو عشق رسول اللہ علیہ وسلم سے سرشار ہو کر مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے کفار نے انہیں تنگ نہ کیا تھا اور بعض حضرات کو کفار نے تنگ کیا' اس لئے وہ ہجرت پر مجبور ہوئے۔ ھاجروا سے پہلی قسم کے مہاجر مراد ہیں اور اخرجوا سے دوسری قسم کے مہاجر مراد' چونکہ پہلی قسم کے مہاجر درجہ میں اعلیٰ ہیں' اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسرے کے بعد میں (تفسیر کبیر) اور ہو سکتا ہے کہ ھاجروا سے مراد وہ لوگ ہوں جنہوں نے کفر و گناہ چھوڑے 'اور اخرجوا سے مراد وہ ہوں جنہوں نے وطن چھوڑا (روح المعانی) واوذوا فی سبیلی یہ جملہ اخرجوا پر معطوف ہے' ایذا کے معنی ہیں ستانا' ظلم کرنا' خواہ جانی ہو یا مال یا عزت و آبرو کا یا اولاد کا۔ اللہ کی راہ میں ستائے جانے سے مراد اللہ کی اطاعت' اللہ رسول پر ایمان لانے کے سبب ستایا جانا ہے یا تو اس سے مراد وہی مہاجرین ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا کہ ان لوگوں نے ہجرت سے پہلے کفار مکہ کے ہاتھوں بہت دکھ سے' ظلم برداشت کئے یا وہ لوگ مراد ہیں جو مجبوراً ہجرت نہ کر سکے' مکہ معظمہ میں ہی رہے' کفار مکہ کے ہاتھوں بہت دکھ سہتے رہے وقاتلوا وقتلوا یہ جملہ اوذوا پر معطوف ہے' اس میں مسلمانوں کے چوتھے پانچویں وصف کا ذکر ہے کہ کمزوری کے زمانہ میں وہ مظلوم تھے مہاجر بنے' طاقت آنے پر مجاہد و شہید فی سبیل اللہ ہوئے' قتل سے مراد کفار سے جہاد ہے نہ کہ آپس میں لڑنا بھڑنا' اور قتلوا سے مراد شہادت ہے۔ خیال رہے کہ یہ پانچوں وصف شخصی نہیں بلکہ قومی ہیں یعنی یہ مطلب نہیں کہ ایک ہی شخص مہاجر' مظلوم' ستم رسیدہ' غازی 'اور بعض صرف شہید یا غازی بھی شہید بھی۔ (معانی) اس ساری مبارک جماعت کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ انہیں تین جزائیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملیں گی پہلی یہ کہ لا کفرن عنھم سیاتھم' اکفرن تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر معنی چھپانا یا مٹانا' یہاں دوسرے معنی میں ہے' مٹانے سے مراد بالکل معاف فرما دینا ہے کہ نہ تو ان گناہوں کا اثر ان کے دلوں پر رہے' نہ کاتبین اعمال فرشتوں کے صحیفوں میں اس کا ذکر رہے بلکہ ہر گناہ کے عوض ثواب دیا جائے' گناہ کو نیکی قرار دے دیا جائے' حق یہ ہے کہ یہاں سیئات سے مراد ہر قسم کے گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ' البتہ حقوق العباد اس سے خارج ہیں یعنی ہم ان مہاجروں مظلوموں ستم رسیدوں غازیوں شہیدوں کو پہلا بدلہ تو یہ دیں گے کہ ان کے سارے گناہ مٹا دیں گے' اور دوسرا بدلہ یہ کہ ولا دخلنھم جنت تجری من تحتھا الانھر' یہ جملہ لا کفرن پر معطوف ہے۔ ادخال سے مراد اول ہی سے جنت میں داخل فرمانا ہے ھم کا مرجع گزشتہ پانچوں قسم کے لوگ ہیں' چونکہ ایک ایک جنتی کو متعدد مختلف باغات ملیں گے اسی لئے جنت جمع فرمایا گیا' باغ کی رونق پانی خصوصاً نہر سے ہوتی ہے' اس لئے نہروں کا ذکر خصوصیت سے فرمایا' چونکہ ہر باغ میں مختلف نہریں ہوں گی' پانی کی' دودھ کی' شہد کی' شراب طہور کی' اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ہم ان سے ہر ایک کو اول سے ہی ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے اور ہمیشہ وہاں ہی رکھیں گے۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ نہر و بحر کے بہت سے فرق ہم پہلے عرض کر چکے ہیں'

www.alahazratnetwork.org

انہیں خیال رکھیں۔ تیسرا ثواب یہ ہے کہ **ثوابا من عند اللہ** یا تو ثواب مصدر ہے بنا ہوں فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق اور یا ثواب سے مراد وہ نعمتیں ہیں جو بطور ثواب دی جائیں گی جیسے عطا بمعنی عطا کی ہوئی چیزیں **معطون** پوشیدہ کا مفعول ہے۔ **من عند اللہ** ثابتا کے متعلق ہو کر ثوابا کی صفت ہے۔ ثوابا کی تنوین تعظیمی ہے یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عظیم الشان ثواب دیا جائے گا جو بندوں کے علم و فہم 'خیال و گمان سے وراء ہے **واللہ عندہ حسن الثواب** یہ جملہ مستقل ہے جو پہلے جملہ ثوابا کی عظمت ظاہر فرما رہا ہے' یعنی اللہ کے پاس بہت شاندار اچھا ثواب ہے' جب بادشاہ کی عطائیں فقیر کے وہم و گمان سے وراء ہیں' تو رب تعالیٰ کی عطائیں کس کے خیال میں آسکتی ہیں یوں سمجھو کہ ہم انہیں اپنی شان کے لائق دیں گے نہ کہ بندوں کے گمان کے لائق۔

خلاصہ ء تفسیر: گزشتہ آیت میں مسلمانوں کی پانچ دعاؤں کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ عرض کرتے ہیں خدایا ہمارے بڑے گناہ بخش دے۔ چھوٹے گناہ مٹا دے۔ نیکوں کے زمرہ میں وفات دے۔ اپنے رسولوں کی معرفت جو تو نے ہم سے وعدے کئے ہیں پورے فرما کر ہم کو ان کا مستحق بنا اور ہمیں قیامت کی رسوائی سے بچا لے اب ان کی قبولیت کا ذکر ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے ان کی تمام دعائیں قبول کر لیں۔ کیونکہ ہم کسی مسلمان عامل کے اعمال برباد نہیں کرتے۔ ہر مسلمان کو اس کی بدنی' مالی' جسمانی' روحانی نیکیوں کا بدلہ ضرور دیتے ہیں۔ خواہ مرد نیکیاں کرے یا عورت کیونکہ عورت و مرد صنف میں اگرچہ مختلف ہیں مگر جنس میں ایک ہیں ایک آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے ایک اللہ کے بندے' ایک نبی کے امتی' ایک قرآن کے ماننے والے' ایک کعبہ کے نمازی' ایک ایمان کے حامل ہیں' پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جزاء میں مرد و عورت مختلف ہوں لہٰذا جن مسلمانوں نے بخوشی خاطر ہجرت کی اور جو جبراً اپنے وطن سے نکالے گئے' اور جو میری راہ میں ستائے گئے یا اس طرح کہ مجبوراً مکہ معظمہ سے ہجرت نہ کر سکے اور کفار مکہ کے ظلم و ستم سہتے رہے یا اس طرح کہ ہجرت سے پہلے اور بحالت ہجرت انہیں دکھ دیئے گئے۔ اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا اور وہ شہید کر دیئے گئے' ان سب کو ہماری طرف سے تین انعام ملیں گے۔ ایک یہ کہ ان کے تمام گناہ جو وہ اسلام لانے سے پہلے کر چکے تھے یا اسلام لانے کے بعد خطاء ان سے سرزد ہو گئے سب معاف کر دیئے جائیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم بغیر کچھ سزا دیئے پہلے ہی سے انہیں ایسے باغوں میں داخلہ دیں گے جن کے نیچے دودھ' پانی' شہد' شراب طہور کی مختلف نہریں بہہ رہی ہیں۔ یہ داخلہ ان کا ہمیشہ کیلئے ہو گا' کہ وہاں جانے کے بعد کبھی وہاں سے نکالے نہ جائیں گے۔ تیسرے یہ کہ انہیں ان نعمتوں کے علاوہ اور بہت شاندار ثواب دیں گے جو ان کے خیال و گمان و وہم سے وراء ہیں' سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہے اس کے عطیہ اس کے اچھے ثواب ایسے ہیں جو کسی کے خیال میں نہ آسکیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** احکام و فضائل کی آیتوں میں اگرچہ صیغہ مذکر ہیں اور ان میں خطاب مردوں سے ہے' مگر ان سب آیتوں میں عورتیں بھی داخل ہیں' دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ تم مرد و عورت آپس میں ایک ہو' تو مردوں سے خطاب درحقیقت عورتوں سے بھی خطاب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مرد عورتوں سے افضل ہیں کہ رب تعالیٰ نے عموماً انہیں سے خطاب فرمایا ہے' عورتوں کو ان کے تابع بنا کر ان میں داخل فرما دیا' جیسے بستی کے افسر کے نام پیغام درپردہ ساری بستی کے نام ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الرجال قوامون علی النساء** اور فرماتا ہے **وللرجال علیھن**

www.alahazratnetwork.org

درجہ تیسرا فائدہ: سزا جزاء اعمال پر ہے نہ کہ محض نسب، نسل، خاندان یا عورت و مرد ہونے پر جیسا کہ **من ذکر او انثی** سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے پہلے ان مہاجروں کا ذکر فرمایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں مکہ معظمہ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ چلے گئے پھر بعد میں ان کا ذکر فرمایا جو مکہ معظمہ سے نکالے گئے اور مجبوراً ہجرت کرکے گئے، فرشتے اول درجے کے مطیع و عابد ہیں مگر جنت کے حقدار نہیں کیونکہ ان میں عشق کا مادہ نہیں، انسان اگرچہ اطاعت میں فرشتوں سے کہیں کم ہے مگر جنت کا حقدار ہے کیونکہ امانت یعنی عشق کا حامل ہے۔ پانچواں فائدہ: جبراً ہجرت پر بھی ثواب ہے جیسا کہ **اخرجوا** سے معلوم ہوا۔ مگر شرط یہ ہے کہ ہجرت سے مقصود رضائے الٰہی ہو نہ کہ محض دنیا کمانا۔ ورنہ آج بہت سے لوگ نوکری، تجارت وغیرہ کیلئے ترک وطن کرتے رہتے ہیں، اس لئے وطن چھوڑے کہ وہاں نماز، اذان اور دیگر ارکان اسلام ادا کرنے کی آزادی نہ ہو۔ چھٹا فائدہ: اللہ کی راہ میں ظلم و ستم سہنا بھی ثواب کا باعث ہے جیسا کہ **اوذوا فی سبیلی** سے معلوم ہوا۔ کفار اس لئے ستائیں کہ یہ مسلمان ہے۔ بعض لوگ داڑھی، نماز، پابندی شریعت پر طعنے دیتے ہیں، مذاق اڑاتے ہیں انہیں مسجد کا لوٹا، ملاں وغیرہ کہتے ہیں، یہ طعنے برداشت کرنا بھی **اوذوا فی سبیلی** میں داخل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو سنت زندہ کرے اس زمانہ میں جب کہ لوگوں نے چھوڑ دی ہو، مردہ کردی ہو اسے سو شہیدوں کا ثواب ہے، یہ آیت اس حدیث کی تائید کرتی ہے کہ شہید تو ایک بار زخم کھا کر جان دے دیتا ہے مگر یہ اللہ کا بندہ عمر بھر زبانوں، طعنوں کے زخم کھاتا رہتا ہے۔ ساتواں فائدہ: جہاد یا شہادت گناہوں کا کفارہ ہے نہ کہ حقوق کا جیسا کہ **سیئات** سے معلوم ہوا لہٰذا مجاہد کو فوت شدہ نمازیں قضاء کرنا ہوں گی، قرض ادا کرنا ہوں گے۔ آٹھواں فائدہ: کوئی مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا، آخر کار جنت میں جائے گا کیونکہ گنہگار مسلمان ایمان کی وجہ سے جنت کا مستحق ہوا، گناہوں کی وجہ سے دوزخ کا حقدار ٹھہرا، ان دونوں وجہ سے سزا و جزا کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ پہلے جنت میں جائے پھر دوزخ میں، یہ تو ناممکن ہے کہ قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث شریف کے بھی، اجماع امت کے بھی، جو بھی جزاء کیلئے جنت میں گیا، وہ وہاں سے نکالا نہ جائے گا اب یہ ہی صورت ہے کہ ایسا شخص پہلے دوزخ میں جائے، پھر سزا پا کر جنت میں داخل کردیا جائے۔ تفسیر کبیر نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی مسلمان کی نیکیاں ضائع و برباد نہیں کرتا، اس کا اجر ضرور دیگا۔ جیسا کہ **لا اضیع** سے معلوم ہوا، نیز عمل عامل کے عموم نے یہ ہی بتایا۔ دسواں فائدہ: کسی کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں، نہ اس پر اسے اجر ملے، جیسا کہ **منکم** سے معلوم ہوا۔ گیارھواں فائدہ: جنتیوں کو علاوہ جنت کی نعمتوں کے اور ثواب بھی ملے گا جو ہمارے خیال و گمان سے وراء ہے۔ جیسا کہ ثواباً کی ایک تفسیر اور اسی ثواباً کی تنوین سے معلوم ہوا، **من عند اللہ** سے معلوم ہوا کہ یہ ثواب جنتی نعمتوں کے علاوہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کسی مسلمان کی نیکیاں ضائع نہیں کرتا مگر دوسری آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں، دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز مبارک پر آواز اونچی کرنے کی سزا یہ بیان فرمائی **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** کہ تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہو گی لہٰذا آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: ان صورتوں میں مسلمان خود اپنی بری حرکتوں سے اپنے اعمال ضبط کرا لیتے ہیں، رب تعالیٰ نے بلاوجہ ضبط نہ کئے، یہاں بلاقصور ضبط کا ذکر ہے یا یہ کہو کہ ان بدعملیوں سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اور حبط کافر ہو گیا،

www.alahazratnetwork.org

تو اس کے اعمال کی ضبطی ہے' نہ کہ مومن کے اعمال کی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے اعمال ضبط ہیں جیساکہ متکلم نے بتایا مگر ایک حدیث میں ہے کہ ابولہب کو دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور اسے انگلی چوسنے پر پانی ملتا ہے۔ کیونکہ اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں دوشنبہ کے دن ثویبہ لونڈی کو آزاد کیا تھا (بخاری) نیز حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں نے ابو طالب کو آگ میں پایا تو انہیں وہاں سے نکال کر آگ کے جھیرے میں کردیا جہاں آگ کی گرمی ہے آگ نہیں' کیوں؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے' دیکھو ابولہب و ابو طالب کافر ہیں' مگر ان کی نیکیاں ضبط نہ ہوئیں۔ یہ آیت ان احادیث کے خلاف ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ ان کے یہ اعمال بھی ضبط ہو چکے ہیں اگر ضبط نہ ہوئے ہوتے تو وہ جنت میں جاتے' عذاب میں تخفیف اور ہے عذاب سے نجات کچھ اور' اعمال اگر ضبط نہ ہوں تو عذاب سے نجات ہو جاتی ہے' تخفیف عذاب' ضبط اعمال کے خلاف نہیں' دوسرے یہ کہ کافر کی عبادات' معاملات وغیرہ تو ضبط ہیں' مگر عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم' خدمت پیغمبر ضبط نہیں۔ یہاں **عمل عامل** ارشاد ہوا نہ کہ عشق عاشق' کافر کو محبت رسول کا صلہ تخفیف عذاب کی صورت میں اسے مل جائیگا' اگر مومن ہو کر عشق کرتا تو جنت کا اعلیٰ مقام پاتا' ابولہب اگرچہ بعد میں دشمن ہو گیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے وقت اس نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کی لونڈی کو آزاد کیا' اتنی محبت کا کچھ نہ کچھ اثر ہو ہی گیا تو جس مسلمان کو اللہ تعالیٰ عشق رسول خدمت محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نصیب کرے اس کا کیا کہنا۔ تیسرا اعتراض: آپ کے اس جواب سے معلوم ہوا کہ کفار کو تخفیف عذاب ہو جائے گی' مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یخفف عنہم العذاب** کفار کا عذاب ہلکا بھی نہ ہوگا' تمہارا یہ جواب اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب اسی آیت میں موجود ہے کہ فرمایا گیا **ولا ہم ینظرون** انہیں عذاب سے مہلت نہ دی جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ وہاں تخفیف عذاب سے مراد مدت عذاب میں کمی کرنا ہے' جیسے کسی کو پانچ سال کی قید ہو' اپیل پر دو سال کی رہ جائے تو کہا جاتا ہے کہ سزا میں تخفیف ہو گئی یعنی مدت کم ہو گئی رہا نوعیت عذاب میں ہلکا ہونا وہ تو ثابت ہے' ورنہ دوزخ کے سات طبقے کیوں ہیں؟ کہ بعض طبقوں میں عذاب سخت ہے بعض میں ہلکا **لا یخفف** کی اور بھی بہت توجیہیں ہیں' یہ توجیہ جواب کیلئے کافی ہے' بہرحال آیات و احادیث میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرد و عورت یکساں ہیں کہ فرمایا گیا **بعضکم من بعض** مگر تم کہتے ہو کہ مرد عورت سے افضل ہے' دوسری آیات سے بھی یہ افضلیت ثابت ہے' لہٰذا آیات میں تعارض ہے۔ جواب: یہاں جزائے عمل میں یکسانیت کا ذکر ہے' اور ان آیات میں درجوں و مراتب میں فرق کا تذکرہ' لہٰذا دونوں آیتیں برحق ہیں' بادشاہ اسلام رعایا سے افضل ہے' مگر جزائے اعمال میں شاہ و گدا سب برابر ہیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن مسلمانوں میں مذکورہ پانچ وصف جمع ہوں' ہجرت' دیس نکالا' مظلومیت' جہاد' شہادت' وہی معافی گناہ' جنت میں داخلہ اور ثواب کے مستحق ہوں گے' جس میں کوئی وصف بھی کم ہو' وہ مذکورہ انعامات میں سے کسی انعام کا مستحق نہیں' کیونکہ واؤ جمع کیلئے آتا ہے۔ جواب: **لادخلنہم** میں ہم ضمیر ان تمام کی طرف لوٹتی ہے نہ کہ مجموعے کی طرف ہم افرادی ہے نہ کہ مجموعی' کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہو چکا ہے **لا اضیع عمل عامل منکم** عامل نکرہ ہے' ہر عامل کو شامل ہے' چونکہ یہ حضرات اعلیٰ درجہ والے ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے ہوا' ورنہ ہر مومن جنتی ہے' اگرچہ اسے کسی عمل کا موقعہ نہ ملے۔ چھٹا

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم ان لوگوں کے گناہ معاف کردیں گے اور جنت میں داخل کریں گے گناہ کی معافی کیلئے جنت کا داخلہ لازم ہے پھر اسے الگ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب: لازم نہیں 'معافی گناہ اور چیز ہے' داخلہ جنت کچھ اور دیکھو مومن جنات کی معافی ہو جائے گی 'مگر انہیں جنت نہ ملے گی' یہ مسلمان انسانوں کی خصوصیت ہے کہ ان کی معافی بھی ہو گی 'اور جنت میں داخلہ بھی۔ ساتواں اعتراض: جنت میں سب کچھ آچکا' پھر بعد میں **حسن الثواب** کیوں فرمایا گیا جواب: یا یہ بتانے کیلئے کہ تم جنتوں کا ثواب کماحقہ نہیں جان سکتے۔ وہ تمہارے خیال و گمان سے وراء ہے بس یوں سمجھ لو کہ جو ثواب رب تعالیٰ کی طرف سے ہو وہ کیسا ہو گا یا حسن ثواب سے مراد دیدار الٰہی ہے' یہ جنت میں ثواب تو ہے' جنت کا ثواب نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دل گویا مرد ہے نفس گویا عورت' دل کے اعمال اخلاص و یقین و مکاشفہ وغیرہ ہیں اور نفس کے اعمال طاعات' مجاہدات' و ریاضات ہیں مگر دونوں کی اصل روح ہے۔ رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم دل و نفس کسی کا عمل ضائع نہیں کرتے' کیونکہ یہ دونوں بعض سے ہیں' ان کی اصل ایک روح ہے' جو لوگ وطن نفس سے نکل جائیں یعنی دنیا کے غافل اگر عیش و آرام پر لات مار دیں اور حالات نفس سے نکال دیئے جائیں' اور میری راہ طے کرتے ہوئے قسم قسم کی سختیاں برداشت کریں اور شیطان و شیطانی لشکروں سے جہاد کریں' اور عشق کی تلوار سے ان کے نفس امارہ قتل کر دیئے جائیں' تو ہم ان کے سارے گناہ مٹا دیں گے اور ہم دنیا ہی میں انہیں اطاعت شریعت و طریقت کی جنتوں میں داخل فرمائیں گے' جن میں رضائے الٰہی کی نہریں بہہ رہی ہیں' یہ تو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کا ثواب ہے' آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ تو بہت اعلیٰ و ارفع ہو گا' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو جنت چاہتا ہے وہ پانچ عمل کرے' ایک یہ کہ اپنے کو گناہ سے بچائے' دوسرے یہ کہ تھوڑی دنیا پر راضی رہے۔ تیسرے یہ کہ اطاعت الٰہی پر حریص ہو' چوتھے یہ کہ نیکیوں۔ سے محبت اور نیکوں سے صحبت رکھے۔ پانچویں یہ کہ ہمیشہ حسن خاتمہ کی دعا کیا کرے۔ کسی بزرگ نے کیا خوب شعر فرمایا۔

چناں کن اسم را در جسم پنہاں کہ می گردد الف در بسم پنہاں

یعنی اللہ کے اسم کو جسم میں یوں چھپا لو جیسے بسم اللہ کا الف بسم میں چھپا ہوا ہے' کہ نہ لکھنے میں آئے نہ پڑھنے میں مگر جلوہ گری اسی کی ہے' نظر تم آؤ مگر تم میں کار فرما اللہ کا نام ہو' یہ تو ابتدائی منزل ہے' انتہا یہ ہے کہ تم نہ رہو وہی وہ رہ جائے۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

اس منزل پر پہنچ کر عارف خدا نہیں ہو جاتا' خدا نما ضرور بن جاتا ہے آئینہ رخ نہیں بن جاتا' رخ نما ضرور ہو جاتا ہے۔

آئینہ رونما ست ولے رونے شود عارف از و پر است ولے اونے شود

اللہ تعالیٰ کبھی اس قال کو حال بنا دے۔ کبھی ہم بھی اس کی لذت چکھ لیں۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ۝ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ ثُمَّ
ہرگز نہ دھوکہ میں ڈالے تم کو پھرنا کافروں کا شہروں میں یہ تھوڑی سی پونجی ہے پھر
اے سننے والے کافروں کا شہروں میں بے کھٹکے پھرنا تجھے دھوکا نہ دے تھوڑا برتنا

www.alahazratnetwork.org

مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ۝ لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ

ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت برا بستر ہے لیکن وہ لوگ جو ڈرتے ہیں اپنے

ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور کیا ہی برا بچھونا لیکن وہ جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں ان

لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ

پالنے والے سے انہی کے لئے ہیں ایسے باغات جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کی طرف کی مہمانی

عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ۝

مہمانی اللہ کے پاس سے اور وہ جو اللہ کے پاس ہے بہتر ہے نیکوں کے لئے

اور جو اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لئے سب سے بھلا

المنزل

تعلق: ان آیات کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مومنوں کے اخروی ثواب کا ذکر تھا' اب ان آیات میں کفار کے دنیوی آرام و عیش کا تذکرہ ہے تاکہ پتہ لگے کہ کفار نقصان میں ہیں اور مسلمان نفع میں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ مسلمان اللہ کے پیارے ہیں اور اس کی نعمتوں کے مستحق جس سے شبہ پیدا ہو سکتا تھا کہ دشمن کفار یہاں عیش و بہاریں کیوں کر رہے ہیں' اس آیت کریمہ میں یہ شبہ دفع کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے پاس ہی اچھا ثواب ہے' اب اسی کو واضح فرمانے کیلئے بتایا جا رہا ہے کہ دنیا کی نعمتیں اگرچہ کفار کے اعمال کا ثواب ہیں۔ مگر یہ اچھا ثواب نہیں۔ چونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' اس لئے اچھے ثواب کے بعد برے ثواب کا ذکر فرمایا گیا۔

شان نزول: مشرکین مکہ اور یہود مدینہ عموماً" تاجر تھے' جو تجارتی سلسلہ میں مختلف جگہ جاتے اور خوب کما کر لاتے اور عیش اڑاتے تھے' بعض فقراء مومنین نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ اللہ کے دشمن تو عیش میں ہیں۔ ان کیلئے ہر جگہ بہار اور ہم فقر و فاقہ میں گرفتار' اس میں کیا حکمت ہے؟ تب یہ آیت کریمہ اتری ان کی فہمائش کیلئے نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن' جلالین' روح المعانی' خزائن العرفان وغیرہ) بہرحال یہ آیات مسلمانوں کی فہمائش کیلئے آئی ہیں۔

تفسیر: **لا یغرنک** یہ صیغہ غرور سے بنا جس کے معنی ہیں کسی چیز کا بظاہر اچھا ہونا اور در پردہ برا ہونا جس کا ترجمہ ہے 'دھوکا' تکبر کو اسی لئے غرور کہتے ہیں کہ انسان دھوکا سے اپنے کو بڑا سمجھ لیتا ہے' مگر در حقیقت ہوتا کچھ بھی نہیں' حق یہ ہے کہ اس میں خطاب ہر مسلمان قرآن پڑھنے والے سے ہے' نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو کبھی یہ دھوکا ہوا اور نہ کبھی آپ نے یہ شکایت فرمائی ہو سکتا ہے کہ خطاب سرکار سے ہو' لیکن مسلمانوں کو سنانا مقصود ہو' جیسے **ولا تکن من الکفرین** اور **ولا تکونن من المشرکین ولا تطع المکذبین** اور ان جیسی دوسری آیتوں میں

www.alahazratnetwork.org

(تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) تقلب الذین کفروا فی البلاد' تقلب' قلب سے بنا بمعنی الٹا پلٹا ہونا' پھرنا' دل کو قلب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آنا' "فانا" بدل جاتا ہے' کھوٹے روپے کو اس لئے قلب کہا جاتا ہے کہ وہ ہر جگہ سے پھر آتا ہے کفروا سے مراد سارے کفار ہیں مشرکین ہوں یا اہل کتاب بلاد' بلد کی جمع ہے بمعنی شہر' اس کا مقابل ہے بدو بمعنی گاؤں' قریہ ہر بستی کو کہتے ہیں شہر ہو یا گاؤں' چونکہ تاجر لوگ عموماً "شہروں ہی میں پھرتے ہیں" کہ وہاں ہی منڈیاں ہوتی ہیں' اس لئے بلاد یعنی شہروں کا ذکر فرمایا گیا' کہ یہ آیت کریمہ تاجر کافروں کے متعلق ہی نازل ہوئی ہے' یعنی اے مسلمان تجھے ان بیوپاری کفار کا عیش و آرام کے ساتھ شہروں و منڈیوں میں ہرنا پھرنا۔ نفع بخش تجارتیں کرنا دھوکا میں نہ ڈال دے اور تو ان کے عیش سے دھوکا نہ کھا جائے' کیونکہ متاع قلیل یہ عبارت ھذا پوشیدہ کی خبر ہے۔ ھذا سے کفار کی تجارتوں اور ان کے عیش و آرام کی طرف اشارہ ہے۔' چونکہ کفار کی دنیا ان کے ساتھ نہیں جاتی' اس لئے اسے متاع فرمایا گیا' نیز آخرت کے مقابلہ میں دنیا بہت تھوڑی ہے' اس لئے اسے قلیل فرمایا گیا' حدیث شریف میں ہے کہ دنیا آخرت کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے سمندر میں تم انگلی ڈبو دو تو انگلی کی تری سمندر کے مقابلہ میں کتنی حقیر ہے' پھر اس پر دنیوی وبال آخرت میں حساب و نکال بہت زیادہ' کوئی عاقل ایسی قلیل النفع اور کثیر النقصان والی چیز میں دل نہیں لگاتا۔ (روح المعانی) ثم ما وھم جھنم چونکہ دوزخ میں داخلہ دنیا و برزخ کی زندگی گزارنے کے بعد ہو گا اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ ماوی کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ اوی کا اسم ظرف ہے بمعنی پناہ' او اوی الی رکن شدید۔ جھنم اصل میں چاہ نم تھا بمعنی گہرا کنواں' چونکہ جنت اوپر ہے اور دوزخ نیچے' اس لئے اسے کنواں فرمایا گیا' اس کی گہرائی اتنی ہے کہ اگر اس کے کنارے سے پتھر پھینکو تو ستر سال تک نہ پہنچے' اس لئے اسے گہرا کنواں فرمایا گیا' یہ لفظ فارسی سے معرب ہے وبئس المھاد: بئس کا فاعل مھاد ہے اس کا مخصوص یعنی ھو پوشیدہ ہے۔ مھاد' مھد سے بنا بمعنی گہوارہ یا بستر' دوزخ کو بستر فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ کفار نے خود اپنی حرکتوں سے دوزخ اختیار کیا' جیسے بستر والا خود اپنے اہتمام سے بستر بچھاتا ہے' یعنی کچھ روز یہ لوگ رنگ رلیاں کر لیں' پھر آخر کار ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اور وہ تو بہت برا بستر ہے' کہ وہاں کا عذاب بستر کی طرح ہر طرف سے انہیں گھیرے ہو گا' چونکہ اس مضمون سے شبہ ہو تا تھا کہ مسلمان تاجر بھی دوزخ میں جائیں گے' کہ وہ بھی شہروں و منڈیوں میں چکر لگاتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا لکن الذین اتقوا ربھم لکن حرف استدراک ہے جو وہم دور کرنے کیلئے آتا ہے۔ الذین سے مراد مسلمان ہیں اتقوا سے تینوں قسم کے تقوے مراد ہیں' تقوی عام تقوی خاص' تقوی خاص الخاص' جس کی تحقیق پہلے پارے کے اول میں ہو چکی ہے لھم جنت تجری من تحتھا الانھر۔ لھم میں لام ملکیت کا ہے یا نفع کا' پہلی بات زیادہ قوی ہے' کیونکہ جنتی جنتوں کے مالک ہوں گے نہ کہ محض مسافر و مہمان' باقی الفاظ کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے خلدین فیھا یہ عبارت اتقوا کے فاعل ھم سے حال ہے خلود کے معنی دائمی قیام نہ کہ بہت عرصہ تک ٹھہرنا یعنی پرہیزگار مسلمان اگرچہ تاجر ہوں' کاروباری ہوں' مگر ان کیلئے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہاں وہ ہمیشہ ہی رہیں گے نزلا من عند اللہ نزل وہ کھانا یا سامان ہے جو نازل یعنی نو وارد مہمان کیلئے تیار کیا جائے' چونکہ نئے مہمان کیلئے بہت ہی تکلف کیا جاتا ہے کہ میزبان اپنی طاقت بھر کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھتا' ایسے ہی جنت میں رب تعالیٰ جنتیوں کیلئے بہت پر تکلف سامان مہیا فرمائے گا کہ کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ ہو گا' اس لئے وہاں کی نعمتوں کو نزل فرمایا گیا' لطف تو دیکھو کہ جنتی لوگ جنتوں کے مالک بھی ہوں گے مہمان بھی' قبضہ کے لحاظ سے مالک' خاطر تواضع کے لحاظ

www.alahazratnetwork.org

سے مہمان۔ **نزلا** جنت وغیرہ کا حال ہے ' بعض لوگوں نے کہا کہ جنت کی تمام نعمتیں مہمانی کا سامان ہیں ' اصل چیز رضائے الٰہی ہے اس لئے انہیں نزل فرمایا گیا۔ (روح المعانی) **وما عند اللہ خیر للابرار** ما موصولہ اپنے صلہ عند اللہ سے مل کر مبتداء ہے اور خیر اپنے متعلق **للابرار** سے مل کر خبر ابرار بار کی جمع ہے ' بمعنی نیک کار۔ اس عبارت میں لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ کفار تجار ' **فجار** بن گئے مگر مسلمان پرہیزگار تجار ابرار رہے ' اس لئے ان کے یہ درجات ہوئے ' یہ دنیا میں بھی مزے میں رہے اور آخرت میں بھی عیش میں۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! کفار کے ہر چہار طرف پھرنے اور ان کے عیش و آرام سے تجارتی سفر کرنے ' اور خوب مال کمانے ' عیش اڑانے سے یہ دھوکا نہ کھانا کہ یہ لوگ خدا کے پیارے ہیں ' اگر رب تعالیٰ کے دشمن ہوتے تو ایسے عیش میں کیوں ہوتے ' دنیاوی عیش ہماری رضاء کی دلیل نہیں ' دنیاوی چیزیں نہایت حقیر ' ذلیل اور تھوڑا سامان ہیں ' کیونکہ یہ سب چیزیں اول سے اب تک نیست تھیں ' کچھ دنوں کیلئے انہیں ہستی ملی ' پھر ابد تک نیست رہیں گی ' ان کے وجود کا زمانہ ازلی ابدی عدم کے مقابلہ میں بہت تھوڑا ہے ' اس کے باوجود یہاں کی ساری نعمتیں ' آفتوں ' حسرتوں ' تکلیفوں سے گھری ہوئی ہیں ' اس کے ساتھ بڑی مصیبت یہ بھی ہے کہ ان پر حساب ' عتاب ' عقاب سخت ہے ' ایسی عارضی چیز جو اتنی آفتوں کا باعث ہو وہ دل لگانے کے قابل کب ہے ' کفار کچھ دن دنیا برتیں گے پھر ان کا دائمی ٹھکانہ دوزخ ہوگا ' اور دوزخ بدترین بستر ہے کہ وہاں کی آگ دوزخی کو ہر طرف سے ایسے گھیرے ہوگی ' جیسے بستر سونے والے کو ہر طرف سے گھیر لیتا ہے ' یہ سب مار کفار کیلئے ہے ' رہے پرہیزگار مسلمان ' وہ یہاں تجارتیں کریں پاک کمائیاں حاصل کریں وہ ' بہرحال جنتی ہیں کہ ان کے یہ سارے کام رضائے ذوالجلال کیلئے ہیں ' ان کی متاع قلیل نہیں بلکہ کثیر ہے کہ رضائے رب جلیل کی کفیل ہے ' وہ ان جنتوں کے مالک کر دیئے گئے ' اور جنتیں ان کے باعزت ہو گئیں ' جن کے نیچے ایک نہیں بلکہ بہت سی نہریں رواں ہیں ' اس میں ان کا قیام عارضی نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا ' ہمیشہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کی مہمانی ہوگی ' وہ ہمارے دائمی مہمان ہوں گے ہم ان کے دائمی میزبان ' ان کی خاطر تواضع میں کوئی کسر نہ چھوڑی جائے گی ' یہ خیال رکھو کہ جو کچھ اللہ کے ہاں ہے وہ نیکوں کیلئے بہت ہی اچھا ہے کہ وہ دائمی ہے۔ اسے فنا نہیں وہ خالص ہے ' آفتوں سے مخلوط نہیں۔ اس پر کوئی حساب کتاب نہیں ' خود سوچ لو کہ متقیوں کا جنتی عیش اچھا ہے یا کفار کا عارضی عیش و آرام ' بہتر یقیناً متقیوں کا عیش ہی بہتر ہے ' اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو کفار کے عیش و آرام پر کبھی نہ للچانا چاہیئے۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار مسلمان کا دوزخ میں ٹھکانہ نہیں بلکہ دوزخ ان کیلئے ایک عارضی منزل ہوگی جہاں کچھ دن رہ کر گناہوں سے پاک و صاف ہو کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ دوزخ ٹھکانہ کفار کا ہے جیسا کہ **ماوٰھم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جہنم کفار کو گھیرے گی کہ ان کے ظاہر و باطن ہر عضو پر آگ ہوگی ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** مگر مومن کو دوزخ گھیرے گی نہیں ' مومن کے دل و دماغ اور اعضائے سجدہ آگ سے محفوظ رہیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ فائدہ **بئس المھاد** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر شخص کو تقویٰ و پرہیزگاری ضروری ہے ' کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا النبی اتق اللہ** جب نبی کو بھی تقویٰ ضروری ہے تو ہم کس شمار میں

www.alahazratnetwork.org

ہے جیسا کہ اتقوا وبھم سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: جنت صرف متقیوں کیلئے ہے۔ جیسا کہ لہم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا' اس لئے کہ خبر کا مقدم کرنا حصر کا فائدہ دیتا ہے۔ چھٹا فائدہ: جنت جنتیوں کی ملک ہوگی اور ملک بھی لازوال جیسا کہ لہم کے لام سے معلوم ہوا کیونکہ لام ملکیت کا ہے' یہ حضرات جنت اور وہاں کی تمام نعمتوں کے پورے مالک ہوں گے۔ ساتواں فائدہ: جنتیوں کی خاطر تواضع نئے مہمان کی سی ہوگی' جیسا کہ نزلا سے معلوم ہوا یہ حضرات قبضہ کے لحاظ سے مالک ہوں گے' خاطر تواضع کے لحاظ سے مہمان۔ آٹھواں فائدہ: جنت کی نعمتیں ہمارے خیال و گمان سے وراء ہیں' بیان میں نہیں آسکتیں' جیسا کہ من عنداللہ سے معلوم ہوا' جب بادشاہ کی نعمتیں فقیر کے خیال میں نہیں آسکتیں تو رب تعالٰی کی نعمتیں ہم بندوں کے خیال میں کب آسکتی ہیں۔ نواں فائدہ: اللہ تعالٰی کے ہاں حاضری ابرار کیلئے خیر ہے کفار کیلئے شر جیسا کہ خیر لا برار سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: ایک جنتی کے حصے میں چند جنتیں آئیں گی' کچھ کفار کے حصے کی' کچھ اپنی جنتوں میں کوئی جنت نماز کی' کوئی روزے کی' کوئی دیگر عبادات کی جیسا کہ جنت جمع فرمانے سے ارشاد معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہمیشہ دنیا میں غریب اور بے کار رہنا چاہئے' سارے عیش و آرام کفار کیلئے چھوڑ دینے چاہئیں۔ (بعض بے دین) جواب: ہرگز نہیں آیت میں چھوڑ دینے کا ایک لفظ بھی نہیں' آیت کا منشاء یہ ہے کہ غریب مسلمان امیر کفار کو دیکھ کر اسلام کو باطل اور کفر کو حق نہ سمجھ لیں' نہ یہ کہ امیر بننے کی کوشش نہ کریں' اسلام میں روزے نماز کی طرح حلال کمائی حاصل کرنا بھی عبادت ہے' امیر بنو تاکہ زکوۃ و حج ادا کر سکو' غریبوں کی امداد کر سکو' بہت سے عبادتیں مال پر موقوف ہیں۔ دوسرا اعتراض: لہم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ جنت صرف متقی مسلمانوں کو ملے گی' گنہگار مسلمان ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے کیونکہ لہم کا مقدم کرنا حصر کیلئے ہے۔ جواب: اتقوا ربھم میں تقویٰ سے عام تقویٰ مراد ہے' جو ہر مومن کو حاصل ہے یعنی خوف خدا میں کفر و شرک کو چھوڑ دینا' ہر مومن متقی ہے کہ کفر سے بچا ہوا ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی لوگ جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مالک نہ ہوں گے' کیونکہ فرمایا گیا نزلا من عنداللہ ظاہر ہے' مہمان گھر بار کا مالک نہیں ہوتا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ ہوں گے تو وہ جنت کے مالک مگر ان کی خاطر تواضع مہمانوں جیسی ہوگی' گھر والے کی گھر میں خاطر نہیں ہوا کرتی' بلکہ وہ دوسروں کی خاطر کرتا ہے' لہم میں لام ملکیت کا ہے' جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ وہ حضرات جنت کے مالک تام ہوں گے۔ چوتھا اعتراض: اگر جنتی لوگ جنتوں کے مالک ہیں' تو کیا وہ اپنی جنت یا وہاں کی نعمتیں فروخت بھی کر سکیں گے۔ جواب: ہرگز نہیں' کیونکہ وہاں فروخت کی ضرورت ہی نہ پڑے گی' گھر بار ضرورت مندی فروخت کرتا ہے' وہاں ہر ایک کی جائداد روئے زمین سے بھی زیادہ ہوگی' پھر فروخت کرنے کی کیا ضرورت ہی کیا' وہاں فروخت یا ہبہ نہ کرنے کی وجہ دوسری ہے نہ کہ ملکیت کا نقصان۔

تفسیر صوفیانہ: فعل کا عمل فاعل کے لحاظ سے ہوتا ہے' اور چیز کا اثر مالک کے اعتبار سے' ایک ہی غلام فقیر کی ملکیت ہو تو حقیر ہے' اور اگر اسی غلام کو بادشاہ خرید لے تو شاندار ہے' کسی نے کیا خوب کہا۔

مالک کشور شود بندہ سلطان خرید

ایک ہی زمین پر کسی کا مکان بنا ہو تو اس کی اور حالت ہوتی ہے' لیکن اگر اسی پر مسجد بن جائے تو اس کی شان ہی اور ہو جاتی

www.alahazratnetwork.org

ہے' اسی طرح دنیا ایک ہے' مگر دنیا والے دو' کافر و مومن' کافر کی دنیا متاع قلیل ہے' مگر مومن کی دنیا غیر فانی اور ذریعہ عطائے جزیل ہے' یہاں رب تعالیٰ نے کفار کی دنیا کو متاع بھی فرمایا اور قلیل بھی اور لکن فرما کر مسلمانوں کی دنیا کو حصول جنت کا ذریعہ قرار دیا' وجہ یہ ہے کہ کافر دنیا کو نفس کیلئے حاصل کرتا ہے' نفس کو فنا ہے تو نفسانی دنیا کو بھی فنا' مگر مومن یہ دنیا رب تعالیٰ کیلئے حاصل کرتا ہے رب تعالیٰ باقی ہے تو ربانی دنیا بھی باقی' مومن کی دنیا آخرت کا تخم ہے' جس سے لازوال باغ کھلتے ہیں' کافر کی دنیا بوریوں میں بھرا ہوا دانہ ہے' جسے چوہے' دیمک' گھن' سلی وغیرہ جلد ہلاک کر دیتی ہیں۔ مومن کبھی کافر کی دنیا پر رشک نہ کرے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ آسمان کو قرار نہیں' ہمیشہ حرکت میں ہے' ایسے ہی آسمان کے سایہ میں رہنے والی چیزوں کو بھی قرار نہیں' یہاں کی دولت یار بے وفا ہے' آج ایک کے پاس ہے کل دوسرے کے' جب کسی کو رب تعالیٰ ملک و دولت دے' تو وہ اسے اپنی جاگیر نہ سمجھ لے' بلکہ اسے غنیمت جان کر کچھ اس سے آخرت کما لے' دنیا چلی جاتی ہے مگر بندوں پر دائمی مدح یا قدح چھوڑ جاتی ہے۔

نماند ستم گار بد روزگار نماند بر و لعنت پائیدار

نہ وہ یزید کی رہی' نہ عثمان غنی کی' مگر یزید پر لعنت چھوڑ گئی' اور عثمان غنی پر رحمت' مولانا فرماتے ہیں۔

چند گوئی من بگیرم عالمے این جہاں را پر کنم از خود ہے

گر جہاں پر برف گردد سر بسر تاب خور بگدازدش از یک نظر

صوفیائے کرام فرماتے ہیں وما عند اللہ میں بتایا گیا کہ نفسانی اعمال اور ریاء کی عبادتیں ہمارے پاس رہ جاتی ہیں اور ہمارے ساتھ ہی فنا ہو جاتی ہیں اور مخلصین کے اعمال اللہ کے پاس رہتے ہیں اور اس کی بقاء کے ساتھ باقی ہیں' مومن دولہا ہے یہ دنیا اس کی نچھاور' کفار نچھاور لوٹنے والے براتی' سارا عالم برات' اسی لئے جب مومن نہ رہیں گے قیامت آ جائے گی۔ دولہا کی نظر نچھاور دیکھنے پر نہیں ہوتی' بلکہ دلہن پر ہوتی ہے مومن کی نظر رضاء یار پر ہونی چاہئے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ

اور بے شک کتاب والوں میں سے یقیناً وہ لوگ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا طرف تمہاری اور

اور بے شک کچھ کتابی ایسے ہیں کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور اس پر جو تمہاری طرف اترا اور جو ان کی

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ

اس پر جو اتارا گیا طرف ان کی عاجزی کرتے ہوئے اللہ کے لئے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں کے عوض تھوڑی

جو ان کی طرف اترا ان کے دل اللہ کے حضور جھکے ہوئے اللہ کی آیتوں کے بدلے ذلیل دام نہیں لیتے

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

قیمت کو یہی ہیں جن کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے

یہ وہ ہیں جن کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب کرنے والا ہے

www.alahazratnetwork.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے صبر کرو اور صبر کی دوڑ میں آگے رہو اور ریاضت کی جہاد کرو اور اللہ سے ڈرو

اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے

ع ۲۰

تُفْلِحُوْنَ ۟

تاکہ کامیاب ہو

ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو

تعلق: ان آیات کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مومنین و کفار کا انجام بیان کیا گیا کہ تمام کافروں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ کتابی کافر ہوں یا مشرک کافر' اور مسلمانوں کا ٹھکانہ جنت' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ کفار جہنم میں جائیں گے جو کفر پر مر جائیں' بعض اہل کتاب کفار مرنے سے پہلے ایمان لے آتے ہیں' وہ دائمی مومنوں کے زمرے ہی میں ہیں' انہیں کے ساتھ ان نومسلموں کا بھی حشر ہوگا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کچھ مہاجر مسلمانوں کے فضائل بیان کئے گئے تھے جو اپنے وطنوں کو چھوڑ کر پردیسی بنے' اب ان اہل مدینہ کے فضائل بیان ہو رہے ہیں جو پہلے اہل کتاب تھے' پھر ایمان لا کر ان مہاجروں کے میزبان بنے یعنی مہمانوں کا ذکر پہلے تھا اور میزبانوں کا ذکر اس آیت میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ نیک کاروں کا ثواب اللہ کے ہاں بہت بڑا ہے' اب نیک کاروں کی ایک خاص جماعت کا ذکر ہو رہا ہے کہ جن کا ڈبل ثواب ہے یعنی وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے پیغمبر و کتاب پر ایمان لائے بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف پر۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں فرمایا گیا کہ کفار کے پاس جو کچھ ہے متاع قلیل ہے۔ جس سے معلوم ہوا تھا کہ اہل کتاب کا ایمان' نیک اعمال بھی متاع قلیل ہیں' جس کا ثواب اللہ کے ہاں کچھ نہیں' اب وہ طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ جس سے ان کے وہی اعمال متاع کثیر بن جائیں' ناپائیدار دولت پائیدار بن جائے یعنی قرآن و صاحب قرآن پر ایمان۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے بارے میں چند روایتیں ہیں۔ (1) بادشاہ حبشہ (جس کا نام اصحمہ یا مکحول ابن معصد تھا لقب نجاشی) کا رجب ۹ھ میں انتقال ہوا۔ مدینہ طیبہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو ان کی وفات کی خبر دی اور فرمایا' چلو ان پر نماز جنازہ پڑھیں' چنانچہ مع صحابہ کرام کے جنت البقیع میں تشریف لائے رب تعالیٰ نے زمین حبشہ اور نعش نجاشی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرما دی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع صحابہ ان کا جنازہ پڑھا جس پر منافقین نے طعنہ زنی کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کا نماز جنازہ پڑھا جو مذہبا عیسائی تھا اور جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی دیکھا بھی نہیں' منافقین کی تردید' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید' نجاشی کی تعریف میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (تفسیر کبیر' معانی' خازن و خزائن) خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جنازہ پر چار تکبیریں کہیں اور بعد نماز جنازہ نجاشی کے لئے دعائے مغفرت بھی کی۔ (خازن و خزائن) معلوم ہوا کہ نماز جنازہ میں چار تکبیریں چاہئیں اور دعا بعد نماز جنازہ سنت ہے لہذا یہ حدیث سنی حنفیوں کی دلیل ہے۔ (2) چالیس یہودی جن میں سے بتیس نجرانی تھے اور آٹھ رومی حضور

www.alahazratnetwork.org

انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے' ان کے فضائل میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (کبیر معانی' خازن)۔ (3) یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ ابن سلام کے حق میں آئی جو پہلے یہود کے بڑے عالم تھے اولاد انبیاء میں تھے' پھر ایمان لا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی بنے' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بہت خوشخبریاں سنائیں (کبیر و خازن)۔ (4) عام مومنین اہل کتاب کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری' جو پہلے کتابی ہوں' پھر ایمان لے آئیں۔ نوٹ: مشہور یہی ہے کہ ان نجاشی بادشاہ کا نام اصحمہ ہی تھا' بمعنی عطیہ (یعنی عطیہ مسیح) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر بغیر دیکھے ایمان لائے اور مہاجرین اولین کی بڑی خدمت کی جو مکہ سے حبشہ چلے گئے تھے' اسلام اور مسلمانوں کو اس نازک دور میں پناہ دی' حضرت عبداللہ ابن جعفر سے قرآن سن کر بہت روئے' انہیں کے رونے کے بارے میں ساتویں پارہ میں **واذا سمعوا** نازل ہوئی' انہی نے حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان کا نکاح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا' غرضیکہ اسلام کی بڑی خدمتیں انجام دیں' بہت عرصہ تک ان کی قبر سے نور دیکھا گیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تفسیر: **وان من اھل الکتب لمن و من باللہ** چونکہ اس مضمون کے بعض منافقین وغیرہ منکر تھے' اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ **من تبعیضیہ** ہے' کیونکہ سارے اہل کتاب کا یہ حال نہیں' اہل کتاب سے مراد یا تو وہی یہودی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت کریمہ اتری یا سارے یہودی' عیسائی' داؤدی وغیرہ ہیں' جو کسی نہ کسی آسمانی کتاب کے معتقد ہیں' پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ اس جگہ ان کے پانچ اوصاف بیان ہوئے' پہلا وصف اللہ پر ایمان رکھنا اگرچہ وہ اسلام قبول کرنے سے پہلے بھی اللہ کے ماننے کے مدعی تھے' مگر چونکہ وہ ایمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر تھا نیز انہوں نے غلط طریقہ سے رب تعالیٰ کو مانا تھا کہ اس کے لئے اولاد اور بیوی ثابت کی' اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے اس ایمان کا اعتبار نہ فرمایا' بلکہ فرمایا کہ وہ اللہ پر اب ایمان لائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے' دوسری صفت یہ کہ **وما انزل الیکم** ظاہر یہ ہے کہ ما سے مراد سارا قرآن نہیں بلکہ اس کی ہر آیت ہے کیونکہ سارا قرآن کریم ایکدم نہیں آیا ہے' تئیس سال میں آیا' مگر اس کی آیت جب بھی آئیں' ایکدم اس لئے انزل فرمانا درست ہوا اور ہو سکتا ہے کہ ما سے مراد قرآنی آیات بھی ہوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات بھی' کیونکہ یہ سب کچھ وحی الہٰی ہے' اگرچہ نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا۔ مگر چونکہ آپ کی طرف آنا ساری امت کی طرف آنا ہے' اس لئے **الیکم** فرمایا گیا' تیسرا وصف یہ کہ **وما انزل الیھم** اگرچہ اہل کتاب اپنی کتابوں کو پہلے سے مانتے تھے اور قرآن کریم کو بعد میں مانا' مگر چونکہ قرآن کریم کی معرفت ان کتابوں کا ماننا معتبر ہے' قرآن کریم کا انکار کر کے ان کا اقرار بالکل غیر معتبر' ایمان بالقرآن' ایمان بالکتاب کی شرط ہے' اس لئے قرآن ماننے کا ذکر پہلے ہوا' اور دیگر کتابوں کے ماننے کا بعد میں اور ہو سکتا ہے کہ یہاں ایمان بالکتاب سے مراد غیر تحریف شدہ کتاب پر ایمان لانا ہو' قرآن ماننے سے پہلے وہ لوگ منسوخ' مفسوخ' محرف کتاب کو مانے بیٹھے تھے' اب صحیح طور پر ان کتابوں کو مانا' چوتھی صفت یہ کہ **خشعین للہ من'** لفظاً واحد ہے' معنی جمع' کہ اس سے مومنین اہل کتاب کی جماعت مراد ہے' اس لئے یومن واحد فرمایا گیا اور **خشعین** جمع' یومن میں لفظ من کا لحاظ تھا اور خاشعین میں معنی من کا اعتبار ہے' یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **خاشعین' الیھم** ضمیر سے حال ہو۔ **خاشعین' خشوع** سے بنا' خشوع وہ خوف ہے جو دل میں گھر کر جائے اور جس سے گناہوں سے پرہیز' نیک اعمال کی طرف میلان میسر ہو' اس کلمہ میں منافقین پر چوٹ ہے کہ بے ایمانو! تم نجاشی وغیرہ کے ایمان پر کیا اعتراض کرتے ہو تم

www.alahazratnetwork.org

سے وولاکھ درجہ اچھے تھے کہ تمہارا ایمان محض زبانی ہے' وہ بھی تلوار کے خوف سے' اِن کا ایمان حقانی و روحانی اور وہ بھی رب غفار و جبار کے خوف سے' پانچویں صفت یہ کہ **لا یشترون بایت اللہ ثمنا قلیلا** اس آیت کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے خریدنے سے مراد ہے تبدیل کرنا' تحریف کرنا' اور آیت اللہ سے مراد توریت و انجیل کی وہ آیتیں ہیں جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت تھی' یا احکام کی وہ آیتیں جن میں پادری صاحبان کچھ پیسے لے کر بدل دیتے تھے۔ **ثمنا قلیلا** سے وہ رشوتیں مراد ہیں جو اس تبدیلی کے عوض اپنے ماتحتوں سے وصول کرتے تھے' یعنی اے مسلمانو! سارے اہل کتاب برے نہیں' ان میں بعض ایسے مقبول بندے بھی ہیں جو صحیح طور پر ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہیں' تمہاری کتاب قرآن کریم کو بھی مانتے ہیں' اور اپنی کتاب توریت و انجیل کو بھی' پھر منافقوں کی طرح جوتے کے خوف سے نہیں بلکہ رب کے خوف سے ایمان لاتے ہیں' پھر دوسرے پادریوں کی طرح رشوتیں لے کر آیات الٰہیہ میں تبدیلی نہیں کرتے' جن میں یہ پانچ صفتیں موجود ہیں **اولئک لھم اجرھم عند ربھم** اولئک سے انہی کتابیوں کی طرف اشارہ ہے جن کی پانچ صفات مذکور ہوئیں۔ **لھم** میں لام استحقاق کا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ملکیت اور نفع کا ہو' اجر' سے مراد ان کے ایمان اور سارے نیک اعمال کا ثواب ہے زمانہ کفر میں کئے ہوں یا ایمان لانے کے بعد' کیونکہ کفار کو بعد ایمان کفر کے زمانہ کی نیکیوں کا ثواب ملتا ہے **اجرھم** سے اس ثواب کی طرف اشارہ ہے جو مومنین اہل کتاب کے ساتھ خاص ہے یعنی ڈبل' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولئک یاتون اجرھم مرتین** اور فرماتا ہے **یوتکم کفلین من رحمتہ** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تین شخصوں کو دوہرا ثواب ملتا ہے' ان میں سے وہ کتابی بھی ہے جو پہلے اپنے نبی پر ایمان لا چکا ہو' پھر مجھ پر ایمان لائے' **عند ربھم** فرما کر دو باتیں فرمائی گئیں' ایک یہ کہ اگرچہ ان مومنین اہل کتاب کو دنیا میں بھی نعمتیں ہیں نعمتیں ملیں گی مگر ان کا اصلی ثواب اس عالم سے جانے کے بعد ہی ملے گا' دوسرے یہ کہ ان کا ثواب ضائع نہیں ہو سکتا کہ دنیا کی چیزیں آفات وغیرہ سے برباد ہو جاتی ہیں' مگر جو چیز رب تعالیٰ کے پاس ہے' اسے کون برباد کرے' یعنی ان اہل کتاب کو ان کا خاص اجر ان کے رب تعالیٰ کے پاس ضرور ملیگا کیونکہ **ان اللہ سریع الحساب** پروردگار عالم ایسا علم و قدرت والا ہے کہ سارے بندوں کا حساب صرف چار گھنٹوں میں لے لے گا' چھوٹے دن کے آدھے ہیں' جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (جلالین) ایسی قدرت و علم کا مالک انہیں پورا ثواب ضرور دے سکتا ہے **یایھا الذین امنوا** اہل کتاب نو مسلموں کے صفات کاملہ بیان فرما کر پرانے مسلمانوں کو چار حکم دیئے گئے' چونکہ ایمان سارے اعمال پر مقدم ہے' اس لئے اسی کا ذکر پہلے کیا گیا اور چونکہ انسان کا بڑا کمال ایمان ہے' اس لئے انہیں اسی صفت سے پکارا گیا' یہ کہا گیا' اے چوہدریو' نمبردارو! بلکہ اے ایمان والے پرہیزگارو **اصبروا وصابروا** یہ دونوں کلمے صبر سے بنے بمعنی روکنا' ٹھہرنا' **اصبروا باب ضرب** کا امر ہے اور **صابروا** باب مفاعلت کا' صبر تین قسم کا ہے مصیبت میں صبر' طاعت و عبادت پر صبر' معصیت و گناہوں سے صبر **صابروا باب مفاعلت** یا مقابلہ کے لئے ہے یا مبالغہ کے لئے یعنی خوب صبر کرو یا بمقابلہ کفار جنگ وغیرہ میں ان سے زیادہ صبر کرو' اس جملہ کے بڑے پیارے معانی کئے گئے ہیں' خیال رکھو کہ ہمارے بعض حالات مخصوص ہوتے ہیں بعض مشترک مخصوص حالات پر صبر کرنا صبر کہلاتا ہے' اور مشترک حالات پر صبر مصابرت۔ اصبروا اللہ کی اطاعت پر صبر کرو' ادائے فرائض پر' تلاوت قرآن پر' رب تعالیٰ کے احکام پر بلاؤں پر' جہاد میں' کتاب و سنت کے احکام پر صبر کرو' **صابروا** دشمنوں کے مقابلہ میں صبر کرو' پڑوسیوں کی بدخلقی پر' دوستوں کی بے وفائی پر' دشمنوں کی کج ادائی پر صبر کرو **ورابطوا** یہ

www.alahazratnetwork.org

مرابطہ باب مفاعلت کا امر ہے۔ جس کا مادہ ربط ہے ' بمعنی باندھنا' رابطہ کے تین معنی ہوسکتے ہیں۔ (1) تیاری جہاد کے لئے گھوڑا باندھنا اور پالنا جس کے حدیث شریف میں بہت فضائل ہیں 'اس میں ہر قسم کی تیاری جہاد شامل ہے۔ (2) مملکت اسلامیہ کی سرحد پر رہنا اور کفار کے مقابلہ میں ہروقت گھوڑے تیار رکھنا کہ نہ معلوم اس پار سے کب حملہ ہو جائے۔ (3) نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا' یعنی دل کو مسجد سے باندھ دینا کہ کب اذان کی آواز آئے اور میں مسجد میں جاؤں 'یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں' ابو سلمہ ابن عبدالرحمان نے فرمایا کہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں مرابطہ والا جہاد نہ ہوا لہٰذا اقوی یہ ہے کہ یہاں مرابطہ سے مراد مشغولیت عبادات ہے (خازن' روح المعانی و کبیر) حدیث شریف میں بھی اس مشغولیت کو رباط فرمایا گیا ہے **واتقوا اللہ لعلکم تفلحون** اگرچہ تقویٰ میں صبر اور رباط بھی داخل تھے 'مگر ان کی اہمیت کی وجہ سے اولا" خصوصیت سے ان کا حکم دیا گیا' پھر علی العموم سارے نیک اعمال کی تاکید فرمائی گئی 'یعنی ہر طرح اللہ تعالیٰ سے ڈرو' تاکہ تم دین و دنیا پر کامیابی پاؤ' کہ انسان کی کامیابی محض مال سے نہیں بلکہ نیک اعمال اور رضائے رب ذوالجلال سے ہے 'اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! سارے اہل کتاب کو برا نہ جانو' یا اے منافقو! سارے اہل کتاب کو نظر حقارت سے نہ دیکھو اور نجاشی کا جنازہ پڑھنے کی وجہ سے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر اعتراض نہ کرو' یقین کرلو کہ ان پتھروں میں لعل بھی ہیں اور اس سمندر میں موتی بھی' انہیں اہل کتاب میں بعض وہ مخلصین بھی ہیں جو صحیح طور سے اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں 'اس طرح کہ ہمارے ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو مانتے ہیں اور ہمارے ساتھ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لاتے ہیں 'اور ان آیات و احکام کو بھی مانتے ہیں 'جو اے مسلمانو! تمہاری طرف بھیجی گئیں 'اور ان کتابوں کو بھی مانتے ہیں جو تم سے پہلے انہیں مل چکی تھیں 'پھر محض تلوار کے ڈر سے نہیں 'بلکہ خوف خدا سے دلی خشوع اور خضوع کے ساتھ ایمان لاتے ہیں' دوسرے پادریوں کی طرح رشوتیں لے کر احکام و نعت کی آیتیں تبدیل نہیں کرتے' ایسی پانچ خوبیوں والے اہل کتاب کا ایک مخصوص ثواب ہے' جو انہیں رب تعالیٰ کے ہاں ملے گا' کہ سب کو ایمان کا اکہرا ثواب انہیں دوہرا' یہ ثواب دینا رب تعالیٰ پر کوئی دشوار نہیں کہ وہ بڑا قدرت والا ہے' وہ ایسی قدرت والا ہے کہ ساری مخلوق کا حساب تھوڑی دیر میں لے لے گا' اے مسلمانو! اعمال صالح سے بے نیاز نہ ہو جاؤ' عبادتوں پر قائم رہو' مصیبتوں میں گھبرا نہ جاؤ' گناہوں سے بچے رہو' غرضیکہ ہر قسم کے صبر اختیار کرو' اور جب کفار سے مقابلہ ہو جائے تو میدان جنگ میں کفار سے زیادہ تم صابر رہو' لوگوں کی کج خلقی' بد اطواری پر صبر سے کام لو' ہمیشہ اللہ کی راہ میں تیار جہاد کے لئے گھوڑے پالو' یا اسلامی سرحدوں کی حفاظت کرو یا اپنے نفس کو اطاعت میں لگا دو' اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم دونوں جہان میں کامیاب رہو۔

فضائل: مسلم بخاری نے حضرت سہل ابن سعد سے مرفوعا" روایت کی کہ ایک دن کا رباط یعنی تیار جہاد دنیا اور دنیا کی چیزوں سے بہتر ہے اور جنت میں کوڑا رکھنے کی جگہ ' دنیا اور دنیا کی چیزوں سے افضل ہے' صبح شام اللہ کی راہ میں کچھ چل لینا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے' مسلم نے حضرت سلمان سے مرفوعا" روایت کی' کہ ایک دن کی تیاری جہاد ایک ماہ کے روزوں اور رات کے نوافل سے بہتر ہے۔ تیاری جہاد والے کا عمل تاقیامت جاری رہتا ہے' اسے غیب سے روزی ملتی رہتی ہے' فتنہ قبر سے امن میں رہتا ہے یعنی اسے قبر کا حساب و عذاب نہیں ہوتا۔ مسلم نے حضرت ابو ہریرہ سے مرفوعا" روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے فرمایا' کہ میں تمہیں وہ عمل نہ بتاؤں جس کے ذریعے اللہ تعالیٰ خطائیں مٹاوے' درجے بڑھاوے' سب نے

www.alahazratnetwork.org

عرض کیا ہاں یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم' فرمایا وضو صحیح کرنا خصوصاً" سردیوں میں' مسجدوں کی طرف زیادہ آنا جانا نماز کے بعد نماز کا انتظار کرنا' فرمایا یہ بھی رباط ہے یہی رباط ہے' (تفسیر خازن) فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سورۂ آل عمران پڑھنے والے کو ہر آیت کے عوض پل صراط پر امان ملے گی۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ جو جمعہ کے دن سورۂ آل عمران پڑھے' اس کے لئے دن ڈوبے تک ملائکہ دعائے رحمت کرتے ہیں۔ (تفسیر بیضاوی) فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ دو چمکدار سورتیں پڑھا کرو' سورۂ بقرہ و آل عمران' کہ کل قیامت میں یہ دونوں سورتیں بدلی بن کر مسلمان پر سایہ کریں گی' اور تلاوت کرنے والے کے لئے رب تعالیٰ سے جھگڑ جھگڑ کر شفاعت کریں گی' رب تعالیٰ نے سورۂ بقر کے خاتمہ پر بھی دعائیہ آیات ارشاد فرمائیں اور سورۂ آل عمران کے آخر میں بھی دعاؤں کی تعلیم دی گئی' مگر سورۂ بقر میں قبولیت کا وعدہ بھی فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ فاستجاب لھم ربھم معلوم ہوا کہ مسلمان قاری قرآن سورۂ آل عمران ختم کرنے تک مقبول الدعاء بن جاتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اہل کتاب کو اسلام قبول کرنے کے بعد بھی اہل کتاب کہا جاتا ہے کہ صحیح معنی سے اہل کتاب ہونا انسان کے لئے باعث فخر ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور نجاشی کو ایمان لانے کے بعد بھی اہل کتاب فرمایا' اب تو مسلم یہودی یا عیسائی کو عیسائی یا یہودی نہیں کہیں گے کہ ہماری اصطلاح میں یہ لفظ حقارت کا ہے' مگر انہیں اسرائیلی کہہ سکتے ہیں کہ اس میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف نسبت ہے۔ دوسرا فائدہ: صحیح معنی میں اللہ تعالیٰ پر ایمان وہی رکھتا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یومن باللہ ان یہود کے لئے فرمایا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اور باقی یہود کو ایمان باللہ سے خارج کر دیا کہ فرمایا بعض اہل کتاب اللہ پر ایمان لاتے ہیں کل نہیں۔ تیسرا فائدہ: آسمانی کتابوں پر وہ صحیح ایمان رکھتا ہے۔ جو قرآن کریم پر ایمان رکھے کہ رب تعالیٰ نے انہی مومن یہود کے بارے میں فرمایا کہ اپنی کتابوں پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: ایمان دل کا معتبر ہے نہ کہ فقط زبان کا' جیسا کہ خاشعین للہ سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: بعض علماء اہل کتاب نے کبھی توریت و انجیل میں تبدیلی نہ کی' جیسا کہ لایشترون سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضرات صحابہ کے برابر کوئی مسلمان نہیں ہو سکتا کہ ان حضرات کے ایمان' تقویٰ' ولی عرفان کی گواہی رب تعالیٰ نے دی' ان کا ایمان اور تقویٰ رجسٹرڈ ہے۔ ساتواں فائدہ: مومنین اہل کتاب کو ایسا خصوصاً" ثواب ملے گا جو دوسروں کو نہ ملے گا' جیسا کہ لھم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: سورۂ آل عمران بڑی بابرکت سورۃ ہے کہ اس کی ابتداء حمد الٰہی نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق کتب سے ہوئی اور اس کی انتہاء بہترین تعلیم پر کہ صبر' رباط' تقویٰ وہ صفتیں ہیں' جن سے انسان شہوت' حرص' غضب' حسد وغیرہ برائیوں سے پاک ہو کر بہترین صفات سے موصوف ہو جاتا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سورۂ آل عمران کا خاتمہ اپنے اندر روحانی اسرار اور حکمتوں کے خزانے رکھتا ہے' اور یہ ایک مختصر سی آیت سارے اصول دین کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ بلکہ یوں کہو کہ سارے قرآن کا مغز ہے' صوفیاء کرام اس آیت پر وجد کرتے ہیں' فرماتے ہیں کہ اصلاح نفس کے لئے اس سے بہتر تعلیم اور نہیں ہو سکتی۔

پہلا اعتراض: سارے اہل کتاب اللہ تعالیٰ کو اور اپنی کتابوں کو مانتے تھے' پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ بعض اہل کتاب ان پر ایمان

www.alahazratnetwork.org

لاتے ہیں۔ جواب: اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے کہ وہ لوگ اسلام سے پہلے ان دونوں کو غلط طریقہ پر مانتے تھے' اس لئے وہ ماننا ایمان نہ تھا' کفر تھا' دوسرے یہ کہ اس وقت یہ لوگ اللہ اور ان کتابوں کو بغیر معرفت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مانتے تھے' وہ ماننا نجات کے لئے کافی نہ تھا' اب جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جانا تو اس جاننے کا نام ایمان ہوا' اور یہ نجات کے لئے کافی ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ یہ مومنین اہل کتاب اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت کے عوض فروخت نہیں کرتے' آیا اب نہیں فروخت کرتے مسلمان ہو چکنے کے بعد یا پہلے بھی فروخت نہ کرتے تھے۔ **جواب:** بعض خوش نصیب وہ تھے جو پہلے ہی سے اس عیب سے محفوظ تھے' جیسے سیدنا عبداللہ ابن اسلام' اور بعض وہ تھے جن سے پہلے یہ جرم ہوئے' بعض اسلام سے تائب ہو گئے' لا یشترون دونوں کو شامل ہے۔ **تیسرا اعتراض:** لهم اجرهم کے حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب صرف انہیں اہل کتاب کو ملے گا جو بعد میں مسلمان ہو جائیں' تو کیا پرانے مسلمان ثواب کے بالکل مستحق نہیں؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ واقعی وہ اجر خاص جو مومنین اہل کتاب کے لئے مخصوص ہے یعنی دو گناہ ثواب وہ انہی کو ملے گا' اسی لئے یہاں لهم اجرهم فرمایا گیا' پرانے مسلمان اس ثواب خاص کے مستحق نہیں' دیگر ہزاروں ثوابوں کے مستحق ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** ایمان کے ساتھ خشوع کا ذکر کیوں ہوا؟ ایمان تو ہوتا ہی خشوع سے ہے' کیا کوئی ایسا ایمان بھی ہے جو خشوع سے خالی ہو؟ **جواب:** جی ہاں ہے' وہ منافقین کا ایمان ہے' جو اللہ تعالیٰ کے خوف سے نہیں تلوار کے خوف سے لاتے تھے' ان کا یہ ایمان شرعاً" ایمان کہلاتا تھا جس پر بعض شرعی احکام جاری ہو جاتے تھے' اگرچہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ وہ ایمان ایمان تھا اور نہ یہ لوگ مومن' یہاں ایمان مقبول کا ذکر ہے اس لئے خشوع کی قید لگی۔ **پانچواں اعتراض:** جب حساب اتنی جلدی ہو جائے تو یوم حساب اتنا بڑا کیوں ہے؟ تعجب ہے کہ حساب چار گھنٹوں میں اور روز حساب پچاس ہزار سال کا!۔ **جواب:** بقیہ وقت مقدمات حساب' تلاش شفیع' نعت مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خرچ ہو گا' رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہو گی کہ کفار کو دوزخ میں بھیجنے سے پہلے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھا دی جائے اس لئے سب کے سامنے انہیں مقام محمود پر جلوہ افروز کر دیا جائے گا' سب سے نعتیں پڑھوائی جائیں گی' پھر انہیں دوزخ میں بھیجا جائے گا' تاکہ انہیں عذاب نار کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے کا غم و افسوس بھی ہو' قرآن کریم فرماتا ہے **یوم یعض الظالم علی یدیه یقول یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** یعنی کفار غم و غصہ میں اپنے ہاتھ چبائیں گے کہ ہائے کاش میں نے اس رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ اختیار کیا ہوتا۔ **چھٹا اعتراض:** قرآن کریم آہستگی سے تیئس سال میں اترا' تو اس کے لئے یہاں انزل علیکم کیوں فرمایا گیا' انزل کے معنی' ہیں یکدم اتارنا۔ **جواب:** یا تو یہاں انزل بمعنی تنزل ہے یا انزل میں تجرید ہے' بمعنی اتارنا" آہستگی و جلدی کا ذکر نہیں یا آیتوں کا اترنا مراد ہے نہ کہ پورے قرآن کا یعنی ان تمام آیتوں پر ایمان لاتے ہیں جو تم پر اتاری گئی' اور ظاہر ہے کہ ہر آیت ایکدم ہی آئی۔

تفسیر صوفیانہ: اہل کتاب یعنی قرآن مجید ماننے والوں میں سے بعض وہ اہل اللہ بھی ہیں جو واردات' الہامات' کشف کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور الفاظ قرآن اور اسرار قرآن پر ایمان شہودی لاتے ہیں' الفاظ قرآن تو سارے مومنین کے لئے اترے' مگر اسرار فرقان صرف ان لوگوں کے دلوں پر نازل ہوئے' یہ لوگ حکماء الہیہ' میں جو اپنے کشف و الہام کو تھوڑی قیمت یعنی جنت کے عوض نہیں بیچتے بلکہ وہ طالب مولیٰ ہیں' اللہ تعالیٰ ان کا حساب قیامت پر موقوف نہیں رکھتا' بلکہ ان کا ثواب قرب' الٰہی معرفت

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ بقدر درجہ یہاں ہی عطا فرماتا ہے‘ عاقلین قیامت کے بعد جنت صوری میں جائیں گے۔ مگر واصلین دنیا ہی میں جنت معنوی میں موجود ہیں‘ اسی جنت میں جیتے ہیں اسی میں مرتے ہیں‘ مگر اس جنت کے لئے بڑی محنت درکار ہے‘ حضرت ابراہیم ابن ادھم نے کسی حمام میں جانا چاہا‘ حمام والے نے کہا پہلے اجرت لاؤ‘ پھر دروازہ میں قدم رکھو‘ آپ رو پڑے اور بولے کہ جب دار شیاطین یعنی حمام میں بغیر اجرت نہیں جاسکتے تو دار نبیین اور صدیقین میں مفت کیسے جاسکتے ہیں‘ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

کنوں باید اے خفتہ بیدار بود   چو مرگ اندر آرزو خوابت چہ سود
تو پاک آمدی بر حذر باش و پاک   کہ ننگ است ناپاک رفتن بخاک
کنوں باید ایں مرغ راپائے بست   نہ آنگہ کہ سررشتہ بردت زدست

یعنی اے سونے والو ابھی وقت ہے جاگ جاؤ‘ جب موت جگائے تو جاگنا بے کار ہو گا‘ بڑے شرم کی بات ہے کہ پاک آئے ہو‘ اور خاک میں ناپاک جاؤ‘ اس چڑیا پنچھی کا پاؤں ابھی باندھ لو‘ جب ڈور ہاتھ سے نکل گیا‘ پھر یہ ہاتھ نہ آئے گا‘ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ شیطان کے مقابل ڈٹے رہنا صبر ہے‘ اور نفس امارہ کے مقابل ڈٹ جانا مصابرت کہلاتا ہے‘ پھر نفس پر غالب آکر اسے شریعت کی میخ پر باندھ دینا رابطہ ہے‘ جو رب تعالیٰ سے غافل کرے اس سے بچنا تقویٰ‘ اس آیت میں مسلمانوں کو ان چار چیزوں کا حکم دیا گیا ہے‘ پھر ہر قسم کی آڑ کو پھاڑ کر یار تک پہنچ جانا اور بالمشافہ دیدار کرنا یہ حقیقی فلاح و کامیابی ہے‘ جو ان چار محنتوں کا نتیجہ ہے جس کے لئے ارشاد ہوا لعلکم تفلحون شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

نگہ دار فرصت کہ عالم دمے است   دم پیش و اناہہ از عالمے است
سراز جیب غفلت بر آور کنوں   کہ فردا نمانی بخجلت نگوں!

یعنی فرصت غنیمت جانو‘ زندگانی دم بھر کی ہے‘ جو دم مل جائے وہ عالم سے بہتر ہے‘ ابھی موقعہ ہے‘ غفلت چھوڑ دو‘ تاکہ کل شرمندگی سے سرنگوں نہ ہو۔ (از تفسیر روح البیان مع زیادت) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آواخر شعبان 1380ھ میں چوتھے پارہ کی تفسیر شروع ہوئی اور آج چھ ربیع الاول 1381ھ بروز دو شنبہ سورۂ آل عمران ختم ہوئی‘ اللہ تعالیٰ اس ختم کی برکت سے میرا اور سارے مسلمانوں کا خاتمہ بخیر کرے‘ اور اس حقیری خدمت کو قبول فرما کر میرے گناہوں کا کفارہ و صدقہ جاریہ بنائے!

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا محمد والہ واصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الرحمین

www.alahazratnetwork.org

آیاتہا ۱۷۶ ۔ ۴ سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ ۹۲ ۔ رکوعاتہا ۲۴

سورۂ نساء مدنی ہے اس میں ایک سو چھتر آیتیں ہیں اور چوبیس رکوع ہیں۔

شرح: ہم مقدمہء قرآن کریم میں سورۃ' آیت' رکوع منزل کا فرق بیان کرچکے ہیں۔ ہجرت سے پہلے جو سورتیں یا آیتیں اتریں انہیں مکی کہا جاتا ہے بعد ہجرت والی مدنی کہلاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ مکی مدنی ہونا محبوب الکل صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ مگر انکی وجہ سے قرآن کریم مکی مدنی ہو جاتا ہے جیسی جڑ' ویسی شاخیں اور پھل پھول' حق یہ ہے کہ ساری سورۂ نساء مدنی ہے سوائے اس آیت کریمہ کے **ان اللہ یا مرکم** اور اس میں بھی گفتگو ہے کہ یہ آیت مدنی ہے یا مکی' جو اسی آیت کی تفسیر میں عرض کی جائے گی' بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت کلالہ بھی مکی ہے۔ مگر یہ بھی قوی نہیں' بخاری شریف میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سورۂ بقرہ اور نساء کی جو آیت بھی اتری میری موجودگی میں اتری ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھی۔ اور ظاہر ہے کہ آپ ام المومنین بعد ہجرت ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھیں۔ کوفی قراء کے نزدیک اس میں ایک سو چھتر آیتیں ہیں۔ شامیوں کے نزدیک ایک سو ستتر' باقی قراء کے ہاں ایک سو پچھتر یہ اختلاف دو آیتوں کی وجہ سے پڑا' ایک **ان تضلوا السبیل** اور دوسری **فیعذبہم عذابا الیما** کوفی لوگ پہلی کو ایک ہی آیت مانتے ہیں۔ شامی دوسری آیت کو' باقی قراء فرماتے ہیں کہ وہ دونوں ایک ہی آیت کا جز ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

تعلق: سورۂ نساء کو سورۂ آل عمران سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** سورۂ آل عمران میں دو بیبیوں کا ذکر تھا' عمران کی بیوی حنہ اور عمران کی بیٹی مریم' اسی لئے اس کا سورۂ آل عمران تھا' اور اس سورت میں عام عورتوں کے احکام کا تذکرہ گویا خاص بیبیوں کے ذکر کے بعد عام بیبیوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کا تفصیلی ذکر تھا۔ اس سورۃ میں اسی غزوہ کے تتمہ بیان ہوگا **فما لکم فی المنفقین فئتین** میں گویا اصل واقعہ کے بعد تکملہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** سورۂ آل عمران میں غزوۂ احد کے بعد والے غزووں بدر صغریٰ وغیرہ کا اجمالی ذکر تھا' جیسے **الذین استجابوا للہ والرسول** اس سورۃ میں ان غزوات کا بقیہ مذکور ہوگا **ولا تہنوا فی ابتغاء القوم** تالیف ابن مسعود میں سورۂ نساء آل عمران سے پہلے ہے مگر تالیف متواتر میں بعد میں۔ ہماری عرض و گزارش سے معلوم ہو گیا ہوگا کہ سورۂ نساء یہیں ہونی چاہئے۔ (روح المعانی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام کی مدد سے جو مہربان رحم والا ہے۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّ

اے انسانو ڈرو اپنے رب سے وہ جس نے پیدا کیا تم کو ایک ذات سے اور

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور

خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

بنائی اسی ذات سے بیوی اسی کی اور پھیلائے ان دونوں سے بہت سے مرد و عورت اور ڈرو

اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد و عورت پھیلا دیئے اور اللہ

الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

اس اللہ سے کہ ایک دوسرے سے مانگتے ہو اس کے طفیل اور قرابت داریوں سے بیشک اللہ ہے تم پر نگہبان

سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہمیں دیکھ رہا ہے۔

تعلق: اس آیت کا سورۂ آل عمران کی آخری آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ سے ڈرو اس امید پر کہ تم کامیاب ہو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اللہ سے ڈرو اس لئے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا گویا تقویٰ کی دو وجہ ہیں' ایک انتہا والی' دوسری ابتداء والی' انتہا والی وجہ کا پہلے ذکر ہوا تھا اور ابتداء والی کا اب ذکر ہو رہا ہے' چونکہ امید سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں' اور گزشتہ احسان کی بناء پر ماننے والے تھوڑے' اس لئے پہلے **تفلحون** کا ذکر ہوا اور اب **خلقکم** کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا اللہ سے ڈرو' مگر اس کی تفصیل نہ تھی' اب اس آیت میں تقویٰ کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ حقوق العباد کا لحاظ رکھو' کیونکہ درستی معاملات بھی تقویٰ کا رکن اعلیٰ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ جلد حساب لینے والا ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے آپس کے معاملات صاف رکھو تاکہ حساب میں آسانی ہو گویا حساب کا ذکر پہلے تھا' اب تیاری حساب کا ذکر بعد میں ہو رہا ہے۔

تفسیر: یاایها الناس اتقوا ربکم: یا پکارنے کیلئے آتا ہے۔ لیکن اگر نبیوں کو پکارا جائے تو اظہار کرم مقصود ہوتا ہے۔ کفار کو پکارا جائے تو اظہار غضب' ورنہ سوتوں کو جگانے اور غافلوں کو بیدار کرنے کیلئے' یہاں تیسرے مقصد میں استعمال ہوا۔ الناس' انسان کی جمع ہے اصل میں اناس تھا' الف لام آنے پر ہمزہ گر گیا لام نون میں مدغم ہو گیا اس کی تحقیق پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **الناس** میں خطاب اہل مکہ سے ہوتا ہے' اور **الذین امنوا** میں خطاب اہل مدینہ سے مگر بقیہ مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ **الناس** میں سارے ہی مکلف انسانوں سے خطاب ہے' کیونکہ اس میں الف لام استغراقی ہے جو سارے افراد کو گھیرتا ہے' نیز آگے ذکر ہو رہا ہے کہ تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور ظاہر ہے کہ اس ایک جان سے سارے ہی انسان پیدا ہوئے ہیں نہ کہ محض مکہ والے' نیز یہاں تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیا گیا ہے' جو سارے انسانوں پر لازم ہے' نہ کہ صرف مکہ والوں پر (تفسیر کبیر) حق یہ ہے کہ اس سے تاقیامت انسان مراد ہیں۔ گزشتہ انسان اس میں داخل نہیں

www.alahazratnetwork.org

(تفسیر کبیر روح المعانی) اگرچہ بعض نے یہ بھی فرمایا کہ اس میں گزشتہ انسان بھی داخل ہیں مگر یہ قوی نہیں کہ اعمال زندے ہی کریں گے نہ کہ مردے‘ اگرچہ جنات پر بھی تقویٰ و عبادات لازم ہے مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہے جنات تابع نیز انسان کیلئے تقویٰ پر جنت ہے‘ جنات کیلئے نہیں‘ نیز انسان تقویٰ پر وہ اعمال کر سکتا ہے‘ جو جنات نہیں کر سکتے‘ اس لئے صرف انسانوں سے خطاب ہوا۔ **اتقوا ربکم:** **اتقوا** اگرچہ مذکر کا صیغہ ہے‘ مگر عورتیں بھی اس میں شامل ہیں یا اس لئے کہ عورتیں مردوں کے تابع ہیں‘ یا اس لئے کہ ناس سب کو شامل تھا‘ عورت ہو یا مرد مگر ناس قطاذکر اس لئے **اتقوا** مذکر ارشاد ہوا‘ رب فرما کر اپنا استحقاق عبادت بیان ہوا کہ چونکہ ہم تم کو پالتے ہیں‘ ہمارا تم پر حق ہے کہ تم ہم سے ڈرو‘ خوف رکھو‘ خیال رہے کہ کفار کیلئے تقویٰ ایمان ہے‘ اور مومنوں کا تقویٰ ہے نیک اعمال‘ اس لئے **اتقوا** میں کافر و مومن سب ہی سے خطاب ہے **الذی خلقکم من نفس واحدۃ** یہ عبارت **ربکم** کی صفت ہے‘ اس میں رب تعالیٰ کے دوسرے احسان کا ذکر ہے یعنی ہم کو نیستی سے ہست کرنا‘ حق یہ ہے کہ **خلق** بمعنی ایجاد کرنا ہے نہ کہ صورت بخشنا یا بنانا‘ کم میں سارے انسانوں سے خطاب ہے اور **نفس واحدۃ** سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ وہ ہی ابو البشر ہیں‘ جو لوگ کہتے ہیں کہ ہزارہا آدم گزرے‘ ابو البشر صرف یہ آدم ہیں‘ جو ہمارے باپ ہیں غلط ہے کہ وہ فرضی ہزارہا آدم بھی آدم تھے‘ وہ کس کی اولاد میں تھے‘ اگر کسی کی اولاد سے نہ تھے تو حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر نہ رہے‘ بعض بشر ان کی بنوت سے خارج ہو گئے (تفسیر روح المعانی) ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت آدم علیہ السلام سے چھ ہزار سات سو پچاس سال بعد ہے‘ اس فرمان عالی میں اشارہ اس جانب ہے کہ انسان کو حسب نسب پر فخر نہ چاہئے‘ دوسرے مسلمانوں کو ذلیل نہ سمجھنا چاہئے کہ سب ایک بشر سے بنے ہیں **وخلق منھا زوجھا** یہ رب تعالیٰ کے تیسرے کرم اور تیسری قدرت کا ذکر ہے‘ چونکہ حضرت حواء کی پیدائش دوسری طرح تھی‘ جس سے وہ آپ کی نہ تو بیٹی بنیں‘ نہ آپ ان کے والد ہوئے نہ تمام انسان حضرت حواء کے بھائی۔ اس لئے ان کے واسطے علیحدہ خلق فرمایا سب اس پر متفق ہیں کہ زوج سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کی بیوی حوا علیہما السلام ہیں‘ چونکہ آپ کی پیدائش بے جان مٹی سے نہ ہوئی‘ بلکہ حی و جاندار آدم علیہ السلام سے ہوئی‘ اس لئے آپ کو حواء کہا جاتا ہے حق یہ ہے کہ آپ جنت میں اس طرح پیدا ہوئیں کہ آدم علیہ السلام پر نیند طاری ہوئی‘ سوتے میں آپ کی ایک پسلی بغیر تکلیف نکالی گئی اس پر حضرت حواء کا قالب تیار فرمایا گیا اس طرح کہ جب آدم علیہ السلام جاگے‘ تو آپ نے بی بی حوا کو اپنے پاس زندہ جاگتا بیٹھے پایا‘ حضرت آدم علیہ السلام پہلے تنہائی سے گھبراتے تھے‘ آپ اپنی جنس دیکھ کر بہت خوش ہوئے‘ چاہا کہ آپ کو ہاتھ لگائیں۔ حکم ہوا کہ پہلے ان کا مہر ادا کرو‘ پھر ہاتھ لگاؤ‘ عرض کیا‘ مہر کیا ہے‘ فرمایا ہمارے محبوب مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ستر بار درود شریف پڑھو‘ یہ ان کا مہر ہے‘ حضرت حواء بیس بار حاملہ ہوئیں‘ ہر حمل سے دو بچے پیدا ہوتے تھے‘ چالیس بچے پیدا ہوئے اور آپ کی وفات تک ایک لاکھ انسان پیدا ہو کر (اولاد در اولاد) اپنے کاروبار میں مشغول ہو چکے تھے (تفسیر صاوی) **وبث منھما رجالا کثیرا ونساء** یہ رب تعالیٰ کی چوتھی قدرت کا ذکر ہے **بث** بث سے بنا بمعنی پھیلانا۔ منتشر کرنا‘ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وزرابی مبثوثۃ:** **منھما** کا مرجع حضرت آدم و حواء دونوں ہیں‘ چونکہ سب انسانوں کی پیدائش کی اصل صرف حضرت آدم علیہ السلام ہیں اس لئے وہاں **من نفس واحدۃ** فرمایا تھا‘ اور چونکہ انسانوں کا پھیلاؤ آدم و حواء علیہما السلام دونوں سے ہوا‘ اس لئے یہاں **منھما** ارشاد ہوا‘ مرد افضل ہے‘ اس لئے اس کا ذکر عورت سے پہلے ہوا‘ مرد ظاہر ہے کہ باہر نکلنے کا کام کاج کرنے کیلئے پیدا ہوا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ عورت بپردہ گھر میں رہنے کیلئے۔ مردوں کی کثرت دیکھنے میں آتی ہے۔ عورتوں کی کثرت و تعدد لو دیکھنے میں نہیں آتی اس لئے مردوں کو کثیر فرمایا' تو عورتوں کو کثیر نہ فرمایا' اگرچہ عورت و مرد دونوں کثیر ہیں۔ (تفسیر کبیر) **نساء' نسوة'** **امراة** کی جمع ہے' خلاف قیاس **واتقوا الله الذی تساء لون به والارحام** یہ عبارت گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے۔ **تساء لون** باب تفاعل کا مضارع ہے' یہاں مقابلہ کیلئے استعمال ہوا معنی ایک دوسرے سے مانگنا' یہ میں ب توسل کی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو' کہتے ہو رب تعالیٰ کے واسطے مجھے یہ دو۔ جس کا نام ایسا کارساز ہے تو سوچو نام والا رب کیسا ہے: ارحام رحم کی جمع ہے۔ رحم عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں مگر مراد نسلی رشتہ داریاں ہیں' چونکہ تمام نسلی رشتوں کی اصل یہ بچہ دانی ہی ہوتی ہے' اس لئے رحم سے مراد رشتہ داریاں ہوتی ہیں' یا تو ارحام لفظ اللہ پر معطوف ہے اور اتقوا کا مفعول ہے جار مجرور کے مجموعہ پر معطوف یا صلوا الارحام وغیرہ پوشیدہ فعل کا مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرو' اور اپنی رشتہ داریوں سے ڈرو یا تم اللہ تعالیٰ اور قرابت داریوں کے واسطے سے ایک دوسرے سے مانگتے ہو یا اللہ سے ڈرو اور قرابت داریاں نہ توڑو **ان الله کان علیکم رقیبا** یہ جملہ گزشتہ احکام پر عمل کرانے کیلئے ہے' اس میں بدکاروں کو دھمکی بھی ہے' اور نیک کاروں کیلئے بشارت بھی' یہ وعدہ بھی ہے وعید بھی' رقیب رقابۃ سے بمعنی حفاظت۔ رقیب' حافظ و محافظ کامل جس کی حفاظت سے کوئی چیز خالی نہیں' یعنی ہمارے سارے احکام پر کاربند رہو' یقین رکھو کہ ہم تمہارے اور تمہارے ہر کام کے حافظ ہیں' کوئی چیز ہمارے علم سے باہر نہیں۔

خلاصہء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے دو سورتوں کو اس مضمون سے شروع فرمایا' ایک سورۃ نساء کو جو اول قرآن کی چوتھی سورت ہے' دوسرے سورۃ حج کو جو آخری نصف کی چوتھی سورت ہے' مگر یہاں مبداء کا ذکر فرما کر تقویٰ کا حکم دیا گیا کہ فرمایا گیا **خلقکم** اور سورۃ حج میں منتہی کا ذکر ہوا کہ ارشاد ہوا **ان زلزلة الساعة شیئ عظیم** پہلی صورت میں مبدے کا ذکر ہے آخری سورت میں منتہاء کا ارشاد ہوا کہ اے سارے انسانو! اس سے ڈرو جو تمہارا پالنہار ہے' جس کی پرورش سے تم کبھی مستغنی نہیں' جس نے تم سب مختلف انسانوں کو ایک شخص آدم علیہ الصلوۃ والسلام سے پیدا کیا' اس کی قدرت تو دیکھو کہ اس نے ایک آدم سے پہلے ان کی ایک بیوی کو اس طرح پیدا کیا کہ ان کی پسلی سے انہیں بنا دیا' پھر ان دونوں آدم و حواء علیہما السلام سے بہت سے مرد و عورت بکھیر دیئے' پھیلا دیئے کہ باوجود اصل ایک ہونے کے یہ لوگ رنگ و روپ' مزاج' عادات' غذا' لباس' زبان و طرز معاشرت میں جداگانہ ہیں' دوسرے جانوروں کی طرح یک شکل' یک زبان و یک غذا نہیں' جو رب تعالیٰ ایک جان سے اتنی رنگ برنگی مخلوق پیدا کر سکتا ہے وہ کل قیامت میں انہیں مٹی سے دوبارہ نکال سکتا ہے' لہذا ہر وقت اس سے ڈرتے رہو' جس کے نام پر فقیر امیروں سے بعض انسان بعض سے مانگا کرتے ہیں' جب کسی سے کچھ مانگنا ہو تو کہتے ہیں اللہ کیلئے اللہ کے نام پر مجھے یہ دو' اور آپس کی قرابت داریوں کا بہت لحاظ رکھو' صلہ رحمی کرو' قطع رحمی نہ کرو کہ اس کی سخت سزا ہے۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کا' تمہارے حالات کا حافظ ہے ہر حال میں تمہیں دیکھ رہا ہے' جب اسکا علم و حکمت اتنا وسیع ہے تو اس کا مجرم بجز اس کے کرم کے اور کسی طرح چھوٹ نہیں سکتا لہذا تمہیں چاہئے کہ اس کے کرم کے حقدار بن کر اس کی بارگاہ میں حاضر ہو۔

صلہ رحمی: مسلمانوں پر جیسے نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ ضروری ہے' ایسے ہی اپنے قرابت داروں کے حق ادا کرنا بھی نہایت

www.alahazratnetwork.org

ضروری ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا یعنی رب تعالیٰ نے فیصلہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے سواء کسی کو نہ پوجو۔ اور ماں باپ سے بھلائی کرو' اور فرماتا ہے ان تفسدوا فی الارض وتقطعوا ارحامکم اور فرماتا ہے وبالوالدین احسانا وبذی القربی والیتمی والمساکین مسلم بخاری نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً" روایت کی' فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رحم عرش سے معلق ہے پکار رہا ہے جس نے مجھے جوڑا اللہ اسے اپنے سے ملائے گا' اور جس نے مجھے توڑا اللہ اسے جدا کرے گا۔ مسلم و بخاری نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی' فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چاہے کہ اس کے رزق و عمر میں برکت ہو' وہ رشتہ داروں سے سلوک کرے' مسلم و بخاری نے حضرت جبیر ابن مطعم سے روایت کی' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاطع رحم جنت میں نہ جائے گا امام حسن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے نام پر تم سے مانگے اسے ضرور دو' اور جو قرابت داری کے واسطے سے کچھ مانگے اسے ضرور دو (خازن) حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قرابت سے سلوک کرنے والا فقیری اور خرابی خاتمہ سے محفوظ رہے گا نیز فرمایا بہترین صدقہ یہ ہے کہ انسان اپنے ظالم قرابت دار پر کرے۔ (تفسیر کبیر) غرضیکہ اپنے عزیزوں قریبوں پر سلوک بہت ہی مفید ہے' دنیا میں بھی' آخرت میں بھی' اس سے زندگی' موت' آخرت سب سنبھل جاتی ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: خدا تعالیٰ کا خوف ہر انسان پر لازم ہے مسلمان ہو یا کافر' مسلمان رب تعالیٰ سے ڈر کر متقی بن جائے' کافر رب تعالیٰ سے خوف کر کے مسلمان ہو جائے جیسا کہ یا یھا الناس سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: سارے انسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اولاد آدم علیہ السلام صرف ایک ہیں اور عالم انسان بھی ایک ہی ہے' جیسا کہ من نفس واحدۃ سے معلوم ہوا' جو کہے کہ عالم بہت سے ہیں' اور آدم دس لاکھ ہیں' ہر عالم میں علیحدہ علیحدہ انسان ہیں' جیسا کہ روافض کا عقیدہ ہے وہ اس آیت کا منکر ہے' اس جیسی روایتوں کے راوی یہ ہی لوگ ہیں' کوئی حدیث حضرت ابن عباس کوئی محمد باقر رضی اللہ عنہما کی طرف منسوب کر دی گئی ہے' وہ تمام روایتیں موضوع ہیں' اس آیت کریمہ کے خلاف (از روح المعانی مع زیادہ)۔ تیسرا فائدہ: حضرت حواء آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی نہ تھیں بلکہ بیوی تھیں' جیسا کہ زوجھا سے معلوم ہوا۔ آپ کی پیدائش آدم علیہ السلام سے ایسی ہوئی' جیسے تخم سے درخت کی (صاوی)۔ چوتھا فائدہ: آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صرف ایک ہی بیوی تھیں' دو چار نہ تھیں' لہٰذا سارے انسان حضرت حواء کی اولاد ہیں جیسا کہ زوجھا واحد فرمانے سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: انسان کی کوئی قوم ذلیل نہیں کہ سب کی اصل ایک آدم و حواء ہیں' سب ایک اصل کے نخل کی شاخیں ہیں' ہاں ذلت' کفر یا بد عملیوں سے ہے۔ جیسا کہ بث منھما سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: عورتوں پر پردہ ہے مردوں پر نہیں جیسا کہ رجال کو کثیر فرمانے سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے نام پر مخلوق سے مانگنا جائز ہے' خواہ زندہ بندوں سے مانگے یا وفات یافتہ مقبولوں سے' لہٰذا یہ کہنا کہ شیئاً للہ درست ہے' جیسا کہ تساءلون بہ سے معلوم ہوا۔ (از تفسیر کبیر مع زیادۃ) فقہاء جو شیئاً للہ سے منع کرتے ہیں وہ جب ہے جبکہ للہ میں لام نفع کا ہو' یعنی یہ کہا جائے کہ اللہ کیلئے کچھ دو' اسے تمہاری عطاء کی ضرورت ہے' ہمارا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی

www.alahazratnetwork.org

رضاء کیلئے مجھے کچھ دو۔ (از شامی) **آٹھواں فائدہ:** قرابتداری کے واسطے سے مانگنا درست ہے' جیسا کہ **والارحام** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** کوئی شخص اپنے نسبی قرابتدار کو اپنا غلام نہیں بنا سکتا اگر اسے خریدے تو فوراً آزاد ہو جائے' جیسا کہ **والارحام** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ کیونکہ غلام بنانے میں قطعیہ رحم ہے اور آیت صلہ رحمی کا حکم دے رہی ہے۔ (حنفی) **دسواں فائدہ:** ذی رحم قرابتدار کو ہبہ دیکر رجوع کرنا درست نہیں کہ اس میں ذی رحم پر قطع رحمی ہے۔ (حنفی) یہ آخری دونوں فائدے تفسیر کبیر نے بیان فرمائے' غرضیکہ لکل قرابت سے سلوک بہت ضروری ہے۔ **گیارھواں فائدہ:** لوگوں سے اپنی قرابتداریاں معلوم کرنا بہت اچھا ہے کہ ان سے بقدر رشتہ احسان کئے جائیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار پر بھی عبادات و تقویٰ لازم ہے کہ یہاں **الناس** فرما کر **اتقوا** کا حکم دیا گیا' حالانکہ کفار پر نہ عبادات لازم ہیں' نہ تقویٰ ضروری۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ کفار کا تقویٰ وہ عبادات قبول ایمان ہے' جو ان پر لازم ہے جیسا مخاطب ویسا تقویٰ دوسرے یہ کہ کفار پر بھی عبادات و تقویٰ لازم ہے مگر بشرط ایمان یعنی ان کو حکم ہے کہ ایمان لا کر نماز پڑھو' اسی لئے انہیں قیامت میں ترک عبادات پر بھی سزا ملے گی۔ **قالوا الم نک من المصلین۔**
دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام ایک ہی ہیں اور سارے انسان ان کی اولاد' مگر اثر ابن عباس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے ہر طبقے میں انسان ہیں' ان میں آدم بھی ہیں' نوح بھی ہیں اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی' تو زمین کے سات طبقوں میں سات قسم کے انسان' ان کے سات آدم' سات نوح' سات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت اور وہ اثر ابن عباس مطابق کیونکر ہوں؟ **جواب:** تفسیر روح المعانی وغیرہ مفسرین نے ان جیسے آثار و احادیث کو محض موضوع' روافض کی اختراع و گڑھنت قرار دیا' اگر اس جیسے آثار درست بھی ہو' تو وہاں ان طبقات میں جو انسان ہیں وہ بھی ان ہی ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں' اور ان میں آدم و نوح علیہما السلام جیسے آدمی موجود ہیں نہ کہ حقیقتہً آدم و نوح علیہما السلام' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکل قوم هاد** جیسے زمین کے اس اوپری طبقے میں ہر جگہ انسان آباد ہیں' اگر اور طبقات میں بھی ہوں تو رب تعالیٰ قادر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت حواء بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی اور دوسرے انسانوں کی بہن ہیں' کیونکہ **خلقکم** میں جب خلق سے مراد بطور نسل پیدا فرمانا ہے تو **خلق منها** میں بھی بطور نسل پیدائش ہی مراد ہونی چاہئے۔ **جواب:** قرآن کریم کی یہ آیت ہی بتا رہی ہے کہ حضرت حواء کی پیدائش آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بطور نسل نہیں' اگر دوسرے انسانوں کی طرح بطور نسل ہوتی' تو ان کیلئے علیحدہ خلق نہ فرمایا جاتا' پہلا خلق کافی ہوتا' نیز پھر ان حواء کو حضرت آدم کی زوجہ نہ فرمایا جاتا بلکہ بنت فرمایا جاتا' نیز آگے **بث منهما** ارشاد نہ ہوتا کہ ہم نے ان دونوں آدم و حواء سے باقی انسان بنائے۔ **نوٹ:** خیال رہے کہ نطفہ سے پیدائش نسلی پیدائش ہے' اس کے سواء اور طریقہ سے پیدائش نسلی نہیں' حضرت حواء کی پیدائش پسلی والی ہے نہ کہ نطفے سے نسل والی' ہاں چونکہ حضرت حواء آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہم جنس تھیں' اسی لئے ان سے نکاح درست ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت حواء بھی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح مٹی سے ہی پیدا ہوئیں' نہ کہ ان کی پسلی سے' یہاں **خلق منها** میں من بیان جنس کیلئے ہے' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **جعل لکم من**

www.alahazratnetwork.org

انفسکم ازواجا اور فرماتا ہے **وخلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا** یہاں بھی من موجود ہے مگر ہماری بیویاں ہماری پسلیوں سے پیدا نہ ہوئیں۔ (مرزائی محمد علی صاحب لاہوری) جواب: یہ محض غلط ہے' قرآن کریم نے مٹی سے پیدائش صرف آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیان فرمائی۔ کسی جگہ حضرت حواء کی پیدائش مٹی سے بیان نہ کی اگر جناب حواء کی پیدائش بھی مٹی سے ہی ہوتی تو کہیں تو قرآن کریم میں بھی اس کا بھی ذکر ہوتا حضرت حواء کیلئے جہاں بھی ارشاد ہے' وہاں **منھا زوجھا** ہی ہے' یہ من بیان جنس کیلئے نہیں بلکہ تبعیضیہ ہے اس کی شرح بخاری شریف کی وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے **فانھن خلقن من ضلع** عورتوں کی اصل پیدائش پسلی سے ہے' ان جیسی صاف نصوص میں بلاوجہ تاویلیں کرنا در اصل قرآن کریم و حدیث شریف کی تحریف ہے ایسی تاویلوں سے قرآن کریم کی تمام آیات مسخ ہو کر رہ جائیں گی۔ پانچواں اعتراض: آخر حضرت حواء کو آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا فرمانے میں فائدہ کیا انہیں بھی مٹی ہی سے کیوں نہ بنایا۔ جواب: اس میں صدہا فائدے ہیں جنہیں رب تعالیٰ جانتا ہے۔ بظاہر فائدے حسب ذیل ہیں۔ (1) رب تعالیٰ کی قدرت کا اظہار کہ زندہ کو زندہ سے پیدا فرما سکتا ہے' ورنہ قانون یہ ہے کہ بے جان نطفے یا انڈے سے جاندار انسان یا جانور بنے اور جاندار انسان یا چڑیا سے بے جان نطفہ یا انڈا بنے **یخرج الحی من المیت** الخ وہاں زندہ کو زندہ سے بنا کر دکھا دیا۔ (2) اس طرح پیدائش میں مرد و عورت میں الفت و محبت قائم رہی کہ عورت مرد کا جزء ہوئی' اور جزء سے محبت ہوتی ہی ہے۔ (3) اس طرح پیدائش سے مرد عورت کی اصل اور اس سے اعلیٰ ہوا **الرجال قوامون علی النساء** اگر حضرت حواء بھی آدم علیہ الصلوٰۃ کی طرح مٹی سے ہی بنتیں تو آپ کے برابر ہوتیں نہ کہ آپ کے ماتحت۔ **چھٹا اعتراض:** مرد بھی بہت ہیں عورتیں بھی بہت' پھر یہاں صرف مردوں کو کثیر کیوں فرمایا عورتوں کو کیوں نہ فرمایا؟ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ مردوں کی کثرت محسوس ہے۔ عورتوں کی کثرت غیر محسوس ہونی چاہئے کہ ان پر پردہ لازم ہے' ان کی کثرت آنکھوں سے اوجھل ہے۔

ساتواں اعتراض: جنت میں حضرت آدم علیہ السلام پر نیند کیسے طاری ہو گئی' وہ جگہ تو نیند کی ہے ہی نہیں کہ نیند موت کی چھوٹی بہن ہے' نہ وہاں موت ہے نہ اس کی چھوٹی بہن نیند' پھر یہ کہنا کہ آپ سو گئے اور سوتے میں آپ کی پسلی الگ کر کے اس پر حضرت حواء کا قالب تیار ہوا غلط ہے۔ جواب: بعض علماء فرماتے ہیں کہ حضرت حواء کی پیدائش جنت میں نہ ہوئی' بلکہ زمین پر ہوئی جنت میں جانے سے پہلے' بعض فرماتے ہیں جنت میں ہی پیدائش ہوئی' مگر جنت میں نیند نہ ہونا جب ہو گا' جبکہ جنتی بطور جزاء و ثواب وہاں جائیں گے۔ آپ کا وہ داخلہ بطور جزاء نہ تھا اس لئے وہاں سے باہر آ گئے۔ اور بعد کو وفات بھی پا گئے۔ ورنہ جزاء کیلئے داخلہ پر نہ وہاں سے نکلنا ہے نہ موت **خلدین فیھا ابدا** آٹھواں اعتراض: جنت میں تو بے شمار حوریں موجود تھیں' کیا وہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کیلئے حلال نہ تھیں' اگر حلال نہ تھیں تو کیوں؟ وہ تو بنی ہی انسان کیلئے ہیں اگر حلال تھیں تو آپ کا دل وہاں کیوں گھبرایا اور حضرت حواء کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ جواب: اس وقت وہاں حوریں تھیں مگر آپ کیلئے حلال نہ تھیں کہ حوریں صرف جزاء کیلئے بطور ثواب حلال ہوں گی' حضرت آدم و حواء علیہما السلام کو وہاں صرف رہنے سہنے' کھانے پینے کی اجازت تھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لکلا منھا** تم دونوں وہاں کھاؤ پیو۔ حوروں کے بارے میں فرماتا ہے **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جنت میں تشریف لے گئے' حضرت ادریس علیہ الصلوٰۃ والسلام جنت میں ہی رہتے ہیں' وہاں کی نعمتیں کھاتے ہیں۔ شہداء کی روحیں جنت ہی میں رہتی ہیں

www.alahazratnetwork.org

روزیاں پاتی ہیں۔ یرزقون فرحین مگر کسی کو حوریں حلال نہیں کہ ان کی حلت کا وقت بعد قیامت ہے' اگر کسی انسان نے انہیں چھوا ہوتا تو آیت کریمہ لم یطمثهن کیسے درست ہوتی۔ نواں اعتراض: آخر اس میں حکمت کیا تھی کہ اس وقت حوریں ہونے کے باوجود حضرت حوا پیدا کی گئیں اور حوریں علیحدہ رکھی گئیں۔ جواب: اس کی حکمت بالکل ظاہر ہے کہ حوریں صرف خدمت و راحت کیلئے ہیں نہ کہ نسل کی پیدائش کیلئے کیونکہ نسل کی پیدائش اپنی ہم جنس بیوی سے ہو سکتی ہے۔ اور حوریں بشر یا انسان نہیں' وہ تو جنت کے زعفران سے پیدا ہوئیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (روح المعانی) اس لئے جنت میں نسل نہ ہوگی' صرف جزاء ہوگی' اور اس وقت نسل کی ضرورت تھی کہ دنیا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ کی نسل سے ہی پیدا ہونے والی تھی' اسی نسل کیلئے ان ہی کی ہم جنس بیوی حضرت حوا پیدا ہوئیں' آج بھی انسان کا نکاح جنات یا گائے بھینس جانور سے نہیں ہو سکتا' کہ اس نکاح سے نسل حاصل نہیں ہو سکتی۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرح رحموں سے بھی ڈرنا چاہئے کہ والارحام لفظ اللہ پر معطوف ہے' رحم سے کیا ڈرنا؟ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ والارحام پوشیدہ فعل کا مفعول ہے اور یہ جملہ اتقوا پر معطوف تب تو کوئی اعتراض ہے ہی نہیں اور اگر ارحام لفظ اللہ پر معطوف بھی ہو تو مطلب واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور قطع رحم یعنی قرابت داروں پر ظلم سے بچو ڈرو کہ اس کا عذاب سخت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ہر کثرت کی انتہاء وحدت پر ہے' آسمان میں کروڑوں تارے مگر ایک سورج سے منور درخت میں ہزار ہا پتے و شاخیں مگر ان کا مرکز ایک جڑ' جسم میں بہت سے اعضاء مگر سب کا اصل ایک دل' ملک میں لاکھوں آدمی مگر ان کا بادشاہ یا صدر ایک' ریل میں بہت سے ڈبے مگر انجن ایک' مخلوق کروڑوں مگر خالق ایک' پھر اس ایک مبداء فیاض سے پہلا فیض لینے والا مستفیض بھی ایک' جڑ سے ایک تنا پہلے فیض لیتا ہے اس سے دوسرے' سورج سے پہلے مستفیض چاند' ایک بادشاہ سے پہلا مستفیض وزیر اعظم ایک دل سے پہلا فیض لینے والا دماغ ہے' تو چاہئے عالم انسان کی اصل ایک ہی ہو۔ اس ہی اصل کا نام آدم ہے' اور اس ایک فیاض سے پہلا فیض لینے بھی ایک' اس کا نام حوا ہے' یہ تو عالم اجسام میں تھا' عالم انوار میں سارے عالم کی اصل ایک نور محمدی و حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور اس مبداء فیاض سے پہلا فیض لینے والا ایک ہے یعنی حقیقت صدیقیہ جیسا کہ بروایات میں ہے' دیکھو ہماری کتاب رسالہ نور اب ذرا اپنے میں غور کرو تو عقل اول گویا آدم ہے' دماغ یا نفس گویا حوا ان دونوں کے اختلاط سے کروڑوں اعمال پیدا ہوئے جن میں دینی اعمال گویا مرد ہیں' دنیوی مشاغل گویا عورتیں' ہماری شخصی زندگی یہ دنیا ہے' یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ اس رب سے ڈرتے رہو جو وحدت سے کثرت اس طرح پیدا فرماتا ہے' اور دل و نفس سے قطع تعلق نہ کرو ان سے بہت سے اچھے اعمال کے پھل پیدا ہوں گے' اللہ تعالیٰ تمہیں ہر وقت دیکھ رہا ہے اس سے ڈرتے رہو' جو کچھ کرو اس سے ڈرتے ہوئے کرو' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تقویٰ کے معنی ہیں نفس کو اخروی نقصان دہ چیزوں سے بچانا' تقویٰ تین قسم کا ہے' کفر و شرک سے اپنے کو بچانا تقویٰ عوام ہے' گناہوں سے بچانا تقویٰ خواص اغیار سے بچا کر یار تک نفس کو پہنچانا تقویٰ خاص الخاص' اللہ تعالیٰ رقیب ہے' تو انسان کو چاہئے کہ مراقبہ میں مشغول رہے کہ اپنے ہر حال پر کڑی نگرانی رکھے' مراقبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کو رقیب سمجھ کر اپنا حساب خود لیتا رہے' خواہ رقبہ یعنی گردن جھکا کر ہو یا سوتے وقت جب گردن بستر پر رکھے خواہ ہر حال میں' اپنی نگرانی کرنے کا نام مراقبہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا

اور دے دو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو گندا ستھرے کے عوض۔ اور نہ

اور یتیموں کو ان کے مال دو اور ستھرے کے بدلے گندا نہ لو۔ اور ان کے

تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝۲

کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ　بے شک یہ بڑا ہی جرم ہے

مال اپنے مالوں میں ملا کر نہ کھاؤ بے شک یہ بڑا گناہ ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بندوں کو رب تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ یتیموں کے مال سے بچنا بھی اعلیٰ درجہ کا تقویٰ ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت سے معلوم ہوا تھا کہ انسان مختلف احکام کا مکلف ہے اب ان احکام کی ترتیب وار تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ (کبیر) **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے مرد و عورت ایک اصل کی نسل ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جب تم اصل میں ایک ہو تو دوسرے پر ہرگز ظلم نہ کرو گویا پہلے قاعدے کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قطع رحمی سے ڈرایا گیا تھا اب اس کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے اجمالی حکم کے بعد تفصیل کا بیان ہے۔

شان نزول: قبیلہ بنی غطفان میں ایک شخص کا بھائی فوت ہوا جو امیر کبیر تھا اس کا مال اور اس کا یتیم بچہ اس نے سنبھالا۔ جب یتیم بالغ ہوا تو اس نے اپنے باپ کے مال کا مطالبہ کیا۔ چچا نے مال دینے سے انکار کر دیا جیسا کہ اسلام سے پہلے عرب کا رواج تھا۔ یہ یتیم بچہ بارگاہ رسالت میں فریادی ہوا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب چچا نے یہ آیت سنی تو بولا ہم اللہ رسول کا مطیع و فرماں بردار ہوں۔ بڑے گناہ سے اللہ تعالیٰ کی پناہ۔ یہ کہہ کر مرحوم بھائی کا سارا مال اس کے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ (کبیر، خازن، بیضاوی، خزائن العرفان، روح المعانی، بیان وغیرہ)۔

تفسیر: واتوالیتمی اموالھم: اتوا' ایتاء سے بنا بمعنی دینا رب تعالیٰ فرماتا ہے **واتوا الزکوۃ** : اس میں خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے جو یتیم بچوں کی پرورش کریں اور ان کا مال میراث سنبھالیں۔ **الیتامی** یتیم کی جمع ہے اس طرح کہ اولاً یتیم کی جمع یتمی بنی، پھر یتمی کی جمع یتٰمٰی جیسے اسیر کی جمع اسری پھر اس کی جمع اساری ایسے ہی ندیم کی جمع اولاً ندمی پھر نداعی۔ ورنہ فعیل کی جمع بروزن فعالی نہیں آتی بلکہ بروزن فعال آتی ہے یا بروزن فعلاء جیسے کریم کی جمع کرام یا شہید کی جمع شہداء یتیم یتم سے بنا بمعنی اکیلا یا علیحدہ ہونا۔ سیپ کے اکیلے موتی کو در یتیم کہا جاتا ہے اور میدان میں دوسرے پہاڑوں سے ہٹے ہوئے پہاڑ کو جبل یتیم بولتے ہیں۔ اصطلاح میں وہ نابالغ بچہ جس کا باپ مر گیا ہو یتیم کہلاتا ہے اور وہ جانور کا چھوٹا بچہ جس کی ماں مر جائے یتیم ہے کہ وہ اپنے مددگار و معاون سے علیحدہ ہو گیا۔ اکیلا رہ گیا۔ بلوغ کے بعد یتیمی جاتی رہتی ہے۔ یہاں **الیتامی** میں الف لام عہدی ہے اور اس سے وہ یتیم مراد ہیں جن کے پاس مال ہو ولی کے قبضہ میں۔ اموال جمع فرما کر یہ بتایا کہ یتیموں کے ہر قسم کے

www.alahazratnetwork.org

منقول و غیر منقول مال ان کے حوالہ کرو' خیال رہے کہ یتیم کو اس کا مال بعد بلوغ دیا جائے گا اب اس وقت اسے یتیم کہنا مجازاً ہے کہ پہلے وہ یتیم تھا جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **والقی السحرة ساجدین** حالانکہ فرعونی جادوگر سجدہ میں گرتے وقت جادوگر نہ رہے تھے' اور ہو سکتا ہے کہ یتیم سے مراد نابالغ یتیم ہی ہوں مگر اٰتوا کے معنی یہ ہوں کہ بلوغ پر انہیں مال دے دینا یعنی حکم آئندہ کیلئے ہو۔ فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکے لڑکی کے بلوغ کی انتہائی عمر پندرہ سال ہے' ابتدائی عمر لڑکے کے بلوغ کی بارہ سال ہے اور لڑکی کے بلوغ کی نو سال: **ولا تتبدلوا الخبیث بالطیب** یہ دوسرا حکم ہے جو یتیموں کے والیوں کو دیا جا رہا ہے۔ خبیث سے مراد ردی مال ہے یا حرام مال اور طیب سے مراد کھرا مال ہے یا حلال: تبدل سے مراد ہے بدلہ میں لے لینا یعنی یہ نہ کرو کہ اپنا ردی مال تو یتیموں کے مال میں رکھ دو' اور ان کا کھرا مال لے کر خود کھا جاؤ' یا یہ نہ کرو کہ خود حلال کمائی نہ کرو ان کا مال جو تمہارے لئے حرام ہے خرچ کرو **ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم** یہ تیسرا فرمان عالی ہے' اس میں بھی خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے' اگرچہ اکل کے معنی ہیں کھانا مگر یہاں مراد مطلقاً استعمال کرنا ہے' چونکہ کھانا اصل مقصود ہے اس لئے اکثر کھانا بول کر استعمال کرنا مراد لیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا** ہم بھی سود لینے والے کو سود خور کہتے ہیں الی بمعنی مع ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **من انصاری الی اللہ: ای مع اللہ** (کبیر) یعنی اے والیو! یہ بھی نہ کرو کہ یتیموں کا مال اپنے مال میں ملا کر کھاؤ یا برتو' جب اپنے مال سے ملا کر استعمال کرنا حرام ہوا تو نرا ان کا مال ہی برتنا بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ خیال رہے کہ یہاں بدنیتی سے ملانے کی ممانعت ہے جبکہ برائے نام اپنا مال ملے زیادہ یتیموں کا اور کھا جائے' لیکن اگر اس نے ان کا آٹا' سبزی' گوشت ملا کر پکایا ہے تاکہ ان کا خرچ کم ہو علیحدہ پکانے میں یتیم کا نقصان ہے تو بالکل جائز ہے بلکہ بہتر ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وان تخالطوھم فاخوانکم فی الدین** لہٰذا آیات میں تعارض نہیں: **انہ کان حوبا کبیرا**: اس عبارت میں گزشتہ جرموں کی برائی کا ذکر ہے' ہٗ کا مرجع وہ سارے کام ہیں جن سے ابھی منع کیا گیا یعنی یتیم کے اچھے مال سے برے مال کی تبدیلی' یتیم کا مال اپنے سے ملا کر' بہانہ بنا کر کھا جانا' یتیم کا مال نہ دینا کان بمعنی تھا یا بمعنی ہے: حوب کے لغوی معنی ہیں روکنا' منع کرنا' اب بڑے گناہ کو حوب کہتے ہیں کہ اس سے روکا اور منع کیا جاتا ہے' یوں تو حوب کے معنی ہی میں سختی تھی' پھر کبیر فرما کر اس کی سختی اور زیادہ بیان ہوئی یعنی یہ مذکورہ حرکات یتیم کا مال اسے نہ دینا' اس کا اچھا مال لے کر برا مال رکھ دینا' بہانہ سے اس کا مال اپنے مال میں ملا کر کھا جانا' پہلے ہی سے علم الٰہی یا لوح محفوظ میں سخت گناہ تھا یا سخت گناہ ہے جس کی معافی نہیں ہو سکتی' کیونکہ یہ حق العباد ہے' جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

خلاصہ تفسیر: اسلام سے پہلے عرب کے خطہ میں جہاں اور صدہا برائیاں پھیلی ہوئی تھیں وہاں یتیموں پر ظلم' نیز عورتوں پر زیادتیاں بھی بہت عام تھیں' قرآن کریم نے اور برائیوں کے ساتھ ان دونوں برائیوں کا بھی قلع قمع فرمایا' چونکہ یتیم لاوارث بھی ہوتا ہے کمزور بھی' اس لئے اس پر ظلم بدترین گناہ' رب تعالیٰ نے اس کی جگہ جگہ سخت ممانعت فرمائی' کہیں فرمایا یتیموں کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ' کہیں فرمایا جو لوگ ظلماً یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں' کہیں فرمایا کہ دوسروں کے یتیموں سے وہ سلوک کرو جو سلوک تم اپنے مرے بعد اپنے یتیموں سے چاہتے ہو: غرضیکہ یتیموں کے حقوق ادا کرنے کی بہت ہی زیادہ تاکید فرمائی' یہ آیت اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے' یہاں حکم دیا گیا کہ اے یتیموں کے والیو وارثو! تمہارے

www.alahazratnetwork.org

قبضہ میں یتیموں کا جو مال بھی ہو' خواہ میراث سے ملا ہو یا کسی کا دیا ہوا یا ان کا اپنا کمایا ہوا' جب وہ بالغ ہو جائیں تو ایک ایک پائی ان کو دے دو' خبردار کچھ روک نہ رکھنا' نیز یہ شرارت بھی نہ کرنا کہ اپنا ردی مال ان کے مال میں رکھ دو اور ان کا کھرا مال خود لے کر معاوضہ کا بہانہ بنا کر کھا جاؤ' نیز یہ حرکت بھی نہ کرنا کہ ان کے مال میں دکھاوے کیلئے کچھ اپنا مال ملا دیا اور سب کچھ رگڑ گئے۔ یہ سارے کام سخت جرم ہیں کہ یہ ظلم ہے اور وہ بھی کس پر' بے زبان' نادان' مجبور پر' جو کسی سے فریاد بھی نہ کر سکے' ایسے گناہ نہ تو توبہ سے معاف ہوں کہ حق العبد ہیں' حقوق العباد' توبہ عبادات ریاضات سے معاف نہیں ہوتے' نہ خود یتیموں کے معاف کرنے سے معاف ہوں کہ وہ یتیم نابالغ ہیں' نابالغ نہ تو اپنی چیز کسی کو دے سکتا ہے نہ معاف کر سکتا ہے لہٰذا یہ گناہ سخت خطرناک ہیں ان سے ہمیشہ بچو ان کے قریب بھی نہ جاؤ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** یتیم کی پرورش اس کے مال کا انتظام اس کے ولی وارثوں کے ذمہ ہے کہ وہ ہی یتیموں کو رکھیں ان کے مال کی حفاظت کریں جیسا کہ **واتوا** سے معلوم ہوا اگر والی ان کا مال نہ رکھے تو دینے کے کیا معنی؟ وہ چیز دی جاتی ہے جو قبضہ میں ہو۔ **دوسرا فائدہ:** بعد بلوغ یتیم کو اس کا مال بہر حال دے دیا جائے' خواہ وہ عقلمند ہو یا بے وقوف' جیسا کہ **اتوا الیتمی** کے عموم و اطلاق سے معلوم ہوا (احناف)۔ **تیسرا فائدہ:** لڑکیوں کو میراث نہ دینا لڑکوں کا سب پر قبضہ کر لینا سخت جرم و حرام ہے' یہ بھی یتیموں کا مال مارنے کی ایک قسم ہے' لڑکیوں کا حق ان کو دو' اپنا حق تم لو۔ **چوتھا فائدہ:** یتیم خانوں میں جو یتیموں کے نام پر چندہ جمع ہوتا ہے وہ بھی یتیموں کا مال ہے ان پر ہی خرچ کرو اس میں غبن بے ایمانی بھی اس میں ہی داخل ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جب میت کے بعض وارث نابالغ ہوں تو اس کے مشترکہ ترکے سے فاتحہ' خیرات' صدقات کرنا حرام ہے کہ اس میں مال یتیم مخلوط ہے' پہلے ترکہ تقسیم کریں پھر بالغ ورثاء اپنے حصہ سے یہ کار خیر کریں۔ **چھٹا فائدہ:** عورت کا کفن پانچ کپڑے ہیں' مرد کا کفن تین کپڑے' باقی اوپر کی چادر' جاء نماز کا کپڑا جو بعد میں خیرات کر دیئے جاتے ہیں۔ کفن سے علیحدہ ہیں' یہ مشترکہ متروکہ مال سے لانہ کئے جائیں کہ اس میں یتیم کے مال کی خیرات ہے جو حرام ہے۔ **ساتواں فائدہ:** یتیم کا والی وارث یتیم کیلئے کسی سے مال لے سکتا ہے مگر کسی کو یتیم کا مال دے نہیں سکتا کہ لینے میں یتیم کا نفع ہے دینے میں اس کا نقصان۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر والی یتیم کا نکاح کرے تو اس کے مال سے دعوت ولیمہ وغیرہ نہیں کر سکتا اور اگر کرے تو یہ کھانا حرام ہے کہ اس میں یتیم کا مال کھانا ہے۔ **نواں فائدہ:** بدنیتی سے یتیم کا مال اپنے مال سے مخلوط کرنا حرام ہے کہ اس بہانہ سے اس کا مال کھائے' نیک نیتی سے جائز بلکہ ثواب ہے' بدنیتی سے مال ملانے کی حرمت یہاں مذکور ہوئی اور نیک نیتی کا جواز وہاں ہے **وان تخالطوهم فاخوانكم فى الدين** **دسواں فائدہ:** ضعیف پر ظلم کرنا قوی پر ظلم کرنے سے زیادہ خطرناک جرم ہے کہ ضعیف ظلم سے بچنے یا بدلہ لینے پر قادر نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے یتیم کے مال کھانے کو حوب بھی فرمایا اور کبیر بھی' اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ جانور بے زبان پر ظلم کرنا انسان پر ظلم کرنے سے زیادہ برا ہے کہ جانور بے زبان ہے' اس کا ناصر و مددگار رب تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں۔ وہ کسی سے فریاد بھی نہیں کر سکتا۔ **گیارہواں فائدہ:** یتیم اپنے مال کا مالک ہوتا ہے اگرچہ پورا قابض نہیں' خواہ اس کا مال اپنی کمائی کا ہو یا کسی کا دیا ہوا یا میراث سے ملا ہو جیسا کہ **اموالهم** میں **اموال** کی اضافت سے معلوم ہوا۔ اتوا سے معلوم ہوا قابض اس کا والی ہے۔ **اموالهم** سے معلوم ہوا کہ

www.alahazratnetwork.org

مالک خود یتیم ہے۔ بارھواں فائدہ: یتیم کا ردی مال اپنے طیب مال سے بدل لینا جائز ہے کہ اعلیٰ درجہ کا مال اس کے مال میں رکھ دیا جائے اس کا ردی مال خود کھا لیا جائے خصوصاً بگڑ جانے، خراب ہو جانے والا مال۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیم کا مال اس کی نابالغی کے زمانے میں دے دینا چاہئے کہ جبکہ وہ یتیم ہو، بالغ ہو کر تو یتیم نہ رہے گا، حالانکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ بلوغ سے پہلے ان کا مال انہیں نہ دو، یہ فقہی حکم اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو بالغ کو یتیم کہا گیا اس کے گزشتہ حال کے لحاظ سے، چونکہ بالغ ہوتے ہی بلا انتظار اسے مال دے دینا ضروری ہے، اس لئے اسے یتیم فرمایا کہ جو ابھی ابھی یتیم تھا اب بالغ ہو گیا اسے فوراً مال دے دو، یا اتوا مستقبل ہے یعنی یتیموں کا مال ان کے بلوغ پر دے دینا جیسے اتوا الزکوۃ معنی یہ نہیں ہیں کہ مال آتے ہی زکوۃ دے دو بلکہ سال گزرنے پر دے دینا، نابالغ یتیموں کو مال دینے کی ممانعت دوسری آیات میں ہے لا تؤتوا السفهاء اموالكم وغیرہ۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال خود ان پر خرچ نہ کیا جائے بلکہ سنبھال کر رکھا جائے، بالغ ہوتے ہی سارے کا سارا مال حوالے کر دیا جائے جیسا کہ اموال جمع فرمانے سے معلوم ہوا تو نابالغ کو تعلیم و تربیت کیسے دی جائے گی اسے تجارت وغیرہ میں کیسے لگایا جائے کہ ان سب میں اس کا مال خرچ ہو گا۔ جواب: اس کا جواب خود اس آیت ہی میں مذکور ہے کہ فرمایا گیا تم ان کا مال تبدیل یا خلط کے بہانہ سے نہ کھاؤ معلوم ہوا کہ ان کا مال دے دینے سے مراد یہ ہے کہ تم اپنے پر خرچ نہ کرو، ان پر ضرور خرچ کرو، مگر ان پر بھی جائز خرچ کرو، ناجائز نہ کرو۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال اپنے مال سے ملا کر نہ کھاؤ تو کیا ان کا مال نرا کھا لیں، ملانے کی قید کیوں لگائی۔ جواب: ملانے کی قید تاکید کیلئے ہے۔ یعنی ان کے مال سے اس قدر پرہیز کرو کہ بدل کر یا ملا کر بھی نہ کھاؤ چہ جائیکہ خالص کھا جاؤ۔

تفسیر صوفیانہ: اس دنیا میں روح انسان گویا یتیم ہے کہ اپنے دیار دیار سے جدا ہو کر اکیلی اغیار میں آ پھنسی ہے نفس گویا اس کا والی ہے کہ یہ اپنے وطن اور اپنے یاروں میں ہے، مولانا فرماتے ہیں۔

بشنو از نے چوں حکایت می کند واز جدائیہا شکایت مے کند

کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند وز نفیرم مرد و زن نالیدہ اند

سینہ خواہم شرحہ شرحہ از فراق تا بگویم داستان اشتیاق!

روح بانسری ہے، عالم ارواح اس کا نیستان، جہاں سے کٹ کر روح یہاں اکیلی آئی، یہ ہوئی یتیم اس کی پرورش ہمارے جسم و اعضائے جسم کے ذمہ کی گئی، روح کے مال ایمان، معرفت، عبادات ہیں، عبادات کیلئے مختلف اوقات مقرر ہیں، جو شخص عبادتوں میں عادتوں کے کام کرتا ہے۔ دل میں یار کی جگہ اغیار بلکہ اشرار کو بساتا ہے، وہ گویا یتیم روح کا مال کھاتا ہے۔ اور جو کوئی عبادات میں عادات کو شامل کر دے، کہ نماز پڑھے ریاء کیلئے، حج کرے دنیا کمانے کیلئے، وہ یتیم کا مال اپنے مال میں مخلوط کرتا ہے، یہ بھی جرم ہے نفس کو اس کی غذا دو، روح کو اس کی غذا پہنچاؤ، کسی کا حق نہ مارو کہ یہ حرکت دنیا و آخرت کو برباد کر دے گی، جو دین کے عوض دنیا خریدتا ہے، وہ طیب کے عوض خبیث لیتا ہے۔

مبادا دل آں فرو مایہ شاد بدنیا دہد دین خود را بباد

www.alahazratnetwork.org

یہ جرم بدترین گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ چھ گناہ ہلاک کرنے والے ہیں "ظلماً" یتیم کا مال کھانا' پاکدامن عورت کو تہمت لگانا' جہاد سے بزدلی سے بھاگ جانا' جادو' شرک "ظلماً" قتل: روح البیان میں یہاں ہے کہ کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ضرورت کے وقت میں یتیم کو کس چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے اپنے پیارے عزیز بیٹے کو مارتے ہو!

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِی الْیَتٰمٰی فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ

اور اگر ڈرو تم اس سے کہ نہ انصاف کرو گے یتیموں کے بارے تب تو نکاح کرو ان عورتوں سے جو پسند

اور اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ یتیم لڑکیوں میں انصاف نہ کرو گے تو نکاح میں لاؤ جو عورتیں تمہیں خوش

النِّسَآءِ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً

ہوں تمہیں دو دو اور تین تین اور چار چار پس اگر خوف کرو تم یہ کہ نہ انصاف کرو گے تو ایک سے

آئیں دو دو تین تین چار چار پھر اگر ڈرو کہ دو بیویوں کو برابر نہ رکھ سکو گے تو ایک ہی کرو

اَوْ مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤی اَلَّا تَعُوْلُوْا ؕ۳ وَاٰتُوا النِّسَآءَ

یا وہ جو تمہاری ملک ہیں یہ قریب ہے اس کے کہ ظلم نہ کرو اور دو عورتوں کو

یا کنیزیں جن کے تم مالک ہو یہ اس سے زیادہ قریب ہے کہ تم سے ظلم نہ ہو اور عورتوں کو

صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ

مہر ان کے عطیہ پھر اگر بخوشی دیں وہ بیویاں تم ہی کو تو کھاؤ اسے

ان کے مہر خوشی سے دے دو پھر اگر وہ اپنے دل کی خوشی سے مہر میں سے کچھ تمہیں دے

هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۴

مبارک خوشگوار

دیں تو اسے کھاؤ رچتا پچتا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں یتیموں کے حقوق ادا کرنے کا ذکر تھا جو کہ بے کس و بے بس ہوتے ہیں' ان آیات کریمہ میں اپنی بیویوں سے اچھے برتاؤ کا ذکر ہے کہ بیویاں بھی قریباً" بے کس اور خاوند کے بس میں ہوتی ہیں' اس لئے ان کا ذکر یتیموں کے ساتھ ہوا مگر چونکہ یتیم کی بے کسی زیادہ ہے عورت کی کم' اس لئے پہلے یتیم کا ذکر ہوا پھر بیویوں کا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یتیم کا مال اس کے حوالے کرو' اس حوالے کرنے میں پس و پیش نہ کرو' اب حکم ہو رہا ہے بیوی کا مہر اس کے حوالہ کرو' اس میں ٹال مٹول نہ کرو' ایک حق کی ادائیگی کا حکم دیکر دوسرے حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں یتیم سے اچھے برتاؤ کا ذکر تھا اب اسے یتیمہ سے اچھے

www.alahazratnetwork.org

بر تو کافر ہے جس سے ولی نکاح کرے گویا ایک قسم کے یتیم کے متعلق احکام جاری فرمانے کے بعد دوسری قسم کے یتیموں کے احکام جاری فرمائے گئے۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔(۱) عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کے نزول کے متعلق پوچھا۔ آپ نے فرمایا۔ بعض لوگ اپنی زیر پرورش یتیمہ کا مال و جمال کی وجہ سے ان سے نکاح کر لیتے تھے مگر انکا مہر پورا نہ مقرر کرتے اور نہ انکے حقوق زوجیت اچھی طرح ادا کرتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں انہیں ان یتیمہ کی بجائے دوسری عورتوں سے نکاح کا حکم دیا گیا' جن کے حقوق پورے ادا کریں۔(کبیر' روح المعانی' تفسیر خازن' خزائن العرفان وغیرہ)۔(2) بعض اپنی زیر پرورش مالدار مگر بد صورت یتیمہ سے صرف اس لئے نکاح کر لیتے تھے کہ اس کا مال اور جگہ نہ جانے پائے' پھر بے رغبتی کی وجہ سے اس یتیمہ کے حقوق ادا نہ کرتے بلکہ اس کی موت کا انتظار کرتے تھے کہ یہ مرے تو اس کا مال ہم کو میراث ملے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں انہیں اس ظلم سے روکا گیا امام حسن کا یہی قول ہے۔(تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ)۔(3) بعض لوگ گزشتہ آیت نازل ہونے پر یتیموں کی پرورش سے کتراتے تھے' مگر بیویوں پر ظلم کرتے اور کثرت ازواج میں مشغول رہتے تھے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں فرمایا گیا' کہ جب یتیموں پر ظلم سے ڈرتے ہو' تو بیویوں پر ظلم سے بھی خوف کرو۔ (تفسیر خازن' بیضاوی وغیرہ)۔(4) حضرت عکرمہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے راوی' کہ بعض لوگ کثرت سے بیویاں رکھتے' آٹھ آٹھ دس دس' پھر جب خرچہ سے تنگ ہو جاتے' تو زیر پرورش یتیموں کا مال ان بیویوں پر خرچ کرنے لگتے' ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں زیادتی ازدواج سے روکا گیا اور فرمایا گیا کہ اتنی عورتوں سے نکاح کرو جن کا خرچہ اٹھا سکو۔(خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **وان خفتم الا تقسطوا فی الیتمی:** خفتم میں خطاب اولیائے یتیم سے ہے' جن کی پرورش میں یتیم ہوں: **لا تقسطوا' اقساط** سے بنا' جس کا مادہ قسط بمعنی حصہ ہے' اصطلاح میں ظلم کو قسط کو کہتے ہیں یعنی حصہ حصہ دار کو نہ دینا' اور اقساط انصاف کو کہا جاتا ہے اس طرح کہ قسط کے معنی ظلم' افعال کی ہمزہ سلب کیلئے ہے تو معنی ہوئے سلب ظلم اور سلب ظلم عین انصاف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اما القسطون فکانوا لجھنم حطبا** ظالم لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں' یہاں **لا تقسطوا** کے بہت سے معنی ہوں گے' جیسا شان نزول و یتامیٰ' یتیم کی جمع ایتام بھی آتی ہے' اور یتامیٰ بھی لیکن ان میں فرق یہ ہے کہ یتامیٰ مذکر مونث دونوں پر بولا جاتا ہے مگر ایتام صرف مذکر یتیم پر پہلے دو شان نزول کی بنا پر یہاں یتامیٰ سے یتیم لڑکیاں مراد ہیں' بقیہ شان نزول کی بنا پر لڑکے لڑکیاں' دونوں' یعنی اگر تمہیں اے اولیائے یتامیٰ! یہ اندیشہ ہو کہ یتیمہ لڑکیوں سے نکاح کر کے عدل و انصاف نہ کرو گے' یا اے والیو! اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ زیادہ بیویاں نکاح میں رکھنے سے یتیموں میں انصاف نہ کر سکو گے' ان کا مال بیویوں پر خرچ کر دو گے' یا اے یتیموں کے والیو! جب تم یتیموں کی پرورش سے اس لئے ڈرتے ہو کہ ان پر ظلم نہ کر بیٹھو تو **فانکحوا ما طاب لکم من النساء:** یہ عبارت گزشتہ ان کی جزاء ہے: **انکحوا** صیغہ امر مباح کرنے یا استحباب کیلئے ہے نہ کہ وجوب کیلئے۔ کیونکہ چند عورتوں سے نکاح کرنا واجب کبھی نہیں' ہاں نفس نکاح کبھی واجب ہوتا ہے

www.alahazratnetwork.org

کبھی مستحب کبھی مکروہ کبھی حرام جیساکہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے اگرچہ ما غیر عاقل چیزوں کیلئے آتا ہے اور من عاقلوں کیلئے، مگر چونکہ یہاں ذات مراد نہیں بلکہ وصف مراد ہے یعنی پسند آنا اس لئے عورتوں پر بھی ما آگیا۔ (مدارک، کبیر، روح المعانی وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ عاقل کی ذات کیلئے من آتا ہے۔ مگر عاقل کے وصف کیلئے ما، کہ عاقل کی ذات تو عقل رکھتی ہے، مگر اسکے اوصاف تو غیر عاقل ہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما جاء ھم ما عرفوا کفروا بہ**: جب انکے پاس جانا پہچانا نبی تشریف لایا تو انکار کر بیٹھے دیکھو وہاں نبی کیلئے ما فرمایا گیا اس وجہ سے کہ وہاں معرفت نبی کی طرف اشارہ ہے معرفت عاقل نہیں یہ قاعدہ خوب خیال میں رہے **طاب**، طیب سے بنا طیب کے دو معنی ہیں، اچھا ہونا، پسندیدہ ہونا، دل کو پسند آنا تب اس کا مقابل خبیث ہوگا اور بمعنی حلال تب اسکا مقابل حرام ہوتا ہے، یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں: **من النساء** میں من بیانیہ ہے ما کا بیان یعنی ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں ان ناپسندیدہ یتیمہ لڑکیوں سے ہرگز نکاح نہ کرو، یا ان عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں حلال ہوں، حرام عورتوں سے ہرگز نہ کرو ظاہر یہ ہے کہ **فانکحوا** میں آزاد مردوں سے خطاب ہے نہ کہ غلاموں سے، کیونکہ چار بیویاں آزاد مرد رکھ سکتا ہے نہ کہ غلام، غلام صرف دو رکھ سکتا ہے، نیز آیت کا اگلا مضمون اسی کی تائید کر رہا ہے **مثنی وثلث وربع** یہ عبارت طاب کے فاعل ھو ضمیر سے حال ہے یا **من النساء** سے حال: مثنیٰ اصل میں اثنین اثنین تھا اور ثلث دراصل ثلث ثلث اور ربع دراصل اربع اربع تھا ان سے عدل ہو کر مثنیٰ، ثلث، رباع بن گئے اس لئے ان لفظوں کے معنی ہیں دو دو، تین تین، چار چار، یہاں واؤ جمع کے لئے نہیں بلکہ اختیار دینے کیلئے ہے لہٰذا اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ دو، تین، چار کا مجموعہ نو بیویاں نکاح میں رکھو بلکہ مطلب یہ ہے کہ چاہو تو دو بیویاں رکھو، چاہو تو تین، چاہو تو چار اس سے زیادہ نہیں اس معنی پر تمام امت کا اجماع ہے، بعض لوگوں نے اس آیت کی بناء پر چار سے زیادہ بیویاں رکھنا جائز مانا ہے وہ اہل بدعت ہیں ان کا یہ قول فرق اجماع ہے نہ کہ اجماع باطل کرنے والا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) یہاں تفسیر کبیر و روح المعانی نے بہت شاندار مبسوط تقریر فرمائی ہے، ان کی تردید میں جو چار سے زیادہ کا جواز اس آیت سے ثابت کرتے ہیں انشاء اللہ سوال و جواب میں اس کے متعلق کچھ عرض کیا جائیگا **فان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ** اس جملہ میں گزشتہ اجازت پر پابندی لگائی گئی۔ **خفتم** میں خطاب سارے ہی آزاد مردوں سے ہے کہ انہیں آزادوں کو چار بیویوں کی اجازت دی گئی تھی: **تعدلوا**، عدل سے بنا بمعنی انصاف بیویوں میں پورا انصاف کرنا لازم ہے، باری میں، روزی میں، عطاء میں حتی کہ بعد موت میراث میں، رہا میلان قلبی یہ انسان کے اختیار سے باہر ہے اس پر پکڑ نہیں بشرطیکہ عملاً سب میں برابری کرے: **فواحدۃ**، ان خفتم کی جزاء ہے، یہ پوشیدہ فعل **انکحوا** یا **اختاروا** کا مفعول ہے، یعنی اگر تمہیں اے آزاد مردو! یہ خطرہ ہو کہ چند بیویوں میں برابری و انصاف کا برتاوا نہ کر سکو گے یا نہ کرو گے تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا ایک بیوی سے نکاح اختیار کرو، خیال رہے کہ یہاں واحدۃ سے مراد آزاد بیوی ہے کیونکہ لونڈیوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے **او ما ملکت ایمانکم** یہ ما بھی حالت میں ہے یا تو واحدۃ پر معطوف ہے یا **اختاروا** فعل پوشیدہ کا مفعول، ایمان جمع یمین کی ہے اس کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ اس کے معنی ہیں قوت و طاقت، پھر داہنے ہاتھ، قسم اہل سنت کو یمین کہنے لگے، وجہ مناسب معلوم ہو چکی، یہاں بمعنی ہاتھ ہے اور ہاتھ سے مراد ذات: خیال رہے کہ مولیٰ اپنی لونڈی سے اور مولات اپنے غلام سے نکاح نہیں کر سکتے، لہٰذا یہاں ما سے پہلے **انکحوا** پوشیدہ نہیں ہو سکتا بلکہ اختاروا پوشیدہ ہوگا، یعنی عدل و انصاف نہ کر سکنے کی صورت میں یا تو ایک آزاد عورت سے

www.alahazratnetwork.org

نکاح کرو یا بالکل نکاح کرو ہی مت' صرف لونڈیوں کو اختیار کرو کہ لونڈی کیلئے نہ عدد مقرر ہے نہ ان کے ازدواجی حقوق مولیٰ پر لازم' صرف غلامیت کے حقوق لازم ہوں گے' بہر حال چند بیویاں وہ شخص ہرگز نہ رکھے جو عدل و انصاف نہ کرسکے یا نہ کرے **ذلک ادنیٰ الا تعولوا** : **ذلک** سے اشارہ ایک زوجہ یا لونڈیاں اختیار کرنے کی طرف ہے: **ادنیٰ** دنو کا تفضیل ہے دنو کے معنی ہیں قریب ہونا' ادنیٰ قریب تر: **تعولوا** عول سے بنا بمعنی غول و غول قریب المعنی ہیں' غول کے معنی ہیں ہلاک کر دینا' عول کے معنی ہیں بھاری پڑ جانا بوجھ میں دب جانا' یا مائل ہو جانا ظلم کی طرف: کہا جاتا ہے کہ عال المیزان ترازو ایک طرف جھک گئی' بال بچوں کو عیال اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہ ماں باپ پر بوجھ ہوتے ہیں' ظلم کو اسی لئے عول کہا جاتا ہے کہ ظالم ظلم کے بوجھ میں دب جاتا ہے' علم فرائض میں وارثوں کے حصوں کا بڑھ جانا عول کہلاتا ہے کہ اس میں مخرج حصوں میں دب جاتا ہے' یہاں بمعنی ظلم ہے یعنی ایک بیوی رکھنا اس سے قریب تر ہے کہ تم ظلم نہ کر بیٹھو' نہ چند بیویاں رکھو گے نہ ان کے حق میں ناانصافی کرو گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اس جملہ کے عجیب معنی کئے' وہ فرماتے ہیں کہ ایک بیوی کا رکھنا اس سے قریب ہے کہ تمہارے بال بچے زیادہ نہ ہوں' اور تم پر انکی پرورش کا بوجھ نہ پڑے' زیادہ اولاد غریب کیلئے مصیبت ہے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی) اس تفسیر پر ان دونوں کتابوں میں بہت لے دے کی ہے' زیادتی اولاد اکثر محبوب ہوتی ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچے دینے والی عورتوں سے نکاح کرو' آج کثرت رائے سے سلطنتیں قائم ہوتی ہیں زیادہ فوج سے ملک جیتے جاتے ہیں **واتوا النساء صدقتھن نحلۃ** یہ خاوندوں کو تیسرا حکم ہے: **نساء** سے مراد مطلقاً آزاد بیویاں ہیں ایک ہوں یا زیادہ' منکوحہ لونڈی کا مہر خود لونڈی کو نہ ملے گا بلکہ اس کے مولیٰ کو ملے گا: **صدقات صدقۃ** یا صداق کی جمع ہے' صدقہ وہ مال ہے جو قرب حاصل کرنے کیلئے دیا جائے' خیرات کو صدقہ اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے' مہر کو صداق اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ بیوی سے قرب میسر ہوتا ہے' چونکہ مہر عورت کا حق ہے' اس لئے اسے بیویوں کی طرف ہی منسوب کیا گیا' **اتوا** میں خطاب یا خاوندوں سے ہے یا عورت کے اولیاء سے پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے' کہ اس سے پہلے خاوندوں سے ہی خطاب تھا' آگے بھی ان سے ہی ہو رہا ہے' تو یہاں بھی ان سے ہی خطاب مناسب ہے۔ **نحلۃ' صدقات** کا حال ہے اس لئے منصوب ہے' لفظ نحل کے معنی دین و ملت' چونکہ مہر دینی حکم ہے' اس لئے اسے نحلہ فرمایا گیا' غیاث میں ہے کہ نحلہ بمعنی عطیہ۔ امام راغب فرماتے ہیں کہ نحل کے معنی ہبہ' اسی لئے شہد کی مکھی کو نحل کہتے ہیں کہ وہ جس شاخ پر بیٹھتی ہے اسے خراب نہیں کرتی بلکہ موجب نفع ہی ہوتی ہے' یہاں مہر کو نحل فرمانے میں یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ مہر ادا کرنا دینی حکم ہے ضرور ادا کرو یا اس طرح اشارہ ہے کہ مہر خاوند کی طرف سے ایک قسم کا تحفہ ہے: اس پر کسی قسم کے معاوضہ کی امید نہ رکھو کہ اگر عورت جہیز زیادہ لائے تو مہر دیں ورنہ نہ دیں' بعض نے فرمایا کہ **نحلۃ** کے معنی ہیں خوشدلی سے دیا ہوا عطیہ یعنی مہر خوشدلی سے دو' یعنی اے خاوندو! اپنی آزاد بیویوں کو ان کے مہر حوالہ کردو' یہ شرعی و دینی حکم ہے یا انہیں بطور عطیہ و تحفہ دے دو' ان سے اس کے معاوضہ کے طلبگار نہ ہو' یا انہیں خوشدلی سے دو' ٹال مٹول کر کے دل تنگی سے نہ دو' یا اے عورت کے والیو وارثو! عورت کا مہر خود اس کے ہی حوالہ کردو' تم اس پر قبضہ نہ کرو کہ یہ اس کا اپنا حق ہے' تمہارا لے لینا ظلم ہے **فان طبن لکم عن شئ منہ نفسا** خاوندوں کو ادائے مہر کا حکم دیکر بیویوں کے ہبہ مہر کا ذکر ہے: **طبن' طیب** سے بنا بمعنی خوشی' یہ جمع مونث ہے' اس کا فاعل نساء یعنی بیویاں ہیں **منہ** میں **من** بیانیہ ہے' ہ ضمیر کا مرجع صداق یعنی مہر ہے جو صدقات سے معلوم ہوا'

www.alahazratnetwork.org

نفاس' طبن کی ضمیر حسن سے تمیز ہے' چونکہ نفس جنس ہے جو کم و زیادہ پر بولی جاسکتی ہے تمیز اسکے واحد لانے میں کوئی دھوکا تھا نہیں کہ چند عورتوں کا دل ایک نہیں ہوتا' چندہی ہوتے ہیں' اس لئے نفسا واحد ارشاد ہوا نفس سے مراد دل ہے (روح المعانی وکبیر وغیرہ) اصل عبارت یوں تھی ان طابت انفسهن لكم عن شئی من الصداق :یعنی اگر تمہاری بیویاں اپنی خوشدلی سے تمہیں مہر میں سے کچھ دے دیں یا اس طرح کہ جو مہر تم سے وصول کرچکی ہیں وہ کل یا بعض تم کو واپس کردیں' یا جو مہر ابھی تم سے وصول کرنا ہے وہ کل یا بعض تم کو معاف کردیں: پہلی صورت میں ہبہ ہے' دوسری صورت میں ابراء یعنی معافی: مگر شرط یہ ہے کہ یہ خوشی سے کریں' جبراً ان سے نہ کرایا جائے جیسا کہ طبن فرمایا گیا تو فكلوه هنيئا مريئا یہ جملہ شرط کی جزاء۔ کلوا میں خاوندوں سے خطاب ہے' اکل کے معنی تو ہیں کھانا' مگر یہاں مراد مطلقاً استعمال ہے' چونکہ کھانا مال کے تمام مقاصد سے اعلیٰ مقصد ہے' اس لئے اس کا ذکر ہوا: هنيئا اور مريئا دونوں صفت مشبہ ہیں بروزن فعیل بمعنی کا مصدر ہنو ہے بمعنی بے تکلف حلق سے اتر جانا جسے ساتغا بھی کہا جاتا ہے۔ مری ء کا ماخذ مری یا امراء ہے مرء معدہ کے منہ کو کہتے ہیں' جو چیز معدہ میں ثقیل نہ ہو' آسانی سے ہضم ہو جائے' وہ مری ہے: خلاصہ یہ ہے کہ نگلنے میں آسان هنيئا ہے۔ ہضم میں آسان مريئا: جب هنيئا بمعنی مبارک بولا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے هنيئا لك تجھے مبارک ہو یعنی تو تم ان کا بخشا ہوا یا معاف کیا ہوا مہر استعمال کرلو' جو تمہارے لئے لذیذ بھی ہے حلال بھی کہ اس پر پکڑ نہیں: خیال رہے کہ هنيئا مريئا یا تو اکلا پوشیدہ مصدر کی صفتیں ہیں یا فكلوه کی ہ ضمیر سے حال' دونوں صورتوں میں مقصد یہ ہی ہے کہ تم بیویوں کو ان کا مہر دے دو' لیکن اگر وہ خود پورا مہر یا کچھ حصہ واپس دے دیں یا معاف کردیں تو تمہارے لئے وہ حلال و طیب ہے تم پر اس میں کچھ پکڑ نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے یتیم لڑکیوں کے والیو! اگر تمہیں خطرہ ہو کہ اگر تم ان یتیمہ بچیوں سے نکاح کرلو تو ان سے انصاف نہ کرو گے' اور دوسری بیویوں کی طرح ان کے مہر وغیرہ پورا نہ دو گے یا اس لئے کہ یہ یتیمہ لڑکیاں تم کو پسند نہیں یا اس لئے کہ تم سمجھو گھر کا معاملہ ہے' اسے مہر پورا دیں یا نہ دیں' تو ان سے نکاح نہ کرو' بلکہ ان کے علاوہ دوسری اجنبی عورتوں سے نکاح کرو جن کے مہر و حقوق پورے پورے دو' تمہیں اختیار ہے کہ دو دو سے نکاح کرو یا تین تین سے یا چار چار سے' لیکن یہ تعدد ازدواج کی اجازت جب ہی ہے کہ تم ان بیویوں میں عدل و انصاف کرسکو' اگر تمہیں خطرہ ہو کہ ان میں انصاف نہ کرو گے' تو صرف ایک عورت سے نکاح کرو یا کسی عورت سے نکاح کرو ہی نہیں بلکہ تمہاری جو لونڈی کنیزیں ہیں ان پر قناعت کرو کہ ان لونڈیوں کے نہ تو تم پر حقوق زوجیت لازم ہیں نہ ان کی تعداد پر پابندی' یہ ایک بیوی یا صرف لونڈیوں پر قناعت کرنا' چند بیویاں نکاح میں نہ رکھنا اس کے قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو کہ نہ چند بیویاں ہوں گی' نہ ان کی حق تلفی ہو گی: پھر اے خاوندو! یہ بھی خیال رکھو کہ اپنی بیویوں کے طے شدہ مہر بخوشی پورے پورے دے دو' اس کی ادا میں نہ ٹال مٹول کرو' نہ مار لینے کی کوشش کرو کہ یہ حق العبد ہے' جو توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا' ہاں اگر تمہاری بیویاں ہی بخوشی خاطر سارا مہر یا اس کا کچھ حصہ تمہیں واپس دے دیں یا معاف کر دیں' تو تم خوشی سے وہ برتو' کہ وہ تمہارے لئے حلال بھی ہے طیب بھی مبارک بھی مگر یہ عطیہ یا معافی خوشدلی سے ہو نہ کہ جبرو اکراہ سے۔ خیال رہے کہ مہر وہ مال ہے جس کے عوض نکاح کیا جاتا ہے' اس کے زیادہ کی کوئی حد نہیں' مگر کم از کم میں اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعی کے ہاں کم کی کوئی حد نہیں' جو چیز بیع میں قیمت بن سکتی ہے وہ نکاح میں مہر ہو سکتی ہے' جیسے ایک پیسہ یا

www.alahazratnetwork.org

اس سے بھی کم۔ حضرت امام مالک کے ہاں کم از کم مہر دینار کا چارم یعنی ڈھائی تین درہم ہے۔ ہمارے احناف کے ہاں کم از کم دس درہم یا ایک دینار یعنی پونے تین روپیہ یا اس قیمت کا مال مہر بن سکتا ہے' اگر اس سے کم مہر باندھا گیا تو دس درہم ہی دینے ہوں گے' اگر مہر کا ذکر ہی نہ ہوا یا اس شرط پر نکاح ہوا کہ مہر کچھ نہیں تو مہر مثل دینا پڑے گا یعنی بیوی کے خاندان میں اس جیسی لڑکی کا جو مہر ہو وہ اسکا ہو گا' مہر کے پورے احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کرو' نیز ہمارے فتاویٰ میں دیکھو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** اپنی زیر پرورش یتیمہ لڑکی سے ولی نکاح کر سکتا ہے جب کہ اس کیلئے حلال ہو حرام نہ ہو' جیسا کہ آیت کی روش سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** نکاح میں زوجین کی پسندیدگی ضروری ہے' ماں باپ لڑکی یا لڑکے کا نکاح ان کی ناپسندیدہ جگہ ہرگز نہ کریں' ورنہ نباہ نہ ہو گا جیسا کہ **ما طاب لکم** سے معلوم ہوا' جیسے لڑکے کو لڑکی پسند کرنے کا حق ہے' ویسے ہی لڑکی کو بھی خاوند پسند کرنے کا حق ہے' اسی لئے نکاح کے وقت لڑکی سے اجازت لیتے ہیں تاکہ اس کی پسندیدگی ناپسندیدگی معلوم ہو جائے۔ حدیث شریف میں تو حکم ہے کہ لڑکا نکاح سے پہلے لڑکی کو دیکھ لے تاکہ اس کے متعلق صحیح فیصلہ کر سکے' مگر خیال رہے کہ یہ دیکھنا پیغام نکاح سے پہلے ہو اور خفیہ طور پر کہ لڑکی کو پتہ نہ لگے' تاکہ ناپسندیدگی کی صورت میں اسے صدمہ نہ ہو۔ **تیسرا فائدہ:** مہر خود بیوی کا اپنا حق ہے' اس کے ولی کو اس سے کوئی تعلق نہیں' جیسا کہ **واتوا النساء** الخ سے معلوم ہوا' بعض لوگ اپنی بیٹی پوتی کے مہر پر خود قبضہ کر لیتے ہیں' لڑکی کو پتہ بھی نہیں ہوتا' یہ منع ہے۔ **چوتھا فائدہ:** بیوی اپنے مہر کی مستقل مالک ہے' چاہے خود استعمال کرے' چاہے کسی کو دے' اپنے میکے والوں کو دے یا سسرال والوں کو' جیسا کہ **فان طبن** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دیا ہوا مہر خاوند واپس لے سکتا ہے' اگر عورت خود اپنی خوشی سے دے' اس میں نہ حرمت ہے نہ اور کوئی قباحت' جیسا کہ **فکلوہ** الخ سے معلوم ہوا' **چھٹا فائدہ:** جبراً مہر معاف کرانا یا واپس لینا حرام ہے' اگر لیا تو خاوند مالک نہ ہو گا' جیسا کہ طبن الخ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تاخذوا منہ شیئا** حضرت عمرو قاضی ابو شریح نے تو حکم دیا تھا کہ اگر عورت مہر دے کر پھر واپس لے تو لے سکتی ہے کہ واپسی کے مطالبہ سے معلوم ہوا کہ اس نے اسے بخوشی نہ دیا تھا جبراً دیا تھا' دیکھو روح المعانی و کبیر: مگر جب واقعی خوشی سے دے دے تو واپس نہیں لے سکتی کہ زوجیت ہبہ میں سے مانع ہے' احناف بلکہ چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے۔ **ساتواں فائدہ:** عورت کے مہر کا پیسہ بہت مبارک ہے' اس میں شفاء ہے جیسا کہ **ھنیئا مریئا** سے معلوم ہوا۔ عبد الحمید وغیرہ محدثین نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت فرمایا کہ جو کوئی بیمار ہو وہ اپنی بیوی سے اس کا مہر لے' تین درہم یا کم و بیش' اس سے شہد خریدے' بارش کے پانی میں شہد ملا کر پیئے' انشاء اللہ شفا ہو گی' کہ رب تعالیٰ نے بارش کے پانی کو ماء مبارک فرمایا' **وانزلنا من السماء ماء مبارکا** اور شہد کو شفاء فرمایا **فیہ شفاء للناس** : اور بیوی کے مہر کو **ھنیئا مریئا** فرمایا' جب ان تینوں کا اجتماع ہو گا تو ضرور رب تعالیٰ کرم فرمائے گا (روح المعانی) اسی لئے علماء فرماتے ہیں کہ درود شریف میں شفاء ہے کہ یہ ہماری پہلی ماں حضرت حواء کا مہر ہے جیسا کہ پہلے گزر گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** مہر صرف مال ہو سکتا ہے غیر مال نہیں ہو سکتا' کیونکہ لین دین' معافی و غیرہ مال کی ہوتی ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تبتغوا باموالکم** یہاں فرمایا **واتوا النساء** **نواں فائدہ:** عورت کا مہر مرد کی طرف سے عطیہ و تحفہ ہے جو اس کے ذمہ لازم قرار دیا گیا' کسی چیز کی قیمت یا اجرت نہیں' اسی لئے خاوند عورت کے کسی عضو کا مالک نہیں ہوتا' رہا انتفاع وہ عورت مرد دونوں کو ہے۔ جیسا کہ نحلۃ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) **دسواں فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

مولیٰ اپنی لونڈی سے، مالکہ اپنے غلام سے نکاح نہیں کر سکتے، جیسا کہ **او ما ملکت** کے عطف سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے نکاح پر معطوف کیا، اور ہمیشہ معطوف، معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے (روح المعانی) اس کے قوی دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ **گیارھواں فائدہ:** ایک آزاد مرد چار بیویوں سے بیک وقت نکاح کر سکتا ہے زیادہ سے نہیں، مگر عورت صرف ایک ہی مرد کے نکاح میں رہ سکتی ہے وہ ایک سے زیادہ بیک وقت نکاح نہیں کر سکتی، جیسا کہ **مثنی** الخ سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احکام قرابت میں کہیں داخل بھی نہیں ہوئے، صرف امت کو وہ احکام دیئے جاتے ہیں دیکھو **فانکحوا** الخ کے حکم میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں، آپ کو جس قدر چاہیں بیویاں رکھنے کی اجازت ہے، چار کی پابندی ہمارے لئے ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نو بیویاں آپ کے نکاح میں تھیں، اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو۔ **تیرھواں فائدہ:** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جس امتی کو حکم قرآن کریم سے چاہیں علیحدہ فرمائیں، دیکھو یہاں مسلمانوں کو چار بیویاں تک رکھنے کی اجازت دی گئی، مگر حضرت علی کو فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرمادیا، اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔ **چودھواں فائدہ:** جو مسلمان بیویوں میں عدل و انصاف نہ کر سکے اسے چند بیویاں کرنا حرام ہے، جیسا کہ **فواحدۃ** سے معلوم ہوا، مگر یہ فعل نکاح حرام ہوگا، منکوحہ حلال ہوگی اور اس سے اولاد حلال کی ہوگی۔ **پندرھواں فائدہ:** اپنی لونڈیوں کے متعلق نہ کوئی عدد مقرر ہے نہ مولیٰ پر ان کے حقوق زوجیت لازم نہ ان کا مہر مقرر کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں بیویوں کی تعداد، مہر، ان میں عدل و انصاف سب کا ہی ذکر فرمایا مگر **او ما ملکت** میں یہ کوئی قید نہ لگائی۔ **سولھواں فائدہ:** نامرد ایسے ہی وہ شخص جو حقوق زوجیت ادا کرنے سے اور کسی وجہ سے قادر نہ ہو اسے نکاح کرنا ناجائز ہے، جیسا کہ **الا تقسطوا** اور **الا تعولوا** سے معلوم ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ غریب جو مہر و خرچہ دینے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے نکاح نہ کر سکے وہ روزے رکھے تاکہ نفس دبے شہوت ٹوٹے۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں **وان خفتم** الخ تو شرط ہے اور **فانکحوا** الخ جزاء، اس شرط و جزاء میں کوئی مناسبت نہیں، یتیموں میں انصاف نہ کرنا اور چار بیویوں تک سے نکاح کرنا ان میں مناسبت کیا ہے۔ پھر یہ شرط و جزاء کیسے بنے؟ **جواب:** اس کے تین چار جواب شان نزول سے معلوم ہو گئے جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ اگر تم یتیمہ عورتوں سے نکاح کر کے ان سے عدل و انصاف کا برتاؤ نہ کر سکو تو ان سے نکاح نہ کرو بلکہ دوسری پسندیدہ عورتوں سے نکاح کرو، دو سے یا تین سے یا چار سے، یہاں یتامیٰ سے وہ یتیم بچیاں مراد ہیں جن سے ولی نکاح کرے۔ مگر وہ اسے پسند نہ ہوں اس لئے ان میں انصاف نہ کرے۔ اور نساء سے مراد یتیم بچیوں کے علاوہ دوسری عورتیں لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **فانکحوا** صیغہ امر ہے، اور امر وجوب کیلئے آتا ہے معلوم ہوا کہ دو تین چار عورتوں سے نکاح کرنا فرض و واجب ہے، حالانکہ مسئلہ یہ نہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہر امر وجوب کیلئے نہیں ہوتا اباحت وغیرہ دوسرے معانی میں بھی آتا ہے، یہاں وجوب کیلئے نہیں اجازت و اباحت کیلئے ہے، دوسرے یہ کہ مذکورہ صورت میں یتیمہ کے علاوہ دوسری عورتوں سے نکاح واجب ہے یعنی یتیمہ سے منع جب کہ اس کے حق ادا نہ کرے۔ **تیسرا اعتراض:** اسلام میں ایک مرد کو چار بیویوں کی اجازت کیوں دی اور عورت کو چار خاوندوں کی اجازت کیوں نہ دی؟ (ستیارتھ پرکاش) چند بیویاں رکھنا عورتوں پر ظلم ہے۔ **جواب:** اس کا مکمل

www.alahazratnetwork.org

جواب ہم نے اپنی کتاب اسرار الاحکام میں دیا ہے' یہاں یہ سمجھ لو کہ قدرتی طور پر عورتوں کی پیدائش مردوں سے زیادہ ہے' جیسا کہ اب بھی دیکھنے میں آ رہا ہے' پھر جنگ وغیرہ میں مرد زیادہ مارے جاتے ہیں کہ فوجیں مردوں کی بنتی ہیں نہ کہ عورتوں کی اگر چند بیویوں سے نکاح جائز نہ ہوتا تو زیادہ عورتوں کی کھپت کیسے ہوتی' نیز زیادہ اولاد بڑھانے قوم کیلئے ضروری ہے کہ آج کثرت رائے اور زیادہ مردم شماری سے ملک بنتے ہیں' پاکستان مردم شماری سے ہی قائم ہوا اگر ایک مرد کی چند بیویاں ہوں تو اولاد زیادہ ہو گی بعض قوموں میں ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت نہیں' ان میں زنا کی کثرت ہوتی ہے' کہ منکوحہ بیوی ایک ہوتی ہے داشتہ اور ٹیریری بہت سی' جیسا کہ آنکھوں دیکھا جا رہا ہے' ہر قوم کے پیشواؤں نے بہت بیویاں رکھیں' حضرت سلیمان علیہ السلام کی ایک ہزار بیویاں تھیں' حضرت داؤد علیہ السلام کی 99 تھیں' رام چندر کے والد راجہ جسرتھ کے دو بیویاں تھیں' ہندوؤں کے مشہور اوتار کنہیا کے ایک ہزار بیویاں تھیں' اگر چند بیویاں رکھنا عورت پر ظلم ہے تو کیا ان سب نے ظلم کئے؟ پنڈت جی اپنے گھر کی خبر لو عورت پر ظلم جب ہے جب کہ ان میں انصاف نہ کرے' قرآن کریم نے اسی لئے یہاں قید لگا دی کہ اگر انصاف نہ کر و تو ایک ہی بیوی رکھو۔ چوتھا اعتراض: جب مردوں کو چار بیویوں کی اجازت ہوئی تو عورتوں کو چار خاوندوں کی اجازت کیوں نہ ہوئی؟ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ اس میں بے حیائی و بے غیرتی اول درجہ کی ہے' دوسرے یہ کہ بچہ کا نسب باپ سے چلتا ہے' چند خاوندوں کی صورت میں نہ معلوم ہو تا کہ بچہ کس مرد کا ہے' کون اس کی پرورش و تربیت کرے' اس صورت میں بچہ کی عمر برباد ہوتی۔ پانچواں اعتراض: جب مسلمانوں کو چار بیویوں کی پابندی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نو بیویاں کیوں رکھیں؟ جواب: یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت سے ہے' ان زیادہ ازدواج میں صدہا حکمتیں تھیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج عورتوں کی مبلغہ تھیں' نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان قوموں کی لڑکیاں لیں جن سے رشتہ قائم ہونے کی وجہ سے اشاعت اسلام میں بہت مدد ملی جیسے حضرت ام حبیبہ بنت ابو سفیان' صفیہ بنت حیی سردار یہود کی صاحبزادی وغیرہم رضی اللہ عنہن۔ چھٹا اعتراض: اسلام میں لونڈیوں کا سلسلہ کیوں رکھا گیا؟ یہ تو خلاف انسانیت معلوم ہوتا ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ اسلام غلامیت کو مٹانا تو چاہتا تھا' مگر چونکہ یہ مسئلہ بین الاقوامی تھا' جب تک کہ دوسری قومیں اسے تسلیم نہ کر لیتیں تب تک غلامیت بند نہ ہوتی ورنہ ہم تو کافروں کو آزاد چھوڑ دیتے اور ہمارے آدمی جنگ میں قید ہو کفار کے لونڈی غلام بنتے رہتے' ہاں اسلام نے بات بات پر غلام آزاد کرنے کا حکم دیا حتی کہ قسم کے کفارہ میں غلام آزاد کرایا پھر لونڈی غلاموں سے برابری کے سلوک کا حکم دیا۔ دوسرے یہ کہ غلامیت کفر کا اثر ہے کہ جو کفار بحالت جہاد گرفتار ہوں وہ لونڈی غلام بنائے جائیں' جب جہاد میں کفار کو جان سے مار دینے کی بھی اجازت ہے تو اسے غلام بنا لینے کی بھی اجازت ہے' حربی کافر جانور کی مثل ہے کہ اس کا ذبح بھی جائز اس کا مملوک بنا کر رکھنا بھی درست' اب چونکہ بین الاقوامی قانون سے یہ چیزیں ختم ہو گئیں تو غلامیت کا سلسلہ بھی بند ہو گیا۔ ساتواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ لونڈی کا مولی پر کچھ حق نہیں تو کیا اسے بھوکے پیاسے بھی مار سکتے ہیں؟ جواب: لونڈی کا مولی پر حق زوجیت نہیں' حق ملکیت غذا' لباس وغیرہ ضرور ہے۔ یہ حق تو جانوروں کا بھی مالک پر ہے' مملوک جانور کو بھوکا پیاسا رکھنا' اس سے طاقت سے زیادہ کام لینا سخت جرم ہے' آج بھی چار سے زیادہ سواریاں لادنا جرم ہے' کیوں؟ جانور کے حق کی وجہ سے۔ آٹھواں اعتراض: **فانکحوا** حکم عام ہے جو غلام و آزاد سب مردوں کو شامل ہے' تو چاہئے کہ غلاموں کو بھی چار بیویوں کی اجازت ہو تم نے اس کیلئے دو کی پابندی کہاں سے لگائی؟

www.alahazratnetwork.org

جواب: آیت کریمہ کی اگلی عبارت ہی بتا رہی ہے کہ یہ حکم صرف آزادوں کو ہے' کیونکہ آگے ارشاد ہے کہ اگر انصاف نہ کر سکو تو ایک بیوی سے نکاح کر دیا جس کے مالک ہو اس پر کفایت کرو اور ظاہر ہے کہ غلام کسی لونڈی کا مالک نہیں ہوتا' نیز آگے فرمایا کہ بیویوں کو ان کے مہر دے دو اور ظاہر ہے کہ غلام اپنی بیوی کا مہر نہیں دیتا کہ اس کے پاس کچھ ہے ہی نہیں' بلکہ اس کا مہر مولیٰ دیتا ہے' نیز آگے ارشاد ہے کہ اگر بیویاں تمہیں کچھ مہر واپس کر دیں یا بخش دیں تو کھاؤ' اور ظاہر ہے کہ غلام نہ تو اپنی زوجہ سے مہر واپس لے سکتا ہے نہ کھا سکتا ہے بلکہ مہر کی واپسی اس کے مولیٰ کو ہوگی' ان احکام سے معلوم ہوا کہ یہاں خطاب آزادوں سے ہے غلاموں سے نہیں۔ **نواں اعتراض:** جب نکاح کے نفع خاوند و بیوی میں مشترک ہیں' اور خاوند نہ بیوی کے بدن کا مالک ہے نہ جان کا' نہ اس کے کسی عضو کا' تو اس کے ذمہ بیوی کا خرچہ اور مہر کیوں رکھا گیا' یہ تو خاوند پر بلاوجہ کا بوجھ ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ عورت خاوند کی پابند ہو جاتی ہے کہ بغیر اس کی اجازت گھر سے باہر نہیں جا سکتی' بغیر اس کی طلاق کے دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی' نیز طلاق کا اختیار خاوند کو دیا گیا عورت کو نہیں' ان پابندیوں کی وجہ سے خاوند کے ذمہ عورت کا تمام خرچہ و مہر رکھا گیا' جس جانور کو ہم پالتے ہیں' اسے اپنی قید میں رکھتے ہیں تو اس کا سارا خرچہ ہمارے ذمہ ہوتا ہے' یہ تو انسان ہے' ہماری مثل ہے غرضیکہ یہ احکام نہایت موزوں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو کوئی قوت بے کار نہ دی' ہر قوت کے مصرف مقرر فرما دیئے کہ فلاں قوت فلاں جگہ صرف کرو' قوت شہوانی بھی عطیہ ربانی ہے بلکہ دوسری قوتوں سے افضل ہے کہ اس سے عالم کا انتظام قائم ہے' اس سے نسل انسان چلتی ہے' اس سے نیک و صالح اولاد پیدا ہوتی ہے' مرد کو چاہئے یہ کہ اس قوت شہوانی کے صرف کیلئے اچھی بیویاں اختیار کرے تاکہ اولاد بھی اچھی ہو کہ ماں باپ اولاد کا سانچہ ہیں' سانچہ اچھا ہو گا تو چیزیں بھی اچھی ہی ڈھلیں گی' زوجہ صالحہ صوفیائے کرام کے نزدیک وہ ہے جس کا حسن خوف الٰہی ہو' اس کی تمنا قناعت ہو' اس کا زیور عفت و پاک دامنی ہو' اس کا مشغلہ بعد عبادت خدمت زوج ہو' اس کی ہمت تیاری موت ہو' مرد کو چاہئے کہ ایسی عورت کی طرف کبھی رغبت نہ کرے' جس کے پاس صرف حسن صورت ہو حسن سیرت نہ ہو' کہ وہ حسینہ در حقیقت ناگن ہے جو کبھی جان کی لیوا ہو گی: حدیث شریف میں ہے کہ میری امت کے تین قسم کے لوگ دوزخ میں بہت عرصہ تک رہیں گے' ایک وہ جو موٹے ہوں مگر دبلے' دوسرے وہ جو لباس پہنے ہوں مگر ننگے' تیسرے وہ جو عالم ہوں مگر جاہل' صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس ارشاد عالی کی تفسیر فرما دیجئے' فرمایا جو عورتیں بدن میں موٹی دین سے خالی ہو' وہ موٹی ہیں مگر دبلی' جو عورتیں ایسا باریک لباس پہنیں کہ ستر حاصل نہ ہو' وہ پہنے ہیں مگر ننگی' کہ حیاء و غیرت سے خالی ہیں' جو دنیاوی معاملات خوب جانتا ہو مگر دینی علم سے بے بہرہ وہ عالم ہے مگر جاہل' اس آیت کے ماتحت مردوں کو چاہئے کہ ایک یا دو یا تین بیویاں بھی کریں جو مذکورہ صفات سے متصف ہوں' تنگ جوتے سے ننگے پیر بھلا' بری عورت سے کنوارا رہنا اچھا' اچھی بیوی مرد کو اچھا بنا دیتی ہے' بری عورت مرد کو برا کر دیتی ہے۔ **نوٹ ضروری:** آج کل عام لوگوں نے اس آیت کریمہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ بہت سے لوگ چند بیویاں کر لیتے ہیں' مگر ان میں عدل و انصاف نہیں کرتے' شاید سو میں ایک ہو گا جو چند بیویوں میں صحیح طور پر اسلامی عدل و انصاف کرتا ہو تعدد ازدواج کے جواز کیلئے یہ آیت کریمہ تو پیش کرتے ہیں' مگر اس آیت کا یہ جز نہیں دیکھتے کہ اگر انصاف نہ کر سکو تو ایک ہی کرو' کتنے ظلم کی بات ہے اور

ان ظالموں کے برتاؤ سے اسلام و قرآن کس قدر بدنام ہوتا ہے' آج جس قدر ظلم مسلمان اپنی بیویوں پر کر رہے ہیں' دوسری قومیں اس قدر ظلم نہیں کرتیں' خیال رکھو کہ قیامت قریب ہے اللہ تعالیٰ حسیب ہے وہاں تو اب ضرور دینا ہے۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْ

اور نہ دو نادانوں کو اپنے مال کہ بنایا اللہ نے واسطے تمہارے باعث قیام اور روزی دو

اور بے عقلوں کو ان کے مال نہ دو جو تمہارے پاس ہیں جن کو اللہ نے تمہاری بسر اوقات

هُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝

انہیں اس مال میں اور کپڑا دو ان کو اور کہو ان سے بات پسندیدہ۔

کیا ہے اور انہیں اس میں سے کھلاؤ اور پہناؤ اور کہو ان سے بات اچھی

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں یتیموں کے والیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرو' اب فرمایا جا رہا ہے کہ حوالہ جب کرو جب ان میں مال سنبھالنے کی قابلیت بھی ہو' نا قابل یتیموں کا مال اپنے قبضہ میں رکھو گویا پہلے حکم تھا اب اس حکم کی شرائط کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں حکم تھا کہ اپنی بیویوں کا مہر دے دو' ان کا قبضہ کرا دو' اب حکم ہے کہ جو بیویاں ناسمجھ' بے وقوف ہوں' جو مال کو صحیح طور پر خرچ کرنا نہ جانتی ہوں' انہیں ہرگز نہ دو تاوقتیکہ ان میں سمجھ آ جائے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا اب مال کی قدر کا ذکر ہو رہا ہے' کہ مال کے ذریعہ بہت سے شرعی احکام وابستہ ہیں۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ آیات میں مال دینے والوں کا ذکر ہے کہ مال کا تعلق دینے والوں سے بھی ہے اور لینے والوں سے بھی' دینے والوں کا ذکر پہلے تھا۔ لینے والوں کا اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: **ولا تؤتوا السفهاء اموالكم:** ظاہر یہ ہے کہ **لا تؤتوا** میں خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے' جن سے پہلے بھی خطاب تھا' اور ہو سکتا ہے کہ خاوندوں سے خطاب ہو' جن سے ابھی ابھی خطاب تھا۔ **لا تؤتوا** سے مراد ان کو مالک بنا دینا ہے۔ **سفهاء'** سفیہ کی جمع ہے' اس کی تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی کہ سفاہت کے معنی ہیں خفت عقل' یہاں وہ دیوانہ پن یا پاگل پن مراد ہے' جس کی وجہ سے انسان مجور التصرف ہو جاتا ہے کہ اسے شرعاً" مالی لین دین اور مالی معاملات کرنے کا حق نہیں ہوتا' یا وہ عاقل بالغ جو مالی امور میں لاپرواہ اور کھاؤ اڑاؤ ہو' مال کا برباد کرنے والا ہو' اس کے احکام میں بہت تفصیل ہے کہ حضرت امام شافعی و صاحبین کے ہاں اسے کبھی مال نہ دیا جائے گا اور وہ کبھی تصرفات مالیہ سے مجور رہے گا' مگر امام اعظم رضی اللہ عنہ کے ہاں کچھ تفصیل ہے کہ پچیس سال کی عمر تک ایسے شخص کا مال ولی کے قبضہ میں رہے' پچیس سال کی عمر میں اس کا مال اسے دے دیا جائے گا کیونکہ اب اس کے سنبھلنے کی امید نہ رہی' نیز جو بے عقلی میں ہی بالغ ہوا اور جو پہلے عاقل ہو بعد میں بے عقل ہو جائے' اس کے احکام میں فرق ہے' غرضیکہ یہاں سفہاء سے مراد نابالغ یتیم ہیں یا دیوانے پاگل کہ اس پر سب کا اتفاق ہے' اصول

www.alahazratnetwork.org

جمع فرما کر سارے مالوں کو شامل فرمالیا گیا منقول ہوں یا غیر منقول۔ اموال کی نسبت یتیموں کے ولیوں کی طرف قبضہ کی نسبت ہے نہ کہ ملکیت کی، کیونکہ ان مالوں کے مالک تو وہ یتیم ہی ہیں، مگر قبضہ والیوں کا ہے اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایسا ترجمہ فرمایا' اور ہو سکتا ہے کہ کم سے مراد نوع انسان ہو یعنی نوع انسان کا مملوکہ مال' جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے انتم هٰؤلاء تقتلون انفسکم وغیرہ اور اگر اموالکم میں خاوندوں سے خطاب ہو یا عام لوگوں سے خطاب ہو یعنی اے خاوندو! اپنی دیوانی نابالغہ بیویوں کو ان کا مہر نہ دو' یا اے باپو! اپنا مال نابالغ بچوں کے حوالہ نہ کرو' پھر کسی توجیہ کی ضرورت نہیں آیت بالکل صاف ہے التی جعل اللہ لکم قیما : التی' اموال کی صفت ہے' ظاہر یہ ہے کہ جعل دو مفعول چاہتا ہے' پہلا تو پوشیدہ ہے' دوسرا مفعول قیما ہے' اصل میں جعلها اللہ تھا۔ قیام در اصل قوام تھا' قاف کے کسرہ کی وجہ سے واؤ ی سے بدل گیا قیام سے مراد یا تو زندگی ہے یعنی قیام دنیا یا بمعنی گزر اوقات اور مراد ذریعہ قیام اور ذریعہ بقاء ہے یعنی وہ مال جسے رب تعالیٰ نے تمہارے لئے ذریعہ بقاء و ذریعہ عیش بنایا اسے برباد نہ کرو' وارزقوهم فیها واکسوهم یہ والیوں کو دوسرا حکم ہے' رزق اگرچہ کھانا لباس ہی کو کہتے ہیں مگر یہاں کھانا مراد ہے کیونکہ لباس کا ذکر آگے' رہا ہے' ھم کا مرجع وہ یتیم ہیں یا بیویاں یا سارے بچے' یہاں منها نہ فرمایا بلکہ فیها فرمایا' تاکہ معلوم ہو کہ ان کے اصل مال سے انہیں نہ کھلاؤ پلاؤ کہ ان کے مال سب خرچ نہ ہو جائیں بلکہ اصل مال تو تجارت میں لگاؤ' اس کے نفع سے ان پر خرچ کرو کہ وہ مال خرچ کا ظرف بنے خود خرچ نہ ہو۔ (کبیرو خازن و معانی وغیرہ) کسوت سے مراد عام لباس ہے خواہ ہر وقت پہننے کا ہو جیسے کرتہ پائجامہ ٹوپی عمامہ یا کبھی کبھی استعمال کا جیسے اچکن' رضائی' لحاف توشک وغیرہ کہ یہ تمام چیزیں' ان یتیموں کے ہی مال سے بنائی جائیں گی وقولوا لهم قولا معروفا یہ والیوں یا خاوندوں وغیرہم کو تیسرا حکم ہے قول معروف یعنی اچھی بات سے ہر وہ بات مراد ہے جو ان کی دلجمعی' تسکین کا باعث ہو یا ان کیلئے مفید ہو مثلاً ان سے کہہ دو کہ یہ مال تمہارا ہی ہے' ہمارا نہیں' جب تم بالغ ہو جاؤ گے یا تم میں سمجھ آجائے گی تب تم ہی کو دیا جائے گا' ابھی تمہارے ہی نفع کیلئے تم کو نہیں دیتے یا ان کی تربیت و تعلیم اچھی کرو' انہیں سمجھاؤ کہ بچپن میں کسی قابل بن جاؤ' کوئی اعلیٰ ہنر اچھی تعلیم حاصل کر لو' تاکہ کل تمہیں کام آئے۔ غرضیکہ قول معروف میں بڑی وسعت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سے نرم گفتگو مراد ہو یعنی ان سے سخت اور کڑوی بات نہ کیا کرو' نرمی سے سمجھایا کرو کہ نرم مٹی میں دانہ خوب اگتا ہے' نرم لوہا جدھر چاہو مڑ جاتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے یتیموں کے والیو! تم کو حکم تو دیا گیا ہے کہ یتیموں کا مال انکو دے دو' مگر خیال رکھنا کہ ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے' یہ مال دینے کا بھی وقت ہے' جب تک وہ نابالغ ہوں یا اگر وہ مجنون دیوانہ ہوں تو ایسے نادانوں ناسمجھ بچوں دیوانوں کو ان کا وہ مال نہ دو جو تمہارے پاس ہے' جانتے ہو کہ مال ہی وہ نعمت ہے جو تمہارے لئے بقائے زندگی' عیش و آرام جان اور گزر اوقات کا ذریعہ ہے' اس کی قدر کرو' اسے دیوانوں کے حوالے کر کے برباد نہ کراؤ' ہاں اسی مال میں یتیموں کو بقدر حیثیت کھانا کپڑا دیتے رہو اس طرح کہ مال تجارت سے بڑھاؤ اور نفع ان پر خرچ کرو' اور ہمیشہ ان سے اچھی بات کرو کہ انہیں مال سے مایوس نہ کرو' دینے کا وعدہ کرتے رہو یا انہیں علم و ادب و ہنر سکھاؤ۔ نوٹ: عام صحابہ و مفسرین نے اس آیت کریمہ کی یہی تفسیر کی ہے مگر حضرت عبداللہ ابن مسعود و عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ سفهاء سے مراد بے عقل دیوانی بیویاں اور ناسمجھ بچے و

www.alahazratnetwork.org

یتیم سب ہی ہیں، یتیموں کے والیوں، خاوندوں وغیرہ سب کو حکم دیا گیا ہے کہ ناسمجھ دیوانوں اور نابالغوں کو مال نہ دیں ورنہ وہ ضائع کر دیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک عورت بارگاہ نبوی میں حاضر ہو کر بولی کہ ہماری برائیاں تو بہت ہیں ہم ناقص عقل، ناقص دین سب کچھ ہیں، کچھ ہمارے فضائل بھی ہیں فرمایا ہاں تم میں سے حاملہ عورت کو مرابطہ فی سبیل اللہ یعنی تیاری جہاد کرنے والے کا ثواب ہے، جنتے وقت اس شہید کا ثواب ہے جو اپنے خون میں لوٹے اور دودھ پلانے کے زمانہ میں بچے کے ہر گھونٹ پر غلام آزاد کرنے کا ثواب بچہ کی پرورش میں راتوں کے جاگنے پر شب بیداری و ریاضت کا ثواب بشرطیکہ اللہ کی اور اپنے خاوند کی مطیعہ رہے۔ (روح المعانی)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: مال اللہ تعالیٰ کی بڑی اعلیٰ نعمت ہے اس کی قدر اور اس کی حفاظت چاہئے جیسا کہ **لا تؤتوا السفهاء** سے معلوم ہوا، قرآن کریم میں مال کی حفاظت کے متعلق بہت آیات وارد ہوئیں، چنانچہ قرآن کریم کی سب سے بڑی آیت یعنی آیت مداینہ قرض کے لین دین ہی کی آیت ہے جس میں قرض کی تحریر دستاویز لکھنے کا طریقہ سکھایا گیا کیوں حفاظت مال کیلئے: نیز رب تعالیٰ نے فرمایا **لا تبذر تبذیرا** فضول خرچی نہ کرو اور فرماتا ہے **ولا تبسطها كل البسط** خرچ میں ہاتھ کھول نہ دو، اور فرماتا ہے **لم يسرفوا ولم يقتروا** مومن وہ ہیں جو خرچ کرنے میں زیادتی و کمی نہیں کرتے، یہ تمام احکام حفاظت مال کیلئے ہیں، حضرت قیس ابن جد دعا کرتے تھے، خدایا مجھے حمد و مجد دے، حمد بغیر اعمال حاصل نہیں ہوتی اور مجد بغیر مال ناممکن ہے: سفیان ثوری فرماتے ہیں مال کمانے سے غافل نہ رہو، تجارت وغیرہ کرتے رہو کیونکہ آج غریب آدمی پہلے اپنا دین کھاجاتا ہے، اسلام کی اکثر عبادات مال پر موقوف ہیں، زکوٰۃ، قربانی، حج، جہاد، فطرہ، خدمت والدین وغیرہ، بغیر مال ناممکن ہے، دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے مال کو ہمارے لئے قیام یعنی بقا کا ذریعہ فرمایا، لہٰذا مسلمانوں پر مال کمانا اور کمانے کے بعد اسکی حفاظت کرنا اشد ضروری ہے۔ (کبیر و معانی) فراغت قلبی بغیر مال ناممکن ہے اور بغیر فراغت دلی عبادات میں کمال نہیں آتا، شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خداوند نعمت بحق مشتغل — پراگندہ روزی پراگندہ دل

شب چو عقد نماز بربندم — چہ خورد بامداد فرزندم

دوسرا فائدہ: فضول خرچوں مال کے ناقدروں کو مال نہ دو کہ وہ مال کھا اڑا کر برباد کر دیں گے، جب نابالغ یتیموں مجنونوں، دیوانوں کو ان کا خود اپنا مال دینا جائز نہیں کہ وہ قدر نہ کریں گے، تو اپنا مال کھانے اڑانے والوں کو دینا کسی طرح جائز نہ ہوگا لہٰذا ڈوم، مراثی، بھانڈ کو پیسہ دینا سخت جرم ہے، نیز تماشوں، کھیلوں، ناجائز معاملات میں پیسہ خرچ کرنا سخت گناہ ہے کہ اس میں مال کی بربادی بھی ہے، وقت ضائع کرنا بھی، رب تعالیٰ فرماتا ہے، **ان المبذرين كانوا اخوان الشيطين** مال برباد کرنے والے فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ تیسرا فائدہ: یتیم کے اولیاء کو مال یتیم میں تجارت کرنا اسے کاروبار میں لگانا جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ مال برباد نہ ہو جائے، کوشش کرے کہ یتیم کا خرچ نفع سے چلے اور اصل مال محفوظ رہے جیسا کہ **وارزقوهم فيها** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: یتیم کے والی کو چاہئے کہ یتیم کی خوراک اور پوشاک کا انتظام اپنی نگرانی میں کرے، غفلت نہ کرے، دوسرے کے سپرد نہ کر دے، جیسا کہ **واكسوهم** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اگر

www.alahazratnetwork.org

کسی کی زوجہ نابالغہ یا دیوانی' مجنونہ ہو' تو اس کا مہر اس کے قبضہ میں نہ دے کہ وہ اسے برباد کر دیگی بلکہ یا تو اس کے والدین کے حوالہ کر دے یا اس پر صرف کرے' نان و نفقہ کے علاوہ ہیں' جیساکہ **سفہاء** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بہت چھوٹے بچوں کو جنہیں پیسہ وغیرہ کی پہچان نہ ہو روپیہ پیسہ نہ دو کہ وہ اسے برباد کر دیں گے' کچھ ہوش سنبھالنے پر جبکہ وہ پیسہ کو تو پہچاننے لگیں' مگر نوٹ یا روپیہ نہ پہچانیں' انہیں پیسہ تو دو' روپیہ نہ دو' جیساکہ **سفہاء** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مال انسانوں کیلئے دین و دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے اسے برا نہ کہو' نہ برا سمجھو' جو مال اللہ تعالیٰ کی رضاء کیلئے خرچ ہو وہ رب تعالیٰ کی رحمت ہے' جو مال رب تعالیٰ سے غافل کر دے' بری راہ پر لگا دے' وہ رب تعالیٰ کا عذاب۔ فرائض کی شرائط بھی فرض ہوتی ہیں' نماز کیلئے وضو کرنا فرض ہے' ایسے ہی زکوٰۃ و حج کیلئے مال بھی لازم جیساکہ **قیما** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** بچوں کو علم و ہنر سکھانا اشد ضروری ہے۔ جس سے وہ آئندہ اپنی زندگی سنوار سکیں' بھیک نہ مانگتے پھریں جیساکہ **قولا معروفا** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** چھوٹے بچوں سے ابے تبے اوئے کرکے نہ بولو بلکہ آپ جناب کر کے کلام کرو تاکہ وہ بھی اسی قسم کی مہذب گفتگو کرنا سیکھیں' نرم کلام کرو' شیریں بات کہو کہ ان میں نرمی و شیرینی پیدا ہو جیساکہ **قولا معروفا** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا' بچہ کا پہلا مدرسہ اسکا اپنا گھر ہے اور پہلے معلم ماں باپ۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں یتیموں کے مال کو والیوں کا اپنا مال کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **اموالکم** اس کی بجائے **اموالهم** ہونا چاہئے تھا۔ **جواب:** اس کے تین جواب ہیں: یہ کہ **سفہاء** سے مراد نا سمجھ بیویاں اور اپنی نادان اولاد ہے' تو معنی یہ ہوئے' کہ نا سمجھ بیویوں کو ان کا مہر نہ دو' اور اپنے نادان بچوں کو اپنا مال نہ دو' اور ظاہر ہے کہ مہر ادا کرنے سے پہلے خاوند کا اپنا مال ہوتا ہے' اور اس کے بعد بیوی کی ملک بنتا ہے: دوسرے یہ کہ **سفہاء** سے مراد نادان' بے عقل یتیم بچے ہیں: اور **اموالکم** میں مال کی اضافت قبضہ کے لحاظ سے ہے نہ کہ ملکیت کے اعتبار سے' یعنی اپنا مقبوضہ مال جو یتیموں کی ملک ہے ان کو سپرد نہ کرو' تیسرے یہ کہ یتیموں کے مال کو مجازاً اولیاء کا مال فرمایا کہ جیسے تمہیں اپنے مال کا درد ہوتا ہے ویسے ہی ان کے مال کا درد کرو' یہ گویا تمہارا اپنا ہی مال ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ اس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے قیام کا ذریعہ بنایا' یتیموں کا مال والیوں کے بقاء کا ذریعہ نہیں' وہ تو یتیموں کے بقاء کا ذریعہ ہے تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ یہاں مطلق مال کا ذکر ہے نہ کہ خاص یتیم کے مال کا' یعنی مال بقاء انسان کا ذریعہ ہے' دوسرے یہ کہ اگر یتیم کا مال ہی مراد ہو' تو قیام سے مراد دینی قیام ہے' یعنی یتیموں کا مال تمہارے دین کے قیام کا ذریعہ ہے' اگر اس کی حفاظت کرو گے' ثواب پاؤ گے' برباد کرو گے' عذاب کے مستحق ہو گے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سفہاء یعنی بیوقوفوں کو ان کا مال نہ دینا چاہئے' تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کیوں فرماتے ہیں کہ پچیس سال کی عمر پر بہر حال ان کا مال دے دیا جائے' عاقل ہوں یا نہ ہوں ان کا یہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ (شوافع) **جواب:** امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں **سفہاء** سے مراد نابالغ بچے اور دیوانے لئے کہ یہ دونوں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں بھی مجبور ہیں کہ وہ مال خود خرچ نہ کریں ان کا ولی خرچ کرے' جب بچہ بالغ بھی ہو عاقل بھی' عمر بھی اس کی پختہ ہو جائے پھر اسے تصرف سے کیوں روکا جائے' ان کے پورے دلائل ہدایہ' فتح القدیر وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یتیم کا ولی یتیم کے مال میں تجارت کرے حالانکہ وہ تو محض امین ہے' امین کو امانت کے مال میں تجارت جائز نہیں' وہ صرف حفاظت کا ذمہ دار ہے۔ **جواب:** یتیم کا ولی محض امین

www.alahazratnetwork.org

نہیں بلکہ یتیم کا اور اس کے مال کا متولی بھی ہے' اور متولی کو ان تصرفات کا حق ہوتا ہے' اگر محض امین ہوتا تو اسے یتیموں کی غذا و لباس کے انتظام کا بھی حق نہ ہوتا' حالانکہ یہاں ان دونوں کا حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا مال اس کے دین و دنیا کے قیام کا ذریعہ ہے' عاقل وہ ہے جو اس مال کو بقدر ضرورت تو دنیا کیلئے خرچ کرے' باقی دینی مصلحتوں میں صرف کرے' سفیہ و بے وقوف وہ ہے جو اسے دنیا پر ہی صرف کرے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تیرے اندر ایک سفیہ نادان ساتھی موجود ہے جو تجھے ہر وقت غلط مشورے دیتا ہے' یعنی تیرا نفس یہ سفیہ بھی اور تیرا دشمن بھی' اس کے مشورے سے اس پر مال خرچ نہ کر کہ اس میں مال کی بربادی ہے' اسے صرف روزی دے یعنی بقدر ضرورت کھانا پینا اور لباس دے' جس سے نفس کے عیوب چھپ جائیں جو اس کے علاوہ خرچ ہیں وہ اسراف و فضول خرچی ہیں اور اس نفس سے ہمیشہ اچھی باتیں کہہ کہ اے نفس تو نے اللہ کی روزی کھائی تو اس کا شکریہ بھی کر' تو نے اللہ تعالیٰ کا دیا لباس پہنا تو اس کی نافرمانی سے بچ' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ' اپنے کھانے کو عبادت کے چورن سے ہضم کرو' کم از کم یہ کہ ہر لقمہ پر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو اور کھانے سے فارغ ہونے پر اس کی حمد' جو شخص رات کا کھانا کھا کر بغیر ذکر الٰہی سو جائے تو اس کا دل سخت ہو جاتا ہے' بعض حضرات فرماتے ہیں کہ علوم کے مال معرفت کے خزانہ سفہاء یعنی نااہل عوام کو نہ دو کہ وہ سفیہ ہیں اس کی قدر نہ کریں گے' کسی بزرگ نے عارفوں کی مجلس میں اولیاء اللہ کی کرامات کا ذکر فرمایا' مجمع کو وجد آ گیا' حاضرین میں سے کسی نے وہی تقریر نااہلوں کی مجلس میں دہرائی' لوگ اس کا انکار کر بیٹھے' وہ بولے واقعی مرغ کے بازار میں لوٹ نہ بیچو' شور والی زمین میں دانہ ضائع نہ کرو۔

در مخنث باسطہ گفت از علوم ۔۔۔ کہ ضائع شود تخم در شورہ بوم

(از روح البیان)

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ
اور آزماؤ یتیموں کو یہاں تک کہ جب وہ پہنچ جائیں جوانی کو تو اگر محسوس کرو تم ان کی طرف سے
اور یتیموں کو آزماتے رہو تا آنکہ جب وہ نکاح کے قابل ہوں تو اگر ان کی سمجھ ٹھیک دیکھو
رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ
سمجھ بوجھ تو حوالہ کر دو ان کی طرف سے ان کے مال اور نہ کھاؤ تم ان مالوں کو فضول خرچی سے اور جلدی
تو ان کے مال انہیں کے سپرد کر دو اور انہیں نہ کھاؤ حد سے بڑھ کر اور اس جلدی میں کہ کہیں
يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ
کہ کہیں بڑے ہو جائیں اور جو ہو بے نیاز وہ محفوظ رہے اور جو ہو حاجتمند وہ بھلائی سے
بڑے نہ ہو جائیں اور جسے حاجت نہ ہو وہ بچتا رہے اور جو حاجتمند ہو وہ بقدر مناسب کھائے پھر جب

www.alahazratnetwork.org

بِالْمَعْرُوْفِ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ
کچھ کھائے پس جب دینے تم کو انہیں تم ان کے مال تو گواہ بنالو ان پر اور کافی ہے
تم ان کے مال انہیں سپرد کردو تو ان پر گواہ کرلو اور اللہ کافی ہے
وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝
اللہ حساب لینے والا
حساب لینے کو

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں والیوں کو حکم تھا کہ یتیموں کو ان کے مال دے دیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کب دیں' گویا دینے کا حکم پچھلی آیت میں تھا اور دینے کا وقت اس آیت میں بتایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ نادانوں یتیموں کو مال حوالہ نہ کرو' اب ان کی نادانی دفع کرنے کا علاج اس آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ ان سے تجارتیں کراؤ' ان کی آزمائش کرو تاکہ نادانی دور ہو' غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے تھا اور اس کے علاج کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں یتیموں کے والیوں کو یتیموں کا مال کھانے سے سخت منع فرمایا تھا اب بعض صورتوں میں کھانے کی اجازت دی جارہی ہے' قانون کا بیان پہلے تھا اور قانون کی تشریح اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں یتیموں سے اچھی بات کرنے کا حکم تھا' اب یہاں سے اچھی بات کی شرح کی جارہی ہے کہ انہیں علم و ہنر سکھاؤ' انہیں جانچتے رہو' **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں یتیموں کے مال سپرد کرنے کا حکم تھا' اب اس سپرد کرنے کے قاعدے ارشاد ہو رہے ہیں کہ دیتے وقت گواہ بنالو تاکہ بعد میں جھگڑا نہ ہو۔

شان نزول: حضرت رفاعہ کا انتقال ہوگیا' ان کا فرزند ثابت ابن رفاعہ ابھی بچہ تھا' چنانچہ یہ بچہ اور رفاعہ کا متروکہ مال رفاعہ کے بھائی کے سپرد ہوئے' ثابت کے یہ چچا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے' عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ثابت کے یتیم اور اس کے مال کا متولی بنایا گیا ہے فرمایا جائے کہ میں بحق خدمت اس مال میں سے کچھ کھا سکتا ہوں یا نہیں؟ اور یہ مال اس بچہ کو کب اور کس طرح حوالہ کروں' ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان کے تینوں سوالوں کے جوابات دیئے گئے۔ (تفسیر خازن)

تفسیر: وابتلوا الیتمی: ابتلوا' باب افتعال سے ہے ابتلاء کا امر' اس کا مادہ بلو ہے' بمعنی جانچ' امتحان' آزمائش' اسی سے ہے بلا' کہ آفات میں بھی انسان کی جانچ ہوتی ہے' اس میں خطاب یتیموں کے والیوں سے ہے' حق یہ ہے کہ اس آزمائش سے مراد دینی و دنیاوی دونوں قسم کی آزمائشیں ہیں کہ والی اپنے زیر پرورش یتیموں کی ہر قسم کی آزمائش کرے' ان کے نماز روزے وغیرہ کو بھی آزمائے' ان سے تجارتی لین دین اور کاروبار بھی کرائے' یتامی سے مراد وہ یتیم ہیں جو سمجھدار بھی ہوں اور صاحب مال بھی' بالکل ناسمجھ بچے آزمائش کے قابل نہیں' امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک آزمائش کا طریقہ یہ ہے کہ ان کا

www.alahazratnetwork.org

کچھ مال انہیں حوالہ کرکے کہا جائے کہ اس سے کچھ تجارت کرو یا انہیں اپنی دکان پر بٹھایا جائے کہ وہ کچھ سودے بیچیں یا انہیں خریداری کیلئے دکانوں پر بھیجا جائے۔ امام شافعی کے ہاں اس جانچ کی یہ صورت نہیں کیونکہ ان کے ہاں نابالغ بچے کو نہ تصرف کرنے کی اجازت ہے نہ اسے اس کا مال دیا جائے' ان کے ہاں اس امتحان کی صرف یہ صورت ہے کہ یتیم اپنے والی کی موجودگی میں گاہکوں سے سودا کرے پھر خرید و فروخت والی کرے۔ خیال رہے کہ دینی آزمائش تو ہر بچے کی یکساں ہے' اس کی جانچ پڑتال کی جائے کہ اس کا طبعی میلان نماز روزہ کی طرف ہے یا جوئے وغیرہ یا بد معاشی کی جانب' مسجد کو پسند کرتا ہے یا سینما کو' مگر دنیوی جانچ ہر قوم کی مختلف' چنانچہ تاجر لوگ اپنے یتیموں اور بچوں کو خرید و فروخت کرا کے جانچیں' کاشتکار زمیندار کبھی اپنی کھیتی باڑی کا کام ان کے سپرد کریں' امیر لوگ کبھی نوکروں چاکروں کا انتظام ان کے ذمہ کریں' عام لوگ انہیں کچھ پیسے دیکر بازار سے سودا سلف منگوائیں' لڑکیوں کا امتحان گھریلو کام کاج کے ذریعہ کریں' کبھی ان سے کھانے پکوائیں' چرخہ کتوائیں' کپڑے سلوائیں غرض کہ پتہ کریں کہ یہ کام اپنا سنبھال سکیں گی یا نہیں' قرآن کریم کا یہ ایک جملہ **وابتلوا الیتمی** ان سب صورتوں کو شامل ہے (تفسیر خازن) یہ بھی خیال رہے کہ یہ ساری آزمائشیں ان کے بلوغ سے پہلے ہوں گی' کیونکہ آگے بلوغ کو ان کی آزمائشوں کی انتہا قرار دیا گیا ہے' نیز یہ آزمائشیں بار بار کی جائیں نہ کہ فقط ایک دفعہ **حتی اذا بلغوا النکاح**: نکاح عقد یعنی شادی کو کہتے ہیں' نکاح تک پہنچنے سے مراد ان کا بالغ ہونا ہے' کیونکہ نکاح کی ضرورت لڑکے لڑکی کو بالغ ہونے کے بعد ہی ہوتی ہے' اگرچہ نکاح نابالغی میں بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا ہے' بلوغ کی پانچ علامتیں ہیں' تین لڑکے لڑکی میں مشترک ہیں جیسے انزال و احتلام یا پندرہ سال کی عمر یا زیر ناف بالوں کا آنا' دو علامتیں لڑکیوں سے خاص جیسے حیض یا حاملہ ہو جانا۔ خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک لڑکے کے بلوغ کی انتہائی عمر اٹھارہ سال ہے مگر فتویٰ اس پر ہے کہ لڑکے لڑکی دونوں کے بلوغ کی انتہائی عمر پندرہ سال ہے' جیسا کہ شامی وغیرہ کتاب الحجر میں ہے' یہ بلوغ بچے بچی کی یتیمی کی بھی انتہا ہے' اور ان کے امتحانوں کی بھی **فان انستم منهم رشدا** یہ یتیموں کا مال ان کے حوالے کرنے کی دوسری شرط ہے: **انستم** میں بھی خطاب یتیموں کے اولیاء سے ہے۔ یہ لفظ باب افعال کا ماضی ہے' اس کا مصدر ایناس ہے' مادہ انس' بمعنی احساس اور دیکھنا' معلوم کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انس من جانب الطور نارا**: موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے طور کی طرف آگ دیکھی یا محسوس فرمائی۔ اور فرماتا ہے **انی انست نارا**: یہ لفظ انسان سے ماخوذ ہے' انسان آنکھ کی پتلی کو کہتے ہیں' اور پتلی کا کام ہے دیکھنا' یہاں بجائے **علمتم** کے **انستم** فرمایا تاکہ بتایا جائے کہ تم ان یتیموں کا ٹھیک ٹھاک ہونا اپنی آنکھوں سے دیکھ لو۔ رشد' ر کے پیش سے دنیوی و اخروی سمجھ کو کہتے ہیں' اور ر کے فتح سے اخروی سمجھ کو' رشید ان دونوں سے بنتا ہے' بمعنی دینی و دنیوی سمجھدار یا دین میں ٹھیک۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما امر فرعون برشید** یعنی جب یتیم بچے بالغ ہو جائیں' پھر اس کے بعد تم ان میں دنیوی کاروبار کی سمجھ بھی دیکھو اور محسوس کر لو کہ یہ اپنا مال سنبھال لیں گے ضائع نہ کریں گے تو **فادفعوا الیهم اموالهم** ان کے مال انہیں سپرد کردو: یہاں اموال کی نسبت ھم کی طرف ملکیت کی ہے کیونکہ یہ مال ان یتیموں کی ہی ملک تھے اور پہلے' اور وہاں **اموالکم** میں قبضہ کی نسبت تھی' کیونکہ وہ مال والیوں کے قبضہ میں تھے' لہٰذا یہ عبارت اس عبارت کے خلاف نہیں۔ صاحبین و امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ اس آیت کی بناء پر فرماتے ہیں کہ غیر سمجھدار بچے کو اس کا مال کبھی حوالہ نہ کیا جائے' اگرچہ وہ بوڑھا ہو جائے کیونکہ رب

www.alahazratnetwork.org

تعالٰی نے یہاں مال دینے کی دو شرطیں بیان فرمائیں' ایک بلوغ' دوسری سمجھ 'مگر امام صاحب فرماتے ہیں کہ 25 سال کی عمر میں ناسمجھ کو بھی اس کا مال دے دیا جائے کیونکہ ان کے ہاں اٹھارہ سال بلوغ کی عمر ہے' اور سات سال ناسمجھ میں سمجھ آنے کے انتظار کی مدت: شریعت نے سمجھ کی مدت سات سال مانی' اسی لئے سات سال کے بچے کو نماز کا حکم ہے' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ 25 سال کی عمر میں انسان کی لب یعنی خاص عقل کی انتہاء ہوتی ہے۔ اطباء کہتے ہیں کہ جو 25 سال کا ہو گیا وہ اپنے رشد یعنی پورے کمال کو پہنچ گیا۔ (تفسیر روح المعانی) ہاں مجنون دیوانے شخص کو اس کا مال کبھی نہ دیا جائے گا اگرچہ بوڑھا ہو جائے جب تک عاقل نہ ہو **ولا تاکلوھا اسرافا وبدارا ان یکبروا** : یہ یتیموں کے اولیاء کو تیسرا حکم ہے' اکل سے مراد یا تو کھانا ہی ہے یا کھانا و پہننا دونوں: **لا تاکلوا** میں خطاب صرف یتیم کے والی کو ہے۔ جس میں اس کے بال بچے شامل نہیں' کیونکہ یتیم کے دل سے کچھ کھانے یا کھانے پینے دونوں کی اجازت صرف اسی کو ہے' اسراف کے معنی بارہا عرض کئے جاچکے ہیں: یہ سرف سے ہے بمعنی حد سے بڑھنا' ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا اسراف کہلاتا ہے' اور ناجائز خرچ کو تبذیر کہتے ہیں: بدار کے لغوی معنی جلدی ہیں' اسی سے مبادرت ہے' چودھویں رات کے چاند کو بھی بدر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ آفتاب ڈوبتے ہی جلدی نکل آتا ہے: بعض نے فرمایا کہ بدار کے معنی ہیں بھر جانا' چودھویں رات کے چاند کو اس لئے بدر کہتے ہیں کہ وہ نور سے بھرا ہوتا ہے' کھانے کے ڈھیر کو بیدر اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ کھانے سے بھرا ہوتا ہے' روپے پیسے سے بھری تھیلی کو بدرہ کہا جاتا ہے کہ وہ مال سے بھری ہوتی ہے' مگر یہاں پہلے معنی بن سکتے ہیں: روح المعانی میں یہاں اسراف اور بدار دونوں اسم یا تو مفعول لہ ہیں یا بمعنی اسم فاعل ہو کر حال: یکبروا باب **سمع یسمع** کا مضارع ہے: اس کا مادہ کبر ہے: لفظ کبر جب باب سمع سے آئے تو عمر کی بڑائی کے معنی دیتا ہے: اور جب **کرم یکرم** سے آئے' تو عزت و شرف میں بڑائی کے معنی دیتا ہے: اور اگر اس کے بعد علیٰ آ جائے تو بھاری پڑنا مشقت کے معنی میں ہوتا ہے: قرآن کریم میں یہ لفظ تینوں طرح استعمال ہوا ہے' یہاں پہلے معنی ہیں **ان یکبروا** سے پہلے خوفا پوشیدہ ہے یعنی اے یتیموں کے والیو: تم اس خطرہ سے کہ یتیم بڑے ہو کر اپنا مال لے لیں گے' ان کا مال جلدی جلدی فضول خرچی سے نہ کھاؤ **ومن کان غنیا فلیستعفف** : یہ یتیموں کے اولیاء کو چوتھی ہدایت ہے: **فلیستعفف** باب استفعال کا امر ہے' اس کا مصدر استعفاف ہے مادہ عف بمعنی کف یعنی رکنا اور باز رہنا اسی لئے پاکدامن کو عفیف یا عفیفہ کہتے ہیں یعنی بے حیائیوں اور گناہوں سے بچنے والا غنی سے مراد شرعی غنی نہیں' جس پر زکوۃ فرض ہو بلکہ لغوی غنی ہے یعنی جو مال یتیم کھانے کا حاجتمند نہ ہو یعنی جو ولی اللہ کے فضل سے یتیم کے مال سے بے نیاز ہے وہ اس مال سے بہت ہی پرہیز کرے' اس کے قریب بھی نہ جائے' صرف اللہ کیلئے یتیم کی پرورش کرے **ومن کان فقیرا فلیاکل بالمعروف** یہ غریب والی کیلئے اجازت ہے: من سے مراد صرف والی ہے نہ کہ اس کے بال بچے: فقیر سے مراد لغوی فقیر ہے یعنی حاجتمند نہ کہ شرعی فقیر جس پر زکوۃ واجب نہ ہو' لہذا اگر غریب آدمی یتیم کے مال کا حاجتمند نہ ہو تو ہرگز نہ کھائے **فلیاکل** سے مراد یا تو صرف کھانا ہی ہے یا کھانا پہننا دونوں' دوسری بات زیادہ قوی ہے کہ حاجتمند ولی کو یتیم کے مال سے بقدر ضرورت کھانے کی بھی اجازت ہے اور پہننے کی بھی' مگر شرطیکہ بالمعروف ہو' اس طرح کہ اس کے مال سے موٹا پہنے حتیٰ کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ گاڑھا پہنے ململ نہ پہنے' دال کھائے گوشت نہ کھائے مگر گاہے بگاہے پھر بھی علماء کے نزدیک یہ بھی بطور قرض لے کہ جب اللہ تعالٰی اسے مال دے'

www.alahazratnetwork.org

تو یہ سب خرچہ یتیم کو واپس کر دے اس کی دلیل حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا وہ خط ہے جو عبد ابن حمید اور ابن ابی شیبہ نے نقل فرمایا جس میں آپ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے مال میں ایسا رکھا ہے جیسے یتیم کا والی یتیم کے مال میں کہ جب غنی ہوتا ہوں تو اس سے بچتا ہوں اور جب حاجتمند ہوتا ہوں تو بقدر ضرورت لیتا ہوں اور پھر جب مال پاتا ہوں تو یہ لیا ہوا واپس کر دیتا ہوں' حتیٰ کہ ابن منذر نے بروایت عطاء حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ آیت **فلیا کل بالمعروف** منسوخ ہے' اس کی ناسخ **ان الذین یا کلون اموال الیتمی** ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ ولی کا یہ کھانا جائز ہے' اور قرض نہیں بلکہ پرورش کی اجرت ہے مگر بالمعروف پر نظر رہے۔ (روح المعانی) **فاذا دفعتم الیھم اموالھم فاشھدوا علیھم** یہ اولیاء کو پانچویں ہدایت ہے پچھلی ہدایتوں میں یتیموں کا مال رکھنے کی احتیاطوں کا ذکر تھا اور اس ہدایت میں انہیں مال سپرد کرنے کے وقت کی احتیاطوں کی تاکید ہے اس میں بھی خطاب یتیموں کے اولیاء سے ہے **الیھم** کو **اموالھم** پر مقدم فرمانے سے ادھر اشارہ ہے کہ خود بالغ شدہ یتیموں ہی کو ان کا مال دو' کسی اور کے قبضہ میں دیکر مال پھنسا نہ دو یعنی اے ولیو! جب تم یتیموں کو ان کے عاقل بالغ ہو جانے پر ان کا مال سپرد کرنے لگو تو اس پر گواہ بنا لو کہ گواہوں کے سامنے ان کا حساب کتاب آمد و خرچ تفصیل وار سمجھا کر انہیں مال دو' یہ حکم استحبابی ہے تاکہ آئندہ جھگڑا نہ پیدا ہو' پھر بھی فقط قانون پر نظر نہ رکھو بلکہ خوف خدا دل میں رکھو کیونکہ **وکفی باللہ حسیبا** جان لو کہ ہم تمہارے سارے کاموں کا حساب لیں گے اور حساب بھی ایسا جو کافی و وافی ہو گا' لہٰذا ہر حال میں ہم سے ڈرتے رہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے یتیموں کے والیو! جب تمہاری زیر پرورش یتیم کچھ سمجھدار ہو جائیں' تو ان کی ہوشیاری اور عقل و دانائی کی آزمائشیں برابر کرتے رہو' تاکہ تمہیں پتہ چل جائے کہ یہ بچے بالغ ہو کر اپنا مال سنبھال سکیں گے یا نہیں ان سے تجارتیں کراؤ' انہیں کاروبار میں لگاؤ' گھر کے انتظامات ان کے سپرد کرو یہاں تک کہ جب وہ سیانے بالغ نکاح کے قابل ہو جائیں' پھر بھی اگر تم ان میں سمجھ بوجھ اور مال سنبھالنے کی طاقت دیکھو' تو ان کے سارے مال ان کے حوالے کر دو کہ اب وہ تم سے مستغنی ہو گئے' خیال رکھنا کہ ان یتیموں کی پرورش کے زمانہ میں بدنیتی نہ کرنا یہ سمجھ کر کہ بچے بالغ ہو کر اپنا مال ہم سے لے لیں گے' کوئی ترکیب ایسی کرنی چاہئے جس سے ان کے ہاتھ کچھ نہ آئے یہ خیال کر کے ان کے بالغ ہونے سے پہلے ہی ان کا سارا مال جلدی جلدی فضول خرچیوں میں اڑا دو' بلکہ حکم یہ ہے کہ جسے یتیموں کے مال کی حاجت نہ ہو وہ تو بالکل ہی ان کا مال اپنے استعمال میں نہ لائے' محض رضائے الٰہی کیلئے انہیں پالے پوسے' اور جو بالکل ہی فقیر و حاجتمند ہو تو وہ اس پرورش کی اجرت' درتربیت کے حق کی بناء پر ان کے مال سے کچھ کھا پی لیا کرے مگر وہ بھی یتیم کی خیر خواہی کرتے ہوئے معمولی کھائے' معمولی پہنے' یہ اس لئے اجازت دی گئی تاکہ تم روزی کمانے کی فکر میں یتیموں سے بے خبر نہ ہو جاؤ' پھر جب پرورش کی ساری منزلیں طے ہو جائیں اور یتیم عاقل و بالغ ہو جائیں۔ تم ان کا مال انہیں سپرد کرنے لگو' تو اس پر گواہ بنا لو کہ گواہوں کے سامنے ان کا سارا آمد و خرچ کا حساب سمجھا کر بقیہ مال ان کے حوالے کر دو' ہر حال میں خیال رکھنا کہ تمہیں ہمارے پاس آنا ہے' اور ہم نے تمہارا حساب لینا ہے' اگر تمہیں یہ خیال رہا تو انشاء اللہ گناہ نہ کر سکو گے' ہم علیم و خبیر ہیں' تمہارے حساب لینے کیلئے کافی ہیں' ہمیں کوئی دھوکا نہیں دے سکتا۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ماں باپ اور یتیموں کے والیوں پر لازم ہے کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دیں اور ان کی اچھی تربیت کریں' جیساکہ **وابتلوا الیتمیٰ** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: بچوں کا امتحان کرتے رہنا اور ان کی دانائی و فراست جانچنا حکم قرآنی ہے' یہ بھی اس جملہ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: نابالغ بچوں کی خرید و فروخت جائز ہے' اس مقصد کیلئے انہیں کچھ مال بھی دیا جاسکتا ہے جب کہ وہ کچھ شعور رکھتے ہوں' یہی احناف کا مذہب ہے' یہ آیت ان کی دلیل ہے' کیونکہ یہاں یتیموں کی اس جانچ کا حکم ان کے بلوغ سے پہلے ہے۔ چوتھا فائدہ: اگر بالغ یتیم دیوانہ ہو تو اسے اس کا مال عمر بھر نہ دیا جائے جب تک کہ اس کا جنون زائل نہ ہو جائے' اور اگر ہو تو عاقل مگر ہو لاپرواہ' مال کا ناقدر اتو اس کی دانائی کا انتظار کیا جائے' اس دانائی کی مدت ہمارے امام صاحب کے ہاں پچیس سال کی عمر ہے کہ اب اگر وہ ناسمجھ بھی ہوں تو ان کا مال دے دیا جائے' اس کا ماخذ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا' یہ فائدہ **فان انستم** سے حاصل ہوا۔ نوٹ: امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں لڑکی کو بغیر نکاح اس کا مال نہ دیا جائے بلکہ ان کے ہاں بالغہ لڑکی نکاح سے پہلے کوئی عقد نہیں کر سکتی لڑکے میں نکاح کی قید نہیں صرف بلوغ کافی ہے' بلکہ ان کے ہاں بعد نکاح لڑکی بغیر خاوند کی اجازت کوئی عقد نہیں کر سکتی' جب تک کہ پختہ عمر اور تجربہ کار نہ ہو جائے' یہ آیت بظاہر ان کے خلاف ہے۔ (خازن) پانچواں فائدہ: بالغ لڑکا لڑکی اپنا نکاح خود کر سکتے ہیں' اجازت ولی کے محتاج نہیں جیساکہ **بلغوا النکاح** سے معلوم ہوا' کیونکہ اس کے معنی ایک یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب وہ خود نکاح کرنے کی عمر کو پہنچ جائیں۔ چھٹا فائدہ: بچوں کو مال کمانے کے ساتھ مال کا خرچ کرنا بھی سکھانا چاہئے' کمانا کمال نہیں بلکہ صحیح خرچ کرنا کمال ہے' کمانا سب جانتے ہیں' صحیح خرچ کرنا کوئی کوئی جانتا ہے' یہ فائدہ **فان انستم** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: بچوں کو دین کے ساتھ دنیا کمانا بھی سکھانا چاہئے تاکہ وہ بڑے ہو کر بھیک نہ مانگیں' جیساکہ اس آیت کے مضمون سے ظاہر ہے۔ آٹھواں فائدہ: حتی الامکان یتیم کا مال نہ کھائے اگر حاجت نہ ہو تو ان کی پرورش مفت کرے جیساکہ **فلیستعفف** سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: دینی خدمت پر اجرت لینا جائز ہے جیساکہ **فلیاکل** سے معلوم ہوا' دیکھو یتیم کی پرورش دینی خدمت ہے اور اسلامی فریضہ ہے' مگر اس پر اجرت لینے یعنی یتیم کے مال سے بقدر ضرورت کھانے پینے کی اجازت دی گئی' بعض خلفاء راشدین نے خلافت پر اجرت لی۔ لہٰذا امامت' دینی مدرسی پر اجرت لے سکتے ہیں' ورنہ مسجدیں ویران ہو جائیں گی اور دینی مدرسے برباد۔ دسواں فائدہ: کھانے کپڑے سے اجرت مقرر کرنا جائز ہے اگرچہ یہ خبر نہ ہو کہ ملازم کتنا کھائے گا اور سال میں کتنے کپڑے پھاڑے گا جیساکہ **فلیاکل** سے معلوم ہوا' دیکھو ہم حمام میں نہانے کا معاوضہ دیتے ہیں باوجودیکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہو گا۔ گیارہواں فائدہ: یتیم کا ولی بوقت ضرورت بقدر ضرورت یتیم کا ہر مال استعمال کر سکتا ہے' چنانچہ کسی شخص نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا' کیا میں اپنے یتیم کی اونٹنی کا دودھ پی سکتا ہوں؟ تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو اس کے چارے پانی کا انتظام کرتے ہو' بیماری میں اس کا علاج کرتے ہو' اس کی کھرلی صاف کرتے ہو تو اس کا دودھ بھی پی سکتے ہو۔ (تفسیر کبیر و خازن) یہ فائدہ **فلیاکل** کے عموم سے حاصل ہوا جیساکہ اس کی تفسیر سے عرض کیا گیا۔ بارہواں فائدہ: یتیموں کا مال خود ان پر بھی بے دھڑک خرچ کر دینا تاکہ وہ بالغ ہو کر کچھ نہ پائیں حرام ہے' بعض والی یتیموں کی شادی پر ناچ باجے' حرام رسوم میں ان کا روپیہ بے دھڑک خرچ کر ڈالتے ہیں یہ حرام ہے' یتیم کے ولیمہ کا کھانا جب کہ اس کے مال سے ہو حرام ہے کہ یتیم کا مال کسی

www.alahazratnetwork.org

طرح کھانا جائز نہیں' اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو گناہوں سے بچنے کی توفیق دے' یہ فائدہ **اسرافا وبدارا** سے حاصل ہوا۔
تیرھواں فائدہ: اہم مالی معاملات میں گواہ بنانا بہتر ہے تاکہ آئندہ جھگڑا نہ ہو یہ فائدہ **فاشھدوا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بلوغ سے پہلے نکاح جائز نہیں' بچپن کے نکاح حرام ہیں کیونکہ ارشاد ہوا **اذا بلغوا النکاح** جب وہ یتیم نکاح کے لائق ہو جائیں اور ان کا نکاح جائز ہو جائے معلوم ہوا کہ بلوغ سے پہلے نہ وہ نکاح کے لائق تھے نہ ان کا نکاح جائز تھا۔ **جواب:** یہ غلط ہے' یہاں نکاح کا جواز و لیاقت مراد نہیں بلکہ یا تو نکاح کی ضرورت مراد ہے یا نکاح کا اختیار یعنی جب وہ نکاح کی ضرورت کو پہنچ جائیں کہ انہیں نکاح کی ضرورت محسوس ہونے لگے یا جب وہ اس قابل ہو جائیں کہ وہ اپنا نکاح خود کر لیں بغیر ولی کی اجازت کے یہ دونوں باتیں بلوغ کے بعد ہی ہوتی ہیں' تمہاری تفسیر کی بناء پر یہ آیت کریمہ دوسری آیتوں کے بھی خلاف ہو گی اور احادیث کے بھی: رب تعالیٰ فرماتا ہے **والئی یئسن من المحیض من نسائکم ان ارتبتم فعدتھن ثلاثۃ اشھر والئی لم یحضن** یعنی وہ طلاق والی عورتیں جو بوجہ بڑھاپے کے حیض سے مایوس ہو چکیں' اور وہ جنہیں بوجہ بچپن کے ابھی حیض آیا نہیں' ان دونوں کی عدت طلاق تین مہینہ ہے' اگر نابالغہ کا نکاح درست نہ ہوتا تو انہیں طلاق کیسی اور ان پر عدت کیسی؟ نیز نبی کریم صلی اللہ وسلم کا نکاح حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے ان کی سات سال کی عمر شریف میں ہوا جب کہ آپ بالکل بچی تھیں جیسا کہ بخاری مسلم وغیرہ تمام کتب احادیث میں موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض:** لڑکپن کے نکاح تندرستی کیلئے بھی مضر ہیں اور ازدواجی تعلقات کیلئے بھی نقصان دہ' جب لڑکپن سے ہی مجامعت شروع کر دیں گے تو ان میں توانائی کیسے آئیگی؟ نیز بچپن میں ان کے اخلاق کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ جوان ہو کر بدمعاش ہوں گے' یا نیک معاش آج کل عموماً" نوجوانوں کی کمزوری گھروں کی نااتفاقیاں اس بچپن کی شادیوں کی برکت سے ہیں۔
جواب: شریعت نے بچپن کی شادی کو واجب نہیں کہا' جائز قرار دیا ہے' کیونکہ بسا اوقات اس کی ضرورت پڑ جاتی ہے' ماں باپ بوڑھے ہیں' چراغ سحری ہیں' اولاد نابالغ ہے وہ چاہتے ہیں کہ ہم اپنے مرنے سے پہلے ان کا کہیں نکاح کر دیں تاکہ ہمارے بعد ان کے ساس سسر ان کی اچھی تربیت کریں' اور انہیں ایک پورے خاندان کا سہارا مل جائے' اگر یہ ناجائز ہو تا تو یہ بوڑھے یہ فکر لے کر قبروں میں جاتے' جوانوں کی کمزوری بچپن کے نکاح سے نہیں بلکہ سینما بینی' تمباکو کے استعمال' کالجوں کی آزادیوں' عورتوں کی بے پردگیوں' لڑکے اور لڑکیوں کے اختلاط' عشقیہ ناولوں' فلمی گانوں' فحش کتابوں اور گندے افسانوں کی وجہ سے ہے' اگر ان بچے بچیوں کی شہوتیں ان ذریعوں سے بھڑکا دی جائیں اور نکاح پر اٹھارہ سال کی پابندی لگا دی جائے' نکاح پابند رہے اور زنا آزاد' تو ظاہر ہے کہ یہ بھڑکی ہوئی شہوت حرام جگہ ہی صرف ہو گی' اور اس کے جو نتائج ہوں گے وہ ہم اور آپ سب دیکھ رہے ہیں چھت کا پانی پرنالہ کے ذریعہ نکال دو ورنہ چھت پھاڑ دیگا' مکان ڈھا دے گا' رہی گھر کی نااتفاقی' اس کی بڑی وجہ زوجین میں سے ہر ایک کی دوسرے کے حقوق سے بے خبری ہے' سب کی زندگیاں اسلامی بنا دو' دیکھو پھر کیسا چلن ہو گا' بہت جوان لڑکے بھی اولاً" نیک ہوتے ہیں' بعد میں بدمعاش ہو جاتے ہیں' جوانوں کا ماحول درست کرو' انہیں صحبتیں اچھی دو' دیکھو پھر کیسے چین سے گزرے گی۔

تفسیر صوفیانہ: مریدین گویا یتیم ہیں' مشائخ کرام گویا ان کے ولی وارث ہیں' نفوس گویا ان یتیموں کا مال ہے' جوان کے مشائخ

www.alahazratnetwork.org

کے پاس محفوظ ہے' نفس کو روح سے وابستہ کرکے نفس کی اصلاح کردینا گویا روحانی نکاح ہے' مشائخ کو ارشاد ہو رہا ہے کہ تم ان یتیم مریدین کا اکثر امتحان لیتے رہو' پتہ لگاؤ کہ یہ لوگ فیوض ربانی رموز رحمانی' اسرار ایمانی' انوار قرآنی کے اہل ہیں یا نہیں' جب یہ تمہاری صحبت میں رہ کر اس قابل ہو جائیں' کہ ان کے نفسوں کا نکاح ان کی روحوں اور دلوں سے کرکے نفس کو ان کا تابع کردیا جائے تو تم بھی یہ محسوس کرو کہ یہ ان اسرار کے متحمل ہو جائیں گے اور اغیار میں انہیں ضائع نہ کریں گے تو ان کی وہ اسرار و انوار و فیوض کی امانتیں جو تمہارے سینوں کے اندر محفوظ ہیں ان کے حوالے کردو' یہ خوف نہ کرو کہ یہ ہم سے فیوض لے کر ہم سے بڑے ہو جائیں گے پھر ہمیں کون پوچھے گا' جو تم میں سے غنی باللہ ہے' وہ تو اپنے مرید کے فیوض میں سے کچھ اپنے کام میں نہ لائے' اور جو اس درجہ پر نہ پہنچا ہو' وہ بقدر ضرورت اپنے مرید کے حصہ کا فیض اپنے کام میں لا سکتا ہے جب تم آنکھ سے ان کو فیض دینے لگو' تو اس پر اللہ تعالیٰ کو اور ارواح اولیاء کو گواہ بنالیا کرو۔ (از روح المعانی)۔ صوفیائے کرام کے نزدیک بزرگوں کے سینے آب رحمت کے کنوئیں ہیں' جیسے کنوئیں کے پانی میں سارے محلے کا حصہ ہوتا ہے' ہر ایک کو اپنا اس حصہ ملتا ہے' جتنا اپنا برتن۔ ایسا ہی ایسے ہی مشائخ کے سینوں میں سارے معتقدین و مریدین کا حصہ ہوتا ہے' ہاں یہ حضرات بہت جانچ کر اپنی صحبتوں میں رکھ کر مشقیں کرا کر ان کے حصے حوالے کرتے ہیں' کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فقیروں کی جھولی میں ہوتا ہے سب کچھ
مگر چاہئے ان سے لینے کا ڈھب کچھ
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو دس سال اپنی صحبت میں رکھا' نکاح و بکریاں چرانا بہانہ تھا' درحقیقت انہیں کلام الٰہی کے لائق بنانا تھا' ڈاکٹر اقبال نے ایک شعر میں یہ سب کچھ حل کردیا ہے' فرماتے ہیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

حکایت: ایک شخص کسی بزرگ کے پاس حاضر ہو کر بولا کہ مجھے اسم اعظم سکھا دیجئے' فرمایا تو اس کا اہل نہیں' بولا میں اہل ہوں' فرمایا کہ آج تو دن بھر شہر کے دروازہ پر بیٹھ' شام کو مجھ وہاں کے حالات سنانا' یہ شخص دوسرے دن شام کو آکر بولا کہ اس شہر میں ظلموں کی انتہا ہو چکی ہے' آج میں نے دیکھا کہ ایک بوڑھا غریب لکڑہارا دن بھر لکڑیاں جنگل سے چن کر ایک گٹھا لکڑیاں سر پر لاد کر لایا' پسینہ میں شرابور تھا مگر ایک سپاہی نے اس کی لکڑیاں ظلماً" چھین لیں' جب اس نے قیمت مانگی تو اس کی بوڑھی ہڈیوں پر پانچ ہنٹر لگا دیئے' بزرگ نے فرمایا کہ اگر تجھے اسم اعظم یاد ہوتا' تو تو اس وقت کیا کرتا؟ وہ بولا کہ میں اس سپاہی کو مع اس کے بچوں کے زندہ دفن کردیتا' بزرگ نے ہنس کر فرمایا کہ وہ بوڑھا ہی میرا پیر ہے۔ جس نے مجھے اسم اعظم سکھایا ہے' اس کا تحمل دیکھو کہ لکڑیاں چھنوالیں کوڑے کھالئے مگر اپنی طاقت سے کام نہ لیا' جو اتنی برداشت کا مالک ہو اسے اسم اعظم سکھایا جاتا ہے' جا بھاگ جا۔

کاظمین الغیظ غصے میں کبھی آتے نہیں ظلم سہ جاتے ہیں لیکن ظلم پہنچاتے نہیں

www.alahazratnetwork.org

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ

واسطے مردوں کے ایک حصّہ ہے اس مال میں سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قریب ترین رشتہ دار اور واسطے عورتوں

مردوں کے لئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے حصّہ یا زیادہ حصّہ ہے

مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ۞ ۷

کے ایک حصّہ ہے اس مال میں سے جو چھوڑیں ماں باپ اور قریب ترین رشتہ دار اس میں سے جو کم ہوا اس مال سے یا زیادہ حصّہ

مقرر کیا ہوا ماں باپ اور قرابت والے ترکہ تھوڑا ہو یا بہت حصہ ہے اندازہ باندھا ہوا

تعلق : اس آیت کا گذشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں مالی امانتوں کی حفاظت کا ذکر تھا' اب میراث کی صحیح تقسیم کا تذکرہ ہے کہ یہ بھی وارثوں کی ایک قسم کی امانت ہے۔ وارثوں کے حقوق میں کمی بیشی کرنا اول درجہ کی خیانت ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیموں کے وارثوں کو حکم تھا کہ وہ یتیموں کے مال کی نگہداشت اچھی طرح کریں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ یتیموں کے پاس مال آئے گا کہاں سے' گویا ان کے مال کی حفاظت کے بعد مال کی آمد کے دروازہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیموں کا مال حاصل ہو چکنے کے بعد اس کے خرچ کا طریقہ سکھایا گیا تھا اب ان یتیموں کو مال دینے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ ان کے مورثوں کی وفات پر انہیں مال کیونکر دیا جائے۔

شان نزول : حضرت اوس ابن ثابت صحابی کا انتقال ہوا جو بہت مال چھوڑ گئے اور بیوی ام کحہ تین لڑکیاں چچا کے دو بیٹے سوید و عرفجہ چھوڑے اس زمانہ کے دستور کے مطابق اس کے سارے مال پر سوید و عرفجہ نے قبضہ کر لیا' ام کحہ اور اوس کی تینوں بیٹیوں کو کچھ نہ دیا' اس زمانہ میں لڑکیوں' بیویوں اور چھوٹی اولاد کو میراث نہیں دی جاتی تھی' وہ کہتے تھے کہ میراث وہ پائے جو جنگ میں جائے' ام کحہ نے کہا کہ جب تم ان یتیم بچیوں کا مال لیتے ہو تو ان سے نکاح بھی کر لو' انہوں نے انکار کیا کیونکہ یہ بچیاں کچھ زیادہ خوبصورت نہ تھیں' ام کحہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں جبکہ آپ مسجد فضیح میں تشریف فرما تھے اور بولیں کہ اوس ابن ثابت فوت ہو گئے' تین یتیم بچیاں اور مجھ بیوہ کو چھوڑ گئے' ان کے پاس مال تو بہت تھا مگر سارا مال سوید اور عرفجہ نے لے لیا۔ اب میں کیا کھاؤں اور بچیاں کس سے پالوں؟ ایسی درد بھری داستان سنائی کہ خاطر اقدس پر بہت اثر پڑا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سوید و عرفجہ کو بلایا اور اس ظلم کی وجہ پوچھی' انہوں نے عرض کیا کہ ہماری قوم میں میت کا مال بالغ مرد وارث لیتے ہیں عورتوں اور نابالغوں کو نہیں دیا جاتا' تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' اس کے نزول پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں سے فرمایا کہ تم اس مال کو ہاتھ نہ لگانا جب تک کہ میراث کی تفصیل نازل نہ ہو جائے' چنانچہ وہ سارا مال یونہی محفوظ رکھ دیا گیا' کچھ عرصہ کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **یوصیکم اللہ فی اولادکم** تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اوس مرحوم کا مال اس طرح تقسیم فرمایا کہ اوس کی بیوی کو آٹھواں حصہ ان کی بیٹیوں کو دو تہائی' باقی بچا ہوا سوید و عرفجہ کو مرحمت کیا۔ یوں سمجھو کہ مال کے 24 حصے کئے' جن میں سے تین ام کحہ کو دیئے۔ 16 تین بیٹیوں کو باقی پانچ دونوں چچا زاد بھائیوں کو (تفسیر کبیر روح المعانی' صاوی' روح البیان' خازن' بیضاوی' مدارک' خزائن وغیرہ) خیال

www.alahazratnetwork.org

رہے: کہ ان بی بی صاحبہ کے نام میں اختلاف ہے۔ ام کہ بنت کہ ام کحہ ام کلثوم مگر صحیح ام کحہ ہے۔ بعض مفسرین نے ان مرحوم صحابی کا نام بجائے اوس ابن ثابت کے اوس فرمایا ہے۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ اوس ابن صامت کی وفات خلافت عثمانیہ میں ہوئی۔ زمانہ نبوی میں اوس ابن ثابت اور اوس ابن مالک کی وفات ہے گر یہ واقعہ اوس ابن ثابت کی وفات پر پیش آیا (روح المعانی)

تفسیر: **للرجال نصیب** یہ لام استحقاق کا ہے۔ **رجال** سے مراد میراث پانے والے قرابت دار مرد ہیں اولاد ہوں یا ان کے سوا کوئی اور' نابالغ ہوں یا بالغ' صرف بالغ مرد مراد نہیں' کیونکہ اسی قاعدے کو توڑنے کے لئے تو یہ آیت کریمہ اتری **للرجال** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا ہے۔ یعنے جس وارث کا جو حصہ ہے وہ خود ہی لے گا کوئی اور اس کے حصہ پر جبراً قبضہ نہیں کر سکتا۔ **نصیب** سے مراد میراث کا وہ حصہ ہے جس کا وارث مستحق ہو' اس **نصیب** میں لڑکوں کے سارے حصوں کا اجمالی ذکر آگیا اس کی تفصیل کچھ آگے جا کر ہو رہی ہے۔ **مما ترک الوالدان والاقربون** من تبعیضیہ ہے' **ما** سے مراد مال ہے۔ **ترک** سے مراد بعد وفات اپنا مملوکہ مال چھوڑ جاتا ہے۔ **والدان** حقیقتاً" صرف ماں باپ کو کہتے ہیں۔ مجازاً" دادا نانا وغیرہ کو بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہاں حقیقی معنی مراد ہیں' کیونکہ دادا نانا وغیرہ تو **والاقربون** میں شامل ہیں (روح المعانی) اس زمانہ کے بعض انوکھے مفسرین نے **والدان** سے ماں باپ بھی لئے اور دادا دادی بھی مگر لطف یہ ہے کہ نانا نانی کو اس سے نکال دیا' یہ معنے نہ حقیقی ہی بنے نہ مجازی ہی' کیونکہ حقیقتاً" والدین صرف ماں باپ ہیں اور مجازاً" ماں باپ دادا دادی بھی ہیں اور نانا نانی بھی' دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **والوالدات یرضعن اولادھن** الخ- یہاں والدات سے حقیقی معنے مراد ہیں (مائیں) یعنے مائیں اپنے بچوں کو دو سال دودھ پلائیں۔ بچے کو دودھ پلانا صرف ماں کے ذمہ ہے۔ نہ دادی کے نہ نانی کے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** اور فرماتا ہے **لا تنکحوا ما نکح اباؤکم** یعنی تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں' اور ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نکاح کرلیں' ان دونوں میں بطریق عموم مجاز بلاواسطہ اور بالواسطہ ماں باپ مراد ہیں' تو دادی نانی اور دادے نانے سب اس میں شامل ہیں۔ لہٰذا مسلمان پر ماں' دادی' نانی' پردادی' پرنانی سب ہی حرام ہیں۔ اسی طرح باپ' دادا' نانا' پردادا' پرنانا وغیرہ ان سب کی بیویاں حرام ہیں۔ سوتیلی ماں' سوتیلی دادی' سوتیلی نانی سب حرام ہیں۔ قرآن کریم کی ایسی آیت ہمیں نہ ملی جس میں والدین میں ماں' باپ' دادا' دادی تو شامل ہوں اور نانا' نانی خارج' غرضیکہ یہ معنے بالکل فاسد ہیں۔ اور یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے **والاقربون** جمع **الاقرب** کی ہے قریب کا اسم تفضیل بمعنے زیادہ قریب قرب سے مراد رشتہ کا قرب ہے نہ کہ مکانی و زمانی قرب اس **الاقربون** میں دادا' دادی' نانا' نانی' بیٹے' بیٹیاں' پوتے پوتیاں' نواسے نواسیاں' چچا پھوپھی' ماموں خالہ غرضیکہ سارے ہی ذی فرض عصبات اور ذوی الارحام قرابت دار داخل ہیں۔ اگرچہ ماں باپ بھی **الاقربون** میں آسکتے تھے مگر چونکہ یہ آیت کریمہ باپ کی میراث کے متعلق نازل ہوئی ہے نیز ماں باپ کا رشتہ اولاد سے بہت قوی ہے۔ اس لئے خصوصیت سے ان کا الگ ذکر کیا گیا' چونکہ قریب تر کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار محروم ہوتا ہے۔ اس لئے **الاقربون** تفضیل کا صیغہ ارشاد ہوا' شریعت کا یہ قاعدہ کلیہ ہے یعنے مرد وارثوں کو اپنے ماں باپ کے اور زیادہ قریب رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال میں سے حصہ میراث ہے' اس جملہ میں زمانہ جاہلیت کے پہلے قاعدہ کو

www.alahazratnetwork.org

توڑا گیا کہ بالغوں کو حصہ ملے، نابالغوں کو نہ ملے، دوسرے قاعدہ کو توڑنے کے لئے کہ صرف مردوں کو میراث ملے، عورتوں کو نہ ملے، یہ ارشاد فرمایا گیا **وللنساء نصیب مما ترک الوالدن والا قربون** اس میں بھی لام استحقاق کا ہے اور **نساء امراۃ** کی جمع کثرت ہے جمع قلت **نسوۃ** ہے۔ نساء سے مراد مطلقاً وارث عورتیں ہیں بالغہ ہوں یا نابالغہ لہٰذا اس میں بیٹی، پوتی، نواسی۔ یوں ہی ماں، دادی، نانی، بہن، بھانجی، بھتیجی وغیرہ سب شامل ہیں۔ باقی والدین اور **اقربون** کی وہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی جا چکی جتنے وارثوں عورتوں کو بھی اس مال میں سے جو ماں باپ اور زیادہ قریبی رشتہ داروں نے چھوڑا میراث کا حصہ ملے گا۔ بعض مفسرین نے دونوں جگہ **اقربون** سے نسبی رشتہ دار مراد لئے، مگر محققین مفسرین فرماتے ہیں کہ نسبی و سببی سارے رشتہ دار اس میں شامل ہیں لہٰذا بیویاں و خاوند بھی داخل ہیں فقیر کے نزدیک یہی قوی ہے کہ عبارت قرآن میں کوئی قید نہیں اور شان نزول اسی معنے کی تائید کر رہا ہے (از روح المعانی وغیرہ) **مما قل منہ او کثر** یہ **مما** دوسرے **مما** کا بدل ہے۔ لہٰذا یہاں **ما** سے مراد مال ہی ہے۔ چونکہ یہ احتمال ہو سکتا تھا کہ میت کے متروکہ مال میں سے جو مردوں کے لائق ہو وہ تو مردوں کو دیا جائے، جیسے گھوڑا، تلوار، زرہ وغیرہ اور جو مال عورتوں کے لائق ہو وہ عورتوں کو دیا جائے، جیسے زیور، کھانا پکانے کے برتن، چرخہ وغیرہ باقی مشترکہ مال دونوں میں تقسیم کیا جائے، اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے یہ عبارت ارشاد ہوئی یعنی متروکہ مال تھوڑا ہو یا بہت کسی قسم کا ہو، سب میں سے سب وارثوں کو حصہ ء میراث ملے گا **نصیبا مفروضا** یہ عبارت **قل او کثر** کے فاعل سے حال ہے۔ مفروضا نصیب کی صفت ہے یا **اوجب** فعل محذوف کا مفعول بہ ہے۔ نصیب نصب سے بنا بمعنے قائم کرنا، حصہ کو نصیب اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ قائم کیا ہوا ہوتا ہے مفروض فرض سے بنا جس کے معنے ہیں کاٹنا، الگ کرنا، حدود مقرر کرنا، علامات قائم کرنا، شرعی فرض کو اسی لئے فرض کہتے ہیں کہ وہ باقی کام سے الگ تھلگ اور حدود مقرر کیا ہوا تھا، ہمارے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں فرض وہ کام ہے جو یقینی دلیل سے لازم کیا جائے اس کا چھوڑنا فسق ہے انکار کفر اور واجب وہ کام ہے جو ظنی دلیل سے لازم کیا جائے، اس کا چھوڑنا تو فسق ہو مگر انکار کفر نہ ہو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں واجب اور فرض میں کوئی فرق نہیں جتنے ہم نے ہر ایک وارث کے حصے مقرر کئے ہیں، جس کا دینا تم پر فرض کیا گیا ہے۔ لہٰذا ان حصوں میں گڑبڑ کرنے والا ایسا ہی گنہگار ہو گا جیسے نماز وغیرہ میں گڑبڑ کرنے والا۔

خلاصہ ء تفسیر : خطہ ء عرب میں صدیوں سے شراب نوشی، بیوگان اور یتیموں کا مال مارنا عورتوں کی ذلت و حقارت لڑکیوں کو زندہ درگور کرنا وغیرہ کا رواج ایسا چلا آ رہا تھا کہ کسی کے خیال میں بھی نہ آتا تھا کہ یہ عیب یہاں سے مٹ جائیں گے۔ ان کے نزدیک میت کے متروکہ مال میں کمزوروں، یتیموں، لڑکیوں، بیوگان کا کوئی حصہ نہ تھا، یہ اسلام کا کھلا معجزہ ہے اور قرآن کریم کی زندہ کرامت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال قوت و شوکت کہ عرب کے صدیوں کے رواج کو ایک ایک لفظ کے ذریعہ صفحہ ہستی سے حرف غلط کی طرح مٹا دیا اور اس طرح مٹایا کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہا اور اس نوعیت سے مٹایا کہ ان لوگوں کو محسوس بھی نہ ہوا تقسیم میراث میں بے قاعدگی ان لوگوں کی طبیعت میں جم چکی تھی۔ اس لئے پہلے تو اس کی اس آیت میں اجمالی اصلاح کی گئی پھر اگلی آیت میں تفصیل فرما دی گئی چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو! میت کے متروکہ مال میں کمزور بچے بچیوں کا بھی حصہ ہے، اور بے کس بیوگان و بوڑھے ماں باپ کا بھی جو کچھ ماں باپ چھوڑیں اور جو کچھ قریب ترین رشتہ دار

www.alahazratnetwork.org

چھوڑیں' اس میں سے لڑکوں کا حصہ ان کے حوالہ کردو اور لڑکیوں' عورتوں کے حصے ان کے سپرد کرو' بہرحال میں یہ فرق نہ کرو کہ میت کا گھوڑا' جوڑا' زرہ' تلوار تو بہادر جوان مرد لیں اور گھر کے برتن وغیرہ بوڑھی عورتوں کو اور زیور وغیرہ نوجوان لڑکیوں کو۔ انہیں میت کے سارے مال میں سے تھوڑا ہو زیادہ اس کے سارے وارثوں کو دو۔ اگر وہ مال خود تقسیم ہو سکتا ہو تو اسے ہی تقسیم کردو ورنہ اس کی قیمت ڈال کر حصہ کے مطابق ہر ایک کو دے دو۔ خیال رکھو رب تعالیٰ کی طرف سے ان کے حصے مقرر ہو چکے ہیں' ان کا ادا کرنا ایسا ہی فرض ہے جیسے دوسری عبادات کا ادا کرنا فرض' اگر تم نے اس میں کوتاہی کی یا بعض کا حصہ کھا گئے تو تمہیں سخت سزا دی جائے گی۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** علم فرائض یعنے میراث کا فن بہت اہم فن ہے کہ قرآن شریف میں جتنی تفصیل سے میراث کے مسائل بیان فرمائے اتنی تفصیل سے اور مسائل بیان نہ کئے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ علم فرائض سیکھو کہ یہ آدھا علم ہے۔ یعنے آدھے علم میں سارے علوم کہ ان کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے اور آدھے علم میں اکیلا علم فرائض کہ اس کا تعلق انسان کی موت سے ہے۔ **دوسرا فائدہ:** میراث کے حصے' نماز کی رکعتیں' زکوٰۃ کی مقدار انسانی عقل سے بالاتر ہیں کہ ان میں عقل کو دخل نہیں جو سرکاری حکم ہو گیا وہ صحیح ہے۔ **تیسرا فائدہ:** میراث کا حصہ رشتہ کی بنا پر ملتا ہے نہ کہ قوت و شجاعت یا ضعف و کمزوری کی وجہ سے اگر باپ کا ایک بیٹا لکھ پتی ہے اور دوسرا بیٹا فقیر بھی ہے بیمار بھی تو نہ تو سارا حصہ مالدار کو ملے اس کی قوت دیکھ کر' اور نہ سارا حصہ اس کنگال بیمار کو ملے اس کا ضعف دیکھ کر بلکہ دونوں کو برابر ملے گا جیسا کہ **للرجال** اور **للنساء** کے عموم سے معلوم ہوا۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر دین رائے سے ہوتا تو میں بیٹی کو بیٹے سے دگنی میراث دیتا کیونکہ بیٹی بے کس ہے اور دوسرے کی منہ دیکھی' بیٹا خود مختار ہے۔ یونہی میں موزہ کے تلوے پر مسح کرنے کا حکم دیتا نہ کہ اوپر' کیونکہ زمین میں نچلا حصہ ہی لگتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ماں' باپ کی میراث سے بیٹوں کو ضرور حصہ ملے گا۔ یہ کسی حال میں بھی محروم نہیں ہو سکتے جیسا کہ **للرجال** کے لام سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قریب رشتہ دار کے ہوتے ہوئے دور کا رشتہ دار محروم ہو گا جیسا کہ **والاقربون** اسم تفضیل سے معلوم ہوا۔ لہٰذا بیٹے کے ہوتے پوتا پوتی محروم ہیں۔ اور بیٹی کے ہوتے نواسے نواسی محروم' باپ کے ہوتے دادا محروم بھائی کے ہوتے بھتیجے محروم' یہ شریعت کا وہ قاعدہ کلیہ ہے۔ جس پر زمانہ نبوی سے لے کر آج تک سارے مسلمانوں کا اجماع رہا۔ احادیث صحیحہ بھی یہی اعلان کر رہی ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** بیویوں اور بیٹیوں کا بھی میت کے مال میں اسی طرح حصہ ہے جیسے بیٹوں اور دوسرے قرابت داروں کے حصے۔ جیسا کہ **وللنساء نصیب** الخ۔ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** میت کا مال تھوڑا ہو یا زیادہ ہتھیار ہوں یا کسی ہنر کے اوزار' سب میں سارے وارثوں کو بقدر حقوق حصے ملیں گے جیسا کہ **مما قل** الخ سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ذی فرض اور عصبہ وارثوں کی طرح ذی رحم وارث بھی حصہ پائیں گے جیسا کہ **والاقربون** کے عموم سے معلوم ہوا لہٰذا بھانجی' نواسے' پھوپھی' بھتیجی وغیرہ کا بھی میراث میں حق ہے' مگر چونکہ ان کا رشتہ میت سے قدرے کمزور ہے' اس لئے ترتیب میں یہ پیچھے ہیں۔ حضرت زید ابن ثابت و دیگر صحابہ کرام کا یہی مذہب ہے اور یہی ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے۔ دیگر ائمہ ذوی الارحام کو وارث نہیں مانتے مگر قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ قوی ہے۔ یہ آیت کریمہ انہی کی تائید کرتی ہے کیونکہ یہ لوگ بھی میت سے اقرب ہیں۔ **نواں فائدہ:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے عمومی احکام میں

www.alahazratnetwork.org

اکثر داخل نہیں ہوتے' دیکھو میراث کے احکام آپ پر جاری نہیں' آپ کا سارا متروکہ مال وقف ہے۔ جس کا کوئی وارث نہیں' اسی لئے آپ کی قبر انور آپ کے مکان شریف میں بنائی گئی دوسرا کوئی شخص اپنے گھر میں دفن نہیں ہو سکتا کیونکہ گھر مملوک ہے' اور مقبرہ وقف۔ جو لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کی تقسیم کے قائل ہیں انہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا روضہ اطہر ناجائز ماننا پڑے گا' اسی لئے خلفائے راشدین نے جن میں علی مرتضٰی بھی داخل ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ کی' بلکہ املاک کو اوقاف مانا۔ دسواں فائدہ: قانون کا بیان قانون کے ساتھ ہونا ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ قانون کچھ پہلے بنے' مگر اس کی تشریح کچھ عرصے کے بعد ہو۔ دیکھو میراث کلیہ قانون تو پہلے بن گیا تھا مگر اس کی تشریح اور وارثوں کے حصوں کا تعین کچھ بعد میں ہوا' نماز معراج کی رات فرض ہوئی' مگر اس کا بیان زمین پر واپس آنے کے بعد کیا گیا۔ گیارہواں فائدہ: عورتوں' یتیموں' کمزور بچوں پر اسلام کا عظیم الشان احسان ہے کہ یہ سب کسمپرسی کے عالم میں تھے' ذلت کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے' ان کے اٹھنے کی کوئی صورت ہی نہ تھی' اسلام نے انہیں بام عروج پر پہنچایا' ان کے حقوق مقرر کئے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں **الوالدان** سے مراد ماں باپ بھی ہیں اور دادا دادی بھی' کیونکہ وہ بھی بالواسطہ ماں باپ ہی ہوتے ہیں۔ قرآن کریم نے بہت جگہ **والدین** میں دادے دادیوں کو داخل کیا ہے۔ **اقربون** میں ان دو رشتوں کے علاوہ دوسرے رشتہ دار داخل ہیں۔ چچا' تائے' بھائی' بھتیجے وغیرہ' آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ماں باپ کے ترکہ میں اولاد کا حصہ ہے' اور دادا دادی کے ترکہ میں پوتے پوتی کا حصہ' لہٰذا یتیم پوتا پوتی اپنے دادا کے ترکہ سے حصہ ضرور پائے گا اگرچہ اس کا چچا یعنی دادا کا بیٹا زندہ ہو (پرویزی جماعت) جواب: اس کے چند جواب ہیں (1) ایک یہ کہ زمانہ رسالت سے لے کر آج تک کسی نے اس آیت کے یہ معنے نہ کئے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ صحابہ کرام نے' نہ امت نے لہٰذا یہ تفسیل نہیں بلکہ تحریف ہے مسلمانوں میں بڑے بڑے ظالم اور جابر بادشاہ گزرے' مگر کسی نے چچا کی موجودگی میں دادا کی میراث سے پوتے کو حصہ نہ دیا۔ بعض بے دین بادشاہوں نے اسلام کے دیگر قوانین میں ترمیم کی ناکام کوششیں کیں مگر یتیم پوتے کی میراث میں ترمیم کرنے کی کسی نے ہمت نہ کی تھی۔ (2) دوسرے یہ کہ اس سے اسلام کا ایک عام قانون میراث ٹوٹ جاتا ہے کہ قریب کے رشتہ دار کے ہوتے دور کے رشتہ دار کو میراث نہیں ملتی' اگر بیٹے کے ہوتے پوتے کو میراث دلوائی گئی تو باپ کے ہوتے بیکس اور بوڑھے دادا کو بھائی کے ہوتے بھتیجے کو بیٹی کے ہوتے یتیم نواسوں وغیرہم کو میراث دینا پڑے گی' غرض اس ترمیم سے بیسیوں ترمیمیں کرنا پڑیں گی' بلکہ پوری اسلامی میراث درہم برہم ہو جائے گی۔ (3) تیسرے یہ کہ اگر **والدان** میں دادا دادی داخل ہیں تو نانا نانی کیوں داخل نہیں؟ وہ بھی بالواسطہ ماں اور باپ ہیں اور نانا کی میراث سے ان کی بیٹی بیٹیوں کے ہوتے ہوئے یتیم اور بیکس نواسی نواسوں کو میراث کیوں نہیں ملتی' ایسی آیت ہم کو نہیں ملی جہاں والدین میں دادا دادی داخل ہوں اور نانا نانی خارج۔ (4) چوتھے یہ کہ اگر دادا کے مال میں پوتے کا حصہ ایسے ہی ہے جیسے ماں باپ کے مال میں بیٹی بیٹوں کا حصہ تو یتیم پوتے کی قید کیوں لگاتے ہو پوتے کو بہرحال حصہ ملنا چاہئے خواہ یتیم ہو یا باپ والا۔ تفسیر بالرائے کے یہی نتیجے ہوتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: یہ بڑا ظلم ہے کہ یتیم پوتا جو کمزور بھی ہے اور لاوارث بھی۔ وہ تو دادا کی میراث سے محروم رہے اور اچھے خاصے چچا اسے دکھا دکھا کر اس کے دادا کا مال کھائیں آخر پوتے کا قصور کیا ہے؟ آیا یہ قصور ہے کہ وہ یتیم کیوں ہو گیا (مذاق) جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک

www.alahazratnetwork.org

الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اس فرضی ظلم کی بہت صورتیں نکلیں گی' یتیم نواسے یتیم بھتیجے کو محروم کرنا ظلم' بے کس بیٹی کو بیٹے سے آدھی میراث دینا ظلم' چچا کو میراث دینا اور ماں کے بھائی بھتے ماموں کو محروم کر دینا اپاہج' غریب جذامی بیٹے کو لکھ پتی بیٹے کے برابر حصہ دینا ظلم غرضیکہ سارا قانون میراث ظلموں کا مجموعہ بن جائے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس قسم کے محروم عزیزوں کے لئے شریعت نے دو راستے رکھے ہیں ایک وصیت کہ وارث کو وصیت نہیں ہو سکتی محروم کو تہائی مال تک وصیت ہو سکتی ہے پوتا میراث تھوڑی پاتا مگر محروم ہو کر تہائی وصیت کے لائق ہو گیا۔ اگر دادا کے دل میں درد ہے اور یہ ہمدردی زبانی ہی نہیں بلکہ دلی ہے تو اسے تہائی مال تک کی وصیت کر جائے' دوسرے یہ کہ اگلی آیت میں ارشاد ہو رہا ہے کہ محروم عزیزوں کو کچھ ضرور دے دیا کرو' تو وارثین ہی مہربانی کر کے اپنے حصوں میں سے یتیم پوتے کو کچھ دے دیا کریں' بلکہ اگر حکومت اس آنے والی آیت پر عمل کرتے ہوئے میراث میں سے کچھ یتیم پوتوں' نواسوں کو دلوا دیا کرے تو بہتر ہے مگر وارث بنا کر نہیں تاکہ قانون نہ ٹوٹے' قانون کا احترام بھی کرو اور یتیموں کی امداد بھی۔ مگر خیال رہے کہ یتیم پوتے کے ساتھ یتیم نواسے کی بھی امداد ہو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **مما قل** الخ۔ کیوں فرمایا گیا' یہ عبارت بیکار سی معلوم ہوتی ہے۔ کیونکہ جب یہ فرما دیا گیا تھا کہ میراث میں فلاں فلاں کا حصہ ہے تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مال کم ہو یا زیادہ۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس عبارت میں یہ وہم دور کیا گیا ہے کہ گھوڑا' تلوار وغیرہ لڑکوں کو ملنا چاہئے اور چرخہ وغیرہ لڑکیوں کو' پھر باقی مال کی تقسیم ہو' اس میں فرما دیا گیا کہ ہر مال میں سے وارث کا حصہ ہو گا۔ **چوتھا اعتراض:** آیت کے آخر میں **نصیبا مفروضا** " کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** یہ بتانے کے لئے کہ نہ تو مورث اپنے کسی وارث کو میراث سے محروم کر سکتا ہے اور نہ وارث اپنے حصہ سے دست بردار ہو سکتا ہے۔ اگر باپ بیٹے کو عاق کر دے اور لکھ دے کہ اسے میری میراث نہ ملے یا بیٹا لکھ دے کہ میں باپ کے انتقال کے بعد اس کی میراث نہ لوں گا تو اس کا حصہ ختم نہ ہو گا بلکہ ملے گا۔ کیونکہ یہ من جانب اللہ مقرر کیا ہوا حصہ ہے (از روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: مشائخ گویا روحانی ماں باپ ہیں' مریدین گویا ان کی روحانی اولاد خلفاء ان مریدین کے قرابتدار عزیز نسبی رشتہ دار مال کی میراث پاتے ہیں۔ روحانی قرابت دار کمال کی' مریدین طالبین دو قسم کے ہیں ہمت والے اور بے ہمتے ہمت والے گویا مرد ہیں کم ہمت گویا عورتیں' آیات میں گویا اشارۃ" فرمایا جا رہا ہے کہ مشائخ اور خلفاء کے متروکہ کمالات و اسرار و رموز کی میراث طالبین کو بقدر طلب ملے گی۔ قوی مردوں کو زیادہ اور عورتوں کی طرح بے ہمتوں کو کم' یہ تمام تقسیم پہلے ہی سے مقرر ہو چکی ہے' خیال رہے کہ حضرات مشائخ و علماء وارثین انبیاء ہیں اور طالبین' صادقین' وارثین اولیاء و علماء حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک شمع نورانی ہیں علماء و مشائخ کے سینے صاف شفاف آئینے جن کے ذریعہ نور چھن چھن کر ہم تک پہنچ رہا ہے' ہم لوگ اپنی استعداد کے مطابق وہ نور محمدی ان شیشوں کی معرفت لے رہے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء کے ہاں یہ آیت میراث مال کی ہے اور صوفیائے کرام کے ہاں میراث کمال کی بھی۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ

اور جب موجود ہوں تقسیم کے وقت قرابت والے اور یتیم اور مسکین پس دو انہیں اس مال سے

پھر بانٹتے وقت اگر رشتہ دار اور یتیم اور مسکین آجائیں تو اس میں سے انہیں

وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۸﴾

اور کہو ان سے بھلی بات

بھی کچھ دو اور ان کو اچھی بات کہو۔

تعلق : اس آیت کا گذشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گذشتہ آیت میں میراث کے مستحق عزیزوں کا ذکر تھا اس آیت میں محروم رشتہ داروں کا تذکرہ ہے گویا مرزوقین کے بعد محرومین کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں میت کے مال کی فرضی تقسیم کا ذکر تھا اب اسی مال کی نفلی تقسیم کا ذکر ہے چونکہ فرض نفل پر مقدم ہوتا ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا بعد میں اس کا۔ **تیسرا تعلق**: گذشتہ آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا **نصیبا مفروضا** جس سے معلوم ہوا تھا کہ ہر وارث کا حصہ شرعی حق ہے جس میں کسی کو کمی بیشی کا اختیار نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ صرف فرضی تقسیم پر ہی قناعت نہ کرنا بلکہ اس کے ساتھ کچھ نفلی تقسیم بھی کرنا جس سے تم ثواب کے مستحق ہو جاؤ۔ **چوتھا تعلق**: گذشتہ آیت کریمہ میں عدل والی تقسیم کا ذکر تھا جس پر عمل نہ کرنا سخت گناہ ہے۔ اب اس آیت میں فضل والی تقسیم کا ذکر ہے جس پر بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

تفسیر : **واذا حضر القسمة۔ اذا** معنے **ان** ہے یا اپنے ہی معنے میں ہے **حضور** سے مراد مجلس تقسیم میں موجودگی ہے۔ **قسمت** سے مراد میراث کی تقسیم ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں اس سے منقولی میراث روپیہ و سامان کی تقسیم مراد ہے نہ کہ غیر منقولی میراث کی۔ کیونکہ محروموں کو منقولی میراث میں سے کچھ دینا چاہئے اور غیر منقولی میراث کی تقسیم پر ان سے اچھی بات کہہ دینی چاہئے۔ **قسمت** اگرچہ **حضر** فعل کا مفعول ہے اور **اولوا القربى** فاعل ۔لیکن مفعول کو مقدم کیا گیا اظہار اہتمام کے لئے یا بیان حصر کے لئے یعنے اگر یہ محرومین صرف تقسیم کے وقت ہی آئیں آگے پیچھے کبھی نہ آئے ہوں تب بھی انہیں کچھ دے دو یہ نہ کہو کہ یہ خود غرض لوگ ہیں غرض پڑی تو آئے **اولوا القربى واليتمى والمسكين** یہ سب حضر کا فاعل ہیں۔ **اولوا القربى** سے مراد میت کے قرابتدار ہیں اور یتیموں مسکینوں سے مراد اجنبی لوگ اور ہو سکتا ہے کہ **اولوا القربى** سے مراد مالدار جوان عزیز ہوں اور **يتمى** سے مراد یتیم مالدار یتیم عزیز اور مساکین سے مراد غریب بالغ عزیز لہذا ان کلمات میں تکرار نہیں یعنی اگر تقسیم میراث کے وقت یا تقسیم کی جگہ میت کے ایسے قرابتدار یتیم اور مسکین بھی موجود ہوں جو میراث سے محروم ہوں اس لئے کہ دوسرا وارث ان کے لئے حاجب بن گیا۔ جیسے بیٹے کی وجہ سے پوتا نواسہ خیال رہے کہ یہاں محجوب قرابتدار مراد ہیں نہ کہ شرعی محروم **فارزقوهم منه** یہ جملہ **اذا** کی جزاء ہے اور **ارزقوا** میں خطاب بالغ وارثوں کو ہے کہ نابالغ وارث اپنے حصے سے کسی کو کچھ نہیں دے سکتا اور ہو سکتا ہے کہ تقسیم کرنے والوں سے

www.alahazratnetwork.org

خطاب ہو خواہ وہ حکام ہوں یا پنچ یا وصی یا بعض وارث۔ **هم** کا مرجع یہی مذکور محرومین ہیں **منه** کی ضمیر کا مرجع قسمت نہیں بلکہ **مما ترک** کا **ما** ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع مقسوم مال ہو جو قسمت سے جانا گیا جیسے تو ان محرومین کو بھی اس متروکہ مال میں سے کچھ دے دو حضرت عبداللہ ابن عباس، عطاء، سعید ابن مسیب، ضحاک رضی اللہ تعالٰی عنہم فرماتے ہیں کہ یہ امر وجوبی ہے اور یہ آیت، آیت میراث **یوصیکم الله** الخ سے منسوخ ہے۔ مگر سیدنا ابو موسیٰ اشعری ابراہیم نخعی، عکرمہ، امام شعبی، زہری، مجاہد، حسن، سعید ابن جبیر، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہم کا قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے اور حکم استحبابی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عبدالرحمٰن ابن ابی بکر صدیق نے حضرت عائشہ صدیقہ کی موجودگی میں اپنے والد عبدالرحمٰن کی میراث تقسیم کی تو گھر میں جتنے لوگ موجود تھے سب کو تھوڑا تھوڑا دیا اور یہی آیت تلاوت کی۔ ام المومنین رضی اللہ تعالٰی عنہا نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا (تفسیر کبیر، معانی، خازن وغیرہ) **وقولوا لهم قولا معروفا** یہ جملہ **فارزقوا** پر معطوف ہے جن سے وہاں خطاب تھا ان سے ہی یہاں خطاب ہے۔ **لهم** کا مرجع بھی وہی محروم عزیز ہیں۔ **قول معروفا** سے مراد جائز، دل خوش کن بات ہے جیسے ان محرومین کو کچھ دے بھی دو اور ان سے اچھی باتیں بھی کہو کہ انہیں کم اس لئے دیا گیا کہ تمہارا حصہ شرعاً نہیں، یا یہ مطلب ہے کہ منقولی میراث سے انہیں کچھ دے دو، اور غیر منقولی میراث کے متعلق ان سے معذرت کر دو، یا یہ مطلب ہے کہ عاقل بالغ وارثوں کے حصہ میں سے انہیں کچھ دے دو اور نابالغ وارثوں کے حصے کے متعلق ان سے اپنی مجبوری ظاہر کر دو، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ **اولوا القربى** سے مراد وارث عزیز ہیں اور یتمیٰ و مساکین سے مراد محروم عزیز، بہر حال آیت کا مطلب وہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا۔

خلاصہ تفسیر : اے بالغ وارثو یا اے والیو یا اے حاکمو یا اے پنچو یا اے وصیو! خیال رکھنا کہ تقسیم میراث کے وقت میت کے وہ عزیز اور فقراء و یتیم موجود ہوں جو میراث سے محروم ہو چکے ہیں اور ان کے سامنے تم میراث تقسیم کر و وہ منہ دیکھتے ہوں تو مناسب یہ ہے کہ انہیں بھی اس مال سے کچھ نہ کچھ دے دو اور ساتھ ہی ان سے معذرت بھی کر دو کہ اگر تمہارا حصہ اس میں ہوتا تو تمہیں زیادہ مل سکتا تھا، تم حکم الٰہی پر راضی رہو اور اس تھوڑے پر ہی راضی ہو جاؤ خیال رہے کہ اگر سارے وارث عاقل بالغ ہوں اور موجود ہوں تب تو تقسیم میراث سے پہلے یہ عطیہ دیا جائے اور اگر ان وارثوں میں کوئی نابالغ بچہ یا دیوانہ یا غائب ہو تو پہلے اس کا حصہ الگ کر دیا جائے۔ پھر بالغین حاضرین کے مال سے یہ عطیہ دیا جائے انہیں راضی کر کے کیونکہ نابالغوں کے مال سے کسی کو کچھ نہیں دے سکتے جیسا کہ اگلی آیت سے معلوم ہو رہا ہے اور یہ حکم بھی استحبابی ہے نہ کہ وجوبی یہی حق ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تقسیم میراث چھپ کر گوشہ میں نہ ہو بلکہ علانیہ ہو اور مسجد وغیرہ عام جگہ پر ہو، جہاں دوسرے بھی آسکیں، جیسا کہ **واذا حضر** الخ سے معلوم ہوا **دوسرا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ تقسیم میراث کے وقت صرف وارث ہی نہ ہوں بلکہ کچھ دوسرے محروم رشتہ دار اور اجنبی بھی ہوں تاکہ جو کچھ تقسیم ہو سب کے سامنے ہو سب گواہ ہو جائیں کہ اگر کل کو جھگڑا پڑے تو ان کی گواہی کام آئے جیسا کہ **اولوا القربى** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** میراث کی تقسیم سے پہلے اس متروکہ مال سے کچھ خیرات کر دینا بہتر ہے جس کام کی ابتداء خیرات سے ہوگی انشاء اللہ اس میں برکت ہوگی جیسا کہ **فارزقوا** سے معلوم ہوا بعض کاشتکاری میں شریک، دکان کے شرکاء پیداوار و آمدنی تقسیم

www.alahazratnetwork.org

کرتے وقت کچھ خیرات کرتے ہیں پھر تقسیم' ان کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے بعض لوگ کوئی دنیاوی کاروبار شروع کرتے وقت ختم کراتے ہیں غرباء و مساکین کو کھانا کھلاتے ہیں پھر کام شروع کرتے ہیں ان کا ماخذ بھی یہ آیت کریمہ ہے۔ دینی کام خیرات و صدقہ سے شروع کرنا بہتر ہے بچہ کو مکتب میں بھیجتے وقت کتاب شروع کرتے وقت تقسیم شیرینی یہاں سے ماخوذ ہے۔ چوتھا فائدہ: جو رشتہ دار میراث سے محروم ہو گئے ہوں انہیں بھی میراث سے کچھ دے دینا علی الحساب بہتر ہے۔ باقی بچا ہوا مال وارثین آپس میں تقسیم کرلیں یہ بھی **فارزقوهم** سے معلوم ہوا لہٰذا یتیم نواسا یتیم بھتیجہ وغیرہ جب کہ اس میراث سے محروم ہو گیا ہو اسے کچھ ضرور دیں مگر خیال رہے کہ غائب' دیوانے' نابالغ وارثوں کا حصہ پہلے الگ کرلیں' پھر یہ خیرات اور محروموں کو دا و پیش کریں جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ پانچواں فائدہ: ان محروم عزیزوں کو یہ دیا جائے جو محجوب ہوں جنے قریب یا قوی عزیز کی وجہ سے محروم ہو گئے ہوں جیسے بیٹے کے ہوتے پوتا بیٹی کے ہوتے نواسا مگر جو اپنے کسی حال کی وجہ سے محروم ہوا اسے کچھ نہ دیا جائے چنانچہ قاتل رشتہ دار جو اس قتل کی وجہ سے میراث سے محروم ہے اسے پھانسی دلوائیں میراث نہ دیں' جیسا کہ **اولوا القربى** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: میت کے ترکہ سے اس کا تیجہ اور دسواں چالیسواں اور فاتحہ وغیرہ کر دینا بہتر ہے۔ مگر یہ کھانا مساکین و فقراء کو ہی کھلایا جائے جیسا کہ **واليتمى والمسكين** کی تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ آیت کریمہ نے ترکہ سے یتامیٰ و مساکین کو بھی کچھ دینے کا حکم دیا کہ ارشاد فرمایا **فارزقوهم منه**۔ تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا کہ زمانہ صحابہ میں اس پر عمل تھا چنانچہ محمد ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میرے والد نے تقسیم میراث کے وقت ایک بکری ذبح کرا کر کھانا پکایا اور رشتہ داروں' یتیموں و مسکینوں کو کھلایا اور یہی آیت پڑھی۔ تفسیر خازن میں انہیں محمد ابن سیرین سے روایت کی کہ عبیدہ سلمانی رحمۃ اللہ علیہ نے میراث تقسیم کی تو ایک بکری ذبح کرا کر کھانا پکوایا یتیموں مسکینوں اور عزیزوں کو کھلایا اسی آیت پر عمل کرتے ہوئے۔ اور فرمایا کہ اگر یہ آیت نہ ہوتی تو میں یہ خرچ اپنے مال سے کرتا اس آیت کی وجہ سے میراث سے خرچ کیا (خازن) مگر وہی بات خیال رہے کہ یہ تمام خرچ یتیم' دیوانے' غائب وارثوں کے مال سے نہ ہوں ان کا حصہ علیحدہ کرکے پھر خیرات وغیرہ ہو۔ ساتواں فائدہ: یہ خیرات اور محروم عزیزوں کو کچھ دینا منقولی مال سے ہوں' رہی میت کی جائیداد مکانات اور دوسری غیر منقولی چیزیں وہ خیرات وغیرہ میں نہ دی جائیں بلکہ ان کے متعلق محرومین سے معذرت کردی جائے۔ منقولی چیزوں کے لئے فرمایا **فارزقوهم** اور غیر منقولی چیزوں کے لئے ارشاد ہوا **وقولوا لهم قولا معروفا** (تفسیر خازن) آٹھواں فائدہ: ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا بعض امر محض استحباب کے لئے بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو **فارزقوهم** امر ہے مگر استحباب کے لئے نواں فائدہ: محروم و تکلیف رسیدہ لوگوں سے سخت کلامی سے پیش نہ آنا چاہئے بلکہ ان سے نرم گفتگو کرنا چاہئے جیسا کہ **قولوا لهم قولا معروفا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں یتامیٰ و مساکین سے کون سے یتیم مراد ہیں رشتہ دار یا اجنبی اگر رشتہ دار مراد ہیں تو وہ **اولوا القربى** میں آ گئے تھے علیحدہ لانے کی کیا ضرورت تھی اور اگر اجنبی لوگ مراد ہیں تو میت کے ترکہ سے انہیں دلوانے میں عزیزوں کا نقصان ہے۔ پھر یہ حکم کیوں دیا گیا؟ **جواب**: اس میں دونوں ہی احتمال ہیں اگر یتیم و مسکین سے مراد رشتہ دار یتیم غریب ہیں تو یہ خاص بعد عام ہے یعنے اگر تقسیم کے وقت محروم عزیز موجود ہوں خصوصاً ان میں سے یتیم و مساکین تو انہیں کچھ دے دو اور

www.alahazratnetwork.org

اگر اجنبی یتیم و مساکین مراد ہیں تو بھی یہ حکم ترغیبی ہے کہ اے وارثو! تمہیں بغیر محنت دوسرے کا مال مل رہا ہے۔ تم اس میں یتیموں مسکینوں کا حصہ بھی کرو جب اپنی کمائی سے خیرات کرنا محبوب ہے تو یہ تو غیر کا مال ہے جو تمہیں بغیر محنت مل رہا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** مفسرین نے یہ قید کہاں سے لگائی کہ منقولی مال سے خیرات دو یہاں **فارزقوھم** مطلق ہے چاہئے کہ میت کی جائیدلو میں سے بھی خیرات کی جائے۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ رزق اگرچہ ہر روزی ہے مگر عام محاورہ میں روٹی کپڑے کو کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومما رزقنھم ینفقون** اس آیت میں بھی عموماً کھانے کپڑے وغیرہ منقول چیزوں کا راہ خدا میں خرچ کرنا مراد ہے اس لئے رب تعالیٰ نے غیر منقول جائیداد پر زکوۃ فرض نہ کی بلکہ اس کی پیداوار و آمدنی پر نیز اگر تجارتی مکانات پر زکوۃ فرض بھی ہو جائے تو زکوۃ میں مکان یا کھیت کا حصہ کاٹ کر نہ دیا جائے گا بلکہ اس کی قیمت سے چالیسواں حصہ جیسا کہ کتب فقہ سے معلوم ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا ان ہی محروم عزیزوں کو دیا جائے جو تقسیم کے وقت حاضر ہوں۔ غیر حاضر عزیزوں کو نہ دیا جائے۔ یتیم محروم پوتا اگر موجود نہ ہو تو اسے بالکل ہی نظر انداز کر دیا جائے۔ یہ تو انصاف سے دور ہے۔ **جواب:** آیت میں غیر حاضرین کو دینے کی ممانعت نہیں۔ انہیں بھی دو چونکہ تقسیم کے وقت موجود عزیزوں کو تقسیم دیکھ کر مایوسی، حسرت زیادہ ہوتی ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا یہ قید فقط اہتمام کے لئے ہے نہ کہ دوسروں کی نفی کے لئے جیسے حدیث شریف میں ہے کہ جب تمہارا خادم تمہارے لئے کھانا پکا کر لائے تو اسے بھی اس میں سے کھلاؤ کہ اس نے پکانے کی مشقت برداشت کی یہ مطلب نہیں کہ دوسروں کو ہرگز نہ کھلاؤ ایک کے ذکر سے دوسرے کی نفی نہیں ہوتی۔ **چوتھا اعتراض:** آیت کریمہ نے یہ تو فرما دیا کہ ان محروموں کو میراث سے کچھ دے دو یہ نہ بتایا کہ کتنا دے دو یہ اجمال کیوں رکھا۔ **جواب:** حصہ کا تقرر تو وارثوں کے لئے ہے، غیر وارثوں کے لئے تقرر کیسا یہ مقدار تو دینے والوں کی مرضی پر منحصر ہے ہر نفلی خیرات کا یہی حکم ہے۔ فرض و واجب، صدقے، زکوۃ فطرہ وغیرہ کی تعداد و مقدار مقرر ہے مگر صدقہ نفلی میں خیرات کرنے والے کی مرضی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام و مشائخ عظام کے ذکر و فکر کے حلقے گویا تقسیم میراث کی مجلسیں ہیں ان کے مریدین و خدام و طالبین جو ایسی مجلسوں میں حاضر ہیں وہ تو حقدار وارث ہیں مگر اجنبی لوگ جو اتفاقاً وہاں آگئے یا گذرتے ہوئے وہاں ٹھہر گئے یہ محجوب و محروم عزیز قرابتدار ہیں۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ اے فیض دینے والے اور میراث نبی بانٹنے والے عالمو صوفیو! جب اس تقسیم میراث کی مجلسوں یعنی ذکر و فکر کے حلقوں میں کوئی اجنبی آدمی آ بیٹھے یا آ نکلے تو تم اسے بھی محروم نہ چھوڑو انہیں بھی ولایت، ہدایت، عنایت، رعایت میں سے کچھ دے دو کہ ان مجلسوں میں آ جانے والا بھی محروم نہ رہے ان کا پڑوسی بھی کچھ نہ کچھ لے ہی جائے اور کچھ دینے کے ساتھ ساتھ ان اجنبیوں کو اچھی اچھی باتیں بھی بتا دو انہیں دنیا سے اعراض رب تعالیٰ کی رضا جوئی راہ راست پر قائم رہنے، سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند رہنے کی نصیحتیں کرو کہ یہ ان کے لئے **قول معروف** ہے، اہل اللہ والوں کی مجلس میں آ جانے والے بھی کچھ کمال لے جاتے ہیں بعض اللہ والوں نے جذب کے عالم میں گذرتے ہوئے کافروں کو ولی بنا دیا کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور قطب ربانی، محبوب سبحانی، قندیل نورانی حضرت محی الدین سید عبدالقادر جیلانی بغدادی قدس سرہ نے اس چور کو ولی بنا دیا جو رات کو آپ کے گھر چوری کرنے آیا تھا، فرمایا اگرچہ چور ہے مگر

میرے گھر میں تو آ گیا' یہ بھی محروم کیوں جائے یہ ہے **فارزقوهم منه** پر عمل' ایک بار سرکار بغداد رات کے وقت جنگل میں تشریف لے جا رہے ہیں بہت قیمتی لباس زیب تن کئے ہوئے ہیں کہ ایک راہزن ڈاکو نے بری نیت سے پیچھے سے آپ کا دامن پکڑا آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اے قیوم و قدیر اس نے دامن پکڑا عبد القادر کا' اب قیامت تک یہ دامن اس کے ہاتھ سے نہ چھوٹے ابھی یہ دعا پوری نہ ہوئی تھی کہ وہ چور ڈاکو ولی ہو چکا تھا۔ حضرت سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی قدس سرہ کے آستانہ پر ایک بوڑھا بیمار آ پڑا اور پکارنے لگا اے میری ماں! اے میری ماں! آپ نے جوش میں فرمایا ارے کہو اے میرے رب! اے میرے رب! وہ یہ ہی کہنے لگا! کچھ دیر میں جان نکل گئی۔ آپ نے فرمایا کہ دم آخر اس کا ایمان سلب ہو رہا تھا میں نے خیال کیا کہ میرے دروازے پر گرا ہے کافر نہ مرے' ایمان کے ساتھ بھیج دیا۔ خیال رکھو کہ اچھوں کے دروازے پہ مرنا بھی اچھا' یہ ہے **فارزقوهم** کی عملی تفسیر اسی لئے صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔

آدمی سے بھی آدمی بھلی آدمی سے بھی آدھ   جیسا سنگت سادھ کی کاٹے کوٹ اپرات

اللہ والوں کے پاس آدمی بلکہ پاؤ گھڑی بھی بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا' اچھوں کی سنگت گناہوں کے پہاڑ گلا دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو کسی کی نظر کرم نصیب فرمائے۔

وَلْيَخْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكُوا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعَافًا خَافُوا

اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں اپنے بچے کمزور تو خوف کریں

اور ڈریں وہ لوگ کہ اگر اپنے بعد ناتواں اولاد چھوڑتے تو ان کا کیا انہیں

عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ

ان پر بس چاہیے کہ وہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات درست بے شک وہ لوگ جو کھا جاتے

خطرہ ہوتا تو چاہیے کہ اللہ سے ڈریں اور سیدھی بات کریں وہ جو یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں

أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا ۖ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا ۝

ہیں مال یتیموں کے ظلم سے وہ کھاتے ہیں اپنے پیٹوں میں آگ ہی اور عنقریب جائیں گے دوزخ میں

وہ تو اپنے پیٹ میں نری آگ بھرتے ہیں اور کوئی دم جاتا ہے کہ بھڑکتے دھڑے میں جائیں گے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں میت کے بعد اس کے یتیم بچوں پر ظلم کرنے سے لوگوں یعنی وصی' ولی وغیرہم کو روکا گیا تھا اب میت کے مرتے وقت حاضرین کو اس سے روکا جا رہا ہے کہ وہ میت سے پسماندگیاں پر ظلم نہ کرائیں کہ میت سے غیر ضروری وصیتیں کرا کر ان پسماندگان کو نقصان پہنچائیں۔ **دوسرا تعلق**

www.alahazratnetwork.org

: پچھلی آیت میں میت کے پسماندگان پر رحم و کرم کا حکم دیا گیا کہ اگر اس کے بعض عزیز محروم بھی ہوں تو انہیں بھی کچھ دے دیں' اب اس رحم و کرم پر آمادہ کرنے کے لئے نفیس طریقہ سے سمجھایا جا رہا ہے کہ تم کو بھی موت آنی ہے۔ تم گذشتہ میتوں کے وارثوں سے اچھا سلوک کرو تاکہ لوگ تمہارے وارثوں سے اچھا سلوک کریں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اولیاء' اوصیاء کو یتیموں کی پرورش اور نگہداشت کا بہت تفصیلی حکم دیا گیا کہ ان کا امتحان لیتے رہو' ان کے مال جلد اڑا نہ دو' اب اس مال مارنے کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ جو ظلماً" ان یتیموں کا مال کھائے اڑائے گا تو سمجھ لو کہ اپنے پیٹ میں آگ بھرے گا' غرضیکہ قانون کا ذکر پہلے تھا' خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا ذکر اب ہے۔

شان نزول : مقاتل و ابن حبان فرماتے ہیں کہ قبیلہ غطفان میں ایک شخص تھا مرثد ابن زید وہ اپنے بھائی مرحوم کے مال اور اس کے یتیم بیٹے کا اس کی موت کے بعد متولی ہوا تو اس نے اس یتیم کا سارا مال کھا پی لیا' اور یتیم کو بے یار و مددگار چھوڑ دیا اس کے متعلق آیت **ان الذین** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن) ابن ابی حاتم بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ بعض لوگ مرنے والے کی عیادت کے لئے اس کے آخری وقت اس کے پاس جاتے اسے مرتا ہوا دیکھ کر اسے غیر ضروری صدقات و خیرات کا مشورہ دیتے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ وارثین میراث لے کر تجھے کیا نفع پہنچائیں گے۔ یہ تو تجھے یاد بھی نہ کریں گے تو اپنے ساتھ صدقات و خیرات کا توشہ لے جا یہ سب نصیحتیں اس غرض سے کرتے تھے کہ وارث لوگ میراث سے کچھ نہ پائیں' یا پائیں تو کم پائیں ان لوگوں کے متعلق آیت کریمہ **ولیخش** الخ نازل ہوئی (روح المعانی)

تفسیر : **ولیخش الذین لو' ترکوا من خلفھم' ولیخش' خشیتہ** کا امر غائب ہے۔ جس کے معنے ہیں ڈرنا" **خشیتہ** خوف' تقوے وغیرہ کے فرق ہم دوسرے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں **الذین** اس کا فاعل ہے۔ اس **الذین** سے وہ لوگ مراد ہیں جو میت کے مرتے وقت اس کے پاس پہنچیں اور اس کے وارثوں کو نقصان پہنچانے کے لئے میت کو زیادہ صدقہ و خیرات اور مختلف وصیتوں کا حکم و مشورہ دیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا' ممکن ہے کہ اس سے یتیموں کی پرورش کرنے والے ولی و وصی مراد ہوں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے ہی لوگ مراد ہوں کہ آیت کی عام عبارت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خاص شان نزول کا۔ **الذین** اسم موصول ہے اور **لو ترکوا** شرط **خافوا** جزاء سے مل کر اس کا صلہ یہاں **حالھم** پوشیدہ ہے جو مبتداء ہے اور **لو ترکوا** الخ۔ خبر۔ **ترکوا** سے مراد مرنے کے بعد چھوڑ جانا ہے **خلف** مطلقاً پیچھے کو کہا جاتا ہے مگر یہاں بعد موت و پس مرگ مراد ہے اور **لو** بمعنی **ان' ذریتہ ضعفا خافوا علیھم' ذریت** کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ یہ **ذر** سے بنا بمعنے پھیلنا' چھوٹی چیونٹی کو **ذر** اور ریگ کے ذروں کو ذرہ کہا جاتا ہے کہ یہ بھی زمین میں پھیلے ہوتے ہیں یہاں چھوٹی اولاد مراد ہے جو چیونٹیوں کی طرح کمزور و بے کس ہے۔ **ضعافا' ضعیف** بمعنے کمزور کی جمع ہے جیسے کریم کی جمع کرام لئیم کی جمع لئام۔ **خافو** سے مراد ہے بچوں کے ضائع برباد ہو جانے کا خوف و ڈر یعنے وہ میت کے مشیر کار جو میت کے وارثوں کو نقصان دینے کے لئے اسے زیادہ خیرات کرنے کا حکم دیتے ہیں جن کا حال یہ ہے کہ وہ خود اس سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم مر جائیں اور ہمارے پیچھے ہمارے چھوٹے بچے برباد و ضائع ہو جائیں انہیں چاہئے کہ میت کے بال بچوں کے متعلق بھی یہ ہی پسند کریں اور اس کے بال بچوں کو ضائع کرنے کے لئے میت کا مال دوسری جگہ خرچ نہ کرائیں **فلیتقوا اللہ**

www.alahazratnetwork.org

ولیقولوا قولا سدیدا پچھلے جملہ میں تو انہیں دنیاوی امور سے ڈرایا گیا تھا اس جملہ میں انہیں آخرت کے عذاب سے دھمکایا جارہا ہے۔ **سدید** سد سے بنا بمعنی روکنا اسی۔ لئے دیوار کو سد کہتے ہیں کہ وہ باہر والوں کو اندر آنے سے روکتی ہے۔ اچھی بات کو سدید اس لئے کہتے ہیں کہ وہ برائیوں سے روکتی ہے۔ یہاں درست بات سے مراد یا تو مرنے والے کو اچھا مشورہ دینا ہے کہ وہ زیادہ خیرات یا وصیت کر کے ورثاء کو نقصان نہ پہنچا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کے یتیموں سے اچھی بات کرنا انہیں تسلی و دلاسا دینا مراد ہے۔ یعنی یہ مشیر کار اللہ سے ڈریں مرنے والے کو غلط مشورہ نہ دیں اور اس سے اچھی بات کہیں یا اس کے پسماندگان کو تسلی و تشفی دیں تعزیت کریں۔ **ان الذین یاکلون اموال الیتمی ظلما** یہ نیا کلام ہے جس میں گذشتہ ہدایتوں کا تکملہ و تتمہ ہے۔ چونکہ اہل عرب یتیموں کے مال کھا جانے کو مطلقاً برا نہیں سمجھتے تھے بلکہ اس کی تائید کرتے تھے اس لئے یہ جملہ **ان** سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد تمام مسلمان ہیں خواہ میت کے وصی ہوں یا یتیموں کے والی وارث یا حاکم یا پنچ یا عام مسلمان کھانے سے مراد یتیموں کے مال پر قبضہ کرنا ہے عرف میں قبضہ کر لینے کو کھا بیٹھنا کہا جاتا ہے کیونکہ مال کا بڑا مقصد کھانا ہوتا ہے۔ **ظلم** سے مراد ناحق ہے کیونکہ یتیموں کا مال حق کی بناء پر کھانا بالکل جائز ہے جیسا کہ پہلے گذر چکا کہ یتیموں کا مربی جب فقیر ہو تو حق پرورش کے طور پر اجرتاً ان کے مال سے بقدر ضرورت لے سکتا ہے۔ یوں ہی مزدور دوکاندار طبیب اور دوسرے پیشہ ور یتیموں کے مال سے اجرت و قیمت لے سکتے ہیں کہ یہ تمام ظلم نہیں اموال جمع فرما کر اشارتاً فرمایا گیا کہ یتیموں کا کوئی مال خواہ زیادہ ہو یا کم منقول ہو یا غیر منقول میراث سے ملا ہو یا کسی کا دیا ہوا یا ان یتیموں کا اپنا کمایا ہوا یا خود وصی کا دیا ہوا غرضیکہ کچھ بھی ہو ناجائز لینا سخت جرم ہے۔ اسی طرح یتیم عام ہے اپنا عزیز ہو یا اجنبی' لڑکی ہو یا لڑکا امیر ہو یا غریب **انما یاکلون فی بطونهم نارا** گذشتہ **الذین** تو **ان** کا اسم مع اپنے صلہ اور **انما** الخ **ان** کی خبر ہے۔ **انما** حصر کے لئے ہے اگرچہ کھانا پیٹ میں ہی جاتا ہے مگر پھر **فی بطونهم** فرمانا' اظہار قہر کے لئے ہے جیسے طبیب اپنے بد پرہیز مریض سے کہتا ہے کہ تو اپنے پیٹ میں پتھر بھر رہا ہے یعنی یہ بدپرہیزی کا کھانا تیرے لئے پتھر کا کام دے گا یا یہ بتانے کے لئے کہ پیٹ بھر کر وہ انگارے کھاتے ہیں یتیم کے مال کو ان کے لئے آگ یا تو اس لئے فرمایا گیا کہ یہ کھانا آگ کا ذریعہ ہے یا اس لئے کہ در حقیقت یہ آگ ہی ہے کہ مرے بعد یا قیامت میں بعینہ یہ کھانا آگ بن جائے گا یعنی جو لوگ یتیموں کا مال ناحق برباد کر دیتے ہیں' ناجائز طور سے اس پر قبضہ کر لیتے ہیں' وہ پیٹ بھر کر دوزخ کے انگارے کھا رہے ہیں کہ اس کا نتیجہ آگ ہی ہے **وسیصلون سعیرا** یہ جملہ **یاکلون** پر معطوف ہے۔ ہماری قرات میں **سیصلون** ی کے فتح سے معروف اور بعض قراتوں میں ی کے پیش سے مجہول۔ **یصلون**' **صلی** سے بنا بمعنی آگ سے قرب۔ آگ سے تاپنے گرم کرنے کو صلی کہنے لگے۔ وہ ہی معنے یہاں مراد ہیں۔ **سعیر** سعر سے بنا بمعنی بھڑکنا شعلے مارنا' لغتہ" ہر بھڑکتی آگ سعیر ہے مگر اصطلاح میں دوزخ کے ایک طبقہ کا نام سعیر ہے' پھر مطلقاً" دوزخ کو سعیر کہنے لگے' یہ تیسرے معنے ہی یہاں مراد ہیں معنے یہ ظالم یتیموں کا مال ناحق کھا جانے والے عنقریب دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے اندر آگ ہوگی اور یہ آگ کے اندر رہوں گے۔

خلاصہء تفسیر : جو لوگ میت کے خیر خواہ بن کر اس کی دم آخر مزاج پرسی کے بہانہ سے جا کر اسے غیر ضروری خیرات و اخراجات پر ابھارتے ہیں نیز یتیموں کے والی وارث اور جن کے ذمہ یتیموں کی پرورش ہے وہ یہ سوچ لیں کہ اگر یہ مر جائیں اور

www.alahazratnetwork.org

اپنے پیچھے اپنے یتیم اولاد کمزور بچے چھوڑ جائیں تو انہیں اپنے ان بے کس بچوں کا کتنا خیال ہو گا اور ان پر کس طرح اندیشہ سوچ بچار کریں گے جیسے ان کے بچے انہیں عزیز ہیں ایسے ہی دوسروں کے بچے دوسروں کو بھی عزیز ہیں۔ یہ یتیم بھی کسی کے پیارے ہیں کسی کی آنکھوں کے تارے ہیں جیسی پرورش اپنے یتیموں کی چاہتے ہیں اور جیسا معاملہ اپنے بعد اپنے یتیموں سے چاہتے ہیں ایسا ہی معاملہ و پرورش دوسرے کے یتیموں سے انہیں کرنا چاہئے۔ لہذا یہ لوگ اللہ سے ڈریں اور مرنے والے نیز ان یتیموں سے اچھی باتیں کریں کہ مرنے والے کو ظلم سے روکیں، ان یتیموں کو تسلی و تشفی دیں، یقین رکھو کہ جو کوئی وارث یا غیر وارث یتیموں کا کسی قسم کا مال ناحق مارے گا اور ظلماً کھائے گا وہ درحقیقت پیٹ بھر کر دوزخ کی آگ کھائے گا کہ یہ مال کل دوزخ کے انگارے بن کر اس کے پیٹ میں بھرا جائے گا اور کوئی دم جاتا ہے کہ یہ بھڑکتی آگ میں داخل ہوں گے اس لئے یتیم کے مال سے بہت ڈرنا چاہئے حضرت ابو سعید خدری فرماتے ہیں کہ ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی خبریں سنائیں، فرمایا کہ ہم نے ایک قوم کو ملاحظہ فرمایا جن کے ہونٹ اونٹوں کے سے ہیں ان پر فرشتے مقرر ہیں جو انہیں آگ کے پتھر کھلاتے ہیں یہ پتھر ان کے منہ سے داخل ہو کر پاخانہ کے مقام سے نکل جاتے ہیں ہم نے پوچھا اے جبریل! یہ لوگ کون ہیں؟ فرمایا یہ یتیموں کا مال ظلماً کھانے والے ہیں۔ امام سدی فرماتے ہیں کہ قیامت میں یتیموں کا مال ظلماً کھانے والے اس طرح اٹھیں گے کہ ان کے کانوں، ناک اور آنکھوں سے دھواں نکلتا ہو گا لوگ انہیں پہچان لیں گے کہ یہ یتیموں کا مال کھانے والے ہیں۔ (تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** میت کو مرتے وقت برا مشورہ دینا جس سے میت کے وارثوں یتیموں کا نقصان ہو حرام ہے۔ اگرچہ وہ بظاہر اچھا معلوم ہوتا ہو جیسا کہ پہلی آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** مستحق وارثوں کو محروم کر کے نفلی صدقہ و خیرات کرنا منع ہے صدقہ وہ اچھا جس سے کسی کا حق نہ مارا جائے یہ بھی اسی شان نزول سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** میت مرتے وقت اپنے مال کے متعلق وصیت بھی کر سکتا ہے اور خیرات بھی ورنہ اسے اس کا مشورہ دینے کا کیا فائدہ ہوتا مگر جو کچھ بھی کرے تہائی مال سے کرے۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی اچھا کام درحقیقت برا ہوتا ہے دیکھو خیرات صدقہ اچھا ہے مگر جب اس سے مستحقین کو نقصان پہنچے تو برا ہے۔ بعض وقت نماز پڑھنا بھی جرم ہوتا ہے بلکہ نماز توڑنا ضروری ہو جاتا ہے۔ نمازی نے کسی اندھے کو کنوئیں میں گرتا دیکھا تو فرض ہے کہ نماز توڑے اور اندھے کا ہاتھ پکڑ کر اس کی جان بچائے۔ **پانچواں فائدہ:** ہمیشہ دوسروں کے ساتھ وہ معاملہ کرو اور ان سے ایسی گفتگو کرو کہ دوسرا تمہارے ساتھ کرے تو تمہیں ناگوار نہ ہو۔

کبھی بھول کر کسی سے نہ کرو کلام ایسا کہ جو تم سے کوئی کرتا تمہیں ناگوار ہوتا

جو بات سن نہ سکو، وہ دوسرے سے کہو بھی نہیں جو برتاؤ برداشت نہ کر سکو، وہ دوسرے سے کرو بھی نہیں یہ آیت کریمہ اخلاقیات کا خزانہ ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جو دوسرے کے یتیموں پر ظلم کرتا ہے تو دوسرے اس کے یتیموں پر ظلم کرتے ہیں۔ اپنے بچوں کی خیر چاہتے ہو تو دوسروں کے بچوں کی خیر چاہو۔ "اگر بھلا ہو دیکھنا" ایسے ہی جو اپنے ماں باپ کو ستاتا ہے تو اس کی اولاد اسے ستاتی ہے، جو اپنے اہل قرابت سے سلوک کرتا ہے تو وقت ضرورت اس کے عزیز اس سے سلوک کرتے ہیں، جو دوسرے کمزور

www.alahazratnetwork.org

بڈھوں کی دستگیری کرتا ہے تو اس کے بڑھاپے پر دوسرے اس کی دستگیری کرتے ہیں۔

کیا خوب سودا نقد ہے اس ہاتھ دے اس ہاتھ لے

ساتواں فائدہ: اگر میت کو غلط یا ظلم کی وصیت کرتے دیکھے تو اسے سمجھا بجھا کر درست کردے جیسا کہ قولا سدیدا سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: اپنے بال بچوں کو غنی کرکے جانا نفل صدقے سے بہتر ہے یہ نہ کرو صدقہ و خیرات کرکے اپنے بچوں کو خیرات کھانے کے قابل کر جاؤ۔ نواں فائدہ: جس کے بال بچے عزیز قرابت دار غریب نہ ہوں تو وصیت کرے مگر تہائی مال کی اس سے زیادہ اگر کرے گا تو درست نہ ہوگی۔ دسواں فائدہ: یوں تو کسی کا مال مارنا مطلقاً برا ہے مگر یتیموں کا مال مارنا بہت ہی برا کہ وہ بے کس بھی ہیں اور بے سہارا بھی جیسا کہ اموال الیتمی فرمانے سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: یتیم کے مال سے خیرات صدقہ ہدیہ نذرانہ لینا ان کے مال پر ختم پڑھوا کر فقراء کو کھلانا منع ہے کہ یہ سب ناحق کھانا ہے ہمارے ہاں یتیم پر زکوۃ نہیں خواہ کتنا ہی امیر ہو بالغ ہونے پر زکوۃ ہوگی۔ بارہواں فائدہ: جو مال یتیم کو ورثہ میں ملا یا اسے کسی نے کچھ دیا یا خود وصی نے اسے کچھ دیا یا یتیم نے خود کمایا یہ سب یتیم کا مال ہے کہ ان میں سے کسی مال کا ناحق کھانا حرام ہے جیسا کہ اموال الیتمی کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تین جگہ خوف کا ذکر ہوا پہلے خشیۃ کا پھر خوف کا پھر تقوی کا اس کی کیا وجہ ہے؟ ایک خوف ہی کافی تھا۔ جواب: خوف کی یہ تکرار بہت ڈرانے کے لئے بھی ہے اور اس میں ایک نکتہ بھی یتیموں کے بد خواہوں کو اولا" تو بد خواہی کرتے وقت ڈرایا گیا کہ ابھی ڈر جاؤ کہیں تم بھی اپنے یتیم نہ چھوڑو۔ پھر اپنے یتیم چھوڑتے وقت ان کی خراب پرورش سے ڈرایا گیا اس کا تعلق دنیا سے ہے۔ پھر خدا تعالیٰ سے ڈرایا گیا اس کا تعلق آخرت سے ہے، تین وقتوں میں تین خوف دلائے گئے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں کا مال ناحق کھانا جرم ہے تو کیا ان کا مال کھانے کے علاوہ دوسرے خرچے میں لانا درست ہے؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ کھانے سے مراد مطلقاً" استعمال ہے یا ان کا مال برباد کرنا اس کی وجہ تفسیر میں عرض کردی گئی۔ تیسرا اعتراض: کھایا تو پیٹ میں ہی جاتا ہے، پھر کیوں فرمایا کہ اپنے پیٹوں میں وہ آگ کھاتے ہیں؟ جواب: اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ یہاں کھانے سے مجازی معنے نہیں بلکہ حقیقی معنی ہی مراد ہیں کھانا پیٹ بھرنا اس کے معنے ہیں پیٹ بھر کر کھانا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یتیموں پر ظلم کرنے والوں کے پیٹوں میں بھی آگ ہوگی، یہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا ان میں آگ ہوگی یا وہ آگ میں ہوں گے؟ جواب: دوسرے دوزخی تو خود آگ میں ہوں گے مگر یہ لوگ چونکہ ڈبل ظالم تھے اس لئے ان کا عذاب بھی ڈبل ہوگا کہ آگ انکے پیٹ میں بھی ہوگی اور یہ خود بھی آگ میں ہوں گے، جیسے ڈوبتا ہوا آدمی کہ اسکے پیٹ میں پانی بھر جاتا ہے اور خود بھی پانی میں ہوتا ہے۔ پانچواں اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ زکوۃ نہ دینے والوں کا عذاب ہلکا ہے کہ انہیں انکا سونا چاندی تپا کر اس سے داغا جائیگا مگر یتیموں کا مال ہضم کر جانے والوں کا عذاب سخت تر کہ وہ لوگ آگ ہی کھائیں گے اور آگ میں جائیں گے۔ جواب: اسکی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ زکوۃ دینے والا فقیر کا مال مارتا نہیں بلکہ اپنا مال اسے دیتا نہیں مگر یہ بد نصیب یتیم کا مال مارتا ہے، دوسرے یہ کہ فقیر کبھی جوان تندرست قابل کسب بھی ہوتا ہے مگر یتیم لاوارث بچہ ہے اس پر ظلم سخت تر ہے، تیسرے یہ کہ زکوۃ حق اللہ ہے مگر مال یتیم حق العبد، حق اللہ مارنے سے حق العبد مارنا سخت جرم ہے کہ حق العبد بغیر بندے کے معاف کئے معاف نہیں ہوتا اور یتیم معاف کرنے کے قابل نہیں اگر اس حال میں یہ شخص مر گیا تو تاقیامت معلق گناہ کرکے

مرے گی چھٹا اعتراض: یتیموں کا مال مارنے والا خود مجرم ہے' اسکی اولاد نے کیا جرم کیا کہ ان پر بھی وبال پڑا' جیسا کہ **لو ترکوا من خلفہم ذریۃ ضعفا** سے معلوم ہوا۔ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کا مقصد یہ نہیں کہ اگر تم لوگوں نے یتیموں پر ظلم کیا تو تمہارے بچے بھی یتیم ہوں گے اور لوگ ان پر بھی ظلم کریں گے بلکہ مقصد یہ ہے کہ تم مرحوم میت کے رنج و صدمہ کا اندازہ لگاؤ کہ اگر تمہارے بچے یتیم رہ جائیں' اور لوگ ان پر ظلم کریں تو تم کو کتنا صدمہ ہو گا اور مرتے وقت تمہیں اپنے یتیموں کی کیسی فکر ہو گی' ایسے ہی دوسروں کو بھی صدمہ و فکر ہو گی' اور اگر مان بھی لیا جائے۔ تب بھی قانون قدرت یہ ہے کہ کبھی گنہگار ان کی وجہ سے بے گناہ بھی مصیبت میں پھنس جاتے ہیں' اگر ایک شخص جہاز کا تختہ توڑ دے تو جہاز کے سارے مسافر ڈوب جاتے ہیں' بعض قوموں پر عذاب الٰہی آیا' انکے بچے اور جانور بھی ہلاک ہوئے' ایسے ہی ظالم ماں باپ کے ظلم کی پاداش اسکی اولاد بھی بھگتتی ہے' ممکن ہے کہ آئندہ آخرت میں ان بے قصوروں پر اسکے عوض کرم ہو جائے' نیز ظالم کے بال بچے اس کے ظلم کے مال سے پلتے ہیں' جب اسکے مال سے نفع اٹھا رہے ہیں تو سزا بھی بھگتیں ہم نے مظلوموں کو یہ بددعا دیتے سنا ہے کہ خدا کرے تیری زیادتیاں تیری آل اولاد کے آگے آئیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں چار قسم کے لوگ ہیں دنیاوی ڈر سے ماننے والے اخروی خوف سے بعض لالچ سے قبول کرتے ہیں بعض شوق و محبت سے' اسی لئے قرآن کریم میں یہ چاروں طریقے استعمال فرمائے گئے' یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اولاً تو ان ظالموں کو جو یتیموں کو ستائیں دنیاوی خوف دلایا' فرمایا ایسا نہ ہو کہ تمہارے بچے بے یار و مددگار رہ جائیں' پھر خوف آخرت دلایا کہ **فلیتقوا اللہ** خوف دلا کر ارشاد ہوا کہ جو لوگ اپنے یتیم قلب و روح کا حق مار لیتے ہیں کہ دنیا میں عبادت' ریاضت بھی نہیں کرتے' زندگی کی ہر ساعت نفس کی پرورش میں گزار دیتے ہیں' انکے سارے مال' سارے اعمال' سارے احوال' سارے کمال نفس پر خرچ ہوتے ہیں' یہ لوگ آگ کھا رہے ہیں' عنقریب دوزخ حرص' دوزخ ہوا' دوزخ محرومی اور پھر دوزخ آگ میں داخل ہوں گے' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے قریباً ہر پھل میں مغز تمہارے لئے ہے چھلکا گٹھلی جانوروں کیلئے' اگر تم پورا پھل مع چھلکا و گٹھلی کھا جاؤ تو ہلاک ہو جاؤ گے' ہر ایک کو اسکا حصہ دو' ایسے ہی وقت' مال' عزت' سانس اور تمام اعضائے بدن میں نفس کا حصہ بھی ہے اور روح کا حصہ بھی' کچھ ساعتیں نمازوں کیلئے وقف کرو کچھ کام کاج کیلئے' کچھ سونے و آرام کیلئے' کچھ سانسیں رب تعالیٰ کی یاد کیلئے ہوں' کچھ دنیاوی کاموں کیلئے' ہر عضو کا یہی حال ہے' جو شخص ساری زندگی' ساری سانسیں اور سارے اوقات دنیا و طلب دنیا میں گزارے وہ ظالم ہے یتیم کا مال ناحق کھا رہا ہے اسکا ٹھکانہ دوزخ ہے' دوسروں کے یتیم کو کسی کو کہتے نہیں اپنے یتیموں کی خبر گیری کرو۔

يُوصِيكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ فَاِنْ
تاکیدی حکم دیتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے متعلق کہ بیٹے کے لئے دو بیٹیوں کے حصے کے برابر ہے
اللہ تمہیں حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے بارے میں بیٹے کا حصہ دو بیٹیوں کے برابر ہے پھر اگر

www.alahazratnetwork.org

كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَاِنْ كَانَتْ

پس اگر ہوں لڑکیاں، ہی دو سے اوپر تو واسطے ان کے دو تہائی ہے اس کا جو چھوڑا اور اگر ہو

نری لڑکیاں ہوں اگرچہ دو سے اوپر تو ان کو ترکہ کی دو تہائی اور اگر ایک بیٹی

وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ

لڑکی ایک تو واسطے اس کے آدھا

ہو تو اس کا آدھا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** بہت دور سے یتیموں کے مال کی حفاظت و نگرانی کا تاکیدی حکم چلا آرہا ہے۔ اب یتیموں کو مال ملنے۔ کے ذریعہ یعنی وراثت کا ذکر ہے گویا پہلے یتیموں کے مال کے خرچ کا ذکر تھا اب انہیں مال ملنے کا طریقہ کا تذکرہ ہے۔ مال جانے کا ذکر پہلے تھا' مال آنے کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ میت، ماں باپ اور اہل قرابت کے چھوڑے ہوئے مال میں مردوں کا بھی حصہ ہے عورتوں کا بھی' اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے گویا یہ آیت گزشتہ آیات کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یتیموں کا مال ظلماً کھانے والے اپنے پیٹوں میں آگ بھرتے ہیں' یتیموں کا مال ظلماً کھا جانے کی دو صورتیں تھیں' ایک یہ کہ انہیں ملا ہوا مال کھا لیا جائے' دوسرے یہ کہ انکے حق کا مال انہیں دیا ہی نہ جائے جیسے بعض لوگ اب بھی یتیم لڑکیوں کو میراث نہیں دیتے' اس آیت میں اس دوسری قسم کے ظلم کی بیخ کنی کی گئی ہے کہ میت کا مال اسطرح تقسیم کرو اگر تم نے اس میں ہیر پھیر کی تو تم ظالم ہو گے یتیموں کا مال کھانے والے قرار دیئے جاؤ گے۔

شان نزول: اس پوری آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں:(1) بخاری مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار میں سخت بیمار ہوا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے میری عیادت کو تشریف لائے' مجھے بے ہوش پایا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا' غسالہ شریف مجھ پر چھڑکا مجھے ہوش آ گیا تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق کو اپنے سرہانے بیٹھا پایا۔

سراپا ہیں انہیں رحمت کی ادا لائی ہے   حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے

میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں اپنے مال کے متعلق کیا فیصلہ کروں؟ میرے بعد یہ کیسے تقسیم ہوگا؟ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کچھ جواب نہ دیا حتیٰ کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن و معانی) دوسری روایت میں ہے کہ اس سوال پر وہ آیت میراث اتری یستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ (2) مقاتل و کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت بھی انہیں ام کہ زوجہ اوس ابن ثابت کے متعلق نازل ہوئی' جنکا ذکر پہلے ہو چکا جنکے متعلق پہلی آیت نازل ہوئی تھی (خازن):(3) ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضرت سعد ابن ربیعہ شہید ہوئے انہوں نے ایک بیوی' دو لڑکیاں' ایک بھائی چھوڑا اس زمانہ کے دستور کے مطابق سعد کے بھائی نے سارا مال لے لیا۔ ان بیوہ اور یتیم بچیوں کیلئے کچھ نہ چھوڑا' وہ بیوہ بی بی بارگاہ

www.alahazratnetwork.org

رسالت میں حاضر ہوئیں عرض کرنے لگیں یا رسول اللہ میں اب کہاں جاؤں اور یہ یتیم بچیاں کہاں دھکے کھائیں؟ میرا خاوند انکا باپ آپ کے ساتھ شہید ہو گیا مال پر انکے چچا نے قبضہ کر لیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مت گھبراؤ رب تعالیٰ تمہاری مدد کریگا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد کے بھائی کو حکم بھیجا کہ سعد کے مال کا آٹھواں حصہ انکی بیوی کو دو دو تہائی انکی لڑکیوں کو باقی جو بچے وہ تمہارا (خازن کبیر روح المعانی) (4) امام سدی فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں میت کے مال سے عورتیں اور چھوٹے بچوں کو کچھ نہ دیا تھا صرف جوان مرد ہی ترکہ لیتے تھے حضرت حسان شاعر رسول کے بھائی عبدالرحمان نے وفات پائی ایک بیوی پانچ بیٹیاں چھوڑیں دستور کے مطابق دوسرے وارثوں نے سارا مال لے لیا ان لوگوں کو کچھ نہ دیا۔ عبدالرحمان کی بیوی نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن) مگر ان روایات میں کوئی تعارض نہیں کچھ وقت سے یہ سارے واقعات رونما ہوئے ہوں گے اور دربار رسالت میں شکایات پیش ہوئی ہوں گی تب یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر **یوصیکم اللہ:** یوصی ایصاء سے بنا بمعنی پہنچانا اسکا مادہ وصی ہے باب ضرب سے وصی بمعنی مضارع ہے کہا جاتا ہے ارض واصیۃ گھنے درختوں والی زمین جو اللہ کی روزی ہم تک پہنچائے اصطلاح میں وصیت وہ حکم ہے جو کوئی اپنی وفات کے بعد کے متعلق کرے خواہ زندگی میں کرے یا مرتے وقت کہ اسکے ذریعہ سے میت اپنا مال دوسروں تک پہنچاتا ہے پھر ہر تاکیدی حکم کو وصیت کہنے لگے کہ اہل عرب وصیت کا بہت اہتمام و احترام کرتے تھے کہ حتی الامکان وصیت ضرور پوری کرتے تھے اسلئے تاکیدی حکم وصیت کہلایا یہاں یہی تیسرے معنی مراد ہیں یعنی تاکیدی حکم دینا واجب و لازم ہے۔ کم سے خطاب سارے مسلمانوں کو ہے کفار پر یہ احکام جاری نہیں ہمارا حاکم انکی میراث انکے مذہب کے مطابق تقسیم کریگا بعض لوگوں نے کہا کہ یہ خطاب مال والے مسلمانوں سے ہے جنکا ترکہ بٹے مگر قوی یہ ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہے مال والے عمل کریں اور فقراء اس پر یقین رکھیں علماء اس پر فتویٰ دیں جیسے زکوٰۃ و حج کی آیات میں سارے ہی مسلمانوں سے خطاب ہے امیر ہوں یا فقیر مگر پر ان عمل امیر ہی کریں گے لفظ اللہ فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ میراث ایسا اہم مسئلہ ہے کہ رب تعالیٰ نے براہ راست اس کا حکم دیا فی اولادکم یہ جار مجرور یوصی کے متعلق ہے فی بمعنی لام ہے اور اگر اپنے ہی معنی میں ہو ظرفیت کیلئے تو توریث یا شان پوشیدہ ہو گا اولاد ولد کی جمع ہے جس کا مصدر ولادت ہے بمعنی جننا ماں باپ کو والدین بچہ کو مولود کہا جاتا ہے ولد صفت مشبہ ہے اولاد حقیقتہً تو بلاواسطہ بیٹے بیٹی کو کہا جاتا ہے۔ مجازاً پوتے پوتی نواسے نواسی کو بھی کہتے ہیں عموم مجاز کے طور پر ساری اولاد کو بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ اولاد کہہ دیا جاتا ہے یہاں پہلے معنی حقیقی مراد ہیں اس پر تمام امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اجماع ہے کہ یہاں صرف بیٹے بیٹیاں مراد ہیں پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں اس میں داخل نہیں اگرچہ میت کے وارث ماں باپ بھی ہوتے ہیں اور اولاد بھی مگر چونکہ اولاد کا تعلق ماں باپ سے زیادہ قوی ہوتا ہے اسلئے رب تعالیٰ نے مسئلہ میراث میں ان ہی کے ذکر سے ابتداء فرمائی (کبیر روح المعانی وغیرہ) یعنی اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تم کو تمہارے لڑکے لڑکیوں کی میراث کے متعلق تاکیدی حکم دیتا ہے حکم یہ ہے کہ **للذکر مثل حظ الانثیین:** لام استحقاق کا یا ملکیت کا ہے ذکر سے مراد لڑکا ہے بالغ ہو یا نابالغ للذکر کے بعد منھم پوشیدہ ہے حظ بمعنی نصیب و حصہ **انثیین** انثی کا مونث ہے بمعنی

لڑکی بالغہ ہو یا نابالغہ' یعنی تمہارے بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ ملے گا کہ اگر صرف لڑکے لڑکیاں ہوں گی تو سارا مال اس طرح آپس میں بانٹ لیں گی' کہ لڑکے کو دوگنا لڑکی کو اکہرا' اگر ایک لڑکی لڑکا ہے' تو کل مال کے تین حصے کرو دو حصے لڑکا لے' ایک حصہ لڑکی' اور اگر انکے ساتھ کوئی ذی فرض وارث بھی ہو تو پہلے ترکہ سے اسکا حصہ نکال دو' پھر بقیہ مال اس لڑکے لڑکی میں اسطرح تقسیم کرو' لہذا اگر میت عورت نے ایک خاوند' ایک لڑکی' ایک لڑکا چھوڑا' تو مال کے چار حصے کرکے ایک حصہ خاوند کو دو' باقی تین میں سے دو لڑکے کو دو ایک لڑکی کو' چونکہ بیٹے کے ہوتے بیٹی عصبہ ہوتی ہے' اسلئے یہاں اسکا حصہ مقرر نہ کیا گیا۔ تو حلوایا چہارم' یہ عصبہ ہونے کی حالت کا ذکر ہے' اگر میت کا بیٹا کوئی نہ ہو' صرف لڑکیاں ہوں تو وہ ذی فرض ہیں کہ انکا حصہ مقرر ہے' چنانچہ ارشاد ہوا **فان کن نساء فوق اثنتین** : کن فعل ناقصہ ہے' اس کا اسم ضمیر ھن ہے' جو اولاد کی طرف راجع ہے چونکہ اولاد جمع ہے اور جمع کی طرف ضمیر مونث لوٹ جاتی ہے' اسلئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں' یا یوں کہو کہ اسکی خبر نساء مونث ہے اسلئے کن مونث ارشاد ہوا' نساء سے مراد لڑکیاں ہیں بالغہ ہوں یا نابالغہ۔ نساء سے مراد وہ لڑکیاں ہیں' کہ وہ فوق اثنتین سے مراد دو سے زیادہ' فوقیت سے مراد زیادتی عدد ہے' نہ کہ جگہ میں اوپر ہونا۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں فوق صلہ کا ہے جسکے معنی کچھ نہیں' لہذا اصل عبارت یوں ہے **نساء اثنتین** : جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاضربوا فوق الاعناق** : یہاں فوق صلہ کا ہے' معنی یہ ہیں کہ انکی گردنیں مارو' عرب میں دو کو جمع فرما دیتے ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقد صغت قلوبکما** : دیکھو یہاں دو دونوں کو قلوب جمع فرمایا گیا' لہذا معنی یہ ہوئے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں اور لڑکا کوئی نہ ہو **تو فلھن ثلثا ما ترک** : یہ ان کی جزا ہے' ما سے مراد متروکہ مال ہے' ترک کا فاعل میت ہے' جو پہلے کلام کے ضمن میں معلوم ہو چکا' ما کے عموم میں ہر قسم کا مال داخل ہے' منقول ہو یا غیر منقول گھوڑا' جوڑا' تلوار وغیرہ ہو' یا جائداد وغیرہ یعنی تو ان لڑکیوں کو سارے متروکہ مال کا دو تہائی ملے گا **وان کانت واحدۃ فلھا النصف** یہ لڑکی کا دوسرا حال ہے کانت کی ضمیر ھی ہے' جو اولاد یا مولودہ کی طرف لوٹ رہی ہے' مولودہ اولاد کے ضمن میں سمجھا گیا' واحدۃ سے مراد ہے صرف اکیلی نہ اسکی کوئی بہن ہو نہ بھائی میت کی صرف ایک بیٹی اولاد ہو یعنی اگر اولاد صرف اکیلی بیٹی ہے تو اسے کل متروکہ مال کا آدھا ملے گا بقیہ آدھا دوسرے وارثوں ماں باپ خاوند بیوی بھائی وغیرہ میں تقسیم ہو گا' اسکی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے' چونکہ لڑکی لڑکے کے بغیر ذی فرض ہوتی ہے اسلئے اس آیت میں اسکا حصہ مقرر کر دیا گیا کہ ایک لڑکی کا آدھا' ایک سے زیادہ کو (دو ہوں یا بہت) دو تہائی' ہماری قرأت میں نصف میں نصف نون کے کسرہ سے ہے۔ حضرت زید ابن ثابت کی قرأت میں نصف نون کے پیش سے ہے' وہ فرماتے ہیں کہ جیسے ربع' خمس' ثلث وغیرہ کا اول حرف پیش والا ہے' ایسے ہی نصف کا اول حرف بھی پیش والا ہے' یہ بھی ایک لغت ہے۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر اسلام سے پہلے عرب میں دو وجہ سے میراث ملتی تھی نسب' عہد' نسبی رشتہ میں بچوں اور عورتوں کا کوئی حق میراث ہی نہ تھا' عہد کی دو صورتیں تھیں' کسی سے موت و زندگی میں تعاون کے معاہدہ جسے حلف کہتے تھے' دوسرا تبنی یعنی منہ بولا بیٹا بنانا' شروع اسلام میں ان دونوں صورتوں کو باقی رکھا گیا کچھ فرق کے ساتھ' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکل جعلنا موالی مما ترک الوالدن والاقربون** اور فرماتا ہے **والذین عقدت ایمانکم فاتوھم نصیبھم** پھر اس میں دو چیزیں اور بڑھائیں ہجرت اور عقد مواخات' چنانچہ اس وقت مہاجر غیر مہاجر کا وارث نہ ہوتا تھا اگرچہ عزیز ہو یوں ہی جس مہاجر کو

www.alahazratnetwork.org

جس انصاری کا بھائی بنادیا گیا وہی ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ رشتہ دار وارث نہ ہوتے تھے' پھر یہ تمام چیزیں منسوخ ہو گئیں اور وراثت کے تین اسباب مقرر ہوئے نسب' نکاح' ولاء یعنی غلام کو آزاد کرنا کہ یہ مولیٰ غلام کا وارث ہوتا ہے اور غلام مولا کا' باقی تمام اسباب منسوخ ہو گئے: اس آیت میں نسبی وراثت کا ذکر ہے اگلی آیت میں نکاح کی وراثت کا یہ آیت ان تمام آیات کی ناسخ ہے جن میں وراثت کے دوسرے اسباب کا ذکر ہے نسبی وراثت میں اولاد کا ذکر پہلے ہوا کہ اولاد سے محبت بھی زیادہ ہوتی ہے اور ان سے رشتہ بھی قوی تر مانا جاتا ہے' فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! اب تک جو ہو چکا وہ ہو چکا اب تم کو تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ اپنے متروکہ مال سے اپنی اولاد کو اس طرح وارث بناؤ کہ ایک بیٹے کو دو بیٹیوں کے برابر حصہ دو یعنی بیٹے کا حصہ دوہرا ہے اور بیٹی کا اکہرا یہ اس صورت میں ہے جب کہ میت کی بیٹی بیٹا دونوں ہوں' لیکن اگر اس نے بیٹا کوئی نہیں چھوڑا صرف بیٹی ہی چھوڑی ہے تو اگر ایک چھوڑی ہے تو اسے سارے مال کا آدھا ملیگا' اور اگر ایک سے زیادہ چھوڑیں' دو یا تین تو مال کا دو تہائی' یہ اولاد چھوٹی ہو یا بڑی' عاقل ہو یا دیوانی' بہرحال میراث سے یہ حصہ پائے گی' چونکہ یہ آیت کریمہ بہت معرکہ کی ہے اسلئے اسکے متعلق کچھ مسائل سمجھ لو: مسئلہ: میت کے مال کو اس طرح خرچ کیا جائیگا کہ پہلے اسکے مال سے اس کا کفن دفن' پھر ادائے قرض پھر بقیہ مال کی تہائی سے اس کی وصیتوں کا اجراء' پھر تقسیم میراث۔ مسئلہ: میت کے وارث کل دس مرد ہیں اور سات عورتیں' دس مرد یہ ہیں' بیٹا' پوتا' باپ' دادا' ہر قسم کا بھائی' بھتیجا' چچا حقیقی' یا علاتی' چچا کے بیٹے' خاوند' آزاد کرنے والا مولیٰ' سات عورتیں یہ ہیں: بیٹی' پوتی' ماں' دادی' نانی' بہن' بیوی' آزاد کرنے والی مولاۃ: اسکے علاوہ باقی رشتہ دار ذوی رحم ہوں گے جیسے ماموں' خالہ' بھتیجی پھوپھی وغیرہ۔ مسئلہ: تین چیزیں وارث کو میراث سے محروم کر دیتی ہیں۔ قتل' اختلاف دین' عبدیت: چنانچہ قاتل وارث مقتول کی میراث نہیں پاتا' یونہی مومن و کافر رشتہ دار آپس میں وارث نہیں ہوتے' ہاں کفار ایک دوسرے کے وارث ہوں گے جیسے یہودی عیسائی کا' اور عیسائی دیگر کفار کا' غلام کسی عزیز کا وارث نہیں۔ مسئلہ: قرآن کریم میں ذوی فرض وارثوں کے کل چھ حصے مقرر ہیں' آدھا چوتھائی آٹھواں اور دو تہائی' ایک تہائی' چھٹا حصہ' اسکے مستحقین کل بارہ ذوی فرض ہیں' چار مرد اور آٹھ عورتیں' اسکی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ فرمایئے۔ مسئلہ: ساری امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اتفاق ہے کہ ایک سلسلہ کا قریبی رشتہ دار دور والے کو محروم کر دیگا' چنانچہ باپ دادا کو محروم کر دیگا' بیٹا' پوتی پوتوں کو اسے عربی میں حجب کہتے ہیں۔ مسئلہ: آیت میراث میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں' انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نہ کسی کے مالی وارث ہوتے ہیں نہ انکا کوئی مالی وارث' انکی میراث علم اور میراث ہیں' اسی لئے علماء کو وارثین رسول اللہ کہتے ہیں یہ مسائل بہت خیال میں رہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: صحیح طور پر تقسیم میراث اسلام کا اہم فریضہ ہے جیسا کہ **یوصیکم اللہ** سے معلوم ہوا۔ وارثوں کے حصہ میں کمی کر دینا یا کسی کو بالکل حق نہ دینا صریحی ظلم ہے' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنی بیٹیوں کو میراث نہیں دیتے۔ دوسرا فائدہ: بیٹی بیٹے کے ہوتے عصبہ ہے کہ اسکا کوئی حصہ مقرر نہیں' بلکہ بیٹے سے آدھا لے گی جیسا کہ **مثل حظ الانثیین** سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: بغیر بیٹے کے بیٹی ذوی فرض ہے کہ ایک کیلئے آدھا مقرر ہے اور زیادہ کیلئے دو تہائی جیسا کہ **ثلثا** اور **النصف** سے معلوم ہوا خلاصہ یہ ہے کہ بیٹا ہمیشہ عصبہ ہے مگر بیٹی بیٹے

www.alahazratnetwork.org

کے ساتھ عصبہ اکیلی ہو تو ذی فرض۔ **چوتھا فائدہ:** عصبہ وہ وارث ہے کہ جو ذی فرض کی غیر موجودگی میں سارا مال گھیر لے اور ذی فرض کی موجودگی میں انکے حصوں سے بچا ہوا لے' عصبہ نسبی بھی ہوتا ہے سببی بھی' عصبہ نسبی چار قسم کے ہیں' اسکی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں دیکھو۔ **پانچواں فائدہ:** اگر میت نے کوئی ذی فرض وارث نہ چھوڑا ہے تو بیٹا سارا مال لے گا کیونکہ ایک بیٹی آدھا لیتی ہے' اور بیٹے کا حصہ بیٹی سے دگنا ہوتا ہے' اس قاعدے سے بیٹے کو سارا ملنا چاہئے۔ **چھٹا فائدہ:** سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ دو بیٹیوں کو بھی آدھا ملے گا' دو سے زیادہ کو دو تہائی' کیونکہ رب تعالیٰ نے فرمایا **فوق اثنتین** باقی ساری امت کا اس پر اتفاق ہے کہ دو بیٹیاں بھی دو تہائی پائیں گی (تفسیر کبیر' روح المعانی و بیضاوی) مگر روح المعانی نے فرمایا کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے اس قول سے رجوع فرمالیا تھا لہٰذا اب اس پر اجماع امت ہے کہ دو بیٹیاں بھی ثلثین ہی پائیں گی اور یہی ظاہر بھی ہے چند وجہ سے' ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ اگر لڑکی ایک ہو تو اس کیلئے آدھا ہے' معلوم ہوا کہ اگر ایک سے زیادہ ہو تو اس کیلئے آدھا نہیں' دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ نے حقیقی بہنوں کیلئے فرمایا **فان کانتا اثنتین فلھما الثلثٰن** کہ اگر بہنیں دو ہوں تو ان کیلئے دو تہائی ہے' جب دو بہنوں کیلئے دو تہائی ہے' تو دو بیٹیوں کیلئے بدرجہ اولیٰ دو تہائی چاہئے' اگر انہیں آدھا ملا تو وہ بہنوں سے کم رہیں۔ تیسرے یہ کہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سعد ابن ربیع کی دو بیٹیوں کو دو تہائی دیا تھا جیسا کہ اس آیت کے شان نزول میں گزر گیا' چوتھے یہ کہ جب ایک بیٹی اپنے بھائی کے ساتھ تہائی پاتی ہے تو بدرجہ اولیٰ بہن کے ساتھ بھی تہائی ہی پائے گی' اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ جب دو بیٹیوں کا حصہ دو تہائی ہو اگر ان دونوں کا آدھا ہو' تو ایک بیٹی کو چہارم ملے گا' اسکے اور بہت دلائل ہیں جو اس جگہ تفسیر کبیر اور روح المعانی نے بیان فرمائے۔

پہلا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری اولاد کا یہ حصہ ہے کہ بیٹی کو بیٹے سے آدھا' اولاد میں بیٹی بیٹے' پوتی پوتے' سب داخل ہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وحلائل ابنائکم** تم پر تمہارے بیٹوں کی بیویاں حرام ہیں' حالانکہ پوتے کی بیوی بھی حرام ہے' معلوم ہوا کہ ابناء میں پوتے داخل ہیں اور فرماتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں' حالانکہ دادیاں بھی حرام ہیں' معلوم ہوا کہ ماؤں میں دادی شامل ہے' اور فرماتا ہے **نعبد الٰھک والٰہ اٰبائک** اے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام ہم آپکے اور آپکے باپ دادوں کے معبود کی عبادت کریں گے' معلوم ہوا کہ آباء میں دادے داخل ہیں' لہٰذا یتیم پوتے پوتی کو چچا کے ہوتے حصہ ملنا چاہئے۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ابھی پچھلی آیت میں **مما ترک الوالدٰن** الخ کی تفسیر میں گزر چکا کہ' اولاد کم کی یہ تفسیر خود آپ کے بھی خلاف ہے' کیونکہ آپ بھی یہ کہتے ہیں کہ پوتا میراث اس وقت پائے گا جب اسکا باپ نہ ہو' قرآن شریف میں یہ قید کہاں ہے! اس ترجمہ کی بنا پر چاہئے کہ پوتی پوتوں کو بیٹوں کی طرح' بہرحال برابر کا حصہ ملے' نیز نواسی نواسے بھی اس میں شامل ہونے چاہئیں کہ وہ بھی از روئے قرآن و حدیث اولاد ہیں۔ رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آل عمران فرمایا' حالانکہ وہ نواسے تھے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات حسنین کریمین کو ابنائی فرمایا' حالانکہ وہ نواسے تھے' تمہاری مذکورہ آیتوں میں بھی ابناء میں نواسے اور امہات میں نانیاں شامل ہیں' چنانچہ نواسے کی بیوی نانا پر حرام ہے اور نانی نواسے پر حرام ہے' اب پڑھئے **وحلائل ابنائکم** اور پڑھئے **حرمت علیکم امھتکم** یہ

www.alahazratnetwork.org

تو دونوں آیتیں آپ کے خلاف ہیں۔ دوسرا اعتراض: نبی کی میراث ضرور تقسیم ہونی چاہئے' اس آیت میں نبی اور غیر نبی کی تخصیص نہیں' وہ حدیث کہ ہم گروہ انبیاء نہ وارث بنیں نہ مورث' خبر واحد ہے جو صرف ابو بکر صدیق نے سنی اور خبر واحد سے نہ قرآن کریم کو منسوخ کر سکتے ہیں اور نہ اسکی تخصیص۔ ابو بکر صدیق کا جناب فاطمہ کو انکی میراث نہ دینا صریحی ظلم تھا' جناب فاطمہ نے یہی آیت پیش فرما کر ابو بکر صدیق سے کہا تھا کہ جب تمہاری اولاد تمہارا ورثہ لے گی تو میں رسول کی بیٹی اپنے باپ کا ورثہ کیوں نہ لوں' آپ کا یہی مطلب تھا کہ حدیث واحد قرآن کریم کے مقابلہ میں معتبر نہیں۔ جواب: یہ غلط ہے یہ حدیث خبر واحد نہیں' یہ حدیث حذیفہ ابن الیمان' زبیر ابن عوام' ابو الدرداء' ابو ہریرہ' عباس' علی' عثمان' عبدالرحمان ابن عوف' سعد ابن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی مروی ہے' چنانچہ جب حضرت عباس و علی مرتضیٰ کا مقدمہ عدالت فاروقی میں پیش ہوا' تو وہاں اس وقت یہ تمام مذکور صحابہ کرام موجود تھے' آپ نے ان سب سے فرمایا کہ میں تمہیں قسم دیتا ہوں اس اللہ کی جس کے حکم سے زمین و آسمان قائم ہیں' کیا تم جانتے ہو کہ حضور نے فرمایا ہمارا وارث کوئی نہیں' جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے' سب نے ایک زبان ہو کر ہاں ہم جانتے ہیں' پھر حضرت عمر نے جناب علی مرتضیٰ و عباس سے یہی پوچھا' انہوں نے بھی فرمایا کہ ہاں' نیز خبر واحد و مشہور کا فرق ہمارے لئے ہے' جنہوں نے خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ان کیلئے وہ حدیث قرآن کی طرح قطعی یقینی ہے۔ نیز خود فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت صدیق اکبر سے یہ روایت سن کر ایسی خاموش ہوئیں کہ آپ نے وفات تک یہ مطالبہ کبھی نہ کیا' نیز بعد والے خلفاء حضرت عمر و عثمان و علی و امام حسن وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس حدیث پر عمل کیا' کسی نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ فرمائی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا باغ فدک وغیرہ' اب تک وقف چلا آرہا ہے' نیز آپ کی کتب سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہوتا ہے' چنانچہ کلینی نے اپنی کتاب کافی میں بروایت ابو البختری روایت کی کہ امام جعفر صادق فرماتے ہیں علماء وارثین انبیا ہیں' انبیاء نے درہم و دینار کی میراث نہیں چھوڑی' انہوں نے صرف احادیث کی میراث چھوڑی ہے' جس نے احادیث کو لیا' اس نے پوری میراث لی (روح المعانی) تیسرا اعتراض: یہ حدیث قرآنی آیات کے بھی خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وورث سلیمن داود**' حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی تھی **هب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب** معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام داؤد علیہ السلام کے وارث ہوئے اور یحییٰ علیہ السلام زکریا علیہ السلام اور سارے آل یعقوب کے وارث' دیکھو یہ حضرات نبی ہیں اور وارث و مورث ہو رہے ہیں۔ جواب: یہ آیتیں ہی بتا رہی ہیں کہ یہاں مالی وراثت مراد نہیں بلکہ کمال اور علمی وراثتیں مراد ہیں' اگر مالی وراثت مراد ہوتی' تو داؤد علیہ السلام کے انیس بیٹے تھے وہ سب وارث ہونے چاہئے تھے' صرف حضرت سلیمان علیہ السلام کے وارث ہونے کے کیا معنی ہیں؟ اگر یحییٰ علیہ السلام' زکریا و آل یعقوب علیہم السلام کے مالی وارث تھے تو کیا زکریا علیہ السلام کے زمانہ تک یعقوب علیہ السلام کا سارا موروثی مال بغیر تقسیم پڑا رہا' انکی اولاد در اولاد سارے نبی اسرائیل محروم رہے: خیال رہے: کہ زکریا علیہ السلام یعقوب علیہ السلام سے دو ہزار سال بعد ہیں۔ کیسے ہو سکتا تھا کہ اتنے سال تک انکا مال بغیر تقسیم میراث پڑا رہتا۔ چوتھا اعتراض: اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مال قابل میراث نہ تھا تو آپ کی بیویوں کو حجرے بطور میراث کیوں دیئے گئے جن میں وہ رہیں' حتی کہ حضرت عمر جناب عائشہ صدیقہ کی اجازت سے انکے حجرے یعنی پہلوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میں دفن ہوئے' امام حسن رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے اس حجرے میں دفن

www.alahazratnetwork.org

ہونے کی اجازت مانگی، اگر وہ مالک نہ تھیں تو ان سے اجازت لینے کے کیا معنی؟ قرآن شریف سے بھی معلوم ہوتا ہے وہ ازواج اپنے اپنے حجروں کی مالکہ تھیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقرن فی بیوتکن** اے بیبیو! اپنے اپنے گھروں میں رہو معلوم ہوا کہ وہ گھر ان بیبیوں کے ہی تھے، یہ نہ فرمایا فی بیوت الرسول جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کو میراث ملی تو آپکی بیٹی فاطمہ کو بھی ملنا چاہئے تھی۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ واقعی وہ بیویاں اپنے حجروں کی مالکہ تھیں مگر میراث سے نہیں بلکہ ہبہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی شریف میں ہر بیوی کیلئے الگ حجرہ بنوایا اور انہیں ہبہ کرکے قبضہ دے دیا، جیسے کہ فاطمہ زہرا اور اسامہ ابن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کیلئے حجرہ بنوا کر انکے سپرد کر دیئے گئے، یہ دونوں حضرات بھی ان حجروں کے مالک و قابض رہے، ورنہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ان بیویوں کو حجروں کا مالک نہ فرماتا کیونکہ میراث بعد وفات تقسیم ہوتی ہے، رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں فی بیوتکن فرمایا نیز اگر میراث ہوتی تو حساب سے ازواج کو ملتی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال کا آٹھواں حصہ نو بیویوں میں تقسیم ہوتا مگر فقیر کو یہ جواب پسند نہیں، میرے نزدیک یہ بیویاں اپنے حجروں میں مالکانہ حیثیت سے نہ رہیں، اگر یہ حجرے ان بیویوں کی ملک ہوتے تو آپکی وفات کے بعد انکے وارثوں میں تقسیم ہو جاتے، روضہ اطہر رسول اللہ علیہ وسلم نہ بنتے ان بیویوں کا نفقہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذمہ تھا کیونکہ وہ اب بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے نکاح میں تھیں: خلفائے راشدین نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان بیویوں کو خرچ بھی دیا اور ان حجروں سے علیحدہ بھی نہ کیا: حضرت عمر و امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے حجرۂ انور میں دفن کی اجازت مانگنا اسلئے نہ تھا کہ آپ اس حجرہ کی مالکہ تھیں مقبرہ وقف ہوتا ہے، کسی کی ملک نہیں ہوتا، بلکہ اسلئے تھا کہ آپ وہاں کی متولیہ و منتظمہ تھیں اب بھی مسجد کی دکانیں و دیگر جائیداد متولی کی اجازت سے استعمال کی جاتی ہیں، قرآن کریم نے **بیوتکن** انکی ملکیت کے لحاظ سے نہ فرمایا بلکہ رہائش کے لحاظ سے، کرایہ دار اپنے رہائشی مکان کو کہتا ہے میرا مکان۔ **پانچواں اعتراض:** اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم نہ ہوتی تو صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار ذوالفقار، پنگیرا خچر دلدل کیوں دیئے؟ اور حضرت زبیر ابن عوام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر شریف محمد ابن مسلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض تبرکات کیوں عطا فرمائے نیز حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ نے باغ فدک حضرت علی و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کیوں دیا؟ افسوس ہے کہ یہ چیزیں تقسیم ہوں اور فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا محروم رہیں۔ **جواب:** صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو ذوالفقار اور دلدل دینا اور حضرت زبیر و محمد ابن مسلمہ رضی اللہ عنہما کو دیگر چیزیں دینا بطور میراث نہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث نہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تھے نہ یہ حضرات بلکہ یہ چیزیں تبرکاً استعمال کیلئے دی گئی تھیں، اور دیگر صحابہ کرام کے پاس بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند، بال شریف اور پیالہ شریف تبرکاً محفوظ تھے، صحابہ کرام جن کی زیارتیں کیا کرتے تھے، اسی لئے یہ ذوالفقار وغیرہ ان لوگوں کی میراث نہ بنی، جناب عمر فاروق نے اپنے زمانہ میں جناب علی و عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو باغ فدک بطور تولیت دیا نہ کہ بطور ملکیت کہ آپ دونوں بزرگ وہاں کی آمد خرچ کا انتظام کریں بطور اجرت کچھ لے لیا کریں اسی لئے وہ باغ بھی ان دونوں

www.alahazratnetwork.org

کی میراث نہ بنا بلکہ وقف ہی رہا حضرات حسنین کریمین نے اپنے زمانہ میں کبھی اس پر دعوائے ملکیت نہ کیا۔ چھٹا اعتراض: اگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ پیش کردہ حدیث صحیح ہوتی کہ انبیائے کرام کی میراث نہیں بٹتی' تو فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ سن کر ناراض کیوں ہوتیں یہ ناراضی آپ کی شان کے خلاف ہے بخاری شریف میں ہے **فغضبت** جواب: اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں غضب سے مراد ناراضی اور غصہ نہیں بلکہ فطری طور پر اس مطالبہ پر افسوس تھا کہ مجھے یہ حدیث معلوم نہ تھی میں نے مطالبہ کیوں کیا' یہ غصہ شان اہل بیت کے خلاف نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنے بے قصور اور بڑے بھائی ہارون علیہ السلام پر بے اختیاری غصہ آگیا اور اس بے اختیاری حالت میں آپ نے انکی داڑھی اور سر کے بال مبارک بھی پکڑ کر کھینچے مگر یہ بے اختیاری غصہ آپ کی شان نبوت کے خلاف نہ ہوا دوسرے یہ کہ غصہ آیا ہی نہیں خاموش ہو کر واپس ہو جانے کو دیکھ کر راوی نے **غضبت** کہا' آپ نے کبھی نہ فرمایا کہ میں صدیق سے ناراض ہوں حتیٰ کہ خود صدیق اکبر بھی آپ کو ناراض سمجھ کر راضی کرنے کیلئے جناب فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے دروازے پر گئے اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو درمیان میں ڈالا اور انہیں خوش فرمایا' دیکھو مدارج النبوۃ کتاب "وفاء اشعۃ اللمعات روح المعانی وغیرہ بلکہ شیعوں کی معتبر کتابوں محاج السالکین وغیرہ میں بھی موجود ہے کہ صدیق اکبر فاطمہ زہرا کے دروازہ پر گئے اور عرض کیا کہ اے بنت رسول اللہ باغ فدک وغیرہ میں نے اپنے لئے نہیں رکھا بلکہ اسلئے رکھا ہے تاکہ اس میں جو کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے میں بھی کروں' خاتون جنت نے فرمایا میں راضی ہوں' میرے ابا جان کے سارے کام باقی رکھنا رضی اللہ تعالیٰ عنہا و عنہم اجمعین (روح المعانی) ساتواں اعتراض: اگر اکیلے صحابی کی سنی ہوئی حدیث قرآن کریم کی طرح یقینی ہوتی ہے تو حضرت عمر نے فاطمہ بنت قیس کی روایت کیوں نہ مانی کہ آپ نے فرمایا تھا مجھے میرے خاوند نے طلاق دی' اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ مجھے ان سے عدت کا خرچ دلوایا اور نہ مکان' جب فاطمہ بنت قیس کی حدیث رد ہو سکتی ہے تو صدیق اکبر کی روایت یقینی و قطعی کیسے ہو گی؟ جواب: فاطمہ بنت قیس عام صحابیات میں سے ایک صحابیہ ہیں' عورتوں میں بھول کا مادہ زیادہ ہوتا ہے اور احکام شرعیہ کی وجہ سمجھنے کی طاقت کم' حضرت فاروق اعظم نے فرمایا کہ عدت کا خرچہ آیت قرآنی اور حدیث متواتر سے ثابت ہے کہ ایک بی بی کہہ رہی ہیں کہ مجھے خرچ نہیں دلوایا گیا' نہ معلوم انہیں یاد ہے یا بھول گئیں' پھر یہ خبر نہیں کہ نہ دلوانے کی وجہ کیا تھی ایک بی بی کے قول پر حدیث و قرآن کے خلاف کیسے فتویٰ دے دیں' حضرت صدیق اکبر کی یہ روایت بالکل سنی اور سمجھی ہوئی تھی جس پر سب نے عمل کیا اور کسی حدیث سے متعارض بھی نہ تھی' خیال رہے کہ صدیق اکبر کی احادیث کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا غسل' دفن' تقسیم میراث نہ ہونا وغیرہ پر عمل کیا گیا' آپ ہی نے جناب علی و ازواج مطہرات کو غسل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مقرر کیا' آپ ہی نے قبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے جگہ مقرر فرمائی' آپ ہی کی حدیث پر خلافت راشدہ قریش میں رہی انصار میں نہ گئی' دیکھو شمائل ترمذی کا آخر۔ آٹھواں اعتراض: اسکی کیا وجہ ہے کہ میراث میں بیٹے کو بیٹی سے دگنا حصہ دیا جاتا ہے بیٹی کمزور' دوسرے کی محتاج ہے' اسے زیادہ ملنا چاہئے۔ جواب: اسلئے کہ بیٹی کے ذمہ اپنا خرچ ہے' نہ دوسروں کا' شادی سے پہلے اسکا خرچ باپ کے ذمہ ہے اور شادی کے بعد خاوند کے مگر بیٹے پر اپنا بوجھ بھی ہے اور بیوی بچوں کا بھی' زیادہ خرچ والے کو زیادہ حصہ دلوایا گیا' نیز مرد عورت سے افضل ہے اسی لئے نبوت امامت قضاء' مردوں کیلئے ہے عورتوں کیلئے نہیں' نیز عورت کی گواہی مرد سے آدھی ہے' اسلئے اسکی میراث بھی مرد سے آدھی

www.alahazratnetwork.org

رکھی گئی نیز عورت کی عقل کم شہوت زیادہ ہے اس حالت میں اگر اسے مال کثیر دیا جائے تو فساد برپا ہو گا شاعر کہتا ہے۔

ان الفراغ والشباب الجدۃ مفسدۃ للمرء ای مفسدۃ

یعنی اگر جوانی فراغت اور مال جمع ہو جائیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں۔ نیز یہی سوال امام جعفر صادق سے کیا گیا تھا آپ نے فرمایا کہ جنت میں گندم کھاتے وقت بی بی حوا نے دو مٹھی گندم اپنے واسطے رکھی تھی اور ایک مٹھی آدم علیہ السلام کو کھلائی' رب تعالیٰ نے اس کے برعکس لڑکیوں کو ایک حصہ میراث دی لڑکوں کو دو حصہ' واللہ اعلم (تفسیر کبیر و روح المعانی) غرضیکہ اس تقسیم میں صدہا حکمتیں ہیں۔ نواں اعتراض: تم بیٹی کے ہوتے یتیم پوتی کو چھٹا حصہ میراث دیتے ہو۔ حالانکہ بیٹی رشتہ میں قریب ہے اور پوتی دور' تو ایسے ہی بیٹے کے ہوتے یتیم پوتی کو بھی میراث دو' یہاں دور قریب کا کیوں لحاظ کرتے ہو؟ جواب: قرب و بعد ایک سلسلہ کے وارثوں میں معتبر ہے' نہ کہ دو سلسلوں کے ورثاء میں بیٹے کا سلسلہ اور ہے بیٹی کا اور پوتی بیٹے کی اولاد ہے نہ کہ بیٹی کی اسلئے نواسی بیٹی کے ہوتے محروم ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انشاء اللہ آیت کے ختم پر ہو گی۔

وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ
اور واسطے اسکے ماں باپ کے ہر ایک کیلئے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو اس نے چھوڑا اگر ہو اس میت کی اولاد
اور میت کے ماں باپ کو ہر ایک کو اس کے ترکہ سے چھٹا اگر میت کے اولاد ہو
فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗۤ اِخْوَةٌ
پس اگر نہ ہو اس میت کی کوئی اولاد اور وارث ہوں اس کے اس کے ماں باپ تو اسکی ماں کیلئے تہائی ہے پھر اگر
پھر اگر اس کی اولاد نہ ہو اور ماں باپ چھوڑے تو ماں کا تہائی پھر اگر اسکے کئی بھائی
فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَاۤ اَوْ دَيْنٍ ؕ اٰبَآؤُكُمْ وَ
اس میت کے چند بہن بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے اس وصیت کے بعد جسکی میت وصیت کرے یا
بہن ہوں تو ماں کا چھٹا بعد اس وصیت کے جو کر گیا اور دین کے تمہارے باپ
اَبْنَآؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
قرض کے بعد تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون زیادہ قریب ہیں تمہارے نفع میں مقرر
اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا یہ حصہ باندھا

اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝
حصہ اللہ کی طرف سے بے شک اللہ ہے جاننے والا حکمت والا
ہوا ہے اللہ کی طرف سے بیشک اللہ علم والا حکمت والا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس جملہ کا گزشتہ جملہ سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** نسبی رشتہ سے چند قسم کے لوگ میراث پاتے ہیں' میت کے فروع یعنی اولاد میت کے اصول یعنی ماں باپ میت کے اصول کے فروع یعنی بھائی بہن' پہلی قسم کے وارثوں کا ذکر پچھلے جملہ میں تھا دوسری و تیسری قسم کے ورثاء کا ذکر ان جملوں میں ہے۔ **دوسرا تعلق:** میت کا مال چند طرح لیا جاتا ہے' وراثت سے' وصیت سے' پچھلے جملہ میں صرف وراثت کا ذکر تھا اب ان جملوں میں وصیت کا ذکر بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تقسیم میراث کی شرط ہے گویا مشروط کے ساتھ شرائط کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلے جملہ میں وارثوں کے مختلف حصے بیان ہوئے کہ لڑکے کی میراث لڑکی سے دگنی ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان حصوں کے تقرر میں بہت حکمتیں ہیں جو تمہاری عقل نہیں معلوم کر سکتی اس لئے بے چون و چرا ہمارے حکم پر سر تسلیم خم کر دو۔

تفسیر: **ولا بویہ لکل واحد منھما السدس مما ترک ان کان لہ ولد:** ظاہر یہ ہے کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے' لام استحقاق کا' ابوین سے مراد ماں باپ ہیں تغلیبا" ماں کو باپ میں شامل مان کر تثنیہ فرما دیا' جیسے چاند سورج کو قمرین' اور ابو بکر و عمر کو عمرین کہہ دیتے ہیں' مگر ابن بنت کو بنتین یا ابنین نہیں کہتے کہ وہاں شبہ ہو گا کہ شاید دو بیٹیاں یا دو بیٹے مراد ہوں' یہاں شبہ ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ نہ کسی کے دو باپ ہوتے ہیں نہ دو مائیں' ابویہ کی ضمیر میت کی طرف لوٹ رہی ہے حق یہ ہے کہ لکل واحد بدل ہے لابویہ کا بہ اعادہ حرف جار اور لابویہ خبر مقدم ہے السدس مبتدا مؤخر اس جملہ کی اور بھی ترکیبیں کی گئی ہیں مگر یہ ترکیب آسان بھی ہے اور ظاہر بھی' لکل واحد اس لئے فرمایا گیا تاکہ یہ شبہ ہو کہ ایک سدس ماں باپ دونوں میں تقسیم ہو گا بلکہ باپ کو الگ چھٹا حصہ ملیگا ماں کو الگ' **لکل واحد** اس لئے فرمایا گیا تاکہ یہ نہ شبہ ہو کہ ایک سدس ماں باپ دونوں میں تقسیم ہو گا بلکہ باپ کو الگ چھٹا حصہ ملیگا ماں کو الگ' **مما ترک** ایک پوشیدہ لفظ کا متعلق ہو کر سدس کا حال ہے۔ **ما ترک** میں بتایا گیا کہ میت کے سارے متروکہ مال میں سے ماں باپ ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا مال کسی قسم کا ہو منقولی یا غیر منقولی' مردوں کے استعمال کا ہو یا عورتوں کے استعمال کا۔ **ان کان لہ ولد** چھٹا حصہ ملنے کی شرط ہے ولد سے مراد بطریق عموم مجاز بیٹا بیٹی' پوتا پوتی سب ہی ہیں جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوا لہ کا مرجع میت ہے یعنی اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ بیٹا یا بیٹی' پوتا یا پوتی چھوڑی ہو تو ماں کو بھی چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی چھٹا بیٹے کی صورت میں باپ کو صرف چھٹا حصہ ہی ملے گا' باقی مال بیٹا عصبہ" لے لیگا' صرف بیٹی کی صورت میں باپ کو چھٹا حصہ بھی ملے گا اور عصبہ" بچا ہوا مال بھی' مثلاً کسی شخص نے ماں باپ اور بیٹی چھوڑی تو متروکہ مال کے چھ حصے ہو کر تین بیٹی کو' ایک ماں کو' ایک باپ کو فرضاً مل گئے' باقی جو ایک بچا وہ پھر باپ کو ہی عصبہ" مل جائے گا' **فان لکم یکن لہ ولد وورثہ ابواہ فلامہ الثلث:** یہ والدین کی میراث کی دوسری صورت ہے کہ میت نے اولاد یعنی بیٹی بیٹے' پوتی پوتے و بہن بھائی کچھ نہ چھوڑے' تب ماں باپ کی میراث کا یہ طریقہ ہو گا کہ ماں کو کل مال کا تہائی ملے گا اور باپ عصبہ" بچا ہوا مال لے لیگا یہاں بھی لہ اور ورثہ اور ابواہ اور لامہ ان سب کی ضمیروں کا مرجع میت ہے' اس صورت میں ماں کا حصہ مقرر کرنے اور باپ کا ذکر نہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ماں ذی فرض ہے تہائی کی مستحق' اور باپ محض عصبہ بچے ہوئے سارے مال کا مستحق لہٰذا اگر میت نے صرف ماں باپ چھوڑے تو ماں کو کل ترکہ کا تہائی ملیگا اور باقی دو تہائی مال کے تین حصے ہوں گے ایک ماں کا اور دو باپ کے **فان کان لہ اخوۃ فلامہ السدس:** یہ

www.alahazratnetwork.org

ماں باپ کی تیسری صورت ہے کہ میت نے اولاد تو کوئی نہ چھوڑی۔ مگر ماں باپ کے ساتھ دو بھائی بہن کسی قسم کے چھوڑے، خواہ سگے خواہ باپ شریکے یا ماں شریکے، خواہ دونوں بھائی یا دونوں بہنیں یا ایک بھائی ایک بہن تو ماں کا چھٹا حصہ ہوگا باپ عصبہ ہو کر سارا بچا ہوا مال لے گا۔ خیال رہے کہ سیدنا عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک اخوۃ سے تین یا زیادہ بھائی بہن مراد ہیں کیونکہ یہ جمع ہے اور جمع دو کیلئے نہیں آتی، باقی تمام صحابہ کرام مفسرین محدثین فقہاء کے نزدیک اخوۃ میں دو بھائی بہن داخل ہیں کیونکہ مسائل میراث میں دو بھی جمع ہیں نیز قرآن کریم میں دو کو جمع بہت جگہ فرمایا گیا ہے۔ دیکھو دو بیٹیاں دو بہنیں وہی میراث پاتی ہیں جو زیادہ بیٹیاں پاتی ہیں چنانچہ حاکم و بیہقی نے حضرت زید ابن ثابت کا واقعہ بیان فرمایا کہ ان سے بعض لوگوں نے عرض کیا کہ یہاں اخوۃ میں دو بھائی بہنیں کیوں داخل ہیں؟ آپ نے فرمایا **العرب تسمی اخوین اخوۃ** یعنی عرب دو بھائی بہنوں کو بھی اخوۃ کہہ دیا کرتے تھے (روح المعانی) لطف یہ ہے کہ باپ کے ہوتے بھائی بہنیں محروم رہتے ہیں مگر ماں کو نقصان پہنچا دیتے ہیں کہ اسکا حصہ بجائے تہائی کے چھٹا کر دیتے ہیں اس کی تفصیل کتب فرائض میں دیکھو۔ **من بعد وصیۃ یوصی بھا او دین**: اس جملہ کا تعلق گزشتہ ساری عبارت سے ہے کہ اولاد ماں باپ سب کے مذکورہ حصے سوائے قرض و میراث کے بعد ملیں گے: **من بعد** الخ **یوصی** کے متعلق ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مذکورہ بالا حصوں کا حال ہو اس طرح کہ عبارت حذا کی خبر ہو پھر سارا جملہ حال۔ وصیۃ سے جائز وصیت مراد ہے اور قرض سے بندوں کا قرض مراد ہے نہ کہ واجب شدہ زکوۃ وغیرہ تہائی مال سے زیادہ کی وصیت ناجائز ہے اگر کی بھی گئی تو تہائی میں ہی جاری ہوگی یونہی جس عزیز کو ایک پائی میراث ملے گی اس کیلئے وصیت ناجائز ہے اگر کی بھی گئی تو جاری نہ ہوگی قرض کا ثبوت یا دو گواہوں سے ہوگا یا مرحوم کی تندرستی کے اقرار سے مرض موت کا اقرار قرض وصیت کے حکم میں ہے کہ تہائی میں جاری ہوگا خیال رہے کہ قرض وصیت سے پہلے ہے پہلے کل مال سے قرض دیا جائے اگر کچھ مال بچے تو بقیہ کے تہائی سے وصیت پوری کی جائے پھر بقیہ میں میراث جاری ہو مگر وصیت کی اہمیت دکھانے کیلئے اس کا ذکر قرض سے پہلے کیا گیا درمیان میں **او** فرما کر بتایا گیا کہ وصیت بھی قرض ہی کی طرح واجب الادا ہے یعنی یہ تمام میراث کے حصے وصیت یا قرض کے بعد دیئے جائیں گے۔ **اباؤکم وابناؤکم لا تدرون ایھم اقرب لکم نفعا** یہ جملہ معترضہ ہے اولاد ماں باپ کے حصے پہلے بیان ہو چکے خاوند بیوی بھائی بہن کے حصے بعد میں آرہے ہیں درمیان میں یہ کلام ارشاد ہوا کیونکہ مذکورہ بالا تقسیم عقل سے وراء تھی کہ اولاد کو زیادہ میراث دی گئی ہے ماں باپ کو کم پھر ماں باپ میں باپ کو زیادہ اور ماں کو کم نیز اہل عرب بیٹیوں اور چھوٹی اولاد کی میراث کے قائل ہی نہ تھے انہیں یہ تقسیم نہایت ہی عجیب معلوم ہوئی وہ کہتے تھے جو زندگی میں میت کو نفع پہنچا سکے وہی اس کی میراث بھی لے اس لئے یہ جملہ ارشاد ہوا **لا تدرون** درایت سے بنا عقل اٹکل و قیاس سے جاننے کو درایت کہتے ہیں اسی لئے خدا تعالیٰ کا علم درایت نہیں کہلاتا۔ **ایھم** میں ای یا استفہامیہ ہے اور مبتدا اور **اقرب** خبر یا موصولہ ہے اقرب مبتدا پوشیدہ کی خبر ہو کر اس کا صلہ **نفعا اقرب** کی تمیز بہرحال **ایھم** الخ **لا تدرون** کا مفعول ہے نفع سے مراد دنیوی نفع ہے یا اخروی یعنی اے انسانو! تم عقل و درایت سے یہ بات نہیں معلوم کر سکتے کہ تمہارے ماں باپ اور اولاد میں سے تمہارے لئے دین و دنیا میں زیادہ نافع کون ہے بارہا جوان بیٹے کام نہیں آتے بوڑھے ماں باپ آجاتے ہیں نیز یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جوان اولاد نالائق نکلتی ہے اور یتیم بچے بہت

www.alahazratnetwork.org

سعادت مند ہوتے ہیں کہ لہذا تم ان ظاہری موہومی نفعوں کی بنا پر میراث کے حصے مقرر نہ کرو ہم نے جو حصے جس کے مقرر کئے وہ بالکل صحیح ہیں' فریضۃ من اللہ اس جملہ کی اصل عبارت یوں تھی فرض من اللہ فریضۃ لفظ فریضۃ مفعول مطلق ہے بعض نے فرمایا کہ فریضۃ بمعنی مصدر نہیں بلکہ اسم مفعول ہے اور یہ مذکورہ حصوں کا حال ہے' فرض بمعنی مقرر و لازم کرنا ہے۔ یعنی یہ سارے مذکورہ حصے رب تعالیٰ کی طرف سے لازم و مقرر شدہ ہیں نہ کسی کو اس کے حصے سے محروم کرو اور نہ کسی کے حصے میں کمی بیشی کرو ان اللہ کان علیما حکیما یہ جملہ فریضۃ کی تاکید ہے کان دوام کیلئے ہے یعنی یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علیم بھی ہے حکمت والا بھی' اس لئے جو حصے دیا اس میں صدہا حکمتیں ہیں جن کا تمہیں پتہ نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تمہاری اولاد کی میراث تو وہ ہے جو بیان کی گئی تمہارے ماں باپ کے تین حال ہیں' اگر میت نے ماں باپ کے ساتھ اپنی یا اپنے بیٹے کی کوئی اولاد چھوڑی ہو یا بیٹا یا بیٹی دونوں' تو ماں باپ دونوں ذی فرض ہو گئے' کہ ماں کو بھی متروکہ مال کا چھٹا حصہ ملے گا اور باپ کو بھی' باقی مال عصبات و غیرھم کا ہو گا۔ دوسرا حال یہ ہے کہ میت نے ماں باپ کے ساتھ نہ اولاد چھوڑی نہ ایک سے زیادہ بھائی' بس اس صورت میں ماں ذی فرض ہے' اور اس کا حصہ کل مال کا تہائی' اور باپ محض عصبہ کہ ذی فرض ورثاء سے بچا ہوا مال لے گا' تیسرا حال یہ ہے' کہ میت نے ماں باپ کے ساتھ اولاد تو نہ چھوڑی' مگر ایک سے زیادہ بھائی' بہن چھوڑے' اس صورت میں بھی ماں ذی فرض ہے' اور باپ عصبہ مگر اب ماں کی میراث چھٹا حصہ ہو گی' باقی ذی فرض سے بچا ہوا سارا مال باپ لے گا۔ خیال رکھو کہ اصول و فروع کے یہ حصے میت کی جائز وصیت اور ثابت شدہ قرض ادا کرنے کے بعد ہوں گے' اس طرح کہ کفن دفن کے خرچوں کے بعد کل مال سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا' پھر بقیہ کی تہائی سے وصیتیں پوری کی جائیں گی' پھر تقسیم میراث' میراث کے حصوں کا تقرر تم محض اپنی عقل سے نہیں کر سکتے' تمہیں کیا خبر ماں باپ یا اولاد میں سے کون تمہارے واسطے دین و دنیا میں زیادہ نافع ہے' یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہم تمہارے اور ان کے خالق و مالک ہیں' یہ سارے حصے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ اور طے شدہ ہیں' اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے اور حکیم بھی' اس کے ہر کام میں ہزارہا حکمتیں ہیں' طبرانی و ابن مردویہ نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنتی اپنے مقام میں پہنچ کر پوچھے گا کہ میری بیوی' ماں باپ اولاد کہاں ہیں؟ فرمایا جائے گا' وہ ہیں تو جنت ہی میں مگر تجھ سے نچلے مقام میں' کیونکہ ان کے اعمال صالح تجھ جیسے نہ تھے' عرض کرے گا مولیٰ میں نے دنیا میں نیکیاں اپنے لئے بھی کی تھیں اور ان سب کیلئے بھی' اس کی اس عرض پر دریائے کرم الٰہی میں جوش میں آجائے گا کہ ان سب کو ترقی دیکر اس کے ساتھ رکھو' یہ حدیث اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ تمہیں کیا خبر کل جنت میں تمہیں ماں باپ کے ذریعہ عروج ہے یا اولاد کے ذریعہ (تفسیر کبیر و روح البیان)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عربی میں لفظ ابوین یعنی ماں باپ میں دادا دادی' نانا نانی' حقیقتاً داخل نہیں ہوتے' دیکھو یہاں لا بویہ فرمایا گیا' مگر یہ حصے نہ دادا دادی کے ہیں نہ نانا نانی کے' تو جو لوگ اولاد کی میراث میں پوتوں کو شامل کرتے ہیں' انھیں چاہئے کہ ماں باپ کی میراث میں دادوں نانوں کو شامل کریں۔ **دوسرا فائدہ:** اولاد کی موجودگی میں ماں باپ ذی فرض ہیں' مگر اولاد کی غیر موجودگی میں ماں تو ذی فرض ہے' لیکن باپ ذی فرض نہیں' محض عصبہ

www.alahazratnetwork.org

ہے' جیسا کہ لکل وا حدالخ اور فلا مہ الخ سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: میراث کے حصے درجات کی بنا پر نہیں' دیکھو درجہ ماں باپ کا زیادہ' مگر میراث کا حصہ اولاد کا زیادہ' جیسا کہ مذکورہ تقسیم سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: اولاد پر حق خدمت ماں کا زیادہ ہے' مگر حق مالی باپ کا زیادہ' جیسا کہ فلا مہ الثلث سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: تقسیم میراث' ادائے قرض و اجرائے وصیت کے بعد ہے' جیسا کہ من بعد وصیتہ سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: میراث کے حصے نماز کی رکعتوں اور زکوۃ کی مقدار کی طرح عقل سے وراء ہیں' جو رب تعالیٰ نے مقرر فرمادیئے ان پر ایمان لاؤ' جرح نہ کرو' جیسا کہ لا تدرون سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: صحیح تقسیم میراث ایسے ہی فرض ہے' جیسے کہ فریضتہ من اللہ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: میراث کا حصہ نفع رسانی یا وارث کی غریبی فقیری کی وجہ سے نہیں' یہ عقیدہ کفار عرب کا تھا کہ میت کا جو عزیز قوم و ملک کیلئے نافع ہو' وہی میراث پائے' آج بعض سرپھروں کا خیال ہے کہ جو عزیز کمزور ضعیف ہو اسے میراث دی جائے' جیسے یتیم پوتا بلکہ وارث محض رب تعالیٰ کے تقرر سے ہے' جیسا کہ لا تدرون سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اسلام نے ماں باپ کو بمقابلہ اولاد میراث کم کیوں دی دیکھو اگر میت کے ایک بیٹی اور ماں و باپ ہوں تو مال کے چھ حصے ہو کر تین بیٹی کو' ایک ماں کو' دو باپ کو ملتے ہیں' اور اگر ایک بیٹا اور ماں باپ چھوڑے تو مال کے چھ حصے ہو کر ماں باپ کو ایک' ایک' لڑکے کو تین ملتے ہیں' اس کی کیا وجہ؟ ماں باپ نے میت کو پالا' پرورش کیا' مگر حصہ کم پایا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔ جواب: میراث کی تقسیم ہماری عقلوں سے وراء ہے جو رب تعالیٰ نے مقرر فرمادی ٹھیک ہے مگر عقل اتفاقی ہے کہ ماں باپ کی عمر بظاہر تھوڑی رہ گئی ہے' اولاد کی عمر زیادہ کہ میت کے ماں باپ بڈھے ہیں اولاد' بچے یا جوان لہذا بمقابلہ ماں باپ اولاد کو مال کی ضرورت زیادہ ہے' اس لئے انہیں مال بھی زیادہ دیا گیا۔ (تفسیر کبیر) دوسرا اعتراض: پھر باپ کو بمقابلہ ماں کے زیادہ حصہ کیوں دیا گیا؟ کہ بعض صورتوں میں ماں کا تہائی ہے' باپ کا دو تہائی' اور بعض صورتوں میں باپ فرضا" بھی لیتا ہے اور عصبہ ہو کر بھی مگر ماں کو ہمیشہ صرف فرضا" ہی ملتا ہے۔ جواب: اس لئے کہ ماں نے بچے کی بدنی خدمت واقعی زیادہ کی کہ اپنا خون یعنی دودھ پلا کر پالا' مگر باپ نے مالی خدمت بہت کی کہ پرورش و تعلیم و تربیت کا سارا خرچہ' بلکہ بعض صورتوں میں دودھ پلانے والی دائی کی تنخواہ بھی باپ کے ذمہ رہی' ماں کو اس سے کوئی تعلق نہ رہا' میراث کا تعلق مال سے ہے لہذا باپ کو زیادہ دی گئی' زندگی میں بھی اولاد پر ماں کا حق الخدمت زیادہ ہے اور باپ کا حق مالی زیادہ' کہ فرمایا گیا جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے' اور ارشاد ہوا تم اور تمہارا مال تمہارے باپ کا ہے۔ تیسرا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اگر میت نے ماں باپ اور دو بھائی بہن چھوڑے تو ماں کو چھٹا حصہ ملے گا' باقی پانچ حصے باپ کے ہوں گے' دونوں بھائی محروم رہیں گے' جب دونوں بھائی محروم رہے تو انہوں نے ماں کا حصہ کیوں کم کردیا؟ اسے تہائی ہی رہنے دیا ہوتا' محروم عزیز دوسرے کو نقصان نہیں پہنچا سکتا دیکھو قاتل یا کافر اولاد یا بھائی بہن کسی وارث کو نقصان نہیں پہنچاتے نہ محروم کریں' کافر بیٹا بھائی بہن کو محروم نہیں کرتا' ماں کا حصہ کم نہیں کرتا۔ جواب: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ہی قول ہے وہ باپ کے ہوتے بھائی بہن کو وارث مانتے ہیں' مگر جمہور صحابہ کرام و امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہی قول ہے کہ باپ کے ہوتے بھائی بہن محروم ہیں' ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا وورثہ ابواہ جس سے معلوم ہوا کہ بھائی بہن کی موجودگی میں بھی صرف ماں باپ ہی

www.alahazratnetwork.org

وارث ہوں گے' اگر بھائی، بہن بھی وارث ہوتے تو ان کا ذکر بھی فرمادیا جاتا' محروم عزیز دوسرے عزیز کو نقصان نہیں پہنچا سکتا' مگر محجوب رشتہ دار دوسرے کو نقصان پہنچا سکتا ہے قاتل یا کافر عزیز محروم ہے' بھائی، بہن باپ کی وجہ سے محجوب ہیں خود محروم نہیں' محروم وہ جو اپنے کسی وصف کی وجہ سے میراث نہ پاسکے' محجوب وہ جو دوسرے وارث کی وجہ سے میراث حاصل نہ کرسکے' یہ قانون بہت خیال میں رکھنا چاہیے۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ادائے قرض وصیت پر مقدم ہے' مگر آیت کریمہ میں وصیت کو ادائے قرض پر مقدم رکھا' یہ تفسیر آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** واؤ یا او ترتیب نہیں چاہتے' بہت دفعہ خلاف ترتیب بھی چیز کا صدور ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے واسجدی وارکعی' دیکھو سجدے کا ذکر پہلے ہے رکوع کا بعد میں' مگر نماز میں رکوع پہلے ہے سجدہ بعد میں' ایسے ہی یہاں ہے' چونکہ وارثوں پر وصیت پوری کرنا شاق ہے' نیز وصیت، بمقابلہ قرض زیادہ ہے' انسان قرض اپنی زندگی میں ادا کر جاتا ہے بعد موت کیلئے اس کا بوجھ نہیں رکھتا' مگر وصیت بعد موت ہی جاری ہوتی ہے' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے اسی کا ذکر فرمایا' یہ تقدیم اہمیت ظاہر کرنے کیلئے ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ قرض کل مال سے ادا ہو گا مگر وصیت تہائی مال سے' نیز وصیت وارث کو درست نہیں' یہ دونوں حکم قرآن کریم میں تو ہیں نہیں' تم نے کہاں سے لئے؟ **جواب:** حدیث شریف سے۔ حدیث میراث آیت میراث کی شرح ہے' قرآن کریم کا کوئی حکم بغیر حدیث کی مدد کے واضح نہیں ہوتا' صرف نماز و زکوٰۃ قرآن کریم سے ثابت ہے' مگر نماز کی تعداد نمازوں کی رکعات' زکوٰۃ کی مقدار قرآن کریم میں کہیں نہیں ملتی' جب نماز روزہ' زکوٰۃ جیسے اہم مسائل بغیر حدیث کے ادا نہیں ہوتے' تو دوسرے مسائل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے بغیر کیسے قابل عمل ہوں گے' رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ میرے بندے ہمیشہ میرے محبوب کے محتاج رہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے مال کی میراث یا نسب کے ذریعے ملتی ہے یا سبب یعنی نکاح کے باعث ایسے ہی کمال و احوال کی میراث یا تو روحانی نسب یعنی صحبت شیخ کے ذریعہ ملتی ہے یا روحانی سبب یعنی ارادت و اعتقاد کے باعث میسر ہوتی ہے' جو شخص نہ بزرگوں کا صحبت یافتہ ہے نہ ان کا معتقد' وہ محروم رشتہ دار ہے' اگرچہ رشتہ ایمانی تو ان سے رکھتا ہے مگر ان کے فیوض سے محروم ہے' اور جو ان مقبولوں کا صحبت یافتہ ہے وہ بہت ہی فیوض کا مستحق ہے' جو ان کا صرف معتقد ہے وہ بھی کچھ نہ کچھ فیوض حاصل کر ہی لیتا ہے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض علی وجہ الکمال صحابہ کرام کو نصیب ہوا کہ وہ لوگ روحانی نسبت رکھتے تھے' مگر بعد والے مسلمانوں کو بھی پہنچا کہ وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سببی رشتہ رکھتے ہیں' پھر جیسے نسبی رشتہ میں بیٹے کا دوگنا ہے بیٹی کا اکہرا ایسے ہی صحبت والے جو مجتہدین ہیں وہ گویا بیٹے ہیں جو کم ہمت ہیں اجتہاد و مشقت میں' ناقص وہ گویا بیٹیاں ہیں' بزرگوں کی میراث میں مجتہدین کا حصہ غیر مجتہدین سے دوگنا ہے' پھر جیسے میت کی کمائی میں ماں باپ کا بھی حصہ ہے ایسے ہی کامل مرید کے فرض میں اس کے مشائخ کا بھی حصہ ہے' بارہا مرید سے شیخ کو کمال حاصل ہوا ہے حضور غوث الثقلین اپنے بعض مشائخ سے بڑھ گئے' ان مشائخ کیلئے آپ کی ذات باعث فخر ہوئی' غرضیکہ صوفیائے کرام کے ہاں ذکوریت و انوثت اجتہاد و استعداد سے ہے' اگر ڈبل حصہ لینا ہے' تو کمر ہمت باندھیے' مولانا علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چوں گزیدی پیر نازک دل مباش — سست و ریزیدہ چو آب و گل مباش
چوں گرفتی پیر ہین تسلیم شو — ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو
گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی — چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی!
نار خنداں باغ را خنداں کند — صحبت مردانت از مرداں کند

غرضیکہ بزرگوں سے روحانی رشتہ پیدا کرنے میں محنت کرو، پھر ان کے کمائے کمال سے میراث لو، پہلے ان کے ہو، پھر سب کچھ پاؤ گے (از روح البیان) یہ غلط ہے کہ انسان صرف اپنی کمائی ہی پاتا ہے، کبھی دوسروں کی کمائی سے نفع لیتا ہے انسان کچھ مال خود کماتا ہے، کچھ اپنے رشتہ داروں کا کمایا ہوا میراث میں پاتا ہے، ایسے ہی کچھ کمال خود کماؤ، کچھ کمال حال والوں کی غلامی سے حاصل کرو، احکام شرعیہ میں اپنی کمائی کرو، مگر طریقت کے فیوض دوسروں کے کمائے ہوئے لو، سخی کے مال میں دوسروں کا بھی حصہ ہوتا ہے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم
ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ

اور تمہارے لئے ہے آدھا مال وہ جو چھوڑ جائیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کا کوئی بچہ پس اگر ہو ان کا

اور تمہاری بیویاں جو چھوڑ جائیں اس میں سے تمہیں آدھا ہے اگر ان کی اولاد نہ ہو پھر اگر انکی اولاد ہو

وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِينَ بِهَا

کوئی بچہ تو تمہارے لئے ہے چوتھائی اس مال سے جو وہ چھوڑ گئیں بعد اس وصیت کے جس کی وہ وصیت

تو انکے ترکہ میں سے تمہیں چوتھائی ہے جو وصیت وہ کر گئیں اور دین نکال کر اور تمہارے

أَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ

کر جائیں یا قرض کے اور انکے لئے چوتھائی اس مال کا جو چھوڑ جاؤ تم اگر نہ ہو تمہارا کوئی بچہ پس اگر ہو تمہارا

ترکہ میں عورتوں کا چوتھائی ہے اگر تمہارے اولاد نہ ہو پھر اگر تمہارے اولاد

لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ

کوئی بچہ تو ان کے لئے ہے آٹھواں حصہ اس مال کا جو چھوڑ جاؤ تم بعد اس وصیت کے جس کی تم وصیت کر جاؤ یا قرض کے

ہو تو ان کا تمہارے ترکہ میں آٹھواں جو وصیت تم کر جاؤ اور قرض نکال کر

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے کئی طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں نسبی وارثوں یعنی اولاد ماں باپ کے میراثی حصوں کا ذکر تھا اب اس آیت میں سببی وارثوں یعنی بیوی خاوند کے حصوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان وارثوں کے حصوں کا ذکر تھا جو بذات خود میراث پاتے ہیں' اب اس آیت میں ان زوجین کے حصوں کا تذکرہ ہے جن کی میراث نکاح کے عارضہ کی وجہ سے ہے گویا ذاتی میراث کے بعد عارضی میراث کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان وارثوں کا ذکر تھا جو خود بھی وارث ہوں اور ان کے ذریعہ دوسرے بھی وارث ہوں' اب ان وارثوں کا تذکرہ ہے جو خود تو وارث ہیں مگر ان کے ذریعہ کوئی دوسرا وارث نہیں' باپ اولاد خود بھی وارث ہیں اور ان کے ذریعہ پوتے' دادے' بھائی' بھتیجا' بھی وارث مگر زوجین خود تو وارث ہیں لیکن ان کے ذریعہ کوئی دوسرا وارث نہیں' سالی' ساس' دیور وغیرہ وارث نہیں۔

تفسیر: ولکم نصف ما ترک ازواجکم: واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ مستقل ہے نیا ہے' لام استحقاق کا ہے اور کم میں خطاب ہمارے مسلمانوں سے ہے' اس خطاب میں نہ نبی داخل ہیں نہ غیر مسلم جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے۔ ماترکؔ سے بیویوں کا تمام مملوکہ مال مراد ہے خواہ انہیں میکے سے جہیز تحفہ کے طور ملا ہو یا تم نے انہیں مہر و عطیہ کے طور دیا ہو یا خود انہوں نے کسی ذریعہ سے حاصل کیا ہو' جیسے بعض عورتیں تجارت' ملازمت سے روپیہ جمع کر لیتی ہیں یا انہیں ان کے لڑکوں نے کچھ نذر کیا ہو' غرضیکہ کسی طرح ان کا مملوک ہو' ازواج سے مراد مطلقاً بیویاں ہیں جن سے نکاح ہو چکا ہو' خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ' خواہ رخصتی بھی ہو چکی ہو یا نہ یعنی اے مسلمانو! تم کو اپنی مرحومہ بیویوں کے مملوکہ متروکہ مال کا آدھا حصہ میراث میں ملے گا مگر اس شرط سے کہ **ان لم یکن لھن ولد** یہ پہلے جملہ کی شرط متوخر ہے' ولد سے مراد ان کے پیٹ کی اولاد ہے خواہ تمہارے نطفہ سے ہو یا دوسرے خاوند سے یا مولیٰ سے اگر مولیٰ نے اسے آزاد کر دیا اور تم نے اس سے نکاح کیا' نیز ولد مرد ہو یا عورت یعنی بیٹا ہو یا بیٹی یا بیٹے کی اولاد یعنی پوتے غرضیکہ بالواسطہ و بلاواسطہ اولاد سب شامل ہے اس لئے **لھن** ارشاد ہوا **لکم** نہ فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ تم سے پیدا ہوں یا کسی اور خاوند سے یعنی اے مسلمانو! تمہیں اپنی بیویوں کے متروکہ مال سے آدھا جب ملیگا جب ان کا کوئی بیٹا بیٹی یا پوتی پوتا نہ ہو **وان کان لھن ولد فلکم الربع مما ترکن** یہ خاوند کی میراث کی دوسری صورت ہے واؤ عاطفہ ہے' اور یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے' یہاں بھی ولد سے وہ ہی مراد ہے جو ابھی عرض کیا گیا' یعنی اگر تمہاری مرحومہ بیویاں اپنے پیٹ کا لڑکا یا لڑکی' پوتا یا پوتی چھوڑ گئی ہیں' تو تم کو ان کے متروکہ مال سے چہارم ملیگا' خواہ وہ اولاد تم سے ہو یا کسی اور خاوند سے' خیال رہے کہ اس اولاد میں حرام کی اولاد داخل نہیں' لہٰذا اگر عورت نے اپنی حرام کی اولاد چھوڑی ہے تو وہ خاوند کا حصہ کم نہ کرے گی' اگرچہ خود عورت کی وارث ہو گی کہ حرام کی اولاد زانیہ عورت کی وارث ہوتی ہے' زانی مرد کی وارث نہیں ہوتی' جیسا کہ کتب فقہ میں مذکور ہے' مگر یہ اولاد کسی وارث کی حاجب نہیں' نہ اس سے خاوند کا حصہ چہارم بنے' نہ ماں باپ کا حصہ چھٹا بنے **من بعد وصیۃ یوصین بھا او دین** اس جملہ کا تعلق گزشتہ میراث سے ہے' یعنی خاوندوں کو یہ میراث اپنی بیویوں کی وصیت و قرض کے ادا کے بعد ملے گی' وصیت و قرض میں وہ ہی تفصیل ہے جو پہلے ذکر ہوئی **ولھن الربع مما ترکتم ان لم یکن لکم ولد** یہ بیوی کی میراث کا ذکر ہے' بیوی ایک ہو زیادہ' خلوت ہو چکی یا نہ' اور خاوند کی اولاد نہ اس بیوی سے ہو نہ دوسری بیوی سے' بہرحال اس کی میراث یہ ہے کہ اسے خاوند کے متروکہ مال کا چہارم یعنی 1/4 ملے گا' باقی تین حصے دوسرے

www.alahazratnetwork.org

وارثوں کے ہوں گے' یہاں بھی ولد سے مراد بیٹا بیٹی' پوتا پوتی ہے یعنی بلاواسطہ یا بالواسطہ اولاد بطریق عموم مجاز **فان کان لکم ولد فلھن الثمن مما ترکتم**: یہ جملہ بیویوں کی میراث کی دوسری نوعیت کا بیان ہے یعنی اگر تمہارے بیٹا بیٹی یا پوتا پوتی کسی بیوی سے ہو تو تمہارے متروکہ مال سے تمہاری بیویوں کو آٹھواں حصہ ملے گا' اگر بیوی ایک ہے تو یہ اس کا ہے اگر چند ہیں تو وہ سب یہ ہی آٹھواں حصہ تقسیم کرلیں گی' حتی کہ اگر چار بیویاں ہیں' تو انہیں روپیہ سے دو آنہ ملیں گے' دو دو پیسہ ہو کر ان میں تقسیم ہوں گے خیال رہے کہ مرد عورت سے اشرف ہے۔ اس لئے زوجین کی میراث میں خطاب مردوں سے ہی ہوا' اور مرد کا حصہ عورت سے دوگنا ہے' بلکہ ہر جگہ مرد کو عورت سے دگنا دیا گیا' سوائے اخیافی بھائی بہن کے' جیسا کہ آگے آرہا ہے (کبیر' روح المعانی) **من بعد وصیۃ توصون بھا او دین** اس جملہ کا تعلق بھی مذکورہ میراث سے ہے' وصیۃ سے جائز وصیت مراد ہے اور قرض سے وہ قرض مراد ہے جو ثابت ہو جائے باقی وصیت و دین کے فرق ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ وصیت تہائی مال سے جاری ہوگی مگر قرض پورے مال سے' خواہ قرض دست گردان کا ہو یا تجارتی یا نکاح کا مہر' غرضیکہ حقوق العباد کا قرض لہذا مرد کے مال سے عورت کا مہر پہلے ادا کیا جائے گا' پھر اسے میراث بعد میں دی جائے گی یعنی تمہاری بیویوں کی یہ میراث تمہاری وصیت و قرض کی ادائیگی کے بعد ہے کہ پہلے یہ چیزیں ادا کی جائیں پھر میراث تقسیم ہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! یہ تو نسبی میراث کا ذکر تھا' جس میں تمہیں اصول و فروع کے حصے بتائے گئے سببی یعنی نکاحی میراث کی تفصیل یہ ہے' کہ زوجین کے سوا دوسروں کو نکاح کے ذریعہ میراث نہیں ملتی' نہ تو مرد کی میراث ساس اور سالی کو ہے اور نہ عورت کی میراث نند و دیور کو نہ ساس سسر کو' جس کی تفصیل یہ ہے کہ تمہاری منکوحہ بیویاں جو اپنا مملوکہ مال چھوڑ جائیں' خواہ میکہ سے ملا ہوا جہیز و تحفہ ہو یا تمہارا دیا ہوا مہر و ہدیہ ہو یا ان کا اپنا پیدا کردہ ہو' اس سب میں سے تم کو آدھا ملے گا' عورت کی رخصتی ہوچکی ہو یا نہیں' بشرطیکہ عورت نے اپنے پیٹ کی اولاد (بیٹی' بیٹا یا پوتا' پوتی) نہ چھوڑی ہو تم میں سے یا کسی اور خاوند یا مولا سے' لیکن اگر ان میں سے کوئی اولاد چھوڑی ہے تو تم کو ان کے متروکہ مال سے چوتھائی حصہ ملے گا' یہ سب کچھ ان کی وصیتوں کے اجراء اور قرضوں کے ادا کے بعد ہوگا' باقی تین حصے مال مرحومہ کے میکہ والوں کو مذکورہ بالا تفصیل سے ملے گا' اور اگر تم مال چھوڑ کر فوت ہو جاؤ اور بیویاں چھوڑ جاؤ' تو ان کی میراث کی تفصیل یہ ہے کہ اگر تم نے کوئی اولاد بیٹا بیٹی پوتا پوتی نہ چھوڑی ہے تو انہیں تمہارے مال سے چوتھائی ملے گا' اور اگر تم نے ان میں سے کوئی اولاد چھوڑی' خواہ اس بیوی سے' خواہ دوسری بیوی سے لونڈی سے تو انہیں تمہارے مال کا آٹھواں حصہ ملے گا' اس طرح کہ اگر بیوی ایک ہے تو یہ اس اکیلی کا حصہ ہو گا' اور اگر چند ہیں تو یہی آٹھواں یا چہارم ان سب میں تقسیم ہو جائے گا' یہ میراث بھی تمہاری جائز وصیتوں اور ثابت قرضوں کے ادا کے بعد دی جائے گی' یہ صریح ظلم ہے کہ تم تو اپنی بیویوں کی میراث کے وارث ہو جاؤ' اور وہ تمہاری میراث سے محروم رہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** زوجین میں خاوند بیوی سے افضل ہے' اسی لئے اس آیت میں مردوں سے خطاب ہے اور عورتوں کا ذکر غائبانہ ہے' مردوں کیلئے لکم ہے عورتوں کیلئے لھن' نیز خاوندوں کا حصہ بیویوں سے دگنا ہے' نیز ان آیات میں مردوں سے سات جگہ خطاب ہے مگر عورتوں کا ذکر سات سے کم جگہ وہ بھی غائبانہ۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: رشتہ نکاح میں بجز زوجین کے کسی کو میراث نہ ملے گی' جیسا کہ لکم اور لھن کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: سوتیلی اولاد وارث نہیں مگر حاجب ہے' عورت کا سوتیلا بیٹا عورت کے مال سے کچھ نہ لے گا' لیکن اگر اس کا سگا باپ مریگا تو عورت کا حصہ بجائے چہارم کے آٹھواں ہو جائیگا' یہی معاملہ خاوند کی طرف ہے۔ چوتھا فائدہ: اگر عورت کا مہر خاوند کے ذمہ رہ گیا اور عورت فوت ہو گئی' تو اس مہر میں بھی خاوند کا حصہ ہو گا کہ مہر بھی عورت کی ملک ہے جیسا کہ ما ترک ازواجکم کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: عورت کا ہر قسم کا مال خواہ میکہ سے جہیز' ہدیہ' سوغات یا میراث کے ذریعہ ملے یا سسرال سے مہر' چڑھاوا یا میراث کے ذریعہ ملے' سب میں میراث جاری ہو گی یہ بھی ماترک کے عموم سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: خاوند کے متروکہ مال سے پہلے بیوی کو دین مہر ادا کیا جائے گا پھر تقسیم میراث ہو گی' جیسا کہ او دین سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: میراث میں تو بیٹے پوتے میں ترتیب ہے' مگر حجب میں کوئی ترتیب نہیں کہ بیٹا پوتا یکساں بیوی خاوند کیلئے حاجب بن جاتے ہیں۔ آٹھواں فائدہ: عورت کے پیٹ کی ہر اولاد خاوند کا حصہ کم کر دیگی' ایسے ہی مرد کی ہر اولاد عورت کا حصہ کم کر دیگی' خواہ اس عورت سے ہو یا دوسری عورت سے جیسا کہ لھن ولد اور لکم ولد سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: زوجین صرف ذی فرض ہی ہوتے ہیں کبھی عصبہ نہیں بنتے اور ذی فرض بھی ایسے کہ ان پر میراث رد نہیں ہوتی حتیٰ کہ اگر کسی نے صرف بیوی چھوڑی اور کوئی والی وارث نہ چھوڑا تو بیوی کو چہارم مال دیکر باقی تین حصے مال خیرات کر دیا جائیگا' لیکن اگر صرف بیٹی چھوڑی ہے' تو اولاً بیٹی کو آدھا دیں گے' پھر اور وارث نہ ہونے کی وجہ سے دوسرا آدھا بھی اسی کو دے دیں گے' اس دوبارہ دینے کو رد کہتے ہیں' بعض علماء نے یہ فائدہ بھی لکم اور لھن سے ثابت کیا ہے' مگر حق یہ ہے کہ رد کا یہ مسئلہ حدیث شریف سے ثابت ہے' کیونکہ قرآن شریف میں بیٹیوں کیلئے بھی لھن آچکا ہے حالانکہ ان پر تو رد ہو جاتا ہے' میراث کے مسائل بھی قریباً اسی فیصد حدیث شریف سے ثابت ہیں۔ دسواں فائدہ: خاوند کی موت کے بعد بیوی کیلئے میراث و عدت بہر حال لازم ہے خلوت ہوئی ہو یا نہیں۔ مگر طلاق کی صورت میں بغیر خلوت عدت نہیں' اور میراث تو کسی صورت میں نہیں' طلاق خلوت کے بعد ہو یا پہلے یہ فائدہ لھن کے عموم سے حاصل ہوا۔ مسئلہ: اگر بیماری موت میں مبتلا شخص اپنی بیوی کو طلاق دے' پھر اس کی عدت ہی میں فوت ہو جائے تو بیوی کو میراث ملے گی' ایسے ہی جو شخص پھانسی پر چڑھتے وقت طلاق دے دے تب بھی عورت میراث پائے گی' اسے شریعت میں فار بالطلاق کہتے ہیں۔ گیارھواں فائدہ: حرام کی اولاد حاجب نہیں ہوتی کہ نہ اس سے میت کے بھائی بہن محروم ہوں اور نہ ماں باپ یا خاوند بیوی کا حصہ کم ہو' یہ بھی لھن ولد اور لکم ولد سے معلوم ہوا' حرام کا بچہ صرف ماں کا مانا جاتا ہے' وہ بھی جانور کے بچے کی طرح فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الولد للفراش وللعاھر الحجر بچہ مستحق اولاد کا ہے' زانی کے نصیب میں پتھر ہیں یعنی سنگسار ہونا نسب انسانی شرافت کے تقاضا سے ہے۔

پہلا اعتراض: شریعت میں خاوند کا حصہ بیوی سے دوگنا کیوں ہے؟ حالانکہ بیوی کمزور مخلوق ہے۔ جواب: ہم پہلے عرض کر چکے کہ میراث کے حصے' نماز کی رکعتیں' زکوٰۃ کی مقداریں عقل سے وراء ہیں' یہ تو سر جھکانے والی باتیں ہیں لیکن اگر اس کا نکتہ معلوم ہی کرنا ہے تو یوں سمجھ لو کہ عمر بھر خاوند نے بیوی کا سارا خرچ اٹھایا۔ اسے مہر دیا' اب اگر خاوند کو میراث دگنی مل جائے تو عین انصاف ہے کہ زندگی کا کچھ بدلہ تو ہو جائے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہی بیوی خاوند کی

www.alahazratnetwork.org

میراث پائے گی جس کے پیٹ سے خاوند کی اولاد ہو گی کہ فرمایا گیا **فان کان لکم ولد** الخ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث آپ کی کسی بیوی کو نہیں پہنچتی کیونکہ سوائے بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے اور کسی بیوی سے آپ کی اولاد نہیں ہوئی بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے وفات پاچکی تھیں (بعض بے وقوف) جواب: نعوذ باللہ یہ اس آیت کریمہ کی محض تحریف ہے' اولاً تو یہاں فرمایا گیا **فان لکم ولد** اگر تمہاری اولاد ہو' یہ نہ فرمایا **منھن** کہ ان متروکہ بیویوں سے اولاد ہو پھر ارشاد ہو چکا ہے کہ ان بیویوں کو چہارم ملے گا اگر تمہاری کوئی اولاد نہ ہو معلوم ہوا کہ بیوی کا حصہ بہرحال ہے اولاد نہ ہونے کی صورت میں زیادہ' اولاد ہونے کی صورت میں کم۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے مردہ خاوند کو بیوی غسل دے سکتی ہے' ایسے ہی مردہ بیوی کو خاوند بھی غسل دے سکتا ہے' دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت میں خاوند کی وفات کے بعد بھی ان کی بیویوں کو **ازواجکم** فرمایا معلوم ہوا کہ موت سے زوجیت قائم رہتی ہے نیز جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فاطمہ زہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو ان کی وفات کے بعد غسل دیا' پھر احناف کیوں کہتے ہیں کہ بیوی بوقت ضرورت مردہ خاوند کو غسل دے سکتی ہے مگر خاوند مردہ بیوی کو ہرگز غسل نہ دے سکتا' حتیٰ کہ اگر کوئی غسل دینے والا نہ ہو تو خاوند ہاتھوں پر کپڑا باندھ کر بیوی کو تیمم کرادے۔ **نوٹ:** شافعی حضرات کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ (تفسیر کبیر) جواب: اس لئے کہ خاوند کی موت سے عورت حکماً" نکاح میں رہتی ہے' اسی لئے اس پر عدت واجب ہے اس بقیہ نکاح کی وجہ سے خاوند کو غسل دے سکتی ہے کہ بالکل اجنبی نہیں بنی بعض وجوہ سے اس کی بیوی ہے' اسی لئے اس پر عدت سوگ واجب ہے اور خاوند کے گھر سے نکلنا عدت کے زمانہ میں حرام ہے' اگر نکاح بالکل ختم ہو چکا تھا' تو نکاح کی یہ پابندیاں کیسی؟ لیکن عورت کے مرنے سے نکاح بالکل ہی ختم ہو چکا کہ نہ خاوند پر عدت ہے نہ بیوی کا نان نفقہ' نہ نکاح کی کوئی اور پابندی' مردہ بیوی خاوند کیلئے بالکل اجنبیہ ہے' اور اجنبیہ کو غسل دینا حرام۔ جناب علی مرتضیٰ نے صرف فاطمہ زہرا کو ہی غسل دیا ہے' جس پر صحابہ کرام نے اعتراض بھی کیا' آپ نے فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا اے علی فاطمہ تمہاری دنیا و آخرت میں بیوی ہیں' میرا نکاح ان کی وفات سے نہیں ٹوٹا' یہ آپ کی خصوصیت ہے' آپ نے اپنی اور کسی بیوی کو غسل نہیں دیا' یہاں قرآن کریم نے مردہ بیویوں کو میراث کے حق میں ازواج فرمایا کہ **ما ترک ازواجکم** نہ کہ مطلقاً' اگر مطلقاً بیوی ہوتی تو اس سے صحبت یا کم از کم بوس و کنار جائز ہوتا' ناپاک عورت سے اگرچہ صحبت حرام ہے مگر مقدمات صحبت یعنی بوس و کنار جائز ہیں' یہاں سب کچھ حرام ہو گیا معلوم ہوا بیوی نہ رہی' فقیر حقیر نے اپنی اس تقریر میں تفسیر کبیر کے بڑے اعتراض کا جواب دے دیا' چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی اس لئے تفسیر صوفیانہ نہیں عرض کی گئی۔ انشاء اللہ آیت کے آخر میں عرض کی جائے گی۔

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗۤ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ

اور اگر ہو وہ مرد جو وارث بنایا جاتا ہے لاولد اور تربے اصول و فرع والا) یا عورت اور اسکا بھائی یا بہن ہو تو ہر

اور اگر کسی ایسے مرد یا عورت کا ترکہ بٹتا ہو جس نے ماں باپ اولاد کچھ نہ چھوڑے اور ماں کی طرف سے اس کا بھائی یا بہن

مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِن كَانُوٓا۟ أَكْثَرَ مِن ذَٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى ٱلثُّلُثِ

ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے پس اگر ہوں وہ بھائی بہن زیادہ اس سے تو وہ سب شریک

تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا پھر اگر وہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں تو سب تہائی میں شریک ہیں

مِنۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصَىٰ بِهَآ أَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ ٱللَّهِ ۗ

ہیں تہائی میں اس وصیت کے پیچھے جو کی جائے یا قرض کے بعد جبکہ نقصان دہ نہ ہو یہ اللہ

میت کی وصیت اور دین نکال کر جس میں اس نے نقصان نہ پہنچایا ہو

وَٱللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

کا تاکیدی حکم ہے اور اللہ جاننے والا حلم والا

یہ اللہ کا ارشاد ہے اور اللہ علم والا حلم والا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ان وارثوں کی میراث کا ذکر تھا جو بلاواسطہ میت سے رشتہ رکھتے ہیں نسبی رشتہ یا سببی رشتہ' اب ان عزیزوں کی میراث کا ذکر ہے جو میت سے بالواسطہ رشتہ رکھتے ہیں' جیسے بھائی بہن' چچا بھتیجے وغیرہ کہ ان کا رشتہ ماں باپ یا دادا کے ذریعہ میت سے ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان وارثوں کا ذکر تھا جو کبھی محروم نہ ہو سکیں' ہمیشہ میراث پائیں خواہ عصبہ ہو کر یا ذی فرض ہو کر یا دونوں میں شامل ہو کر جیسے فروع' اصول' زوجین اب ان وارثوں کی میراث کا ذکر ہے جو کبھی وارث ہوتے ہیں کبھی محروم جیسے بھائی' بہن چچا وغیرہ کہ یہ لوگ بیٹے باپ وغیرہ کے ہوتے محروم ہیں' اگر یہ لوگ نہ ہوں' تو انہیں میراث ملے۔ **تیسرا تعلق:** میت کے وارث تین قسم کے ہیں' بلاواسطہ سببی' بالواسطہ' سب سے اعلیٰ وارث پہلی قسم کے ہیں پھر دوسرے پھر تیسرے' پہلی دو قسم کے وارثوں کا ذکر پچھلی آیات میں تھا' تیسرے وارثوں کا ذکر اس آیت میں ہے' یہ ترتیب نہایت موزوں ہے۔

شان نزول: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں بیمار ہوا' حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری مزاج پرسی کو تشریف لائے' میں نے عرض کیا یا حبیب اللہ میرے نہ والد ہیں نہ اولاد' میری میراث کیونکر اور کس طرح تقسیم ہوگی تب یہ آیت کریمہ جس میں کلالہ کی میراث کا ذکر ہے' نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن' روح المعانی) خیال رہے کہ یہ آیت کلالہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری عمر شریف میں نازل ہوئی۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ کاش تین چیزوں کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیان شافی فرما جاتے کلالہ' دادا' ربو یعنی سود (مسلم بخاری وخازن) حضرت سعدان ابن طلحہ فرماتے ہیں کہ ایکبار حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خطبہ وعظ دیا' اس میں فرمایا کہ میں نازک تر مسئلہ کلالہ کا چھوڑ کر جا رہا ہوں' میں نے کلالہ کی میراث کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کوشش سے سوالات کئے' حتیٰ کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینے پر انگشت شریف مار کر فرمایا کہ اے عمر کیا تمہیں آیت صیف یعنی گرمیوں میں نازل ہونے والی آیت کافی نہیں' اگر زندگی رہی تو انشاء اللہ ہم کلالہ کے متعلق ایسا فیصلہ کر دیں گے کہ پڑھا بے پڑھا سمجھ لیگا (مسلم بخاری وخازن) مگر بعد میں حضور

www.alahazratnetwork.org

انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف نے وفانہ کی اور یہ مسئلہ بھی رہ گیا' شروع سورۂ نساء کی یہ آیت جس میں کلالہ کا ذکر ہے جاڑوں میں نازل ہوئی تھی اور آخری سورۂ نساء کی آیت کلالہ قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ گرمیوں میں اتری اس لئے اسے آیت الصیف فرمایا (خازن) غرضیکہ کلالہ کی میراث کا مسئلہ بہت اہم ہے اور اس میں علماء کے بڑے اختلافات ہیں۔

تفسیر: وان کان رجل یورث کلالۃ او امراۃ یہ جملہ مستقل ہے اور واو ابتدائیہ' چونکہ اس آیت میں مذکورہ بھائی بہن بھی میراث پاتے ہیں بھی نہیں اس لئے اسے ان شرطیہ سے شروع فرمایا اس جملہ کی پانچ ترکیبیں کی گئی ہیں اس لئے اس جملہ کے پانچ معنی ہیں' ہم سب سے آسان ترکیب و معنی عرض کرتے ہیں' وہ یہ کہ کان ناقصہ ہے اور رجل' معطوف علیہ' امراۃ' معطوف یہ دونوں موصوف ہیں یورث اس کی صفت موصوف صفت سے مل کر کان کا اسم اور کلالۃ اس کی خبر' اصل عبارت یوں تھی وان کان رجل او امراۃ یورث کلالۃ اس صورت میں معنی بالکل واضح ہیں' کان کو تامہ ماننا یا کلالۃ کو یورث کی ضمیر سے حال ماننا یا رجل سے مراد وارث لینا ان سب میں اشکال ہے' اب معنی یہ ہوئے کہ اگر وہ میت مرد یا عورت جس کی میراث بٹ رہی ہے کلالہ ہوں' مرد و عورت سے مراد میت ہے یورث واؤ کے سکون اور ر کے زبر سے باب افعال کا مضارع مجہول ہے کلالۃ کل سے بنا' اس کے بہت معنی ہیں' بوجھ رب تعالیٰ فرماتا ہے وھو کل علی مولہ وہ غلام اپنے مولیٰ پر بوجھ ہے۔ گھیر لینا اسی سے ہے اکلیل بمعنی تاج کہ وہ سر کو گھیرے ہوتا ہے۔ قوت جاتی رہنا اسی سے ہے کلیل بمعنی متھرا و کھنڈا چاقو چھری' جس میں ذبح کی قوت نہ ہو تیز چاقو کو حاد کہتے ہیں اور کھنڈے کو کلیل۔ دوری اور فاصلہ کہا جاتا ہے کلت الرحم بینھم ان کے درمیان رشتے دور ہو گئے۔ تھک جانا کہا جاتا ہے کلت الناقۃ فی المسیر راستہ میں اونٹنی تھک گئی' اصطلاح شریعت میں کلالہ کسے کہتے ہیں' اس میں دو قول ہیں' حضرت عمر و حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ شخص ہے' جس کے اولاد نہ ہو' ماں باپ ہوں یا نہ ہوں' ان کی دلیل سورۂ نساء کی وہ آیت ہے قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ ان امرا ھلک لیس لہ ولد دیکھو رب تعالیٰ نے کلالہ کی تفسیر خود فرمادی لاولد باپ کے نہ ہونے کا ذکر نہ فرمایا' یہی قوی قول طاؤس کا ہے' حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ و جمہور صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے' جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ کیونکہ یہ آیت کریمہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے جواب میں آئی ہے ان کے والد غزوۂ احد میں شہید ہو چکے تھے اور اس وقت ان کی اولاد کوئی نہ تھی نیز یہاں رب تعالیٰ نے اولاد ماں باپ وغیرہ کا ذکر تو پہلے کر دیا اب بعد میں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ کلالہ وہ ہے جو پہلوں کا غیر ہو' جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ اولاد نیز آخر سورۂ نساء کی آیت میں یوں ہے لیس لہ ولد ولہ اخت فلھا نصف ما ترک اس سے بھی اشارۃً معلوم ہو رہا ہے کہ کلالہ وہی ہو گا جس کے ماں باپ بھی نہ ہوں' کیونکہ ماں باپ کے ہوتے' بہن بھائی کو میراث نہیں ملتی اور یہاں کلالہ کے بھائی بہن کو میراث دی جا رہی ہے' تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی وفات سے کچھ پہلے اپنے مذہب سے رجوع فرما لیا اور فرمایا اب میں وہی کہتا ہوں جو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ فرماتے تھے' خیال رہے کہ کلالۃ' کل یکل کا مصدر ہے جیسے دلالۃ اور وکلالۃ لاولد میت کو بھی کلالہ کہتے ہیں اور اصول فروع کے علاوہ دیگر رشتہ داروں کو بھی کیونکہ ان کا رشتہ میت سے کمزور بھی ہوتا ہے اور یہ میت کو گھیرے ہوئے بھی ہوتے ہیں (از تفسیر کبیر و معانی و

www.alahazratnetwork.org

خازن اور صاوی و مدارک وغیرہ) **ولہ اخ او اخت** یہ عبارت یورث کی ضمیر سے حال ہے واؤ حالیہ ہے ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں بھائی بہن سے مراد اخیافی یعنی ماں شریکے ہیں کیونکہ سگے اور علاتی یعنی باپ شریکے بھائی بہن کا ذکر تو آخر سورۂ نساء میں آرہا ہے جہاں ایک بہن کا آدھا دو بہنوں کو دو تہائی حصہ مقرر فرمایا گیا اور اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو بھائی کا بہن سے دوگنا اور یہاں اسکے بالکل ہی خلاف ہے اس لئے ماننا پڑے گا کہ یہاں اخیافی بھائی بہن ہی مراد ہیں نیز سعد ابن ابی وقاص کی قرات میں یہاں من ام ہے اور سیدنا ابی ابن کعب کی قرات میں من الام ہے۔ اگرچہ یہ دونوں قراتیں شاذ ہیں مگر حدیث واحد کی طرح واجب العمل ہیں (روح المعانی) یہاں بھائی یا بہن سے صرف ایک ایک مراد ہے یعنی کلالہ میت کا صرف ایک بھائی ہو یا صرف ایک بہن **فلکل واحد منہما السدس** یہ عبارت ان کی جزاء ہے اور ف جزائیہ اور ھما کا مرجع مذکورہ بھائی بہن ہیں یعنی اس صورت میں اس بھائی یا بہن کو بطریق ذی فرض کلالہ کے مال کا چھٹا حصہ ملے گا باقی پانچ حصے میت کے دوسرے وارثوں کو ملیں گے چچا تائے وغیرہ **فان کانوا اکثر من ذلک فہم شرکاء فی الثلث** یہ کلالہ کی میراث سے اخیافی بھائی بہن کے حصوں کی دوسری صورت ہے کہ مرحوم کے اصول و فروع کوئی نہ ہوں اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں یا صرف دو چار بھائی ہوں یا صرف دو چار بہنیں یا دونوں ایک بھائی اور ایک بہن ان سب صورتوں میں ان کو مال کا تہائی حصہ ملے گا باقی دو تہائی دوسرے وارثوں کو مگر یہ لوگ اس تہائی میں برابر کے حصہ دار ہوں گے کہ اخیافی بھائی اس تہائی سے اخیافی بہن کے برابر لے گا بیٹے یا سگے بھائی کی طرح لڑکی سے دگنا نہ پائے گا اس پر ساری امت کا اجماع ہے اسی لئے قرآن کریم نے یہاں شرکاء فرمایا یعنی برابر کے شریک دوسرے مقامات کی طرح للذکر مثل حظ الانثیین نہ فرمایا یعنی اگر اخیافی بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو وہ تہائی مال میں برابر کے شریک ہوں گے چونکہ خود ماں کا حصہ چھٹا یا تہائی ہے اس لئے اس کی اولاد کو بھی یہ چھٹا یا تہائی ہی دیا گیا **من بعد وصیۃ یوصی بہا او دین غیر مضار** یہ عبارت گزشتہ دونوں قسم کی وراثتوں کی قید ہے مگر اس میں طرز بیان بدلا ہوا ہے کہ بجائے یوصی یا توصون کے یوصی بہا مجہول فرمایا گیا کیونکہ ابھی مرد و عورت دونوں کا ذکر گزرا ہے اور وہ دونوں صیغے مذکر کے تھے جن میں عورت داخل نہیں ہو سکتی تھی اس لئے یوصی مجہول ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ یوصی کا نائب فاعل بہا ہے اور یہ وصیۃ کی صفت ہے دین وصیت پر معطوف ہے غیر مضار وصیت اور دین دونوں کا ہی حال ہے مضار باب مفاعل کا اسم فاعل ہے جس کا مادہ ضرر ہے بمعنی نقصان یعنی یہ تمام تقسیمیں اس وصیت و قرض کے ادا کے بعد ہوں گی جو وارثوں کو نقصان دینے کیلئے نہ کی گئی ہوں خیال رہے کہ وصیت و قرض کے ذریعہ نقصان دینے کی چند صورتیں ہیں۔ تہائی سے زیادہ کی وصیت کر جائے کسی کے قرض کا جھوٹا اقرار کر جائے یا کسی پر میت کا قرض تھا اس کے وصول کا جھوٹا اقرار کر جائے کسی کے ہاتھ اپنی قیمتی چیز سستی فروخت کر جائے اور ان تمام سے اس کا مقصود وارثوں کو نقصان پہنچانا ہو۔ (کبیر) ان سب کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ فرمایئے **وصیۃ من اللہ** اس کی تفسیر پہلے ہو چکی وصیۃ یوصی یا اوصی کا مفعول مطلق ہے اور روئے سخن مرنے والے اور وارثوں بلکہ مقروضوں قرض خواہوں وغیرھم سب کی طرف ہے کہ رب تعالیٰ اے وارثو تم کو اے مرنے والو تم کو اے دوسرے لوگو تم سب کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ نہ تو وارث ایک دوسرے کو نقصان پہنچائے نہ مرنے والا پس ماندگان کو نقصان پہنچانے کی کوشش نہ مقرلہ وغیرھم جن کیلئے میت جھوٹا اقرار کر گیا ہے غرضیکہ کوئی کسی کو نقصان دینے کی کوشش نہ کرے **واللہ علیم حلیم** اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حلم والا بھی اگر کسی مجرم کو جلد سزا نہ دے تو مجرم اس مہلت سے ناجائز فائدہ نہ

www.alahazratnetwork.org

اٹھائے' نہ اس تاخیر سے دھوکا کھائے 'اور کوئی وارث وغیرہ کسی کو نقصان پہنچا کر خوش نہ ہو کہ مجھے رب تعالیٰ نے پکڑا نہیں مال بھی مل گیا اور میں سزا سے بھی محفوظ رہا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اگر کوئی مرد یا عورت کلالہ ہو کر مرے کہ نہ اس کے اولاد ہو نہ ماں باپ دادا وغیرہ ہوں مگر اس کے ماں شریکی بھائی یا بہن ہوں تو اس کی میراث یوں تقسیم ہوگی کہ اگر ایک اخیافی بھائی یا بہن ہے تو اسے کل مال کا چھٹا حصہ ملیگا اور اگر ایک سے زیادہ ہیں خواہ سب اخیافی بہنیں ہوں یا صرف بھائی یا بھائی بہن دونوں تو ان سب کو کل مال کا تہائی ملے گا مگر یہ اخیافی اولاد اس تہائی میں برابر کے شریک ہوں گے کہ مذکر کو مونث کے برابر ملے گا' یہاں لڑکے کو لڑکی سے دوگنا نہ ہو گا' باقی مال دوسرے رشتہ داروں چچا تائے وغیرہ کو ملے گا' یہ تقسیم بھی وصیت و قرض ادا کرنے کے بعد جاری ہوگی بشرطیکہ وصیت یا قرض ورثاء کو نقصان دہ نہ ہو' ناجائز وصیت اور ناجائز قرض کا بالکل اعتبار نہ ہو گا' تقسیم میراث کے یہ مسائل رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں جن پر عمل کرنے کا تاکیدی حکم ہے اللہ تعالیٰ نے جس کو جو دیا ہے وہ اپنے کمال علم سے دیا کہ وہ علیم ہے' اگر کوئی شخص تقسیم میراث میں کمی بیشی کرے اور اس پر فوراً عذاب نہ آئے تو اسکی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے مجرم پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا' لہٰذا اس مہلت سے دھوکا نہ کھاؤ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** اخیافی بھائی بہن ذی فرض ہیں کہ ان کا حصہ مقرر ہے' دوسرے بھائی بہن حقیقی ہوں یا علاتی عصبہ ہیں جیسا کہ **السدس** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اخیافی اولاد ماں باپ اور بیٹی بیٹے کے ہوتے ہوئے محروم ہے جیسا کہ کلالۃ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جائز وصیت و جائز قرض تقسیم میراث پر مقدم ہے جیسا کہ **من بعد وصیۃ** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ناجائز وصیت اور ناجائز قرض متروکہ مال سے ادا نہ کیا جائے گا جیسا کہ **غیر مضار** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اگر خود ورثاء اس کی ناجائز وصیت یا ناجائز قرض ادا کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں' یہ بھی غیر مضار سے معلوم ہوا! ناجائز وصیت کی چند صورتیں ہیں' تہائی سے زیادہ کی وصیت' وارث کو وصیت' حرام و ناجائز کاموں میں خرچ کرنے کی وصیت' کہ میرے بعد نوحہ والیوں' رونے پیٹنے والوں پر اتنا روپیہ خرچ کرنا وغیرہ یہ تمام وصیتیں باطل اور ناقابل عمل ہیں' پہلی دو وصیتوں کو وارث اپنی مرضی سے پورا کر سکتے ہیں' مگر تیسری وصیت کو وارث بھی عملی جامہ نہیں پہنا سکتے۔ **چھٹا فائدہ:** میت کے متروکہ مال سے اس کے ذمہ کی زکوٰۃ یا حج ادا نہیں کر سکتے' کہ یہ انسانی قرض نہیں' رب تعالیٰ کا قرض ہے' یہ فائدہ بھی اودین اور غیر مضار سے معلوم ہوا' کیونکہ یہاں دین کو مطلق رکھا گیا ہے' اور مطلق دین انسانی قرض کو کہتے ہیں' ان چیزوں کو دین اللہ کہا جاتا ہے' ہاں اگر ورثا چاہیں تو یہ عبادات ادا کرا دیں کہ یہ مال اب ان کی ملک ہے' اگر میت زکوٰۃ یا حج کی وصیت کر گیا ہے تو تہائی مال سے یہ کام ادا کئے جا سکتے ہیں' اگر تہائی سے حج نہیں ہو سکتا تو نہ کرایا جائے۔ **ساتواں فائدہ:** جس کا کوئی وارث نہ ہو وہ سارے مال کی وصیت کر سکتا ہے جیسا کہ غیر مضار سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جس کے وارث بہت غریب و مسکین ہوں وہ بالکل وصیت نہ کرے' یہ بھی غیر مضار سے معلوم ہوا! فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم اپنے وارثوں کو غنی بنا جاؤ' یہ اس سے اچھا ہے کہ وہ تمہارے بعد بھیک مانگتے پھریں۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے آیات میراث میں سے پہلی آیت کو **فریضۃ من اللہ** پر ختم فرمایا' اور اس آخری آیت کو

www.alahazratnetwork.org

وصیتہ من اللہ پر ختم کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: عربی میں فریضہ بمقابلہ وصیت کے زیادہ تاکیدی ہے' رب تعالٰی نے اصول و فروع کی میراث کو فریضہ کے لفظ سے موکد فرمایا کہ اہل عرب ان ہی کے حصوں میں گڑبڑ کرتے تھے' اور آخری آیت میں کلالہ کی میراث کا ذکر ہے' اس میں اہل عرب اس قدر گڑبڑ نہ کرتے تھے' نیز اصول و فروع کی میراث بھائی بہن کی میراث سے زیادہ تاکیدی ہے' یہ ظاہر فرمانے کو وہاں فریضہ اور یہاں وصیت فرمایا (تفسیر کبیر و روح المعانی) **دوسرا اعتراض**: اخیافی اولاد چھٹا اور تہائی حصہ ہی کیوں پاتی ہے؟ کم و بیش کیوں نہیں پاتی؟ **جواب**: اس لئے کہ یہ اولاد ماں کی نائب ہے' اور ماں کو یہ دو ہی حصے ملتے ہیں لہٰذا اس کے نائبین بھی یہ ہی پائیں گے۔ **تیسرا اعتراض**: پہلی آیت میں یوصی معروف تھا مگر یہاں یوصی مجہول ارشاد ہوا' اس فرق میں کیا حکمت ہے؟ **جواب**: وہاں صرف مرد میت کا ذکر ہوا تھا عورت میت "تبعا" داخل کی گئی تھی مگر یہاں عورت میت کا ذکر صراحۃ" ہوا کہ فرمایا گیا **او امراۃ** چونکہ مرد و عورت دونوں کا ذکر صراحتا" گزرا ہے' یہ ہی دونوں وصیت کے فاعل ہیں' اور دونوں کیلئے غائب کا کوئی صیغہ عربی میں مشترک ہے نہیں' اس لئے معروف صیغہ ارشاد نہ ہوا' مجہول ارشاد ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں غیر مضار کو قرض سے ملا کر کیوں بیان فرمایا' قرض میں نقصان کیسے ہوتا ہے؟ **جواب**: قرض کے ذریعہ ورثاء کو نقصان پہنچانے کی بہت صورتیں ہیں جن میں سے بعض ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کردیں' بعض لوگ مرتے مرتے ایسی چالاکیوں سے اپنے پر قرض کر جاتے ہیں کہ معاذ اللہ محض وارثوں کو نقصان پہنچانے کیلئے: جس کا مشاہدہ اب بھی ہو رہا ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو وارثوں کی میراث قطع کرے انہیں محروم کردے یا نقصان پہنچادے' اللہ تعالٰی اسے جنت کی میراث سے محروم کردیگا' زیادتی وصیت اور جھوٹے قرض قطع میراث کی ہی صورتیں ہیں۔ (تفسیر کبیر) **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بھائی بہن کی میراث چھٹا حصہ اور تہائی ہے اور بھائی بہن اپنی میراث میں برابر کے شریک ہیں مگر اس سورہ نساء کی آخری آیت میں بھائی بہن کو عصبہ قرار دیا گیا ہے اور بھائی کو دوگنا' بہن کو اکہرا دلوایا گیا ہے' آیتوں میں تعارض ہے نیز وہاں صرف بہن کو ذی فرض قرار دیکر ایک کو آدھا زیادہ کو دو تہائی دلوایا گیا ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اخیافی یعنی ماں شریکے بھائی بہن مراد ہیں اور وہاں آخر صورت میں سگے اور علاتی بھائی بہن مراد' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اخیافی اولاد کا حکم اور ہے سگے اور علاتی کا حکم کچھ اور دونوں آیتیں برحق ہیں۔ **چھٹا اعتراض**: ان آیات میں حجب کیلئے جو اولاد ارشاد ہوا' اس سے بیٹا بیٹی' پوتا پوتی سب ہی مراد ہیں' دیکھو رب تعالٰی نے فرمایا **فان کان لکم ولد فلھن الثمن** یہاں ولد سے بیٹا' پوتا سب ہی مراد ہیں تو چاہئے کہ **فی اولادکم** میں بھی اولاد سے بیٹے پوتے سب ہی مراد ہوں' وہاں صرف بیٹے کیوں مراد لئے گئے' چاہئے کہ بیٹے کے ہوتے یتیم پوتا بھی وارث ہوں۔ **نوٹ**: چکڑالویوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب**: یہ اعتراض تو تم پر بھی وارد ہوتا ہے کہ تم بھی آیت میراث **یوصیکم اللہ فی اولادکم** میں پوتے کو مطلقاً داخل نہیں مانتے' بلکہ یتیم پوتے کو جس کا باپ فوت ہوچکا ہو اسے داخل کرتے ہو' یہاں حجب میں بیٹا پوتا برابر کے شریک ہیں کہ پوتا مستقل طور پر حاجب ہے' وہاں اولاد سے بلاواسطہ اولاد مراد ہونا اور یہاں ولد سے بیٹا پوتا سب مراد ہونا بحکم حدیث اور بحکم اجماع امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے قرآن و حدیث دونوں واجب العمل ہیں۔ **ساتواں اعتراض**: حجب اور کلالہ میں نواسی نواسے کا اعتبار کیوں نہیں یعنی پوتا محض وارثوں کیلئے حاجب ہے نواسا نہیں' یوں ہی پوتا نہ ہو تو میت کلالہ ہے اگرچہ اس کا نواسہ موجود ہو' اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: پوتے کا رشتہ قوی ہے کہ وہ دادا کے نسب میں داخل ہے'

www.alahazratnetwork.org

نواسہ کا رشتہ نانا سے ضعیف ہے کہ وہ نسب میں داخل نہیں' سید کا پوتا سید ہے مگر سید کا نواسہ سید نہیں' جب کہ اس کے باپ دادے غیر سید ہوں' اسی وجہ سے پوتے اور نواسہ میں مذکور فرق ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: مسلمان آدمی اس ڈاکیہ کی طرح ہے' جو ڈاک خانہ سے صدہا حقوق کا تھیلا لے کر صبح کو نکلتا ہے اور شام کو سب کے حقوق دیکر واپس ہوتا ہے' رجسٹری' پارسل' منی آرڈر' مخطوط' لفافے' غرض جو جس کا ہو اس کو پہنچاتا ہے' اگر غبن کرے یا تقسیم میں غلطی کرے تو مجرم ہے' ایسے ہی انسان کے اپنے مال میں صدہا حقوق ہیں' اللہ رسول کے حق زکوۃ' فطرہ وغیرہ' بیوی' اولاد' ماں باپ' بھائی' بہن' غرضیکہ تمام عزیزوں کے حقوق بقدر قرابت' اگر زندگی میں سب کے حقوق دے کر دنیا سے گیا تو اس کا دنیا میں رہنا بھی کامیاب ہے اور دنیا سے جانا بھی کامیاب' اگر حقوق مار کر گیا تو گرفتاری ہے' پھر انسان مرجاتا ہے مگر اس کے ذمہ کے حقوق نہیں مرتے' بعد موت بھی اس کے مال میں حقوق ہیں' اگر صحیح تقسیم کرا گیا تو اس کی قبر و حشر ٹھیک ہے' اور اگر وصیت میں ظلم یا قرض میں خیانت کر کے مرا' تو پکڑ ہے' ان آیات میں انسان کو اس کے ذمہ داریوں پر متنبہ فرمایا گیا ہے کہ اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرے' پھر جیسے مال میں بقدر قرابت وارثوں کو حصہ ملتا ہے' ایسے ہی اعمال و کمال میں بقدر قرب حصہ تقسیم ہوتا ہے' مومن کے رہنے سہنے کی جگہ' وقت' بہن' خدمتگار خدام سب ہی فیض پاتے ہیں' اس لئے مومن کے مرنے پر آسمان و زمین روتے ہیں' کافر کے مرنے پر کوئی نہیں روتا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فما بکت علیھم السماء والارض** اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز نے کیا خوب فرمایا۔

واسطہ محبوب کا دنیا میں جو سنی مرے — یوں نہ فرمائیں ترے شاہد کہ وہ فاجر گیا
عرش پر دھومیں مچیں وہ بندہ صالح ملا — فرش پر ماتم اٹھے وہ طیب و طاہر گیا

خیال رکھو کہ تم دنیا میں روتے ہوئے آئے ہو کوشش کرو کہ یہاں سے ہنستے ہوئے جاؤ۔ اور سب کو ہنساتے ہوئے پیدا ہوئے تھے کوشش کرو کہ سب کو رلاتے ہوئے جاؤ یہ جب ہی ہو سکتا ہے کہ سب کے حقوق ادا کر کے جاؤ۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِؕ وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

یہ حدیں ہیں اللہ کی اور جو فرماں برداری کریگا اللہ اور اس کے رسول کی داخل کریگا اسے اللہ ان باغوں میں

یہ اللہ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اللہ کے رسول کا اللہ اسے باغوں میں لے جائے گا

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَ مَنْ يَّعْصِ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہ کامیابی بڑی ہے اور جو نافرمانی کرے

جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہی ہے بڑی کامیابی اور جو اللہ

اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَ لَهٗ عَذَابٌ

گا اللہ اور اس کے پیغمبر کی اور بڑھ جائے گا اس کی حدوں سے تو داخل کریگا اللہ اسے آگ میں ہمیشہ رکھیگا اس

اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی کل حدوں سے بڑھ جائے اللہ اسے آگ میں داخل

مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ ع
ہیں اور واسطے اس کے عذاب ہے ذلت والا
کرے گا جس میں ہمیشہ رہے گا اور اسکے لئے خواری کا عذاب ہے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں میراث کے احکام بیان ہوئے۔ اب ان احکام پر عمل کرنے والوں کے ثواب نہ کرنے والوں کے عذاب کا ذکر ہے گویا پہلے احکام کا ذکر تھا اب ان پر عمل کرنے کی تاکید ہے۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں رب تعالیٰ نے چند وارثوں کے کچھ میراثی حصے بیان فرمائے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ میراث کے بقیہ احکام ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم کرو اور فرائض میں میری طرح میرے محبوب کی بھی اطاعت کرو گویا خدائی بانٹ کا ذکر فرما کر اب رسولی بانٹ کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے کہ ارشاد ہو رہا ہے جنت کا مستحق وہ ہی ہو گا جو میراث میں میری بھی اطاعت کرے اور میرے رسول کی بھی۔ **تیسرا تعلق:** عقل انسانی کہتی تھی کہ اولاد ماں باپ وغیرہ کو تو میراث ملنا چاہئے کہ زندگی میں ماں باپ ہمیں پالتے ہیں ہم اپنی اولاد کو پالتے ہیں نیز گھر کی رونق ماں باپ اولاد سے ہی ہوتی ہے آپس میں اختلاط ان ہی سے زیادہ ہوتا ہے مگر بھائی بہن وہ بھی اخیافی دوسرے کی اولاد حصے کی مستحق کیوں ہوئی یہ خلاف عقل ہے اس لئے کلالہ کی میراث بیان فرما کر اب اسکی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔

تفسیر: **تلک حدود اللہ:** تلک میں تمام گزشتہ احکام متعلقہ اموال یتامیٰ وصیت میراث کی طرف اشارہ ہے حد کے لغوی و اصطلاحی معانی بارہا بیان ہو چکے یہاں معنی حد و کنارہ ہے جو چیز حد کے اندر رہے مفید ہے حد سے بڑھ جائے تو نقصان دہ ملکوں کی بھی حدیں ہوتی ہیں زمین و زمان کی بھی احکام و اعمال کی بھی یہاں آخری قسم کی حد مراد ہے یعنی یہ مذکورہ بالا تمام قسم کے احکام اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں ہیں جو اس نے اپنے بندوں کیلئے مقرر فرمائیں ہر شخص کو انکے اندر رہنا چاہئے۔ **ومن یطع اللہ ورسولہ** من سے مراد صرف انسان ہیں فرشتے اور جنات اس سے خارج ہیں اگرچہ ان پر بھی اللہ رسول کی اطاعت واجب ہے مگر انکی اطاعت پر جنت کا داخلہ نہیں ملتا جنت صرف انسانوں کیلئے ہے۔ اطاعت سے مراد بخوشی فرماں برداری ہے جبری فرماں برداری تو منافقین بھی کر لیتے تھے جنت دل کی رغبت سے ملتی ہے قرآنی احکام کو ماننا اور ان پر عمل کرنا اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے حدیث شریف کو ماننا اور اسکے مطابق عمل کرنا رسول کی اطاعت ہے صلی اللہ علیہ وسلم یا یوں کہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی اطاعت خدا کی بھی اطاعت ہے کہ ہم تک خدا تعالیٰ کے احکام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی معرفت پہنچے ہیں ورسولہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ اب تاقیامت اطاعت صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو گی ایمان سارے نبیوں پر **یدخلہ جنت تجری من تحتها الانهر** یہ جملہ من یطع کی جزاء ہے دخول سے مراد جزاء کیلئے جسماً جنت میں جانا ہے جو بعد قیامت میسر ہو گا شہداء کی روحیں مرتے ہی جنت میں پہنچ جاتی ہیں تمام مسلمانوں کی قبروں میں جنت کی ہوائیں اور خوشبوئیں آتی ہیں جو حضرات قیامت سے پہلے جنت میں پہنچے یا وہاں رہے وہ جزاء کیلئے نہ رہے لہٰذا اس آیت میں کسی تخصیص یا تعمیم کی ضرورت نہیں چونکہ من سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں اس لئے جنات جمع فرمایا

www.alahazratnetwork.org

گیا یعنی ہر قسم کے مطیع کو اس کے لائق جنت ملے گی' اور ہو سکتا ہے کہ ایک ایک جنتی کو بہت بہت جنتیں ملیں' تجری فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہاں پانی دودھ وغیرہ کے تالاب نہ ہوں گے کہ ان میں حسن نہیں ہوتا بلکہ چھوٹی چھوٹی دلکش نہریں ہوں گی' جن میں پانی دودھ وغیرہ رواں ہوگا' من تحت فرما کر یہ بتایا کہ وہ نہریں نقصان دہ نہ ہوں گی جن میں سیلاب آکر جنتی مکانوں کی بربادی ہو' بلکہ وہ نہریں درختوں کے نیچے ہی بہیں گی' چونکہ وہاں صرف پانی ہی کی نہر نہ ہوگی' بلکہ شراب طہور' دودھ' شہد وغیرہ کی بھی نہریں ہوں گی' اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ان فرماں برداروں کو بعد قیامت اللہ تعالیٰ ایسے باغوں میں بھیجے گا جن کے درختوں کے نیچے ہر قسم کی نہریں رواں ہوں گی **خالدین فیھا** یہ یدخلہ کی ضمیر سے حال ہے چونکہ "من لفظاً" واحد ہے اور معناً" جمع کہ اس سے سارے ہی فرماں بردار مراد ہیں' اس لئے یدخلہ میں ضمیر واحد لائی گئی اور خالدین جمع ارشاد فرمایا گیا خلود کے معنی بہت ٹھہرنا بھی ہیں اور ہمیشگی بھی' یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی جب جنتی لوگ بعد قیامت جزاء کیلئے وہاں جائیں گے تو ہمیشہ وہاں ہی رہیں گے کہ نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے بلکہ نہ وہاں بیماریاں ہوں گی اور نہ کسی چیز سے پرہیز اور نہ شرعی ممانعتیں طبی اور شرعی پابندیاں صرف اس دنیا کیلئے ہیں' کیونکہ یہاں بری چیزیں بھی ہیں' اور ہمارے اندر نفس امارہ کی وجہ سے بری رغبتیں اور خواہشیں بھی ہیں' وہاں کوئی چیز بری نہیں' اور چونکہ نفس امارہ فنا ہو چکا ہوگا اس لئے بری خواہشیں بھی نہ ہوں گی **وذلک الفوز العظیم** یہ نیا جملہ ہے جو گزشتہ جملوں کی تائید کر رہا ہے' ذٰلک سے گزشتہ ساری چیزوں کی طرف اشارہ ہے یعنی دنیا میں اللہ رسول کی اطاعت کی توفیق ملنا' ایمان پر خاتمہ میسر ہونا' آخرت میں جنت کا داخلہ نصیب ہونا یہ بڑی کامیابی ہے' اس کے بغیر ہر چیز میں ناکامی ہے **ومن یعص اللہ ورسولہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے اس طرح کہ مطیعوں کی جزاء پہلے بیان ہوئی اور نافرمانوں کی سزا اب بیان ہو رہی ہے' من سے مراد یا صرف انسان ہی ہیں یا جنات بھی' کیونکہ نافرمان جنات کیلئے بھی جہنم ہے' **یعص عصیان** سے بنا' بمعنی نافرمانی' گناہ کو اسی لئے معصیت یا عصیان کہتے ہیں کہ اس میں اللہ رسول کی نافرمانی ہوتی ہے تو قرآنی احکام کو نہ ماننا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہے' اور حدیث کے احکام سے سرتابی کرنا رسول اللہ کی نافرمانی' صلی اللہ علیہ وسلم سزا دونوں کی ایک ہی ہے' اور دونوں ایک ہی درجہ کے مجرم ہیں یا یوں کہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی خدا تعالیٰ ہی کی نافرمانی ہے' کیونکہ رب تعالیٰ کی ساری ممانعتیں ہمیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی معرفت پہنچیں **ویتعد حدودہ**: یہ جملہ یعص الخ پر معطوف ہے اور دوسری یا تیسری شرط ہے' خیال رہے کہ یا تو **من یعص** میں ایک آدھ بار گناہ کرنا مراد تھا اور اس جملہ میں ہمیشہ گناہ کرنا مراد ہے یا **من یعص** میں عملی نافرمانی مراد تھی اور اس جملہ میں اعتقادی نافرمانی مراد ہے اور یا **من یعص** میں بعض گناہ کرنا مراد تھے اور یہاں سارے گناہ مراد' جسم کے ہوں یا دل کے یعنی جو کوئی اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے کہ جسمانی گناہ کرے اور رب تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود سے آگے بڑھے کہ اسکے عقائد بگڑ جائیں' ایمان کی حد سے نکل کر کفر کی حد میں داخل ہو جائے تو **یدخلہ نارا خالدا فیھا** یہ جملہ من کی جزاء ہے نار سے مراد دوزخ ہے خواہ وہاں کا ٹھنڈا طبقہ ہو یا گرم' کیونکہ دوزخ کے ہر طبقہ میں آگ ہی کا عذاب ہے' گرم طبقوں میں آگ کے قرب کا عذاب ہے اور ٹھنڈے طبقہ میں آگ کی دوری کا عذاب ہے ابھی عرض کیا گیا کہ خلود بہت ٹھہرنے کو بھی کہتے ہیں اور ہمیشہ رہنے کو بھی' ظاہر یہ ہے کہ یہاں ہمیشگی مراد ہے کیونکہ **یتعد حدودہ** میں ایمان کی حدوں سے نکل کر کفر میں داخل ہونا مراد تھا' اور اگر وہاں اعمال کی حدیں توڑنا مراد تھا تو یہاں خالدا میں بہت رہنا مراد ہوگا مگر پہلی تفسیر ظاہر ہے کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

آگے اہانت کے عذاب کا ذکر ہے ' اور اہانت کا عذاب کافروں کو ہی ہو گا ' یعنی وہ اس آگ میں ہمیشہ رہے گا کہ نہ اسے وہاں موت آئے اور نہ وہاں سے نکالا جائے۔ خیال رہے کہ جنتی مومنوں کو وہاں کی نعمتیں بھی ملیں گی اور آپس میں مل جل اور یار دوستوں کے ساتھ رہنا بسنا بھی ' جس سے ان کا لطف اور دوبالا ہو جائیگا ' اس لئے مومنوں کیلئے **خالدین** جمع فرمایا گیا اور کافر دوزخ میں یا تو اکیلا ہی رہیگا یا دشمنوں کے ساتھ ہو گا جس سے وہاں کی زندگی اور تلخ ہو جائے گی کہ ہر وقت آپس میں دھول جوتا لعن طعن ہوتا رہے گا ' کوئی کسی کا خیر خواہ نہ ہو گا اس لئے یہاں خالدا واحد فرمایا گیا (تفسیر روح المعانی و روح البیان) **ولہ عذاب مھین** یہ اس مجرم کی تیسری سزا ہے کہ اسے آگ کی تکلیف کے ساتھ ذلت و رسوائی کی تکلیف بھی دی جائے گی یعنی جسمانی سزا کے ساتھ جناتی اور روحانی سزا بھی ہو گی۔ لہ کے مقدم کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اہانت کا عذاب صرف کافروں کو ہی ہو گا ' اگر گناہ گار مسلمان دوزخ میں گیا بھی ' تو اسکی پردہ پوشی ہو گی اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے نام لیوا کو رسوا نہ کریگا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اب تک تم نے جس قدر احکام سنے ' یتیموں کی پرورش ' وصیتوں کا جاری کرنا ' میراث کی صحیح تقسیم وغیرہ سمجھ لو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدیں ہیں انہیں مت توڑنا ان کے اندر رہنا ' جانور چرواہے کی حد میں رہے تو شکار ہونے سے محفوظ رہے گا ' انسان اللہ کی حدود میں رہے تو شیطان کا شکار نہ بنے گا ' جو اللہ کی بھی اطاعت کرے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی کہ قرآن کریم پر بھی عمل کرے اور حدیث شریف پر بھی تو اللہ تعالیٰ اسے بعد قیامت ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے درختوں کے نیچے کوثر و سلسبیل ' دودھ و شہد وغیرہ کی نہریں بہتی ہیں ' سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ لوگ ان نعمتوں میں ہمیشہ رہیں گے نہ مریں نہ وہاں سے نکالے جائیں ' نہ ان پر کسی قسم کی پابندی ہو بڑی کامیابی یہی ہے اسی کے حاصل کرنے کی کوشش کرو ' اور اس کے برعکس جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے کہ قرآن شریف پر عمل نہ کرے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کرے کہ حدیث شریف پر عمل نہ کرے ' اور صرف اس پر بس نہیں بلکہ وہ اللہ کی قائم کردہ ایمانی و اسلامی حدوں سے بڑھ جائے کہ اللہ رسول کے احکام پر اعتراض کرنے لگے ' انہیں غلط سمجھے ' ایسے مجرم کو اللہ تعالیٰ بعد قیامت دوزخ میں داخل فرمائے گا ' جہاں وہ ہمیشہ رہے گا کہ نہ وہاں سے مر کر نکلے نہ جیتے جی اور اس کے ساتھ اسے ذلت و خواری کا بھی عذاب دیا جائے گا کہ ملائکہ بھی اس پر لعن طعن کریں گے ' اور آپس میں دوزخی بھی ایک دوسرے کو برا بھلا کہا کریں گے ' لہذا تم لوگ میراث صحیح طور پر تقسیم کرو ' یتیموں کی پرورش میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ' میت کا قرض ادا کرو ' اسکی وصیت پوری کرو تاکہ خدا کے عذاب سے بچو ' یہ آیت جزاؤں و سزاؤں کی جامع آیت ہے۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** میراث میں حدیث شریف قرآن کریم ہی کی طرح واجب العمل ہے ' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اولاد ' ماں باپ ' زوجین اور اخیافی بھائی بہن صرف ان چار وارثوں کے بعض حالات بیان فرما کر فرمایا کہ جو اللہ رسول کی اطاعت کرے وہ جنتی ہے ' یعنی اگر میراث کے باقی احکام معلوم کرنا ہیں تو میرے رسول سے پوچھ لو صلی اللہ علیہ وسلم وہ بتادیں گے ' ان کی بھی اطاعت ایسی ہی کرنا جس طرح قرآن کی کی جاتی ہے ' چنانچہ دادی ' نانی ' پوتی ' پڑپوتی ' پھوپھی ' بھتیجی ' خالہ ماموں ' چچا اور چچا کی اولاد وغیرھم بہت سے وہ عزیز ہیں جنکا ذکر قرآن کریم نے نہیں کیا ان کے احکام حدیث شریف سے ہی معلوم ہوئے ' نیز جن وارثوں کا ذکر قرآن کریم نے کیا بھی ہے تو بہت اجمالی کیا ' جب تک کہ حدیث کی امداد شامل

www.alahazratnetwork.org

حل نہ ہو' تب تک ان کے احکام بھی پورے نہیں معلوم ہو سکتے' چنانچہ دیکھ لو' یہاں یہ تو فرمایا کہ اگر اولاد نہ ہو تو ماں کو تہائی ملے گا لیکن یہ نہ بتایا کہ اگر زوجین نہ ہوں تو ماں کو کیا ملے گا اور ہوں تو کیا ملے گا' نیز یہ تو فرمایا کہ کلالہ کے بھائی بہن کو چھٹا یا تہائی ملے گا مگر نہ تو یہ فرمایا کہ کون سے بھائی بہن کو اور نہ یہ بتایا کہ باقی مال کسے دیا جائیگا' غرضیکہ حدیث کی امداد کے بغیر یہ آیتیں بھی پوری سمجھ میں نہیں آتیں' اسی لئے آخر میں فرمادیا گیا کہ ہر بات قرآن ہی سے کیوں پوچھتے ہو' کوئی بات رسول سے بھی پوچھو' نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ ساری عبادات کا یہی حال ہے کہ بغیر حدیث کی مدد سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔ **دوسرا فائدہ:** جنتی ہونے کیلئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی ایسی ہی ضروری ہے جیسی خدا تعالیٰ کی اطاعت' یہ فائدہ بھی ورسولہ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جنت میں جسمانی داخلہ قیامت کے بعد ہی نصیب ہوگا جیسا کہ یدخلہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تقسیم میراث میں انصاف کرنا رحمت الٰہی کا باعث ہے اور اس میں ظلم کرنا سخت عذاب کا ذریعہ' جیسا کہ **من یطع اللہ** اور **من یعص اللہ** سے معلوم ہوا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو بیٹیوں کو میراث سے محروم رکھتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** جو بیٹے کے ہوتے پوتے یا نواسے کو وارث مانے یا بیٹی بیٹے کو برابر حصہ دے وہ دوزخی ہے' کیونکہ دوسرے وارثوں کے حصے میں کمی کرکے ان پر ظلم کرتا ہے جیسا کہ **ویتعد حدودہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** میراث کے قطعی مسائل کا انکار کفر ہے جیسا کہ یتعد کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دوزخ میں ذلت کا عذاب صرف کافروں کو ہوگا جیسا کہ لہ کی تقدیم سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جنتی لوگ جنت میں اپنے بال بچوں اور دوستوں کے ساتھ رہیں گے اور دوزخی سب سے الگ تھلگ جیسا کہ **خالدین فیہا** اور **خالدا فیہا** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** تقسیم میراث بہت اہم چیز ہے اور علم فرائض بڑا ضروری علم ہے حاکم نے سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ اس وقت تک قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ یہ دو کام دنیا میں نہ ہو جائیں' غنیمت پر خوشی نہ رہے اور میراث کی صحیح تقسیم نہ ہو' فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے اس امت سے علم فرائض اٹھے گا' اور فرماتے ہیں کہ صلی اللہ علیہ وسلم کہ اے مسلمانو علم فرائض یعنی میراث سیکھتے سکھاتے رہو کیونکہ میں تم میں ہمیشہ رہوں گا نہیں' ایک زمانہ آئیگا جب فتنے بڑھ جائیں گے علم گھٹ جائے گا' یہاں تک کہ دو آدمی ایک میراث کے مسئلے میں جھگڑیں گے اور انہیں میراث صحیح تقسیم کرنے والا کوئی عالم ملے گا۔ الحمدللہ علماء علم میراث عربی میں اردو میں منتقل کر دیا ہے' مسلمان یہ فن ضرور سیکھیں' فقیر کی کتاب میراث کا مطالعہ کریں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی وہی نہیں ہے جو اللہ رسول کی اطاعت کرے' تو جو بچپن میں فوت ہو جائے یا اسے اعمال کا وقت ہی میسر نہ ہو' وہ دوزخی ہونا چاہئے' حالانکہ تم اسے بھی جنتی مانتے ہیں۔ **جواب:** جنت ملنے کی بہت صورتیں ہیں جن میں سے ایک صورت کا یہاں ذکر ہے یعنی اپنے اعمال سے جنت ملنا دوسری چند صورتوں کا ذکر دوسری آیات میں ہے کہ کسی کے طفیل بخشے جانا محض اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے جنت پالینا' اسی واسطے یہاں کوئی لفظ حصر کا ارشاد نہیں ہوا مگر دوزخ میں جانے کی صرف ایک ہی صورت ہے یعنی ہماری بدعملیاں یا کفر و شرک۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جو اللہ رسول کی نافرمانی کرے اور اللہ کی حدوں سے بڑھے وہ دوزخی ہے' نافرمانی کرنا اور حد سے بڑھنا تو ایک ہی چیز ہے' اسے علیحدہ کیوں بیان فرمایا؟ **جواب:** اس کے جوابات تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو نافرمانی سے مراد گاہے گاہے گناہ کر لینا ہے' اور حد

www.alahazratnetwork.org

سے بڑھنے سے مراد گناہ کا عادی بن جانا' یا نافرمانی سے مراد چھوٹے گناہ کرنا ہے اور حد سے بڑھنے سے مراد بڑے گناہ کرنا یا نافرمانی سے مراد جسمانی گناہ ہیں اور حد سے بڑھنے سے مراد دلی و روحانی گناہ یعنی بد عقیدگی لہذا آیت میں تکرار نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار مسلمان بھی ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا کیونکہ یہاں گناہ کی سزا میں فرمایا گیا **خلدین فیھا** (معتزلہ) **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں' ایک یہ ہے کہ یہاں حد سے آگے بڑھنے سے مراد اسلامی حدود سے نکل کر کفر میں داخل ہو جانا ہے دوسرے یہ کہ حدود اللہ سے مراد ساری حدیں توڑ دے' وہ دائمی دوزخی ہے' اور ساری حدیں کافر ہی توڑتا ہے گنہگار مومن عقائد کی حد نہیں توڑتا' تیسرے یہ کہ یہاں خالدا سے مراد بہت زیادہ رہنا ہے نہ کہ ہمیشہ رہنا' اسی لئے اس کے ساتھ ابدا ارشاد نہ ہوا یعنی اس قسم کے گنہگار بہت عرصہ دوزخ میں رہیں گے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار کو دوزخ میں ضرور رہنا پڑے گا کیونکہ **من یعص اللہ** کی جزا **ید خلہ** بیان ہوئی لہذا شفاعت کوئی چیز ہے نہ معافی۔

نوٹ ضروری: آریہ اور ہندو شفاعت و بخشش کے انکاری ہیں' آج کل کے بعض ناسمجھ مسلمان انکی دیکھا دیکھی اس بیماری میں گرفتار ہو گئے اور اس قسم کی آیتیں پیش کر کے اپنا مدعا ثابت کرنا چاہتے ہیں۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں' ایک یہ کہ یہ آیت کفار کیلئے ہے جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ حد سے بڑھ جانے سے مراد اسلامی حد سے بڑھ کر کافر بن جانا ہے **عذاب مھین** سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے' دوسرے یہ کہ اگر یہاں گنہگار مراد ہیں تو یہ قانون کا ذکر ہے' مغفرت اور شفاعت کی دوسری آیتیں ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** اے گناہ گار مسلمانو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو تا اللہ سارے گناہ بخش دیگا' اور فرماتا ہے **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت** اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیگا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو اللہ رسول کی اطاعت کرے وہ جنتی ہے اور جو اللہ رسول کی نافرمانی کرے وہ دوزخی' تو جو صرف اللہ یا صرف رسول کی اطاعت کرے یا ایک کی نافرمانی کرے وہ کہاں جائے گا؟ **جواب:** یہ صورت ناممکن ہے یہ دونوں اطاعتیں آپس میں لازم و ملزوم ہیں جو کبھی جدا نہیں ہو سکتیں' جیسے آگ سے گرمی' سورج سے روشنی کی جدائی ناممکن ہے' ایسے ہی انکی جدائی محال' جو لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ پھیر کر ہر قسم کی عبادتیں کرتے ہیں وہ مشقتیں کرتے ہیں' خدا تعالیٰ کی عبادت نہیں کرتے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** **چھٹا اعتراض:** یہاں مومنوں کیلئے **خالدین فیھا** ارشاد ہوا جمع کا صیغہ اور دوزخیوں کیلئے **خلدا فیھا** فرمایا گیا اس فرق عبارت کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** وجہ فرق تفسیر میں بیان ہو چکی کہ جنتی لوگ اپنے بال بچوں اور دوستوں کے ساتھ رہیں گے اور دوزخی ان سے علیحدہ یا اکیلے یا دشمنوں کے ساتھ' اور ظاہر ہے کہ دوستوں کی ہمراہی جیل کو باغ بنا دیتی ہے' اور دوستوں سے جدائی باغ کو جیل کر دیتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہر چیز کی حدیں رکھی ہیں' حد میں رہ کر چیز مفید ہوتی ہے' حد سے نکل کر نقصاندہ بن جاتی ہے' نفس کی حدیں اطاعت خدا و فرماں برداری' رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم ہے' جو نفس ان حدوں میں رہتا ہے وہ بہت ہی مفید ہے' پھر وہ نفس مومن کیلئے جنت میں پہنچانے والی تیز رفتار سواری ہے' مبارک ہے وہ بندہ جو نفس پر سوار ہو نفس اس پر سوار نہ ہو اور

www.alahazratnetwork.org

خوش نصیب ہے وہ شخص 'جس نے اپنے نفس کے منہ میں شریعت کی لگام دی اور طریقت کے راستہ میں اسے قائم رکھا' کسی نے حضرت سری سقطی سے پوچھا کہ بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پر کیسے قادر ہو؟ فرمایا دنیا کو دل سے نکال کہ کپڑے پر پلیدی ہو تو سجدہ جائز نہیں 'تو دل میں دنیا کی پلیدی ہو تو سجدہ مقبول نہیں کپڑا پانی سے پاک کیا جاتا ہے 'دل آنسوؤں کے ذریعہ صاف ہو جاتا ہے 'مولانا فرماتے ہیں۔

بند بگسل باش آزاد اے پسر — چند باشی بند سیم و بند زر

یعنی اے مومن! چاندی اور سونے کی قیود سے نکل کر حرص و ہوس کی زنجیریں توڑ 'اور آزاد ہو جا۔

ہر کہ از دیدار برخوردار شد — ایں جہاں در چشم او مردار شد

یعنی جسے یار کا دیدار ہو گیا اس کی نگاہ میں جہان مردار ہو گیا' دوسرے مقام پر مولانا فرماتے ہیں۔

ذکر حق کن بانگ غولاں راہسوز — چشم نرگس را ازیں کرگس بدوز

حضرت حاتم اصم فرماتے ہیں کہ اپنے مولا کی خدمت کرو دنیا راغب ہو کر اور آخرت راغب ہو کر تم تک پہنچے گی 'مولانا فرماتے ہیں۔

بدل خود کم نہ اندیشہ معاش — عیش کم ناید تو بردرگاہ باش

یہاں رب تعالیٰ فرمارہا ہے کہ جس کا نفس اللہ رسول کی اطاعتوں کی حدود میں رہا' وہ دنیا میں کامیاب ہے اور آخرت میں جنتی ہے 'اور جو نفس ان حدود کو توڑ کر اللہ رسول کا نافرمان ہو جائے' وہ آخرت میں آگ میں جائے گا اور دنیا میں ذلیل رہے گا' اللہ تعالیٰ ان کے در دولت پر رکھے 'اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے انکے در پہ پڑ رہو — قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا!

انکے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی — انکے در سے جو پھرا اللہ ہی سے پھر گیا

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً
اور وہ عورتیں جو لائیں بے حیائیاں تمہاری عورتوں میں سے پس گواہ بناؤ ان پر چار مرد
اور تمہاری عورتیں جو بدکاری کریں ان پر خاص اپنے میں سے چار مردوں کی
مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰى یَتَوَفّٰىهُنَّ
اپنے میں سے پس اگر گواہی دیں وہ چاروں تو قید کردو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ انہیں
گواہی لو پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو ان عورتوں کو اپنے گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں
الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا۝
موت آلے یا ان کے لئے کوئی راستہ نکالے
موت اٹھالے یا اللہ ان کی کچھ راہ نکالے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عورتوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا' انہیں صحیح طور پر ان کی میراث کا حصہ دینے کا ذکر تھا اب انہیں صحیح تربیت و تعلیم دینے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا مالی احسانات کا ذکر پہلے ہو چکا' اعمالی احسان کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں عورتوں بچوں کو نفع پہنچانے کا حکم دیا گیا تھا' اب انہیں نقصان دہ چیزوں سے بچانے کا حکم دیا جا رہا ہے' کیونکہ پوری تربیت ان دو کاموں سے ہی ہوتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ رسول کی نافرمانی کرنے والوں کیلئے اہانت کا عذاب ہے' اب اس عذاب کی ایک جھلک یہاں دکھائی جا رہی ہے' کہ زانیہ عورتوں کیلئے دنیا میں قید و بند بھی ہے' بہرحال یہ آیت پچھلی آیتوں سے بے تعلق نہیں ہے۔ **چوتھا تعلق:** اسلام نے عورت کو ذلت و خواری سے نکالا' اس نکالنے کی دو صورتیں کیں' انکے حقوق کی حفاظت' انکی عصمت کی حفاظت' کہ بدکار عورت جانوروں سے زیادہ ذلیل ہے' پچھلی آیت میں حفاظت حقوق فرمائی تھی' اب اس آیت میں انکی عصمت و عفت کی حفاظت فرمائی جا رہی ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں عورتوں کے حقوق کا ذکر تھا اس آیت میں انکی ذمہ داریوں کا ذکر ہے۔

تفسیر: **والتی یاتین الفاحشۃ:** **التی** التی کی جمع ہے' اس کی جمع التی بھی ہے الت بھی' **اتوات** اور **اتواتی** بھی' بعض کہتے ہیں کہ غیر جاندار چیزوں کیلئے جمع میں التی آتا ہے اور جاندار کیلئے التی' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے التی فرمایا' دوسرے مقام پر فرماتا ہے **اموالکم التی جعل اللہ** یہاں چونکہ عورتیں مراد ہیں اس لئے التی ارشاد ہوا **یاتین**' **اتو** یا **اتی** سے بنا معنی آنا' چونکہ گنہگار اپنے ذمہ پر گناہ کرتا ہے' اور شریعت کی ممانعت کے باوجود گناہوں تک پہنچ جاتا ہے' اسلئے یہاں **یفعلن** نہ فرمایا **یاتین** فرمایا یعنی جو شرعی ممانعت کے باوجود گناہوں تک پہنچ جاتے ہیں **فاحشۃ** **فحش** سے بنا معنی حد سے بڑھ جانا' اصطلاح میں جو کام گناہ بھی ہو بے حیائی بھی' اسے فاحشہ کہا جاتا ہے' سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ **الفاحشۃ معرف باللام** سے مراد زنا یا اغلام یا مساحقت ہوتی ہے اور فاحشہ نکرہ سے مراد عام بے حیائی کے گناہ اور جب فاحشہ نکرہ بھی ہو موصوف بھی' تو اس سے مراد خاوندوں کی نافرمانی اور ان کی اطاعت میں کوتاہی مراد ہوتی ہے' رب تعالیٰ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج سے فرماتا ہے **من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ** (جمل و خزائن العرفان آخر پارہ اکیس) عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں الفاحشہ سے مراد زنا ہے' اگرچہ زنا مرد و عورت دونوں سے ہوتا ہے' مگر چونکہ اس میں عورت کی مرضی کو بڑا دخل ہے کہ اس کی مرضی کے بغیر زنا بہت کم ہوتا ہے' اس لئے یاتین فرما کر عورتیں کو زنا کا فاعل قرار دیا گیا اس صورت میں یہ آیت کریمہ اس حدیث سے منسوخ ہے جس میں ارشاد ہوا کہ کنوارا کنواری سے یا بیاہا بیاہی سے زنا کرے' تو اسے ایک سال کا دیس نکالا اور سو کوڑے مارو' اور وہ حدیث سورۂ نور کی اس آیت سے منسوخ ہے **الزانیۃ والزانی الخ** بعض نے فرمایا کہ یہ آیت سورۂ نور کی آیت سے ہی منسوخ ہے مگر بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں الفاحشہ سے مراد عورتوں کا عورتوں سے بدفعلی کرنا ہے' اسی لئے التی اور یاتین مونث کے ہی صیغے استعمال ہوئے اور اگلی آیت **واللذان یاتیانھا** میں اغلام مراد ہے اس لئے وہاں **اللذان** اور **یاتیان** تثنیہ مذکر کے صیغے استعمال ہوئے' اور سورۂ نور شریف میں **الزانیۃ والزانی** سے مراد زنا ہے اسی لئے وہاں مرد و عورت دونوں کا ذکر ہوا' یہاں ان دونوں آیتوں میں تعزیری سزاؤں کا ذکر ہے اور

www.alahazratnetwork.org

وہاں سورۂ نور میں سو کوڑے حدی سزا ہیں۔ اس صورت میں یہ تینوں آیتیں اور تیسری سورۂ نور کی آیت محکم ہیں' کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں (تفسیر کبیر و خزائن العرفان) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے جیسا کہ آئندہ معلوم ہوگا **من نساء کم : من** بیانیہ ہے اور یہ کلمہ **التی** کا بیان ہے' نساء سے مراد یا تو بیویاں ہیں تو **کم** میں خاوندوں سے خطاب ہے' اور عورتوں سے شادی شدہ عورتیں مراد یا عورتوں سے مراد آزاد عورتیں ہیں یا مسلمان عورتیں' تو خطاب یا تو حکام سے ہے یا عام مسلمانوں سے' کیونکہ لونڈیوں اور کافر عورتوں کے احکام جداگانہ ہیں ان کی سزائیں کچھ اور ہیں **فاستشهدوا علیهن اربعة منکم** یہ عبارت پہلی عبارت کی خبر ہے' چونکہ پہلی عبارت میں شرط کے معنی تھے اس لئے اس کی خبر میں **ف** جزائیہ لائی گئی' **استشهاد** سے مراد ہے گواہ بنانا گواہ تلاش کرنا' گواہی کے بعد لام تو نفع کیلئے آتا ہے اور علیٰ نقصان کیلئے' کسی کے حق میں گواہ بنانا استشہاد لہ ہے' اور اس کے خلاف گواہ بنانا استشہاد علیہ ہے' چونکہ یہاں ان عورتوں کے خلاف گواہ بنانا مراد ہے اس لئے **علیهن** فرمایا گیا **اربعة** یعنی چار فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آیت کریمہ میں فاحشہ سے مراد زنا ہے نہ کہ مساحقت اور نہ دوسری آوارگی' کیونکہ چار گواہ زنا ہی کے ہوتے ہیں باقی تمام جرموں کے گواہ دو اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لولا جاء وا علیه باربعة شهداء** **منکم** فرما کر بتایا گیا کہ یہ گواہ سارے کے سارے مرد ہوں' ان میں کوئی عورت نہ ہو' مسلمان ہوں کوئی کافر نہ ہوں' متقی پرہیزگار ہوں کوئی فاسق فاجر نہ ہو' کہ زنا کے گواہوں میں یہ تمام شرائط ہونی چاہئیں' اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہی ہے' غرضیکہ' نساء کم اور **اربعة** نیز **منکم** یہ تینوں کلمے پکار رہے ہیں کہ یہاں فاحشہ سے مراد زنا ہے **فان شهدوا فامسکوهن فی البیوت : شهدوا** سے مراد ادائے گواہی ہے' ظاہر یہ ہے کہ حاکم کے سامنے گواہی دینا مقصود ہے' اس گواہی میں ساری وہ قیدیں معتبر ہیں جو زنا کی گواہی میں ہوتی ہیں کہ فقط سنی سنائی گواہی نہ دیں' بلکہ آنکھوں دیکھی گواہی دیں' اور آنکھوں سے بھی خاص فعل گناہ دیکھا گیا ہو نہ کہ مقدمات گناہ اسکوامیں خطاب یا ان کے خاوندوں سے ہے یا عام مسلمانوں سے یا حکام سے' پہلی صورت میں گھر سے مراد خاوندوں کا گھر ہوگا' دوسری صورت میں میکہ کا گھر بھی مراد ہو سکتا ہے' اور تیسری صورت میں جیل خانہ کی کوٹھڑی بھی مراد ہو سکتی ہے یعنی اگر وہ چار گواہ ان عورتوں کے فعل زنا کی گواہی دے دیں تو اے خاوندو! تم انہیں اپنے گھروں میں جہاں ان کا رہنا سہنا ہے یا اے مسلمانو! ان کے میکے کے گھروں میں یا انہیں جیل کی کوٹھڑیوں میں بند کردو کہ نہ وہ کسی سے مل سکیں' نہ ان سے کوئی مل سکے خیال رہے کہ اس وقت یہ قید ہی سزائے زنا تھی جو بعد میں منسوخ ہوگئی **حتی یتوفهن الموت :** حتیٰ انتہاء کا ہے اور یہ جملہ قید کی انتہاء توفی سے مراد ہے موت دینا اور موت سے مراد ہے موت کے فرشتے یعنی مضاف پوشیدہ ہے یا توفی سے مراد ہے پورا پورا لے لینا' اٹھالینا' اور موت سے مراد ہے یہی موت' لہٰذا فعل و فاعل علیحدہ علیحدہ ہیں یعنی انہیں دو چار مہینہ کی قید مت دو بلکہ عمر قید دو کہ وہ مر کر ہی وہاں سے نکلیں **او یجعل الله لهن سبیلا** یہ جملہ یتوفی پر معطوف ہے اور سبیل سے مراد زنا کی قانونی سزا ہے جو حدیث شریف میں بھی مذکور ہے اور قرآن کریم میں سورۂ نور میں بھی' چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیہ رب تعالیٰ ہی کے فرمان ہیں' اس لئے ان کے متعلق بھی **یجعل الله** فرمانا صحیح ہے' یعنی انہیں یہاں تک قید رکھو کہ یا تو انہیں موت ہی آجائے یا سزائے زنا کا قانون بدل جائے اس میں ارشاۃً" بتایا گیا کہ یہ حکم عارضی ہے جو منسوخ ہو جائیگا مسلم شریف میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزا بیان فرمائی تو فرمایا **خذوا عنی خذوا عنی قد جعل الله لهن سبیلا** مجھ سے لے لو' مجھ سے لے لو اللہ تعالیٰ نے ان کیلئے

www.alahazratnetwork.org

راستہ نکال دیا کہ کنوارے کیلئے زنا کی سزا سو کوڑے اور ایک سال کیلئے دیس نکالا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت امام شافعی کے ہاں ایسے زانی و زانیہ دونوں کو ایک سال کا دیس نکالا بھی دیا جائیگا' امام مالک کے ہاں صرف مرد کو عورت کو نہیں (تفسیر صاوی) ہمارے امام صاحب کے ہاں ان کی سزا صرف سو کوڑے ہیں دیس نکالا بطور تعزیر ہے' اگر قاضی مناسب سمجھے تو دے' ورنہ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تمہاری عورتوں میں سے جو انتہائی بے حیائی کا کام یعنی زنا کر بیٹھے تو پہلے تو تم ان پر چار گواہ بناؤ' جو ان کو اپنی آنکھوں یہ فعل کرتا دیکھیں وہ گواہ بھی تم میں سے ہوں' تمہارے غیر سے نہ ہوں اس طرح کہ مومن ہوں کافر نہ ہوں' متقی پرہیز گار ہوں فساق فجار نہ ہوں' مرد ہوں عورتیں نہ ہوں' چنانچہ اگر اس قسم کے چار گواہ یعنی گواہی دے دیں تو تم اے خاوندو! یا اے مسلمانو! یا اے حاکمو! انہیں گھروں میں قید کر دو یا سسرال کے گھروں میں یا میکے کے گھروں میں یا جیل خانہ کی کوٹھڑیوں میں' پھر یہ قید دو چار دن یا دو چار مہینہ کی نہ ہو' بلکہ عمر قید ہو کہ یا تو انہیں موت آجائے کہ انکے جنازے ہی وہاں سے نکلیں یا اللہ تعالیٰ سزائے زنا کا کوئی قانون بنادے' جس سے یہ حکم منسوخ ہو جائے۔ خیال رہے کہ اگر خود خاوند اپنی بیوی کو زنا کرتے دیکھے اور اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو تو وہ اسلامی عدالت میں لعان کرے گا جسکا ذکر سورہ نور شریف میں آئے گا۔ اور اگر خاوند کے پاس چار گواہ ہیں' تو وہ گواہوں سے اس کا زنا ثابت کرے اور عورت سنگسار کی جائے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاوند بیویوں کے حاکم ہیں کہ انہیں بعض جرموں پر سزا دے سکتے ہیں' بیویاں مردوں کی حاکم نہیں' وہ خاوند کو کسی جرم پر سزا نہیں دے سکتیں جیسا کہ **فامسکوھن** سے معلوم ہوا کہ خاوند تو زانیہ بیویوں کو قید کر سکتے تھے مگر بیویاں زانی خاوندوں کو قید نہیں کر سکتی تھیں' یہی حکم باپ بیٹے اور بڑے چھوٹے بھائی و استاد شاگرد کا ہے کہ بیٹا' شاگرد اور چھوٹا بھائی اپنے باپ یا استاد یا بڑے بھائی کو سزا نہیں دے سکتے۔ **دوسرا فائدہ:** زنا کے چار گواہ چاہئیں اور چاروں مسلمان ہوں' مرد ہوں' عاقل ہوں' بالغ ہوں' متقی ہوں' یہ ساری قیدیں **منکم** سے معلوم ہوئیں۔ **تیسرا فائدہ:** مومنہ آزاد عورت کے زنا کی سخت سزا ہے جیسا کہ **من نسائکم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اگر خاوند اپنی بیوی کے زنا پر چار گواہ بنالے تو پھر لعان نہ ہوگا بلکہ عورت کی سزائے زنا دی جائے گی جیسا کہ **فان شھدوا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** فاسقہ بیوی کو طلاق دینا واجب نہیں' بلکہ اسے فسق سے روکنا واجب ہے جیسا کہ **فامسکوھن** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مجرم کو آزاد نہ چھوڑو کہ اس سے وہ اور زیادہ گناہ کریگا بلکہ اسے پابندیوں میں زیادہ جکڑ دو تاکہ وہ جرم نہ کر سکے۔ **ساتواں فائدہ:** یہ آیت باتفاق منسوخ ہے' اب کسی کے ہاں زنا کی سزا قید نہیں' یہ فائدہ **او یجعل اللہ** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** بد سے بدتر فاسق بھی کافر نہیں ہو جاتا' خواہ وہ کتنا ہی بڑا گناہ کرے' جب تک اس کے عقائد نہ بگڑیں' یہ فائدہ **فی البیوت** سے حاصل ہوا کہ زانیہ عورتوں کو گھروں میں ہی رکھنے کا حکم دیا گیا اگر وہ زنا سے کافر ہو جاتیں تو مسلمانوں کے گھروں میں نہ رہتیں اور ان سے خلط ملط جائز نہ ہوتا۔

پہلا اعتراض: ابو مسلم اصفہانی کہتے ہیں کہ یہاں مراد فاحشہ سے زنا نہیں بلکہ عورتوں کا آپس میں بدکاری کرنا ہے یعنی سحق' اس جرم کی سزا اب بھی یہی ہے اور یہ آیت منسوخ نہیں' اس لئے یہاں **یاتین** جمع مونث کا صیغہ ارشاد ہوا' ورنہ زنا صرف عورتیں نہیں کر سکتیں بلکہ عورت و مرد کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ تفسیر باطل ہے اس لئے کہ ابو مسلم اصفہانی سے پہلے امت

www.alahazratnetwork.org

رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں کسی نے اس آیت کے یہ معنی نہیں کئے لہٰذا یہ قول خرق اجماع ہے' اس سے اجماع ٹوٹے گا نہیں (تفسیر کبیر) نیز ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زنا کی سزا بیان فرماتے ہوئے فرمایا کہ لو اللہ تعالیٰ نے ان زانیہ عورتوں کا یہ راستہ نکال دیا معلوم ہوا کہ اس آیت میں زانیہ عورتیں ہی مراد ہیں اور یہاں سبیل سے مراد سزائے زنا کا قانون بننا ہے: نیز عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ منسوخ ہے' ہاں اس میں اختلاف ہے کہ کس سے منسوخ ہے' بعض فرماتے ہیں سورہ نور کی آیت سے اور بعض فرماتے ہیں حدیث مذکورہ سے (تفسیر خازن) نیز محق کرنے والے عورت کو گھر میں قید کرنا بیکار ہے کہ وہ گھر میں رہ کر بھی دوسری عورتوں کے ساتھ یہ جرم کر سکتی ہے' گھر میں قید کرنا زانیہ کیلئے مفید ہے کہ نہ باہر نکلے' نہ کسی مرد سے ملے' نہ زنا واقع ہو۔ دوسرا اعتراض: یہاں فاحشہ سے مراد بے حیائیاں اور زنا کی تیاریاں ہیں اور سبیل سے مراد توبہ کی توفیق ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو عورتیں بے حیا ہو جائیں اور جن سے اندیشہ پیدا ہو جائے کہ یہ زنا کر لیں گی تو انہیں باہر نکلنے سے روک دو' حتیٰ کہ وہ پردہ میں مر جائیں یا رب تعالیٰ انہیں توبہ کی توفیق دے دے۔ نوٹ: یہ تفسیر مولوی محمد علی صاحب لاہوری قادیانی نے اپنی کتاب بیان القرآن میں کی۔ جواب: یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے' کیونکہ اس قسم کی بے حیائیوں پر چار گواہ بنانے کی کیا ضرورت ہے' ایسی شرارتیں تو اگر اشارۃً بھی معلوم ہو جائیں جب بھی ان کی روک تھام کرنی چاہئے' اب تو آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ وہ کچھ بھی کرتی پھریں' غیر مردوں سے ناجائز تعلقات' اشارہ بازیاں' آوارہ پھرنا' تم ان کا کوئی انتظام نہ کرو' چار گواہوں کا انتظار کرو' انکے ناجائز خطوط بھی پکڑ لو تو بھی ان سے کچھ نہ کہو کیونکہ ابھی چار گواہ تو ملے نہیں: نیز اگر سبیل سے مراد توبہ ہے تو عورتوں کو بالکل آزادی ہے' جب انکی بے حیائیوں پر چار گواہ ملے اور تم نے انہیں پکڑا' انہوں نے کہہ دیا ہم توبہ کرتے ہیں چلو چھٹی ہوئی' اب پھر نئے جرم کیلئے چار گواہوں کا انتظار کرو' جب وہ مل جائیں اور یہ پھر توبہ کر لیں' چھوٹ جائیں' غرضیکہ یہ آیت ایک تماشا بن کر رہ گئی' پکڑے جاؤ چھوڑے جاؤ: اگر توبہ سے دلی توبہ مراد ہے تو بھی ایک کھیل ہی رہیگا کیونکہ دل کے حال کی خبر رب تعالیٰ کو ہے' یہ عورتیں کہیں گی ہم دل سے توبہ کر رہے ہیں ہم کہیں گے جھوٹ بولتی ہو' صرف زبانی توبہ ہے چلو اندر۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلام کی صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ تیسرا اعتراض: جب یہ آیت تمہاری پیش کردہ حدیث سے منسوخ ہے تو اس حدیث میں سو کوڑوں کا بھی ذکر ہے ایک سال کے دیس نکالا کا بھی' پھر امام ابو حنیفہ دیس نکالے کا کیوں انکار کرتے ہیں (شافعی حضرات) جواب: اس کی تحقیق انشاء اللہ سورہ نور کی تفسیر میں کی جائے گی' یہاں اتنا سمجھ لو کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے دیس نکالے کا مطلقاً انکار نہیں کیا ہے بلکہ اسے تعزیر مانا ہے اگر حاکم مناسب سمجھے تو عمل کر لے اسلئے کہ قرآن کریم نے کنوارے زانی کے سزا صرف سو کوڑے مقرر فرمائے اور اسی کو ان کی پوری سزا قرار دیا' اب حدیث پر ایسے عمل کرو کہ قرآن شریف کی پوری سزا آدھی نہ بن جائے کہ سو کوڑے حد مان لو اور دیس نکالا تعزیر: نیز طحاوی شریف میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک زانی کو سال کا دیس نکالا دیا' وہ مدینہ سے غائب رہ کر کفار سے مل گیا' آپ نے یہ خبر سن کر پھر کسی کو دیس نکالا نہ دیا' اگر یہ حد ہوتی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی اسے ترک نہ فرماتے حالات کچھ بھی ہوتے۔ چوتھا اعتراض: عجیب بات ہے کہ تحقیقات تو سخت کی گئی اور بجائے دو کے چار گواہ لئے گئے مگر سزا نہایت ہلکی کہ انہیں گھروں میں روک لو' عورتیں گھروں میں ویسے بھی رہتی ہیں' یہ سزا کیا ہوئی؟ جواب: ملک عرب سے زنا اور شراب کو دور کرنا کوئی معمولی کام نہ تھا' اس وقت حالات ایسے بدتر تھے کہ لوگ زنا پر فخر کرتے تھے' اس لئے اس کی روک تھام

www.alahazratnetwork.org

کے احکام آہستگی سے آئے 'پہلے یہ حکم ہوا کہ زانیہ کو گھروں میں بند کرو 'نہ اس سے ملو نہ اسے کسی سے ملنے دو 'پھر اسی آیت میں آئندہ کی خبر بھی دے دی گئی کہ اصل سزا تو آئندہ مقرر ہونے والی ہے 'چار گواہوں کی پابندی اور گواہوں میں مذکورہ بالا قیود اس لئے لگائی گئیں تاکہ عورتوں کی عزت محفوظ رہے اور لوگ انہیں تہمت لگانے سے باز رہیں اس لئے تہمت لگانے والوں کو اسی کوڑوں کی سزا دی گئی 'غرضیکہ گواہوں و گواہیوں کی یہ پابندیاں عورتوں کی عزت بچانے کیلئے ہے نہ کہ صرف انہیں گھر میں رکھنے کیلئے۔

تفسیر صوفیانہ: ہمارے نفس امارہ گویا بیویاں ہیں شرعاً حرام چیزیں گویا ظاہری فحشاء ہیں یوں ہی رب تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں میلان الی غیر اللہ وغیرہ باطنی فحشاء ہیں 'رب تعالیٰ فرماتا ہے **حرم ربی الفواحش ما ظهر منها وما بطن:** چار عناصر جن سے ہماری ترکیب ہے 'یہ گویا چار گواہ ہیں 'چنانچہ مٹی میں رکاکت 'ذلت 'طمع اور ملامت ہے 'پانی میں نرمی 'عاجزی اور سستی ہے: ہوا میں حرص 'حسد 'بخل 'کینہ 'عداوت 'شہوت 'زینت ہے: آگ میں تکبر 'فخر گرمی اور بد خلقی ہیں ان سب کی جڑ محبت دنیا ہے 'ان چار عناصر کے مذکورہ عیوب کا ظہور نفس امارہ کے خلاف گواہی رہتا ہے 'فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تمہارے نفوس فحش و بدکاری کر بیٹھیں کہ محرمات شرعیہ کا ارتکاب کریں 'رب تعالیٰ سے غافل دنیا میں شاغل ہو جائیں تو ان کے خلاف چاروں عناصر کی گواہی لو 'اگر ان عناصر میں غفلت و مذکورہ بالا عیوب پائے جائیں تو سمجھ لو کہ واقعی نفس دنیا میں پھنس گیا تو اسے سزا یہ دو کہ دنیاوی منافع سے روک دو 'اس روک کے قید میں اسے یہاں تک رکھو کہ یا تو یہ نفوس فنا ہو جائیں یا رب تعالیٰ ان کیلئے کوئی راہ نکالے کہ ان نفوس کی طرف قلب کے روزن کھول دے 'جس سے یہاں عالم غیب کی تجلیات وارد ہوں 'اور الطاف رحمانیہ کی ہوائیں اس طرف آنے لگیں 'یہ الطاف رحمانیہ 'ان نفوس کا مکمل علاج ہیں 'رب تعالیٰ اس قال کو حال بنادے کہ ہمارے نفس ہمارے قبضہ میں رہیں ہم نفوس کے قبضہ میں نہ جائیں جو نفس کے قبضہ میں آگیا ہلاک ہوا۔ (از روح البیان)۔

وَالَّذٰنِ يَاْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا

اور وہ دو جو لائیں یہ کام تم میں سے انہیں ایذاء دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور ٹھیک کرلیں اپنے کو

اور تم میں جو مرد و عورت ایسا کام کرے ان کو ایذاء دو پھر اگر وہ توبہ کریں اور نیک ہو جائیں تو ان کا پیچھا چھوڑ دو

اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۱۶﴾

تو منہ پھیر و ان سے بیشک اللہ ہے توبہ قبول کرنیوالا مہربان

بے شک اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تعلق: چونکہ اس آیت کی تفسیریں مختلف ہیں اس لئے اس کے تعلق بھی پچھلی آیتوں سے مختلف ہیں ہم مختلف تفاسیر کے لحاظ سے اس کے تعلقات عرض کرتے ہیں: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں شادی شدہ زانیہ عورتوں کی سزا کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں کنوارے 'کنواری کے زنا کی سزا کا ذکر ہے اسی لئے وہاں ارشاد ہوا تھا **من نساء کم** مگر یہاں یہ عبارت نہیں

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا کہ وہ زانیہ عورتیں کسی کی بیویاں تھیں یہ ایسی نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں زانیہ عورتوں کی ہلکی سزا کا ذکر تھا یعنی انہیں گھروں سے باہر نہ نکلنے دینا اس آیت میں کچھ سخت سزا کا ذکر ہے یعنی انہیں مار پیٹ وغیرہ بھی کرنا' زنا کی سزا کے احکام تدریجاً'' آہستہ آہستہ آئے کیونکہ عرب کے عوام زنا کے بہت عادی تھے اور عادت آہستہ آہستہ ہی چھوٹتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں زنا کی سزا کا ذکر تھا اب اغلام کی سزا کا ذکر ہے' اس لئے یہاں الذان مذکر ارشاد ہوا کہ یہاں وہ بدکاری مراد ہے جو صرف مرد کریں' چونکہ اغلام و لواطت بھی زنا کی ہی شاخ ہے' اس لئے زنا کے ساتھ اس کا بھی ذکر کیا گیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ عورتوں کی آپس کی بدکاری کا ذکر تھا یعنی سحق کی سزایاں کی گئی تھی اب مردوں کی آپس کی بدکاری یعنی لواطت کا ذکر ہے' اس لئے وہاں **اللتی** اور **یاتین** فرمایا گیا تھا یعنی جمع مونث کا صیغہ' اور یہاں **الذن** تثنیہ مذکر ارشاد ہوا معلوم ہوا کہ وہ بدکاری صرف عورتوں کی تھی اور یہ بدکاری صرف مردوں کی ہے۔

تفسیر: والذان یاتینھا منکم چونکہ اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں' اس لئے **الذان** کے متعلق بہت قول ہیں مگر ترجیح دو قولوں کو ہے' ایک یہ کہ الذان سے مراد مرد و عورت ہیں جو کنوارے ہوں مگر زنا کر بیٹھیں' چونکہ مرد عورت سے اعلیٰ ہے' نیز مرد فاعل ہے عورت مفعول' اس لئے تغلیباً'' اسے تثنیہ مذکر لایا گیا' خیال رہے کہ پچھلی آیت میں یاتین جمع مونث لانا اس بنا پر تھا کہ اکثر زنا کا دار و مدار عورت کی رضا پر ہوتا ہے کہ اس لئے گویا اصلی مجرم وہی ہے اور یہاں الذان تثنیہ مذکر لانا اس وجہ سے ہے کہ فاعل زنا مرد ہی ہے' یہ لطف اہل ذوق ہی پاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں الذان سے مراد وہ مرد ہیں جو آپس میں اغلام کر لیں' اس صورت میں الذان کو مذکر فرمانا بالکل ظاہر ہے مگر پہلی تفسیر بہت ظاہر ہے' اسی پر اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ ہے' اس لئے یہاں گواہی کا ذکر نہ فرمایا کہ یہاں گواہی وہ ہی ہے جو پہلے ذکر ہوئی یعنی چار مردوں کی گواہی جو مسلمان آزاد عاقل بالغ وغیرہ ہوں' ورنہ اغلام دو گواہوں سے بھی ثابت ہو جاتا ہے **یاتیان** فرمایا نہ کہ **یفعلان** اس کی حکمت پچھلی آیت میں بیان ہوئی۔ ھا کا مرجع وہ ہی الفحشاء ہے بمعنی زنا ہو تو بالکل ظاہر ہے اور اگر یہاں اغلام مراد ہے تو فحشاء کی دوسری نوعیت کا ذکر ہو گا' منکم فرما کر یہ بتایا کہ یہ احکام مسلمان مجرموں کے ہیں' کفار بدکاروں کے احکام اسکے علاوہ ہیں جو یہاں مذکور نہیں' یعنی وہ کنوارے مرد و عورت جو وہ ہی بے حیائی کر بیٹھیں اور ہوں تم مسلمانوں میں سے یا وہ دو مرد جو فحش بے حیائی یعنی لواطت کر لیں مگر ہوں تم مسلمانوں میں سے یا وہ شادی شدہ مرد و عورت جن کی سزا ابھی بیان ہوئی اگر زنا کریں تو اب ان کی سزا یہ ہے **فاذوھما:** **اذوا' ایذاء** سے بنا جس کا مادہ اذی بمعنی تکلیف ہے' گندگی و پلیدی کو بھی اذی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا جسم یا کپڑے یا لگ جانا مسلمان کو تکلیف دہ ہے' جائز تکلیف کو بھی ایذاء کہتے ہیں اور ناجائز تکلیف کو بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یئوذون اللہ ورسولہ** جو کفار و منافقین اللہ رسول کو تکلیف دیتے ہیں' وہاں ناجائز تکلیف مراد ہے یہاں فرماتا ہے **فاذوھما** ان زانی مرد و عورت کو تکلیف یعنی سزا دو' یہ جائز بلکہ ضروری ہے' اس میں گفتگو ہے کہ اس تکلیف سے کون سی تکلیف مراد ہے

اگر الذان سے کنوارے زانی زانیہ مراد ہیں اور تکلیف سے مراد سو کوڑے مارنا ہے' تب تو یہ آیت محکم ہے اور سورۂ نور شریف کی کوڑوں والی آیت اس کی تفسیر ہے مگر تکلیف سے مراد انکی مار پیٹ یا برا بھلا کہنا ہے تو یہ آیت سورۂ نور کی آیت سے منسوخ ہے' اور اگر اس سے شادی شدہ زانی زانیہ مراد ہیں اور تکلیف سے مراد کوڑے یا مطلقاً مار پیٹ ہے' تب بھی یہ آیت منسوخ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ اب شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے نہ کہ کوڑے یا اور کوئی مار پیٹ اور اگر اس اللذان سے مراد لواطت کرنے والے مرد ہیں اور اٰذوا سے مراد ان کی مار پیٹ ہے تو بھی یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں کہ لوطی پر تعزیر ہے حد نہیں (از تفسیر کبیر و معانی و خازن و روح البیان و مدارک وغیرہ مع زیادہ) **فان تابا واصلحا فاعرضوا عنهما** یہ جملہ یا تو سزا کے بعد کے حالات کا ذکر فرما رہا ہے یا سزا کی دوسری نوعیت کا۔ تابا کا فاعل وہ اللذان ہے اور جتنے احتمالات اللذان میں تھے اتنے ہی فان تابا میں۔ توبہ کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں اور آئندہ بھی بیان ہوں گے توبہ سے مراد گزشتہ پر ندامت اور آئندہ نہ کرنے کا عہد۔ اصلحا اصلاح سے بنا جس کا مادہ صلح بمعنی درستی ہے اعرضوا کے معنی بارہا بیان ہو چکے۔ یہاں اعرضوا میں ان ہی سے خطاب ہو گا جن سے اٰذوا میں خطاب تھا یعنی اگر یہ زانی و زانیہ سزا پا کر توبہ بھی کر لیں اور اپنے اعمال بھی ٹھیک کر لیں کہ ان پر نیکی کے آثار نمودار ہو جائیں تو پھر ان سے بالکل منہ پھیر لو کہ نہ گزشتہ جرم پر انہیں عار دلاؤ اور نہ طعنے دو کہ توبہ کرنے والا پاک و صاف ہو جاتا ہے اس صورت میں یہ آیت محکم ہے' یا اگر زانی و زانیہ سزا سے پہلے ہی توبہ کر لیں' اور ان پر آثار درستی بھی ظاہر ہو جائیں تو انہیں سزا نہ دو' ان سے منہ پھیر لو' اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے کہ اب زنا کی سزا توبہ سے معاف نہیں ہوتی' یا اگر لواطت کرنے والے دونوں مرد سزا سے پہلے توبہ کر لیں' تو ان سے درگزر کرو' تب بھی یہ آیت محکم ہے' کیونکہ لواطت کی سزا تعزیر ہے' جو توبہ وغیرہ سے ختم بھی ہو جاتی ہے۔ غرضیکہ یہ آیت بہت اہم ہے' اور اس سے متعلق بہت گفتگو ہے **ان الله كان توابا رحيما** یہ جملہ فاعرضوا کی علت ہے' توابا کے معنی یا توبہ کی توفیق دینے والا یا بہت توبہ قبول فرمانے والا ہے اور رحیم بمعنی مہربان' کرم فرمانے والا' اس کے معنی بسم اللہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے' یعنی بے شک اللہ تعالیٰ بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے' جب وہ اپنے مجرم کو معافی دے دیتا ہے' تو توبہ کے بعد ان کے پیچھے کیوں پڑتے ہو' تم بھی درگزر کرو تم بھی گنہگار ہو' اپنے گناہوں کی رب تعالیٰ سے معافی چاہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں' بعض قوی بعض ضعیف ہم تین تفسیریں عرض کرتے ہیں جو ابھی تفسیر میں بیان کی گئیں۔ (1) اے مسلمانو! جو کنوارے اور کنواریاں تم میں سے زنا کر بیٹھیں' تم انہیں سخت سزا دو اس طرح کہ ان پر چار گواہیاں قائم کر کے حاکم کے سامنے ان کا زنا ثابت کرو تاکہ وہ انہیں سو کوڑے لگا دے' جیسا کہ سورہ نور میں آ رہا ہے' پھر اگر اس سزا کے بعد یہ دونوں توبہ کر لیں' اور ان پر آثار صلاح بھی ظاہر ہو جائیں' تو ان سے درگزر کرو کہ اب ان کی اس حرکت کا ذکر بھی نہ کرو' ان پر زبان طعن دراز نہ کرو' اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے' جب وہ معافی دے چکا تو تم کیوں ان کے پیچھے پڑتے ہو (محکم ہے یعنی غیر منسوخ) (2) اے مسلمانو! اگر شادی شدہ مرد و عورت جو مسلمان ہوں اور زنا کر بیٹھیں' تو اب تک تو اس کی سزا گھروں میں پابند کر دینا تھا مگر اب انہیں صرف قید نہ کرو' بلکہ انہیں زبانی طور پر برا بھلا کہو اور مارو پیٹو' اور اگر وہ توبہ کر لیں' تو یہ سزا بھی انہیں نہ دو' بشرطیکہ توبہ فقط زبانی نہ ہو بلکہ ساتھ میں اصلاح اعمال بھی ہو کہ ان پر تقویٰ کے آثار نمودار ہو جائیں' اللہ تعالیٰ تواب و رحیم ہے' وہ بڑے سے بڑے مجرم کو معافی دے دیتا ہے' یہ سزا تم خود دو' حکام سے دلوانے کی ضرورت نہیں (اس صورت میں یہ آیت حدیث شریف سے منسوخ ہے) کیونکہ اب شادی شدہ زانی کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ماعز وغیرہ کو رجم کرایا۔ (3) اے مسلمانو! تم میں سے اگر دو مرد آپس میں بے حیائی یعنی لواطت کر بیٹھیں تو انہیں زبانی و بدنی ایذا و تکلیف دو کہ انہیں زبان سے بھی برا بھلا کہو اور خوب مارو پیٹو' لیکن اگر وہ توبہ کر کے

www.alahazratnetwork.org

اپنے کو درست کرلیں تو ان سے درگزر کرو کہ پھر نہ زبانی طور پر انہیں برا بھلا کہو' نہ مارو پیٹو' بے شک اللہ تعالیٰ مہربان ہے توبہ قبول کرنے والا ہے (اس صورت میں یہ آیت محکم یعنی غیر منسوخ ہے کہ تعزیر کا حکم اب بھی یہ ہی ہے)۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** سحق اور لواطت میں شرعاً" حد مقرر نہیں بلکہ امام حاکم بطور تعزیر جو چاہے انہیں سزا دے' جیسا کہ والتی اور والذان کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سحق والی عورتوں کو تو گھروں میں قید کردینے کا حکم دیا اور لوطی کو صرف ایذا دینے کا' ایذا کی حد مقرر نہ فرمائی حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ آیت والذان لواطت کے متعلق نازل ہوئی' اسی لئے صحابہ کرام نے لوطی کو مختلف سزائیں دیں کسی نے انہیں قتل کرایا' کسی نے ان پر دیوار گرائی' کسی نے انہیں بالاخانے سے گراکر انہیں پتھرمار کرہلاک کیا' اگر زنا کی طرح اس کی سزا مقرر ہوتی تو صحابہ کرام کے عمل مختلف نہ ہوتے (از خزائن العرفان و تفسیر مدارک) امام اعظم ابو حنیفہ قدس سرہ کا یہ ہی قول ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر تعزیر والا مجرم تعزیر دینے سے پہلے توبہ کرے اور اس پر توبہ کے آثار بھی نمودار ہو جائیں تو تعزیر ختم ہو جاتی ہے جیسا کہ **فان تابا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بعض مجرموں کو خود مسلمان یا خاوند بھی سزا دے سکتے ہیں' ہاں حد یا تعزیر حاکم ہی دیگا جیسا کہ **فاٰذوھما** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** شرعی حد یا تعزیر حاکم دے سکتا ہے دوسرا نہیں جیسا کہ **فاٰذوھما** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مجرم کو بعد توبہ طعنے دینا' اس کے گزشتہ جرم کا اعلان کرنا سخت منع ہے جیسا کہ **فاعرضوا** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** زنا' لواطت وغیرہ کی شرعی سزائیں مسلمانوں پر ہی جاری ہوں گی' کفار کے آپس کے یہ معاملات اس حکم سے علیحدہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہودی زانی و زانیہ کو رجم کرانا توریت کے حکم کے مطابق تھا' ان پر قرآنی سزا جاری نہ کی گئی تھی' یہ فائدہ منکم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان آیتوں میں منکم فرمایا کہ تم مسلمانوں میں سے جو یہ جرم کرے' اس کی یہ سزا ہے' جیسے کہ اسلامی میراث کے احکام مسلمانوں پر ہی جاری ہوں گے' ہمارے ملک میں رہنے والے کفار کو میراثیں ان کے مذہبی قوانین کے مطابق تقسیم ہوں گی۔

پہلا اعتراض: یہاں آیتوں میں تکرار ہے کہ پچھلی آیت میں بھی زنا کی ہی سزا کا ذکر ہوا' اور اب اس آیت میں بھی اور تکرار فصاحت قرآن کے خلاف ہے۔ **جواب:** ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان دونوں آیتوں میں مطلقاً تکرار نہیں' کیونکہ یا تو پچھلی آیت میں زنا کی سزا کا ذکر تھا' اس آیت میں لواطت و اغلام کی سزا کا ذکر ہے یا پچھلی آیت میں شادی شدہ کے زنا کا ذکر تھا' اس آیت میں کنوارے کے زنا کا ذکر ہے یا ابو مسلم اصفہانی کے قول کے مطابق پچھلی آیت میں سحق کی سزا کا ذکر تھا' اس آیت میں کنوارے کے زنا کا ذکر ہے' بہر حال تکرار ہرگز نہیں' اور اگر دونوں آیتوں میں شادی شدہ کے زنا کا ذکر ہو تو پچھلی آیت میں نرم سزا کا ذکر تھا یعنی محض گھر میں پابند کردینا' اور اس آیت میں سخت سزا کا ذکر ہے یعنی انہیں مارنا پیٹنا' سزائے زنا آہستگی سے آئی' تا کہ زنا چھڑانے میں آسانی ہو۔ **دوسرا اعتراض:** اگر دونوں آیتوں میں زنا کی سزا کا ذکر ہے تو طریقہ بیان مختلف کیوں ہو گیا کہ وہاں تو والتی بھی جمع مونث ہے اور یاتین بھی اور یہاں اس آیت میں والذان بھی تثنیہ مذکر ہے اور یاتیان بھی۔ **جواب:** اس کا نکتہ بھی ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ وہاں اشارۃً" یہ فرمایا گیا کہ زنا کی زیادہ تر ذمہ دار عورت ہے' کہ اس کے بغیر مرضی زنا بمشکل ہی ہوتا ہے' اور یہاں اشارۃً" ارشاد ہوا کہ زنا میں فاعل مرد ہے مفعول عورت' اور عموماً" بہکانے والا مرد ہوتا ہے' مکئے

والی عورت۔ **تیسرا اعتراض:** آیت کریمہ میں مسکنم کیوں ارشاد ہوا، کیا اسلامی حکومت میں کفار کو زنا یا لواطت کی عام اجازت ہوگی؟ **جواب:** نہیں انہیں عام اجازت تو نہ ہوگی، لیکن ان کے زانیوں کو اسلامی سزا نہ دی جائیگی، بلکہ اگر کسی قوم میں زنا جائز ہوگا تو انہیں کھلے بندوں کرنے کی اجازت تو نہ ہوگی، مگر انہیں ان کے اس مذہبی کام سے اسلام روکے گا نہیں، دیکھو وہی کفار کو اسلامی ملک میں سور و شراب سے نہ روکا جائیگا پارسیوں کو اپنی ماں بہن کے نکاح سے نہ روکا جائیگا ایسے ہی یہ معاملات بھی ہیں، اسی لئے قرآن کریم نے مسکنم فرما کر کفار کی دینی آزادی کو برقرار رکھا، اگر کسی کافر کے نکاح میں دس بارہ بیویاں ہوں تو اسلام اس کو نہ روکے گا، ہاں جب وہ شخص مسلمان ہوگا، تب اس سے کہا جائیگا کہ اب تو چار بیویاں رکھ اور باقی کو چھوڑ دے، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، بہرحال کفار کو اسلامی ملک میں دینی آزادی ہوگی۔ **چوتھا اعتراض:** اگر کفار کو اسلامستان میں آزادی دی جائے گی، تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی زانی کو سنگسار کیوں کرایا، حالانکہ وہ تو اس کا کالا منہ کرکے شہر میں پھرا رہے تھے انہیں دینی آزادی کیوں نہ دی؟ **جواب:** اس لئے کہ خود توریت شریف میں زنا کی سزا رجم تھی، یہود نے تحریف کرکے یہ سزا گھڑلی تھی، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر قرآنی و اسلامی سزا جاری نہ کی، بلکہ ان پر خود انکے دین کی سزا جاری فرمائی، اسی لئے انہیں قرآن نہ دکھایا بلکہ ان کے پادریوں کو جمع فرما کر توریت شریف کی آیت رجم بذریعہ سیدنا عبداللہ ابن سلام دکھا کر رجم فرمایا، اب بھی اسلامی حاکم کفار پر ان کے دینی احکام جاری کریگا، ان کے مقدمات ان کے دین کے مطابق طے کرے گا، لہٰذا حدیث بالکل صاف ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں زانی یا لوطی کیلئے فرمایا گیا **فاذوھما** انہیں ایذاء دو، ایذاء مطلق ہے، خواہ صرف منہ سے ڈانٹ ہی دو، یا ایک چپت ہی مار دو، اگر یہی سزا ہو تو لواطت و زنا کی عام اجازت ہو جائیگی (غیر مقلد) **نوٹ:** امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض عام غیر مقلد کیا کرتے تھے۔ **جواب:** اگرچہ یہاں ایذاء مطلق ہے، مگر صحابہ کرام نے لوطی کو مار ڈالا ہے، ہاں مار ڈالنے کے طریقے مختلف تھے، کسی نے بالاخانے سے گرا کر مارا کسی نے اور طریقوں سے، لہٰذا اسلامی حاکم لوطی کی جان ہی لے، یہی اس کی تعزیر ہے صحابہ کرام کا یہ عمل گویا اس آیت کا بیان ہے، دیکھو جانور سے زنا کرنے والے کی سزا اسلام میں مقرر نہیں، مگر حاکم تعزیر کے طور پر اسے قتل کرادے، سزا مقرر نہ ہونے سے اس جرم کی اجازت نہیں ہو جاتی۔ **چھٹا اعتراض:** اگر لوطی کی تعزیر قتل ہے تو پھر اس کے کیا معنی ہوں گے کہ **فان تابا واصلحا** مرنے کے بعد توبہ اور چھوڑنا کیسے ہو سکتا ہے؟ **جواب:** اس کا مطلب تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اگر تعزیر والا مجرم تعزیر قائم ہونے سے پہلے ہی توبہ بھی کرلے اور اپنا حال درست بھی کرلے اس پر علامات تقویٰ ظاہر بھی ہو جائیں، تو تعزیر ختم ہو جائیگی، وہی اس آیت کریمہ کا مقصد ہے، صرف منہ سے توبہ کر دینا کافی نہیں، اس لئے توبہ کے ساتھ اصلحا فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اے راہروان راہ محبت! اگر تمہارے نفس و جسم دونوں باطنی و ظاہری اعمال میں فحش کام کرنے لگیں تو نفس حسد، کینہ، بغض، غصہ، غفلت میں مشغول ہو جائے، اور جسم نماز میں سستی، آرام طلبی، عزت و دولت و جاہ طلبی میں مشغول ہو جائے تو تم ان دونوں کو تکلیفیں دو، اس طرح کہ انہیں ریاضتوں مجاہدوں میں مشغول کرو ان کی خواہش پوری نہ کرو، جو یہ چاہیں اس کے خلاف کرو پھر اگر یہ دونوں اپنی حرکتوں سے توبہ کرلیں کہ نفس تو ان عیبوں کو ترک کر دے جو رب تعالیٰ سے دوری کا باعث ہے، اور جسم اطاعت خدا اور رسول میں کمربستہ ہو جائے، اور ساتھ ہی ان دونوں کی اصلاح ہو جائے، کہ آئندہ ان کے ٹھیک

www.alahazratnetwork.org

رہنے کا گمان غالب ہو جائے تو ان سے اعراض و چشم پوشی کرو' وہ سختیاں ختم کرو' اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا بھی ہے مہربان بھی' اس کے دروازے پر جو مجرم بھی عاجزی کرتا آ جائے وہ رحیم معاف فرمادیتا ہے' اگر اس کا رحم و کرم دیکھنا ہو' تو حضرت یوسف علیہ السلام کے عفو و کرم میں غور کرو کہ ستانے والے بھائی جب اپنے ہاں گندم لینے آئے تو ان پر کرم خسروانہ ہی فرمایا' انہیں نعمتوں سے مالا مال کر دیا' اگر رب تعالیٰ کا کرم دیکھنا ہو' تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کرم نوازی بندہ پروری میں غور کرو کہ فتح مکہ کے موقعہ پر تمام کفار مکہ خصوصاً" ابو سفیان' ہندہ' عکرمہ ابن ابو جہل کو معاف فرمادیا' جس رب کے بندے ایسے کریم ہیں غور کرو کہ رب تعالیٰ کیسا کریم ہو گا' ان مقبولوں پر اس کے کرم کی تجلی وارد ہوئی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے۔

اپنے منگتوں کو وہ حاجت سے سوا دیتے ہیں ۔۔۔ اپنے مجرم کو وہ سینے سے لگا لیتے ہیں
دشمن آ جائے تو چادر بھی بچھا دیتے ہیں ۔۔۔ گالیاں دیتا ہے کوئی یہ دعا دیتے ہیں
ہم سیاہ کاروں کو دامن میں چھپا لیتے ہیں
مرحبا سیدی مکی مدنی العربی ۔۔۔ دل و جاں باد فدایت چہ عجب خوش لقبی

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ

اس کے سوا نہیں کہ توبہ اللہ کے ذمہ کرم پر واسطے ان کے ہے جو کر لیتے ہیں برائی حماقت سے پھر

وہ توبہ جس کا قبول کرنا اللہ نے اپنے فضل سے لازم کر لیا ہے وہ انہیں کی ہے جو نادانی سے برائی کر بیٹھے پھر

يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ

توبہ کر لیتے ہیں قریب ہی (جلدی) پس یہی لوگ ہیں کہ توبہ قبول فرماتا ہے اللہ انکی اور ہے اللہ

تھوڑی دیر میں توبہ کر لے ایسوں پر اللہ اپنی رحمت سے رجوع کرتا ہے اور اللہ

عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۱۷﴾

علم والا حکمت والا

علم و حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت شریفہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بدکاروں کی توبہ کا ذکر ہوا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو انہیں چھوڑ دو' اب توبہ کی نوعیت کا ذکر ہے کہ کس قسم کی توبہ سے وہ اس رعایت کے مستحق ہوں گے' **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی صفت بیان کی کہ وہ تواب و رحیم ہے یعنی توبہ قبول ماننے والا مہربان اب

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہوتا ہے کہ تم ہماری یہ صفت سن کر دھوکا نہ کھانا اور ہمارے رحم و کرم پر غرور کر کے گناہ پر دلیر نہ ہو جانا سن لو ہم کونسی توبہ قبول فرماتے ہیں گویا پہلے توبہ قبول فرمانے کا ذکر تھا اب مقبول توبہ کے شرائط کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کی ترغیب تھی اب توبہ کا وقت بیان ہو رہا ہے کہ کب تک توبہ کر لو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کی رغبت دی گئی تھی' اب مسئلہ توبہ سے اعتراضات دفع فرمائے جا رہے ہیں کہ کفار توبہ کے مسئلہ پر اعتراض کرتے تھے کہ توبہ کے مسئلے سے لوگ گناہ پر دلیر ہوتے ہیں تو فرمایا گیا کہ توبہ تو گناہ سے روکنے کا بہترین ذریعہ ہے نہ کہ گناہ کرانے کا ذریعہ۔

تفسیر: انما التوبۃ علی اللہ: انما عربی زبان میں حصر کیلئے آتا ہے یعنی اپنے مابعد کا ثبوت ماسوا کی نفی' یہاں انما فرما کر ایک توبہ کے قبول کی خبر دی گئی' اس کے ماسواء کی نفی فرما دی گئی' توبۃ توب سے بنا' بمعنی لوٹنا' رجوع کرنا' جب توبہ بندے کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے گناہ سے نیکی کی طرف' غفلت سے بیداری کی طرف' برائی سے بھلائی کی طرف لوٹنا اور اگر رب تعالیٰ کی صفت ہو تو اس کے معنی ہیں عذاب سے معافی کی طرف' پکڑ سے چھوڑ دینے کی طرف عقاب سے ثواب کی طرف رجوع فرمانا اسی لئے تواب اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور بندے کی بھی صفت مگر مختلف معانی سے۔ بندے کی توبہ کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ گزشتہ گناہوں پر نادم ہو' فی الحال ان سے باز آ جائے اور آئندہ کے متعلق نہ کرنے کا عہد کرے' ان تمام چیزوں کا نام توبہ ہے' باقی توبہ کے کچھ شرائط ہیں کچھ ارکان کچھ مستحبات کچھ سنتیں اور توبہ کیلئے وقت بھی مقرر ہے' علی لزوم کیلئے آتا ہے' یہاں التزام یعنی خود لازم و ضروری فرمانے کیلئے ہے کہ رب تعالیٰ پر کوئی اور کچھ لازم نہیں کر سکتا' اور ہو سکتا ہے کہ علی بمعنی عند ہو یا بمعنی من یعنی وہ توبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لازم القبول فرمائی' یا تو یہ مقبول توبہ اللہ کے نزدیک وہ ہے یا اللہ کی طرف سے جو بندے کو توبہ کی توفیق ملتی' وہ وہ توبہ ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ التوبۃ میں الف لام عہدی ہے اور توبہ سے مراد توبہ مقبول ہے **للذین یعملون السوء بجھالۃ:** للذین میں لام یا تو نفع کا ہے یا استحقاق کا یا صلہ کا' اور یہ عبارت توبہ کا صلہ ہے' آخری احتمال زیادہ قوی ہے' للذین سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں یا سارے انسان' خواہ کافر ہوں یا مسلمان یا سارے مکلف بندے' انسان ہوں یا جنات' تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ توبہ کفر سے بھی ہو جاتی ہے اور رب تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے' نیز جنات کی بھی توبہ قبول ہے' سوء سے مراد یا صرف گناہ ہیں یا کفر و گناہ سب کچھ اور گناہ میں گناہ صغیرہ و کبیرہ حقوق اللہ حقوق شریعت حقوق العباد سب شامل ہیں کہ توبہ سب سے ہو جاتی ہے' اگرچہ ہر گناہ کی توبہ مختلف ہے' کفر سے توبہ ایمان لانا ہے' حق العباد سے توبہ ان کا ادا کرنا ہے حق شرع سے توبہ قضاء شدہ عبادات کی قضاء و کفارہ ادا کرنا ہے' جہالت سے مراد بے علمی نہیں کہ جان بوجھ کر گناہ کی بھی توبہ ہو جاتی ہے بلکہ ناسمجھی' نادانی حماقت اور بے وقوفی ہے' جہل کے معنی نادانی بے وقوفی بھی ہیں' یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا کہ تم نے گزشتہ حرکات جب کی تھیں **اذ انتم جھلون** جب تم ناسمجھ و نادان تھے: نیز یوسف علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا کہ مولیٰ اگر تو نے مجھے ان عورتوں کے مکر سے نہ بچایا تو **اصب الیھن واکن من الجھلین** میں ان کی طرف مائل ہو جاؤں گا اور نادان بن جاؤں گا' رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام سے فرمایا تھا **انی اعظک ان تکون من الجھلین** ہم تم کو نصیحت فرماتے ہیں کہ آپ نادانوں میں سے نہ ہوں: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **اعوذ باللہ ان اکون من الجھلین** میں نادانوں سے ہونے سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں' والد یا استاد ناسمجھ بیٹے یا شاگرد کو کہتا ہے او جاہل! ایک شاعر کہتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

الا لا یجھلن احد علینا فنجھل فوق جھل الجاھلین

ہم پر کوئی جہالت نہ برتے ' ورنہ ہم اس پر جہالت سے زیادہ جہالت برتیں گے ' بہرحال یہاں جہالت سے مراد بے علمی نہیں بلکہ بے وقوفی ہے ' یہ بات خوب خیال میں رہے ' اسی تفسیر سے تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔ (کبیر و معانی و خازن وغیرہ) سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو گناہ کرے وہ جاہل ہے۔ بیہقی نے حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی کہ رب تعالٰی کا نافرمان جاہل ہے ' اگر جاہل نہ ہوتا تو نافرمانی نہ کرتا عبدالرزاق و ابن جریر نے حضرت قتادہ سے روایت کی ' کہ تمام صحابہ کا اس پر اجماع ہے ' جو کام رب تعالٰی کو ناراض کرے وہ جہالت ہے ' دانستہ ہو یا نادانستہ (روح المعانی و خازن) بلکہ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو علم راہ حق نہ دکھائے وہ جہالت ہے ' غرضیکہ یہاں جہالت کے وہ معانی ہیں جو ہم نے عرض کئے '

ثم یتوبون من قریب: ثم کے معنی فوراً بھی ہو سکتے ہیں اور پھر بھی **یتوبون** توبہ سے بنا ' یہاں توبہ سے مراد ہر قسم کی توبہ ہے ' جیسا گناہ ویسی توبہ قریب سے مراد موت و علامات دیکھنے سے پہلے کا وقت ہے ' من یا بمعنی فی ہے یا تبعیضیہ ہے یعنی پھر وہ موت سے پہلے وقت میں یا موت کے پہلے کے وقت میں سے کسی وقت توبہ کر لیتے ہیں گناہ پر مرتے نہیں ' موت آرہی ہے لہٰذا قریب ہے ہر آنے والی چیز قریب۔ خیال رہے کہ علامات موت دیکھ کر کفر سے توبہ قبول نہیں ہوتی ' اور بعد موت گناہوں سے توبہ قبول نہیں ' توبہ کا وقت زندگی ہے **فاولئک یتوب اللہ علیھم:** **اولئک** سے اشارہ انہیں توبہ کرنے والوں کی طرف ہے اگرچہ ان کا ذکر ابھی قریب ہی میں گزرا مگر انکی عظمت ظاہر فرمانے کیلئے **اولئک** اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ جیسے **اولئک علی ھدی من ربھم** میں یا **ذالک الکتب لا ریب فیہ** میں گزرا توبہ سے مراد توبہ قبول فرمانا یا عذاب سے رحمت کی طرف رجوع فرمانا ہے کیونکہ اس کا فاعل رب تعالٰی ہے ' علی یہاں نقصان کیلئے نہیں بلکہ لزوم کیلئے ہے یعنی یہ توبہ کرنے والے لوگ ہیں جنکی توبہ رب تعالٰی قبول فرماتا ہے اور یہ قبولیت توبہ ان پر لازم ہو جاتی ہے ' خیال رہے پچھلے جملہ میں قبول توبہ کا قانون بیان ہوا ' یہاں اسی قانون کے اجراء کا ذکر ہوا لہٰذا کلام میں تکرار نہیں ارشاد ہوا کہ قبول توبہ کا قانون یہ ہے جرم ہو جہالت و نادانی سے ' اور توبہ کرلی جائے موت سے پہلے ' جو اس قانون کے مطابق توبہ کریگا اللہ تعالٰی اس کی توبہ قبول فرمائے گا **وکان اللہ علیما حکیما** یہ ان مذکورہ قانون اور قبولیت توبہ کی حکمت کا ذکر ہے یعنی توبہ کا قانون اس لئے رکھا کہ رب تعالٰی علیم و خبیر ہے ' وہ جانتا ہے کہ میرے بندے ضرور گناہ کریں گے ' کیونکہ ان کے ساتھ نفس امارہ شیطان لگا ہوا ' ہے حکیم بھی ہے ' اگر توبہ کا قانون نہ بناتا تو بندوں کی بخشش کی کوئی بھی سبیل نہ رہتی ' علم و حکمت کی بنا پر توبہ کا قانون رکھا ' خیال رہے کہ کان دوام و استمرار کیلئے ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو اللہ تعالٰی نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا ہے کہ جو لوگ نادانی و حماقت سے گناہ کرلیں ' پھر عنقریب یعنی موت سے پہلے پہلے توبہ کرلیں ان کی توبہ ضرور قبول فرمالی جائے ' لہٰذا جو لوگ بھی اس قانون کے ماتحت توبہ کریں گے رب تعالٰی ان کی توبہ قبول فرمائے گا ' اس قانون توبہ میں ہزارہا حکمتیں ہیں ' رب تعالٰی جانتا ہے کہ بندے گناہ کریں گے ' اگر توبہ کا قانون نہ ہو ' تو ان کی بخشش کی کوئی راہ نہ رہے گی ' اس لئے اس نے توبہ کا مسئلہ رکھا ' رب تعالٰی علیم بھی ہے حکمت والا بھی ' حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک وعظ کے آخر میں فرمایا جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ

www.alahazratnetwork.org

کرے رب تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا جو موت سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرے رب تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا مہینہ بھی بہت ہے، جو موت سے ایک دن پہلے توبہ کرے رب تعالیٰ قبول فرمائے گا' پھر فرمایا دن بھی بہت ہے، جو موت سے ایک گھڑی پہلے توبہ کرے رب تعالیٰ قبول کریگا' پھر فرمایا گھڑی بھی بہت ہے' یہ فرما کر اپنے ہاتھ مبارک سے حلق شریف کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا جب جان یہاں آجائے جب بھی توبہ کرے تو قبول ہے۔ (روح المعانی) روح البیان نے یہی حدیث اس طرح بیان کی' حضرت جبریل نے بارگاہ نبوی میں لولا "ایک سال کی مدت بیان کی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سال تو بہت ہے پھر عرض کیا ایک الخ احمد و ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مرفوعاً" روایت کی' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ غرغرہ تک بندہ کی توبہ قبول فرماتا ہے: ابن ابی شیبہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ

حضرت ابو قلابہ نے فرمایا کہ ابلیس نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ جب تک بندے کی روح اس کے بدن میں رہے گی میں اس کے اندر رہوں گا' وہاں سے نکلوں گا نہیں' میرا نکلنا روح نکلنے کے بعد ہو گا' رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تک بندے کی روح اس کے جسم میں رہے گی' اس پر توبہ بند نہ کروں گا' اس وقت تک اس کی توبہ قبول کروں گا' ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ ملک الموت کے دیکھنے تک کا وقت قریب میں داخل ہے: حضرت عکرمہ فرماتے ہیں ساری دنیا ہی قریب ہے کہ قریب الفناء ہے (روح المعانی) غرضیکہ یہ آیت کریمہ بہت ہی ہمت افزا ہے' امید افزا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بڑے بڑے مجرم کو رب تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہئے' جب بھی رب تعالیٰ توفیق دے توبہ کرلے' یہ نہ خیال کرے کہ اتنی عمر گناہوں میں گزری اب توبہ کیا کریں۔

اے کہ پنجاہ رفت و خوابی مگر ایں پنج روز دریابی!

اے وہ جو پچاس سال غفلت میں گزار چکا' اب بھی سنبھل جا' شاید یہ آخری ساعتیں ہی کفارہ بن جائیں' یہ فائدہ التوبۃ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفر و شرک نیز ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے' کوئی بھی اپنے کو یقیناً دوزخی نہ سمجھے' توبہ کرے' یہ فائدہ بھی التوبۃ کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** توبہ کا وقت موت سے پہلے ہے' کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے ہو جانی چاہئے' اور گناہوں کی توبہ موت یعنی جان نکلنے سے پہلے' غرغرہ سے مراد علامات موت اور موت کے فرشتے دیکھنے کا وقت ہے جیسا کہ من قریب سے معلوم ہوا' فرعون نے ڈوبتے وقت کفر سے توبہ کی مگر قبول نہ ہوئی' کہ اس کی یہ توبہ علامات موت دیکھنے کے بعد تھی۔ **چوتھا فائدہ:** جو توبہ قانون اسلامی کے مطابق ہو وہ ضرور بالضرور قبول ہو گی' اس کا رد ہونا ناممکن ہے جیسا کہ علی اللہ سے معلوم ہوا' رب تعالیٰ نے اس کی قبولیت کا وعدہ فرمایا اور علی اللہ فرما کر بتایا کہ یہ قبولیت ہم نے اپنے ذمہ کرم سے لازم کرلی ہے' پھر رد ہونے کا امکان کہاں رہا' مگر یہاں قانون کی پابندی ہم کو لازم ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جیسا گناہ ہو ویسی توبہ چاہئے' خفیہ گناہ کی خفیہ توبہ' علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ نیز کفر سے توبہ ایمان' قرض سے توبہ ادائے قرض' ترک نماز کی توبہ قضاء یا کفارہ سے کرنی چاہئے جیسا کہ **یتوبون** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ کرنے والا جاہل ہے اگرچہ علم رکھتا ہو' بے گناہ یعنی گناہ سے بچنے والا جاہل نہیں اگرچہ علم نہ رکھتا ہو' جیسا کہ بجہالۃ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** گناہ بار بار کرنے سے اگرچہ کبیرہ بن جاتا ہے' مگر قابل معافی ہے' توبہ اس سے بھی کرے' جیسا کہ **یعملون** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں**

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: توبہ میں جلدی کرنا چاہئے کہ شاید یہ ہی موت کا وقت ہو' ہر سانس کے متعلق اندیشہ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری سانس ہو' اس لئے توبہ میں جلدی کرے' جیسا کہ **من قریب** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: **علی اللہ** سے معلوم ہوا کہ توبہ قبول فرمانا رب تعالیٰ پر واجب و لازم ہے' حالانکہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز لازم نہیں' اس سے بڑا کون ہے جو اس پر کوئی چیز لازم کرے۔ **جواب:** رب تعالیٰ پر کوئی دوسرا کوئی چیز لازم نہیں کر سکتا' مگر وہ کریم اپنے کرم و مہربانی سے خود ہی اپنے ذمہ لازم کر لے تو اس کی مہربانی ہے' کریم وعدہ کر کے ضروری پورا کرتے ہیں' یہ لازم ہونا اس کی مہربانی کا ہے لہذا علی اللہ درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ اسی کی قبول ہے جو جہالت و بے علمی سے گناہ کرے' تو چاہئے کہ جان بوجھ کر گناہ کرنے والا نا قابل معافی ہو۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں جہالت سے مراد بے علمی نہیں بلکہ بے عقلی ہے' کبھی ہے اور واقعی گناہ کرنے والا بیوقوف ہی ہوتا ہے' اگر عقل رکھتا تو گناہ کیوں کرتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توبہ اس کی قبول ہو گی جو گناہ کرتے ہی توبہ کرے' توبہ میں دیر نہ لگائے تو کیا پرانے پاپی کی توبہ قبول نہیں' دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **من قریب** (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں قریب سے مراد موت ہے کہ انسان کی موت انسان سے بہت ہی قریب ہے لہذا موت سے پہلے پہلے توبہ قبول ہے' کفر و شرک سے توبہ تو علامات موت سے پہلے ہو جانی چاہئے' اور گناہوں سے توبہ روح بدن سے نکلنے سے پہلے ہو جانا ضروری ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اسلام نے توبہ کا قانون رکھ کر انسان کو گناہ پر دلیر کر دیا' جب مجرم کو خبر ہے کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جائیں گے تو وہ خوب کرے گا' سوچے گا کہ خوب گناہ کر لو' مرتے وقت توبہ کر لیں گے (ستیارتھ پرکاش) خیال رہے کہ آریہ اور ہندوؤں کے ہاں توبہ کوئی چیز نہیں' گناہ کی سزا بندہ کو ضرور بھگتنی ہے اور عیسائیوں کے ہاں توبہ کی کوئی ضرورت نہیں' عیسیٰ علیہ السلام کی سولی سب بندوں کے گناہوں کا کفارہ ہو چکی' یہ اعتراض آریوں کا ہے۔ **جواب:** توبہ کی امید ہی انسان کو گناہ سے روکتی ہے' جب پکڑ کا اندیشہ اور معافی کی امید ہو تو انسان بہت احتیاط سے زندگی گزارتا ہے' اگر معافی سے ناامید کر دیا جائے تو اور زیادہ گناہ کرتا ہے' سوچتا ہے کہ معافی تو ہونے کی نہیں' چلو دس بیس گناہ اور کرو' جب تک قتل کے ملزم کو پھانسی کی سزا نہیں ملتی' اسے جیل میں آزاد رکھا جاتا ہے کیونکہ اسے چھوٹ جانے کی امید ہوتی ہے' مگر پھانسی کا حکم ہونے پر اسے علیحدہ کال کوٹھڑی میں رکھتے ہیں' اور اسکی بہت نگرانی کرتے ہیں کہ اب یہ اپنی زندگی سے مایوس ہو چکا' ممکن ہے کہ دو چار اور بھی قتل کر دے' غرضیکہ مایوسی گناہ پر دلیر کرتی ہے' یوں ہی معافی کا یقین گناہ پر ابھارتا ہے' امید و خوف گناہ سے بچاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نماز روزے کی طرح توبہ بھی ایک فرضی عبادت ہے مگر دیگر فرائض سے اہم فرض ہے' پھر جیسے دوسری عبادتوں کیلئے فرائض' واجبات' سنتیں' مستحبات' مکروہات ہیں ایسے ہی اس کیلئے بھی ہیں' اور جیسے دوسری عبادتوں کیلئے وقت مقرر ہے' ایسے ہی توبہ کے بھی اوقات ہیں' پھر جیسے نماز کیلئے بعض اوقات جواز ہیں' بعض اوقات مستحبہ ہیں' اور بعض اوقات مکروہہ' یہ ہی توبہ کا بھی حال ہے کہ اس کیلئے بعض اوقات مستحب ہیں' بعض مکروہ' بعض جائز' صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ توبہ کی شرائط چار ہیں' گزشتہ جرموں پر دل سے نادم ہونا' فی الحال گناہ چھوڑ دینا' آئندہ سے گناہ سے بچنے کا عہد' یہ سب کچھ صرف رب تعالیٰ سے حیا و شرم کی وجہ سے ہونا' نہ کہ ریا و دکھلاوے کیلئے اور کچھ توبہ کے ارکان ہیں' زبان سے بھی دعائیہ کلمات

www.alahazratnetwork.org

ادا کرنا اپنے گناہ کا اقرار کرنا اور جو گناہ قابل تلافی ہوں ان کا بدلہ و تلافی کرنا بے نمازی توبہ کرے تو گزشتہ فوت شدہ نمازوں کی قضا کرے مقروض توبہ کرے تو قرض ادا کرے ظالم توبہ کرے تو مظلوم سے معافی مانگے وغیرہ توبہ کیلئے مستحب یہ ہے کہ توبہ کرنے والا رب تعالیٰ سے مایوس نہ ہو: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم و دیگر بزرگان دین کے توسل سے توبہ کرے توبہ کے وقت آنکھوں سے اشک بہائے' دل خوف خدا سے بھرا ہوا ہو ایسی توبہ تیر بہدف ہوتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کجا آب رواں سبزہ بود   ہر کجا اشکے رواں رحمت بود
تانہ گرید ابر کے خندد چمن   تانہ گرید طفل کے جوشد لبن

جہاں پانی کی روانی ہوتی ہے وہاں سبزہ ہوتا ہے' جہاں آنسوؤں کی روانی ہوتی ہے وہاں رحمت الٰہی ہوتی ہے' بغیر بادل کے روئے چمن نہیں ہنستا بغیر بچے کے روئے ماں کے پستانوں میں دودھ جوش نہیں مارتا! ایسی توبہ اکسیر ہے جو گناہوں کو نیکیاں بنا دیتی ہے گناہگار کو ولی کر دیتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

ملک برہم زن تو ادھم وار زود   تا یابی ہمچو او ملک خلود

اے اللہ کے بندے تو بھی حضرت ادھم سلطان خراسان کی طرح ملک درہم و برہم کر دے' تا کہ تجھے دائمی ملک کی سلطنت میسر ہو: حضرت ادھم کا واقعہ مشہور ہی ہے کہ آپ نے سلطنت خراسان پر لات مار دی تو رب تعالیٰ نے انہیں جانوروں' پانی' ہوا وغیرہ کائنات کا بادشاہ بنا دیا! مولانا عطار رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مشو مغرور این ملک مزور   نہ عزت ماندو نے مال و نے زر
اگر رنگت فروشوید زرخسار   خریدارت نیا شد کس بہ بازار

اے انسان! اس طمع شدہ دنیا پر نہ ہو اس سے دھوکہ نہ کھا نہ تیرے پاس عزت رہے گی۔ نہ مال نہ روپیہ پیسہ اگر تیرے چہرے کا رنگ دھو دیا جائے تو تجھے کوئی نہ پوچھے' یہ سب پوچھ چہرے کی رنگت کی ہے بعد موت گلی کھوپڑی کے سر پر کوئی تاج نہیں رکھتا تیری حقیقت یہ ہے۔ (از روح البیان مع زیادہ)۔

وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ
اور نہیں ہے وہ توبہ ان لوگوں کی جو گناہ کرتے رہتے ہیں حتی کہ جب ان میں سے
اور وہ توبہ ان کی نہیں. جو گناہوں میں لگے رہتے ہیں. یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو
اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّيْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ
ایک کو موت آتی ہے تو کہتا ہے میں نے توبہ کی اب اور نہ ان لوگوں کی جو مرتے ہیں
موت آئے تو کہے اب میں نے توبہ کی اور نہ ان کی جو

www.alahazratnetwork.org

كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

کافر ہو کر یہ ہی لوگ ہیں کہ تیار کیا ہم نے انکے لئے عذاب دردناک
کافر مریں ان کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مقبول توبہ کا ذکر تھا اب مردود توبہ کا تذکرہ ہے تاکہ انسان پہلی قسم کی توبہ اختیار کرے' دوسری قسم کی توبہ سے بچے طبیب اپنے مریض کو استعمال والی دوائیں بھی بتاتا ہے اور پرہیزی غذائیں بھی کہ فلاں فلاں چیز سے پرہیز کرو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر تھا جن کی توبہ قبول ہوتی ہے' اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جن کی توبہ رد ہو جاتی ہے' تاکہ ہم پچھلی جماعت میں سے بنیں ایسی جماعت سے نہ ہوں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں توبہ کے وقت کا ذکر تھا کہ موت سے پہلے توبہ کرلو اب فرمایا جارہا ہے کہ وقت توبہ نکل جانے پر توبہ کی قضاء بھی ناممکن ہے' نماز پنجگانہ کی قضاء ہے مگر نماز عید ناقابل قضاء توبہ نماز عید کی طرح ناقابل قضاء عبادت ہے' وقت پر کرلو ورنہ پچھتاؤ گے' **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شرائط قبول توبہ کا اجمالی ذکر تھا اب اس اجمال کی تفصیل ہے۔

شان نزول: ابن جریر نے حضرت ابوالعالیہ سے روایت فرمائی کہ گزشتہ آیت مومن گناہگاروں کے متعلق اتری تھی اور اس آیت کا پہلا جملہ منافقین کے متعلق نازل ہوا' اور دوسرا جملہ **ولا الذین** کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوا (روح المعانی وخازن و تفسیر مدارک عن سعید ابن جبیر) تفسیر احمدی سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی آیت میں ان گناہگار مومنوں کا ذکر تھا جو موت سے پہلے توبہ کرلیں' انکی توبہ یقیناً قبول ہے جسکا وعدہ ہو چکا اور اس آیت کا پہلا جملہ ان گناہگار مومنوں کیلئے ہے جو مرتے وقت توبہ کریں' انکی توبہ مشیت پر موقوف ہے قبولیت کا وعدہ نہیں اور دوسرا جملہ کفار کے متعلق ہے' اسکے نزول کے متعلق اور بھی چند قول ہیں مثلاً ایک یہ کہ اس آیت کے پہلے جملہ سے مراد کفار ہیں' جو علامات موت دیکھ کر توبہ کریں مگر قبول نہیں' اور دوسرے جملہ سے مراد وہ کفار ہیں جو بغیر توبہ مرجائیں۔

تفسیر: **وليست التوبة للذين يعملون السيات:** اگر یہ آیت کریمہ منافقوں کے متعلق ہے' تو توبہ سے مراد توبہ مقبول ہے' اس میں الف لام عہدی ہے' اور **للذین** ثابتہ کے متعلق ہو کر لیست کی خبر' اس صورت میں **یعملون** دوام کیلئے ہے' اور **سیئات** یعنی گناہوں سے مراد ان کا نفاق ہے جو تمام گناہوں کی جڑ ہے' اور اگر آیت کریمہ کھلے کافروں کیلئے ہے تو توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے اور **للذین** مفیدا کے متعلق ہو کر لیست کی خبر' اس صورت میں بھی **یعملون** دوام کیلئے ہے' اور سیئات سے مراد کفر و شرک اور تمام بدکاریاں ہیں اور اگر یہ جملہ گناہگار غافل مسلمانوں کیلئے ہے جو عمر بھر توبہ نہ کریں' مرتے وقت ہی توبہ کریں تو **التوبة** سے پہلے قبول پوشیدہ ہے اور **للذین** لازم کے متعلق ہو کر لیست کی خبر' **یعملون** اب بھی دوام کیلئے ہے' اور سیات سے مراد گناہ ہیں صغیرہ ہوں یا کبیرہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس جز کے تین معنی ہوئے' ایک یہ کہ توبہ مقبول جس کا ابھی ذکر ہوا' ان منافقوں کو نصیب نہیں ہوتی' جو عمر بھر تو منافقت اور مسلمانوں سے چالبازیاں کرتے رہیں' دوسرے یہ کہ کفر سے توبہ

www.alahazratnetwork.org

کرنا ان لوگوں کیلئے مفید نہیں جو عمر بھر تو کفر و شرک و معاصی و گناہوں میں گزاریں' تیسرے یہ کہ قبولیت توبہ کا حتمی و یقینی وعدہ ان گنہگار مسلمانوں سے نہیں ہے جو عمر بھر گناہ کرتے ہیں' کبھی توبہ کی طرف دھیان نہ دیں ساری عمر ہر قسم کے گناہوں میں گزاریں خیال رہے کہ ایک گناہ پر قائم رہنا اس سے توبہ نہ کرنا صد ہا گناہ بن جاتا ہے کہ گناہ پر اڑا رہنا بھی گناہ ہے' اور ہزار ہا گناہ جن سے فوری توبہ میسر ہو جائے' وہ گویا ایک ہی گناہ ہے' جو معاف ہو گیا اسی وجہ سے پچھلی آیت میں السوء واحد فرمایا گیا تھا اور یہاں السیئات جمع ارشاد ہوا (روح المعانی) کرم ہو جائے تو لاکھوں گناہ ایک بن جاتے ہیں' وہ بھی معاف ہو جاتے ہیں بلکہ نیکی میں تبدیل ہو جاتے ہیں' اور اگر کرم نہ ہو تو ایک گناہ لاکھوں بن جاتے ہیں' رحمت کا پانی پڑے تو لگی آگ بجھ جاتی ہے' ورنہ ایک ہی چنگاری سارے گھر کو آتش کدہ بنا دیتی ہے **حتی اذا حضر احدهم الموت قال انی تبت الئن:** **حتی** انتہا کیلئے ہے' اور یہ جملہ **یعملون** کی انتہاء ہے الموت سے مراد علامات موت ہیں جب کہ زندگی سے مایوسی ہو جائے اور ملک الموت و دیگر فرشتے دیکھ لئے جائیں جسے غرغرہ کہتے ہیں کہ اس وقت کفر و نفاق سے توبہ بالکل مردود ہے کہ اب ایمان بالشہادۃ یعنی دیکھ کر ایمان لا رہا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **الئن وقد عصیت قبل** اب دیکھ کر ایمان لاتا ہے' پہلے کفر و نافرمانی کرتا رہا اور اگر گنہگار مومن اس وقت توبہ کرے' تو اس کی قبولیت کا یقین نہیں' رب تعالیٰ نے وعدہ نہیں فرمایا' فرماتا ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** جسے چاہیں گے بخشیں گے' وہ آیات اس جملہ کی تفسیریں ہیں یعنی وہ آخر وقت تک گناہ کرتا حتی کہ جب اسے موت آنے لگی تو بولا اب میں توبہ کرتا ہوں' چونکہ یہ وقت ایک لحاظ سے آخرت میں داخل ہے' کہ آخرت میں پہلی منزل قبر کا دروازہ ہے' اور آخرت میں نہ توبہ قبول ہو نہ عمل' اس لئے اس وقت کفر کی توبہ قبول نہیں۔ (کبیر و معانی) **ولا الذین یموتون وھم کفار** یہ مردودین کی دوسری جماعت کا ذکر ہے واؤ عاطفہ ہے لا نفی کی تاکید کیلئے ہے' **الذین** سے پہلے توبہ پوشیدہ ہے یعنی نہ ان لوگوں کی توبہ قبول ہے جو کفر کی حالت میں بغیر توبہ کئے مر جائیں' پھر بعد موت توبہ کریں روئیں پیٹیں **اولئک اعتدنا لھم عذابا الیما** اگر اس آیت کے پہلے جملہ میں منافقین یا کھلے کافر مراد تھے تو **اولئک** سے دونوں گروہوں کی طرف اشارہ ہے' اور اگر پہلے جملہ سے مراد گناہ گار غافل مسلمان تھے جو مرنے سے پہلے توبہ نہ کریں' تو **اولئک** سے صرف دوسری جماعت یعنی کفر پر مرنے والوں کی طرف اشارہ ہے' کیونکہ **عذاب الیم** گنہگار مومن کو نہیں' **اعتدنا** کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' **لھم** میں لام خصوصیت کا ہے' **الیم** الم سے بنا' معنی درد و تکلیف دہ' اس سے خاص درد اور خاص تکلیف مراد ہے' جو صرف کفار کو ہو گی ورنہ دوزخ میں تکلیف تو ہر اس شخص کو ہو گی جو وہاں سزا پانے کیلئے جائے اگر بالکل تکلیف نہ ہو تو عذاب کے کیا معنی؟ یعنی یہ دونوں قسم کے لوگ یا یہ آخری گروہ ہی وہ ہے جس کیلئے ہم نے نہایت ہی دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے' خواہ دوزخ کا عذاب ہو جو حشر کے بعد ہو گا یا برزخ کا عذاب بھی' جو مرتے ہی شروع ہو جائے گا' اے لوگو اس عذاب سے ڈرو اور جلد توبہ کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کی تین تفسیریں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں ہم یہاں خلاصہ میں صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں باقی دو تفسیریں تفسیر میں ملاحظہ فرماؤ' یہ توبہ مقبول' جس کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں کیا گیا ان لوگوں کو میسر نہیں ہوتی' یا ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں ہوتی' جو عمر بھر تو نفاق و کفر جیسے گناہ کرتے رہیں' عیاریوں' مکاریوں' چالاکیوں میں عمر گزار دیں' حتی کہ جب

www.alahazratnetwork.org

انہیں موت آئے اور زندگی سے مایوس ہو جائیں' موت کے فرشتوں اور عذاب کو آنکھوں دیکھ لیں تو کہیں اب میں توبہ کرتا ہوں' کیونکہ یہ لوگ عذاب دیکھ کر توبہ کر رہے ہیں اور بجائے غیب کے مشاہدہ پر ایمان لا رہے ہیں' نیز یہ وقت ایک لحاظ سے دنیا ہے کہ دنیا کی آخری منزل ہے' اور دوسرے لحاظ سے آخرت ہے کہ آخرت کی پہلی منزل یا اس کا دروازہ ہے اور آخرت نہ عمل کی جگہ ہے نہ توبہ کی' لہٰذا ان کی توبہ قبول نہیں' اور نہ ان بد نصیبوں کی توبہ قبول ہو' جو مرتے وقت بھی توبہ نہ کریں' کفر پر ہی مر جائیں' بعد موت پھر چیختیں چلائیں' یہ دونوں جماعتیں یعنی منافقین و کفار وہ ہیں جن کیلئے ہم نے نہایت دردناک تکلیف دہ عذاب تیار کر رکھا ہے' ہر شخص کو چاہئے کہ اب عذاب سے ڈرتا رہے اور جہاں تک جلد ممکن ہو توبہ کرلے' آج رب تعالیٰ فرما رہا ہے توبہ کرلو مگر بندے نہیں مانتے' کل بندے کہیں گے مولیٰ ہماری توبہ ہے مگر رب تعالیٰ نہ مانے گا۔

آج لے ان کی پناہ آج حیا کر ان سے　　کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے' پہلا فائدہ: مجرم تین قسم کے ہیں اور ان کے تین ہی حالات ہیں' ایک وہ گناہگار مسلمان جو موت سے پہلے توبہ کرلیں' ان کی توبہ انشاء اللہ یقیناً قبول ہے' دوسرے وہ غافل مسلمان جو عمر بھر گناہ کرتے رہیں' مرتے وقت توبہ کریں غرغرہ یا جانکنی کی حالت میں ان کی مقبولیت یقینی نہیں' رب تعالیٰ کی مشیت پر ہے قبول فرمائے یا نہ فرمائے' تیسرے وہ کفار جو کفر پر ہی مر جائیں' وہ یقیناً دوزخی ہیں ان کی توبہ یقیناً غیر مقبول' جیسا کہ اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: بحالت غرغرہ جب غیب منکشف ہو جائے نہاں عیاں بن جائے' تب نفاق و کفر سے توبہ قبول نہیں' اس وقت گناہوں سے توبہ قبول ہو سکتی ہے' جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: جس گناہ سے توبہ نصیب ہو جائے وہ بڑا بھی ہو تو چھوٹا ہے' زیادہ بھی ہوں تو تھوڑے بلکہ بالکل نہیں' اور جب گناہ سے توبہ نصیب نہ ہو تو وہ ایک بھی ہو تو زیادہ ہے' چھوٹا بھی ہو تو بڑا ہے' جیسا کہ پچھلی آیت میں حسنة اور یہاں سیات فرمانے سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: حالت غرغرہ کی توبہ قبول ہے' مگر اس وقت کا ایمان قبول نہیں' جیسا کہ اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' جب محشر میں بھی شفاعت و معذرت گناہگاروں کیلئے قبول ہو سکتی ہے' تو اس وقت بھی قبولیت کی امید ہے۔ (تفسیر کبیر) پانچواں فائدہ: گناہگار مسلمان میت کو ایصال ثواب کرنا مفید ہے' کفار کو مفید نہیں بلکہ انہیں ثواب پہنچانا حرام ہے' جیسا کہ اعتدنا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: کفار کو مرحوم یا رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کہنا حرام ہے کہ اس میں ان کیلئے دعائے رحمت ہے اور وہ لعنت میں گرفتار ہیں' جیسا کہ اعتدنا سے معلوم ہوا' اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں' جو مشرکین و کفار کے مرنے پر ان کیلئے مرثیے لکھیں' جس میں انہیں جنت باشی یا بیکنٹھ وار کہیں یا اس کی سمادھ پر فاتحہ خوانی کریں یا ان کی موت۔ کے دن قرآن پاک پڑھیں' محض مشرکین کی خوشامد میں۔ ساتواں فائدہ: دوزخ پیدا ہو چکی ہے اور وہاں کے درجات دوزخیوں کے نامزد ہو چکے ہیں' جیسا کہ اعتدنا ماضی فرمانے سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: دوزخ کے تمام قسم کے عذاب بھی پیدا ہو چکے ہیں' آگ' سانپ' بچھو' کھولتا پانی وغیرہ جیسا کہ عذابا الیما سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: دوزخ بنی ہے صرف کفار کیلئے' اگرچہ کفار کے سے اعمال کرنے والے مومن گناہگار بھی وہاں کچھ روز کیلئے رکھے جائیں' دوزخ گناہگاروں کی منزل ہے' کفار کا اصلی ٹھکانہ جیسے بھٹی سونے کی منزل ہے' کوئلے کی اصلی جگہ۔ جیسا کہ لھم سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: کفار کیلئے مذکورہ عذاب جب

www.alahazratnetwork.org

ہے جبکہ وہ کفر پر مرجائیں' اگر عمر بھر کوئی کفر کرے مگر مرنے کے قریب مومن ہو جائے اور ایمان پر مرے وہ رحمت الٰہی کا مستحق ہے جیساکہ **یموتون** سے معلوم ہوا' ایسے ہی ایمان کا معاملہ ہے کہ کوئی عمر بھر مومن متقی پرہیزگار رہے مگر مرتے وقت کافر ہو کر مرے وہ اسی دوزخ کا مستحق ہے' اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اور رب کے صدقہ مجھ گنہگار کو ایمان پر موت نصیب فرمائے' خاتمہ کا وقت ہی نچوڑ کا ہے: حضرت یوسف و موسیٰ علیہما الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا تھا **توفنی مسلما والحقنی بالصلحین** اے مولیٰ مجھے اسلام و ایمان پر موت نصیب کر اور صالحین کا ساتھ' پھر ہم تم کس شمار میں ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاسق مسلمان جو مرتے وقت توبہ کرے اسکی توبہ قبول نہیں' اور وہ بھی کفار کی طرح ہمیشہ دوزخ میں رہے گا' دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں دو گروہوں کا ذکر کیا' ایک وہ مسلمان جو عمر بھر گناہ کرتے رہیں' مرتے وقت توبہ کریں' دوسرے وہ جو کافر ہو کر بغیر توبہ مرجائیں' ان دونوں کیلئے فرمایا **واعتدنا لھم عذابا الیما** ان تمام کیلئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے معلوم ہوا کہ مومن گناہگار اور کفار دونوں ہمیشہ فی النار ہیں۔ (معتزلی)۔ **نوٹ:** فرقہ معتزلہ فاسق و کافر میں فرق نہیں کرتے' گناہگار مسلمان کو کفار کی طرح ناقابل بخشش مجرم مانتے ہیں' اور ہمیشہ کا دوزخی ان کے بہت دلائل ہیں' یہ آیت ان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب تفسیر میں دیئے گئے کہ یا تو **للذین یعملون السیات** سے مراد منافقین و کفار ہیں جو مرتے وقت غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ کریں' اور سیئات سے مراد کفر و شرک ہیں یعنی دل کے گناہ جیساکہ تفسیر مدارک و روح المعانی و خازن کے حوالہ سے عرض کیا گیا' تب تو آیت کریمہ واضح ہے اور یا للذین سے مراد گناہگار مسلمان ہیں اور سیئات سے مراد ان کے چھوٹے بڑے گناہ' تب للذین کا متعلق لازم ہے' یعنی ایسے گناہگار کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں قبول کریں یا نہ کریں اور **اولئک** سے اشارہ صرف کفار کی طرف ہے کہ وہ ہی قریب میں مذکور ہوئے' اس صورت میں یہ آیت کریمہ دوسری آیات شفاعت یا آیات رحمت کے خلاف نہ ہوگی' تمہاری تفسیر کی بناء پر یہ آیت تمام آیات مغفرت' آیات رحمت' آیات شفاعت کے خلاف ہوگی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وللکفرین عذاب الیم** صرف کفار ہی کو دردناک عذاب ہے' اور فرماتا ہے اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ناامید نہ ہو' اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیگا' اور فرماتا ہے کہ قیامت میں کافروں کا شفیع کوئی نہیں ہوگا' غرضیکہ بہت سی آیات ہیں جن میں گناہگاروں کی مغفرت و شفاعت کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو جماعتوں کی توبہ مردود ہونے کا ذکر ہے' ایک وہ کہ **حضر احدھم الموت** دوسری وہ ہے کہ **ماتوا وھم کفار**' ان دونوں آیتوں میں فرق کیا ہے؟ جسے موت آ جائے وہ مرجاتا ہے' نیز موت آچکنے کے بعد توبہ کیسی؟ **جواب:** پہلے جملہ **حضر احدھم الموت** میں موت آجانا مراد نہیں بلکہ علامات موت ظاہر ہونا مراد ہے' قرآن کریم علامات موت نمودار ہونے کو موت آنا فرماتا ہے' چنانچہ ارشاد ہے **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت**: تم پر ضروری ہے وصیت کرنا جب کسی کو موت آئے' دیکھو وصیت موت آجانے پر نہیں ہوتی' علامات موت دیکھنے پر ہو سکتی ہے جسے موت کی حاضری قرار دیا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** ان آیات میں ایک جماعت کا ذکر رہ گیا' جو مسلمان گناہگار ہوں اور کبھی توبہ نہ کریں' ان کے متعلق کیا حکم ہے' بہت سے گناہگار بغیر توبہ مرجاتے ہیں۔ **جواب:** ان کا حکم دوسری آیت میں ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء**: رب تعالیٰ کفر و شرک کو تو نہ بخشے گا اس کے

www.alahazratnetwork.org

سواء جس گناہگار کو چاہے بخش دیگا' وہ لوگ مشیت میں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ صحیح توبہ کرنے والے انشاء اللہ ضرور بخشے جائیں گے' بغیر توبہ کفر پر مرجانے والے ہرگز نہ بخشے جائیں گے' بغیر توبہ گناہگار ایمان پر مرنے والے تحت مشیت ہیں بخشے جائیں یا گناہوں کی سزا پائیں (تفسیر کبیر) چوتھا اعتراض: اس آیت کے آخری جملہ میں ارشاد ہوا کہ نہ ان کی توبہ قبول ہو جو کفر پر مر جائیں' کفر پر مرجانے والے توبہ کب کریں گے جو قبول نہ ہو گی' انہیں تو بعد موت توبہ کی اجازت ہی نہ ہو گی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یوذن لھم فیعتذرون** انہیں عذر و معذرت کرنے کی اجازت نہ ہو گی۔ **جواب:** یہ کفار قیامت میں بہت چیخیں گے چلائیں گے' دنیا میں واپس آنے کی درخواست کریں گے' گزشتہ کفر کا انکار بھی کریں گے' اور معذرت و توبہ بھی' یہ تمام باتیں بہت سی آیات میں مذکور ہیں' کہیں گے **رب ارجعون لعلی اعمل صالحا** اے مولیٰ ہمیں واپس دنیا میں بھیج دے تاکہ نیک کام کریں' عرض کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے وغیرہ تمہاری پیش کردہ آیت میں ایک خاص وقت کا ذکر ہے کہ جب کفار اپنے ہاتھ پاؤں کی گواہی پاکر مجرم قرار دیے جائیں گے اور ان کا حساب و کتاب ہو کر انہیں دوزخ میں جانے کا حکم ہو جاویگا تب انہیں میدان محشر میں عذر و معذرت کی اجازت نہ ملے گی' غرضیکہ ان کے معذرت کرنے کا وقت اور ہے' اور چپ ہو جانے کا وقت اور' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کافر مملکت ایسا کاندار ہے' اس کے تمام برے بھلے کام سیئات یعنی گناہ ہیں' وہ کھاتا ہے تو گناہ کرتا ہے' سوتا ہے تو مجرم ہے چلتا پھرتا ہے تو مجرم ہے' کیونکہ جیسے زہر ساری دیگ کو زہر بنا دیتا ہے' ایسے ہی کفر ساری عادات بلکہ عبادات کو معصیت کر دیتا ہے' فرمایا گیا کہ ہم ان لوگوں کی توبہ قبول نہیں فرماتے' جو ہر وقت ہر آن گناہ کرتے رہتے ہیں جن کی ہر حرکت و سکون ہر جنبش گناہ ہے' پھر جب عذاب اور عذاب کے فرشتوں کو دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں اب توبہ' اس لئے کہ انہوں نے پیغمبر کا کہا نہ مانا' اپنی آنکھوں کا دیکھا مانا۔ ایمان تو ان کا قبول ہے جو پیغمبر پر ایمان لائیں' نیز وہ لوگ بھی لائق بخشش نہیں جو مرتے وقت بھی توبہ نہ کر سکیں بعد مرے روئیں چلائیں' کیونکہ ہر کام کا ایک وقت ہے' توبہ کا بھی ایک وقت ہے' بے موسم بوئے ہوئے کھیت میں دانہ نہیں لگتا' بے وقت کی ہوئی توبہ میں قبولیت کا پھل نہیں لگتا' اگر قبولیت چاہتے ہو تو اب زندگی میں توبہ کر لو کہ ابھی وقت ہے' زندگی کی توبہ کایا پلٹ دیتی ہے مولانا فرماتے ہیں۔

گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش   توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش
توبہ آرند و خدا توبہ پذیر   امر او گیرند او نعم الامیر

اگر تو نے اپنی عمر کا دفتر گناہوں سے کالا کر لیا ہے' تو بھی توبہ کر کہ توبہ کا صابن سیاہ کو سفید کر دیتا ہے' تیرے گناہوں سے رب تعالیٰ کی رحمتیں زیادہ ہیں صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں توبہ میں دیر لگانے والوں کو توبہ نہ کرنے والوں کے زمرہ میں بیان فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ توبہ میں ڈھیل کرنا توبہ نہ کرنے کی طرح برا ہے' اس لئے توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا يَحِلُّ لَـكُمۡ اَنۡ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرۡهًا ؕ وَلَا	
اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہیں حلال ہے واسطے تمہارے یہ وارث ہو جاؤ تم عورتوں کے جبراً	اور نہ
اے ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ عورتوں کے وارث بن جاؤ زبردستی اور انہیں روکو نہیں	اس

www.alahazratnetwork.org

تَعۡضُلُوۡهُنَّ لِتَذۡهَبُوۡا بِبَعۡضِ مَاۤ اٰتَیۡتُمُوۡهُنَّ اِلَّاۤ اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ

روکو تم انہیں تاکہ لے جاؤ تم بعض وہ جو دیا ہے تم نے ان کو مگر یہ کہ لائیں

نیت سے کہ جو مہر ان کو دیا تھا ان میں سے کچھ لے لو مگر اس صورت میں کہ صریح

بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوۡهُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ۚ فَاِنۡ كَرِهۡتُمُوۡهُنَّ

بے حیائی کھلی ہوئی اور برتاؤ کرو ان سے بھلائی کے ساتھ پس اگر نہ پسند کرو تم انہیں

بے حیائی کا کام کریں اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں

فَعَسٰۤی اَنۡ تَكۡرَهُوۡا شَیۡـًٔا وَّیَجۡعَلَ اللّٰهُ فِیۡهِ خَیۡرًا كَثِیۡرًا ﴿۱۹﴾

تو قریب ہے یہ کہ ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور بنا دے اللہ اس میں بھلائی بہت

تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں وارث عورتوں کو ان کا حق ورثہ دینے اور انہیں وارث بنانے کا ذکر تھا' درمیان میں توبہ کا ذکر ہوا اب خود عورتوں کے وارث نہ بن جانیکا حکم ہے یعنی پہلے کہا گیا تھا کہ انکو وارث بناؤ' اب فرمایا جارہا ہے کہ جبراً انکی جان کے وارث نہ بن جاؤ۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ آیت میں حکم تھا کہ بدکار عورتوں کو گھروں میں قید کردو' اب فرمایا جارہا ہے کہ اس قید کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم ان کے مالک اور ان کی جانوں کے وارث بن جاؤ' قید کرنا اور ہے اور ان کا وارث و مالک بن جانا کچھ اور گویا یہ آیت کریمہ ان کی قید کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو کافر مرجائیں ان کی بخشش نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ کفر کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ یا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کا انکار کیا جائے' بلکہ انکے احکام کا انکار بھی کفر ہے' جو لوگ اب بھی عورتوں کے مالک و وارث بنیں اور انکے شرعی حقوق کا انکار کریں وہ بھی کافر ہیں اور ناقابل بخشش گویا پہلے کفر کا اجمالی ذکر تھا اب اس کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (1) ابن جریر و ابن ابی حاتم نے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی کہ زمانہ جاہلیت میں کوئی شخص مرجاتا تو اس کے وارث مرد اس کے مال کے ساتھ اس کی بیوی کے بھی مالک بن جاتے تھے کہ اس کی بیوی کا دیور یا اس کا سوتیلا بیٹا اس بیوہ پر کوئی چادر وغیرہ ڈال دیتا اور کہتا کہ میں اس کا بھی آج سے مالک ہو گیا پھر اگر چاہتا تو کسی سے اس کا نکاح کرا دیتا' جس کا مہر خود لیتا' ورنہ اسے اپنے گھر ہی میں لونڈی کی طرح خادمہ بنا کر رکھتا' اس کے روکنے کیلئے آیت کریمہ کا پہلا حصہ کرھا' تک نازل ہوا' کبھی خود دیور اس سے نکاح کرتا مگر بغیر مہر کے اور کہتا کہ جو میرا بھائی مہر دے چکا ہے وہ کافی ہے (تفسیر روح المعانی خازن' جلالین و خزائن وغیرہ)۔ (2) ابن منذر نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ قبیلہ انصار کی ایک بی بی حضرت کبشہ بنت معن ابن عاصم حضرت ابو قیس ابن اسلت کے نکاح میں

www.alahazratnetwork.org

تھیں کہ بیوہ ہو گئیں' ابو قیس کے بیٹے نے جو دوسری بیوی سے تھا ان پر قبضہ کر لیا' وہ بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر فریادی ہوئیں کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیوہ ہو گئی ہوں مگر نہ تو اپنے خاوند کی وارث ہوئی' اور نہ مجھے نکاح ثانی کرنے کا حق ملا' اب میں بقیہ زندگی کیسے گزاروں؟ تب اس آیت کریمہ کا پہلا جملہ نازل ہوا۔ (معانی' خازن' وغیرہ)۔ (3) امام زہری فرماتے ہیں کہ بعض خاوند جن کو اپنی بیویاں ناپسند ہوتی تھیں' تو وہ انہیں نہ تو اچھی طرح بساتے ہی تھے اور نہ انہیں طلاق ہی دیتے تھے بلکہ ان کی موت کا انتظار کرتے تھے تاکہ ان کے گھر ان کے نکاح میں وہ عورت فوت ہو' اور اس کی تمام میراث یہ لیں' ان کو اس ظلم سے روکنے کیلئے اس آیت کریمہ کا دوسرا جملہ **ولا تعضلوھن** الخ نازل ہوا (معانی وغیرہ) 4 زمانہ جاہلیت میں بعض ظالم خاوند اپنی بیویوں کو طلاق دیتے' جب عدت قریب الختم ہوتی تو رجوع کر لیتے ایسے ہی سالہا سال تک کرتے رہتے' کیونکہ ان کے ہاں طلاق کی تعداد مقرر نہ تھی' اس صورت میں یہ عورت نہ تو اس کے گھر ہی آباد ہوتی کہ مطلقہ ہے اور نہ دوسری جگہ نکاح کر سکتی کہ اس کی عدت پوری نہ ہونے دی جاتی' غرضیکہ اس کی زندگی برباد کر دیتے' ان تمام ظالم خاوندوں کو اس ظلم سے روکنے کیلئے آیت کریمہ کا آخری جز **ولا تعضلوھن** الخ نازل ہوا (خزائن العرفان)۔ ان واقعات سے موجودہ زمانہ کے ان ظالم خاوندوں کو عبرت لینی چاہئے' جنہوں نے اپنی بیویوں کی زندگی وبال کر رکھی ہے' یہ لوگ ان ہی ظالم کفار مکہ کے نقش قدم پر ہیں' یاد رکھو کہ قیامت قریب ہے اللہ حسیب ہے۔

تفسیر: **یا یھا الذین امنو لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا** چونکہ عورتوں پر مذکورہ بالا ظلم اہل عرب کی عادت بن چکے تھے' جن پر وہ صدیوں سے کاربند تھے ان ظلموں کا ان سے چھوڑنا سخت دشوار تھا' اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو پکارا' پھر حکم سنایا' تاکہ اس نداء کی لذت سے یہ کام چھوڑنا ان پر آسان ہو جائے' نیز یہ احکام بھی مسلمانوں پر ہی جاری ہیں' کفار کو ان کے اپنے مذہب پر عمل کرنے کی اجازت ہو گی' اس لئے مسلمانوں سے خطاب فرمایا: **لا یحل** حلال سے بنا' حرام کا مقابل' جب یہ کام حلال نہ ہوا' تو لامحالہ حرام ہوا' **لکم** اور **ترثوا** میں خطاب ان کے وارثوں سے ہے' جو میت کے بعد اس کے مال کی طرح اس کی بیوی پر بھی قبضہ کر لیتے تھے' اور اسے بجائے میراث دینے کے میراث بنا لیتے تھے۔ **النساء** عربی میں مضاف الیہ کے عوض ہے' اصل عبارت یوں تھی **نساء امواتکم** اور ان سے میت کی بیویاں مراد ہیں' **کرھا** ہماری قرات میں کاف کے فتح سے ہے' مگر عاصم اور ابن عامر نے **کرھا** کاف کے پیش سے پڑھا' **کرہ** کاف کے پیش سے مجبور کرنا' اسی سے ہے اکراہ اور **کرہ** کاف کے فتح سے ناپسندیدگی' اسی سے ہے کراہیت' یہاں **کرھا** یا تو **ترثوا** کی ضمیر **انتم** سے حال ہے۔ بمعنی **کارھین** اور یا **نساء** سے حال بمعنی **مکروہات** یعنی اے مسلمانوں تم میت کی عورتوں کے جبراً وارث نہ بنو' یا ان کو مجبوراً میراث نہ بناؤ کہ وہ اس پر راضی نہ ہوں اور تم ان پر قبضہ کر لو' ہاں اگر تم انہیں گھروں میں رکھنے پر راضی ہو اور وہ عورتیں رہنے پر راضی ہوں تو رہیں تم رکھو' اس لئے **کرھا** کی قید لگائی' بعض عورتیں مرحوم خاوند کے بعد گھر سے عمر بھر نہیں نکلتیں' انہی کے نام پر بیٹھی رہتی ہیں' وارثین بھی ان کے رہنے پر خوش ہوتے ہیں' اس صورت میں کسی پر گناہ نہیں **ولا تعضلوھن** یہ دوسری ممانعت ہے یا تو اس میں بھی خطاب میت کے وارثوں سے ہے یا خاوندوں سے' **تعضلوا** کا مادہ **عضل** ہے بمعنی تنگی' کہا جاتا ہے **عضلت المراۃ بولدھا** عورت پر بچہ کی پیدائش تنگ و دشوار ہو گئی' مشکل معاملہ کو معضل کہا جاتا ہے **عضلت الارض باھلھا** زمین اپنے باشندوں پر تنگ ہو گئی' یہ **لا** یا تو نفی کا ہے یا زائدہ ہے تاکید کیلئے اور **لا تعضلوا** گزشتہ **لا ترثوا** پر معطوف ہے' یعنی ان کو تنگ نہ کرو یا نہ

www.alahazratnetwork.org

تمہیں یہ حلال ہے کہ ان عورتوں کو تنگ کرو یعنی اے وارثو! بیوہ عورتوں کو تنگ نہ کرو کہ نہ انہیں بساؤ نہ نکاح کرنے دو یا اے خاوندو! عورتوں کو اپنی بیویوں کو طلاق و رجوع سے تنگ نہ کرو یا اے خاوندو! اپنی بیویوں کو تنگی نہ دو **لتذ ھبوا ببعض ما اتیتموھن** یہ جملہ تعضلوا کی علت ہے' اگر اس میں خطاب میراث کے وارثوں سے ہے۔ تو ما سے مراد میراث کا وہ حصہ ہے جس کی مستحق میت کی بیوی ہے' اور اگر خطاب خاوند سے ہے تو ما سے مراد مہر یا وہ عطیہ ہے جو خاوند بیوی کو دیتا ہے' یعنی اے وارثو! مرحوم بیوہ کو نکاح سے اس لئے نہ روکو اور انہیں اس نیت سے تنگ نہ کرو کہ وہ تم کو تمہارا دیا ہوا مہر واپس کر دیں اور جو کچھ تم نے انہیں عطئے دیئے ہیں وہ تم کو لوٹا دیں' یہ سخت ظلم و جرم ہے **الا ان یاتین بفاحشۃ مبینۃ** یہ جملہ **لا تعضلوا** سے مستثنیٰ ہے' یہاں **فاحشۃ مبینۃ** سے مراد زبان درازی' خاوند کی نافرمانی وغیرہ ہے' اس صورت میں یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں حضرت ابی ابن کعب عبداللہ ابن مسعود وغیرھم صحابہ کا یہی قول ہے مگر ابن جریر نے حضرت حسن سے روایت کی کہ **فاحشۃ مبینۃ** سے مراد زنا و بدکاری ہے' اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے کہ جیسے پہلے پہلے زانیہ کو گھر میں قید کر دینے کا حکم تھا ویسے ہی زانیہ کو مہر واپس لے کر چھوڑ دینے کا بھی حکم تھا' زنا کی سزا مقرر ہو جانے سے دونوں حکم منسوخ ہو گئے مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے (روح المعانی' خازن' کبیر' روح البیان وغیرہ) مبینۃ ی کے فتح سے بھی ہو سکتا ہے' اور ی کے کسرہ سے بھی' ہماری قرات ی کے کسرہ سے ہے' یعنی ہاں اگر عورتیں تیز زبان' نافرمان' بدخلق ہو جائیں تو اے خاوندو! تم کو اجازت ہے کہ تم مہر واپس لے کر انہیں طلاق دو' اس طرح کہ عورت خلع کرے' اس صورت میں خلع کے تم گناہگار نہ ہو گے **وعاشروھن بالمعروف** یہ تیسرا حکم ہے اور اس میں بھی خاوندوں کو خطاب ہے۔ عاشروا عاشرت سے بنا جس کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں' اس کا مصدر معاشرت ہے مادہ عشر جس کے معنی ہیں کمال و خوبی' دس کو عشر اسی واسطے کہتے ہیں کہ وہاں دہائی پوری ہو جاتی ہے کنبہ کو عشیرہ اسی واسطے کہتے ہیں کہ ہر شخص اپنے کنبے کی وجہ سے کامل ہوتا ہے اور اس کی زندگی بخوبی گزرتی ہے۔ (غیاث) اب اصطلاح میں اچھے برتاؤ اور بہترین مخالطت' ھن سے مراد بیویاں ہیں اور معروف سے مراد ہر اچھا طریقہ گفتگو' اچھی زندگی باری میں انصاف' روزی میں برابری ہے' یعنی اے خاوندو اپنی بیویوں سے وہ برتاوے کرو جو شرعاً جانے پہچانے ہوں' اچھے ہوں' یہ ایک کلمہ ساری تدبیر منزل کو لئے ہوئے ہے **فان کرھتموھن** یہ چوتھی بات فرمائی جا رہی ہے' اس میں خطاب خاوندوں سے ہے اور ھن سے مراد بیویاں کرھتم کرہ سے بنا بمعنی ناپسندیدگی اور اس سے مراد وہ ناپسندیدگی ہے جو خاوند کے دل میں پیدا ہو جائے' عورت کا اس میں کوئی قصور نہ ہو' جیسے عورت کی شکل پسند نہ آنا وغیرہ یعنی اگر تم عورت کی شکل و صورت یا کسی وجہ سے خود بخود اسے ناپسند کرو' تو ہرگز ہرگز طلاق میں جلدی نہ کرو' کیونکہ **فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا** یہاں ف جزائیہ نہیں' اور نہ یہ جملہ گزشتہ مذکورہ شرط کی جزاء ہے' اس کی جزاء تو پوشیدہ ہے' یہ اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے اور ف تعلیلیہ شیئا سے مراد مطلقاً چیز ہے' جس میں عورت بھی داخل ہے یا مراد ایسی عورتوں کو اپنے نکاح میں رکھنا ہے اور خیر کثیر سے مراد اجر و ثواب اور اچھی اولاد ہے' جو ماں باپ کیلئے توشہ آخرت بنے' یعنی اگر بیویاں تمہیں ناپسند ہوں تو انہیں جلد طلاق نہ دو' خلع نہ کراؤ بلکہ صبر سے کام لو کیونکہ بہت ممکن ہے کہ تم کسی چیز کو ناپسند کرو مگر اس ناپسند چیز سے تمہیں رب تعالیٰ بہترین نعمت دے دے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں' جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا' یہاں صرف ایک تفسیر عرض کی جاتی ہے کہ **لا یحل لکم** میں تو میت کے وارثوں سے خطاب ہے اور **لا تعضلوھن** میں خاوندوں سے' اے مسلمانو! تمہارے واسطے یہ ہرگز جائز نہیں کہ تم اپنے کسی عزیز کی فوتیدگی کے بعد اس کے مال کے ساتھ اس کی بیوی کے بھی جبراً وارث بن جاؤ کہ اس کی بیوہ کو اپنے قبضہ میں کر لو کہ چاہو تو جبراً اسے نکاح میں لے آؤ' اور چاہو تو دوسرے سے نکاح کر دو' اور اس کے مہر پر خود قبضہ کر لو' اور چاہو تو اسے یوں ہی گھر میں بٹھا رکھو' یہ صریحی ظلم ہے ہرگز جائز نہیں' اب وہ اپنے نفس کی مختار ہیں اور اے خاوندو تم اپنی بیویوں کو اس نیت سے تنگ نہ کرو کہ وہ تمہارے پنجہ ظلم سے تنگ آکر خلع کرنے پر آمادہ ہو جائیں۔ کہ تمہارا دیا ہوا کل یا بعض مہر و عطیے تمہیں واپس دے دیں اور تم سے طلاق حاصل کریں یہ بھی ظلم ہے' ہاں اگر تمہاری بیویاں زبان درازی کریں' تمہاری نافرمانی کریں تو ان کی اصلاح کیلئے ان پر سختی کر سکتے ہو کہ یہ ظلم نہیں' بلکہ عورت کی تربیت و تعلیم ہے اور خیال رکھو کہ اپنی بیویوں سے ہمیشہ اچھا برتاؤ کرو جیسا کہ شریعت نے تم کو حکم دیا ہے' اور اگر تم کو اپنی بیویاں صورت وغیرہ کی وجہ سے ناپسند ہوں تو ان کی طلاق میں جلدی نہ کرو' انہیں نباہنے کی کوشش کرو۔ بہت ممکن ہے کہ تمہیں کوئی چیز ناپسند ہو' اور رب تعالیٰ اسی میں سے تمہیں بڑی چیز دے دے' ہو سکتا ہے کہ اس ناپسند بیوی سے تمہیں ایسا نیک و صالح بیٹا دے' جو تمہارے لئے دین و دنیا میں بابرکت ہو' اس لئے صرف صورت کو نہ دیکھو' انجام پر نظر رکھو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاوند کے فوت ہونے کے بعد بالغہ عورت اپنے نفس کی مختار ہے' کسی کو اس پر جبر کرنے کا حق نہیں' صرف عدت میں وہ پابند ہے' وہ بھی شریعت کی طرف سے' نہ کہ کسی اور کی طرف سے' بعد عدت وہ مختار ہے' جیسا کہ **لا یحل لکم ان ترثوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بالغہ عورت اپنے مہر وغیرہ کی خود ہی مالک ہو گی' کسی کو مہر چھین لینے کا حق نہیں' یہ بھی **ان ترثوا** سے معلوم ہوا' حتیٰ کہ کنواری بالغہ کا مہر بھی اسی کا حق ہے' ماں باپ وغیرہ نہیں لے سکتے۔ **تیسرا فائدہ:** بالغہ عورت کو کوئی شخص نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا' بلکہ وہ اگر بغیر مرضی ورثا اپنا نکاح کرے جب بھی درست ہے کہ خود مختار ہے' یہ فائدہ بھی ان ترثوا سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جب زیادتی مرد کی طرف سے ہو تو اسے خلع کے ذریعے عورت سے مہر وغیرہ واپس لینا ممنوع ہے بلکہ بغیر خلع ہی طلاق دے' جیسا کہ **لتذھبوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بیوی کو نان نفقہ یا برتاوے کی تنگی دینا حرام ہے' اگر موافقت نہ ہو سکے تو طلاق دے دے' مگر اسے تنگ کر کے نہ رکھے۔ جیسا کہ **لا تعضلوھن** الخ سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** خلع میں صرف مہر ہی واپس لے بلکہ بہتر یہ ہے کہ سارا مہر بھی واپس نہ لے' بعض مہر واپس لے' جیسا کہ **ببعض ما** الخ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** زبان دراز' نافرمان عورت کو سختی سے تربیت و تعلیم دے سکتے ہیں' خاوند عورت کی اصلاح کرتا ہے۔ جیسا کہ **الا ان یاتین** الخ سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مرد عورت کا حاکم ہے' اس کی اصلاح کرے' عورت مرد کی حاکم نہیں' اس کے ذمہ مرد کی اصلاح نہیں' جیسا کہ **الا ان یاتین** الخ سے معلوم ہوا' ہاں بعض بیویاں نہایت نرمی و تدبیر سے اپنے خاوند کی اصلاح کر لیتی ہیں' ان کا یہ عمل بہت مقبول ہے مگر سختی سے اصلاح کرنا ان کے ذمہ نہیں ہے۔ **نواں فائدہ:** فاسقہ عورت کو طلاق دے دینا واجب نہیں' بہتر یہ ہے کہ اسے نکاح میں رکھے اور اس کی اصلاح کرے' یہ فائدہ بھی **الا ان یاتین** الخ سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** عورت پر بلاوجہ بدگمانی نہ کرے بغیر تحقیق اسے برا نہ سمجھے جیسا کہ **مبینة** سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کبھی بدشکل' بدخلق بیوی سے اچھی اولاد عطا فرماتا ہے۔ جس سے ماں باپ دین و دنیا میں سرخرو ہو جاتے ہیں' جیسا کہ **خیرا کثیرا** سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** نیک صالح اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے' جسے اچھی اولاد ملی اسے دونوں جہان کی خیر مل گئی' یہ فائدہ بھی **خیرا کثیرا** سے حاصل ہوا کہ اسے رب تعالیٰ نے خیر بھی فرمایا اور کثیر بھی۔ **تیرھواں فائدہ:** امیر آدمی کو چاہئے کہ عورت کو خادمہ بھی دے' جبکہ وہ بڑے امیر گھرانے کی ہو کہ **عاشروهن بالمعروف** میں یہ بھی داخل ہے۔ (روح المعانی)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جبراً بیوہ عورت کا مالک و وارث بن جانا منع ہے تو چاہئے کہ عورت کی خوشی و مرضی سے اس کا والی بن جانا درست ہو کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کرھاً حالانکہ آزاد عورت کا کوئی مالک نہیں ہو سکتا' نہ جبراً نہ عورت کی خوشی سے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں' ایک یہ کہ یہاں جبراً کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی ہے' چونکہ اہل عرب جبراً ہی مرحوم عزیز کی بیویوں کے وارث بن جاتے تھے' اسی لئے اس کا ذکر فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ولا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفة' اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو' دوسرے یہ کہ ہاں واقعی اگر بیوہ عورت خود اپنے دیور وغیرہ کو اپنا والی و وارث مان لے' اور اپنے انتظامات اس سے کرائے تو درست ہے اب بھی بعض شریف عورتیں بیوہ ہو کر بھی اپنے سسر ساس کو اپنا اختیار دے دیتی ہیں کہ وہی ان کے نکاح ثانی کا انتظام کرتے ہیں' یہ بہت اچھا ہے۔ جس چیز سے یہاں روکا گیا ہے وہ چیز ہی کچھ اور ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر و فوائد سے معلوم ہوا کہ عورت کا مہر خود اسی کا اپنا ہے' ماں باپ بھی نہیں لے سکتے' تو حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نکاح میں اپنی دختر صفورا رضی اللہ عنہا دیں اور ان کا مہر مقرر کیا دس سال بکریاں چرانا' اس میں لڑکی کا مہر خود نہ لینا ہے' تمہاری تفسیر اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** موسیٰ علیہ الصلوٰۃ کا شعیب علیہ السلام کی بکریاں چرانا مہر نہ تھا بلکہ شرط نکاح تھی شرط نکاح کچھ اور ہے مہر کچھ اور اس لئے انہوں نے فرمایا تھا **علی ان تاجرنی ثمانی حجج** : **علی** شرط کیلئے آتا ہے نہ کہ معاوضہ کیلئے نیز مہر مال ہوتا ہے نہ کہ خدمت' بہرحال وہ شرط نکاح تھی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں آیت کریمہ میں **فاحشة مبينة** کا ذکر علیحدہ کیا اور ناپسندیدگی کا ذکر علیحدہ کہ بعد میں فرمایا **فان کرھتموھن** الخ ان دونوں میں فرق کیا ہے' آیت میں تکرار معلوم ہوتی ہے۔ **جواب:** ان دونوں کا فرق تفسیر میں عرض کیا گیا کہ فاحشہ مبینہ میں تو عورتوں کے اپنے قصور کا ذکر ہے اور کراہیت و ناپسندیدگی سے مراد وہ صورت ہے کہ عورت کا قصور کوئی نہ ہو یوں ہی مرد کو ناپسند ہو جیسے قد یا شکل اچھی نہ ہو' لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کمال تقویٰ کے لئے ضروری ہے کہ انسان اپنی عبادات بھی درست کرے اور معاملات بھی ٹھیک کرے' معاملات میں بہت اہم و ضروری معاملہ اپنی بیویوں اور بیوہ عورتوں سے انصاف کرنا ہے کہ عورتیں عموماً خلق کی تنگ' عقل کی کمزور واقع ہوتی ہیں' عورتوں سے اچھا برتاؤ کرنے والا اور ناپسندیدگی پر صبر کرنے والا بڑا مجاہد ہے' جو شخص بڑا عابد و زاہد ہو مگر اپنی بیوی پر ظلم کرتا ہو' وہ سخت عذاب کا مستحق ہے اور جو عبادات مناسب ہی کرتا ہو مگر بال بچوں پر مہربان ہو یا ناپسند و سخت بیوی پر صبر کرتا ہو' وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

حکایت: ایک عابد کی زوجہ بہت سخت تھی مگر وہ صابر و شاکر تھا اس سے نباہ کرتا تھا بیوی کا انتقال ہو گیا اس نے عہد کیا کہ اب نکاح نہ کروں گا وحدت میں زندگی گزاروں گا دوستوں نے نکاح ثانی کیلئے بہت کچھ کہا مگر وہ نہ مانا بولا کہ خدا خدا کرکے ایک ظالمہ مجھ سے نجات ملی ہے اور میں نے سکھ کا سانس لیا ہے اب دوبارہ کیوں مصیبت سر پر لوں ایک دن اس نے خواب میں دیکھا کہ لگاتار فرشتے آسمان سے اتر رہے ہیں اور اس کی طرف اشارہ کرکے کہہ رہے ہیں کہ یہ شخص بڑا منحوس ہے اس نے ان سے پوچھا کہ تم نے میری نحوست کیا دیکھی وہ بولے کہ روزانہ تیرے اعمال مجاہدوں غازیوں کے ساتھ لے جایا کرتے تھے کہ تو ناپسند بیوی کی سختیوں پر صابر تھا اس عورت کے مرجانے کے بعد تیرے وہ اعمال جانا بند ہو گئے جب صبح کو اٹھا تو دوستوں سے بولا کہ جلد میرا نکاح کرو مجھے نہیں خبر تھی کہ نکاح کی سختیاں جھیلنے پر یہ اجر ہے نیک عورت اللہ کی رحمت ہے بری اور سخت عورت درجات بڑھنے کا ذریعہ۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔۔

چو مستور باشد زن خوب رو — بدیدار او در بہشت است شو
اگر پارسا باشد و خوش سخن — نگہ در نکوئی و زشتی مکن
چو زن راہ بازار گیرد بزن — وگرنہ تو در خانہ بنشیں چو زن

وہ شخص جنت میں ہے جس کی بیوی پارسا ہو اگر خوش اخلاق و پارسا بیوی میسر ہو جائے تو اس کا حسن و بد صورتی نہ دیکھو اگر تمہاری عورتیں بازاروں میں پھریں تو یا تو انہیں اس سے روک دو ورنہ خود عورت بن کر گھر میں بیٹھ رہو۔ (روح)

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ

اور اگر ارادہ کرو تم بدلنا ایک بیوی کا بجائے دوسری بیوی کے اور دے چکے ہو تم ان میں سے

اور اگر تم ایک بی بی کے بدلے دوسری بدلنا چاہو اور اسے ڈھیروں مال دے چکے ہو

قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾

ایک کو ڈھیروں تو نہ لو اس میں سے کچھ کیا لوگے تم اسے بہتان لگا کر اور کھلے گناہ سے

تو اس میں سے کچھ واپس نہ لو کیا اسے واپس لوگے جھوٹ باندھ کر اور کھلے گناہ سے

وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ

اور کیسے لیتے ہو تم اسے حالانکہ بے شک پہنچ گیا بعض تم میں سے بعض تک اور لیا عورتوں نے تم

اور کیونکر اسے واپس لوگے حالانکہ تم میں ایک دوسرے کے سامنے بے پردہ ہو لیا اور وہ تم

مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

سے عہد مضبوط

سے گاڑھا عہد لے چکیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں خاوندوں کو ہدایت کی گئی تھی کہ سخت بیویوں کو جلد طلاق نہ دیں حتی الامکان نباہ کریں' اب نباہ نہ ہو سکنے کی صورت میں طلاق دینے کے احکام بتائے جارہے ہیں کہ طلاق کے بعد دیا ہوا مہر ان سے واپس نہ لیں' غرضیکہ پچھلی آیت میں نباہنے کا ذکر تھا' اس آیت میں علیحدگی کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نافرمان بیویوں پر سختی کرنے کی اجازت دی گئی تھی' اب اس آیت میں غیر فاحشہ عورت پر سختی نہ کرنے کی تاکید ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بیویوں سے زوجیت کی حالت میں اچھا برتاؤ کرنے کا حکم تھا' اب زوجیت منقطع ہو چکنے کے بعد بھی اچھا سلوک کرنے اور گزشتہ صحبت یاد رکھنے کا حکم ہے۔

شان نزول: اہل عرب جب اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتے اور دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہتے تھے تو اس بے قصور بیوی کو تہمت زنا لگا کر بدنام کرتے تھے' اور اسے خوب تنگ رکھتے تھے تاکہ یہ بے چاری کچھ رقم دیکر طلاق لے لے اور خاوند اس رقم سے اپنا دوسرا نکاح کرے' ایسے ظالم خاوندوں کو اس ظلم سے روکنے کیلئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' مدارک' بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر: **وان اردتم استبدال زوج مکان زوج** یہاں اردتم میں خطاب خاوندوں سے ہے' استبدال سے مراد ہے اپنی بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا' تو اس لئے کہ وہ دوسری عورت بغیر اسے طلاق دیئے نکاح کرنے پر راضی نہ ہو' یا اس لئے کہ اس شخص میں دو بیویاں رکھنے کی طاقت نہ ہو' پہلی زوج سے مراد وہ عورت ہے جس سے مرد نکاح کرنا چاہتا ہے' اور دوسری زوج سے مراد وہ منکوحہ بیوی ہے' جسے یہ طلاق دینا چاہتا ہے۔ خیال رہے کہ لفظ زوج کے معنی ہیں جوڑا' خاوند کو بھی زوج کہتے ہیں' بیوی کو بھی' یہاں بیوی مراد ہے' اور چونکہ زوج اسم جنس ہے لہٰذا واحد پر بھی بولا جاسکتا ہے اور جمع پر بھی' یہاں جمعیت کیلئے ہے' کیونکہ خطاب تمام مسلمان مردوں سے ہے اور بہت سے مردوں کی بیویاں بھی بہت سی ہی ہوں گی' یعنی اے مسلمانو اگر تم اپنی بیویوں کی تبدیلی کا ارادہ کرو کہ موجودہ بیویوں کو طلاق دے کر دوسری عورتوں سے نکاح کرو' **استبدال** کے معنی ہیں بدلہ میں لینا' ابدال کے معنی ہیں بدلے میں دینا' یہاں بدلہ میں لینا مراد ہے **واتیتم احدھن قنطارا** واؤ عاطفہ ہے یا حالیہ' اتیتم کے معنی ہیں' تم انہیں دے چکے ہو یا دینے کو اپنے ذمہ لازم کر چکے ہو' رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذا سلمتم ما اتیتم** جب سونپ دو تم وہ جسکے دینے کا وعدہ کر چکے ہو' یہاں اتیتم کے معنی ہیں وعدہ ایتاء' احداھن سے مراد وہ بیویاں ہیں جنکو طلاق دینے کا ارادہ ہے' چونکہ مہر ہر بیوی کا علیحدہ ہوتا ہے اس لئے یہاں احداھن ارشاد ہوا' قنطار کے معنی ہیں ڈھیر' اس کی تحقیق پہلے ہو چکی **والقناطیر المقنطرۃ** کی تفسیر میں' اس ڈھیر سے مراد مہر' عطیہ بوقت نکاح خاوند کی طرف سے چڑھاوا وغیرہ سب کچھ ہیں' یعنی تم انہیں مہر وغیرہ کی شکل میں بہت مال دے چکے ہو یا دینے کا وعدہ کر چکے ہو **فلا تاخذوا منہ شیئا** یہ خطاب بھی خاوندوں سے ہی ہے۔ منہ کی ضمیر قنطار کی طرف لوٹ رہی' شیئا سے مراد معمولی و حقیر چیز ہے۔ یعنی تو اس دیئے ہوئے مہر' عطیہ' چڑھاوے میں سے کچھ بھی واپس نہ لو' یا جسکے دینے کا وعدہ کر چکے ہو' اس میں سے کچھ بھی نہ روکو کہ وہ بے چاریاں بے قصور ہیں **اتاخذونہ بھتانا** ہمزہ انکاری سوال کیلئے ہے۔ **تاخذون** میں بھی خاوندوں سے خطاب ہے' اخذ

www.alahazratnetwork.org

کے معنی ہیں لینا' پکڑنا' یہاں مراد دیا ہوا واپس لینا ہے یا وعدہ کیا ہوا مال نہ دینا ہے' بہتان بہت سے بنا بمعنی حیرانی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فبہت الذی کفر** تہمت کو بہتان اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے تہمت زدہ حیران و پریشان ہوتا ہے' اصطلاح میں جھوٹے الزام کو بہتان کہتے ہیں' یہاں بہتان یا تو اسم فاعل کے معنی میں ہے کہ **تاخذون** کے فاعل سے حال ہے باھتین کے معنی میں یا مصدر ہے **تاخذون** کا مفعول ہو' یعنی کیا تم بہتان لگاتے ہوئے یہ مال لیتے ہو یا بہتان لگانے کیلئے لیتے' تاکہ اس واپسی مال سے لوگ سمجھیں کہ عورت بدکار ہوگی' تب ہی تو اس نے مال دیکر طلاق لی' اس عمل سے اس کا نقصان بھی ہوگا اور بدنامی بھی **واثما مبینا** یہ عبارت بہتانا پر معطوف ہے اور بہتان کی طرح اس میں بھی دو احتمال ہیں کہ اثم بمعنی اسم فاعل ہو یا مصدر مفعول لہ' ہو یعنی اور ظاہر ظہور گناہ کرتے ہوئے مال لیتے ہو یا ظاہر ظہور گناہ کرنے کیلئے مال لیتے ہو کہ مال عورتوں کا جائے اور سخت گناہگار تم ہو جاؤ' اثم اور مبین کے معانی بارہا بیان ہو چکے ہیں **وکیف تاخذونہ' کیف** سوال تعجب کیلئے ہے' تاخذون کا فاعل خاوند ہے' ہ ضمیر شیئا کی طرف لوٹ رہی ہے قرآن کریم میں انتہائی تعجب دلانے کیلئے کیف ارشاد ہوتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **کیف تکفرون باللہ** الخ یعنی سخت تعجب ہے و حیرت کی یہ بات ہے کہ تم دیا ہوا یا وعدہ کیا ہوا مہر کیسے واپس کرتے ہو' تمہیں خوف خدا' شرم ہی کچھ بھی نہیں' **وقد افضی بعضکم الی بعض** واؤ حالیہ ہے۔ **افضے فضاء** سے بنا بمعنی فراخ جگہ' اسی لئے کھلے میدان کو فضاء کہتے ہیں افضاء کے معنی ہیں کسی کے پاس فراخ جگہ میں پہنچ جانا' وہاں پہنچ کر اس سے ملاقات کرنا' اب اصطلاح میں محض ملاقات کرنے' تنہائی میں ملنے کو افضاء کہا جاتا ہے' ہمارے امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے ہاں اس سے مراد یہی ہے خلوت صحیحہ کرنا ہے یعنی خاوند و عورت کا تنہائی میں جمع ہو جانا جبکہ دونوں کو ایک دوسرے کا علم ہو' مرد جانتا ہو کہ یہ میری بیوی ہے' عورت جانتی ہو کہ یہ میرا خاوند ہے' اور عورت کی طرف سے صحبت سے کوئی شرعی یا طبعی مانع نہ ہو' اس کو خلوت صحیحہ کہتے ہیں۔ مگر دوسرے اماموں کے ہاں اس سے مراد صحبت ہے: **بعضکم** سے مراد خاوند ہے اور الی بعض سے مراد بیوی' یعنی حالت یہ ہے کہ خاوند و بیوی آپس میں خلوت صحیحہ کر چکے ہیں' جس سے مہر مضبوط ہو جاتا ہے' اس پختگی کے بعد تم مہر کیسے واپس لیتے ہو **واخذن منکم میثاقا غلیظا** یہ جملہ پہلے جملہ وقد افضی الخ پر معطوف ہے' واؤ عاطفہ ہے اخذن کا فاعل وہ بیویاں ہیں جنہیں خاوند طلاق دینا چاہتے ہیں' منکم میں خطاب خاوندوں سے ہے' میثاق کے معنی وعدہ' عہد' میثاق میں فرق تیسرے پارے میں عرض کیا گیا' غلیظ کے معنی ہیں موٹا' مضبوط خفیف کا مقابل' اس میثاق غلیظ سے مراد یا تو رب تعالیٰ کے وہ سخت احکام ہیں جو خاوندوں کو بیویوں کے متعلق دیئے گئے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تاکیدیں ہیں' جو آپ نے مردوں کو عورتوں کے متعلق فرمائیں کہ وفات شریف کے وقت بھی بیویوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا' یا وہ عہد و پیمان مراد ہیں جو نکاح کے وقت خاوند سے عورت کے متعلق لئے جاتے ہیں یا خود نکاح کا ایجاب قبول ہی مراد ہے کیونکہ ایجاب و قبول تمام حقوق نکاح پورے کرنے کے وعدے کو اپنے اندر لئے ہوئے ہے' یعنی تم یہ مال واپس لینے کی جرات کیسے کرتے ہو' حالانکہ عورتوں نے تم سے بذریعہ قرآن و حدیث یا بذریعہ نکاح خواں بہت سخت تاکیدی مضبوط وعدے لے لئے ہیں' تم عقد نکاح کے وقت ہی ان کے تمام حقوق کے ذمہ دار بن چکے ہو' اب ایسے پختہ وعدہ توڑنے کی جرات کیسے کرتے ہو' اللہ سے خوف کیوں نہیں کرتے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! اگر تمہارے تعلقات اپنی بیویوں سے اس قدر خراب ہو جائیں کہ نباہ کی کوئی صورت نہ رہے اور تم کو ان کے ساتھ رہنے میں تم دونوں کی زندگی برباد ہونے کا اندیشہ ہو' اس لئے تم تبدیل زوجہ پر مجبور ہو جاؤ کہ موجودہ بیوی کو طلاق دے دو' اور دوسری بیوی سے نکاح کرو تو خیر ایسا کر لو' مگر اس صورت میں یہ خیال رہے کہ تم نے انہیں بہت زیادہ مہر' سوغاتیں' **عطیے**' چڑھاوے دے دیئے ہوں تو ان میں سے حبہ بھر واپس نہ لو' یا جس قدر دینے کا وعدہ کر لیا ہو' اس میں سے کچھ بھی کم نہ کرو' کیا تم ان بیویوں کو بہتان لگانے اور خود سخت گناہگار ہونے کیلئے واپس لیتے ہو کہ لوگ سمجھیں کہ شاید عورت کا قصور تھا' جسکی وجہ سے اس نے مال دیکر طلاق لی' قصور تمہارا اپنا ہے کہ اسکے ساتھ نباہ نہیں چاہتے' اور تھوپتے ہو عورت کے سر' یہ سخت جرم ہے' بہت تعجب و حیرت کی بات ہے کہ تم آپس میں ایک دوسرے کیساتھ خلوتیں کر چکے' تنہائی میں رہ چکے' جس سے مہر کی تاکید ہو جاتی ہے۔ نیز وہ عورتیں تم سے اچھے برتاؤ کا مضبوط عہد لے چکیں' اللہ رسول کو ضامن دیکر تم ان سے بہت کچھ وعدہ کر چکے' پھر بھی تم ان سے بے وفائی کر کے انہیں دیا ہوا مال چھینتے ہو' ایسا ہرگز نہ کرو' ورنہ تم سخت مجرم ہو گے' جسکی دنیا میں بھی سزا پاؤ گے اور آخرت میں بھی پاداش بھگتو گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** طلاق میں خاوند مستقل ہے' عورت کو حق نہیں کہ وہ خاوند بدل لے' ہاں خاوند کو حق ہے کہ وہ بیوی تبدیل کرے' کہ موجودہ بیوی کو طلاق دے دے' دوسری عورت سے نکاح کر لے' جیسا کہ استبدال زوج سے معلوم ہوا' رب تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے **الذی بیدہ عقدۃ النکاح** مرد کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ اسے کھول سکتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مہر عطیہ خاوند اپنی بیوی کو دے' بیوی پر نہ مہر ہے نہ عطیہ' خاوند دینے کیلئے ہے' بیوی لینے کیلئے' خاوند کمانے کو ہے بیوی خرچ کرنے کو جیسا کہ **اتیتم** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نکاح میں زیادہ مہر مقرر کرنا جائز ہے ممنوع نہیں۔ جیسا کہ **قنطار** سے معلوم ہوا احدیث شریف میں جو زیادتی مہر سے ممانعت آئی وہ ممانعت تنزیہی ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ ہلکا مہر ہو۔

حکایت: ایک بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ زیادہ مہر نہ باندھو' چار سو درہم سے مہر نہ بڑھاؤ' مجمع میں سے ایک عورت کھڑی ہو کر بولی کہ اے عمر! تم ہم کو اس چیز سے روک رہے ہو' جو رب تعالیٰ نے عطا فرمائی' پھر اس بی بی نے یہ آیت **واتیتم احدٰھن قنطارا** پڑھی' حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مدینہ کی عورتیں بھی عمر سے زیادہ جانتی ہیں' بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا امیر غلطی پر ہے' اور یہ عورت حق پر (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' مدارک وغیرہ) **چوتھا فائدہ:** مہر کے علاوہ اور جو کچھ خاوند بیوی کو دے' سوغات' عطیہ' نکاح کے وقت چڑھاوا وغیرہ وہ بھی واپس نہیں لے سکتا' زوجیت ہبہ کی واپسی سے مانع ہے' نہ بیوی شوہر کو کچھ دیکر واپس لے سکتی ہے نہ شوہر عورت سے' جیسا کہ **اتیتم** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جب طلاق میں قصور مرد کا ہو تو خلع کرنا ممنوع ہے مرد بغیر کچھ لئے عورت کو طلاق دے' جیسا کہ **فلا تاخذوا** سے معلوم ہوا' اور اگر قصور عورت کا ہو یا عورت طلاق کا مطالبہ کرے تو خلع بلا کراہت درست ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا جناح علیھما فیما افتدت بہ** **چھٹا فائدہ:** اپنی بیوی کو بہتان لگانا سخت جرم اور عذاب الٰہی کا باعث ہے'

www.alahazratnetwork.org

جیسا کہ **انما مینا** سے معلوم ہوا خواہ صراحتاً بہتان لگائے یا اشارۃً۔ ساتواں فائدہ: نکاح کے بعد خلوت صحیحہ سے مہر پورا واجب ہو جاتا ہے اگر بغیر خلوت طلاق دے دی جائے تو آدھا مہر ساقط ہو جاتا ہے جیسا کہ **وقد افضی** سے معلوم ہوا (خفی) آٹھواں فائدہ: نکاح کے وقت دولہا دلہن کو کلمے پڑھانا ایمان اجمالی و تفصیلی پڑھانا بہتر ہے کہ نکاح میں دولہا دلہن سے مضبوط عہد لئے جاتے ہیں پختگی عہد کلمہ شریف وغیرہ سے ہوتی ہے اس کی اصل یہ آیت کریمہ ہے کہ رب تعالیٰ نے **میثاقا غلیظا** فرمایا۔ نواں فائدہ: خلع کرنے کی آیت بھی محکم ہے اور یہ آیت خلع نہ کرنے کی بھی محکم ان میں سے کوئی کسی کی ناسخ نہیں اگر قصور عورت کی طرف سے ہو یا عورت مطالبہ طلاق کرے تو اس کیلئے خلع کی آیت ہے اور اگر عورت بے قصور ہو مرد خود طلاق دینا چاہے تو اس کیلئے یہ آیت ہے بعض لوگوں نے اس آیت کو خلع والی آیت سے منسوخ مانا ہے اور بعض نے خلع کی آیت کو اس آیت سے منسوخ مانا یہ دونوں قول غلط ہیں (روح المعانی) بہرحال دونوں آیتیں دو صورتوں کا بیان ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اسلام میں بیویوں اور عورتوں کی تجارت و تبادلہ بھی جائز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں استبدال فرمایا کہ دو شخص ایک دوسرے کی بیویوں کو بدل لیں وہ اسکی بیوی لے یہ اسکی اسلام بھی عجیب دین ہے کہ ایسی تجارتیں جائز رکھتا ہے (آریہ و عیسائی) جواب: نعوذ باللہ یہ اسلام و قرآن پر صریح بہتان ہے استبدال کے یہ معنی ہی غلط ہیں کہ کسی دوسرے کی بیوی سے تبادلہ کسی دوسرے کی بیوی کا لفظ اپنی طرف سے تم نے بڑھایا استبدال کے وہی معنی ہیں جو تفسیر میں عرض کئے گئے کہ اپنی بیوی کو طلاق دیکر دوسری عورت سے نکاح کرنا اس طلاق کی وجہ تین وجہیں ہوتی ہیں دوسری عورت سوکن پر آنا پسند نہ کرے خاوند میں دو عورتیں رکھنے کی طاقت نہ ہو خاوند کا دل موجودہ بیوی سے لگتا نہ ہو اور گزارہ کی کوئی صورت نہ رہے۔ دوسرا اعتراض: جب خاوند کو بیوی بدلنے کا حق ہے تو چاہئے کہ بیوی کو بھی خاوند بدلنے کا حق ہو انصاف چاہئے ایک کو تبدیلی کا حق دینا دوسرے کو نہ دینا ظلم ہے (آریہ و ہندو) جواب: پنڈت جی آپ نے آدھی بات کہی پورا انصاف کرو یہ بھی ظلم ہے کہ عورت بچے جنے مرد نہ جنے چاہئے یہ کہ ایک سال پنڈت جی بچے دیں دوسرے سال پنڈتانی یہ کیا کہ ہر سال پنڈتانی ہی بچے دیا کریں یہ بھی ظلم ہے کہ سارا خرچہ خاوند کے ذمہ ہی ہو بلکہ چاہئے یہ کہ ایک سال پنڈت جی نوکری کریں اور پنڈتانی جی گھر سنبھالیں اور دوسرے سال پنڈتانی جی محنت مزدوری کریں اور پنڈت جی گھر سنبھالیں پنڈت جی عورتوں کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے پھر دن میں پانچ پانچ طلاقیں ہوں گی دیکھو آج امریکہ اور انگلینڈ میں طلاقوں کی کیسی بھرمار ہے کہ وہ لوگ چیخ پڑے ہیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی کا مہر بہت زیادہ بھی باندھا جا سکتا ہے جسے رب تعالیٰ نے قنطار یعنی ڈھیر فرمایا مگر حدیث شریف میں زیادہ مہر باندھنے کی ممانعت فرمائی حتیٰ کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی ازواج کے مہر پانچ سو درہم یعنی سوا سو روپیہ تھے اور حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی یعنی ڈیڑھ سو تولہ چاندی تھا آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: ہرگز نہیں قرآن کریم کی یہ آیت بیان جواز کیلئے ہے کہ اگر کوئی شخص لاکھوں روپیہ مہر مقرر کردے تب بھی اسے ادا کرنا پڑیں گے اور حدیث شریف کا فرمان بیان استحباب کیلئے یعنی بہتر یہ ہے کہ مہر ہلکا ہو تاکہ بیوی خاوند پر بوجھ نہ بن جائے خود حضرت ام حبیبہ زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مہر بارہ ہزار درہم تھا جو نجاشی بادشاہ نے باندھا تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز رکھا یہ بیان جواز کیلئے تھا

www.alahazratnetwork.org

لہذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں' بلکہ اب علماء فرماتے ہیں کہ موجودہ زمانہ میں مہر زیادہ باندھنا بہتر ہے کہ خاوند کسی قدر دبا رہتا ہے۔ جلد طلاق دینے کی ہمت نہیں کرتا آج کل عموماً خاوند ظالم ہیں' یہ زیادتی مہر ظلم سے بچنے کی ایک تدبیر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت عمر ایسے بے علم تھے کہ انہیں قرآن کریم کی اس صریحی آیت کا بھی علم نہ تھا' خود کہہ بیٹھے کہ عمر سے زیادہ قریش کی ایک عورت کا علم ہے' ایسے بے علم آدمی کی خلافت ناجائز ہے حضرت علی خلیفہ ہونے چاہئے تھے کہ وہ علم میں زیادہ تھے۔ **جواب:** نہ تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ تعالیٰ عنہ اس آیت سے بے خبر تھے نہ انہوں نے یہ حکم ناجائز دیا تھا آپ کلیہ فرمان مسلمانوں کی بھلائی کیلئے بطور مشورہ تھا' حدیث شریف میں بھی ہلکا مہر باندھنے کی رغبت دی گئی ہے' قرآن کریم کی اس آیت میں بھاری مہر باندھنے کا حکم نہیں دیا گیا' بلکہ بھاری مہر جو باندھ دیا گیا ہو اس کے ادا کی تاکید کی گئی ہے یا ادا شدہ کی واپسی سے منع فرمایا گیا بھاری مہر باندھنا اور ہے اور باندھ چکنے کے بعد ادا کرنا کچھ اور' بلاوجہ قرض لینا اچھا نہیں مگر لیا ہوا قرض ادا کرنا ضروری ہے' ادائے قرض کی آیتیں پڑھ کر یہ سمجھنا کہ قرض ضرور لینا چاہئے' غلطی ہے' رہا آپ کا اس بی بی سے یہ فرمانا اس کی ہمت افزائی کیلئے تھا کہ ایک عورت ہو کر قرآنی آیات پر نظر رکھتی ہے اور اپنی کسر نفسی کیلئے تھا ورنہ حضرت عمر کے علم سے اس بی بی کے علم کی کیا نسبت' حضرت عمر کی رائے کے مطابق قرآن کریم کی بہت سی آیات اتریں' اگر مان بھی لیا جائے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس مسئلہ سے بے خبر تھے' تو یہ بے خبری خلافت کے منافی کیسے ہو سکتی ہے۔ بارہا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مسائل میں غلطیاں ہوئیں' اور دوسرے صحابہ نے اس پر آپ کو مطلع کیا' چنانچہ آپ نے کچھ مرتدین کو جو آپ کی الوہیت کے قائل ہو گئے تھے' زندہ جلوایا: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر میں وہاں ہوتا تو علی کو ایسا نہ کرنے دیتا' میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ عذاب نار صرف رب النار دیگا' کوئی کسی کو یہ عذاب نہ دے' دیکھو مشکوۃ باب قتل اہل الردۃ: نیز ابن جریر اور ابن عبد البر نے محمد ابن کعب سے روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا' آپ نے جواب دیا حاضرین میں سے ایک نے کہا امیر المومنین یہ مسئلہ ایسے نہیں بلکہ اس طرح ہے' آپ نے فرمایا **اصبت و اخطانا** تم ٹھیک کہتے ہو ہم سے غلطی ہوئی' حضرت داؤد علیہ الصلوۃ والسلام کو رب تعالیٰ نے خلیفہ بنایا' فرماتا ہے **یا داود انا جعلنک خلیفۃ فی الارض** : اے داؤد ہم نے تم کو زمین میں خلیفہ بنایا' اس کے باوجود آپ سے غلطی ہوئی' جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے **اذ یحکمن فی الحرث** : نیز آدم علیہ الصلوۃ والسلام خلیفۃ اللہ ہیں: **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** : مگر آپ سے بھی خطاو نسیان ہوئی' گندم کی ممانعت کے متعلق غلط فہمی ہو گئی' تو چاہئے کہ یہ دونوں نبی خلیفہ نہ ہوں جناب پورا علم اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے' رہی مخلوق' اس کا یہ حال ہے کہ **فوق کل ذی علم علیم** : اس کی پوری تفسیر روح المعانی میں اس جگہ ملاحظہ فرمایئے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر زوجین خلوت کر چکے ہوں تو دیا ہوا مہر واپس نہ لو تو چاہئے کہ خلوت کے بغیر اگر طلاق دی جائے تو دیا ہوا مہر واپس لے لے' یہ بھی تو بے مروتی ہے۔ **جواب:** اگر خاوند اپنی بیوی کو پورا مہر دے چکا ہے' پھر بغیر خلوت طلاق دے دے۔ تو آدھا مہر واپس لے سکتا ہے کہ وہ آدھے مہر کی ہی مستحق تھی مگر لے چکی پورا جس کا ذکر قرآن کریم میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ کی بنا پر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے شریعت نے حق نسب' حق قرابت' حق نکاح کا لحاظ

www.alahazratnetwork.org

فرمایا ہے' ایسے ہی طریقت میں حق صحبت' حق خدمت کا بھی لحاظ ہے' دیکھو خاوند اپنی بیوی کو طلاق دیکر بھی اس کا مہر' عدت کا خرچہ' مکان کا خرچہ' مکان وغیرہ دیتا ہے' کیوں؟ اس لئے کہ اس عورت نے اسکی خدمت کی' صحبت میں رہی رب تعالیٰ نے فرمایا **وقد افضی بعضکم الی بعض** حق صحبت بعد نکاح بھی باقی رہا' یوں ہی جو مرید اپنے پیر کی صحبت میں رہے' اس کی خدمت کرے' پھر اگر پیر مرید پر ناراض ہو کر اسے اپنے سے علیحدہ بھی کر دے' جب بھی جو فیضان اسے دے چکا ہے وہ واپس نہ لے' کہ کریم دے کر لیا نہیں کرتے' بلکہ اسے کچھ رخصتانہ دیکر روانہ کر دے' دیکھو حضرت خضر علیہ الصلوۃ والسلام نے جب جناب موسیٰ علیہ والسلام کو اپنے پاس سے رخصت کیا اور فرمایا **ھذا فراق بینی و بینک** یہ میری تمہاری جدائی کا وقت ہے تم میرے ساتھ نہ رہو تو حضرت موسیٰ علیہ الصا ۃ والسلام کو ان کے تمام پیش کردہ سوالات کے جوابات بتا کر سمجھا کر روانہ کیا' ورنہ معلوم کیا کیا فیض دیئے' کامل لوگ مرے بعد بھی اپنے مرید کو بلکہ جو بھی ان کی صحبت میں رہ چکا ہو برابر یاد رکھتے ہیں' غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضرات صوفیائے کرام کی فیاضی و عطا کیلئے دریائے ناپید اکنار ہے' عورت کا مرد سے جسمانی نکاح ہوتا ہے' جو آخر کار طلاق یا موت سے ٹوٹ جاتا ہے' جب اس عارضی جسمانی نکاح کے ایسے حقوق ہیں کہ طلاق کے بعد مرد پر عورت کا نفقہ عدت لازم بعد موت شوہر پر بیوی کا کفن دفن لازم تو مرید کا اپنے شیخ سے روحانی نکاح ہوتا ہے جو ناقابل فسخ ہے' اسکے حقوق کیسے ہوں گے۔

حکایت: ایک بزرگ کی اپنی بیوی سے ان بن رہتی تھی' کسی مرید نے اس جھگڑے کی وجہ پوچھی انہوں نے فرمایا' میرے گھریلو معاملات سے تمہیں کیا تعلق؟ میں جانوں میری بیوی جانے' تم پوچھنے والے کون؟ آخر طلاق کی نوبت آگئی' انہوں نے طلاق دے دی' عورت نے بعد عدت دوسرے سے نکاح کر لیا' مرید نے پوچھا' حضرت اب بتا دیجئے' کہ اس عورت میں کیا خرابی تھی؟ فرمایا اب وہ عورت دوسرے کی ہو چکی' مجھے دوسروں کا عیب کھولنا حرام ہے' حق خدمت و حق صحبت۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ مردان راہ خدا دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ!
ترا کے میسر شود ایں مقام کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

میں نے سنا ہے کہ اللہ کے مرد دشمنوں کا بھی دل نہیں دکھاتے' تجھے یہ مرتبہ کیسے مل سکتا ہے' کہ تو تو اپنے دوستوں سے لڑتا جھگڑتا رہتا ہے' چمکتے ہوئے چاند پر کتا بھونکتا ہے' چاند اس کے کھلے ہوئے منہ میں بھی اپنا نور ڈال دیتا ہے' گویا یہ کہتا ہے کہ جو تیرے پاس ہے وہ تو دے' جو میرے پاس ہے وہ مجھ سے لے' تیرے پاس بھونکنا ہے اور میرے پاس چمکانا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ
اور نہ نکاح کرو ان عورتوں سے جن سے نکاح کیا تمہارے باپ دادا نے مگر وہ جو گزر گیا بے شک یہ ہے
اور باپ دادا کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو مگر جو ہو گزرا وہ بے شک

www.alahazratnetwork.org

فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿۲۲﴾
بے حیائی اور ناراضی کا کام اور برا ہے یہ راستہ
بے حیائی اور غضب کا کام ہے اور بہت بری راہ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اپنے مرحوم عزیزوں کی بیویوں کے جبراً وارث و والی نہ بن جاؤ کہ نہ جبراً ان سے نکاح کرلو نہ نکاح جبراً کرلو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان میں سے بعض کی بیویاں تم پر حرام بھی ہیں کہ وہ تمہارے نکاح میں آسکتی ہی نہیں جیسے تمہارے مرحوم باپ دادا کی بیویاں کہ یہ تمہاری سوتیلی ماں یا سوتیلی دادی نانی ہیں۔ گویا پہلے جبراً نکاح کی حرمت کا ذکر تھا اور اب ان نکاحوں کا ذکر ہے جو بخوشی بھی جائز نہیں۔

دوسرا تعلق: مردوں کو بیویوں کے نکاح سے نکالنے کے احکام بتائے گئے تھے۔ اب انہیں نکاح میں لانے کے احکام بتائے جا رہے ہیں کون بیویاں تمہارے نکاح میں آسکتی ہیں کون نہیں۔ گویا خروج نکاح کے بعد دخول نکاح کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں بیویوں سے اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس حقوق زوجیت کی مستحق وہ بیویاں ہیں جو صحیح معنی میں بیویاں ہوں ناجائز بیویاں کسی حق کی مستحق نہیں اس لئے اب ناجائز عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول: اسلام سے پہلے اہل عرب اپنے باپ دادا کی وفات کے بعد انکی بیویاں یعنی اپنی سوتیلی ماں، سوتیلی دادی، نانی سے نکاح کرلیتے تھے، چنانچہ مدینہ منورہ میں اسود ابن خلف نے اپنے باپ خلف کی بیوی سے اور صفوان ابن امیہ ابن خلف نے ——— اپنے باپ امیہ کی بیوی فاختہ بنت اسود ابن مطلب اور منظور ابن ریان نے اپنے باپ ریان کی بیوی ملیکہ بنت خارجہ سے ان کی موت کے بعد نکاح کرلئے، تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی و کبیر وغیرہ) انصار میں ایک بہت ہی نیک شخص تھے، ابو قیس ان کے انتقال کے بعد ان کے بیٹے قیس نے ان کی بیوی کو پیغام نکاح دیا، یعنی اپنی سوتیلی ماں کو، وہ بولیں تمہارے باپ بھی نیک تھے اور تم بھی بہت صالح ہو، تم میرے بیٹے رہے ہو، اب تک تم مجھے ماں کہتے تھے، اب میں تمہارے نکاح میں کیسے آسکتی ہوں، اچھا میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ دریافت کرکے تمہیں جواب دوں گی، چنانچہ وہ بی بی بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئیں اور یہ واقعہ عرض کیا، ابھی وہ وہاں حاضری تھیں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن) خیال رہے کہ اس نکاح کو وہ لوگ بھی اچھا نہیں سمجھتے تھے اس لئے اسے نکاح مقتی اور اس نکاح کی اولاد کو اولاد مقتی کہتے تھے، یعنی برا نکاح اور بری اولاد، ناراضی الٰہی کا باعث۔

تفسیر: ولا تنکحوا ما نکح اباؤکم واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ مستقل نیا جملہ ہے **تنکحوا** اور **نکح**، **نکح** سے بنا بمعنی ملنا، خواہ جسم سے ملنا ہو یعنی صحبت یا قول سے ملنا ہو جیسے عقد نکاح، یہاں دونوں جگہ نکاح سے مراد لغوی معنی ہیں جس میں عقد نکاح اور صحبت دونوں داخل ہیں، قرآن کریم میں نکاح بمعنی عقد نکاح بھی آیا ہے اور بمعنی صحبت بھی، چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الزانی لا ینکح الا زانیۃ** یہاں نکاح بمعنی مجامعت و صحبت ہے (کبیر) یعنی زانی لوگ زانیہ عورتوں سے ہی صحبت زنا کرسکتے ہیں، صالحہ عورتیں انکو منہ بھی نہیں لگاتیں اور فرماتا ہے **حتی تنکح زوجا غیرہ** یہاں بھی نکاح

www.alahazratnetwork.org

معنی صحبت ہے' یعنی تین طلاق کے بعد عورت اس مرد سے نکاح نہیں کر سکتی' حتی کہ دوسرے خاوند سے صحبت کرے' اور فرماتا ہے **وابتلوا الیتمی حتی اذا بلغوا النکاح** یہاں نکاح سے مجامعت مراد ہے ورنہ عقد نکاح تو چھوٹے بچوں کا بھی ہو سکتا ہے (کبیر) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ولدت من نکاح لا من سفاح** یہاں بھی نکاح سے مراد صحبت ہے ورنہ سفاح یعنی زنا سے اس کا مقابلہ درست نہ ہوتا (کبیر) عربی شعراء نے بھی بہت جگہ نکاح بمعنی مجامعت استعمال کیا ہے' لہٰذا یہاں نکاح کے ایسے معنی ہیں جو عقد نکاح اور صحبت و مجامعت دونوں ہی کو شامل ہیں' اور ہو سکتا ہے **لا تنکحوا** میں نکاح بمعنی عقد نکاح ہو اور **ما نکح** میں نکاح بمعنی مطلق ہو' ما سے مراد عورتیں ہیں' چونکہ انہیں عام صفت سے بیان فرمایا گیا' اس لئے ما ارشاد ہوا' کہ ایسے موقعہ پر عقل والوں کیلئے بھی ما بولا جاتا ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما جاء هم ما عرفوا کفروا به** جب ان یہود کے پاس وہ جانے پہچانے نبی تشریف لائے تو وہ ان کا انکار کر بیٹھے' دیکھو یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ما ارشاد ہوا' اباء سے مراد بطریق عموم مجاز باپ' دادا' نانا وغیرہ تمام اصول ہیں' یعنی اے مسلمانو تم ان عورتوں سے عقد نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ' دادا' نانا نے عقد نکاح کر لیا ہو' یا حلال صحبت کر لی ہو جیسے ان کی موطوءہ لونڈی یا حرام صحبت کر لی ہو' جیسے باپ دادا نانا کی زنا کی داشتہ عورت' بلکہ جسے باپ دادا وغیرہ نے شہوت سے چھو بھی لیا ہو' وہ بھی اولاد کیلئے حرام ہے' یا اے مسلمانو تم ان عورتوں سے صحبت نہ کرو جن سے تمہارے باپ دادے صحبت کر چکے ہوں یعنی ان کی موطوءہ لونڈی کو بیٹا ہاتھ نہیں لگا سکتا' اگرچہ وہ لونڈی بیٹے ہی کی ملک میں آ جائے خلاصہ یہ ہے' اولاد پر باپ دادا کی چند عورتیں حرام ہیں' جن سے انہوں نے فقط نکاح کر لیا' صحبت نہ کی' بغیر صحبت طلاق دے دی یا مر گئے' جن سے نکاح نہ کیا مگر حلال صحبت کر لی جیسے لونڈی' جن سے حرام صحبت کی جیسے زنا کی داشتہ عورت جن سے نکاح کر لیا صحبت بھی جیسے موطوءہ بیوی' جن سے بوس و کنار کر لیا' یہ سب عورتیں اولاد پر حرام ہیں' اس ایک جملہ سے بہت سے محرم عورتوں کا اجمالی ذکر فرما دیا' یہ ہی احناف کا مذہب ہے **من النساء** میں من بیانیہ ہے یہ عبارت ما کا بیان ہے **نساء' امراة** کی جمع ہے خلاف قیاس' اگرچہ نساء جوان عورت کو کہتے ہیں' مگر یہاں مطلقاً عورت مراد ہے لہٰذا اگر باپ نے نابالغہ یا مراہقہ سے نکاح کر کے طلاق دے دی ہو' تب بھی وہ بیٹے پر حرام ہے' نیز نساء سے مراد وہ عورتیں ہیں جو باپ کیلئے حلال ہوں' اور جن سے نکاح درست ہو کہ اگر باپ کسی ایسی عورت سے نکاح کرے جو اسے حلال ہی نہ تھی' تو یہ عورت اس نکاح کی وجہ سے حرام نہ ہو گی' کہ یہ نکاح درست ہی نہ تھا' ان فوائد کی وجہ سے **من النساء** فرمایا گیا **الا ما قد سلف** قوی تر یہ ہی ہے کہ الا استثناء کا ہے' اور استثناء بھی متصل ہے نہ تو الا بمعنی لکن ہے نہ استثناء منقطع ما موصولہ ہے' اور سلف سے مراد وہ نکاح ہیں جو یہ لوگ زمانہ جاہلیت میں کر چکے تھے اور وہ بیویاں فوت بھی ہو چکی تھیں یعنی تم پر اپنے باپ دادوں کی بیویاں حرام ہیں' اگر ان سے نکاح کرو گے تو سخت مجرم ہو گے۔ ہاں جو اس قسم کے نکاح تم زمانہ جاہلیت میں کر چکے ہو یا اس قانون کے بننے سے پہلے کر چکے ہو' ان پر تم گنہگار نہ ہو گے' کہ قانون بننے سے پہلے کے اعمال پر سزا نہیں ہوا کرتی لیکن اب اگر ایسی عورت تمہارے نکاح میں ہو تو اسے علیحدہ کرنا پڑے گا' لہٰذا یہ استثناء گناہ سے ہے نہ کہ جواز سے اور استثناء متصل ہے' اس جملہ کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں' مگر یہ تفسیر آسان بھی ہے قوی بھی' اور اس صورت میں اس جملہ پر کوئی اعتراض بھی نہیں۔ (کبیر' معانی' خازن وغیرہ) **انه کان فاحشة ومقتا وساء سبیلا** یہ جملہ گزشتہ حکم کی علتوں کا بیان ہے' کہ دوسرے گناہوں میں ایک آدھ خرابی ہوتی ہے' اس نکاح میں تین خرابیاں ہیں' انه میں ہ ضمیر نکاح

www.alahazratnetwork.org

کی طرف لوٹتی ہے' جو **لا تنکحوا** سے سمجھا گیا کلن کے معنی ہیں' ہے' **فاحشۃ** کے معنی بارہا بیان ہو چکے حد سے بڑھا ہوا گناہ یا بے حیائی' مقت سخت ناراضی کو کہتے ہیں' یعنی اس نکاح میں تین خرابیاں ہیں' عقلی کہ وہ فاحشہ و بے حیائی ہے شرعی کہ وہ رب تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث ہے' عرفی کہ یہ نکاح کرنا عرفاً بھی برا راستہ اختیار کرنا ہے۔ (تفسیر احمدی و معانی کبیر)۔

خلاصہء تفسیر: اے مسلمانو! خیال رکھو کہ اب' کبھی کسی ایسی عورت سے نکاح نہ کرنا جن سے تمہارے باپ دادے صحیح نکاح یا حلال حرام صحبت کر چکے ہوں' اگر ایسا کرو گے' تو سخت مجرم و گناہگار ہوں گے' ہاں اسلام سے پہلے یا اس قانون کے بننے سے پہلے جو تم اس قسم کا نکاح کر چکے' اس پر تمہاری پکڑ نہیں کہ سزائیں قانون بن جانے کے بعد ہوتی ہیں' پہلے کے کام قانون کی زد میں نہیں آتے۔ خیال رکھو کہ ایسی عورتوں سے نکاح کرنا عقلاً" بھی بے حیائی ہے شرعاً" بھی رب تعالیٰ کی سخت ناراضی کا باعث ہے' اور عرفاً" بھی' یہ بہت ہی برا راہ ہے' ایسے کام کے قریب بھی نہ جاؤ' تم لوگ زمانہ جاہلیت میں بھی ایسے نکاح کو نکاح مقتی' اور ایسے نکاح کی اولاد کو اولاد مقتی کہتے تھے' یعنی رب تعالیٰ کی ناراضی والا نکاح' حضرت براء ابن عازب فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میرے ماموں کے ہاتھ میں جھنڈا تھا وہ کہیں جا رہے تھے' میں نے پوچھا کہاں جا رہے ہیں آپ فرمانے لگے کہ مجھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا ہے کہ فلاں محلہ میں ایک شخص نے اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح کر لیا ہے میں اس کا سر کاٹ کر بارگاہ رسالت میں پیش کروں۔ (تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** مسلمانوں پر اپنی اصول کی منکوحہ بیویاں حرام ہیں' باپ' دادا' نانا' پردادا اور پرنانا وغیرھم کی بیویاں حرام ہیں' جیسا کہ **ما نکح** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** یہ قانون صرف مسلمانوں کیلئے ہے' اگر اسلامی حکومت میں پارسی' مجوسی وغیرہ اپنی ماں بہن سے نکاح کریں جو انکے دین میں درست ہے' ہم اسے نہ منع کریں گے' جیسا کہ **لا تنکحوا** کے خطاب سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اپنے سگے باپ دادا کی بیویاں حرام ہیں نہ کہ سوتیلے باپ دادا کی' لہٰذا سوتیلے باپ کی بیوی سے نکاح درست ہے جیسا کہ **اباؤکم** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جس عورت سے باپ دادا صرف نکاح کر لیں وہ بھی حرام ہے' اگرچہ صحبت کئے بغیر طلاق دے دیں' یا مر جائیں' جیسا کہ **ما نکح** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جس عورت سے اپنا باپ دادا حلال صحبت کرے اگرچہ بغیر نکاح ہو وہ بھی حرام ہے' لہٰذا باپ کی موطوءہ لونڈی یا موطوءہ بالشبہ سے بیٹا' پوتا نکاح نہیں کر سکتا' یہ بھی **ما نکح** کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جس عورت سے اپنا باپ یا دادا حرام صحبت کرے یا بوس و کنار کرے' وہ بھی بیٹے پوتے پر حرام ہے جیسا کہ **ما نکح** کے عموم سے معلوم ہوا' یہ ہی احناف کا مذہب ہے کہ باپ کی مزنیہ عورت بیٹے پر حرام ہے کہ یہاں نکاح بمعنی ضم ہے یعنی ملنا' خواہ جسماً" ملنا ہو یعنی صحبت کیسی ہی ہو' حرام یا حلال یا زبانی ملنا' یعنی عقد نکاح۔ امام کرخی فرماتے ہیں کہ لفظ نکاح کی وضع تو صحبت کیلئے ہے' عقد نکاح کو مجازاً نکاح کر دیتے ہیں کہ یہ صحبت کا ذریعہ ہے' جیسے عقیقہ حقیقتہ" بچے کے سر کے بال ہیں' مگر اب اس بکری کو بھی عقیقہ کہہ دیتے ہیں جو پیدائشی بال مونڈنے پر ذبح کی جائے۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان عورت ہی سے ہو سکتا ہے۔ جن وغیرہ غیر انسان سے نہیں ہو سکتا' جیسا کہ **من النساء** سے معلوم ہوا' ہاں جنت میں حور سے بھی نکاح ہو گا اگرچہ حوریں انسان یعنی آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **وزوجنھم بحور عین**۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر

www.alahazratnetwork.org

مجوسی اسلام لائے اور اس کے نکاح میں اپنی ماں یا بہن یا بیٹی ہو تو اسلام لاتے ہی اس کو علیحدہ کرنا پڑے گا۔ لیکن اسلام سے پہلے جو اس کے بچے اس عورت سے پیدا ہو چکے وہ حلال مانے جائیں گے' جیسا کہ **الا ما قد سلف** سے معلوم ہوا' دیکھو بعض کفار کے ہاں نکاح بغیر ایجاب قبول ہوتے ہیں' مگر اسلام ان نکاحوں کو درست مانتا ہے' حتیٰ کہ قرآن مجید نے ابولہب کی بیوی جمیلہ کو اس کی بیوی فرمایا' کہ ارشاد فرمایا **وامراتہ حمالۃ الحطب** حالانکہ اس کا نکاح اسلامی قاعدے سے نہ ہوا تھا۔ نواں فائدہ: باپ دادا کی بیوی سے نکاح شرعاً" بھی حرام ہے عقلاً" بھی' عرفاً" بھی' ایسی حرکت سے بچنا اشد ضروری ہے' جیسا کہ فاحشۃ اور مقتاً اور ساء سبیلاً" فرمانے سے معلوم ہوا' بہرحال اس شرعی حکم کو عقل و عرف نے قوت دے دی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر مجوسی' پارسی اسلام لائے' اور اس کے نکاح میں اس کی ماں یا بہن ہو اس پر علیحدہ ہو جانا واجب نہ ہو' کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **لا تنکحوا** اے مسلمانو! ان عورتوں سے نکاح نہ کرو' نکاح کرنے کی ممانعت کی گئی' نہ کہ نکاح میں رکھنے کی' جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں نکاح بمعنی ضم ہے جو صحبت کو بھی شامل ہے اور نکاح کو بھی' یعنی ایسی عورتوں سے نہ نکاح کرو نہ صحبت' جب کہ اس مجوسی پر اسلام لا کر اس عورت کو ہاتھ لگانا بھی حرام ہو گیا' تو نکاح خود ہی ختم ہو گیا' اگر کافر نے بحالت کفر اپنی بیوی سے صحبت کی بعد میں اسلام لایا' تو اس پر غسل فرض ہے' اگرچہ بحالت کفر اس کے ذمہ غسل نہ تھا' اگر بحالت کفر اس کے کپڑے میں نجاست لگی' پھر وہ مسلمان ہوا تو اب کپڑا دھونا فرض ہے' اگرچہ کفر میں دھونا فرض نہ تھا' مسلمان ہو کر کفر کے زمانہ کی چوٹی' دھوتی' زنار توڑنا' فرض ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں نکاح سے مراد ہے عقد نکاح اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ جن عورتوں سے تمہارے باپ دادے نکاح کر لیں' تم ان سے نکاح نہ کرو' اب اگر اس نکاح سے صحبت بھی مراد لی جائے' تو یا حقیقت و مجاز کا اجتماع لازم ہو گا یا مشترک کا عموم' تم احناف کے ہاں یہ دونوں منع ہیں' لٰہذا اس سے تم صحبت مراد نہیں لے سکتے۔

نوٹ: یہ اعتراض امام شافعی کا ہے' جو وہ امام ابو حنیفہ پر کرتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہما ان کے ہاں باپ کی مزنیہ عورت سے بیٹا نکاح کر سکتا ہے' حرام صحبت سے حرمت مصاہرت ان کے ہاں نہیں آتی' ان بزرگوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں' ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب: الزامی تو یہ ہے کہ پھر یہ آیت کریمہ آپ کے بھی خلاف ہو گی' وہ اس لئے کہ آپ بھی باپ کی موطوءہ لونڈی سے لڑکے کو نکاح یا صحبت کی اجازت نہیں دیتے' مگر اب اسے اجازت ہو گی کہ جس عورت سے باپ لونڈی بنا کر صحبت کرے پھر بیٹا اس سے نکاح کرے یا بعد میں بیٹا اس کا مالک ہو جائے تو اسے صحبت درست ہو' نیز اس سے لازم آئے گا کہ اگر مجوسی ایمان لائے حالانکہ اس کے نکاح میں پہلے ہی سے اپنے باپ کی موطوءہ ہو اسے علیحدہ نہ کرے' کیونکہ اب آیت کے معنی یہ ہوئے کہ اے مسلمانو! جن سے تمہارے باپ نکاح کر لیں' تم ان سے نکاح نہ کرو اور طرح حلال صحبت کر لو' پہلے سے نکاح ہو چکا ہے' تو نکاح میں رکھو' جواب تحقیقی: یہ ہے کہ نفی یا حق میں حقیقۃً" مجازیوں ہی مشترک کا عموم جائز ہے۔ (روح المعانی) مگر اس کا نفیس جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں نکاح بمعنی لغوی ہے یعنی ملنا ملانا' جس کی دو فردیں ہیں عقد نکاح اور صحبت' گویا یہ مشترک معنوی ہے نہ کہ مشترک لفظی' جیسا کہ **یصلون علی النبی** میں صلوۃ بمعنی اظہار شان ہے' رب کی صلوۃ رحمت بھیجنا ہے' فرشتوں کی صلوۃ دعائے رحمت کرنا' وہاں بھی مشترک

www.alahazratnetwork.org

معنوی ہے نہ کہ لفظی مشترک کا عموم و جمع۔ تیسرا اعتراض: ماں دادی وغیرہ کی حرمت تو اگلی آیت میں آرہی ہے پھر یہاں علیحدہ کیوں بیان فرمائی۔ جواب: یا اسکے اہتمام کیلئے کہ تمام آئندہ حرمتوں میں اس کی حرمت سخت تر ہے یا اس لئے کہ اہل عرب اسلام سے پہلے اس کی حرمت کے انکاری تھے یا اس لئے کہ اگلی آیت میں ماں کی حرمت کا ذکر ہے جس کے پیٹ سے انسان ہو یہاں باپ کی منکوحہ کی حرمت مراد ہے اور باپ کی مزنیہ یعنی سوتیلی ماں لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ چوتھا اعتراض: **الا ما قد سلف** کا استثناء نحوی قاعدہ سے درست نہیں کیونکہ مستثنیٰ کو مستثنیٰ میں داخل ہونا چاہئے حالانکہ یہاں آئندہ کے نکاح سے منع فرمایا جارہا ہے اور ماسلف گزشتہ کا نکاح ہے جو آئندہ کے نکاح میں داخل نہیں پھر استثناء کیونکر درست ہوا؟ جواب: اس جگہ بعض مفسرین نے بہت توجیہیں کی ہیں قوی توجیہ وہ ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کی کہ یہاں جواز نکاح سے استثناء نہیں بلکہ گناہ سے استثناء ہے یعنی جو پہلے ایسے نکاح ہو چکے ان پر تمہاری پکڑ نہیں اب آئندہ کرو گے تو پکڑ ہوگی لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ (تفسیر کبیر و معانی)

تفسیر صوفیانہ: عالم اجسام میں بعض چیزیں علویات ہیں جنہیں فلکیات کہا جاتا ہے یہ گویا آباء یعنی والد ہیں کہ یہ فیض دینے والے ہیں جیسے چاند سورج آسمان ہوا وغیرہ اور بعض چیزیں سفلیات ہیں یہ گویا امہات یعنی مائیں ہیں جیسے زمین اور زمین کی چیزیں یہاں گویا اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ زمین و زمینی چیزیں جو آسمان و آسمانی چیزوں کے تصرف میں آچکی ہیں تم ان سے نکاح نہ کرو ان میں دل نہ لگاؤ یہ چیزیں تمہارے دل لگانے کیلئے نہیں ہیں تمہارا نکاح ان سے نہیں ہو سکتا تمہارا نکاح تو عالم ارواح جنت اور جنتی نعمتوں سے ہونے والا ہے تم ان سے دل لگاؤ ہاں **الا ما قد سلف** ان زمینی چیزوں میں اسی قدر تعلق رکھو جو تمہارے لئے تدبیر الٰہی میں درست ہو چکا ہے کہ ان سے بقدر ضرورت نفع اٹھاؤ ان سے نفع اٹھانا جائز ہے ان میں دل لگانا حرام ہے بلکہ فاحشہ ہے رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے مولانا جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اے کہ در شرع خداوندان حال　　می کنی از سنت و فرضم سوال
سنت آمد دل ز دنیا تافتن　　فرض راہ قرب مولیٰ یافتن

یعنی اگر تم حال والوں کی شریعت میں سنت و فرض کے بارے میں پوچھتے ہو تو سن لو دنیا سے منہ موڑنا سنت ہے راہ حق پر چلنا جس سے خدا مل جائے فرض ہے حافظ شیرازی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

غلام ہمت آنم کہ زیر چرخ کبود　　زہرچہ رنگ تعلق پذیر د آزاد است

میں اس کی ہمت پر قربان جاؤں جو آسمان کے نیچے رہ کر ان رنگ و بو کی قیدوں سے آزاد رہے مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

ہر کہ مجبو بست او خود کودکے است　　مرد آں باشد کہ بیرون از شکے است
اے خنک آنکہ جہادے مے کند　　بر بدن زجری دوائے مے کند

ہماری شریعت میں بچہ نادان وہ ہے جو یار سے حجاب میں ہے جو یہ آڑ پھاڑ دے وہی جوان مرد ہے مبارک ہے وہ جو اپنے پر ہمیشہ جہاد کرتا رہتا ہے اپنے کو ہمیشہ برائیوں پر ملامت کرتا ہے۔ (روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ

حرام کی گئیں اوپر تمہارے مائیں تمہاری اور بیٹیاں تمہاری اور بہنیں تمہاری اور پھوپھیاں تمہاری اور خالائیں تمہاری اور

حرام ہوئیں تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھوپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں

الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ

بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی اور رضاعی مائیں وہ جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور بہنیں تمہاری دودھ سے

اور بھانجیاں اور رضاعی مائیں وہ جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا اور دودھ کی بہنیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں سوتیلی ماں کی حرمت کا ذکر تھا کہ اس سے نکاح کرنا حرام ہے' اب سگی ماں کی حرمت کا ذکر ہے کہ عورت جس کے پیٹ سے تم پیدا ہوئے' اس سے نکاح بھی حرام ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس ماں کی حرمت کا ذکر تھا جو صرف ایک وجہ سے حرام ہو یعنی باپ کی بیوی ہونا' اب اس عورت کی حرمت کا ذکر ہے جو دو وجہ سے حرام ہو باپ کی بیوی یا موطوءہ ہونا اور اپنا ہمارا اس کے پیٹ سے پیدا ہونا' گویا ہلکی حرمت کے بعد سخت حرمت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں صرف ایک عورت کی حرمت کا ذکر تھا یعنی باپ کی منکوحہ یا موطوءہ' اب چودہ عورتوں کی حرمت کا ذکر ہے' گویا اختصار کے بعد تفصیلی بیان فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **حرمت علیکم امھتکم** یہ جملہ خبر بمعنی امر ہے' اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ عورتیں تم پر پہلے حرام کی گئی تھیں' اب اس کی خبر دی جا رہی ہے' بلکہ آج سے انکی حرمت کے احکام دیئے جا رہے ہیں' حرمت کے معنی بارہا بیان کئے جا چکے کہ اس کے معنی ہیں علیحدگی' دوری' محرومی' ممنوع چیز کو حرام کہا جاتا ہے' اور محترم معظم کو بھی' چنانچہ کہا جاتا ہے **بیت اللہ الحرام** یعنی حرمت و عزت والا بیت اللہ' کیونکہ ممنوع چیز کے استعمال سے اور محترم چیز کی بے ادبی سے علیحدہ رہا جاتا ہے' یہاں حرمت بمعنی ممانعت ہے: **علیکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے: **امہات** یا تو امہ کی جمع ہے' جس کی ہ دور کر کے میم مشدد کر دی گئی' جمع میں ہ لوٹ آئی' یا ام کی جمع ہے' جس میں ہ زائدہ ہے' جیسے اراق کو اہراق اریق کو ہریق کہا جاتا ہے' ہ زائدہ کے ساتھ' یہ دراصل **امات** تھا ام کے لغوی معنی ہیں اصلی' اسی لئے مکہ معظمہ کو ام القریٰ اور سورۂ فاتحہ کو ام القرآن کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ بستیوں کی اصل ہے اور سورۂ فاتحہ قرآن مجید کی اصل۔ امہات میں جائز ناجائز مائیں سب ہی شامل ہیں' جس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو وہ ام ہے' خواہ جائز صحبت سے پیدا ہو یا حرام صحبت سے' اسی طرح امہات میں دادیاں نانیاں سب شامل ہیں' اسی لئے امہات جمع ارشاد ہوا' تاکہ ہر قسم کی بلا واسطہ یا بالواسطہ ماں کو شامل ہو یعنی اے مسلمانو! تم پر تمہاری ہر قسم کی مائیں حرام کر دی گئیں' خواہ جائز ماں ہو یا ناجائز' خواہ ماں یا دادی نانی۔ خیال رہے کہ حرام و حلال ہونا فعل کی صفت ہے نہ کہ ذات کی' یعنی کام حرام یا حلال ہوتے ہیں خود شے حرام حلال نہیں ہوتی' لہٰذا یہاں نکاح پوشیدہ ہے یعنی تم پر ماؤں وغیرہ سے نکاح کرنا حرام ہے' جیسے شراب حرام ہونے کے معنی یہ ہیں کہ تم پر اس کا پینا حرام ہے' اس کی تفسیر گزشتہ آیت کر رہی ہے جہاں فرمایا گیا کہ اپنے باپ کی منکوحہ سے نکاح نہ کرو **وبنتکم واخواتکم** بنات بنت کی جمع ہے: **اخوات** اخت کی جمع ان دونوں کلام کلمہ واؤ

ہے کہ بنت دراصل بنوۃ ہے' اور اخت دراصل اخوۃ' مگر اخت کی جمع میں تو و ٹوٹ آیا' لیکن بنت کی جمع میں و لوٹ نہ لوٹا' (روح المعانی) بنت سے مراد مطلقاً بیٹی ہے حرام کی ہو یا حلال کی' یہ ہی احناف کا مذہب ہے' امام شافعی کے ہاں حرام کی بیٹی باپ کیلئے حلال ہے' مگر ہمارے ہاں حرام (کبیر و روح المعانی) نیز بنات میں پوتیاں نواسیاں سب شامل ہیں' اور اخوات میں سگی بہن' ماں شریکی بہن اور باپ' بہن سب داخل' یعنی حرام کی گئیں تم پر تمہاری ہر قسم کی بیٹیاں جائز ہوں یا ناجائز' بالواسطہ ہوں یا بلاواسطہ' اور تمہاری مطلقاً بہنیں خواہ سگی ہوں یا سوتیلی' یہاں بھی حکم میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہے: خیال رہے کہ ماں اور بیٹی کسی آسمانی دین میں کبھی حلال نہ ہوئی' حضرت آدم علیہ الصلوۃ والسلام کی ملت میں بہن سے نکاح حلال تھا' نوح علیہ السلام کے زمانہ میں بہن حرام ہوئی' بلکہ سوائے زرتشت کے جو مجوسیوں کا پیشوا تھا' کسی غیر آسمانی دین میں بھی ماں بیٹی وغیرہ حلال نہ ہوئیں' زرتشت نے ان تمام کو حلال کہا' مجوسی اب بھی اس پر عامل ہیں کہ ماں بیٹی' بہن وغیرہ سب سے نکاح کر لیتے ہیں' زرتشت بڑا مکار فریبی تھا' اپنے جسم پر کوئی دوا مل کر آگ میں کود جاتا' آگ اسے نقصان نہ پہنچاتی' تو کہتا تھا کہ میں نبی ہوں' میرا یہ معجزہ ہے' لوگ اسی عجوبہ کو دیکھ کر اسے رسول مان بیٹھے: بعض لوگوں نے کہا کہ آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بھی بہن سے نکاح حرام تھا' اس زمانہ میں مردوں کیلئے جنتی حوریں لائی گئی تھیں' مگر یہ محض غلط ہے' ورنہ پھر انسان خالص حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نہ ہوتے بلکہ آدم و حور سے مخلوط ہوتے' حق یہ ہی ہے کہ اس زمانہ میں بہن سے نکاح حلال تھا' بطن کا فرق تھا' یعنی اس دفعہ پیدائش کی بچی' دوسری دفعہ کی پیدائش کے بچہ کو حلال تھی (کبیر و معانی وغیرہ) **وعمتکم وخلتکم** **عمات** عمۃ کی جمع ہے اور خلاۃ خالۃ کی جمع باپ کی بہن عمہ یعنی پھوپھی کہلاتی ہے' ماں کی بہن خالہ' خواہ ان کی سگی بہن ہو یا ماں شریکی یا باپ شریکی' بہرحال حرام ہیں' خیال رہے کہ دادا پردادا کی بہن بھی حرام ہے اور نانا پرنانا نیز نانی پرنانی کی بہن بھی حرام' یہ سب عورتیں ان دو لفظوں میں شامل ہیں **وبنت الاخ وبنت الاخت** یہ الفاظ خالات پر معطوف ہیں' ہر بھائی کی بیٹی حرام اور ہر بہن کی بیٹی حرام' خواہ سگے بھائی بہن ہوں یا ماں شریکے یا باپ شریکے' یہ سات عورتیں نسبی رشتہ سے حرام ہیں **وامھتکم التی ارضعنکم** یہ جملہ یا تو **بنات الاخت** پر معطوف ہے یا **امھاتکم** پر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے' وہاں **امھات** فرمایا گیا' نسب کے لحاظ سے یہاں امہات فرمایا گیا' حرمت کے اعتبار سے' جیسے نبی کی بیویوں کو امہات فرمایا گیا' یا حرمت کے لحاظ سے یا ادب و احترام کی حیثیت سے' تفسیر کبیر نے فرمایا کہ دودھ کی ماں کو اس لئے ماں فرمایا' تاکہ معلوم ہو کہ جیسے سگی ماں کے بھائی بہن ہمارے ماموں خالہ ہیں اور اس کا خاوند ہمارا والد ہے' اس کے دیور ہمارے چچا تائے ہیں' اور ہم پر حرام ہیں' ایسے ہی دودھ کی ماں کے بھائی بہن' اس کا خاوند' دیور' نند وغیرہ ہمارے ماموں' خالہ' والد' چچا' پھوپھی ہیں' اور ہم پر حرام ہیں' اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ دودھ سے وہ ہی رشتے حرام ہوتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں' انہیں امہات فرما کر تمام گزشتہ رشتے اس میں داخل فرما لئے گئے' اور سب کو حرام قرار دیا گیا' اسی لئے آگے فرما دیا گیا کہ دودھ کی بہن بھی حرام ہے' جب دودھ کی ماں کی بیٹی ہماری بہن ہو کر حرام ہو گئی تو اس کے باقی مذکورہ رشتہ دار بھی ہمارے عزیز ہو کر ہم پر حرام ہوئے' یہ بہت نفیس تحقیق ہے' **ارضعن** **ارضاع** سے بنا' جس کا مادہ رضع ہے' معنی تھن منہ میں دینا' اسی لئے شیرخوار بچے کو رضیع کہتے ہیں' اور دودھ پلانے والی کو مرضعہ کہا جاتا ہے: **ارضعن** فرما کر دو مسئلے بتا دیئے گئے' ایک یہ کہ اس عمر میں تم کو دودھ پلائے جب تم رضیع یعنی شیرخوار ہو یعنی دو یا ڈھائی سال کی عمر میں' اس کے بعد اگر تم کسی عورت کا دودھ پی لو تو وہ تم پر حرام نہ ہو گی کہ وہ تمہاری مرضعہ اور

www.alahazratnetwork.org

تم رضیع نہیں۔ دوسرے یہ کہ اگر ایک قطرہ دودھ بھی تم کسی عورت کا پی لو وہ تمہاری ماں ہے اور مع اپنے ان مذکورہ رشتہ داروں کے تم پر حرام' قربان جایئے قرآن کریم کی فصاحت کے کہ ایک ایک کلمہ میں بہت سے مسائل بیان فرماتا ہے **واخواتکم من الرضاعۃ** یہ عبارت **امہاتکم** پر معطوف ہے' اخوات اخت کی جمع بمعنی ہے دودھ کی بہن مراد ہے' **من الرضاعۃ** فرما کہ یہ بتایا کہ صرف دائی کے پیٹ کی بیٹی تم پر حرام نہیں' بلکہ اس کی ساری بیٹیاں حرام ہیں پیٹ کی ہوں یا سوتیلی' یا دوسری کوئی اجنبی لڑکی جسے اس نے دودھ پلا دیا ہو وہ سب تمہاری بہنیں ہیں اور تم پر حرام' سگی ماں کی دودھ کی بیٹی' دودھ کی ماں کی سگی بیٹی' دودھ کی ماں کی دودھ کی بیٹی' یہ سب ہماری دودھ کی بہنیں ہیں اور ہم پر حرام ہیں: **رضاعۃ** فرما کر گزشتہ دو قیدیں بتادیں کہ اس لڑکی نے دو ڈھائی سال کی عمر میں اس کا دودھ پیا ہو اور خواہ زیادہ پیا ہو یا کم سب تم پر حرام ہے' غرضیکہ اخوات جمع فرما کر دودھ کی بہت سی قسم کی بہنیں بتادیں اور **من الرضاعۃ** فرما کر بہت سے مسائل بتادیئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس پوری آیت کریمہ میں چودہ عورتوں کی حرمت بیان فرمائی گئی جن میں سے سات عورتیں نسبی رشتہ دار ہیں' ماں' بیٹی' بہن' پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی اور سات عورتیں نسب کے علاوہ دوسرے رشتے سے حرام' چنانچہ دو دودھ کے رشتہ سے رضاعی ماں' رضاعی بہن اور نکاح کے رشتہ سے یعنی ساس اور بیوی کی لڑکی' بیٹے کی بیوی کی حرمت یہاں مذکور ہے' اور باپ کی بیوی کی حرمت ابھی اوپر مذکور ہوئی' خاوند والی عورتیں' دو بہنوں کا نکاح میں اجتماع' ارشاد ہوا اے مسلمانو! تم پر حسب ذیل عورتیں حرام کی گئیں جن سے تمہارا نکاح نہیں ہو سکتا' تمہاری ہر قسم کی مائیں' جائز مائیں ہوں یا ناجائز' بلاواسطہ مائیں ہوں یا بالواسطہ دادیاں نانیاں وغیرہ: تمہاری ہر قسم کی بیٹیاں حلال کی بیٹی ہو یا حرام کی' بلاواسطہ بیٹی ہو یا بالواسطہ پوتیاں' نواسیاں وغیرہ: تمہاری ہر قسم کی بہنیں سگی ہوں یا باپ شریکی یا ماں شریکی' تمہاری ہر قسم کی پھوپھیاں' خواہ باپ کی سگی بہنیں ہوں یا ماں شریکی یا باپ شریکی' تمہاری ہر قسم کی خالائیں' خواہ ماں کی سگی بہنیں ہوں یا ماں شریکی یا باپ شریکی' نیز یہ پھوپھیاں خالائیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ یعنی دادا دادی' نانا نانی کی بہنیں یہ سب حرام ہیں: تمہاری بھتیجیاں خواہ سگے بھائی کی بیٹیاں ہوں یا باپ شریکے بھائی یا ماں شریکے بھائی کی: تمہاری بھانجیاں خواہ سگی بہن کی بیٹیاں ہوں یا ماں شریکی بہن کی یا باپ شریکی بہن کی' اور تمہاری دودھ پلانے والی مائیں یعنی دائیاں جو تم کو ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پلائیں' جن کا دودھ کا قطرہ بھی تمہارے پیٹ میں کسی طرح پہنچ گیا تم پر حرام ہو گئیں تمہاری دودھ کی بہنیں' خواہ تمہاری سگی ماں کی شیر خوار ہوں یا دودھ کی ماں کی پیٹ کی ہوں' خواہ دودھ کی ماں کی دودھ کی بیٹی ہوں' خواہ تمہارے ساتھ دودھ پئیں یا تم سے آگے پیچھے' بہرحال تم پر حرام ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نسبی لحاظ سے چار قسم کی عورتیں مسلمان پر حرام ہیں' اپنے اصول جن کی اولاد میں تم ہو' جیسے ماں' نانی' دادی' پر نانی پردادی اپنے فروع بیٹی پوتی' نواسی پر پوتی' پر نواسی: اپنے اصول قریبہ' ماں باپ کی اولاد' بہن بھائی' بھتیجی اور بھانجی بھتیجی کی اولاد' خواہ کتنی ہی دور ہو یوں ہی بھانجے بھتیجے کی اولاد اصول بعیدہ: یعنی دادا نانا کی پیٹ کی اولاد تو حرام ہے مگر اس کی اولاد کی اولاد حلال یعنی پھوپھی' خالہ تو حرام مگر پھوپھی زاد اور خالہ زاد لڑکیاں حلال' دیکھو رب تعالیٰ نے صرف پھوپھیوں' خالاؤں کو حرام فرمایا' مگر بہن کو علیحدہ حرام قرار دیا' بھانجیوں بھتیجیوں کو علیحدہ حرام فرمایا۔ **دوسرا فائدہ:** ماں خواہ حلال کی ہو یا حرام کی اولاد پر حرام ہے۔ یعنی زنا کے بیٹے پر زانیہ ماں حرام جیسا کہ امہات

www.alahazratnetwork.org

کے عموم سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے امہات میں حلال کی قید نہ لگائی یوں ہی حرام کی نانی دادی بھی مرد پر حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے ہر قسم کی ماں حرام ہے' ایسے ہی ہر قسم کی بیٹی باپ پر حرام ہے خواہ حلال کی ہو یا حرام کی لہٰذا زانی پر اپنی حرام کی بچی حرام ہے' جیسا کہ بنات کے عموم سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں بھی امہات کی طرح بنات میں بھی حلال کی قید نہ لگائی' تعجب ہے کہ حضرت امام شافعی حرام کی ماں کو تو بیٹے پر حرام مانتے ہیں مگر حرام کے باپ کو بیٹی پر حرام نہیں مانتے' وہ فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے زانی باپ نکاح کر سکتا ہے۔ حالانکہ قرآن کریم نے یہاں جیسے امہات (ماں) کو مطلقاً حرام فرمایا' ایسے ہی بنات (بیٹی) کو مطلقاً حرام قرار دیا' اس جگہ تفسیر کبیر نے اس پر بہت دلائل قائم کئے' جو انشاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کئے جائیں گے۔

چوتھا فائدہ: بہن' پھوپھی' خالہ' بھتیجی' بھانجی' مطلقاً حرام ہیں خواہ سگی ہوں یا ماں شریکی یا باپ شریکی' جیسا کہ ان الفاظ کے عموم سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مطلقاً بہن کی مطلقاً اولاد حرام ہے خواہ حلال کی ہو یا حرام کی' کیونکہ یہاں امہات اور بنات کی طرح اخوات اور بنات الاخ میں کوئی قید نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** بھائی' بہن خود بھی حرام ہیں' ان کی اولاد در اولاد بھی حرام' مگر خالہ' پھوپھی خود تو حرام ہیں' ان کی اولاد حرام نہیں' لہٰذا خالہ زاد' پھوپھی زاد اولاد حرام نہیں حلال ہے' جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ:** جس عورت کا دودھ لڑکپن یعنی ڈھائی سال کی عمر میں بچے کے پیٹ میں پہنچ جائے' وہ عورت اس بچہ کی دودھ کی ماں ہو گئی اور ہمیشہ کیلئے حرام جیسا کہ **ارضعن** کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں پانچ یا دس گھونٹ دودھ کی قید نہیں لگائی گئی۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر بچہ ڈھائی سال کی عمر میں کسی عورت کا دودھ پئے' تب وہ عورت حرام ہو گی' ورنہ نہیں' اس عمر کے بعد دودھ پینا عورت کو حرام نہیں کرتا' یہ فائدہ بھی **ارضعن** سے حاصل ہوا کہ جس عمر میں بچہ رضیع یعنی شیر خوار کہلائے اس عمر میں دودھ پینا حرام کرے گا بعد میں نہیں۔ **نواں فائدہ:** دودھ کی بہن مطلقاً حرام ہے' خواہ سگی ماں کی دودھ کی بیٹی ہو یا دودھ کی ماں کی سگی بیٹی یا دودھ کی ماں کی دودھ کی بیٹی' پھر خواہ ہمارے ساتھ دودھ پئے یا آگے پیچھے' سب حرام ہیں' جیسا کہ یہاں **اخواتکم** کے اطلاق سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان مذکورہ قیدوں میں سے کسی قید کا ذکر نہ فرمایا۔

دسواں فائدہ: دودھ پلانے والی کے تمام وہ قرابت دار حرام ہیں' جو سگی ماں کے حرام ہیں' لہٰذا دائی کا خاوند اس بچی کا باپ ہے' اس کے بیٹے اس کے بھائی' اس کی ساس' اس بچی کی دادی وغیرہ وغیرہ' کیونکہ رب تعالیٰ نے دائی کو ماں فرمایا اور اس کی بیٹی کو بہن قرار دیا' معلوم ہوا کہ خود یہ سگی ماں کی طرح ہے' غرضیکہ اس مختصر سے لفظ میں دودھ کے تمام رشتوں کا حکم بیان ہو گیا۔

از جانب شیردہ ہمہ خویش شوند — واز جانب شیرخوار زوجان و فروع

یعنی شیر خوار بچے پر دائی کے سارے عزیز مذکورہ حرام ہو جاتے ہیں' مگر دائی اور دائی کے خاوند پر اس شیر خوار بچے کی اولاد و خاوند بیوی حرام ہیں باقی سب حلال' نسب و رضاعت کے تفصیلی مسائل کتب فقہ میں دیکھو' یہ آیت ان تمام مسائل کی اصل ہے۔

گیارھواں فائدہ: جیسے ان مذکورہ مردوں پر مذکورہ عورتیں حرام ہیں' ایسے ہی مذکورہ عورتوں پر یہ مذکورہ مرد حرام ہیں' یعنی جیسے بھائی پر بہن اور بہن کی تمام اولاد حرام ہے ایسے ہی بہن اور اس کی اولاد پر بھائی اور بھائی کی تمام اولاد حرام' آیت کریمہ نے حرمت کا ایک رخ دکھلایا جس سے دوسرا رخ خود ہی نظر آ گیا۔ (از تفسیر کبیر و معانی)

پہلا اعتراض: اس آیت میں یہ تو ارشاد ہوا کہ تم پر یہ عورتیں حرام کی گئیں' مگر نہ تو یہ معلوم ہوا کہ کس نے حرام کیں اور نہ

www.alahazratnetwork.org

یہ کہ کب تک حرام فرمائیں۔ **جواب:** قرآن شریف جس کی کتاب ہے اسی نے یہ عورتیں حرام فرمائیں یعنی رب تعالیٰ نے ایسے موقعہ پر خود قرینہ سے فاعل معلوم ہو جاتا ہے' نیز جب حرمت میں وقت کی قید نہیں' تو ہمیشہ ہی کیلئے حرام ہوئیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **کتب علیکم الصیام** تم پر روزے فرض کئے گئے' کس نے فرض کئے؟ رب تعالیٰ نے' کب تک فرض کئے؟ جب تک تم زندہ رہو' ہر رمضان میں روزے رکھو (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں بنات سے مراد حلال کی بیٹی ہے' خواہ نکاح کے ذریعہ پیدا ہو یا لونڈی کے ذریعہ سے' حرام کی بیٹی اپنی بیٹی ہی نہیں اگرچہ اپنے نطفہ سے ہو' لہذا زانی اپنی زنا کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے' اگر حرام کی بیٹی کا نسب باپ سے ہوتا تو اسے اس باپ کی میراث بھی ملتی' مگر نہیں ملتی' اور یہ باپ کے خاندان سے مانی جاتی' مگر نہیں مانی جاتی' نیز باپ پر اس بیٹی کی پرورش واجب و لازم ہوتی' مگر واجب نہیں ہوتی' صرف ماں کی بیٹی مانی جاتی ہے: نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچہ مستحق فراش کا ہے' زانی کیلئے پتھر ہیں' معلوم ہوا کہ بچہ زانی کا ہوتا ہی نہیں' جب حرام کی بیٹی پر نسب کے یہ احکام جاری نہیں تو اس سے زانی باپ کا نکاح بھی حلال ہے۔ (امام شافعی از تفسیر کبیر)۔

نوٹ: یہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے انتہائی دلائل ہیں جن کی بنا پر وہ حرام کی بیٹی کا نکاح زانی باپ سے جائز فرماتے ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں قرآن مجید نے امہات اور بنات یعنی ماں اور بیٹیوں کی مطلقاً حرام فرمایا' حرام یا حلال کی قید نہیں لگائی' کہ فرمایا **حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم:** آپ جب حرام کے بیٹے پر اس کی حرام کی ماں حرام کہتے ہیں' تو اسی قاعدے سے حرام کی بیٹی پر حرام کے باپ کو حرام مانیں کہ قرآنی طرز بیان بالکل یکساں ہے دو حرمتوں کو یکساں طریقے سے بیان فرمایا گیا' دوسرے یہ کہ حرمت اور چیز ہے' میراث و پرورش دوسری چیز' بہت جگہ میراث و پرورش نہیں جاری ہوتی' مگر حرمت موجود ہوتی ہے' دیکھو سوتیلی ماں پر نہ بچے کی پرورش ہے نہ میراث' مگر حرمت موجود ہے کہ سوتیلی ماں سے نکاح حرام ہے' بہت صورتوں میں بھانجی بھتیجی کو ماموں چچا کی میراث نہیں ملتی' اور نہ ماموں چچا کے ذمہ ان کی پرورش ہے' مگر حرمت موجود ہے کہ ماموں پر بھانجی' چچا پر بھتیجی مطلقاً حرام ہے' حرمت کو میراث یا پرورش سے ثابت کرنا درست نہیں' تمہاری پیش کردہ حدیث کا مطلب کچھ اور ہے وہ یہ کہ ایک منکوحہ عورت کے بچہ پیدا ہوا' کوئی اجنبی شخص کہتا ہے کہ یہ بچہ میرا ہے' میں نے اس عورت سے زنا کیا تھا' جس کا یہ بچہ ہے' مگر عورت کا خاوند کہتا ہے' کہ بچہ میرا ہے' تو یہ بچہ خاوند کا ہو گا کہ وہ فراش یعنی مستحق ہے زانی کا نہ ہو گا' اسے تو اپنے اقرار زنا کی وجہ سے سنگسار کیا جائے گا' وہاں ثبوت نسب کا ذکر ہے نہ کہ حرمت کی بحث' بہرحال مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے' کہ حرام کی لڑکی زانی باپ پر حرام ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ بچہ جس عورت کے دودھ کا قطرہ بھی پی لے وہ بھی اس پر حرام ہے' مگر حدیث شریف میں ہے کہ ایک دو چسکیاں و گھونٹ حرام نہیں کر دیتے' پانچ گھونٹ حرام کرتے ہیں' تمہاری یہ تفسیر اس حدیث کے خلاف ہے (امام شافعی از تفسیر کبیر) **جواب:** حق یہ ہے کہ اس قسم کے تمام احادیث منسوخ ہیں: چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ کہتے ہیں کہ پانچ گھونٹ دودھ حرام کرتا ہے' پہلے یہ ہی حکم تھا مگر بعد میں منسوخ ہو گیا: حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ آخری حکم پر جو قرار پایا وہ یہ ہے کہ تھوڑی سی رضاعت بھی حرام کرتی ہے اور بہت بھی: نیز کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پوچھا کہ عبداللہ ابن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فتوے دیتے ہیں کہ ایک دو گھونٹ حرام نہیں کرتا آپ نے جواب دیا کہ رب تعالیٰ کا فتویٰ جناب ابن زبیر کے فتویٰ سے اعلیٰ ہے' رب تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے کہ مطلقاً دودھ حرام کر دیتا ہے' پھر یہ ہی

www.alahazratnetwork.org

آیت تلاوت کی (روح المعانی) تمہاری پیش کردہ حدیث خود تمہارے بھی خلاف ہے' کیونکہ تمہارا مذہب یہ ہے کہ جب تک بچہ پانچ بار مختلف مجلسوں میں خوب پیٹ بھر کر دودھ نہ پی لے تب تک دائی اس پر حرام نہ ہوگی اور تمہاری حدیث میں صرف پانچ چسکیوں کا ذکر ہے (روح المعانی) نیز تمہاری حدیث کا دوسری احادیث سے تعارض ہے' چنانچہ آپ فرماتے ہیں کہ دس گھونٹ دودھ سے بچہ عورت پر حرام ہوتا ہے' بہرحال مذہب حنفی بہت قوی ہے کہ جس عورت کا دودھ کا قطرہ بھی بچہ کے پیٹ میں پہنچ جائے وہ عورت بھی بچہ پر حرام ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ڈھائی سال کی عمر میں دودھ پینا معتبر ہے' اس کے بعد اگر کسی کا دودھ پی لیا جائے' تو عورت حرام نہ ہوگی اور یہ بچہ اس کا بیٹا نہ بنے گا مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑا آدمی بھی کسی کا دودھ پی لے' وہ بھی حرام ہو جاتی ہے چنانچہ روایات میں ہے کہ جب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کسی کو اپنا دودھ کا بھانجہ بنانا چاہتیں' تو اپنی بہن ام کلثوم سے فرماتیں کہ وہ اسے اپنا دودھ پلادیں' چنانچہ وہ کسی ذریعہ سے دودھ پلا دیتیں تو حضرت عائشہ صدیقہ اس سے پردہ نہ کرتیں' فرماتیں کہ میں اس کی خالہ ہوں' نیز حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ ابو حذیفہ کی بی بی سہلہ بنت سہیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سالم میرے پاس آتے ہیں' تو ابو حذیفہ ناراض ہوتے ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سالم کو اپنا دودھ پلادو' پھر تم اس کے دودھ کی ماں ہو جاؤ گی' چنانچہ سہلہ نے ایسا ہی کیا' پھر حضرت سالم ان کے پاس آتے تو ابو حذیفہ ناراض نہ ہوتے کہ اب حضرت سہلہ حضرت سالم کی دودھ کی ماں بن چکی تھیں' ان سے پردہ نہ رہا' ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرمت شیر خوارگی کیلئے کوئی مدت مقرر نہیں' جس عمر میں بھی عورت کا دودھ پلا دیا جائے' عورت اس کی ماں بن جائے گی' نیز اس آیت کریمہ میں عمر کی کوئی قید نہیں' جب بھی عورت دودھ پلائے وہ اسکی ماں ہے **ارضعنکم** مطلق ہے۔ **جواب:** تم نے جس قدر احادیث پیش کیں' وہ تمام منسوخ ہیں' جن پر اب حکم جاری نہیں ان کی ناسخ یہ احادیث ہیں' چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ دو سال کے اندر رضاعت ہے' نیز ترمذی نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رضاعت اس زمانہ ہی میں ہو سکتی ہے جب کہ دودھ پر بچہ گزارہ کرے' ابوداؤد میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ رضاعت اس زمانہ ہی میں ہوگی جبکہ عورت کے دودھ سے گوشت و ہڈی بنے: مسلم بخاری میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ ایکبار میرے پاس ایک شخص بیٹھا تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے' پوچھا یہ کون ہے؟ میں نے عرض کیا' میرا دودھ کا بھائی ہے' فرمایا ذرا سمجھ لیا کرو کہ دودھ کا بھائی کون ہوتا ہے **الرضاعة من المجاعة:** شیر خوارگی اس عمر میں ہوتی ہے جب کہ اس دودھ سے بھوک دفع ہو' اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں خود اس آیت کریمہ میں بھی اسی عمر کی طرف اشارہ ہے کہ فرمایا گیا **ارضعنکم:** جس سے معلوم ہوا کہ دودھ جب ہی پلایا جائے جب کہ بچہ رضیع یعنی شیر خوار ہو' یہ احادیث ناسخ ہیں تمہاری پیش کردہ احادیث منسوخ۔ (روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دودھ کے رشتہ سے صرف دو عورتیں ہی حرام ہوں گی' ایک دودھ کی ماں' دوسری دودھ کی بہن مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ دودھ کے ذریعہ تمام وہ عورتیں حرام ہیں جو نسب کے ذریعہ حرام ہوتی ہیں' دودھ کی پھوپھی خالہ وغیرہ یہ حرمتیں کہاں سے نکال لیں؟ **جواب:** خود اس آیت سے اور بہت سی احادیث سے' اس آیت میں رب تعالیٰ نے دودھ دینے والی کو ماں فرمایا اور اس کی بیٹی کو بہن قرار دیا جس سے معلوم ہوا کہ نسب کی طرح

www.alahazratnetwork.org

اس ماں کے تمام وہ رشتہ دار حرام ہوں گے جو نسبی ماں کے حرام ہوتے ہیں' اور اس بارے میں احادیث تو بے شمار وارد ہیں' ہمارا ایمان قرآن شریف کی طرح حدیث شریف پر بھی ہے' ہم نے نماز و زکوۃ قرآن شریف سے لیں مگر ان کی تعداد و مقدار اور طریقہ او احادیث شریف سے لیا' چونکہ ابھی آیت ختم نہیں ہوئی' اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ یہاں بیان نہیں کی گئی' انشاء اللہ العزیز ختم آیت پر عرض کی جائے گی۔

وَاُمَّهٰتُ نِسَآىٕكُمْ وَرَبَآىٕبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىٕكُمُ
اور مائیں تمہاری عورتوں کی اور ان عورتوں کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں تمہاری ان بیویوں سے
اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری گود میں ہیں ان بیویوں سے
الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
کہ صحبت کر لی ہے تم نے ساتھ انکے پس اگر تم نے نہ صحبت کی ہو ان سے تو نہیں ہے کوئی گناہ
جس سے تم صحبت کر چکے ہو پھر اگر تم نے ان سے صحبت نہ کی ہو تو ان کی بیٹیوں میں حرج
عَلَیْكُمْ وَحَلَآىٕلُ اَبْنَآىٕكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا
تم پر اور بیویاں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہوں اور یہ کہ جمع کرو تم
نہیں اور تمہارے نسلی بیٹوں کی بیویاں اور دو بہنیں اکٹھی کرنا
بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۲۳﴾
درمیان دو بہنوں کے مگر وہ جو گزر گیا بے شک اللہ ہے بخشنہار مہربان
مگر جو ہو گزرا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس جملہ کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** مسلمان مرد پر عورتیں تین رشتوں سے حرام ہوتی ہیں نسب رضاعت یعنی شیر خوارگی مسرالیت جن میں سے دو رشتوں کا ذکر تو پہلے ہو چکا نسب و رضاعت اور تیسرے رشتہ کا اب ذکر ہو رہا ہے' یعنی سسرالیت' لہذا یہ جزء پہلے جزء کا تتمہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** عورتوں کی حرمت دو طرح سے آئی ہے' اختیاری' غیر اختیاری' جن میں سے غیر اختیاری حرمتوں کا ذکر پہلے ہوا یعنی نسب و شیر خوارگی' کہ یہ رشتے انسان اپنے اختیار سے پیدا نہیں کرتا اور اختیاری حرمت کا ذکر اب ہے' کہ انسان نکاح اپنے اختیار سے کرتا ہے جن سے یہ حرمتیں آئی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** نسبی و رضاعی رشتے انسان توڑ نہیں سکتا' کہ جو عورت ماں' بہن بن چکی وہ بن گئی' یہ شخص اسکے بیٹا ہونے' بھائی ہونے سے نکل

www.alahazratnetwork.org

نہیں سکتا مگر سسرالی رشتہ انسان کے قبضہ میں ہے کہ چاہے رکھے چاہے توڑ دے 'پہلے دو رشتوں کی تمام حرمتیں لازم ہیں کہ کبھی نہیں اٹھ سکتیں 'مگر آخری سسرالی رشتہ کی دو حرمتیں لازم ہیں 'یعنی زوجہ کی ماں 'دادی 'نانی اور زوجہ کی بیٹی پوتی اور باقی حرمتیں غیر لازمی یعنی محض عارضی ہیں جیسے بیوی کی بہن 'خالہ 'پھوپھی کی حرمت کہ جب تک بیوی نکاح میں ہے 'یہ عورتیں حرام ہیں 'جب بیوی نکاح سے باہر ہوئی 'یہ عورتیں حلال ہو گئیں 'ان دو حرمتوں اور ان کے رشتوں کا ذکر پچھلے جملہ میں تھا ' تیسرے رشتہ و حرمت کا ذکر اب ہو رہا ہے 'بہر حال یہ جملہ پہلے جملہ کے ساتھ پورا پورا تعلق رکھتا ہے۔

تفسیر۔ وامھات نسائکم یہ عبارات **اخواتکم** پر معطوف ہے 'واؤ عاطفہ ہے 'یہاں بھی خطاب مسلمانوں ہی سے ہے امھات سے مراد ساری اور ہر قسم کی مائیں ہیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ یعنی دادیاں نانیاں وغیرہ بشرطیکہ سگی ہوں بیوی کی سوتیلی ماں 'سوتیلی دادی وغیرہ حرام نہیں 'نساء سے مراد ہر وہ عورت ہے 'جس سے نکاح صحیح ہو چکا ہو 'صحبت ہوئی ہو یا نہ 'جس عورت سے نکاح فاسد ہوا ہے اس کی ماں صحبت کے بعد حرام ہو گی پہلے نہیں (روح المعانی وغیرہ) جس سے نکاح باطل ہوا اس کی ماں بعد صحبت بھی حرام نہیں کہ یہ صحبت خالص زنا ہے اور زنا سے مزنیہ عورت کی ماں حرام نہیں ہوتی اس کی وہ بیٹی حرام ہوتی ہے جو اس مرد کے اپنے نطفے سے ہو 'حضرت علی 'زید ابن ثابت 'عبد اللہ ابن عمر 'عبد اللہ ابن زبیر 'جابر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ بیوی کی ماں بھی صحبت کے بعد حرام ہو گی 'مگر جمہور صحابہ اور تمام ائمہ مجتہدین کا یہی فرمان ہے کہ منکوحہ کی ماں بھی مطلقاً حرام ہے صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو 'اس جملہ سے یہی ظاہر ہے کہ یہاں **نساء** مطلقاً فرمایا گیا 'صحبت کی قید نہیں لگائی گئی 'بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں لونڈیاں بھی داخل ہیں جن سے صحبت ہو چکی ہو 'مگر حق یہی ہے کہ یہاں اس میں وہ لونڈیاں داخل نہیں: **نساء کم** میں صرف بیویاں داخل ہیں (روح المعانی و کبیر و خازن وغیرہ) **وربائبکم التی فی حجورکم** یہ عبارت امھات پر معطوف ہے واؤ عاطفہ ہے ربائب جمع ہے ربیبہ کی 'جس کا مادہ ربّ ہے بمعنی پرورش ربیب بروزن فعیل صفت مشبہ ہے 'جو مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے 'مگر چونکہ یہاں صفتی معنی میں ہے 'اس لئے اس پر مونث میں 'ت آ گئی اور ربیب بمعنی مربوب ہے 'یہاں ربیبہ سے مراد وہ لڑکی ہے 'جو اپنی بیوی کے پیٹ سے ہو دوسرے خاوند سے یعنی سوتیلی بیٹی 'چونکہ عموماً سوتیلی لڑکی ماں کے ساتھ رہتی ہے 'اور سوتیلا باپ ہی اس کی پرورش کرتا ہے اس لئے اسے ربیبہ کہتے ہیں حجور حجر کی جمع ہے بمعنی گود یعنی بغل سے لے کر کمر تک کا حصہ ء جسم جہاں بچہ کو بٹھایا جاتا ہے 'یہ ح کے فتح سے بھی کسرہ سے بھی 'بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حجرہ کی جمع ہے بمعنی گھر یعنی تم پر تمہاری وہ سوتیلی بیٹیاں حرام ہیں جو تمہاری پرورش میں ہیں یا رہیں: خیال رہے کہ پرورش کی قید اتفاقی ہے نہ کہ احترازی 'چونکہ عرب میں عام طور پر سوتیلی بیٹیاں 'سوتیلے باپ کی پرورش میں رہتی تھیں 'اس لئے اس کا ذکر فرما دیا گیا 'لہذا اگر سوتیلی بیٹی باپ کی پرورش میں بالکل نہ رہی ہو تب بھی حرام ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوناودون سود نہ کھاؤ 'اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھا لیا کرو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے آپ فرماتے تھے جو سوتیلی بیٹی باپ کی پرورش میں نہ رہے وہ باپ پر حلال ہے۔ (روح المعانی) مگر تمام صحابہ و ائمہ دین کا فرمان یہ ہے کہ سوتیلی بیٹی مطلقاً حرام ہے (روح المعانی 'کبیر وغیرہ) **من نسائکم التی دخلتم بھن** یہ عبارت ربائب کا حال ہے۔ **نساء کم** سے مراد بیویاں ہیں۔ **دخلتم** سے مراد صحبت یا خلوت صحیحہ ہے یعنی جن بیویوں سے تم نے صحبت یا خلوت کر

www.alahazratnetwork.org

لی ہے ان کے پیٹ کی بیٹیاں یعنی تمہاری سوتیلی بیٹیاں تم پر حرام ہیں' تمام مسلمانوں کے نزدیک یہ قید احترازی ہے یعنی جس منکوحہ عورت سے صحبت یا خلوت ہو جائے اس کی بیٹی' پوتی' نواسی سب حرام ہیں **فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم** یہ جملہ اس مذکورہ شرط کا بیان ہے' دخول سے مراد صحبت' خلوت' شہوت سے بوس و کنار یا چھونا سب کچھ ہے' یعنی اگر تم نے اپنی بیوی سے صحبت' خلوت' بوس و کنار' مس وغیرہ کچھ نہ کیا کہ وہ مرگئی یا اسے طلاق دے دی تو اس کے پیٹ کی بیٹی سے تم نکاح کر سکتے ہو' اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' خیال رہے کہ ربیبہ کی حرمت میں یہ قید اتفاقی تھی کہ **فی حجورکم** اس سے کوئی شبہ کر سکتا تھا کہ شاید یہاں بھی صحبت کی قید اتفاقی ہوگی اس لئے **فان لم تکونوا** ارشاد ہوا جس سے بتایا گیا کہ یہ قید اتفاقی نہیں بلکہ واقعی اور احترازی ہے کہ جس عورت کی بغیر صحبت طلاق یا موت واقع ہو جائے اس کی بیٹی سے نکاح درست ہے **وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم** یہ عبارت **وربائبکم** پر معطوف ہے' **حلائل حلیلہ** کی جمع ہے جو حل یا حلول یا حلال سے بنا' حل کے معنی ہیں کھولنا' حلال کے معنی ہیں مباح ہونا' حلول کے معنی ہیں سمانا' چونکہ بیوی خاوند ایک دوسرے کو کھولتے بھی ہیں' ایک دوسرے کے بستر میں سماتے بھی ہیں اور ایک دوسرے کو حلال و مباح بھی ہوتے ہیں اس لئے خاوند کو حلیل اور بیوی کو حلیلہ کہا جاتا ہے (روح المعانی و کبیر) حلیلہ میں بیوی حلال لونڈی دونوں داخل ہیں' اس لئے یہاں زوجہ نہ فرمایا۔ حلیلہ فرمایا' ابناء سے مراد ساری اولاد ہے' بیٹا' پوتا' نواسہ وغیرہ اصلاب صلب کی جمع ہے' معنی پشت و پیٹھ چونکہ نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہتا ہے' عورت کے سینہ کی ہڈیوں میں' پھر بوقت صحبت ان مقامات سے چل کر رحم میں جاگزین ہوتا ہے' اس لئے من اصلابکم فرمایا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **یخرج من بین الصلب والترائب** یعنی تم پر حرام ہیں اپنی صلبی و نسبی اولاد کی بیویاں اور لونڈیاں نسلی و صلبی کی قید پالک بیٹے کو نکالنے کیلئے ہے کہ جسے منہ بولا بیٹا بنا لیا جائے اس کی بیوی حرام نہیں' اپنے رضاعی و حرام بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے' نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب بنت جحش اسدیہ سے نکاح کیا جو امیمہ بنت عبدالمطلب کے پیٹ سے تھیں یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی کی بیٹی یہ پہلے زید ابن حارثہ کے نکاح میں تھیں' اور زید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پالک یعنی منہ بولے بیٹے تھے' لوگوں نے اعتراض کیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بہو سے نکاح کر لیا' تب یہ اور اسی قسم کی دوسری آیات نازل ہوئیں جن میں ارشاد ہوا کہ اپنے نسلی و صلبی بیٹے کی بیوی حرام ہے نہ منہ بولے کی (کبیر' خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) **وان تجمعوا بین الاختین** یہ عبارت **وحلائل** پر معطوف ہے اس لئے رفع کے محل میں ہے' اَن مصدریہ ہے' جمع کرنے سے مراد نکاح یا حلال صحبت میں جمع کرنا ہے' اختین سے مراد ہر قسم کی بہنیں ہیں سگی ہوں یا ماں یا باپ شریکی یا دودھ کی' یعنی اے مسلمانو! تم پر یہ بھی حرام ہے کہ کسی قسم کی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرو یا لونڈیاں خرید کر دونوں سے صحبت کرو' خواہ اس طرح کہ ایک بہن کو بیوی بنالو' دوسری کو لونڈی بنا کر صحبت کرو' یہ سب صورتیں حرام ہیں۔ اس لئے **ان تجمعوا** فرمایا' خیال رہے کہ دو بہنوں کو جمع کرنا قرآن کریم نے حرام فرمایا اور خالہ' بھانجی' پھوپھی' بھتیجی' ماں بیٹی' غرضیکہ وہ دو عورتیں جو جانبین میں ایک دوسرے پر حرام ہوں ان کا جمع فرمانا حدیث شریف نے حرام کیا لہٰذا اس قسم کی تمام عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا یا نکاح میں رکھنا حرام ہے **الا ما قد سلف** اس کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر چکی' مگر حق یہ ہے کہ یہاں گناہ سے استثناء ہے نہ کہ عمل سے' اور استثناء متصل ہی ہے نہ کہ منقطع یعنی اب اگر ان مذکورہ عورتوں سے نکاح کرو گے یا انہیں نکاح میں رکھو گے تو سخت گنہگار ہو گے' ہاں جو پہلے ایسے نکاح کر چکے یا رکھ

www.alahazratnetwork.org

چکے وہ معاف ہیں کیونکہ ان اللہ کان غفورا رحیما اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے' احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ' ترمذی نے حضرت فیروز دیلمی سے روایت کی کہ جب میں اسلام لایا تو میرے نکاح میں دو بہنیں تھیں' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان میں سے ایک کو رکھو' ایک کو طلاق دے دو' عطاء اور سدی فرماتے ہیں کہ دو بہنوں کا نکاح میں رکھنا اسلام میں حرام ہے' پہلے بعض شریعتوں میں جائز تھا' چنانچہ لیا اور راحیل دونوں بہنیں تھیں جو حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں بیک وقت تھیں' لیا کے شکم سے یہودا پیدا ہوئے' اور راحیل کے بطن سے یوسف علیہ السلام اور بنیامین واللہ اعلم (تفسیر احمدی' حسینی و روح المعانی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آپ نے ان دونوں بہنوں سے نکاح آگے پیچھے کیا' کچھ بھی سہی اسلام کے اکثر احکام گزشتہ شریعتوں سے جداگانہ ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم نسبی اور دودھ کے رشتوں سے عورتوں کی حرمت معلوم کر چکے' خیال رکھو کہ سسرالی رشتہ سے تم پر تین قسم کی عورتیں حرام ہیں' اپنی منکوحہ بیویوں کی ہر قسم کی مائیں بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ دادی نانی وغیرہ اور تم نے ان بیویوں سے صحبت کی ہو یا نہ کی ہو اور تمہاری مطلقاً سوتیلی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں بشرطیکہ تم نے ان کی ماؤں سے صحبت کر لی ہو' اگر صحبت نہ کی' اور وہ تمہارے نکاح سے خارج ہو گئیں کہ قبل از خلوت ان کی طلاق یا موت واقع ہو گئی' تو تم ان کی لڑکیوں سے نکاح کر سکتے ہو' یہاں بھی لڑکیوں میں بیٹیاں پوتیاں نواسیاں سب داخل ہیں' یوں ہی تم پر اپنے صلبی بیٹوں کی حلال عورتیں حرام ہیں' خواہ ان کی بیویاں ہوں خواہ لونڈیاں جن سے وہ صحبت کر چکے ہوں منہ بولے بیٹے (پالک) کی بیوی حرام نہیں' کہ وہ تو تمہارا بیٹا ہی نہیں' اور تم پر یہ بھی حرام ہے کہ تم کسی قسم کی دو بہنوں کو خواہ حقیقی ہوں یا علاتی یا اخیافی نکاح یا صحبت میں جمع کرو کہ نہ تو ایک ساتھ دونوں بہنوں سے نکاح کر سکتے ہو' اگر ایسا کیا تو سخت گناہگار ہو گے ہاں جو اس قسم کے نکاح تم اسلام سے پہلے یا اس قانون کے بننے سے پہلے کر چکے ہو اس کا تم پر گناہ نہیں اللہ تعالیٰ اس قسم کے کاموں پر پکڑ نہیں فرماتا' کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنی بیوی کی ساری اصولی عورتیں حرام ہیں' ماں' دادی' نانی وغیرہ جیسا کہ امہات کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** منکوحہ بیوی کی ماں مطلقاً حرام ہے اس سے صحبت یا خلوت کی ہو یا نہ کی ہو' مگر لونڈی کی ماں جب حرام ہو گی جب اس سے صحبت یا مس ہو چکا ہو' جیسا کہ نساء کم کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ جب نساء کی نسبت مردوں کی طرف ہوتی ہے' تو اس سے آزاد عورتیں مراد ہوتی ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جس عورت سے زنا یا مقدمات زنا ہو جائیں' اس کی ماں وغیرہ بھی زانی پر حرام ہیں' جیسا کہ نساء کم کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ (حنفی) **نوٹ:** یہ استنباط کچھ کمزور سا ہے' کیونکہ نساء کم اکثر بیویوں پر بولا جاتا ہے' جیسا کہ آیت ایلاء اور آیت ظہار میں نساء ارشاد ہوا اور وہاں بیویاں مراد ہیں' اگرچہ مباہلہ کی آیت میں نساء بیویوں بیٹیوں سب کو شامل ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ندع ابناء نا و ابناء کم ونساء نا و نساء کم**۔ **چوتھا فائدہ:** اپنی سوتیلی بیٹی نواسی پوتی وغیرہ سب حرام ہیں' جیسا کہ **ربائبکم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جس عورت کو بغیر خلوت طلاق دے دی جائے اس کی بیٹی مرد پر حلال ہے' جیسا کہ **دخلتم بھن** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اپنی صلبی یا رضاعی بیٹے پوتے نواسے کی بیوی اور موطوءہ لونڈی حرام ہے' جیسا کہ **وحلائل** کی

www.alahazratnetwork.org

تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے سوتیلے اور پالک بیٹوں کی بیویاں حلال ہیں' جیسا کہ **من اصلابکم** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کسی قسم کی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے' لہٰذا اگر دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو دونوں نکاح فاسد ہوئے اور اگر آگے پیچھے کیا' تو دوسرا فاسد یونہی اگر اپنی موطوءہ لونڈی کی بہن سے نکاح کیا تو نکاح فاسد ہے' یہ حرام ہے کہ ایک سے نکاحا" صحبت کرتا ہے' دوسرے سے ملکا"۔ **نواں فائدہ:** مطلقہ کی بہن سے عدت کے اندر نکاح کرنا حرام ہے کیونکہ عدت بھی حکماً نکاح ہے' اسی لئے عدت کا خرچہ خاوند پر واجب ہے (حنفی) یہ تمام فوائد **وان تجمعوا** سے حاصل ہوئے۔ **دسواں فائدہ:** کافر زمانہ کفر میں جو اسلامی اصول کے خلاف نکاح کرے' پھر مسلمان ہو تو اس پر گزشتہ نکاح کی پکڑ نہیں' ہاں اب اسے اسلامی قانون کی پابندی کرنا پڑے گی' لہٰذا اگر کسی کافر کے نکاح میں دو بہنیں یا چار سے زیادہ بیویاں ہوں اور وہ مسلمان ہو جائے' تو اب اسے ایک بہن اور چار سے زائدہ بیویوں کو الگ کرنا پڑے گا مگر اس سے پہلے جو ان سے اولاد پیدا ہو چکی ہو وہ حلالی ہو گی' یہ فائدہ **الا ما قد سلف** سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** جس عورت سے نکاح فاسد ہوا ہو' اس کی ماں صحبت کے بعد حرام ہو گی' یہ فائدہ بھی **نساءکم** سے حاصل ہوا کہ اپنی بیوی وہی ہے کہ جس سے صحیح نکاح ہو' ان کی ماں حرام ہے نکاح فاسد والی بیوی ہی نہیں نہ اسکی ماں ساس ہو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اپنی بیوی کی ماں حرام ہونی چاہئے نہ کہ اس کی نانی' دادی' کہ فرمایا گیا **وامھت نسائکم** امہات ماؤں کو کہتے ہیں' پھر تم نے بیوی کی دادی نانی کو کیسے حرام مانا۔ **جواب:** تحریم کی آیات میں ام' اب' ابن سے مراد اپنے اصول و فروع ہوتے ہیں نہ کہ صرف ماں باپ بیٹا' پچھلی آیت میں فرمایا گیا **حرمت علیکم امھتکم** تم پر تمہاری مائیں حرام ہیں' تو کیا معترض صاحب اپنی دادی نانی کو حلال مانیں گے؟ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ امہات سے مراد ہے تمام قسم کی مائیں بلا واسطہ ہوں یا بالواسطہ' اور نانی دادی بالواسطہ مائیں ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں جب فرما دیا گیا کہ تمہاری وہ سوتیلی بیٹیاں تم پر حرام ہیں' جن کی ماں سے تم صحبت کر چکے ہو' پھر بعد میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اگر تم نے ان کی ماں سے صحبت نہ کی ہو' تو وہ بیٹیاں حلال' یہ مضمون بے فائدہ اور زائدہ ہے' اس کی ضرورت نہ تھی۔ **جواب:** اس کی ضرورت تھی' کیونکہ **فی حجورکم** کی قید اتفاقی تھی شاید کوئی سمجھ جاتا کہ یہ قید بھی اتفاقی ہے' اس لئے اس کی تصریح کی گئی۔ **تیسرا اعتراض:** صحبت یعنی مجامعت کی قید گزشتہ دونوں حکموں سے کیوں نہیں لگتی' آیت کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ اپنی بیوی کی ماں اور بیٹی اس وقت حرام ہیں جب کہ اس سے مجامعت کر لی ہو۔ **جواب:** یہ بالکل خلاف ظاہر ہے' ظاہر یہی ہے کہ یہ شرط جس جزء سے متصل ہو اسی کے لئے ہو' نیز بیہقی وغیرہ میں بروایت عمرو ابن شعیب عن ابیہ وعن جدہ مروی ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جس عورت سے نکاح کیا گیا اس کی ماں حرام ہے' خواہ اس بیوی سے صحبت ہوئی یا نہ ہو اور اس کی بیٹی جب حرام ہو گی جب اس سے صحبت کر لی جائے' یہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے' نیز جمہور صحابہ کا یہی قول ہے' نیز امام مالک نے حضرت عبداللہ ابن مسعود سے روایت کی' کہ کسی نے کوفہ میں ان سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی عورت کو قبل از صحبت طلاق دے دی جائے تو اس کی ماں حرام ہے یا حلال؟ آپ نے فرمایا حلال ہے' پھر حضرت ابن مسعود مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو وہاں کے تمام فقہاء کو دیکھا' وہ ایسی ساس کو حرام قرار دیتے ہیں' تو آپ کوفہ آکر پہلے اس سائل کے مکان پر گئے' اور اسے حرمت کا فتویٰ

www.alahazratnetwork.org

سنایا اور پھر کسی اور کلام میں مشغول ہوئے' خیال رہے کہ حضرت علی ایسی ساس کو حلال فرماتے تھے مگر جمہور صحابہ حرام کہتے ہیں (روح المعانی) چوتھا اعتراض: فی حجورکم کی قید اتفاقی کیوں ہے؟ چاہئے کہ وہی سوتیلی بیٹی حرام ہو جس کی یہ باپ پرورش کرے۔ جواب: یہ حکم صحابہ کرام کے قول سے معلوم ہوا کہ سوائے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ کے باقی تمام صحابہ اس قید کو اتفاقی مانتے ہیں۔ (روح المعانی) پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے مگر تم کہتے ہو کہ خالہ' بھانجی' پھوپھی' بھتیجی وغیرہ کو بھی جمع کرنا حرام ہے' یہ حرمتیں کہاں سے لیتے ہو؟ جواب: حدیث سے قرآن کریم نے صرف سور کا گوشت حرام کیا' اس کے کلیجی گردوں کی حرمت حدیث شریف سے ثابت ہوئی یوں ہی قرآن کریم نے صرف سور کو حرام کیا' کتے' بلے' گدھے وغیرہ کی حرمت حدیث پاک سے ہی ثابت ہے پچانویں فیصدی شرعی احکام حدیث شریف سے اور پانچ فیصدی احکام قرآن کریم سے ثابت ہیں' پھر احکام قرآنیہ کی تفصیل بھی حدیث پاک ہی سمجھاتی ہے' بغیر حدیث کے قرآنی احکام بالکل ناممکن العمل ہیں' نماز و زکوۃ حکم قرآنی ہیں مگر حدیث شریف کے بغیر سمجھائے آپ نے دو رکعت نماز پڑھ سکتے ہیں نہ ایک پیسہ زکوۃ دے سکتے ہیں' غرضیکہ حدیث شریف قرآن کریم کی شرح ہے اور شریعت کا رکن اعلیٰ' ضرورت حدیث کیلئے ہماری کتاب مراۃ شرح مشکوۃ شریف کا مقدمہ ملاحظہ فرمائیے۔

تفسیر صوفیانہ: اپنے جسمانی باپ دادوں کی بیویوں سے نکاح کرنا شریعت میں حرام ہے' اور روحانی باپ دادوں یعنی اپنے پیر' دادا پیر کی بیویوں سے نکاح کرنا طریقت میں ممنوع ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جو مرید اپنے شیخ کی بیوی سے نکاح کرے وہ فیض سے محروم رہے گا کبھی کامیاب نہ ہو گا' اور جیسے اپنی جسمانی اولاد کی بیویوں سے نکاح کرنا شرعاً ممنوع ہے' ایسے ہی اپنی روحانی اولاد یعنی اپنے مرید کی بیوی سے نکاح کرنا طریقت کے قواعد کے خلاف ہے' شیخ اپنے مرید کا مربی ہے اسے اور اس کے بیوی بچوں کو نظر شفقت سے دیکھے' دنیا و آخرت دو سگی بہنیں ہیں" آخرت بڑی بہن ہے اور دنیا چھوٹی بہن' جیسے دو بہنیں ایک کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں' ایسے ہی دنیا و آخرت ایک کے پاس جمع نہیں ہو سکتیں' طالب دنیا آخرت سے محروم ہے اور طالب آخرت دنیا میں دل نہیں لگاتا' ایک دل میں یہ دونوں نہیں جمع ہوتیں۔

ہم خدا خواہی وہم دنیائے دون   ایں خیال است و محال است و جنوں

یا انسان دنیادار ہی بن جائے یا دین دار ہی ہو جائے' خیال رکھئے دنیا وہ ہے جو رب تعالیٰ سے غافل کر دے' جو رب تعالیٰ سے غافل نہ کرے وہ دین ہے' ایسی دنیا سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن   نے قماش و روزی و فرزند و زن

اللہ تعالیٰ ہم کو ان لوگوں سے بنائے جن کی دنیا بھی دین ہے ان سے نہ بنائے جن کا دین بھی دنیا ہے' دین عدد ہے دنیا صفر صفر علیحدہ ہو تو خالی ہے' اگر عدد سے مل جائے تو اسے دس گنا کر دیتا ہے: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی دنیا نے دین سے مل کر اسے دس گنا کر دیا' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان غنی کی غنا سے عطا فرمائے' آمین **وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الرحمین ○**

www.alahazratnetwork.org

احمد یار خان نعیمی اشرفی بدایونی مقیم چوک پاکستان گجرات پاکستان

الحمد للہ کہ یہ پارہ 26 شعبان 80ھ مطابق 13 فروری 1960ء دو شنبہ کو شروع ہو کر آج 22 ربیع الآخر 81ھ 2 اکتوبر 61ء یوم دو شنبہ کو ختم ہوا والحمد للہ رب العلمین ○

احمد یار خان

www.alahazratnetwork.org

الصلوٰۃ والسلام علیک

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

خوشنویس، الحاج زاہد صادق، مکتبہ نعیمیہ، لاہور

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ

یَا رَسُوْلَ اللّٰہ

صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ (والمحصنت)

مضمون	صفحہ
والمحصنت من النساء الا ما ملکت ایمانکم	13
انسان کا نکاح غیر انسان سے نہیں ہو سکتا کبھی عقل والے کے لئے آجاتا ہے متعہ کی بحث اور متعہ حرام ہے۔	14
متائی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی	16
عورت کی حرمت کی تین صورتیں	17
تعدادِ نکاح کی حکمتیں عورت چند نکاح کیوں نہیں کر سکتی	20
متعہ کی مکمل بحث سوال و جواب	21
و من لم یستطع منکم طولا	22
اپنی لونڈی سے نکاح جائز نہیں اور متعہ حرام ہے۔	25
نکاح کس پر فرض ہے کس پر حرام	27
لونڈی سے نکاح کے شرائط میں ائمہ کا اختلاف	27
خوارج رجم کے قائل نہیں	
یرید اللہ لیبین لکم	28
انسان جتنا کمزور ہے روح و نورانیت میں قوی	31
یا ایھا الذین امنو لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل	33
مالی جرمانے حرام ہیں خودکشی جبری بیع حرام ہے	37
کفار سے باطل مقصود جائز ہونے کی تفصیل کافر سے جیتا ہوا مال حلال	37
ان تجتنبوا کبائر ما تنھون	39
گناہ کبیرہ کی تحقیق اور وہ کتنے ہیں	
جس چیز سے منع نہ کیا گیا وہ حلال ہے	42
کفارۂ مسیح کا ابطال	42
ولا تتمنو ما فضل اللہ	44
و لکل جعلنا موالی	49
میراث کے لئے کچھ شرطیں مورث میں کچھ وارث میں کچھ مال میں چاہئیں	52
لاوارث کا مال کون لے	53
یتیم پوتے کی میراث کی نفیس تحقیق	53
والدین اور ابوین میں فرق	54
الرجال قومون علی النساء	55
سزا اور اصلاح کی مار میں فرق	59
کسبی بزرگی سے عطائی بزرگی بہت اعلیٰ ہے	59
و ان خفتم شقاق بینھما	63
اختلاف، خلاف، فساد اور جہاد کا فرق ان کے احکام	65
حضرت علی و معاویہ کی جنگ فسق نہیں اختلاف رائے سے تھی	66
خوارج کی اصل	66
ان الحکم الا للہ کی نفیس تحقیق	67

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
رب اور بندے میں فرق نیاز مندی اور بے نیازی کا ہے	68
رب مربوب کے درمیان وسیلہ ہے وہ ہیں جو اہل دنیا بھی ہیں اصل اللہ بھی	68
واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئا"	69
عبادت اطاعت اور اتباع میں فرق	70
شرک کی نفیس تحقیق	71
تکبر اور اختیال میں فرق	73
والدین میں دادا دادی داخل ہیں	74
پڑوسی کی قسمیں اور کافر پڑوس کا حق	74
والذین ینفقون اموالھم	78
ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ	82
مثقال ذرہ حبا کے معنی	83
ظلم و جھوٹ وغیرہ قدرت الٰہیہ سے خارج ہیں اور معتزلہ وغیرہ کے دلائل و جوابات	84
فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید	87
گواہی انبیاء اور گواہی سید الانبیاء کی نفیس تحقیق	90
حضور ہر جگہ ہیں ۔ پھر بھی مدینہ میں ہیں جیسے نور نظر آسمان پر پہنچ جائے مگر آنکھ میں ہے	91
حضور دنیا میں شاہد آخرت میں شہید ہیں	93
دوسرے نبیوں اور حضور کی گواہیوں میں فرق	93
یا ایھا الذین امنوا لا تقربوا الصلوۃ	94
عورت کو چھونا وضو نہیں توڑتا اس کے قوی دلائل	97
وضو توڑنے والی چیزیں آٹھ ہیں اور غسل توڑنے والی چیزیں چھ	101
الم تر الی الذین اوتوا نصیبا"	104
کفی باللہ میں ب لانے کے فوائد	106
علماء نفسانی شیطانی ربانی میں فرق	108
آیات کی مدنی کیوں ہیں	108
من الذین ھادوا یحرفون	109
اگر جمع کے حروف واحد سے کم ہوں تو اس کے لئے ضمیر واحد مذکر آسکتی ہے	111
حضور سے لینے کی چھ شرطیں ہیں	116
یا ایھا الذین اوتوا الکتب	116
ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ	123
حضرت وحشی کے ایمان کا واقعہ	127
شرک کی حقیقت اور اس کے اقسام	128
فری اور افتراء میں فرق	129
شرک کی نو قسمیں اور ان کی معافی کی صورتیں	129
الم تر الی الذین یزکون	130
طہارت و زکوٰۃ میں فرق	131
فخر و شکر میں عجیب فرق	133
الم تر الی الذین اوتوا نصیبا"	136
جبت اور طاغوت کے معانی	137
ام لھم نصیب من الملک	142
نبوت اولاد ابراہیمی سے خاص ہے	145
قطب الاقطاب ہمیشہ سید ہوگا	147
امام مہدی سید ہوں گے	147
حصے داری کی قسمیں	147
ان الذین کفروا بایتنا سوف نصلیھم نارا"	149

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
تبدیلی کھال کی صورتیں	151
جسم و روح دونوں کو عذاب ہو گا	155
ان اللہ یامرکم ان تئودوا الامنت من اھلھا	157
امانتوں کی قسمیں اور احکام	159
حاکم پانچ باتوں میں برابری کرے	15
یا یھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول	162
حضور کی اطاعت رب کی اطاعت کی طرح مطلقاً لازم ہے	164
اولی الامر کون ہیں	168
قیاس شرعی کا مدلل ثبوت	169
حضور ہر حال میں رسول ہیں ان کے ہر حکم کی اطاعت واجب	170
امام حسین نے یزید کی مخالفت کیوں کی؟	172
الم تر الی الذین یزعمون	174
حضرت عمر کو فاروق کا لقب کب اور کیسے ملا	175
صحابہ کرام کا گواہ خود رب ہے	178
و کیف اذا اصابتھم مصیبۃ	180
دینی دشمن کی موت پر خوشی کرنا سنت ہے	183
وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ	187
جاؤک سب لوگوں کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کا اور حضور کا رب ہے مگر ظہور ربوبیت میں فرق ہے	193
بعد وفات حضور کو پکارنا آپ سے شفاعت مانگنا	195
ہماری استغفار تخم ہے حضور کی شفاعت پانی اور	
ان دونوں میں فرق	197
حضور کی وفات کے بعد بھی مجرموں کو ان کی بارگاہ میں حاضری کا حکم ہے	197
حضور قبلہ دعا کعبہ توبہ ہیں	
حکم اور فیصلے میں فرق	198
ولو انا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم	199
خودکشی کرنا، تارک الدنیا ہونا، بن باسی بن جانا جائز نہیں	202
و من یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم	204
بے اختیار اور بااختیار رسول میں فرق رسالت	
جبریل و رسالت محمدی میں فرق	206
معیت کی صورتیں اور صادق و صدیق میں فرق	207
صدیق اکبر نے بہت لوگوں کو مسلمان کیا۔ شہید کے معنی	207
سورج سے چراغ کیوں چمکتے ہیں ذرے کیوں لپکتے ہیں	211
یا یھا الذین امنوا خذوا حذرکم	213
نجاح فلاح فوز میں فرق	218
ہوشیاری اور چالاکی میں فرق	218
فلیقاتل فی سبیل اللہ الذین یشرون	220
ولی اور نصیر میں فرق اولیاء اور انصار میں فرق	223
فتح مکہ سے پہلے مسلمانوں کو مکہ معظمہ رہنا حرام تھا	224
غیر خدا کی مدد برحق ہے	225
الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ	227
باغیوں سے جنگ کرنا جہاد نہیں	229
الم تر الی الذین قیل لھم کفوا ایدیکم	231

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
نماز، زکوٰۃ، روزہ، جہاد کب فرض ہوئے	233
جھوٹ الوہیت کے خلاف ہے جیسے موت	238
قبول عبادات کی علامات تین ہیں	238
این ما تکونوا یدرککم الموت	239
موت، ہلاکت و فنا میں فرق	
ہر رکعت میں سورہ عبس پڑھنے والے امام کو	
حضرت عمر فاروق کا قتل کرا دینا	243
امکان فنا اور فعل فنا میں فرق	243
مسئلہ حیات النبی	244
ما اصابک من حسنۃ فمن	246
حضور کی عصمت کا ثبوت	250
اللہ میں نفیس فرق	251
غائب کی اطاعت حاضر کے واسطے سے ہوتی ہے	253
جیسے رب کو سجدہ کعبہ کے ذریعہ سے	
و یقولون طاعۃ فاذا برزوا	255
کون سی سوچ عبادت ہے کون سی فکر گناہ	259
قرآن سے حضور کو بنایا یا حضور سے قرآن کو	261
واذا جاءھم امر من الامن او الخوف	261
اللہ کے فضل اور رحمت میں فرق	264
و من یشفع شفاعۃ ”حسنۃ“	269
شفاعت کے معنی اور قسمیں	271
شفاعت حسنہ اور سیئہ اور کفل و نصیب میں فرق	271
اسلامی سلام	274
بارہ جگہ رب نے بندوں کو سلام فرمایا	275
سلام کا طریقہ اور ابتداء اسلام	275
کن سنتوں کا ثواب فرض سے زیادہ ہے	276

مضمون	صفحہ
کس جگہ کسی کو کون سا سلام کرے سلام	277
ممنوع کب ہے حضور کو اسلام	277
حضور دور کا سلام سنتے ہیں	277
حضور کو سلام کرنے کے فوائد	277
فما لکم فی المنٰفقین فئتین	280
ملک و قوم کا غدار قابل قتل ہے	282
ایمان نہ قرآن سے ملتا ہے نہ کعبہ سے یہ تو	
حضور کے در سے ملتا ہے	283
ودوا لو تکفرون	285
ود اور حب میں فرق	286
مرتدین سے صلح درست نہیں	287
مرتد کی سزا قتل ہے اس کی آیات	290
ستجدون آخرین یریدون	292
قوم کے معانی مومن کافر کی قوم نہیں	294
کفار چار قسم کے ہیں اور ان کے احکام	295
وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا	297
خطاء فی الفعل اور خطاء فی الارادہ میں فرق	299
اھل کے معانی قرآن میں بیوی کو اہل کہا	299
قتل کی تین قسمیں اور ان کے احکام	302
دیت کا بیان اور اس کی قسمیں	303
کفارہ قتل کی تفصیل	305
و من یقتل مؤمنا متعمدا ”	306
خلود اور غضب کے معنی و اقسام	308
صحابہ کرام کی جنگوں کے قتل باشبہ ہیں قتل عمد نہیں	
ان کے سامنے آیات تھیں	309
یا ایھا الذین آمنوا اذا ضربتم فی	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
سبیل اللہ	312
من اور نعمت میں فرق تین چیزوں کو من فرمایا	315
اعلیٰ نعمت ادنیٰ چیزوں میں رکھی گئی مشک ہرن میں شہد	316
مکھی میں تاکہ ان کی قدر رہو	
خلافت فاروقی کا قرآن سے ثبوت	317
سلام کرنے والے کو کافر نہ کہو اس کا مطلب	317
کون سا شخص کلمہ پڑھنے پر بھی قتل کیا جائے	317
لا یستوی القاعدون من المومنین	320
قاعدون مخلصون اور مجلسوں میں فرق	322
عشرہ مبشرہ کون ہیں حضرت صدیق کی تبلیغ سے کون	
حضرات ایمان لائے	326
دل کے حیاء کا ذکر کیوں نہ ہوا	327
ان الذین توفہم الملئکۃ	328
ملک الموت کے معاون چھ فرشتے ہیں	330
زمین مدینہ کی ظاہری و باطنی وسعت	331
عفو اور مغفرت میں فرق	332
جب حضور نے مکہ چھوڑ دیا تو وہاں سے	
ہجرت فرض ہو گئی	333
ملائکہ کی وسعت علم	333
و من یہاجر فی سبیل یجد فی الارض	336
موت کا آنا موت کلپانا موت کا پکڑنا ان تینوں	
میں نفیس فرق	339
مہاجرین مکہ اور دوسرے مہاجرین میں فرق	340
و اذا ضربتم فی الارض من فلیس	
علیکم جناح	342
چلتی ریل میں فرض نماز جائز نہیں	345

مضمون	صفحہ
ہر سفر میں قصر ہے خواہ بری نیت سے ہو	345
حضرت عثمان و عائشہ صدیقہ سفر میں قصر کیوں نہ	
فرماتی تھیں	346
امن کے سفر میں بھی قصر ہے	347
و اذا کنت فیہم فاقمت لہم الصلوۃ	349
کسی جماعت میں علماء صلحاء کی موجودگی گویا	
حضور انور کی موجودگی ہے	352
نماز خوف میں ائمہ کے اختلافات مشروط احکام	
میں جانب	
مخالف سے سکوت ہوتا ہے عجیب قاعدہ	355
فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ	359
اقیموا صرف نماز کے لئے کیوں فرمایا اور عبادات	
کے لئے کیوں نہ فرمایا گیا	361
جمع بین الصلوۃ تین کی نفیس تردید	363
پانچ فرض تین واجب اور چار نفل نمازوں کے	
اوقات	363
پانچ نمازوں کی پانچ آیت	363
خالص اللہ کا ذکر کفار کا طریقہ ہے	364
مسلمان الوہیت و نبوت کو ملا کر ذکر کریں	364
عرفات میں جمع صلواتیں کا نکتہ	364
انا انزلنا الیک الکتب بالحق	366
الفاظ قرآن کا نزول کان پر مگر معانی قرآن و اسرار قرآن	
کا نزول بلا واسطہ قلب پر ہوا	368
حضور مطلوب قرآن ہیں دوسرے انبیاء طالب	
کتاب تھے	369
انزلنا الیک کے عجیب معانی	370

مضمون	صفحہ
حضور کا حکم عالمین پر ہے قرآن کا حکم صرف انسانوں پر	
اور حضور حاکم ہیں قرآن حاکم نہیں	371
خضر کا کشف سے بچہ کو قتل فرمانا	
حضرات صحابہ خیانت سے پاک ہیں حضور کی حکومت	
اور احکام	373
دنیا کی حکومتوں میں فرق	374
ہمارا گناہ تک پہنچنا اور رب اور گناہ کا ہم تک پہنچنا	
کچھ اور	
یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ	375
دنیاوی زندگی کام کی ہے برزخی زندگی آرام کی	
اخروی زندگی انعام کی ہے	378
و من یعمل سوءا او یظلم نفسہ ثم	
یستغفر اللہ	381
سوء اور ظلم میں فرق استغفار و توبہ میں فرق	382
بغیر ارادہ نیکی پر ثواب ہے ایسے گناہ پر عذاب نہیں	382
بہتان و غیبت میں فرق اور ان کے احکام	383
توبہ کے ارکان شرائط و اوقات	383
بہتان کے اقسام و احکام	384
ولو لا فضل اللہ علیک	388
فضل و رحمت میں فرق انبیاء کو صرف لوازمات	
نبوت ہی نہیں دیے جاتے کچھ اور بھی دیا جاتا ہے	389
حضور کو علوم غیب کیوں دیے گئے	391
لا خیر فی کثیر من نجوٰھم	397
حضور کی اطاعت ہر وقت واجب ہے دیگر عبادات	
کے لیے وقت مقرر ہیں	400
جیسے سانس ہر وقت لی جاتی غذائیں وقت پر	400
نبی اور رسول کے معنی میں فرق اور اطاعت کے	

مضمون	صفحہ
ساتھ	405
رسول بشارت و نذرات کے ساتھ نبی ارشاد ہوتا ہے	405
ان اللہ لا یغفر ان یشرک	406
قرآن میں شرک بمعنی کفر ہوتا ہے	407
شرک کی تعریف اور اقسام	408
شرک، کفر و بدعت کی تحقیق شرک کلمہ اراللہ	
کی برابری پر ہے	408
رب کے سواء کوئی چیز ازلی نہیں ہاں بعض	
چیزیں ابدی ہیں	412
ولا ضلنھم ولا منینھم	414
تبدیلی خلق اللہ عملی ہو تو حرام ہے اعتقادی ہو تو	
کفر اور اس کی صورتیں	416
الا صغیر اور سماء کا فرق	416
برے اعمال برے عقائد کا موجد شیطان ہے	
جیسے گانا، آتش بازی	418
والذین امنوا و عملوا الصلحت	
سندخلھم جنات	420
مومن کے گناہوں کی سزا کی صورتیں	424
معتزلہ گناہ کبیرہ کی بخشش کے منکر ہیں	426
رجاء امیدوار اور امنیہ میں فرق نبوت منسوخ	
ہونے سے کتاب ناقابل عمل دین گمراہی بن جاتا	
ہے۔ اس دین کے اولیاء کے فیوض ختم	
ہو جاتے ہیں	427
ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی	428
رجل امرا اور ذکر و انثی میں فرق	430
جناب ابراہیم خلیل اللہ کب بنے	431
خلیل کے نہایت نفیس معانی	432

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
مودت محبت خلت میں فرق	434
خلیل و حبیب میں فرق	434
یستفتونک فی النساء	438
اللہ تعالیٰ کو مفتی نہیں کہہ سکتے	442
وان امراۃ خافت من بعلها نشوزا	444
خاوند کو بیوی سے کیسے برتاوے کرنا چاہئیں	446
بیوی ہمیشہ خاوند کی حالت کا جائزہ لیتی رہے	448
طلاق کا حق عورت کو کیوں نہیں	449
جو شخص بچوں کی پانچ خصلتیں اختیار کرے ابدال ہو جائے	450
ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء	450
بیویوں کے درمیان دو چیزوں میں برابری فرض ہے دو میں نہیں۔ اس کی تفصیل	452
حضور کو حضرت عائشہ سے زیادہ محبت کیوں تھی	452
وللہ ما فی السموات وما فی الارض	457
پورا مالک وہ جو مالک کو بھی سکے	458
ان یشاء یذہبکم و یات بخلق جدید	464
ارادہ نیکی عمل سے افضل ہے۔ عمل کبھی کبھی ہے، ارادہ ہمیشہ	467
یا ایہا الذین امنو کونوا قوامین بالقسط	470
انصاف کے تین نام ہیں اور گواہی تین قسم کی ہے اور ان کے احکام مختلف	472
کتنی جگہ گواہی نہ دینا جائز ہے	474
دعویٰ اقرار اور گواہی میں فرق	475
یا ایہا الذین امنوا امنوا باللہ ورسولہ	476
توحید نبوت کے واسطے مفید ہے براہ راست مسلک جیسے بجلی کا پاور براہ راست مسلک ہے بالواسطہ مفید ہے	478
نبوت کی دلیل معجزات ہیں قرآن کی دلیل حضور کی زبان ہے	479
توحید و ایمان میں فرق	480
بحالت جنگ کافر کا ایمان بعض وقت معتبر نہیں	481
عروج میں نبی مقدم ہیں نزول میں قرآن مقدم نزول اور ھبوط میں فرق	482
بشر المنافقین بان لھم عذابا الیما	485
منافقوں کو حضور کی صحبت سے فائدہ کیوں نہ ہوا	491
عزت تین قسم کی ہے	492
الذین یتربصون بکم	494
منافقین زمانہ نبوی میں قتل کیوں نہ کئے جاتے تھے	498
ان المنافقین یخادعون اللہ	500
خداع کے نفیس معانی اور استعمال کے موقعے	501
زبانی ذکر قلیل ہے دلی ذکر کثیر	502
یا ایہا الذین امنوا لا تتخذوا الکافرین	507
درجات اور درکات میں فرق	509
دوزخ کے سات طبقے اور ان کے نام	509
شفاعت اور مدد کی قسمیں اور ان کے مستحق	509
کفار سے رشتے اور کفار سے محبت میں فرق	511
کفار سے محبت کی چار صورتیں ہیں	511
چونکہ قیامت تک ایصال ثواب جاری ہے لہٰذا اجر بعد قیامت ملے گا	512
چار قسم کے لوگوں کو بہت سخت عذاب ہوگا	512
کتابیہ عورتوں سے نکاح جائز محبت مخصوص حرام ہے	513
ما یفعل اللہ بعذابکم	515
شکر مبہم ایمان سے پہلے ہے اور شکر مفصل ایمان کے بعد	516
شکر کے تین درجے اور اس کی ترکیب	516

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ

اور شوہر والی عورتیں سوا ان کے کہ مالک ہوئے جن کے تمہارے ہاتھ تحریر اللہ کی اوپر تمہارے

اور حرام ہیں شوہر دار عورتیں جو تمہاری ملک میں آجاویں یہ اللہ کا نوشتہ ہے تم پر

وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ

اور حلال کی گئیں تمہارے لئے وہ جو علاوہ ہیں ان کے یہ کہ تلاش کرو بدلے مالوں اپنے کے پاکدامنی

اور انکے سوا جو رہیں تم پر حلال ہیں کہ اپنے مالوں کے عوض تلاش کرو قید لاتے نہ پانی گراتے

مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا

کرتے ہوئے نہ بدکاری کرتے پس وہ عورتیں کہ نفع حاصل کرو تم ان میں سے پس دو ان کو انکے مہر اور

تو جن عورتوں کو نکاح میں لانا چاہو ان کے بندھے ہوئے مہر انہیں دو اور قرار داد کے

جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا

نہیں ہے گناہ اوپر تمہارے اس میں کہ آپس میں راضی ہو جاؤ بعد مقرر شدہ کے تحقیق اللہ ہے جاننے

بعد اگر تمہارے آپس میں رضامندی ہو جاوے تو اس میں گناہ نہیں. بیشک اللہ علم

حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

والا حکمت والا

و حکمت والا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں قریباً تیرہ حرام عورتوں کا ذکر کیا گیا تھا' اب چودھویں حرام عورت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دائمی حرام عورتوں کا ذکر تھا (سوا سالی کے) جن میں سے بعض نسباً حرام تھیں اور بعض سسرالی رشتے سے بعض دودھ کے رشتے سے۔ اب عارضی حرام عورتوں کا ذکر ہے جن کی حرمت کسی وجہ سے ہو۔ جسکے اٹھ جانے سے حرمت بھی اٹھ جائے یعنی دوسرے کی منکوحہ بیوی کہ اسکے طلاق دینے کے بعد حلال ہو جاتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے' اس آیت میں حلال عورتوں کا بھی اجمالی ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حرام عورتوں کی حرمت کا ذکر تھا۔ اس آیت میں حلال عورتوں کے ساتھ اچھے برتاوے کا حکم دیا جا رہا ہے اور ان پر زیادتی سے منع فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول: سیدنا ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس میں جو کہ فتح مکہ کے دن یا اس سے بالکل متصل ہوئی ہے' اسلامی لشکر اوطاس کی طرف بھیجا وہاں کے کفار مرد ڈر کے مارے پہاڑیوں اور

www.alahazratnetwork.org

کھائیوں میں چھپ گئے' اتنی بہت عورتیں گرفتار ہو کر مسلمانوں کے پاس آئیں۔ ان غازیوں نے خیال کیا کہ چونکہ انکے خاوند زندہ ہیں اور انہوں نے طلاق بھی نہیں دی ہے اس لئے شاید ان سے صحبت حرام ہو۔ یہ مسئلہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو ایسی لونڈیوں سے جماع کی اجازت دی گئی (تفسیر خازن' روح المعانی' خزائن العرفان' تفسیر بیضاوی) سیدنا عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ فروخت شدہ لونڈی کے متعلق نازل ہوئی انکے ہاں منکوحہ لونڈی کا نکاح بیع سے ٹوٹ جاتا ہے اور خریدار کو بعد استبراء صحبت جائز ہوتی ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اپنی مملوکہ لونڈی کے متعلق نازل ہوئی جسکا نکاح اور سے کردیا گیا ہو' انکے نزدیک مالک کو حق حاصل ہے کہ اپنی لونڈی کو اس کے خاوند سے علیحدہ کردے یعنی اسکا نکاح توڑ دے (تفسیر خازن) مگر یہ دونوں قول عامتہ المسلمین کے مذہب کے خلاف ہیں۔ حق پہلا ہی قول ہے۔ (روح المعانی)

تفسیر: **والمحصنت من النساء** واؤ عاطفہ ہے اور المحصنت گزشتہ آیت کے **امھتکم** پر معطوف ہے اور حرمت' کا نائب فاعل ہے۔ ہماری عام قراءتوں میں محصنت ص کے فتح سے ہے۔ امام کسائی کی قرات میں ص کے زیر سے ہے۔ یہاں ہی نہیں بلکہ سارے قرآن مجید میں (تفسیر بیضاوی) محصنت احصان سے بنا۔ جس کا مادہ حصن ہے بمعنی قلعہ اور حفاظت۔ رب فرماتا ہے: **مانعتهم حصونهم من الله** اہل عرب کہتے ہیں تحصن زید یعنی زید نے قلعہ میں رہنا سہنا اختیار کرلیا۔ پھر یہ لفظ ہر قسم کی حفاظت پر بولا جانے لگا۔ چنانچہ زرہ کو حصینہ کہتے ہیں۔ یعنی بدن کی حفاظت کرنے والا لباس اچھے گھوڑے کو فرس حصان جو اپنے سوار کی حفاظت کرتا ہے گرنے سے بچاتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا **الا قلیلا مما تحصنون** یعنی گندم محفوظ رکھو' نیز کہا جاتا ہے۔ امراۃ حصان یعنی پاک دامن عورت اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ چار معنی میں استعمال ہوا' پاکدامنی رب فرماتا ہے: **التی احصنت فرجها**' آزاد عورت۔ رب فرماتا ہے: **والذین یرمون المحصنت**' مسلمان عورت' رب فرماتا ہے۔ احصن یعنی جب وہ عورتیں اسلام لے آئیں۔ خاوند والی عورت (تفسیر کبیر) ان چاروں معنی میں حفاظت کے معنی ملحوظ ہیں۔ کیونکہ آزادی کی وجہ سے غلامیت کی ذلت سے حفاظت ہوجاتی ہے۔ اسلام انسان کو محرمات سے محفوظ کردیتا ہے خاوند عورت کو بہت سی مصیبتوں سے بچالیتا ہے۔ فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس نے نکاح کرلیا اس نے اپنے دو تہائی دین کی حفاظت کرلی۔

یہاں محصنت کے یہ چاروں معنی کئے گئے ہیں یعنی حرام ہیں تم پر چار سے زیادہ آزاد عورتیں۔ یا حرام ہیں تم پر مسلمان عورتیں' یا حرام ہیں تم پر خاوند والی عورتیں یا حرام ہیں تم پر پاکدامن عورتیں۔ مگر قوی تفسیر یہی ہے کہ یہاں محصنت سے مراد خاوند والی عورتیں ہیں اور معنی یہ ہیں کہ حرام ہیں تم پر وہ عورتیں جو کسی کے نکاح میں ہوں۔ اس صورت میں آیت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ چونکہ دنیا میں انسان مرد کا نکاح نہ جن عورت سے ہوسکتا ہے نہ حوروں سے۔ اس لئے محصنات کے ساتھ نساء کا ذکر فرمایا گیا۔ نساء کی تحقیق پہلے کی جاچکی ہے لہذا من بیانیہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ من تبعیضیہ ہو۔ **الا ما ملکت ایمانکم** الا استثناء کا ہے اور ما سے مراد عورتیں ہیں چونکہ لونڈی عورت بعض احکام میں مثل جانور کے مانی گئی ہے' اس لئے ما فرمایا گیا جو غیر عاقلوں کیلئے آتا ہے۔ نیز جب کسی کو اسکی صفت سے بیان کیا جائے تو عاقل کیلئے بھی ما بول دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: **لا تنکحوا ما نکح اباؤکم** دیکھو یہاں عورتوں کو ما سے تعبیر کیا گیا اور فرماتا ہے۔ **فلما جاءهم ما**

www.alahazratnetwork.org

عرفوا دیکھو یہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ماسے تعبیر کیا گیا۔ حق یہ ہے کہ یہاں ملک یمین سے مراد ان عورتوں کی ذاتوں کا مالک ہونا ہے جسے فقہاء ملک رقبہ بھی کہتے ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں ملک نکاح بھی مراد لی ہے مگر یہ ضعیف ہے یعنی جن کافرہ عورتوں کے تم مالک بن جاؤ' اس طرح کہ وہ جہاد میں تمہاری ملکیت میں آجائیں۔ وہ اگرچہ خاوند والی ہوں تمہارے لئے حلال ہیں کہ استبراء کے بعد یعنی حاملہ ہو تو حمل جننے کے بعد اور غیر حاملہ ہو تو ایک حیض کا انتظار کرنے کے بعد ان سے صحبت کر سکتے ہو۔ خیال رہے کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہ تب ہو گا جب صرف عورت ہی قید ہو کر آئے خاوند نہ آئے امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک گرفتار شدہ کافرہ بہر حال حلال ہے خواہ خاوند کے ساتھ گرفتار ہو یا اکیلی' خلاصہ یہ ہے کہ امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں عورت کا قید ہونا نکاح توڑتا ہے اور ہمارے ہاں ملک کا علیحدہ ہونا اسکی پوری بحث کتب فقہ میں دیکھو **کتب اللہ علیکم** کتاب کے معنی اور اسکی تحقیق پہلے سیپارے میں کی جا چکی ہے۔ یہاں تاکید کے لئے اس طرح فرمایا گیا۔ اصل عبارت یوں تھی **کتب اللہ علیکم کتابا** : اللہ نے یہ حکم تم پر نوشتہ یا رجسٹری کر دیا۔ بعض نے فرمایا کہ اصل عبارت یوں تھی **الزمو کتاب اللہ علیکم** یعنی اللہ کے اس تحریری حکم کو مضبوطی سے پکڑلو۔ خیال رہے کہ یہ کلمہ تاکید حکم یا دوام حکم بتانے کیلئے آتا ہے۔ چونکہ حرام عورتوں سے نکاح نسل کو خراب کرتا ہے اس لئے فرمایا کہ یہ حکم رجسٹری شدہ ہے یا یہ مقصد ہے کہ اب اس میں کبھی تبدیلی نہ ہو گی۔ مذکورہ عورتوں کی حرمت تم پر دائم رہے گی لہٰذا یہ محکم فیصلہ ہے: **واحل لکم ما وراء ذلکم** احل کا مادہ حل ہے بمعنی کھلنا چونکہ جائز چیز سے پابندیاں دور کر دی جاتی ہیں اس لئے اسے حلال کہتے ہیں۔ اس سے مراد عورتیں ہیں۔ وراء بمعنی علاوہ **ذالکم** سے اشارہ ان مذکورہ عورتوں کی طرف ہے جو یہاں بیان ہوئیں۔

خیال رہے کہ ان عورتوں کے علاوہ کچھ اور عورتیں بھی حرام ہیں۔ جیسے چار بیویوں کی موجودگی میں پانچویں سے نکاح۔ رب فرماتا ہے۔ **مثنی و ثلاث و ربع**۔(ا) مشرکہ عورتوں سے نکاح۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا المشرکت**۔ جس کو تین طلاقیں دی گئی ہوں اس سے نکاح قبل حلالہ' فرماتا ہے **فلا تحل لہ من بعد حتی تنکح زوجا " غیرہ** لعان والی عورت سے نکاح کے لعان توڑنے سے پہلے حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی' بھتیجی' خالہ' بھانجی کا نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح جس کے نکاح میں آزاد عورت ہو اسے لونڈی سے نکاح کرنا حرام ہے۔ یونہی طلاق' وفات کی عدت میں نکاح کرنا حرام ہے۔ غرضیکہ بہت عورتیں وہ ہیں جو یہاں مذکور نہیں مگر حرام ہیں۔ اس لئے بعض علماء نے فرمایا کہ یہ جز منسوخ ہے۔ جس کی ناسخ مذکورہ آیتیں ہیں اور احادیث **متواتر المعنی** یعنی اس وقت یہی عورتیں حرام تھیں بعد میں دوسری حرام کی گئیں۔ **کتاب اللہ** سے یا سنت رسول اللہ سے۔ یہاں تفسیر کبیر نے بہت کوشش کی کہ ان مذکورہ عورتوں کو بھی اسی آیت میں داخل کیا جائے مگر آخر میں انہوں نے بھی یہی کہا کہ حق یہی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہی تھا۔ فقیر بھی اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ **ان تبتغوا باموالکم** یہ عبارت یا تو **احل لکم** کا بیان ہے یعنی ان عورتوں کا حلال ہونا نکاح سے ہے بغیر نکاح نہیں یا مفعول لہ' ہے لام پوشیدہ ہے۔ یعنی اس لئے حلال کی گئیں کہ ان سے نکاح کرو۔ **تبتغوا** کا مصدر ہے **ابتغاء** جو بغی سے بنا بمعنی چاہنا۔ لہٰذا **ابتغاء** کے معنی ہیں تلاش کرنا' ڈھونڈنا چونکہ عموماً" مرد ہی عورت کو نکاح کے لئے تلاش کرتے ہیں' عورتیں کم کرتی ہیں۔ نیز سنت بھی یہی ہے کہ مرد خاطب (یعنی پیغام دینے والا) ہو' عورت مخطوبہ۔ اس لئے یہاں مردوں سے خطاب کیا گیا۔ قرآن مجید

www.alahazratnetwork.org

سے شیخ کی تلاش ' رزق کی تلاش ' محبوب کی تلاش ' بیوی کی تلاش ثابت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام تلاش شیخ میں ' برادران یوسف پہلے تلاش رزق میں ' پھر تلاش محبوب میں نکلے۔ یہاں بیوی کی تلاش کا ذکر ہے۔ **ان تبتغوا** میں لڑکی کے چال چلن اخلاق کی صورت کی دیکھ بھال بھی ہے۔ **باموال** میں **ب الصاق** یعنی ملانے کی ہے۔ اموال یعنی مالوں سے مراد وہ مہر ہے جو نکاح کے وقت یا اس کے بعد عورت کو دیا جائے یا وہ قیمت ہے جس سے لونڈی خریدی جائے۔ یعنی انہیں نکاح کے لئے تلاش کرو۔ اپنے مالوں کے ساتھ جو انہیں مہر میں دو۔ خیال رہے کہ اموال کو جمع فرمایا گیا کیونکہ خاوند کے ذمہ بیوی کا مہر خرچہ بعد موت کفن سب کچھ لازم ہے۔ **کم** فرما کر یہ بتایا کہ بیویوں پر اپنا مال خرچ کرو ' قرض لے کر ' بھیک مانگ کر ' عاریت لے کر خرچ نہ کرو۔ **محصنین غیر مسافحین**۔ یہ دونوں کلمے **تبتغوا** کے فاعل سے حال ہیں۔ **محصنین' احصان** سے بنا جس کے چار معنی ابھی عرض کئے گئے۔ یہاں بمعنی پرہیز و عفت ہے یعنی نفس کو ان چیزوں سے محفوظ رکھنا جو ملامت یا عذاب لازم کریں۔ **مسافحین' سفح** سے بنا۔ رب فرماتا ہے **او دما " مسفوحا "** عرب کہتے ہیں۔ **فلان سفاح الدماء** یعنی وہ آدمی بڑا خونریز ہے۔ اصطلاح میں سفاح کے معنی ہیں زنا۔ کیونکہ زانی بھی زنا میں صرف منی ہی بہاتا ہے۔ نسل یا اولاد کا ارادہ نہیں کرتا اس لئے زنا کو سفاح کہتے ہیں۔ اور زانی کو مسافح یعنی عورتوں کو بذریعہ مال تلاش کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم انہیں کرایہ پر رکھ لو بلکہ یہ مطلب ہے کہ مہر دے کر نکاح کرو۔

خلاصہ یہ ہے کہ ان کلمات نے گذشتہ مضمون سے شبہ دور کر دیا۔ **فما استمتعم بہ منہن فاتوھن اجورھن فریضۃ "** یہاں ف تفصیل کی ہے اور ما سے مراد بیویاں ہیں یا ف تعقیبہ ہے اور ما سے مراد نکاح۔ **بہ** میں **سببیہ** کا مرجع نکاح ہے **استمتعتم** ' متع سے بنا بمعنی نفع۔ استمتع نفع حاصل کرنا۔ بہ میں ہ کا مرجع نکاح ہے۔ **منہن** میں **من** تبعیضیہ ہے اور **ھن** کا مرجع ما ہے۔ یہ جملہ مبتداء ہے۔ چونکہ اس میں شرط کے معنی ہیں اس لئے اس کی خبر میں آئندہ ف آ رہی ہے۔ **اتواء ایتاء** سے بنا بمعنی دے دینا اور قبضہ کرا دینا۔ **اجور** اجر کی جمع ہے۔ بمعنی مزدوری ' یہاں مراد مہر ہے۔ مہر کو اجرت اس لئے کہا گیا کہ یہ نفع حاصل کرنے کا عوض ہے۔ نہ عورت کی قیمت ہے نہ اس کے کسی عضو کی قیمت بلکہ اسے مہر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ محبت سے دیا جاتا ہے بوجھ ہو کر نہیں۔ یعنی اس نکاح کے بعد تم جس بیوی سے نفع حاصل کرو کہ ان سے صحبت کر لو تو ان کے مہر پورے پورے دو۔ اگر مہر مقرر تھا تو مقرر شدہ دو ' اگر مقرر شدہ نہ تھا تو مہر مثل دو یعنی جو عورت کے خاندان میں مقرر ہوتا ہے۔ غرضیکہ صحبت کے بعد مہر واجب ہے۔ اگر صحبت سے قبل طلاق دے دی جائے تو مہر مقرر کا آدھا دیا جائے گا اور غیر مقرر صورت میں کپڑے کا جوڑا اس لئے فرمایا گیا **فریضۃ** یعنی بعد صحبت تم پر مہر دینا بہر حال فرض ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں استمتاع سے مراد ہے عورت سے متعہ کرنا یعنی کچھ مدت کے لئے نکاح اور اجور سے مراد ہے ان عورتوں کی طے شدہ خرچی۔ اور وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ تم جن عورتوں سے متعہ کرو تو ان کی طے شدہ اجرت دو۔ یہ مفسرین اس آیت کو منسوخ مانتے ہیں یا تو اس آیت سے **الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم**۔ کیونکہ متاعی عورت نہ بیوی ہوتی ہے ' نہ لونڈی یا اس حدیث سے کہ حضور نے فرمایا کہ عورتوں کا متعہ اور گدھے کا گوشت قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔

خیال رہے کہ متعہ کی حلت و حرمت دو بار ہوئی۔ جنگ خیبر سے پہلے حلال تھا۔ خیبر کے دن حرام کیا گیا پھر فتح مکہ یعنی جنگ اوطاس میں حلال ہوا۔ پھر قیامت تک کے لئے حرام کر دیا گیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اسلام میں متعہ ہی وہ حکم ہے جو دو

www.alahazratnetwork.org

بار حلال و حرام ہوا۔ خیال رہے کہ متعہ کے حرام ہونے پر ساری امت کا اجماع ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس پہلے اس کی حلت کے قائل تھے' پھر سیدنا علی مرتضٰی کے فرمان پر انہوں نے اس سے رجوع کیا مگر مجبوری کی حالت میں جائز مانتے رہے۔ جس پر بہت شور مچا اور لوگوں نے ان کی تردید میں قصیدے لکھے۔ جن میں سے دو شعر یہ ہیں۔

قد قلت للشیخ لما طال مجلسہ — یا صاح ھل لک فی فتوی ابن عباس

ھل لک فی رخصتہ الاطراف انسہ — تکون مثواک حتی مصدر الناس

پھر آپ نے سیدنا عبداللہ ابن زبیر کی خلافت میں اس سے بھی رجوع کر لیا۔ بہر حال متعہ کی حرمت پر سب کا اجماع ہو چکا۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ تفسیر نہایت ہی ضعیف ہے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ فما کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اس مذکورہ نکاح کے بعد والی کوئی چیز ہے۔ اگر اس سے مراد متعہ ہو تا تو یہاں واؤ آتا ف نہ آتی کہ متعہ اس نکاح مذکورہ کے علاوہ کوئی اور چیز اس دائمی نکاح کے بعد کی چیز نہیں' دوسرے اس لئے کہ اس آیت میں موجود ہے۔ **محصنین غیر مسافحین** اور ظاہر ہے' متائی خاوند بھی صرف شہوت رانی اور منی بہانا ہی چاہتا ہے۔ نسل یا اولاد کی ہرگز خواہش نہیں کرتا لہٰذا وہ بھی مسافحین میں داخل ہے۔ نیز جب ایک معنی سے آیت محکم بن سکتی ہے تو بلا وجہ دوسرے غیر ظاہر معنی کر کے اسے منسوخ ماننا جائز نہیں۔ نیز اس پوری آیت میں نکاح دائمی کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس ٹکڑے میں متعہ مراد لینا آیت کی روانی کے خلاف ہے اور اس کے بہت سے وجوہ ہیں۔ چنانچہ سب مانتے ہیں کہ متعہ سے احصان حاصل نہیں ہوتا۔ چنانچہ اگر متائی شخص زنا کرے تو اسے سو کوڑے لگیں گے۔ رجم نہ کیا جائے گا۔ لہٰذا حق یہی ہے کہ اس سے مراد متعہ ہرگز نہیں۔ **ولا جناح علیکم فیما تراضیتم بہ من بعد الفریضتہ** یہ مہر کے متعلق تیسرا حکم ہے۔ **تراضیتم** میں خاوند بیوی سے خطاب ہے۔ بہ میں ہ کا مرجع ما ہے۔ فریضہ سے مراد مقرر شدہ مہر ہے یعنی مہر مقرر کرنے کے لئے اگر زوجین کسی فرق کرنے پر متفق ہو جائیں۔ مثلاً عورت جس سے ایک ہفتے کے لئے نکاح ہوا تھا وہ دس دن رہنے پر راضی ہو جائے یا مرد ہفتے سے پہلے چھوڑنے پر راضی ہو جائے۔ یا متائی عورت اجرت متعہ کم کرنے پر راضی ہو جائے یا مرد کچھ زیادہ اجرت دیدے تو گناہ نہیں۔ ان کے نزدیک یہ حکم بھی منسوخ ہے۔ مگر ابھی فقیر عرض کر چکا کہ یہ تفسیر منشاء آیت کے خلاف ہے لہٰذا اس کی تفسیر وہی ہے جو ہم نے عرض کی۔ **ان اللہ کان علیما حکیما** " بے شک اللہ تعالٰی جانتا ہے کہ مخلوق کا فائدہ کن احکام میں ہے اور اس کے سارے احکام حکمت پر مبنی ہیں۔ اس نے نکاح اس لئے حلال قرار دیا کہ اس سے مال' عزت' نسب وغیرہ سب محفوظ رہتے ہیں' اور ان مذکورہ عورتوں سے نکاح اس لئے حرام کیا کہ اس میں صدہا فساد ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : پہلے جملے کی چار تفسیریں ہیں۔ کیونکہ **محصنت** کے چار معنی ہیں۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کیا ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے۔ "اے مسلمانو! تم پر وہ عورتیں حرام ہیں جو کسی اور کے نکاح میں ہوں یا نکاح کی عدت میں"۔ کیونکہ ایک مرد چار عورتیں رکھ سکتا ہے مگر ایک عورت بیک وقت چند خاوند نہیں رکھ سکتی کہ اس میں نسل مخلوط ہوتی ہے۔ ہاں جو کافرہ عورتیں گرفتار ہو کر تمہارے ہاتھ لگیں اور تم ان کے مالک ہو جاؤ وہ اگرچہ خاندان والیاں ہوں جن کے خاوند اپنے گھروں میں رہ گئے ہوں' وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔ یہ مذکورہ عورتوں کی حرمت اللہ تعالٰی کا نوشتہ ہے۔ جس پر عمل کرنا تم پر لازم ہے۔ اس میں تبدیلی کبھی نہ ہوگی۔ ان عورتوں کے علاوہ باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ کہ ان

www.alahazratnetwork.org

سے مہر کے عوض نکاح کرو۔ اس میں یہ خیال رکھنا کہ پاکدامن رہو۔ صرف شہوت رانی کے لئے نہ ہو۔ پھر اس نکاح کے بعد جس بیوی سے تم صحبت بھی کر لو تو اسے اس کا طے شدہ مہر اور اگر مہر مقرر نہ ہو تو مہر مثل پورا پورا دو۔ یہ بڑا ضروری فریضہ ہے کیونکہ مہر عورت کا قرض ہے۔ جو توبہ سے معاف نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر خاوند بیوی کو اس مہر مقرر سے کچھ زائد دیدے تو ان پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ ان کا آپس کا معاملہ ہے جیسے راضی ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ بڑی حکمت والا ہے۔ اس نے جو حکم نافذ فرمایا ہے اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ لہذا اس کے احکام پر بلا چون وچرا عمل کرو۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گمشدہ خاوند کی بیوی اس وقت تک دوسروں پر حرام ہے جب تک کہ خاوند کی موت کا ظن غالب، جو قریب یقین ہو نہ ہو جائے۔ ایسے ہی جن عورتوں کے نکاح ناجائز طور پر حکام توڑ دیتے ہیں وہ سب دوسروں پر حرام ہیں کیونکہ یہ عورتیں محصنات یعنی خاوند والیاں ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کافروں کا نکاح اختلاف دارین کی وجہ سے ٹوٹ سکتا ہے کہ مرد تو دار الحرب میں رہے اور عورت گرفتار ہو کر دار السلام میں آجائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔ اس عورت کا مولیٰ حمل جننے یا ایک حیض آجانے کے بعد اس سے صحبت کر سکتا ہے جیسا کہ **ما ملکت** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ان آیات میں مذکورہ عورتوں کی حرمت قطعی یقینی ہے ان کا منکر کافر ہے جیسا کہ کتاب اللہ سے معلوم ہوا۔ لہذا جو شخص ان عورتوں میں سے کسی کو حلال جانے وہ کافر ہوگا۔ **چوتھا فائدہ:** تمام چیزوں میں اصلی حالت حلال ہونا ہے۔ حرمت کسی وجہ سے آتی ہے جس کے لئے دلیل درکار ہے۔ دیکھو! یہاں رب تعالیٰ نے حرام عورتوں کا ذکر تو فرمایا حلال کا ذکر نہ کیا بلکہ ان کے لئے فرمایا کہ ان کے سوا باقی تمام عورتیں حلال ہیں۔ اگر حلال ہونے کے لئے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوا کرتی تو قرآن کریم حلال کا ذکر بھی فرماتا۔ رب فرماتا ہے۔ **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما" علی طاعم** الخ وہاں بھی کھانے کی چیزوں کی حلال ہونے کی دلیل کسے بنایا، حرام نہ ہونے کو۔ اس سے زمانہ موجودہ کے دیوبندی وہابی حضرات عبرت پکڑیں، جو ہر چیز کی حلت کے لئے دلیل مانگتے ہیں اور حرام بلا دلیل کہہ دیتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** مناسب یہ ہے کہ پیغام نکاح مرد کی طرف سے ہو۔ یعنی مرد خاطب ہو عورت مخطوبہ۔ جیسا کہ **ان تبتغوا** مذکر فرمانے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نکاح میں مہر ضروری ہے جیسا کہ **باموالکم** سے معلوم ہوا۔ حتیٰ کہ اگر مہر کا ذکر نہ ہو یا مہر کا انکار کر دیا گیا ہو پھر بیوی یا خاوند کا انتقال ہو جائے یا بعد صحبت و خلوت طلاق ہو جائے تو مہر مثل یعنی جو عورت کے کنبہ میں مہر بندھتا ہو وہ دینا واجب ہے۔ جیسا کہ **باموالکم** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نکاح میں مہر مال ہی ہو سکتا ہے اور چیز نہیں ہو سکتی۔ یہ بھی **باموالکم** سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** امام شافعی کے ہاں مہر غیر مال بھی ہو سکتا ہے۔ یہ آیت احناف کی دلیل ہے اور ان کے ہاں مہر میں نہ کمی کی حد مقرر ہے نہ زیادتی کی۔ ایک پیسہ دھیلا بھی مہر ہو سکتا ہے۔ مگر امام اعظم کے ہاں ادنیٰ مہر دس درہم ہے زیادہ کی حد نہیں۔ امام صاحب کی دلیل وہ آیت ہے۔ **قد علمنا ما فرضنا علیھم فی ازواجھم** اور بہت سی احادیث ہیں۔ نیز اس میں ہاتھ بھی اسی قدر مال نہیں کہا جاتا اور یہاں فرمایا گیا **باموالکم۔** **آٹھواں فائدہ:** وقتی نکاح یعنی متعہ اسلام میں حرام ہے جیسا کہ **محصنین** اور **غیر مسافحین** سے معلوم ہوا کیونکہ متعائی مرد صرف شہوت رانی اور نطفہ ضائع کرنے کے لئے متعہ کرتا ہے نہ اولاد اور انتظام خانہ داری کے لئے۔ لہذا وہ مسافح ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر میں عرض کیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا**

www.alahazratnetwork.org

علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم اور فرماتا ہے۔ **فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون**۔ یعنی جو کوئی بیوی اور لونڈی کے سوا کوئی اور عورت تلاش کرے وہ اسلامی حد سے نکلتا ہے اور ظاہر ہے کہ متائی بیوی نہ بیوی ہے۔ نہ لونڈی۔ لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے۔ بیوی اس لئے کہ شیعہ حضرات بھی اس پر بیوی کے احکام جاری نہیں کرتے۔ چنانچہ نہ تو اس پر علیحدگی کے بعد عدت واجب کرتے ہیں صرف ایک حیض کا استبراء ضروری مانتے ہیں نہ اسے خاوند کی میراث دلواتے ہیں اگرچہ مدت متعہ میں خاوند کا انتقال ہو جائے۔ نہ اس عورت پر طلاق لازم کرتے ہیں نہ طلاق کے بعد عدت کا خرچہ حتی کہ ابو نصیر مجتہد شیعہ نے اپنی صحیح میں حضرت امام جعفر صادق سے روایت نقل کی۔ کسی نے آپ سے پوچھا کہ ممتوعہ عورت بیویوں میں شمار ہے کہ نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ وہ تو ستر میں بھی شمار نہیں یعنی بیک وقت سو عورتوں سے متعہ ہو سکتا ہے۔ اگر یہ بیوی ہوتی تو چار میں یقیناً داخل ہوتی (از روح المعانی) رب فرماتا ہے۔ **مثنی و ثلث و ربع**۔ نواں فائدہ: صحبت یا خلوت کے بعد پورا مہر دینا واجب ہو جاتا ہے جیسا کہ **فما استمتعتم** الخ سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: مہر بیوی کی قیمت نہیں بلکہ اس سے نفع حاصل کرنے کا معاوضہ ہے۔ جیسا کہ **اجورھن** سے معلوم ہوا۔ گیارہواں فائدہ: مالک نکاح خاوند ہے۔ عورت یا دونوں نہیں۔ ورنہ خاوند پر مہر دینا واجب نہ ہوتا یہ فائدہ بھی **اجورھن** سے حاصل ہوا۔ اسی لئے خاوند طلاق دے سکتا ہے عورت نہیں دے سکتی۔ رب فرماتا ہے **الذی بیدہ عقدۃ النکاح**۔ بارہواں فائدہ: بیوی کا مہر ادا کرنا ایسا ضروری ہے جیسے دوسرے قرض ادا کرنا جیسا کہ **فریضۃ**" سے معلوم ہوا لہذا "ایسا مہر ہونا چاہئے جو ادا کیا جا سکے۔ تیرہواں فائدہ: بیوی اپنا مہر معاف بھی کر سکتی ہے اور کم بھی یونہی خاوند مہر میں زیادتی بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ **تراضیتم** سے معلوم ہوا۔ چودھواں فائدہ : خاوند جو زیادتی کردے وہ مہر میں داخل ہوگی۔ حتی کہ اگر خاوند فوت ہو جائے یا بعد خلوت طلاق دے تو مہر کی طرح یہ زیادتی بھی ادا کرنی پڑے گی۔ یہ بھی **من بعد الفریضۃ** سے معلوم ہوا۔ ہاں اگر خلوت سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس زیادتی کا آدھا واجب ہو گا بلکہ اصل مہر کا آدھا واجب ہو گا۔ امام شافعی کے ہاں یہ زیادتی ہبہ کے حکم میں ہے۔ خیال رہے کہ اصطلاح میں حرام عورت وہ کہلاتی ہے جس سے نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو اور اس کی صرف تین ہی صورتیں ہیں۔ نسب مسرالیت و شیر خوارگی۔ ان تینوں میں نسب کی حرمت بہت قوی ہے۔ اسی لئے ماں، بہن، بیٹی وغیرہ کے ساتھ سفر بھی جائز ہے اور خلوت بھی مگر رضائی بہنیں اور جوان ساس کے ساتھ یہ باتیں مکروہ۔ میراث ہبہ میں رجوع نہ کر سکنا۔ اس کے مال کی چوری پر ہاتھ نہ کٹنا۔ اس کے حق میں گواہی قبول نہ ہونا۔ اس کی موطوۂ بیوی حرام ہونا وغیرہ احکام اسی حرمت نسب پر مرتب ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ خاوند والی عورت دوسرے مرد سے نکاح نہیں کر سکتی تو چاہئے کہ بیوی والا مرد بھی دوسری عورت سے نکاح نہ کر سکے (آریہ و عام بے دین)۔ جواب: مرد کو چند بیویاں رکھنا جائز ہیں بشرطیکہ انصاف کرے اس لئے کہ قدرتی طور پر عورت کی پیدائش زیادہ ہے اور مردوں کی کم اور عموماً" جنگوں میں مرد زیادہ مارے جاتے ہیں عورتیں کم کیونکہ لڑنے والی فوجیں مردوں ہی کی ہوتی ہیں نہ کہ عورتوں کی۔ اگر مردوں پر ایک بیوی کی پابندی ہو تو زیادہ عورتیں کہاں کھپیں۔ آریوں کے ہاں مرد ایک ہی عورت سے نکاح کر سکتا ہے مگر ساتھ میں نیوگ وغیرہ کے ذریعہ بہت سی عورتوں کو استعمال کر سکتا ہے۔ عیسائیوں کے ہاں بھی چند نکاح ممنوع ہیں مگر ان کے ہاں زنا پر کوئی پابندی نہیں۔ جیسا کہ آج دیکھا جا رہا ہے بلکہ وہ تو زناکاری انبیاء کے سر تھوپتے ہیں۔ دیکھو پرانا عہد نامہ "اور ہم نے بھی اپنی کتاب "عیسائیت اور توہین انبیاء" میں اس کا ثبوت

www.alahazratnetwork.org

دیا ہے۔ اسلام نے چار بیویوں کی اجازت دے کر عورتوں کی زیادتی کو ٹھکانے لگایا اور بدکاری سے انسان کو روک دیا۔ دوسرا اعتراض: تو پھر چاہئے کہ عورت بھی چار خاوند کرسکے اس پر پابندی کیوں ہے؟ جواب: اس کا جواب چوتھے پارہ میں دیا جاچکا ہے کہ یہ عمل علاوہ بے حیائی کے دنیا کے انتظام میں خلل ڈال دے گا کیونکہ بچے کی تعلیم، پرورش کا خرچہ، بیاہ شادی باپ کے ذمہ ہے۔ جب باپ ہی مقرر نہ ہوگا تو کون اس کا ذمہ دار ہوگا۔ تیسرا اعتراض: لونڈیوں سے بھی نکاح ہی کرنا جائز ہے۔ بغیر نکاح مولیٰ ان سے صحبت نہیں کرسکتا دیکھو یہاں **ما ملکت** کو **والمحصنت** پر معطوف کیا گیا تو جیسے **محصنات** منکوحہ چاہئے ایسے ہی لونڈی بھی منکوحہ ہی چاہئے۔ (لاہوری مرزائی) از تفسیر بیان القرآن لاہوری۔ جواب: یہ غلط ہے کیونکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا علی ازواجھم او ما ملکت ایمانھم** جس سے معلوم ہوا کہ بیویوں اور لونڈیوں دونوں سے صحبت جائز ہے۔ اگر اپنی لونڈی سے نکاح شرط ہوتا تو وہ بیوی میں داخل ہوتی ان پر معطوف کیوں ہوتی؟ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا ان 14 عورتوں کے جو ان آیات میں مذکور ہوئیں۔ سب حلال ہیں کہ فرمایا گیا **و احل لکم ما وراء ذلکم** تو چاہئے کہ دادیوں، نانیوں ایسے ہی رضاعی بھتیجیوں بھانجیوں وغیرہم سے نکاح جائز ہو۔ یونہی تم بہت سی عورتیں ایسی حرام مانتے ہو جو یہاں مذکور نہیں۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دادیاں، نانیاں ماں میں داخل ہیں۔ ان کے علاوہ نہیں، یونہی بھتیجیاں، بھانجیاں بہنوں میں داخل ہیں۔ اسی لئے یہاں **وراء** فرمایا گیا۔ دوسرے وہ جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ آیت عموم میں منسوخ ہے۔ جس کی ناسخ بہت سی آیات و احادیث ہیں۔ غرضیکہ کچھ عورتیں اس آیت کی دلالت سے حرام ہیں کچھ اشارہ سے، کچھ اقتضاء سے، کچھ دوسری آیات سے، کچھ احادیث سے، ہمارا ایمان سارے قرآن پر اور ساری احادیث صحیحہ پر ہے۔ پانچواں اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ مہر صرف مال ہوسکتا ہے مگر قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مال کے علاوہ اور چیزیں بھی مہر بن سکتی ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ شعیب علیہ السلام نے جب اپنی بیٹی صفورہ کا نکاح موسیٰ علیہ السلام سے کیا تو ان کا مہر یہ تھا کہ **ان تاجرنی ثمانی حجج** آٹھ سال بکریاں چرانا، نیز حدیث شریف میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کا نکاح ایک مرد سے قرآن کے عوض کیا۔ فرمایا **زوجتھا بما معک من القران** تو تمہاری تفسیر کیونکر صحیح ہوئی؟ جواب: اولاً تو دین شعیب علیہ السلام اور تھا دین اسلام اور ہے۔ ان کے احکام ہم پر لازم نہیں۔ دوسرے حضرت شعیب علیہ السلام نے بھی بکریاں چرانے کی شرط پر نکاح کیا تھا نہ کہ اس کے معاوضہ میں اس لئے وہاں **علی** فرمایا **ب** نہیں فرمائی گئی۔ نیز فرمایا **تاجرنی** یہ نہ فرمایا **تاجرھا**۔ اگر یہ مہر ہوتا تو آپ اپنی طرف نسبت کیوں کرتے۔ مہر بیوی کا ہوتا ہے نہ کہ سسر کا۔ سرکار کے فرمان عالی میں **ب** سببیہ ہے نہ کہ عوض کی یعنی چونکہ تجھے قرآن یاد ہے لہٰذا میں نکاح کرتا ہوں اس آیت کریمہ میں **باموالکم** فرماکر صاف بتادیا گیا کہ نکاح بعوض مال ہی چاہئے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نکاح کی طرح متعہ بھی جائز ہے کیونکہ یہاں **ان تبتغوا** علیحدہ ذکر ہوا۔ اور **فما استمتعتم** علیحدہ۔ بیویوں کا مہر دینا فرض ہوا اور متاعی کی عورت کی خرچی دینا واجب۔ نیز تمہاری کتابیں کہتی ہیں کہ حضرت عبداللہ ابن عباس آخر دم تک متعہ کو جائز مانتے رہے۔ نیز روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ خلافت میں متعہ سے منع کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور کے زمانہ میں عہد صدیقی میں متعہ مروج تھا۔ نیز متعہ بھی نکاح کی ہی ایک قسم ہے اور نکاح بھی مطلقاً حلال لہٰذا اس کی تمام اقسام حلال۔ نیز تمام سنی کتب میں موجود ہے کہ حضور کے زمانہ میں صحابہ نے متعہ کیا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

(شیعہ)۔(نوٹ) یہ شیعوں کے متعہ کے جواز میں انتہائی دلائل ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکے ہیں۔ یہ آیت تو اعلان کر رہی ہے کہ یہاں **استمتعتم** سے مراد متعہ نہیں بلکہ منکوحہ بیوی سے صحبت کرنا مراد ہے۔ فرمایا جارہا ہے کہ جس بیوی سے تم صحبت بھی کرلو اس کا پورا مہر دو۔ یہاں بھی اور دوسری آیات میں بھی بتایا گیا ہے کہ صرف دو ہی عورتیں حلال ہیں۔ اپنی بیویاں یا لونڈیاں۔ متعائی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی' دیکھو یہاں فرمایا گیا **محصنین غیر مسافحین** نکاح پاکدامنی کے لئے ہو نہ کہ محض شہوت رانی کے لئے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم**۔ اور فرمایا گیا۔ **فمن ابتغی وراء ذالک فاولئک هم العادون**۔ متعائی عورت بیوی اور لونڈی کے سواء ہے اسی لئے اس پر نکاح کے احکام وراثت طلاق عدت خرچہ وعدت۔ احصان وغیرہ جاری نہیں حتیٰ کہ متعہ میں گواہ بھی ضروری نہیں بے شک اسلام میں دو دفعہ متعہ حلال ہوا۔ پھر ہمیشہ کے لئے حرام کردیا گیا۔ اس زمانہ میں بعض صحابہ نے متعہ کیا ہے۔ شراب و زنا عرب سے مٹانا آسان نہ تھا کہ وہاں کے لوگ ان کے بہت عادی تھے۔ اسلام نے ان دونوں چیزوں کو نہایت آہستگی سے حرام کیا' جیسے اب شراب حرام ہے ایسے ہی متعہ بھی' یہ محض غلط ہے کہ حضرت عمر نے اپنے زمانہ میں متعہ حرام کیا' ورنہ تمام صحابہ خصوصاً علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کبھی خاموش نہ رہتے۔ ان کی مخالفت کرتے۔ تعجب ہے کہ آج علماء کرام دین کا ایک مسئلہ بھی نہیں بدلنے دیتے اور حضرات اہل بیت اتنا بڑا حکم بدلتے دیکھیں اور خاموش رہیں۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس اولاً اس کی حلت کے قائل تھے مگر خود سیدنا علی مرتضیٰ کے فرمان پر آپ نے اس سے رجوع کیا اور فرمایا کہ متعہ ضرورت کے وقت ایسے ہی حلال ہے' جیسے جان جانے کے خطرہ پر سور اور مردار حلال ہوتا ہے۔ پھر عبد اللہ ابن زبیر کے زمانہ میں آپ نے اس سے بھی رجوع کرلیا دیکھو مسلم شریف' تفسیر کبیر' روح المعانی وغیرہ۔ **لطیفہ:** شیعہ حضرات کے ہاں متعائی بچہ کا نسب باپ سے ثابت نہیں ہوتا' نہ اسے میراث ملے (تفسیر کبیر)۔ نہ متعائی عورت پر عدت واجب' نہ ان میں توارث جاری حالانکہ بیوی اور اولاد کے یہ احکام قرآن سے ثابت ہیں۔ متعہ کی باقی بحث یہاں تفسیر روح المعانی اور کبیر میں دیکھو۔ لہٰذا متعہ کی عورت منکوحہ بیوی نہیں۔ خیال رہے کہ قدرت ہم کو کھانے پینے' دیکھنے' سننے کی طاقت تو پیدائش سے مرتے وقت تک دیتی ہے مگر شہوانی طاقت جوان ہونے پر دیتی ہے۔ اور بڑھاپا آتے ہی چھین لیتی ہے جس میں اشارۃً بتایا گیا کہ یہ طاقت صرف پانی بہانے کے لئے نہیں بلکہ اولاد حاصل کرنے گھر بسانے کے لئے ہے۔ لہٰذا جب تم کمانے بسانے والا پانے کے لائق ہو جاؤ تو یہ طاقت تم کو ملے گی اور جب یہ مقصد پورا کر چکو تو چھین لی جائے گی۔ اگر متعہ جائز ہوتا اور صرف پانی بہانا مقصود ہوتا تو یہ طاقت پیدائش سے مرتے وقت تک رہنی چاہئے تھی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا گویا خاوند والی عورت ہے جس کے ہزار خاوند ہیں اور ایسی بے وفا ہے کہ اس نے کسی سے نہ نبھائی۔ تمام خاوندوں کو ہلاک کردیا' کسی کے ساتھ نہ گئی اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

دنیا کو تو کیا جانے یہ کی گانٹھ ہے حرافہ — صورت دیکھو ظالم کی تو کیسی بھولی بھالی ہے
شہد دکھائے زہر پلائے قاتل ڈائن شوہر کش — اس مردار پہ کیا للچایا دنیا دیکھی بھالی ہے

جنت انسانوں سے لاکھوں سال پہلے بنی مگر وہاں کی یہ نعمت مکان حور وغیرہ اپنے مستحقین کے نام سے وقف ہو چکی ہیں ان سے

www.alahazratnetwork.org

پہلے ان چیزوں کو کوئی مالک بنکر استعمال نہیں کر سکتا۔ رب فرماتا ہے: **لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان** دنیا سرائے جنت اصل قرار کی جگہ۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو اس خاوندوں والی دنیا کے ساتھ اپنے دل کا نکاح مت کرنا اور اس سے دل نہ لگانا ہاں اگر یہ دنیا تمہاری لونڈی بنکر رہے تو تمہارے لئے حلال ہے کہ ایسی دنیا دین میں مددگار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا قطعی فیصلہ ہے۔ تمہارے واسطے یہ حلال ہے دنیا کے ساتھ محصن بن کر رہو بدکار بنکر نہ رہو اور اے مسلمانو جب تم دنیا اور نفس امارہ سے فائدہ حاصل کرو۔ تو اسے اسکی اجرت بھی دے دو۔ اس اجرت کی تفصیل حدیث شریف میں ہے۔ کہ سرکار فرماتے ہیں: تم پر تمہاری آنکھ کا حق ہے، تمہاری بیوی، اولاد کا حق ہے۔ یہ حقوق ادا کرنا اللہ تعالیٰ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی کا ذریعہ ہے۔ ہاں اگر تم اپنی رضا سے کچھ حقوق کے ادا میں زیادتی کرو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ اس دنیا کو پیدا فرمانے اور اسے تمہاری لونڈی بنانے میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں۔ کافر کی دنیا اس کافر پر حکومت کرتی ہے اور مومن کی دنیا پر مومن حکومت کرتا ہے۔ ابو جہل کے پاس بھی دنیا تھی اور سیدنا عثمان غنی کے پاس بھی۔ مگر ابو جہل کی دنیا ابو جہل پر حکومت کرتی تھی۔ مگر جناب عثمان غنی کی دنیا پر عثمان غنی کا راج تھا۔ اور عثمان غنی پر آقا دو جہاں (صلی اللہ علیہ وسلم) کی حکومت تھی جیسے ضلع پر افسر کی حکومت ہے اور افسر پر سلطان کا راج کہ ضلع بھر میں سلطان کے احکام بذریعہ حکام جاری ہوتے ہیں۔ اسی طرح عثمان غنی کی دنیا پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج تھا۔ اس لئے فرمادیا کہ عثمان! تم جو چاہو کرو کہ تم جنتی ہو چکے۔ میٹھے تخم کو خواہ کڑوا ہی پانی دو مگر میٹھا ہی پھل دیگا۔ کڑوے تخم کو خواہ دودھ اور میٹھا پانی دو پھل کڑوا ہی دیگا۔ آم کے درخت کو کیسا ہی پانی دو آم ہی دیگا۔ حنظل (تمہ) کے درخت کو کیسا ہی پانی دو کڑوا پھل دیگا۔ مومن کو مصیبت راحت دولت فقیری کسی قسم کا پانی دیا جائے اس میں تقویٰ اور معرفت کے ہی پھل لگیں گے۔ کافر و منافق کو قرآن و حدیث کا پانی دودھ کفر کا ہی پھل دیگا۔ حضرت امام حسین کے ایمان کو یزید نے ہزارہا مصیبتوں کا پانی دیا مگر وہاں شہادت اور صبر کے پھل ہی لگے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ

اور جو کوئی نہ رکھے تم میں سے طاقت یہ کہ نکاح کرے آزاد ایمان والی عورتوں سے پس ان کے

اور تم میں بے مقدوری کے باعث جن کے نکاح میں آزاد عورتیں ایمان والیاں نہ ہوں تو ان سے نکاح کرے

مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ

جو مالک ہیں تمہارے ہاتھ تمہاری مومنہ لونڈیوں میں سے اور اللہ بہت ہی جانتا ہے تمہارے ایمان

جو تمہارے ہاتھ کی ملکیت ہیں۔ ایمان والی کنیزیں اور اللہ تمہارے ایمان کو خوب جانتا ہے تم میں ایک

بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ

کو بعض تمہارے بعض سے ہیں۔ پس نکاح کرو ان سے ساتھ اجازت انکے گھر والوں کے اور دو انکو انکے مہر

دوسرے سے ہے تو ان سے نکاح کرو ان کے مالکوں کی اجازت سے اور حسب دستور انکے مہر انہیں

www.alahazratnetwork.org

بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ
ساتھ بھلائی کے۔ کہ پاکدامن ہوں نہ کہ زانیہ اور نہ بنانے والی خفیہ یار بس جب کہ
وہ قید میں آجائیں نہ مستی نکالتی نہ یار بناتی جب وہ قید میں آجائیں پھر برا کام کریں
اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ
ہوں وہ بس اگر لائے وہ بے حیائی کو تو اوپر ان کے آدھا ہے اس کا جو آزاد عورتوں پر ہے
تو ان پر اس کی آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں پر
الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ
سزا۔ یہ واسطے اس کے ہے جو ڈرے زنا سے تم میں سے اور یہ کہ صبر کرو تم بہتر ہے تمہارے
ہے یہ اس کے لئے جسے تم میں سے زنا کا اندیشہ ہے اور صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے اور اللہ
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾
لئے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں ان عورتوں کی تفصیل تھی جن سے نکاح حرام ہے۔ اب ان عورتوں کا بیان ہے۔ جن سے نکاح بہتر نہیں مگر جائز ہے۔ یعنی لونڈیوں سے نکاح۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا ذکر تھا۔ اب اس کا ذکر ہے کہ کب حلال ہیں اور کس صورت سے حلال ہیں (تفسیر کبیر) تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں آزاد عورتوں سے نکاح کا ذکر تھا جو اپنے نفس کی مختار ہوتی ہیں اور اپنے مہر پر خود قبضہ کرتی ہیں۔ اب لونڈیوں سے نکاح کا ذکر ہے۔ جنکے نکاح کی ڈوران کے مالکوں کے ہاتھ ہوتی ہے اور جو ان کے مہروں کے مالک ہوتے ہیں۔

تفسیر: **ومن لم يستطع منكم طولا** من موصولہ ہے۔ مستطع استطاعت سے بنا بمعنی طاقت رکھنا۔ مگر یہاں تجرید کے طریقے پر اسکے معنی ہیں رکھنا۔ کیونکہ طاقت کیلئے لفظ علیحدہ آرہا ہے۔ من لم میں خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے۔ نہ صرف صحابہ کرام سے کیونکہ یہ حکم سب مسلمانوں پر جاری ہے اور نہ سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ نکاح وغیرہ کے اسلامی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں۔ طولا طول سے بنا بمعنی درازی و لمبائی۔ اسکا مقابل ہے قصر بمعنی چھوٹا ہونا۔ اسی لئے دراز قد آدمی کو طویل کہتے ہیں اور پست قد کو قصیر۔ اب اصطلاح میں اسکے معنی ہوتے ہیں قدرت غنا زیادتی کیونکہ قدرت و غنا کی وجہ سے انسان وہ کام کر سکتا ہے جو غریب نہیں کر سکتا جیسے لمبا آدمی وہ چیز چھو سکتا ہے جو پست قد آدمی نہیں چھو سکتا۔ اس معنی سے رب کی صفت ہے ذی الطول یعنی حقیقی فضل اور قدرت والا۔ رب نے مالداروں کو فرمایا: اولوا الطول یعنی قوت اور مال والے۔ یہاں یا قدرت کے معنی میں ہے۔ یا زیادتی کے معنی میں **ان ينكح المحصنت المؤمنت** یہ عبارت طولا کی

www.alahazratnetwork.org

مفعول بہ ہے اور طولا یستطع کا مفعول بہ یا مفعول مطلق تھا۔ نکاح کے لغوی معنی ہیں ملنا صحبت کو بھی نکاح کہتے ہیں' اور عقد نکاح کو بھی۔ یہاں بمعنی صحبت ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد عقد نکاح ہو۔ پہلی صورت میں یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہوگی اور دوسری صورت میں امام شافعی کی۔ مگر انکی دلیل ضعیف سی ہی بنے گی۔ جیسا کہ ابھی ذکر کیا جائے گا۔ محصنت سے مراد یہاں آزاد عورتیں ہیں جیسا کہ پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ اس کے چار معنی آتے ہیں۔ یہاں چونکہ مقابلے میں لونڈیوں کا ذکر آرہا ہے اس لئے آزادی کا معنی مقرر ہے۔ مومنات مشرکہ عورتوں کے مقابلے میں فرمایا گیا کیونکہ کتابیہ عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح جائز ہے۔ یعنی اے مسلمانو! تم میں سے جس میں یہ طاقت نہ ہو کہ آزاد مومنہ بیوی سے صحبت کر سکے کیونکہ اسکے نکاح میں وہ ہے ہی نہیں۔ یا اے مسلمانو! تم میں سے جس میں یہ طاقت نہ ہو کہ وہ آزاد مومنہ عورت کو نکاح میں لا سکے۔ کیونکہ آزاد عورتوں کا مہر اور خرچ زیادہ ہوتا ہے نیز اکثر اوقات لونڈی بیوی کا خرچہ اسکے خاوند کے ذمہ نہیں ہوتا۔ مولیٰ کی وہ خدمت کرتی ہے وہ اسے خرچ دیتا ہے **فمن ما ملکت ایما نکم** یہ عبارت من کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف آئی۔ ما سے مراد عورتیں ہیں اور ایمانکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے' نہ کہ نکاح کرنے والے سے کیونکہ خود اپنی لونڈی سے مولا نکاح نہ کرے بلکہ دوسرے کی لونڈی سے نکاح کر سکتے ہیں۔ یہاں ینکح فعل پوشیدہ ہے۔ **من فتیا تکم المومنت** یہ عبارت ما کا بیان ہے۔ فتیات فتیۃ کی جمع ہے جو فتی کا مونث ہے بمعنی جوان۔ چونکہ غلام بڈھا ہو کر بھی عزت نہیں پاتا۔ اسلئے اسے فتی کہتے ہیں۔ یعنی لڑکا جوان (روح البیان) مومنات کی قید ہمارے مذہب میں استحبابی ہے یا اس سے لغوی مومنہ مراد ہیں جو مشرکہ کی مقابل ہے۔ جس میں کتابی لونڈیاں بھی شامل ہیں۔ لہٰذا یہ آیت امام اعظم کے خلاف نہیں یعنی ایسا مجبور شخص تم مسلمانوں سے کسی کی غیر مشرکہ لونڈی سے نکاح کرے۔ کیونکہ لونڈیوں کا مہر بہت کم اور ان سے نکاح میں بہت تھوڑا خرچ ہوتا ہے۔ **واللہ اعلم با یما نکم** یہ جملہ معترضہ ہے۔ چونکہ اہل عرب لونڈیوں سے نکاح کرنے کو بہت عار جانتے تھے۔ اس لئے فرمایا گیا کہ نسب آزادی پر فخر نہیں' فخر ایمان پر ہے اور وہ لونڈیاں مومنات ہیں لہٰذا ان سے نفرت نہ کرو یا یہ مطلب ہے کہ انکے ظاہری ایمان پر بھروسہ کرو۔ دل کی تحقیقات نہ کرو۔ اس کا پتہ رب تعالیٰ کو ہے۔ **بعضکم من بعض** یہ جملہ یا تو پہلے جملے کا بیان ہے یا دوسرا جملہ معترضہ ہے۔ من پوشیدہ لفظ کا متعلق ہے۔ یعنی تم اور لونڈی غلام چونکہ سب مسلمان ہو اس لئے تمہارے بعض' بعض سے قریب ہیں۔ کیونکہ رشتہ ایمان ہر کالے گورے عربی عجمی آزاد غلام کو ایک کر دیتا ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم اور لونڈی غلام آدم کی اولاد میں ہو لہٰذا سب ایک جنس ہو **فانکحوا باذن اھلھن** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ اس لئے اس پر ف جزائیہ آئی۔ **انکحوا** امر ہے یا وجوب کیلئے یا اباحت کیلئے۔ اذن سے مراد ہے اجازت۔ ب الصاق کیلئے ہے۔ اہل کے معنی ہیں والی۔ یہاں مراد ہے لونڈی والے۔ اسکے مالک یا مالکہ یعنی اگر تم لونڈیوں سے نکاح کرو تو انکے مالک یا انکی مالکہ کی اجازت سے نکاح کرنا۔ کیونکہ لونڈی اگرچہ بالغہ ہو' اپنے نفس کی مختار نہیں' اور نہ بغیر مالک کی اجازت کے اس کا نکاح درست ہے۔ **واتوھن اجورھن بالمعروف** یہ جملہ پہلے جملے پر معطوف ہے۔ اجور جمع اجر کی ہے۔ یہاں اس سے مراد یا تو اس لونڈی بیوی کا خرچہ ہے۔ کھانا کپڑا' یا ان کا مہر۔ پہلی صورت میں آیت بالکل واضح ہے کیونکہ خرچہ لونڈی ہی کو دیا جائے گا۔ دوسری صورت میں یا' یہ مطلب ہے کہ براہ راست مولا کو دینا خود لونڈی کو ہی دینا ہے۔ اسلئے آگے بالمعروف ارشاد ہوا یعنی جو طریقہ لونڈیوں کو مہر دینے کا مشہور ہے۔ اس طریقہ سے دو

www.alahazratnetwork.org

کہ مولا کے پاس پہنچ جائے۔ یا معروف کا مطلب یہ ہے کہ بغیر ٹال مٹول کئے ہوئے انکا مہر دے دو۔ یعنی ان لونڈیوں بیویوں کا خرچہ بھلائی سے دو انہیں تنگ نہ کرو۔ یا ان کا مہر انہیں اس طرح ادا کرو جو شرعاً معتبر ہو۔ **محصنت غیر مسفحت ولا متخذات اخدان** یہ عبارت اتوھن کی ضمیر سے حال ہے۔ محصنت کے معنی یہاں پاک دامن جیسا کہ اگلے الفاظ سے معلوم ہو رہا ہے۔ غیر مسفحت' محصنت کا ہی بیان ہے۔ مسفحت سفاح سے بنا۔ اسکے معنی پہلی آیت میں بیان کئے جا چکے ہیں۔ یہاں مراد ہے علانیہ زنا' اخدان' خدن کی جمع ہے جیسے اتراب ترب کی جمع ہے۔ خدن ساتھی مصاحب کو کہا جاتا ہے اکثر اس ساتھی کو کہا جاتا ہے جو شہوت کی بنا پر خفیہ ساتھی ہو۔ یعنی تم لونڈیوں کو نکاح کر کے مہر دو۔ انہیں کر لیہ وغیرہ پر نہ لو اور یہ دیکھ لو کہ نہ تو وہ علانیہ زانیہ ہوں۔ نہ کسی خاص کو اپنا آشنا بنا کر زنا کی مرتکب ہوں۔ کیونکہ ایسی عورتیں شریفوں کے گھر کے لائق نہیں۔ یہ قیدیں بالاتفاق استحبابی ہیں۔ کیونکہ بدکار لونڈیوں سے بھی نکاح جائز ہے۔ جیسے بدکار آزاد عورتوں سے نکاح حلال کہ یہ انہیں بدکاری سے روکنے کا ذریعہ ہے۔ **فاذا احصن فان اتین بفاحشۃ** یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں لونڈیوں کے دوسرے حکم کا بیان ہے۔ یہاں احصان سے مراد بعض مفسرین کے نزدیک اسلام ہے اور سیدنا عبداللہ ابن عباس و دیگر مفسرین کے نزدیک مراد نکاح ہے۔ اگر اسلام مراد ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اگر تم کتابیہ کافرہ لونڈی سے نکاح کرو۔ اور پھر وہ مسلمان ہو جائے۔ پھر زنا کرے اس صورت میں یہ شرط احترازی ہے۔ کیونکہ کافرہ زانیہ کو شرعی سزا نہیں دی جاتی اور دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ لونڈیاں جب خاوند والی ہو جائیں اور پھر زنا کریں۔ اس صورت میں یہ شرط مبالغہ کیلئے ہے۔ کیونکہ کنواری زانیہ کو بھی زنا کی سزا دی جاتی ہے اور مقصد یہ ہو گا کہ لونڈی اگر شادی شدہ بھی ہو تو بھی اسے آدھی سزا دی جائے گی تو کنواری کو تو بدرجہ اولی آدھی ہی ہونی چاہئے غالباً" یہ دوسرے معنی قوی ہیں کیونکہ ایمان کا ذکر تو پہلے ہی ہو چکا ہے۔ فاحشہ سے یہاں مراد زنا ہے۔ یعنی اگر وہ لونڈیاں مسلمان ہو جائیں یا خاوند والی ہو کر پھر زنا کریں۔ **فعلیھن نصف ما علی المحصنت** یہ جملہ 'فان کی جزا ہے اور شرط و جزا مل کر ان کی جزا یہاں محصنت سے مراد آزاد عورتیں ہیں' نہ کہ شادی شدہ' آزاد سے مراد آزاد کنواری زانیہ کی سزا ہے۔ عذاب عذب سے بنا بمعنی روکنا۔ چونکہ سزا لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے اس لئے اسے عذاب کہا جاتا ہے۔ میٹھے پانی کو اس لئے عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روکتا ہے۔ یعنی ان زانیہ خاوند والی لونڈیوں کو اس سزا سے آدھی سزا دی جائے گی جو کنواری آزاد زانیہ کو دی جاتی ہے کہ ان کی سزا سو کوڑے ہے۔ اس لونڈی کی سزا پچاس کوڑے۔ **ذلک لمن خشی العنت منکم۔** ذلک سے لونڈیوں کے نکاح کی طرف اشارہ ہے۔ من سے مراد آزاد مسلمان ہیں۔ عنت کے لغوی معنی ہیں: ہڈی ٹوٹ جانا اصطلاح میں ہر مشقت میں ڈالنے والی چیز کو عنت کہتے ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے: **عزیز علیہ ما عنتم** یہاں اس سے مراد زنا ہے کیونکہ زنا انسان کو دینی و دنیوی مصیبتوں میں ڈال دیتا ہے قوی یہ ہے کہ لمن سے پہلے مناسب پوشیدہ ہے۔ یعنی لونڈی سے نکاح اس شخص کیلئے مناسب ہے جسے زنا میں پھنس جانے کا خطرہ ہے اس طرح کہ جوان آدمی ہو اور شہوت کا غلبہ ہو۔ **وان تصبروا خیرلکم** یہ عبارت مستقل جملہ ہے۔ تصبروا صبر سے بنا بمعنی روکنا یا رکنا۔ یہاں لونڈیوں سے نکاح کرنے سے مراد رو کنا ہے اور اس میں آزاد مردوں سے خطاب ہے۔ یعنی اے جوانو! اگر تم صبر کئے رہو اور شہوت کا کتنا ہی غلبہ ہو مگر لونڈیوں سے نکاح نہ کرو تو تمہارے لئے کتنا ہی بہتر ہے' کیونکہ لونڈی سے نکاح کرنے میں بڑی خرابی یہ ہے کہ اس سے تمہاری جو اولاد پیدا ہوگی وہ لونڈی کے مولا کی غلام ہوگی اور اپنی اولاد کو دوسرے کا غلام بنانا کوئی شخص پسند نہیں کرتا۔ نیز لونڈی

www.alahazratnetwork.org

اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے خاوند کی خدمت کا موقعہ کم پاتی ہے۔ جس سے خاوند کو پورا آرام نہیں ملتا اور نکاح کا منشا پورا پورا حاصل نہیں ہوتا۔ **واللہ غفور رحیم** یہ جملہ بھی مستقل ہے۔ جس کا تعلق پوری آیت سے عموماً ہے اور ان تصبروا سے خصوصاً۔ غفور، غفر کا مبالغہ ہے رحیم رحم کا مبالغہ ہے یا صفت مشبہ۔ ان لفظوں کی تحقیق بارہا کی جاچکی ہے۔ یعنی لونڈیوں سے نکاح جائز کر دینا۔ اور ان کے متعلق تمہیں احکام بتا دینا اس لئے ہے کہ ہم تمہارے گناہ بخشنے والے اور مہربان ہیں۔ یا اے جوانو! اگر تم سے صبر نہ ہو سکے تو کوئی مضائقہ نہیں شوق سے لونڈیوں سے نکاح کرو ہم تمہیں اس پر پکڑیں گے نہیں۔ ہم تو گناہگاروں کو بخش دیا کرتے ہیں اور سیہ کاروں پر مہربانی کر دیا کرتے ہیں تم تو اس نکاح میں گناہگار بھی نہیں ہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! تم میں سے جس شخص میں مومنہ آزاد بیوی سے صحبت کرنے کی طاقت نہ ہو اس طرح کہ اسکے نکاح میں آزاد عورت ہو ہی نہیں تاکہ اس سے صحبت کر سکے۔ یا اے مسلمانو جس میں آزاد عورت مومنہ سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو تو ان ہی لونڈیوں سے نکاح کر لو جو اور کسی کی مملوکہ ہوں۔ بہتر یہ ہے کہ مومنہ لونڈی سے نکاح کرو۔ کافرہ کے نکاح سے بچو اور مومنہ لونڈیوں سے نکاح کرنے میں نفرت نہ کرو۔ یہ تو رب ہی کو خبر ہے کہ کون قوی الایمان ہے اور کون دنیا سے ایمان پر جائے گا، خیال رکھو کہ سارے مسلمان آزاد ہوں یا غلام کنیز ہوں یا لونڈی ایک ہی جنس ہیں۔ ایک ہی آدم کی اولاد ہیں اور ایک ہی نبی کی امت ہیں۔ ہمارے ہاں بزرگی اعمال سے ہے نہ کہ حسب نسب سے۔ چنانچہ تم ان لونڈیوں سے نکاح کرو۔ انکے مالکوں سے اجازت سے اور ساتھ ہی ان کا مقرر کردہ مہر بلا حیل و حجت انکے حوالے کردو تاکہ وہ اپنے مالکوں کو دے دیں یا انکا روٹی کپڑا اور سارا خرچہ انکو دو۔ مناسب یہ ہے کہ پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کرو۔ علانیہ زانیہ اور خفیہ یارانہ رکھنے والی لونڈیوں سے نکاح نہ کرو کیونکہ انکا آنا تمہارے گھر کی بربادی کا باعث ہوگا۔ لیکن اگر کوئی لونڈی پہلے ٹھیک تھی، نکاح میں آنے کے بعد زنا کر بیٹھی تو اسے آزاد کنواری عورت کی سزا سے آدھی سزا دی جائیگی کہ آزاد کو سو کوڑے لگتے ہیں اسے پچاس لگائے جائیں گے۔ پھر بھی خیال رکھو کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا اسی کیلئے مناسب ہے جسے غلبہ شہوت کی وجہ سے زنا میں پھنس جانے کا اندیشہ ہو۔ اس کے باوجود بہتر یہی ہے کہ صبر ہی کر جاؤ اور لونڈیوں سے نکاح حتی الامکان نہ کرو۔ لیکن اگر صبر نہ کر سکو تو ان سے نکاح کر لو، کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ یہ ہمارا مشورہ ہے حکم نہیں۔ ہم بڑے ہی بخشنے والے مہربان ہیں گناہگاروں کو بخش دیتے ہیں۔ یہ عمل تو گناہ بھی نہیں ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بہتر یہی ہے کہ مسلمان حتی الامکان لونڈی سے نکاح نہ کرے، آزاد عورت سے نکاح کرے کیونکہ لونڈی کا بچہ اسکے آقا کا غلام ہوگا۔ نیز لونڈی اپنے مولا کی خدمت میں مشغول رہنے کی وجہ سے خاوند کی خدمت زیادہ نہیں کر سکتی جب مولا اجازت دیگا تو خاوند کے پاس آئے گی۔ نیز لونڈیاں عام طور پر باہر نکلتی ہیں۔ مردوں سے خلط ملط رہتا ہے جسکی وجہ سے ان میں آزاد عورتوں کی سی شرم و حیا نہیں ہو سکتی۔ نیز مولا لونڈی کو فروخت کر سکتا ہے۔ بعض اماموں کے ہاں فروخت سے نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مالک کا بدلنا انکے طلاق کا سبب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جہاں تک ہو سکے۔ مومنہ صالحہ لونڈی سے نکاح کرے۔ کافرہ اور بدکار لونڈی سے نکاح نہ کرے۔ جیسے کہ محصنت اور مومنات کی قیدوں سے معلوم ہوا۔ اگرچہ کتابیہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اپنی لونڈی سے نکاح جائز نہیں بلکہ دوسرے

کی لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اپنی لونڈی تو بغیر نکاح ہی حلال ہے۔ جیسا کہ باذن اھلھن سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: لونڈی سے نکاح اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نہیں ہو سکتا اگر لونڈی اپنا نکاح خود کر بھی لے تو مالک کی اجازت پر موقوف ہو جائیگا۔ یہ فائدہ بھی **باذن اھلھن** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اسلام میں متعہ کوئی چیز نہیں محض زنا ہے کیونکہ اگر متعہ بھی کچھ ہوتا تو ایسے مجبور آدمی کو لونڈیاں یا آزاد عورتوں سے متعہ کی اجازت دی جاتی۔ لونڈیوں سے نکاح کرنے کا حکم نہ ہوتا کیونکہ متعہ اس نکاح سے سستا بھی تھا اور آسان بھی۔ پانچواں فائدہ: لونڈیوں کا بھی مہر خاوندوں کے ذمہ واجب ہے۔ جیسا کہ اجورھن کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: لونڈی بیوی کا خرچہ بھی خاوند کا ذمہ ہے جیسا کہ اجورھن کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ مگر یہ جب ہے جب مولا اسے خاوند کی خدمت کی عام اجازت دے دے۔ اپنی خدمت میں نہ رکھے۔ آٹھواں فائدہ: زانیہ لونڈی کی سزا آزاد عورت زانیہ سے آدھی ہے یعنی پچاس کوڑے جیسا کہ نصف ما سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: زانیہ لونڈی اگرچہ خاوند والی ہو رجم یعنی سنگسار نہیں کی جائے گی کیونکہ لونڈی کی سزا آدھی ہے اور رجم آدھا نہیں ہو سکتا۔

دسواں فائدہ: خوف زنا کی صورت میں نکاح فرض ہے اگر قدرت ہو اور عام حالات میں نکاح سنت ہے اور نامرد پر نکاح حرام کہ وہ بیوی کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ یہ مسئلہ لمن خشی سے حاصل ہوا۔ مسئلہ: امام اعظم کے نزدیک اگر کسی شخص میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت ہو مگر اس نے نکاح نہ کیا ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ نیز اگر زنا کا خوف نہ ہو جب بھی لونڈی سے نکاح جائز ہے نیز مومنہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے اور کافرہ کتابیہ سے بھی۔ امام شافعی کے ہاں لونڈی سے نکاح کرنے کی تین شرطیں ہیں۔ دو مرد میں ایک عورت میں۔ مرد میں شرطیں یہ ہیں کہ اس میں آزاد عورت سے نکاح کرنے کی قدرت نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اسے زنا کا سخت اندیشہ ہو۔ لونڈی میں شرط یہ ہے کہ مومنہ ہو۔ مسئلہ: جس شخص کے نکاح میں آزاد عورت ہو وہ بالاجماع لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس کو آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت ہو وہ لونڈی سے نکاح نہیں کر سکتا۔ پھر امام اعظمؒ نے اسکے خلاف فتویٰ کیوں دیا ہے۔ (شافعی) جواب: یہ آیت امام اعظم کے خلاف نہیں اس لئے کہ انکے نزدیک نکاح کے معنی صحبت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص آزاد بیوی سے صحبت نہ کر سکے کہ اس طرح کہ اس کے نکاح میں آزاد عورت ہو ہی نہیں۔ وہ لونڈی سے نکاح کر سکتا ہے۔ اور اگر یہاں نکاح اصطلاحی معنی میں ہو تب بھی انکے خلاف نہیں کیونکہ امام اعظم کے ہاں مفہوم مخالف سے مسئلہ ثابت نہیں ہوتا۔ مثلاً کوئی کہے کہ اگر تم میرے پاس آئے تو میں تم کو روپیہ دوں گا۔ اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ اگر تم نہ آئے تو نہیں دوں گا۔ بلکہ اس سے خاموشی رہتی ہے لہٰذا اس کے معنی یہ نہیں۔ کہ طاقت ہو تو لونڈی سے نکاح جائز نہیں۔ مثلاً رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم پر سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے میں گناہ نہیں اگر تمہیں کفار سے ڈر ہو۔ یا فرماتا ہے: **لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** یعنی اپنی لونڈیوں کو زنا پر مجبور نہ کرو۔ اگر وہ بچنا چاہیں۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ اگر وہ زنا سے نہ بچنا چاہیں۔ تو مجبور کرو۔ ایسے ہی یہاں بھی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **واحل لکم ما وراء ذٰلکم** جس سے معلوم ہوا کہ حرام عورتوں کے سوا تمام عورتیں حلال ہیں آزاد ہوں یا لونڈیاں۔ لہٰذا یہ آیت امام صاحب کے بالکل موافق ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف مومنہ لونڈی سے نکاح جائز ہے کیونکہ فرمایا گیا من **فتیٰتکم المؤمنٰت** پھر امام اعظم نے اسکے خلاف فتویٰ کیوں دیا اور کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز کیوں

www.alahazratnetwork.org

فرمایا (شافعی) جواب: اسکے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہاں پاکدامن کی بھی قید ہے کہ فرمایا گیا ہے۔ محصنت پھر آپ نے فاسقہ لونڈی سے نکاح جائز کیوں مانا۔ جواب تحقیقی وہ ہی ہے جو ابھی گزرا کہ ایک چیز کا ذکر دوسرے کی نفی نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **ولا تقتلوا اولادکم خشیۃ املاق** فقیری کے خوف سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو اور فرماتا ہے: **لا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ** سود دوگنا تگنا نہ کھاؤ۔ ان آیتوں سے یہ لازم نہیں آتا کہ فقیری کے خوف کے سوا اولاد کا قتل جائز ہو یا سوایا ڈیوڑھا سود کھانا جائز ہو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں کا مہر انہی کو دیا جائے۔ نہ کہ انکے مولاؤں کو پھر تم لوگ یہ کیوں کہتے ہو کہ لونڈی کا مہر اس کا مولا لے گا (امام مالک) جواب: یہاں اجور سے مراد خرچہ ہے اور وہ لونڈی بیوی کو ہی ملتا ہے۔ اور اگر بمعنی مہر بھی ہو۔ تب بھی مولا کو دینا مراد ہے۔ کیونکہ مولا کو دینا گویا لونڈی کو ہی دینا ہے۔ کیونکہ لونڈی غلام کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **عبدا مملوکا لا یقدر علی شئی** اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ غلام اور اسکے قبضے کی چیز اسکے مولا کی ہوتی ہے (تفسیر کبیر) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شادی شدہ لونڈی اگر زنا کرے تو اسے پچاس کوڑے لگیں گے تو چاہئے کہ اگر کنواری لونڈی زنا کرے تو اسے بالکل سزا نہ دی جائے کیونکہ رب نے فرمایا **فان اتین بفاحشۃ** جواب: آیت کا مقصد یہ ہے کہ جب لونڈی نکاح کے بعد زنا کرے۔ جب بھی اسکی سزا پچاس کوڑے ہیں ' رجم نہیں۔ یا یہ مقصد ہے کہ جب لونڈی نکاح کے بعد زنا کرے پچاس کوڑے کھائے گی۔ تو اگر کنواری ہو کر زنا کرے تب سو کوڑے کیسے کھا سکتی ہے۔ (تفسیر روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے لازم آتا ہے کہ زنا کی سزا سنگسار کرنا نہیں ہے۔ ورنہ چاہئے کہ منکوحہ لونڈی زانیہ کو آدھا سنگسار کیا جائے۔ حالانکہ سنگساری کا آدھا ہو سکتا نہیں (خوارج) نوٹ: خارجی رجم کے قائل نہیں۔ انکے ہاں ہر زانی کو کوڑے لگائے جائیں گے۔ کنواری ہو یا شادی شدہ۔ اس زمانے کے منکرین حدیث اور آزاد خیال نیچری بھی یہی کہتے ہیں۔ جواب: شادی شدہ زانیہ کو سنگسار کرنے کی بہت احادیث ہیں۔ حضرت عمر فرماتے ہیں کہ مجھے رجم کا اتنا یقین ہے کہ اگر کتاب اللہ میں زیادتی جائز ہوتی تو میں قرآن شریف میں رجم کا لکھ دیتا۔ اس آیت کا منشاء یہ ہے کہ زانیہ لونڈی کی سزا نے زنا نکاح سے سخت نہیں ہو جاتی بلکہ جو پہلے تھی وہی رہتی ہے یعنی پچاس کوڑے۔ آزاد عورت کی سزا نکاح سے سخت ہو جاتی ہے۔ ہمارا ایمان قرآن پر بھی ہے اور حدیث پر بھی۔ حدیث کا منکر نہ پانچ نمازیں قرآن سے دکھا سکتا ہے نہ زکوۃ کی مقدار **چھٹا اعتراض:** جب کتابیہ اور فاسقہ لونڈی سے بھی نکاح جائز ہے تو اس آیت میں مومنہ اور صالحہ کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب: بیان استحباب کیلئے کہ بہتر یہی ہے کہ اگر لونڈی سے نکاح کرنا پڑ بھی جائے تو مومنہ صالحہ سے کرے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مومن کا دل عبادت کیلئے فارغ ہو۔ فراغت کا بڑا ذریعہ نکاح ہے۔ اگر انسان بے نکاح رہے تو اس کا بہت سا وقت کھانا پکانے ' برتن دھونے ' گھر صاف کرنے میں خرچ ہو جائیگا۔ اور انسان علم و عمل کیلئے موقع نہ پائے گا۔ نیک عورت اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ وہ مرد کی دنیا ٹھیک کر دیتی ہے اور دین بھی۔ ابو سلیمان درانی فرماتے ہیں کہ نیک بیوی دنیا نہیں ہے وہ تو تم کو آخرت کیلئے فارغ کر دیتی ہے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے مجبور لوگوں کو لونڈیوں سے نکاح کی بھی اجازت دے دی اور اسی حکمت سے لونڈیوں میں مومنہ اور صالحہ ہونے کی قید لگائی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاں تک ہو

www.alahazratnetwork.org

سکے لونڈی سے نکاح نہ کرو۔ کیونکہ لونڈی کے پیٹ کی اولاد غلام ہوتی ہے یونہی اپنے دل کا نکاح نفس امارہ سے نہ کرو۔ ورنہ تمہارے نیک اعمال دنیا کے غلام ہوں گے کیونکہ نفس امارہ دنیا کی لونڈی ہے بلکہ بعض تو فرماتے ہیں کہ دل کا نکاح دلیل سے نہ کرو اور عشق کا نکاح عقل سے نہ کرو کہ عقل اور دلیل دونوں لونڈیاں ہیں۔ راہ محبت میں دل کو عقل سے آزاد رکھو۔ ہاں ضرورت کے وقت پر جائز بھی ہے۔

بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل   لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

افسوس ہے ان لوگوں پر جو دنیا اور دنیا داروں کے غلام و لونڈیاں بنے ہوئے ہیں۔ اور اگر تم کو لونڈی نفس امارہ سے نکاح کرنا پڑ جائے تو اسکے حقوق زوجیت ادا کرتے رہو۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ

ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے واسطے تمہارے اور ہدایت دے تم کو طریقوں کے ان لوگوں کے اور توبہ قبول

اللہ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تمہارے لیے بیان کر دے اور تمہیں اگلوں کی روشیں بتا دے اور تم پر اپنی رحمت سے رجوع

عَلَيْكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَن يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ

تم پر اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ توبہ قبول کرے تم پر اور ارادہ کرتے

فرمادے اور اللہ علم و حکمت والا ہے اور اللہ تم پر اپنی رحمت سے رجوع فرمانا چاہتا ہے اور

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهَوَاتِ أَن تَمِيلُوا مَيْلًا عَظِيمًا ﴿٢٧﴾ يُرِيدُ اللَّهُ أَن

ہیں وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں خواہشات کی یہ کہ ٹیڑھے ہو جاؤ تم بڑا ٹیڑھا ہونا ارادہ کرتا ہے اللہ یہ

جو اپنے مزوں کے پیچھے پڑے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھی راہ سے الگ ہو جاؤ اللہ چاہتا

يُخَفِّفَ عَنكُمْ وَخُلِقَ الْإِنسَانُ ضَعِيفًا ﴿٢٨﴾

کہ ہلکا کرے تم میں سے اور پیدا کیا گیا انسان کمزور

ہے کہ تم پر تخفیف کرے اور آدمی کمزور بنایا گیا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا تفصیلی بیان تھا۔ اب اسکی حکمتوں کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں نکاح کے کچھ احکام بتائے گئے تھے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ نکاح کی پابندیاں صرف تم پر ہی نہیں ہیں پچھلی امتوں پر بھی تھیں لہٰذا ان پابندیوں کو تم بخوشی قبول کرو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں نکاح کے شرعی احکام بیان ہوئے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ انسان چونکہ کمزور ہے کہ ہدایت کی خفیہ راہوں پر خود اطلاع نہیں پاسکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کے ذریعے اسے یہ ہدایتیں بخشیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں حرام و حلال عورتوں کا ذکر تھا۔ اب اس پر سے کفار کے اعتراضات کو دفع فرمایا جارہا ہے اور مسلمانوں کو بتایا جارہا ہے کہ کفار تمہیں بہکانا چاہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ تم انکی باتوں میں نہ آنا۔

شان نزول: یہود اپنی علاتی بہنوں اور بھتیجیوں اور بھانجیوں سے نکاح جائز سمجھتے ہیں۔ جب اسلام نے ان عورتوں کو حرام کیا۔ تو بولے کہ اسلام میں خالہ پھوپھی حرام ہے مگر انکی بیٹیاں حلال۔ ایسے ہی بھائی بہن حرام ہیں چاہئے کہ ان کی بیٹیاں حلال ہوں۔ تم عجیب لوگ ہو کہ پھوپھی خالہ کے احکام بھائی بہن پر جاری نہیں کرتے۔ انکی تردید میں یہ آیتیں اتریں۔ (تفسیر مدارک۔ خازن۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر روح المعانی۔ روح المعانی وغیرہ)

تفسیر: **یرید اللہ لیبین لکم** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یرید کا مفعول پوشیدہ ہے۔ یعنی اظہار الاحکام اور لتبین کا لام تعلیلیہ ہے جو بیان کرنے کی حکمت بتا رہا ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ امر اور ارادہ کے بعد جو لام آتا ہے وہ انکے قائم مقام ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے۔ **یریدون لیطفئوا** اور رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وامرنا لنسلم** روح المعانی نے فرمایا کہ اس لام کا نام لام تکملہ ہے۔ اس صورت میں لیبین یرید کا مفعول ہے۔ یبین کا معنی ہیں۔ خوب بیان کرنا۔ لکم میں لام نفع کا ہے اور خطاب سارے ہی مسلمانوں سے ہے۔ یعنی اے مسلمانو! یہ احکام تفصیل وار اس لئے بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے احکام کا ظاہر کرنا تاکہ خوب بیان کرے' یا اللہ تعالیٰ بیان کرنا چاہتا ہے۔ یہ سب تمہارے نفع کیلئے ہے۔ **ویھدیکم سنن الذین من قبلکم** یہ جملہ لیبین پر موقوف ہے اور یرید کا مفعول ہے۔ یا اسکی علت۔ سنن سنتوں کی جمع ہے بمعنی طریقہ و راستہ۔ الذین سے مراد پچھلے انبیاء کرام اور انکی امتیں ہیں۔ چونکہ وہ سب پہلے گزر چکے ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا **من قبلکم** یعنی رب تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تم کو گزشتہ انبیاء کرام کے طریقوں کی ہدایت دے تاکہ تم انکے راستے پر چلو اور قیامت میں انکے ٹولے میں رہو۔ **ویتوب علیکم** یہ جملہ یہدیکم پر معطوف ہے۔ یتوب توب سے بنا بمعنی رجوع کرنا۔ اگر اسکا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو معنی ہوتے ہیں۔ عذاب سے ثواب کی طرح رجوع کرنا۔ اور اگر اسکا فاعل بندے ہوں تو معنی ہوں گے گناہ سے نیکی کی طرف رجوع کرنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یعنی رب چاہتا ہے کہ تمہیں توبہ کی توفیق دے یا تم پر اپنی رحمت کے ساتھ رجوع کرے۔ **واللہ علیم حکیم** یہ جملہ گزشتہ رحمتوں کی حکمت ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ خبردار بھی ہے۔ حکمت والا بھی ہے۔ اسلئے اسکے سارے احکام میں حکمتیں ہوتی ہیں **واللہ یرید ان یتوب علیکم** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ مضمون گزشتہ کی تکرار ہے۔ مبالغہ اور تاکید کیلئے۔ بعض نے فرمایا یہ علیحدہ مضمون ہے۔ وہاں توبہ سے مراد تھا' رجوع در رحمت اور یہاں توبہ سے مراد ہے' ایسے اعمال جو رحمت کا باعث ہوں۔ لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **یرید الذین یتبعون الشھوت** یہاں الذین سے مراد یہی یہود ہیں جو اسلامی احکام پر اعتراض کرتے تھے۔ چونکہ بہنوں بھتیجیوں سے نکاح کرنا توریت شریف کا حکم نہ تھا۔ محض انکی نفسانی خواہشات تھیں۔ اس لئے فرمایا گیا کہ یہ لوگ خواہشات کی اتباع کرتے ہیں۔ **ان تمیلوا میلا عظیما** یہ عبارت یرید کا مفعول ہے۔ میلان کے معنی ہیں جھکنا۔ ہٹنا' سیدھے راستے سے علیحدہ ہو کر ٹیڑھے راستہ پر پڑ جانا۔ چونکہ نکاح میں غلط روی نسل خراب کر دیتی ہے۔ اس لئے اسے میل عظیم فرمایا۔ یعنی یہود جو ہمیشہ نفسانی خواہشات کے پیچھے پھرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی انکی طرح غلط نکاح کر کے حرامکاری میں مبتلا رہو' اور اپنی نسل کو خراب کر لو۔ **یرید اللہ ان یخفف عنکم** یہ اس تفصیلی بیان کی تیسری حکمت ہے۔ تخفیف کے معنی ہیں ہلکا کرنا۔ تشدید کا مقابل۔ اس سے مراد یا تو لونڈیوں کے ساتھ نکاح کی اجازت دینا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

یا سارے اسلامی احکام۔ کیونکہ یہ دوسرے دینوں کے مقابلے میں آسان ہیں کہ اسلام تو بہ نماز روزہ حج زکوۃ سب آسان فرما دیئے۔ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اے مسلمانو! تم میں سے پچھلی امتوں کی سختیاں دور کرے اور تمہارے احکام آسان کرے۔ **وخلق الانسان ضعیفا** : انسان سے مراد نوع انسان ہے۔ ضعیف ضعف سے بنا بمقابلہ قوت وطاقت' یہاں ضعف سے مراد یا تو عورتوں کے بغیر صبر نہ کر سکتا ہے۔ یا کمزوری ءارادہ یا پیدائشی کمزوری مراد ہے کیونکہ اس کی پیدائش کمزور پانی سے ہے۔ یعنی انسان اکثر مخلوق۔ جن 'فرشتے' پہاڑ وغیرہ کے مقابل کمزور پیدا کیا گیا۔ اسلئے اسکے واسطے احکام آسان ہی چاہئیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! حرام عورتوں کی تفصیل بیان فرمانے میں ہماری بہت سی حکمتیں ہیں۔ جن میں سے ایک یہ ہے کہ نکاح ہی انسان اور جانوروں کے فرق کا ذریعہ ہے۔ اسی سے نسل کا بقا اور عالم کا نظام قائم ہے۔ اس لئے رب چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے یہ چیز خوب اچھی طرح بیان فرمائے۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ تم سے پچھلی امتوں پر بھی نکاح کے احکام جاری تھے۔ انکے لئے بعض عورتیں حلال تھیں بعض حرام۔ رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہیں بھی انہیں کے طریقے پر چلائے۔ تیسری حکمت یہ ہے کہ صحیح نکاح سے تقویٰ پیدا ہوتا ہے۔ رب چاہتا ہے کہ تمہیں تقویٰ و طہارت نصیب فرمائے اور تم پر اپنی رحمت متوجہ کرے۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کرنا چاہتا ہے۔ مگر شہوت پرست لوگ تمہیں اپنی طرح شہوتوں میں پھنسانا چاہتے ہیں اور تمہیں سیدھے راستے سے ہٹا کر ٹیڑھے راستے پر چلانا چاہتے ہیں۔ لہٰذا انکی پیروی نہ کرو ہمارے احکام مانو' اللہ جانتا ہے کہ انسان کمزور ہے کہ مرد عورت کے بغیر اور عورت کے مرد بغیر گزارہ نہیں کر سکتی۔ اس لئے تم پر لونڈیاں بھی حلال کر دیں اور تمہارے لئے احکام ہلکے کر دیئے۔ نیز رب تعالیٰ جانتا ہے کہ تم کمزور ہو اور تمہارا علم محدود ہے۔ شریعت کے احکام خود نہیں نکال سکتے' اسلئے رب نے تم پر آسانی کی اور تمہیں احکام شرعیہ بتا دیئے۔ حدیث شریف میں ہے کہ عورتوں میں بھلائی نہیں مگر انکے بغیر صبر بھی نہیں۔ لئیم مردان پر غالب رہتا ہے اور کریم مرد پر یہ غالب آجاتی ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ تم کریم مرد ہو۔ بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی۔ آپ فرماتے ہیں کہ سورہ نساء میں آٹھ آیتیں وہ ہیں جو مسلمانوں کیلئے دنیا بھر سے بہتر ہیں۔ تین آیتیں تو یہ ہیں اور چوتھی **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ** پانچویں **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** چھٹی آیت **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** ساتویں **ومن یعمل سوء او یظلم نفسہ** آٹھویں **ما یفعل اللہ بعذابکم** (تفسیر کبیر وروح المعانی)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قرآن مجید میں حرام عورتیں' میراث کے احکام کچھ تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں۔ نماز و زکوۃ کے احکام میں بہت ہی اجمال رکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح و میراث بہت اہم احکام ہیں۔ ان دونوں میں مسلمانوں کو بہت احتیاط چاہئے' جس عورت کے حلال ہونے میں شک ہو اس سے بھی نکاح نہ کریں مثلاً جس لڑکی کے متعلق ایک عورت بھی کہہ دے کہ یہ تمہاری رضاعی بہن ہے۔ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ بہتر ہے کہ اس سے نکاح نہ کریں۔ دوسرا فائدہ: ساری شریعتوں میں نکاح پر پابندیاں رہیں۔ کسی دین میں اس پر کھلی اجازت نہ دی گئی۔ آدم علیہ السلام کے دین میں صرف بہن سے نکاح کی اجازت تھی۔ اس پر بھی کئی پابندیاں تھیں۔ جس دین میں نکاح پر پابندی ہی کوئی نہ ہو۔ ہر عورت سے نکاح کرنے کی اجازت ہو۔ اس دین میں انسان اور جانور میں کوئی فرق نہ

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ جیساکہ **یہدیکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گزشتہ شریعتوں کے احکام جو قرآن یا حدیث میں مذکور ہو جائیں وہ ہمارے لئے بھی لازم العمل ہے۔ یہ بھی سنن الذین من قبلکم سے معلوم ہوا۔ بجز ان احکام کے جو پچھلی امتوں پر بطور عذاب نازل ہوئے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** نکاح میں صرف شہوت رانی مقصود نہ ہو بلکہ اپنی عصمت کی حفاظت اور نیک اولاد کا حاصل کرنا مقصود ہو جیساکہ **یتبعون الشہوت** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اگرچہ ہماری عقل میں نہ آئیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورتوں کی حرمت زکوٰۃ کی مقداریں نمازکی رکعتیں۔ میراث کے حصے۔ عقل سے معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس میں نقل کی ضرورت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شریعت کے احکام ہمیشہ قابل عمل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے کبھی طاقت سے زیادہ بوجھ بندوں پر نہیں ڈالا۔ خصوصاً اسلام میں تو احکام بہت ہی آسان رکھے گئے۔ جیساکہ '**ان یخفف عنکم** سے معلوم ہوا۔ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ شریعت کا بوجھ انسان نہیں اٹھاسکتا۔ شریعت ایک لعنت ہے۔ جس سے ہمیں مسیح نے چھڑایا دیکھو کتاب گلیتون باب تین آیت تیرہ مگر یہ محض غلط ہے۔ اگر شریعت لعنت تھی تو اللہ نے اسکے جاری کرنے کیلئے نبی کیوں بھیجے اور اگر شریعت بری چیز ہے تو عیسائیوں کو چاہیے کہ زنا' چوری' قتل' ڈکیتی سب کچھ کیا کریں کیونکہ اس سے ممانعت شریعت کے ہی احکام ہیں۔ اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن وغیرہ کا مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض: ان آیات میں دو جگہ 'یتوب علیکم' کیوں آیا۔ اس تکرار سے کیا فائدہ؟ **جواب:** تکرار تاکید کیلئے ہوتی ہے۔ یہاں تو تکرار ہے بھی نہیں۔ کیونکہ پہلے یتوب میں گناہوں سے بچنے کی توفیق مراد ہے اور دوسرے یتوب سے نیک اعمال کی توفیق دینا مراد ہے۔ لہٰذا آیت میں تکرار نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیں پچھلی شریعتوں کے احکام پر بھی عمل کرنا چاہیے۔ حالانکہ اسلام ان دینوں کا ناسخ ہے۔ تمام پچھلی شریعتیں منسوخ ہیں 'منسوخ پر عمل کیا؟ **جواب:** پچھلی شریعتوں کے جو احکام قرآن یا حدیث میں بغیر تردید منقول ہو گئے۔ وہ ہماری شریعت کے مسئلے بن گئے۔ اب ہم ان پر اس لئے عمل کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دین کے مسئلے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ چاہتا ہے کہ ہم نیک بنیں تاکہ ہم پر رحمتیں آئیں۔ مگر پھر بھی بہت سے انسان نیک نہیں بنتے کیونکہ شیطان انکو بہکارہا ہے۔ تو کیا شیطان خدا پر غالب ہے کہ رب کا چاہا تو نہیں ہوتا۔ شیطان کا چاہا ہوتا ہے۔ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں: ایک یہ کہ یہاں خطاب صحابہ کرام سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انکی توبہ وہدایت کا ارادہ کیا۔ وہ حضرات ہدایت پر بھی رہے اور توبہ کرتے رہے (روح البیان) دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ارادے سے مراد پسند فرمانا ہے۔ نہ کہ مشیت اور چاہنا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے کہ تم توبہ کرو۔ ورنہ یہ بات ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ کچھ کرنا چاہے اور وہ نہ ہو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ حالانکہ بعض انسان فرشتوں سے بھی زیادہ طاقتور تھے۔ ہمارے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) معراج میں وہاں پہنچے جہاں جبریل بھی نہ پہنچ سکے۔ موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ملک الموت کے تھپڑ مارا تو وہ اس کی تاب نہ لاسکے۔ نیز سارے انسان مچھر چیونٹی وغیرہ سے زیادہ طاقتور ہیں۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں نوع انسانی کی کمزوری کا ذکر ہے نہ کہ تمام افراد کی کمزوری کا۔ انبیاء کی طاقت روحانی ہوتی ہے۔ آیت کا منشاء یہ ہے کہ انسان فطری طور پر ضعیف و کمزور ہے کہ بغیر عورت صبر نہیں کرسکتا اور احکام کا مکلف ہے اور انہیں عقل سے معلوم نہیں کرسکتا۔ خیال رہے کہ انسان بعض صفات میں چیونٹی اور مچھر سے بھی کمزور ہے۔ چیونٹی مٹھائی کی خوشبو وہاں سے پالیتی ہے اور ایسی جگہ پہنچ جاتی ہے جہاں انسان مجبور ہے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی

www.alahazratnetwork.org

قدرت ہے کہ کمزور سے بڑے بھاری کام کرالیتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** سارے نبی ولی انسان ہیں اور انسان کمزور ہے۔ یہ دونوں باتیں قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ لہذا کرامات اولیاء معجزات انبیاء من گھڑت کہانیاں ہیں۔ معراج شق القمر وغیرہ سب غلط ہیں اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** انسان میں تین چیزیں ہیں۔ جسمانیت نورانیت یعنی عقل روحانیت یعنی قرب الٰہی۔ انسان جسمانیت میں کمزور ہے۔ مگر نورانیت میں اسکا یہ حال ہے کہ بذریعہ لاؤڈ سپیکر ریڈیو اپنی جسمانی کمزور آواز کو دنیا میں پہنچا دیتا ہے۔ دوربین ٹیلیفون راکٹ کے ذریعہ بہت طاقت کے کام کرالیتا ہے' اگر اس کی جسمانیت کے ساتھ روحانیت مکس ہو جائے تو معراج و شق القمر کر سکتا ہے۔ یہاں جسمانیت کا کمزوری کر ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر چار خصوصی احسانوں کا یہاں ذکر فرمایا۔ رب تک پہنچانیوالا راستہ بتا دینا جسکا ذکر فرمایا **لیبین لکم** میں۔ دوسرے ہدایت دینا یعنی اس راستہ کو بیان کے بعد عیاں کر دینا اور اس پر چلنے کی توفیق دینا جسکا ذکر ہوا **ویھدیکم** میں' تیسرے توبہ یعنی اپنے تک رجوع کرنے کی ہمت دینا۔ چوتھے **تخفیف** یعنی اپنے تک پہنچنا آسان فرمادینا۔ یہ چاروں نعمتیں اس لئے ہیں کہ امت اگرچہ گنہگار ہے مگر احمد مختار اسکی کشتی کے کھیون ہار ہیں۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام رب کی طرف گئے کہ فرمایا' **انی ذاھب الی ربی** موسیٰ علیہ السلام بھی رب تک گئے فرماتا ہے وجاء موسیٰ لمیقاتنا مگر محبوب خود نہ گئے بلکہ بلائے گئے کہ فرمایا **سبحان الذی اسری بعبدہ** یہ تھی مدد اور تخفیف اسکی تجلی انکی امت پر پڑی۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ اپنی استعداد کے مطابق بروقت منزلیں طے کریں۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں کہ راہ خدا کتاب و سنت سے گھری ہوئی ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں۔ خالق تک پہنچنے کیلئے صرف ایک ہی راستہ ہے اور وہ نبی کی اتباع ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کا ضعف اس کے کمال اور نیک بختی کا بھی ذریعہ ہے اور اسکے نقصان اور بد بختی کا بھی سبب ہے۔ کیونکہ انسان اپنے ضعف کی وجہ سے ایک حال پر ٹھہرتا نہیں۔ کبھی اس پر حیوانیت غالب آتی ہے تو کھاتا پیتا ہے اور غافل ہو جاتا ہے اور کبھی اس پر فرشتے کی صفت غالب آتی ہے تو رب کی تسبیح اور حمد کرتا ہے۔ یہ کمزوری ہی اسے کمال تک پہنچاتی ہے حدیث قدسی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ میں بادشاہ ہوں زندہ ہوں کبھی نہ مروں گا۔ اے میرے بندے! میری اطاعت کر۔ میں تجھے ایسا فرشتہ بنادوں گا کہ پھر تجھے کبھی موت نہ آئے گی (روح البیان) صوفیاء کے نزدیک خواہش تین قسم کی ہے: خواہش نفسانی۔ خواہش ایمانی' خواہش رحمانی۔ خواہش نفسانی دنیاوی عزت دولت شہرت میں محدود ہے۔ اس نفسانی خواہش کو شہوت کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہ مذکورہ چیزوں میں ہی ہوتی ہے اس لئے شہوات جمع ارشاد ہوا۔ نیز جیسے آنکھ میں بصارت کان میں قوت سامعہ ہے۔ ایسے ہی دل میں رب نے میلان کی قوت رکھی ہے۔ میلان چار قسم کا ہے۔ میل الی الدنیا میل الی الآخرت میل الی اللہ اور میل الی الرسول۔ اچھے میلان والوں کے پاس رہو تاکہ تم کو میل الی اللہ نصیب ہو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ کھاؤ اپنے مال اپنے درمیان غلط طریقے سے مگر یہ کہ ہو تجارت
اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی سودا تمہاری باہمی

www.alahazratnetwork.org

تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾
رضا مندی سے تمہارے آپس کی اور نہ قتل کرو جانوں اپنی کو یقیناً اللہ ہے تم پر مہربان
رضا مندی کا اور اپنی جانیں قتل نہ کرو بے شک اللہ تم پر مہربان ہے
وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَكَانَ ذٰلِكَ
اور جو کرے گا یہ زیادتی اور ظلم تو عنقریب پہنچائیں گے ہم اسے آگ میں اور ہے یہ
اور جو ظلم زیادتی سے ایسا کرے گا ہم اسے آگ میں داخل کریں گے اور یہ
عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾
اللہ پر آسان
اللہ کو آسان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نکاح کے ذریعے عورتوں میں تصرف کرنے کا ذکر فرمایا تھا۔ اب مالوں کی کیفیت کا ذکر ہے۔ چونکہ جان مال سے اعلیٰ ہے اس لئے نکاح کا ذکر پہلے ہوا اور مال کا ذکر بعد میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں حکم دیا گیا تھا کہ مالوں کے عوض نکاح کرو یعنی عورتوں کے مہر اور خرچے ادا کرو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے ان کاموں کیلئے مال حلال حاصل کرو۔ نکاح مہر اور دیگر خرچوں کیلئے حرام کمائیاں کرنے کی کوشش نہ کرو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ تمہیں ہدایت دینا چاہتا ہے اور شہوت پرست کفار تمہیں بہکانا چاہتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار مال کمانے میں حلال حرام کا فرق نہیں کرتے۔ جس ذریعے سے آجائے حاصل کرتے ہیں۔ مسلمانو! تم ایسا نہ کرو چوتھا تعلق: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ انسان کمزور بنایا گیا ہے کہ ہر چیز کا اثر جلد لے لیتا ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام کمائیوں سے بچو ورنہ تمہارے دل سیاہ ہو جائیں گے۔ کیونکہ تم کمزور ہو حلال روزی کھاؤ تاکہ تمہارے دلوں میں نور پیدا ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ ہر قسم کا مال کھانے والا آدمی کتے سے بدتر ہے کہ کتا سونگھ کر منہ ڈالتا ہے اور یہ شخص بغیر تحقیق ہر چیز کھا لیتا ہے۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** چونکہ مالی معاملات میں حرام سے بچنا بہت مشکل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ مشکل احکام سناتے وقت پہلے مسلمانوں کو خطاب اور پھر حکم سناتا ہے۔ نیز اعمال سے ایمان مقدم ہے۔ نیز حرام کمائیوں سے بچنے کا حکم صرف مسلمانوں کو ہے۔ کفار ان احکام کے مخاطب نہیں ہوتے۔ ان وجوہ سے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا تاکہ اس خطاب کی لذت سے مسلمانوں پر یہ بھاری احکام آسان ہو جائیں۔ **لا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل** اگرچہ حرام مال کا استعمال مطلقاً حرام ہے۔ مگر چونکہ کھانا مال کا اصل مقصود ہوتا ہے اس لئے یہاں کھانے کی ممانعت فرمائی۔ اموال جمع فرما کر اس طرف اشارہ کیا کہ ہر قسم کے حرام مال سے بچو۔ روٹی' کپڑا' مکان' جائیداد' جانور وغیرہ جو بھی حرام ذریعے سے حاصل ہوں' ان

سے بچو' کم سے مراد یا تو اپنی قوم کے مال ہیں۔ یا خود اپنے مملوکہ مال بینکم سے مراد ہے مسلمانوں کے اپنے معاملات۔ یہ قید اس لئے لگائی کہ بعض صورتوں میں کفار کے مال لینا حلال ہوتے ہیں مسلمان کے مال حرام۔ اگر ہم آپس میں لڑیں اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیں تو یہ لڑائی بھی حرام ہے۔ اور مال بھی۔ مال' مالکوں کو واپس کئے جائیں۔ لیکن اگر کفار پر اسلامی جہاد ہو اور مال غنیمت حاصل ہو تو یہ جہاد بھی عبادت ہے اور مال بھی حلال اس لئے یہاں بینکم فرمایا۔ یونہی بعض فاسد عقد کفار حربی سے جائز ہیں۔ مسلمان سے حرام جیسے حربی کفار سے سود لینا کہ وہ در حقیقت سود ہی نہیں بلکہ حربی کافر اپنی خوشی سے مال دے رہا ہے۔ بہر حال بینکم میں بڑی حکمت ہے۔ بالباطل میں ب یا استعانت کی ہے یا الصاق کی' باطل بطلان سے بنا بمعنی فنا و زائل ہونا' سرکار فرماتے ہیں کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل یعنی فانی ہے اسکا مقابل حق ہے بمعنی ثابت اور غیر زائل۔ یہاں ناجائز و حرام ذریعے مراد ہیں۔ کیونکہ حرام کمائی میں برکت نہیں ہوتی۔ یعنی جلد فنا ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ باطل ہے۔ کبھی باطل بمعنی بیکار و عبث آتا ہے۔ رب فرماتا ہے: **ربنا ما خلقت هذا باطلا** یہاں باطل کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ کمائی کا ہر ناجائز ذریعہ باطل ہے اور اس ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال حرام ہے جیسے جوا' سود' چوری' ڈکیتی' کم تول' ظلم' مالی جرمانے وغیرہ۔ حرام پیشوں کی اجرتیں جیسے گا کر' ناچ کر' جھوٹی گواہی دیکر' جھوٹی وکالت کر کے کمانا وغیرہ کہ یہ سب کمائیاں حرام ہیں۔ اس آیت کی یہ تفصیل بہت قوی ہے اور یہی امام باقر سے مروی ہے امام حسن فرماتے ہیں کہ بلا عوض مال حاصل کرنا باطل ہے۔ انکے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ اسکی ناسخ سورۂ نور کی وہ آیتیں ہیں: **ولا علی انفسکم ان تاکلوا من بیوتکم** الخ سیدنا ابن مسعود فرماتے ہیں۔ کہ یہ آیت محکم ہے قیامت تک منسوخ نہیں ہو سکتی۔ یعنی اپنی مسلم قوم کے مال آپس میں ناجائز طریقے سے نہ کھاؤ' بعض علماء اس آیت کے معنی یہ کرتے ہیں کہ اپنے مال ناجائز چیزوں میں استعمال نہ کرو۔ جیسے ناچ گانا' سینما وغیرہ (تفسیر کبیر) بہر حال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں: ایک تفسیر میں منسوخ ہے' اور دو میں محکم ہے۔ **الا ان تکون تجارة عن تراض منکم** یہ الا' بمعنی لکن ہے۔ اور یہ عبارت مستثنیٰ منقطع ہے۔ ہماری قراۃ میں تجارۃ منصوب ہے کیونکہ تکون ناقصہ ہے اور اسکا اسم پوشیدہ' تراض ایک دوسرے کی رضامندی کو کہتے ہیں یعنی اگر مال حاصل کرنے کا ذریعہ آپس کی تجارت ہو جو فریقین کی رضامندی سے واقع ہو تو وہ مال حلال ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ ملازمت میراث ہدیہ وغیرہ سے جو مال حاصل ہو وہ بھی حلال ہے مگر چونکہ عموماً" تجارت ہی سے مال حاصل کیا جاتا ہے اور اس میں بڑی برکتیں ہیں اس لئے خصوصیت سے تجارت ہی کا ذکر ہوا۔ اور چونکہ جبری بیع شرعاً" ناجائز ہے۔ اس لئے اس تجارت میں رضامندی کی قید لگائی گئی۔

ولا تقتلوا انفسکم اس جملے کے بہت سے معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کو قتل نہ کرو۔ مومن ایک جان کی طرح ہیں۔ دوسرے یہ کہ خود کشی کر کے اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ تیسرے یہ کہ حرام مال لے کر اور گناہ کر کے اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ چوتھے یہ کہ مال کی ہوس میں تجارت کیلئے دشمن کے ملک میں نہ جاؤ کہ وہاں جان کا خطرہ ہے۔ پانچویں یہ کہ اپنے کو ہلاکت میں مت ڈالو۔ یعنی ایسی غیر ضروری کام نہ کرو جس میں ہلاکت غالب ہو۔ چھٹے یہ کہ ایسا کام نہ کرو جس سے قتل کئے جاؤ جیسے زنا' ڈکیتی اور کسی کو مار ڈالنا۔ ساتویں یہ کہ تجارت میں دھوکہ بازی کر کے اپنے کو ہلاک نہ کرو کہ اس سے تمہارا اعتبار اٹھ جائے گا اور تمہاری تجارت تباہ ہو جائے گی۔ تجارت کی تباہی قوم کی ہلاکت ہے۔ حضرت علی کی قرات میں لا تقتلوا' ت کی شدت ہے۔ سبحان اللہ! حفاظت مال و حفاظت جان کیسے اچھے احکام ارشاد فرمائے۔ **ان اللہ کان**

www.alahazratnetwork.org

بکم رحیما یہ عبارت گزشتہ احکام کی علت ہے۔ یعنی یہ احکام اس لئے دیئے کہ اللہ تم پر بہت مہربان ہے۔ بنی اسرائیل کی طرح تمہیں قتل کرا کر توبہ قبول نہیں فرماتا بلکہ تمہارے لئے توبہ کے احکام آسان رکھے ہیں۔ **ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما** یہ جملہ مستقل ہے۔ من سے مراد مسلمان ہیں کیونکہ پہلے سے انہی کا ذکر ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ من سے مراد سارے انسان ہوں مومن یا کافر کیونکہ آخرت میں کفار کو بھی گناہوں کا عذاب ہوگا۔ من کے عموم سے پتہ لگ رہا ہے کہ متقی پرہیزگار پر بھی صفائی و درستی معاملات و عبادات تقویٰ کے دو بازو یا اسلام کی گاڑی کے دو پہیئے ہیں **یفعل** کے اطلاق میں بتایا گیا ہے کہ یہ جرم ایک بار کرنا بھی سزا کا باعث ہے۔ ذلک سے اشارہ یا قتل نفس کی طرف ہے یا حرام کمائیوں سے مال حاصل کرنے کی طرف یا اب تک جو ممانعتیں فرمائی گئیں۔ ان کی طرف۔ عدوان اور ظلم کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ بعض نے فرمایا یہ دونوں فاعل کے معنی میں ہیں اور یفعل کے فاعل سے حال ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ دونوں تمیز ہیں۔ یعنی جو کوئی یہ مذکورہ کام حد سے بڑھ کر یا ظلم سے کریگا۔ **فسوف نصلیہ نارا** یہ جملہ من کی خبر ہے چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے لہٰذا یہاں ف آئی اور چونکہ اس قسم کے لوگ مرتے ہی عذاب پاتے ہیں۔ اس لئے سوف ارشاد فرمایا گیا بمعنی قریب **نصلی** کا مادہ صلو ہے۔ وصل کا مقلوب یا بمعنی گرم کرنا و تپانا یعنی ہم اسے عنقریب آگ میں داخل کریں گے یا آگ میں جلائیں گے۔ خیال رہے کہ بعض صورتوں میں مومن کا قتل بھی جائز ہوتا ہے جیسے قاتل کو پھانسی دینا یا زانی کو سنگسار کرنا۔ یونہی کبھی مسلمان کا مال جبراً لیا جاتا ہے جیسے قتل خطا کی دیت اس لئے یہاں ظلم اور عدوان کی قید لگائی۔ **وکان ذلک علی اللہ یسیرا** کان دوام کیلئے ہے۔ ذلک سے اشارہ مذکورہ عذاب کی طرف ہے۔ یسیر یسر سے بنا بمعنی آسانی اسکا مقابل عسر بمعنی تنگی و اشکال یعنی یہ عذاب دینا رب تعالیٰ کو بہت آسان ہے۔ اسکو کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناجائز طریقوں سے نہ کھاؤ جیسے جوا، چوری، قتل، ناچ گانا وغیرہ اسکے ذریعہ حاصل کیا ہوا مال تم ہرگز نہ کھاؤ۔ لیکن اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کرو، اسکے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ تمہارے لئے حلال ہے اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو یا تم خودکشی نہ کرو یا ایسے جرم نہ کرو جس سے قتل کر دیئے جاؤ جیسے زنا، ڈکیتی، ناحق خون یا مال کی ہوس میں ایسے ملک میں تجارت کرنے نہ جاؤ، جہاں تمہاری جان کا خطرہ ہو یا گناہ و معصیت کر کے حرام مال کھا کر اپنے کو قتل و ہلاک و مستحق عذاب نہ کرو یا اپنے کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ بیشک اللہ تعالیٰ تم پر بڑا مہربان ہے اس لئے تم کو موت سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ پچھلی امتوں کو بعض گناہوں سے توبہ کرانے کیلئے قتل کرا دیا جاتا تھا دیکھو بنی اسرائیل کو گائے پرستی سے توبہ کرنے کیلئے قتل ہونا پڑا جو کوئی ایسی حرکتیں ظلماً اور حد سے بڑھتے ہوئے کریگا رب تعالیٰ اسے دوزخ کی آگ میں داخل فرمائیگا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ پر مجرم کو سزا دینا نہایت آسان ہے کوئی اسکی سزا سے نہ بچ سکتا ہے نہ دوسرے کو بچا سکتا ہے اسکی سزا سے بچنے کی ایک ہی تدبیر ہے وہ کیا اسکا حکم ماننا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حرام کام کی اجرت حرام ہے جیسے تصویر سازی، جھوٹی گواہی، ناجائز وکالت، داڑھی مونڈنے کی اجرت کہ یہ سب کام حرام ہیں تو انکی اجرتیں بھی حرام کہ یہ مال باطل طریقے سے حاصل کئے ہوئے ہیں۔ اس سے بہت سے مسئلے معلوم ہوئے۔ دوسرا فائدہ: حرام مال کسی قسم کا ہو روپیہ، پیسہ، غلہ، کپڑا،

www.alahazratnetwork.org

مکان، جانور اسکا استعمال حرام ہے۔ جیسا کہ **اموالکم** کو جمع کرنے سے معلوم ہوا۔ لہٰذا حرام پیسہ سے خریدی ہوئی بھینس کا دودھ، دہی، گھی، لسی وغیرہ سب ہی حرام ہوگی۔ **تیسرا فائدہ:** حرام ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال بذات خود حرام نہیں ہوتا بلکہ اسکا استعمال جرم ہوتا ہے لہٰذا سور کتے کی حرمت اور گانے بجانے کی پیسہ کی حرمت میں فرق ہے۔ یہ فائدہ **اموالکم** کی اضافت سے معلوم ہوا۔ یا بالباطل کی ب سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بہت سی آمدنیاں وہ ہیں، جو مسلمان سے کی جائیں تو حرام ہیں۔ اگر کافر سے کی جائیں تو حلال جیسے مال غنیمت یا کافر حربی جو سود کہہ کر مسلمان کو منافع دے یہ کافر سے حلال ہے مسلمان سے حرام جیسا کہ **بینکم** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** تجارت بہت ہی اعلیٰ پیشہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے تمام حلال کمائیوں سے تجارت کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ حدیث شریف میں ہے، فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ رزق کے نو حصے تجارت میں ہیں۔ باقی ایک حصہ دوسری کمائیوں میں (روح المعانی) سچا دیانتدار تاجر قیامت میں نبیوں صدیقوں صالحین کے ساتھ ہوگا۔ سچا تاجر ملحور ہے اور بے ایمان تاجر فاجر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جبری بیع درست نہیں لہٰذا حکومتیں جنکا مال ظلماً" نیلام کرتی ہیں انکا خریدنا حرام ہے جیسا کہ عن تراض سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مالی جرمانے حرام ہیں کہ یہ بھی باطل ذریعہ سے مسلمان کا مال لینا ہے نیز جرمانہ سے مالدار لوگ جرم پر دلیر ہوں گے اور حکومت جرموں کو پسند کریگی کہ یہ اس کی آمدنی کا ذریعہ ہوگا۔ یہ مسئلہ بھی بالباطل سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** خود کشی کرنا بھوک ہڑتال سے مرنا حرام ہے جیسا کہ لا تقتلوا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** مسلمان کو بلاوجہ قتل کرنے والا دوزخی ہے اور یہ عمل سخت جرم ہے جیسا کہ لا تقتلوا کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** دشمن کے ملک میں تجارت کیلئے جانا ممنوع ہے جبکہ وہاں جان کا خطرہ ہو جیسا کہ لا تقتلوا کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** اپنا مال حرام جگہ خرچ کرنا یا فضول اڑانا حرام ہے جیسا کہ لا تقتلوا کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا سینما، آتشبازی، گانے بجانے والوں کو انعام کے طور مال دینا حرام ہے۔ **بارھواں فائدہ:** غیر ضروری خطرناک کام کرنا ممنوع ہے۔ ابوداؤد واحمد نے حضرت عمرو بن عاص سے روایت کی کہ مجھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ذات السلاسل کے سال ایک کام کیلئے بھیجا۔ رات سرد تھی مجھے احتلام ہوگیا۔ مجھے خطرہ ہوا کہ اگر غسل کیا تو ہلاک ہو جاؤں گا چنانچہ میں نے تیمم کرلیا اور اپنے ساتھیوں کو فجر کی نماز پڑھادی۔ جب بارگاہ رسالت میں حاضر ہوا تو واقعہ جو پیش آیا عرض کیا۔ فرمایا: تم نے ایسا کیوں کیا۔ میں نے یہ آیت پڑھی اور عرض کیا کہ اس رات غسل کرنا اپنے کو قتل کرنا تھا اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے (روح المعانی) **تیرھواں فائدہ:** جائز صورت میں مسلمان کا قتل بھی جائز ہے اس کا مال لینا بھی جیسے حکومت کے فرمان پر قاتل کو پھانسی دینا۔ دیوالیہ مقروض کا مال نیلام کرنا یہ فائدہ عدوانا و ظلماً" سے حاصل ہوا۔ **چودھواں فائدہ:** گنہگار مسلمان دوزخ میں جا سکتا ہے اگرچہ آخر کار اسکی نجات ہو جائے گی جیسا کہ نصلیہ نارا سے معلوم ہوا۔ دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کو ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حرام کمائی کا مال کھانا حرام ہے تو کیا پہننا یا اور کاموں میں خرچ کرنا حلال ہے؟
جواب: اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ مال کا اصل مقصد ہے کھانا۔ باقی اور استعمالات کھانے کے تابع ہیں۔ جب کھانا ہی حرام ہوگیا۔ تو دوسرے استعمال بھی حرام ہوئے۔ ہماری زبان میں بھی سود لینے والے کو سود خور کہا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ سود کے مال سے پہنتا بھی ہے۔ ایسے ہی حرام کمائی والے کو حرامخور کہتے ہیں۔ وظیفہ لینے والے کو وظیفہ خور کہا جاتا ہے۔ ہم نے فلاں کا

www.alahazratnetwork.org

نمک کھایا ہے۔ اسکے نمکخوار ہیں۔ غرضیکہ کھانا بمعنی لینایا استعمال کرنا بہت مستعمل ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں خصوصیت سے مسلمانوں کو کیوں مخاطب کیا گیا۔ کیا کفار دوسروں کا مال باطل ذریعہ سے کھاسکتے ہیں۔ کیا انہیں مسلمانوں سے سود لینا یا انہیں لوٹنا جائز ہے۔ **جواب:** اسلئے کہ بہت سی ناجائز آمدنیاں مسلمانوں کو حرام ہیں۔ کفار انکے مکلف نہیں وہ آپس میں ایک دوسرے سے سود کالین دین کرسکتے ہیں۔ یوں ہی آپس میں شراب و سود کی تجارت کرکے مال کما سکتے ہیں۔ حکومت اسلامیہ اس سے انہیں منع نہیں کریگی۔ ہاں مسلمانوں سے وہ نہ سود لے سکتے ہیں نہ شراب و سود کی تجارت کرسکتے ہیں۔ رہا چوری ڈکیتی قتل وغیرہ اسکا تعلق ملکی انتظامات سے بھی ہے کہ ان سے ملک خراب ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ حرکتیں وہ بھی نہیں کرسکتے لہٰذا کافر چور کا ہاتھ کٹے گا اور قاتل کافر کو قتل کیا جائے گا۔ باطل عقود اور ہیں۔ بغاوت و فساد کچھ اور انہیں آپس میں باطل عقود کی اجازت ہوگی نہ کہ قتل و چوری و فساد کی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں بینکم فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ باطل و ناجائز طریقہ سے صرف مسلمانوں کا مال نہ کھانا چاہئے تو کیا کافر کا مال ناجائز طور سے مسلمان کھاسکتے ہیں۔ کیا ہم ان کی چوری ڈکیتی کرسکتے ہیں۔ **جواب:** چوری ڈکیتی باطل عقد نہیں بلکہ ملکی فساد ہے ان کی کسی کو کسی طرح اجازت نہیں۔ رہے باطل عقود ان میں تفصیل ہے کافر ذمی جو اسلامی ملک میں رعایا بنکر رہتے ہوں یا کافر جو ہمارے ملک میں کچھ روز کیلئے آئے ہوں انکے ساتھ کسی قسم کا ناجائز عقد درست نہیں۔ رہے حربی کفار جن سے اسلامی جنگ ہو ان کیساتھ بعض باطل عقود درست ہیں جیسے مسلمان کافر حربی سے اگر سود لے تو وہ سود نہ بنے گا حلال ہوگا۔ جیسا کہ کتب فقہ میں مسطور ہے۔ بحالت جنگ انکا مال بطور غنیمت لینا درست ہے۔ اگر کسی مسلمان نے حربی کافر سے کسی مال شرط لگائی اور جیت گیا تو شرط لگانا حرام تھا مگر یہ جیتا ہوا مال اسے حلال ہوگا جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے روم کی فتحمندی کی شرط پر ایک کافر سے سو اونٹ کی بازی لگائی تھی۔ جو آپ جیت گئے اور سو اونٹ لئے جیسا کہ الم غلبت الروم کی تفسیر میں مذکور ہے چونکہ اس وقت حضرت صدیق اکبر کا سچا ہو جانا وحی الٰہی سے معلوم ہوتا تھا۔ اسلئے وہ شرط لگانا بھی درست تھا۔ ہمارے لئے شرط لگانا حرام ہے کہ اس میں ہار جانے کا اندیشہ ہے ان وجوہ سے بینکم فرمایا گیا۔ بہرحال یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف تجارت کے ذریعہ مال کمانا حلال ہے تو کیا باقی کمائیاں حرام ہیں۔ جیسے نوکری، کرایہ، ہبہ، میراث۔ الا حصر کیلئے آتا ہے۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ بعض مفسرین نے اس آیت کو منسوخ مانا ہے۔ اسکی ناسخ وہ آیت ہے۔ **ان تاکلوا من بیوتکم او بیوت ابا ئکم** مگر حق یہ ہے کہ آیت محکم ہے اور صرف تجارت کا ذکر اسی لئے فرمایا گیا ہے کہ یہ اعلیٰ درجہ کی کمائی ہے ورنہ اور حلال کمائیوں سے حاصل کیا ہوا مال حلال ہے اور یہاں الا حرف استثناء نہیں ہے بلکہ بمعنی لکن ہے لہٰذا حصر کا سوال پیدا نہیں ہوتا لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں اپنی جان قتل کرنے سے کیوں منع فرمایا اپنے کو تو کوئی بھی نہیں قتل کرتا (آریہ) **جواب:** پنڈت جی تم کو دن رات خودکشی کرتے ہوئے لوگ نظر نہیں آتے لوگ معمولی پریشانیوں پر خودکشی کرلیتے ہیں اور تمہارے بڑے بڑے مہاتما مرن برت رکھنے کے عادی ہیں کہ حکومت فلاں کام کرے ورنہ ہم فاقہ سے اپنی جان دے دیں گے۔ یہاں ان چیزوں سے منع فرمایا گیا نیز اس جملہ کی اور بھی پانچ 'چھ تفسیریں ہیں جو تفسیر میں عرض کی گئیں۔ **چھٹا اعتراض:** تجارت میں 'منکم' کی قید کیوں لگائی گئی۔ کیا کفار سے تجارت کرنا حرام ہے۔ **جواب:** اولاً تو احناف کے ہاں مفہوم مخالف معتبر نہیں کہ ایک چیز کے ذکر سے اسکا مخالف حرام نہیں ہو جاتا۔ دوسرے یہاں منکم سے مراد خریدار و فروشندہ ہیں یعنی تجارت ایسی ہو جس

دیوالیہ مقروض کا مال درحقیقت اسکے قرض خواہوں کا مال ہے اسلئے اس مال کی زکوٰۃ مقروض پر نہیں لہٰذا حاکم اس مال کو بلا اجازت فروخت کرسکتا ہے۔ [illegible]

www.alahazratnetwork.org

سے دونوں فریق راضی ہوں۔ یہ قید جبری تجارت اور جرمانہ کر کے جبراً مال فروخت کر دینے کی حرمت کیلئے ہے۔ لہذا یہ اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کفار سے جائز تجارت درست ہے **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں ظلم و زیادتی کی قید کیوں لگائی گئی۔ کیا قتل و مال چھیننا بھی جائز ہوتے ہیں۔ **جواب:** ہاں جائز بھی ہوتے ہیں۔ زانی' قاتل' ڈاکو' باغی کو حکومت کا قتل کرنا برحق ہے جس میں کوئی گناہ نہیں بلکہ اکثر ثواب ہے۔ اسی طرح قتل سے دیت یعنی خون بہالینا درست ہے۔ بہرحال قتل اور مال جبراً وصول کرنا بھی درست بھی ہوتا ہے۔ اس لئے یہ قید احترازی ہے۔ محض اتفاقی نہیں۔ اس قید سے بہت سے مسائل حل ہوتے ہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تجارت فروشندہ و خریدار کی رضامندی سے چاہئے کہ فرمایا گیا عن تراض منکم' تو حاکم وقت دیوالیہ کا مال بغیر اسکی رضا کے نیلام کر کے اسکے قرض خواہوں کو کیوں دے دیتا ہے۔ **جواب:** اسلئے کہ دیوالیہ مقروض کا مال درحقیقت اسکے قرض خواہوں کا مال ہے اسلئے اس مال کی زکوۃ مقروض پر نہیں لہذا حاکم اس مال کو بلا اجازت فروخت کر سکتا ہے۔ **نواں اعتراض:** جب بغیر مالک کی اجازت اسکا مال فروخت نہیں کر سکتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سائل صحابی کا کمبل پیالہ انکی بغیر اجازت کیوں نیلام فرمادیا تھا۔ **جواب:** اسلئے کہ حضور ہر مسلمان کے مولی و مالک ہیں۔ **النبی اولی بالمومنین** الخ جب غلام کا مولی اور چھوٹے بچے کا مال اس کا والد فروخت کر سکتا ہے تو امتی کا مال نبی بھی فروخت کر سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمانو! ہم نے جو تم کو مال بخشے ہیں وہ باطل نیت اور برے ارادے سے نہ کھاؤ۔ بلکہ اچھی نیت سے کھاؤ۔ گناہ و غفلت اور محض تن پروری نفسانی خواہش پوری کرنے کیلئے کھانا باطل ہے۔ اس سے بچو۔ اس کھانے سے تجارت کرو' روزانہ نیک اعمال کا اضافہ کرو۔ ایسے تاجروں کو رب کی روزی کھانا مبارک ہے۔ رب کی روزی کھا کر رب کی اطاعت گویا تجارت ہے۔ گناہ کر کے اپنے کو قتل نہ کرو۔ کافر و مجرم اپنے نفس کا قاتل ہے۔ وہ ایک قسم کی خودکشی کر رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ تم پر مہربان ہے۔ اس لئے اس نے ایسے احکام نافذ فرمائے جو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں کار آمد ہیں۔ جو شخص اپنے پر زیادتی و ظلم کرے گا وہ دوزخ اور فراق یار کی نار میں داخل کیا جائیگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے کسی کا گاہک ہے کسی کی دوکان کا خریدار رب رحمان جیسے سودے' ایسے خریدار' اللہ تعالیٰ ہماری دوکان زندگی کے سودے اچھے کرے۔ آمین

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ
اگر پرہیز کرو تم ان بڑے گناہوں سے کہ منع کئے جاتے ہو تم ان سے تو مٹا دیں گے ہم تمہارے چھوٹے گناہ اور
اگر بچتے رہو کبیرہ گناہوں سے جن کی تمہیں ممانعت ہے تو تمہارے اور گناہ ہم بخش دیں گے
مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾
داخل کریں گے ہم تم کو اچھی جگہ
اور تمہیں عزت کی جگہ داخل کریں گے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کا مال ناجائز طور پر کھانے اور خودکشی یا مسلمان کو قتل کرنے سے روکا گیا تھا۔ اب بڑے گناہوں سے بچنے کے فوائد کا ذکر ہے کہ گناہ کبیرہ سے بچنے سے چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم مسلمانوں پر بہت مہربان ہے۔ اب اس مہربانی کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہو تو تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمائیں گے۔ یہ ہمارا خاص رحم و کرم ہے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ مجرم کو عذاب دینا رب تعالیٰ پر آسان ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ مجرم کو بخش دینا بھی ہم پر آسان ہے۔ یعنی قدرت الٰہی کا ایک رخ پچھلی آیات میں دکھایا گیا تھا۔ اب اس کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه** ان حرف شرط ہے جو شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ یہ شک ہماری طرف سے ہمارے لئے ہوتا ہے۔ تجتنبوا کا مادہ جنب ہے بمعنی کنارہ و پہلو اجتناب کے معنی ہیں۔ پہلو یا کنارہ اختیار کرنا۔ یعنی علیحدہ ہو جانا اسلئے ناپاک آدمی کو جنبی کہتے ہیں کہ وہ مسجد سے علیحدہ رہتا ہے۔ بے تعلق آدمی کو اجنبی کہا جاتا ہے کہ وہ علیحدہ رہتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے: **فبصرت عن جنب وهم لا یشعرون** یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے دور سے دیکھا۔ اب اصطلاح میں بچنے اور پرہیز کرنے کو اجتناب کہا جاتا ہے کبائر کبیرہ کی جمع ہے بمعنی بڑا گناہ۔ اسی کا مقابل ہے صغیرہ۔ اس میں گفتگو ہے کہ گناہ کبیرہ کسے کہتے ہیں اور وہ کتنے ہیں۔ (1) اس میں چند قول ہیں ہر گناہ کبیرہ ہے کہ اس میں رب تعالیٰ اور اسکے رسول کی نافرمانی ہے مگر یہ قول قرآن کریم کی آیات اور احادیث کے خلاف ہے۔ کتاب و سنت گناہ کی دو قسمیں کر رہی ہیں۔ (2) جس گناہ پر دنیاوی سزا اخروی عذاب مقرر و مذکور ہو وہ گناہ کبیرہ ورنہ صغیرہ۔ سزا خواہ قرآن کریم میں مقرر کی گئی ہو یا حدیث پاک میں جیسے شرک و کفر کہ اس پر اخروی عذاب کی وعید ہے اور زنا کہ اس پر دنیاوی سزا بھی مقرر ہے۔ (3) جس گناہ پر شرعاً "حد" مقرر ہو وہ کبیرہ ورنہ صغیرہ۔ (4) جو گناہ مرتکب کی دینی لاپرواہی پر دلالت کرے وہ کبیرہ ہے اس کے علاوہ صغیرہ۔ (5) ہر حرام بعینہٖ جرم ہے وہ گناہ کبیرہ ہے۔ حرام لغیرہ گناہ صغیرہ۔ (6) جس گناہ کو کتاب اللہ نے لفظ حرام کہہ کر ممنوع قرار دیا ہو۔ وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اس کے علاوہ صغیرہ۔ (7) جو گناہ ہمیشہ کیا جائے وہ کبیرہ ہے۔ جس سے توبہ کر لی جائے وہ صغیرہ۔ (8) گناہ کبیرہ پروردگار نے مخفی رکھے ہیں جیسے شب قدر اور نماز وسطیٰ اور جمعہ میں قبولیت کی ساعت تاکہ مسلمان ہر گناہ کو کبیرہ سمجھ کے اس سے بچے۔ گناہ کبیرہ تین یا سات یا ساٹھ یا اسی ہیں۔ جیسا کہ مختلف احادیث میں وارد ہے۔ چنانچہ مسلم بخاری میں ہے کہ سات ہلاک کرنے والی چیزوں سے بچو۔ شرک، جادو کرنا، حرام نفس کا قتل، یتیم کا مال، سود کھانا، جہاد میں بزدلی سے بھاگ جانا، پاکدامن مومنہ عورت کو زنا کی تہمت لگانا۔ بعض روایات میں ہے کہ ماں باپ کی نافرمانی کرنا، جھوٹی قسم کھانا، سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ ستر ہیں۔ سیدنا عبداللہ بن جبیر فرماتے ہیں کہ گناہ کبیرہ سات سو تک ہیں۔ **لا کبیرة مع الاستغفار ولا صغیرة مع الاصرار** یعنی توبہ کے ہوتے ہوئے کوئی گناہ کبیرہ نہیں اور ہمیشگی ہو جائے تو کوئی گناہ صغیرہ نہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ اضافی چیزیں ہیں مطلق گناہ کبیرہ شرک ہے اور مطلق گناہ صغیرہ برے خیالات انکے درمیان ہر گناہ اپنے نیچے کے لحاظ سے کبیرہ ہے اوپر کے لحاظ سے صغیرہ۔ گناہ کا صغیرہ کبیرہ ہونا کرنے والے کے لحاظ سے ہے۔ ایک ہی گناہ

www.alahazratnetwork.org

ہم جیسے گنہگاروں کیلئے صغیرہ ہے اور متقی پرہیزگاروں کیلئے کبیرہ جس پر انہیں عتاب الٰہی ہوجاتا ہے۔ حسنات الابرار سیئات المقربین بلکہ حضرات انبیاء کرام و خاص اولیاء عظام کی خطاؤں پر بھی پکڑ ہوجاتی ہے۔ حالانکہ ہمارے لئے خطا گناہ ہی نہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لا یحقر الرجل الرفیع دقیقۃ فی السھو فیھا للوضیع معاذر
فکبائر الرجل الصغیر صغائر و صغائر الرجل الکبیر کبائر

یعنی کوئی بلند مرتبہ آدمی اپنے کو حقیر نہ کرے۔ بڑے آدمیوں کے گناہ صغیرہ بھی بڑے ہوتے ہیں اور چھوٹے آدمیوں کے گناہ کبیرہ بھی چھوٹے۔ سید ابن فارض فرماتے ہیں۔

ولوخطرت لی فی سواک لساعۃ علی خاطری سھوا حکمت بردتی

یعنی اگر کبھی میرے دل میں بھول کر بھی دوسرے کا خیال آجائے تو میں اپنے مرتد ہونے کا حکم دے دوں۔ (روح المعانی و کبیر) **ما تنھون عنہ** ما سے مراد گناہ ہیں۔ **تنھون** نہی سے بنا بمعنی ممانعت۔ منع کرنا اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ عنہ کی ضمیر ما کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ما مع اپنے جملے کے کبائر کا مضاف الیہ ہے یعنی اے مسلمانو! اگر تم ان گناہوں میں سے بڑے گناہوں سے بچے رہے۔ جس سے تمہیں منع کیا جارہا ہے تو **نکفر عنکم سیاتکم** یہ جملہ ان کی جزا ہے۔ **نکفر** تکفیر سے بنا جس کا مادہ کفر ہے بمعنی چھپانا یا مٹانا۔ اس سے ہے کفارہ یہاں یا بخشنا مراد ہے یا گناہ کی عادت چھڑا دینا مراد۔ پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ سیئات **سیئۃ** کی جمع ہے جس کا مادہ ہے۔ سوء **سیئۃ** ہر ناپسند چیز ہے یہاں مراد گناہ صغیرہ ہیں۔ کیونکہ اس سے پہلے کبائر کا ذکر ہوچکا ہے۔ یہ اسکے مقابلہ میں ہے۔ **وند خلکم مد خلا کریما** یہ جملہ **نکفر** پر معطوف ہے۔ اور ان کی دوسری جزا مد خل یا اسم مفعول بمعنی ظرف ہے یا مصدر میمی ہے۔ عربی میں کرم اگر خدا تعالیٰ کی صفت میں آئے تو اسکے معنی ہوتے ہیں احسان و انعام اور اگر انسان کی صفت میں آجائے تو معنی ہوتے ہیں اچھے اخلاق اور اعمال۔ کبھی ہر ممتاز چیز کو کریم کہہ دیتے ہیں۔ (غیاث) رب فرماتا ہے: **من کل زوج کریم** اور فرماتا ہے: **وزروع و مقام کریم** اور فرماتا ہے: **انہ لقران کریم** اور فرماتا ہے: **وقل لھما قولا کریما** لہٰذا یہاں کریم سے مراد اعلیٰ اور عزت والی ہے یعنی تو ہم تمہارے گناہ صغیرہ مٹا دیں گے اور معاف کردیں گے اور تمہیں عزت والی اعلیٰ جگہ یعنی جنت میں داخل کریں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو! جس کام سے تم کو منع کیا جائے وہ گناہ ہے خواہ ہم منع فرمائیں یا ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پھر گناہ دو قسم کے ہیں: صغیرہ و کبیرہ یعنی چھوٹے اور بڑے۔ ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ اگر تم کبیرہ گناہ سے بچتے رہو یا اس طرح کہ کرو ہی نہیں یا اس طرح کہ اگر تم سے وہ صادر ہوجائیں تو ان پر قائم نہ رہو بلکہ توبہ کرلو یا اسطرح کہ ان کا کفارہ ادا کردو تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمادیں گے یا اسطرح کہ جو چھوٹے گناہ تم کرچکے ہو انہیں بخش دیں گے یا اسطرح کہ تم کو ان سے بچنے کی توفیق دیں گے۔ صرف گناہ بخشنے پر ہی بس نہیں بلکہ تم کو اعلیٰ مقام یعنی جنت میں داخل فرمائیں گے یا تو مرتے ہی یا بعد قیامت اور جنت کے ایسے مقام میں جگہ دیں گے جو تمہارے وہم و خیال سے وراء ہے۔ خیال رہے کہ جسم کو ناپاک کرنے والی صدہا چیزیں ہیں۔ نیز ناپاک جسم کی پاکی کے بہت ذریعہ ہیں۔ ایسے ہی دل کو ناپاک کرنے والی صدہا چیزیں ہیں۔ کفر، شرک، بغض و عناد و حسد غصہ وغیرہ پھر ناپاک دل کو پاک کرنے والی بہت سے چیزیں ہیں۔ توبہ' نیک اعمال مقبول کی نگاہ کرم۔ کبیرہ گناہوں

www.alahazratnetwork.org

سے پرہیز۔ ان تمام پاکیوں کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ یہاں آخری طہارت یعنی گناہ کبیرہ سے بچنے کا ذکر ہے۔ مرنے کے بعد شفاعت اور رحمت رب تعالیٰ پاک کریگی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شریعت میں گناہ وہ ہے جسکو اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمائیں۔ حرمت کیلئے نہی ضروری ہے۔ جیسا کہ ما تنہون سے معلوم ہوا جس سے کتاب وسنت میں ممانعت نہ آئی ہو۔ حلال وجائز ہے مگر فی زمانہ دیوبندی واہلحدیث کہتے ہیں کہ جو کام اگلے تین زمانوں میں نہ ہوا وہ حرام ہے۔ یہ لوگ اباحت اور استحباب کیلئے قطعی دلیل مانگتے ہیں اور چیز کو بلا دلیل حرام کہہ دیتے ہیں۔ یہ قرآن شریف کے بھی خلاف ہیں۔ اور احادیث شریفہ کے بھی رب فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما** یعنی فرمادو اے محبوب کہ میں اپنی وحی میں ان مذکورہ جانوروں کے سوا اور جانوروں کو حرام نہیں پاتا ہوں۔ معلوم ہوا کہ کسی چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملنا اسکے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حلال وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حلال فرمایا اور حرام وہ ہے جسے اللہ نے اپنی کتاب میں حرام فرمایا جس سے خاموشی رہی اسکی معافی ہے۔ مشکوۃ شریف کتاب الاطعمہ۔ **دوسرا فائدہ:** چیزوں میں اصلی حالت حلال ہونا ہے۔ حرمت ایک عارضی چیز ہے جو ممانعت سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ جن سے منع کیا جاتا ہے ان سے بچو۔ اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول ملاحظہ فرمائیے۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ دو قسم کے ہیں۔ صغیرہ اور کبیرہ جیسا کہ کبائر کو ما کی طرف مضاف کرنے سے معلوم ہوا۔ جو ہر گناہ کو کبیرہ مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے گناہوں کی معافی کے بہت ذرائع مقرر فرمادیئے ہیں۔ توبہ 'نیک اعمال کرنا' رب فرماتا ہے۔ **ان الحسنات یذھبن السیات** کبیرہ گناہوں سے بچنا جیسا کہ **ان تجتنبوا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** گناہ صغیرہ کی معافی کیلئے توبہ شرط نہیں جیسا کہ نکفر کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بڑے گناہوں سے بچنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ چھوٹے گناہوں سے بچنے کی توفیق بھی عطا فرماتا ہے۔ کہ ایسے انسان کی طبیعت خود بخود گناہوں سے متنفر ہو جاتی ہے جیسا کہ نکفر کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے گناہوں کا کفارہ اپنی ہی نیکیاں ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ ان تجتنبوا کی شرط سے معلوم ہوا۔ یہ بات بالکل قرین قیاس ہے۔ عیسائیوں کا مذہب یہ ہے کہ سارے عیسائیوں کے گناہ کے کفارے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی گئی یعنی جناب مسیح کی سولی عیسائیوں کے گناہ کا کفارہ بن گئی۔ بعض بیوقوف مسلمان بھی عیسائیوں کی دیکھا دیکھی کہنے لگے کہ حضرت امام حسین کی شہادت سارے محبان حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی ہے۔ یہ قول اسلام کے خلاف تو ہے ہی عقل سلیم کے بھی خلاف ہے کہ کسی بے قصور کو بلاوجہ قتل کرادینا اور قصور والوں کو سزا نہ دینا عدل وانصاف خداوندی کے خلاف ہے نیز رب تعالیٰ کو یونہی کفارہ کرانا تھا تو اپنے بیٹے کو سولی کیلئے کیوں منتخب کیا۔ کوئی اور انسان منتخب کر لینا چاہئے تھا۔ نیز اگر خدا تعالیٰ کو اپنے بندوں سے ایسی ہی محبت تھی کہ انکے گناہوں کے کفارہ کیلئے اپنے بیٹے کو سولی چڑھا دیا تو چاہئے تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو سب سے پہلے انسان بنایا ہوتا۔ تاکہ سارے انسانوں کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا۔ ہزاروں سال پہلے کے گنہگاروں کا کفارہ کیسے ادا ہوا۔ اگر نہیں ہوا تو کیوں۔ ان سے خدا نے محبت کیوں نہ کی۔ نیز اس عقیدے سے انسان میں گناہ پر دلیری پیدا ہوگی کہ جب گناہ معاف ہو چکے تو اب گناہ سے بچنے کی کیا ضرورت۔ اسی لئے عیسائی

www.alahazratnetwork.org

کہتے ہیں کہ شریعت ایک لعنت ہے جس سے عیسیٰ علیہ السلام ہم کو نجات دے گئے۔ آٹھواں فائدہ: گناہوں کی معافی کیلئے جنت کا داخلہ لازم نہیں۔ دیکھو یہاں نکفر کے بعد ندخلکم کو علیحدہ بیان کیا۔ دیکھو متقی جنات کے صغیرہ گناہوں کی معافی ہوگی مگر انہیں جنت میں داخلہ نہ ملے گا۔

اعتراضات: پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ والے کی معافی کبھی نہ ہو کیونکہ جب اس سے بچنا صغیرہ گناہوں کی معافی کیلئے شرط ہے تو انکی معافی کی کوئی صورت ہی نہ رہی۔ مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کیلئے بھی ہوگی نیز قرآن شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک نہ بخشے گا۔ باقی جسے چاہے بخش دیگا۔ آیات میں بھی تعارض ہے اور آیت وحدیث میں بھی۔ جواب: اولاً تو مخالف مفہوم سے مسائل ثابت نہیں ہوتے جیسا کہ پچھلی آیت میں عرض کیا جا چکا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے والوں کے گناہ صغیرہ معاف ہوں گے لیکن اسکے مخالف کا ذکر نہیں اس سے خاموشی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم پر موقوف ہے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے تب اسکا وعدہ ہے اس کا وعید نہیں۔ چاہے گا تو ایسے فاسق کو سزا دے کر جنت میں بھیجے گا یا معاف فرما کر۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کبیرہ سے بچنے والے گناہ صغیرہ سے بھی پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ پھر انہیں شفاعت کی کیا ضرورت رہی۔ لہٰذا حضور کی شفاعت کے سب محتاج نہ ہوئے۔ جواب: حضور کی شفاعت بہت سی قسم کی ہے۔ گناہگاروں کیلئے گناہوں کی معافی کی شفاعت ہوگی۔ نیکوکاروں کیلئے نیکیاں قبول ہونے کی شفاعت ہوگی۔ مقبولوں کیلئے بلندی درجات کی شفاعت ہوگی۔ غرض کہ از حضرات انبیاء کرام تا ہم جیسے گنہگار سب کو حضور کی شفاعت کی ضرورت ہے۔ اسلئے آپ کا نام رحمۃ للعالمین ہے۔

ما و شما تو کیا کہ خلیل و ذبیح کو کل دیکھنا کہ ان سے توقع نظر کی ہے
وہ جنہم میں گیا جو ان سے مستغنی ہوا ہے خلیل اللہ کو حاجت رسول اللہ کی

عالم اجسام میں ہوا' پانی' دھوپ کی ہر جاندار کو ضرورت ہے۔ عالم ارواح میں انکی شفاعت کی ہر ایک کو حاجت ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ صغیرہ کی معافی کا ذریعہ گناہ کبیرہ سے بچنا ہے ہم جیسے گناہگار جن سے ہزاروں گناہ سرزد ہو چکے ہیں انکی معافی کا کیا ذریعہ۔ جواب: ہمارے لئے ذریعہ توبہ ہے ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ کبیرہ گناہ سے بچنے کے دو معنی ہیں: نہ کرنا یا کئے ہوؤں سے توبہ کر لینا۔ حدیث شریف میں ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: گناہ کبیرہ بہت ہیں مگر انکے اسباب تین ہیں: ایک اتباع ہوی کہ اس سے شبہات شہوات' لذات' تنعمات' ترک طاعات' قذف محصنات وغیرہ گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے: **ولا تتبع الھوی فیضلک عن سبیل اللہ**۔

غبار ہوی چشم عقلت بدوخت! سموم ہوس کشت و عمرت بسوخت

دوسرے حب دنیا کہ یہ قتل' ظلم' غضب' لوٹ مار' چوری' سود خوری' یتیموں کا مال کھانا' زکوۃ نہ دینا' جھوٹی قسم کھانا' حرام کو حلال کر لینا سب کا سرچشمہ ہے۔ رب فرماتا ہے: **ومن کان یرید حرث الدنیا نؤتہ منھا ومالہ فی الاخرۃ من نصیب**۔ تیسرے غیر اللہ پر نظر کہ اس سے شرک نفاق ریاکاری وغیرہ جیسے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

گرچہ زندان است برصا حبدلاں ہر کجا بوئے ز وصل یار نیست
لیک زندان عاشق محتاج را تنگ تر از صحبت اغیار نیست

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا گناہ ہمارا اپنا ہونا ہے جو اپنے ہونے سے آزاد ہو گیا اس کے سارے گناہ بخش دیئے گئے۔ (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

محوی باید نہ نحو ایں جا بداں! گر تو محوی بے خطر در آب راں
آب دریا مردہ را برسر نہد چوں رود زندہ ز دریا کے رہد

یعنی دریا معرفت میں علم نحو لے کر نہ آؤ۔ بلکہ فنا و محو لے کر آؤ۔ زندہ دریا میں غوطے کھاتا ہے۔ مردہ کو دریا کا پانی سر پر اٹھاتا ہے۔ اب پڑھو یہ آیت کریمہ کہ اگر تم گناہ کبیرہ سے بچو گے تو صغیرہ گناہ معاف ہو جائیں گے۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۭ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا
اور نہ تمنا کرو اس کی کہ بزرگی دی اللہ نے اس سے تمہارے بعض کو بعض پر واسطے مردوں کے حصہ ہے اس سے
اور اس کی آرزو نہ کرو جس سے اللہ نے تم میں سے ایک کو دوسرے پر بڑائی دی مردوں کے لئے ان
اكْتَسَبُوْا ۭ وَلِلنِّسَاۗءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۭ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ اِنَّ
جو وہ کمائیں اور واسطے عورتوں کے حصہ ہے اس سے جو وہ کمائیں اور مانگو اللہ سے اس کے فضل سے بے شک
کی کمائی سے حصہ ہے اور عورتوں کے لئے ان کی کمائی سے اور اللہ سے اس کا فضل
اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِــيْمًا ۝
اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا
مانگو بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ایک دوسرے کا مال باطل طریق سے نہ کھاؤ۔ اب ترقی فرماتے ہوئے ارشاد ہو رہا ہے کہ کسی کے مال وغیرہ کے متعلق باطل و غلط خیال بھی نہ کرو۔ باطل طریق پر کھانا ظاہری عیب تھا جس کو حکومت بھی روک سکتی ہے مگر باطل خیالات ایک اندرونی عیب ہے جسے خوف خدا اور عشق رسول ہی روک سکتے ہیں۔ نیز ظاہر کا علاج آسان ہے مگر دل کا علاج مشکل' اس لئے آسان کا ذکر پہلے فرمایا مشکل کا ذکر بعد میں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ناجائز طریقہ سے کسی کا مال یا جان لینے سے منع فرمایا گیا تھا اب اس چیز سے روکا جا رہا ہے' جس سے یہ بیماریاں یعنی مال مارنا اور قتل پھیلتے ہیں۔ یعنی حسد گویا ان جرموں کے سرچشمہ کو اب بند فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا

www.alahazratnetwork.org

تعلق: پچھلی آیات میں قتل و غارت وغیرہ سے منع فرمایا گیا تھا اب وہ چیز بتائی جا رہی ہے جس سے ان احکام پر عمل آسان ہو جائے یعنی حسد و رشک کا چھوڑنا نوے فیصدی قتل و غارت حسد و رشک سے ہوتے ہیں۔ گویا پہلے تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا۔ اب تقویٰ کے منبع و چشمہ کا ذکر جس سے نفس و دل پاک ہوتے ہیں یعنی حسد، کینہ رشک سے بچنا شریعت کے بعد طریقت کی تعلیم ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ معاف فرما دیں گے۔ اب بطور مثال فرمایا جا رہا ہے اگر تم حسد و کینہ و بغض جیسے نفسانی کبیرہ گناہوں سے بچو گے تو ہم تم کو دوسرے چھوٹے چھوٹے نفسانی عیوب سے بچا لیں گے۔

شان نزول: اس آیۃ کریمہ کے نزول کے متعلق چار روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مرد جہاد کر کے بڑے درجات حاصل کر لیتے ہیں۔ میراث میں بھی ان کا حصہ عورتوں سے دو گنا ہے "کاش ہم عورت نہ ہوتے مرد ہوتے۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ یہ مجاہد کی روایت ہے۔ دوسرے یہ کہ جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں تو مرد بولے کہ جیسے دنیا میں ہمارے حصے عورتوں سے دو گنے ہیں۔ ایسے ہی آخرت میں ہمارے ثواب عورتوں سے دو گنے ہوں گے۔ اس پر عورتیں بولیں جیسے دنیا میں ہمارے حصے مردوں سے آدھے تھے۔ ایسے ہی آخرت میں ہمارے گناہوں کی سزا مردوں سے آدھی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ یہ قول امام سدی کا ہے۔ تیسرے یہ کہ جب میراث کی آیتیں نازل ہوئیں جن میں مردوں کے حصے عورتوں سے دو گنے مقرر فرمائے گئے تو عورتوں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! مرد قوی ہیں کما سکتے ہیں "کمزوروں کا حصہ زیادہ چاہئے۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ چوتھے یہ کہ ایک بی بی صاحبہ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئیں کہ عورتوں مردوں کا رب ایک، رسول ایک، دادا حضرت آدم ایک، ماں بی بی حوا ایک۔ پھر کیا وجہ ہے کہ قرآن کریم میں مردوں کا ذکر تو جگہ جگہ آیا ہے مگر عورتوں کا ذکر نہیں آیا۔ نیز اس کی کیا وجہ ہے کہ مردوں کو جہاد میں شرکت کی کھلی اجازت ہے عورتوں کو نہیں۔ جس سے وہ غازی و شہید بنتے ہیں عورتیں نہیں بنتیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حاملہ عورت کو دن بھر روزہ، رات بھر نمازیں پڑھنے کا ثواب نو ماہ تک ملتا رہتا ہے اور جننے کی تکالیف میں اسے بے حساب ثواب ملتا ہے اور جب بچہ کو دودھ پلاتی ہے تو اسے ہر چسکی پر ایک جان بچانے کا ثواب ملتا ہے۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق فرمائی گئی۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خازن۔ بیضاوی۔ تفسیر روح البیان۔ تفسیر صاوی علی الجلالین وغیرہا)۔

تفسیر: **ولا تتمنوا**۔ اس کا مصدر تمنی ہے مادہ منی، بمعنی اندازہ لگانا۔ اصطلاح میں آرزو کرنے کو تمنا کہتے ہیں کیونکہ آرزو کرنے والا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنی حیثیت کا اندازہ خود لگا کر سوچتا ہے کہ فلاں کا مال و دولت میرے مال و دولت سے زیادہ ہے۔ میری حیثیت میری دولت سے زیادہ ہے۔ اس سوچ بچار سے آپس میں عداوت، رب تعالیٰ کی ناشکری، کبھی اس پر اعتراض ہوتے ہیں۔ اس تمنا کی دو صورتیں ہوتی ہیں ایک حسد یعنی دوسرے کی نعمت کا زوال اور اپنے لئے حصول چاہنا۔ دوسرے رشک یعنی صرف اپنے لئے حصول چاہنا دوسرے کا زوال نہ چاہنا۔ حسد تو بہرحال حرام ہے خواہ دنیاوی نعمتوں پر ہے یا اخروی پر رشک و غبطہ دنیاوی نعمتوں پر ممنوع ہے دینی نعمتوں پر درست۔ اگرچہ یہ آیت کریمہ چند عورتوں کی عرض و معروض پر نازل ہوئی مگر

www.alahazratnetwork.org

چونکہ مرد افضل ہے عورت ماتحت اس لئے یہاں بھی اور دوسرے خطابات میں بھی مردوں سے ہی خطاب فرمایا گیا کہ مردوں کے سنبھل جانے سے ان شاء اللہ عورتیں بھی سنبھل جائیں گی۔ **ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض۔** یہ عبارت **لا تتمنوا** کا مفعول بہ ہے۔ حق یہ ہے کہ ما سے مراد تمام ربانی نعمتیں ہیں' نفسانی ہوں یا جسمانی' داخلی ہوں یا خارجی' دنیاوی ہوں یا اخروی، علمی ہوں یا عملی۔ جیسے ذکاوت اور عقل و تدبر یا پاک دامنی معرفت الٰہی وغیرہ یا تندرستی حسن لمبی عمر یا دولت' عزت' شہرت' اولاد' سلطنت وغیرہ یا مرد و عورت ہونا غرضیکہ ایک لفظ ما میں تمام نعمتیں داخل ہیں۔ **فضل' تفضیل** سے بنا جس کا مادہ فضل بمعنی زیادہ ہے بہ' کا مرجع ما ہے۔ **بعضکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے یعنی اس نعمت کی آرزو یا حسد نہ کرو جس میں رب تعالٰی نے بعض مومنوں کو بعض پر زیادتی و فوقیت دی ہے۔ اس نے کسی کو اپنے کرم سے محروم نہیں فرمایا۔ کیونکہ **للرجال نصیب مما اکتسبوا۔ للرجال** میں لام نفع کا ہے۔ ما ملکیت کا الرجال سے مراد مومن مرد ہیں کیونکہ کفار کے اعمال کا ثواب نہیں۔ **للرجال** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ نصیب سے مراد ثواب آخرت یا ثواب دنیا یا دونوں ثوابوں کا حصہ ہے۔ **مما** میں من ابتدائیہ ہے یا سببیہ۔ اکتساب کے معنی ہیں' خوب کمائی کرنا اس کا مادہ کسب بمعنی کمائی ہے یعنی مردوں کو اپنے اعمال کے ثواب سے حصہ ملے گا ان کے اعمال کا حصہ عورتیں نہیں لے سکتیں۔ **و للنساء نصیب مما اکتسبن** اس جملہ کی بھی وہی تفسیر ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ یعنی عورتوں کو اپنے کمائے اعمال کے ثواب کا حصہ ملے گا۔ اس میں مرد شریک نہیں ہو سکتے۔ خیال رہے کہ بعض نیکیاں صرف مرد کر سکتے ہیں جیسے جہاد میں عموماً جنگ کرنا' نماز کی امامت' قاضی یا بادشاہ ہونا' بعض نیکیاں صرف عورتیں کر سکتی ہیں۔ جیسے خاوند کی اطاعت نیک صالح بچے جننا۔ بچوں کی پرورش غازیوں کے پیچھے گھروں کے انتظام وغیرہ مرد اپنی کمائی کا نفع پائیں گے عورتیں اپنی کمائی کا فائدہ اٹھا دیں گی۔ **و سئلوا اللہ من فضلہ** یہ جملہ گزشتہ۔ ممانعت **ولا تتمنوا** پر معطوف ہے۔ **اسئلوا** اگرچہ مذکر مخاطب ہے مگر خطاب مردوں عورتوں دونوں ہی سے ہے۔ جیسے **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** وغیرہ۔ دوسرے احکام کی آیات میں ہے یہاں **فضل** سے مراد زیادتی ہی ہے مگر زیادتی وہ جو رب تعالٰی اپنی مہربانی سے اعمال کی جزا کے علاوہ عطا فرمائے۔ **من تبعیضیہ** ہے کیونکہ رب تعالٰی جسے جو بھی دے اس کی مہربانی کا حصہ ہی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ فضلہ یعنی اللہ تعالٰی کے فضل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ حضور نور اللہ بھی ہیں' ذکر اللہ بھی۔ فضل اللہ بھی جو ہماری بغیر کوشش و محنت اللہ نے ہم کو بخشا یعنی اے مسلمان مرد و عورتو بجائے ایک دوسرے پر حسد کرنے کے اللہ تعالٰی سے اس کی مہربانی مانگا کرو۔ خیال رہے کہ دیگر عبادات کی طرح دعاء فضل بھی ایک عبادت ہے۔ مگر دوسری عبادتوں میں وقت' نوعیت وغیرہ کی قید ہے۔ دعا وہ عبادت ہے جس میں کوئی پابندی نہیں۔ ہر وقت مانگے' ہر شخص مانگے' ہر طرح مانگے' زبان سے' اعضاء سے' آنکھ سے' آنسوؤں سے۔ ننھا بچہ کچھ نہیں جانتا مگر رو کر مانگنا' ماں کو بلانا ضرور جانتا ہے' رو کر مانگنا بڑا پرانا سبق۔ **ان اللہ کان بکل شیء علیما** "۔ یہاں **کان** دوام و استمرار کے لئے ہے۔ اس جملہ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دینا ہزار ہا حکمتوں پر مبنی ہے۔ رب نے جسے جو دیا ہے علم و حکمت سے دیا ہے۔ اس پر اعتراض نہ کرو یا تم دعائیں مانگا کرو اگر تمہاری کوئی دعا قبول نہ ہو تو دل تنگ نہ ہو۔ رب تعالٰی علیم و حکیم ہے وہ اپنے بندوں کی مصلحتیں خوب جانتا ہے اگر تمہاری کوئی دعا قبول نہ فرمائے تو اس میں اس کی کوئی حکمت ضرور ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ و تفسیر : اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ نے جو بعض بندوں کو بعض پر دینی' دنیاوی' جسمانی' روحانی' داخلی' خارجی بزرگیاں دی ہیں ان میں ایک دوسرے پر حسد یا ناجائز آرزو نہ کرو۔ رب تعالیٰ پر اعتراض نہ کرو کسی کو امیر کیا کسی کو غریب' کسی کو مرد بنایا' کسی کو عورت' کسی کو نیک بخت کیا' کسی کو بدبخت' کسی کو عالم یا ولی بنایا' کسی کو ان کا تبع۔ یہ اس کی مہربانی ہے۔ زمین' زمان' مکین' تارے' چاند' سورج وغیرہ سب میں فرق مراتب ہے تو انسانوں میں بھی ہونا چاہئے۔ مردوں کے لئے ان کے سے اعمال و درجات ہیں عورتوں کے لئے ان کے لائق اعمال و درجات ہیں۔ مرد غازی' سلطان' قاضی بننے کیلئے ہیں تو عورتیں غازی سلطان قاضی جننے کے لئے۔ مرد شمع محفل ہیں تو عورتیں چراغ خانہ۔ ان میں سے ہر ایک کو اپنے اعمال کا عوض پورا پورا ملے گا۔ اللہ کے بندو حسد' کینہ' بغض اور رب پر اعتراض نہ کرو بلکہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے اس کی مہربانی مانگو۔ اگر وہ مہربانی فرمادے تو تھوڑے عمل پر زیادہ ثواب دیدے۔ یہ عقیدہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ علیم ہے' حکیم ہے۔ اس نے جو جسے دیا حکمت سے دیا۔ سب بندوں کو یکساں نہ کیا۔ حکمت سے ہی کیا لہٰذا اس کی عطا پر راضی رہو اونٹ کو لمبی گردن عطا کی تو ہاتھی کو سونڈ بخشی۔ غرضیکہ اس کی عطا میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔ ان حکمتوں میں غور کرکے اس کی حمد کرو نہ کہ اس پر اعتراض۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق خصوصاً انسانوں میں یکسانیت نہ رکھی۔ دیکھو زمین جو بظاہر یکساں معلوم ہوتی ہے اس میں کہیں تیل ہے' کہیں سونے چاندی کی کانیں' کہیں پہاڑ' کہیں غار' کوئی زمین بنجر' کوئی قابل کاشت' کوئی لالہ زار تو انسان سب یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔ آسمان کے تارے رنگ برنگے چھوٹے بڑے ہیں تو انسان بھی رنگ برنگا' چھوٹا بڑا ہونا چاہئے۔ جمعہ ہفتہ کے دنوں سے بڑا۔ رمضان دوسرے مہینوں سے افضل تو حضرات انبیاء و اولیاء دوسرے انسانوں بلکہ ملائکہ سے افضل جو نبی غیر نبی کو یکساں کہے اور اولیاء اللہ سے دعویٰ ہمسری کرے۔ وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ فضل اللہ ' سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کسی مسلمان پر حسد کرنا سخت جرم ہے۔ شیطان حسد میں ہی مارا گیا۔ حسد وہ آگ ہے جو انسان کی نیکیاں جلا کر راکھ کر دیتی ہے۔ دیکھو شیطان کی عبادتیں حسد سے برباد ہوئیں۔ یہ فائدہ **لا تتمنوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان پر حسد' کینہ' بغض کرنا حرام ہے۔ کفار پر حسد ان سے بغض تو عبادت ہے۔ ان پر جہاد کرنا بھی عبادت ہے۔ یہ فائدہ **بعضکم** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ مسلمان پر حسد حرام۔ حضرات اولیاء اللہ پر حسد سخت حرام اور پیغمبر پر حسد کفر ہے۔ جس سے تمام نیکیاں برباد ہوتی ہیں۔ شیطان نے پیغمبر پر حسد کیا تھا۔ **چوتھا فائدہ:** رب نے جسے جو دیا کرم و فضل سے دیا' کسی کا اس پر حق یا دعویٰ نہیں جیسا کہ **فضل** کے ایک معنی سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مرد و عورت یکساں نہیں رب تعالیٰ نے انہیں مختلف مقاصد کے لئے پیدا فرمایا۔ یہ دونوں زندگی کی گاڑی کے دو پہیے ہیں جو ان دونوں کو برابر کرنا چاہتا ہے وہ قدرت کا مقابلہ کرتا ہے۔ اگر دونوں پہیے گاڑی کے ایک طرف لگا دیئے جائیں تو گاڑی چل نہیں سکتی' یہ فائدہ دو جگہ **نصیب** نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نیک خاوند کی بیوی اور نیک بیوی کا خاوند نیک اعمال سے مستغنی نہیں۔ ہر ایک کو عمل کی ضرورت ہے جیسا کہ **للرجال** اور **للنساء** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہر شخص رب تعالیٰ کا فضل ضرور مانگے۔ جیسا کہ **و سئلوا اللہ من فضلہ** سے معلوم ہوا۔ بلکہ علماء تو فرماتے ہیں کہ دوسری دعاؤں سے فضل کی دعا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہے۔ ہم اپنے لئے بری چیز مانگ

www.alahazratnetwork.org

لیتے ہیں کیونکہ بے سمجھ ہیں۔ مگر رب تعالیٰ جو اپنے فضل سے ہم کو دے گا وہ ہمارے لئے بہتری ہوگی۔ **آٹھواں فائدہ:** کبھی دعا قبول نہ ہونے پر ملول نہ ہو بلکہ سمجھے کہ اس قبول نہ ہونے میں رب کی کوئی حکمت ہے۔ بے وقوف بیمار میٹھی دوائیں مانگنے لگ جاتا ہے مگر مہربان طبیب کڑوی دوا پلاتا ہے کیونکہ اسی میں اس کی شفا ہے۔ یہ فائدہ علماء سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ:** کسی کی نعمت پر حسد کرنا حرام ہے خواہ دینی نعمت ہو یا دنیاوی مگر غبطہ یعنی رشک یہ دینی نعمت پر جائز ہے دنیاوی نعمت پر حرام جیسے کوئی کہے خدایا مجھے فلاں کی طرح علم و عمل کی توفیق دے یا مال دے تاکہ تیری راہ میں خرچ کروں۔ **نواں فائدہ:** کسی پر حسد یا تو رب کی ناشکری ہے یا اس کی تقسیم پر اعتراض اس لئے اس سے سخت منع فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض: تمہارے بیان کئے ہوئے شان نزول سے معلوم ہوا کہ عورتوں پر جہاد نہیں اس پر تو حضرت ام سلمہ نے رشک کیا تھا۔ مگر احادیث و تواریخ کہتی ہیں کہ زمانہ نبوی میں عورتیں جہادوں میں شرکت کرتی تھیں۔ پھر یہ شان نزول کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** عورتوں کو جہاد میں شریک کرنا سخت مجبوری کی حالت میں ہوتا تھا جبکہ غازی مردوں کی کمی تھی' پھر بھی عورتیں جنگ نہ کرتی تھیں بلکہ زخمیوں کی مرہم پٹی' غازیوں کی خدمت' کھانا پکانا وغیرہ کرتی تھیں۔ اس بناء پر عورتوں کو رشک ہوا۔ اس لئے حدیث پاک میں ہے کہ عورتوں کا جہاد حج ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت نے مسلمانوں کو ترقی سے روک دیا کیونکہ اس میں فرمایا گیا کہ تم دوسروں کی نعمت کی تمنا بھی نہ کرو' حالانکہ انسان کو چاہئے کہ دوسروں کے برابر بلکہ ان سے بڑھنے کی کوشش کرے۔ اگر اس آیت پر عمل ہو تو ترقی ہی ختم (آریہ و بعض بے دین)۔ **جواب:** آیت کریمہ نے دوسروں پر حسد کرنے سے روکا ہے نہ کہ ترقی کرنے سے قرآن فرماتا ہے۔ **فاستبقوا الخیرات** اور فرماتا ہے۔ **و سابقوا الی مغفرة من ربکم۔** مغفرت کی طرف ایک دوسرے پر سبقت کرو۔ حسد بری ہے' ترقی کی کوششیں اچھی۔ حضرات صحابہ کرام آپس میں ایک دوسرے پر نیکیوں میں آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ خصوصاً" حضرت عمر جناب صدیق پر بڑھ جانے کی ہمیشہ کوشش فرماتے تھے مگر بڑھ نہ سکتے تھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ جو کسی کو نیکیاں کرتے دیکھے اور تمنا کرے کہ میں بھی ایسی نیکی کرتا تو حشر میں دونوں ساتھ اٹھیں گے' یا یہاں ان صفات کی تمنا کرنا مراد ہے۔ جو رب تعالیٰ نے دوسرے کے ساتھ خاص کردی ہوں جیسے نبوت' ولایت' قطبیت یا میراث میں دوگنا حصہ۔ غیر اہل کو اس کی تمنا کرنا حرام یہ ناممکن کی تمنا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **للرجال** اور **للنساء** کے لام سے معلوم ہوا کہ کسی کو دوسرے کے اعمال سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ اپنی کرنی' اپنی بھرنی ہے' مردوں کو اپنی کمائی کام آئے گی۔ عورتوں کو اپنی لہذا ایصال ثواب ختم وغیرہ محض بیکار ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تیسرے پارے کی تفسیر **لها ما کسبت و علیها ما اکتسبت** کی تفسیر میں ہی تفصیل سے گزر گیا کہ ان جیسی آیات میں لام ملکیت کا ہے اور کسب سے مراد بدنی فرائض ہیں یعنی کوئی کسی کی طرف سے فرض نماز یا فرض روزہ ادا نہیں کرسکتا۔ اور بھی اس کے بہت جواب ہیں۔ اگر کسی کے اعمال کسی کو کام نہیں آسکتے تو مسلمانوں کے چھوٹے بچے یا دیوانہ پاگل مسلمان کیونکر بخشے جائیں گے' ان کے پاس نیکیاں کہاں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والحقنا بهم ذریتهم۔** **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا رب تعالیٰ کے فضل کے اور کوئی چیز رب سے نہ مانگنا چاہئے۔ حالانکہ احادیث میں بہت دعائیں منقول ہیں۔ **جواب:** آیت کریمہ میں دوسری دعاؤں سے ممانعت نہیں فرمائی گئی نہ کوئی کلمہ حصر کا ہے بلکہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ دعائیں اپنی طرف سے مقرر نہ

کرو کہ ہم کو وہی چیز دے کہ اگر وہ چیز نہ ملے تو رب پر ناراض ہو جانا یا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص بجائے دوسروں پر حسد کرنے کے رب سے اپنے اور دوسروں کے لئے رب کا فضل مانگے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کی دینی یا دنیاوی نعمت کی تمنا کرنا بھی منع ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ نیکی کی تمنا اچھی چیز ہے کہ اس تمنا پر نیکی کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ عالم یا سخی مالدار کو دیکھ کر تمنا کرنا کہ اگر میرے پاس بھی علم کی دولت ہوتی تو میں بھی یہ کرتا۔ اس پر اس کو عالم یا سخی کا ثواب ملتا ہے لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی گزر گیا کہ حسد یا رب کی شکایت یا ناشکری کی تمنا بری ہے۔ وہی یہاں مراد ہے اس سے منع فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : عالم کا نظام عالم کی چیزوں میں فرق مراتب سے ہے۔ اگر سب برابر کر دیئے جائیں تو دنیا تباہ ہو جائے۔ اگر آسمان پر سارے تارے سورج بنا دیئے جائیں تو دنیا کی ہلاکت یقینی ہے۔ اگر تمام روئے زمین پیداوار اور خزانوں وغیرہ میں یکساں ہو جائے تو نظام دنیا ختم ہو جائے۔ اسی طرح عالم روحانیات میں فرق مراتب ہے۔ عالم اجزاء کی فنا ہے۔ رب تعالیٰ نے انسانوں کی استعدادیں مختلف بنائی ہیں۔ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق نعمت عطا ہوئی ہے۔ کوئی کم استعداد والا بڑی عطا کی تمنا نہ کرے کہ یہ ناممکن کی تمنا ہے۔ اسی لئے یہاں تمنا فرمایا گیا جو ناممکن کی بھی ہو جاتی ہے امید نہ فرمایا کیونکہ امید صرف ممکن چیز کی ہی ہوتی ہے لہٰذا مردوں یعنی کاملین واصلین کو ان کا حصہ ہے اور عورتوں یعنی ناقصین کے لئے ان کا حصہ ہے۔ صوفیاء کے ہاں مرد وہ ہے جو یار تک پہنچ جائے عورت وہ جو وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل یعنی بقدر استعداد صفائی تزکیہ مانگو' اللہ تعالیٰ تمہاری استعداد و قابلیت کو خوب جانتا ہے۔ مانگو ملے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں طلب کر دی بجد آید نظر   جد خطا نہ کند جنس آمد خبر
چوں در معنی زنی بازت کنند   پر فکرت زن کہ شہبازت کند
چوں زچاہے می کنی ہر روز خاک   عاقبت اندر رسی در آب پاک
گفت پیغمبر کہ چوں کوبی درے   عاقبت زاں در بروں آید سرے
در طلب زن دائما تو ہر دو دست   کہ طلب در راہ نیکو رہبر است

دروازہ بجاؤ کھلے گا۔ کنوئیں کی مٹی نکالے جاؤ کبھی پانی بھی مل جائے گا۔ سچی طلب کے ساتھ یہ راستہ طے کرو کہ طلب اچھا رہبر ہے۔ کسی کی کوشش اللہ تعالیٰ رائیگاں نہیں کرتا (از روح البیان) ہر شخص ہر وقت ہر طرح اللہ سے اس کا فضل و مہربانی مانگے۔ اس کا عدل نہ مانگے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ

اور واسطے ہر ایک کے بنائے ہم نے ولی اس میں سے جو چھوڑیں ماں باپ اور زیادہ قریبی رشتہ دار اور وہ لوگ کہ بندھ چکیں جن

اور ہم نے سب کے لئے مال کے مستحق بنا دیئے ہیں جو کچھ چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت والے اور جن سے تمہارا حلف بندھ

www.alahazratnetwork.org

أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

قسمیں تمہاری ہیں بس دو ان کو حصہ اُن کا	بے شک اللہ ہے	اوپر	ہر چیز کے	گواہ
جنکا ہیں ان کا	حصہ	دو	بے شک	ہر چیز	اللہ کے سامنے ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تمام مردوں' عورتوں کو اپنی کمائی کا ہی حصہ ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بعض صورتوں میں دوسرے کی کمائی سے بھی حصہ مل جاتا ہے۔ یعنی میراث یا عقد موالات کے ذریعہ غرضیکہ حصہ ملنے کی ایک صورت کا ذکر پہلے ہوا تھا اپنی کمائی اور دوسری صورت کا ذکر اب ہے۔ دوسرے کی وراثت یا موالات۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے بعض بندوں کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اب اس فضیلت کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ میراث کے حصوں کے مستحق لوگ بعض' بعض سے زیادہ پاتے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے لہٰذا جو جس کو دیا جان کر دیا۔ اب اسی کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے بعض مسلمانوں کو بعض کا وارث بنایا۔ پھر وارثوں کے حصوں میں فرق کیا۔ یہ سب کچھ اپنے علم کے مطابق کیا اس پر اعتراض نہ کرو۔

شان نزول : حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو دعوت اسلام دی۔ انہوں نے قبول اسلام سے انکار کر دیا۔ حضرت صدیق نے قسم کھائی کہ میں اپنے مال کا ایک حبہ بھی عبدالرحمٰن کو نہ دوں گا نہ جیتے جی نہ بعد وفات بطور میراث پھر اللہ کے فضل و کرم سے عبدالرحمٰن مسلمان ہو گئے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جناب صدیق اکبر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو اپنی کمائی سے ان کا حصہ میراث دیں۔ (تفسیر خازن)

تفسیر : **و لکل جعلنا موالی مما ترک الوالدان والاقربون۔** لکل متعلق مقدم ہے' جعلنا کا کل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے۔ مسلم' یا مال' یا قوم یا انسان' یا ترکہ (معانی) جعلنا جعل سے مشتق ہے' بمعنی بنانا یا پیدا کرنا۔ پہلے معنی پر دو مفعول چاہتا ہے۔ دوسرے معنی پر ایک مفعول یہاں پہلے معنی میں ہے اور پہلا مفعول پوشیدہ اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے معنی یعنی پیدا کرنے کے معنی میں ہو۔ **موالی** مولیٰ کی جمع ہے۔ مولیٰ یا ولی بمعنی قرب سے بنایا۔ بمعنی تصرف سے بنا مولیٰ یعنی قریبی عزیز یا والی و وارث تصرف کرنے والا۔ خیال رہے کہ مولیٰ کے چھ معنی ہیں۔ غلام آزاد کرنے والا مالک' آزاد کردہ غلام' حلیف' چچازاد بھائی' مددگار۔ **بان اللہ مولی الذین امنوا و ان الکافرین لا مولی لھم۔** عصبہ وارث (تفسیر کبیر) یہاں آخری چھٹے معنی میں ہے۔ یعنی ہم نے ہر مسلمان یا ہر مال یا ہر قوم یا ہر ترکہ کے لئے وارث مقرر فرمائے جو اس کے مال کے وارث ہوتے ہیں۔ **مما ترک الوالدان والاقربون۔** مما سے پہلے ایک مختصری عبارت پوشیدہ ہے۔ **یرث یا یاخذ یا یملک۔** مما کا من تبعیضیہ ہے کیونکہ ہر وارث کو میت کا بعض مال ملتا ہے۔ یا سارا مال میراث میں نہیں بٹتا۔ پہلے کفن دفن پھر ادائے قرض۔ پھر ادائے وصیت' پھر تقسیم ہوتی ہے۔ اس لئے من تبعیضیہ ارشاد ہوا۔ مما سے مراد وہ مال ہے جو میت کا مملوکہ ہو۔ جو میت کے پاس امانت یا غصب وغیرہ کا مال ہے وہ مراد نہیں کیونکہ وہ میت کی ملک نہیں نہ اس میں میراث جاری ہو۔ وہ

سارا مال اصل مالک کو واپس کر دیا جائے۔ اگر مالک نہ ملے تو اس کے نام پر خیرات کر دیا جائے۔ ترک سے مراد بعد وفات چھوڑ جانا ہے۔ **الولد ان والا قربون** یا تو موالی کا بیان ہے یا ترک کا فاعل' پہلی صورت میں **والدان** اور **اقربون** وارث ہوں گے۔ دوسری صورت میں موروث والدان سے سگی ماں سگا باپ مراد ہے۔ سوتیلے ماں باپ کو میراث نہیں ملتی نیز دادا نانا بھی اس سے خارج ہیں کہ وہ مجازاً" والدین ہو سکتے ہیں۔ **حقیقتہ**" نہیں یہ لوگ **والا قربون** میں داخل ہیں۔ یعنی لیں گے یہ وارث اس مال سے جو ان کے ماں باپ یا دوسرے قریب ترین رشتہ داروں نے چھوڑا یا۔ ہم نے ہر قوم کے لئے وارث یعنی ماں باپ اور نزدیک ترین قرابت دار مقرر فرمائے جو میت کے چھوڑے مال سے میراث لیتے ہیں (خازن' کبیر' روح البیان' معانی وغیرہ)۔ **والذین عقدت ایمانکم** حق یہ ہے کہ یہ جملہ علیحدہ **مستقل** ہے اور **الذین** اسم موصول ہے۔ **عقدت ایمانکم** صلہ موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہے اور **فاتوھم** الخ۔ اس کی خبر اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ بعض تفسیروں سے یہ حکم منسوخ ہے اور بعض سے یہ **محکم۔** **الذین** سے مراد یا تو موالی موالات ہے کہ لاوارث شخص کسی اجنبی کو اپنا ولی دوست بنائے اور اس سے کہہ دے کہ میرے بعد میرا سارا مال تیرا ہے۔ یہ مولیٰ اس کا وارث ہو گا۔ کیونکہ اس کا اور کوئی وارث نہیں اسے شریعت میں مولیٰ موالات کہتے ہیں۔ عقدت' عقد سے بنا' بمعنی اکٹھا کرنا۔ سیٹنا' اصطلاح میں منعقد کرنے کو عقد کہتے ہیں۔ اس کا استعمال بہت وسیع ہے۔ عقد بیع' عقد اجارہ' عقد ہبہ' عقد عہد یعنی معاہدہ کر لینا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ ایمان یمین کی جمع ہے بمعنی پختگی و مضبوطی داہنے ہاتھ کو اس لئے یمین کہتے ہیں کہ وہ بمقابلہ بائیں ہاتھ کے مضبوط ہوتا ہے۔ قسم کو یمین اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے کلام پختہ کیا جاتا ہے۔ یہاں یا تو داہنے ہاتھ کے معنی میں ہے کیونکہ معاہدہ کرتے وقت داہنا ہاتھ ملایا جاتا ہے یا قسم کے معنی میں ہے یعنی وہ لوگ جن سے تمہارا حلف کا عقد بندھ چکا یعنی تم ان سے معاہدہ کر چکے' اپنا مولیٰ موالات مقرر کر چکے۔ **فاتوھم نصیبھم** یہ **الذین** کی خبر ہے چونکہ **الذین** مبتداء میں شرط کے معنی ملحوظ تھے' اس لئے خبر پر ف جزائیہ آئی۔ **اتوا** میں خطاب انہی معاہدہ کرنے والوں سے ہے۔ **ھم** کا مرجع وہی لوگ ہیں جن سے معاہدہ ہوا یعنی مولیٰ موالات' **نصیبھم** سے مراد یہی مال ہے جسے یہ معاہدہ کرنے والا چھوڑ جائے۔ اگرچہ اسے مال دینا بعد کے لوگوں کا کام ہے مگر چونکہ وہ دینا اس معاہدہ کی بقاء پر موقوف ہے لہٰذا دینے کا فاعل اس معاہدہ کرنے والے کو بتایا گیا یا یہ مطلب ہے کہ اس معاہدہ کے بعد تم اس معاہد کو محروم کرنے کی کوشش نہ کرو' انہیں لے لینے دو۔ یعنی جن لوگوں سے تم نے عقد موالات کیا ہے انہیں ان کا حصہ ضرور دو۔ اس تفسیر سے یہ آیت کریمہ محکم ہے منسوخ نہیں۔ جن مفسرین نے اسے منسوخ مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس سے عقد مواخات مراد ہے جو شروع اسلام میں مہاجرین و انصار کے درمیان کیا جاتا تھا جس کی بناء پر مہاجرین و انصاری وارث ہوتے تھے۔ ان کے رشتہ دار وارث نہ ہوتے تھے' وہ کہتے ہیں کہ یہ جملہ اس آیت سے منسوخ ہے **واولوا الارحام بعضھم اولی ببعض**' بعض نے فرمایا کہ اس سے زمانہء جاہلیت کا حلف مراد ہے کہ ایک شخص کسی سے کہتا تھا کہ میرا خون تیرا خون' میری جان تیری جان' میرا مال تیرا مال' تو میری دیت دیدے میں تیری' تو میرا وارث میں تیرا۔ پھر بعد موت اس حلیف کو ترکہ کا چھٹا حصہ ملتا تھا۔ یہ حکم اس حدیث سے منسوخ ہے۔ لاحلف فی السلام یا آیات میراث سے منسوخ غرضیکہ اس جملہ کی چھ تفسیریں ہیں جن میں سے تین تفسیریں ہم نے عرض کر دیں۔ پہلی تفسیر نہایت قوی ہے اور آیت غیر منسوخ ہے۔ **ان اللہ کان علی کل شیء شھیدا**"۔ میراث و موالات کے حکم کو اس عبارت پر ختم فرمایا تاکہ لوگ اس کے جاری کرنے میں کوتاہی نہ کریں یہاں کل

www.alahazratnetwork.org

شیء ء سے مراد ہر موجود چیز ہے۔ شہید یا شہود بمعنی حاضری سے بنا یا شہادت بمعنی گواہی سے یا مشاہدہ سے یعنی اللہ ہر چیز پر حاضر ہے یا ہر چیز پر گواہ ہے یا ہر چیز دیکھ رہا ہے۔ اگر تم نے تقسیم میراث وغیرہ میں ناجائز حرکت کی تو ہم دیکھ رہے ہیں تم کو سخت سزا دیں گے۔ چونکہ تقسیم میراث سے اصل حقوق کے حقوق وابستہ ہیں اس لئے اس طریقہ سے دھمکایا گیا۔

خلاصہء تفسیر : اس آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ اشارۃ" تفسیر میں عرض کیا گیا ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! ہم نے ہر شخص یا ہر قوم یا ہر مال کے لئے وارث مقرر کئے ہیں جو اپنے ماں باپ اور دیگر قریبی رشتہ داروں کے چھوڑے ہوئے مال سے میراث لیں گے۔ اور اے مسلمانو! تم میں سے جو غیر معلوم النسب لاوارث کسی سے حلفیہ عقد موالات باندھ لے اور اس سے کہہ دے کہ میرے بعد میرے مال کا تو وارث ہے تو لازم ہے کہ حسب وعدہ اس کا حصہ اسے ضرور دیدے یا اس طرح کہ اس کے بعد مسلمان اسے اس میت کا متروکہ مال دے دیں یا اس طرح کہ یہ خود کسی صورت سے اسے محروم کرنے کی کوشش نہ کرے اپنے عہد پر قائم رہے۔ خیال رکھو تقسیم میراث کا مسئلہ نہایت ہی نازک و اہم ہے جس سے بہت سے حقوق العباد وابستہ ہیں۔ اس میں کسی قسم کی گڑبڑ نہ کرنا۔ یاد رکھو کہ ہم ہر چیز کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ تمہارے تمام حالات خصوصا" تقسیم میراث ہماری نظر میں ہے۔ اگر تم نے اس میں کمی بیشی کی یا کسی کو ناحق محروم کیا تو تم کو سخت سزا دیں گے۔ خیال رہے کہ اسلامی میراث جاری ہونے میں تین شرطیں وارث میں ہونی چاہئیں اور دو شرطیں مال میں اور ایک شرط مورث میں۔ وارث اپنے مورث کا قاتل نہ ہو، غلام نہ ہو، کافر نہ ہو، مال میراث میت کا مملوک بھی ہو اور متروکہ بھی۔ مورث اپنے وارث کا رشتہ دار ہو۔ رشتہ مسرال میں صرف زوجین ہیں اور دودھ کے رشتہ میں کوئی وارث نہیں۔ رشتہ نسب میں بہت تفصیل ہے والدین سب سے مقدم پھر دوسرے رشتہ دار اس آیۃ کریمہ میں ان سب کی طرف اشارہ موجود ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: میراث کے احکام تمام دینوں میں رہے صرف اسلام کی خصوصیت نہیں۔ اگرچہ طریقہ تقسیم میں کچھ فرق ہو جیسا کہ و لکل کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: مسائل میراث قیاس سے ثابت نہیں ہو سکتے اس کے لئے قرآن یا حدیث کا جزئیہ ملنا ضروری ہے۔ جیسا کہ جعلنا سے معلوم ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالی رب ہی کا فرمان ہے۔ تیسرا فائدہ: میت کا سارا متروکہ مال میراث میں تقسیم نہ ہو گا بلکہ اس مال سے پہلے کفن دفن پھر اداء قرض۔ پھر اجراء وصیت ہو گا، پھر تقسیم میراث جیسا کہ مما کے من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: کسی ذی فرض وارث کا حصہ کل مال نہیں ہو سکتا ہے بلکہ بعض مال میں ہو گا۔ یہ بھی مما کے من سے معلوم ہوا۔ بعض صورتوں میں ضرورۃ" رد ہو کر کل مال ایک وارث کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ اس کا حصہ نہیں بلکہ ضرورت پوری کرنے کے لئے ہے۔ پانچواں فائدہ: میراث میں صرف وہ مال تقسیم ہو سکے گا جو میت پس مرگ چھوڑ جائے۔ ہر شخص زندگی میں اپنے مال کا پورا پورا مالک ہے۔ جس طرح چاہے تصرف کرے جیسا کہ ترک سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: میت کے صرف اپنے مملوکہ مقبوضہ متروکہ مال میں میراث جاری ہو گی۔ امانت، قرض، غصب وغیرہ غیر مملوکہ مال میں میراث جاری نہ ہو گی، بلکہ یہ سارا مال اس کے مالک یا اس کے وارثوں کو واپس کیا جائے گا اگر پتہ نہ لگے تو اس کے نام پر صدقہ کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

بھی ترکے سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: ماں باپ اور اولاد یعنی بیٹا بیٹی کبھی مجحوب و محروم نہیں ہو سکتے انہیں ضرور میراث ملے گی جیسا کہ **الوالدان** فرمانے سے معلوم ہوا کہ ان کا ذکر مستقل طور پر علیحدہ فرمایا گیا۔ اگرچہ **الاقربون** میں یہ بھی داخل تھے۔ آٹھواں فائدہ: سوتیلے ماں باپ کو میراث نہیں مل سکتی کیونکہ اس بچہ کے جننے والے نہیں جیسا کہ **الوالدان** سے معلوم ہوا۔ اس لئے یہاں ابوان نہ فرمایا کہ سوتیلے ماں باپ کو بھی اب و ام کہہ دیا جاتا ہے۔ نواں فائدہ: چچا کے ہوتے یتیم پوتا پوتی خالہ کے ہوتے یتیم نواسا نواسی میراث نہیں پا سکتے جیسا کہ **الاقربون** تفضیل کا صیغہ فرمانے سے معلوم ہوا کیونکہ دادا اپنے بیٹے کا قریب تر عزیز ہے مگر پوتے کا بعید عزیز اور اس آیت کی رو سے اقرب یعنی قریب تر کی میراث ملتی ہے نہ کہ بعید عزیز کی۔ اس لئے الوالدان کو خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا اور **والدان** فرمایا امہات یا آباء نہ فرمایا کہ آباء و امہات میں دادیاں نانیاں نانا سب داخل ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **حرمت علیکم امھتکم**۔ دیکھو امہات میں مائیں، دادیاں نانیاں سب داخل ہیں ان سب سے نکاح حرام ہے۔ دسواں فائدہ: مولیٰ موالات جس کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے وہ بھی میراث پا سکتا ہے۔ بشرطیکہ دوسرے عزیز قرابت دار موجود نہ ہوں جیسا کہ **والذین عقدت** الخ سے معلوم ہوا۔ مسئلہ: جس نو مسلم کا کوئی وارث نہ ہو۔ مولیٰ موالات بھی نہ ہو۔ اس کا مال احناف کے ہاں اس کو ملے گا جس کے ہاتھ پر یہ مسلمان ہوا ہو مگر شوافع کے ہاں اس کی بستی والوں میں تقسیم کیا جائے گا (احکام القرآن، تفسیر کبیر)۔ گیارہواں فائدہ: میراث کی تقسیم بہت اہم ہے اس میں بہت احتیاط چاہئے۔ جیسا کہ شہیدا کی تفسیر سے معلوم ہوا نہ غیر مستحق کو دیا جائے نہ مستحق کو چھوڑا جائے۔ بارہواں فائدہ: قرآن مجید کے عام احکام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخل ہونا ضروری نہیں دیکھو لکل **جعلنا** میں میراث کا حکم عام ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے علیحدہ ہیں۔ آپ کی میراث تقسیم نہیں ہوتی۔ آپ کا مولیٰ یعنی وارث کوئی نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ میراث کے احکام صرف قرآن سے ثابت ہونے چاہئیں اس کے لئے حدیث معتبر نہیں۔ دیکھو رب نے فرمایا۔ **و لکل جعلنا موالی** وارث ہم نے خود مقرر فرمائے پھر تم احادیث سے میراث کے حصے کیوں ثابت کرتے ہو (چکڑالوی)۔ جواب: فرمان حدیث فرمان قرآن ہے، احکام رسول، احکام الٰہی ہیں۔ **جعلنا** ان دونوں کو شامل ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اس کی تفصیل ہماری کتاب ایک اسلام میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ چچا کے ہوتے ہوئے یتیم پوتا پوتی بھی وارث ہوں گے کیونکہ **الوالدان** میں ماں باپ، دادا دادی سب داخل ہیں یعنی جو بھی ماں باپ یا دادا دادی چھوڑیں ان کے وارث بیٹے پوتے سب ہیں دیکھو **حرمت علیکم امھاتکم** میں مائیں دادیاں سب داخل ہیں۔ سب ہی سے نکاح حرام ہے (چکڑالوی)۔ جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر نانا نانی بھی والدین میں داخل ہونے چاہئیں اور بیٹے بیٹی کے ہوتے ہوئے یتیم نواسے نواسی کو بھی میراث ملنی چاہئے مگر آپ اس کے قائل نہیں۔ آپ صرف یتیم پوتے پر مہربان ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن کریم میں والدین صرف سگے ماں باپ کو کہا جاتا ہے۔ جس میں نہ سوتیلے ماں باپ داخل ہوتے ہیں نہ دادا دادی نہ نانا نانی۔ رب فرماتا ہے۔ **والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین**۔ مائیں اپنی اولاد کو کامل دو سال

www.alahazratnetwork.org

دودھ پلائیں۔ یہ دودھ پلانا نہ سوتیلے ماں باپ کے ذمہ ہے نہ دادی نانی کے ذمہ۔ مگر لفظ اب و ام میں یہ تمام داخل ہوتے ہیں بلکہ ان لفظوں میں دودھ کی ماں۔ نبی پاک کی ازواج تک داخل ہو جاتی ہیں۔ فرماتا ہے۔ **امهاتكم التي ارضعنكم** دیکھو یہاں دودھ والی کو بھی ماں فرمایا گیا اور فرماتا ہے۔ **و ازواجه امهاتهم** یہاں حضور کی ازواج کو مسلمانوں کی مائیں فرمایا گیا۔ فرماتا ہے **حرمت عليكم امهتكم** یہاں ماں، دادی، نانی سب کو امہات فرمایا یہ اب اور والد میں فرق ہے۔ یہاں چونکہ والدان فرمایا گیا ہے لہٰذا اس میں صرف سگے ماں باپ داخل ہیں۔ دادا، نانا اقربون میں داخل کئے گئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کی میراث بھی تقسیم ہونی چاہئے۔ پھر فاطمہ زہرا کو حضور کی میراث کیوں نہ ملی دیکھو ارشاد ہوا۔ **و لكل جعلنا موالي۔** ہم نے ہر ایک کے لئے وارث مقرر کئے، ہر ایک میں نبی بھی شامل ہیں۔ (شیعہ)۔ **جواب:** اس کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ جناب علی مرتضیٰ پر ہے کہ ان سرکار نے نہ تو ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما پر اس مسئلہ میں اعتراض کیا نہ اپنے زمانہ خلافت میں حضور کی میراث تقسیم کی کیا ان کے سامنے یہ آیت نہ تھی؟ کیا آپ قرآن مجید کو ان سے زیادہ سمجھتے ہیں۔ نیز باغ فدک وغیرہ پر تو پیچھے سوال ہوگا۔ پہلا سوال یہ ہوگا کہ پھر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ناجائز ہو گیا کیونکہ پھر تو حضور کے متروکہ مکان آپ کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ زہرا ازواج پاک و حضرت عباس وغیرہ کے مملوک تھے۔ ان مملوکہ مکانوں میں حضور کو دفن کر کے انہیں موقوفہ کیوں کر دیا گیا اور جناب علی یہ سب کچھ دیکھتے رہے کفن دفن میں شریک رہے مگر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ قرآن مجید کے احکام میں خصوصیات ضرور ہوتی ہیں۔ دیکھو نماز کے حکم سے بچے دیوانہ ناپاک عورت خارج ہیں۔ زکوٰۃ کے حکم سے غرباء مساکین خارج ہیں جمعہ کے حکم سے بیمار اور دیہاتی لوگ خارج ہیں۔ ایسے ہی میراث کے حکم سے حضرات انبیاء کرام بحکم قرآن و حدیث خارج ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا کیا۔ مگر حضرت آدم و عیسیٰ علیہما السلام اس قاعدے سے علیحدہ ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کا مال میراث میں نہیں تقسیم ہوتا ان کے اعمال و کمال تقسیم ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و ورث سليمن داود و قال يايها الناس علمنا منطق الطير۔** دیکھو حضرت سلیمان کو جناب داؤد علیہ السلام کی میراث علم ملا۔ ورنہ آپ کے گیارہ بیٹے اور بھی تھے ان کا ذکر کیوں نہ ہوا اگر میراث مال تقسیم ہوتی تو بارہ بیٹوں کو برابر ملتی۔

تفسیر صوفیانہ : عوام کا مال میراث میں تقسیم ہوتا ہے۔ خواص کے اعمال مقربین کے کمال تقسیم ہوتے ہیں۔ محبوبین کے احوال، مال کی میراث جسمانی رشتہ سے ملتی ہے مگر اعمال و کمال و احوال کی میراث روحانی و جنانی رشتہ سے ملتی ہے۔ ماں باپ تو جسمانی والدین ہیں اور حضرات اولیاء و انبیاء روحانی والدین۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے ہر مال و اعمال کمال و احوال والوں کے لئے ان کے وارثین پیدا فرما دیئے ہیں جو اپنے جسمانی، روحانی، جنانی آباء و اجداد و اقارب کے چھوڑتے ہوئے مال و کمال و احوال سے حصہ لیتے ہیں۔ اے حضرات اولیاء تم اپنے کمالات صرف روحانی اولاد اپنے مریدوں ہی کو نہ دو۔ بلکہ جن غیر مریدوں سے تم نے عقد موالات جوڑا ہے۔ انہیں بھی اپنے کمال سے کچھ حصہ دے دو کہ تم اللہ کی رحمتوں کے خزانہ ہو۔ تمہارے ہاں اللہ کی رحمتوں کے ڈپو کھلے ہوئے ہیں تم سے کوئی محروم نہ جائے۔ غنی کے مال میں بھکاریوں، فقیروں کا حصہ ہے۔ تمہارے کمال و

www.alahazratnetwork.org

احوال میں بھی قریبی بعیدی لوگوں کا حصہ چاہیے۔ اسی لئے بزرگان دین اپنی قبر کے زائرین کو محروم نہیں لوٹاتے انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے ہی دیتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا۔

ہم سے فقیر بھی اب پھیری کو اٹھتے ہوں گے — اب تو غنی کے در پر بستر جما دیئے ہیں

حضرت مولانا روم فرماتے ہیں۔

عارفانکہ جام حق نوشیدہ اند — رازہا دانستہ و پوشیدہ اند
ہر کرا اسرار کار آموختند — مہر کردند و دہانش دوختند
ہر لبش قفل است در دل رازہا — لب خموش و دل پر از آوازہا
گوش آں کش نوشد اسرار جلال — کوچو سوسن صد زباں افتد لال
تا نگوئی سر سلطاں راز کس — تا نریزی قند را پیش مگس
درخور دریا نہ شد جز مرغ آب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب

غرضیکہ مورثین بھی مختلف ہیں، وارثین بھی مختلف، اگر وارثین کمال بنتا ہے تو محبوبین سے رشتہ غلامی جوڑو۔ یہ لوگ کہتے نہیں دیتے ہیں۔ وارثت مال قرابت سے ملتی ہے اور وراثت کمال قرب سے، قرابت جسمانی رشتہ کا نام ہے اور قرب رشتہ روحانی ہے، قرابت تو موت سے ختم ہوجاتی ہے مگر قرب موت سے ختم نہیں ہوتا۔ قرب جانوروں، پتھروں، لکڑیوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ اصحاب کہف کا کتا قرب اولیاء سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔ اچھوں سے قرب پیدا کرو۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَی النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ وَّبِمَآ

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے اس لئے کہ بزرگی دی اللہ نے ان کے بعض کو اوپر بعض کے اور اس لئے کہ

مرد افسر ہیں عورتوں پر اس لئے کہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لئے

اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَیْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

خرچ کیا مردوں نے اپنے مالوں سے تو نیک بیبیاں اطاعت والی حفاظت کرنے والی ہیں غیب میں اس لئے

کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کئے تو نیک بخت ادب والیاں ہیں خاوند کے پیچھے حفاظت رکھتی ہیں

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْ

کہ حفاظت کی اللہ نے اور وہ بیبیاں کہ خوف کرتے ہو تم ان کی نافرمانی کا تو نصیحت کرو انہیں اور چھوڑ دو انہیں خوابگاہوں

جس طرح اللہ نے حفاظت کا حکم دیا جن عورتوں کی نافرمانی کا تمہیں اندیشہ ہو تو انہیں سمجھاؤ ان سے الگ سوؤ اور

هُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَیْهِنَّ سَبِیْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیًّا كَبِیْرًا ۝

میں اور مارو انہیں پس اگر اطاعت کرلیں وہ تمہاری تو نہ تلاش کرو ان پر راستہ بیشک اللہ ہے بڑائی بلندی والا

انہیں مارو پھر اگر وہ تمہارے حکم میں آجائیں تو ان پر زیادتی نہ کرو بے شک اللہ بڑا بلند ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے بعض بندوں کو بعض پر بزرگی دی ہے۔ اب اس بزرگی کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر بزرگی دی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے بندو! تم دوسروں کی بزرگی دیکھ کر حسد نہ کرو' اب اس آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ جس کو رب نے بزرگی دی اس میں کوئی حکمت ہے لہذا نہ حسد کرو۔ نہ رب تعالیٰ پر اعتراض کرو۔ دیکھو ہم نے مردوں کو عورتوں سے افضل کیا تو اس کی وجوہ یہ ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے ہر قوم' ہر شخص کے وارث مقرر فرمائے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ وارث یکساں نہیں۔ بعض' بعض سے افضل اور زیادہ میراث کے مستحق ہیں' دیکھو عموماً" مرد عورت سے زیادہ میراث پاتا ہے۔

شان نزول : سعد ابن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ایک بار ان کی بیوی حبیبہ بنت زید ابن زہیر نے کچھ ان کی نافرمانی کی۔ انہوں نے ناراض ہو کر ایک طمانچہ مار دیا۔ حبیبہ کے والد زید ابن زہیر اپنی ان بیٹی کو لے کر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور شکایت کی کہ میں نے اپنی محبوبہ بچی سعد کے نکاح میں دی۔ انہوں نے اس کے طمانچہ مارا ہے۔ قصاص دلوایا جائے۔ حضور نے قصاص لینے کی اجازت دیدی کہ حبیبہ بھی اپنے خاوند کو تھپڑ کے بدلہ تھپڑ مار لیں۔ یہ اس ارادے سے چلیں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور نے انہیں واپس بلا کر یہ آیت سنائی اور فرمایا کہ بیوی خاوند سے تھپڑ وغیرہ کا قصاص نہیں لے سکتی۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم نے کچھ چاہا تھا رب تعالیٰ نے کچھ اور چاہا اللہ تعالیٰ کا چاہا ہمارے چاہے سے افضل ہے۔ (تفسیر خازن' بیضاوی' روح البیان' معانی تفسیر کبیر وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ سعد کی بیوی محمد ابن مسلمہ کی بیٹی تھیں۔ بعض روایات میں ہے کہ آیت کریمہ جمیلہ بنت عبداللہ ابن ابی کے متعلق نازل ہوئی جو ثابت ابن قیس کی بیٹی تھیں۔ مگر ان روایات میں کچھ تعارض نہیں یہ واقعات بیک وقت ہوئے ہوں گے۔ ان پر آیت کریمہ نازل ہوئی لہذا تمام روایات درست ہیں۔

تفسیر : **الرجال قومون علی النساء** خیال رہے کہ **الرجال** اور **النساء** میں الف لام جنسی ہے نہ کہ استغراقی رجال رجل کی جمع ہے۔ بمعنی مرد اگرچہ قرآن مجید میں جنات مردوں کو بھی رجال فرمایا گیا ہے۔ **کانوا یعوذون برجال من الجن**۔ مگر مطلق رجال انسان مردوں کو کہا جاتا ہے جنات مردوں کے لئے ساتھ میں۔ **من الجن** فرمایا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **الا رجالا" نوحی الیھم** حالانکہ نبی ہمیشہ مرد انسان ہوئے کوئی جن میں نہیں ہوا۔ لہذا ظاہر یہ ہے کہ یہاں انسان مرد مراد ہیں۔ خیال رہے کہ ذکر و انثی یعنی نر مادہ ہر چیز میں ہیں حتیٰ کہ جانوروں' درختوں اور پتھروں میں بھی رب فرماتا ہے۔ **و من کل شیء خلقنا زوجین** مگر رجل و امراۃ یعنی مرد و عورت صرف جن و انس میں ہیں۔ رجل یعنی مرد امرء یعنی عورت سے افضل ہے۔ مگر ہر ذکر یعنی نر اپنی مادہ سے افضل نہیں۔ بعض جانوروں میں مادہ نر سے افضل ہے جیسے اونٹنی اور بھینس اونٹ اور بھینسے سے افضل ہے۔ اس لئے یہاں **الرجال** ارشاد ہوا۔ **قومون** قوام کی جمع ہے۔ اور قیام قوام کا مبالغہ ہے۔ قیام بمعنی انتظام یا روزی مہیا کرنا اس لئے منتظم اور سردار کو قیم کہا جاتا ہے۔ یعنی قوم کے کاموں کا منتظم۔ النساء یا تو امراۃ کی جمع ہے خلاف قیاس اور یا اس کا کوئی واحد ہے ہی نہیں۔ یعنی مرد عورتوں کے منتظم امور محافظ' افسر یا حاکم ہیں۔ ضروری ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

الرجال سے مراد خاوند ہوں اور النساء سے مراد بیویاں۔ کیونکہ خاوند ہی اپنی بیویوں کے حاکم ہوتے ہیں نہ کہ بیٹے ماؤں کے' نہ بھائی اپنی بہنوں کے' نہ اجنبی لوگ اجنبی عورتوں کے۔ اگلے مضمون سے یہی معلوم ہو رہا ہے' **بما فضل الله بعضهم على بعض** رب نے خاوندوں کی سرداری کی دو وجہ بیان فرمائیں۔ ایک وہبی وعطائی' دوسری کسبی۔ عطائی وجہ کا ذکر اس عبارت میں ہے۔ کسبی وجہ کا ذکر اگلی عبارت میں۔ لہذا ب سببیہ ہے اور جار مجرور قوامون کے متعلق چونکہ وہبی وعطائی فضیلت کسبی فضیلت سے اعلیٰ۔ نیز وہبی فضیلت تمام خاوندوں کو حاصل ہے مگر کسبی فضیلت بعض خاوندوں کو حاصل نہیں ہوتی۔ جیسے لونڈی' بیوی کا خرچہ و مہر غلام خاوند کے مولیٰ کے ذمہ ہوتا ہے۔ بعض سسر گھر داماد رکھ کر سارا خرچہ زوجین کا خود اٹھاتے ہیں۔ جیسے حضرت شعیب علیہ السلام۔ ان وجوہ سے وہبی فضیلت کا ذکر پہلے فرمایا۔ ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ فضل تفضیل سے بنا بمعنی زیادتی' و بنا بزرگی' و بنا بمعنی زیادتی سے مراد زیادتی درجات ہیں۔ **بعضهم** کی ضمیر کا مرجع مرد و عورتیں دونوں ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہو چکا' چونکہ مرد اشرف ہیں اس لئے تغلیبا" مذکر ضمیر لائی گئی۔ بعضھم سے مراد مرد ہیں اور علی بعض سے مراد عورتیں یعنی مردوں کی سرداری کی پہلی وجہ تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے قدرتی طور پر مردوں کو عورتوں پر بزرگی بخشی کہ خاوند کو بیوی کا حاکم سردار بنایا چنانچہ امامت صغریٰ نماز کی امامت امامۃ الکبریٰ خلافت اذان خطبہ' جمعہ' تکبیرات' تشریق نبوت' قضا' جہاد کمال عقل کمال دین مردوں کو بخشے۔ مرد کو طلاق کا حق دیا۔ مرد کی میراث عموماً" عورتوں سے دوگنا رکھی۔ مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی۔ بشرطیکہ عدل رکھیں۔ بچہ کا نسب مرد سے جاری فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ داڑھی' عمامہ' اچکن وغیرہ مردوں کے لئے زینت قرار دیا۔ یہ وہ بزرگیاں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔ فضل' ماضی فرمانے سے معلوم ہوا کہ مردوں کو عورتوں پر بزرگی ازل میں دی جا چکی ہے۔ یہ تفضیل کا مطلق قانون آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے بن چکا ہے اور فضل باب تفعیل نے بتایا کہ مردوں کو عورتوں پر بہت قسم کی صدہا بزرگیاں عطا ہوئی ہیں۔ **و بما انفقوا من اموالهم** یہ مردوں کی افضلیت کی دوسری وجہ ہے جو کسبی ہے۔ اور یہ عبارت **بما فضل الله** پر معطوف ہے۔ **انفقوا** انفاق سے بنا جس کا مادہ نفقہ بمعنی خرچہ ہے۔ اس خرچہ سے مراد یا مہر ہے جو مرد کے ذمہ ہوتا ہے۔ یا بیوی کا روٹی' کپڑا اور دیگر ضروریات جو مرد کے ذمہ ہیں اس لئے اموال جمع فرمایا گیا" کیونکہ مرد عورت کو ہر قسم کا مال دیتا ہے۔ کھانا' کپڑا' مکان بلکہ بیماری میں دوا نیز بعد موت کفن دفن مرد ہی کرتا ہے۔ یعنی مرد بیوی کے اس لئے بھی افضل کہ یہ اپنے مال عورتوں پر خرچ کرتے ہیں۔ انفقوا ماضی دوام و استمرار کے لئے ہے کیونکہ مرد ہمیشہ خرچ کرتا ہی رہتا ہے۔ **فالصلحت قنتت حفظت للغيب** مردوں کی دو وجہ افضیلت بیان فرما کر ارشاد ہوا کہ بیویاں دو قسم کی ہیں صالحات اور ناشزات چونکہ صالحہ بیوی ناشزہ نافرمان بیوی سے افضل ہے' اس لئے پہلے اس کا ذکر فرمایا اس میں ف تفصیل کی ہے صالحات سے مراد یا نیک کار بیویاں ہیں یا نیک بخت بیویاں' نیک کار و نیک بخت عورتیں بہت سی قسم و مختلف درجہ والی ہیں اس کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ قانتات قنوت سے بنا بمعنی اطاعت' رب فرماتا ہے **و قوموا لله قانتين** اور فرماتا ہے **يمريم اقنتي لربك** یہاں ظاہر یہ ہے کہ قنوت سے مراد اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **صالحات** میں اللہ کی اطاعت کا ذکر ہے اور قانتات میں خاوند کی اطاعت کا تذکرہ ہے خاوند کی موجودگی میں اور حافظات سے خاوند کی غیر موجودگی میں اطاعت کا ذکر ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے (از تفسیر کبیر) اور ممکن ہے کہ صالحات صلاحیت سے بنا ہو

بمعنی لیاقت و قابلیت یعنی مسلمان صالحین کے گھروں میں رہنے ان کے نکاح میں آنے کے لائق وہ بیویاں ہیں جو خاوند کی مطیع وغیرہ ہوں۔ **حفظت للغیب** میں **حافظات** کا مفعول پوشیدہ ہے اپنی عصمت یا خاوند کا مال اس کی عزت اس کی اولاد وغیرہ للغیب میں لام یا تعدیہ کا ہے یا بمعنی فی یا بمعنی **حافظات** کا مفعول ہے یعنی نیک بخت بیویاں وہ ہیں جو خاوند کی اطاعت کریں اور اس کے پس پشت اپنی پاکدامنی یا خاوند کے مال اولاد و عہد وغیرہ کی حفاظت کریں یا خاوند کے چھپے اسرار کی حفاظت کریں (تفسیر کبیر و معانی و خازن)۔ **بما حفظ الله** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت **حافظات** کے متعلق ہے ما یا موصولہ ہے یا مصدریہ حفظ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اس کے شکریہ میں وہ عورتیں یہ نیکیاں کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یا ان کے حقوق کی بہت حفاظت فرمائی کہ ان پر پردہ فرض فرما کر انہیں ناجائز نگاہوں سے بچالیا ان کا مہر' خرچہ' خاوند کے ذمہ مقرر فرما کر انہیں کمانے کی مشقت سے بچالیا ان کے بہت سے حقوق خاوندوں کے ذمہ کر دیئے یا انہیں عصمت کی توفیق دے کر ان کی حفاظت فرمادی یا اس طرح خاوند کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں جیسے رب تعالیٰ نے انہیں حکم دیا' آخری توجیہ کی طرف حضرت مترجم قدس سرہ کا ترجمہ مشیر ہے۔ یہاں تک تو فرمانبردار نیک بخت بیویوں کا ذکر ہوا اب نافرمان بیوی کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔ **والتی تخافون نشوزھن۔** **تخافون** میں خطاب خاوندوں سے ہے جیسے کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ **نشوز** کے معنی ہیں اٹھنا۔ رب فرماتا ہے۔ **واذا قیل انشزوا فانشزوا** زوجہ کی نافرمانی کو نشوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ مرد کے خلاف اٹھ کھڑی ہوتی ہے یا نشز کے معنی ہیں بلند جگہ زوجہ کی نافرمانی کو نشوز اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے کو خاوند کی برابر اونچا سمجھنے لگتی ہے۔ اس لئے اس کی اطاعت نہیں کرتی۔ مقابلہ کرتی ہے۔ یعنی اے خاوندو جب تمہیں علامات سے پتہ لگے کہ بیوی نافرمان ہوتی جا رہی ہے تو **فعظوھن واھجروھن فی المضاجع واضربوھن۔** ف جزائیہ ہے عظوا وعظ سے بنا بمعنی نصیحت کرنا اہجرا وہجر سے بنا بمعنی چھوڑنا مضاجع جمع ہے مضجع کی بمعنی خوابگاہ بستر چارپائی وغیرہ۔ ضرب یعنی مار میں قید یہ ہے کہ سخت تکلیف دہ مار نہ مارے بعض نے فرمایا رومال کا کوڑا بنا کر مارے۔ بعض نے کہا مسواک سے مارے' بعض نے فرمایا کہ چھڑی سے مارے مگر تین سے زیادہ نہ مارے منہ پر چھڑی نہ مارے اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ مارنے میں جلدی نہ کرے پہلے نصیحت کرے۔ جب اس سے کام نہ چلے تو اسے گھر سے نہ نکالے بلکہ گھر ہی میں رکھ کر اس کا بائیکاٹ کر دے۔ بول چال بند کر دے۔ اگر اس پر بھی درست نہ ہو تو آخری حربہ مارے۔ بعض نے فرمایا کہ تھوڑے قصور پر نصیحت کرو' بڑے قصور پر ترک کلام اور بالکل نافرمانی پر سزا مگر یہ سزا اصلاح کے لئے ہو نہ کہ عداوت کی بنا پر۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے جہاں ایذاء کی مار کا حکم دیا ہے وہاں مارنے کے آلہ اور مارنے کی حد بتادی ہے کہ کنوارے زانی کو سو کوڑے مارو' یا عفیفہ عورت کو زنا کی تہمت لگانے پر اسی کوڑے مارو۔ اور اصلاح کی مار کی اجازت دی ہے وہاں یہ دونوں چیزیں نہ بتائیں کہ کس چیز سے مارو اور کتنا مارو یہاں ان بیویوں کو مارنے کا حکم نہیں بلکہ اجازت ہے اور مار بھی ایذا کی نہیں اصلاح کی ہے' اس لئے کوڑے وغیرہ کا ذکر نہیں' تعداد مقرر نہیں۔ **فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیلا** " ف تعقیبیہ ہے **لا تبغوا** بغی یعنی سے بنا بمعنی ڈھونڈھنا تلاش کرنا چاہنا' سبیل سے مراد ہے مار پیٹ کا بہانہ یعنی اگر ان مذکورہ تین علاجوں میں سے کسی ذریعہ وہ نافرمانی چھوڑ دیں' اطاعت کرلیں تو خواہ مخواہ ان پر ظلم کرنے کے بہانے نہ ڈھونڈھو بلکہ ان کے حقوق ادا کرو۔ **ان الله کان علیا " کبیرا** " ۔ یہ جملہ خاوندوں کو

www.alahazratnetwork.org

سمجھانے کے لئے ہے۔ علی علو سے بنا بمعنی بلندی مراتب۔ کبیر کبر سے بنا بمعنی بڑائی درجات یا کبیر علیا کی صفت ہے۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ کے ہزار ہا گناہ کرتے ہو رب تعالیٰ تم پر قادر بھی ہے تمہارے عیوب سے خبردار بھی مگر پھر بھی وہ تم پر کرم نوازی فرماتا ہے۔ تمہارے عیب چھپاتا ہے۔ تو تم بھی اپنی خطاکار بیویوں کو معافی دو۔

خلاصہ ء تفسیر : مرد یا خاوند عورتوں یا بیویوں کے افسر حاکم مقرر کئے گئے ہیں بیویاں ان کی ماتحت اس کی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بزرگی دی ہے کہ نبوت خلافت قضاء حدود میں گواہی' جہاد وغیرہ مردوں کو ہی بخشے انہیں کامل عقل' کامل دین بنایا' عورتوں کی عقل' ناقص رکھی' دین بھی کہ مالی معاملات میں دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر قرار دی' عورتیں بحالت حیض و نفاس نماز' تلاوت قرآن' روزے وغیرہ سے محروم' مرد یہ کام ہمیشہ کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردوں نے عورتوں پر مال خرچ کئے ہیں کہ عورت کا مہر' خرچہ' کفن' دفن' خاوند کے ذمہ ہے۔ مرد کا مہر خرچہ وغیرہ عورت کے ذمہ نہیں' اور قاعدہ ہے کہ خرچ دینے والا خرچ لینے والا کا حاکم ہوتا ہے' پس نیک کار نیک بخت بیویاں اپنے رب کی مطیع ہوتی ہیں خاوند کی پس پشت حفاظت کرتی ہیں کہ اپنی عصمت خاوند کا مال اولاد وغیرہ ضائع نہیں کرتیں۔ کیونکہ وہ سمجھتی ہیں کہ رب تعالیٰ نے ہر طرح ان کی حفاظت فرمائی ان پر پردہ فرض فرما کر ان کی عزت و عصمت محفوظ کر دی خاوند کے ذمہ ان کا خرچہ وغیرہ مقرر فرما کر انہیں دربدر پھرنے سے بچالیا کہ کمائیں مرد کھائیں اور خرچ کریں عورتیں۔ ان کے متعلق خاوندوں کو بہت ہدایتیں فرما دیں اس شکریہ میں ہماری اطاعت خاوندوں کی فرمانبرداری کرتی ہیں۔ جن بیویوں کی نافرمانی کا تم کو خطرہ ہو تو فوراً" طلاق کا ارادہ نہ کرلو' بلکہ اولاً" انہیں سمجھاؤ اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں گھر میں رکھتے ہوئے ان سے کلام سلام' پیار محبت وغیرہ چھوڑ دو' اس پر بھی باز نہ آئیں تو انہیں اصلاح کی غرض سے معمولی مار مارو مگر اطاعت کر لینے پر ان پر سختی کے لئے بہانے نہ تلاش کرو' بلکہ محبت و پیار سے برتاوے کرو یہ جان لو کہ تم عورتوں کے حاکم ہو' اللہ تعالیٰ تمہارا حاکم تم پر قابو رکھنے والا ہے۔ جب وہ تمہاری خطائیں بخشتا ہے تو تم بھی اپنی ماتحتوں کے جرم بخشو۔ خیال رہے کسبی نعمت سے عطائی نعمت بہت افضل ہے۔ کنوئیں' نہر' دریا کے پانی سے بارش کا پانی بہت مفید۔ چراغ و بجلی سے سورج اعلیٰ ہے۔ فرشتے ساجد بنے اور حضرت آدم مسجود' حالانکہ فرشتے اس وقت لاکھوں سال کے عابد تھے۔ اور حضرت آدم نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا' ہم ہزار سال عبادت کرکے اس صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے جو ایک نظر حضور کو دیکھ کر فوت ہو گئے۔ شیطان عطائی و کسبی فضیلت کا فرق نہ کرنے کی وجہ سے مردود ہوا۔ وہ یہی کہتا رہا کہ میں ان سے افضل ہوں کہ لاکھوں سال کا عابد ہوں۔ اس لئے **بما فضل اللہ** پہلے ارشاد ہوا' جو عطائی بزرگی ہے۔ اور **بما انفقوا** بعد میں فرمایا گیا جو کسبی فضیلت ہے۔ آج جو لوگ اپنے اعمال ظاہری پر نازاں ہو کر حضرات انبیاء سے ہمسری کا دعویٰ کرتے ہیں۔ ان کی مت ماری گئی ہے۔ اس حماقت سے شیطان لعنتی ہوا تھا۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خاوند حاکم ہے' بیوی اس کی ماتحت' خاوند گھر کا بادشاہ ہے' بیوی اس کی وزیر۔ جیسا کہ **الرجال قوامون** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جو عورت و مرد کو برابر کہے یا عورت کو مرد سے افضل مانے وہ قرآن کا مقابلہ کرتا ہے آج یورپین اقوام نے عورت و مرد میں برابری کی ہے مگر انہیں جو مصیبتیں بھگتنا پڑ رہی ہیں۔ اسے خود ہی لکھتے ہیں کہ سال میں لاکھوں طلاقیں ہوتی ہیں۔ بات بات پر طلاق' گھر صحیح معنی میں آباد نہیں۔ ملک میں دو برابر کے حاکم نہ

www.alahazratnetwork.org

چاہئیں' آسمان پر سورج ایک' درخت کی جڑ ایک' انسان کا دل' ایک۔ تو چاہئے کہ گھر کا حاکم اعلیٰ بھی ایک ہی ہو۔ دوسرا فائدہ: خاوند بیوی کی مار کا قصاص نہیں' بیوی بدلہ میں اسے سزا نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ آیت کریمہ کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ اگر بڑا غلطی سے بھی چھوٹے کو سزا دیدے تب بھی چھوٹا بدلہ نہیں لے سکتا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون سے درجہ میں بڑے تھے آپ نے غلطی سے حضرت ہارون کی ڈاڑھی پکڑ کر اپنی طرف کھینچا بعد میں اپنی غلطی کا اقرار کیا۔ مگر بدلہ نہ دلوایا گیا۔ دیکھو قرآن مجید۔ تیسرا فائدہ: بیوی پر خاوند کا حق بہت ہی زیادہ ہے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اپنے حق کے ساتھ خاوند کے حق کا ذکر فرمایا کہ فرمایا **قنتت حافظات للغیب**' لہذا نیک بی بی وہ ہے جو اللہ کی عبادت کرے' خاوند کی اطاعت بھی۔ چوتھا فائدہ: بیوی کا خرچہ خاوند کے ذمہ ہے جیسا کہ **بما انفقوا** سے معلوم ہوا۔ اب عورتوں سے نوکری کرا کر خود کھانا یا بیویوں کو ان کے خرچہ کا خود انہیں ذمہ دار بنانا فطرت کے بھی خلاف ہے۔ قانون اسلامی کے بھی مخالف آج کل یہ وباعت پھیلی ہوئی ہے اس لئے عورتوں کو بی اے وغیرہ بنایا جاتا ہے کہ کل بعد شادی خود نوکری کریں اور کھائیں۔ مشہور ہے کہ عورت کی کمائی میں برکت نہیں' مرد کے خرچ کرنے میں رحمت نہیں' مرد کمانے کے لئے ہے عورت خرچ کرنے کے لئے۔ پانچواں فائدہ: خرچ دینے والا' خرچ لینے والے سے افضل ہوتا ہے' یہ بھی **بما انفقوا** سے معلوم ہوا۔ نوکر سے آقا افضل ہے کیونکہ وہ اس سے تنخواہ لیتا ہے' آج جو لوگ عورت و مرد کی برابری کے قائل ہیں انہیں چاہئے کہ وہ بیویوں سے بھی خاوندوں کو مہر دلوایا کریں۔ لطیفہ: حضرت امام شافعی وغیرہ فرماتے ہیں کہ خاوند کی طرف سے خرچ نہ مل سکنے پر حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ وہ **بما انفقوا** سے یہ مسئلہ ثابت کرتے ہیں کیونکہ جب خاوند نے خرچ نہ دیا تو وہ عورت پر قوام نہ رہا اس لئے طلاق کا مالک بھی نہ رہا (تفسیر روح المعانی) مگر یہ استدلال بہت ہی کمزور ہے۔ کیونکہ مہر نہ دینے پر ان کے ہاں بھی نکاح فسخ نہیں ہو سکتا حالانکہ مہر و نفقہ دونوں ہی خاوند پر لازم ہیں۔ امام اعظم کے ہاں خرچ نہ ملنے پر فسخ نکاح نہیں ہو سکتا۔ خیال رہے کہ بیوی کو خرچہ نہ ملنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ خاوند خرچہ نہ دے سکے۔ غریبی یا غائب ہونے کی وجہ سے' دوسرے یہ کہ دے سکتا ہو مگر نہ دے۔ ظلماً اسے فقہ میں تعنت فی النفقہ کہتے ہیں۔ امام مالک کے ہاں متعنت کی زوجہ بھی حاکم سے فسخ نکاح کرا سکتی ہے آج کل ہمارے علماء احناف بھی ضرورت کے وقت متعنت فی النفقہ کی عورت کو فسخ نکاح کا حق دے دیتے ہیں۔ دیکھو کتاب الحیلۃ الناجزہ مصنفہ مولانا اشرف علی تھانوی و کتاب مجموعہ فتاویٰ مصنفہ مولانا عبدالحفیظ صاحب مفتی آگرہ۔ مسئلہ: بعض ائمہ کے نزدیک خاوند بیوی کو مجبور التصرف کر سکتا ہے۔ اس طرح کہ عورت بغیر خاوند کی اجازت کوئی مالی معاملہ بیع شراء وغیرہ اپنے مال میں بھی نہ کر سکے وہ یہ مسئلہ بھی **بما انفقوا** سے ثابت کرتے ہیں (روح المعانی)۔ چھٹا فائدہ: عورتوں پر اجنبی مردوں سے پردہ کرنا ضروری ہے جیسا کہ **بما حفظ اللہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: عورت کو بلا مجبوری گھر سے نکلنا ممنوع ہے جیسا کہ **بما حفظ اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و قرن فی بیوتکن** اے بیویو! اپنے گھروں میں رہا کرو۔ آٹھواں فائدہ: عورتوں کے حقوق کا ادا کرنا اسلام کا اہم ترین فریضہ ہے جس کی پرسش رب تعالیٰ ضرور فرمائے گا۔ جیسا کہ **بما حفظ اللہ** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: نافرمان عورت کو طلاق دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ حتی الامکان اس کی سخت مزاجی پر صبر کرے کہ اس پر بڑا اجر ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ

www.alahazratnetwork.org

عورت کی پیدائش پسلی کے ٹیڑھے حصے سے ہے۔ یہ ٹیڑھی ہی رہے گی سیدھی نہ ہو سکے گی۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ان کی اصلاح کی تین صورتیں بیان فرمائیں "نصیحت کرنا' بائیکاٹ کرنا' مارنا مگر طلاق کا حکم نہ دیا۔ حتی الامکان بیوی سے نباہ کرنا چاہیے۔ دسواں فائدہ: بائیکاٹ یعنی کلام سلام بند کرنا بہترین اصلاح ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعب ابن مالک وغیرھم کے مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا جو پچاس دن رہا' مار پیٹ شور غل اچھی چیز نہیں خاموشی سے وہ کام نکلتے ہیں جو شور سے نہیں نکلتے۔ یہ فائدہ **واھجروھن** سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: نافرمان عورت کو گھر سے نہ نکالو کہ اس سے وہ آوارہ ہو جائے گی' بلکہ گھر میں رکھ کر اس کی اصلاح کرو جیسا کہ **فی المضاجع** سے معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ: نافرمانی پر بیوی کو خاوند مار سکتا ہے مگر اصلاح کی مار مارے نہ کہ ایذاء کی مار جیسے شاگرد کو استاد یا اولاد کو ماں باپ مارتے ہیں اصلاح کے لئے۔ یہ فائدہ **واضربوھن** سے حاصل ہوا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ چار قصوروں پر خاوند بیوی کو مار سکتا ہے۔ خاوند عورت کی زینت چاہے وہ نہ کرے' خاوند اسے اپنے پاس بلائے وہ بلاوجہ نہ آئے۔ عورت نماز وغیرہ بلا عذر ترک کرے خلاف شرع کرے۔ عورت بغیر خاوند کی اجازت گھر سے باہر پھرے۔ تیرہواں فائدہ: بلا قصور بیوی کو مارنا سخت ممنوع ہے جس کی پکڑ رب کے ہاں ضرور ہو گی۔ جیسا کہ **لا تبغوا** الخ سے معلوم ہوا۔ چودہواں فائدہ: مسلمان کو چاہیے کہ اخلاق اللہ اختیار کرے' مجرموں کو معافی دینا' قصور والوں سے درگزر کرنا' توبہ کرنے پر گذشتہ خطاؤں کو یاد نہ کرنا۔ جیسا کہ **ان اللہ کان علیا" کبیرا"** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ غرض کہ یہ آیت کریمہ تدبیر منزل کی جامع آیت ہے اس پر عمل کرنے سے ہمارے گھر جنت کا نمونہ بن سکتے ہیں افسوس کہ قرآن کی تعلیم ہوتے ہوئے مسلمان خوار ہیں۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر   اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر

پہلا اعتراض: مردوں کو حاکم عورتوں کو محکوم قرار دینا ظلم ہے۔ مرد و عورت دونوں اللہ کے بندے ہیں۔ برابر ہونے چاہئیں۔ (موجودہ آزاد خیال)۔ جواب: جسم کے اعضاء برابر نہیں' آسمان کے تارے یکساں نہیں' درخت میں جڑ و شاخیں برابر نہیں۔ ملک میں بادشاہ اور رعایا برابر نہیں' امیر و غریب برابر نہیں' پھر عورت و مرد برابر کیسے ہو سکتے ہیں' فرق مراتب پر دنیا قائم ہے۔ عورت کو مرد کا وزیر بنایا گیا ہے' اس میں اس کی عزت ہے اسے ذلیل نہیں کیا گیا۔ قرآن مجید میں سورہ النساء تو ہے مگر الرجال نہیں اسلام نے عورت کو بہت ہی عزت دی جو اس کے لائق تھی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اسلام میں مرد عورتوں سے افضل ہیں۔ تو کیا ہم جیسے گنہگار مرد حضرت عائشہ صدیقہ و حضرت فاطمہ جیسی عورتوں سے افضل ہیں۔ جواب: یہاں مردوں سے مراد خاوند ہیں عورتوں سے مراد بیویاں ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ و فاطمہ زہرہ جیسی ہستیوں کا تقابل اپنی ذات سے نہ کرو بلکہ کہو حضرت فاطمہ زہرہ سے حضرت علی مرتضیٰ افضل ہیں کہ ان کے خاوند ہیں اور حضرت عائشہ صدیقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل اور اگر یہاں رجال بمعنی مرد ہی ہوں تب بھی الرجال میں الف لام استغراقی نہیں بلکہ جنسی ہے لہذا آیت کے معنی یہ نہیں کہ سارے مرد ساری عورتوں سے افضل ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ماہیت مرد رجولیت ماہیت عورتیت یعنی نسوانیت سے اعلیٰ و افضل ہے ماہیت و حقیقت کی افضلیت اور ہے افراد کی افضلیت کچھ اور مگر پہلا جواب قوی ہے۔ کیونکہ آیت کریمہ کے اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں خاوند اور بیوی کا ذکر ہے۔ مہر وغیرہ خاوند ہی دیتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ لہذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔ تیسرا اعتراض: حضرت آسیہ مومنہ بیوی تھیں اور فرعون کافر اور فرعون کا خاوند۔ تو کہا جا سکتا ہے کہ فرعون کا فر بی بی آسیہ سے افضل تھا اب بھی بعض بیویاں صالحہ ہوتی ہیں اور خاوند فاسق و بدکار۔ جواب: خاوند اگرچہ فاسق بلکہ کافر ہو' بیوی اگرچہ مومنہ صالحہ ہو مگر دنیاوی احکام میں خاوند حاکم ہے۔ بیوی محکومہ' بیوی پر خاوند کے ہر جائز احکام ماننا لازم ہیں۔ ہماری شریعت میں تو کافر مرد کی عورت مومنہ ہو سکتی ہی نہیں اگر مرد کافر ہو جائے تو اس کی مومنہ بیوی اس کے نکاح سے خارج ہو جائے گی۔ جن شریعتوں میں کافر و مومن کے نکاح درست تھے ان میں بھی خاوند حاکم تھا بیوی محکومہ تھی رہی اخروی فضیلت یہ مومنہ بیوی کو حاصل ہے نہ کہ کافر خاوند کو یہاں قرآن کریم میں دنیاوی برتری کا ذکر فرمایا ہے۔ اسی لئے قوامون فرمایا۔ چوتھا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے خاوند کو بیوی پر بزرگی کیوں دی۔ اس کے برعکس بیوی کو خاوند پر عظمت دی ہوتی اور خاوند کا خرچہ بیوی کے ذمہ رکھا ہوتا۔ جواب: اس لئے کہ مرد اصل ہے عورت شاخ آدم علیہ السلام کی پسلی سے بیوی حوا پیدا ہوئیں اور اصل اپنی فرع سے افضل ہونی چاہئے۔ نیز عورتوں پر ماہوار اور سالانہ ایسے عوارض وارد ہوتے ہیں کہ اس وقت وہ کسی محنت و کاروبار کے لائق نہیں ہوتی ماہواری ناپاکی' بچہ کی پیدائش پر نفاس پھر بچہ کی پرورش اسے دودھ دینا وغیرہ عورت کو دوسرے کاموں کے لائق نہیں رہنے دیتے اگر مرد کا خرچ بیوی کے ذمہ ہوتا تو بہت سی دشواریاں ہو جاتیں۔ نیز بچہ کی جانی پرورش تو ماں کے ذمہ ہوتی ہے اگر مالی پرورش بھی اس کے ذمہ ہوتی باپ بالکل آزاد رہتا تو عورت پر ظلم ہوتا۔ اس لئے رب نے جانی پرورش ماں پر مالی پرورش باپ پر رکھی۔ پانچواں اعتراض: یہاں عورتوں کی اصلاح کے لئے تین طریقہ کیوں مقرر فرمائے۔ نصیحت' بائیکاٹ دو چیزیں کیوں چھوڑ دیں جن کا آج مسلمانوں میں عام رواج ہے یعنی گالیاں دینا اور اسے گھر سے نکال کر خرچہ بند کر لینا انہیں اجاڑ کر رکھ دینا۔ جواب: اس لئے کہ قرآن کریم تمام جہان کی دائمی ہدایت کے لئے آیا۔ عورتیں تین ہی قسم کی ہیں۔ نہایت شریف جو صرف نصیحت سے مان جاتی ہیں۔ درمیانی طبقہ کی جن پر صرف زبانی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ ہاں ترک تعلق و بائیکاٹ سے اثر لیتی ہیں۔ ادنیٰ طبقہ کی جن پر یہ دونوں طریقہ اثر نہیں کرتے۔ پہلی قسم کی عورتوں کے لئے صرف زبانی نصیحت ہے دوسرے طبقہ کے لئے بائیکاٹ کی اور تیسرے طبقہ کے لئے کچھ مار پیٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی نو بیویاں رہیں آپس میں سوکنوں میں کچھ رنجش بھی کبھی کبھی ہو جاتی تھی مگر آپ نے کبھی کسی بیوی صاحبہ کو نہ مارا ان پر بہت ہی مہربانی فرمائی بلکہ فرمایا کہ جو لوگ اپنی عورتوں کو مارتے پیٹتے رہتے ہیں۔ وہ اچھے نہیں مگر انہیں گالیاں دینا۔ اس میں اپنی زبان گندی ہوتی ہے۔ شور مچتا ہے تو محلہ میں اپنے گھر کی بدنامی ہوتی ہے اور بیوی بھی گالیاں سن کر زبان دراز ہوتی ہے اور انہیں گھر سے نکال کر اجاڑ دینے میں ان کی حق تلفی ہے۔ روزی جانور کی بھی بند نہ کرنی چاہئے۔ یہ مذکورہ تین طریقہ اصلاح کے لئے بہت مفید ہیں۔ چھٹا اعتراض: بیویوں کو مارنا ان پر ظلم ہے پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی۔ (عیسائی)۔ جواب: ظلم نہیں بلکہ ان کی اصلاح ہے۔ جیسے کبھی اپنے بچوں کو شاگردوں کو مارنا اصلاح ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ اگر وہ اطاعت کرنے لگ جائیں تو ان پر مار پیٹ کی راہ نہ ڈھونڈھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا فان ربوا هن ضهر مبوح ضرورة "بیویوں کو مارو مگر سخت اور زیادہ تکلیف دہ مار نہ لگاؤ۔ نافرمان عورت کو ایک دم طلاق دے دینے سے بہتر یہ ہے کہ آہستگی سے اس کی اصلاح کر دی جائے گھر نہ بگڑنے دیا جائے۔ آج یورپ میں جو بات بات پر طلاقیں ہو رہی ہیں اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ ان کے

ملک میں خاوندوں کو عورتوں کی اصلاح کی اجازت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان چند قسم کے ہیں۔ رحمان والے، نفسانی خواہشات والے، شیطان والے، یعنی ابرار فجار کفار یا یوں کہو کہ دیانتدار اور دنیادار پہلی قسم کے لوگ مرد یعنی بہادر ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ عورتیں یعنی بزدل ہیں فرمایا جا رہا ہے کہ مردو بہادر لوگ ان بزدلوں کے افسر ہیں یہ ان کے ماتحت۔ لولا" تو اس لئے کہ اللہ نے انہیں بزرگی دی ہے۔ دوسرے اس لئے کہ یہ لوگ ہمیشہ روحانی فیوض و برکات ان پر خرچ کرتے رہتے ہیں۔ دنیاداروں میں نیک وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کریں اور اپنے پیشوا روحانی کی اطاعت بھی کہ ان کی اطاعت دونوں جہان کی سعادت کا ذریعہ ہے اے ہمارے مقبول بندو اگر تم کو اپنے دنیا دار ماتحتوں سے نافرمانی کا اندیشہ ہو تو تم ان کی اصلاح کے تین طریقہ اختیار کرو۔ پہلے زبانی نصیحت، اگر اس سے کام نہ چلے تو ان سے ظاہری طور پر ترک تعلق اگر اس پر بھی ان کی اصلاح نہ ہو تو ان کی مار توڑ کرو۔ مریدین باصفا کو چاہئے کہ شیخ کی گرمی پر تحمل کریں اور سمجھیں کہ اس میں کوئی مصلحت ہے زبان طعن دراز نہ کریں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو ہمچو موسیٰ زیر حکم خضر رو

اور اے گروہ مشائخ اگر تمہارے خدام مرید باز آجائیں تو انہیں معافی دیدو۔ رب تعالیٰ تم کو بھی معافی دیتا ہی رہتا ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم **التائب من الذنب کمن لا ذنب لہ**۔ گناہوں سے توبہ کرنے والا ایسا ہوتا ہے جیسے اس سے گناہ ہوا ہی نہیں۔ خیال رہے: کہ مشائخ کا اپنے مریدین سے عارضی بائیکاٹ کرنا حدیث کعب سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس دن ان سے کلام نہ فرمایا۔ یہ بائیکاٹ ان کی اصلاح کا بہترین ذریعہ بنا جس کا ذکر سورہ توبہ میں ہے اور مشائخ کا اپنے مریدوں کو مارنا پیٹنا اسلامی سزاؤں سے ماخوذ ہے۔ زانی پر کوڑے، چور کے ہاتھ کاٹنا اصلاح کا تیسرا درجہ ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا

اور اگر ڈرو تم جھگڑے سے ان زوجین کے درمیان تو بھیجو ایک پنچ خاوند کے گھر والوں سے اور ایک پنچ بیوی کے

اور اگر تم کو میاں بیوی کے جھگڑے کا خوف ہو تو ایک پنچ مرد والوں کی طرف سے بھیجو اور ایک پنچ عورت والوں کی

اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا (۳۵)

گھر والوں سے اگر ارادہ کریں وہ دونوں اتفاق کا تو موافقت کر دے گا اللہ درمیان انکے بے شک اللہ ہے جاننے والا خبردار

طرف سے کریں، وہ دونوں اتفاق کرانا چاہیں گے تو اللہ ان میں میل کر دے گا بیشک اللہ جاننے والا خبردار ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں زوجین کے معمولی جھگڑوں کو آپس میں طے کر لینے کے طریقے ارشاد ہوئے کہ خاوند نصیحت، بائیکاٹ، معمولی مار پیٹ سے عورت کو درست کرے۔ اب دوسروں کے ذریعہ زوجین کے بڑے اختلاف کو دور کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے۔ چونکہ معمولی اختلافات دن رات ہوتے

www.alahazratnetwork.org

رہتے ہیں۔ بڑے اختلاف کبھی کبھی لہٰذا پہلے معمولی جھگڑوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب بعد میں بڑے جھگڑوں کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کا مقصد یہ تھا کہ بیوی کی نافرمانی پر طلاق کا ارادہ نہ کرو بلکہ اصلاح کی کوشش کرو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم اس کوشش میں ناکام رہ جاؤ' تمہاری نصیحت' بائیکاٹ' مارپیٹ بھی کارگر نہ ہو تب بھی طلاق کی طرف نہ دوڑو بلکہ عزیز رشتہ داروں کو بیچ میں ڈال کر حالات درست کرلو۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ بڑا بلند ہے۔ جس کا مقصد یہ تھا کہ باوجودیکہ تم بہت پست اور چھوٹے ہو اور رب بڑی شان والا ہے مگر اس کے باوجود وہ تم کو چھوڑتا نہیں۔ یا براہ راست یا اپنے مقبول بندوں کی معرفت ہمارے گناہ بخشتا رہتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم بھی حتی الامکان اپنی قصور وار بیوی کو چھوڑو مت براہ راست درست نہ ہو تو کسی کی معرفت درست کرلو اور رہی نہ تعلق کو جلدی ختم نہ کرو۔ خیال رہے کہ معمولی گناہوں پر توبہ کا حکم ہے اور بڑے گناہوں پر توبہ کے ساتھ کفارہ یا مقبول بندوں کے توسل کی ضرورت ہوتی ہے۔ بنی اسرائیل کے ایک خاص گناہ کی توبہ قبول نہ فرمائی۔ اچھوں کے وسیلہ کا حکم دیا **واد خلوا الباب سجدا " و قولوا حطتہ** آدم علیہ السلام نے گندم کھاکر تین سو سال توبہ کی قبول نہ ہوئی۔ حضور کے توسل سے قبول ہوئی۔ **فتلقی ادم من ربہ کلمت**۔

تفسیر: **و ان خفتم شقاق بینهما**۔ یا تو خفتم میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے یا حکام سے' یا خود زوجین سے یا زوجین کے عزیز رشتہ داروں سے آخری چوتھا احتمال زیادہ قوی ہے۔ خوف سے مراد یا تو ڈر ہے یا ڈر کی بات محسوس کرنا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **خفتم** بمعنی **علمتم** ہے۔ اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔ شقاق شق سے بنا شق کے معنی جانب و کنارہ بھی ہیں۔ مشقت یا ناگواری بھی بانس کا ٹوٹا ہوا ٹکڑا بھی' مخالفت و اختلاف کو شق یا شقاق اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے ہر فریق دوسرے کنارہ پر ہوتا ہے۔ یا ایسی باتیں کرتا ہے جو دوسروں پر گراں گزرے اسے مشقت میں ڈالے یا پھٹ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے۔ اصل میں **شقاقا " بینهما** تھا اس طرح کہ شقاق' خفتم کا مفعول بہ تھا اور 'بینهما' شقاق کا ظرف مگر شقاق کو 'بینهما' کی طرف مضاف کر دیا جیسے **مکر الیل والنهار** میں یا **صوم الیوم** میں۔ **وابعثوا حکما " من اهله و حکما " من اهلها**۔ جتنے احتمالات خفتم کے مخاطب میں تھے۔ اتنے ہی احتمال ابعثو کے مخاطب میں ہوں گے۔ کہ یا سارے مسلمان مراد ہیں یا حکام یا خود زوجین یا عزیز رشتہ دار۔ بھیجنے سے مراد بلانا' جمع کرنا زوجین کے پاس بھیجنا یا کسی تیسری جگہ بھیجنا جہاں میاں بیوی جمع ہو سکیں۔ حکم حکم سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا۔ حاکم عام فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں۔ حکم خاص فیصلہ کرنے والے کو جسے اردو میں پنچ کہتے ہیں۔ یہاں حکم فرما کر اشارۃً فرمایا کہ حتی الامکان زوجین کے جھگڑے حکام کے پاس کچہری میں نہ لے جاؤ کہ وہاں کھلی عدالت میں ان کے حالات پیش ہوں گے تو اس میں ان زوجین کی بدنامی بھی ہوگی اور راز افشائی بھی۔ بلکہ حکم کے پاس بھی زوجین نہ جائیں زوجین کے پاس حکم جائیں۔ اہل سے مراد خاص قریبی رشتہ دار ہیں' جو عموماً وجہ اختلاف جانتے ہیں۔ نیز زوجین کو ان سے اپنے جھگڑے پیش کرنے میں جھجک نہیں ہوتی اور دونوں کے عزیز و قرابت دار پر حکم بھیجنے میں طرفداری کا الزام بھی نہیں لگ سکتا یعنی اے مسلمانو کے حکام یا اے زوجین یا اے زوجین کے عزیزو! اگر تم زوجین کا ایسا جھگڑا محسوس کرو جسے وہ آپس میں طے نہیں کر سکتے تو بھی نہ تو زوج جلدی طلاق دے نہ بیوی جلدی خلع کرے۔ نہ فوراً" کچہری بھاگیں نہ عام مجلسوں میں اپنے جھگڑے پیش کریں بلکہ ایک پنچ خاوند کے عزیزوں میں سے اور دوسرا پنچ بیوی کے

www.alahazratnetwork.org

قرابت داروں میں سے یا زوجین کے گھریا کسی اور تیسری جگہ بھیج دو۔ پنچ مرد ہو' عادل ہو' ثقہ ہو' سیاست دان ہو' مصلحت سے واقف اور زوجین کا خیر خواہ ہو۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ)۔ **ان یریدا اصلاحا" یوفق اللہ بینھما**۔ یرید اور بینھما کی ضمیریں یا تو دونوں حکموں کی طرف لوٹتی ہیں۔ یا میاں بیوی کی طرف یا پہلی حکمین کی طرف' دوسری زوجین کی طرف یا اس کے برعکس پہلی زوجین کی طرف۔ دوسری حکمین کی طرف لہٰذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہو سکتی ہیں (صاوی) اصلاح سے مراد فساد کا مقابل ہے یعنی درستی یا اتفاق زوجین۔ توفیق کے معنی ہوتے ہیں اسباب خیر جمع فرما دینا مگر یہاں مراد ہے دونوں میاں بیوی کو متفق کر دینا۔ یعنی دونوں پنچ اخلاص کے ساتھ اصلاح کی کوشش کریں تو اللہ تعالیٰ ان دونوں پنچوں کو متفق کر دے گا جس سے وہ متفقہ طور پر فریقین کے لئے قابل قبول فیصلہ کر سکیں گے یا اگر دونوں بہ نیت خیر اصلاح کی کوشش کریں گے تو اللہ تعالیٰ زوجین میں اتفاق پیدا فرما دے گا۔ ان کی نیت خیر کا اثر زوجین پر پڑے گا یا اگر زوجین کی نیت میں فساد نہ ہوا مائل بہ اصلاح ہوئے تو اللہ تعالیٰ پنچوں کے ذریعہ ان زوجین میں اتفاق دیدے گا یا اگر زوجین بہ نیت خیر اصلاح کی خواہش کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان پنچوں کو کسی اچھے فیصلہ پر متفق فرما دے گا (تفسیر صاوی)۔ **ان اللہ کان علیما" خبیرا"**۔ اس جملہ میں پنچوں اور میاں بیوی کو اخلاص و ارادہ اصلاح کی ترغیب ہے۔ علم سے مراد ہے ظاہری چیزوں کا علم خبر سے مراد ہے باطنی حالات پر اطلاع یا اس کے برعکس یا علم سے مراد ہے۔ کلیات کا علم اور خبر سے مراد ہے جزئیات پر اطلاع یا علم سے مراد ہے دونوں پنچوں کی کوشش کا علم خبر سے مراد ہے دونوں میاں بیوی کی نیت کا جاننا یعنی اے پنچو یا اے میاں بیوی! اپنی نیت و کوشش خیر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے قول کو جانتا ہے احوال سے خبردار ہے۔ ظاہر و باطن کی درستی کرو۔

خلاصہ تفسیر: تفسیر میں پتہ چل گیا کہ اس آیت کی چند تفسیریں ہو سکتی ہیں مگر ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں اے میاں بیوی کے عزیز رشتہ دارو اگر تم زوجین میں بہت زیادہ اختلاف محسوس کرو جو اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ خاوند کی کوشش سے دور نہیں ہو سکتا تو دو پنچوں کو اصلاح کیلئے بیچ میں ڈالو جن میں سے ایک خاوند کا عزیز ہو دوسرا بیوی کا قریبی رشتہ دار انہیں زوجین کے پاس بھیجو۔ اگر یہ پنچ انکی اصلاح کا تہ دل سے ارادہ کر لیں اور یہ طے کر لیں کہ ہم نے دو جدا سروں کو جوڑنا ہی ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ان زوجین کے دل جوڑ سکے گا انہیں صلح کر لینے کی توفیق بخشے گا۔ اے پنچو اور اے زوجین اپنی نیت خیر کرو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن اقوال و احوال کو بخوبی جانتا ہے اس سے ڈرتے رہو۔ خیال رہے کہ جھگڑے یا جنگ و جدائی کی تین قسمیں ہیں۔ اختلاف رائے کا مسئلہ و جنگ اسے اختلاف کہتے ہیں جیسے یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام سے جھگڑا یا حضرت سارہ و ہاجرہ کا اختلاف۔ ذاتی عداوت کا جھگڑا جیسے عام جھگڑے و فساد اسے خلاف کہتے ہیں۔ مذہبی جھگڑے و جنگ جیسے مسلمانوں کا کفار سے لڑنا اسے جہاد کہتے ہیں۔ پہلی قسم یعنی اختلاف نہ کفر ہے نہ فسق بلکہ غلطی ہے اسکا حکم ہے پنچوں کا بیچ میں پڑ کر صلح کرا دینا وہ ہی یہاں مراد ہے۔ دیکھو یہاں رب نے خاوند و بیوی کو فاسق نہ فرمایا بلکہ صلح کا حکم دیا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **وان طائفتن من المؤمنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما** دوسری قسم کا جھگڑا فسق ہے۔ حضور فرماتے ہیں قاتل مقتول دونوں دوزخی رب فرماتا ہے: **ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاءہ جھنم** اور تیسرے قسم کے جھگڑے و جنگ کا نام جہاد ہے جو عبادت ہے۔ حضرات صحابہ کرام کی آپس کی جنگیں پہلی قسم کی ہیں یعنی اختلاف۔ اسی لئے

www.alahazratnetwork.org

امیر معاویہ و حضرت علی کی اور امام حسن و امیر معاویہ کی آخر میں صلح ہو گئی لہذا وہ سب متقی ہیں کوئی ان میں فاسق نہیں۔ وہاں اختلاف رائے یہ تھا کہ امیر معاویہ و حضرت عائشہ کی رائے تھی کہ خون عثمان کا قصاص مقدم ہے۔ حضرت علی کی رائے تھی کہ استحکام خلافت مقدم ہے۔ جب برادران یوسف علیہ السلام ہدایت کے تارے ہیں باوجود اس اختلاف کے تو حضور کے صحابہ بھی تارے ہیں۔ اگرچہ آپس میں اختلاف کریں۔ **نوٹ ضروری** جنگ صفین وغیرہ کے بعد حضرت علی نے جناب ابو موسیٰ اشعری کو اور حضرت امیر معاویہ نے عمرو ابن عاص کو اپنا پنچ مقرر کر دیا جو ان دونوں حضرات میں صلح کرا دیں۔ ان دونوں پنچوں نے بیچ میں پڑ کر صلح کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہو سکی اور حال یہ ہو گیا۔ خلافت کی تقسیم کر دی گئی۔ عراق وغیرہ حضرت علی کو اور شام وغیرہ امیر معاویہ کو دیدیا۔ حضرت علی کا دار الخلافہ کوفہ مقرر ہو گیا اور امیر معاویہ کا دار الخلافہ دمشق اس پنچ مقرر کرنے پر جناب علی کی فوج میں سے پچیس ہزار سپاہی وغیرہ سے آپ سے علیحدہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ علی و معاویہ دونوں مشرک ہو گئے کہ انہوں نے خدا کے سواء کو حاکم یا حکم مان لیا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ** حکم تو اللہ تعالیٰ ہی کا ہے۔ جناب علی رضی اللہ عنہ نے خیر امت سیدنا عبد اللہ ابن عباس کو انکی فہمائش کیلئے بھیجا چنانچہ آپ ان خوارج کے پاس تشریف لے گئے ان لوگوں نے یہ ہی اعتراض پیش کیا۔ حضرت ابن عباس نے جواب میں یہ ہی آیت کریمہ پیش فرما کر فرمایا کہ جب میاں بیوی کو جھگڑا چکانے کیلئے دو حکم پنچ بنانا شرک نہیں تو اتنے بڑے معاملہ کو سلجھانے کیلئے بھی پنچ مقرر کرنا شرک نہیں ہو سکتا حضرت علی و معاویہ کا یہ عمل بالکل درست اور اس آیت کے ماتحت ہے اس اعلیٰ جواب پر بیس ہزار نے توبہ کر لی پانچ ہزار اپنی ضد پر قائم رہے انہیں سے حضرت علی کی جنگ ہوئی جس میں یہ سارے تیغ حیدری سے مارے گئے پانچ بچے (از روح المعانی وغیرہ) ان ہی کو خوارج کہا جاتا ہے ان ہی کی ذریت نے آج مسلمانوں میں فتنہ و فساد کی آگ لگا دی ہے یہی لوگ بات بات پر مسلمانوں کو مشرک و بدعتی کہتے ہیں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** لڑے ہوئے میاں بیوی میں صلح کرا دینا بہترین عبادت ہے اس کار خیر میں جو لوگ کوشش کریں گے سب کو ثواب ملے گا' جیسا کہ **وان خفتم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اسی طرح مسلمانوں میں صلح کرانا بہترین عمل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے صلح کرانے والے کو ہرا بھرا رہنے کی دعائیں دی ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** صلح کرانے کیلئے پنچ مقرر کر دینا اعلیٰ چیز ہے۔ **تیسرا فائدہ:** غیر خدا کو حاکم یا حکم یا پنچ بنانا شرک و کفر نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا حکم ہے۔ حضرات صحابہ نے اس پر عمل فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کے کہنے پر سعد ابن معاذ کا پنچ مقرر فرمایا تھا' جنہوں نے بنی قریظہ کے قتل کا فیصلہ فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ پنچ صرف ایک نہ ہو بلکہ دو ہوں فریقین کی طرف سے ایک ایک تاکہ پنچ میں طرفداری کا الزام نہ ہو جیسا کہ دو جگہ "حکما" فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی کے پنچ انکے خاص عزیز ہوں جو انکے واقعات سے خبردار ہوں اور جن سے میاں بیوی اپنے خیالات کھل کر کہہ سکیں اجنبی پنچوں سے یہ فائدہ نہ ہو گا۔ امام مالک کے ہاں یہ واجب ہے کہ دونوں پنچ عزیز و اقارب ہوں (روح المعانی) **چھٹا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ میاں بیوی کے جھگڑے عدالت میں پیش نہ ہوں کہ عدالتیں کھلی ہوتی ہیں اور انکے درمیان کبھی راز ہوتے ہیں۔ جنکا اظہار مناسب نہیں' دیکھو رب نے یہاں پنچ مقرر کرنے کا حکم دیا۔ حکام کے پاس جانے کا حکم نہ دیا۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: بہتر یہ ہے کہ پنچ میاں بیوی کو اپنے گھر نہ بلائیں۔ بلکہ خود انکے گھر جائیں 'یا کسی تیسری جگہ یہ تمام جمع ہوں' جیسا کہ فا۔ متواکی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ان پنچوں کو صلح کرانے کا تو حق ہوگا۔ مگر صلح نہ ہوسکنے کی صورت میں طلاق واقع کردینے کا حق نہ ہوگا 'جیسا کہ ان یریدا سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** غیر خدا کو حکم یا حاکم بنانا شرک یا گناہ نہیں بلکہ حکم قرآنی ہے اور سنت رسول و سنت صحابہ ہے یوں ہی غیر خدا سے فریاد کرنا او چاہنا انہیں مشکل کشا حاجت روا سمجھنا ان سے مدد لینا سنت انبیاء ہے 'یوسف علیہ السلام کی قمیض یعقوب علیہ السلام کیلئے مشکل کشا ہوئی 'حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا دھون انکے لئے شفا ہوا' آب زمزم جو جناب اسماعیل علیہ السلام کے پاؤں کا پانی ہے۔ تاقیامت دافع امراض ہے اسکی مکمل بحث ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرماؤ۔ **دسواں فائدہ:** اگر بندوں کی نیت خیر ہو تو امداد الٰہی ضرور دستگیری کرتی ہے تجربہ ہے جیسا کہ یوفق اللہ بینھما سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** عربی میں اھل قرابتداروں کو بھی کہا جاتا ہے جیسا کہ یہاں اھلہ اور اھلھا میں مراد ہے۔ **مسئلہ:** امام مالک کے ہاں خاوند کا حکم طلاق دے سکتا ہے اور بیوی کا حکم خلع کر سکتا ہے۔ اگرچہ ان زوجین نے انہیں اس کا اختیار نہ دیا ہو مگر دیگر آئمہ کے ہاں ان پنچوں کو اسکا حق نہیں (خازن' روح المعانی وغیرہ)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پنچ دو چاہئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی پنچ حضرت سعد ابن معاذ کو کیوں قبول فرمالیا۔ اس آیت و حدیث میں توافق کیسے ہو۔ **جواب:** دو پنچ مقرر کرنا اس صورت میں ہے کہ فریقین ایک پنچ پر راضی نہ ہوں اگر ایک پر ہی متفق ہو جائیں۔ تو کوئی حرج نہیں۔ وہاں بنی قریظہ نے ہی حضرت سعد کا نام پیش کیا 'حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی پنچایت پر پہلے ہی راضی تھے 'اگر ایک ہی شخص دونوں میاں بیوی کے اہل یعنی عزیزوں میں سے ہو تو وہ اکیلا ہی حکم بن سکتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں پنچ کیلئے یہ قید کیوں لگائی کہ وہ بیوی خاوند کے عزیزوں میں سے ہو 'کیا غیر شخص پنچ نہیں بن سکتا' روایات سے ثابت ہے کہ زمانہ مرتضوی میں میاں بیوی حضرت علی کو حکم بناتے تھے انہوں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا۔ **جواب:** یہ قید اتفاقی ہے احترازی نہیں چونکہ عزیز قرابتدار ہمدرد و خیر خواہ بھی ہوتے ہیں زوجین کے اندرونی حالات سے خبردار بھی اور زوجین کو انکے سامنے اپنی شکایات پیش کرنے میں کوئی حجاب بھی نہ ہوگا 'اسلئے انکے ذریعہ اصلاح کا کام بخوبی انجام پائیگا' ان وجوہ سے بہتر یہ ہی ہے کہ دونوں پنچ فریقین کے قریبی ہوں ورنہ اجنبی شخص بھی حکم بن سکتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ** حکم نہیں ہے مگر اللہ کا۔ پھر یہاں میاں بیوی کو حکم بنانے کا حکم کیوں دیا گیا' خدا کے سوا کسی کا حکم نہیں ہونا چاہئے (وہابی خوارج) **نوٹ ضروری:** یہ ہی وہ شبہ ہے جسکی وجہ سے لوگ خارجی بن گئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مشرک کہنے لگے 'جواب: آیت کریمہ **ان الحکم الا للہ** میں حکم سے مراد تکوینی حکم ہے۔ یعنی جلانا' مارنا' بیمار کرنا' شفادینا وغیرہ اور یہاں اس آیت میں حکم سے مراد فیصلہ کرنا صلح کرانا وغیرہ ہے 'لہٰذا آیات میں تعارض نہیں مگر یہ جواب ضعیف ہے 'کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض بندوں کو تکوینی احکام میں بھی اختیار بخشا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں باذن پروردگار مردے زندہ کرسکتا ہوں کوڑھے اندھوں کو شفا دے سکتا ہوں حضرت مریم کے ہاتھ لگانے سے کھجور کا خشک درخت پل بھر میں ہرا اور پھلدار ہو گیا (قرآن کریم) لہٰذا اس سوال کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ ان جیسی

www.alahazratnetwork.org

حصر کی آیتوں میں ذاتی صفات مراد ہیں کہ مستقل طور پر بالذات حکم رب تعالیٰ کا ہے' رب کی عطا سے اور بھی حاکم ہیں' دیکھو رب فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سمیع و بصیر ہے' پھر فرماتا ہے کہ ہم نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا فرماتا ہے میرے سوا کسی کو وکیل نہ بناؤ **الا تتخذوا من دونی وکیلا** یا فرماتا ہے کہ میرے سوا تمہارا مددگار کوئی نہیں **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** مگر دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمہارے مددگار اللہ رسول اور متقی مومن ہیں مطلب یہ ہی ہے کہ ذاتی طور پر بالاستقلال مددگار کوئی نہیں عطائی طور پر ہمارے بنانے سے مددگار ہمارے بندے ہیں' خیال رہے کہ بندے اور رب میں فرق بے نیازی کا ہے' بندہ نیاز مند ہے' رب بے نیاز ہے' اللہ الصمد۔ بندہ رب کا محتاج رہتے ہوئے رب کے سے کام کرنے لگتا ہے' مگر رب کی عطا سے وہ عطا نہ فرمائے' بندہ کچھ نہیں پاور سے کنکشن ہو جانے پر بلب' پنکھے' مشین بہت کام دیتے ہیں۔ یہ کنکشن ٹوٹ جائے تو کوئی کچھ بھی نہیں' شیشہ کا رخ سورج کی طرف کر دیا تو شیشہ سورج کے سے کام کرنے لگ گیا۔ روشنی' شعاعیں' گرمی سب کچھ شیشہ میں پیدا ہو گئیں' مگر نہ سورج شیشہ میں آ گیا نہ شیشہ سورج میں پہنچ گیا' نہ شیشہ سورج بن گیا ہو لیہ کہ سورج نے شیشے میں تجلی ڈال دی' اگر یہ جواب خیال میں رکھا گیا تو انشاء اللہ وہابیوں کے اس قسم کے تمام سوالات کا جواب معلوم ہو جائیگا' اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب رسالہ نور اور جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ فرمائیں۔

تفسیر صوفیانہ: ان آیات سے پتہ لگا کہ اختلاف پیدا ہو جانے پر اولاً تو میاں بیوی خود ہی جھگڑے مٹالیں اگر جھگڑا خود نہ مٹ سکے تو ایسے حکم کو بیچ میں ڈالیں' جو دونوں میاں بیوی سے تعلق رکھتے ہوں۔ جنکی بات فریقین مانتے ہوں۔ بلا تشبیہ بطور تمثیل بندہ رب تعالیٰ کو ہمیشہ راضی رکھنے کی کوشش کرے اگر کبھی قصور ہو جائے تو توبہ کفارہ وغیرہ دے کر خود ہی اس کو راضی کر لے' لیکن اگر قصور اتنا سنگین ہے کہ توبہ سے بھی معافی ملنے کی امید نہیں اور توبہ قبول نہیں تو کسی ایسے مقبول بندے کا دروازہ کھٹکھٹاؤ جسکی رب مانتا ہو انشاء اللہ ان کے بیچ میں پڑ جانے سے رب تعالیٰ معافی دیگا وہاں وسیلہ بہت ہی کام آتا ہے' خود فرماتا ہے **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** یہاں وسیلہ سے مراد نبی ولی کا وسیلہ ہے نہ کہ اپنے اعمال کا وسیلہ کیونکہ نیک اعمال کا ذکر تو پہلے ہو چکا یہ ہی قیامت میں ہو گا کہ وہاں سب سے پہلے شفیع کی تلاش ہو گی اسکے بعد کچھ اور اس آیت کریمہ نے وسیلہ کے مسئلہ کو حل کر دیا' مگر وسیلہ چاہئے وہ جو من اھلہ بھی ہو یعنی اھل اللہ کا وسیلہ ڈھونڈو دشمن کو وسیلہ نہ بناؤ اور من اھلھا بھی یعنی خلقت سے بھی تعلق رکھتا ہو لہذا فرشتے ہمارا وسیلہ نہیں بن سکتے کہ وہ اہل اللہ تو ہیں مگر اہل الدنیا نہیں من اھلہ ہیں' من اھلھا نہیں اور کفار و فساق بت وغیرہ وسیلہ نہیں کہ وہ اہل الدنیا تو ہیں اھل اللہ نہیں یعنی اھلھا ہیں مگر اھلہ نہیں' کفار بتوں اور اللہ کے دشمنوں کو وسیلہ بناتے ہیں تم اللہ کے مقبولوں کا توسل اختیار کرو۔

رب روٹھے گھر میل دے گر روٹھے نہیں ھوڑ   ھیکا وہ نر کوڑ ہیں جو جانیں گو کو اور

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا رسی کیلئے رسول کا وسیلہ درکار ہے' اور رسول رسی کیلئے ولی و پیر کا وسیلہ ضروری ہے' پیر شیخ خدا تک نہیں پہنچا سکتے' تانگہ والا گجرات سے کراچی تک نہیں پہنچا سکتا وہ تو ریل تک پہنچا دیگا۔ پھر ریل کراچی پہنچا دیگی۔ **لطیفہ:** ایک عورت ہمیشہ اپنے خاوند سے مار کھاتی تھی اسکی سہیلیوں نے اس مار کی وجہ پوچھی وہ بولی کہ جب میں ہانڈی میں دال یا گوشت پکانے لگتی ہوں تو مرچ مصالحہ گھی وغیرہ سب کچھ ڈال دیتی ہوں' دال یا گوشت ڈالنا بھول جاتی ہوں' جب خاوند کے

آگے وہ مصالحہ پہنچاتا ہے تو وہ پیالہ پھینک دیتا ہے اور مجھے مارتا ہے' سہیلیوں نے کہا اگر تیری یہ حرکت ہے تو ہمیشہ مار ہی کھائے گی۔ مرچ مصالحہ کم بھی ہوتا مگر دال یا گوشت ہوتا۔ تو وہ سالن کہلاتا' لیکن اگر دال ہی نہیں تو مصالحہ سارا بیکار ہے' شیطان کے سجدوں' عبادتوں کا مصالحہ بہت کافی تھا مگر ادب پیغمبر اور توسل رسول کا وسیلہ نہ تھا دیکھو کیسی مار پڑ رہی ہے فرعونی جادوگروں کے پاس عبادت کا مرچ مصالحہ کم تھا مگر توسل کلیم اللہ کی دال تھی تو بیڑا پار لگ گیا آج بھی بے ادبوں کے پاس علم' عبادات کا مصالحہ تو کافی ہے مگر حضور کے ادب کی دال گوشت نہیں جس کا انجام مار کھانا ہی ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى
اور عبادت کرو اللہ کی اور نہ شریک بناؤ اس کا کسی چیز کو اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور قرابت داروں
اور اللہ کی بندگی کرو اور اس کا شریک کسی کو نہ ٹھہراؤ اور ماں باپ سے بھلائی کرو اور رشتہ داروں
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ
اور یتیموں اور غریبوں اور پڑوسی قریب والے اور پڑوسی دور والے اور کروٹ کے ساتھی
اور یتیموں اور غریبوں اور پاس کے ہمسائے اور دور کے ہمسائے اور کروٹ کے ساتھی
وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
اور مسافروں اور ان کے ساتھ کہ مالک ہیں ہاتھ تمہارے بیشک اللہ نہیں پسند فرماتا جو ہو اترانے والا
اور راہ گیر اور اپنے باندی غلام سے۔ بیشک اللہ کو خوش نہیں آتا کوئی اترانے والا بڑائی
فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ
شیخی مارنے والا جو کنجوسی کریں آپ اور اوروں کو مشورہ دیں کنجوسی کا اور چھپائیں وہ
مارنے والا جو آپ بخل کریں اور اوروں کو بخل کے لئے کہیں اور اللہ نے جو انہیں اپنے
مَاۤ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۗ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾
جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کیا ہم نے کافروں کے واسطے عذاب اہانت والا
فضل سے دیا ہے اسے چھپائیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے میاں بیوی کو اپنے خانگی معاملات درست رکھنے کا حکم دیا۔ اب اس آیت میں ہر ایک کو اپنے اخلاق سنبھالنے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا تدبیر منزل کے بعد سیاست مدنی کا حکم ہے (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق:** انسانی رشتہ دو قسم کے ہیں۔ اختیاری جسے انسان ختم کر سکتا ہے جیسے

www.alahazratnetwork.org

زوجیت غیر اختیاری جنہیں انسان ختم نہیں کر سکتا' جیسے ماں باپ وغیرہ سے رشتہ' اختیاری رشتہ کے متعلق ہدایات پچھلی آیات میں دی گئیں اب غیر اختیاری رشتہ کے برتاؤ کے متعلق اس آیت میں ہدایات جاری فرمائی جا رہی ہیں۔ **تیسرا تعلق:** انسان کے رشتہ تین قسم کے ہیں' بعض رشتوں میں مرد سردار ہوتا ہے' جیسے خاوند یا والد وغیرہ بعض میں ماتحت جیسے بیٹا' پوتا' بعض میں برابر جیسے بھائی یا پڑوسی وغیرہ' سرداری والے رشتہ کے حقوق کا ذکر پچھلی آیات میں فرمایا گیا۔ آخری دو قسم کے رشتوں کے حقوق کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** حقوق دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جنکا مطالبہ قاضی کے ہاں ہو سکتا ہے' جیسے زوجہ کا خرچہ وغیرہ بعض وہ جنکا مطالبہ حاکم کے ہاں نہیں ہو سکتا' جیسے والدین کا خرچہ وغیرہ پہلے قسم کے حقوق کا اجمالی ذکر پچھلی آیت میں تھا' دوسرے قسم کے حقوق کا ذکر ان آیتوں میں ہے۔

شان نزول: کردم ابن زید' اسامہ ابن حبیب' نافع ابن ابی نافع' بحری ابن عمرو' حیی ابن اخطب رفاع زید ابن تابوت' یہ لوگ انصار کے پرانے دوستوں میں سے تھے' جب انصار نے اسلام قبول کر لیا تو یہ لوگ پچھلی دوستی کی بنا پر کبھی کبھی ان سے ملنے آتے ادھر ادھر کی باتیں کر کے کہتے کہ حتی الامکان اپنے مال خرچ نہ کرو سنبھال کر رکھو نہ معلوم کل کیا واقعات در پیش ہوں اور تم بغیر مال کے مصیبت میں پڑ جاؤ' مقصد تھا انصار کو مہاجرین کی خدمت سے روکنا اور اسلامی زکوٰۃ و صدقات اور خرچ جہاد سے باز رکھنا' ان بہکانے والوں کی تردید میں دوسری آیت **الذین یبخلون** الخ نازل ہوئی (ابن اسحاق' ابن جریر' ابن منذر عن ابن عباس' تفسیر روح المعانی' و روح البیان) بعض نے فرمایا کہ علماء یہود حضور صلی اللہ و سلم کی نعت والی توریت کی آیات بیان کرنے میں بخل کرتے تھے نہ تو لوگوں کو خود سناتے نہ اپنے ماتحت پادریوں کو سنانے دیتے' انکی تردید میں یہ ہی آیت **الذین یبخلون** نازل ہوئی' پہلی صورت میں بخل سے مراد مالی بخل ہوگا۔ دوسری صورت میں علمی بخل ہو سکتا ہے کہ دونوں ہی کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہو۔ (روح المعانی)

تفسیر: **واعبدوا اللہ** چونکہ عبادات معاملات سے افضل ہیں کہ عبادت کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے' معاملات کا تعلق مخلوق سے نیز معاملات مرتے ہی ختم ہو جاتے ہیں۔ مگر بعض عبادات قبر و حشر میں بھی ہوں گی' جیسے تلاوت قرآن حمد الٰہی نعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نیز عبادات تقریباً" ہر مسلمان پر ہیں۔ معاملات بعض پر نہیں جیسے تارک الدنیا آدمی ان وجوہ سے عبادات کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور معاملات کا بعد میں۔ اعبدوا عبادت سے بنا عبادت کی تحقیق اسکی تقسیم ایاک نعبد اور سورہ بقرہ کی تفسیر میں بارہا ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ انتہائی عجز و نیاز کا نام عبادت ہے کہ عابد اپنے کو معبود کا بندہ سمجھ کر اور معبود کو اپنا خالق یا خالق کی مثل سمجھ کر اس کے سامنے بندگی کرے یہ عبادت ہے' لہٰذا قلبی' بدنی' مالی اور بدنی مالی کا مجموعہ تمام عبادات اس میں داخل ہیں۔ اور کسی کو اپنے سے بڑا سمجھ کر اسکی فرمانبرداری کرنا اطاعت ہے' کسی کے نقش قدم پر چلنا اتباع لہٰذا عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے' غیر خدا کی عبادت شرک ہے اطاعت اللہ رسول عالم سلطان سب کی ہو سکتی ہے' اتباع اللہ تعالیٰ کی ناممکن ہے شرعی اتباع صرف رسول یا قرآن کی ہو سکتی ہے' اسی لئے قرآن مجید میں عبادت کے ساتھ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے' اور اطاعت کے ساتھ اللہ رسول اور علماء وغیرہ کا بھی۔ فرماتا ہے۔ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** اور اتباع کے ساتھ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یا قرآن کا **فاتبعونی** یا **واتبعوا النور الذی انزل**

معہ خلاصہ یہ ہے کہ عبادت میں اپنی عبدیت اور معبود کی الوہیت کا اعتقاد ضروری ہے' رب کو سجدہ عبادت ہے مگر فرشتوں کا حضرت آدم کو سجدہ عبادت نہ تھا' اسی طرح حضرت یعقوب کا جناب یوسف علیہما السلام کو سجدہ عبادت نہ تھا' تعظیم تھی۔ کام ایک ہے مگر اختلاف بہت سے احکام میں۔ فرق' ہمارے اسلام میں کسی بندے کو سجدہ عبادت کا شرک ہے' سجدہ تعظیمی کرنا حرام ہے شرک نہیں' یہاں عبادت سے مراد اگر دلی عبادت یعنی ایمان لانا ہے تو غیر مسلموں سے خطاب ہے۔ اور اگر ایمان پر قائم رہنا مراد ہے تو مخاطب مسلمان ہیں' اور اگر جسمانی مالی عبادات مراد ہوں' جیسے نماز' زکوۃ وغیرہ تو بھی مخاطب صرف مسلمان ہوں گے' کیونکہ کفار پر یہ عبادات فرض نہیں۔ **ولا تشرکوا بہ شیئا** کفر عام ہے' شرک خاص کہ کسی اسلامی عقیدے کا انکار کفر ہے' مگر کسی چیز کو خدا کے مثل سمجھنا شرک ہے۔ کفر کا مقابل ایمان ہے شرک کا مقابل توحید مدار نجات صرف توحید نہیں بلکہ ایمان ہے یہاں شرک سے ممانعت فرمائی گئی ہے' تشرکوا اشراک سے بنا' جسکا مادہ شرک ہے' معنی حصہ ام لہم شرک فی السموت' اصطلاح شریعت میں کسی کو الوہیت میں اللہ تعالیٰ کا حصہ دار یا مثل سمجھنا شرک ہے خواہ اس طرح کہ کسی کو خدا تعالیٰ کی طرح مستقل خالق مانے جیسے مجوسی دو مستقل خالق مانتے ہیں خالق خیر جسے یزدان کہتے ہیں اور خالق شر جسے اہرمن کہتے ہیں یا کسی کو اللہ کا بندہ سمجھ کر اسکو الوہیت میں دخیل مانے خدا کا دخیل مانے جیسے عیسائی جناب عیسیٰ اور یہودی حضرت عزیر کو یا مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے خدا کا بیٹا یا بیٹیاں مانتے تھے' یا جیسے عام مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں کو خدا کا بندہ مانتے ہوئے' خدا تعالیٰ کو انکا محتاج و دست نگر سمجھتے ہیں کہتے ہیں۔ کہ اکیلا خدا اتنے بڑے عالم کے سارے کام نہیں کر سکتا یا خدا تعالیٰ عالم کو پیدا کر کے تھک گیا' اب اس میں دوسرے کاموں کی طاقت نہ رہی دوسرے کام ہمارے یہ معبود چلا رہے ہیں یہ شرک ہے ان ہی کی تردید میں رب فرماتا ہے **لم یتخذ ولدا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ ولی من الذل** اور فرماتا ہے **وما مسنا من لغوب** ہم کو تھکن نہ پہنچی غرض کہ شرک میں عقیدہ مساوات ضروری ہے' خواہ پوری پوری برابری مانی جائے یا کسی وصف الٰہی میں رب فرماتا ہے کہ کفار اپنے سے قیامت میں کہیں گے' **اذ نسویکم برب العلمین** ہم بڑی غلطی میں تھے کہ تم کو رب کے برابر جانتے تھے' مومن' فرشتوں' نبیوں' ولیوں کو عالم کا منتظم مانتا ہے وہ مومن ہے کہ انہیں بہ حکم پروردگار مانتا ہے' محض خالص بندہ سمجھ کر رب کو غنی بے نیاز اور ان بندوں کو رب کا نیازمند جان کر مشرک اپنے بتوں کو عالم میں دخیل مانتے ہیں مگر رب کو انکا حاجت مند جان کر انہیں الوہیت میں دخیل مان کر لہذا مومن مومن ہے مشرک مشرک۔ بہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے اور شیئا سے مراد ساری چیزیں ہیں' بے جان ہوں' جیسے چاند' سورج' بت وغیرہ یا جاندار جیسے فرشتے' نبی یا پوپ وغیرہ یہاں بھی یا خطاب مسلمانوں سے ہے یا کفار و مشرکین سے جیسے کہ اعبدوا اللہ میں عرض کیا گیا' یعنی اے مسلمانو یا اے کفار یا اے تمام لوگو اللہ کی عبادت کرو' کسی چیز کو اسکا ساجھی شریک نہ ٹھیراؤ' عبادت کے حکم کے ساتھ شرک کی ممانعت اسلئے کی گئی کہ صحیح عبادت توحید کے عقیدے کے ساتھ ہی ہو سکتی ہے' کیونکہ اگر چند معبود مانے جائیں تو کسی کیلئے بھی انتہائی عجز نہ ہو سکے گا **وبالوالدین احسانا** چونکہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور ماں باپ خلق کا ذریعہ نیز تمام مخلوق و قرابتداروں میں ماں باپ کا حق سب سے زیادہ ہے' کہ تمام نسبی رشتے ماں باپ کے ذریعے سے ہیں' نیز ماں باپ ہماری بیکسی کے وقت کے محسن ہیں' اسلئے اپنی عبادت کے ساتھ ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا بالوالدین سے پہلے احسنوا فعل پوشیدہ ہے والدین سے مراد سگے ماں باپ ہیں سوتیلے ماں باپ یوں ہی دادا دادی' نانا نانی' چچا وغیرہ اس سے خارج ہیں' کیونکہ قرآن مجید کی اصطلاح

www.alahazratnetwork.org

میں عموماً والدین سگے ماں باپ کو فرمایا جاتا ہے اور لفظ آباؤ و امہات مطلقاً ارشاد ہوتا ہے جس میں سگے سوتیلے ماں باپ یوں ہی دادا دادی نانا نانی وغیرہ شامل ہوتے ہیں' فرماتا ہے **حرمت علیکم امہاتکم** اس میں سارے مذکورین داخل ہیں اور فرماتا ہے **والوالدات یرضعن اولادھن** اس میں صرف سگی مائیں مراد ہیں' احسان سے مراد ہے بھلائی یا اچھا سلوک خواہ بدنی بھلائی ہو یا مالی علماء فرماتے ہیں کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک یہ ہے کہ اپنے ہاتھ پاؤں سے انکی خدمت کرے' انکے سامنے چلا کر نہ بولے ان سے سختی سے گفتگو نہ کرے انکا ہر جائز حکم مانے' بقدر طاقت ان پر مال خرچ کرے' کبھی انہیں مارنے پیٹنے کا ارادہ بھی نہ کرے ماں باپ کی وفات کے بعد انکے قرض ادا کرے' انکے وعدے پورے کرے' انکی جاری کردہ جائز رسوم جاری رکھے' انکے دوستوں' عزیزوں کو انکی جگہ سمجھے' انہیں ہمیشہ صدقہ و خیرات ختم وغیرہ کا ثواب پہنچاتا رہے' حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم تو بی بی خدیجہ کے انتقال کے بعد انکی طرف سے قربانی کرکے انکی سہیلیوں میں تقسیم فرماتے تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضرت حنظلہ ابن عامر راہب مسلمان ہو چکے تھے انکا باپ عامر مشرک تھا' حضرت حنظلہ نے اسے قتل کرنا چاہا تو حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے منع فرمادیا (تفسیر کبیر) **وبذی القربی** یہ عبارت والدین پر معطوف ہے قربیٰ مصدر ہے' بمعنی قرابت یہاں قرابت سے مراد ماں باپ کے سوا دوسرے رشتہ دار ہیں جیسے دادا دادی' نانا نانی' چچا' ماموں' خالہ اور انکی اولاد' ماں باپ کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس لئے وہ اس میں داخل نہیں تمام رشتہ داروں سے اچھا سلوک کرنا بہت اہم دینی کام ہے **والیتمی والمساکین** یتمی یتیم کی جمع ہے' بمعنی اکیلا انسانوں میں وہ نابالغ بچہ یتیم ہے' جسکا باپ فوت ہو چکا ہو' حرامی بچہ یتیم نہیں کہ اسکا جائز باپ کوئی ہے ہی نہیں' جانوروں میں بے ماں کا بچہ یتیم ہے' موتی یتیم وہ ہے جو سیپ میں اکیلا ہو' مساکین سے مراد مطلق غریب و فقیر ہے نہ وہ جو فقیر کا مقابل ہو۔ یہاں ہر یتیم و فقیر مراد ہے خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی' **والجار ذی القربی** جار جوار سے بنا' بمعنی امان۔ پڑوس میں رہنے والا یعنی جار پڑوسی ہے' قربیٰ سے مراد مکانی قرب ہے' نہ کہ رشتہ کا قرب کہ اسکا ذکر تو پہلے ہو چکا یا دین و ایمان کا' قرب مراد ہے یعنی قریب کا پڑوسی جس کا گھر تم سے ملا ہوا ہو یا مسلمان پڑوسی' **الجار الجنب** یہاں جنب کے معنی ہیں پہلو صاحب جنب سے مراد ہے کروٹ یا پہلو کا ساتھی اس سے مراد یا سفر کا ساتھی ہے یا پیشہ کا ساتھی یا تعلیم یا مدرسہ یا مسجد کا ساتھی یا ہمنشین یا بیوی ہے کہ بیوی اپنے بستر کی ساتھی ہے' غرض کہ اس میں بہت سی قسم کے ساتھی مراد ہو سکتے ہیں' حتی کہ بچپن کا ساتھی بھی اس میں داخل ہے' **ابن السبیل** اس لفظ کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے کہ ابن سبیل وہ مسافر ہے جو راہ طے راہ کر رہا ہو' مسافر پردیسی آدمی ہے خواہ راہ گزر میں ہو یا کہیں ٹھہرا ہوا اپنے وطن سے کم یا زیادہ لہٰذا ابن السبیل مسافر سے خاص تر ہے یہاں وہ شخص مراد ہے جو سفر کر رہا ہو اور بے توشہ رہ جائے' اسکے ساتھ احسان' یا یہ ہے کہ اسے منزل مقصود تک پہنچا دیا جائے کہ اپنی سواری میں سوار کرے یا ریل وغیرہ میں بٹھا دے یا اسے زاد راہ توشہ پیسہ دیدے یا راہ بتادے' **وما ملکت ایمانکم** حق یہ ہے کہ اس سے مراد لونڈی' غلام' مملوکہ جانور ہیں ان میں سے ہر ایک سے وہ سلوک کرے جو اسکے لائق ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ مملوکہ لونڈی' غلام کو کھانا کپڑا بقدر حاجت دے انہیں ظلماً" نہ مارے ان سے طاقت سے زیادہ کام نہ لے اگر کوئی بھاری کام ان سے کرالے تو خود بھی کام میں مدد دے انہیں گالیاں طعن وغیرہ نہ دے جانوروں سے سلوک یہ ہے کہ انکے چارہ پانی کا خیال رکھے خوب شکم سیر کھلا دے۔ بلا وجہ نہ مارے' بقدر طاقت کام لے جب منزل پر پہنچے تو پہلے اس پر سے بوجھ اتار دے پھر اور کوئی کام کرے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تو اونٹوں نے فریادیں کی ہیں اور انکی فریاد رسی حضور نے کی

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ **ان اللہ لا یحب من کان مختالا فخورا۔** مختال خیل یا خیال سے بنا اس سے ہے خیلاء مختال وہ شخص ہے جو اپنے خیال میں دوسروں سے بڑا ہو یعنی اپنے کو بڑا سمجھنے والا یعنی اپنے کو دوسروں سے ذاتی طور پر بڑا جاننے والا۔ فخور فخر سے بنا یعنی بیرونی چیزوں میں اپنے کو دوسروں سے بڑا سمجھنے اپنے کو بڑا عالم' بڑا بہادر' بڑا اعالی خاندان سمجھنے والا مختال ہے اور اپنے کو بڑا مالدار بڑا جتھہ دار سمجھنے والا فخور یا عملی طور پر اپنی بڑائی ظاہر کرنیوالا مختال ہے اور زبان سے اپنے کو بڑا کہنے والا فخور یا بہرحال اپنے کو بڑا دوسروں کو چھوٹا یا ذلیل جاننا اختیال و فخر ہے' یعنی اللہ تعالیٰ ایسے متکبروں کو ناپسند فرماتا ہے جو اپنے گھمنڈ و غرور کی وجہ سے اپنے پڑوسیوں' غلاموں' نوکروں وغیرھم کے حقوق ادا نہ کریں' چونکہ فخر و تکبر انسان کو مذکورہ بالا نیکیوں سے روکتے ہیں اس لئے آخر میں انکی برائی کا ذکر فرمایا' خیال رہے کہ جہاد میں کفار کے مقابل شیخی و فخر کرنا عبادت ہے کہ یہ بھی جہاد ہے مسلمان بھائی کے مقابل فخر و شیخی حرام ہے اور نبی کے مقابل تکبر وغیرہ کفر ہے' اسی فخر سے شیطان مردود ہوا' یہاں آخری دو قسم کا فخر مراد ہے' ان ہی اقسام کی برائی بیان ہو رہی ہے' لٰہذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں جہاد کے فخر کو اچھا فرمایا گیا' **الذین یبخلون ویامرون الناس بالبخل** یہ جملہ یا تو مستقل ہے الذین مع صلہ کے مبتدا اور اسکی خبر پوشیدہ ہے یا من کان کا بدل یا اسکی صفت چونکہ من' معنی میں جمع تھا اس لئے اس کا بدل یا صفت جمع لائی گئی یا الذین مبتداء پوشیدہ کی خبر ہے' بخل مال کا بھی ہوتا ہے علم کا بھی۔ ضرورت کے وقت مال خرچ نہ کرنا مالی بخل ہے' اور حاجتمند سے علم چھپانا علمی بخل ہے' یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں' اگر یہ آیت علماء یہود کے متعلق ہے تو بخل سے مراد علمی بخل ہے اور اگر ان لوگوں کے متعلق ہے جو مسلمانوں کو صدقہ و خیرات سے روکتے تھے تو مالی بخل مراد ہے' بخل' امساک ایسے ہی سخاوت وجود میں فرق پہلے بیان ہو چکا اس سے مراد یا پادریوں کے ماتحت لوگ ہیں یا جماعت انصار۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو متکبر شیخی خورے ہوں اور خود بھی مالی یا علمی یا دینی کنجوس ہوں اپنے ماتحت علماء کو یا جماعت انصار کو یا دوسروں کو بخل و کنجوسی کا حکم یا مشورے دیں' **ویکتمون ما اتٰھم اللہ من فضلہ** یہ جملہ یامرون پر معطوف ہے کتم' اخفاء' اور سر تینوں کے معنی چھپانا ہے' مگر کتم میں مبالغہ ہے' یعنی بالکل چھپانا کہ کسی کو ہوا نہ لگے اکثر یہ لفظ ناحق چھپانے پر بولا جاتا ہے' چور سے مال نااھل سے علم کے اسرار چھپانا کتم نہیں ما سے مراد یا مال ہے یا علم یا دین یا ان سب کو عام فضل بمعنی مہربانی بغیر استحقاق کسی کو کچھ دینا' یعنی انہیں اللہ نے جو مال یا علم محض اپنے فضل و کرم سے عطا فرمایا اسے لوگوں سے ناحق چھپاتے ہیں کہ لوگوں کو توریت و انجیل نہیں سکھاتے اور توریت کی وہ آیات جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے ان کا کسی سے تذکرہ نہیں کرتے **واعتدنا للکفرین عذابا مھینا** اعتدنا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں' چونکہ کفار مال کے بخیل بھی تھے' علم دین کے بخیل بھی اسلئے ان دونوں بخیلوں کو لفظ کافرین سے تعبیر فرمایا عذاب عذب سے بنا بمعنی روکنا اسلئے میٹھے پانی کو عذب کہتے ہیں کہ وہ پیاس روک دیتا ہے' سزا کو اسلئے عذاب کہا جاتا ہے اس سے جرم رکتے ہیں' مھینا اہانتہ سے بنا بمعنی ذلت و خواری رسوائی دینا' یعنی ہم نے اس قسم کے یا تمام کافروں کیلئے خواری والا عذاب تیار کر رکھا ہے لٰہذا اس قسم کی حرکتوں سے بچو تاکہ عذاب سے امان میں رہو۔

خلاصہ ء تفسیر: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دس باتوں کا حکم دیا اور پانچ باتوں کی برائی بیان فرما کر ان سے روکا' چنانچہ اللہ کی عبادت' ماں باپ سے سلوک' قرابتداروں' یتیموں' مسکینوں' قریب کے پڑوسیوں' دور کے پڑوسیوں' ہر قسم کے ساتھیوں' مسافروں' لونڈی غلاموں بلکہ جانوروں سے اچھے برتاؤں کا حکم دیا اور تکبر' شیخی' کنجوسی کا مشورہ دینا' اللہ کی نعمتیں

www.alahazratnetwork.org

چھپانا' ان سے منع فرمایا' چنانچہ فرمایا اے مسلمانو یا اے سارے بندو اللہ تعالیٰ کی ہر قسم کی عبادت کرو' جانی' جسمانی مالی اس کا شریک کسی کو نہ بناؤ اور اپنے ماں باپ سے ہر قسم کی بھلائی کرو' بدنی' مالی' احترام والی اور ہر قسم کی قرابتداروں یتیموں مسکینوں' قریبی پڑوسیوں' دور کے پڑوسیوں' مدرسہ یا پیشہ یا سفر یا تعلیم یا بچپن کے ساتھیوں یا اپنی بیویوں' مسافروں' راہگذاروں اپنی لونڈی' غلاموں' نوکروں' مملوکہ جانوروں سے اچھا سلوک کرو یہ صفات رب تعالیٰ کو بہت پسند ہیں۔ یقین کرو کہ اللہ ایسے لوگوں کو ناپسند کرتا ہے جو متکبر شیخی خورے ہوں خود بھی بخل کرتے ہیں لوگوں کو بھی کنجوسی کے مشورے دیں' اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو چھپائیں اس قسم کے لوگ پکے کافر ہیں اور ہم نے کفار کیلئے سخت ذلت و رسوائی کا عذاب مقرر کر دیا ہے' اگر ان عذابوں سے بچنا ہے تو اسکی فرمانبرداری کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** ہر شخص پر اللہ کی عبادت ضروری ہے کہ کوئی شخص اسکی عبادت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا خواہ کسی درجہ کا انسان ہو جیسا کہ اعبدوا کے عموم سے معلوم ہوا حتیٰ کہ کافر پر فرض ہے کہ ایمان لائے اور اللہ کی عبادت کرے۔

زندگی آمد برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

دوسرا فائدہ: ہر شخص پر اسکی حیثیت کے لائق عبادت لازم ہے فقیر صرف بدنی عبادات کرے امیر مالی بھی کرے' جیسا کہ اعبدو کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا تعلق:** ماں باپ کی خدمت بڑا ہی اہم ضروری کام ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد اسکا حکم دیا اور تمام اہل قرابت کے حق سے پہلے انکے حقوق بیان فرمائے خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت جگہ ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا ایک یہاں اور دوسری **وقضی ربک ان لا تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احسانا** تیسری ان اشکرلی ولوالدیک ان تینوں جگہ میں اپنی عبادت و شکر کے ساتھ ماں باپ سے سلوک کا ذکر فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے' دیکھو رب تعالیٰ کا حکم ہے' ماں باپ دونوں کے ساتھ سلوک کرو مگر عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وبرا بوالدتی** اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنیوالا ہوں' اگر آپ کا باپ بھی ہوتا تو بوالدی فرماتے۔ اگر باپ فوت بھی ہو جائے تب بھی اس سے بھلائی کی جائے' جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا' **پانچواں فائدہ:** ماں باپ اگرچہ کافر ہوں' مگر ان سے سلوک کرنا انکی ہر جائز بات ماننا چاہئے: جیسا کہ والدین کے اطلاق سے معلوم ہوا **چھٹا فائدہ:** والدین میں دادا دادی' نانا نانی' چچا وغیرہ داخل نہیں ہوتے بلکہ یہ لوگ اقربون یا ذی القربیٰ میں داخل ہوتے ہیں' دیکھو یہاں ان لوگوں کو ذی القربیٰ میں داخل کیا گیا' لہذا مماترک الوالدان والاقربون میں والدین سے مراد صرف سگے ماں باپ ہیں۔ اور اقربون میں دادا وغیرہ داخل ہیں' لہذا بیٹے کے ہوتے پوتا پوتی محروم ہوگا' جیسا کہ چوتھے پارہ میں عرض کیا گیا' **ساتواں فائدہ:** پڑوسی اگرچہ کافر و مشرک ہو مگر اس سے بھی اچھا سلوک کرنا چاہئے' جیسا کہ والجار کے اطلاق سے معلوم ہوا چنانچہ ابو نعیم اور بزاز نے بروایت حضرت جابر مرفوعاً روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑوسی تین قسم کے ہیں' ایک وہ جن کے تین حق ہیں' پڑوسیت' قرابت' اسلام' دوسرے وہ جنکے دو حق ہیں' پڑوسیت اسلام' تیسرے وہ جن کا ایک حق ہے' صرف پڑوسیت کا جیسے مشرک یا اہل کتاب پڑوسی' بخاری نے کتاب الادب میں حضرت ابن عمر سے روایت فرمایا کہ انکے ہاں بکری ذبح کی گئی تو آپ نے

www.alahazratnetwork.org

اپنے غلام سے فرمایا کہ ہمارے یہودی پڑوسی کو بھی گوشت دے آؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ مجھے جبرئیل نے پڑوسی کے متعلق اس قدر تاکید کی کہ میں نے تو گمان کیا کہ اسے وارث بنا دیا جائیگا۔ آٹھواں فائدہ: قریب کے پڑوسی کا بمقابلہ دور کے پڑوسی کے زیادہ حق ہے' دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے جارذی القربی کا ذکر' جار جنب سے پہلے فرمایا۔ نواں فائدہ: ساتھی کا بھی حق ہے' خواہ سبق کا ساتھی ہو یا سفر کا یا پیشہ کا یا بچپن کا یا گھر کا' حضرت صدیق اکبر تو حضور کے گھر' سفر' قبر' بچپن' جوانی اور بڑھاپے کے ساتھی ہیں۔ اور دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' سمجھ لو کہ حضور پر انکے کتنے حقوق ہیں' اور حضور نے جو تمام جہان کے داتا ہیں انہیں کیا کچھ دیا ہوگا' علماء فرماتے ہیں ایک مسجد میں نماز پڑھنے والے مسلمان بھی اس میں داخل ہیں' انکے بھی حقوق ہیں' کہ وہ نماز کے ساتھی ہیں۔ دسواں فائدہ: مہمان کا بھی تم پر حق ہے کہ وہ بھی ابن سبیل یعنی مسافر میں داخل ہے' مہمان وہ ہے جو ہم سے ملنے آئے' جو اپنے کام کیلئے ہمارے پاس آیا وہ ہمارا مہمان نہیں' جیسے حاکم کے پاس مقدمہ والے یا مفتی کے پاس مسئلہ پوچھنے والے۔ گیارھواں فائدہ: لونڈی' غلام' نوکر چاکر' مملوکہ جانوروں کا بھی ہم پر حق ہے انکا حق مارنے پر بھی قیامت میں پکڑ ہوگی' حدیث شریف میں ہے کہ ایک عورت اسلئے دوزخ میں گئی' کہ اس نے بلی پالی ہوئی تھی۔ اسے باندھ دیا نہ کھانے کو دیا نہ چھوڑا حتی کہ وہ بھوکی مرگئی' دوسری حدیث میں ہے کہ ایک رنڈی اسلئے بخش دی گئی کہ اس نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا کر اسکی جان بچائی' افسوس ہے کہ اب مسلمان مسلمان بھائی کا حق ادا نہیں کرتے' اسلام نے جانوروں کے حقوق مقرر فرمائے ہیں۔ بارھواں فائدہ: اللہ کی نعمت کا چرچا کرنا شکر ہے۔ اسکی نعمت چھپانا کفران اور ناشکری ہے۔ ناشکری سے رب تعالیٰ بہت ناراض ہے' جیسا کہ و یکتمون سے معلوم ہوا' لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ اپنی صورت سیرت سے اپنا اسلام ظاہر کرے کہ اسلام بھی اللہ کی نعمت ہے اسے ظاہر کرو۔ تیرھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمان کو اگر سزا بھی دیگا تو اسے رسوا و ذلیل نہ کریگا' جیسا کہ للکفرین کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا۔ چودھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نعت کی آیات چھپانا' بھی حضور کے فضائل بیان نہ کرنا' یا بیان کرنے میں کوتاہی کرنا' انتہائی درجہ کا بخل ہے' جیسا کہ یبخلون کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا' اس سے وہ وہابی عبرت پکڑیں' جو کبھی نعت شریف بیان کرنا جانتے ہی نہیں۔ یہ علماء یہود کے وارث ہمیشہ **انما انا بشر مثلکم** ہی بیان کرتے ہیں۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے   پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

فضائل کی روایات کو ہر طرح ضعیف ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں' جہاں نقص کا بہانہ ہے۔ وہ آنکھ بند کرکے مان لیتے ہیں۔

پہلا اعتراض: آج کل مسلمان ولیوں نبیوں کو پوجتے ہیں' انکی قبروں پر چڑھاوے' قبریں چومنا قبروں پر چادریں چڑھانا' انکا احترام کرنا' یہ انکی عبادت ہے۔ کفار و مشرکین بتوں کو پوجتے تھے' یہ قبروں کو' رب نے حکم دیا ہے کہ صرف اللہ کو پوجو (وہابی دیوبندی) جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر چڑھاوا چڑھانا' چومنا' ادب کرنا عبادت ہے' تو کعبہ معظمہ پر غلاف چڑھانا کعبہ کی عبادت ہوئی' مقام ابراہیم پتھر پر غلاف چڑھانا اس پتھر کی عبادت ہوئی' سنگ اسود' علماء دیوبند کے ہاتھ چومنا یہ سب عبادتیں ہوئیں' سب غیر اللہ کے پجاری ہوئے' جواب تحقیقی یہ ہے کہ عبادت ہر وقت وہ تعظیم ہے جو کسی کو الہ یا الہ کی مثل مان کر کی جاوے جب تک کہ یہ عقیدہ نہ ہو تب تک کوئی تعظیم عبادت نہیں ہوتی'

www.alahazratnetwork.org

اسکی تحقیق ابھی تفسیر میں کردی گی۔ اور اس تفسیر کے پہلے پارے اور جاء الحق جلد اول میں کی جاچکی ہے عبادت میں اپنی عبدیت اور دوسرے کی معبودیت کا عقیدہ ضروری ہے' **دوسرا اعتراض:** خدا وہ ہے جسے علم غیب ہو' جو مدبر عالم ہو جو فریاد رسی کرے' جو مشکل کشائی کرے' جو بیٹا دے جو شفا دے' جو دور سے سنے دیکھے اسے دور سے پکارا جائے' آجکل مسلمان ولیوں' نبیوں کو علم غیب وغیرہ مانتے ہیں' ان سے فریادیں کرتے ہیں یہ سب مشرک ہیں' ان سے پناہ مانگنا شفا مانگنا شرک ہے۔ (دیوبندی وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس صورت میں لازم ہو گا کہ آدم علیہ السلام' سلیمان علیہ السلام' یوسف علیہ السلام اور حضرت جبرئیل وغیرہ تمام حضرات خدا ہو جائیں کہ رب نے حضرت آدم و عیسیٰ کو علم غیب بخشا حضرت سلیمان نے تین میل دور سے چیونٹی کی آواز سن لی' سمجھ لی' حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے شفا دی' عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باذن الٰہی میں مردے زندہ کرتا ہوں کوڑھے' اندھوں کو شفا دیتا ہوں یہ صفات ہرگز مدار الوہیت نہیں کہ رب تعالیٰ نے بندوں کو بخشے ہیں' جواب تحقیقی یہ ہے کہ مدار الوہیت غنا اور بے نیازی ہے الٰہ وہ ہے جو بے نیاز ہو غنی ہو خود فرماتا ہے اللہ الصمد اور فرماتا ہے واللہ غنی عن العالمین بندہ وہ ہے جو نیازمند اور رب کا حاجتمند ہو فرماتا ہے واللہ الغنی وانتم الفقراء علم غیب' شفاء امراض فریادرسی وغیرہ رب تعالیٰ کی ذاتی صفات ہیں کسی کی دی ہوئی نہیں' بعض بندوں کو یہ صفتیں ملی مگر وہ عطائی ہیں یعنی رب تعالیٰ کی دی ہوئی' اسکے قبضہ میں لہٰذا ان صفات میں رب تعالیٰ غنی ہے وہ اللہ ہے بندہ نیازمند ہے وہ الٰہ نہیں بے نیازی و نیازمندی ہی بندہ اور اللہ میں فرق کا باعث ہے' خالقیت' مالکیت' ازلی ابدی ہونا' سب بے نیازی میں آگیا۔ **تیسرا اعتراض:** پھر تو مشرکین عرب بھی مشرک نہ رہے' کیونکہ وہ اپنے بتوں اور جھوٹے معبودوں کو رب کا بندہ ہی مانتے تھے' رب سے بے نیاز نہ مانتے تھے' اپنے تلبیہ میں کہتے تھے کہ لا شریک لک الا شریکا ھو لک تملکہ وما ملک' خدایا تیرا کوئی شریک نہیں سوا ایک شریک کے جو وہ بھی تیرا بندہ ہی ہے' خود قرآن مجید فرماتا ہے کہ اگر تم ان مشرکوں سے پوچھو کہ آسمان زمین کس نے پیدا کیے تو کہیں گے اللہ نے اگر تم پوچھو کہ بارش کون برساتا ہے روزی کون دیتا ہے تو کہیں گے اللہ۔ جب وہ لوگ آسمان زمین کا خالق مالک مدبر امر روزی رساں صرف خدا کو مانتے تھے' تو پھر مشرک کیوں ہوئے صرف اس وجہ سے کہ وہ اپنے بتوں کو غیب دان فریادرس وغیرہ مانتے تھے یہ عطاء الٰہی یہی تم انبیاء اولیاء کیلئے عقیدہ رکھتے ہو' لہٰذا تم بھی ان ہی کی طرح مشرک ہو۔ **نوٹ:** موجودہ وہابی دیوبندیوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے' اس پر مولوی مودودی وغیرہ نے بہت زور دیا ہے۔ **جواب:** مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کی مثل مانتے تھے اس لئے مشرک تھے' چنانچہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے' اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے' بعض بتوں کو مستقل خالق بے نیاز مانتے تھے جیسے مجوسی بعض مشرکین اپنے بتوں کو خدا کا بندہ مملوک مقبوض مان کر پھر انہیں خدا کی مثل مانتے تھے کہ پیدا ہونے میں یہ بت خدا کے محتاج ہیں اور دنیاوی انتظام میں خدا ان کا محتاج حاجتمندی میں یہ بت اور خدا برابر ہیں' خدا سے برابری کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ بندے کو اونچا کر کے خدا تک پہنچا دیا جائے دوسرے یہ کہ خدا کو نیچا کر کے بندوں کی صف میں داخل کر دیا جائے' یہ مشرک خدا کو بتوں کا محتاج مان کر اسے بندوں کے برابر کر دیتے ہیں۔ لہٰذا مشرک تھے بہر حال بے نیازی خدا کی صفت ہے نیازمندی بندے کی صفت فرق الوہیت و بندگی اسی سے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ذی القربیٰ میں ماں باپ بھی داخل تھے پھر ماں باپ کا ذکر علیحدہ کیوں کیا۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ماں باپ تمام قرابتداروں سے افضل اکمل ہیں کہ تمام کے رشتے ماں باپ کے ذریعہ سے ہیں کہ انکی اولاد ہماری بھائی

www.alahazratnetwork.org

بہن' انکے باپ دادے ہمارے اصول ہیں انکے بھائی ہمارے چچا' ماموں وغیرہ نیز انکے حقوق تمام رشتہ داروں سے زیادہ ہیں' اسلئے انکا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔ **پانچواں اعتراض:** مساکین میں تو یتیم بھی شامل تھے پھر انکا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا۔ **جواب:** اسلئے کہ یہ یتیم مسکین بھی ہے' اور بے کس بھی بے زور بھی اسلئے یہ ہی زیادہ امداد کا مستحق ہے' یہ علیحدہ ذکر فرمانا بھی خصوصیت کے اظہار کیلئے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے کفار کیلئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے' تو کیا مذکورہ حقوق ادا نہ کرنیوالا کافر نہیں ہے تو یہاں کافروں کا ذکر بے کار ہوا۔ **جواب:** اس جملہ سے متصل لوگوں کو بخل کا حکم دینا مذکور ہوا اور واقعی جو زکوۃ وغیرہ کو برا جانے لوگوں کو اس سے روکے وہ کافر ہے' نیز اللہ کا فضل چھپانے کا ذکر ہوا اور جو شخص حضور کی نعت چھپائے انکار کرے وہ کافر ہے یہ ہر حال میں عبارت گزشتہ مضمون کے بالکل مناسب ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں تکبر شیخی کی برائی بیان ہوئی تو کیا اچھا لباس اچھا مکان بنانا حرام ہے کہ اس میں بھی شیخی عملی ہے۔ **جواب:** ہرگز نہیں بلکہ اگر یہ رب تعالیٰ کی نعمت ظاہر کرنے کیلئے ہو تو عبادت اور باعث ثواب ہے' بلکہ دوسرے مسلمان بھائی کو ذلیل جاننا حق کا انکار کرنا یہ ہے' شیخی وہ ہی یہاں مراد ہے' جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نفس امارہ کی پیروی نفس کی عبادت ہے' جو خدا سے غافل کر دے اسے ماننا شرک ہے حتیٰ کہ اگر تیری ذلت تجھے رب سے غافل کر دے تو اسکا ماننا بھی شرک انا کی فنا توحید ہے۔

نقد ہستی محو کن در لا الہ تا بہ بینی دار ملک بادشاہ
غیر حق ہر ذرہ کاں مقصود تست تیغ لا بر کش کہ آں معبود تست
لا' کہ عرش و فرش را پرے درو از فنا سوئے بقاء رہ می برد
لا' ترا از تو رہائی مے دہد باخدایت آشنائی مے دہد
چوں تو خود را از میاں برداشتی قصر ایماں را درے افراشتی

عابد معبود سے واصل اسی وقت ہو سکتا ہے' جب اپنی ہستی کا پردہ بھی چاک کر دے لا کی تلوار سے ہر غیر اللہ کو ذبح کر دے حتیٰ کہ جنت حاصل کرنے دوزخ سے بچنے کیلئے بھی رب کی عبادت کرنا شرک خفی ہے کہ تو پھر جنت دوزخ کا پجاری ہے' عبدیت سے آگے بڑھو عبودیت تک پہنچو جہاں خوف دنیا و عقبیٰ ختم ہو' تسلیم و رضا تیرا شغل ہو' جب عابد اپنے معبود سے واصل ہو گا تو صفات الٰہی سے موصوف ہو جائے گا' اور اللہ کی صفت احسان بھی ہے اب یہ شخص ماں باپ رشتہ داروں' پڑوسیوں' یتیموں' مسکینوں' مسافروں سے اس طرح احسان کریگا کہ خود صفت احسان کا مظہر اتم ہو گا' اسلئے رب نے پہلے عبادت یا عبودیت کا حکم دیا شرک سے منع فرمایا پھر احسان کی تاکید کی' بخل' تکبر' شیخی وغیرہ نفس کے عیوب ہیں' رب تعالیٰ نہ تو نفس کو پسند فرماتا ہے نہ نفس کے عیوب سے راضی ہے۔ جب بندہ انا کی قید سے آزاد ہو جاتا ہے تو اس سے نفسانی عیوب خود ہی دور ہو جاتے ہیں' ماں باپ وغیرہ سے احسان بھی اسلئے کرو کہ یہ رب کا فرمان ہے جب بندہ بندے سے محبت کرتا ہے اللہ کیلئے' تو یہ محبت و خدمت اللہ کی عبادت ہوتی ہے' اللہ کیلئے ملنا' اللہ کیلئے الگ ہونا بڑا کمال ہے' مولانا جلال الدین اتحاد اولیاء کے متعلق مختلف مقامات پر فرماتے ہیں۔۔۔

www.alahazratnetwork.org

چوں از ایشاں مجتمع بینی دو یار　　ہم یکے باشند وہم شش صد ہزار
بر مثال موجہا اعداد شاں　　در عدد آوردہ باشد بادشاں
تفرقہ در روح حیوانی بود　　نفس واحد روح انسانی بود
مومناں معدود لیک ایماں یکے　　جسم شاں معدود لیکن جاں یکے

مومن موج دریا کی طرح ہیں تعداد میں لاکھوں مگر ایمان و روح میں ایک اللہ تعالیٰ کبھی اس قال کو حال بناوے آمین یہ آیت اخلاق ظاہری باطنی کی بہت جامع ہے۔(از روح البیان)

وَالَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَہُمْ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ

اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھانے کے لئے لوگوں کو اور نہیں ایمان رکھتے اللہ پر اور نہ آخری

اور جو اپنے مال لوگوں کے دکھاوے کو خرچ کرتے ہیں اور ایمان نہیں لاتے اللہ اور نہ قیامت پر اور

الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ یَّکُنِ الشَّیْطٰنُ لَہٗ قَرِیْنًا فَسَآءَ قَرِیْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَیْہِمْ لَوْ اٰمَنُوْا

دن پر اور وہ جو ہو شیطان اس کا ساتھی پس وہ برا ہے ساتھی اور کیا ہے جو ان پر ہوتا اگر ایمان

جس کا مصاحب شیطان ہوا تو کتنا برا مصاحب ہے　　اور ان کا کیا نقصان تھا اگر ایمان لاتے

بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَہُمُ اللّٰہُ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ بِہِمْ عَلِیْمًا ﴿۳۹﴾

لے آتے اللہ اور آخری دن پر اور خرچ کرتے اس سے جو دیا انہیں اللہ نے اور ہے اللہ ان کو جاننے والا

اللہ اور قیامت پر اور اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے اور اللہ ان کو جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے' **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مال نہ خرچ کرنے والوں یعنی کنجوسوں کی برائیاں فرمائی گئی تھیں' اب بیجا خرچ کرنیوالوں یعنی ریاکاروں کی برائیاں بیان ہو رہی ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ کنجوس لوگ اچھی جگہ خرچ نہیں کرتے اب فرمایا جا رہا ہے' کہ کنجوسی کی وجہ سے بچا ہوا مال ناجائز جگہ خرچ کرتے ہیں' وہ مال انکے کام نہیں آتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقین' کفار کے بخل کا ذکر تھا اب اسکی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ شیطان انکا ساتھی ہو چکا' جنکا ساتھی شیطان ہو جائے وہ اچھا کام کیسے کریں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ ماں باپ اہل قرابت وغیرہ پر خرچ کرو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ خرچ دکھاوے کیلئے نہ ہو' اللہ کو راضی کرنے کیلئے ہو یعنی پہلے ایک نیکی کا حکم تھا اب اخلاص کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔

شان نزول: منافقین مدینہ مسلمانوں کو زکوۃ و صدقات سے ڈراتے تھے کہ تم فقیر ہو جاؤ گے' اپنا مال آڑے وقت کیلئے بچا کے رکھو مگر خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں کبھی کبھی مال پیش کرتے تھے' تاکہ ہم پر نفاق کا الزام نہ آجائے لوگ ہم کو مسلمان ہی جانیں' انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی امام واحدی کا یہی قول ہے' بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ

www.alahazratnetwork.org

اور منافقین مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت اسلام سے لوگوں کو پھیرنے اور نام و نمود کے موقعوں پر بے دریغ مال خرچ کرتے تھے مگر اسلامی کاموں پر خرچ کرنے سے گھبراتے تھے انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: **والذین ینفقون اموالھم رئاء الناس۔ الذین** یا تو الذین یبخلون پر معطوف ہے اور لا یحب کا مفعول ہونے کی وجہ سے حالت نصبی میں ہے یا للکفرین پر معطوف ہے اور جری حالت میں ہے یعنی کفار و ریاکاروں کیلئے سخت عذاب ہم نے تیار کیا ہے یا الذین مبتداء ہے جسکی خبر پوشیدہ ہے تب یہ حالت رفعی میں ہوگا لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ الذین سے مراد ریاکار منافقین و کفار ہیں جیسے کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ ینفقون مضارع فرما کر بتایا گیا کہ یہ لوگ ناجائز نیت سے ناجائز مقامات پر خرچ کرتے ہی رہتے ہیں اموال جمع فرما کر اشارہ کیا کہ یہ بدنصیب ریاء کیلئے ہر قسم کے مال خرچ کرتے ہیں روٹی کپڑا پیسہ وغیرہ ریاء رای سے بنا بمعنی دیکھنا باب مفاعلت کا مصدر ہے متعدی ہے یعنی دکھانا یہاں ینفقون کا مفعول لہ ہے الناس سے مراد عام لوگ ہیں مسلمان ہوں یا کفار اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں کیونکہ حضور کو دکھانا انہیں راضی کرنے کیلئے نیکیاں کرنا ریاء نہیں عین عبادت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔ لوگوں کو دکھانے دکھانے کیلئے نیکی کرنا ریاء ہے حضور کو دکھانے کیلئے کرنا اعلیٰ درجہ کا اخلاص **ولا یؤمنون باللہ ولا بالیوم الاخر** یہ عبارت ینفقون پر معطوف ہے اور الذین کا صلہ۔ ارکان ایمان بہت ہیں مگر وہ تمام اللہ اور قیامت کے درمیان ہیں گویا کناروں کا ذکر فرمایا اور تمام ایمانیات مراد لئے۔ خیال رہے: کہ منافقین مذہباً یہود تھے جو اللہ تعالیٰ کو بھی مانتے تھے اور قیامت کو بھی مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اس لئے انکا اللہ اور قیامت کو ماننا مثل نہ ماننے کے قرار دیا گیا یعنی یہ لوگ صحیح طور پر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے کیونکہ اے محبوب تمہارے منکر ہیں۔ **ومن یکن الشیطن لہ قرینا فساء قرینا** یہ عبارت الذین مذکورہ کی خبر نہیں ورنہ اس پر واؤ نہ آتا ف آتا اسکی خبر پوشیدہ ہے فقرینہ شیطان اسکا ساتھی شیطان ہے یہ جملہ علیحدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے جو تمام شیاطین کا مورث اعلیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد وہی شیطان ہو جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے رب فرماتا ہے ومن یعش عن ذکر الرحمٰن نقیض لہ شیطانا فھولہ قرین ممکن ہے کہ اس شیطان سے مراد برے ساتھی ہوں جو اگرچہ انسان ہیں مگر درحقیقت شیطان ہیں کہ اسے بہکاتے رہتے ہیں (تفسیر روح المعانی) قرین قرن سے بنا ہے بمعنی جمع ہونا یا کسی جگہ میں جمع ہونا یا کسی کام میں یا کسی وصف میں اصطلاح میں ساتھی اور دوست کو قرین کہتے ہیں یہاں یہ ہی مراد ہے ابلیس ایسے لوگوں کا دنیا میں ساتھی و دوست ہے یا ہر کافر کا قرین شیطان اسکے ساتھ زنجیر میں باندھ کر دوزخ میں پھینکا جائے گا۔ اسی طرح اس آیت میں اشارہ ہے یعنی ایسے ریاء کاروں کا دنیا و آخرت میں شیطان ساتھی ہے اور جسکا ساتھی شیطان ہو جائے وہ یقیناً برا ساتھی ہے۔

وماذا علیھم لو امنوا باللہ والیوم الاخر۔ ان منافقین کی ریاکاری کا ذکر فرما کر انکی حماقت و بیوقوفی کا ذکر جا رہا ہے کہ اگر وہ لوگ یہ ہی مال ایمان لا کر اللہ کیلئے خرچ کرتے تو انکا بگڑتا کچھ نہیں نفع ہی نفع پاتے ما استفہامیہ ہے جسکا مقصد پوچھنا نہیں بلکہ انکی حماقت کا اظہار ہے ذا بمعنی الذی ہے اسم موصول اس سے مراد نقصان و بال یا تکلیف ہے۔ اسلئے بعد میں علی ارشاد ہوا کہ علی نقصان کیلئے آتا ہے لو آمنو کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ اس سے مراد اللہ اور یوم آخر کو بواسطہ

www.alahazratnetwork.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ماننا ہے' خیال رہے کہ پچھلی آیت میں ایمان کا ذکر آخر میں تھا کیونکہ وہاں منافقین کے خرچ قبول نہ ہونے کی علت بیان کرنے کیلئے آیا تھا یہاں اسکا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ یہ ترغیب کیلئے ہے' لہذا یہاں پہلے ہی ذکر مناسب تھا یعنی اگر یہ منافقین و کفار صحیح طور پر ایمان لے آتے تو انکا حرج کیا تھا' نفع ہی نفع تھا۔ **وانفقوا مما رزقهم الله** یہ عبارت آمنوا پر معطوف ہے چونکہ اعمال ایمان کے بعد ہیں اسلئے ان کا ذکر ایمان کے بعد ہوا۔ انفق کے معنی اور مما رزق کی تحقیق پارہ الم میں ہو چکی کہ انفاق سے مراد اللہ کی رضا کیلئے اچھی جگہ خرچ کرنا ہے من ان سے معلوم ہوا کہ بعض مال خیرات کرنا چاہئے رزق میں اس طرف اشارہ ہے کہ طیب و حلال مال سے خیرات کرے' یعنی یہ لوگ ایمان لا کر اللہ کے دیئے میں سے اس کی راہ میں خرچ کرتے **وکان الله بهم علیما** یہ جملہ خبریہ ہے۔ جس میں ڈرانا بھی ہے' خوشخبری بھی ہم کا مرجع وہ منافقین و کفار ہیں' جنکا ذکر ابھی ہوا' اور اس سے مراد انکی ذات' صفات' حالات' افعال' اخلاص' ریا' وغیرہ سب ہی ہیں' **کان دوام** و استمرار کیلئے ہے' علیم علم کا مبالغہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تھا اور ہے اور رہے گا ان کے تمام حالات کا پورا پورا جاننے والا لہذا اگر ریاء کریں گے تو ہمارے علم میں ہے' اخلاص سے خیرات کریں گے' تو ہم جانتے ہیں' پہلی صورت میں انکو عذاب دیں گے دوسری صورت میں ثواب جو شخص یقین کرلے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہر حال سے خبردار ہے۔ وہ۔ انشاء اللہ تعالیٰ گناہ کرنے کی جرات نہیں کر سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو منافقین و کفار اپنے ہر قسم کے مال' روپیہ' پیسہ' غلہ' کپڑا وغیرہ صرف لوگوں کے دکھاوے اور اپنی ناموری کیلئے خرچ کرتے ہیں' خواہ اچھی جگہ جیسے صدقہ و خیرات وغیرہ یا بری جگہ جیسے اسلام سے روکنے اور آپکے مقابلے کیلئے انکا حال یہ ہے کہ نہ وہ اللہ کو مانتے ہیں' نہ قیامت کو کیونکہ آپکے انکاری ہیں آپکا انکاری اللہ تعالیٰ اور قیامت بلکہ سارے ایمانیات کا منکر ہے ایسے لوگوں کا ساتھی شیطان ہے جو ہر وقت انکے ساتھ رہتا ہے ان سے برے کام کراتا ہے اچھے کاموں سے روکتا ہے' یقین فرماؤ کہ جس کا ساتھی شیطان ہو جائے وہ بہت نقصان میں ہے' کیونکہ برا ساتھی رب کا عذاب ہے' ان بدنصیبوں کا کیا حرج تھا اگر یہ صحیح معنی سے اللہ تعالیٰ یوم قیامت اور تمام ایمانیات پر ایمان لے آتے اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں اچھی جگہ خیرات کرتے اس میں انکا نفع ہی نفع تھا اللہ تعالیٰ انکے ہر حال کو جانتا ہے ان کی موجودہ ریاء کاری سے بھی خبردار ہے' اور اگر اخلاص اختیار کرلیں تو اسکو بھی جانتا ہے' اب انکی مرضی ہے چاہے ریاء کرکے دنیا و آخرت میں اپنا نقصان کرلیں یا اخلاص و ایمان اختیار کرکے اپنا سب کچھ بنالیں نقصان یا نفع ان ہی کا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ریاء کار کے نیک اعمال کا ثواب بالکل نہیں' ثواب کیلئے اخلاص شرط ہے' گھٹتا ہوا تو نہیں اُگتا' اسکی کاشت بیکار ہے' ریاء کاری کے اعمال کی کاشت سے ثواب کی پیداوار نہیں ہوتی۔ **دوسرا فائدہ:** ریاکاری منافقوں کا کام ہے ریاء کار عملی منافق ہے۔ **مسئلہ:** ریاء دو قسم کی ہے' اصل عمل میں ریاء' حسن عمل میں ریا' اصل عمل میں ریا یہ ہے کہ بغیر دکھلاوے کے عمل ہی نہ کرے کوئی دیکھے تو نماز پڑھ لے ورنہ نہیں' حسن عمل میں ریاء یہ ہے کہ لوگوں سامنے اچھی طرح عمل کرے۔ اکیلے میں معمولی طرح۔ پہلی ریا زیادہ بری ہے **تیسرا فائدہ:** کو دکھانے اور اپنی ناموری کیلئے نیکیاں کرنا برا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھانے انہیں خوش کرنے کیلئے نیکیاں کرنا اچھا ہے' زیادہ قابل قبول ہے' جیسا کہ للناس کی تفسیر سے معلوم ہوا' اسی طرح اللہ والوں کو راضی کرنے یا لوگوں کو رغبت دینے کیلئے صدقہ و

www.alahazratnetwork.org

خیرات کرنا بہت اچھا ہے' علانیہ طور پر حج کو جانا لوگوں کے سامنے چندہ دینا اچھا ہے کہ یہ تبلیغ ہے نہ کہ ریاء اس سے ہم لوگ عبرت پکڑیں جو آج اکثر مسلمان حکام کو راضی کرنے بیاہ شادی کی حرام رسوم نام و نمود کیلئے ہزارہا روپیہ خرچ کر دیتے ہیں' اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے گھبراتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے خدا تعالیٰ اور قیامت کو ماننا ایمان نہیں' دیکھو رب نے ان منافقوں کو بے ایمان فرمایا جو خدا تعالیٰ کو بھی مانتے تھے قیامت کو بھی۔ جمال کبریا' آئینہ مصطفوی میں دیکھو شیطان تمام ایمانیات کا اقراری تھا صرف نبی کا انکاری تھا بے ایمان رہا اس سے آجکل کے توحید والے عبرت پکڑیں۔ **پانچواں فائدہ:** جو شیطان کو خوش کرے شیطان اسکے ساتھ رہتا ہے' حتیٰ کہ اسکے ساتھ کھاتا پیتا ہے عورت سے صحبت کرتا ہے اس لئے ہر کام کے اول بسم اللہ پڑھنا چاہئے' تاکہ شیطان دور رہے یہ فائدہ قرین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** شیطان ہر جگہ حاضر و ناظر ہے کہ اکیلا ہے مگر تمام ریاکاروں کے ساتھ رہتا ہے' جیسا کہ شیطان کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے' **انہ یرٰکم ھو و قبیلہ' من حیث لا ترونھم** جب بیماری ایسی طاقتور ہے تو دوا اس سے زیادہ طاقتور چاہئے۔ **ساتواں فائدہ:** جس پر اللہ تعالیٰ خاص کرم کرتا ہے اسے اچھے یار نصیب کرتا ہے' جس پر غضب و قہر ہوتا ہے اسے برے ساتھی میسر ہوتے ہیں اچھے ساتھی اللہ کی رحمت کی علامت ہیں برے ساتھی اسکے غضب کی نشانی۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور کے سارے صحابہ اچھے ہیں کیونکہ یہ حضور کی صحبت کیلئے منتخب ہوئے اگر یہ لوگ برے ہوتے تو رب تعالیٰ انہیں حضور کے ساتھ نہ رکھتا کہ حضور اللہ کے محبوب ہیں اور یہ حضرات محبوب کی ہمراہی کیلئے چنے ہوئے۔ **نواں فائدہ:** مسلمان کو ہر مال میں سے اللہ کی راہ میں خیرات کرنا چاہئے' جیسا کہ اموالھم جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** چاہئے یہ کہ حلال و طیب مال سے خیرات کرے جیسا کہ مما رزقھم اللہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** چاہئے یہ کہ سارا مال خیرات نہ کرے بلکہ بعض مال خیرات کرے بعض اپنے لئے رکھے جیسا کہ مما کے من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ **بارہواں فائدہ:** اس آیت کریمہ میں مذہب جبریہ کا نہایت نفیس رد ہے وہ لوگ انسان کو مجبور محض مانتے ہیں انکا عقیدہ یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے رب کے ارادہ سے ہو رہا ہے' انسان کا کچھ اختیار نہیں' یہاں اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر منافقین و کفار ایمان لے آتے تو انکا کیا حرج تھا یہ گفتگو با اختیار سے کی جاتی ہے' مجبور محض سے نہیں کی جاتی' مثلاً کسی کالے آدمی سے نہیں کہا جاتا کہ اگر تو گورا ہو جاتا تو تیرا کیا حرج تھا ہاں فاسق و بدکار سے کہا جاتا ہے کہ اگر تو نیک ہو جاتا تو تیرا کیا حرج تھا اس سے معلوم ہوا کہ انسان کافر و مومن بننے میں مختار ہے پتھروں کی طرح مجبور نہیں اس اختیار پر سزا جزا ہے' محض مجبور کو نہ سزا دی جاتی ہے نہ جزا۔

پہلا اعتراض: اگر اعمال کا دکھانا منافقوں کا عیب ہے تو اسلام میں بعض نیکیوں کا اظہار ضروری کیوں ہے دیکھو نماز جمعہ' نماز عید' حج وغیرہ علانیہ کرنا ضروری ہے اخلاص کیلئے خفیہ ہونا ضروری ہے کسی شاعر نے کہا ہے:۔

گر عبادت مے کنی بہر خدا   خفیہ کن گر فاش کر دی شد ریا

جواب: ہر اظہار کو ریا نہیں کہتے بلکہ اپنی ناموری و عزت افزائی کیلئے دکھلاوا کرنے کو ریا کہا جاتا ہے' وہی یہاں مراد ہے' اسی کی ممانعت ہے' دوسروں کو رغبت دینے اپنے کو الزام سے بچانے کیلئے نیکیوں کا اظہار اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تبدوا الصدقات فنعما ھی** **دوسرا اعتراض:** یہ آیت منافقوں اور یہود وغیرہ کفار کے متعلق نازل ہوئی یہ دونوں فریق اللہ اور

www.alahazratnetwork.org

قیامت دونوں پر ایمان رکھتے تھے اور اگر کفار مکہ کے متعلق بھی ہو تو وہ بھی اللہ کو مانتے تھے قیامت کے انکاری نہ تھے اسلئے تو وہ حجاج کی خدمت' بیت اللہ کی حفاظت کرتے تھے تاکہ قیامت میں اس کا بدلہ ملے قیامت کا منکر نیک اعمال کیوں کریگا مگر قرآن کریم نے انکے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ اللہ اور قیامت پر ایمان نہیں رکھتے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ دونوں گروہ اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقہ سے نہیں مانتے تھے' مثلاً یہود تو اس کیلئے اولاد ثابت کرتے تھے کہ عزیر علیہ السلام کو رب کا بیٹا کہتے تھے اور مشرکین عرب رب کیلئے بیٹیاں اور شریک مانتے تھے' قیامت کے متعلق بھی انکے عقیدے بہت غلط تھے اسلئے انکا اس طرح ماننا نہ ماننے کی طرح تھا' دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرکے خدا تعالیٰ کو ماننا ایمان نہیں جیسے شیطان کو آپ مومن نہیں کہہ سکتے' لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے' مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین کے ساتھ ہی شیطان رہتا ہے' تو حدیث و قرآن میں موافقت کیسے ہوگی۔ **جواب:** حدیث شریف میں جو قرین کی خبر دی گئی ہے وہاں قرین بمعنی صاحب ساتھی ہے' یہاں قرین سے مراد مصاحب دوست ہے مسلمان اپنے شیطان کو دشمن سمجھ کر اس سے بچنے کی تدبیریں کرتا رہتا ہے کفار اسے دوست سمجھ کر اسکی ہر بات مانتے ہیں' لہٰذا حدیث قرآن میں کوئی تعارض نہیں' کہ حدیث میں جسم کا ساتھی مراد ہے اور یہاں آیت میں دل کا ساتھی۔ اور اگر یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں کہ ابلیس مومن سے بیزار بلکہ بعض سے مایوس ہو جاتا ہے' کفار کا دوست بن کر انکے ساتھ رہتا ہے ان سے حرام کام کراتا رہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مخلص مومن' بہادر اور آخر بین ہے' ریاء کار منافق بزدل اور ظاہر بین۔ منافق دنیا پر قناعت کر بیٹھتا ہے اور آخرت کی بڑی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے' اس لئے وہ خیرات بھی کرتا ہے تو دنیا کیلئے۔ یہاں ان ہی بزدلوں کی بزدلی کا ذکر ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ریاکار کی عبادات ایسی ہیں جیسے کوئی شخص ٹھیکریاں تھیلے میں بھر کر بازار جائے' لوگ اسکا بھرا تھیلا دیکھ کر اسے مالدار سمجھیں مگر کسی دوکان سے سودا نہ مل سکے اسے سواء لوگوں کی تعریف کے کچھ میسر نہ ہو بازار قیامت میں ریاء کے اعمال سے مغفرت کا سودا نہ ملے گا' حضرت حامد لفاف فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کو ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اسے تین چیزوں سے محروم رکھتا ہے علم دیتا ہے عمل کی توفیق سے محروم رکھتا ہے۔ صالحین کی صحبت دیتا ہے ان کے ادب سے محروم رکھتا ہے۔ عبادات دیتا ہے' مگر اخلاص سے محروم رکھتا ہے یہ سب محرومیاں فساد نیت کی وجہ سے ہیں' ریاء زیادہ مہلک بیماری ہے جسکا علاج بہت مشکل ہے' بلکہ بعض صورتوں میں ناممکن ہوتا ہے۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی بڑی نعمت اچھے ساتھی کا میسر ہونا ہے اور رب تعالیٰ کا سخت عذاب دنیا میں برے یار کی صحبت ہے دیکھو ریاکاروں کے متعلق ارشاد ہوا کہ انکا مصاحب شیطان ہے اور قیامت میں ہوگا' جب صحبت کا یہ اثر ہے تو مومن کو چاہیے کہ اچھی صحبت اختیار کرے۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ	وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً يُضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ
بے شک اللہ نہیں ظلم کرتا ذرہ برابر	اور اگر ہو نیکی تو دوگنی کرلیتا اس کو اور دیتا ہے
اللہ ایک ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا	اور اگر کوئی نیکی ہو تو اسے دونی کرتا ہے اور اپنے پاس

لَدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝
پاس سے اپنے ثواب بڑا
سے بڑا ثواب دیتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ریاکار و کفار کی نیکیاں برباد ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس بربادی میں رب تعالیٰ کا ظلم نہیں بلکہ خود انکا اپنا قصور ہے نہ وہ ریاء' کفر کرتے نہ اعمال برباد ہوتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر یہ ریاکار و کفار ایمان لے آتے تو اس میں انکا حرج نہ تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ حرج تو کیا ہوتا بالکل نفع ہی نفع تھا نہیں بہت اجر ملتا یعنی پہلے ایمان کے مضر نہ ہونے کا ذکر تھا اب ایمان کے مفید ہونے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے' اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ رحیم و کریم ہے معمولی نیکی پر بڑا اجر و ثواب دیتا ہے رب کے علم و کرم ایسے اوصاف ہیں' جس سے گنہگاروں کے بیڑے پار لگتے ہیں۔

تفسیر: **ان اللہ لا یظلم** چونکہ بعض بے دین اس مضمون کے پہلے بھی منکر تھے اور اب بھی منکر ہیں رب تعالیٰ کو ظلم پر قادر مانتے ہیں' اسی لئے یہ آیت کریمہ **ان** سے شروع فرمائی گئی ان دفع شک کیلئے آتا ہے' ظلم کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی ملکیت میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا یا کسی چیز کو غیر محل میں استعمال کرنا مگر یہاں اس سے مراد صورۃ "ظلم ہے یعنی مجرم کو قانون سے زیادہ سزا دے دینا اور نیک کار کو بلاوجہ جرمانہ دینا یا بغیر قصور کسی کو دوزخ میں ڈال دینا ان تینوں چیزوں سے رب تعالیٰ پاک ہے اگرچہ یہ چیزیں رب کیلئے ظلم نہیں کہ ہر شخص اسکی ملک ہے جسے جو چاہے دے جو چاہے نہ دے مگر یہ صورۃ" ظلم ہے رب اس سے بھی پاک ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی و روح البیان وغیرہ) لا یظلم کا مفعول پوشیدہ ہے' جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہوا یعنی رب تعالیٰ اپنی کسی مخلوق جن' انس' جانور' فرشتہ وغیرہ پر ظلم نہیں فرماتا۔ ممکن ہے کہ اس سے مراد صرف جن و انس ہوں یا فقط انسان یعنی کسی انسان پر ظلم نہیں کرتا کیونکہ اگلا مضمون اسکی تائید کر رہا ہے' نیکیوں کا جرمانہ انسان کیلئے ہی ہے' مثقال ذرۃ' مثقال ثقل سے بنا بمعنی وزن یا بوجھ مثقال اسم آلہ ہے یعنی وزن کرنے کا آلہ' باٹ یا کٹھ' جس سے چیز تولی جائے مگر اصطلاح میں ایک خاص وزن کو بھی مثقال کہتے ہیں جو چوبیس قیراط کی برابر ہے یعنی ساڑھے چار ماشہ اور مطلقاً مقدار کو بھی کہتے ہیں' یہاں اس آخری معنی میں ہے (روح) ذرۃ ذر سے بنا جسکے معنی ہیں چھڑکنا' بکھیرنا اصطلاح میں اسکے کئی معنی ہیں' چیونٹی کے چھوٹے بچے جن میں سے سو کا وزن ایک جو کے دانہ کی برابر ہوتا ہے' سرخ چھوٹی چیونٹیاں۔ وہ چیزیں جو کسی مکان میں سورج کی کرن پڑنے تو اڑتی نظر آئیں جسے عربی میں ھباء کہا جاتا ہے' چیونٹی کا سر' رائی کے دانہ کا ٹکڑا کسی نے سیدنا عبداللہ ابن عباس سے ذرہ کے معنی پوچھے تو آپ نے اپنا ہاتھ مٹی پر لگایا پھر اس میں پھونک ماری اور فرمایا کہ ان میں سے ہر ایک چیز ذرہ ہے۔ (تفسیر کبیر و روح) غرضیکہ اس سے نہایت حقیر و کم چیز مراد ہے اور مقصود ہے بالکل کی نفی یعنی اللہ تعالیٰ ذرہ کی مقدار برابر بھی کسی پر ظلم نہیں فرماتا یعنی بالکل ظلم نہیں کرتا **وان تک حسنۃ یضعفھا** یہ نیا جملہ ہے بعض قراءتوں میں حسنۃ کے پیش سے اس صورت میں تک تامہ ہوگا۔ ہماری قراءۃ میں حسنۃ کے زبر سے ہے تک ناقصہ ہے اسکا اسم

www.alahazratnetwork.org

ھی ضمیر ہے جو مثقال کی طرف لوٹتی ہے اگرچہ مثقال خود مذکر ہے لیکن چونکہ اسکا مضاف الیہ مونث ہے اور خبر بھی مونث اس لئے اسکی طرف ضمیر مونث لوٹ گئی' خیال رہے کہ تک اصل میں تکون تھا ان شرطیہ کی وجہ سے نون ساکن ہوا۔ تو واو گر گیا' پھر تخفیف کیلئے نون بھی گرا دیا گیا' قرآن مجید میں ان تک بھی آیا اور ان تکن بھی رب فرماتا ہے **ان یکن غنیا او فقیرا** یضاعف ضعف سے بنا بمعنی چند در چند حسنہ سے مراد یا تو مطلقاً نیکی ہے یا معمولی سی نیکی خواہ بدنی ہو یا مالی' زیادتی سے یہاں زیادتی کیفیت مراد ہے یعنی اگر کسی کے پاس ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی تو رب تعالیٰ اسے صدہا گنا زیادہ فرمادیگا' یہ اسکی کریمی ہے **ویؤت من لدنہ اجرا عظیما** یہ جملہ یضاعف پر معطوف ہے اور ان کی دوسری جزاء لدن اور عند دونوں کے معنی ہیں پاس و نزدیک مگر عند عام ہے اور لدن خاص چنانچہ اگر آپکا روپیہ کسی دوسری جگہ میں ہو تو آپ کہہ سکتے ہیں عندی کذا مگر لدن وہاں ہی کہا جائیگا' جب روپیہ اپنے پاس اور قبضہ میں ہو (تفسیر کبیر) یؤت کا مفعول پوشیدہ ہے ضمیر نیک کار کی طرف راجع ہے یعنی رب تعالیٰ نیک کار کو جزاء کے علاوہ اپنی طرف سے بہت بڑا ثواب بھی دیگا جو اسکے کسی عمل کی عوض نہ ہوگا' دیدار الٰہی' جنت میں محبت الٰہی معرفت الٰہی وغیرہ اسے اجر فرمانا مجازا ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ)۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ذرہ بھر بھی ظلم نہیں فرماتا کہ کسی کو بغیر قصور یا قصور سے زیادہ سزا دے یا نیک کار کو جزاء نہ دے یا اسکی نیکیوں سے کم دے یہ ہو ہی نہیں سکتا وہ تو ایسا کریم ہے کہ اگر کسی انسان کے پاس ذرہ برابر بھی نیکی ہوگی اسے رب تعالیٰ ان گنت زیادہ فرمادیگا' اس زیادتی کی کیفیت بندوں کے گمان سے وراء ہے اس پر بس نہیں وہ تو اپنے کرم سے اسکے علاوہ اور بہت بڑا ثواب بخشے گا اپنا دیدار اپنا ذوق و شوق و محبت بھی عطا کرے گا' ترمذی نے حضرت عبد اللہ ابن عمرو ابن عاص سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری امت میں ایک شخص کے سامنے ننانوے دفتر اسکے گناہوں کے پھیلائے جائیں گے' ہر دفتر تا حد نظر ہوگا رب تعالیٰ اس سے فرمائے گا کہ کیا تو ان گناہوں میں سے کسی کا انکار کرتا ہے کیا تجھ پر کاتبین اعمال فرشتوں نے ظلم کیا ہے کہ تیرے بغیر کئے گناہ لکھ دیئے بندہ عرض کریگا' نہیں یارب پھر فرمائے گا کیا تجھے ان گناہوں کے متعلق کوئی عذر یا معذرت ہے عرض کریگا کچھ نہیں فرمائے گا تیری ایک نیکی بھی ہمارے پاس ہے تجھ پر ظلم نہ ہوگا چنانچہ ایک پرچہ لایا جائے گا' جس میں کلمہ طیبہ اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ لکھا ہوگا' حکم ہوگا جا ان دفتروں کا اس پرچہ سے وزن کرالے بندہ عرض کریگا' مولیٰ اس پرچہ کی ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا حقیقت ہے فرمایا جائیگا' تجھ پر ظلم نہ ہوگا' وزن کرا چنانچہ نیکیوں کے پلہ میں یہ پرچہ گناہوں کے پلہ میں وہ دفتر رکھے جائیں گے' پرچہ بھاری ہوگا وہ دفتر ہلکے اور بندہ بخش دیا جائیگا' کیوں نہ ہو کہ یہ تھے اسکے کام اور وہ تھا اللہ رسول کا نام۔

پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے

یہاں تفسیر خازن نے بخشش' شفاعت کی اور بہت سی احادیث نقل فرمائیں۔ بہر حال اللہ تعالیٰ کا کرم عنایت اور اس آیت کا ظہور ان شاء اللہ قیامت میں آنکھوں دیکھا جائے گا۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کسی شخص کی معمولی نیکی بھی رب تعالیٰ ضائع نہیں فرماتا کہ اسے رب نے ظلم قرار دیا ہے اور ظلم سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔ جیسا کہ لا یظلم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: اللہ

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کسی بندے کو بغیر جرم دوزخ میں نہیں بھیجے گا لہٰذا کفار کے نا سمجھ فوت شدہ بچے اور وہ جنکی عمر جنون میں گزری دوزخ میں نہیں ڈالے جائیں گے کیونکہ اسے رب نے ظلم قرار دیا اور وہ کریم ظلم سے پاک ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کسی مجرم کو جرم سے زیادہ سزا نہ دی جائے گی کہ اسے بھی ظلم قرار دیا گیا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کسی کی نیکیاں بلا وجہ ضبط نہ فرمائی جائیں گی کہ اسے بھی رب نے ظلم قرار دیا اور وعدہ فرمالیا کہ اللہ تعالیٰ کسی قسم کا ظلم نہ کرے گا۔ **پانچواں فائدہ:** انسان 'جانور 'فرشتے' جنات۔ غرض کسی بندے پر ظلم نہ ہو گا جیسا کہ لا یظلم کے اطلاق اور مظلوم کے پوشیدہ رکھنے سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مومن دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہ سکتا ضرور جنت میں جائے گا کیونکہ کلمہ پر مرنا بھی نیکی ہے اور کوئی نیکی رب ضائع نہ فرمائے گا۔ جیسا کہ یضاعفہا سے معلوم ہوا (کبیر) **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی نیک کار کو بقدر نیکی ہی ثواب نہ دیگا بلکہ بہت زیادہ عطا فرمائے گا جیسا کہ یضاعفہا کے وعدے سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** رب تعالیٰ نیک کاروں کو صرف انکے اعمال کی جزا ہی نہ دیگا بلکہ اپنے فضل سے اور بہت کچھ دیگا جو کسی عمل کی جزا نہ ہو گی جیسا کہ **ویؤت من لدنہ** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** وہ عطیہ خاص تمام ثوابوں سے بڑھ چڑھ کر ہو گا کیونکہ یہاں اسے عظیم فرمایا گیا چنانچہ مسلم شریف میں وارد ہے کہ جنتیوں سے فرمایا جائیگا کہ ہم تم کو ان تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر نعمت دیں گے عرض کریں گے مولیٰ ان نعمتوں سے بڑھ کر کونسی نعمت ہو گی فرمائیگا کہ تم سے راضی رہوں گا کبھی ناراض نہ ہونگا (تفسیر خازن) **دسواں فائدہ:** گناہوں کی طرح نیکیاں بھی صغیرہ و کبیرہ ہوتی ہیں جیسا کہ **وان تک حسنۃ** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم کر سکتا تو ہے مگر کرے گا نہیں کیونکہ اس نے ظلم نہ کرنے سے اپنی تعریف فرمائی اور تعریف جب ہی ہو سکتی ہے کہ برائی کر سکے مگر کرے نہیں دیکھو ہم نامرد کی تعریف نہیں کرتے کہ وہ زنا نہیں کرتا یا دیوار کی تعریف نہیں کرتے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی لہٰذا رب تعالیٰ ظلم پر قادر ہے۔ (معتزلہ) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں: ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی صفت یہ بھی ہے کہ **لا تاخذہ سنۃ ولا نوم** اسے اونگھ و نیند نہیں آتی یا اسے موت نہیں آتی تو چاہئے کہ وہ سونے مرنے پر بھی قادر ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی عیب کا اس تک نہ پہنچ سکنا اسکے اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ (تفسیر کبیر)۔

نوٹ ضروری۔ یہ اعتراض و جواب تفسیر کبیر نے ذکر کیا اس سے موجودہ اسماعیلی دیوبندی فرقہ کو سبق لینا چاہئے کہ انکے امام اسماعیل دہلوی نے رب تعالیٰ کیلئے جھوٹ ممکن مانا اور اسکی یہی دلیل دی جو معتزلہ نے امکان ظلم کیلئے دلیل دی ہے معلوم ہوا کہ دیوبندی اس مسئلہ میں فرقہ ضالہ معتزلہ کے شاگرد ہیں دیکھو رسالہ یکروزی مصنفہ اسمٰعیل دہلوی۔ **دوسرا اعتراض:** جب رب تعالیٰ ذرہ بھر بھی ظلم کرتا تو کفار کی نیکیاں برباد کیوں کر دیتا ہے انہیں انکا ثواب کیوں نہ دیگا (آریہ) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ کفار کی نیکیاں دراصل نیکیاں ہی نہیں کیونکہ نیکی کیلئے ایمان شرط ہے بغیر ایمان کوئی عمل نیک نہیں ہوتا پھر انہیں ثواب کس چیز کا دیا جائے بغیر وضو نماز نہیں ہوتی بغیر ایمان نیکی نہیں ہوتی گھنا ہوا دانہ پودا نہیں اگاتا۔ زہریلا کھانا نفع نہیں پہنچاتا ناشاستہ نکلا ہوا گندم کا دانہ روٹی پکانے کے لائق نہیں۔ دوسرے یہ کہ کفار کی نیکیوں کا بدلہ دنیا کی نعمتیں ہیں وہ یہاں اللہ کی نعمتیں کھا پی لیتے ہیں۔ دنیا میں عیش و آرام کر لیتے ہیں یہ بدلہ مل گیا۔ **تیسرا اعتراض:** دنیا میں جن

www.alahazratnetwork.org

قوموں پر عذاب آیا اس عذاب میں چھوٹے بچے جانور بھی ہلاک کر دیئے گئے۔ انہوں نے کیا قصور کیا تھا انکو بغیر جرم ہلاک کرنا ظلم ہے حالانکہ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ **جواب:** دنیاوی عذاب مجرم کفار کیلئے عذاب ہوتے ہیں بے قصور انسانوں کیلئے رحمت الٰہی کا ذریعہ کہ اسکے عوض انہیں آخرت میں اچھے بدلے دے دیئے جاتے ہیں۔ رہے جانور تو انکا وجود انسانوں کیلئے تھا۔ جب انسان ہی نہ رہے۔ تو ان سامانوں کی کیا ضرورت تھی اسلئے وہ ختم کر دیئے جاتے ہیں لہٰذا یہ ہلاکت ان کیلئے بھی عذاب نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** دنیا میں چھوٹے ناسمجھ بچوں اور دیوانوں پر بیماریاں تکالیف کیوں آتی ہیں۔ انہوں نے کونسا قصور کیا ہے بغیر قصور انہیں تکلیف دینا ظلم ہے (آریہ) **جواب:** دنیا کی تکلیف عذاب نہیں یہ ملکی انتظام ہے نظام عالم اس سے قائم ہے کہ بعض امیر ہوں بعض غریب بعض آرام سے ہوں بعض تکلیف میں پنڈت جی تم جو اپنے بچوں کو اسکول بھیجتے ہو ان پر پابندی شب بیداری کی قید لگاتے ہو انہوں نے تمہارا کیا بگاڑا ہے یہ پابندیاں سختیاں عذاب نہیں آئندہ ترقی کا ذریعہ دنیا کی ہر تکلیف کو عذاب سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں جو فرمایا گیا کہ نیک کار کو رب تعالیٰ اپنے پاس سے بڑا اجر دیگا۔ اس سے کیا مراد ہے نیکیوں کا اجر تو یضٰعفھا میں آچکا کہ اگر یہ عطیہ بغیر عمل ہے تو اسے اجر کیوں کہا گیا۔ **نوٹ:** اس اعتراض کو تفسیر کبیر نے بڑی اہمیت دی۔ **جواب:** اسکے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حسنۃ سے مراد تھے جسمانی یا مالی نیک اعمال۔ اسکے بارے میں فرمایا گیا یضٰعفھا اور اس جملہ سے مراد ہے بندے کے ایمان اخلاص عشق رسول خوف خدا کا اجر یہ نہایت ہی عظیم الشان ہوگا۔ دوسرے یہ کہ یضٰعفھا سے مراد نیکی کی جنس کا ثواب اور اس جملہ سے مراد ہے اس کے علاوہ غیر جنسی ثواب۔ تیسرے یہ کہ یضٰعفھا سے مراد تھا ثواب اعمال اور اس جملہ میں مراد ہے خاص عطیہ ربانی جو کسی عمل کی جزا نہیں اسے اجر فرمانا مجازاً ہے کہ وہ لوگ اس عطیہ کے مستحق اپنے نیک اعمال و ایمان کی وجہ سے ہوئے اگر کافر رہتے تو جنت میں نہ آتے جب جنت میں پہنچتے ہی نہیں تو دیدار الٰہی کیسے کرتے اسکے اور بھی جوابات ہیں مگر اس میں کفایت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب خدا تعالیٰ چھوٹی سی نیکی کو برباد نہیں کریگا تو ہزارہا بندوں کے اعمال ضبط کیوں فرمائے گا۔ رب فرماتا ہے **اولٰئک الذین حبطت اعمالھم** یہ ضبطی بھی تو ظلم ہے۔ **جواب:** ضبطی اعمال بندوں کے اپنے قصور سے ہوگی نہ کہ رب تعالیٰ کے ظلم سے دنیا میں ایسے گناہ نہ کرو جن سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں غرضیکہ وہ تو کریم ہے خطا کار ہیں تو ہم۔ **ساتواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ تمام نیک و بد مخلوق کو دوزخ میں ڈال دے تب بھی وہ ظالم نہیں اب اس آیت کا مطلب کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم نہیں کرتا۔ **جواب:** حدیث شریف میں ظلم سے مراد ہے غیر کی ملک میں بغیر اسکی اجازت تصرف کرنا چونکہ سب کا خدا تعالیٰ ہی مالک ہے کوئی دوسرا مالک ہے ہی نہیں لہٰذا اسکی کوئی سزا اس معنی سے ظلم نہیں ہو سکتی اور یہاں آیت میں ظلم سے مراد ہے کسی کو بلا قصور سزا دے دینا یا نیک کار کو بلا وجہ ثواب سے محروم کر دینا لہٰذا آیت و حدیث دونوں درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے دنیاوی کھانوں میں مختلف لذتیں ہیں اور یہاں کی چیزوں میں مختلف خوشبوئیں ایسے ہی اعمال صالحہ عشق و معرفت میں عجیب لذتیں ہیں خاص لوگ تو ان لذتوں کو دنیا ہی میں محسوس کر لیتے ہیں عام مسلمان آخرت میں محسوس کریں گے۔ حضرت بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ اگر آٹھوں دروازہ جنت میرے لئے کھول دیئے جائیں اور وہاں کی تمام نعمتیں مجھے دے دی جائیں تو ان میں وہ مزہ نہ ہوگا جو بوقت سحر رونے آنسو بہانے عشق الٰہی میں سرد آہیں بھرنے میں ہے مالک ابن دینار

فرماتے ہیں کہ لوگ دنیا سے چلے جاتے ہیں اور سب سے زیادہ مزیدار چیز کو نہیں چکھتے لوگوں نے پوچھا وہ کیا چیز ہے فرمایا معرفت الٰہی یہاں ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نیک کاروں کو انکے اعمال کی جزا بھی دیں گے اور اپنی طرف سے خاص عطا بھی یعنی انکے اعمال کی لذت بھی یہ لذت تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہوگی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے خنک آنرا کہ ذات خود شناخت — اندر امن سرمدی قصرے بساخت!
دفع کن از مغز از بینی زکام — تاکہ ریح اللہ در آید از مشام!
ہیچ مگذار از تپ و صفرا اثر — تا بیابی در جہاں طعم شکر!

مبارک ہے وہ بندہ جو اپنے کو پہچان لے اور دنیا میں رہ کر دائمی سرائے میں محل بنا لے اپنی مغز و ناک سے زکام دور کرو تاکہ اللہ کی خوشبو پاؤ بخار صفرا دور کرو تاکہ اس شکر کی لذت پاؤ۔

دل چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی — صیقلی کن صیقلی کن صیقلی!

تاریک دل پر اللہ کے ذکر سے پالش کرو تاکہ دل صاف ہو اور اس میں یار کے جلوے نظر آئیں۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾
کیا کریں گے یہ لوگ جب لائیں گے ہم ہر جماعت سے ایک گواہ اور لائیں گے ہم آپ کو ان پر گواہ
تو کیسی ہوگی جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ و نگہبان لائیں
يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ
اس روز آرزو کریں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی رسول کی کاش برابر کردی جاتی
اس دن تمنا کریں گے وہ جنہوں نے کفر کیا کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین برابر کردی جائے
وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾
ان کے ساتھ زمین اور نہ چھپائیں گے اللہ سے کوئی بات
اور کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ آخرت میں کسی پر ظلم نہ کریگا نیک کاروں کو بدلہ اچھا اور اپنا اعلیٰ فضل دیگا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سب کچھ حضرات انبیاء کی گواہی سے ہوگا تاکہ کسی کو شکایت کا موقع نہ ملے غرضیکہ پچھلی آیت میں ظلم کی نفی تھی اب اسی کے سمجھا دینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ریاکار کفار عذاب دیئے جائیں گے مخلص دیندار ثواب۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں چھانٹ حضرات انبیاء کرام کی گواہی سے ہوگی گویا پہلے مختلف جزاؤں کا ذکر ہوا اب انکے مستحقین کی چھانٹ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کے ہر حال کو جانتا ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس نے اپنے بعض مقبولوں

www.alahazratnetwork.org

کو اپنے اس علم کا مظہر بنایا ہے کہ وہ بھی بہ عطاء الٰہی ہر بندے کے حالات سے خبردار ہیں گویا حمد الٰہی پہلے ہوئی نعت مصطفوی اب ہو رہی ہے چونکہ حمد و نعت سے ہی ایمان میسر ہوتا ہے اسلئے حمد کے بعد نعت کا ذکر ہوا۔

حدیث: بخاری' ترمذی' نسائی' احمد' ابن ابی شیبہ نے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا کہ ہم کو قرآن سناؤ میں نے عرض کیا کہ حضور پر تو قرآن نازل ہوا ہے میں یہ جرأت کیسے کروں فرمایا ہم چاہتے ہیں کہ دوسرے سے قرآن سنیں۔ چنانچہ میں نے سورۂ نساء شروع کی جب میں اس آیت **فکیف اذا جئنا** پر پہنچا تو فرمایا بس کرو میں نے دیکھا کہ حضور کی مبارک آنکھوں سے اشک رواں ہیں جب وہ شاہد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم اس دن کے ہول سے رو رہے ہیں تو مشہود علیہم کا کیا حال ہونا چاہیے (روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور کی نعت عظیم ہے اور ہم لوگوں کیلئے ہیبت عظیم۔

تفسیر: **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید** ۔ فکیف میں ف تو فصیحہ ہے اور کیف یا مبتداء پوشیدہ کی خبر ہے یا خبر پوشیدہ کی مبتداء تب تو پیش کے محل میں ہے یا یصنعون فعل پوشیدہ کا مفعول۔ اس صورت میں نصب کی جگہ میں ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلی دو صورتوں کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی ان کفار و منافقین کا کیسا حال ہو گا یا اس وقت یہ کیا کریں گے **اذا جئنا** ' یوشہد یکون یا یصنعون کا ظرف ہے جئنا سے مراد عدالت الٰہیہ میں پیش کرنا ہے۔ کل امت سے مراد از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں کی ساری امتیں ہیں خواہ امت دعوت ہوں یا امت اجابت لہٰذا اس کلمہ میں سارے انسان شامل ہو گئے کیونکہ سب انسانوں کی طرف انبیاء بھیجے گئے کوئی جماعت نبوت سے خالی نہ رہی رب فرماتا ہے **وان من امۃ الا خلا فیہا نذیر** ۔ شہید اور شاہد کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ شاہد عام ہے ہر قسم کے گواہ کو شاہد کہا جاتا ہے۔ شہید خاص ہے کہ ہر حال کی ہر طرح گواہی دینے والے کو شہید کہتے ہیں یہاں شہید سے مراد امت کے نبی ہیں خواہ ایک امت کے ایک ہی نبی ہوں یا چند جیسے بنی اسرائیل پر زمانہ موسوی میں موسیٰ علیہ السلام بھی نبی تھے اور ہارون علیہ السلام بھی اس جگہ شہید سے مراد کاتب اعمال فرشتے یا اعمال نامے یا ان کے ہاتھ پاؤں یا زمین و زمان مراد نہیں صرف نبی مراد ہیں جیسا کہ من امتہ سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ یہ چیزیں اس امت میں سے نہیں یعنی کیسی حالت ہو گی یا کیسی بنے گی یا یہ لوگ کیسا کریں گے۔ جب ہم قیامت میں ہر امت میں سے اسکے نبی کو اس امت کے موافق و مخالف گواہی دینے کیلئے اپنی عدالت میں حاضر کریں گے **وجئنا بک علی ہؤلاء شہیدا** ۔ **جئنا بک** کے وہی معنی ہیں جو ابھی **جئنا** میں عرض کئے گئے۔ عدالت الٰہیہ میں پیش فرمانا حاضر کرنا۔ بک میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ہؤلاء کے متعلق بعض نے فرمایا حضور کی ساری امت مراد ہے بعض نے فرمایا کہ گزشتہ سارے انبیاء کرام مراد ہیں جنکا ذکر شہید میں ہوا۔ چونکہ وہاں شہید سے مراد ساری امتوں کے سارے نبی تھے لہٰذا اسکی طرف ہؤلاء جمع سے اشارہ درست ہوا۔ مگر پہلی توجیہ بہت ضعیف ہے کہ اس صورت میں یہ عبارت مکرر ہو جائے گی دوسری توجیہ بھی قوی نہیں۔ تیسری و چوتھی توجیہ قوی ہے کیونکہ قرآن کریم کی دوسری آیت اسکی تائید کر رہی ہے رب فرماتا ہے **لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا** تیسری توجیہ میں شہادت بلاواسطہ مراد ہے چوتھی توجیہ میں گواہی بالواسطہ یعنی اے محبوب ہم آپ کو ان انبیاء کرام یا آپ کو اپنی امت پر گواہ بنا کر لائیں

www.alahazratnetwork.org

گے **یومئذ یود الذین کفروا وعصوا الرسول** یہ نیا جملہ ہے جو پچھلے جملہ کی تفصیل کر رہا ہے کہ پہلے میں بطور کلی فرمایا گیا تھا کہ اس دن کیسی آفت ہوگی اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایسی آفت ہوگی کہ کفار یہ آرزو کریں گے۔ یود وُد سے بنا بمعنی محبت کرنا چاہنا تمنا یا آرزو کرنا اس سے ہے ودود اور مودود یہاں آخری معنی مراد ہیں تمنا کرنا تمنا بھی وہ جو پوری نہ ہو سکے۔ الذین کفروا سے یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر مراد ہیں یا گزشتہ امتوں کے منکر مراد ہیں یا سارے ہی کفار مراد ہیں کفر سے ہر قسم کا کفر مراد ہے خواہ الوہیت الٰہیہ کا انکار ہو یا توحید کا انکار یا رسالت کا انکار غرضیکہ ہر بد عقیدگی اس میں شامل ہے عصوا سے ہر بد عمل مراد ہے یا بد عقیدگی مراد دوسری صورت میں یہ کفروا کا بیان ہے پہلی صورت میں علیحدہ چیز کا تذکرہ یعنی اس دن سارے کفار خواہ کسی قسم کے ہوں۔ جنہوں نے بد عقیدگی اور بد عقیدگی کے ساتھ بد عملی اختیار کی اپنے نبی کی نافرمانی کی وہ تمنا و آرزو کریں گے۔ خیال رہے کہ یہاں اللہ کی نافرمانی کا ذکر نہیں ہوا صرف رسول کی نافرمانی کا ذکر ہوا کیونکہ دنیاوی یا اخروی عذاب صرف رسول کی نافرمانی سے ہوتا ہے رب فرماتا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** نیز اللہ کی نافرمانی رسول کی نافرمانی کی ضمن میں ہوتی ہے۔ جیسے رب کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ضمن میں ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** کیونکہ حضور کی معرفت ہی رب کے احکام بندوں تک پہنچتے ہیں اور بغیر احکام پہنچے احکام کی اطاعت یا نافرمانی ممکن نہیں۔ نیز جو کوئی بغیر نبی کے رب کی اطاعت کرے۔ صدقہ خیرات کرے وہ نافرمانی ہی ہے فرمانبرداری رب رسول کی معرفت ہو سکتی ہے ان وجوہ سے یہاں صرف رسول فرمایا گیا **لو تسوی بھم الارض** یہ عبارت یود کا مفعول ہے لو یا تو مصدریہ ہے اور تسوی بمعنی تسویۃ۔ یا بمعنی کاش کے زمین برابر کرنے سے مراد یا تو انہیں مٹی بنا کر زمین سے ملا دیا جانا ہے یا انہیں دوبارہ موت دیکر زمین میں دفن کر دیا جانا ہے یا انکا قیامت میں زندہ نہ ہونا ہمیشہ مردہ رہنا یا ان کا پیدا ہی نہ ہونا مٹی ہی رہنا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسرے احتمال کی طرف مشیر ہے یعنی تمنا کریں گے کہ کاش کہ جانوروں کی طرح ہم بھی مٹی کر کے پیوند زمین کر دیے جاتے یا مٹی ہو جانے اور زمین سے ہموار ہو جانے کی آرزو کریں گے **ولا یکتمون اللہ حدیثا** یہ عبارت یود پر معطوف ہے۔ یکتمون کتم سے بنا بمعنی چھپانا لفظ اللہ سے پہلے من پوشیدہ ہے اس من پوشیدہ کی وجہ سے اللہ منصوب ہے۔ حدیثا یکتمون کا مفعول ہے۔ حدیث سے مراد تمام اقوال اعمال احوال ہیں یعنی کفار و بدکار اللہ تعالیٰ سے اپنا کوئی قول فعل عمل حال نہ چھپا سکیں گے یا نہ چھپائیں گے بلکہ ہر چیز کا صاف صاف اقرار کر لیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آج تو کفار و منافقین ہر قسم کی چالاکی و مکاری کر رہے ہیں کل قیامت میں یہ کیا کریں گے جبکہ کیفیت یہ ہوگی کہ تمام انبیاء کرام اپنی اپنی امت کے موافق و مخالف ہر بات کی گواہی دیں گے ان امتوں کے کفار انبیاء کرام کی تبلیغ اور اپنی بدکاریوں کا انکار کریں گے تو تمہاری امت ان نبیوں کے حق میں گواہی دیگی کہ خدایا یہ سارے نبی سچے ہیں یہ کفار جھوٹے ان حضرات نے اپنی امتوں کو تبلیغ علی وجہ الکمال کی تھی ان مردودوں نے قبول نہ کی تب کفار اعتراض کریں گے کہ یہ امت تو ہمارے زمانوں میں موجود تھی ہی نہیں بغیر دیکھے بھالے گواہی کیسے دے رہی ہے۔ تب آپکی امت عرض کریگی کہ خدایا ہم اپنے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سب واقعات سن کر گواہی دے رہے ہیں ہم سے ان سرکار نے فرمایا تھا کہ تمام انبیاء نے تبلیغیں کیں امتوں نے سرکشی کی تب تمہاری امت کی گواہی اور صفائی کیلئے تم کو عدالت الٰہیہ میں بلایا جائے گا

www.alahazratnetwork.org

تم اپنی امت کی گواہی کی تصدیق کرو گے بالواسطہ ان نبیوں کے حق میں گواہی دو گے اور اپنی امت کی توثیق کرو گے کہ یہ امت مقبول الشہادۃ ہے نیک ہے صالح ہے تمہاری گواہی سے ان انبیاء کرام کی ڈگری ہوگی اور انکی قوموں کی شکست۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام اپنی گواہی کیلئے اپنی امت کو صالحین کو پیش نہ فرمائیں گے بلکہ اس امت کے پیش کریں گے یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس امت پر اور اسکا یہ انتخاب ہے اس گواہی سے حالت یہ ہوگی کہ تمام وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں کفر کیا اپنے رسول کی نافرمانی کی یہ تمنا کریں گے کہ جیسے جانوروں کو ایک دوسرے سے ظلم کا بدلہ دلوا کر مٹی کر دیا گیا۔ وہ دوزخ سے بچ گئے ایسے ہم کو مٹی کر کے پیوند زمین کر دیا جاتا کہ ہم عذاب سے بچ جاتے وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے اپنا کفر و بدکاریاں چھپانے کی کوشش تو بہت کریں گے مگر چھپا نہ سکیں گے اس گواہی سے سب کچھ عیاں ہو جائے گا۔ خیال رہے کہ ان آیتوں کی چھ سات تفسیریں ہو سکتی ہیں جیسا کہ تفسیر میں اشارۃً عرض کیا گیا ہم نے صرف ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کیا جو بہت قوی ہے اور دوسری آیات سے اسکی تائید ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تمام انبیائے کرام اپنی امت کے ظاہری و باطنی اعمال پر مطلع و خبردار ہوتے ہیں بغیر علم کے گواہی کیسی یہ فائدہ شہید سے حاصل ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تمہیں بتا سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تمام انبیاء کرام کی گواہ ہے جیسا کہ یہاں تفسیر سے دوسری جگہ آیت قرآنی سے ثابت ہے **لتکونوا شہداء علی الناس** اور مدعی کو گواہ پیارا ہوتا ہے کہ اسکے مقدمہ کا فیصلہ گواہ پر ہوتا ہے لہٰذا یہ امت محبوب الانبیاء ہے ہم کو چاہئے کہ اعمال اچھے اختیار کریں تاکہ کل حضرات انبیاء کی گواہی دے سکیں فاسق قابل گواہی نہیں ہوتے رب فرماتا ہے **ولا تقبلوا لہم شہادۃ ابدا** تیسرا فائدہ: اس امت کی گواہی ان انبیاء کرام کے حق میں سن کر ہوگی نہ کہ دیکھ کر جیسا کہ ان امتوں کے اعتراض سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ نے تمام انبیاء کرام اور انکی امتوں کے حالات تفصیل وار اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمائے ہیں اور آپکی گواہی اپنی امت کی طرح سمعی نہ ہوگی بلکہ عینی ہوگی اگر آپ کی گواہی بھی محض سنی سنائی ہوتی تو جو اعتراض اس امت کی گواہی پر ہوا تھا آپ کی گواہی پر بھی ہوتا نیز آپ کی گواہی کی پھر ضرورت کیا ہوتی۔ جیسے ہمارا خواب و خیال گزشتہ و آئندہ چیزوں کو دیکھ لیتا ہے ایسے ہی حضور کی نگاہ اگلی پچھلی باتوں کو ملاحظہ کرتی ہے۔

اے فروغت صبح آثار و دہور   چشم تو بینندۂ ما فی الصدور

رب تعالیٰ فرماتا ہے **الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل** اور فرماتا ہے **الم تر کیف فعل ربک بعاد** حالانکہ قوم عاد اور اصحاب فیل کے واقعات حضور سے پہلے کے ہیں۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ساری امت کے ہر ایک حال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما رہے ہیں اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قیامت میں اپنی امت کی تائید کے ساتھ اسکی توثیق بھی فرمائیں گے۔ جیسا کہ علی ھؤلاء سے معلوم ہوا۔ لوگوں کے ایمان کی نبض پر حضور کا ہاتھ ہے اسکی تحقیق وکذلک جعلنکم امۃ وسطا میں کی جا چکی ہے۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں کفار بھی حضور کے علم غیب و حاضر ناظر کے قائل ہوں گے اسلئے وہ حضور کی

www.alahazratnetwork.org

گواہی پر یہ جرح نہ کر سکیں گے کہ حضور بغیر مشاہدہ گواہی کیسے دے رہے ہیں اب جو حضور کے ان اوصاف کا منکر ہو وہ ان کفار سے بدتر ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کفار شرعی احکام پر عمل نہ کرنے پر بھی سزا پائیں گے ان پر فرض ہے کہ ایمان لاکر احکام شرعیہ پر عمل کریں جیسا کہ عصوا الرسول کی تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ بدعقیدگی تو کفروا میں مذکور ہو چکی اب عصوا الرسول میں انکی بدعملی ہی مراد ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) **آٹھواں فائدہ:** قیامت میں کفار اپنے گناہ چھپانا چاہیں گے مگر چھپا نہ سکیں گے حضور کی گواہی سب کے خفیہ راز ظاہر کر دیگی جیسا کہ ولا یکتمون کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** جانوروں کیلئے دوزخ و جنت کی سزا و جزاء نہیں بلکہ انہیں مٹی کر دیا جائے گا جیسا کہ **لو تسوی بھم** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویقول الکافر یلیتنی کنت ترابا** **دسواں فائدہ:** دوزخ کی سزا کی اصل وجہ نافرمانی رسول ہے اسکے بغیر سزا نہیں جیسا کہ عصوا الرسول سے معلوم ہوا اسلئے علماء فرماتے ہیں کہ جس شخص تک کسی نبی کی نبوت نہ پہنچی ہو اسکی نجات کیلئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے وہ کسی جرم پر سزایاب نہ ہو سکے گا اگر موحد ہو۔ لہٰذا حضور کے والدین کریمین ہرگز ہرگز دوزخی نہیں کیونکہ ان تک احکام شرعیہ نہیں پہنچے وہ حضرات موحد تھے لہٰذا انکی نجات ہے بلکہ وہ امت مسلمہ میں داخل ہیں یہ گواہی قرآن مجید۔ دیکھو اسکی تحقیق ہماری اس تفسیر کے پہلے پارے میں جو ان بزرگوں کو دوزخی مانے وہ اس آیت کا بھی منکر ہے۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور ولادت سے پہلے اور وفات کے بعد یوں ہی معراج میں عرش سے وراء پہنچ کر اس جہان سے بے تعلق نہیں رہے نور نظر آسمان پر پہنچ کر بھی آنکھوں سے نکل نہیں جاتا روح سیلانی خواب میں عالم کی سیر کرتی ہے مگر جسم سے نکل نہیں جاتی حضور نے نماز کسوف میں ہاتھ اٹھایا وہ ہاتھ جنت میں پہنچ گیا۔ مگر مدینہ پاک سے نکل نہ گیا مدینہ میں بھی رہا جنت میں بھی پہنچ گیا یہ فائدہ بھی شہید سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں شہید سے مراد حضرات انبیاء کرام مراد نہیں بلکہ فرشتے کاتب اعمال اور زمین و زمان مراد ہیں کہ یہ چیزیں کفار کے کفر و بدکاریوں کی گواہی دیں گی (مرزائی) **جواب:** بے شک یہ مذکورہ چیزیں کفار کے خلاف گواہی دیں گی مگر یہاں وہ مراد نہیں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا من کل امۃ ہر امت میں سے۔ وہ چیزیں امت کی جنس سے نہیں لہٰذا یہاں انبیاء کرام ہی مراد ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں شہید سے مراد ان کفار کے ہاتھ پاؤں ہیں نہ کہ انبیاء کرام۔ رب فرماتا ہے **وتکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون** (مرزائی) **جواب:** بے شک کفار کے ہاتھ پاؤں انکے خلاف گواہی دیں گے مگر یہاں وہ گواہی مراد نہیں کیونکہ یہاں قومی گواہی مراد ہے نہ کہ شخصی اور کفار کے اعضاء کی گواہی شخصی ہوگی اس شخص کے اعمال کے متعلق یہاں من کل امۃ ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ قوم کے خلاف گواہی مراد ہے اس آیت کریمہ کے تفسیر وہ آیت ہے **وقال الرسول یرب ان قومی اتخذوا ھذا القران مھجورا** **تیسرا اعتراض:** جب ہر امت کا نبی اس پر گواہ ہوگا تو یہاں شہید واحد کیوں ارشاد ہوا۔ حضرات انبیاء تو ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ **جواب:** یہاں شہید جنس ہے جس میں واحد اور جماعت سب داخل ہوتے ہیں۔ چونکہ ان تمام حضرات کی گواہی یکساں ہوگی۔ اس لئے شہید واحد لایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی اپنی امت اور دیگر انبیاء کرام کے موافق ہوگی پھر یہاں ھٰولاء کیوں فرمایا گیا علیٰ تو مخالف گواہی پر لایا جاتا ہے۔ **جواب:** اسکا تفصیلی جواب دوسرے پارے کی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں شہادت میں رقیب و محافظ

www.alahazratnetwork.org

کے معنی ملحوظ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی صفائی بھی بیان فرمائیں گے کہ یہ لوگ عادل ثقہ گواہی کے لائق ہیں اسلئے علیٰ ارشاد ہوا اعلیٰ حضرت کا ترجمہ بھی یہ ہی بتا رہا ہے گواہ نگہبان اور گواہ صفائی وہ ہی ہو سکتا ہے جو سارے حالات سے خبردار ہو۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اپنے کفر و بدکاری نہ چھپائیں گے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ وہ عرض کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** اللہ کی قسم ہم مشرک نہ تھے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اسکا جواب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ سے معلوم ہو گیا کہ وہ چھپانے کی کوشش تو کریں گے مگر چھپا نہ سکیں گے۔ نہ چھپانا اور ہے اور چھپا نہ سکنا کچھ اور اگر یہاں نہ چھپانا ہی مراد ہو تو چھپانا اور وقت ہو گا اور اقرار جرم دوسرے وقت ان دونوں آیتوں میں دو وقتوں کا ذکر ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب حضور کی گواہی سے تبلیغ انبیاء اور کفار کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جائے گا تو پھر ہاتھ پاؤں فرشتوں زمین و زمان کی گواہی کی کیا ضرورت ہو گی اور انکی گواہی کیوں لی جائے گی ان چیزوں کی گواہی قرآن کریم سے ثابت ہے۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تو صرف اس چیز پر ہو گی کہ حضرات انبیاء کرام نے انہیں تبلیغ فرما دی تھی مگر یہ لوگ کافر رہے اسلئے فرمان نہ ماننے گویا عقائد کے متعلق ہو گی۔ ہاتھ پاؤں وغیرہ کی گواہی ان بدنصیبوں کے اعمال کے متعلق ہو گی اس لئے وہاں ارشاد ہوا **وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون** کسب اعمال کو کہتے ہیں صرف عقائد کو نہیں کہتے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں کفر کے بعد عصوا الرسول کا ذکر کیوں ہوا کفر بھی تو نبی کی نافرمانی میں داخل تھا۔ **جواب:** کفر سے مراد خرابی عقائد ہے اور نافرمانی سے مراد ان کفار کی بد عملی لہٰذا دونوں میں فرق ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف وہ ہی کفار مٹی ہو جانے کی آرزو کریں گے جو کافر بھی رہے اور بد عمل بھی تو چاہیئے کہ نیک اعمال کرنے والے کفار پر نہ عذاب ہو نہ وہ یہ تمنا کریں۔ **جواب:** اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہاں واقعی بدکار کافر نیک کار کافر سے زیادہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے ابو جہل اور ابو طالب یکساں نہ ہوں گے یوں ہی فرعون اور دوسرے ہلکے کفار کو سزا یکساں نہ ہو گی اور یہ تمنا صرف بدکار کافر ہی کریں گے جنہیں اپنی سخت سزا دیکھے گی دوسرے یہ کہ کفار کی نیکیاں نیکیاں نہیں کیونکہ نبی کے فرمان کے ماتحت نہیں لہٰذا یہ کافر یہ تمنا کرے گا۔ **نواں اعتراض:** یہاں ھولاء سے اشارہ ان نبیوں کی طرف نہیں بلکہ حضور کے زمانہ کے کفار و مشرکین کی طرف ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ ان موجودہ کفار، مشرکین و منافقین کے خلاف گواہی دیں گے۔ (مرزائی) **جواب:** یہ بات بہت ضعیف سی ہے کیونکہ اگر حضور کی یہ گواہی مراد ہوتی تو اسکے علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی وہ تو پہلے مضمون میں آ گئی تھی نیز اس آیت میں ان مشرکوں کافروں کا ذکر نہیں پھر اس طرف اشارہ کیسے ہوا نیز کوئی مشرک و کافر حضور کی تبلیغ کا انکار نہ کریگا پھر اس گواہی کی ضرورت کیا ہو گی۔ **دسواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اپنی سرکش امتوں کی شکایت کریں گے مگر دوسری آیت میں ہے کہ وہ عرض کریں گے لا علم لنا ہمیں اسکے متعلق کچھ علم نہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام عرض کریں گے کہ میں جب تک ان میں رہا ان پر شہید رہا میری وفات کے بعد تو رقیب تھا آیتوں میں تعارض ہے (مرزائی) **جواب:** انبیاء کرام کی وہ عرض معروض اور وقت ہے شکایت و گواہی دوسرے وقت قیامت کے حالات مختلف ہیں۔ **گیارہواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **جئنا بک علی ھولاء شہیدا** یعنی ہم آپ کو قیامت میں گواہ لائیں گے مگر دوسری جگہ فرمایا **انا ارسلنک شاھدا** ہم نے آپ کو دنیا میں گواہ بھیجا دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ حضور گواہ

www.alahazratnetwork.org

کب ہیں اور کہاں ہیں۔ **جواب:** اسکے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور دنیا میں مخلوق کے گواہ بنے آئے ہیں اور قیامت میں رب کے سامنے گواہی دینے کا ذکر ہے اور اس آیت میں گواہ بنے کا ذکر تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور دنیا میں مخلوق کے سامنے خالق کی گواہی دینے آئے اور قیامت میں مخلوق کی گواہی خالق کی بارگاہ میں دیں گے یہاں دوسری گواہی کا ذکر ہے اس آیت میں پہلی گواہی کا ذکر تھا۔ **بارہواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بھی گواہ ہیں اور حضور بھی گواہ تو گواہ ہونا حضور کی خصوصیت نہ رہا پھر اسے اہتمام سے کیوں بیان فرمایا۔ **جواب:** حضور کی گواہی حضرات انبیاء کرام کی گواہی سے بہت ممتاز ہے دنیا میں تو اس طرح کہ سارے انبیاء اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات وغیرہ کے سنے ہوئے گواہ تھے کسی نے رب کو اور سارے نور خانہ کو دیکھا نہ تھا مگر حضور عینی گواہ ہیں کہ حضور نے اللہ کی ذات و صفات اور ہمارے نور خانہ کو دیکھ کر گواہی دی اس لئے حضور خاتم النبیین ہوئے اور اسلام کامل دین۔ **الیوم اکملت لکم دینکم** کہ عینی گواہ پر سلسلہ گواہی ختم ہو جاتا ہے۔ اور آخرت میں اس طرح کہ باقی ہر نبی صرف اپنی اپنی امت کے حق میں گواہ ہوں گے بادشاہ کی شان اور ہے مگر بادشاہوں کے بادشاہ کی شان کچھ اور اس وجہ سے حضور کا نام شاہد و شہید ہوا۔ **تیرہواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے حضور کو بھی شہید فرمایا اور اپنے کو بھی شہید فرمایا **وکفی باللہ شہیدا** اسکی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** ہر مومن دو دعویٰ کرتا ہے۔ اول دعویٰ لا الٰہ الا اللہ اور دوسرا دعویٰ محمد رسول اللہ پہلے دعویٰ یعنی توحید کے گواہ تو ہیں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے دعویٰ یعنی رسالت کا گواہ ہے خود رب تعالیٰ لہذا رب کا نام شریف بھی شہید ہے اور حضور کا نام شریف بھی شاہد اور شہید ہے۔ **چودہواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے یہاں تو حضور کو شہید فرمایا مگر دوسری جگہ شاہد فرمایا' **انا ارسلنک شاہدا** اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** حضور دنیا میں رب کی ذات و صفات وغیرہ کے اجمالی گواہ ہیں ان تمام کی تفصیل قیامت میں معلوم ہوگی مگر آخرت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوق کے تفصیلی گواہ ہوں گے کہ ہر ایک کے ہر حال کے گواہ ہوں گے لہذا آپ دنیا میں شاہد ہیں آخرت میں شہید ہوں گے اس لئے شاہد کے ساتھ 'ارسلنا فرمایا اور شہید کے ساتھ 'جئنا ارشاد ہوا۔ **پندرہواں اعتراض:** شہادت و گواہی تو معمولی سی چیز ہے پھر رب تعالیٰ نے حضور کی اس صفت کو اتنی اہمیت کیوں دی کہ اسکا ذکر قرآن مجید میں بار بار فرمایا۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے حضور کو بے شمار صفات بخشیں ان میں صفت شہادت بڑی عظیم الشان صفت ہے چند وجوہ سے۔ ایک یہ کہ حضور کی بعض صفات کا ظہور دنیا میں ہے۔ جیسے ہادی ہونا بعض کا ظہور آخرت میں ہوگا جیسے شفیع المذنبین ہونا مگر صفت شہادت وہ ہے جس کا ظہور دنیا میں بھی ہے کہ حضور کی گواہی سے ہم نے رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو پہچانا اور تمام امتوں نے حضرات انبیاء کرام کو گندی تہمتیں لگائیں۔ حضور نے ان تہمتوں کو دور فرمایا اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب انجیل اور توہین انبیاء کا مطالعہ کرو اور آخرت میں بھی حضور ہی کی گواہی پر تمام انبیاء کرام کی ڈگری ہوگی دوسرے یہ کہ گواہ مدعی کا محسن ہوتا ہے اور حاکم کا خدمت گزار حضور تمام مسلمانوں اور تمام نبیوں کے محسن ہیں رب تعالیٰ کے دین کی اعلیٰ خدمت فرمانے والے۔ تیسرے یہ کہ شہادت پر حضور کا علم غیب' حاضر ناظر ہونا وغیرہ بہت سی صفات مبنی ہیں کہ عینی گواہ واردات پر حاضر بھی ہوتا ہے اس سے مطلع بھی۔ اسلئے اس صفت کو رب نے اہمیت دی۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی امت کے تمام اعمال روزانہ صبح و شام پیش کئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ کی

www.alahazratnetwork.org

بارگاہ میں بندوں کے اعمال سوموار اور جمعرات کو پیش ہوتے ہیں۔ دوسرے نبیوں پر اور انسان کے ماں باپ کو جمعہ کے دن امت واولاد کے اعمال دکھائے جاتے ہیں (روح البیان) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گنہگاروں کیلئے رب کی صفت ستاری کے مظہر ہیں حضور اپنی امت کی نیکیوں کی تو گواہی دیں گے۔ عرض کریں گے کہ مولیٰ یہ عادل ہیں ثقہ ہیں انکی گواہی قابل قبول ہے مگر انکے گنہگاروں کی پردہ پوشی کریں گے جو لوگ دنیا میں تکبر کی وجہ سے آگ بن کر رہے وہ کل قیامت میں خاک ہونے کی تمنا کریں گے مگر آگ میں ہی جائیں گے آگ کا انجام آگ ہے اور جو لوگ یہاں خاک نشین رہے وہ کل باغ میں ہوں گے۔ خاک کا انجام باغ ہے ہمیشہ خاک میں باغ لگتے ہیں نہ کہ آگ میں کیونکہ خاک میں عجز ہے آگ میں تکبر جب انسان خاکی ہے اور خاک ہی میں جانے والا ہے تو بہتر ہے کہ خاک بن کر جیئے۔

اے برادر چو عاقبت خاک است — خاک شو پیش از انکہ خاک شوی!
سالہا بودی تو سنگ دلخراش — آزموں رایک زمانہ خاک باش!

مثنوی شریف میں ہے کہ۔

دربہاراں کے شود سرسبز سنگ — خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ

کافر مرتے تمنا کریں گے ہم کو دو رکعت نماز یا ایک بار کلمہ طیبہ پڑھ لینے کی اجازت دی جائے مگر نہ ملے گی کہ وقت عبادت گزر گیا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا
اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ پاس جاؤ نماز کے حالانکہ تم نشہ والے ہو حتی کہ جان لو وہ جو کہتے ہو
اے ایمان والو نشہ کی حالت میں نماز کے پاس نہ جاؤ جب تک اتنا ہوش نہ ہو کہ جو کہو اسے سمجھو
تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ
تم اور نہ جنابت کی حالت میں مگر راستہ عبور کرتے حتی کہ نہا لو اور اگر ہو تم بیمار یا
اور نہ ناپاکی حالت میں بے نہائے مگر مسافری میں اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں یا
عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا
سفر پر یا آئے کوئی تم میں سے پاخانہ سے یا چھوؤ تم عورتوں کو پھر نہ پاؤ تم
تم میں سے کوئی قضاء حاجت سے آیا تم نے عورتوں کو چھوا اور پانی نہ پایا تو
مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ اِنَّ اللّٰهَ
پانی تو تیمم کرو تم پاک مٹی سے تو مسح کرو اپنے چہروں کا اور اپنے ہاتھوں کا بے شک اللہ
پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں کا مسح کرو بے شک اللہ

www.alahazratnetwork.org

كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿۴۳﴾
معاف فرمانے والا بخشنے والا
معاف فرمانے والا بخشنے والا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانو! تم پچھلے انبیاء کرام کے گواہ ہو اب فرمایا جارہا ہے کہ اپنے اعمال خصوصاً نماز طہارت درست کرو تاکہ کل قیامت میں ان متبوعوں کے گواہ بن کر عدالت عالیہ الٰہیہ میں پیش ہو سکو کیونکہ فساق کی گواہی قبول نہیں چونکہ نماز تمام اعمال سے اہم ہے۔ جس نے نماز درست کرلی اس نے سارے اعمال ٹھیک کرلئے اسلئے نماز کی درستی کا خصوصیت سے حکم دیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ قیامت میں ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گواہ صفائی بھی ہوں گے لہٰذا اب فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانو دنیا میں پاک و صاف رہو بدن اور روح پاک رکھو تاکہ تم اس گواہی صفائی کے لائق ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں کوئی شخص رب تعالیٰ سے اپنا حال چھپا نہ سکے گا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ لہٰذا مسلمانو نماز خراب کرکے نہ پڑھو گندے نہ رہو۔ تاکہ کل ہماری بارگاہ میں تم کو شرمندگی نہ ہو۔

شان نزول: امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس زمانہ میں اسلام میں شراب حلال تھی اس زمانہ میں حضرت عبدالرحمان ابن عوف رضی اللہ عنہ کے ہاں صحابہ کرام کی کھانے کی دعوت ہوئی جس میں میں بھی تھا حسب دستور کھانے کے بعد شراب کا دور چلا اور تمام نشہ میں چور ہوگئے۔ وقت مغرب آگیا اور لوگوں نے مجھے امام بنادیا میں بھی چونکہ نشہ میں تھا میں نے سورۃ قل یا ایہا الکافرون پڑھی اور چاروں جگہ لا چھوڑ گیا **اعبد ما تعبدون وانتم عابدون ما اعبد** پڑھ گیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بحالت نشہ نماز پڑھنے سے روک دیا گیا اور مسلمانوں میں اس پابندی کی وجہ سے بہت حد تک شراب کا رواج کم ہوگیا۔ پھر سورۃ مائدہ کی آیات تحریم شراب کی نازل ہوئیں جن سے اسلام میں شراب مطلقاً حرام کردی گئی۔ (تفسیر صاوی، روح المعانی، خازن، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، حاکم) ترمذی نے فرمایا یہ حدیث صحیح ہے۔ (روح المعانی) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ شراب حرام ہونے سے پہلے بعض صحابہ شراب پی کر نشہ کی حالت میں نماز کیلئے مسجد نبوی شریف میں آجاتے تھے انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ تفسیر کبیر وغیرہ۔ غزوہ مریسیع میں ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہوگیا اسکی تلاش میں دیر لگی نماز ظہر کا وقت آگیا پانی فوج میں تھا نہیں حضرت عائشہ کو جناب ابوبکر صدیق نے مارا کہ تم نے سب کو پریشان کردیا ہار کیوں گماویا۔ تب آیت کریمہ کا دوسرا حصہ **ان کنتم مرضی او علی سفر** نازل ہوئی جس میں تیمم کے احکام ہیں۔ حضرت اسید ابن حضیر بولے اے آل ابوبکر جب تم پر تکلیف آتی ہے تو مسلمانوں کو راحت ملتی ہے۔ (روح المعانی)۔

تفسیر: **یاایها الذین امنوا:** چونکہ عرب سے شراب مٹانا بہت بڑا کام تھا کیونکہ صدیوں سے وہاں شراب کا عام رواج تھا اسلئے بہت آہستگی سے اسکو حرام کیا گیا اور یہاں مسلمانوں کو پہلے الذین امنوا کے پیارے خطاب سے پکارا گیا تاکہ اس خطاب کی

www.alahazratnetwork.org

لذت سے انہیں یہ مشکل کام آسان ہو جائے آپریشن وغیرہ بے ہوش کر کے یا ٹیکہ لگا کے کیے جاتے ہیں۔ یہ خطاب اہل ایمان کیلئے عشق و محبت کا ٹیکہ ہے۔ **لا تقربوا الصلوۃ** ہمارے امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں صلوۃ سے مراد نماز ہی ہیں اور لا تقربوا فرما کر نہایت تاکید سے روکا گیا ہے یعنی نشہ میں نماز پڑھنے کے کیا معنی نماز کے قریب بھی نہ جاؤ مقصد یہ ہے کہ نماز تو تم نے پڑھنی ہی ہے لہٰذا ایسے وقت نشہ استعمال نہ کرو جب نشہ کی حالت میں تم کو نماز پڑھنی پڑے مگر امام شافعی کے ہاں صلوۃ سے مراد مسجد ہے یعنی مضاف پوشیدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ نشہ میں مسجدوں کے قریب نہ آؤ قرآن کریم میں نماز کی جگہ کو صلوۃ فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے **لهدمت صوامع وبيع وصلوت ومساجد** مگر امام اعظم کا قول نہایت ہی قوی ہے چند وجہ سے۔ اولاً یہ کہ اکثر مفسرین صحابہ کا یہی قول ہے دیکھو تفسیر کبیر دوسرے یہ کہ آیت کریمہ کا نزول نماز کے متعلق ہے نہ کہ مسجد کے داخلہ کے متعلق تیسرے یہ کہ اس تفسیر سے کوئی مضاف وغیرہ پوشیدہ ماننا نہیں پڑتا امام شافعی رضی اللہ عنہ کی تفسیر پر مواضع یا مسجد پوشیدہ ماننا پڑتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس تفسیر سے نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا مطلقاً ممنوع ہوگی مگر امام شافعی کی تفسیر پر لازم آئے گا کہ نشہ میں گھر یا دوکان پر نماز پڑھ سکتے ہیں نیز لازم آئے گا کہ نشہ کی حالت میں بغیر نماز کے ارادہ کے بھی مسجد میں جانا حرام ہو حالانکہ اس وقت نشہ میں نماز حرام تھی نہ کہ مسجد میں جانا بہر حال تفسیر حنفی بہت قوی ہے۔ **وانتم سكرى** یہ عبارت لا تقربوا کی ضمیر سے حال ہے۔ سکاری سکران کی جمع ہے جیسے ندمان کی جمع ندامیٰ سکران کا مادہ سکر ہے سکر عقل پر پردہ پڑ جانے کو کہتے ہیں کہ اگرچہ اس لفظ کا زیادہ استعمال نشہ کی مستی پر ہوتا ہے مگر کبھی عشق، غصہ، نیند، غشی اور غم کی مدہوشی پر بھی بولا جاتا ہے اسلئے قرآن کریم میں شدت نزع کو سکرۃ الموت کہا گیا ہے۔ ہماری زبان میں بھی اسے سکرات کہتے ہیں بہتر یہ ہے کہ یہاں ساری مدہوشیاں مراد ہوں خواہ نشہ سے ہو یا دوسری وجہ سے یعنی بحالت مدہوشی نماز کے قریب بھی نہ جاؤ **حتى تعلموا ما تقولون** یہ لا تقربوا کی انتہا کا بیان ہے علم سے مراد سمجھنا ہے ما سے مراد ہر منہ کی نکلی بات ہے خواہ تلاوت قرآن مجید ہو یا کوئی عام بات اس لئے تقرؤن یا تتلون ارشاد نہ ہوا بلکہ تقولون فرمایا گیا جو کلام (تلاوت وغیرہ) سب کو شامل ہے **ولا جنبا الا عابرى سبيل**: واؤ عاطفہ ہے لا تاکید نفی کیلئے دوبارہ لایا گیا اور جنبا، **وانتم سكارى** پر معطوف ہو کر دوسرا حال ہے چونکہ **وانتم سكارى** مفرد کے حکم میں ہو کر حال تھا اسلئے اس پر جنبا مفرد کا عطف جائز ہوا، جنبا کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ جنب سے بنا بمعنی پہلو، یکطرفی۔ شریعت میں جنب وہ مرد یا عورت ہے جس پر صحبت یا منی نکلنے کی وجہ سے غسل واجب ہو۔ چونکہ ایسا شخص نماز تلاوت مسجد سے علیحدہ رہتا ہے لہٰذا اسے جنب کہتے ہیں یہ مذکر مونث واحد جمع سب پر بولا جاتا ہے مثل مصدر کے (زوج، خیاث وغیرہ) الا صرف جنبا سے استثناء کیلئے آیا ہے۔ عابری عابر کی جمع ہے جو عبور بمعنی مرور (گزرنا) سے بنا سبیل سے مراد سفر کا راستہ یعنی جنگل ہے یعنی بحالت جنابت نماز کے قریب نہ جاؤ غسل کر کے نماز پڑھو لیکن اگر جنگل میں سفر کر رہے ہو اور پانی میسر نہیں تو بغیر غسل تیمم کر کے نماز پڑھ سکتے ہو یہ احناف کی تفسیر ہے حضرات شوافع فرماتے ہیں کہ بحالت جنابت مسجد میں آنا حرام ہے لیکن اگر جنبی مسجد سے گزر جائے تو جائز اسطرح کہ کسی کے گھر کا دروازہ مسجد میں ہو وہ بحالت جنابت مسجد عبور کر سکتا ہے چونکہ انکے ہاں الصلوۃ سے مراد نماز کی جگہ یعنی مسجد ہے مگر ہم پہلے عرض کر چکے کہ حنفی تفسیر بہت ہی قوی ہے۔ **حتى تغتسلوا** یہ عبارت "لا جنبا" کی انتہاء ہے یعنی جنابت کی حالت میں نماز کے قریب نہ ہو یہاں تک کہ غسل کر لو آئندہ دو تا پاکیوں

www.alahazratnetwork.org

کا ذکر ہے اور دو مجبوریوں کا جنکی وجہ سے تیمم کی اجازت ہے مجبوریوں کا ذکر پہلے ہے ناپاکیوں کا ذکر پیچھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا **وان کنتم مرضی** کنتم میں انہیں سے خطاب ہے جن سے لا تقربوا میں خطاب تھا یعنی سارے مسلمان مکلف جن پر نماز فرض ہے۔ مرضی مریض کی جمع ہے بیمار تین قسم کے ہیں ایک وہ جو غسل یا وضو سے ہلاک ہو جائیں۔ جیسے چیچک والے یا سخت گہرے زخم والے دوسرے وہ جو غسل یا وضو سے ہلاک تو نہ ہوں مگر سخت تکلیف پائیں یا انکا مرض بڑھ جائے یا دراز ہو جائے جیسے بعض بخار والے۔ تیسرے وہ جو غسل یا وضوء سے مذکورہ تکالیف نہ پائیں بلکہ انہیں پانی کا استعمال گراں ہو یا اس سے جسم میں کوئی عیب رہ جائے پہلی دو صورتوں میں تیمم جائز ہے تیسری صورت میں نہیں یہاں مرضی سے وہ دو بیماریاں مراد ہیں۔ (تفسیر کبیر معانی و روح وغیرہ) **او علی سفر** یہ عبارت مرضی پر معطوف ہے علی سفر فرمایا فی سفر یا مسافرین نہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ تیمم کی اجازت راستہ طے کرنے والے مسافر کو ہے کہ ایسی ہی حالت میں پانی نہیں ملتا کہیں ٹھہرا ہوا مسافر تیمم نہیں کر سکتا کہ اسے پانی عموماً مل جاتا ہے لہذا یہ جملہ عابری سبیل کی تفسیر ہے سفر سے مراد شرعی سفر ہی نہیں جس میں قصر ہوتا ہے بلکہ ہر چھوٹا بڑا سفر مراد ہے یعنی جنگل میں ہونا **او جاء احد منکم من الغائط** یہ او بمعنی واؤ ہے غائط بنا ہے غوطہ سے بمعنی زمین کھودنا اب ہر پست زمین کو غائط کہتے ہیں۔ جہاں بیٹھنے سے انسان لوگوں کی نگاہ سے چھپ جائے چونکہ اہل عرب عموماً پاخانہ پیشاب کیلئے پست جگہ میں بیٹھتے تھے تاکہ لوگوں سے پردہ رہے اسلئے پیشاب پاخانہ کرنے کو غائط سے آنا بولتے تھے۔ جیسے ہندوستان میں دیہاتی لوگ جنگل پھرنا کہتے ہیں اور پنجاب میں باہر جانا کہتے ہیں۔ اس محاورہ کو یہاں استعمال کیا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ کرے جس سے اسکا وضو جاتا رہے۔ یہاں اگرچہ پیشاب پاخانہ کرنے کا ذکر ہوا مگر اس میں ہوا نکلنا' خون' قے خارج ہونا سب شامل ہیں۔ یعنی حدث اصغر چھوٹی ناپاکی جس سے وضو ٹوٹے۔ **اولمستم النساء** یہ جملہ جاء احد' پر معطوف ہے او عاطفہ ہے لامستم لمس سے بنا بمعنی چھونا مگر قرآن مجید میں عورت سے صحبت کرنے کو لمس اور مس فرمایا گیا ہے۔ رب فرماتا ہے **وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن** اگر تم بیویوں کو طلاق دے دو صحبت سے پہلے اور فرماتا ہے **فتحریر رقبۃ من قبل ان یتماسا**' غلام آزاد کرو صحبت کرنے سے پہلے لہذا یہاں بھی اس سے صحبت کرنا مراد ہے جس سے غسل واجب ہوتا ہے حدث اصغر یعنی وضوء توڑنے والی چیز کا ذکر پہلے ہوا اور حدث اکبر یعنی غسل توڑنے والی چیز کا ذکر اب ہوا یہ احناف کی تفسیر ہے۔ حضرات شوافع کے ہاں یہاں لمس سے مراد ہاتھ لگانا یا ہاتھ سے چھونا ہے انکے ہاں عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے وہ اس آیت کی بنا پر یہ فرماتے ہیں مگر امام اعظم کی تفسیر بہت ہی قوی ہے چند وجوہ سے ایک یہ کہ اس صورت میں یہ عبارت زائد ہوگی کیونکہ وضو توڑنے والی چیزوں کا ذکر تو پہلے **او جاء احد منکم** میں ہو چکا اگر یہاں بھی وضو توڑنے والی چیز مراد ہوتی تو او' فرما کر علیحدہ طریقہ سے بیان نہ فرمائی جاتی ہمارے ہاں پہلی عبارت میں چھوٹی ناپاکی مراد ہے اور اس عبارت میں بڑی ناپاکی جو غسل واجب کردے مراد ہے۔ دوسرے یہ کہ دوسری آیات میں عورتوں کو چھونے سے مراد صحبت ہے جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں تیسرے یہ کہ شوافع کے ہاں بھی ماں بہن بیٹی کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا تو ان حضرات کو اس جملہ میں تخصیص کرنا پڑیگی احناف کے ہاں کسی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ چوتھے یہ کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نماز تہجد کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجرے شریف میں نوافل پڑھتے اور میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی جب سجدے میں جاتے تو مجھے ہاتھ لگا دیتے میں پاؤں سمیٹ لیتی جگہ خالی ہو جاتی آپ سجدہ کر لیتے جب سجدوں سے

www.alahazratnetwork.org

فارغ ہوتے تو پھر میں پاؤں پھیلا لیتی اگر عورت کو چھونا وضو توڑتا تو اس وقت حضور کا وضو ٹوٹ جانا چاہیے تھا بعض روایات سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ میں بعض ازواج پاک کا بوسہ لیتے پھر نماز پڑھ لیتے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو چھو لینے سے نہ روزہ ٹوٹتا ہے نہ وضو۔ پانچویں یہ کہ اگر عورت ایسی گندی چیز ہے کہ اسکے چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو چاہیے کہ عورت باوضو کبھی نہ ہو سکے جو دوسروں کا وضو توڑ دے وہ خود باوضو کیسے ہو سکتی ہے۔ چھٹے یہ کہ چھوٹی بچی کو چھونے سے شوافع کے ہاں بھی وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ قرآن کریم میں نساء چھوٹی بچیوں کو بھی کہا جاتا ہے دیکھو میراث کی آیت۔ تو شوافع کو یہاں بلا دلیل چھوٹی بچیاں نکالنا پڑیں گی امام اعظم کے ہاں اس میں کوئی قید لگانی نہیں پڑتی لہذا یہ ہی قوی ہے کہ یہاں مراد عورتوں سے صحبت ہے جس سے غسل واجب ہو جائے۔

لطیفہ: امام شافعی کے ہاں عورت کو چھونے سے صرف مرد کا وضو جاتا ہے عورت کا نہیں جاتا حالانکہ جب چھونا وضو توڑتا ہے تو چاہیے کہ فریقین کا وضو توڑے جیسے صحبت غسل توڑتی ہے تو عورت و مرد دونوں کا توڑتی ہے حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں ایک شب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر رونق افروز تھے رات میں میری آنکھ کھلی تو بستر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا میں نے اندھیرے میں بستر ٹٹولا تو میرا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم شریف پر لگا کہ بحالت سجدہ پاؤں کھڑے ہوئے تھے اور آپ رو رو کر دعائیں مانگ رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ سجدہ توڑا نہ نماز چھوڑی نہ دوبارہ وضو کیا بلکہ نماز جاری رکھی اس کی تحقیق فقیر کی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرماؤ۔

لطیفہ: امام شافعی کے ہاں عورت کا بال 'ناخن' دانت چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا حالانکہ یہ بھی عورت کے جسم کے حصہ ہیں پھر انہیں اور بھی قید لگانی پڑی احناف ان قیود سے آزاد ہیں۔ **فلم تجدوا ماء** ' ف تعقیبیہ ہے۔ یعنی تم پر وضو یا غسل واجب ہو جائے پھر پانی نہ پاؤ پانی سے مراد بقدر ضرورت پانی ہے یعنی وضو کیلئے وضو کے لائق پانی اور غسل کیلئے غسل کے لائق پانی اور پانی نہ پانے کی چند صورتیں ہیں پانی ہے ہی نہیں۔ پانی ساتھی کے پاس ہے مگر وہ دیتا نہیں۔ وہ پانی کی قیمت مانگتا ہے اسکے پاس قیمت نہیں۔ پانی سامنے ہے مگر پانی پر دشمن یا سانپ وغیرہ موذی جانور ہے جسکی وجہ سے یہ وہاں پہنچ نہیں سکتا پانی اپنے پاس ہے لیکن اگر اس سے غسل یا وضو کر لے تو آگے جا کر پیاسا مرے ان سب صورتوں میں تیمم جائز ہے اسلئے قرآن کریم نے یہ نہ فرمایا کہ پانی ہو نہیں بلکہ فرمایا تم پاؤ نہیں یہ ہے قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت **فتیمموا صعیدا طیبا** یہ جملہ پچھلی عبارت کی جزا ہے اور ف جزائیہ تیمم کا مادہ ام ہے یا ام بمعنی قصد و ارادہ اسلئے پیشوا کو امام کہتے ہیں کہ اسکی پیروی کا قصد کیا جاتا ہے اور خاص گروہ متبعین کو امت کہا جاتا ہے کہ وہ متفقہ طور پر ایک شخص کی پیروی کا قصد کرتا ہے لہذا تیمموا کے معنی ہوئے قصد و ارادہ کرو۔ تیمموا فرما کر بتایا گیا کہ اس میں نیت شرط ہے اور ہاتھ و منہ کا مسح رکن بخلاف وضو کے کہ وہاں نیت شرط نہیں کہ اسکے متعلق ارشاد ہوا **فاغسلوا وجوهكم** صعید صعد سے بنا بمعنی چڑھنا **كانما يصعد فى السماء** اسی سے ہے صعود یعنی چڑھنا زمین کے بیرونی حصہ کو جو ہم کو نظر آتا ہے صعید کہتے ہیں جو مٹی ریت گرد و غبار سرمہ ہڑتال مردار سنگ ہر پتھر۔ فیروزہ مرجان وغیرہ سب کو شامل ہے پھر مٹی خواہ پیلی ہو یا کالی سب داخل ہیں چونکہ تیمم ظاہر زمین سے ہی ہو سکتا ہے نہ کہ اندرون زمین سے اس لئے صعید فرمایا نیز صعید فرما کر اشارۃً ارشاد ہوا کہ ظاہر زمین کو بلاوجہ ناپاک نہ سمجھو اور کھود کو نیچے سے مٹی تیمم کیلئے نہ نکالو خشک

www.alahazratnetwork.org

زمین پاک ہی ہے نیز زمین کہیں ریتیلی کہیں پتھریلی ہوتی ہے سب سے تیمم جائز ہے طیب سے مراد ہے پاک کبھی خبیث و طاہر و حلال ہم معنی ہوتے ہیں کبھی ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں باطنی پاکی کو طیب اور جس کا کھانا جائز ہو وہ حلال لہذا حلال گوشت طاہر بھی ہے طیب بھی حلال بھی۔ پاک کپڑے کو طاہر کہا جائے گا طیب یا حلال نہیں یعنی ایسی مجبوری میں تم پاک زمین کا قصد کرو کہ اس پر تیمم کرلو **فامسحوا بوجوھکم وایدیکم** : یہ جملہ **فتیمموا** کی تفصیل یا تفسیر ہے اور ب تفصیلیہ ب صلہ کی ہے وجوہ اور ایدی سے مراد وہی حصہ ہے جو وضو میں دھویا جاتا ہے مسح کے معنی ہیں پھولنا ملنا جمہور علماء کا یہی مذہب ہے بعض علماء کا قول ہے کہ تیمم میں بغل تک مسح کرے۔ یہ قول نہایت ہی شاذ ہے یعنی اپنے چہروں اور ہاتھوں پر مسح کرو خواہ وضو کا تیمم ہو یا غسل کا **ان اللہ کان عفوا غفورا** یہ گزشتہ آسان حکم کی علت ہے۔ کان دوام و استمرار کیلئے ہے۔ خطاؤں کو بخشنا عفو ہے۔ گناہ بخشنا غفران یعنی یہ تیمم کی آسانیاں اس واسطے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے خطائیں بھی بخشتا ہے گناہ بھی معاف فرماتا ہے۔ جب وہ گناہگاروں پر ایسا رحیم و کریم ہے تو جو اسکے دروازے پر آنا چاہیں ان پر کیسا کرم کریگا۔ اسلئے اس نے اپنی مہربانی سے مجبوروں کو تیمم کرکے نماز پڑھ لینے کی اجازت دے دی۔

خلاصہ تفسیر: تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک احناف کی دوسری شوافع حضرات کی چونکہ حنفیوں کی تفسیر ہمارے نزدیک نہایت ہی قوی ہے نیز ہم لوگ حنفی ہیں۔ اسلئے وہ ہی تفسیر عرض کرتے ہیں اے مومنو نشہ کی حالت میں نماز پڑھنا تو کیا نماز کی قریب بھی نہ ہو تاوقتیکہ نشہ اتر جائے اور تم ہوش میں آجاؤ کہ اپنے منہ سے نکلی بات تلاوت وغیرہ سمجھ لو کہ ہم کیا کہہ رہے ہیں اور کیا پڑھ رہے ہیں اور اگر تم ایسی بیماری میں مبتلا ہو جس میں پانی کا استعمال مضر ہو یا تمہارے تجربہ سے یا طبیب حاذق کے کہنے سے یا بستی سے باہر راستہ طے کر رہے ہو اور اس حالت میں تم میں سے کوئی پیشاب پاخانہ وغیرہ وضو توڑنے والا کام کرے یا اس حالت میں اپنی بیوی سے صحبت کرے جس سے غسل واجب ہو جائے اور تمہیں وضو یا غسل کیلئے پانی نہ ملے یا اسطرح کہ پانی موجود ہی نہ ہو یا کسی رفیق سفر کے پاس پانی تو ہو مگر وہ دیتا نہ ہو یا دیتا ہو قیمتاً اور اسکے پاس قیمت نہ ہو یا پانی پر دشمن یا موذی جانور ہو کہ پانی نہ لینے دے غرضیکہ کسی وجہ سے پانی نہ ملے یا پانی اپنے پاس موجود ہو مگر آگے پینے کیلئے درکار ہو پانی ملنے کی امید نہ ہو ان سب صورتوں میں تم ظاہری زمین کے پاک حصہ سے تیمم کرلو۔ اسطرح کہ ایک بار اس زمین کے حصہ پر دونوں ہاتھ ملا کر اپنے منہ کا مسح کرلو اور دوسرا ضرب مار کر اپنے ہاتھوں کا مسح کرلو غرضیکہ ایسی مجبوری میں بھی نماز نہ چھوڑو اللہ تعالیٰ بڑا معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے جب وہ گناہگاروں کو معمولی بہانہ پر بخش دیتا ہے تو ایسے مجبور نمازیوں کی نماز جو تیمم سے پڑھی جائے کیوں قبول نہ فرمائے گا بے شک ضرور قبول کریگا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے تیمم کیلئے دو شرطیں بیان فرمائیں۔ بیماری اور پانی نہ پانا مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز جنازہ نماز عید جاتے رہنے کے اندیشہ پر تیمم جائز ہے اگرچہ پانی موجود ہو یوں ہی سونے کیلئے بھی تیمم کرنے میں باوضو سونے کا ثواب ہے۔

فائدے: یہ آیت کریمہ مسائل و فوائد کا گنجینہ و خزانہ ہے اس سے حنفیوں اور شافعیوں نے اپنی اپنی تفسیر کے مطابق بہت مسائل نکالے ہیں ہم کچھ عرض کرتے ہیں: **پہلا فائدہ:** قرآن کریم کا نزول دوسری کتب کی طرح یکدم نہیں ہوا بلکہ اسکی آیات مختلف اوقات میں صحابہ کرام کے واقعات پیش آنے پر نازل ہوئیں تاکہ تمام دنیا پر صحابہ کا احسان رہے کہ انکی بدولت ہم

www.alahazratnetwork.org

کو یہ آیات اور یہ نرم احکام ملے حضرت علی کے طفیل شراب کی ممانعت کی نعمت ملی حضرت عمر کے طفیل رمضان کی راتوں میں عورتیں حلال ہوئیں حضرت عائشہ صدیقہ کی طفیل تیمم کا حکم ملا۔اب جو ان صحابہ کو برا کہے وہ بڑا ہی احسان فراموش ہے اسلئے حضرات صحابہ کو جامع قرآن بنایا گیا۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگر کسی مسلمان کے منہ سے نشہ یا بیہوشی یا جنون یا نیند وغیرہ حالات میں کفر کی بات نکل جائے تو اس سے وہ کافر نہ ہوگا۔ دیکھو **قل یا ایہا الکافرون** میں چاروں جگہ لا کے بغیر آیات پڑھنا چار کفر ہوئے مگر اللہ تعالیٰ نے ان بزرگوں کو امنوا کہہ کر پکارا معلوم ہوا کہ وہ حضرات مومن رہے کہ بے خودی میں ایسا ہوا۔

مسئلہ: اگر مرنے والے مسلمان کے منہ سے بوقت نزع کفریہ بات نکلے اور سنی جائے تو وہ مومن ہی رہیگا۔ اسکا کفن دفن نماز جنازہ سب کچھ ہوگا کیونکہ نزع کی بے خودی میں یہ سب کچھ نکلا ہے۔ دیکھو شامی وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ:** اسلام نے نہایت حکیمانہ طریقہ سے عرب کی اصلاح فرمائی کہ وہ لوگ یکدم شراب نہیں چھوڑ سکتے تھے تو پہلے ان پر یہ مذکورہ پابندی لگائی جس سے وہ سوا بعد فجر و بعد عشاء اور کسی وقت شراب نہ پی سکے کیونکہ ظہر سے عشاء تک نمازیں مسلسل ہیں جب اس پابندی کو انہوں نے برداشت کر لیا تو انہیں شراب سے گھن دلائی اور فرمایا **فھل انتم منتھون** پھر اس کی قطعی حرمت کی آیت نازل فرمائی جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ وہاں سے شراب یکدم نکل گئی اور آج تک بحمدہ تعالیٰ عرب حجاز میں شراب نہ پہنچ سکی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو شراب کی لعنت سے محفوظ رکھے۔ **چوتھا فائدہ:** اب اگر کوئی شرابی نشہ اترنے کے بعد بھی نماز پڑھے تو درست نہیں جب تک کہ باقاعدہ کلی بلکہ وضو نہ کرے کیونکہ شراب نجس ہے جس سے منہ ناپاک ہو جاتا ہے اور نشہ ناقض وضو ہے جیسے نیند یہ فائدہ **لا تقربوا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** نیند بیہوشی کی حالت میں نماز نہ پڑھے کہ اس حالت میں خبر نہیں کہ کیا کہنا چاہے اور منہ سے کیا نکلے یہ بھی **انتم سکاری** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جنابت حیض نفاس وغیرہ ناپاکی کی حالت میں نماز درست نہیں جیسا کہ **ولا جنبا** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جب پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے خواہ اسطرح کہ پانی ہے مگر یہ بیمار ہے پانی نقصان کرتا ہے یا پانی ہے مگر دشمن لینے نہیں دیتا یا پانی ہے ہی نہیں ان تمام صورتوں میں تیمم جائز ہے اس آیت کی جیتی جاگتی نہ مٹنے والی تفسیر دیکھنا ہو تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی کربلا والی نمازیں دیکھو جو آپ نے فرات کے کنارہ تیمم سے ادا کیں ساتویں محرم سے دسویں تک حضرت حسین کا یہ عمل **فلم تجدوا ماء** کی جیتی جاگتی تفسیر ہے رضی اللہ عنہ۔ **آٹھواں فائدہ:** جنس زمین سے تیمم جائز ہے۔ جنس زمین وہ ہے جو زمین سے پیدا ہو اور آگ میں نہ گلے نہ راکھ بنے جیسے مٹی، پتھر، کان کا کوئلہ پہاڑی نمک وغیرہ ان سب سے تیمم جائز ہے جیسا کہ **صعیدا** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اگر صرف مٹی سے تیمم درست ہوتا تو بجائے صعید اکے ترابا فرمایا جاتا۔ **نواں فائدہ:** ناپاک مٹی سے تیمم جائز نہیں جو چیز خود پاک نہیں وہ پاکی کیسے بخش سکتی ہے جیسے طیبا کی تفسیر سے معلوم ہوا اور تیمم میں نیت شرط ہے جیسا کہ **تیمموا** سے معلوم ہوا تیمم کے معنی ہی ہیں ارادہ کرنا قصد و نیت کرنا اگر نیت شرط نہ ہوتی تو جیسے وضو میں فاغسلوا فرمایا گیا تھا ایسے ہی یہاں امسحوا فرمایا جاتا تیمموا ارشاد نہ ہوتا۔ **دسواں فائدہ:** وضو اور غسل کا تیمم ایک ہی طرح ہوگا ان تیمموں میں فرق نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے پاخانہ پھرنے اور صحبت کرنے کے بعد تیمم کا طریقہ ایک ہی بیان فرمایا کہ منہ و ہاتھ پر مسح کرو حضرت عمرو عبد اللہ ابن عمرو ابن

www.alahazratnetwork.org

مسعود رضی اللہ عنہم جنابت سے تیمم کے قائل نہ تھے ان بزرگوں کو وہ احادیث نہ پہنچیں جو اس بارے میں صراحۃً وارد ہیں اور اس آیت کی تفسیر کی طرف انہوں نے توجہ نہ کی باقی تمام صحابہ کرام اسکے قائل ہیں (روح المعانی) **گیارہواں فائدہ:** تیمم میں بھی ہاتھوں پر کہنیوں تک مسح کیا جائے کیونکہ یہ وضو کا قائمقام ہے تو جہاں تک وضو میں ہاتھ دھلیں گے وہاں تک ہی تیمم میں مسح ہوگا جیسا کہ ایدیکم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** اس آیت میں عورتوں کو چھونے سے مراد ہاتھ لگانا ہوتا اور اس سے وضو ٹوٹتا تو یہ صورت من الغائط میں آچکی تھی بہرحال اس سے صحبت ہی مراد ہے۔ **تیرھواں فائدہ:** بحالت سفر اپنی بیوی سے صحبت جائز ہے اگرچہ پانی غسل کیلئے نہ ہو پھر بعد میں تیمم کرلے جیسا کہ **اولمستم النساء** سے معلوم ہوا کہ پانی کی مجبوری میں صحبت ناجائز نہیں ہو جاتی۔ **چودھواں فائدہ:** بزرگوں کی خطا سے چھوٹوں کو عطائیں مل جاتی ہیں انکی تکالیف ہمارے لئے راحت کا ذریعہ بن جاتی ہیں دیکھو ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہار کھو جانا تاقیامت مسلمانوں کیلئے رحمت ہو گیا کہ اس وجہ سے تیمم کے احکام آئے اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا رب تعالیٰ نے ہار کا پتہ نہ بتایا کہ وہ اونٹ کے نیچے ہے تاکہ تلاش میں دیر لگے نماز کا وقت آجائے وضو کی ضرورت پڑے پانی موجود نہ ہو اور تیمم کی آیات اتریں اور ام المومنین کا یہ فیض تاابد جاری رہے اور مسلمان تاقیامت انہیں دعائیں دیتے رہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔ **پندرھواں فائدہ:** قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کی بھی اسلام میں سخت ضرورت ہے دیکھو اس آیت میں وضو غسل توڑنے والی صرف ایک ایک چیز بیان ہوئی۔ پاخانہ کرنا، صحبت کرنا مگر حدیث سے معلوم ہوا کہ وضو توڑنے والی چیزیں آٹھ ہیں اور غسل توڑنے والی چیزیں پانچ بلکہ چھ پیشاب پاخانہ ریح۔ بہتا خون پیپ۔ منہ بھر قے۔ مباشرت فاحشہ۔ نیند۔ غشی۔ نشہ۔ نماز میں قہقہہ وضو واجب کرتی ہیں اور صحبت۔ منی نکلنا۔ احتلام۔ حیض۔ نفاس موت غسل واجب کرتی ہیں۔ منکرین حدیث یہ چیزیں کہاں سے ثابت کریں گے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نشہ اترتے ہی نماز پڑھ لینا جائز ہے کلی کرنے یا نیا وضو کرنے کی حاجت نہیں کیونکہ فرمایا گیا **حتی تعلموا ما تقولون** اور حتیٰ انتہاء کیلئے آتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اتنا ہوش آتے ہی ممانعت نماز کی انتہا ہو چکی پھر تم نے تجدید وضو اور منہ پاک کرنے کی قیدیں کہاں سے لگائیں۔ **جواب:** یہ آیت منسوخ ہے شراب کی حرمت کی آیت اسکی ناسخ ہے رب نے فرمایا **انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان** جب شراب حلال تھی تو نجس بھی نہ تھی کہ نجس چیز حلال نہ ہوتی مگر جب حرام کر دی گئی تو نجس بھی ہو گئی۔ نیز اس زمانہ میں تجدید وضو کا حکم نہ ہوگا اب حکم ہے کیونکہ نشہ بیہوشی نیند کی طرح بے خبری پیدا کر دیتے ہیں بے خبری میں پیٹ سے ہوا خارج ہو جاتی ہے خبر نہیں ہوتی غرضیکہ منسوخ آیت سے اب احکام ثابت نہیں کئے جاتے۔

دوسرا اعتراض: جن صحابہ کو یہ واقعہ درپیش آیا کہ سورۂ کافرون میں امام نے لا چھوڑ دیا انہیں اس نماز کے لوٹانے کا حکم دیا گیا یا نہیں اگر نہیں تو کیوں غلط قرآن پڑھنے سے نماز فاسد و واجب الاعادہ ہو جاتی ہے۔ **جواب:** کہیں ثابت نہیں کہ انہیں نماز لوٹانے کا حکم دیا گیا ہو بلکہ آئندہ اسطرح نماز پڑھنے سے روک دیا گیا کیونکہ قانون بننے سے پہلے اس پر عمل نہیں ہوتا جب شراب حلال تھی تو اس قسم کی غلطیاں معاف تھیں اب شراب کی حرمت کے ساتھ یہ احکام بھی آگئے کہ قرآن میں غلطی اگر حد کفر تک پہنچ جائے تو نماز نہ ہوگی۔

تیسرا اعتراض: عابری سبیل کے معنی مسافر نہیں بلکہ اسکے معنی مسجد سے عبور کرنا یہ جنبی کو جائز ہے کیونکہ مسافر کا ذکر تو آگے آرہا ہے اگر اس سے مسافر مراد لیا جائے تو ایک حکم مکرر ہوگا۔ نیز اگر کسی کو مسجد میں احتلام ہو جائے تو احناف کے ہاں بھی وہ وہاں سے نکل

www.alahazratnetwork.org

سکتا ہے اگر ڈول رسی مسجد میں رکھی ہو تو جنبی وہاں سے لا سکتا ہے اگر عابری سبیل سے مسافر مراد ہو تو یہ احکام کہاں سے ثابت ہوں گے۔ (شافعی حضرات) جواب: آیت کی یہ تفسیر بہت ضعیف ہے اسلئے کہ اس صورت میں صلوۃ سے مراد مسجد لینی پڑے گی اور مسجد مراد لینے میں وہ خرابیاں ہیں جو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اس سے آیت کا مقصد ہی بدل جائے گا۔ مقصود تھا نشہ میں نماز سے روکنا گھر میں ہو یا مسجد میں اب مسجد میں روکنا لازم آئے گا اور مقصد یہ ہو جائے گا کہ نشہ والا مسجد میں نہ آئے گھر میں چاہے نماز پڑھ لے۔ یہاں سفر کا اجمالی حکم ہے۔ آئندہ اس کی تفصیل آ رہی ہے تفصیل میں تکرار نہیں ہوتی۔ مسجد میں احتلام ہو جانے کی صورت میں تیمم کر کے وہاں سے نکلے ایسے ہی ڈول رسی اگر مسجد میں ہو تو دوسرے سے منگالے اور دوسرا آدمی نہ ہو تو تیمم کر کے داخل ہو ایسی مجبوریوں ہی کیلئے تیمم رکھا گیا ہے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ چوتھا اعتراض: لا مستم النساء سے مراد ہے عورت کو ہاتھ لگانا چھونا نہ کہ صحبت کرنا تم لوگ صحبت کرنا مراد لیتے ہو غلط ہے لمس کے حقیقی معنی چھونا ہے بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا درست نہیں لہٰذا آیت کریمہ کے معنی یہ ہی ہیں کہ تم عورتوں کو چھوؤ اور عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے (شافعی) اسکا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ لغت میں لمس کے معنی چھونا ہیں مگر اصطلاح شریعت میں ایسے موقع پر اسکے معنی صحبت کرنا ہوتے ہیں جیسے صلوۃ کے لغوی ہیں دعا مگر اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ کے معنی ہیں نماز اگر مجاز مان بھی لیا جائے تو اسکی وجوہ دو ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں چھونا مراد لینے سے بہت سی خرابیاں لازم آئیں گی یہ معنی حدیث پاک کے بھی خلاف ہیں اور قیاس کے بھی دوسری آیات کے بھی اس معنی میں بہت سی قیدیں لگانی پڑتی ہیں لہٰذا حق یہ ہی ہے کہ یہاں اس سے مراد صحبت کرنا ہے اور اگر مان لیا جائے کہ چھونا ہی مراد ہے تو چھونے سے مقصود صحبت کے وقت چھونا ہو گا یا ننگا ہو کر لپٹنا جسے عربی میں مباشرت فاحشہ کہتے ہیں کہ اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے جیسے کہ یہاں فرمایا گیا یا تم پاخانہ سے آؤ اسکا مطلب یہ نہیں کہ پاخانہ جھانک کر آ جاؤ بلکہ پاخانہ کر کے آؤ جیسے آنے میں یہ قید ہے ایسے ہی چھونے میں وہ قید۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہم مسلمانوں کو توحید یا اسلام کی صفت سے نہ پکارا بلکہ ایمان کی صفت سے پکارا کیونکہ اسلام عام ماننے کو کہتے ہیں خواہ دل سے مانا جائے یا دلیل سے مگر ایمان نام ہے اللہ رسول کو دل سے ماننا اسی ایمان پر نجات کا مدار ہے یعنی اے وہ لوگو جو ہم کو اور ہمارے رسول کو دل سے مان چکے ہمارے کسی حکم میں چوں و چرا نہ کرو کیوں کیسے وغیرہ سوالات دلیل کیلئے ہیں دل کیلئے کوئی جرح قدح نہیں اپنے کالے بچہ کو انسان دل سے مانتا ہے دوسرے کے گورے بچہ کو دلیل سے حاکم کا حکم دلیل سے مانتا ہے۔ حکیم کا تجویز کردہ نسخہ دل سے دیکھ لو ان میں کتنا فرق ہے یہاں انا کو فنا کر کے آؤ نحو نہ لاؤ محو ہو کر آؤ۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی

نماز کے جواز کی شرط ہے شراب کے نشہ سے خالی ہونا اور ظاہری نجاسات حقیقیہ و حکمیہ سے پاک ہونا مگر نماز کی قبولیت کیلئے شرط ہے دل کا حب دنیا، غفلت کے نشہ سے خالی ہونا اور دنیاوی آلائشوں، حسد، کینہ وغیرہ سے دل کا پاک ہونا سب سے بڑا نشہ خود اپنی خودی کا نشہ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ای اسیر ننگ و نام خویشتن بستی خود را بدام خویشتن!!
ورنہ گنجی باخود اندر کوئے او گم بشو از خود تا یابی کوئے او!
تا تو نزدیک خودی زیں حرف دور غائبی یابی اگر خواہی حضور!
تا تو از غفلت چو بادہ مست شد لاجرم از طور وصلت پست شد!

یعنی اگر تو اپنے نام ننگ میں گرفتار رہے تو تو اپنے جال میں خود پھنسا ہے اس جال کو توڑ تاکہ یار کی گلی تک پہنچے اپنے سے غائب ہو تاکہ یار کی بارگاہ میں حاضری میسر ہو جائے فرمایا جارہا ہے کہ نماز قریب سے اس وقت تک تم محروم ہو جبتک کہ اس خودی کے نشہ میں ہو یہ قرب اس وقت تک میسر نہ ہو گا جب تک تم یہ نہ جانو کہ خدا سے کیا کہہ رہے ہو کیوں کہہ رہے ہو اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے اسے شرکت پسند نہیں نماز قرب میں دوسرے کی شرکت کیسی۔ وجود چھوڑ کر تجود کرو ایسے ہی دلی جنابت سے پاکی یہ ہے کہ قربت 'انابت' صدق 'خلوص کے پانی سے غسل کرو اگر تم دل کی کجی کی بیماری میں بیمار ہو۔ یا طلب دنیا و طلب عقبیٰ و طلب مولیٰ کے سفر میں ہو یا تم ہوائے نفسانی کے پاخانہ سے فارغ ہو یا تم اشغال دنیاوی کی عورتوں کے پاس جاؤ اور تمہیں صدق رجوع الی الحق کا پانی میسر نہ ہو تو تم مقبول بندوں کے قدموں کی خاک کی طرف رجوع کرو اور وہ مٹی اپنے منہ ہاتھوں سے مل اپنے ہاتھوں سے انکا دامن مضبوط پکڑو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے وہ اپنے کرم سے پانی نہ پانے والے مجبوروں کو مقبول بندوں کے قدم کی مٹی کے ذریعہ پاک و صاف کر دیتا ہے۔ انکے پاس بیٹھنے والا محروم نہیں رہتا۔ انکے قدم کی مٹی مردں میں جان ڈال دیتی ہے کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی خاک جب سامری کے بچھڑے میں پہنچی تو اسے زندہ کر دیا اگر گندا ناپاک پانی پاک پانی سے مل کر بہہ جائے تو پاک ہو جاتا ہے تم گندے کسی مقبول بندے کے ساتھ مل کر بہہ جائیں تو پاک ہو جائیں گے۔۔۔۔

کلید گنج سعادت قبول اہل دل است مباد کس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند
شبان وادی ایمن گہے رسید بمراد! کہ چند سال بجاں خدمت شعیب کند

یعنی نیک بختی کے خزانے کی چابی دل والوں کا قبول فرمانا ہے اس میں ہرگز شک نہ کرو۔ موسیٰ علیہ السلام وادی ایمن میں پہنچ کر چرواہے سے کلیم جب بنے جبکہ برس ہا برس شعیب علیہ السلام کی خدمت کی۔ (تفسیر روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ جیسے نماز کیلئے جسم کی پاکی ضروری ہے ایسے ہی دل کی پاکی بھی لازم ہے۔ جسم ان کنوؤں کے پانی سے پاک ہوتا ہے۔ مگر دل فیضان کے چشمے سے پاک ہوتا ہے۔ ناپاک جسم ان مسجدوں میں نہیں آسکتے ناپاک دل مسجد قرب میں نہیں جاسکتے۔ ناپاک ہاتھ قرآن کے نقوش نہیں چھو سکتے۔ ناپاک زبان قرآن کے الفاظ نہیں چھو سکتی تو ناپاک دماغ قرآن کے مضامین نہیں چھو سکتے۔ ناپاک دل میں قرآن کے اسرار نہیں آسکتے۔ اگر تمہارے پاس اپنا پانی ہے تو اس سے دل کا وضو کر لو ورنہ کسی کے آستانے کی خاک پر تیمم کرو پھر یار کی طرف رخ کرو۔

www.alahazratnetwork.org

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ
کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے خریدتے ہیں وہ گمراہی کو اور ارادہ کرتے
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کو کتاب سے ایک حصہ ملا گمراہی مول لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی
اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۴۴﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا وَّكَفٰى
ہیں یہ کہ بہک جاؤ تم راستہ سے ۔ اور اللہ خوب جانتا ہے دشمنوں کو تمہارے اور کافی ہے اللہ حمایتی اور کافی
راہ بہک جاؤ ۔ اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے والی اور
بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿۴۵﴾
ہے اللہ مددگار
اللہ کافی ہے مددگار

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** سورہ نساء کے شروع سے یہاں تک شرعی احکام کا ذکر تھا۔ اب عقائد اسلامیہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے تاکہ مضامین بدلنے سے مطالعہ کرنیوالے کی رغبت قائم رہے اسکا دل اکتانہ جائے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ نشہ کی حالت میں نماز کے قریب مت جاؤ۔ اب اشارۃً فرمایا جارہا ہے کہ بدعقیدگی لے کر نماز نہ پڑھو۔ یعنی دماغ کو شراب کے نشے سے بچانے کے بعد دل کو بدعقیدگی کے نشے سے بچانے کا حکم کیا جارہا ہے۔ نماز وہی قبول ہے جس میں سر کعبہ کی طرف جھکے اور دل مدینے والے سرکار کی طرف بازار قیامت میں اس نماز کی قیمت پڑے گی جس میں نمازی کا رخ کعبے کی طرف رہا ہو اور دل کا طرف مدینے کی طرف۔۔۔

اگر دل میں حب محمد نہیں ہے تو کعبے کو جانے کی کوشش نہ کرنا

(صائم چشتی)

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں جسمانی پاکیوں کا ذکر تھا۔ اس آیت میں روحانی پاکی کا تذکرہ ہے۔ کامل مومن وہی ہے جو قالب، قلب اور جسم روح سب کو پاک کرے اور پاک رکھے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ معافی اور بخشش انہیں دیگا جن میں یہ عیوب نہ ہوں۔ یعنی معافی دینے کا ذکر پہلے ہو گیا اور معافی لینے کی شرطوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کو نیک اعمال کا حکم دیا گیا۔ اب انہیں یہودی حالت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے تاکہ پتہ لگے کہ بدعملی کا انجام یہ ہوتا ہے۔ جسم بگڑنے سے دل بگڑ جاتا ہے۔

شان نزول: (1) مدینہ منورہ کے کچھ یہودی پادری عبداللہ ابن ابی اور دوسرے منافقوں سے اکثر ملتے رہتے تھے اور ان سے اسلام کی برائیاں کرتے تھے تاکہ وہ اسلام سے متنفر رہیں انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح البیان و کبیر المعانی)۔ (2) رفاعہ ابن زید اور مالک ابن خشعم یہودی تھے نہایت بدتمیز اور بدتہذیب یہ دونوں کبھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ شریف میں حاضر ہوتے تھے گستاخی سے بیہودہ کلام کیا کرتے تھے وہ اخلاق مجسم رحمت عالم صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم انکی بدتمیزی پر صبر فرماتے تھے۔ انکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ (تفسیر خازن و روح المعانی)

تفسیر: **الم تر الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب** ہمزہ استفہام کیلئے ہے اور یہ استفہام تعجب کرنے کیلئے نہیں بلکہ تعجب دلانے کیلئے ہے کیونکہ اللہ تعالٰی تعجب کرنے سے پاک ہے۔ تر میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر صحابی سے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے۔ تر کا مادہ رای ہے مصدر رویت بمعنی دیکھنا غور کرنا۔ ظاہر ظہور جاننا ہے یعنی آنکھ سے دیکھنا یا دل سے دیکھنا اگر آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو اسکے بعد الیٰ آتا ہے اور آنکھ سے دیکھنے کے معنی میں ہو تو الیٰ وغیرہ کسی حرف کو نہیں چاہتا یہاں اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہے تب تو الیٰ کا آنا بالکل ظاہر ہے اور اگر بمعنی غور کرنا یا جاننا ہے تو الیٰ اس لئے آیا کہ اس میں انتہا کے معنی شامل ہیں۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) الذین سے مراد علمائے یہود ہیں کیونکہ انہیں کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ اوتوا ایتاء سے بنا بمعنی دینا یہ مجہول ہے۔ جسکا نائب فاعل تو یہی علمائے یہود ہیں اور فاعل یا اللہ تعالٰی ہے یا ان علماء کے استاد یا باپ دادے ہیں جن سے انہیں توریت ملی تھی۔ نصیب بمعنی حصہ ہے کتاب سے مراد توریت شریف ہے من تبعیضیہ ہے۔ حصہ کتاب سے مراد یا تو علم کتاب ہے کہ انہیں کتاب کا علم تو ملا عمل نہ ملا یا مفہوم کتاب ہے کہ انہیں کتاب کے معنی ملے اور اسرار نہ ملے یا الفاظ کتاب ہیں کہ انہیں بعض توریت ملی اور بعض نہ ملی یا اسطرح کہ پہلے ہی تحریف ہو چکی تھی یا اسطرح کہ ان لوگوں نے خود ہی حضور کی تعریف کی آیتیں مٹا دیں تھیں۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے میرے محبوب کے صحابہ یا اے قرآن کے پڑھنے والے کیا تو نے انکو نہ دیکھا یا کیا تیرا علم ان تک نہ پہنچا جنہیں توریت شریف پوری نہ ملی بلکہ اسکا کچھ حصہ ہی ملا۔ **یشترون الضللۃ** اشتراء کے معنی خریدنا ہیں مگر یہاں تبادلہ کرنا مراد ہیں جس کا مفعول ضلالت ہے اور بالھدی پوشیدہ ہے۔ ضلالت سے مراد یا تو انکا فریب دین ہونا ہے یا توریت کی آیتیں چھپانا ہدایت سے مراد یا وہ ہدایت ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے یعنی فطرت یا وہ ہدایت جسکے حاصل کرنے پر یہ قادر تھے یا وہ ہدایت مراد ہے جو انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حاصل تھی کہ وہ لوگوں کو آپکی بشارتیں دیتے تھے اور آپکے نام کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تھے یعنی یہ لوگ ہدایت کے عوض گمراہی خریدتے ہیں یا لوگوں سے پیسے لے کر توریت کی آیتوں کو بدلتے ہیں اور حضور کی نعت کی آیتیں چھپاتے ہیں اس پر بس نہیں کرتے بلکہ **ویریدون ان تضلوا السبیل** یہ ان علمائے یہود کا دوسرا عیب ہے۔ ارادے سے مراد فقط چاہنا نہیں بلکہ کوشش کرنا ہے۔ کوشش خواہ جانی ہو یا مالی یا علمی یا اخلاقی یا اور کسی قسم کی آج بھی عیسائی مسلمانوں کو بہکانے کیلئے ہر قسم کی کوشش کر رہے ہیں اور تضلوا میں خطاب صحابہ کرام سے ہے السبیل سے مراد اسلام ہے کیونکہ یہ اللہ سے ملنے کا راستہ ہے یعنی وہ اس کوشش میں ہیں کہ اے صحابہ کرام تمہیں اسلام سے پھسلا دیں اور تمہیں مرتد کر دیں یا کم از کم تمہارے دلوں میں اسلام کی طرف سے شبہات پیدا کر دیں یا کم از کم تمہارے اعمال اخلاق صورت لباس عیسائیوں کے سے کریں آج عیسائیوں کا یہ داؤ مسلمانوں پر چل گیا ہمارے اخلاق، صورت، سیرت، زبان سب کچھ انگریزی ہو گئی۔ یہ اس آیت کریمہ کا ظہور ہے **واللہ اعلم باعدائکم** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضرات صحابہ کرام پر یا سارے مسلمانوں پر کرم کا اظہار کیا گیا اعداء عدو سے بنا بروزن فعول مبالغہ۔ اس کا مادہ عدو ہے جسکے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا مصدر عداوۃ چونکہ دشمن دوستی و محبت کی

www.alahazratnetwork.org

حد سے نکل جاتا ہے۔ اسلئے اسے عدو کہتے ہیں۔ یہاں دشمن سے مراد جانی یا مالی دشمن نہیں بلکہ ایمانی دشمن مراد ہیں یعنی اللہ تعالٰی تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے چونکہ مسلمانوں کے دشمن بہت طرح کے ہیں لہذا اعداء جمع ارشاد ہوا **وکفٰی باللہ ولیا وکفٰی باللہ نصیرا** کفٰی باللہ کی تفسیر بارہا ہو چکی۔ کفٰی فعل ہے اور باللہ اسکا فاعل ب زائدہ ہے یا الصاق کی ہے چونکہ اللہ تعالٰی ہر وقت اپنے بندوں کے ساتھ رہتا ہے اس لئے ب زائدہ لائی گئی۔ ولی اور نصیر دونوں قریب المعنٰی ہیں مگر ولی وہ کہلاتا ہے جو نفع پہنچائے اور نصیر وہ جو نقصان دہ چیزوں اور دشمنوں سے بچائے یعنی اللہ تعالٰی تمہارے لئے کافی والی ہے اور کافی مددگار کہ وہ تمہیں نافع چیزیں بخشتا ہے اور مضر چیزوں سے بچاتا ہے لہذا اس کی امان میں رہو۔ محفوظ رہو گے۔

خلاصہء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانو! کیا تم نے ان بد نصیب علمائے یہود کو نہ دیکھا یا نہ جانا جنہیں توریت شریف کا کچھ حصہ رب تعالٰی کی طرف سے یا اگلے باپ دادوں کی طرف سے دیا گیا۔ انہوں نے اس کتاب سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا بلکہ وہ ہدایت کے عوض گمراہی ایمان کے عوض کفر خوش نصیبی کے عوض بد نصیبی محبت کے عوض عداوت نور کے عوض نار اختیار کرتے ہیں اور بجائے اسکے کہ تم سے فائدہ اٹھائیں وہ اس کوشش میں ہیں کہ تم اسلام چھوڑ دو ایسے لوگوں کی ہدایت کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ اپنے دشمنوں کی زیادتی سے نہ گھبراؤ۔ اللہ تعالٰی تمہارا والی و وارث ہے اور وہی تمہارا مددگار ہے وہ تمہیں دشمنوں سے بچائے گا اور رحمتیں عطا فرمائے گا جسکا اللہ والی اور ناصر ہو اسکا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا وہ کافی ہے والی وارث اور مددگار۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گمراہ انسان شیطان سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ شیطان تو خاص اولیاء اللہ کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو چکا ہے۔ مگر یہ لوگ مایوس نہ ہوئے نیز شیطان لاحول شریف اذان و تکبیر کی آواز سے بھاگ جاتا ہے ماہ رمضان میں قید کر دیا جاتا ہے مگر ہمارا نفس اور برے یار نہ اذان وغیرہ سے بھاگیں نہ رمضان وغیرہ میں قید ہوں ان سے محفوظ رہنے کی صرف ایک ہی تدبیر ہے وہ یہ کہ انکی مخالفت کی جائے اور ان سے نہایت سختی سے مقابلہ کیا جائے یہ لوگ جب صحابہ کرام کو بہکانے کی کوشش کرتے رہے تو ہم تم کس شمار میں ہیں۔ یہ فائدہ یریدون سے معلوم ہوا لہذا ہر شخص گمراہ انسانوں سے دور رہے۔ **دوسرا فائدہ:** ہدایت علم یا کتاب سے نہیں ملتی یہ تو خاص رب کا عطیہ ہے۔ دیکھو علمائے یہود کے پاس توریت کا علم تھا مگر رہے گمراہ۔

دین مجو اندر کتب اے بے خبر — علم و حکمت از کتب دیں از نظر!

تیسرا فائدہ: عالم کی گمراہی جاہل کی گمراہی سے زیادہ خطرناک ہے کیونکہ گمراہ عالم گمراہ بھی ہے اور گمراہ گر بھی۔ **چوتھا فائدہ:** اپنے دوست دشمن سے ہم خبردار نہیں۔ رب تعالٰی خبردار ہے۔ لہذا جسے رب ہمارا دشمن فرمائے۔ وہ ہمارا دشمن ہے اور جسے ہمارا دوست کہے وہ ہمارا دوست اگرچہ ہماری عقل میں نہ آئے۔ **پانچواں فائدہ:** دشمن تین قسم کے ہیں۔ دشمن جان دشمن مال اور دشمن ایمان۔ مگر دشمن ایمان سب سے بدتر ہے دیکھو رب تعالٰی نے دشمن ایمان سے ہم کو آگاہ فرمایا اور ہمیں ان سے احتیاط کرنے کا حکم دیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تاتوانی دور سو از یار بد!! یار بد بد تر بود از مار بد!

مار بد تنہا ہمی برجاں زند یار بد بر دین برایمان زند!

چھٹا فائدہ: بے دین آدمی اگرچہ ہمارا رشتے دار ہو مگر ہمارا دشمن ہے بندۂ مومن اگرچہ ہم سے اجنبی ہو مگر ہمارا دوست ہے رب فرماتا ہے **ان من ازواجکم واولادکم عدوالکم** مسلمان کو چاہئے کہ بے دین قرابتدار سے دور رہے اور دیندار اجنبی سے قریب کافر مومن کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور کے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محفوظ رہے۔ تمام بے دینوں کی کوششیں انکے متعلق بیکار ہوئیں۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ وہ تمہیں بہکانا چاہتے ہیں اور بعد میں فرمایا کہ اللہ والی و وارث اور مددگار ہے صحابہ کرام کی تو بڑی شان ہے۔ جس پر کسی صحابی کی نظر عنایت ہو جائے وہ بھی گمراہی سے بچا رہتا ہے انکے متعلق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ کفار کے داؤ پیچ اور انکی تدبیروں سے خبردار رہے۔ اپنی حفاظت کی کوشش کرتا رہے یہ فائدہ الم تر سے حاصل ہوا چور ہمیشہ اس گھر میں جاتا ہے جہاں دولت اور مالک کی غفلت ہو مومن کے دل میں دولت ایمان ہے اس کیلئے غفلت زہر قاتل ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ علمائے یہود کو کتاب اللہ کا ایک حصہ دیا گیا یعنی انہیں ساری کتاب نہ ملی۔ مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ نے فرمایا **ولتسمعن من الذین اوتوا الکتب من قبلکم** جس سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب کو ساری کتاب یعنی توریت وغیرہ ملی۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** کتاب اسم جنس ہے ساری کتاب کو بھی کتاب کہتے ہیں اور اسکے حصے کو بھی جیسے ایک قطرہ بھی پانی ہے اور سارا سمندر بھی پانی۔ وہاں بھی کتاب کا بعض حصہ ہی مراد ہے جسے کتاب فرمایا گیا میں ایک آیت شریف پڑھ کر کہہ سکتا ہوں کہ میں نے قرآن پڑھا۔ کہا کرتے ہیں کہ قرآن شریف نے نماز کو فرض کیا حالانکہ فرضیت نماز کی چند آیت ہیں نہ کہ سارا قرآن لہٰذا دونوں آیتیں برحق ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر علمائے یہود کو کتاب کا ایک حصہ ملا تو باقی حصے کسے ملے۔ ساری کتاب تو انہیں کے پاس تھی۔ **جواب:** وہ سب ضائع ہو گئے یا چھپا لئے گئے یا بدل دیئے گئے۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا ہے کہ یہاں حصہ کتاب میں بہت احتمال ہیں انہیں کتاب کا علم ملا عمل نہ ملا قرمان ملا فیضان نہ ملا۔ الفاظ ملے اسرار نہ ملے کچھ حصہ ملا کچھ حصہ نہ ملا۔ **تیسرا اعتراض:** علمائے یہود کے پاس ہدایت پہلے سے تھی ہی نہیں پھر انہوں نے اسکے عوض گمراہی کیسے خریدی۔ **جواب:** اسکے نہایت نفیس جوابات پہلے پارے میں **اشتروا الضللۃ بالھدی** کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں اور ابھی تفسیر میں بھی کچھ عرض کئے گئے کہ ہر بچہ ہدایت پر پیدا ہوتا ہے پھر اپنے اختیار سے گمراہ بنتا ہے اس ہدایت کا چھوڑنا اور گمراہی اختیار کرنا خریداری ہے یا وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے حضور کو مانتے تھے اس معنی سے ہدایت پر تھے تشریف آوری کے بعد آپکے منکر ہوئے یہ انکی خرید و فروخت ہوئی وغیرہ وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** ولایت اور نصرت میں کیا فرق ہے دونوں کے معنی مدد ہی ہیں پھر یہاں ولی اور نصیر الگ الگ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** ولی کے بہت معنی ہیں مالک' متصرف' والی' وارث' مددگار' یہاں ولی سے مراد والی وارث متصرف ہے اور نصیر سے مراد مددگار اور اگر ولی بمعنی مددگار ہی ہو تب بھی مدد بہت سی قسم کی ہے۔ کسی کو مفید چیز دینا بھی مدد ہے۔ نقصاندہ چیز سے بچانا بھی مدد ہے اسے قوت دینا بھی مدد ہے اور اسکے مقابل کو کمزور کر دینا بھی مدد ہے لہٰذا ولی اور نصیر میں تکرار نہیں۔ (از تفسیر کبیر) پانچواں

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافی ولی اور کافی نصیر ہے پھر تم مسلمان ولیوں نبیوں کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو تم کو خدا کافی نہیں (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کافی رازق کافی شافی الامراض ہے پھر تم رزق اور شفاء لینے کیلئے امیروں' حکیموں کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو کیا خدا رازق شافی نہیں ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان مقبولوں کے آستانے اللہ تعالیٰ کی ولایت و نصرت کے دروازے ہیں۔ مدد رب تعالیٰ ہی کرتا ہے مگر ان دروازوں سے اگرچہ دولت امیر کے گھر میں ہے مگر بھکاری کو ملتی ہے۔ دروازہ سے اور خزانچی یا نوکر و ملازم کے ہاتھ سے ہم ان دروازوں پر اللہ کی نصرت و ولایت لینے جاتے ہیں خود رب تعالیٰ ہم کو وہاں بھیج رہا ہے (دیکھو ہماری کتاب جاء الحق) **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو جگہ کفیٰ باللہ کیوں ارشاد ہوا۔ ایک ہی جگہ کافی تھا۔ **جواب:** اس جیسے موقعہ پر تکرار سے مبالغہ اور سننے والے کے دل میں قوت پیدا ہوتی ہے۔ جیسے کسی مصیبت زدہ سے کہا جائے کہ مت گھبرائیں میں تیرا دوست ہوں میں تیرا یار ہوں میں تیرا مددگار ہوں یہاں بار بار میں تیرا کہنے سے اس مصیبت زدہ کو بہت تسلی ہوگی۔ **ساتواں اعتراض:** کفیٰ فعل ہے لفظ اللہ اسکا فاعل پھر لفظ اللہ پر ب کیوں آئی۔ فاعل پر حرف جر نہیں آیا کرتا۔ **جواب:** تفسیر کبیر میں اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ بہترین جواب یہ ہے کہ ب آئی ہے ملانے کیلئے اور قرب بتانے کیلئے ہے یہاں ب فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اور اسکی رحمت تم سے دور نہیں ہے قریب ہے جب مددگار قوی بھی ہو اور قریب بھی پھر اسکی مدد پہنچنے میں دیر نہیں لگتی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** اور فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** قربان جاؤ قرآن کریم کے کہ اسکے ہر حرف میں صدہا حکمتیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: **الم تر** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور تری سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے **الذین اوتوا الکتب** سے تاقیامت یہودی و عیسائی مراد ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کو بہکانے کی تدبیریں کرتے رہیں گے۔ آج بھی مشن سکول مشن کالج مشن ہسپتال مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی تدبیریں ہیں یہ سب لوگ حضور کی نگاہ میں ہیں مگر یہ لوگ نگاہ غضب میں ہیں اور تاقیامت مسلمان نگاہ عنایت میں اس نگاہ کا صدقہ ہے کہ مسلمان اس گئے گزرے زمانہ میں بھی انکے شر سے محفوظ ہیں۔ حضور سب کو دیکھتے پہچانتے ہیں۔ جب جنت کی حور دنیا کے ہر گھر کے ہر حال سے خبردار رہتی ہے تو حضور تو اللہ نور کے ہیں۔ آپکی نظر سب پر کیوں نہ ہو ہماری بخشش حضور کی شفاعت پر موقوف ہے اور حضور کی شفاعت حضور کے علم پر مبنی ورنہ اگر قیامت میں حضور گنہگاروں سے فرمائیں کہ میں تم کو پہچانتا ہی نہیں تم کون ہو اپنے مومن ہونے کا ثبوت دو تو آفت ہو جائے جو حضور کے علم کا انکاری ہے وہ حضور سے شفاعت کیسے کرائے گا اور جنت میں کیونکر جائیگا۔ حضور سے یہ خطاب فرما کر مسلمانوں سے فرمایا گیا اشارۃً کہ اے مسلمانو یہ مت سمجھو کہ یہ آیت کریمہ جن علماء کے متعلق تھی وہ ختم ہو چکے اب اسلامی علماء میں بھی دو قسم کے عالم ہیں: ایک وہ جنہیں پورا قرآن ملا اور ایک وہ جنہیں قرآن کا کچھ حصہ ہی ملا۔ پہلے قسم کے علماء علمائے ربانی ہیں اور دوسرے قسم کے علماء علمائے سوء یعنی علمائے نفسانی یا شیطانی ہیں۔ علمائے شیطانی ہمیشہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں زبانی دوست ہیں اور دلی دشمن علمائے ربانی وہ ہیں کہ جنکی زبان پر قرآن کا فرمان ہو اور دل میں قرآن کا فیضان ہو اور علمائے نفسانی و شیطانی وہ ہیں جنکی زبان پر ہو قال قال اور دل کالا کالا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فیضان کی ضرورت ہر شخص بلکہ ہر چیز

www.alahazratnetwork.org

کو ہے دیکھو حضور کے فیض سے کعبے کے اندر سے بت نکلے۔ حضور کے فیض سے قرآن کی آیتیں مکی مدنی بنیں ورنہ نہ اللہ تعالیٰ مکی مدنی ہے نہ جبریل نہ لوح محفوظ۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ علمائے سوء نے ہدایت کو دیکھا ہی نہیں ورنہ کبھی گمراہی کے عوض اسے فروخت نہ کرتے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جمال یوسفی دیکھا ہی نہیں۔ ورنہ انہیں کبھی کھوٹے داموں کے عوض فروخت نہ کرتے۔ حسن یوسف یا یعقوب علیہ السلام نے دیکھا تھا یا مصر میں پہلے زلیخا نے دیکھا۔

حکایت: امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر سورہ یوسف میں جسکا نام احسن القصص ہے لکھا ہے کہ ایک بار حضرت جنید مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک برقع پوش عورت فریاد لائی کہ میرا خاوند میرے ہوتے ہوئے دوسری عورت پر فریفتہ ہے اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے آپ نے فرمایا کہ از روئے شریعت وہ یہ کر سکتا ہے وہ بولی کہ میرا حسن برقع میں ہے اگر آپ میرا جمال دیکھ لیتے تو یہ فتویٰ نہ دیتے اور اگر میرا خاوند میرے جمال کو دیکھ لیتا تو کبھی ایسا ارادہ نہ کرتا۔ اسکے اس جواب پر جنید بغدادی نے نعرہ مارا اور بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش آیا تو اتنے کمزور ہو چکے تھے کہ چلنا پھرنا مشکل تھا لوگوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا ہوا فرمایا کہ اس عورت کے جواب نے میرے مقامات طے کرا دیئے۔ جو عالم ہدایت کے مقابلے میں گمراہی دین کے مقابلے میں دنیا نور کے مقابلے میں نار اختیار کرتا ہے اس نے ہدایت وغیرہ کا حسن دیکھا ہی نہیں خیال رہے کبھی پردہ محبوب کے چہرے پر ہوتا ہے اور کبھی دیکھنے والے کی آنکھ پر حسن مصطفیٰ عیاں تھا مگر پردہ ابوجہل کی آنکھ پر تھا۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے　　ای تقی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا!　　بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

غرض یہ آیت کریمہ علماء کیلئے بہت عبرت کا باعث ہے اللہ تعالیٰ پورا قرآن عطا فرمائے۔

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَ
ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے بدلتے ہیں کلموں کو ان کی جگہ سے اور کہتے ہیں سن لیا ہم نے اور نہ مانا
کچھ یہودی کلاموں کو ان کی جگہ سے پھیرتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور سنئے آپ سنائے
عَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ وَلَوْ اَنَّهُمْ
کریں گے اور سنئے نہ سنائے ہوئے اور راعنا کہئے ہماری موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور طعنہ کرتے ہوئے دین
نہ جائیں اور راعنا کہتے ہیں زبانیں پھیر کر اور دین میں طعنہ کے لئے اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا
قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ
میں اور اگر وہ کہتے کہ سن لیا ہم نے اور اطاعت کریں گے ہم اور سنئے اور نظر کیجئے ہم پر تو البتہ ہوتا اچھا ان کے لئے
اور مانا اور حضور ہماری بات سنیں اور حضور ہم پر نظر فرمائیں تو ان کے لئے بھلائی اور راستی میں زیادہ

www.alahazratnetwork.org

اللّٰہُ بِکُفۡرِہِمۡ فَلَا یُؤۡمِنُوۡنَ اِلَّا قَلِیۡلًا ﴿۴۶﴾

اور زیادہ اور زیادہ درست لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بوجہ کفر ان کے پس نہیں ایمان لاتے مگر تھوڑے

ہوتا لیکن ان پر تو اللہ نے لعنت کی ان کے کفر کے سبب تو یقین نہیں رکھتے مگر تھوڑا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب ہدایت کے عوض گمراہی خریدتے ہیں اب اس اجمال کی کچھ تفصیل یا اس دعویٰ کی دلیل یا اس کلام کی شرح فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کو کتاب پوری نہ ملی بلکہ اس کا ایک حصہ ملا اب اسے سمجھانے کیلئے ارشاد ہو رہا ہے کہ اس میں ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ خود وہ قصوروار ہیں کہ توریت کی آیتوں میں تحریف کرتے ہیں۔ جس سے توریت کا بہت حصہ ضائع ہو گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مسلمانو تمہارے دشمنوں کو ہم خوب جانتے ہیں تم دھوکا کھا سکتے ہو کہ انہیں ظاہری باتوں سے دوست سمجھ لو اب اسکے ثبوت میں یہود کی کچھ حرکتیں پیش کی جارہی ہیں کہ انکی زبانیں شہد کی طرح میٹھی ہیں اور دل میں تمہاری طرف سے زہر بھرا ہے یعنی وہ دعویٰ تھا اور یہ اسکی دلیل۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ مسلمانوں کا والی اور ناصر ہے۔ اب اس حمایت اور نصرت کا نتیجہ بیان کیا جارہا ہے کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان صحابہ کرام کا رعب یہود کے دلوں میں اتنا ہے کہ انہیں بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر تقیہ ہی کرنا پڑتا ہے۔ ان کی ہیبت کی وجہ سے یہود زبان سے خوشامد ہی کرتے ہیں دل کی عداوت ظاہر نہیں کر سکتے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود تمہارے دشمن ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ وہ تو خود اپنی کتاب اپنے نبی کے بھی دشمن ہیں جو اپنی قوم اپنے دین کا ہی دوست نہ ہو وہ تمہارا دوست کیسے ہو سکتا ہے۔

تفسیر: **من الذین ھادوا** اس عبارت کی بہت نحوی ترکیبیں ہیں اور بہت سے معانی ایک یہ کہ یہ عبارت **الذین اوتوا** کا بیان ہے اور من بیانیہ ہے دوسرے یہ کہ یہ نصیرا کے متعلق ہے اور من صلہ کا تیسرے یہ کہ **باعدائکم** کا بیان ہے چوتھے یہ کہ یہ علیحدہ جملہ ہے اور یہ عبارت خبر مقدم ہے جسکا مبتداء قوم کہ پوشیدہ ہے **یحرفون الخ** قوم کی صفت ہم اسی ترکیب کی بنا پر اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ اس صورت میں من تبعیضیہ ہوگا چونکہ سارے یہودی توریت شریف کی تحریف نہ کرتے تھے بلکہ صرف علماء کرتے تھے عوام یہود تو انکی تحریف کردہ عبارتوں پر ایمان لے آتے تھے۔ اسلئے من تبعیضیہ ارشاد ہوا نیز جو حرکتیں یہاں ذکر ہو رہی ہیں وہ زیادہ تر علمائے یہودی کیا کرتے تھے۔ عیسائی ان کے مقابلے میں ہلکے تھے اسلئے ھادوا فرمایا گیا نیز ھادوا میں لطیف اشارہ اس جانب ہے کہ یہ لوگ پہلے یہودی تھے اب تو توریت بگاڑنے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کی وجہ سے کچھ بھی نہ رہے اس لئے من الیہود نہ فرمایا اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** اس عبارت کی اتنی ہی ترکیبیں ہوں گے جتنی من الذین میں عرض کی گئیں اور ان ترکیبوں کے مطابق اتنے ہی معانی۔ یحرفون تحریف سے بنا جس کا مادہ حرف ہے بمعنی کنارہ اور علیحدگی تحریف کنارے کر دینا علیحدہ کر دینا بدل دینا۔ تحریف دو قسم کی ہوتی ہے۔ لفظی اور معنوی۔ الفاظ کتاب بدلنا تحریف لفظی ہے اور کلام اللہ میں غلط تاویلیں کرنا تحریف معنوی یہاں دونوں معنی بن

www.alahazratnetwork.org

سکتے ہیں مگر زیادہ ظاہر یہ ہے کہ تحریف لفظی مراد ہے کیونکہ اسکے بعد کلم کا ذکر ہے۔ **یحرفون** مضارع فرما کر یہ بتایا کہ انکی یہ تحریف ایک بار نہ ہوئی بلکہ برابر کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ کلم کلمۃ کی جمع ہے یہاں کلمۃ سے مراد عام ہے مفرد ہو یا مرکب یا پورا جملہ جیسے رب فرماتا ہے **لا تبدیل لکلمت اللہ** اس سے مراد توریت شریف کی عبارتیں ہیں۔ علمائے یہود نے توریت شریف کی پوری آیتیں بھی بدلی تھیں اور بعض آیتوں کے کچھ کلمات بھی جیسے توریت شریف میں نبی آخر الزمان کی صفات میں لکھا تھا کہ وہ اسمر یعنی گندمی رنگ ہوں گے ربعۃ یعنی درمیانہ قد ہوں گے انہوں نے اسمر کی جگہ آدم اور ربعۃ کی جگہ طوال لکھ دیا۔ مواضع 'موضع کی جمع ہے بمعنی جگہ **ہ** کا مرجع **کلمہ** ہے اگرچہ وہ جمع ہے اور جمع کیلئے ضمیر مونث آنی چاہئے مگر چونکہ اس جمع کے حروف واحد کے حروف سے کم ہیں کہ واحد کلمۃ ہے۔ ایسی جمع کی طرف ضمیر مذکر بھی لوٹ جاتی ہے۔ اسلئے یہاں ضمیر مذکر لائی گئی (تفسیر کبیر) بعض نے فرمایا کہ کلم اسم جنس ہے نہ کہ جمع لہٰذا ضمیر مذکر آئی۔ یعنی یہودیوں میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو توریت شریف کے الفاظ کو انکی جگہ سے ہٹا دیتے ہیں مٹا کر یا بدل کر۔ انکی دشمنی اپنے مذہب کے ساتھ تو یہ تھی اور تمہارے مذہب کے ساتھ یہ ہے کہ وہ تمہارے نبی کے دشمن تمہارے دین کے دشمن پھر وہ تمہارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں تمہارے بزرگوں کا دشمن تمہارا دشمن ہے۔ چنانچہ وہ تمہارے رسول کے ساتھ یہ عمل کرتے ہیں کہ **ویقولون سمعنا وعصینا** یہ جملہ یحرفون پر معطوف ہے اور قوم 'پوشیدہ کی دوسری صفت اس میں ان یہودیوں کا دوسرا عیب بیان کیا گیا کہ یہ بدنصیب اپنے نبی اور اپنی کتابوں پر تو یہ زیادتیاں کرتے ہیں اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ انکا معاملہ یہ ہے یہاں قول سے مراد زبانی ولی ظاہر اور خفیہ ہر قول ہے کیونکہ وہ زبان سے تو سمعنا کہتے تھے اور دل میں عصینا۔ اور ہو سکتا ہے کہ قول سے مراد زبانی کہنا ہی ہو اسطرح کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں تو سمعنا کہتے ہوں اور گھر جا کر عصینا کہتے ہوں یا یہ دونوں کلمے اپنی قوم کے سامنے کہتے ہوں یعنی زبان سے کہتے ہیں ہم نے آپ کے فرمان سن لئے اور دل میں کہتے ہیں کہ مانیں گے نہیں یا اپنی قوم سے کہتے ہیں کہ ہم انکی باتیں سن تو لیتے ہیں مگر مانتے نہیں **واسمع غیر مسمع** یہ عبارت سمعنا پر معطوف ہے اور یقولون کا مفعول اس عبارت کے اچھے معنی بھی ہو سکتے ہیں برے بھی لوگوں پر اچھے معنی ظاہر کرتے تھے دل میں برے معنی کی نیت کرتے تھے ایک شاعر کہتا ہے۔

خاط لی عمرو قباء   لیت عینیہ سواء

یعنی اے محبوب ہماری عرض سنئے ہماری طرف سے آپکو ناپسندیدہ بات نہ سنائی جائے گی ہم وہ کہیں گے جو آپ کو پسند ہو یا خدا کرے آپ کبھی بری بات نہ سنائے جائیں یہ دونوں معنی خیر ہیں یا خدا کرے آپ سننے کے قابل نہ رہیں اسطرح کہ آپکی وفات واقع ہو جائے یا بہرے ہو جائیں ظاہر کرتے تھے وہ دو معنی مراد لیتے تھے یہ آخری معنی (صاوی وکبیر وغیرہ) **وراعنا لیا بالسنتہم وطعنا فی الدین** راعنا واسمع پر معطوف ہے یہ بھی یقولون کا مفعول ہے یہ بھی دو معنی والا لفظ ہے ایک خیر دوسرا شر اگر راع 'رعایۃ کا امر ہو اور نا اس کا مفعول تو معنی یہ ہیں کہ یا رسول اللہ ہماری رعایت فرمائیے یہ فرمان عالی ہم نے سنا نہیں دوبارہ فرما دیجئے یہ معنی نہایت ہی درست ہیں اور اگر رعونت بمعنی حماقت کا اسم فاعل ہو تو اسکے معنی ہیں احمق 'بیوقوف یا متکبر اور اگر راعینا ی کے ساتھ ہو تو معنی ہوں گے ہمارے چرواہے تب یہ نہایت ہی شر کا لفظ ہے وہ ظاہر تو کرتے تھے پہلے معنی اور

www.alahazratnetwork.org

نیت کرتے تھے دوسرے معانی کی اسلئے رب نے فرمایا **لیا بالسنتھم** لیا لوی سے بنا بمعنی موڑنا پھیرنا یہ یقولون کا حال یا مفعول لہ ہے اسکا تعلق یا تو لیا سے ہے یا ان تمام کلمات سے یعنی وہ اپنی زبانیں موڑ موڑ کر راعنا کہتے ہیں جس سے راعنا راعینا بن جاتا ہے یا یہ تمام گفتگو زبانیں موڑ موڑ کر کرتے ہیں طعن کے معنی ہیں نیزہ مارنا مگر کسی کی آبرو پر زبان یا ہاتھ ڈالنے کو بھی کہا جاتا ہے۔ طعن فیہ کے معنی ہوتے ہیں اسے عیب لگایا یہ لیا پر معطوف ہے اور اسکی طرح یا تو یقولون سے حال ہے یا مفعول لہ۔ دین سے مراد ہے دین اسلام یعنی انکی یہ حرکتیں اسلام پر طعنہ دینے کیلئے ہوتی ہے کہ پھر جا کر اپنے دوستوں سے کہتے ہیں کہ اگر آپ سچے نبی ہوتے تو ہماری ان باتوں کو سمجھ جاتے اور ہمارے دلوں کے ارادوں پر مطلع ہو جاتے معلوم ہوتا ہے کہ آپ سچے نبی نہیں اور جب آپ ہی سچے نہیں تو اسلام سچا کیسے ہو سکتا ہے لہٰذا اسلامی توحید۔ قرآن مجید۔ روزہ نماز کے احکام شریعت و طریقت کے مسائل سب ہی غلط ہیں کہ یہ سب چیزیں ان نبی کی زبان سے ہی ملی گئی ہیں۔ جب یہ زبان ہی سچی نہیں تو یہ سب چیزیں جھوٹی ہیں **ولو انھم قالوا سمعنا واطعنا** یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے انہیں یا مخلص مسلمانوں کو تعلیم کیلئے یعنی اگر یہ مردودین بجائے عصینا کے اطعنا کہتے زبان سے بھی اور دل سے بھی یعنی عرض کرتے کہ ہم نے سن لیا اور آپ کے ہر فرمان کی اطاعت کریں گے۔ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے قواعد شرعیہ کے موافق ہو یا بظاہر ہم کو مخالف معلوم ہو۔ خیال رہے کہ یہ سمعنا واطعنا رب تعالیٰ کیلئے بھی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے وقالوا سمعنا واطعنا غفرانک ربنا معلوم ہوا کہ اطاعت رسول اطاعت الٰہی کی طرح مطلقاً واجب ہے **واسمع وانظرنا** یہ عبارت سمعنا پر معطوف ہے اور قالوا کا مفعول ہے یعنی صرف اسمع کہتے ساتھ میں غیر مسمع نہ کہتے اور بجائے راعنا کے انظرنا کہتے جس میں غلط معنی کا احتمال نہ ہوتا۔ **لکان خیرا لھم واقوم** یہ عبارت لو کی جزا ہے خیر سے مراد نافع چیز ہے اقوم قام کی تفضیل ہے بمعنی اعدل زیادہ انصاف کی بات یعنی اگر بجائے ان منحوس لفظوں کے یہ پیارا کلام کرتے تو ان کیلئے نافع بھی ہوتا زیادہ درست بھی کہ وہ اس سے دنیا و آخرت کی کامیابیاں حاصل کرتے **ولکن لعنھم اللہ بکفرھم** یہ عبارت پچھلے جملوں پر معطوف ہے اور لکن کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے اور لعن اس پوشیدہ عبارت کی علت ہے یعنی لیکن ان مردودوں نے وہ درست باتیں نہ کہیں یا وہ ہمیشہ اس جرم کے مرتکب رہے۔ کیوں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے گزشتہ کفروں کی وجہ سے انہیں رحمتوں سے دور فرما دیا اب انہیں رحمت والے کاموں کی توفیق ہی نہیں ملتی جب کرتے ہیں تو الٹے کام اور جب چلتے ہیں تو غلط راہ۔ لعنت کے معنی اور اسکے اقسام پہلے پارہ میں بیان ہو چکے کہ جب اسکا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اسکے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا اور جب اسکا فاعل بندے ہوں تو اسکے معنی ہوتے ہیں دوری رحمت کی دعا کرنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ ان کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **فلا یؤمنون الا قلیلا** یہ جملہ لعنت کے انجام کا بیان ہے لہٰذا ف تعقیبیہ ہے الا حرف استثناء ہے یا بمعنی لکن اور قلیلا لعنھم اللہ سے استثناء ہے یا یؤمنون کے فاعل ھم سے اور قلیل سے مراد یا تھوڑے لوگ ہیں یا تھوڑا ایمان یعنی ان سب پر اللہ نے لعنت کی سواء تھوڑے لوگوں کے لہٰذا وہ ملعون لوگ ایمان نہ لائیں گے یہ تھوڑے لوگ ایمان لے آئیں گے یا یہ لوگ بہت تھوڑی باتوں پر ایمان لائیں گے زیادہ پر نہ لائیں گے کہ خدا کو مان لیں گے مگر نبی کا انکار کریں گے اور ظاہر ہے کہ صرف عقیدہ توحید نجات کیلئے کافی نہیں توحید کو تو شیطان بھی مانتا ہے یا وہ صرف اپنے رسولوں کو مانیں گے نبی آخر الزمان کو نہ مانیں گے یہ بھی ایمان کیلئے کافی نہیں بغیر حضور پر ایمان لائے تمام نبیوں کا مان لینا محض بیکار ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہود میں سے بعض وہ ظالم بھی ہیں جنہوں نے اپنی کتاب توریت شریف پر تو یہ زیادتی کی کہ اسکی عبارتیں الفاظ، معانی اپنی اپنی جگہ سے ہٹادیں یا مٹا کر یا بدل کر، چھپا کر اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپکے ساتھ انکا برتاوا یہ ہے کہ جب کبھی آپ کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے ہیں تو مسلمانوں کو خوش کرنے کیلئے منہ سے تو کہہ دیتے ہیں سمعنا ہم آپ کے فرمان سن رہے ہیں بہت غور سے کان لگا کر سن رہے ہیں مگر دل میں کہتے ہیں آپ کی بات مانیں گے نہیں اور کہتے ہیں یارسول اللہ آپ ہماری عرض و معروض سنئے مگر دل میں آپ کو کوستے ہیں کہتے ہیں خدا کرے آپ سننے کے لائق نہ رہیں یا اسطرح کہ وفات پا جائیں یا اسطرح کہ آپ کے کان بیکار ہو جائیں اور کہتے ہیں راعنا ظاہر کرتے ہیں کہ ہماری رعایت فرمایئے دل میں نیت کرتے ہیں فاسد معنی کی یہ باتیں زبان موڑ موڑ کر کہتے ہیں انکا مقصد ہے دین اسلام پر طعنہ زنی کرنا لوگوں سے کہنا کہ دیکھو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ علم و خبر نہیں آپکو تو ہمارے برے ارادوں، بری نیتوں پر اطلاع نہیں پھر آپ نبی کیسے نبی کے معنی ہیں خبردار جو بے خبر ہو وہ نبی کیسا اور جب آپ سچے نبی نہیں تو اسلام بھی سچا نہیں، اگر یہ بدنصیب اخلاص کے ساتھ یوں کہا کرتے کہ یارسول اللہ ہم نے آپ کے فرمان عالی سن لئے ہم اطاعت کریں گے اور عرض کرتے کہ یارسول اللہ ہماری مدد کی باتیں سنئے حضور ہم پر نظر کرم فرمائیں تو یہ ان کیلئے دین و دنیا میں بہتر بھی ہوتا اور درست بھی کہ اس گفتگو سے مقبول بارگاہ ہو جاتے مومن صحابی بن جاتے لیکن وہ یہ کہیں کیسے ان پر تو اللہ نے لعنت و پھٹکار کردی کیونکہ یہ پرانے کافر و باغی ہیں۔ اب انکو ایمان نصیب ہی نہ ہوگا۔ہاں ایمانیات میں سے تھوڑی باتوں کو مانیں گے اکثر کے انکاری رہیں گے جس سے یہ پکے کافر ہی رہیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** اللہ تعالٰی نے اپنے محبوب کو وہ اخلاق بخشے کہ حضور نے اپنی ذاتی دشمن سے بھی بدلہ نہ لیا دیکھو اس آیت میں یہ تو بتایا گیا کہ منافق یہود بارگاہ رسالت میں ایسی گستاخیاں کرتے تھے مگر یہ نہیں ارشاد ہوا کہ ہمارے محبوب ان سے اسکا بدلہ لیتے تھے ذاتی دشمن کو چھوڑ دینا قومی دینی ملکی دشمن کو نہ چھوڑنا اخلاق محمدی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اپنے محبوب کے دشمنوں سے اللہ تعالٰی خود بدلہ لیتا ہے۔ دیکھو اس آیت میں رب تعالٰی نے ان یہود کی گستاخیاں بیان فرما کر خود فرمایا **لعنھم اللہ بکفرھم** جو شخص اپنے دشمن سے بدلہ نہ لے خدا تعالٰی اس سے بدلہ لیتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** مومن کی پہچان یہ ہے کہ اسکا دل و زبان ایک ہو، زبان و دل کی علیحدگی منافق کی علامت ہے۔ دیکھو یہ منافقین زبان سے کچھ کہتے تھے دل میں کچھ رکھتے تھے اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایسا لفظ بولنا جس میں گستاخی کا شائبہ بھی ہو حرام ہے دیکھو راعنا کے چند معنی تھے بعض اچھے بعض برے اللہ تعالٰی نے اس لفظ کا بولنا منافقوں کی علامت قرار دیا، دوسری جگہ مسلمانوں کو اس لفظ کے استعمال سے صراحۃً "منع فرمادیا کہ فرمایا **یا یھا الذین امنوا لا تقولوا راعنا** اس سے وہ بے ادب عبرت پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہلکے اور بے ادبی کے الفاظ بے دھڑک بول جاتے ہیں۔ پھر تاویلیں کرتے ہیں توبہ نہیں کرتے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار یہودیوں منافقوں کا پرانا طریقہ ہے کہ اگر حضور کو علم غیب ہوتا تو آپ فلانی بات کیوں نہ جان لیتے یہ ہی وہ الفاظ ہیں جو منافقین کے منہ سے نکلتے تھے۔ جیسا کہ روح المعانی اور خزائن العرفان کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ منافقین اور یہود کہتے تھے کہ اگر حضور سچے نبی ہوتے تو ہمارے دلی کفر و نفاق کو پہچان لیتے۔ **چھٹا فائدہ:** حضور کے علم پر طعن کرنا در حقیقت اسلام پر طعن ہے

www.alahazratnetwork.org

اور یہود کا طریقہ۔ دیکھو رب نے ان یہود کے انکار علم نبی کو طعن فی الدین قرار دیا اس سے آجکل کے گستاخوں کو عبرت پکڑنی چاہئے۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے شاندار سرکار ہیں کہ آپ کے آستانے کا ادب اور آپ سے عرض معروض کے الفاظ قرآن سکھاتا ہے جیسا کہ ولو انہم سے معلوم ہوا۔ قرآن شریف میں حضور کے ہاں دعوت کھانے آپ کے سامنے کلام کرنے آپ کے ساتھ راستہ چلنے آپ کو گھر بلانے کے آداب بھی سکھائے ہیں اسکی تفصیل کیلئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادب میں ہمارا ہی فائدہ ہے اور بے ادبی میں ہمارا ہی نقصان۔ اس سے ان سرکار کا کچھ نہیں بگڑتا۔ سورج کی تعریف کرو یا برائی وہ نور ہی ہے۔ جیسا کہ **لکان خیرا لھم** سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی خدا تعالیٰ کی لعنت کی پہچان ہے۔ جس پر رب لعنت کرتا ہے وہ حضور کی بے ادبی کرتا ہے اور جس پر رب رحمت فرماتا ہے اسکو سرکار کے ادب کی توفیق دیتا ہے۔ جیسا کہ **ولکن لعنھم** سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: حضور کا انکار کر کے رب تعالیٰ کی ذات و صفات 'قیامت' فرشتوں 'جنت' دوزخ وغیرہ کو مان لینا ایمان نہیں۔ دیکھو ان سب عقیدوں کو رب العالمین نے قلیل فرمایا۔ شیطان ان سب چیزوں کو مانتا ہے۔ نبی کا انکاری ہے 'کافر ہے' تمام عقائد گویا نوٹ کا کاغذ ہیں اور عقیدہ نبوت اسکی سرکاری مہر بغیر مہر نوٹ کا کاغذ بیکار ہے ایمان ہی کیا ساری عبادات کا یہی حال ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو   واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو قرآن بھی سچا اسلام بھی سچا نماز و روزہ و حج و زکوۃ سچے کہ ہم نے ان سب چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زبان سے تو سنا اور جانا و مانا ہے اور اگر نعوذ باللہ حضور کے سچے ہونے کا انکار کر دیا جائے تو پھر ان میں سے کسی چیز کو سچا نہیں مانا جا سکتا اسلئے قرآن کریم نے ان منافقوں کی اسی مذکورہ بکواس کو طعن فی الدین قرار دیا۔ گیارہواں فائدہ: امت کا حضور سے عرض کرنا کہ یا رسول اللہ انظر جانا اور یوں کہنا کہ یا حبیب اللہ اسمع قانا بالکل برحق ہے اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے تا قیامت مسلمانوں کو عرض معروض کا طریقہ سکھانے کیلئے یہ آیت قرآن مجید میں رکھی ہے حضور سب کی سنتے سب کو دیکھتے ہیں ورنہ یہ عرض کرنا غلط ہوتا قرآن کریم غلط چیز کی تعلیم نہیں دیتا۔

پہلا اعتراض: کتاب اللہ کی تحریف یہودی عیسائی سب ہی کرتے تھے یہاں صرف یہود کا ذکر ہوا۔ جواب: یا اسلئے کہ یہ آیت کریمہ یہودیوں کے متعلق آئی ہے اور یہاں جن عیبوں کا ذکر ہے وہ یہود ہی کے اندر تھے یا اسلئے کہ مدینہ منورہ میں زیادہ تر یہودی آباد تھے۔ مسلمانوں کو ان ہی سے پالا پڑا تھا۔ دوسرا اعتراض: من الذین سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض یہودی تحریف کرتے تھے ان میں بھی حضرت عبد اللہ ابن سلام اور کعب احبار جیسے علماء اس جرم سے دور تھے ان جیسے بزرگوں کو آخر کار ایمان نصیب ہو گیا۔ تیسرا اعتراض: کلم جمع ہے اور جمع کی طرف ضمیر مونث لوٹتی ہے تو یہاں مواضعہ مذکر ضمیر کیوں لائی گئی۔ جواب: اسکا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ جب واحد اور جمع کے حرف برابر ہوں یا جمع کے حرف واحد کے حرف سے کم ہوں تو جمع کی طرف ضمیر مذکر لوٹ سکتی ہے یہاں واحد کے حروف چار ہیں اور جمع کے لفظ تین لہذا ضمیر مذکر استعمال ہوئی۔ چوتھا اعتراض: علمائے یہود توریت کی آیتیں یا تو مٹاتے تھے یا بدلتے تھے اپنی جگہ سے ہٹاتے نہ تھے پھر یہاں عن مواضعہ کیوں

www.alahazratnetwork.org

فرمایا۔ جواب: اسکا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر تحریف سے مراد لفظی تحریف ہے تو جگہ سے ہٹانے سے مراد بدلنا یا مٹانا ہی ہے یہ بھی ہٹانے کی ایک صورت ہے اور اگر تحریف معنوی مراد ہے تو آیتوں کو انکے صحیح معنوں پر محمول نہ کرنا ان سے غلط فائدے حاصل کرنا انکی جگہ سے ہٹانا ہے۔ پانچواں اعتراض: ایمان ایک بسیط چیز ہے۔ جس میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی پھر یہاں اسے قلیل کیوں فرمایا گیا۔ جواب: یہاں قلیل سے مراد یا تو تھوڑے آدمی ہیں تب تو سوال ہی نہیں یا تھوڑا ایمان مراد ہے تو کمی سے مراد ایمانیات کی کمی ہے نہ کہ نفس ایمان کی جو یقین کا ایک درجہ ہے۔ بعض علمائے کرام نے فرمایا کہ یہاں قلیل سے مراد بالکل معدوم ہونا ہے یعنی وہ ایمان لاتے ہی نہیں اگر لاتے ہیں تو ایسے جو ایمان نہیں کہا جاسکتا۔ شاعر کہتا ہے۔

قلیل التشکی للهم بصیبه   کثیرالهوی شتی النوی والسالک

کیونکہ ایک جز نہ ہونے سے کل معدوم ہو جاتا ہے ایمانیات میں سے ایک کا انکار ایمان کا خاتمہ کر دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: خوش نصیب لوگ حضور سے دور رہ کر بھی نور ہو گئے جیسے اویس قرنی اور تاقیامت مسلمان مگر بد نصیب لوگ حضوری ہو کر بھی بے نور رہے۔ حضور کو بصارت سے نہیں دیکھا جاتا بصیرت سے دیکھا جاتا ہے تب ایمان و صحابیت نصیب ہوتی ہے فقتوں نے صرف بصارت سے حضور کو دیکھا تو ان کا یہ حال ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

حج زیارت کردن خانہ بود   حج رب البیت مردانہ بود!

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفیٰ   والذی یبصر لمن وجہی رأی!

پھر خیال رکھو کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ علمائے یہود کے متعلق نازل ہوئی مگر اس سے علمائے اسلام کو بھی عبرت پکڑنی چاہئے اس امت میں بعض علمائے دین ہیں اور بعض علمائے سوء علمائے سوء قول سے نہیں عمل سے احکام قرآنی بدلتے ہیں وہ زبان سے تو کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ کے سارے احکام سن لئے ترک دنیا اور نفسانی خواہشوں کی پیروی سے ممانعت آخرت کو دنیا پر ترجیح دینا خلق سے بے تعلق ہو کر خالق کی طلب کرنا۔ یہ ساری چیزیں حق ہیں ہمارا ان پر ایمان ہے مگر عملی طور پر وہ کہہ رہے ہیں عصینا کیونکہ وہ ان احکام کے قریب بھی نہیں جاتے بلکہ اللہ والوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ تھوڑے ہی لوگ جو سلیم دل سے ایمان لاتے ہوں زبان تیز ہے عمل سست اگر یہ لوگ قول اور عمل دونوں سے ایمان لاتے اور دنیا کو آخرت کی قیمت بناتے تو انکے واسطے بہت ہی اچھا ہوتا مولانا عطار فرماتے ہیں۔

مشو مغرور این نطق مزور   بنا دانی مکن خود را تو سرور

اگر علم ہمہ عالم بخوانی!   چو بے عشقی از و حرفے ندانی!

یعنی فقط عالموں کے الفاظ سیکھ کر اپنے کو عالم نہ سمجھو اگر تم سارے علوم حاصل کر لو لیکن عشق رسول اور خوف خدا سے محروم رہو تو نرے جاہل ہو امام شاذلی فرماتے ہیں کہ علم نافع وہ ہے جو اللہ کی اطاعت پر مدد دے۔ دل میں خوف خدا پیدا کرے۔ امام ابوالحسن فرماتے ہیں کہ علم مثل درہم دینار کے ہے نافع اور نقصان دہ اگر اسکے ساتھ خوف خدا ہے تو مفید ہے۔ ورنہ نقصان دہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شاخ درخت علم ندا نم بجز عمل تا علم باعمل نہ کنی شاخ بے بری
ترک ہوا است کشتیء دریائے معرفت عارف بذلت شو نہ بدیں قلندری

اللہ تعالیٰ اس قول کو حال بنادے اور علم باعمل نصیب فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور سے بھیک لینے کے کچھ جنانی شرطیں ہیں کچھ جسمانی و لسانی۔ جنانی شرطیں چار ہیں' یہ ماننا کہ حضور کے پاس سب کچھ ہے یہ ماننا کہ حضور سب کچھ دینے پر قادر ہیں یہ ماننا کہ میرے پاس کچھ نہیں یہ ماننا کہ میں حضور سے ضرور لوں گا۔ کنویں سے ڈول کو پانی جب ملتا ہے جبکہ کنواں پانی سے بھرا ہو اور ڈول خالی ہو نیز ڈول پانی تک پہنچے۔ اور لسانی شرط ہے حضور کا ادب اور حضور سے مانگنا یہ چھ شرطیں قرآن کریم میں متعدد جگہ بیان فرمائی ہیں۔ حضور کی بارگاہ میں حضرت صدیق و فاروق بھی حاضر ہوتے تھے۔ عبداللہ ابن ابی منافق بھی صحابہ کو ایمان قرآن بلکہ رحمان سب کچھ ملا۔ منافق کچھ نہ لے سکے کہ منافقین کے پاس یہ شرطیں موجود نہ تھیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ

اے وہ لوگو جو دیئے گئے کتاب ایمان لاؤ اس پر جو اتاری ہم نے سچا کرتی ہوئی ان کتابوں کو جو تمہارے ساتھ

اے کتاب والو ایمان لاؤ جو ہم نے اتارا تمہارے ساتھ والی کتاب کی تصدیق فرماتا قبل اس کے کہ ہم

اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰۤى اَدْبَارِهَاۤ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّاۤ اَصْحٰبَ

ہیں اس سے پہلے کہ ہم بگاڑ دیں چہروں کو پس پھیر دیں ہم ان کو ان کے پیچھے پر یا لعنت کریں ہم ان پر جیسے

بگاڑ دیں کچھ مونہوں کو تو انہیں پھیر دیں ان کی پیٹھ کی طرف یا انہیں لعنت کریں جیسی لعنت کی

السَّبْتِ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

لعنت کی تھی ہم نے سنیچر والوں پر اور ہے اللہ کا حکم کیا ہوا

ہفتہ والوں پر اور خدا کا حکم ہو کر رہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کے چند جرموں کا ذکر کیا اب انہیں ایمان لانے اور توبہ کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے فرمایا جا رہا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے ایمان لے آؤ سب کچھ معاف کر دیں گے گویا بیماری کا ذکر پہلے تھا اسکے علاج کا ذکر اب ہے گویا بیماری کی تشخیص پہلے تھی دوا و پرہیز کی تجویز اب ہے تشخیص و تجویز کا نام ہی صحیح علاج ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے افسوسناک جرموں کا ذکر تھا اب ان جرموں کی سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ خطرہ ہے کہ انکی صورتیں مسخ کر دی جائیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کی ان بے ادبیوں کا ذکر تھا جو وہ بارگاہ رسالت میں کرتے تھے۔ اب انکی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان تمام عیوب کی وجہ یہ ہے کہ ان کے پاس ایمان نہیں اگر ایمان لے

www.alahazratnetwork.org

آتے تو ایسی حرکتیں نہ کرتے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے متعلق خبر دی گئی تھی کہ وہ ایمان نہ لائیں گے ایسا نہیں یہود کو ایمان لانے کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسلام میں تبلیغ دائمی اور عمومی ہے جنکے ایمان سے ناامیدی ہے انہیں بھی تبلیغ برابر کی جائے کہ وہ اگرچہ ایمان نہ لائیں گے مگر تبلیغ کرنیوالوں کو اسکا ثواب مل جائیگا۔ قابل طبیب لاعلاج بیماروں کو بھی دوا دیتا ہے اگرچہ بیمار نہ بچے مگر اسکو فیس اور دوا کی قیمت ضرور مل جاتی ہے۔ بہر حال مسلمانوں خصوصا علماء کو چاہئے کہ تبلیغ ہر ایک کو کریں۔

شان نزول: ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زید ابن تابوت، مالک ابن صیف، عبد اللہ ابن صوریا، کعب ابن اشرف وغیرہ علمائے یہود کو بلایا اور فرمایا کہ اے گروہ یہود اللہ سے ڈرو اسلام قبول کر لو اللہ کی قسم تم جانتے ہو کہ میں بھی سچا ہوں اور جو کچھ میں لایا ہوں وہ بھی برحق ہے اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو رب کو کیا جواب دو گے ابن صوریا یا کعب بن اشرف یا سارے حاضرین بولے کہ اللہ کی قسم ہم آپکو برحق نہیں جانتے اگر جانتے ہوتے تو ضرور ایمان لے آتے اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن، روح المعانی) نیز یہ واقعہ بیہقی نے دلائل النبوت میں بروایت سیدنا عبد اللہ ابن عباس نقل فرمایا۔

تفسیر: یایھا الذین اوتو الکتب: یہ خطاب یا عتاب کیلئے ہے یا اظہار کرم کیلئے یا غافلوں کو ہوشیار کرنے کیلئے دنیاوی دولت، علم، عزت غافل کرنے والی چیزیں ہیں ان میں پھنسے ہوئے لوگ غافل چونکہ اہل کتاب کے ایمان لانے سے دوسرے کفار کے ایمان لانے کی بھی امید تھی کیونکہ یہ عرب میں عزت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے اسلئے خصوصیت سے انہیں ندا فرما کر ایمان کا حکم دیا گیا کتاب سے مراد توریت شریف ہے اور ہو سکتا ہے کہ ساری آسمانی کتابیں مراد ہوں اور یہ حکم یہودیوں، عیسائیوں، داؤدیوں سب اہل کتاب سے ہو کتاب دیئے جانے میں چند احتمال ہیں کتاب کا علم، کتاب پر ایمان، کتاب پر عمل کی توفیق، کتاب کا نور، کتاب کے اسرار دیا جانا کتاب سے مراد اصل کتاب ہے جو آسمان سے اتری کہ انہیں رب کی طرف سے دی گئی تھی اس میں تبدیلی و تحریف یہود کا اپنا فعل تھا یعنی اے وہ لوگو! جنہیں اللہ کی طرف سے آسمانی کتاب پر ایمان یا اسکا علم یا اس پر عمل کی توفیق دی گئی پہلے معنی زیادہ قوی ہیں چونکہ تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی احسان ہے لہٰذا اسکے شکریے میں **امنو بما نزلنا** **ما** سے مراد قرآن شریف ہے چونکہ اس کا نزول تیئیس سال کے عرصے میں بہت آہستگی سے ہوا اس لئے نزلنا فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ **ما** سے مراد قرآن اور حضور کے سارے فرمان و اعمال ہوں یعنی حدیث کیونکہ وہ سب رب کی طرف سے اتارے ہوئے وہ سب رب کے طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ قرآن شریف کے الفاظ بھی رب کی طرف سے ہیں اور حدیث شریف کے الفاظ حضور کے اپنے ہیں اور مضامین رب کی طرف سے اسلئے بجائے قرآن فرمانے کے ما نزلنا فرمایا۔ حضور کی تبلیغ بھی قرآن مجید کیطرح آہستگی سے ہوئی کہ سرکار خود تو ہمیشہ سے اسلامی احکام پر عمل کرتے رہے کہ کبھی شراب وغیرہ کے نزدیک نہ گئے ہمیشہ نماز وغیرہ ادا کرتے رہے مگر مسلمانوں پر یہ احکام جب جاری ہوئے جب رب کا حکم آیا یعنی نہایت آہستگی سے یعنی ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاریں۔ قرآن مجید اور حضور کے تمام کلام خواہ عبادۃ ہوں جیسے وعظ یا دعائیں وغیرہ یا عادۃ ہوں جیسے عام گفتگو شریف اور حضور کے تمام کام خواہ عبادۃ ہوں جیسے سنت ہدیٰ یا عادۃ ہوں جیسے سنت زوائد یا اجتہاداً ہوں یا خطاء اجتہادی کے طور پر یہ سب منزل من اللہ سب کی حقانیت پر ایمان لاؤ

www.alahazratnetwork.org

حتی کہ حضور کے خواب بھی منزل من اللہ ہیں انکی حقانیت پر بھی ایمان ضروری ہے ہماری خطائیں نفسانی یا شیطانی ہوتی ہیں جن سے ہزارہا خرابیاں پیدا ہوتی ہیں حضور کی خطائیں بھی رحمان کی طرف سے ہمیشہ فائدے ہی ہوتے ہیں آدم علیہ السلام کی خطا سے دنیا کا وجود ہوا۔ بدر کے قیدیوں کے متعلق حضور کی اجتہادی خطا سے سب لوگوں کو ایمان ملا کہ وہ اور انکی اولاد بعد میں مسلمان ہوئے **مصدقا لما معکم** یہ عبارت ما کا حال ہے مصدقا تصدیق سے بنا بمعنی سچا کرنا' سچا کہلوانا' سچا کہنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں ما سے مراد اصلی کتب آسمانی بھی ہیں اور گزشتہ انبیائے کرام کی خصوصی تعلیمات وغیرہ بھی جو اب تک اہل کتاب کے پاس موجود تھیں اسلئے یہاں **لکتبکم** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی یعنی قرآن شریف یا حضور کے فرمان عالیہ کا یہ حال ہے کہ وہ تمہاری کتابوں تمہارے انبیائے کرام کی تعلیم انکی خبروں انکے معجزات وغیرہ جو تمہارے پاس اب تک ہیں ان سب کو سچا کرتا ہے سچا فرماتا ہے اور انکی سچائی کا اعلان کرکے تمام دنیا سے انہیں سچا کہلواتا ہے اور کہلوائے گا چونکہ قرآن کریم کے بعد کوئی آسمانی کتاب آنے والی نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں اسلئے یہاں صرف تصدیق کا ذکر ہوا کسی کتاب یا کسی نبی کی بشارت کا ذکر نہ ہوا **من قبل ان نطمس وجوھا** یہ عبارت امنو کے متعلق ہے۔ نطمس' طمس سے بنا بمعنی مٹانا بگاڑنا محو کرکے اسکے نشان دور کر دینا۔ رب فرماتا **واذا النجوم طمست** اور فرماتا ہے **ربنا اطمس علی اموالھم** اور فرماتا ہے **ولو نشاء لطمسنا علی اعینھم** وجوہ' وجہ کی جمع ہے جسکے حقیقی معنی چہرہ مجازاً توجہ کرنے کو بھی وجہ کہتے ہیں اور قوم کے سردار کو بھی کہا جاتا ہے فلاں وجہ القوم ظاہر یہ ہے کہ یہاں طمس سے مراد حقیقی معنی ہیں یعنی مٹانا و بگاڑنا اور وجوہ سے مراد بھی چہرے ہی ہیں یعنی اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم کفار پر یہ عذاب نازل کریں کہ چہروں کے نقش و نگار اور منہ کے خطوط کو مٹا دیں کہ آنکھ ناک منہ سب ختم کرکے چہرہ اونٹ کے پاؤں اور گھوڑے کی ٹاپ کی طرح یکساں کر دیا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں وجوہ مجازی معنی میں ہے یعنی ہم سرداروں کی سرداری بگاڑ دیں یا تمہاری توجہ خراب کر دیں کہ تم بالکل ہی کفر کی طرف پھر جاؤ مگر یہ بہت ضعیف سا قول ہے کیونکہ یہ کوئی سخت عذاب نہیں نیز یہود اب بھی ہدایت پر کہاں تھے تاکہ انہیں ہدایت سے پھیرا جاتا۔ **فنردھا علی ادبارھا** یہ عبارت نطمس پر معطوف ہے ف عاطفہ ہے چونکہ ان کے تحت ہے اسلئے نرد کو فتح ہوا نرد' رد سے بنا ہے بمعنی پھیرنا یہاں پہلی حالت کی طرف پھرنا مراد نہیں کیونکہ چہرہ پہلے یکساں نہ تھا۔ بلکہ اول ہی سے اس میں آنکھ ناک منہ وغیرہ موجود تھے بلکہ پچھلے حصے کی طرف پھیر دینا مراد ہے ادبار دبر کی جمع ہے بمعنی پیچھے۔ یہاں چہرے کا پچھلا حصہ یعنی سر کا آخری مراد ہے جو یکساں ہے اور جس پر بال وغیرہ ہیں یہ عبارت بھی بتا رہی ہے کہ وجوہ سے مراد چہرے ہی تھے بلاوجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی لینے جائز نہیں یعنی ہم چہروں کے نشانات مٹا کر انہیں سر کے پچھلے حصے کی طرح سپاٹ اور یکساں کر دیں کہ نہ اس میں آنکھیں رہیں نہ ناک و منہ **او نلعنھم کما لعنا اصحاب السبت** یہ جملہ نطمس پر معطوف ہے اور دوسرے عذاب کا ذکر **نلعن لعن** سے بنا بمعنی رحمت سے دوری یا خاص عذاب نازل فرمانا یہاں دوسرے معنوں میں ہے اس سے مراد صورتیں مسخ کرکے بندر وغیرہ بنا دینا ہے اصحاب السبت سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتے کے دن حیلہ بہانہ کرکے مچھلی کا شکار کر لیا تھا حالانکہ انکے دین میں ہفتہ یعنی سنیچر کا دن بڑا عظمت والا تھا۔ اس میں شکار حرام تھا چنانچہ وہ لوگ اس جرم پر بندر بنا دیئے گئے اور تین دن کے بعد ہلاک کر دیئے گئے رب فرماتا ہے **فقلنا لھم کونوا قردۃ خسئین** یعنی یا ہم اہل کتاب پر پھر وہی عذاب بھیجیں جو داؤد علیہ السلام

کے زمانہ میں ہفتہ کے دن شکار کرنے والوں پر بھیجا گیا تھا کہ وہ سب بندر بنادیئے گئے تھے۔ اس سے مراد یا تو قیامت کا دن ہے یا قریب قیامت یا موجودہ زمانہ یعنی قیامت سے پہلے یا ان علامات کے ظہور سے پہلے ایمان لے آؤ جب ہم چہرے بگاڑ دیں گے **وکان امر اللہ مفعولا** یہ نیا جملہ ہے امر سے مراد اللہ کا ارادہ ہے نہ کہ حکم کان دوام اور استمرار کیلئے ہے۔ جس میں ماضی، حال، مستقبل تینوں زمانے شامل ہیں مفعول کے معنی ہیں، نافذ اور واقع یعنی اللہ کا چاہا ہوا ہو کر رہتا ہے اسکے حکم کو کوئی روک نہیں سکتا اگر ہم نے تمہیں عذاب دینا چاہا تو کوئی طاقت تمہیں اس سے بچا نہ سکے گی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے وہ لوگو جنہیں رب کی طرف سے آسمانی کتاب ملی اور اس پر ایمان لانے، عمل کرنے کی توفیق نصیب ہوئی چونکہ تم پر ہمارا یہ کرم خاص ہے اسلئے تم فوراً اس کتاب یا ان تمام چیزوں پر ایمان لے آؤ جو ہم نے اپنے حبیب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاریں یہ کتاب تمہارے نبیوں تمہاری کتابوں وغیرہ کی گواہ ہے انکی حقانیت کا اعلان کرتی ہے مدعی کو چاہیے کہ اپنے گواہ کی تائید کرے نہ کہ اسکی مخالفت یا یہ کتاب تمام دنیا سے تمہارے نبیوں اور کتابوں کو سچا کہلوائے گی کہ اسکی برکت سے تمام جہان میں انکے ڈنکے بج جائیں گے تم کیسے بے وقوف ہو کہ ایسی کتاب کا انکار کر کے اپنے کو کمزور کیے لیتے ہو۔ خیال رہے کہ نبی معجزات سے پہچانا جاتا ہے یا دوسرے نبی کے فرمان سے موسیٰ علیہ السلام کو عصا اور ید بیضاء کے ذریعہ نبی مانا گیا اور حضرت ہارون کو موسیٰ علیہ السلام کے بتانے سے نبی مانا گیا آج گزشتہ نبیوں کو حضور کو بتانے سے نبی مانا جاتا ہے اور حضور کی نبوت بذریعہ قرآن کے مانی جاتی ہے قرآن، ذکر خیر، محبوبیت عامہ حضور کے زندہ جاوید معجزے ہیں لہٰذا اس سے پہلے ایمان لے آؤ کہ ہم کفار کے چہرے یکساں سپاٹ کر کے سر کے پچھلے حصے کی طرح بنائیں کہ ان میں آنکھ ناک منہ وغیرہ کچھ نہ رہے پھر نہ دیکھ سکیں نہ سانس لے سکیں نہ بول سکیں نہ کھا پی سکیں اس طرح نہایت رسوائی و تکلیف سے ہلاک ہو جائیں یا ان پر ایسا عذاب بھیجیں جیسا داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہفتے کے دن مچھلی کا شکار کرنے والے بنی اسرائیل پر عذاب بھیجا گیا تھا کہ پہلے وہ بندر بنائے گئے پھر وہ ہلاک کر دیئے گئے یہ سمجھ رکھو کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے اسکے چاہے کو نہ کوئی لوٹ سکتا ہے نہ روک سکتا ہے اسلئے اسکے عذاب سے بچنے کی صورت صرف توبہ اور اسکی فرمانبرداری ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکاری اگرچہ تمام ایمانیات کو مانے مگر مومن نہیں دیکھو اہل کتاب رب تعالیٰ کی ذات و صفات، حضرات انبیاء و آسمانی کتب، حشر و نشر، دوزخ، جنت، فرشتے وغیرہ سب کو مانتے تھے مگر انہیں امنوا کے خطاب سے رب نہ پکارا کہ وہ مومن نہ تھے مدار ایمان حضور کا ماننا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بزرگوں سے نسبت مفید ہے دیکھو اہل کتاب کافر و مشرک تھے۔ خود قرآن کریم نے انکے کفر کا فتویٰ دیا کہ فرمایا **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** مگر پھر بھی انہیں کافر یا مشرک کہہ کر نہ پکارا یہ فرق انکی نسبت انبیاء کی وجہ سے ہے اللہ تعالیٰ نسبت قوی کرے۔ **تیسرا فائدہ:** تمام کفار ایمان کے مکلف ہیں یعنی ان پر لازم ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں ایمان کے سوا دیگر عبادات کے وہ بحالت کفر مکلف نہیں جیسا کہ امنو سے معلوم ہوا اسلئے کسی کافر سے اسکے ایمان لانے کے بعد کفر کے زمانے کی نمازیں وغیرہ قضا نہیں کرائی جاتیں۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمانوں کو چاہیے کہ عمومی تبلیغ کے ساتھ خصوصی تبلیغ بھی کریں یعنی خاص خاص کفار کو خاص طور پر دعوت اسلام دیں۔ دیکھو رب نے خصوصیت سے اہل کتاب کو

www.alahazratnetwork.org

ایمان کا حکم دیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ روم شاہ فارس وغیرہم کو تبلیغی فرمان نامے بھیجے کیونکہ ان میں سے ایک کے ایمان لانے سے ہزارہا ایمان لے آئیں گے۔ پانچواں فائدہ: ہمارا ایمان صرف قرآن شریف پر نہیں ہے بلکہ قرآن کے ساتھ حضور کے سارے فرمانوں پر بھی ہے جیساکہ ما نزلنا کی تفسیر سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے فامنو باللہ ورسولہ اور فرماتا ہے اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول اور فرماتا ہے یعلمہم الکتب والحکمۃ چھٹا فائدہ: جو عیسائی یا یہودی قرآن اور پیغمبر اسلام کا انکار کرے وہ بہت ہی غلطی کرتا ہے کیونکہ قرآن اور صاحب قرآن تو انکے نبیوں اور کتابوں کے گواہ ہیں اگر مدعی کے گواہ ہی جھوٹے ہو جائیں تو مدعی کیسے سچا ہو سکتا ہے تمام مسلمانوں نے ان انبیاء کو صرف قرآن کی وجہ سے برحق مانا ہے اگر انہیں قرآن سے پھیر دیا جائے تو انکے پاس ان نبیوں کے برحق ماننے کا کوئی ذریعہ ہی نہیں یہ فائدہ مصدقا سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: خصوصی عذاب الٰہی اب بھی آسکتے ہیں۔ صورتیں بگڑنا زمین دھنسنا وغیرہ اب بھی واقع ہو سکتا ہے جیساکہ ان نطمس وجوھا سے معلوم ہوا۔ چنانچہ زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ کرام میں نیک بخت لوگوں نے ان عذابوں سے خوف کیا سیدنا عبداللہ ابن سلام جو یہود کے بڑے عالم تھے جب انہوں نے یہ آیت سنی تو فوراً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایمان لے آئے عرض کیا یارسول اللہ مجھے خوف تھا کہ میں آپ تک نہ پہنچ سکوں پہلے ہی میرا چہرہ میرے آخری سر کی طرح ہو جائے عہد فاروقی میں جب کعب احبار نے یہ آیت سنی تو فوراً اسلام لے آئے اور بولے کہ مجھے خوف تھا کہ اس آیت کی وعید مجھ تک نہ پہنچ جائے (تفسیر خازن، مدارک وکبیر و روح المعانی وغیرہ) آٹھواں فائدہ: آیات قرآنیہ کو حتی الامکان انکے ظاہری معنی پر رکھنا ضروری ہے بلاوجہ ظاہری معنی سے پھیرنا اور تاویلیں کرنا جائز نہیں جیساکہ مذکورہ صحابہ کرام کے عمل سے معلوم ہوا بعض لوگوں خصوصاً مرزائیوں نے اس آیت میں عجیب غوطے کھائے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ اسکے معنی یہ ہیں کہ ہم سرداروں کی سرداری چھین لیں کہ انکو پرانی ذلت کی طرف واپس کر دیں گے اور لعنت سے مراد لیتے ہیں کہ دل سخت کر دیں گے۔ دیکھو مرزائیوں کی تفسیر بیان القرآن اسکے مصنف مولوی محمد علی لاہوری نے لکھا ہے کہ زمانہ داؤد علیہ السلام میں بنی اسرائیل پر مسخ کا عذاب نہ آیا تھا بلکہ انکے دل بندروں کی طرح سخت کر دیئے گئے تھے۔ غور کرو کہ یہ تفسیر ہے یا تحریف رب تعالیٰ فرماتا ہے وقلنا لہم کونوا قردۃ خسئین ہم نے ان سے فرمایا کہ تم دھتکارے ہوئے بندر بن جاؤ۔ اگر اس قسم کی تاویلیں قرآن کریم میں شروع کر دی گئیں تو دین ہی ختم ہو جائیگا۔ صلوٰۃ کا معنی کر لو ناچنا گھومنا زکوٰۃ کا معنی کر لو کھیت کی پیداوار صوم کا معنی کر لو خاموش رہنا جہاد کا معنی کر لو محنت کرنا حج البیت کا معنی کر لو ارادہ کر کے اپنے گھر کو آنا سارے ارکان اسلام ختم ہو گئے۔ نواں فائدہ: گزشتہ قوموں کے عذاب اور رحمت کے واقعے سنا کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف اور امید پیدا کرنا سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ او نلعنہم سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: قیاس شرعی برحق ہے یعنی علت مشترکہ کی وجہ سے اصل کا حکم فرع میں جاری کرنا یہ فائدہ کما لعنا سے حاصل ہوا کیونکہ آیت کا منشاء یہ ہے کہ اے لوگو! اگر تم نے ان یہود کی سی نافرمانی کی تو تم پر انکا سا عذاب آجائے گا۔ گیارہواں فائدہ: ارادہ الٰہی کبھی مراد سے جدا نہیں ہو سکتا رب جو ارادہ فرمالے وہ ہو کر رہتا ہے کسی کی قوت وطاقت سے ٹل نہیں سکتا یہ فائدہ وکان امر اللہ مفعولا سے حاصل ہوا ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ لوگ احکام الٰہی پر عمل نہ کریں۔ حکم اور ارادے میں بڑا فرق ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبح کا حکم تھا ارادہ نہ تھا ابوجہل وغیرہ کو ایمان لانے کا حکم ہے مگر انکے ایمان ارادہ الٰہی نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن شریف پر ایمان لانا چاہئے۔ حدیث کی کوئی ضرورت دیکھو فرمایا گیا نزلنا۔ حدیث تو حضور کے اپنے قول و فعل ہیں نہ کہ آسمان سے اتارے ہوئے۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور کے تمام قول و فعل خواہ عادات ہوں یا عبادات یا اجتہادات سب رب کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں اگر صرف قرآن کا ماننا لازم ہوتا تو یہاں امنو بالقرآن فرمایا جاتا۔ **دوسرا اعتراض:** اچھا یہ تو مان لیا کہ حضور کے احکام اور تبلیغی فرمان رب کی طرف سے ہیں مگر عادات اور اجتہادات تو نزلنا میں داخل نہیں اس پر ایمان لازم نہیں خصوصاً خطائیں۔ **جواب:** حق یہ ہی ہے کہ حضور کے ہر کام و کلام حتیٰ کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہیں انکی حقانیت پر ایمان لانا چاہئے دیکھو حضور نے حضرت زینب سے نکاح کیا مگر رب نے فرمایا **زوجنکھا** اور حضور نے کفار بدر پر کنکر پھینکے رب نے فرمایا **ولکن اللہ رمی** اور حضور نے حدیبیہ میں صحابہ کرام سے بیعت لی مگر رب نے فرمایا **انما یبایعون اللہ** حضور نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑا جس پر بظاہر عتاب ہوا مگر وہ فدیہ کا مال حلال رہا حضور کی خواب سے بہت سے شرعی احکام ثابت ہوئے حضرت آدم کے گندم کھانے سے تمام دنیا آباد ہوئی غرضیکہ انکا کھانا پینا تک رب کی طرف سے ہے وہاں نفس و شیطان کو دخل نہیں لہٰذا یہ سب چیزیں **بما نزلنا** میں داخل ہیں اسلئے حضور کی کسی چیز کی توہین کفر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں یہود کے متعلق ارشاد فرمایا گیا کہ اے وہ لوگو جنہیں کتاب دی گئی۔ اس کتاب سے اصلی آسمانی مراد ہے یا تحریف شدہ۔ اگر اصلی کتاب مراد ہے تو وہ یہود کے پاس تھی ہی نہیں اور اگر تحریف شدہ مراد ہے وہ خدا نے انہیں دی ہی نہیں پھر یہ بات ان پر کیسے صادق ہے۔ **جواب:** اس سے اصلی کتاب مراد ہے وہی انہیں دی گئی تھی اس کتاب کا بگاڑ دینا انکی اپنی حرکت تھی اسلئے یہاں کتاب دینے کا ذکر فرمایا نہ کہ انکے پاس باقی رہنے کا اور واقعی آسمانی کتاب کا دیا جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے دینا اور باقی رہنا دو الگ چیزیں ہیں نیز اس زمانے میں ساری کتاب نہ مٹ گئی تھی انکے پاس کی کتاب میں کچھ اصلی آیتیں بھی تھیں اسلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی پیش کردہ آیتوں کو نہ سچا کہو نہ جھوٹا۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے اوتوا الکتب کی تفسیر میں کہا کہ انہیں کتاب پر ایمان" عمل کی توفیق دی گئی اور نور کتاب و اسرار کتاب ان کو عطا ہوا یہ چیزیں انکے پاس کہاں رہی تھیں تو یہ تفسیر درست کیسے ہوئی؟ **جواب:** بعض علمائے یہود کو یہ سب چیزیں میسر تھیں جیسے سیدنا عبد اللہ ابن سلام اور دوسرے وہ علمائے یہود جو انہی کتابوں کی رہبری سے حضور پر ایمان لائے تحریف کرنے والوں کا بھی یہ عقیدہ تو تھا کہ فلاں فلاں پیغمبر پر فلاں فلاں کتابیں اتریں اور وہ پیغمبر بھی سچے تھے اور کتابیں بھی برحق اس عقیدے ہی کی بنا پر انکے احکام دوسرے کفار سے ہلکے ہو گئے کہ انکا ذبیحہ حلال ہوا اور انکی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح جائز ہوا ابھی معمولی نسبت بھی بہار دکھا دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خانہ کعبہ سے بت نکلوائے تو تمام بتوں کو تڑوا کر سڑک پر ڈلوا دیا مگر جو بت سیدنا ابراہیم و اسمٰعیل کے نام کے تھے انہیں دفن کرا دیا دیکھو غلط نسبت نے بھی رنگ دکھا دیا۔ **پانچواں اعتراض:** اگر حضور کے تمام کام و کلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور ما نزلنا میں داخل ہیں تو ہم کو چاہئے کہ نو بیویاں نکاح میں رکھیں اونٹ پر سوار ہو کر طواف کریں نواسی کندھے پر لے کر نماز پڑھیں کہ یہ سب کام حضور نے کئے ہیں۔ **جواب:** ان سب کی حقانیت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ رہا عمل وہ خصوصی اعمال پر نہ ہوگا ایمان اور چیز ہے عمل کچھ اور دیکھو گزشتہ سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے مگر انکی شریعت پر عمل نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں امنوا بما نزلنا کیوں فرمایا گیا بالقرآن کیوں نہ فرما دیا گیا وہ لفظ چھوٹا بھی تھا اور ظاہر بھی۔ **جواب:** اسکے جواب تفسیر میں عرض کئے جا چکے کہ اس لفظ میں

www.alahazratnetwork.org

حضور کے معجزات اور فرمان سب شامل ہیں سب پر ایمان لانے کی دعوت ہے کیونکہ ان سب کا ماننا ہی ایمان ہے۔ **ساتواں اعتراض:** قرآن کریم نے تو گزشتہ کتابوں کو منسوخ کر دیا مگر یہاں فرمایا گیا کہ ان کی تصدیق کی یہ کلام کیونکہ صحیح ہوا۔ **جواب:** تصدیق نسخ کے خلاف نہیں ہر مسلمان تمام آسمانی کتابوں کو سچا جانتا ہے یہ ہے تصدیق مگر انکے احکام پر عمل نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام ناقابل عمل ہیں یہ ہیں نسخ کے معنی۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن اسکی تصدیق کرتا ہے جو تمہارے ساتھ ہیں یہ کیوں نہیں فرمایا کہ تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے وہ مختصر بھی تھا اور واضح بھی۔ **جواب:** اسلئے کہ قرآن کریم نے گزشتہ کتابوں انبیاء کرام انکے معجزات وغیرہ تمام چیزوں کی تصدیق کی ہے اگر کتاب کہہ دیا جاتا تو یہ سب چیزیں شامل نہ ہوتیں۔ **نواں اعتراض:** رب نے فرمایا کہ قرآن تمہاری ساتھ والی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے انکے پاس تحریف شدہ کتاب تھی قرآن نے اسکی تصدیق نہیں کی اور جس کتاب کی تصدیق کی ہے وہ انکے پاس تھی ہی نہیں۔ **جواب:** اس موجودہ توریت میں بھی بہت سی اصلی آیتیں موجود تھیں جنکی قرآن پاک تصدیق کرتا ہے اس واسطے یہاں **لجمیع ما معکم** نہ فرمایا گیا بعض آیتوں کی تصدیق سے بھی کتاب کی تصدیق ہو جاتی ہے۔ **دسواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا بھی اب بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا گیا **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اللہ تعالٰی تمہارے ہوتے ہوئے انہیں عذاب نہ دیگا ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** یہاں مذکورہ عذاب دینے سے مراد یا قیامت میں عذاب دینا ہے یا قیامت کے قریب اور اگر فی الحال عذاب دینا مراد ہو تو بھی یہ خصوصی عذاب ہیں جو خاص خاص مجرم انسانوں پر آسکتے ہیں۔ حضور کی تشریف آوری سے دنیاوی عام عذابوں کا آنا بند ہو گیا جیسے پچھلی امتوں پر عذاب آتے تھے جن سے امتیں برباد کر دی جاتی تھیں اس آیت میں عام عذاب کی نفی ہے اور یہاں خاص عذاب کا ثبوت' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آخر زمانے میں میری امت کے قدریوں پر خسف و مسخ کے عذاب آئیں گے یعنی انکی صورتیں بگڑیں گی اور وہ دھنسائے جائیں گے۔ **گیارہواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ منکرین بنی اسرائیل پر یہ مذکورہ عذاب ضرور آئیں گے یہ اللہ کا ارادہ ہے یہ ٹل نہیں سکتا مگر عذاب نہ آیا تو یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔ **جواب:** تفسیر خازن و روح المعانی و کبیر وغیرہ میں اسکا جواب یہ دیا ہے کہ یہ عذاب آنے کی خبر اس شرط پر تھی کہ ان میں سے کوئی ایمان نہ لاتا چونکہ بہت علمائے یہود ایمان لے آئے لہٰذا عذاب بھی نہ آیا اور اگر اس سے قیامت یا قریب قیامت کا عذاب مراد ہو تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نبوت نبی قطعی چیز ہے جس پر ایمان۔ ضروری ہے اور ولایت ولی ظنی چیز ہے جو رکن ایمان نہیں عیسٰی علیہ السلام کی نبوت کا انکار کفر ہے مگر حضور غوث پاک کی ولایت کا انکار کفر نہیں لہٰذا ثبوت ولایت کیلئے ایمان' تقویٰ' تعلق کا اسے ولی کہنا کافی ہے رب نے فرمایا **لھم البشری** مگر ثبوت نبوت کیلئے یا معجزہ ضروری ہے یا تصدیق دوسرے نبی کی دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت انکے معجزات سے ثابت ہوئی اور حضرت ہارون کی نبوت موسیٰ علیہ السلام کے فرمان سے آج حضور کی نبوت کا ثبوت صدہا معجزات سے ہے۔ ذکر کثیر' محبوبیت عامہ' قرآن مجید' کرامات اولیاء اسلام' حضور کی غیبی خبروں کا ظہور حضور کے معجزات ہیں مگر دوسرے نبیوں کا کوئی معجزہ موجود نہیں اب انکی نبوت کا ثبوت صرف حضور کی تصدیق اور قرآن مجید کی تائید سے ہے اگر آج قرآن کی حقانیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا انکار کر دیا جائے تو ان نبیوں کے ماننے کا کوئی ذریعہ باقی

www.alahazratnetwork.org

نہیں رہتا کیونکہ ان دینوں سے ولایت ختم کردی گئی ہے وہ تمام دین سوکھا درخت ہیں۔ جس میں ولایت کے پھل نہیں لگتے لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آسمانی کتابیں اللہ کی رحمت ہیں۔ خصوصاً قرآن مجید تو اللہ کی بڑی رحمت ہے مگر لوگ اس سے فائدہ اٹھانے والے تھوڑے ہی ہیں جو اسکی تصدیق کریں اور اسکی مانیں وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت میں ہیں مگر جو اس کا انکار کریں مذاق اڑائیں ان کیلئے یہی کتابیں باعث عذاب ہیں مگر اس میں ان منکرین کا اپنا قصور ہے نہ کہ کتاب الہی کا بارش اور سورج اللہ کی رحمتیں ہیں مگر بعض درختوں کیلئے بارش اور چمگادڑ کیلئے سورج مصیبت ہیں اس میں بارش اور سورج کا قصور نہیں بلکہ انکی اپنی فطرت کا قصور ہے یہ مت سمجھو کہ اس آیت میں صرف اہل کتاب سے خطاب ہے ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں یا عذاب الہی پہلے آتے تھے اب ہم کچھ بھی کریں ہم سے کچھ نہ کہا جائے گا غلط ہے اب بھی عذاب الہی آسکتے ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان نے حضرت ابو علقمہ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں ہم ایک قافلے میں تھے امیر قافلہ اٹھتے بیٹھتے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم کو گالیاں دیتا تھا۔ ایک دن ہم نے دیکھا کہ اسکے پاؤں سور کے سے ہوگئے۔ اس نے تین چیخیں ماریں۔ ہمارے دیکھتے دیکھتے وہ مجسم سور ہوگیا۔ اسی روح البیان میں اسی جگہ ہے کہ ایک محدث نے یہ حدیث دیکھی کہ جو مقتدی اپنے امام سے پہلے سر اٹھالے یا سجدے میں رکھ لے وہ کیوں نہیں ڈرتا کہ اللہ اسکا سر گدھے کا سر کردے اس محدث نے اس حدیث کا انکار کردیا اور آزمائش کیلئے نماز میں امام سے پہلے اٹھنے بیٹھنے لگا کچھ روز کے بعد دیکھا گیا کہ اسکی صورت گدھے کی سی ہوگئی صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ صورت سے مسخ سیرت زیادہ سخت ہے آنکھ کے اندھے سے دل کا اندھا بدتر ہے۔ کتاب اللہ میں تردد کرنے سے مسخ سیرت کا اکثر ہو جاتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

خفتگان راچہ خبر زمزمہ مرغ سحر   زانکہ حیوان راخبر از عالم انسانی نیست

(تفسیر روح البیان)

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَ مَنْ

بے شک اللہ نہیں بخشے گا یہ کہ مشرک کیا جائے ساتھ اس کے اور بخشے گا کم اس سے جس کے لئے چاہے اور جو

بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جاوے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف

یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰۤى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿۴۸﴾

شرک کرتا ہے ساتھ اللہ کے پس بے شک گھڑ لیا اس نے گناہ بڑا

کردیتا ہے اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اس نے بڑے گناہ کا طوفان اٹھایا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں کفر پر دنیاوی عذاب کا ذکر تھا صورتیں بگڑ جانا وغیرہ اب کفر پر اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی بخشش نہ ہونا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں یہود کی ان گستاخیوں کا ذکر تھا جو وہ بارگاہ رسالت میں کیا کرتے تھے راعنا وغیرہ کہنا اب اس آیت میں مذکورہ گستاخیوں پر فرد جرم عائد کی جا رہی ہے کہ انکی یہ

www.alahazratnetwork.org

حرکتیں معمولی گناہ نہیں بلکہ کفر و شرک ہیں اور کفر شرک ناقابل بخشش جرم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان پر ایمان لائے بغیر تم سب مشرک و کافر ہی ہو اگرچہ ساری کتابوں اور نبیوں پر ایمان رکھو اب مدار ایمان قرآن صاحب قرآن کو ماننا ہے۔

شان نزول: (1) ابن منذر نے حضرت ابی مجلذ سے روایت کی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی **قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسہم** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرما کر اس آیت کا اعلان کیا ایک شخص کھڑا ہو کر بولا کہ یا رسول اللہ کیا شرک بھی قابل بخشش ہے اور کیا مشرک بھی بخشا جائیگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی) سبحان اللہ کیسا پاکیزہ سوال ہے اس آیت کریمہ کا مطلب یہ تھا کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیگا سائل سمجھا کہ مشرک اور کافر بھی اپنی جان پر زیادتی کرتے ہیں وہ بھی قابل بخشش ہونے چاہئیں اس آیت کریمہ نے نازل ہو کر بتادیا کہ وہاں عبادی سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بندے و غلام ہیں یعنی مومنین۔ اللہ کے بندے تو سب ہی ہیں مگر بخشش کے قابل وہ ہے، جو جناب مصطفیٰ کا بندہ و غلام ہو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

خدا کے بندے تو ہیں کروڑوں بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اسکا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا

(2) جنگ احد میں وحشی نے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کیا مکہ معظمہ پہنچ کر انہیں اور انکے ساتھیوں کو سخت ندامت اور شرمندگی ہوئی ان سب لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک خط لکھا جس میں عرض کیا کہ ہم اسلام تو لے آئیں مگر ہم لوگ آپکے منہ سے قیام مکہ مکرمہ کے زمانے میں یہ آیت سنا کرتے تھے **والذین لا یدعون مع اللہ الہا اخر** ہم لوگوں نے تو غیر خدا کی پوجا بھی کی ہے۔ بے گناہ مسلمانوں کو قتل بھی کیا زنا بھی کیا پھر ہماری بخشش کیسے ہوگی اور اگر بخشش نہ ہو تو ہمارے ایمان لانے سے کیا فائدہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت انکے پاس لکھ بھیجی جسکے جواب میں ان لوگوں نے پھر عریضہ لکھا کہ اس آیت میں بخشش کیلئے نیک اعمال کی قید لگائی گئی ہے ممکن ہے کہ ہم سے یہ نہ ہو سکے تب یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** کہ اللہ شرک و کفر نہ بخشے گا اسکے سوا جسے چاہے بخش دیگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو یہ آیت لکھ بھیجی انہوں نے پھر جواب میں عریضہ لکھا کہ اس آیت میں بھی ہماری بخشش یقینی نہیں نہ معلوم اللہ تعالیٰ ہماری مغفرت چاہے یا نہ چاہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **قل یا عبادی الذین اسرفوا** الخ (تفسیر کبیر و خازن و روح البیان وغیرہ) تواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وحشی ایمان نہ لائے مگر فتح مکہ کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے متعلق اعلان فرمایا کہ وہ جہاں ملیں قتل کردیے جائیں جن میں حضرت وحشی بھی تھے یہ موقع پا کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوگئے مسلمان ہوگئے خون معاف ہوگیا مگر حضور نے فرمایا کہ تم ہمارے سامنے نہ آنا تمہیں دیکھ کر ہمیں مظلوم چچا حمزہ یاد آجاتے ہیں چنانچہ یہ ملک شام چلے گئے اور آخر تک وہاں ہی رہے اللہ نے انہیں توفیق دی کہ زمانہ صدیقی میں جنگ یمامہ کے موقعہ پر مسیلمہ کذاب مردود کو

www.alahazratnetwork.org

انہوں نے ہی قتل کیا اور خوش ہو کر کہتے تھے کہ انشاء اللہ میں نے قتل حمزہ کا کفارہ ادا کر دیا کل قیامت میں اگر خون حمزہ میرے گناہوں کے پلڑے میں ہو اتو انشاء اللہ خون مسیلمہ میری نیکیوں کے پلے میں ہو گا۔ سبحان اللہ رب کی بے نیازی ہے۔ جس سے جو چاہے خدمت لے لے اب اسکے متعلق کہتے ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہ بی بی ہندہ زوجہ ابو سفیان نے جنگ احد میں حضرت امیر حمزہ کا کلیجہ اور آنکھیں نکال کر دانتوں سے چبائیں تو ان ہی ہندہ نے زمانہ فاروقی میں جنگ قادسیہ و یرموک کے موقعہ پر اسکا ایسا شاندار کفارہ ادا کیا کہ سبحان اللہ اس موقعہ پر یہ روتی جاتی تھیں اور کہتی جاتی تھیں کہ میں اس جہاد میں اپنے دامن سے جناب حمزہ کے خون کے دھبے دھو رہی ہوں۔

تفسیر: **ان اللہ لا یغفر** چونکہ مشرکین اور اھل کتاب اپنے شرک و کفر کو بخشش کا ذریعہ سمجھتے تھے اور مسلمانوں کو بھی دھوکا ہو سکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ غفار ہے شاید دوسرے گناہوں کی طرح شرک کفر بھی بخش دے اسلئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا گیا غفر کے معنی چھپانا ہیں مگر یہاں مٹانا مراد ہے کیونکہ مٹ کر بھی چیز چھپ جاتی ہے اور اسکا تعلق آخرت سے ہے یعنی جو کافر بغیر ایمان لائے مر گیا تو اسکا کفر و شرک نہ بخشا جائیگا اگر وہ دنیا میں مسلمان ہو جائے تو کافر رہا ہی نہیں مومن ہو گیا سکے نہ بخشے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **ان یشرک بہ**' **لا یغفر** کا مفعول ہے ان مصدریہ کی وجہ سے یشرک 'شرک مصدر کے معنی میں ہو گیا بہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے شرک کے لغوی معنی ہیں حصہ و ساجھا شریک بمعنی حصے دار و ساجھی رب فرماتا ہے **ام لھم شرک فی السموت** شریعت میں کسی کو اللہ کی برابر اور اسکی مثل سمجھنا شرک ہے خواہ کسی کو خدا کی طرح مستقل خالق و مالک مانے جیسے مجوسی دو مستقل خدا مانتے ہیں۔ اھرمن اور یزدان یا کسی کو خدا کی اولاد مانے جیسے مشرکین فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے اور یہودی عزیر علیہ السلام کو عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں کہ اولاد باپ کی مثل ہوتی ہے خواہ کسی کو خدا کا بندہ ہی مانے مگر خدا تعالیٰ کو اس بندے کا حاجتمند سمجھے جیسے مشرکین عرب اپنے بتوں کو خدا کا بندہ سمجھتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ آسمان زمین بنا کر تھک گیا اب وہ دنیا کا انتظام اکیلا نہیں کر سکتا یہ کام ہمارے بت کر رہے ہیں ان لوگوں کی تردید کیلئے یہ آیات اتریں۔ **ولم یکن لہ کفوا احد** اللہ کا کوئی مثل اور برابر نہیں **ولم یکن لہ ولی من الذل** اللہ نے کسی کو کمزوری کی وجہ سے ولی نہ بنایا ہے **وما مسنا من لغوب** ہم آسمان زمین بنا کر تھک نہ گئے خواہ اسطرح کہ کسی کو خدا کے مقابل لائق اطاعت سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی نہ مانے اسکی مانے رب فرماتا ہے **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ** اہل کتاب نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے مقابل رب بنا لیا اور فرماتا ہے **اتخذ الھہ ھوٰہ** ان چار پانچ چیزوں کے سوا اور کوئی چیز شرک نہیں آج کل شرک گاجر مولی سے بھی زیادہ سستا کر دیا گیا کہ بات بات پر مسلمانوں کو بے دھڑک مشرک کہہ دیا جاتا ہے۔ خدائے پاک سمجھ دے۔ خیال رہے کہ اسلام میں شرک و کفر سخت سے سخت جرم ہے جو ناقابل معافی ہے اور سخت جرم کا ثبوت بہت قوی دلائل سے ہوتا ہے معمولی شبہ پر ملزم کو شبہ کا فائدہ دیدیا جاتا ہے تانگہ والوں کا چالان دس منٹ میں معمولی گواہی سے کر دیا جاتا ہے مگر قتل کا مقدمہ کئی سال چلتا ہے بڑی تحقیق کے بعد اسے پھانسی دی جاتی ہے اسلام میں ہر جرم دو گواہوں سے ثابت ہو جاتا ہے مگر زنا چار گواہوں سے ثابت ہوتا ہے تعجب ہے کہ شرک جرم تو سخت مگر آج وہ گاجر مولی کی طرح سستا کہ یا رسول اللہ کہو مشرک' درود تاج پڑھو مشرک' علماء فرماتے ہیں کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے وجہ

www.alahazratnetwork.org

کفر کی ہوں ایک احتمال اسلام کا ہو تو اسے شک کا فائدہ دیتے ہوئے کافر نہ کہو لیکن کبھی شرک بمعنی کفر بھی آتا ہے یعنی کسی اسلامی عقیدے کا انکار یہاں مشرک اس معنی میں ہے دیکھو روح المعانی اور روح البیان وغیرہ لہٰذا حضور کا گستاخ نماز روزے کا منکر مشرک بمعنی کافر ہے اور کسی کفر کی قیامت میں بخشش نہیں۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا** مشرکوں یعنی کافروں سے مومنہ عورتوں کا نکاح نہ کرو یہ بات بہت خیال میں رکھو **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یہ جملہ لا یغفر پر معطوف ہے اور ان کی خبر۔ **یغفر** سے مراد بغیر توبہ کئے ہوئے بخش دینا ہے ما سے مراد گناہ ہے دون کے معنی سوا، مقابل، علیحدہ، دور اور نیچے ہیں یہاں آخری معنی میں ہے یعنی کفر و شرک سے کم۔ ذلک سے شرک کی طرف اشارہ ہے من سے مراد سارے گناہگار جن و انس ہیں یشاء کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یہاں مشیت سے مراد مہربانی و کرم نوازی کی مشیت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کفر کے نیچے تمام گناہوں کو بخش دیگا جس کیلئے چاہے۔ **ومن یشرک باللہ** یہ نیا جملہ ہے من سے مراد تمام جن و انس کفار ہیں کیونکہ ان دو جماعتوں کے سوا کوئی مخلوق شرک و کفر نہیں کرتی یہاں بھی شرک سے مراد کفر ہی ہے جیسا کہ گزشتہ سے معلوم ہوا اور شرک میں ہر قسم کے کفر داخل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہاں شرک سے مراد ظاہری معنی یعنی شرک ہی ہو اعلیٰ حضرت رحمتہ اللہ علیہ کا ترجمہ دوسرے معنی کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی جو کوئی بھی اللہ کا انکار کرے یا کسی کو اسکا شریک و مثل مانے **فقد افتری اثما عظیما** یہ جملہ من یشرک کی خبر بمعنی جزا ہے افتری فری سے بنا جسکے لغوی معنی ہیں کاٹنا چونکہ عمدہ چیز کٹ کر بگڑ جاتی ہے اسلئے اب یہ معنی ءفساد استعمال ہونے لگا قرآن کریم میں یہ لفظ جھوٹ گھڑنا، شرک، ظلم، گناہ کا ارتکاب سب ہی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں جھوٹ گھڑنے کے معنی میں ہے یا بڑے گناہ کے ارتکاب کے معنی میں آیا ہے اثم عظیم، سے مراد ہے دل کا گناہ چونکہ دل جسم سے اعلیٰ اور بڑا ہے لہٰذا بد عقیدگی بد عملی سے بد ترین گناہ ہے یعنی اس نے بڑا ہی گناہ گھڑ لیا۔

لطیفہ: اس جگہ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ مجمع البیان ارشاد فرمایا کہ عرب میں اصلاح کیلئے کاٹنے کو فری کہتے ہیں اور بگاڑنے کیلئے کاٹنے کا افراء یا افتراء کہتے ہیں کہا جاتا ہے۔ فریت الادیم میں نے بنانے کیلئے چمڑا کاٹا اور افریت الادیم میں نے بگاڑنے کیلئے چمڑہ کاٹ ڈالا عجیب فرق ہے۔

خلاصہء تفسیر: اے یہودیو تمہارا ہمارے محبوب کی بارگاہ میں گستاخی و بے ادبی کرنا ایک ناقابل معافی گناہ ہے کیونکہ یہ کفر شرک میں داخل ہے اور اللہ کا یہ قانون ہے کہ وہ کفر نہیں بخشتا لہٰذا جو شخص بغیر ایمان لائے کفر پر مرجائے وہ ابد الآباد تک دوزخ میں رہیگا وہاں سے اسکے نکلنے کی کوئی سبیل نہ ہوگی اور کفر سے نیچے جو گناہ ہیں خواہ کتنے ہی بڑے ہوں اللہ جسے چاہے بخش دیگا دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے **ان الذین کفروا وظلموا لم یکن اللہ لیغفر لھم** لہٰذا اگر اپنی بخشش چاہتے ہو تو ہر قسم کے کفر سے بچو جو بھی کفر کرتا ہے وہ بڑے بھاری گناہ کا طوفان باندھتا ہے لہٰذا اسکی سزا بھی بڑی بھاری ہوگی یعنی دائمی عذاب اور ہمیشہ کی پھٹکار ابھی موقعہ ہے تمام کفریات سے توبہ کرکے مسلمان ہو جاؤ تاکہ اللہ کی رحمت کے حقدار ہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور کا بے ادب مشرک ہے خواہ رب کو ایک ہی مانے اور توحید کا دعویٰ کرے دیکھو یہاں بے ادب و گستاخ یہود کو مشرک کہا گیا اور انکے عمل کو شرک قرار دیا گیا یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اگر یہاں شرک سے مراد کفر نہ ہو تو لازم آئیگا کہ سارے کافر قابل بخشش ہوں صرف مشرک ہی نہ بخشا جائے حالانکہ یہ غلط ہے

www.alahazratnetwork.org

نیز پھر اس آیت کا تعلق گزشتہ سے نہ رہے گا (تفسیر کبیر) اس آیت سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو شیطانی توحید کے نشے میں حضور کی توہین کرتے ہیں۔ ان بد نصیبوں کے ہاں توہین رسول توحید کا رکن اعلیٰ ہے خدا سمجھ دے۔ **دوسرا فائدہ:** جو کفر پر مرجائے اسکی بخشش ناممکن ہے اسی لئے کسی کافر کو مرحوم یا علیہ الرحمۃ کہنا حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جسکا خاتمہ ایمان پر ہو جائے اگرچہ کتنا بڑا گنہگار ہو آخر کار بخشا جائیگا۔ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیگا خواہ سزا کے بعد بخشا جائے یا بغیر سزا پائے جیسا کہ **ویغفر ما دون ذلک** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کفر کے سوا ہر گناہ قابل بخشش ہے چھوٹا ہو یا بڑا حق العبد ہو یا حق اللہ مگر بخشش کی نوعیتوں میں فرق ہے حقوق العبد بندے سے معاف کرا دیئے جائینگے باقی کچھ شفاعت سے کچھ دوزخ میں عارضی طور پر داخل کر کے۔ **پانچواں فائدہ:** شرک و کفر اکبرا لکبائر ہے یعنی تمام گناہوں سے بڑا گناہ جیسا کہ اثما عظیما سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرت وحشی 'ابو سفیان 'بی بی ہندہ وغیرہم نے اگرچہ زمانہ کفر میں مسلمانوں کو بہت نقصان پہنچائے لیکن انہیں برائی سے یاد نہ کیا جائے کیونکہ یہ سب حضرات بعد میں ایمان لے آئے رب تعالیٰ نے انکے سب گناہ معاف فرما دیئے وہ لوگ مغفور ہیں دیکھو اس آیت میں حضرت وحشی سے کیسا شاندار مغفرت کا وعدہ فرمایا دوستو انکی فکر نہ کرو اپنی فکر کرو۔ **ساتواں فائدہ:** گناہ کبیرہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتا ہے جیسا کہ و یغفر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر سب سے بڑا جھوٹا ہے کیونکہ قولی عملی اعتقادی جھوٹوں میں اعتقادی جھوٹ سب سے بدتر ہے جیسا کہ اثما عظیما سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگار مومن کی بخشش اللہ کے چاہنے پر موقوف ہے کہ چاہے بخشے چاہے نہ بخشے مگر حضرت ابوذر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کوئی ایمان پر مرے اسکا رب تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے بخش دے اگرچہ وہ زانی ہو یا چور ہو اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** مغفرت کے دو معنی ہیں۔ معافی اور رہائی۔ آیت کریمہ میں معافی کو ارادہ الٰہی پر موقوف کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں رہائی کا ذکر ہے یعنی گنہگار مومن کی دوزخ سے رہائی ضروری ہے وہاں اسکو ہمیشگی نہیں مگر بالکل معاف فرمادینا یہ یقینی نہیں چاہے گا تو معاف فرمادیگا۔ **دوسرا اعتراض:** جب کفر و شرک قابل بخشش ہی نہیں تو مسلمان کافروں کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ اسلام نجات دینے والا دین نہیں (عیسائی) **جواب:** اسکا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جو کفر پر مرجائے اسکی بخشش نہیں اسلام سے پہلے عرب میں قریباً سارے ہی لوگ مشرک یا کافر تھے وہی حضرات مسلمان ہو کر کیسے شاندار بنے دوسری آیت میں ارشاد ہوا **الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** جو ایمان لے آئے توبہ کرے اور نیک اعمال کرے اللہ تعالیٰ انکی برائیوں کو بھلائیاں بنادیگا۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب مشرک ہیں مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **ان الذین کفروا من اھل الکتب والمشرکین** وہاں مشرکین کو اہل کتاب پر معطوف کیا گیا معلوم ہوا کہ اہل کتاب مشرک نہیں تمہاری تفسیر اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** ہم نے یہ نہیں کہا تھا کہ قرآن کریم میں مشرک بمعنی کفری ہوتا ہے اور نہ یہ کہا کہ ہمیشہ مشرکین میں اہل کتاب داخل ہوتے ہیں بلکہ یہ کہا تھا کہ شرک بمعنی کفر بھی آتا ہے اس صورت میں اہل کتاب مشرکین میں داخل ہوں گے یہ اور اصطلاح ہے وہ دوسری اصطلاح جیسے صلوۃ قرآن شریف میں بمعنی نماز بھی ہے اور بمعنی دعا بھی۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ کی صفتیں کسی بندے میں ماننا یہ شرک ہے علم

www.alahazratnetwork.org

غیب حاضر ناظر ہونا دور سے سن لینا' دیکھ لینا' دور سے کسی کی فریاد رسی کرنا یہ سب خدا کی صفتیں ہیں جو کوئی کسی نبی یا پیر میں یہ صفتیں مانے وہ مشرک ہے اگرچہ کلمہ پڑھتا ہو مشرکین مکہ اپنے بتوں کو خدا یا خدا کے برابر نہ سمجھتے تھے بلکہ انہیں غیب دان' حاضر ناظر' حاجت روا مشکل کشا جانتے تھے اسلئے مشرک تھے لہٰذا اس زمانے کے پیر پرست' قبر پرست مشرک ہیں (مرزائی' دیوبندی' مودودی) جواب: اسکے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو کسی کو زندہ یا سمیع و بصیر یا موجود ماننا بھی شرک ہونا چاہئے کہ حیات و سمع بصر وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جناب یہ تمام مذکورہ صفتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بعضے بندوں کو بخشی ہیں جو قرآن شریف سے ثابت ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھا کر بچا کر آتے ہو میں تمہیں بتا سکتا ہوں یہ ہے جناب مسیح کا علم غیب اور فرماتے ہیں کہ میں باذن الٰہی مردوں کو زندہ' کوڑھوں' اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا تھا کہ میری قمیض لے جاؤ والد صاحب کے چہرے پر ڈال دو انکی گئی ہوئی آنکھیں روشن ہو جائیں گی یہ ہے حضرات انبیاء کرام کی مشکل کشائی و حاجت روائی قرآن کریم شیطان کے بارے میں فرماتا ہے **انه یرلكم هو و قبیله من حیث لا ترونهم** شیطان اور اسکا قبیلہ تم سب کو وہاں سے دیکھ رہا ہے جہاں سے تم اسے نہیں دیکھتے یہ ہے شیطان کا حاضر ناظر ہونا ہر مسلمان نماز کی التحیات میں حضور کو دور سے پکارتا ہے اور سلام کرتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چار پرندے ذبح فرما کر انہیں پکارا اور کعبہ بنا کر تا قیامت پیدا ہونے انسانوں کو پکارا کہ آؤ بیت اللہ کا حج کرو آج غریب امیروں کو بیمار حکیموں کو مظلوم حاکموں کو دینی مدرسے والے چندہ دینے والوں کو حاجت روا بھی سمجھتے ہیں مشکل کشا بھی اگر شرک کے یہ معنی ہوں تو کوئی مسلمان شرک سے نہ بچے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ الوہیت کا مدار غنی اور بے نیازی پر ہے بندہ وہ جو نیاز مند ہو رب وہ جو غنی ہے فرماتا ہے اللہ الصمد اور فرماتا ہے ان اللہ غنی عن العالمین یہ تمام صفتیں علم غیب' حاضر ناظر مشکل کشائی وغیرہ ذاتی طور پر خدا کی صفتیں ہیں کہ وہ ان صفات میں کسی کا حاجتمند نہیں اور عطائی طور پر بندوں کی صفتیں ہیں کہ بندے ان صفات میں رب کے حاجتمند ہیں تمام دیگر صفات سمع' بصر' حیات وغیرہ کا یہی حال ہے مشرکین عرب کا شرک یہ تھا کہ وہ اپنے معبودوں کو رب کی طرح خالق و مالک مانتے تھے بعض اپنے معبودوں کو رب تعالیٰ کا بیٹا بیٹی مانتے تھے بعض اپنے معبودوں کا رب کو حاجتمند سمجھتے تھے غرضیکہ برابری کا اعتقاد رکھتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **اذ نسویكم برب العلمین** پانچواں اعتراض: اس وقت مسلمانوں پر پیر پرستی علماء پرستی کا شرک بہت پھیل رہا ہے عام مرید اپنے پیروں اور سجادہ نشینوں کے متعلق یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ حق ہے کتاب اللہ کو نہیں دیکھتے اپنے پیروں کی دعاؤں پر اعتقاد بھی شرک کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ہر گروہ اپنے پیر کے متعلق اعتقاد رکھتا ہے کہ اسکی دعا سے ہماری مصیبت ٹل جاتی ہے اس شرک میں اور بت کی عبادت میں بہت کم فرق ہے (تفسیر بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری مرزائی) نوٹ: ضرور معلوم ہوتا ہے کہ محمد علی مرزائی صاحب دیوبند کے اسٹیج سے بول رہے ہیں اس شرک و بدعت کی بیماری میں دیوبندی اور مرزائی برابر کے شریک ہیں۔ جواب: معاذ اللہ کوئی مرید اپنے پیر کی باتوں کو شریعت کے مقابلے میں حق نہیں سمجھتا عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ لوگ خلاف شرع پیروں کی بیعت توڑ دیتے ہیں یہ مسلمانوں پر بہتان ہے اور جو بھنگی چرسی شرابی داڑھی منڈے جعلی پیروں کے ان بداعمال کو حق سمجھیں اور احکام اسلامیہ کو غلط سمجھیں وہ یقیناً اسلام سے خارج ہیں یہ شرف تو معترضین کو حاصل ہے کہ مرزا جی کی بد سے بدتر بات کو قرآن حدیث کے مقابلے میں برحق جانتے ہیں مرزا جی کی تعلیم دیکھو اور قرآن کی تعلیم سے اسکا

www.alahazratnetwork.org

مقابلہ کرو پتہ لگے گا کہ پورا تناقض ہے مگر مرزا صاحب پر ان بزرگوں کا پورا اعتقاد ہے یہی حال دوسروں کا ہے۔ بیشک مقبول بندوں کی دعاؤں سے مصیبتیں ٹل جاتی ہیں قسمتیں بدل جاتی ہیں آدم علیہ السلام کی دعا سے داود علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو برس ہو گئی (حدیث) موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے سامری کا جسم وبال بن گیا۔ زکریا علیہ السلام کی دعا سے انکی بوڑھی بانجھ بیوی کو لولاد ملی وغیرہ وغیرہ آج کل لوگوں نے مسلمانوں کو مشرک بنانے کے شوق میں شرک نہایت ہی معمولی چیز بنا دیا ہے۔ اسلام میں شرک کی صرف تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ عالم کے مستقل خالق و مالک دو مانے جائیں جیسے مجوسی خالق خیر اور خالق شر دو مستقل خالق مانتے ہیں اسے شرک فی الذات سمجھ لو دوسرے یہ کہ بعض بندوں کا خدا سے وہ رشتہ مانا جائے جو ہم جنسیت چاہتا ہے جیسے بیٹا ہونا زوجہ ہونا بھائی بھتیجہ بھانجا ہونا وغیرہ اس شرک میں یہودی عیسائی اور عام مشرکین عرب مبتلا تھے کہ یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے تھے اور مشرکین عرب فرشتوں ستاروں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے اسے شرک فی الصفات سمجھ لو۔ تیسرے یہ کہ اللہ کے بعض بندوں کو رب تعالیٰ کا معاون و مددگار مانا جائے کہ رب تعالیٰ انکے بغیر کام چلا سکتا ہی نہیں جیسے بعض مشرکین عرب اپنے بتوں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے اسے شرک فی الافعال سمجھ لو۔ ان تین قسموں کے سوا اور کوئی چیز شرک کی نہیں۔ بندے کو رب کا مخلوق، مملوک، محبوب، مرزوق ماننا حق ہے کہ یہ رشتے ہم جنسیت نہیں چاہتے مگر کسی کو رب کا بیٹا بیوی بھائی بھتیجا ماننا شرک ہے ہم جانوروں کے مالک، مربی، محب ہو سکتے ہیں مگر انکے بھائی بیٹے چچا نہیں ہو سکتے کسی بندے کو ابن اللہ مان کر مختار، عالم غیب ماننا شرک ہے اور کسی کو حبیب اللہ مان کر مختار مالک عالم غیب ماننا شرک نہیں۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر کے علاوہ سارے گناہ بغیر توبہ بھی معاف ہو سکتے ہیں مگر حدیث سے معلوم ہوتا ہے حقوق العباد قرض وغیرہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتے حدیث و قرآن میں تعارض ہے۔ جواب: گناہ اور ہے اور حق کچھ اور واقعی بندے کا حق بغیر ادا کئے معاف نہیں ہوتا کسی کا قرض مار لو سوچ کر لو ہزار بار توبہ کر لو قرض معاف نہ ہو گا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا یہاں گناہوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ جب رحم فرمائے گا تو قیامت میں اصل حقوق سے معافی دلوا دیگا لہٰذا آیت بالکل ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: شرک کے تین مرتبے ہیں لہٰذا انکے مقابل مغفرت کے بھی تین درجے۔ شرک جلی یعنی بت پرستی یہ عوام کا شرک ہے اسکی مغفرت صرف توحید اور اظہار عبودیت سے ہو سکتی ہے۔ شرک خفی جیسے ریاکاری کیلئے عبادت کرنا اسکی مغفرت صرف اخلاص سے ہو سکتی ہے۔ اللہ واحد ہے اس واحد کو واحد ہی کیلئے واحد کے ذریعے پو جو شرک اخفی یہ خاص الخاص کا شرک ہے یعنی اپنی انانیت اور اغیار پر نظر یہ شرک صرف فنا سے معاف ہو سکتا ہے انا کو فنا کرو تاکہ بقا پاؤ اللہ تعالیٰ ان شرکوں کو ان چیزوں کے بغیر معاف نہیں فرماتا جس نے ان میں سے کسی قسم کا شرک کیا اس نے بڑا بھاری جھوٹ گھڑا اپنے اور رب کے درمیان اپنی ہستی کا حجاب قائم کر لیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارا سب سے بڑا گناہ ہماری ہستی ہے۔

نیستی جولانگہ اہل دل است شاہ راہ عاشقان کامل است
چوں وجودت خوکر دی ازمیاں نور وحدت چشم دل راشد عیاں
شرک ریز نباشد اے دل در طریق ذکر توحید خدا را کن رفیق

دل والے نیستی کے میدان میں دوڑ لگاتے ہیں اگر اپنی ہستی فنا کر دو تو توحید کا نور آنکھوں سے دیکھ لو (روح البیان) کسی شخص نے

www.alahazratnetwork.org

کسی بزرگ سے پوچھا کہ صوفی کہ باشد صوفی کون ہوتا ہے۔جواب: دیا کہ صوفی آں باشد کہ نہ باشد و آنکہ باشد صوفی نباشد یعنی صوفی وہ ہے جو نہ ہو اور جو ہو وہ صوفی نہیں۔عام لوگ کہتے ہیں لا معبود الا اللہ خاص کہتے ہیں لا مقصود الا اللہ عشاق کہتے ہیں لا موجود الا اللہ اللہ تعالٰی ہمیں اپنے اچھوں کے طفیل ہم بروں کو بھی اس توحید کا مزہ چکھائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آفتاب کے تین کام ہیں: چاند تاروں کو چھپانا چراغوں بجلیوں گیسوں کو بجھانا ذروں کو چمکانا چونکہ تاروں چراغوں میں بظاہر اپنا نور تھا وہ سورج سے یا چھپ گئے یا بجھ گئے ذرے بے نور خاک نشین سورج سے خوشہ چین تھے وہ چمک گئے حضور کی تشریف آوری سے نبوت کا سلسلہ بند ہو گیا کہ حضرات انبیاء چاند تارے تھے جو آپکے دامن میں چھپ گئے اولو الامر فنا ہو گئے وہ چراغ تھے جو بجھ گئے مگر دروازہ ولایت بند نہ ہوا کہ یہ ذرہ تھے چمک گئے پھر ذروں کی چمک سورج کی نسبت سے ہے اگر سورج سے آڑ ہو جائے سب ذرے بے نور رہ جائیں دل کی چمک حضور کی نسبت سے ہے پھر سورج ذروں کے پاس نہیں آتا ذرے سورج کے پاس نہیں جاتے سورج آسمان پر ذرہ زمین پر شعاعوں کے طفیل چمکتے ہیں اولیاء اپنے مقام پر ہیں حضور اپنے مقام پر صحابہ کرام و اہل بیت عظام جو اس سورج کی نورانی کرنیں ہیں انکے ذریعے اولیاء چمک رہے ہیں اعلٰی حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

ذرہ بر روئے خاک افتادہ بود آفتاب آمد و روشن نمود

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ
کیا نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو پاکی بیان کرتے ہیں اپنی جانوں کی بلکہ اللہ پاک بخشتا ہے اسے جسے
کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جو خود اپنی ستھرائی بیان کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے ستھرا کرے اور ان پر ظلم نہ
فَتِيْلًا ﴿٤٩﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿٥٠﴾
چاہے اور نہ ظلم کیے جائیں گے دھاگہ برابر دیکھو تو کیسا بہتان باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ کا اور کافی ہے یہ گناہ کھلا ہوا
ہوگا دیکھو کیسا اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور یہ کافی ہے صریح گناہ

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں یہود کے مشرک ہونے کا ذکر فرمایا گیا تھا اب ان کے متکبر ہونے کا تذکرہ ہے یعنی ایک عیب کے بعد دوسرے عیب کا اظہار فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شرک و کفر بخشش کے لائق جرم نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ خصوصاً جب شرک پر فخر بھی ہو تو اسکی بخشش کی کوئی صورت ہی نہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک اللہ پر جھوٹ باندھتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ جو مشرک ہو کر یہ کہے کہ میں ہی خدا کو پیارا ہوں اور میرا شرک خدا کو محبوب ہے تو وہ بڑا ہی جھوٹا ہے۔

شان نزول: کچھ یہودی اپنے چھوٹے بچوں کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور بولے یا رسول اللہ

www.alahazratnetwork.org

کیا یہ بچے بھی گنہگار ہیں۔ حضور نے فرمایا نہیں تو بولے قسم اسکی جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ ہم بھی انہیں بچوں کی طرح بے گناہ ہیں کہ ہمارے دن کے گناہ رات آنے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں اور رات کے گناہ سویرا ہونے سے پہلے بخش دیئے جاتے ہیں انکی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن کبیر روح المعانی وغیرہ) 2 ابن جریر نے امام حسین سے روایت کی کہ یہ آیت یہودیوں اور عیسائیوں کے متعلق اتری جو کہتے تھے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اسکے پیارے ہیں۔ ہمارے سوا جنت میں کوئی نہیں جاسکتا ہے ہم جنت کے ہیں اور جنت ہماری انکی تردید میں یہ آیت آئی۔ (تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر: **الم تر** ہمزہ استفہام کا ہے اور استفہام تعجب دلانے کیلئے ترکا مادہ رای ہے بمعنی دیکھنا یا غور کرنا اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے چونکہ یہ بمعنی نظر ہے اسلئے اسکے بعد الی آیا۔ **الی الذین یزکون** یہ عبارت **الم تر** کے متعلق ہے الذین سے مراد وہ یہودی ہیں جنکے متعلق یہ آیت کریمہ اتری مگر عبارت مطلق ہونے کی وجہ سے ہر جھوٹا شیخی خورہ اس میں داخل ہے۔ یزکون تزکیتہ سے بنا۔ جسکا مادہ زکوۃ ہے بمعنی پاکی تزکیہ پاک کرنا پاک سمجھنا پاک کہنا اسلئے گواہوں کی تعدیل کو تزکیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ اپنے کو نیک اعمال کے ذریعہ پاک کرنا بہت اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من تزکی** اور فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** مگر اپنے کو پاک سمجھنا اور پاک کہتے پھرنا بہت برا ہے۔ انفس جمع نفس کی ہے بمعنی جان و ذات یہاں بمعنی ذات ہے خیال رہے کہ اپنے کو اچھے اعمال کے ذریعے پاک کرنا اچھی چیز ہے رب فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** اور اپنے کو پاک کہنا اگر اظہار نعمت الٰہی کیلئے ہے تو اچھا ہے اور اگر شیخی کیلئے ہے تو برا۔ یہاں یہ اخیری معنی ہی مراد ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے کیا تو نے ان شیخی خوروں کو نہ دیکھا یا ان میں غور نہ کیا جو لوگوں سے اپنی پاکی بیان کرتے ہیں اور اپنے کو پاک صاف اور بے گناہ کہتے ہیں۔ **بل اللہ یزکی من یشاء** بل حرف اضراب ہے یہ دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے پہلے کی نفی دوسرے کا اثبات کرتا ہے یہاں پہلا جملہ پوشیدہ ہے **هم لا یزکونها فی الحقیقة** اس جملہ کی بل نے نفی کر دی اللہ یزکی کا ثبوت کیا یہاں یزکی بمعنی پاک کرنا ہے من سے مراد سارے ہی جن و انس ہیں یعنی یہ لوگ اپنے کو در حقیقت پاک نہیں کرسکتے بلکہ اللہ جسے چاہے پاک کرے کیونکہ پاکی دل و دماغ کی صفت ہے اور دل و دماغ اللہ کے قبضے میں ہیں وہی انہیں پاک کرسکتا ہے۔ خیال رہے کہ ظاہری پاکی کو طہارت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو زکوۃ انسان کافر ہو یا مسلمان ظاہرا تو پاک ہے کہ اسکا جسم بال ناخن وغیرہ سب پاک مگر باطنی پاکی صرف مومن کو ہی حاصل ہے رب فرماتا ہے **انما المشرکون نجس**۔ **ولا یظلمون فتیلا** واؤ عاطفہ ہے اور **لا یظلمون** معطوف معطوف علیہ پوشیدہ ہے یعنی **یعاقبون بتلک الفعل فتیل**' فتل سے بنا بمعنی بٹنا اصطلاح میں بٹے ہوئے دھاگے اور انگلیوں میں سے مل کر نکالے ہوئے میل اور کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کے دھاگے کو فتیل کہا جاتا ہے۔ اہل عرب کسی چیز کی کمی بیان کرتے وقت فتیل۔ نقیر' قطمیر وغیرہ استعمال کرتے ہیں۔ فتیل کھجور کی گٹھلی کا دھاگہ نقیر اسکا گڑھا یا اسکے پشت کا دانہ قطمیر اس گٹھلی کا باریک چھلکا حق یہ ہے کہ **فتیلا' ولا یظلمون** کا دوسرا مفعول ہے اور ہوسکتا ہے کہ تمیز ہو یعنی یہ یہودی اپنی اس شیخی پر سزا دیئے جائیں گے اور ان پر کھجور کی گٹھلی کے دھاگے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائیگا اسطرح کہ انہیں جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اور ہوسکتا ہے کہ اس جملے کا تعلق من یشاء سے ہو اور معنی یہ ہوں کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے دنیا میں پاک اور صاف کرتا ہے اور ان پر آخرت میں ظلم نہ کریگا کہ اس پاکی اور صفائی کے باوجود انکے ثواب میں کمی کردے اور ممکن ہے کہ اسکا

www.alahazratnetwork.org

تعلق الذین یزکون سے بھی ہو اور من یشاء سے بھی اور معنی یہ ہوں کہ نہ شیخی خور کفار پر ظلم کیا جاویگا کہ انہیں جرم سے زیادہ سزا دے دی جاوے اور نہ پاک صاف مقبول بندوں پر کہ انکے ثواب میں کمی کر دی جائے غرضکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں **انظر کیف یفترون علی اللہ الکذب** یہ جملہ نیا ہے اسکا مقصود ہے تعجب دلانا۔ انظر میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا یا دل سے غور کرنا افتراء کے معنی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے۔ علی اللہ کا تعلق **یفترون** سے ہے کذب اس کا مفعول یعنی اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان غور تو کرو یہ کس بیباکی اور جرات و ہمت سے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں اور غلط بات اسکی طرف منسوب کر رہے ہیں کہ ہیں جھوٹے اور کہتے ہیں ہم بڑے۔ ہیں اللہ کی بارگاہ میں مردود اور کہتے ہیں ہم محبوب۔ ہیں دوزخی اور کہتے ہیں ہم جنتی بلکہ کہتے ہیں کہ ہمارے سوا کوئی جنتی ہے ہی نہیں۔ ہیں گناہوں میں لتھڑے ہوئے اور کہتے ہیں اپنے کو صاف و پاک یہ سب اللہ پر بہتان ہے۔ **وکفی بہ اثما مبینا** یہ جملہ انتہائی تعظیم کیلئے بھی آتا ہے جیسے **وکفی باللہ نصیرا** اور انتہائی برائی کیلئے بھی جیسے یہاں ہے کفی کا فاعل ہے ب زائدہ ہے ہ کا مرجع یہ مذکورہ شیخی و تہمت ہے **اثما مبینا** ہ کی تمیز ہے یعنی اگر ان شیخی خوروں کے پاس اور کوئی جرم نہ بھی ہوتا تب بھی یہی شیخی اور جھوٹ ہی انکے ہلاک کرنے کیلئے کافی گناہ تھا چہ جائیکہ یہ شرک و کفر قتل انبیاء حرام خوری کتاب اللہ کو بگاڑنا رشوت ستانی وغیرہ لاکھوں جرموں میں گرفتار ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن کے پڑھنے والے کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہ دیکھا یا انکے حال میں غور نہ کیا جو لوگوں سے اپنی صفائی بے گناہی پاکدامنی مقبولیت وغیرہ بیان کرتے پھرتے ہیں ان دعووں سے یہ لوگ اپنے کو پاک و صاف نہیں کر سکتے بلکہ بندوں کو پاک کرنا اللہ کا کام ہے جسے چاہے پاک کرے یا جسے چاہے لوگوں سے پاک کہلوائے کہ اسکے متعلق خود بخود لوگوں کی زبان سے نکلے کہ وہ پاک صاف ہے یہ لوگ اپنے اس شیخی و جھوٹ کے جرم پر سخت سزا دیئے جائیں گے اور اسکے ساتھ ہی ان پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا کہ جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے اے محبوب آپ غور تو فرماؤ کہ یہ لوگ کس ڈھٹائی اور بے باکی سے بے دھڑک اللہ پر جھوٹ باندھ رہے ہیں کہ ہیں مجرم کافر دوزخی ہماری بارگاہ سے دھتکارے ہوئے اور کہتے ہیں اپنے کو اللہ کا بیٹا اللہ کا پیارا جنت کا ٹھیکیدار اگرچہ ہر جھوٹ ہی برا ہے لیکن خدا پر جھوٹ باندھنا اتنا برا ہے کہ انسان کے جہنمی کرنے کیلئے یہی کافی ہے انکا حال تو یہ ہے کہ انکا بال بال جرموں میں گندھا ہوا ہے انہیں تو چاہئے تھا کہ آپ پر ایمان لا کر اپنے گناہوں کی معافی کراتے چہ جائیکہ آپکے سامنے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں نہ خدا سے خوف نہ اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے شرم۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی شکایت اپنے حبیب سے کرتا ہے غیروں کی شکایت اپنوں سے کی جاتی ہے۔ یہ فائدہ الم تر اور انظر کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اسکے مخاطب حضور ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کے کفر اور بدکاروں کے جرموں میں غور کرنا تاکہ ان سے بچا جائے عبادت ہے اصلاح نفس کا بہترین ذریعہ یہ فائدہ الم تر اور انظر کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہو اچھوں کی اچھائی اور بروں کی برائی میں غور کرنا بہترین مشغلہ ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اچھوں کے

www.alahazratnetwork.org

تذکرے بھی کیے ہیں اور بروں کے بھی۔ چند چیزوں میں غور کرنا عبادت ہے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا شکر کیلئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ میں غور کرنا ترقی ایمان کیلئے **ثم تتفکر وا ما بصاحبکم من جنۃ** اپنے گناہوں میں غور کرنا توبہ کیلئے بزرگوں کی صفات میں غور کرنا انکی پیروی کرنے کیلئے کفار و بدکاروں کے عیوب میں غور کرنا ان سے بچنے کیلئے بھی۔

تیسرا فائدہ: اپنے نام کے ساتھ شاندار القاب لگانا یا لکھنا منع ہے کہ یہ بھی اپنی ستھرائی بیان کرنے میں داخل ہے اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے کبھی اپنے نام کے ساتھ خاں نہ لکھا ہمیشہ اپنے کو احمد رضا لکھا یہ ہے اس آیت کریمہ پر عمل رب فرماتا ہے **لا تزکوا انفسکم** **چوتھا فائدہ:** جب اپنی سچی تعریف کرنا ہی منع ہے کہ شیخی میں داخل ہے تو جھوٹی تعریف کرنا بدترین گناہ ہوگا کہ وہ شیخی بھی ہے اور جھوٹ بھی۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی شخص اپنی کوشش سے بغیر رب کے کرم کے پاک اور ستھرا نہیں ہو سکتا پاکی اسکے کرم سے نصیب ہوتی ہے یہ فائدہ یزکی من یشاء سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے مظہر اتم ہیں۔ خدا کی صفتوں کا ظہور آپ کی ذات میں ہوتا ہے دیکھو یہاں رب نے فرمایا کہ اللہ جسے چاہے پاک کرے دوسری جگہ اپنے محبوب کے بارے میں فرماتا ہے **ویزکیھم** ہمارے حبیب انکو پاک و ستھرا کرتے ہیں معلوم ہوا کہ پاکی دیتا ہے اللہ مگر ملتی حضور کے ہاتھوں اور حضور کے دروازے سے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کے دھلیں — کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

خدا کا پانی کنوئیں سے خدا کی شفاء ہسپتال سے خدا کا رزق کھیت یا بازار سے ملتے ہیں تو خدا کی بخشش خدا کی معرفت دلوں کی صفائی و طہارت حضور کے دروازے سے ملتی ہے حضور کا دروازہ اللہ کی ہر رحمت کا خزانہ ہے اللہ سے ملنا ہو تو حضور کے پاس جاؤ اللہ بھی وہیں ملتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** خدا تعالیٰ نہ تو کسی مجرم کو جرم سے زیادہ سزا دیگا اور نہ کسی نیک کار کو نیکی سے کم ثواب کہ ان دونوں چیزوں کو اللہ نے ظلم فرمایا اور پروردگار ظلم سے پاک ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** مومنوں کو چھوٹا اور کافروں کو بڑا سمجھنا یونہی مومنوں کو ذلیل اور کافروں کو عزیز گھنا بدترین جرم ہے کہ یہ خدا پر جھوٹ ہے کہ رب نے کافروں کو ذلیل کہا ہے اور مومنوں کو عزت والا یہ فائدہ **یفترون علی اللہ الکذب** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** اللہ کے محبوب بندوں کی برائی کرنا غضب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ کنی بہ سے حاصل ہوا۔ عقیدہ تو یہ ہے کہ خدا کے بعد جو درجہ ہے وہ حضور کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ہے جہاں عبدیت کے سارے درجے ختم ہیں آگے الوہیت ہی ہے حضور خالق و مخلوق رب و مربوب کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں مگر تقویۃ الایمان والا کہتا ہے کہ نبی کا درجہ صرف اتنا ہے جتنا گاؤں میں چودھری یا نمبردار کا (تقویۃ الایمان) یہ اللہ پر ایسا صریح بہتان ہے کہ یہی اسکے عذاب کیلئے کافی ہے۔ **دسواں فائدہ:** کسی کے متعلق لوگوں کے منہ سے خود بخود اچھی باتیں نکلنا اللہ کی خاص رحمت ہے جیسا کہ یزکی کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا یعنی اللہ جسے چاہے لوگوں کے منہ سے پاک صاف کہلواتا ہے دیکھو حضرت غوث پاک خواجہ اجمیری داتا گنج بخش علی ہجویری صدیوں سے اپنی قبروں میں سو رہے ہیں مگر دنیا انہیں ولی غوث و قطب کہہ رہی ہے یہ ہے اللہ یزکی من یشاء کی جیتی جاگتی تفسیر۔ **گیارہواں فائدہ:** لطف اس میں ہے کہ بندہ کہے میں گنہگار ہوں اور رب کہے تو نیک کار حضرت صدیق اکبر کہتے ہیں یا اللہ میرا کیا بنے گا میرے پاس تو کوئی نیکی ہی نہیں مگر اللہ تعالیٰ انہیں سورۃ والیل میں فرماتا ہے اتقی اور سورہ نور میں فرماتا ہے اولو الفضل یعنی سب سے بڑا متقی اور سب سے بڑا درجے والا یہ ہے اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت اور مہربانی۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنا تزکیہ برا ہے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اپنا تزکیہ اچھا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من تزکی** آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں تزکیہ کے معنی ہیں اپنے کو پاک کہتے پھرنا اپنے کو پاک و بے عیب جاننا اور ان آیات میں تزکیہ سے مراد ہے نیک اعمال کے ذریعہ اپنے کو پاک کرنا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اپنے کو پاک کہنا شیخی ہے پاک کرنا مجاہدہ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف اپنے آپ نہ کرنی چاہئے مگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اپنی تعریف خود کرتا ہے اسکی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اپنی تعریف شیخی کیلئے کرنا منع ہے رب تعالیٰ کا اپنی تعریفیں فرمانا۔ ہمیں ایمان دینے کیلئے ہے اور گناہوں سے بچانے کیلئے کہ اے بندو تم ہماری یہ صفتیں مانو تو مومن بنو گے اور ہماری جباریت اور قہاریت پر نظر رکھو تو گناہوں سے بچو گے ایک حاکم رعایا سے کہتا ہے کہ میں مجرم کو جیل اور پھانسی دینے پر اختیار رکھتا ہوں یہ شیخی نہیں بلکہ مجرموں کو جرم سے روکنا اور ملکی انتظام قائم رکھنا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف خود کرنا برا ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعریفیں خود کی ہیں کہ فرمایا ہم شفیع المجرمین ہیں ہم رحمۃ للعالمین ہیں اسی طرح حضور غوث پاک نے قصیدہ غوثیہ میں اپنے بڑے فضائل بیان فرمائے یہ تمام اس آیت کے خلاف ہے یا نہیں۔ **جواب:** خلاف ہرگز نہیں شیخی کے طور پر اپنی تعریف کرنا برا ان حضرات کا اپنی تعریف فرمانا فخراً نہیں شکراً ہے یہ عبادت ہے رب فرماتا ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** نیز حضور کا اپنے کو شفیع المذنبین فرمانا ہم گنہگاروں کی آس بندھانے کیلئے ہے کہ گنہگارو مت گھبراؤ میرے پاس آؤ میں تم جیسے لاکھوں کو بخشواؤں گا یہ آپکی تبلیغ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی تعریف کرنا منع ہے تو بعض علماء کو فخر الاسلام شمس الائمہ وغیرہ کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب:** یہ کلمات ان لوگوں نے خود اپنے لئے استعمال نہ کئے بلکہ قدرتی طور پر مسلمانوں کے منہ سے ان کیلئے نکلے یہ قوم نے خطاب دیئے ہیں یہ اللہ یزکی من یشاء کا ظہور ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ پاکی اپنی کوشش سے نہیں ملتی رب کے کرم سے ملتی ہے مگر دوسری جگہ رب فرماتا ہے **قد افلح من زکھا** کامیاب ہو گیا وہ شخص جس نے اپنے نفس کو پاک کر لیا جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ انسان اپنے کو پاک کر سکتا ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تعارض ہرگز نہیں یہاں پاک کرنے والے فاعل حقیقی کا ذکر ہے اور اس آیت میں پاکی کے اسباب جمع کرنے والے کا ذکر ہے رب کی بارگاہ میں جانا اسکی اطاعت کرنا بندے کا کام ہے اور پروردگار کا اسے قبول فرمالینا بخش دینا رب کا کام دریا میں جانا اور غوطہ لگانا بندے کا کام ہے مگر اسکو پاک کر دینا دریا کا کام۔ **چھٹا اعتراض:** سارے بندے اللہ کے بندے ہیں اگر وہ بلا قصور سزا دے دے تو بھی ظالم نہیں اور کسی کو نیکی کا ثواب نہ بھی دے تو بھی ظالم نہیں ظالم وہ ہے جو دوسروں کی ملکیت سے ناجائز تصرف کرے پھر قرآن کریم نے اسے ظلم کیوں فرمایا۔ **جواب:** اسکا جواب تفسیر کبیر نے ایک مقام پر یہ دیا ہے کہ یہ عمل صورت میں ظلم ہے **ساتواں اعتراض:** ان یہود نے اپنے کو نیک اور پاکباز کہا اس میں اللہ پر جھوٹ کیا باندھا رب نے اسے خدا پر جھوٹ باندھنا کیوں قرار دیا **جواب:** اسلئے کہ حضور کی بارگاہ میں کھڑے ہو کر جھوٹ بولا اور اس جھوٹ کو اللہ کی کتابوں اور نبیوں کی طرف منسوب کیا مسجد میں جرم کرنا بڑا گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سامان سے صاحب مکان و صاحب دوکان کا پتہ چلتا ہے۔ پنساری کی دوکان والے کا سامان کچھ اور ہوتا ہے اور

www.alahazratnetwork.org

فوٹوگرافی کی دوکان کا سامان کچھ اور یہ دل ایک مکان ہے اگر اس میں شیطان بستا ہے تو اسکا سامان تکبر، شیخی، حسد، ریا وغیرہ ہے اگر اس میں اللہ کے محبوب کا کاشانہ ہے تو انکا سامان آنکھوں کا پانی عجز و نیاز ایمان و تقویٰ و قرب الٰہی ہے علماء یہود مدعی تھے کہ ہمارا دل خانہ یار ہے مگر انکے پاس تکبر و شیخی، تبدیلی دین وغیرہ عیوب کا سامان تھا لہذا بطور تعجب دلانے کے فرمایا گیا الم تر، نیز ہر چیز نرم ہو کر کچھ بنتی ہے لوہا نرم ہو کر لوزار سونا نرم ہو کر زیور بنتا ہے آٹا نرم ہو کر روٹی، بسکٹ رس وغیرہ بنتا ہے۔ زمین نرم کر کے کاشت کی جاتی ہے۔ ٹھنڈا لوہا کوٹنا بیکار ہے یہ علماء یہود نرمی و گرمی سے خالی تھے پھر کہتے تھے کہ ہم سب کچھ بن گئے بغیر عشق کی بھٹی میں گئے ہوئے اور بغیر محنت کے ہتھوڑی کے کیسے بن گئے اسلئے انکے دعوے کی پر زور تردید فرمائی گئی صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ظاہر علم والے اپنے علم پر فخر کرتے ہیں۔ علماء سے جھگڑے عوام سے شیخی ان کا مشغلہ ہے ان کیلئے انکا علم خدا کا عذاب ہو گیا کہ اس علم سے جھگڑا، فخر، غرور، شیخی، حسد، ریا، محبت دنیا اپنے ہم زمانہ پر فوقیت کی خواہش پیدا ہوئی اس آیت کے پہلے جز میں ان علمائے ظاہری کا ذکر ہے مگر علمائے راسخین اور مشائخ محققین وہ مقبول بندے ہیں جو نفسوں کو پاک کیا کرتے ہیں خوش نصیب ہے رب وہ جو اپنے کو اسطرح انکے سپرد کرے جیسے کھال دباغ کے ہاتھ میں اور میت غسال کے ہاتھ میں اسکے متعلق رب فرماتا ہے بل اللہ یزکی من یشاء صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس کو پاک کرنا چاہتا ہے اسے پاکوں تک پہنچا دیتا ہے یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشین ہیں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا۔

در طریقت رہبر دانا گزیں　　زانکہ راہ دور است رہزن در کمین
رہبر باید معنی سربلند!　　از شریعت و ز طریقت بہرہ مند
اصل و فرع جز و کل آموختہ　　شمع از نور نبی افروختہ!
ظاہرش از علم کسبی باخدا　　باطنش میراث دار مصطفیٰ
ہر کہ از دست عنایت برگرفت　　روز اول دامن رہبر گرفت
ہر کہ در زندان خود رائی فتاد　　بند اورا سالہا نتواں کشاد
اے سلیم القلب دشوار است کار　　تانہ پنداری کہ پندار است کار

ہمارا دل میلا آئینہ ہے نیک اعمال صاف رومال نگاہ کامل صاف کرنے والا ہاتھ ایسا تو ہو جاتا ہے کہ کوئی شخص بغیر رومال صرف ہاتھ سے آئینہ صاف کر دے مگر یہ ناممکن ہے کہ رومال بغیر کسی کا ہاتھ لگے آئینے کو صاف کر دے۔ اپنا آئینہ دل ہم خود صاف نہیں کر سکتے اس صفائی میں کسی کی نگاہ کی ضرورت ہے۔ وہ یہودی اپنے قلب کو خود صاف کرنا چاہتے تھے اسلئے مارے گئے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ وہ شخص کنوئیں سے پانی حاصل کر سکتا ہے جو خالی ڈول بھرے کنوئیں میں ڈالے اور کنواں بھی بھرا ایسا ہو کہ اسکا پانی برف ہو کر جم نہ گیا ہو وہ کنواں پانی دے سکتا ہو غرضیکہ پانی لینے کی تین شرطیں ہیں ڈول کا خالی ہونا کنوئیں کا بھرا ہونا کنوئیں کا پانی دے سکنا اسیطرح حضور سے فیض وہ لے گا جو اپنے کو خالی جانے حضور کو خزائن الٰہیہ سے بھرپور جانے اور حضور کو سخی داتا سمجھے کہ وہ دے بھی سکتے ہیں ورنہ جیسا جائیگا ویسا ہی آئیگا۔

www.alahazratnetwork.org

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ

کیا نہ دیکھا تم نے طرف ان لوگوں کے جو دیئے گئے حصہ کتاب سے کہ ایمان لاتے ہیں اوپر بت

کیا تم نے وہ نہ دیکھے جنہیں کتاب کا ایک حصہ ملا ایمان لاتے ہیں بت اور

وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور شیطان کے اور کہتے ہیں ان لوگوں کے متعلق جنہوں نے کفر کیا کہ یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ ہیں ان

شیطان اور کافروں کو کہتے ہیں کہ یہ مسلمانوں سے زیادہ راہ پر ہیں یہ ہیں جن پر

سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۖ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ۝٥٢

لوگوں سے جو ایمان لائے راستہ کے یہی وہ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے اور وہ جو لعنت کرے اس پر اللہ تو ہرگز نہ پاؤ گے تم اس کیلئے مددگار

اللہ نے لعنت کی اور جسے خدا لعنت کرے تو ہرگز اس کا کوئی یار نہ پائے گا۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کو مشرک فرمایا گیا تھا اب اسکا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ تو موقعہ پر بتوں کو سجدے بھی کرلیتے ہیں گویا پہلے دعوٰی تھا اب اسکی دلیل **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک یعنی یہودی اللہ پر بڑے بہتان باندھتے ہیں اب انکے بہتانوں کا ایک نمونہ پیش کیا جارہا ہے کہ یہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں سے بہتر کہتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی شیخی اور تکبر کا ذکر تھا اب انکے نتیجہ کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ اس شیخی ہی کی وجہ سے سرداران مکہ سے ملے اور انکے مقابلے میں غریب مسلمانوں کو گمراہ کہا درخت کا ذکر پہلے تھا پھل کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے اس گناہ کا ذکر تھا جو واقع میں تو گناہ تھا مگر انکے عقیدے سے نیکی اپنے کو بے گناہ سمجھنا اور اولاد نبی ہونے پر نیک اعمال کی ضرورت نہ رہنا اب انکے اس گناہ کا ذکر ہے جو انکے عقیدے میں بھی گناہ ہے یعنی بتوں کو سجدہ کرنا اور مشرکوں کو مسلمانوں سے افضل کہنا۔

شان نزول: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین مکہ سے خطرہ محسوس فرماتے ہوئے یہود مدینہ سے صلح فرمائی تھی اور ان سے معاہدہ کیا کہ ہم پر حملہ ہو جانے کی صورت میں نہ ہماری امداد کرنا نہ حملہ آور مشرکین کو مدد دینا بلکہ نیوٹرل یعنی غیر جانبدار رہنا یہود مدینہ نے حضور سے یہ پختہ عہد کرلیا تھا جنگ احد میں مشرکین مکہ کا بظاہر پلہ بھاری ہو جانے پر یہود مدینہ کے حوصلے بڑھ گئے اور انہوں نے اس معاہدے کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کے خلاف مشرکین مکہ سے سازباز شروع کردی۔ چنانچہ یہود کے دو بڑے عالم کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب اپنے ساتھ ستر یہود مدینہ کو لے کر خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچے اور ابوسفیان کے مہمان ہوئے تاکہ مشرکین مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کیلئے آمادہ کریں اور یہ طے کریں کہ بیرون مدینہ سے مسلمانوں پر تم حملہ کرو اور اندرون مدینہ سے ہم اور مسلمانوں کو ایسے پیس دو جیسے چکی میں دانہ کعب ابن اشرف ابوسفیان کے گھر ٹھہرا اور باقی یہودی دوسرے قریش کے ہاں قریش نے انکی بڑی آؤ بھگت و خاطر تواضع کی جب ان بدنصیب یہودیوں نے قریش کو مسلمانوں پر حملہ کرنے پر آمادہ کیا تو ابوسفیان بولے کہ تم اہل کتاب ہو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صاحب کتاب تم انکے قریب ہو

www.alahazratnetwork.org

اور ہم سے دور رہو ہمیں تمہارا اعتبار نہیں شاید تم ہم کو دھوکہ دینے آئے ہو کہ ہم سے مسلمانوں پر حملہ کراؤ پھر تم مسلمانوں سے مل کر ہم پر ٹوٹ پڑو اگر تمہیں واقعی ہم سے حملہ کرانا ہے تو آؤ ہمارے ان دو بتوں کو سجدہ کرو تاکہ ہمیں تمہارا اعتبار ہو جائے ان دونوں نے دو بتوں کو سجدہ کر لیا پھر کعب ابن اشرف قریش مکہ سے بولا کہ آؤ ہم میں سے تیس آدمی اور تم میں سے تیس آدمی دیوار کعبہ سے لپٹ کر یہ عہد کریں کہ ہم تم دونوں متفقہ طور پر اسلام کو جڑ سے کاٹ کر رکھ دیں چنانچہ فریقین نے اس پر عمل کیا پھر ابو سفیان کعب ابن اشرف سے بولا کہ ہم تو ہیں بے پڑھے اور تو ہے اہل کتاب کا عالم بتا توریت کی رو سے ہم ہدایت پر ہیں یا محمد رسول اللہ اور ان کے ساتھی کعب بولا کہ تم اپنا مذہب مجھ پر پیش کرو۔ ابو سفیان بولے ہم حاجیوں کے خدمتگار انہیں پانی پلانے والے۔ مہمان نواز قیدیوں کو آزاد کرانے والے قرابتداروں کے حقوق ادا کرنے والے بیت اللہ کے پاسبان حرم شریف کے باشندے ہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر گئے حرم شریف کو چھوڑ گئے ہمارا دین پرانا ہے اور انکا دین نیا کعب بولا اللہ کی قسم از روئے توریت۔ بمقابلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تم ہدایت پر ہو اس موقعہ پر ان یہود کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی مکہ معظمہ میں یہ واقعات ہو رہے تھے اور مدینے پاک میں یہ آیت کریمہ پڑھی جا رہی تھی۔

(تفسیر خازن کبیر، معانی، روح البیان و جلالین و صاوی وغیرہ)

تفسیر: **الم ترا الی الذین اوتوا نصیبا من الکتب** یہ استفہام بھی تعجب دلانے کیلئے ہے اور اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے اللہ تعالیٰ اس قسم کے استفہام فرما کر ان کفار کے چھپے عیب ظاہر فرماتا ہے اور ہم مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ ظاہر فرماتا ہے اگر یہ آیت کریمہ نہ اترتی تو حضور ان اہل کتاب کی یہ حرکت جانتے ہوئے بھی ظاہر نہ فرماتے کہ وہ ستار عیوب ہیں مسلمان خیال رکھیں کہ حضور پر ہمارے ہر ظاہر و پوشیدہ راز ظاہر ہیں۔ الذین سے وہی یہود مراد ہیں جو مکہ معظمہ اس حرکت کیلئے گئے تھے چونکہ یہ علمائے یہود تھے توریت کے جاننے والے تھے اسلئے انکے متعلق فرمایا گیا کتاب سے مراد توریت شریف ہے نصیب سے مراد یا توریت کا اصلی حصہ ہے جو تحریف سے بچا ہوا تھا یا اسکا ظاہری علم ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان علمائے یہود کو نہ دیکھا جنہیں اللہ کی طرف سے کتاب کا حصہ یا کتاب کا علم ملا مگر اسکے باوجود یؤمنون بالجبت والطاغوت یؤمنون ایمان سے بنا ایمان کے شرعی معنی ہیں توحید و رسالت کو ماننا و قبول کرنا یعنی لغوی ہیں ماننا یہاں ایمان لغوی معنی میں ہے یعنی بمعنی ماننا اور تصدیق کرنا یہاں مراد ہے سجدہ کرنا یا عبادت کرنا کیونکہ یہ دونوں چیزیں مان لینے اور تصدیق کر لینے کی علامتیں ہیں۔ علامات کفار مسلمانوں کیلئے حرام ہیں جیسے داڑھی منڈانا دھوتی ٹوپی ہندوؤں کی سی رکھنا اور علامات کفر مسلمانوں کیلئے کفر ہیں۔ جیسے ہندوانی چوٹی زنار اور بت کو سجدہ وغیرہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جبت میں کوئی تصرف نہیں کیا گیا یہ پہلے ہی سے جبت تھا بعض فرماتے ہیں کہ یہ اصل میں جبس تھا۔ س ت ہو گئی۔ جبت ہو گیا اسکے معنی ہیں خبیث۔ رذیل جسمیں کوئی خیر نہ ہو شرارت ہی شرارت ہو طاغوت کی تحقیق تیسرے پارے میں آیۃ الکرسی کے بعد اولیاءھم الطاغوت کی تفسیر میں کر دی گئی ہے کہ یہ طغی بمعنی سرکشی کا مبالغہ ہے یعنی بہت سرکش اور گمراہ کرنے والے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں جبت اور طاغوت سے کون مراد ہیں بعض نے فرمایا کہ مشرکین کے جھوٹے معبود جبت ہیں اور شیطان طاغوت۔ عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت یہ ہے کہ بت جبت ہیں اور بتوں کی تعریف کرنے والے

www.alahazratnetwork.org

طاغوت انہیں ابن عباس سے دوسری روایت یہ ہے کہ جبت کاہن ہے اور طاغوت جادوگر۔ امام کلبی کہتے ہیں کہ یہاں جبت سے مراد حیی ابن اخطب ہے اور طاغوت کعب ابن اشرف کیونکہ یہ دونوں اپنی قوم کے گویا معبود بنے ہوئے تھے انہیں گمراہ کر رہے تھے بعض نے فرمایا کہ جبت و طاغوت یہ وہی دو بت تھے جنہیں ان دو یہودیوں نے سجدے کئے۔ بعض نے فرمایا کہ جبت بت ہے اور اس بت کا شیطان طاغوت کیونکہ ہر بت کے پاس ایک شیطان رہتا ہے (تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی و بیان وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہ دو لفظ اس کیلئے وضع کئے گئے ہیں جو انتہا درجے کا شریر اور فسادی ہو یعنی یہ بدنصیب اہل کتاب بلکہ علمائے اہل الکتاب ہونے کے باوجود بتوں کو سجدے کر لیتے ہیں محض مسلمانوں کی عداوت میں **ویقولون للذین کفروا** یہ جملہ یؤمنون پر معطوف ہے اس میں ان یہودیوں کا دوسرا عیب بیان کیا گیا ہے اسکا فاعل بھی وہی مکہ جانے والے یہودی ہیں للذین کا لام صلہ کا ہے اور کفروا سے مراد کفار قریش ہیں یعنی کفار قریش سے یہ کہتے ہیں **ھٰؤلاء اھدی من الذین اٰمنوا سبیلا** یہ عبارت یقولون کا مفعول ہے ھٰؤلاء سے اشارہ کفار مکہ کی طرف ہے اھدیٰ ہدایت کا اسم تفضیل ہے الذین اٰمنوا سے مراد مسلمانان مدینہ ہیں۔ **سبیلا** "**اھدی**" کی تمیز ہے یعنی یہ کفار مکہ بمقابلے مسلمانوں کے راہ حق کی زیادہ ہدایت یافتہ ہیں مسلمان ان سے زیادہ گمراہ ہیں **اولٰئک الذین لعنھم اللہ** یہ اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام شریف ہے **اولٰئک** سے اشارہ ان ہی یہود کی طرف ہے۔ جنکے عیوب ابھی بیان ہو چکے۔ یعنی کعب ابن اشرف اور اسکے ساتھی۔ لعنت کا معنی رحمت سے دور کرنا ہے یہاں خصوصی لعنت مراد ہے کیونکہ اللہ کی عمومی لعنت تو سارے ہی کفار پر ہے۔ خصوصی لعنت یہ ہے کہ آئندہ انہیں نیک اعمال اصلاح نفس کی توفیق نہ ملے۔ چنانچہ کعب ابن اشرف وغیرہم کفر پر مرے اور بڑی ذلت و خواری سے ہلاک کئے گئے اور اب تک ان پر پھٹکار ہو رہی ہے یعنی یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے خاص پھٹکار کی ہے کہ اب یہ کبھی ایمان لا سکتے ہی نہیں اور اس لعنت کی وجہ سے یہ لوگ وہ حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جو انکے دین میں بھی شرک و کفر ہے۔ خیال رہے کہ یہ لوگ اگرچہ اولاد انبیاء اہل علم اور مدینہ کے باشندے تھے مگر بغض رسول اور بغض صحابہ کی وجہ سے پھٹکارے گئے انکی پیغمبر زادگی ان کے کچھ کام نہ آئی اس میں تاقیامت اہل کمال کیلئے عبرت ہے **ومن یلعن اللہ فلن تجدلہ نصیرا** یہ قاعدہ کلیہ ہے یہاں بھی لعنت سے مراد خصوصی لعنت ہے لن تجد میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے نصیرا سے مراد اللہ کے وہ مقبول بندے ہیں جو دنیا اور آخرت میں روحانی امداد کریں کہ دنیا میں مشکل کشائی کرکے راہ راست پر لگائیں اور آخرت میں شفاعت کرکے رب سے بخشوا دیں انکا وجود لوگوں کیلئے خاص رحمت ہے یعنی جس پر اللہ کی ایسی پھٹکار ہو اس کیلئے آپ کوئی مددگار یعنی رہبر و شفیع دنیا و آخرت میں نہ پائیں گے وہ بے نور اسے بے پیر اسے یار و مددگار ہلاک ہی ہوگا اور ہو سکتا ہے کہ اس نصیر سے مراد دنیاوی و ظاہری مددگار ہی ہوں تب مطلب یہ ہوگا کہ جس پر خدا پھٹکار کر دے کوئی شخص خدا کے مقابل ہو کر اسکی مدد نہیں کر سکتا۔ چنانچہ دیکھ لو کہ ان یہود مدینہ کی مدد مشرکین مکہ اور سارے کفار عرب نہ کر سکے غزوہ احزاب میں سب ہی کفار خائب و خاسر ہو گئے۔

خلاصۂ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان بدنصیبوں کو نہ دیکھا جنہیں کتاب الٰہی کا حصہ دیا گیا کہ وہ کتاب کے جاننے والے اور اس سے واقف تھے اسکے باوجود وہ بتوں اور شیطانوں پر ایمان لے آتے ہیں کہ انہیں سجدے کر لیتے ہیں محض مشرکین کو راضی کرنے کیلئے خوشامدانہ طور پر کہتے ہیں کہ یہ مشرک مسلمانوں سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں اور

www.alahazratnetwork.org

مسلمان ان سے زیادہ گمراہ ہیں حالانکہ یہ چیزیں انکے عقائد اور کتاب اللہ کی تعلیم کے خلاف ہیں جنہیں وہ خود بھی جانتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ کی پھٹکار ہے اور جن پر اللہ کی پھٹکار ہو انکا کوئی مددگار نہیں انہیں ایمان ملے تو کیسے اور ہدایت ملے تو کیسے وہ جو کچھ کر بیٹھیں وہ تھوڑا ہے۔ **نوٹ ضروری۔** یہود مدینہ کی اس بدعہدی اور قریش مکہ کے ساتھ سازباز کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار عرب نے بہت بڑی طاقت کے ساتھ مدینے پاک پر چڑھائی کی تیاری کر دی اور ادھر یہود مدینہ نے ان کفار کی حمایت اور مسلمانوں کو تباہ کرنے کی تمام تدبیریں سوچ لیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حالات سخت نازک دیکھ کر سلمان فارسی کے مشورے سے مدینہ کے آس پاس خندق کھدوائی تاکہ کفار مدینہ میں داخل نہ ہو سکیں۔ مردوں کو خندق کے دروازے پر متعین کیا عورتوں کے اندرون مدینہ کی حفاظت پر مقرر فرمایا کفار عرب نے بہت روز تک مدینہ پاک کا محاصرہ رکھا آخر کار رب نے ایک تیز اور سرد ہوا بھیجی جس سے فوج کفار تتر بتر ہو گئی اور مسلمان محفوظ رہے یہ واقعہ 5ھ میں ہوا اس کے بعد مدینہ پاک یہود سے خالی کرالیا گیا اسطرح کہ ان میں بنی قریظہ قتل کر دیئے گئے اور بنی نضیر جلاوطن کر دیئے گئے۔ جسکا پورا واقعہ سورۂ احزاب میں مذکور ہے بعض مورخین نے فرمایا کہ یہ واقعہ 4ھ میں ہوا (از مدارج النبوۃ)

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** کفار کے وعدوں' معاہدوں بلکہ انکی قسموں کا بھی اعتبار نہیں مسلمانوں کو ان پر کبھی اعتبار نہیں کرنا چاہئے ورنہ دھوکا کھائیں گے دیکھو یہود نے حضور سے معاہدہ کر کے بے وفائی کی اس کا تجربہ آج تک ہو رہا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انھم لا ایمان لھم** **دوسرا فائدہ:** اسلام کے مقابلے میں سارے کفار ایک ہیں اگرچہ انکا آپس میں کتناہی اختلاف ہو **الکفر ملتہ واحدۃ** ۔ دیکھو یہود اہل کتاب تھے اور مشرکین مکہ بت پرست مسلمان ان سے بہت قریب تھے مگر پھر بھی یہ یہودی مشرکین سے ملے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کی عداوت انسان کو کفر اور بے ایمانی کے گہرے غار میں گرا دیتی ہے۔ دیکھو یہود مدینہ حضور کی عداوت میں بت پرستی کر بیٹھے ایسے ہی ان مقبولوں کی محبت انسان کو اعلیٰ درجے پر پہنچا دیتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام کو ہدایت یافتہ نہ ماننے والا کافر و لعنتی ہے دیکھو ان یہود نے کفار مکہ کو حضرات صحابہ سے زیادہ ہدایت پر مانا انہیں رب تعالیٰ نے لعنتی قرار دیا وہ حضرات تو ہدایت کا معیار ہیں جو انکی پیروی کرے وہ ہدایت پالیتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا** **پانچواں فائدہ:** جبت اور طاغوت شیطان یا بت میں انبیاء کرام کو طاغوت یا جبت کہنا بے ایمانی ہے جیسا کہ کتاب بلغتہ الحیران میں انبیاء کرام کو طاغوت میں داخل مانا کیونکہ یہاں جبت و طاغوت پر ایمان لانے کو کفر شرک اور لعنت قرار دیا اور نبی پر ایمان لانے کا حکم دیا فرمایا **امنو باللہ ورسولہ** مسلمانوں کا بچہ بچہ پڑھتا ہے **امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ** نیز طاغوت وہ ہے جو لوگوں کو گمراہ کرے اور انبیاء کرام و اولیاء اللہ ہدایت دیتے ہیں رب فرماتا ہے **وانک لتھدی الی صراط مستقیم** **چھٹا فائدہ:** ایمان کے بغیر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر کعبے میں رہنا۔ حاجیوں کی خدمت کرنا زمزم پینا سب کچھ بے کار ہے ان میں سے کوئی شے ہدایت نہیں بلکہ پھر یہ سب چیزیں کفر میں ہی داخل ہوتی ہیں۔ دیکھو یہود نے مشرکین مکہ کو ان اعمال کی بنا پر ہدایت یافتہ کہا تو رب نے انہیں لعنتی قرار دیا۔ اصل اصول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ہے۔ کوئی شخص اگرچہ جسمانی طور

www.alahazratnetwork.org

پر کعبہ سے دور ہو مگر حضور سے قریب ہو وہ اللہ سے قریب ہے اور جو حضور سے دور ہو کر کعبہ میں رہے وہ مردود ہے بعد ہجرت مسلمانوں کو بلاعذر مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا اسلئے نہیں کہ وہاں عبادات کی آزادی نہ تھی یہ مجبوری و معذوری تو مسلمانوں کو حضور کی ہجرت سے پہلے بھی تھی بلکہ اسلئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے عارضی طور پر علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ ساتواں فائدہ: جو کافروں کو ہدایت پر کہے وہ لعنتی ہے دیکھو رب نے ان یہود کو اس وجہ سے لعنتی فرمایا کہ انہوں نے کفار کو ہدایت پر مانا کفر کی حمایت بھی کفر ہے چور کو پناہ دینا جرم ہے۔ آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کیلئے بہت سے مددگار فرما دیئے ہیں۔ حضرات انبیاء اولیاء چھوٹے بچے باذن الٰہی مومنوں کے مددگار ہیں اور قبر و حشر میں ہوں گے رب فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے کہ ہم سے یوں دعا مانگا کرو **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** الٰہی ہمارے لئے ولی اور مددگار مقرر فرما دے ہاں جس پر خدا لعنت کر دے اسکا ولی وارث اور مددگار کوئی نہیں جیساکہ **ومن یلعن** سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ اپنے لعنتی ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ نواں فائدہ: علم کتاب اور ہے عمل بالکتاب کچھ اور نور کتاب کچھ اور ہدایت پر وہ ہو گا جسے نور کتاب ملے نور کے بغیر محض علم کتاب بیکار ہے دیکھو ان یہودیوں کو کتاب کا حصہ یعنی علم کتاب ملا مگر رہے بے ایمان جیساکہ یؤمنون بالجبت سے معلوم ہوا علم کتاب کاغذ سے ملتا ہے اور نور کتاب نظر مقبولین سے۔ دسواں فائدہ: گمراہ اور بے دین عالم انسانی شکل میں شیطان ہے اس سے گمراہی ملے گی ہدایت نہیں ملتی جیساکہ جبت اور طاغوت کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جبت سے مراد حیی ابن اخطب اور طاغوت سے مراد کعب ابن اشرف ہے جنہیں یہودی اپنا عالم اور پیشوا مانتے تھے اللہ تعالیٰ عالم دین بنائے عالم بے دین نہ بنائے۔

پہلا اعتراض: یہاں ان علمائے یہود کے بارے میں فرمایا گیا کہ انہیں کتاب کا حصہ دیا گیا انہیں تو پوری کتاب توریت دی گئی تھی اسلئے انہیں اہل کتاب کہتے تھے پھر اس آیت کے کیا معنی۔ جواب: اسکا جواب ابھی فائدوں کے ضمن میں دے دیا گیا کہ انہیں توریت کا علم ملا نور نہ ملا جو مدار ایمان تھا یا یہ مطلب ہے کہ انکے پاس پوری کتاب اصلی نہیں بعض اصلی ہے اور بعض بناوٹی۔ دوسرا اعتراض: یہ یہودی بتوں پر ایمان تو نہیں لائے تھے صرف تقیہ کے طور پر انہیں سجدہ کر لیا تھا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ وہ جبت و طاغوت پر ایمان لاتے ہیں۔ جواب: بعض اعمال عقائد کی علامت ہیں ان اعمال کو شریعت میں کفر کہہ دیا جاتا ہے بتوں کو سجدہ کرنا کفر کی علامت ہے لہٰذا یہ ایمان بالطاغوت ہے اس آیت میں تشریعی احکام کا ذکر ہے یہاں ایمان لغوی معنی میں ہے یعنی مان لینا۔ تیسرا اعتراض: قرآن کریم سے ثابت ہے کہ اگر دل میں ایمان ہو اور زبان سے کفر کا اظہار کر دیا جائے تو اس سے ایمان میں خلل نہیں آتا یہاں انکے اس عمل کو ایمان بالطاغوت کیوں مان لیا گیا۔ جواب: وہ حکم سخت مجبور کیلئے ہے جو جان بچانے کیلئے منہ سے کفر بول دے رب فرماتا ہے **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان**۔ ان علمائے یہود کو کون سی مجبوری تھی جس بنا پر انہوں نے یہ حرکتیں کیں مجبوراً مردار کھانے والا گنہگار نہیں بلا ضرورت کھانے والا مجرم ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ لعنتی شخص کا مددگار کوئی نہیں ہوتا حالانکہ انکے مددگار تو بہت ہوتے ہیں دیکھو ان یہود کے مشرکین مکہ بن گئے تھے رب فرماتا ہے **والذین کفروا اولیٰھم الطاغوت** کافروں کے مددگار شیطین ہیں اور فرماتا ہے **بعضہم اولیاء بعض**۔ بعض کفار بعض کے مددگار ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ جواب: ہرگز تعارض نہیں ان آیات

www.alahazratnetwork.org

میں ظاہری دنیاوی جسمانی مدد مراد ہے اور یہاں اس آیت میں روحانی امداد مراد جو دنیا میں ایمان کا ذریعہ بنے اور آخرت میں نجات کا وسیلہ اس ظاہری امداد کا وہاں ثبوت ہے۔ یہاں باطنی امداد کی نفی کتاب الٰہی سمجھنے کیلئے نور الٰہی کی ضرورت ہے۔

پانچواں اعتراض: کفار مکہ نے یہود مدینہ کے سامنے اپنے جو فضائل بیان کئے وہ حق تھے واقعی وہ لوگ اس وقت کعبہ کے محافظ حجاج کے مددگار حرم شریف کے باشندے اور ہر سال حج و عمرہ کرنے والے تھے اس وقت ان نعمتوں سے مدینہ کے مسلمان محروم تھے۔ جب یہود مدینہ نے انہیں ان وجوہ سے ہدایت یافتہ کہہ دیا تو رب تعالیٰ نے ان یہود پر غضب کیوں فرمایا سچی بات پر غضب نہ چاہئے۔ **جواب:** اسلئے کہ انہوں نے ان چیزوں کو باعث ہدایت سمجھا یہ محض باطل تھا کعبہ میں رہنا حج و عمرہ کرنا حجاج کی خدمت اس وقت مفید ہے جب دل میں ایمان ہو جب دل حضور کی الفت سے خالی ہو تو کوئی عبادت کرو کہیں رہو سب بیکار ہے۔ جناب بعد ہجرت فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمانوں کو رہنا حرام ہو گیا تھا۔ جہاں دولہا نہ ہو وہاں برات نہیں سجتی۔ جب حضرت عثمان غنی صلح حدیبیہ کے موقعہ پر حضور کی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے مکہ معظمہ گئے تو کفار مکہ نے کہا آپ عمرہ کر لیں حضرت عثمان نے انکار کر دیا فرمایا حضور کے بغیر عمرہ کیسا اور زمزم پینا کیسا ان مسلمانوں کا کعبہ سے دور رہ کر نبی کے حضور میں رہنا ان لوگوں کے کعبہ میں رہنے سے افضل تھا۔ رب فرماتا ہے **اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام کمن امن باللہ الخ**

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان کی جان ہیں اور بقیہ ارکان ایمان ایمان کا ڈھانچہ ہیں۔ جان کے بغیر ڈھانچہ بے کار ہے حضور کی غلامی کے بغیر سارے ایمانیات بے کار ہیں دیکھو علمائے یہود کے پاس کتاب کا علم بھی تھا وہ پیغمبر زادے بھی تھے اور کفار مکہ معظمہ میں رہتے تھے انہیں کعبے کا قرب حاصل تھا حاجیوں کی خدمت مہمان نوازی سب کچھ کرتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام سے تھے مگر یہود کے وہ علوم اور انکے اعمال بے کار بلکہ نقصان دہ ثابت ہوئے جس پر انکو لعنت کا تمغہ ملا اکثر صحابہ کرام بہت سی ٹیپ ٹاپ سے خالی تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر تھے تو ملائکہ سے افضل ہو گئے یہ لوگ کعبہ اجسام سے دور تھے مگر کعبہ ایمان کے ساتھ تھے دیکھ لو انہیں کیسے رنگ لگے اللہ تعالیٰ کسی کو ان سے جدا نہ کرے آج بھی بعض لوگوں کو اپنے علم پر ناز اور اپنے اعمال پر فخر ہوتا ہے اس گھمنڈ میں وہ آستانہ نبوی سے نکالے جاتے ہیں ہم گنہگاروں کو صرف اس پر ناز ہے کہ حضور کی امت ہیں ہمارے پاس کوئی کمال نہیں۔ مسلمان خیال رکھیں کہ اس عالم و پیر سے دور بھاگیں جو حضور سے دور ہو اس عالم اور شیخ کی صحبت اختیار کریں جس کے سینے میں حضور کا نور ہو یہ آیت کریمہ ہم سب کیلئے بڑی عبرت ناک ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لعنت اللہ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ سے دوری مگر بندہ مکانی و زمانی ہے حق تعالیٰ مکان و زمان سے پاک بے مکانی کی لامکان والے سے دوری و قرب کی صورت یہ ہے کہ کسی مکانی کو اپنا تجلی گاہ بنا دیا جائے اس تجلی گاہ سے قرب رب تعالیٰ کی حضوری ہو اس سے دوری رب سے دوری۔ جیسے کہ ہم مکانیوں کو حکم ہے کہ لامکانی کو سجدہ کرو سجدہ کے معنی ہیں کسی کے آگے سر ٹیکنا اب مکانی لامکانی کے آگے کیسے پہنچے تو کعبہ معظمہ کو رب نے اپنا تجلی گاہ بنا دیا کہ اس کے سامنے سجدہ رب کو سجدہ ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خاص غلام اولیاء اللہ تجلی گاہ الٰہی ہیں ان سے قرب رب سے قرب ہے ان سے دوری رب سے دوری دیکھو یہ یہود مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرنے مکہ معظمہ گئے تھے نہ کہ رب تعالیٰ کے

www.alahazratnetwork.org

خلاف تو رب تعالیٰ نے اس سازش کو اپنے سے دوری قرار دیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیاء
چو شدی دور از حضور اولیاء — ہمچناں واں دور گشتی از خدا

اَمۡ لَهُمۡ نَصِيۡبٌ مِّنَ الۡمُلۡكِ فَاِذًا لَّا يُؤۡتُوۡنَ النَّاسَ نَقِيۡرًا ﴿۵۳﴾ اَمۡ يَحۡسُدُوۡنَ

کیا واسطے ان کے کچھ حصہ ہے ملک سے کر پھر لوگوں کو گٹھلی کے دانہ برابر نہ دیں یا حسد کرتے ہیں

کیا ملک میں ان کا کچھ حصہ ہے ایسا ہو تو لوگوں کو تل بھر نہ دیں۔ حسد کرتے ہیں

النَّاسَ عَلٰى مَاۤ اٰتٰٮهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ۚ فَقَدۡ اٰتَيۡنَاۤ اٰلَ اِبۡرٰهِيۡمَ الۡـكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ

لوگوں سے اوپر اس کے جو دیا انہیں اللہ نے اپنے فضل سے پس بے شک عطا فرمائی ہم نے اولاد ابراہیم

اس پر جو اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا تو ہم نے تو ابراہیم کی اولاد کو کتاب اور حکمت

وَاٰتَيۡنٰهُمۡ مُّلۡكًا عَظِيۡمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنۡهُمۡ مَّنۡ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ صَدَّ عَنۡهُ‌ؕ وَكَفٰى

کو کتاب اور حکمت اور بخشا ہم نے ان کو بڑا ملک۔ پس بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اس پر اور بعض ان میں سے

عطا فرمائی اور انہیں بڑا ملک دیا۔ تو ان میں کوئی اس پر ایمان لایا اور کسی نے اس سے منہ پھیرا

بِجَهَنَّمَ سَعِيۡرًا ﴿۵۵﴾

وہ ہیں جس نے منہ پھیرا اور کافی ہے دوزخ بھڑک والا

اور دوزخ کافی ہے بھڑکتی۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے علمائے یہود کی جہالت کا ذکر فرمایا تھا کہ یہ مسلمانوں کے مقابل مشرکین کو زیادہ ہدایت یافتہ کہتے ہیں اب اس آیت میں انکے بخل و حسد کا ذکر ہے چونکہ علم عمل سے افضل ہے اور بے علمی بد عملی سے بدتر اسلئے پہلے انکی جہالت کا ذکر ہوا پھر بخل اور حسد کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہ پوپ پادری اللہ کی پھٹکار میں ہیں اب اس پھٹکار کے نتیجوں کا ذکر ہے کہ اسکی وجہ سے ان میں ایسے عیوب پیدا ہو گئے جس سے جانور بھی پناہ مانگتے ہیں۔ بخل وغیرہ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لعنتی آدمی کا مددگار کوئی نہیں اب اسکا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ لوگ اولاد انبیاء ہیں مگر لعنتی ہونے کی وجہ سے انکے فیضان سے محروم ہیں اگر انکے دلوں میں نبوت کا فیضان آتا تو ان میں حسد و بخل نہ ہوتا۔

شان نزول: یہود مدینہ کبھی کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کی میراث ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس خاندان سے نہیں ہیں تو نبی کیسے ہوئے کبھی کہتے تھے کہ نبوت و سلطنت جمع نہیں ہو سکتی آپ نبی اور بادشاہ کیسے بن گئے کبھی کہتے تھے اگر حضور سچے نبی ہوتے تو آپ نو بیویاں کیوں رکھتے۔ نبی کو اتنی بیویوں کی کیا ضرورت ان سب اعتراضوں کے جواب میں یہ آیات کریمہ اتریں

www.alahazratnetwork.org

(از تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی) خیال رہے کہ کفار عموماً مسلمانوں کو بہکانے کیلئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو عیب لگاتے ہیں کہ جب دل سے نبی کی عظمت نکل جائے تو نہ قرآن مجید کی عظمت رہ سکتی ہے نہ اسلام کی نہ خدا تعالیٰ کا وقار دل میں جاگزیں ہو سکتا ہے دلوں میں ان تمام کی عظمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت سے قائم ہیں اسلئے وہ مسلمانوں کو حضور کے متعلق ایسی باتیں سمجھاتے تھے۔ قرآن مجید نے جگہ جگہ حضرات انبیاء کرام کے واقعات میں انکے ماننے والوں کے درجات انکے منکروں کے عذابوں کا ذکر فرمایا تاکہ لوگوں کے دلوں میں ان حضرات کی ہیبت قائم ہو انکی ہیبت سے اسلام کا وقار ہے۔

تفسیر: **ام لهم نصيب من الملك** یہاں ام یا بمعنی ہمزہ استفہام ہے کیونکہ جب ام سے پہلے حرف استفہام نہ گزر چکا ہو تو یہ خود حرف استفہام ہوتا ہے یعنی ہمزہ استفہامیہ اور م زائدہ یا صلہ کا یا ام متصلہ ہے اس صورت میں اس سے پہلے ایک ہمزہ استفہامیہ مع ایک جملہ کے پوشیدہ ہو گا یعنی اے محبوب آپ ان مردودوں کے اس بکواس سے تعجب کرتے ہیں کہ مشرکین مومنین سے افضل ہیں یا انکے اس خیال سے تعجب کرتے ہیں کہ ملک الٰہی میں انکا حصہ ہے اس صورت میں پہلے استفہام کی طرح یہ استفہام بھی تعجب کا ہے۔ ام یا منقطعہ ہے بمعنی بل اس صورت میں اسکے بعد ہمزہ پوشیدہ ہے یعنی بلکہ کیا انکا حصہ ہے ملک میں۔ لہم کی ضمیر انہیں مذکورین علماء یہود کی طرف لوٹتی ہے جنکا ذکر پہلے ہوا۔ نصیب سے مراد رب تعالیٰ کی برابری و شرکت کی ملکیت ہے کہ رب ان سے بغیر پوچھے کسی کو کچھ دے سکے ہی نہیں ماں کے مال میں اولاد کا حصہ رشتہ دار کے مال میں رشتہ دار کا حصہ ہوتا ہے۔ شرکت کے مال میں شریکوں کا حصہ ہوتا ہے اللہ کے ملک اسکی عطا سے اسکے خاص بندوں کا حصہ و ملکیت ہے مگر پہلی قسم کی ملکیت کہ وہ چیزیں اللہ کی ہیں یہ بندے اللہ کے ہیں اللہ کے فضل سے ان چیزوں میں انکا حق و حصہ ہوتا ہے باقی قسم کے حصے کسی کے نہیں وہ مالک الملک حقیقی ہے ملک سے مراد یا تو یہ ہی ظاہری ملک و بادشاہت ہے یہود کا عقیدہ تھا کہ آخر زمانہ میں دنیا میں بادشاہت ہماری ہی ہو گی ہم میں ایک ایسا مجدد پیدا ہو گا جو تمام جہان فتح کرلے گا یا مراد نبوت ہے کیونکہ نبی باطنی ملک کے مالک ہوتے ہیں یہود کا خیال تھا کہ نبوت صرف بنی اسرائیل میں ہونی چاہئے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل سے ہیں اسلئے وہ نبی نہیں ہو سکتے اس آیت میں انکے ان خیالات کی تردید ہے یعنی اے محبوب کیا وہ اس خیال میں ہیں کہ سلطنت میں یا نبوت میں ان ہی کا حصہ ہے کسی اور قوم کا حصہ نہیں۔ **فاذا لا يؤتون الناس نقيرا** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یؤتون کا فاعل یہ ہی یہود ہیں اور ناس سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ آپ تمام انسانوں کے صفات حمیدہ سے موصوف ہیں اسلئے گویا آپ جماعت انسان ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

وليس على الله بمستنكر ان يجمع العالم في واحد

جیسے تخم میں سارا درخت مجملاً ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا عالم ہے انا نور من نور الله وكل الخلق من نوري۔ یعنی رب کی قدرت سے یہ دور نہیں کہ ایک شخص میں سارا عالم جمع کر دے رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **ان ابرهيم كان امة** وہ اکیلے ایک امت و جماعت تھے نقیر نقر سے بنا بمعنی کریدنا اسلئے جانور کی چونچ کو منقار کہتے ہیں کہ وہ چونچ سے مٹی وغیرہ کریدتا ہے چکی راہنے کے آلے کو بھی منقار کہا جاتا ہے اب اصطلاح میں کھجور کی گٹھلی کے بیچ میں ننھے سے گڑھے کو کہتے ہیں جو اسکی پشت پر تل کے برابر ہوتا ہے اب حقیر و معمولی چیز کو نقیر کہہ

www.alahazratnetwork.org

دیتے ہیں یعنی اگر یہ لوگ اللہ کے ملک کے مالک ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور کے صحابہ یا کسی اور کو کھجور کے دانہ کے تل بھر یا غار کی برابر کچھ نہ دیتے خلاصہ یہ ہے کہ یہ سخت بخیل و کنجوس ہیں اور سلطنت بخیل کو نہیں دی جاتی۔ سلطان سخی دریا دل چاہئے نبوت تو سلطنت سے کہیں اعلیٰ ہے نبی تو بہت ہی سخی چاہئے ایسے کنجوس نبوت و سلطنت کے اہل نہیں۔ **ام يحسدون الناس على ما اتهم الله من فضله** یہ ام منقطعہ ہے بمعنی بل اور اس جملہ میں ان یہود کے بخل کے بعد انکے حسد کا ذکر ہے۔ حسد کے معنی ہیں جلنا اور کسی کی نعمت کا زوال چاہنا بخیل نہیں چاہتا کہ میں کسی کو اپنی نعمت دوں اور حاسد نہیں چاہتا کہ خدا تعالیٰ کسی کو اپنی نعمت دے اس مناسبت سے بخل کے بعد حسد کا ذکر فرمایا یحسدون کا فاعل وہی مذکورہ یہود ہیں اور ناس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تمام لوگوں کے پیشوا یا ناس سے مراد صحابہ کرام ہیں یا تمام عرب یا تمام انسان پہلے معنی قوی ہیں۔ حضرت عکرمہ' ابن عباس' مجاہد' ضحاک' ابومالک' عطیہ جیسے مفسرین کا یہی قول ہے کہ ناس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ما سے مراد یا نبوت ہے یا سلطنت یا نو بیویوں سے نکاح کی اجازت یا قرآن کا زبان عربی میں آنا یا اہل عرب خصوصاً اہل مدینہ کا آپس میں متفق و متحد ہو جانا (کبیر و معانی وغیرہ) فضل کے تین ہیں مہربانی' زیادتی' بھلائی خیر یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں اور ہر معنی پر اس میں عجیب لطف ہوگا اگر بمعنی مہربانی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں پر یہ لوگ حسد کرتے ہیں جو کسی کی عطا سے یا کسب سے نہیں محض میری مہربانی سے محبوب کو ملیں اور جو چیز صرف میری مہربانی سے ہے وہ کسی کے چھینے چھن نہیں سکتی جیسے سورج کی روشنی تو انکا حسد بیکار ہے اگر بمعنی زیادتی ہو تو مطلب ہوگا کہ یہ لوگ محبوب کی ان صفات پر حسد کرتے ہیں جو رب نے انہیں تمام سے حتی کہ انبیاء کرام سے زیادہ بخشیں۔ جیسے معراج' ختم نبوت' شفاعت' ذکر کثیر و محبوبیت وغیرہ اور اگر بمعنی بچی ہوئی نعمت ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ ان نعمتوں پر حسد کرتے ہیں۔ جو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کیلئے بچا کر رکھی تھیں کسی نبی کو نہ دی تھیں بلاواسطہ کلام کلیم سے فرمایا۔ مگر اپنا دیدار بے حجابانہ محبوب کو کرایا حضرت آدم کو مسجود ملائکہ بنایا مگر رود اپنے محبوب کیلئے خاص فرمایا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام حرکتوں کی وجہ یہ ہے کہ یہود آپ کی نبوت' سلطنت' اختیارات وغیرہ پر جلتے حسد کرتے ہیں **فقد اتينا ال ابرهيم الكتب والحكمة** ظاہر یہ ہے کہ یہاں ف تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ کی علت ہے یعنی ان یہود کے آپ پر اعتراضات کہ آپ نبی و سلطان کیسے ہوگئے یا آپکے پاس نو بیویاں کیوں ہیں محض غلط و بے بنیاد ہیں کیونکہ آپ سے پہلے بھی انبیاء کرام کو یہ نعمتیں دی گئی ہیں۔ آل ابراہیم سے مراد حضرت یوسف و سلیمان علیہم السلام ہیں کہ وہ حضرات نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی اور بہت بیویاں بھی انکے نکاح میں تھیں حتی کہ حضرت داؤد کی ننانوے بیویاں تھیں اور حضرت سلیمان کی ایک ہزار۔ تین سو نو آزاد بیویاں تھیں اور سات سو لونڈیاں تھیں حضور کی تو صرف نو ہی بیویاں ہیں (خازن) کتاب سے مراد ظاہر شریعت ہے حکمت سے مراد اسرار حقیقت اور ملک عظیم میں قدرت کا ظہور ہے۔ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں بعض نبی ایسے بھیجے جنکے پاس کتاب یعنی شریعت بھی تھی اور حکمت یعنی علم اسرار بھی تھا انکے باوجود **اتينهم ملكا عظيما** چونکہ نبوت کے ساتھ سلطنت عطا ہونا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے اسلئے اس نعمت کے واسطے علیحدہ اتینا فرمایا گیا ملک عظیم سے مراد عظیم الشان سلطنت ہے کہ یوسف علیہ السلام کو تمام جہان کی روزی کا مالک فرما دیا اور سب کا روزی رساں انہیں بنا دیا کہ زمانہ قحط میں آپ ہی سے روزی لیتے رہے اور حضرت داؤد علیہ السلام کیلئے تانبہ' پیتل' لوہے کو نرم فرما دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کو انس و جن بلکہ ہوا کا بادشاہ کر دیا کہ ہوا انکے حکم سے چلتی

www.alahazratnetwork.org

بھی رب فرماتا ہے **فسخرنا له الريح تجری بامره** یعنی ہم نے بعض آل ابراہیم کو نبوت کے ساتھ عظیم بادشاہت بھی بخشی جب انکی سلطنت نبوت کے خلاف نہ ہوئی تو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت آپ کی نبوت کے منافی کیسے ہو سکتی ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان حاسدین کی پرواہ نہ کریں ان حضرات پر بھی بہت حسد کیے گئے مگر انہوں نے نہایت شاندار طریقہ سے نبوت و سلطنت کی آپ کے یہ حاسدین جل کر مرتے رہیں گے آپ کا سورج چمکتا رہے گا۔

رہے گا یونہی انکا چرچا رہے گا پڑے خاک ہوجائیں جل جانیوالے

فمنهم من امن به ومنهم من صد عنه منھم سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے یہود ہیں اس صورت میں بہ کی ضمیر حضور کی طرف ہے یوں ہی دوسرے منھم سے یہی یہودی مراد ہیں اور عنہ کی ضمیر کا مرجع حضور ہیں تو معنی یہ ہوں گے کہ اے مسلمانو موجودہ یعنی یہود میں سے بعض تو وہ ہیں جنہیں اللہ نے حسد سے بچالیا اور وہ ہمارے ان محبوب پر ایمان لے آئے جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور انکے ساتھی اور بعض وہ ہیں جو حسد میں گرفتار رہے ایمان نہ لائے جیسے کعب ابن اشرف اور حیی ابن اخطب وغیرہ یا منھم سے مراد ان انبیاء کرام کے زمانہ کے کفار ہیں اور بہ سے مراد ان حضرات کی نبوت و سلطنت ہے اس صورت میں یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کیلئے ہے یعنی آپ اس کا صدمہ نہ فرمائیں کہ سارے یہود ہم پر ایمان کیوں نہیں لاتے یہ تو پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے ان حضرات انبیاء پر بھی بعض ایمان لائے تھے بعض نہ لائے تھے خیال رہے کہ صد کے معنی رکنا بھی ہیں اور روکنا بھی یعنی لازم بھی متعدی بھی یہاں بمعنی رکنا ہے کیونکہ اسکے بعد مفعول کا ذکر نہیں **وكفى بجهنم سعيرا** بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ کفی کے فاعل میں ب زائدہ آجاتی ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ جہنم کفی کا فاعل ہے اسکی ب زائدہ اور سعیرا جہنم کا حال ہے۔ سعیر سعر سے بنا بمعنی بھڑک سعیر صفت مشبہ مبالغہ ہے یعنی ان جیسے حاسد کافروں کیلئے بھڑکتا ہوا دوزخ کافی سزا ہے یہ اسکے مستحق ہیں۔ لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔

خلاصہ ء تفسیر: جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ان آیات کی چند تفسیریں ہیں جو ابھی عرض کر دی گئیں ہم صرف ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار یہود جو آپ کی نبوت پر طرح طرح کے اعتراض کرتے ہیں کہتے ہیں کہ بنی اسماعیل میں نبوت کیسی یا حضور میں سلطنت و نبوت کا اجتماع کیسا یہ دونوں چیزیں ضدیں ہیں۔ دو ضدیں جمع نہیں ہو سکتیں یا کہتے ہیں کہ نبی کے نکاح میں نو بیویاں، نبی تو تارک الدنیا چاہئے کیا انہیں ہمارے ملک کا حصہ ملا ہوا ہے یہ ہمارے شریک ہیں اگر انکے پاس کچھ بھی حصہ ملک کا ہوتا تو لوگوں کو تل بھر بھی نہ دیتے ایسے بخیل ہیں کہ سب کچھ اپنے پاس ہی رکھتے ایسے بخیل و کنجوس نہ سلطنت کے اہل ہیں نہ نبوت کے سلطان و نبی تو بہت دل والا چاہئے ان کے تمام اعتراض کی وجہ صرف ایک ہے اور وہ ہے حسد یہ آپ پر حسد کرتے ہیں۔ اسی لئے کہ اللہ نے آپ کو اپنے فضل و کرم سے نبوت سلطنت، اختیارات، علم، کثیر بیویاں بہت امت سب کچھ بخشا یہ جل گئے یہ لوگ آپ پر اس قسم کے اعتراضات کیوں کرتے ہیں۔ جن نبیوں پر انکا ایمان ہے یعنی آل ابراہیم بنی اسرائیل کے رسول ہم نے انہیں کتاب الہی۔ اسرار طریقت بخشے۔ اور ساتھ ہی انہیں عظیم الشان ملک کا بادشاہ کیا چنانچہ یوسف علیہ السلام۔ داؤد علیہ السلام و سلیمان علیہ السلام نبی بھی تھے، بڑے شاندار بادشاہ بھی اور حضرت داؤد و سلیمان علیہم

www.alahazratnetwork.org

اسلام کی بہت بیویاں بھی تھیں جب وہ حضرات اتنے بڑے بادشاہ ہوئے اور اتنی بیویاں رکھنے کے باوجود سچے نبی ہیں تو آپ کی نبوت میں انہیں کیا اعتراض ہے اے محبوب آپ انکے ایمان نہ لانے پر غم و رنج نہ کریں یہ تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے کسی نبی پر سارے کافر ایمان نہ لائے ان نبیوں پر بھی بعض سعادتمند ایمان لائے بعض کافر رہے ایسے ہی آپ پر بھی بعض کفار ایمان لائیں گے بعض کافر رہیں گے اسکی وجہ یہ نہیں کہ آپ کے دین میں کمی ہے وجہ صرف یہ ہے کہ ان میں فیض لینے کی طاقت نہیں سورج سے سب روشنی نہیں لیتے چمگادڑ اندھا ہو جاتا ہے بارش سے سب فیض نہیں پاتے بعض بوٹے جل جاتے ہیں ایسے بد نصیبوں کیلئے تو بجز کناوو زخ ہی کافی ہے یہ دلیل سے ماننے والے نہیں خیال رہے کہ کسی نبی پر سارے لوگ ایمان نہ لائے۔ کچھ مومن ہوئے کچھ کافر رہے جنہوں نے نبی کو صرف بصارت سے دیکھ کر اپنے جیسا بشری کہا وہ کافر رہے جنہوں نے ان حضرات کو بصیرت یعنی دل کی صدیقی آنکھ سے دیکھا وہ مومن ہو گئے جیسے آنکھ کا نور بغیر نور کے بیکار ہے کہ اندھیرے میں کچھ نہیں دکھتا یوں ہی عقل کا نور بغیر فضل کے نور کے بیکار جن کو فضل کا نور ملا وہ مومن ہو گئے جن کے پاس محض عقل کا نور تھا فضل سے محروم تھے وہ کافر رہے۔ اس میں بھی رب تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں اگر سب مومن ہو جاتے تو رب کی صفت فضل کا ظہور نہ ہوتا نیز پھر ایمان کی قدر نہ معلوم ہوتی ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے نیز پھر حضرات انبیاء کی طاقت کا پتہ نہ لگتا۔ طاقت مقابلہ سے معلوم ہوتی ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: بخیل' حاسد' بد خلق لوگ سلطنت و نبوت کے لائق نہیں سلطان و نبی دریا دل نہایت خلیق و سخی چاہئیں مسلمان اگر سربلندی چاہتے ہیں تو اخلاق محمدی اختیار کریں جیسا کہ لایؤتون الناس نقیرا سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حاسد آدمی کبھی فیض نہیں لے سکتا وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہتا ہے یہود مدینہ حضور سے فیض نہ پا سکے اور حضرت بلال حبشی و سلمان فارسی و صہیب رومی نے سب کچھ حاصل کر لیا اسلئے کہ یہود حاسد تھے۔ تیسرا فائدہ: حضور پر حسد اور حضور کے اوصاف حمیدہ کا انکار یہودیانہ عیب ہے جو تمام نعمتوں سے محروم رکھتا ہے آج بھی بعض کلمہ پڑھنے والے مولوی عالم کہلوانے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سن نہیں سکتے انکو ذکر روکنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں یہ لوگ اس آیت کریمہ سے عبرت پکڑیں سب کو ابلیس نے گمراہ کیا اور ابلیس کو حسد نے تباہ کیا۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جو یہاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے ایسے محبوب اکبر ہیں کہ اعتراض ہوتا ہے حضور پر اور جواب دیتا ہے رب تعالیٰ۔ معلوم ہوا کہ حضور کے دشمنوں کو جواب دینا سنت الٰہیہ ہے۔ رب تعالیٰ اس سنت پر عمل کی توفیق دے اور کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے **وکفی باللہ شھیدا** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے گواہ **یا یھا النبی انا ارسلنک شاھدا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدعی رسالت ہیں اور اللہ تعالیٰ مدعی توحید ہے اور مدعی کی حمایت گواہ کرتا ہے اسلئے رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا حامی ہے۔ پانچواں فائدہ: ایمان' تقویٰ' ولایت' نبوت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملتے ہیں نہ کہ محض ہماری اپنی کوشش سے لہٰذا اس پر شیخی نہ چاہئے۔ رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے جیسا کہ من فضلہ سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: نبوت و دین و سلطنت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں ان

www.alahazratnetwork.org

نعمتوں کی عطا کا ذکر انعام و اکرام کے سلسلہ میں فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت انکی اولاد سے خاص کر دی گئی چنانچہ پھر کوئی نبی غیر ابراہیمی نہ ہوئے یا نبی اسرائیل میں نبی آئے یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل سے آئے جیسا کہ آل ابراہیم فرمانے سے معلوم ہوا۔ رب فرماتا ہے **وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتب** لہذا مرزا قادیانی نبی نہیں کہ وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام سے نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** بزرگوں کی اولاد ہونا بھی اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ بھی آل ابراہیم سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے فرمایا **وانی فضلتکم علی العلمین** انہیں یہ بزرگی کیوں ملی اسلئے کہ وہ اولاد انبیاء تھے لہذا حضرات سادات کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونے کی وجہ سے تمام غیر سیدوں سے افضل ہیں دیکھو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلافت قریش سے خاص کردی گئی الخلافۃ فی القریش بلکہ صواعق محرقہ میں فرمایا کہ تاقیامت قطب الاقطاب سید ہی ہوگا اور حضرت امام مہدی سید ہی ہوں گے۔ **نواں فائدہ:** دنیاوی سلطنت بیویاں اولاد ہونا نبوت کے خلاف نہیں۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہود کے اعتراض کے جواب میں حضرت یوسف داؤد و سلیمان علیہم السلام کا حوالہ پیش فرمایا کہ وہ حضرات نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ آج اگر کوئی بے دین حضور کی نبوت پر اسلئے اعتراض کرے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں تو آپ نبی کیسے تو اسکے جواب میں اسکے بزرگوں کے حوالے پیش کرنا چاہیے۔ چنانچہ ہندوؤں کے مشہور دیوتا کنھیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ رام چندر کے والد راجہ حسرت کی دو بیویاں تھیں ایک کے پیٹ سے رامچندر پیدا ہوئے اور دوسری یعنی کیکئی کے پیٹ سے لچھمن۔ خیال رہے کہ زیادہ کھانا زیادہ سونا انسانی عیوب میں شمار کیے جاتے ہیں مگر قوت مردی کی زیادتی انسانی کمال ہے جس قدر روحانیت غالب ہوگی اس قدر قوت بھی زیادہ ہوگی چنانچہ معمولی جنتی میں دنیا کے سو مردوں کی طاقت ہوگی اس قوت کی زیادتی عیب نہیں ہاں اس میں پھنس کر رب سے غافل ہونا عیب ہے جسے شہوت پرستی کہتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہمیشہ ترقی میں ہی رہے گا۔ حاسدین اور دشمن اسے نقصان نہیں پہنچا سکتے تمام جہان سورج کو کالا کہے سورج سیاہ نہیں ہو سکتا جیسا کہ ام یحسدون سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** کسی پیغمبر پر تمام لوگ ایمان نہ لائے ہر نبی کے بعض منکر ضرور رہے جیسا کہ **ومنہم من صدعنہ** سے معلوم ہوا یونہی عالم یا شیخ کو سب نہیں مان سکتے دنیا میں مخالفین کا ہونا بھی ضروری ہے۔

تندیء باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　　　یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

جس عالم و شیخ کو سب لوگ مانیں وہ منافق ہے یا مداہن دیکھو حضرات صدیق اور فاروق رضی اللہ عنہما پر آج تک تبرے ہو رہے ہیں یہ انکی حقانیت کی قوی دلیل ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ملک میں کسی کا کوئی حصہ نہیں مالک الملک ہے فرماتا ہے لہ مافی السموات ومافی الارض پھر تم نبیوں ولیوں کو مالک مانتے ہو۔ مشرک ہو دیکھو یہاں رب نے فرمایا ام لھم نصیب من الملک۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم اپنے گھر اپنے باغ اپنی زمین وغیرہ کے مالک کیوں ہوئے کہ انہیں فروخت تک کر لیتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی چیز میں حصہ ہونے کی بہت صورتیں ہیں زور سے حصہ لینا جیسے ہماری تنخواہ میں حکومت کا انکم ٹیکس۔ ضرورت سے حصہ داری جیسے ہماری آمدنی سے مکان کا کرایہ شرکت کی

www.alahazratnetwork.org

حصہ داری جیسے بنک یا کمپنی کا حصہ اور کرم و مہربانی کی حصہ داری۔ جیسے ہماری آمدنی میں ہمارے بچوں نوکروں کا حصہ اللہ کے ملک میں پہلی قسموں کی حصہ داری کسی کی نہیں مگر آخری قسم کی حصہ داری عام بندوں کی عموماً ہے اور خاص بندوں کو خصوصاً وہ رازق ہے ہم مرزوق رزق کے معنی حصہ اللہ نے اپنے کرم سے اپنے خاص بندوں کو اپنی خاص چیزوں میں حصہ دیا ہے اسلئے اگلی آیت میں ہے **اتینھم ملکا عظیما** اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے **فسخرنا لہ الریح تجری بامرہ** حضرت بلقیس کے متعلق فرماتا ہے **واوتیت من کل شئی** اور ہمارے حضور کے متعلق فرماتا ہے: **انا اعطینک الکوثر** غرضیکہ آیات نفی میں برابری۔ دھونس۔ حاجت کی۔ حصہ داری کی نفی ہے اور آیات ثبوت میں فضل و کرم و مہربانی کی حصہ داری کا ثبوت ہے دونوں آیات درست ہیں یہاں فرمایا جارہا ہے کہ یہود کا یہ کہنا کہ حضور کو نبوت و سلطنت دونوں کیوں مل گئیں۔ محض بکواس ہے کیا یہ میرے ملک میں برابر کے حصہ دار ہیں کہ میں ان سے پوچھ کر کسی کو کچھ دوں۔

دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے یہود کی بت پرستی اور بخل و حسد کو ایک جگہ کیوں بیان فرمایا ان میں مناسبت کیا ہے۔ **جواب:** حسد و بخل بھی ایک قسم کا کفر ہے حاسد خدا کو عادل نہیں سمجھتا وہ سمجھتا ہے کہ خدا نے لوگوں کو نعمتیں دیں ناحق دیں مشرک توحید الٰہی کا منکر ہے اور حاسد عدالت الٰہی کا انکاری اسلئے انہیں جمع فرمایا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں یہود کا بخل پہلے بیان ہوا اور حسد بعد میں اس ترتیب میں کیا حکمت ہے۔ **جواب:** یہاں بد سے بدتر کی طرف عروج ہے بخل سے حسد بدتر ہے کہ بخیل چاہتا ہے میری نعمت میں کسی کا حصہ نہ ہو اور حاسد چاہتا ہے کہ خدا کی نعمت میں کسی کا حصہ نہ ہو اسلئے بخیل سے حاسد بدتر ہے بد کے بعد بدتر کا ذکر فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آل ابراہیم میں بہت سے پیغمبروں کو کتاب و نبوت سلطنت عطا فرمائی گئی حالانکہ نبوت کتاب و سلطنت کا اجتماع صرف داؤد علیہ السلام میں ہوا کیونکہ حضرت یوسف و سلیمان علیہم السلام اگرچہ نبی و سلطان تھے مگر صاحب کتاب نہ تھے صاحب کتاب داؤد علیہ السلام ہیں پھر اٰتینھم جمع فرمانا کیونکر صحیح ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں کتاب عام معنی میں ہے صحیفوں کو بھی شامل حضرت سلیمان و یوسف علیہما السلام کے پاس صحف ابراہیم تھے دوسرے یہ کہ ایک پیغمبر میں کتاب و نبوت سلطنت کا جمع ہو جانا گویا بہت سے نبیوں میں جمع ہو جانا ہے ایک نبی کی نافرمانی بہت نبیوں کی نافرمانی قرار دی گئی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ کسی نبی پر سارے انسان ایمان نہ لائے ہر نبی کے مقابلے میں کفار ضرور رہے۔ **جواب:** اس میں نبی کی طاقت دکھانا مقصود ہے اگر پہلوان کا مقابل ہی کوئی نہ ہو تو اسکی قوت کا پتہ کیسے چلے۔ ظلمت سے نور جہالت سے علم کفر سے ایمان مخالفین سے نبوت کی شان نظر آتی ہے الاشیاء تعرف باضدادھا۔ آج حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا چرچا زیادہ اس وجہ سے بھی ہے کہ آپ کے مخالف اور آپ کے ذکر روکنے والے بہت ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں حضرت یوسف و داؤد و سلیمان علیہم السلام کے ملک کو ملک عظیم کیوں فرمایا یوسف علیہ السلام تو صرف ملک مصر کے ہی مالک تھے۔ رب تعالیٰ نے تو ساری دنیا کو قلیل فرمایا ہے قل متاع الدنیا قلیل پھر دنیا کے یہ معمولی حصے عظیم کیوں ہو گئے۔ **جواب:** اسلئے کہ ان بزرگوں کی سلطنتیں دنیا نہ تھیں بلکہ عین دین تھیں دنیا وہ ہے جو آخرت سے غافل کر دے دنیا قلیل و حقیر ہے دین عظیم ہے نیز وہ سلطنتیں ان عظیم الشان بزرگوں کی طرف منسوب تھیں لہٰذا وہ ملک بھی عظیم ہو گئے دیکھو اللہ تعالیٰ نے اس دنبہ کو عظیم فرمایا جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وفدینہ بذبح عظیم** دنبہ اونٹ گائے وغیرہ سے چھوٹا ہے مگر عظیم

www.alahazratnetwork.org

الشان پیغمبر کا فدیہ بنا اسلئے وہ بھی عظیم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان میں نفس بھی ہے اور قلب بھی نفس برائیوں کا چشمہ ہے اور قلب نیکیوں کا مرکز۔ بخل نفس کے عیوب میں سے ہے اور سخاوت قلب کے صفات میں سے بخل و حسد انسان کو دنیا کی طرف بلاتے ہیں اور آخرت سے روکتے ہیں اور سخاوت دنیا سے بچاتی ہے آخرت کی دعوت دیتی ہے عاقل کو چاہئے کہ بخل چھوڑے اور سخاوت اختیار کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لایسود الحسود' حاسد کبھی سردار نہیں بن سکتا دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں یہود کے بخل و حسد کو ان کی تمام نعمتوں سے محروی کا سبب قرار دیا خیال رکھو کہ حسد فضیلت پر ہوتا ہے جتنی فضیلت زیادہ اتنے ہی حاسد زیادہ عقلاء فرماتے ہیں کہ تلوار سے جسم پر قبضہ کیا جاتا ہے اور احسان سے دلوں پر عربی کا مشہور مقولہ ہے البر۔ عبد الحر بھلائی آزادوں کو غلام بنالیتی ہے بخیل مثل ریشم کے کیڑے کے ہے کہ وہ اپنا ریشم اپنے پر ہی لپیٹتا ہے کسی کو دینا نہیں چاہتا۔ آخر کار وہ ریشم ہی اسکی قبر بن جاتا ہے اور وہ ریشم مع اسکی نعش کے دوسرے کے قبضے میں پہنچ جاتا ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات ایک شخص کو دوزخ کے قریب اسطرح دیکھا کہ اسے آگ نہیں چھوتی فرمایا اے جبرائیل یہ کون ہے عرض کیا یا حبیب اللہ یہ حاتم طائی ہے اللہ نے اسکی سخاوت کی وجہ سے اس پر وہ کرم فرمایا جو آپ ملاحظہ فرمارہے ہیں کہ دوزخ میں ہے مگر آگ سے جلتا نہیں۔ خیال رہے کہ ملک تین قسم پر ہیں ظاہر پر ملکیت یہ بادشاہوں کو نصیب ہے۔ دلوں پر ملکیت یہ علماء اور اولیاء کو میسر ہے ظاہر باطن 'جسم و روح' قلب و قالب سب پر ملکیت یہ انبیاء کرام کی ملکیت ہے۔ ملکیت کیلئے سخاوت ضروری ہے جب حضرات انبیاء کرام کی ملکیت قوی ہے تو انکی سخاوت بھی اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں تو آپ سید اسخیاء بھی ہیں۔

فان من جودک الدنیا وضرتها ومن علومک علم اللوح والقلم!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہود کا یہ خیال کہ نبیوں کے پاس دین و دنیا دونوں جمع کیوں ہو گئیں۔ دنیا و دین تو آپس میں ضدیں ہیں یہ غلط تھا کیونکہ انہوں نے اپنی دنیا اور نبی کی دنیا میں فرق نہ کیا انکی دنیا نفسانی بلکہ شیطانی تھی حضور کی دنیا ایمانی بلکہ رحمانی تھی بلبل اور گدھ دونوں ایک درخت پر بیٹھتے ہیں مگر بلبل وہاں سے پھولوں کی تاک لگاتی ہے گدھ مردار کا متلاشی ہوتا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ
بے شک وہ لوگ جنہوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا عنقریب پہنچائیں گے ہم ان کو آگ میں جب کبھی پک جائیں گی کھالیں
جنہوں نے ہماری نعمتوں کا انکار کیا عنقریب ہم ان کو آگ میں داخل کریں گے جب کبھی ان کی کھالیں پک
بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝
ان کی تو بدل دیں گے ہم ان کی کھالیں ان کے سوا تاکہ چکھیں وہ عذاب بے شک اللہ ہے غالب حکمت والا
جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انہیں بدل دیں گے ان کے عذاب کا مزہ لیں بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک عنقریب داخل کریں گے ہم ان کو جنتوں میں کہ بہتی ہیں

اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب ہم انہیں باغوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ﴿۵۷﴾

ان کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں واسطے ان کے اس میں بیویاں ہیں پاک اور داخل کریں گے ہم انکو گھنے سایہ میں

ہیں ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں ستھری بیویاں ہیں اور ہم انہیں وہاں داخل کریں گے جہاں سایہ ہی سایہ ہوگا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں یہود کی یہ بکواس نقل کی گئی تھی کہ ہم کچھ بھی نہ کریں مگر جنتی ہیں اب اس آیت میں انکی پرزور تردید کی جارہی ہے کہ جنت کا داخلہ نسب سے نہیں بلکہ ایمان اور عمل سے ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ جس پر خدا لعنت کرے اسکا مددگار کوئی نہیں اب اسکی وجہ بیان ہورہی ہے کہ انکا جہنمی ہونا طے ہوچکا ہے پھر انہیں کوئی دوزخ سے کیسے بچاسکتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کرتے تھے اب اس اعتراض کرنے کی سزا کا ذکر ہے کیونکہ انکا یہ اعتراض سمجھنے کیلئے نہ تھا بلکہ لوگوں کو بہکانے کیلئے تھا اور بہکانے والا تو دوزخ کا مستحق ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایسے موذیوں کیلئے دوزخ کی سزا کافی ہے اب اس آیت میں اس اجمالی سزا کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرات انبیاء کرام پر سب لوگ ایمان نہ لائے بعض ایمان لائے اور بعض انکے منکر ہوئے اب اس آیت کریمہ میں اسکی حکمت بیان فرمائی جارہی ہے کہ ہم نے جنت و دوزخ دونوں ہی کو بھرنا ہے اسلئے دونوں قسم کی مخلوق رہنی چاہئے مومنین بھی کفار بھی۔

تفسیر: **ان الذین کفروا بایتنا** چونکہ اس مضمون کے انکار بہت تھے بھی اور ہیں بھی کہ کفار اپنے کفریہ عقیدوں کو نجات کا سبب سمجھتے ہیں اسلئے اس کو ”اِنّ“ سے شروع فرمایا گیا حق یہ ہے کہ الذین سے مراد کفار انسان بھی ہیں اور کفار جنات بھی کیونکہ دوزخ جن وانس سارے کافروں کیلئے ہے کفروا سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے کفار ہیں یہود عیسائی وغیرہ یا اولین و آخرین سارے کافر مراد ہیں پہلی صورت میں آیات سے مراد قرآن کریم کی آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور آپ کے سارے فرمان عالیہ ہیں اور دوسری صورت میں تمام آسمانی کتابوں و صحیفوں کی آیتیں اور سارے نبیوں کے معجزات وغیرہ ہیں کیونکہ اگر صرف آیات قرآنی یا آسمانی کتب کی آیات ہی مراد ہوں تو لازم آئیگا کہ بہت سے کفار اس سزا سے نکل جائیں حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ مگر آسمانی کتب صرف چار اور صحیفے ایک سو دس بہت سے پیغمبر کتاب و صحیفہ کچھ بھی نہ لائے انکے منکر کفار آیات کتاب کے منکر نہ تھے نیز فرعون وہامان نے بھی آیات توریت کا انکار نہ کیا کہ توریت تو انکے ڈوبنے کے بعد آئی ہاں ان سب نے اپنے اپنے نبیوں کے معجزات انکے کمالات انکے صفات کا انکار کیا بہرحال یہاں آیات سے مراد چھ چیزیں ہیں قرآنی آیات کتب آسمانی کی آیات حضرات انبیائے کرام کے معجزات ان کے کمالات ان کے صفات کہ یہ سب

www.alahazratnetwork.org

آیات ایہ یعنی اللہ کی نشانیاں ہیں ان میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں آیات سے مراد جنس آیت ہے کیونکہ ایک آیت کے منکر کا بھی وہی عذاب ہے جو ساری آیتوں کے منکر کا ہے یعنی جن انسانوں یا جنات نے ہماری ساری یا بعض آیتوں کا انکار کیا تو خیال رہے کہ قرآنی آیات کے انکار کی دو صورتیں ہیں ایک الفاظ آیات کا انکار دوسرے معانی و احکام آیات کا انکار جو کوئی اقیموا الصلوۃ میں صلوۃ کے معنی صرف دعا کرے نماز کا انکار کرے یا خاتم النبیین کے معنی کرے اصل نبی اور حضور کے آخری نبی ہونے کا انکار کرے وہ کافر ہے کہ آیات قرآنیہ کا منکر ہے انکار معنوی کرتا ہے **سوف نصلیھم نارا** یہ عبارت ان کی خبر ہے سوف اور س کبھی ڈرانے کیلئے آتے ہیں۔ رب فرماتا ہے سامیہ سقر اور کبھی وعدے اور امید دلانے کیلئے رب فرماتا ہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اور فرماتا ہے سوف استغفر لکم ربی یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی ڈرانے اور دھمکانے کیلئے **نصلی** صلو سے بنا بمعنی تپانا و گرم کرنا اسلئے بھنی بکری کو شاۃ مصلیۃ کہتے ہیں یہاں مراد تپانے جلانے بھوننے کیلئے داخل کرنا۔ نار سے مراد دوزخ کی آگ ہے خواہ قبر و برزخ میں ہو جہاں کافر مرتے ہی پہنچتا ہے یا جہنم میں جہاں کافر بعد قیامت پہنچے گا یعنی ہم اسے دوزخ کی آگ میں عنقریب تپانے کیلئے داخل کریں گے خیال رہے کہ بھوننے کیلئے دوزخ میں داخلہ کافروں کا ہی ہو گا مومن کا داخلہ گناہوں سے صاف ہونے کیلئے ہو گا **کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا** : کلما تکرار و دوام کیلئے ہے نضجت نضج سے بنا بمعنی گوشت کا ہانڈی میں پک جانا یا کباب کے طور پر گل جانا پھل وغیرہ پکنے کو نضج کہہ دیتے ہیں۔ نضیج الرئی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کی رائے پختہ اور مضبوط ہو یہاں دوسرے معنی میں ہے جلود جلد کی جمع ہے بمعنی کھال بدن اور بدن کا چھلکا کبھی جسم کو بھی جلد کہہ دیتے ہیں خیال رہے کہ جلد بکسر جیم کھال ہے اور جلد بفتح جیم کوڑا جو کھال پر پڑے مجازاً الباس کو جلد کہہ دیتے ہیں بعض لوگوں نے یہاں یہی معنی کئے ہیں مگر یہ صحیح نہیں جب تک حقیقی معنی بن سکتے ہوں بلا وجہ مجازی معنی لینا جائز نہیں یہاں بمعنی کھال ہی ہے تبدیل سے مراد یا تو وصفاً بدلنا ہے کہ مادہ ایک ہی رہے اور شکل بدل جائے مثلاً پہلے کھال کالی ہو گئی تھی اب سفید کر دی جائے وہ مردہ ہو چکی تھی جس سے احساس جا رہا تھا اب پھر زندہ کر دی جائے کہ احساس پیدا ہو جائے اور یا ذاتی تبدیلی مراد ہے اسطرح کہ پہلی کھال جل کر بیکار ہو جائے پھر گوشت میں سے ہی نئی کھال پیدا ہو جائے جیسے دنیا میں بھی مردار کھال چھیل دیتے ہیں تو نیچے سے نئی کھال نمودار ہو جاتی ہے یہ مطلب نہیں ہے کہ انہیں باہر سے لا کر نئی کھال پہنا دی جائے لہٰذا آیت بالکل صاف ہے غیر سے مراد یا ذاتاً غیر ہے یا وصفاً غیر جیسے تبدیل کے معنی ویسے ہی غیر کے معنی یعنی جب کبھی ان دوزخی کفار کی کھالیں گل کر پک کر جل جائیں گی تو ہم دوسری کھالیں تبدیل کر دیں گے حدیث شریف میں ہے کہ یہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس پڑھی گئی سیدنا معاذ ابن جبل بھی آپ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے آپ نے پوچھا کہ تمہیں اسکی تفسیر معلوم ہے فرمایا ہاں ہر ساعت میں سو بار کھال بدلی جائیگی جناب عمر نے فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی فرماتے سنا ہے (بغوی و خازن) **لیذوقوا العذاب** لام بمعنی کے ہے یہ عبارت بدلنا کے متعلق ہے ذوق کے معنی چکھنا ہیں مگر ایسے مقام پر برداشت کے معنی میں ہوتا ہے یہ جملہ دوام کیلئے ہے یذوقوا کا فاعل وہی کفار ہیں جنکا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے عذاب سے مراد دوزخ کے سارے عذاب ہیں جنکا تعلق ظاہر جسم سے ہے آگ کی جلن زہریلے جانوروں کا ڈنک کھولتے پانی کی سوزش وغیرہ یعنی تبدیلی کھال اسلئے ہوتی رہیگی تاکہ وہ دوزخ کے عذاب برابر چکھتے اور برداشت کرتے رہیں ہر آن انوکھی تکلیف ہو جلی اور گلی کھال کی بے حسی کی وجہ سے عذاب کے احساس میں کمی نہ ہو۔ چونکہ ان دوزخی کفار کو عذاب کی تکلیف

www.alahazratnetwork.org

ہمیشہ اتنی ہی محسوس ہوگی جتنی شروع میں محسوس ہوتی تھی دنیا کی طرح یہ نہ ہوگا کہ اولاً زیادہ تکلیف محسوس ہو بعد میں عادت پڑ جانے پر احساس اس قدر نہ رہے اسلئے یہاں لیذوقوا دوام و استمرار کے طور پر ارشاد ہوا یعنی تاکہ چکھتے رہیں چکھنا اول ذائقہ کو کہا جاتا ہے بعد میں کھانا بولا جاتا ہے **ان اللہ کان عزیزا حکیما** یہ نیا جملہ ہی جو پہلے مضمون کی تاکید کیلئے لایا گیا کان دوام اور استمرار کیلئے ہے۔ عزیز کے معنی غالب بھی ہیں اور قادر بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ حکیم حکمت سے بنا جو عبث کے مقابل ہے یعنی یہ عذاب یقیناً ہوگا اللہ تعالیٰ غالب اور قادر بھی ہے اور وہ بندوں کو اس قسم کے عذاب دے سکتا ہے اسے بدلہ لینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی حکمت والا بھی ہے اس قسم کی سزا دینے میں اسکی لاکھوں حکمتیں ہیں **والذین امنو وعملوا الصلحت** قرآن کریم سزاؤں کے ساتھ ثوابوں کا ذکر فرماتا ہے اور کفار کے ساتھ مومنین کا تاکہ قرآن پڑھنے والا کفار کے عیوب سے بچے اور مومنین کی صفات اختیار کرے الذین سے مراد صرف انسان ہیں جنات اور فرشتے اس میں داخل نہیں کیونکہ انکا ثواب صرف انسانوں کیلئے ہے امنوا سے مراد بلا واسطہ و یا بواسطہ یعنی حقیقی و حکمی دونوں ایمان ہیں لہٰذا مسلمانوں کے نا سمجھ فوت شدہ بچے اس میں داخل ہیں امنوا سے مراد یا حضور کی امت والے ہیں یا سارے انبیاء کرام کی امتیں جو ان پر ایمان لائیں جیسے کفروا کے معنی تھے ویسے امنوا کے معنی ہوں گے نیک اعمال سے مراد بقدر طاقت تمام نیکیاں ہیں یعنی جو انسان ایمان اور نیک اعمال دونوں اختیار کرے **تو سند خلھم جنت تجری من تحتھا الانھار** یہ عبارت الذین کی خبر ہے س استقبال قریب کیلئے آتا ہے اگرچہ جنت کا یہ داخلہ بعد قیامت ہوگا اور قیامت ہم کو دور معلوم ہوتی ہے لیکن رب کے نزدیک وہ بہت ہی قریب ہے کہ اس عالم کا ایک دن یہاں اس دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے ان یوما عند ربک کالف سنۃ مما تعدون۔ یا چونکہ ہر جانے والی چیز دور ہے اگرچہ ہمارے پاس ہی ہو اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اگرچہ ہم سے دور معلوم ہوتی ہو دنیا دور ہے کہ جا رہی ہے آخرت نزدیک ہے کہ آ رہی ہے اسلئے ارشاد فرمایا گیا۔ رب فرماتا ہے اقتربت الساعۃ قیامت قریب آگئی اگرچہ مومنوں کو جنت میں لے جانا وہاں داخل کرنا پہنچانا فرشتوں کا کام ہے مگر چونکہ انکے وہ سارے کام بحکم الٰہی ہوں گے اسلئے رب تعالیٰ نے فرمایا ہم داخل کریں گے جنت جنت کی جمع ہے بمعنی گھنا باغ جسکے نیچے کی زمین نظر نہ آئے تحتھا کا مرجع جنت ہے انہار سے مراد دودھ شراب طہور شہد وغیرہ کی نہریں ہیں یہ نہریں نکلتی اور جگہ سے ہیں مگر بہتی ہیں باغوں میں یہاں پھوٹتی اور ابلتی نہیں اسلئے تجری ارشاد ہوا یعنی انکو ایسے باغوں میں بعد قیامت داخل فرمائیں گے جنکے نیچے دودھ وغیرہ کی نہریں بہہ رہی ہیں خیال رہے کہ مومن کی قبر میں جنت آتی ہے کہ وہاں کی ہوائیں اور پھل یہاں پہنچتے ہیں اور بعد قیامت مومن جنت میں پہنچیں گے لہٰذا آیت صاف ہے **خلدین فیھا ابدا** یہ عبارت سند خلھم کی ضمیر سے حال ہے خلود کے معنی ہمیشگی بھی ہے اور دراز قیام بھی یعنی بہت ٹھہرنا مگر جب اسکے بعد ابداً آجائے تو اسکے معنی ہمیشگی ہی ہوتے ہیں چونکہ یہاں ابداً موجود ہے لہٰذا خلود اسی معنی میں ہے اگرچہ یہاں جنتیوں کو ہمیشگی بیان کی گئی مگر اس سے خود جنتوں کی ہمیشگی بھی سمجھ میں آگئی وہاں کا ہر درخت ہر پھل بلکہ پانی کے ہر قطرہ کو ہمیشگی ہے کہ کھا لینے پر بھی فنا نہ ہوگا حضور فرماتے ہیں کہ اگر ہم جنت کا خوشہ توڑ لیتے تو تم قیامت تک اسے کھاتے رہتے رب فرماتا ہے **اکلھا دائم** اسکے پھل ہمیشہ ہیں **لھم فیھا ازواج مطھرۃ** یہ جنتیوں کی دوسری نعمت کا ذکر ہے لہم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ ہر جنتی کی بیوی ہمیشہ اسکے ساتھ رہے گی نہ مرے نہ طلاق سے علیحدہ ہو کیونکہ وہاں موت یا

www.alahazratnetwork.org

طلاق نہیں ازواج جمع زوج کی ہے زوج خاوند کو بھی کہتے ہیں بیوی کو بھی یہاں معنی بیوی ہے چونکہ بیوی مرد کیلئے راحت کا ذریعہ ہے اسلئے قرآن کریم ہر جگہ یہی فرماتا ہے کہ جنتی مردوں کیلئے بیویاں ہوں گی یہ نہیں فرماتا کہ جنتی عورتوں کیلئے خاوند ہوں گے ازواج سے مراد یا چند بیویاں ہیں یا چند قسم کی بیویاں۔ اپنی دنیاوی بیوی جو اسکے نکاح میں فوت ہوئی اور کنواری جنتی لڑکیاں نیز کافروں کی مومنہ بیویاں اور حوریں یہ تمام کی تمام جنتیوں کے نکاح میں دی جائیں گی حق یہ ہے کہ نکاح انکا ہو چکا ہے وہاں تو ملاقات ہی ہوگی رب تعالیٰ فرماتا ہے **زوجنھم بحور عین** اور حضور فرماتے ہیں کہ جب کوئی عورت اپنے خاوند سے لڑتی ہے تو جنت سے اس کی بیوی حور پکارتی ہے کہ اسے مت ستا یہ تیرے پاس مہمان ہے ہمارے پاس آنے والا ہے مطہرۃ سے مراد ہر طرح سے پاک اور صاف کی ہوئیں۔ حیض نفاس و تھوک رینٹ میل وغیرہ تمام ظاہری گندگیوں سے بھی پاک بد خلقی خاوند کی نافرمانی بے حیائی جھگڑے وغیرہ باطنی عیوب سے بھی پاک یعنی ان کیلئے ان جنتوں میں پاک صاف بیویاں بھی ہیں **وندخلھم ظلا ظلیلا** یہ جنت کی تیسری نعمت کا ذکر ہے ظل کے معنی ہیں سایہ ”ظلیلا“ کے معنی یا گھنا سایہ ہے جس میں دھوپ چھن کر کہیں نہ آئے یا دائمی سایہ کہ جو کبھی فنا نہ ہو چونکہ ملک عرب میں درخت بہت ہی کم ہوتے ہیں اور ہوتے بھی ہیں تو کھجور ببول وغیرہ بے سایہ اسلئے وہاں سایہ بہت پیارا ہے حتی کہ بعض ہوٹلوں میں سائے کے پیسے بھی لئے جاتے ہیں بعض منزلوں پر دیوار کے سائے میں بیٹھنے کے پیسے لئے جاتے ہیں اسلئے خصوصیت سے اس نعمت کا ذکر فرمایا گیا ورنہ یہ تو جنت فرمانے سے ہی معلوم ہو گیا تھا یعنی ہم ان کو گھنے اور دائمی سائے میں جگہ دیں گے جہاں سورج ہی نہ ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر: بیشک وہ لوگ جنہوں نے ہمارے قرآن کی آیتوں محبوب کے فرمانوں اور انکے معجزات کا انکار کیا یا ہمارے نبیوں کے معجزات و احکام کا انکار کیا ہم انہیں عنقریب دوزخ کی بھڑکتی ہوئی آگ میں تپانے کیلئے پہنچائیں گے وہاں انکی کیفیت یہ ہوگی کہ جب کبھی ان کفار کی کھالیں پک کر جل جائیں گی کہ ان میں جلن محسوس کرنے کا مادہ نہ رہے گا تو ہم اسی وقت ان کھالوں کو دوسری کھالوں میں تبدیل کر دیں گے یا اسطرح کہ انہیں کھالوں کو پھر زندہ کر دیں گے یا اسطرح کہ وہ کھال اتار دیں گے اور انکے گوشت پر دوسری کھال بنا دیں گے یہ تبدیلی کھال اس لئے ہوگی تاکہ وہ ہمیشہ عذاب چکھتے ہی رہیں۔ کبھی اس میں فرق نہ آنے پائے اللہ تعالیٰ غالب ہے یہ سب کچھ کر سکتا ہے اسے کوئی کسی قسم کی سزا دینے سے روک نہیں سکتا حکمت والا بھی ہے۔ نجات کے متعلق لوگوں کے مختلف خیال تھے اور ہیں ایک یہ کہ نجات اور جنت کیلئے نہ ایمان کی ضرورت ہے نہ نیک اعمال کی صرف اولاد انبیاء ہونا یا پیروں درویشوں کو راضی کر لینا کافی ہے عام علماء یہود و نصاریٰ کا یہ ہی خیال ہے۔ دوسرے یہ کہ نجات کیلئے صرف نیک اعمال کافی ہیں ایمان کی ضرورت نہیں جس مذہب میں رہ کر اچھے عمل کرو بخشے جاؤ گے مولوی ابوالکلام آنجہانی نے یہ ہی لکھا اپنی تفسیر سورہ فاتحہ میں۔ تیسرے یہ کہ نجات کیلئے صرف ایمان کافی ہے عمل کی ضرورت نہیں اور انکے نزدیک ایمان نام ہے دعویٰ محبت اہل بیت کا یہ عقیدہ آجکل عام بھنگی پوستی فقیروں عام جاہل روافض کا ہے اس آیت میں ان تینوں خیالات کی تردید ہے اسلام میں نجات پھل ہے ایمان جڑ نیک اعمال شاخیں جیسے پھل کیلئے جڑ و شاخوں دونوں کی ضرورت ہے ایسے ہی نجات کیلئے ایمان و اعمال دونوں ضروری ہیں اسلئے یہ ارشاد ہوا کہ رہے وہ انسان جو ایمان لائے اور انہوں نے اعمال بھی نیک کئے ہم انہیں ثواب کیلئے ایسے گھنے باغوں میں داخل کریں گے جنکے نیچے دودھ شہد پانی شراباً طہوراً وغیرہ کی نہریں جاری ہیں جنتی

www.alahazratnetwork.org

ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہ مر کر یا تبدیل ہو کر وہاں سے نکلیں نہ ان باغوں میں کبھی خزاں وغیرہ آئے اسکے ساتھ ہی انکو ہر طرح کی صاف اور پاک بیویاں عطا فرمائی جائینگی جو ہر ظاہری و باطنی گندگی سے پاک ہوں گی ہم انہیں ایسے آرامدہ سائے میں رکھیں گے جو گھنا بھی ہے اور دائمی بھی کہ وہاں نہ سورج ہو گا نہ دھوپ حدیث شریف میں ہے کہ دوزخی کی کھال اتنی موٹی ہو گی کہ اسکی موٹائی میں سوار تین دن چلے اور اور اس کی داڑھ احد پہاڑ کے برابر ہو گی۔ (مسلم عن ابی ہریرۃ و تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: دوزخ کے یہ مذکورہ عذاب صرف کافروں کیلئے ہیں گنہگار مومن کو ان سے محفوظ رکھا جائیگا۔ انکا عذاب نہایت ہلکا اور خفیہ ہو گا جیسا کہ کفروا سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار رب کی تمام آیتوں تمام نبیوں کے معجزات کا انکار ہے جیسا کہ بایتنا سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: دوزخ میں کفار کا داخلہ وہاں جلنے تپنے کیلئے ہو گا مومن گنہگار کا داخلہ گناہوں کی میل سے صاف ہونے کیلئے ہو گا بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے گندا لوہا بھی اور سونا بھی مگر دخول کی نوعیت میں فرق ہے جیسا کہ نصلیھم سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: دوزخ میں اصل عذاب آگ کا ہی ہے خواہ ٹھنڈا عذاب ہو یا گرم وہاں کا ٹھنڈا عذاب آگ کی دوری سے ہے اور گرم عذاب آگ کے قرب سے یہ فائدہ نارا سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: دوزخ کی آگ اگرچہ کافر کے ہر عضو پر پہنچے گی رب فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** مگر جلائے گی صرف کھال کو اسکے علاوہ کوئی عضو نہ جلے گا یہ فائدہ جلودھم سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: کافر دوزخی کی کھال کا جلنا صرف ایک بار نہ ہو گا بلکہ بار بار ہو گا جیسا کہ کلما سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: کافر دوزخی کے احساس عذاب میں کبھی کمی نہ ہو گی اسے جتنی تکلیف داخلے کے وقت ہو گی اتنی ہی ہمیشہ رہے گی یہ بھی لیذوقوا سے فائدہ حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: جنت میں داخلے کیلئے ایمان اور نیک اعمال دونوں ہی کی ضرورت ہے اگر جنت لینی ہے تو نیکیاں کرو یہ فائدہ عملوا الصلحت سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: ہر جنتی اپنے حصے کی جنت بھی لے گا اور کفار کے حصے کی جنت بھی لے گا اور کفار کے حصے کی جنتوں اور نہروں پر بھی قبضہ کرلے گا یہ فائدہ جنت اور انہار کی جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: جنتیوں جنتوں اور وہاں کے ہر پھل اور ہر قطرے کو دوام ہے کسی کیلئے فنا نہیں یہ فائدہ ابدا سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: جنتی بیویاں ہر قسم کی ظاہری باطنی، جسمانی، دلی، روحانی گندگیوں سے پاک ہیں۔ یہاں کی کالی عورتیں بھی وہاں حوروں سے زیادہ حسین ہوں گی کیونکہ ان پر عبادت کا حسن بھی ہو گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ مطھرۃ سے حاصل ہوا۔ تیرہواں فائدہ: ہر ایک جنتی کو کئی قسم کی بیویاں عطا ہوں گی۔ جیسا کہ ازواج جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ چودہواں فائدہ: جنت میں سورج نہ ہو گا نہ وہاں دھوپ تجلی الٰہی کی روشنی ہو گی رب فرماتا ہے **واشرقت الارض بنور ربھا** یہ فائدہ ظلیلا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص ساری آیتوں کا انکار کرے وہ دوزخی ہو تو کیا ایک دو آیتوں کا منکر دوزخی نہیں۔ جواب: اسکا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے ارکان ایمان جال کے پھندوں کی طرح ہیں ایک پھندا کھلا سارے پھندے کھل گئے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا صرف کفار ہی دوزخ میں جائیں گے تو کیا گنہگار مسلمان دوزخی نہیں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی دوزخ میں جائیں گے۔ جواب: بیشک

www.alahazratnetwork.org

دوزخ میں تپنے اور جلنے کیلئے صرف کفار ہی جائیں گے گنہگار مسلمان پاک و صاف ہونے کیلئے جائیں گے نہ کہ جلنے کیلئے اسلئے یہاں نصلی ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کفار آگ میں ہی جائیں گے تو دوزخ کے ٹھنڈے طبقوں میں کون جائیگا۔ **جواب:** وہاں بھی کفار ہی جائیں گے مگر وہاں جانا آگ میں ہی جانا ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخی کی کھال ایک نہ رہے گی بلکہ کھالوں کا تبادلہ ہوتا رہے گا۔ بعد والی کھالیں بے گناہ تھیں تو انہیں عذاب کیوں دیا گیا اور پہلی کھال کا عذاب ختم کیوں ہو گیا یہ خلود کے خلاف ہے۔ **جواب:** اسکے تین جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے ایک یہ کہ خود کھال نہ بدلے گی بلکہ کھال کا حال بدلے گا اس طرح کہ مردار کھال کو زندگی دے دی جائیگی سیاہ کھال کو سفید کر دیا جائے گا دوسرے یہ کہ کھال کی ذات ہی بدلے گی مگر اسے نئی کھال نہ پہنائی جائیگی بلکہ اسکا گوشت ہی کھال بن جائیگا۔ جیسے آج مردار کھال کے نیچے نئی کھال نمودار ہوتی ہے تیسرے یہ کہ مان لیا جائے کہ نئی کھال ہی پہنائی جائیگی تو کھال بذات خود عذاب نہیں پاتی عذاب تو ذات کافر کو ہوا وہ ایک ہی ہے اور ہمیشہ ہے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **وسقوا ماء حمیما فقطع امعاء هم** یعنی دوزخیوں کو کھولتا پانی پلایا جائیگا جو انکی آنتیں کاٹ کر نکال دیگا۔ اب دیکھو آنت کٹ کر نکل جائیگی دوسری آنت اسی وقت بن جائیگی۔

لطیفہ: تفسیر روح البیان نے بحوالہ شرح بخاری مصنفہ علامہ سفیری اس جگہ بیان کیا کہ قیامت کے دن روح اور جسم جھگڑیں گے جسم کہے گا میں تیرے بغیر درخت کی شاخ کی طرح تھا نا قابل گناہ تو نے مجھ سے گناہ کرائے روح کہے گی میں تیرے بغیر ایک ہوا تھی تیرے بغیر گناہ نہ کر سکتی تھی سزا تجھے چاہیئے نہ کہ مجھے رب تعالیٰ اس فیصلے کیلئے ایک فرشتہ بھیجے گا جو ان دونوں سے کہے گا کہ ایک اندھے کے کندھے پر آنکھ والا لنگڑا بیٹھ کر باغ میں چوری کرے تو بتاؤ سزا کسے ملے گی وہ دونوں بولے کہ اندھا اور لنگڑا دونوں سزا کے مستحق ہیں فرشتہ کہے گا جسم اندھا ہے اور روح لنگڑی دونوں نے مل کر گناہ کئے لہذا دونوں دوزخ میں جاؤ (روح المعانی) **پانچواں اعتراض:** کھال کی تبدیلی کی ضرورت کیا ہے ایک ہی کھال ہمیشہ سزا پا سکتی ہے۔ **جواب:** اس میں ہزارہا حکمتیں ہیں ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی سے دوزخی کی ناامیدی بڑھے گی اور اسکے عذاب میں اضافہ ہوگا۔ ہر تبدیلی کے وقت اسکی تکلیف کے احساس میں بہت زیادتی ہو جائیگی اسی لئے یہاں ارشاد ہوا لیذوقوا العذاب **چھٹا اعتراض:** یہ عقل میں نہیں آتا کہ ایسی سخت آگ میں رہ کر بھی کافر کو موت نہ آئے اور اسکا جسم جل نہ جائے راکھ نہ ہو جائے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے دیکھو زمین میں لوہا یا فولاد دفن کر دو تو مٹی اسکو گلا کر فنا کر دیتی ہے مگر دانے کو فنا نہیں کرتی بلکہ اسے ہرا بھرا کر دیتی ہے یہ اسکی ہی قدرت ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہ عقل میں نہیں آتا کہ جنت کا پھل کھا بھی لیا جائے اور ویسے بھی باقی بھی رہے وہاں کے قطرے پی بھی لئے جائیں پھر بھی وہ ویسے ہی رہیں جیسا کہ تم نے خلدین فیہا کی تفسیر میں بیان کیا۔ **جواب:** اسکی مثالیں دنیا کے اندر موجود ہیں ہوا' دھوپ تمام دنیا استعمال کرتی رہتی ہے اور ویسے ہی رہتی ہے اس میں قطعاً فرق نہیں آتا تو اگر وہ نورانی غذا استعمال کے بعد ویسے ہی رہے تو کیا حرج ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب جنت میں سورج ہی نہیں تو وہاں سایہ کیسے سایہ سورج سے پیدا ہوتا ہے نیز جہاں دھوپ نہ پہنچے وہ جگہ وبا اور بیماری والی ہوتی ہے۔ **جواب:** یا تو یہاں سائے سے مراد جنت کے درختوں کا پھیلاؤ ہے کہ اگر سورج ہوتا تو ان درختوں کا سایہ اتنے بیچ میں ہوتا اور ایسا گھنا ہوتا۔ رب فرماتا ہے وظل

www.alahazratnetwork.org

ممدود حدیث شریف میں ہے کہ جنت میں ایک درخت ایسا ہے کہ اس کے سائے میں سو برس سوار دوڑے تو بھی اسکو طے نہ کر سکے یا سائے سے مراد ہے راحت وچین اور پناہ وامان جیسے کہا جاتا ہے۔ بادشاہ اللہ کا سایہ ہے یا اللہ آپکا سایہ ہمیشہ رکھے (روح البیان)۔ نواں اعتراض: قرآن شریف میں یا کفار کی سزاؤں کا ذکر ہوتا ہے یا متقی مومنوں کے ثوابوں کا فاسق گناہگار مومنوں کا کہیں ذکر نہیں آتا چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا ہے بتاؤ بے عمل اور بد عمل مسلمان کہاں جائیں گے۔ جواب: یہ رب کریم کی ستاری ہے کہ اس نے ہم گناہگاروں کا پردہ رکھا ہمارا ذکر فرمایا ہے تو بخشش اور مغفرت کے ساتھ فرمایا **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** ہاں فساق کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو زانی کو سو کوڑے مارو معاملہ ء آخرت کو پردہ راز میں رکھا حدیث شریف نے فرمایا کہ بعض گناہگار رحمت اور شفاعت کے پانی سے نہا کر اور بعض سزا کی آگ میں صاف ہو کر جنت میں جائیں گے اور انکی وہاں رسوائی نہ ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ: کفار پر یہ عذاب اور تبدیلی دنیا میں بھی ہو رہی ہے لیکن یہاں انہیں اسکا احساس نہیں بعد موت اسکا احساس ہوگا۔ جیسے بے ہوش کو زخم لگا دیا جائے تو اسے تکلیف تو ہوتی ہے مگر احساس نہیں ہوتا ہوش میں آنے پر درد محسوس کرتا ہے چیختا چلاتا ہے یہاں وہ سو رہے ہیں یا دنیاوی لذتوں میں مدہوش ہیں مرتے ہی آنکھ کھل جائے گی۔ شرک، کفر اور گناہ سخت تکلیف دہ چیزیں ہیں جنکا ظہور بعد موت ہوگا۔ بندے کو چاہیے کہ شریعت کے موافق نفس اور خواہشات کے خلاف عمل کرے تاکہ اللہ تعالی شریعت کی اکسیر سے اسکے نفسانی ظلمانی تانبے کو روحانی نورانی صفات کی چاندی بنادے جو اپنے کو دنیا ہی میں اسطرح بدل لے گا تو آخرت میں نہ اسکو عذاب دیا جائیگا نہ اسکی کھال کی تبدیلی ہوگی یہاں حال تبدیل کرلو تاکہ وہاں کھال تبدیل نہ ہو۔ یہاں شرم وندامت کی آگ میں جل لو تاکہ وہاں اس آگ میں نہ جلو۔

برادر زکار بداں شرم دار! کہ درروئے نیکاں شوی شرمسار!
نریزد خدا آبروئے کسے کہ ریزد گناہ آب چشمش بسے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو شخص جنت کی مذکورہ نعمتیں چاہتا ہے وہ پانچ چیزوں پر ہمیشہ عمل کرے۔ اپنے کو گناہوں سے بچائے رکھے۔ تھوڑی دنیا پر راضی رہے کیونکہ جنت کی قیمت ترک دنیا ہے۔ اللہ کی اطاعتوں پر حریص رہے ہر قسم کی نیکی کرے نہ معلوم کونسی نیکی اسکو بخشوادے۔ نیکوں سے محبت رکھے اور انکے ساتھ رہے کہ اچھوں کی محبت اور صحبت اچھا کر دیتی ہے۔

امید است از آناں کہ طاعت کنند کہ بے طاعتاں راشفاعت کنند!

یعنی طاعت والے بے طاعتوں کو شفاعت کر کے بخشوالیں گے۔ اللہ سے دعا زیادہ مانگے کہ اسکا خاتمہ ایمان پر ہو دعا تیر قضا کیلئے مثل جوشن کے ہے اور تلوار بلا کیلئے مثل زرہ کے۔

غنیمت شمارند مرداں دعا! کہ جوشن بود پیش تیر بلا

(از روح البیان)

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ

بے شک اللہ حکم دیتا ہے تم کو یہ کہ ادا کرو تم امانتوں کو ان کے اہل کی طرف اور جب فیصلہ کرو تم درمیان لوگوں کے

بے شک اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں جن کی ہیں انہیں سپرد کر دو اور یہ کہ جب تم لوگوں میں فیصلہ کرو تو انصاف کے

أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا (۵۸)

یہ کہ فیصلہ کرو ساتھ انصاف کے بے شک اللہ بہت اچھی نصیحت کرتا ہے تم کو اسی کی بے شک اللہ ہی سننے والا دیکھنے والا

ساتھ کرو بے شک اللہ تمہیں کیا ہی خوب نصیحت فرماتا ہے بے شک اللہ سنتا دیکھتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو ہم جنت میں داخل فرمائیں گے اب نیک اعمال کی کچھ تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ صرف عبادات ہی نیک اعمال نہیں ہیں بلکہ درستی معاملات بھی ضروری ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی کچھ تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ جنتی کو اسکے باغات اور اپنی نامزد بیویاں ملیں گی رب تعالیٰ کسی کا حق دوسرے کو نہ دیگا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو تم بھی دنیا میں امانتیں مالکوں کو دو یہاں تم امانتیں دو اور وہاں رب سے اپنی امانتیں لو۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیتوں میں یہود کی علمی خیانتوں کا ذکر تھا انہوں نے جانتے ہوئے کفار کو مسلمانوں کے مقابلے میں ہدایت یافتہ بتایا یہ توریت کی آیتوں میں بدترین خیانت ہے اب ہم کو حکم ہے کہ تم ان جیسے نہ بن جاؤ ہر مومن علم، مال، راز وغیرہ کا امانتدار ہے امانتداری سے کام لے خیانت نہ کرے ورنہ وہ بھی یہود جیسا مجرم ہوگا۔

شان نزول: عام مفسرین نے اس آیت کریمہ کا شان نزول یہ لکھا کہ فتح مکہ کا دن ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم فاتحانہ شان سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو عثمان ابن طلحہ حجبی جو قبیلہ بنی عبد الدار سے تھے اور کعبہ معظمہ کے سادن یعنی چابی بردار تھے انہوں نے کعبے کے دروازے میں قفل لگا دیا اور خود چھت پر چڑھ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ بتوں سے صاف کرنے کیلئے چابی طلب فرمائی لوگوں نے کہا کہ چابی عثمان کے پاس ہے جناب علی مرتضیٰ کو چابی لینے بھیجا گیا عثمان نے انکار کیا اور کہا کہ اگر میں انہیں رسول اللہ سمجھتا تو چابی دے دیتا جناب شیر خدا نے ایک ہاتھ سے انکی گردن پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے انکا ہاتھ مروڑ کر چابی چھین لی اور فرمایا عثمان ہوش کرو آج تم بلکہ سارا مکہ و کعبہ معظمہ جناب مصطفیٰ کے راج میں ہو تمہاری کیا طاقت ہے کہ چابی نہ دو اور چابی حضور کی بارگاہ میں حاضر کر دی سرکار بیت اللہ شریف میں داخل ہوئے اور وہاں سے بت نکلوا کر عین کعبہ میں دو رکعت نفل پڑھے جب سرکار کعبے سے باہر تشریف لائے تو حضرت عباس نے عرض کیا کہ حضور سقایت یعنی حاجیوں کو پانی پلانا تو میرے پاس ہے ہی حضور سدانت یعنی کعبے کی کلید برداری بھی مجھے عنایت فرمائی جائے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ یہ چابی جسکی امانت ہے اسکو پہنچاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی مرتضیٰ کو حکم دیا کہ چابی عثمان کو دے آؤ جناب علی عثمان کے پاس گھر پہنچے تو معذرت کے ساتھ انہیں چابی واپس دی عثمان بولے کہ تم پہلے گرم تھے اب نرم کیوں ہو گئے تو جناب علی نے انہیں یہ آیت پڑھ کر سنائی عثمان کے دل پر ایسا اثر پڑا کہ فوراً ہی اسلام لے آئے اور انہوں نے اپنی موت تک

www.alahazratnetwork.org

وقت اپنے بھائی شیبہ کو چابی سپرد کی آج تک وہ چابی شیبہ کی اولاد میں ہے (جلالین، خازن، کبیر، روح المعانی و بیان وغیرہ) مگر اس روایت پر اعتراض یہ ہے کہ ابن عبدالبر، ابن مندہ، ابن اثیر وغیرہ مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عثمان ابن طلحہ۔ حدیبیہ کے سال ۸ھ میں خالد ابن ولید اور عمرو ابن عاص کے ساتھ مدینہ طیبہ پہنچے اور مسلمان ہو گئے حضور نے خبر دی تھی کہ مکہ نے اپنے کلیجے کے ٹکڑے ہماری طرف پھینک دیئے یعنی مکے کے سردار اسلام لاتے آرہے ہیں۔ صلح حدیبیہ فتح مکہ سے دو سال پہلے ہوئی ہے تو انکا اسلام بھی فتح مکہ سے پہلے ہے۔ حق یہ ہے کہ فتح مکہ کے دن آپ مسلمان تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے بخوشی کعبہ کھولا ہاں حضرت عباس نے اس چابی کی خواہش کی تب یہ آیت کریمہ اتری اور حضور نے عثمان سے فرمایا خذھا خالدۃ تالدۃ یعنی اے عثمان تم یہ چابی لو تاقیامت تم میں ہی رہے گی اس روایت کو ترجیح ہے۔ (دیکھو تفسیر خزائن العرفان و روح المعانی و بیان وغیرہ)۔

تفسیر: **ان اللہ یامرکم**: ادائے امانت کی اہمیت ظاہر فرمانے کیلئے اس آیت کو ان سے شروع فرمایا گیا۔ یامر امر سے بنا بمعنی تاکیدی حکم۔ کم میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے جمع تعظیم کیلئے یا حضور علی و عباس سے یا تمام صحابہ کرام سے یا سارے مسلمانوں سے کیونکہ ہر مسلمان کسی نہ کسی امانت کا امین ہے یہی زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ آیت کے الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا اللہ تعالیٰ نے ہم کو احکام مختلف عبارتوں سے دیئے۔ نماز و روزہ کیلئے **اقیموالصلوۃ واتوالزکوۃ** اور روزہ کیلئے فرمایا **کتب علیکم الصیام** حج کیلئے فرمایا **للہ علی الناس حج البیت** مگر میراث کیلئے فرمایا **یوصیکم اللہ فی اولادکم** اور ادائے امانت و عدل کیلئے فرمایا **یامرکم** جس میں نہایت اہتمام معلوم ہوتا ہے کیونکہ امانت و عدل سے دنیا بھی قائم ہے آخرت بھی۔ جس ملک میں امانت و عدالت نہ ہو وہ ملک ویران ہے حضور کا لقب ہے امین رب تعالیٰ نے آسمان و زمین پر امانت ہی پیش فرمائی تھی اسلئے ادائے امانت کیلئے اتنا اہم حکم دیا کہ ہم اللہ ہونے کی شان سے تم کو یہ حکم دیتے ہیں **ان تؤدوا الامنت الی اھلھا** یہ عبارت یامر کا دوسرا مفعول ہے تؤدوا اداء کا مضارع ہے بمعنی ادا کرنا سونپنا سپرد کرنا امانات امانت کی جمع ہے امانت اور امان مصدر ہیں جسکا مادہ امن ہے کبھی امان اس حالت کا نام ہوتا ہے جس میں انسان امن میں ہو اور کبھی اس چیز کا نام ہوتا ہے جسکا انسان کو امین بنایا جائے۔ چونکہ امانتیں بہت سی قسم کی ہیں علم کی۔ مال کی۔ عزت و آبرو کی۔ راز کی بلکہ حق تو یہ ہے کہ ہمارے اعضاء اللہ کی امانتیں ہیں اسلئے امانت جمع ارشاد ہوا الیٰ کا تعلق تؤدوا سے ہے اہل امانت وہ ہیں جو اس امانت کے حقدار ہوں خواہ عام انسان ہوں یا خود رب تعالیٰ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں انکے حقداروں کو پہنچادو اس جملہ میں تو ان امانتوں کی ادا کا حکم ہوا جو ہمارے اپنے ذمہ ہوں پھر ان امانتوں کے ادا کرا دینے کا حکم دیا گیا جو کسی کی امانت دوسرے کے ذمہ ہوں اور ہم ادا کرا دینے پر قادر ہوں کہ فرمایا **واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل** واؤ عاطفہ ہے یہ عبارت ان تؤدوا پر معطوف ہو کر یامر کا مفعول ہے اور اذا ظرف ہے اور یہ عبارۃ ان تحکموا کا ظرف ہے۔ تحکموا حکم سے بنا بمعنی فیصلہ اس سے ہے حاکم اور حکم سلطنت کی طرف سے جسے فیصلہ کیلئے مقرر کیا جائے وہ حاکم کہلاتا ہے جسے مدعی مدعا علیہ اپنے فیصلہ کیلئے مقرر کرلیں اسے حکم یعنی پنچ کہا جاتا ہے جو فرق عدالت و پنچایت میں ہے وہی فرق حاکم اور پنچ میں ہے کہ حاکم عام لوگوں کا فیصلہ کرتا ہے حکم خاص کا حاکم با اختیار ہوتا ہے حکم بے اختیار کہ اگر

www.alahazratnetwork.org

ان دونوں میں سے کوئی اسکا فیصلہ نہ مانے تو وہ اسے جبراً منوا نہیں سکتا حاکم بادشاہ کی طرف سے مقرر ہوتا ہے حکم خود فریقین کی طرف سے یہاں خطاب یا تو حکام اور پنچوں کو ہے یا سارے مسلمانوں کو ناس سے مراد وہ مدعی مدعا علیہ ہیں جنکا فیصلہ اس حاکم یا حکم کے پاس آیا ہوا ہے عدل کے لغوی معنی ہیں برابری اور چیزوں میں برابری اسلئے اونٹ کی پیٹھ پر لدے ہوئے دو طرفہ بوجھ کو عدل کہتے ہیں وہ دونوں برابر ہوتے ہیں اگر کم و بیش ہوں تو گر جائیں اصطلاح میں جو فیصلہ ظلم و تعدی سے بچا ہوا ہو وہ عدل ہے یعنی اے حاکمو اور پنچو رب تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ تم جب لوگوں میں فیصلہ کرو تو ہمیشہ مدعی و مدعا علیہ کے درمیان انصاف سے فیصلہ کرو یا اے مسلمانو رب تعالیٰ تم سب کو حکم دیتا ہے کہ جب تم لوگوں کے درمیان حاکم یا حکم بنو تو عدل و انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔ **ان اللہ نعما یعظکم بہ** یہ نیا جملہ ہے جو گزشتہ حکموں کی اہمیت دکھانے کیلئے ارشاد ہوا لفظ اللہ ان کا اسم ہے اور بقیہ عبارت اسکی خبر نعم فعل مدح یا موصوفہ ہے یا موصوفہ یعظکم یا اس کی صفت ہے یا صلہ۔ یعظ وعظ سے بنا بمعنی نصیحت۔ کم میں خطاب انہیں حکام و حکم یا تمام مسلمانوں سے ہے جو ابھی مذکور ہوئے بہ کا مرجع ما ہے یعنی جس عدل و انصاف و اداء امانت کا حکم تم کو رب تعالیٰ دے رہا ہے یہ بہت ہی اچھی چیزیں ہیں۔ دنیا میں بھی فائدہ مند آخرت میں بھی مفید ان ہی سے گھر کے معاملات ملکی انتظام درست ہوتے ہیں اور ان سے رب تعالیٰ بھی تم سے راضی ہوگا اور مخلوق بھی کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے احکام ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت تو یہ ہے کہ **ان اللہ کان سمیعا بصیرا** یہ جملہ یا تو نعما کی علت ہے یا اسکے خلاف ورزی کرنیوالوں کو ڈرانا یا اس پر عمل کرنے والوں کو بشارت سمیعا بصیرا کا مفعول پوشیدہ ہے تاکہ عموم پر دلالت کرے یعنی اللہ تعالیٰ تمام بندوں کی ہر بات سننے والا ہے اور انکا ہر کام دیکھنے والا اللہ تمہاری قولی و فعلی اداء امانات اور عدل و انصاف کو بھی دیکھتا سنتا ہے اور تمہاری خیانتوں و ظلم و تعدی کو بھی سنتا دیکھتا ہے تمہیں اس پر پوری سزا و جزا دیگا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے جماعت صحابہ اے سارے مسلمانو اللہ تعالیٰ تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے کہ تم ہر قسم کی مالی، جانی، ایمانی، روحانی، اتفاقی، رازداری، ایمانداری کی امانتیں انکے مستحقوں یا مالکوں یا انکے لائق ہستیوں کو ادا کرو علماء فرماتے ہیں کہ امانتیں تین قسم کی ہیں اللہ تعالیٰ کی امانتیں کہ انسان کے اعضاء رب کی امانت ہیں ان سے اللہ کی اطاعت کرنا امانتداری ہے۔ ان سے برے کام اسکی خیانت اس میں ساری نیکیاں کرنا اور سارے گناہوں سے بچنا داخل ہے۔ اپنے نفس کی امانتداری کہ ہم پر ہمارے نفس کے حقوق ہیں وہ ادا کرنا امانت ہے اسکے خلاف کرنا خیانت۔ جائز طور پر کھانا سونا آرام کرنا امانتداری ہے بھوکا رہ کر ہلاک ہو جانا وغیرہ خیانت لوگوں کی امانت، ودیعت، عاریت ادا کرنا بال بچوں کے حق انہیں دینا امانتداری ہے اسکے خلاف کرنا خیانت ہے (خازن) اور اے حاکمو اے پنچو اللہ تعالیٰ تم کو سخت تاکیدی حکم دیتا ہے کہ جب تم فریقین میں فیصلہ کرو تو عدل و انصاف سے کرو کسی کی رعایت و مروت میں دوسرے پر ظلم نہ کرو یا اے مسلمانو رب تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ جب تم حاکم یا پنچ بنو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔ علماء فرماتے ہیں کہ حاکم و پنچ فریقین کے درمیان پانچ باتوں میں برابری کرے دونوں کو اپنے پاس یکساں جگہ دے۔ دونوں کے درمیان بیٹھے۔ دونوں پر یکساں توجہ کرے۔ دونوں کی بات یکساں سنے۔ حق حقدار کو دے (کبیر و خازن) حتیٰ کہ دوران مقدمہ کسی ایک کے گھر نہ دعوت کھانے نہ جائے اگر کھانے یا جائے تو دونوں کے گھر یکساں کسی کا ہدیہ قبول نہ کرے کہ یہ رشوت ہے کسی ایک کی دعوت نہ کرے اگر کرے تو دونوں کی (تفسیر کبیر) اے لوگو تم

www.alahazratnetwork.org

کو جو یہ احکام دیئے گئے یہ بہت ہی اچھے حکم ہیں جن سے دنیا و دین دونوں قائم ہیں ان پر عمل کر کے تم خلق کو راضی خالق کو خوش کرو گے کیوں نہ ہو کہ یہ اللہ سمیع و بصیر کے دیئے ہوئے احکام ہیں یہ سمجھ کر تم عدل و انصاف کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر بات سن رہا ہے اور تمہارے ہر کام کو دیکھ رہا ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ سے بہت قریب عادل حاکم ہے اور بہت دور ظالم حاکم ترمذی و خازن فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن عادل حکام نور کے منبروں پر ہوں گے (مسلم، خازن) حضور نے حضرت علی سے فرمایا کہ فریقین میں بول چال اور عمل برتاو سب میں برابری کرو (روح المعانی) خیال رہے کہ کفار حاکم یا بادشاہ بنتے ہیں دولت حاصل کرنے عیش کرنے کوٹھیوں میں رہنے رعایا کا مخدوم بننے کیلئے مگر مومن بادشاہ یا حاکم بنتا ہے عدل و انصاف کرنے اسلام کو فروغ دینے لوگوں کو آرام دلانے رعایا کا خادم بننے کیلئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ** ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

سروری در دین ما خدمت گری است عدل فاروق و فقر حیدری است

جیسے کافر و مومن کی امیری و سلطانی میں فرق ہے ایسے ہی مومن و کافر کی فقر و غنی کھانے سونے بلکہ جینے مرنے میں فرق ہے۔ کہ کافر کی یہ تمام چیزیں نفس کیلئے ہیں مومن کا یہ سب کچھ اللہ کیلئے **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین** ○

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: امانت کسی کی بھی ہو اسکو دی جائے مسلمان کی ہو یا کافر ذمی کی یا کافر حربی کی دوست کی یا دشمن کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ روانہ ہوئے تو حضرت علی کو اپنے ساتھ نہ لیا ان سے فرمایا کہ انہیں خونخوار کفار کی جو قتل کرنے کیلئے میرا گھر گھیرے کھڑے ہیں انکی امانتیں میرے پاس ہیں اے علی انکی امانتیں انہیں سپرد کر کے مدینہ آجانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عرب محمد امین کہتے تھے خیانت کسی کی بھی جائز نہیں جیسا کہ الی اھلھا کے اطلاق سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: امانت صرف مال کی نہیں بلکہ بہت قسم کی ہے احکام خداوندی کی بھی امانت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض** ہم نے آسمانوں و زمین پر امانت پیش فرمائی وہ امانت کیا تھی شرعی احکام یا عشق الٰہی یا خوف الٰہی و عشق مصطفوی جیسا کہ امانت جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ ان سب میں امانتداری چاہیے۔ تیسرا فائدہ: بادشاہوں کو چاہیے کہ حکومت اہلوں کے سپرد کریں نااہلوں کو نہ دیں کہ یہ بھی خیانت ہے حضور فرماتے ہیں جب نااہلوں کو امانت سپرد کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرو علماء کو چاہیے کہ ہر قسم کا علم اسکے اہل کو سکھائیں اپنی قبر میں چھپا کر علم نہ لے جائیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امانت ہے جو انکی امت کو دی جائے۔ مشائخ پر فرض ہے کہ وہ اسرار کی امانت اہل کو دیں چھپا کر نہ لے جائیں یہ تمام احکام اس آیت سے ماخوذ ہیں۔ چوتھا فائدہ: غافل انسان درحقیقت خائن ہے کہ اپنے نفس کی بھی خیانت کرتا ہے اپنے رب کی بھی مسلمان اس ڈاکیہ کی طرح ہے جو ڈاک کا تھیلہ لے کر دفتر سے چلے جس میں سینکڑوں کی امانتیں ہیں اگر ایک منی آرڈر یا پارسل غلط تقسیم ہو گیا تو اسکی پکڑ ہے کامیاب ڈاکیہ وہ ہے جو سب کی امانتیں درست طور پر تقسیم کر کے لوٹے کامیاب مسلمان وہ ہے جو تمام کے حقوق ادا کر کے اپنے گھر یعنی قبر میں جائے۔ پانچواں فائدہ: ہر حاکم ہر جج پر عدل و انصاف فرض ہے عدالت میں اپنے پرائے دوست دشمن

www.alahazratnetwork.org

مومن کافر کا فرق نہ کرے مسلمان اس وصف میں بہت مشہور تھے یہ فائدہ **ان تحکموا بالعدل** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: ہر مسلمان کو خواہ اپنے معاملہ میں بھی عدل و انصاف کرنا چاہئے جب کسی سے لڑائی ہو جائے اور تم قصوروار ہو تو اپنا قصور مان لو اس سے معافی چاہ لو۔ یہ فائدہ بھی **ان تحکموا بالعدل** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: امانتداری اور عدل و انصاف ایسے اعمال ہیں جنکا فائدہ انسان کو دنیا میں بھی حاصل ہوتا ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ نعما کے عموم سے معلوم ہوا۔ عدل کا فائدہ کفار نے بھی اٹھایا آج تک نوشیرواں کا نام بھلائی کے ساتھ زندہ ہے حالانکہ وہ کافر تھا کیوں عدل و انصاف کی وجہ سے۔

زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل! گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند

آٹھواں فائدہ: اپنی بیویوں' اولاد' آپس میں پڑوسیوں سب کے ساتھ عدل و انصاف کرنا ضروری ہے اپنی زندگی میں اور مرے بعد انصاف کرو کہ حق المیراث سب کو دو یہ فائدہ بھی ان تحکموا کے اطلاق سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تم نے اسکے شان نزول میں بیان کیا کہ حضرت علی نے کعبہ معظمہ کی چابی حضرت عثمان ابن طلحہ سے جبراً چھینی تو یہ چابی امانت نہ ہوئی بلکہ غنیمت ہوئی کیونکہ جنگ میں کفار سے چھینا ہوا مال غنیمت ہوتا ہے نہ کہ امانت پھر رب نے اسے امانت کیوں فرمایا اور اسکے واپس کرنے کا کیوں حکم دیا۔ جواب: اگر یہ روایت صحیح ہو تو یہ واپسی شرعی حکم نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ کا خاص کرم تھا اسکی مرضی یہ نہ تھی کہ حضرت عثمان سے یہ چابی لی جائے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء بھی یہی تھا کہ اس چابی سے عثمان کے دل کا قفل کھلے اسلئے حضرت علی اس چابی پر قبضہ کرنے کے بعد بھی مالک نہ بنے حضرت عثمان کی ملکیت قائم رہی اور اسے امانت قرار دیا گیا۔

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان و روانہ دیگر اند!

دیکھو اللہ تعالیٰ نے ہمارے صدقہ و خیرات کو اپنے ذمہ کرم پر قرض قرار دیا محض بندہ نوازی کرم فرمائی کی بنا پر یوں ہی اسے امانت فرمانا مہربانی ہے بعض نے فرمایا کہ ہجرت سے پہلے ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان سے فرمایا تھا کہ اے عثمان ایک وقت وہ آئیگا کہ اس چابی پر قبضہ میرا ہو گا اور تمہیں یہ چابی ہمارے ہاتھ سے ملے گی اس صورت میں امانت پر فرمانا اس وعدہ کی بنا پر ہے۔ دوسرا اعتراض: اگر یامرکم خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو آپ تو پہلے ہی سے امین تھے حتی کہ آپکا نام نبوت سے پہلے ہی محمد امین ہو چکا تھا پھر آپکو یہ حکم کیوں دیا گیا۔ جواب: اس قسم کے احکام میں دوام و ہمیشگی مراد ہوتی ہے یعنی آپ ادائے امانت قائم رہیں جیسے رب فرماتا ہے **یاایھا النبی اتق اللہ** اے نبی اللہ سے ڈرو یعنی یونہی ڈرتے جاؤ ایسے ہی یہاں معنی ہوں گے یوں ہی امانتیں ادا کئے جاؤ۔ تیسرا اعتراض: ادائے امانت کا حکم کافروں کو بھی ہے کہ نہیں اگر ہے تو یامرکم میں خطاب مسلمانوں کو ہی کیوں ہوا اگر نہیں تو کیا انہیں خیانت کرنے کا حکم ہے۔ جواب: مالی امانت کا ادا کرنا ان پر بھی قانوناً لازم ہے کیونکہ یہ معاملات میں سے ہے مگر اس پر انہیں ثواب نہ ملے گا ثواب کیلئے ایمان شرط ہے۔ ہاں خیانت کرنے پر انہیں قانونی سزا ضرور ملے گی اس ہی لحاظ سے آخر میں فرمایا گیا نعما یعظکم بہ یہ حکم اے مسلمانو تمہارے واسطے بہت اچھا ہے کہ تمہیں اس پر ثواب بھی ملے گا۔ چوتھا اعتراض: یہاں امانت جمع کیوں ارشاد ہوا امانت تو ایک ہی ہوتی ہے جسے ودیعت کہا جاتا ہے۔ جواب: نہیں امانت کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک امانت مالی ہے اسکی بھی بہت سی قسمیں ہیں ودیعت' عاریت' کرائے پر لی

www.alahazratnetwork.org

ہوئی چیز وغیرہ پانچواں اعتراض: یہاں الیٰ اھلہا کیوں فرمایا الیٰ ما لکہا کیوں نہ فرمایا امانت مالک ہی کو دی جاتی ہے۔ جواب: یہ بھی غلط ہے امانت اسکے مستحق کو دی جاتی ہے خواہ وہ اسکا مالک ہو یا نہ ہو کسی کا تم پر قرض تھا وہ فوت ہو گیا تو اسکے وارثوں کو دو اگرچہ وہ ابھی اسکے مالک نہیں علم و اسرار کی امانتیں تو شان ہی دوسری رکھتی ہیں اسلئے لفظ اہل ارشاد ہوا جو سب کو شامل تھا۔

تفسیر صوفیانہ: کسی کا حق جو اپنے ذمے ہو وہ امانت ہے اسکی بہت قسمیں ہیں ہر انسان امین ہے کوئی معمولی چیز کا کوئی اعلیٰ چیز کا چنانچہ عام انسان اپنے اعضاء کے امین ہیں کہ وہ انہیں اللہ کی رضا میں صرف کریں علماء علم الٰہی کے امین ہیں۔ صوفیاء اسرار ربانی کے امین ہیں۔ حضرات انبیاء احکام نبوت کے امین ہیں غرض ہر شخص امین ہے اور اس پر لازم ہے کہ یہ امانتیں اسی کے سپرد کرے جو اسکا اھل ہے اسرار کی امانت اغیار کو مت دو فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی علم کے نکات نااہلوں پر پیش کرے وہ ایسا بے وقوف ہے جیسے کوئی موتیوں کا ہار خنزیر کے گلے میں ڈالے میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔۔

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی! مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی !!

یہ آیت کریمہ بہت جامع ہے۔ جس میں سارے امینوں کو اپنی امانتوں کے صحیح ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے اے مسلمانو' اے عالمو' اے مشائخ عظام اپنی اپنی امانتیں اسکے اہل کو ادا کرو انسان پر لازم ہے کہ پہلے اپنے ساتھ انصاف کرے پھر دوسروں کے ساتھ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کا انصاف ہزار سال کے رکوع و سجود سے افضل ہے۔۔

از تو گر انصاف آید در وجود! بہ ز عمرے در رکوع و در سجود!

ہر چیز کو فنا ہے مگر انصاف کو بقا ہے۔۔

جہاں نماند و آثار معدلت ماند! بخیر کوش وصلاح بعدل کوش و کرم

کہ ملک و دولت حجاج مرو مان آزار نماند تا بقیامت برو ماند رقم

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارا نفس اور دل آپس میں مدعی و مدعیٰ علیہ ہیں روح انکی حاکم یا حکم ہے نفس دنیا کی طرف کھینچتا ہے دل آخرت کی طرف روح کو لازم ہے کہ نہ تو تارک الدنیا ہی ہو جائے نہ تارک الدین ہی بنے بلکہ دونوں میں عدل و انصاف کرے۔

تو دنیا میں ایسا ہو رہ جو مرغابی ساگر میں ڈگر پہ اپنی ایسے جانا جو چت ناری گاگر میں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول کی اور حکم والوں
اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت کرنے والے ہیں
فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ
کی تم میں سے پھر اگر تم جھگڑ بیٹھو کسی چیز میں تو لوٹاؤ اسے طرف اللہ اور رسول کے اگر ہو تم ایمان رکھتے
پھر اگر تم میں کسی بات کا جھگڑا اٹھے تو اسے اللہ اور رسول کے حضور رجوع کرو اگر

www.alahazratnetwork.org

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝۵۹

اللہ پر اور آخری دن پر یہ اچھا ہے اور اچھے نتیجہ والا

اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور اس کا انجام سب سے اچھا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں حاکموں اور والیوں کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ رعیت میں عدل و انصاف کریں اب رعایا کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ حکام و سلاطین کی فرمانبرداری کریں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ادائے امانت کا حکم تھا حکام کی اطاعت اللہ رسول کی فرمانبرداری یہ بھی اسکی ایک قسم ہے لہذا اب اسکا حکم دیا جا رہا ہے گویا عام امانتداری کے بعد خاص امانتداری کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا، جس میں اپنے نفس سے عدل کرنا بھی داخل تھا۔ اب اسکی وضاحت کی جا رہی ہے کہ اے مسلمانو اپنے دل میں انصاف کرو کہ اپنے محسنوں کی فرمانبرداری کرو تمہارے سب سے بڑے محسن اللہ رسول ہیں انکے بعد علماء و مشائخ اور حکام لہذا تقاضہ عدل یہ ہے کہ ان سب کی فرمانبرداری کرو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا اب اس عدل کی تفسیر فرمائی جا رہی ہے کہ قانون خدا اور رسول کی پابندی اور اس قانون کے ماتحت اپنا فیصلہ کرنا عدل ہے عدل کا معیار اللہ رسول و مجتہدین عظام کے فیصلے ہیں نہ کہ تمہاری عقل چور کے ہاتھ کاٹنا عدل ہے اسے محض قید کر دینا ظلم کہ ہاتھ کاٹنا شرعی قانون قید کرنا تمہارا عقلی قانون۔

شان نزول: ایک لشکر میں حضرت خالد ابن ولید امیر و سپہ سالار تھے اس میں حضرت عمار یاسر بھی سپاہی کی شان سے تھے۔ جس قوم پر حملہ کرنا تھا جب انکا علاقہ قریب آیا اور انہیں لشکر اسلام کے حملے کا پتہ چلا تو وہ راتوں رات اپنا سامان اور بال بچوں کو لے کر وہاں سے بھاگ گئے رات کے اندھیرے میں ایک شخص نے اپنا سامان اور بال بچوں کو جمع کیا مگر بھاگنے سے پہلے چھپ کر لشکر اسلام میں آیا حضرت عمار ابن یاسر سے ملاقات ہو گئی وہ ان سے بولا کہ میں مسلمان ہو چکا ہوں اور میری قوم تمہاری خبر پاکر بھاگ گئی ہے یہاں صرف میں رہ گیا ہوں کیا میرا اسلام لانا کچھ مفید ہو گا اگر میری جان و مال محفوظ رہے تو میں یہاں ٹھہر رہوں ورنہ میں بھی بھاگ جاؤں آپ نے فرمایا کہ تمہارا ایمان تمہیں نفع دیگا تم اطمینان سے رہو۔ میں تمہیں امان دیتا ہوں وہ شخص مطمئن ہو کر لوٹ گیا صبح کو جب لشکر اسلام نے اس بستی پر حملہ کیا تو دیکھا کہ سوائے ایک گھر کے باقی سارے خالی پڑے ہیں حضرت خالد ابن ولید نے اس شخص کو بمعہ بال بچوں کے قید کر لیا اور اسکے مال پر قبضہ کر لیا جب جناب عمار کو یہ خبر ملی تو آپ خالد ابن ولید کے پاس پہنچے اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اسے میں امان دے چکا ہوں اور یہ مسلمان ہو چکا ہے حضرت خالد نے کہا کہ میں لشکر کا امیر ہوں تمہیں کسی کو امان دینے کا کیا حق تھا۔ جناب عمار بولے مجھے حق تھا اس پر ان دونوں بزرگوں میں شکر رنجی ہو گئی اس حال میں یہ حضرات مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمار کی امان جائز رکھی اور اس شخص کو مع اسکے مال چھوڑ دیا اور حضرت عمار کو تاکید کی گئی کہ وہ آئندہ بغیر اجازت کسی کو امان نہ دیا کریں حضرت خالد نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا آپ عمار جیسے غلام کو اسکی اجازت دیتے ہیں کہ وہ میرا مقابلہ کرے حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عمار کو برا بھلا کہے خدا اسکا برا کرے جو عمار سے بغض رکھے خدا اس سے ناراض ہو جائے جو عمار کو لعنت کرے خدا اس پر لعنت کرے حضرت عمار یہ فیصلہ سن کر بارگاہ بے کس نواز سے روانہ ہو گئے۔ جناب خالد انکے پیچھے دوڑے اور راستے میں ان تک پہنچے اور پیچھے سے انکا دامن پکڑ کر لپٹ گئے اور معذرت کر کے انکو راضی کر لیا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** چونکہ اگلا حکم جو آرہا ہے نہایت ہی اہم اور تمام دین و دنیا کا اصل اصول ہے اور بہت سے اصول شرعیہ کا جامع ہے سارے دین کا مدار اس پر ہے اسلئے پہلے اپنے محبوب کی امت کو پیارے خطاب سے پکارا پھر حکم فرمایا تاکہ اس خطاب کی لذت سے مسلمانوں پر یہ کام آسان ہو جائے بے ہوشی کی دوا سونگھا کر آپریشن کرتے ہیں یوں ہی بے خود کر دینے والا خطاب سنا کر دشوار احکام دیتے ہیں۔ **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** اطیعوا اطاعت سے بنا جسکا مادہ ہے طوع بمعنی خوشی اسکا مقابل۔ ہے کرہ۔ اصطلاح میں بخوشی کسی بڑے حکم کا ماننا اطاعت کہا جاتا ہے اس بڑے کا جتنا حق زیادہ اتنی ہی اسکی اطاعت زیادہ لازم بندوں پر سب سے بڑا حق اللہ تعالیٰ کا ہے کہ وہ ہمارا خالق و مالک و روزی رساں ہے۔ اسلئے اسکی اطاعت کا ذکر پہلے ہوا اللہ کی اطاعت سے مراد تمام قرآنی احکام پر عمل کرنا ہے خواہ فرائض ہوں یا محرمات۔ اللہ تعالیٰ کے بعد ہم پر سب سے بڑا احسان اور ہم پر سب سے بڑا اختیار حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ حضور نے ہمیں ایمان قرآن دیا اور اللہ کا راستہ بتایا مرے بعد سارے عزیز چھوڑ دیتے ہیں اور سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر وہ محبوب ہمیں وہاں بھی نہیں چھوڑتے اور انکے ساتھ ہمارا رشتہ غلامی وہاں بھی نہیں ٹوٹتا کہ قبر میں فرشتے یہ تو پوچھتے ہیں کہ تو کس کا امتی ہے مگر یہ نہیں پوچھتے کہ یہ کس کا بھائی بیٹا ہے معلوم ہوا کہ سب رشتے ٹوٹ گئے رشتہ جناب مصطفیٰ باقی ہے اسلئے رب تعالیٰ نے اپنی اطاعت سے متصل اپنے محبوب کی اطاعت کا حکم دیا الرسول میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد یہ خاص رسول ہیں جو اللہ کے بھی رسول ہیں اور ساری مخلوق کے بھی ہمیشہ تک رسول۔ خیال رہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح مطلقاً و مستقلاً" واجب ہے اگر سرکار کسی کو کوئی ایسا حکم دیں جو قرآن شریف کے خلاف ہو تو اس شخص پر اس میں بھی اطاعت واجب ہو گی اور اس کیلئے یہ حکم قرآنی منسوخ ہو گیا وہ شخص اس حکم سے مخصوص یا مستثنیٰ ہو گا اسکی ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اسلئے اطاعت رسول کو اللہ کی اطاعت سے متصل بیان کیا گیا اور اس کیلئے مستقل طور پر اطیعوا کا حکم لایا گیا تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ کی اطاعت کے ضمن میں رسول کی اطاعت ہے قرآن پر عمل کر لو حضور کی اطاعت ہو گئی یا اگر حضور کا کوئی حکم قرآن کے خلاف معلوم ہو تو اسے نہ مانو نہیں بلکہ مستقل انکی اطاعت کرو ایسے مواقع پر انکے فرمان کو قرآن کا ناسخ سمجھو سجدہ تعظیمی کا حکم قرآن سے ثابت ہے مگر حضور نے فرمایا کہ میری شریعت میں غیر خدا کو سجدہ تعظیمی حرام ہے تو اسے حرام ہی سمجھو اور سجدے کی آیتیں اس حکم سے منسوخ مانو نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اسکے اقوال میں ہو گی مگر حضور کی اطاعت آپ کے اقوال میں بھی ہو گی اور آپکے اعمال میں بھی بلکہ آپ کے سکوت و خاموشی میں بھی اسلئے حضور کی اطاعت کیلئے الگ اطیعوا فرمایا گیا رسول فرما کر ادھر اشارہ کیا کہ وہ تمہاری طرح نہیں بلکہ وہ خدا کے اور تمہارے درمیان واسطہ عظمیٰ اور وسیلہ علیا ہیں انکی شان یہ ہے کہ ہم سے لیتے ہیں اور تم کو دیتے ہیں انکی زبان پر ہم بولتے ہیں قرآن اور حدیث ان ہی کی زبان سے نکلتے ہیں اس سونے اور چاندی کی

www.alahazratnetwork.org

کان یہی زبان و دہان ہے لہٰذا انکی اطاعت ہر حالت میں تم پر واجب ہے اطاعت رسول سے مراد آپکے سارے قول اور فعل سنتوں کی اطاعت ہے یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے مقترن ہے قرآن کی اطاعت میں شامل نہیں آپ مستقل مطاع ہیں **واولی الامر منکم** واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت الرسول پر معطوف ہو کر دوسرے اطیعوا کا مفعول بہ ہے اولی ذو کی جمع ہے خلاف قیاس۔ امر سے مراد یا حکم ہے یا حکومت اور حکم سے مراد یا شرعی حکم ہے یا قانونی حکم اور منکم کا تین پوشیدہ کے متعلق ہو کر اولی الامر کا حال ہے من تبعیضیہ ہے اور کم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے چونکہ حکم یا حکومت والوں کی اطاعت مطلقاً واجب نہیں بلکہ اللہ رسول کی اطاعت کے ضمن میں انکی اطاعت واجب ہے کہ اگر وہ موافق شرع حکم دیں تو انکی اطاعت کرو ورنہ نہیں اسلئے یہاں اطیعوا الگ نہ فرمایا گیا اور منکم کی قید لگائی گئی جب تک وہ مسلم قوم سے رہیں تب تک انکی اطاعت واجب اگر خلاف شرع حکم دیکر بے ایمان ہو جائیں تو انکی اطاعت نہ کرو اولی الامر سے مراد یا حضرت صدیق اکبر و فاروق اعظم ہیں جیسے ترمذی شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا کہ کیا پتہ تم میں میرا قیام کتنا ہے تم میرے بعد ابو بکر و عمر کی اطاعت کرنا یا اس سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں حضور نے فرمایا کہ میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں جنکی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے اور فرمایا کہ میرے صحابہ میری امت میں ایسے ہیں جیسے کھانے میں نمک کھانا بغیر نمک کے ٹھیک نہیں ہوتا یا اس سے مراد اسلامی حکام و سلاطین ہیں حضور نے فرمایا کہ سنو اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔ چونکہ بعض اسلامی احکام حکومت اسلامیہ سے وابستہ ہیں جیسے جہاد، قصاص، چور و زانی کو سزا دینا ملکی نظام قائم رکھنا اسلئے ان جیسے احکام میں حکام کی اطاعت ضروری ہوئی یا اس سے مراد ائمہ مجتہدین ہیں اور یا اس سے مراد علمائے دین ہیں آخری قول سیدنا عبداللہ ابن عباس جابر ابن عبداللہ مجاہد و حسن اور عطاء کا ہے ان بزرگوں نے اس پر اس آیت سے دلیل پکڑی **ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منہم لعلمہ الذین یستنبطونہ منہم** چونکہ اللہ رسول کی اطاعت انکے فرمانوں کے بغیر سمجھے نہیں ہو سکتی اسلئے انکی اطاعت کیلئے علماء دین کی اطاعت لازم ہوئی پارلیمنٹ کا کام ہے قانون بنانا وکیل کا کام ہے قانون سمجھانا حکام کا کام ہے قانون منوانا اسی طرح اللہ رسول قانون بنانے والے ہیں۔ علماء قانون سمجھانے والے اور حکام قانون منوانے والے کہ بزور حکومت اسلامی قوانین پر عمل کرائیں لہٰذا علماء کی اطاعت لازم ہوئی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد فوج کے سالار ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیتوں میں الفاظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کے خصوص کا یا اس سے مراد ہے اجماع علماء امت یعنی جس مسئلہ پر اولی الامر متفق ہو جائیں تو انکی اطاعت کرو اور اس مسئلہ کو ایسے ہی لازم العمل جانو جیسے اللہ رسول کے حکم کو **فان تنازعتم فی شیء** یہ مستقل جملہ ہے جس میں مسلمانوں کو چوتھا حکم دیا گیا یعنی قیاس شرعی کا چونکہ قیاس شرعی کا درجہ کتاب سنت اور اجماع کے بعد ہے اس لئے یہاں ف تعقیبیہ لائی گئی تنازعتم نزع سے بنا بمعنی کھینچ نکالنا علیحدہ کرنا اسلئے جان نکلنے کو نزع کہتے ہیں اصطلاح میں اختلاف رائے اور مناظرے کو تنازع کہا جاتا ہے کیونکہ اس میں ہر فریق اپنے طرف دوسرے کو کھینچنے کی کوشش کرتا ہے اس میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا عام مسلمانوں سے یا حکام سے یا مجتہدین سے یا عام علماء سے غرض کہ الذین آمنوا اور اولی الامر دونوں سے اسکا تعلق ہو سکتا ہے کہ اگر اولی الامر سے خطاب ہے تو اس میں التفات ہے کہ پہلے انہیں غائب کے لفظ سے یاد کیا تھا اب خطاب ہے اور اگر الذین آمنوا سے خطاب ہے تو اس میں التفات کوئی نہیں۔ شیء سے مراد دینی مسئلہ معلوم ہوتا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ دینی اور دنیاوی امور سب ہی ہوں

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ دنیاوی چیزوں پر بھی احکام جاری ہیں یعنی اے صحابہ کرام اگر تم آپس میں کسی شے میں جھگڑ پڑو یا اے مجتہدین یا اے علماء یا اے مسلمانو تم آپس میں کسی مسئلے میں اختلاف کرو یا کسی بات میں جھگڑ پڑو یا اے مسلمانو اگر تم حکام سے جھگڑ پڑو یا تمہارا علماء سے اختلاف ہو جائے یا اے حاکمو تمہارا علماء سے اختلاف ہو یا علماء کا تم سے غرض کہ اس تنازعتم میں پانچ چھ احتمال ہیں۔ **فردوہ الی اللہ والرسول** یہ عبارت مذکورہ شرط کی جزا ہے ف جزائیہ ہے۔ رد و' رد سے بنا بمعنی لوٹانا اپنے اصل کی طرف یا اصلی حالت کی طرف یہاں اصل کی طرف لوٹانا مراد ہے کیونکہ اللہ رسول سب کی اصل ہیں اور کتاب و سنت مسائل قیاسیہ کی اصل اگر یہ صحابہ کرام سے خطاب ہے تو اللہ رسول سے مراد انکی ذاتیں ہیں یعنی اے صحابہ اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے تو لڑو مت بلکہ اللہ رسول کی بارگاہ میں لوٹ آؤ اور ان سے فیصلہ کرالو حضور کی بارگاہ میں حاضر ہونا رب تعالیٰ ہی کے پاس آنا ہے۔ حضور کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے ناقابل اپیل۔ نیز حضور سب کی اصل ہیں لہٰذا انکے پاس آنا اپنے اصل کی طرف لوٹنا ہے اصل سے منتقل ہونا جانا کہلاتا ہے اور اصل کی طرف منتقل ہونا لوٹنا کہلاتا ہے۔ حضور سب کی اصل سب کا ٹھکانہ سب کی پناہ ہیں اس لئے ردوہ ارشاد ہوا یا اے علماء یا اے احکام یا اے مومنین اگر کسی مسئلہ یا کسی چیز میں تمہارا آپس میں اختلاف ہو جائے اور وہ حکم قرآن و حدیث میں موجود نہ ہو امت کا اس پر اجماع بھی نہ ہوا ہو بلکہ نزاع رہا ہو تو اس مسئلے کو اللہ رسول کے فرمان یعنی کتاب و سنت کی طرف رد کرو اسطرح کہ غیر منصوص حکم کو کسی منصوص حکم سے ملاؤ اور علت مشترکہ کی وجہ سے غیر منصوص چیز میں منصوص کا حکم جاری کرو مثلاً سوال پیدا ہوا کہ باجرہ جوار چاول ان میں سود جائز ہے یا نہیں یہ چیزیں غیر منصوص ہیں جنکا ذکر قرآن اور حدیث میں نہیں ہے تو تم دیکھو کہ حدیث شریف میں گندم' جو' نمک میں سود حرام کیا گیا ہے کیونکہ ان کی جنسیں اور وزن یکساں ہیں تو تم یہ کہو کہ چونکہ باجرہ جوار چاول کی جنسیں اور وزن یکساں ہیں لہٰذا ان میں بھی سود حرام ہے یہ ہوا اس شے کا اللہ رسول یعنی قرآن و حدیث کی طرف رد کرنا تاقیامت ایسا مسئلہ نہیں ہو سکتا جسکی مثال قرآن یا حدیث میں نہ مل جائے مسئلہ اور ہے مثال کچھ اور بہرحال یہ آیت کریمہ بہت سے احکام کی اصل ہے **ان کنتم تئومنون باللہ والیوم الاخر** یہ نیا جملہ ہے جسکی جزا پوشیدہ ہے اسکا تعلق اطیعوا اللہ اور فردوہ دونوں سے ہے یا صرف فردوہ سے آخری احتمال زیادہ قوی ہے ایمانیات یعنی ارکان ایمان کا مبداء توحید اور منتہی قیامت کا ماننا باقی ارکان ایمان ان دونوں کے درمیان میں ہی آجاتے ہیں جیسے نبوت' ملائکہ اور جنت دوزخ پر ایمان یعنی اے صحابہ یا اے مسلمانو یا اے علماء یا اے حکام اگر تم صحیح معنی میں اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو تو اللہ رسول کی اطاعت بھی کرو اور جھگڑے کے وقت غیر منصوص مسئلے کو منصوص پر پیش بھی کرو یا اپنے آپ یا علمائے مجتہدین کے ذریعے یعنی اگر خود مجتہد ہو تو قیاس کرو اور اگر مجتہد نہیں ہو تو کسی مجتہد کے قیاس پر عمل کرو اور مقلد بنو غیر مقلد ہو کر نہ جیو۔ **ذلک خیر واحسن تاویلا** ذلک سے اشارہ یا اللہ رسول کی اطاعت اور امر والوں کی فرمانبرداری کی طرف ہے یا ردوہ کی طرف یا ان سب کی طرف خیر سے مراد دنیوی بہتری ہے اور احسن تاویلا سے مراد آخرت کی بھلائی تاویل اول سے بنا بمعنی رجوع اصطلاح میں کسی شئی کے انجام کو تاویل کہا جاتا ہے یعنی یہ اللہ رسول کی اطاعت اجماع امت کی فرمانبرداری قضا میں مجتہدین پر عمل تمہارے لئے دنیا میں بھی اچھا اور آخرت میں بھی بہتر ہے کہ تم اسکی وجہ سے نہ بہکو گے نہ بھٹکو گے بے پٹے والا کتا مارا جاتا ہے پٹے والا محفوظ رہتا ہے اس نفس کے گلے میں کسی امام مجتہد کا پٹہ ڈالو۔

نوٹ: اصول شرعیہ چار ہیں کتاب اللہ۔ سنت رسول اللہ۔ اجماع امت یعنی اجماع علمائے مجتہدین امت اور چوتھا قیاس

www.alahazratnetwork.org

مجتہدین تفسیر صاوی، کبیر، روح المعانی وغیرہ میں یہاں فرمایا کہ اس آیت میں ان چاروں چیزوں کا ذکر ہے اطیعوا اللہ میں قرآن شریف کی پیروی کا حکم اطیعوا الرسول میں سنت رسول کی اتباع کا حکم اولی الامر منکم میں اجماع مجتہدین کی پیروی کا حکم کیونکہ علمائے مجتہدین اول درجے کے اولی الامر ہیں۔ فردوہ میں قیاس مجتہدین پر عمل کرنے کا حکم ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا (تفسیر صاوی و کبیر و روح المعانی وغیرہ)۔

خلاصہ ء تفسیر: بعض لوگ صرف قرآن کی اطاعت کے قائل ہیں حدیث کے انکاری جیسے چکڑالوی اور بعض لوگ صرف قرآن و حدیث کی اطاعت کے قائل ہیں اجماع کے انکاری جیسے تفضیلی روافض بعض قرآن و حدیث و اجماع کے قائل ہیں مگر قیاس شرعی کے منکر جیسے اہل ظواہر اس آیت کریمہ میں ان تینوں جماعتوں کو فہمائش فرمائی گئی اور قرآن حدیث اجماع امت، قیاس شرعی سب کو اصول اسلام قرار دیا گیا چنانچہ فرمایا گیا کہ اے ایمان والو تمہیں تاکیدی حکم دیا جاتا ہے کہ تم ہر حال میں اللہ کی فرمانبرداری کرو اور اسطرح اسکے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرو یہ دونوں اطاعتیں تمہارے لئے اہم ترین فرائض میں سے ہیں اور انکی پیروی بھی کرو جو تم مسلمانوں میں سے حکم والے علمائے مجتہدین ہیں یا حکومت والے سلاطین عادلین ہیں اے صحابہ کرام اگر تم کسی چیز میں جھگڑ پڑو تو آپس میں نہ لڑو بلکہ تم وہ اختلافی چیز اللہ رسول کی بارگاہ میں پیش کرو اسطرح کہ حضور کی عدالت میں حاضر ہو جاؤ اور ان سے فیصلہ کرا لو یا اے علمائے مجتہدین یا اے مسلمانو اگر تمہارا کسی مسئلے یا کسی اور چیز میں اختلاف ہو اور وہ مسئلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو تم اولی الامر یعنی علماء امت کے اجماع کی اطاعت کرو کہ جس پر تمام علماء امت متفق ہو گئے ہوں اسکی پیروی کرو اگر کوئی مسئلہ ایسا پیش آجائے کہ نہ اسکے متعلق حکم قرآنی ہے نہ حکم رسول نہ اجماع امت بلکہ اس مسئلہ میں تنازع و اختلاف ہی ہو تو تم اسے اللہ رسول کے فرمان کی طرف رد کرو اسطرح کہ منصوص حکم پر اسکو قیاس کرو یا اپنے آپ یا علمائے مجتہدین کے قیاس پر عمل کرو اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہو تو ان چاروں چیزوں پر ضرور عمل کرو یہ عمل تمہارے لئے دنیا میں بھی بہتر ہے کہ اس سے تمہارا شیرازہ بندھا رہیگا تمہیں شرعی احکام معلوم کرنے میں دشواری نہ ہوگی اور اسکا انجام بھی اچھا ہے تم اسکی برکت سے بھکو گے نہیں بھٹکو گے نہیں شیطان کا تم پر داؤ نہ چلے گا جب نماز کیلئے ایک امام اختیار کرتے ہو ملک کیلئے ایک بادشاہ بناتے ہو۔ قوم میں ایک سردار ہوتا ہے گھر میں ایک آقا ہوتا ہے فوج میں ایک کرنل ہوتا ہے۔ ریل میں ایک انجن ہوتا ہے جسم میں ایک دل ہوتا ہے تو چاہئے کہ تمہاری اجتماعی زندگی میں بھی ایک امام ہو جس کے تم پیرو کار رہو۔

فائدے: یہ آیت کریمہ بڑے معرکے کی ہے اصول فقہ و فقہ کی جڑ ہے اس سے بے شمار فوائد و مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں یہاں ان میں سے چند فائدے عرض کئے جاتے ہیں: پہلا فائدہ: کفار پر شرعی احکام جاری نہیں اور وہ دنیا میں اسلامی عبادتوں کے مکلف نہیں یہ فائدہ لفظ امنوا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مومنوں کو ان اطاعتوں کا حکم دیا۔ دوسرا فائدہ: کوئی مسلمان شریعت و طریقت کے کسی درجے میں پہنچ کر اللہ رسول کی اطاعت سے بے پرواہ نہیں ہو سکتا یہ فائدہ اطیعوا اللہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے مومنوں پر یہ اطاعتیں فرض کیں ریل کا کوئی ڈبہ فسٹ ہو یا سیکنڈ انجن سے کبھی مستغنی نہیں ہو سکتا لائن اور انجن کا ہر ڈبہ محتاج ہے اسی طرح ہر مسلمان اسلامی لائن اور حضور کی اتباع کا محتاج ہے۔ تیسرا فائدہ:

www.alahazratnetwork.org

اطاعت صرف قرآن ہی کی نہیں بلکہ حدیث کی بھی ضروری ہے جیسا کہ اطیعوا الرسول سے معلوم ہوا سنت کا کتاب اللہ سے وہ تعلق ہے جو تعلق پانی کا کھانے سے ہے کہ کھانا نہ بغیر پانی پکے اور نہ بغیر پانی کھایا جائے۔ رمضان کا چاند دیکھ کر ہی پہلے تراویح اور سحری سنتوں پر عمل کرو پھر فرضی روزہ رکھو نماز کیلئے کھڑے ہو تو پہلے ہاتھ اٹھاؤ جو سنت ہے پھر تکبیر کہو جو فرض ہے پھر سبحان پڑھو جو سنت ہے پھر تلاوت کرو جو فرض ہے رکوع سجدے میں جھکنا فرض ہے تسبیح سنت ہے۔ بہرحال جیسے کلمے میں محمد رسول اللہ لفظ لاالٰہ سے مخلوط ہے ایسے ہی حضور کی سنتیں فرائض الٰہی سے مخلوط ہیں کوئی شخص سنت رسول چھوڑ کر نہ دو رکعت نماز پڑھ سکتا ہے اور نہ ایک دن کی اسلامی زندگی گزار سکتا ہے۔ چوتھا فائدہ: اسلام میں خدا کی اطاعت کی طرح حضور کی اطاعت مستقلاً واجب ہے یعنی جیسے اللہ تعالیٰ مطاع مستقل ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے مطاع مستقل ہیں کہ حضور کا ہر حکم ہر مسلمان کیلئے لائق اتباع ہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے قرآن کے خلاف ہو یا موافق جس کو جو حکم دیں وہی اس کیلئے نص شرعی ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں اطیعوا اللہ والرسول نہ فرمایا بلکہ رسول کیلئے الگ صیغہ اطیعوا استعمال فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ حضور کی اطاعت قرآن کی اطاعت کے ضمن میں نہیں بلکہ انکی اطاعت مستقل ہے اسکی صدہا مثالیں موجود ہیں۔ دیکھو تقسیم میراث حکم قرآن ہے مگر حضور نے فرمادیا کہ ہماری میراث تقسیم نہیں ہو سکتی اس پر سارے صحابہ نے بے چون و چرا عمل کر لیا نکاح میں بالغہ لڑکی اپنے نفس کی مختار ہے اسکا باپ بھی اسکی بغیر رضا اسکا نکاح نہیں کر سکتا مگر حضرت زینب کا نکاح جناب زید ابن حارثہ سے انکی بغیر رضا حضور نے کر دیا ان بی بی صاحبہ کو اپنے بارے میں دخل دینے کا بھی حق نہ ہوا بلکہ اسکے متعلق یہ آیت آئی ماکان لمومن ولا مومنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔ عام مقدمات میں دو مردوں کی گواہی ضروری ہے مگر حضرت خزیمہ انصاری کی ایک گواہی سے حضور نے دو گواہیاں بنائیں اور صحابہ کا اس پر عمل رہا غرضکہ اس کی بہت مثالیں موجود ہیں اس کیلئے ہماری کتاب۔ سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ان ہی احکام کی اطاعت لازم ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم تک پہنچیں گے اب اگر ہمارے پاس اصلی توریت و انجیل ہو جب بھی ہم انکی اطاعت نہیں کر سکتے کہ اگرچہ وہ احکام سارے خدا تعالیٰ کے ہیں مگر حضور کی معرفت ہم تک نہیں پہنچے یہ فائدہ اطیعوا الرسول کو اطیعوا اللہ سے ملانے سے حاصل ہوا۔ بجلی کا پاور ہم کو جب ہی روشنی دیگا جب بلب کے ذریعہ سے حاصل ہو۔ چھٹا فائدہ: کتاب و سنت کے بعد اجماع امت پر عمل بھی لازم ہے جیسا کہ واولی الامر کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اگر اجماع امت کوئی چیز نہ ہوتا بلکہ کتاب و سنت کی پیروی لازم ہوتی تو اس فرمان کی کیا ضرورت تھی۔ ساتواں فائدہ: اجماع امت پر عمل ایسا ہی ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ اور رسول کے فرمان پر عمل ضروری ہے یہ فائدہ واولی الامر کے واؤ سے حاصل ہوا اجماع امت کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسا کہ اللہ رسول کے فرمان کا انکار کفر ہے۔ دیکھو جناب صدیق و فاروق کی خلافتیں قرآن و حدیث میں منصوص نہیں مگر چونکہ ان پر امت کا اجماع ہو گیا اسلئے انکا انکار کفر ہو گیا۔ خلافت عثمانی و مرتضوی پر چونکہ اجماع نہ ہوا ایسا نہ رہا اسلئے انکا انکار کفر نہیں نیز جمع قرآن اجماع صحابہ سے جمع احادیث اجماع تابعین وغیرھم سے جمع مسائل فقیہ اجماع مسلمین سے ہی ثابت ہے ان پر ہر مسلمان کا ایمان ہے قرآن کریم فرماتا ہے ویتبع غیر سبیل المومنین نولہ ما تولیٰ یعنی جو مسلمانوں کی راہ کے علاوہ کوئی اور راہ چلے گا تو ہم اسکو ادھر ہی پھیریں گے جدھر وہ پھرے و نصلہ جھنم۔ اسے دوزخ میں تپائیں گے اور فرماتا ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم حضور فرماتے ہیں کہ ریوڑ میں رہنے والی بکری بھیڑیئے سے محفوظ رہتی ہے

www.alahazratnetwork.org

جماعت مسلمین میں رہنے والا مسلمان شیطان کا شکار نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں فائدہ:** اجماع امت کی اطاعت اللہ رسول کی اطاعت کے بعد یا انکی اطاعتوں کے ضمن میں ہے یہ فائدہ بھی والولی الامرکی واؤ سے حاصل ہوا کہ یہاں اس کیلئے الگ اطیعوا نہ فرمایا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** حاکم اسلام سلطان اسلام کی اطاعت بھی مسلمانوں پر لازم ہے جیسا کہ اولی الامرکی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا مگر اس میں شرط یہ ہے کہ اسکا حکم اللہ رسول کے حکم خلاف نہ ہو۔ حدیث میں وارد ہے کہ ایک لشکر پر ایک انصاری کو امیر بنا کر بھیجا گیا راستے میں اس امیر کو لشکر والوں پر غصہ آگیا اس نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا سب۔ نے کہا ہاں تو بولا لکڑیاں جمع کرو ان میں آگ جلاؤ۔ جب آگ جل چکی تو کہا سب اس میں کود جاؤ صحابہ کرام بولے کہ ہم آگ سے بھاگ کر حضور کے دامن میں چھپے ہیں کیا اب بھی آگ میں جائیں نہ کودے واپسی میں بارگاہ رسالت میں یہ واقعہ پیش کیا گیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اگر تم آگ میں کود جاتے تو ہمیشہ آگ میں ہی رہتے پھر فرمایا انما الاطاعۃ فی معرف حاکم کی اطاعت جائز کام میں ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ) ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مسلمان پر اپنے امیر کی اطاعت واجب ہے مگر جبکہ وہ گناہ کا حکم نہ دے اگر گناہ کا حکم دے تو فلا سمع ولا طاعۃ۔ **نواں فائدہ:** کافر حاکم یا سلطان کی اطاعت شرعاً واجب نہیں اگر مسلمان موقعہ پا کر اسکی حکومت کا تختہ الٹ دیں تو گنہگار نہ ہوں گے یہ فائدہ منکم سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** قیاس مجتہد برحق ہے اسکی بھی اطاعت واجب ہے جیسا کہ فردوہ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ قیاس مجتہد درحقیقت قرآن و حدیث کا مظہر ہے انکے مقابل نئی چیز نہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** قیاس شرعی میں شرط یہ ہے کہ اسکا ماخذ کوئی منصوص حکم ہو جیسا کہ ردوہ کی تفسیر سے معلوم ہوا بغیر شرعی منصوص علیہ کے شرعی قیاس درست نہیں۔

بارہواں فائدہ: قیاس کا درجہ کتاب سنت اور اجماع کے بعد ہے جبتک کوئی مسئلہ ان تین میں سے کسی میں مل جائے تب تک قیاس ہرگز نہ کیا جائے جیسا کہ فان تنازعتم کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہوا۔ **تیرہواں فائدہ:** شرعی قیاس پر عمل درپردہ اللہ رسول کے فرمان پر ہی عمل ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں قیاس کرنے کو اللہ اور رسول کی طرف لوٹانا فرمایا۔ **چودھواں فائدہ:** ان چاروں اصولوں پر عمل کرنا یعنی کتاب ' سنت ' اجماع و قیاس دنیا میں بھی مفید ہے اور آخرت میں بھی جیسا کہ ذالک سے معلوم ہوا ہر غیر مجتہد مسلمان پر واجب ہے کہ کسی مجتہد کے قیاس پر عمل کرے قیاس کیا چیز ہے کتاب و سنت کے سمندر میں سے نکالے ہوئے موتی اگر تمہیں غوطہ خوری کا فن نہیں آتا تو سمندر میں ہرگز چھلانگ نہ لگاؤ۔ کسی غوطہ خور کے نکالے ہوئے موتی کسی دکان سے حاصل کرو قرآن اور حدیث سمندر ہے۔ امام ابو حنیفہ اسکے غوطہ خور ہیں اور ہمارے علماء و مشائخ انکے دکاندار اس سمندر میں کسی جہاز کے ذریعے جاؤ ورنہ ڈوب جاؤ گے غرضیکہ یہ آیت کریمہ وجوب تقلید کی قوی دلیل ہے اسکی تحقیق کیلئے ہماری کتاب مراۃ شرح مشکوٰۃ جلد اول اور جاء الحق جلد دوم کا مطالعہ فرماؤ۔ **پندرہواں فائدہ:** مسئلہ حیات النبی برحق ہے کیونکہ حکام کی اطاعت لازم ہونے کی تین شرطیں ہیں حاکم کا زندہ ہونا مرے ہوئے بادشاہوں کی اطاعت لازم نہیں انکی حکومت کا بحال ہونا معزول شدہ حاکم کی اطاعت لازم نہیں۔ حکم کا باقی ہونا منسوخ حکم کی اطاعت لازم نہیں گزشتہ انبیاء کرام کے قوانین منسوخ شدہ ہیں لہٰذا ان پر آج عمل نہیں معلوم ہوا حضور زندہ ہیں انکی حکومت قائم ہے قانون نافذ ہے۔ حدیث۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الامارات باب ما علی الولاۃ اور ترمذی شریف جلد اول شروع ابواب الاحکام اور داری شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم نے جب حضرت معاذ ابن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو پوچھا کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے عرض کیا کتاب اللہ سے فرمایا اگر اس میں نہ پاؤ عرض کیا اسکے رسول کی سنت سے فرمایا اگر اس میں بھی نہ پاؤ عرض کیا **اجتهد برائی ولا الو** یعنی اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوتاہی نہ کروں گا تب نبی کریم نے انکے سینے پر ہاتھ رکھا اور فرمایا کہ اس خدا کا شکر ہے کہ جس نے رسول کے قاصد کو اسکی توفیق دی جس سے رسول اللہ راضی ہیں اس حدیث سے معلوم ہوا قیاس مجتہد برحق ہے جس سے اللہ رسول راضی ہیں۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت مسلمانوں پر ہی ضروری ہے تو کیا اسلامی رعیت کفار کو کھلی اجازت ہے کہ وہ چوریاں ڈکیتیاں کرتے رہیں اور ان سے کچھ نہ کہا جائے اور یہ کہہ دیا کریں کہ ہم مسلمان ہی نہیں ہم پر قرآن حدیث کے احکام جاری ہی نہیں تو دنیا میں امن کیسے قائم ہو۔ جواب: اسلامی عبادات کے مکلف صرف مسلمان ہی ہیں۔ رہے معاملات اور ملکی قوانین وہ سارے انسانوں پر جاری ہوں گے خواہ مومن ہو یا کافر جنکی خلاف ورزی کرنے پر سزا سب کو ملے گی مگر ان قوانین پر پابندی کرنے میں آخرت کا ثواب صرف مسلمانوں کو ہے کفار کو نہیں لہٰذا یہ آیت بالکل صاف ہے اور اس کو الذین امنو سے شروع فرمانا بالکل صحیح ہے۔ دوسرا اعتراض: اطاعت صرف قرآن شریف کی چاہیے نبی محض ایک قاصد یا پوسٹ مین ہیں انکی اطاعت کی ضرورت نہیں قرآن وکتاب اللہ کافی ہے یہاں اطیعوا الرسول فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ رسول سے پوچھ کر اللہ کی اطاعت کیا کرو یا ان سے قرآن سن کر اس پر عمل کیا کرو (منکرین حدیث) جواب: یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے اس صورت میں رسول بھی اولی الامر منکم میں داخل تھے کہ مسئلہ عالم سے پوچھ کر اس پر عمل کرتے ہیں پھر اطیعوا الرسول فرمانے کی کیا ضرورت کیا تھی اور یہ ساری عبارت ہی بیکار ہو جاتی تم تو کہتے ہو کہ خدا کی اطاعت ہی رسول کی اطاعت ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ رسول کی اطاعت ہی خدا کی اطاعت ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** نوٹ: منکرین حدیث اس آیت پر چکر کھا جاتے ہیں۔ تاویلیں کرتے ہیں مگر بنتی نہیں۔ تیسرا اعتراض: کیا مسلمانوں کیلئے اللہ رسول کافی نہیں جو انہیں اجماع وقیاس کی بھی ضرورت پڑی۔ صحابہ کرام کے زمانہ میں نہ اجماع تھا اور نہ قیاس صرف قرآن وحدیث تھے۔ جواب: قیاس مجتہد قرآن وحدیث کے سمندر سے نکالے ہوئے موتی ہیں اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دیا حضور نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا مجتہد نے یہ سمجھایا کہ نماز میں کتنے فرائض ہیں جنکے بغیر نماز نہیں ہوتی اور کتنے واجبات ہیں جنکے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو واجب ہو جاتا ہے اور کتنی سنتیں یہ تفصیل نہ قرآن میں صراحتہً ہے نہ حدیث میں صحابہ کرام غیر فقیہ۔ فقیہ صحابہ کرام کی اطاعت کرتے تھے۔ جیسے حضرات ابو ہریرہ نے حضرت ابن عباس کی اطاعت کی اور ابو ذر غفاری نے عثمان غنی کی انکے ہاں خلافت صدیقی وفاروقی پر اجماع ہوا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم بشان رسالت کوئی حکم دیں تو اطاعت کی جائے اور اگر بشریت کے لحاظ سے کچھ کہیں تو اطاعت نہ کی جائے اس لئے یہاں واطیعوا محمد انہ فرمایا بلکہ واطیعوا الرسول کہا جب منبر پر وعظ فرمائیں تو آپ رسول ہیں اور جب گھر میں یا دوستوں میں مشغول ہوں تو آپ بشر ہیں جیسے حاکم کچہری میں آئے تو حاکم ہے گھر میں جائے تو کچھ نہیں (منکرین حدیث) جواب: یہ بھی کلام الٰہی کی تحریف ہے بتاؤ قرآن کریم میں یہ تفصیل کہاں کی گئی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے رسالت ایسی لازم ہے جیسے سورج کیلئے نور یا آگ کیلئے گرمی یا گلاب کیلئے رنگ و بو کہ رسول ہر حال میں رسول ہیں کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور کی خواب وحی ہے اور حضور

www.alahazratnetwork.org

بستر پر آرام فرما ہوتے ہوئے جبرائیل امین سے باتیں کرتے ہیں کھاتے پیتے اور جہاد فرماتے ہوئے جو کلمات اس مبارک منہ سے نکلتے ہیں وہ قوانین اسلامی ہوتے ہیں۔ حضرت انس سے کھانا کھاتے ہوئے فرمایا کہ اپنے آگے سے کھاؤ یہی اسلامی قانون بنا۔ خطرہ ہے کہ کل تم اللہ تعالیٰ کیلئے بھی کہنے لگو کہ اللہ تعالیٰ شان الوہیت یا شان ربوبیت سے جو حکم دے وہ لازم عمل ہیں اور دوسرے احکام لازم عمل نہیں جب ہم نہ تھے تو اللہ تعالیٰ ہمارا رب نہ تھا عالم کی پیدائش سے پہلے نہ وہ رب تھا نہ خالق نہ رازق نہ سمیع نہ بصیر جب مرزوق مسموع یا مبصرات چیزیں پیدا ہوئی تو وہ سب کچھ بنا نعوذ باللہ منہ۔ جیسے سورج بہرحال میز ہے خواہ اس سے کوئی نور لے یا نہ لے یوں ہی اللہ تعالیٰ سمیع بصیر رازق ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہرحال رسول ہیں خواہ کسی وقت کسی حال میں ہوں۔ پانچواں اعتراض: اگر حضور کا ہر ارشاد اسلامی قانون ہے اور لازم العمل ہے تو جناب بریرہ سے فرمایا کہ تم اپنا نکاح جو مغیث سے ہوا ہے نہ توڑو انہوں نے نہ مانا اور نکاح توڑ دیا مدینہ منورہ تشریف لا کر انصار سے فرمایا کہ تم درختوں کی تلقیح نہ کرو یعنی انکے قلم کا پیوند نہ کرو اس پر عمل کیا گیا تو پھل کم ہو گئے جس پر آپ نے اپنا یہ حکم واپس لیا بتاؤ اطیعوا الرسول مطلق کہاں رہا۔ (نوٹ) یہ ان لوگوں کا انتہائی اعتراض ہے۔ جواب: جیسے قرآن شریف کے سارے اوامر و احکام پر عمل واجب نہیں کسی حکم پر عمل واجب ہے کسی پر مستحب اور کسی پر صرف جائز دیکھو اقیموا الصلوۃ بھی امر ہے اس پر عمل واجب اور **فکاتبوھم ان علمتم فیھم خیرا** ان غلاموں کو مکاتب کر دو یہ بھی امر ہے مگر اس پر عمل مستحب **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ** کہ جب تم قرض کا لین دین کیا کرو تو لکھ لیا کرو یہ بھی امر ہے مگر قرض لکھ لینا واجب نہیں صرف مستحب ہے اور **واذا حللتم فاصطادوا** جب احرام سے کھل جاؤ تو شکار کرو یہ بھی امر ہے مگر شکار کرنا محض مباح ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالیہ کا حال ہے جو فرمان بطور مشورہ ہوں اس پر عمل بہتر ہے اسی لئے حضرت بریرہ نے یہ فرمان عالی سن کر عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ آپ کا یہ حکم ہے یا مشورہ تو حضور نے فرمایا تھا کہ حکم نہیں مشورہ ہے تب بولیں پھر مجھے مغیث کی ضرورت نہیں گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنے فرمانوں میں یہ فرق کر دیا ہے ہم تو انکے فرمانوں پر سجدہ کرنے والے ہیں۔ جیسا وہ فرمائیں وہ قبول ہے درختوں کے پیوند لگانے سے پھل نہ گھٹتے تھے بلکہ یہ قدرت کی طرف سے امتحان تھا اگر وہ اس پر قائم رہتے تو رب انہیں پھل بہت دیتا۔ غرضیکہ حکم فیصلہ اور مشورہ ان تینوں میں فرق ضروری ہے دیکھو حضرت بریرہ کو نکاح قائم رکھنے کا مشورہ تھا مگر بی بی زینب کو حضرت زید سے نکاح کرنے کا حکم بلکہ فیصلہ تھا اسلئے حضرت بریرہ کو اختیار رہا اور بی بی زینب کو اختیار نہ رہا۔ پانچواں اعتراض: اگر حضور کی اطاعت مطلقاً واجب ہے قول میں ہو یا فعل میں تو ہم لوگ نو بیویاں نکاح میں کیوں نہیں رکھ سکتے یہ بھی تو حضور کا فعل ہے۔ جواب: جیسے قرآن شریف کی منسوخ آیتوں پر یا ان آیتوں پر جن میں خاص حضور کو حکم دیا گیا ہم عمل نہیں کر سکتے اسی طرح ہم حضور کے منسوخ یا خصوص افعال پر عمل نہیں کر سکتے نکاح کی خصوصیات کے بارے میں خود رب فرماتا ہے **خالصۃ لک من دون المومنین** یہ حکم آپ کیلئے خاص ہے نہ کہ مسلمانوں کیلئے اسی لئے ہم لوگ اہلسنت کہلاتے ہیں نہ کہ اہلحدیث۔ سنت حضور کے وہی قول و فعل ہیں جو منسوخ یا مخصوص نہ ہوں خلاصہ یہ ہے کہ تم جو اعتراض اطیعوا الرسول پر کرو گے وہی اعتراض اطیعوا اللہ پر پڑیگا جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہو گا۔ چھٹا اعتراض: آیت کریمہ میں واطیعوا الرسول کیوں فرمایا گیا حضور کا نام شریف یا آپ کا اور کوئی وصف کیوں نہ ارشاد ہوا **النبی** یا **بشیر** یا **نذیر** جواب: حضور کی تمام صفات میں صفت رسالت بہت شاندار ہے رسول وہ

www.alahazratnetwork.org

جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہو رسول وہ جو رب سے لے مخلوق کو دے اور رب کے فیض کو سنبھال سکے راہ میں ضائع نہ کرے رسول وہ کہ زبان اسکی کلام رب تعالیٰ کا باقی شفاعت رحمت بشارت وغیرہ رسالت کی شاخیں ہیں اسلئے کلمہ شریف میں محمد رسول اللہ ہے رسول کا احسان ماں باپ شیخ سلطان سب سے زیادہ ہے کہ ماں باپ سے جان ملی حضور سے قرآن و ایمان ملا ماں باپ ہم کو عالم انوار سے عالم اجسام میں لائے رسول ہمکو اجسام سے انوار کی طرف لے گئے لہٰذا رسول کا احسان بڑا اسلئے انکی اطاعت زیادہ اہم۔ **ساتواں اعتراض:** اعلیٰ حضرت کے ترجمے سے معلوم ہوا کہ اولی الامر سے مراد حکومت والے ہیں یعنی بادشاہ و حکام ہیں نہ کہ علماء و مجتہدین لہٰذا اس ترجمے کی بنا پر نہ اجماع ثابت ہو سکتا ہے نہ تقلید۔ **جواب:** یہاں حکومت سے مطلق حکومت مراد ہے خواہ دینی حکومت ہو جو علما مجتہدین فقہاء کو حاصل ہے یا دنیاوی حکومت جو اسلامی سلطان اور حکام کو حاصل ہے بلکہ علماء و فقہا کی اطاعت حکام اور سلاطین پر بھی واجب ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب سلطان اور حکام کی اطاعت بھی واجب ہے تو جناب امام حسین نے یزید کی اطاعت کیوں نہ کی اور اپنی جان کیوں دے دی (خوارج وغیرہ) یزید نے انہیں نماز وغیرہ سے نہ روکا تھا صرف اپنی بیعت کا انہیں حکم دیا تھا۔ **جواب:** ایک ہے کسی کو اپنا حاکم اور سلطان بنانا اور ایک ہے بنے ہوئے حاکم سلطان کی اطاعت کرنا ان دونوں میں بڑا فرق ہے اسمیں بنے ہوئے سلطان و حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے نہ کہ فاسقوں اور کافروں کو اپنا حاکم یا بادشاہ بنا لینے کا وہاں یزید بے دین و فاسق کو خلیفہ بنانے کا سوال تھا آپ کی بیعت پر اسکا خلیفہ بننا موقوف تھا جناب حسین نے فرمایا کہ بے دین فساق کو خلیفہ بنانا شرعی قانون کے خلاف ہے۔

استقامت پہ فدا ہیں تیری اے دست حسین! نہ گیا ہاتھ میں بے دین کے بیعت کیلئے

نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اطاعت صرف قرآن اور حدیث کی چاہئے کہ فرمایا گیا فردوہ الی اللہ والرسول۔ اگر فقہاء کی اطاعت بھی ضروری ہوتی تو یہاں اسکا بھی ذکر ہوتا (منکرین تقلید) **جواب:** یہ آیت ہی تقلید کا حکم دے رہی ہے دیکھو یہاں تین ہستیوں کی اطاعت کا حکم دیا گیا اللہ تعالیٰ (قرآن) رسول اللہ علیہ وسلم (حدیث) اور اولی الامر (فقہ و قول مجتہد) ردوہ کے معنی وہ ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے یعنی غیر منصوص حکم کی طرف لوٹانا اور اسکا حکم یہاں جاری کرنا یہ کام فقہا کا ہے نہ کہ ہمارا تمہارا اور یہ رد صرف حدیث و قرآن کی طرف ہی ہو سکتا ہے۔ (نوٹ) اطاعت اور رد کا یہ فرق نہایت ہی باریک ہے خیال رکھنا چاہئے دیکھو اطاعت کے ساتھ تین ہستیوں کا ذکر ہے اور رد کے ساتھ فقط دو کا تقلید و قیاس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کے دو حال ہیں ابتدائی اور انتہائی ابتدائی حال میں ہر چیز الگ الگ کرکے بتائی سمجھائی اور دکھائی جاتی ہے انتہائی حال میں اس علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی جب بچہ مدرسے جاتا ہے تو اسے پہلے ہر حرف اور اسکی آواز زبر زیر پیش وغیرہ الگ کرکے سمجھاتے ہیں پھر کچھ ترقی ہونے پر چھوٹے چھوٹے کلمات مرکب اسے سکھاتے ہیں جب اور آگے بڑھتا ہے تو اسے اس تفریق اور علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی وہ خود بڑے بڑے جملوں اور پورے کلاموں کے سمجھنے پر قادر ہوتا ہے یونہی منزل معرفت میں ابتدائی حال میں اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت اولی الامر کی اطاعت فقہا کی اطاعت کو الگ الگ کرکے سمجھایا جاتا ہے مگر جب عارف اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اسے محسوس ہوتا ہے کہ یہ چیزیں علیحدہ ہیں ہی نہیں ایک اطاعت رسول

www.alahazratnetwork.org

میں یہ سب اطاعتیں آجاتی ہیں یہ آیت کریمہ میدان معرفت میں پہلا قدم رکھنے والوں کیلئے ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** جس نے رسول کی اطاعت کرلی اس نے اللہ کی اطاعت کرلی اور ایک جگہ فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** میری اطاعت کرلو اللہ تم سے خود محبت کریگا یہ آیتیں انتہاء والوں کیلئے ہیں۔ جیسے جمع کرتے وقت جمع کے سارے عدد حاصل جمع میں آجاتے ہیں ایسے ہی ساری اطاعتیں حضور کی اطاعت میں آجاتی ہیں۔ حضور کی اطاعت حاصل جمع و خلاصہ اطاعت ہے بظاہر سننے کیلئے کان دو ہیں دیکھنے کیلئے آنکھیں دو کھانے کیلئے دانت بتیس مگر ان دونوں آنکھوں کا مرکز ایک مجمع نور ہے کانوں کا مرکز ایک ہی پٹھا ہے یوں ہی اسلام میں بظاہر اطاعتیں چار ہیں مگر ان تمام کا مرکز ایک ہی اطاعت رسول ہے اگر آج آپ توریت و انجیل کی اصلی آیات پر عمل کریں تو خدا کے مطیع نہیں حالانکہ وہ بھی فرمان رب تعالیٰ ہی کے ہیں مگر چونکہ حضور کی معرفت نہیں پہنچے لہذا اب ان پر عمل خدا کی اطاعت نہیں اور اگر وہ توریت و انجیل کے احکام نقل فرمائے **ان النفس بالنفس** ہم پر بھی وہ حکم لازم ہو گیا۔ اسلئے مجمع صحابہ میں جبریل امین بے نشان شاگردی شکل بشری میں آکر بارگاہ عالیہ میں دو زانو بیٹھ کر حضور سے ایمان' اسلام' احسان' علامات قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں خود صحابہ سے نہیں کہہ دیتے کہ میں جبریل ہوں رب نے میری معرفت تم کو یہ احکام بھیجے ہیں۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ان حضرات پر وہی حکم ماننا لازم ہوں گے جو حضور کی معرفت ان تک پہنچیں گے پاور سے روشنی بذریعہ بلب ہم کو ملے گی۔

حکایت: کسی بادشاہ نے اپنے غلام کو حکم دیا کہ فلاں کمرے میں سے آئینہ اٹھا لا یہ غلام بھینگا تھا کہ اسے ایک کے دو نظر آتے تھے جب کمرے میں پہنچا تو اسے دو آئینے نظر پڑے واپس آکر بولا حضور وہاں دو آئینے ہیں۔ کون سا لاؤں بادشاہ سمجھ گیا کہ یہ اسکی آنکھ کا قصور ہے اس نے حکم دیا کہ ان دونوں میں سے ایک توڑ دے اور دوسرا اٹھالا۔ غلام نے جو ایک کو توڑا تو دونوں ٹوٹ گئے آکر بولا حضور حیرت ہے توڑا میں نے ایک مگر ٹوٹ گئے دونوں' بادشاہ نے کہا کہ وہ ایک آئینہ تھا جسے تو نے دو سمجھا تھا ابتدائی حالات اطاعت خدا اور اطاعت رسول دو نظر آتی ہیں یہ عقل کا بھینگا پن ہے جب انتہاء پر پہنچتا ہوتا ہے تو معلوم ہوتا ہے حدیث و قرآن انجام میں ایک ہی ہیں خدا کرے عقل کا یہ بھینگا پن دور ہو تاکہ یہ دوئی کا جھگڑا ختم ہو مگر یہ بھینگا پن بغیر کسی ہسپتال میں آپریشن کرائے نہیں جاتا۔ عقل کی آنکھ کا آپریشن کرنے والے حضرات علماء ربانیین اور اولیائے کاملین ہیں۔ ابتدائی حالات میں انسان جھگڑالو ہوتا ہے یہ سارے جھگڑے پردے کے ہیں مگر جب پردہ اٹھ جائے اور بیان عیان میں آجائے تو جھگڑے سارے ختم ہو جاتے ہیں اس جھگڑے کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے کہ اگر تم ابتدائی حالات میں آپس میں جھگڑے کرو تو اللہ رسول کی طرف لوٹو وہاں پہنچ کر جو بیان ہے وہ عیان ہو جائیگا۔ اور جھگڑے ختم ہو جائیں گے اسلئے اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ یہ عمل بہت اچھا ہے اور اسکا انجام نہایت بہتر۔

حکایت: چار فقیروں کو کسی نے ایک روپیہ دے دیا اب وہ آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اسکی کیا چیز کھائیں ان چاروں کی زبانیں مختلف تھیں سب کا دل چاہتا تھا انگور کھائیں مگر ہر ایک دوسرے کی زبان سے بے خبر تھا ایک بولا انگور لو دوسرا بولا عنب تیسرا بولا اوزم لو چوتھا بولا داخ خریدو ان چاروں کے معنی ایک ہی ہیں آپس میں جھگڑ رہے تھے ایک وہ شخص آیا جو ان چاروں لفظوں کو جانتا تھا اس نے کہا لاؤ تمہارا جھگڑا میں طے کرتا ہوں ان سے روپیہ لیا بازار سے انگور لے آیا چاروں خوش ہو گئے غرضیکہ

www.alahazratnetwork.org

جب تک حجاب ہے تب تک جھگڑے ہیں حجاب پھاڑو یار تک پہنچو۔

قول حق قرآن ہے قول پیمبر ہے حدیث — لفظ ہی کا فرق ہے تقریر ہے دونوں کی ایک
اس نے دل پھیرا اور اس نے دعوت اسلام دی — وہ خدا یہ مصطفیٰ تدبیر ہے دونوں کی ایک

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ

کیا نہ دیکھا تم نے ان لوگوں کی طرف جو گمان کرتے ہیں کہ وہ لوگ جو ایمان لے آئے اس پر جو اتارا گیا طرف

کیا تم نے انہیں نہ دیکھا جن کا دعویٰ ہے کہ وہ ایمان لائے اس پر جو تمہاری طرف اترا اور اس پر جو تم

مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ

تمہاری اور اس پر جو اتارا گیا پہلے تم سے ارادہ کرتے ہیں کہ فیصلہ لے جائیں طرف سرکش گمراہ کے حالانکہ حکم دیئے

سے پہلے اترا پھر چاہتے ہیں کہ شیطان کو اپنا پنچ بنائیں اور ان کو تو حکم یہ تھا کہ اسے اصلاً نہ مانیں

يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا (۶۰) وَإِذَا قِيلَ

گئے وہ یہ کہ انکار کریں اس کا اور ارادہ کرتا ہے شیطان یہ کہ گمراہ کرے ان کو گمراہی دور کی اور جب کہا گیا ان سے

اور ابلیس یہ چاہتا ہے کہ انہیں دور بہکا دے اور جب ان سے

لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَى مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ

کہ آؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے اور طرف رسول کے تو دیکھو گے تم منافقوں کو کہ پھیرتے ہیں تم

کہا جاوے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو تم دیکھو گے کہ منافق

عَنْكَ صُدُودًا (۶۱)

سے پھرنا

تم سے منہ موڑ کر پھر جاتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا اب اس آیت میں منافقین کی حرکتوں کا ذکر ہے کہ وہ اللہ رسول کو چھوڑ کر شیاطین اور کفار کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں تاکہ مسلمان اللہ رسول کی اطاعت کریں اور ان کی ماننے سے بچیں غرض کہ کرنے والی اطاعتوں کا ذکر پہلے تھا اور بچنے والی اطاعتوں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی پیروی کا ذکر تھا جو مسلمانوں کا عمل ہے اب بے دینوں کی فرمانبرداری سے بچنے کا حکم ہے جو منافقوں کا طریقہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیت میں اسلامی حکام کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا اب عوام کو ان حکام کے پاس جانے کا حکم ہے اور غیروں کی طرف جانے سے ممانعت۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول : اس کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک منافق جس کا نام بشر تھا اس کے اور ایک یہودی کے درمیان جھگڑا تھا اس جھگڑے میں یہودی سچا تھا منافق جھوٹا۔ یہودی بولا چلو اس کا فیصلہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرائیں۔ منافق بولا نہیں چلو اس کا فیصلہ کعب بن اشرف سے کرائیں (یہود کا سردار) یہودی نے کہا کہ تو عجیب مسلمان ہے کہ اپنے نبی کے پاس چلنے اور ان سے فیصلہ کرانے سے کتراتا ہے۔ منافق شرمندہ ہو کر اس یہودی کے ساتھ بارگاہ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کا بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کیا وہاں سے نکل کر منافق بولا کہ میں اس فیصلے سے راضی نہیں چلو یہ فیصلہ حضرت ابوبکر صدیق سے کرائیں چنانچہ وہ دونوں بارگاہ صدیقی میں حاضر ہوئے۔ جناب صدیق اکبر نے بھی دونوں کے بیان سن کر یہودی کے حق میں فیصلہ کر دیا وہاں سے نکل کر بشر منافق بولا کہ میری تسلی اب بھی نہیں ہوئی چلو حضرت عمر سے اور فیصلہ کرائیں چنانچہ یہ دونوں حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہودی نے حضرت عمر سے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب صدیق میرے حق میں فیصلہ فرما چکے ہیں مگر بشر راضی نہیں ہوتا۔ اب مجھے آپ کے پاس لایا ہے حضرت عمر نے بشر سے پوچھا کہ کیا یہ واقعہ درست ہے، بشر بولا ہاں آپ نے فرمایا کہ تم دونوں ٹھہر جاؤ میں گھر میں ہو آؤں چنانچہ آپ گھر میں تشریف لے گئے تلوار لائے اور منافق کی گردن مار دی پھر فرمایا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اور جناب صدیق کے عدل سے راضی نہ ہو اس کا فیصلہ میرے نزدیک یہ ہے۔ پھر منافق کے قرابتدار بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضرت عمر کی شکایت کی۔ حضور نے جناب عمر کو بلایا اور اصل واقعہ پوچھا آپ نے فرمایا کہ یا رسول اللہ اس مردود نے آپ کے حکم کو رد کیا تھا جو آپ کے فیصلے پر کسی اور کا فیصلہ چاہے اس کا فیصلہ میرے پاس تو یہی ہے اسی دم جبرائیل امین آئے اور یہ آیت لائے اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ عمر حق اور باطل کے درمیان فرق کرنے والے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اے عمر تم آج سے فاروق ہو یعنی حق اور باطل میں فرق کرنے والے اس دن سے آپ کا لقب فاروق ہوا۔ (تفسیر کبیر و خازن، تفسیر بیضاوی، مدارک، روح المعانی و بیان جلالین وغیرہ) (2) امام سدی فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔ بنی قریظہ اور بنی نضیر۔ بنی قریظہ کچھ کمزور تھے اور بنی نضیر قوی۔ بنی قریظہ قبیلہ خزرج کے حلیف تھے اور بنی نضیر اس کے حلیف اوس اور خزرج بعد میں انصار کہلائے۔ زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی قریظی نضیری کو مار دیتا تو اس کے عوض یا اسے قتل کیا جاتا یا اس کی دیت سو وسق کھجوریں دلوادی جاتیں اور اگر نضیری کسی قریظی کو مار دیتا تو اس کے عوض صرف ساٹھ وسق کھجوریں دلوائی جاتیں اسے ہرگز قتل نہ کیا جاتا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ منورہ میں جلوہ گر ہوئے تو بعض نضیری اور قریظی اخلاص سے سچے مسلمان ہو گئے اور بعضے نفاق سے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں شامل ہو گئے اور اکثر اپنے کفر پر رہے۔ اتفاقاً ان لوگوں میں سے ایک نضیری نے کسی قریظی کو قتل کر دیا۔ اس معاملے میں ان کا آپس میں جھگڑا ہوا۔ نضیری بولے کہ ہم پرانے دستور کے مطابق ساٹھ وسق کھجوریں دیں گے۔ قریظی بولے کہ یہ زمانہ جاہلیت کا ظلم ستم تھا کہ تم نے ہمیں قوت کی بناء پر دبا رکھا تھا اب ہم دونوں مسلمان ہو چکے ہیں، اسلام میں قوی و کمزور سب برابر ہیں۔ چلو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں فیصلہ کرائیں۔ قریظی منافقین بولے کہ چلو ابی بردہ اسلمی کاہن سے فیصلہ کرائیں (جو یہود میں فیصلے کیا کرتا تھا) چنانچہ منافقین انہیں مجبور کر کے اس کاہن کے پاس لے گئے۔ کاہن بولا کہ پہلے مجھے

www.alahazratnetwork.org

رشوت دو پھر فیصلہ کروں گا۔ انہوں نے دس وسق کھجوریں پیش کیں وہ بولا نہیں سو وسق لوں گا۔ غرض اس جھگڑے میں وہاں فیصلہ نہ ہو سکا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن و کبیر و روح المعانی)۔

تفسیر: **الم تر الی الذین یزعمون** ہمزہ استفہامیہ ہے اور یہ سوال و استفہام تعجب دلانے کے لئے ہے **تر رویت** سے بنا بمعنی آنکھ سے دیکھنا چونکہ یہ نظر کے معنی میں ہے اس لئے اس کے بعد الی لایا گیا **الذین** سے مراد وہی منافقین ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری۔ **یزعمون زعم** سے بنا بمعنی گمان کرنا یا دعویٰ کرنا اکثر بے دلیل کلام کو بھی زعم کہہ دیتے ہیں کبھی یہ کلمہ حق بات پر بولا جاتا ہے کبھی باطل پر چنانچہ حدیث شریف میں ہے زعم جبرائیل اور صحضام ابن ثعلبہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا **زعم رسولک** یہاں قول باطل کے معنی میں ہے جیسا کہ شان نزول اور روش کلام سے معلوم ہو رہا ہے۔ قرآن کریم میں یہ لفظ اکثر قول باطل کے لئے استعمال ہوا ہے۔ جیسے **زعم الذین کفروا ان لن یبعثوا** اور جیسے **بل زعمتم ان لن نجعل لکم موعدا** یا جیسے **کنتم تزعمون** یا جیسے **زعمتم من دونہ** وغیرہ۔ **انھم امنوا بما انزل الیک وما انزل من قبلک** یہ جملہ **یزعمون** کا مفعول ہے **بما** سے مراد قرآن کریم کی آیتیں، احادیث شریفہ اور حضور کے سارے معجزات ہیں اور **وما انزل** سے مراد توریت شریف اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سارے معجزات ہیں کیونکہ یہ منافق یہودی تھے اور توریت کے ماننے کے دعویدار یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان منافقوں کی طرف نظر نہ فرمائی جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ وہ آپ کی کتاب قرآن شریف وغیرہ پر بھی ایمان لے آئے اور موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔ دعویٰ تو ان کا اتنا بڑا ہے مگر عمل یہ ہے کہ **یریدون ان یتحاکموا الی الطاغوت** یہ جملہ **یزعمون** کے فاعل ھم کا حال ہے ارادے سے مراد وہ ارادہ ہے جو کام کے ساتھ ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ تو یہ حرکت کر بھی چکے تھے۔ **یتحاکموا تحاکم** سے بنا بمعنی فیصلہ لے جانا یا پنچ بنانا۔ یہاں یہ باب مقابلے کے لئے نہیں طاغوت کے معنی کی تحقیق پہلے کی جا چکی ہے کہ یہ **طغی** بمعنی سرکشی اور حد سے نکل جانا کا مبالغہ ہے یہاں اس سے مراد یا کعب ابن اشرف یہودی ہے یا ابو بردہ کاہن یعنی دعویٰ تو ان کا ایمان کا ہے مگر عمل ان کا یہ ہے کہ آپ کے مقابلے میں سرکش کفار کو اپنا پنچ بنانے پر راضی ہیں **و قد امروا ان یکفروا بہ** یہ عبارت **یریدون** کے فاعل کا حال **امروا** کا نائب فاعل وہی منافقین ہیں **ان یکفروا**، **امروا** کا دوسرا مفعول ہے **بہ** کی ضمیر طاغوت کی طرف ہے کفر سے مراد یا انکار کرنا ہے یا اس کی بات نہ ماننا یعنی ان منافقوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کی بات ہرگز نہ مانیں **و یرید الشیطان ان یضلھم ضللا "بعیدا"** یہ عبارت پہلی عبارت **قد امروا** پر معطوف ہے شیطان سے مراد یا تو وہی کعب ابن اشرف یا ابو بردہ کاہن ہیں یا ابلیس ہی مراد ہے۔ پہلی صورت میں بجائے ضمیر کے اسم ظاہر لایا گیا۔ **ان یضل** الخ یرید کا مفعول بہ ہے **ضللا "بعیدا"** **یضل** کا مفعول مطلق مثل اضلال سے بنا بمعنی گمراہ کرنا یا گمراہ رکھنا اور گمراہی سے نہ نکلنے دینا دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ منافقین گمراہ تو پہلے ہی سے تھے **ضللا "بعیدا"** سے وہ گمراہی مراد ہے جو ہدایت سے بہت دور کر دے جس کے بعد ان کے ہدایت پر آنے کی امید نہ رہے یعنی ان لوگوں کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ کفار سے دور رہیں ان کے احکام سے بیزار رہیں مگر ان کی باگ ڈور کعب بن اشرف یا ابلیس کے ہاتھ میں ہے۔ جس کی پوری کوشش یہ ہے کہ یہ کبھی ہدایت پر نہ آنے پائیں،

www.alahazratnetwork.org

گمراہی میں ہی پھنسے رہیں۔ **و اذا قیل لھم** یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں منافقوں کے دوسرے عیب کا بیان ہے قیل کا فاعل مخلصین مومنین ہیں **لھم** کا مرجع منافقین ہیں اس کا مقولہ یہ ہے کہ **تعالوا الی ما انزل اللہ و الی الرسول**۔ **تعالوا** کی تحقیق پہلے ہو چکی ہے کہ یہ **علو** بمعنی بلندی سے بنا اس کے معنی اوپر چڑھنا ہیں اب بمعنی آنا استعمال ہوتا ہے۔ **ما انزل اللہ** سے مراد قرآن شریف ہے اور **الرسول** سے مراد قرآن کے احکام جاری فرمانے والے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی جب مخلص مومنوں کی طرف سے ان منافقوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ آؤ احکام قرآنی کی طرف اور اس ذات کریم کی طرف جن کے ہاں دودھ کا دودھ ہے اور پانی کا پانی۔ ان سے فیصلہ کراؤ تو **رایت المنفقین یصدون عنک صدودا** " یہ جملہ **و اذا** کی جزا ہے اور **رایت** میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ منافقین اس کا مفعول بہ ہے اگرچہ یہاں ضمیر کا موقعہ تھا کیونکہ منافقوں کا ذکر پہلے آچکا ہے مگر ان کی بے ایمانی ظاہر کرنے کے لئے منافقین نام لیا گیا۔ **یصدون صد** سے بنا بمعنی رکنا اور روکنا یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی وہ منافقین مخلص مسلمانوں کے مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اور زیادہ منہ پھیرتے ہیں کیونکہ انہیں خبر ہے کہ ہم ناحق پر ہیں حضور کا فیصلہ ہمارے خلاف ہو گا اس لئے وہ آپ کے پاس نہیں آتے رشوت خور یہود کاہن کے پاس جاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان قرطبی و نضیری منافقوں کو نہ دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ آپ کی کتاب اور آپ کے فرمانوں اور آپ کے معجزات وغیرہ پر ایمان لاچکے اور یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ توریت شریف کو مانتے ہیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ اپنے فیصلے سرکشوں، گمراہوں، شیاطین یعنی رشوت خور یہودیوں اور کاہنوں سے کراتے ہیں اگر وہ مومن تھے تو انہیں قرآن شریف میں توریت میں اور آپ کے ارشادات میں یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کے انکاری رہیں اور ان کی بات کبھی نہ مانیں۔ بات یہ ہے کہ ان کی باگ ڈور یہود یا ابلیس کے ہاتھ میں ہے اس کی کوشش یہ ہے کہ یہ گمراہی میں اتنے دور نکل جائیں کہ پھر ہدایت کی طرف نہ آسکیں یہ سب اس کے کرشمے ہیں یہ منافقین غلطی یا بھول سے ایسی حرکت نہیں کرتے بلکہ ان کا حال یہ ہے کہ جب مخلص مومن انہیں سمجھاتے ہیں کہ تم مدعی اسلام ہو، کلمہ پڑھتے ہو چلو اپنے رسول سے فیصلہ کراؤ تو وہ اس مشورے پر عمل کرنے کی بجائے اور زیادہ اکڑ میں آجاتے ہیں اور آپ سے بالکل ہی منہ پھیر لیتے ہیں ایسے ہی لوگ پکے بے ایمان اور منافق ہی خواہ دعویٰ کچھ بھی کریں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک سامنے اور پس پشت دور و نزدیک ہر چیز کو دیکھتی ہے کیونکہ منافقین کا یہ واقعہ حضور سے دور ہوا تھا۔ یہاں آپ موجود نہ تھے مگر فرمایا گیا **الم تر** کیا تم نے دیکھا نہیں یعنی دیکھا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: دعویٰ بغیر دلیل اور قول بلا عمل کبھی قابل قبول نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے منافقوں کے کلمہ پڑھنے، دعویٰ ایمان کرنے کو زعم فرمایا یعنی دعویٰ باطل۔ **تیسرا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عدل و انصاف اس حد تک تھا کہ کفار بھی اس کے قائل تھے دیکھو وہ یہودی آپ کے فیصلے پر مطمئن تھا اور آپ کے پاس مقدمہ لانا چاہتا تھا جیسا کہ شان نزول سے ظاہر ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کلمہ گو کافر یعنی منافقین ظاہر کافر سے بدتر تھے اور بدتر ہیں کہ یہود کو حضور پر اعتماد تھا اور وہ حضور کے فیصلے سے راضی تھے مگر اس چھپے کافر اور منافق کو اعتماد نہ تھا۔ اس کا نظارہ آج بھی ہو

www.alahazratnetwork.org

رہا ہے چنانچہ دیونا ضلع گجرات کی ایک مسجد میں محراب پر یا اللہ اور یا محمد لکھا تھا۔ ایک کلمہ گو صاحب کدال لے کر اس کو مٹانے پہنچے' ایک ہندو لاٹھی لے کر نکل آیا بولا کون ہے' جو نبی پاک کے نام کو مٹائے یہ ہے اس آیت کریمہ کا ظہور جو قیامت تک ہوتا رہے گا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے مولانا سردار احمد صاحب اور مولوی سلطان محمود صاحب کا مناظرہ ککھی ضلع گجرات میں ہوا جس میں سکھ اور ہندو بھی شریک تھے۔ مولوی صاحب کا اس پر زور تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی اختیار نہیں' انہیں کچھ علم نہیں' ان سے کچھ نہیں ملتا۔ مولانا سردار احمد صاحب کا دعویٰ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کو با اختیار علیم و خبیر بنا کر بھیجا ہے۔ اور ان کے دروازے سے سب کچھ ملتا ہے آخر سلطان محمود کو شکست فاش ہوئی' جب وہ وہاں سے لوٹے تو ان سے سکھوں نے کہا کہ مولوی صاحب ہم اور آپ ایک ہیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ تمہارے نبی کے پاس کچھ نہیں اور تم بھی یہی کہتے ہو پھر تم سکھ کیوں نہیں بن جاتے۔ (دیکھو کتاب محدث اعظم پاکستان جلد اول صفحہ 16)۔ **پانچواں فائدہ:** حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فاروق کا لقب رب تعالیٰ نے دیا جبرائیل امین لے کر آئے حضور کے وسیلہ سے ملا لوگ دنیاوی سلطنتوں کے خطاب پر فخر کرتے ہیں ہم ان کے خطاب پر جتنا فخر کریں کم ہے کہ ہمارے حضور کے صحابہ کرام رب تعالیٰ کی طرف سے خطاب یافتہ ہیں ان کا یہ لقب ایسا صحیح ہے کہ ان کی ذات بھی حق و باطل میں فرق کرنے والی تھی اور آج ان کا نام بھی کفر و اسلام حق و باطل میں فرق کرنے والا ہے اور قیامت تک رہے گا۔ اس لئے آپ کو غیظ المنافقین والکافرین کہا جاتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جناب عمر فاروق کی بارگاہ الٰہی میں وہ شان ہے کہ ان کی گواہی براہ راست حق تعالیٰ قرآن شریف میں دیتا ہے دیکھو بشر منافق کے وارثوں نے جناب عمر کے خلاف قتل عمد کا دعویٰ بارگاہ نبوت میں دائر کیا تھا جس کا آپ نے اقرار بھی کر لیا تھا لیکن اس قتل کی وجہ جو آپ نے بیان کی اس کا کوئی مسلمان گواہ نہ تھا اگر یہ آیات نہ اترتیں تو ان پر یا قصاص واجب ہوتا یا کم از کم دیت اللہ تعالیٰ نے اس نازک موقع پر خود ان کی گواہی دے کر ان کو بری فرمایا۔

ضروری نوٹ : خیال رہے کہ حضرت یوسف اور جناب مریم کو جب الزام لگائے گئے تو ان کی بریت کی' رب نے گواہی نہ دی بلکہ بچوں سے گواہی دلوادی۔ مگر جب اپنے محبوب کے متوسلین کی باری آئی تو رب نے براہ راست خود گواہیاں دیں چنانچہ جب منافقین مدینہ نے حضرت ابو بکر صدیق پر ایک الزام لگایا جب آپ نے حضرت بلال کو بہت گراں قیمت سے خرید کر آزاد کیا۔ رب تعالیٰ نے ان کی بریت کے لئے سورہ والیل شریف اتاری جس کے آخر میں فرمایا گیا کہ ابو بکر نے یہ جو کچھ کیا ہم کو راضی کرنے کے لئے کیا' ہم ان سے راضی ہو گئے اور ہم بھی ان کو اتنا دیں گے کہ وہ خوش ہو جائیں گے **و لسوف یرضی** اس طرح جناب عائشہ صدیقہ کو جب تہمت لگائی گئی تو براہ راست رب تعالیٰ نے ان کی پاک دامنی بیان کرنے کے لئے سورہ نور کی اٹھارہ آیتیں اتاریں یہ ہے ان صحابہ کی شان دربار الٰہی میں۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کو عدل و انصاف کے موقعہ پر اپنے پرائے میں کوئی فرق نہ کرنا چاہیے۔ کسی کی رو رعایت نہ ہو جو حق ہو وہ فیصلہ کیا جائے۔ دیکھو یہودی پرایا تھا اور منافق بظاہر اپنا مگر فیصلہ یہودی کے حق میں فرمایا گیا۔ اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کی عدالت میں شہزادوں اور بادشاہوں کو شکست ہوئی اور معمولی رعایا بلکہ ذمی کافروں کو ڈگری دی گئی۔ چنانچہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ایک یہودی ذمی کا مقدمہ جو قاضی شریح کے ہاں فیصلہ ہوا وہ مشہور ہی ہے کہ علی مرتضیٰ خلیفۃ المسلمین تھے مگر آپ کے خلاف یہودی کو ڈگری دی گئی۔ جناب

www.alahazratnetwork.org

امام حسن کی گواہی اپنے باپ کے حق میں قبول نہ ہوئی جس پر وہ یہودی حضرت علی کے قدموں پر گر کر فدا ہو گیا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

گر کے قدموں میں وہ قربان ہو گیا! پڑھ لیا کلمہ مسلمان ہو گیا!!

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے کی کوئی اپیل نہیں آپ کا فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ نواں فائدہ: حضور کے فیصلے پر راضی نہ ہونا کفر ہے اور وہ شخص واجب القتل ہے جیسا کہ واقعہ فاروقی سے معلوم ہوا۔ دسواں فائدہ: سرداران کفر طاغوت یعنی انسانی شیطان ہیں۔ دیکھو اس آیت میں کعب ابن اشرف یہودی کو طاغوت فرمایا گیا۔ گیارھواں فائدہ: کفار کو بخوشی پنچ یا حاکم بنانا مسلمان کے لئے حرام ہے۔ جیسا کہ **ان يتحا كموا** الخ سے معلوم ہوا۔ بارھواں فائدہ: اسلامی احکام کے مقابلے میں امریکہ اور لندن والوں کے قوانین کو اچھا سمجھنا یہ منافقانہ طریقہ ہے۔ جیسا کہ **يصدون** الخ سے معلوم ہوا کہ رب نے ایسے لوگوں کو منافقین فرمایا۔

پہلا اعتراض: حضرت عمر نے اس منافق کو قتل کیوں کیا؟ اس نے قتل والا کون سا کام کیا تھا' نہ وہ زانی تھا نہ قاتل' نہ بظاہر کافر۔ جواب: وہ اس وقت جبکہ اس نے صاف کہہ دیا کہ میں رسول اللہ کے فیصلے پر راضی نہیں اس بناء پر اسے مرتد قرار دیا گیا اور مرتد کی سزا قتل ہے۔ رب تعالیٰ نے بچھڑا پوجنے والے بنی اسرائیل کو فرمایا تھا **و اقتلوا انفسكم** کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضرت صدیق اکبر نے زکوٰۃ سے انکار کرنے والوں کو مرتد قرار دیا اور ان پر جہاد کر دیا (تفسیر کبیر)۔ دوسرا اعتراض: مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان ہو اور بعد میں کافر۔ بشر تو پہلے منافق تھا پھر اس کا یہ فعل ارتداد کیسے بنا۔ جواب: منافق شرعاً "مسلمان مانے جاتے تھے ان کے ظاہری کلمہ گوئی پر احکام شرعیہ جاری تھے کہ انہیں قتل و قید نہ کیا گیا انہیں مسجدوں میں مسلمانوں کے ساتھ نماز کی اجازت دی گئی۔ آج یہ لفظ نکلنے پر وہ شرعاً" کافر ہوا لہٰذا قتل کیا گیا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو حکم یا حاکم بنانا اور ان کے فیصلے پر راضی ہونا کفر و ارتداد ہے آج تو عموماً" کفار بادشاہ بھی ہیں اور حاکم بھی مسلمان ان سے فیصلے کراتے ہیں اور ان فیصلوں سے راضی ہوتے ہیں کیا یہ سب کافر و مرتد ہیں۔ جواب: ہرگز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مقابلے میں ان کے احکام کو پسند کرنا اور سرکار کے حکم کو غلط سمجھنا یہ کفر ہے بشر نے یہی حرکت کی تھی اس کا کہنا یہ تھا کہ حضور فیصلہ غلط کریں گے۔ کعب ابن اشرف فیصلہ صحیح کرے گا الحمد للہ آج کوئی مسلمان یہ خیال نہیں کرتا مجبوراً" کفار کے ملک میں رہنے کی وجہ سے ان کے فیصلے ماننے پڑتے ہیں اور یہ بھی مجبوری ہے مجبوری کی معافی ہے۔ چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے اس جگہ گمراہی کو بعید کیوں فرمایا ہر گمراہی ہدایت سے دور ہی ہے۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ حضور کے حکم سے راضی نہ ہونا ایسی سخت گمراہی ہے کہ اس کے بعد ہدایت ملنے کی امید نہیں گمراہیاں مختلف درجے کی ہیں۔ ابو طالب اور ابو جہل کی گمراہیاں یکساں نہیں اسلام نے بھی گمراہوں میں فرق کیا ہے کہ اہل کتاب اور مشرکین کو یکساں نہ مانا۔

تفسیر صوفیانہ: جڑ زمین میں رہتی ہے لوگوں کی نگاہ سے غائب مگر درخت کے پتے شگوفے اور پھل اس کا پتہ دیتے رہتے ہیں۔ ہر شخص ان چیزوں کو دیکھ کر جڑ کا پتہ لگا لیتا ہے اسی طرح کفر و ایمان محبت اور عداوت الفت و نفرت انسان کے دل میں رہتے ہیں مگر انسان کے میلان اور ظاہری اعمال سے ان چیزوں کا پتہ ضرور لگ جاتا ہے۔ بشر کا نفاق اس کے دل میں تھا جسے اس نے

www.alahazratnetwork.org

ظاہری چادر میں ڈھانپ لیا تھا مگر اس کی حرکت نے اور کفار کی طرف میلان نے اس کا کفر ظاہر کر دیا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کسی کو اپنے خاتمے کی خبر نہیں اور معلوم نہیں ہے کہ میرا نام ازل میں کفار کی فہرست میں ہے یا مسلمانوں کی مگر اپنی طبیعت کے میلان سے ہر شخص اپنا پتہ لگا سکتا ہے اگر اچھوں کی طرف دلی میلان ہے تو انشاء اللہ وہ بھی اچھا ہے اور اچھا رہے گا اور اگر میلان بروں کی طرف ہے تو یہ خطرے میں ہے یہ میلان عشق کی دلیل ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

بکوئے عشق منہ بے دلیل راہ قدم　　　　کہ من بخویش نمودم صد اہتمام نہ شد!

یہ آیت کریمہ اگرچہ بشر منافق کے متعلق نازل ہوئی مگر یہ نہ سمجھو کہ بشر ختم ہو چکا اب بھی ہم میں ہزاروں بشر موجود ہیں۔ خیال رکھو کہ میٹھے پھل والا درخت باغ سے کاٹ کر نہیں نکالا جاتا۔ خاردار اور کڑوے پھل والا درخت کاٹ کر پھینک دیا جاتا ہے۔ کہ وہ اس باغ کے لائق نہیں۔ جناب فاروق اعظم نے نبی پاک کے گلزار سے اس درخت خاردار کو کاٹ پھینکا۔ فردوسی نے کیا خوب کہا۔

درختے کہ شیریں بود بار او!　　　　نہ گردد کسے گرد آزار او!

وگرزانکہ شیریں نہ باشد برش　　　　زبانے اندر آرند ناگہ سرش

بماند بباغ آں و در آتش ایں　　　　تو خواہی چناں باش و خواہی چنیں

یعنی درخت خاردار کی جگہ نار ہے اور درخت باردار کی جگہ گلزار اب تجھے اختیار ہے کہ نار میں رہ یا گلزار میں اگر تو ناری ہوا تو کوئی عمر فاروق تجھے گلزار سے نکال کر نار میں پہنچا دے گا۔

فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ

کیسی ہوگی جب ان پر کوئی افتاد پڑے بدلہ اس کا جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا پھر اے

پس کیسی ہوگی جب پہنچے گی انہیں بڑی آفت اس کی وجہ سے جو آگے بھیجے ان کے ہاتھوں نے پھر

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ

محبوب تمہارے حضور حاضر ہوں اللہ کی قسم کھاتے کہ ہمارا مقصود تو بھلائی اور میل ہی تھا ان کے دلوں کی تو بات

وہ آئیں گے آپ کے پاس قسم کھائیں گے اللہ کی کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر بھلائی کا اور اتفاق کرنے کا یہی

اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا

اللہ جانتا ہے تو تم ان سے چشم پوشی کرو اور انہیں سمجھا دو اور ان کے معاملہ میں ان سے رسا بات

وہ ہیں کہ جانتا ہے اللہ وہ جو دلوں میں ہے ان کے پس منہ پھیر لو ان سے اور نصیحت کرو انہیں اور کہو

بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

کہو

ان سے انکے دل میں پہنچنے والی بات

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت کریمہ میں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کے اخیر میں منافقین کا ایک عمل بیان کیا گیا تھا۔ **یصدون عنک صدودا** کہ آپ کے پاس آنے سے منہ موڑتے ہیں۔ اب ان کا دوسرا پر فریب عمل بیان ہو رہا ہے کہ مصیبت پڑنے پر خوشامد کرتے ہوئے آپ کے پاس آتے ہیں' باتیں بناتے ہیں' جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں' اپنے بکواس کی جھوٹی تاویلیں کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ راحت کے وقت آپ سے منہ پھیر کر شیاطین کے پاس جاتے اور ان سے فیصلے کراتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ آفت آنے پر کفار کے پاس نہیں جاتے آپ کے پاس دوڑے ہوئے آتے ہیں۔ غرضیکہ انہیں نہ آپ سے محبت ہے نہ کفار سے بلکہ اپنے فائدے اور نفع سے محبت ہے۔ جہاں انہیں اپنا فائدہ نظر آتا ہے وہاں پہنچتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں منافقین کی ایک خاص حرکت یعنی کفار کو حکم بنانے کا اخروی وبال بیان کیا گیا تھا یعنی ان کا گمراہ ہو جانا اور پھر ہدایت کی طرف نہ لوٹنا اب ان کی اس حرکت کا دنیاوی وبال بیان کیا جا رہا ہے یعنی ان کا عمر فاروق کے ہاتھوں قتل ہونا اور پھر مطالبہ کرنے پر قصاص یا دیت نہ ملنا بلکہ الٹا اور رسوا ہو جانا۔

نزول : بشر کے عزیز و قرابت دار دوسرے منافقین قتل بشر کے بعد بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور اپنے عزیز کے اس خون کا بدلہ چاہا اور جناب عمر فاروق کے پیش فرمودہ وجہ قتل کی تاویلیں کرنے لگے کہ بشر کی نیت خراب نہ تھی تا آنکہ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان کی ناجائز تاویلوں کی قلعی کھول دی گئی۔ تفسیر خازن و کبیر وغیرہ سے شان نزول یہی معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر : **فکیف اذا اصابتھم مصیبۃ بما قدمت ایدیھم**۔ ظاہر یہ ہے کہ ف عاطفہ ہے **کیف** استفہامیہ جو حالت پوچھنے کے لئے وضع ہوا یہ لفظ کیف بشارت کے موقع پر بھی بولا جاتا ہے۔ جیسے **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید** یعنی اے محبوب کیسی خوشی کا وقت ہو گا جب ہم ہر امت سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان سب پر گواہ بنائیں گے اور ڈرانے کے موقع پر بھی استعمال ہوتا ہے جیسے **فکیف اذا جمعناھم لیوم لا ریب فیہ**۔ یعنی کیسی مصیبت ہو گی جب ہم کفار کو قیامت کے دن جمع فرمائیں گے۔ یہاں کیف میں دونوں احتمال ہیں۔ پہلی صورت میں **تستبشروا** پوشیدہ ہے اور دوسری صورت میں **یکون حالھم** پوشیدہ یعنی اے محبوب آپ کو کیسی خوشی ہوئی یا آپ کو کیسی خوشی ہو گی یا اے محبوب ان منافقین کی کیسی گت بنی یا کیسی گت بنے گی۔ اذا اس پوشیدہ فعل کا ظرف ہے **اصابتھم** کی ضمیر یا تو بشر منافق کی طرف لوٹتی ہے چونکہ وہ اور اس کی جماعت ایک ہی بیماری میں گرفتار تھے اس لئے ضمیر جمع لائی گئی یا ان منافقوں کی طرف لوٹتی ہے جو قصاص یا دیت کا مطالبہ کرنے کے لئے بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے یعنی بشر منافق کے عزیز و اقارب۔ مصیبت سے مراد یا تو حضرت فاروق اعظم کا بشر کو قتل کر دینا ہے اس صورت میں اذا صرف ظرف کے لئے ہے استقبال کے لئے نہیں اور اصابت ماضی اپنے معنی میں ہے یا منافقوں کی آئندہ ہونے والی رسوائی و خواری اور جناب عمر کے خلاف مقدمہ میں ناکامی حضرت عمر کی عزت افزائی یا آئندہ ان منافقوں کا مسلمانوں سے چھنٹ جانا اس صورت میں اذا استقبال کے لئے ہے اور اصابت معنی مستقبل اسی طرح ما قدمت سے مراد یا تو بشر منافق کا کعب ابن اشرف کو حکم بنانے کی کوشش کرنا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ناراض ہونا ہے یا ان منافقوں کا وقتاً فوقتاً نفاق کی باتیں کرنا لہٰذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہوئیں یعنی اے محبوب آپ کو کیسی خوشی ہوئی جب بشر کو

www.alahazratnetwork.org

اس کی اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے جو اس نے کیں قتل کی مصیبت پہنچی یا اے محبوب علیہ السلام آپ کو کیسی خوشی ہوگی جب ان بقیہ منافقوں کو اپنی بدکاریوں، بشر کی حمایت، حضرت عمر کی مخالفت کی وجہ سے مصیبت پہنچے گی کہ یہ اس مقدمے میں بدنام ہوں گے یا اے محبوب اس بشر کی کیا حالت ہوئی جب اسے اپنی گذشتہ حرکتوں کی وجہ قتل کی مصیبت پہنچی یا ان منافقوں کی کیسی بدنامی ہوگی جب ان کو اپنی حرکتوں کی وجہ سے مصیبت پہنچے گی ناکامی و بدنامی **ثم جاء وک یحلفون باللہ** ثم عاطفہ ہے اور یہ جملہ **اذا اصابتھم** پر معطوف **جاء وک** کا فاعل بشر کے عزیز و اقارب ہیں اور آنے سے مراد اپنی بریئت و پاکدامنی بیان کرنے کے لئے حاضر ہونا ہے۔ یحلفون پر وقف بھی کر سکتے ہیں یعنی پھر یہ لوگ آپ کے پاس قسم کھاتے ہوئے حاضر ہوتے ہیں یا حاضر ہوں گے۔ اس صورت میں باللہ کا تعلق اگلے مضمون سے ہوگا اور یحلفون پر وقف نہ کرنا بھی درست ہے تب باللہ کا تعلق یحلفون سے ہوگا یعنی اللہ کی قسم کھاتے ہیں یا کھائیں گے **ان اردنا الا احسانا" و توفیقا"** یہ وہ مضمون ہے جس پر ان منافقوں نے قسم کھائی ان نافیہ ہے **اردنا** سے مراد ہے بشر کا ارادہ احسان سے مراد ہے اس یہودی پر احسان کرنا جس سے بشر کا جھگڑا تھا توفیق سے مراد ہے بشر و یہودی کی صلح و موافقت ہو جانا جھگڑا ختم ہو جانا یعنی ہمارے بشر نے جو کعب ابن اشرف کو حکم بنانے کی رائے دی تھی وہ صرف اس یہودی پر احسان کرنے کے لئے دی تھی کہ وہ یہودی اپنے ہم مذہب یہودی کعب ابن اشرف کے پاس مقدمہ لے جانے سے خوش ہو جائے اور بشر کا احسان مانے اور پھر جو حضرت ابو بکر و عمر کے پاس جانے کے لئے کہا تھا آپ کے فیصلہ کے بعد۔ وہ صرف اس لئے کہا تھا کہ وہ بزرگ بشر اور یہودی میں صلح کرا دیں کیونکہ آپ کی بارگاہ میں تو اونچی آواز سے بولنا بھی جرم ہے اور آپ کی ہیبت بھی ہے کہ فریقین آپ کی ہیبت کی وجہ سے اپنی دلی بات آزادی سے بیان نہیں کر سکتے۔ حضرت عمر سے بے تکلفی سے بات چیت کر کے آپس میں وہ دونوں صفائی کر لیتے۔ بشر کے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ آپ کے فیصلہ سے بھاگے یا بعد فیصلہ اس سے راضی نہ ہو بھلا یہ ہو سکتا ہے ہم اور وہ دونوں کلمہ گو ہیں۔ مسلمان ہیں یہ ہے اس جملہ کا مطلب جو تفسیر کبیر وغیرہ سے معلوم ہوتا ہے اس صورت میں آیت کا مطلب بالکل واضح ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ منافقین آئے تھے حضرت عمر پر قصاص یا دیت کا دعویٰ کرنے مگر پچھلی آیت کے نازل ہو جانے سے الٹے پھنس گئے اور ان کا نفاق ظاہر ہو گیا تو بطور معذرت یہ تاویلیں کرنے لگے رب تعالیٰ ان لوگوں کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے۔ **اولئک الذین یعلم اللہ ما فی قلوبھم۔ اولئک** سے اشارہ یا تو ان موجودہ منافقوں کی طرف ہے جو بشر کی صفائی بیان کرنے کے لئے آئے یا بشر کی طرف یا دونوں کی طرف اگرچہ یہ منافقین جسم سے قریب تھے مگر دل سے، ایمان سے، جان سے، حضور انور سے بہت دور تھے۔ اس لئے **اولئک** بعید کا اشارہ ارشاد ہوا اس بارگاہ میں دلی قرب کا اعتبار ہے۔ **ما** سے مراد وہ نفاق و کفر ہے جو بشر اور اس کے حمایتیوں کے دل میں تھا یا حضور کے فیصلہ سے راضی نہ ہونا جو بشر کے دل میں تھا یا ان منافقوں کا خود اپنے دل میں اپنا جھوٹا ہونا یعنی یہ لوگ جھوٹے ہیں بشر کے دلی ارادہ کو یا ان کی غلط تاویلوں کو یا ان دونوں کے کفر و نفاق کو اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے اللہ کے جاننے سے مراد قہر و غضب کا جاننا ہے نہ کہ رحم و کرم کا جاننا ورنہ اللہ تعالیٰ ہر چیز جانتا و کھتا ہے۔ ہر آواز سنتا ہے یا اللہ کے جاننے سے مراد رسول اللہ کا جاننا ہے جیسا کہ **یخادعون اللہ** میں اللہ کو دھوکہ دینے سے مراد رسول اللہ کو دھوکہ دینا ہے۔ یعنی رسول اللہ ان کے دل کی بات جانتے ہیں پھر یہ بہانہ کیوں بناتے ہیں۔ حضور تو احد پہاڑ کے دل کی محبت غیر پہاڑ کے دل کی عداوت جانتے ہیں تو انسانوں کے دل کا حال کیوں نہ جانیں۔ اے محبوب آپ ان کی باتوں پر بالکل اعتماد و اعتبار نہ کریں۔ بلکہ **فاعرض عنھم و**

www.alahazratnetwork.org

عنھم اعراض کے معنی ہیں چوڑائی میں ہو جانا' منہ پھیرنے کو اعراض کہتے ہیں کہ اس سے سامنے والے کی طرف منہ کا چوڑا حصہ یعنی کنپٹی اور کان کی لو ہو جاتی ہے عنھم کا مرجع یہی مقدمہ دائر کرنے والے بہانہ بنانے والے منافقین ہیں یہ کلمہ یا تو ان منافقین پر عذاب ہے یا عتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی سے منہ پھیر لینا بھی خدا تعالیٰ کا عذاب ہے مقبولوں کا کسی سے راضی ہونا اللہ کی رحمت ہے ان کی ناراضی رب تعالیٰ کا عذاب یعنی آپ ان سے دنیا و آخرت میں کنارہ کش ہو جائیں یا مقصد یہ ہے کہ آپ ان کو قتل و بدنام نہ کریں ان کی حرکتوں سے چشم پوشی فرمادیں۔ اب یہ کلمہ عتاب کا ہے۔ عظ وعظ سے بنا معنی نصیحت کرنا وعظ و نصیحت بشارت دے کر بھی ہوتا ہے' ڈرا کر بھی یہاں دوسرا وعظ مراد ہے ڈرا کر نصیحت کرنا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے حق میں فیصلہ ہرگز نہ کریں بلکہ ان کا کلام بھی نہ سنیں ان کی طرف رخ بھی نہ کریں یہ جھوٹے ہیں بلکہ انہیں نصیحت کریں کہ جھوٹ بولنے کی یہ سزا ہے' جھوٹی قسموں سے باز آجاؤ ورنہ رسواء عالم ہو کر ذلیل و خوار ہو گے یا اب آپ ان کے نفاق کو لوگوں پر ظاہر نہ کریں ان پر زیادہ طعن نہ فرمادیں پہلے کی طرح صرف وعظ و نصیحت سے ہی کام لیں کہ نفاق چھوڑو اس کا انجام برا ہے **و قل لھم فی انفسھم قولا " بلیغا "** - واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ اعرض پر معطوف لھم کی ضمیر انہی منافقوں کی طرف ہے۔ جو مقدمہ لے کر حاضر بارگاہ ہوئے تھے انفس نفس کی جمع ہے معنی دل یا ذات یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بلیغ سے مراد یا تو فصیح و بلیغ کلام ہے یا دل میں پہنچ جانے والی ذہن میں اتر جانے والی گفتگو یعنی آپ ان سے ایسا حکیمانہ کلام فرمائیں جو ان کے دل میں اتر جائے کہ اب بھی ٹھیک ہو جاؤ اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ ورنہ بدنام ہو جاؤ گے اس رسوائی سے عبرت پکڑو یا اے محبوب سب کے سامنے نہیں بلکہ انہیں اکیلے میں بلا کر جہاں صرف منافقین ہی ہوں دوسرے نہ ہوں فصیح و بلیغ وعظ فرماؤ یہ بکی ہیں اور آپ آپ ہی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس جملہ کی چار پانچ تفسیریں ہیں ہم صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان جماعت منافقین پر کیسی بنی جب ان پر ان کی اپنی بد عملیوں کی وجہ سے مصیبت آپڑی کہ ان کا ایک آدمی حضرت فاروق کے ہاتھوں مارا گیا اور یہ بدنام ہوئے۔ جناب عمر کی عزت و عظمت میں اور چار چاند لگ گئے کہ رب تعالیٰ نے ان کی گواہی دے کر ان کا احترام تاقیامت زیادہ فرمادیا پھر یہ اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے حاضر ہوئے تاکہ اپنی اور بشر کی صفائی بیان کریں۔ بولے اللہ کی قسم بشر نہ تو آپ کے پاس فیصلہ لانے سے گریز کرتا تھا اور نہ فیصلہ فرما دینے کے بعد اس سے ناراض تھا وہ تو صرف اس یہودی پر احسان کرنا چاہتا تھا کہ اس کے ہم مذہب سے فیصلہ کرائے تاکہ وہ احسان مند ہو جائے اور آپ کے فیصلہ کے بعد حضرت عمر کے پاس صلح صفائی کے لئے گیا تھا کہ وہ یہودی سے اس کی صلح کرادیں نہ کہ آپ کے فیصلہ کے خلاف اپیل کرنے' اے محبوب ان کی باتوں پر دھیان نہ دینا' یہ جھوٹے ہیں۔ رب تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ان کے دلوں میں کیا ہے' یہ منافق دھوکہ باز ہیں آپ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ لہٰذا آپ ان سے منہ پھیر لیں' ان کی بات سنیں بھی نہیں بلکہ انہیں نصیحت فرمادیں کہ آئندہ کے لئے منافقت سے باز آجاؤ ورنہ دنیا میں بدنام ہو' بشر کی طرح قتل ہو گے اور آخرت میں عذاب دوزخ کے حقدار اور ان سے ایسی حکیمانہ گفتگو فرمادیں جو ان کے دل کی تہ تک پہنچ جائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار و منافقین کے مارے جانے پر خوشی منانا سنت ہے

www.alahazratnetwork.org

جیسا کہ فکیف کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا جب ابو جہل کے قتل کی خبر آئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا۔ غرق فرعون کا دن یعنی دسویں محرم کو یہود کی عید قرار دیا گیا اسلام میں بھی اس دن کا روزہ سنت ہے۔ کیوں اس غرق کی خوشی میں ہاں ذاتی دشمن کی موت پر خوشی منانا نہ چاہئے کہ موت تو ہم کو بھی آنی ہے بے دین فسادی کی موت سے دنیا کو امن مل جاتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس قتل بشر سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوش جناب عمر بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ انہوں نے اللہ رسول دونوں کو راضی کر لیا۔ یہ فائدہ بھی **فکیف** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں رسوائی بھی اللہ کا عذاب ہے جو اپنی حرکتوں' بدکاریوں کی وجہ سے آتا ہے جیسا کہ **بما قدمت** الخ سے معلوم ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید بر تو از ظلمات وغم ۔۔۔۔ ایں زبیا کی و گستاخی است ہم

چوتھا فائدہ: جھوٹی قسمیں کھانا' اپنے کلام و کام کی غلط تاویلیں کرنا منافقوں کا کام ہے۔ مومن کو چاہئے کہ اپنی غلطی فوراً مان لے عذر گناہ بدتر از گناہ۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

عذر بدتر از گناہ کا ذکر کیا ۔۔۔۔ ہم پہ بے پوچھے ہی رحمت کیجئے

قیامت میں بھی جرم کا اقبال کر لینے والے گنہگاروں پر رحمت ہوگی بہانہ باز کفار پر لعنت و عذاب۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہمیشہ سچی بات ہی کہنا چاہئے۔ وہاں ہر ایک کا ہر حال عیاں ہے۔ دیکھو منافقین نے بہانہ بازیاں کیں تو کیسے رسوا و بدنام ہوئے وہاں۔ بجز قبول گناہ کوئی چارہ نہیں۔

کیا بے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

چھٹا فائدہ: کفار و منافقین کی حمایت کرنا بھی مصیبت کا باعث ہے جیسا کہ **بما قدمت ایدیھم** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ منافقین بشر کی حمایت کرنے آئے اور حضرت عمر فاروق کے خلاف مقدمہ دائر کرنے تو لینے کے دینے پڑ گئے۔ خود پھنس گئے جان چھوڑانا مشکل ہو گیا یونہی اللہ کے محبوبوں کی حمایت کرنا ہزار ہا رحمتوں کا سبب اور سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت عمر فاروق کی کیسی بے مثال حمایت فرمائی۔ رب تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی حمایت کی توفیق دے ہماری عزت و آبرو ان کی عزتوں کے لئے ڈھال بنی رہے۔ حضرت حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فان ابی و والدتی و عرضی ۔۔۔۔ لعرض محمد منکم وقاء

ساتواں فائدہ: جن بے دینوں کے ایمان لانے کی امید نہ ہو انہیں بھی تبلیغ اسلام ضرور کی جائے کہ اگرچہ اس سے وہ لوگ ایمان نہ لائیں مگر مبلغ کو تو تبلیغ کا ثواب مل جائے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان منافقین کی تبلیغ فرمانے کا حکم دیا جو اس درجہ کے منافق تھے کہ حضور کو دھوکہ دینا چاہتے تھے۔

ضروری نوٹ : تفسیر خازن وغیرہ نے اس آیت کریمہ کو جہاد کی آیتوں سے منسوخ مانا کیونکہ اس میں منافقین سے منہ پھیرنے اور اعراض کرنے کا حکم ہے۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ صحیح نہیں اس لئے کہ یہ آیت احکام جہاد آنے کے بعد کی ہے اس لئے حضرت عمر نے بشر کو قتل کیا نیز منافقین پر جہاد کبھی نہ ہوا نہ احکام جہاد آنے سے پہلے نہ اس کے بعد اگرچہ ان سے بڑی حرکتیں ظاہر ہوتی رہتی تھیں مگر سرکار درگزر ہی فرماتے تھے۔ جس پر بہت سے واقعات دلالت کرتے ہیں بارہا ایسا ہوا کہ حضرت عمر

www.alahazratnetwork.org

وغیرہم نے بعض منافقین کے قتل کی اجازت چاہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھوڑ دو لوگ کہیں گے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں یعنی پھر لوگ اسلام قبول کرنے سے ڈریں گے۔ ہاں بخاری شریف نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی آپ فرماتے ہیں کہ نفاق حضور کے زمانہ میں تھا اب یا کفر ہے یا ایمان (مشکوۃ شریف باب الکبائر والنفاق) یعنی اب کسی بے دین کو منافق سمجھ کر چھوڑا نہیں جائے گا۔ جس سے کفر سرزد ہو گا اسے مار دیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا بلکہ منافقوں کو چھوڑنے کی علت جاتی رہی علت کی وجہ سے حکم بھی گیا یہ بات بہت خیال میں رکھی جائے۔

پہلا اعتراض: اگر اس آیت میں مصیبت سے مراد بشر منافق کا قتل ہے تو وہ ایک ہی آدمی پر ہوا تھا پھر **اصابتکم** جمع کیوں فرمایا گیا نیز آگے **ثم جاء وک** کیوں ارشاد ہوا۔ کیا مقتول بھی بعد قتل آسکتا ہے۔ **جواب:** ایک شخص کا قتل ساری قوم کے لئے مصیبت ہوتا ہے اس لئے **ھم** جمع فرمایا گیا بلکہ مقتول کی مصیبت تھوڑی دیر کی ہوتی ہے اس کے عزیز و اقارب کی مصیبت بہت دراز لہذا آیت بالکل صحیح ہے۔ ان منافقوں کو بڑی مصیبت تو یہ پڑی تھی کہ اس قتل بشر سے ان کے کنبے کی منافقت ظاہر ہو گئی تھی۔ **دوسرا اعتراض:** اس واقعہ میں ان لوگوں نے بشر منافق کی حرکت کو اپنی طرف منسوب کیوں کیا کہ کہا **ان اردنا الا احسانا" و توفیقا**۔ ہم سب نے اس یہودی پر احسان کرنا چاہا تھا اور صلح کرنی یہ عمل تو بشر کا تھا نہ کہ ان منافقین کا جو قصاص کا دعوٰی کرنے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تھے پھر یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔ **جواب:** قوم میں سے ایک شخص کا کام ساری قوم کا کام مانا جاتا ہے۔ جب وہ اس سے راضی اور اس کے حمایتی ہوں چونکہ یہ لوگ بشر کی اس حرکت سے راضی تھے اور اس کی حمایت کے لئے یہاں حاضر ہوئے تھے اس لئے ان سب نے اس حرکت کو اپنی طرف منسوب کیا دیکھو بنی اسرائیل میں نفس کا قاتل ایک شخص تھا مگر فرمایا گیا **و اذ قتلتم نفسا "** اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ایک شخص قیدار نے ہلاک کیا مگر رب نے فرمایا **فعقروھا**۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بشر منافق کا ایک کفر ظاہر ہونے پر اسے قتل کر دیا مگر عبداللہ ابن ابی وغیرہ منافقین کے کفر بارہا ظاہر ہوتے رہتے تھے انہیں قتل نہ کیا گیا۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ منافقین کہتے ہیں کہ مدینے پہنچ کر عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ یہ بکواس بشر کے بکواس سے زیادہ سخت کفر ہیں پھر اسے قتل کیوں نہ کیا گیا اور اگر حضرت عمر نے بشر کو ناجائز قتل کیا تو ان سے قصاص کیوں نہ دلوایا گیا۔ اور رب نے ان کی حمایت کیوں فرمائی۔ **جواب:** پہلے کہا جا چکا ہے کہ منافقین پر مسلمانوں کے ظاہری احکام جاری تھے انہیں مسلمان مانا جاتا تھا انہیں نمازوں میں بلکہ جہادوں میں شریک کیا جاتا تھا اور مسلمان کا تو حکم یہ ہے کہ اگر کسی کے کلام میں ننانوے احتمال کفر کے ہوں اور ایک احتمال اسلام کا تو اسے کافر نہیں کہا جائے گا ان منافقین عبداللہ ابن ابی وغیرہ کی بکواسوں میں صحیح پہلو بھی نکل سکتا تھا وہ کہہ سکتا تھا کہ میں نے ذلیلوں سے مراد مسلمان اور ان کے آقا نہیں لئے ہیں بلکہ فلاں فلاں آدمی مراد ہیں جو میرے مخالف ہیں اس لئے انہیں ظاہری شک کا فائدہ دیتے ہوئے قتل نہ کرایا گیا بشر کی اس گفتگو میں اسلام کا کوئی پہلو ہی نہ تھا لہذا قتل کر دیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اگر اس آیت میں مصیبت سے مراد بشر کا قتل ہے تو آگے **بما قدمت ایدیھم** فرمانا کیونکر صحیح ہوا۔ بشر نے زبان کا جرم کیا تھا نہ کہ ہاتھوں کا کہ اس نے کہا تھا کہ میں راضی نہیں۔ **جواب:** عربی زبان میں ایدی یعنی ہاتھوں سے مراد ذات ہوتی ہے لہذا آیت واضح ہے کہ یہاں ہاتھ مراد نہیں بلکہ پوری ذات۔ **پانچواں اعتراض:** جب بشر کے عزیز و قرابت داروں نے بشر کی صفائی بیان کی تو جناب عمر نے

www.alahazratnetwork.org

اپنی صفائی کیوں نہ دی مقدمہ میں فریقین کا بیان لینا ضروری ہے ایک فریق کے بیان پر فیصلہ نہیں ہوتا۔ **جواب:** حضرت عمر کی طرف سے رب تعالیٰ نے خود صفائی دے دی۔ جب قرآن مجید نے ان کی وکالت کر دی تو انہیں جواب کی حاجت ہی نہ رہی وکیل کا بیان ہوتے ہوئے مؤکل کو بیان دینے کی ضرورت ہی نہیں اس میں حضرت عمر کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کہ مقدمہ حضور کی کچہری میں پیش ہے مدعیان قصاص حضرت عمر کے خلاف دعویٰ کر رہے ہیں اور رب تعالیٰ ان کی طرف سے جواب دعویٰ ارشاد فرما رہا ہے۔ جن محبوب کے غلاموں کی یہ عزت ہے اس محبوب کی شان کا کیا پوچھنا

دشمن نے تیرے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا! پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تیری شرم و حیا کا کیا کہنا!

اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کی سچی غلامی ہم سب کو نصیب کرے آمین ثم آمین۔

تفسیر صوفیانہ : تمام گناہوں سے بدتر گناہ بدوں کی صحبت اور بروں کی حمایت ہے کہ برا تو برائی کر کے برا تھا اور یہ حمایتی بلاوجہ صرف حمایت کر کے اس کے ساتھ رگڑ آگیا۔ دیکھو بشر کا ایک ذاتی واقعہ تھا جو ختم ہو چکا تھا مگر اس کی حمایت کرنے والے سارے منافقین کا بیڑا غرق ہو گیا کیوں؟ اس کی حمایت میں۔ چور کا حامی بھی چور ہے اور تمام نیکیوں میں بڑھ کر نیکی اور تمام عملوں سے اعلیٰ عمل مقبول بندوں کی دوستی اور ان کی حمایت اور ان پر سے اعتراضات کا اٹھانا ہے کہ ساری نیکیاں بندے کرتے ہیں مگر یہ کام وہ ہے جو رب تعالیٰ بھی کرتا ہے یعنی یہ عمل سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو حضرت عمر کی حمایت یہاں کون کر رہا ہے خود پروردگار عالم آج تبرا کرنے والے لوگ اس آیت کو پڑھیں اور اپنے متعلق فیصلہ کریں کہ وہ کس ٹولے میں ہیں منافقین کے ٹولے میں ہیں یا اللہ والوں کے زمرے میں مقدمہ ایک ہے جناب عمر بھی ایک مگر منافقین ان پر تبرا کر رہے ہیں اور اللہ ان کی صفائیاں دے رہا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ گذشتہ سارے انبیاء کرام پر جو کفار نے اعتراض کئے تو خود ان نبیوں نے جواب دیئے مثلاً قوم عاد نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ آپ سفید یعنی بیوقوف ہیں تو آپ نے جواب دیا **لیس بی سفاھۃ ولکنی رسول من رب العالمین** الخ یا صالح اور نوح علیہم السلام سے ان کی قوم نے کہا کہ آپ گمراہ ہیں تو آپ نے جواب دیا **لیس بی ضلالۃ** الخ مگر جب اس قسم کے اعتراضات محبوب پر ہوئے تو محبوب نے خود جواب نہ دیئے رب نے جواب دیئے مثلاً کفار نے کہا **لست مرسلا** " آپ رسول نہیں تو رب نے جواب دیا **یس والقران الحکیم انک لمن المرسلین**۔ اے تمام نبیوں کے سردار قرآن شریف کی قسم تم سچے رسول ہو سبحان اللہ قرآن شریف اتارنے والا قرآن شریف کی قسم فرما کر صاحب قرآن کی رسالت بیان فرما رہا ہے یونہی کفار نے کہا آپ مجنوں ہیں تو رب نے فرمایا **ن والقلم وما یسطرون ما انت بنعمۃ ربک بمجنون** اے محبوب تیری امت کے علماء کی قلموں کی قسم ان کے لکھے ہوئے فتووں اور کتابوں کی قسم تم اپنے رب کے فضل سے مجنون نہیں یونہی کفار نے حضور کو شاعر یا گمراہ کہا تو رب نے فرمایا **فما علمنہ الشعر وما ینبغی لہ** اور فرمایا **ما ضل صاحبکم وما غوی** قرآن پڑھو اور قرآن والے کی شان کے گیت گاؤ مگر اس آیت نے تو کمال ہی کر دیا کہ منافقین کا سارا ٹولہ محبوب کے خادم خاص حضرت عمر پر الزام ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر رب ہے کہ جناب عمر کی صفائی دے رہا ہے ان کے الزاموں کا جواب دے رہا ہے اور حضرت عمر فاروق کی حمایت فرما رہا ہے کہ فرماتا ہے **یعلم اللہ ما فی قلوبھم** یہ منافق جھوٹے بہانے بناتے ہیں جو کچھ ان کے دل میں ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ حضرت عمر کا عمل ہمارے علم و منشاء کے عین مطابق ہے اللہ تعالیٰ وہ آنکھ عطا فرمائے جو ان کے فضائل و مراتب دیکھے ظاہری آنکھ ظاہری چہرے مہرے کو دیکھتی ہے دل کی

www.alahazratnetwork.org

آنکھ سیرت وصفات کو دیکھتی ہے ظاہری آنکھ کا سرمہ فرش پر بنتا ہے اور دل کی آنکھ کا سرمہ کارخانہ قدرت میں عرش پر تیار ہوتا ہے جو مدینہ پاک سے اولیاء اللہ کو تھوک میں ملتا ہے اور اولیاء اللہ کے آستانوں سے ہم گناہگاروں کو پرچون میں عطا ہوتا ہے۔
مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن در چشم خاک اولیاء تابہ بینی زابتداء تا انتہاء

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر تاکہ فرمانبرداری کی جاوے ساتھ حکم اللہ کے اور اگر تحقیق جب بھی ظلم کرتے

اور ہم نے کوئی رسول نہ بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اسکی اطاعت کی جاوے اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں

اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا

اپنی جانوں پر آجاتے تمہارے پاس پھر معافی چاہتے اللہ سے اور معافی چاہتے ان کے لئے یہ رسول تو البتہ

تو اے محبوب تمہارے پاس حاضر ہوں پھر اللہ سے معافی چاہیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائے تو ضرور اللہ کو بہت توبہ قبول

اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ

پاتے وہ اللہ کو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان بس قسم ہے تمہارے رب کی نہیں مومن ہوسکیں گے یہ لوگ حتی کہ حاکم بنائیں آپکو اس

کرنے والا مہربان پائیں۔ تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم وہ مسلمان نہ ہوں گے جب تک اپنے آپس کے جھگڑے

ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

میں جو اختلاف ہو درمیان انکے پھر نہ پائیں اپنے دلوں میں تنگی اس سے جو فیصلہ کرو تم اور مان لیں پورا ماننا

میں تمہیں حاکم نہ بنائیں پھر جو کچھ تم حکم فرماؤ اپنے دلوں میں اس میں رکاوٹ نہ پائیں اور جی سے مان لیں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اللہ رسول اور اپنے علماء کی اطاعت کرو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اطاعت رسول کا حکم صرف تم ہی کو نہیں دیا گیا بلکہ جس قدر بھی رسول دنیا میں آئے ان سب کی امتوں کو اس اطاعت کا حکم تھا یہ حکم بڑا پرانا اور بڑا ہی اہم ہے جیسے تمام دینوں کے فرعی مسائل مختلف تھے مگر توحید سب میں ایک تھی اس طرح اطاعت رسول کا حکم سب دینوں میں یکساں رہا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا کہ بشر اور اس کے حمایتی منافقین کافر ہوچکے اس لئے کہ انہوں نے آپ کے فیصلے کو دل سے قبول نہ کیا اب فرمایا جارہا ہے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے اب بھی آپ کے پاس آجائیں اور آپ سے شفاعت کرواکر ہم سے معافی مانگ لیں تو ہم بخش دیں

www.alahazratnetwork.org

گے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ ان منافقوں کو وعظ فرماؤ اب اس وعظ کا مضمون بتایا جا رہا ہے کہ توبہ کر لو ہم سے معافی چاہو لو بخشش دیئے جاؤ گے۔ یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین ہمارے محبوب کے حکم سے راضی نہ ہو کر کفار کو حاکم بنانے کی وجہ سے بے دین ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم صرف ان کے لئے ہی نہیں اور اس زمانے پر ہی محدود نہیں بلکہ تاقیامت قاعدہ مقرر فرمایا جاتا ہے کہ کسی کو بغیر تمہارے حاکم مانے ایمان نصیب نہ ہو گا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ ہمارے نبی کو حاکم مانو ورنہ ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایمان کے لئے آپ کو صرف حاکم مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ آپ کے فیصلے پر چین بجبیں نہ ہوں بلکہ اسے دل سے قبول کریں مجبوراً" مان لینا تو منافقین بھی کر لیتے تھے یعنی پچھلی آیت میں حضور کی ظاہری اطاعت کا حکم تھا اور اس آیت میں دلی اطاعت کا حکم ہے یعنی بخوشی قبول کر لینا گویا ایمان کے قالب کا پہلے ذکر تھا اور ایمان کے دل و روح کا اب ذکر ہو رہا ہے کہ **ثم لا یجدوا** الخ۔

شان نزول: ابو بکر اصم فرماتے ہیں کہ کچھ منافقوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کچھ سازش کی کہ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچائی جائے چنانچہ یہ لوگ بری نیت سے بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے حضرت جبرئیل امین نے حاضر ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس ارادے پر مطلع کر دیا جب یہ منافق آئے تو مہاجرین و انصار کا مجمع حضور کی بارگاہ عالی میں لگا ہوا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کچھ لوگ اس مجلس میں بہت برے ارادے سے آئے ہیں جس میں وہ کامیاب نہ ہوں گے انہیں چاہئے کہ وہ کھڑے ہو کر اخلاص کے ساتھ توبہ کر لیں ہم بھی ان کے لئے دعاء مغفرت کریں گے یہ لوگ نہ اٹھے پھر دوبارہ حضور نے یہی فرمایا مگر یہ لوگ نہ اٹھے۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے فلاں تو کھڑا ہو جا' اے فلاں تو اٹھ کھڑا ہو۔ چنانچہ بارہ آدمیوں کو نام بنام پکارا اور انہیں کھڑا کیا تب یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم آپ کے فرمان پر کھڑے ہونے کا ارادہ کر رہے تھے اور اٹھنے والے ہی تھے۔ حضور اب ہم توبہ کرتے ہیں آپ ہمارے لئے دعاء مغفرت فرما دیں۔ فرمایا اب کچھ نہیں ہو سکتا چلے جاؤ تم کو پہلے اٹھنا چاہئے تھا اب معاملہ آگے بڑھ چکا۔ تب پہلی آیت کریمہ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)۔ (2) حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ میرے والد حضرت زبیر اور ایک انصاری کے کھیت متصل تھے جو ایک نالی سے سیراب کئے جاتے تھے۔ حضرت زبیر کا کھیت اوپر تھا انصاری کا کھیت نشیب میں انصاری کہتا تھا کہ پہلے پانی میں اپنے کھیت کو دوں گا پھر تم دو حضرت زبیر کہتے تھے کہ نہیں پہلے پانی میں دوں گا کیونکہ میرا کھیت بالائی حصہ میں ہے چنانچہ یہ مقدمہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زبیر کو حکم دیا کہ پہلے تم اپنے کھیت کو پانی دو پھر اپنے بھائی پڑوسی کی طرف پانی چھوڑ دو اس پر انصاری بولا کہ حضرت زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں (یعنی اپنے اس فیصلے میں ان کی مروت کی ہے) اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا' آپ کا چہرہ انور متغیر ہو گیا اور فرمایا کہ اچھا زبیر اب تم پہلے اپنے کھیت کو خوب اچھی طرح پانی دو حتیٰ کہ پانی منڈیر کے کنارہ پر پہنچ جائے (یعنی کھیت کے منیرہ کے برابر پہنچ جائے) تب پانی انصاری کے کھیت کی طرف چھوڑ دو اس پر دوسری آیت **فلا وربک لا یؤمنون** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن' روح البیان' روح المعانی' بخاری شریف وغیرہ) تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ اس انصاری کا نام حاطب ابن ابی بلتعہ تھا۔

تفسیر خازن نے بحوالہ بغوی نقل فرمایا کہ یہاں سے تو وہ انصاری خاموش چلا گیا۔ جب یہ دونوں مقداد رضی اللہ عنہ پر گزرے حضرت مقداد نے پوچھا کہ کیا فیصلہ ہوا؟ تو انصاری نے کہا کہ فیصلہ ان کی پھوپھی زاد بھائی کے لئے ہوا۔ اس پر ایک یہودی جو وہاں بیٹھا تھا بولا خدا انہیں غارت کرے کہ جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہیں ان کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتے ہم بنی اسرائیل نے اپنی نبی موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ایک گناہ کیا تھا اس کی پاداش میں ستر ہزار یہودی قتل ہوئے تب توبہ قبول ہوئی تھی۔ اس پر حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس تڑپ کر بولے قسم رب کی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو حکم دیں کہ اپنے کو قتل کر دوں تو مجھے کبھی تامل نہ ہو۔ مگر پچھلی روایت قوی ہے۔

تفسیر : **وما ارسلنا من رسول۔** **ارسلنا** ارسال سے بنا بمعنی بھیجنا شریعت میں کسی خاص انسان کو اپنا نبی بنانا ارسال کہلاتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ لفظ دونوں معنی میں استعمال ہوا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و ارسلنا الی فرعون رسولا** " ہم نے فرعون کی طرف ایک شاندار رسول بھیجا یہاں **ارسلنا** لغوی معنی میں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام مدین سے رسول بنا کر مصر میں بھیجے گئے فرعون کی طرف اور فرماتا ہے۔ **انا ارسلنا الیهم اثنین**۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمته** " **للعلمین**۔ یہاں رسول شرعی معنی میں ہے یعنی ہم نے آپ کو رسول نہ بنایا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور جگہ سے رسول بن کر عرب میں نہ بھیجے گئے یہاں او سلنا دونوں معنی میں ہو سکتا ہے۔ **من** تنکیر یہ ہے بمعنی کوئی اور رسول بمعنی پیغمبر خدا ہے نہ کہ محض قاصد کے معنی میں نبی رسول، مرسل میں فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار تشریف لائے رسول تین سو تیرہ مرسل چار ظاہر یہ ہے کہ یہاں رسول بمعنی نبی ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی رسول ہی ہو جن کی تعداد تین سو تیرہ ہے۔ خیال رہے کہ نبی کے معنی خبر والا یعنی خبر دینے والا، یا خبر لینے والا یا خبر رکھنے والا۔ رسول کے معنی ہیں پیغام رساں، فیضان رساں، ایمان رساں عرفان رساں وغیرہ جو نبی کو بے خبر مانے وہ در پردہ ان کی نبوت کا منکر ہے اور جو کہے کہ حضور سے کچھ نہیں ملتا وہ در پردہ حضور کی رسالت کا منکر ہے۔ رسول وہ جو رب سے لے کر مخلوق کو دے **الا لیطاع باذن اللہ۔** **الا** استثنائیہ ہے بمعنی غیر نہیں اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے **لحکمته و شیء** نفی کے بعد **الا** نے حصر کا فائدہ دیا اور یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں لہذا آیت کا مقصد یہ نہیں کہ رسول کا بھیجنا صرف اطاعت کے لئے ہے شفاعت یا رحمت یا بندوں کی حاجت روائی وغیرہ کے لئے نہیں لہذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں **وما ارسلنک الا رحمته للعلمین** مقصد یہ ہے کہ نبی نافرمانی کے جانے یا ڈاکیہ کی طرح صرف حکم الہٰی پہنچانے کے لئے نہیں **لیطاع** کا لام غرض و علت و غایت کا نہیں بلکہ حکمت و مصلحت کا اللہ تعالیٰ کے کام غرض و غایت سے پاک ہیں اپنی نفع کو غرض کہتے ہیں۔ دوسرے کو نفع پہنچانے کے لئے کام کرنا حکمت کہلاتا ہے۔ **یطاع** اطاعت بمعنی فرمانبرداری سے بنا اطاعت عبادت کا فرق پہلے بیان ہو چکا نیز اطاعت کی قسمیں اطاعت قولی، اطاعت عملی، اطاعت اعتقادی کا بیان بھی ہو چکا یہاں مطلقاً اطاعت مراد ہے قولی ہو یا عملی یا اعتقادی **یطاع** کا نائب فاعل تو رسول ہیں اور اس کا فاعل رسول کی امت چونکہ دوسرے رسولوں کی امتیں بھی خاص تھیں ان کے زمانہ بھی خاص علاقہ و رقبہ بھی خاص اس لئے ان کی اطاعتیں بھی خاص تھیں۔ ہمارے حضور کی نبوت علاقہ، قوم اور زمانہ کی قیدوں سے آزاد ہے اس لئے آپ کی اطاعت ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر شخص پر لازم ہے لہذا آیت صاف ہے خضر علیہ السلام پر

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت اس لئے فرض نہ ہوئی کہ وہ جناب موسیٰ کی امت نہ تھے' نہ ان کے علاقہ نبوت میں رہتے تھے۔ خیال رہے کہ اطاعت دو قسم کی ہوتی ہے۔ اطاعت صغریٰ' اطاعت کبریٰ۔ اطاعت صغریٰ جس کی اپیل ہو سکے۔ جیسے حکام سلطنت کی اطاعت۔ حضرات انبیاء کی اطاعت' اطاعت کبریٰ ہے جو بہرحال کرنی لازم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وما کان لمئومن الخ** جیسے اطاعت کبریٰ کی وجہ سے حکام کی اطاعت۔ جیسے اطاعت کبریٰ کی وجہ سے حکام کی اطاعت صغریٰ کرنی پڑتی ہے ایسے ہی حضور کی اطاعت کی وجہ سے علماء کی اطاعت صغریٰ کرنی ضروری ہے۔ اذن ارادہ کو بھی کہتے ہیں اور حکم و امر کو بھی ظاہر یہ ہے کہ یہاں اذن بمعنی امر و حکم ہے کیونکہ ساری امتوں کو حکم تھا کہ اپنے نبی کی اطاعت کریں۔ بعض نے یہ حکم مانا بعض نے نہ مانا اور ہو سکتا ہے کہ اذن بمعنی ارادہ ہو رب تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ ان نبیوں کی کوئی نہ کوئی اطاعت ضرور کرے چنانچہ ایسا ہی ہوا مگر یہ احتمال ضعیف سا ہے کیونکہ بعض رسول وہ بھی ہیں جن کی اطاعت کسی شخص نے نہ کی اور ارادہ الٰہی کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے لہٰذا تفسیر کبیر کا یہاں اذن کو بمعنی ارادہ لینا قوی نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے کوئی پیغمبر اس لئے نہ بھیجا کہ ان کی امت ان کی مخالفت کرے اور ان کے مقابل دوسروں کو اپنا حاکم بنائے بلکہ اس لئے بھیجا کہ ان کا ہر امتی بحکم خدا اور بہ امر الٰہی ان کی اطاعت کرے ان سب کو حکم خداوندی تھا کہ اپنے رسول کی اطاعت کریں۔ جیسے بادشاہ اس سے راضی ہے کہ اس کی رعایا اس کے حکم کی اطاعت کرے ایسے ہی رب تعالیٰ اس سے راضی ہے کہ اس کے بندے اس کے رسولوں نبیوں کی اطاعت کریں۔ اس لئے یہاں **باذن اللہ** ارشاد ہوا۔ **باذن اللہ** میں اس جانب اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ کی اطاعت بواسطہ اطاعت نبی کی جا سکتی ہے کہ رب تعالیٰ کا جو فرمان نبی کے ذریعے پہنچے اس پر لازم ہے جو اور ذریعہ سے پہنچے خواب یا الہام تو اطاعت لازم نہیں' لہٰذا بشریا کسی اور کا آپ کے حکم سے روگردانی کرنا آپ کے خلاف سازش کرنا حکم الٰہی کی مخالفت ہے۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاء وک چونکہ اس مضمون کے بہت سے لوگ منکر تھے کہتے تھے کہ گناہ کی معافی کے لئے حضور کے دروازے پر جانا شرک ہے سیدھا خدا کے پاس جانا چاہئے۔ اس لئے اسے ان تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ حق یہ ہے کہ **هم** کا مرجع اس آیت کے نزول کے وقت سے قیامت تک کا ہر جن و انس ہے فرشتے وغیرہ چونکہ گناہ کرتے نہیں اس لئے وہ اس حکم سے علیحدہ ہیں **اذ** عموم وقت کے لئے ہے بمعنی جب بھی آپ کی حیات شریف میں یا وفات شریف کے بعد **ظلموا** کا فاعل وہ تمام جن و انس ہیں جو انہم کی ضمیر کا مرجع تھے اور ظلم سے مراد شرک و کفر۔ گناہ کبیرہ و صغیرہ چھپے کھلے نئے پرانے سارے گناہ ہیں قرآن کریم میں شرک و کفر کو بھی ظلم فرمایا ہے۔ **ان الشرک لظلم عظیم**۔ اور بڑے گناہوں کو بھی جیسے ظالمی انفسهم اور خطاء لغزش کو بھی جیسے **انی کنت من الظالمین**۔ یہاں ہر قسم کا جسمانی جنانی روحانی گناہ مراد ہے انفس نفس کی جمع ہے بمعنی جان روح یا ذات ھم کا مرجع بھی وہی جن و انس ہیں جو **ظلموا** کا فاعل تھے۔ **جاء وا** کا فاعل بھی وہی عام لوگ ہیں۔ آنا جسم سے بھی ہوتا ہے۔ دل و جان سے بھی حضور کی خدمت میں جسم سے آنا تو یہ ہے کہ مجرم ان کے آستانہ عالیہ پر مدینہ منورہ پہنچ جائے آپ کی زندگی شریف میں یا بعد وفات روحانی حاضری یہ ہے کہ اس ذات کریم کی طرف متوجہ ہو جائے۔ **جاء وک الخ** مع تمام معطوفوں کے **لو** کی جزاء ہے پھر شرط و جزاء مل کر شرط ہے جس کی جزاء **لوجدوا اللہ الخ** ہے یعنی اے محبوب اگر یہ آپ کی امت کے تمام جن و انس کسی وقت بھی کسی جگہ بھی کسی قسم کا گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کر لیتے تو آپ کی بارگاہ میں جسمانی یا دلی طور پر حاضر ہو جاتے۔ **فاستغفروا اللہ واستغفر لهم الرسول**۔ یہ دونوں جملے جاء ک پر معطوف ہیں اور لو کی جزاء ف

www.alahazratnetwork.org

عاطفہ ہے۔ خیال رہے کہ لو کی جزائیں یہاں تین بیان ہوئیں جاء وک اور فاستغفروا اللہ اور و استغفرلہم الرسول مگر جاء وک پر ف نہ آئی تاکہ معلوم ہو کہ پرانے مجرم کو بھی اس آستانہ پر حاضری کا بلاوا ہے۔ وہ یہ خیال نہ کرے کہ اگر میں گناہ کرتے ہی وہاں پہنچ جاتا تو معافی ہو جاتی اب اتنے عرصہ کے بعد حاضری بیکار ہے نہیں جب بھی توفیق الٰہی دستگیری کرے آجائیں۔ یہاں پرانے تپ دق کا بھی علاج ہے اور فاستغفر واللہ میں ف ارشاد ہوئی کہ جب وہاں حاضری کی توفیق مل گئی تو اب استغفار میں دیر نہ لگائیں نہ معلوم پھر حاضری نصیب رہے یا نہ رہے اور ہمارے محبوب مختار ہیں۔ خواہ فوراً ہی ان کی شفاعت فرمادیں یا کچھ دیر ان سے ناک رگڑوا کر اور رسولی فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ صرف جرموں کا استغفار پڑھ لینا کافی نہیں ان کی شفاعت بھی ضروری ہے جو ان کے اور رب کے درمیان وسیلہ عظمٰی ہیں جو میرے ان کے درمیان رسول ہیں کہ مجھ سے رحمتیں لے کر انہیں دیتے ہیں اور ان کے گناہ میرے دربار میں حاضر کر کے بخشواتے ہیں اس لئے یہاں و استغفرت نہ فرمایا نیز اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ دوسرے بزرگوں کی طرح ان سے صرف آمین کہلوالینا کافی نہیں بلکہ ان کی دعا لینا ضروری ہے لوجدوا اللہ توابا" رحیما" یہ جملہ لو کی جزاء دوم ہے وجدوا وجدان سے بنا بمعنی پانا۔ جسمانی پانا مراد نہیں بلکہ روحانی ایمانی پانا مراد ہے اسی لئے یہ دو مفعول چاہتا ہے توابا" توبہ کا مبالغہ ہے بمعنی بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا۔ رحیم رحمت کا صفت مشبہ یعنی یہی سارے مجرم اللہ تعالٰی کو یہاں پہنچ کر بہت ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں کہ وہ اپنے فضل سے ان کے سارے گناہ بخش دے۔ یہاں یہ نہ ارشاد ہوا کہ ہم ان کے گناہ بخش دیں گے بلکہ فرمایا گیا کہ وہ رب کو تواب و رحیم پائیں گے اس میں بہت ہی مبالغہ ہے ایک دفعہ بخش دینا جس کا پتہ بندے کو نہ لگے کچھ اور ہے اور بندہ کا رب تعالٰی کا بہت تواب و رحیم پانا کچھ اور ہے۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں نے اس آیت کے معنی یوں کئے ہیں کہ اگر یہ بشر منافق کے قرابت دار یا سازشیں کرنے والے منافقین آپ کے پاس بہانہ بازیوں کے لئے نہ آتے بلکہ جب انہوں نے یہ جرم کر لیا تھا تو آپ کے پاس آجاتے اور خدا تعالٰی سے معافی مانگ لیتے اور آپ بھی ان کے لئے معافی کی درخواست کر دیتے تو یہ منافقین اللہ تعالٰی کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پاتے اور کہتے ہیں کہ یہ حاضری کا حکم و شفاعت صرف ان منافقین کے لئے تھی اب کسی اور کے لئے نہیں مگر یہ درست نہیں کیونکہ آیت میں عموم الفاظ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ خصوصی شان نزول کا نیز اس صورت میں یہ آیتہ کریمہ دوسری آیات کے خلاف ہو گی۔ رب تعالٰی فرماتا ہے وما ارسلنک الا رحمتہ" للعلمین اور فرماتا ہے۔ وابتغوا الیہ الوسیلتہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں اور ہم سب کو حضور کے وسیلہ پکڑنے کا حکم دیا گیا تو یہ آیتہ کریمہ صرف اس زمانہ کے بعض لوگوں کے لئے کیسی ہو سکتی ہے اور ہم لوگ اس سے محروم کیونکر ہو سکتے ہیں۔

دوستاں را کجا کنی محروم　　　تو کہ باد شمناں نظر داری

نیز اللہ تعالٰی تواب و رحیم ہر شخص کے لئے ہے کہ صرف اس زمانہ کے منافقوں کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وسیلہ ہر شخص کے لئے ہیں مگر یہ آیتہ صرف ان خاص منافقوں کے لئے ہو تو لازم آئے گا کہ رب تعالٰی تواب اور رحیم بھی انہی منافقوں کے لئے ہو دوسروں کے لئے نہ ہو فلا وربک لا یومنون۔ یہ جملہ یا تو مستقل ہے یا گذشتہ سے متعلق پہلی صورت میں لا نافیہ ہے جو گذشتہ مذکورہ مضمون کی نفی فرما رہا ہے پہلے ارشاد ہوا تھا الم ترا الی الذین یزعمون انہم امنوا الخ یعنی

www.alahazratnetwork.org

فلا یصح زعمہم" ان لوگوں کا یہ گمان درست نہیں کہ وہ مومن ہو چکے دوسری صورت میں لا زائدہ ہے قسم کی تاکید کے لئے جیسے **لئلا یعلمہم** میں لا زائدہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ف ترتیب کی ہو اور لا سے اس انصاری کے قول کی تردید ہو یعنی چونکہ اس انصاری نے آپ کے فیصلہ کو برحق نہ مانا لہٰذا ہم فرماتے ہیں لا یعنی اس کا قول درست نہیں چونکہ رب تعالیٰ حضور کا گواہ ہے **و کفی باللہ شہیدا** اس لئے حضور پر جو اعتراض ہو رب اس کا جواب دیتا ہے **و ربک** میں واو قسم کا ہے ربک سے ذات پروردگار مراد ہے وہ کریم اگرچہ رب العالمین ہے مگر اس کی ربوبیت ظاہری و باطنی کا مظہر اتم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ ہم اپنے نوکر جانور کو پالتے ہیں اور عزیز بیٹے کو بھی بیٹے کی تربیت کامل ہوتی ہے نوکر کی نہیں حضور کی تربیت کاملہ ہے نیز اشارۃً" فرمایا گیا کہ ہم اس وقت اپنی قسم اس لئے فرما رہے ہیں کہ تمہارے رب ہیں یعنی قسم کی وجہ تمہاری ربوبیت ہے جیسے رب فرماتا ہے **لا اقسم بہذا البلد و انت حل بہذا البلد** مجھے شہر مکہ کی قسم اس کی قسم کیوں ہے اس لئے نہیں کہ یہاں کعبہ شریف وغیرہ ہے بلکہ اس لئے کہ یہاں تم تشریف فرما ہو اس کی خاک تمہاری پابوسی کا شرف حاصل ہے ایسے ہی یہاں ہے یا اظہار کرم کے لئے اس طرح ارشاد ہوا جیسے بلا تشبیہ باپ اپنے نازنین بیٹے سے کہے کہ تیرے ہی باپ کی قسم غرضیکہ اس طرح قسم اپنی فرمانا بہت ہی وجد آفرین ہے **لا یومنون** میں نفس ایمان کی نفی ہے اور **یومنون** کا فاعل تاقیامت جن و انس ہیں یعنی تمہارے ہی رب کی قسم کوئی شخص خواہ وہ کسی درجہ کا ہو مومن قطعاً" نہیں ہو سکتا یا منافق جو دوسروں کو اپنا حکم و حاکم بناتے ہیں پھر بھی اپنے کو مومن ہی سمجھتے ہیں یہ سب غلط ہے تمہارے ہی رب کی قسم کوئی مومن نہیں ہو سکتا اسے ایمان سے حصہ نہیں مل سکتا **حتی یحکموک فیما شجر بینہم** حتیٰ انتہا کے لئے ہے اس کا تعلق **لا یومنون** کا فاعل تمام یعنی تاقیامت لوگ شجر کا مصدر شجور ہے' شجور و مشاجرت کے معنی ہیں اختلاط خلط ملط ہونا جھگڑے کو مشاجرت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مخالفین کے کلام آپس میں مخلوط ہو جاتے ہیں زخم کو مشاجرت کہتے ہیں کہ وہ اختلاف و جھگڑے کا نتیجہ ہے لونٹ کے پالان کی لکڑیوں کو شجار کہا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسرے میں گتھی ہوتی ہیں درخت کو شجر کہتے ہیں کہ اس کی شاخیں ایک دوسری میں داخل ہوتی ہیں یہاں بمعنی جھگڑا و اختلاف ہے ما سے مراد سارے دینی و دنیاوی معاملات ہیں جن میں جھگڑا و اختلاف ہو یعنی اس وقت تک یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ان کا یہ حال نہ ہو جائے کہ اپنی تمام دینی و دنیاوی جھگڑوں میں آپ کو حاکم و حکم مانیں اور سمجھیں **ثم لا یجدوا فی انفسہم حرجا" مما قضیت** ثم عاطفہ ہے اور یہ جملہ **یحکموک** پر معطوف ہے ثم فرما کر اس جانب اشارہ ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ پر نہ فوراً" رنجیدہ ہوں نہ کبھی بعد میں انفس نفس کی جمع ہے بمعنی دل حرج اور ضیق دونوں کے معنی ہیں تنگی مگر ضیق تو مضبوط و قوی تنگی کو کہتے ہیں اور حرج خفیف سی تنگی کو مفردات راغب میں ہے کہ حرج کے معنی ہیں مجتمع الشیء چیزوں کے **جمگھٹے** کی جگہ اب دل تنگی اور رکاوٹ کو بھی حرج کہہ دیتے ہیں کہ یہ **جمگھٹے** کا نتیجہ ہے مجاہد نے فرمایا کہ یہاں حرج بمعنی شک ہے اس کی جمع حراج ہے **مما قضیت** واقع پوشیدہ کے متعلق ہو کر حرجا" کی صفت ہے یعنی صرف آپ کو حکم بنانا ہی مومن ہونے کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ آپ کے فیصلہ سے نہ دل تنگ ہوں نہ ان کے دل میں کچھ تردد ہو نہ اسے قبول کرنے سے کچھ رکاوٹ **و یسلموا تسلیما**" یہ جملہ لا یجدوا پر معطوف ہے۔ **یسلموا**۔ تسلیم سے بنا جس کا مادہ سلم ہے بمعنی خالص ہونا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و رجلا" سلما"** لوجل سلام کرنے کو سلام اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سلامتی یعنی آفات سے خلوص و علیحدگی کی دعا ہوتی ہے اس فعل کے

بعد تسلیما فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ لوگ پورے طور پر آپ کے فیصلہ پر سرنیاز جھکادیں ہر قسم کے تردد و شک سے خالص رہیں یعنی نہ ان کے دل میں آپ کے فیصلہ سے کچھ تنگی رہے نہ جسمانی طور پر وہ بے راہ روی کریں نہ ان کے دل میں تنگی ہو نہ قبولیت میں تردد۔

خلاصہء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جتنے رسول بھی دنیا میں بھیجے وہ اس لئے بھیجے کہ ان کی امت کا ہر فرد ان کی اطاعت کرے اور وہ اپنی امت کے مطاع مطلق ہوں اور یہ اطاعت بہ اذن الٰہی بہ حکم الٰہی ہو کہ جس نوعیت کی اطاعت رب کی ہو اسی نوعیت کی اطاعت نبی کی بلا چون وچرا اس لئے کوئی نبی نہ آئے کہ ان کی مخالفت کی جائے۔ بہر حال ان کی اطاعت حکم ربانی ہے ان کی مخالفت اغواء شیطانی اگر وہ آپ کی امت والے جن وانس جب بھی جہاں کہیں کسی قسم کا ظلم اپنی جانوں پر کرلیں تو آپ کے حضور حاضر ہو جائیں مگر ان کی یہ حاضری سائلانہ مجرمانہ ہو جیسے داتا کے دروازے پر فقیر' حاکم کریم کے دروازے پر اقبالی مجرم حاضر ہو جاتا ہے۔ حاکمانہ' ظالمانہ' دوستانہ' سارقانہ نہ ہو جہاں برتری یا برابری کا اظہار ہوتا ہے کیونکہ برابری کے خیال کی حاضری محرومی کا باعث ہے مجرمانہ حاضری کرم و بخشش کا ذریعہ ہے پھر آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے ظلم و جرم کی معافی مانگیں کیونکہ ہم سے معافی مانگنے کے لئے بہتر وقت اور مناسب جگہ آپ کی حضوری ہے اور رسول یعنی آپ بھی ان کے لئے دعاء مغفرت یعنی شفاعت فرمادیں تو یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو توبہ قبول فرمانے والا مہربان پائیں کہ ان کی توبہ قبول فرمالی جائے اور ان پر رحمت کی جائے اے پیارے تمہارے رب ہی کی قسم کہ ان میں سے کوئی بھی مومن نہیں ہو سکتا تاوقتیکہ اس کا یہ حال نہ ہو جائے کہ اپنے تمام دنیاوی و دینی جھگڑوں میں آپ کو اپنا حاکم مان لے یا آپ کو حکم بنالے صرف حاکم ہی نہ مانے بلکہ آپ کے فیصلہ سے اپنے دل میں کسی قسم کی تنگی بھی نہ پائے اور سراپا تسلیم ہو کر اسے دل سے قبول کرے اگر یہ صفات اس میں ہوں تو وہ مومن ہے اور اگر ان میں سے ایک بات بھی نہ ہو تو مومن نہیں خواہ کتنا ہی نمازی روزہ دار ہو۔ خیال رہے کہ حاکم اور حکم میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ حاکم وہ جو بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو حکم وہ جسے فریقین فیصلہ کے لئے مقرر کرلیں دوسرے ہو کہ حاکم وہ جس کی ولایت و حکومت عامہ حاصل ہو حکم ہو جسے ولایت خاصہ حاصل ہو۔ تیسرے یہ کہ حاکم وہ جو اپنا فیصلہ بزور منوائے نہ ماننے پر سزا دے حکم میں یہ بات نہیں۔ حاکم میں علم و اختیارات ہونا ضروری ہیں بے اختیار اور بے خبر حاکم نہیں ہو سکتا۔ ایمان کے لئے شرط یہ ہے کہ مومن حضور کو نبی رسول حاکم مختار عالم مانے جو شخص حضور کو مختار مانتے خبردار نہ مانے وہ حضور کے حاکم مطلق ہونے کا منکر ہے۔ اس آیت کا انکاری ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دنیا میں ہم بھی آئے اور نبی بھی مگر ہمارا آنا نبی کی فرمانبرداری کے لئے ہے اور ان حضرات کا آنا مخلوق پر حکومت کرنے کے لئے' ہم سیکھنے آتے ہیں' حضرات انبیاء سکھانے۔ کشتی اسلام میں انبیاء امتی سب ہی سوار ہیں مگر امت پار لگنے کے لئے اور نبی پار لگانے کے لئے جیسا کہ **الا لیطاع** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء رب تعالیٰ سے سب کچھ سیکھ کر آتے ہیں دنیا میں آکر نہیں سیکھتے جیسا کہ **ارسلنا** سے معلوم ہوا سکھایا جاتا ہے پہلے اور حاکم بنا کر بھیجا جاتا ہے بعد میں۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی اطاعت بحکم پروردگار ہے جس قسم کی اطاعت رب تعالیٰ کی چاہئے اس قسم کی اطاعت نبی کی بھی یہ فائدہ **باذن اللہ** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: کوئی

www.alahazratnetwork.org

مجرم و گنہگار بغیر حضور کی شفاعت کے نہیں بخشا جا سکتا آپ کی شفاعت و سفارش بخشش کی چابی ہے جیسا کہ **انہم** کے عموم سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضور کی شفاعت حضور کی وفات کے بعد بھی تاقیامت بلکہ بعد قیامت جاری رہے گی جیسا کہ **اذ** کے عموم سے معلوم ہوا۔

حکایت : تفسیر مدارک نے اس جگہ فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے دفن کے بعد ایک بدوی قبر انور پر حاضر ہوا۔ قبر انور کی مٹی اپنے سر پر ڈالی اور بولا یا رسول اللہ جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا اور ہم نے قرآن کی یہ آیت پڑھ لی **ولو انهم اذ ظلموا** الخ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں اللہ سے معافی مانگتا ہوں حضور شفاعت فرمادیں کہ رب تعالیٰ مجھے بخش دے۔ قبر انور سے آواز آئی کہ تیری بخشش ہو گئی (تفسیر مدارک و خزائن) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاجات عرض کرنے کے لئے اس کے مقبول بندوں کو وسیلہ بنانا کامیابی کا ذریعہ ہے قبر پر حاجت کے لئے جانا بھی **جاءوک** میں داخل ہے اور زمانہ صحابہ میں مروج تھا۔ مقبولان خدا کو یا کہہ کر پکارنا جائز ہے رب کے مقبول بندے بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں ان کی دعا سے حاجتیں پوری ہوتی ہیں۔ (خزائن العرفان)۔ **چھٹا فائدہ:** حضور کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مدینہ پاک جانا ضروری نہیں۔ جہاں سے رہ کر بھی ان کا توسل کیا جائے تو بھی حاضری میسر ہو جاتی ہے دیکھو یہاں جاءوک تو فرمایا مگر فی المدینۃ کی قید نہ لگائی۔ **ساتواں فائدہ:** سارے رسول صاحب شریعت ہیں کوئی بغیر شریعت نہیں اگرچہ بعض حضرات کے پاس مستقل نئی شریعت نہ ہو مگر وہ پرانی شریعت میں کمی بیشی تغیر تبدل کر سکتے ہیں۔ ورنہ وہ لازم الاطاعت کیسے ہوں گے (از تفسیر کبیر)۔ یہ فائدہ **الا لیطاع** سے حاصل ہوا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اگر کوئی رسول بالکل دوسری شریعت کا تبع ہو تو وہ مطاع نہ ہو گا۔ بلکہ وہ نبی مطاع ہوں گے جن کی شریعت کی پیروی ہو رہی ہے اس لئے ہر نبی صاحب شریعت ہے۔ (تفسیر کبیر) **آٹھواں فائدہ:** حضور کی شفاعت کے بغیر کوئی گناہ قابل معافی نہیں۔ معافی شفاعت سے ہے جیسا کہ **واستغفر لهم الرسول** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہماری استغفار و دعائیں گویا تخم ہے۔ حضور کی استغفار و شفاعت گویا پانی اس لئے پہلے مجرم کی استغفار کا ذکر ہوا۔ پھر حضور کی استغفار کا یہ تو ہو جاتا ہے کہ بغیر تخم صرف بارش کے پانی سے سبزہ اگ جائے مگر یہ ناممکن ہے کہ بغیر پانی صرف تخم سے سبزہ ہو جائے اسی طرح یہ ہو سکتا ہے کہ ہماری دعا کے بغیر صرف حضور کی دعا سے ہماری بخشش ہو جائے مگر یہ ناممکن ہے کہ حضور کی شفاعت کے بغیر صرف ہماری دعا سے بخشش ہو جائے قیامت کے دن سارے اعمال کی پیشی شفیع کے تلاش کے بعد ہو گی۔ دیکھو حضرت ہارون کی دعا کے بغیر صرف دعا موسیٰ سے ان کو نبوت مل گئی صرف دعاء خلیلی سے زمین مکہ کو عظمتیں حاصل ہو گئیں۔ اس لئے یہاں دو استغفار علیحدہ علیحدہ مذکور ہوئے۔ **دسواں فائدہ:** حضور کا وسیلہ اختیار کرنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ تواب بھی رحیم و مہربان بھی آپ کے وسیلہ کے انکاری کے لئے رب تعالیٰ نہ تواب ہے نہ رحیم بلکہ قہار و جبار ہے جیسا کہ **لوجدوا الله** الخ سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ کا پتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم ہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہر شخص کے اعمال اس کی حاضری سے خبردار ہیں کہ کسی سے بے خبر نہیں اور کوئی شخص کہیں سے حضور کا توسل اختیار کرے تو حضور اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں جیسا کہ جاءوک کے عموم کے بعد استغفر لہم الرسول فرمانے سے معلوم ہوا کیا تمہیں خبر نہیں کہ حضور نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان میں عذاب ہے ایک میت تو چغلی کھاتا تھا دوسرا پیشاب سے پرہیز نہ کرتا تھا رب نے ہم کو بے خبر بے بس کے پاس نہیں بھیجا بلکہ خبیر و کریم کے پاس بھیجا ہے۔

بارہواں فائدہ: جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اسے اصل ایمان ہی نصیب نہ ہو گا وہ تو اکافر بے دین ہو گا۔ دیکھو یہاں **لا یومنون** فرما کر اصل ایمان کی نفی فرمادی گئی نہ کہ کمال ایمان کی نفی۔ **تیراہواں فائدہ:** خدا کے ماسواء اس کے بندوں کو حاکم بنانا درست ہے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کہ آپ تو نائب کبریا ہیں۔ **چودہواں فائدہ:** حضور کے سارے فیصلے برحق ہیں کوئی فیصلہ غلط نہیں آپ معصوم ہیں اگر حضور کا کوئی فیصلہ ناحق ہوتا تو اس کا قبول کرنا ضروری نہ ہوتا بلکہ رد کر دینا واجب ہوتا (تفسیر کبیر)۔ **پندرہواں فائدہ:** حضور کا فیصلہ صرف زبان سے مان لینا اور دل سے اس سے راضی نہ ہونا کفر ہے جیسا کہ **ثم لا یجدوا** الخ سے معلوم ہوا۔ **سولہواں فائدہ:** حضور کے فیصلہ پر زبانی اعتراض کرنا بھی کفر ہے جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد علماء دین کے شرعی فتووں پر عمل کرنا واجب ہے کہ یہ حضرات اس آستانہ کے نوکر چاکر اور حضور کے کارندے ہیں۔ **سترہواں فائدہ:** مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے ورنہ اس کے ماننے پر عتاب کیسا۔ **اٹھارہواں فائدہ:** حضور کے فیصلہ کی کہیں اپیل نہیں آپ کا حکم اٹل ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام انبیاء کی اطاعت واجب ہے مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ**۔ کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس آیت میں حقیقی حکم مراد ہے یا تکوینی حکم اور یہاں مجازی حکم یا تشریعی احکام مراد ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اس کی بحث پہلے کی جا چکی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں ہر مسلمان کو حاضری بارگاہ اور حضور کا حکم ماننے پر مجبور نہیں کیا جا رہا ہے بلکہ ان منافقین کو حکم ہے جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا (وہابی)۔ **جواب:** یہ غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ کے الفاظ میں کوئی قید نہیں نازل کسی کے حق میں ہوئی ہو مگر حکم تو عام ہے عموم الفاظ کا لحاظ ہوتا ہے۔ اب بھی حکم ہے کہ جب زائر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر حاضر ہو تو یہ آیت کریمہ **ولو انہم اذ ظلموا** الخ تلاوت کرے پھر عرض و معروض کرے دیکھو عام کتب فقہ پہلے عرض کیا جا چکا کہ ایک اعرابی بعد دفن روضہ مبارک پر حاضر ہوا اور یہ آیت پڑھ کر اس نے حضور سے شفاعت مانگی ندا آئی کہ تیری بخشش ہو گئی اگر حاضری بارگاہ صرف حضور کی حیات شریف میں ضروری تھی اب نہیں تو چاہئے کہ حضور کی اطاعت بھی اسی زمانہ میں لازم ہوتی اب نہ ہوتی حالانکہ آپ کی اطاعت تو ہمیشہ لازم تو یہ حضوری بھی ہمیشہ ضروری نیز لازم آتا کہ خدا تعالیٰ تواب اور رحیم بھی حضور کی حیات شریف میں ہی ہو تا بعد کو نہیں۔ جب رب تعالیٰ کا تواب اور رحیم ہونا ہمیشہ تک ہے اور حضور کی اطاعت ہمیشہ لازم تو حضور کی بارگاہ عالیہ میں مجرموں کو حاضری کا حکم بھی دائمی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر ہر مجرم کو ہر جرم کر کے حضور کے دربار میں حاضر ہونا ضروری ہوتا تو یہ تکلیف طاقت سے باہر ہوتی۔ کیونکہ مدینہ منورہ ہزارہا میل ہم سے دور ہے ہر گناہ کے بعد ہم وہاں کیسے پہنچیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حاضری سے عام حاضری مراد ہے خواہ جسمانی ہو یا دلی و روحانی جواز نماز کے لئے کعبہ معظمہ تک پہنچ جانا ضروری نہیں یہاں رہتے ہوئے بھی ادھر رخ کر دینے سے نماز جائز ہو جاتی ہے۔ حضور قبلہ دعا ہیں کعبہ توبہ ہیں دل کا رخ جہاں سے اس طرف کرو گے کام بن جائے گا۔ سورج کا نور لینے کے لئے چوتھے آسمان پر پہنچ جانا لازم نہیں جہاں بھی ہو اس کے ظل میں آجاؤ روشنی مل جائے گی۔ حضور آسمان قبولیت کے سورج ہیں رب نے آپ کو سراج منیر فرمایا یعنی چمکانے والا سورج جہاں بھی رہو ان کی نگاہ

www.alahazratnetwork.org

عنایت میں رہو بیڑا پار ہو گا۔ چوتھا اعتراض: جب خدا تعالیٰ کی رحمت بخشش ہر جگہ ہے تو حضور کے پاس جانے کی قید کیوں لگائی گئی؟ کیا دوسری جگہ اس کی رحمت وغیرہ نہیں؟ اسلام نے غیر محدود کو محدود کر دیا۔ جواب: رب تعالیٰ کی رحمت ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتی نہیں۔ ریل ساری لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی اسٹیشن پر ہے حضور کا آستانہ عالیہ رب کی رحمت پانے کا اسٹیشن ہے۔ رب تعالیٰ نے ہی اسرائیل سے ایک بار فرمایا تھا کہ اس دروازہ شہر میں سجدہ کرتے جاؤ اور وہاں جا کر عرض کرو کہ مولیٰ ہم کو بخش دے تو ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے (پارہ اول وپارہ نواں) وہاں اسٹیشن پر ہی بھیجا گیا تھا۔ پانچواں اعتراض: اس آیت میں جاءوک میں کاف خطاب ہے اور واستغفر لہم الرسول میں غائب سے تعبیر فرمایا گیا یہاں بھی کہا جاتا واستغفرت اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب: اس کا جواب تفسیر خازن نے یہ دیا ہے کہ رسول فرمانے میں وجہ حاضری بیان فرمائی گئی کہ وہاں کیوں حاضر ہو اس لئے کہ وہ رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔ رب تعالیٰ ان کی بات رد نہیں فرماتا اگر تمہاری سفارش فرماویں گے تو ضرور کامیاب ہو جاؤ گے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں — کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

چھٹا اعتراض: استغفر لہم الرسول کے معنی یہ ہیں کہ ان مجرموں کو اللہ کی کتاب یعنی قرآن مجید معافی دیدے لہذا ایسا گنہگاروں کو قرآن مجید کا توسل کرنے کا حکم ہے نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانے کا (چکڑالوی)۔ جواب: یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ معنوی تحریف ہے کیونکہ استغفار کے معنی ہیں معافی مانگنا نہ کہ معافی دینا معنی ہوتے تو یہاں ارشاد ہے فاستغفروا اللہ۔ مطلب یہ ہوتا کہ وہ گنہگار اللہ تعالیٰ کو معافی دے دیں نیز رسول قرآن کریم کا نام نہیں رسول تو قرآن لانے والے محبوب کا نام ہے۔ رب نے فرمایا محمد رسول اللہ ہم نے کلمہ پڑھا محمد رسول اللہ نیز قرآن کے معافی دینے کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ معافی دیدے پھر لوجدوا اللہ کے کیا معنی ہوں گے غرضیکہ یہ تفسیر آج تک سنی نہ گئی۔ ساتواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قریب قیامت نزول عیسیٰ علیہ السلام کا عقیدہ غلط ہے کیونکہ آیت کریمہ فرما رہی ہے کہ ہر نبی کی اطاعت لازم ہے۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے تو نبی ہوں گے یا نہیں اگر نہیں تو کس قصور میں انہیں رسالت سے الگ کیا گیا اور اگر نبی ہوں گے تو مسلمانوں پر ان کی اطاعت واجب ہو گی یا نہیں اگر نہیں تو اس آیت کے خلاف ہے اور اگر واجب ہو گی تو حضور کی اطاعت لازم نہ رہے گی۔ حالانکہ آپ کی اطاعت تاقیامت ہر مسلمان پر لازم ہے لہذا یہ عقیدہ غلط ہے۔

نوٹ: مولوی محمد علی قادیانی لاہوری نے یہ اعتراض اپنی تفسیر بیان القرآن میں بڑے فخر سے کیا ہے اور وہ سمجھے ہیں کہ یہ اعتراض لاینحل عقیدہ ہے کوئی مسلمان اس کا جواب نہ دے سکے گا۔ جواب: قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام ضرور تشریف لائیں گے مگر نبوت کی شان سے نہیں بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے عالم کی شان سے اس زمانہ میں حضور کی اطاعت نبی کی حیثیت سے فرض ہو گی اور ان کی اطاعت عالم دین کی شان سے لازم ہو گی۔ جیسے آج ائمہ مجتہدین یا علماء کی اطاعت کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم آپ بھی مرزا غلام احمد کو مجدد مان کر اس کی اطاعت لازم مانتے ہیں۔ بتاؤ آپ پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے یا نہیں رہا یہ سوال کہ وہ کس قصور میں نبوت سے معزول کئے گئے جناب دین کا نسخ نبی کے قصور سے نہیں ہوتا بلکہ اس لئے ہوتا ہے کہ اب اس دین کی ضرورت نہ رہی از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام تمام رسولوں کے دین منسوخ ہوئے ان انبیاء کرام نے کیا قصور کئے تھے جو ان

www.alahazratnetwork.org

کی نبوتیں منسوخ ہوئیں۔ خیال رہے کہ کسی نبی کی نبوت بارگاہ الٰہی میں منسوخ نہیں ہوتی۔ وہ ہمیشہ رب کے نبی رہتے ہیں ہم پر فرض ہے کہ سب نبیوں پر ایمان لائیں مخلوق کی نسبت سے نبوت منسوخ ہوتی ہے کہ لوگوں پر ان کی اطاعت واجب نہیں رہتی سورج کے ہوتے چراغ کی ضرورت نہیں حضور کے ہوتے اور نبوت کی حاجت نہیں۔ **آٹھواں اعتراض:** جن انصاری نے عرض کیا تھا کہ زبیر آپ کے پھوپھی زاد ہیں یعنی آپ نے فیصلہ میں رعایت برتی ہے۔ جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی وہ مرتد ہو گئے یا نہیں اگر ہو گئے تو انہیں تجدید ایمان اور تجدید نکاح کا حکم کیوں نہ دیا گیا اور انکار کی صورت میں انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا؟ **جواب:** ظاہر یہ ہے کہ وہ مرتد نہیں ہوئے کیونکہ اس وقت تک یہ قانون نہ بنا تھا۔ قانون بن چکنے کے بعد واجب العمل ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت صدیق وفاروق کی آوازیں بارگاہ نبوت میں ایک بار بلند ہو گئی جس پر یہ آیت آئی **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** اور بعد میں فرمایا گیا **ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون** اس سے تمہارے اعمال ضبط ہو جائیں گے اور تمہیں خبر بھی نہ ہوگی مگر ان بزرگوں پر یہ احکام جاری نہ ہوئے کیونکہ یہ قانون تو اب بنا اس کے بعد جو اس کے خلاف کرے گا اس کے عمل ضبط ہوں گے ایسے ہی بی بی زینب نے جناب زید ابن حارث کے ساتھ نکاح کرنے کا انکار کر دیا جس پر یہ آیت آئی **ما کان لمومن ولا مومنۃ** اس کے بعد یہ حکم ہوا کہ کوئی مومن حضور کے فیصلہ کے خلاف دم نہیں مار سکتا۔ بہرحال ان انصاری کو مرتد نہیں کہا جا سکتا۔ **نواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور کی شفاعت و استغفار سے رب تعالیٰ کی معافی ملتی ہے مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے کہ اگر تم ستر بار بھی دعا مغفرت ان کے لئے کرو ہم نہ بخشیں گے ایک جگہ فرماتا ہے کہ ان کے لئے آپ کا استغفار کرنا نہ کرنا برابر ہے اللہ انہیں نہ بخشے گا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت کریمہ گنہگار مومنوں کے لئے ہے وہ آیات منافقین کے لئے حضور کی شفاعت منافقوں کو مفید نہیں' ان کے نفاق کی وجہ سے مشورہ زمین میں تخم و پانی سے پھل پھول وغیرہ نہیں ہوتا دوسرے یہ کہ منافقین حضور کی بارگاہ میں نہ آتے تھے نہ استغفار کرتے تھے نہ حضور ان کی شفاعت کرتے تھے کیونکہ یہاں نیازمندانہ آنے کا ذکر ہے وہ دھوکہ دہی چال بازی سے چوروں کی طرح آتے تھے۔ ریاکاری کے لئے استغفار کرتے تھے حضور ان کو دفع فرمانے کے لئے دعا مغفرت کے الفاظ فرماتے تھے۔ دعا کرانا اور ہے دعا لینا کچھ اور غرضیکہ اس آیت کریمہ کے تینوں حکموں کا وہاں ظہور نہ تھا لہذا نہ بخشے گئے۔ خیال رہے اعلیٰ سے اعلیٰ دوا اور ٹیکہ بیمار کو مفید ہے۔ مردہ کو مفید نہیں۔ گنہگار بیمار ہے منافق مردہ۔ **دسواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ایمان کے تین رکن ارشاد ہوئے۔ ہر اختلافی چیز میں حضور کو حاکم ماننا۔ حضور کے فیصلے پر دل تنگ نہ ہونا' قبول کر لینا' دل تنگ نہ ہونا اور قبول کرنا ایک ہی چیز ہے۔ ان دونوں میں فرق کیا ہے؟ **جواب:** دل تنگ ہونا یہ ہے کہ آپ کے فیصلہ کو حق نہ مانے' سمجھے اور کہے کہ رشوت یا طرفداری یا معاملہ نہ سمجھنے کی وجہ سے یا قرآنی قانون کے مخالف ہونے کی وجہ سے حضور کا یہ فیصلہ غلط ہے۔ یہ عقیدہ بھی غلط ہے قبول نہ کرنا یہ ہے کہ کہے حضور کے احکام حق ہیں مگر یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے تھے اب زمانہ اور ہے ہم لوگوں کی فطرت اور ہے لہذا ہم پر یہ احکام نافذ نہیں یہ بھی کفر ہے ہاں جو کوئی حضور کے فیصلہ کو قبول تو کرے مگر عمل نہ کرے سستی کر جائے اور اس بناء پر اپنے کو گنہگار بھی سمجھے وہ کافر نہیں بلکہ گنہگار ہے۔ قبول نہ کرنا اور ہے عمل نہ کرنا کچھ اور۔ **گیارہواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور کا ہر حکم برحق ہے جس کا ماننا لازم مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا اگر کوئی تیز زبان اپنی چرب زبانی کی بناء پر مجھ سے غلط

www.alahazratnetwork.org

فیصلہ کرائے اور اس فیصلہ کی بناء پر کسی کی چیز پر قبضہ کرے تو اس کے لئے یہ چیز حلال نہ ہوگی وہ اس کے لئے دوزخ کا ٹکڑا ہے۔ معلوم ہوا کہ نبی کا ہر فیصلہ قابل عمل نہیں ہوتا۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** نبی کے حکم اور فیصلہ میں فرق ہے۔ حکم عام ہے فیصلہ خاص۔ فیصلہ وہ اٹل حکم ہے جو اپنے علم کی بناء پر دیا جائے' جھوٹی گواہی قائم کر کے جو حکم حاصل کر لیا گیا وہ **قضیت** میں داخل نہیں۔ حضور کے مشورہ' حضور کے ایسے احکام اس آیت سے خارج ہیں قرآن کریم کے مشورے والے احکام واجب العمل نہیں۔ جیسے **اذا تداینتم بدین الی اجل مسمی فاکتبوہ۔**

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی مظہر صفات الٰہی ہیں۔ مظہر میں ذات کی جھلک ہوتی ہے۔ جب شیشہ سورج کے سامنے ہو جائے تو وہ مظہر آفتاب بن جاتا ہے کہ اس میں روشنی' گرمی' شعاعیں سب نمودار ہو جاتی ہیں۔ رب کی صفات عالیہ میں سے یہ ہے کہ اس کا ہر حکم بلا چون و چرا مانا جائے تو حضور کی شان میں بھی یہی جھلک نظر آنی چاہئے کہ آپ کی ہر بات بلا جرح مانی جائے رب کی صفت ہے کہ ہر مخلوق اس کے دروازے کی بھکاری ہے تو حضور میں بھی یہ تجلی نظر آنا چاہئے کہ ساری مخلوق آپ کے در کی بھکاری ہو۔ رب کی شان تو یہ ہے کہ اس کے حکم پر ناراضی بھی کفر ہے تو حضور کی شان میں یہ بات ہونی چاہئے کہ آپ کے فیصلہ سے ناراضی کفر ہو رب تعالیٰ نے یہاں اپنے محبوب کا مظہر ذات الٰہی ہونا ثابت فرمایا۔ حضور کی سنتوں کی پیروی ایمان کی جان ہے۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے اپنے تک پہنچنے کے تمام راستے بند کر دیئے ہیں صرف ایک راستہ باقی رکھا ہے وہ اس کے حبیب کی اطاعت ہے جو ان کے خیمہ سے الگ رہا' رب تک نہ پہنچا نیز فرماتے کہ حضور ہر وقت' ہر جگہ' ہر مخلوق کے حاکم مطلق ہیں۔ حتی کہ حضور ہمارے اجسام' ہمارے دل' ہماری ارواح' ہماری اولاد و اموال کے مالک و حاکم ہیں۔ جسم عالم مادیات کی چیز ہے۔ روح عالم امر کا پرندہ مگر حضور کا حکم ان دونوں پر جاری ہے۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر لوگوں کی ارواح اجسام قلوب و نفوس میں جھگڑا ہو تو اے محبوب آپ کو ان کے درمیان حاکم مانیں۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ جو شخص حضور کی سنتوں کا متبع ہو گا رب تعالیٰ اسے چار نعمتیں عطا فرمائے گا۔ صالحین کے دلوں میں اس کی محبت فاسقین کے دلوں میں اس کی ہیبت' رزق میں برکت اور وسعت' دین میں تفقہ۔ یہ اب بھی تجربہ ہو رہا ہے کہ جو حضور کے آستانہ کے ہو گئے انہیں یہ چاروں نعمتیں مل گئیں۔ صوفیاء تو فرماتے ہیں کہ حضور کی محبوبیت خدا تعالیٰ کی محبوبیت سے زیادہ معلوم ہوتی ہے۔ ہمارے دلوں میں رب کی ہیبت کا غلبہ ہے حضور کی محبت کا' عشق' شوق' ذوق کے حضور مرکز ہیں۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

معنی حرفم کنی تحقیق اگر! — بنگری بادیدہ صدیق اگر
قوت قلب و جگر گردد نبی — از خدا محبوب تر آید نبی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی! — کشتی و دریا و طوفانم توئی!
زانکہ ملت راحیات از عشق اوست — برگ ساز کائنات از عشق اوست

اور فرماتے ہیں۔

مقامش عبدہٗ آمد و لیکن — جہان شوق را پروردگار است

www.alahazratnetwork.org

یہاں پروردگار یعنی پرورش فرمانے والا ہے قرآن کریم نے ماں باپ کو موٹی آقا بادشاہ کو رب فرمایا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدہٗ و رسولہٗ ہیں مگر عالم عشق کی پرورش و تربیت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مخلوق پر بعد خدا تعالیٰ سب سے زیادہ اطاعات حضور کی ضروری ہے کیونکہ حضور جان عالم ہیں اور باقی جسم ہیں جسم پر سب سے زیادہ حق جان کا ہے اور فرماتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اگر مجرم کسی قسم کا جرم کرکے تمہارے آستانہ پر آجاوے تو اللہ کو پائے گا۔ مگر کس شان میں تو ابا" رحیما والی شان میں حضور کی گلی میں ہر چیز ملتی ہے۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

حضور انور اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں۔ حضور سے مل کر خدا سے ملو۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ

اور اگر تحقیق ہم فرض کر دیتے اوپر ان کے یہ کہ قتل کر دو جانوں اپنی کو یا نکل جاؤ اپنے گھروں سے تو نہ کرتے وہ

اور اگر ہم ان پر فرض کرتے کہ اپنے آپ کو قتل کر دو یا اپنے گھر بار چھوڑ کر نکل جاؤ تو ان میں تھوڑے ہی ایسا

اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝۶۶

لوگ یہ کام مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر تحقیق وہ کرتے وہ کام کہ نصیحت کئے جاتے ہیں وہ جس کی تو ہوتا بہتر واسطے انکے

کرتے اور اگر وہ کرتے جس بات کی انہیں نصیحت دی جاتی ہے تو اس میں ان کا بھلا تھا اور ایمان پر خوب جمنا

وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝۶۷ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝۶۸

اور بہت ثابت قدم رہنا اور تب تو ہم دیتے انکو اپنے پاس سے ثواب بڑا اور البتہ ہدایت دیتے ہم انکو سیدھے راستہ کی

اور ایسا ہوتا تو ضرور ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے اور ضرور انہیں سیدھی راہ کی ہدایت کرتے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں گنہگاروں کو توبہ کا طریقہ سکھایا تھا یعنی حضور کے آستانہ پر آکر رب سے معافی مانگنا اور حضور کا شفاعت فرمانا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ہمارا کرم ہے کہ تم پر توبہ کو آسان فرمایا اگر توبہ کے لئے تم پر جان دے دینا یا وطن چھوڑ دینا فرض کردیا جاتا تو تم کو مصیبت پڑ جاتی غرضیکہ پہلے توبہ کا طریقہ بتایا اب اس طریقہ کا سہل ہونا بتایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے محبوب تمہارا آستانہ رب تعالیٰ کی رحمت یا رب تعالیٰ کے ملنے کا دروازہ ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ چونکہ تم رحمت اللعالمین ہو اس لئے تمہاری امت کے لئے نہایت آسان ذریعے مقرر کردیئے گئے ہیں اگر پچھلی امتوں کی طرح قتل جان اور ترک وطن ہم سے ملنے کا ذریعہ ہوتا تو مشکل پڑ جاتی گویا پچھلی آیت میں حضور کی نعت تھی اب حضور کی امت کی منقبت ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقوں کو حکم تھا کہ ہمارے محبوب کے فیصلے پر راضی ہو جاؤ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس میں تمہاری بھلائی ہے اس سے تمہارے عیب چھپے رہیں گے اگر تم پر اپنی جان دے دینا مدینہ چھوڑ دینا فرض کردیا جاوے تو یہ نہ کرسکو گے جس سے تمہارا نفاق ظاہر ہو جاوے گا اور تم بدنام ہو جاؤ گے۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول : حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس، حضرت عمر، ابن مسعود، عمار ابن یاسر وغیرھم صحابہ کرام کا کچھ یہود مدینہ سے مناظرہ ہوا یہودی بولا کہ ہم اپنے پیغمبر موسیٰ علیہ السلام کے ایسے مطیع ہیں کہ انہوں نے ہم کو ایک خطا کی معافی کے لئے جان دیدینے کو کہا تو ہم نے بلا پس و پیش اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دیا اور ستر ہزار اسرائیلی قتل ہو گئے اور تمہارا یہ حال ہے کہ تمہارے نبی تم کو جہاد کا حکم دیتے ہیں۔ جس میں ہر طرح تمہارا بھلا ہی ہے تو تم میں سے بعض لوگ پس و پیش کرتے ہیں۔ ان بزرگوں نے فرمایا کہ اس رب کی قسم جس کے قبضہ و قدرت میں ہماری جانیں ہیں اگر ہم کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان دے دینے یا گھر بار چھوڑ دینے کا حکم دیں تو ہم کو تعمیل ارشاد میں بالکل تامل نہ ہو ان کی تائید اور منافقین کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ان حضرات کی یہ گفتگو پہنچائی گئی تو فرمایا کہ میری امت میں ایسے لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا اللہ کی قسم اگر حضور ہم کو یہ حکم دیدیتے تو ہم اپنی جانوں پر فوراً کھیل جاتے مگر حضور نے یہ حکم دیا نہیں (تفسیر خازن، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی وغیرہ) تفسیر بغوی میں صرف ثابت ابن قیس کا ذکر ہے۔

تفسیر : **ولو انا کتبنا علیہم** یہ جملہ گزشتہ جملوں سے علیحدہ ہے واؤ ستیانفیہ ہے لو اس شرط و جزا پر بولا جاتا ہے جو دونوں موجود نہ ہوں یا نہ ہو سکیں کبھی بمعنی ان بھی آتا ہے۔ کتبنا کتب یا کتابۃ سے بنا بمعنی لکھنا یا لکھ دینا یا لکھ رکھنا لازم کرنے کو کتابۃ کہہ دیتے ہیں کیونکہ ضروری و لازم حکم لکھ کر دیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **کتب علیکم الصیام** یہاں اس آخری معنی میں ہے علیہم کا علیٰ اس معنی کی تائید کر رہا ہے کیونکہ جب کتابت کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی لازم کر دینا ہوتا ہے ھم ضمیر یا تو سارے اس وقت کے کلمہ گوؤں کی طرف لوٹتی ہے جن میں منافقین بھی شامل کئے گئے ہیں یا صرف منافقین کی طرف یا تاقیامت سارے مسلمانوں کی طرف **ان اقتلوا انفسکم** یہ عبارت اپنے اگلے معطوف سے مل کر **کتبنا** کا مفعول بہ ہے قتل نفس سے مراد توبہ کے وقت اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل نے جب بچھڑے کی پوجا سے توبہ کرنی چاہی تو انہیں یہ ہی حکم دیا گیا خودکشی کر لینا مراد نہیں نہ جہاد میں جانا مراد ہے کہ خودکشی تو ہر دین میں حرام رہی اور جہاد کا حکم اسلام میں بھی ہے پھر لو کے معنی کیسے درست ہوں گے **او اخرجوا من دیارکم** یہ عبارت **اقتلوا** پر معطوف ہے اور **کتبنا** کا مفعول دیار دار کی جمع ہے بمعنی گھر وطن کو دیار کہتے ہیں کہ وہ اپنی قوم کے گھروں کا مجموعہ ہوتا ہے یہاں بھی وطن چھوڑ دینے سے مراد اسلامی ہجرت نہیں کہ وہ تو بوقت ضرورت اسلام میں فرض ہے مہاجرین صحابہ نے ترک وطن جہاد سے کچھ کیا تو بہ کیلئے ترک وطن کرانا مراد ہے جیسے ایک موقعہ پر یہود کو مصر سے نکل جانے یا دیس نکالے کا حکم دیا گیا تھا۔ **ما فعلوہ الا قلیل منہم** یہ عبارت لو مذکورہ کی جزا ہے فعلوا کا فاعل وہ ہی ہے جو علیہم کی ضمیر کا مرجع تھا یعنی منافقین یا اس وقت کے عام کلمہ گو مخلصین و منافقین کا مجموعہ یا تاقیامت مسلمان ہ کا مرجع قتل و ترک وطن ہے قلیل ہماری قرات میں پیش سے ہے۔ **فعلوہ** کے فاعل کا بدل اور بعض قراتوں میں **قلیلاً** فتح سے ہے فعلوہ کے فاعل سے استثناء منھم کا مرجع وہ منافقین ہیں یا مخلصین و منافقین کا مجموعہ یعنی اے محبوب اگر ہم ان منافقین پر اس جرم کی توبہ میں اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دینا یا ترک وطن کر دینا فرض کر دیتے تو عام منافق یہ نہ کرتے ہاں ان میں سے بعض پکے منافق تقیہ کے طور پر اپنا نفاق چھپانے کے لئے کر لیتے یا اے محبوب اگر ہم ان کلمہ گوؤں پر دیگر عبارتوں کی طرح توبہ کے وقت قتل یا ترک وطن فرض کر دیتے تو اس پر عمل صرف تھوڑے ہی کرتے یعنی مخلصین

www.alahazratnetwork.org

صحابہ مہاجرین و انصار رہے منافقین وہ کبھی اس پر عمل نہ کرتے یہ دوسری تفسیر قوی ہے کیونکہ ابن ابی حاتم۔ شریح ابن عبید وغیرہم محدثین نے مختلف اسنادوں سے نقل فرمایا کہ جب یہ آیت کریمہ اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق، عبداللہ ابن رواحہ عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرہم صحابہ کرام کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ لوگ اس قلیل میں داخل ہیں اگر قتل جان اور ترک وطن کا حکم دیا جاتا تو یہ لوگ کرلیتے (روح المعانی) **ولو انهم فعلو ما يوعظون به** یہ علیحدہ جملہ ہے اس جملہ مذکورہ کی تائید یا اس کے فوائد بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا انہم کا مرجع یا تو وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے تب تو لو اپنے معنی میں ہے یا تمام لوگ مرجع میں تو لو بمعنی ان ہے **ما يوعظون** سے مراد یا تو سارے قرآن و حدیث کے احکام ہیں جن پر وعدے وعیدیں کی گئی ہیں یا وہ ہی احکام مراد ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اپنے ہر اختلاف میں حضور کو حاکم ماننا اور آپ کے حکم سے راضی ہونا **لكان خيرا لهم و اشد تثبيتا**"۔ یہ جملہ لو کی جزاء ہے خیر سے مراد دین و دنیا کی بھلائی تثبیتا" کے معنی ہیں ایمان پر جم جانا اسلام پر قائم رہنا کہ رنج و غم راحت و خوشی فقیری امیری کسی حالت میں انسان اسلام نہ چھوڑے اور اس کے دل میں اسلام کے متعلق کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ رب فرماتا ہے **والذين اهتدوا زادهم هدى** یعنی اگر یہ منافقین تمام قرآنی و حدیثی احکام پر عمل کرلیتے تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتری ہوتی کہ دنیا میں رب تعالیٰ ان سے راضی ہو جاتا آخرت میں انہیں جنت عطا فرماتا اور یہ عمل ان کے لئے اسلام پر ثابت قدمی کا باعث ہوتا کہ اس کی برکت سے وہ اسلام پر قائم رہتے ایمان پر مرتے اور مومنوں کے زمرہ میں قیامت میں اٹھتے مگر نہ انہوں نے احکام پر عمل کیا نہ انہیں یہ نعمتیں ملیں یا اگر یہ کلمہ پڑھنے والے مخلصین وغیرہم اللہ کے رسول کے احکام پر عمل کریں تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتری ہو اور پختگی ایمان کا ذریعہ پہلی صورت میں لو اپنے معنی میں ہے۔ دوسری صورت میں بمعنی ان ہے۔ **واذا لا تينهم من لدنا اجرا عظيما**" یہ جملہ **لكان خيرا**" پر معطوف ہے اذا ظرفیہ ہے اجر عظیم سے مراد رضاء الٰہی یا جنت میں دیدار الٰہی ہے **من لدنا** فرما کر اس اجر کی عظمت کا ذکر فرمایا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق کسی کو جزاء و انعام دے سکتا ہے سوچ لو کہ ہم رب العالمین قدیر مطلق اسے کیا اجر دیں گے یعنی یہ اطاعت و فرمانبرداری بذات خود اچھی ہے اور پختگی ایمان کا باعث اس کے سوا خوبی یہ ہے کہ ہم ایسے عاملوں کو اپنی طرف سے اپنی شان کے لائق ثواب عظیم عطا فرماتے ہیں یا عطا فرمائیں گے جو ثواب بندوں کی عقل و فہم سے وراء ہے **ولهدينا هم صراطا مستقيما**" یہ چوتھے انعام کا ذکر ہے ہدایت سے مراد ایمان کا خاص مرتبہ ہے جو عاملین متقین کو دیا جاتا ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اپنے علم پر عمل بھی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم دیتا ہے جو اب تک اسے حاصل نہ تھے اس صورت میں صراط مستقیم سے مراد رب تک پہنچنے کا راستہ ہے یا یہ قیامت کا ذکر ہے اور صراط مستقیم سے جنت تک پہنچانے والا راستہ مراد ہے یا جنت میں اپنے اس کے گھر تک پہنچانے والا راہ مراد فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مومن اپنے گھر میں اس طرح بے تکلف پہنچے گا جیسے یہاں ہمیشہ سے رہتا ہے یعنی اگر یہ لوگ ہمارے احکام پر عمل کریں تو ہم ان کو دنیا یا آخرت یا دونوں جہان میں سیدھے راہ کی ہدایت فرما دیں جس سے وہ نہ دنیا میں بھٹکیں نہ آخرت میں گھبرائیں۔

خلاصہء تفسیر: گزشتہ تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں اگر یہ آیات منافقین کے متعلق ہے تو ان کی تفسیر کچھ اور ہے اور اگر عام لوگوں کے متعلق ہے تو تفسیر کچھ اور ہم یہاں دو تفسیریں عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے جو آسان حکم ان منافقوں کو دیئے یعنی آپ سے اپنے فیصلے کرانا اور پھر ان فیصلوں پر راضی ہو جانا تو یہ

www.alahazratnetwork.org

کے لئے آپ کے دردولت پر حاضری ہونا منافقوں کو یہ ہی بھاری ہیں اگر ہم ان کو حکم یہ دے دیتے کہ توبہ کے لئے اپنے جانوں کی قربانی پیش کرو یا دیس چھوڑ کر جنگل میں مارے مارے پھرو تو ان پر کیسی بختی پھر تو یہ کبھی نہ کرتے ہاں ان میں جو پرلے درجے کے منافق ہیں وہ ہی تقیہ کے لئے ایسا کرتے وہ بھی بہت تھوڑے ہیں اگر یہ منافق اللہ رسول کے فرمانوں پر عمل کرتے تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتری بھی ہوتی یہ ایمان پر جم بھی جاتے اور ہم انہیں اپنے خاص کرم سے بڑا ثواب بھی عطا فرماتے اور انہیں دین و دنیا میں سیدھا راستہ بھی دکھاتے جو دنیا میں ہم تک اور آخرت میں جنت تک انہیں پہنچا دیتا مگر انہوں نے ہمارے احکام مانے ہی نہیں اس لئے وہ ان چاروں نعمتوں سے محروم رہے۔

دوسری تفسیر : اگر ہم ان کلمہ گو حضرات پر گزشتہ امتوں کی طرح جان کی قربانی دینی دیس چھوڑنا فرض کردیں تو ان میں سے تھوڑے لوگ یعنی مخلص صحابہ انصار و مہاجرین ہی عمل کریں جیسا کہ یہ پہلے اس قسم کے سخت احکام پر عمل کرکے دکھا چکے ہیں اور بہت سے لوگ یعنی منافقین کبھی عمل نہ کریں اگر یہ لوگ ہمارے اور ہمارے محبوب کے احکام پر عمل پیرا ہوں تو یہ ان کے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو اور اس سے انہیں ایمان پر استقامت نصیب ہو اس کے علاوہ ہم انہیں بڑا ثواب بھی دیں جو ان کے عقل سے وراء ہے اور انہیں وہ سیدھا راہ دکھائیں جو دنیا میں انہیں ہم تک پہنچادے آخرت میں جنت تک پہنچادے اور ہمارے دیدار کے لائق بنادے غرض کہ ہماری اطاعت صدہا رحمتوں کا باعث ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام میں خودکشی درست نہیں یوں ہی شہر چھوڑ کر بن باشی ہو جانا اسے عبادت سمجھنا درست نہیں اس طرح ترک دنیا عبادت نہیں دنیا میں رہ کر دیندار بننا عبادت ہے جیسا کہ **ولوانا** کے ایک معنی سے معلوم ہوا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نبیوں کے سردار ہیں مگر ساتھ میں دنیا میں مشغولیت بھی رکھتے ہیں۔ دوسرا فائدہ: صحابہ کرام پختہ مومن اور جانباز سپاہی تھے کہ اللہ رسول کے حکم پر جان پر کھیل جانا ہر مصیبت برداشت کر جانا ان کا محبوب مشغلہ تھا جیسا کہ **الا قلیل** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: صحابہ کی پختگی ایمان ان کا ہر سخت و نرم احکام سر جھکا دینا اس پر رب تعالیٰ گواہ ہے جو ان بزرگوں کے ان صفات کا انکار کرے وہ اس آیت کا انکاری ہے یہ فائدہ بھی **الا قلیل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا کوئی دوسرا مسلمان کیسا ہی متقی ہو ان کے مرتبہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ ان کا ایمان ان کا تقویٰ ان کی جانبازی ان کی فداکاری رجسٹری شدہ ہے قرآن مجید جس پر گواہ ہے۔ چوتھا فائدہ: اللہ رسول کی فرمانبرداری ایمان میں پختگی پیدا کرتی ہے جیسا کہ **اشد تثبیتا** سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ رسول کی اطاعت دین و دنیا کی بھلائی کا باعث ہے اس سے دنیا میں عزت روزی میں برکت اچھا پرچہ ایمان پر خاتمہ آخرت میں اچھوں کا ساتھ نصیب ہوتا ہے جیسا کہ لکان خیرا لھم سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ: اللہ رسول کی اطاعت سے ہمارا ہی فائدہ ہے نہ کہ اللہ رسول کا وہ ہم سے بے نیاز ہیں ہم ہی ان کے نیازمند ہیں یہ خیرا لھم کے لام سے معلوم ہوا اگر تمام دنیا کافر ہو جاوے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں کمی آسکتی ہے نہ حضور کی نبوت میں اور اگر تمام دنیا مومن متقی ہو جاوے تو نہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں کچھ زیادتی ہو سکتی ہے نہ حضور کی نبوت میں۔ ساتواں فائدہ: اللہ رسول کی اطاعت سے وہ ثواب ملتا ہے جو ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے جیسا کہ اجرا" عظیما" سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے دنیا کی تمام نعمتوں کو قلیل فرمایا مگر ان کے اجر کو عظیم فرمایا جسے رب تعالیٰ عظیم فرماوے اسے ہم ضعیفوں

www.alahazratnetwork.org

کے ضعیف عقل کیسے معلوم کر سکتے ہیں۔ **اٹھواں فائدہ:** سارے صحابہ ولی اور مقبول بارگاہ الٰہی تھے کیونکہ اللہ رسول کی اطاعت پر یہاں بہت سے انعامات کا وعدہ ہے اور وہ تو اللہ رسول کے سچے پکے مطیع تھے جس پر قرآن کریم گواہ ہے لہذا وہ ان انعامات کے اول درجہ کے مستحق ہوئے ان کے مراتب کسی کے وہم گمان میں نہیں آسکتے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عام صحابہ کرام شدت میں حضور کا ساتھ نہ دیتے تھے دیکھو رب تعالٰی نے یہاں فرمایا کہ اگر ہم ان پر سخت احکام بھیجتے تو یہ اس پر عمل نہ کرتے سواء تھوڑے حضرات کے وہ تھوڑے کون حضرت علی و عباس و بلال وغیرہ چار پانچ حضرات (شیعہ)۔ **جواب:** اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں روئے سخن منافقوں کی طرف ہے یعنی اگر ان منافقوں پر ایسے سخت احکام آتے تو سواء چند پختہ منافقوں کے جو تقیہ کر کے انہیں برداشت کر لیتے باقی سب منہ پھیر جاتے اور اگر روئے سخن صحابہ کرام سے بھی ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ سخت احکام صرف یہ صحابہ کرام ہی برداشت کرتے جو ان منافقوں اور کافروں کی نسبت سے تھوڑے ہیں ان حضرات کی جاں نثاری جانبازی تو بدر و احد کے میدانوں سے پوچھو یرموک و قادسیہ کے ذروں سے معلوم کرو انہوں نے تو فداکاری کا وہ ریکارڈ قائم کیا ہے کہ چشم فلک نے بھی اس سے پیشتر نہ دیکھا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ثابت قدم رہنے والے صحابہ بس دو چار ہی تھے باقی سب وقت پر دھوکہ دے جانے والے کہ رب تعالٰی نے انہیں قلیل فرمایا۔ **جواب:** یہاں قلیل فرمانا کفار کے مقابلہ میں ہے اور ہمیشہ کفار مخلصین سے زیادہ رہے ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** میرے بہت تھوڑے بندے شکر گزار ہیں تو کیا شیعہ حضرات بھی دو چار ہی ہیں جیسے آج کروڑوں شیعہ حضرات اس قلیل میں داخل ہیں ویسے ہی وہ ہزارہا صحابہ اس قلیل میں داخل ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل نفس اور ترک وطن اسلام میں فرض نہیں ہوئے بلکہ ممنوع ہیں حالانکہ اسلام میں جہاد بھی فرض ہے اور ضرورت پر ہجرت بھی ضروری صحابہ کرام نے دونوں کام کئے ہیں پھر آیت کا مطلب کیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ ان دونوں سے مراد توبہ کے وقت اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دینا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل پر لازم تھا اور بن باشی ہو کر سادھوؤں کی سی زندگی گزارنا جیسے کہ آج ہندوؤں میں مروج ہے وہ یہاں مراد ہے ورنہ صحابہ نے ہجرت میں ترک وطن بھی کیا اور بارہا جہادوں میں وہ حضرات اپنی جان پر کھیل بھی گئے اور زانی و قاتل کو چاہئے کہ اپنے کو حاکم اسلام کے سامنے سزا کے لئے پیش کر دے یہ تمام چیزیں اس حکم سے علیحدہ ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ اگر وہ حضرات اس پر عمل کر لیتے تو انہیں سیدھے راستے کی ہدایت دی جاتی تو کیا وہ حضرات سیدھے راستہ پر نہ تھے اگر تھے تو تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** یہاں روئے سخن منافقین سے ہے کہ اگر وہ منافق اللہ رسول کی اطاعت کر لیتے تو سیدھے راستے یعنی اسلام کی ہدایت پا لیتے اور اگر صحابہ کرام سے بھی خطاب ہو تو خطاب ان سے ہے سنانا ہم تمام لوگوں کو ہے رب تعالٰی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے **یا ایھا النبی اتق اللہ** اے نبی اللہ سے ڈرو اس میں ہم کو فہمائش ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں **من لدنا** کیوں فرمایا گیا کہ ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے ثواب تو رب تعالٰی کے پاس سے ہی ملتا ہے۔ **جواب:** یہ اس ثواب کی شان ظاہر کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ ہر شخص اپنی حیثیت کے لائق انعام دے سکتا ہے۔ بتاؤ جو انعام ہم دیں وہ کیسا ہو گا اور ممکن ہے کہ دوسرے ثواب فرشتوں کے ذریعہ دلوائے جاویں اور اس کا ثواب

www.alahazratnetwork.org

بلا واسطہ فرشتہ عطا ہو جنت میں ساری نعمتیں ذریعوں وسیلوں سے ملیں گی مگر دیدار الٰہی براہ راست رب کا عطیہ ہو گا آج خاص تمغہ بادشاہ خود اپنے ہاتھ سے سپاہی کے سینہ پر لگاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : نفس کی خواہشیں پوری کرنا اس کی صفات کو فنا کر دینا قتل نفس ہے اور دل کو اس کی محبوب دنیا سے الگ کر دینا اسے صبر، توکل، رضا، تسلیم کی دنیا میں بسانا یہ گویا دل کا ترک وطن ہے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم ہر مسلمان پر نفس کی پوری مخالفت دل کو دنیا سے دور رکھنا واجب کر دیتے تو تھوڑے ہی اللہ والے اس پر عمل کرتے کہ یہ عمل ہر ایک کا کام نہیں جہاد کفار آسان ہے جہاد نفس مشکل صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر تم نے اپنی عمر اپنی باطن کی صفائی میں ہی گذار دی تو فنائی التوحید کی باری کب آوے گی۔

جان عارف دوست را طالب شدہ نور حق بر ہستیش غالب شدہ!
پر تو ذات از حجاب کبریا کرد اورا غرق در بحر فنا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ڈر سے تو سرکش غلام بھی اطاعت کر لیتا ہے اور لالچ سے مزدور بھی محنت کر لیتا ہے۔ طالب مولیٰ وہ ہے جس کی اطاعت ڈر اور لالچ کی اطاعت نہ ہو رب کو رب کے لئے پوجے اس آیت میں یہی ارشاد ہے کہ جو اس قتل نفس اور اس ترک وطن پر دلیر ہو جاوے تو وہ ہمارا ہے ہم اسے ثابت قدمی اپنی ذات تک پہنچنے کا راستہ اور اپنے پاس سے خاص اجر عطا فرمائیں گے **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** ہم اپنا راہ اسے بتاتے ہیں جو ہمارے لئے جہاد کرے رب تعالیٰ اس قال کو حال بنا دے (از روح البیان)۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ
اور وہ جو اطاعت کرے اللہ اور رسول کی پس یہ لوگ ساتھ ہیں انکے جن پر انعام کیا اللہ نے انبیاء
اور جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانے تو اسے ان کا ساتھ ملے گا جن پر اللہ نے فضل کیا یعنی
النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿۶۹﴾
صدیقین اور شہید لوگ اور نیک بندہ اور اچھے ہیں یہ لوگ ساتھی
انبیاء اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ کیا ہی اچھے ساتھی ہیں
ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿۷۰﴾
یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ علم والا
یہ اللہ کا فضل ہے اور اللہ کافی ہے جاننے والا

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دیا گیا اب اس اطاعت کے نتیجہ کا ذکر ہے کیونکہ انسان نتیجہ کی امید پر محنت کرتا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت نہ کرنے والوں کی سزا کا ذکر تھا اب اطاعت کرنے والوں کی جزا و ثواب کا ذکر ہے کہ بعض لوگ ڈر سے مانتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

بعض لالچ سے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کے دنیاوی فوائد کا ذکر تھا اب اخروی فوائد کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات مطیعوں کے لئے تھیں یہ آیت کریمہ عاشقوں کے لئے ہے کہ وہاں انعاموں کے تذکرے تھے اور یہاں انعام والوں کی ہمراہی و معیت کا تذکرہ ہے۔ جس کے لئے عشاق ترستے ہیں مگر چونکہ انعام لینے والے زیادہ ہوتے ہیں عشاق کم اس لئے پہلے انعاموں کا ذکر ہوا بعد میں اس کا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم اطاعت والوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت دیں گے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم انہیں رہبروں کا ساتھ عطا فرمائیں گے۔ انسان سیدھے راستہ اور رہبر کی راہبری سے ہی منزل مقصود تک پہنچ سکتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں ۱ایک یہ کہ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ حضور کے ایسے عاشق تھے کہ آپ کے بغیر انہیں چین نہ آتا تھا ایک دن حاضر بارگاہ ہوئے تو ان کا رنگ اڑا ہوا تھا چہرہ اترا ہوا، جسم دبلا شکل سے آثار غم نمودار۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ثوبان کیا حال ہے عرض کیا کہ بیمار عشق ہوں اس کے سواء اور کوئی بیماری مجھے نہیں حضور میرا حال یہ ہے کہ ایک آن کے لئے آپ کی جدائی مجھے شاق ہے۔ جب مجھے آخرت کا خیال آتا ہے تو سوچتا ہوں کہ اگر میں بخشا بھی گیا اور رب نے اپنے کرم سے مجھے جنت دے بھی دی تو جنت میں آپ کا مقام بہت بلند و بالا ہو گا میں خدام کے درجہ میں بہت نیچے ہوؤں گا تو آپ کی ملاقات نہ کرسکوں گا میرے لئے تو آپ کی جدائی کی وجہ سے جنت دوزخ بن جائے گی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن، مدارک، روح المعانی، روح البیان، خزائن العرفان اور بیضاوی وغیرہ)۔ دوسری یہ کہ بعض انصار نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو جنت کا شوق نہیں ہمیں تو آپ کے دیدار کا اشتیاق ہے جب جنت میں آپ نبیوں کے ساتھ ہوں گے ہم امتیوں کے ساتھ تو ہم صبر کیسے کریں گے تب یہ آیت نازل ہوئی (کبیر)۔ تیسری روایت یہ ہے کہ امام مقاتل فرماتے ہیں کہ ایک انصاری نے عرض کیا یا رسول اللہ جب آپ گھر میں تشریف لے جاتے ہیں تو مجبوراً مجھے بھی اپنے گھر جانا پڑتا ہے مگر مجھے نہ تو بچے اچھے معلوم ہوتے ہیں نہ گھر بار جب تک کہ آپ کو آکر دیکھ نہ لوں قرار نہیں آتا حضور جنت میں کیا بنے گا یہاں تو حضور ہم غلاموں کے ساتھ رہتے ہیں وہاں بھلا ہم کہاں آپ کہاں پھر میرے قرار دل کی صورت کیا ہو گی تب یہ آیت اتری۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی تو ان کے کسی بیٹے نے وفات کی خبر دی تو بولے الٰہی اب مجھے نابینا کر دے تاکہ مدینہ کو تیرے محبوب سے خالی نہ دیکھو چنانچہ اسی وقت نابینا ہو گئے۔ پھر اللہ نے انہیں حضور کے ساتھ ہی رکھا۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر : **و من یطع اللہ و الرسول** واؤ ابتدائیہ ہے من موصولہ اس سے مراد یا تو سارے انسان ہیں تو اطاعت سے مراد ایمان و اعمال میں پیروی کرنا ہے یا من سے مراد سارے مسلمان ہیں تو اطاعت سے مراد اعمال میں اطاعت ہے اطاعت و عبادت میں فرق بیان ہو چکا الرسول سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ الف لام مضاف الیہ کا عوض بھی ہو سکتا ہے اللہ اس کا مضاف الیہ ہو یا خلق اللہ یعنی جو انسان یا جو مسلمان اللہ اور ان رسول کی یا رسول اللہ کی یا ساری خلقت کے رسول کی پیروی کرے گا چونکہ من لفظاً واحد ہے اس لئے یطع واحد لایا گیا۔ رسول سے مراد نہ تو حضرت جبریل ہیں کیونکہ کوئی ان کا امتی نہیں اور نہ دوسرے انبیاء کرام کیونکہ ان کی رسالتیں منسوخ ہو گئیں اب صرف حضور کی اطاعت باعث نجات ہے رسول کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہیں پہنچانے والا یعنی خالق سے لینے والا مخلوق کو دینے والا۔ رسول دو قسم کے ہوتے ہیں۔ بے اختیار رسول جیسے حضرت جبرئیل اور با اختیار رسول جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ اگر حضور کسی کو کچھ نہیں دیتے تو پھر وہ رسول کیسے اور اگر بے اختیار دیتے ہیں تو حضور کی رسالت اور حضرت جبرئیل کی رسالت میں کیا فرق ہے ہم حضرت جبرئیل کے امتی کیوں نہیں۔ ڈاکیہ بھی شاہی پیغام حکام تک پہنچاتا ہے حکام بھی رعایا تک وہ قانون پہنچاتے ہیں مگر ڈاکیہ بے اختیار قاصد ہے اور حکام با اختیار قاصد کہ رعایا سے عمل کراتے ہیں عمل نہ کرنے والوں کو سزا مطیعوں کو انعام دے سکتے ہیں با اختیار رسول سے مانگنا درست ہے بے اختیار سے مانگنا بیکار ہم ڈاکیہ سے نہیں کہہ سکتے کہ منی آرڈر سے زیادہ رقم دے دو۔ **فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم** چونکہ من معنی میں جمع ہے اس لئے **اولئک اشارۃ** جمع لایا گیا اور چونکہ من مبتداء میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے اس کی خبر **فاولئک** میں ف لائی گئی۔ مع سے مراد درجہ کی معیت نہیں کیونکہ غیر نبی کبھی نبی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا اور حق یہ ہے کہ معیت مکانی بھی مراد نہیں۔ کیونکہ حضرات انبیاء کرام اعلیٰ **علیین** میں ہوں گے امتی ان سے نیچے بلکہ اس معیت سے مراد یہ حالت ہے کہ یہ لوگ جب چاہیں ان حضرات سے ملاقات گفتگو کر لیں یا ان کے نفوس اس اطاعت کی وجہ سے ایسے شفاف ہوں گے کہ نبوت و صدیقیت کی شعاعیں ان میں جلوہ گر ہوں گی۔ جیسے شفاف آئینہ زمین پر رہتے ہوئے سورج کی شعاعیں اپنے میں لے لیتا ہے حالانکہ سورج چوتھے آسمان پر ہے اس تجلی کی وجہ سے ان کو ان حضرات سے معیت حاصل ہوگی یا جیسے بادشاہوں حکام کی کوٹھی میں ان کے خدام باڈی گارڈ کے کوارٹر بھی ہوتے ہیں اور خدام بادشاہ کے ساتھ رہتے ہیں۔ ایسے ہی ان مطیعوں کو حضرات انبیاء کی ہمراہی نصیب ہوگی۔ یہ فقط سمجھانے کے لئے ہے ورنہ وہ معیت و ہمراہی انشاء اللہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگی۔ (کبیر و روح المعانی)۔ رب فرماتا ہے۔ **اخوانا " علی سرر متقبلین** یہ تختوں کا آپس میں متقابل ہونا بھی اس نوعیت کا ہوگا بہر حال معیت و تقابل فرق مراتب کے خلاف نہیں **انعم اللہ** سے مراد صرف ایمانی لغت نہیں بلکہ نبوت صدیقیت شہادت وغیرہ کی خصوصی نعمتیں مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کہ یعنی یہ لوگ ان مقبولین بارگاہ کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے خاص انعام کیا اس طرح کہ جب چاہیں گے ان سے ملاقات کریں گے بغیر اس کے کہ یہ لوگ اوپر منتقل ہوں یا وہ حضرات نیچے آئیں **من النبین**۔ من بیانیہ ہے اور یہ عبارت **الذین انعم اللہ** کا بیان ہے۔ نبین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جمع فرمانا یا تو تعظیم کے لئے ہے جیسے **انا لہ لحافظون** یا اس لئے ہے کہ حضور تمام انبیاء کرام کی صفات کے جامع ہیں۔ گویا آپ جماعت انبیاء ہیں حضور کے ساتھ رہنا گویا سارے نبیوں کے ساتھ رہنا ہے۔ رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **انہ کان امۃ " قانتا "** اور ہو سکتا ہے کہ ایسے مطیعوں کو تمام انبیاء کرام سے قرب خصوصی میسر ہو کیونکہ حضور کی اطاعت تمام نبیوں کی اطاعت ہے اس لئے مطیع کو سارے نبیوں کا قرب بھی میسر ہوگا (روح) **والصدیقین** - صدیق صدق کا مبالغہ ہے جیسے ستر سے ستیر صادق وہ جو سچ بولے صدیق وہ جو سچ ہی بولے کبھی جھوٹ نہ بولے 'صادق وہ جو زبان کا سچا ہو 'صدیق وہ جو دل 'دماغ' زبان و روح سب کا سچا ہو 'صادق وہ جو واقع کے مطابق کلام کرے ' صدیق وہ کہ واقع اس کے کلام کے مطابق ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں حضرات انبیاء کرام کو بھی صدیق کہا گیا ہے **و کان صدیقا " نبیا "** اور مومنین کو بھی **والذین امنوا باللہ و رسلہ اولئک ھم الصدیقون** اور خاص مومنوں کو بھی اور انبیاء کرام کے افاضل صحابہ کو بھی جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں ابوبکر الصدیق تفسیر کبیر میں فرمایا

www.alahazratnetwork.org

کہ صدیق وہ جس نے سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بغیر چون وچرا تصدیق کی اور وہ دوسرے تصدیق کرنے والوں کا مقتدا بنے وہ ابو بکر الصدیق ہی ہیں کیونکہ اگرچہ عورتوں میں پہلی مومنہ حضرت خدیجہ ہیں اور بچوں میں پہلے مومن حضرت علی ہیں۔ مگر ان کے ایمان کا اثر دوسروں پر نہیں پڑا کیونکہ یہ حضرات اہلبیت رسول تھے گھر والے اپنے بڑے کے دین پر عموماً" ہوتے ہی ہیں ابو بکر صدیق اہل بیت رسول سے نہیں اور سب سے پہلے انہوں نے حضور کی تصدیق کی تو لوگوں پر ان کی تصدیق کا اثر ہوا اور وہ ایمان لائے۔ چنانچہ ابو بکر صدیق کی تبلیغ سے بہت تھوڑی مدت میں حضرت عثمان' طلحہ' زبیر' سعد ابن ابی وقاص' عثمان ابن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایمان لائے۔ اس لئے آپ کا لقب صدیق ہوا۔ (کبیر)۔ غرضیکہ یہاں صدیقین سے مراد حضرت ابو بکر صدیق ہیں جیسے نبیین سے مراد نبی صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور نبیین کے ساتھ صدیقین فرمانے سے حضرت ابو بکر کا افضل الخلق بعد الرسل ہونا آپ کا خلیفہ بلا فصل ہونا سب ثابت ہوا (کبیر) **والشهداء** یہ صدیقین پر معطوف ہے۔ جمع ہے شہید کی یہاں شہید سے مراد صرف راہ خدا میں مارا ہوا مسلمان مراد نہیں کہ بعض فساق و فجار بھی یہ درجہ پالیتے ہیں اور یہاں اسے صدیق کے بعد رکھا گیا نیز پیٹ کی بیماری سے مرنے والا ڈوبا ہوا طاعون سے مرنے والا بھی شہید ہے حالانکہ وہ لوگ صدیقین سے متصل نہیں بلکہ یہاں شہید سے مراد مشاہدہ جمال یار کرنے والے ہیں مگر ان آنکھوں سے نہیں بلکہ دل کی آنکھوں سے (کبیر) روح المعانی نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا آپ نے کبھی اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے آپ نے فرمایا کہ میں نے بغیر دیکھے خدا کی عبادت نہیں کی مگر اسے عیون نے عیان سے نہ دیکھا بلکہ قلوب نے ایمان سے دیکھا **والصلحين** یہ جمع ہے صالح کی بمعنی نیک کار یہاں وہ مراد ہیں جنہوں نے نیک کاری میں اپنی عمر گزاری یا صلاحیت سے بنا بمعنی لیاقت و قابلیت یعنی رب تعالیٰ کے قرب خصوصی کی قابلیت رکھنے والے اس سے عام نیک لوگ مراد نہیں بلکہ خاص حضرات مراد ہیں حضرت یوسف و موسیٰ علیہم السلام نے دعا کی تھی **توفنی مسلما " والحقنی بالصالحين** وہ حضرات مسلم یعنی مطیع اور صالح یعنی نیک کار تو پہلے ہی سے تھے روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں نبیین سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صدیقین سے مراد ابو بکر صدیق ہیں اور شہداء سے مراد حضرت عمر' عثمان علی ہیں اور صالحین سے مراد تمام صحابہ کرام خصوصاً مہاجرین و انصار شیخ خالد نقشبندی فرماتے ہیں کہ نبوت کا قطب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں صدیقیت کا قطب ومدار ابو بکر صدیق شہادت کا قطب ومدار حضرت عمر' ولایت کا قطب ومدار حضرت مولاء کائنات علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ کسی نے پوچھا کہ آپ نے حضرت عثمان کا نام نہ لیا وہ کس چیز کا قطب ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ان میں شہادت اور ولایت دونوں جمع ہیں۔ اس لئے انہیں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ یعنی دو نور والے' دو نور کون سے شہادت اور ولایت (رضی اللہ عنہم) (روح المعانی)۔ **وحسن اولئک رفيقا "** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ پہلے جملہ کی اہمیت بیان فرمانے کے لئے حسن فعل ہے اور **اولئک** فاعل رفیق فاعل کا حال یہ لفظ رفق سے بنا بمعنی نرمی و مہربانی۔ رفیق اچھے اور مہربان ساتھی کو کہتے ہیں۔ یعنی یہ لوگ بہت اچھے مہربان ساتھی ہیں اور ان کا ساتھ میسر ہو جانا اللہ کی بڑی نعمت ہے اچھوں کی ہمراہی ہم بروں کو بھی پار لگا دیتی ہے۔ خیال رہے کہ رفیق واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے اس لئے یہاں رفیق واحد ہی لایا گیا۔ رفقاء جمع ارشاد نہ ہوا (معانی) اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دنیا کی ساری نعمتوں سے یہ ساتھی اچھی نعمت ہیں کہ دنیاوی نعمتیں صرف دنیا میں ساتھ رہتی ہیں اور مرتے ہی بلکہ زندگی میں ہی ساتھ چھوڑ دیتی ہیں مگر یہ ساتھی زندگی موت حشر ہر جگہ ساتھ رہتے ہیں نیز دنیا کی نعمتیں جسم کے لئے مفید ہیں یہ ساتھی روح و دل کو مفید دوسرے یہ کہ تمام

www.alahazratnetwork.org

ساتھیوں سے یہ ساتھی اچھے ہیں کیونکہ قیامت میں سارے ساتھی حتیٰ کہ جسم کے اعضا بھی دشمن ہو جائیں گے مگر یہ ساتھی وہاں بھی دوست رہیں گے۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوا** ۔اور فرماتا ہے **و تکلمنا ایدیھم و تشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون** ہمارے سب سے بڑے ساتھی ہمارے اعضاء ہیں' پھر ماں باپ' پھر بھائی' بہن' پھر پڑوسی' پھر اور یار دوست۔ جبکہ اعضاء ہی ساتھ چھوڑ گئے تو دوسرے ساتھیوں کا کیا پوچھنا **ذلک الفضل من اللہ** یا تو **ذالک** مبتداء ہے اور الفضل اس کی جزاء اور **من اللہ** فضل کی صفت یا حال یا **ذالک الفضل** مبتدا ہے اور من اللہ خبر ذالک سے اشارہ اس معیت کی طرف ہے جو ابھی مذکور ہوئی اگرچہ وہ ذکر میں قریب تھی مگر درجہ میں بہت بلند اس لئے ذالک بعید کا اشارہ استعمال ہوا۔ فضل وہ جو اللہ کی خاص مہربانی سے میسر ہو محض اپنی کوشش کا نتیجہ نہ ہو۔ یعنی یہ ان بزرگوں کا ساتھ اللہ کا فضل یا یہ فضل و مہربانی اللہ کی طرف سے ہے جسے وہ دے اسے ملے **و کفی باللہ علیما**" ۔ **کفی** فعل ہے اللہ اس کا فاعل۔ جس پر ب زائدہ ہے **علیما**" لفظ اللہ کا حال یعنی اللہ کافی ہے علیم و خبیر وہ جانتا ہے کہ کون شخص ان مقبولوں کی ہمراہی کے قابل ہے کون نہیں جیسے یہ مقبول بندے رب کے چناؤ میں آچکے ہیں ایسے ہی ان کی ہمراہی کے لئے بھی خاص بندوں کا چناؤ ہو چکا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ان مغموم صحابی اور تمام جانثار عاشقوں کو سنا دو کہ ہم انہیں جنت میں تم سے جدا نہ کریں گے بلکہ جو مسلمان صحیح معنی میں اللہ رسول کی اطاعت کرے گا کہ اللہ کے فرائض پر کاربند ہو گا اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچے گا اور رسول کی سنتوں کا متبع ہو گا وہ کل قیامت اور جنت میں یا قبر حشر و جنت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم' ابو بکر صدیق' عمر و عثمان و علی اور تمام مہاجرین و انصار صحابہ کے ساتھ ہو گا' ساتھ رہے گا کہ اسے ہر وقت ان محبوبوں کے جمال کی زیارت' ان کی ملاقات' ان سے گفتگو میسر رہے گی اور یہ دین و دنیا میں بڑے اچھے نرم نفع پہنچانے والے ساتھی ہیں کہ ان کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے ساتھیوں پر بھی مہربانی فرمادیتا ہے یہ محبوبوں کی ہمراہی ان کا قرب اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے جو اس کے کرم سے ہی ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے وہ جانتا ہے کہ کون ان بزرگوں کی صحبت کے لائق ہے کون نہیں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور کی رسالت عامہ ہے زمین یا زمان یا کسی قوم سے خاص نہیں نیز کوئی شخص کسی مرتبہ پر پہنچ کر حضور کی اطاعت سے بے نیاز نہیں یہ فائدہ من کے عموم سے حاصل ہوا جیسے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر سورج' ہوا' پانی' غذا سے بے نیاز نہیں ایسے ہی کوئی شخص حضور سے قرآن' نماز و احکام شرعیہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مر کر سورج وغیرہ سے بے نیازی ہو جاتی ہے مگر حضور کی حاجت قبر و حشر میں بھی رہتی ہے۔ خیال رہے کہ رسول صرف پیغام رساں نہیں ہوتے بلکہ انعام و فیضان رساں بھی۔ حضرت جبرئیل نے جناب مریم سے کہا تھا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما" زکیا**" ۔ معلوم ہوا کہ رسول اولاد رساں بیٹا بخشنے والے ہوتے ہیں۔ جناب موسیٰ و ہارون نے فرعون سے فرمایا **انا رسول ربک فارسل معنا بنی اسرائیل** معلوم ہوا رسول دنیا کے منتظم ہوتے ہیں اس لئے رسول کی ضرورت ہر شخص کو ہر وقت' ہر جگہ' ہر طرح ہے۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی لازم ہے یعنی فرض کے ساتھ سنت پر عمل ضروری ہے۔ قرآن کے ساتھ حدیث بھی ضروری جیسا کہ **من یطع اللہ والرسول** سے معلوم ہوا یہ دونوں اطاعتیں راہ خدا طے کرنے کے لئے ایسی ضروری ہیں جیسے گاڑی

www.alahazratnetwork.org

کے لئے دو پیے' یا انسان کے لئے دو قدم' یا پرندے کے لئے دو پر۔ ان دو اطاعتوں کے بغیر قرب الٰہی میسر ہو سکتا ہی نہیں۔ تیسرا فائدہ: اللہ کی نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت قبر و حشر و جنت میں اللہ کے مقبول بندوں کا قرب ہے۔ دنیا میں بھی اچھوں کی صحبت تمام نیکیوں سے اعلیٰ ہے آج کوئی شخص صحابہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کیوں صرف اس لئے کہ وہ صحبت یافتہ رسول ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم باقی نماز' روزہ وغیرہ وہ بھی ادا کرتے تھے ہم بھی ادا کرتے ہیں یہ فائدہ مع الذین الخ سے حاصل ہوا۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

یک زمانہ صحبتے با انبیاء بہتر از لک سالہ طاعت بے ریا

یک زمانہ صحبتے با مصطفیٰؐ! بہتر از سالھا طاعت بے ریا

چوتھا فائدہ: حضور کی معیت و ہمراہی گویا تمام نبیوں کی ہمراہی ہے جیسا کہ النبیین کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ جس نے حضور کے روضہ انور کی زیارت کی اس نے گویا تمام انبیاء کرام کی قبور شریفہ کی زیارت کر لی حاصل جمع میں جمع کے سارے عدد آجاتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: حضرت ابو بکر صدیق بعد رسول تمام خلق سے افضل ہیں۔ حضور کے پہلے خلیفہ ہیں۔ حضور کے سچے جانشین ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے نبیین کے بعد صدیقین کا ذکر فرمایا درمیان میں فاصلہ کوئی نہ رکھا بلکہ حضرت صدیق اکبر کی قبر بھی حضور کی قبر انور سے بغیر فاصلہ ہے بالکل متصل ہے۔ جب قبروں کی مٹی میں فاصلہ نہیں تو ان قبروں والوں میں فاصلہ کیا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہر جگہ نبی کے ساتھ صدیق کا ذکر فرمایا ہے بغیر فاصلہ۔ چھٹا فائدہ: حضرت ابو بکر صدیق اللہ رسول کے بڑے مطیع و فرمانبردار تھے کیونکہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والوں کو جزاء یہ دی گئی کہ اسے حضرت صدیق اکبر کا قرب نصیب ہوا تو وہ یقیناً خود بڑے مطیع ہیں۔ ساتواں فائدہ: جنت میں اگرچہ انبیاء کرام و صدیقین اعلیٰ درجہ میں ہوں گے مگر اس کے باوجود انکے غلاموں کو ان سے قرب رہے گا شرف میں سب اعلیٰ کرم میں سب سے قریب۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں

کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں!

یہ فائدہ مع الذین انعم اللہ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: مدعی محبت' عاشق رسول نہیں عشق رسول اللہ کا فضل ہے جسے چاہے عطا فرما دے ہاں عشق رسول کی علامت اللہ رسول کی اطاعت ہے حضور کی سنتوں کی پیروی حضور کی ہر نسبت کی طرف دل کا کھچاؤ رب تعالیٰ نصیب فرمادے یہ فائدہ ذالک الفضل من اللہ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے عشق رسول مانگے کیونکہ یہاں اسے الفضل من اللہ فرمایا۔ دوسری جگہ فرمایا و اسئلو من فضلہ اللہ سے اس کا فضل مانگو۔

ذرۂ عشق نبی از حق طلب سوز صدیق و علی از حق طلب

دسواں فائدہ: انبیاء' صدیق' شہداء' صالحین' دین و دنیا میں ہمارے لئے نافع ہیں ان سے بہت فیوض ملتے ہیں جیسا کہ رفیقا سے معلوم ہوا رفق کے معنی ہیں۔ نفع و رفیق نافع و نرم ساتھی اسی سے ہے۔ ارتفاق رفیق وہ ساتھی جس کا ساتھ نفع بخش ہو۔

پہلا اعتراض: لفظ من ایک ہے مگر اس کے لئے ہطع اللہ واحد لایا گیا اور اولئک جمع اس کی وجہ کیا ہے؟ جواب: تفسیر

www.alahazratnetwork.org

میں گزر گیا کہ من لفظ میں واحد ہے اور معنی میں جمع **یطع اللہ** میں لفظ من کا اعتبار ہے اور **اولٹک** میں معنی من کا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والے نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوں گے تو کیا یہ لوگ ان بزرگوں کے ہم رتبہ ہیں اگر نہیں تو ساتھ ہونے کے کیا معنی۔ **جواب:** ہمراہی بہت قسم کی ہے۔ درجہ کی ہمراہی، جگہ کی ہمراہی، قرب کی، کرم کی، خدمت کی۔ یہاں درجہ کی ہمراہی مراد نہیں۔ بلکہ قرب یا خدمت کی ہمراہی مراد ہے کہ یہ مطیع لوگ ان بزرگوں سے اتنا قرب رکھیں گے کہ جب چاہیں گے ان سے ملاقات کر سکیں گے اور اگر مکانی ہمراہی مراد ہو تو یہ ہمراہی ایسی ہوگی۔ جیسے خدمتگار غلام اپنے آقا سلطان کے ساتھ رہتا ہے حتی کہ اس کا گھر بھی سلطان کے بنگلہ کے متصل ہوتا ہے کیوں خدمت کیلئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ مع الصابرین** یہاں بھی لفظ مع موجود ہے۔ مگر یہ ہمراہی اور ہی قسم کی ہے کرم نوازی، بندہ پروری کی ہمراہی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ رسول کی اطاعت کرنے والے خود نبی صدیق شہید اور صالح بن جاتے ہیں تو جیسے صدیقیت، شہادۃ صالحیت تاقیامت باقی ہے کہ مسلمانوں میں یہ لوگ ہوتے ہی رہیں گے ایسے ہی نبوت بھی تاقیامت باقی ہے حضور کی امت میں نبی پیدا ہوتے رہیں گے۔ **نوٹ:** یہ قادیانی مرزائیوں کی مایہ ناز دلیل ہے اجراء نبوت پر۔ **جواب:** یہاں ان متبعین کا نبی یا صدیق ہونے کا ذکر نہیں شہید و صالح بن جانے کا تذکرہ نہیں بلکہ نبیوں، صدیقوں کے ساتھ ہونے کا ذکر ہے تم آیت کریمہ کی تحریف کر رہے ہو نہ کہ تفسیر دیکھو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ مع الصابرین** اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ صابر لوگ خدا بن جاتے ہیں۔ رہا یہ کہ صدیقین شہداء وغیرہ تاقیامت اس امت میں ہوں گے اس کا ثبوت دوسری آیت میں ہے **اولٹک ھم الصدیقون والشھداء والصالحون**۔ دیکھو یہاں نبیوں کا ذکر نہیں نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکی اب کوئی نبی نہیں بن سکتا جس پر بے شمار دلائل قائم ہیں اور اگر آیت کریمہ کے یہی معنی ہوں کہ مطیع رسول نبی بن جاتے ہیں تو چاہیے کہ ہر مطیع رسول بن جائے چودہ سو برس میں صرف مرزا جی ہی نبی کیوں بنے، علی حیدر کرار، صدیق اکبر، عمر فاروق جیسے مطیع جب نبی نہ ہوئے تو مرزا صاحب نبی کیسے بن گئے۔ صحابہ کرام جیسا مطیع کون ہوگا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا نبی اور ہیں صدیق اور۔ یونہی شہید و صالحین اور واؤ غیریت چاہتا ہے مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی صدیق شہید و صالح سب کچھ ہوتے ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** نبی صدیق، شہید و صالح میں نسبت عام خاص مطلق کی ہے لہٰذا ہر نبی صدیق بھی ہے اور شہید بھی، صالح بھی مگر ہر صدیق نبی نہیں۔ یونہی ہر صدیق شہید و صالح ہے مگر ہر شہید صدیق نہیں یونہی ہر شہید صالح ہے مگر ہر صالح شہید نہیں۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ اس کی نفیس تحقیق یہاں ہی روح المعانی و کبیر وغیرہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں اطاعت کے ساتھ الرسول فرمایا گیا جس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مگر ہمراہی کے ذکر میں النبیین جمع ارشاد ہوا وہاں بھی مع الرسول یا معک ارشاد ہونا چاہیے تھا۔ نیز حضرت ثوبان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا قرب چاہا تھا۔ دوسرے نبیوں کے قرب کی تمنا نہ کی تھی پھر انہیں یہ جواب کیوں دیا گیا؟ **جواب:** یہاں النبیین سے مراد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جیسے تفسیر میں عرض کیا گیا حضور کو النبیین فرمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان ظاہر کرنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کا خلاصہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سارے نبیوں کی ہمراہی ہے۔ نیز بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی کی برکت سے تمام صدیقین، شہداء کی ہمراہی بھی نصیب ہو جاتی ہے۔ ہم

www.alahazratnetwork.org

مدینہ منورہ حضور کے روضہ کی زیارت کے لئے جاتے ہیں مگر ان کے صدقہ میں حضرات صحابہ کرام و اہل بیت عظام کے مزارات کی زیارت سے بھی مشرف ہو جاتے ہیں اور تمام دنیا کے حجاج سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ علماء' صالحین' اولیاء اللہ سب ہی سے ملاقات ہو جاتی ہے کیونکہ حضور کا آستانہ تمام دنیا کا مرکز ہے اسی طرح قیامت میں حضور کا آستانہ مرکز انبیاء و صدیقین و شہداء ہو گا جسے حضور کی دربانی مل جاوے وہ سب نبیوں و غیر ہم سے ملاقات کرے گا۔ سب سے انعام لے گا آج بھی حضور کے بولب ہر طرف سے انعام و نذرانہ پاتے ہیں جسے وہ مل گئے اسے تو خدا بھی مل گیا خدا کرے وہ مل جائیں ہم گنہگاروں کا جھونپڑا ان کے قدم کے لائق کہاں مگر۔

جو کرم سے اپنے شہ امم رکھیں اس غریب کے گھر قدم — مرے شاہ کی نہ ہو شان کم کہ گدا پہ ان کا پیار ہے
مگر اس غریب کا غمکدہ بنے رشک خلد بریں شہا — کرے ناز اپنے نصیب پر بنے شلو وہ جو گنوار ہے

اگر سلطان کسی دیہاتی کے جھونپڑے پر کرم کر دے تو سلطان تو سلطان ہی رہتا ہے البتہ دیہاتی کی پگڑی سورج تک پہنچ جاتی ہے وہ سلطان بن جاتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کی اطاعت کا نتیجہ ہے ان مقبولوں کی ہمراہی مگر ساتھ ہی ارشاد ہو رہا ہے **ذلک الفضل من اللہ** یہ اللہ کا فضل ہے فضل تو وہ ہوتا ہے جو بغیر محنت' بغیر کمائی ملے یہ دونوں باتیں کیسے درست ہوئیں۔ **جواب:** ان مقبولوں کی ہمراہی اللہ تعالیٰ کے محض فضل سے ملتی ہے ہاں اس فضل کی اہلیت و لیاقت خدا رسول کی اطاعت سے میسر ہوتی غرضیکہ اطاعت سبب ہمراہی نہیں سبب تو اللہ کا فضل ہے۔ یہ اطاعت شرط اہلیت ہے یا یوں کہو کہ اطاعت کی توفیق ملنا اللہ کا فضل ہے۔ **ذالک** سے اشارہ اطاعت کی طرف ہے یا اطاعت قبول فرمانا اللہ کا فضل ہے یا اطاعت کی جزاء تو جنت کا داخلہ وہاں کی نعمتیں ہیں پھر وہاں پہنچ کر حضور کا دیدار اللہ کا فضل ہے۔ جیسے خود رب تعالیٰ کا دیدار اس کے فضل سے ملے گا وہ ہمارے کسی عمل کا نتیجہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : یہاں اللہ تعالیٰ نے اطاعت خدا اور رسول پر چار ہمراہیوں کا وعدہ فرمایا نبیوں کی' صدیقوں کی' شہیدوں کی' صالحین کی' نبی مراتب قدس کے اعلیٰ مرتبہ میں ہیں۔ جیسے کوئی شخص کسی کو ظاہر ظہور بہت قریب سے دیکھے۔ رب تعالیٰ نے ہمارے حضور کی صفت یوں فرمائی **افتما رونہ' علی ما یری** - دوسرے صدیقین یہ وہ لوگ ہیں جو معرفت میں حضرات انبیاء کے پیچھے پیچھے ہیں جیسے کوئی کسی چیز کو دور سے دیکھے۔ علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بے دیکھے رب کی کبھی عبادت نہ کی۔ تیسرے شہداء یہ وہ حضرات ہیں جن کو عیان سے نہیں بلکہ دلیل و برہان سے رب کی معرفت میسر ہے جیسے کوئی کسی چیز کو قریب سے آئینہ میں دیکھے۔ حضور فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی عبادت یوں کرو جیسے تم اسے دیکھ رہے ہو۔ یہاں یہ دیکھنا مراد ہے۔ چوتھے صالحین یہ وہ حضرات ہیں جنہیں ان تین جماعتوں کی کامل تقلید و پیروی سے معرفت میسر ہوئی۔ جیسے کسی کو دوسرے کے آئینہ میں دور سے کوئی چیز دکھائی جائے اسی کی طرف اس حدیث میں اشارہ ہے کہ اگر تم بوقت عبادت یہ نہ سمجھ سکو کہ تم رب کو دیکھ رہے ہو تو یوں سمجھو کہ رب تم کو دیکھ رہا ہے غرضیکہ معرفت کی چار منزلیں ہیں۔ ترتیب وار اور ان منزل والوں کی چار جماعتیں ہیں۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت خاصہ تو حضور پر ختم ہو چکی مگر نبوت عامہ یعنی ولایت جو نبوت خاصہ کا عکس و سایہ ہے تاقیامت جاری و ساری ہے سورج کے نکلنے سے چاند تارے چراغ وغیرہ بجھ جاتے ہیں۔ مگر زرے نہیں

www.alahazratnetwork.org

بجھتے بلکہ انہیں سورج چمکا رہتا ہے۔ بدر الدین بغدادی نے حضور غوث الثقلین کا قول نقل فرمایا کہ آپ فرماتے ہیں اے گروہ انبیاء لقب نبی تمہارے ساتھ خاص ہے اب کسی کو نبی نہیں کہا جاسکتا مگر ہم کو بعض وہ چیزیں ملی ہیں جو تم کو نہ ملیں انتہی۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام صاحب شریعت نبی کلیم اللہ ہیں۔ خضر علیہ السلام سے افضل ہیں مگر جناب خضر نے عرض کیا تھا کہ اے موسیٰ تم کو ایک قسم کا علم ملا جو مجھے نہیں اور مجھ کو دوسری قسم کا علم ملا جو تمہیں نہیں ملا۔ دیکھو بخاری وغیرہ' غرضیکہ نبوت عامہ یعنی ولایت ابدی ہے اس آیت میں نبوت خاصہ وعامہ دونوں کا ذکر ہے۔ (تفسیر روح المعانی) یہاں روح المعانی میں صدیقین' شہادت وصالحیت میں عجیب عجیب فرق بیان فرمائے جو دیکھنے کے لائق ہیں۔ غرضیکہ ہم جیسے مجبوروں کو حکم ہے کہ میرے محبوب کی اطاعت سچے دل سے کرو تو ان محبوبوں کے ہمراہ ہو جاؤ گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ صادق وہ ہے کہ جو واقعہ ہو وہ کہے مگر صدیق وہ ہے کہ جو وہ کہہ دے واقعہ ایسا ہی ہو جائے۔ دیکھو بادشاہ کے ساقی اور باورچی نے جیل خانہ میں یوسف علیہ السلام کی خدمت میں دو بناوٹی خوابیں پیش کیں۔ آپ نے تعبیر دی کہ باورچی کو سولی دی جائے گی۔ ساقی اپنے عہدے پر بحال ہو گا۔ پھر یہ دونوں بولے کہ ہم نے تو جھوٹ کہا تھا خواب کچھ نہ دیکھا تھا تو آپ نے فرمایا **قضی الامر الذی فیه تستفتیان** تم نے سچ کہا ہو یا جھوٹ جو میری زبان سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا۔ اس کا فیصلہ ہو چکا پھر ساقی بادشاہ کی خواب کی تعبیر جب یوسف علیہ السلام سے پوچھنے کے لئے آیا تو بولا **یوسف افتنا فی سبع** الخ اے یوسف' اے صدیق فرماؤ کہ سات بال اور سات گاؤں کی تعبیر کیا ہے۔ صدیق کیوں کہا اس لئے کہ اس نے دیکھ لیا کہ جو یہ کہہ دیتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ جنگ احد میں مالک ابن سنان شہید ہو چکے تھے مگر ابو بکر صدیق کے منہ سے نکل گیا کہ مالک پیچھے آ رہے ہیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں زندہ کر کے واپس مدینہ بھیجا اسی لئے ان کو کہا جاتا ہے مالک ابن سنان شہید۔ حتیٰ کہ ان کا مزار زیارت گاہ خاص عام ہے۔ فقیر نے زیارت کی ہے' مدینہ پاک میں قبر انور ہے۔ خیال رہے کہ علماء کرام اس آیت کے معنی کرتے ہیں کہ اطاعت والے نبیوں' صدیقوں کے ساتھ ہوں گے۔ صوفیاء کرام معنی یوں کرتے ہیں کہ مطیع لوگ نبیوں صدیقوں کے ساتھ ہیں دنیا میں بھی' آخرت میں بھی۔ یعنی یہ مطیع اللہ کے دھڑے کے ہیں **اولئک** حزب اللہ یہ ہمراہی روحانی ہے۔ جس کے لئے نہ اتحاد مکانی کی ضرورت ہے' نہ اتحاد زمانی یا مقامی کی پڑوسی دشمن ہم سے دور ہے دور رہنے والا دوست ہمارے ساتھ ہے اس کی یاد ہر وقت ہمارے دل میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاز کا کپتان خلاصی مسافر سب جہاز میں ساتھ ہیں مگر پھر ان کے مراتب میں فرق ہے۔ یونہی مطیع لوگ نبیوں' صدیقوں کے ساتھ ہیں مگر پھر بھی مراتب میں فرق ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۝ وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو تم اپنے بچاؤ کو پھر چلو تم تھوڑے تھوڑے یا چلو ایک ساتھ ۔ اور

اے ایمان والو ہوشیاری سے کام لو پھر دشمن کی طرف تھوڑے تھوڑے ہو کر نکلو یا اکٹھے چلو ۔ اور

اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ

بیشک تم میں سے البتہ وہ ہے جو دیر لگاتا ہے تو اگر پہنچے تم کو کوئی مصیبت تو کہتا ہے بیشک مہربانی کی مجھ پر اللہ نے

تم میں کوئی وہ ہے کہ ضرور دیر لگائے گا پھر اگر تم پر کوئی افتاد پڑے تو کہے خدا کا مجھ پر احسان تھا کہ میں

www.alahazratnetwork.org

عَلَیَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِیْدًا ﴿۷۲﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَیَقُوْلَنَّ

جب کہ نہ تھا میں انکے ساتھ موجود - اور اگر پہنچے تم کو مہربانی اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں گویا نہ تھی

ان کے ساتھ حاضر نہ تھا اور اگر تمہیں اللہ کا فضل ملے تو ضرور کہے گویا تم میں اس میں کوئی

كَاَنْ لَّمْ تَكُنْۢ بَیْنَكُمْ وَبَیْنَهٗ مَوَدَّةٌ یّٰلَیْتَنِیْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِیْمًا ﴿۷۳﴾

تمہارے اور اس کے درمیان کوئی محبت ہائے کاش کہ ہوتا میں انکے ساتھ تو کامیاب ہوتا میں بڑی کامیابی

کوئی دوستی نہ تھی (یہ بات) اے کاش میں ان کے ساتھ ہوتا تو بڑی مراد پاتا -

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا تھا اب اس اطاعت کی کچھ تفصیل فرمائی جارہی ہے یعنی جہاد کا حکم دیا جارہا ہے جو تمام اطاعتوں کی اصل ہے اور اس کی برکت سے اطاعت کرنے والے پیدا ہوتے ہیں گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کا اخروی فائدہ بیان ہوا تھا۔ یعنی آخرت میں نبیوں 'صدیقوں 'شہیدوں اور نیکوں کی ہمراہی میسر ہونا اب اس آیتہ کریمہ میں ان کی اطاعت کا دنیاوی فائدہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی کفار پر غالب آنا 'دین کی اشاعت وغیرہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی اطاعت کی خوبیاں بیان فرمائی گئی تھیں اب ان خوبیوں کے مستحقین کا ذکر ہے کہ یہ نعمتیں مخلصین کو میسر ہوں گی نہ کہ منافقین کو جو نفاق سے اطاعت کریں غرض دینے کا ذکر پہلے تھا اور لینے کی شرط کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں جہاد کی تمہید تھی اب اس آیت میں جہاد کا حکم ہے وہاں گویا فرمایا گیا تھا کہ مسلمان غازیو اپنے ساتھ تقویٰ پرہیزگاری کے ہتھیار رکھو اللہ رسول تمہارے ساتھ ہوں پھر جہاد کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ ظاہری ہتھیار ساتھ رکھو۔ ظاہری ہتھیار تو کفار کے پاس بھی ہیں مگر وہ روحانی ہتھیار کفار کے پاس نہیں۔

تفسیر : **یا ایھا الذین امنوا خذوا حذرکم**۔ قرآن کریم کا دستور یہ ہے کہ مشکل اور گراں احکام پکار کر دیتا ہے تاکہ اس پکار کی لذت سے وہ کام آسان ہو جائے۔ جہاد بھی گراں اور مشکل حکم تھا۔ اس لئے پہلے پکارا بعد میں حکم سنایا۔ رب تعالیٰ نے دوسری قوموں کو ان کے نسبی نام یا وطنی نسبت سے پکارا جیسے یا بنی اسرائیل مگر ہم کو ایمانی نسبت سے پکارا یہ پکار ہمارے لئے فخر ہے اسلام میں نسب پر فخر نہیں ایمان و اعمال باعث فخر ہیں۔ خیال رہے کہ **الذین امنوا** میں کبھی کبھی انسان 'جن 'فرشتے سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے **یا ایھا الذین امنوا لا تقدموا بین یدی اللہ و رسولہ** یا جیسے کہ **یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** کبھی امنوا میں صرف جن و انس سے خطاب ہوتا ہے فرشتے خارج ہوتے ہیں جیسے **یا ایھا الذین امنوا کتب علیکم الصیام** فرشتوں پر روزے نہیں۔ کبھی صرف انسان اس میں داخل ہوتے ہیں۔ یہاں تیسری نوعیت ہے کیونکہ جہاد اور اس کی تیاری صرف انسانوں پر ہے۔ جن و ملک اس حکم سے خارج ہیں۔ اکثر امنوا سے مراد مخلص مومن ہوتے ہیں مگر کبھی اس میں قومی مومن یعنی منافقین کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ غالب یہ ہے کہ یہاں بھی عام خطاب ہے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **و ان منکم لمن لیبطئن**۔ تم میں سے بعض جہاد میں سستی

www.alahazratnetwork.org

کرتے ہیں۔ یعنی منافقین اور ظاہر ہے کہ منافقین مخلصین کی جماعت سے نہ تھے اس لئے یہاں **امنو** عام ہو تو بہتر ہو گا **خذوا** کے معنی میں لو یا لئے رہو۔ یا اختیار کرو۔ حذر کے کسرہ اور ذال کے سکون سے یونہی حذر ح کے فتح اور ذال کے فتح سے مصدر ہے۔ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں جیسے اثر و اثر اور مثل و مثل۔ بس کے معنی ہیں۔ بچنا 'احتیاط کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانوں تمہارے بیویوں 'بچوں میں بعض تمہارے دشمن بھی ہیں۔ **فاحذروا** ان سے ہوشیار رہو 'احتیاط رکھو یہاں یا تو حاصل مصدر ہے یا بمعنی یا **الحذو** یعنی بچاؤ کا آلہ (ہتھیار وغیرہ) اگرچہ احتیاط و ہوشیاری ہر جگہ ہر عبادت میں ہی بہتر ہے مگر جہاد میں بہت ضروری ہے کہ وہاں تھوڑی سی بے احتیاطی سے قوم و ملک و دین کو سخت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ یہاں جہاد میں احتیاط کرنا مراد ہے کیونکہ آئندہ جہاد کا ذکر ہے یعنی اے مسلمانوں جہاد کے موقعہ پر احتیاط 'ہوشیاری اختیار کرو اور ہتھیار وغیرہ بچاؤ کا سامان ساتھ رکھو **فانفروا ثبات اوانفروا جمیعا** " ف تعقیبیہ ہے کیونکہ جہاد میں تیاری پہلے ہوتی ہے نکلنا بعد میں انفروا نفر سے بنا بمعنی بھاگنا 'چلنا خواہ کسی سے بھاگنا ہو یا کسی کی طرف بھاگنا 'دوڑنا 'نکلنا لڑائی میں نکلنے کو بھی نفر کہتے ہیں۔ اور اعلان جہاد کو نفیر طلب علم کے لئے سفر کرنے کو بھی رب فرماتا ہے۔ **فلولا نفر من کل فرقۃ طائفۃ** اس نفر سے نفور 'نفار منافرت ہے ثبات جمع ہے ثبۃ کی ثبۃ چھوٹی جماعت کو کہا جاتا ہے جو دس سے زیادہ ہو ثبۃ اصل میں ثوب تھا باب ثیوب کا مصدر بمعنی رجع یرجع واؤ گرا کر عوض کی ت آخر میں لگادی گئی لہذا اثبات کے معنی ہوئے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن کر یہ انفروا کے فاعل سے حال ہے یہاں وہ چھوٹی جماعتیں مجاہدین صحابہ کی مراد ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لے جائیں جنہیں سریہ بھی کہتے ہیں۔ **جمیعا** " سے مراد بڑی جماعت بن کر ساتھ جانا ہے۔ اسے جیش کہا جاتا ہے سو سے لے کر پانچ سو تک کو نفری۔ اس سے زیادہ جماع مجاہدین کو منسر کہتے ہیں بروزن منسیر۔ آٹھ سو تک اس سے زیادہ کو جحفل یا جیش عظیم کہتے ہیں۔ آٹھ ہزار تک (روح المعانی)۔ یعنی پہلے اپنی ہوشیاری احتیاط کا سامان لو پھر چھوٹی چھوٹی جماعتیں بن کر یا لشکر عظیم بن کر کفار کی طرف روانہ ہو۔ **وان منکم لمن لیبطئن**۔ یہ جہاد کی دوسری احتیاط کا ذکر ہے یعنی جہاد میں کھلے دشمن یعنی کفار سے ہوشیار رہو جن کے مقابلہ میں تم جاؤ اور ساتھ ہی چھپے دشمن منافقین سے بھی ہوشیار رہو جو مار آستین کی طرح تمہارے ساتھ رہتے ہیں **منکم** یا تو اس لئے فرمایا کہ **الذین امنوا** میں سب سے خطاب تھا خواہ بھی مومن ہوں یا قومی مومن یعنی منافقین یا اس لئے فرمایا کہ بظاہر منافقین مسلمانوں میں ہی شمار ہوتے تھے کلمہ نماز وغیرہ میں ساتھ رہتے تھے جہادوں میں ساتھ چلے جاتے تھے مسلمانوں کے نسبی قرابت دار بھی تھے **لیبطئن**' بطاء سے بنا بمعنی بوجھ یا سستی پیچھے رہ جانا اس کا مقابل ہے۔ **اسراع** تیز چلنا یہ باب تفعیل میں آکر متعدی بھی ہوتا ہے لازم بھی یعنی سستی کرتے ہیں یا لوگوں کو سست بناتے ہیں کہ ضعفاء مومنین کو ڈرا کر گھبراہٹ میں ڈال دیتے ہیں۔ **فان اصابتکم مصیبۃ** یہ منافقین کے دوسرے عیب کا ذکر ہے کم سے خطاب مخلص نمازیوں کو ہے مصیبۃ سے مراد قتل 'زخم یا ہزیمت ہے **قال قد انعم اللہ علی** ۔یہ عبارت فان کی جزاء ہے قال کا فاعل وہ منافق ہیں جو جہاد سے کترا کر مدینہ میں بیٹھ رہتے تھے اور دوسرے ضعفاء مومنین کو بھی بیٹھ رہنے کی رغبت دیتے تھے یہ بے وقوف جہاد سے محرومی کو اللہ کی نعمت سمجھتے اس لئے یہ بکواس کرتے تھے۔ حالانکہ جہاد میں شرکت اللہ کی رحمت و نعمت ہے جہاد سے بیٹھ رہنا محرومی بلکہ عذاب ہے **اذلم اکن معھم شھیدا** " اذ تعلیلیہ ہے انعم اللہ کی علت اور معھم کی ضمیر غازی صحابہ کرام کی طرف ہے شہید ا سے مراد ہے میدان جنگ میں حاضر یا اس سے مراد ہے شہادت پانے کی جگہ میں موجود ہونا مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں

www.alahazratnetwork.org

یعنی اے غازیو، مخلصو صحابیو اگر کبھی جہاد میں تم کو کوئی تکلیف شہادت یا زخم یا ہزیمت پہنچتی ہے تو تم کو تو غم ہوتا ہے ان مردود منافقوں کو خوشی، شکر کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ اللہ کا مجھ پر بڑا ہی انعام ہوا کہ ہم اس موقعہ پر مسلمان غازیوں کے ساتھ میدان جہاد میں موجود نہ تھے ورنہ ہم کو بھی یہ تکلیف پہنچ جاتی **ولئن اصابکم فضل من اللہ** یہ ان منافقین کی تصویر کا دوسرا رخ ہے اصابکم کی ضمیر مخلص غازیوں کی طرف ہے۔ اصاب فرما کر یہ بتایا کہ جیسے تم اللہ کے فضل کو تلاش کرتے ہو ویسے ہی اللہ کا فضل یعنی رزق غنیمت فتح تم کو تلاش کرتے ہیں بلکہ وہ تمہاری جستجو میں زیادہ ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ فضل تم کو پہنچتا ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ تم فضل تک پہنچتے ہو۔ اللہ کے فضل سے مراد غنیمت، فتح مندی ہے۔ فضل فرما کر بتایا کہ جہاد کا اجر تو آخرت میں ملے گا۔ رضاء الٰہی جنت وغیرہ یہ غنیمت فتح ملک سلطنت تو اجر کے علاوہ بطور فضل ہے نیز جیسے بھتہ یعنی ٹی۔ اے تنخواہ سے نہیں وضع ہوتا ایسے ہی یہ دنیاوی نعمتیں اس آخرت کے اجر سے وضع نہ ہوں گے وہ اجر پورا ملے گا یعنی اگر تم کو جہاد میں اللہ کا فضل غنیمت فتح پہنچتی ہے۔ خیال رہے کہ مصیبت کو رب کی طرف نسبت نہ فرمایا اور غنیمت وغیرہ کو فضل من اللہ کہا تعلیم ادب کے لئے کہ مسلمان ہمیشہ مصیبت کو اپنی طرف نسبت کریں اور راحت وخوشی کو رب تعالیٰ کی طرف اگرچہ مصیبت و راحت سب رب کی طرف سے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **و اذا مرضت فھو یشفین**۔ جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو اللہ تعالیٰ مجھے شفا دیتا ہے۔ یعنی بیمار میں ہوتا شفا رب دیتا ہے۔ نیز من اللہ میں اس جانب اشارہ ہے کہ کوئی شخص اسے چھین نہیں سکتا کیونکہ اللہ کا فضل **لیقولن کان لن تکن بینکم و بینہ مودۃ** ۔ یہ عبارت ان اصابت کی جزاء ہے چونکہ وہاں لام قسم کا بھی تھا اس لئے یہاں جواب قسم کلام ہا کر اس جملہ کو جواب قسم قرار دیا گیا۔ **کان لم تکن** الخ جملہ معترضہ ہے ورنہ **لیقولن** کا مفعول آگے آ رہا ہے۔ مودت سے مراد دین ایمان قرابت داری، محلہ داری، ہم وطنی کی محبت ہے یعنی باوجودیکہ یہ منافقین تمہارے رشتہ دار، محلہ دار، قرابت دار، بلکہ دعویٰ میں ایماندار بھی ہیں انہیں تم سے بہت سی قسم کی محبت چاہئے تھی تو لازم تھا کہ تمہاری فتح پر خوشیاں مناتے، تمہارے ساتھ خوشی میں برابر کے شریک ہوتے مگر نہیں انہیں تمہاری خوشی پر رنج و غم ہوتا ہے گویا ان کا تم سے کوئی رشتہ ہے ہی نہیں۔ **یا لیتنی کنت معھم فافوز فوزا" عظیما"** ۔ یہ عبارت لیقولن کا مفعول ہے معہم کا مرجع وہی مخلص نمازی مومنین صحابہ ہیں۔ کنت فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ جہاد کرنے کی آرزو نہیں کرتے بلکہ صرف تمہارے ساتھ میدان جہاد میں ہونے کی تمنا کرتے ہیں تاکہ غنیمت میں ان کا حصہ بھی ہوتا ہے اور فافوز فرما کر یہ بتایا کہ انہیں ثواب نہ ملنے کا رنج نہیں ہوتا بلکہ غنیمت سے محروم رہنے کا صدمہ ہوتا ہے، ان کی نگاہ میں غنیمت مل جانا ہی بڑی کامیابی ہے جسے وہ فوز عظیم کہہ رہے ہیں یعنی وہ کف افسوس ملتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہائے کاش میں بھی مسلمان مجاہدوں کے ساتھ میدان جہاد میں پہنچ جاتا چاہے جہاد کرتا یا نہ کرتا تاکہ اس شرکت جہاد کی وجہ سے مجھے بھی غنیمت میں حصہ مل جاتا اور میں بڑا ہی کامیاب ہوتا۔ خیال رہے کہ نجاح، فلاح اور فوز تینوں کے معنی ہیں کامیابی مگر ان میں کبھی اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ ابتدائی کامیابی کو نجاح کہہ دیتے ہیں۔ درمیانی کامیابی کو فلاح انتہائی کامیابی کو فوز جو کوئی ایم اے پاس کرنے کے لئے کالج میں داخل ہو تو اس کا اول جماعت پاس کر لینا نجاح ہے پھر درمیان کے درجے میٹرک، ایف اے پاس کرنا فلاح اور آخر ایم اے پاس کرنا جو اس کا اصل مقصود تھا فوز ہے منافق غنیمت کے مال حاصل کر لینے کو فوز اس لئے کہتے تھے کہ ان کی زندگی کا اصل مقصد حصول مال ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر : اے مخلص مومنو! اے کلمہ پڑھنے والو ہمیشہ احتیاط و ہوشیاری سے کام لو کفار کے مقابلہ میں ہتھیار بند رہو پھر تمہیں اختیار ہے کہ موقع کے مطابق میدان جہاد میں تھوڑے تھوڑے یا جماعت کثیرہ کے ساتھ کفار کے مقابلہ پر پہنچو تیاری پہلے روانگی بعد میں کرو پھر جیسے تم اپنے مقابل کفار سے ہوشیار رہو ان کے داؤں پیچ گھات سے بچے رہو ایسے ہی اپنی جماعت کے چھپے دشمنوں اور مار آستینوں سے بھی ہوشیار رہو تم میں بعض وہ منافق بھی ہیں جو جہاد سے خود پیچھے رہتے ہیں اور دوسرے ضعفاء مومنین کو ڈرا کر بھی پیچھے رکھتے ہیں ان کی خود غرضی کا یہ عالم ہے کہ اگر اتفاقاً کسی جنگ میں تم کو زخم، قتل یا ہزیمت کی مصیبت پہنچ جائے تو تم کو تو غم ہوتا ہے مگر ان بد نصیبوں کو خوشی یہ خوشی میں بغلیں بجاتے ہوئے یا بایں الفاظ شکر کرتے ہیں کہ اللہ نے مجھ پر بڑا ہی کرم کیا کہ ان غازیوں کے ساتھ میں نہ گیا ورنہ مجھے بھی ان کی طرح یہ تکالیف پہنچتیں اور اگر رب کے فضل و کرم سے تمہیں فتح و نصرت کامیابی غنیمت وغیرہ حاصل ہو تو تم تو خوش ہوتے ہو مگر یہ روسیاہ کف افسوس ملتے ہیں رنج و غم کرتے ہیں۔ رنج و غم بھی جہاد کی شرکت سے محرومی کا نہیں بلکہ تم سے بالکل اجنبی ہو کر گویا انہیں تم سے کسی قسم کا کوئی تعلق ہی نہیں نہ رشتہ داری کا نہ محلہ و کنبہ داری کا یہ کہتے ہیں کہ افسوس میں میدان جنگ میں نہ گیا اگر میں بھی ان کے ساتھ وہاں پہنچ گیا ہوتا تو ان کی طرح مجھے بھی مال اسباب لونڈی غلام جو غنیمت میں آیا ہے ملتا غرضیکہ ان کی نظر صرف اپنے نفع نقصان پر ہے نہ انہیں تم سے ہے کوئی تعلق نہ آخرت کے ثواب سے کوئی واسطہ ایسے بے ایمانوں سے بھی باخبر رہو ہوشیار رہو، مومن و منافق دونوں مدینہ منورہ میں رہتے تھے جہاد کے میدان میں جمع ہو جاتے تھے مگر منافق کی نگاہ صرف مال کی تلاش میں رہتی تھی مخلص مومن کی نظر رضاء ذوالجلال کی جستجو میں دونوں مقصدوں میں بڑا فرق ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں — کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

رب فرماتا ہے **و من یطع اللہ و رسولہ فقد فاز فوزا عظیما** مومن سمجھتا ہے کہ عذاب سے بچ جانا، جنت حاصل کر لینا، منزلیں ہیں اصل مقصد یار کو منا لینا ہے۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خبر! — مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں!

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگر مسلمان اپنی بقا چاہتے ہیں تو ہمیشہ دشمنوں سے محتاط رہیں ان کے مقابلہ کی تیاری کریں اسلامی حکومتیں ان کے مقابلہ کے لئے فوجی تیاری کریں۔ علماء دلائل کی تیاری کریں، غرضیکہ بقدر طاقت ہر شخص تیاری کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اعدو لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل**۔ اب تو بجائے جہاد کی تیاری کے کھیل کود عیش طرب میں مشغولیت ہے جس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ مہاجرین مکہ نے مدینہ منورہ پہنچ کر صرف دس سال کے عرصہ میں سارا حجاز فتح فرمالیا۔ ہم برس ہا برس گزرنے کے باوجود جہاں تھے وہاں ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہماری آنکھیں کھولے ہماری مثال یہ ہے۔

مشغول طائران چمن ہیں کلیل میں — صیاد تانت باندھ رہا ہے غلیل میں

آج بھارت میں ہوائی جنگی جہاز، توپیں اور سامان جنگ بن رہا ہے ہمارے پاکستان میں وزارتیں ممبریاں بن رہی ہیں۔ یہ حال دیکھ کر ہر درد مند مسلمان خون کے آنسو رو رہا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں اور اسلام کو ہمیشہ منافقوں سے واسطہ رہا ان کا وجود

www.alahazratnetwork.org

بمقابلہ کھلے دشمنوں کے زیادہ خطرناک ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ کبھی ان سے بھی غافل نہ رہیں۔ آج بھی پاکستان ان چھپے دشمنوں میں گھرا ہوا ہے قوم کو چاہئے کہ دشمن و دوست کی پہچان رکھے۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد تو کبھی کبھی میسر ہوتا ہے مگر تیاری جہاد ہر وقت رکھنا چاہئے' تیاری جہاد پہلے اور جہاد بعد میں ہونا چاہئے۔ دیکھو یہاں **خذوا حذرکم** پہلے ارشاد ہوا اور نفر کا ذکر بعد میں۔ تیاری جہاد کا ثواب بھی جہاد کی طرح ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے بلکہ ہر قسم کے جہاد کی تیاری ہمیشہ کی جائے علماء کو چاہئے کہ ہمیشہ بدمذہبوں سے مناظرہ کی تیاری کریں کہ اس میں بھی اجر و ثواب ہے بلکہ ہر عبادت کی تیاری وقت سے پہلے بہتر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جہاد کے لئے الگ الگ چھوٹی جماعتیں بنا کر جانا یا اکٹھے بڑے لشکر میں جانا جیسا موقعہ ہو ویسا عمل کرنا بہتر ہے جیسا کہ **فانفروا** الخ سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** عبادتوں میں سستی کرنا' بے دلی سے ادا کرنا طریقہ منافقین ہے جیسا کہ **وان منکم** الخ سے معلوم ہوا۔ جہاد' نماز' حج وغیرہ تمام عبادتیں شوق و ذوق سے ادا کرنی چاہئیں رب تعالیٰ صرف عمل کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ ہمارے شوق ذوق کو ملاحظہ فرماتا ہے۔ **فویل للمصلین الذین هم عن صلاتهم ساهون۔** خرابی ہے ان نمازیوں کی جو نماز سے سستی کرتے ہیں یعنی پڑھتے تو ہیں مگر سستی اور بے دلی سے۔ **چھٹا فائدہ:** جہاد میں ہمیشہ فتح ہی نہیں ہوتی کبھی ہماری غلطی سے شکست بھی ہو جاتی ہے اس سے بد دل نہیں ہو جانا چاہئے۔ ہر حال میں راضی بہ رضا رہے اور اس سے دل تنگ نہ ہو جیسا کہ **فان اصابتکم مصیبة** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مسلمانوں کی مصیبت پر خوشی منانا اور مسلمانوں کی خوشی پر غم کرنا منافقوں کا طریقہ ہے جیسا اس آیت کے مضمون سے معلوم ہوا۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ خوشی و غم میں مسلم قوم کے ساتھ رہے اگر مشرق کے مسلمانوں کو دکھ پہنچے تو مغرب کے مسلمان تڑپ جائیں اگر جنوب کے مسلمانوں کو خوشی ہو تو شمالی مسلمان خوش ہو جائیں۔ کیونکہ اگرچہ صورت سیرت خوراک' لباس' زبان میں مختلف ملکوں کے مسلمان مختلف ہیں۔ مگر روح رواں سب کی ایک ہے یعنی کلمہ طیبہ' قرآن' کعبہ اور نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ دیکھو پاؤں میں درد ہو تو سر تک کے تمام اعضاء کو تکلیف ہوتی ہے۔ کیونکہ اگرچہ تمام اعضاء کام و نام میں الگ الگ ہیں مگر جان سب کی ایک ہے۔ ہاں مردہ جسم کا یہ حال ہوتا ہے کہ پاؤں میں چوٹ مارو تو گھٹنے کو خبر نہ ہو ایسے ہی اگر ہم کو دوسرے مسلمانوں کی تکلیف کا احساس نہ ہو تو سمجھو کہ ہم مردہ قوم ہو گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بندہ برائی کو اپنی طرف نسبت کرے اور بھلائی کو رب کی طرف دیکھو اس آیت میں مصیبت کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر نہیں ہوا مگر رحمت کے ساتھ رب کا ذکر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **ولئن اصابکم فضل من اللہ** گناہ ہم کر لیتے ہیں نیکی کی توفیق وہ دیتا ہے۔ **نواں فائدہ:** راہ خدا کی تکالیف سے بچ جانے کو نعمت الٰہی سمجھنا طریقہ کفار ہے۔ دیکھو منافق کہتے تھے کہ اللہ کا ہم پر انعام ہوا کہ ہم جہاد میں نہ گئے اور میدان جہاد کی تکالیف ہم کو نہ پہنچیں اس کی راہ میں مٹ جانا زندگی ہے۔ تکلیف پانا راحت ہے۔

لی حبیب عربی مدنی قرشی　　　کہ بود رنج و غمش مایہ و شادی و خوشی

دسواں فائدہ: صرف مال مل جانے کو بڑی کامیابی سمجھنا طریقہ منافقین ہے جیسا کہ **"فوزا عظیما"** سے معلوم ہوا بڑی کامیابی یار کو منا لینا ہے اگر ہم مر مٹ کر رب کو راضی کر لیں تو یہ موت زندگی سے افضل ہے۔ یہ بازار ہی دوسرا ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** اسباب اختیار کرنا تدبیرے کام لینا توکل کے خلاف نہیں جیسا کہ **خذوا حذرکم** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو ہوشیار اور مدبر ہونا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے **المومن**

www.alahazratnetwork.org

والمومن غر کریم والکافر خب لئیم۔ مسلمان سیدھا اور کرم والا ہوتا ہے۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: آیتہ کریمہ میں مسلمانوں کو ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ حدیث پاک میں چالاکی سے بچنے کا تذکرہ ہے ہوشیاری اچھی چیز ہے چالاکی بری اپنے کو دوسروں کے فریب سے بچائے رکھنا ہوشیاری ہے دوسروں کو فریب دینا چالاکی' ہوشیاری کا مقابل ہے جسے بیوقوفی چالاکی کا مقابل ہے سیدھا پن مسلمان سیدھا ہوتا ہے بے وقوف نہیں ہوتا' ہوشیار ہوتا ہے چالاک نہیں ہوتا۔ حدیث پاک میں ہے **اتقو فراسۃ المومن** ۔مومن کی ہوشیاری سے ڈرو۔ **فان ینظر بنور اللہ** **دوسرا اعتراض**: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ **خذوا حذرکم** ۔ہوشیاری اور اپنا بچاؤ اختیار کرو۔ کیا ہماری ہوشیاری اور احتیاط تقدیر الٰہی کو بدل دیتی ہے اگر تقدیر میں فتح و نصرت ہے تو یہ ہر حال مل جائے گی اور اگر تقدیر میں شکست ہے تو ہماری ہوشیاری بیکار ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب** تو یہ ہے کہ پھر تو دنیا کے تمام کام چھوڑ دینا چاہئیں' تقدیر پر شاکر ہو کر بیٹھ جاؤ' کھیتی باڑی' نوکری بلکہ دوا علاج کچھ نہ کرو' اگر تقدیر میں روزی یا شفاء ہے تو ویسے ہی میسر ہو جائے گی' کمائی یا علاج کرو یا نہ کرو پھر تو ایمان' نماز وغیرہ بھی بیکار ہوئے کہ اگر تقدیر میں جنت ہے تو ویسے ہی مل جائے گی۔ مسلمان رہیں یا کافر نماز پڑھیں یا نہ پڑھیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ یہ کام بھی تقدیر میں لکھے ہیں مثلاً "رب تعالیٰ نے ہماری تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ ہم احتیاط' ہوشیاری سے کام لیں گے اور ہم کو اس سے فتح میسر ہوگی فلاں شخص بیمار ہوگا اور فلاں دوا سے شفایاب ہوگا۔ **نوٹ**: یہ سوال جواب اس جگہ تفسیر کبیر نے بیان فرمایا۔ **تیسرا اعتراض**: دشمن کے مقابلہ میں یہ احتیاطیں اور تیاریاں کرنا توکل کے خلاف ہے رب پر توکل چاہئے وہی کافی ہے۔ **جواب**: یہ محض غلط ہے ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ جانا توکل نہیں بلکہ کاہلی اور بیکاری ہے توکل کے معنی یہی ہیں کہ کسب کرو پھر رب پر بھروسہ کرو۔

گر توکل مے کنی در کار کن!! کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے جہاد نہ کیا کیوں اس لئے کہ ابھی جہاد کے اسباب جمع نہ تھے سرکار صحابہ کرام کو مسلح کر کے میدان جہاد میں پہنچاتے تھے پھر دعا نصرت مانگتے تھے یہ ہے توکل نبوی۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں منافقین کو **منکم** کیوں فرمایا وہ مسلمان یا صحابی تھے ہی نہیں۔ **جواب**: اس کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں **الذین امنوا** سے سارے کلمہ گو مراد ہیں مخلصین ہوں یا منافق اس صورت میں انہیں **منکم** فرمانا بالکل درست ہوا یعنی تم کلمہ گویوں میں بعض ایسے منافق بھی ہیں۔ دوسرے یہ کہ انہیں **منکم** فرمانا قومیت کے اعتبار سے ہے کیونکہ منافقین بھی قوماً "مسلمان" کہے جاتے تھے دیکھو سرکار فرماتے ہیں میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ بہتر دوزخی' ایک جنتی۔ مگر ان سب فرقوں کو امتی فرمایا یعنی قوم مسلم کہلانے والے آج مسلمانوں میں بڑے بڑے بے دین فرقے ہیں مگر ان سب کو مسلمان قوم کہا جاتا ہے۔ مردم شماری میں مسلمانوں کے ساتھ ہوتے ہیں غرضیکہ مذہبی مسلمان اور قومی مسلمان میں فرق کرنا ضروری ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ میں زخم قتل ہزیمت کو مصیبت کیوں فرمایا اور فتح غنیمت کو فضل کیوں کہا' راہ خدا میں زخم و قتل بھی باعث ثواب ہے وہ بھی اللہ کا فضل ہے۔ **جواب**: یہاں مصیبت سے مراد تکلیف و پریشانی ہے فضل سے مراد راحت و خوشی مسلمان کو ہر مصیبت پر ثواب ملتا ہے بشرطیکہ صبر کرے مگر اسے کہا جاتا ہے مصیبت' آج ہمارا عرف بھی یہی ہے مصیبت پر ثواب ملتا ہی جب ہے جبکہ اس سے تکلیف پہنچے اور بندہ اس پر صبر کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جناب امیر حمزہ کی شہادت پر بہت روئے حالانکہ

www.alahazratnetwork.org

شہادت پر بڑا ثواب ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی تکلیف پر خوش ہونا طریقہ منافقین ہے مگر حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ جو کسی مصیبت زدہ کو دیکھ یہ پڑھ لے الحمد للہ الذی عافانی مما ابتلاک بہ و فضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلا تو اسے وہ مصیبت کبھی نہ پہنچے گی اس حدیث میں دوسرے کی مصیبت پر خوش ہونے شکر کرنے کی تعلیم دی گئی۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: شخصی مصیبت پر یہ دعا پڑھی جائے قومی یا دینی مصیبت پر نہ پڑھی جائے۔ منافقین مسلمانوں کی قومی و دینی مصیبت پر خوش ہوتے تھے نیز اس دعا میں اپنی عافیت کا شکریہ ہے نہ کہ مسلمان بھائی کی مصیبت پر خوشی منافقین مسلمانوں کی تکلیف پر خوشی مناتے تھے نیز منافقین جہاد کو مصیبت سمجھتے تھے اور جہاد سے بیٹھ رہنے کو نعمت اس لئے ان پر عتاب ہوا لہذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : ہر مسلمان مجاہد غازی ہے۔ شیطان اور اس کی ذریت کھلے کافر ہیں جن سے مسلمان کا ہر وقت جہاد ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! ہر وقت ہوشیار رہو۔ احتیاط سے کام لو کہ دشمن شیطان ہر وقت تمہاری تاک میں ہے اس کے مقابلہ کے لئے ہتھیار اللہ کی عبادات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کی اتباع ہے۔ جس سے اس دشمن پر فتح پائی جاتی ہے اس کے مقابلہ کے لئے بعض عبادتیں اکیلے اکیلے کرو۔ جیسے نماز تہجد و دیگر نوافل اور بعض عبادتیں چھوٹی جماعتوں کے ساتھ جیسا نماز پنجگانہ با جماعت ادا کرو اور بعض عبادتیں بڑی جماعت کے ساتھ کرو جیسے نماز عید، حج وغیرہ یہ سب نفیر ہے۔ پھر خیال رکھو کہ تمہارے ساتھ منافق بھی ہے وہ ہے تمہارا نفس امارہ جو تم سے گناہ کرا کے خوش ہوتا ہے اور اگر تم کو اللہ کا فضل یعنی نیک اعمال کی توفیق ہے تو غم کرتا ہے کبھی اس پر اعتماد نہ کرو یہ تمہارا مار آستین ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ اگرچہ جہاد کے متعلق آئی ہے مگر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان ہر نیکی میں جلدی کرے عمر کو غنیمت سمجھے اور ہر نیکی میں رکاوٹیں پیدا کرنے والی چیزیں ہیں ان کا مقابلہ کرے۔

مکن عمر ضائع با فوس و حیف   کہ فرصت عزیز است والوقت سیف

نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کامل وہ ہے جو اپنی زندگی کا ہر شعبہ احتیاط سے گزارے۔ تین چیزیں زندگی میں ہوتی ہے۔ اعضاء، مال، اولاد ہر عضو کے برتنے میں احتیاط کرے مخصوصاً آنکھ اور زبان کے استعمال میں تو بہت ہی احتیاط چاہئے مال دولت حاصل کرنے میں احتیاط کرے اور خرچ کرنے میں بھی کہ نہ تو حرام ذریعہ سے مال کمائے۔ نہ حرام جگہ خرچ کرے یونہی اولاد نہ ناجائز ذریعہ سے حاصل کرے نہ انہیں ناجائز کاموں میں لگائے اس جملہ کی جیتی جاگتی تفسیر دیکھنی ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک دیکھو۔

بورش گیتی جبیں فرسودہ است   خویشتن را عبدہ فرمودہ است

یونہی عبادات میں احتیاط کرے کہ فرائض، واجبات، سنن، مستحبات کے ساتھ ادا کرے کہ یہ واجبات وغیرہ خزانہ ایمان کی دیواریں ہیں۔ مستحب پہلی دیوار ہے جیسے شیطان چور پہلے توڑتا ہے اسی پر اسے روکو نیز جہاد میں بڑی احتیاط سے کام لے غرضیکہ ان تینوں احتیاطوں کو ایک لفظ میں بتا دیا کہ خذو حذرکم۔

www.alahazratnetwork.org

فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَ

پس چاہیے کہ جہاد کریں اللہ کی راہ میں جو خریدتے ہیں دنیاوی زندگی کو آخرت کے عوض اور

تو اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے جو دنیا کی زندگی بیچ کر آخرت لیتے ہیں اور

مَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

جو جہاد کرے اللہ کی راہ میں پھر قتل کیا جاوے یا غالب ہو تو عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا

جو اللہ کی راہ لڑے پھر مارا جاوے یا غالب آجاوے تو عنقریب ہم اسے بڑا ثواب دیں گے

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ

اور کیا حال ہے تمہارا کہ نہیں جہاد کرتے تم بیچ راہ اللہ کی اور واسطے کمزوروں کے مردوں اور

اور تمہیں کیا ہوا کہ نہ لڑو اللہ کی راہ میں کمزور مردوں اور عورتوں اور

وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ

عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال تو ہم کو اس بستی سے کہ

بچوں کے واسطے جو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم کو اس بستی سے نکال

الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾

ظالم ہیں باشندے اس کے اور بنا تو واسطے ہمارے اپنے پاس سے کوئی دوست اور بنا تو واسطے ہمارے اپنے پاس سے مددگار

جس کے لوگ ظالم ہیں اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی حمایتی دے اور ہمیں اپنے پاس سے کوئی مددگار دے

تعلق: چونکہ اس آیت کریمہ کی تفسیریں چند ہیں اس لئے اس کے گزشتہ آیت سے تعلقات بھی مختلف ہیں جیسی تفسیر ویسا تعلق **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ جہاد میں منافقین کا مقصد صرف غنیمت حاصل کرنا ہے ثواب کی طرف دھیان نہیں اب ان ہی منافقوں کو نصیحت فرمائی جا رہی ہے کہ اللہ والے بنو آخرت کے لئے جہاد کرو گویا پہلے ان کی بیماری کا ذکر تھا اب اس کے علاج کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں منافقوں کا جہاد سے بچنا ذکر ہوا اب مسلمانوں سے ارشاد ہے کہ منافقوں کی پرواہ نہ کرو خود ہی اللہ پر توکل کر کے جہاد کرو تمہاری فتح اللہ کے کرم سے ہے نہ کہ منافقوں کی شرکت سے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین جہاد صرف اپنے نفس کے نفع کے لئے کرتے ہیں یعنی مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم دوسروں کے نفع کے لئے جہاد کرو یعنی مظلوم مسلمانوں کو کفار کے چنگل سے چھڑانے کے لئے مبارک ہے وہ جو دوسروں کو نفع پہنچائے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں سے معلوم ہوا تھا کہ جہاد میں اخلاص چاہئے اپنی آمدنی وغیرہ کی نیت اس میں نہ ہو اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ دوسرے مسلمانوں کی آزادی کی نیت سے جہاد کرنا اخلاص کے خلاف نہیں کہ مسلمان بھائی کی مدد کا بھی اللہ نے ہی حکم دیا ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین

www.alahazratnetwork.org

کی نگاہ میں جہاد کی کامیابی صرف مال غنیمت حاصل کرلینا ہے اس کو وہ فوز عظیم یعنی بڑی کامیابی کہتے ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ غلط ہے مومن مرے یا مارے غنیمت لائے یا راہ خدا میں جان دے آئے ہر طرح کامیاب ہے اسے اجر عظیم ملے گا۔

شان نزول: ہجرت سے پہلے اسلام میں جہاد نہ تھا بعد ہجرت جب جہاد فرض ہوا تو بعض ضعفاء مومنین اور عام منافقین اس میں سستی کرنے لگے ان پر عتاب فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ جہاد کرو تاکہ مکہ میں پھنسے ہوئے مجبور مسلمان آزاد ہوں (تفسیر صاوی)۔

تفسیر: **فلیقاتل فی سبیل اللہ** لفظ فلیقاتل کی ف فصیحہ ہے کہ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ یعنی چونکہ مسلمان ہر قسم کے کفار میں گھرے ہوئے ہیں لہٰذا مسلمان غافل نہ رہیں جہاد کرتے رہیں دشمنوں میں گھرا ہوا شخص اگر غافل رہا تو تکلیف پائے گا یا چونکہ منافقین محض مال کے لئے جہاد میں جاتے ہیں اس لئے ان کے اعمال برباد ہیں لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ اللہ کے لئے جہاد کریں اور صیغہ امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ ضرورت کے وقت جبکہ اسباب جہاد موجود ہوں جہاد کرنا فرض ہے جس موقعہ پر یہ آیت کریمہ آئی ہے اس وقت جہاد کی ضرورت تھی اور سامان جہاد خدا کے فضل سے جمع تھے۔ قتال فی سبیل اللہ خاص ہے اور جہاد فی سبیل اللہ عام کیونکہ میدان میں پہنچ کر کفار سے لڑنا۔ غازیوں کی مرہم پٹی کرنا ان کا کھانا وغیرہ پکانا سب جہاد ہے مگر کفار سے لڑنا قتال یہاں فلیقاتل فرما کر بتایا گیا کہ ہر مجاہد خاص قتال کے لئے میدان میں جاوے اگرچہ کام کچھ کرایا جاوے۔ فی سبیل اللہ سے مراد ہے رب تعالیٰ کو راضی کرنے اللہ کے دین کو بلند کرنے مسلمانوں سے کفار کی شوکت توڑنے کی نیت سے جہاد ہو چونکہ یہ چیزیں رب تعالیٰ تک پہنچنے اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اس لئے انہیں سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ فرمایا گیا۔ جیسے راستہ منزل مقصود تک پہنچنے کا ذریعہ ہے ایسے ہی یہ کام رب تک رسائی کا وسیلہ۔ **الذین یشرون الحیوۃ الدنیا بالاخرۃ** الذین مع اپنے صلہ کے یا تو فلیقاتل کا فاعل ہے اور اس سے مراد مسلمان ہیں اور یشرون بمعنی **یبیعون** ہے تب تو معنی بالکل ظاہر ہیں یعنی اللہ کی راہ میں وہ مسلمان جہاد کریں جو اپنی دنیاوی زندگی آخرت کے عوض فروخت کرچکے ہیں۔ قرآن مجید میں شراء بمعنی بیع آیا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وشروہ بثمن بخس** بھائیوں نے یوسف علیہ السلام کو کھوٹی قیمت کے عوض بیچ دیا۔ یا الذین فلیقاتل کا فاعل ہے اور اس سے مراد منافقین ہیں تب شراء بمعنی خریدنا ہے یعنی وہ منافقین بھی اخلاص سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں جو اب تک آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدتے رہے ہیں اب اس سے توبہ کریں اخلاص سے جہاد کریں یا الذین فلیقاتل کا مفعول ہے اور اس کا فاعل ھو ضمیر ہے جو مخلصین یا منافقین کی طرف راجع ہے تو الذین سے مراد کھلے کافر ہیں جن پر جہاد کرنا ہے۔ یعنی مسلمان ان کفار سے جہاد و قتال کریں جو آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدتے ہیں (تفسیر خازن، روح المعانی، بیضاوی، مدارک و کبیر وغیرہ) **ومن یقاتل فی سبیل اللہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے۔ جس میں منافقین کے خیال کی تردید ہے اور جہاد کے نفع کا ذکر ہے من سے مراد یا تو صرف مخلصین مومنین ہیں یا منافقین بھی جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا **فیقتل او یغلب** یہ دونوں فعل یقاتل پر معطوف ہیں ف عاطفہ ہے اور یہ تینوں فعل مل کر من کا صلہ پھر مبتداء بمعنی شرط قتل میں مارا جانا زخمی ہونا یا ہزیمت پانا سب شامل ہیں کیونکہ اس کے مقابلہ میں غلب ارشاد ہو رہا ہے۔ مجاہد غازی اپنی شہادت کی نیت پہلے کرے فتح مندی کی بعد میں اس لئے یہاں قتل کا ذکر پہلے ہوا غلبہ کا بعد میں بلکہ ہر کام میں نقصان مقدم

www.alahazratnetwork.org

ہے نفع بعد میں خیال رہے: کہ قتل کا مقابلہ ۔غلب سے کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ مسلمان کافر کے ہاتھوں قتل زخمی تو ہو سکتا ہے مگر مغلوب کبھی نہیں ہو سکتا مغلوب وہ ہو جو اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے اللہ کی راہ میں شہادت یا زخمی ہونا تکالیف پانا تو مرد مجاہد کا عین مقصد ہے لہٰذا مومن مر کر بھی مغلوب نہیں ہوتا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے! اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

یعنی جو مخلص مسلمان یا جو منافق نفاق سے توبہ کرکے اخلاص کے ساتھ اللہ کی راہ میں جہاد و قتال کرے پھر وہ مارا جائے زخمی ہو جائے ہزیمت پا جائے یا کفار پر غالب آجاوے کہ فتح و کامرانی اس کے قدم چوم لے کچھ بھی ہو **فسوف نوتیہ اجرا عظیما** یہ جملہ من کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف لائی گئی سوف فرما کر بتایا گیا کہ فتح غنیمت۔ حکومت وغیرہ جہاد کا اجر و ثواب نہیں یہ تو رب تعالیٰ کا عطیہ کریمانہ ہے جہاد کا اصلی اجر تو آگے چل کر ملے گا۔ جنت و حور قصور رضاء رب غفور کیونکہ جہاد کا اجر دنیا میں سما نہیں سکتا کہ اجر دائم باقی ہے دنیا فانی ہے نیز اس میں خالص راحت ہے دنیا کی ہر راحت رنج و غم سے مخلوط لہٰذا دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء کھیت بونے باغ لگانے کا وقت اور ہوتا ہے دانہ و پھل کھانے کا وقت دوسرا **نوتیہ** فرما کر بتایا گیا کہ اس ثواب کے دینے والے ہم ہیں اس میں نہ بربادی ہو نہ کمی جس کی ضامن حکومت ہو جاوے وہ مارا یا برباد نہیں جاتا تو جس کا ضامن رب تعالیٰ ہو جاوے اس کے متعلق کسی قسم کا اندیشہ ہو سکتا ہی نہیں اجراً عظیما فرما کر یہ بتایا غازی و شہید کا ثواب تمہارے خیال و وہم سے وراء ہے جسے خدا تعالیٰ عظیم فرما دے اس کا اندازہ تم لوگ کیسے لگا سکتے ہو یعنی بہر حال ہم اسے بڑا ہی ثواب دیں گے کہ فتحمند کو دنیا میں غنیمت ملک حکومت اور آخرت میں جنت اپنا دیدار دیں گے اور شکست خوردہ کو جنت کی نعمتیں اپنا دیدار وغیرہ دیں گے **وما لکم لا تقاتلون** یہ جملہ علیحدہ ہے ما استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب دلانے کے لئے لکم میں خطاب ان ہی ضعفاء مومنین سے ہے جو جہاد میں سستی کرتے تھے لکم کائن یا صار فعل پوشیدہ کے متعلق ہے یعنی اے سستی کرنے والو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم جہاد نہیں کرتے یا جہاد کے لئے جوش و خروش سے حاضر نہیں ہوتے **فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان** فی لا تقاتلون کے متعلق ہے سبیل اللہ کے معنی ابھی عرض کئے گئے **المستضعفین** استضعاف سے ہے مادہ ضعف بمعنی کمزوری' قوت و طاقت کے مقابل اس لئے کمزور کو ضعیف کہتے ہیں استضعاف کے معنی میں کمزور سمجھنا یا کمزور کر دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں ان سے مراد وہ مسلمان ہیں جو مکہ معظمہ میں پھنسے رہ گئے تھے ہجرت کرکے باہر نہ جا سکے تھے جن پر کفار مکہ بہت ظلم و ستم کرتے تھے جیسے آج ہندوستان کے مسلمان خیال رہے: کہ **المستضعفین** یا تو سبیل پر معطوف ہے اور یہاں اخلاص پوشیدہ بمعنی چھوڑانا یا آزاد کرانا یا لفظ اللہ پر معطوف ہے اور سبیل پوشیدہ اس سبیل سے مراد مدینہ منورہ کا راستہ کھولنا ہے جس سے وہ ہجرت کرکے مدینہ منورہ آسکیں اور بعض نے خصوصاً سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے فرمایا کہ واؤ بمعنی دون ہے (روح المعانی و خازن) لہٰذا اس جملہ کے تین معنی ہو گئے من بیانیہ ہے جس نے **المستضعفین** بیان فرمایا اور الرجال النساء سے مراد مکہ معظمہ میں گھرے ہوئے مسلمان ہیں ولدان یا ولد کی جمع ہے بمعنی بچے یا ولید کی جمع ہے بمعنی لونڈی غلام۔ اس تفصیل سے یہ فرمانا مقصود ہے کہ ظالم کفار مکہ کا ظلم و ستم ان بیچارے مسلمانوں پر اس حد تک پہنچ چکا ہے کہ مسلمان بچے اور لونڈی غلام بھی ان کے ظلم کا شکار ہو رہے ہیں یعنی تم کیوں جہاد نہیں کرتے اللہ کی راہ میں اور کمزور مسلمان مردوں عورتوں بچوں کو چھوڑانے میں یا اللہ کی راہ میں اور ان کمزوروں کا راستہ کھولنے

www.alahazratnetwork.org

کے لئے کہ وہ ہجرت کر سکیں یا اے مہاجرو تم جہاد کرو وہ مسلمان جو کفار میں گھرے پڑے ہیں ان کے ہاتھوں قیدی ہیں یہ حکم نہیں **الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا** الذین مع اپنے صلہ کے الرجال۔ النساء اور الولدان کی صفت ہے یعنی وہ گھرے ہوئے مسلمان اتنے مجبور و پریشان ہیں جو مکہ معظمہ میں بیٹھے ہوئے یہ دعا مانگ رہے ہیں وہ لوگ دعائیں کرتے ہیں اور بچے آمین کہتے ہیں یا سب مرد و عورت بچے کعبہ معظمہ کے سامنے یہ دعائیں مانگتے ہیں قریہ بمعنی بستی ہے جو گاؤں و شہر سب پر بولا جاتا ہے یہاں شہر مراد ہے یعنی مکہ معظمہ ظالم بمعنی مشرک کافر ہے اھلھا سے مراد کفار مکہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ظالم سے مراد ستمگار و ستانے والے ہوں یعنی وہ لوگ تنگ آکر یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا ہم کو اس مکہ سے نکال جہاں کے باشندے مشرک ہیں ستمگار ہیں سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ان بچوں میں میں بھی شامل تھا اور عورتوں میں میری والدہ ام الفضل اور مردوں میں سلمہ ابن ہشام۔ ولید ابن ولید ابو جندل ابن سہیل داخل ہیں (روح المعانی) **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا۔** یہ ان بزرگوں کی دوسری دعا ہے ولی بمعنی والی وارث منتظم کار ہے ولی ولایت کا صفت مشبہ ہے۔ ولایت کے معنی ہیں قرب و دوستی۔ مدد ولی بمعنی قریب۔ دوست۔ مددگار من لدنک میں اس طرف اشارہ ہے کہ مولیٰ ظاہری اسباب ہمارے چھٹکارے کے کوئی نہیں تو اپنی طرف سے ہماری غیبی دستگیری فرما کہ ہمارے لئے اپنا کوئی بندہ ہمارا والی وارث بنا دے اور کوئی بندہ ہمارا مددگار بنا دے کہ ہم یہاں مکہ معظمہ میں ہی اس کی حمایت میں رہیں اور ہم کو ہجرت کی ضرورت ہی نہ پڑے غرضیکہ یہ دعا پہلی دعا سے بڑھ کر ہے۔ خیال رہے: کہ ولی اور نصیر ہم معنی آتے ہیں۔ دونوں کے معنی مددگار ہوتے ہیں مگر ان دونوں میں اس طرح فرق ہوتا ہے کہ روحانی ایمانی مددگار کو ولی کہتے ہیں اور ظاہری جسمانی مددگار کو نصیر اس لئے بزرگان دین کو جو روحانی باطنی مددگار ہیں اولیاء کہا جاتا ہے۔ انصار نہیں کہتے اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا لفظ بہ لفظ قبول فرمائی کہ 8 ہجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ فتح فرمایا اور آپ تمام گھرے ہوئے مسلمانوں کے والی وارث حامی ہوئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو وہاں سے مدینہ منورہ گئے اور مکہ معظمہ کا حاکم گورنر عتاب ابن اسید کو بنا دیا جو اٹھارہ سال کے نوجوان تھے انہوں نے ان ستم رسیدہ مسلمانوں کو اپنی امان میں لے لیا۔ جس سے یہ حضرات نہایت سربلند ہو گئے اور مکہ معظمہ میں نہایت عزت کی زندگی گزارنے لگے۔ خدایا صدقہ ان محبوبوں کا ہم پاکستانی مسلمانوں کو توفیق دے کہ بھارت میں گھرے ہوئے مسلمانوں کی مدد کر سکیں وہ لوگ سخت مجبور بڑے مظلوم ہیں ان کی مدد و دستگیری فرما۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں جو تفسیر میں عرض کی گئیں ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ باقی تفسیریں ابھی بیان کر چکے اللہ کی راہ میں وہ مسلمان جہاد کریں جو اپنی دنیاوی زندگی آخرت کے عوض فروخت کر چکے جنہیں مرنے زخمی ہونے کا کوئی اندیشہ نہیں وہ تو جہاد میں جاتے ہیں شہید ہونے کے لئے۔ اور خیال رکھو جو اللہ کی راہ میں جہاد کرے پھر وہ مارا جاوے زخمی ہو ہزیمت پائے یا کفار پر غالب آئے ہم اس سے وعدہ کرتے ہیں کہ اسے بڑا اجر و ثواب دیں گے۔ فاتح کو غنیمت ملک عزت جنت اپنا قرب اور مقتول شہید کو اپنی رضا اپنا دیدار جنت کی نعمتیں لہٰذا یہ سودا ایسا نفع بخش ہے جس میں گھاٹے کا احتمال ہی نہیں اور اے مسلمانو تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اللہ کی راہ میں اور مکہ میں پھنسے ہوئے مسلمانوں کو چھڑانے کے لئے جہاد نہیں کرتے ان بیچاروں کی مجبوریوں کا یہ عالم ہے کہ وہ مرد عورتیں بچے کعبہ معظمہ کے سامنے ہاتھ پھیلا پھیلا کر دعائیں مانگ

www.alahazratnetwork.org

رہے ہیں کہ خدایا تو ہم کو اس بستی مکہ سے نکال جہاں کے باشندے کفار ہیں ستمگار ہیں اور ہمارے لئے اپنی قدرت کاملہ سے کوئی والی حمایتی دے اور کوئی مددگار نصیب فرما جو ہم کو اس زبوں حالت سے نکالے پھر تم یہاں عیش و آرام کیسے کر رہے ہو جب تمہارے وہ بھائی ایسی حالت و مصیبت میں گرفتار ہیں اٹھو جہاد کرو انہیں آزاد کراؤ خوشی وہ ہی ہے جو ساری قوم کی خوشی ہو قوم پر افراد قربان ہونے چاہئیں افراد پر قوم قربان نہ ہو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: غازی مجاہد میدان جہاد میں سر فروش ہو کر شہادت کی تیاری کر کے جائے محض غنیمت یا ملک گیری کی نیت نہ ہو جیسا کہ **الذین یشرون الخ** سے معلوم ہوا کہ یہ **فلیقاتل** کا فاعل ہے اور شراء بمعنی بیع ہے جب اس نیت سے غازی جہاد کرے گا تو انشاء اللہ کبھی ناکام نہ ہو گا۔ دوسرا فائدہ: منافقین پر بھی فرض تھا کہ نفاق سے توبہ کر کے اخلاص پیدا کر کے جہاد میں شریک ہوں جیسا کہ **الذین یشرون** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس سے مراد منافقین ہیں اور **یشرون** بمعنی خریدنا ہے۔ تیسرا فائدہ: مجاہد خواہ کفار کو مارے یا راہ خدا میں مارا جائے بڑے درجہ والا ہے۔ رب تعالیٰ کے ہاں بڑے ثواب کا مستحق ہے جیسا کہ **فیقتل او یغلب** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: مجاہد کو رب تعالیٰ کی طرف سے اتنا بڑا ثواب ملتا ہے جو کسی کے بیان تو کیا وہم و گمان میں نہیں آسکتا جیسا کہ اجرا" عظیما" سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے ثواب کو عظیم فرمایا حالانکہ رب تعالیٰ نے دنیا کو قلیل فرمایا **قل متاع الدنیا قلیل**۔ پانچواں فائدہ: نیک اعمال میں رضاء الٰہی کے ساتھ اگر خدمت خلق کی بھی نیت کرے تو حرج نہیں بلکہ زیادہ قابل قبول ہے۔ دیکھو یہاں فی سبیل اللہ کے بعد **والمستضعفین** بھی فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور مجبور مسلمانوں کو چھوڑانے کے لئے جہاد کیوں نہیں کرتے معلوم ہوا کہ جہاد میں اللہ کی رضا بھی مطلوب ہو اور پھنسے مسلمانوں کو آزاد کرانے کی بھی نیت **لہذا** عبادات اپنے میں اللہ تعالیٰ کی رضا کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کی نیت کرنا چاہئے یہ شرک نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** جو اسے شرک کہے وہ اس آیت میں غور کرے۔ چھٹا فائدہ: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کر لی تو وہاں مسلمانوں کو بلا عذر رہنا حرام ہو گیا وہاں سے ہجرت کرنا فرض ہو گیا حالانکہ وہاں کعبہ معظمہ منیٰ' عرفات' مزدلفہ' سنگ اسود' مقام ابراہیم وغیرہ سب موجود تھے مگر چونکہ حضور وہاں نہ رہے تو وہاں مسلمانوں کو رہنا حرام ہو گیا یہ فائدہ بھی **والمستضعفین** سے حاصل ہوا جب حضور نے مکہ معظمہ فتح فرمایا تو پھر وہاں رہنا عبادت ہو گیا وہاں کی ایک عبادت ایک لاکھ کے برابر ہو گئی۔ معلوم ہوا کہ جس عالم کے سینہ میں علم' ہنر' نماز' روزہ سب کچھ ہو مگر عشق رسول نہ ہو اس کی صحبت سے مسلمانوں کو بھاگنا چاہئے کہ اصل مقصود تو ان کی غلامی ہے۔ ساتواں فائدہ: چھوٹے بچوں کا اسلام قبول ہے دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمان مردوں عورتوں کے ساتھ والولدان بھی فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بھی عند اللہ مومن ہیں۔ جن کو آزاد کرنا غازیوں پر فرض ہے۔ آٹھواں فائدہ: دعا میں بچوں کو بھی شریک کرنا چاہئے کہ رب تعالیٰ بچوں کی بہت سنتا ہے دیکھو اس دعا میں رب تعالیٰ نے بچوں کا ذکر بھی فرمایا اس لئے حکم ہے نماز استسقاء میں بچوں کو بھی ساتھ لے جایا جاوے کہ ان کی دعا سے بارش جلد آوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچوں کو لے جانے کا حکم دیا ہے اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔ نواں فائدہ: اگر مقدس مقام پر رب کی عبادت پر قدرت نہ ہو تو وہاں سے نکل جانا یا نکل جانے کی دعا کرنا چاہئے جیسا کہ **اخرجنا الخ** سے معلوم ہوا کہ ضعفاء مومنین مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی دعا کرتے تھے۔ دسواں فائدہ: تقیہ کرنا اسلام کے خلاف ہے۔ دیکھو ضعفاء

مومنین نے مکہ مکرمہ سے نکل جانے کی دعا کی مگر وہاں تقیہ کر کے نہ رہے۔ **گیارھواں فائدہ:** حضرات خلفاء ثلثہ ظالم نہ تھے عادل متقی پرہیزگار تھے اگر وہ ظالم ہوتے تو حضرت علی مرتضیٰ و دیگر اہلبیت اطہار پر مدینہ منورہ سے ہجرت کرنا فرض ہو جاتی دیکھو ان ضعفاء مومنین نے یہ دعا کی کہ ہم کو اس مکہ معظمہ سے نکال جہاں کے باشندے ظالم ہیں۔ **بارھواں فائدہ:** ظالم و جابر کفار کے ملک سے ہجرت کر جانا مسلمانوں پر لازم ہے جہاں مسلمانوں کو وہ اپنے دینی کام کرنے کی اجازت نہ دیں اگر کسی جگہ کفار کی سلطنت ہو مگر وہ شعائر اسلامی سے مسلمانوں کو روکتے نہ ہوں تو وہاں سے ہجرت لازم نہیں یہ فائدہ **الظالم اهلها** سے حاصل ہوا کہ یہاں ظالم سے مراد کافر و جابر ہیں۔ **تیرھواں فائدہ:** اللہ کے بندوں سے مدد لینا انہیں والی وارث ماننا شرک نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے ضعفاء مسلمین کی یہ دعا نقل فرمائی کہ وہ ہم سے ولی وارث مانگتے ہیں اسے شرک و کفر قرار نہ دیا۔ **چودھواں فائدہ:** جس پر اللہ تعالیٰ مہربان ہوتا ہے اس کے لئے مددگار بندے مقرر فرماتا ہے اور جس پر اس کا قہر ہوتا ہے اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ غیر خدا کی مدد شرک نہیں بلکہ رحمت الٰہی ہے۔ جس کی دعائیں مانگی گئی ہیں کہ خدایا تو ہمیں مکہ معظمہ سے نکال یا ہمارے لئے مجاہدین کو مددگار بنا کر بھیج جو کہے کہ خدا کے سواء کسی کی مدد مانگنا کسی کو ولی و نصیر سمجھنا شرک ہے وہ اس آیت کریمہ سے عبرت حاصل کرے دیکھو خانہ کعبہ بغیر حضور کی مدد کے بتوں سے پاک نہ ہو سکا رب نے اپنا گھر حضور کے ہاتھوں پاک کرایا معلوم ہوا کہ ہمارے دل بھی حضور کے طفیل پاک ہوں گے صرف لا الٰہ الا اللہ سے مسلمان نہیں ہوتا جب تک کہ محمد رسول اللہ نہ کہے ان کے نام کی مدد سے کافر مومن بنتا ہے۔ **پندرھواں فائدہ:** اگرچہ رب تعالیٰ قادر ہے کہ بغیر اسباب سب کچھ کر دے مگر قانون یہ ہے کہ اسباب سے سارے کام کئے جاویں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ کفار سے قتال کرو خود ان کو ہلاک نہ فرما دیا گزشتہ قوموں کو آسمانی عذاب سے ہلاک فرمایا۔ مگر فرعون، شداد، نمرود کو پانی۔ مچھر وغیرہ سے ہلاک کیا یہ قدرت کا اظہار تھا مگر ابو جہل وغیرہ کو مسلمان کے ہاتھوں قتل کرایا یہ قانون تاکہ مسلمانوں کو جہاد غزوہ کا درجہ و ثواب ملے۔

پہلا اعتراض: یہاں مقتول ہونے کا مقابلہ غالب ہونے سے کیا گیا کہ ارشاد ہوا **فيقتل او يغلب** یہ مقابلہ درست نہیں۔ قتل ہونے کا مقابلہ قتل کرنے سے ہوتا ہے اور غالبیت کا مقابلہ مغلوبیت سے مگر یہاں ایسا نہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ مومن غازی کفار کے ہاتھوں قتل تو ہو سکتا ہے مگر مغلوب نہیں ہو سکتا مومن شہید ہو کر بھی غالب رہتا ہے وہ جہاد میں جان ہتھیلی پر رکھ کر شہید ہونے ہی کو تو آتا ہے شہید ہو کر بھی اپنا مقصد حاصل کر لیتا ہے۔ بعض شہداء جب زخم کھا کر گرے تو بولے۔ **فزت و رب الكعبة**۔ قسم رب کعبہ کی میں تو کامیاب ہو گیا اور جان دیدی۔ حضرت حسین شہید ہو گئے مگر یزیدی حکومت کے ٹکڑے اڑا گئے۔ دین کی بنیادیں مضبوط کر گئے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاتح غازی اور شہید دونوں اجر عظیم میں برابر ہیں حالانکہ فاتح غازی تو غنیمت حاصل کر کے دنیاوی نفع بھی حاصل کر لیتا ہے شہید صرف اخروی نفع پاتا ہے پھر دونوں برابر کیونکر ہوئے۔ **جواب:** یہ دونوں اجر عظیم پانے میں برابر ہیں غنیمت جہاد کا اجر عظیم نہیں اجر عظیم رضاء الٰہی حصول جنت وغیرہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم نے یہاں مردوں، عورتوں کے ساتھ بچوں کا ذکر کیوں فرمایا؟ **جواب:** تاکہ کفار مکہ کی انتہائی سفاکی بے رحمی ظاہر ہو کہ کوئی شخص دشمنوں کے بچوں کو نہیں

www.alahazratnetwork.org

ستاتا بچے قابل رحم ہوتے ہیں مگران لوگوں نے پھنسے ہوئے مسلمانوں کے بچوں تک پر اس قدر ظلم کیا کہ وہ بھی یہ دعائیں مانگنے لگے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جہاد سے جی چراتے تھے تب ہی تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ **وما لکم لا تقاتلون الخ**۔ **جواب:** یہ کلمات غازیوں کو جوش دلانے کے لئے کہے جاتے ہیں آج حکومتیں فوجی سپاہیوں کو جوش دلانے کے لئے ہر قسم کی جائز ناجائز ترکیبیں کرتی ہیں اس کی وجہ یہ نہیں ہوتی کہ ان حکومتوں کو اپنے سپاہیوں پر اعتماد نہیں ہوتا بلکہ وجہ صرف زیادتی جوش ہے اگر حضرات صحابہ کرام جہاد سے جان چراتے تھے تو بتاؤ فتوحات اسلامیہ کنہوں نے کیں انہیں کی ہمت سے اسلام پھیلا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے بندے مددگار ولی' حامی ہیں مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر**۔ اللہ کے سوا تمہارا کوئی ولی و مددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں من دون اللہ سے مراد ہے اللہ کے مقابل یعنی ایسا مددگار کوئی نہیں جو اللہ کا مقابلہ کرکے تمہاری مدد کرے ولی اللہ اور ہے ولی من دون اللہ اور ہے۔ اس لئے وہاں سواء اللہ یا الا اللہ یا غیر اللہ نہ فرمایا بلکہ من دون اللہ فرمایا۔ الا دون غیر کا فرق ہماری کتاب درس القرآن میں ملاحظہ کرو دیکھو کلمہ طیبہ میں پڑھتے ہیں۔ لاالٰہ الا اللہ۔ اگر یوں پڑھیں لاالٰہ دون اللہ تو ایمان میسر نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ الا اور دون میں فرق ہے یا نفی کی آیات میں روئے سخن کفار سے ہے یعنی کافروں کا مددگار کوئی نہیں اور ثبوت کی آیات میں مسلمانوں کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کے مددگار اللہ تعالیٰ نے بہت مقرر فرمادیئے ہیں اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **و من یضلل فلن تجد لہ ولیا مرشدا** جس کو خدا گمراہ کرے اسے نہ ولی ملے نہ مرشد ملے۔ اور فرماتا ہے **و من یلعن فلن تجد لہ نصیرا** جسے خدا لعنت کرے اس کے لئے مددگار نہ پاؤ گے۔ **چھٹا اعتراض:** اسلام نے جہاد کیوں رکھا یہ تو فساد خونریزی ہے اسے عبادت کیوں قرار دیا۔ **جواب:** جیسے جسمانی زندگی توڑ پھوڑ سے قائم ہے غذا سے بھوک کو' پانی سے پیاس کو' دوا سے مرض کو' روشنی سے تاریکی کو' گرم لباس سے سردی کو' برف و ہوا سے گرمی کو توڑتے رہنے سے زندگی قائم ہے۔ گھاس کو دور کرنے سے کھیت کی بقاء ہے یونہی ایمانی زندگی میں کفر کو ایمان سے طغیان کو عرفان سے کفر کے زور کو جہاد سے توڑنے سے ایمانی بقاء ہے بغیر جہاد زندگی ناممکن ہے۔ مال' ملک' عزت کے لئے لڑنا فساد ہے رضاء الٰہی کے لئے کفار سے لڑنا جہاد۔

جنگ کافر فتنہ و غارت گری است　　　جنگ مومن سنت پیغمبری است

تفسیر صوفیانہ: جیسے دنیاوی حکومتیں تقسیم نعمت کے لئے ڈپو بنادیتی ہیں' رعایا ان ڈپوؤں پر جاکر رزق وغیرہ حاصل کرتی ہے' چینی' گندم' بجلی وغیرہ کے ڈپو قریباً" ہر شہر میں کھلے ہوئے ہیں رزق تقسیم ہوتا ہے۔ حکومت کی طرف سے مگر ملتا ہے ان مرکزوں سے رعایا کا وہاں ڈپوؤں پر جانا سلطان کی بغاوت نہیں بلکہ عین اس کی مرضی کے مطابق ہے۔ یونہی رب تعالیٰ نے اپنے ظاہری رزق کے بھی ڈپو مقرر کردیئے ہیں اور باطنی رزق کے بھی مرکز کھول دیئے ہیں۔ نور کا ڈپو سورج پانی کا مرکز کنوئیں دریا تالاب وغیرہ یونہی ایمان تقویٰ رحمت مغفرت کے ڈپو حضرات انبیاء کرام و اولیاء اللہ و علماء کرام کے آستانہ ہیں۔ غازیان اسلام دستگیری الٰہی مدد الٰہی کے مظہر ہیں۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے غازیو تم جہاد پر سستی کیسے کرسکتے ہو تم تو میری ولایت' میری نصرت' میری دستگیری کے مظہر ہو تمہارے لئے تو میرے مجبور معذور بندے ہاتھ اٹھا کر دعائیں مانگ رہے ہیں' یہ تو ظاہری مجاہدوں کا

حال ہے باطنی مجاہدین یعنی حضرات اولیاء اللہ کو بھی حکم ہے کہ تم نفس و شیطان سے جہاد کرنے میں سستی نہ کرو۔ جو لوگ نفس و شیطان کے چنگل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ ان کے دل 'ان کی روح 'ان کے جذبات ایمانی دعائیں کر رہے ہیں کہ خدایا کسی ولی کی نگاہ کرم اس طرف بھی ہو جائے۔ جو ہم کو نفس و شیطان کے چنگل سے چھڑا دے۔ نفس امارہ گویا کفرستان ہے 'شیاطین گویا کفار ظالم ہیں مومن کا دل و روح گویا ضعفاء مومنین ہیں جو ان کے ہاتھوں گرفتار ہیں۔ حضرات مشائخ کرام غازیان اسلام ہیں ان کے آستانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ منورہ ہیں کہ یہاں سے ہی مدینہ پاک کے فیوض تقسیم ہوتے ہیں اگر یہ حضرات ہماری دستگیری نہ کریں تو ہم کبھی ان کفار کے ہاتھوں سے چھوٹ نہیں سکتے۔

کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر ۔ کھول دو سینہ مرا فاتح مکہ آ کر!

سلطنت کیجئے اس جسم پہ سلطاں ہو کر ۔ آپ آ جایئے قالب میں مرے جاں ہو کر

مکہ زمین پر تو ایک بار جہاد ہو چکا مگر مکہ جسم پر ہمیشہ جہاد ہوتے رہیں گے۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ
وہ لوگ جو ایمان لائے جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا جنگ کرتے ہیں شیطان کی راہ میں
ایمان والے اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور کفار شیطان کی راہ میں لڑتے ہیں
الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿۷۶﴾ ع
تو جہاد کرو تم شیطان کے دوستوں سے بے شک فریب شیطان کا ہے کمزور
تو شیطان کے دوستوں سے لڑو بے شک شیطان کا داؤ کمزور ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں صورت جہاد کا ذکر تھا یعنی کفار سے جنگ کرنا اب روح جہاد کا تذکرہ ہے یعنی اخلاص سے رضاء الٰہی کے لئے ڈرنا گویا قالب جہاد کے بعد قلب جہاد کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ کمزور مسلمانوں کو چھوڑانے کے لئے جہاد کرو۔ جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ اسلامی جہاد اور کفار کی جنگوں میں کوئی فرق نہیں کہ وہ بھی قوم کے لئے لڑتے ہیں۔ مسلمان بھی قوم کی خاطر لڑتے ہیں اس آیت کریمہ میں ان دونوں جنگوں میں فرق بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مومن کا جہاد محض قومی ملکی نہیں بلکہ اللہ کے لئے ہے وہ قوم کی حمایت بھی اللہ کی رضا کے لئے کرتے ہیں۔ گویا پہلے جہاد کی نوعیت کا ذکر تھا اب اس سے شبہ کا ازالہ ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ غازیان مدینہ 'مکہ میں پھنسے ہوئے کمزور مسلمانوں کے والی و مددگار ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان کے والی ناصر یہ غازی ہیں اور ان غازیوں کے والی و حامی ہیں ہم ہماری مدد بہت قوی ہے تو غازی مسلمان بھی قوی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کی راہ میں اور ضعیف مسلمانوں کی آزادی کے لئے جہاد کرو۔ جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جہاد عبادت ہے عبادت میں رضاء الٰہی کے سواء کی نیت کرنا شرک ہے اب اس شبہ کو زائل کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے بندوں کی

www.alahazratnetwork.org

خدمت جب رضاء الٰہی کے لئے ہو تو شرک و ریاء نہیں بلکہ عبادت کی تکمیل ہے۔

تفسیر: **الذین اٰمنوا یقاتلون فی سبیل اللہ۔ الذین اٰمنوا** کبھی صرف مومن انسانوں کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی مومن جن وانس کے لئے اور کبھی اس میں مومن جن وانس و فرشتے سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسا مضمون ہو گا ویسا ہی **اٰمنوا** کا مقصد جن آیات میں حضور کے آداب و تعظیم کا حکم ہے وہاں مومن سے مراد تمام جن وانس و فرشتے ہیں کہ حضور کا ادب سب پر لازم ہے۔ دیکھو رب فرماتا ہے۔ اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ کرو یا اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو یہاں تمام جن وانس فرشتے سب ہی اس میں داخل ہیں اور سب پر حضور کا یہ ادب لازم ہے اور فرماتا ہے۔ اللہ اور اس کے فرشتے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ان پر درود بھیجو یہاں **اٰمنوا** سے مراد جن وانس ہیں فرشتے نہیں کہ فرشتوں کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ رب فرماتا ہے اے ایمان والو تم پر جہاد فرض ہے اس میں صرف مومن انسان داخل ہیں کیونکہ یہ جہاد مومن جنات پر فرض نہیں اور نہ کبھی جنات غازی صحابہ کے دوش بدوش جہاد میں لڑے لہذا یہاں **اٰمنوا** سے مراد مومن انسان ہیں کیونکہ آگے جہاد کا ذکر ہے۔ جو صرف انسانوں پر فرض ہے۔ ایمان سے مراد اخلاص والا ایمان ہے جو اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول ہے نفاق والا ایمان۔ جس پر بعض شرعی احکام مرتب ہو جاتے ہیں مراد نہیں کیونکہ منافقین راہ الٰہی میں جنگ نہیں کرتے تھے وہ تو غنیمت کے لئے لڑائی میں شریک ہو جاتے تھے۔ حقیقت ایمان نبی کو ماننا ہے توحید وغیرہ تو شیطان بھی مانتا ہے دین بدلتا ہے نبوت بدلنے سے عیسائیت یہودیت اسلام علیحدہ دین ہیں کیونکہ ان کے نبی علیحدہ ہیں۔ یقاتلون کا مفعول یہ پوشیدہ ہے یعنی کفار مرتدین وغیرہ اس میں باغیوں سے جنگ داخل نہیں کہ وہ کفار سے جنگ نہیں ہوتی نہ اسے جہاد کہا جاتا ہے اس لئے آگے مقابلہ میں کفار کا ذکر ہے یقاتلون دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی جہاد کرتے رہیں گے سبیل اللہ سے مراد اللہ کے دین کی مدد ہے جو رب تعالیٰ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔ یعنی مومن انسان ہمیشہ رضاء الٰہی کے لئے جنگ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے کس سے اصلی کفار سے یا مرتدین سے **والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت۔ الذین** کی تحقیق ابھی ہو چکی اس کے مقابل یہاں ہے یعنی اس سے کافر انسان مراد ہیں اور کافر عام ہیں مشرکین ہوں یا اہل کتاب اصلی کافر ہوں یا مرتدین یہاں قتال سے مراد ہے مسلمانوں سے لڑنا نہ کہ ان کا آپس میں جنگ و جدال طاغوت کی تحقیق بارہا ہو چکی کہ اس کے معنی ہیں سرکش اور حد سے نکل جانے والا اس سے مراد شیطان ہے شیطان کے راستہ سے مراد ہے کفر و بے دینی جس سے شیطان خوش ہوتا ہے اور اس لڑائی کے ذریعہ وہ شیطان تک پہنچتے ہیں یعنی ہر قسم کے کافر انسان کفر کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں جس سے شیطان خوش ہوتا ہے **فقاتلوا اولیاء الشیطن** ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزاء قاتلوا میں خطاب قیامت تک کے مسلمانوں سے ہے نہ کہ صرف صحابہ کرام سے اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی دوست مددگار حمایتی یعنی جب معاملہ یہ ہے اور تمہارے جہاد و کفار کی جنگوں میں یہ فرق ہے تو اے مسلمانو ان شیطان کے دوستوں حمایتوں اور ابلیس کے پجاریوں سے ضرور جہاد کرو۔ خیال رہے کہ یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے نہ کہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ **ان کید الشیطان کان ضعیفا** " یہ عبارت مسلمانوں کی ہمت بڑھانے ان سے وعدہ نصرت فرمانے کے لئے ہے چونکہ اس کا مضمون ظاہر کے خلاف معلوم ہوتا تھا کہ کفار اکثر بڑے ساز و سامان سے آتے تھے مسلمان ان کے مقابل کمزور نظر آتے تھے اس لئے اسے ان تاکیدیہ سے شروع فرمایا کید سے مراد کفار و شیاطین کے تمام ظاہری سامان اور اندرونی تدابیر ہیں کان دوام و استمرار کے

www.alahazratnetwork.org

لئے ہے یا بمعنی صار ہے ضعیف سے اضافی ضعف مراد ہے یعنی رب تعالیٰ کی امداد کے مقابل یا مسلمانوں کے اخلاص کے مقابل یعنی اس میں بالکل تردد نہ کرو یہ بالکل حق ہے کہ شیطان کی تمام ظاہری و باطنی طاقت اللہ تعالیٰ کی امداد کے یا اے مسلمانوں تمہارے اخلاص کے مقابل بہت ہی کمزور و ضعیف تھی اور ہے اور رہے گی یا اس کا ہر داؤ رب تعالیٰ کی مدد کے مقابل کمزور رہو تا رہا ہے اور ہو جاتا ہے اور ہو تا رہے گا اس میں در حقیقت مسلمانوں کو آئندہ فتح مندی کفار کی شکست کا وعدہ ہے جو پورا ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : مسلمانوں کے جہاد اور کفار کے جنگ و فساد میں فرق عظیم ہے مسلمان اگرچہ قوم مسلم کی حمایت کے لئے کفار سے جنگ کریں مگر ان کی جنگ ہمیشہ اللہ کی راہ میں ہوتی ہے ان کا اصل مقصد رب تعالیٰ کو راضی کرنا ہوتا ہے۔ رہے کفار وہ ہمیشہ کفر شرک بے دینی کی حمایت میں مسلمانوں سے لڑتے ہیں۔ شیطان اسی کا ذریعہ ہے اے مسلمانوں جب تمہاری اور ان کی لڑائیوں میں اتنا فرق ہے تو ہمت کرو ان شیاطین کے حامیوں مددگاروں سے جہاد کرو کفار کا حامی ابلیس ہے تمہارے ولی مددگار ہم ہیں یقیناً ہماری امداد کے مقابل تمہارے اخلاص کے مقابل شیطان کی تمام تدابیر کمزور و ضعیف ہیں اور رہیں گی۔ دیکھ لو میدان بدر میں شیطان تو کفار مکہ کی حمایت کے لئے آیا اور فرشتے تمہاری مدد کے لئے آئے۔ جب جنگ شروع ہونے لگی تو شیطان فرشتوں کو دیکھ الٹے پاؤں بھاگا اور بولا کہ جو میں دیکھ رہا ہوں تم نہیں دیکھتے میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں اور جنگ بدر میں جو نتیجہ ہوا تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ تم تھوڑے کفار بہت تم نہتے کفار ہتھیار بند مگر غالب تم آئے بلکہ ان فریبوں کی کمزوری اب بھی دیکھنے میں آتی ہے حرم مدینہ میں عصر سے عشاء تک وعظ ہوتے ہیں کہ حضور کے آگے ادب سے نہ کھڑے ہو وہاں ہاتھ نہ باندھو یہ شرک ہے مگر سامعین مواجہ شریف میں پہنچتے ہی یہ سب تعلیم بھول جاتے ہیں وہاں ہاتھ بھی باندھتے ہیں اور سب کچھ کرتے ہیں۔ پاک پتن شریف میں سال بھر شرک و کفر کے وعظ ہوتے ہیں مگر بابا صاحب کا بہشتی دروازہ محرم میں کھلتے ہی سال بھر کی یہ کوشش ختم ہو جاتی ہے ابو جہل اور ابو لہب کی تمام کوششیں حضور کے ایک معجزہ دکھا دینے پر فنا ہو جاتی تھیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد تاقیامت جاری رہے گا کبھی منسوخ نہ ہو گا جیسا کہ یقاتلون کی دوام و استمرار سے معلوم ہوا۔ جہاد کی وجہ کفار کی موجودگی ہے کفار تو قیامت تک رہیں گے تو جہاد بھی تاقیامت ہے جو لوگ جہاد کو منسوخ مانتے ہیں وہ اس آیت کریمہ سے عبرت لیں۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد اس جنگ کا نام ہے جو کفار سے ہو باغی مسلمانوں سے جنگ جہاد نہیں کہلاتی۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ و عائشہ صدیقہ کے ساتھ جنگ کی حالت میں اپنے سپاہیوں کو حکم دیا تھا کہ اپنے مقابل کے کسی بھاگتے ہوئے سپاہی کا پیچھا نہ کیا جائے ان کے مال نہ لوٹے جائیں انہیں قید نہ کیا جائے اور فرمایا کہ یہ ہمارے بھائی ہیں جو ہمارے خلاف بغاوت کر بیٹھے یہی اعلان امیر معاویہ کی طرف سے اپنے سپاہیوں میں تھا اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو یہ فائدہ **والذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ باغیوں سے جنگ در حقیقت اصلاح ہوتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** انشاء اللہ مسلمان اگر اخلاص سے جہاد کریں تو بفضلہ تعالیٰ کفار پر فتح پائیں گے جیسا کہ **کان ضعیفا** سے معلوم ہوا۔ مسلمان اپنی غلطی سے شکست کھاتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کفر و اسلام میں کبھی اتفاق و اتحاد نہیں ہو سکتا اگر کبھی ہوا تو عارضی ہو گا اور اس میں کفار کی چال ہو گی لہٰذا بجائے ان کی خوشامد کرنے کے مسلمانوں کو قوت

www.alahazratnetwork.org

پیدا کرنی چاہیے جیساکہ قاتلوا سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سارے کفار مسلمانوں کے مقابل ایک ہیں۔ اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلاف ہوں یہ فائدہ **والذین کفروا** کے اطلاق سے معلوم ہوا اس کا تجربہ اب بھی ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو متفق ہونے متفق رہنے کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: یہاں قرآن کریم فرما رہا ہے کہ شیطان کا فریب کمزور ہے مگر دوسرے مقام پر فرماتا ہے **ان کیدکن عظیم** تم عورتوں کا فریب بہت بڑا ہے آیات میں تعارض ہے نیز فرعونی جادوگروں کے متعلق فرماتا ہے۔ **و جاء وبسحر عظیم** اور فرماتا ہے **و ان کان مکرھم لتزول منہ الجبال** ان کے مکر سے پہاڑ ٹل جائیں۔ ان آیات میں موافقت کیونکر۔ **جواب:** یہاں شیطان اور شیطانی لوگوں کے فریب کو اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے مقابل کمزور فرمایا گیا ہے اور وہاں عورتوں کے فریب کو مردوں کے مقابل عظیم فرمایا نیز جادوگر اپنے خیال میں بڑا ہی جادو پیش کر رہے تھے مگر ان کی کمزوری ایسی ظاہر ہوئی کہ صرف ایک عصاء موسوی کے مقابل سب کا جادو فیل ہو کر رہ گیا ان آیات میں ظاہر کا ذکر ہے۔ اور یہاں حقیقت کا بیان یعنی بظاہر ابلیس اور ابلیسیوں کے مکر بہت بڑے ہیں مگر حقیقت میں کمزور جیسے پانی کا بلبلا جس کلو کھلاوا بہت ہے مگر حقیقت کچھ نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے جس میں باطل کو پانی کے اوپر کا کوڑا اور جھاگ فرمایا گیا اور حق کو موتی جھاگ و کوڑا دیکھنے میں بہت مگر موتی قیمت میں زیادہ۔ **دوسرا اعتراض:** اگر شیطان کا فریب کمزور ہے اور اللہ تعالیٰ کی مدد قوی اور شیطان کفار کا مددگار ہے اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی تو مسلمان کفار کے مقابل بارہا شکست کیوں کھا جاتے ہیں۔ **جواب:** یا اخلاص کی کمی سے یا اپنی کسی غلطی سے اگر فوج اپنے ہتھیار استعمال ہی نہ کرے اور شکست کھا جائے تو اس کی اپنی غلطی ہے اخلاص اور توکل علی اللہ مسلمانوں کا وہ ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** کفار ہمیشہ شیطان کی حمایت میں نہیں لڑتے وہ کبھی ملک گیری کے لئے بھی لڑتے ہیں پھر **یقاتلون** دوام کے لحاظ سے کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** کفار جب بھی مسلمانوں سے لڑیں گے تو اسلام کا مقابلہ کفر کی حمایت کا ارادہ کریں گے جیساکہ عموماً دیکھا گیا ہے اور اگر ملک کی خاطر ہی لڑیں تو بھی ملک لے کر کیا کریں گے کفر کی اشاعت یہ تو مسلمانوں پر نفس امارہ کی مار ہے کہ ملک حاصل کرکے اسلام کی اشاعت میں کوشش نہیں کرتے بلکہ اسلام کو مٹانے اسے تبدیل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں جیساکہ آج ہندوستان اور پاکستان کے حالات دیکھنے سے معلوم ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ قدیم ہے تو اس کی مدد حمایت بھی قدیم جب وہ کسی خاص جماعت کی مدد کرتا ہے تو دائمی مدد فرماتا ہے شیطان فانی ہے تو اس کی امداد بھی فانی دیکھو تو اللہ کے بندے اگرچہ زندگی فقر و فاقہ میں گزاریں مگر ان کا ذکر جمیل ان کے بعد بھی زمانہ بھر میں رہتا ہے یہ ہے اللہ کی مدد اور جابر بادشاہ اگرچہ زندگی شان و شوکت سے گزاریں مگر ان کے مرتے ہی ان کا نام بھی مر جاتا ہے بلکہ ان پر دائمی لعنت رہتی ہے یہ ہے شیطان کی مدد صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس و شیطان کتے کی طرح ہیں کہ اگر تو خود ان کا مقابلہ کرے تو تیرے کپڑے پھاڑ دیں اور اگر مالک سے فریاد کرے تو وہ انہیں تجھ سے چھوڑا دے نفس و شیطان ہمارے مقابل کمزور نہیں۔ رب کے سامنے کمزور ہیں ان کی شر سے بچنے کے لئے اللہ کی امان رسول کے سایہ میں رہو۔ اسی لئے فرمایا گیا **خلق الانسان ضعیفا** احمد ابن سہیل فرماتے ہیں کہ مومن کے دشمن چار ہیں۔ ایک دنیا اور اس کا ہتھیار مخلوق سے زیادہ خلط ملط ہے۔ اس سے بچاؤ مخلوق سے کنارہ کشی ہے۔ دوسرے شیطان اس کا ہتھیار شکم سیری ہے اور اس سے بچاؤ بھوکا رہنا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرے نفس امارہ اس کا ہتھیار زیادہ سونا ہے اس سے بچاؤ جاگنا رب کی یاد کرنا ہے۔ چوتھے ہوائی اس کا ہتھیار زیادہ بولنا ہے اس سے بچاؤ زیادہ خاموشی ہے۔ جب بندہ نفس کی ظلمتوں سے چھٹکارا پاکر نورانی بن جاتا ہے تو شیطان اس سے بھاگنے لگتا ہے۔ دیکھو حضرت عمر سے شیطان بھاگتا ہے۔ بڑا جہاد فی سبیل اللہ اپنے نفس سے جہاد ہے نفس سے مجاہدہ روح و دل کی قوت کا ذریعہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِیْنَ قِیْلَ لَهُمْ كُفُّوْۤا اَیْدِیَكُمْ وَ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ

کیا نہ دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کے کہا گیا ان سے روکو ہاتھوں کو اپنے اور قائم کرو نماز کو اور دو زکوٰۃ

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا جنہیں کہا گیا اپنے ہاتھ روک لو اور نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو

فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْیَةِ اللّٰهِ

پس جب لازم کیا گیا اوپر ان کے جہاد تو اچانک ایک گروہ ان میں سے ڈرتے تھے لوگوں سے مثل ڈرنے اللہ سے

پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا تو ان میں بعضے لوگوں سے ایسا ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرے یا اس

اَوْ اَشَدَّ خَشْیَةً ۚ وَ قَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَیْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْ لَاۤ اَخَّرْتَنَاۤ اِلٰۤى

یا زیادہ اس سے خوف اور کہا انہوں نے اے رب ہمارے کیوں لازم کیا تو نے ہم پر جہاد کیوں نہ مہلت دی تو

سے بھی زائد اور بولے اے رب ہمارے تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کردیا تھوڑی مدت تک ہمیں

اَجَلٍ قَرِیْبٍ ؕ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ ۚ وَ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۫

نے ہم کو تھوڑی میعاد تک آپ فرمادو کہ سامان دنیا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے واسطے اس کے جو پرہیزگار

اور جینے دیا ہوتا تم فرمادو کہ دنیا کا برتنا تھوڑا ہے اور ڈر والوں کے لئے

وَ لَا تُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ۝

ہو اور نہ ظلم کئے جائیں گے ڈورے برابر

آخرت اچھی تم پر آگے برابر ظلم نہ ہوگا

تعلق: اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیت سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ شیطان جنگ میں کفار کی حمایت کرتا ہے اور اسکی حمایت کمزور ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ شیطان مسلمان غازیوں کو بہکاتا ہے مسلمان اس سے آگاہ رہیں اسکے بہکانے میں نہ آجائیں یعنی شیطان کے ایک فریب کا ذکر پچھلی آیت میں تھا کفار کو جنگ پر ابھارنا اور اسکے دوسرے فریب کا ذکر اس آیت میں ہے یعنی مسلمانوں کو بزدل کرنا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب کئی طرح دی گئی تھی اب جہاد کے متعلق شکوک رفع فرمائے جارہے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم تھا اب وقت جہاد کا تذکرہ ہے کہ تمام عبادات کی طرح جہاد کیلئے بھی کوئی وقت ہے اور اسکی کچھ شرطیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی

www.alahazratnetwork.org

آیت میں مجاہدین کو فرمایا گیا کہ تمہارا مقابل ابلیس ہے۔ جو کمزور ضعیف ہے اب مسلمانوں کے دلوں سے جہاد کی ہیبت دفع کی جا رہی ہے کہ جہاد ڈرنے کی چیز نہیں یہ تو بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

شان نزول: عام مفسرین نے فرمایا کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں حضرت عبدالرحمان ابن عوف زہری مقداد ابن الاسود کندی قدامہ ابن مظعون تمی۔ سعد ابن ابی وقاص وغیرھم صحابہ کرام نے کفار مکہ کی طرف سے بہت ایذائیں تکالیف برداشت کیں۔ مگر جب انکی اذیتیں حد سے بڑھ گئیں تو ان حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ ہم کو اجازت دی جائے کہ ہم بھی ان موذی کفار سے کچھ بدلہ لیں ان سے جنگ کریں کہ انکی تکالیف برداشت سے باہر ہو رہی ہیں سرکار نے فرمایا ابھی مجھے رب تعالیٰ کی طرف اس کی اجازت نہیں ملی ابھی صبر کرو نمازیں پڑھو زکوۃ دو۔ بعد ہجرت جب جہاد کا حکم ہوا اور جنگ بدر کا موقعہ آیا تو بعض حضرات بشری فطرت کے تقاضے سے کچھ گھبرانے سے لگے اس موقعہ پر انکی تسلی کیلئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ (کبیر خازن خزائن صاوی روح المعانی و بیان مدارک وغیرہ) مگر تفسیر کبیر نے ترجیح اسے دی کہ یہ آیت منافقین کے متعلق اتری جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ پاک پہنچنے پر اپنا جوش ایمانی ظاہر کرنے کو اجازت جہاد مانگتے تھے پھر جب جہاد فرض ہو گیا تو بغلیں جھانکنے اور بہانہ بنانے لگے اور اس کی دلیل یہ دی جو کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **وان تصبھم حسنۃ** الخ کہ اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہتے ہیں یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی مصیبت پہنچے تو کہتے ہیں یہ آپکی طرف سے اور ظاہر ہے کہ ایسی گستاخی حضرات صحابہ کرام نہیں کر سکتے تھے یہ جراءت تو منافقین ہی کو تھی بہرحال اس آیت میں دونوں قرینے موجود ہیں۔ یہ بھی کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام کے متعلق ہو اور یہ بھی کہ یہ منافقین کے متعلق ہو لہٰذا آیت کی دو تفسیریں ہوں گی۔ فقیر کے نزدیک دوسرا قول قوی ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق ہے کیونکہ زکوۃ دیئے جاؤ زکوۃ تو اس وقت آئی ہی نہ تھی زکوۃ کے متعلق دیکھو در مختار شروع کتاب الزکوۃ اور مدارج النبوۃ وغیرہ لہٰذا اس آیت پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ حضرات صحابہ کرام پر کوئی طعنہ ہو سکتا ہے۔

تفسیر: الم تر الی الذین قیل لھم: ظاہر یہ ہے کہ ترٰ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور رویت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے نہ کہ صرف دل میں غور کرنا چونکہ رویت میں انتہا کے معنی ملحوظ ہیں اسلئے اسکے بعد الیٰ لایا گیا یعنی اے محبوب کیا آپ کی نظر ان تک نہ پہنچی، ضرور پہنچی ہے استفہام انکاری ہے اور تعجب دلانے کیلئے ہے اگر یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے متعلق اتری ہے تو الذین سے مراد وہی صحابہ ہیں ورنہ منافقین مراد۔ قیل لھم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان مراد ہے مگر ترٰی کی طرح، قلت مخاطب کا صیغہ ارشاد نہ ہوا کیونکہ وہ فرمان عالی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ تھا بلکہ رب تعالیٰ کا بھی تھا اس طرح کہ ہم نے آپ کی زبان و دہان سے یہ فرمان انہیں سنایا۔ **کفوا ایدیکم** کفوا کف سے بنا بمعنی رکنا یا روکنا یہاں بمعنی روکنا ہے چونکہ جہاد میں جنگ و قتال ہوتے ہیں جو ہاتھ کا کام ہے اسلئے ایدیکم فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ ایدی سے نفس و ذات مراد ہو یعنی ابھی اپنے ہاتھ یا اپنی ذات کو جہاد سے روکو۔ ابھی جہاد کرنا ممنوع ہے جس پر ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے کفوا امر ہے اور امر وجوب کیلئے ہوتا ہے **واقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ:** اگر اس میں خطاب صحابہ سے ہے تو معنی ہوں گے یوں ہی نماز قائم کئے رہو۔ زکوۃ دیئے جاؤ کیونکہ وہ حضرات پہلے ہی سے نمازی اور سخی تھے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یا یھا النبی**

www.alahazratnetwork.org

اتق اللہ اور اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ چونکہ تم نے کلمہ پڑھ لیا ہے لہذا نماز بھی قائم کرو اور زکوۃ بھی دیا کرو کہ تم شرعی طور پر مسلمان ہو چکے ہو جو ہم نے ابھی عرض کیا وہ خیال میں رہے کہ زکوۃ بعد ہجرت 2ھ میں فرض ہوئی (درمختار) لہذا یہ جواب قبل ہجرت **مکہ معظمہ** میں صحابہ کرام کو نہیں ہو سکتا۔ نماز قائم کرنے کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ علماء کے ہاں نماز ہمیشہ پڑھنا صحیح وقت پر پڑھنا صحیح طریقہ سے پڑھنا نماز قائم کرنا ہے اور صوفیاء کے ہاں ان تین چیزوں کے ساتھ چوتھی شرط ہے دل لگا کر پڑھنا ان چار صفتوں سے نماز قائم ہوتی ہے قلب و قالب دونوں کی نماز چاہئے تخم اگر صرف زمین کے اوپر ہو جڑ زمین کے اندر نہ پھیلے تو درخت قائم نہیں ہوتا **فلما کتب علیہم القتال** ف تعقیبیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ جہاد سے پہلے فرض ہو چکی تھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ زکوۃ فرض ہوتے ہی بہت جلد جہاد فرض ہو گیا۔ کیونکہ ف تعقیبیہ ہے بلا تراخی کیلئے آتی ہے بمعنی فوراً کتب بمعنی فرض و لازم ہے یعنی فرض کیا گیا لازم کیا گیا علیہم کی ضمیر یا صحابہ کرام کی طرف ہے یا ان منافقین کی طرف کیونکہ منافقین ظاہری کلمہ پڑھنے کی وجہ سے احکام شرعیہ کے مکلف تھے۔ قتال سے مراد یا مطلقاً جہاد ہے کہ اس کی فرضیت کا حکم اسلام میں آ گیا یا بدر کی جنگ مراد جبکہ اسباب جہاد جمع ہونے کی وجہ سے جہاد لازم ہو گیا۔ خیال رہے کہ ہجرت سے پہلے نبوت کے گیارہویں سال نماز فرض ہوئی معراج کی شب اور زکوۃ جہاد روزہ 2ھ میں مدینہ منورہ میں فرض ہوئے **اذا فریق منہم یخشون الناس کخشیۃ اللہ او اشد خشیۃ** یہ جملہ فلما کی جزاء کے قائم مقام ہے لہٰذا قائم مقام ف فریق منہم کی ضمیر اگر صحابہ کی طرف ہے تو مطلب یہ ہے کہ وہ تمام حضرات نہ ڈرے، جو جہاد کی اجازت مانگتے تھے بلکہ ان میں سے بعض لوگ اور اگر مرجع منافقین ہیں تو مطلب یہ ہے کہ تمام منافقین نے خوف گھبراہٹ ظاہر نہ کیا بلکہ ان میں سے ایک گروہ نے اور دوسرے گروہ نے ایسا مضبوط تقیہ کیا کہ دل کے خوف کو ظاہری علامات سے بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ یخشون کا مفعول مطلق خشیۃ پوشیدہ ہے وہی شبہ ہے اور خشیۃ اللہ میں خشیۃ کی اضافت مفعول کی طرف ہے اسکا فاعل پوشیدہ ہے او یا تو عاطفہ ہی ہے یا بمعنی بل یعنی جہاد فرض ہونے پر ان منافقین میں سے ہلکے درجہ کے منافق کفار مکہ سے ایسے ڈرنے لگے جیسے مومن اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ اور اگر مومن صحابہ مراد ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ فطری طبعی غیر اختیاری خوف انہیں کفار سے ایسا ہو گیا جیسے خدا تعالیٰ سے ہونا چاہئے بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ خوف باعث طعنہ نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا تھا۔ **وقالو ربنا لم کتبت علینا القتال** اگر یہاں توجہ کرم مسلمانوں کی طرف ہے تو قالوا سے مراد ہے انکا اعلانیہ یہ قول اور القتال سے مراد یا مطلقاً جہاد ہے یا بدر کا جہاد یعنی یہ حضرات حکم جہاد سنکر کہنے لگے کہ خدایا تو نے اتنی جلد ہم پر جہاد کیوں فرض فرما دیا یا بدر میں جہاد کیوں لازم ہو گیا ابھی تو ہم مدینہ منورہ پہنچ کر سنبھلے بھی نہیں اور اگر منافقین مراد ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ انہوں نے منہ سے تو کچھ نہ کہا دل میں بولے کہ خدایا جہاد کیوں فرض ہو گیا یہ تو ہمارا نفاق ظاہر کر دے گا **لولا اخرتنا الی اجل قریب** یہ جملہ بھی قالوا کا دوسرا مفعول ہے چونکہ یہ مستقل علیحدہ کلام ہے اسلئے درمیان میں واؤ نہ لایا گیا اس میں بھی دو وہی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ مخلصین کا قول ہو اور اجل قریب سے مراد تھوڑی مدت ہو یعنی ابھی کچھ روز اور جہاد فرض نہ ہوتا تاکہ ہم کچھ تگڑے ہو کر قوت پیدا کر لیتے یہ کلام رب پر اعتراض کیلئے نہیں بلکہ حکمت دریافت کرنے کو ہے جیسے فرشتوں نے خلیفۃ اللہ کی خبر پا کر عرض کیا تھا **اتجعل فیہا من یفسد فیہا** اور اگر منافقین کا قول ہے تو اجل قریب سے مراد اسکی اپنی موت کا وقت ہے اور یہ کلام اسلام یا رب تعالیٰ پر اعتراض کیلئے ہے یعنی جہاد کیوں فرض ہوا یہ تو بری چیز ہے جہاد نہ

www.alahazratnetwork.org

ہو تا تاکہ ہم کو اپنی موت کے وقت تک مہلت ملتی اور ہم اپنی طبعی موت مرتے نہ کہ میدان جنگ میں **قل متاع الدنیا قلیل** قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے متاع کے معنی ہیں برتنے کی چیز یعنی جو برت کر چھوڑ دی جائے کہ برتنے والا چلا جائے چیز ویسے ہی رہ جائے متاع دنیا سے مراد دنیا کی تمام نعمتیں ہیں کہ یہ تمام مل کر بھی آخرت کی ایک نعمت سے کہیں کم ہیں کہ یہ سب فانی ہیں اور آخرت کی نعمت باقی پھر یہ تمام آفتوں مصیبتوں سے مخلوط آخرت کی نعمتیں خالص یہ تمام نعمتیں مشکوک کہ نہ معلوم ہم انہیں برتیں یا نہ برت سکیں آخرت کی نعمتیں یقینی ہمارے استعمال کیلئے نیز دنیا قانونی جگہ ہے جہاں ہر چیز قانون کے مطابق ملتی ہے اور اس پر حساب بھی ہے آخرت دوستوں کیلئے محبت کی جگہ جہاں کسی چیز کا حساب نہیں دوکان پر کھانا قانونی ملتا ہے حساب سے دعوت میں محبت سے ملتا ہے بلا حساب دکان پر کھانا خریدار کی شان کے مطابق ملتا ہے دعوت میں گھر والے کی شان کے لائق دنیا تمہاری قابلیت کے لائق دی گئی آخرت رب کی شان کے لائق۔ خیال رہے کہ دنیا وہ ہے جو ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان ہوں یعنی پیدائش سے مرتے وقت تک یہ خیال رہے کہ قرآن کریم میں جب حضور سے قل فرمایا جاتا ہے تو کبھی اسکا تعلق رب تعالیٰ سے ہوتا ہے جیسے **قل اللھم ملک الملک** ہم سے یوں کہو کہ اے اللہ اے ملک کے مالک اس قل فرمانے کی حکمت یہ ہے۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی — اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند!

بلا تشبیہ اپنے پیارے بچے سے باتیں کہلوا کرسنتے ہیں کہ اسکے منہ کی بات پیاری معلوم ہوتی ہے کبھی روئے سخن کفار سے ہوتا ہے جیسے **قل یا یھا الکفرون** وہاں کفار پر غضب کا اظہار ہے کہ ہم ان بے ایمانوں سے کلام نہیں پسند فرماتے تم فرمادو **لا یکلھم اللہ** اور کبھی روئے سخن مسلمانوں سے ہوتا ہے جیسے **قل للمؤمنین یغضو امن ابصا رھم** وہاں حضور کے توسل کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ محبوب تم ہمارے اور مومنوں کے درمیان برزخ کبریٰ ہو جو ہم کو ان سے کہنا ہو تو ہم تم سے کہیں تم ان سے کہو یوں ہی جب انہیں کچھ ہم سے کہنا ہو تو یہ تم سے کہیں تم ہم سے عرض کرو بلا تشبیہ عدالت میں وکیل حاکم اور مدعی مدعی علیہ کے درمیان برزخ ہوتا ہے یہاں اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو قل سے ان لوگوں پر اظہار غضب ہے اور اگر روئے سخن صحابہ سے ہے تو یہاں توسل ہے **والاخرۃ خیر لمن اتقی** آخرت سے مراد یا تو جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں یا دنیا کے بعد کا زمانہ جس میں برزخ حشر اور بعد قیامت سب ہی داخل ہیں اتقی سے مراد ہے ہر مومن یا پرہیزگار مومن یعنی پرہیزگاروں مومنوں کیلئے آخرت دنیا سے کہیں خیر و بہتر ہے۔ خیال رہے کہ آخرت ہر مومن کیلئے دنیا سے خیر ہے اور متقی مومن کیلئے خالص خیر کہ وہاں تکلیف کا شائبہ بھی نہیں اور کافر کیلئے آخرت دنیا سے زیادہ خطرناک اسلئے ارشاد ہوا کہ دنیا مومن کیلئے قید خانہ ہے کافر کیلئے جنت۔ **ولا تظلمون فتیلا** ابن کثیر حمزہ کسائی کی قراءت میں ی سے ہے **لا یظلمون** اسکا نائب فاعل وہ ہی ہیں جنکا ذکر ابھی الم تر الی الذین میں ہوا یا سارے انسان ہیں یا ساری مخلوق باقی کے ہاں **لا تظلمون** ت سے ہے اس صورت میں اسکا تعلق **قل متاع الدنیا قلیل** سے ہے یعنی ان لوگوں سے فرمادو کہ سامان دنیا تھوڑا ہے اور فرمادو کہ تم پر مطلقاً ظلم نہ کیا جائے گا فتیل کی تحقیق پہلے ہو چکی کہ یہ فتل سے بنا بمعنی بٹنا فتیل بمعنی بٹا ہوا دھاگا اور اصطلاح میں کھجور کی گٹھلی کے گڑھے میں جو باریک چھلکا دھاگے کی طرح ہوتا ہے اسے فتیل کہتے ہیں۔ عرب میں کسی چیز کی انتہائی کمی بیان کرنے کیلئے اسکا ذکر فرمایا جاتا ہے یعنی تم لوگ رب کے ہاں اس دھاگے کے برابر بھی ظلم نہ کئے جاؤ گے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: گزشتہ تفسیر سے پتہ لگا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ہم اسکے مطابق ان دونوں تفسیروں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ **پہلی تفسیر:** اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے اپنے ان مہاجر صحابہ کو ملاحظہ نہ فرمایا جو مکہ معظمہ میں تو کہا کرتے تھے کہ ہم کو جہاد اور کفار سے لڑنے کی اجازت دیجئے اور ہم ان سے آپکی زبان پر فرماتے تھے کہ نہیں اپنے ہاتھ روکو انکی ایذائیں برداشت کرو۔ اس وقت تم صرف نمازیں قائم کرو زکوۃ دو کہ نماز و زکوۃ نفس کے ساتھ جہاد ہے اور جہاد بالنفس جہاد بالکفار سے مقدم ہے اسکے بعد کفار سے بھی جہاد کر لینا حکم آجانے پر پھر جب ان پر جہاد فرض کیا گیا اور غزوہ بدر کی طرف چلنے کا انہیں حکم دیا گیا تو ان میں سے سب تو نہیں بعض حضرات طبعی کمزوری اور فطرت بشری کی بناء پر کفار سے ایسے ڈرنے لگے جیسے قوی الاعتقاد مومن اللہ تعالٰی سے ڈرتے ہیں کہ اسکی ممنوعات کے قریب نہیں جاتے بلکہ اس سے بھی زیادہ انکے دل میں خوف کفار ہو گیا اور گھبراہٹ میں کہنے لگے کہ خدایا ابھی اتنی جلدی تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض فرمایا ابھی تو ہم نے مدینہ میں آکر چین کا سانس بھی نہ لیا اور کچھ مدت تک مہلت کیوں نہ دی کہ ہم قوت و طاقت پکڑ جاتے پھر جہاد فرض ہوتا اس میں حکمت کیا ہے اے محبوب آپ انہیں تسلی دے دو اور فرمادو کہ جہاد سے خوف کیسا وہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ تم شہید ہو کر دنیاوی زندگی اور یہاں کے ساز و سامان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے تو یقین کر لو کہ دنیا فقط برتنے کا سامان ہے وہ بھی بہت تھوڑا اور فانی اور پرہیزگاروں کیلئے آخرت دنیا سے بہتر ہے کیونکہ دنیا فانی ہے آخرت باقی دنیا مشکوک ہے آخرت یقینی دنیا آفتوں سے مخلوط ہے آخرت خالص دنیا قانون کی جگہ ہے آخرت محبت کی جگہ دنیا پابندیوں کی جگہ ہے آخرت آزادی کی جگہ دنیا میں تمہاری ہر خواہش پوری نہیں کی جاتی آخرت میں جو چاہو گے ملے گا کیونکہ دنیا میں شیطان شکاری کا جنگل ہے اسلئے یہاں پابندی ہے کہ تم شکار نہ ہو جاؤ وہاں شکاری کوئی نہ ہوگا آزادی ہوگی۔ دنیا میں دل کے ساتھ نفس بھی ہے جو بری چیزیں بھی چاہتا ہے۔ آخرت میں نفس نہ ہوگا لہذا وہاں تمہاری ہر خواہش پوری کی جائے گی۔ نیز دنیا میں ہر چیز غیب ہے آخرت میں ہر چیز شہادت گویا دنیا فراق کی جگہ ہے آخرت وصال کی جگہ ان وجوہ سے آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ ؎

سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ ۔۔۔ کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنے مدفن میں

خیال رکھو کہ تم پر کسی قسم کا معمولی سے معمولی ظلم نہ ہوگا کہ تمہاری نیکیاں بلاوجہ برباد ہو جائیں یا تم کو جرم سے زیادہ سزا دے دی جائے لہذا اعمال صالحہ میں جلدی کرو۔

دوسری تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے ان منافقین مدینہ کو نہ دیکھا جو اپنا نفاق چھپانے کیلئے جہاد فرض ہونے سے آپ سے تقاضے کرتے تھے کہ حضور ہم کو جہاد کی اجازت دیجئے تاکہ ہم خدمت اسلام میں اپنی جانوں کی قربانی کریں تو آپ ان سے فرمادیتے تھے کہ تم نماز و زکوۃ میں تو سستی کرتے ہو تم پر یہ آسان سی عبادتیں بھاری ہیں اور جہاد کی آرزو کرتے ہو نماز قائم کرو زکوۃ تو دو ابھی جہاد سے ہاتھ روکو پھر جب عنقریب ہی جہاد فرض ہو گیا انکے دلوں میں کفار کا خوف اتنا زبردست پیدا ہو گیا جتنا کہ مسلمانوں کے دلوں میں خوف خدا زبردست ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ کہ مسلمان کو رب کے خوف کے ساتھ اس سے رحمت کی امید بھی انہیں کفار سے خالص اور نرا خوف ہے اور لگے اسلام پر اعتراض کرنے کہ ہماری زندگی میں جہاد کیوں فرض ہو گیا ہمارے بعد ہوا ہوتا فرمادو کہ تم دنیا کے دلدادہ ہو جو بہت تھوڑی ہے اگر تم مخلص مومن متقی بن جاؤ تو آخرت

www.alahazratnetwork.org

تمہارے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے اور تم پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ تمہاری کوئی نیکی برباد نہ ہوگی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: زکوٰۃ کی فرضیت جہاد کی فرضیت سے پہلے ہے جیسا کہ فلما کی ف سے معلوم ہوا اور چاہئے بھی یہ تھا کہ نماز و زکوٰۃ میں اپنے نفس کی اصلاح ہے اور جہاد میں دوسروں کی اصلاح اپنی اصلاح دوسروں کی اصلاح سے پہلے ہونا ضروری ہے نیز نماز میں رب تعالیٰ کی تعظیم ہے اور زکوٰۃ میں مخلوق پر مہربانی جہاد میں دوسروں پر سختی ہے یقیناً وہ دونوں جہاد سے پہلے ہونی چاہئیں۔ دوسرا فائدہ: قوی یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق اتری ہے کیونکہ اس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جہاد کا مطالبہ زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد ہوا تھا اور زکوٰۃ بعد ہجرت 2ھ میں فرض ہوئی ہجرت سے پہلے زکوٰۃ تھی ہی نہیں بلکہ اس وقت تک صرف نماز تھی نماز میں بھی جمعہ 'عیدین بعد ہجرت فرض ہوئی۔ تیسرا فائدہ: نماز زکوٰۃ جہاد سے افضل ہے یہ بھی فلما کی ف سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ف تعقیب کیلئے ہے جسکے معنی ہیں پیچھے ہونا جہاد زکوٰۃ سے رتبہ میں پیچھے ہے ہاں بعض سخت حالات میں جہاد نماز سے مقدم ہو جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ خندق میں جہاد کی وجہ سے چند نمازیں قضا فرمائیں۔ چوتھا فائدہ: مخلوق سے خوف خلاف ایمان نہیں جیسا کہ اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات اس قدر خوف کفار کے باوجود مومن صحابی رہے مگر یہ خوف ایذا کا ہے نہ کہ خوف اطاعت جیسا کہ سانپ سے خوف ہر مومن کو ہوتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عصا کے سانپ بن جانے پر اس سے خوف فرمایا اور فرعون و ہامان وغیرہ سے آپکے دل میں خوف ہوا۔ پانچواں فائدہ: اسلامی قوانین کی حکمتیں پوچھنا جبکہ سمجھنے کیلئے ہو اعتراض کی غرض سے نہ ہو ایمان کے منافی نہیں یہ فائدہ بھی آیت کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضرات صحابہ نے عرض کیا **لم کتبت علینا القتال** مگر رب تعالیٰ نے انکی نمائش فرمادی اظہار غضب نہ فرمایا فرشتوں نے خلیفۃ اللہ کے تقرر پر رب تعالیٰ سے انکے تقرر کی حکمت پوچھی یہ انکی شان کے خلاف نہ ہوا۔ چھٹا فائدہ: دنیا کتنی بھی زیادہ ہو مگر آخرت یعنی جنت کے مقابل بہت تھوڑی ہے۔ قلیل یعنی کم دو قسم کا ہے بذات خود کم یعنی حقیقی تھوڑا جیسے ایک کا عدد کہ تمام عددوں سے کم ہے اور نسبتی تھوڑا یعنی اضافی کم جیسے ایک ہزار کہ یہ خود تو بہت بڑا عدد ہے مگر ایک لاکھ سے کم ہے دنیا ہر طرح کم ہے۔ حقیقتہً بھی کم کہ یہ فانی ہے جنت باقی یہ مصیبتوں سے گھری ہوئی ہے جنت ان سے صاف یہ مشکوک ہے نہ معلوم ہم اس سے فائدہ اٹھا سکیں یا نہیں کل ہی فنا ہو جائیں جنت کی نعمتیں یقینی اور دنیا نسبتہً بھی کم یعنی جنت کی نعمتوں کے مقابلے میں بھی کم کیونکہ جنت قیمتی مسلم شریف نے حضرت مستورد ابن شداد سے روایت کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا آخرت کے مقابل ایسی ہے جیسے کوئی اپنی انگلی دریا میں ڈالے جس سے وہ بھیگ جائے تو جو نسبت انگلی کی اس تری کو سمندر سے ہوگی وہ ہی نسبت دنیا کی آخرت سے ہے (خازن) نیز جنتی حور کی مانگ کی لڑی کا ایک موتی اور جنتی نہروں کی تہہ کی زنجیری کا ایک موتی تمام دنیا کے خزانوں سے زیادہ قیمتی ہے۔

ساتواں فائدہ: مومن کیلئے آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے مگر کافر کیلئے دنیا آخرت سے کہیں زیادہ آرام دہ ہے کہ وہ یہاں آرام سے ہے پھر دوزخ میں مصیبت اٹھائے گا جیسا کہ **لمن اتقی** سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم سزا نہ دیگا کہ اسے یہاں ظلم فرمایا گیا رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے لہٰذا کفار کے نا سمجھ بچے جو لڑکپن میں فوت ہو گئے دوزخی نہیں۔

نواں فائدہ: منافقین پر جہاد بہت بھاری ہے وہ اس سے بہت ہی گھبراتے ہیں جان چراتے ہیں جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا لہٰذا مرزا قادیانی نبی ولی تو کیا مومن بھی نہ تھا کہ وہ جہاد سے بہت ہی ڈرتا تھا۔ جہاد کو اس ڈر سے منسوخ مانتا تھا

www.alahazratnetwork.org

کہ اسی ڈر سے جج کو نہ گیا۔ دسواں فائدہ: منافقین کے دل میں اللہ کا خوف کم ہوتا ہے۔ انسانوں کا خوف زیادہ یہ فائدہ بھی اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: مومن رب کے احکام بغیر چون و چرا مان لیتا ہے مگر منافق عمل تو کرتا نہیں جرح زیادہ کرتا ہے یہ کیوں ہوا کیسے ہوا رب تعالیٰ عمل کی توفیق بخشے یہ فائدہ بھی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ منافقین اعتراضاً کہتے تھے لم کتبت علینا القتال بارہواں فائدہ: منافقین پر ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے شرعی احکام نماز روزہ جہاد وغیرہ فرض ہو جاتے ہیں۔ جن کا انہیں حکم دیا جاتا ہے اور نہ کرنے پر عتاب ہوتا ہے یہ فائدہ بھی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ منافقوں سے فرمایا گیا نماز قائم کرو زکوۃ دو پھر وہ خود بھی کہتے تھے۔ خدایا تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا۔

پہلا اعتراض: اگر یہ آیت مہاجرین صحابہ کے متعلق نازل ہوئی جیسا کہ پہلی تفسیر سے معلوم ہوا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ نہ نماز پڑھتے تھے نہ زکوۃ دیتے تھے دیکھو ان سے کہا جا رہا ہے نماز قائم کرو زکوۃ دو اگر یہ حضرات پہلے ہی سے یہ عبادات کرتے ہوتے تو انہیں یہ حکم کیوں ہوتا (روافض) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آپ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم خدایا ہم کو سیدھی راہ کی ہدایت دے تو کیا آپ گمراہ ہیں جو ہدایت کی دعا کر رہے ہیں۔ جیسے آپ اپنے متعلق کہیں گے کہ یہ استقامت کی دعا ہے یعنی ہم کو سیدھی راہ پر قائم رکھ ایسے ہی یہاں استقامت کا حکم ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد ہے لوگوں میں نماز قائم کرنا پھیلانا اور لوگوں میں زکوۃ دینے کا چرچا کرنا یعنی کفار کی تبلیغ سے پہلے مسلمانوں کو پختہ مسلمان بناؤ وہ حضرات ہمارے لئے ہدایت کے تارے ہیں۔ دوسرا اعتراض: او عربی میں شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے رب تعالیٰ شک سے پاک ہے پھر اس نے یہاں او کیوں فرمایا او اشد خشیۃ جواب: یہاں او بمعنی بل ہے یا بمعنی واؤ اور اگر شک کیلئے ہو تو شک سامعین بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی نسبت سے جیسے رب تعالیٰ نے فرمایا الی مائۃ الف او یزیدون یعنی اے مسلمان اگر تو منافقوں کا ڈر خوف دیکھے تو کہے کہ یہ تو اتنا ڈرتے ہیں جتنا مومن خدا سے ڈرتے ہیں یا اس سے زیادہ ڈرتے ہیں (تفسیر کبیر) تیسرا اعتراض: اگر یہ آیت کریمہ صحابہ کرام کے متعلق ہے جیسا کہ عام مفسرین نے فرمایا تو معلوم ہو گا کہ حضرات صحابہ کرام بہت بزدل تھے انکے دل میں خوف خدا کم تھا کفار سے خوف زیادہ تھا۔ جواب: یہ غلط ہے اگر واقعی یہ آیت ان بزرگوں کے متعلق ہے تو یہ خوف فطرت بشری سے تھا۔ خدا سے خوف مع امید کے ہوتا ہے ان کفار سے خوف ناامیدی کے ساتھ تھا نیز یہ خوف ایذا تھا جیسا سانپ سے ڈر پھر یہ خوف بھی اولا" تھا بعد میں ان ہی حضرات نے کفار سے بڑے بڑے مقابلے کئے بدر میں تین سو تیرہ ایک ہزار کے مقابل معرکہ آراء ہو گئے جنگ یرموک میں چالیس ہزار صحابہ ساٹھ لاکھ عیسائیوں کے مقابل آئے اور چند روز میں فاتح بنے یہ وہ ہی حضرات تھے آپ نے کونسی بہادری دکھائی جو ان پر اعتراض کر رہے ہو۔ رب تعالیٰ کا ان سے یہ خطاب انہیں جوش دلاتے بہادر بنانے کیلئے ہے نہ کہ انکی برائی کیلئے۔ چوتھا اعتراض: اگر یہ آیت صحابہ کرام کے متعلق ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضرات خدا تعالیٰ پر اعتراض کرتے تھے اسلامی احکام سے ناراض دیکھو رب تعالیٰ نے انکا کلام نقل فرمایا لم کتبت علینا القتال اور رب تعالیٰ پر اعتراض کفر ہے۔ جواب: اس صورت میں یہ کلام اعتراض کیلئے نہیں بلکہ حکمت دریافت کرنے کیلئے ہے کہ جہاد میں طاقت و قوت شرط ہے ہم ابھی مدینہ منورہ میں نو وارد ہیں ہم میں طاقت آئی نہیں جہاد کیسے کریں گے یہ سوال تو فرشتوں نے بھی کیا تھا خلیفۃ اللہ کے

www.alahazratnetwork.org

تقرر کے وقت۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظلم پر تو قادر ہے مگر کرے گا نہیں کیونکہ اس نے اپنی تعریف یہ فرمائی کہ ہم بندوں پر ظلم نہیں کرتے اور تعریف جب ہی ہوتی ہے جبکہ برائی کر سکے مگر نہ کرے جو برائی پر قادر ہی نہ ہو تو اسکی تعریف کیسی۔ گونگے کی تعریف نہیں ہوگی کہ وہ جھوٹ نہیں بولتا نامرد کی تعریف نہیں ہوتی کہ وہ زنا نہیں کرتا (معتزلہ) نوٹ: یہ اعتراض معتزلہ کی طرف سے تفسیر کبیر نے یہاں نقل فرمایا آج فضلاء دیوبند یہ ہی اعتراض مسئلہ امکان کذب کے متعلق کرتے ہیں۔ جواب: یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ تعریف کیلئے قدرت علی الجرم ضروری ہے ورنہ رب تعالیٰ کی تعریف یہ بھی کی جاتی ہے لم یزل ولا یزال حیا "قیوما سمیعا" اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہیگا سمیع ہے بصیر ہے قیوم ہے تو کیا کہو گے کہ وہ مرنے گونگا بہرا اندھا ہو جانے پر قادر تو ہے مگر ایسا ہو گا نہیں۔ نعوذ باللہ جیسے موت وغیرہ عیوب الوہیت کے خلاف ہیں ایسے ہی ظلم جھوٹ بھی الوہیت کے منافی ہیں رب تعالیٰ ان سے پاک ہے۔

تفسیر صوفیانہ: روح انسانی عالم انوار کا پرندہ ہے جو اس جسم کے قفس میں مقید کر دیا گیا ہے۔ مگر یہ چڑیا اس پنجرے پر ایسے عاشق ہو گئی کہ اپنا وطن بھول گئی اب اس پنجرے سے نکلنا نہیں چاہتی چونکہ راہ حق میں جہاد و شہادت اس پنجرے کی قید سے اسے آزادی ملنے کا ذریعہ ہے تو بجائے خوش ہونے کے جہاد و شہادت سے گھبراتی ہے اسلئے کہتی ہے کہ مولیٰ تو نے جہاد کیوں فرض کیا مجھے اس قفس میں رہنے دے یہ تمام گھبراہٹیں اس ناجائز عشق و محبت کا نتیجہ ہیں جو اسے قفس سے ہو گیا امام قشیری فرماتے ہیں کہ ہم میزبان اپنے مہمان کی خاطر تواضع خوب کرتے ہیں مگر سامان خاطر کو قلیل اور تھوڑا ہی کہتے ہیں لیکن اگر مہمان تھوڑا ہدیہ پیش کر دے تو اسے اپنے کرم سے بہت تصور کرتے ہیں رب العالمین نے ہم کو تو دنیا کا مالک بنایا پھر فرمایا کہ یہ بہت تھوڑی ہے لیکن اگر ہم صدق دل سے ایک پیسہ اسکی راہ میں خرچ کریں تو اسے کثیر قرار دے کر کرم و بندہ نوازی سے بخوشی قبول فرماتا ہے یہ ہے اس مولیٰ کریم کا انتہائی کرم جب دنیا خسیس ہے تو اسکا طالب اخس۔ اخس خسیس ہے یعنی بد سے بدتر۔ مبارک ہے وہ جو اس خسیس و قلیل دنیا کو آخرت اور رضاء مولیٰ سے وابستہ کر دے تاکہ یہ خسیس شریف بن جائے اور قلیل کثیر ہو جائے۔ قطرہ دریا سے مل کر دریا بن جاتا ہے صفر عدد سے مل کر دس گنا دیتا ہے یوں ہی دنیا آخرت سے مل کر دس گنا کر دیتی ہے جسکے پاس جتنا بڑا عدد ہے اسکی دنیا اسی قدر اس کو زیادہ کریگی۔ دنیا عقبیٰ سے مل کر نعمت لازوال ہو جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے برادر بے نہایت درگہے است ۔۔۔ ہر کجا کہ میرسی باللہ بائست

مشائخ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آخرت کو دار الجزاء بنایا اور دنیا کو دار العمل کیونکہ ہمارے عمل تھوڑے ہیں جو چھوٹی سی دنیا میں سما جاتے ہیں مگر اسکی جزاء بہت ہی زیادہ ہے جو دنیا میں سما نہیں سکتی بڑی چیز کیلئے برتن بھی بڑا چاہیئے۔ نیز رب تعالیٰ کی جزاء و سزاء خالص ہے دنیا میں نہ راحت خالص نہ تکلیف خالص۔ خیال رہے کہ بعض کی نیکیاں قبول ہوتی ہیں۔ بعض کی رد۔ قبولیت کی علامت دنیا میں قائم کر دی گئی ہے۔ اسکا ظہور آخرت میں ہو گا قبولیت کی علامتیں تین ہیں۔ عبادات میں لذت آگے زیادتی کی توفیق اور ادا کی ہوئی عبادت پر شکر جس شخص کو یہ تین نعمتیں میسر ہوں انشاء اللہ اسکی عبادات قبول اب پڑھو یہ آیت کریمہ والاخرۃ خیر لمن اتقی صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیکی کے آگے گہری گھاٹیاں ہیں جو ان گھاٹیوں کو خیریت سے طے

www.alahazratnetwork.org

کرگیا وہ متقی ہے۔ مجاہدہ نفس، مخالفت ھوی، ترک دنیا پر صبر رب کی عبادات پر راحت و چین جسے یہ میسر ہے وہ متقی ہے۔ اور متقی کی آخرت دنیا سے بہتر ہے۔

اَیْنَ مَا تَكُوْنُوْا یُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِیْ بُرُوْجٍ مُّشَیَّدَةٍؕ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ
جس جگہ بھی ہوؤ گے تم پالے گی تم کو موت اگرچہ ہو ؤ تم مضبوط محلوں میں اور اگر پہنچتی ہے
تم جہاں کہیں ہو موت تمہیں آئے گی اگرچہ مضبوط قلعوں میں ہوؤ اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے
حَسَنَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِۚ وَ اِنْ تُصِبْهُمْ سَیِّئَةٌ یَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ
ان کو بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کے پاس سے ہے اور اگر پہنچتی ہے ان کو برائی تو کہتے ہیں یہ آپ کے
تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف
مِنْ عِنْدِكَؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِؕ فَمَالِ هٰۤؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا یَكَادُوْنَ
پاس سے ہے تم فرما دو کہ سب کچھ اللہ کے پاس سے ہے پس کیا ہے اس قوم کو کہ نہیں قریب
سے ہے تم فرما دو سب اللہ کی طرف سے ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کوئی بات سمجھتے
یَفْقَهُوْنَ حَدِیْثًا(۷۸)
ہوتے کہ سمجھیں کوئی بات
معلوم ہی نہیں ہوتے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگ انسانوں سے بہت ڈرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے جہاد سے گھبراتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ ڈر محض بیکار بلکہ مضر ہے کیونکہ موت تو بہرحال آکر رہے گی۔ پھر کفار سے ڈرنے جہاد سے باز رہنے کا فائدہ کیا گویا انکی ایک بیماری کا ذکر پہلے تھا اور اسکے علاج کا ذکر اب ہو رہا ہے یہ خیال پکا لو کہ موت ضرور آئیگی تو تمہارے دل سے خوف کفار نکل جائے گا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے ایک عیب کا ذکر تھا کفار سے خوف موت سے گھبراہٹ اب انکے دوسرے عیب کا ذکر ہے اللہ تعالٰی سے بے خوفی اور اسکے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگانا اور کہنا کہ انکی وجہ سے مصیبتیں آتی ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کی بزدلی کا ذکر تھا اب انکی حماقت و بے وقوفی کا تذکرہ ہے کہ یہ بیوقوف اس ذات کریم سے بدفالی لیتے ہیں جنکا وجود باجود کروڑہا نعمتوں کا ذریعہ ہے اور جنکا لقب رحمۃ للعالمین ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے کچھ عیوب بیان ہوئے بزدلی رب تعالٰی پر اعتراض اب ان تمام عیوب کی وجہ کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچاننا حضور کے متعلق برے عقیدے رکھنے کہ تمام بے دینی کمزوری بیوقوفی ایک اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو ان سے جدا ہوا ہزارہا عیوب کا جامع بن گیا۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: منافقین و یہود نے شہداء احد کے متعلق کہا کہ اگر یہ لوگ ہمارا کہنا مانتے اور غزوہ احد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے دل میں تو وہ لوگ انکی شہادت پر خوش تھے مگر زبان سے اظہار افسوس کرتے ہوئے یہ کہتے تھے انکی تردید میں اس آیت کا پہلا جزء **این ما تکونوا** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن و روح وغیرہ) زمین مدینہ منورہ بہت سرسبز شاداب پھل فروٹ کا مخزن تھی۔ جب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت فرما کر مدینہ پاک میں رونق افروز ہوئے اور یہود مدینہ کو دعوت اسلام دی تو اکثر یہود نے سرکشی کرتے ہوئے حضور کی مخالفت پر کمر باندھ لی اور ان میں سے بعض لوگ تقیہ کر کے کلمہ پڑھ کر مسلمانوں میں گھس آئے اور طرح طرح سے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے لگے۔ جسکی سزا میں کبھی وہاں وقت پر بارش نہ ہوتی کبھی پھل کم ہوتے جیسے کہ گزشتہ امتوں کا حال ہوتا رہا ہے تو مردود یہودی اور منافقین بولے کہ نعوذ باللہ ان صاحب (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدم آنے سے ہمارے ہاں کی خیر و برکت کم ہو گئی۔ یہ سب مصیبتیں ان کی آمد سے ہوئیں انکی تردید میں یہ آیت کریمہ **وان تصبھم حسنۃ** نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن' مدارک' بیضاوی' روح المعانی و بیان وغیرہ) خیال رہے کہ ایسی بکواس گزشتہ امتوں نے اپنے انبیاء کرام کے متعلق کی تھی۔ چنانچہ رب فرماتا ہے **وان تصبھم سیئۃ یطیروا بموسی ومن معہ** اور صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے قالوا اطیرنا بک و بمن معک' ہر زمانہ کے کفار کی بکواس قریبا" یکساں رہی اب بھی بعض کفار مسلمانوں کو منحوس کہتے ہیں بلکہ بعض جاہل مسلمان نمازی پرہیزگار متقی مسلمان کو منحوس اور اسکے نیک اعمال کو نحوست کہتے سنے گئے۔ یہ سب ان ہی شیاطین کا ترکہ ہے۔

تفسیر: **این ما تکونوا یدرککم الموت** ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا اور علیحدہ جملہ ہے رب تعالیٰ کا مقولہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی گزشتہ آیت کے قل کا مفعول ہو۔ بحالت نصب ہو۔ این حرف استفہام ہے جو مکان کے متعلق سوال کیلئے آتا ہے بمعنی کہاں مگر جب اسکے ساتھ ما تنکیر یہ مل جاتا ہے تو بجائے استفہام مکانی کے شرط مکانی کیلئے استعمال ہوتا ہے بمعنی جہاں کہیں۔ تکونوا کون سے بنا بمعنی ہونا یا رہنا یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں اس میں خطاب ان ہی منافقین سے ہے جن کا قول پچھلی آیت میں نقل فرمایا گیا تھا جہاں کہیں سے مراد گھر' جنگل' میدان' جہاد' اپنا بستر وغیرہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خطاب ان منافقین سے ہے جو کہتے تھے کہ اگر شہداء احد ہمارے پاس رہتے اور میدان جہاد میں نہ جاتے تو نہ مارے جاتے۔ بہرحال یہ کلام منافقین سے ہی ہے **مخلصین** مومن تو پہلے ہی سے یہ عقیدہ رکھتے تھے (خازن) **یدرککم** این ما کی جزا ہے ادراک کے معنی ہیں پانا اسلئے علم کو ادراک کہتے ہیں کہ اسکے ذریعہ مجہول چیز پالی جاتی ہے موت سے مراد مطلقاً موت ہے۔ بستر پر کریا میدان جہاد میں گھر میں ہو یا سفر میں موت کے معنی ہیں روح کا جسم سے نکل جانا اسکا مقابل ہے حیوۃ یعنی زندگی جسم میں روح کا رہنا ہلاکت اور فنا کے معنی ہیں نیستی اسکا مقابل ہے وجود یعنی ہستی یہ ہر مخلوق کو ہے لہٰذا موت و ہلاکت و فنا میں فرق ہے موت کے اقسام دوسرے پارہ میں بیان ہو چکے اور فوائد میں موت و ہلاکت کا فرق آئے گا۔ اس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ موت تمہارے پیچھے پیچھے پھر رہی ہے تم اس سے بھاگ کر بچ نہیں سکتے اگرچہ رزق بھی اپنے کھانے والے کو ڈھونڈتا ہے اور بندہ جہاں ہو وہاں پہنچتا ہے مگر چونکہ بندہ بھی رزق کو تلاش کرتا ہے موت کی تلاش نہیں کرتا بلکہ اس سے گھبراتا ہے اسلئے موت کے متعلق ہی یہ کلمہ **یدرککم** ارشاد ہوا اگرچہ کم میں خطاب اس زمانہ کے منافقین و یہود سے ہے مگر اس میں تمام زمین و آسمان کے جاندار داخل ہیں کہ سوا جنت اور وہاں کی

www.alahazratnetwork.org

چیزیں حوروں وغیرہ کے سب کو موت و فنا ہے جنت اور جنتی چیزیں موت سے محفوظ ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں کے پھل وغیرہ استعمال سے بھی نہ فنا ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے' **اکلھا دائم** جیسے دنیا میں ہوا دھوپ ہمارے استعمال سے فنا یا کم نہیں ہوتے **ولو کنتم فی بروج مشیدۃ** ولو کلو او وصلیہ ہے معنی اگرچہ کنتم میں وہی دو احتمال ہیں جو تکونوا میں تھے یعنی ہو' تم یا رہو تم۔ بروج جمع ہے برج کی معنی ظہور اسی سے ہے تبرج معنی ظاہر ہونا یا ہر نکل کر اپنے کو ظاہر کرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی** اے نبی کی بیویوں اپنے کو لوگوں پر ظاہر نہ کرو یا ہر نہ نکلو پچھلی جاہلیت کے ظہور کی طرح اب اونچے بلند قلعوں کو بھی برج کہتے ہیں کہ وہ بلندی کی وجہ سے دور سے نظر آتے ہیں سب پر ظاہر ہوتے ہیں آسمان کے بارہ حصوں کا نام بھی برج ہے **والسماء ذات البروج** اور **جعل فی السماء بروجا** یہاں قلعہ اور اونچے محل مراد ہیں۔ **مشیدۃ** شید سے بنا معنی چونا گچ شیدہ گچ کئے ہوئے مضبوط قلعے اسی سے ہے **تشید** معنی پختہ کرنا پختہ بنانا بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد زمین کے مضبوط قلعے ہیں بعض نے کہا آسمان کے بروج امام سدی اور ربیع فرماتے ہیں کہ یہ آسمان دنیا میں محل ہیں (روح المعانی) یعنی اے جہاد سے ڈرنے والو یقین کرلو کہ تم جہاں کہیں رہو موت تم کو پاکر رہے گی اس سے بچ نہیں سکتے اگرچہ تم زمین کے مضبوط اونچے قلعوں میں رہو یا آسمان کے برجوں میں پہنچ جاؤ پھر موت سے کیا ڈرنا ہے گھر پر بیمار رہ کر ایڑیاں رگڑ کر مرنے سے بہتر ہے جہاد میں شہادت کی موت مرنا **وان تصبھم حسنۃ یقولوا ھذہ من عند اللہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں منافقین اور یہود کے دوسرے عیب کا ذکر ہے **حسنۃ** سے مراد دنیا کی بھلائی ہے وقت پر بارش اچھی پیداوار' ارزاں نرخ وغیرہ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ میں فتح اور غنیمت کا حصول ہے مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے کہ شان نزول کے مطابق ہے یقولوا کے فاعل وہی منافقین اور یہود جنکا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے ھذہ سے اشارہ ہے اسی حسنہ کی طرف ہے من عند اللہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ بھلائی براہ راست رب کی طرف سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اس میں کوئی واسطہ نہیں اسلئے رب تعالیٰ نے انکا یہ قول عیب کے سلسلہ میں بیان فرمایا ورنہ صرف اتنی بات تو سچی ہے یعنی اگر ان لوگوں کو کوئی بھلائی ارزانی' زیادہ پیداوار ہر وقت بارش وغیرہ پہنچتی ہے تو کہتے ہیں کہ حضور کی اس میں کیا برکت ہے یہ تو رب نے بھیجی ہم کو مل گئی۔ انکے مدینہ پاک آنے سے ہم کو کوئی فائدہ نہیں ہوا **وان تصبھم سیئۃ یقولوا ھذہ من عندک** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے **سیئۃ** سے مراد تکلیف یا تکلیف دہ چیز ہے جیسے بے وقت بارش یا خشک سالی یا گرانی' پیداوار میں کمی۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنگ میں شکست پانا' زخمی ہو جانا شہادت پا جانا مگر پہلا قول قوی ہے عندک میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کر رہے ہیں عند سے انکی مراد وجہ یا نحوست ہے یعنی اگر انہیں کبھی اپنی بدکرداریوں کی وجہ سے کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو بے حیائی سے کہہ دیتے ہیں کہ اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہ آپکی وجہ سے آپ کے مدینہ منورہ تشریف لے آنے کے سبب سے ہے معاذ اللہ منہ۔ **قل کل من عند اللہ** یہ ان یہود و منافقین کی آخری بکواس کا جواب ہے۔ کل سے مراد ہر بھلائی برائی خوشی و غم آرام و تکلیف ارزانی گرانی وغیرہ ہے عند اللہ سے مراد اللہ کے ارادے اسکی ایجاد ہے یعنی ہر نیکی آرام و تکلیف رب تعالیٰ کے ارادے اسکی مشیت سے ہے اگرچہ تکالیف میں تمہاری بدکاریوں کو دخل ہے اور آرام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت شامل رب فرماتا ہے **وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم** جو مصیبت تم کو پہنچی وہ تمہارے ہاتھوں کی کمائی کی وجہ سے ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا و جعلنی مبارکا اینما کنت' رب تعالیٰ نے مجھ کو برکت والا بنایا میں جہاں

www.alahazratnetwork.org

بھی ہوں مرے دم قدم سے برکت ہوگی **فمال ھٰؤلاء القوم لا یکادون یفقھون حدیثا** یہ کلام نیا ہے رب تعالیٰ کا اپنا مقولہ ہے قل کے ماتحت نہیں ما استفہام تعجب دلانے کیلئے ہے ھٰؤلاء القوم سے مراد منافقین و یہود ہیں کیونکہ یہ ایک ہی قوم تھے یکادون کود سے بنا بمعنی قرب و نزدیکی۔ یفقھون فقہ سے بنا بمعنی سمجھ و عقل خصوصاً دینی سمجھ کو فقہ کہا جاتا ہے حدیث سے مراد یا تو رب تعالیٰ کا فرمان ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان' حدیث حدث سے بنا بمعنی نو پید چیز اب بات کو حدیث کہتے ہیں کہ یہ ہمیشہ منہ سے نئی نکلتی رہتی ہے یعنی اس منافق و یہود قوم کو کیا ہو گیا کہ یہ جانوروں کی طرح کوئی بات سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے اپنی ہی کہے جاتے ہیں نہ قرآن سمجھیں نہ حضور کی حدیث یا نہ کسی کی بھلی بات انکی عقل میں آئے یہ بالکل جانوروں کی طرح ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **اولئک کالانعام بل ھم اضل**

خلاصہ ء تفسیر: اے منافقین و یہود تم غازیان شہداء احد پر زبان طامت کیوں دراز کرتے ہو اور کیوں کہتے ہو کہ اگر یہ لوگ میدان جنگ میں نہ جاتے تو شہید نہ ہوتے زندہ رہتے ہر شخص کی موت کا وقت موت کی جگہ مقرر ہے کوئی اس سے کسی تدبیر کسی حیلہ سے بچ نہیں سکتا تم جہاں کہیں رہو اپنے وقت پر تم کو موت ضرور پہنچے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں یا آسمان کے برجوں میں پہنچ جاؤ زندگی کیلئے کتنے ہی حفاظت کے سامان بنالو مگر مرو گے ضرور۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں یہودیوں کا کفر و عناد اور آپ سے حسد و انکار یہاں تک بڑھا ہوا ہے کہ جب انہیں کوئی دل خوش کن چیز میسر ہو جیسے ارزانی' فراخی' زیادتی پھل وغیرہ تو وہاں بر لو راست میر اہم لے کر کہتے ہیں کہ یہ تو ہم کو رب کی طرف سے ملی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں حالانکہ آپکے قدم کی برکت سے زمین مدینہ یثرب یعنی دار الوباء تھی وہ طیبہ و دار الشفاء بن گئی۔ یہاں کی آب و ہوا میں تبدیلی ہو گئی مگر یہ اسکے منکر ہیں یہاں توحید کی آڑ لے کر کہتے ہیں کہ خدا نے ہم کو یہ نعمتیں دیں لیکن جب ان پر کوئی آفت آئے مثلاً وقت پر بارش نہ آئے یا پھل وغیرہ میں کمی ہو جائے یا گرانی آجائے تو کہتے ہیں کہ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے آئی جب سے مدینہ پاک میں تشریف لائے یہاں کی خیر و برکت اڑ گئی یا اگر غزوۂ بدر میں فتح ہو جائے تو کہتے ہیں کہ یہ تو اللہ کے کرم سے ہوئی۔ حضور کی برکت اس میں شامل نہیں اور اگر جنگ احد میں مسلمانوں کو تکلیف پہنچ جائے تو کہتے ہیں کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہوئی نہ یہ ہم کو میدان احد میں لے جاتے نہ یہ نوبت آتی آپ ان کی تردید میں فرمادو کہ ہر خیر و شر راحت و رنج گرانی و ارزانی فتح و شکست اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اسکے ارادہ سے سب کچھ ہوتا ہے اگرچہ اللہ کی نعمتوں میں اسکے مقبول بندوں کی برکت شامل ہوتی ہے اور اللہ کی بھیجی مصیبتوں میں تم لوگوں کی غلطیوں نافرمانیوں کو دخل ہوتا ہے ان بے وقوفوں کو کیا ہو گیا کہ اتنی ظاہر بات نہیں سمجھتے۔ بلکہ سمجھنے کے قریب بھی نہیں ہوتے یہ تو جانوروں کی طرح ہیں جو صرف آواز سنتا ہے سمجھتا کچھ نہیں بلکہ ان سے بھی بدتر کہ جانور مالک کی آوازوں اشاروں پر عمل کر لیتے ہیں یہ اتنا بھی نہیں کرتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** کوئی زندہ موت سے بچ نہیں سکتا۔ اسکے متعلق کوئی تدبیر کارگر نہیں ہوتی۔ لہذا موت سے بچنے کی کوشش نہ کرو بلکہ موت کی تیاری کرو جتنا یہاں رہنا ہے اتنی یہاں کی فکر کرو اور جتنا آخرت میں رہنا ہے اتنی وہاں کی فکر کرو۔ **دوسرا فائدہ:** موت کا وقت اور جگہ مقرر ہے اسی وقت اسی جگہ پہنچے گی لہذا اسکے

www.alahazratnetwork.org

خوف سے جہاد سے ڈرنا سخت غلطی ہے جیسا کہ یدر ککم سے معلوم ہوا جب جان جانی ہی ہے تو بہتر ہے کہ راہ مولیٰ میں جائے جب موت آنی ہی ہے تو بہتر ہے کہ شہادت کے لباس میں آئے مہینوں بیمار رہ کر بستر پر ایڑیاں رگڑ کر جان دینے سے بہتر ہے کہ اللہ کی راہ میں جان جائے جو پانچ منٹ میں فیصلہ کر دیتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** منافق اور کافر اگر بظاہر اچھی اور درست بات بھی کہیں تو انکی نیت فاسد ہی ہوتی ہے۔ اور ان کی وہ بات عین کفر ہوتی ہے۔ دیکھو بھلائی پہنچنے پر یہ لوگ اللہ کا نام لیتے تھے کہ یہ رب کی طرف سے ہے بات ٹھیک تھی مگر ان کی نیت خراب تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل آپ کی برکتوں کے انکار کی نیت سے یہ کہتے تھے لہٰذا انکے اس قول کو بھی رب تعالیٰ نے فرمایا **انهم لكاذبون** یہ بڑے جھوٹے ہیں کیونکہ انکی نیت خراب ہے زمانہ فاروقی میں ایک امام ہر رکعت میں ہر نماز میں سورۃ **عبس و تولی** ہی پڑھا کرتا تھا۔ حضرت عمر نے اسے کافر قرار دیا اور قتل کرا دیا دیکھو تفسیر کبیر وغیرہ سورۃ عبس۔ اس آیت کریمہ اور ان آیات سے موجودہ توحید یئے وہابیے عبرت پکڑیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا انکار کرنے کی نیت سے ہر وقت اللہ تعالیٰ کا ہی نام لیتے ہیں انکا یہ ہر وقت اللہ اللہ کرنا فریب ہے بیشک ہر نعمت رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے مگر ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے ان ہی کے دم قدم سے آفتیں ٹلتی ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم۔ **چوتھا فائدہ:** موت یعنی جسم سے جان کا نکلنا ہر جاندار کیلئے ہے فرشتہ ہو یا جن یا انسان آسمان پر رہتا ہو یا زمین پر جیسا کہ یدرککم کے عموم سے معلوم ہوا رب فرماتا ہے **كل نفس ذائقة الموت** موت کا مقابل حیوۃ ہے یعنی جان کا جسم میں رہنا۔ مگر فنا و ہلاکت یعنی نیستی ہر مخلوق کیلئے ہے ہر مخلوق جاندار ہو یا غیر جاندار لائق فنا ہے اسکا مقابل ہے وجود رب فرماتا ہے **كل شيء هالك الا وجهه** سواء ذات باری سب فانی الذات لائق فنا ہیں ان میں سے بعض چیزیں فانی بالفعل نہیں جیسے ارواح جنت و دوزخ اور وہاں کے سامان کہ یہ چیزیں اگرچہ لائق فنا ہیں مگر انکو فنا نہیں رب فرماتا ہے **فصعق من في السموت و من في الارض الا من شاء الله** تین چیزوں میں فرق کرنا ضروری ہے موت امکانی فنا فعلی فنا موت ہر فرشتہ جن و انس کو ہے امکانی فنا ہر ماسوی اللہ کو فعلی فنا یعنی مٹ جانا ارواح جنت دوزخ وغیرہ کے ماسواء کو ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جمال مصطفوی ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف اس زمانہ پاک میں صدیقین تو کہتے تھے حضور کی تشریف آوری سے ہمارا یثرب مدینہ شریف بن گیا یہاں کی خاک شفا یہاں کی آب و ہوا علاج ہو گئے مگر منافقین و یہود یعنی زندیقین کہتے تھے کہ حضور کے قدم سے مدینہ کی برکتیں اڑ گئیں ہمارا عقیدہ تو یہ ہے۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے! بے نور تھا فرد کا ستارہ ترے بغیر
(اعظم)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی!
نہیں اسکے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے!

ہم نے عرض کیا ہے۔

طیبہ کی زینت ان ہی کے دم سے کعبہ کی رونق ان کے قدم سے ؟
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں دھوم ہے انکی کون و مکاں میں!

www.alahazratnetwork.org

یعنی حضور کے دم قدم سے مدینہ کے باشندے آپس میں شیر و شکر ہو گئے۔ حضور کے دم سے مدینہ تمام دنیا کا ملجاو ماویٰ بن گیا۔ حضور کی وجہ سے مدینہ کی صد ہا تاریخیں لکھیں گئیں اور یہ تاریخی مقام ہو گیا حضور کی وجہ سے مدینہ کی تعریف میں ہزارہا قصیدے لکھے گئے کسی شہر کو یہ عزت نہ ملی حضور کی وجہ سے مدینہ کی طرف تمام مخلوق کھنچنے لگی حضور کے قدم سے مدینہ کو مدینہ منورہ کہا جانے لگا یہ سب بہاریں انکے دم قدم کی ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** کسی مصیبت یا آفت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرنا کہ ان کی وجہ سے یا ہم نے جو انکی غلامی اختیار کی کہ ہم مسلمان ہو گئے اس سے یا نماز کی وجہ سے یہ آفات آئیں یہ کفر ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس قول کو یہود و منافقین کی کفریہ عبارات میں شمار فرمایا مسلمانوں کو بہت احتیاط چاہئے بعض لوگ غلطی سے ایسی بیہودہ باتیں کہہ دیتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** کافر بے دین اگرچہ کتنا ہی عاقل ہو مگر اللہ کے نزدیک جانور سے زیادہ ناسمجھ ہے دیکھو یہود مدینہ اور منافقین اپنے کو بڑا عاقل سمجھتے تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں فرمایا **لا یکادون یفقھون حدیثا** مومن کتنا ہی سیدھا سادھا ہو مگر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عقلمند ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ موت ہر جگہ پہنچ جاتی ہے اس سے کہیں امان نہیں تو حضرت عیسیٰ و ادریس علیہم السلام موت سے کیسے بچ گئے کہ وہ تو چہارم آسمان پر پہنچ گئے اور ادریس علیہ السلام جنت میں زندہ ہی داخل ہو گئے اور موت سے بچ گئے یہ عقیدے قرآن کریم کی اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** وہ دونوں حضرات بھی موت سے نہیں بچے ادریس علیہ السلام تو موت پاکر پھر زندہ ہو کر جنت میں گئے اور عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے تشریف لاکر زمین پر چالیس سال رہ کر وفات پائیں گے کسی مسلمان کا ان دونوں بزرگوں کے متعلق یہ عقیدہ نہیں کہ انہیں موت نہیں جیسے آدم علیہ السلام جنت میں رہے پھر وہاں سے آکر دنیا میں رہ کر انہوں نے وفات پائی۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت سب کے لئے ہے مگر تم لوگ انبیاء کو شہداء کو زندہ مانتے ہو۔ مسئلہ: حیات النبی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** موت یعنی روح کا جسم سے نکل جانا سب کے لئے ہے کوئی نبی، ولی اس سے علیحدہ نہیں مگر موت بنی روح کا جسم کو چھوڑ دینا جس سے جسم بالکل بیکار ہے، بے حس، بے شعور ہو کر گل سڑ جائے۔ اللہ کے خاص بندوں کو نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **بل احیاء ولا کن لا تشعرون** اور فرماتا ہے۔ **فلا تکن فی مریۃ من لقائہ** آپ موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات میں شک نہ کریں اور فرماتا ہے **واسئل من ارسلنا قبلک من رسلنا** اے محبوب گزشتہ رسولوں سے پوچھ لیں پتہ لگا کہ مقبول بندے بعد وفات زندہ ہیں ایک دوسرے سے ملاقات سلام و کلام کرتے ہیں۔ اس مسئلہ حیات النبی کی تحقیق ہماری کتاب درس القرآن اور مراۃ شرح مشکوۃ باب الجمعہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ **تیسرا اعتراض:** جب کوئی شخص موت سے بچ نہیں سکتا موت اپنے وقت پر آنی ہی ہے تو چاہئے کہ زندگی صحت کی حفاظت بھی نہ کی جاوے حالانکہ سارے مسلمان بلکہ بزرگان دین زندگی کی حفاظت کرتے رہے۔ **جواب:** زندگی صحت اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں اور اس کی نعمتوں کی قدر دانی کرنی لازم ہے حفاظت بھی قدر دانی کی ایک قسم ہے۔ آیتہ کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ زندگی کی محبت میں جہاد، حج، نماز وغیرہ نہ چھوڑ دے تمام اسباب حفاظت پر عمل کرے مگر جب جان کی قربانی اسلام پر کرنی پڑے تو اس سے دریغ نہ کرے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** ہے جان کی حفاظت کا حکم جان کی حفاظت اور چیز ہے اور جان کو اللہ رسول کے حکم پر قربان کر دینا دوسری چیز۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ نے یہاں یہود و منافقین کی ناجائز گفتگو کے سلسلہ میں اس کا بھی ذکر فرمایا **ھذہ من عند اللہ** نعمتیں اللہ کی طرف

www.alahazratnetwork.org

سے ہیں یہ تو بالکل صحیح بات ہے پھر اس پر عتاب کیوں فرمایا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر اور فائدوں میں گزر گیا کہ اس گفتگو سے ان کا منشاء حمد الٰہی نہ تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برکات کا انکار تھا اس لئے یہ بات بھی کفر تھی۔ دیکھو رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ کہتے ہیں **امنا باللہ و بالیوم الاخر** ہم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آئے مگر ساتھ ہی فرماتا ہے **وما ھم بمومنین** یہ لوگ مومن نہیں کیوں اس لئے کہ آپ پر ایمان نہیں لائے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر سب کچھ مانے وہ کافر ہے۔ جیسے ابلیس۔ پانچواں اعتراض: یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **کل من عند اللہ** سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے اس میں ان یہود کی ایک بات کی تصدیق فرمادی پھر ان کا وہ کلام کفر کیوں ہوا؟ جواب: یہاں مسبب اسباب حقیقی کا ذکر ہے اسباب کی نفی نہیں یعنی حقیقتاً ہر خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے سے ہے مگر عالم اسباب میں ہم پر آفات ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں اور رحمتیں مقبول بندوں کے توسل سے وہ اس کے انکاری تھے لہذا کافر تھے غرضیکہ کلام ایک ہے مگر کلام والے کے اعتبار سے حکم مختلف۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے موت کی عمر، موت کا مرض، موت کا وقت اور موت کی جگہ ہم لوگوں سے مخفی رکھی ہے تاکہ ہم لوگ ہمیشہ اس کی تیاری کریں اور ہر سانس کو آخری سانس سمجھیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اکثر موت کو یاد کرتے رہو، موت کی یاد دنیا میں شاغل ہونے، آخرت سے غافل ہونے سے بچاتی ہے مگر غافل نفس کو دراز وعظ اور اعلیٰ الفاظ کی ضرورت ہے اس لئے قرآن کریم میں موت کا ذکر مختلف عنوانوں سے مختلف مقامات پر کیا گیا۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

جہاں اے برادر نہ ماند بہ کس! — دل اندر جہاں آفریں بند بس!
نہ بربنو رفتے بہ ہر صبح و شام — سریر سلیمان علیہ السلام
تو آخر ندیدی کہ برباد رفت — خنک آنکہ شاد آمد شاد رفت

یہاں رب تعالیٰ نے غافل بندوں سے فرمایا کہ اے اللہ کے بندو اضطراری موت سے پہلے موت اختیاری سے مرجاؤ۔ **موتوا قبل ان تموتوا** اگر تم نے اختیاری موت اختیار نہ کی تو گھاٹے میں رہو گے کہ موت اضطراری تو بہر حال تم کو پہنچے گی اگرچہ تم مضبوط قلعوں یعنی قوی جسموں میں ہو لہذا ان جسمانی قلعوں کی مضبوطی کی فکر میں ہر وقت نہ رہو مرنے سے پہلے وہاں کی تیاری کرو مگر ان غافل اندھے لوگوں کی غفلت کا یہ حال ہے کہ دنیا کی کوئی حالت نہیں بیدار نہیں کرتی، آرام میں یہ تو کہتے ہیں کہ یہ رب نے دیا مگر رب کو راضی کرنے کی کوشش نہیں کرتے اور مصیبتوں میں اپنے گناہوں پر نظر نہیں کرتے بے گناہ بندوں کے سر اس کا الزام لگاتے ہیں ایسے غافل کس طرح ہوشیار ہو سکتے ہیں اور کب نیند سے جاگ سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ بیداری نصیب فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آنکھ میں یہ نقص ہے کہ وہ دوسرے کا عیب دیکھتی ہے اپنا عیب اسے نظر نہیں آتا مگر دوسرے کا واقعی عیب دیکھتی ہے کسی کو عیب لگاتی نہیں۔ نفس میں یہ عیب ہے کہ اسے اپنے عیب نظر نہیں آتے بلکہ اپنے عیب خوبیاں معلوم ہوتے ہیں اور دوسرے کی خوبیاں اسے عیب نظر آتے ہیں جس کی وجہ سے اس کی اصلاح بہت مشکل ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چشم بیند ہر کم و ہر بیش را — نیک نتواند کہ بیند خویش را

www.alahazratnetwork.org

ان منافقین و یہود پر ان کا نفس غالب تھا جس کی وجہ سے وہ مسلمانوں بلکہ اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عیب لگاتے تھے کہ ہم پر تکالیف ان کی وجہ سے آتی ہیں حالانکہ رب تعالیٰ نے انہیں عیوب سے بری اور تمام صفات سے موصوف فرمایا مگر مومن کہتے تھے۔

خلقت مبرا من کل عیب کانک قد خلقت کما تشاء

آج جس شخص میں یہ عیب ہو کہ بے عیبوں کو عیب لگائے وہ تمام عیوب کا جامع ہو جائے گا۔ یہ آیت بہت سے کلمہ گو بے دینوں کے لئے باعث عبرت ہے۔

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ

جو پہنچے تم کو کوئی بھلائی تو وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو کوئی برائی تو تیرے نفس کی طرف سے

اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿٧٩﴾ مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ

ہے اور بھیجا ہم نے آپ کو لوگوں کے پیغمبر اور کافی ہے اللہ گواہ جو فرمانبرداری کرے رسول کی پس بے شک

اور اے محبوب ہم نے تمہیں سب لوگوں کے لئے رسول بھیجا اور اللہ کافی ہے گواہ جس نے رسول کا حکم مانا بے شک

اَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾

اس نے فرمانبرداری کی اللہ کی اور جو منہ پھیرے تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر محافظ

اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہ بھیجا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین اور یہود کے غلط عقائد کا ذکر تھا کہ وہ بلاؤں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کرتے ہیں اب اس آیت میں ان کی غلطی کی اصلاح فرمائی جارہی ہے کہ دنیاوی مصیبتیں ہمارے محبوب کی وجہ سے نہیں بلکہ تمہاری اپنی بد عملیوں کی وجہ سے ہیں۔ ان کی برکت سے تم عذاب آنے سے بچے ہوئے ہو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہر رحمت و زحمت اللہ کی طرف سے ہے۔ جس سے شبہ ہوتا تھا کہ بندہ بے قصور ہے اب اس آیت میں یہ شبہ دور فرمایا جارہا ہے کہ آفات و بلیات میں بندے کی اپنی بد عملی کو بھی دخل ہے وہ بے قصور نہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عقیدہ اسلامیہ کا ایک رکن ذکر فرمایا گیا کہ خالق خیر و شر اللہ تعالیٰ ہے کہ فرمایا گیا کل من عند اللہ اب اس آیت کریمہ میں عقیدے کے دوسرے رکن کا ذکر ہے کہ شر بندے کے کسب سے ہے خلق و کسب میں فرق فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ ارشاد ہوئی۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں واقعہ کا ذکر تھا کہ ہر خیر و شر رب کے حکم و ارادے سے ہے اب بندوں کو ادب کی تعلیم ہے کہ خیر کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرو اور شر کو اپنی طرف کہ اس بارگاہ کا ادب یہی ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں حمد الہٰی کا ذکر تھا اب ان آیات میں نعت

مصطفوی کا تذکرہ ہے کہ محبوب ہم ہر خیر و شر کے خالق ہیں اور تم ساری مخلوق کے رسول چونکہ حمد الٰہی بغیر نعت مصطفوی کے مکمل نہیں ہوتی اسی لئے حمد کے بعد نعت کا ذکر ہوا۔

شان نزول : ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے میری اطاعت کی اس نے رب تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی اس نے اللہ تعالیٰ سے محبت کی تو منافقین آپس میں بولے کہ یہ شرک کی تعلیم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اسی طرح خدا مان لیں جیسے عیسائیوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور ان مردودوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ من یطع الرسول الخ نازل ہوئی (خازن روح المعانی وغیرہ) روح المعانی نے فرمایا کہ منافقین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشرک کہا اور بولے کہ حضور فرماتے تو یہ ہیں کہ غیر خدا کی عبادت نہ کرو اور خود معبود بنا چاہتے ہیں۔

نوٹ : آج جو وہابیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تعظیم میں شرک نظر آتا ہے کہ حضور کی تعریف پر شرک کے فتوے دیتے ہیں یہ بیماری آج کی نہیں بلکہ بڑی پرانی ہے۔ یہ بیماری زمانہ نبوی میں منافقین کو بھی تھی جو وراثۃ کے طور پر ادھر منتقل ہوئی۔

ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی

اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس بیماری سے بچائے حضور کی نعت تو مدار ایمان ہے کلمہ طیبہ کا دوسرا جز ہے۔ محمد رسول اللہ یہ حضور کی نعت ہی تو ہے۔

تفسیر : ما اصابک من حسنۃ فمن اللہ۔ حق یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام ہے اصابک میں خطاب عام انسان سے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم من جارہ کا بیان ہے حسنۃ سے مراد یا تو اخروی راحت آرام وغیرہ ہیں یا دنیاوی نعمتیں مراد ہیں جیسے ارزانی پر بارش صحت امیری وغیرہ ما اصاب الخ مبتداء ہے اور فمن اللہ اس کی خبر من کے بعد ایک لفظ پوشیدہ ہے یعنی من ارادۃ النبا من خلق اللہ یا من نعمت اللہ یعنی اے عام انسان تجھے دنیا میں جو نعمت پہنچے وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اللہ کی خلق اللہ کے فضل اللہ کی مہربانی سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قل پوشیدہ ہو یعنی ان نعمتوں کے ملنے پر کہا کرو کہ یہ اللہ کی طرف سے اس کے کرم سے ہیں نہ کہ محض میرے اپنے کمال سے بعض مفسرین نے کہا کہ یہ عبارت گزشتہ جملہ کا بیان ہے اور یہ بھی منافقین کا مقولہ ہے جو رب نے نقل فرمایا۔ اصابک میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ منافقین یہ بھی کہتے ہیں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو جو راحت و خوشی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو آپ کو رنج و غم مصیبت و بلا پہنچے وہ آپ کی ذات کی طرف سے ہے یعنی وہ آپ کو معصوم نہیں مانتے (خازن روح المعانی) مگر یہ تفسیر بہت ہی بعید ہے بعض نے کہا کہ یہاں حسنہ سے مراد ہے نیک اعمال اور سیئہ سے مراد ہے برے اعمال مگر یہ بھی بعید ہے ورنہ یوں ارشاد ہوتا وما اصبت من حسنۃ اور اصابک نہ ہوتا۔ قوی تفسیر وہی ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ وما اصابک من سیئۃ فمن نفسک۔ یہ عبارت پہلی عبارت پر معطوف ہے اور اس کی تفسیر بھی وہی ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے نہ کہ منافقین کا اور اس میں بھی عام انسان سے خطاب ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

ہے اور سیئہ سے مراد یا دنیا کی بلائیں، مصیبتیں، تکالیف ہیں یا اخروی عذاب مراد جیسے قبر کی تنگی اندھیرا وغیرہ اور قیامت کی وحشت وہشت بعد قیامت دوزخ کی تکالیف چونکہ آخرت کی نعمتیں و عذاب یقینی ہیں اس لئے صاب فعل ماضی ارشاد ہوا اور من نفسک میں بھی ایک لفظ پوشیدہ ہے کسب یا ذنب یا شوم وغیرہ یعنی اے انسان جو تجھے آفت و بلا پہنچے وہ عموماً" تیری اپنی بدکاری، بد عملی اور اپنے کسب کے سبب سے ہے یعنی ہے تو وہ بھی رب تعالیٰ کے ارادے سے مگر تیرے اپنے کسب کی وجہ اور سبب سے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی قل پوشیدہ ہو یعنی مصیبت آنے پر یہ کہا کرو یہ تیری نفس کی طرف سے ہے یہی بارگاہ الٰہی کا ادب ہے کہ بھلائی کو اس کی طرف نسبت کی جاء اور برائی کو بندہ اپنی طرف نسبت کرے **و ارسلنا ک للناس رسولا** " یہ مستقل علیحدہ جملہ ہے اور **ارسلنا ک** میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ہم لوگ دنیا میں صرف پیدا ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا بھی ہوئے اور بھیجے بھی گئے اسی لئے ہم صرف مخلوق ہیں اور حضور مخلوق بھی ہیں رسول بھی للناس میں لام نفع کا ہے یعنی آپ کی رسالت لوگوں کے نفع کے لئے ہے کہ لوگ آپ کی اطاعت کرکے جنتی بنیں چونکہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے دوسری مخلوق کے لئے نہیں اس لئے بطور حصر انسانوں ہی کا ذکر ہوا کہ انسانوں ہی کے نفع کے لئے آپ رسول بنائے گئے جیسے رب تعالیٰ نے اپنے لئے فرمایا **رب الناس ملک الناس الہ الناس** حالانکہ وہ تمام مخلوق کا رب ملک اور الٰہ ہے یا جیسے فرماتا ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** " حالانکہ زمینی چیزوں سے سب مخلوق نفع اٹھاتی ہے ناس سے مراد یا تو حضور کے زمانہ سے قیامت تک کے سارے انسان ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی یورپ کے ہوں یا ایشیاء کے اور یا از آدم علیہ السلام تا قیامت سارے انسان مراد ہیں۔ جن میں حضرات انبیاء ان کی امتیں سب ہی داخل ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ دوسری بات قوی ہے کہ حضور سب کے رسول ہیں اس لئے تمام رسولوں سے بھی حضور کی اطاعت کا عہد لیا گیا اور قیامت میں سب حضور کا منہ دیکھیں گے یعنی اے محبوب ہم نے آپ کو تمام لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا۔ خیال رہے کہ للناس میں الف لام استغراقی ہے اور للناس کا لام خصوصیت کا نہیں لہٰذا آیت کریمہ کے یہ معنی نہیں کہ آپ صرف انسانوں کے رسول ہیں دیگر مخلوق کے رسول نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام خدائی کے رسول ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں۔ **و کفی باللہ شھیدا** " اس جملہ کی تفسیر بارہا ہو چکی یا تو حضور کی نبوت پر رب کی گواہی مراد ہے یا بندوں کے نیک و بد اعمال پر گواہی یا منافقین و یہود کی مذکورہ بکواس پر گواہی مراد یعنی اے محبوب تمہاری نبوت تمہاری سچائی پر اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تمہارے معجزات قرآنی آیات گذشتہ کتابوں کی خبروں کے ذریعہ تمہاری نبوت ایسی ثابت فرمادی کہ کسی کو اس میں تامل کی گنجائش نہ رہی یا اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر نیک و بد اعمال پر کافی گواہ ہے کہ اس کے فرشتے اور فرشتوں کی تحریریں خود ان کے اعضاء ہاتھ پاؤں بلکہ زمین و آسمان ان کے اعمال پر گواہ ہیں یا ان منافقین و یہود کی بدتمیزی پر خود رب تعالیٰ گواہ ہے دوسرے گواہوں پر جرح ہو سکتی ہے مگر جب حاکم خود گواہ ہو تو اس پر جرح قدح کیسی وہ انہیں سخت سزا دے گا **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** یہ جملہ نیا ہے۔ حضور کی رسالت عامہ ثابت فرمانے کے بعد حضور کے مطاع مطلق ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے گویا پہلے حضور کی عطا کا ذکر تھا اب اس کے شکریہ میں اطاعت واجب ہونے کا ذکر ہے یہ رسالت عامہ کے بعد حضور کے استغناء کا ذکر ہے کہ سارا عالم تمہارا حاجت مند ہے تم سب سے مستغنی من سے مراد سارے انسان ہیں جو حضور کی امت ہیں جن کا ذکر ناس میں ہو چکا اور ممکن ہے کہ اس سے مراد سارے جن و انس و فرشتے وغیرہ ہوں۔

دوسری توجیہ قوی ہے "مطع اطاعت سے بنا۔ جس کے معنی اور اطاعت و عبادت میں فرق بیان ہو چکا یہاں اطاعت سے مراد حضور کے احکام، اعمال، افعال غرضیکہ تمام چیزوں میں فرمانبرداری ہے کیونکہ اطاعت بغیر کسی قید کے ذکر ہوئی۔ الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسا کہ ابھی پچھلی آیت سے معلوم ہو چکا یعنی جس انسان نے یا جس مخلوق نے ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی قسم کی فرمانبرداری کی اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کی کیونکہ ان کے سارے کام و کلام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اس اطاعت کا تاکیدی حکم دیا۔ **و من تولی فما ارسلنک علیھم حفیظا** "۔ یہاں من سے مراد یا صرف انسان ہیں یا جن و انس کیونکہ سواء جن و انس کے کوئی بھی حضور کے حکم سے سرتابی نہیں کرتا **تولی** ولی بمعنی قرب سے بنا **تولی** کے معنی ہیں دور ہونا یا منہ پھیرنا حفیظ بمعنی محافظ ذمہ دار ہے۔ خیال رہے کہ من تولی کی جزاء پوشیدہ ہے اور فاکی ف تعلیلیہ ہے۔ **ما ارسلنا** اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کوئی آپ کی اطاعت سے منہ پھیرے تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ ہم نے آپ کو رسول بنایا ہے ہمارے احکام پہنچانے والا ان کے اعمال کا ذمہ دار نہ بنایا۔ نہ آپ سے ان کے اعمال کے متعلق کچھ پوچھ گچھ ہوگی ہم نے جو معنی کئے اس سے یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ بعض مفسرین نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جو آپ کے حکم سے منہ پھیرے آپ اس سے کچھ تعلق نہ رکھیں۔ کیونکہ آپ ان کے ذمہ دار نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ عبارت جہاد کی آیات سے منسوخ ہے کہ اب تو مخالفین و کفار پر فوج کشی ہوگی مگر فقیری تفسیر قوی ہے کیونکہ یہ آیت جہاد کے احکام آچکنے کے بعد کی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس کے پہلے جملہ کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اے انسان آخرت میں جو بھلائی تجھے پہنچے گی وہ تیرے اعمال پر موقوف نہیں اللہ کے کرم سے ہوگی اور جو عذاب و مصیبت تجھے پہنچے وہ اللہ کے ظلم سے نہیں بلکہ تیرے اپنے شامت اعمال سے ہے اللہ تعالیٰ وہاں کی نعمتیں تو بغیر اعمال کے بھی دے گا۔ مسلمانوں کے چھوٹے بچے، دیوانہ لوگ اسلام لاتے ہی مر جانے والے بغیر عمل ہی جنت پائیں گے اور عاملین کو بھی عمل سے کہیں زیادہ نعمتیں ملیں گی نیز اعمال کی توفیق و قبولیت اس کے کرم سے ہے مگر وہ تم کسی کو بغیر گناہ سزا نہ دے گا۔ وہاں کی سزا جرموں کی وجہ سے ہوگی دوسرے یہ کہ دنیا میں جو نعمت تجھے ملے تو کہا کر کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو تکلیف تجھے پہنچے تو کہا کر یہ میرے اپنے نفس کی طرف سے ہے کہ اسی کا نام ادب ہے۔ تیسرے یہ کہ اے انسان تو یقین رکھ کہ جو کچھ نعمت و راحت و خوشی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہوتی ہے لہذا تو ہر نعمت کا شکریہ ادا کیا کر اور جو مصیبت و بلا تجھ پر نازل ہوتی ہے وہ عام طور پر تیری بد عملیوں و شامت نفس کی وجہ سے ہوتی ہے کہ تو گناہ و غلطی کر لیتا ہے۔ اسی کی وجہ سے تجھ پر آفت آجاتی ہے چنانچہ ترمذی نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کو جو چھوٹی بڑی تکلیف پہنچتی ہے وہ عموماً اس کے گناہ کی وجہ سے ہوتی ہے اللہ تعالیٰ تو بہت کچھ معاف فرما دیتا ہے اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو معمولی سی تکلیف تجھے پہنچے وہ تیرے گناہ کی وجہ سے ہے۔ اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرمان لوگوں کے لئے ہے آپ کے لئے نہیں کیونکہ ہم نے تو آپ کو تمام ہی لوگوں کا رسول بنا کر بھیجا۔ آپ لوگوں کی اصلاح کے لئے تشریف لائے اگر آپ ہی معاذ اللہ گناہ کرنے لگیں تو لوگوں کو گناہ سے کیسے بچائیں اللہ تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

آپ کی نبوت پر کافی گواہ ہے اس لئے اس نے آپ کے معجزات' قرآنی آیات دوسری کتابوں کی تصریحات سے آپ کی نبوت ثابت فرمادی یا اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر نیک وبد اعمال پر گواہ ہے یا یہود و منافقین جو آپ کی مخالفت کرتے رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ اس کا مشاہدہ فرما رہا ہے انہیں سخت سزا دے گا۔ خیال رکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے اتنا خصوصی قرب ہے کہ جس نے ان کے اقوال' اعمال' افعال میں اطاعت کی۔ اس نے براہ راست اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جو کوئی آپ سے منہ موڑے تو آپ غمگین نہ ہوں کیونکہ آپ ان کے رسول ہیں آپ کا کام ہے پیغام پہنچانا اور کھانا عمل کرانا آپ کے ذمہ نہیں نہ آپ سے اس کے متعلق کچھ سوال ہو گا۔ پہنچانا آپ کے ذمہ ہے توفیق دینا پھر حساب لینا ہمارا کام ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر خیر اس کے فضل سے ہے اور شر اس کے عدل سے۔ شر میں ہماری بد عملیوں کو ضرور دخل ہے۔ جیسا کہ من نفسک سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کو جو تکالیف پہنچتی ہیں وہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں ہوتیں وہ تو معصوم یا محفوظ ہیں بلکہ وہ امتحان اور ترقی درجات کے لئے ہوتی ہیں یہ فائدہ بھی من نفسک کے کاف خطاب سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے انسانوں نے ایمان' عرفان' ولایت' مجاہدہ' مشاہدہ' غوثیت و قطبیت وغیرہ نعمتیں تو دنیا میں حاصل کیں اور جنت' حور و قصور' رضاء رب غفور' آخرت میں حاصل کریں گے۔ دوسری مخلوق کو صرف ایمان کی دولت حضور سے ملی کامل نفع صرف انسان نے اٹھایا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے اگلے پچھلے انسانوں کے رسول ہیں حضرات انبیاء ہوں یا ان کی امتیں جیسا کہ للناس کے عموم یا الف لام استغراقی سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مطلقاً" واجب ہے ان کا حکم سمجھ میں آئے یا نہ آئے قرآنی آیات کے خلاف ہو یا موافق کسی مسلمان کو اس میں چون و چرا کرنے کی گنجائش نہیں۔ بحکم قرآنی مسلمان مرد کو چار بیویاں کرنا درست ہے مگر فاطمہ زہرا کی موجودگی میں حضرت علی کو دوسرا نکاح کرنا حرام رہا۔ کیوں اس لئے کہ انہیں حضور نے اس سے منع فرمادیا۔ ہر معاملہ میں دو مردوں کی گواہی بحکم قرآن ضروری ہے۔ مگر حضرت خزیمہ کی ایک گواہی دو گواہیوں کی برابر ہو گئی۔ کیوں اس لئے کہ حضور نے ایسا ہی فرمادیا۔ یہ ہے من یطع الرسول کی شرح اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا مطالعہ فرماؤ۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم مطلق ہیں کہ آپ سے کوئی گناہ سرزد نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ہر حکم ہر کام کی پیروی کرنے کا حکم دیا اور ان کی ہر اطاعت کو اپنی اطاعت قرار دیا اگر آپ سے کوئی گناہ ہوتا تو اس میں آپ کی اطاعت رب کی ناراضگی کا باعث ہوتی نہ کہ رب کی اطاعت (تفسیر کبیر)۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات الیہ کے مظہر ہیں اور رب کی صفت غنا و بے نیازی بھی ہے حضور اس صفت کے بھی مظہر ہیں جیسے تمام انسان اگر نافرمان ہو جائیں تو رب تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں ایسے ہی تمام مخلوق کے کفر سے حضور کا کوئی نقصان نہیں جیسا کہ وارسلنک الخ سے معلوم ہوا۔ آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور قرآن مجید پر عمل صرف حضور کی پیروی سے ہو سکتے ہیں براہ راست نہ کوئی رب کی اطاعت کر سکتا ہے نہ قرآن پر عمل کر سکتا ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ اللہ کے سارے فرائض وضو' نماز' حج' زکوٰۃ وغیرہ حضور کے بیان سے معلوم ہوئے ورنہ ہمیں خبر نہ تھی کہ کون سی عبادت کیسے کریں اور نہ ان پر عمل ہم سے ممکن تھا اسی لئے حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ (خازن کبیر وغیرہ)۔

www.alahazratnetwork.org

ضروری نوٹ : خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور کی اطاعت نہیں۔ مگر حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے یہ فرق بہت خیال میں رکھنا چاہیئے۔ حضور رب تعالیٰ کے فرمانوں کے شارح ہیں۔ **نواں فائدہ:** ہمیشہ انسان خیر کو رب کی طرف نسبت کرے اور شر کو اپنی طرف اگرچہ خالق سب کا رب تعالیٰ ہی ہے مگر ادب اس بارگاہ کا یہی ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** کسی مصیبت پر رب تعالیٰ کی شکایت نہ کرے بلکہ توبہ و استغفار کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق کے دانت میں سات سال درد رہا۔ کبھی کسی سے اس کا ذکر نہ کیا حتی کہ حضور سے بھی نہ کہا۔ ایک بار جبریل امین نے رب تعالیٰ کی طرف سے عرض کیا یارسول اللہ سات برس سے صدیق دانت کے درد میں مبتلا ہیں آپ ان کی مزاج پرسی فرمادیں تب حضور نے حضرت صدیق سے فرمایا کہ تم نے مجھ سے بھی اس کا ذکر نہ کیا بولے کہ حبیب کی طرف سے آئے ہوئے تحفہ پر شکایت کیا کرنا ہے یہ ہے اس آیت پر عمل (روح البیان)۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے پتہ لگا کہ صرف حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے۔ تو کیا قرآن کی اطاعت اللہ کی اطاعت نہیں۔ **جواب:** قرآن کی اطاعت بغیر حضور کے سمجھائے ناممکن ہے نیز پانچ فی صدی احکام قرآن نے دیئے وہ بھی ایسے گول مول کہ بغیر حضور کی تعلیم ناقابل عمل ہیں اس لئے قرآن پر عمل حضور کی اطاعت پر مبنی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** جب صرف حضور کی اطاعت رب تعالیٰ کی اطاعت ہے تو تم اماموں' ولیوں کی اطاعت کیوں کرتے ہو؟ **جواب:** حضور کی اطاعت کے لئے ان کی اطاعت کی جاتی ہے کہ ان کی تعلیم کی روشنی میں سرکار کے فرمان سمجھیں اور ان پر عمل کریں تم بھی ماں' باپ' استاد' حاکم' حکیم کی اطاعت کرتے ہو' حضور کی اطاعت کے ماتحت ہو **تیسرا اعتراض:** یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ وہاں فرمایا گیا تھا کل من عند اللہ ہر خیر و شر اللہ کی طرف سے ہے اور یہاں ارشاد ہوا کہ شر بندے کی طرف سے۔ **جواب:** اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ پچھلی آیت میں خلق و ارادے کا ذکر تھا اور یہاں رضا و کرم کا تذکرہ ہے اس لئے وہاں فرمایا گیا تھا من عند اللہ اور یہاں ارشاد ہوا من اللہ یہاں عند نہیں ہے کیونکہ من اللہ وہ چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو اور من عند اللہ عام ہے رضاء کا کام ہو یا ناراضی کا۔ ہر خیر و شر اللہ کے ارادے اس کے خلق سے تو ہے مگر اس کی رضا سے نہیں۔ ہماری عام آفتیں ہمارے کسب کے سبب سے ہیں کہ ہم گناہ کرتے ہیں تو رب تعالیٰ ہم پر آفات بھیجتا ہے یہ گناہ ان آفات کا سبب ہیں خلق شر رب کی طرف سے ہے اور کسب شر ہماری طرف سے لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مصیبتیں' آفتیں ہمارے گناہوں کی وجہ سے آتی ہیں مگر حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ پر بھی آفات آتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ گنہگار وہ بھی ہیں۔ **جواب:** ہم پر مصیبتیں ہماری غلطیوں کی وجہ سے آتی ہیں جو ہمارے گناہوں کا کفارہ اور ذریعہ مغفرت بنتی ہیں۔ ان پر مصیبتیں بطور امتحان آتی ہیں جن پر صبر کرنے کی وجہ سے ان کے درجات بڑھتے ہیں نیز ان کا صبر و تحمل لوگوں کے لئے مثال و نمونہ بنتا ہے۔ ان کا صبر و تحمل بھی عملی تبلیغ ہے چنانچہ قرآن مجید میں گذشتہ انبیاء کرام کی مصیبتوں' ان کے صبروں کا ذکر فرما کر' ان کی تعریفیں فرمائی گئیں۔ انہ کان عبدا " شکورا وغیرہ۔ آخر آج بھی چھوٹے ناسمجھ بلکہ شیر خوار بچوں پر بیماریاں' مصیبتیں آتی ہیں یہ ان کے گناہوں کی وجہ سے نہیں وہ تو گناہ کے قابل ہی نہیں بہرحال اس آیت میں ہم جیسے گنہگاروں کا ذکر ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء

www.alahazratnetwork.org

کرام بلکہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بھی گناہ کرتے تھے کیونکہ یہاں دونوں جگہ **ما اصابک** میں کاف خطاب ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں اس لئے کہ آگے آرہا ہے **وارسلنک للناس رسولا** جب اس جگہ کاف خطاب میں حضور سے خطاب ہے تو **ما اصابک** میں حضور سے ہی خطاب ہونا چاہئے۔ ورنہ ایک کلام میں انتشار ضمائر لازم ہو گا۔ یہ فصاحت کے بھی خلاف ہے اور اس صورت میں یہ عبارت گذشتہ عبارت سے بالکل بے تعلق ہو جائے گی کہ وہاں عوام کی مصیبتوں کا ذکر اور یہاں حضور کی رسالت کا تذکرہ۔

نوٹ : آج کل ایک فرقہ پیدا ہوا ہے جو حضرات انبیاء کرام کو فاسق بلکہ مشرک و کافر تک مانتا ہے اس کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب**: یقیناً یہاں پہلے دو کافوں میں عوام سے خطاب ہے اور تیسرے یعنی **وارسلنک** میں حضور سے خطاب اور انتشار ضمائر خلاف فصاحت وہاں ہوتا ہے جہاں اس سے کوئی فائدہ نہ ہو مفید انتشار قرآن کریم میں بہت جگہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک** دیکھو ایک ہی عبارت میں **اعرض** میں خطاب یوسف علیہ السلام سے ہے اور استغفری میں خطاب زلیخا سے۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب ہم عوام سے فرما رہے ہیں کہ انہیں مصیبتیں ان کی اپنی غلطیوں سے آتی ہیں۔ آپ تو اللہ کے رسول ہیں آپ گنہگار ہو سکتے ہی نہیں اگر پیغمبر بھی فاسق و مجرم ہوں تو فاسق کی مخالفت واجب ہوتی ہے اور نبی کی اطاعت لازم نبوت اور فسق جمع نہیں ہو سکتے ورنہ اجتماع ضدین ہو گا اس کی پوری بحث ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو۔ **چھٹا اعتراض**: اگر ہر مصیبت و تکلیف ہمارے اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے تو بے گناہ بچوں، دیوانوں اور نہایت نیک آدمیوں کو جنہوں نے کوئی گناہ نہ کیا ہو انہیں دنیاوی تکالیف کیوں پہنچتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ پہلی جون میں گناہ کر چکے ہیں جن کی سزا اب مل رہی ہے۔ (آریہ)۔ **جواب**: اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ابھی عرض کی گئیں پہلی دو تفسیروں پر تو یہ اعتراض ہے ہی نہیں تیسری تفسیر پر یہ اعتراض ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں **من نفسک** فرمایا گیا **من ذنبک** نہ ارشاد ہوا گنہگاروں کو تکالیف گناہوں کی وجہ سے پہنچتی ہیں نیک کاروں کو بلندی درجات کے لئے کہ رب تعالیٰ جو درجہ انہیں عطا فرمانا چاہتا ہے اس کے لائق ان کی نیکیاں نہیں لہذا انہیں تکالیف دیتا ہے تاکہ وہ صبر کر کے یہ درجہ پالیں، بعض درجات صبر پر موقوف ہیں جیسے شہادت وغیرہ لہذا انہیں تکلیف بھیجی جاتی ہیں۔ **ساتواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے نبی ہیں تمام مخلوق کے نبی نہیں جیسا کہ **للناس** سے معلوم ہوا۔ **جواب**: ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ **للناس** کا لام نفع کا ہے خصوصیت کا نہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے بہت زیادہ نفع انسان نے ہی پایا نیز انسان اصل مخلوق ہے باقی تمام اس کے تابع اس لئے صرف انسانوں کا ذکر فرمایا گیا ورنہ دوسری جگہ ارشاد ہوا **لیکون للعالمین نذیرا** اور ارشاد ہوا **وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین** وہاں **العالمین** فرما کر ساری مخلوق کو شامل فرمایا۔ **آٹھواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف موجودہ اور آئندہ انسانوں کے ہی رسول ہیں گذشتہ انسانوں کے رسول نہیں ہو سکتے۔ **جواب**: حق یہ ہے کہ حضور اگلے پچھلے موجودہ تمام انسانوں کے رسول ہیں گذشتہ نبیوں اور ان کی امتوں پر فرض تھا کہ حضور پر ایمان لائیں بلکہ سارے انبیاء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی فیض لے کر لوگوں کو دیا جیسے رات میں تارے سورج سے نور لے کر زمین کو چمکاتے ہیں۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

فانه شمس فضل هم کواکبها یظهرن انوارها للناس فی الظلم

رسول کی اطاعت بقدر طاقت واجب ہوتی ہے معراج سے پہلے ایمان لانے والے حضرات پر صرف حضور کو رسول مان لینا کافی تھا نماز' روزہ' حج' زکوۃ وغیرہ کوئی حکم نہیں آیا تھا لہذا ان پر عمل بھی نہ تھا یوں سمجھو کہ اسلام کے ابتدائی گیارہ سال ایسے گزرے ہیں کہ۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی ان کی

دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا کافة للناس بشیرا" و نذیرا** " اس کافۃ للناس میں سارے اگلے پچھلے لوگ شامل ہیں۔ گزشتہ شریعتوں کے احکام بھی حضور کی رسالت کے احکام تھے جو بواسطہ انبیاء کرام ان امتوں کو پہنچے جیسے چاند کی چاندنی تاروں کی مختلف روشنیاں سورج ہی کا نور ہے جو ان واسطوں سے ہم کو ملتا ہے۔ اب بھی بچے کے لئے ماں کا دودھ حلال ہوتا ہے جو ان کے لئے حرام ہے۔ حضور کی رسالت کے احکام ہیں جو مختلف وقتوں میں جاری ہیں نیز قادری چشتی نقشبندی سہروردی اسی طرح شافعی' حنفی' مالکی' حنبلی لوگوں پر حضور ہی کے احکام جاری ہیں۔ احکام کا اختلاف زمانہ' قوم سے ہے۔ نواں اعتراض: یہاں رب نے فرمایا **وکفی باللہ شهیدا** اللہ تعالیٰ حضور کا گواہ ہے دوسری جگہ فرمایا **یایها النبی انا ارسلنک شاهدا** ۔ نبی اللہ کے گواہ ہیں اس میں دور لازم آتا ہے نیز حضور نے تو اللہ تعالیٰ کی گواہی دی کہ فرمایا **اشهد ان لا الہ الا اللہ** مگر رب تعالیٰ نے حضور کی گواہی کہاں دی اور کیسے دی۔ جواب: اللہ تعالیٰ حضور کی نبوت رسالت وغیرہ اوصاف حمیدہ کا گواہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ پھر دور کیسا جہت بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے نیز اللہ تعالیٰ نے حضور کی نبوت پر آپ کے معجزات' قرآنی آیات' دیگر آسمانی کتب کی آیات قائم فرمائیں۔ یہ ہی رب تعالیٰ کی گواہی ہے۔ یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ گواہی ہے مسجد کے منبر و محراب اس کے مسجد ہونے کے گواہ ہیں علامات و حالات گواہی دیا کرتے ہیں غرضکہ رب تعالیٰ کی گواہی بالکل صحیح و درست ہے۔ جس میں شک و شبہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو حضور کے صحابہ' ازواج پاک کی بھی گواہی دی ہے دیکھو حضرت مریم و یوسف علیہ السلام کو تہمت لگی تو بچوں سے گواہی دلوائی مگر حضور کی زوجہ پاک جناب حضرت عائشہ کو تہمت لگی تو خود گواہی دی کہ سورہ نور میں ان کی پاک دامنی کی بہت سی آیات نازل فرمادیں۔ یہ ہے رب تعالیٰ کی گواہی۔ دسواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اس کے برعکس کیوں نہ فرمایا گیا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی۔ جواب: چند وجہ سے ایک یہ کہ رب تعالیٰ غیب الغیوب ہے جسے کسی نے آج تک نہ دیکھا سواء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاہد و مشہود ہیں غائب کی اطاعت شاہد کے ذریعہ ہو سکتی ہے دیکھو رب کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف کرو کہ رب غیب ہے کعبہ مشاہد۔ یونہی رب کی اطاعت کرنا ہو تو حضور کی اطاعت کرو حضور کعبہ ایمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور کی اطاعت اقوال' اعمال و افعال ہر چیز میں کی جاوے گی۔ خدا تعالیٰ کی اطاعت اقوال و احکام میں بھی نہیں ہو سکتی کہ وہ مجمل ہیں جب حضور شرح کریں تو ان پر عمل ہو۔ تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ کے ہاں اجمال ہے حضور کے ہاں شرح و تفصیل متن کی سمجھ شرح سے ہوتی ہے اجمال پر عمل تفصیل کے بعد ہوتا ہے یہ آیت تو منکرین حدیث کے لئے موت ہے کہ وہ انکار حدیث بھی کرتے ہیں' پھر اللہ کی اطاعت کا دعویٰ بھی'

www.alahazratnetwork.org

یعنی کعبہ کا انکار بھی کرتے ہیں کعبہ سے منہ پھیرے ہوئے بھی ہیں اور پھر خدا کو سجدہ بھی کر لیتے ہیں اب تک یہ معمہ ہماری سمجھ میں نہ آیا۔ **گیارھواں اعتراض:** جیسے ہمارے گناہ مصیبتوں کا ذریعہ ہیں ایسے ہی ہماری نیکیاں رحمتوں کا ذریعہ جیسا کہ احادیث شریفہ اور آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ بھلائی رب کی طرف سے ہے اور شر تمہاری طرف سے **جواب:** اس لئے کہ ہم کو نیکیوں کو توفیق ملنا رب کی طرف سے ہے اور گناہ ہماری اپنی طرف سے' نتیجہ وہ ہی ہوا کہ خیر رب کی طرف سے ہے اور شر ہماری طرف سے۔

تفسیر صوفیانہ : ہم اور ہماری ذات بیماریوں کا سرچشمہ اور گناہوں کا مرکز ہے ہم سے جب ہو گا تب گناہ و قصور ہی ہو گا رب تعالیٰ کا کرم 'فضل و انعام کا سرچشمہ ہے۔ جب وہ کرم کرے تو ہم کچھ نیکیاں کر لیں زمین سے سانپ 'بچھو' کیڑے مکوڑے 'خار دار درخت ہی نکلتے ہیں ہاں کوئی شخص اس میں اچھے تخم بو دے تو بار آور درخت بھی نکل پڑتے ہیں اسی لئے ارشاد ہوا کہ خیر رب کی طرف سے ہے اور شر تمہاری طرف سے ہم نے عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما خطا از تو عطا اے رحیم از ما جفا از تو وفا
کار ما بدکاری و شرمندگی کار تو ستاری و بخشندگی

جب ہمارا حال یہ ہے کہ ہم برائیوں بدکاریوں کے سرچشمہ ہیں تو ضرورت تھی کہ کوئی ایسا برزخ کبریٰ ہم میں تشریف لائے جو ہمارے نفوس کی زمین میں عبادات ریاضات کی کاشت فرمادے اور اسی برزخ کبریٰ کا نام رسول ہے' فرمایا گیا اے محبوب ان زمینوں میں اچھی کاشت کرنے کے لئے ہم نے آپ کو بھیجا عام لوگ مخصوص زمین کی کاشت کر سکتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ ہستی ہے جنہوں نے سارے انسانوں اگلے پچھلے موجودہ آدمیوں کے دلوں میں ایسی اعلیٰ کاشت فرمائی کہ سبحان اللہ۔ تاقیامت علماء 'اولیاء صالحین کی پیداوار اسی کاشت کا نتیجہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فانی فی اللہ باقی باللہ قائم مع اللہ ہیں آپ اللہ کے خلیفہ ہیں کہ آپ کی بیعت اللہ کی بیعت ہے آپ کا کنکر پھینکنا رب کا پھینکنا ہے اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خلیفہ ہے کہ سرکار نے خود فرمایا کہ دجال کی آمد پر اللہ خلیفتی علی امتی اللہ تعالیٰ میری امت پر میرا خلیفہ ہے۔ اس لئے جس نے حضور کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی جب اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کی اطاعت کی وجہ سے جنت تک پہنچ سکتا ہے تو حضور کی اطاعت کر کے انسان کیوں نہ جنت قرب تک پہنچیں۔

حمد بے حد مر رسول پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را
اے کعبہ راز یمن قدوم تو صد شرف وے مروہ راز مقدم پاک تو صد صفا
بطحیٰ ز نور طلعت تو یافتہ فروغ یثرب زخاک پائے تو بارونق و بہا

ان کے دم سے خاک مکہ زمین مدینہ پر بہار ہو گئی ان کے قدم سے مزدلفہ و عرفات کے خشک میدانوں میں رونق لگ گئی تو ان کی نظر سے ہمارے اجڑے ہوئے دل کیوں آباد نہ ہوں گے یہ بہرحال یہ آیت کریمہ نعت مصطفوی کا بہترین گلدستہ ہے اس کی شرح حضور کے اوصاف حمیدہ کا تذکرہ مجھ جیسے مجہول انسان سے ناممکن ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خم زلف و رخت راشرح والون　　شب یلد در لز و ماہتاب
کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبح تیری مہربانی

صوفیا فرماتے ہیں کہ اطاعت خدا وہی ہے جو اطاعت رسول ہو عبادت اور عادت میں فرق حضور کی اطاعت سے ہے اعلیٰ درجہ کا کام اگر اطاعت رسول سے خالی ہو تو بیکار ہے جیسے بغیر مکھن کا دودھ یا بغیر تخم کا بادام اور اگر بظاہر برا کام اطاعت رسول کے لئے ہو تو عبادت ہے۔ دیکھو کفار کے صدقہ و خیرات جاہل مسلمانوں کے خلاف سنت اعمال جو بظاہر اچھے معلوم ہوں جیسے رات بھر نوافل اور بغیر جماعت نماز وغیرہ طلوع و غروب کے وقت نماز کہ بظاہر یہ اچھی چیزیں ہیں مگر اطاعت رسول سے خالی ہیں لہٰذا عبادت نہیں اور حضور کے بلانے پر نماز کو چھوڑ کر حاضر ہو جانا بظاہر برا ہے مگر چونکہ اطاعت رسول ہے لہٰذا عبادت ہے حضور کی نقل خدا کو پیاری ہے۔

وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ

اور کہتے ہیں فرمانبرداری پھر جب باہر جاتے ہیں تمہارے پاس سے تو ان میں سے ایک گروہ رات میں سوچتے ہیں اس
اور کہتے ہیں ہم نے حکم مانا پھر جب تمہارے پاس سے نکل کر جاتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ جو کہہ گیا

الَّذِي تَقُولُ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ

کے سوا جو آپ فرماتے ہیں اور لکھ رہا ہے وہ جو سازشیں کرتے ہیں تو منہ پھیرو ان سے اور بھروسہ کرو اللہ پر
تھا اس کے خلاف رات کو منصوبے گانٹھتا ہے اور اللہ لکھ رکھتا ہے ان کے رات کے منصوبے تو اے محبوب تم ان

وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴿٨١﴾ أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ

اور کافی ہے اللہ کارساز کیا پس نہیں سوچتے وہ قرآن کو اور اگر ہوتا وہ اللہ کے سوا غیر کے پاس
سے چشم پوشی کرو اور اللہ کافی ہے کام بنانے کو تو کیا غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر وہ غیر خدا کے پاس سے

لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

سے تو البتہ پاتے وہ اس میں بڑا اختلاف
ہوتا تو ضرور اس میں بہت اختلاف پاتے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اسلامی اہم عقیدے کا بیان تھا کہ خیر کو رب تعالیٰ کی طرف سے سمجھو شر کو اپنی طرف سے اب منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ وہ ان باتوں کو ظاہری طور پر تو مان لیتے ہیں دل سے نہیں مانتے گویا عقیدے کا ذکر پہلے تھا انکار کرنے والوں کا ذکر اب ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ذکر تھا

www.alahazratnetwork.org

کہ اے محبوب آپ کی نبوت و رسالت کے ہم گواہ ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ ہماری گواہی کے باوجود ضدی لوگ انکار کرتے ہی جائیں گے گویا گواہی کا ذکر پہلے تھا اور ضدی لوگوں کے قبول نہ کرنے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین کی بری حرکات کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ آپ ان کی پروا نہ کریں آپ کا چاند چمکتا ہی رہے گا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں اطاعت رسول کو اطاعت خدا قرار دیا گیا تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ اطاعت رسول وہ ہے جو دل سے ہو محض زبانی اطاعت یا بے دلی کی عملی اطاعت اطاعت خدا نہیں۔

شان نزول: منافقین مدینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضر ہوتے تو کہتے کہ حضور ہم بالکل فرمانبردار ہیں جو آپ حکم دیں ہم ماننے کو تیار ہیں مگر گھروں میں جا کر اس کے خلاف باتیں کرتے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن)۔

تفسیر: **ویقولون طاعۃ** یہ علیحدہ جملہ ہے **یقولون** کا فاعل وہ ہی منافقین ہیں جن کا تذکرہ اوپر سے چلا آرہا ہے طاعۃ مرفوع ہے کہ یا تو امرنا یا شاننا وغیرہ پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے یا مبتدا ہے جس کی خبر پوشیدہ ہے یا منصوب ہے اطعنا فعل پوشیدہ کا مفعول مطلق جیسے اہل عرب کہا کرتے ہیں سمعا" وطاعۃ" یعنی یہ منافقین آپ سے عرض کرتے ہیں کہ ہمارا کام تو آپ کی اطاعت ہی کرنا ہے یا ہم تو آپ کی اطاعت ہی کریں گے۔ **فاذا برزوا من عندک** یہ منافقین کی تصویر کا دوسرا رخ ہے برزوا بنا ہے بروز بمعنی خروج سے اسی لئے میدان کو براز کہا جاتا ہے کہ انسان گھر سے نکل کر وہاں جاتا ہے عندک سے مراد ہے آپ کی مجلس پاک سے نکل جانا اور وہاں پہنچ جانا جہاں نہ آپ ہوں نہ آپ کا کوئی مخلص صحابی یعنی جب یہ آپ کی مجلس شریف سے نکل کر باہر جاتے ہیں جہاں کوئی مومن مخلص صحابی موجود نہ ہو تو **بیت طائفۃ منہم غیر الذی تقول** یہ عبارت اذا گذشتہ کی جزا ہے بیت تبیت کا ماضی ہے جس کا مادہ ہے بیت بمعنی گھر یا بیت بمعنی نظم یا قصیدے کا ایک شعر تبیت اور بیت کے معنی ہیں۔ رات کے وقت دشمنی کا قصد کرنا یا اس کی تدبیریں سوچنا چونکہ اہم مشورے و تدبیریں رات کی یکسوئی میں ہی کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ہر اہم تدبیر سوچنے یا اہم دشمنی کرنے کو بیات یا تبیت کہہ دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **یا تیہم باسنا بیاتا** اور اگر بیت بمعنی شعر سے بنا ہے تو چونکہ شعر سوچا جاتا ہے اس لئے بمعنی سوچنا ہوگا **طائفۃ منہم** سے مراد منافقین کا ایک ٹولہ ہے چونکہ منافقوں کے سرداروں کا کام تھا سوچنا عام منافقین کا کام تھا ان کے مشوروں پر عمل کرنا اس لئے یہاں طائفۃ منہم ارشاد ہوا۔ غیر بمعنی سوا ہے الذی سے مراد ہے وہ گفتگو یا کلام۔ تقول یا صیغہ واحد مونث ہے جس کا فاعل وہ جماعت منافقین ہے یا صیغہ واحد مذکر حاضر جس کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی آپ کی مجلس سے باہر جا کر ان منافقین کا ایک گروہ سردار اس کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں جو آپ سے کہہ کر گئے تھے کہ فرمانبرداری کا وعدہ کیا تھا اور نافرمانی کی تدبیریں سوچتے ہیں یا آپ جو حکم دیتے ہیں اس کی مخالفت کی سازشیں کرتے ہیں کہ کس تدبیر سے آپ کے حکم کے خلاف ورزی بھی کرلیں اور ان کا نفاق بھی ظاہر نہ ہو **واللہ یکتب ما یبیتون** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کی سازشوں کا انجام بیان فرمایا گیا یکتب سے مراد یا تو ان کے نامہ اعمال میں لکھنا ہے یا قرآن کریم میں لکھ دینا اگرچہ نامہ اعمال لکھنا فرشتوں کا کام ہے اور قرآن مجید لکھنا کاتبین وحی صحابہ کا کام مگر چونکہ یہ دونوں جماعتیں اللہ کی مقبول جماعتیں ہیں اس لئے اس تحریر کو رب تعالیٰ نے اپنا کام قرار دیا یا مصدر یہ ہے یا

www.alahazratnetwork.org

موصولہ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ساری سازشوں کو یا جو کچھ وہ سوچتے ہیں اس سب کو ان کے نامہ اعمال میں لکھ کر محفوظ فرما رہا ہے تاکہ انہیں کل قیامت میں اس کی سزا دی جاوے یا قرآن کریم میں لکھ رہا ہے تاکہ وہ بدنام ہوں اور ان کی منافقت کا پردہ چاک ہو جاوے۔ **فاعرض عنهم وتوكل على الله** یہاں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے اعراض سے مراد یا تو ان کا پردہ چاک نہ کرنا ہے یا ان پر جہاد نہ فرمانا پہلی صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کہ بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں رسوا فرمادینے کا حکم دے دیا اور حضور نے انہیں نام بنام لوگوں پر ظاہر فرمادیا دوسرے معنی پر یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں کہ منافقین پر تلوار کا جہاد نہیں ہوا یعنی جب اللہ تعالیٰ خود ہی انہیں سزا دے گا تو اے محبوب آپ ان کی طرف توجہ نہ فرماؤ انہیں ان کے حال پر رہنے دو آپ اللہ پر بھروسہ کرو ان کی تمام تدبیریں بیکار ہوں گی آپ کا دین ترقی کرے گا **وكفى بالله وكيلا** یہ پچھلے حکم کی علت ہے **وكيلا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ جسے کام سپرد کیا جاوے، جو کسی کے کام کا ذمہ دار بن جاوے وہ وکیل ہے۔ جس کے معنی ہیں کار ساز یعنی اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔ جب وہ حامی ہے تو کوئی کیا کر سکتا ہے **افلا يتدبرون القران** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان منافقین کے نفاق کا علاج بیان ہوا کہ اگر یہ منافقین قرآن کریم میں غور و فکر کریں تو آپ کو سچا رسول مان لیں نیز پچھلی آیت میں منافقوں کی بری فکروں کا ذکر تھا اب انہیں اچھی فکر کی ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم اسلام کے خلاف فکریں کرنے کے بجائے قرآن کی حقانیت میں تدبر و غور کیا کرو۔ یتدبرون تدبر کا مضارع ہے۔ جس کا مادہ ہے دبر بمعنی پیچھے اسی لئے پیٹھ کو دبر کہتے ہیں کہ وہ جسم کا پچھلا حصہ ہے رب فرماتا ہے **وادبار النجوم** اور فرماتا ہے **من ادبر وتولى** تدبیر اور تدبر کے معنی ہیں کاموں کے پیچھے یعنی انجام میں غور کرنا نتائج میں فکر کرنا اس کا فاعل وہ مذکور منافقین ہیں یعنی ان کے نفاق کی وجہ ہے آپ کو دل سے نبی نہ ماننا اور اس نبی نہ ماننے کی وجہ ہے قرآن حکیم میں غور و فکر نہ کرنا تو یہ لوگ قرآن حکیم میں سوچ بچار غور و خوض کیوں نہیں کرتے خیال رہے کہ اچھی سوچ و فکر ذہن و دماغ کی عبادت ہے چند چیزیں سوچنا عبادت ہے اپنے گناہ سوچنا کہ اس سے توبہ کی توفیق ملتی ہے رب تعالیٰ کے انعام سوچنا کہ اس سے شکر کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ حضور کے کمالات سوچنا کہ اس سے ایمان کامل ہوتا ہے قرآن کے فضائل سوچنا کہ اس سے عرفان ملتا ہے۔ قرآن کے متعلق گیارہ چیزیں سوچنا چاہئیں۔ **ولو كان من عند غير الله** قرآن کریم کی چند صفات میں غور کرنا چاہئے ایک اس کی فصاحت و بلاغت میں کہ ایسا فصیح و بلیغ کلام ہے کہ اس کے مقابلہ سے دنیا بھر کے فصیح و بلیغ عاجز ہیں دوسرے اس کی غیبی خبروں میں اس نے گذشتہ حالات آئندہ واقعات کی صدہا خبریں دیں جو ہو بہو درست نکلیں۔ تیسرے اس میں اختلاف نہ ہونے میں چوتھے اس کی کشش و جذبہ میں کہ بغیر سمجھے پڑھا جاوے پھر بھی تڑپا دیتا ہے جیسا کہ بعض قاریوں کی تلاوت کے وقت دیکھا گیا ہے ورنہ کوئی کتاب کوئی کلام بغیر سمجھے لطف نہیں دیتا۔ پانچواں اس کے پرانا نہ ہونے میں کہ ہمیشہ پڑھو مگر پرانا نہیں ہوتا ورنہ اعلیٰ سے اعلیٰ کلام بار بار پڑھنے سے پرانا ہو کر بے لطف ہو جاتا ہے۔ چھٹے اس کے حفظ ہو جانے میں کہ کوئی دنیاوی و دینی کتاب حفظ نہیں ہوتی مگر قرآن کریم اتنی بڑی کتاب بچوں تک کو حفظ ہو جاتی ہے یہاں تیسری بات کا ذکر فرمایا گیا۔ غیر اللہ میں فرشتے جن و انس وغیرہ سب ہی داخل ہیں یعنی اگر یہ قرآن مجید کلام الٰہی نہ ہوتا کسی فرشتے یا جن یا انسان یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا کلام ہوتا تو **لوجدوا فيه اختلافا كثيرا** " یہ جملہ لو مذکورہ کی جزا ہے **وجدوا** کا فاعل یا تو وہ مذکورین منافقین ہیں یا تمام لوگ **فيه** کا مرجع قرآن مجید ہے اختلاف سے مراد تناقض و تفاوت ہے یہ ہی سیدنا عبداللہ ابن عباس کا قول ہے یعنی اس کی عبارتوں کا یکساں نہ ہونا بعض آیات فصیح ہوتیں بعض غیر فصیح

www.alahazratnetwork.org

اور اس کے احکام و خبریں آپس میں متناقض و مخالف ہوتیں کہ کہیں کچھ کہتا اور کہیں اس کے خلاف جیسا کہ انسانوں کے کلام میں دیکھا جاتا ہے کہ بڑے سے بڑا عالم اگر کوئی موٹی ضخیم کتاب بنائے تو اس کے کلام میں یکسانیت نہیں ہوتی بعض کلام اعلیٰ ہوتا ہے بعض ادنیٰ پھر اسے یاد نہیں رہتا کہ میں پہلے کیا لکھ چکا ہوں خود ہی اپنے لکھے کے خلاف لکھ جاتا ہے قرآن حکیم بہت بڑی کتاب ہے جس میں صدہا علوم جمع ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف حالات میں اترا کوئی آیت گھر میں آرام فرماتے ہوئے آئی کوئی جنگ کے میدان میں پریشانی کی حالت میں اتری مگر کیا مجال کہ اس میں ذرہ بھر فرق تو ہو جاوے بالکل نہیں اس سے صاف معلوم ہوا کہ یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بنایا ہوا نا کلام نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا اتارا ہوا کلام ہے اور جب کلام اللہ تعالیٰ کا ہے تو جس پر یہ کلام آیا وہ بھی رسول برحق ہے یہ سوچیں اور اخلاص سے ایمان لائیں۔

خلاصہ ء تفسیر: یہ منافقین ایسے بدباطن ہیں کہ آپ کی مجلس پاک میں آپ سے اور آپ کے مخلص صحابہ سے نہایت معصومیت کے لہجہ میں کہتے ہیں کہ حضور ہمارا کام صرف آپ کی اطاعت ہے ہم نے تو سواء آپ کی فرمانبرداری کے اور کچھ سیکھا ہی نہیں مگر جب آپ کی مجلس سے باہر جاتے ہیں اور آپس میں جمع ہوتے ہیں جہاں آپ اور آپ کے مخلص صحابہ نہ ہوں تو جو کچھ آپ سے کہہ گئے تھے اس کے خلاف تدبیریں سوچتے منصوبے گانٹھتے ہیں مگر سب نہیں بلکہ ان کی سردار باقی عام منافقین ان کی بتائی تدبیروں پر عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی یہ تدبیریں ان کے نامہ اعمال یا قرآن کریم میں لکھ رہا ہے جس پر انہیں سزا دی جاوے گی یا آئندہ رسوا کیا جاوے گا اے محبوب جب ہم ان کا انتظام فرما رہے ہیں تو آپ ان کی فکر نہ فرماویں ان سے چشم پوشی کریں ابھی ان کا پردہ چاک نہ کریں یا کبھی ان پر تلوار کا حملہ نہ فرماویں آپ تو اللہ تعالیٰ پر توکل و بھروسہ کریں وہ ہی اچھا کارساز ہے جب وہ آپ کا حامی ہے تو کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا یہ منافق لوگ بجائے سازشیں کرنے خفیہ تدبیریں سوچنے کے قرآن کریم میں تدبر اور غور و خوض کیوں نہیں کرتے اور جو وقت ان سازشوں میں گذارتے ہیں وہ اس نیک کام میں کیوں نہیں صرف کرتے اگر یہ قرآن مجید ہمارا کلام نہ ہوتا آپ کا بنایا ہوا ہوتا جیسا کہ ان کا خیال ہے تو اس قرآن میں انہیں یکسانیت اور روانیت اس درجہ کی نہ ملتی بلکہ دوسرے انسانی کلاموں کی طرح اس کی کوئی آیت اعلیٰ درجہ کی فصیح ہوتی کوئی غیر فصیح اسی طرح تمام کلام یکساں سچا اور غیر متعارض نہ ہوتا بلکہ اس میں کہیں کچھ ہوتا کہیں اس کے خلاف۔ خیال رہے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات بہت مختلف ہیں آپ کبھی غار حرا میں گوشہ نشین تارک الدنیا ہیں تو کبھی ملک حجاز کے بادشاہ کبھی تمام عرب آپ کا دشمن تو کبھی ہر طرف آپ کے غلام ہی غلام ہیں کبھی آپ شب ہجرت دشمنوں میں گھرے ہیں تو کبھی چاروں طرف آپ کے خدام و نیازمند سر جھکائے بیٹھے ہیں کبھی مسجد میں امام اعظم ہیں تو کبھی میدان جنگ میں جرنیل اعظم ہیں کبھی عدالت کے فرائض انجام دے کر مقدمات طے فرما رہے ہیں تو کبھی اپنے غلاموں کے ساتھ نہایت سادگی و تواضع و انکساری سے اس طرح بیٹھے ہیں کہ اجنبی آنے والا آپ کو پہچان بھی نہیں سکتا اب اگر قرآن کریم آپ کا بنایا ہوا ہوتا تو جیسے آپ کے مذکورہ حالات اس قدر مختلف ہیں قرآنی آیات بھی یوں ہی مختلف ہوتیں حضور کی مختلف حالتوں پر نظر ڈالو اور قرآن کریم کی یکسانیت میں غور کرو تو بے تامل کہنا پڑے گا کہ یہ کلام اللہ ہے مگر غور کی ضرورت ہے۔ کلام متکلم کی حالت کا آئینہ دار ہوتا ہے غضب کا کلام اور ہے رحم کا کلام کچھ اور گھبراہٹ کا کلام اور ہوتا ہے سکون کا کچھ اور قرآن کریم کی روشنی سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کا کلام ہے جو گھبراہٹ و سکون طیش و عیش سے پاک ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** قول و عمل میں مطابقت نہ ہونا کہ باتیں اچھی ہوں عمل اس کے خلاف منافقت کی علامت ہے۔ جیساکہ غیرالذی تقول کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ ہمارے اعمال اقوال سے بھی زیادہ اچھے ہوں **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کے خلاف سوچنا منافقین کا عمل ہے ان کی اطاعت آنکھ بند کرکے کرنی چاہئے جیساکہ غیرالذی تقول کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا جب کہ تقول واحد مخاطب کا صیغہ ہو **تیسرا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کے کام در حقیقت اللہ تعالیٰ کے کام ہیں۔ دیکھو بندوں کے نامہ اعمال لکھنا کاتبین اعمال فرشتوں کا کام ہے اور قرآن مجید لکھنا کاتب وحی ہونا خاص صحابہ کا عمل ہے مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ یکتب ما یبیتون** ان کی سازشیں اللہ تعالیٰ لکھ رہا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ پر بھروسہ کرنے والے کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا اس کے مقابل تمام کی تدبیریں بیکار ہیں۔ جیساکہ وتوکل علی اللہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن کریم میں غور و فکر کرنا جس سے اس کی حقانیت معلوم ہو عبادت ہے۔ جیساکہ **افلا یتدبرون** القرآن سے معلوم ہوا علماء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی ایک آیت تدبر و غور سے پڑھنا بغیر تدبر ہزار آیات پڑھنے سے افضل ہے ذکر قرآن، فکر قرآن، نظر قرآن سب ہی عبادت ہے۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کے معنی معلوم ہیں غیر معلوم نہیں جیساکہ **افلا یتدبرون** القران سے معلوم ہوا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ معانی قرآن سوا نبی اور امام معصوم کے کوئی نہیں جانتا کیونکہ ایسا ہوتا تو منافقوں کو قرآن میں تدبر کرنے کا حکم نہ دیا جاتا (تفسیر کبیر) **ساتواں فائدہ:** تقلیدی ایمان معتبر نہیں ایمان تحقیقی چاہئے یہ فائدہ بھی **افلا یتدبرون القران** سے حاصل ہوا دیکھو منافقین کو حکم دیا گیا کہ قرآن کریم میں غور و خوض کرکے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لائیں (کبیر) **آٹھواں فائدہ:** قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل ہے یعنی اس کے اوصاف معلوم کرکے حضور کے اوصاف معلوم کرو خیال رہے کہ قرآن معجزۂ رسول ہونے کی وجہ سے رسول کی دلیل ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کی حیثیت سے قرآن کے کلام اللہ ہونے کی دلیل ہیں یعنی ہم نے دوسرے معجزات کی طرح قرآنی معجزہ کو دیکھ کر حضور کو نبی مانا اور حضور کے فرمانے سے کہ یہ قرآن جو ہم پڑھ رہے ہیں کلام الٰہی ہے ہم نے قرآن کو کلام الٰہی مانا حضور کا منہ زبان و لب قرآن و حدیث کی کان ہے اسی سے ہم نے قرآن سنا اسی سے حدیث سنی جسے انہوں نے قرآن کہا ہم نے اسے قرآن مانا اور جسے حدیث بتایا ہم نے اسے حدیث مانا یہ مسئلہ قابل غور ہے بعض صحابہ نے نزول قرآن سے پہلے حضور کی ذات سے حضور کی نبوت مان لی۔ **نواں فائدہ:** قرآنی آیات آپس میں متعارض نہیں سب متفق و متوافق ہیں اگر کہیں ہم کو اختلاف معلوم ہو تو یہ ہماری سمجھ کا قصور ہے علم کی کمی ہے قرآن میں اختلاف ہرگز نہیں جیساکہ **لوجدوا فیہ** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** موجودہ انجیلیں کلام الٰہی نہیں بلکہ انسانی بناوٹی کتابیں ہیں کیونکہ ان میں اتنا اختلاف ہے کہ حضرت مسیح کے نسب تک میں اختلاف ہے کہیں ہے کہ حضرت مسیح خدا کے بیٹے اور خداوند ہیں کہیں ہے کہ وہ لعنتی تھے کہیں ہے کہ شریعت کی پیروی ضروری ہے کہیں ہے کہ شریعت لعنت ہے جس سے ہم کو مسیح نے چھڑایا دیکھو ہماری کتب رد عیسائیت وغیرہ اور دیکھو کتاب ازلہ۔

پہلا اعتراض : یہاں فرمایا گیا کہ منافقوں کا ایک ٹولہ سازشیں کرتا ہے حالانکہ سارے ہی منافق سازشیں کرتے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: نہیں بلکہ ان کے سردار سازشیں کرتے تھے اور عوام منافق ان سوچی سازشوں پر عمل کرتے تھے لہٰذا یہ فرمان برحق ہے **دوسرا اعتراض:** یہاں قرآن کریم نے فرمایا **فاعرض عنهم** ان سے چشم پوشی کرو مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم** اے محبوب کفار اور منافقوں پر جہاد کرو اور ان پر خوب سختی کرو آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں اعراض کے تین معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ آپ ان کی حرکتوں پر غم نہ کرو چشم پوشی کرو دوسرے یہ کہ ان پر تلوار نہ اٹھاؤ چشم پوشی فرماؤ تیسرے یہ کہ ان کے راز فاش نہ کرو ان کا پردہ رہنے دو پہلے دو معنی کی بنا پر یہ آیت محکم ہے تیسرے معنی کی بنا پر یہ آیت جاهد الكفار والمنافقين سے منسوخ ہے لہٰذا دونوں آیتوں میں تعارض نہیں غم و فکر نہ کرنا اور ہے اور ان پر جہاد کرنا کچھ اور کفار پر تلوار سے جہاد ہوا منافقین پر تلوار سے جہاد کبھی نہ ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو قرآن مجید میں غور فکر اجتہاد اور اس سے مسائل کا استنباط کرنا چاہئے مگر تم کہتے ہو کہ سوا علماء مجتہدین کے قرآن سے اجتہاد کوئی نہ کرے کسی کو کسی شخص کی تقلید درست نہیں ہر شخص قرآن و حدیث میں غور کرے۔ **جواب:** قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت میں غور اس کی دلکش جاذبیت میں نظر و فکر جس سے ایمان تازہ ہو جائے سب کریں مگر اس سے مسائل کا استنباط عوام اور جہلاء نہ کریں ورنہ دین برباد ہو جاوے گا اگر جاہل آدمی علم طب میں غور کر کے علاج شروع کر دے تو لوگوں کی جان لے گا اور اگر قرآن مجید میں غور کر کے مسائل نکالے گا تو لوگوں کے ایمان برباد کرے گا ہر شخص کا غور علیحدہ ہے سمندر کی سطح سب لوگ دیکھیں اور اس سے رب تعالیٰ کی قدرت کے قائل ہوں مگر ہر شخص اس میں غوطے لگا کر موتی نکالنے کی کوشش نہ کرے ورنہ جان کھوئے گا مجتہدین قرآن و حدیث سے مسائل نکالیں۔ صوفیاء کرام اس کے اسرار معلوم کریں علماء غور کر کے احکام کی حکمتیں معلوم کریں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم میں اختلاف نہیں مگر بہت سی آیات دوسری آیات کے خلاف ہیں دیکھو رب فرماتا ہے **لا تدركه الابصار** اللہ تعالیٰ کو آنکھیں نہیں پا سکتیں۔ مگر دوسری جگہ فرماتا ہے **الى ربها ناظرة** بعض لوگ اپنے رب کو دیکھیں گے ایک جگہ فرماتا ہے **لا يسئل عن ذنبه انس ولا جان** کسی انس و جن سے اس کے گناہ کے متعلق پوچھ گچھ نہ ہوگی مگر دوسری جگہ فرماتا ہے **لنسئلنهم اجمعين** ہم تمام کفار سے سوال فرمائیں گے وغیرہ وغیرہ **جواب:** پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ اس قسم کے اختلاف ہماری کم فہمی سے ہیں قرآن کریم میں اختلاف نہیں چنانچہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ دنیا میں یہ آنکھیں خدا کو نہیں دیکھ سکتیں اور اس دوسری آیت کے معنی ہیں کہ جنت میں جنتی لوگ وہاں کی آنکھوں سے خدا کو دیکھیں گے یا کوئی خدا تعالیٰ کا احاطہ نہیں کر سکتا مگر اس کے جمال کے نظارے جنتی کریں گے ہم آسمان یا سمندر کو دیکھ تو لیتے ہیں مگر ان کا احاطہ نہیں کر سکتے اس طرح پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ قیامت میں ہر ایک کا کفر و ایمان چہروں سے ظاہر ہوگا کوئی دوسرے سے اس کے ایمان و کفر کے متعلق دریافت نہ کرے گا اور دوسری آیت کے معنی ہیں کہ رب تعالیٰ ان کا حساب لے گا ان سے پوچھ گچھ اور پرسش فرمائے گا وغیرہ وغیرہ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات میں نسخ نہیں کیونکہ نسخ بھی ایک طرح کا اختلاف ہی ہے پھر تم بعض آیات کو منسوخ کیوں مانتے ہو **جواب:** اس کا جواب ہم تیسرے پارے میں نسخ کی بحث میں دے چکے ہیں کہ اختلاف اور چیز ہے نسخ دوسری چیز نسخ آیات ہمارے حالات کے اختلاف کی وجہ سے ہوتا ہے اگر طبیب بیمار کے حالات میں نظر فرما کر اپنے نسخے میں تبدیلی کرے تو یہ اس کا کمال ہے اور اگر ایک ہی بیمار کو کبھی کوئی دوا دے کبھی کوئی تو یہ اسی کی جہالت ہے۔ **چھٹا اعتراض:**

www.alahazratnetwork.org

ہم نے حضور سے قرآن کو پہچانا یا قرآن سے حضور کو یہاں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے حضور کو پہچانا مگر بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سے قرآن کو پہچانا ان میں موافقت کیوں کر ہو۔ **جواب:** ایک حیثیت سے ہم نے قرآن سے حضور کو پہچانا قرآن کلام الٰہی ہے جسے جبریل لائے مگر ہم نے جبریل کو آتے لاتے سناتے نہ دیکھا سرکار نے فرمایا کہ یہ جو ہم اب پڑھ رہے ہیں یہ کلام الٰہی قرآن ہے ابھی جبریل امین آئے تھے یہ سنا گئے یہ بات ہم نے حضور سے مانی اور اس لحاظ سے ہم نے قرآن کو حضور سے مانا۔ مرغی انڈے سے ہے اور انڈا مرغی سے مگر دور نہیں جناب ہم نے ایک طرح تو خدا کو حضور سے پہچانا اور دوسری طرح خدا تعالیٰ سے حضور کو مانا کہ اس نے فرمایا محمد رسول اللہ یہ سوال و جواب بہت دلچسپ ہے اس کے متعلق بہت کچھ اس آیت کے ماتحت کہا جا چکا ہے **وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا** اللہ تعالیٰ حضور کا گواہ کفی باللہ شہیدا اور حضور اللہ تعالیٰ کے گواہ انا **ارسلناک شاھدا**

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں قرآن مجید اس سورج کی نورانی شعاعیں لوگوں کے دل مختلف ہیں سورج کی شعاعیں آئینہ میں پڑیں تو آئینہ جھلک جاتا ہے کہ اس میں صفائی اور قابلیت بہت ہے مخلصین صدیقین کے دلوں میں قرآنی شعاعیں پڑیں تو ان کا حال یہ ہوا کہ فزادتہم ایمانا "ان کے ایمان بڑھ گئے اور وہ پکار اٹھے سمعنا و اطعنا مگر منافقین کے دل تاریک تھے وہ اس سورج کی ان شعاعوں کی وجہ سے جھلک نہ سکے ان کے دل ہوی' ہوس' شہوت حرص وغیرہ غباروں سے سیاہ ہو چکے تھے تو ان کا حال وہ ہوا جو یہاں مذکور ہے کہ مجلس پاک میں کہتے تھے طاعۃ اور پیچھے کرتے تھے سازشیں منہ سے بولتے تھے سمعنا دل سے کہتے عصینا ان پر عذاب الٰہی آیا اور فرمادیا گیا کہ محبوب ان پر غم نہ کرو تم سورج ہو مگر ان کے دل سیاہ ارشاد باری ہو رہا ہے کہ اگر میرے بندے قرآن کریم کے معجزات 'انوار' ہدایات' نظم آیات کمال فصاحت جمال بلاغت الفاظ کی روانی معانی کی جولانی 'اسرار کی بیانی میں غور کرتے تو اس قرآن میں ہر بیماری کی دوا ہر مرض سے شفاء ہر آنکھ کے لئے جلا ہر دل کے لئے صفا ہر چہرے کی روشنی ہر ذہن کی ذکاوت پاتے اس کے عجائب ختم نہیں ہوتے یہ ہے قرآن کریم کی حقانیت کی دلیل مولانا فرماتے ہیں۔

چوں تو در قرآنِ حق بگریختی ۔۔۔ باروانے انبیاء آمیختی!
ہست قرآں حالہائے انبیاء ۔۔۔ ماہیان بحر پاک کبریا!
ور بخوانی ونہ قرآں پذیر ۔۔۔ انبیاء واولیاء دیدہ گیر!

جیسے دنیا کا سمندر جہاز کے ذریعہ طے کر کے بیت اللہ تک پہنچتے ہیں ویسے ہی قرآن کا سمندر کسی شیخ کامل کے جہاز کے ذریعہ طے کر کے قرب خاص رب العالمین تک پہنچتے ہیں خدا تعالیٰ قرآن سے ہم کو نفع بخشے (آمین) (از روح البیان مع زیادۃ)

وَإِذَا جَآءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهٖ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى
اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن یا ڈر کی تو شائع کر دیتے ہیں اس کو اور اگر لوٹاتے وہ اسے
اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا ڈر کی آتی ہے اس کا چرچا کر بیٹھتے ہیں اور اگر اس میں رسول اور اپنے

www.alahazratnetwork.org

الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِى الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ

طرف پیغمبر کے اور طرف امر والوں کے اپنے میں سے تو جان لیتے اس کو وہ لوگ جو اجتہاد کرتے ہیں اس کو ان

ذی اختیار لوگوں کی طرف رجوع لاتے تو ضرور ان سے اس کی حقیقت جان لیتے یہ بعد میں کاوش کرنے والے اور اگر

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۳﴾ فَقَاتِلْ

ہیں سے اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ تعالیٰ کا تمہارے اوپر اور مہربانی اس کی تو تم پیروی کرتے شیطان کی سوا

تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم ضرور شیطان کے پیچھے لگ جاتے مگر تھوڑے تو اے محبوب

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَسَى

تھوڑوں کے تو جنگ کرو اللہ کی راہ میں نہیں تکلیف دیئے جاتے تم مگر اپنی ذات کی اور رغبت دو مسلمانوں کو قریب

اللہ کی راہ میں لڑو تم تکلیف نہ دیئے جاؤ گے مگر اپنے دم کی اور مسلمانوں کو آمادہ کرو قریب ہے

اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿۸۴﴾

ہے کہ اللہ روک دے سختی ان کی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ بہت سختی والا ہے اور سخت عذاب والا

کہ اللہ کافروں کی سختی روک دے اور اللہ کی آنچ سب سے سخت تر ہے اور اس کا عذاب سب سے کڑا

تعلق : ان آیتوں کا گذشتہ آیتوں سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں منافقین کے ان عیوب کا ذکر تھا جن کا تعلق ان کی ذات سے تھا اب ان کے وہ عیوب بتائے جا رہے ہیں جن کا تعلق قوم مسلم سے ہے یعنی ہر قسم کی خبروں کا مسلمانوں میں پھیلا دینا جس سے قوم و ملک و ملت کو نقصان پہنچے گویا لازم عیب کے بعد متعدی فساد کا تذکرہ ہے **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ قرآن کریم میں غور کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس کے ظاہر میں غور کرو باریک و دقیق احکام میں تم خود غور نہ کرو بلکہ انہیں اہل علم کے سپرد کرو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں منافقین کی دانستہ سازشوں کا تذکرہ تھا اب بعض ضعفاء مومنین کی نادانستہ غلطیوں کا ذکر ہے یعنی ہر بات بغیر تحقیق شائع کر دینا جس سے نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں دلائل سے اسلام اور قرآن کی حقانیت ثابت فرمائی گئی کہ اگر قرآن اللہ کا کلام نہ ہوتا تو اس میں اختلاف ہوتا اب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جہاد کا تاکیدی حکم ہے فقاتل فی سبیل اللہ کیونکہ محض دلائل سے بہت کم لوگ مانتے ہیں قوت و طاقت سے بہت جلد سیدھے ہو جاتے ہیں غرضیکہ ایک نوعیت کی تبلیغ پہلے تھی دوسری نوعیت کی اب۔

شان نزول : (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لشکر اسلام کو جہاد کے لئے بھیجتے تھے میدان جنگ سے ان کے غلبہ یا مغلوبیت فتح و شکست کی خبریں آتی تھیں جس کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں ہوتا تھا وہاں منافقین بھی ہوتے تھے ضعفاء اور سیدھے مومنین بھی اہل علم و فقہاء بھی تو منافقین شرارت کے طور پر اور ضعفاء مومنین سیدھے پن سے یہ خبریں لوگوں میں پھیلا دیتے تھے جس سے مسلمانوں کے راز فاش ہو جاتے تھے اور بسا اوقات ان رازوں کے فاش ہو جانے سے نقصان کا خطرہ بھی ہوتا تھا اب ان

www.alahazratnetwork.org

منافقین یا ضعفاء اور سیدھے سومنین کے متعلق پہلی آیت **واذا جاءھم** نازل ہوئی (تفسیر خازن، جلالین وغیرہ) غزوہ احد کے موقعہ پر ابو سفیان نے احد سے واپس ہوتے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگلے سال ہماری آپ کی جنگ مقام بدر صغریٰ میں ہوگی جسے حضور نے منظور فرمالیا تھا یہ واقعہ ذی قعدہ میں عرض ہوا تھا سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورۃً "مسلمانوں کو بدر صغریٰ کی طرف چلنے کو فرمایا یہ مشورہ بعض لوگوں پر گراں و بھاری گذرا جس پر دوسری آیت فقاتل فی سبیل اللہ نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ستر صحابہ کرام کی چھوٹی سی جماعت لے کر موقعہ پر تشریف لے گئے بوسفیان کو وہاں پہنچنے کی ہمت نہ پڑی اور یہ حضرات نہایت خیر و خوبی سے صحیح سلامت خوب نفع کما کر واپس ہوئے (تفسیر خازن، کبیر، خزائن العرفان، جلالین وغیرہ) غرضیکہ ان دو آیتوں کے شان نزول مختلف ہیں۔

تفسیر : **واذا جاءھم امر من الامن او الخوف** یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں منافقین کے دوسرے عیب یا ضعفاء مومنین کی نادانستہ غلطی کا ذکر ہے اذا یا دوام ظرف کے لئے ہے یعنی جب کبھی اور جاء دوام حالت کے لئے ہے یعنی آتا ہے کیونکہ یہ واقعہ صرف ایک بار نہ ہوا تھا بلکہ بار بار ہوا تھا **ھم** کا مرجع یا تو وہ ہی منافقین ہیں جن کا تذکرہ پہلے سے ہو رہا ہے یا سیدھے سادے مسلمان جو جنگی نزاکتوں کا احساس نہیں رکھتے جیسا کہ شان نزول کی دو روایتوں سے معلوم ہوا۔ امر سے مراد میدان جنگ سے آئی ہوئی خبر ہے۔ جس کا تذکرہ بارگاہ رسالت میں ہوتا تھا اور یہ حضرات سن لیتے تھے یا امر سے مراد آئندہ کے متعلق وہ جنگی مشورے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے خفیہ طور پر کرتے تھے جو کبھی ان لوگوں کو معلوم ہو جاتے تھے من جارہ ہے کا بتایا تا تھا" پوشیدہ کے متعلق ہے جو امر کا حال ہے امن سے مراد سلامتی فتح غنیمت ہے اور خوف سے مراد مسلمان لشکروں کا کسی وقت اتفاقاً" شکست کھا جانا ہے جس سے خوف پیدا ہو سکتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آئندہ کے متعلق کسی اطمینان بخش خبر کا تذکرہ فرمانا یا تشویش و فکر کا اظہار فرمانا غرضیکہ اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ امن سے مراد مطمئن کرنے والی خبر اور خوف سے مراد خوفناک چیز **اذاعوا بہ** یہ عبارت اذا کی جزاء ہے اور اذاعوا سے مراد حال استمرار ہے اس کا مصدر اذاعۃ ہے مادہ ذیع 'اذاعت کے معنی ہیں بہت زیادہ اشاعت کرنا خوب پھیلانا اذاعت میں اشاعت سے زیادہ مبالغہ ہے کہ اشاعت کہتے ہیں صرف اپنوں میں خبر پھیلانا اور اذاعت کے معنی ہیں اپنوں پرائیوں سب میں خبر پھیلانا جیسے اشتہار کی خبر اشاعت ہے اور ریڈیو پر اعلان جو ہر ملک میں سنا جاوے اذاعت ہے چونکہ اذاعوا میں تحدیث و اخبار کے معنی شامل ہیں اسی لئے اس کے بعد ب 'لائی گئی اس کا فاعل بھی یا تو وہ ہی منافقین ہیں جو **ھم** ضمیر کا مرجع تھے یا ضعفاء مومنین یعنی جب کبھی ان منافقین کو کوئی امن و راحت یا خوف و خطر کی خبر مل جاتی ہے گزشتہ یا موجودہ حالات کے متعلق یا آئندہ کے مشوروں کے متعلق تو فوراً" لوگوں میں شائع کر دیتے پھیلا دیتے ہیں حالانکہ یہ اشاعت خطرناک ہے کہ فتح کی خبر سے کفار تیاری کر لیتے ہیں اور وہ چوکنے ہو جاتے ہیں اور شکست کی خبر سے مسلمانوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں **ولو ردوہ الی الرسول والی الامر منھم** یہ اس غلطی کی اصلاح ہے سمجھانے اور فہمائش کے لئے۔ اگر مگر سے بیان فرمایا صاف حکم نہ دیا مقصود اصلاح ہے ردوا کا فاعل وہی منافقین یا ضعفاء مومنین ہیں ہ کا مرجع وہ ہی خوف ہے رد کرنے سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل علم سے پوچھ لینا ہے کہ یہ خبر ہم شائع کریں یا نہ کریں یا خاموش رہ کر انتظار کرنا ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علماء صحابہ اسے شائع فرما دیں اولوالامر

www.alahazratnetwork.org

سے مراد یا تو فقہا صحابہ ہیں جو سیاسیات سے خبردار ہیں یا جہاد کرنے والی فوجوں کے کمانڈر و سپہ سالار ہیں۔ اگر روئے سخن منافقین سے ہے تو منھم فرمانا ظاہر کے اعتبار سے ہے کیونکہ منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے اور قومی لحاظ سے مسلمانوں میں شمار ہوتے تھے۔ بہرحال منھم کی من تبعیضیہ ہے یعنی اگر یہ شائع کرنے والے لوگ ان جیسی خبروں کے کے متعلق خاموش رہتے اور انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور سمجھ دار صحابہ کے سپرد کر دیتے' انتظار کرتے کہ یہ حضرات ان خبروں کو شائع فرماتے ہیں یا نہیں **لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم** یہ عبارت لو کی جزا ہے الذین سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خاص صحابہ کرام ہیں یا صرف خاص صحابہ **یستنبطون** استنباط سے بنا جس کا مادہ ہے نبط اور نبط کنوئیں کا وہ پہلا پانی ہے جو کنواں کھودنے پر نمودار ہوتا ہے استنباط کے معنی ہیں وہ پہلا پانی نکالنا اب اصطلاح شریعت میں قرآن و حدیث سے باریک مسائل کا نکالنا ہے جسے فقہاء تخریج یا استخراج کہتے ہیں منھم کا مرجع وہ عام حضرات ہیں یعنی اگر یہ لوگ ایسی خبریں پھیلانے میں جلد بازی نہ کرتے اہل سیاست حضرات کے سپرد کر دیتے تو جو صحابہ مسائل کے نکالنے پر قادر ہیں وہ جان لیتے کہ یہ خبر پھیلانے کے لائق ہے یا نہیں یہ جلد باز لوگ ان بزرگوں کو سوچنے کا موقعہ نہیں دیتے فوراً" پھیلا دیتے ہیں جس سے جنگی راز آؤٹ ہو جاتے ہیں **ولولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ** خیال رہے کہ لولا جیسا کہ جاننے والے جانتے ہیں کہ لو کسی خبر کی تعلیق کے لئے آتا ہے اور وہاں استعمال ہوتا ہے جہاں جز اول موجود ہو اور دوسرا جز نہ ہو جیسے **لولا علی لھلک عمر** اگر علی نہ ہوتے تو عمر ہلاک ہو جاتے چونکہ علی ہیں اس لئے عمر ہلاک نہ ہوئے یہاں بھی یہ ہی ہے۔ فضل و رحمت قریباً" ہم معنی ہیں مگر اکثر فضل وہ نعمت ہے جو استحقاق سے زیادہ دی جاوے اور رحمت وہ نعمت ہے جو بلا استحقاق عطا ہو' مزدور کو اجرت سے زیادہ دینا یہ زیادتی فضل ہے فقیر کو خیرات دی یہ رحمت ہے یہاں اللہ کے فضل سے مراد قرآن مجید ہے اور اللہ کی رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا اس کے برعکس کہ اللہ کے فضل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اور رحمت سے مراد قرآن مجید' بعض مفسرین نے فرمایا کہ اللہ کا فضل بھی حضور ہیں۔ رب فرماتا ہے **ھوالذی بعث فی الامین رسولا**" منھم حتی کہ فرمایا **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء** یہاں حضور کو فضل اللہ فرمایا گیا اور دوسری جگہ ارشاد ہے **وما ارسلنک الا رحمتہ للعالمین** یہاں حضور کو رحمت فرمایا گیا (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ اللہ کا فضل حضور اور قرآن ہیں اور ان کی اطاعت کی توفیق ملنا اللہ کی رحمت (خازن) بعض نے فرمایا کہ خبروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پھیرنا اللہ کا فضل ہے اور اولوالامر کی طرف پھیرنا اللہ کی رحمت **لا تبعتم الشیطن الا قلیلا**" ۔ یہ عبارت لو کی جزا ہے اتباع کی معنی بارہا بیان ہو چکے کسی کے پیچھے چلنا بغیر سوچے سمجھے اس کی پیروی کرنا یہاں شیطان کی اتباع سے مراد اپنی ضعیف رائے پر عمل کرنا کفار و منافقین کی پیروی کرنا ہے یا کفر و شرک اختیار کرنا' خیال رہے کہ یہاں الا قلیلا" کے استثناء میں چھ احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ اتبعتم کے فاعل سے مستثنیٰ ہے اور معنی یہ ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن و محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث نہ فرماتا تو تم سب کفر و شرک اختیار کر کے شیطان کے پیرو ہو جاتے سواء تھوڑوں کے کہ وہ شرک نہ کرتے ان کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم بخشی ہے جیسے قیس ابن ساعدہ عمرو ابن نفیل' ورقہ بن نوفل بلکہ جیسے حضرت ابوبکر صدیق جنہوں نے ظہور اسلام سے پہلے بھی نہ کبھی کفر و شرک کیا نہ شراب پی نہ زنا وغیرہ کے قریب گئے' بلکہ نہ کبھی جھوٹ بولا۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جنہیں تبلیغ اسلام نہ پہنچی اور وہ توحید کے معتقد ہوں پھر یہ بھی اتبعتم کے فاعل سے مستثنیٰ ہے مگر منقطع تیسرے یہ کہ اذاعوا کے فاعل سے مستثنیٰ ہے یعنی سب لوگ خفیہ خبریں شائع کر دیتے سواء بعض کے

www.alahazratnetwork.org

چوتھے یہ کہ علمہ کے فاعل سے مستثنیٰ ہے پانچویں یہ کہ وجدوا کے فاعل سے مستثنیٰ ہے' چھٹے یہ کہ لا تبعتم میں خطاب سارے لوگوں سے ہے اور الا قلیلا" سے مراد امت محمدیہ ہے مگر پہلی تو جیہ نہایت قوی ہے اس کو عام مفسرین نے لیا خلاصہ یہ ہے کہ اس جملہ کی چھ تفسیریں ہیں پہلی تفسیر قوی باقی ضعیف (تفسیر صاوی و از کبیر وغیرہ) بعض عشاق کا خیال ہے کہ فضل ربانی شریعت ہے اور رحمت ربانی طریقت اور الا قلیلا عشاق ہیں مطلب یہ ہے کہ اگر شریعت و طریقت دنیا میں نہ آتی اور علماء و صوفیاء کا سلسلہ قائم نہ ہوتا تو عام لوگ شیطان کے پیرو بن جاتے مگر مستان شراب الست پھر بھی اس ملعون سے محفوظ رہتے کہ وہ شیطان کے شکار کے لائق ہیں ہی نہیں **فقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک** ف جزائیہ ہے اس کی شرط پوشیدہ یعنی اگر دوسرے لوگ جہاد میں سستی کریں تو آپ اکیلے ہی جہاد کرو قاتل سے مراد یا تو تمام جہاد ہیں خواہ کہیں ہوں یا کبھی ہوں اور اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قتال سے مراد وہ خاص جہاد ہو جس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی یعنی بدر صغریٰ جو غزوۂ احد سے ایک سال بعد ہوا۔ **لا تکلف** تکلیف سے بنا بمعنی مکلف کرنا فرض فرمانا نفسک سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بدر صغریٰ میں آپ ضرور جہاد کرو یہ آپ پر فرض عین ہے دوسرے لوگ جائیں یا نہ جائیں فقیر کے نزدیک یہ ہی تفسیر زیادہ قوی ہے **وحرض المؤمنین** یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دوسرا حکم ہے حرض تحریض سے بنا جس کا مادہ حرض ہے بمعنی قریب الہلاک چیز جو کسی گنتی' شمار میں نہ آئے رب فرماتا ہے **حتی تکون حرضا**' **تحریض** کے معنی ہیں حرض یعنی بیکاری کلو دور کرنا' باب تفعیل سلب ماوہ کے لئے ہے یعنی بیکار چیز کو باکار کر دینا اب اصطلاح میں کسی چیز کی خوبیاں بیان کر کے اس کی رغبت دینے کو تحریض کہتے ہیں یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں یعنی آپ اس جہاد کی مسلمانوں کو صرف رغبت دیں ان پر زور نہ دیں جو صحابہ اس جہاد میں جائیں انہیں بہت ثواب ملے گا جو نہ جائیں وہ گنہگار نہیں **عسی اللہ ان یکف باس الذین کفروا** یہ عبارت گزشتہ مضمون کی گویا علت ہے عسی امید دلانے کے لئے آتا ہے مگر رب تعالیٰ کا امید دلانا یقین پر مبنی ہوتا ہے یکف کف سے بنا بمعنی روکنا باس بمعنی سختی مگر یہاں مراد ہے جنگ "لڑائی الذین کفروا سے مراد یا تو سارے کفار ہیں یا ابو سفیان اور ان کی جماعت جنہوں نے بدر صغریٰ میں جنگ کا وعدہ کیا تھا یعنی اللہ تعالیٰ ابو سفیان اور ان کی جماعت کے دلوں میں ایسی ہیبت ڈال دے گا کہ ان میں مقابلہ کرنے کی جرأت ہی نہ ہوگی اللہ تعالیٰ ان کفار کی جنگ کو روک دے گا **واللہ اشد باسا واشد تنکیلا** یہ عبارت عسی اللہ کی گویا علت ہے اشد باسا کے معنی ہیں بہت سختی فرمانے والا تنکیلا نکل سے بنا بمعنی روک دینا اس لئے قید کو نکال کہتے ہیں کہ اس میں ملزم کو ایک جگہ روک دیا جاتا ہے اور عبرتناک سزا کو نکال کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے دوسروں کو نافرمانی سے روک دیا جاتا ہے یعنی اگر اس وقت جنگ ہوتی تو کفار بڑی مار کھاتے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار ہے اللہ بہت سختی والا اور بہت عبرتناک سزا دینے والا ہے اس کی مار کون جھیل سکتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : گزشتہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو زیادہ قوی ہے' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں کی بدباطنی کا یہ حال ہے کہ جب انہیں کوئی خفیہ و اہم خبر مسلمانوں کی فتح شکست کے متعلق مل جاتی ہے یا تو اس طرح کہ میدان جہاد سے کوئی خبر آتی ہے جسے یہ سن لیتے ہیں' یا اس طرح کہ

www.alahazratnetwork.org

آپ کسی سے جنگ کے متعلق اہم مشورہ کرتے ہیں اور انہیں پتہ چل جاتا ہے تو یہ لوگ بغیر سمجھے بوجھے فوراً لوگوں میں یہ خبریں پھیلا دیتے ہیں حالانکہ ان خبروں کی اشاعت مصلحت کے خلاف ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی فتح کی خبر سے کفار آئندہ کے لئے چوکنے ہو جاتے ہیں اور ان کی شکست کی خبر سے کفار کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں مسلمان گھبرا جاتے ہیں اگر یہ لوگ اس قسم کی خبروں کو آپ کے اور اہل عقل صحابہ کرام کے سپرد کر دیا کریں جنہیں سیاست کی پوری سمجھ ہے اور دل میں سوچ لیا کریں کہ یہ حضرات چاہیں تو شائع کریں چاہیں شائع نہ کریں ہم کو ان کی اشاعت سے کیا غرض تو یقیناً مجتہدین صحابہ جن کو استنباط مسائل کا ملکہ ہے وہ جان لیتے کہ کونسی خبر اشاعت کے قابل ہے کونسی اشاعت کے لائق نہیں خیال رکھو کہ اگر تم پر اے لوگو اللہ کا فضل اللہ کا رحم نہ ہوتا اور تم میں ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لاتے تم پر قرآن نہ اترتا تو تم سارے کے سارے شیطان کی پیروی کر کے مشرک و کافر ہو جاتے سوا بعض مخصوص حضرات کے جو پھر بھی توحید پر قائم رہتے شرک و کفر نہ کرتے جیسے ابوبکر صدیق، ورقہ ابن نوفل، قیس ابن ساعدہ وغیرہ اے محبوب اور لوگ اس جہاد بدر صغریٰ میں جاتے ہوئے گھبرائیں اور اس جہاد پر آمادہ نہ ہوں تو آپ اکیلے ہی یہ جہاد کریں اس جہاد کو صرف آپ پر فرض کیا جاتا ہے آپ ضرور تشریف لے جائیں ہاں صحابہ کرام کو اس جہاد کی رغبت دیں ان پر جہاد فرض نہیں جو جائے گا ثواب پائے گا جو نہ جائے گا گنہگار نہ ہو گا بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ سختی فرمانے والا ہے اور اس کا عذاب بہت ہی کڑا ہے اگر کفار اس موقعہ پر آپ کے مقابل آجاتے تو سخت عذاب پاتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ستر صحابہ کو لے کر میدان بدر صغریٰ میں پہنچے ابو سفیان اور ان کی جماعت کو آنے کی ہمت ہی نہ ہوئی یہ مسلمان بہت نفع کما کر رب تعالیٰ کو راضی کر کے بخیر و خوبی مدینہ طیبہ واپس ہوئے اللہ سچا ہے اس کے سارے وعدے سچے اس کے علاوہ ان آیتوں کی اور تفسیریں بھی ہیں مگر اسی تفسیر سے یہ آیت بالکل واضح اور بے غبار ہے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** ہر خبر پھیلا دینا کبھی فساد و خرابی کا باعث بن جاتا ہے کوئی خبر بغیر سمجھے بوجھے نہ پھیلانی چاہئے **دوسرا فائدہ:** صحابہ کرام میں حضرات خلفاء راشدین اور عبداللہ ابن عباس ابن مسعود وغیرہم بڑی شان کے مالک ہیں جنہیں رب تعالیٰ نے یہاں اولوالامر بھی فرمایا اور مجتہد لائق استنباط قرار دیا' **تیسرا فائدہ:** ہر شخص صاحب اسرار نہیں ہوتا یہ نعمت اللہ تعالیٰ کسی کسی کو دیتا ہے جب تمام صحابہ میں سے بعض حضرات صاحب اسرار ہوئے تو ما و شما کس شمار میں ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن و حدیث پر براہ راست ہر شخص عمل نہ کرے بلکہ انہیں مجتہدین آئمہ پر پیش کرے ان سے سمجھ کر عمل کرے ورنہ گمراہ ہو جائے گا کیونکہ آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ ان خوف و امن کی خبروں سے زیادہ اہم ہیں جن کے متعلق یہاں یہ ارشاد ہوا جب وہ خبریں علماء پر پیش کی جانی ضروری ہیں تو آیات و احادیث بھی علماء مجتہدین سے سمجھنا لازم لہٰذا اس سے مسئلہ تقلید ثابت ہوا **پانچواں فائدہ:** کوئی صحابی گمراہ نہیں کسی صحابی نے کبھی شیطان کی پیروی نہ کی کیونکہ سب پر اللہ کا فضل و رحمت تھا جیسا کہ لولا سے معلوم ہوا **چھٹا فائدہ:** تمام صحابہ درجے میں یکساں نہیں بعض بہت ہی استقامت والے ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق وغیرہ کہ یہ حضرات اسلام سے پہلے بھی بری باتوں سے محفوظ رہے جیسا کہ "الا قلیلا" سے معلوم ہوا **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے فضل سے بڑے بہادر شجاع اور بڑے جرنیل اعظم جنگ کے فن کے بڑے ماہر ہیں کہ رب تعالیٰ نے آپ اکیلے کو میدان جہاد میں جانے کا حکم دیا یہ حکم اسی کو دیا جاتا ہے جس میں یہ

www.alahazratnetwork.org

صفات علی وجہ الکمال موجود ہوں **اٹھواں فائدہ:** بدر صغریٰ میں جنگ کے لئے جانا سب پر فرض نہ تھا جو حضرات وہاں گئے بڑے ثواب کے مستحق ہوئے جو نہ گئے ان پر کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حرض المومنین سے معلوم ہوا اگر سب پر فرض ہوتا تو صرف ترغیب نہ دی جاتی بلکہ تاکیدی حکم ہوتا اور نہ جانے والوں پر وہ عتاب ہوتا جو غزوہ تبوک سے رہ جانیوالوں پر ہوا تھا۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب بخشا اور جنگ کے انجام سے خبردار فرمایا اس سے حضور کے ثواب میں کمی نہیں ہوئی جیسا کہ عسی اللہ سے معلوم ہوا کہ رب نے وعدہ فرمالیا کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو جنگ سے روک دے گا مگر پھر بھی جانیوالوں کو ثواب ملا اس سے موجودہ وہابی عبرت پکڑیں جو کہتے ہیں کہ اگر حضور کو انجام کار معلوم ہو تو پھر آپ کو جہاد کا ثواب کیسا؟ **دسواں فائدہ:** جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ غزوہ تبوک فرض عین تھا اور غزوہ بدر صغریٰ فرض کفایہ اسی لئے غزوہ تبوک میں بلاوجہ نہ جانے والوں پر عتاب ہوا یہاں نہ ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور قرآن کریم کا نزول اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی اور اس کا فضل ہے جس میں ہمارے کسب کو مطلقاً دخل نہیں جیسا کہ لولا فضل اللہ علیکم ورحمتہ کی دو تفسیروں سے معلوم ہوا۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود   حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

لہذا ان نعمتوں کا شکریہ ہم پر لازم ہے۔ **بارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے سارے عرب مشرک نہ تھے ان میں سے بعض لوگ توحید بلکہ دین ابراہیمی پر باقی تھے جیسا کہ الا قلیلا کی تفسیر سے معلوم ہوا چنانچہ حضور کے والدین کریمین بلکہ تمام دادے دادیاں مومن موحد تھے ورقہ ابن نوفل، بحیرہ راہب وغیرہم کا مومن ہونا تو بخاری و مسلم کی احادیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے نور کی امانت کے لئے جن پاک پیٹوں پاک پیٹھوں کو منتخب فرمایا وہ تمام موحد مومن تھے اس کی بحث پہلے پارہ کی تفسیر میں گذر چکی۔

پہلا اعتراض: اس آیت معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ ناقابل اعتبار لوگ تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے راز آؤٹ کر دیا کرتے تھے ان سے حضور کو تکلیف ہی پہنچی اور اسلام کو نقصان ہی ہوا (روافض) **جواب:** تفسیر اور شان نزول سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت میں منافقین کی حرکتوں کا ذکر ہے یا ان سادہ لوح سیدھے سادے مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو سیاست سے بے خبر تھے اگر سارے صحابہ ایسے تھے تو اسی آیت میں **اولی الامر منہم یستنبطونہ منہم** اس سے کون مراد ہے' حضرات صحابہ میں۔ ایسے اولی الامر اور مجتہدین حضرات بھی تھے جن کی یہاں تعریف فرمائی گئی۔ **دوسرا اعتراض:** اگر یہ آیت منافقین کے متعلق ہے تو اہل علم اور مجتہدین صحابہ کو منہم کیوں فرمایا گیا' وہ تو منافقین سے بالکل جدا تھے **جواب:** ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ منافقین قومی وجماعتی لحاظ سے مسلمانوں میں شامل رہتے تھے ان پر شرعی اسلامی احکام جاری تھے انکے ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے انہیں نماز باجماعت کے لئے مسجدوں میں آنے جلسوں میں شریک ہونے کی اجازت تھی ان وجوہ سے منہم فرمایا گیا **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے بے نیاز ہیں کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر تم پر اللہ کی رحمت وفضل نہ ہوتا تو تم شیطان کے پیروکار بن جاتے سوائے تھوڑوں کے معلوم ہوا کہ وہ تھوڑے اللہ کے فضل کے بغیر ہی شیطان سے الگ ہیں حالانکہ عقیدے کا مسئلہ یہ ہے کہ کوئی بھی بغیر اللہ کی رحمت کے شیطان سے

www.alahazratnetwork.org

نہیں بچ سکتا' جواب: یہاں اللہ کے فضل و رحمت سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید ہے مطلب یہ ہے کہ اگر یہ دو ہستیاں دنیا میں نہ آتیں تو بہت کم لوگ شیطان کی اتباع سے بچتے اور وہ کم لوگ وہ تھے جن پر اللہ کی مہربانی تھی کہ اپنی عقل سلیم کے ذریعہ کفر سے متنفر تھے چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی بعض حضرات شرک سے بچے رہے مگر ان کا یہ بچنا رب تعالیٰ کے فضل سے ہی ہوا جیسے حضرت ابو بکر صدیق حضور کے والدین کریمین اور ورقہ ابن نوفل بحیرہ راہب وغیرہ اور اگر یہاں اللہ کے فضل و رحمت سے مراد اس کی مہربانی توفیق خیر ہو تو الا قلیلاً" کا تعلق لا تبعتم سے نہ ہو گا بلکہ یا اذاعوا سے تعلق ہو گا یا لعلمہ سے پھر آیت کریمہ کا مطلب ہی کچھ اور ہو گا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا (تفسیر کبیر) چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور کے حکم سے سرکشی کرتے تھے آپ کے حکم پر جہاد کے لئے نہیں نکلتے تھے تب ہی تو حکم ہوا کہ آپ اکیلے ہی جہاد کو جائیں اگر وہ حضرات تابع فرمان ہوتے تو اس حکم کی ضرورت ہی کیوں پیش آتی اور تعجب ہے کہ بدر صغریٰ میں صرف ستر صحابہ ہی حضور کے ساتھ جہاد کو روانہ ہوئے باقی سب نے حضور کا ساتھ چھوڑ دیا جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر وہ حضرات ایسے باغی اور سرکش تھے تو انہیں رب تعالیٰ نے مومنین کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا **وحرض المومنین**۔ حضور سے بغاوت و سرکشی تو کفر ہے نیز ان پر وہ عتاب کیوں نہ ہوئے جو غزوہ تبوک سے رہ جانے والے منافقین پر ہوئے تھے کہ سورۂ توبہ میں ان پر سخت ملامت کی گئی اور تین مخلص مسلمان جو اس جہاد سے رہ گئے تھے ان کا مکمل بائیکاٹ فرمایا گیا یہاں بدر صغریٰ سے رہ جانے والوں پر نہ کوئی عتاب ہے نہ ان کا بائیکاٹ۔ جواب تحقیقی تو یہ ہے کہ یہاں قتال میں صرف بدر صغریٰ کا جہاد مراد ہے یہ صرف حضور پر فرض ہوا مسلمانوں پر فرض نہ ہوا ان کے لئے مستحب رہا اس لئے فرمایا گیا کہ مومنوں کو اس جہاد میں شرکت کی رغبت دو یعنی تاکیدی حکم نہ دو جو حضرات حضور کے ساتھ گئے وہ بڑے اجر کے مستحق ہوئے جو نہ گئے وہ گنہگار نہ ہوئے اور اسی کی وجہ بھی اس آیت میں بتا دی گئی کہ فرمایا گیا اللہ تعالیٰ کفار مکہ کو وہاں پہنچنے سے روک دے گا یعنی جہاد کی نوبت ہی نہ آئے گی' جب اللہ تعالیٰ ان رہ جانے والوں کو مومن فرمائے ان پر کوئی عتاب نہ کرے تو تم عتاب کرنے والے کون ہو اگر وہ حضرات سرکش و باغی تھے تو بدر و حنین فتح مکہ کے معرکے کس جماعت نے سر کئے اور عہد فاروقی میں جنگ قادسیہ اور یرموک کنہوں نے جیتیں۔ پانچواں اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ عسی اللہ ان یکف الخ اور عسی شک کے موقعہ پر استعمال ہوتا ہے اللہ تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے اسے شک کیسا جواب: عسی وعدے کے لئے ہے اور کریم کا وعدہ یقینی ہوتا ہے یا شک دلانے کے لئے ہے یعنی مسلمان اس کی امید رکھیں بالکل یقین نہ کریں اپنی طرف سے جنگ کی تیاری پوری کریں ان کو اس پر ثواب ملے گا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص بندوں کو صاف دل کامل عقل روشن دماغ بخشا اور ان پر اپنی خاص تجلی ڈالی جس کی وجہ سے ان کے دل و دماغ و عقل تک شیطان نہیں پہنچ سکتا اور انہیں گمراہ نہیں کر سکتا۔ ان کے لئے پھر نور نبوت پہنچنا نور علیٰ نور ہو جاتا ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ آپ نزول قرآن اور بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی طیب و طاہر صاف و ستھرے تھے کہ آپ کبھی شرک بت پرستی فسق و فجور کے قریب نہ گئے اس لئے عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں لم اعقل ابوی الا وھما یدینان الدین یعنی میں نے ہوش سنبھالتے ہی اپنے ماں باپ کو دین اسلام پر پایا پھر ان کے لئے

www.alahazratnetwork.org

حضور کی صحبت آپ کی ہمراہی سونے پر سہاگہ نور پر نور ہوئی اگر بفرض محال قرآن نہ بھی آتا حضور کی بعثت نہ بھی ہوتی تب بھی حضرت صدیق شیطان سے محفوظ رہتے ابو بکر صدیق مظہر رسول خدا ہیں کہ رسول بھی گمراہی گناہ و فسق سے دائمی محفوظ صدیق بھی ان عیوب سے دائمی محفوظ حضور کی وفات کے بعد منکرین زکوٰۃ پر حضرت صدیق نے جہاد کرنا چاہا بعض صحابہ نے اس ارادہ میں آپ کی موافقت نہ کی تو آپ تن تنہا زرہ پہن کر ہتھیار باندھ کر جہاد کے لئے چل پڑے پھر سب آپ کے ساتھ گئے یہ ہے لاتکلف الا نفسک کا ظہور اور یہ ہے شان فنا فی الرسول کا ثبوت اب بھی بعض حضرات اولیاء مظہر صدیق اکبر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہیں کہ باقی نعمتوں کے حصول میں ہمارے کسب کو دخل ہے مگر اس نعمت میں ہمارے کسب کو دخل نہیں محض عطاء ذوالجلال ہے دیکھو دانہ پانی اللہ کی نعمت ہے مگر اس میں ہمارے کسب کو دخل ہے مگر دھوپ بارش وہ نعمتیں ہیں جو محض عطیہ پروردگار ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور کا سر مبارک برکت سے آنکھیں حیا سے کان شریف عبرت سے زبان ذکر سے ہونٹ تسبیح سے چہرا انور رضا سے سینہ اخلاص سے دل شریف رحمت سے سینہ شفقت سے ہاتھ سخاوت سے بال شریف جنت کے سبزے سے تھوک مبارک جنت کے شہد سے بنائے گئے اور آپ مخلوق کو خالق کی طرف سے بطور تحفہ دیئے گئے اس لئے آپ کا جسم شریف زمین پر رکھا گیا عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر نہ اٹھایا گیا کیونکہ آپ کے جسم پاک سے عالم کا نظام قائم ہے۔

سرمایہ سعادت عالم محمد است   مقصود از طینت آدم محمد است

اس لئے حضور کو فضل اللہ اور رحمۃ اللہ فرمایا گیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے علم قرآن ہر سینہ میں نہیں اس کے لئے خاص سینے چنے گئے ہیں ایسے ہی اسرار دین ہر سینہ میں نہیں اس کے لئے بھی مخصوص سینے ہیں صاحب اسرار ہونا بہت مشکل ہے مسلمان یا تو صاحب اسرار بنے یا کسی صاحب اسرار کا غلام بنے اس آیہ کریمہ میں اسی کی تاکید ہے (از روح البیان) فقاتل فی سبیل اللہ میں اشارہ اس طرف ہے کہ طلب حق میں کوشش کرو شیطان سے جنگ کرو اے مومن اس جہاد کی تکلیف صرف تم کو دی جاتی ہے تمہارے سارے جواب تمہارے نفس کی طرف سے ہیں تو اس نفس کو چھوڑ دو دوسرے مسلمانوں کو بھی اس جہاد نفس کی رغبت دو مولانا فرماتے ہیں۔

اندریں رہ مے تراش و مے خراش   تادم آخر دمے فارغ مباش
اے شہاں کشتیم ماخصم بروں   ماند خصمے زاں بتر اندر دروں
کشتن ایں کار عقل و ہوش نیست   شیر باطن سخرہ خرگوش نیست
سہل شیرے داں کہ صفہا بشکند   شیر آنست آنکہ خود را بشکند

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً

جو کوئی سفارش کرے گا سفارش اچھی تو ہوگا واسطے اس کے حصہ اس سے اور جو کوئی سفارش کرے گا سفارش

جو اچھی سفارش کرے اس کے لئے اس میں سے حصہ ہے اور جو بری سفارش کرے اس کے لئے

www.alahazratnetwork.org

سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾ وَاِذَا

بُری تو ہو گا اس کے لئے حصہ اس سے اور ہے اللہ ہر چیز پر قدرت والا اور جب تم

اس میں سے حصہ ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جب تمہیں کوئی

حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَاۤ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى

سلام کئے جاؤ کوئی سلام تو جواب سلام دو اچھا اس سے یا وہی لوٹا دو بے شک اللہ ہر

کسی لفظ سے سلام کرے تو تم اس سے بہتر لفظ جواب میں کہو یا وہی کہہ دو بے شک اللہ ہر

كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا

ہر چیز کے حساب والا اللہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا ضرور جمع کرے گا وہ تم کو قیامت کے دن نہیں

چیز پر حساب لینے والا ہے اللہ ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں وہ ضرور تمہیں اکٹھا کرے گا قیامت

رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ہے کوئی شک اس میں اور کون ہے زیادہ سچا اللہ سے بات میں

کے دن جس میں کچھ شک نہیں اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی ہے ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضور کو حکم دیا گیا تھا کہ آپ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس ترغیب پر آپ کو بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ یہ ترغیب بھی شفاعت حسنہ کی ایک قسم ہے جس پر ثواب کا وعدہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ترغیب جہاد کا حکم تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر مسلمان اس ترغیب کو قبول نہ کریں تو آپ کا کوئی حرج نہیں اور اگر قبول کر لیں تو آپ کا نفع ہے کہ پھر جہاد کرنے والے وہ ہیں اور جہاد کرانے والے آپ نیکی کرنے والے کو بھی ثواب ملتا ہے کرانے والے کو بھی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ لوگوں کو جہاد کی رغبت دو اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو مخلص مومن اس ترغیب میں آپ سے تعاون کرے وہ بڑا ثواب پاوے گا اور جو منافق اس ترغیب میں رکاوٹ ڈالے شفاعت سیئہ کرے وہ عذاب میں گرفتار ہو گا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں جہاد کی ترغیب کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو کوئی مفلس و نادار غازی کی سفارش کر کے کسی امیر شخص سے سامان جہاد دلوا دے اسے بڑا ثواب ہو گا اور جو بری سفارش کر کے مجاہد کی ہمت توڑے اسے جہاد سے روکے وہ سخت عذاب کا مستحق ہو گا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا اور تیاری جہاد کا حکم دیا گیا تھا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر تم کو اے غازیو کفار کی طرف سے صلح کی پیش کش ہو تو تم صلح کا جواب اعلیٰ درجہ کی مصالحت سے دو ان کی طرح تم بھی صلح پر راضی ہو جاؤ۔ رب فرماتا ہے **وان جنحوا للسلم فاجنح لها** **چھٹا تعلق**: پچھلی آیت میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا اب جہاد کے متعلق ایک اعلیٰ قانون بیان ہو رہا ہے کہ اگر دوران جہاد کوئی شخص اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے تم کو سلام و تحیت کرے تو تم اس پر بدگمانی کر کے اسے قتل نہ کرو بلکہ اس سے بہتر

www.alahazratnetwork.org

جواب سلام دویا اس کی طرح ہی لو اس کو بھائی سمجھو۔ رب فرماتا ہے **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا** ساتواں تعلق: پچھلی آیات میں اولاً جہاد کا ذکر ہوا پھر اس آیت میں سلام کرنے والے نو مسلم سے سلام قبول کر لینے اور اس کے قتل سے باز آجانے کا حکم دیا گیا۔ آخر، آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرانے مسلمانوں اور نو مسلموں کو قیامت و جنت میں جمع فرمائے گا بہر حال یہ آیات گذشتہ جہاد کی آیات سے پورا پورا تعلق رکھتی ہیں بے جوڑ نہیں۔

تفسیر: **من یشفع شفاعة حسنة** پہلے اپنے محبوب کو جہاد کی رغبت دینے کا حکم دیا اب اس ترغیب کے فائدے بتائے جا رہے ہیں کہ یہ ترغیب جہاد شفاعت حسنہ ہے۔ جس کا ثواب شفاعت کرنے والے کو ضرور ملتا ہے "من سے مراد ہر مومن ہے خواہ کسی درجہ کا ہو حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس عموم میں داخل ہیں کفار و منافقین اس سے خارج کہ نیک اعمال کا ثواب صرف مومن کو ملتا ہے **یشفع** **شفاعة** کا مضارع ہے شفاعۃ شفع سے بنا بمعنی جوڑا، وتر کا مقابل رب فرماتا ہے **والشفع والوتر** سفارش کو شفاعت اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے مشفوع لہ اکیلا نہیں رہتا شفیع بھی اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اس کا معاون و مددگار ہو کر اسی سے ہے حق شفع اب اصطلاح میں شفاعت کے معنی ہیں سوال الخیر للغیر یعنی اپنے غیر کے لئے خیر کا سوال شفاعت کی بہت نوعیتیں ہیں بندے کی شفاعت اللہ تعالیٰ سے خواہ جرم معاف کرانے کے لئے یا درجے بڑھوانے کے لئے۔ بندے کے حق میں رب سے دعاء خیر اسی لئے روح البیان نے یہاں فرمایا کہ درود شریف کی تلاوت بھی شفاعت کی ایک قسم ہے یعنی حضور کو دعائیں دینا اس طرح بندے کی بندے سے شفاعت یا قصور معاف کرنے کے لئے یا اس کا کام نکلوانے کے لئے یا اسے کچھ دلوانے کے لئے یہ سب شفاعت کی قسمیں ہیں "شفاعۃ حسنہ ہر جائز شفاعت ہے جو شرعاً ممنوع نہ ہو۔ چنانچہ قاتل کی شفاعت اولیاء مقتول سے یا وہ معاف کر دیں یا دیت لے لیں مقروض کی شفاعت قرض خواہ سے کہ یا تو معاف کر دے یا قرض کم کر دے یا مقروض کو مہلت دیدے' حتیٰ کہ چور کی شفاعت مال والے سے کہ اس کا مقدمہ عدالت اسلامیہ میں نہ لے جائے سب جائز شفاعتیں ہیں "شفاعت حسنہ میں داخل۔ مگر حدود الٰہی میں شفاعت کہ زانی کو حد نہ لگائی جائے یا جب چور کا مقدمہ عدالت میں پہنچ جائے تو شفاعت کہ اس کا ہاتھ نہ کٹے۔ شفاعت سیئہ یعنی ناجائز شفاعت ہیں غرضیکہ حقوق میں شفاعت حسنہ ہے حدود میں شفاعت سیئہ تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ مسلمان بندے کے لئے پس پشت دعا کرنا شفاعت حسنہ ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ لوگوں کو جہاد و نیک اعمال کی رغبت دینا شفاعت حسنہ ہے اس لئے یہاں ترغیب جہاد کے بعد اسی شفاعت کا ذکر ہوا غرضکہ شفاعۃ حسنہ میں بہت وسعت ہے **یکن له نصیب منها** یہ عبارت من مذکورہ کی خبر بمعنی جزا ہے منہا میں لفظ ثواب پوشیدہ ہے یعنی جو مسلمان کسی کے لئے اچھی و جائز سفارش و شفاعت کرے تو اس کو اس کام کے ثواب کا حصہ ملے گا نصیب کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی بڑا حصہ ملے گا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان کے لئے پس پشت دعا کرتا ہے تو فرشتہ اس کے لئے دعا کرتا ہے کہ الٰہی اسے بھی یہ دے یہ ہے نصیب منہا کی تفسیر۔ **ومن یشفع شفاعة سیئة** یہ عبارت پہلے جملہ کے مقابل ہے یہاں من میں عام غافل مسلمان منافقین کفار سب شامل ہیں "شفاعۃ سیئہ سے مراد شفاعت حسنہ کے مقابل تمام ناجائز سفارشیں ہیں' جتنے احتمالات شفاعت حسنہ میں عرض کئے گئے اس کے مقابل اتنے ہی احتمالات شفاعت سیئہ میں ہیں کسی مسلمان کے لئے بلاوجہ بددعا کرنا حدود الہیہ میں سفارش کر کے مجرم کو چھڑانے کی کوشش کرنا لوگوں کو اچھی باتوں سے روکنا اسی

www.alahazratnetwork.org

طرح برے کاموں کی رغبت دینا سب ہی اس میں شامل ہیں خیال رہے کہ اسے شفاعت فرمانا مشاکلت کی بنا پر ہے ورنہ یہ شفاعت نہیں شفاعت تو کہتے ہیں غیر کے لئے خیر مانگنا یہ ایسا ہی ہے جیسے فرمایا گیا "جزاء سیئۃ سیئۃ مثلہا (از صاوی) اس میں چغلخوری فساد پھیلانا بھی داخل ہے **یکن لہ کفل منہا** یہ عبارت دوسرے من کی خبر بمعنی جزاء ہے کفل سے مراد گناہ کا حصہ ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں کفل بھی حصہ کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **یؤتکم کفلین من رحمتہ** رب تم کو اپنی رحمت کے دو حصے دے گا مگر اکثر کفل وہ حصہ کہلاتا ہے جس میں اعتماد و ذمہ داری ہو اسی لئے ضامن و ذمہ دار کو کفیل کہا جاتا ہے اور پرورش کرنے والے کو کافل حضور فرماتے ہیں کہ جنت میں ہم اور کافل یتیم دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہوں گے نیز کفل ۔بعیر اونٹ کا وہ کمبل ہے جو اس کی پشت پر ڈال کر سواری کی جائے کہ اس کمبل سے اس کی پیٹھ کی حفاظت ہوتی ہے (تفسیر کبیر) اظہار اہمیت کے لئے یہاں کفل ارشاد ہوا مگر تفسیر روح المعانی نے اس کے برعکس یہ فرمایا کہ نصیب زیادتی والا حصہ ہے اور کفل بغیر زیادتی کا حصہ لہٰذا آیت میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ اچھی شفاعت والے کو اس کے اجر کا حصہ مع زیادت ملے گا اور بری شفاعت والے کو گناہ کا حصہ تو ملے گا مگر زیادت نہ ہوگی یہ رب کریم کا کرم ہے **وکان اللہ علی کل شیء مقیتا** یہ عبارت گذشتہ دونوں حکموں کی تاکید ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ مقیت قوت سے بنا بمعنی روزی جو مخلوق کی بقا کا ذریعہ ہے قوت کی جمع اقوات ہے رب فرماتا ہے **وقدر فیہا اقواتہا** اب استعمال میں مقیت بمعنی قادر بھی آتا ہے بمعنی حفیظ و علیم بھی کیونکہ روزی رساں وہی ہو سکتا ہے جو قادر حفیظ و علیم ہو مطلب یہ ہے کہ ہم اچھی شفاعت والے کو اس کا ثواب کا حصہ دیں گے اور بری سفارش والوں کو انکا عذاب کا حصہ دیں گے کیونکہ ہم روزی رساں قادر و علیم ہیں ہر ایک کا حصہ اسے پہنچانا ہم پر کچھ مشکل نہیں **واذا حییتم بتحیۃ** یہ نیا جملہ ہے اس کا تعلق پہلی آیت سے معلوم ہو چکا کہ سلام کرنا بھی ایک قسم کی شفاعت و سفارش ہے اس لئے شفاعت حسنہ کے بعد سلام و جواب کے احکام بیان ہوئے نیز اسے جہاد سے بھی قوی تعلق ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا لہٰذا جہاد کی آیات کے بعد اس کا ذکر مناسب ہوا حییتم تحیت سے بنا بمعنی حیاءک اللہ کہنا عرب بوقت ملاقات کہا کرتے تھے حیاءک اللہ "اللہ تمہیں زندہ رکھے اس کہنے کا نام تحیۃ ہے اسلام نے اس کے بجائے کہلوایا السلام علیکم تم پر سلامتی نازل ہو اسلامی سلام اس تحیۃ سے زیادہ شاندار ہے کیونکہ بغیر سلامتی زندگی وبال ہوتی ہے زندگی وہی اچھی جو سلامتی کے ساتھ ہو لہٰذا لمبی زندگی کی دعا سے سلامتی کی دعا بہتر ہے اب تحیت بمعنی سلام آتا ہے نمازی کہتا ہے التحیات للہ رب فرماتا ہے تحیتہم فیہا سلام یہ خطاب مسلمانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہوں تب تو یہ آیت ہم گنہگاروں کے لئے بڑی ہی حوصلہ افزا ہے حییتم میں ایک عبارت پوشیدہ ہے اے من اخیکم السلم یعنی اے مسلمانو جب تم کو تمہارے بھائی مسلمان کی طرف سے سلام کہا جائے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کو آپ کے غلام تا قیامت سلام عرض کریں **فحیوا باحسن منہا اوردوھا** یہ عبارت اذا کی جزاء ہے اس میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہے بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس خطاب میں داخل ہوں تو عجب نہیں یہاں حیوا کے معنی ہیں جواب سلام دو منہا کا مرجع سلام کرنے والے کا سلام ہے یعنی تم اس کے سلام کا جواب اس سے اچھا دو کہ جواب میں الفاظ زیادہ کر دو کہ وہ کہے السلام علیکم تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ "تو تم کہو وعلیکم السلام کیونکہ برکاتہ" سے آگے کوئی کلمہ نہیں جو جواب میں شامل کیا جائے

www.alahazratnetwork.org

اس طرح حدیث شریف میں وارد ہے ردوھا کے معنی یہ ہیں کہ جو الفاظ سلام کہنے والے نے کہے وہی تم کہ دو السلام علیکم تو تم بھی کہہ دو وعلیکم السلام اس میں ہم غلاموں کو بشارت عظمیٰ ہے کہ ہم جب حضور پر سلام عرض کریں گے انشاء اللہ اعلیٰ درجہ کا جواب پائیں گے ہمارے سلام حضور کی دعائیں لینے کا بہانہ ہیں خیال رہے کہ بہتر جواب دینا مستحب ہے اور برابر کا جواب دینا واجب (جلالین) یہ بھی خیال رہے کہ مسلمان کے سلام کا جواب دینا ضروری ہے کافر کے سلام کا جواب کچھ اور طریقہ سے دیا جائے گا جیسا کہ ہم عرض کریں گے ان اللہ کان علی کل شیء حسیبا یہاں بھی کان دوام و استمرار کے لئے ہے حسیبا" معنی محاسب ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر چیز پر نگہبان اور اس کا محاسب ہے ہر ایک کا بدلہ حساب سے دے گا تم جیسا سلام و جواب کرو گے اس حساب سے اس کا ثواب پاؤ گے۔ اس جملہ کی تین تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا تم سے حساب لے گا۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہر چیز کا ہر عمل کا حساب عطا فرمائے گا کہ ہر ایک کو بقدر عمل جزا دے گا کمی نہ کرے گا' تیسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز حساب سے تم کو دی ہے پہلی دو تفسیروں میں اس جملہ میں آخرت کا ذکر ہے تیسری تفسیر میں دنیا کا ذکر ہے یہ حساب قانونی ہے جن پر کرم ہے انہیں بے حساب دے گا جیسے ہمارے حضور اللہ لا الہ الا ھو اس جملہ کی تفسیر بارہا ہو چکی ہم عرض کر چکے ہیں کہ الہ وہ جو لائق عبادت ہو وہ وہی ہے جو غنی و بے نیاز ہو دوسرے اس کے حاجتمند ہوں وہ سب سے بے نیاز اللہ الصمد لہذا اگرچہ بندے کو بھی اللہ کے نام و کام عطا ہوتے ہیں مگر بندہ محتاج ہے لہذا بندہ ہے۔ رب بے نیاز ہے لہذا اللہ ہے۔ بندہ سمیع بصیر' علیم' رحیم' رؤف وغیرہ ہے بعض بندے علم و قدرت والے ہیں مردوں کو زندہ کرتے بیماروں کو شفا بخشتے ہیں ہواؤں بارشوں پر ان کا قبضہ ہے دور و نزدیک سے سنتے دیکھتے ہیں جیسا کہ قرآنی آیات اس پر شاہد ہیں مگر ہیں بندے کیونکہ وہ ان صفات میں رب کے محتاج ہیں اس کی عطاء سے انہیں یہ سب صفات ملیں اور ان کی یہ تمام صفات رب کے قبضہ میں ہیں لہذا وہ بندے ہیں الہ نہیں اللہ تعالیٰ اپنی ان تمام صفات میں مستقل ہے بے نیاز ہے لہذا وہ الہ ہے مدار الوہیت بے نیازی ہے جو کسی بندے کو بے نیاز مانے وہ مشرک ہے اور جو رب تعالیٰ کو نیاز مند مانے وہ مشرک ہے کیسے کفار عرب لہذا آیت کریمہ کے معنی ہوئے نہیں ہے کوئی لائق عبادت' نہیں ہے کوئی صمد غنی بے نیاز سواء ذات پروردگار کے باقی جو اس کے سواء ہے وہ اس کا بندہ ہے لیجمعنکم الی یوم القیمۃ اس میں خطاب سارے بندوں سے ہے الیٰ معنی فی ہے اور ہو سکتا ہے کہ الیٰ انتہاء کے لئے ہو یعنی تم کو تمہاری قبروں سے اٹھا کر میدان محشر تک جمع فرماوے گا یا ابھی تم دنیا میں متفرق ہو کوئی جھونپڑی میں ہے کوئی کوٹھی میں کسی کی زبان کچھ ہے کسی کی کچھ مگر مرنے کے بعد سے قیامت تک تم سب جمع رہو گے جسے عالم برزخ کہتے ہیں لاریب فیہ اس قیامت میں یا اس جمع ہونے' جمع رہنے میں یا اللہ تعالیٰ کے واحد ہونے میں کوئی شک و تردد نہیں کیونکہ تمام نبیوں تمام کتابوں نے قیامت کی بھی خبر دی اور اس دن سب کے جمع ہونے کی بھی اور سچوں کی خبر میں تردد نہیں ہوتا اسی طرح اللہ کے ایک ہونے کی بھی خبر ان سب نے دی نیز عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سب چیزیں حق ہوں کیونکہ ہر مالک اپنے غلاموں سے اپنی نعمتوں کا حساب لیتا ہے تو خدا تعالیٰ بھی ضرور حساب لے گا نیز ہر کثرت کی انتہاء وحدت پر ہے درخت کے تمام پتوں شاخوں کی انتہا ایک جڑ پر انسانی اعضاء کی انتہاء ایک دل پر ملک کی رعایا کی انتہا ایک بادشاہ پر تو چاہئے کہ عالم کی کثرت کی انتہا بھی ایک ذات واحد پر ہو' لہذا ہمارے ان تمام مذکورہ احکام پر عمل کرو اس لئے ان احکام کے بعد قیامت وغیرہ کا ذکر فرمایا ومن اصدق من اللہ حدیثا' من سوال انکاری کے لئے ہے اصدق' صدق کا اسم تفضیل ہے معنی بہت سچا من مقابلہ

www.alahazratnetwork.org

کے لئے حدیثاً اصدق کی تمیز ہے یعنی خود سوچ لو کہ للہ سے بڑھ کر سچی بات والا کون ہے اس سچے نے قیامت وغیرہ کی خبردی ہے تو یقیناً قیامت آنے والی ہے اور وہاں حساب و کتاب ہونے والا ہے لہٰذا بجائے قیامت پر بحث کرنے کے وہاں کی تیاری کرو۔

خلاصہء تفسیر : جو مسلمان کسی کی اچھی جائز نیک سفارش کرے یا کسی کو اچھا مشورہ دے تو اسے نیک سفارش اچھا مشورہ دینے کی وجہ سے اس کی نیکی میں یا اس کے اجر میں حصہ ملے گا اور جو بری بات کی سفارش کرے یا کسی کو برا مشورہ دے یا فساد پھیلانے کی کوشش کرے تو اس کو برائی یا برائی کے عذاب میں حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے وہ ہر ایک کو اس کے ہر عمل کا ثواب و عذاب دے سکتا ہے اور ہر نیکی و گناہ میں سے ہر حقدار کو اس کے حق کی بقدر حصہ دے سکتا ہے اور جب تم کو کسی طرف سے سلام کیا جائے خواہ کیسا ہی سلام ہو تو تم اس کو اس کے سلام سے بڑھ چڑھ کر جواب دو کہ اگر وہ کہے السلام علیکم تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور اگر وہ کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ تو تم کہو وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ کہ یہ اچھا جواب ہے یا اس کو ویسا ہی جواب دیدو کہ جو الفاظ وہ کہے وہی تم بھی جواب میں کہہ دو یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لے گا اور ہر ایک کو بقدر عمل جزا و سزا دے گا لہٰذا تمہارے سلام و جواب کا اجر برباد نہ جائے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ کے سواء کوئی لائق عبادت نہیں وہ تم سب کو قیامت میں جمع فرمائے گا یا بعد موت تم سب کو قیامت تک جمع رکھے گا قیامت کے آنے اور اس جمع فرمانے میں کوئی شک و تردد نہیں کیونکہ یہ اللہ کی دی ہوئی خبر ہے جو اس نے تمام نبیوں کی معرفت اور تمام آسمانی کتب و صحیفوں میں اور قرآن کریم میں خبر دی اور خود سوچ لو کہ للہ سے بڑھ کر سچی بات والا کون ہو سکتا ہے جب وہ سچا ہے تو قیامت بھی برحق ہے اور وہاں ہونے والے واقعات بھی سچے ہیں ان میں تردد نہ کرو بلکہ اس کی تیاری کرو کوئی عقلمند برسات کے متعلق بحث نہیں کرتا بلکہ اس کی تیاری کرتا ہے۔

اسلامی سلام

اس آیت کریمہ میں شفاعت اور سلام دو چیزوں کا ذکر ہے شفاعت کی تحقیق اس کے اقسام اس کے اہل کا ذکر تیسرے پارے آیۃ الکرسی کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں سلام کے متعلق کچھ عرض کرتا ہے۔

اسلامی سلام کی فضیلت : ہر ملت ہر دین بلکہ ہر قوم نے اپنی ملاقات کے لئے کچھ الفاظ و طریقے مقرر کر لئے ہیں چنانچہ زمانہ جاہلیت میں اہل عرب کہتے تھے حیاک اللہ 'اللہ تجھے زندہ رکھے۔ ہندو کہتے ہیں رام رام جواب دیتے ہیں 'سیتا رام' آریہ کہتے ہیں نمستے 'عیسائی کہتے ہیں گڈ مارننگ 'سکھ کہتے ہیں جے گرو 'مجوسی صرف منہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں 'پارسی کلمہ کی انگلی اٹھا دیتے ہیں 'بعض نادان مسلمان کہلانے والے کہتے ہیں یا علی مدد 'مگر ان تمام طریقوں اور سلاموں میں اسلامی سلام بہت ہی موزوں اور بامعنی ہے کیونکہ حیاک اللہ میں صرف زندگی کی دعا ہے مگر السلام علیکم میں دین و دنیا کی سلامتی کی دعا اور ظاہر ہے کہ سلامتی کی دعا زندگی کی دعا سے زیادہ جامع ہے اور زیادہ اچھی بھی کہ اس کے معنی ہیں تم دنیا میں اور مرتے وقت قبر میں حشر میں ہر جگہ ہر آفت سے سلامت رہو نیز بغیر سلامتی کے زندگی عذاب ہوتی ہے۔ بہت لوگ مصیبت کی زندگی پر موت کو ترجیح دیتے ہیں' خودکشی کر لیتے ہیں باقی رام رام اور نمستے یا جے گرو 'یا علی مدد بالکل مہمل و بے معنی الفاظ ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم

www.alahazratnetwork.org

میں بارہ موقعوں میں مومن پر سلام آنے کا ذکر فرمایا' ازل میں رب نے بندوں پر سلامیت اتاری اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنا نام سلم رکھا یعنی بندوں کو سلامتی دینے والا نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا اهبط بسلم منا و برکات علیک و علی امم ممن معک فرشتوں کی زبانی سلام کہلوایا تنزل الملئکۃ والروح فیها باذن ربهم من کل امر سلم یعنی اے محبوب آپ کی وفات کے بعد آپ کی امت برباد نہ ہوگی کیونکہ انہیں فرشتے سلام کہتے رہیں گے۔ موسیٰ علیہ السلام کی معرفت سلام بھیجا کہ فرمایا والسلام علی من اتبع الهدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سلام بھیجا وسلام علی عبادہ الذین اصطفی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ اپنی امت کو سلام فرماؤ کہ فرمایا واذا جاءک الذین یؤمنون بایتنا فقل سلم علیکم امت محمدیہ کو سلام کرنے کا حکم دیا کہ اپنی امت کو سلام فرماؤ کہ فرمایا واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منها ملک الموت علیہ السلام کی معرفت سلام بھیجا کہ فرمایا الذین تتوفهم الملئکۃ طیبین یقولون سلم علیکم پاک ارواح کے ذریعہ سلام بھیجا کہ فرمایا فسلام لک من اصحاب الیمین رضوان خازن جنت کے ذریعہ سلام فرمایا کہ ارشاد ہوا وقال لهم خزنتها سلام علیکم طبتم جنت میں داخلہ کے وقت فرشتوں سے سلام کہلوایا یدخلون علیهم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم خود بلاواسطہ سلام فرمایا سلام قولا من رب رحیم۔ سلام کی عظمت کی وجہ سے حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر ابتدا زندگی میں اور بقاء زندگی اور انتہائی زندگی میں سلام نازل ہوئے کہ ان تینوں وقتوں میں سلامتی کی سخت ضرورت ہوتی ہے چنانچہ فرمایا وسلام علیه یوم ولد ویوم یموت ویوم یبعث حیا عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا السلام علی یوم ولدت ویوم اموت ویوم ابعث حیا اس سلام کی عظمت کی وجہ سے ہم مسلمانوں کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر درود سلام کا حکم ہوا کہ فرمایا صلوا علیه وسلموا تسلیما (تفسیر کبیر)۔

سلام کا طریقہ

مسلم' بخاری نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً" روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ وسلم نے کہ جب آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو فرمایا دیکھو وہ فرشتوں کی جماعت بیٹھی ہے وہاں جاؤ انہیں سلام کرو اور ان کے جواب میں غور کرو وہ تمہاری اولاد کا سلام و جواب ہوگا۔ چنانچہ آدم علیہ السلام وہاں گئے اور کہا السلام علیکم وہ سب بولے علیک السلام و رحمۃ اللہ' علماء فرماتے ہیں کہ سلام اگرچہ ایک آدمی کو کرے مگر علیکم ضمیر جمع استعمال کرے کہ ہر شخص کے ساتھ فرشتے ہوتے ہیں کاتبین اعمال اور محافظین ان کو بھی سلام ہو جائے۔ چنانچہ وہ بھی جواب دیتے ہیں ترمذی و ابو داؤد نے حضرت عمران ابن حصین سے روایت کی کہ ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا السلام علیکم حضور نے جواب دیا اور فرمایا دس پھر دوسرا آیا عرض کی السلام علیکم و رحمۃ اللہ جواب دیا اور فرمایا بیس پھر تیسرا آیا عرض کیا السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ' جواب دیا اور فرمایا تیس۔ چاہئیے کہ بلند آواز سے سلام کرے تاکہ سامنے والا سن لے' جواب فوراً" دینا چاہئے اگر دیر سے جواب دے گا تو وہ جواب نہ ہوگا تفسیر خازن) مگر مجبوراً" کچھ دیر لگا سکتا ہے۔

سلام کا حکم : سلام کرنا سنت کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک نے سلام کر لیا سب کی طرف سے ادا ہو گیا۔ اگر کسی نے نہ کیا تو سب سنت کے تارک ہوئے اور سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے کہ اگر جماعت میں سے ایک نے جواب دے دیا تو سب

www.alahazratnetwork.org

کا فرض ادا ہو گیا اور اگر کسی نے جواب نہ دیا تو سب فرض چھوڑنے کے گنہگار ہوئے یہ ہی حال چھینک کے جواب کا ہے کہ جماعت میں سے ایک جواب دیدے سب کی طرف سے سنت ادا ہو گئی۔ خیال رہے کہ سلام کرنا سنت ہے جواب دینا فرض مگر زیادہ ثواب سلام کرنے کا ہے کہ سلام کرنے والے کو نوے نیکیوں کا ثواب ہے جواب دینے والے کو دس کا دیکھو وقت نماز سے پہلے وضو کرنا سنت ہے وقت آجانے پر فرض یوں ہی وقت سے پہلے قرض ادا کرنا سنت ہے وقت پر ادا کرنا واجب مگر ان سنتوں کا ثواب فرض واجب سے زیادہ ہے۔ (صاوی و خازن)

سلام کرنے کے آداب : سنت یہ ہے کہ سوار پیدل کو چلنے والا بیٹھے ہوئے کو تھوڑی جماعت بڑی جماعت کو اور چھوٹی عمر والا بڑی عمر والے کو سلام کرے اور جب دو گذرتے ہوئے آدمی ملاقات کریں تو سلام سے ابتداء کرنے والا زیادہ ثواب پائے گا۔ بوقت ملاقات پہلے سلام کرے پھر کلام۔ چھوٹے بچوں پر گذرو تو انہیں بھی سلام کرو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا ہی کرتے تھے مسجد وغیرہ میں عورتوں کی جماعت پر گذرو تو انہیں سلام کر سکتے ہو اگر فتنہ کا خوف نہ ہو ابو داؤد نے حضرت اسماء بنت یزید سے روایت کی ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم عورتوں پر مسجد میں گزرے تو آپ نے سلام کیا اکیلی بوڑھی عورت کو سلام کرنا سنت ہے۔ اجنبی جوان عورت کو سلام کرنا ممنوع ہے کہ اس سے فتنہ کا دروازہ کھلنے کا اندیشہ ہے عورتیں آپس میں ایک دوسرے کو سلام کریں ان کے وہ ہی احکام ہیں جو مردوں کے آپس میں ہیں (خازن) جب اپنے گھر میں آؤ تو اپنے بیوی بچوں کو سلام کرو کہ اس سے اتفاق و اتحاد ہوتا ہے۔ رزق میں برکت ہوتی ہے۔ جب خالی گھر میں جاؤ تو یوں سلام کرو السلام علیک ایہا النبی ورحمۃ اللہ وبرکاتہ جب مسجد میں داخل ہو تو کہو بسم اللہ والسلام علیٰ رسول اللہ۔ عام قبرستان میں جاؤ تو یوں سلام کرو۔ **السلام علیکم دار قوم المسلمین وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون نسال اللہ لنا ولکم العافیۃ** جب اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضری دو تو یوں سلام کرو **سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار** اور جب شہداء کے مزار پر حاضری دو تو یوں سلام کرو سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ انور پر حاضری نصیب ہو تو وہ سلام عرض کرو جو ہم نے اپنے سفر نامہ میں مع ترجمہ عرض کئے ہیں۔

دور سے آئے ہیں یہ سگی غلام   عرض کرنے کو غلامانہ سلام!

سلام کے بقیہ طریقہ شامی و عالمگیری وغیرہ میں دیکھو۔

سلام منع کب ہے : جو شخص پیشاب یا پاخانہ یا صحبت کر رہا ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے ایسے ہی نماز پڑھتے ہوئے کو یوں ہی جو غسل کر رہا ہو ننگا ہو تو اسے سلام کرنا ممنوع ہے اور اگر تہبند باندھے نہا رہا ہے تو سلام جائز یوں ہی کافر کو بد مذہب کو فاسق کو اور جو فسق کر رہا ہے بلا ضرورت سلام کرنا ممنوع ہے یوں ہی جو کھانا کھا رہا ہو سو رہا ہو دینی سبق پڑھا رہا ہو اسے سلام ممنوع ہے خطبہ کے وقت اذان یا تکبیر کی حالت میں سلام ممنوع ہے اس کے بقیہ احکام عالمگیری وغیرہ میں دیکھو۔ خیال رہے کہ سلام اسے کیا جائے جو سلام سنتا بھی ہو جواب دے بھی سکتا ہو جواب دیتا بھی ہو جو سلام سنتا نہ ہو جیسے سویا ہوا ہو یا غائب یا بہرا اسے سلام کرنا ممنوع ہے اور جو سلام سنتا تو ہو مگر جواب نہ دے سکتا ہو جیسے نماز یا استنجے یا صحبت میں مشغول ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے یوں ہی جو سلام سنتا بھی ہو جواب دے سکتا بھی ہو مگر جواب دیتا نہ ہو اسے بھی سلام کرنا ممنوع ہے جیسے خطبہ وعظ درس و

www.alahazratnetwork.org

تدریس میں مشغول ہر شخص کو یہ قاعدہ ضرور خیال رہے بہت۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام : یوں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قربہا" ہر حالت میں صلوۃ و سلام بھیجنا چاہئے مگر جمعہ کے دن جمعہ کی رات روزانہ صبح و شام مسجد میں آتے جاتے وقت حضور کے روضہ مطہرہ کی زیارت کے وقت اذان کے بعد تکبیر کے وقت دعا کے اول آخر اور بیچ میں حج و عمرہ میں تلبیہ کے بعد وضو کے وقت اذان کی آواز کے وقت وعظ کہتے وقت درس خطبہ نکاح کے وقت ہر اہم کام کرتے وقت حضور کا نام لیتے یا لکھتے وقت صلوۃ و سلام بہت ہی بہتر ہے (شامی)۔

دور سے حضور کو سلام : یہ عقیدہ رکھو کہ امتی کہیں ہو حضور سے کتنی ہی دور ہو جب التحیات میں یا کسی اور وقت سلام عرض کرتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس اس کا سلام خود سنتے ہیں اس لئے نمازی کو چاہئے کہ التحیات میں سلام کے وقت معراج کے سلام کی نقل کی نیت نہ کرے بلکہ خود سلام کرنے کی نیت کرے (شامی) بلکہ یہ سمجھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا سلام خود سن رہے ہیں اور جواب دے رہے ہیں (مدارج النبوۃ و اشعہ و مرقات وغیرہ) کسی حدیث سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دور کا سلام نہیں سنتے وہ جو روایت میں ہے کہ جو میری قبر انور پر سلام عرض کرتا ہے تو میں اسے خود سنتا ہوں اور جو دور سے سلام عرض کرتا ہے تو مجھ تک پہنچایا جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ آپ دور کا سلام سنتے نہیں بلکہ دور والے کا سلام سنتے بھی ہیں اور پہنچایا بھی جاتا ہے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بندوں کے اعمال دعائیں پہنچائی جاتی ہیں تو اس سے یہ لازم نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں سے بے خبر ہے دیکھتا سنتا نہیں بلکہ وہابیوں کے پیشوا ابن قیم نے اپنی کتاب جلاء الافہام مطبوعہ اداعۃ الطباعۃ المنیریہ مصر صفحہ 73 پر بحوالہ طبرانی ایک حدیث نقل کی۔

قال الطبراني حدثنا يحى ابن ايوب العلاف حدثنا سعيد ابن ابي مريم عن خالد ابن زيد عن سعيد ابن ابي هلال عن ابي الدرداء قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اكثروا الصلوة على يوم الجمعة فانه مشهود تشهده الملئكة ليس من عبد يصلى على الا بلغني صوته حيث كان قلنا و بعد وفاتك قال و بعد وفاتي ان الله حرم على الارض ان تاكل اجساد الانبياء۔ (ترجمہ)

طبرانی نے فرمایا کہ یحییٰ ابن ایوب علاف نے خبر دی انہیں سعید ابن مریم نے انہوں نے خالد ابن زید سے روایت کی انہوں نے سعید ابن ابی ہلال سے انہوں نے حضرت ابو الدرداء سے فرماتے ہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم مجھ پر جمعہ کے دن زیادہ درود شریف پڑھا کرو کہ وہ حاضری کا دن ہے۔ جس میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں کوئی بندہ ایسا نہیں جو مجھ پر درود پڑھے مگر اس کی آواز مجھ کو پہنچ جاتی ہے وہ جہاں بھی ہو ہم نے عرض کیا کہ حضور آپ کی وفات کے بعد فرمایا میری وفات کے بعد بھی اللہ نے زمین پر حرام فرمایا کہ وہ انبیاء کرام کے جسم کھائے۔

یہ حدیث ابن قیم نے بغیر تردید اور بغیر کسی جرح کے نقل کی معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک یہ حدیث صحیح ہے ورنہ ابن قیم حدیث بغیر جرح نقل نہ کرتے لہذا ہر مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اکثر صلوۃ و سلام پڑھا کرے انشاء اللہ وہاں سے جواب ملتا رہے گا۔

کفار کے سلام کا جواب : کفار کو بلا ضرورت شدیدہ سلام کرنا ممنوع ہے مگر جب کوئی کافر مسلمان کو سلام کرے تو مسلمان

www.alahazratnetwork.org

اس کے جواب میں کہہ دے وعلیکم کہ وہ اکثر السام علیکم کہتے ہیں یعنی تم پر موت پڑے جیسا کہ حدیث شریف میں صراحۃً وارد ہے اس کے متعلق بہت احادیث آئی ہیں دیکھو تفسیر خازن وغیرہ۔

مسئلہ : کفار کو ہدایت کی دعا دینا جائز ہے اور جب کوئی کافر کسی مسلمان پر احسان کرے تو مسلمان اسے ضرور دعا دیدے ایک یہودی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کا دودھ دوہ دیا تو آپ نے دعا دی **اللھم جملہ** خدایا تو اسے جمال عطا فرما تو ستر سال کی عمر تک اس کے بال سفید نہ ہوئے (روح البیان) کفار کے ساتھ کھانا پینا میل و محبت کے طور پر حرام ہے ضرورۃً یا تالیف قلب کے لئے جائز ہے وہ بھی کبھی کبھی (روح المعانی)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** نیکی کرنا بھی ثواب ہے نیکی کرانا بھی اور نیکی کا مشورہ دینا بھی اور نیکی میں امداد کرنا بھی ثواب ہے جیسا کہ شفاعت حسنہ کی تفسیر سے معلوم ہوا **دوسرا فائدہ:** ظالم کو چھوڑانے مظلوم کو پھنسانے شرعی حدود' سزائیں معاف کرانے کے لئے سفارش کرنا حرام ہے یہ شفاعت سیئہ کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** سلام کرنا سنت ہے سلام کا جواب دینا فرض جیسا کہ فحیوا سے معلوم ہوا کیونکہ یہ صیغہ امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جو سلام نہ سنے یا جواب نہ دے سکے یا جواب نہ دے اسے سلام کرنا ممنوع ہے یہ فائدہ بھی فحیوا امر سے حاصل ہوا کیونکہ سلام کے بعد جواب دینا فرض ہے اور جواب دینا ان تین باتوں پر موقوف ہے **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر امتی کا سلام سنتے بھی ہیں جواب دے سکتے بھی ہیں اور جواب دیتے بھی ہیں یہ فائدہ بھی فحیوا سے حاصل ہوا ورنہ آپ کو دور سے سلام کرنا ممنوع ہوتا **ساتواں فائدہ:** حضور کو اکثر سلام کرتے رہنا چاہئے کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہے تو یہ ناممکن ہے کہ حضور کو کوئی سلام کرے اور آپ جواب نہ دیں آپ فرض کیسے ترک فرما سکتے ہیں اس سے مسئلہ حیات النبی' حاضر ناظر ہونا سب کچھ ثابت ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمان مردے سنتے ہیں خصوصاً قبر پر حاضر ہونے والے کا سلام سنتے جواب دیتے ہیں یہ فائدہ بھی حیوا سے حاصل ہوا کیونکہ سلام کا جواب دینا فرض ہے اور قبرستان جاکر مردوں کو سلام سنت ہے اگر وہ جواب نہ دیتے ہوتے تو ان کو سلام کرنا ممنوع ہوتا۔ **نواں فائدہ:** سلام کے لئے کوئی لفظ مقرر نہیں جس طرح جس لفظ سے سلام کیا جائے السلام علیکم' سلام علیکم' علیک السلام وغیرہ اس کا جواب دینا ضروری ہے یہ فائدہ بتحیۃ کے نکرہ ہونے سے حاصل ہوا' قرآن مجید میں مختلف الفاظ سے سلام کا ذکر ہے فقالوا سلاما' سلام علیکم طبتم وغیرہ' ہاں سنت یہ ہے کہ السلام علیکم سے سلام کرے اور علیکم السلام سے جواب دے۔ **دسواں فائدہ:** سلام بڑی اہم نیکی ہے کہ بعد موت تمام نیکیاں بند ہو جاتی ہیں مگر سلام و جواب بعد موت قبر و حشر و جنت میں ہوتا رہے گا مردے آپس میں ایک دوسرے سے ملتے وقت سلام کرتے ہیں۔ رب کی طرف سے اہل جنت کو سلام ہوگا **سلام قولا من رب رحیم** یہاں فحیوا اور **اوردوھا** میں زندے مردے بھی' امتی انسان و فرشتے سب ہی سے خطاب ہے اور سب کو جواب سلام دینے کا حکم ہے **گیارھواں فائدہ:** عموماً مسلمان میلاد شریف' فاتحہ نماز جمعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صلوۃ و سلام پڑھتے ہیں یہ بہت ہی اچھا عمل ہے مسجد نبوی شریف میں ہر نماز کے بعد سلام پڑھایا جاتا ہے یہ درحقیقت حضور سے دعائیں لینے کی تدبیر ہے اگر ہمارے سلام کے جواب میں حضور فرما دیں وعلیکم السلام تو ان شاء اللہ ہم دین و دنیا میں سلامت رہیں' حضور یقیناً جواب سلام دیتے ہیں کہ یہ حکم قرآنی ہے **بارھواں**

www.alahazratnetwork.org

فائدہ: کوئی درود سلام سے خالی نہ چاہئے کہ درود شریف سے اللہ کی رحمتیں نازل ہوئی ہیں اور سلام سے حضور کی دعائیں ملتی ہیں درود ابراہیمی بجز نماز دوسری جگہ ناقص ہے کیونکہ درود ابراہیمی میں سلام نہیں نماز میں چونکہ التحیات میں سلام ہو چکا اس لئے یہ درود وہاں کامل ہے نماز کے علاوہ میں سلام ہو نہیں چکا اس لئے وہاں درود ابراہیمی ناقص ہے۔

تفسیر صوفیانہ : نیکی و گناہ ایسی چیزیں ہیں کہ اپنے میں بہت کو لے لیتی ہیں نیکی کرنے والا کرانے والا اس کا مشورہ دینے والا اس میں امداد دینے والا نیکی میں شریک ہیں یہ ہی حال گناہ کا ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ساعت بے شمار ثواب پہنچ رہا ہے کہ جو بھی جو نیکی کر رہا ہے حضور کی شفاعت حسنہ سے کر رہا ہے سلام ہی وہ نعمت ہے جس کے ذریعہ زندے مردوں سے امتی نبی سے بلکہ بندے اللہ تعالیٰ سے ملتے ہیں جو چاہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت میری طرف متوجہ رہیں وہ ہمیشہ حضور کو سلام کیا کرے کہ اس سے سرکار ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہیں گے یہ نہ خیال کرو کہ سرکار اعلیٰ علیین میں ہیں ہم زمین میں پھر توجہ پاک کیسے ہوگی سورج چوتھے آسمان پر ہے مگر اس کی شعاعیں زمین پر ہر وقت پہنچتی رہتی ہیں اور صدہا کرشمے کرتی رہتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دائمی زندہ ہیں بحیات کامل سرکار فرماتے ہیں کہ جو مسلمان مجھ کو سلام عرض کرتا ہے تو رب تعالیٰ میری روح کو رد فرماتا ہے حتیٰ کہ میں اسے جواب دیتا ہوں اور ظاہر ہے کہ ہر آن لاکھوں سلام حضور کو ہوتے رہتے ہیں تو ہر وقت ہی روح پاک جسم سے متصل رہتی ہے اور شعور و ادراک و احساس روح پاک سے قائم حضور روح عالم ہیں روح محمدی عالم کے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ میں ساری ہے اس لئے ہر جگہ سے آپ پر سلام ہو رہا ہے حضرت عطار فرماتے ہیں۔

خواجہ کز ہرچہ گویم بیش بود — درہمہ چیزے ہمہ در پیش بود
وصف او در گفت چوں آید مرا — چوں عرق از شرم خوں آمد مرا
فصیح عالم و من لال او — کے تواند داد شرح حال او
وصف او کے لائق ایں ناکس است — واصف او خالق عالم بس است
انبیاء از وصف او حیراں شدہ — سرشناساں نیز سرگرداں شدہ

صوفیا فرماتے ہیں کہ قیامت تین ہیں 'قیامت صغریٰ' یہ ہر شخص کی اپنی موت ہے جو مر گیا اس کی قیامت تو آگئی قیامت وسطیٰ وہ صور کا پہلا نفخہ جب سب فنا ہو جائیں گے قیامت کبریٰ وہ تمام کا زندہ ہونا ہے سب کا اجتماع قیامت کبریٰ میں ہوگا' مثنوی میں ہے۔

ساز اسرافیل روزے نالہ را! — جاں دہد بوسیدۂ صد سالہ را!
ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء — مردہ ازیشاں حیاتست و نما

بزرگان دین کے آستانہ قیامت کا منظر ہیں کہ وہاں پہنچ کر سب غریب و امیر یکساں ہو جاتے ہیں آج اس کا نظارہ مدینہ منورہ میں کرو جہاں شاہ و گدا ایک کر دیئے جاتے ہیں (از تفسیر روح البیان) یہ دنیا کے محشر ہیں اس سے اس قیامت کا پتہ لگاؤ صوفیاء' کرام کے نزدیک عزت تین قسم کی ہے عزت شیطانی عزت نفسانی عزت رحمانی 'عزت شیطانی وہ ہے جو کفر و فسق کی بنا پر ملے جیسے جواریوں شرابیوں کافروں کے سرغنہ اپنی جماعتوں میں عزت والے ہوتے ہیں 'عزت نفسانی وہ ہے جو مال درجہ عہدہ وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

سے ہے عزت رحمانی وہ ہے جو نیک اعمال کی وجہ سے ملے جیسے حضرات انبیاء اولیاء صالحین کی عزت پہلی دو عزتیں عذاب ہیں جن کے متعلق رب فرماتا ہے اخذته العزة بالاثم اور تیسری عزت رحمت ہے جس کے متعلق رب فرماتا ہے العزة لله ولرسوله وللمؤمنين یوں ہی تکبر تین قسم کا ہے تکبر شیطانی جو حضرات انبیاء اولیاء مقبولین بارگاہ کے مقابلہ میں ہو کہ نبی ولی کچھ نہیں ہیں ان سے ہم افضل ہیں شیطان نے کہا تھا انا خير منه اور کہا تھا خلقتني من نار و خلقته من طين تکبر نفسانی وہ ہے جو مسلمان بھائی کے مقابلہ میں ہو کہ مسلمانوں سے اپنے کو اونچا جانے تکبر رحمانی وہ ہے جو کفار کے مقابلہ میں ہو خصوصاً جہاد کے وقت۔ پہلا تکبر کفر ہے۔ دوسرا تکبر حرام ہے تیسرا تکبر عبادت ہے ليجمعنكم الى يوم القيمة بالکل حق ہے مگر قیامت میں عزت رحمانی والے ممتاز ہوں گے۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ
پس کیا حال ہے تمہارا منافقوں کے متعلق دو گروہ ہوگئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا اس وجہ سے جو انہوں نے کیا ارادہ کرتے
تو تمہیں کیا ہوا کہ منافقوں کے بارے میں دو فریق ہوگئے اور اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا ان کے کوتکوں کے سبب کیا یہ چاہتے
اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾
ہو تم یہ کہ ہدایت دو اس کو جسے گمراہ کر دیا اللہ نے اور جو گمراہ کر دے اسے اللہ ہرگز نہ پاؤ گے تم واسطے اس کے راستہ
ہو کہ اسے راہ دکھاؤ جسے اللہ نے گمراہ کیا اور جسے اللہ گمراہ کرے تو ہرگز اس کے لئے راہ نہ پاؤ گے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ بری شفاعت کرنے والے یعنی مسلمانوں کو بہکانے والے گناہ میں حصہ لے گا اب اس کے مصداق کا ذکر ہے کہ بعض منافقین مسلمانوں سے علیحدہ رہ کر کفار سے میل رکھتے ہیں بلکہ مسلمانوں کو بہکانے کی کوشش کرتے ہیں یہ کافر مطلق ہیں ان پر ویسا ہی جہاد کرو جیسا کھلے کافروں پر کرتے ہو۔ غرضیکہ اجمالی حکم کے بعد تفصیلی حکم کا بیان ہو رہا ہے دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ منافقین آپ کے ساتھ جہاد میں جانے سے ہچکچاتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تو تمہارے مقابل کفار کی امداد کرتے ہیں تو تمہارے ساتھ جہاد میں کیا شریک ہوں گے یعنی منافقین کا ایک عیب بیان فرمانے کے بعد ان کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو برزخ میں قیامت تک جمع فرمائے گا یا قیامت میں اٹھتے وقت جمع فرمائے گا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ اجتماع قیامت کے اول وقت ہوگا آج دنیا میں مسلمانوں کو کفار اور ایسے منافقین سے علیحدہ رہنا چاہئے گویا اجتماع کے ذکر کے بعد افتراق کا ذکر ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق مفسرین نے سات روایات نقل فرمائیں بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کریمہ منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ کے متعلق آئی جو احد میں جا کر واپس لوٹ آئے مگر یہ روایت اس آیت کے مضمون کے بالکل خلاف ہے کہ یہاں ان کے قتل کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ قتل نہ کئے گئے نیز ان کو ہجرت کی ترغیب نہ دی گئی یہ لوگ ہجرت کیسے کرتے وہ تو رہتے ہی مدینہ پاک میں تھے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

آیت کریمہ قبیلہ عرینہ کے متعلق نازل ہوئی جو مدینہ میں آئے پھر مرتد ہو گئے اور قتل کر دیئے گئے مگر آیت کا مضمون اس کے بھی خلاف ہے کیونکہ ان کے متعلق صحابہ کرام کا اختلاف نہ ہوا نیز جب وہ اسی دن شام سے پہلے ہی گرفتار کر لیے گئے اور ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر تپتے میدان میں ڈلوا دیئے گئے جہاں سسک سسک کر وہ مرے پھر ان کی ہجرت کے کیا معنی لہذا فقیر ان تمام روایتوں کو چھوڑتا ہے اور صرف چار روایتیں لیتا ہے جو مضمون آیت کے بالکل موافق ہیں۔ بعض لوگ مدینہ منورہ آئے بظاہر مسلمان ہو کر یہاں رہنے سہنے لگے کچھ روز بعد بارگاہ رسالت میں عرض کرنے لگے کہ مدینہ پاک کی آب و ہوا ہمارے موافق نہیں ہم کو اجازت دی جاوے کہ ہم بیابان بدوی کی طرف کوچ کر جائیں تاکہ وہاں تندرست رہیں انہیں اجازت دی گئی یہ لوگ خانہ بدوشوں کی طرح جگہ جگہ ٹھہرتے ہوئے بدر پہنچے پھر وہاں کچھ دیر رہ کر اور آگے بڑھ گئے حتی کہ بڑھتے بڑھتے مکہ معظمہ پہنچ گئے اور کفار مکہ سے مل گئے جب ان کے مکہ معظمہ پہنچنے کی خبر مدینہ پاک میں گئی تو صحابہ کرام نے ان کے متعلق بحث کی بعض نے فرمایا کہ وہ لوگ مسلمان ہیں مخالفت آب و ہوا کی وجہ سے وہاں پہنچ گئے ہیں وہ کلمہ گو تھے ہم کو ان کے متعلق شک نہ کرنا چاہیے اور اگر کسی جنگ میں وہ ہمارے قابو آ جائیں تو انہیں قتل نہ کرنا چاہیے بعض نے فرمایا کہ یہ لوگ پہلے منافق تھے نفاق سے کلمہ پڑھ گئے تھے اب شرعی مرتد ہیں کہ کھلے کافر بن گئے اگر ان کے دل میں ایمان ہوتا تو دار اسلام سے نکل کر دار کفر میں کیوں پہنچ جاتے اس موقع پر آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس دوسری جماعت کی تائید کی گئی (روح البیان، تفسیر بیضاوی، تفسیر مدارک، خازن وغیرہ) ایک قوم مدینہ منورہ میں آکر مسلمان ہوئی کچھ روز رہ کر عرض گذار ہوئے کہ ہماری زمین مکانات اطراف مکہ معظمہ میں ہیں اجازت دی جاوے کہ ہم وہاں جا کر پھر آباد ہو جائیں پھر بغیر اجازت حاصل کیے ہوئے وہاں چلے گئے ان کے متعلق صحابہ کرام میں مذکورہ بحث ہوئی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس جماعت کی حمایت فرمائی گئی جو انہیں مرتد واجب القتل مانتے تھے (تفسیر خازن) بعض لوگ مکہ معظمہ میں بظاہر ایمان لے آئے تھے مگر باوجود قدرت کے وہاں سے ہجرت نہ کرتے تھے بلکہ موقعہ پڑنے پر وہ مسلمانوں کے مقابل کفار مکہ کی حمایت کرتے تھے یا اس حمایت پر مجبور ہوتے تھے ان کی خبریں مدینہ پاک میں آتی رہتی تھیں تو صحابہ کرام ان کے متعلق رائے زنی فرماتے تھے کوئی انہیں مومن کہتا کوئی کافر کہتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن) فقیر کے نزدیک یہ روایات قوی ہیں کہ آیت کریمہ کے مضمون کے موافق ہیں بعض لوگ مکہ معظمہ سے مہاجر بن کر مدینہ پاک پہنچے یہاں کلمہ گو ہو گئے پھر یہ بہانہ بنا کر مکہ معظمہ لوٹ گئے کہ ہم اپنے سامان لینے جا رہے ہیں تاکہ وہاں سے سامان لا کر یہاں تجارت کریں پھر وہاں سے نہ آئے حضور نے ان کے قتل کا حکم دیا (روح المعانی)

تفسیر: **فما لکم فی المنفقین فئتین ف** جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب ان مردودوں کی غداری بے وفائی تم پر عیاں ہو گئی تو پھر تمہیں کیا ہو گیا۔ **ما** استفہامیہ ہے اور استفہام تعجب دلانے کے لیے ہے **لکم** میں خطاب سارے صحابہ سے ہے اگرچہ ان کی ایک جماعت کی حمایت فرمائی گئی **فی المنافقین** سے پہلے **صرتم** یا **کنتم** یا **اصبحتم** فعل پوشیدہ ہے **فی المنافقین** اس کے متعلق ہے **فئتین** اس کی خبر ہے اس جملہ کی کچھ ترکیبیں اور بھی ہو سکتی ہیں مگر یہ ترکیب آسان بھی ہے زیادہ ظاہر بھی **فئتین فئۃ** کا تثنیہ ہے معنی لوٹنا رجوع کرنا اب چھوٹی جماعت کو بھی **فئۃ** کہہ دیتے ہیں اس کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے۔ **المنافقین** میں الف لام عہدی ہے اور ان سے وہی منافق مراد ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی ہے اگرچہ وہ اس وقت مرتد

www.alahazratnetwork.org

ہو کر ظاہر کافر بن چکے تھے مگر انہیں پہلی حالت کے لحاظ سے منافق فرمایا گیا یعنی اے جماعت صحابہ تم کو کیا ہو گیا کہ تم ان منافقوں کے متعلق دو جماعتیں بن گئے جو پہلے منافق تھے۔ نفاق سے کلمہ پڑھتے تھے پھر بعد میں کفار دوستی قومی غداری مدینہ منورہ سے بھاگ جانے کی وجہ سے کھلے کافر بن گئے **واللہ ارکسھم بما کسبوا** یہ جملہ حال ہے اور اس کا واؤ حالیہ ہے یا منافقین سے حال ہے یا تکم کی ضمیر مخاطب سے حال ارکس کا مادہ رکس ہے رکس کے معنی لوٹانا' اوندھا کرنا' عنی نکس گمراہ کرنا بکھیرنا متفرق کرنا۔ ہلاک کرنا یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں ھم سے مراد وہی منافقین مرتدین ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی **بما کسبوا** میں **ما** یا تو مصدریہ ہے یا موصولہ کسب سے مراد ان کے ظاہری بد اعمال ہیں کفار سے مل جانا مسلمانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق منقطع کر لینا یعنی تم تو ان بد نصیبوں کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے ہو حالت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے انہیں کفر کی طرف لوٹا دیا' گمراہ کر دیا ان کی جماعت کے ٹکڑے اڑا دیئے انہیں ہلاک کر دیا پھر تمہاری یہ بحث بیکار ہے **اتریدون ان تھدوا من اضل اللہ** یہ جملہ نیا ہے اس کا استفہام اظہار ناپسندیدگی کے لئے ہے اور تریدون میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جو انہیں مومن کہتے تھے ان کے ایمان پر گویا مناظرے کرتے تھے **ان تھدوا** جملہ ہو کر تریدون کا مفعول ہے اور **من اضل اللہ** تھدوا کا مفعول یعنی کیا تم ان مناظروں کے ذریعہ انہیں ہدایت دے دینا چاہتے ہو جن کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر چکا کیا تمہارے ان مناظروں سے وہ ہدایت پر آ جائیں گے ہرگز نہیں۔ **ومن یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا** یہ جملہ گذشتہ جملہ کی وجہ کا بیان ہے من سے مراد سارے جن و انس ہیں اور اضلال سے مراد ہے اس کی حرکتوں کی وجہ سے دل میں گمراہی پیدا کر دینا۔ سبیل اگرچہ ہر خیر و شر راستہ کو کہتے ہیں مگر اکثر رب تک پہنچانے والے راستہ کو کہا جاتا ہے لن تجد میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ان مسلمانوں سے جو ان کے ایمان کے متعلق بحث کرتے تھے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی جس شخص کو خواہ وہ کوئی ہو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے تو تم اس کے لئے اللہ تک پہنچنے والا راہ نہ پاؤ گے جس پر اسے لگا کر رب تک پہنچا دو' خیال رہے کہ رب تعالیٰ تک پہنچنے کا صرف اور صرف ایک راستہ ہے باقی سارے راستے بند ہو چکے وہ راستہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع' پیروی ہے۔

پندار سعدی کہ راہ صفا توان یافت جز در پے مصطفیٰ

حضور کو چھوڑ کر کتنی ہی عبادات ریاضات کرو رب تک نہ پہنچ سکو گے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو تمہیں ہو کیا گیا کہ تم ان منافقوں کے متعلق جو پہلے منافقت سے کلمہ پڑھ گئے تھے پھر اسلام سے پھر کر شرعاً مرتد ہو گئے تم دو گروہ ہو گئے کہ تم میں سے بعض ان کی ظاہری کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا کر اب بھی انہیں مسلمان کہہ رہے ہو تم تو ان کے متعلق آپس میں جھگڑ رہے ہو مگر اللہ نے انہیں خود ان کی غداری' بد عہدی' بے وفائی' محبت کفار' حب وطن' شوق کاروبار کی وجہ سے ادھر ہی لوٹا دیا جدھر سے وہ آئے تھے اس طرح کہ انہیں کھلا کافر بنا دیا گیا تم یہ چاہتے ہو کہ دلائل سے ان کا ایمان ثابت کر کے ان کے ایمان پر مناظرہ کر کے انہیں ہدایت دیدو جنہیں اللہ تعالیٰ کافر و گمراہ کر چکا یہ ناممکن ہے یقین رکھو کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے راہ ہدایت تم ہرگز نہ پاؤ گے وہ خدا رسی کا راستہ کبھی اختیار نہیں کر سکتا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مرتد کی سزا قتل ہے دیکھو یہ لوگ جنہیں مرتد

قرار دیا گیا ان کے قتل کے متعلق صحابہ میں اختلاف ہوا تو رب تعالیٰ نے اس جماعت کی حمایت فرمائی جو ان کے قتل کے قائل تھے۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمانوں کے مقابل کفار سے ساز باز کرنے والا اگرچہ کلمہ ہی پڑھتا ہو قتل کا مستحق ہے کہ وہ ملک و قوم و ملت کا غدار ہے۔ **تیسرا فائدہ:** محض ظاہری ایمان کے بعد کفر کا ظاہر ہونا ارتداد ہے یعنی جو پہلے شرعاً "مسلمان مان لیا گیا پھر اس نے کفر ظاہر کیا تو وہ مرتد ہے دیکھو منافق در حقیقت چھپے کافر تھے مگر بظاہر مسلمان مانے گئے تھے اس لئے کفر ظاہر کرنے پر مرتد مانے گئے **چوتھا فائدہ:** ہر کلمہ پڑھ لینے والا مومن نہیں جب اس سے علامات کفر ظاہر ہوں تو وہ مرتد ہے اگرچہ بظاہر اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے دیکھو یہ منافقین کلمہ کے انکاری نہ ہوئے تھے مگر ان کے ارتداد کا حکم دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** کفار سے محبت کبھی کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کفار' مرتدین کی حمایت بری ہے ان کی مخالفت ضروری ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان کی حمایت کرنے والوں پر عتاب فرمایا **ساتواں فائدہ:** اگر ہم کسی کافر کو دلائل سے مسلمان ثابت بھی کر دیں تو ہمارے دلائل سے وہ مسلمان نہ بن جاوے گا' اسلام و ایمان تو اس کے اپنے اخلاص سے میسر ہو گا' جیسا کہ **اتریدون ان تہدوا** سے معلوم ہوا **آٹھواں فائدہ:** بعض بد عملیاں کفر و ارتداد کا ذریعہ بن جاتی ہیں بلکہ بعض بد عملیاں دل پر کفر کی مہر لگ جانے کا ذریعہ بن جاتی ہیں جیسا کہ **بما کسبوا** سے معلوم ہوا اس لئے اس قسم کے اعمال سے بہت دور رہنا لازم ہے۔ **نواں فائدہ:** جسے رب تعالیٰ گمراہ کر دے اس کے لئے ہدایت کے سارے دروازے بند ہیں وہ کسی طرح ہدایت نہیں پا سکتا جیسا کہ **فلن تجد** سے معلوم ہوا **دسواں فائدہ:** خوش نصیب حضور سے دور رہتے ہوئے بھی ہدایت لے لیتے ہیں بد نصیب لوگ حضور کے پاس آکر خدمت میں رہ کر بھی ہدایت نہیں پاتے دیکھو اویس قرنی یمن میں رہ کر مومن متقی بن گئے اور یہ بد نصیب منافق مدینہ منورہ آکر حضور کو دیکھ کر حضور کی صحبت میں رہ کر بھی بے دین رہے کہ پہلے منافق بنے پھر مرتد ہوئے شیطان نور خانہ میں ملائکہ کے پاس رہ کر بھی ابلیس ہی رہا صحبت ضرور تاثیر رکھتی ہے مگر اس تاثیر کے حاصل کرنے کے لئے قابلیت چاہئے۔ بہر حال یہ آیت کریمہ بہت ہی عبرت ناک ہے ہر مسلمان اس سے سبق لے۔

پہلا اعتراض : جب یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے تو انہیں رب العالمین نے منافقین کیوں فرمایا منافق اور ہیں مرتدین کچھ اور۔ **جواب:** انہیں پہلی حالت کے لحاظ سے منافقین کہا گیا جسے اہل عرب **ما کان** کہتے ہیں یعنی جو یہاں رہتے ہوئے منافقین تھے اگرچہ وہ اب مرتدین ہو چکے **دوسرا اعتراض:** مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے مسلمان ہو پھر کافر بن جائے یہ منافق جب پہلے ہی منافق تھے اسلام میں داخل ہی نہ ہوئے تھے تو انہیں مرتد کیوں قرار دیا گیا اور **واللہ ارکسہم** کیسے صادق ہوا **جواب:** منافقین شرعاً "مسلمان ہوتے ہیں حقیقتہ" کافر اس لئے ان پر بہت سے اسلامی احکام جاری ہو جاتے ہیں کہ وہ قتل نہیں ہوتے نماز جہاد میں شریک ہوتے ہیں اس ظاہری اسلام کی وجہ سے۔ ان کا کفر ظاہر ہونے پر ان کو مرتد کہا جاتا ہے ارتداد کے لئے شرعی اسلام ضروری ہے نہ کہ حقیقی اسلام **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا واللہ ارکسہم رب نے انہیں اوندھا کر دیا جب رب نے ہی انہیں اوندھا کر دیا تو ان کا اپنا کیا قصور ہے پھر وہ دنیاوی اور اخروی سزا کے مستحق کیوں ہیں۔ **جواب:** آپ نے پوری آیت نہ پڑھی آگے ارشاد ہوا **بما کسبوا** یعنی ان کی بدکاریوں کی وجہ سے انہیں رب نے اوندھا کیا۔ اس کسب کی وجہ سے وہ گنہگار ہوئے جیسے ہم نے کسی کے تلوار ماری۔ رب نے اسے موت دیدی تو موت رب کی طرف سے ہوئی مگر سبب موت یعنی قتل

www.alahazratnetwork.org

ہماری طرف سے ہو لہٰذا ہم قتل کے مجرم ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جسے خدا گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا لہٰذا ان کا ایمان ناممکن ہے پھر انہیں تبلیغ احکام تبلیغ اسلام کیوں کی جاتی ہے۔ **جواب:** آیت کا مطلب ہے کہ جسے رب تعالیٰ گمراہ رکھنا چاہے تو تم رب تعالیٰ کا مقابلہ کر کے اسے ہدایت نہیں دے سکتے لیکن اگر کسی گمراہ کو رب تعالیٰ ہماری تبلیغ سے ہدایت دیدے تو ہدایت تو رب تعالیٰ دے گا مگر ثواب ہم کو بھی مل جائے گا۔ مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملتا ہے سامنے والا ہدایت پائے یا نہ پائے طبیب مریض کا علاج مرتے دم تک کرتا ہے مریض اگر مر بھی گیا تو طبیب کو دوا کی قیمت اور فیس ضرور ملے گی۔
پانچواں اعتراض: ان صحابہ میں سے جن حضرات نے ان مرتدین کو مومن جانا وہ کافر ہوئے یا نہیں کیونکہ کافر کی حمایت کرنا بھی تو کفر ہے رضا بالکفر کفر ہے۔ **جواب:** کفر کو ایمان سمجھنا کفر ہے ان حضرات نے ان مرتدین کو گزشتہ کلمہ گوئی کی وجہ سے نیک گمانی کرتے ہوئے مومن سمجھا وہ سمجھے کہ یہ لوگ اس پرانے ایمان پر قائم ہیں کسی دنیاوی ضرورت کی وجہ سے کفار کے پاس چلے گئے ان کے کسی کفریہ عقیدے کو ایمان نہ کہا لہٰذا یہ لوگ نیک گمان کرنے والے ہیں نہ کہ کفر کو ایمان سمجھنے والے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے پرندہ دو بازوؤں سے اڑتا ہے ہم دو پاؤں سے چلتے ہیں گاڑی دو پہیوں پر حرکت کرتی ہے ایسے ہی ایمان کے بھی دو بازو ہیں جن سے مومن اڑ کر بارگاہ الٰہی تک پہنچتا ہے ایک بازو ہے مومنوں سے محبت دوسرا بازو ہے بے ایمانوں سے عداوت و نفرت جس میں ان دونوں چیزوں میں سے ایک کی کمی ہو وہ مومن نہیں۔ دیکھو ان منافقین نے کفار سے محبت کی تو رب نے فرمایا **واللہ ارکسہم** اللہ نے انہیں اوندھا کر دیا جیسے ایک میان میں دو تلواریں نہیں آ سکتیں ایسے ہی ایک دل میں دو محبتیں نہیں رہ سکتیں محبت اخیار اور محبت اشرار آپس میں ضدیں ہیں اور اجتماع ضدین ناممکن ہے جو چاہتا ہے کہ رب کی بارگاہ تک پہنچے وہ اپنا دل محبت اغیار سے پاک کرے ناپاک جسم مسجد میں نہیں آ سکتا ایسے ہی ناپاک دل مسجد قرب میں نہیں پہنچ سکتا ناپاکوں کی محبت دل کو ناپاک کر دیتی ہے رب تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنی محبت سے بھر دے تاکہ اس میں دوسری جگہ ہی نہ رہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے غذاؤں اور دواؤں کی تاثیریں مختلف ہیں کوئی غذا و دوا مقوی دل ہے کوئی مقوی دماغ کوئی مقوی اعصاب ایسے ہی نیک اعمال کی تاثیریں مختلف ہیں چنانچہ نماز و روزہ وغیرہ مقوی عرفان ہیں اور اللہ والوں سے محبت مقوی ایمان اور جیسے بعض دوائیں مضر ہیں بعض مہلک ایسے ہی مقبولین سے بے تعلق ہو جانا ہلاکت ایمان کا باعث ہے دیکھو رب تعالیٰ نے **ارکسہم** کی کیا وجہ فرمائی **بما کسبوا** ان کی بد عملی یعنی حضور سے تعلق توڑ دینا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر کعبہ شریف پہنچ جانا وہاں حاضر رہنا خدا تعالیٰ کی پھٹکار کا باعث ہے دیکھو وہ منافقین حضور کو ناراض کر کے مکہ معظمہ پہنچ گئے تھے رب تعالیٰ نے اسے پھٹکار فرمایا کہ ارشاد کیا **ارکسہم بما کسبوا** ہر چیز اس کی دوکان اس کی منڈی سے ملتی ہے گوشت کی دکان سے کپڑا نہیں ملتا کپڑے کی منڈی میں زیور نہیں حاصل ہوتا اسی طرح ایمان ملنے کی دوکان ایمان کی منڈی حضور کے آستانہ پر ہے ایمان نہ قرآن سے ملتا ہے نہ کعبہ سے نہ مسجد سے یہ صرف حضور سے ملتا ہے ہم کسی کافر کو قرآن یا نماز پڑھا کر کعبہ میں بھیج کر مسلمان نہیں بناتے کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں جس میں اللہ رسول کا نام ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا **حتی یھاجروا فی سبیل اللہ** یہاں کلمہ نماز روزہ کعبہ کا ذکر نہ ہوا بلکہ ہجرت کر کے حضور کے آستانہ پر حاضری کا ذکر ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ

تمنا کرتے ہیں وہ کہ کاش کافر ہو جاؤ تم جیسے وہ کافر ہو گئے تو تم برابر ہو جاؤ پس نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست

وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ کہیں تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے تو تم سب ایک ہو جاؤ تو ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ

حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ

حتیٰ کہ ہجرت کریں وہ اللہ کی راہ میں پس اگر منہ پھیریں وہ تو انہیں گرفتار کرو اور جہاں پاؤ انہیں

جب تک اللہ کی راہ میں گھر بار نہ چھوڑیں پھر اگر وہ منہ پھیریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو

وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ

قتل کرو اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست نہ مددگار سوا ان کے جو پہنچ جائیں ایسی

اور ان میں کسی کو دوست نہ ٹھہراؤ نہ مددگار مگر وہ جو ایسی قوم سے علاقہ

اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ

قوم تک کہ تمہارے اور ان کے درمیان وعدہ ہے یا آئیں وہ تمہارے پاس کہ تنگ ہوں سینے ان کے اس

رکھتے ہوں کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے یا تمہارے پاس یوں آئے کہ ان کے دلوں میں ہمت نہ رہی کہ

يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ۭ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ

لیے کہ جنگ کریں تم سے یا جنگ کریں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو تم پر تو ضرور

تم سے لڑیں یا اپنی قوم سے لڑیں اور اللہ چاہتا تو ضرور انہیں تم پر قابو دیتا تو وہ بے شک تم سے

فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ

جنگ کرتے وہ تم سے پس اگر الگ رہیں وہ تم سے کہ نہ لڑیں تم سے اور پیش کریں تمہاری طرف صلح کو تو نہیں بنائی

لڑتے پھر اگر وہ تم سے کنارہ کریں اور نہ لڑیں اور صلح کا پیغام دیں تو اللہ نے تم کو ان پر کوئی

اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾

اللہ نے واسطے تمہارے ان پر کوئی راہ

راہ نہ رکھی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں بعض مسلمانوں کی سادگی کا ذکر تھا کہ وہ منافقوں کے مرتد ہو جانے کے باوجود ان کی پچھلی کلمہ گوئی سے دھوکہ کھا کر انہیں مسلمان ہی سمجھے جا رہے ہیں اس آیت کریمہ میں کفار کی عیاری و مکاری کا تذکرہ ہے کہ وہ ایسے پکے کافر ہو چکے ہیں کہ خود ان کا ایمان چھننے کی فکر میں ہیں مقصد یہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ ان سے ہوشیار رہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو ان مرتدین منافقین کے ایمان سے مایوس فرمایا گیا تھا اب اس مایوسی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ کفر میں اس حد تک پہنچ چکے ہیں کہ خود تو مسلمان کیا ہوتے تم کو اپنی طرف کھینچنے کی فکر میں ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جسے اللہ گمراہ کر دے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا اب اس گمراہ کر دینے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں بلاوجہ یا دشمنی سے گمراہ نہیں کر دیا بلکہ ان کی اس بد عملی کی وجہ سے ان پر پھٹکار پڑی کہ وہ گمراہ ہو چکے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں مذکورین منافقین کے کفر و ارتداد کا ذکر ہوا کہ وہ سب مرتد ہو چکے اب ان کے احکام بیان ہو رہے ہیں کہ ان میں سے بعض واجب القتل ہیں کہ جہاں ملیں انہیں مار دو اور بعض واجب القتل نہیں ان سے تعرض نہ کرو مگر دوستی کسی سے نہ کرو **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا تھا کہ تم مذکورین منافقین کی کلمہ گوئی سے دھوکہ نہ کھاؤ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ اخلاص سے کلمہ پڑھتے تمہارے پاس نہ آئے تھے بلکہ تمہیں کافر کرنے کے لئے تم سے مل گئے تھے ان کی یہ کلمہ گوئی مسلمانوں کو بہکانے کے لئے تھی۔

تفسیر: ودوا لو تکفرون کما کفروا ودوا ود سے بنا بمعنی پسند کرنا چاہنا محبت کرنا۔ حب اور ود دونوں قریباً ہم معنی ہیں مگر حب ہر محبت و پسندیدگی کو کہا جاتا ہے اور ود اس پسندیدگی کو جس کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش بھی کی جائے اس کا فاعل وہی مذکور منافقین ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا۔ ودوا ماضی یا استمرار کے لئے ہے یا گذشتہ حال بیان کرنے کے لئے یعنی وہ چاہتے تھے۔ چاہتے ہیں چاہتے رہیں گے جیسے کان اللہ علیما حکیما یا وہ جب کلمہ پڑھتے ہوئے تمہارے ساتھ تھے تب انہوں نے تمہیں کافر کرنا چاہا تھا لو حرف شرط نہیں بلکہ بیانیہ اور ودوا بیان تمنا ہے یعنی کاش کہ **تکفرون** میں خطاب تمام صحابہ سے ہے خصوصاً ان بزرگوں سے جو ان منافقوں کو مسلمان سمجھے ہوئے تھے کفروا کے معنی ہیں وہ کافر تھے یا وہ کافر ہو گئے لہٰذا اس جملہ کے دو معنی ہو گئے یعنی وہ اب چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح مرتد ہو جاؤ جیسے وہ مرتد ہو گئے یا جس زمانہ میں وہ تمہارے پاس تھے کلمہ پڑھتے تھے تب بھی وہ چاہتے تھے کہ ان کی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ وہ کلمہ پڑھ کر تم کو لینے آئے تھے یہ کلمہ گوئی محض دھوکہ و فریب تھا۔ خیال رہے کہ کما کفروا کا ما مصدریہ ہے اور کفروا بمعنی مصدر ہو کر کفراً محذوف کی صفت ہے اور ہو سکتا ہے کہ ما موصولہ ہو اور کفروا اس کا صلہ **فتکونون سواء** حق یہ ہے کہ یہ جملہ **تکفرون** پر معطوف ہے اور ف عاطفہ اور یہ دونوں جملہ مل کر ودوا کا مفعول ہے تمنا کا جواب نہیں ورنہ تکونوا نصب کی حالت میں ہوتا اور یہاں نون اعرابی نہ آتا تکونون میں خطاب ان ہی صحابہ سے ہے جو ان منافقوں کو اب بھی مسلمان سمجھے ہوئے تھے سواء کے بعد ہم یا معھم پوشیدہ ہے یعنی وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ اور تم اور وہ دین میں برابر ہو جاؤ تم میں ان میں کفر و اسلام کا فرق نہ رہے **فلا تتخذوا منہم اولیاء** یہ عبارت ایک پوشیدہ مضمون کی جزا ہے **اذا کان حالہم کذلک**۔ تتخذوا میں خطاب سارے صحابہ کرام کو ہے اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی دوست۔ قریب مددگار چونکہ لا تتخذوا جمع میں تمام صحابہ کرام سے خطاب تھا اس لئے اولیاء کو جمع لایا گیا ورنہ واحد مناسب تھا (روح) یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو اے محبوب کے صحابہ ان میں سے کسی کو دوست یا اپنا قریبی یا اپنا مددگار نہ بناؤ یا نہ سمجھو نہ زبان سے انہیں دوست کہو نہ ان کے ساتھ دوستوں کا برتاؤ کرو **لا تتخذوا** میں یہ سب صورتیں داخل ہیں خیال رہے کہ اصلی کافر کے ساتھ لوائے حقوق اخلاق اچھے معاملات سب درست ہیں مگر مرتد کے ساتھ یہ سب کچھ حرام ہے

www.alahazratnetwork.org

اس کے لئے یا اسلام یا قتل ہے باقی دلی دوستی و محبت سب سے حرام ہے یعنی رازدار بنانا انہیں خیر خواہ سمجھ کر ان کے مشوروں پر عمل کرنا رب فرماتا ہے **لا تتخذوا بطانۃ من دونکم** -خیال رہے کہ جیسے دشمن جان و مال سے الگ رہنا انہیں دشمن جاننا تنگ نظری نہیں بلکہ اپنی احتیاط و حفاظت ہے یوں ہی دشمن ایمان سے بچنا تنگ نظری نہیں بلکہ احتیاط ہے **حتی یھاجروا فی سبیل اللہ** یہ عبارت لا تتخذوا کی انتہا ہے حتی کہ بعد یؤمنوا پوشیدہ ہے **یھاجروا** ہجرت سے بنا معنی چھوڑنا جدا ہونا فراق اسی سے ہے ہجر اور ہجران ہجرت اصطلاح شریعت میں تین معنی میں آتا ہے اللہ کی راہ میں ترک وطن یعنی دار الحرب سے دار الاسلام آجانا تاکہ وہاں عبادات کی آزادی ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کے لئے روانہ ہو جانا گناہ چھوڑ دینا۔ حدیث شریف میں ہے کہ مہاجر وہ جو اللہ رسول کی منع فرمائی باتوں کو چھوڑ دے مگر یہ لفظ پہلے معنی میں استعمال ہوتا ہے رب فرماتا ہے **من المھاجرین والانصار** یہاں بھی اسی معنی میں ہے سبیل اللہ سے مراد رضاء الٰہی ہے۔ بعض مفسرین نے یہ آیات منافقین مدینہ عبداللہ ابن ابی وغیرہ کے متعلق مانی ہیں وہ یہاں ہجرت کے آخری دو معنی کرتے ہیں مگر یہ بالکل خلاف ظاہر ہے یعنی ان لوگوں کو ہرگز دوست نہ بناؤ حتی کے اخلاص سے ایمان قبول کرلیں اور رضاء الٰہی کے لئے مدینہ منورہ ہجرت کر آئیں کہ یہ ہجرت ان کے ایمان کی دلیل ہے خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ اور جیسا کفر اس کے مقابل ویسا ہی ایمان ہے توحید یا رسالت کے منکر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرو مگر مرزائی کو ختم نبوت کا اقرار کرا کے اور مرتد رافضی کو صحابہ کرام کا ثناخوان بنا کر مسلمان بناؤ کہ وہ کلمہ تو پہلے ہی پڑھتے ہیں چونکہ ان لوگوں کا گناہ و کفر حضور کے خدمت سے بھاگ جانا تھا اس لئے ان کا ایمان اب پھر حضور کے قدموں میں آجانا ہے اسی لئے ارشاد ہوا حتی **یھاجروا۔ فان تولوا فخذوھم واقتلوھم حیث وجدتموھم** یہ ان مرتد منافقین کا دوسرا حکم ہے تولوا کا فاعل وہی منافقین ہیں اس تولوا کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے **عن الایمان والھجرۃ - خذوا اخذ** سے بنا معنی قید کرلینا غلام بنالینا یا قتل کے لئے گرفتار کرنا دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کہ آگے قتل کا ذکر ہو رہا ہے۔ حیث عموم مکان کے لئے ہے **وجدتم** سے مراد ہر طرح پانا ہے خواہ جنگ و جہاد میں ہو یا ویسے ہی وہ قابو آجائیں یعنی اگر وہ لوگ ایمان و ہجرت سے منہ پھیریں تو تم انہیں جہاں بھی پاؤ حل میں یا حرم شریف میں انہیں پکڑ لو اور قتل کردو کیونکہ ان کا حکم دوسرے مشرکوں کافروں کی طرح ہے۔ ان کی گذشتہ کلمہ گوئی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ خیال رہے کہ تولوا میں تین احتمال ہیں اگر یہ مرتد اسلام سے منہ پھیریں یا ہجرت سے منہ پھیریں یا میرے محبوب کی غلامی سے منہ پھیریں۔ تیسرے معنی بہت لذیذ ہیں کہ حضور سے پھرنے والا خواہ کلمہ پڑھے نمازیں پڑھے مگر مومن نہیں **ولا تتخذوا منھم ولیا ولا نصیرا** یہ ان مرتدین کا تیسرا حکم ہے منہم سے پہلے احد اپوشیدہ ہے اسی لئے ولیا اور نصیرا واحد فرمایا گیا ولی کے معنی دوست ہیں یا قریبی نصیر کے معنی ظاہری مددگار یعنی ان لوگوں سے بالکل علیحدہ رہو نہ ان میں سے کسی کو اپنا دوست سمجھو نہ کسی سے جہاد وغیرہ میں مدد لو کہ یہ تمہارے دشمن ہیں **الا الذین یصلون الی قوم بینکم وبینھم میثاق** اس استثناء کا تعلق واقتلوھم سے ہے نہ کہ لا تتخذوا سے کیونکہ ان حالات میں ان منافقوں مرتدوں کو قتل نہ کیا جائے گا مگر ان سے دوستی ہرگز نہ ہوگی الذین سے مراد وہی مرتدین منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ **یصلون** کے معنی ہیں ان سے مل جائیں ان سے معاہدہ کرلیں ان سے تعلق قائم کرلیں قوم سے مراد بنی سلمہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہلال ابن عویمر اسلمی سے معاہدہ فرمایا تھا کہ ہلال نہ حضور کی مدد کریں نہ حضور کے مقابل کفار کی امداد کریں اور جو شخص یا جو قوم ہلال کے پاس پناہ لے لے اسے امان ہے اس

www.alahazratnetwork.org

عبارت میں اسی معاہدہ کی طرف اشارہ ہے بعض نے کہا کہ اس قوم سے مراد بنی مدلج ہیں بعض نے فرمایا کہ قوم سے مراد بنی بکر ابن زید ہیں بعض نے فرمایا بنی خزاعہ ہیں ہو سکتا ہے کہ ساری ہی وہ قومیں مراد ہوں جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ معاہدہ کر لیا تھا یعنی یہ تمام مرتدین منافقین واجب القتل ہیں مگر ان میں سے جو بھی کسی اس قوم سے مل جائے اس سے معاہدہ کرے جن سے تم معاہدہ کر چکے ہو کہ جو تم سے ملے اسے بھی امان ہے ایسے مل جانے والے کو نہ قید کرو نہ قتل کیونکہ عہد پورا کرنا اسلامی فریضہ ہے **او جاءوکم حصرت صدورهم ان یقاتلوکم او یقاتلوا قومهم** یہ ان منافقین کے بچاؤ کی دوسری صورت ہے حصر کے معنی ہیں تنگی یا علیحدگی اسی سے ہے حصور نکاح سے علیحدہ رہنے والا یا عورتوں سے دل تنگ او معنی واؤ ہے اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جاءوکم معطوف ہے **بینکم وبینهم میثاق** پر یا معطوف ہے **یصلون** پر پہلی صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ ان مرتدین کو بھی قتل نہ کرو جو اس قوم سے مل جائیں جو تمہارے پاس آکر معاہدہ کر گئے ہیں کہ ہم نہ آپ سے لڑیں گے نہ اپنی قوم سے بلکہ غیر جانبدار رہیں گے اور جو ہمارے ساتھ مل کر غیر جانبدار بن جائے وہ بھی امان پائے گا گویا پچھلے جز میں پرانے معاہدین سے مل جانے کا ذکر تھا اور اس جز میں نئے معاہدین کا تذکرہ ہے کہ جو آئندہ تمہارے معاہد بنیں ان سے یہ مرتد مل جائیں تو انہیں قتل نہ کرو حضرات انبیاء کرام میثاق کے دن کے معاہد ہیں حضرت اولیا بعد کے معاہد ہم جیسے گنہگار دونوں جگہ پہنچ کر اللہ کے عذاب سے بچ سکیں گے انشاء اللہ دوسری صورت میں معنی یہ ہیں کہ اگر وہ مرتدین منافقین تمہارے پاس آکر تم سے عہد کر لیں کہ ہم نہ آپ سے جنگ کریں گے نہ آپ کی حمایت میں اپنی قوم سے تو بھی ان سے جنگ نہ کرو پہلی صورت میں یہ جملہ محکم ہے دوسری صورت میں تمام علماء کا اتفاق ہے کہ یہ خبر منسوخ ہے کیونکہ اب ایسی قوم کفار سے جنگ جائز ہے جو ہم سے لڑنا نہ چاہے لڑنا نہ چاہتا اور ہے اور نہ لڑنے کا معاہدہ کچھ اور (تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ) تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ دوسرے معنی زیادہ قوی ہیں اور یہ آیت منسوخ ہی ہے **ولو شاء الله لسلطهم علیکم فلقتلوکم** یہ جملہ معترضہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے ایک خاص کرم کا ذکر ہے سلط بنا ہے تسلیط سے بمعنی قابو دینا ان میں جرات و ہمت پیدا کر دینا یعنی اے مسلمانو یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر خاص کرم ہے کہ اس نے ان منافقین مرتدین کے دل میں تمہارا رعب تمہاری ہیبت پیدا فرما دی کہ وہ تمہارے مقابلہ کی ہمت نہیں کرتے بلکہ تم سے صلح کی درخواست کرتے ہیں تمہاری خوشامدیں کرتے ہیں اگر اللہ تعالیٰ ان کو جرات دے دیتا تو وہ ضرور تمہارے مقابلہ میں آجاتے اور تم کو ان سے جنگ کرنا پڑتی تم اس کی اس نعمت کا شکر ادا کرو دیکھو اللہ تعالیٰ نے اونٹ، ہاتھی بلکہ شیر و چیتے کے دل میں تمہارا رعب ڈال دیا ہے تو وہ تم سے ڈرتے تمہاری اطاعت بھی کر لیتے ہیں مگر مکھی مچھر جوں کھٹمل کے دل میں تمہارا رعب نہیں تو وہ تم سے نہیں ڈرتے بلکہ تم کو پریشان کرتے ہیں یہ رعب اللہ کی رحمت ہے **فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم** ظاہر یہ ہے کہ یہ گزشتہ مضمون کا اعادہ نہیں بلکہ ایک نئی صورت کا ذکر ہے اور مطلب یہ ہے کہ اگر یہ کفار تم سے جنگ نہ کریں جنگ سے علیحدہ رہیں اور تم سے معاہدہ کرنا چاہیں تم سے صلح کی درخواست کریں تو **فما جعل الله لکم علیهم سبیلا** تو تم کو اللہ تعالیٰ نے ان سے جنگ کرنے کی کوئی راہ نہ دی ان کی صلح کی پیش کش کو قبول کر لو یہ حکم بھی یقیناً منسوخ ہے اب سلطان اسلام پر ضروری نہیں کہ کفار کی جانب سے پیش کردہ صلح کو قبول ہی کرے مصلحت دیکھے تو قبول کر لے ورنہ رد کر دے اور یہاں تو مرتدین کا ذکر ہے مرتد سے صلح ناممکن ہے، اس کے لئے یا اسلام ہے یا قتل۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو تم تو اپنے سیدھے پن سے ان مرتدین کی گذشتہ کلمہ گوئی سے دھوکہ کھارہے ہو اور انہیں مسلمان سمجھے بیٹھے ہو ان کا تو یہ حال ہے کہ پہلے ہی کلمہ پڑھ کر تمہارے ساتھ اس لئے شامل ہوئے تھے کہ تم میں گھل مل کر تم کو کافر بنالیں یا اب وہ اس تمنا و آرزو میں ہیں کہ تم بھی ان کی طرح کافر ہو جاؤ تو تم اور وہ کفر میں برابر ہو جاؤ لہذا ہوشیار رہو انہیں اس وقت تک دوست نہ جانو جب تک کہ وہ ایمان لاکر اخلاص کے ساتھ مدینہ پاک کی طرف ہجرت نہ کریں کہ یہ اخلاص والی ہجرت ان کے ایمان کی دلیل ہوگی اگر وہ ایمان و ہجرت سے منہ موڑیں اس طرف توجہ نہ کریں تو تم آئندہ انہیں جہاں بھی پاؤ حل میں یا حرم میں جنگ کی حالت میں یا اس کے علاوہ انہیں پکڑو اور مار دو انہیں دوست بناؤ نہ مددگار یعنی ان سے کسی کام میں مدد نہ لو خصوصاً جہاد وغیرہ دوسری عبادات میں البتہ تین صورتیں وہ ہیں جن سے ان مرتدین کی جانیں بچ سکتی ہیں ایک یہ کہ جن کفار سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے کہ وہ نیوٹرل غیر جانبدار ہیں اور جو ان کی پناہ میں پہنچ جائے اسے تمہاری طرف سے امان ہو اگر یہ مرتدین ان کی امان لے لیں تو یہ بچ جائیں گے' دوسری صورت یہ کہ کوئی کافر قوم آئندہ تم سے یہ ہی معاہدہ کرے کہ وہ غیر جانبدار رہے گی اور اس کی امان میں آنے والا امن پاجائے گا۔ یہ مرتدین ان کی پناہ میں پہنچ جائیں تم بھی بچ جائیں گے تیسری صورت یہ کہ یہ مرتدین خود تم سے غیر جانبدار رہنے کا معاہدہ کرلیں اور تم سے صلح کرلیں ان تین صورتوں میں تم کو ان کے قتل کی اجازت نہیں رہی۔ چوتھی صورت یہ کہ وہ مرتدین ان تین تدبیروں میں سے کچھ بھی نہ کریں تو وہ جہاں پائے جائیں قتل کر دیئے جائیں۔

نوٹ : تفسیر روح المعانی وغیرہ کے قول میں یہ تمام صورتیں منسوخ ہو چکیں اب مرتد بہر حال قتل ہوگا اس کے بچنے کی صرف یہ صورت ہے کہ وہ دوبارہ اخلاص سے مسلمان ہو جائے اور تمام مفسرین کے نزدیک تیسری صورت یقیناً منسوخ ہے کہ مرتد سے صلح ہرگز درست نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلیمہ کذاب اور اس کے متبعین سے صلح نہ کی حضرت صدیق اکبر نے زکوۃ کے منکرین اور مسلیمہ کذاب کے متبعین پر صرف جہاد کیا ان کے دل میں ان مردودوں سے صلح کرنے کا وہم بھی نہ آیا حضرت صدیق اکبر کی زندگی پاک اس آیت کی زندہ جاوید بولتی تفسیر ہے رضی اللہ عنہ غرضکہ قرآن مجید کو سمجھو ان حالات کی روشنی میں۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: کسی مسلمان کو کافر بنانے کی کوشش کرنا یا کافر بنانا کفر ہے جیسا کہ **ودوا لو تکفرون** سے معلوم ہوا فقہاء فرماتے ہیں کہ جو کسی عورت کا نکاح تڑوانے کے لئے اسے کافر ہو جانے کی تلقین کرے تو عورت کافر بنے یا نہ بنے یہ تلقین کرنے والا کافر ہو گیا اس مسئلہ کا ماخذ یہ آیت بھی ہو سکتی ہے۔ دوسرا فائدہ: اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے نہ اس کے لئے جزیہ ہے نہ غلام بنانا یا اسلام ہے یا قتل جیسا کہ **فان تولوا فخذوهم واقتلوهم** سے معلوم ہوا کیونکہ یہاں مرتدین کا ذکر ہے اس لئے ارشاد ہوا **والله ارکسهم** رب تعالیٰ دوسرے مقام پر مرتدین کے متعلق فرماتا ہے **تقاتلونهم او یسلمون** بلکہ گزشتہ دینوں میں بھی مرتد کی سزا قتل تھی چنانچہ قرآن کریم نے بچھڑے کے پجاری یہودیوں کے متعلق خبر دی کہ ان سے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا انفسکم** جو لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سے مرتد کی سزا قتل ثابت نہیں ہوتی وہ یہ تین آیت دیکھیں۔ خیال رہے کہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

حضور کے زمانہ کے مرتدین کا ذکر ہے اور **تقاتلونهم او يسلمون** میں زمانہ صدیقی کے مرتدین مسلیمہ والوں کا تذکرہ ہے اور **فتوبوا الى بارئكم فاقتلوا انفسكم** میں زمانہ موسوی کا ذکر ہے معلوم ہوا کہ ہمیشہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کافر، مرتد، بدمذہب کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ بے دین کلمہ ہی پڑھتا ہو جیسا کہ **فلا تتخذوا** سے معلوم ہوا اس کے متعلق صریح آیات بھی آئی ہیں **چوتھا فائدہ:** مومن کافر برابر نہیں ہو سکتے اگرچہ قوم ملک خاندان پیشہ میں برابر ہوں ہاں کافر کافر برابر ہیں جیسا **فتكونون سواء** ” سے معلوم ہوا **پانچواں فائدہ:** اگر کوئی کلمہ گو علامت کفر اختیار کرے تو کافر ہو گا اور جہاد کے موقعہ پر مار دیا جائے گا جیسا کہ **فان تولوا** سے معلوم ہوا کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر یہ کلمہ گو منافق ہجرت نہ کریں تو انہیں مار دو جہاں پاؤ کیونکہ اس زمانہ میں باوجود قدرت کے ہجرت نہ کرنا علامت کفر تھی اسے کفر قرار دیا گیا' خیال رہے کہ علامت کفار اور ہے علامت کفر کچھ اور چوٹی جنیو علامت کفر **چھٹا فائدہ:** کفار کو دوست بنانا حرام ہے اگرچہ وہ ہمارے قرابتدار اور ہم قوم ہم ملک ہی کیوں نہ ہوں جیسا کہ **لا تتخذوا منهم اولياء** سے معلوم ہوا' رب فرماتا ہے **ولو كانوا اباءهم او ابناءهم** **ساتواں فائدہ:** کفار سے دینی کاموں میں مدد لینا بلا ضرورت ممنوع ہے جیسا کہ **ولا نصيرا** سے معلوم ہوا ہاں ضرورت کے موقع کا اور حکم ہے **آٹھواں فائدہ:** جو معاہدے کفار سے کئے گئے ہیں وہ بھی ضرور پورے کئے جائیں' بدعہدی کسی سے جائز نہیں جیسا کہ **الا الذين** سے معلوم ہوا کہ رب نے فرمایا اگر یہ مرتدین ان لوگوں کی پناہ سے لیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہو تو انہیں نہ مارو دوسری جگہ ارشاد ہے **واوفوا بالعهد** **نواں فائدہ:** مرتد کو تبلیغ اسلام ضرور کی جائے اور اسے دوبارہ مسلمان ہو جانے کا موقعہ دیا جائے اس کے قتل میں جلدی نہ کی جائے جیسا کہ **حتى يهاجروا** سے معلوم ہوا **دسواں فائدہ:** حربی کفار اور مرتد ہر جگہ ہی قتل کئے جا سکتے ہیں' انہیں کوئی جگہ قتل سے بچا نہیں سکتی جیسا کہ **حيث وجدتموهم** سے معلوم ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** مسلمانوں کی قوت ایمانی کفار کے دلوں میں رعب کا سبب بن جاتی ہے اور یہ رعب اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جیسا کہ **ولو شاء الله** سے معلوم ہوا' مولانا فرماتے ہیں۔

ہیبت حق است ایں از خلق نیست   ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست

لوگ اپنی ہیبت لوگوں کے دلوں میں قائم کرنے کے لئے بڑے ظلم و ستم ڈھاتے ہیں اور صدہا ناجائز تدبیریں کرتے ہیں لیکن اگر سچے پکے مسلمان متبع سنت بن جائیں تو انشاء اللہ ان کی ہیبت انسان تو کیا جانوروں کے دلوں میں بھی واقع ہو جائے اور وہ دنیا پر بادشاہت کریں۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ!   کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہت سے کفار سے مسلمان محبت دوستی رکھ سکتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ انہیں دوست و مددگار نہ بناؤ مگر ساتھ ہی فرمادیا **الا الذين يصلون** الا نے اس حکم کو توڑ دیا۔ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ الا کا تعلق لا تتخذوا سے نہیں بلکہ اس کا تعلق ہے **واقتلوهم** سے اور معنی یہ ہیں کہ ایسے لوگ جہاں ملیں انہیں قتل کر دو سوا ان چند صورتوں کے ورنہ یہ آیت اس آیت کریمہ کے خلاف ہو گی **لا يتخذ المومنون الكفرين اولياء** **دوسرا اعتراض:** مرتد کو قتل کرنا بڑا ظلم ہے ملک میں دینی آزادی چاہیے۔ **جواب:** جی ہاں سلطنت' ملک و قوم کے

www.alahazratnetwork.org

باغیوں کو قتل کرنا بڑا ظلم ہے قانونی آزادی چاہئے جبکہ آج مہذب حکومتیں باغیوں کو نہیں چھوڑتیں تو اگر اسلام حکومت ربانی کے باغیوں کو قتل کرائے تو کیا حرج ہے۔ اسلام نے اصلی کفار کو آزادی دی ہے مرتد کی رعایت نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے پہلے تو فرمایا **فلا تتخذوا منہم اولیاء** یعنی اولیاء کو جمع فرمایا اور پھر فرمایا **ولا تتخذوا منہم ولیا ولا نصیرا** یعنی یہاں ولی واحد فرمایا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس کی بہت وجہیں ہو سکتی ہیں جن میں سے ایک یہ ہے پہلی جگہ قوم کفار مراد ہے اور دوسری جگہ شخص کافر یعنی پہلی جگہ حکم یہ ہے کہ کسی کافر قوم کافر قبیلے کو دوست نہ بناؤ اور دوسری جگہ مطلب یہ ہے کہ کسی کافر شخص کو دوست و مددگار نہ بناؤ لہذا وہاں جمع ہی مناسب تھی یہاں واحد ہی موزوں ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مرتد کو غلام و لونڈی و قیدی بنایا جا سکتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **فخذوھم واقتلوھم** مگر فقہاء فرماتے ہیں کہ مرتد کو صرف قتل ہی کیا جائے گا نہ اسے غلام بنایا جائے نہ قیدی فقہاء کا یہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں پکڑنے سے مراد ہے قتل کرنے کے لئے پکڑنا نہ کہ غلام بنانے یا قیدی کرنے کے لئے رب تعالیٰ مرتدین کے متعلق فرماتا ہے **تقاتلونہم او یسلمون** ہاں مرتد کو چند روز قید رکھنا تاکہ وہ غور و خوض کرے شاید پھر مسلمان ہو جائے جائز ہے نیز مرتد عورت کو قتل نہ کیا جائے اسے قید رکھا جائے گا ہو سکتا ہے کہ یہاں **فخذوھم** سے یہ آخری دو صورتیں مراد ہوں **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا **حتی یہاجروا فی سبیل اللہ** ایمان کا ذکر نہ ہوا اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس زمانہ میں ہجرت یعنی اللہ کے لئے وطن چھوڑنا علامت ایمان تھی مطلب یہ ہے کہ وہ ایمان لائیں اور ہجرت بھی کریں جس سے ان کا مومن ہونا ثابت ہو جائے تب ان سے محبت و دوستی کرو بعض لوگوں نے **یہاجروا** کے معنی کئے ہیں کفر چھوڑ دیں اسلامی جلسوں میں شریک ہوں یا گناہ چھوڑ دیں مگر یہ تمام معنی ظاہر کے خلاف ہیں **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں تکرار بے فائدہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہاں ان کے قتل سے بچنے کی صورتیں مذکور ہیں ایک یہ کہ تمہارے معاہدہ والی قوم سے مل جائیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے دل تنگ ہو جائیں کہ تم سے جنگ کرنے کی ہمت نہ کریں۔ تیسرے یہ کہ تم سے وہ الگ رہیں نہ تم سے لڑیں نہ اپنی قوم سے دوسری اور تیسری صورت میں فرق کوئی نہیں یہ محض بے فائدہ تکرار ہے۔ **جواب:** ہم نے خلاصہ تفسیر میں اس کے فرق کی طرف اشارہ کر دیا ہے پہلی صورت یہ ہے کہ مرتدین ہمارے پرانے حلیفوں سے مل جائیں دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی کافر قوم ہم سے آج معاہدہ کرے اور یہ مرتدین ان سے مل جائیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مرتدین خود ہم سے معاہدہ کر لیں کہ ہم غیر جانبدار رہیں گے ان تینوں صورتوں میں وہ ہمارے قتل سے بچ جائیں گے لہذا مضمون مکرر نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مرتد کو قتل نہ کیا جائے صرف اس ہی مرتد کو قتل کیا جائے جو ہم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو یا ہمارے دشمنوں سے مل جائے غرضیکہ ارتداد کی وجہ سے قتل کرنا اس آیت کے خلاف ہے (مرزائی) مولوی محمد علی صاحب مرزائی نے یہاں اس کو بہت زور سے بیان کیا ہے۔ **جواب:** ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ حکم بالاتفاق منسوخ ہے اس لئے ہر مرتد کو قتل کیا جائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے مرتدین کے متعلق **تقاتلونہم او یسلمون** نیز حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوۃ اور مسیلمہ کذاب کی قوم سے صلح کرنے کا خیال بھی نہ فرمایا بلکہ ان مرتدین پر لشکر کشی کی منکرین زکواۃ تو توبہ کر کے مسلمان ہو گئے اور تلوار صدیقی سے بچ گئے مسیلمہ کذاب کے لوگ تہ تیغ کر دیئے گئے۔ مرتدین کو قتل نہ کرنا بڑے فتنوں کا باعث ہے جب ملکی قومی غداروں کو گولی مار دی جاتی ہے انہیں غداری کرنے کی اجازت نہیں دی جاتی تو یہ لوگ تو ایمانی

www.alahazratnetwork.org

اسلامی غدار ہیں ہاں مرتدین اپنے بچاؤ کے لئے اس قسم کے بہانے ڈھونڈتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : غافل دنیادار گویا طریقت کے مرتد و کفار ہیں۔ نفس و شیطان راہمار ڈاکو ہیں' طالبین مولی مومن دیندار ہیں یہاں طالبین مولی سے خطاب ہے کہ تم ان غافلین طالبین دنیا کو دوست و مددگار نہ بناؤ جب تک کہ وہ حرص' شہوت حب دنیا سے ہجرت کرکے تمہارے موافق نہ ہو جائیں اگر ایسا نہ کریں تو تم مجاہدہ کی تلوار سے ان پر حملہ کرو انہیں اپنا دوست نہ سمجھو یہ تمہارے پورے دشمن ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب مرتدین کفار معاہدہ والی قوم کی پناہ لے لیں تو قتل سے بچ جاتے ہیں تو اگر گنہگار خطاکار کسی ایسے مقبول بندوں کی پناہ لے لیں۔ جن کا رب تعالیٰ سے معاہدہ امن ہے تو وہ بھی عذاب الٰہی سے امان پا جائیں گے امن والوں کی پناہ میں آجانا امان پالینے کا ذریعہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** یہ کفار ہیں تو عذاب کے قابل مگر رب انہیں عذاب نہ دے گا کیونکہ ان میں آپ ہیں۔ غرضکہ مقبولوں کا امان دار الایمان ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** (تفسیر کبیر) اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو! کہ رستے میں ہیں جابجا تھانے والے!

جب خطاکار بچہ پر باپ ناراض ہو جائے تو وہ بچہ سیدھا باپ کے پاس نہیں آتا بلکہ باپ کے کسی دلی دوست کے پاس پہنچتا ہے اس کے دامن کی آڑ میں باپ کے پاس آتا ہے وہ دوست پہلے اس کا قصور معاف کراتا ہے پھر بچہ کو پیش کرتا ہے ہم مجرم بھگوڑے بندے حضور کے دامن سے لپٹ کر بارگاہ الٰہی تک پہنچیں۔ ابو سفیان فتح مکہ کے دن حضرت عباس کے دامن میں چھپ کر ہی حضور کے پاس پہنچے اور قتل سے امان پائی' ایمان نصیب ہوا' دولہا برات کے دن اکیلا نہیں جاتا عزیزوں' دوستوں بلکہ اپنے کمیوں کو ساتھ لے جاتا ہے' سامنے والے بھی جانتے ہیں کہ دولہا اکیلا نہیں آئے گا اس لئے وہ سب کے لئے کھانا پکاتے ہیں حضور قیامت کے دولہا ہیں کروڑوں براتی حضور کے ساتھ جنت میں جائیں گے غرضکہ مرتدین شریعت اور ہیں مرتدین طریقت اور جو کوئی اپنا ایمان محفوظ رکھنا چاہے وہ اغیار سے محبت نہ رکھے ان کے خلاف جہاد کرتا رہے ہاں جب نفس امارہ سرکشی چھوڑ دے تمہارے مقابل ہتھیار ڈال دے تو اس سے جنگ نہ کرو بلکہ اسے اپنا معاون بناؤ۔

سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا

عنقریب پاؤ گے تم دوسروں کو جو چاہتے ہیں کہ مطمئن کریں تم کو اور مطمئن کریں اپنی قوم کو جب کبھی لوٹائے

اب کچھ اور تم ایسے پاؤ گے جو یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امان میں رہیں جب

رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ

جائیں طرف فتنہ کے اوندھے ہو جاتے ہیں ان میں پس اگر نہ سالک رہیں تم سے اور نہ پیش کریں طرف تمہارے صلح کو

کبھی ان کی قوم انہیں فساد کی طرف پھیرے تو اس پر اوندھے گرتے ہیں پھر اگر وہ تم سے کنارہ نہ کریں اور صلح کی

السَّلَمَ وَيَكُفُّوٓا أَيْدِيَهُمْ فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ ۚ وَأُولَٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَٰنًا مُّبِينًا ﴿٩١﴾

اور نہ روکیں اپنے ہاتھوں کو تو پکڑ لو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں کہیں پاؤ تم ان کو اور یہ ہی لوگ ہیں کہ بنایا ہم نے واسطے تمہارے ان پر اختیار کھلا

گردن نہ ڈالیں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کرو یہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں صریح اختیار دیا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ان منافقین کا ذکر تھا جو ایک بار کلمہ پڑھ کر پھر مرتد ہو گئے۔ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جن کا وطیرہ ہی یہ ہے کہ کبھی مسلمان ہو گئے کبھی کافر۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کفار کا ذکر تھا جن کو قتل کرنا ممنوع ہے اب ان کفار کا ذکر ہے جن کو قتل کرنا جائز بلکہ ضروری ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان کفار کا ذکر تھا جو صحیح ارادے سے مسلمانوں سے صلح کریں اب ان کفار کا ذکر ہے جو دھوکہ دینے کے لئے بری نیت سے مسلمانوں سے صلح کریں کہ ان پچھلے کافروں کے احکام کچھ نرم تھے ان کفار کے احکام بہت سخت ہیں۔

شان نزول : سیدنا عبداللہ ابن عباس و مجاہد فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں قبیلہ بنی اسد اور قبیلہ غطفان اور بنی عبدالدار کے کچھ لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ مسلمانوں کے پاس آتے تو کلمہ پڑھتے اور کہتے کہ ہم بھی تمہاری طرح مسلمان ہیں جن چیزوں پر تم ایمان لائے ان پر ہی ہم ایمان لائے اور جب اپنی قوم کے پاس جاتے تو کہتے کہ مسلمان سانپ بچھوؤں کی طرح خطرناک ہیں بھلا ہم ان کے ساتھ ہو سکتے ہیں ہم تو پہلے بھی تم میں سے تھے اب بھی تم میں سے ہیں اور آئندہ بھی تم میں ہی رہیں گے ان کا یہ ہی طریقہ تھا ہمیشہ یہ ہی کرتے تھے اور اسے اپنی پالیسی و عقلمندی سمجھتے تھے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو ان سے ہوشیار رہنے کا حکم دیا گیا اور اجازت دی گئی کہ ان کو تم قتل کر سکتے ہو (خازن، خزائن، روح المعانی وغیرہ)

تفسیر : **ستجدون اخرین** اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ ستجدون کے معنی ہیں تم ظاہر ظہور پاؤ گے یعنی ان کی حرکتیں تم پر کھل جائیں گی ورنہ مسلمانوں کو ان کے متعلق شبہ تو پہلے سے ہی تھا اس لئے یہاں تعلمون نہ فرمایا تجدون فرمایا علم وجدان سے عام ہے کیونکہ آنکھ سے دیکھ کر کان سے سن کر زبان سے چکھ کر ہاتھ سے چھو کر جان لینا علم ہے مگر تجربہ و آزمائش سے جاننا وجدان ہے ہو سکتا ہے کہ وجدان علم کے بعد ہو کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو جیسا سنا تھا یا جیسا جانا تھا ویسا پایا گویا نہ جاننے پر مرتب ہوتا ہے۔ آخرین سے مراد گذشتہ آیت میں ذکر کئے ہوئے مرتدین کے علاوہ دوسرے لوگ کیونکہ وہ لوگ اور قوم سے تھے یہ لوگ دوسری قوم اسد و غطفان سے **یریدون ان یامنوکم و یامنوا قومھم** یریدون ارادہ سے بنا یہاں معنی کوشش کرنا ہے مضارع دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی اسی کوشش میں رہتے ہیں **یامنوا** امن سے بنا معنی مطمئن کرنا یا مطمئن رہنا یا امن میں رہنا یہاں یا پہلے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں کم میں خطاب ان سارے مسلمانوں سے ہے اور قومھم سے مراد ان کی اپنی قوم ہے اگرچہ ان کی قومیں تین تھیں۔ اسد غطفان اور بنی عبدالدار کیونکہ ان میں سے بعض اسد سے تھے

www.alahazratnetwork.org

بعض غطفان سے اور بعض بنی عبد الدار سے لیکن چونکہ کفر و شرک میں سب ایک تھے اس لئے قوم واحد ارشاد ہوا۔ اقوام جمع نہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ لفظ قوم بڑا وسیع ہے ہم ملک ہم پیشہ ہم زبان قبیلہ خاندان اور ہم مذہب سب پر بولا جاتا ہے حضرات انبیاء کرام جو کفار سے فرماتے تھے یا قوم اعبدوا اللہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو وہاں قوم سے مراد نسبی خاندانی ملکی قوم ہے نہ کہ مذہبی قوم یہاں بھی یا تو قوم سے مراد ان کے اپنے خاندان و قبیلہ والے ہیں یا ان کے ہم مذہب کیونکہ وہ حقیقتہً کافر ہی تھے اس لئے مسلمان ان کے ہم مذہب نہ تھے بلکہ کفار تھے یعنی یہ لوگ کوشش میں لگے رہتے ہیں کہ تم سے بھی امان میں رہیں اور اپنے ہم مذہب کفار سے بھی یا تم کو بھی اپنی طرف سے مطمئن کر دیں اور اپنی قوم کو بھی مطمئن رکھیں یا تمہاری طرف سے بھی مطمئن رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی **کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا** پہلے ان کے اقوال کا ذکر تھا اب ان کے اعمال کا یہ ستجدون کا ظہور ہے **کلما** دوام و استمرار کے لئے ہے ردوا بمعنی دعوا ہے (تفسیر خازن) یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی واپس کرنا لوٹانا فتنہ سے مراد یا تو کفر و شرک ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے جنگ کرنا یا انہیں ایذاء پہنچانا ارکسوا کا مادہ رکس ہے بمعنی اوندھے منہ گر جانا اندھا دھند کسی طرف چل پڑنا بغیر سوچے سمجھے بغیر نتیجہ میں تامل کرے کچھ کام کر بیٹھنا یعنی یہ بدنصیب جب کبھی اپنی قوم کی طرف سے مسلمانوں سے جنگ کرنے کے لئے بلائے جاتے ہیں تو نہ تو یہ خیال کرتے ہیں کہ ہم مسلمانوں سے کیا کہہ چکے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ اس کا انجام کیا ہو گا بغیر کچھ سوچے سمجھے اندھا دھند جنگ میں شریک ہو جاتے ہیں تمہارے مقابل آجاتے ہیں رب تعالیٰ ان لوگوں کو بھی سنبھل جانے کا ایک اور موقعہ دیتا ہے کہ فرماتا ہے **فان لم یعتزلوکم** یہاں تین شرطوں پر ان کے قتل کی اجازت دی گئی یہ پہلی شرط ہے **یعتزلوا** بنا ہے اعتزال سے بمعنی ایک طرف ہو جانا الگ رہنا یعنی اگر وہ اپنا رویہ نہ بدلیں اور تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے علیحدگی اختیار نہ کریں دوسری شرط یہ ہے **ویلقوا الیکم السلم** **یلقوا** معطوف ہے **یعتزلوا** پر لم کے تحت ہے اس لئے اس کا نون اعرابی گر گیا سلم بمعنی صلح ہے یعنی اور اگر تمہارے سامنے صلح پیش نہ کریں اس طرح کہ گزشتہ حرکتوں پر نادم ہو کر تم سے معافی چاہیں اور آئندہ کے لئے وعدہ کریں کہ ہم کبھی تم لوگوں کے مقابل نہ آئیں گے **ویکفوا ایدیھم** یہ تیسری شرط ہے **یکفوا** بھی معطوف ہے یعتزلوا پر لم کے ماتحت ہے اور کف سے بنا بمعنی روکنا یعنی اپنے ہاتھ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے نہ روک لیں یعنی قولی صلح کے ساتھ عملی صلح نہ کر لیں تو **فخذوھم واقتلوھم حیث ثقفتموھم** یہ جملہ گزشتہ شرطوں کی جزا ہے خذوا کے معنی پہلے عرض کئے گئے کہ یہاں اس سے مراد قتل کے لئے پکڑنا قید کرنا ہے نہ کہ غلام بنانے کے لئے حیث عموم مکان کے لئے ہے بمعنی جہاں کہیں **ثقفتموا** ثقف سے بنا بمعنی پانا قادر ہونا ھم کا مرجع وہی لوگ ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی اگر یہ کام وہ نہ کریں تو انہیں پکڑو اور جہاں پاؤ قتل کر دو ان کے قتل کی تم کو عام اجازت ہے **واولٰئکم جعلنا لکم علیھم سلطنا مبینا** یہ جملہ پہلے حکم کی گویا علت و وجہ ہے سلطان بمعنی دلیل و غلبہ آتا ہے یہاں بمعنی اجازت و اختیار ہے مبین کے معنی ہیں کھلا صریح اختیار یعنی اس لئے ان کا قتل و پکڑ دھکڑ جائز ہے کہ ہم نے تم کو ان لوگوں کے پکڑنے مارنے کی صاف اجازت دے دی اب تم ان پر سختی کرنے میں بالکل مجرم نہیں۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو تم یہاں بہت قسم کے دشمنوں میں گھرے ہوئے ہو ایک تو تمہارے دشمن وہ لوگ تھے جن کا ذکر ابھی ہو چکا دوسرے تمہارے چھپے دشمن وہ بنی اسد، غطفان بنی عبد الدار کے لوگ ہیں جن کی حالت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اس

www.alahazratnetwork.org

کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہاری طرف سے بھی امان میں رہیں اور اپنی قوم کی طرف سے بھی کہ تم سے انہیں کچھ کھٹکا ہو نہ اپنی کافر قوم سے وہ ظاہری کلمہ پڑھ کر تمہیں مطمئن کر جاتے ہیں اور پھر اپنی قوم میں جا کر تم کو برا کہہ کر اسلام سے بیزاری ظاہر کر کے انہیں مطمئن کرتے رہتے ہیں مگر ان کا عمل یہ ہے کہ تم کو مطمئن کر کے جاتے ہیں لیکن اگر ان کی قوم ان کو تم سے لڑنے کی دعوت دے تو اندھا دھند اسے قبول کر کے تمہارے مقابل آجاتے ہیں ان کے دل میں نہ یہ خیال آتا ہے کہ ہم مسلمانوں سے کیا کہہ چکے ہیں نہ یہ سوچتے ہیں کہ ہماری اس بدعہدی کا نتیجہ کیا ہو گا ان کے متعلق ہمارا فیصلہ یہ ہے کہ آئندہ اگر یہ لوگ تم سے لڑائی کرنے سے نہ بچیں اور تمہارے پاس آکر گذشتہ پر ندامت آئندہ صلح نہ کریں اور تمہارے ساتھ لڑنے بھڑنے سے ہاتھ نہ روکیں تو پھر ہماری طرف سے تم کو بھی اجازت ہے کہ جہاں کہیں تم کو ملیں انہیں پکڑو اور مارو تم پر کوئی روک ٹوک نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار چار قسم کے ہیں۔ ذمی کفار جو مسلمانوں کی رعایا ہوں مستامن وہ کفار جو ہمارے ملک میں چند روز کے لئے امن لے کر آئیں وہ حربی کفار جو ان دونوں قسموں سے نہ ہوں مگر ان سے کچھ مدت کے لئے ہماری صلح ہو گئی ہو وہ حربی کفار جن سے ہماری نہ کوئی صلح ہے نہ معاہدہ آخری قسم کے کفار کا قتل جائز ہے پہلی تین قسم کے کفار کا قتل حرام ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** مومن و کفار دونوں کو خوش رکھنے کی کوشش کرنا دو طرفے چلتے رہنا منافقت ہے اور ایسا شخص منافق ہے یہ سب کے لئے خطرناک ہے۔ **دوسرا فائدہ:** منافق سے اگر کوئی علامت کفر پائی جائے خصوصاً جہاد میں کفار کی مدد کرنا مسلمانوں کی مخالفت کرنا تو اس کا قتل جائز ہے کہ اب وہ کھلا کافر یا مرتد ہو گیا جیسا کہ **فخذوھم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اس آیت نے تمام ان آیات کو منسوخ فرما دیا جن میں کفار سے نرمی چشم پوشی بے توجہی کر لینے کا حکم تھا یہ آیت محکم ہے تا قیامت اس پر عمل ہے جو اسے ناقابل عمل مانے اور جہاد کو منسوخ قرار دے وہ کافر ہے جہاد اسلامی کا دائمی حکم ہے یہ فائدہ **حیث ثقفتموھم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** محترم مہینوں یعنی رجب، شوال، ذیقعد، ذی الحجہ میں جہاد حرام ہونا بھی اس آیت سے منسوخ ہو گیا۔ اب ہر وقت کفار سے جہاد درست ہے یہ فائدہ بھی **حیث ثقفتموھم** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حربی کفار و منافقین کو اولاً سمجھانا بلکہ انہیں سنبھل جانے کا اور موقع دینا بہتر ہے تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو درست ہو جانے کا موقعہ نہ دیا گیا یہ فائدہ **فان لم یعتزلوکم** سے حاصل ہوا غرضکہ اسلام میں بہت فراخدلی سے کام لیا گیا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جن کفار سے ہماری صلح غیر جانبداری پر ہو گئی ہو یعنی انہوں نے ہم سے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر لیا ہو تو جب تک وہ اس عہد پر قائم رہیں ان سے جنگ نہ کی جائے یہ فائدہ بھی **فان لم یعتزلوکم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں فرمایا گیا **یریدون ان یامنوکم** الخ جس سے معلوم ہوا کہ جو کافر دونوں فریق مومن و کافر کو راضی کرنے کا ارادہ بھی کرے لائق قتل ہے حالانکہ یہ تو ارادہ غداری ہے نہ کہ غداری پھر اس پر قتل کی اجازت کیسی حدیث شریف میں ہے کہ ارادہ خیر تو خیر ہے جس پر ثواب مل جاتا ہے مگر ارادہ شر شر نہیں اس پر عذاب نہیں یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں ارادہ کے لغوی معنی مراد نہیں یعنی ابھی تک کام نہ کرنا صرف کام کرنے کا ارادہ کرنا بلکہ یہاں بمعنی کوشش ہے مطلب یہ ہے کہ وہ دونوں فریق مومن و کافر کی چاپلوسی کرتے رہتے ہیں۔ اس کوشش میں

www.alahazratnetwork.org

رہتے ہیں کہ دونوں فریق ہم سے راضی رہیں۔ خیال رہے کہ خیال گناہ پر پکڑ نہیں مگر ارادہ گناہ پر پکڑ ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب دو مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے کے لئے نکل آئیں ان میں سے ایک مارا جائے تو قاتل و مقتول دونوں دوزخی ہیں۔ پوچھا گیا کہ قاتل تو دوزخی ہی چاہئے مقتول کیوں دوزخی ہے فرمایا وہ بھی قتل کرنے ہی کے ارادے سے نکلا تھا اس کا داؤ نہ چلا نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادہ کفر بھی کفر ہے۔ بہر حال ارادہ گناہ اور ہے خیال گناہ کچھ اور۔ **دوسرا اعتراض:** جب نبی اسد و بنی غطفان کے کچھ لوگوں کی غداری دیکھی جاچکی ہے تو انہیں قتل کرنا چاہئے تھا انہیں اور موقع کیوں دیا گیا کہ ارشاد ہوا **فان لم یعتزلوکم** موذی کو ایذا سے پہلے قتل کر دینا چاہئے۔ **جواب:** یہ اسلام کی فراخدلی اور تعلیم اخلاق ہے کہ پہلے ان کو وارننگ دی گئی کہ تمہاری طرف سے بے وفائیاں بہت ظاہر ہو چکیں اب بھی درست ہو جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے۔ رب تعالیٰ بڑے سے بڑے مجرم کو توبہ اپنی اصلاح کر لینے کا موقعہ دیتا ہے وہ ارحم الراحمین جو ہمارے ماں باپ سے زیادہ ہم پر مہربان ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا **ارکسوا فیھا** وہ اس فتنہ میں اوندھے گرائے جاتے ہیں معلوم ہوا کہ وہ اوندھے گرائے گئے خود نہ گرے تو پھر وہ مجرم کیوں ہوئے۔ **جواب:** عربی بلکہ اردو میں بھی کسی کام میں بہت جلدی کرنے کو اوندھا گرایا جانا کہا جاتا ہے جیسے خود کو دیا تو سوچ سمجھ کر مہلت سے ہوتا ہے مگر کوئی دھکیل دے تو اچانک گرنا ہوتا ہے ایسے ہی بہت جلد کوئی کام کر بیٹھنا گویا اوندھا گرایا جانا ہے یا یہ کہو کہ وہ نفس پرستی میں ایسے اندھے ہو گئے کہ بغیر انجام سوچے ایسے کام کر بیٹھتے ہیں گویا اپنے نفس امارہ اور میرے دوستوں کے ہاتھ میں ہیں۔ جدھر وہ لے جاتے ہیں ادھر جاتے ہیں علماء فرماتے ہیں کہ قدر یعنی تقدیر ایسی ہے جیسے نقاش کے ذہن میں کوئی نقشہ اور قدر ایسی ہے جیسے اس ذہنی نقشہ کو پنسل سے کاغذ پر کھینچ دینا اور ہمارا عمل ایسا ہے جیسے نقاش کے شاگرد کا اس پنسل کے نقش پر رنگ بھرنا اسے اصل صورت دے دینا یہ شاگرد اس نقشہ کے کھینچے میں مختار بھی ہے اور اپنے استاد کا دست نگر بھی ایسے ہی بندہ نہ تقدیر سے مستغنی ہے نہ بالکل بے قصور اس مثال سے بہت سے اعتراضات اٹھ جاتے ہیں۔

اذا ما الاله قضی امرہ فانت لما قد قضاہ السبب

تفسیر صوفیانہ: ہمارے نفوس امارہ وہ اسدی و غطفانی منافق ہیں جو روح و دل کو بھی راضی رکھنا چاہتے ہیں اور شیاطین و برے ساتھیوں کو بھی اے مسلمانو اس منافق کی چال سے بے خبر نہ رہنا اولاً تدبیر کرو کہ نفوس امارہ ٹھیک ہو جائیں لیکن اگر کسی تدبیر سے یہ اپنی حالت نہ بدلیں تو انہیں مجاہدہ و ریاضات کی تلوار سے اس طرح قتل کر دو کہ پھر وہ تمہارے مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر سکے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مجاہدہ کفار آسان ہے مگر مجاہدہ نفس امارہ بہت مشکل ہمارا جسم میدان جہاد ہے، قلب و روح مومن ہیں نفس و شیطان کفار ہر وقت ان کی جنگ لگی ہوئی ہے مبارک ہے وہ جو اس جہاد میں کامیاب رہے یہ فتحمندی ہماری بہادری سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے کرم سے ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گر بہ پرانیم تیر آں نے زماست ما کمان و تیر اندازش خداست
ایں نہ جبر ایں معنی جباری است ذکر جباری برائے زاری است
زاری باشد دلیل اضطرار خجلت باشد دلیل اختیار

غرض یہ ہے کہ مرتے وقت تک ہمیشہ یہ جہاد کرتے رہو اور رب تعالیٰ سے فتحمندی کی دعائیں مانگتے رہو۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا

اور نہیں ہے درست کسی مومن کو یہ کہ قتل کرے کسی مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو کوئی قتل کر دے کسی مسلمان کو

اور مسلمان کو نہیں پہنچتا کہ مسلمان کا خون کرے مگر ہاتھ بہک کر اور جو کسی مسلمان کو نادانستہ قتل کرے تو اس

خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ

غلطی سے تو آزاد کرنا ہے ایک گردن مسلمان کا اور خون بہا ہے پہونچایا ہوا طرف گھر والوں اس مقتول کے مگر

پر ایک مسلمہ مملوک مسلمان آزاد کرنا ہے اور خون بہا کہ مقتول کے لوگوں کو سپرد کی جاوے مگر یہ کہ

يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ

یہ کہ صدقہ کر دیں وہ پس اگر ہو وہ مقتول ایسی قوم سے جو دشمن ہے تمہاری حالانکہ وہ خود

وہ معاف کر دیں پھر اگر وہ اس قوم سے ہو جو تمہاری دشمن ہے اور خود مسلمان ہے تو صرف ایک مملوک

فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ

مومن ہو تو آزاد کرنا ہے گردن مومنہ کا اور اگر ہو اس قوم سے کہ درمیان تمہارے اور درمیان اُن کے

مسلمان کا آزاد کرنا اور اگر وہ اس قوم میں ہو کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے تو اس کے لوگوں کو خون بہا

فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ

عہد ہے تو خون بہا ہے پہونچایا ہوا طرف گھر والوں اس کے اور آزاد کرنا ہے گردن مومنہ کا پس جو نہ

سپرد کی جاوے اور ایک مسلمان مملوک آزاد کرنا تو جس کا ہاتھ نہ پہنچے وہ لگاتار دو مہینے کے

يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ

پائے تو روزے ہیں دو ماہ کے مسلسل توبہ اللہ کی طرف سے اور ہے اللہ جاننے

روزے رکھے یہ اللہ کے یہاں اس کی توبہ ہے اور اللہ جاننے والا

عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۹۲﴾

والا حکمت والا۔

حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کفار کی اجازت دی تھی اس جہاد کے متعلق غلطیوں کی تلافی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر جہاد میں مسلمانوں کے ہاتھوں کوئی مسلمان غلطی سے مارا جائے تو اس کا کفارہ کیا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جن کو قتل کر دینا جائز ہے اب ان کا ذکر

www.alahazratnetwork.org

ہے جس کا قتل کرنا حرام ہے یعنی قتل مومن کہ اگر یہ قتل حرام سرزد ہو جائے تو کیا حکم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کو عمداً قتل کرنے کے احکام تذکرہ تھا اب اس آیت میں مومن کو شبہ و غلطی سے قتل کرنے کے احکام کا ذکر ہے غرضکہ قتل حلال کے بعد قتل حرام کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں مرتدین کے قتل میں احتیاطوں کا ذکر تھا کہ اگر وہ فلاں فلاں کام کرلیں تو انہیں قتل کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اب مسلمانوں کے قتل میں سخت احتیاطوں کا ذکر ہے کہ جب مرتدین و کفار کے قتل میں اتنی احتیاط ہے تو مومن کے قتل میں کتنی احتیاط ہونی چاہئے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں (1) عیاش ابن ربیعہ جو ابو جہل ابن ہشام اور حارث ابن ہشام کے ماں شریکے یعنی سوتیلے بھائی تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمان ہو کر حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے پھر کفار کے خوف سے مدینہ منورہ پہنچ گئے عیاش کی والدہ کو عیاش سے بڑی محبت تھی اس نے ابو جہل و حارث سے کہا جو اس کے بیٹے تھے کہ جب تک میں عیاش کو نہ دیکھوں' نہ کچھ کھاؤں' نہ پیوں' نہ سایہ میں بیٹھوں' اسے بلا کر لاؤ۔ یہ دونوں یعنی ابو جہل و حارث نے اپنے ساتھ حارث ابن زید ابن ابی امیہ کو لے لیا یہ تینوں مدینہ منورہ پہنچے اور انہوں نے عیاش کو پایا ان سے ماں کا حال بیان کر کے انہیں خدا تعالیٰ کا واسطہ دے کر کہا کہ گھر چلو اور ماں کی جان بچاؤ اور ہم اللہ تعالیٰ کو ضامن دیتے ہیں کہ تم کو دین کی آزادی دیں گے جو دین چاہو اختیار کرو عیاش نے ان کی بات مان لی اور ان کے ساتھ روانہ ہو گئے حدود مدینہ سے باہر نکل کر ان تینوں نے عیاش کی مشکیں باندھ دیں اور ہر ایک نے سو سو کوڑے انہیں مارے اور قیدی کی شکل میں مکہ معظمہ لائے ان کی ماں بولی کہ جب تک تم اسلام نہ چھوڑ دو تم کو نہ کھلاؤں گی نہ سایہ میں رکھوں گی۔ چنانچہ یہ یوں ہی بندھے ہوئے بھوکے پیاسے دھوپ میں ڈال دیئے گئے آخر جب جان سے تنگ آ گئے تو بظاہر کفر اختیار کر لیا۔ حارث ابن زید نے بطور طعنہ کہا کہ اگر اسلام جھوٹا دین تھا تو تم اتنے روز تک گمراہ رہے اور اگر سچا دین ہے، تو تم اب گمراہ ہو گئے عیاش بولے کہ یہ دونوں ابو جہل و حارث ابن ہشام تو میرے سوتیلے بھائی مجھے جو چاہیں کہیں تم ہمارے معاملہ میں دخل دینے والے کون۔ اللہ کی قسم جب بھی میں تم کو اکیلا پاؤں گا قتل کروں گا ادھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پاک کی طرف ہجرت فرمائی موقعہ پا کر عیاش مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حارث ابن زید بھی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ حارث ابن زید کے اسلام کی خبر عیاش کو نہ تھی مسجد قبا شریف کے پاس عیاش نے حارث کو اکیلا دیکھا تو قتل کر دیا لوگوں نے عیاش سے کہا کہ یہ تم نے کیا کیا یہ تو مسلمان ہو چکے تھے تب ان کو بہت افسوس ہوا بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ عرض کیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن۔ روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ خزائن العرفان وغیرہ)۔ (2) حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ ایک لشکر میں تشریف لے گئے آپ دوران سفر میں استنجاء کے لئے گئے تو ایک شخص کو دیکھا جو بکریاں چرا رہا تھا آپ نے اس کو قتل کرنا چاہا اس نے کلمہ پڑھا آپ سمجھے کہ یہ بکریاں بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اسے قتل کر دیا بکریوں پر قبضہ کر لیا اس کے بعد یہ واقعہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ناراضی کا اظہار فرمایا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں کفارہ اور دیت کا حکم دیا گیا (تفسیر روح المعانی و کبیر) (3) حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ غزوہ احد میں حذیفہ ابن یمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

www.alahazratnetwork.org

ساتھ تھے غازیان احد نے حضرت یمان کو مشرک سمجھ کر گھیر لیا اور قتل کرنے لگے حضرت حذیفہ کہتے رہے کہ یہ تو میرے والد ہیں کسی نے نہ سنا اور انہیں قتل کر دیا۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں بخشے تم نے ایک بندہ مومن یعنی میرے باپ کو قتل کر دیا پھر یہ واقعہ بارگاہ رسالت میں پیش ہوا۔ حضور کو بہت افسوس ہوا اور اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر : **وما کان لمومن ان یقتل مومنا الا خطاء** یہ مستقل علیحدہ جملہ ہے قتل حرام کے احکام بیان فرمانے کے لئے **ماکان** نفی دوام کے لئے ہے اور **لمومن** سے پہلے جائزا " یا لائقا " پوشیدہ ہے یہ کان کی خبر مقدم ہے اور **ان یقتل** معنی مصدر ہو کر کان کا اسم موخر اس قتل سے مراد قتل ناحق ہے۔ یعنی کسی مسلمان کو نہ جائز تھا نہ جائز ہے نہ جائز ہو گا کسی مسلمان کو ناحق قتل کرنا **الا خطاء** کی بہت تفسیریں ہیں۔ آسان تفسیر یہ ہے کہ **الا** معنی **لکن** ہے اور خطاء سے پہلے **ان یقتل** پوشیدہ ہے **خطا** حال ہے اور **فتحریر رقبۃ** اس عبارت کی گویا خبر (خازن) یعنی لیکن اگر مومن کو خطا قتل کر دیا تو اس پر کفارہ غلام آزاد کرنا ہے اور دیت ادا کرنا تفسیر روح المعانی نے الا خطاکی او ر پانچ چھ ترکیبیں کی ہیں مگر یہ ترکیب آسان ہے قتل خطا کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کافر یا شکاری جانور کو گولی مار رہا تھا کہ کوئی مسلمان آدمی زد میں آکر مارا گیا یہ خطا فی الفعل ہے دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو حربی کافر سمجھ کر قتل کر دیا بعد میں پتہ لگا کہ یہ مسلمان ہے۔ یہ خطا فی الارادہ ہے۔ **و من قتل مومنا خطا** پچھلے جملہ میں تو یہ بتایا گیا تھا کہ مومن کو عمدا " قتل کرنا سخت گناہ اور عذاب الٰہی کا سبب ہے ہاں اگر خطا " قتل ہو جائے تو وہ جرم نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ قتل جرم تو نہیں مگر پھر بھی اس پر کفارہ و دیت ہے من سے مراد مسلمان آدمی ہے قتل سے مراد خطا " قتل ہے۔ جو ناحق ہو مومنا " سے مراد مطلق مومن ہے متقی ہو یا گنہگار مرد ہو یا عورت بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا خطاء سے مراد ہر خطا ہے خواہ **خطا فی الفعل** ہو یا **خطا فی الارادۃ** جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا **فتحریر رقبۃ مومنۃ** یہ عبارت من کی خبر ہے اس سے پہلے علیہ یا وجب علیہ پوشیدہ ہے تحریر کے معنی ہیں حر یعنی کامل کر دینا ہے عربی میں ہر عزت والے کو حر کہتے ہیں۔ رخسار کے حسن کو حر الوجہ کہتے ہیں پرندہ آزاد کر دینے کو احرار الطیر کہا جاتا ہے۔ لکھنے کو تحریر اسی لئے کہتے ہیں کہ اس سے کاغذ کی عزت بڑھ جاتی ہے رقبہ گردن کو کہتے ہیں مگر اس سے مراد پورا انسان ہوتا ہے۔ جزء بول کر کل مراد لیتے ہیں چونکہ رقبۃ مونث تھا اس لئے مومنۃ بھی مونث ارشاد ہوا مومنۃ سے مراد مطلق مسلمان غلام ہے خواہ پرانا مسلمان ہو یا نیا یعنی خطاء " قاتل پر ایک تو کفارہ واجب ہے وہ کفارہ کیا ہے مومن غلام کو آزاد کر دینا خواہ غلام کو آزاد کرے یا لونڈی کو چونکہ اس قاتل نے ایک مومن کو موت کے گھاٹ اتارا ہے اس لئے اسے چاہئے کہ ایک مردہ کو زندگی بخشے غلام ہونا موت ہے آزاد کرانا اسے زندگی بخشنا ہے اور دوسرے **ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ** دیت ودی سے بنا معنی بہنا اسی لئے جنگل کو وادی کہتے ہیں کہ وہاں بارش میں عموما " پانی بہتا ہے۔ ودی کا واؤ گرا کر اس کے عوض آخر میں ت لگا دی گئی اب اصطلاح شریعت میں دیت خون مسلم کا وہ مالی معاوضہ ہے جو مقتول کے وارثوں کو دیا جائے چونکہ یہ مال خون بہانے کے عوض میں ہوتا ہے اس لئے اس عربی میں دیت اور فارسی میں خون بہا کہتے ہیں۔ مسلمۃ فرما کر یہ بتایا کہ دیت میں ضروری ہے کہ مقتول کے وارثوں کو خون بہا کا مالک بھی کر دیا جائے اور قبضہ بھی دیدیا جائے اہلہ سے مراد مقتول کے تمام وارث قرابتدار ہیں خواہ ذی فرض ہوں جیسے بیوی ماں وغیرہ یا عصبہ جیسے بیٹا بھائی وغیرہ الفظ اہل

www.alahazratnetwork.org

تین معنی میں آتا ہے اولاد بیویاں حق دار یعنی وارث قرابت دار یہاں تیسرے معنی میں ہے قرآن کریم میں زیادہ تر بیویوں کو اہل فرمایا گیا۔ جیسے **فقال لاھلہ انی انست نارا** یا جیسے **واذ غدوت من اھلک** یا جیسے رحمۃ اللہ وبرکاتہ علیکم اہل البیت جو کہتے ہیں کہ اہل صرف اولاد ہے وہ یہاں **الی اھلہ** میں اہل کے کیا معنی کریں گے وغیرہ یعنی خطاء" قتل کرنے والا اس خون کے عوض مقتول کے وارثوں کو مال دے جو انہیں سپرد کر دیا جائے جسے وہ آپس میں میراث کی طرح تقسیم کر لیں خیال رہے کہ اگر مقتول کا وارث کوئی نہ ہو تو بیت المال میں یہ دیت رکھی جائے جیسے کہ میت کے متروکہ مال کا حکم ہے کہ اگر اس کا وارث نہ ہو تو اس کا مال بیت المال کا ہے اور اس قتل خطائی دیت قاتل کے عصبہ وارث دیں گے اور اس کی مدت تین سال ہوگی۔ چونکہ قتل خطا میں شریعت کی بھی حق تلفی ہے کہ محترم جان کا قتل ہے اور بندوں کی بھی حق تلفی کہ مقتول کی بیوی بیوہ ہوگئی۔ بچے یتیم ہوگئے اس لئے اس کی سزائیں بھی دو ہوئیں شرعی حق تلفی کا کفارہ غلام آزاد کرنا جو حق اللہ ہے کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا اور بندوں کی حق تلفی کی سزا دیت یعنی خون بہادینا جو حق العباد ہے جسے وہ حق دار آپس میں بقدر حق تقسیم کر لیں گے۔ سبحان اللہ کیسا عدل و انصاف ہے **الا ان یصدقوا** اس عبارت کا تعلق صرف دیت سے ہے کفارہ سے نہیں **یصدقوا** اصل میں **یتصدقوا** تھا باب تفعل کا مضارع ت کو ص سے بدل کر ص میں ادغام کر دیا **تصدق** کے معنی ہیں صدقہ خیرات کرنا' یہاں معاف کرنا مراد ہے چونکہ اس معافی میں صدقہ کا ثواب ملتا ہے اس لئے اسے صدقہ فرمایا گیا ہے جیسے ہر نیکی کو صدقہ فرمایا گیا ہے **یصدقوا** کا فاعل اہل مقتول ہیں چونکہ وارثوں کی جماعت تھی اس لئے اس کو جمع فرمایا گیا یعنی قاتل پر دیت دینا واجب ہے لیکن اگر مقتول کے ورثاء معاف کر دیں تو دیت واجب نہیں صرف کفارہ یعنی غلام آزاد کرنا واجب ہوگا۔ **ان یصدقوا** جمع فرما کر اشارۃ" یہ بھی بتایا کہ اگر سارے وارث معاف کر دیں تو دیت معاف ہوگی اور اگر بعض وارث کریں تو ان کا حصہ معاف ہوگا" ساری دیت معاف نہ ہوگی۔ بخلاف قصاص کے کہ اگر قصاص ایک وارث بھی معاف کر دے تو معاف ہو جائے گا۔ یہاں تک تو اپنی قوم مسلم کے مسلمان مقتول کے قتل کا حکم تھا اب اس مقتول کا حکم بیان ہو رہا ہے جو خود تو مسلمان ہو مگر اس کی قوم کافر ہو۔ **فان کان من قوم عدولکم وھو مومن** یہ قتل خطا" کی دوسری صورت ہے کان کا اسم ھو ضمیر ہے جس کا مرجع مقتول خطا" ہے قوم عدو سے مراد حربی کفار ہیں جن سے مسلمانوں کی نہ صلح ہے نہ معاہدہ نہ وہ ہمارے ملک میں ذمی بن کر رہتے ہیں نہ وہ عارضی امن لے کر ہمارے ملک میں آئے **ھو مومن** کے معنی یہ ہیں کہ وہ مقتول خطا" مومن ہے مگر اس قاتل مومن کو اس کے اسلام کا پتہ نہ لگا وہ سمجھا کہ یہ کافر ہوگا کیونکہ وہ کافروں کے ملک میں رہتا تھا۔ کافروں ہی کی قوم سے تھا یعنی اگر خطا" مقتول تو کفار حربی کی قوم سے تھا مگر خود مومن تھا اس کے ایمان کا اس قاتل کو پتہ نہ چلا اس لئے اس نے کافر سمجھ کر اسے قتل کر دیا۔ **فتحریر رقبۃ مومنۃ** یا اس قتل خطا" کی جزا ہے یعنی اس صورت میں صرف کفارہ قاتل پر واجب ہوگا ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کر دینا۔ دیت و خون بہا ادا کرنا لازم نہیں کیونکہ خون بہا یا دیت مقتول کے وارث لیتے ہیں جو وراثت کی طرح آپس میں تقسیم کرتے ہیں اور کفار مومن میت کے وارث نہیں ہو سکتے اختلاف دین وراثت سے مانع ہے اس لئے دیت واجب نہیں کہ اسے لینے والا کوئی نہیں نیز بندوں کی حق تلفی جب ہوتی ہے جبکہ تلف کی ہوئی چیز حق ہو اور بندہ حقدار ہو کسی مسلمان کی شراب گرا دی سور مار دیا یا طبلہ سارنگی توڑ دی تو ضمان نہیں کہ یہ چیزیں حق نہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ دیئے تاوان واجب نہیں ہوا کہ یہ چیزیں کسی کا حق نہ تھیں اور کافر حربی حقدار نہیں کہ مسلمانوں پر ان کا حق نہیں گائے بھینس کے بچے ذبح

www.alahazratnetwork.org

کرکے کھالیتے ہیں ان جانوروں کی حق تلفی نہیں اس لئے اس قتل میں حق العبد نہیں لہذا دیت نہیں۔ نیز اگر یہ قتل دیت واجب کردیا کرے تو لوگ جہاد کرنا چھوڑ دیں گے کیونکہ جہاد میں بہت دفعہ غازیوں کے ہاتھوں کفار کے ملک میں رہنے والے مسلمان شہید یا قتل ہو جاتے ہیں پھر تو جہاد ناممکن ہو جائے گا۔ بہرحال اس قتل میں دیت نہیں صرف کفارہ ہے **وان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق** یہ "قتل خطا" کی تیسری صورت ہے یہاں کان کا اسم خطا "مقتول ہے جو کہ کافر ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے میثاق سے مراد دائمی یا عارضی مصالحت ہے یعنی اگر مقتول ہو تو کافر مگر ایسی کافر قوم کا ایک فرد ہو جن سے تمہارا معاہدہ ہے یا اس طرح کہ وہ قوم تمہاری ذمی بن کر تمہارے ملک میں رہتی ہے یا وہ قوم امان لے کر عارضی طور پر تمہارے ملک میں آئی ہو اور ان کا ایک آدمی شبہ سے مسلمان کے ہاتھوں مارا گیا تو اس کی جزاء یہ ہے کہ **فدیۃ مسلمۃ الی اھلہ و تحریر رقبۃ مؤمنۃ** کہ یہ قاتل اس کافر مقتول کے وارثوں کو پوری دیت جو مسلمان مقتول کی ہوتی ہے وہ ادا کرے اور ساتھ ہی ایک مسلمان غلام آزاد کرے خیال رہے کہ یہاں دیت کا ذکر پہلے ہے غلام آزاد کرنے کا ذکر بعد میں۔ جس سے اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ اس مقتول کی دیت بہت جلدی فوراً ادا کرو غلام بعد میں بھی آزاد کرتے رہنا تاکہ تم پر عہد کی مخالفت کا الزام نہ آئے نیز اگر وہ کافر قوم جلد اپنے وطن کو لوٹ جائے تو پھر دیت کون لے گا چونکہ کافر کافر کا وارث ہوتا ہے اس لئے اس مقتول کی دیت اس کے وارثوں کو دلوائی گئی لہذا مذہب احناف بہت قوی ہے امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہاں ذمی یا مستامن قوم کا مومن مقتول مراد ہے مگر ان پر سوال یہ ہے کہ اس کی دیت کون لے گا۔ کافر مومن کا وارث نہیں پھر دیت کسے دی جائے **فمن لم یجد فصیام شھرین متتابعین** یہ ایک اور صورت ہے من سے مراد قاتل ہے اور **لم یجد** کا مفعول غلام و لونڈی ہے نہ کہ دیت وہ تو بہرحال ادا ہی کرنا ہوگی کیونکہ "قتل خطا" کی دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر ہوتی ہے جو چندہ کرکے اسے دیں یعنی جو قاتل کفارہ کے لئے نہ تو غلام پائے نہ اس کی قیمت جس سے غلام خرید کر آزاد کرے تو اس پر واجب ہے کہ دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے بیچ میں افطار نہ کرے اگر بلا عذر بیچ میں افطار کر لیا تو از سر نو روزے رکھے اور اگر عذر سے کوئی روزہ رہ گیا تو بقیہ روزے پورے کرے (روح المعانی وغیرہ) اور اگر بغیر روزے رکھے قاتل فوت ہو گیا تو اس کا ولی روزوں کا فدیہ دے روزے کی عوض آدھا صاع یعنی سوا دو سیر گندم) روح) **توبۃ من اللہ** یہ کفارہ واجب ہونے کا مفعول لہ ہے توبۃ شرع پوشیدہ فعل کا مفعول ہے **من اللہ** توبۃ کا حال یعنی یہ غلام آزاد کرنا اور غلام نہ ہونے کی صورت میں دو ماہ کے روزے اس لئے مشروع ہوئے کہ تمہاری اس غلطی سے توبہ ہو جائے یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے **وکان اللہ علیما حکیما** کان کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک علم و حکمت والا ہے اس کے احکام میں صدہا حکمتیں ہیں لہذا اس نے جو "قتل خطا" کی ان صورتوں میں یہ احکام جاری فرمائے اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں خواہ تمہاری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں کیونکہ حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا لہذا تم اس میں بحث نہ کرو بلکہ اس پر عمل کرو۔

خلاصہء تفسیر: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل خطا کی تین صورتیں بیان فرمائیں اور ان تینوں کے احکام تفصیل وار ارشاد فرمائے ایک یہ کہ مسلم قوم کا مسلم آدمی مسلمان کے ہاتھ "خطا" مارا جائے دوسرے یہ کہ کفار حربی قوم کا مسلمان آدمی مسلمان کے ہاتھوں "خطا" مارا جائے تیسرے یہ کہ ذمی یا مستامن کفار قوم کا کافر آدمی مسلمان کے ہاتھوں "خطا" مارا جائے لہذا ارشاد ہوا کہ

www.alahazratnetwork.org

مسلمان کی یہ شان ہی نہیں کہ وہ کسی مومن کو عمداً" قتل کرے۔ مومن کے تو معنی ہیں امان دینے والا' امان دلانے والا جب اس کے نام میں امان ہے تو کیسے ہو سکتا ہے نام تو اس کا ہو مومن اور اس کا کام ہو قتل و غارت گری ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی کو خطا" قتل کر دے کہ اس کے ہاتھوں کوئی ارادہ یا فعل کی خطاء سے مارا جائے اس قتل خطا کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمان قوم کا مسلمان آدمی اس سے خطا" مارا گیا تو وہ قاتل بطور کفارہ ایک مومن غلام یا لونڈی کو آزاد کرے تاکہ حق اللہ ضائع ہونے کا گناہ معاف ہو جائے اور ساتھ ہی مقتول کے وارثوں کو خون بہا سو اونٹ اگر یہ نہ ملیں تو ایک ہزار اشرفیاں دے جسے وہ وارثین آپس میں مقتول کی میراث کی طرح تقسیم کرلیں کہ اس خون بہا سے مقتول کا قرض بھی ادا کریں اور اس کے ذی فرض و عصبہ وارثوں کو بھی بقدر حصہ دیں۔ ہاں اگر مقتول کے وارث لوگ خون بہا معاف کر دیں یا کل یا بعض تو ان کی اپنی مرضی۔ کیونکہ خون بہا ان کا اپنا حق ہے جسے وہ معاف کر سکتے ہیں' لیکن اگر مقتول تو مومن تھا مگر اس کی قوم کافر حربی تھی' وہ مسلمان کے ہاتھوں جہاد وغیرہ میں مارا گیا تو اس کی جزاء صرف ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے۔ اس میں دیت نہیں کیونکہ دیت میت کے وارثوں کو ملتی ہے۔ اس مقتول کا وارث کوئی تھا ہی نہیں کہ کفار مومن کے وارث نہیں ہوتے اور اگر مقتول کافر قوم کا کافر فرد تھا مثلاً" ذمی یا مستامن تھا جو مسلمان کے ہاتھوں خطا" مارا گیا تو اس کی جزاء یہ ہے کہ یہ قاتل بہت جلد اس کی دیت اس کے وارثوں کو ادا کرے۔ جسے وہ آپس میں بطور میراث بانٹ لیں اور خلاف معاہدہ حرکت صادر ہو جانے کی وجہ سے کفارہ کے طور پر ایک مومن غلام یا لونڈی آزاد کرے۔ ہاں اگر اسے غلام نہ ملے نہ اس کی قیمت اس کے پاس ہو کہ خرید کر آزاد کر دے تو یہ قاتل اس لونڈی غلام کی عوض دو ماہ کے مسلسل روزے رکھے کہ بیچ میں بالکل افطار نہ کرے مگر اسے دیت تو بہر حال دینا ہوگی' وہ کسی صورت سے معاف نہیں ہو سکتی۔ یہ احکام تمہارے لئے بطور توبہ رب کی طرف سے ہیں' ان پر ضرور عمل کر کے اپنی عاقبت درست کرو۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے' اس کے کلام علم و حکمت پر مبنی ہیں۔ لہٰذا بغیر چون و چرا قبول کرلو بجائے بحث کرنے کے عمل کرو۔

قتل کی صورتیں

قتل کی تین صورتیں ہیں۔ قتل عمد' قتل شبہ عمد' قتل خطا' اور ان کے الگ الگ احکام ہیں۔ قتل عمد یہ ہے کہ قاتل قتل کے ارادے ایسے ہتھیار سے قتل کرے جو قتل کے لئے بنایا ہو جیسے چاقو' چھری' تلوار' وغیرہ اس قتل میں بعض صورتوں میں قصاص واجب ہوتا ہے یا دیت مغلظہ جو فوراً" قاتل اپنے مال سے ادا کرے۔ قتل شبہ عمد یہ ہے کہ انسان بارادہ' قتل کسی ایسے ہتھیار سے قتل کرے جو قتل کے لئے بنا نہیں۔ جیسے چھڑی' چھوٹا پتھر نازک جگہ پر مار کر ہلاک کر دے' اس میں قصاص نہیں بلکہ دیت مغلظہ ہے جو قاتل کے وارثوں پر تین سال تک ادا کرنی واجب ہوگی۔ قتل خطا'' اس کی صورت یہ ہے کہ کسی شکار یا مشرک کو مار رہا تھا کہ مسلمان کے لگ گئی اور وہ ہلاک ہو گیا اسے خطا'' فی الفعل کہتے ہیں یا کسی مسلمان کو کافر حربی سمجھ کر قتل کر دیا اسے خطا'' فی الارادہ یا خطا'' فی القصد کہتے ہیں۔ اس میں قاتل کے عصبہ وارثوں پر دیت خفیفہ تین سال میں ادا کرنا لازم ہے۔ خیال رہے کہ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک لاٹھی غلیل سے مارنا یا گھونسہ تھپڑ یا گلا گھونٹ کر ہلاک کرنا قتل عمد نہیں قتل عمد میں قتل کے لئے بنایا ہوا ہتھیار ضروری۔

دیت کا بیان : خون ناحق کا معاوضہ مالی جو بعض صورتوں میں واجب ہوتا ہے اسے دیت کہتے ہیں۔ دیت دو قسم کی ہے'

www.alahazratnetwork.org

دیت مغلظہ' دیت خفیفہ۔ دیت مغلظہ یہ ہے کہ قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو سو اونٹ اس طرح دیئے جائیں کہ ان میں تیس حقہ تیس جذعہ اور چالیس خلفہ یعنی حاملہ اونٹنیاں ہوں۔ حقہ و جذعہ کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے' یہ دیت مغلظہ قتل عمد میں واجب ہوتی ہے جبکہ مقتول کے وارثین قصاص معاف کردیں' دیت لینے پر راضی ہو جائیں یہ دیت مغلظہ قاتل اپنے مال سے فوراً" ادا کرے گا۔ قتل شبہ عمد میں بھی یہ ہی دیت مغلظہ ہے مگر یہ دیت قاتل کے عصبہ وارثوں پر واجب ہوگی جو وہ تین سال میں قسط وار ادا کریں گے۔ دیت خفیفہ یہ ہے کہ قاتل کی طرف سے مقتول کے وارثوں کو بیس بنت مخاض یعنی ایک سالہ اونٹنیاں اور بیس جذعہ یعنی چار سالہ اونٹنیاں ادا کی جائیں یہ بھی سو ہوئیں مگر پانچ حصہ میں منقسم ہو کر۔ یہ دیت خفیفہ قتل خطا کی صورت میں قاتل کے عصبہ وارثوں پر تین سال کے عرصہ میں واجب ہوتی ہے۔ ہر سال تہائی دیت اگر قاتل اونٹ نہ پائے تو ایک ہزار اشرفیاں یا دس ہزار درہم ادا کرے ہم احناف کے ہاں مقتول مسلمان ہو یا ذمی کافر یا مستامن کافر اور کافر ذمی خواہ اہل کتاب سے ہو یا مجوسی یا مشرک ہو سب کی دیت یکساں ہے اور اگر مسلمان ان کفار میں سے کسی کو عمداً قتل کردے تو مقتول کے ورثاء قصاص لے سکتے ہیں۔ یہ مذہب احناف ہے۔ امام شافعی کے ہاں کافر کے بدلہ مومن کو قتل نہیں کرسکتے اور ان کے ہاں ذمی کافر اگر اہل کتاب ہے تو اس کی دیت تہائی ہے یعنی 33 اونٹ اور اگر مجوسی یا مشرک ہے تو اس کی دیت پانچواں حصہ یعنی بیس اونٹ نیز امام اعظم کے ہاں عورت و مرد بچہ جوان سب کی دیت یکساں ہے ان مسائل میں فریقین کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو یا یہاں اس آیت کی تفسیر کے تحت تفسیر کبیر میں ملاحظہ فرماؤ کچھ دلائل تفسیر خازن میں بھی مذکور ہیں۔

قتل کی تفصیل : قتل کا کفارہ ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا ہے اور یہ غلام یا لونڈی خود قاتل اپنے مال سے آزاد کرے اس کا بوجھ وارثوں پر نہ ہوگا۔ یہ کفارہ تین صورتوں میں واجب ہوتا ہے مسلمان کو خطا" قتل کردیا تو یہ کفارہ بھی دے اور دیت بھی ادا کرے۔ حربی کافر قوم کے مسلمان آدمی کو ماردیا تو صرف کفارہ ادا کرے ذمی یا مستامن کافر کو خطا" قتل کردیا تو یہ کفارہ بھی دے اور دیت بھی ادا کرے۔ خیال رہے کہ اگر غلام نہ ملے یا نہ مل سکے تو قاتل اس کے عوض دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے جیسا کہ اس آیت میں فرمایا گیا۔ یہ قرآنی مسائل خوب خیال میں رہیں شاید کبھی اللہ تعالیٰ اسلام کا راج قائم فرمادے تو یہ مسائل کام آئیں گے خدا تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ہم کو اسلام کا راج دکھاوے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دیدہ دانستہ قتل مومن کی شان بلکہ مومن کے نام کے خلاف ہے مومن تو ہے ہی وہ جو دنیا میں امن و امان قائم کرے جیسا کہ **ما كان لمؤمن** کی تفسیر سے معلوم ہوا مگر آج مسلمان دوسرے اسلامی سبقوں کی طرح اس سبق کو بھی بھول گئے۔ بات بات پر مسلمان مسلمان کو ظلماً" قتل کردیتے ہیں رب تعالیٰ ہم کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلادے (آمین)۔ دوسرا فائدہ: ظلماً" قتل بہرحال برا ہے مگر مومن کو قتل کرنا بہت ہی برا۔ جیسا کہ **ان يقتل مؤمنا** فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرا فائدہ: خطاء" قتل بمقابلہ عمداً" قتل کے ہلکا ہے اس لئے خطا" قتل میں قصاص نہیں۔ عمداً" قتل میں قصاص ہے جیسا کہ **ومن قتل** سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: ظلماً" قتل میں حق اللہ بھی ہے اور حق العبد بھی۔ حق اللہ کی معافی کے لئے کفارہ دے اور حق العبد کی معافی کے لئے قصاص یا دیت وغیرہ۔ پانچواں فائدہ: مقتول کے ورثاء دیت معاف کرسکتے ہیں کہ وہ ان کا اپنا حق تھا مگر کفارہ معاف نہیں کرسکتے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا حق ہے جیسا کہ **الا ان**

www.alahazratnetwork.org

یصدقوا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مقتول کے ورثاء دیت کا مال بطور میراث آپس میں تقسیم کریں بلکہ اس دیت سے پہلے مقتول کا قرض ادا کریں پھر تہائی سے وصیت پھر تقسیم میراث کہ ذی فرض اور عصبہ وغیرہ تمام ورثاء کو دیں۔ صرف عصبہ کا حق نہیں جیسا کہ **مسلمۃ الی اھلہ** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مومن کے قتل عمد میں کفارہ نہیں صرف قصاص یا دیت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں قتل خطاء" میں کفارہ کا ذکر فرمایا۔ خطاء" کی شرط سے معلوم ہو رہا ہے کہ کفارہ میں قتل خطا" چاہیے۔ امام شافعی کے ہاں قتل عمد میں بھی کفارہ ہے یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** قتل خطاء" میں غلام مومن ہی آزاد کیا جاسکتا ہے۔ کافر غلام آزاد نہیں کرسکتے۔ جیسا کہ **رقبۃ مؤمنۃ** سے معلوم ہوا دوسرے کفاروں میں کافر غلام بھی آزاد کرسکتے ہیں کہ وہاں غلام میں مومن کی قید نہیں' نابالغ غلام جس کی ماں یا باپ مسلمان ہو دوسرا کافر اس کو یہاں کفارہ قتل میں آزاد کرسکتے ہیں کہ نابالغ بچہ ماں باپ میں سے مسلمان کے تابع ہو کر مسلمان مانا جاتا ہے۔ **نواں فائدہ:** جو مسلمان حربی کافروں میں رہتا ہو اور اپنا لباس وضع قطع کفار کی سی رکھے۔ اس کو دھوکہ سے قتل کردینے میں قصاص نہیں جیسا کہ **من قوم عدو** سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جس مسلمان کے رشتہ دار کافر حربی ہوں۔ اس کے قتل خطاء سے صرف کفارہ واجب ہے دیت نہیں۔ کیونکہ دیت مقتول کے ورثاء کو بطور میراث ملتی ہے اور کافر قرابتدار کو مومن کی میراث ملتی نہیں۔ یہ فائدہ **وھو مؤمن فتحریر رقبۃ** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: اگر کوئی کافر حربی اسلام لے آیا مسلمان غازی کو اس کے ایمان کی خبر نہ ہوئی۔ اس نے اس نومسلم کو یہ سمجھ کر قتل کردیا کہ یہ حربی کافر ہے تو اس قتل سے صرف کفارہ واجب ہوگا۔ دیت یا قصاص نہیں۔ **گیارہواں فائدہ:** ذمی و مستامن کافر کا خون و مال مثل مسلمان کے خون و مال کی طرح محفوظ ہے جو مسلمان کو خطا" قتل کرنے کی سزا ہے وہی ذمی و مستامن کو خطا" قتل کرنے کی سزا یعنی کفارہ دینا اور دیت اس کے وارثوں کو ادا کرنا جیسا کہ **وان کان من قوم بینکم و بینھم میثاق** سے معلوم ہوا۔ جب قتل خطا" کا یہ حکم ہے تو قتل عمد کا بھی حکم برابر ہوگا کہ مسلمان کا مال چوری کرنے سے چور کا ہاتھ کٹے گا یوں ہی اس کافر کا مال چرانے سے بھی چور کا ہاتھ کٹے گا یہ آیت کریمہ احناف کی دلیل ہے۔ **بارہواں فائدہ:** ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے جیسا جرم ویسی توبہ۔ دیکھو قتل خطاء" بھی جرم ہے مگر اس کی توبہ کے لئے صرف منہ سے توبہ توبہ کہہ دینا کافی نہیں بلکہ اس کی توبہ کے لئے کفارہ اور دیت لازم ہے۔ جیسا کہ **توبۃ من اللہ** سے معلوم ہوا۔ **تیرہواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے احکام بلاچون و چرا مان لینا چاہئیں خواہ ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں یہ فائدہ **وکان اللہ علیما حکیما** سے حاصل ہوا۔ جب تم لائق حکیم کی دوا بلا بحث کھا لیتے ہو' یہ سمجھتے ہوئے کہ حکیم قابل ہے تو رب تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے اس کے احکام بھی مان لو۔ **چودھواں فائدہ:** مرد و عورت دونوں کی دیت یکساں ہے جیسا کہ اس آیت کے عموم سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خطا" قتل جائز ہے دیکھو رب نے فرمایا **وما کان لمؤمن ان یقتل مؤمنا الا خطاء**" یعنی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مومن کو قتل کرے مگر خطا" الا گزشتہ کلام کی نفی یا ثبوت کو توڑنے آتا ہے تو الا خطاء" سے گزشتہ کلام کی نفی ہو گئی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوچکا ہے کہ لمؤمن سے پہلے جائز" پوشیدہ نہیں بلکہ لائقا" یا مناسبا" پوشیدہ ہے اور یہاں الا بمعنی لکن ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ کسی مسلمان کو قتل کرنا مسلمان

کے لائق نہیں ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ خطا" اس سے قتل واقع ہو جائے یہ خطاء "قتل شان مومن کے خلاف نہیں۔ دوسرا اعتراض: یہاں دو قتل یعنی مومن خطاء "اور قتل ذمی خطا" میں کفارہ اور دیت دونوں کیوں واجب ہوئے صرف ایک چیز کافی ہونا چاہئے تھی۔ جیسے چوری میں صرف ہاتھ کٹوایا جاتا ہے۔ جواب: اس لئے کہ قتل خطا" میں اللہ تعالیٰ کی حق تلفی بھی ہے اور بندے کی بھی کہ اس نے اللہ کے بندے کو ناحق مارا اور ان ورثاء کے عزیز کو ناحق قتل کیا اللہ کی حق تلفی کے لئے کفارہ واجب ہوا اور ان بندوں کی حق تلفی کی وجہ سے دیت واجب ہوئی۔ چور سے بھی علاوہ ہاتھ کاٹنے کے توبہ کرائی جاتی ہے مگر وہ توبہ زبانی ہوتی ہے اور یہاں توبہ عملی یعنی کفارہ ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کفارہ میں مسلمان غلام ہی آزاد کیا جائے گا۔ جیسے کفارہ ظہار یا قسم و روزے کا کفارہ۔ کیونکہ قرآن مجید نے یہاں رقبۃ مؤمنۃ فرمایا اور قسم و ظہار وغیرہ کے کفارہ بھی کفارہ ہیں تو جو اس کفارہ کا حکم ہے وہی ان کفاروں کا حکم ہوگا (شافعی) یہ امام شافعی کی انتہائی دلیل ہے ان کے ہاں ہر کفارہ میں صرف مسلمان غلام آزاد ہو سکتا ہے۔ جواب: قرآن مجید کی ہر آیت پر عمل فرض ہے جو آیت مطلق ہو اس کے مطلق پر عمل کرو اور جو آیت مقید ہو اس کے مقید پر عمل کرو چونکہ بقیہ کفاروں میں ارشاد ہوا فتحریر رقبۃ وہاں مؤمنۃ کی قید نہیں لہٰذا وہاں اس طرح عمل کرو اور یہاں مومنۃ کی قید ہے تو یہاں مومن ہی آزاد کرو کسی آیت کو دوسری آیت کی وجہ سے مقید نہ کرو۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دیت ہر قسم کی خود قاتل ہی دے۔ اس کے وارثوں پر دیت واجب کرنا ظلم ہے کہ قتل تو کرے کوئی اور سزا بھگتیں کوئی (ابو بکر اصم و خوارج)۔ نوٹ: یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ خوارج کا مذہب یہ ہے کہ دیت خود قاتل کے مال سے ہوگی خواہ قتل عمد کی دیت ہو یا قتل خطا کی۔ جواب: جب وارث قرابت دار اس کے مرجانے پر اس کا مال بطور میراث لیتے ہیں تو اس کے مار ڈالنے یا قتل کردینے کی صورت میں اس کی دیت بھی دیں نفع لیتے ہیں تو نقصان بھی برداشت کریں اس لئے قرآن کریم نے یہاں فرمایا ودیۃ مسلمۃ الی اھلہ دیت مقتول کے وارثوں کو دی یہ نہ فرمایا کہ قاتل اپنے مال سے دے۔ پانچواں اعتراض: جب قتل خطا کا کفارہ یعنی غلام خود قاتل کے مال سے ادا ہوتا ہے اور قتل عمد کی دیت خود قاتل کے مال سے ادا کی جاتی ہے تو چاہئے کہ قتل خطا کی دیت بھی خود قاتل کے مال سے ہو (خوارج)۔ جواب: یہ قیاس نص کے مقابل ہے جب حدیث شریف نے ان دونوں دیتوں میں فرق فرمادیا تو ہم کو قیاس کرکے اس نص کی مخالفت جائز نہیں۔ قرآن کو خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے زیادہ سمجھتے ہیں کفارہ توبہ ہے اور توبہ خود مجرم پر کرنی واجب ہے اسلئے کفارہ قاتل کے مال سے ہوا۔ دیت حق العبد کا ادا کرنا ہے اور حق العبد دوسرا بھی ادا کر سکتا ہے میرا قرض میرا دوست یا وارث ادا کر سکتا ہے۔ چھٹا اعتراض: اگر قاتل کو ایسی آسانی دی گئی تو لوگ قتل پر دلیر ہو جائیں کہ قاتل قتل کرے اور اس پر صرف دو ماہ کے روزے ہوں اس کے رشتہ دار دیت دیں تو وہ قتل کیوں نہ کرے گا۔ جواب: یہ رعایت قتل خطا" میں ہے قتل عمد میں کوئی رعایت نہیں۔ قتل عمد میں یا تو قاتل کو قتل کیا جائے گا یا اس کے مال سے دیت دلوائی جائے گی پھر قتل زیادہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ آج تو قتل خطا" پر کوئی سزا ہی نہیں۔ دن رات گاڑی موٹر ریل سے دب کر شکار پر فائر کرنے سے لوگ قتل ہوتے رہتے ہیں۔ موجودہ قانون ان قاتلوں سے کچھ نہیں کہتا بہت کیا تو دو چار سو جرمانہ کرکے خود حکومت نے لے لئے یا قاتل کو دو چار ماہ کی قید کردی۔ اسلام پر اعتراض کرنے سے پہلے خود اپنے گریبان میں منہ ڈالو۔ ساتواں اعتراض: قتل خطا کی دیت

قاتل کے وارثوں پر واجب کرنا دوسری آیات کے خلاف ہے رب فرماتا ہے **لا تزر وازرة وزر اخری** کوئی نفس دوسرے نفس کا گناہ نہیں اٹھاتی اور فرماتا ہے **لا تکسب کل نفس الا علیہا** اور فرماتا ہے **وعلیہا ما اکتسبت** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ گناہ کوئی کرے اور بھرے کوئی (خوارج)۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیات میں گناہ کا ذکر ہے گناہ واقعی کسی کا دوسرے پر نہیں پڑتا یہاں دیت وارثوں پر واجب کی گئی ہے نہ کہ گناہ دیت کا وجوب اس لئے ہے کہ یہ وارث اس کا مال بھی تو میراث میں لیتے ہیں مرجائے تو مال لو اور مار دے تو مال دو۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قتل خطا" میں کفارہ توبہ کے لئے واجب ہوا توبہ گناہ سے ہوتی ہے۔ خطا کار تو گنہگار ہے ہی نہیں پھر توبہ کیسی۔ **جواب:** قتل خطا" قدرے بے احتیاطی سے ہو جاتا ہے اس بے احتیاطی میں گناہ کا شائبہ ہے اگر احتیاط سے کام کرتا تو یہ خطا" واجب صادر نہ ہوتی اور انسانی خون بہت قیمتی ہے۔ اس میں احتیاط ضروری ہے۔ دیکھو جو نماز سے سو جائے تو اس پر قضا واجب ہے اور اگر سو تا رہ جانا اپنے قصور سے ہو کہ رات کو بلا وجہ زیادہ جاگے تو توبہ بھی لازم ہے۔

تفسیر صوفیانہ : قتل مومن ہمیشہ سے ہر دین میں حرام رہا کسی دین میں یہ جرم جائز نہ ہوا۔ دیکھو فرمایا گیا **ما کان لمومن ان یقتل مومنا** کبھی کسی دین میں مسلمان کو مسلمان کا قتل لائق نہ تھا۔ جب مومن کا قتل دنیاوی حرام ہوا تو اپنے کو جرم و گناہ کر کے عذاب الٰہی کا مستحق بنا لینا گویا اپنے کو قتل ناحق کرنا ہے۔ یہ بھی سخت جرم ہے جیسے قاتل خطا" قتل کر دینے پر کفارہ بھی ادا کرتا ہے اور دیت بھی ایسے ہی جو شخص رب تعالیٰ کی نافرمانی کر کے اپنے کو خطا" قتل کرے وہ اس جرم کا کفارہ بھی دے کہ اس کے عوض کوئی نیکی کرے اور خون بہا بھی دے کہ اپنے کو سزا خود دے لے جو شخص اس کفارہ و سزا کا عادی ہو جائے تو انشاء اللہ آئندہ گناہ کرنا چھوڑ دے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس کا تزکیہ مال خرچ کرنے سے بھی ہوتا ہے اور ترک دینا سے بھی بھوک پیاس سے بھی اور مجاہدات سے بھی مگر مال کا خرچ ترک دنیا کے ذریعہ تزکیہ پر مقدم ہے بھوک پیاس سے تزکیہ اس کے بعد ہے کہ رب نے فرمایا **فمن لم یجد فصیام شہرین** سالک کا پہلا قدم ترک دنیا ہے دوسرا قدم ترک نفس و ترک صفات نفس ہے۔ مگر یہ نعمت رب کے کرم سے ملتی ہے محض اپنی کوشش سے نہیں ملتی۔

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست!

دوسرے کا قتل تو کبھی کبھی ہوتا ہے مگر ہم اپنے کو قتل اکثر کرتے رہتے ہیں لہذا اپنے قتل کا قصاص و دیت و کفارہ ہمیشہ ادا کرتے رہنا چاہئے۔

وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِیْهَا وَغَضِبَ
اور جو قتل کرے کسی مومن کو جان کر ارادۃً بس سزا اس کی دوزخ ہے بہت رہے گا اس میں اور اللہ کا غضب
اور جو کوئی مسلمان کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کا بدلہ جہنم ہے کہ مدتوں اس میں رہے اور اللہ نے اس پر غضب کیا

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿۹۳﴾

اس پر اور لعنت کی اس نے اور تیار کیا اس کے لئے عذاب بڑا۔

اور اس پر لعنت کی اور اس کے لئے تیار رکھا ہے بڑا عذاب

تعلق : اس آیت کا تعلق پچھلی آیت سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں قتل خطا کی سزا کا ذکر تھا اب قتل عمد کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں قتل خطا کی دنیاوی سزا کا ذکر تھا اب قتل عمد کی اخروی سزا کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے قتل کے احکام ذکر فرمائے گئے اب مومن کے قتل کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

شان نزول : مقیس ابن ضبابہ کنانی اور اس کا بھائی ہشام ابن صبابہ مدینہ منورہ میں مسلمان ہو گئے کچھ دن کے بعد مقیس نے اپنے بھائی ہشام کو قبیلہ بنی نجار کے محلہ میں قتل شدہ پایا مقیس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور اپنے بھائی ہشام کے قتل ہو جانے کی خبر دی نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو جو بنی فہر کے قبیلہ سے تھا۔ مقیس کے ساتھ بنی نجار کے پاس بھیجا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکم دیتے ہیں کہ اگر تمہیں قاتل کا پتہ ہو تو اسے مقیس کے حوالے کر دو تاکہ اس سے قصاص لیا جائے اور اگر تمہیں قاتل کا پتہ نہ ہو تو تم سب مل کر ہشام کی دیت ایک سو اونٹ مقیس کو دے دو جب بنی نجار کو یہ پیغام پہنچا تو انہوں نے صدق دل سے کہا **سمعنا و اطعنا** ہم کو قاتل کا پتہ نہیں البتہ ہم دیت دیئے دیتے ہیں چنانچہ انہوں نے سو اونٹ مقیس کے حوالے کئے۔ مقیس اور وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا قاصد فہری مدینہ کی طرف واپس ہوئے۔ مقیس کے دل میں بدی آئی اس نے فہری کو قتل کر دیا اور دیت کے اونٹ لے کر مرتد ہو کر مکہ معظمہ بھاگ گیا اور خوشی میں یہ شعر گاتا ہوا بھاگا۔

قتلت به فهرا و حملت عقله **سراة بنی النجار ارباب فارع**

و ادركت ثاری واضجعت موسدا **وكنت الى الاوثان اول راجع**

یعنی میں نے فہری کو قتل بھی کر دیا اور اپنے بھائی کی دیت بھی بنی نجار کے سرداروں سے لے لی۔ مجھے اپنا بدلہ خوب مل گیا اور اب میں اپنے بتوں کی طرف رجوع کرنے میں اول ہوتا ہوں۔ جب یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ کو بہت صدمہ ہوا اس واقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ فتح فرمایا تو چند شخصوں کے متعلق اعلان فرمایا کہ جہاں ملیں قتل کر دیئے جائیں۔ ان میں یہ مقیس بھی تھا۔ چنانچہ مقیس خاص غلاف کعبہ سے لپٹا ہوا قتل کر دیا گیا (تفسیر خازن۔ روح المعانی و روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر : **ومن يقتل مؤمنا متعمدا** " ظاہر یہ ہے کہ یہاں من سے مراد سارے عاقل انسان ہیں۔ مرد ہوں یا عورت، بالغ ہوں یا نابالغ، ہوشمند مومن ہوں یا کافر کیونکہ آگے جو سزا مذکور ہے وہ ان میں سے ہر قاتل کو ملے گی ہاں جو دیوانگی یا جنون میں کسی کو قتل کرے وہ اس سزا کا مستحق نہیں کہ اس کا قتل عمداً "قتل نہیں اور ہو سکتا ہے کہ من میں جنات بھی داخل ہوں یعنی جو جن و انس کسی مسلمان کو قتل کرے وہ اس سزا کا مستحق ہے فرشتے اس میں داخل نہیں کہ حضرت ملک الموت کا تو کام موت

www.alahazratnetwork.org

دیتا ہے۔ **یقتل** سے مراد مطلقاً" جان لے لینا ہے۔ دھاردار ہتھیار سے ہو یا لاٹھی پتھر سے گولی گولے سے گلا گھونٹ کر ہو یا زہر دے کر یا زہر دلوا کر۔ ہتھیار اور غیر ہتھیار کا فرق قصاص میں ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی اس مقرر کردہ سزا میں "مؤمنا" سے مراد ہر مسلمان ہے' بچہ ہو یا بوڑھا عورت ہو یا مرد عاقل ہو یا دیوانہ اپنا ہو یا غیر "متعمدا" میں تین باتیں ملحوظ ہیں ایک یہ کہ قاتل اس کے قتل کا ارادہ کرے دوسرے یہ کہ قاتل کو اس مقتول کے ایمان کی خبر ہو کہ یہ مومن ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ قتل ظلما" ہو۔ قاتل جانتا ہو کہ یہ شخص شرعا" قتل کا مستحق نہیں صرف نفسانی جوش سے اسے قتل کرے اگر ان قیود میں سے کوئی قید نہ پائی گئی تو اس قتل پر وہ سزا مرتب نہ ہو گی جو آگے آرہی ہے اور "متعمدا" کی ان قیود سے بہت سی قسم کے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے ان قیود کے بغیر قتل عمد بنتا نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وجوب قصاص کے لئے جو عمد شرط ہے اس عمد کے معنی اور ہیں ارادہ قتل ہونا خاص ہتھیار سے قتل کرنا اور اخروی عذاب کے لئے دوسرے معنی کا عمد ضروری ہے جو یہاں بیان کئے گئے **فجزاء ہ جھنم** یہ عبارت من مبتدا کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف آئی جزاء سے مراد یہاں سزا ہے۔ جس کا قاتل مستحق ہے ہ کا مرجع من ہے یعنی قاتل جہنم سے مراد مطلقاً دوزخ ہے وہاں کا کوئی سا طبقہ ہو خیال رہے کہ جزاء مقرر ہونا اور ہے اور جزا مقررہ کا دینا کچھ اور یہاں سزا مقرر ہونے کا ذکر ہے۔ سزا دینے کا ذکر نہیں یعنی ہمارے ہاں قانون میں ایسے قاتل کی سزا دوزخ ہے یہ قانون کا ذکر ہے لہذا یہ آیت کریمہ عفو و کرم کی آیات و احادیث کے خلاف نہیں۔ جیسے **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا** یا جیسے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یا جیسے سرکار کا فرمان کہ جو مرتے وقت لا الہ الا اللہ پر مرے وہ جنتی ہے اگرچہ چور و زانی ہو کہ یہ آیت قانون کی ہے اور وہ آیات و احادیث رحم و کرم کی۔ **خالدا فیھا** یہاں خالدا" ایک پوشیدہ فعل کے فاعل کا حال ہے **یمکث** یا **یدخل**۔ **خالدا** خلود سے بنا بمعنی دراز ٹھہرنا یا بہت مدت تک رہنا۔ اگر اس کے ساتھ ابدا بھی مذکور ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ ہمیشہ ہمیشہ رہنا وہاں سے کبھی نہ نکلنا اور اگر ابدا کا ذکر نہ ہو تو مطلقاً دراز مدت رہنے کے معنی میں ہوتا ہے خواہ ہمیشہ رہتا ہو یا بہت عرصہ تک رہ کر نکل جانا (از تفسیر بیضاوی و صاوی) یہاں **خلدا** میں دونوں احتمال ہیں اگر قاتل کافر تھا یا اس قتل کی وجہ سے کافر ہو گیا کہ قتل مومن حلال جان کر کیا یا اسے مومن کی وجہ سے قتل کیا تو خالدا" کے معنی ہوں گے ہمیشہ ہمیشہ رہنے والا اور اگر یوں ہی نفسانی شرارت سے قتل کیا ہے تو اس کے معنی ہوں گے بہت عرصہ وہاں رہنے والا **فیھا** کی ضمیر کا مرجع جہنم ہے یعنی یہ مومن کا قاتل وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا یا بہت عرصہ رہے گا یہ تقریر خیال میں رہے **وغضب اللہ علیہ** یہ عبارت خالدا" پر معطوف ہے چونکہ خالدا پوشیدہ عبارت سے مل کر پورا جملہ تھا اس لئے اس جملہ کا عطف اس پر جائز ہوا۔ غضب سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا اس سے بدلہ لینا خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا غضب کافر پر خالص ہو گا جس میں رحمت کا کوئی شائبہ نہ ہو اور گنہگار مسلمان پر رحمت سے مخلوط غضب ہو گا۔ یہاں اگر روئے سخن کافر قاتل سے ہے تو پہلی قسم کا غضب مراد ہے اور اگر گنہگار مومن قاتل سے ہے تو دوسری قسم کا غضب مراد غضب یا بمعنی ماضی ہے یا بمعنی مستقبل یعنی یہ قاتل اللہ کے غضب میں آگیا یا آجاوے گا **ولعنہ** یہ عبارت غضب اللہ پر معطوف ہے لعنت بمعنی پھٹکار فرمادی یا آخرت میں پھٹکار فرمادے گا اور اسے اپنی رحمت سے دور رکھے گا۔ یہاں بھی یہ ہی خیال رہے کہ کافر پر لعنت اور قسم کی ہے۔ دوزخی گنہگار مومن پر دوسری قسم کی یہاں لعنت میں دونوں احتمال ہیں اگر کافر قاتل مراد ہے تو کفر والی لعنت ہو گی اور اگر مسلمان قاتل مراد ہے تو دوسری قسم کی لعنت قاتل پر دنیاوی غضب و لعنت یا تو مخلوق کا اس پر پھٹکار کرنا اس سے نفرت کرنا ہے جیسے یزید' حجاج' فرعون'

www.alahazratnetwork.org

نمرود وغیرہ پر اب تک ملامت ہو رہی ہے۔ یا نیک اعمال کی توفیق نہ ملنا ہے اور برے اعمال کی طرف دل کا رجحان ہے جیسے بعض غذائیں دل یا معدہ یا جگر کو ضعیف کرتی ہیں ایسے ہی بعض بد عملیاں دل کو سخت کرتی ہیں **واعدله عذابا عظیما** یہ چوتھی سزا ہے اور جملہ معطوف ہے لعنہ پر اعد کے معنی ہیں تیار فرمایا اعد او کا اضمیر لہ کا مرجع وہی قاتل ہے عذاب عظیم سے وہ سزا مراد ہے جو کسی کے اندازے اور وہم و گمان میں نہ آسکے یعنی اس قاتل کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی عذاب تیار کر رکھا ہے جو کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکے۔

خلاصہ ء تفسیر : خیال رکھو کہ جو باہوش انسان مومن ہو یا کافر کسی مسلمان کو ظلماً" و ناحق کسی طرح کسی ذریعہ کسی ہتھیار سے قتل کر دے حالانکہ اس کا یہ قتل دانستہ طور پر یہ جانتے ہوئے ہو کہ میں ظلماً" قتل کر رہا ہوں یہ شخص قتل کے لائق نہیں تو اس قتل کی قانونی سزا ہمارے ہاں دوزخ ہے قانون یہ ہے کہ وہ شخص اس قتل کی وجہ سے دوزخ میں جائے۔ وہاں ہمیشہ رہے اگر کافر ہے یا وہاں بہت عرصہ تک رہے اگر گنہگار مومن ہے ایسے ظالم قاتل پر اللہ تعالیٰ کا غضب و غصہ ہے یا ہو گا یا رہے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے یا ہو گی یا رہے گی اور ایسا قاتل دوزخ میں ایسے سخت عذاب کا مستحق ہے جو عذاب عظیم یعنی بہت بڑا عذاب ہے کہ کسی کے وہم و گمان میں نہ آسکے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دانستہ طور پر مومن کو ظلماً" قتل کرنا گناہ کبیرہ ہے حتیٰ کہ بعض علماء نے اس آیت کی بنا پر فرمایا کہ کفر و شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ظلماً" قتل ہے۔ چنانچہ امام احمد و نسائی نے حضرت امیر معاویہ سے مرفوعاً" روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر گناہ بخشا جاسکتا ہے سوا اس کے جو کفر پر مرجائے یا جو مومن کو عمداً" قتل کرے' اور ابن منذر ابن عدی بیہقی نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کسی مسلمان کے ظلماً" قتل پر آدھی بات سے بھی مدد کرے تو قیامت میں اس کی پیشانی پر لکھا ہو گا **ایس من رحمته اللہ** یہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے حضرت براء ابن عازب سے روایت ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کا ہلاک ہو جانا ایک مسلمان کے قتل سے آسان تر ہے اگر تمام زمین و آسمان کی مخلوق ایک مومن کے قتل میں شریک ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سب کو دوزخ میں ڈال دے۔ اصبہانی نے حضرت ابن عمیر سے روایت کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے 'اگر تمام جن و انس ایک مومن کے قتل پر جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان سب کو دوزخ میں اوندھے منہ جھونک دے (روح المعانی)۔
دوسرا فائدہ: اگر ایک مومن کو بہت سے لوگ مل کر قتل کر دیں یا ایک قتل کرے' دوسرے قتل میں مدد دیں تو سب ان مذکورہ سزاؤں کے مستحق ہیں جیسا کہ **من یقتل** کے عموم و اطلاق سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جس قتل کہ یہ سزائیں مذکور ہوئیں وہ قتل ہے جو دانستہ طور پر ظلماً" ہو۔ خطاء اجتہادی سے قتل کرنا اس میں داخل نہیں۔ لہٰذا صحابہ کرام کی آپس کی جنگوں میں جو مسلمان قتل ہوئے ان کے قاتلوں کا نہ یہ حکم ہے نہ ان کی یہ سزا جیسا کہ متعمداً" کی قید سے معلوم ہوا کہ وہ قتل خطاء اجتہادی کی وجہ سے ہوئے لہٰذا وہ قتل عمد نہیں بلکہ قتل باشبہ ہیں۔ حضرت علی نے سمجھا کہ امیر معاویہ اور ان کے ساتھی باغی ہیں ان کا قتل حلال ہے۔ رب فرماتا ہے **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ** بغاوت کرنے والی جماعت کو قتل کرو حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے۔ اور امیر معاویہ و عائشہ صدیقہ نے خیال فرمایا کہ حضرت علی جناب عثمان کے خون کا بدلہ لینے میں سستی کر رہے ہیں۔ ہم کو خون عثمان کے قصاص کا مطالبہ کرنے کا حق ہے۔ انہوں نے اس آیت سے استدلال

www.alahazratnetwork.org

کیا۔ **فقد جعلنا لولیہ سلطانا** "۔ یہ تھا جانبین کو شبہ لہذا وہ قتل عمداً" نہ تھے جیسے کوئی مسلمان کسی مسلمان کو کافر جانتے ہوئے قتل کردے تو وہ قتل یا شبہ ہے ایسے ہی جو بادشاہ کسی کو باغی جانتے ہوئے قتل کردے تو وہ بھی قتل یا شبہ ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا عدل اور ہے فضل کچھ اور قانون اور ہے قدرت کچھ اور یہاں قانون کا ذکر ہے اور **ویغفر ما دون ذلک** میں رحم و کرم و قدرت کا ذکر ہے جیسا کہ **فجزاء ہ جہنم** سے معلوم ہوا۔ دیکھو یہاں یہ نہ فرمایا کہ ہم ایسے ظالم کو جہنم میں بھیجیں گے بلکہ فرمایا اس کی سزا دوزخ ہے یعنی دینا نہ دینا ہمارے عدل و فضل پر موقوف ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ظالم قاتل کو بمقابلہ دوسرے گنہگار دوزخیوں کے عذاب بھی سخت ہوگا اور اس کی دوزخ میں رہنے کی مدت بھی زیادہ یہ فائدہ خالداً" سے اور عذاباً" عظیماً" سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اس آیت سے اشارۃً معلوم ہوا کہ فاسق گنہگار مسلمان پر بغیر نام لئے عمومی طور پر لعنت کرسکتے ہیں جیسے کہا جائے ظالم قاتل پر لعنت یا جھوٹے پر لعنت۔ مگر نام لے کر لعنت کرنا صرف کافر پر درست ہے' دوسرے پر نہیں۔ جیسا کہ لعنہ سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جو ظالم قاتل قتل سے توبہ کرکے اور وارثوں کو قصاص یا دیت دے کر یا ان سے معاف کرا کر مرے تو انشاء اللہ اس سزا سے بچ جائے گا۔ جب کفر سے شرک سے توبہ ہوسکتی ہے تو قتل تو اس سے کم جرم ہے اس سے بھی توبہ ہوسکتی ہے۔ اور اگر بغیر توبہ و قصاص مرجائے تو اس کا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے' چاہے تو کل قیامت میں اپنا حق خود معاف فرمادے' اور مقتول سے اس کا حق معاف کرادے' اور چاہے تو اسے یہ سزا دے۔ یہ فائدہ **فجزاءہ** سے حاصل ہوا کہ ہ مرجع قاتل ظالم ہے۔ (روح البیان)۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں **وغضب اللہ کا عطف خالدا** " **فیہا** پر کیونکر درست ہوا خالداً" مفرد ہے اور غضب اللہ جملہ ہے اور جملہ کا عطف مفرد پر جائز نہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ **خالدا فیہا**" ایک پوشیدہ جملہ کا حال ہے اور غضب اللہ اس جملہ پر معطوف۔ لہذا جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب امیر معاویہ اور حضرت عائشہ صدیقہ اور ان دونوں کے مددگار صحابہ سب دوزخی اور غضب الٰہی کے مستحق ہیں کہ انہوں نے جنگ صفین و جنگ جمل میں ہزارہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' ایک تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو معاذ اللہ حضرت علی بھی اس آیت کی زد میں آجائیں گے کہ ان کے ہاتھوں بھی ان جنگوں میں بہت مسلمان قتل ہوئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں قتل عمد کی یہ سزائیں بیان ہوئیں وہ قتل عمد نہ تھے' قتل خطاء تھے جس کی وجہ فریقین کا اجتہاد تھا۔ حضرت علی مجتہد برحق تھے۔ دوسرے حضرات مجتہد خاطی قتل خطا کی یہ سزائیں نہیں جو یہاں مذکور ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ کا جنتی ہونا نص قرآن سے ثابت ہے رب فرماتا ہے۔ **لہم مغفرۃ و رزق کریم** اور حضرت علی کا جنتی ہونا آیات قرآنیہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے وہ حضرات اس آیت کی زد میں ہرگز نہیں آسکتے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض گنہگار مسلمان بھی دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ سواء کفار کے دوزخ میں ہمیشگی کسی کو نہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے ظالم قاتل کے لئے فرمایا **خالدا فیہا** تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے (معتزلہ)۔ خیال رہے کہ معتزلہ کہتے ہیں کہ فاسق آدمی نہ مسلمان ہے نہ کافر اس کے لئے دوزخ میں ہمیشگی ہے اور خوارج کہتے ہیں کہ فاسق آدمی کافر ہے وہ کفر کی وجہ سے دوزخ میں ہمیشہ رہے گا ان دونوں فرقوں کا یہ اعتراض ہے ان کی دلیل یہ ہی آیت ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ یہاں من یقتل میں کافر قاتل مراد ہے جیسا کہ اس کے شان نزول سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا کہ یہ آیت مقیس ابن خبابہ کے متعلق نازل ہوئی جو قاتل بھی تھا اور مرتد بھی اور اس ارتداد پر فتح مکہ کے دن قتل ہوا۔ دوسرے یہ کہ یہاں قتل مومن سے مراد ہے اسے حلال جان کر قتل کرنا کہ "متعمدا" کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں اس صورت میں وہ قاتل کافر ہوا اور دوزخ میں ہمیشہ رہے گا۔ تیسرے یہ کہ یہاں مومن کو اس لئے قتل کرنا مراد ہے کہ وہ مومن کیوں ہو گیا یہ بھی کفر ہے کہ کفر سے رضا بھی کفر ہے اور ایمان سے ناراضی بھی کفر یعنی مومن کی ذات سے ناراضی حد درجہ فسق ہو سکتی ہے مگر مومن کے ایمان سے یا اس کے ایمانی کام سے ناراضی خالص کفر ہے کسی عالم کو تبلیغ اسلام کی وجہ سے قتل کر دینا نمازی کو نماز کی وجہ سے قتل کر دینا یہ کفر ہے۔ چوتھے یہ کہ یہاں خلود سے مراد بہت عرصہ تک رہنا ہے کیونکہ یہاں خلود کے ساتھ ابدا نہیں فرمایا گیا جیسا کہ کفار کے لئے ارشاد ہوا **خالدین فیہا ابدا** اور گنہگار مسلمان دوزخ میں بہت عرصہ تک رہ سکتا ہے۔ چنانچہ اہل عرب کہتے ہیں۔ الایام الخوالد۔ خیال رہے کہ بعض علماء نے اس آیت کو سورہ فرقان کی آیت سے منسوخ مانا ہے **الا من تاب و امن و عمل عملا "صالحا** مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ آیت کریمہ سورہ فرقان کی اس آیت سے چھ ماہ بعد نازل ہوئی۔ لہٰذا اس سے وہ تو منسوخ ہو سکتی ہے۔ یہ منسوخ نہیں ہو سکتی (خازن و روح وغیرہ) اگر اس آیت کی یہ توجیہیں نہ کی جائیں تو یہ آیت دوسری آیات کے بھی خلاف ہوگی اور احادیث صحیحہ کے بھی خلاف۔ پانچویں یہ کہ یہاں قتل کی قانونی سزا کا ذکر ہے سزا دینے نہ دینے کا تذکرہ نہیں دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کافر کے سواء کسی کو دوزخ میں ہمیشگی کی سزا نہ دی جائے گی قانون اور ہے قانون کا اجراء کچھ اور۔ چھٹے یہ کہ یہ فرمان ڈرانے دھمکانے کے لئے ہے تاکہ لوگ قتل سے باز رہیں۔ **چوتھا اعتراض:** ظالم قاتل کی توبہ قبول ہے یا نہیں بعد توبہ وہ اس سزا سے بچ جائے گا یا نہیں۔ اگر توبہ قبول نہیں ہے تو اسلام کے اس عقیدے اور ہندوؤں' آریوں کے عقیدوں میں کیا فرق ہوا۔ وہ بھی کہتے ہیں کہ مجرم کو معافی نہیں سزا ضرور ملے گی' اور اگر توبہ قبول ہے تو کلام الٰہی میں جھوٹ لازم آیا کہ اس نے خبر تو دی سزا کی مگر بعد میں معاف کر دیا۔ **جواب:** توبہ قبول ہے رب فرماتا ہے **ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** جب شرک و کفر سے توبہ ہو جاتی ہے تو یہ قتل ان سے کہیں ہلکا ہے اور اس توبہ قبول فرما لینے سے کلام میں جھوٹ لازم نہیں آتا کہ قوانین کی آیات جملے خبریہ ہیں ہی نہیں۔ سب انشاءات ہیں۔ انشاء میں جھوٹ نہیں ہوتا جیسے کتب علیکم الصیام یا **للہ علی الناس حج البیت** کہ صورۃ "خبر ہیں معنی "انشاء۔ نیز وعید کی آیات رب تعالیٰ کے ارادے پر موقوف ہیں۔ اگر چاہے سزا دے چاہے نہ دے۔ فرماتا ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** رب تعالیٰ کفر کے سواء جس مجرم کو چاہے گا بخش دے گا۔ اس ایک آیت نے تمام وعید کی آیتوں کو معلق کر دیا۔ نیز وعدہ پورا نہ کرنا جھوٹ ہے' وعید پوری نہ کرنا مہربانی و کرم ہے مہربانی کمال ہے۔ جھوٹ یا عیب نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** **من یقتل** کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ جو بھی کسی مسلمان کو قتل کرے وہ دوزخی ہو۔ حالانکہ قاتل کو قتل' زانی کو سنگسار کیا جاتا ہے۔ باغی و خارجی کو تہ تیغ کیا جاتا ہے' تو کیا یہ سزا دینے والے بھی دوزخی ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں قتل سے مراد ظلماً" قتل ہیں' اور ظلماً" بھی وہ کہ قاتل بھی اسے ظلم" سمجھتا ہو۔ اس لئے "متعمدا" کی قید لگائی گئی اگر کسی دلیل سے قاتل قتل کو جائز سمجھتا ہے تو وہ قتل خطاء "ہے عمداً" نہیں قصاص و رجم کی صورت میں قتل واجب ہے حرام نہیں یہ بات بالکل واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض:** رب تعالیٰ نے یہاں جہنم کے داخلہ کے بعد غضب و لعنت کا ذکر کیوں فرمایا یہ دونوں چیزیں جہنم کے ذکر میں آ گئی تھیں۔ **جواب:** دوزخ میں جانا اور ہے' وہاں غضب و لعنت کا ہونا کچھ اور بہت سے

www.alahazratnetwork.org

گنہگار دوزخ میں جائیں گے، مگر وہاں غضب و لعنت کے مستحق نہ ہوں گے انہیں گناہوں کے میل سے پاک فرمانے کے لئے دوزخ میں بھیجا جائے گا یا دوزخ میں وہاں کی تکالیف کے سواء اور سزائیں دینا غضب و لعنت ہے۔ جیسے جنت کی نعمتیں اعمال کی جزا ہیں اور وہاں دیدار الٰہی رب تعالیٰ کا خاص فضل ہے یا غضب و لعنت سے مراد ہے دنیا میں اللہ تعالیٰ کا غضب و لعنت تو دوزخ کا داخلہ بعد قیامت اور غضب و لعنت دنیا و برزخ کا عذاب۔ ساتواں اعتراض: اگر قاتل سے قصاص یا دیت لے لی گئی یا مقتول کے ولیوں نے معاف کر دیا تو کیا پھر بھی اسے یہ سزائیں ملیں گی جو یہاں مذکور ہیں۔ جواب: تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ قتل میں تین جرم ہوتے ہیں۔ مقتول پر ظلم، مقتول کے وارثوں کو ایذا دینی، اللہ تعالیٰ کی نافرمانی، قصاص یا دیت دوسرے جرم کا عوض ہے۔ یعنی مقتول کے وارثوں کی ایذا کا جرم۔ اول و 3 کا معاملہ آخرت میں ہو گا (روح البیان)۔

تفسیر صوفیانہ: قلب فطری طور پر مومن ہے نفس کافر ان دونوں میں ذاتی عداوت ہے قلب کی زندگی نفس کی موت ہے اور نفس کی زندگی دل کی موت ہے۔ کافر کے نفوس زندہ ہیں دل مردے اسی لئے ان زندوں کو رب نے مردہ فرمایا۔ مومن کا دل زندہ ہے نفس مردہ، اس لئے رب نے وفات یافتہ شہیدوں کو زندہ فرمایا یہاں ومن یقتل مؤمنا میں دل و نفس کی طرف اشارہ کہ جو شخص اپنے مومن دل کو جان بوجھ کر قتل کر دے کہ نفس امارہ کی پیروی میں لگ جائے۔ جس کے زہر سے دل مر جائے تو اس کی سزا دائمی دوزخ ہے۔ ایمان و نیک اعمال دو تلواریں ہیں جن سے نفس امارہ قتل ہوتا ہے۔ دنیا میں پھنسا و آخرت سے غفلت، وہ زہر قاتل ہے۔ جس سے دل مرجاتا ہے۔ اس دل کے قاتل کے لئے طبیعت کے دوزخ میں ہمیشگی ہے اور اس پر اللہ کا غضب ہے کہ پھر اسے بارگاہ قدس سے دور کر دیا جائے گا اور اس پر اللہ کی لعنت ہے کہ پھر اسے توفیق خیر نہیں ملتی۔ جب اللہ کرم کرتا ہے تو اپنے کسی مقبول بندے سے نسبت دے دیتا ہے اور جب غضب فرماتا ہے تو مقبولوں سے دور کر دیتا ہے۔ ذرہ زمین پر رہتے ہوئے سورج کی نسبت سے چمک جاتا ہے۔

ذرہ ہر روئے زمیں افتادہ بود! آفتاب آمد و روشن نمود!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے بعض غذائیں دل جگر معدے کو کمزور کرتی ہیں۔ ایسے ہی بعض بد عملیاں دل کو سخت کر دیتی ہیں قتل مومن قاتل کے دل کو سخت کر دیتا ہے یہ ہے قاتل پر رب کا غضب و لعنت اور سختی قلب تمام گناہوں اور محرومیوں کی جڑ ہے سخت لوہا کوٹنے سے کچھ نہیں بنتا لوہا آگ میں نرم کر کے کچھ بنایا جاتا ہے۔ آٹا پانی سے نرم ہو کر روٹی وغیرہ بنتا ہے۔ زمین نرم ہو کر قابل کاشت ہوتی ہے یوں ہی دل نرم ہو کر اللہ کی رحمت کے قابل ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جب تم سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور نہ کہا کرو اس سے
اے ایمان والو جب تم جہاد کو چلو تو تحقیق کر لو اور جو تمہیں سلام کرے

www.alahazratnetwork.org

لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًاۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا٘

جو پیش کرے تہاری طرف سلام کر نہیں ہے تو مومن تلاش کرتے ہو تم سامان زندگانی دنیا کا

اس سے یہ نہ کہو کہ تو مسلمان نہیں تم جیتی دنیا کا اسباب چاہتے ہو تو اللہ کے پاس

فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ

تو نزدیک اللہ کے غنیمتیں ہیں بہت اسی طرح تھے تم پہلے پس احسان کیا اللہ نے تم پر تو

بہتری غنیمتیں ہیں پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا تو تم پر

فَتَبَیَّنُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾

تحقیق کر لیا کرو بے شک اللہ ہے اس پر جو کرتے ہو تم خبردار

تحقیق کرنا لازم ہے بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں قتل خطاء اور قتل عمد میں فرق بیان کیا گیا تھا۔ قتل خطاء کے احکام کچھ ہلکے بیان ہوئے تھے۔ اب قتل خطاء کے متعلق ضروری احکام بیان ہو رہے ہیں کہ تحقیق مومن میں کوتاہی نہ کرنا۔ اگر تم کوتاہی سے خطا کر گئے تو تم سخت مجرم ہو گے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں قتل عمد پر سخت سزا کا ذکر ہوا۔ اب قتل عمد کی ایک اور صورت بیان ہو رہی ہے کہ علامت ایمان ہوتے ہوئے کسی کو محض شبہ کی بنا پر قتل کر دیا جائے۔ تحقیق نہ کی جائے' یہ بھی گویا قتل عمد کی ہی ایک شاخ تصور ہوگی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قتل خطا کے بعد توبہ کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ جس پر شبہ ہو سکتا تھا کہ خطا تو گناہ ہی نہیں پھر اس پر توبہ کیسی۔ اب اس آیت میں توبہ کی گویا وجہ بیان ہو رہی ہے کہ خطا کی وجہ تمہارا تحقیقات میں کوتاہی کرنا ہوتا ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) علاقہ فدک میں کفار کی ایک قوم آباد تھی بنی مرہ ابن عوف اس قوم میں صرف ایک صاحب ایمان لائے تھے مرداس ابن نہیک۔ ان کے سوا اس قوم میں کوئی مسلمان نہیں ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فدک پر جہاد کرنے کو ایک جماعت بھیجی جن کا افسر غالب ابن فضالہ لیثی کو مقرر فرمایا جب یہ لشکر اسلام فدک کے قریب پہنچا تو تمام قوم بھاگ گئی مگر مرداس نہ بھاگے۔ وہ مطمئن تھے کہ میں تو مسلمان ہو چکا ہوں' مجھ سے کوئی کچھ نہ کہے گا۔ مگر چونکہ انہیں بھی یہ شبہ ہوا کہ شاید یہ لشکر مسلمانوں کا نہ ہو کسی اور قوم کا ہو۔ یہ اپنی بکریاں اور اونٹ لے کر قریبی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے' جب لشکر اسلام اس جگہ پہنچا اور لشکر سے نعرہ تکبیر بلند ہوا تو مرداس کو بہت خوشی ہوئی اور یہ بھی مع اپنی بکریوں کے نعرۂ تکبیر لگاتے پہاڑ سے اترے۔ اترتے وقت پڑھ رہے تھے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور مسلمانوں سے کہا السلام علیکم میں مومن ہوں۔ اس لشکر میں اسامہ ابن زید بھی تھے' یہ سمجھے کہ یہ ہے تو کافر اپنی جان و بکریاں بچانے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے' ہم کو سلام کرتا ہے۔ حضرت اسامہ نے اسے قتل کر دیا اور اس کی بکریوں و اونٹ پر قبضہ کر لیا۔ جب یہ لشکر مدینہ

www.alahazratnetwork.org

منورہ پہنچا تو حضرت اسامہ نے یہ ماجرا بارگاہ رسالت میں پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا' آپ بار بار فرماتے تھے کہ تم نے اسے مال کے لالچ میں قتل کیا۔ حضرت اسامہ نے عرض کیا یارسول اللہ میرے حق میں دعاء مغفرت فرمائیں۔ فرمایا اے اسامہ تم اس کے کلمہ کا کیا علاج کرو گے۔ حضرت اسامہ کو بہت سخت رنج و غم ہوا' آخر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دیر کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت فرمائی اور فرمایا یہ بکریاں مرداس کے بال بچوں کو واپس کردو اور ایک غلام آزاد کرو۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر' خازن' خزائن العرفان' روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ (2) محلم ابن جثامہ اور عامر ابن اضبط میں زمانہ جاہلیت میں کچھ عداوت تھی۔ محلم مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آگئے اور عامر اپنی قوم میں رہے' مگر مسلمان یہ بھی ہو گئے تھے۔ ایک موقعہ پر محلم اور عامر کی ملاقات ہو گئی' عامر نے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے محلم کو سلام کیا محلم نے اسی قدیمی دشمنی کی بنا پر اس کے سلام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے انہیں قتل کردیا۔ یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی آپ ناراض ہوئے محلم نے دعاء مغفرت کی درخواست کی حضور نے فرمایا تیرے لئے دعا نہ کروں گا۔ ایک ہفتہ کے اندر محلم فوت ہو گیا اسے دفن کیا گیا تو زمین نے اسے نکال پھینکا۔ بار ہا دفن کیا گیا مگر زمین نے اسے ہر بار پھینک دیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین تو مشرک و کافر کو بھی اپنے میں لے لیتی ہے مگر رب تعالیٰ نے چاہا کہ تم کو دکھائے کہ قتل مومن کتنا خطرناک گناہ ہے اس لئے یہ واقعہ ظاہر فرمایا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) پھر اس محلم کی نعش پہاڑ کے دامن میں رکھ کر پتھروں سے ڈھک دی گئی (کبیر و روح)۔ (3) یہ آیت حضرت مقداد ابن اسود رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی جن کا واقعہ حضرت اسامہ ابن زید کی طرح ہوا تھا آخر انہوں نے بھی توبہ کی' مقتول کی بکریاں اس کے بچوں کو واپس کیں اور ایک غلام آزاد کیا (کبیر)۔ (4) یہ آیت کریمہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے ایک نو مسلم شخص کو اس کے کلمہ پڑھنے کے باوجود قتل کردیا تھا یہی سمجھ کر کہ یہ جان و مال بچانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے (روح وغیرہ) مگر ان روایات میں کچھ تعارض نہیں ہو سکتا ہے کہ یہ چند واقعات کے بعد دیگرے قریب ہوئے ہوں تب یہ آیت آئی ہو (کبیر)۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا اذا ضربتم فی سبیل اللہ** اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول خاص صحابہ کرام کے متعلق ہوا مگر حکم سب کو عام ہے۔ اسی لئے اس ندا میں سارے مسلمانوں سے خطاب ہے۔ صحابی ہوں یا دوسرے غازی ہوں یا کوئی اور۔ ضربتم ضرب سے بنا جس کے لغوی معنی ہیں ہلانا' جنبش دینا اصطلاح میں اس کے معنی ہیں مارنا کہ مارتے وقت ہاتھ ہلائے جاتے ہیں' سفر کرنا کہ اس میں انسان ہاتھ پاؤں چلتے وقت ہلاتا ہے' مثال بیان کرنا کہ بیان کے وقت ہونٹ و زبان ہلتے ہیں' یہاں دوسرے معنی یعنی سفر کرنا مراد ہیں۔ **اذا** شرطیہ ہے۔ سبیل اللہ سے مراد ہر وہ راستہ ہے جو رضاء الٰہی کے لئے طے کیا جائے جیسے مسجد کا راستہ' دینی مدرسے کا راستہ' حج و عمرہ کا راستہ بزرگوں سے ملاقات کرنے کا راستہ' جہاد کا راستہ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی میدان جہاد کا راستہ مراد ہے۔ یعنی اے مسلمانو جب تم راہ خدا میں جہاد کے لئے سفر کرو **فتبینوا** یہ جملہ اذا کی جزا ہے ہماری قرات میں ہے۔ **فتبینوا** بیان سے۔ بعض قراتوں میں ہے۔ **فتثبتوا**۔ ثبوت سے (مدارک وغیرہ) یعنی معاملہ کا بیان یا اس کا ثبوت طلب کرلیا کرو یعنی تحقیق کرلیا کرو ثبت اور تبین قریباً ہم معنی ہی ہیں **ولا تقولوا لمن القی الیکم السلم لست مومنا**۔ یہ دوسرا حکم ہے۔ جو فتبینوا کو واضح کر رہا ہے اگرچہ مرداس نے کلمہ بھی پڑھا تھا اور سلام بھی کیا تھا مگر یہاں کلمہ پڑھنے کا

www.alahazratnetwork.org

ذکر نہ فرمایا یہ بتانے کے لئے کہ صرف اسلامی سلام کرنے پر بھی احتیاط کیا کرو اس نے تو کلمہ بھی سنایا تھا۔ سلام سے مراد اسلامی سلام ہے جو ملاقات کے وقت کیا جاتا ہے۔ یعنی السلام علیکم کفار عرب کا سلام تھا۔ انعم صباحا' یا حیاک اللہ جیسے آج بعض قوموں کا سلام ہے گڈ مارننگ یا آداب 'علماء فرماتے ہیں کہ یہاں سلام پیش کرنے سے مراد علامت اسلامی کا پایا جانا ہے ہماری قرات میں مستوسنا میم کے کسرہ سے ہے' بمعنی مسلمان بعض قرات میں مومنا میم کے فتح سے ہے' یعنی امان یافتہ یعنی بحالت جہاد وغیرہ جو مستور الحال تم کو اسلامی سلام کرے اپنا اسلام ظاہر کرنے کے لئے تو بلا دلیل یہ نہ کہہ دو کہ تو مسلمان نہیں یا تجھ کو امان نہیں **تبتغون عرض الحیوۃ الدنیا** یہ جملہ نیا ہے اس کا تعلق **لاتقولوا** سے نہیں ورنہ نون اعرابی نہ آتا۔ **تبتغون بغی** سے بنا بمعنی چاہنا' تلاش کرنا' یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ عرض اصطلاح میں روپیہ پیسہ کے علاوہ دوسرے سامان کو کہتے ہیں' یعنی روپیہ پیسہ۔ ثمن و قیمت ہے باقی چیزیں عرض و سامان عرض کے معنی ہیں عارضی چیز جس کے لئے بقا نہ ہو۔ اس لئے منطق و علم کلام والے غیر مستقل چیز کو عرض کہتے ہیں مستقل فی الوجود کو جوہر۔ دنیاوی زندگی وہ ہے جو دو قبروں کے درمیان ہو' یعنی ماں کے پیٹ اور قبر کے غار کے بیچ یعنی اے غازیو تم نے اس وقت مرداس کے قتل میں جلدی اس لئے کی کہ تم دنیاوی سامان یعنی اس کی بکریوں کی خواہش رکھتے تھے کہ یہ قتل ہو جائے تو اس کا یہ مال غنیمت بن جائے۔ دنیا یا تو دنو بمعنی قرب سے بنا یا دناءۃ بمعنی حقارت سے بنا یعنی قریب الفنا یا حقیر چیز۔ جس چیز میں نیت کا اخلاص نہ ہو وہ دنیا ہے اور اخلاص کے ساتھ ہو وہ دین ہے چونکہ اس موقعہ پر ان غازیوں کا ارادہ یہ ہو گیا تھا اس لئے اس مال کو حیات دنیا کا عرض فرمایا **فعند اللہ مغانم کثیرۃ**۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **ان کنتم تشائقین للغنائم۔ عند اللہ** سے مراد یا اللہ کا قبضہ ہے یا آخرت میں اللہ کے ہاں۔ غنائم جمع غنیمت کی ہے۔ غنیمت وہ مال جو با آسانی حاصل ہو جہاد میں کفار سے چھینے ہوئے مال کو اسی لئے غنیمت کہتے ہیں کہ وہ یکدم بغیر ہمارے کمائے ہوئے حاصل ہو جاتا ہے۔ یہاں غنائم سے مراد یا تو وہ غنیمت کے مال ہیں جو آئندہ خصوصاً' عہد فاروقی میں مسلمانوں کو عطا ہونے والے تھے یا آخرت کے ثواب پہلی صورت میں کثیرۃ سے مراد ہیں۔ تعداد و مقدار میں زیادہ۔ دوسری صورت میں کثیرۃ سے مراد ہے دائمی و لازوال اور ہو سکتا ہے کہ ان غنیمتوں کو ہی کثیرہ بمعنی لازوال نعمت فرمایا گیا ہو کہ جو مال رضاء الٰہی کے لئے حاصل اور خرچ کیا جائے وہ دنیا نہیں بلکہ عین دین ہے۔ فاروقی غنیمتیں و فتوحات عین دین ہیں یعنی اگر تم کو غنیمت کا شوق ہے تو مت گھبراؤ اللہ کے قبضہ میں بہت غنیمتیں ہیں جو تم کو آئندہ عطا ہونے والی ہیں تم جلدی کیوں کرتے ہو یا ان غنیمتوں میں دل کیوں لگاتے ہو اللہ کے ہاں دائمی لازوال جنت کی نعمتیں ہیں جو تمہارے نامزد ہو چکی ہیں **کذلک کنتم من قبل** یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں دوسری طرح ان غازیوں کو سمجھا کر ان کی تسلی کی گئی یہاں ان غازیوں کو مرداس سے تشبیہ دی گئی کیونکہ ان غازیوں میں اکثر حضرات کفر سے اسلام میں آئے تھے اور بعض تو وہ بھی تھے جو بحالت جنگ مسلمان ہوئے تھے۔ **ذلک** کا اشارہ مرداس کی طرف ہے کنتم میں خطاب ان غازیوں سے ہے اور قبل سے مراد ان بزرگوں کے اسلام لاتے وقت کی حالت ہے یعنی اس سے پہلے جب تم مسلمان ہوئے تھے تو تمہارا بھی وہی حال تھا جو اس وقت مرداس کا تھا کہ تم نے کلمہ پڑھا اور ہمارے محبوب نے تم پر اسلام کے احکام جاری فرما دیئے۔ **فمن اللہ علیکم** ف تعقیبیہ ہے من اور نعمت دونوں کے معنی ہیں بلا معاوضہ عطیہ۔ اجرت و قیمت کا مقابل مگر نعمت ہر انعام و عطیہ کو کہتے ہیں۔ اور من عالیشان عطیہ کو کہا جاتا ہے۔ جس کا احسان جتایا جائے۔ فرماتا ہے **لا تبطلوا صدقتکم بالمن والاذی** اللہ تعالیٰ نے تین نعمتوں کے لئے خصوصیت سے من

www.alahazratnetwork.org

ارشاد فرمایا حضور کی تشریف آوری **لقد من اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیھم رسولا** - ایمان کی توفیق **بل اللہ یمن علیکم ان ھدٰکم للایمان** اور حضور کی بارگاہ میں قبولیت جس کا ذکر یہاں ہے من اللہ یعنی اللہ کے احسان سے مراد یا تو اسلام لاتے وقت ان کی کلمہ خوانی کا اعتبار فرمالینا ہے دل کی گہرائی کی تلاش نہ فرمانا ہے یا بعد میں ان حضرات کا اسلام مشہور کر دینا ہے جس سے دیناوالے ان کو صرف مسلمان ہی نہیں بلکہ مسلمان گر ماننے لگے ان دونوں صورتوں میں اللہ کے احسان سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کیونکہ اس وقت ان کی کلمہ گوئی کا اعتبار بھی حضور نے ہی کیا تھا اور بعد میں ان حضرات کے ایمان کی شہرت ان کے فضائل کا بیان وغیرہ حضور ہی کی طرف سے ہوا حضور کا احسان اللہ کا احسان ہے لہٰذا یہ نسبت بالکل درست ہے یعنی تم پر اللہ نے احسان فرمایا کہ تمہارے مسلمان ہوتے وقت صرف تمہاری کلمہ گوئی کا اعتبار کر لیا گیا کوئی اور تفتیش نہ کی گئی نہ تم پر کوئی شبہ کیا گیا یا یہ مطلب ہے کہ ہمارے محبوب کا تم کو قبول فرمالینا تمہیں اپنی جماعت میں لے لینا تم پر اللہ کا بڑا احسان ہے کیونکہ اس قبولیت سرکار کی وجہ سے تمہاری دین و دنیا میں عزت ہو گئی۔ رب تعالیٰ نے اعلیٰ چیزیں حقیروں میں رکھی ہیں تاکہ حقیروں کی عزت ہو جائے دودھ جیسی نعمت جانور بھینس کے تھن میں رکھی تاکہ بھینس کی عزت ہو جائے مشک اور شہد' ہرن و مکھی میں رکھی تاکہ ان جانوروں کی عزت افزائی ہو جائے سونا چاندی پتھروں میں موتی کڑوے پانی کی سیپ میں رکھے تاکہ ان کا احترام بڑھ جائے یوں ہی ایمان جیسی نعمت ہم گنہگاروں کے دلوں میں رکھی تاکہ اس سے ہم ناقدروں کی قدر ہو جائے دودھ کی وجہ سے انسان اشرف الخلق بھینس کی خدمت کرتا ہے ایمان کی وجہ سے فرشتے مرد مومن کی خدمت کرتے ہیں۔ **فتبینوا** یہ اس حکم کا دوبارہ ذکر ہے جو پہلے دیا جا چکا ہے بار بار ایک حکم دینا تاکید کے لئے ہے یعنی آئندہ تحقیق کر لیا کرو بلاوجہ کسی کو کافر کہہ دیا کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی نومسلم کے اسلام کا اعتبار نہ کیا کرو بلکہ اس کے اسلام کی تحقیقات کیا کرو کہ یہ مطلب آیت کریمہ کے منشاء کے خلاف ہے۔ **ان اللہ کان بما تعملون خبیرا** ۔ یہ جملہ بظاہر وعید و عتاب ہے یعنی اللہ تعالیٰ خبردار ہے تمہاری اس قسم کی کوتاہیوں پر لہٰذا آئندہ ایسی جلدی اور تحقیق میں کوتاہی نہ کرنا اور ہو سکتا ہے کہ یہ وعدہ ہو یعنی اللہ تعالیٰ اس مرد اس کے قتل پر نہ دنیا میں تم پر پکڑ فرمائے گا کہ تم پر قصاص فرض فرمائے نہ آخرت میں کہ تم کو قتل مومن کی سزا دے کیونکہ اسے تمہارے اعمال تمہاری نیتوں تمہارے ارادوں کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ تم سے جو کچھ ہوا غلطی سے ہوا۔ کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ کو تمہارے ہر کام کی ہمیشہ سے خبر ہے۔ وہ پہلے بھی جانتا تھا کہ تم سے یہ کام ہوں گے تمہارے اعمال آئندہ مسلمانوں کے لئے نمونہ ہیں تمہاری غلطیاں آئندہ کے لئے ذریعہ اصلاح ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو جب تم اللہ کی راہ میں جہاد کرنے جایا کرو تو ہر بات کی تحقیق کر لیا کرو' کسی کام میں جلدی نہ کیا کرو' اور خیال رکھو کہ بحالت جہاد اگر کوئی شخص تم کو اسلامی سلام پیش کرے' یعنی تم سے کہے السلام علیکم یا اور طرح اظہار اسلام کرے اور اس پر کوئی کفر یا دھوکہ دہی کی علامت موجود نہ ہو تو تم بلاوجہ نہ کہہ دیا کرو کہ تو دل سے مومن نہیں' صرف زبان سے کلمہ پڑھ کر دھوکہ دے رہا ہے۔ تم اس جلدی میں دنیاوی سامان یعنی مال غنیمت چاہتے ہو۔ اگر تم کو غنیمت کا اتنا شوق ہے تو گھبراؤ مت اللہ کے قبضہ میں بہت غنیمتیں ہیں وہ تم کو آئندہ اتنی غنیمتیں عطا فرمائے گا کہ تمہارے گھر دولت سے بھر جائیں گے۔ جلدی نہ کرو انتظار کرو' خلافت فاروقی کا زمانہ آ رہا ہے۔ جب روم و ایران کے سونے چاندی کے ڈھیر مدینہ میں پہنچیں گے اور شہزادے و شہزادیاں تمہارے لونڈی و غلام بنیں گے۔ خیال رہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد بہت غنیمتیں زمانہ فاروقی

میں ہی آئیں کہ حضور کے زمانہ میں اب جو فتح مکہ ہوئی اس میں غنیمت بالکل نہ لی گئی، مکہ والوں کو عام معافی دے دی گئی، غزوہ حنین میں بھی بہت زیادہ غنائم نہ آئیں۔ لہذا اس سے مراد فاروقی غنیمتیں ہیں، اس میں اشارۃً خلافت فاروقی کی خبر دی گئی ہے۔ اس کی حقانیت کا ذکر کیا گیا ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ کے ہاں دائمی غنیمتیں ہیں جو تم کو آخرت میں عطا ہوں گی۔ تم اپنی گذشتہ حالت میں غور کرو کہ جو حال آج مرداس کا تھا اس سے پہلے تمہارا بھی وہی حال تھا کہ تم کفر سے جب ایمان میں آئے تو تم نے اظہار ایمان کے لئے کلمہ ہی تو پڑھا تھا۔ اللہ رسول نے تم پر احسان فرمایا کہ تمہاری اس کلمہ گوئی کا اعتبار فرمایا تمہارے متعلق کوئی شک و شبہ نہ کیا گیا پھر تمہارا ایمان مشہور فرمادیا کہ دلوں میں تمہارا اعتبار بیٹھ گیا تو تم بھی نو مسلموں پر بلاوجہ بدگمانی نہ کرو تحقیق کر لیا کرو۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے کاموں کی خبر ہے آئندہ ایسی جلدی سے کام نہ کرنا ورنہ تم کو سزا دی جائے گی یا اللہ کو تمہارے کام تمہارے ارادے کی خبر ہے وہ جانتا ہے کہ تم سے اس وقت غلطی ہو گئی تمہاری نیت بری نہ تھی اس لئے تم پر کوئی عتاب نہ فرمایا گیا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس شخص میں ایمان کی علامت ہو کفر کی علامت موجود نہ ہو اسے کافر نہ کہو یہ ضرور خیال رہے کہ اس میں علامت کفر موجود نہ ہو یہ مطلب نہیں کہ ہزار ہا کفر کرے کفر کی علامات موجود ہوں صرف السلام علیکم کہہ دے تو اسے کافر نہ کہو۔ حضور کے زمانہ پاک میں منافقین کلمہ پڑھتے تھے نمازیں پڑھتے تھے مگر ان کے باوجود رب نے فرمایا **ان المنافقین لکاذبون**۔ **دوسرا فائدہ:** جو مسلمان کافروں میں رہتا ہو اس کے اسلام کی لوگوں کو خبر نہ ہو تو اس کے قتل سے دیت وغیرہ لازم نہ ہو گی نہ قصاص دیکھو حضرت اسامہ ابن زید پر اس قتل کی وجہ سے نہ قصاص واجب ہوا نہ کفارہ۔ **تیسرا فائدہ:** خطاء اجتہادی معاف ہے اگرچہ مجتہد کتنی ہی بڑی خطا کرے دیکھو حضرت اسامہ نے خطاء اجتہادی میں مرداس کو قتل بھی کر دیا۔ رب تعالیٰ نے ان پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ نہایت کرم سے ان کو سمجھا دیا لہذا حضرت امیر معاویہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم میں سے کسی کو برائی سے یاد نہ کرنا چاہئے کہ ان کے درمیان جو کچھ ہوا خطاء اجتہادی سے ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جس شخص میں علامات کفر موجود ہوں جن سے اس کا کفر معلوم ہوتا ہو تو اس کی کلمہ گوئی یا سلام کرنا بالکل معتبر نہیں اسے کافر ہی کہا جائے گا جیسا کہ قتیبنوا سے معلوم ہوا اگر ہر کلمہ گو کو اندھا دھند مسلمان کہہ دیا جایا کرے تو فتبینو کے کیا معنی ہوں گے۔ یہ فائدہ ضرور خیال رہے۔ **پانچواں فائدہ:** انسان اپنی اصل کبھی نہ بھولے ہمیشہ اپنا گزرا وقت یاد رکھے جیسا کہ **کذلک کنتم** سے معلوم ہوا۔

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو جائز ہے جہازوں میں اڑو چرخ پہ جھولو
مگر ایک سخن بندۂ مسکین کا رہے یاد اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

چھٹا فائدہ: تفسیر روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ مجبور کا ایمان قبول ہے کیونکہ بظاہر یہ شخص یعنی مرداس مجبوراً اسلام ظاہر کر رہا تھا مگر اس کا ایمان قبول ہوا۔ خیال رہے کہ بچہ کا ایمان قبول ہے مگر بعد ایمان اس کا ارتداد معتبر نہیں ہاں جب بالغ ہو کر کافر ہو گا تب اسے مرتد مانا جائے گا اس لئے اسلامی گمراہ فرقے جن کی گمراہی حد کفر تک پہنچ گئی انہیں مرتد مانا جاتا ہے جیسے قادیانی چکڑالوی وغیرہ کہ ان کے چھوٹے بچے کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں مگر پھر اپنے عقائد باطلہ مان کر کافر نہیں ہوتے پھر جب

www.alahazratnetwork.org

بالغ ہو کر اپنے کفریہ عقیدے مانتے ہیں تو اب مرتد ہوتے ہیں۔ یوں ہی منافق جب کفر کا اظہار کرے تو مرتد ہو گا کہ اس کو قتل کیا جائے گا۔ امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اس منافق کو قتل فرمادیا تھا جو حضور کے فیصلہ پر راضی نہ ہوا تھا۔ کیونکہ اس کا نفاق والا ایمان شرعاً معتبر تھا شریعت میں اسے مسلمان مان لیا گیا تھا پھر کفر کا اظہار ارتداد ہے۔

مسئلہ : اگر جہاد وغیرہ میں کوئی عیسائی یا یہودی کہہ دے کہ میں ایمان لاتا ہوں یا میں مومن ہوں یا کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم' رسول اللہ ہیں اس سے وہ مسلمان نہ ہو گا۔ کیونکہ وہ اپنے عقائد کو ایمان سمجھتا ہے اور بعض عیسائی یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عرب کا رسول مانتے ہیں بلکہ ضروری ہے کہ وہ صاف کہے میں نے اپنا فلاں دین چھوڑ دیا اسلام قبول کر لیا (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) صرف کلمہ پڑھنا مشرکین کا ایمان ثابت نہ کرے گا۔ علامہ شامی نے اس کی بہت نفیس تفصیل فرمائی ہے کہ کسی کافر کو کیسے مسلمان کیا جائے عیسائی یہودی توحیدئے قادیانی وغیرہ صرف کلمہ پڑھ دینے سے مسلمان نہ ہوں گے کہ وہ تو پہلے بھی کلمہ پڑھتے تھے لا الہ الا اللہ تو عیسائی یہودی مرزائی ہو کر بھی کہتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے اور آپ کے زمانہ کی غنیمتیں حق تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جیسے کہ مغانم کثیرہ کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا رب تعالیٰ نے ان غنیمتوں کو عند اللہ فرمایا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر اسلامی سلام کرنے والا آدمی مومن ہے جو سلام کرے اسے کافر نہ کہو تو آج تم مرزائیوں' چکڑالویوں' بہائیوں وغیرہم کو مرتد کافر کیوں کہتے ہو وہ تو سلام کرتے ہیں۔ نوٹ مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے بہت شدومد سے یہ اعتراض اس آیت کے ماتحت اپنی تفسیر بیان القرآن میں کیا ہے۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی مرزا کے مخالفین کو کافر کیوں کہتے ہو سلام اسلامی تو وہ بھی کرتے ہیں تم غیر مرزائیوں کا جنازہ نہیں پڑھتے انہیں اپنے مخصوص وطن ربوہ میں رہنے نہیں دیتے۔ جو وہاں غلطی سے رہ پڑے تو تمہارے ہاتھوں اس کی جان محفوظ نہیں ہوتی اس وقت تم یہ آیت کیوں بھول جاتے ہو۔ **جواب تحقیقی** اس آیت کریمہ میں دے دیا گیا ہے کہ پہلے فرمایا گیا فتبینوا اے غازیو تحقیق کر لیا کرو مطلب واضح ہو گیا کہ جو شخص ہم کو اسلامی سلام کرے اور اس پر علامت کفر کوئی موجود نہ ہو تو اسے بلاوجہ کافر نہ کہو لیکن اگر تحقیق سے اس کا کفر معلوم ہو جائے تو وہ لاکھ سلام کرے' کلمہ پڑھے' نمازیں پڑھے بے دین ہو گا یہاں فتبینوا میں یہ ہی فرمایا گیا جب ہم کسی کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ مرزا کو نبی مان رہا ہے نماز پنجگانہ کا منکر ہے۔ قرآن مجید میں تحریف کا قائل ہے یا بہائی ہے کہتا ہے کہ یہ قرآن بہاؤ اللہ نے منسوخ کر دیا تو پھر صرف سلام کر دینے سے مومن کیسے ہو جائے گا۔ حضور کے زمانہ میں منافقین کلمہ' نماز' سلام سب پر عامل تھے مگر بے دین مانے گئے۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید کی اس آیت کی وجہ سے مسلمانوں کے ہاتھ بندھ گئے اور کسی کافر کو قتل کے تمام راستے بند ہو گئے۔ جہاد میں ایک کافر صدہا مسلمانوں کو تہ تیغ کر دے جب مسلمانوں کے ہاتھ چڑھے تو سلام کر دے یا کلمہ پڑھ دے اب مسلمان اسے نہیں مار سکتا پھر یہاں سے بچ کر مسلمانوں کا قتل عام شروع کر دے۔ ابھی پاکستان بنتے وقت دو لاکھ مسلمان کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے مگر پاکستانی ہندو کلمہ پڑھ کر بچ گئے پھر موقعہ پا کر بھارت روانہ ہو گئے۔ اپنی جان مال سب محفوظ لے گئے اس قانون کا یہ نتیجہ ہے اس قانون سے مسلمانوں کی جانیں غیر محفوظ ہو گئیں مگر کفار کے جان و مال محفوظ ہو گئے (بعض پاکستانی

www.alahazratnetwork.org

تاوان)۔ جواب یہ قانون بالکل درست ہے مسلمان اس کے سمجھنے میں غلطی کرتے ہیں تو نقصان اٹھاتے ہیں یہاں ایک لفظ تبینوا میں سب کچھ سمجھا دیا گیا ہے بتایا گیا کہ کافر کے سلام یا کلمہ پڑھ لینے پر تحقیق کر لو کہ یہ اخلاص سے کام کر رہا ہے یا دھوکہ دینے کے لئے اگر دھوکہ دینے کے لئے کر رہا ہو تو نہ اس کے کلمہ کا اعتبار کرو نہ سلام کا اسے فوراً قتل کر دو ہاں اگر اخلاص کی علامت موجود ہو دھوکہ دہی یا کفر کی کوئی علامت نہ ہو تو بلاوجہ اس پر بدگمانی نہ کرو کہ اس صورت میں کفار کے ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہے گی اور مقصود ہے کفار کو ہدایت دینا لیکن اگر علامت کفر موجود ہے کہ ایک کافر زا فریب دینے کے لئے کلمہ پڑھ رہا ہے اور فکر میں ہے کہ کب موقع ملے کب کفار سے جا ملوں یا بار بار کلمہ پڑھ کر مومن اور بعد میں کافر ہو تا رہتا ہے تو اسے مار دو کہ علامت کفر موجود ہے۔ قرآن کریم تو فرما رہا ہے کہ جو کافر موقع ملنے کے باوجود مسلمان نہ ہو مسلمانوں میں رہے سہے مگر کافر رہے پھر اسلامی فتح کے وقت جان بچانے کے لئے کلمہ پڑھ لے تو اس کا یہ ایمان قبول نہیں۔ رب فرماتا ہے **قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانہم ولا ہم ینظرون** چنانچہ خاص فتح مکہ کے دن بنی کنانہ قوم بھاگی۔ حضرت خالد ابن ولید نے ان کا تعاقب کیا وہ گھبرا کر کلمہ پڑھنے لگے' حضرت خالد نے ان کے کلمہ کا اعتبار نہ فرمایا سب کو قتل کر دیا (خزائن و تفسیر نور العرفان) یہ تھا اس آیت پر عمل فہم قرآن بہت ضروری ہے پاکستان بنتے وقت مسلمانوں کی اپنی غلطی تھی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا کذلک کنتم تم بھی پہلے ایسے ہی تھے یہ بات تو درست نہیں کیونکہ یہ غازی بحالت جنگ تلوار کے نیچے ایمان نہ لائے تھے بلکہ سکون کی حالت میں مومن ہوئے تھے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ بعض ان میں سے ایسی مجبوری میں ایمان لائے تھے اور اگر تمہارا ایمان درست ہو تو تشبیہ صرف اس میں دی جا رہی ہے کہ پہلے تم کافر تھے' کلمہ پڑھ کر ہی مومن بنے۔ تمہارے کلمہ گوئی کا اعتبار کیا گیا تم پر بدگمانی نہ کی گئی۔ تشبیہ کے لئے اتنی مشارکت کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : ذکر الٰہی تین قسم کے ہیں ذکر لسانی' ذکر جنانی' ذکر روحانی' ذکر لسانی یعنی زبان سے کلمہ پڑھنا یہاں کے عذاب یعنی تلوار اسلامی سے بچاتا ہے مگر ذکر جنانی آخرت کے عذاب سے بچائے گا اور ذکر روحانی معرفت رحمانی کے دروازے تک پہنچائے گا انسان کو چاہئے کہ صرف ذکر لسانی پر قناعت نہ کرے بلکہ آگے بڑھے اگرچہ یہ ذکر بھی یہاں کی سزا سے بچا لیتا ہے۔

حکایت : ایک چور چوری کرنے کسی گھر میں گھسا مال لے کر نکلا تو لوگ جاگ لئے' شور مچ گیا' محلہ والوں نے اس کا پیچھا کیا یہ چور لوگوں کو آتے دیکھ کر مسجد میں گھس گیا مال تو دروازہ مسجد پر پھینکا اور خود بے وضو ہی نماز پڑھنے لگا لوگ بھی مسجد میں گھس آئے مال پر تو قبضہ کر لیا مگر چور کی تلاش میں ادھر ادھر بھاگنے لگے جب اس بے وضو نمازی نے سلام پھیرا تو اس سے پوچھا کہ ملاجی تم نے چور دیکھا ہے یہ بولا نہیں آخر کار لوگ واپس ہو گئے ادھر لوگ لوٹے ادھر اس چور کا دل لوٹ گیا رو کر بولا مولیٰ بے وضو پڑھی تھی' جھوٹی پڑھی تھی' تو یہاں کی پکڑ سے بچ گیا اگر میں سچی نماز پڑھتا تو تیرا کتنا کرم ہوتا یہ کہہ کر خوب رویا' توبہ کی' سچا مسلمان بن گیا انسان جیسا جئے گا ویسا ہی مرے گا اور جیسا مرے گا ویسا اٹھے گا۔ یہاں مشائخ کرام سے خطاب ہے کہ اے راہ الٰہی طے کرنے والے مسافرو! جب تم یہ راستہ طے کر رہے ہو اور تمہارا ایمان' ایقان اور ایقان احسان اور احسان عیان اور عیان غیب بن جائے اور غیب عیاں ہو جائے' غائب شاہد اور شاہد شہود پھر شہود مشہود ہو جائے اس حال میں تمہیں کوئی مرید ملے تو اس پر بلاوجہ طالب صادق نہ ہونے کا الزام نہ لگاؤ جو تمہارا دامن پکڑے تم کو اطاعت کا سلام کرے تو اس کا سلام استسلام قبول کر لو

www.alahazratnetwork.org

اسے اپنے ساتھ لے لو اس سے نرم گفتگو کرو تم منتہی ہو وہ مبتدی تم بھی مبتدی تھے ہم نے تم کو قبول کیا تم بھی ہر طالب پر کاذب ہونے کی بدگمانی نہ کرو تم غنیمت معنوی چاہتے ہو۔ ہمارے پاس بہت غنیمتیں ہیں اگر تم اپنے ساتھ لاکھوں کو ہمارے دروازے پر لے آؤ تو ہمارے خزانوں میں کمی نہیں تمہارا حصہ تم کو پورا پورا دیں گے (از روح البیان)۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جو مال حرام ذریعہ سے آئے وہ دوزخ کا ایندھن ہے اس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما یاکلون فی بطونہم نارا** " اور جو مال حلال ذریعہ سے آئے مگر اس میں نیت رضاالٰہی کی نہ ہو وہ مال **عرض الحیوۃ الدنیا** ہے جو بہت جلد فنا ہو جائے گا اور جس مال کے حاصل کرنے خرچ کرنے میں محض رضاالٰہی مقصود ہو وہ مال باقیات صالحات سے ہے اس کے لئے فنا نہیں دیکھو مرد اس کی یہ بکریاں جو حاصل کی گئیں۔ منشاالٰہی کے مطابق نہ تھیں انہیں رب تعالیٰ نے عرض الحیوۃ الدنیا فرمایا اسی طرح علم ہے کہ کوئی علم حجاب ہے کوئی علم معرفت ہے اللہ تعالیٰ بہت خیر عطا فرمائے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ

نہیں برابر ہیں بیٹھ رہنے والے مسلمانوں میں سے سوا تکلیف والوں کے اور جہاد کرنے والے

برابر نہیں وہ مسلمان کہ بے عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور وہ کہ

فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَا

اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے بزرگی دی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو اپنے

راہ خدا میں اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرتے ہیں اللہ نے اپنے

لِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ

مالوں سے اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ کی اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے اچھی چیز کا اور

مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرنے والوں کا درجہ بیٹھنے والوں سے بڑا کیا اور اللہ نے سب

فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۙ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ

بزرگی دی اللہ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر بڑے ثواب سے بہت درجے اس کی طرف سے

سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اور اللہ نے جہاد والوں کو بیٹھنے والوں پر بڑے ثواب سے فضیلت دی اس کی طرف

وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

اور معافی اور رحمت اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان ہے

سے درجے اور بخشش اور رحمت اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی پھر جہاد کے متعلق کچھ احکام فرمائے کہ بحالت جہاد بغیر تحقیق کسی کلمہ گو کو قتل نہ کریں۔ اب جہاد کے کچھ فضائل و مسائل بیان ہو رہے ہیں۔ جہاد کے حکم کے بعد متعلقات جہاد کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں مجاہدین کو بہت احتیاط کا حکم دیا گیا تھا کہ کسی کو بغیر تحقیق قتل نہ کریں جس سے احتمال تھا کہ لوگ جہاد ہی چھوڑ دیں' یہ سمجھ کر جہاد میں اس قسم کی غلطیاں ہو جانے کا ہر وقت احتمال ہے نہ ہم جہاد کریں نہ ایسی غلطیاں ہم سے صادر ہوں۔ لہٰذا اب جہاد کے فضائل فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ واقعی جہاد میں مشقت بھی ہے' احتیاط بھی لازم ہے مگر جہاد کے فضائل بھی تو بہت ہیں یہ فضائل و فوائد مفت تو نہیں ملتے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں غازی صحابہ کو ان کی ایک غلطی پر متنبہ فرمایا گیا تھا اب جہاد کے فضائل بتا کر فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد ایسی عبادت ہے اسے ان جیسی غلطیوں سے بچاؤ تاکہ ثواب کامل پاؤ (تفسیر کبیر)۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بعض مجاہدین کی ایک غلطی کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگرچہ مجاہد سے غلطیاں صادر ہو جائیں مگر وہ بیٹھ رہنے والوں سے افضل و اعلیٰ ہے ان غلطیوں کی وجہ سے اس کا درجہ نہیں گر جاتا۔ عالم سے اگر غلطی ہو جائے تب بھی وہ غیر عالم سے افضل ہے۔

شان نزول : غزوۂ بدر کے موقعہ پر بعض صحابہ کرام غزوہ میں شریک ہوئے بعض نہیں ہوئے مدینہ منورہ میں ہی بیٹھے رہے ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (2) غزوۂ تبوک میں تمام صحابہ کرام شریک ہوئے مگر حضرت کعب ابن مالک' ہلال ابن امیہ' مرارہ ابن ربیع شریک نہ ہوئے جن پر بعد میں عتاب ہوا پھر معافی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ اگرچہ ان تینوں بزرگوں کی معافی تو ہو گئی مگر درجہ انہیں کا زیادہ ہے جو اس جہاد میں گئے مگر پہلی روایت زیادہ قوی ہے جیسا کہ تاریخ دانوں پر مخفی نہیں حتیٰ کہ بخاری شریف میں حضرت عبد اللہ ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں یوں روایت ہے **ھم القاعدون عن بدر** (روح المعانی)۔

روایت : حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ آیت لکھوائی آپ کی ران میری ران پر تھی آپ بول رہے تھے میں لکھ رہا تھا کہ حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مجھ میں جہاد کی قوت ہوتی تو ضرور جہادوں میں شریک ہوتا۔ اسی حالت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی اور آپ کی ران شریف اتنی بھاری ہو گئی کہ مجھے خوف ہوا کہ میری ران ٹوٹ جائے گی اور یہ لفظ غیر اولی الضرر نازل ہوا۔ پہلے اس آیت میں یہ لفظ نہ تھا (بخاری۔ خازن وغیرہ) اس واقعہ سے حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم صحابی کی شان کا پتہ لگا کہ رب تعالیٰ نے ان کی عرض و معروض پر اپنی آیت میں ترمیم فرما دی اور حکم میں قید لگا دی ہمارے حضور کی خواہش مبارک پر تو مسلمانوں کا قبلہ ہی بدل دیا اور سارے نظام اسلام میں تبدیلی فرما دی۔

تفسیر : **لا یستوی القاعدون من المؤمنین**۔ یستوی استواء سے بنا جس کا مادہ سوی ہے بمعنی برابری و یکسانیت برابری مقدار کی بھی ہوتی ہے درجہ کی بھی یہاں درجے کی برابری مراد ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ تمام صحابہ ایمان' صحابیت وغیرہ میں تو برابر ہیں ہاں درجات میں مختلف ہیں جیسے تمام نبی نبوت میں یکساں مگر درجات میں مختلف رب فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض۔ **لا یستوی** مضارع ہے۔ جس میں حال و استقبال دونوں زمانوں کا احتمال ہے اور دوام کی بھی گنجائش یہاں تینوں احتمال درست ہیں یعنی نہیں برابر ہیں یا نہیں برابر ہوں گے یا نہ تو اب دنیا میں برابر ہیں نہ آخرت میں برابر ہوئے کہ غازیوں کے درجہ دنیا' برزخ اور قیامت و جنت میں غیر نمازیوں سے بڑے ہیں **القاعدون** سے مراد جہاد میں شرکت نہ کرنے والے ہیں بلا عذر اور یہ ذکر اس وقت کا ہے جب جہاد فرض عین نہ ہو گیا ہو جب کہ جہاد میں روانہ ہونے کا سرکاری حکم نہ ہوا ہو جیسے غزوہ بدر میں تھا لیکن اگر جہاد فرض عین ہو گیا تھا تب تو بلا وجہ بیٹھ رہنے والے عتاب و سزا کے مستحق ہوں گے لہذا آیت واضح ہے **من المومنین** میں من بیانیہ ہے۔ جس نے **قاعدون** کا بیان کر دیا۔ خیال رہے کہ سستی سے غزوات میں شرکت نہ کرنے والے صحابہ تو **قاعدون** ہیں اور منافقت کی بنا پر جہاد سے جان چرانے والے منافقین **مخلفون** کہلاتے ہیں رب فرماتا ہے۔ **فرح المخلفون بمقعدھم** خلاف رسول اللہ۔ اور جنہیں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ چھوڑ جائیں وہ نہ **قاعدون** ہیں نہ مخلفین بلکہ وہ متروکین یا مجلسین ہیں۔ یہاں روئے سخن پہلی جماعت کی طرف ہے ان حضرات کو **مومنون** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ یہ حضرات اس بیٹھ رہنے کی وجہ سے ایمان سے خارج نہیں ہو گئے پکے مومن ہی رہے کہ ان کا رشتہ غلامی حضور انور سے قائم ہے۔ قرآن کریم نے دوسری جگہ کلمہ گویوں کو کافر و منافق فرمایا اور گنہگاروں کو مومن قرار دیا معلوم ہوا کہ ایمان کا مدار حضور سے رشتہ غلامی قائم رہنے پر ہے یا یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم مخلفین منافقوں کا ذکر نہیں کر رہے ہیں بلکہ قاعدین مومنوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ فعل ایک ہے یعنی جہاد میں نہ جانا مگر نتیجے مختلف ہیں۔ جیسی نیت ویسا انجام **غیر اولی الضرر** ہماری قراءۃ میں غیر مرفوع ہے کہ یا تو **قاعدون** کی صفت ہے یا اس سے بدل 'تالع' ابن عامر و امام کسائی کی قراءت میں غیر منصوب ہے کہ یہ قاعدون سے حال ہے یا مستثنیٰ ہے اور مستثنیٰ کا اعراب جوف استثناء یعنی غیر پر آ گیا۔ بعض قراتوں میں غیر جر سے ہے **المومنین** کی صفت یا اس کا بدل (روح المعانی و تفسیر کبیر)۔ لہذا اس عبارت کی چھ ترکیبیں اور ساتھ ہی چھ تفسیریں ہیں اولی ذو کی جمع بغیر لفظ ہے ضرر کے معنی ہیں نقصان و تکلیف نقصان خواہ اندھا پن یا لولا لنگڑا پن یا کسی اور بیماری کی وجہ سے ہو یا تیاری نہ کرنے کی بنا پر یعنی وہ بیٹھ رہنے والے غازیوں کے برابر نہیں جو ضرر والے نہ ہوں رہے مجبور و معذور وہ اپنی صدق نیت کی وجہ سے غازیوں کے برابر ہیں۔ **والمجاھدون فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم** یہ عبارت **القاعدون** پر معطوف ہے۔ مجاہدین سے مراد یا تو کفار سے جنگ کرنے والے ہی ہیں یا ہر قسم کے جہاد کرنے والے بعض جہاد گھر میں رہ کر بھی ہوتے ہیں خصوصاً زمانہ صحابہ کرام میں کہ جن لوگوں کو مدینہ منورہ میں چھوڑا جاتا تھا یا جو حضور کی خدمت کی وجہ سے سرایا اور جہادوں میں نہ جاتے تھے مدینہ پاک میں رہ کر حضور کی خدمات انجام دیتے تھے وہ بھی مجاہدین ہی تھے۔ غزوہ بدر میں عثمان غنی کو اور غزوہ تبوک میں جناب علی مرتضیٰ کو حضور انور نے مدینہ پاک میں چھوڑا وہ بھی مجاہدین ہی میں شمار ہوئے حتی کہ عثمان غنی کو بدر کی غنیمت سے حصہ دیا گیا **اموالھم و انفسھم** میں ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ یعنی غیر معذورین بلا وجہ جہاد سے بیٹھ رہنے والے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں و جانوں سے جہاد کرنے والے برابر نہیں مجاہدین بڑی شانوں کے مالک ہیں۔ **فضل اللہ المجاھدین باموالھم وانفسھم علی القعدین درجۃ** یہ جملہ گذشتہ جملہ لا یستوی کا بیان ہے اور یہاں **القاعدین** سے وہی بلا عذر جہاد میں نہ جانے والے حضرات مراد ہیں درجۃ کی تنوین تعظیم کی ہے اور

درجہ سے مراد جنس درجہ ہے نہ کہ فرد درجہ لہٰذا مجاہد بہت درجوں غیر مجاہد سے افضل ہے یعنی اللہ تعالٰی نے ان لوگوں کو جو اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں نہ جہاد کرنے والوں پر ایسے بڑے درجے سے بزرگی دی ہے جو مخلوق کے وہم و گمان سے وراء ہے یہ درجہ خاص قسم کا ہے جو مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر حاصل ہے درجہ ایمان و تقویٰ نہیں کہ اس میں تو یہ دونوں برابر ہیں **وکلا وعد اللہ الحسنی** یہ علیحدہ جملہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان غازیوں اور غیر معذور جہاد سے رہ جانے والوں میں فرق تو یہ ہے مگر جنتی سب ہیں **کلا** سے مراد تمام صحابہ کرام ہیں غازی ہوں یا غیر غازی معذور رہوں **کلا** منصوب ہے وعد کا مفعول مقدم ہے اس کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ حسنیٰ احسن کا مونث ہے بمعنی اچھی چیز اگرچہ اچھی چیز میں دین و دنیا کی ساری بھلائیاں داخل تھیں دنیا میں نیک اعمال کی توفیق مرتے وقت ایمان قائم رہنا حساب قبر میں آسانی و کامیابی قیامت میں جھنکار اپل صراط سے بخیریت گذر جانا جنت کا داخلہ۔ مگر عام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں حسنیٰ سے مراد جنت ہے کہ اس میں باقی بھلائیاں خود بخود ہی آجاتی ہیں۔ جنت میں وہی جائے گا جو دنیا میں نیک کار مرتے وقت مومن قبر میں کامیاب حشر میں نجات یافتہ وغیرہ ہو۔ یعنی اللہ تعالٰی نے تمام صحابہ کرام سے جنت کا وعدہ فرمالیا خواہ وہ غازی ہوں یا گھر میں بیٹھنے والے معذور رہوں یا غیر معذور صحابیت اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر یہ وعدہ عامہ صرف صحابہ سے ہے۔ **وفضل اللہ المجاھدین علی القاعدین اجرا عظیما** یہ جملہ ان جنتیوں میں فرق مراتب بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ جن کا ذکر ابھی گذرا یہاں قاعدین سے مراد معذور صحابہ ہیں جو عذر کی وجہ سے جہاد میں شریک نہ ہو سکے تھے۔ لہٰذا یہ جملہ مکرر نہیں فضل تفضیل سے بنا بمعنی بزرگی و فضیلت دینا باب تفعیل مبالغہ کے لئے ہے یعنی بہت بزرگی دی مجاہدین سے مراد وہی صحابہ مجاہدین ہیں جو غزوۂ بدر یا غزوۂ تبوک میں شامل ہوئے جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **اجرا عظیما** منوّن فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی نے ان مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بہت زیادہ فضیلت بخشی کہ انہیں قاعدین سے کہیں زیادہ ثواب دیا جائے گا جو تمہارے وہم و گمان میں نہیں آسکتا کیونکہ ان معذورین کے پاس اخلاص اچھی نیت نیک ارادہ تو ہے مگر جہاد کا عمل نہیں اور مجاہدین کے پاس اخلاص وغیرہ کے ساتھ جہاد کے اعمال مصیبتیں جھیلنا زخم کھانا بھوک پیاس برداشت کرنا وغیرہ نیک اعمال بھی ہیں **درجت منہ و مغفرۃ و رحمۃ**۔ درجات اجر عظیم کا بدل یا صفت ہے منہ کی ضمیر حق تعالٰی کی طرف ہے۔ مغفرت سے مراد خطاؤں گناہوں کی معافی ہے اور رحمت سے مراد اعمال کے اجر سے زیادہ رب تعالٰی کے عطیے ہیں یہ درجات 70 یا 100 ہیں ہر دو درجوں کے درمیان وہ فاصلہ ہے جو آسمان و زمین کے درمیان ہے جیسا کہ احادیث شریفہ میں وارد ہے چونکہ بعض غازی شہید بھی ہو جاتے ہیں اور شہادت کو نبوت سے بہت ہی قرب ہے کہ نبی کی نیند وضو نہیں توڑتی اور شہید کی موت غسل نہیں توڑتی ورنبی کے فضلات امت کے لئے پاک ہیں اور شہید کا خون پاک ہے اس لئے یہاں وہی لفظ درجات ارشاد ہوا جو نبوت کے لئے ارشاد ہوا ہے **ورفع بعضھم درجات**۔ خیال رہے کہ درجات کی جمع کثرت بتا رہی ہے اور تنوین عظمت ظاہر کر رہی ہے۔ یعنی بہت سے اور بڑے بڑے درجے۔ یعنی غازیوں کو غیر غازیوں پر بہت درجوں بلند کیا جائے گا رب تعالٰی ان کے سارے گناہ خطائیں بخش دے گا اور انہیں ان کے اعمال صالحہ سے زیادہ عطیہ خسروانہ کے طور پر ایسی رحمتیں عطا فرمائے گا جو تمہارے وہم و خیال میں نہ آسکیں۔ خیال رہے کہ یہاں مغفرت سے مراد وہ بخشش ہے جو غیر مجاہدین کو تمام نیکیوں کے ذریعہ میسر نہ ہو سکے وہ

غازیوں کو جہاد کی برکت سے نصیب ہوگی (روح المعانی) **وکان اللہ غفورا** " رحیما یہ عبارت گذشتہ مضمون کی تاکید کرتی ہے چونکہ ابھی مغفرت رحمت کا ذکر ہوا اس لئے یہاں رب تعالیٰ کی صفت غفاری و رحمت کا بیان ہوا یعنی اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے جب ایسا غفور رحیم مغفرت و رحمت کا وعدہ فرما رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ مغفرت و رحمت کس درجہ کی ہوگی فعل کی بڑائی فاعل کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیو یا اے مسلمانو تم جہاد کے متعلق گذشتہ پابندیوں کو سن کر جہاد نہ چھوڑ نہ بیٹھنا خیال رکھو کہ جہاد اللہ کی بڑی نعمت ہے خیال رکھو کہ جو لوگ معذور نہ ہوں اور جہاد سے بیٹھ رہیں وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال سے جہاد کرنے والے کبھی برابر نہیں ہو سکتے۔ خواہ یہ غیر مجاہدین کتنے ہی نیک اعمال کریں مگر غازیوں کے درجوں کو نہیں پہنچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے مال و جان سے راہ خدا میں جہاد کرنے والوں کو بلاوجہ جہاد نہ کرنے والوں پر بہت ہی فضیلت دی ان کا درجہ بہت ہی اونچا فرمایا جہاں تک یہ غیر مجاہدین کسی عمل سے نہیں پہنچ سکتے ہاں یہ بات ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمایا غازی ہوں یا غیر غازی ان میں دوزخی کوئی نہیں سب جنتی ہیں پھر یہ بھی خیال رکھو کہ معذور غیر مجاہد جو عذر کی وجہ سے جہاد نہ کر سکیں وہ اگرچہ اپنے اخلاص نیک نیتی نیک ارادوں کی وجہ سے غازیوں کی برابر تو ہو گئے اور وہ بھی حکما" غازی مانے گئے انہیں غازیوں جیسا ثواب دیا گیا مگر پھر بھی غازیوں کے درجے ان سے بھی اونچے ہیں کہ ان کے پاس صرف نیت و ارادہ ہے اور غازیوں کے پاس نیت و ارادہ کے ساتھ ساتھ جہاد کا عمل بھی ہے اس زیادتی کی وجہ سے ان کے درجہ بھی زیادہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان غازیوں کی بہت اجر بہت درجے خاص مغفرت مخصوص رحمت عطا فرما کر ان کو غیر مجاہدین سے بہت اونچا کر دیا کیوں نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ بڑا غفور رحیم ہے۔ ایسی شان والا غفور رحیم جس سے مغفرت و رحمت کا وعدہ فرمائے تو سوچ لو کہ وہ مغفرت و رحمت کیسی ہوگی اور یہ رحمت و مغفرت والے کس شان کے مالک ہوں گے۔ مسلم شریف نے حضرت جابر سے روایت کی کہ ہم ایک جہاد میں حضور کے ساتھ تھے فرمایا مدینہ منورہ میں بعض وہ لوگ ہیں جو مدینہ میں رہتے ہوئے تمہارے ساتھ ہیں۔ وہ ہیں جنہیں مرض نے روک لیا ہے۔ بخاری شریف نے حضرت انس سے روایت کی فرماتے ہیں میں غزوہ تبوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا فرمایا کہ معذور لوگ مدینہ میں رہ گئے ہیں۔ ہم جس جنگل و پہاڑی میں گئے وہ ہمارے ساتھ ہی تھے یہ وہ لوگ ہیں جنہیں عذر نے روک لیا ہے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں اسلام کا اور درجہ ہے ہجرت کا دوسرا درجہ جہاد کا اور درجہ۔ حضرت ابن زاہد فرماتے ہیں کہ مومن کے سات درجے ہیں۔ جن میں یہ لوگ متفاوت رہتے ہیں ابن محیریز فرماتے ہیں کہ مجاہد و غیر مجاہد کے درمیان ستر درجوں کا فاصلہ ہے ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ تیز گھوڑا ستر سال میں طے نہ کر سکے (تفسیر خازن وغیرہ)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد مال کا بھی ہے جان کا بھی زبان کا بھی قلم کا بھی ان میں سے ہر ایک کے علیحدہ درجے ہیں جیسا کہ **باموالهم وانفسهم** سے معلوم ہوا۔ جیسا موقع ہو ویسا ہی جہاد ہے۔
دوسرا فائدہ: غیر مجاہد مسلمان کتنی ہی نیکیاں کرے مجاہد مسلمان کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا جیسا کہ **لایستوی** سے معلوم ہوا۔
تیسرا فائدہ: معذور مسلمان جو کسی مجبوری کی وجہ سے جہاد نہ کر سکے اور اس کا دل جہاد کے لئے بے قرار ہو وہ کل انشاء اللہ

www.alahazratnetwork.org

مجاہدوں کے ساتھ اٹھے گا جیسا کہ غیر اولی الضرر سے معلوم ہوا۔ یہی حال ہر نیکی کا ہے۔ خیرات کرنے والا امیر تمنائے خیرات رکھنے والا فقیر انشاء اللہ محشر میں ساتھ ہوں گے۔ **چوتھا فائدہ:** اس برابری کے باوجود پھر بھی مجاہد کا درجہ غیر مجاہد سے اونچا ہی ہو گا کہ اس کے پاس اخلاص نیت ارادہ بھی ہے عمل جہاد بھی اور معذور کے پاس عمل نہیں جیسا کہ فضل اللہ المجاہدین سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سارے صحابہ عادل ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔ فاسق سے جنت کا وعدہ نہیں ہوتا جو تاریخ ان حضرات میں سے کسی کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹی ہے۔ قرآن مجید سچا ہے جیسا کہ **کلا وعد اللہ الحسنی** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کوئی غیر صحابی مسلمان کتنا ہی بڑا عامل ہو۔ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا کہ ان بزرگوں سے وعدہ جنت ہو چکا ہم سے نہیں ہوا یہ بھی **کلا وعد اللہ** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** صحابہ کرام کے سواء کسی سے خصوصی طور پر جنت کا وعدہ نہیں ہوا یہاں وعدہ اوصاف کی بنا پر ہے وہاں وعدہ ان کی ذات سے ہو چکا ہے جیسا کہ **کلا** کو **وعد اللہ** پر مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ صحابیت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رب تعالیٰ کو ایسے محبوب و پیارے ہیں کہ ان کے عرض و معروضات پر رب تعالیٰ قرآنی احکام میں ترمیم فرمادیتا ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کی عرض پر یہاں غیر اولی الضرر کا اضافہ فرماکر حکم قرآن میں ترمیم فرمادی۔ جیسا کہ اس کے شان نزول اور تفسیر سے معلوم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے کے مطابق بہت سے احکام قرآنی آئے ان کی برکت سے روزوں کی راتوں میں بیویوں سے صحبت درست ہوئی اور کیوں نہ ہو کہ یہ حضرات اس نازنین محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام ہیں جن کی رضا کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا گیا۔ جن کی محبوبہ زوجہ عائشہ صدیقہ کی عصمت کی گواہی خود رب تعالیٰ نے دی جن کے خدام کی مقربیت کا یہ حال ہے تو خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کن منزلوں کن درجوں کے مالک ہوں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

پہلا اعتراض: غیر اولی الضرر بقاعدہ نحوی نکرہ ہے کیونکہ اولی غیر معرفہ کی طرف مضاف ہو کر بھی نکرہ رہتا ہے تو یہ القاعدون معرفہ کی صفت کیسے ہو گیا معرفہ کی صفت معرفہ چاہئے۔ **جواب:** غیر اولی الضرر القاعدون کا بدل ہے اور نکرہ معرفہ کا بدل ہو سکتا ہے۔ رب فرماتا ہے **بالناصیۃ ناصیۃ کاذبۃ** اگر صفت ہو جب بھی درست ہے۔ کیونکہ **القاعدون** میں الف لام عہد ذہنی ہے اور لام عہد ذہنی معرفہ نہیں کرتا لہٰذا **القاعدون** بھی نکرہ ہے اور غیر اولی الضرر بھی نکرہ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو جگہ ارشاد ہوا۔ **فضل اللہ المجاھدین** دو جگہ ایک مضمون لانے کی کیا ضرورت تھی ایک ہی جگہ کافی تھا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ پہلی جگہ **القاعدین** سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر جہاد سے بیٹھ رہیں اور دوسری جگہ **القاعدین** سے مراد وہ حضرات ہیں جو عذر و مجبوری کی وجہ سے جہاد میں شرکت نہ کر سکیں۔ لہٰذا یہ مضمون مکرر نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں پہلی جگہ ارشاد ہوا **علی القاعدین درجۃ** دوسری جگہ ارشاد ہوا درجات منہ بیان میں یہ اختلاف کیوں ہے۔ **جواب:** پہلی جگہ درجہ سے مراد جنس درجہ ہے جنس میں درجہ کے بہت انواع و افراد داخل ہیں۔ دوسری جگہ درجات سے مراد درجہ کے افراد ہیں وحدت جنسی ہے اور کثرت فردی لہٰذا ان دونوں میں فرق نہیں یا تو یہ کہ مجاہدین کو غیر معذور لوگوں پر بہت درجہ فضیلت حاصل ہے اور معذورین پر ایک درجہ عظمت ہے۔ اس صورت میں ترتیب ہو گی کہ پہلے قاعدین سے مراد

www.alahazratnetwork.org

معذورین ہوں گے اور دوسرے قاعدین سے مراد غیر معذور لوگ جو جہاد میں شرکت نہ کریں یا یہ کہو کہ پہلی جگہ دنیاوی فضیلت مراد ہے اور دوسری جگہ اخروی فضیلت مراد یعنی مجاہدین کو غیر مجاہدین پر دنیا میں تو ایک بزرگی ہے مگر آخرت میں بہت سی بزرگیاں خصوصی مغفرت و رحمت وغیرہ یا یہ کہو کہ پہلی جگہ مجاہدین سے مراد کفار کے مقابل تلوار سے جہاد کرنے والے ہیں انہیں بیٹھ رہنے والوں پر ایک درجہ فضیلت ہے یعنی غنیمت یا شہادت اور دوسری جگہ مجاہدین سے مراد شیطان و نفس امارہ سے جہاد کرنے والے ہیں ان مجاہدوں کو غیر مجاہدوں پر بہت درجہ فضیلت حاصل ہے اس لئے اس جہاد کو جہاد اکبر فرمایا گیا ہے کفار سے جہاد آسان ہے اور کبھی کبھی ہوتا ہے مگر نفس نابکار سے جہاد بہت مشکل ہے اور ہر وقت ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ جو غازی صحابہ حضور کے بغیر جہاد کرتے تھے ان کو قاعدین پر ایک درجہ فوقیت تھی اور جو حضور کے ساتھ جہاد میں شرکت کرتے تھے ان کو صدہا درجہ قاعدین پر فوقیت ہوتی تھی۔ حضور کے ساتھ کی عبادات علیحدہ عبادات سے کہیں بڑھ کر ہیں۔ جب مدینہ پاک مسجد نبوی کی ایک نیکی کا پچاس ہزار گنا ثواب ہے۔ صرف حضور انور کی قبر اطہر کے قرب کی وجہ سے تو جو سجدے حضور انور کے ساتھ ادا ہوئے ان کی عظمتوں کا کیا پوچھنا۔ اچھوں کی ہمراہی کا ثواب تمام ثوابوں سے زیادہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت علی شیر خدا جناب صدیق اکبر و عمر فاروق سے افضل ہیں۔ کیونکہ یہاں ارشاد ہوا کہ مجاہد غیر مجاہد سے اعلیٰ ہے اور حضرت علی نے بمقابلہ صدیق اکبر جہاد زیادہ کئے ہیں تو وہ حضرت صدیق سے افضل ہوئے (شیعہ)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ پھر تو حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہونے چاہئیں کہ علی مرتضیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ جہاد کئے کہ حضور کے ساتھ بھی جہادوں میں جاتے تھے اور بہت دفعہ حضور آپ کو جہاد میں بھیج دیتے تھے خود نہ جاتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت ابوبکر صدیق ان جہادوں میں ضرور شریک ہوئے جن میں حضور تشریف لے گئے۔ جن میں حضور تشریف نہ لے گئے ان میں خود حضور نے جناب صدیق کو اپنی صحبت و خدمت میں رکھا۔ یہ صحبت و خدمت ان کے لئے جہاد کی شرکت سے کہیں افضل تھی۔ اس آیت میں ان قاعدین کا ذکر ہے جو سستی کی بنا پر جہاد میں نہ جائیں افضلیت تو حضور کی رضاجوئی سے ملتی ہے حضرت علی مرتضیٰ غزوۂ تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ رکھے گئے دوسرے حضرات غزوہ میں گئے اس سے علی مرتضیٰ کی فضیلت میں کوئی فرق نہ آیا کہ آپ مدینہ پاک میں رہ کر جہاد میں شریک رہے حضور چاہیں تو گھر کو میدان جہاد بنا دیں چاہیں تو میدان جہاد کو گھر کر دیں ساری بہار ان کی رضا کی ہے۔ تیسرے یہ کہ خلافت صدیقی و فاروقی کے زمانہ میں بہت جہاد ہوئے اور علی مرتضیٰ کے زمانہ میں کفار سے کوئی جہاد نہ ہوا۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات پر ظاہر ہے لہٰذا اب بھی وہ دونوں حضرات افضل رہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت صدیق اکبر مدینہ پاک میں رہ کر بھی مجاہد رہتے تھے تبلیغ دین کی خدمات برابر کرتے رہتے تھے آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان، طلحہ، زبیر، سعد ابن ابی وقاص، عثمان ابن مظعون جیسے شاندار اصحاب ایمان لائے یہ تمام حضرات حضرت صدیق اکبر کے مسلمان بنائے ہوئے ہیں۔ خیال رہے کہ عشرہ مبشرہ جو قطعی جنتی ہیں وہ کل دس ہیں۔

ده یار بہشتی اند قطعی بوبکر و عمر عثمان و علی
سعد است و سعید بو عبیده طلحہ زبیر عبدالرحمٰن

اس مبارک جماعت کے اکثر و بیشتر حضرات ابوبکر صدیق کی کوشش سے اسلام لائے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

اے ابوبکر تیرے نعلین کی خاک پر ہماری جانیں قربان ہم روسیاہ گنہگاروں کو بھی اپنے دامن میں لے لے۔

تو ہے آزاد سقر سے ترے بندے آزاد ہے یہ سالک بھی ترا بندۂ بے زر صدیق

نوٹ: یہ سوال اور اس کے یہ جوابات اسی مقام پر تفسیر کبیر نے ذکر فرمائے اور یہاں بہت نفیس تقریر فرمائی رحمتہ اللہ علی مصنفہ۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن کریم میں یہاں ارشاد ہوا **المجاھدین باموالھم وانفسھم** یعنی مال کا ذکر جان کے ذکر سے پہلے ہوا۔ مگر دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنتہ** کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لئے۔ یہاں جان کا ذکر مال سے پہلے ہوا اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** وہاں اس آیت میں رب تعالیٰ کی خریداری کا ذکر ہے اور خریدار ہمیشہ اعلیٰ چیز پہلے لینا چاہتا ہے۔ ادنیٰ چیز اس کے تابع کر کے لیتا ہے اس لئے وہاں اعلیٰ چیز یعنی نفس مومن کا ذکر پہلے تھا مال مومن کا ذکر بعد میں ہوا یہاں تاجرین یعنی مجاہدین کا ذکر ہے جو رب کے ہاتھ اپنے سودے بیچ رہے ہیں اور ہمیشہ تاجر اپنی معمولی چیز پہلے فروخت کرتا ہے۔ اعلیٰ چیز بعد میں۔ وہ کہتا ہے کہ اعلیٰ چیز تو نکل ہی جائے گی پہلے ادنیٰ کو نکالو اس لئے یہاں اموال کا ذکر پہلے ہے جو ادنیٰ ہے اور نفس مومن کا ذکر بعد میں جو اعلیٰ ہے دونوں جگہ پر یہ ترتیب نہایت ہی موزوں و مناسب ہے (تفسیر کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو نبوت میں اور حضرات اولیاء اللہ کو ولایت میں برابری دی مگر ان کے درجات مختلف رکھے بعض غنی ہیں بعض اغنی بعض کبیر ہیں بعض اکبر تارے سارے نورانی ہیں مگر چاند زیادہ نورانی پھر سورج سب سے زیادہ نورانی کہ اس کے طلوع ہوتے ہی تمام تارے و چاند چھپ جاتے ہیں۔ یوں ہی جنت مشترک جگہ ہے جہاں واصلین' بالغین' طالبین' منقطعین' معذورین' عام مومنین قاعدین وغیرھم سب ہی ہوں گے مگر واصلین اور مقام پر ہیں اور قاعدین دوسرے مقام پر ہوں گے۔ یہ حضرات برابر نہیں۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

اے کمند بدن چو طفل صغیر ماند در دست خواب غفلت اسیر

پیش ازاں کت اجل کند بیدار گر نمردی ز خواب سر بردار

انما السائرون کل رواح یحمدون سری لدی الاصباح

اس میدان میں سبقت ہم سے ہے نہ کہ قدم سے اس جماعت میں داخل ہو جاؤ مجاہدین ہو یا قاعدین۔ انشاء اللہ بخشے جاؤ گے رب نے وعدہ فرمایا۔ **کلا وعد اللہ الحسنی** زندگی کی دو بڑی نعمتیں ہیں صحت و فراغت جو لوگ دنیا کے جھگڑوں میں پھنسے ہوئے ہیں وہ صوفیاء کی اصطلاح میں اولی الضرر یعنی بیمار ہیں اور جو دنیا سے فارغ ہیں وہ غیر اولی الضرر ہیں جسے اللہ تعالیٰ صحت بھی دے فراغت بھی' پھر وہ مجاہدہ نہ کرے تو وہ بڑے خسارے میں ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد میں جان و مال کا ذکر تو فرمایا مگر دل کا ذکر نہ کیا یہ نہ فرمایا کہ دلوں سے جہاد کرنے والے۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ جہاد جان و مال سے ہوتا ہے مگر دل کے لئے ہوتا ہے چوروں کا ہتھیاروں سے مقابلہ کرتے ہیں دولت بچانے کے لئے لہذا دل بچانے کے لئے جان و مال سے جہاد چاہئے۔ دوسرے یہ کہ اپنی چیز خرچ کی جاتی ہے نہ کہ دوسرے کی امانت رب تعالیٰ نے ہم کو اپنے جان و مال کا مالک کر دیا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ لہٰذا وہ جہاد میں خرچ کئے جائیں مگر ہمارے دل رب کی تجلی گاہ ہیں۔ اس کی امانت ہیں ہم اسے نہ جہاد میں خرچ کر سکیں نہ کسی اور کو اس میں بسا سکیں یہ کاشانہ یار ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ہم سے جنت کے عوض ہمارے جان و مال خریدے مگر دل نہ خریدا کیونکہ وہ تو ہے ہی اس کا ہمارا ہے ہی نہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا

بے شک وہ لوگ کہ موت دی انہیں فرشتوں نے ظلم کرتے ہوئے جانوں پر اپنی بولے فرشتے کس میں تھے تم وہ بولے

وہ لوگ جن کی جان فرشتے نکالتے ہیں اس حال میں کہ وہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے ان سے فرشتے کہتے

مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا

تھے ہم کمزور کئے ہوئے زمین میں۔ بولے فرشتے کیا نہ تھی اللہ کی زمین فراخ تاکہ ہجرت کر جاتے تم

تم کاہے میں تھے کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور تھے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم

فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا

اس میں یہ ہی لوگ ہیں کہ ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور برا ہے وہ ٹھکانا سوا ان

اس میں ہجرت کرتے تو ایسوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور بہت بری جگہ پلٹنے کی مگر وہ

الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ

کے جو کمزور کر دیئے گئے مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہ طاقت نہیں رکھتے کسی تدبیر کی

جو دبا لیے گئے مرد اور عورتیں اور بچے اور جنہیں نہ کوئی تدبیر بن پڑے نہ

حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ

اور نہ ہدایت پائیں راستہ کی پس یہی لوگ ہیں کہ قریب ہے کہ معاف کر

راستہ جانیں تو قریب ہے ایسوں کو اللہ معاف فرمائے

عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾

دے اللہ انہیں اور ہے اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا

اور اللہ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جہاد کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اب اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں ہجرت کی تاکید فرمائی جا رہی ہے ہجرت جہاد کیلئے ایسی ضروری ہے جیسے وضو نماز کیلئے کفار کے ملک میں رہ کر مسلمان کبھی جہاد نہیں کر سکتے پہلے مہاجر بنیں پھر مجاہد جیسا کہ صحابہ کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

حضرات مدینہ منورہ میں پہنچ کر مجاہد ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں انکے فضائل کا ذکر تھا جو جہاد میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیں اب اس آیت میں ان لوگوں کی برائی کا تذکرہ ہے جو جہاد سے بیٹھ رہیں اور کفار کے ملک میں دب کر رہنے سہنے پر راضی ہو جائیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مجاہدین کے گناہ خطائیں قصور جہاد کی برکت سے معاف ہو جاتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے جو کوئی قادر ہوتے ہوئے ہجرت نہ کرے اس کی نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ تمنا جہاد بھی بڑی نیکی ہے جو مجبور و معذور مسلمان جہاد کی آرزو کرے اللہ اس پر فضل فرماتا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جہاد نہ کرنا اس کی آرزو بھی رکھنا کفار کے ملک میں دب کر رہنے پر راضی رہنا رب تعالیٰ کا عذاب ہے تاکہ مسلمان پہلی نیکی کریں اور اس دوسرے گناہ سے بچیں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (1) طبرانی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ کچھ لوگ مکہ معظمہ میں مسلمان ہو گئے تھے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر مہاجرین نے ہجرت کی تو انہوں نے وطن و گھربار کی محبت میں ہجرت نہ کی انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (2) ابن جریر نے حضرت ضحاک سے روایت کی کہ بعض لوگ مکہ معظمہ میں ایمان لائے مگر مدینہ پاک ہجرت کر کے نہ آئے۔ جنگ بدر میں کفار مکہ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل آگئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے یہ منافقین کی ہی ایک قسم تھی انکے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ 3 حضرت عکرمہ سے مروی ہے کہ یہ آیت کریمہ قیس ابن فاکہہ ابن مغیرہ۔ حارث ابن زمعہ ابن اسود قیس ابن ولید ابن مغیرہ اور ابو العاص ابن منبہ ابن حجاج اور علی ابن امیہ ابن خلف وغیرھم کے متعلق نازل ہوئی جو مکہ معظمہ میں ایمان لے آئے تھے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت فرمانے کے بعد مرتد ہو گئے اور کفار مکہ کے ساتھ جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے (تفسیر روح المعانی و تفسیر کبیر و روح البیان و جلالین وغیرہ) خیال رہے کہ اوائل اسلام میں ہجرت فرض تھی جو کوئی بغیر وجہ ہجرت نہ کرتا وہ سخت گنہگار ہوتا تھا بلکہ اس کا اسلام بھی ناقابل قبول تھا فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا (روح البیان) حضور نے فتح مکہ کے دن اعلان فرمادیا کہ **لا ہجرۃ بعد الیوم** اب اسکے بعد ہجرت نہیں یعنی مکہ معظمہ سے مدینہ پاک کی طرف ہجرت نہیں۔ اب بھی اگر خدا نہ کرے کہیں ایسے حالات پیدا ہو جائیں جو فتح مکہ سے پہلے مکہ معظمہ کے تھے تو اب بھی بشرط قدرت ہجرت فرض ہے۔

تفسیر: ان الذین توفھم الملئکۃ چونکہ اس آیت کا مضمون یعنی ہجرت نہایت اہم تھا اس کی اہمیت ظاہر فرمانے کیلئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ کیونکہ بوقت ضرورت ہجرت ایسی ہی لازم ہوتی ہے، جیسے نماز و روزہ اس لئے کہ کفار کے ملک میں رہ کر مسلمان کوئی دینی کام آزادی سے نہیں کر سکتے اور فرض کا موقوف علیہ بھی فرض ہوتا ہے جیسے نماز کا موقوف علیہ وضو بھی فرض ہے یا یہاں ایک وہم دور فرمانے کیلئے **ان** ارشاد ہوا۔ شاید کوئی کہتا کہ مکہ معظمہ تو بہت متبرک مقام ہے نیز یہاں کعبہ، زمزم، مقام ابراہیم وغیرہ لہٰذا یہاں سے ہجرت نہ کرنی چاہئے فرمایا گیا **ان** بے شک یہاں سے ہجرت نہ کرنیوالے ظالم ہیں کیونکہ ڈھانچہ مکہ معظمہ میں ہے روح یعنی حضور انور مدینہ پاک میں یا برات یہاں ہے دولہا مدینہ منورہ میں **الذین** سے مراد وہ لوگ ہیں جو مکہ معظمہ میں کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے تھے پھر بلا عذر ہجرت نہ کر کے مجرم ہو گئے۔ خواہ مرتد ہو گئے یا منافق یا جنگ بدر

www.alahazratnetwork.org

میں مسلمانوں کے ہاتھوں مارے گئے غرضیکہ یہاں روئے سخن کفار کی طرف نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے توفٰیہا توماضی مطلق باب تفعل کا ہے یا مضارع ہے کہ اس کی پہلی تخفیف کیلئے اڑادی گئی اصل میں **تتوفاہم** تھا ہمارا ترجمہ اسکو ماضی مان کر ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسے مضارع مان کر ہے یہ توفی سے بنا بمعنی وفات یا موت دینا قرآن کریم میں وفات تین معنی میں استعمال ہوا ہے موت جیسے یہاں بے نیند رب فرماتا ہے **یتوفاکم باللیل** اور پورا کرنا یا پورا لینا رب فرماتا ہے **وابراہیم الذی وفی** اور فرماتا ہے **یا عیسی انی متوفیک** اس آیت میں بمعنی موت ہے ھم کا مرجع الذین ہے ملائکہ سے مراد یا تو حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں کہ وہ اگرچہ اکیلے ہیں مگر انکا احترام بہت ہے انکا احترام عظمت دکھانے کیلئے جمع کا لفظ ارشاد ہوا یا اس سے مراد حضرت عزرائیل بھی ہیں اور انکے معاون و مددگار فرشتے بھی جو جان نکالتے وقت اسکے ساتھ تشریف لاتے ہیں (کبیر خازن) خیال رہے کہ یہ معاون و مددگار فرشتے کل چھ ہیں جو ہر شخص کی قبض روح کے وقت ملک الموت علیہ السلام کے ساتھ جاتے ہیں، مومن کی روح ایک قسم کے تین فرشتے ساتھ میں قبض کرتے ہیں یا قبض کرنے کے بعد لیتے ہیں اور کافر کی روح دوسری قسم کے تین فرشتے قبض کرتے ہیں (روح المعانی و خازن وغیرہ) جمہور مفسرین کا قول یہی ہے کہ یہاں ملائکہ سے مراد صرف حضرت عزرائیل ہیں (روح المعانی) قرآن کریم میں موت دینے کو کہیں رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا گیا جیسے **اللہ یتوفی الانفس حین موتہا** اور کہیں فرشتوں کی طرف جیسے یہاں کیونکہ محبوب بندوں کا کام رب کا کام ہے اور رب کا کام بندوں کا کام ہے لہذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور نے ہم کو ایمان عرفان دیا **ظالمی انفسہم** یہ عبارت توفہم کی ضمیر ھم سے حال ہے چونکہ ظالمی کی اضافت انفس کی طرف بقاعدہ نحوی اضافت لفظی ہے اس لئے یہ نکرہ ہے اور نکرہ حال ہو سکتا ہے ظلم سے مراد یا تو کفر و نفاق ہے جیسا کہ شان نزول نمبر 2-3 سے معلوم ہوا یا گناہ ہے یعنی ہجرت نہ کرنا جیسا کہ شان نزول نمبر ا سے معلوم ہوا قرآن کریم میں کفر و شرک کو بھی ظلم فرمایا گیا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** اور گناہ کو بھی جیسے فمنہم ظالم لنفسہ نفس کی جمع ہے، بمعنی ذات یا جان ھم کا مرجع وہی الذین ہے جو پہلے مذکور ہوا یعنی وہ کلمہ گو مکہ کے باشندے جو باوجود قدرت کے مہاجر نہ بنے جنگ بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں مرتد یا منافق ہو کر مارے گئے یا جو مکہ معظمہ میں تارک ہجرت ہوتے ہوئے مرے جب فرشتوں نے انکی جان قبض کی اس حال میں کہ وہ اپنے نفس پر ظالم تھے مرتد یا منافق تھے یا سخت گنہگار تھے **قالوا فیما کنتم** یہ عبارت یا تو ان کی خبر ہے یا اس کی خبر فاؤلئک ہے یہ جملہ معترضہ کے طور پر درمیان میں لایا گیا ہے قالوا کا فاعل وہ جان نکالنے والے فرشتے ہیں فیما میں ما سے مراد حالت ہے یا جماعت یعنی ان فرشتوں نے ان مرنے والوں سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے یا کس جماعت میں تھے تم کفار کے ساتھ کیوں رہے یا جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل کیوں آئے **قالوا کنا مستضعفین فی الارض** یہ عبارت فرشتوں کے سوال مذکورہ کا جواب ہے جس میں معذرت بھی ہے اور اس مجبوری کا اظہار بھی جس کی وجہ سے انہوں نے ہجرت نہ کی یا وہ جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے کنا میں اپنی زندگی کے زمانہ کا ذکر ہے۔ مستضعفین باب استفعال کا اسم مفعول ہے یہاں استفعال مبالغہ کیلئے ہے اسکے معنی ہیں بہت ہی کمزور و مجبور الارض سے مراد زمین مکہ معظمہ ہے یعنی ہم نہ تو مکہ معظمہ میں رہ کر اپنے دین کے ارکان ادا کر سکے نہ وہاں سے ہجرت ہی کر سکے یا بہت ہی کمزور جس کمزوری کی وجہ سے وہ مجبوراً جنگ بدر میں مسلمانوں کے مقابل لائے گئے ورنہ وہ یہاں آنے پر تیار نہ تھے **قالوا الم تکن ارض اللہ واسعۃ فتہاجروا فیہا** یہ فرشتوں کا تردیدی جواب ہے یہ گفتگو ان ہی فرشتوں کی ہے جو جان نکالنے آئے ہوں الم میں

www.alahazratnetwork.org

استفہام انکاری ہو تو نفی ہے ارض ہے ارض اللہ میں زمین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف خلقت اور ملکیت کی ہے نہ کہ رہنے بسنے کی اس سے مراد یا حبشہ کی زمین ہے یا تمام وہ زمین جہاں رہ کر آزادی سے اسلام پر قائم رہا جاسکے یا ارض اللہ سے مراد خطہ مدینہ ہے کہ اگرچہ ساری زمین اللہ کی مخلوق ہے مگر جہاں اللہ کے محبوب رہتے بستے ہیں وہ اللہ کے ملنے اللہ کی رحمت کی زمین ہے جس محل میں بادشاہ کے زن و فرزند بسیں وہ بادشاہ کا گھر ہے کہ بادشاہ وہاں ہی رہتا ہے وہاں ہی ملتا ہے اگرچہ نوکروں چاکروں کے کوارٹر بھی بادشاہ ہی کی ملک ہیں۔ لہذا یہاں ارض اللہ سے مراد مدینہ منورہ ہے کہ یہاں اللہ کی رضا و رحمت ہے۔ **واسعة** وسعت سے بنا بمعنی فراخی و گنجائش یعنی تمہارا یہ عذر ناقابل توجہ ہے کیا اللہ کی مملوکہ مقبوضہ زمین گنجائش والی فراخ نہ تھی جہاں تم ہجرت کرکے چلے جاتے اور وہاں آزادی سے اللہ کی عبادت کرتے ضرور گنجائش تھی تم نے محض وطن گھر بار مال اولاد کی محبت میں ہجرت نہ کی یا یہ معنی ہیں کہ کیا اللہ کی زمین یعنی مدینہ منورہ وسیع نہ تھی جو باوجود چھوٹی بستی ہونے کے لاکھوں مہاجرین محتاج اور ہم جیسے گنہگاروں کو سنبھال لیتی ہیں کہ وہاں کوئی بے گھر بے زر بے زور بے سہارا نہیں رہتا۔

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے! غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

نیز زمین مدینہ میں خوبی ہے کہ وہ سب کو فیض دے دیتی ہے کسی کی برائی سے متاثر نہیں ہوتی جیسے سمندر ناپاکوں کو پاک تو کر دیتا ہے مگر خود نہ ناپاک ہوتا ہے نہ گدلا یا دھوپ کو ناپاک زمین کو پاک کر تو کر دیتی ہے مگر خود ناپاک نہیں ہوتی یہ ہے زمین مدینہ کی روحانی وسعت حدیث شریف میں زمین مدینہ کو بھٹی فرمایا گیا جیسے بھٹی گندے لوہے کو صاف و پاک کر دیتی ہے مگر خود گندی نہیں ہوتی ایسے ہی زمین مدینہ ہے یہ ہر حال زمین مدینہ وسعت والی بھی ہے اور روحانی وسعت والی بھی اس لئے اسے **واسعة** فرمایا گیا لہذا **فاولئک ماوٰهم جهنم** ظاہر یہ ہے کہ ف جزائیہ ہے یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزاء ماوا کے معنی ہیں ٹھکانہ اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب منافقین و مرتدین سے ہے کہ دوزخ کفار ہی کا ٹھکانہ ہوتا ہے نہ کہ گنہگار مسلمانوں کا یعنی جب ان مرنیوالوں اور فرشتوں کی گفتگو یہ ہوگی اور یہ مرنیوالے لاجواب و خاموش ہو جائیں گے تو انکا ٹھکانہ دوزخ قرار دیا جائے گا کہ قبر میں دوزخ انکے پاس پہنچے گا اور بعد قیامت میں وہ دوزخ میں رہیں گے **وساءت مصيرا** مصیر کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ لوٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بری پلٹنے کی جگہ ہے ساءت فعل ذم ہے اور ھی کا فاعل ممیز مصیرا اس کی تمیز اور ایک پوشیدہ ضمیر ہی ساءت کا مخصوص بالذم **الا المستضعفين من الرجال والنساء والولدان** یہ عبارت اولئک سے مستثنیٰ منقطع ہے مستضعفین سے مراد واقعی کمزور اور لاچار لوگ ہیں جو ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے خواہ مرد ہوں جیسے عیاش ابن ابی ربیعہ سلمہ ابن ہشام اور ولید ابن ولید وغیرھم یا عورتیں ہوں جیسے حضرت ام ہانی اور لبابہ بنت حارث یعنی ام الفضل جو عبداللہ ابن عباس کی والدہ ہیں یا چھوٹے مجبور بچے جیسے خود عبداللہ ابن عباس وغیرھم کا یہ حضرات کسی طرح ہجرت کرنے پر قادر نہ تھے کیونکہ **لا يستطيعون حيلة ولا يهتدون سبيلا** یہ ان کی ضعیف و کمزوری کا بیان ہے حیلہ سے مراد ہجرت کا سامان سواری توشہ و تندرستی وغیرہ ہے اور **سبيلا** سے مراد ہے مدینہ منورہ یا حبشہ کا راستہ جہاں ہجرت کرکے جانا چاہئے تھا یعنی وہ مجبور لوگ نہ تو اپنے پاس سامان سفری پاتے ہیں نہ انکو مدینہ پاک وغیرہ اسلامی ملکوں کے راستہ ہی کا پتہ ہے تاکہ وہاں پیدل ہی پہنچ جائیں نہ کوئی انہیں رہبر میسر ہے جو راستہ بتائے **فاولئک عسى الله ان يعفو عنهم** ف تعقیلیہ یا تعقیب کی ہے **اولئک** سے اشارہ انہیں مجبوروں معذوروں کی طرف ہے عسیٰ امید دلانے کیلئے ہے اور کریم کا امید دلانا بھی وعدہ ہوتا ہے عفو سے مراد یا تو ہجرت نہ کرنے

www.alahazratnetwork.org

کا گناہ معاف فرماتا ہے یا مجبوراً جنگ بدر میں لائے جانے کا گناہ پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں اگرچہ دوسرے معنی کی بھی گنجائش ہے یعنی ایسے مجبور معذور لوگوں کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انکو معافی دیدے۔ **وکان اللہ عفوا غفورا** یہ جملہ عسی اللہ کی دلیل ہے جیسے مضمون کا ذکر ہو چکا ہو اس قسم کی رب تعالیٰ کی صفات پر آیت کا ختم فرمانا مناسب ہوتا ہے چونکہ ابھی معافی کا ذکر تھا اس لئے یہاں عفو و مغفرت پر آیت ختم فرمائی گئی۔ عفو اور مغفرت دونوں قریب المعنی ہیں جن میں مختلف طرح فرق کیا جاتا ہے چھوٹے گناہ معاف فرمانا عفو ہے بڑے گناہ معاف فرمانا مغفرت دنیا میں معاف فرمانا عفو ہے آخرت میں پکڑ نہ فرمانا مغفرت ہے بالکل معاف کر دینا عفو ہے گناہ چھپا لینا کہ اس پر کسی کو اطلاع نہ ہو مغفرت یقینی گناہ معاف فرما دینا عفو ہے اور مشکوک مشتبہ گناہ بخش دینا مغفرت۔ بغیر توبہ کئے معاف فرما دینا عفو ہے توبہ قبول فرما کر معاف فرما دینا مغفرت۔ بہرحال عفو اور غفور مکرر میں یعنی ان تمام معافیوں کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمانو جیسے جہاد اسلام کا بڑا اہم فریضہ ہے کہ ضرورت کے وقت ہر قادر پر جہاد لازم ہے ایسے ہی دار الکفر سے ہجرت کر جانا اور وہاں جا کر رہنا جہاں اسلامی آزادی ہو فرض ہے۔ جو لوگ قادر ہوتے ہوئے بھی ہجرت نہیں کرتے یا جن مکہ والوں نے کلمہ پڑھ لیا اور باوجود قادر ہونے کے ہجرت نہ کی اسی حال میں ان کو موت آگئی یا مسلمانوں کے مقابل آئے اور مسلمانوں کے ہاتھوں مر گئے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب فرشتے انکی جان نکالنے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں تم کس حال میں تھے کفر پر یا اسلام میں یا تم کس قوم سے تھے کافر قوم سے یا مسلم قوم سے تو یہ لوگ کہتے کہ ہم تھے تو مسلمان مگر زمین کفر میں مجبور ارہتے تھے اسی لئے احکام اسلام پر عمل نہ کر سکے یا اس لئے کفار کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل مجبوراً لائے گئے فرشتے کہتے ہیں تم جھوٹے ہو تم مجبور نہ تھے کیا اللہ کی زمین فراخ نہ تھی کہ تم کسی اسلامی ملک میں یا امان کی جگہ چلے جاتے وہاں رہ کر آزادی سے اسلامی کام کرتے تم نے محض مال اولاد گھر بار وطن کی محبت میں ہجرت نہ کی اس جواب پر یہ لوگ خاموش ہو جاتے ہیں ایسے بہانہ بازوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور تم کو خبر ہی ہے کہ دوزخ تو بہت ہی بری جگہ ہے ہاں مجبور معذور مرد عورتیں بچے جن کے پاس نہ تو سامان سفر تھا کہ وہ ہجرت کر جاتے نہ انہیں کسی اسلامی ملک مدینہ منورہ حبشہ وغیرہ کا راستہ ہی معلوم تھا کہ وہاں پیدل پہنچ جاتے ایسے معذوروں کے متعلق امید کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں معافی دیدے وہ بڑا ہی غفور رحیم ہے معافی دینا بخشنا اس کی عادت ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں اور میری والدہ ام الفضل انہیں مجبوروں میں تھے جنکا یہاں استثناء فرمایا گیا مسلم بخاری میں حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دوسری رکعت کے رکوع سے جب سر اٹھاتے تو دعا کرتے الٰہی ولید ابن ولید مسلمہ ابن ہشام عیاش ابن ربیعہ اور دیگر مکہ میں پھنسے ہوئے ضعیف مسلمانوں کو نجات دے الٰہی مضر قبیلہ پر سخت پکڑ فرما ان پر یوسف علیہ السلام کے زمانہ کی قحط سالی بھیج دے (تفسیر خازن) غرضیکہ واقعی معذور ہو نا اور چیز ہے اور اپنے کو معذور سمجھ لینا اور چیز۔ واقعی معذور کی معافی ہے۔ دوسروں کو پکڑ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: اگر اپنے وطن میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہ ملے اور ان میں ہجرت پر قدرت ہو تو ایسی حالت میں وطن چھوڑ دینا وہاں سے ایسے ملک کی طرف چلا جانا جہاں مذہبی آزادی ہو فرض ہے جیسا کہ فرشتوں کی اس گفتگو اور حق تعالیٰ کے اس فرمان عالی سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: جو شخص ہجرت پر قادر نہ ہو

www.alahazratnetwork.org

اسے دار الکفر میں ہی رہنا اور بقدر طاقت اسلام پر عمل کرنا درست ہے اس پر اس کی پکڑ نہیں جیسا کہ **الا المستضعفین** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جان نکالنے کیلئے صرف حضرت عزرائیل علیہ السلام ہی میت کے پاس نہیں آتے بلکہ انکے ساتھ انکے مددگار معاون دوسرے فرشتے بھی آتے ہیں جیسا کہ الملائکۃ جمع فرمانے سے معلوم ہوا جیسے آج آپریشن کے وقت آپریشن کرنے والے ڈاکٹر کے ساتھ کمپوڈر نرسیں وغیرہ ہوتی ہیں جو ڈاکٹر کی مدد کرتی ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** حضرت ملک الموت اور یہ فرشتے عالم کے ذرہ ذرہ میں حاضر و ناظر ہیں۔ دیکھو ایک وقت ہزارہا بلکہ صدہا انسان و جانور مرتے ہیں مگر یہ فرشتے سب جگہ پہنچ کر جان نکالتے ہیں۔ ساری دنیا انکے سامنے ایسی ہے جیسی کھانے والے کے آگے دستر خوان کہ جہاں سے چاہا لقمہ اٹھا لیا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر ناظر ماننا کفر و شرک نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** جان نکالنے والے فرشتے جان نکالنے سے پہلے مرنے والے سے بات چیت بلکہ مناظرہ کرتے ہیں مجرموں سے غضب کا کلام کرتے ہیں مقبولوں سے رحمت کی گفتگو پھر جان نکالتے ہیں۔ غضب کے کلام کا یہاں ذکر ہے رحمت کے کلام کا اس آیت میں ذکر ہے **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک۔** **چھٹا فائدہ:** مکہ مکرمہ سے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تو فتح مکہ تک مسلمانوں کو بغیر سخت مجبوری مکہ معظمہ میں رہنا حرام ہو گیا تھا اس لئے نہیں کہ وہاں اسلامی آزادی مسلمانوں کو میسر نہ تھی بلکہ اس لئے کہ مکہ کو اس وقت حضور نے چھوڑ دیا تھا ورنہ اسلامی آزادی نہ ہونا تو حضور کی ہجرت سے پہلے بھی تھا فتح مکہ کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا تھا دیکھو رب تعالیٰ نے اس زمانہ میں مکہ معظمہ رہنے والے مسلمانوں کو ظالمی انفسہم فرمایا حالانکہ اس وقت کعبہ معظمہ، سنگ اسود، مقام ابراہیم، زمزم، منیٰ، مزدلفہ سب کچھ مکہ معظمہ میں موجود تھا اور مکہ معظمہ وہ جگہ ہے جہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے معلوم ہوا کہ حضور انور دولہا ہیں اور باقی کعبہ وغیرہ برات اور برات کی عزت دولہا کے دم سے ہے ایسے جس عالم کے پاس علم و عمل، قرآن و حدیث سب کچھ ہو مگر اسکے دل میں حضور کی عظمت و توقیر نہ ہو اس عالم سے دور بھاگنا لازم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ملک الموت اور انکے مددگار فرشتوں کو انسانوں کے تمام نیک و بد اعمال کی خبر ہے جیسا کہ فرشتوں کی اس گفتگو سے معلوم ہوا کہ ان فرشتوں کو خبر ہے کہ ان لوگوں پر ہجرت فرض تھی مگر انہوں نے نہ کی تب ہی تو اس مرنے والے پر یوں عتاب کر رہے ہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہمارے تمام نیک و بد اعمال کی خبر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اعلم الخلق ہیں کیا تم کو نہیں خبر کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان قبر والوں پر عذاب ہو رہا ہے وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ایک چرولا تھا پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا، دوسرا چغل خور تھا حضور ہمارے دلوں کے راز سے خبردار ہیں۔ ع

اے رخ تو صبح انوار ظہور چشم تو بینندۂ مافی الصدور!

رب تعالیٰ کاتبین فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے **یعلمون ما تفعلون۔** کاتب تقدیر فرشتہ ماں کے پیٹ میں ہی بچے کی سعادت بدبختی اسکے اعمال، عمر وغیرہ لکھ جاتا ہے وہ سب کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے کام اسکے نیک بندوں کی طرف منسوب ہو سکتے ہیں۔ دیکھو موت دینا اللہ کا کام ہے فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس حین موتہا** مگر یہاں فرمایا گیا کہ فرشتے موت دیتے ہیں دوسری جگہ فرماتا ہے **قل یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم** ایک ہی لفظ یتوفی اللہ تعالیٰ کا بھی فعل قرار دیا گیا اور ملک الموت کا بھی اور اس فرشتوں کا بھی دیکھو مردہ کو زندہ کرنا بیماروں کو شفا دینا اللہ

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کا کلام ہے مگر جناب عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ باذن پروردگار میں مردے جلاتا ہوں اندھے کوڑھے اچھے کرتا ہوں (قرآن مجید) لہذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو ایمان عزت دیتے ہیں حضور بہ اذن پروردگار ہم کو جنت دیں گے دوزخ سے بچائیں گے انہیں کے رب کی قسم اللہ کی ہر نعمت سب کو انہیں کے ہاتھوں ملتی ہے صحابہ کرام نے تو حضور سے جنت مانگی ہے کیا دنیا کی مال و دولت لولاد جنت سے بڑھ کر ہے۔

بخشی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی   لاؤ رب الیت جو جس کو ملا ان سے ملا

نواں فائدہ: تقیہ کرنا یعنی ایمان چھپا کر کفارہ میں رہنا حرام ہے۔ تقیہ اسلام کے خلاف ہے اگر تقیہ کی کچھ حقیقت ہوتی تو فرشتے مکہ معظمہ میں رہ جانے والوں پر یہ عتاب نہ کرتے بلکہ انکی تعریف کرتے کہ تم نے اچھا کیا کہ تقیہ کر کے مکہ معظمہ میں رہے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین مکہ معظمہ سے ہجرت نہ کرتے بلکہ وہاں ہی تقیہ کر کے رہتے لہذا اگر خلفاء ثلثہ کے زمانہ حجاز خصوصاً حرمین شریفین دارا لکفر بن گئے تھے کہ وہاں قرآن کریم کی تحریف ہو رہی تھی خلافت غصب ہو چکی تھی تو حضرت علی مرتضیٰ پر واجب تھا کہ یا ان سے جہاد کرتے یا وہاں سے ہجرت کر جاتے انکی خوشامدیں کر کے وہاں مدینہ پاک میں نہ رہتے جب علی مرتضیٰ پر واجب تھے کہ یا ان سے جہاد کرتے یا وہاں سے ہجرت کر جاتے انکی خوشامدیں کر کے وہاں مدینہ پاک میں نہ رہتے جب علی مرتضیٰ حضرت معاویہ سے بغاوت کی بنا پر اور امام حسین یزید پلید سے فسق کی بنا پر جنگ کر سکتے تھے ان کو خلفاء ثلثہ سے بھی جنگ کرنا ضرور چاہئے تھا۔ دسواں فائدہ: جو معذور مسلمان دارا لکفر سے ہجرت نہ کر سکیں کہ اور جگہ انہیں رہنے سہنے کی اجازت نہ ملے یا انہیں دارالسلام کے راستہ کی خبر نہ ہو وہ ہجرت نہ کرنے سے گناہگار نہیں ہو گا جیسا کہ یہاں **الا المستضعفین** سے معلوم ہوا۔ گیارھواں فائدہ: گناہگار مسلمان بھی سزا کیلئے دوزخ میں جائیں گے اور بہت عرصہ کیلئے دوزخ ان کا ماویٰ و ٹھکانا ہو گا جیسا کہ لو لیک کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کیونکہ صرف معذوروں کا استثناء فرمایا گیا ہے۔ **الا المستضعفین** غیر معذور مسلمان اس سزا میں داخل رکھے گئے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہت سے فرشتے جان نکالتے ہیں کیونکہ ملئکتہ جمع ارشاد ہوا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف ایک فرشتہ جان نکالتا ہے رب فرماتا ہے **قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم** اور تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ خود رب تعالیٰ موت دیتا ہے کہ فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس**۔ ان میں سے کونسی آیت درست ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: تینوں آیات درست ہیں رب تعالیٰ حقیقۃً موت دینے والا ہے خالق زندگی و موت وہی ہے حضرت ملک الموت یقیناً موت دیتے ہیں کہ جان قبض کرتے ہیں روح کو جسم سے کھینچ کر نکالتے ہیں انکے مددگار فرشتے جان نکالنے میں انکی مدد کرتے ہیں یہ تین آیتیں تین عمل کے متعلق ہیں۔

لطیفہ: اس زمانہ کے بعض نادان مفسرین نے کہا ہے کہ ایک ملک الموت تمام کی روحیں قبض نہیں کرتے بلکہ اس کام کیلئے فرشتوں کی ایک جماعت مقرر ہے جنکے حلقے اور امیر بے مقرر ہیں۔ ہر حلقہ کے الگ فرشتے اور ان نادانوں نے اس آیت سے دلیل پکڑی ہے اور انہیں یہ دردسری اس لئے کرنی پڑی تاکہ ملک الموت علیہ السلام کو تمام جہان میں حاضر ناظر نہ ماننا پڑے کہ ایک فرشتہ سب جگہ کیسے پہنچتا ہے اور جانیں کیسے نکالتا ہے مگر ان بزرگوں نے یہ نہ سوچا کہ قرآن کریم دوسری جگہ فرما رہا ہے

قل یتوفا کم ملک الموت الذی و کل بکم وہاں ملک واحد ہے معلوم کہ ایک ہی فرشتہ سب کی جان نکالتا ہے نیز اگر ایک حلقہ میں بہ یک وقت چند جگہ لوگ مریں تو اس حلقہ کے فرشتے ان تمام جگہوں میں حاضر ناظر ہو گئے کہ انہوں نے بیک وقت اپنے حلقہ میں مختلف مقامات پر پہنچ کر جانیں نکالیں مثلاً ضلع گجرات پر جو فرشتے جان نکالنے کیلئے مقرر ہیں اگر ہمارے اس ضلع میں آج دوپہر بارہ بجے سرائے عالمگیر اور جلالپور جٹاں اور دریائے چناب میں لوگ مریں تو یہ فرشتے ایک ہی وقت میں ان مقامات پر موجود ہو گے۔ **دوسرا اعتراض:** جب معذور و مجبور لوگ ہجرت نہ کرنے پر گنہگار ہی نہیں تو انکے متعلق یہ کیوں فرمایا گیا کہ **عسی اللہ ان یعفو عنہم** ممکن ہے کہ اللہ انہیں معاف فرمائے معافی تو گناہ کی ہوتی ہے اور وہ گناہگار نہیں پھر معافی کیسی **جواب:** کبھی کوئی شخص حقیقتہً معذور نہیں ہوتا مگر غلطی سے اپنے کو معذور سمجھ لیتا ہے اور ہجرت نہیں کرتا اسکے گنہگار ہونے کا خطرہ ہے اس لئے یہ ارشاد ہوا پھر ہجرت کی اہمیت دکھانے کیلئے عسی اللہ فرمایا یعنی اسے اپنی مغفرت کا یقین نہ چاہئے صرف رب کے کرم سے امید ہی چاہئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت میں توفاٰ اور قالوا ماضی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ گفتگو اور سزائیں صرف مکہ معظمہ کے مسلمانوں سے متعلق ہیں آئندہ ہجرت نہ کرنے والوں کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یا تو یہ صیغے لفظاً ماضی ہیں معنی دوام استمرار کیلئے یا ماضی بمعنی مضارع ہیں اور اگر ماضی ہی ہوں تب بھی علت مشترک ہونے سے حکم بھی مشترک ہو جاتا ہے لہٰذا جو بھی بوقت فرضیت ہجرت۔ بلا وجہ گھر میں بیٹھا رہے اور اس عتاب و سزا میں داخل ہے۔ بہرحال آیت کریمہ بے غبار ہے۔

سعدیا حب وطن گرچہ حدیث است صحیح نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتوں کو ہر انسان کے ہر نیک و بد اعمال بلکہ دلی احوال کی خبر ہے کہ وہ بہانہ باز معذوروں سے تو عتابانہ گفتگو کرتے ہیں اور واقعی معذورین سے یہ گفتگو نہیں کرتے تو فرشتوں اور خدا میں فرق کیا ہوا علم غیب تو خدا کی صفت ہے بندوں میں اس کا ماننا شرک ہے۔ **جواب:** کسی بندے میں خدا کا سا علم قدرت سمع بصر ماننا شرک ہے بے نیازی والا علم حیوۃ سمع بصر رب کی صفت ہے اور نیاز مندی والی یہ صفات بندوں کی صفات ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جسمانی ہجرت تو کسی کسی پر کبھی فرض ہوتی ہے مگر روحانی ہجرت ہر مسلمان پر ہر وقت ضروری ہے وطن چھوڑنا جسمانی ہجرت ہے اور نفسانی خواہشات کا ترک حب دنیا اور دنیاوی دوستوں سے تعلق توڑنا ہجرت روحانی ہے اسکی طرف حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا کہ مہاجر وہ ہے جو اللہ رسول کی نافرمانی چھوڑ دے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں جس کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا نہ ہو وہ واجب الترک ہے اگرچہ کتنا ہی اعلیٰ معلوم ہوتا ہو دیکھو مکہ معظمہ میں کعبہ سنگ اسود، مقام ابراہیم اور دیگر تمام متبرک چیزیں موجود تھیں مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہاں سے نکل گئے تو ان متبرکات کے باوجود مکہ میں رہنا شقاوت و ظلم ہو گیا اور پھر جب حضور نے مکہ فتح فرمالیا تو مکہ میں رہنا سعادت ہو گیا کہ اب وہاں کی ایک عبادت ایک لاکھ کے برابر ہو گئی یہ سب حضور کے دم کی بہار ہے۔ جس عالم کی سینہ میں عالم اور ظاہر میں تقویٰ وغیرہ سب کچھ ہو مگر اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت نہ ہو وہ فتح مکہ سے پہلے والا مکہ ہے۔ جس سے دور رہنا ضروری ہے ایسے لوگ جو روحانی ہجرت نہ کریں ان سے بوقت موت فرشتے کہتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے وہ کہتے ہیں ہم معذور رہتے جب دنیا سے قطع تعلق نہ

www.alahazratnetwork.org

کر سکتے تھے تب فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین تنگ تھی تم نے قبر سے منتقل ہو کر دل کی دنیا کیوں نہ بسائی ایسے لوگوں کیلئے رب سے دوری کا دوزخ اور یہ بڑی بری پلٹنے کی جگہ ہے یہ نہ سمجھو کہ ہجرت ختم ہو گئی تا قیامت یہ ہجرت باقی رہیگی۔ خلاصہ یہ ہے کہ جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خالی ہو جائے اس کا چھوڑ دینا اس سے ہجرت کر جانا ضروری ہے جب مکہ معظمہ ان سے خالی ہو گیا تو اس کا چھوڑ دینا مسلمانوں پر فرض ہو گیا جب سجدہ نماز مسجد تلاوت علم تصوف ان سے بے تعلق ہو جائے تو اس سے کنارہ کشی ضروری ہے۔

گر بہ لوائے نماز تو نہ شوی بے نقاب — ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب

مکہ سے جب مدینہ شہ بحر و بر چلے — کعبہ پکار اٹھا مجھے ویران کر چلے

آباد وہی دل ہے جس میں تمہاری یاد ہے — جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِى الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا

اور جو کوئی ہجرت کرے اللہ کی راہ میں وہ پائے گا زمین میں جگہ بہت اور

اور جو اللہ کی راہ میں گھر بار چھوڑ کر نکلے گا وہ زمین میں بہت جگہ اور گنجائش

وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ

گنجائش اور جو نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتا ہوا طرف اللہ اور اس کے رسول کے پھر

پائے گا اور جو اپنے گھر سے نکلا اللہ و رسول کی طرف ہجرت کرتا ہے پھر اسے

يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا

پالے اس کو موت پس بے شک واقع ہو گیا ثواب اس کا اوپر اللہ کے اور اللہ بخشنے والا

موت نے آ لیا تو اس کا ثواب اللہ کے ذمہ پر ہو گیا اور ہے اللہ بخشنے والا

رَّحِيْمًا ۟

مہربان ہے

مہربان

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں بلا عذر ہجرت نہ کرنے والوں پر عتاب تھا اب ہجرت کی رغبت دی جا رہی ہے ترہیب کے بعد ترغیب ہے۔ بعض لوگ ڈر سے اطاعت کرتے ہیں۔ بعض لالچ سے۔ ڈر والوں کے لئے پچھلی آیت تھی۔ لالچ والوں کے لئے یہ آیت ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ترک

ہجرت پر اخروی وبال کا ذکر تھا کہ ان کو مرتے وقت اور مرنے کے بعد اس جرم کی یہ سزا ملے گی اب اس آیت میں ہجرت کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہے کہ مہاجر انشاء اللہ آرام سے رہتا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ہجرت کے لئے فی سبیل اللہ کی قید لگائی گئی تھی کہ اس سے محض رضاء الٰہی مقصود ہونی چاہئے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہجرت میں دنیاوی نفع بھی مل جائے تو اس سے ثواب کم نہ ہوگا جبکہ مہاجر کی نیت میں اخلاص ہو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ان کا ذکر تھا جو ہجرت کر کے گھر سے نکلیں ہی نہیں۔ اب ان کا ذکر ہے جو مہاجر ہو کر گھر سے نکل تو جائیں مگر منزل مقصود پر پہنچیں نہیں ابتداء نہ کرنے والوں کا ذکر پہلے تھا انتہا تک نہ پہنچنے والوں کا ذکر اب ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) جب پچھلی آیت **ان الذین توفھم** نازل ہوئی تو کسی طرح یہ آیت **مکہ معظمہ** کے مسلمانوں نے سن لی ان سننے والوں میں حضرت جندع ابن ضمیرہ لیثی بھی تھے جب انہوں نے آیت سنی تو اپنے بچوں کو بلا کر فرمایا کہ مجھے ہجرت سے کوئی مانع موجود نہیں ہے۔ صاحب مال بھی ہوں اور مدینہ منورہ کے راستہ سے خبردار بھی ہاں بہت بوڑھا ہوں۔ اونٹ پر بیٹھ نہیں سکتا تم مجھے اونٹ پر پالان رکھ کر اس میں سوار کر دو اونٹ کو مدینہ پاک کی طرف ہانک دو اور مجھے **ارحم الرحمین** کے حوالہ کر دو۔ اب میں **مکہ معظمہ** میں ایک رات بھی نہ گذاروں گا بچوں نے بہت کچھ منع کیا مگر آپ نہ مانے آخر کار ان کے لڑکوں نے ان کی ہدایت کے بموجب انہیں اونٹ پر سوار کر کے اونٹ کو مدینہ کی طرف ہانک دیا۔ آپ پہلی منزل مقام تنعیم پر ہی پہنچے تھے کہ آپ کو موت کے آثار معلوم ہوئے آپ نے اپنا بایاں ہاتھ اٹھایا اور بولے کہ یہ ہاتھ میرا ہے اور داہنا ہاتھ اٹھایا بولے یہ ہاتھ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ الٰہی تو گواہ رہنا کہ میں ہجرت پر تیرے رسول سے بیعت کرتا ہوں یہ کہہ کر وفات پا گئے جب وفات کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو صحابہ کرام کو بہت صدمہ ہوا۔ بولے کاش کہ جندع مدینہ منورہ آکر وفات پاتے انہوں نے ہجرت کی مگر پوری نہ کر سکے اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی، خازن، روح البیان، صاوی)۔ (۲) ابن ابی حاتم نے حضرت زبیر سے روایت کی کہ خالد ابن حزام **مکہ معظمہ** سے ہجرت کر کے حبشہ روانہ ہوئے راستہ میں انہیں سانپ نے کاٹ لیا جس سے ان کی وفات ہوگئی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی)۔ امام شعبی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ یہ آیت کریمہ **اکثم ابن صیفی** کے متعلق نازل ہوئی جو مسلمان ہو کر مدینہ پاک چلے راہ میں وفات پا گئے (روح المعانی)۔

تفسیر: **ومن یھاجر فی سبیل اللہ** جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے من سے مراد ہر مسلمان ہے مرد ہو یا عورت بوڑھا ہو یا جوان کیونکہ کافر کی نہ ہجرت قبول نہ کوئی اور عمل۔ یھاجر مہاجرت سے بنا بمعنی چھوڑنا یہاں وطن چھوڑنا مراد ہے پھر وطن چھوڑنا ملازمت کاروبار وغیرہ بہت سے دنیاوی کاموں کے لئے ہوتا ہے مگر ثواب اس وطن چھوڑنے کا ہے جو رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے ہو کہ اپنے وطن میں عبادات کرنے کی آزادی نہ ہو کفار کا زور ہو تو ایسے مقام پر جا رہے جہاں آزادی سے رب کی عبادت اسلامی احکام پر عمل ہو صرف اس نیت سے ہجرت ہو اس لئے **فی سبیل اللہ** کی قید لگائی **یجد فی الارض مرٰغما کثیرا** **وسعۃ** یہ عبارت من مذکور کی خبر ہے۔ یجد متعدی بہ یک مفعول ہے مراغم اسم مفعول بمعنی ظرف ہے رغام سے بنا بمعنی مٹی اس لئے مٹی میں ناک رگڑنے کو رغم الانف کہتے ہیں۔ مراغم کے معنی ہوئے مٹی کی جگہ اصطلاح میں

www.alahazratnetwork.org

منزل یا ہجرت گاہ یا ٹھکانا کہ کہتے ہیں کہ وہ بھی زمین کا ایک حصہ ہی ہوتا ہے۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ مراغم سے مراد ہو وہ جگہ جہاں مہاجر پہنچے تو اس کے ہم وطن کفار کی ناک رگڑ جائے وہ ذلیل ہو جائیں کہ وہ تو اس مہاجر کو پریشان کرنا چاہتے تھے مگر یہ آرام کی جگہ میں آزادی سے رہنے لگا (کبیر روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ کثیر مراغم کی صفت ہے اور سعۃ مراغما پر معطوف ہے اس سے مراد ہے وسعت رزق وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ یہ وعدہ مہاجرین مکہ کے لئے تھا جو پورا ہو چکا یعنی جو مکہ میں مسلمان ہو جانے والا رضاء الٰہی کے لئے ہجرت کرے گا۔ اس سے ہمارا وعدہ ہے کہ اسے اس زمین حجاز یا حبشہ وغیرہ میں بہت جگہ ملے گی اور وہاں اسے گنجائشیں بھی میسر ہوں گی ہم اسے پریشان نہ ہونے دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ مہاجرین مکہ بحمدہ تعالیٰ حبشہ یا مدینہ منورہ جا کر آرام سے رہے۔ **ومن یخرج من بیتہ مہاجرا الی اللہ ورسولہ** یہ نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ پہلے جملہ پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو پہلے مہاجرین کو دنیاوی نفع کا وعدہ دیا گیا تھا اب ان سے اخروی وعدہ فرمایا جا رہا ہے من سے مراد یا مہاجر مکی ہی ہیں یا عام مہاجر تا روز قیامت عربی میں بیت کوٹھڑی کو کہتے ہیں۔ اور دار پورے گھر کو اور منزل پوری کوٹھی کو جس میں اصطبل اور نوکروں کے کوارٹر وغیرہ سب ہوں یہاں بیت فرما کر یہ بتایا کہ انسان بارادہ ہجرت اپنی کوٹھڑی سے نکلنے پر گھر کے دروازے پر پہنچ کر ہی مہاجر ہو جاتا ہے جیسے حاجی بارادہ حج گھر سے نکلتے ہی حاجی اور مقبول الدعا بن جاتا ہے اس لئے اس وقت ہی اس سے دعا کراتے ہیں۔ مہاجرا "یخرج" کی ضمیر سے حال ہے۔ **الی اللہ ورسولہ** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **الی اللہ** سے مراد وہ جگہ ہے جہاں یہ اللہ اللہ کرنے کی آزادی حاصل کرنے جا رہا ہے تو گویا رب تعالیٰ ہی کی طرف جا رہا ہے جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا **انی ذاھب الی ربی سیھدین** اور **ورسولہ** اس کا عطف بیان ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ کی طرف یعنی رسول اللہ کی خدمت میں ہجرت کر کے جائے دوسرے یہ کہ الی اللہ برکت کے لئے ہے اصل میں **الی رسولہ** کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت کر کے رسول اللہ کے پاس جائے جو حقیقت میں اللہ کے پاس جانا ہے ان دونوں صورتوں میں اس سے مراد مہاجرین مکہ ہوں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہجرت کر کے حاضر ہوتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہجرت الی اللہ و رسولہ سے مراد ہو اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے ترک وطن کرنا تو یہ آیت تا قیامت سارے مخلصین مہاجرین کے لئے ہو گی تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں کہ اگرچہ اس آیت کا شان نزول خاص ہے مگر الفاظ شریفہ عام ہیں۔ **ثم یدرکہ الموت ثم محض عطف و تعقیب** کے لئے ہے دیر و تراخی کی قید نہیں مطلب یہ ہے کہ مدینہ منورہ یا منزل مقصود پر پہنچنے سے پہلے اسے موت آجائے یا گھر کے دروازے پر یا جنگل میں خواہ پرانی بیماری و کمزوری کی وجہ سے موت آجائے یا کسی فوری حادثہ سے غرضیکہ موت آنا سب کو شامل ہے۔ خیال رہے کہ یہ جملہ یخرج پر معطوف ہے اور **یدرکہ** کی ضمیر من کی طرف لوٹ رہی ہے یدرکہ الموت فرما کر یہ بتایا۔ کہ اسے موت پکڑے وہ موت کو نہ پکڑے خودکشی نہ کرے۔ **فقد وقع اجرہ علی اللہ** یہ عبارت **من یخرج** کی خبر ہے چونکہ من میں شرط کے معنی تھے اس لئے یہاں خبر میں ف آئی وقع معنی ثبت یا معنی وجب یا معنی لزم ہے اجرہ سے مراد ہجرت کا ثواب ہے یعنی تو یقیناً اس کی ہجرت کا ثواب اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر واجب ثابت لازم ہو گیا اور وہ شخص مہاجر بن گیا اس کی ہجرت قبول ہو گئی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز بذات خود لازم و واجب نہیں مگر جب وہ کریم خود ہی اپنے کرم سے کسی کے لئے جزاء واجب و لازم فرمائے تو اس کا کرم ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اللہ کے وعدے سچے ہیں اس لئے آگے مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا کہ یہ واجب و لازم ہونا اس کریم و رحیم کی

www.alahazratnetwork.org

رحمت و کرم سے ہے۔ **وکان اللہ غفورا رحیما**۔ اس جملہ کے معانی بار ہا بیان ہو چکے ہیں کان دوام و استمرار کے لئے ہے غفور کے معنی ہیں گناہ بخشنے والا رحیم کے معنی ہیں۔ بندوں پر رحمت و کرم فرمانے والا کہ انہیں بغیر ان کے حق کے کروڑوں نعمتوں سے نوازتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بخشنے والا مہربان ہے اس میں اس جانب اشارہ ہے کہ اس مہاجر کے اگر راستہ میں وفات پا جائے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اس پر وہی مہربانیاں کرم نوازیاں کرے گا جو دوسرے مہاجرین پر فرماتا ہے دنیا و آخرت میں اس کا شمار مہاجرین میں ہو گا اور انہیں کل جنت میں مہاجرین کے درجہ میں رکھا جائے گا اور ہجرت میں دیر لگانے کا جو گناہ اس پر تھا کہ یہ شخص اب تک وطن میں ہی رہا وہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی۔ کسی کام کا معاوضہ اجرت کہلاتا ہے معاوضہ کے ساتھ کچھ فاضل دے دینا فضل ہے اور بغیر کام عطیہ دینا رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں پر رحیم ہے کہ دنیا و آخرت میں بغیر معاوضہ نعمتیں دیتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مکہ کے مجبور و کفار میں پھنسے ہوئے مسلمانو ہمت کر کے ہجرت کرو ذرو مت ہمارا وعدہ ہے کہ تم میں سے جو مسلمان اخلاص کے ساتھ رضائے الٰہی کے لئے مکہ مکرمہ سے ہجرت کرے گا وہ اللہ کی زمین میں بہت جگہ پائے گا بے گھر اور آوارہ نہ پھرے گا اور رزق وغیرہ میں بہت گنجائش پائے گا۔ ہم اپنے فضل و کرم سے اسے غنی کر دیں گے یہ تو اس مہاجر کے لئے ہے جو ہجرت کر کے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے مگر جو مسلمان بہ ارادہ ہجرت اپنے گھر سے باہر قدم نکال دے اور اللہ رسول کی طرف روانہ ہو جائے دل میں اخلاص ہو ارادہ درست ہو پھر اسے راستہ میں ہی موت آجائے اور جہاں جانا چاہتا تھا وہاں نہ پہنچ سکے تو اس کا اجر و ثواب اور ہجرت کا درجہ اللہ کے ذمہ کرم پر لازم و واجب ہو چکا وہ مہاجر ہو گیا اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا مہربان ہے وہ ارادہ و نیت کو دیکھتا ہے اس لئے اس شخص کے سارے گناہ معاف فرما دے گا اور اس پر بہت رحم و کرم فرمائے گا۔ خیال رہے کہ موت سب کے لئے ہے مگر کسی کو موت آتی ہے کسی کو پاتی ہے کسی کو پکڑتی۔ دشمن رسول کو پکڑتی عام مومنوں کو آتی ہے اور جو اللہ رسول کی تلاش میں ہوں ان کو ڈھونڈھتی ہوئی پاتی ہے جیسے کسی محبوب چیز کو تلاش کر کے پا لیا جائے گویا موت اور موت کے فرشتے ان کے مشتاق اور متلاشی ہیں یوں ہی قیامت میں متقی لوگ وفد کی شکل میں بارگاہ الٰہی میں اس طرح حاضر ہوں گے جیسے دوست سے ملا کرتے ہیں اور کفار دوزخ کی طرف ایسے ہانکے جائیں گے جیسے ذبح کے لئے جانور مذبح کی طرف۔ **نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جهنم وردا** -

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کی راہ میں ہجرت بہت اعلیٰ عبادت ہے رب تعالیٰ نے اس پر بڑے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا ہے۔ دیکھو ہمارا اسلامی سنہ ہجری کہلاتا ہے کہ یہ سنہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت شریف کی یادگار ہے۔ قریباً" سارے انبیاء کرام نے ہجرت فرمائی ہے ہجرت سنت انبیاء ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں۔ دیکھو اس نے مہاجرین سے وعدہ فرمایا کہ تم کو بہت زمین دی جائے گی اور فراخی رزق عطا ہو گی یہ وعدہ جس شان سے پورا ہوا اس پر تاریخ گواہ ہے کہ مسلمان مکہ معظمہ سے کس حالت میں مدینہ منورہ آئے اور پھر یہاں آکر کس شان و شوکت کے مالک ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** ہجرت وہی قبول ہے جو رضائے الٰہی کے لئے ہو۔ بیوی' زمین' پیسہ کمانے کی نیت سے ترک وطن اسلامی ہجرت نہیں اور نہ یہ شخص مہاجر ہے جیسا کہ **یهاجر فی سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: مسلمان مسافر تو بنتا ہے اپنی بستی سے نکل کر مگر مہاجر بن جاتا ہے اپنے دروازہ کی چوکھٹ سے قدم نکال کر جیسا کہ من بیتہ سے معلوم ہوا یہ رب تعالیٰ کی بندہ نوازی ہے۔ پانچواں فائدہ: جو شخص کوئی نیک کام شروع کردے مگر اسے مکمل نہ کرسکے تو اسے نیکی کا ثواب مل گیا کوئی حفظ قرآن علم دین سیکھنا شروع کردے حج یا جہاد کو روانہ ہو جائے اور مر جائے تو وہ حافظ عالم غازی بن گیا ابو یعلیٰ اور بیہقی نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حج کو روانہ ہوا یا عمرہ کو راستہ میں مر گیا تو تاقیامت ہر سال اسے حج و عمرہ کا ثواب ملے گا (روح المعانی) یہ اسلام کا قانون کلی ہے۔ چھٹا فائدہ: عبادات میں رضاالٰہی کے ساتھ حضور کو راضی کرنے کی نیت کرنا شرک یا ریا نہیں بلکہ اس سے عبادت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ **مهاجرا الى الله ورسوله** سے معلوم ہوا۔ ہجرت اسلامی عبادت ہے مگر اس میں اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرنے کی ہدایت کی گئی۔ لہٰذا نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ بلکہ ایمان و اسلام اور جہاد ہر عبادت میں اللہ رسول کو راضی کرنے کی نیت کرنی چاہئے۔ رب فرماتا ہے **والله ورسوله احق ان يرضوه** بخاری شریف میں ہے۔ **ومن كان هجرة الى الله ورسوله**۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری رب تعالیٰ کے پاس حاضر ہونا ہے۔ جیسا کہ **مهاجرا الى الله ورسوله** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ جو حضور سے قریب ہے وہ اللہ تعالیٰ سے قریب ہے۔ جو حضور سے دور ہے وہ رب تعالیٰ سے دور ہے بلکہ جو حضور کا ہے وہ رب کا ہے۔ جو حضور کا نہیں وہ رب کا نہیں ہم نے عرض کیا ہے۔

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے
بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں مہاجرین سے وعدہ فرمایا گیا ہے کہ انہیں ہجرت کرنے پر بہت زمین بھی ملے گی اور بہت وسعت و گنجائش بھی۔ مگر بارہا مہاجرین کو نہ زمین ملتی ہے نہ گنجائش ایک بار ہندوستان سے بہت لوگ کابل گئے مگر وہاں سے سخت پریشان ہو کر لوٹے یہاں سے گھربار فروخت کر گئے تھے جب لوٹے تو یہاں بھی پریشان رہے آج ہزارہا بھارت کے مہاجر پاکستان میں خانماں برباد پھر رہے ہیں نہ انہیں زمین ملی نہ کوئی اور وسعت۔ یہ وعدہ الٰہی پورا کیوں نہیں ہوتا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہ وعدہ مہاجرین مکہ کے لئے تھا جو پورا ہو چکا وہ حضرات مدینہ منورہ میں آکر کیسے پھلے پھولے وہ سب کو معلوم ہے۔ **من يهاجر** میں **من** سے مراد اہل مکہ مومنین ہیں سارے مہاجرین سے یہ وعدہ نہیں جیسے جہادوں میں فرشتوں کا مسلمانوں کی مدد کے لئے آنا غزوہ بدر و حنین کے لئے تھا ہمیشہ ہر جہاد میں اس امداد کا آنا لازم نہیں۔ دوسرا اعتراض: ان مہاجرین میں کیا خصوصیت تھی جو ان سے ایسے عظیم الشان وعدے کئے گئے دوسرے تاقیامت مہاجرین سے یہ وعدے کیوں نہیں عجیب معاملہ ہے کہ عمل ایک مگر عاملین کی جزاء میں فرق۔ جواب: اس فرق مراتب کی بہت وجہیں ہیں ایک یہ کہ وہ مہاجرین ہجرت کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچتے آپ سے فیض پاتے تھے اب مہاجرین کو یہ نعمت میسر نہیں جیسے حضور کے پیچھے نمازیں پڑھنے والوں کی نمازیں ہماری نمازوں سے افضل ہیں ایسے ہی ان کی ہجرت ہماری ہجرت سے افضل۔ دوسری یہ کہ وہ حضرات اسلام میں پہلے مہاجر تھے بعد کے مہاجرین ان کے نقش قدم پر چلنے والے اور نیکی ایجاد کرنے والوں کا ثواب دوسرے متبعین سے زیادہ ہوتا ہے بلکہ خود ان حضرات میں بھی بعض حضرات مہاجرین اولین تھے جنہوں نے حضور سے

www.alahazratnetwork.org

پہلے حبشہ کی طرف ہجرت کی ان کا درجہ بہت اعلیٰ ہے جگہ جگہ قرآن کریم میں ان کے فضائل بیان ہوئے **السبقون الاولون من المهاجرین** اس طرح فتح مکہ سے پہلے اسلام پر خرچ کرنے والوں کا ثواب بعد فتح خرچ کرنے والوں سے زیادہ **لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل۔ اولئک اعظم درجة۔** تیسرے یہ کہ ان کے جہاد ان کی ہجرتیں گویا اسلام کی بنیاد تھی۔ ہماری ہجرتیں و جہاد شاخیں اور ظاہر ہے کہ اسلام کی بنیاد کا درجہ شاخوں سے زیادہ ہو گا آج تمام جہان کے غازی مجاہد ایک غازی بدر احد و حنین کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مہاجر کا اجر و ثواب اللہ تعالیٰ پر واجب و لازم ہے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں جیسا کہ علم کلام پڑھنے والوں پر ظاہر ہے تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وجوب و الزام دو طرح کا ہوتا ہے دوسرے کے زور و حکم سے کسی پر کچھ واجب و لازم ہو جانا۔ جیسے ہم پر نماز و روزہ واجب ہے کیوں اللہ رسول کے حکم سے خود اپنے ذمہ کوئی چیز لازم کر لینا اپنی مہربانی سے جیسے کریم کسی کو بھیک دینے کا وعدہ فرمالے تو اب اس کے لئے یہ بھیک دینا لازم ہو گیا مگر اپنے آپ لازم کر لینے سے۔ اللہ تعالیٰ پر پہلی قسم کا واجب کچھ نہیں۔ دوسری قسم کے واجب ذمہ کرم پر بہت ہیں ہمارے عقیدے میں پہلے قسم کے وجوب کی نفی ہے آیت کریمہ میں دوسری قسم کے وجوب کا ثبوت لہذا ہمارا عقیدہ بھی درست ہے اور آیت کریمہ بھی بالکل صحیح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ گناہ نفس کا وطن ہے اور نیک اعمال دل کا وطن۔ گناہ تین قسم کے ہیں بظاہر نفع بخش جیسے جوا' سود' چوری' رشوت۔ دوسرے بظاہر لذیذ جیسے زنا' کھیل تماشہ وغیرہ۔ تیسرے وہ جو نافع ہیں نہ لذیذ نفس محض خباثت سے انہیں پسند کرتا ہے جیسے غیبت' قتل' چغلی' کینہ حسد وغیرہ' جو کوئی نفس کے اس وطن یعنی گناہوں کو چھوڑ دے تو وہ دل کی زمین میں بڑی جگہ پائے گا خیال رہے کہ اعلیٰ زمین میں خراب بیج بویا جائے تو زہریلے خار دار درخت پیدا ہوتے ہیں اور اگر اچھا تخم بویا جائے تو پھل پھول اگتے ہیں۔ یونہی ترک گناہ کرنے والے کے دل میں غوثیت قطبیت کے پھل لگتے ہیں دل وہ شیشہ ہے جس میں سارا کارخانہ قدرت بلکہ خود کارخانہ دار بھی ہے مراغم جمع ہے' مرغم کی بمعنی جگہ و خانہ یعنی گناہ چھوڑنے والا اپنے دل میں بہت سے خانے پائے گا جیسے ایک گھر میں مختلف خانے ہوتے ہیں۔ اغیار خانی (بیٹھک' یار خانہ' آرام کمرہ) باورچی خانہ' موز خانہ' جانور خانہ' غسل خانہ' ایسے ہی وہ دل میں رحمت خدا خانہ' نبی خانہ' ایمان خانہ' عرفان خانہ' نور خانہ پائے گا اور بڑی وسعت پائے گا کہ اسے رحمت کی وسعتیں دعا کی قبولیتیں نماز میں لذتیں عطا ہوں گی۔ خیال رہے کہ کسبی کمال کو فنا ہے وہبی کمال لازوال ہے۔ جو اجر رب تعالیٰ اپنے ذمہ لازم فرمائے اسے فنا و زوال نہیں' حضرت یوسف علیہ السلام کا پہنایا ہوا کنگن بنیامین کے بھائی اس سے نہ چھین سکے' ہر بار بنیامین کے بازو میں آجاتا تھا۔ تو حضور کا عطا فرمودہ ایمان و عرفان' شیطان کیسے چھین سکتا ہے اس لئے ارشاد ہوا **وقع اجره على الله** اس کا ثواب اللہ کے ذمہ لازم ہو چکا۔ کسبی ایمان' علم عبادات شیطان چھین سکتا ہے وہبی عطائی نہیں چھین سکتا۔ اپنے کسبی عمل کو اپنا کمال نہ جانو عطاء ذوالجلال مانو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر غرض دینی کے لئے ترک وطن کرنا ہجرت **الی الله ورسوله** ہے بلکہ دینی مقصد کے لئے سفر کرنا بھی عارضی ہجرت ہے۔ طلب علم' حج' جہاد' تلاش حلال روزی کے لئے سفر ہجرت **الی الله ورسوله** ہے ان میں سے کسی کو راستہ میں موت آجائے تو رب تعالیٰ وہاں

www.alahazratnetwork.org

ہی کسی مقبول بندے کی روح کے ذریعہ اس کی تکمیل کرادیتا ہے۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ جو قرآن مجید حفظ کرتے کرتے مرجائے تو رب تعالیٰ برزخ میں کسی مقبول کے ذریعہ اس کی تکمیل کرادیتا ہے۔ یہی حال طلب علم دین کا ہے اور یہی حال حج و جہاد وغیرہ کا ہے۔ ان کی تکمیل ان کے قبروں میں کرادی جاتی ہے۔ بعض اہل کشف نے اس کا مشاہدہ بھی کیا ہے مگر یہ تکمیل **مخلصین** کے لئے ہے۔ انسان کو چاہئے کہ طلب میں جیئے جستجو میں مرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان تمام ہجرتوں میں افضل ہجرت وہ ہے جو طلب مولیٰ میں نفس و نفسانیات سے روح و روحانیات کی طرف ہو جو اللہ کی طلب میں اپنے نفس کی بستی سے نکلے گا تو اسے روح سر خفی واخفی کی بڑی وسیع بستیاں ملیں گی جہاں بڑے وسیع رزق کے پہاڑ ہیں۔ مومن کا قلب اتنا وسیع ہے کہ رب بھی اس قلب میں رہتا ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ مجھے نہ زمین لے سکے نہ آسمان 'میں مومن کے قلب میں رہتا ہوں۔ وہ میرا عرش ہے جو اس طلب میں نکلے پھر وہاں پہنچنے سے پہلے مرجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ کرم پر لازم ہوچکا کہ پہلے وہ خدا کا طالب تھا مگر اب رب تعالیٰ اس کا طالب ہوتا ہے' وہ رب کا مطلوب و محبوب۔ اللہ تعالیٰ وہ ہجرت نصیب فرمادے۔ یہ سفر بہت طویل ہے اس کے مسافر بہت کم (تفسیر روح البیان)۔ بچہ اپنے ماں کے پیٹ میں سمجھتا ہے کہ یہ پیٹ ہی میری وسیع دنیا ہے وہاں اپنے کو بڑے عیش و آرام میں جانتا ہے وہاں سے آنا نہیں چاہتا قدرت جب اسے وہاں سے نکال کر زمین پر بھیجتی ہے تو روتا چیختا آتا ہے مگر یہاں اس دنیا کی وسعت کو دیکھ کر کہتا ہے کہ اب تک میں قید خانہ میں تھا دنیا تو یہ ہے ایسے ہی ہم اس دنیا کو دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ بڑی ہی لمبی چوڑی دنیا ہے یہاں سے آگے بڑھنا نہیں چاہتے جسے اللہ تعالیٰ عالم روحانیات کی طرف ہجرت کی توفیق دیتا ہے تو وہ اس عالم کو دیکھ کر کہتا ہے کہ وہ اجسام والی دنیا تو جیل خانہ اور کال کوٹھڑی تھی وسیع دنیا تو یہ ہے۔ رب تعالیٰ اس عالم کی سیر نصیب کرے۔ اب پڑھو یہ کہ جو اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں بڑی جگہ اور وہاں بہت گنجائش پائے گا وہ گنجائش والا عالم ہماری عقل و فہم سے وراء ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں!۔

کارواں رفت و تو دور راہ کمیں گہ بخواب　وہ کہ بس بے خبر از غلغل و چندے جرسی
بال بکشاء و صفیر از شجر طوبیٰ زن　حیف باشد چو تو مرغے کہ اسیر قفسی

یہ جہاں بلبل قلب کے لئے قفس و پنجرا ہے۔ وہ جہان صحرا جو ادھر جانے کی کوشش کرے اور نہ پہنچے وہ بھی اجر و ثواب سے محروم نہیں۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا

اور جب سفر کرو　تم زمین میں　تو نہیں ہے　اور تمہارے کوئی گناہ　کہ کمی کرو

اور جب تم زمین میں سفر کرو تم پر گناہ نہیں کہ بعض نمازیں قصر سے

مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ اِنَّ

بعض نمازوں میں　اگر ڈرو تم　کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے　بیشک　کفار

پڑھو　اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ایذا دیں گے بے شک

www.alahazratnetwork.org

اَلْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا۝

ہیں تمہارے دشمن کھلے ہوئے

کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد اور ہجرت کا پر زور حکم دیا ان دونوں میں اکثر سفر کرنا پڑتا ہے لہٰذا اب سفر کے کچھ احکام بیان فرمائے تاکہ مجاہدین اور مہاجرین دوران سفر میں ان پر عمل کریں غلطی نہ کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے ہجرت فی سبیل اللہ کے اخروی فوائد اور وہاں کی رعایتوں کا ذکر فرمایا تھا اب اس ہجرت کی دنیاوی رعایتوں کا ذکر ہے کہ مہاجر اگر سفر کرکے ہجرت کرے تو دوران سفر میں اسے نماز میں یہ رعایت دی جائے گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ مہاجر ہجرت شروع کرتے ہی مہاجر بن جاتا ہے۔ اگرچہ منزل مقصود پر نہ پہنچے اب فرمایا جارہا ہے کہ مسافر سفر شروع کرنے میں رعایت سفر کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اپنی بستی سے نکلتے ہی قصر نماز پڑھنے لگتا ہے غرضیکہ ہجرت کی رعایتیں بیان فرما کر سفر کی رعایتوں کا تذکرہ فرمایا جارہا ہے تاکہ یہ مسئلہ ذہن نشین ہو جائے۔

تفسیر : **واذا ضربتم فی الارض** یہاں اذا عموم ظرف کے لئے ہے یعنی جب کبھی خواہ نزول قرآن کے زمانہ میں یا تاقیامت کسی اور وقت ضرب کی معانی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے یہاں بمعنی سفر ہے۔ **ضربتم** میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار پر نہ نماز فرض ہے نہ ان کے لئے قصر وغیرہ علماء فرماتے ہیں کہ گنہگار جائز سفر کرنے والے اور ناجائز سفر کرنے والے سب ہی داخل ہیں۔ لہٰذا قصر نماز سفر حج میں بھی ہوگا اور بغاوت یا چوری ڈکیتی کے سفر میں بھی جیسے یہاں سفر ہجرت کی قید نہیں ایسے ہی سفر مباح کی بھی پابندی نہیں چونکہ عموماً سفر زمین ہی میں ہوتا ہے اس لئے **فی الارض** فرمایا گیا ورنہ دریائی سفر ہوائی سفر پہاڑی سفر سب کے یہی احکام ہیں جو یہاں ذکر ہو رہے ہیں یا یوں کہو کہ ان تمام بحری ہوائی سفروں میں مقصود ہوتا ہے زمین کا طے کرنا۔ اس لئے **فی الارض** فرمایا گیا غرضیکہ **فی الارض** کا ذکر عموم سفر کے لحاظ سے اتفاقی ہے نہ کہ احترازی اور ہو سکتا ہے کہ **فی الارض** فرما کر یہ بتایا گیا ہو کہ قصر زمینی مسافت طے کرنے میں ہوگا نہ کہ پہاڑی یا فضائی مسافت طے کرنے میں لہٰذا اگر کوئی سو میل اونچا اڑ جائے مگر رہے اپنے وطن کے مقابل یا اپنے وطن کے اونچے پہاڑ پر چڑھ جائے وہ مسافر نہیں قصر نہیں کر سکتا۔ **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوٰۃ** میں ان ہی مسلمانوں سے خطاب ہے جن سے **ضربتم** میں خطاب تھا جناح کے لغوی معنی ہیں میلان رب فرماتا ہے **فان جنحوا للسلم فاجنح لہا** گناہ کو جناح اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں انسان اچھائی سے برائی کی طرف مائل ہوتا ہے۔ **تقصروا** قصر سے بنا بمعنی کم کرنا اس کا مقابل ہے مد اس لئے بال کتروانے کو قصر کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ومقصرین لا تخافون** اور پست قد کو قصیر کہتے ہیں روکنے کو بھی قصر کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے حور مقصورات فی الخیام۔ محل کو قصر اس لئے کہتے ہیں کہ یہ غیروں کو داخل ہونے سے روکتا ہے یہاں یہ تصریح نہیں کہ قصر سے مراد نماز کی رکعتیں کم کرنا ہیں یا نماز کے ارکان کم کرنا یا نماز کے بعض صفات کم کرنا احادیث صحیحہ نے بتایا کہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

رکعات نماز کی کمی مراد ہے اگرچہ بعض حالات میں سفر میں ارکان نماز بھی کم کردیئے جاتے ہیں کہ سخت ضرورت کے وقت سواری پر اشاروں سے نماز جائز کردی جاتی ہے۔ قیام' رکوع' سجدہ' وغیرہ معاف کردیئے جاتے ہیں مگروہ کمی یہاں مراد نہیں اس کے لئے دوسری آیات ہیں جو اپنے مقام پر آئیں گی **من الصلوة** میں **من تبعیضیہ** ہے **تقصروا** کا مفعول **شیئا** پوشیدہ ہے کیونکہ ہر نماز میں مسافر قصر نہیں کرتا بلکہ چار رکعت والی نمازوں میں ہی کرتا ہے جیسے نماز ظہر و عصر و عشاکہ ان میں بجائے چار کے دو رکعت فرض پڑھتا ہے۔ نیز ان قصری نمازوں میں بھی صرف فرض نمازوں میں قصر ہوتا ہے وتر' سنت' نفل سب پورے پڑھے جاتے ہیں ان میں قصر مطلقاً" نہیں ہوتا اس لئے یہاں **من الصلوة** فرمایا **من تبعیضیہ** کے ساتھ **ان خفتم**

ان یفتنکم الذین کفروا چونکہ زمانہ نبوی میں اکثر سفر خطرناک ہوتے تھے کفار کا خوف ہر مسافر کو لگا رہتا تھا اس واقعہ کے بیان کے لئے یہ ارشاد ہوا غرضیکہ خوف کفار کی قید بیان واقعہ کے لئے اتفاقی ہے احترازی نہیں۔ اس پر مسلمانوں کا اجماع ہے بحالت امن بھی سفر میں قصر واجب ہے جیسا کہ احادیث میں وارد ہے **یفتنکم** میں خطاب ان ہی مسافر مسلمانوں سے ہیں جن سے خطاب ابھی **علیکم** اور **ان تقصروا** میں تھا۔ فتنہ سے مراد ہے ایذاء پہنچانا۔ **کفروا** سے مراد ہر قسم کے حربی کفار ہیں اہل کتاب ہوں یا مشرکین یعنی اگر تمہیں خوف ہو کہ کفار تم کو نماز میں ستائیں گے کہ تم تو نماز میں مشغول ہوگے وہ تم پر حملہ کردیں گے تو تم فرض نماز میں قصر کرلیا کرو تاکہ تم کو اداء نماز میں دیر نہ لگے اور کفار کو تم پر حملہ کرنے کا زیادہ موقعہ نہ ملے' رہے نفل و سنت وہ تو تم سواری پر بھی پڑھ سکتے ہو اس لئے نہ اس میں کفار کے حملہ کا اندیشہ ہے نہ قصر کی ضرورت **ان الکفرین کانوا لکم عدوا مبینا** ۔ یہ اس گذشتہ مضمون کو گویا علت ہے کافرین جمع ہے اس لئے **کانو** جمع ارشاد ہوا مگر چونکہ **عدوا** اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے اس لئے **اعداء**" جمع نہ فرمایا بلکہ **عدو** اور واحد ہی ارشاد ہوا نیز کفار خواہ کسی قسم کے ہوں مسلمانوں سے سب کو عداوت ایک ہی قسم ہے گویا وہ نوعیت عداوت میں ایک ہی ہیں کہ سب دینی روحانی دشمن ہیں۔ اگرچہ بعض نادان دشمن ہیں اور بعض دانا دشمن۔ جب ہمارا کفار کا خدا' رسول' قرآن' کلمہ' نماز وغیرہ کچھ بھی ایک نہیں تو ان سے محبت کیسے ہو سکتی ہے' اس لئے بھی **عدو واحد** آیا **مبینا** کے معنی ہیں کھلا ہوا ظاہر روشن یعنی کفار تمہارے کھلے ہوئے ظاہر دشمن ہیں وہ تمہاری ہر مشغولیت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں' لہٰذا ان سے ہوشیار رہو۔ قصر نماز کی اس آیت کو کفار کی عداوت کے ذکر پر ختم فرما کر اشارۃ" بتایا کہ قصر نماز تاقیامت اس لئے باقی رکھی کہ تم کو عداوت کفار یاد رہے طواف کا رمل ظہر و عصر کی نمازوں میں آہستہ قرات اور سفر کا قصر اس عداوت کو یاد دلانے کے لئے ہے خیال رکھو کہ مسلمانوں کی آپس میں عداوت عارضی ہے دنیا میں یا بعد موت ختم ہو جائے گی اور کفار سے دوستی عارضی ہے دنیا یا آخرت میں ختم ہو جائے گی۔ رب فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضہم لبعض عدو الا المتقین** خونی محبتیں فانی ہیں دینی اسلامی محبتیں باقی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو جب کبھی تم کسی مقصد کے لئے سفر کرو تو اس میں گناہ نہ سمجھو کہ بعض نمازوں میں قصر کرلیا کرو کہ چار رکعت والے فرض دو رکعت پڑھو باقی سنتیں' نفل' وتر وغیرہ پوری پڑھو اگر تم کو یہ خوف ہو کہ تمہاری دراز نمازوں کی مشغولیت میں کفار تم کو نقصان پہنچائیں گے۔ ان کے یہ برے ارادے ہیں اس لئے ہم نے نماز فرض میں تخفیف کردی کہ چار کے دو کردیئے باقی نوافل وغیرہ میں نہ سفر تو ڑنا پڑتا ہے نہ زمین پر اتر کر پڑھنا ہوتی ہیں لہٰذا وہ پوری پڑھو سواری پر چلتے چلتے پڑھو

www.alahazratnetwork.org

کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں اگرچہ کافر کسی قسم کا ہو مگر مسلمانوں کی دشمنی میں برابر ہے اس سے پر خطر رہو۔ خیال رہے کہ سفر میں نفل و سنت سواری پر بھی پڑھے جاسکتے ہیں مگر فرض نیچے اتر کر پڑھنا ضروری ہے یا اب کھڑی ریل میں پڑھ سکتے ہیں اس مسئلہ کی دلیل یہ ہی آیت کریمہ ہے اب جو لوگ چلتی ریل میں فرض نماز جائز کہتے ہیں اس آیت کریمہ کے خلاف کرتے ہیں اگر فرض چلتی سواری پر جائز ہوتے تو نہ خطر کا حکم ہوتا نہ اس قید کا کچھ فائدہ ہوتا کہ **ان خفتم ان یفتنکم** الخ

سفر میں قصر : ساری امت کا اس پر اجماع ہے کہ سفر میں نماز کا قصر ہے یعنی چار رکعت فرض دو رکعت پڑھی جائیں گی اس میں اختلاف ہے کہ قصر جائز ہے یا واجب ہم احناف کے ہاں قصر واجب ہے حضرت عمر و علی و عبداللہ ابن عمر جابر ابن عبداللہ و ابن عباس، خواجہ حسن بصری عمر ابن عبدالعزیز قتادہ امام مالک یہ ہی فرماتے ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ پہلے ہر نماز دو رکعت فرض ہوئی پھر نماز سفر تو اسی طرح دو رکعت رہی اور وطن کی نمازیں بڑھادی گئیں (مسلم و بخاری) امام شافعی فرماتے ہیں کہ قصر جائز ہے مسافر کو اختیار ہے دو رکعت پڑھے یا چار مگر قصر افضل ہے (خازن) مگر مذہب حنفی نہایت قوی ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

ہر سفر میں قصر ہے : ہمارے احناف کے ہاں سفر خواہ مباح ہو جیسے تجارت نوکری سیر و تفریح کا سفر یا ثواب جیسے جہاد حج طلب علم دین کا سفر یا گناہ جیسے چوری ڈکیتی کے لئے سفر ہر سفر میں قصر ہے مگر امام شافعی کے ہاں سفر گناہ میں قصر جائز نہیں احناف کا قول نہایت ہی قوی ہے کیونکہ رب تعالٰی نے یہاں **واذا ضربتم فی الارض۔ مطلقا**" فرمایا اس میں کوئی قید سفر جائز یا ثواب کی نہ لگائی معلوم ہوا کہ ہر سفر میں قصر ہے۔ نیز جب مجرم مسافر موزوں پر مسح تین دن کر سکتا ہے اور سفر کی اس رعایت سے فائدہ اٹھا سکتا ہے تو قصر کی رعایت سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے نیز سفر بذات خود کوئی برا نہیں ہوتا وہ کام برا ہوتا ہے جو وہاں کیا جائے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص گھر سے نکلے چوری کے لئے مگر بعد میں اس سفر میں بجائے چوری کے حج کر آئے یا اس کے برعکس گھر سے روانہ ہو حج یا جہاد کے لئے مگر بجائے اس کے ڈکیتی کر آئے ایسے سفر کے متعلق حضرت امام شافعی کیا فرمائیں گے۔ حضرت عمر گھر سے نکلے تھے حضور انور کو شہید کرنے مگر منزل مقصود پر پہنچ کر مومن صحابی ہو گئے۔ فرعونی جادوگر اپنے گھروں سے آئے تھے جادو کرنے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے مگر اس سفر کے ذریعہ انہیں ایمان مل گیا۔ دیکھو چلنے کی ابتداء کفر پر ہے انتہاء ایمان و عرفان پر موسیٰ علیہ السلام گئے تھے مدین سے مصر یہ سفر مباح تھا پھر راہ میں گئے تھے آگ لینے یہ چلنا بھی مباح تھا مگر اس سفر میں نبوت جیسی نعمت مل گئی غرضیکہ سفر بذات خود برا یا اچھا نہیں نتیجہ کا اعتبار ہے۔ یہ بہرحال مذہب حنفی قوی ہے ہر سفر میں قصر واجب ہے۔

سفر کی مسافت : احناف کے ہاں سفر کی مسافت تین دن کی راہ ہے اس سے کم سفر میں قصر نہیں جو موجودہ سرکاری میلوں کے حساب سے تقریباً" ستاون 57 میل بنتے ہیں جو شخص ستاون میل کے ارادے سے گھر سے نکلے تو بستی چھوڑتے ہی قصر کرے اور واپسی میں داخل ہونے تک قصر کرتا رہے گا۔ امام شافعی کے ہاں چار برید یعنی سولہ فرسخ کے سفر میں قصر ہو جاتا ہے ہر فرسخ 3 میل کا کل 48 میل ہوئے۔ میل ہاشمی معتبر ہے ہر میل چھ ہزار ہاتھ کا مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

www.alahazratnetwork.org

مدت قیام : احناف کے نزدیک مسافر جس جگہ دوران سفر میں پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرلے تو وہ وہاں عارضی مقیم ہو گیا اور اب وہاں رہتے ہوئے قصر نہیں کر سکتا نماز پوری پڑھے گا یہ حکم عارضی قیام کا ہے اپنے وطن میں اگر پانچ منٹ کے لئے بھی آئے تو مقیم ہو گا اور نماز پوری پڑھے گا بعض ائمہ کے ہاں دس دن قیام پر نماز پوری ہو جاتی ہے۔ مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم کا مطالعہ فرماؤ۔

سفر میں نفل : اس پر علماء امت کا اتفاق ہے کہ قصر صرف فرض نماز میں ہے وہ بھی چار رکعت والی نمازوں میں فرض کے علاوہ دوسری تمام نمازیں سنت 'نفل' وتر وغیرہ میں نہ قصر ہے نہ معافی۔ مگر اس زمانہ کے بعض آرام طلب مدعیان علم یا حدیث اور مرزائی کہتے ہیں کہ سفر میں نفل بالکل معاف ہیں۔ دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی مرزائی لاہوری مگر ان لوگوں کا یہ قول درست نہیں کیونکہ یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا **ان تقصروا من الصلوة** من تبعیضیہ سے معلوم ہوا کہ نہ پوری نماز میں قصر ہے نہ ہر نماز میں صرف چار رکعت والی نمازوں میں صرف فرض میں قصر ہو گا نیز حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام نے ہمیشہ سفر میں سنتیں وغیرہ پوری پڑھی ہیں ان حضرات کا یہ عمل اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ فرماؤ غرضیکہ نماز سفر کا مسئلہ بڑا اہم اور پیچیدہ ہے۔

پہلا اعتراض : یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا **فلیس علیکم جناح ان تقصروا من الصلوة** تم پر بعض نمازوں میں قصر کر لینے میں گناہ نہیں معلوم ہوا کہ قصر کرنا واجب نہیں بلکہ صرف مباح یہ عبارت مباح ہونے پر دلالت کرتی ہے نہ کہ وجوب پر (شافعی) جواب یہ قاعدہ درست نہیں قرآن کریم میں یہ عبارت واجب و فرض کے لئے بھی بولی گئی رب فرماتا ہے **فلا جناح علیه ان یطوف بهما** ۔ جو حج یا عمرہ کرے اس پر صفا مروہ دوڑنے میں گناہ نہیں حالانکہ صفا مروہ دوڑنا حج میں ہمارے ہاں واجب ہے امام شافعی کے ہاں فرض ہے نیز مباح یا مستحب کی پہچان یہ ہے کہ اس کے نہ کرنے میں گناہ نہ ہو۔ کرنے میں گناہ نہ ہونا مباح مستحب فرض واجب سب کو شامل ہے۔ **دوسرا اعتراض :** حضرت عثمان نے اپنی خلافت کے آخری دور میں مکہ معظمہ میں حج کے لئے پہنچ کر نمازیں پوری پڑھیں حالانکہ آپ وہاں مسافر تھے۔ مہاجرین کو مکہ معظمہ میں دس دن سے زیادہ ٹھہرنے کی اجازت ہی نہ تھی یوں ہی حضرت عائشہ صدیقہ آخر عمر شریف میں سفر میں پوری نماز پڑھتی تھیں اگر قصر واجب ہوتا تو یہ حضرات پوری نمازیں کیوں پڑھتے (شافعی)۔ نوٹ امام نووی نے یہ دلیل نہایت فخر سے شرح مسلم میں بیان فرمائی۔ جواب: ان بزرگوں کا عمل بتا رہا ہے کہ سفر میں قصر مباح نہیں بلکہ واجب ہے کیونکہ ان کا عمل یہ نہ تھا کہ کبھی قصر پڑھ لی کبھی پوری بلکہ جب انہوں نے قصر کی تو پوری کبھی نہ پڑھی اور جب پوری پڑھی تو قصر کبھی نہ کی عثمان غنی نے آخر خلافت میں مکہ معظمہ میں نکاح کر لیا تھا اور وہاں ہی مکان بنا کر اور بیوی صاحبہ کو رکھا تھا۔ اب چونکہ آپ کا گھر بن گیا اگر پانچ منٹ کے لئے بھی آئے تو پوری نماز پڑھتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ نے آخر میں فرمایا کہ تمام مسلمان میری اولاد ہیں۔ میں بحکم قرآن سب کی ماں ہوں جہاں جس کے گھر دس منٹ کے لئے بھی جاؤں میں مقیم ہوں۔ سب گھر میرے بچوں کے ہیں تو میرے ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (روح المعانی۔ جاء الحق حصہ دوم) لہذا ان بزرگوں کا یہ عمل مذہب احناف کے خلاف نہیں۔ **نوٹ:** اس کے متعلق اور سوال و جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض:** حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اے

www.alahazratnetwork.org

مکہ والو چار برید سے کم میں قصر نہ پڑھو مکہ سے عسفان جتنی مسافت میں قصر ہے معلوم ہوا کہ سفر کی مسافت تین دن کا راہ نہیں بلکہ اس سے کم ہے (شوافع)۔ **جواب:** اس حدیث کی اسناد میں عبدالوہاب ابن مجاہد ہے وہ محدثین کے نزدیک سخت ضعیف ہے حتی کہ سفیان ابن عیینہ اسے کاذب و جھوٹا کہتے ہیں۔ لہذا یہ حدیث سخت ضعیف ہے احادیث صحیحہ میں ہے کہ مسافر کے لئے موزوں پر مسح کی مدت تین دن ہے اور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عورت بغیر محرم تین دن کا سفر نہ کرے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسافت سفر تین دن کا راہ ہے (جاء الحق حصہ دوم و روح المعانی)۔ **چوتھا اعتراض:** احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ پہنچ کر نماز قصر پڑھی حالانکہ ذوالحلیفہ مدینہ منورہ سے صرف تین میل دور ہے۔ معلوم ہوا کہ دو تین میل پر بھی قصر ہو جاتا ہے (غیر مقلد)۔ **نوٹ:** ان حضرات کے ہاں جو شخص اپنے کھیت پر یا جنگل سیر کے لئے جائے وہ قصر کرے۔ **جواب:** اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارادہ حج مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے تھے۔ تب آپ نے ذوالحلیفہ پہنچ کر قصر نماز پڑھی یہ واقعہ حجۃ الوداع کا ہے اور واقعی جو شخص دراز سفر کے ارادہ سے نکلے وہ بستی نکلتے ہی قصر پڑھے گا' لہذا یہ حدیث ہمارے خلاف نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** کوئی شخص گناہ کے ذریعہ رحمت الٰہی کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ گناہ کے لئے سفر کرنا بھی گناہ ہے تو ایسے گنہگار مسافر کو قصر کی رعایت نہیں ملنی چاہئے صرف جائز سفر میں قصر درست ہے (شوافع)۔ **جواب:** یہ قاعدہ غلط ہے گناہ کے ذریعہ احکام شرعیہ مرتب ہو جاتے ہیں چوری کی چھری سے جانور ذبح کیا حلال ہے' چوری کے موزے پہن لئے اس پر مسح کر سکتا ہے "گناہ اور چیز ہے قانون کچھ اور چیز" نیز کسی سفر کی متعلق یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ گناہ ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چھٹا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ ایک سفر میں سیدنا عبداللہ ابن عمر نے کچھ لوگوں کو بعد نماز ظہر منزل پر سنتیں پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر میں نے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو فرض ہی پورے کیوں نہ پڑھ لیتا میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں سنتیں پڑھتے نہ دیکھا معلوم ہوا کہ سفر میں صرف چار فرض کی بجائے دو فرض پڑھنے چاہئیں سنتیں نفل وغیرہ نہ پڑھنے چاہئیں (غیر مقلد)۔ **جواب:** اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سفر میں جلدی ہو اور سنتوں نفلوں کے لئے سفر روکنا زمین پر باقاعدہ کھڑے ہو کر ادا کرنا مناسب نہیں بلکہ یہ چیزیں سواری پر ہی پڑھ لینا چاہئیں ان کے لئے سفر روکنا نہ چاہئے یہاں اہتمام پر انکار ہے نہ کہ نفل ادا کرنے پر ورنہ انہیں عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بہت روایات ہیں کہ میں نے سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سواری پر نفل پڑھتے دیکھا یا حضور نے ظہر کی سنتیں سفر و حضر کہیں نہ چھوڑیں۔ **ساتواں اعتراض:** تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تو اپنے فرض بجائے چار کے دو فرمادے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سنتوں میں رعایت نہ فرمائیں۔ حضور تو رحمت عالم ہیں پھر رحم کیوں نہیں فرماتے (غیر مقلد)۔ **جواب:** حضور رحمۃ للعالمین ہیں' اس لئے سنتیں کم نہیں فرماتے نماز رحمت ہے رحمت کا کم نہ ہونا ہی اچھا ہے فرض میں قصر کی وجہ ہم بیان کر چکے کہ فرض کے لئے سفر روکنا سواری سے اترنا پڑتا ہے سنت و نفل میں یہ پابندی نہیں سواری پر سفر کرتے ہوئے پڑھی جا سکتی ہیں اس لئے اس کے قصر کی ضرورت پیش نہ آئی۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں قرآن مجید نے قصر کے لئے خوف کفار کی قید لگائی۔ معلوم ہوا کہ امن کی حالت میں سفر میں قصر نہیں (داؤد اہل ظواہر)۔ **جواب:** قرآن کریم میں لفظ ان تین موقعوں پر استعمال ہوا ہے۔ تہدید کے یعنی ڈرانے کے لئے جیسے **ان کان من عند اللہ ثم کفرتم بہ** بیان حالت کے لئے جیسے **ان اردن تحصنا** جسے اتفاقی کہتے ہیں۔ قید لگانے کے لئے جیسے **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** یہاں یہ قید اتفاقی ہے احترازی

www.alahazratnetwork.org

نہیں چونکہ اس زمانہ میں عموماً سفر خطرناک ہوتے تھے اس لئے اس کا ذکر فرمایا گیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ خوف نہ ہو تو قصر بھی نہ کرو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تکرھوا فتیٰتکم علی البغاء ان اردن تحصنا** اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر نہ بچنا چاہیں تو ان سے خوب زنا کراؤ یا فرماتا ہے اگر تم گناہ کبیرہ سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ معاف فرمادیں گے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر گناہ کبیرہ سے نہ بچو گے تو چھوٹے گناہ بھی معاف نہ ہوں گے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم نے نہایت امن کے زمانہ میں منیٰ میں حضور کے ساتھ دو رکعتیں فرض پڑھے۔ حضرت عمر نے یہ ہی سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو فرمایا یہ قصر اللہ کا صدقہ ہے اسے قبول کرو۔ اگر مان بھی لیا جائے کہ اس وقت خوف کفار کی بناء پر سفر میں قصر تھا تو قصر کی ابتداء خوف کی بنا پر تھی مگر اس کا بقا مطلقاً ہے دیکھو طواف میں رمل کی ابتداء کفار مکہ کو مسلمانوں کی طاقت دکھانے کے لئے تھی مگر اب رمل کی بقاء مطلقاً ہے یوں ہی نماز ظہر و عصر میں آہستہ قرات کی ابتداء کفار مکہ کے خوف کی بنا پر تھی مگر اس کی بقا مطلقاً ہے۔ **نواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **ضربتم فی الارض** کیوں فرمایا گیا۔ بحری و ہوائی سفر میں قصر نہیں ہونا۔ **جواب:** اہل عرب کے سفر عموماً زمین میں ہی ہوتے تھے۔ ہوائی جہاز اس زمانہ میں تھے ہی نہیں سمندری کشتیوں میں دراز سفر نہ ہوتے تھے۔ نیز اب بھی سفر کا مبدا اور انتہا زمین ہی ہے کہ انسان زمین پر ہی رہتا ہے اور ہوائی سفر و بحری سفر میں بھی زمین طے کرنا مقصود ہوتی ہے اس لئے **فی الارض** فرمایا گیا۔ نیز **فی الارض** فرما کر بتایا گیا کہ سفر میں زمین کی مسافت کا اعتبار ہے فضائی یا پہاڑ کی بلندی کی مسافت معتبر نہیں فضا میں بذریعہ راکٹ ہزار میل اونچے اڑ جاؤ مگر رہو اپنے شہر کے اوپر تو تم نہ مسافر ہو نہ وہاں قصر پڑھو گے نیز ضربتم میں اشارۃً ارشاد ہے کہ زمین کی مسافت میں قدم کی رفتار معتبر ہے۔ موٹر ریل یا ولی کی طی للارض معتبر نہیں اور زمین میں عام رہنے بسنے کی زمین کا لحاظ ہے ریت پتھر یا طبقہ کا اعتبار نہیں۔ **دسواں اعتراض:** یہاں فی الارض مطلق ہے تین دن یا ان کی مسافت کی قید نہیں تو چاہئے کہ مطلقاً سفر میں قصر ہو جائے اگرچہ ایک میل ہی کا ہو۔ (غیر مقلد)۔ **جواب:** یہ آیت مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مفصل فرمایا کہ اتنے دراز سفر میں قصر ہے اس سے کم میں نہیں ورنہ پھر چاہئے کہ گھر سے مسجد تک جاؤ تو قصر پڑھو بلکہ کوٹھڑی سے گھر کے صحن میں آؤ تو قصر پڑھو کیونکہ **ضربتم فی الارض** فرمایا ہے۔ جس کے معنی ہیں تم زمین میں چلو۔ چلنا مسجد تک ہو یا گھر کی کوٹھڑی تک۔ **گیارھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **کانوا لکم عدوا مبینا** کفار تمہارے کھلے دشمن ہیں قاعدہ چاہتا تھا کہ **اعداء** مبینا فرمایا جائے کہ **کانوا** جمع ہے تو **عدوا** واحد کیوں لایا گیا۔ **جواب:** **عدوا** اسم جنس ہے جو واحد و جمع سب پر بولا جاتا ہے یہاں جمع پر بولا گیا ہے چونکہ تمام کفار کی عداوت مسلمانوں سے یکساں طور پر ہے یعنی دینی ایمانی عداوت اس لئے **عدوا** ارشاد ہوا بہرحال آیت کریمہ واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا میں مسلمان جب نیک اعمال خصوصاً نماز ادا کرتا ہے تو وہ گویا آخرت کی طرف سفر کرتا ہے اعمال صالحہ کرنا اپنے اصلی وطن کی طرف سفر کرنا ہے۔ پردیس سے دیس میں ہو جاتا ہے۔ اتمام نماز یہ ہے کہ صرف فرائض پنجگانہ پر قناعت نہ کی جائے بلکہ اشراق، چاشت، تہجد، اوابین وغیرہ بھی ادا کئے جائیں نماز کا قصر صوفیاء کے ہاں یہ ہے کہ فرائض پنجگانہ پر قناعت کی جائے نفس و شیاطین ہمارے دشمن کفار ہیں، فرمایا جا رہا ہے کہ جب تم بذریعہ اتمام نماز سفر آخرت کرو اور تم پر نفس امارہ

www.alahazratnetwork.org

نیند، سستی، کمزوری وغیرہ واقع کر کے فتنہ میں مبتلا میں مبتلا کر دے تو اس میں گناہ نہیں کہ تم ایسی مجبوری میں صرف فرائض پنجگانہ پر قصر یعنی کفایت کر لو اور نیند کی بے خودی میں نوافل نہ پڑھو کہ ممکن ہے اس نیند کی حالت میں تم پڑھو کچھ اور منہ سے نکلے کچھ۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہر شخص بقدر خوشی نوافل پڑھے' نیند کے غلبہ پر آرام کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان کا فریب یہ بھی ہوتا ہے کہ مسلمان کو ایک دفعہ تو تمام رات نوفل پڑھوا دے اور دوسرے دن فرض پڑھنے کے قابل نہ رکھے بہترین عمل وہ ہے جو ہمیشہ کیا جائے اگرچہ تھوڑا ہو یہ آیت کریمہ اعمال میں میانہ روی کی تعلیم دے رہی ہے نفس و شیطان کھلے دشمن ہیں اگر یہ تم سے نفل عبادات کرائیں تو اس میں بھی ان کی چال ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ ان تقصروا میں ہم سے خطاب فرما کر یہ بتایا کہ نماز سفر میں قصر تمہاری طرف سے ہو گا کہ چار کی بجائے تم دو پڑھو گے ہماری طرف سے قصر یعنی کمی نہ ہو گی ہم ثواب چار رکعت کا دیں گے یا حضر میں قصر کی نماز کا ثواب بخشیں گے۔ کیونکہ بیمار کو تندرستی کی عبادات کا ثواب ملتا ہے اور مسافر کو گھر کی عبادات کا ثواب عطا ہوتا ہے اور فرماتے ہیں کہ یہاں ان خفتم کے خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر عوام مسلمان تک سب داخل ہیں حضرات انبیاء و اولیاء کی واردات مختلف ہیں' کبھی ان پر بشریت کا ظہور ہوتا ہے تب ان کو بھوک پیاس خوف اور کفار سے خطرہ سب کچھ لاحق ہوتا ہے' موسیٰ علیہ السلام نے خوف فرعون کا اظہار فرمایا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی**۔ حضور ہجرت کی شب غار ثور میں پردہ پوش ہوئے کبھی ان پر نورانیت کی جلوہ گری ہوتی ہے تو نہ انہیں غذا و پانی کی ضرورت ہوتی ہے نہ کسی سے خوف' حضور کو غزوہ حنین میں کفار نے گھیر لیا تو تن تنہا سب کو بھگا دیا کوئی خوف نہ فرمایا فرعونی جادوگر مومن ہو کر فرعون سے بولے **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے' عیسیٰ علیہ السلام بغیر غذا صدہا سال سے آسمان پر ہیں حضور صوم وصال میں متواتر کئی دن تک کھاتے پیتے نہ تھے یہ تھی نورانیت کی جلوہ گری یہاں اذا خفتم میں حضور بھی داخل ہیں اور بشریت کے ظہور کا ذکر ہے۔

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ
اور جب ہو تم ان میں پھر قائم کرو ان کے لئے نماز تو چاہیے کہ کھڑا ہو ایک گروہ ان میں سے
اور اے محبوب جب تم ان میں تشریف فرما ہو پھر نماز میں ان کی امامت کرو تو چاہیے کہ ان میں ایک
مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ
ساتھ تمہارے اور وہ لئے رہیں ہتھیار اپنے پھر جب سجدہ کر لیں وہ تو ہو جائیں تمہارے پیچھے اور چاہیے
جماعت تمہارے ساتھ ہو اور وہ اپنے ہتھیار لئے رہیں پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو ہٹ کر پیچھے ہو جائیں
وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا
کہ آ جائے گروہ دوسرا جس نے نہ نماز پڑھی [illegible]
اور اب دوسری [illegible] تمہارے مقتدی ہوں اور چاہیے کہ

www.alahazratnetwork.org

حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ

اپنے بچاؤ اور لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا کہ کسی طرح غافل ہو جاؤ تم اپنے

اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں اور کافروں کی تمنا ہے کہ کہیں تم اپنے ہتھیاروں

اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَیَمِیْلُوْنَ عَلَیْكُمْ مَّیْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا

سامانوں سے تو ٹوٹ پڑیں تم پر یک بارگی اور نہیں

اور اپنے اسباب سے غافل ہو جاؤ تو ایک دفعہ تم پر جھک پڑیں اور تم پر

جُنَاحَ عَلَیْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَنْ

ہے گناہ اوپر تمہارے اگر ہو تم کو تکلیف بارش سے یا ہو تم بیمار یہ کہ رکھ دو

مضائقہ نہیں اگر تمہیں مینہ کے سبب تکلیف ہو یا بیمار ہو کہ اپنے ہتھیار کھول رکھو

تَضَعُوْۤا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا

تم ہتھیار اپنے اور لئے رہو تم بچاؤ اپنا بیشک اللہ نے تیار کیا ہے واسطے کافروں

اور اپنی پناہ لئے رہو بے شک اللہ نے کافروں کے لئے خواری کا عذاب تیار

مُّهِیْنًا (۱۰۲)

کے عذاب ذلت والا

کر رکھا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں عام سفروں میں دی ہوئی رعایت کا ذکر تھا یعنی نماز کا قصر کرنا اس آیت کریمہ میں خاص سفر جہاد میں بحالت خوف دی ہوئی رعایت کا ذکر ہے یعنی نماز خوف کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں قصر رکعات کا ذکر تھا کہ مسافر سفر میں بجائے چار کے دو رکعت فرض ادا کرے اب خاص صورتوں میں نماز قصر کے احکام کا ذکر ہے کہ نمازی مجاہد بحالت خوف نماز میں چل پھر بھی سکتا ہے ہتھیار وغیرہ بھی اٹھا سکتا ہے غرضیکہ ایک قسم کے قصر کا ذکر فرما کر دوسرے قسم کے قصر کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسافر کی اس رعایت کا ذکر تھا جس کا تعلق ہر مسافر سے ہے خوف ہو یا نہ ہو۔ اب اس رعایت کا ذکر ہے جس کا تعلق بعض مسافروں سے ہے یعنی خوف و ہراس میں مبتلا مسافر۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں اس رعایت کا ذکر تھا جو اکیلے نماز پڑھنے والے مسافر سے بھی متعلق تھی اور باجماعت نماز پڑھنے والے مسافروں سے بھی اب اس خاص رعایت کا ذکر ہے جو صرف باجماعت نماز پڑھنے والے بعض مسافروں سے تعلق رکھتی ہے غرضیکہ عمومی رعایت کے بعد خصوصی رعایت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ پانچواں تعلق: نماز تین طرح کی ہے گھر کی نماز' سفر کی نماز' ڈر کی نماز۔ گھر کی نماز کا ذکر تو قرآن کریم میں بار ہا کیا گیا ہے۔ پچھلی آیت میں سفر کی

www.alahazratnetwork.org

نماز کا ذکر تھا اب ڈر کی نماز کا ذکر ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غازی صحابہ کے ساتھ غزوہ ذات الرقاع میں تشریف لے گئے جب میدان کارزار میں پہنچے۔ وقت ظہر آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کو نماز باجماعت پڑھائی بعد نماز مشرکین افسوس کرنے لگے کہ ہم نے بڑا اچھا موقعہ ہاتھ سے کھو دیا جب یہ لوگ سجدہ میں گئے تھے تو ایک دم ان پر حملہ کردیتے کسی مسلمان کو سجدے سے اٹھنے ہی نہ دیتے۔ تب کفار کے بوڑھے بولے کہ مت گھبراؤ ابھی کچھ دیر بعد مسلمانوں کی نماز عصر آرہی ہے جو ان کو جان و مال و اولاد سے زیادہ پیاری ہے۔ تیار رہو جب سجدہ میں جائیں تو ایک دم حملہ کرکے سب کو تہ تیغ کردو۔ تب نماز عصر سے پہلے ہی یہ آیت کریمہ آئی جس میں نماز خوف پڑھنے کا طریقہ سکھایا گیا کہ مسلمان باجماعت نماز بھی پڑھ لیں اور کفار کی شر سے محفوظ بھی رہیں۔ دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام عسفان میں غازی صحابہ کرام کے ہمراہ تشریف لے گئے۔ مشرکین سے مقابلہ تھا۔ اس وقت لشکر کفار کے جرنیل حضرت خالد ابن ولید تھے جو بعد میں مسلمان بنے 'سیف اللہ بنے' اسلام کے جرنیل اعظم بنے۔ وہاں بھی مذکورہ واقعہ پیش آیا۔ حضرت خالد ابن ولید نے نماز ظہر دیکھ کر افسوس کیا اور نماز عصر میں مسلمانوں کو قتل کردینے کی تدبیر کی تب ظہر و عصر کے درمیان یہ آیت آئی (خازن 'روح البیان' روح المعانی' کبیر وغیرہ)۔ تیسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی محارب اور بنی انمار پر حملہ کیا۔ رب تعالیٰ نے فتح دی تمام کفار بھاگ گئے میدان میں ایک کافر نہ رہا۔ سرکار صلی اللہ علیہ وسلم استنجا فرمانے لشکر سے دور نکل گئے۔ تیز بارش آگئی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا ایک ببول کی جڑ میں بارش رکنے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ خالی ہاتھ تھے 'لشکر سے کافی دور تھے' اکیلے تھے' کہ ایک کافر غورث ابن حارث محاربی یہ موقع دیکھ کر اپنے ساتھیوں سے بولا کہ خدا مجھے غارت کرے اگر میں اس وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل نہ کروں۔ یہ مع اپنی جماعت کے ایک پہاڑی کی چوٹی پر تھا' تلوار لے کر اترا اور جب بالکل حضور انور کے سر مبارک کے پاس پہنچ گیا تو حضور نے اسے دیکھا یہ تلوار سونتے ہوئے تھا۔ بولا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ حضور نے فرمایا میرا اللہ مجھے بچائے گا' پھر دعا کی الٰہی مجھے غورث ابن حارث کے شر سے بچالے ابھی آپ کی دعا پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ غورث کے پاؤں میں زور کی لغزش ہوئی اوندھے منہ گرا اور اس کی تلوار ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا پڑی اب وہی تلوار نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اٹھالی اور اس کے سر پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ اب تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ بولا کوئی نہیں فرمایا بول کیا کلمہ پڑھتا ہے بولا میں کلمہ تو نہیں پڑھتا۔ مگر آپ سے عہد کرتا ہوں کہ عمر بھر نہ تو آپ سے جنگ کروں گا نہ آپ کے دشمن کو جنگ میں مدد دوں گا آپ نے اسے چھوڑ دیا اور اس کی تلوار اسی کو دے دی۔ وہ بولا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ مجھ سے اچھے ہیں فرمایا میں اچھائی کے لئے ہی بھیجا گیا ہوں۔ جب پہاڑی کی چوٹی پر پہنچا تو اس کے ساتھیوں نے اس سے کہا کہ تو نے ایسا موقعہ ہاتھ سے کیوں کھو دیا وہ بولا قسم خدا کی مجھے خبر نہیں مجھے کس نے گرادیا اور سارا ماجرا بیان کیا اسی وقت ان میں سے بہت لوگ مسلمان ہوگئے اس موقعہ پر آیت کریمہ کا آخری حصہ **ان کان بکم اذی من مطر** الخ نازل ہوا۔ (خازن' روح المعانی' تفسیر صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ غورث پھر اسی پہاڑی پر رہنے سہنے لگا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ساری پہاڑی مع اس جنگل کے غورث کے ساتھیوں کو عطا فرمادی یہ ہے اس کریم کی بندہ نوازی۔

www.alahazratnetwork.org

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو		تم ایسے رحمۃ للعالمین ہو

تفسیر : **واذا کنت فیھم** کنت میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور فیھم کی ضمیر غازیان صحابہ کرام کی طرف راجع ہے اذا ظرفیہ ہے جس میں شرط کے معنی شامل ہیں **فاقمت لھم الصلوۃ** یہ عبارت کنت الخ پر معطوف ہے ف عاطفہ ہے اقامت نماز سے مراد ہے نماز پڑھانے کا ارادہ کرنا لھم کا مرجع وہی غازیان صحابہ ہیں اور صلوٰۃ سے مراد فرض نماز ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب غازیان صحابہ کے ساتھ غزوہ میں آپ بھی تشریف فرما ہوں جنگ کی حالت ہو اور نماز کا وقت آجائے آپ غازیوں کو نماز پڑھانا چاہیں دشمن کا خطرہ سخت ہو اور قوی اندیشہ ہو کہ آپ نماز میں مشغول ہوں تو کفار حملہ کر دیں اتنی شرطوں کا خیال رہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ حکم تاقیامت جاری ہے اور غازیوں میں علماء صلحاء کی موجودگی گویا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی موجودگی ہے جمہور صحابہ اور عام علما مجتہدین کا یہی مذہب لہٰذا یہ آیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص نہیں اور یہ نماز خوف تاقیامت جاری ہے۔ **فلتقم طائفۃ منھم معک** یہ عبارت اذا کی جزاء ہے۔ منھم کا مرجع وہ غازی صحابہ ہیں معک سے مراد نماز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہونا ہے یعنی آپ ایسی خطرناک حالت میں غازیوں کی دو جماعتیں کر دیں ایک جماعت تو آپ کے ساتھ نماز میں کھڑی ہو جائے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہے خواہ دشمن جانب قبلہ میں ہو یا کسی اور طرف کیونکہ اس آیت میں کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ خیال رہے کہ معک سے مراد نماز میں ہمراہی ہے نہ کہ جگہ میں کیونکہ مقتدی امام سے پیچھے کھڑے ہوتے ہیں۔ ساتھ نہیں کھڑے ہوتے ہاں نماز میں ساتھ ہوتے ہیں۔ **ولیاخذوا اسلحتھم** یہ غازیوں کو دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت فلتقم پر معطوف یاخذوا کا فاعل یہ غازی لوگ ہیں یا دشمن کے مقابل کھڑے ہونے والے یا دونوں (خازن) اگر غازی لوگ فاعل ہیں تو اسلحہ یعنی ہتھیاروں سے مراد وہ ہتھیار ہوں گے جو لوائے نماز میں رکاوٹ نہ بنیں جیسے تلوار' خنجر یا آج کل بندوق برین گن وغیرہ جو ہتھیار نماز نہ پڑھنے دیں وہ مراد نہیں جیسے اس زمانہ میں کمان تیر نیزے بھالے اور آج کل توپ وغیرہ (تفسیر روح المعانی) اور اگر لیاخذوا کا فاعل دوسری جماعت ہے جو دشمن کے مقابل کھڑی ہے تو اسلحہ سے مراد عام ہتھیار ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ ابھی نماز میں نہیں انہیں رکوع سجدہ کرنا نہیں یعنی یہ نمازی لوگ یا وہ دشمن کے مقابل حضرات یا یہ دونوں جماعتیں اپنے ہتھیار لئے رہیں کیونکہ خطرہ قوی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں لیاخذوا کے معنی ہیں لئے رہیں نہ یہ کہ اب نماز میں اٹھالیں۔ **فاذا سجدوا فلیکونوا من ورائکم** یہ دوسرا حکم ہے جس کا تعلق اس نماز پڑھنے والی جماعت سے ہے۔ **سجدوا** سے مراد رکعت اولیٰ کا دوسرا سجدہ ہے جس پر پہلی رکعت ختم ہو جاتی ہے۔ **ورائکم** سے مراد ہے نماز سے علیحدہ ہو جانا دشمن کے مقابل پہنچ جانا خواہ دشمن سامنے جانب قبلہ ہو یا دائیں یا بائیں یا پیچھے یعنی جب یہ گروہ جو آپ کے ساتھ نماز میں شامل ہے آپ کے ہمراہ دوسرا سجدہ رکعت اول کا کرے اور اگر نماز مغرب ہے جس میں قصر نہیں یا نماز خوف بحالت اقامت ہو رہی ہے پوری چار رکعتیں پڑھنا ہیں اور دوسری رکعت کا دوسرا سجدہ کرلیں تو نماز سے ہٹ کر پیچھے ہو جائیں دشمن کے مقابل پہنچ جائیں۔ **ولتات طائفۃ اخری** دوسرے گروہ سے وہ جماعت مراد ہے جو اب تک ہتھیار بند دشمن کے مقابل تھی تلقہ سے مراد ہے دشمن کے مقابلہ سے ہٹ کر امام کے پیچھے آجانا چونکہ اس جماعت کا ذکر اس سے پہلے نہیں ہوا تھا اس لئے طائفہ نکرہ لایا گیا۔ **لم یصلوا فلیصلوا معک۔ لم یصلوا**

www.alahazratnetwork.org

طائفۃ کی دوسری صفت ہے اس سے مراد ہے اب تک نماز میں شریک نہ ہونا اور یصلوا معک سے مراد ہے دوسری رکعت پڑھنا۔ جو امام کی دوسری صفت ہے اور ان کی پہلی یا امام کی تیسری ہے اور ان کی پہلی یہ جماعت مسبوق ہے۔ جیسے پہلی جماعت لاحق تھی یعنی رکعت اول یا بعض صورتوں میں رکعت دوم کا دوسرا سجدہ کرنے کے بعد پہلی جماعت تو دشمن کے مقابل چلی جائے۔ اور اب دوسری جماعت آپ کے پیچھے آجائے جنہوں نے اب تک نماز نہیں پڑھی ہے وہ آپ کے ساتھ نماز پڑھیں اسی طرح کہ آپ کی یہ رکعت دوم یا سوم ہے اور ان کی رکعت اول ولیا خذوا حذرھم واسلحتھم۔ یہ اس دوسری جماعت کو دوسرا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیاخذوا کا فاعل یہی دوسری جماعت ہے جو اب نماز میں شریک ہوئی حذرھم سے مراد ہے دفاع کا سامان جیسے ڈھال وغیرہ اور اسلحہ سے مراد ہے جارحانہ حملہ کرنے کے ہتھیار چونکہ پہلی رکعت میں کفار کو مسلمانوں کی نماز کا پتہ نہ لگا تھا کہ ایک جماعت ان کے مقابل تھی اب اسی جماعت کے جانے اور اس دوسری جماعت کے امام کے پیچھے آنے سے انہیں نماز کا پتہ لگ گیا۔ اب وہ ضرور حملہ کرنا چاہیں گے کیونکہ وہ نماز کے منتظر تھے اسی لئے یہاں ہتھیار کے ساتھ حذرھم کا ذکر بھی فرمایا ممکن ہے کہ اسی لیاخذوا کا فاعل دونوں جماعتیں ہی ہوں۔ یعنی یہ دوسری جماعت والے یا دونوں اپنے دفاع کا سامان بھی ساتھ رکھیں اور ہتھیار بھی کہ اب خطرہ زیادہ ہے ود الذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم و امتعتکم۔ یہ گزشتہ حکموں کی وجہ و حکمت کا ذکر ہے اور یہاں خطاب دونوں فریق سے ہے نماز پڑھنے والوں سے بھی اور دشمن کے مقابلین سے بھی کفروا سے مراد وہی کافر ہیں جن کی سازش کو ناکام بنانے کے لئے یہ آیت کریمہ آئی لو بمعنی ان ہے۔ جس میں تمنا کے معنی شامل ہیں۔ اسلحہ سے مراد ہے ہتھیار جمع سلاح کی اور امتعہ سے مراد ہے راشن وغیرہ کا دوسرا سامان جمع متاع کی چونکہ حضرات صحابہ کرام بحالت نماز دنیا و مافیہا سے بے خبر ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے تھے اس لئے یہاں نماز پڑھنے کو تغفلون فرمایا۔ کفار کا مقصد یہ تھا کہ سارے مسلمان نماز میں مشغول ہو جائیں تو ہم اپنا کام کریں رب تعالیٰ نے نماز پڑھنے کو تغفلون فرمایا۔ لہذا اس جملہ پر یہ اعتراض نہیں کہ رب تعالیٰ نے صحابہ کی نماز کو غفلت کیوں فرمایا۔ خیال رہے کہ جب حضرات صحابہ کی خطرناک موقعوں کی نمازیں ایسی خشوع خضوع والی ہوتی تھیں تو امن کی حالت میں اطمینان والی نمازیں کیسی ہوتی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے صدقہ میں ہم کو ایسی بے خبری و بے خودی کی نمازیں نصیب کرے۔ فیمیلون علیکم میلۃ واحدۃ۔ یہ عبارت لو تغفلون کی جزاء ہے۔ یمیلون میل سے بنا بمعنی جھکنا مائل ہونا یہاں مراد ہے مسلمانوں پر ٹوٹ پڑنا میلۃ واحدۃ سے مراد ہے اچانک حملہ کر دینا جس کا مسلمانوں کو وہم بھی نہ ہو یا تمام کفار کا مل کر حملہ بول دینا کہ مسلمان سجدے ہی میں قتل کر دیئے جائیں اور سر نہ اٹھا سکیں یعنی کفار کی آرزو تو یہ تھی کہ تم سب نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں سامانوں سے غافل ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک یکبارگی حملہ کر دیں۔ جس سے تم سب مارے جاؤ اور تمہارا سامان ان کے قبضہ میں آجائے رب تعالیٰ نے ان کی یہ تدبیر بیکار کر دی۔ ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطر او کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم۔ یہ دوسرا نیا حکم ہے۔ جس میں ان غازیوں پر آسانی فرمائی جا رہی ہے اذی سے مراد ہے تکلیف اس کا بیان ہے من مطر چونکہ بارش میں بعض سامان جنگ بھیگ کر بھاری بھی ہو جاتا ہے۔ اور بارش میں سامان لئے ہوئے نماز پڑھنا بہت مشکل بھی ہوتا ہے اور سخت بارش میں جنگ بھی عموماً نہیں ہوا کرتی اسی طرح نمازی بیماری میں کمزوری کی وجہ سے بھاری ہتھیار لے کر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف فرماتے ہیں کہ اسی غزوہ میں میں بیمار تھا۔ جب یہ نماز خوف پڑھی گئی تو میرے متعلق یہ رعایت دی

www.alahazratnetwork.org

گئی یعنی اگر تم کو اس حالت میں بارش کی تکلیف پیش آجائے یا تم بیمار ہو تو تم کو ہتھیار کھول دینے کی اجازت ہے کہ اس سے تم کو نماز میں سخت تکلیف ہوگی۔ **لاجناح** فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ جو نمازی ایسی حالت میں بلا ہتھیار لئے امن کی سی نماز پڑھے وہ گنہگار ہے اس حالت میں ویسی ہی نماز پڑھو جیسی اللہ رسول بتائیں۔ اور جیسی صحابہ کرام فرمائیں۔ کیونکہ نفس نماز نفس حج و زکوٰۃ بذات خود عبادت نہیں عبادت تو ان کی اطاعت ہے اس لئے بعض وقت روزہ نماز حرام ہو جاتی ہیں۔ طلوع غروب کے وقت سجدہ حرام عید کے دن روزہ حرام۔ لہٰذا امن کی حالت میں سکون کی نماز عبادت ہے اور ایسی خوف کی حالت میں بھاگ دوڑ اور بے اطمینانی کی نماز عبادت ہے ادا کا حکم ہو تو ادا عبادت ہے۔ قضا کا حکم ہو تو ادا حرام قضا واجب مگر خیال رکھنا کہ ایسی حالت میں ہتھیار تو کھول دو مگر **وخذوا حذرکم** ایسی حالت میں بھی اپنا سامان دفاع لئے رہو کہ بالکل نہتے نہ ہو جاؤ۔ یہ جنگ کی حالت میں سخت خطرناک ہے۔ **ان اللہ اعد للکافرین عذابا مھینا**۔ اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ہمارا تم پر بڑا ہی کرم ہے کہ تم کو ایسے نازک موقعوں پر کفار سے بچاتے ہیں اور کفار پر ہمارا سخت غضب ہے کہ یہاں تمہارے ہاتھوں انہیں قتل کراتے ہیں کل بعد قیامت ان کو سخت عذاب دیں گے رسوائی والا۔ لہٰذا تم جنگوں میں ہوشیار ہو تاکہ تمہارے ذریعہ کفار کو یہاں پٹوایا جائے۔ آگے عذاب کے فرشتے ان کی سزا کے لئے تیار ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا   کہ در دست دشمن گذارد ترا

خلاصۂ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب جہاد میں غازی جانباز صحابہ کرام کے ساتھ آپ تشریف فرما ہوں اور وقت نماز آجائے۔ نماز بھی دو رکعت فرض کی ہوں جیسے فجر یا قصر سفر اور دشمن کے متعلق سخت خطرہ ہو کہ مسلمان نماز میں ہوں تو وہ لوگ حملہ کردیں گے تب آپ غازی صحابہ کی دو جماعتیں کردیں ایک جماعت تو آپ کے پیچھے صف بستہ ہو کر نماز میں کھڑی جائے اور یہ نمازی جماعت بھی نہتی نہ ہو بلکہ ہتھیار بند ہو کر نماز پڑھے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی رہے۔ یہ بھی ہتھیار بند ہو کہ جب نمازی لوگ ہتھیار بند ہیں تو یہ لوگ بدرجہ اولیٰ ہتھیار بند چاہئیں جب یہ نمازی جماعت آپ کے ہمراہ ایک رکعت پڑھ لے اور اسی کا دوسرا سجدہ کرلے اور اگر نماز مغرب ہو یا چار فرض پڑھتے ہوں کہ اقامت کی حالت میں جہاد ہو تو یہ جماعت دو رکعت آپ کے پیچھے پڑھیں۔ پھر یہ نمازی لوگ تو ہٹ کر دشمن کے مقابل چلے جائیں اور دوسری جماعت جو اب تک دشمن کے مقابل تھی وہ آپ کے پیچھے صف بستہ نماز میں کھڑی ہو جائے اور بقیہ نماز ایک رکعت یا چار فرض ہوں تو دو رکعت آپ کے پیچھے پڑھے مگر یہ لوگ ہتھیار بند بھی رہیں اور دفاع کا سامان ڈھال وغیرہ بھی اپنے ساتھ رکھیں کیونکہ اب دشمن کا خطرہ زیادہ ہے کہ انہیں تمہاری اس نقل و حرکت سے تمہارے نماز میں مشغول ہونے کا پتہ لگ گیا ہے کفار نے تو چاہا تھا کہ تم نماز میں مشغول ہو کر اپنے ہتھیاروں اپنے دفاعی وغیرہ سامانوں سے بے خبر ہو جاؤ تو تم پر اچانک یکبارگی بلہ بول کر تم پر ٹوٹ پڑیں۔ مگر اللہ نے ان کی اس تدبیر کو ناکام بنا دیا ہاں اگر اے نمازیو اس حالت میں تم کو بارش کی تکلیف ہو یا تم میں سے کوئی بیمار ہو جس سے پورے ہتھیار اور دفاعی سامان اٹھا کر نماز نہ پڑھ سکے تو تم کو اس مجبوری میں ہتھیار کھول دینے کی اجازت ہے مگر دفاعی سامان پھر بھی اپنے ساتھ رکھنا چاہئے تاکہ تم دشمن سے محفوظ رہو اللہ تعالیٰ نے کفار کے لئے ذلت و خواری کا عذاب تیار کر رکھا ہے وہ چاہتا ہے کہ تم کو ان کے شر سے محفوظ رکھے اور دنیا میں تمہارے ہاتھوں سے آخرت میں فرشتوں کے ذریعہ انہیں سخت

عذاب دے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں ان دونوں جماعتوں کی اس رکعت کا تو ذکر فرمادیا گیا جو امام کے پیچھے پڑھی جائے گی ان کی دوسری رکعت کا ذکر نہ فرمایا اسے حدیث شریف نے بتادیا کہ امام جب دونوں جماعتوں کو ایک ایک رکعت پڑھائے گا تو ان جماعتوں کی تو ایک ایک رکعت ہوگی امام کی دونوں رکعتیں ہو چکی ہوں گی لہذا امام تو سلام پھیر دے گا اور اب پہلی جماعت جو پہلی رکعت میں امام کے ساتھ تھی اپنی آخری رکعت بغیر قراءت کے ادا کر کے سلام پھیر دے گی کیونکہ یہ لاحق ہے۔ لاحق پر قراءت نہیں ہوتی۔ پھر دوسری جماعت جس نے دوسری رکعت امام کے پیچھے پڑھی ہے وہ اپنی پہلی رکعت مع قرات پڑھ کر سلام پھیر دے گی۔ کیونکہ یہ مسبوق ہے اور مسبوق پر قراءت لازم ہے اس طرح ان دونوں جماعتوں کی نماز پوری ہو جائے گی۔

نماز خوف : نماز خوف کے متعلق علماء امت و مجتہدین ملت و صحابہ کرام میں بڑا اختلاف ہے چنانچہ احناف میں سے امام ابو یوسف اور حسن ابن زیاد اور شوافع میں سے امام مزنی فرماتے ہیں کہ یہ نماز خوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے تھی۔ آپ کے سوا کسی کو اس طرح نماز پڑھانے کا حق نہیں حضور کے بعد یہ نماز بھی دیگر نمازوں کی طرح پڑھی جائے ان کی دلیل اس آیت کریمہ میں فاذا کنت فیھم ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر حضور انور موجود ہوں تو اس طرح نماز پڑھائیں۔ اگر نہ ہوں تو اس طرح نماز نہیں ہو سکتی۔ اور حضرت عبداللہ ابن عباس' جابر ابن عبداللہ و مجاہد کا قول ہے کہ نماز خوف ہوگی تو ہمیشہ ایسے خوف کے وقت مگر اس میں امام دو رکعتیں پڑھے گا اور غازی مقتدی صرف ایک ایک رکعت امام کے پیچھے پڑھ کر ہی سلام پھیر دیں گے وہ فرماتے ہیں کہ یہاں قرآن مجید میں ان کی ایک رکعت ہی کا ذکر ہے۔ جو امام کے ساتھ پڑھی جائے دوسری رکعت کا ذکر نہیں جو علیحدہ پڑھی جائے نیز حدیث شریف میں ہے کہ نماز سفر دو رکعتیں ہیں۔ نماز خوف ایک رکعت خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ امام پہلی جماعت کو بھی دو رکعت پڑھائے اور دوسری جماعت کو بھی یعنی ایسی حالت میں امام دو بار نماز پڑھائے ہر دفعہ دو رکعتیں پڑھ کر سلام پھیر دے' امام بھی پیچھے والے بھی۔ امام شافعی و سہل حثمہ فرماتے ہیں کہ امام پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھائے پھر خاموش کھڑا رہے حتیٰ کہ یہ جماعت دوسری رکعت اور التحیات پڑھ کر سلام پھیر کر دشمن کے مقابل چلی جائے پھر دوسری جماعت امام کے پیچھے آجائے۔ انہیں امام دوسری رکعت پڑھائے پھر امام التحیات میں خاموش بیٹھا رہے۔ حتیٰ کہ یہ جماعت اپنی باقی ماندہ رکعت پڑھ لے پھر امام ان کے ساتھ سلام پھیر دے۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعود اور امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا فرمان وہ ہے جو ابھی خلاصہ تفسیر کے آخر میں بیان ہوا کہ امام پہلی جماعت کو ایک رکعت پڑھائے پھر یہ جماعت دشمن کے مقابل چلی جائے۔ دوسری جماعت امام کے پیچھے آجائے انہیں امام دوسری رکعت پڑھائے پھر امام تو التحیات پڑھ کر سلام پھیر دے اور دوسری جماعت دشمن کے مقابل کھڑی ہو جائے۔ پہلی جماعت اپنی دوسری رکعت بطریق لاحق بغیر قراءت کے پڑھ کر سلام پھیرے اور دشمن کے مقابل کھڑی ہو جائے۔ پھر دوسری جماعت اپنی رکعت بطریق مسبوق قرات کے ساتھ رکعت پوری کر کے سلام پھیر دے غرضیکہ نماز خوف کے متعلق یہ پانچ قول ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز خوف کئی بار پڑھائی ہے اور طریقہ ادا میں اختلاف رہا ہے اس لئے ائمہ دین میں اختلاف ہوا۔ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور نے آخری نماز خوف جو پڑھائی وہ یہ ہی ہے جو ہم کہتے ہیں۔ لہذا اگلے طریقے منسوخ ہو گئے (از تفسیر کبیر و خازن)

www.alahazratnetwork.org

نماز خوف کے حالات : خیال رہے کہ جو طریقہ نماز خوف کا ذکر ہوا وہ ہر حال میں ہے۔ خواہ دشمن جانب قبلہ میں ہو یا دائیں بائیں یا پیچھے لیکن بعض علماء فرماتے ہیں کہ اگر دشمن جانب قبلہ میں ہو تو تمام نمازی امام کے پیچھے نماز شروع کردیں۔ قیام و رکوع سب ایک ساتھ کریں سجدہ کے وقت پہلی صف سجدہ کرے دوسری صف کھڑی رہے دشمن کی نگرانی کرے دو سجدے ختم ہونے پر یہ آخری صف سجدہ کرے پھر آخری صف آگے بڑھ کر صف اول بن جائے اور پہلی صف دوسری صف بن جائے اور دوسری رکعت میں وہی عمل ہو جو پہلی رکعت میں ہوا تھا پھر تمام غازیان ایک ساتھ سلام پھیریں مگر ہمارے ہاں صرف ایک ہی طریقہ نماز خوف کا ہے جو ابھی مذکور ہوا۔ دشمن خواہ کدھر ہی ہو مسئلہ جب دشمن کا خطرہ بہت زیادہ ہو اس مذکور طریقہ سے نماز نہ پڑھی جاسکے تو امام شافعی کے ہاں گھوڑوں پر اور پیدل دوڑتے ہوئے فرض نماز اشاروں سے پڑھ لی جائے۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں اس طرح نہ پڑھے بلکہ ایسی حالت میں نماز قضا کردے۔ بعد امن باقاعدہ پڑھے (خازن)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نماز بلکہ نماز کی جماعت بہت ہی اہم چیز ہے کہ ایسی خطرناک حالت میں بھی نہ نماز معاف ہوئی نہ جماعت بلکہ بہت کچھ فرق کرکے جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ افسوس ہے ان لوگوں پر جو امن و امان کی حالت میں بلاوجہ نماز چھوڑ دیتے ہیں یا بلاوجہ جماعت ترک کردیتے ہیں۔ اکیلے پڑھ لیتے ہیں۔ اللہ کا خوف چاہئے۔ رب تعالیٰ نماز باجماعت کی توفیق دے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض موقعہ پر نماز میں چلنا پھرنا قبلہ سے منہ پھر جانا عمل کثیر وغیرہ سب جائز ہو جاتا ہے۔ دیکھو نماز خوف میں یہ تمام چیزیں جائز کردی گئیں اسی طرح اگر کسی کا نماز میں وضو ٹوٹ جائے تو وہ اس حالت میں جاکر وضو کرے نماز ہی میں رہے گا۔ اسی طرح اگر کسی نمازی کو بحالت نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلائیں تو یہ نمازی اس حالت میں حضور کے پاس حاضر ہو جائے جو کام کرائیں کرے بازار بھیجیں ہو آئے مگر نماز ہی میں رہے گا کہ فارغ ہو کر بقیہ نماز پوری کرے رب تعالیٰ فرماتا ہے **استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم** ۔ **تیسرا فائدہ:** نماز خوف ہتھیار لے کر ادا کرنی چاہئے اس ہتھیار بندی سے اس کی نماز میں خلل نہ ہوگا جیسا کہ **ولیاخذوا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بحالت معذوری نماز خوف میں ہتھیار کھول دے۔ مگر ڈھال وغیرہ بچاؤ کا سامان ضرور ساتھ رکھے جیسا کہ **خذوا حذرکم** سے معلوم ہوا۔ حق یہ ہے کہ یہ حکم استحبابی ہے اگر غازی زیادہ خطرہ محسوس نہ کرے تو ہتھیار کھول کر بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات صحابہ کرام بحالت نماز دنیا **وما فیہا** سے بے خبر ہو کر متوجہ الی اللہ ہو جاتے تھے ان کی نماز نہایت استغراق کی تھی۔ جیسا کہ **لو تغفلون** الخ سے معلوم ہوا مگر یہ حضرات نمازوں میں دنیا سے تو غافل ہوتے تھے اللہ رسول سے غافل نہ ہوتے تھے دیکھو وفات شریف کے دن صحابہ کرام نے بحالت نماز دیکھ لیا کہ حضور نے دروازہ کھولا تبسم فرمایا گریہ فرمایا دیکھو نماز میں حضور کی جنبش تبسم گریہ کو دیکھ رہے ہیں۔ مکہ والی نمازوں میں کعبہ کو دیکھا جاتا ہے۔ مدینہ والی نمازوں میں جناب مصطفیٰ کو دیکھا جاتا تھا۔۔

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری!

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ انہیں دشمن سے بچاتا ہے۔ دیکھو اس غزوہ میں دشمن نے کیسی خطرناک تدبیر سوچی مگر رب تعالیٰ نے بروقت مسلمانوں کو بچا لیا رب تعالیٰ ہم کو بھی اپنی اطاعت کی توفیق دے۔ **ساتواں فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

اگر خطرہ اتنا قوی ہو کہ اس طرح بھی نماز پڑھنا ناممکن ہو جائے تو نماز قضا کر دی جائے مگر نماز معاف نہیں آج ہوائی جہازوں اور بم کی لڑائی ہے اب اگر بحالت جنگ یہ تدبیر نماز خوف کی کارگر نہ ہو تو قضا کر کے نماز پڑھی جائے مگر نماز معاف نہیں بعض فوجیوں کو دیکھا گیا کہ جنگ کی حالت میں نماز معاف سمجھتے ہیں یہ غلط ہے۔ بعض حاجی صاحبان نماز کی پرواہ نہیں کرتے بڑے افسوس کی بات ہے۔ جہاد میں خوف موت زیادہ ہے اس وقت کوئی سانس اللہ کے ذکر سے خالی نہ ہو۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کی خود حفاظت بلکہ پرورش فرماتا ہے بلکہ ان کی حفاظت کی خاطر اپنے قوانین میں ترمیم فرما دیتا ہے۔ دیکھو یہاں حضرات صحابہ کرام کی حفاظت کے لئے نماز میں چلنا پھرنا کعبہ سے سینہ پھیرنا سب جائز کر دیا۔ **من کان للہ کان اللہ لہ** موسیٰ علیہ السلام کی پرورش خود رب نے فرمائی کہ انہیں کشتی سے بخیریت فرعون کے ہاں پہنچایا پھر فرعون دشمن کے گھر ان کی حفاظت کی۔ فرمایا **لتصنع علی عینی۔ نواں فائدہ:** ہم پر حضرات صحابہ کا بڑا احسان ہے کہ ان کے طفیل ہم کو شرعی آسانیاں ملیں۔ ماں ہماری محسن ہے کہ رب کا دودھ اس کے پستان سے ہمیں ملا۔ حضرات صحابہ ہمارے محسن ہیں کہ ایسی آسانیوں کی آیات ان کے صدقہ اللہ نے ہمیں دیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز خوف صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی پڑھا سکتے تھے۔ حضور کے بغیر نماز خوف اس طرح نہیں پڑھنی چاہئے۔ دیکھو فرمایا گیا **واذا کنت فیھم** جب آپ ان میں ہوں تو اس طرح نماز پڑھائیں (امام ابو یوسف) **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت میں یہ نہ فرمایا گیا کہ اے محبوب نماز خوف صرف آپ پڑھیں آپ کے سواء کوئی نہ پڑھے جیسے زیادہ بیویوں کے متعلق فرمایا گیا۔ خالصۃ **"لک من دون المومنین"** لہذا نماز خوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے نہ ہوئی۔ مسلمانوں کو حضور کی اتباع کا حکم ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** سرکار فرماتے ہیں۔ **صلوا کما رایتمونی اصلی** جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا تم بھی ویسے ہی نماز پڑھو۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالھم صدقۃ**" اے محبوب آپ ان کے مالوں کی زکوٰۃ وصول فرماؤ تو کیا حضور کے بعد کسی پر زکوٰۃ فرض نہ رہی ضرور فرض ہے۔ اب سلاطین اسلامیہ حضور کے نائب ہو کر زکوٰۃ اموال ظاہری وصول فرما سکتے ہیں ایسے ہی تاقیامت اسلامی حکام علماء حضور کے نائب ہیں وہ غازیوں کو نماز خوف پڑھا سکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور کے بعد صحابہ کرام نے نماز خوف پڑھی ہے پڑھائی ہے۔ چنانچہ ابو داؤد' نسائی' ابن حبان وغیرہم نے حضرت ثعلبہ ابن زہدم سے روایت کی کہ ہم جنگ طبرستان میں سعید ابن عاص کے ساتھ تھے سعید ابن عاص نے دریافت کیا کہ تم میں سے کس نے حضور کے ساتھ نماز خوف پڑھی ہے۔ حضرت حذیفہ نے فرمایا میں نے پھر انہوں نے نماز خوف کا طریقہ بتایا اور تمام حاضرین کو نماز خوف پڑھائی تمام صحابہ نے یہ نماز خوف پڑھی اور کسی نے اعتراض نہ کیا (روح المعانی و خازن) نیز حضرت علی مرتضیٰ نے لیلۃ الہریر میں اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی ایک موقعہ پر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے اپنے ساتھیوں کو نماز خوف پڑھائی ان واقعات میں عام صحابہ کرام موجود تھے کسی نے اعتراض نہ کیا (تفسیر خازن) چوتھے یہ کہ مشروط میں مقابل سے سکوت ہوتا ہے اس کی نفی نہیں ہوتی اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حضور تشریف فرما ہوں تو نماز خوف پڑھائیں لیکن اگر موجود نہ ہوں تو نماز خوف نہ پڑھی جائے اس کا ذکر نہیں بلکہ اس سے سکوت ہے رب فرماتا ہے اگر تمہاری لونڈیاں زنا سے بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو اس کا مطلب یہ

www.alahazratnetwork.org

نہیں کہ اگر نہ بچنا چاہیں تو ان سے زنا کراؤ یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز خوف صرف ایک رکعت پڑھنی چاہئے کہ یہاں فرمایا گیا کہ پہلے ایک جماعت آپ کے ساتھ نماز پڑھ لے بعد کو دوسری جماعت نیز حدیث شریف میں ہے کہ نماز سفر دو رکعت ہیں اور نماز خوف ایک رکعت یہ حدیث ایک رکعت ہی بتا رہی ہے (ابن عباس)۔ **جواب:** یہاں جماعت کے ساتھ ایک رکعت پڑھنے کا ذکر ہے۔ دوسری رکعت اکیلے پڑھی جائے گی۔ اس کا ذکر یہاں نہیں۔ اسے سنت نے بیان فرمایا۔ نیز یہاں آیت میں تو ایک رکعت کا بھی ذکر نہیں ایک دو رکعت کا پتہ بھی حدیث شریف سے ہی معلوم ہوا۔ حدیث پیش کردہ کا مطلب بھی یہ ہی ہے کہ خوف کی حالت میں نماز باجماعت ایک رکعت ہے وہ حدیث اس آیت کی شرح ہے یہ ایک رکعت بھی ان نمازوں میں ہے جن کی دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ جیسے فجر یا سفر میں قصر پوری چار رکعت والی نماز میں ہر جماعت دو رکعت جماعت سے ادا کرے گی۔ دو اکیلے اور نماز مغرب پہلی جماعت دو رکعتیں پڑھے گی۔ دوسری ایک رکعت یہ تمام تفصیل حدیث شریف نے بتائی۔ **تیسرا اعتراض:** نماز میں چلنا پھرنا کعبہ سے سینہ پھر جانا اور سارے عمل کثیر نماز توڑ دیتے ہیں۔ پھر نماز خوف میں یہ سب باتیں ہونے کے باوجود نماز ٹوٹتی کیوں نہیں یہ چیز خلاف قانون ہے۔ **جواب:** قانون وہی ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنادیں۔ ہماری عقل کو دخل نہیں جب قرآن و حدیث نے نماز خوف میں یہ تمام کام جائز کردیے تو اسی نماز کے لئے یہ ہی قانون بن گیا ہم تم اس پر اعتراض کرنے والے کون ہیں۔ ہم تو حکم کے تابع ہیں۔ نماز میں وضو جاتا رہے تو بھی چلنا پھرنا وضو کے لئے جانا سینہ کا کعبہ سے پھر جانا نماز نہیں توڑتا۔ کسی کو نماز میں سلام کرو نماز جاتی رہتی ہے مگر حضور کو سلام کرنا واجب ہے التحیات میں پڑھا جاتا ہے السلام علیک ایہا النبی یہ ہے قانون کہ اور کو سلام کرو تو نماز نہ ہو مگر حضور کو سلام نہ کرو تو نماز نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نماز بدن جب خوف کی حالت میں پڑھی جائے تو دشمن سے بچاؤ کا خیال رکھا جاتا ہے کہ بعض غازی نماز میں رہتے ہیں اور بعض دشمن کے مقابل ان دونوں کو نماز کا ثواب ملتا ہے اور دونوں نماز میں متصور ہوتے ہیں۔ ایسے ہی دنیا میں رہ کر جب نماز عشق ادا کی جائے تو دل و دماغ و روح اس نماز میں مشغول ہو کر کافر نفس دشمن شیطان سے غافل نہ ہو جائیں خطرہ ہے کہ وہ ہم کو غافل پا کر ہلاک کردیں۔ لہٰذا اس نماز کو بھی یوں ادا کرو کہ دل رب کی طرف متوجہ ہو دماغ و روح ان کافروں سے مقابلہ کے لئے تیار رہے اور کبھی دماغ و روح یہ نماز پڑھیں اور دل و عقل ان موذیوں کا مقابلہ کرتے رہیں تب یہ نماز خیریت سے ادا ہوگی پھر ان سب پر لازم ہے کہ شریعت کے ہتھیار طریقت کی ڈھال اپنے ساتھ رکھیں شریعت جارحانہ حملہ کا ہتھیار ہے۔ طریقت دفاع کا سامان حضور غوث پاک پر عین نماز تہجد میں شیطان دشمن نے حملہ کیا کہ وہ ملعون خدا بن کر سامنے آگیا تو آپ نے شریعت کے ہتھیار سے ہی اس کو ایسی شکست فاش دی جو آج تک اسے یاد ہوگی غرضیکہ سر کی نماز خوف تو کبھی کبھی ادا ہوتی ہے مگر نماز عشق ہمیشہ ہی نماز خوف کے طریقہ سے ادا کرنی چاہئے ہر مسلمان کو مرتے وقت تک اس موذی کا خوف چاہئے جب رحمت ربانی کی خاص بارشیں ہو رہی ہوں اس وقت اگر ہتھیار سے ہلکے ہو کر نماز پڑھو تو درست ہے مگر سامان دفاع سے جب بھی غافل نہ رہو۔

www.alahazratnetwork.org

فَاِذَا قَضَیۡتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذۡكُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی

پس جب پوری کر چکو تم نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اور اوپر

پھر جب تم نماز پڑھ چکو تو اللہ کی یاد کرو کھڑے اور بیٹھے اور کروٹوں

جُنُوۡبِکُمۡ فَاِذَا اطۡمَاۡنَنۡتُمۡ فَاَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتۡ عَلَی

کروٹوں اپنی کے پھر جب اطمینان میں ہو جاؤ تم تو قائم کرو نماز کو تحقیق نماز ہے اوپر

پر پھر جب مطمئن ہو جاؤ تو حسب دستور نماز قائم کرو بے شک نماز مسلمانوں پر

الۡمُؤۡمِنِیۡنَ کِتٰبًا مَّوۡقُوۡتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَہِنُوۡا فِی ابۡتِغَآءِ الۡقَوۡمِ اِنۡ تَکُوۡنُوۡا

مسلمانوں کے فرض وقت وقت کی ہوئی اور نہ سستی کرو تم قوم کی تلاش کرنے میں اگر ہو تم

وقت بندھا ہوا فرض ہے اور کافروں کی تلاش میں سستی نہ کرو اگر تمہیں دکھ

تَاۡلَمُوۡنَ فَاِنَّہُمۡ یَاۡلَمُوۡنَ کَمَا تَاۡلَمُوۡنَ وَتَرۡجُوۡنَ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا

رنج پاتے تو بے شک وہ بھی رنج پاتے ہیں جیسے رنج پاتے ہو تم اور امید کرتے ہو تم اللہ سے

پہنچتا ہے تو انہیں بھی دکھ پہنچتا ہے اور تم اللہ سے وہ امید رکھتے ہو جو

یَرۡجُوۡنَ ؕ وَکَانَ اللّٰہُ عَلِیۡمًا حَکِیۡمًا ﴿۱۰۴﴾ ع ۱۵

وہ جو نہیں امید کرتے وہ اور ہے اللہ علم والا حکمت والا

وہ نہیں رکھتے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غازیوں کو میدان جہاد میں نماز باجماعت ادا کرنے کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اب انہیں بعد نماز اللہ کا ذکر کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ نماز کے بعد ذکر اللہ سے غافل نہ رہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں غازی مسلمانوں کو ظاہری ہتھیار جنگ اور بچاؤ کا سامان ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا تھا اب ان ہی غازیوں کو روحانی ہتھیار اور سامان جنگ ساتھ رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جنگ میں ذکر اللہ میں مشغول رہو یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں غازی مسلمانوں کو خطرناک حالت میں نماز خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم عارضی تھا۔ خطرہ جاتے ہی نماز اسی طرح پڑھو جس طرح عام امن کی حالت میں پڑھی جاتی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں اس حالت کا ذکر تھا جب مسلمانوں کے پیچھے کفار پڑے ہوں اور مسلمان خدا گھرے ہوں اب اس کے مقابل دوسری حالت کا ذکر ہے جب مسلمان کفار کی تلاش میں نکلیں **وَلَا تَہِنُوۡا** الخ غرضکہ نماز کے بعد دشمن کے تعاقب کرنے کا ذکر فرمایا جو اپنے بچاؤ کی ایک قسم ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول : غزوۂ احد شریف سے فارغ ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ نکلو کفار کا پیچھا کرو مبادا پھر لوٹ کر مدینہ منورہ پر حملہ نہ کردیں تو حضرات صحابہ نے سخت زخمی ہونے کی شکایت کی تب دوسری آیت کریمہ **ولاتھنوا** الخ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کی ہمت بندھائی گئی اور کفار کی جرات کا ذکر فرما کر ان حضرات کو دلیر کیا گیا (تفسیر خازن) تفسیر روح البیان نے اس آیت کا نزول بدر صغریٰ کے متعلق ذکر فرمایا تفسیر روح المعانی نے دونوں احتمال بیان فرمائے۔

تفسیر : **فاذا قضیتم الصلوة** چونکہ اگلا حکم نماز خوف ادا کر چکنے کے بعد کے متعلق ہے اس لئے ف تعقیبیہ داخل ہوئی۔ الصلوة سے مراد وہی نماز خوف ہے جس کا ذکر ابھی ابھی ہو چکا یہاں قضا بمعنی ادا ہے نہ کہ ادا کا مقابل۔ ہو سکتا ہے کہ اس ادا کو قضا سے اس لئے تعبیر فرمایا کہ اس میں نماز کے سارے شرائط پورے طور پر ادا نہ ہو سکے اور اطمینان کی نماز میں تمام شرائط پوری طور پر ادا ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کے متعلق آرہا ہے **فاقیموا الصلوة** اور ہو سکتا ہے کہ یہاں قضا کے معنی ہوں حق پورا کرو جیسا رب تعالیٰ حضرت انس ابن نضر کی شہادت کے متعلق فرماتا ہے۔ **منھم من قضی نحبہ** چونکہ بحالت خوف ایسی نماز پڑھنے میں انسان بیک وقت غازی بھی ہوتا ہے نمازی بھی اس لئے وہ نماز کا حق ادا کر دیتا ہے کہ اگرچہ نماز بے اطمینانی کی ہے اس میں چلنا پھرنا بھی مگر حقیقتہً ”حق نماز یہ ہی ادا کرتا ہے۔

نہ مسجد میں نہ بیت اللہ کی دیواروں کے سایہ میں نماز عشق ادا ہوتی ہے تلواروں کے سایہ میں

قضیتم میں خطاب انہی غازیوں سے ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یعنی اے غازیو جب تم نماز خوف بطریق مذکور ادا کر چکو تو **فاذکروا اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم**۔ یہ جملہ **اذا** شرطیہ کی جزا ہے۔ لہٰذا یہ ف جزائیہ ہے **اذکروا** میں بھی خطاب انہی غازیوں سے ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد تکبیر تہلیل درود شریف اور دیگر درود وظائف میں قیام و قعود وغیرہ سے مراد ہے ہر حالت کیونکہ انسان کی تین ہی حالتیں ہوتی ہیں۔ کھڑا ہونا' بیٹھنا' لیٹنا' ان تینوں حالتوں کا ذکر فرما کر اشارةً" بتایا کہ بحالت جہاد نماز ادا کرکے ہر حالت میں ہر طرح اللہ کا ذکر کرو۔ جنگ کا نقشہ یہ ہو کہ تمہارے ہاتھ میں تلوار ہو اور زبان پر ذکر یار ہو خواہ مار رہے ہو یا مر رہے ہو۔ خواہ بھاگ رہے ہو یا بھگا رہے ہو۔ بعض صاحبوں نے فرمایا کہ یہاں ذکر اللہ سے مراد امن کے زمانہ کی نمازیں ہیں۔ قیام سے مراد ہے تندرستی میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا قعود سے مراد ہے بیماری میں بیٹھ کر نماز ادا کرنا اور **علی جنوبکم** سے مراد ہے بہت سخت بیماری میں جب کہ بیٹھ بھی نہ سکو تو لیٹ کر نماز پڑھنا۔ وہ اس کا مطلب یوں کرتے ہیں کہ تم خوف کی نمازیں پڑھ چکو اور زمانہ امن کا پاؤ تو تندرستی میں کھڑے ہو کر بیماری میں بیٹھ کر لاچاری میں لیٹ کر نماز پڑھو مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کہ امن کی نمازوں کا ذکر تو آگے آرہا ہے خیال رہے کہ یہاں کروٹ سے مراد مطلقاً لیٹنا ہے خواہ چت ہو کر یا داہنی یا بائیں کروٹ پر غرضکہ لیٹنے کی ایک صورت کا ذکر فرما کر تمام صورتیں مراد لیں جنوب جمع ہے جنب کی بمعنی کروٹ و پسلیاں اور ہو سکتا ہے کہ **فاذاقضیتم** اور **فاذکروا** میں خطاب غازیوں سے ہو یعنی نماز میں تو تم پر پابندی تھی کہ فلاں فلاں وقت نمازیں نہ پڑھو اور بحالت نماز بھی پابندیاں ہیں کہ قیام میں درود نہ پڑھو۔ بعد ... قرآن نہ پڑھو جب نماز پڑھ چکو تو ہر حال میں ہر طرح ہر قسم کا ذکر اللہ کرو' اب نماز کی پابندیاں جاتی رہیں۔ **فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوة** ظاہر یہ ہے کہ ف تعقیبیہ ہے اور اطمینان سے مراد جنگی خوف کے بعد کا امن و امان ہے اور اقامت سے مراد ہے نماز کے تمام شرائط و ارکان فرائض و واجبات و

www.alahazratnetwork.org

سنن و مستحبات کے ساتھ نماز ادا کرنا کہ اقامت نماز کے ایک معنی یہ بھی ہیں۔ درست طور پر نماز پڑھنا یعنی اے غازیو تم کو نماز میں چل پھر لینے وغیرہ کی اجازت صرف خوف کی حالت میں تھی پھر جب یہ خوف جاتا رہے اور تم امن و امان کی حالت پاؤ تو پہلے کی طرح نماز نہایت درست طور پر ادا کرو' اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی نماز قائم کرنے سے مراد ہمیشہ نماز پڑھنا ہو یعنی اے مسلمانو صرف خوف و ڈر میں ہی نماز محدود نہ کرو بلکہ بحالت امن میں بھی ہمیشہ نماز پڑھو یا مضبوط نماز پڑھو کہ ارکان نماز ظاہری اعضاء سے ادا ہوں اور خشوع و خضوع دل سے ادا ہو۔ بنیاد والی دیوار جڑ والا درخت مضبوط ہے ایسے ہی دل سے تعلق رکھنے والی نماز مضبوط ہے یا نماز کا رخ سیدھا رکھو کہ نماز کسی بندے کے لئے نہ پڑھو اللہ رسول کے لئے پڑھو۔ خیال رہے کہ **اقیموا** صرف نماز کے لئے ارشاد ہوا روزہ' زکوۃ حج وغیرہ کسی عبادت کے لئے **اقیموا** نہ فرمایا کیونکہ وہ عبادات کبھی کبھی ہوتی ہیں۔ مگر نماز دن میں پانچ دفعہ' نیز نماز بعد موت بھی ہوگی دوسری عبادات مرتے ہی ختم ہو جائیں گی۔ نیز نماز کو ہم قائم کریں تو نماز ہم کو اور ہماری دوسری عبادات کو سیدھا کر دے گی۔ کیونکہ **ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتابا موقوتا**۔ نماز کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے اس جملہ کو ان سے شروع فرمایا گیا **الصلوۃ** سے مراد نماز پنجگانہ ہے کہ یہ ہی فرض ہے نماز عید وغیرہ واجب ہے **المومنین** سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں خواہ کسی درجہ کے ہوں۔ غوث ولی قطب' شاہ و گدا ہر مسلمان پر نماز فرض عین ہے **کتاب** بمعنی مکتوب ہے۔ بہت اہم ضروری فریضہ کو کتاب یا مکتوب فرمادیا جاتا ہے۔ اس سے مراد یا لوح محفوظ میں لکھی ہوئی یا قرآن مجید میں یا گذشتہ نبیوں کی کتابوں صحیفوں میں تحریر شدہ فریضہ۔ **موقوتا**" وقت سے بنا بمعنی وقتوں پر تقسیم کی ہوئی کہ ہر نماز اپنے وقت سے پہلے نہیں پڑھی جاسکتی اور اگر بعد وقت پڑھی جائے تو قضا ہوتی ہے یعنی یقیناً نماز پنجگانہ سارے مسلمانوں پر پابندی وقت کے ساتھ فرض ہے کہ ہر نماز اس کے وقت مقررہ پر پڑھی جائے **ولا تھنوا فی ابتغاء القوم**۔ ان ہی غازیوں کو یہ دوسرا حکم دیا جا رہا ہے **تھنوا وھن** سے بنا۔ بمعنی سستی یا کمزوری **ابتغاء** بغی سے بنا ہے نہ کہ **بغاوۃ** سے۔ بغی کے معنی ہیں تلاش و جستجو بغاوت کے معنی ہیں سلطان اسلام کی مخالفت۔ **القوم** میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد کفار مکہ ہیں یعنی ابو سفیان اور ان کے ساتھی دوسرے کفار۔ اگرچہ یہ حکم ان غازیوں کا تھا مگر اس میں سبق تمام غازیان اسلام کو ہے۔ جو تاقیامت باقی ہیں۔ یعنی اے مسلمانو ان کفار قوم کی تلاش و جستجو اور ان کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرو۔ **ان تکونوا تالمون فانھم یالمون کما تالمون**۔ یہاں ان شرطیہ شک کے لئے نہیں۔ کہ ان حضرات کو زخم و تکلیف تو یقیناً پہنچی تھی بلکہ شجاعت دلانے کو۔ کہیں رغبت دینے کے موقع پر اگر وغیرہ بولا جاتا ہے۔ باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر۔ **تالمون الم** سے بنا بمعنی رنج خواہ جسمانی تکلیف کی وجہ سے ہو یا روحانی تکلیف کی بنا پر **فانھم** میں **ھم** سے مراد وہی قوم کفار ہے یعنی اے غازیو اگر تم کو ان جنگوں میں جسمانی یا روحانی درد پہنچتا ہے تو ان کفار کو بھی تو پہنچتا ہے یہ تکلیف تم میں ان میں مشترک ہے **وترجون من اللہ ما لا یرجون**۔ یہ مسلمانوں کی برتری کا ذکر ہے **ترجون رجاء** سے بنا بمعنی امید کرنا یعنی تم کو فتح و شکست دونوں صورتوں میں اللہ تعالیٰ کی ان رحمتوں کی امید ہے جو کفار کو نہیں کہ تم اللہ کے دین کے لئے لڑتے ہو وہ محض ملک و قوم کے لئے نیز تم قیامت جنت و دوزخ کے قائل ہو ان کا ان چیزوں پر ایمان ہی نہیں تو انہیں اجر و ثواب کی امید کیسے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا تم ان سے [illegible] دکھاؤ۔ **وکان اللہ علیما حکیما**۔ اس عبارت میں مسلمانوں کو مطمئن فرمایا گیا کہ تم اپنی تکلیف و شکست پر غم نہ کرو۔ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور ان تمام میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔ کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

وہ علیم بھی ہے حکیم بھی حکیم کا کام حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہء تفسیر : اے غازیو جب تم نماز خوف مذکورہ طریقہ سے ادا کر چکو تو رب تعالیٰ کے ذکر سے غافل نہ ہو بلکہ ہر حال میں کھڑے، بیٹھے، لیٹے، چلتے پھرتے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر طرح کرو کہ تم جنگ میں خطرناک حالات سے دوچار ہو اس وقت اللہ کا ذکر تمہارے لئے بہترین حفاظت ہے۔ یا اے نمازیو تم صرف نماز پر قناعت نہ کیا کرو بلکہ بعد نماز ہر حال میں اللہ کا ذکر کیا کرو کیونکہ اللہ کے ذکر میں تمہاری عزت ہے اللہ کا ذکر دلوں کا چین ہے اللہ کے ذکر سے اللہ کی محبت دل میں پیدا ہوتی ہے اور محبت سے اطاعت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اللہ کا ذکر زبانی بھی ہوتا ہے۔ جنانی بھی ارکانی بھی سر سے پاؤں تک کے اعضاء کا ذکر علیحدہ ہے ہر قسم کا ذکر کرکے مکمل ذاکر بلکہ خود ذکر اللہ بن جاؤ۔ پھر اللہ کی ذات و صفات کا ذکر بھی ذکر اللہ ہے اور اس کے محبوبوں کا محبت سے ذکر بھی ذکر اللہ ہے اور اس کے دشمنوں کا نفرت سے ذکر بھی ذکر اللہ ہے۔ تلاوت قرآن ذکر اللہ ہے حالانکہ قرآن کریم میں انبیاء و اولیاء کا عزت سے ذکر بھی ہے اور فرعون و ہامان کا اہانت سے ذکر بھی ہے۔ پھر جب جنگ ختم ہو جائے حالات نارمل اور پرسکون ہو جائیں تم امن سے ہو جاؤ تو ہمیشہ کی طرح نمازیں پڑھا کرو تمام شرائط و ارکان ادا کرکے کہ نماز خوف کی آسانیاں ایک عارضی چیز تھیں۔ یہ خیال رکھو کہ نماز تمام مسلمانوں پر اپنے اپنے وقت میں ادا کرنا فرض ہے بلکہ اہم فرض کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر نماز سے علیحدہ نہیں ہو سکتا اور اے غازیو بھلوڑو قوم کفار کے تعاقب ان کی طلب میں سستی نہ کرو فوراً نکلو ان کا پیچھا کرو تاکہ ان کو پلٹ کر تم پر دوبارہ حملہ کرنے کی ہمت نہ ہو سکے ہم جانتے ہیں کہ کل احد کی جنگ میں تم کو تکلیف پہنچی ہے مگر سوچو تو سہی کہ اگر تم کو تکلیف پہنچی ہے تو تمہارے دشمن کفار کو بھی تو تکلیف پہنچی اس تکلیف میں تم اور وہ مشترک ہو اس کے ساتھ ہی تم کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے وہ امیدیں ہیں جو کفار کو نہیں ہیں تم مار لو تو غازی مر جاؤ تو شہید لٹ جاؤ تو تمہارا روزہ لوٹ لاؤ تو عید تم تو ہر طرح نفع میں ہو۔ لہٰذا تم کیوں سستی کرتے ہو۔ جب کفار نہیں تھکتے تو تم کیوں تھکے جاتے ہو جان لو کہ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے، حکمت والا بھی اس کے تمام احکام علم و حکمت سے ہوتے ہیں۔ احد میں تم کو تکلیف پہنچنا ابو سفیان کا واپس ہو کر مدینہ پر دوبارہ چڑھائی کرنے کا ارادہ کرنا پھر یہ خبر تم تک پہنچنا پھر تمہارا اس زخم و تکلیف کی حالت میں مقابلہ کے لئے تیار ہو جانا یہ سب کچھ ہماری طرف سے ہے ان میں سے ہر کام میں ہماری صدہا حکمتیں ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جہاد جیسی خطرناک حالت میں بھی مسلمان کو اللہ کے ذکر سے غافل نہ ہونا چاہئے زبان ذکر اللہ سے تر رہے۔ امن کی حالت میں تو بدرجہ اولیٰ اللہ کا ذکر ہر وقت چاہئے۔ اللہ کے ذکر کی برکت سے بگڑے کام بن جاتے ہیں۔ مشکلیں آسان ہوتی ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: نماز باجماعت کے بعد ذکر اللہ تسبیح تہلیل درود شریف وغیرہ آہستہ یا بلند آواز سے کرنا رب تعالیٰ کی بہت پسند ہے، جیسا کہ **فاذکروا اللہ** کی ف تعقیبیہ سے معلوم ہوا مسلمان بعد نماز ذکر بالجہر کرتے ہیں بالکل جائز ہے۔ اس کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بعد نماز اس قدر بلند آواز سے ذکر اللہ ہوتا تھا کہ محلہ گونج جاتا تھا۔ جیسا کہ مسلم وغیرہ کی احادیث سے ثابت ہے۔ ذکر بالجہر کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ فرماؤ یہاں **فاذکروا اللہ** مطلق ہے۔ جس میں ذکر بالجہر بھی شامل ہے۔
تیسرا فائدہ: ادا نماز کو قضاء کہنا درست ہے جیسا کہ **فاذا قضیتم** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا ادا بہ نیت قضا اور قضاء بہ نیت ادا

www.alahazratnetwork.org

درست ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ذکر اللہ ہر طرح ہر حال میں کرنا چاہئے کھڑے بیٹھ لیٹے پاک ناپاک ہروقت ذکر اللہ کرو جیسا کہ **قیاما وقعودا** " سے معلوم ہوا۔ لہذا جنبی' حائضہ نفاس والی عورتیں کلمہ شریف درود شریف پڑھ سکتی ہیں ناپاک آدمی کو صرف تلاوت قرآن مجید حرام ہے جبکہ بہ نیت تلاوت پڑھے بعض لوگوں میں مشہور ہے کہ چلتے پھرتے درود شریف پڑھنا بیماری پیدا کرتا ہے' غلط ہے درود شریف بیماریوں کا علاج ہے نہ کہ بیماری ہاں نجس جگہ پاخانہ وغیرہ میں ذکر اللہ حرام ہے۔ خیال رہے: کہ بعضے ذکر اللہ ہروقت کرنے کے ہیں جیسے کلمہ طیبہ' درود شریف' تسبیح و تہلیل وغیرہ اور بعض خصوصی ذکر خاص حالات میں کرنے کے ہیں۔ جیسے غم کی خبر پر اناللہ اور خوشی کی خبر پر الحمدللہ ناگوار بات سن کر لاحول اور خوشی کی بات سن کر ماشاء اللہ وغیرہ۔ ذکر اللہ' قرآن' حضور کی نعت کبھی پرانے نہیں ہوتے عمر بھر پڑھو ہر بار نیا لطف دیتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** بحالت امن نماز تمام شرائط و سنن کے ساتھ ادا کرنی چاہئے نماز میں چلنا پھرنا صرف خاص ضرورتوں میں ہی جائز ہے جیسے نماز خوف یا نماز میں وضو ٹوٹ جانے کی صورت میں جیسا کہ **فاقیموا الصلوۃ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نماز صرف مسلمانوں پر فرض ہے کفار پر نہیں' نماز کی فرضیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ جیسا کہ **علی المومنین** سے معلوم ہوا۔ اس لئے کافر جب مسلمان ہو تو اس پر زمانہ کفر کی نمازیں قضا کرنا واجب نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** ہر نماز وقت پر پڑھنی چاہئے وقت سے پہلے نماز نہیں ہو سکتی اور وقت کے بعد قضا ہو گی یہ فائدہ کتابا" موقوتا سے حاصل ہوا۔ لہذا سفر حضر وغیرہ میں نمازیں جمع کرنا جائز نہیں۔ یہ جمع کرنا اس آیت کریمہ کے خلاف ہے دیکھو نماز خوف میں چلنے پھرنے کی اجازت دی گئی۔ مگر چند نمازیں بہ یک وقت پڑھ لینے کی اجازت نہیں دی گئی کہ رات گئے جب دو طرفہ جنگ بند ہو جائے تو تم آئندہ کل کی ساری نمازیں اکٹھی کر کے پڑھ لو اور کل دن بھر خوب جہاد کرو نماز کی فکر نہ رہے۔ لہذا مذہب حنفی بہت قوی ہے۔ نمازوں کا جمع کرنا ہرگز درست نہیں اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ پانچ نمازیں فرض۔ تین نمازیں واجب۔ وتر' فطر' اضحیٰ اور چار نمازیں نفل تہجد' اشراق' چاشت' اور اوابین' ان کے اوقات شرعا" مقرر ہیں باقی اور نمازوں کے اوقات مقرر نہیں پھر وقت تین قسم کے ہیں وقت جواز' وقت مستحب' وقت مکروہ۔ چنانچہ نماز فجر کا وقت پوپھٹنے سے طلوع آفتاب تک ہے اور ظہر کا وقت سورج ڈھلنے سے ہر چیز کا سایہ دوگنا ہونے تک سوا اصل سایہ کے اور عصر کا وقت اس وقت سے آفتاب ڈوبنے تک اور مغرب کا وقت غروب سے شفق غائب ہونے تک اور عشاء کا وقت شفق غائب ہونے سے پوپھٹنے تک نماز وتر کا وقت فرض عشاء کے بعد سے پوپھٹنے تک عیدین کا وقت طلوع سے بیس منٹ کے بعد سے دوپہر نصف النہار تک تہجد کا وقت عشاء پڑھ کر سو رہنے کے بعد سے پوپھٹنے تک اشراق کا وقت طلوع کے بیس منٹ بعد سے چہارم دن تک اور چاشت کا وقت چہارم دن سے دوپہر نصف النہار تک۔ **آٹھواں فائدہ:** نماز تمام فرائض سے اہم فریضہ ہے دیکھو بحالت سفر خصوصا" جہاد میں روزہ کی قضا کا حکم دے دیا گیا۔ مگر نماز کی قضا کی اجازت نہ دی گئی بلکہ نماز خوف پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ فرشتے صرف نماز پڑھتے ہیں۔ کہ کوئی رکوع میں ہے کوئی سجدہ میں کوئی قیام میں کوئی قعدہ میں نماز کے سوا کوئی عبادت فرشتے نہیں کرتے نہ زکوۃ نہ حج وغیرہ غرضیکہ نماز عبادت مشترکہ ہے بلکہ تمام مخلوق نماز کے کچھ ارکان ضرور ادا کرتی ہے ہم اس کی تفصیل پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں یہ فائدہ کتابا" سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ نماز پانچ وقت کی فرض ہے یہ پانچ وقت پانچ آیتوں سے ثابت ہیں۔ ایک **حافظوا علی الصلوت** دوسری آیت **اقم الصلوۃ لدلوک الشمس** تیسری آیت **فسبحن اللہ حین تمسون وحین تصبحون**۔ چوتھی

www.alahazratnetwork.org

آیت **اقم الصلوۃ طرفی النھار وزلفا من الیل**۔ پانچویں آیت **فسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس و قبل الغروب** (تفسیر کبیر) ان اوقات کی خصوصیت ہم پہلے پارہ میں عرض کرچکے ہیں' **نواں فائدہ:** مومن کا جہاد ملک گیری یا مال حاصل کرنے یا خدمت قوم کے لئے نہ ہونا چاہئے۔ صرف خدمت اسلام اور رضا الٰہی کے لئے ہونا چاہئے کہ قومی' ملکی جنگ تو کفار بھی کرتے ہیں۔ مگر اس پر انہیں کسی اجر و ثواب کی امید نہیں اگر مسلمان بھی قومی ملکی جنگیں کریں گے تو انہیں بھی کسی ثواب کی امید نہ چاہئے۔ یہ فائدہ **وترجون من اللہ** سے حاصل ہوا۔

جنگ کافر فتنہ و غارتگری است　　　جنگ مومن سنت پیغمبری است!

دسواں فائدہ: دوسری قوموں کے ذکر ان کی جراتیں ہمتیں بیان کرکے مسلمان سپاہیوں کی ہمت بندھانا سنت الہیہ ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے کفار مکہ کا ذکر فرمایا مومن غازیوں کو جوش دلانے کے لئے تاکہ ہم ان سے بڑھ چڑھ کر ہمت کریں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے چلتے پھرتے اللہ کا ذکر چاہئے تو جو لوگ اٹھتے بیٹھتے یا رسول اللہ یا غوث وغیرہ کہتے ہیں وہ مشرک ہیں۔ (نوٹ) یہ اعتراض مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری نے مقام وتا نگر پنجاب میں ایک مناظرہ کے موقع پر ہم سے کیا تھا۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب جو ہم نے تفصیل کے ساتھ مولوی ثناء اللہ صاحب سے بیان کئے تھے جاء الحق حصہ اول میں بہت مفصل بیان عرض کئے گئے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا ذکر بھی بالواسطہ رب تعالیٰ ہی کا ذکر ہے یہاں ذکر اللہ مطلق ہے خواہ بلاواسطہ ذکر ہو یا بالواسطہ اٹھتے بیٹھتے درود شریف پڑھنا شرک کیسے ہوسکتا ہے نیز ذکر اللہ ہر حال میں کرنا چاہئے اس سے یہ مسئلہ کیسے ثابت ہوا کہ کسی اور کا ذکر شرک ہے۔ صرف و نحو کا طالب علم اٹھتے بیٹھتے صیغوں کی گردانیں کرتا ہے اٹھتے بیٹھتے ضرب زید عمرو اکہتا ہے کیا شرک ہے۔ معاذ اللہ۔ آیت کریمہ کا مقصد ہی کچھ اور ہے تم کہہ رہے ہو کچھ اور اس کے باقی جوابات جاء الحق میں دیکھو' خیال رہے کہ خالص اللہ کا ذکر کفار کا طریقہ ہے مومن کا ذکر تو الوہیت و نبوت کو ملا کر ہے' کلمہ' نماز وغیرہ سب میں مخلوط ذکر ہے' بجلی دو پاوروں سے جلتی ہے۔ دل کی بجلی بھی الوہیت و نبوت کی پاور سے روشن ہوتی ہے۔ مومن سنہری جالیوں کے جھروکوں سے کعبہ کو دیکھتا ہے۔ براہ راست کعبہ کو ابوجہل و ابولہب بھی دیکھتے تھے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو　　　واللہ ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے!

دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب امن میں ہو جاؤ تو نماز قائم کرو کیا امن کے سوا دیگر حالات میں نماز قائم نہ کرنا چاہئے۔ یہ آیت **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ کہ یہاں نماز قائم کرنے سے مراد تمام شرائط و سنن و مستحبات کیساتھ نماز ادا کرنا ہے وہ واقعی امن میں ہی ہوسکتا ہے نماز خوف میں چلنے پھرنے کعبہ سے پیٹھ لینے کی بھی اجازت ہے وہاں آیت **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** میں نماز قائم کرنے سے مراد ہمیشہ یا ہمیشہ درست پڑھنا دل لگا کر پڑھنا ہے لہذا آیات متعارض نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نماز اپنے وقت پر پڑھنا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں ظہر و عصر یوں ہی مغرب و عشاء ملا کر پڑھتے تھے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں جمع صوری مراد ہے نہ کہ جمع حقیقی یعنی نماز ظہر آخر وقت میں

www.alahazratnetwork.org

اور نماز عصر اول وقت میں یوں ہی نماز مغرب آخر وقت میں اور نماز عشاء اول وقت میں پڑھتے تھے ہر نماز اپنے ہی وقت میں ہوتی تھی بظاہر مجتمع معلوم ہوتی تھی۔ اس کا مفصل جواب جاء الحق حصہ دوم میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر نماز اپنے وقت میں چاہئے تو حجاج کرام حج کے دن عرفات میں عصر کی نماز ظہر کے وقت میں کیوں پڑھ لیتے ہیں۔ **جواب:** اس تاریخ میں حاجی کے لئے نماز ظہر پڑھتے ہی نماز عصر کا وقت آجاتا ہے آج اس کے لئے وقت عصر یہ ہی ہے جیسے نماز عشاء پڑھتے ہی نماز وتر کا وقت ہو جاتا ہے اور جس نے ابھی عشاء نہ پڑھی ہو اس کے لئے ابھی وتر کا وقت نہیں ہوا یوں ہی عشاء پڑھ کر سونے کے بعد جب آنکھ کھل جائے تو وقت تہجد اس کے لئے ہو جاتا ہے مگر جس نے ابھی عشاء نہ پڑھی ہو وہ ابھی سویا نہ ہو اس کے لئے یہ وقت تہجد نہیں اسی طرح غیر حجاج کے لئے یا جو حاجی ظہر بغیر جماعت ادا کرے اس کے لئے ابھی وقت عصر نہیں ہوا مگر جو حاجی جماعت سے ظہر پڑھ لے اس کے لئے وقت عصر ظہر پڑھتے ہی آگیا یہ قاعدہ خوب اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر نماز اپنے وقت پر پڑھنی چاہئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق کے موقع پر پانچ نمازیں ایک وقت میں کیوں ادا کیں۔ **جواب:** اس دن خندق کھودنے میں اس قدر مشغولیت تھی کہ نمازیں پڑھنے کا موقعہ نہ ملا دشمن کا سخت خطرہ تھا مسلمانان مدینہ کے جان و مال غیر محفوظ ہو چکے تھے اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن چار نمازیں قضا اور ایک نماز ادا پڑھی اب بھی قضا نماز دوسری نماز کے وقت میں پڑھی جاتی ہے۔ یہ اوقات ادا نماز کے لئے ہیں قضاء ہر وقت ہو سکتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اطاعت کی نمازوں کے لئے اوقات شرائط وغیرہ مقرر ہیں شرعی عبادات کی حدود ہیں کہ نمازیں دن رات میں پانچ روزے سال میں ایک ماہ زکوۃ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار مگر نماز عشق کے لئے وقت خاص نہیں وہ ہمیشہ ہر حال میں ادا ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **هم فی صلوتهم دائمون** ہمارے عشاق ہمیشہ نماز ہی میں ہیں۔ تقسیم اوقات عابدوں کے لئے ہے۔ اور سارے اوقات ذکر یار کے لئے وقف کر دینا عارفوں کے لئے ہے مولانا فرماتے ہیں۔

پنج وقت آمد نماز و رہنموں   عاشقاں را فی صلوۃ دائمون
نیست زر غبا وظیفہ ماہیاں   زانکہ بے دریا ندارد انس و جان
ہیچ کس باخویش زرغبا نمود   ہیچ کس باخو بنوبت یار بود
در دل عاشق بجز معشوق نیست   درمیاں شاں فارق و فاروق نیست

خشکی کی مخلوق سمندر میں کبھی کبھی جاتی ہے مگر مچھلی ہمیشہ سمندر میں رہتی ہے۔ نماز شریعت میں سر کا سجدہ خاص وقت میں ہے نماز حقیقت میں دل کا سجدہ ہر وقت ہے۔

یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں   یاں سر رکھا تو سر کا اٹھانا حرام ہے
پینا حرام ہے نہ پلانا حرام ہے   البتہ پی کے ہوش میں آنا حرام ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے یہاں فرمایا جب تم کو اطمینان ہو جائے تو نماز قائم کرو یعنی جب تم نفس و جان و مال سب کو رب کے حوالہ کر دو اور تمہیں ان سب سے فراغت نصیب ہو جائے تب تم نماز عشق ایسی قائم کرو کہ کبھی اس نماز سے فارغ ہی نہ ہو یہ

www.alahazratnetwork.org

نماز کبھی ختم نہیں ہوتی۔ بیرون دل میں دوسروں کی محبت رہے تو رہے مگر اندرون دل میں صرف یار کی محبت ہو اور اس کے محبوبوں کی۔ گھر کی بیٹھک میں یار و اغیار سب آسکتے ہیں مگر خلوت خانہ میں سواء اپنے بال بچوں کے کوئی نہیں آتا لواء نماز کے لئے جسم کا وضو کرو قبولیت نماز کے لئے دل کا وضو کرو **لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکارٰی** محبت دنیا کے نشہ میں نماز عشق کے قریب نہیں جاسکتے۔ جسے اللہ تعالیٰ یہ نماز نصیب کردے اس کی زندگانی کبھی ختم نہیں ہوتی اس کے لئے بقاء ہے۔ کسی عاشق نے کیا خوب فرمایا میں مروں تو جگ مرے خبر ے میری ' بچے گر کلا بکا مرے نہ اراجا!۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اللہ تعالیٰ کبھی وہ دائمی نماز نصیب فرمادے جس کا سلام کبھی نہیں پھرتا امام حسین نے کربلا کے میدان میں وہ دائمی نماز پڑھی جو تاقیامت ختم نہ ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے فرمایا قوم کی جستجو میں سستی نہ کرو یعنی ہروقت اپنے نفس امارہ کے عیب تلاش کرکے اس کی اصلاح کرتے رہو۔ جب نفس طلب دنیا طلب شہوات طلب لذات میں نہیں تھکتا تو تم اس کی پکڑ میں کیوں سستی کرتے ہو۔ حالانکہ نفس و نفسانیات کو ان طلبوں پر ثواب کی امید نہیں اور تم کو نفس کی پکڑ اس کی سزا پر بڑے اجر و ثواب کی امید ہے۔ لہٰذا نفس کی اصلاح سے کبھی غافل نہ رہو۔ خیال رہے کہ ہمارے دشمن چند ہیں جو مرتے وقت تک ہمارے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ نفس امارہ' ابلیس اور اس کی ذریت برے ساتھی خواہ گمراہ کن عالم ہوں یا بے دین پیر' یہ سب دشمن ہیں ایک قوم ہیں کبھی ان سے غافل نہ رہ' آدم علیہ السلام نبی معصوم ہیں' اور جنت جگہ محفوظ مگر ابلیس نے وہاں بھی داؤ مار دیا تو ہم کس طرح اس کے فریب سے بچ سکتے ہیں۔ لہٰذا **لا تھنوا فی ابتغاء القوم** اس دشمن قوم کی فریبوں کے جستجو میں مرتے دم تک رہو۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىکَ
بے شک ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کریں آپ درمیان لوگوں کے اس سے جو دکھائے
اے محبوب بے شک ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری کہ تم لوگوں میں فیصلہ کرو جس طرح تمہیں اللہ دکھائے
اللّٰہُ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ
آپ کو اللہ اور نہ ہوں آپ خیانت والوں کے لئے مقابل اور آپ بخشش مانگیں اللہ سے بے شک اللہ
اور دغا والوں کی طرف سے نہ جھگڑو اور اللہ سے معافی چاہو بے شک اللہ
غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِیْنَ یَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَھُمْ
بخشنے والا مہربان اور نہ جھگڑا کریں آپ ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنی جانوں سے
مہربان ہے اور ان کی طرف سے نہ جھگڑو جو اپنی جانوں کو خیانت میں ڈالتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾
بالقیناً اللہ نہیں پسند فرماتا اُسے جو ہو بہت بڑا خائن مجرم
بے شک اللہ نہیں چاہتا کسی بڑے دغا باز گنہگار کو

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار سے جہاد کرنے کی تاکید فرمائی گئی تھی۔ اور جہاد میں چوکنے رہنے کا حکم دیا تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو جہاد کا حکم تھا لیکن اگر کافر کا مقدمہ تمہارے ہاں آجائے تو عدل و انصاف کرو' کفار پر جہاد کرو ان پر ظلم نہ کرو اگر مقدمہ میں مسلمان جھوٹا ہو کافر سچا تو مسلمان کی رعایت نہ کرو کافر کے حق میں فیصلہ کرو میدان جہاد کے احکام بیان فرمانے کے بعد اسلامی عدالت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عبادات درست کرنے کا حکم دیا گیا تھا کہ کسی حال میں نماز نہ چھوڑو اب معاملات ٹھیک رکھنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے کہ کسی حال میں عدل و انصاف کو ہاتھ سے نہ جانے دو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بہت سے شرعی احکام بیان ہوئے اب فرمایا جارہا ہے' یہ تمام احکام سب پر واجب العمل ہیں۔ نبی کو بھی حق نہیں کہ ان میں ردوبدل کرے کسی اور کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ غرضیکہ احکام کا ذکر پہلے تھا ان پر عمل کی تاکید اب فرمائی جارہی ہے۔

شان نزول : قبیلہ انصار میں ایک شخص تھا بشر اس کا لقب تھا طعمہ ابن ابیرق خاندان بنی ظفر سے تھا بڑا منافق اور چور عادی چالباز' وہ ایک رات اپنے پڑوسی قتادہ ابن نعمان کے گھر میں گھس گیا وہاں سے ایک تھیلہ چرالیا جس میں آٹا بھی تھا اور زرہ بھی تھیلہ پھٹا ہوا تھا جس سے آٹا گرتا ہوا گیا' طعمہ یہ تھیلہ ایک یہودی زید ابن سمین کے ہاں اپنی امانت کرکے رکھ آیا۔ صبح کو اس تھیلہ کی تلاشی ہوئی طعمہ پر شبہ کیا گیا اس سے پوچھا گیا وہ قسم کھا گیا کہ نہ میں نے تھیلہ چرایا ہے نہ مجھے اس کے متعلق کچھ خبر۔ قتادہ کے گھر والوں نے گرے ہوئے آٹے کی ذریعہ چوری کا کھوج لگایا چونکہ آٹا یہودی کے گھر تک گرتا ہوا گیا تھا اس لئے یہ لوگ یہودی کے گھر پہنچے اور اس کے گھر سے تھیلا برآمد کرلیا یہودی کو پکڑ لیا یہودی بولا کہ یہ تھیلا آج رات طعمہ میرے گھر اپنی امانت کرکے رکھ گیا ہے یہودیوں کی ایک جماعت نے اس واقعہ کی گواہی دی یہ مقدمہ بارگاہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش ہوا طعمہ کے تمام عزیز و اقارب نے پر زور طریقہ سے طعمہ کی حمایت کی اور یہودی کو سخت سزا دینے کا مطالبہ کیا کہ مال برآمد ہوا یہودی کے گھر سے چور وہی ہے اسی نے چوری بھی کی پھر چوری کا انکار بھی کیا پھر ایک بندہ مسلمان یعنی طعمہ کو چوری کا بہتان بھی لگایا یہ تین سزاؤں کا مستحق ہے طعمہ کے ان عزیزوں قریبیوں نے پختہ ارادہ کرلیا کہ جس طرح ہوسکا طعمہ کو چھوڑائیں گے یہودی کو پھنسائیں گے تاکہ اپنی قوم رسوا نہ ہو چونکہ طعمہ مسلمان ہے اور اس کے مقابل یہودی اس لئے فیصلہ طعمہ کے حق میں ہوگا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فریقین کا بیان سن کر کوئی فیصلہ نہ فرمایا اور طعمہ کے گواہوں پر کوئی خاص جرح بھی نہ کی کیونکہ بظاہر یہودی ملزم بن چکا تھا' اس کے گھر سے مال برآمد ہو چکا تھا اس موقعہ پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں طعمہ اور اس کے ساتھیوں کے تکذیب کی گئی اور یہودی اور اس کے گواہوں کی تصدیق فرمائی گئی چنانچہ بارگاہ رسالت سے یہودی کے حق میں فیصلہ ہوا طعمہ کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا گیا طعمہ یہ فیصلہ سن کر اسلام سے مرتد ہو گیا اور مکہ معظمہ پہنچ کر کفار سے مل گیا

www.alahazratnetwork.org

کفار مکہ نے اسے بہت عزت و محبت سے رکھ لیا' وہاں اس نے ایک کافر حجاج ابن علاط کے گھر رات کو نقب لگائی تاکہ گھر میں گھس کر چوری کرے وہ نقب لگا رہا تھا کہ دیوار کا ایک پتھر اس کے سر پر لگا جس سے وہ سخت زخمی ہو گیا صبح کو کفار مکہ کو پتہ لگا تو انہوں نے اسے مکہ معظمہ سے نکال دیا یہ مردود ایک مسافروں کے قافلہ میں گیا اور بولا میں مسافر بھوکا ہوں تمہارے ساتھ سفر کرنا چاہتا ہوں انہوں نے اسے ساتھ لے لیا رات کے وقت اس نے ایک مسافر کی چوری کی قافلہ والوں نے اسے پکڑ لیا اور پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔ غرضیکہ طعمہ مرتد ہو کر اس طرح ہلاک ہوا۔

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک ۔۔۔ کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

(تفسیر خزائن' روح البیان' تفسیر کبیر' تفسیر صاوی' خزائن' العرفان وغیرہ) ان آیات کے شان نزول کے متعلق اور بھی روایات ہیں مگر یہ روایت قوی ہے۔

تفسیر : **انا انزلنا الیک الکتب بالحق** چونکہ ان آیات کا مضمون بہت اہم ہے اس لئے انہیں انا حرف تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ کیونکہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا ذکر بھی ہے جس کے کفار منکر تھے اور آپ کی حکومت عامہ کا بھی **لتحکم بین الناس** اور آپ کے عمومی اختیار کا ذکر بھی **بما ارک اللہ** جن دونوں کے کلمہ گو بھی منکر ہیں۔ ان کے انکار کی وجہ سے ان تاکیدی ارشاد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول کئی بار ہوا۔ ہر سال ماہ رمضان میں جبرائیل امین پورا قرآن شریف حضور کو سنا جاتے تھے۔ یہ نزول ایک دم تھا۔ پھر 23 سال میں حسب موقعہ آیات نازل ہوتی رہتی تھیں یہ آہستگی سے نزول تھا پہلے نزول کے لحاظ سے انزلنا فرمایا جاتا ہے۔ دوسرے نزول کے لحاظ سے نزلنا یہاں پہلے نزول کے لحاظ سے انزلنا فرمایا گیا ہے۔ اگرچہ حضور پر قرآن لانے والے جبریل علیہ السلام ہیں۔ مگر چونکہ یہ لانا رب تعالیٰ کے حکم سے تھا اس لئے **انزلنا** فرمایا گیا ہے۔ کہ ہم نے اتارا نیز حضور کے کان شریف پر الفاظ قرآن کا نزول بواسطہ جبریل ہوتا تھا مگر معانی قرآن کا نزول حضور کے دماغ شریف پر' رموز و اسرار قرآن کا نزول دل مبارک پر احکام قرآن کا نزول زبان مبارک پر بلاواسطہ جبریل رب تعالیٰ کی طرف سے ہو اس لئے انزلنا ارشاد ہوا۔ **الیک** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ نزول قرآن کے منتہی حضور ہی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور نزول قرآن کے منتہی ہیں۔ اور تبلیغ قرآن کے مبتدا یعنی مخلوق کو قرآن آپ سے ملا ہے۔ ع

مبتدا منتہی سلام علیک

یہاں چونکہ نزول کا ذکر ہے لہذا **الیک** ارشاد ہوا۔ حضور ایمان عرفان' قرآن رحمت رحمان فیضان کے مبتداء منتہی ہیں کہ سب کو جو ملا ان سے ملا۔ خیال رہے کہ **الیک** میں **الی** کے معنی طرف بھی ہو سکتے ہیں اور تک بھی یعنی ہم نے یہ کتاب آپ کی طرف اتاری کہ نزول قرآن کا مطمع نظر آپ ہیں جیسے نمازی کا رخ کعبہ کی طرف ہوتا ہے' ایسے ہی قرآن کا رخ تمہاری طرف ہے کہ تم عربی ہو' لہذا قرآن عربی جب تک تم مکی رہے تب تک آیات قرآنیہ اترنے والی مکی ہوئیں اور جب تم مدنی ہو گئے تب آیات قرآنیہ جو نازل ہوئی مدنی کہلائیں۔ تم نے چاہا کہ کعبہ قبلہ اسلام بنے تو قرآن نے فرمایا **فلنولینک قبلۃ ترضھا**۔ یا ہم نے کتاب تم تک اتاری کہ نزول قرآن کے منتہی تم ہو **الکتاب** میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد قرآن شریف ہے۔ قرآن

www.alahazratnetwork.org

شریف کے 32 بتیس نام ہیں ایک نام کتاب بھی ہے جیسا کہ **الم** کے شروع میں **ذالک الکتب** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ حضور مطلوب قرآن ہیں۔ دوسرے انبیاء طالب کتاب تھے اسی لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے طور پر گئے اور چلہ کر کے لائے اور حضور کے بستر میں گھر میں سفر میں قرآن آیا۔ حضور کی زبان میں آیا۔ کیوں نہ ہو کہ حضور اللہ کے محبوب و مطلوب ہیں۔ **بالحق** یا تو **انزلنا** کے متعلق ہے یا ثابت کے متعلق ہو کر **الکتب** کا حال یا **الکتاب** کی صفت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ تیسری توجیہ کے مطابق ہے ہمارا ترجمہ پہلی توجیہ کے موافق ہے۔ حق کے تین معنی ہیں۔ سچ درست۔ غیر زائل یعنی ثابت و مضبوط 'غیر منسوخ' حکمت۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں قرآن سچا بھی ہے 'ناقابل فسخ بھی کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب نہ آئے گی۔ جو اسے منسوخ کرے اور حکمت والا بھی کہ اس کا کوئی فرمان حکمت سے خالی نہیں۔ نیز اس کا حضور پر نازل ہونا حق ہے ایسی کتاب کے لئے ایسے شاندار رسول لائق تھے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ قرآن آپ پر سچائی کے ساتھ اتارا کہ اس کا ہماری طرف سے چلنا بھی حق ہے۔ جبریل امین کا لانا بھی حق آپ کا لینا بھی حق یا اے محبوب ہم نے سچی کتاب آپ پر اتاری **لتحکم بین الناس بما ارک اللہ** یہ جملہ انزلنا کے متعلق ہے۔ **تحکم** حکم سے بنا بمعنی فیصلہ فرمانا لوگوں پر احکام نافذ کرنا **الناس** سے مراد سارے ہی انسان ہیں کافر ہوں یا مومن یا منافق کیونکہ قرآنی عبادات صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ مگر قرآنی معاملات تمام انسانوں کے لئے بلکہ قرآنی عقائد جن و انس سب کے لئے یہاں معاملاتی فیصلے مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت تو جن و انس فرشتے جانور چاند و سورج وغیرہ تمام ملک الٰہی پر ہے کہ حضور کے حکم سے چاند پھٹا سورج لوٹا کنکروں لکڑیوں نے کلمہ پڑھا مگر قرآنی حکم صرف انسانوں پر جاری ہیں۔ یہاں **تحکم** سے قرآنی حکم جاری فرمانا مراد ہے اس لئے **بین الناس** فرمایا گیا **بین العلمین** نہ فرمایا نبوت و حکومت و رحمت کے لئے **للعالمین** ارشاد ہوا **لیکون للعالمین نذیرا** اور **رحمۃ للعالمین** **تحکم** مخاطب کا صیغہ فرما کر بتایا گیا کہ حکم تو قرآن ہے مگر حاکم حضور ہیں۔ قرآن حاکم نہیں۔ نیز یہ بتایا کہ قرآن سے فیصلہ کرانا صرف حضور انور کا کام ہے اور کوئی صرف قرآن سے فیصلہ نہیں کر سکتا اور قرآنی فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں کرے گا۔ اسی لئے **لیحکمو** جمع غائب نہ فرمایا **ارک** اراءۃ سے بنا جس کا مادہ **رویۃ** ہے رویت کے معنی ہیں دیکھنا جاننا پہچاننا یہاں بمعنی پہچاننا ہے یا دکھانا **ارک اللہ** اللہ آپ کو دکھائے یا اللہ آپ کو پہچان کرائے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دکھانے کے مطابق ہے چونکہ خفیہ چیز علامات سے مثل دیکھی ہوئی کے ہو جاتی ہے۔ اسی لئے اسے دکھانا فرمانا بالکل درست ہے۔ یعنی قرآن مجید اس لئے آپ پر اتارا کہ آپ لوگوں کے درمیان وہ فیصلہ کریں جو رب تعالیٰ آپ کو مثل محسوس کے دکھاوے پہچان کرائے' **ولا تکن للخائنین خصیما** اس میں بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں مگر فہمائش سارے اسلامی حکام و کلاء علماء' مفتیان مشائخ بلکہ تمام مسلمانوں سے ہے۔ **لا تکن** نہی استمرار کے لئے ہے یعنی نہ ہوں نہ بنیں نہ رہیں۔ خائنین جمع ہے خائن کی جس کا ماخذ خیانت ہے امانت کی مقابل۔ خائن بمعنی امانت مارنے والا اس سے مراد طعمہ اور اس کے تمام ہم قوم ہیں جو اس کی حمایت میں تھے **للخائنین** میں لام اجل کا ہے یا صلہ کا خصیم خصومت سے بنا بمعنی مقابلہ یا کسی کی حمایت یعنی اس کے دشمن سے مقابلہ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کبھی بھی چوروں اور چوروں کے حامیوں' مددگاروں کے حمایتی نہ بنیں ہمیشہ فیصلہ حق کریں۔ اگرچہ کافر ہی کے حق میں ہو اور کسی کلمہ گو کے خلاف ہی ہو۔ **واستغفر اللہ** یہ دوسرا حکم ہے اس میں بھی خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور

www.alahazratnetwork.org

فہمائش مسلمانوں کو یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم امت کے لئے ہمیشہ دعا مغفرت کیا کریں تاکہ مسلمان یہ دعا آپ سے سیکھیں یا طعمہ کی قوم والوں کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ جنہوں نے قومی پچھ میں طعمہ کو چور جانتے ہوئے اس کی حمایت کی مگر ہیں یہ سب مسلمان ان کے لئے دعاء فرمادیں۔ **ان اللہ کان غفورا رحیما** اس آیت کی تفسیر بارہا کی جاچکی ہے کہ **کان** استمرار کے لئے ہے **غفور** بمعنی گناہ بخشنے والا رحیم معنی مہربانی کرنے والا یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے گناہ بخشنے والا بندوں پر مہربان ہے۔ **ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم** ۔اس حکم میں بھی خطاب حضور والا سے ہے اور فہمائش سب کو **تجادل جدال** سے بنا معنی جھگڑنا جدال خصومت سے عام ہے۔ خصومت خاص حمایت کو کہتے ہیں جو وکیل یا حاکم با اختیار شخص کرے جدال عام حمایت کو جو کوئی بھی کرے یہاں بھی **الذین یختانون** سے مراد وہی طعمہ کے حمایتی لوگ ہیں۔ چونکہ ہر گناہ میں گنہگار اپنی نفس کی خیانت بھی کرتا ہے۔ اس پر ظلم بھی لہذا **یختانون انفسھم** فرمانا بالکل درست ہے ہمارے نفس اللہ کی امانتیں ہیں نفس کے متعلق شرعی احکام بھی رب تعالیٰ کے امانتیں ہیں۔ اسی لئے اس کی خلاف ورزی خیانت ہے۔ **ان اللہ لا یحب من کان خوانا اثیما** ۔یہ ان تمام احکام کی علت ہے **لا یحب** سے مراد ہے ناراض ہونا غضب فرمانا یہ مقصد نہیں کہ یہ لوگ نہ ہمارے محبوب ہیں نہ مردود خوان خیانت کا مبالغہ ہے۔ **اثیما اثم** بمعنی گناہ کا صفت مشبہ یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ بڑے خائن عادی گنہگار سے سخت ناراض ہے۔ تو جو ان کی حمایت کرے گا اس سے بھی ناراض ہوگا کیونکہ دشمن کا دوست بھی دشمن ہوتا ہے جیسے دوست کا دوست بھی دوست ہوتا ہے اور دشمن کا دشمن بھی اپنا دوست ہوتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صفات عالیہ کا ذکر فرمایا آپ کا صاحب کتاب رسول ہونا **انزلنا الیک الکتب** آپ کا رب تعالیٰ کی طرف سے تمام انسانوں کا حاکم مطلق ہونا **لتحکم بین الناس** آپ کا رب کی طرف سے **ماذون** و مختار ہونا **بما ارک اللہ** یہ آیت حضور کی صفات عالیہ کی مظہر ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر یہ سچا قرآن اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے فیصلے اس کے مطابق کریں جو اللہ تعالیٰ آپ کو دکھادے سمجھادے خواہ بذریعہ وحی یا بذریعہ دلائل یا بذریعہ کشف یا بذریعہ اجتہاد یا خواب جس طرح بھی آپ حقیقت حال کو پہنچیں اس کے مطابق فیصلہ کریں کبھی چوروں اور رچوروں کے حامی خائنوں کے حمایتی نہ بنیں ان کی طرف سے دوسروں سے خصومت نہ کریں۔ ہاں یہ حمایتی لوگ ہیں تو مسلمان اگرچہ قومی حمایت میں طعمہ کی طرفداری کر بیٹھے ان کے لئے دعاء مغفرت کریں اور ان کو آئندہ کے لئے تاکید فرمادیں کہ ایسی حرکت نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بخشنے والا مہربان ہے کہ کیسا ہی گنہگار اس کی بارگاہ میں آجائے وہ نکالتا نہیں۔ نیز آئندہ اس قسم کے خائنوں کی طرف سے جو اپنے نفس کے متعلق خیانت کرتے ہیں کسی سے جھگڑا نہ کریں کہ اس میں ان کی ظاہری حمایت ہے۔ یقین فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ خیانت گروں عادی مجرموں کو سخت ناپسند کرتا ہے تو جو ان مردودوں کی حمایت کرے گا یا ان کی طرف سے لوگوں سے جھگڑے گا وہ بھی اس زد میں آجائے گا۔ اس لئے آپ ہمیشہ حق فیصلہ کریں اگرچہ حق کافر کی جانب ہو اور کسی کلمہ گو کے خلاف ہو۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق کے حاکم ہیں اپنی رائے عالی سے فیصلہ فرمانے کے مختار ہیں **ارک اللہ** میں رائے عالی بھی داخل ہے۔ دوسرا فائدہ: حضور کے کشف الہام

www.alahazratnetwork.org

خواب رائے سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ ان میں سے کوئی چیز شیطان کی طرف سے نہیں۔ یہ فائدہ بھی ارٰک اللہ سے حاصل ہوا اگر حضور کا فیصلہ کسی کے لئے قرآن کے خلاف بھی ہو جائے تو حق ہے حضرت کعب ابن مالک کے بائیکاٹ کے زمانہ میں سلام' جواب سلام ان کو اپنی بیوی سے صحبت سب کچھ منع کر دی گئی۔ حالانکہ مسلمان کو سلام کرنا' سنت ہے سلام کا جواب دینا فرض ہے' بیوی حلال ہے یہ ہے حضور کا اختیار اور یہ ہے **بما ارٰک اللہ** کا ظہور۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ عموماً" اپنے بندوں کی پہلے جرم پر پکڑ نہیں فرماتا وہ ستار عیوب بارہا بندے کے عیب چھپاتا ہے جب بندہ اس کی ستاری سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے تو اس کو رسوا کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ طعمہ کے واقعہ سے معلوم ہوا کہ یہ منافق بڑا پرانا چور تھا اس دفعہ اس کی چوری پکڑی گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں کوئی چور پکڑا گیا آپ نے اس کے ہاتھ کاٹ ڈالنے کا حکم دیا چور کی ماں روتی ہوئی حاضر ہوئی بولی یہ اس کی پہلی چوری ہے اسے معافی دے دیں۔ آئندہ نہ کرے گا آپ نے فرمایا تو جھوٹی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو پہلے جرم پر نہیں پکڑتا (روح البیان' خازن وغیرہ)۔ **چوتھا فائدہ:** چور یا کسی اور مجرم کی حمایت کرنا اسے چھوڑانے کی کوشش کرنا جرم ہے کہ اس سے ملکی نظام خراب ہوتا ہے۔ شریعت کی حدیں ٹوٹتی ہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے طعمہ کے حمایتوں کو خائنین یعنی خیانت مجرمانہ کرنے والا قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ:** مجرم کی وکالت کرنا اسے چھوڑانا یا چھوڑانے کی کوشش کرنا یا حاکم وقت کا اسے چھوڑ دینا حرام ہے جیسا کہ **ولا تکن للخائنین خصیما** سے معلوم ہوا۔ اس سے وکلاء عبرت پکڑیں جو دانستہ طور پر مجرموں کی حمایت کرتے انہیں چھڑانے کی کوشش کرتے ہیں۔ نیز وہ حکام بھی عبرت پکڑیں جو دانستہ طور پر مجرموں کو چھوڑ دیتے ہیں۔۔

نکوئی بابداں کردن چناں است ۔۔۔ کہ بدکردن بجائے نیک مرداں

چھٹا فائدہ: قرآن مجید قانون الٰہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ قانون چلانے والے نافذ فرمانے والے ہیں۔ آپ ڈاکیہ کی طرح صرف پہنچانے والے نہیں آپ حاکم مطلق ہیں۔ جیسا کہ **لتحکم بین الناس** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے حاکم مطلق ہیں خواہ آپ کے زمانہ کے لوگ ہوں یا بعد کے تاقیامت جیسا کہ بین الناس کے عموم سے معلوم ہوا۔ آپ کے بعد کے منتیان شرع اسلامیہ حکام حضور کے نوکر چاکر حضور کے نائب ہیں ان کے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے فیصلے قطعاً" درست و صحیح ہوتے تھے جیسا کہ **بما ارٰک اللہ** سے معلوم ہوا آپ کے فیصلے رب تعالیٰ کی مدد سے ہوتے تھے۔ اسی لئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ میں نے وہی فیصلہ کیا ہے۔ جو مجھے رب تعالیٰ نے دکھا دیا بتایا کیونکہ یہ شان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تھی کہ آپ حق تعالیٰ کے دکھانے بتانے پر فیصلہ فرماتے تھے۔ حضور رضائی کی رائے بھی نہایت ہی درست ہوتی تھی کہ اس کی تائید اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی تھی۔ ہماری رائے درست بھی ہو سکتی ہے۔ غلط بھی (تفسیر کبیر و خازن)۔ **نواں فائدہ:** تمام صحابہ گناہوں سے معصوم یا محفوظ نہیں ان سے گناہ سرزد ہو جاتے تھے مگر رب تعالیٰ انہیں گناہ پر قائم نہیں رکھتا دنیا میں انہیں توبہ کی توفیق دیتا ہے جس سے ان کی بخشش ہو جاتی ہے۔ دیکھو طعمہ کے حمایتی لوگوں نے غلطی کی مگر معافی بھی ہو گئی کہ اپنے محبوب سے فرمایا گیا۔ ان کے لئے دعاء مغفرت فرماؤ۔ لہذا تمام صحابہ عادل ہیں ثقہ ہیں مغفور ہیں۔ **دسواں فائدہ:** گناہ کتنا ہی بڑا ہو مگر اس سے انسان کافر نہیں ہوتا کفر فساد عقیدے سے آتا ہے۔ دیکھو طعمہ کے حمایتوں سے یہ بڑا گناہ سرزد ہوا مگر

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ نے انہیں کافر قرار نہ دیا بلکہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے حق میں دعاء مغفرت کا حکم دیا۔ **گیارہواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے وحی الٰہی یا نور نبوت پر مبنی ہوتے تھے اس لئے اٹل تھے جن کی اپیل نہ ہو سکتی تھی بعد کے حکام و قاضیوں کے فیصلے ایسے نہیں لہٰذا ان کی اپیل ہو سکتی ہے کہ ان کے فیصلے صرف گواہیوں پر ہوتے ہیں۔ گواہی جھوٹی بھی ہو سکتی ہے یہ فائدہ **بما ارٰک اللہ** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجتہاد کرنے کا حق نہ تھا صرف وحی الٰہی کی پیروی کرنا آپ پر لازم تھی آپ پر ضروری تھا کہ صریحی نص سے فیصلے کریں پھر تم اجتہاد کیوں جائز کہتے ہو۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے **ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ** میں صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں اب بھی ہم لوگوں کو صرف وحی کی پیروی چاہئے نہ کہ اماموں مجتہدوں کی (غیر مقلد وہابی)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر حدیث بھی ختم ہوئی چکڑالوی کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قرآن کی پیروی کا حکم تھا اب تم نے حدیث کہاں سے نکال لی اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **بما ارٰک اللہ** جو اللہ آپ کو دکھائے اس سے فیصلہ فرماویں دکھانا عام ہے خواہ قرآن نازل فرما کر بتائے یا الہام و کشف سے آپ کو اصل حقیقت پر مطلع کر دے یا اجتہاد سے آپ کو خبردار فرما دے یا خواب سے یا رائے سے اگر صرف وحی یا قرآن کی پیروی آپ پر لازم ہوتی تو اتنی بڑی عبارت کیوں فرمائی جاتی **بما ارٰک اللہ** آپ کی پیش کردہ دوسری آیت میں بھی وحی سے مراد عام ہے۔ خواہ وحی جلی ہو یعنی قرآن یا وحی خفی ہو۔ یعنی حضور کا الہام و اجتہاد تو بڑی چیز ہے نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے ابراہیم علیہ السلام نے ذبح فرزند کا خواب ہی تو دیکھا تھا اس خواب کی بنا پر فرزند کو ذبح فرمانے کی تیاری فرمائی حالانکہ بے قصور بچے کی جان لینا کسی شریعت میں جائز نہیں۔ آپ کی خواب نے وہ شرعی حکم کو منسوخ کر دیا۔ خضر علیہ السلام نے اپنے کشف کی بنا پر ایک بے قصور بچے کو جان سے مار دیا حضور کے اجتہاد **بما ارٰک اللہ** میں داخل ہیں۔

دوسرا اعتراض: اگر حضور انور کو ہر طرح فیصلہ فرما لینے کا حق ہے خواب رائے اور اجتہاد سے تو حضور کے بعض فیصلوں پر عتاب الٰہی کیوں آئے اور وہ فیصلے غلط کیوں ہوئے۔ دیکھو بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دینا حضور کا اجتہادی فیصلہ تھا جو غلط ہوا اور اس پر عتاب آیا (دیوبندی)۔ **جواب:** وہ فیصلہ غلط نہ تھا اسی لئے فدیہ میں لیا ہوا مال حلال رہا اور آئندہ کے لئے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑنا درست رہا۔ **فاما منا بعد واما فداء**" وہاں عتاب اس پر ہے کہ آپ نے یہ فیصلہ خود کیوں کیا رب سے کیوں نہ کرایا تاکہ آپ پر اعتراض نہ ہوتا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض:** حضور فرماتے ہیں کہ اگر میں کسی کی تیز زبانی پر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ شئی اس کے لئے حلال نہ ہو جائے گی۔ معلوم ہوا کہ آپ کے فیصلے غلط بھی ہو جاتے ہیں۔ **جواب:** اس فرمان کا مقصد ہے تاقیامت حکام کے لئے مثال قائم فرمانا کہ حاکم کے خلاف حق فیصلے جیتنے والے فریق کو وہ شئی حلال نہ کر دیں گے ایک ہے حضور انور کا فیصلہ فرمانا **بما ارٰک اللہ** سے یہ اور چیز ہے اور ایک ہے غلط بیانی جھوٹی گواہی قائم کر کے حضور سے اس گواہی پر شرعی فیصلہ لے لینا اس کی نوعیت کچھ اور ہے۔ یہ ہے حکام کے لئے مثال قائم فرمانا یہ خلاف واقعہ ہو سکتا ہے نور نبوت اور رائے عالی سے جو فیصلہ ہو گا وہ من اللہ ہو گا۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کی خطاء اجتہادی بھی رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ جس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ تمام دنیا کا ظہور حضرت آدم علیہ

السلام کی ایک خطاء کا نتیجہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم نہیں۔ حضور نے یہاں طعمہ کے حق میں فیصلہ کر دیا تھا۔ جس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور آخر میں حضور کو معافی مانگنے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا کہ ارشاد ہوا **واستغفر اللہ** (بعض نئے بے دین)۔ **جواب:** اس قسم کے اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیدیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں **واستغفر اللہ** میں یا تو خطاب ہے طعمہ سے کہ وہ اپنی اس چوری کی معافی رب تعالیٰ سے مانگے یا خطاب ہے طعمہ کے ہر حمایتی سے کہ اے حمایتی تو اپنی اس غلط حمایت کی رب تعالیٰ سے معافی مانگ یا خطاب ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور مطلب یہ ہے کہ اے محبوب آپ طعمہ کے حمایتیوں کے لئے دعا مغفرت کریں تاکہ آپ کی شفاعت سے ہم ان کے گناہ معاف فرمائیں اور اگر یہ ہی مان لو کہ اس کے معنی یہی ہیں کہ آپ اپنے لئے معافی مانگیں تو مطلب ظاہر ہے کہ استغفار پڑھا کریں تاکہ لوگوں کے لئے استغفار پڑھنا سنت ہو جائے اور لوگوں کو رب تعالیٰ سے معافی مانگنا آ جائے۔ شرعی لحاظ سے یہودی ملزم ہو چکا تھا کہ مال کا سراغ یعنی آٹے کا نشان پھر مال کا اس کے گھر سے نکل آنا پھر طعمہ کی برادری جو مسلمان تھی اس کا طعمہ کی برات کی گواہی دیدینا فتوے و فیصلے کے لئے کافی دلائل تھے اگر حضور انور ان دلائل کی بنا پر طعمہ کے حق میں فیصلہ فرما بھی دیتے تو شرعاً گناہ نہ ہوتا کیونکہ شریعت کے احکام ظاہر پر ہوتے ہیں مگر رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اس سے بھی بچالیا اور آئندہ کے لئے ارشاد فرمادیا کہ آپ صرف گواہوں وعلامات پر فیصلے نہ کیا کریں یہ فیصلے دوسرے حکام کے لئے ہیں آپ حاکم بھی ہیں ہمارے نبی بھی کھلی چھپی باتیں جاننے والے بھی لہٰذا یہ آیت کریمہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے۔ جو مجھ جیسے بے علم گنہگار کے بیان سے باہر ہے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضور انور نے طعمہ کے حق میں فیصلہ دیا بلکہ آگے آنے والی آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور نے بالکل ایسا فیصلہ نہ فرمایا ارشاد ہو رہا ہے **ولولا فضل اللہ علیک ورحمتہ لھمت طائفتہ منھم ان یضلوک** نیز اگلی آیات بتا رہی ہیں کہ طعمہ کی حمایت انصار کی تھی نہ کہ حضور انور نے ارشاد ہو رہا ہے **ھانتم ھٰؤلاء جادلتم عنھم** ۔ الخ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ خائن تھے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں خائن فرمایا لہٰذا ہمارا یہ قول درست ہے کہ حضرت صدیق وفاروق نے علی مرتضیٰ کے حق کی خیانت کی کہ خلافت خود سنبھال لی جو حضرت علی کا حق تھا۔ (روافض)۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں مراد خیانت سے کسی کا حق مارنا کسی پر ظلم کرنا نہیں۔ بلکہ اپنی قوم کی بیجا حمایت کرنا ہے چونکہ یہ بھی شرعاً ممنوع ہے اسی لئے اسے خیانت فرمایا گیا ہر گناہ خیانت ہے یعنی حق تعالیٰ کی امانت کے خلاف آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** حضرت یونس علیہ السلام نے دعا کی **انی کنت من الظلمین** اللہ تعالیٰ نے فرمایا **وعصی ادم ربہ فغوی** کیا تم ان آیات کی بنا پر ان حضرات انبیاء کو ظالم' عاصی' غاوی کہہ سکتے ہو اگر کہو گے تو پورے بے ایمان ہو گے۔ اگر حضرت صدیق و فاروق خائن غاصب ظالم تھے تو ان کی ہاتھ پر بیعت کر کے علی مرتضیٰ کون ہوں گے خدا کے لئے صحابہ کی دشمنی میں حضرات اہل بیت پر تبرا نہ کرو۔ قرآن کریم میں خیانت' ظلم' ضلال' عصیان خطاء کو بھی فرمایا جاتا ہے فعل کے معنی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ آنکھ بیٹھ گئی۔ دل بیٹھ گیا' دوکان بیٹھ گئی' زید بیٹھ گیا' تیر نشانہ پر بیٹھ گیا ان سب میں بیٹھ جانا ایک ہے مگر اس کے معانی مختلف رب تعالیٰ قرآن کی سچی سمجھ دے قرآن کریم میں خود رب تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ آئے ہیں جن کے ظاہری معنی صریح کفر ہیں **مکروا ومکر اللہ۔ یخادعون اللہ وھو خادعھم** وغیرہ غرضیکہ فہم قرآن چیز دوسری ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول انعام الہیہ کے منتہی ہیں۔ تقسیم انعامات کے مبداء رب نے یہاں فرمایا **انزلنا الیک الکتاب۔ الی انتہا** کے لئے آتا ہے آپ وہ برزخ کبریٰ ہیں جہاں ابتداء انتہا جمع ہیں۔

مخزن اسرار علام الغیوب — برزخ بحریں امکاں و وجوب

قرآن کا بھیجنے والا بھی حق لانے والا بھی حق لینے والا بھی حق اور خود قرآن بھی حق اس لئے ارشاد ہوا **بالحق** قرآن ہر طرح حق ہے۔

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات — اس لئے رمضاں کا سارا مہینہ نور ہے

فرمایا جارہا ہے کہ محبوب تم منتہائے قرآن ہو تم سراپا حق ہو تم قرآن کے جاء نزول ہو۔ جو سراپا حق ہے۔ طعمہ باطل ہے اس کے اعمال باطل حق و باطل کا اجتماع ناممکن لہذا تمہارے منہ سے کوئی کلمہ ایسا نہ نکلنے پائے جس میں باطل کی طرف میلان ہو تمہاری زبان حق کی کان ہے اس زبان سے حق ہی نکلے گا ہم نے تم کو تمام جہان کا حاکم برحق بنا کر بھیجا دنیا کی کوئی طاقت تمہیں حق سے مائل نہ کرسکے آپ کے فیصلے صرف گواہیوں صرف علامات صرف نشانات سے نہ ہوں بلکہ اس حق سے ہوں جو آپ کے سینہ پر نور میں جلوہ گر ہے۔ اگر آپ نے بھی ان خبروں پر فیصلے فرمائے تو آپ میں اور دوسرے حکام میں فرق کیا ہو گا اوروں کے فیصلے کاغذوں پر لکھے جاتے ہیں۔ تمہارے فیصلے لوح محفوظ کی تحریر ہیں۔ دوسرے حکام اپنے فیصلوں کے خود ذمہ دار ہیں تمہارے فیصلوں کے ہم ذمہ دار ہیں کہ زبان تمہاری ہوتی ہے کلام ہمارا۔ لہذا تمہارے فیصلے ہمارے فیصلے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیاوی حکام میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ ان حکام کے اختیارات محدود ہیں۔ دیوانی کا جج پھانسی کا حکم نہیں دے سکتا اور سیشن جج دیوانی کے فیصلے نہیں کرسکتا۔ مگر حضور کی عدالت سے ہر چھوٹے بڑے حکم جاری ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دیگر حکام کے فیصلے قانون کے ماتحت ہوتے ہیں۔ مگر حضور کے فیصلوں سے قانون بنتے ہیں۔ حضور قانون کے بادشاہ ہیں۔ تیسرے یہ کہ دیگر حکام اپنے خصوصی علم پر فیصلہ نہیں کرسکتے گواہ و شاہد پر کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خصوصی علم پر بھی فیصلہ فرماسکتے ہیں۔ **تحکم بین الناس بما ارک اللہ** سے یہ مسائل بخوبی حل ہوتے ہیں۔ گواہی و شہادت پر فیصلے شریعت ہیں اور حکام کی تعلیم کے لئے علم خصوصی پر فیصلے طریقت ہیں اور حضور کی خصوصیات سے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت پر تحقیقات فرمانا شریعت ہے اور طعمہ ابن ابیرق پر ہاتھ کاٹنے کا حکم دینا حالانکہ چوری کا ثبوت یہودی پر تھا یہ ہے طریقت رب تعالیٰ نے شیطان کو بغیر سجدہ کے انکار کے مردود نہ کیا اور قیامت میں مجرموں کو بہت تحقیق و تفتیش کے بعد سزا دیگا۔ یہ ہے شریعت حضرت خضر علیہ السلام نے محض اپنے علم پر بچے کو قتل کر دیا۔ حالانکہ وہ ناکردہ گناہ تھا یہ ہے طریقت **بما ارک اللہ** طریقت کا سرچشمہ ہے۔ بلکہ آپ کے بعض خدام سے جو اس کی طرف میلان ظاہر ہوا ان کے لئے بھی دعاء مغفرت فرمائیں کہ آپ کی شفاعت سے ہم گنہگاروں کو بخشتے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ممانعتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس لئے نہیں کہ حضور گناہ تک نہ پہنچیں وہ تو خدا تک پہنچے ہوئے ہیں گناہ تک کیسے پہنچیں گے۔ بلکہ اس لئے ہیں کہ گناہ حضور تک نہ پہنچیں اور ہم کو ممانعتیں اس لئے ہیں کہ ہم گناہ تک نہ پہنچیں۔ جیسے پرندہ کے آس پاس پنجرے کی تیلیاں اس لئے ہیں کہ پرندہ نکل کر فضا و ہوا میں نہ پہنچے اور فانوس پر چمنی اس لئے

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ ہوا اس کے نور یا حق تک نہ پہنچے گناہ تک ہمارا جانا اور ہے اور ہم تک گناہ کا پہنچنا کچھ اور ہم تماشہ دیکھنے گانا سننے کہیں جائیں تو ہم گناہ تک گئے لیکن اگر ہم مسجد یا گھر میں ہیں اور گانے کی آواز ہم تک آئے ہم اس سے لذت لیں یا ہمارے دروازے پر تماشہ آجائے جس سے ہم لطف اندوز ہوں تو گناہ ہم تک پہنچا اللہ کے فضل سے نہ تو نبی گناہ تک پہنچے ہیں اور نہ ان ممانعتوں کی برکت سے گناہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اگر ان کے سامنے گانا تماشہ ہو تو انہیں اس کا لطف نہیں آتا غصہ آتا ہے اسے وہ مٹانے کی کوشش فرما کر ثواب پاتے ہیں یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ممانعتیں اسی نوعیت کی ہیں غرضیکہ شریعت کی حدود ہمارے لئے حفاظتی قفس کی تیلیاں ہیں حضور کے لئے حفاظتی چمنی۔

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ

چھپ جاتے ہیں وہ لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے وہ اللہ سے حالانکہ وہ انکے ساتھ ہے جبکہ

لوگوں سے چھپتے ہیں اور اللہ سے نہیں چھپتے اور اللہ ان کے پاس ہے جب دل میں وہ بات

يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾

راتوں میں سوچتے ہیں غیر پسندیدہ باتیں اور ہے اللہ اس کو گھیرے جو وہ کام کرتے ہیں

تجویز کرتے ہیں جو اللہ کو ناپسند ہے اور اللہ ان کے کاموں کو گھیرے ہوئے ہے

هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۟ فَمَنْ يُّجَادِلُ

آگاہ رہو تم وہ ہو کہ ان کی طرف سے جھگڑتے ہو زندگانی دنیاوی میں پس کون ہے جو جھگڑے

سنتے ہو جو تم ہو دنیا کی زندگانی میں تو ان کی طرف سے جھگڑتے ہو تو ان کی

اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾

گا اللہ سے ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ان کا کارساز ہوگا

طرف سے کون جھگڑے گا اللہ سے قیامت کے دن یا کون ان کا وکیل ہوگا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں طعمہ اور اس کے حامیوں کی خیانت کا ذکر تھا۔ طعمہ کا چوری کرنا حامیوں کا اس کی چوری کو چھپانا اب ان خیانتوں کے عبث و بیکار ہونے کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ ایسی حرکتوں سے گنہگار تو ہو جاتے ہیں مگر فائدہ کچھ نہیں اٹھاتے گناہ بے فائدہ کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں طعمہ اور اس کی قوم کی خطاؤں کا ذکر تھا اب ان خطاؤں کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ یہ گناہ ان لوگوں سے اس لئے ہو جاتے ہیں کہ انہیں یہ خیال نہیں رہتا کہ ہماری ان تدبیروں کے وقت رب تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مذکورہ لوگوں کے گناہوں کا ذکر تھا۔ یعنی طعمہ کا چوری کرنا قوم کا اسے چھپانا اب اس کے بے کار ہونے کا ذکر ہے کہ اللہ سے یہ جرم نہ

www.alahazratnetwork.org

چھپ سکیں گے۔

شان نزول : جب طعمہ ابن ابیرق کا مقدمہ عدالت عالیہ مصطفویہ میں پیش تھا تحقیقات جاری تھی تو ایک دن رات کے وقت طعمہ اور اس کی قوم والے بنی ظفر کسی جگہ جمع ہوئے طعمہ نے اپنی قوم سے کہا کہ یہ معاملہ قوم کی عزت و ذلت کا ہے اگر میں چور ثابت ہو گیا تو ساری قوم کی رسوائی ہو گی اس لئے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بے گناہی کی قسم کھا جاؤں گا یہودی بھی قسم کھائے گا چونکہ میں کلمہ گو مسلمان ہوں اور یہودی کھلا کافر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری قسم قبول فرمائیں گے یہودی کی قسم قبول نہ کریں گے نیز یہودی کی قوم اس کی بے گناہی پاکدامنی کی گواہی دے گی تم لوگ میری عصمت و پاکدامنی و نیک چلن کی گواہی دے دینا چونکہ تم لوگ مسلمان ہو یہودی کے گواہ کفار ہیں بارگاہ رسالت میں تمہاری گواہی قبول ہو گی کفار کی گواہی رد ہو گی اس تدبیر سے اپنی قوم کی عزت رہ جائے گی یہ بھولے بھالے مسلمان طعمہ کی اس عیاری میں آ گئے اور اس کی بتائی تدبیر پر عمل پیرا ہوئے۔ رب تعالیٰ نے نہ چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا دھوکا دیا جا سکے اس نے یہ آیت نازل فرما کر سرکار عالی کو سارے واقعہ کی اطلاع دے دی اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کو اس سازش کا تذکرہ ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **یستخفون من الناس**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل ہے اسے گذشتہ جملہ سے ترکیبی تعلق کوئی نہیں بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ **من کان خوانا** کا حال ہے لہذا منصوبی حالت میں ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے **یستخفون استخفاء** سے بنا جس کا مادہ خفی ہے۔ خفی چھپنا پوشیدہ ہونا یہاں شرم کے باعث چھپنا مراد ہے باب استفعال میں آ کر کوشش یا مبالغہ کے معنی پیدا ہو گئے اس کا فاعل وہ طعمہ اور اس کی قوم کے بھولے مسلمان ہیں۔ جو طعمہ کے چکمہ میں آ گئے تھے **الناس** سے مراد عام اہل مدینہ ہیں جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ جانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ حقیقت چھپی نہ رہے گی۔ اولاً تو ان کی نگاہ نبوت ظاہر و باطن کو دیکھتی ہے۔ جیسے نگاہ عیسوی گھر میں کھائے بچائے کھانے کو دیکھتی تھی دوسرے رب تعالیٰ اس حرکت سے خبردار ہے وہ بذریعہ وحی حضور کو مطلع فرما دے گا ان کا مقصد یہ تھا کہ حضور مسلمانوں کے پردہ پوش ہیں ہماری مکاری ظاہر نہ فرمائیں گے اور ہم کو رسوا نہ ہونے دیں گے شرعی قاعدے کے مطابق ہماری گواہی طعمہ کی قسم پر اعتبار کریں گے یہودی اور اس کے ساتھی کفار کی گواہیوں اور قسم کا اعتبار نہ فرمائیں گے۔ یہاں قانون سے کام لیں گے، اسی لئے انہوں نے یہ حرکت کی یعنی طعمہ اور اس کے ہم قوم مسلمان عام اہل مدینہ سے شرم و حیا کرتے ہوئے چھپنے کی کوشش کرتے ہیں یا کریں گے یا ان لوگوں سے بہت ہی چھپتے ہیں۔ کسی طرح ظاہر نہیں ہونے دیتے **ولا یستخفون من اللہ** پہلے جملہ میں ان کی کوشش کا ذکر تھا اس جملہ میں حقیقت حال کا تذکرہ ہے لفظ اللہ سے مراد یا تو رب تعالیٰ کی ذات عالی ہے یا یہاں رسول پوشیدہ ہے۔ جیسا **یخادعون اللہ** میں بعض کے نزدیک **یخادعون رسول اللہ** مراد ہے یہاں استخفاء سے مراد یا چھپ جانا ہے یا چھپنے کی کوشش کرنا ہے۔ یعنی یہ لوگ اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول سے نہیں چھپ سکتے یا یہ لوگ اللہ رسول سے چھپنے کی کوشش نہیں کر رہے ہیں۔ شرم کی وجہ سے لوگوں سے چھپنے کی کوشش میں ہیں۔ **وھو معھم اذ یبیتون مالا یرضی من القول**۔ یہ جملہ یا تو علیحدہ ہے یا **یستخفون** کے فاعل سے حال اور واؤ حالیہ ہے **ھو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کہ حضور انور مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔ النبی

www.alahazratnetwork.org

اولی بالمؤمنین من انفسھم۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے معیت زمانی بھی ہوتی ہے' مکانی بھی' کرم کی بھی' غضب کی بھی' علم کی بھی' قدرت کی بھی' قرآن کریم میں لفظ مع تمام ہمراہیوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ **والذین امنو معہ** میں اور قسم کی معیت ہے اور **ان اللہ مع الصابرین** میں دوسری قسم کی معیت و ہمراہی ہے۔ یہاں معیت سے مراد علم و قدرت کی ہمراہی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ مکانی و زمانی معیت سے پاک ہے کہ وہ جگہ' وقت سے پاک یا غضب و غصہ و ناراضی کی ہمراہی مراد ہے۔ اذ ظرف ہے معیت کا ظرف **یبیتون** ہے جو بنا ہے **تبیت** سے بمعنی رات میں مشورے کرنا رات میں کسی پر حملہ کرنا شب خون مارنے کو بھی تبیت کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں دشمن پر رات میں حملہ ہوتا ہے۔ یہاں رات میں تدبیر سوچنے کی معنی میں ہے۔ چونکہ انہوں نے رات میں میں تدبیریں سوچی تھیں رب تعالیٰ نے اسی ہی کا ذکر فرمایا۔ ما اسم موصول ہے اور **یبیتون** کا مفعول بہ **لا یرضی ما** کا صلہ ہے اور **من القول ما** کا بیان **یرضی** کے بعد بہ پوشیدہ ہے چونکہ وہ تدبیریں کلام و گفتگو کے ذریعہ سوچی گئی تھیں اس لئے ان تدبیروں کو قول فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و نظر اس وقت بھی ان کے ساتھ تھی جبکہ وہ ناپسندیدہ باتوں سے رات میں تدبیریں سوچ رہے تھے تدبیریں کر رہے تھے۔ **وکان اللہ بما یعملون محیطا** یہ اللہ تعالیٰ کی وسعت علم و قدرت کا بیان ہے۔ **ما یعملون** سے سارے اعمال مراد ہیں۔ بدنی ہوں یا قولی یا قلبی۔ محیط احاطہ سے بنا بمعنی گھیر لینا اپنے میں لے لینا یہاں علم و قدرت کا احاطہ مراد ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بذات خود محیط نہیں وہ مکان سے پاک ہے اس لئے روح المعانی وغیرہ نے محیط بمعنی حفیظ لیا یعنی اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت ان کے سارے کھلے چھپے بدنی قولی دلی اعمال کو گھیرے ہوئے ہیں اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں اگر وہ لوگ اس بات کا خیال رکھتے تو ایسی حرکتوں کی ہمت و جرات نہ کرتے بعض جرموں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے۔ آخرت میں بھی جیسے چوری' زنا' ارتداد وغیرہ کہ ان کی دنیاوی سزا ہاتھ کٹنا رجم اور قتل ہے۔ آخرت کی سزا دوزخ مگر دنیاوی سزا دنیاوی حکام کے ذریعہ دلوائی جاتی ہے۔ اخروی سزا کا براہ راست رب تعالیٰ فیصلہ کرے گا۔ اس لئے دنیا میں گواہی' وکالت' قسم وغیرہ حکام کے سامنے ہوتی ہے اب تک دنیاوی سزا سے بچانے کی غلط تدبیروں کا ذکر ہوا اب اخروی سزا کا ذکر ہے جہاں یہ تدبیریں کارگر نہ ہوں گی اس لئے اس مضمون کے بعد ارشاد ہوا۔ **ھانتم ھؤلاء** یہ فرمان عالی اظہار ناراضی کے لئے ہے ہا حرف تنبیہ ہے **انتم** میں خطاب طعمہ کی قوم سے ہے **ھؤلاء** اسم اشارہ **انتم** کی خبر ہے **انتم** سے مراد ہے ان کی ذات اور **ھؤلا** سے اشارہ ہے ان کے حال یا وصف کی طرف جس کا ذکر **جادلتم** میں ہے۔ یعنی اے قوم طعمہ خبردار ہو جاؤ مطلع رہو تم ہی وہ لوگ ہو یا ایسے لوگ ہو سبحان اللہ ناراضی کے ساتھ کرم بھی ہے کہ رب نے **انتم** کہہ کر پکارا کافر' ظالم' فاسق وغیرہ کہہ کر نہ پکارا کہ اس جرم کی حمایت کی وجہ سے ان حضرات کا رشتہ غلامی حضور سے ٹوٹا نہیں۔ **جادلتم عنھم فی الحیوۃ الدنیا** یہ **ھؤلاء** کا بیان ہے **جادلتم** جدال سے بنا۔ جس کا مادہ ہے جدل بمعنی قوت و طاقت اس لئے شکرا کو اجدل کہتے ہیں یعنی بڑا طاقتور شکاری پرندہ۔ قوی جھگڑے کو جدال اور معمولی جھگڑے کو خصومت کہتے ہیں۔ یہاں جدال سے مراد جنگ وغیرہ نہیں بلکہ طعمہ کی طرف سے مقدمہ کی جھوٹی پیروی کرنا ہے اور اس یہودی کے مقابلہ میں جھگڑا کرنا یا یہودی کی قوم سے قانونی لڑنا اگرچہ طعمہ اکیلا تھا مگر چونکہ اس ایک کی حمایت سارے منافقوں کی در پردہ حمایت تھی اس لئے **عنھم** میں ضمیر جمع ارشاد ہوئی نیز اگر اس موقعہ پر طعمہ کامیاب ہو جاتا تو آئندہ منافقوں کو چوری وغیرہ جرموں پر جرات ہو جاتی ہے اس لئے اس اکیلے کی حمایت سارے بدمعاشوں منافقوں کی حمایت تھی اس لئے عنھم فرمایا **حیوۃ الدنیا** سے مراد یہ ظاہری زندگی ہے جو مرنے پر ختم ہو جاتی ہے یعنی

www.alahazratnetwork.org

اے قوم طعمہ کے بھولے مسلمانو تم جیتے جی تو طعمہ وغیرہ منافقین کی طرف سے ان کے مقابلوں سے لڑ رہے ہو۔ جھگڑ رہے ہو' صرف دنیاوی زندگی تک تمہارے یہ جھگڑے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کے ماسوی کا نام ہے عالم اس کی بہت قسمیں ہیں عالم انوار' عالم ارواح' عالم امکان' عالم اجسام جن میں سے عالم اجسام خصوصا" سفلیات کا نام ہے' دنیا' زندگی تین قسم کی ہے دنیاوی زندگی' برزخی زندگی اور اخروی زندگی جن میں سے دنیاوی زندگی بہت چھوٹی ہے' برزخی زندگی جو مرنے سے قیامت تک ہے وہ اس سے بڑی اور اخروی زندگی جو قیامت سے ابدالاباد تک ہے وہ بہت ہی بڑی چونکہ دنیاوی زندگی کام کی ہے برزخی زندگی کام کے بعد آرام کی اور اخروی زندگی کام کے انعام کی رب تعالیٰ کریم ہے اس لئے اس نے کام کا وقت بہت چھوٹا رکھا آرام کا وقت بہت دراز اور انعام کا وقت ابدالاباد نیز دنیاوی زندگی مصیبتوں سے گھری ہے **لقد خلقنا الانسان فی کبد** وہ دونوں زندگیاں مقبولوں کے لئے آزادی کی اس لئے یہ زندگی بہت چھوٹی رکھی گئی لہٰذا اسے اچھے کاموں میں خرچ کرو۔ **فمن یجادل اللہ عنہم یوم القیمۃ** یہاں بھی جدال سے وہی مراد ہے یعنی پیروی کرنا حمایت کرنا یعنی جب قیامت کے دن یہی طعمہ کا مقدمہ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گا جہاں دودھ کا دودھ ہے پانی کا پانی تو ان کی حمایت میں رب کی بارگاہ میں کون پیش ہو گا۔ جب اللہ کی بارگاہ میں تم ان کی حمایت قیامت میں نہیں کر سکتے تو رسول اللہ کی عدالت میں ان کی حمایت کیوں کرتے ہو۔ **ام من یکون علیہم وکیلا** ۔ یہ ام عاطفہ ہے من سے وہی عام حمایتی مراد ہیں' جو **من یجادل اللہ** میں من سے مراد تھے **وکیلا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں' جس کو اپنا مقدمہ یا اپنا کام سپرد کر دیا جائے وہ وکیل ہے اسی لئے حمایتی' کارساز کو وکیل کہا جاتا ہے بلکہ کار مختار کو بھی وکیل کہا کرتے ہیں۔ وکیل بمعنی طرف دار انسان کی صفت ہے اور بمعنی کارساز رب تعالیٰ کی صفت ہے رب تعالیٰ کا نام وکیل ہے اسی معنی سے یہاں دونوں معنی درست ہیں کہ کفار کے لئے نہ حضور طرف دار نہ رب تعالیٰ کارساز مسلمانوں کے لئے دونوں نعمتیں حاصل ہیں یعنی کل قیامت میں ان کا حمایتی وکیل کون ہو گا یعنی کوئی نہیں۔ لہٰذا یہاں دنیا میں بھی ان کی حمایت چھوڑ دو۔

خلاصہ ء تفسیر : یہ طعمہ اور اس کے ہم قوم بنی ظفر لوگوں سے شرم کرتے ہوئے اصل واقعہ چھپانے کی کوشش کر رہے ہیں یہ سب کچھ تدبیریں اسی سلسلے میں ہیں مگر وہ کسی طرح اللہ سے یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں چھپا سکتے وہ رب تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہے جب وہ رات کی اندھیروں میں جمع ہو کر بری تدبیریں اور بری باتیں سوچتے ہیں اس کے علم اس کی قدرت سے کہاں جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت تو اس کے سارے ظاہری خفیہ جسمانی زبانی جنانی اعمال کو گھیرے ہوئے ہے۔ گھرا ہوا گھیرے ہوئے سے کیسے نکل سکتا ہے۔ خبردار ہو اے طعمہ کی قوم والے بھولے بھالے مسلمانو تم دنیاوی زندگی میں تو طعمہ وغیرہ منافقین کی طرف سے طعمہ کے مخالفوں سے لڑتے جھگڑتے ہو۔ اور ان کی جھوٹی حمایت کرتے ہو۔ سوچو تو کل جب طعمہ کا مقدمہ قیامت میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہو گا۔ تو کس میں طاقت ہے کہ رب کے سامنے اس کی جھوٹی حمایت کر سکے اور کون ہے جو طعمہ کا وکیل بن سکے۔ لہٰذا دنیا میں ایسی ناجائز کوششیں کر کے گنہگار نہ ہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: یہ آیت کریمہ تقویٰ و طہارت کی اصل ہے اگر انسان یہ خیال رکھے کہ میرا کوئی حال اللہ تعالیٰ سے چھپا نہیں وہ مجھے ہر وقت دیکھ رہا ہے تو گناہ کرنے کی ہمت نہ کرے جیسا کہ **لا یستخفون من اللہ** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: کوئی شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپا نہیں ہر شخص کے

www.alahazratnetwork.org

ہر حال سے حضور خبردار ہیں۔ دیکھو یہاں **یستخفون من الناس** فرمایا یہ نہ فرمایا **یستخفون منک** یعنی وہ لوگوں سے چھپتے ہیں۔ یہ نہیں کہ وہ آپ سے چھپتے ہیں حضور کا ذکر اپنے ساتھ فرمایا **یستخفون من اللہ** اگر یہ عقیدہ پختہ ہو جائے کہ حضور میرا ہر حال دیکھ رہے ہیں تو گناہ پر کبھی دلیری نہ کرے۔ رب فرماتا ہے **انا ارسلنک شاھدا** " اور فرماتا ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** حضور نے دو قبروں پر کھڑے ہو کر فرمایا کہ ان دونوں مردوں کو عذاب قبر ہو رہا ہے کیونکہ یہ چرواہا تھا پیشاب سے نہ بچتا تھا اور یہ دوسرا چغل خور تھا معلوم ہوا کہ ہر شخص کے ہر عمل سے واقف ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے خلاف سازش ان کے خلاف گفتگو سے رب تعالیٰ سخت ناراض ہوتا ہے۔ جیسا کہ **لا یرضی من القول** سے معلوم ہوا۔ لہذا ان مقبولوں کی حمایت ان کے محبت کی گفتگو سے رب تعالیٰ راضی ہے اسی طرح کفار کی حمایت سے رب ناراض ہے ان کی مخالفت سے رب راضی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت کے دن کوئی کسی کافر و منافق کی شفاعت نہ کر سکے گا جیسا کہ **فمن یجادل اللہ عنھم** سے معلوم ہوا ان شاء اللہ مومن کی شفاعت بھی ہوگی اور اس کی طرف سے جھگڑا بھی جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے **عنھم** کی قید سے لطف دے دیا۔ قیامت کا اول وقت ظہور عدل کا ہے اس وقت کوئی کسی کی بات نہ پوچھے گا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں شفاعت کبریٰ ہو جائے گی دروازہ شفاعت کھل جائے گا تو ظہور فضل ہو گا پھر شفاعت صغریٰ مسلمانوں کی بہت طرف سے ہوگی مگر کفار منافقین اب اس حالت میں بھی وکالت شفاعت سے محروم ہوں گے۔ یہاں اسی کا ذکر ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قیامت میں کفار و منافقین کا وکیل و حامی کوئی نہیں۔ مسلمانوں کے وکیل بھی ہوں گے، حامی بھی جیسا کہ **علیھم وکیلا** سے معلوم ہوا کیونکہ کفار و منافقین کے احوال سے مومنین کے احوال جداگانہ ہوں گے۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ سے انسان کافر نہیں ہو جاتا اگرچہ گناہ کیسا ہی سنگین ہو دیکھو منافقین کی حمایت اور بارگاہ رسالت میں ان کے بحث و تمحیص جسے **جادلتم** فرمایا گیا اپنی قوم کی بیجا طرفداری بری چیزیں ہیں مگر اس کے باوجود طعمہ کے وہ حمایتی مسلمان ہی رہے۔ انہیں کافر نہ کہا گیا یہ فائدہ **جادلتم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کفار منافقین مجرمین کے ساتھ ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **ان اللہ مع الذین اتقوا** اللہ تعالیٰ متقیوں کے ساتھ ہے ان دونوں میں کون سی آیت درست ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** دونوں آیتیں درست ہیں اللہ تعالیٰ رحم و کرم سے متقیوں کے ساتھ ہے۔ غضب و قہر سے کفار و منافقین کے ساتھ ہے اور علم و قدرت کے لحاظ سے سب کے ساتھ ہے۔ نصرت مدد کے لحاظ سے صابرین کے ساتھ **ان اللہ مع الصابرین** یہاں ناراض و غضب کے لحاظ سے ہمراہی مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس وقت ان کے ساتھ تھا جب وہ ناپسندیدہ سازشیں کر رہے تھے تو کیا دوسرے وقت ان کے ساتھ نہیں تھا فرمایا گیا۔ **اذ یبیتون مالا یرضی**۔ **جواب:** سوال و جواب میں لفظ ہی اور بھی کا فرق ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایسے ناپسندیدہ باتوں کے وقت بھی رب تعالیٰ ان کے ساتھ ہے لہذا انہیں رب سے ڈرنا چاہئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کوئی کسی کی طرف سے رب سے نہ جھگڑ سکے گا مگر حدیث پاک میں ہے کہ کچا بچہ اپنے ماں باپ کی شفاعت میں رب سے جھگڑے گا یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** حدیث شریف میں ناز و نیاز کا جھگڑا مراد ہے جیسے نازنین بچے اپنے ماں باپ سے ضد کر کے لڑ جھگڑ کر اپنی بات منوا لیتے ہیں کچا بچہ اس قسم کا جھگڑا رب سے کرے گا اس کا یہ جھگڑا بھی رب کو پیارا ہو گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قد سمع اللہ**

www.alahazratnetwork.org

قول التی تجادلک فی زوجها - اللہ نے اس بی بی کا کلام سن لیا جو اپنے خاوند کے متعلق آپ سے جھگڑ رہی ہیں۔ سبحان اللہ محبوبوں کے جھگڑے بھی پیارے۔ کسی پنجابی شاعر نے کیا خوب کہا۔

وکھڑے میں کنوں وساں جھگڑے ہیں میرے تیرے
وقت اخیری سجنا آجا تو نیڑے نیڑے

اور یہاں دوسری قسم کا جھگڑا مراد ہے دھوکے دینے کے لئے کفار کی سفارش کے لئے۔ جھگڑنا یہاں کس کی مجال ہے جو رب کی بارگاہ میں اس قسم کی باتوں میں دم بھی مار سکے۔

نہ بر حرف اوجائے انگشت کس
ہمہ تا بعش مرغ و مور و مگس

یہ بہر حال جھگڑوں کی نوعیتیں جداگانہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے ساتھ ایسے ہیں۔ جیسے جسم میں جان یا آنکھوں میں نظر کہ ہر کام جاتی ہے مگر نظر نہیں آتی ہر چیز کو نظر دیکھتی ہے مگر خود دکھائی نہیں دیتی۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظر یوں دل میں ہیں جیسے جسم میں جاں
ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے نہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

خود چھپے ہوئے ہیں مگر ہر ذرے میں جلوہ دکھا رہے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

اے خفی الذات محسوس العطاء
انت کالماء و نحن کا لرحے!
انت کا لریح و نحن کا لغباء
یختفی الریح و غبراہ جہاد!

مجرم و بدکار اس اندھے چور کی طرح ہیں جو کسی کے گھر میں چوری کرے خواہ مالک اور اس کے خدام اسے چوری کرتے دیکھ رہے ہوں اور اس کے اندھے پن و حماقت پر ہنس رہے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اس کے رسول اس کے فرشتے ہمارے ہر حال کو دیکھ رہے ہیں۔ ہم اپنے اندھے پن سے انہیں بے خبر جان کر خوب گناہ کر رہے ہیں یہ آیت کریمہ ہم کو جگا رہی ہے کہ فرما رہی ہے **وھو معھم اذ یبیتون** ان کی رات کی سازشوں کے وقت اللہ یا اللہ کا رسول ان کے ساتھ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ برے ارادے بری نیت سے کلمہ پڑھنا قرآن مجید کی تلاوت نماز درود وغیرہ عبادات بھی رب کے ہاں ناپسندیدہ ہیں کہ طعمہ وغیرہ کی تمام باتوں کو ناپسندیدہ فرمایا گیا **ما لا یرضی من القول**۔ اگرچہ ان لوگوں نے اس مجلس میں اللہ رسول کا نام بھی لیا ہوگا۔ مگر سب ناپسندیدہ ہوا کہ ان کی نیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمانوں کو دھوکا دینے کی تھی بری نیت سے تعمیر کی ہوئی مسجد کو ضرار قرار دیا گیا بری نیت سے کلمہ پڑھنے کو دھوکا بازی فرمایا گیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں جب حضرات انبیاء کرام نفسی نفسی کہیں گے تو ہم مجرم گنہگار وہاں کیا کریں گے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

دراں روز کز فعل پرسند و قول
اولو العزم را دل بلرزد زھول
بجائے کہ دہشت خورند انبیاء
تو عذر گنہ را چہ داری بیا!

لہٰذا ضروری ہے کہ ہم مجرم گنہگار بندے مرنے سے پہلے توبہ کر لیں۔ ذرہ ذرہ حقوق عباد حقوق شرعی متعلق ادا کر کے مریں ابھی فرصت ہے اسے غنیمت جانیں ہم جو کچھ کر رہے ہیں۔ رب تعالیٰ و رسول و فرشتے دیکھ رہے ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

ارے اے مجرم بے پروا دیکھ　　سر پہ تلوار ہے کیا ہونا ہے
لے وہ حاکم کے سپاہی آئے　　صبح اظہار ہے کیا ہونا ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے برے کاموں کو اچھا ثابت کرنے کی کوشش کرنا اپنے نفس کی وکالت کرنا اسے اچھا سمجھنا بھی اس آیت کریمہ میں داخل ہے۔ اپنے عیب فوراً تسلیم کرلو۔ بہانہ نہ بناؤ توبہ کرو وہ مدینہ کا منافق طعمہ مرگیا ہم میں سے ہر ایک کے اندر طعمہ موجود ہے' جو چوری کرکے بہانہ بناتا رہتا ہے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ

اور جو گناہ کرے اور ستائے اپنی جان کو پھر معافی لے اللہ سے پائے گا اللہ کو

اور جو کوئی برائی یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش چاہے تو اللہ کو بخشنے

غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١١٠﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ

بخشنے والا مہربان　اور جو کمائے گناہ تو اس کے سوا نہیں کہ کماتا ہے اسے اپنی جان پر

والا مہربان پائے گا　اور جو گناہ کمائے تو اس کی کمائی اس کی جان پر پڑے اور اللہ

اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١١١﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ

اور ہے اللہ علم والا حکمت والا　اور جو کمائے خطا یا گناہ پھر لگا دے

علم و حکمت والا ہے　اور جو کوئی خطا یا گناہ کمائے پھر اسے کسی بے گناہ

بِهٖ بَرِيْٓــــًٔا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿١١٢﴾　ع ١٤

اسے کسی بے گناہ پر تو بے شک اٹھایا اس نے بہتان اور کھلا گناہ

پر تھوپ دے اس نے ضرور بہتان اور کھلا گناہ اٹھایا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کے ہم قوم مسلمانوں پر اظہار ناراضی فرمایا گیا تھا اب ان کو توبہ و استغفار کی دعوت دی جارہی ہے کہ توبہ کرلو ہم بخش دیں گے۔ دوسرا تعلق: بعض لوگ ڈر سے اطاعت کرتے ہیں' بعض لوگ امید و لالچ سے قرآن کریم تمام خلقت کے لئے آیا اس میں ہر قسم کے لوگوں کو تبلیغ ہے لہذا ڈر پچھلی آیات میں سنایا گیا تھا امید و لالچ ان آیات میں دی جارہی ہے تاکہ پہلی قسم کے لوگ ان آیات سے سبق لیں دوسری قسم کے لوگ ان آیات سے رجوع الی اللہ کریں۔ تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں طعمہ اور اس کے حمایتیوں کی خطاؤں کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ہر خطاء کار اپنی خطا کا ذمہ دار ہوگا اس کا بوجھ دوسرے پر نہ پڑے گا۔ لہذا مجرم کو توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔

www.alahazratnetwork.org

نزول : بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیات کریمہ طعمہ ابن ابیرق کو توبہ کی طرف مائل کرنے کے لئے نازل ہوئیں۔ جس نے چوری بھی کی جھوٹ بھی بولا بے قصور یہودی کو بہتان بھی لگایا اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو دھوکھا دینا بھی چاہا غرضیکہ چار گناہ کئے وہ بھی حضور انور کی موجودگی میں بعض نے فرمایا کہ یہ آیات کریمہ طعمہ کی قوم کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے طعمہ جیسے مجرم و خطاکار کی غلط حمایت کی مجرم کی حمایت بھی جرم ہے بعض مفسرین کا فرمان ہے کہ یہ آیات تاقیامت تمام گنہگاروں کے متعلق ہیں کہ اگرچہ نزول کا سبب خاص ہے مگر اس کی عبارت عام ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **ومن یعمل سوءا اویظلم نفسہ** ظاہر یہ ہے کہ من سے مراد ہر گنہگار انسان ہے کافر ہو یا مومن جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے معصوم و محفوظ انسان اس سے علیحدہ ہیں 'یعمل' میں بڑی وسعت ہے۔ کب عمل کرے' کہاں عمل کرے' کتنے عمل کرے' اگر دن بھر میں ہزار گناہ کرے' تب بھی مایوس نہ ہو کہ اس کی رحمت ہمارے گناہوں سے زیادہ۔ سوءا یہ وہ برائی ہے جو دوسرے کو غمگین کرے جس کا اثر دوسرے پر پڑے کہ سوء رنج و غم کو کہتے ہیں۔ اور ظلم سے مراد ہر گناہ ہے جس کا تعلق اپنی ذات سے ہے۔ دوسرے پر اثر نہیں پڑتا لہٰذا بہتان جھوٹی قسم کھا کر دوسرے کو پھنسانا سوء ہے اور شراب خواری ترک نماز وغیرہ ظلم ہے طعمہ کا چوری کرنا یہودی کو بہتان لگانا سوء تھا اور جھوٹی قسم کھانا کہ میں نے چوری نہیں کی ظلم ہے بعض نے فرمایا کہ بد عملی سوء ہے اور بد عقیدگی شرک' کفر وغیرہ ظلم ہے رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** بعض نے فرمایا ہر گناہ صغیرہ سوء ہے اور ہر گناہ کبیرہ ظلم غرضیکہ سوء و ظلم میں کئی طرح فرق ہے۔ یعنی جو شخص بھی معمولی گناہ کرے یا بڑا گناہ کرے یا جو شخص بد عملی کرے یا بد عقیدگی یا جو کوئی حق العبد مارے یا حق اللہ تلف کرے۔ **ثم یستغفر اللہ** یہ عبارت یعمل پر معطوف ہے اور من کا صلہ ثم فرما کر بتایا گیا کہ پرانے گناہ سے بھی توبہ ہو سکتی ہے پرانے سے پرانا مجرم بھی ہماری کرم نوازی سے مایوس نہ ہو۔ اگر بجائے ثم کے واؤ یا ف ارشاد ہوتی تو معلوم ہوتا کہ گناہ کے ساتھ یا اس سے متصل ہی چاہئے ثم نے توبہ کے وقت میں بڑی وسعت دے دی۔ نماز' روزہ' حج وغیرہ کے اوقات تنگ اور محدود ہیں۔ مگر رب کریم نے توبہ کا وقت بہت فراخ رکھا کہ ساری زندگی اس کا وقت ہے۔ استغفار زبان سے معافی مانگنے کو کہتے ہیں اور توبہ دل کی شرمندگی و ندامت اور آئندہ باز رہنے کے ارادہ کو کہا جاتا ہے۔ یہاں استغفار بمعنی توبہ ہے کیونکہ بغیر دل کی توبہ کے صرف زبان سے استغفار پڑھ لینا مذاق و دل لگی ہے۔ یہاں استغفار فرما کر یہ بتایا کہ دلی توبہ کے ساتھ زبان سے بھی معافی مانگنا چاہئے کہ یہ بھی ایک عبادت ہے خیال رہے کہ جیسا گناہ ویسی توبہ چاہئے۔ **حق اللہ** کی توبہ صرف شرمندگی و ندامت آئندہ عہد کر لینا ہے حقوق شرعیہ سے توبہ کے لئے قضاء یا کفارہ ضروری ہے نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا کرے روزہ توڑا ہے کفارہ دے اور حقوق العباد سے توبہ کے لئے اداء حقوق ضروری ہے کسی کا قرض مارا ہے تو پہلے ادا کرے کسی کو گالی دی ہے تو پہلے اس سے معافی چاہے پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کے الفاظ ادا کرے آنکھ سے آنسو بہائے۔ یہ ہے استغفار صحیح' یہاں صحیح و مقبول توبہ مراد ہے ان دو لفظوں میں مسائل کے دریا بہہ رہے ہیں۔ **یجد اللہ غفورا رحیما** یہ عبارت یعمل سوء' کی جزاء ہے یجد کے معنی یا تو یہ ہیں کہ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کو پائے گا۔ یا مطلب یہ ہے کہ دنیا ہی میں اس کی مغفرت و رحمت پائے گا۔ اس طرح کہ گناہوں خطاؤں کی وجہ سے جو دنیاوی مصیبتیں آ گئیں تھیں وہ استغفار کی برکت سے دور ہو جائیں گی یا دنیا میں اور مرتے وقت قبر میں اور حشر میں ہر جگہ رب کو غفور رحیم پائے گا۔ یہ تیسرے معنی بہت وسیع ہیں۔ ہر جگہ اس کے لائق و مناسب مغفرت و رحمت ہو گی۔ غفور سے

www.alahazratnetwork.org

مراد ہے۔ بہت بخشنے والا رحیم سے مراد ہے۔ بہت مہربانی فرما کر بہت کچھ رحمتیں دینے والا کہ توبہ کرنے والے کو بجائے سزا دینے کے انعامات و الطاف کریمانہ سے نواز تا ہے یعنی وہ توبہ کرنے والا دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ دنیا قبر و حشر میں اللہ کو بخشنے والا بھی پائے گا اور مہربان کریم بھی کہ وہ کریم توبہ کے عوض اسے بہت رحمتیں بخشے گا۔ توبہ ایک ہے مگر اس کے عوض بدلے دو ہیں گناہ کی معافی' عطاء بے مثال **ومن یکسب اثما** - یہاں بھی من عام ہے' جس میں ہر گنہگار داخل ہے مومن ہو یا کافر حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ اس میں داخل نہیں کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہیں اور یہ خاص اولیاء اللہ محفوظ اور یہاں ذکر ہے کسب گناہ کا۔ یکسب سے مراد کسبی گناہ ہیں۔ یعنی اعضاء ظاہری سے کئے ہوئے' چونکہ دل و دماغ کے برے خیالات و وہم معاف ہیں ان پر پکڑ نہیں اس لئے "عمل نہ فرمایا' یکسب فرمایا' نیز خطاء و بھول چوک کی غلطیاں معاف ہیں اس لئے یکسب ارشاد ہوا کسب ارادی کام کو کہا جاتا ہے خیال رہے کہ نیکی اگر بلا ارادہ بھی صادر ہو جائے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے جیسے کسی کے کنوئیں سے کسی پیاسے کا پانی پی لینا یا کھیت سے چڑیوں جانوروں کا کچھ کھا لینا۔ کسی کی روشنی میں کسی کا نماز یا قرآن مجید پڑھ لینا مگر گناہ کے لئے ارادہ و عمد کی قید ہے یہ اس کریم کی کرم نوازی ہے اس لئے یہاں "عمل یا۔ صدر کی بجائے یکسب فرمایا۔ اثم سے مراد ہر گناہ ہے چھوٹا ہو یا بڑا تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کسب وہ کام ہے جو نفع حاصل کرنے یا نقصان دفع کرنے کے لئے کیا جائے۔ اس لئے رب تعالیٰ کے اعمال کو کسب نہیں کہتے یعنی جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے کبھی کرے۔ **فانما یکسبہ علی نفسہ** - یہ عبارت **من یکسب** کی جزاء ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ کے تین معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کوئی چھوٹا بڑا گناہ کرے تو وہ گناہ اس کی ذات پر ہی پڑے گا کسی کو اس کا عذاب بخش نہیں سکتا۔ نیکی کا ثواب بخشنا جائز ہے گناہ کا عذاب بخشنا جائز نہیں۔ دوسرے یہ کہ جو شخص گناہ کبیرہ کرے وہ اس کے نفس پر لازم ہے۔ بغیر توبہ معاف نہیں ہوتا۔ صغیرہ گناہ نیکیوں وغیرہ سے معاف ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ جو شخص گناہ کرے اس کا اخروی وبال اسی پر ہے اس کے جرم میں دوسرے لوگ گرفتار نہیں کیونکہ علیٰ ضرر و نقصان کے لئے آتا ہے۔ یہاں ضرر آخرت مراد ہے۔ یعنی عذاب اور آخرت کی سزا۔ دنیاوی نقصان مراد نہیں کہ دنیا میں کبھی کسی کے گناہ کا وبال دوسروں پر بھی پڑ جاتا ہے یعنی وہ شخص اس کسب جرم سے اپنا نقصان کر رہا ہے کہ اس کا گناہ خود اس پر ہی پڑے گا۔ دوسرے پر نہ پڑے گا **وکان اللہ علیما حکیما** یہ عبارت انتہائی اظہار غضب کے لئے ہے۔ یعنی مجرم حاکم کے قہر سے جب ہی بچ سکتا ہے کہ یا تو حاکم بے خبر ہو یا مجبور و عاجز کہ مجرم کو پکڑ نہ سکے اللہ تعالیٰ نہ بے خبر ہے نہ مجبور لہذا اس کی پکڑ سے بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ بجز اس کے کہ اس کی بارگاہ میں سچی توبہ کی جائے ہاں وہ حکمت والا ہے کہ جلدی نہیں پکڑتا اس مہلت و ڈھیل میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں **ومن یکسب خطیئۃ او اثما** یہاں تیسرے قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ جو خود قصور کر کے دوسروں کے سر تھوپ دیں۔ یہاں بھی من سے عام انسان مراد ہیں۔ یکسب کی تحقیق ابھی ہو چکی خطاء سے مراد یا گناہ صغیرہ ہیں یا غلطی سے صادر ہو جانے والے گناہ اور اثم سے مراد یا گناہ کبیرہ ہیں۔ یا عمداً" کئے ہوئے گناہ خطاء سے مراد لازم گناہ صغیرہ ہیں یا غلطی سے صادر ہو جانے والے گناہ اور اثم سے مراد یا گناہ کبیرہ ہیں یا عمداً" کئے ہوئے گناہ یا **خطیئۃ** سے مراد لازم گناہ ہیں جس کا اثر دوسرے پر نہ پڑے صرف کرنے والے پر رہے اور اثم سے مراد متعدی گناہ جس کا اثر دوسرے پر بھی پڑے۔ یا خطاء سے مراد زرہ کی چوری ہے اور اثم سے مراد جھوٹی قسم ہے جیسا کہ طعمہ سے ہوا (خازن)۔ **ثم یرم بہ بریا ء**" - یہ عبارت یکسب پر معطوف ہے اور من کا صلہ یرمی رمی سے بنا بمعنی پھینکنا مارنا نشانہ بنانا

www.alahazratnetwork.org

یہاں گناہ کو تیر سے تشبیہ دی گئی اور بہتان لگانے کو تیر مارنے سے بہ کا مرجع وہی خطیأ گناہ ہے بریاء براۃ سے بنا بمعنی دور رہنا علیحدہ ہونا بیزار ہونا یہاں مراد ہے بے گناہ کہ وہ اس گناہ سے دور تھا یعنی پھر اپنا کیا ہوا گناہ دوسرے کے سر تھوپ دے کہ فلاں نے کیا جیسا کہ طعمہ نے کیا تھا کہ چوری خود کی اور لگادی بے قصور یہودی کو خیال رہے کہ تہمت لگانا قولی بھی ہوتا ہے اور عملی بھی طعمہ کا آٹا یہودی کے دروازے تک گرانا عملی بہتان تھا اور زبان سے کہنا کہ یہودی نے چوری کی قولی بہتان یہ دونوں قسم کے بہتان سخت جرم ہیں۔ **فقد احتمل بهتانا واثما مبينا** - یہ عبارت **من یکسب** کی جزاء ہے۔ احتمل کے معنی ہیں بھاری بوجھ اٹھانا چونکہ بہتان بڑا جرم ہے۔ جس کی سزا بہت سخت اس لئے اس کے اٹھانے و برداشت کرنے کو احتمال باب افتعال سے لایا گیا بہتان بنا ہے۔ **بهت** سے بمعنی حیرانی رب فرماتا ہے **فبهت الذی کفر** وہ کافر حیران رہ گیا چونکہ بہتان لگانے میں سامنے والا حیران رہ جاتا ہے کہ خدایا یہ کیا ہوا۔ میں نے کیا کچھ نہیں اور بدنام ہو گیا۔ مصیبت میں پھنس گیا۔ اس لئے اسے بہتان کہتے ہیں۔ واو عطف تفسیری کا ہے اور **اثما مبینا** بہتان کی تفسیر چونکہ بہتان لگانا کسی دین میں جائز نہ ہوا۔ نیز عقل سلیم بھی اسے برا سمجھتی ہے۔ نیز خود بہتان لگانے والے کا نفس اسے ملامت کرتا ہے کہ تو نے یہ کیا غضب کیا اس۔ لئے وہ بہتان کو چھپانے کی کوشش کرتا ہے نہیں چاہتا کہ کسی طرح اس کا یہ فریب ظاہر ہو جائے اس لئے اسے اثم مبین یعنی کھلا ہوا گناہ فرمایا گیا۔

خلاصہ ء تفسیر : ان تینوں آیتوں میں تین قسم کے مجرموں کا ذکر ہے ایک وہ جو گناہ کرکے توبہ کر لیں۔ دوسرے وہ جو گناہ کریں۔ مگر توبہ نہ کریں۔ تیسرے وہ چالباز جو گناہ کرکے دوسروں پر لگادیں خود اچھے بن جائیں دوسرے کو مجرم قرار دے دیں ان تین مجرموں کے تین انجام کا ذکر ہوا کہ فرمایا گیا کہ جو کوئی بھی کسی قسم کا چھوٹا بڑا عملی اعتقادی حق العبد یا حق اللہ کا جرم کرے پھر فوراً یا عرصہ کے بعد درست توبہ کر لے۔ جس توبہ میں تمام شرائط و ارکان توبہ کی سنتیں مستحبات سب جمع ہوں تو وہ دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا کہ وہ اس کے گناہ بخش دے گا اور توبہ پر بہت ثواب دے گا۔ خیال رکھو کہ جو کوئی گناہ کرے تو وہ اپنے پر ہی کرتا ہے کہ اس کا وبال خود اس پر ہی پڑے گا یہ نہ ہو گا کہ یہ بچ جائے دوسرا پھنس جائے نہ یہ ہو گا کہ یہ اپنا گناہ دوسرے کو بخش دے اور خود بچ جائے۔ اللہ کی پکڑ سے چھوٹنا غیر ممکن ہے کہ وہ علیم و خبیر بھی ہے قدیر بھی ہاں چونکہ وہ حکیم ہے اس لئے جلد پکڑ نہیں کرتا اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ خیال رہے کہ جو کوئی چھوٹا بڑا گناہ کرکے دوسرے پر اس کا بہتان لگا دے جو اس سے بالکل بری ہو وہ سخت بہتان بھی اٹھاتا ہے اور سخت گناہ کا ارتکاب بھی کرتا ہے جس کا گناہ ہونا ہر دین میں مسلم ہے عقل سلیم بھی اسے گناہ مانتی ہے۔ لہٰذا اس سے ضرور بچنا چاہئے۔ دنیا چند روزہ ہے آخر رب کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ خیال رہے کہ بے عیب کو عیب لگانا بہتان ہے اور عیب دار کا واقعی عیب پس پشت بیان کرنا غیبت ہے۔ بہتان مطلقاً حرام ہے کسی کو لگائے کسی طرح لگائے پھر اللہ رسول کو بہتان لگانا کفر مقبول اولیاء علماء کو بہتان لگانا بڑے وبال کا باعث عام انسانوں کو بہتان لگانا بڑا جرم مگر غیبت کے حرام ہونے کی تین شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ جس کی غیبت کی جائے وہ مومن ہو کفار کی غیبت جائز ہے اس کا عیب علانیہ نہ ہو خفیہ ہو علانیہ عیب پس پشت بیان کرنا جائز ہے۔ تیسرے یہ کہ بلا ضرورت ہو۔ ضرورۃً غیبت جائز ہے جیسے راویان حدیث کے عیوب بیان کرنا یا کسی کے شر سے بچانے کے لئے اس کی خفیہ چال بازی بتا دینا یا اصلاح کے لئے شاگرد کی شکایت استاد سے کرنا۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر گناہ سے توبہ ہو سکتی ہے گناہ کفرو شرک ہو یا کوئی اور صغیرہ ہو یا کبیرہ جیسا کہ سوء کے عموم سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر گناہ کی توبہ جداگانہ ہے۔ کفرو شرک سے توبہ ایمان لانا ہے۔ حقوق العباد سے توبہ ان کا ادا کر دینا ہے۔ حقوق شرعیہ سے توبہ رہی ہوئی عبادتوں کی قضا کر دینا ہے۔ توبہ کی حقیقت یہ نہیں کہ چوری کرو قتل کر ڈالو صرف منہ سے توبہ کر لو' ہر گز نہیں۔ یہ فائدہ **یستغفر اللہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** توبہ کے لئے اصلاح اعمال کے ساتھ منہ سے توبہ کے الفاظ کہنا بھی چاہئیں۔ جیسا کہ **یستغفر اللہ** سے معلوم ہوا ہر گناہ میں حق اللہ بھی شامل ہوتا ہے۔ جس کے لئے اس کریم سے معافی مانگنا ضروری ہے۔ **چوتھا فائدہ:** پرانے گناہ سے بھی توبہ ہو سکتی ہے توبہ کا وقت مرتے دم تک ہے جیسا کہ ثم' فرمانے سے معلوم ہوا۔ کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے پہلے ہو سکتی ہے غرغرہ کے وقت جب فرشتوں اور عذاب کو آنکھوں دیکھ لیا کفر سے توبہ نہیں ہو سکتی ہے کہ ایمان بالغیب چاہئے تھا مگر وہ دیکھ کر ایمان لا رہا ہے فرعون نے ڈوبتے وقت توبہ کی قبول نہ ہوئی۔ گناہوں سے توبہ غرغرہ پر بھی ہو سکتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ہر مجرم کو اپنی سزا بھگتنی پڑے گی۔ یہ نہ ہو گا کہ کرے کوئی بھرے کوئی جیسا کہ **علی نفسہ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** گناہ کر کے دوسرے کو تہمت لگانا سخت جرم ہے کہ اسے قرآن کریم نے بہتان بھی فرمایا اور اثم مبین یعنی کھلا گناہ بھی کہ اس میں کئی جرم جمع ہو جاتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** کسی کافر کو بھی بہتان لگانا جائز نہیں دیکھو طعمہ نے یہودی کو چوری کا بہتان لگایا تو اس پر اس قدر سخت عتاب فرمایا گیا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو دن رات مسلمانوں کو بہتان لگاتے رہتے ہیں اور کوئی پروا نہیں کرتے۔

مسئلہ : جیسے نماز وغیرہ عبادات کے لئے کچھ شرطیں ہیں کچھ ارکان' کچھ سنتیں' کچھ مستحبات اور ان کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ ایسے ہی توبہ کے لئے شرائط' ارکان' سنتیں' مستحبات وغیرہ ہیں چنانچہ ارکان توبہ تین ہیں گذشتہ جرم پر ندامت' آئندہ نہ کرنے کا عہد' معافی مانگنا' تین ہی شرطیں ہیں' حقوق کی ادائیگی اور کوتاہی جو ہو چکی اس کی تلافی کر دینا کسی مقبول بندے کا توسل' آنکھ کا پانی اس کی نفیس تحقیق چوتھے پارہ میں کی جا چکی ہے۔ مستحب یہ ہے کہ توبہ میں جلدی کرے موت سے پہلے توبہ کر لو فوت سے پہلے نماز پڑھ لو۔ حضرت علی مرتضیٰ فرماتے ہیں کہ مجھ سے حضرت ابو بکر صدیق نے حدیث بیان کی ابو بکر نے سچ فرمایا جو بندہ گناہ کرے پھر وضو کر کے دو نفل پڑھے پھر اللہ سے معافی چاہے تو اس کی بخشش کی جائے گی۔ پھر آپ نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ **آٹھواں فائدہ:** نیکی کا ایصال ثواب کرنا جائز ہے مگر گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخشنا جائز نہیں۔ جیسا کہ **فانما یکسب علی نفسہ** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اگر نیکی کا ثواب بخشنا بھی ناجائز ہو تو اس آیت میں **انما** کی قید عبث تھی۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کا وبال صرف گناہگار ہی پر پڑتا ہے۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں فرمایا گیا۔ **ولیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم** یہ لوگ اپنے بوجھ بھی اٹھائیں گے اور دوسروں کے بھی۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں گناہ کی سزا اور وبال کا ذکر ہے۔ اس دوسری آیت کریمہ میں گناہ کے بوجھ کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں گناہ کی سزا صرف مجرم کو ملے گی اور گناہ کا بوجھ گناہ کرانے والے' گناہ کی رغبت دینے والے' گناہ کی مدد کرنے والے پر بھی پڑے گا بلکہ یہ بوجھ بھی اس کے اپنے جرم سے ہو گا۔ گناہ کرانا' رغبت دینا' مدد دینا بھی تو گناہ ہے۔ اس کی پوری

www.alahazratnetwork.org

تحقیق سورۂ بقر کی آخری آیات کے ماتحت کر دی گئی۔ **لھا ما کسبت و علیھا ما اکتسبت**۔ کی تفسیر دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ کی سزا صرف گنہگار کو ملتی ہے مگر دنیا میں بعض کے گناہ سے ایسی آفات آتی ہیں۔ جن میں سب گناہ بھی رگڑے جاتے ہیں۔ جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ **واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصۃ**۔ زکوۃ نہ دینے سے بارشیں نہیں آتیں 'زنا سے وبائیں فتنے پھیلتے ہیں۔ ان کی تکلیف سب ہی کو ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آخرت میں عذاب صرف مجرم کو ہو گا بے گناہ کو نہ ہو گا۔ دنیا کی آفات بے گناہوں پر آجاتی ہیں مگر وہ آفات گنہگاروں کے لئے دنیاوی سزا ہوتی ہیں اور بے گناہوں کے لئے رحمت جس کے عوض رب تعالیٰ ان لوگوں کو آخرت میں درجات دے گا۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ جیسے باغیوں کی بستی پر بمباری کر کے اسے تباہ کر دیا جائے تو اس میں بعض وفاداروں کے مکان بھی ختم ہو جاتے ہیں۔ انہیں بعد میں معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ اعتراض ارشاد ہوا **ھتانا و اثما مبینا**۔ جس سے معلوم ہوا کہ خطاء ہو یا گناہ اس کا بہتان لگانا بڑا بھاری گناہ ہے۔ حالانکہ خطاء نسیان گناہ ہی نہیں اگر گناہ ہوں بھی تو کبیرہ نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** گناہ صغیرہ و کبیرہ کا فرق یوں ہی خطاء نسیان اور عمد کا فرق اپنے عمل کے لحاظ سے ہے دوسروں کو بہتان خواہ گناہ صغیرہ کا لگائے۔ یا کبیرہ کا بہتان لگانا ہر حال گناہ کبیرہ ہے جیسے نجاست غلیظہ و خفیفہ کا فرق کپڑے یا جسم کے لئے ہے۔ پانی کو نجس کرنے کے لئے ہر نجاست غلیظہ ہی ہے۔ کنویں میں ایک قطرہ پیشاب گر جائے تو اسے ناپاک کر دے گا۔ خواہ کتے گدھے کا پیشاب ہو یا بکری و گائے کا' لہذا ہر گناہ و خطا کا بہتان لگانا اثم مبین ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **ثم یستغفر اللہ** سے معلوم ہوا کہ گناہ سے توبہ بہت عرصہ بعد کرنا چاہئے کیونکہ ثم تاخیر اور دیر کے لئے آتا ہے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ توبہ میں جلدی کرنا چاہئے۔ اداء قرض 'لڑکی کی شادی' توبہ میں دیر نہ لگاؤ' آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ بہت عرصہ کے بعد بھی توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ پرانا مجرم یہ نہ کہے کہ میرے جرم بڑے پرانے ہیں۔ اب بخشش کیا ہو گی۔ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جادوگر آئے جو اسی برس کے مجرم تھے۔ آج ان کی زندگی کا آخری دن بلکہ آخری وقت تھا کہ دوپہر کے بعد ان کو سولی ہو جانی تھی مگر توبہ کی توفیق ملتے ہی انہوں نے توبہ کی اور بخشے گئے' یہ ہے **ثم یستغفر اللہ** کا ظہور۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جو اللہ سے بخشش مانگے گا وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا مگر دوسرے مقام پر فرمایا گیا کہ جو مجرم اے محبوب تمہارے پاس آکر بخشش مانگے گا وہ اللہ کو غفور رحیم پائے گا ان دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** کوئی تعارض نہیں حضور کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہونا قبول توبہ کی شرط ہے۔ وہ آیت کریمہ اس آیت پاک کی تفسیر ہے۔ یہاں اس شرط کا ذکر نہیں وہاں یہ شرط بیان فرما دی گئی ہے۔ جیسے کہا جائے کہ نماز پڑھنا فرض ہے پھر کہا جائے کہ وضو کر کے نماز پڑھنا فرض ہے۔ دونوں باتیں ٹھیک ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **خطیئۃ او اثما** فرما کر توبہ کی قید لگائی جس سے معلوم ہوا کہ جو استغفار کرے گا وہ اللہ کو غفور و رحیم پائے گا تو جو توبہ نہ کرے یا توبہ کا موقع نہ پائے خدا اس کے لئے غفور رحیم نہیں۔ **جواب:** توبہ کرنے والے کے لئے مغفرت کا وعدہ ہے جو توبہ نہ کرے اس کے لئے بخشش کا وعدہ نہیں وہ رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے **ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء** میں اس کا وعدہ کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ہر چیز کی صفائی مختلف چیزوں سے ہے۔ میلا کپڑا صابن سے دھل کر صاف ہوتا ہے۔ میلا برتن قلعی سے

www.alahazratnetwork.org

میلا گھر جونے سے مصفیٰ ہوتا ہے۔ یوں ہی میلا دل استغفار و توبہ کے صابن آنکھوں کے آنسو سے صاف ہوتا ہے اور کسی نظر والے کی نظر کرم سے گویا استغفار صابن ہے۔ آنسو پانی اللہ والے کی نگاہ دھونے والا ہاتھ پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے گندے دل والو مرنے سے پہلے دل دھولو تاکہ رضاء رب نصیب ہو جائے۔

اے کہ بے حد گناہ کردہ ای ے نترسی ازاں افعال شنیع
توبہ کن نارضاء حق یابی کہ بہ از توبہ نیست ہیچ شفیع

جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ اپنے نفس پر کرتا ہے کہ اس سے اس کا دل زنگ خوردہ میلا ہو جاتا ہے اور آئینہ دل کو گناہ دھندلا کر دیتے ہیں۔ جس کا نتیجہ آخر میں یہ نکلتا ہے کہ اس کی آنکھیں حق دیکھ نہیں سکتیں' کان حق سننے سے بہرے ہو جاتے ہیں' زبان حق بولنے سے معذور ہو جاتی ہے۔ دل میلا ہونے کا اثر سارے اعضاء پر پڑتا ہے' جو اپنا گناہ دوسروں پر ڈال دے کہ اسے بہتان لگا دے اس کا دل سراپا کھال بن جاتا ہے۔ یہ بڑی ہی بدنصیبی ہے۔ رب فرماتا ہے **کلما نضجت جلودھم بدلنھم جلودا غیرھا** جب بھی دوزخیوں کی کھال گل جائے گی ہم دوسری کھال بدل دیں گے۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں مغز کو کھال کی شکل میں تبدیل کر دیا تھا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے سارے نیک و بد اعمال میں وزن ہے۔ جو ہم کو یہاں محسوس نہیں ہوتا کل قیامت میں میزان میں پہنچ کر یا مجرم کے سر پر پہنچ کر یہ وزن دیں گے اس لئے رب تعالیٰ نے بہتان کے متعلق فرمایا **احتمل بھتانا واثما مبینا**۔ جیسے پانی کے تالاب کی تہ میں بیٹھنے والے کے سر پر صدہا من پانی ہوتا ہے مگر اس کا وزن محسوس نہیں ہوتا۔ لیکن اگر گھڑے میں بھر کر دس سیر پانی سر پر رکھ دیا جائے تو وزن دیتا ہے۔ آج سائنس کی تحقیق کے مطابق ہوا میں بھی وزن ہے ہم لاکھوں من ہوا اپنے سر پر اٹھائے پھرتے ہیں۔ مگر محسوس نہیں کرتے یہی ہوا کسی ربڑ کے تھیلے میں بند کر کے تولی جاوے تو وزن دیتی ہے' گناہ بھی وزن قیامت میں دیں گے۔ استغفار کی حقیقت ہے' مخلوق سے خالق کی طرف بھاگو جو اس کی طرف بھاگتا ہے وہی اسے پالیتا ہے۔ لہذا بندے کو ہر وقت توبہ و استغفار کرنا چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بادشاہ بغیر عدل و انصاف ایسا ہے جیسے نہر بغیر پانی عالم بغیر عمل گھر ہے بغیر چھت مالدار بغیر سخاوت بادل ہے بغیر بارش جوان آدمی بغیر توبہ کے درخت ہے بغیر پھل کے فقیر بغیر صبر کے قندیل ہے بغیر نور کے عورت بغیر حیا کے کھانا ہے بغیر نمک کے لہذا موت سے پہلے اپنی اصلاح کر لینا طریقہ صالحین ہے نیک اعمال اچھے ساتھی ہیں۔ برے اعمال برے ساتھی (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ بہتان تین طرح کے ہیں۔ ایک یہ کہ خود گناہ کر کے دوسرے کے سر تھوپ دینا جیسے زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو لگایا یہ اول نمبر جرم ہے اس کی سزا سخت تر اسی لئے بعد میں زلیخا نابینا ہو کر ٹھوکریں کھاتی پھری اگرچہ بعد میں معافی ہو گئی پھر آنکھیں اور جوانی واپس ہوئی اور یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئی دوسرے کسی کو بلاوجہ بلا علامت بہتان لگا دینا جیسے افک والوں نے حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی یہ نمبر دو کا جرم ہے۔ جس کی سزا پہلے سے کم ہے اس لئے اہل افک کو اسی کوڑے مارے گئے اور دنیا میں ان کو تکلیف پہنچی۔ تیسرے کسی کو بہتان لگانا کسی علامت اور شبہ کی بناء پر جیسے حضرت مریم کو قوم کا بہتان لگانا کہ وہ بغیر نکاح بچے کی پیدائش کی بنا پر تھا۔ اس کا جرم پہلے دو سے ہلکا ہے۔ اس لئے اس قوم پر کسی عذاب کا ذکر نہ ہوا۔ اس آیت میں پہلی قسم کے بہتان کا ذکر ہے یعنی خود جرم کر کے دوسرے پر تھوپ دینا۔

www.alahazratnetwork.org

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآىٕفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ

اور اگر نہ ہوتی اللہ کی مہربانی تم پر اور اس کی رحمت تو قصد کر لیتا ایک گروہ ان میں سے یہ کہ دھوکا دیں

اور اے محبوب اگر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو ان میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے کہ تمہیں دھوکا دیں

يُّضِلُّوْكَؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَیْءٍ

تم کو اور نہیں دھوکا دیتے وہ مگر جانوں اپنی کو اور نہیں نقصان دیں گے وہ تم کو کچھ بھی۔

اور وہ اپنے آپ ہی کو بہکا رہے ہیں اور تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اللہ نے

وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

اور اتاری اللہ نے اوپر تمہارے یہ کتاب اور حکمت باتیں اور سکھا دیا تم کو تمام وہ جو نہ تھے تم جانتے

تم پر کتاب اور حکمت اتاری اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے

وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا

اور ہے اللہ کی مہربانی تم پر بہت بڑی

اور اللہ کا تم پر بڑا فضل ہے۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں طعمہ اور اس کی قوم کے گناہوں کی بد تری بیان فرمائی گئی تھی کہ انہوں نے ایک جرم نہ کیا بلکہ بہت سے جرم کئے۔ اب ان کے مذکورہ جرموں کی خطرناکی بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ایسے خطرناک جرم کئے کہ اگر آپ معصوم اور رب کی طرف سے غیوب پر مطلع نہ ہوتے تو یہ آپ کو دھوکا دے دیتے اور غلط فیصلہ کرا لیتے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ ان کے گناہوں کا وبال خود ان پر پڑے گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ پر ان کے گناہ کا کوئی اثر نہ پڑ سکے گا کیونکہ ہم نے آپ کو معصوم و محفوظ اور غیوب کا جاننے والا بنایا ہے۔ ان کے دھوکا دینے کا ذکر فرما کر آپ کے دھوکا نہ کھانے کا تذکرہ فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں طعمہ اور قوم طعمہ کے عیوب کا ذکر فرمایا گیا تھا اب حضور عالی کے فضائل و مراتب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ایسے استقامت کا پہاڑ ہیں۔ کہ ایسی قوم میں گھرے ہوئے ہونے کے باوجود آپ کے پائے استقامت میں جنبش نہیں آتی غرضیکہ ان کی زیادتی جرم سے آپ کی عصمت کا ظہور ہے کہ ایسی قوم میں رہ کر مستقل رہنا بلکہ انہیں درست کر دینا آپ کا بڑا معجزہ ہے۔

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی!

تفسیر: **ولولا فضل الله علیک ورحمته** تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ یہاں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ لولا کا منشا یہ ہوتا ہے کہ جزاء موجود نہیں کیونکہ شرط موجود ہے۔ یہاں بھی یہی مقصد ہے کہ وہ آپ کو دھوکا نہ دے سکے کیونکہ آپ پر اللہ کا فضل و رحمت موجود ہے۔ فضل کے لغوی معنی ہیں زیادتی حدیث پاک میں ہے **والفضل رھوا**

www.alahazratnetwork.org

رحمت کے معنی ہیں مہربانی' اصطلاح میں فضل وہ عطیہ ہے جو استحقاق سے زیادہ دیا جائے رحمت وہ جو بغیر استحقاق دیا جائے' مزدور کو اجرت سے زیادہ دے دینا یہ زیادتی فضل ہے اور بغیر کام کرائے کچھ دے دینا یہ ہے رحمت 'جس کو کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے اسے حکومت کے لوازمات دینا حق کا دینا ہے۔ جیسے دفتر کلرک "کاغذات سرکاری وغیرہ اور اس سے زیادہ کی عطا فضل جیسے کوٹھی' موٹر' نوکر' دینا' اور سلطان جو مہربانی کے طور پر دے جیسے ترقی تمغہ' قرب خاص یہ ہے رحمت۔ حضور کو نبوت کے لوازمات دینا جیسے وحی' معجزہ' الہام یہ ہے ان کا حق دینا۔ اس پر زیادتی فرمادینا' جیسے قرآن دینا خاتم النبین بنانا یہ ہے فضل۔ اس کے علاوہ کی عطا جیسے حضور کو علم غیب یا معراج کی عطا یا عالم کا شہنشاہ بنا دینا یہ ہے اس کی رحمت حضرات انبیاء کرام کو صرف نبوت کے لوازمات ہی نہیں دیئے جاتے اور بھی بہت دیا جاتا ہے۔ حضرت سلیمٰن کی عام سلطنت ہوا پر حکومت لازمہ ء نبوت نہ تھی بلکہ فضل خدا تھا۔ یہاں فضل سے مراد حضور کو علوم غیبیہ پر مطلع فرمانا ہے اور رحمت سے مراد آپ کی استقامت ہے یا فضل اللہ سے مراد معصومیت مطلقہ ہے اور رحمت سے مراد حضور کی نبوت عامہ۔ خیال رہے کہ نبوت کسبی چیز نہیں عطاء ربانی ہے۔ مگر بعض انبیاء کرام کی نبوت میں کسی کی دعا کو دخل ہے' جیسے حضرت ہارون ولوط علیہم السلام اور بعض کی نبوت میں میراث کو دخل ہے جیسے حضرات یحیٰ و شیث علیہم السلام (قرآن) مگر حضور کی نبوت میں کسی کی دعا یا وراثت کی مدد نہیں صرف عطیہ پروردگار ہے رب فرماتا ہے **ما کنت ترجوا ان یلقی الیک الکتب الا رحمتہ من ربک** جناب ابراہیم نے حضور کی نبوت کی دعا نہ کی تھی بلکہ **مکہ معظمہ** میں ولادت کی دعا کی تھی یہ۔ بہرحال حضور کی نبوت کو رحمت فرمانا نہایت ہی موزوں ہے۔ یا فضل سے مراد نبوت ہے اور رحمت سے مراد مسلسل وحی کا آتے رہنا یا فضل سے مراد حضور کی حفاظت ہے اور رحمت سے مراد حضور کی حراست یا فضل اللہ سے مراد قرآن کریم ہے اور رحمت سے مراد حدیث پاک یا فضل سے مراد الفاظ قرآن کا عطا فرمانا ہے اور رحمت سے مراد اسرار قرآن پر مطلع فرمانا غرضیکہ اس چھوٹی سے عبارت میں اللہ تعالیٰ نے ان لاکھوں عطیوں کا ذکر فرما دیا جو حضور کو خصوصی طور پر عطا فرمائے گئے۔ اگلی آیت اس اجمال کی کچھ تفصیل ہے اور اس متن کی شرح۔ **لھمت طائفتہ منھم ان یضلوک۔** یہ عبارت لولا کی جزاء ہے' منھم کی ضمیر قبیلہ بنی ظفر کی طرف ہے۔ یعنی طعمہ کی قوم چونکہ سارا قبیلہ حضور کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوا تھا۔ بلکہ اس قبیلہ کے بعض لوگ طعمہ کی جھوٹی حمایت کرنے آئے تھے اس لئے **طائفتہ منھم** فرمایا گیا **ان یضلوک** مفعول ہے **لھمت** کا یہ کلمہ اضلال سے بنا' معنی بہکا دینا دھوکا دے دینا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی جھوٹی گواہی دے کر آپ سے غلط فیصلہ کرالینا طعمہ کو چھڑا دینا جو واقعی مجرم تھا اور بے گناہ یہودی کو پھنسا دینا ہو سکتا ہے کہ **لولا** کی جزاء پوشیدہ ہو اور **لھمت طائفتہ** اس جزاء کی علت اس صورت میں آیت کے معنی بہت واضح ہوں گے مگر اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلی توجیہ پر ہے یعنی اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتی کہ اس نے آپ کو معصوم و نبی نہ بنایا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکا دینے کی پوری کوشش کرتے مگر چونکہ ان کو معلوم ہے کہ آپ پر کوئی راز نہانی چھپا نہیں۔ اسی لئے انہوں نے طعمہ کی جھوٹی حمایت تو کی مگر آپ کو دھوکا دینے کی پوری کوشش نہ کی جھوٹی گواہی دیتے تھے مگر ساتھ میں گھبراتے بھی تھے۔ فقیر کی اس تفسیر کو خوب خیال میں رکھو یا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل و کرم و رحم نہ ہوتا تو آپ ان کی گواہی پر بغیر جرح فرمائے غیر درست فیصلہ کر دیتے کیونکہ ان لوگوں نے آپ کو دھوکا دینے کی بہت ہی کوشش کی اس صورت میں ان کی کوشش کی نفی نہیں بلکہ کوشش کے اثر کی نفی ہے۔ روح البیان وغیرہ نے اسی توجیہ کو اختیار فرمایا۔ **وما یضلون**

www.alahazratnetwork.org

الا انفسهم -اس جملہ کی کئی تفسیریں ہیں- ایک یہ کہ اگر آپ ان کی گواہی پر فیصلہ فرما بھی دیتے اور طعمہ کو بری یہودی کو ملزم قرار بھی دے دیتے تو بھی گنہگار یہ لوگ ہی ہوتے نہ کہ آپ کیونکہ حاکم کا فیصلہ گواہی پر ہوتا ہے۔ جھوٹا گواہ مجرم ہوتا ہے نہ کہ اس گواہی پر فیصلہ کرنے والا حاکم- دوسری یہ کہ اب یہ لوگ اس کوشش میں اپنے ہی کو بگاڑ رہے ہیں- کہ ان حرکتوں سے آپ سے غلط فیصلہ کراتے نہیں- اور یہ لوگ بدنام ہو جاتے ہیں- تیسرے یہ کہ یہ جملہ آئندہ کی خبر ہے کہ تاقیامت آپ کو کوئی دھوکا نہ دے سکے گا دھوکا دینے والا خود منہ کی کھائے گا- کیونکہ آپ معصوم اور علوم غیبیہ پر مطلع ہیں- علیم و خبیر کو دھوکا کون دے سکتا ہے- پہلی صورت میں روئے سخن ان انصار سے ہے- جو طعمہ کے حمایتی تھے- دوسری صورت میں توجہ عتاب اس زمانہ کے منافقین سے ہے جو اسلام اور بانی اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے- تیسری صورت میں قیامت تک کے بدگویوں سے خطاب ہے- **وما یضرونک من شئی** یہ جملہ **وما یضلون** پر معطوف ہے اس جملہ کی بھی وہی تین تفسیریں ہیں جو ابھی پہلے جملہ میں عرض کی گئیں- اس جملہ کی اصل عبارت یوں تھی **وما یضرونک شیا " من الضرر** یعنی یہ لوگ آپ کو مطلقاً" نقصان نہیں پہنچا سکتے یا مطلقاً" نقصان نہیں پہنچاتے ہیں یا مطلقاً" نقصان نہ پہنچا سکیں گے غرضیکہ یہ دونوں جملے بڑے لذیذ ہیں جن سے میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی ظاہر ہوتی ہے- نور مصطفوی سورج کی طرح ہے کہ پھونکنے والوں کی کوشش سے بجھ نہیں سکتا یا اس لیمپ کی روشنی کی طرح ہے- جسے کوئی بیرونی ہوا بجھا نہیں سکتی- رب تعالیٰ فرماتا ہے **کمشکوۃ فیہا مصباح**- خیال رہے کہ حضور کی تعریف و خدمت کرنے سے حضور کا بھلا نہیں ہوتا بلکہ تعریف کرنے والے خدمت گار کا بھلا ہو جاتا ہے کہ دنیا میں اس کی تعریف و خدمت ہونے لگتی ہے اور حضور کی بدگوئی و گستاخی کرنے سے حضور کا نقصان نہیں ہوتا گستاخ و بدگو خاک میں مل جاتا ہے- نعت گوئی کی تجلی خود نعت گو پر پڑتی ہے جیسے خدا کا نام جپنے والے پر اس نام کی تجلی جپنے والے پر پڑتی ہے- یا رزاق جپو رزق ملے گا یا غنی کا ورد کرو غنی ہو جاؤ گے- حضور کے گیت گاؤ عزت پاؤ گے یہ معنی ہیں **لا یضرونک من شئی** کے **وانزل اللہ علیک الکتب والحکمۃ** یہ جملہ بظاہر نیا ہے- مگر درحقیقت پہلے مضمون کی علت ہے- حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے تو سارا قرآن کریم آپ کو ایک دم عطا ہوا کہ ہر ماہ رمضان میں جبریل امین پورے قرآن کا دور حضور کے ساتھ کر جاتے تھے- مگر احکام جاری کرنے کے لئے نزول تئیس سال میں ہوا- پہلے نزول کا ذکر یہاں ہے اسی لئے انزل فرمایا گیا' دوسرے نزول کے لحاظ سے نزل فرمایا جاتا ہے چونکہ نزول الفاظ قرآن حضور کے کان شریف پر ہوا اور نزول معانی قرآن دماغ شریف پر اور نزول اسرار قرآن دل مبارک پر اس لئے علیک فرمایا جس میں یہ سارے اعضاء آجاتے ہیں- الکتب سے مراد قرآن شریف ہے ان چاروں چیزوں کا جامع- اور حکمت سے مراد ہے وہ الفاظ مبارک جو آپ کے منہ سے بطور حدیث نکلتے ہیں- چونکہ ان کے مضامین بھی رب کی وحی ہوتے ہیں- اس لئے ان کو انزل فرمانا بالکل درست ہے- حکمت کے معنی ہیں مفید بات یا مضبوط بات چونکہ حضور کا کوئی فرمان فائدہ سے خالی نہیں ہر کلمہ میں ہزار ہا فائدے ہیں یا حضور کا ہر فرمان نہایت پختہ اور مضبوط ہے کہ اسے زمانہ مٹا نہیں سکتا تاقیامت ہر فرمان قائم رہے گا- اس لئے حضور کے فرمان کو حکمت فرمایا حضور حکیم مطلق ہیں- آپ کے کلام و کلام حکمت **وعلمک مالم تکن تعلم**-اس جملہ میں یا تو نئے انعام و فضل کا ذکر ہے یا انزل اللہ کے نتیجہ کا بیان علم تفعیل کا ماضی مبالغہ کے لئے ہے یعنی تم کو خوب اور بہت سکھا دیا جیسے آدم علیہ السلام کے لئے فرمایا **علم ادم الاسماء کلہا**' ما سے مراد احکام شرعیہ اور دینی علوم غیبیہ چھپی

www.alahazratnetwork.org

ہوئی چیزیں دلوں کے ارادے و بھید سینوں کے اسرار اگلے پچھلوں کی خبریں سب ہی کچھ ہیں (تفسیر خازن۔ بیضاوی۔ مدارک۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر روح المعانی۔ روح البیان) غرضیکہ ما میں کوئی قید نہیں سارے علوم غیبیہ مراد ہیں **لم تکن تعلم** اس کا بیان ہے۔ یعنی آپ نزول وحی یا نزول قرآن یا ہمارے بتانے سے پہلے جو کچھ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو رب نے اچھی طرح خوب سکھادیا۔ خیال رہے کہ سکھانے اور بتانے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ واعظ لوگوں کو آدھ گھنٹے میں بہت سے مسائل سنادیتا ہے بتادیتا ہے مگر سامعین اس وعظ سے عالم نہیں بن جاتے۔ مدرس طلباء کو برسوں میں علوم سکھاتا ہے۔ جس سے وہ عالم بن جاتے ہیں۔ یہاں علم فرمایا انبلہ یا اخبرنہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ ہم نے سب کچھ سکھادیا تم نے سب کچھ سیکھ لیا۔ **وکان فضل اللہ علیک عظیما** ۔ یہ جملہ یا تو علمک کا بیان ہے اور فضل اللہ سے مراد یہ علوم غیبیہ ہیں۔ جو ابھی مذکور ہوئے یا علیحدہ نعمت کا ذکر ہے اور فضل اللہ سے مراد نبوت عامہ کی عطا شفاعت کبریٰ حکومت کل ریاست تامہ کہ جس کا رب خالق ہے اس کے حضور نبی ہیں (روح البیان) عظیم فرماکر یہ بتایا کہ جو نعمتیں اور خصوصی انعام رب نے آپ کو دیئے۔ وہ کسی کے بیان میں نہیں آسکتے تصور و خیال میں نہیں سماسکتے' وہم و گمان میں نہیں گھر سکتے کہ بیان و خیال و وہم و گمان محدود ہیں۔ اور جو تمہیں رب نے دیا وہ غیر محدود ہے (تفسیر روح المعانی) غرضیکہ یہ آیت کریمہ ہمارے خیال و وہم سے وراء ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ پر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم نہ ہوتا اور آپ کو اس نے نبی عام 'معصوم' عالم غیوب نہ بنایا ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکا دے دیتے کیونکہ ان میں سے ایک گروہ آپ کو دھوکا دے کر غلط فیصلہ کرالینے کا پورا ارادہ کرچکا تھا مگر اب وہ ہر داؤ فریب پر اپنے ہی کو بہکائیں گے اپنے ہی کو دھوکا دیں گے خود دھوکا کھائیں گے آپ کو بالکل نقصان نہ دے سکیں گے کوئی غلط فیصلہ نہ کراسکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر تو قرآن شریف اور مضامین احادیث شریف نازل فرمائے اور آپ کو تمام علوم غیبیہ دین و دنیا کے خفیہ امور لوگوں کے دلوں کے ارادوں غرضیکہ جو کچھ آپ نہ جانتے تھے وہ سب کچھ آپ کو علیٰ وجہ الکمال سکھادیا آپ پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل و کرم ہے۔ جو کسی کے بیان گمان و وہم میں نہیں آسکتا پھر کوئی کس طرح آپ کو دھوکا دے سکتا ہے۔

نوٹ : اس آیت کریمہ کی اور چند تفسیریں ہیں۔ جو ہم نے اشارۃً" تفسیر میں بتادیں۔ خلاصہ تفسیر میں صرف ایک تفسیر بیان کی گئی۔ باقی تفاسیر' تفسیر سے معلوم کرلو۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ان آٹھ خصوصی انعامات کا ذکر فرمایا ہے جو اس نے اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصیت سے عطا فرمائے۔ اللہ کا فضل اس کی خصوصی رحمت دنیا کا آپ کو دھوکا نہ دے سکنا۔ جو آپ کو دھوکا دینا چاہے اس کا خود دھوکا کھا جانا گمراہ ہو جانا۔ تمام دنیا کا مل کر آپ کو ذرہ برابر نقصان نہ پہنچا سکنا۔ آپ پر کتاب اتارنا' حکمت نازل فرمانا تمام علوم غیبیہ پر آپ کو مطلع فرمانا آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہونا' ترتیب یہ رکھی کہ اولاً "فضل و رحمت کا ذکر فرمایا پھر حضور کی معصومیت کا پھر محفوظیت کا پھر نزول کتاب و حکمت کا' پھر علوم غیبیہ کی عطا کا پھر بڑے فضل کا اس ترتیب میں حکمت یہ ہے کہ دنیا کو معلوم ہو کہ حضور پر فضل رحمت 'معصومیت' محفوظیت 'نزول قرآن پر موقوف نہیں۔ قرآن تو چالیس سال کی عمر شریف میں نازل ہوا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے معصوم و محفوظ تھے۔ نیز اس ترتیب میں یہ بتایا کہ اے محبوب تم تاقیامت محفوظ ہو کیونکہ ہم نے تمہارے ذکر' عزت' عصمت' تمہارے دین کی

www.alahazratnetwork.org

حفاظت کے لئے قرآن اتارا تاقیامت قرآن تمہاری ایسی حفاظت کرے گا جیسے لیمپ کی چمنی لیمپ کے نور کی دیکھو آج ہر گستاخ و بے دین کے جواب قرآن کریم ہی دیتا ہے پھر قرآن آپ تمام پر اترا نہ کہ صرف کان یا دماغ پر۔ اگر عجمی سے عربی میں بات کرو تو اس کے کان الفاظ سن لیں گے مگر دماغ اس کے معنی نہ سمجھے گا وہ کلام کان میں جائے گا۔ دماغ میں دل میں روح میں نہ جائے گا۔ معنی سمجھنے والے کے دماغ میں بھی پہنچے گا مگر دل و روح میں نہ پہنچے گا۔ اسرار سمجھنے والے کے کان' دماغ' دل سب میں پہنچے گا۔ مجمع میں کسی سے کہو تمہارا وہ کام ہو گیا لوگ اس کے معنی سمجھ لیں گے مگر خوش یا غمگین نہ ہوں گے۔ جو صاحب اسرار ہے اس کا دل خوشی سے اچھل پڑے گا کہ وہ معنی کے ساتھ مطلب و مقصد سے بھی واقف ہے۔ چونکہ حضور قرآن کریم کے اسرار سے واقف ہیں۔ لہذا آپ کے ان اعضاء پر قرآن کریم کے تمام اجزاء کا نزول ہوا۔ علیک میں علیٰ فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ اگرچہ قرآن کی تلاوت سب کریں گے اس کے فوائد سب حاصل کریں گے مگر اس کے نزول کا مقصود صرف تم ہو بارش سے فائدہ تمام جانور بھی پاتے ہیں مگر مقصود انسان ہوتے ہیں اس لئے نزول بارش میں علیکم فرمایا گیا۔ نیز علی لزوم کے لئے بھی آتا ہے مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید آپ کے ساتھ ایسا لازم ہے' جیسے سورج کے لئے نور جس دل میں تم نہ ہو گے وہاں قرآن نہ پہنچے گا اگرچہ وہ ہندوؤں' آریوں کی طرح قرآن پڑھ لیا کرے جانور پر کتابیں لادو وہ بوجھ سے دبے گا مگر کتاب سے فیض نہ لیگا۔ حدیث کو حکمت یا اس لئے ارشاد ہوا کہ حدیث مضبوط ہے۔ جسے زمانہ اور زمانہ والے نہ مٹا سکیں گے۔ یا کوئی حدیث مصلحتوں سے خالی نہیں' حضور کے اقوال' اعمال' افعال' احوال میں لاکھوں مصلحتیں ہوتی ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ دینی و دنیاوی نعمتوں میں علم سب سے اعلیٰ نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے علم سے حضرت آدم کا استحقاق خلافت ثابت فرمایا۔ اور بے گناہ دائمی عابدین نوری مخلوق سے آپ کو سجدہ کرایا نیز اگرچہ بعض علم بعض سے اشرف ہیں جیسے معرفت خدا اور رسول دوسرے علوم سے افضل ہے مگر کوئی علم برا نہیں ورنہ رب تعالیٰ ان برے علموں سے پاک ہوتا۔ حالانکہ وہ **بکل شئی علیم** ہے اور آدم علیہ السلام کو ہر بری بھلی چیز کا علم نہ دیا جاتا۔ حضرات انبیاء کرام کو بقدر درجہ علوم دیئے گئے۔ آدم علیہ السلام کو تمام ناموں کا علم' داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے کا علم **و علمناہ صنعۃ لبوس**۔ سلیمان علیہ السلام کو پرندوں کی بولیوں کا علم **علمنا منطق الطیر**۔ مگر ہمارے حضور کو سارے علم **وعلمک مالم تکن تعلم** جیسے نفس ناطقہ میں تمام اعضاء کے علوم جمع ہیں ایسے ہی حضور میں تمام اولین و آخرین کے علوم جمع ہیں۔ خیال رہے کہ **وکان فضل اللہ علیک عظیما** میں کان دوام کے لئے ہے۔ جیسے **کان اللہ علیما حکیما** میں یعنی آپ پر اللہ کا بڑا ہی فضل تھا اور ہے اور ہو گا' یا رہے گا۔ چنانچہ تمام نبیوں پر اللہ کا فضل ان کی پیدائش کے بعد ہوا۔ خلافت حضرت آدم' کلام موسیٰ علیہ السلام' لحن داؤد علیہ السلام وغیرہ ان بزرگوں کی پیدائش کے بعد ہوا مگر حضور پر درود اپنی مخلوق کی پیدائش سے پہلے سے ہے درود ملائکہ آسمان و زمین کی پیدائش سے پہلے سے ہے۔ **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** حضور کی نبوت حضرت آدم کی خلقت سے پہلے ہے کہ عالم ارواح میں سارے نبی حضور کے مدرسہ سے فیض لیتے رہے **کنت نبیا وادم بین الماء والطین** حضور کی اتباع و خدمت کا عہد عالم ارواح میں تمام نبیوں سے لیا گیا۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ حضور کے توسل سے پچھلی امتیں اور ان کے نبی دعائیں کرتے تھے۔ **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا**۔ نیز ارشاد باری ہے **فتلقی ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ**۔ مخلوق میں رب تعالیٰ کے سب سے پہلے عابد و ساجد حضور ہیں۔ کروڑوں سال عالم بننے سے پہلے صرف رب معبود رہا ہے اور صرف نور محمدی عابد' اول

www.alahazratnetwork.org

ما خلق اللہ نوری رب تعالٰی فرماتا ہے **لو کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔** یعنی اے محبوب فرمادو اگر رحمٰن کے اولاد ہوتی تو اس کا پہلا عابد میں ہوتا کیونکہ رب کا پہلا عابد میں ہی ہوں اور حضور کی ظاہری حیات شریف میں بھی رب تعالٰی کا بڑا ہی فضل حضور پر رہا کہ گذشتہ انبیاء کرام کو گنتی کے معجزے ایک ایک دو دو عطا ہوئے حضور کو ان گنت معجزے ملے بلکہ حضور خود سراپا معجزہ۔۔۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

حضور نے بگڑی قوم کو ایسا بنایا کہ ان میں سے صدیق و فاروق ظاہر ہوئے' بچھڑوں کو ایسا ملایا کہ صدیوں کی لڑائیاں ختم فرمادیں۔

بد خلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کے میٹ دیئے تری فہم و ذکا کا کیا کہنا

یہ سب اللہ کا فضل تھا جو آپ پر حیات شریف میں ہوا۔ بعد حیات ظاہری بھی حضور پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ بعض فضل قیامت تک ظاہر ہوں گے بعض فضل قیامت کے دن اور بعض قیامت کے بعد ابدالاباد تک جنت میں۔ اللہ تعالٰی نے گذشتہ انبیاء کرام کو چار نعمتیں بخشیں۔ وحی' معجزات' کتاب' دین جن میں سے وحی تو تمام نبیوں کو عطا ہوئی مگر باقی تین نعمتیں کسی کو ملیں کسی کو نہ ملیں۔ حضرت ہارون' حضرت لوط وغیرھم ہزار ابنیا کرام ایسے ہیں جنہیں کوئی معجزہ عطا نہ ہوا اور سواء چار نبیوں کے کتاب و دین کسی نبی کو نہ عطا ہوئے۔ ان حضرات کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی وحی ان کے معجزے' ان کی کتابیں ان کے دین سب ختم کر دیئے جاتے رہے۔ معجزے تو وفات پاتے ہی مگر دین اور کتابیں دوسرے نبی کے تشریف لانے پر' دیکھو وفات موسیٰ علیہ السلام کے بعد عصا تو کچھ دن رہا مگر سانپ نہ بن سکا۔ حضور کی وحی' حضور کے ہزاروں معجزے حضور کا دین حضور کی کتاب قیامت تک حضور کی محبوبیت' حضور کی عزت حضور کا ذکر کثیر حضور کے ظاہری باطنی فیوض' حضور کے اولیاء اللہ ان کی کرامتیں تاقیامت باقی یہ وہ فضل ہے جو قیامت تک رہے گا پھر قیامت کا پچاس ہزار برس کا دن اس میں حساب صرف چار گھنٹے میں ہوگا **ان اللہ سریع الحساب** -باقی دن میں حضور کی تلاش حضور کی شفاعت حضور کا مقام محمود پر انبیاء کرام' ان کی امتوں تمام عالم بلکہ خود رب تعالٰی کی نعت گوئی میں ہوگی۔۔۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے

بعد قیامت حضور کی آمد پر دروازہ جنت کھلنا' جنت میں کوثر کے کوزوں پر طوبیٰ کے پتوں پر' حوروں کی آنکھوں کی پتلیوں میں غلمانوں کے سینہ پر حضور کا کلمہ ہوگا یہ رب تعالٰی کا فضل ہے. جو بعد قیامت ابدالاباد تک حضور پر رہے گا۔ غرضیکہ **کان فضل اللہ علیک عظیما** بہت وسیع آیت ہے کس میں طاقت ہے کہ شمار کر سکے۔ خیال رہے کہ غنی کے مال میں فقیروں مسکینوں کا بھی حصہ ہوتا ہے **وفی اموالھم حق للسائل والمحروم** ان شاء اللہ حضور کے افضال میں ہم امتیوں کا بھی حصہ ہے۔۔۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں غنی کے مال میں حقدار ہم

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نبوت اور نبوت کے لوازمات ہی نہیں بخشے بلکہ اس کے علاوہ اور بہت سے عطاؤں سے مالا مال کیا جن میں سے بعض عطائیں لوازمات نبوت سے زائد ہیں اور بعض عطائیں ان کے علاوہ یہ فائدہ فضل اللہ اور رحمتہ سے حاصل ہوا۔ خاتم النبیین ہونا رحمتہ للعالمین شفیع المذنبین ہونا علوم غیبیہ اور اولین و آخرین کی حکمتیں آپ کو عطا ہونا یہ وہ خصوصی عطیات ہیں جو حضور کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معصوم و محفوظ کیا خود رب تعالیٰ آپ کا حافظ و ناصر ہے کوئی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ جو آپ کو بے خبر جانے یا غیر معصوم وہ خود دھوکا کھاتا ہے۔ جیسا کہ **وما یضلون الا انفسھم** سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: آپ کی معصومیت محفوظیت کی تجلی آپ کے بعض خدام پر بھی پڑی ہے۔ وہ بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہیں۔ جیسے عام صحابہ کرام اور خاص اولیاء اللہ رب تعالیٰ صحابہ کرام کے متعلق صفائی بیان فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔ **وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون** جو کلمات حضور کی عصمت کے لئے ارشاد ہوئے وہی صحابہ کرام کی حفاظت کے لئے فرمائے گئے۔ لہٰذا ان حضرات کا ایمان و حفاظت قطعی ہوئے۔ تیسرا فائدہ: نزول قرآن صرف کان شریف پر نہ ہوا بلکہ الفاظ قرآن کان شریف پر مضامین قرآن دماغ پاک پر اسرار قرآن دل پر نازل ہوئے یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جیسا کہ انزل اللہ علیک فرمانے سے معلوم ہوا۔ چوتھا فائدہ: قرآن مجید کی طرح حدیث پاک بھی رب کی طرف سے ہے جس کی وحی حضور کے دل پر کی گئی قرآن مجید کے الفاظ و معانی سب رب کی طرف سے ہیں اور حدیث شریف کے معانی رب کی طرف سے الفاظ حضور کے اپنے جیسا کہ والحکمت فرمانے سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: قرآن شریف کی طرح حدیث شریف بھی واجب العمل ہے بلکہ حدیث کے بغیر قرآن پاک پر عمل ناممکن ہے۔ یہ فائدہ بھی والحکمت فرمانے سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تمامی علوم غیبیہ پر مطلع فرمایا جیسا کہ **ما لم تکن تعلم** سے معلوم ہوا ماعام ہے اس میں کوئی قید نہیں۔ حضور کے علوم بے قید ہیں۔۔۔

ابن مالک کو دی بشارت تاج   اے مرے غیب داں ترے صدقے

مجھ خطا کار پہ عطا ہے عطا   اے مرے مہرباں ترے صدقے

ساتواں فائدہ: علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں علوم نبی کو فضل اللہ فرمایا۔ آٹھواں فائدہ: حضور کے علوم اور آپ کے فضائل و مراتب کسی سے نہ بیان ہو سکتے ہیں نہ کسی کے خیال میں آ سکتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے دنیاوی نعمتوں کو قلیل فرمایا۔ قل **متاع الدنیا قلیل** وہ کسی سے شمار نہیں ہو سکتی تو جسے رب تعالیٰ عظیم فرمائے وہ کون بیان کر سکتا ہے۔۔۔

دع ما ادعتہ النصاریٰ فی نبیھم   واحکم بما شئت من شرف ومن عظم

فان فضل رسول اللہ لیس لہ   حد فیعرب عنہ ناطق بفم!

یعنی جو عیسائیوں نے اپنے نبی کے متعلق کہا وہ تم حضور کے لئے نہ کہو اس کے سوا جو شرف عظمت چاہو حضور کی طرف منسوب کرو کیونکہ حضور کے فضائل کی حد نہیں جو کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکے۔ نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے راز تا قیامت لوگوں کے ارادوں سے خبردار ہیں اس لئے کوئی آپ کو دھوکا نہیں دے سکتا۔ اللہ نے حضور کو چھپوں کے دلوں

www.alahazratnetwork.org

کے راز بتادیئے ہیں۔ انسان کی حقیقت ہی کیا ہے فرماتے ہیں احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ غیر پہاڑ ہم سے عداوت رکھتا ہے ہم اس سے عداوت رکھتے ہیں۔ غرضیکہ یہ آیت کریمہ حضور کی عصمت حفاظت کمال علم کی اعلیٰ دلیل ہے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا کی تمام چیزوں کو حقیر 'لوٰی' قلیل فرمایا۔ مگر حضور کے اخلاق کریمانہ کو عظیم کہا **انک لعلی خلق عظیم** حضور پر جو اللہ کا فضل ہے اسے عظیم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ حضور خود اعظم الخلق ہیں جس کی صفات عظیم ہوں۔ خود وہ موصوف اعظم ہوگا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے حکام کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بہکایا جا سکتا ہے۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ اگر ہمارا فضل آپ پر نہ ہوتا تو آپ کو یہ لوگ بہکا دیتے دھوکا دے دیتے جس سے آپ کے علم غیب وغیرہ تمام کی نفی ہوگئی۔ **جواب:** بے شک اللہ تعالیٰ کا فضل حضور کو مخلوق کی دھوکہ بازیوں سے بچاتا ہے۔ وہ فضل کیا ہے حضور کو علوم غیبیہ عطا فرمانا آپ کو پیدائشی معصوم بنانا یعنی چونکہ پہلے سے آپ کو یہ صفات عطا فرمادی گئی ہیں اس لئے آپ پر کسی کا فریب نہیں چنانچہ آیت تو حضور کے علم و عصمت کی دلیل ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ کے معنی آپ نے یہ کئے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو یہ لوگ آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے۔ اور لوگوں نے دھوکا دینے کی تو کوشش کی تھی پھر یہ ترجمہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس کے بہت نفیس جوابات ابھی تفسیر میں دیئے جا چکے ہیں کہ اس جملہ کے تین معنی ہیں۔ جن میں سے ایک معنی وہ ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کئے۔ تب مطلب یہ ہے کہ اگر آپ پر اللہ کا فضل و رحمت نہ ہوتا تو یہ لوگ دھوکا دینے کی جان توڑ کوشش کرتے **هم** ہر کوشش کو نہیں کہتے بہت سخت کوشش کو کہتے ہیں سعی اور ھم میں بڑا فرق ہے اور دوسری مذکورہ توجیہوں کی بنا پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ دیکھو ہماری ابھی عرض کی ہوئی تفسیر۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم تو آہستہ آہستہ 23 سال میں نازل ہوا پھر انزل علیکم کیوں فرمایا گیا انزال تو یکدم اتارنے کو کہتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ احکام جاری کرنے کے لئے نزول قرآن 23 سال میں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے لئے قرآن ہر ماہ رمضان میں نازل ہوتا تھا۔ حضور کو حضرت جبریل دور کراتے تھے یہاں دوسرا نزول مراد ہے اس لئے اس کے بعد ہی حضور کے علم کا ذکر ہے۔ **وعلمک مالم تکن تعلم۔ چوتھا اعتراض:** یہاں وا لحکمۃ سے مراد قرآن کریم کے رموز و اسرار ہیں نہ کہ حدیث حضور پر صرف قرآن کا نزول ہوا ہے (چکڑالوی)۔ **جواب:** رموز قرآن تو الکتاب میں آگئے تھے کہ کتاب ان تمام چیزوں کا نام ہے الفاظ 'معانی' اسرار' احکام وغیرہ پھر الحکمۃ سے مراد کتاب کے علاوہ کوئی اور چیز ہی چاہئے۔ وہ اور چیز حدیث ہی تو ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **علمک مالم تکن تعلم** سے مراد دینی مسائل اور دینی چیزیں ہیں نہ کہ تمام علوم غیبیہ اس لئے تفسیر خازن نے یہاں فرمایا من احکام الشرع و امور الدین تم لوگوں کا اس آیت سے حضور کا علم غیب ثابت کرنا غلط ہے (وہابی)۔ **جواب:** کسی مفسر نے خواہ وہ خازن ہوں یا جلالین یا کوئی اور اس آیت کی تفسیر میں یہ نہ فرمایا کہ قرآنیہ اور احکام شرعیہ کا علم دیا اور دوسرا علم نہ دیا۔ دوسرے علم کی کسی نے نفی نہیں فرمائی بلکہ اس کے برعکس یہاں تفسیر خازن نے فرمایا وقیل **علمک علم الغیب مالم تکن تعلم** وقیل معناہ وعلمک من خفیات الامور واطلعک علی ضمائر القلوب اور تفسیر بیضاوی نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا من خفیات الامورا ومن امور الدین

www.alahazratnetwork.org

والاحکام اور تفسیر روح البیان نے فرمایا۔ **بالوحی من الغیب وخفیات الامو** تفسیر روح المعانی نے فرمایا من **خفیات الامور و ضمائر القلوب** ان تمام تفاسیر سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور کو رب تعالیٰ نے دلوں کے ارادوں خفیہ چیزوں غیبی اشیاء کا علم بخشا بد ایتہ النہایہ میں ہے کہ آپ کو لوگ دھوکا نہیں دے سکتے اس کی وجہ سے بیان ہوئی کہ ہم نے آپ کو نہ جانی چیزیں بتادی ہیں اگر ان نہ جانی چیزوں سے مراد نماز روزے کے مسائل ہوں تو یہ دلیل دعوے کے مطابق کیسے ہوگی۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ وہ لوگ آپ کو دھوکا نہیں دے سکتے کیونکہ آپ کو رب تعالیٰ نے خفیہ باتوں مقدمات کی حقیقتوں لوگوں کے ارادوں پر مطلع فرمادیا ہے ایسے علیم و خبیر کو کوئی دھوکا کیسے دے سکتا ہے۔ آج بڑے بڑے مولویوں مفتیوں احکام شرع جاننے والوں کو لوگ دھوکا دے دیتے ہیں۔ مسائل کا جاننا دھوکے سے نہیں بچاسکتا۔ **چھٹا اعتراض:** اگر رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ پر اطلاع بخشی ہے تو بہت موقعہ پر آپ کو اصل شیئی کا علم نہ ہوا آپ سے باتیں پوچھی گئیں نہ بتائیں۔ جس کی صدہا مثالیں موجود ہیں تو معنی کیونکر درست ہوسکتے ہیں۔ **جواب:** اس سوال کے بہت جوابات ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیئے ہیں۔ یہاں صرف اتنا عرض کرتے ہیں کہ نہ جاننا اور چیز ہے نہ بتانا کچھ اور بتانے کی نفی سے جاننے کی نفی نہیں ہو جاتی نیز حضور کا علم عطائی ہے۔ حادث ہے محدود ہے رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے جب چاہے نبی کو معلوم چیز پر متوجہ فرمادے کہ وہ سارے عالم کو کف دست کی طرح ملاحظہ فرمالیں اور جب چاہے ادھر سے غیر متوجہ کردے کہ اپنی بھی خبر نہ رہے اسی کو حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے دو شعروں میں سمجھادیا ہے۔

بگفت احوال ما برق جہانست … دمے پیدا و دیگر دم نہانست

گہے برطارم اعلیٰ نشینم! … گہے برپشت پائے خود نہ بینم

ہمارے حالات بجلی کی کوند کی طرح ہیں کہ دم میں ظاہر دم میں پوشیدہ ہم کبھی اونچی اٹاری پر ہوتے ہیں کہ عرش و فرش کو دیکھتے ہیں اور کبھی اپنے پاؤں کی پشت کو بھی ملاحظہ نہیں فرماتے بے علمی' بے توجہی ذھول نسیان میں فرق کرنا ضروری ہے' **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں جب حضور کو علم' حکمت' عصمت دیئے جانے کا ذکر فرمادیا تو پھر اللہ کے فضل سے کیا مراد ہے جو آخر میں فرمایا گیا اللہ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔ **جواب:** یہ تو دینے والا رب جانے یا لینے والے محبوب جانیں کہ کریم نے کیا دیا حبیب نے کیا لیا۔ وہاں ہمارے علم کی رسائی نہیں فرش و عرش پر حضور کا راج' شفاعت کبریٰ کا سہرا سر پاک پر ہونا۔ تمام دنیا کا آپ کے در کا بھکاری ہونا' آپ کا سخی و داتا ہونا' تمام عالم میں آپ کا چرچہ ہونا ہر دل میں آپ کی محبت ہونا تاقیامت آپ کی امت میں اولیاء علماء کا ہونا آپ پر ہمیشہ درود شریف پڑھا جانا آپ کی ہر زبان میں نعت خوانی ہمیشہ ہونا آپ کا دین منسوخ نہ ہونا آپ کا قرآن ہمیشہ رہنا وغیرہ لاکھوں خصوصی عطائیں ہیں۔ جو رب تعالیٰ کی طرف سے آپ کو عطا ہوئیں۔ مجھ جیسا مجہول کیا کہہ سکتا ہے کہ حضور کو کیا کیا ملا حضور کو وہ ملا جو کسی کو نہ ملا۔

فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی … لاف مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی!

آٹھواں اعتراض: نبی صرف تبلیغ دین کے لئے آتے ہیں۔ انہیں صرف دین کا علم عطا ہونا کافی ہے۔ علوم غیبیہ اور حاضر ناظر ہونا ملک الٰہی میں راج قائم ہونا ان کے عہدے کے لئے ضروری نہیں پھر یہ صفات ان میں بلاوجہ کیوں مانے جائیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں

www.alahazratnetwork.org

کے نام بتانا' حضرت سلیمان کو تمام جن وانس کا مالک بنا دینا' ہوا کو ان کے تابع فرمان کر دینا' حضرت یوسف کو سات سال تک قاسم رزق اللہ بنا دینا کہ تمام دنیا ان کے لنگر سے پلے سب غلط ہونا چاہئے۔ نبوت کو ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے وہ تو صرف مبلغ ہوتے ہیں۔ جواب تحقیق یہ ہے کہ حضرات انبیاء مظہر ذات الٰہی ہیں اور ہمارے حضور تو مظہر اتم ہیں۔ اور مظہر میں ذات کے کمالات کا ظہور چاہئے۔ اس لئے رب تعالیٰ ان حضرات کو اپنی صفات بخشتا ہے۔ علم' قدرت' ملک' رحمت خدا تعالیٰ کی صفات ہیں تو چاہئے کہ حضور میں پائی جائیں۔ تاکہ مظہریت کا ظہور ہو رب فرماتا ہے **ھوالذی ارسل رسولہ بالھدیٰ ودین الحق** نیز حضور کے یہ صفات اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت ہیں اور فضل کہتے ہیں اسے ہی جو استحقاق سے زیادہ ہو اور رحمت کہتے ہی اسے ہیں جو بلا استحقاق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ہر قسم کی عطائیں بخشیں۔

تفسیر صوفیانہ : فضائل دو طرح کے ہوتے ہیں۔ کسبی اور عطائی۔ کسبی فضائل میں انسان کے اپنے کسب وعمل کو دخل ہوتا ہے وہ دوسرے کی کوشش یا اپنی غلطی سے مٹ سکتے ہیں کہ کسبی چیز کو کسب فنا کر سکتا ہے مگر عطائی خوبیاں کسی کی کوشش سے ضائع نہیں ہو سکتیں چراغ کا نور پھونکوں سے بجھ سکتا ہے کہ یہ نور کسبی ہے مگر چاند سورج کا نور پھونکوں سے نہیں بجھ سکتا کہ یہ نور عطائی ہے۔ یہاں فرمایا گیا اے محبوب طعمہ اور طعمہ کی قوم نے سازشیں کرکے آپ سے غلط فیصلہ کرانا چاہا یہ تھا ان کا کسب آپ کی عصمت آپ کے علوم طیبہ آپ کو قرآن حدیث کے علوم کی عطا ہماری طرف سے ہے۔ جس میں کسی کے کسب کو دخل نہیں۔ لہٰذا ان کی کوششیں بیکار ہوئیں۔ آپ کے آستانہ عالیہ غلط فیصلہ نہ کرا سکے آئندہ بھی کوئی شخص آپ کو نقصان نہ دے سکے گا۔ آپ کو دھوکا دینے کی کوشش سے خود اپنا ہی نقصان کرے گا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق پر اللہ کا فضل عظیم ہیں اور آپ پر اللہ کا فضل عظیم ہے یعنی ذات الٰہی آپ پر فضل اور ذات رسول مخلوق پر فضل (روح البیان)۔

رب اعلیٰ کی نعمت پر اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

دنیا میں کوئی شخص آپ جیسا عالم نہیں ہو سکتا کہ سب مخلوق کے شاگرد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق کے شاگرد **علمک مالم تکن تعلم** حضرت جبریل پیغام رساں ہیں۔ علم دینے والا رب تعالیٰ ہے۔

لَاخَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ
نہیں ہے بھلائی ان کی بہت سرگوشیوں میں مگر جو حکم کرے صدقہ کا یا بھلائی کا یا اتفاق کرانے
ان کے اکثر مشوروں میں کچھ بھلائی نہیں مگر جو حکم دے خیرات یا اچھی بات یا لوگوں میں
اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ
کا درمیان کے اور جو چاہنے کے لئے مرضی اللہ تعالیٰ کی
صلح کا اور جو اللہ کی رضا چاہنے کو ایسا کرے اسے عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے اور جو

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ
پس عنقریب دیں گے ہم اس کو ثواب بڑا اور جو مخالفت کرے ان رسول کے پیچھے
رسول کا خلاف کرے بعد اس کے کہ حق راستہ اس پر کھل چکا اور
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ
اس کے کہ ظاہر ہو چکی اس کے لئے ہدایت اور اتباع کرے غیر راہ مسلمانوں کی تو پھیر دیں
مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اسے اس کے
مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿۱۱۵﴾
گے اسے ہم ادھر جدھر وہ پھرا اور داخل کریں گے ہم اس کو دوزخ میں اور برا ہے وہ ٹھکانا
حال پر چھوڑ دیں گے اسے دوزخ میں داخل کریں گے ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان لوگوں کی یہ سازشیں اے محبوب آپ کو نقصان دہ نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ بلکہ خود ان کو ہی یہ سازشیں مضر ہیں۔ یعنی ان سازشوں کی تصویر کا ایک رخ مضرت ہونا پہلے بیان ہوا تھا اب اس تصویر کا دوسرا رخ بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ان کی سازشیں ان ہی کے لئے وبال ہیں۔ اب اس کی تفصیل فرمائی جارہی ہے۔ طعمہ کو اس حرکت سے یہ نقصان پہنچے گا اور اس کی قوم کے لوگوں کو جو اس فریب میں اس کے مددگار بنے یہ نقصان ہوگا گویا یہ آیت پچھلی آیات کی تفصیل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ جو آپ کے قدم سے وابستہ ہو جائے وہ بھی اس فضل سے حصہ پاتا ہے اور جو آپ سے الگ رہے وہ ہلاک ہو جاتا ہے جیسے طعمہ کا حال ہوا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت اتاری اب ارشاد ہو رہا کہ جو ان دونوں کی اتباع کرے گا کہ بھلائیوں کا حکم برائیوں سے روکنا لوگوں میں صلح کرانے کا عمل کرے گا وہ ثواب کا مستحق ہوگا جو ان سے روگردانی کرے گا سزا پائے گا۔ گویا پچھلی آیت میں کتاب و سنت کا ذکر تھا اب ان پر عمل کرنے کے فوائد اور عمل نہ کرنے کے نقصانات کا ذکر ہے۔

نزول : جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مذکورہ مقدمہ کا فیصلہ سنایا جس میں یہودی کو بری کر دیا گیا اور طعمہ کے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دیا گیا تو طعمہ حکم عالی سے سرتابی کرتے ہوئے مرتد ہو کر مکہ معظمہ بھاگ گیا۔ کفر و شرک اختیار کر لیا اور مرتد ہو کر مرا اس کے متعلق دوسری آیت کریمہ **ومن يشاقق الرسول** نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح البیان، تفسیر کبیر وغیرہ)

تفسیر : **لا خير في كثير من نجوهم** لا نفی جنس ہے جس نے خیر کی مطلقاً نفی کر دی جنس کی نفی جب ہو سکتی ہے جب کہ اس کی ہر نوع ہر فرد کی نفی ہو جائے۔ خیر سے مراد ہے بہتری دنیاوی ہو یا آخرت کی یعنی ثواب اخروی بعض مشورے ثواب ہوتے ہیں بعض گناہ بعض نہ ثواب نہ گناہ یہاں ثواب والے مشوروں کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے اسی لئے فی کثیر فرمایا گیا۔ نجویٰ

www.alahazratnetwork.org

نجی سے بنا معنی علیحدگی پھر اصطلاح میں ہر مشورے کو نجویٰ کہنے لگے کہ وہ علیحدگی میں کیا جاتا ہے اسی سے ہے مناجات علیحدگی میں مانگی ہوئی دعا۔ نجویٰ مصدر بھی آتا ہے رب فرماتا ہے **ما یکون من نجویٰ ثلثة الا ھو رابعھم** الخ اور مشورے کرنے والوں کی جماعت کو بھی نجویٰ کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **واذ ھم نجویٰ** (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی سرگوشی و مشورہ خفیہ تدبیر سوچنا اور ہو سکتا ہے کہ نجویٰ نجی کی جمع ہو۔ بمعنی مشورہ کرنے والے (کبیر) جیسے قیام مصدر بھی ہے اور قائم کی جمع بھی رب فرماتا ہے **فاذا ھم قیام ینظرون** بمعنی قائمین۔ **الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس**۔ یہ عبارت لاخیر سے مستثنیٰ ہے اگر وہاں نجویٰ نجی کی جمع تھا تو یہاں کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں اور اگر وہاں نجویٰ مصدر تھا تو یہاں من سے پہلے نجویٰ پوشیدہ ہو گا لہذا اس عبارت کے دو ترجمہ اور دو تفسیریں ہوں گی صدقہ سے مراد یا صدقہ واجبہ ہے جیسے زکوٰۃ، فطرہ قربانی اور نذر مانی ہوئی خیرات یا ہر واجب و نفل صدقہ و خیرات دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ معروف ہر نیکی کو کہا جاتا ہے یہاں یا تو ہر عبادت و معاملات مراد ہیں یا اچھے معاملے مراد جیسے مظلوم کی دادرسی مقروض کی معافی راہ بھولے ہوئے کو ہدایت دینا وغیرہ کیونکہ مالی عبادات کا ذکر صدقہ میں ہو چکا تو اس سے مراد کوئی ایسی چیز ہونی چاہئے جو صدقہ کے علاوہ ہو (کبیر و روح) اصلاح بین الناس میں اصلاح سے مراد ہے۔ لڑتے ہوؤں کو ملانا صلح کرانا الناس سے مراد یا عام مسلمان ہیں یا اسلامی حکومتیں۔ یا مومنین و کفار دونوں کہ کفار کو مسلمان ہو جانے کی رغبت دینا تاکہ وہ مسلمانوں سے رل مل جائیں یا اسلامی حکومت کا کفار کی حکومت سے صلح کرانا اگر اس صلح میں مسلمانوں کا فائدہ ہو۔ حضور نے حضرت عثمان کو صلح حدیبیہ کے موقع پر مکہ معظمہ بھیجا تاکہ مشرکین مکہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان مصالحت کی کوشش کریں۔ یا مسلم حکومتیں اگر لڑ پڑیں تو ان میں صلح صفائی کرانا یا عام مسلمان دو بھائی باپ بیٹے محلہ والے بستی والے جب لڑ پڑیں تو ان میں صلح کرا دینا اگرچہ معروف میں یہ بھی داخل تھا مگر چونکہ یہ اصلاح بین الناس بڑی ہی نیکی ہے جس کے بڑے فضائل ہیں اس لئے ذکر علیحدہ فرمایا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی سلمہ میں صلح کرانے تشریف لے گئے واپسی میں اتنی دیر ہوئی کہ آپ کے پیچھے جماعت نماز قائم ہو گئی یعنی ہاں خیر و بھلائی ان لوگوں کے مشورے میں ہے یا خیر و بھلائی ان مشورہ کرنے والے میں ہے جو اپنے مشوروں میں لوگوں کو صدقہ دینے نیکیوں کا حکم کرنے لڑے ہوؤں کو ملانے کی تدبیریں سوچیں کہ یہ مشورے و سرگوشیاں عبادت ہیں ان کے لئے جمع ہونا عبادت یہ لوگ بڑے ثواب کے مستحق **ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ** یہ جملہ اس جماعت کے ثواب کا ذکر فرمانے کے لئے ارشاد ہوا من سے مراد ہر مسلمان ہے **ذلک** سے اشارہ ہے ان ہی مذکورہ مشوروں کی طرف جن کا ذکر ابھی ہوا۔ **ابتغاء** **یفعل** کا مفعول لہ ہے بغی سے بنا بمعنی تلاش کرنا چاہنا مرضات رضا کا مبالغہ ہے یعنی جو مسلمان ان نیک کاموں کے لئے مشورے کرے۔ مگر دنیاوی غرض یا سرداری حاصل کرنے کے لئے نہیں۔ بلکہ صرف رضاء الٰہی کی طلب کے لئے **تو فسوف نؤتیه اجرا عظیما** یہ عبارت من شرطیہ کی جزا ہے سوف نے نؤتیہ کو معنی مستقبل کر دیا۔ اجر عظیم فرما کر بتایا کہ ایسے مشوروں پر اتنا بڑا ثواب ملے گا جو کسی کے بیان میں نہیں آسکتا اس نیکی کا کچھ نتیجہ دنیا میں مل جاتا ہے کچھ قبر میں کہ ایسے لوگوں کی لوگ خود بخود تعظیم و توقیر کرتے ہیں مرے بعد ان کو دعاء خیر ذکر خیر سے یاد کرتے ہیں۔ ان کی وفات کے دن ان کے عرس منائے جاتے ہیں اور آخرت میں جو ثواب ملے گا وہ تو ان سب سے کہیں زیادہ ہے چونکہ آخرت آ رہی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے یہاں سوف ارشاد ہوا **ومن یشاقق الرسول** اگرچہ اس

www.alahazratnetwork.org

آیت کا نزول طعمہ ابن ابیرق کے متعلق ہوا جو کلمہ پڑھ کر حضور کی بارگاہ میں عرصہ تک حاضر ہوتا رہا پھر مرتد ہو گیا مگر اس سے مراد ہر انسان ہے کیونکہ حضور کی مخالفت سب ہی کے لئے عذاب کا باعث ہے۔ ساری عبادات سب پر فرض نہیں حائضہ عورت پر نماز مسافر و زیادہ بوڑھے پر روزہ غریب آدمی پر زکوۃ و حج فرض نہیں مگر اطاعت رسول کے حکم سے کوئی علیحدہ نہیں اس لئے من عام فرمایا گیا۔ نیز ساری عبادات کے لئے وقت مقرر ہیں۔ نماز دن میں پانچ بار روزہ و زکوۃ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک دفعہ مگر اطاعت رسول ہر وقت واجب و ضروری جیسے کھانے پینے سونے کے لئے وقت مقرر ہیں مگر سانس ہر وقت لی جاتی ہے نیز ساری عبادات مرتے ہی ختم مگر حضور کی غلامی برزخ و جنت میں بھی رہے گی۔ دیکھو اعمال کا حساب قیامت کے دن ہو گا۔ مگر حضور کی پہچان کا حساب قبر میں ہی ہو جاتا ہے۔ اس لئے من فرمایا گیا۔ **یشاقق** شق سے بنا معنی کنارہ و جانب مخالفت کو شقاق اس لئے کہتے ہیں کہ مخالف ' فریق دوم سے علیحدہ کنارہ پر ہو جاتا ہے اس سے ٹوٹ کر الگ ہو جاتا ہے۔ مشورہ کے وقت حضور سے اختلاف رائے جائز ہے جیسا کہ جنگ احد میں صحابہ نے کیا اپنے کو گنہگار سمجھتے ہوئے نافرمانی کرنا گناہ ہے جس سے انسان کافر نہیں ہوتا مگر مخالفت رسول کفر ہے کہ ان کے کسی قول یا فعل کو برا سمجھنا۔ اختلاف رائے ' نافرمانی اور مخالفت کا فرق دھیان میں رہے۔ مشورہ کے وقت فرشتوں نے خلافت کے مسئلہ میں رب سے اختلاف رائے کا اظہار کیا گنہگار نہ ہوئے۔ مگر حکم سجدہ کے وقت شیطان نے رب کی مخالفت کی لعنتی ہو گیا۔ الرسول سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ مخالفت اگرچہ فعلی قولی ہر مخالفت کو کہا جاتا ہے مگر یہاں وہ مخالفت مراد ہے جو باعث ارتداد ہو گنہگار مسلمان اگرچہ حضور کے مخالف اعمال کر لیتا ہے مگر اپنے کو گنہگار جاننے کی وجہ سے مرتد نہیں ہوتا حضور کے قدم سے وابستہ رہتا ہے۔ **من بعد ما تبین لہ الھدی** اس کا تعلق یشاقق سے ہے۔ ہدیٰ سے مراد توحید و عقائد اسلامیہ اور حضور کے صفات عالیہ ہیں کیونکہ حضور کے صفات ہی اصل ہدایت ہیں جس نے حضور کے صفات مان لئے اس نے تمام عقائد کو مان لیا۔ تبین سے مراد ہے دلائل ' معجزات وغیرہ کے ذریعہ اسلامی عقائد کی حقانیت معلوم ہو جانا اگرچہ مطلقاً " کفر و شرک جرم ہے مگر اسلام کی حقانیت سے واقف ہو چکنے ' دلائل اسلام معلوم کر لینے کے بعد مرتد ہونا بہت سخت جرم۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذاتی دشمنی سخت جرم ہے خیال رہے: کہ جیسے محبت کبھی طبعی ہوتی ہے کبھی عقلی ' ایسے ہی عداوت طبعی بھی ہوتی ہے عقلی بھی۔ عارضی عداوت والے کو ایمان مل سکتا ہے مگر طبعی عداوت والے کو ایمان ہرگز نہیں مل سکتا۔ حضرت عمر حضور کو شہید کرنے گئے تھے ' مگر ایمان مل گیا کہ ان کی مخالفت عارضی تھی۔ ابو جہل کو ایمان نہ ملا کہ اس کی عداوت ذاتی و اصلی تھی۔ یہاں عداوت اصلی مراد ہے۔ جو طعمہ کو تھی ' اس لئے یہاں اس کی قید لگائی گئی یعنی جو شخص اسلام کی حقانیت معلوم کر لینے کے بعد پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالف ہو کر مرتد ہو جائے۔ **ویتبع غیر سبیل المؤمنین**۔ یہ جملہ یا تو یشاقق کا ہی بیان ہے یا ارتداد کی دوسری صورت ہے۔ یعنی وہ مسلمانوں کی راہ کے سوا دوسرا راستہ اختیار کرے کہ مسلمان تو موحد ہیں۔ یہ مشرک بت پرست ہو جائے مسلمان تو مومن ہیں یہ کافر ہو جائے یا یہ مرتد اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے مگر اسلام میں وہ راستہ اختیار کرے جو مسلمانوں کے راہ کے خلاف ہے۔ مثلاً کہے کہ حضور آخری نبی نہیں آپ کے بعد اور نبی آ سکتے ہیں۔ یا کہے کہ یہ موجودہ قرآن مکمل نہیں اس کا کچھ حصہ صحابہ نے چھپالیا ہے ' یا کہے کہ پانچ نمازیں فرض نہیں صرف دو نمازیں ہیں ' یا کہے کہ نماز ظہر دو رکعت فرض ہے کہ یہ تمام باتیں عام مسلمانوں کے عقائد کے خلاف ہیں۔ یعنی مسلمانوں کی راہ کے علاوہ اور کوئی راستہ اختیار کرے خیال رہے کہ مخالفت رسول علیحدہ

www.alahazratnetwork.org

مستقل کفر ہے اور اجماع مسلمین کی مخالفت علیحدہ مستقل کفر ہے۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں تاقیامت کفر کی جڑیں ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا اور ان دونوں حرکتوں کو یکساں کفر قرار دیا۔ **قولہ ما تولی ونصلہ جھنم** یہ عبارت من کی جزاء ہے جس میں ارتداد کی دو سزاؤں کا ذکر ہوا ایک دنیاوی دوسری اخروی تولی بنا ہے تولیت سے جمعنی والی بنانا یہاں مراد ہے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دینا اس کی دستگیری نہ فرمانا خود اسے اس کے اپنے اعمال کا ذمہ دار کر دینا **ماتولی** مفعول دوم ہے **نولہ** کا اور **ما** سے مراد وہ عقائد و اعمال ہیں جو اس مرتد نے اپنی رائے سے اختیار کر لئے یہ تو اس کا دنیاوی عذاب ہوا اور اخروی عذاب یہ ہے کہ نصلہ جہنم' دوزخ میں پہنچانے سے مراد ہے 'بعد قیامت وہاں پہنچنا کیونکہ کافر کی قبر میں دوزخ کی تپش وغیرہ آتی ہے وہ خود ابھی وہاں نہیں پہنچتا۔ یعنی ہم اس کو دنیا میں اس کے حال پر چھوڑ دیں گے جدھر جائے گا ادھر ہی اسے جانے دیں گے اس کی دستگیری و رہبری نہ کریں گے۔ چرواہے کی حفاظت سے نکل کر ریوڑ سے الگ ہو جانے والی بکری اپنی خود ذمہ دار ہے بہت جلد شکار ہو جائے گی۔ پھر اسے دوزخ میں داخل کریں گے اللہ کی پناہ **وساءت مصیرا** یہ دوزخ کی حالت کا بیان ہے' مصیر کے معنی ہیں رجوع کرنے لوٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بہت برا ٹھکانہ ہے اس سے بچو دنیا میں وہ راہ اختیار نہ کرو' جو دوزخ تک پہنچادے۔

خلاصہ ء تفسیر : پچھلی آیت کے آخر میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کے آستانہ کو فضل و رحمت کا ڈپو و مرکز بنایا ہے جیسے سمندر پانی کا مرکز ہے سورج روشنی کا مرکز کھیت باغ دانہ و پھل کا مرکز کہ حضور کے آستانہ سے دنیا کو فضل و رحمت ملتا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ اس مرکز سے فضل و رحمت کون لے سکتا ہے کون نہیں لے سکتا۔ اگرچہ کنویں سے پانی ملتا ہے مگر اسے جو رسی ڈول گھڑا وغیرہ رکھتا ہو ایسے ہی حضور سے فضل ملتا ہے۔ مگر اسے جو عقیدہ' عقیدت اتباع سنت کے برتن رکھتا ہو چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس منافق طعمہ اور اس کے حمایتیوں کی بہت سی تدبیروں' سرگوشیوں' مشوروں میں کوئی بھلائی نہیں ان میں سخت برائی ہے کہ وہ بری باتوں کے مشورہ کرتے ہیں۔ مجرم کو چھڑانے بے قصور کو پھنسانے آپ سے غلط فیصلہ صادر کرانے کی تدبیریں سوچتے ہیں۔ لاخیر میں جنس خیر کی نفی فرما کر دنیا' برزخ آخرت کی تمام خیروں کی نفی کر دی یوں ہی بلاواسطہ اور بالواسطہ خیر کی نفی کر دی۔ مشورے ان کے فائدہ مند ہیں جو صدقہ دینے صدقہ دلانے اچھے کام کرنے اچھے کام کرانے اور لڑے ہوئے لوگوں میں صلح کرانے کی تدبیریں سوچنے کے لئے کئے جائیں ایسے مشورہ مبارک ہیں مشورہ کرنے والے اللہ کے مقبول ان کی یہ مجلسیں عبادت ہیں' جو کوئی اس قسم کے مشورہ نام نمود دکھلاوے عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لئے کرے ہم اس کو دنیا میں' قبر میں' آخرت میں' بہت بڑے ثواب عطا فرمائیں گے کہ دنیا والوں کے دلوں میں اس کی عزت قائم کریں گے' بعد موت اس کا ذکر خیر قائم رکھیں گے' بعد قیامت اس کو جنت کا اعلیٰ درجہ عطا کریں گے۔ خیال رہے کہ جیسے بارش سے بلاواسطہ خیر بھی ملتی ہے اور بالواسطہ خیر بھی حاصل ہوتی ہے پانی' تالاب بلاواسطہ خیر ہے اور پھل پھول بواسطہ باغ کے خیر ہے' دانہ غلہ بواسطہ کھیت خیر ہے کہ یہ سب کچھ بارش کا ہی فیض ہے اسی طرح حدیث و قرآن حضور کا بلاواسطہ فیض ہے اور مشائخ و علماء کے فیوض حضور کے بالواسطہ فیض ہیں' یہ دونوں قسم کے فیض انہیں کو ملیں گے کہ خلوت و جلوت تنہائی اور جلسے حضور کے زیر فرمان ہوں اور جو شخص اس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف چلے کہ عقائد و اعمال ان کے مخالف اختیار کرے کھلا کافر بن جاوے۔ ایسے ہی جو شخص عام مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ

www.alahazratnetwork.org

اختیار کرے اسلام میں رخنہ اندازی کرے اس کو دنیا میں تو یہ سزا ملے گی کہ ہم اس کی دستگیری چھوڑ دیں گے جدھر چلے گا اسے جانے دیں گے جس کی دستگیری ہم چھوڑ دیں پھر اس کے راہ پر آنے کی کیا صورت ہے اور آخرت میں یہ سزا دیں گے کہ اسے دوزخ میں داخل کریں گے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور دوزخ تو بڑا برا ٹھکانہ ہے اس سے بچنا چاہئے۔ چونکہ طعمہ نے اس موقعہ پر حضور ہی کے فیصلہ کو غلط کہا تھا قرآن کے خلاف بتایا تھا اس لئے یہاں صرف رسول کی مخالفت کا ذکر ہوا جو قرآن کی آڑ میں حضور کی مخالفت کرے وہ ابو جہل کے برابر سزا کا مستحق ہے۔ خیال رہے کہ ایمانی عقائد میں نبوت ایسی ہے جیسے درخت کے لئے جڑ مکان کے لئے بنیاد اور گاڑی کے لئے دھرا کہ نبی کی مخالفت سے توحید وغیرہ سارے ایمانیات محض بیکار ہیں۔ شیطان سارے عقائد کو مانتا ہے صرف نبوت کا انکاری ہے تو کفر کا مرکز بن گیا تمام آسمانی دین یہودیت عیسائیت وغیرہ مختلف دین ہیں صرف اس لئے کہ ان کے نبی مختلف ہیں ' ورنہ سب دین والوں کا خدا جبریل ایک ہی ہے اسی طرح سب قیامت جنت دوزخ کو یکساں مانتے ہیں 'معلوم ہوا کہ نبی بدل جانے سے دین بدل جاتا ہے مدار ایمان توحید وغیرہ نہیں صرف نبوت ہے ان وجوہ سے یہاں یشاقق الرسول فرمایا گیا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مشورے تین قسم کے ہیں جائز 'ثواب اور حرام دنیاوی کاروبار کے لئے مشورے جائز ہیں۔ خدمت دین خدمت مسلمین کے لئے مشورے ثواب اور بہتر ہیں۔ اسلام کے خلاف یا مسلمانوں کو نقصان دینے کے لئے مشورے حرام ہیں 'جیسا کہ **لا خیر فی کثیر** سے معلوم ہوا ان مشوروں میں حکومتوں کی کانفرنسیں۔ اسمبلیوں کے اجلاس قومی پنچائتیں 'خانگی امور میں مشورے سب شامل ہیں یہ سب اگر نیک کاموں کے لئے ہیں 'تو اچھے ہیں ورنہ برے 'یہ آیت بہت چیزوں کو اپنے میں لئے ہوئے ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بچھڑوں کو ملانا لڑے ہوؤں میں صلح کرانا بہترین عمل ہے جس کا بڑا ثواب ہے۔ دیکھو معروف میں ساری نیکیاں آگئی تھیں مگر پھر خصوصیت سے اصلاح بین الناس کا ذکر فرمایا ترمذی و ابو داؤد نے حضرت ابو الدرداء سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے میں تم کو ایسی چیز بتاؤں جو روزے 'نماز 'صدقہ سے افضل ہے عرض کیا گیا ہاں ضرور بتایئے فرمایا دو لڑے ہوؤں کو ملانا ہے 'ترمذی میں یہ بھی ہے کہ فرمایا لوگوں کو لڑانا دین کی حجامت کر دیتا ہے 'جس سے دین ختم ہو جاتا ہے۔ مسلم بخاری نے ام کلثوم بنت عقبہ ابن ابی معیط سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے جھوٹا وہ شخص نہیں جو لڑے ہوئے میں صلح کرا دے مسلم کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے تین موقعہ پر خلاف واقعہ بات کہنے کی اجازت دی جنگ و جہاد کی حالت میں دو میں صلح کرانے کے لئے اپنی بیوی کو راضی کرنے کے لئے (تفسیر خازن) **تیسرا فائدہ:** ہر نیکی کا ثواب اخلاص سے ملتا ہے ریا کار کرنے کی بے مغز کا بادام ہے جس کی کوئی قیمت نہیں یہ فائدہ ابتغاء مرضات اللہ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جسے اسلام کی تبلیغ نہ پہنچی ہو اس پر شرعی احکام لازم نہیں اس کے لئے عقیدہ توحید ہی نجات کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **من یشاقق الرسول** الخ سے حاصل ہوا کہ نبی کی مخالفت عذاب کا باعث ہے بے خبری میں مخالفت نہیں ہوتی۔ جس بد بخت کو حضور سے ذاتی عناد ہو جائے وہ کبھی ہدایت پر نہیں آسکتا جو غلط فہمی میں حضور کا مخالف ہوا اسے ایمان نصیب ہو سکتا ہے۔ حضرت عمر کو ایمان عرفان سب کچھ میسر ہو گیا مگر ابو جہل بے ایمان ہی رہا ذاتی عناد والوں کے لئے ارشاد ہے **لایؤمنون**۔ **پانچواں فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدہ میں مخالفت کفر ہے اعمال میں مخالفت فسق یہاں مخالفت فی العقیدہ مراد جیساکہ نصلہ جہنم سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم ہیں کہ آپ سے گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ گنہگار کی مخالفت واجب ہوتی ہے مگر یہاں حضور کی مطلقاً مخالفت کو جرم قرار دیا گیا اگر حضور سے گناہ کا صدور ہو تا تو کہا جاتا کہ اگر وہ گناہ کریں تو ان کی مخالفت کرنا غیر ممنوع باتوں میں ان کی اطاعت کرنا مگر حضور کی مخالفت کو قطعاً جرم قرار دیا (کبیر)۔ **ساتواں فائدہ:** حضور کے افعال و اقوال سب میں حضور کی پیروی چاہئے جیساکہ **من یشاقق الرسول** کے اطلاق سے معلوم ہوا (کبیر)۔ **آٹھواں فائدہ:** عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ وہ جان بوجھ کر جرم کرتا ہے۔ جیساکہ **من بعد ما تبین له الهدی** سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ:** شرعی مسائل دلائل سے معلوم کرنے چاہئیں نہ کہ محض اپنی رائے سے یہ فائدہ بھی تبین له الهدی سے حاصل ہوا (کبیر) اگر سب مسلمان عاشق، جانباز بن جائیں تو دین کو کون سنبھالے دین علماء سے قائم ہے۔ **دسواں فائدہ:** اجماع امت دلیل قطعی ہے اس کا انکار ویسا ہی کفر ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کفر ہے یہ فائدہ **ویتبع غیر سبیل المؤمنین** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مخالفت رسول اور مخالفت اجماع دونوں کی سزا جہنم قرار دی۔ لہذا خلافت صدیق و فاروق کا منکر قطعی کافر ہے کہ وہ اجماع صحابہ کا انکاری ہے۔ **لطیفہ:** کسی نے حضرت امام شافعی سے سوال کیا کہ حجیت اجماع پر کوئی قرآنی آیات پیش کیجئے، آپ نے تین بار مکمل قرآن کی تلاوت فرمائی، آخر میں آپ کی نظر اس آیت پر پڑی اور آپ نے یہ آیت پیش فرمائی (تفسیر کبیر، روح المعانی، خازن وغیرہ)۔ **گیارہواں فائدہ:** تقلید آئمہ ضروری ہے کیونکہ یہ عام مسلمانوں کا راستہ ہے۔ تمام اولیاء علماء محدثین، مفسرین مقلد ہوئے ان کی مخالفت کرکے غیر مقلد بننا مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راہ اختیار کرنا ہے اور اس آیت کے تحت داخل ہے۔ **بارھواں فائدہ:** اسی طرح میلاد شریف ختم بزرگان فاتحہ تمام امور خیر عام مسلمانوں کا راستہ ہے اسے حرام کہنا اس راستہ کو چھوڑنا ہے سرکار فرماتے ہیں، جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ **تیرھواں فائدہ:** حضور کی مخالفت کرنے والا مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر دوسری راہ چلنے والا مشکل سے ہی ہدایت پر آتا ہے اسے ہدایت نصیب نہیں ہوتی کیونکہ رحمت خداوندی اس کی دستگیری چھوڑ دیتی ہے وہ اس بکری کی طرح ہے جو ریوڑ سے دور مالک کی حفاظت سے علیحدہ ہو جائے اسے خدا ہی لائے تو ریوڑ میں آئے ورنہ وہ کسی شکاری کا شکار ہو گی یہ فائدہ نولہ ماتولی سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی جماعت میں رکھے۔ **چودھواں فائدہ:** ہمیشہ وہی عقائد رکھو جو آج تک عام مسلمانوں کے ہیں عام اہل اسلام کے خلاف عقیدہ اختیار نہ کرو لہذا نمازیں پانچ ہی فرض مانو حضور کو آخری نبی مانو موجودہ قرآن کو مکمل کتاب اللہ مانو صحابہ کرام کو برحق مانو حضور کو شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین مانو کہ یہ ہی مسلمانوں کے عقیدے ہیں۔ **پندرھواں فائدہ:** دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ انسان کو بے سایہ کر دیا جائے جیسے انسان جسمانی زندگی میں ہمیشہ کسی سایہ کا حاجت مند ہے کہ پیدا ہوتے ہیں ماں کی تربیت ہوش سنبھالتے ہی باپ کی تربیت کچھ آگے چل کر استاد کی تعلیم وہاں سے فارغ ہونے پر حکومت کا سایہ ضروری ہے اگر یہ سائے نہ ہوں تو اس کی زندگی برباد ہو جائے یوں ہی روحانی زندگی میں دینی عالم شیخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ لازمی ہیں اگر کوئی ان کے سایہ سے نکل جائے تو ایسے کام کرے گا جو شیطان بھی نہ کر سکے۔ نولہ ماتولی کا مطلب یہ ہی ہے کہ اسے بے سایہ کر دیا جائے گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں خصوصیت سے تین چیزوں کا ذکر کیوں فرمایا صدقہ، اچھائی کا حکم دنیا لوگوں میں صلح کرانا

www.alahazratnetwork.org

اور نیکیوں کاذکر کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** اس لئے کہ یہ تین چیزیں تمام نیکیوں کی جڑ ہیں۔ کیونکہ نیکی و بھلائی دو قسم کی ہے دوسروں کو نفع پہنچانا اور دوسروں کو نقصان سے بچانا نفع جسمانی بھی ہوتا ہے اور روحانی بھی صدقہ نفع جسمانی ہے بھلائی کا حکم دینا نفع روحانی اور لڑوں کو ملانا نقصان سے بچانا ہے ان تین چیزوں میں تمام بھلائیاں آ گئیں (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا من **یشاقق الرسول** دو قافوں میں ادغام نہ کیا گیا اور سورہ حشر میں فرمایا گیا من **یشاق اللہ** قاف کے ادغام سے۔ **جواب:** اس لئے کہ لفظ اللہ کے لئے الف لام لازم ہے اور الرسول کے لئے لازم نہیں اور لزوم لام ثقل کا سبب ہے اس لئے اللہ کے ساتھ قافوں کا ادغام رکھا گیا تاکہ اس خفت سے ثقل کو ہلکا کر دیا جائے یہاں چونکہ لام لازم نہیں تو ادغام کی خفت ضروری نہیں (تفسیر روح المعانی)۔ **تیسرا اعتراض:** سورہ انفال میں ہے **ومن یشاقق اللہ ورسولہ** وہاں لفظ اللہ کے ساتھ بھی ادغام دور کر دیا گیا کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ وہاں اللہ کے نام کے ساتھ الرسول بھی ہے۔ جس کے لئے لام لازم نہیں۔ وہاں اس خفت سے فائدہ حاصل فرمایا گیا (روح المعانی)۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو شخص حضور کی بھی مخالفت کرے اور اجماع کی بھی وہ دوزخی ہے لہٰذا صرف اجماع کا منکر دوزخی نہ ہونا چاہئے کہ حضور کی مخالفت تو نہیں کر رہا ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جو شخص صرف حضور کی مخالفت کرے وہ بھی گنہگار نہ ہو۔ کیونکہ دو کی مخالفت پر دوزخ کی وعید ہے وہ صرف ایک کی مخالفت کر رہا ہے تو چاہئے کہ ابوجہل ابولہب وغیرہ مجرم نہ ہوں کہ انہوں نے صرف حضور کی مخالفت کی تھی اجماع کی مخالفت نہ کی تھی کہ حضور کے زمانہ میں اجماع' مومنین منعقد نہیں ہو سکتا اجماع بعد کی چیز ہے کہ اجماع غیر منصوص پر ہوتا ہے اور اس زمانہ میں حضور حیات ہیں ہر مسئلہ سرکار سے پوچھا جا سکتا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں واؤ افراد جمع کے لئے ہے نہ کہ مجموعی جمع کے لئے یعنی ان دونوں چیزوں پر علیحدہ علیحدہ' دوزخ کی وعید ہے نہ کہ دونوں کے مجموعہ پر لہٰذا مخالف رسول بھی دوزخی ہے اور مخالف اجماع بھی دوزخی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جس پر ہدایت ظاہر ہو جائے اگر وہ شخص رسول کی مخالفت یا اجماع کے خلاف کرے وہ دوزخی ہے تو کیا جس پر ہدایت ظاہر نہ ہوئی وہ مخالفت رسول کرے وہ دوزخی نہیں اگر ایسا ہے تو ابوجہل ابولہب وغیرہ دوزخی نہ ہونے چاہئیں کہ ان پر ہدایت ظاہر نہ ہوئی تھی' انہوں نے اس بے علمی میں حضور کی مخالفت کی تھی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ جس شخص تک نبوت کا نور نہ پہنچا ہو اسے کسی نبی کی تشریف آوری کی خبر ہی نہ ہوئی۔ اس کو عنداللہ معذور مانا جائے گا ان کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ جیسے حضور کے والدین کریمین یا اس زمانہ کے اور موحدین۔ جسے نبوت رسول کی خبر پہنچی پھر وہ مخالف رہا وہ دوزخی ہے دوسرے یہ کہ بے علم کا گناہ ہلکا ہے عالم کا گناہ بھاری یہاں سخت سزا کا ذکر ہے کہ وہ اس کو ہو گی جو علم ہدایت پہنچنے کے بعد رسول کی یا اجماع کی مخالفت کرے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت میں حضور کو رسول کیوں فرمایا؟ **ومن یشاقق الرسول** نبی یا مزمل وغیرہ کیوں نہ کہا۔ **جواب:** اس لئے کہ رسول کے معنی ہیں فیضان رساں جیسے گھر میں بجلی کا فٹنگ ہوتا ہے اور پاور ہاؤس میں پاور بنتا ہے تو پاور ہاؤس سے گھر تک پاور کا پہنچانا درمیانی تار کا کام جس کا ایک کنارہ پاور ہاؤس سے وابستہ ہے دوسرا ہمارے گھر سے اگر یہ تار کٹ جائے تو سارا فٹنگ بیکار ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے تمام نعمتیں بنائیں۔ حضور نے پہنچائیں اگر حضور سے ہی کٹ جائے تو اس کی ساری عبادات بیکار ہیں رسول سے مخالفت گویا اس تار سے علیحدگی ہے اس لئے کلمہ میں حضور کو رسول اللہ فرمایا ہے نبی اللہ

www.alahazratnetwork.org

نہیں کہا قرآن کریم میں بھی جہاں جہاں گواہی بشارت و نذارت کا ذکر ہے وہاں حضور کو نبی کہا ہے **یا ایھا النبی انا ارسلنا ک شاھدا** اور جہاں اطاعت یا بھیجنے کا ذکر ہے وہاں رسول کہا **لقد جاء کم رسول** اور **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** وغیرہ کیونکہ نبی کے معنی ہیں فرمان رساں اور رسول کے معنی ہیں فیضان رساں فرمان اور فیضان کے فرق کا خیال رکھو۔

تفسیر صوفیانہ : رب تعالیٰ نے ہم کو ظاہری و باطنی بہت سے اعضاء دیئے ہیں اور ہر عضو کے گناہ بھی بہت ہیں نیکیاں بھی بہت دماغ کا کام ہے سوچنا یہ سوچنا گناہ بھی ہے عبادت بھی تنہائی میں سوچنے کا نام فکر ہے اور جماعت میں سوچنے کا نام نجویٰ (مشورہ) قرآن کریم نے رب کی صفت حضور کی صفات سوچنے کا حکم دیا کہ فرمایا **ویتفکرون فی خلق السموت والارض** حضور کی صفات سوچنے کی تاکید فرمائی کہ فرمایا **ثم تتفکروا ما بصا حبکم من جنتہ** ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے نجویٰ کا بھی حکم دیا یہ آیت ان آیات میں سے ایک ہے جن میں نجویٰ کی برائی بھی کی گئی اور تعریف بھی اچھی نیت کی میٹنگ اچھی ہے بری نیت کی کمیٹی بری۔ دنیا کی ہر چیز زہر ہے اللہ رسول کی اطاعت اس کا تریاق دنیا کی کمیٹیاں مشورے مجلسیں اگر اطاعت اللہ و رسول کے ماتحت نہیں وہ سب وبال ہیں جن کا انجام برا ہے اور جن مشوروں کمیٹیوں میں اطاعت اللہ رسول ہو وہ اللہ کی رحمت ہیں اخلاص جڑ ہے اعمال شاخیں بغیر جڑ کے صرف شاخوں سے پھل نہیں ملتا ایسے ہی بغیر اخلاص عمل میں ثواب یا قبولیت کا پھل نہیں لگتا اس لئے یہاں فرمایا گیا **ابتغاء مرضات اللہ** کہ مومن جو کام بھی کرے، رضاء الٰہی کی تلاش کے لئے کرے ریاکار پروردگار سے جزا نہیں مانگ سکتا کہ وہ کام تو کرتا ہے دنیا والوں کے لئے جزا خدا سے کیسے چاہے جس کا کام کرے اسی سے مزدوری لے شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

گرت بیخ اخلاص در بوم نیست — ازیں در کسے چوں تو محروم نیست

زعمرو اے پسر چشم اجرت مدار — چو درخانہ زید باشی بکار!

اللہ رسول کی مزدوری کرو ان سے مزدوری ملے گی اللہ تعالیٰ اخلاص نصیب کرے اخلاص بھی اس کے کرم سے ملتا ہے مخلص کے لئے وعدہ ہے کہ ہم اسے اجر عظیم دیں گے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس و شیطان سے مشورے نہ کرو ان کے مشوروں میں خیر نہیں وہ تو برائیوں کا ہی مشورہ دیں گے بلکہ اللہ رسول سے مشورے کرو کہ وہ تم کو صدقات خیرات اچھے کام اور اصلاح کا مشورہ دیں گے۔ خواہ فرشتہ کے ذریعہ یا بلاواسطہ الہام فرما کر کبھی الہام کا شعور بندے کو نہیں ہوتا کبھی ہو جاتا ہے جب دل میں اچھا ارادہ پیدا ہو تو سمجھو کہ یہ اللہ رسول کی طرف سے ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا بھیڑیوں کا جنگل ہے ہم لوگ بھولی بھیڑیں ہیں مسلمانوں کی جماعت ہمارا گلہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محافظ شریعت اسلامیہ ہماری پناہ گاہ جب تک ہم حضور کی حفاظت میں اسلام کی پناہ میں مسلمانوں کے گلہ میں رہیں گے ان شکاری بھیڑیوں سے محفوظ رہیں گے اور جب ان سے علیحدہ ہوئے شکار ہو جائیں گے اور جہنم میں جائیں گے خود ہمارا نفس ہمارے لئے اندرونی بھیڑیا اور شیطان بیرونی شیر جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہماری تاک میں لگے ہیں۔ ان کے سوا برے یار بے دین عالم بے ایمان پیر فقیر ہزاروں دشمن ہیں۔ ہم اکیلے شکاری بہت اللہ اس جنگل سے بخیریت نکالے اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ جو رسول کی مخالفت کرے مسلمانوں کی راہ کے سوا اور راہ اختیار کرے اسے ہم

www.alahazratnetwork.org

اسی راہ پر چھوڑ دیں گے پھر دوزخ میں پہنچائیں گے قرآن کریم نے یہ ایسا عمل بتایا ہے۔ جس سے ہم ہر بے دینی سے بچ سکتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کے نام جگہ اور مقام کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ ایک شخص کچہری میں حاکم ہے قاضی ہے اور مسجد میں نمازی کہلاتا ہے۔ گھر پہنچ کر اسے بچے ابا جی کہہ کر پکارتے ہیں۔ ایسے ہی حضور دنیا میں آئے تو نبی ہیں رسول ہیں قرآن نے انہیں ان ہی ناموں سے پکارا مگر جب معراج میں گئے تو عبدہ کے نام سے پکارے گئے سبحان الذی اسری بعبدہ۔ چونکہ مخالفت کا ذکر تھا اور حضور کے مخالفوں کے عذاب کا تذکرہ اس لئے انہیں رسول فرمایا و من یشاقق الرسول دنیا حضور کا دفتر ہے وہ عالم حضور کا اپنا گھر خیال رکھو کہ رسول سے جس کا ذاتی عناد ہو گا وہ کبھی ہدایت پر نہیں آ سکتا عارضی عناد والے کو ہدایت مل سکتی ہے۔ گیلی لکڑی سے تری نکل جائے وہ آگ میں جل سکتی ہے۔ پتھر کیا جلے عارضی عناد والوں کا عناد اچھی صحبت قرآن کی تلاوت وغیرہ سے دور ہو سکتا ہے حضرت عمر قرآن کی سورت سن کر تڑپ گئے وہ عناد کی رطوبت نکل گئی مومن ہو گئے۔

نمی دانی کہ سوز قرات تو دگر گوں کو تقدیر عمر را

اس لئے فرمایا من بعد ما تبین لہ الھدی۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ
بے شک اللہ نہیں بخشتا یہ کہ کفر کیا جاوے اس کے ساتھ اور بخش دے گا اس سے کم جسے چاہے گا
اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جاوے اور اس کے نیچے جسے چاہے معاف فرما
یَّشَآءُ ؕ وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ
اور جس نے کفر کیا اللہ کا بس بے شک وہ گمراہ ہوا دور کی گمراہی نہیں
دیتا اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا یہ شرک والے
یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾
عبادت کرتے وہ اللہ کے سوا مگر عورتوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر سرکش شیطان کی
اللہ کے سوا نہیں پوجتے مگر عورتوں کو اور نہیں پوجتے مگر سرکش شیطان
لَّعَنَہُ اللّٰہُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِکَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾
اللہ نے اسے پھٹکار دیا اور بولا کہ میں لوں گا تیرے بندوں میں سے حصہ علیحدہ کیا ہوا
کو جس پر اللہ نے لعنت کی اور بولا قسم ہے میں ضرور تیرے بندوں میں سے کچھ ٹھہرایا ہوا حصہ لوں گا

وقف لازم

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں غلط مشورے کرنے کا بھی ذکر ہوا تھا اور حضور کی مخالفت کا بھی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ غلط و ناجائز مشورے قابل معافی گناہ ہیں کہ یہ فسق ہیں۔ مگر ہمارے رسول کی مخالفت ناقابل معافی گناہ ہے کہ یہ شرک یعنی کفر ہے گویا پہلے گناہوں کا ذکر تھا اب ان کے درجوں کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی

www.alahazratnetwork.org

آیت میں مخالفت رسول کی سزا کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ مخالف رسول کو یہ سزا ضرور ملے گی اسے بخشا نہ جائے گا کہ یہ جرم قابل معافی نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ رسول کی مخالفت اجماع مسلمین سے علیحدگی اختیار کرنے والا دوزخ کے قابل ہے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ایسا آدمی شیطان کا پجاری وہاں ہی جائے گا۔ جہاں شیطان جائے گا۔

شان نزول : سیدنا عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ایک بوڑھا آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو بولا یا رسول اللہ میں عمر بھر گناہوں میں گرفتار رہا مگر جب سے میں اللہ پر ایمان لایا میں نے اس کا کوئی شریک نہیں ٹھہرایا اور میں نے گناہ کئے مگر اللہ پر دلیری کر کے نہ کئے بلکہ غلطی سے کئے کبھی میرے دل میں یہ وہم بھی نہ گذرا کہ میں اللہ تعالٰی کی گرفت سے بھاگ سکتا ہوں میں اب توبہ کرتا ہوں اپنے گناہوں پر نادم ہوں فرمایا جائے میرا کیا حال ہوگا۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں اس کی مغفرت کی بشارت دی گئی (تفسیر خازن، روح البیان، روح المعانی، بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر : **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ**۔ یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی گویا دلیل ہے پہلے ارشاد ہوا تھا کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرے اور اجماع امت کے خلاف چلے وہ دوزخی ہے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ حرکت کفر ہے اور کفر نا قابل معافی گناہ چونکہ اہل عرب عموماً" شرک کے عادی تھے ان سے شرک چھوڑانا بڑا اہم تھا اور مسلمان اس آیت میں دھوکا کھا سکتے تھے اس لئے اسے ان ' سے شروع فرمایا گیا۔ نیز چونکہ کوئی کہہ سکتا تھا کہ اتنے بڑے بڑے گناہ کیسے بخشے جا سکتے ہیں۔ کہ سواء کفر کے باقی سارے گناہ عمر بھر کی بدکاریاں پل بھر میں معاف ہو جائیں۔ لہذا ان ' فرما کر یہ وہم دور کر دیا گیا کہ یہ بخشش شک کے لائق نہیں گنہگار گندے ہیں رب کی رحمت سمندر، گندے آدمی کے غسل کرنے سے سمندر ناپاک نہیں ہوتا البتہ گندا پاک ہو جاتا ہے، مشرک نجس العین ہے۔ جیسے گوبر وہ اس سمندر سے بھی پاک نہیں ہو سکتا بہر حال ان فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ **لا یغفر** استقبال کے لئے ہے یعنی قیامت میں نہ بخشے گا دنیا میں جو مشرک توبہ کرلے اسے بخش دیتا ہے یشرک بہ سے مراد ہے **یکفر بہ** شرک بمعنی کفر ہے نوع بول کر جنس مراد لی گئی یا جزء فرما کر کل کیونکہ کوئی کفر قابل بخشش نہیں خواہ شرک ہو خواہ رب کا انکار خواہ قرآن یا نبی کا انکار لہذا دہریئے، عیسائی، یہودی، آریہ وغیرہ کوئی کافر ہرگز نہ بخشا جائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ فساد عقیدہ اگر کفر تک پہنچ جائے تو اس کی بخشش نہیں یہاں بھی شرک سے کفر مراد ہے اور آیت کریمہ **لا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** میں بھی شرک سے مراد کفر ہے کہ مومنہ عورت کا نکاح کسی کافر مرد سے درست نہیں۔ خواہ عیسائی یہودی ہو خواہ آریہ یا ہندو ہو یوں ہی **ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد اللہ** میں بھی مشرکین سے کفار مراد ہیں۔ یہ بات خوب خیال میں رکھو، یہاں بہت لوگوں نے دھوکہ کھایا ہے۔ نیز شرک نا قابل معافی جب ہے جبکہ مشرک بغیر توبہ مر جائے جیسا کہ **لا یغفر** مستقبل فرمانے سے معلوم ہوا موت سے پہلے توبہ کرے معاف ہے کہ اب وہ مشرک نہ رہا رب فرماتا ہے **قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف** وہ آیت اس آیت کو واضح فرما رہی ہے **ویغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یہاں بھی **یغفر** مستقبل ہے **ما** سے مراد تمام گناہ اور تمام بد عقیدگیاں ہیں جو حد کفر تک نہ پہنچی ہوں **دون** بمعنی سوا' یا بمعنی کم ہے ذالک سے اشارہ شرک یعنی کفر کی طرف ہے اگرچہ اس کا ذکر ابھی ہوا مگر چونکہ کفر و شرک بندے کی شان سے بہت دور ہے ' اس لئے **ذالک** اشارہ بعید فرمایا گیا **من** سے مراد گنہگار بندہ ہے یعنی کفر سے کم جو گناہ یا بد عقیدگی ہے اللہ اسے

www.alahazratnetwork.org

بخش دے گا جسے چاہے گا نہ بخشے گا بلکہ عذاب دے کر پاک وصاف فرما کر جنت میں بھیجے گا۔ کیونکہ کافر کے سواء کسی کو دوزخ میں ہمیشگی نہیں۔ **ومن یشرک باللہ فقد ضل ضللا بعیدا** من سے مراد ہر جن وانس ہے یشرک شرک سے بنا بمعنی حصہ اور برابری رب فرماتا ہے **ام لہم شرک فی السموت**۔ شریعت میں شرک کے معنی ہیں 'کسی کو رب کے برابر او نچا سمجھنا یا رب کو کسی کے برابر نیچا سمجھنا' حصہ دار جانا مشرکین عرب تین قسم کے شرک کرتے تھے 'فرشتوں اور بعض بتوں کو رب کی بیوی بچے مانتے تھے بیوی اولاد جنس و قوم میں باپ کے برابر ہوتے ہیں۔ 2 بعض بتوں کو مستقل خالق و مالک مانتے تھے۔ خالق خیر خدا کو کہتے ہیں اور خالق شر اہرمن کو' 3 بعض مشرک کہتے تھے کہ رب تعالیٰ عالم بنا کر تھک گیا۔ اب عالم چلانے والے ہمارے بعض بت ہیں ان کی تردید میں رب نے فرمایا **ولم یکن لہ کفوا احد** اور فرمایا **خالق کل شئی** اور فرمایا **ما مسنا من لغوب** بہرحال شرک کا دارومدار رب سے ہمسری و برابری پر ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **بربہم یعدلون** اور فرماتا ہے **اذ نسویکم برب العلمین** بغیر برابری کے عقیدے کے شرک نہیں ہوتا۔ کرایہ دار مالک مکان کا نہ حصہ دار ہوتا ہے نہ شریک یہاں یشرک میں یہ تینوں قسم کے شرک مراد ہیں پھر خواہ کسی انسان کو رب کے برابر مانے یا کسی اور چیز کو ایک کو شریک مانے یا بہت کو سب ہی ایک لفظ میں شامل ہیں۔ جیسا کہ تفسیر روح المعانی نے اس کی طرف اشارہ کیا **ضل ضلال** سے بنا ضلال کی تحقیق سورہ فاتحہ میں **ولا الضالین** کی تفسیر میں ہو چکی۔ بعید کے معنی ہیں دور عقل سے دور یا ہدایت سے دور کیونکہ مشرک اپنی عقل سے اتنا نہیں سمجھتا کہ ہمیشہ کثرت کی انتہا وحدت پر ہوتی ہے درخت کے پتوں و شاخوں' پھل پھولوں کی انتہاء ایک جڑ پر ہے بہت تاروں کی انتہا ایک سورج پر جسم کے بہت اعضاء کی انتہا ایک دل پر خاندان کی انتہاء ایک مورث اعلیٰ پر نمازیوں کی انتہاء ایک امام پر ملک کی رعایا کی انتہاء' ایک بادشاہ یا صدر پر ہے تو چاہئے کہ مخلوق کی انتہاء' ایک خالق پر ہو اگر خالق بھی چند ہوں تو اس کے لئے اور خالق ماننا پڑے' نیز مشرک یہ نہیں سمجھتا کہ ہم کو خالق کی حاجت اس لئے ہے کہ ہم غنی نہیں محتاج ہیں۔ تو جن کو وہ پوجتا ہے وہ بھی ہماری طرح ہی محتاج ہے تو وہ معبود یا خالق کیسے بن گیا جب وجہ مخلوقیت مشترک ہے تو مخلوقیت بھی مشترک چاہئے۔ یا رب کی رحمت سے دور یا جنت کی راہ سے بہت دور یا ایمان سے دور یعنی جس شخص نے کسی قسم کا کفر و شرک کیا وہ دور کی گمراہی میں گرفتار ہوا۔ جنت وغیرہ سے دوری کے بہت مرتبے ہیں ان سب میں شرک سب سے بدتر ہے۔ خیال رہے کہ گناہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو وہ بندے کو خدا تعالیٰ کی رحمت سے محجوب تو کر دیتا ہے۔ دور نہیں کرتا مگر شرک و کفر رحمت الٰہی سے بندہ کو بہت دور کر دیتے ہیں۔ سورج اگر بادل کی حجاب میں آجائے تو اگرچہ دھوپ نہ رہے گی۔ مگر دن رہے گا مگر جب ڈوب جائے اور دور ہو جائے تو رات ہو جائے گی۔ بچہ پیشاب پاخانہ سے گردے بیمار ہو جائے تو ماں کی گود سے دور نہ ہو جائے گا۔ صاف کرنے کے لئے عارضی طور پر دور کرے گی پھر گود میں لے لے گی۔ مگر جب مر جائے تو گود سے دور ہو کر گور یعنی قبر میں پہنچ جائے گا۔ یوں ہی بندہ مومن کیسا ہی گنہگار ہو مگر رحمت الٰہی کی آغوش سے دور نہ ہو گا کفر کرے گا دور ہو جائے گا۔

ان یدعون من دونہ الا انثا اس میں ضلال بعید کا بیان ہے ان نافیہ ہے۔ **یدعون** بمعنی **یعبدون** ہے کیونکہ پجاری پوجا کے وقت بتوں کو پکارا جاتا ہے اور ضرورتوں مصیبتوں میں اس کی پکار کو ذریعہ نجات سمجھتا ہے (معانی' روح البیان' تفسیر کبیر' خازن' بیضاوی وغیرہ) **یدعون** کا فاعل کفار عرب ہیں **دونہ** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے **دون** بمعنی سواء ہے یا بمعنی مقابل کیونکہ خدا کے سوا جس کی عبادت کی جائے اسے خدا تعالیٰ کا مقابل مان لیا جاتا ہے **اناثا**' **انثی** بمعنی عورت کی جمع ہے عرب

www.alahazratnetwork.org

کے ہر قبیلہ کا بت علیحدہ تھا۔ ان بتوں میں اکثر عورتوں کے نام پر تھے جیسے لات الہ کا مونث عزیٰ عزیز کا مونث' حضرت عائشہ صدیقہ کی قراءت میں **الا اوثانا** ہے اور حضرت ابن عباس کی روایت میں **الا اثنا** جمع وثن جیسے اسد کی جمع اسد بعض کے نزدیک وثن اصل میں اثن تھا ہمزہ واؤ سے بدل گیا بعض کے نزدیک اس کے برعکس ہے۔ اثنا اصل میں اثہ تھا۔ واؤ ہمزہ سے بدل گیا جیسے اقتت اصل میں وقتت تھا۔ مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی لڑکیاں سمجھ کر پوجتے تھے اور جو بت مردوں کے نام پر تھے جیسے ہبل' ود' سواع' ذالخلصہ انہیں بھی عورتوں کی طرح زیوروں سے آراستہ کرتے تھے۔ نیز وہ پتھروں' چاند سورج' تاروں کو عورت سمجھ کر پوجتے تھے۔ نیز بے جان بے عقل چیزوں کو عربی میں مثل عورت کے مانا جاتا ہے اسی لئے ان کی طرف ضمیر مونث لوٹتی ہے۔ اب بھی ہندو رام چندر کرشن کے بتوں کو زیور پہناتے ہیں۔ کالی دیوی کو عورت مانتے ہیں۔ زمین ہند کو بھارت ماتا کہتے ہیں۔ لہذا یہ آیت کریمہ بالکل برحق ہے کہ یہ بے عقل مرد ہو کر عورتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ **وان یدعون الا شیطانا مریدا**۔ یہاں یا تو **یدعون** بمعنی **یطیعون** ہے یا **یدعون** اپنے ہی معنی میں ہے اور یہاں حقیقت کا ذکر ہے' یعنی ان بتوں کی عبادت میں وہ شیطان کی اطاعت کرتے ہیں یا در حقیقت وہ شیطان کو پوجتے ہیں کہ ہر بت کے پاس شیطان ہوتا ہے یہ بت کو سجدہ کرتے ہیں۔ جو در حقیقت شیطان کو ہوتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ شیطان سے مراد ابلیس ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد قرین شیطان ہو' یا وہ شیطان جو بتوں کے پاس رہتے ہیں مرید اور متمرد سب کے معنی ہیں سرکش یہ الفاظ مرد سے بنے۔ بمعنی چکنا صاف' خالی اس لئے بے داڑھی والے بچہ کو امرد کہتے ہیں۔ جس درخت کے پتے جھڑ گئے ہوں اسے مردعہ کہا جاتا ہے' صاف چکنے پتھر کو مرد کہا جاتا ہے' صرح ممرد من قواریر' سخت سرکش کو مرید اس لئے کہتے ہیں کہ وہ چکنے پتھر کی طرح ہے جہاں کوئی چیز نہ ٹھہرتی ہے نہ کوئی دانہ اس پر اگتا ہے۔ ایسے ہی اس سرکش کے دل میں نصیحت اثر نہیں کرتی (کبیر و روح المعانی وغیرہ) **لعنہ اللہ** یہ عبارت شیطان کی دوسری صفت ہے۔ بعض نے فرمایا یہ دعائیہ عبارت ہے اظہار غضب کے لئے یعنی خدا تعالیٰ نے اس شیطان پر لعنت فرمائی ہے یا لعنت فرمائے لعنت جب حق تعالیٰ کا فعل ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کر دینا اور جب بندوں کی طرف منسوب ہو بندے اس کا فاعل ہوں تو معنی ہوتے ہیں دوری رحمت کی بددعا کرنا' بہرحال اس کے معنی ہیں پھٹکار۔ مطلب یہ ہے کہ شیطان بے راندہ بارگاہ رب کا دھتکارا' پھٹکارا ہوا تو جو اس کا دوست یا پجاری ہو گا وہ بھی اس کی طرح پھٹکارا ہو گا۔ **وقال لا تخذن من عبادک نصیبا مفروضا**۔ یہ جملہ پہلے جملہ **لعنہ اللہ** پر معطوف ہے۔ اس میں شیطان کی انسان دشمنی کا ذکر ہے۔ اگرچہ جنات کفار بھی شیطان کے بہکانے سے ہی بہکتے ہیں مگر اس کی اصل عداوت انسانوں سے ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وجہ سے پھٹکار آگیا اس لئے یہاں عبادک سے مراد انسان ہیں چونکہ شیطان جانتا تھا کہ سارے انسان میرے بہکائے نہ بہکیں گے اس لئے اس نے من تبعیضیہ کہہ کر ظاہر کر دیا کہ تیرے بعض انسانوں کو بہکا سکوں گا۔ خیال رہے کہ شیطان بہکاتا سب کو ہے مگر بہکتے ہیں بعض انسان ہی اس کی حصہ میں بعض ہی آتے ہیں۔ اس لئے نصیب یعنی حصہ کہتے ہوئے **من عبادک** کہا نصیب نصب سے بنا بمعنی قائم کرنا نصیب قائم ہوا حصہ مفروض بنا ہے فرض سے بمعنی کاٹنا قطع کرنا اس لئے نہر کے کٹے ہوئے حصہ کو فرضہ کہتے ہیں۔ کمان کی تانت کے ٹکڑے کو فرضۃ القوس کہا جاتا ہے لازم کی ہوئی عبادت کو فرض کہا جاتا ہے کہ اس میں بندوں کا اختیار قطع کر دیا گیا ہے' کرنا لازم کر دیا گیا لہذا مفروض کے معنی ہوئے کاٹا ہوا علیحدہ کیا ہوا حصہ۔ یعنی تیرے بندوں انسانوں میں سے کچھ حصہ میں لے لوں گا۔ جو تیرے نیک بندوں سے کٹ جائیں گے الگ ہو جائیں

www.alahazratnetwork.org

گے' فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ وہ حصہ فی ہزار نو سو ننانوے ہیں۔ یعنی ہزار انسانوں میں سے ایک مومن ہے اور نو سو ننانوے کافر ایک انسان اللہ کا ہے' باقی نو سو ننانوے شیطان کے (کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ یہ نو سو ننانوے مع یاجوج و ماجوج کے ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ سارے مومن اس ایک میں ہی داخل ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ قیامت میں شرک یعنی کفر کو ہرگز نہ بخشے گا کہ جو بندہ کافر ہو کر مرے وہ کسی طرح نہ بخشا جائے گا۔ کفر کے سواء سارے گناہ ساری بد عقیدگیاں جو کفر تک نہ پہنچی ہوں وہ جسے چاہے گا بخش دے گا۔ لہٰذا کوئی بندہ کفر نہ کرے اس سے بہت ڈرے۔ جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا اس کا انکار کیا وہ ایسی گمراہی میں مبتلا ہوا جو اللہ کی رحمت' جنت' بخشش' بلکہ انسانیت و عقل سے بہت دور ہے' عقل انسانی کا تقاضا ہے کہ جس کا کھایا جائے اس کا گایا جائے یہ بے عقل کھاتا ہے اللہ کا گاتا ہے دوسرے کا۔ مشرکین جو خدا کے سواء اوروں کی پرستش کرتے ہیں وہ عورتوں ہی کو پوجتے ہیں کہ عورتوں کے نام کے بت بناتے ہیں اور جن مردوں کے نام کے بت ہیں انہیں بھی زیور پہنا کر عورتوں کی طرح سجاتے ہیں۔ پھر ان کی پوجا کرتے ہیں' فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مان کر پوجتے ہیں' چاند' سورج' تارے' پتھروں' درختوں' پانیوں کو جانوروں کو پوجتے ہیں۔ جو عورتوں کی طرح محکوم ہیں اس لئے ان کی طرف عربی میں ضمیر مونث' لوٹائی جاتی ہے' یہ کفار ان کی پرستش میں درحقیقت شیطان کی پرستش کرتے ہیں کہ شیطان ہی ان سے یہ پرستش کراتا ہے اور ان کے بتوں کے پاس وہ موجود ہوتا ہے' یہ تو شیطان کو پوجتے ہیں اور شیطان کا حال یہ ہے کہ وہ رب کی بارگاہ کا سرکش ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے پھٹکار فرمائی ہے لہٰذا جو انسان اس کی پرستش کرے گا وہ اس کی طرح رب کی پھٹکار میں آجائے گا اور شیطان انسان کا ایسا کھلا دشمن ہے کہ اس نے مردود ہوتے وقت ہی بارگاہ الٰہی میں عرض کر دیا تھا کہ میں انسانوں میں سے اپنا حصہ علیحدہ کر لوں گا جو تجھ سے دور اور تیرے بندوں سے الگ ہو جائیں گے وہ تو ان کا ایسا پکا دشمن ہے اور یہ اس کی اطاعت میں مشغول ہیں کیسے بے وقوف ہیں۔ خیال رہے کہ شرک کا مدار صرف ایک چیز پر ہے کہ کسی کو خدا تعالیٰ کے برابر سمجھنا یعنی اسے رب سے بے نیاز جاننا یا رب تعالیٰ کو اس کا نیاز مند ماننا قرار دیتا ہے۔ **اللہ الغنی وانتم الفقراء** اس کے سواء کوئی بد عقیدگی شرک نہیں۔ کفر کے معنی ہیں کسی ایسے عقیدے کا انکار کرنا جس کو ماننا مسلمان ہونے کے لئے ضروری ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ کی ہستی یا نبی کی نبوت یا قیامت یا کتاب الٰہی یا جنت دوزخ فرشتوں وغیرہ کا انکار کفر ہے شرک نہیں اس لئے رب تعالیٰ نے شیطان کو کافر تو فرمایا مشرک نہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہو **وکان من الکفرین۔** کیونکہ وہ نبوت کا انکاری تھا کسی کو خدا تعالیٰ کے برابر نہ جانتا تھا۔ یہ بھی خیال رہے کہ شرک کے لئے بے علمی عذر نہیں مگر کفریات کے لئے ان لوگوں کی بے علمی عذر ہے جنہیں نبی کی تعلیم نہ پہنچی ہو لہٰذا ظہور اسلام سے پہلے والے لوگوں پر عقیدہ توحید ضروری تھا اس کے علاوہ کسی چیز کا ماننا لازم نہ تھا۔ کفر و شرک کا یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ کفر و شرک دونوں ناقابل معافی جرم ہیں۔ بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز رب فرماتا ہے۔ **قل ما کنت بدعا من الرسل** اس لئے ایجاد کو بدع اور موجد کو بدیع کہا جاتا ہے' بدیع السموات والارض شریعت میں بدعت عملی یہ چھ قسم کی ہے' بدعت جائزہ جیسے اعلیٰ مکان اعلیٰ لباس و غذائیں بدعت مستحبہ جیسے شاندار مسجدیں قرآن کریم کی اعلیٰ جلدیں بدعت واجبہ صرف و نحو وغیرہ علوم میں مدد بدعت فرض جیسے قرآن کا جمع کرنا اس میں اعراب لگانا بدعت مکروہ' بدعت حرام' جیسے اردو زبان میں نماز' اذان' تلاوت بدعت عام ہے دنیاوی چیزیں یا دینی اور زمانہ صحابہ کی ایجاد ہوں یا بعد کی دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جو بدعقیدگی کفر تک پہنچ جائے اور بندہ اس سے توبہ کئے بغیر مرجائے وہ ہرگز معافی کے قابل نہیں اس کی بخشش نہیں ہو سکتی جیسا کہ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: کفار مردوں کو مرحوم یا مغفور یا غفرلہ یا رحمۃ اللہ علیہ کہنا ان کے لئے دعاء مغفرت کرنا انہیں ایصال ثواب کرنا ان کے نام کے ختم فاتحہ کرنا حرام ہے ان کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے کہ ان سب میں ان کفار کے لئے دعاء مغفرت ہے اور کفار مغفرت کے لائق نہیں۔ ناممکن چیز کی دعا مانگنا حرام ہے۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو مشرکین و کفار کی خوشامد میں ہندو لیڈروں کو مرحوم یا جنتی یا بیکنٹھ باشی کہتے ہیں یا ان کے لئے ختم وغیرہ پڑھتے ہیں۔ رب تعالیٰ غیرت ایمانی نصیب کرے۔ تیسرا فائدہ: کفر کے سواء سارے گناہ قابل معافی ہیں خواہ گناہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد اگرچہ ان میں سے ہر قسم کی معافی کا طریقہ علیحدہ ہوگا۔ مثلاً حقوق العباد کی معافی کا طریقہ یہ ہوگا کہ رب تعالیٰ صاحب حق سے معافی دلوا دے گا۔ چوتھا فائدہ: گناہوں کی معافی کی اللہ کے کرم سے امید رکھنی چاہئے یقین نہیں کرنا چاہئے۔ لہٰذا رب سے خوف بھی رکھو امید بھی جیسا کو لمن یشاء' سے معلوم ہوا۔ یہ آیت گناہوں پر دلیر نہیں کررہی ہے بلکہ گناہوں سے روک رہی ہے' پانچواں فائدہ: خلف وعدہ ناممکن ہے مگر خلف وعید جائز بلکہ واقع ہے' خلف وعدہ جھوٹ ہے خلف وعید کرم و مہربانی بلکہ معافی کو خلف وعید صرف ظاہرا" کہا جاتا ہے۔ حقیقت میں یہ خلف وعید نہیں کہ تمام وعیدیں رب کی مشیت پر موقوف ہیں چاہے بخشے چاہے نہ بخشے۔ چھٹا فائدہ: حضور کو چھوڑ کر جو راستہ بھی اختیار کیا جائے وہ گمراہی ہے اور اس میں شیطان کی پیروی جیسا کہ ان **یدعون** سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: عورت پرستی زن مریدی طریقہ کفار ہے کہ ان کے اکثر معبود عورتیں ہیں اور جن مردوں کی بھی وہ پوجا کرتے ہیں انہیں بھی عورتوں کی طرح ہی سجا بنا کر پوجتے ہیں۔ اپنے ملک و زمین کو عورت تصور کرتے ہیں۔ آج کل زن پرستی فیشن بن چکی ہے حتی کہ دوکانوں مکانوں کو عورتوں کے فوٹوؤں سے سجاتے ہیں۔ گھروں میں مردوں پر عورتوں کا راج ہے عورتیں کار مختار ہیں۔ یہ سب زن پرستی ہے۔ جو ہم نے عیسائیوں سے سیکھی۔ آٹھواں فائدہ: تقیہ ایسی بری لعنت ہے کہ رب کے سامنے شیطان نے بھی نہ کیا اس نے وہی کہا جو اسے کرنا تھا جو شخص دعویٰ اسلام کرکے تقیہ کرے وہ شیطان سے بھی زیادہ بیوقوف ہے۔ نواں فائدہ: بری جگہ شیاطین کا مسکن ہیں اور اچھی جگہ رحمٰن کی تجلی گاہ رب سے ملنا ہے تو اس کے مقبول بندوں کے پاس جاؤ شیطان سے ملنا ہو تو عورتوں کی مریدی کرو عورتیں شیطان کا وہ جال ہیں جس سے وہ بڑے مردوں کا شکار کرتا ہے' حضرت آدم پر اس کا داؤ بذریعہ حوا چلا پہلا قتل بذریعہ عورت ہوا' یہ فائدہ **ان یدعون الا شیطانا** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: شیطان کو رب تعالیٰ نے گمراہ کرنے کے لئے بہت بڑا وسیع علم دیا وہ جانتا ہے کہ کون میرے بہکائے میں آئے گا۔ جیسا کہ **من عبادک** میں **من** فرمانے سے معلوم ہوا وہ مردود بھٹکنے والوں کو جانتا ہے یہ بھی جانتا ہے کہ کون کس طریقہ سے بھٹکے گا تمام کے دلی ارادوں نیتوں تک سے واقف ہے کہ جہاں کسی نے نیکی کا ارادہ کیا اس نے آکر بہکایا۔ جب گمراہ کرنے والے ابلیس کو اتنا وسیع علم دیا گیا تو سوچو کہ ہدایت دینے والے انبیاء کرام کو کتنا وسیع علم دیا گیا ہوگا۔ دوا کی طاقت مرض کی طاقت سے زیادہ چاہئے' گیارہواں فائدہ: شیطان بھی حضرات انبیاء کو معصوم اور خاص اولیاء اللہ کو محفوظ مانتا ہے کہ کہہ رہا ہے **من عبادک نصیبا مفروضا** دوسری جگہ کہتا ہے **الا عبادک منہم المخلصین** جو شخص ان بزرگوں کو گنہگار مانے وہ شیطان سے بھی زیادہ گمراہ ہے' عصمت انبیاء حفاظت اولیاء بہت ظاہر مسئلہ ہے اس کی تحقیق ہماری

www.alahazratnetwork.org

کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں ملاحظہ کرو۔

پہلا اعتراض : تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ شرک صرف اس کا نام ہے کہ کسی کو رب تعالٰی کے برابر یا بے نیاز مانا جائے تو کیا جو شخص کسی کو خدا کا بندہ مان کر قدیم یعنی ازلی مان لے یا خالق مان لے وہ مشرک نہیں ' اگر ایسا ہے تو سارے مشرک موحد ہو گئے وہ اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ مان کر ازلی ' قدیم اور خالق مانتے ہیں۔ **جواب**: کسی کو خالق ماننا شرک ہے کہ خالق وہی ہو سکتا ہے جو بے نیاز ہو ' نیاز مند بندہ جو خدا کی چیزوں کو استعمال کرکے کچھ بنائے وہ کاسب ہے خالق نہیں جیسے آج سائنس ایجاد والے اللہ کی چیزوں سے ہوائی جہاز وغیرہ بناتے ہیں۔ اسی لئے عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا **اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر**۔ یعنی میں اللہ کی مٹی سے پرندہ بناتا ہوں یعنی خالق نہیں ہوں کاسب ہوں ' رب کا نیاز مند ہوں لہذا کسی کو خالق ماننا شرک ہے ' رہا کسی کو ازلی ماننا اگر اسے خدا سے بے نیاز ہو کر ازلی مانتا ہے تو شرک ہے جیسے آریہ روح و مادہ کو ازلی مانتے ہیں ' اور اگر اس کو رب کا بندہ مان کر قدیم مانتا ہے کہ رب سے وہ صادر ہیں وہ مشرک نہیں کافر ہے جیسے فلاسفہ کہ وہ دس عقلوں کو خدا سے صادر مان کر قدیم مانتے ہیں وہ کافر ہیں کیونکہ اس آیت کے منکر ہیں۔ **خالق کل شئی خیال رہے**: کہ رب تعالٰی کے سوا کوئی چیز ازلی یعنی قدیم نہیں مگر بہت سی مخلوق ابدی یعنی دائمی ہے کہ رب تعالٰی ان کو ہمیشہ رکھے گا جیسے جنت دوزخ اور وہاں کے لوگ اور وہاں کی نعمتیں کہ یہ ابدالاباد تک رہیں گی۔ رب فرماتا ہے **خالدین فیہا ابدا**۔ **دوسرا اعتراض**: جب اسلام میں شرک و کفر نا قابل معافی گناہ ہیں تو مسلمان کفار کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں اور کفار کو مسلمان کیوں کرتے ہیں (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہوا کہ **یغفر** مضارع بمعنی مستقبل ہے جس میں قیامت کا ذکر ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو بندہ شرک و کفر کرتا ہوا بغیر توبہ مر جائے اسے قیامت میں اللہ تعالٰی نہ بخشے گا جو مشرک و کافر دنیا میں ہی توبہ کرکے مسلمان ہو جائے اسے دنیا میں ہی بخش دیا جائے گا۔ اسلام سے پہلے عرب میں قریباً سارے مشرک و کفار ہی تھے وہ ہی سب مسلمان صاحب عرفان بنے اس آیت کی تفسیر خود قرآن کریم دوسری جگہ فرما رہا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے۔ **قل للذین کفروا ان ینتھوا یغفرلھم ما قد سلف** آپ کفار سے فرما دو کہ اگر کفر سے باز آجائیں تو ان کے سارے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک کے سوا ہر جرم بخش دیا جائے گا تو چاہئے کہ عیسائیت ' یہودیت ' دہریت بھی قابل بخشش ہو اور آریہ بھی بخشے جائیں کیونکہ ان میں سے کوئی شرعی مشرک نہیں پھر ان مذہبوں کو اسلامی تبلیغ کیوں کی جاتی ہے نیز اس سے معلوم ہوا کہ صرف اسلام میں ہی نجات نہیں دوسرے دین شرک کے سوا سب میں رہ کر نجات و بخشش ہو سکتی ہے (آریہ)۔ **جواب**: اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اور ان جیسی آیتوں میں شرک سے مراد کفر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار شرک ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخسرین**۔ جو کوئی اسلام کے سوا کوئی اور دین اختیار کرے گا اس کا وہ دین قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں نقصان والوں سے ہو گا۔ وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی اور کو پکارنا یا رسول اللہ یا غوث کہنا شرک ہے اور شیطان کی پرستش ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **ان یدعون الا شیطانا مریدا** (عام دیوبندی ' وہابی)۔ **جواب**: اس قسم کی تمام آیات میں دعا بمعنی عبادت ہوتا ہے نہ کہ بمعنی پکارنا اسی معنی پر تمام مفسرین کا اتفاق ہے اگر یہاں دعا سے مراد پکارنا ہو اور غیر خدا کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی مشرک ہو گا کہ وہ التحیات

www.alahazratnetwork.org

میں عرض کرتا ہے السلام علیک ایہا النبی نیز حضرات انبیاء کرام نعوذ باللہ مشرک ٹھہریں گے کہ انہوں نے مدد کے لئے لوگوں کو پکارا (قرآن کریم) بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا ثم ادعھن یاتینک سعیا۔ ان مرے جانوروں کو پکارو دوڑتے آئیں گے۔ نیز حضرت ابراہیم نے کعبہ بنا کر قیامت تک پیدا ہونے والے انسانوں کو پکارا کہ اللہ کے بندوں اللہ کے گھر کی طرف آؤ حالانکہ بہت سے انسان اس وقت پیدا نہ ہوئے تھے رب فرماتا ہے واذن فی الناس بالحج اگر کسی کو پکارنا شرک ٹھہرے تو نہ خدا تعالیٰ شرک سے بچے گا کہ اس نے قرآن مجید میں انبیاء و اولیاء، مومنین بلکہ کفار بلکہ زمین و آسمان و پہاڑوں کو پکارا ہے نہ حضرات انبیاء بچیں گے نہ عام مسلمان اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی سچی فہم عطا فرمادے، غرضیکہ یہاں دعا کے معنی پکارنا کرنا سخت غلطی ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین صرف عورتوں کی پوجا کرتے ہیں کیونکہ الا حصر کے لئے ہے حالانکہ وہ تو مردوں کی بھی پوجا کرتے تھے۔ جیسے مشرکین عرب 'ود' ۔ یغوث' نسر کی پرستش کرتے تھے اور مشرکین ہند رام چندر' ہنومان' گنیش کی پوجا کرتے ہیں۔ تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ جواب: اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان کے معبود یا حقیقتہ "عورتیں ہیں یا مصنوعی عورتیں کہ وہ اپنے معبود مردوں کو عورتوں کی طرح زیور پہنا کر پوجتے ہیں۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسانوں میں فی ہزار نو سے ننانوے شیطان کے حصہ کے ہیں اور ایک اللہ تعالیٰ کا بندہ پھر ہزار میں ایک کون ہو گا جو نجات پائے سب ہی دوزخی ہو گئے۔ جواب: اس سوال کا جواب اسی حدیث میں دے دیا گیا ہے۔ جس میں یہ تعداد بیان ہوئی ہے کہ اولا" تو کفار مسلمانوں سے کہیں زیادہ ہیں۔ دوسرے یاجوج و ماجوج جو سب ہی کافر ہیں اس قدر زیادہ ہیں کہ یہ انسان ان کے مقابل ہزار میں ایک ہیں یہ گنتی پوری کرنے کے لئے وہ یاجوج و ماجوج کافی ہیں۔ ساتواں اعتراض: جب کفار مسلمانوں سے اس قدر زیادہ ہیں تو کفار کو نصیبا" مفروضا" کیوں فرمایا۔ نصیب یعنی حصہ ہمیشہ تھوڑی مقدار کو کہتے ہیں۔ جواب: یا اس لئے کہ انسان مسلمان' انسان کفار سے بہت تھوڑے ہیں لیکن جب ان کے ساتھ فرشتوں کو بھی ملا لیا جائے کہ وہ سارے ہی مومن ہیں تو مومنوں کی تعداد بہت ہی بڑھ جاتی ہے فرشتوں کی تعداد تمام خلوق سے زیادہ ہے یا اس لئے کہ تھوڑے مسلمان درجہ میں بہت ہیں اور بہت سے کفار درجہ میں کم لہٰذا بہت سے کفار تھوڑے مسلمانوں کا حصہ ہوئے (تفسیر کبیر)۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے نیکیاں انسان کو جنت سے قریب کرنے والی ہیں مگر بعض نیکیاں جنت سے بہت قریب کرتی ہیں بعض کم اس طرح گناہ' انسان کو جنت سے دور کرتے ہیں۔ بعض گناہ کم دور کرتے ہیں' بعض بہت دور کرتے ہیں' کلمہ توحید و عقائد کی درستگی انسان کو جنت سے بہت قریب کرتی ہے دوزخ سے بہت دور اور شرک و کفر و بد عقیدگی انسان کو جنت سے بہت دور کرتی ہے دوزخ سے بہت قریب اس لئے رب تعالیٰ نے اسے ضلال بعید فرمایا صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان رب تعالیٰ کا تعمیر فرمودہ محل ہے محل میں عام کمرے چیزوں کے لئے بنائے جاتے ہیں مگر خاص کمرہ بادشاہ کے رہنے کے لئے چیزوں کے کمروں میں سب کچھ رہے مگر بادشاہ کے آرام کمرہ میں کسی کو ٹھہرنے کی اجازت نہیں انسان کے باقی اعضاء دنیاوی کاروبار کے لئے بھی ہیں مگر دل خاص یار کی تجلی گاہ ہے تمام اعضاء سے گناہ کر لینے والا قابل بخشش ہے مگر دل سے شرک و کفر کرنے والا لائق معافی نہیں کیونکہ اس نے رب کی تجلی گاہ خاص میں دوسرے کو بسایا دل تو صرف یار کے رہنے کی منزل ہے۔ مشرک خود کم ہمت عورت ہے

www.alahazratnetwork.org

اپنی جنس عورتوں کی طرف مائل ہوتا ہے سومن موحد بہادر مرد ہے وہ اپنے ہم جنس بہادروں کی طرف مائل ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ مشرکین عورتوں کے پجاری ہیں۔ دنیا خود ایسی عورت ہے جو صدہا خاوند کر کے چھوڑ چکی ہے مشرک اس دنیا کے پجاری نفس کے پجاری ' ہوس و خواہش کے پجاری غرضیکہ عورتیں مرد کے تابع ہوتی ہیں مگر مشرک ان عورتوں کا تابع ہے شیطان ملعون ہے جو اس کے ساتھ رہا وہ بھی ملعون مقبول بندے محبوب ہیں ' جو ان کے ساتھ رہا وہ بھی محبوب الٰہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ توفیق دے کہ دنیا میں اچھوں کے ساتھ رہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا تھا **ان معی ربی سیھدین** میرے ساتھ میرا رب ہے۔ جو میری رہنمائی کریگا یعنی رب میرے ساتھ ہے تم میرے ساتھ لگ جاؤ رب تمہارے ساتھ بھی ہوگا غرضیکہ بارگاہ سے دوروں کا سنگ دور کر دیتا ہے حضور والوں کا سنگ حضور نصیب کرتا ہے۔

وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ
اور ابتہ گمراہ کروں گا میں انہیں اور ابتہ خواہش دلاؤں گا میں انہیں اور ابتہ حکم دونگا میں انہیں تو چیریں وہ
قسم ہے میں ضرور بہکا دوں گا اور ضرور انہیں آرزوئیں دونگا اور ضرور انہیں کہوں گا کہ جو پایوں کے کان چیریں گے
الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّتَّخِذِ
کان جانوروں کے اور حکم دونگا میں انہیں بس ضرور بدلیں گے وہ اللہ کی پیدائش کو اور جو بنائے شیطان کو
اور ضرور انہیں کہوں گا کہ وہ اللہ کی پیدا کی ہوئی چیزیں بدل دیں گے اور جو اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو
الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُ
دوست اللہ کے سوا وہ بے شک کھلے نقصان میں پڑا شیطان
دوست بنائے وہ صریح ٹوٹے میں پڑا شیطان انہیں
هُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ؕ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ
ان سے وعدے کرتا ہے اور انہیں خواہش دلاتا ہے اور نہیں وعدے کرتا ان سے شیطان مگر دھوکے کے یہ
وعدے دیتا ہے اور آرزوئیں دلاتا ہے اور شیطان انہیں وعدے نہیں دیتا مگر فریب کے
مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾
وہ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور نہ پائیں گے وہ اس سے چھٹکارے کی جگہ
ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اس سے بچنے کی جگہ نہ پائیں گے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں شرک و کفر کے ناقابل معافی جرم ہونے کا ذکر تھا اب شرک کے علامات اور مشرکوں کے اعمال کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان شرک سے بھی بچیں اور مشرکوں کے اعمال سے بھی پرہیز کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرک پرلے درجہ کا گمراہ ہے اس کی گمراہی بے راہی عقل

www.alahazratnetwork.org

سے بھی دور ہے اب اس کے ثبوت میں مشرکوں کی بے ہودہ لغو حرکات کا ذکر ہے کہ مشرک ہو کر انسان بالکل خلاف عقل کام کرنے لگتا ہے جو جانور بھی نہیں کرتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ شیطان نے انسانوں میں سے اپنا حصہ لینے کا پہلے سے ہی ارادہ کر لیا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو انسان شیطان کا حصہ بن جاتے ہیں وہ حسب ذیل کام کرتے ہیں۔

تفسیر: **ولا ضلنهم ولا منينهم** ان آیات میں شیطان کی ان چالوں کا ذکر ہے جو وہ انسان کے لئے چلتا ہے اس کی کچھ چالوں کا تعلق انسان کے عقائد سے ہے اور کچھ کا تعلق انسان کے اعمال سے عقائد کی متعلقہ چالوں میں پہلی چال ہے حق سے بہکانا دلوں میں وسوسہ ڈال کر باطل میں پھنسا دینا جھوٹی چیزوں کو آراستہ کر کے دکھانا اچھی چیزوں کو ہیبت ناک کرنا کہ انسان کا دل جھوٹ کی طرف لگے اضلال سے یہ ہی مراد ہے بعض لوگ اپنی خوبصورت بیویوں کو منہ نہیں لگاتے بدصورت رنڈیوں سے رغبت کرتے ہیں یہ ہے شیطان کا اضلال اور بہکانا زکوۃ دینے سے گھبراتے ہیں حرام رسموں میں خوب اڑاتے ہیں غرضیکہ اضلال عام ہے خیال رہے: کہ جیسے بعض بیماریاں آنکھوں' زبان' کان کے احساس کو ماوف کر دیتی ہے کہ زبان میٹھی چیز کو کڑوی اور کڑوی کو میٹھی محسوس کرنے لگتی ہے' ایسے ہی شیطان کا تسلط انسان کے خیال کو بگاڑ دیتا ہے اس خیال کے بگاڑنے کا نام اضلال ہے۔ اضلال کے چند معنی ہیں گمراہ و بے دین کر دینا۔ یہ صرف کفار کے لئے ہے۔ بہکا کر گناہ کرا دینا یہ عام مسلمانوں کے لئے بھی ہے۔ دھوکہ دیدینا یہ داؤں حضرات اولیاء بعض انبیاء پر بھی چل جاتا ہے دیکھو شیطان نے حضرت آدم کو دھوکہ دے دیا کہ انہیں گندم کھلا دیا۔ دھوکہ دینے کی کوشش کرنا یہ سارے انسانوں کے لئے ہے حتی کہ تمام انبیاء کرام کے لئے بھی۔ یہاں **لاضلنهم** کی چار صورتیں ہوئیں ہر صورت کا تعلق الگ الگ نوعیت کا ہے اس لئے **هم** کے مرجع میں چار احتمال ہوں گے۔ **لا منينهم' امنيته** سے بنا بمعنی خواہش و رغبت اسی سے ہے اماني' جھوٹی خواہشات فضول تمنائیں' یعنی ان کے دلوں میں برے خیالات پیدا کروں گا کہ نہ حشر ہے نہ نشر نہ حساب و کتاب جو ہو سکے دنیا میں مزے اڑا دیا تم ابھی بہت جیو گے آخر عمر میں توبہ کر لینا ابھی عیش کر لو دیکھا گیا ہے کہ بعض مسلمان قدرت و طاقت کے باوجود حج نہیں کرتے اسی خیال میں رہتے ہیں کہ بڑھاپے میں کریں گے۔ یا بڑھاپے سے پہلے مر جاتے ہیں یا بڑھاپے میں حج کے قابل نہیں رہتے یہ ہے شیطان کا امنیتہ ناجائز امید بندھانی دراز عمری آرزو دلانی۔ **ولا مرنهم فليبتكن اذان الانعام** یہ شیطان کا تیسرا فریب ہے جس کا تعلق انسان کے اعمال سے ہے امر سے مراد یا تو مشورے و بتاول میں ارادہ پیدا کرنا ہے یا اپنے کارندے شیطانی انسانوں کے ذریعہ حکم دلوانا ہے وہ انسان خواہ شیطانی عالم ہوں یا مرشد یا شیطانی حکام یا شیطانی دوست ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں خود شکل انسان میں لوگوں کے پاس جا کر ان سے یہ کہوں گا جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان انسانی شکل میں آ کر کوئی بات کہہ جاتا ہے اور وہ پھیل جاتی ہے بیتکن بنا ہے بیکت سے۔ جس کا مادہ بکت ہے **هتك** اور **بتك** قریب المعنی ہیں هتک کے معنی ہیں پھاڑنا بتک کے معنی ہیں چیرنا کاٹنا۔ انعام سے مراد اونٹ ہے اسی جملہ میں کفار عرب کے ایک خاص عمل کی طرف اشارہ ہے کہ جب کسی کی اونٹنی پانچ بار بچے دے لیتی اور پانچواں بچہ نر ہوتا تو وہ لوگ اس کا کان چیر کر بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اسے بحیرہ کہتے تھے۔ یعنی کان چیری ہوئی اونٹنی پھر نہ اس پر سواری کرتے تھے نہ اسے کسی کھیت یا کنویں سے کھانے پینے سے روکتے تھے۔ جب وہ مر جاتی تو اس کا گوشت سب مرد و زن کھا لیتے تھے آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ ان کی یہ حرکتیں شیطانی اغواء اور اس کے بہکانے سے ہیں وہ ان حرکتوں کا ذکر پہلے

www.alahazratnetwork.org

ہی کرچکا ہے۔ **ولا مرنہم فلیغیرن خلق اللہ** ۔ یہ شیطان کا چوتھا فریب و دھوکہ ہے۔ جس کا تعلق بھی انسان کے اعمال سے ہے یہاں بھی امر کے وہی تینوں معنی ہیں جو ابھی بیان ہوئے **یغیرن تغیر** سے بنا بمعنی وصف و حالت کا بدلنا ذات بدلنے کو تبدیلی کہتے ہیں کبھی تغیر بمعنی تبدیل بھی آتا ہے۔ یہ بہت وسیع کلمہ ہے۔ جس میں بہت جرم شامل ہیں اونٹ کی ایک آنکھ پھوڑ کرا سے کانا کر دینا جس کسی کے پاس ایک ہزار اونٹ ہو جاتے تھے تو ایک کو کانا کر دیتا تھا یہ ہے اللہ کی خلق کی صورت بگاڑنا غلاموں کو خصی کر دینا اپنے چہرہ و ہاتھوں پر گود کر نیل بھروا لینا جیسا کہ اب بھی بعض ہندو کرتے ہیں۔ دانت پتلے کرانا مشین کے ذریعہ چھوٹے بال والی عورت کا دوسری عورت کے بال جوڑ کر اپنے بال لمبے کرنا عورتوں کا عورتوں سے زنا کرنا جسے عربی میں سحق کہتے ہیں۔ خود خصی ہو کر مخنث یا ہیجڑا بن جانا' لواطت کرنا' عورتوں کا سر منڈانا یا بال کٹوانا فیشن کے لئے' مردوں کا عورتوں کے سے بال رکھنا چوڑیاں یا زیور پہننا' بلا ضرورت جانور کو خصی کرنا' سیاہ خضاب لگانا' ڈاڑھی منڈانا' مونچھیں بہت لمبی رکھنا یا منڈا دینا یہ سب عمل خلق اللہ کی تغیر و تبدیلی ہے جو حرام ہے ان کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں (از روح المعانی و بیان خازن) چاند تاروں پتھروں کی پوجا کرنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرنا کہ یہ تغیر اعتقادی ہے کیونکہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے اب جوان ہو کر دوسرا دین اختیار کرنا اپنی خلقت کی تبدیلی ہے۔ نیز چاند تاروں پتھروں کو ہماری خدمت کے لئے پیدا فرمایا گیا ہے یہ ہمارے خدام ہیں ہم ان کے مخدوم انہیں اپنا معبود بنا لینا تبدیلی خلق اللہ ہے یہ تبدیلی کفر ہے۔ غرضیکہ یہ ایک جملہ عقائد و اعمال کی بہت صورتوں کو شامل ہے۔ یہ سب شیطانی دھوکہ ہے۔ جس کا ذکر وہ پہلے ہی کرچکا ہے۔ **ومن یتخذ الشیطن ولیا من دون اللہ** یہ ان تمام مذکورہ بد عملیوں کے نتیجہ کا بیان ہے۔ جس میں بتایا گیا کہ بد عملوں کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے کام کرنے والا شیطان کا دوست ہو جاتا ہے اور شیطان اس کا محب دوست بن جاتا ہے۔ من سے مراد سارے جن و انس ہیں کہ یہی دو گروہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں۔ شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے جو تمام شیاطین کا مورث اعلیٰ ہے یا ہر شخص کا ساتھی شیطان جسے قرین کہا جاتا ہے ولی سے مراد یہاں دوست یا مطاع یا معبود ہے **دون** کے لغوی معنی ہیں قطع ہو جانا کٹ جانا اصطلاح میں بمعنی مقابل اور دور آتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ووجدمن دونہم امرا تین تذودان** خیال رہے: کہ الا اور غیر اور دون تینوں کے معنی کئے جاتے ہیں سوا کے مگر الا کے معنی ہیں ہر سوا اور علاوہ خواہ اپنا ہو یا غیر جیسے **لا تعبدوا الا ایاہ** یا جیسے **لا الہ الا اللہ** ۔ دیکھو اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں نبی نہ ولی نہ کوئی اور مگر غیر وہ سوا ہے جو اپنا نہ ہو غیر ہو رب فرماتا ہے **افغیر اللہ تامرونی اعبد ایہا الجاھلون** ' یعنی جب اللہ کے اپنے محبوب بندے معبود نہ ہوئے تو جو رب تعالیٰ کے غیر ہیں کیا انہیں میں پوج سکتا ہوں۔ اور **دون** وہ سوا جو رب کے مقابل اور دشمن ہوں فرماتا ہے۔ **وادعوا شہداء کم من دون اللہ ان کنتم صادقین** ۔ اگر تم قرآن کے کلام الٰہی ہونے میں شک کرتے ہو تو اس جیسی ایک سورت لاؤ اور اللہ کے مقابل تمام مددگاروں کو بلا لو یہاں دون اللہ سے مراد انبیاء اولیاء نہیں بلکہ کفار کے سردار مراد ہیں۔ یہاں اس جملہ نے ان تمام آیات کی تفسیر کر دی جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے سوا تمہارا کوئی مددگار اور دوست نہیں۔ یعنی اللہ کے مقابل تمہارا کوئی نہ مددگار ہے نہ دوست ولی اللہ اور ہیں **ولی من دون اللہ** کچھ اور۔ اور ہو سکتا ہے کہ شیطان سے مراد شیطانی لوگ ہوں یعنی گمراہ کرنے والے یعنی جو کوئی ابلیس یا قرین شیطان یا بہکانے والے انسانوں کو جو انسان نما شیطان ہیں دوست یا مددگار بنائے اللہ کو چھوڑ کر یا اللہ کے مقابل تو **فقد خسر خسرانا مبینا** یہ جملہ اس شرط کی جزا ہے خسران پورے پورے نقصان کو کہتے ہیں' جس میں اصل پونجی بھی برباد ہو جائے' **مبینا** یا ساظاہر جس میں

www.alahazratnetwork.org

کسی قسم کی پوشیدگی نہ ہو یعنی وہ شخص بہت کھلے نقصان میں رہا کہ اس کی دنیا برزخ' عاقبت سب ہی برباد ہوئی اس کی بربادی ہر عقل و ہوش والے پر ظاہر ہے **یعدھم ویمنیھم** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں شیطانی وعدوں اس کی دلائی ہوئی آرزوؤں کا ذکر ہے۔ عد یا تو وعدے بنا ہے یا وعید بمعنی ڈرانے سے ان دونوں کا تعلق آئندہ سے ہے یعنی شیطان برے کام پر صرف وعدے کرتا ہے اور اچھے کام پر صرف ڈراتا ہے کہ تم بد معاشیوں میں خوب خرچ کرو تمہارا نام ہو گا۔ اللہ کے نام پر ایک پیسہ مت دو غریب ہو جاؤ گے اسی طرح آرزوئیں دلاتا ہے کہ ابھی تم بہت جیو گے تمہاری صحت' دولت' عزت ہمیشہ رہے گی آرام کرو یہ دولت لازوال ہے۔ **وما یعدھم الشیطٰن الا غرورا** یہ شیطانی وعدوں کی حقیقت ہے کہ شیطان کے تمام وعدے وعیدیں آرزوئیں' تمنائیں محض ایک دھوکہ اور فریب ہے۔ جس کی حقیقت کچھ نہیں یہ مردود عین وقت پر دھوکہ دیتا ہے جیسا کہ دن رات تجربہ ہو رہا ہے۔

یہ جو تجھ کو بلاتا ہے یہ ٹھگ ہے مار ہی رکھے گا ہائے مسافر دم میں نہ آنا مت کیسی متوالی ہے

کہاں گیا قارون اور اس کا خزانہ کہاں گیا نمرود فرعون و شداد اور ان کی عزت و دولت وہ ختم ہو گئے اور ان پر لعنت باقی رہ گئی۔

نہ ماند ستمگار بد روزگار بماند برو لعنت پائیدار

اولٰئک ماوٰھم جھنم یہ شیطان کی اطاعت کرنے والوں کا انجام ہے اولٰئک سے اشارہ' **ومن یتخذ** کے من کی طرف ہے چونکہ **من لفظا**" واحد تھا مگر معنی" جمع اس لئے اولٰئک جمع ارشاد ہوا اس سے مراد تمام وہ جن و انس ہیں جو شیطان کی پیروی کریں ماویٰ سے مراد ہے ٹھکانہ دائمی قیام کی جگہ اس کا مادہ ہے اوی یعنی یہ شیطان کو اپنا ولی بنانے والے لوگ وہ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ **ولا یجدون عنھا محیصا** یہ ان کا دوسرا حال ہے' محیص اسم ظرف ہے حیص سے بمعنی بچنا یعنی یہ شیطان کے مطیع انسان و جن دوزخ میں جا کر وہاں سے نہ نکلیں گے نہ وہاں آرام ہی پائیں دائمی عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو شیطان جب مردود کر کے نکالا گیا تو اس نے ہم سے تمہارے متعلق چند باتیں کہیں ہیں جن پر وہ ہمیشہ کاربند رہے گا اس نے کہا کہ مولیٰ تو نے مجھے آدم علیہ السلام کی وجہ سے مردود کیا۔ میں ان کی اولاد سے بدلہ لوں گا جو میرے حصہ میں آئیں گے انہیں بہکا کر بد عقیدہ بناؤں گا۔ ان کے دلوں میں لمبی امیدیں دراز تمنائیں بندھاؤں گا ان آرزوؤں کی وجہ سے وہ دنیا میں پھنسے رہیں گے کبھی آخرت کا خیال بھی نہ کریں گے انہیں مشورے وسوسے دے کر ان سے برے کام کراؤں گا۔ چنانچہ وہ لوگ میرے وسوسہ کی بناء پر جانوروں کے کان کاٹا کریں گے اللہ کے خلق میں تبدیلیاں کیا کریں گے جس سے رب تعالیٰ ناراض ہو گا اپنی سیرتوں' صورتوں' اخلاق' عادات' عقائد کو بدل ڈالیں گے۔ خیال رکھو: کہ جو بھی اللہ کے مقابل شیطان کو دوست بنائے گا وہ سخت نقصان میں رہے گا کہ اپنی اصل دولت عمر برباد کرے گا۔ مگر اپنے نقصان کا پتہ اسے جب چلے گا جبکہ پتہ چلنا کام نہ آئے گا۔ یہ بھی خیال رہے: کہ انسان جس کے لئے کام کرے گا اس کے دل میں اسی کی محبت پیدا ہو گی اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قربانی جو جناب خلیل کا عمل ہے صفا مروہ پر دوڑنا جو جناب ہاجرا کا عمل ہے طواف میں رمل کرنا یعنی اکڑ کے چلنا جو پیارے محبوب کا عمل ہے اسلام میں باقی رکھے کیوں تاکہ ان کاموں کی وجہ سے ان کام والوں کی محبت دل میں پیدا ہو تو جو کوئی شیطانی کام کرے گا اسے شیطانی لوگوں سے محبت ہو گی اور ان سے محبت رب تعالیٰ سے دوری ہے اے مسلمانو خیال رکھو کہ شیطان صرف وعدے ہی کرتا ہے وعدے پورے نہیں کرتا تمنائیں دلوں میں ڈالتا ہے مگر اس کی ڈالی ہوئی تمنا پوری نہ ہو گی۔ یہ سب اس کا

www.alahazratnetwork.org

فریب ہے جو لوگ اس مردود کی باتوں میں آجائیں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے' جہاں سے وہ کبھی آزاد نہ ہوں گے۔ لہذا اس کی باتوں میں نہ آؤ اپنا انجام سوچو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دراز عمر زیادتی عمر وغیرہ کی تمنا جو رب سے غافل کردے شیطانی کام ہے اس نے دراز عمر اپنے لئے مانگی تھی لوگوں کو بہکانے کے لئے جیسا کہ **ولا منینھم** کی تفسیر سے معلوم ہوا البتہ یہ چیزیں اللہ کی عبادت اس کی رضا کے لئے مانگنا بہتر ہے' **دوسرا فائدہ:** گائے کی تعظیم کرنا یا ہولی دیوالی کے جانوروں کے سینگ رنگنا یا مشرکین و کفار کی سی رسمیں کرنا شیطانی کام ہیں۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہئے جیسا کہ **فلیبتکن اذان الانعام** کی تفسیر سے معلوم ہوا بلکہ کفار کے بڑے دنوں کی تعظیم کرنا گنگا و غیرہ کا احترام کرنا کفر ہے مسلمانوں کو اس سب سے نفرت کرنی چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** مردوں کو ڈاڑھی منڈانا عورتوں کو سر منڈانا اسی طرح مردوں کو زنانہ لباس وضع قطع اور عورتوں کو مردانہ لباس وضع قطع کرنا حرام ہے کہ یہ سب تغیر خلق اللہ ہے یوں ہی لواطت کرنا حرام ہے کہ یہ سب چیزیں تغیر خلق اللہ میں داخل ہیں اس کی کچھ تفصیل ہم بھی تفسیر میں عرض کرچکے اور پوری تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو فقہاء تو فرماتے ہیں کہ تیمم میں چہرے یا ہاتھوں پر خاک نہ ملے بلکہ ہاتھ جھاڑ کر منہ پر پھیرے کہ منہ پر خاک ملنا تغیر خلق اللہ ہے اسی طرح پوڈر وغیرہ لگا کر چہرے کا رنگ بدلنا ممنوع ہے کہ ان سب میں خلق اللہ کی تبدیلی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جیسے نیک عقیدے اور نیک اعمال کا موجد اللہ تعالیٰ ہے اور بندہ اس کی توفیق سے نیک بنتا ہے ایسے ہی برے عقیدے اور برے اعمال کا موجد شیطان ہے کہ انسان اس کے بہکانے سے بددین اور بدعمل بنتا ہے۔ چنانچہ ظلماً "قتل شیطان نے قابیل کو سکھایا" آتش بازی نمرود کو سکھائی' کھیل تماشے فرعون کو تعلیم کئے وغیرہ آج بری رسمیں برے اور گندے گیت دراصل شیطان ہی کی ایجاد ہے ہیں ورنہ دیکھ لو کہ نیکیاں تو قرآن و حدیث و فقہ میں لکھی ہیں اچھی نظمیں بزرگوں کی تصانیف میں ہیں مگر زنا بدکاریاں اور بدمعاشی کی رسمیں گندے گیت کہاں لکھے ہیں یہ کہاں سے مروج ہوئے یہ سب شیطان کی ایجاد ہے یہ فائدہ ولامرنھم سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ:** برے عالم برے پیر برے حکام جو گناہوں بد عقیدگیوں' بدکاریوں کو رائج کریں شیطان کے ایجنٹ ہیں یہ بھی لامرنھم کی تفسیر سے معلوم ہوا ان کے کلام' کام' تقریریں' شیطانی ہیں' ان کے منہ میں شیطان بولتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** شیطان اور شیطانی لوگ **ولی من دون اللہ** ہیں۔ جہاں کہیں اولیاء **من دون اللہ** کی برائیاں آتی ہیں وہاں یہی مراد ہیں۔ یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے دیکھو یہاں فرمایا **من یتخذ الشیطان ولیا من دون اللہ** ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **اولیاء ھم الطاغوت** رب ولی اللہ ان سے نسبت رکھنا دونوں جہان کی عزت کا باعث ہے' اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کی صحبت کی وجہ سے عظمت پا گیا اولیاء اللہ کے ذریعہ مشکلیں کھلتی ہیں قسمتیں جاگ جاتی ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** بری رسموں مالی دولت فضول خرچیوں کوٹھیوں' وزارتوں کو عزت کا ذریعہ سمجھنا شیطانی دھوکا ہے۔ جیسا کہ الا غرورا سے معلوم ہوا۔ عزت و عظمت اللہ رسول کی فرماں برداری میں ہے آج مسلمان بہت زیادہ اس دھوکے میں ہیں ان عزتوں کی بنیاد کھوکھلی ہے بہت جلد ختم ہو جاتی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** رب تعالیٰ نے شیطان کو علوم غیبیہ دیئے کیوں بہکانے کے لئے دیکھو جو کچھ اس نے انسانوں کے متعلق بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا ہو بہو درست نکلا۔ آج یہ سب کچھ دیکھنے میں آرہا ہے جب اس فسادی کو اتنا وسیع علم دیا گیا تو مقبول بندے جو اس مردود کا فساد مٹانے

www.alahazratnetwork.org

کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ ان کا علم اس ملعون سے زیادہ ہونا چاہئے کہ دوا کی طاقت بیماری سے زیادہ ہونا لازم ہے۔ **نواں فائدہ:** ہر کافر اپنی خلقت و فطرت کو بدلتا ہے کہ رب نے اسے ایمان پر پیدا فرمایا اس نے کفر کرکے اپنی پیدائشی فطرت کو بدل لیا جیسا کہ **فلیغیرن خلق اللہ** کی تفسیل سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: جانوروں کے کان چیرنے میں کیا حرج ہے جسے رب تعالیٰ نے اس قدر اہتمام سے یہاں ذکر فرمایا ہم جانوروں کے ناک چھید کر اس میں ناتھ ڈالتے ہیں عورتوں کے کان چیر کر اس میں زیور پہناتے ہیں کیا یہ بھی حرام اور تبدیلی خلق اللہ ہے۔ **جواب:** یہاں وہ کان چیرنا مراد ہے جو بتوں کے نام پر چھوڑے جانے کی علامت ہو، کفر کی علامت بھی کفر ہے۔ زنار ایک دھاگہ ہے مگر اس کا باندھنا کفر ہے کہ یہ کفر کی علامت ہے جانوروں کی ناک چیرنا ضرورت کے لئے ہے عورتوں کی ناک کان چھیدنا زینت کے لئے اسے کفر سے کوئی نسبت نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر خلق اللہ کی تغیر و تبدیل ممنوع ہے تو چاہئے کہ حجامت کرانا ختنہ کرانا بکرے یا بیل کو خصی کرنا مہندی وغیرہ کا خضاب کرنا سب ہی حرام ہو جائے کہ ان سب میں تبدیلی خلق اللہ ہے جس طرح رب نے پیدا کیا اسی طرح رہنا چاہئے۔ **جواب:** ہم حکم کے بندے ہیں۔ جن تبدیلیوں کا رب نے حکم دیا وہ تبدیلیاں کرنا عبادت ہے جن تبدیلیوں سے منع فرمایا وہ تبدیلی حرام ہے داڑھی کے بال منڈانا حرام زیر ناف کے بال نہ منڈانا حرام حالانکہ بظاہر یہ دونوں بال ہی ہیں حلال جانوروں کو خصی کرنا گوشت اعلیٰ ہونے کا ذریعہ ہے یہ جائز ہے حتی کہ خصی جانور کی قربانی بھی درست ہے۔ بیل بھینسے کو خصی کرنا انہیں طاقتور کرنے کا ذریعہ ہے حلال ہے۔ کتے وغیرہ حرام جانوروں کو خصی کرنا بلا وجہ ہے لہذا حرام ہے، غرضیکہ تغیر خلق اللہ میں عقل کو دخل کم ہے، عبادت و عادت کفر و اسلام میں فرق کرنے والی چیز زبان پاک مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم اس زبان پاک نے جسے عبادت کہہ دیا وہ عبادت بن گیا جسے کفر فرمادیا وہ کفر ہو گیا داڑھی رکھنا عبادت اور سر پر چوٹی رکھنا کفر ہے۔ آب زمزم کی تعظیم عبادت ہے گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے کیوں صرف فرمان عالی کی وجہ سے بحیرہ جانور کا کان چیرنا کفر ہے اور ہدی کے جانور کا کوہان چیرنا عبادت ہے یہ فرق ضرور خیال رکھنا چاہئے۔ **تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے ایسے بے ادب گستاخ شیطان کو پیدا ہی کیوں کیا جو رب تعالیٰ کے سامنے ایسی دلیری و بے ادبی سے گفتگو کر رہا ہے اور اسے سزا کیوں نہ دی، نیز اس کی ایسی گستاخیوں کو قرآن کریم میں نقل کیوں فرمایا۔ **جواب:** شیطان کی پیدائش کی حکمتیں ہم پارہ اول میں عرض کر چکے ہیں کہ اس ایک مردود سے ہی دنیا کا نظام قائم ہے اس کی وجہ سے جہاد وغیرہ بہت سی عبادات دنیا میں موجود ہیں۔ سزا کے لئے قیامت کا دن مقرر ہے آج ہم صد ہا گناہ بے او بیاں کرلیتے ہیں۔ ہم کو سزا کیوں نہیں ملتی بعض انسانوں نے تو دعویٰ خدائی کر دیا مگر جلد سزا نہ ملی ہر کام کا ایک وقت ہوتا ہے، اس کی بکواس قرآن کریم میں نقل فرما کر ہم کو آگاہ کیا گیا ہے کہ ہوشیار رہنا یہ چور ان راستوں سے تم پر حملہ کرے گا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ گناہ گار مسلمان بھی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے دیکھو رب نے فرمایا **ما وھم جھنم** اور فرمایا **ولا یجدون عنھا محیصا** مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ کوئی گنہگار مسلمان دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ **جواب:** یہاں ان لوگوں کا ذکر ہے جو شیطان کا حصہ بن گئے۔ جیسا کہ پچھلی آیت میں معلوم ہوا کہ فرمایا گیا نصیبا مفروضا" اور ظاہر ہے کہ شیطان کا حصہ صرف کفار ہیں جن کے عقائد بھی فاسد ہو جائیں جو لوگ مذکورہ گناہ انہیں اچھا سمجھ کر کریں وہ کافر ہوئے اور دوزخ میں ہمیشگی کے مستحق ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ

www.alahazratnetwork.org

شیطان کے صرف دو ہی فریب ہیں جھوٹے وعدے وعیدیں' زیادہ خواہشات مگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے فریب بہت زیادہ ہیں ہمارے جسم کے بالوں سے اس کے فریب زیادہ ہیں۔ ان میں تعارض ہے۔ **جواب:** اصلی فریب صرف یہ دو ہیں باقی فروعی فریب بہت ہیں جن سب کی بنا یہ دو ہیں' درخت کی جڑ ایک ہے پتے لاکھوں جو شخص ان دو فریبوں سے بچ جائے وہ غافل نہیں ہو سکتا اور جو غفلت سے بچ گیا وہ شیطان سے امن میں آگیا چور اس گھر میں جاتا ہے جس کا مالک غافل ہو دنیاوی مشاغل میں امیدیں غفلت کی جڑ ہیں۔ لہذا آیت و احادیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جنت بنائی اور اس کے لئے بعض انسان پیدا کئے۔ اسی طرح دوزخ پیدا فرمائی اور اس کے لئے بعض انسان بنائے جنت کے مستحقین سعید لوگ ہیں دوزخ کے مستحق شقی و بد بخت ہیں ان دونوں کے لئے دلال اور دلالی پیدا فرمائے۔ شیطان بد بختوں کا دلال ہے جو انہیں دوزخ کی طرف بلا رہا ہے خواہشات نفسانیہ دنیا کی زینتیں اس کے آلات ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو پھانستا ہے جو انسان اس کی پیروی کریں وہ اس کا حصہ ہیں اور جو اس سے نفرت کریں وہ رحمانی جماعت ہے رب نے فرمایا **رحمتی وسعت کل شئی** میری رحمت ہر چیز کو وسیع ہے شیطان اور شیطانی لوگ بولے ہم بھی شئی ہیں وہ مارے گئے مقبولوں نے کہا ہم لاشئی ہیں کچھ بھی نہیں وہ کامیاب رہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے انسان کو دل دیا اس کی بات ماننے کے لئے نفس دیا اس کی مخالفت کرنے کو جو دل کی نہ مانے نفس کی مانے اس نے خلق اللہ تبدیل کی وہ عذاب کا مستحق ہے رب نے سانپ بچھو پیدا فرمائے بچنے کے لئے جینس بنائی نفع حاصل کرنے کو جو سانپ سے دوستی کرے وہ تبدیلی کرتا ہے جان سے ہاتھ دھو بیٹھے گا نفس شیطان اور شیطانی لوگوں کو اپنا دوست نہ سمجھو ورنہ دھوکہ کھاؤ گے اپنے دل کو خوف خدا اور محبت رسول سے ایسا بھر دو کہ وہاں شیطانی وعدے وعیدیں کے سمانے یا جانے کی جگہ ہی نہ رہے' شیطانی وعدے دنیاوی خواہشات ان ہی دلوں میں پہنچتے اور رہتے ہیں جہاں ان کے رہنے کی جگہ ہے۔

بے حجابا نہ درآ اندریں کاشانہ ما   کہ بجز درد تو کس نیست دریں خانہ ما

اللہ تعالیٰ اس خانہ دل میں اپنا خوف حضور کی محبت ایسی بھر دے کہ وہاں کسی اور چیز کی گنجائش ہی نہ رہے پھر نور محمدی دل میں بے حجاب آئے گا۔ پردہ اپنوں سے نہیں ہوتا غیروں سے ہوتا ہے جس دل میں اغیار ہیں وہاں یار کیسے آئے گا **خیال رکھو:** کہ دوکان کے جیسے سودے ویسے ہی اس کے خریدار شراب کی دوکان پر نمازی خریداری نہیں کرتے دل میں سودے اچھے رکھو تاکہ اس کا خریدار اللہ ہو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے نیک عنقریب داخل فرمائیں گے ہم انہیں باغات میں
اور جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کچھ دیر جاتی ہے کہ ہم انہیں باغوں میں لے

www.alahazratnetwork.org

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ

کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں وعدہ اللہ کا سچا اور کون

جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ ان میں رہیں اللہ کا سچا وعدہ

اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا ﴿۱۲۲﴾ لَیْسَ بِاَمَانِیِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِیِّ اَهْلِ

ہے زیادہ سچی بات والا اللہ سے نہیں ہے تمہاری خواہشوں پر اور نہ کتابیوں کی

اور اللہ سے زیادہ کس کی بات سچی کام نہ کچھ تمہارے خیالوں پر ہے اور نہ

الْكِتٰبِ ؕ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا یَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ

خواہشوں پر جو کوئی عمل کرے گا برے جزاء دیا جاوے گا اس کی اور نہ پائے گا واسطے اپنے

کتاب والوں کی ہوس پر جو برائی کرے گا اس کا بدلہ پائے گا اور اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا ﴿۱۲۳﴾

اللہ کے مقابل دوست یا اور نہ مددگار

نہ کوئی اپنا حمایتی پائے گا نہ مددگار

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار اور ان کی بدکاریوں کا ذکر تھا اب اس آیت میں مسلمانوں اور ان کی نیک عملیوں کا ذکر ہے تاکہ لوگ ان بدکاریوں سے بچیں اور یہ اعمال اختیار کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطان کے جھوٹے وعدوں کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں کا ذکر ہے تاکہ لوگ شیطان کے جھوٹے وعدوں پر اعتبار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ کے سچے وعدوں پر بھروسہ کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطانی ٹولہ کا ذکر تھا جن کے متعلق فرمایا گیا تھا۔ **"نصیبا مفروضا"** اب رحمانی ٹولہ کا ذکر ہے تاکہ ہر شخص شیطانی ٹولہ سے بچے رحمانی ٹولہ میں آنے کی کوشش کرے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطان کے فریبوں اور دھوکوں کا ذکر تھا۔ اب ان دھوکوں سے بچنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے 'ایمان و نیک اعمال۔ بھیڑیوں کے بن میں وہی بھیڑ بکریاں محفوظ رہ سکتی ہیں جو چرواہے' مالک کے محفوظ طویلہ میں رہیں اور چوکیداروں کی حفاظت میں رہیں۔ دنیا میں شیطان درندہ ہمارے پیچھے پڑا ہے ہم کو چاہیے کہ ایمان کے قلعہ اور نبی ولی کی حفاظت میں رہیں ورنہ شکار ہو جائیں گے۔

شان نزول : ابن جریر و ابن ابی حاتم نے حضرت امام سدی سے روایت کی کہ ایک بار مسلمانوں اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں مناظرہ ہوا۔ یہود بولے ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام تمہارے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور افضل ہیں۔ ہماری کتاب توریت تمہاری کتاب قرآن مجید سے پہلے ہے۔ ہمارا قبلہ بیت المقدس تمہارے قبلہ کعبہ سے پہلے ہے۔ لہٰذا ہم بہرحال جنتی ہیں خواہ کچھ بھی کریں قریبا" یہی بات عیسائیوں نے کی مسلمانوں نے ان کے جواب میں کہا کہ ہمارے

www.alahazratnetwork.org

نبی خاتم النبیین ہیں۔ ہمارا قرآن غیر منسوخ ہے۔ ہمارا قبلہ کعبہ معظمہ بیت المقدس سے افضل و اعلیٰ و مقدم ہے۔ لہٰذا تم سے ہم افضل و بہتر و لائق بخشش ہیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ لیس بامانیکم الخ نازل ہوئی۔ (روح المعانی و خازن وغیرہ)۔ مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ میں مناظرہ ہوا یہود بولے ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں۔ ہم کو کوئی گناہ مضر نہیں ہم کو صرف چند دن آگ پہنچے گی پھر معافی ہو جائے گی۔ مشرکین بولے کہ نہ قیامت ہے نہ حساب و کتاب پھر سزا جزاء کیسی ان کے متعلق یہ آیت کریمہ لیس بامانیکم الخ نازل ہوئی (خازن و کبیر روح المعانی وغیرہ)۔

روایت : جب یہ آیت من یعمل سوء ایجز بہ نازل ہوئی تو مسلمانوں کو بہت ہی فکر لاحق ہوئی کہ جب ہر برائی کا بدلہ ملنا ہے تو ہم میں سے بخشا کون جائے گا۔ ہم سب ہی برے کام کر لیتے ہیں۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی دنیاوی تکالیف کفارہ بن جاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ من یعمل سوء" یجز بہ نازل ہوئی تو حضرت ابوبکر صدیق نے بارگاہ رسالت میں یہی سوال فرمایا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوبکر تم اور سارے مسلمان ان شاء اللہ دنیاوی تکالیف فکر و غم وغیرہ برداشت کرنے کی وجہ سے پاک و صاف ہو کر دنیا سے جاؤ گے (خازن) اس کے متعلق اور روایات بھی ہیں۔

تفسیر : والذین امنوا و عملوا الصلحت یہ نیا جملہ ہے لہٰذا واؤ استینافیہ ہے الذین سے مراد صرف انسان ہیں کیونکہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مومن انسانوں کے لئے ہیں۔ جن و فرشتوں کے لئے نہیں امنوا میں تمام عقائد کا اجمالی ذکر ہے اور عملوا الصلحت میں سارے اعمال صالحہ بدنی مالی عبادات و رستی معاملات' اخلاقیات' سیاسیات دوستوں' قریبیوں سے تعلقات سب ہی داخل ہیں۔ ایمان کا ذکر پہلے فرمایا کیونکہ ایمان اعمال سے مقدم ہے۔ ایمان جڑ ہے' اعمال شاخیں اعمال کا ذکر ایمان کے ساتھ فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ صرف ایمان پر اعتماد کر کے اعمال سے بے نیاز ہو جانا سخت غلطی ہے۔ پھل وہی کھائے گا جو جڑ اور شاخیں دونوں کی نگہبانی کرے گا۔ عملوا الصلحات کو مطلق رکھا تاکہ پتہ چلے کہ عمل بقدر طاقت لازم ہیں۔ خیال رہے: کہ مدار نجات توحید نہیں بلکہ ایمان ہے نبوت کے علاوہ دیگر چیزوں ذات الٰہی فرشتوں جنت دوزخ قیامت وغیرہ کو ماننا صرف توحید ہے اور نبوت کو ماننا ایمان ہے شیطان نبوت کے سواء تمام چیزیں مانتا ہے وہ موحد ہے مومن نہیں یا اللہ تعالیٰ کو ماننا توحید ہے اور اسے نبوت کے ذریعہ ماننا ایمان ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ نیک اعمال کسبی جنت کے لئے ضروری ہیں۔ وہبی اور عطائی جنت کے لئے لازم نہیں مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کو وہبی جنت ملے گی اور جو مخلوق جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جائے گی انہیں عطائی جنت ملے گی جنت کا حاصل ہونا تین طرح کا ہے۔ کسبی' وہبی' عطائی مگر دوزخ کا حاصل ہونا صرف ایک طرح کا ہے یعنی کسبی لہٰذا مومنوں کے بچے تو جنتی ہیں مگر کفار کے بچے دوزخی نہیں۔ سند خلهم جنت تجری من تحتها الانهر۔ یہ عبارت والذین مبتدا کی خبر ہے اگرچہ مسلمانوں کو جنت کا جسمانی داخلہ قیامت کے بعد ملے گا مگر چونکہ قیامت آ رہی ہے اور یقیناً آ رہی ہے اور ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے سین داخل فرمایا گیا جو قرب کے لئے آتا ہے۔ یا رب کے ہاں ایک دن دنیا کے ایک ہزار سال کے برابر ہے لہٰذا اس حساب سے جنت ملنا قریب ہے۔ عشاق کہتے ہیں کہ مومن متقی دنیا میں ہی جنت میں رہتا ہے دنیا کے رنج و خوشی کا دل میں نہ آنا وہاں یار کے جلوے رہنا۔ دنیا کی جنت ہے جس میں شریعت و طریقت

www.alahazratnetwork.org

حقیقت معرفت کی نہریں بہہ رہی ہیں ان جنتوں سے مسلمان کبھی نہیں نکلتا بہرحال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں نیز ہر مسلمان کو کئی کئی جنتیں ملیں گی اس لئے جنت جمع ارشاد ہوا **من تحتها** فرما کر یہ بتایا گیا کہ نہریں دور نہ ہوں گی۔ جہاں سے پانی وغیرہ لایا جائے بلکہ ان باغوں کے درختوں کے نیچے ہی رواں ہوں گی۔ جن سے باغ بھی سرسبز و شاداب رہیں گے اور پانی دودھ وغیرہ لینے میں آسانی ہوگی۔ انہار اور بحار کا فرق بارہا بیان کیا جاچکا ہے کہ جنت کے درختوں کے نیچے نہریں کیوں ہیں' بحریں یعنی دریا کیوں نہیں؟ ہر جنت کے نیچے چار نہریں ہوں گی۔ پانی کی' دودھ کی' شہد کی' شراب طہور کی۔ اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا یعنی ہم ایسے باعمل مومنوں کو ایسے باغوں میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے مختلف چیزوں کی نہریں ہمیشہ رواں ہیں۔ جنت میں باغات کی سبزی پانی سے نہ ہوگی وہ تو قدرتاً سبز رہیں گے۔ جیسے جنتی لوگوں کا پانی پینا زندگی کے لئے نہ ہوگا وہ تو اللہ کے ذکر سے جئیں گے یہ نہریں جنت کی زینت کے لئے ہوں گی۔ پانی' کنوئیں' چشمے' تالاب' نہر' دریا میں ہوتا ہے مگر چونکہ کنوئیں' تالاب' چشمہ کا پانی بہتا نہیں اس میں حسن نہیں اس لئے وہاں یہ چیزیں نہ ہوں گی۔ نہر و دریا کا پانی بہتا ہے مگر نہر میں حسن ہے جو بحر میں نہیں اس لئے وہاں صرف نہریں ہوں گی۔ **ندخل** فرمایا کر بتایا کہ وہاں کا داخلہ ہمارے کرم سے ہوگا۔ خیال رہے کہ جنت میں داخلہ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جنت ہمارے پاس آجائے۔ دوسرے یہ کہ ہم جنت میں پہنچ جائیں۔ مومن کو مرتے وقت اور قبر کے امتحان میں پاس ہو کر جنت کا پہلا داخلہ مل جاتا ہے کہ جنت کی ہوائیں' خوشبوئیں' پھل قبر میں ہی پہنچتے ہیں اور موت تو بہت قریب ہے۔ لہذا یہ داخلہ بھی قریب اور دوسرا داخلہ بعد قیامت ہوگا۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں پہلا داخلہ مراد ہو۔ اس لئے سندخل سین کے ساتھ فرمایا۔ **خلدین فیها ابدا**" یہ عبارت سندخلھم کی ضمیر مفعول سے حال ہے۔ خلود کے معنی ہیں ٹھہرنا در از۔ جب اس کے ساتھ **ابدا** آجائے تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہمیشہ ٹھہرنا کہ وہاں نہ مرنا ہو نہ زندگی میں نکلنا (خازن)۔ یعنی جنتی اپنی جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ مریں گے نہ وہاں سے نکالے جائیں گے۔ **وعد الله حقا**" یہ عبارت اصل میں یوں تھی۔ **وعد الله وعدا**" **و حق حقا** اور ہو سکتا ہے کہ حقا وعد اللہ کا حال ہو (کبیر و خازن) یعنی شیطان کے وعدے تو سارے جھوٹے ہیں۔ اللہ کے سارے وعدے سچے ہیں جن کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ کیونکہ **و من اصدق من الله قیلا**" من سوال انکاری کے لئے ہے اصدق صدق کا اسم تفضیل ہے۔ قیلا اصدق کی ضمیر سے تمیز یعنی سوچو تو خدا تعالیٰ سے بڑھ کر سچے کلام اور سچے وعدے والا کون ہے یعنی کوئی نہیں کیونکہ اس کا جھوٹ ناممکن بالذات ہے کیونکہ جھوٹ ایسا عیب ہے جو الوہیت کے خلاف ہے۔ تو جب تم دنیاوی حکومتوں کے وعدوں پر پورا اعتماد کر لیتے ہو۔ تو اللہ کے وعدوں پر ضرور بھروسہ کرو۔ **لیس بامانیکم** یہ نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ ثوابوں کے حاصل کرنے کا ذریعہ بیان فرمایا گیا۔ لیس فعل ناقصہ ہے جس کا اسم پوشیدہ ہے **هو**۔ اس سے مراد یا مذکورہ ثواب ہے یا مذکورہ وعدہ یا دین یا ثواب و عذاب دونوں مگر پہلی دو توجیہیں زیادہ قوی ہیں کہ ثواب اور وعدے کا ذکر ابھی ہو چکا ہے امانی امنیہ کی جمع ہے بروزن افعولہ اصل میں امنوتہ تھا۔ واو۔ ی میں ادغام ہو گیا امنیہ باطل خیال کو کہتے ہیں آرزو و خواہش کو بھی۔ کبھی کلام اور قرات کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس کی تحقیق اس آیت میں ہوگی **الا اذا تمنی القی الشیطان فی امنیته** یہاں باطل خیال جھوٹی آرزو کے معنی میں ہے کم میں خطاب یا تو مسلمانوں سے ہے یا مشرکین عرب سے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ **ولا امانی اهل الکتب** یہ عبارت امانیکم پر معطوف ہے لا تاکید نفی کے لئے مکرر لایا گیا یعنی جن ثواب یا وعدوں کا ذکر ہوا یہ نہ تو اے مسلمانو یا اے مشرکین تمہارے باطل خیالات سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہو سکتے ہیں نہ اہل کتاب کی باطل تمناؤں و آرزوؤں سے بلکہ ان کا حصول ایمان و نیک اعمال سے ہو سکتا ہے۔ اگر ان کی خواہش ہے تو اعمال کرو۔ **من یعمل سوء " ایجز بہ** یہاں من سے مراد ہر جن و انس ہے کیونکہ گناہوں کی سزا ان دونوں جماعتوں کو ملے گی اگر سوء سے مراد کفر و شرک ہو تب تو **یجز بہ** سے مراد ہے اخروی عذاب اور اگر مراد گناہ ہوں تو **یجز بہ** سے عام سزائیں مراد ہیں۔ دنیاوی ہوں یا اخروی للذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ آگے جس چیز کا ذکر آ رہا ہے۔ دوست و مددگار نہ ہونا یہ کفار سے خاص ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی جو جن و انس کفر و شرک کرتا مرے گا۔ اسے آخرت میں ضرور سزا ملے گی یا جو گناہ کرے گا اسے ضرور سزا ملے گی دنیا میں یا آخرت میں اس کی نیکیاں کم دی جائیں گی۔ **ولا یجد لہ من دون اللہ ولیا " ولا نصیرا "** ۔ یہ جملہ یجزبہ پر معطوف ہے اور اس مجرم کی دوسری سزا لہ کا مرجع من ہے دون یا معنی سوا ہے یا معنی مقابل دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کیونکہ اگر سواء کے معنی کئے جائیں تو مطلب یہ بھی ہو سکے گا کہ اس کا مددگار اللہ تعالیٰ تو ہو گا' دوسرا اور کوئی نہ ہو گا یہ محض باطل ہے اگر معنی مقابل ہو تو بالکل واضح ہے ولی اور نصیر کے معانی اور ان میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ یعنی وہ مجرم اپنے لئے اللہ کے مقابل نہ کوئی ولی و دوست پائے گا جو دوستی کے ذریعہ رب کے عذاب سے چھڑا لے نہ مددگار جو قوت و طاقت کے ذریعہ اس سے چھوڑا لے۔ یہاں تفسیر خازن میں فرمایا کہ اس جگہ روئے سخن کفار و مشرکین سے ہے کیونکہ قیامت میں گنہگار مومن کے لئے اللہ تعالیٰ بہت سے مددگار مقرر فرمادے گا۔ بعض نے فرمایا کہ اس آیت میں من سے مراد کافر ہے اور سوء سے ہر گناہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جو کافر کوئی بھی گناہ کرے گا چھوٹا یا بڑا اس کی سزا ضرور پائے گا اس کا کوئی گناہ معاف نہ ہو گا۔ معافی مومن کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر : جو لوگ تمام عقائد اسلامیہ اختیار کر کے مومن ہوئے اور انہوں نے بقدر طاقت ہر قسم کے نیک اعمال کئے ہم عنقریب انہیں بعد قیامت ان دائمی باغوں میں داخل فرمائیں گے۔ جن کے نیچے پانی' شہد' دودھ اور شراب طہور کی نہریں ہمیشہ بہتی ہیں۔ ان چیزوں کے کنوئیں یا تالاب یا چشمے نہیں ہیں تاکہ ان میں حسن و خوبصورتی نہ ہو اور اہل جنت کو پانی وغیرہ لانے کے لئے دور جانا پڑے نہ دریا ہیں جن میں سیلاب وغیرہ کا خطرہ ہو بلکہ نہریں ہیں۔ وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ نے سچا وعدہ کیا ہوا ہے اپنی کتابوں توریت و انجیل و زبور و قرآن میں یا اپنے رسولوں کی زبان پر۔ کتابوں اور رسولوں کے وعدے خود رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ خود سوچ لو کہ اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچے کلام اور سچے وعدہ والا کون ہے کہ رب تعالیٰ کو وعدہ پورا کرنے سے نہ تو کوئی مجبوری ہے نہ وہ وعدہ خلافی کا عادی ہے۔ وعدہ خلافی تو شان الوہیت کے خلاف ہے اے مسلمانو یا اے مشرکو یہ ثواب یہ وعدے نہ تو صرف تمہاری خواہشات و خیالات باطلہ سے مل سکتے ہیں نہ اہل کتاب کے جھوٹے خیالات سے کہ تم کو کہ چونکہ ہم مسلمان ہو چکے' جنت ہماری ہو گئی' اعمال کی ہمیں کوئی ضرورت نہیں یا مشرکین یہ سمجھ لیں کہ چونکہ بہت ہمارے مددگار ہیں ہم کو ہر حال جنت دلوا دیں گے یا یہود و نصاریٰ یہ سمجھ لیں کہ چونکہ ہم دین موسوی و عیسوی پر ہیں ہم کو عذاب نہ ہو گا۔ یہ سب باطل خیالات ہیں۔ جنت لینا ہے تو ایمان و تقویٰ دو چیزیں اختیار کرو۔ خیال رکھو کہ جو جن و انس کافر ہو کر کوئی گناہ کرے گا اسے سزا ضرور دی جائے گی' بعد قیامت اس کا کوئی چھوٹا بڑا گناہ معاف نہ ہو گا۔ یا جو شخص شرک و کفر کرے گا قیامت میں سزا ضرور دیا جائے گا یا جو مسلمان گناہ کرے گا وہ بدلہ دیا جائے گا یا اس طرح کہ اس پر دنیا میں تکالیف آئیں گی یا اس طرح کہ آخرت میں سزا دی جائے یا اس طرح کہ اس کی نیکیاں کم کر دی جائیں اور کفار مشرکین قیامت میں نہ اپنا کوئی دوست پائیں

www.alahazratnetwork.org

گے نہ مددگار جو رب تعالیٰ سے مقابلہ کرکے انہیں عذاب سے چھوڑالے اگر ہمارے عذاب سے بچنا ہے تو ہماری اطاعت کرو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعمال پر ایمان مقدم ہے کہ بغیر ایمان کوئی نیکی قبول نہیں۔ جیسا کہ ایمان کو اعمال پر مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ کفار کتنے ہی صدقے خیرات کریں بیکار ہے۔ جڑ کٹا درخت شاخوں کو پانی دینے سے ہرا نہیں ہو سکتا۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان کے ساتھ نیک اعمال کی بھی ضرورت ہے۔ جیسا کہ **و عملوا الصلحت** سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ مسلمان کو نیک عمل کی ضرورت نہیں وہ اس آیت کے خلاف کہتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اعمال نہ عین ایمان ہیں نہ جزو ایمان بلکہ ایمان کے علاوہ ہیں۔ کیونکہ یہاں اعمال کو ایمان پر معطوف کیا گیا اور معطوف ہمیشہ معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت بہت قریب ہے۔ اگرچہ ہم کو دور معلوم ہو۔ جیسا کہ **سند خلھم** کے سین سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اقتربت الساعۃ و انشق القمر**۔ **پانچواں فائدہ:** متقی مومن کا جنتی ہونا یقینی ہے کہ رب تعالیٰ اس کا وعدہ فرما چکا ہے اب جو شخص صحابہ کرام خصوصاً حضرت صدیق اکبر کو جن کے ایمان و تقویٰ کی گواہی قرآن مجید دے رہا ہے انہیں دوزخی کہے وہ جھوٹا ہے اس آیت کا منکر ہے۔ خود دوزخی ہے۔ صحابہ کرام وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی صحبت، اسلام کی اشاعت، قرآن کی حفاظت کے لئے چن لیا۔ مہربان باپ اپنے بچے کو بروں کی صحبت سے بچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بروں سے الگ رکھا، اچھوں کو حضور کے ساتھ رکھا۔ صحابہ کرام کے اخلاص میں شک کرنے والوں کو انہیں ریاکار کہنے والے منافقوں کے متعلق فرمایا۔ **ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم** اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے بخشش کی دعا کریں اللہ انہیں نہ بخشے گا۔ تو ان حضرات کو کافر یا منافق کہنے والوں کا کیا انجام ہو گا۔ خود اپنے ایمان سے فیصلہ کرالو۔ **چھٹا فائدہ:** صرف نسب اور نسبتوں پر فخر کرنا، اعمال کی کوشش نہ کرنا، پھر اپنے کو جنتی سمجھنا، جھوٹی ہوس اور خیال خام ہے۔ جیسا کہ **لیس بامانیکم** الخ سے معلوم ہوا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو محب حسین ہونے کا دعویٰ کرکے اپنے کو نماز روزے سے بے نیاز سمجھتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جوز جو، از مکافات عمل غافل مشو!

جو بو کر گندم کیسے کاٹ سکتے ہو؟ **ساتواں فائدہ:** کفار کا مددگار دوست قیامت میں کوئی نہ ہو گا۔ جیسا کہ **لا یجدون لھم** الخ سے معلوم ہوا۔ وہاں کفار کی دوستیاں قرابتداریاں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** مومنوں کے مددگار دوست بہت ہوں گے۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا**۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ایمان و اعمال دونوں ہی یکساں ضروری ہیں جیسا کہ **امنو و عملو الصلحت** سے پتہ لگا تو لازم آیا کہ جیسے کوئی شخص بغیر ایمان جنت میں نہیں جا سکتا ایسے ہی بغیر نیک اعمال جنت میں نہ جا سکے۔ حالانکہ تمہارا عقیدہ ہے کہ بے عمل مومن بھی جنتی ہے نیز جو لوگ ایمان لاتے ہی فوت ہو جائیں وہ بھی جنتی ہیں اگرچہ انہیں کسی عمل کا وقت نہ ملے یہ دونوں عقیدے اس آیت کے خلاف ہیں۔ **جواب:** ایمان سے جنت کا داخلہ ہے اور اعمال سے جنت کا اول داخلہ گنہگار مسلمان ممکن ہے کہ اول سے جنت میں نہ جا سکے کچھ سزا پا کر جائے یہاں **سند خلھم** سے مراد

www.alahazratnetwork.org

جنت کا اولی داخلہ ہے جیسا کہ سیدن سے معلوم ہوا اگر یہ تفصیل نہ کی جائے تو بہت سی آیات و احادیث سے تعارض ہو گا۔ نیز اعمال بقدر طاقت ضروری ہیں جو مسلمان ہوتے ہی فوت ہو جائے اس کو عمل کی قدرت ہی نہ ملی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا یکلف اللہ نفسا " الا وسعھا**۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں سند خلھم جمع متکلم کا صیغہ کیوں فرمایا؟ سید خلھم واحد غائب چاہئے تھا یعنی ان کے ایمان و اعمال انہیں جنت میں داخل کریں گے کیونکہ یہی چیزیں اسے جنت میں لے گئیں۔ **جواب**: یہ بتانے کے لئے کہ کوئی شخص اپنے اعمال پر نازاں نہ ہو جنت کا داخلہ درحقیقت ہمارے کرم سے ہو گا ایمان و اعمال تو اس کا سبب ہیں۔ جیسے دنیا میں ہم روزی کے لئے کسب کرتے ہیں مگر رزاق روزی رساں رب تعالیٰ ہی ہے اس کا کرم نہ ہو تو کسب کام نہیں آتا۔۔

اگر بہ ہر سر موئیت ہنر دو صد باشد　　ہنر بہ کار نہ آید چو بخت بد باشد!

تیسرا اعتراض: یہاں جنت جمع کیوں فرمایا گیا جنت تو ایک ہی ہے جیسے دوزخ ایک ہے۔ **جواب**: جنت کے معنی ہیں چھپا ہوا باغ۔ یہ اسم جنس ہے پورے باغ کو بھی جنت کہتے ہیں اس کے اجزاء کو بھی جنت ہی کہا جاتا ہے۔ پوری جنت تو ایک ہے مگر اس کے مجموعی حصے آٹھ یا سات پھر افرادی حصے بے شمار ایک ایک جنتی کو بہت سی جنتیں عطا ہوں گی۔ نماز کی جنت علیحدہ' روزے کی علیحدہ' زکوٰۃ کی علیحدہ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ کریم ہے اس نے دینے کے بہت سے ذریعہ بہانہ بنا دیئے ہیں۔۔

رحمت حق بہا نمی طلبد　　رحمت حق بہانہ می طلبد

اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی وہ تو بہانہ چاہتی ہے' وہ دینے کو تیار ہے ہم لینے والے نہیں۔ لہٰذا جمع فرمانا درست ہے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی گنہگار کا کوئی گناہ معاف نہ ہو گا ہر گناہ کی سزا بھگتنا پڑے گی۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **من یعمل سوءا یجز بہ** جو شخص کوئی گناہ کرے سزا دیا جائے گا۔ من بھی عام ہے سوء "بھی مطلق لہٰذا بخشش۔ شفاعت کوئی چیز نہیں (معتزلہ)۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ من اور سوء مطلق نہیں بلکہ مجمل ہیں۔ ان کی تفصیل و تفسیر دوسری آیات و احادیث میں ہے کہ یا تو من سے مراد کافر ہے تو سوء" سے مراد ہر گناہ ہے۔ صغیرہ ہو یا کبیرہ کافر کا کوئی گناہ معاف نہیں یعنی جو کافر و مشرک کوئی گناہ کرے گا سزا دیا جائے گا۔ یا من سے مراد مطلقاً "انسان ہے تو سوء سے مراد کفر ہے یعنی جو جن و انس کفر کرے گا ضرور سزا دیا جائے گا۔ کفر کی بخشش نہیں یا من سے مراد مسلمان ہے اور سوء سے مراد ہر گناہ تو یجز بہ سے مراد مطلقاً "سزا ہے دنیا میں ہو یا آخرت میں مومن کے لئے دنیا کی بیماریاں پریشانیاں تفکرات گناہوں کی معافی کا ذریعہ ہے۔ اس کے متعلق حضرت ابوبکر صدیق کی حدیث ہم شان نزول کے سلسلہ میں عرض کر چکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مومن کو اگر کانٹا یا پھانس لگ جائے وہ بھی اس کے گناہ کا کفارہ ہے۔ (تفسیر کبیر)۔ یا من سے مراد مومن ہے اور سوء" سے مراد ہر گناہ ہے اور جزاء سے مراد قیامت کی سزا ہے۔ تو سزا یہ ہے کہ گنہگار مسلمان کی نیکیاں کم ہو جائیں اس کا درجہ گھٹ جائے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان الحسنات یذھبن السیات** کلبی نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ اس آیت کے نزول پر صحابہ کرام نے یہی سوال بارگاہ رسالت میں عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے نیکی پر دس گنا کا وعدہ فرمایا ہے اور بدی پر ایک عذاب کی خبر دی ہے اگر گناہ کی سزا دی گئی تو ایک گناہ ایک نیکی کم ہوئے گا تو پھر بھی باقی رہیں گے بدیاں اکائیاں ہیں نیکیاں دہائیاں (تفسیر کبیر) دینے والے تیرے نام پاک پر ہم گنہگاروں کی جان نثار

www.alahazratnetwork.org

قربان ہم گنہگاروں کو نکالنے کے لئے کتنے دروازے بنا دیئے ہیں۔ مگر ان سب جوابوں میں جواب اول بہت قوی ہے کہ یہاں کفار کی سزا کا ذکر ہے کیونکہ اگلا مضمون کفار کے متعلق ہی ہے کہ وہ اپنے لئے مددگار دوست نہ پائے گا۔ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ ظالم کافروں کا مددگار کوئی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما للظلمین من انصار**۔ خیال رہے کہ یہ اعتراض خود معتزلہ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ بھی صغیرہ گناہوں کی معافی کے قائل ہیں وہ صرف گناہ کبیرہ کی بخشش نہیں مانتے۔ **پانچواں اعتراض**: جس قدر جوابات دیئے گئے یہ مان لئے جائیں تب بھی شفاعت تو ختم ہو گئی جب ہر گناہ کا بدلہ ضرور ملتا ہے خواہ کسی نوعیت کا ہو تو شفاعت سے بخشش تو نہ رہی۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت کفار کے لئے ہے اور کافر کو شفاعت ہی نہیں ہو گی۔ رب تعالیٰ حضور کی شفاعت سے مسلمان کی دنیاوی تکالیف کو کفارہ گناہ بنا دے گا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ یہ ذکر قانون و عدل کا ہے شفاعت اس کریم کا فضل ہے۔ قانون کے پابند ہم ہیں وہ نہیں فضل فرمائے تو ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کو آن میں بخش دے۔

عدل کرے تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے ۔۔۔۔ فضل کرے تے بخشے جاون مجھ جیسے منہ کالے

ایم پر گناہ تو دریائے رحمتی ۔۔۔۔ آنجا کہ فضل تست چہ باشد گناہ ما

سمندر کے آگے گندے جسموں کی کوئی حقیقت نہیں اور دریائے رحمت کے سامنے گندے دلوں یعنی گنہگاروں کی کچھ حقیقت نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے میرے ظالم بندو! اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دے گا یہ تب اس کریم کے فضل و کرم کا سمندر بے پایاں جس میں انشاء اللہ ہم گنہگار غوطے لگا کر پاک و صاف ہوں گے۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلم و کافر یکساں ہیں کسی کی کوئی رعایت نہیں۔ مسلمان گناہ کرے سزا پائے گا۔ کافر نیکیاں کرے بخشا جائے گا۔ دیکھو فرمایا گیا **لیس بامانیکم ولا امانی اھل الکتب**۔ **نوٹ**: یہ اعتراض مولوی محمد علی لاہوری مرزائی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں اس جگہ لکھا اور مولوی ابوالکلام آزاد کو بھی یہی خبط ہوا تھا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب** تو یہ ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کو دعوت اسلام کیوں دی۔ صرف یہ فرما دیتے کہ اپنے اپنے دین میں رہ کر صدقہ خیرات وغیرہ نیکیاں کئے جاؤ اور آج تم لوگوں کو مرزائیت قادیانیت کی دعوت کیوں دیتے ہو انسان ہر مذہب میں رہ کر جنتی بن سکتا ہے۔ **جواب تحقیقی** وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرا کہ **بامانیکم** میں خطاب مشرکین سے ہے یعنی اے مشرکو! تم جو کہتے ہو کہ قیامت حساب کتاب کچھ بھی نہیں اور اگر ہوا تو ہمارے بت بخشوا لیں گے۔ ان خواہشات پر نجات نہیں۔ اور اگر خطاب مسلمانوں سے بھی ہو تب بھی اس سے مسلمانوں کے غلط خیالات مراد ہیں۔ کہ کلمہ پڑھ لینے یا محرم میں سینہ کوٹ لینے یا فلاں پیر کے مرید ہو جانے کے بعد کسی عمل کی ضرورت نہیں جیسا کہ پرچیہ۔ دتہ شاہی جنتی پرچی سمجھے بیٹھے ہیں کہ یہ عقیدے کفر ہیں۔ اور کفر نا قابل بخشش گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا ایمان اور اس کے نیک اعمال اگر قبول ہو جائیں تو سدا بہار گلشن ہیں۔ جس میں کبھی خزاں نہیں آتی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **تؤتی اکلها کل حین** الخ مومن کے مرے بعد بھی لوگ اس کے گلشن سے پھل پھول حاصل کرتے ہیں۔ مومن کی اولاد "نیک ہوتی ہے۔ مومن کی کتابوں سے لوگ ایمان حاصل کرتے ہیں۔ مومن کے شاگردوں

www.alahazratnetwork.org

مریدوں سے فیض باقی رہتا ہے۔ لہٰذا اسے جنت دی جائے گی کہ وہ بھی سدا بہار گلشن ہے۔ **ھل جزاء الاحسان الا الاحسان** رب سچا اس کے وعدے سچے اس کے رسول سچے اس کی کتابیں سچی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رجاء امید عبادت بلکہ ایمان ہے۔ امنیۃ کفر ہے۔ رجاء وہ امید ہے جس کے ساتھ عمل بھی ہو۔ امنیۃ وہ امید جو بغیر عمل کے ہو جو بو کر گندم کی امید امنیہ ہے۔ گندم بو کر گندم کی امید رجاء و امید ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن وہ جس کے عمل عقیدے درست ہوں۔ عامل صالح وہ جس کی نیت درست ہو۔ اخلاص والا عمل صالح ہے اگرچہ کھانا پینا ہو ریاکاری کا عمل گناہ ہے اگرچہ نماز و حج ہو۔ جس شخص میں ایمان و اخلاص جمع ہوں وہ جنتی ہے۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی زندگی کے لئے مختلف قسم کی غذائیں، دوائیں ضروریات لازمی ہیں۔ ہوا پانی، روٹی پھر پھل فروٹ لباس مکان ضروری ہے ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے بدنی مالی (مخلوط بدن مال سے) نیکیاں لازم ہیں۔ اسی لئے یہاں صالحات جمع ارشاد ہوا کہ ہر قسم کی نیکیاں کرو۔ پھر نیکی وہ ہے جسے حضور نیکی فرمادیں اور گناہ وہ ہے جسے حضور گناہ قرار دے دیں۔ طلوع و غروب کے وقت نماز عید کے دن روزہ رکھنا گناہ ہے کیونکہ اسے حضور نے گناہ کہہ دیا۔ مخمصہ کی حالت میں مردار کھالینا نیکی ہے کہ اسے اللہ رسول نے نیکی قرار دیدیا اس لئے یہاں صالحات کو مجمل رکھا گیا۔ اے عام لوگو! جو گناہ کرکے توبہ نہیں کرو پھر بخشش کے امیدوار ہو نہ تو تمہارے ان خیالوں پر بخشش ہے اور نہ اہل کتاب یعنی علماء سوء جو قرآن پڑھنے، دھوکہ دینے کو لوگوں پر راہ طلب بند کرتے ہیں۔ نہ ان کے خیالات پر بخشش ہے۔ جو گناہ کرے گا۔ عوض دیا جائے گا کہ اس کے دل پر گناہ کی وجہ سے داغ لگے گا۔ اگر توبہ کرے گا صیقل ہو جائے گی۔ ورنہ یہ داغ بڑھتا جائے گا اسے اللہ کے مقابل نہ کوئی ولی ملے جو گناہوں کی اندھیریوں سے توبہ کی روشنی کی طرف نکال دے نہ کوئی مددگار ملے جو اسے نفس و شیطان کے مقابل فتح دے (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیاء کا ارشاد ہے کہ نبی کی نبوت منسوخ ہو جانے سے ان کا دین گمراہی بن جاتا ہے ان کی کتاب ناقابل عمل ہو جاتی ہے ان کے اعمال ناقابل پیروی ہو جاتے ہیں۔ جیسے درخت کی جڑ سوکھ جانے سے پتے شاخیں کلیاں پھل پھول سب ختم ہو جاتے ہیں۔ ان کے اولیاء کے فیوض بند ہو جاتے ہیں۔ جیسے سورج کے ڈوب جانے سے ذروں کی چمک جاتی رہتی ہے۔ دیکھ لو اب عیسائیت یہودیت کفر ہے۔ بنی اسرائیل کے اولیاء آصف ابن برخیا۔ حضرت مریم کے فیوض بند ہو گئے۔ لہٰذا یہاں سوء سے مراد یہودیت عیسائیت ہے یعنی اب جو بھی یہودیت عیسائیت پر عمل کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ حضور غوث پاک خواجہ اجمیری کے فیوض تاقیامت باقی ہیں۔ کیونکہ ان ذروں کا چمکانے والا سورج ڈوبا نہیں۔ اسی لئے قرآن قابل عمل کتاب ہے۔ اسلام میں ہدایت ہے ساری بہار نبوت سے ہے نہ کہ توحید سے۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ
اور جو کوئی کام کرے اچھے خواہ مرد ہو یا عورت حالانکہ وہ مسلمان ہیں
اور جو کچھ بھلے کام کرے گا مرد ہو یا عورت اور ہو مسلمان تو
فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا
تو یہ لوگ جائیں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے کھجور کے گٹھلے برابر اور کون ہے بہتر
وہ جنت میں داخل کئے جائیں گے اور انہیں تل بھر نقصان نہ دیا جائے گا اور اس سے بہتر کس کا دین ہے

www.alahazratnetwork.org

وَمَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ

رز دے دین کے اس سے جو اطاعت کرے اللہ کی حالانکہ وہ اور نیکوکار ہوا اور پیروی کرے دین ابراہیم

جس نے اپنا منہ اللہ کے لئے جھکا دیا اور وہ نیکی والا ہے اور ابراہیم کے دین پر چلا جو

حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

کی ہر برائی سے دور اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست اور اللہ ہی کا ہے وہ جو آسمانوں

باطل سے جدا تھا اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا گہرا دوست بنایا اور اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝

میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرے

ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور ہر چیز پر اللہ کا قابو ہے

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بخشش ونجات کسی کے خواہشوں وخیال سے نہیں ہوگی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ نعمتیں ایمان اور نیک اعمال سے ملیں گی اگر نجات چاہتے ہو تو ان چیزوں کو اختیار کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جو برے کام کرے گا سزا دیا جائے گا۔ اب ارشاد ہے کہ جو ایمان اور نیک اعمال کرے گا ثواب دیا جائے گا یعنی مضر اعمال کا ذکر پہلے تھا مفید اعمال کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی گذشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو مومن نیک اعمال کرے گا جنتی ہو گا اس سے شبہ ہوتا تھا کہ جنتی ہونے کے لئے سارے نیک اعمال کرنے چاہئیں اب اس شبہ کو دور فرمانے کے لئے ارشاد ہو رہا ہے کہ بقدر طاقت بعض نیک اعمال کافی ہیں **من الصلحت**۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ایمان واعمال نیک کو نجات کا مدار قرار دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان نام ہے ملت ابراہیمی کی اتباع کا گویا یہ آیات ان آیات کے اجمال کی تفصیل ہیں۔

شان نزول : جب پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ جو برائی کرے گا سزا دیا جائے گا تو اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ بولے کہ اے مسلمانو ہم تم دونوں برابر ہیں تم کو ہم پر کوئی فضیلت نہیں ہم تم دونوں بارگاہ الٰہی میں یکساں ہیں نیکی کریں ثواب لے لیں گناہ کریں سزا بھگت لیں۔ تب ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کی افضلیت کفار پر ثابت کی گئی اور بتایا گیا کہ کفار کی نیکیاں غیر مقبول ہیں۔ مومنوں کی نیکیاں مقبول (تفسیر کبیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر : **ومن یعمل من الصلحت من ذکر او انثی**۔ یہاں بھی من کی وہی تحقیق ہے جو اس سے پہلے کی گئی کہ اس سے انسان مراد ہیں کیونکہ فرشتوں اور مومن جنات کے لئے جنت نہیں۔ **یعمل** سے مراد جسمانی ومالی نیکیاں ہیں۔ کیونکہ قلبی نیکیوں یعنی ایمان کا ذکر تو **وھو مومن** میں ہے۔ عمل مضارع فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ نیکیاں صرف ایک بار ہی کر کے بس نہ کر دے بلکہ کرتا رہے۔ جیسے جسمانی زندگانی کے لئے سانس تو ہر وقت لیتے ہیں۔ پانی دن رات میں آٹھ دس

www.alahazratnetwork.org

بار پیتے ہیں۔ غذا دو تین بار کھاتے ہیں۔ مکان عمر میں ایک بار بناتے ہیں لباس چھ سات ماہ میں بناتے ہیں۔ ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ ذکر اللہ و رسول تو ہر وقت ہی چاہیے۔ نماز دن میں پانچ بار روزہ سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ سال میں ایک بار دینا حج عمر میں ایک بار کرنا لازم ہے۔ عمل کے دوام میں بہت وسعت ہے۔ **من الصلحت** میں من تبعیضیہ ہے۔ اور **من ذکر** الخ میں من بیانیہ ہے' و من عمل کا بیان لہذا من الصالحات سے بقدر طاقت نیکیاں مراد ہیں۔ خواہ بدنی نیکیاں ہوں یا مالی غریب آدمی پر زکوٰۃ' حج فرض نہیں ناپاک عورت بیہوش' دیوانہ' پاگل پر نماز فرض نہیں اس من تبعیضیہ نے مسئلہ بالکل واضح کر دیا۔ ذکر و انثیٰ میں قیامت تک کے مسلمان داخل ہیں۔ یعنی جو انسان مرد ہو یا عورت جس قدر بن پڑے اس قدر نیک اعمال کرے۔ خیال رہے کہ رجل اور امراۃ صرف بالغ مرد و عورت کو کہتے ہیں مگر ذکر و انثیٰ ہر مذکر مونث کو خواہ بالغ ہو یا نابالغ۔ یہاں ذکر و انثیٰ فرما کر اشارۃً بتایا کہ نابالغ مرد و عورت کی نیکیاں اگرچہ شرعاً معتبر نہیں مگر رب تعالیٰ ثواب اس پر بھی عطا فرمائے گا جیسا کہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ چھوٹے بچے کے حج کا ثواب والدین کو بھی ملتا ہے اور بچوں کی تلاوت قرآن سے ماں باپ کی بخشش ہوتی ہے اگر بچوں کی نیکیوں پر ثواب نہ ہو تو یہ نتیجے کیسے نیز اگرچہ عورت نبوت' امامت' قضا' جہاد' دائمی روزہ' نماز سے محروم و مجبور ہے۔ مگر رب تعالیٰ کے ہاں ثواب مرد کے برابر پائے گی۔ نیکیاں کم ثواب برابر مقام جنت میں خاوند کے ساتھ مگر شرط یہ ہے' **وھو مومن**۔ خیال رہے کہ **من ذکر او انثی** عمل کے فاعل ھو سے حال بیانیہ تھا اور یہ عبارت بھی اسی کا حال شرطیہ ہے۔ لہذا واؤ حالیہ ہے اور ھو کا مرجع من عمل کا من ہے جو لفظاً واحد ہے معنیً جمع اس لئے یہاں ھو واحد لایا گیا مومن سے مراد ہے دین اسلام کا پیرو کار یعنی مسلمان یا تو نیکیاں کرتے وقت ہی مومن ہو یا مرتے وقت مومن ہو۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور اس زمانہ کی نیکیوں پر ثواب مل جاتا ہے لیکن اگر مسلمان کافر و مرتد ہو جائے تو اس کے عکس کہ گناہ لازم نیکیاں برباد۔ **فاولئک یدخلون الجنۃ** یہ جملہ من عمل کی خبر یعنی جزاء ہے **اولئک** سے اشارہ من عمل کے من کی طرف ہے۔ جو معنیً جمع تھا۔ اس لئے **اولئک** جمع لایا گیا اگرچہ ان کا ذکر ابھی گزر امگر چونکہ یہ لوگ اونچی شان والے ہیں۔ لہذا **اولئک** اشارہ بعید فرمایا گیا۔ عام کی قرات میں یدخلون معروف کے صیغہ سے ہے مگر ابن کثیر ابو بکر عن عاصم کی قرات میں ی کے پیش خ کے فتح سے ہے مجہول۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ غالباً اسی قرات پر ہے یعنی داخل ہوں گے۔ روحانی طور پر تو بعض مومنین مرتے ہی جنت میں داخل ہو جائیں گے جیسے شہدا مگر جسمانی طور پر سب کا داخلہ بعد قیامت ہو گا۔ **ولا یظلمون نقیرا** " یہ جملہ یدخلون پر معطوف ہے لہذا اولئک کی خبر ہے یہاں ظلم سے مراد ہے ان کی نیکیاں کم کر دینا اور اونچے و اعلیٰ مقام کے مستحقین مومنین کو ادنیٰ جنتی مقام دینا نقیر بنا ہے نقر سے بمعنی کھودنا گڑھا کرنا اصطلاح میں نقیر کھجور کی گٹھلی کے گڑھے کو کہتے ہیں۔ جس سے درخت اگتا ہے۔ اہل عرب اس کو بمعنی معمولی و حقیر استعمال کرتے ہیں۔ یعنی یہ مومن معمولی سا ظلم بھی نہ کئے جائیں گے۔ اپنے اعمال کا بدلہ پورا دیئے جائیں گے۔ **و من احسن دینا** " یہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے۔ من استفہام انکاری کے لئے دینا' احسن کی تمیز دین کے چند معنی ہیں۔ بدلہ' مالک یوم الدین۔ طریقہ' کما تدین تدان۔ مذہب و ملت یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں۔ اس سے بہتر بدلہ کا مستحق کون ہے۔ اس سے اچھا طریقہ والا کون ہے۔ اس سے اچھا دین و ملت والا کون ہے۔ خیال رہے کہ دین اور ملت دونوں متحد پر بولے جاتے ہیں۔ مگر عقائد باعتبار اطاعت کے دین کہلاتے ہیں اور اس اعتبار سے کہ وہ لکھے جاتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

ان کی تبلیغ کی جاتی ہے ملت کہے جاتے ہیں لہٰذا دین وملت میں فرق اعتباری ہے اس کی مکمل بحث پہلے پارے میں ہو چکی۔ **ممن اسلم وجهه لله**۔ یہ عبارت احسن کے متعلق ہے اسلم اسلام سے بنا بمعنی جھکا دینا یا خاص کر دینا یا سپرد کرنا۔ وجہ سے مراد یا چہرہ ہے یا توجہ ہے یا ذات یا نفس۔ یعنی اس سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے جو اپنا چہرہ اللہ کے لئے جھکا دے یا جو اپنی توجہ رب کے لئے خاص کر دے یا جو اپنی ذات ونفس اللہ کے سپرد کر دے کہ سمجھے میرا کچھ نہیں جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ کا ہے۔ **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین**۔ یہ ہے اسلم وجہہ کا خلاصہ مہربان ماں بمقابلہ بالغ یا سمجھدار اولاد کے شیر خوار اور ناسمجھ بچہ کی بہت زیادہ نگہداشت رکھتی ہے اس کے پیشاب پاخانے کھانے پینے آرام کی ہر وقت فکر رکھتی ہے۔ کیوں اس لئے کہ اس شیر خوار نے اپنے کو ماں کے سپرد کر دیا ہے سمجھدار اولاد اپنے پاؤں پر کھڑی ہو چکی ہے ایسے ہی جو اللہ والے اپنے کو رب کے حوالہ کر دیں رب تعالیٰ ان کے سارے کام خود بناتا ہے انہیں دوسری فکروں سے آزاد کر دیتا ہے۔ **وهو محسن** یہ عبارت اسلم کے فاعل سے حال ہے اگر اسلم وجہ سے مراد عقائد تھے تو ھو محسن سے مراد ہے ہر قسم کی نیکیاں کرنے والا اور اگر اسلم وجہ سے مراد اعمال صالحہ تھے تو محسن سے مراد ہے اخلاص سے اعمال کرنے والا۔ حدیث شریف میں ارشاد ہوا کہ احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی عبادت یوں کرے گویا تو خدا کو دیکھ رہا ہے اگر یہ تصور نہ کر سکے تو سمجھ کہ خدا تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے بہر حال محسن کے چند معنی ہو سکتے اسلم وجہ کے مطابق اس کے معنی کئے جاویں گے۔ چونکہ سارے کفار کہہ سکتے تھے کہ ہم مسلم بھی ہیں محسن بھی۔ ہمارے عقائد بھی اچھے ہیں اعمال بھی بھلے اس لئے اب ارشاد ہوا۔ **واتبع ملة ابرهيم حنيفا**۔ یہ عبارت درحقیقت اسلم وجہہ اور وھو محسن کا بیان ہے مطلب یہ ہے کہ مسلم اور محسن وہ ہے جو ملت ابراہیمی کا متبع ہو۔ چونکہ یہ اتباع گذشتہ دونوں چیزوں یعنی اسلم وجہ اور وھو محسن کی شرط ہے اس لئے اسے بعد میں بیان فرمایا گیا۔ جیسے کہا جائے کہ نماز نام ہے قیام تلاوت رکوع سجود کا جبکہ وہ وضو کے ساتھ ہوں۔ جو نیکی نبوت کی روشنی میں کی جائے وہ نیکی ہے اور جو نیکی صرف اپنی رائے سے کی جائے وہ نیکی نہیں فعل عبث ہے۔ جیسے کفار کے صدقے وخیرات وترک دنیا وغیرہ یہاں ملت ابراہیمی سے مراد دین محمدی ہے اسلام کہ اس میں تمام ملت ابراہیمی ایسی موجود ہے جیسے شرح میں متن یا تفصیل میں اجمال ہم دین اور ملت کا فرق ابھی عرض کر چکے۔ ابراہیم کے معنی اور آپ کے حالات زندگی پہلے پارہ کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں اب رحیم مہربان باپ چونکہ آپ انبیاء کرام کے والد ہیں لہٰذا آپ باپ ہوئے اور چونکہ آپ جمالی رسول ہیں نہ کہ جلالی لہٰذا آپ رحیم ہیں۔ حنف کے معنی پہلے عرض ہو چکے ہیں کہ یہ لفظ جنف سے بنا بمعنی کسی چیز سے علیحدگی حنف کسی کی طرف جھکنا جنف کسی سے دوری کی طرف جھکنا۔ خیال رہے کہ یہاں حنیفا یا ابراہیم سے حال ہے یا ملت ابراہیم سے یا واتبع کے فاعل ھو سے کہ مومن وہ ہے جو ملت ابراہیمی کی اتباع کرے اور ہر بے دین سے علیحدہ رہے یا مومن وہ جو دین ابراہیمی کی اتباع کرے۔ جو ابراہیم یا جو ملت ابراہیم ہر برائی سے الگ تھے۔ **واتخذ الله ابرهيم خليلا**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عظمت کا ذکر ہے آپ کی عظمت سے ملت ابراہیمی کی عظمت معلوم ہوتی ہے فاعل سے فعل کی اور منسوب الیہ سے منسوب کی عزت ظاہر ہوتی ہے اتخذ فعل ماضی ہے۔ جس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ جناب ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنا چکا کب بنایا اس کے متعلق مختلف روایتیں ہیں۔ قوی تر یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی پیدائش سے پہلے ہی آپ کو رب نے اپنے خلیل بنا لیا تھا مگر اس کا ظہور کسی واقعہ خاص پر ہوا۔ چنانچہ تفسیر کبیر روح المعانی روح البیان وغیرہ نے روایت کی کہ

www.alahazratnetwork.org

مصر میں آپ کا ایک دوست تھا جس سے آپ اپنے مہمانوں کے لئے گندم ' آٹا وغیرہ منگایا کرتے تھے۔ آپ کا گھر مہمانوں کا مرکز تھا لب سڑک گھر تھا۔ ہر راہ گیر آپ کا مہمان ہوتا تھا۔ اکثر اوقات مہمانوں کے میلے لگے رہتے تھے۔ ایک بار ملک میں قحط پڑ گیا۔ گندم کی بہت قلت ہو گئی آپ نے اپنے غلام اور اونٹ اس مصری بیوپاری کے ہاں گندم کے لئے بھیجے وہ بولا اگر صرف ابراہیم اپنے واسطے گندم منگاتے میں دے دیتا ان کے بے پناہ مہمانوں کے لائق میرے پاس گندم نہیں گندم کی ملک میں بہت تنگی ہے۔ غلاموں نے سوچا کہ اگر خالی اونٹ ہم لے گئے تو مہمان دیکھ کر بہت مایوس ہوں گے۔ لاؤ ریتے سے بوریاں بھر لو تاکہ مہمان بھرے بورے لدے اونٹ دیکھ کر کچھ تو مطمئن ہو جائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا جب جناب ابراہیم کے گھر میں اونٹ پہنچے تو مہمانوں مسافروں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی کہ آٹا آ گیا یہ بورے گھر میں پہنچا دیئے گئے اور یہ غلام سو رہے۔ بی بی سارہ اسے آٹا سمجھ کر اٹھیں بوریاں کھولیں تو سب میں نہایت نفیس گندم کا آٹا تھا۔ چنانچہ پراٹھے ' شیرمال ' روٹیاں لنگر کے لئے پکنے لگے۔ جناب ابراہیم بیدار ہوئے کھانے کی خوشبو پا کر بی بی سارہ سے پوچھا آٹا کہاں سے آیا بولیں تمہارے مصری خلیل کے ہاں سے آپ بولے نہیں بلکہ میرے عرشی خلیل رب جلیل کے ہاں سے آیا ہے۔ یہ لفظ رب تعالیٰ کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ اس دن سے آپ کو خلیل اللہ کا خطاب دیا گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کے ہاں بہ نور بھیڑ بکریاں گائے اس قدر تھے کہ ان کی حفاظت کے لئے پانچ ہزار کتے پالے گئے تھے۔ جن کے گلوں میں سونے کے پٹے تھے ' ایک فرشتہ بشکل انسانی ایک پہاڑ کے غار میں بیٹھ کر حمد الٰہی بہ آواز بلند کرنے لگا۔ **سبوح قدوس ربنا و رب الملائکۃ والروح** آپ آواز پر وہاں پہنچے اور بیٹھ کر سننے لگے آپ کو وجد آ گیا۔ فرشتہ خاموش ہو گیا آپ بولے یار کا ذکر اور سنا وہ بولا اجرت دلوائیے آپ نے اپنی ساریاں بکریاں اسے دے دیں۔ پھر اس نے کچھ ذکر الٰہی کیا۔ جب خاموش ہوا آپ نے فرمایا یار کا ذکر اور سنا۔ وہ بولا پہلی اجرت ختم ہو گئی اور اجرت لائیے۔ آپ نے اپنے سارے اونٹ دے دیئے غرضیکہ اسی طرح باری باری سے جائیداد مکانات جانور سب سامان دے دیا۔ آخر کار آپ نے فرمایا اب تو مجھے اجرت میں لے لے اور ذکر یار سنا۔ تب فرشتے نے کہ آپ اللہ کے خلیل ہیں یعنی سب سے منقطع اللہ سے واصل اسی دن سے آپکا لقب خلیل اللہ ہوا۔ (روح البیان) تیسری روایت میں ہے کہ ایک دن کوئی بے دین شخص آپ کا مہمان ہوا۔ اسے کھانا پیش کیا اس نے بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کرنا چاہا آپ نے فرمایا اللہ کے بندے ' اللہ کا رزق ' اللہ کا نام لے کر کھا۔ بسم اللہ پڑھ ' اس نے کہا میں خدا کا منکر ہوں اور آپ کے دو لقموں کی وجہ سے اپنے باپ دادا کا دین نہیں چھوڑ سکتا۔ آپ نے اس کے آگے سے کھانا اٹھا لیا۔ وہ بھوکا چلا گیا۔ وحی الٰہی آئی کہ اے ابراہیم میں اس کو ستر سال سے اس کے کفر کے باوجود روزی دے رہا ہوں تم اسے ایک لقمہ نہ کھلا سکے۔ آپ فوراً اس کے پیچھے دوڑے اسے وحی الٰہی سنائی اور اسے واپس لائے ' کھانا پیش کیا وہ یہ سن کر اور یہ حالات دیکھ کر بہت رویا۔ بولا الٰہی مجھ جیسا کوئی لئیم نہیں تجھ جیسا کوئی کریم نہیں۔ توبہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ تب آپ کو خلیل اللہ کا لقب ملا۔ (روح البیان)۔ تفسیر کبیر نے اس کے متعلق اور روایات لکھی ہیں غرض یہ اوقات خلت کے ظہور کے ہیں۔ ورنہ آپ خلیل پیدائش سے پہلے ہی تھے۔ **خلیلا** " یہ لفظ بنا ہے **خلتہ** ' بضم خا یا خلال سے بکسر خاء ' بمعنی درمیان لہٰذا خلیل وہ جس کی محبت دل کے درمیان ہو شاعر کہتا ہے۔

قد تخللت مسلک الروح منی ولذا سمی الخلیل خلیلا

یا بنا ہے خلل سے بمعنی شگاف خلیل وہ جو دوست کے ہر خلل اور شگاف کو بھرے یا بنا ہے خل بفتح خا بمعنی رستہ میں راستہ '

www.alahazratnetwork.org

خلیل وہ جو محبوب کے ساتھ ہر دشواری میں رہے یا خلتہ بفتح خلہ سے بنا بمعنی خصلت و خلق۔ خلیل وہ جو اپنے محبوب کی سی عادت و خصلت اختیار کرے اس کا مظہر اتم ہو یا بنا ہے 'خلتہ' بمعنی حاجت سے خلیل وہ جو ہر وقت اپنے محبوب کا حاجت مند اس کے حکم کا منتظر ہو کسی وقت اس سے غافل نہ ہو (تفسیر روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ)۔ اصطلاح میں **فنا فی المحبوب** کو خلیل کہتے ہیں۔ جس کی مرضی محبوب کی مرضی میں فنا ہو چکی ہو جس پر محبوب ایسا چھا گیا ہو جیسے جسم پر جان چھائی ہوتی ہے غرضیکہ خلت بڑا ہی عظیم الشان درجہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا اس خلت کا اثر ہے کہ آپ تمام دینوں میں محبوب ہیں۔ یہودی' عیسائی' داؤدی' مسلمان بلکہ ہندو تک آپ کا ادب کرتے ہیں۔ چنانچہ ہندو آپ کو کرشن کہہ کر پرستش کرتے ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی خلت کا ذکر فرما کر رب تعالیٰ اپنی وسعت سلطنت کا ذکر فرماتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ جو ہمارا خلیل ہے اس کی خلت زمین و آسمان میں ہے جہاں تک سلطان کی بادشاہی وہاں تک وزیر کی وزارت و عظمت اور وہاں تک ہی اس کے سکے کا چلن ہوتا ہے۔ اللہ کے محبوب و خلیل دونوں جہاں میں راج کرتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا **وللہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہاں للہ میں لام ملکیت کا ہے آسمان و زمین عالم جسمانی کے دو کنارے ہیں جو ہم کو محسوس ہوتے ہیں۔ اس سے مراد سارا عالم اجسام ہے لہذا اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ سارا عالم اجسام اللہ تعالیٰ کا ہی ہے کسی چیز میں کسی کی شرکت نہیں چونکہ یہی عالم نظر آ رہا ہے۔ اس لئے صرف اسی کا ذکر فرمایا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ سارے عالموں کا مالک حقیقی ہے۔ عالم اجسام' عالم انوار عالم امر وغیرہ **وکان اللہ بکل شیء محیطا**" یہ رب تعالیٰ کی دوسری صفت کا بیان ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا محیط بنا ہے احاطہ سے بمعنی گھیر لینا کسی چیز کو اپنے اندر لے لینا یہاں علم و قدرت کا گھیرنا مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم اس کی قدرت اس کا قبضہ ہر چیز کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے کہ عالم کی کوئی چیز اس کے علم و قدرت سے خارج نہیں اسی شئی میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات داخل نہیں بلکہ تمام ماسوی اللہ داخل ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : جو بھی انسان مرد ہو یا عورت بقدر طاقت عمل کرے نیک اور ہو وہ مومن صحیح العقیدہ اس کی جزا یہ ہے کہ وہ بعد قیامت جنت میں جائے گا۔ مطابق اعمال اسے جنت کا درجہ ملے گا اور ان پر تل برابر بھی ظلم نہ ہو گا کہ وہ ہوں تو بڑے درجہ کے مستحق اور بلاقصور ان کا درجہ گھٹا کر انہیں ادنیٰ درجہ میں داخل کر دیا جائے یہ ہرگز نہ ہو گا اے لوگو خود سوچو کہ اس سے زیادہ اچھے دین والا کون ہو گا جس کے اعمال بھی اچھے ہوں عقیدے بھی درست ہوں۔ اعمال تو اس طرح کہ وہ اپنے کو اللہ کے سپرد کر دے عقیدے اس طرح کہ وہ محسن ہو' ذی اخلاص رکھتا ہو اور دین ابراہیمی یعنی اسلام کا پیروکار ہو' ہر برائی اور ہر برے سے دور رہے۔ خیال رکھو کہ ملت ابراہیمی ہمارے ہاں بڑی مقبول ہے۔ کیوں نہ ہو کہ یہ ملت ابراہیمی ہے ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا ہوا ہے۔ خلیل بھی اللہ کو پیارے اور خلیل کا دین بھی اللہ کو پیارا اللہ اجو اس پیارے کے پیارے دین کا پیرو ہو گا وہ بھی خدا تعالیٰ کو پیارا ہو گا۔ بڑوں سے نسبت چھوٹوں کو بڑا کر دیتی ہے۔ آب زمزم تمام پانیوں سے افضل۔ صفا مروہ تمام پہاڑوں سے بہتر مکہ معظمہ تمام شہروں سے بڑھ کر کیونکہ انہیں بزرگوں کے دم یا قدم سے نسبت ہے تو جو گنہگار مسلمان ہمارے مقبول بندے کا ہو جائے وہ مقبول ہو گا۔ خیال رکھو کہ تمام آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک حقیقی ہیں اور اللہ تعالیٰ کا علم و قدرت و قبضہ ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ کوئی چیز اس کی ملک و قبضہ سے خارج نہیں۔ لہذا کوئی مجرم اس سے

بچ نہیں سکتا اس کے عذاب سے بچنا چاہتے ہو تو اسے راضی رکھو۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان پر بقدر طاقت نیک اعمال لازم ہیں۔
سارے اعمال ضروری نہیں۔ جیسا کہ **من الصلحت** کی من تبعیضیہ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** انسان نیک اعمال
صرف ایک بار ہی نہ کرے بلکہ ہمیشہ کرتا رہے جیسا کہ **من یعمل** کے مضارع فرمانے سے معلوم ہوا۔ جب رب تعالیٰ کا رزق
ہمیشہ کھاتے ہو تو اس کی اطاعت بھی ہمیشہ کرو۔ **تیسرا فائدہ:** جزاء اعمال میں مرد و عورت برابر ہیں ہر ایک کو اعمال کا بدلہ ضرور
ملے گا۔ جیسا کہ **من ذکر او انثی** سے معلوم ہوا۔ جتنا ثواب مرد کو نماز ' روزہ ' حج و زکوٰۃ کا ملتا ہے اتنا ہی عورت کو اگرچہ
عورتوں پر بعض اعمال میں تخفیف کی گئی ہے کہ مرد تیس دن نماز پڑھتا ہے اور عورت بیس پچیس دن۔ یعنی ناپاکی میں نماز نہیں
پڑھتی مگر ثواب برابر پاتی عورت کے حج کا ثواب مرد کے جہاد کے ثواب کے برابر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** نیک عمل کی قبولیت بلکہ
درستی کے لئے ایمان شرط ہے۔ بے ایمان کو کسی نیکی کا ثواب نہیں۔ جیسا کہ **وھو مئومن** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:**
رب تعالیٰ نہ تو کسی کی نیکی ضائع کرے گا نہ ثواب کم کرے گا جیسا کہ **لا یظلمون نقیرا** سے معلوم ہوا۔ اگر کوئی خود ہی اپنی
نیکیاں ضائع یا کم کرائے تو اس کی اپنی مرضی۔ **چھٹا فائدہ:** اسلام میں درستی عقائد اور درستی اعمال دونوں ضروری ہیں۔ جیسا کہ
من اسلم اور وھو محسن سے معلوم ہوا۔ من اسلم سے نیک اعمال کی طرف اشارہ ہے اور وھو محسن سے اچھے عقائد کی طرف
اشارہ۔ **ساتواں فائدہ:** دین اسلام ہی دین ابراہیم کے مطابق ہے۔ یہودیت و نصرانیت وغیرہ کو اس سے کوئی تعلق نہیں جیسا
کہ **واتبع ملۃ ابرھیم** سے معلوم ہوا۔ دیکھو حج ' خانہ کعبہ کی طرف نماز ' ختنہ ' داڑھی بڑھانا ' مونچھ ' ناخن ' ترشوانا غرضیکہ
تمام ابراہیمی سنتیں صرف اسلام میں ہیں کسی اور دین میں نہیں۔ اب صرف مسلمان ہو کر ہی انسان دین ابراہیمی کی پیروی کر سکتا
ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دین کی عظمت دین والے نبی کی عظمت سے معلوم ہوتی ہے۔ لہذا دین و ملت کی عزت دکھانے کے
لئے اس دین کے پیغمبر کی عزت و محبوبیت ظاہر کرنی چاہئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ملت ابراہیمی کی اتباع کا حکم دیا تو ساتھ ہی
ابراہیم علیہ السلام کے فضائل ارشاد فرمائے کہ **واتخذ اللہ ابرھیم خلیلا** آج اگر اسلام کی عزت و عظمت ظاہر کرنا ہے تو
حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و عظمت کے خطبے پڑھو مگر افسوس کہ اس زمانہ کے بعض مسلم نما مرتدین نے حضور کی
شان گھٹانے کو توحید سمجھا اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ **نواں فائدہ:** خلت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ جو خصوصیت سے حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوئی اور آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔ ہم خلت کے معانی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے اور خلیل و حبیب کا
فرق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ مودت ' محبت ' خلت تینوں قریباً ہم معنی ہیں کبھی ان میں یہ
فرق کیا جاتا ہے۔ کہ کسی چیز کو پسند کرنا مودت ہے۔ اور کسی کو چاہنا محبت ہے اور کسی کی محبت سے دل کا بھر جانا کہ پھر دل میں
دوسری محبت کی گنجائش ہی نہ رہے یہ خلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنایا اس لئے کہ آپ حضرات انبیاء
کرام خصوصاً حضور محمد مصطفیٰ کے والد ہیں۔ نبیوں کا والد خلیل ہی ہونا چاہئے نیز آپ حنیف ہیں۔ سب سے کٹ کر چھٹ کر
اللہ کے ہو رہے۔ اور جو اللہ کا ہو رہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے۔ لہذا آپ خلیل اللہ ہوئے خدا کرے کہ ہم بھی ماسوی اللہ سے کٹ
کر اللہ کے ہو جائیں۔ **دسواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ خالص نرا کھرا مومن ہو کسی بے دینی کا اس میں خلط نہ ہو یونہی اس

www.alahazratnetwork.org

زمانہ میں ضروری ہے کہ خالص کھرا سچی ہو کسی بدمذہبیت کی طرف اس کا میلان نہ ہو جیسا کہ حنیف سے معلوم ہوا ہم نماز شروع کرتے وقت اقرار کرتے ہیں' **حنیفا و اما انا من المشرکین** اور دعا قنوت میں پڑھتے ہیں۔ **و نخلع و نترک من یفجرک** اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ بازار دنیا میں خالص سونے 'خالص دودھ کی قدر و قیمت ہے اور کل بازار قیامت میں خالص مومن کی قدر و قیمت ہوگی بلکہ خلت کے ایک معنی ہیں 'غیر سے کٹ جانا یا رکھتی ہو جانا۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و عمل سے انسان جنت میں جائے گا۔ تو مسلمانوں کے چھوٹے بچے جو ہوش سنبھالنے سے پہلے فوت ہو جائیں۔ جنتی نہ ہونے چاہئیں کہ انہیں نہ ایمان ملا نہ نیک اعمال کا وقت۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ قانون کسبی جنت کے لئے ہے عطائی اور وہبی جنت بغیر عمل ملے گی اس کے لئے دوسری آیات میں رب فرماتا ہے۔ **الحقنا بہم ذریتہم** الخ دوسرے یہ کہ ایسے بچوں کے لئے ان کے ماں باپ کے اعمال کام آئیں گے کہ وہ بالواسطہ ان بچوں کے اعمال مانے جائیں گے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان عمل صالحہ سے پہلے اور اس کے ساتھ چاہئے ایمان سے پہلے کے نیک اعمال بیکار ہیں۔ کیونکہ **وھو مؤمن** حال ہے "عمل کے فاعل کا حال اور عامل ذوالحال کا زمانہ ایک چاہئے تو جب کافر مسلمان ہوتے وقت غسل کرے تبدیل لباس کرے پھر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو تو چاہئے کہ ان اعمال کا اسے ثواب نہ ملے کہ یہ اعمال ایمان لانے سے پہلے ہو چکے حالانکہ اسے ان کا بھی ثواب ملتا ہے۔ **جواب:** کافر جب ایمان لانے کا ارادہ کرتا ہے اس وقت وہ اللہ کے نزدیک مومن ہو چکتا ہے اب جو نیک اعمال کر رہا ہے بحالت ایمان ہی کر رہا ہے بلکہ ایمان لانے کے بعد اسے زمانہ ء کفر کی ساری نیکیوں کا ثواب مل جاتا ہے۔ یہاں آیت کا منشاء یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں مقبول نہیں اگر وہ کفر پر مر جائے 'اگر مومن ہو کر مرا تو اس نیکیوں کی قبولیت بخبر حدیث ثابت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ جنتی مومنوں پر ظلم نہ کرے گا۔ تو کیا دوزخی کافروں پر وہ ظلم کرے گا۔ **جواب:** نہیں 'اس ظلم کی نفی بدرجہ اولیٰ معلوم ہو گئی کہ جب رب تعالیٰ مومنوں پر یہ ظلم نہ کرے گا کہ بلاوجہ ان کا درجہ گھٹا دے تو کفار پر تو یہ ظلم ناممکن ہے کہ بغیر گناہ انہیں دوزخ میں ڈال دے یا انہیں گناہ سے زیادہ سزا دے کہ یہ بہت بڑا عیب ہے اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے ناسمجھ بچوں کو دوزخ میں نہ بھیجے گا کہ انہوں نے کفر و گناہ نہ کئے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ملت ابراہیمی کی پیروی جنت میں داخلہ کے لئے کافی ہے تو اب دین محمدی یعنی اسلام لانے کی کیا ضرورت رہی۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ہم پہلے پارے میں دے چکے ہیں اور اجمالی جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اب دین محمدی یعنی اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے اس کی پیروی ملت ابراہیمی کی پیروی ہے۔ اسلام میں ساری ملت ابراہیمی موجود ہے مع بہت زیادت کے ملت ابراہیمی متن ہے۔ دین اسلام اس کی شرح۔ ملت ابراہیمی جڑ ہے دین اسلام درخت۔ جس میں پھل پھول شاخیں وغیرہ بہت سی زیادتیاں موجود ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **و من یبتغ غیر الاسلام دینا " فلن یقبل منہ** وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں تین باتوں کا ذکر ہوا اسلم وجہہ 'وھو محسن اور **واتبع ملتہ ابرھیم** ان میں فرق کیا ہے اور یہ ترتیب کیسی ہے۔ **جواب:** اس کا بیان ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اسلم وجہہ میں اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔ اور وھو محسن میں عقائد اسلامیہ کی طرف اشارہ اور واتبع ملتہ ابراہیم میں عقائد اسلامیہ کی تعیین ہے کہ اسلام ملت ابراہیمی کی اتباع ہے لہذا اس آیت میں تکرار نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** جب ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کہا جا سکتا ہے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ

www.alahazratnetwork.org

یعنی خدا کا بیٹا کہنے میں کیا حرج ہے؟ بیٹا بھی خلیل اور دوست ہوتا ہے۔ (عیسائی)۔ **جواب:** اس سوال کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا کہ دوستی و محبت، ملکیت، عبدیت، جنسیت نہیں چاہتی غیر جنس سے بھی ہو جاتی ہے۔ ہم جانوروں سے محبت کرتے ہیں ان کے مالک ہوتے ہیں مگر نکاح، نسب جنسیت چاہتا ہے۔ انسان کا نکاح جانور یا جن سے نہیں ہوتا انسان کا بچہ انسان ہی ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ جنس سے پاک ہے کوئی اس کا کفو یا ہم جنس نہیں کہ خدا تعالیٰ خود جنس سے بری ہے۔ لہذا بندے اس کے مملوک، مخلوق ہیں۔ بعض بندے محبوب و خلیل ہیں مگر کوئی بندہ اس کا بیٹا بیٹی بیوی نہیں۔ روح البیان میں فرمایا کہ خلت ابنیت سے اعلیٰ ہے کیونکہ کبھی بیٹے سے عداوت بھی ہو جاتی ہے مگر خلیل سے عداوت نہیں ہو سکتی۔ اگر عداوت ہو تو وہ خلیل نہیں رہتا۔

ساتواں اعتراض: **للہ ما فی السموت** سے یہ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمانی زمینی تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے۔ مگر یہ نہ معلوم ہوا کہ خود آسمان و زمین کا بھی مالک ہے یا نہیں۔ آیت نے پوری ملکیت کا ذکر نہیں کیا۔ **جواب:** اس آیت سے ہی آسمان و زمین کی ملکیت بھی معلوم ہو رہی ہے کیونکہ مکان کی غیر منقول چیزوں کا جو مالک ہو گا وہ مکان کا بھی مالک ہو گا یہ نہیں ہو سکتا کہ کڑی گاڈر چھت وغیرہ تو میری ہوں مگر مکان کسی اور کا۔ آسمانی و زمینی چیزیں، آسمان سے نکل نہیں سکتیں لہذا غیر منقول ہیں جب رب ان کا مالک ہے تو آسمان و زمین کا بھی مالک ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک مقبوض مخلوق ہیں تو نبیوں ولیوں کو ان کا مالک ماننا شرک ہے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ جنت حضور کی ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی۔ دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر تم بھی اپنے گھر بار سامان کے مالک کیسے ہو گئے جیسے تمہاری یہ ملکیت خدا تعالیٰ کی ملکیت کے خلاف نہیں ایسے ہی وہاں ہے۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ غلام اور غلام کی مملوک چیزیں سب مولیٰ کی ملک ہیں۔ یونہی ہی بندوں کی مجازی ملکیت کی چیزیں رب کی ملک ہیں کہ یہ لوگ خود رب کے ہیں۔ رب فرماتا ہے **مالک الملک تؤتی الملک من تشاء** معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ جسے چاہے اپنا ملک دے اور حضرت سلیمان نے دعا کی تھی۔ **رب هب لی ملکا لا ینبغی لاحد من بعدی۔** رب تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی انہیں ہوا جن و انس کا مالک بنا دیا مگر اس مالک بنانے سے وہ چیزیں اللہ کی ملک سے نکل نہ گئیں۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل بنایا۔ حضور کو خلیل نہ بنایا نہ آپ کا لقب خلیل اللہ ہوا۔ مگر تم کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلق ہیں۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو خلیل بنایا مگر ہمارے حضور کو اپنا حبیب بنایا اور آپ کا لقب حبیب اللہ ہوا بلکہ ان کے غلاموں اور متبعین کو محبت کا تمغہ بخشا کہ فرمایا۔ **فاتبعونی یحببکم اللہ** حضور پر خود درود نازل فرمایا اور تمام فرشتوں اور انسانوں سے ہمیشہ کے لئے درود پڑھوایا۔ خلت سے محبت اعلیٰ ہے کہ خلیل وہ جو خدا کی رضا چاہے مگر حبیب وہ کہ خدا تعالیٰ اس کی رضا چاہے۔ **و لسوف یعطیک ربک فترضی۔** ؎

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد!

کیا تمہیں نہیں خبر کہ ان کی رضا کے لئے کعبہ کو قبلہ بنایا۔ ان کی ذات سے حضرت ابراہیم کو شرف بخشا، تمام انبیاء کرام کو نام لے کر پکارا۔ مگر محبوب کو اعلیٰ خطابات سے۔ ؎

یا آدم است با پدر انبیاء خطاب یا ایہا النبی خطاب محمد است

www.alahazratnetwork.org

اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفیٰ" میں ملاحظہ کرو۔ دسواں اعتراض: دین اسلام سے ملت ابراہیمی منسوخ ہوئی یا نہیں اگر منسوخ ہو گئی تو اب اس کی اتباع کیسی منسوخ چیز چھوڑ دی جاتی ہے۔ اس کی اتباع نہیں کی جاتی۔ اور اگر منسوخ نہیں ہوئی تو اسلام آخری دین۔ اور قرآن آخری کتاب اور حضور آخری نبی نہ رہے کیونکہ آخری نبی وہ ہے جو تمام کی نبوتوں کو منسوخ کر دے۔ کیا اسلام کے سواء اور ملت میں بھی ہدایت ہے؟ جواب: اسلام سے ملت ابراہیمی منسوخ ہے۔ اب ہم اس ملت کی براہ راست اتباع نہیں کرتے بلکہ بواسطہ اسلام اتباع کرتے ہیں۔ یعنی اس ملت کے احکام قرآنی احکام بن گئے تو ہم نے ان پر اس لئے عمل کیا کہ وہ اسلامی احکام ہیں۔ لہٰذا یہاں نسخ و اتباع میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کی اصطلاح میں اخلاص والا عمل عمل صالح ہے جس میں خلوص ہو ملاوٹ نہ ہو۔ دل مرد ہے نفس عورت۔ مخلص شخص مومن۔ معنی یہ ہیں کہ دل اور نفس ان میں جو بھی خالص اللہ کے لئے عمل کرے کہ دل عالم سفلی سے علیحدگی اور عالم علوی کی طرف رجوع کرے۔ ماسوی اللہ سے آنکھ بند کر لے اور نفس جب اپنی خواہشات چھوڑ دے حق عبودیت ادا کرے اور رب کی طرف رجوع کرکے بجائے امارہ کے مطمئنہ بن جائے تو یہ دونوں قرب الٰہی کی جنت کے مستحق ہوں گے اور ان پر رائی برابر ظلم نہ ہوگا۔ جس درجہ کے ان کے اعمال ہوں گے اس درجہ کا انہیں قرب الٰہی میسر ہوگا۔ بارگاہ الٰہی میں اچھا وہ ہے جو اپنی ذات رب تعالیٰ کے حوالے کر دے کہ اس کا اپنا کچھ نہ رہے سب رب تعالیٰ کا ہو جائے۔ کھائے پئے تو رب کے لئے سوئے جاگے تو اس کے لئے بلکہ جئے مرے اور اٹھے تو اسی کے لئے۔

تجھ میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

غرضیکہ صوفی آں باشد کہ نہ باشد کا ظہور ہو جائے۔ صوفی وہ ہے جو کچھ نہ رہے اور اس کے ساتھ وہ محسن بھی ہو کہ رب کی عبادت "رب کو دیکھ کر کرے۔ بصیرت کی نگاہ رب کو جب دیکھتی ہے" جب اس میں کسی بزرگ کے آستانہ کی خاک کا سرمہ ہو اور ساتھ ہی حضرت ابراہیم کے نقش قدم پر چلے کہ وہ خلیل اللہ تھے۔ یہ بھی خلت اختیار کرے تو کامیاب ہوگا۔ کسی نے مجنوں سے پوچھا تیرا نام کیا؟ بولا لیلیٰ، جسم زندہ ہو جان سے اور جان زندہ ہو جاناں سے۔

جانکہ نہ قربانی و جانان بود بیضہ تن بہتر ازاں جاں بود
ہر کہ نہ شد کشتہ بہ شمشیر دوست لاشہ مردار بہ از جان اوست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خلیل وہ جس کے ہر خلل اور ہر خلا کو عشق بھرے عقل و ہوش و حواس سب کی جگہ پر عشق کا قبضہ ہو جائے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد صبح آمد شمع خود بے چارہ شد!

ہم نے ترجمہ کیا

عشق آیا عقل رخصت ہو گئی صبح جب آئی تو مشعل سو گئی

عقل شمع ہے، عشق سویرا۔ سویرا آنے پر شمع گل ہو جاتی ہے۔ جناب خلیل کا آتش نمرود میں کود پڑنا فرزند کو چھری سے ذبح کرنے لگ جانا، بیوی بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آنا، اسی برس کی عمر میں جب ختنہ کا حکم ہوا تو چھری لے کر اپنا ختنہ

www.alahazratnetwork.org

غلط طور پر کرلیتا اور خونا خون ہو جاتا کر حق سن کر منٹوں میں مال دے کر فقیر بن جانا۔ صرف اسی بناء پر تھا کہ۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد صبح آمد شمع خود بے چارہ شد!

عقل ان باتوں کی مخالف تھی مگر مفتی عشق کا فتویٰ تھا کہ یہ سب کچھ اہم فرائض ہیں۔ اب پڑھو **واتخذ اللہ ابرھیم خلیلا** ۔صوفیاء فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلیل اللہ ہیں 'ابراہیم علیہ السلام خلیل الرحمٰن' دیگر انبیاء کرام خلیل الرحیم۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم میں انہیں تین خلتوں کی طرف اشارہ ہے 'اسی لئے حضور نے مجھے 'اللہ نے خلیل بنایا اگر میں کسی مخلوق کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ اور فرمایا ابوبکر تم سب سے روزہ 'نماز کی سبب افضل نہیں بلکہ جذبہ قلبی کے سبب افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان محبوبوں کی سچی غلامی نصیب کرے۔ (از روح البیان مع زیادۃ)۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى

اور فتویٰ مانگتے ہیں آپ سے وہ لوگ عورتوں کے متعلق فرماؤ اللہ تم کو فتویٰ دیتا ہے ان کے متعلق اور

اور تم سے عورتوں کے بارے میں فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرما دو کہ اللہ تمہیں ان کا فتویٰ دیتا

عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ فِىْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِىْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا

وہ جو تلاوت کیا جاتا ہے تم پر اس کتاب میں یتیم عورتوں کے متعلق وہ کہ نہیں دیتے تم انہیں جو لکھا گیا

ہے اور وہ جو تم پر قرآن میں پڑھا جاتا ہے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں کہ تم انہیں نہیں دیتے جو ان

كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ

واسطے ان کے اور بے رغبتی کرتے ہو اس سے کہ نکاح کرو ان سے اور کمزور بچوں کے متعلق اور یہ کہ قائم رہو

کا مقرر ہے اور انہیں نکاح میں بھی لانے سے منہ پھیرتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے

مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ

تم یتیموں کے واسطے ساتھ انصاف کے اور جو کچھ کروگے تم بھلائی

میں یہ کہ یتیموں کے حق میں انصاف پر قائم رہو اور تم جو بھلائی

خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

اللہ اس کا جاننے والا ہے

کرو تو اللہ کو اس کی خبر ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمان و زمین کی ساری چیزوں کا اللہ مالک ہے اس کا علم وقدرت ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اب اپنے خصوصی احکام بندوں کو ارشاد فرما رہا ہے کہ ہم عالم کے بادشاہ مطلق ہیں تو ہمارے یہ حکم مانو اس پر عمل پیرا ہو کر اپنی بیویوں کو ان کے پورے حقوق دو گویا سلطان

www.alahazratnetwork.org

حقیقی کی سلطنت کا ذکر پہلے تھا اور احکام شاہی کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ دین ابراہیمی کی پیروی کامیابی کا ذریعہ ہے اب بیویوں، یتیموں کے حقوق کا ذکر ہے جو ملت ابراہیمی کے احکام تھے گویا اجمالی اتباع کا حکم دے کر اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اچھا دین اس کا ہے جو اپنی ذات کو اللہ کے سپرد کر دے اب ایک معاملہ کا حکم دیا جا رہا ہے کہ اگر تم نے اپنے کو اللہ کے سپرد کر دیا ہے تو اس کا یہ حکم مانو کہ اپنی بیویوں، یتیموں کو ان کے حقوق پورے پورے دو۔ صرف منہ سے کہہ دینے سے اسلم وجہہ پر عمل نہیں ہو جاتا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو مرد و عورت نیک عمل کرے وہ جنتی ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ نیک عمل صرف نماز، روزہ وغیرہ عبادات ہی کا نام نہیں بلکہ معاملات گھریلو اور عزیز و اقارب کے حقوق کی ادائیگی بھی نیک عمل میں داخل ہے گویا پہلے نیک عمل کا حکم تھا اور اب اس کی توسیع کا ذکر ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں۔ ایک وہ جو جریر و ابن منذر نے حضرت عبداللہ ابن **جبیر** سے روایت فرمائی کہ زمانہ جاہلیت میں میت کی میراث اس کے چھوٹے بچوں اور بیویوں کو نہ ملتی تھی۔ جب بیویوں کی میراث کے احکام نازل ہوئے تو مسلمانوں کو سخت تعجب ہوا وہ سمجھے کہ یہ حکم عارضی ہے۔ کچھ دن بعد ختم ہو جائے گا۔ مگر جب اس کی تاریخ کوئی آیت نازل نہ ہوئی تب انہوں نے اس میراث کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی) تفسیر کبیر و تفسیر خازن نے بھی اسی کے قریب قریب روایت کی۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت عیینہ ابن حصین نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو میت کی میراث سے بیٹی و بہن کو بھی نصف دے دیتے ہیں ہم تو صرف بالغ مردوں کو ہی دیا کرتے تھے۔ حضور نے فرمایا مجھے رب تعالیٰ کا یہی حکم ہے۔ تب یہ آیت اتری۔ اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی نابالغہ یتیمہ مالدار لڑکی کسی کی پرورش میں ہوتی اگر وہ خوبصورت ہوتی تو اس سے وہ خود نکاح کرتا مگر نہایت معمولی مہر پر اگر بدشکل ہوتی تو اس سے نہ خود نکاح کرتا کہ وہ اسے پسند نہ ہوتی نہ کسی دوسرے سے نکاح کراتا کہ مال اور جگہ نہ پہنچ جائے۔ بلکہ اس کے مرجانے کا انتظار کرتا تاکہ یہ مال خود لے لے اس کے متعلق یہ آیت آئی۔ جس میں ان لوگوں کو اس عمل بد سے بہت تاکیدی ممانعت کی گئی (تفسیر کبیر)۔

تفسیر: **و یستفتونک فی النساء۔ استفتاء** اور **افتاء** بنا ہے فتو یا فتی سے بمعنی قوت و طاقت۔ اس لئے جوان طاقتور کو فتی کہتے ہیں اسی سے ہے فتویٰ یعنی مدلل طاقتور شرعی حکم۔ افتاء کے معنی ہیں مدلل حکم شرعی بتانا استفتاء کے معنی ہیں مدلل و مضبوط شرعی حکم پوچھنا۔ خواب کی تعبیر دینے کو بھی افتاء کہا جاتا ہے کہ اس میں مشکل چیز حل کی جاتی ہے یوسف علیہ السلام سے بادشاہ مصر کے ساقی نے عرض کیا تھا **افتنا فی سبع بقرات** الخ یہاں افتاء بمعنی تعبیر خواب دینا ہے۔ (کبیر۔ خازن) فی کے بعد حق پوشیدہ ہے النساء سے مراد یا میت کی بیویاں ہیں جو میراث سے محروم کر دی جاتی تھیں یا اس میت کی یتیمہ بچیاں جن پر وہ ظلم ہوتے تھے جو ابھی شان نزول کی دوسری روایت میں مذکور ہوئے۔ قرآن کریم میں بچیوں کو بھی نساء فرمایا گیا ہے کہ آگے چل کر وہ نساء بننے والی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و یستحیون نساء کم** اے اسرائیلیو! فرعونی لوگ تمہاری بچیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسلمان آپ سے بیوہ عورتوں یا یتیمہ بچیوں کے متعلق فتویٰ شرعی

www.alahazratnetwork.org

پوچھتے ہیں اور یہ شرعی مشکل حل کرانا چاہتے ہیں۔ **قل اللہ یفتیکم فیھن**۔ یہ ان کے استفتاء کا جواب ہے اس میں بتایا گیا کہ یہ مسئلہ اتنا اہم ہے کہ رب تعالیٰ اس کا فتویٰ خود دے رہا ہے بلاواسطہ پھر مضارع فرما کر بتایا کہ یہ فتویٰ تاقیامت جاری رہے گا اگرچہ فتویٰ جاری ایک بار ہو چکا مگر اس کا بقاء تاقیامت ہے حق یہ ہے کہ ہم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب صرف صحابہ کرام سے ہو مگر اس کا تعلق تمام مسلمانوں سے ہے۔ فیھن کا مرجع وہ النساء ہے جو پہلے مذکور تھی اگر وہاں بیوہ عورتیں مراد تھیں تو یہاں بھی وہی مراد ہیں اور اگر وہاں یتیمہ بچیاں مراد تھیں تو یہاں بھی وہی ہیں۔ **وما یتلی علیکم فی الکتاب** اس ما میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ مرفوع ہے اس لئے کہ مبتداء ہے اور فی الکتاب اس کی خبر اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ یعنی یہ فتویٰ جو تم پر تلاوت کیا جا رہا ہے یہ لوح محفوظ میں موجود ہے۔ بہت اہم ہے اس صورت میں یہ جملہ معترضہ ہے۔ یا فی الکتب سے مراد قرآن کریم ہے۔ یعنی یہ آیت کریمہ قرآن میں رہے گی کہ اس کی تلاوت اور اس پر عمل ہوتا رہے گا یا اس لئے مرفوع ہے کہ مبتداء ہے اور اس کی خبر پوشیدہ ہے یعنی جو حکم تم پر کتاب میں تلاوت کیا جا رہا ہے یہ عظیم الشان ہے۔ دوسرے یہ کہ **ما یتلی** **یفتیکم** کے فاعل پر معطوف ہے یعنی اللہ تعالیٰ بھی تم کو اس کا فتویٰ دے رہا ہے اور قرآن کریم کی وہ آیات بھی فتویٰ دے رہی ہیں جو تم پر تلاوت کی جا رہی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ قرآن نے نماز فرض فرما دی۔ یا یہ ما منصوب ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو فتویٰ دیتا ہے اور یہ آیات قرآنیہ تم پر بیان کرتا ہے یا یہ ما مجرور ہے۔ واؤ قسم کا ہے یعنی قسم ہے ان تلاوت والی آیتوں کی۔ رب تعالیٰ تم کو اس کا یقینی فتویٰ دے رہا ہے یا یہ ما فیھن کی ضمیر پر معطوف ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو ان عورتوں کے بارے میں بھی فتویٰ دے رہا ہے اور ان آیات کے بارے میں بھی جو تم پر کتاب میں تلاوت کی جا رہی ہیں۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ یہ آیت مشکل آیات سے ہے اور اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ **فی یتمی النساء التی لا تؤتونھن ما کتب لھن**۔ یہ جار مجرور یتلی کے متعلق ہے۔ **یتامی النساء** دراصل **النساء الیتامی** تھا۔ یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے جیسے کہا جاتا ہے حق الیقین بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فی بمعنی لام ہے ما کتب سے مراد یا تو ان کی میراث ہے یا ان عورتوں کا مہر یعنی لاوارث یتیمہ بچیاں جن کو تم ان کے باپ کی میراث نہیں دیتے، خود کھا جاتے ہو۔ یعنی جو میراث یا مہر ان کا شرعاً مقرر کیا گیا ہے وہ تم ان کو نہیں دیتے۔ عورت مہر مثل کی مستحق ہوتی ہے۔ **و ترغبون ان تنکحوھن** یہ جملہ لا تؤتونھن پر معطوف ہے اور التی کا صلہ۔ رغبت سے مراد یا تو بے رغبتی ہے تو ان سے پہلے عن پوشیدہ ہے۔ یا رغبت بمعنی خواہش ہے تو ان سے پہلے فی پوشیدہ ہے یعنی تم ان سے نکاح کرنے سے کتراتے ہو ان کی بدصورتی کی وجہ سے نکاح نہیں کرنا چاہتے یا تم ان سے نکاح کی خواہش کرتے ہو ان کے حسن کی وجہ سے مگر مہر پورا نہیں دیتے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے معنی پر ہے۔ **والمستضعفین من الولدان** یہ عبارت یتمی النساء پر معطوف ہے۔ مستضعفین کے معنی ہیں بہت کمزور یا کمزور سمجھے ہوئے۔ **من الولدان** اس کا بیان ہے اس میں بچے بچیاں سب شامل ہیں۔ یعنی رب تعالیٰ ان کمزور یتیموں کے متعلق بھی تم کو فتویٰ دیتا ہے جن کو تم کمزور سمجھ کر میراث نہیں دیتے۔ **و ان تقوموا للیتمی بالقسط** اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ لہٰذا آسان تفسیر یہ ہے کہ **ان تقوموا** مبتدا اور خیر لکم اس کی خبر پوشیدہ اور خطاب حکام اسلام سے ہے۔ یعنی اے حاکمو تمہاری بہتری اسی میں ہے کہ یتیموں میں انصاف قائم کرو اور ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت **یفتیکم** گذشتہ کا مفعول ہو اور خطاب میت کے متولیوں سے ہو یعنی تم کو فتویٰ دیتا ہے کہ تم یتیموں میں انصاف کرو۔ اس طرح کہ ان کی

www.alahazratnetwork.org

میراث وغیرہ کا پورا مال انہیں دو۔ اور اس مال کو جلد خرچ کر دینے کی کوشش نہ کرو۔ اپنے بچوں کے ساتھ ان سے بھی پیار و محبت کرو کہ وہ بھی کسی کے بچے اور پیارے ہیں۔ اگر تم فوت ہو جاؤ اور تمہارے بچے یتیم ہو کر کسی کی پرورش میں جائیں تو جیسا برتاؤ اپنے بچوں سے چاہتے ہو ویسا برتاؤ دوسرے کے یتیم بچوں سے کرو۔ غرضیکہ انصاف میں بڑی گنجائش ہے۔ **وما تفعلوا من خیر فان اللہ کان بہ علیما** " یہ جملہ علیحدہ ہے **ما تفعلوا** مبتداء ہے اور **فان اللہ** الخ خبر ہے خیر سے مراد یا تو عورتوں یتیموں میں انصاف کرنا ہے اور ان کا حق پورا دینا یا حق کے علاوہ کچھ اور بھی دے دینا یا ان کی پرورش کرنا یا مطلق نیکی خواہ کوئی سی ہو غرضیکہ یہ جملہ بہت جامع ہے۔ یعنی تم جو بھلائی بھی کرو گے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے تم کو اس کا پورا پورا اجر بلکہ اجر کے علاوہ اور بہت دے گا۔ خیال رہے کہ یتیموں' بیوگان کے حقوق واجبہ کا ادا کرنا تو انصاف تھا جس کا ذکر اوپر یا لقسط میں ہوا۔ اور حق کے علاوہ ان پر اور مہربانی کرنا خیر ہے جیسے ان کا کام کاج کرنا انہیں اچھی تعلیم و تربیت دینا' ان کا مال تجارت کے ذریعہ بڑھا دینا کہ اگر متروکہ مال میراث سو روپیہ تھا تو ان کے بالغ ہونے تک ہزار روپیہ بنا کر دو اس کا بڑا ہی ثواب ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا ہم ان میں سے صرف ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو واضح بھی ہے اور آسان بھی۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم لوگ آپ سے بیوہ عورتوں' یتیمہ بچیوں کے متعلق فتویٰ پوچھتے ہیں کہ ان کے حقوق کیا ہیں اور ان سے برتاؤ کیسے کرنا چاہئے۔ فرمادو کہ اس کے متعلق رب تعالیٰ براہ راست تم کو فتویٰ دے رہا ہے تاکہ تم کو اس مسئلہ کی اہمیت کا پتہ چلے اور اس کے متعلق جو آیات قرآن مجید میں تلاوت کی جا رہی ہیں وہ تمام لوح محفوظ میں محفوظ ہیں۔ ناقابل نسخ ہیں یہ فتویٰ ان یتیمہ بچیوں کے متعلق ہے جن کو تم ان کا طے شدہ شرعی حق میراث وغیرہ نہیں دیتے۔ ان کا حق میراث خود کھا جاتے ہو اور ان کے ساتھ نکاح کرنے سے بھی منہ موڑتے ہو۔ کیونکہ تم کو وہ پسند نہیں ہوتیں۔ کیا ظلم ہے کہ نہ ان سے خود نکاح کرتے ہو نہ کسی سے ان کا نکاح کراتے ہو' نہ ان کا حق دیتے ہو۔ تم پر لازم ہے کہ ان کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔ ان کے حقوق ادا کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو ضعیف و ناتواں بچوں کے متعلق تاکیدی فتویٰ دیتا ہے کہ یتیموں کے حق میں انصاف کرو ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کرو۔ خیال رکھو کہ تم جیتے جی جو کچھ اور بھلائی کر جاؤ گے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے وہ تمہیں اس کی جزاء ضرور بالضرور دے گا۔ غرضیکہ ان کے حقوق پورے پورے دو اور حقوق واجبہ کے سوا اور بھی سلوک کرو تاکہ اجر و ثواب بہت پاؤ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے بہت بڑا قرب خصوصی حاصل ہے کہ سوال حضور انور سے کیا جاتا ہے اور جواب رب تعالیٰ دیتا ہے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں اور فرمایا کہ اللہ انہیں فتویٰ دیتا ہے گویا حضور سے پوچھنا در حقیقت رب تعالیٰ سے پوچھنا ہے' حضور کو دیکھنا رب کو دیکھنا ہے' حضور سے مانگنا رب سے مانگنا ہے۔ اگر کوئی کہے حضور مجھے جنت دے دو' مجھے دوزخ سے بچالو ان شاء اللہ جواب رب تعالیٰ کی طرف سے ملے کہ جنت دیدی' دوزخ سے بچالیا۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء

دوسرا فائدہ: بیوہ عورتوں' یتیم بچوں کے حقوق ادا کرنا اسلام میں اشد ضروری ہیں کہ رب تعالیٰ نے براہ راست ان کے متعلق

www.alahazratnetwork.org

فتویٰ دیا صرف اپنے نبی سے نہ دلوایا۔ کیوں نہ ہو کہ یہ لوگ کمزور ہیں اور کمزوروں کا اللہ والی ہے۔ قرآن کریم میں سورہ نساء تو ہے مگر سورہ رجال کوئی نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** نابالغہ بچی کو نساء کہا جاسکتا ہے کہ آگے چل کر وہ نساء یعنی عورتیں بنیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و یستحیون نساء کم۔** فرعونی لوگ تمہاری بچیوں کو زندہ باقی رکھتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** لڑکیوں کو میراث سے محروم کرنا مشرکین کا طریقہ ہے اور یہ ایسا بڑا ظلم ہے کہ توبہ سے بھی معاف نہیں ہو سکتا کہ حق العباد ہے۔ نیز یتیم بچیاں اگر خود بھی اپنا حق میراث معاف کردیں تو معاف نہیں ہوتا کہ نابالغ کی معافی معتبر نہیں۔ **پانچواں فائدہ:** میراث کے مسائل بڑے اہم ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جتنی تفصیل میراث کے مسائل کی فرمائی اتنی تفصیل دوسرے احکام کی نہ کی نیز میراث کے متعلق براہ راست فتویٰ دیا صرف اپنے نبی سے فتویٰ نہ دلوایا۔ دوسرے مسائل کا مفتی انسان ہے مگر ان کا فتویٰ دینے والا خود خالق الانس والجان ہے۔ **چھٹا فائدہ:** میراث کے اسلامی مسائل اور اس کی اسلامی تقسیم صرف مسلمانوں پر جاری ہو گی کفار کی میراث ان کے مذہب کے مطابق تقسیم کی جائے گی چنانچہ اگر حاکم اسلام کی کچہری میں کفار کی میراث کا مسئلہ پیش ہو تو وہ ان کے مذہب کے مطابق فیصلہ کرے یہ فائدہ **یفتیکم** میں ضمیر خطاب سے حاصل ہوا یعنی اے مسلمانو یہ فتویٰ تم کو دیا جارہا ہے کہ تم پر جاری ہو گا۔ خیال رہے کہ سیاسی و انتظامی احکام ساری رعایا پر جاری ہوتے ہیں خواہ کسی مذہب کے لوگ ہوں مگر مذہبی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں کفار کو مذہبی آزادی ہے لہذا قاتل کو قتل کیا جائے گا۔ چور کے ہاتھ کٹیں گے خواہ قاتل و چور کسی مذہب و ملت کا ہو مگر شرابی کو اسی کوڑے اور زانی کو رجم ہو گا جب مسلمان ہو۔ کفار کو شراب پینے 'سود کھانے سے اسلامی حاکم نہ روکے گا چونکہ تقسیم میراث مذہبی حکم ہے لہذا اسلامی تقسیم مسلمانوں پر جاری ہو گی۔ **ساتواں فائدہ:** یتیموں کے ساتھ ادائے حقوق کے علاوہ اور مہربانیاں بھی کرنی چاہئے ان کو پوری میراث دینا۔ ان کا مال محفوظ رکھنا یہ تو واجب ہے اس کے علاوہ ان کے مال کو تجارت وغیرہ کے ذریعہ بڑھانا یا ان کے لئے آمدنی والی جائیداد خرید دینا' انہیں اعلیٰ تعلیم اور تربیت دینا' ان کو اچھے اخلاق سکھانا' ہنرو حرفت سکھانا غرضیکہ جو سلوک اپنی اولاد سے کرتے ہو وہ سلوک یتیموں سے کرنا مستحب ہے جس کا بڑا ثواب۔ یہ فائدہ **من خیر** کی تنکیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی طاقت و قوت دی ہے۔ دیکھو عرب میں یتیموں بیوگان پر یہ ظلم و ستم قریباً" پونے چار ہزار برس سے جاری تھے۔ جس کے اہل عرب عادی ہو چکے تھے۔ حضور نے چند سال میں یہ ظلم ایسے بند کردیئے کہ عرب سے ان کا نام و نشان مٹ گیا یہ آیت کریمہ بعد ہجرت نازل ہوئی اور بعد ہجرت حضور کی زندگی پاک دس سال ہے تو قریباً" چار ہزار سال کی بری خصلتوں کو چھ سات سال میں مٹا دینا نبی طاقت ہی تو ہے۔ حضور نے مسلمانوں کے دلوں سے مال عزت دنیا کی محبت نکال کر ان میں اللہ کا خوف اپنی محبت بھر دی جس سے یہ ساری بری خصلتیں مٹ گئیں۔ حضور دلوں کے راجا ہیں۔ خدا کرے ہمارے دلوں پر نظر کرم فرمادیں۔ جس سے ہماری بری خصلتیں بھی چھوٹ جائیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب عرض کیا ہے۔۔

تبدیل کر جو خصلت بد پیشتر کی ہے — توفیق دے کہ آگے نہ پیدا ہو خوئے بد

پہلا اعتراض: **یفتیکم** سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ فتویٰ دیتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو مفتی کہہ سکتے ہیں۔ مفتی تو ہمارے علماء ہوتے ہیں۔ **جواب:** رب تعالیٰ کو مفتی نہیں کہہ سکتے جیسے کہ رب تعالیٰ نے ہر ایک کو علم دیا مگر اسے ماسٹر یا معلم یا مولوی یا

www.alahazratnetwork.org

مدرس نہیں کہہ سکتے۔ رب تعالیٰ سب کو شفا دیتا ہے۔ مگر اسے طبیب نہیں کہہ سکتے وہی کھیت اگاتا اور درختوں میں دانہ ڈالتا ہے مگر اسے حارث یا کسان یا زمیندار نہیں کہہ سکتے کہ یہ الفاظ ہلکے ہیں۔ پیشہ وروں پر استعمال ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ پر ان کا استعمال درست نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** آپ نے **وما یتلی علیکم** کی ایک ترکیب نحوی یہ بھی بیان کی کہ یہ لفظ اللہ پر معطوف ہے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ تم کو اللہ تعالیٰ بھی فتویٰ دیتا ہے اور قرآن کریم کی یہ آیات بھی تو گیا قرآن کریم مفتی ہے۔ قرآن کا کام فتویٰ دینا نہیں پھر یہ ترکیب کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** جب فتویٰ کی نسبت قرآن کریم کی طرف ہوگی تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ قرآن کریم سے فتویٰ حاصل کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم ہمارے لئے سبب فتویٰ ہے اور سبب کو بھی فاعل کہہ دیتے ہیں۔ کہا جاتا ہے بارش نے سبزہ اگایا حالانکہ بارش سبزہ اگنے کا سبب ہے۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے میراث اور حقوق بیوگان و حقوق یتامیٰ کی آیات قرآن میں اتاریں۔ نبی کو الہام یا کشف یا وحی خفی سے نہ بتادیا کہ تم کو اس کی اہمیت کا پتہ چلے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ان والیوں کے عیوب میں سے یہ بھی بیان فرمایا کہ تم ان سے نکاح کرنے سے منہ پھیرتے ہو۔ یہ تو کوئی جرم نہیں جس سے دل نہ لگے اس سے نکاح نہ کرے اسے جرموں کے سلسلے میں کیوں بیان فرمایا۔ **جواب:** صرف نکاح نہ کرنا جرم نہیں کہا گیا بلکہ نکاح نہ کرکے ان کے حقوق ادا نہ کرنا ان بچیوں کو یونہی معلقہ چھوڑے رکھنا کہ نہ ان سے خود نکاح کرنا نہ کسی سے ان کا نکاح کرانا ان کے حقوق نہ دینا ان کی موت کا منتظر رہنا کہ یہ یونہی بیٹھی رہیں اور جلد مر جائیں تاکہ ان کا مال ہم قبضہ میں لیں یہ جرم ہے اس لئے ترغبون سے پہلے فرمایا گیا **لا تؤتونھن** الخ اور بعد میں ارشاد ہوا **ان تقوموا للیتمی** الخ۔ **چوتھا اعتراض:** جب اہل عرب یتیم بچیوں کو میراث دیتے ہی نہ تھے تو ان کے پاس مال کہاں سے آتا تھا جس مال کی لالچ میں ولی لوگ ان یتیم بچیوں کا نکاح اور جگہ نہ کرتے تھے جیسا کہ تم نے تفسیر میں بیان کیا۔ **جواب:** ان یتیم بچیوں کے پاس مال ہونے کی بہت صورتیں تھیں ان کا باپ اپنی زندگی میں انہیں کچھ مال دے گیا یا کچھ جائیداد ان کے نام لگا گیا۔ کسی اور عزیز نے ترس کھا کر انہیں کچھ دے دیا کسی نے ان کے نام سے کچھ روپیہ تجارت میں لگا دیا جس سے ان کے پاس کافی مال جمع ہوگیا غرضیکہ وہ صرف میراث سے محروم ہوتی تھیں اور ذریعہ بہت تھے اب بھی ایسا دیکھا جارہا ہے۔ غریبوں کے یتیم بچے امیر ہو جاتے ہیں آج یتیم خانہ کے ناظم سیکرٹری وغیرہ یتیموں کے مال سے خوب مالدار بن جاتے ہیں یہ مال کہاں سے آتا ہے قوم کے مخیر حضرات کی جیبوں سے جو وصول کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عاقل پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اپنے پر لازم جانے اور غیر کا مال ظلماً ہرگز نہ استعمال کرے کہ اس میں اللہ رسول کی نافرمانی بھی ہے اور اپنے نفس و روح کو خراب کرنا بھی حرام غذا دل و روح نفس کو ایسے ہی خراب کرتی ہے جیسے خراب آب و ہوا جسم کو بیمار کر دیتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے مالوں کے متعلق بہت تاکیدی احکام جاری فرمائے اور یتیموں بیوگان کے مال پر تو بہت ہی سختی فرمائی۔

حکایت: حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی دکان پر ایک عورت آئی اور اس نے اعلیٰ درجہ کا تھان مانگا۔ آپ نے اسے تھان دکھایا جس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ وہ بولی میں بیوہ ہوں میری بچی یتیم ہے اس کا نکاح کرنا چاہتی ہوں۔ اس کے لئے یہ کپڑا چاہئے کچھ رعایت فرمایئے اور بیچنے میں یہ کپڑا آپ کو پڑا ہے وہ قیمت مجھ سے لیجئے۔ آپ نے فرمایا اچھا صرف چار درہم دے

www.alahazratnetwork.org

دے وہ بولی آپ مجھ سے مذاق کیوں کرتے ہیں۔ کہاں چار سو درہم اور کہاں صرف چار۔ آپ نے فرمایا میں نے دو تھان خریدے تھے جن میں سے ایک تھان دونوں تھانوں کی قیمت دے گیا صرف چار درہم کم آئے ہیں لہٰذا مجھے یہ تھان چار درہم میں پڑا ہے۔ اسی قیمت پر تو لے جاوہ ہنسی خوشی لے گئی۔ حاتم اصم فرماتے ہیں کہ جو شخص تین چیزوں کے بغیر تین چیزوں کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے جنت کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر خیرات مال وہ جھوٹا ہے۔ خدا تعالیٰ کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر تقویٰ وہ جھوٹا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرے بغیر فقراء یتامیٰ بیوگان کی خدمت کے وہ جھوٹا ہے۔

بگیر اے جواں دست درویش پیر　　نہ خود را بیفگن کہ دستم بگیر!
کسی نیک بودے بہر دو سرائے　　کہ نیکی رساند بہ خلق خدائ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ روح انسانی گویا خاوند ہے اور نفس انسانی گویا بیوی جیسے مرد پر عورت کے حق ہیں۔ ویسے ہی روح پر نفس کے حق ہیں کھانا پینا' سونا' آرام کرنا نفس کے حقوق ہیں۔ ہم پر واجب ہے کہ عبادت بھی کریں اور آرام بھی۔ اس آیت کریمہ میں اسی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ بیویوں بیوگان یتیموں کے حقوق ادا کرنے میں سستی نہ کرو۔ نفس قوی ہو کر روح کو ترقی میں بڑی امداد دیتا ہے۔ بشرطیکہ اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہو یہ نفس تیز گھوڑا ہے۔ اس کے حقوق بھی ادا کرو اس کی نگرانی بھی کرو۔ (روح البیان)۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ
اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند کی سختی کا یا منہ پھیرنے کا تو نہیں ہے گناہ ان دونوں پر
اور اگر کوئی عورت اپنے شوہر سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ کرے تو ان پر گناہ نہیں کہ آپس
عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ؕ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ؕ وَاُحْضِرَتِ
کہ کر لیں صلح آپس میں اور صلح اچھی چیز ہے اور ڈال دیا گیا ہے
میں صلح کر لیں اور صلح خوب ہے اور دل لالچ کے
الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ؕ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ
دلوں میں بخل و ہوس اور اگر تم نیکی کرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے
پھندے میں ہیں اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو بیشک اللہ اس سے
خَبِيْرًا ﴿۱۲۸﴾
جو تم کرتے ہو خبر ہے
جو تم کرتے ہو خبردار ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیم بچوں' یتیمہ بچیوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ یتیم وہ بچہ ہے جو اپنے باپ کے فوت ہو جانے کی وجہ سے اس سے کٹ گیا اور دوسروں کے رحم و کرم کا دست نگر ہو گیا۔ اب اپنی بیویوں سے صلح صفائی' اچھے برتاوے کا حکم ہے۔ بیوی بھی اپنے ماں باپ بلکہ سارے میکے والوں سے کٹ کر ایک خاوند کی دست نگر ہو جاتی ہے۔ شادی کے بعد خاوند تو اپنے پیدائشی گھر میں ہی رہتا ہے مگر بیوی اس خاوند کی وجہ سے دیس چھوڑ پردیسی بن جاتی ہے' بیوی کو یتیم کے ساتھ مشابہت ہے اس لئے یتیم کے بعد بیویوں کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں بیوہ عورتوں' یتیمہ بچیوں سے انصاف کرنے کا حکم تھا اب اپنی بیویوں کے ساتھ انصاف و صلح صفائی کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنی بیویاں بھی رعایت انصاف و صلح صفائی کی مستحق ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں یتیمہ لڑکیوں' بیوہ عورتوں کو ان کا حق دے دینے اور ان کے حق پر قبضہ ناجائز نہ کرنے کا حکم تھا کہ ان کے مال پر تم غاصبانہ قبضہ نہ کرو اب اپنی بیویوں کے حقوق نکاح یعنی اچھا برتاؤ ان کے ساتھ ہنسی خوشی سے رہنے کا حکم ہے گویا مالی حقوق کے بعد اخلاقی حقوق ادا کرنے کی تاکید فرمائی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تم کو عورتوں کے متعلق فتویٰ دیتا ہے۔ جن میں سے بعض عورتوں یعنی بیوگان اور یتیمہ کے احکام پہلے بیان ہوئے اور اپنی خود کی ہوئی بیویوں کے متعلق فتویٰ اب دیا جا رہا ہے کہ تمہاری اپنی بیویاں بھی عورتیں ہیں۔ اللہ کی بندیاں ہیں گویا لاوارث عورتوں کا ذکر پہلے تھا اور وارث والی عورتیں جن کے لاوارث ہو جانے کا اندیشہ ہو ان کا ذکر اب ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک یہ کہ عمرہ بنت محمد ابن مسلمہ جن کو خولہ بھی کہا جاتا تھا۔ سعد ابن ربیع کے نکاح میں تھیں جن کو رافع ابن خدیج بھی کہتے تھے یعنی ان کا نام سعد لقب رافع تھا ان کے باپ کا نام ربیع لقب خدیج تھا۔ سعد نے ان سے نکاح ان کی جوانی کے زمانہ میں ہی کیا تھا جب یہ بوڑھی ہو گئیں تو سعد نے ایک اور جوان عورت سے نکاح کر لیا اور اس کی طرف مائل ہو گئے عمرہ کی طرف سے لاپرواہ سے ہو گئے۔ حضرت عمرہ نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے خاوند کی اس بے رخی کی شکایت کی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن و روح البیان و روح المعانی) تب حضرت عمرہ اس پر راضی ہو گئیں کہ مجھے طلاق نہ دی جائے میں اپنے حقوق زوجیت کم کرتی ہوں۔ اس پر صلح ہو گئی (روح المعانی)۔ دوسری روایت یہ ہے کہ ابن ابی السائب کی بیوی بوڑھی اور بہت اولاد والی تھیں۔ انہوں نے اس بیوی کو طلاق دے کر دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہا۔ ان بی بی صاحبہ نے عرض کیا کہ مجھے طلاق نہ دو مجھے اپنے بچوں میں رہنے دو میں تم سے زیادہ خرچ یا حقوق زوجیت نہیں چاہتی تم خوشی سے دوسرا نکاح کرو مجھے بقدر ضرورت مال دے دیا کرو جو مجھے اور میرے بچوں کو کافی ہو۔ اور رہو سوا اپنی دوسری بیوی کے ساتھ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر) غرضیکہ یہ آیت کریمہ گھریلو جھگڑوں کے متعلق ہے۔

تفسیر : **وان امراة خافت من بعلها نشوزا او اعراضا** یہ نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے اور امراۃ سے پہلے خافت پوشیدہ ہے۔ جس کی تفسیر بعد والا خافت کر رہا ہے کیونکہ ان اسم پر نہیں آتا امراۃ سے مراد خاوند والی عورت ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہوتا ہے۔ خوف سے مراد ہے اندیشہ قوی جس کی علامات ظاہر ہوں۔ بعل کے لفظی معنی سردار

چونکہ خاوند بھی عورت کا سردار ہوتا ہے اسی لئے اسے بھی بعل کہتے ہیں۔ اس کی جمع بعولہ ہے نشوز بنا ہے نشز سے بمعنی ٹیلہ و اونچی زمین چونکہ اونچی جگہ پہنچ کر آدمی دوسرے نیچے والوں سے کٹ جاتا ہے اسی لئے سرکشی نافرمانی بے توجہی اور علیحدگی کو نشوز کہتے ہیں۔ اگر یہ عورت کی صفت ہو تو مراد ہوتی ہے نافرمانی اور اگر مرد یعنی خاوند کی صفت ہو تو مراد ہوتی ہے علیحدگی بے توجہی یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ خاوند کی طرف منسوب ہے۔ خاوند کی زیادتی یہ ہے کہ بیوی کو کھانے پینے کو نہ دے یا کم دے یا اسے بلاوجہ مارپیٹ کرے یا بدزبانی طعنہ بازی کرے اور اعراض یہ ہے کہ اس سے بول چال ترک کردے یا کم کردے محبت سے پیش نہ آئے۔ غرضیکہ نشوز ا "اور اعراض میں بڑا فرق ہے یعنی اگر کوئی بیوی اپنے خاوند کے متعلق سختی' زیادتی یا بے رخی کا اندازہ کرے۔ اسے محسوس ہو جائے کہ اس کا دل مجھ سے متنفر ہو چکا ہے۔ **فلا جناح علیھما ان یصلحا بینھما صلحا** ۔ یہ جملہ ان گذشتہ کی جزاء ہے۔ لہذا ف جزائیہ ہے علیھما کا مرجع خاوند بیوی دونوں ہیں۔ ان یصلحا کے معنی یا تو ہیں آپس میں خود ہی صلح کر لینا اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دینا۔ حتیٰ کے گھر کے لوگوں کو بھی پتہ نہ لگنے دینا جیسا کہ عام عقل مند زوجین کرتے ہیں۔ یا کسی تیسرے کو بیچ میں ڈال کر صلح کرا لینا مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ جیسا کہ **بینھما** سے ظاہر ہے۔ صلحا مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔ یصلحا کا جس سے مراد ہے پوری پوری صلح کر لینا اس طرح کہ یہ صلح صفائی صرف رسمی اور زبانی نہ ہو بلکہ خاوند بیوی ایک دوسرے کی شکایت دور کر کے صلح کریں زبانی صلح محض عارضی ہوتی ہے اور عملی صلح دائمی۔ عورت کی طرف سے صلح یہ ہے کہ وہ اپنے کچھ حقوق مہر یا نفقہ میں رعایت کردے یا تو بالکل معاف کردے یا اس میں کمی کردے مرد کی طرف سے صلح یہ ہے کہ بے تکلف اس سے خوش خلقی سے پیش آئے۔ اور اسے گھر میں رہنے بسنے دے۔ طلاق نہ دے یا عورت کی طرف سے صلح یہ ہے کہ اپنی گذشتہ کوتاہیوں کو دور کردے اور ہر وہ جائز کام کرے جس سے مرد خوش ہو اور خاوند کی طرف سے صلح یہ ہے کہ بیوی کی گذشتہ کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے عورت کی اس رعایت کے متعلق فرمایا **لا جناح** گناہ نہیں یعنی یہ لین دین رشوت نہیں۔ جس کا دینا عورت پر حرام ہو اور لینا مرد پر حرام ہو رشوت کے وہم کو دفع فرمانے کے لئے لا جناح فرمایا گیا (روح المعانی)۔ **والصلح خیر** یہاں الصلح سے مراد یہ صلح مذکور ہے۔ خاوند بیوی کی صلح۔ لام عہدی ہے خیر سے مراد ہے طلاق سے بہتر ہے کہ طلاق اگرچہ درست ہے مگر رب تعالیٰ کو ناپسند ہے اور اس صلح سے رب تعالیٰ راضی ہے۔ اس پر ثواب بھی عطا فرمائے گا عورت کو اس رعایت کرنے پر ثواب دے گا اور خاوند کو آباد کر لینے پر اجر عطا کرے گا۔ یعنی یہ صلح بہتر ہے اس سے جس کا اندیشہ تھا طلاق یا علیحدگی۔ کسی بزرگ کے پاس ایک عورت آئی۔ بولی کہ میرا خاوند مجھے منہ نہیں لگاتا' رنڈیوں کے پاس جاتا ہے۔ وہ بزرگ بولے کہ تو نالائق ہے تیرے پاس وہ کیا چیز نہیں ہے جو رنڈی کے پاس ہے تو بھی صاف ستھری آراستہ رہ خاوند کا دل لبھا ٹھیک ہو جائے گا۔ عورت نے یہ عمل شروع کر دیا چند روز میں خاوند درست ہو گیا۔

واحضرت الانفس الشح یہ جملہ معترضہ ہے۔ احضرت احضار سے بنا بمعنی حاضر و موجود کر دینا یہاں مراد ہے' ہر وقت دل کے ساتھ لگا رہنا انفس سے مراد ہے' مرد و عورت کے دل و نفس۔ شح اس بخل و کنجوسی کو کہتے ہیں۔ جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔ احضرت میں فطرت انسانی کا ذکر ہے۔ یعنی فطری طور پر نفس انسانی پر خواہ مرد ہو یا عورت بخل کنجوسی حرص لازم کر دیا گیا ہے۔ ہر شخص فطری طور پر اپنے حقوق کے چھوڑنے میں بخیل ہے زیادہ حقوق لینے میں حریص اپنے حقوق چھوڑنا نہیں چاہتا۔ زیادہ حقوق لینے پر حریص ہے مگر اس کے باوجود عورت نے اپنے حقوق میں کمی کر دی اور خاوند نے اسے اپنے پاس رہنے دیا اچھا

www.alahazratnetwork.org

کیا۔ **وان تحسنوا و تتقوا** ۔ ظاہر یہ خطاب خاوندوں سے ہے احسان سے مراد ہے عورتوں پر مہربانی کرنا ان سے رعایت نہ کرانا اور تقویٰ سے مراد ہے ان پر زیادتی کرنے سے پرہیز کرنا اور اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی اے خاوندو تم مرد ہو' حاکم ہو' تمہارا دل وسیع چاہئے اگر تم عورت سے مہر وغیرہ معاف نہ کراؤ اس سے کچھ رعایت نہ کراؤ یونہی بھلائی سے اسے اپنے پاس رکھو اور اس کے معاملہ میں اللہ سے خوف کرو تو تمہارے واسطے یہ بہت ہی اچھا ہے کیونکہ **فان اللہ کان بما تعملون خبیرا** "۔ یہ جملہ جزاء پوشیدہ کی علت ہے اور ف تعلیلیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبردار ہے تم کو اس عمل خیر کی بڑی اعلیٰ جزاء دے گا۔ لہٰذا اپنے آپس کے معاملات درست رکھو رب سے اجر کے امیدوار ہو۔ ناپسندیدہ عورت کو نباہنے کی کوشش کرو تو ہم بھی تمہارے ناپسندیدہ اعمال بخش دیں گے۔

خلاصہء تفسیر : اسلام نے ہم کو عبادات کے ساتھ درستی معاملات بھی سکھائے۔ معاملات میں سب سے نازک معاملہ خاوند بیوی کے تعلقات ہیں کہ ان پر زندگی کا مدار ہے۔ اس لئے قرآن کریم نے ایک جگہ تو وہ صورت بیان کی کہ عورت نافرمان ہو جائے تو خاوند کیا کرے کہ فرمایا **واھجروھن فی المضاجع** انہیں اپنے بستروں میں چھوڑ دو یعنی گھر سے نکالو مت بلکہ انہیں گھر میں رہتے ہوئے ان کا بائیکاٹ کر دو خود ٹھیک ہو جائیں گی۔ اب یہاں وہ صورت بیان ہو رہی ہے کہ مرد کی طرف سے بے رخی ہو تو بیوی کیا کرے۔ لہٰذا ارشاد ہوا کہ اگر کوئی عورت اپنے خاوند کے متعلق اس کی طرف سے زیادتی کا اندیشہ کرے یا بے توجہی اور بے رغبتی کا کہ یا تو خاوند اس کا خرچہ کم کر دے یا اسے اٹھتے بیٹھتے طعن تشنیع کرے یا اسے مارنا پیٹنا شروع کر دے۔ یا اس سے کنارہ کشی اور بے رغبتی اختیار کرے اور عورت اس کے گھر رہنا چاہے۔ یہاں سے نکلنا طلاق لینا اسے منظور نہ ہو تو دونوں خاوند و بیوی پر اس میں گناہ نہیں کہ آپس میں صلح کر لیں اس طرح کہ کچھ تو عورت اپنے حقوق میں خاوند کو رعایت دیدے کہ اپنا مہر معاف یا کم کر دے' یا اپنا خرچہ کم کر دے' یا اپنی باری معاف کر دے یا کم کر دے اور خاوند باوجود اس سے دل برداشتہ ہونے کے اسے اپنے گھر میں رکھے طلاق نہ دے۔ خیال رکھو کہ اگرچہ طلاق باوجود ناپسندیدہ چیز ہونے کے مباح رکھی گئی لوگوں کی ضرورت کی بناء پر مگر طلاق سے صلح بہتر ہے یہ بھی خیال رکھو کہ فطری طور پر ہر انسان کے دل پر بخل و حرص چھائی ہوئی ہے۔ لالچ خمیر میں داخل ہے اس کے باوجود عورت کا اپنے حق سے دستبردار ہو جانا خاوند کا اسے اس حال میں رکھ لینا بہت اعلیٰ ہے اور اے خاوندو تم پھر مرد ہو بڑے ہو مرد کا دل وسیع ہونا چاہئے۔ اگر تم بیوی کے ساتھ بھلائی کرو کہ اس سے رعایت نہ کراؤ ویسے اسے بساؤ اور اس کے متعلق پرہیزگاری سے کام لو تو بہت ہی اچھا اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال پر خبردار ہے تم کو بہت بڑا اجر و ثواب عطا فرمائے گا۔ خیال رہے کہ **تحسنوا** اور **تتقوا** میں خطاب مردوں سے کیا گیا۔ بیوی سے نہ کیا گیا اس لئے ان دونوں لفظوں کے بہت معنی ہو سکتے ہیں جو خاوندوں کے لائق ہیں۔ حقوق زوجیت کے سوا اور بھی سلوک و احسان بیوی کے ساتھ کرنا۔ بیوی کے میکے والوں سے اچھا سلوک کرنا۔ بیوی کی ہر بات پر گرفت نہ کرنا۔ بعض قصوروں سے درگزر کرنا۔ ان برتاؤوں سے بیوی لونڈی کی طرح قبضہ میں آجاتی ہے۔ متقی پرہیزگار بن کر رہنا کہ خاوند کے تقویٰ سے بیوی کے دل میں تقویٰ اور خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ یونہی تقویٰ سے مراد یا تو عورت پر ظلم سے بچنا ہے یا اپنے حقوق لینے کے ساتھ اس کے حقوق ادا کرنا ہے یا دل میں خوف خدا رکھنا ہے، جو ہر رحمت الٰہی کی اصل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو عورت ناموافق خاوند سے نباہ کرلے وہ اللہ تعالیٰ کی مقبول بندی ہے کہ رب تعالیٰ نے اسے ایسی مجبوری کی حالت میں صلح کرلینے کا مشورہ دیا۔ **دوسرا فائدہ:** یونہی جو خاوند اپنی ناموافق بیوی کے ساتھ نباہ کرے رب تعالیٰ کا مقبول بندہ ہے۔ دیکھو اس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **وان تحسنوا و تتقوا** الخ۔ **تیسرا فائدہ:** طلاق اگرچہ اسلام میں جائز رکھی گئی ہے مگر بے ناپسندیدہ چیز کہ اس سے گھر بگڑتا ہے۔ دو خاندان یعنی خاوند اور بیوی کے خاندان بگڑ جاتے ہیں۔ بچے لاوارث ہو جاتے ہیں۔ طلاق سے صلح بہتر جیسا کہ **والصلح خیر** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** عورت کو چاہئے کہ اپنے خاوند کے حالات کا جائزہ لیتی رہے اس سے غافل نہ رہے اگر اسے خاوند کے آثار اچھے نظر نہ آئیں تو اس کا انتظام کرے اسے درست کرنے کی کوشش کرے جیسا کہ **وان خافت** الخ سے معلوم ہوا جو عورتیں اپنے خاوندوں سے بالکل بے نیاز رہتی ہیں وہ کبھی برباد ہو جاتی ہیں۔ خوف ہوتا ہے مصیبت سے پہلے۔ لہٰذا عورت کو چاہئے کہ خیال رکھے کہ خاوند رات کو دیر سے کیوں آتا ہے، مجھ سے بے رخی کیوں کرتا ہے۔ کسی نامحرم کے گھر زیادہ کیوں آتا جاتا ہے۔ غرضیکہ اس کی ہر حالت کی نگرانی کرے۔ حضرت عائشہ صدیقہ اس رات حضور کے پیچھے پیچھے اکیلی گئیں جبکہ حضور شب برات کے آخری حصہ میں جنت البقیع تشریف لے گئے تھے کیونکہ انہیں خطرہ ہو گیا تھا کہ حضور انور اپنی کسی اور بیوی کے ہاں میری باری میں تشریف لے جا رہے ہیں تو سوچا کہ کیوں جاتے ہیں۔ مجھ میں کیا کوتاہی ہے میں وہ اپنی کوتاہی دور کروں تاکہ آپ مجھ سے راضی رہیں یہ ہے ان امراۃ خافت پر عمل اور یہ ہے اس کی تفسیر۔ **پانچواں فائدہ:** مہر عورت کا اپنا حق ہے اسے کم کر دینے اور معاف کر دینے کا حق ہے جیسا کہ ان ۔ صلحا کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** یونہی نفقہ اور باری مقرر ہونا عورت کا اپنا حق ہے اگر چاہے تو وہ معاف کر سکتی ہے مگر مہر کی معافی اور خرچہ اور باری کی معافی میں فرق یہ ہے کہ مہر معاف کر چکنے کے بعد پھر اس کا مطالبہ نہیں کر سکتی کہ معافی اور استبرا لازم ہوتے ہیں اٹھ نہیں سکتے مگر خرچہ اور باری معاف کر دینے کے بعد بھی دوبارہ مانگ سکتی ہے کیونکہ ہر دن کا خرچہ نیا ہے۔ اور ہر دن کی باری علیحدہ گذشتہ خرچہ و باری کا بعد معافی مطالبہ نہیں مگر آئندہ خرچہ و باری کا مطالبہ درست ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا زوجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی باری حضرت عائشہ صدیقہ کو دے دی تھی۔ چنانچہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم تمام ازواج پاک کے پاس ایک ایک دن قیام فرماتے تھے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے پاس دو دن۔ ایک دن تو ان کا اپنا دوسرا دن حضرت سودہ کا رضی اللہ عنہن اجمعین۔ **ساتواں فائدہ:** عموماً ہر انسان اور خصوصاً عورت فطری طور پر لالچی ہے۔ ہر شخص اپنے آرام و آسائش کو مقدم رکھتا ہے اپنے پر مشقت گوارا کرکے دوسرے کو آرام پہنچانا نہیں چاہتا۔ الا ماشاء اللہ لہٰذا عورتوں کی اس خصلت پر ناراض نہ ہونا چاہئے یہ فطری چیز ہے۔ اگر عورت کی کوئی بات ناپسند ہو تو مرد اپنی خصلتوں میں غور کرے۔ بہت سی ناپسندیدہ چیزیں اپنے میں بھی نظر آئیں گی یہ فائدہ **واحضرت الانفس الشح** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ طلاق بہتر چیز نہیں، صلح اچھی ہے تو اسلام نے طلاق کا مسئلہ رکھا ہی کیوں بری چیز نکال دینی چاہئے تھی۔ **جواب:** انسانوں کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کبھی حالات ایسے نازک ہو جاتے ہیں کہ خاوند بیوی کا نباہ ناممکن ہو جاتا ہے اگر اس حالت میں طلاق کے ذریعہ علیحدگی نہ ہو تو آخر ان میں سے کسی کی جان جائے گی اس لئے طلاق کا مسئلہ رکھا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** تو طلاق کا حق عورت کو بھی ہونا چاہئے تھا کہ وہ بھی خاوند کو طلاق دے سکے صرف

www.alahazratnetwork.org

مرد کو اس کا حق کیوں دیا گیا۔ **جواب:** اس سے سخت خطرناک نتائج پیدا ہوتے۔ عورت کو طلاق کا حق دینا گویا دیوانہ کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے۔ جن قوموں نے عورتوں کو بھی طلاق کے حق دیئے ہیں وہاں کے لوگ سخت مصیبت میں گرفتار ہیں ان کی زندگیاں تلخ ہو گئی ہیں۔ بات بات پر وہاں گھر بگڑ رہے ہیں۔ چونکہ خاوند کے ذمہ عورت کا خرچہ مہر حتی کہ کفن دفن تک رکھا ہے اس لئے اسے کچھ حقوق بھی دیئے ہیں۔ عورت فطری طور پر کم عقل جوشیلی واقع ہوئی ہے وہ جوش میں انجام سوچے بغیر نقصان وہ کام کر بیٹھتی ہے پھر پچھتاتی ہے اگر اس کے ہاتھ میں طلاق ہو تو بات بات پر گھر بگاڑ لیا کرے۔ **تیسرا اعتراض:** پھر عورت کو مردوں کے ظلم سے کیونکر بچایا جا سکے۔ ظالم خاوند اسے قید کر رکھتے ہیں نہ طلاق دیتے ہیں نہ بساتے ہیں پھر وہ کیا کریں۔ **جواب:** شریعت نے اس کے لئے دو صورتیں رکھی ہیں۔ خلع اور حاکم سے فریاد بہت صورتوں میں حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ جیسے نامرد کی بیوی نکاح فسخ کرا سکتی ہے اور متعنت فی النفقہ کہ مرد نفقہ پر قادر ہو مگر نہ دے اس صورت میں امام مالک کے مذہب پر حاکم فسخ نکاح کر سکتا ہے۔ کچھ شرائط کے ماتحت اور بہت سی صورتیں رکھی ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس صورت میں عورت کا اپنے خاوند کو کچھ رعایتیں دینا رشوت ہے اور رشوت دینا بھی حرام لینا بھی حرام۔ پھر اس کی اجازت کیوں دی گئی۔ **جواب:** رشوت لینا بہر حال حرام ہے مگر رشوت دینا دفع ظلم کے لئے حلال ہے اور ظلم کرانے کے لئے رشوت دینا حرام' رشوت کی حقیقت یہ ہے کہ جو کام کرنا اپنے پر واجب ہو اس کام پر کچھ لینا رشوت ہے جیسے حاکم پر انصاف کرنا واجب ہے اگر وہ کچھ رقم مقدمہ والوں سے لے کر انصاف کرے تو یہ رقم رشوت ہے اور حرام کام کرنا کچھ لے کر یہ رشوت ہے تو رشوت کی دو صورتیں ہوئیں۔ یہاں جس کا ذکر آیت میں ہے دونوں میں کچھ نہیں۔ خاوند پر بی بی کو اپنے پاس رکھنا واجب نہیں طلاق دینے کا اسے حق ہے جب بیوی چاہے کہ میں بہر حال اس کے پاس ہی رہوں وہ مجھ سے رغبت رکھے یا نہ رکھے اس لئے اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائے تو یہ دست برداری کسی صورت سے رشوت نہیں بنتی۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن کریم نے یہاں تو فرمایا **یصلحا بینہما** خاوند بیوی آپس میں ہی صلح کر لیں دوسروں کو کانوں کان خبر نہ ہو مگر دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **فابعثوا حکما " من اھلہ و حکما من اھلھا** ایک پنچ مرد کے گھر والوں سے ایک پنچ بیوی کے گھر والوں سے بھیجو جس سے معلوم ہوا کہ خاوند بیوی میں پنچ صلح کرائیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں معمولی جھگڑے کا ذکر ہے جبکہ بیوی خاوند کے گھر میں ہو ایسے جھگڑے خفیہ طور پر چکا لینے چاہئیں اور وہاں اس آیت میں بڑے سخت جھگڑے کا ذکر ہے جبکہ عورت اپنے میکے جا کر بیٹھ رہی ہو۔ ایسے جھگڑے پنچ سے ہی طے ہو سکتے ہیں۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : طریقت میں نفس امارہ کی مخالفت اسے دبائے رکھنا بہترین عبادت ہے اور تفریق کے مقابلہ میں جمع اعلیٰ درجہ کی اطاعت یہاں فرمایا گیا ہے کہ جب بیوی خاوند کی طرف سے بے توجہی دیکھے تو اس کا دل بھی بدلہ لینے کو چاہے گا لیکن اگر عورت ایسی حالت میں اپنے نفس پر قابو رکھے اور جس طرح بن پڑے اس خاوند کے ساتھ نباہے تو وہ طریقت کی بڑی عبادت کرتی ہے۔ اسی طرح جب خاوند کا دل عورت کو بسانے آباد کرنے پر آمادہ نہ ہو۔ مگر پھر بھی دل کو روکے اور اس کے ساتھ نباہ کرے تو بندہ مقبول ہے۔ خصوصاً" جبکہ بیوی سے اس کے معاوضہ میں کچھ رعایت نہ لے اسے بسائے تو بڑا بہادر ہے یہاں صرف زوجین کا ذکر ہے دنیا کی ہر غیر مرغوب چیز پر صبر کرنا ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب "حسن

www.alahazratnetwork.org

الحاضرہ فی احوال مصر والقاہرہ" میں فرماتے ہیں کہ اگر تو ابدال میں سے ہونا چاہتا ہے تو بچوں کی پانچ یہ خصلتیں اختیار کر۔ رزق کی فکر نہ کرنا۔ بیماری و تکالیف میں خالق کی شکایت نہ کرنا۔ مل کر کھانا کھانا۔ ہر ناپسندیدہ بات پر آنسو بہا کر ماں کو بلانا اور فوراً صلح کر لینا اگر جوانوں میں یہ خصلتیں پیدا ہو جائیں تو وہ ابدال بن جائیں۔ (روح البیان)۔

حکایت عجیبہ : ایک شخص بہت بدصورت تھا۔ اس کی بیوی نہایت ہی حسینہ جمیلہ۔ مرد اس عورت کی بہت خاطر کرتا تھا۔ عورت مرد کی بڑی مطیع تھی۔ ایک دن عورت نے مرد کو دیکھ کر کہا الحمد للہ اللہ کا شکر ہے۔ مرد نے پوچھا کس چیز کا شکر کرتی ہے۔ وہ بولی اس کا کہ اللہ نے تجھے بھی جنتی کیا اور مجھے بھی۔ مرد نے پوچھا وہ کیسے؟ بولی کہ تجھے مجھ جیسی بیوی ملی اور تو نے اس کا شکریہ ادا کیا اور مجھے تجھ جیسا خاوند ملا اور میں نے اس پر صبر کیا بحکم قرآن شاکر بھی جنتی ہے صابر بھی تو شاکر ہو کر جنتی بنا اور میں صابر ہو کر۔ (روح البیان)۔ قرآن کریم کی اس آیت نے ہم کو بہت بڑی عبادت کی تعلیم دی ہے جو عبادت بھی ہے اور تدبیر منزل بھی۔ رب تعالیٰ نے ہم کو بتایا کہ فطری طور پر ہر ایک کو لالچ ہے۔ جو اس لالچ کو اپنے میں سے نکال دے وہی بہلا رہے۔ **و من یوق شح نفسہ فاولٰئک ھم المفلحون۔** **حکایت:** ایک بار ابلیس حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا نوح علیہ السلام دو چیزوں سے پرہیز کرنا۔ حسد اور لالچ حسد کی وجہ سے میں جنت سے نکالا گیا اور لالچ کی وجہ سے آدم علیہ السلام کو زمین پر تشریف لانی پڑی۔ اسی ابلیس نے یحییٰ علیہ السلام سے کہا کہ مجھے مومن بخیل بڑا پیارا ہے اور فاسق سخی سے بہت ڈرتا ہوں آپ نے پوچھا کیوں۔ بولا مومن بخیل اپنے بخل کی وجہ سے اپنا سب کیا کترا برباد کر لیتا ہے اور فاسق سخی اپنی سخاوت کی وجہ سے سب گناہ بخشوا لیتا ہے۔ (روح البیان)۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا

اور ہرگز طاقت نہ رکھو گے تم یہ کہ پورا انصاف کرو درمیان بیویوں کے اگرچہ تم اسکی حرص کرو پس مائل

اور تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا کہ عورتوں کو برابر رکھو اور چاہے کتنی ہی حرص کرو تو یہ تو نہ ہو کہ ایک طرف

كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ

ہو جاؤ پورا مائل ہونا کہ اسے چھوڑ دو لٹکی کی طرح اور اگر اصلاح کرو اور متقی بنو تو بے شک اللہ

پورا جھک جاؤ اور دوسری کو لٹکتی چھوڑ دو اور اگر تم نیکی اور پرہیزگاری کرو تو بے شک اللہ

اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ

ہے بخشنے والا مہربان اور اگر الگ ہو جاویں وہ دونوں تو غنی کر دیگا اللہ ہر ایک

بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ دونوں جدا ہو جائیں تو اللہ اپنی کشائش سے ہر ایک کو دوسرے سے

www.alahazratnetwork.org

سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

کو اپنی وسعت سے اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا

بے نیاز کر دے گا اور اللہ کشائش والا حکمت والا ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں متنفر خاوند کو منانے اس سے تعلقات قائم رکھنے اور روٹھے خاوند کو منانے کا ذکر تھا کہ اگر گھر بگڑنے لگے تو عقل مند بیوی اپنا گھر بگڑنے سے کیسے بچائے۔ اب نارمل حالات میں بیویوں کے درمیان عدل و انصاف رکھنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ گویا ہنگامی حالات کی اصلاح کے بعد نارمل حالات کی درستی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں عورت کو حکم تھا کہ اپنے گھر کو نہ بگڑنے دے نازک حالات میں عقل مندی سے کام لے اب خاوند کو حکم ہے کہ اپنے گھر کا انتظام کیسے درست رکھے گا۔ گویا زوجین میں سے ایک کو تعلیم دینے کے بعد دوسرے کو یعنی زوج کو تعلیم دی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں خاوند کی زیادتی' سرد مہری کا ذکر تھا۔ جس کا علاج ممکن ہے اب خاوند کے میلان قلبی غیر اختیاری کا ذکر ہے۔ جس کا علاج ناممکن ہے مگر اس زیادتی میلان کا بہترین علاج بھی ارشاد ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اس صورت کا ذکر تھا کہ خاوند دوسری بیوی کرنا چاہے موجودہ بیوی کو علیحدہ کر کے۔ اب اس صورت کا ذکر ہے جب چند بیویاں نکاح میں ہوں گویا چند بیویاں کرنے کا ذکر پہلے تھا اور چند بیویاں رکھنے کا ذکر اب ہے۔

شان نزول : حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نو بیویاں تھیں جن میں سرکار بے مثال انصاف فرماتے تھے حتیٰ کے سفر کے وقت اگر کسی بیوی صاحبہ کو ہمراہ لے جانا ہوتا تو قرعہ ڈالتے جس کا نام قرعہ میں نکلتا اسے ہمراہ لے جاتے۔ مگر قدرتی طور پر ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بہت محبت تھی اس کے متعلق بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے الٰہی جو میرے بس کی بات ہے اس میں میرا معاملہ تو اس قدر برابری کا ہے مگر جو چیز میرے بس میں نہیں تیرے قبضہ میں ہے یعنی دلی میلان اور غیر اختیاری محبت اس میں تو مجھ پر ناراض نہ ہونا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور مسلمانوں کی تعلیم کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر : **ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النساء ولو حرصتم** اگرچہ اس آیت کریمہ کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے مگر چونکہ عدل نہ کر سکنے کے ایک معنی ایسے بھی ہیں جو حضور کی شان کے لائق نہیں۔ اس لئے اس عدل نہ کر سکنے کو حضور کی طرف نسبت نہ فرمایا بلکہ عام مسلمانوں کی طرف نسبت کیا۔ جیسے حضور کی بارگاہ میں راعنا کہنے سے منع فرمایا گیا کہ اس کے ایک معنی اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ دیکھو خضر علیہ السلام نے اپنے تین کاموں کی وجہ بیان فرماتے ہوئے فرمایا۔ **فاردت ان اعیبھا** میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب دار کر دوں یعنی عیب دار کرنے کو رب کی طرف نسبت نہ کیا اور فرمایا **فاراد ربک ان یبدلھما** رب نے چاہا کہ انہیں اس بیٹے سے بہتر اولاد دے لہٰذا اس میں خطاب تمام مسلمانوں سے ہوا۔ اور یہی خبر دی گئی کہ کوئی شخص اپنی بیویوں میں پورا پورا انصاف جس میں مجامعت و میلان قلبی میں بھی برابری ہو نہیں کر سکتا۔ **لن**

www.alahazratnetwork.org

تستطیعوا فرما کر ارشاد ہوا کہ یہ برابری و انصاف تمہاری طاقت سے باہر ہے اور طاقت سے باہر والی چیز پر رب تعالیٰ عتاب نہیں فرماتا ہم لوگ اپنی بیویوں میں اس لئے پورا انصاف نہیں کر سکتے کہ ہمارے نفس دوسری بیوی کی طرف مائل ہوتے ہیں ہم کو ہر نئی چیز پسند ہوتی ہے۔ چھوٹی بیوی' چھوٹی اولاد' نیا مکان' نئی چیز ہم کو پیاری ہے مگر حضور انور کے دل کا جناب عائشہ صدیقہ کی طرف زیادہ مائل ہونا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ حضور کی محبت و نفرت نفسانی نہیں رحمانی ہے۔ ہر جگہ یہی فرق ہے' ہمارا کھانا پینا' سونا جاگنا' نفسانی شیطانی بھی ہو سکتا ہے مگر حضور کا رحمانی ہی ہے۔ **ان تعدلوا** عدل سے بنا بمعنی برابری کرنا' کسی طرف جھک نہ جانا یہاں عدل سے کامل عدل مراد ہے۔ بیویوں میں عدل کی صورتیں ہیں خرچہ میں برابری۔ باری میں برابری' صحبت و مجامعت میں برابری دلی محبت میں برابری۔ پہلی دو چیزوں میں عدل واجب ہے۔ مگر صحبت و محبت میں عدل واجب نہیں۔ یہاں عدل سے مراد ان چاروں مذکورہ چیزوں میں برابری ہے۔ کیونکہ انسان جن چیزوں میں برابری کر سکتا ہے۔ اس پر عمل اسے لازم ہے اگر ان میں فرق کرے گا۔ تو سخت مجرم ہو گا۔ بین النساء میں نساء سے مراد اپنی بیویاں ہیں **ولو حرصتم** ولو کلو او وصلیہ ہے جس کے معنی ہیں اگرچہ حرصتم حرص سے بنا بمعنی زیادتی کی خواہش حرص دنیا بری ہے' حرص آخرت اچھی رب تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف بیان فرماتا ہے۔ **حریص علیکم** یہاں محمود کا ذکر ہے یعنی پوری کوشش کہ اے مسلمانو تم کتنی بھی کوشش کرو مگر اپنی بیویوں میں کامل پورا پورا عدل و انصاف نہ کر سکو گے۔ اس طرح کہ تمام بیویوں کے ساتھ صحبت بھی یکساں کرو اور دلی محبت بھی یکساں رکھو۔ یہ تمہارے بس کی بات نہیں کیونکہ تمہارے دل رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ اس میلان قلبی کی زیادتی کمی میں تم پر کوئی عتاب نہیں۔ **فلا تمیلوا کل المیل** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور اس کی ف جزائیہ ہے **لا تمیلوا** میں انہی خاوندوں سے خطاب ہے جن کی چند بیویاں ہوں اور جن سے خطاب ابھی **لن تستطیعوا** میں تھا۔ میل کے معنی ہیں درمیان سے کسی طرف جھک جانا اسی لئے دشمن پر حملہ کرنے کو بھی میل کہا جاتا ہے مال علیہ اے حمل علیہ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فیمیلوا علیکم میلۃ واحدۃ** " ظلم کو بھی میل کہتے ہیں کہ ظالم انصاف سے جھک جاتا ہے۔ مال کو مال اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ ہمیشہ دوسری طرف جھکا رہتا ہے۔ دوسرے کے پاس جاتا رہتا ہے۔ آج کسی کے پاس ہے کل کسی کے پاس (غ) یہاں کل المیل سے مراد ہے جسمانی' جنانی یعنی قلبی و عملی ہر طرح ایک عورت کی طرف جھک جانا کہ دل سے بھی ایک عورت کو زیادہ چاہے اور خرچہ بر تاؤ باری وغیرہ میں بھی فرق رکھے کہ یہ سخت گناہ ہے۔ جس پر سخت پکڑ ہو گی۔ غرض کہ غیر اختیاری میلان قابل معافی ہے۔ مگر عملی میلان پر پکڑ یعنی اگر تم دلی میلان میں برابری نہیں کر سکتے تو عملی برتاوے میں تو ایک کی طرف بالکل نہ جھک جاؤ کہ بعض بیویوں کو شاد بھی رکھو' آباد بھی اور دوسری بعض کو ناشاد اور غیر آباد کر دو۔ **فتذروها کالمعلقۃ** یہ جملہ کل المیل کی تفسیر و تفصیل ہے اور ف تفصیلیہ ہے۔ **تذرو** فعل ہے۔ جس کا مصدر کوئی نہیں اس کا صرف مضارع اور امر و نہی ہی آتا ہے۔ **و ذروا البیع ها** مرجع وہ بیوی ہے۔ جس سے محبت کم ہو یا بالکل نہ ہو۔ معلقہ تعلیق کا اسم مفعول ہے۔ جس کا مادہ علق ہے۔ بمعنی لٹک جانا یا پھنس جانا اسی سے ہے علقہ جس سے بچہ بنتا ہے۔ معلقہ وہ عورت جس کا خاوند گم ہو گیا ہو اور اس کا معاملہ پھنس گیا ہو۔ وہ نہ خاوند والی ہی ہو نہ بیوہ بیچ میں لٹکی ہو اگر خاوند والی ہوتی تو شاد و آباد ہوتی اگر بیوہ ہوتی تو اپنا نکاح کہیں کر لیتی نہ وہ بیچاری زمین میں ہے نہ آسمان میں (روح البیان و روح المعانی عن ابن عباس)۔ حضرت ابی ابن کعب کی قرأت میں ہے کہ **کالمسجونۃ** اسے قیدی عورت کی طرح کر دو۔ **و ان تصلحوا و تتقوا** اس

www.alahazratnetwork.org

عبارت میں گذشتہ کوتاہیوں کا علاج فرمایا گیا۔ **تصلحوا** سے مراد ہے گذشتہ کوتاہیوں کی عملی توبہ کرنا اور **تتقوا** سے مراد ہے آئندہ ظلم و تعدی سے پرہیز کرنا اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر تم گذشتہ کی اصلاح کر لو اس سے توبہ کر لو اور آئندہ کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو تو تمہارے سارے گذشتہ گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ **کان اللہ غفورا رحیما** " اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی وہ کریم توبہ کرنے والے کے سارے گناہ بخش دیتا ہے۔ **و ان یتفرقا یغن اللہ کلا** " من سعتہ یہ میلان قلبی نہ ہونے کا دوسرا رخ ہے۔ **یتفرقا** سے مراد ہے خاوند و بیوی کا علیحدہ ہو جانا۔ چونکہ اس علیحدگی کی وجہ کبھی خاوند کی طرف سے ہوتی ہے کہ عورت علیحدگی نہیں چاہتی مگر خاوند طلاق دے دیتا ہے اور کبھی عورت کی طرف سے کہ خاوند علیحدگی نہیں چاہتا مگر عورت مجبوراً " بذریعہ خلع یا فسخ نکاح حاکم کی مدد سے علیحدگی اختیار کر لیتی ہے جیسے نامرد کی بیوی یا بعض اماموں کے ہاں نفقہ نہ دینے کی وجہ سے فسخ نکاح اور کبھی خاوند بیوی دونوں کی طرف سے کہ نہ خاوند بسانا چاہے' نہ بیوی بسنا اس لئے یہاں طلاق نہ فرمایا۔ بلکہ **یتفرقا** فرمایا۔ نیز خاوند بیوی کی علیحدگی' کبھی طلاق کے ذریعہ ہوتی ہے' کبھی فسخ اور خلع اور کسی اور وجہ سے اس لئے بھی۔ **تتفرقا** ارشاد ہوا۔ غرضیکہ اس ایک کلمہ میں بہت وسعت ہے۔ **یغن** ان کی جزاء ہے اس کے معنی ہیں بے نیاز' بے پرواہ کر دینا۔ اس میں خاوند و بیوی دونوں کو تسلی ہے۔ یعنی اگر خاوند بیوی کی صلح صفائی نہ ہو سکے اور علیحدگی کی نوبت آ جائے تو عورت گھبرائے نہیں بلکہ اللہ پر توکل و بھروسہ رکھے۔ اللہ تعالیٰ خاوند کو اس بیوی سے اور بیوی کو اس خاوند سے مستغنی و بے نیاز کر دے گا کہ عورت کو اچھا خاوند میسر کر دے گا اور خاوند کو اچھی بیوی دے گا وہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔ **و کان اللہ واسعا حکیما** " یہ عبارت **یغن اللہ** کی علت ہے **واسعا** " سے مراد ہے غنی خلق کو کافی۔ ہر چیز پر قادر۔ ہر شئی کا عالم ہر ایک کو گنجائش دینے والا۔ حکیم ہر کام میں حکمت والا یعنی اللہ تعالیٰ وسعت والا بھی ہے حکمت والا بھی اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اگر طلاق ہو گئی ہے تو رب تعالیٰ کی اس میں بھی کوئی حکمت ہے۔ لہٰذا فریقین کو صبر چاہئے اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو! تم کتنی بھی کوشش کرو اپنی بیویوں میں پورا پورا انصاف تو نہ کر سکو گے کہ جسمانی اور میلانی دونوں قسم کی پوری برابری کرو یہ ناممکن ہے تو یہ تو نہ کرو کہ کسی ایک بیوی کی طرف بالکل ہی جھک جاؤ کہ اس کے ساتھ رہو بسو' اس سے تعلقات رکھو' اس کو نفقہ وغیرہ دو۔ دوسری کو یونہی لٹکا ہوا چھوڑ دو کہ وہ تمہارے اس برے برتاوے سے نہ تو خاوند والی ہی ہو کہ اپنا گھر بنائے رہے بسے نہ بیوہ ہی ہو کہ دوسری جگہ اپنا نکاح کرے اگر تم نے اس قسم کا ظلم کیا تو تم کو سخت سزا دی جائے گی۔ زوجہ کے حقوق حق العبد ہیں جن کی معافی صرف زبانی توبہ سے بھی نہیں ہو سکتی اگر تم اپنا گذشتہ رویہ بدل دو بیویوں میں عدل و انصاف شروع کر دو اور آئندہ کے لئے تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو کہ رب تعالیٰ کی عبادت کرو گھر والوں کے حقوق ادا کرو تو رب تمہارے گناہ بخش دے گا۔ کیونکہ وہ غفور رحیم ہے اور اگر معاملہ اس قدر نازک ہو گیا ہو کہ اس بیوی سے نباہ ناممکن ہو جائے اور علیحدگی واقع ہو جائے تو تم اور تمہاری مطلقہ بیوی صبر کرو۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اسے اچھا خاوند دیدے گا تم کو اچھی بیوی بخش دے گا۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعتوں والا بھی ہے کہ اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور بڑی حکمتوں والا بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ خیال رہے کہ نکاح ختم ہونے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ زوجین میں سے ایک کی موت' خاوند کا مرتد ہو جانا' بیوی کا سسر وغیرہ سے بدکاری کر لینا' خاوند کا طلاق دے دینا' کسی شرعی وجہ سے عورت کا نکاح فسخ کرا لینا جیسے خیار بلوغ کی وجہ سے یا خاوند کی نامردی کی وجہ سے فسخ

www.alahazratnetwork.org

نکاح 'یا نفقہ وغیرہ نہ دینے کی وجہ سے امام مالک کے ہاں فسخ نکاح مگر یہاں تفرقا میں طلاق یا فسخ نکاح مراد ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ کی روش سے معلوم ہو رہا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس کی چند بیویاں ہوں اس پر ان میں شرعی عدل انصاف کرنا اہم فرض ہے اگر اس انصاف میں کوتاہی کرے گا تو سخت سزا کا مستحق ہوگا۔ جیسا کہ **فلا تمیلوا** سے معلوم ہوا۔ احمد' ابوداؤد' ترمذی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کے دو بیویاں ہوں اور ایک کی طرف بالکل جھک جائے' دوسری سے بے پرواہ ہو جائے تو قیامت میں اس طرح آئے گا کہ اس کے جسم کا ایک حصہ مارا ہوا ہوگا (جیسا کہ فالج والے کا حال ہوتا ہے گویا اس سے تکلیف بھی ہوگی اور بدنامی بھی اور رسوائی بھی)۔ حضرت جابر ابن عبید فرماتے ہیں کہ میری دو بیویاں ہیں تو میں ان میں یہاں تک انصاف کرتا ہوں کہ بوس و کنار میں بھی برابری کرتا ہوں کہ حضرت مجاہد فرماتے ہیں کہ میں نے صحابہ کرام کو دیکھا کہ وہ حضرات اپنی بیویوں میں عطر و خوشبو تک میں برابری کرتے تھے کہ ہر ایک کو برابر عطر دیتے۔ حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ جس کی دو بیویاں ہوں وہ ایک کی باری کی شب دوسری کے گھر وضو بھی نہ کرے (روح المعانی)۔ **دوسرا فائدہ:** جس کی دو بیویاں ہوں اس پر واجب ہے کہ دونوں کے درمیان خرچہ برتاؤ' باری یعنی شب باشی میں برابری کرے' ہاں اگر ان میں سے ایک بے اولاد ہے دوسری اولاد والی تو زوجیت کا خرچ دونوں کو برابر دے' دوسری کی اولاد کو خرچہ پرورش علیحدہ دے' یہ فائدہ بھی **فتذروھا الخ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قلبی محبت صحبت میں برابری لازم نہیں کہ صحبت و میلان قلبی غیر اختیاری چیز ہے یونہی مجامعت دل کے نشاط پر موقوف ہے۔ یہ انسان کے بس کی چیز نہیں۔ جب سفر میں جائے اور ایک بیوی کو ہمراہ لے جانا چاہے تو قرعہ ڈالے جس کا نام نکلے اسے لے جائے اس زمانہ سفر کی ہمراہی آئندہ کٹے گی نہیں یعنی واپسی پر باری نئی شروع ہوگی لیکن اگر پردیس میں رہنا چاہے تو وہاں باری باری سے ہر ایک کو رکھے مثلاً چھ ماہ ایک کو ساتھ رکھے' چھ ماہ دوسری کو (تفسیر خازن) حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر بیویوں میں عدل و انصاف واجب تھا قرآن کریم فرماتا ہے **ترجی من تشاء منھن وتئوی الیک من تشاء**' مگر اس کے باوجود عدل کا حال یہ تھا کہ مرض وفات کے زمانہ میں بھی ہر دن علیحدہ بیوی کے ہاں چارپائی پہنچائی جاتی تھی جب تمام ازواج پاک نے بخوشی عرض کیا کہ حضور جہاں چاہیں زمانہ مرض گزاریں ہم خوش ہیں۔ تب آپ نے حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کے ہاں قیام فرمایا جو اتنا انصاف کر سکے وہ چند بیویاں رکھنے کی نیت کرے۔ **چوتھا فائدہ:** خاوند بیوی میں صلح کرانا بڑا ہی باعث ثواب ہے۔ جیسا کہ **و ان تصلحوا** سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی عورت کو طلاق دے دینا دونوں کے لئے کشائش رزق کا سبب بن جاتا ہے جیسے کہ کبھی نکاح کرنا وسعت رزق کا ذریعہ ہے جیسا کہ **یغن اللہ الخ** سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** نہ تو عورت مرد کی بالکل محتاج ہے نہ مرد عورت کا بالکل حاجت مند' سب رب تعالیٰ کے محتاج ہیں۔ ہر شخص کا دوسرے کے بغیر کام چل سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **یغن اللہ الخ** سے معلوم ہوا۔

حکایت : امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں حضرت امیر معاویہ حاکم شام تھے۔ آپ نے ایک عیسائی اپنا میر منشی رکھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے منع فرمایا کہ کلیدی آسامی کافر کو دینا خطرناک ہے۔ جناب معاویہ نے عرض کیا کہ

اس سے بہتر کوئی حساب والا نہیں ملتا مجبوراً اسے رکھا گیا ہے تو حضرت عمر نے فرمایا **ولئن مات النصرانی**۔ اگر یہ عیسائی مر گیا تو کیا کرو گے۔ **ساتواں فائدہ:** اگرچہ انسان میلان قلبی میں بیویوں میں برابری نہیں کر سکتا یہ قدرتی چیز ہے لیکن اگر اس کی بھی کوشش کرے تو ان شاء اللہ ثواب ضرور پائے گا۔ یہ فائدہ **ولو حرصتم** سے حاصل ہوا کہ اس کی کوشش کو رب تعالیٰ نے حرص محمود قرار دیا۔ **آٹھواں فائدہ:** مذکورہ چیزوں میں برابری اپنی بیویوں کے درمیان ضروری ہے۔ لونڈی اور بیوی میں مساوات لازم نہیں۔ جیسا کہ **بین النساء** سے معلوم ہوا۔ نساء بیوی کو کہا جاتا ہے نہ کہ لونڈی کو۔ افسوس کہ مسلمان آج اس آیت پر نظر نہیں رکھتے اندھا دھند چند بیویاں کر لیتے ہیں۔ ایک کو آباد دوسری کو خوار رکھتے ہیں۔ دوسری قومیں ہمارے اس ظلم کو دیکھ کر اسلام پر اعتراض کرتی ہیں کہ شاید اسلام نے ہی اس ظلم کی اجازت دی ہے ہماری حرکتوں نے ہمارے اسلام کا نام ڈبو دیا۔ ہم اسلام کے دامن پر بدنما داغ ہیں۔ **نواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و احترام بارگاہ رب العالمین میں اس قدر ہے کہ ہمارے بیان میں نہیں آسکتی۔ دیکھو اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے مگر اس میں خطاب مسلمانوں سے کیا گیا نہ کہ حضور اقدس سے کیونکہ اس میں انصاف نہ کر سکنے کا ذکر ہے۔ جس کے ایک معنی حضور کی شان کے خلاف ہیں۔ جیسا کہ داؤد علیہ السلام کو ایک مسئلہ پر متوجہ فرمانے کے لئے دو فرشتوں کو شکل انسانی میں بھیجا، جنہوں نے خود اپنی طرف نسبت کر کے مسئلہ پوچھا یہ ہے حضرات انبیاء کا احترام۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ عورتوں میں پورا عدل و انصاف واجب نہیں، ہاں یہ برا ہے کہ ایک کو بالکل ہی معلقہ کر دے لہٰذا اگر ایک کو سو روپیہ ماہوار دے۔ دوسری کو پچیس روپے ماہوار اور ایک کے پاس ایک مہینہ رہے، دوسری کے پاس ایک دن تو بھی جائز ہے۔ دیکھو یہاں قرآن کریم نے خود گواہی دے دی کہ تم پورا انصاف نہ کر سکو گے صرف یہ حکم دیا کہ دوسری کو معلقہ نہ چھوڑ دو (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں عدل سے مراد دلی محبت اور صحبت میں برابری ہے۔ یہ برابری واقعی ناممکن ہے۔ برتاوے اور سلوک کی برابری واجب ہے کہ یہ انسان کے قبضہ میں ہے اس کی تفسیر وہ حدیث پاک ہے جو شان نزول میں عرض کی گئی۔ حضور کا عمل شریف اس آیت کی تفسیر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایک بیوی کی طرف کل میل نہ چاہئے۔ بعض میل جائز ہے۔ رب نے فرمایا **فلا تمیلوا کل المیل**۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں کل میل سے مراد ہے عمل و برتاوے میں برابری نہ کرنا تو حرام ہے۔ اختیاری برتاوے میں پوری برابری فرض ہے اس میں فرق کرنا حرام۔ لا تمیلو نہی ہے اور نہی حرمت کے لئے آتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** پیغمبر اسلام نے چند بیویاں کیوں رکھیں۔ نبی کو بیوی سے کیا کام، اگر بیوی ضروری تھی تو ایک ہی کافی تھی۔ آج مسلمان حضور کے اس عمل کو دلیل پکڑ کر دھڑا دھڑ چند بیویاں کر رہے ہیں اور ایسے ظلم کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ۔ دیکھو عیسائیوں کے نبی نے شادی ہی نہ کی۔ ہندوؤں کے بہت سے اوتاروں نے نکاح نہ کئے۔ برہماری زندگی گزاری۔ (بعض عیسائی و ہندو نواز بے دین)۔ **جواب:** تعدد ازواج کی حکمت ہم مثنیٰ و ثلث و ربع کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ تعدد ازواج کثرت اولاد، زنا سے بچانے اور ضروریات انسانی پوری کرنے کے لئے کبھی اشد ضروری ہوتا ہے۔ جن قوموں میں تعدد ازواج ممنوع ہے ان میں زنا کی کثرت ہے۔ دیکھو امریکن اور انگریزوں وغیرہم کو۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چند نکاح کرنا عیش کے لئے نہ تھا کہ عیش و جوانی کا زمانہ حضور نے ایک بوڑھی بیوی حضرت خدیجہ کے ساتھ گزارا کہ پچیس سال کی عمر شریف میں

www.alahazratnetwork.org

چالیس سالہ بیوی صاحبہ سے نکاح کیا پھر بڑھاپے یعنی پینتالیس سال کی عمر میں دوسرے نکاح کئے۔ اس تعدد ازواج میں صدہا حکمتیں تھیں۔ عرب قبائل کو ایک کردینا ہر قبیلہ سے رشتہ قائم فرما کر ان میں تبلیغ فرمانا وغیرہ۔ اس تعدد نکاح کی برکت سے ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام بھی دنیا میں آکر نکاح بھی کریں گے۔ صاحب اولاد بھی ہوں گے۔ ہندوؤں کے رجن او تاروں مہاتماؤں نے شادیاں نہ کیں وہ غالباً "نامرد تھے جو مرد تھے انہوں نے بہت شادیاں کیں۔ راجہ حسرت کی دو بیویاں تھیں۔ کھنیا کی ایک ہزار بیویاں تھیں۔ دیکھو حضرت داؤد علیہ السلام کی 99 بیویاں تھیں۔ حضرت سلیمان کی ایک ہزار بیویاں تعدد نکاح ہر دین کے پیشواؤں میں موجود ہے۔ چوتھا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عائشہ صدیقہ سے محبت زیادہ کیوں تھی؟ صرف اس لئے کہ وہ کنواری تھیں۔ باقی بیوہ گان اگر یہ ہے تو اس میں عیش پرستی پائی جاتی ہے (آریہ)۔ جواب: یہ غلط ہے اگر آپ کو کنواری بیوی پسند تھی تو آپ بہت سی کنواری لڑکیوں سے نکاح کرسکتے تھے۔ نیز آپ کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے ایسی محبت تھی کہ ان کی زندگی میں کسی دوسری بیوی سے نکاح نہ کیا حالانکہ وہ بیوہ تھیں۔ یہ محبت قدرتی تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ ایسی عالمہ فہمیہ ذکیہ "قرآن و حدیث کی سمجھنے والی بی بی تھیں کہ از آدم علیہ السلام تا قیامت ایسی بی بی نہ ہوئی نہ ہوگی۔ آپ کے حقہ عقل و علم سے وہ لوگ واقف ہیں جنہیں قرآن و حدیث کے مطالعہ کا شوق ہے۔ یہ خوبیاں ہیں جنہوں نے آپ کو محبوبہ رب العالمین بنادیا۔ آپ ہی کی عصمت کی گواہی قرآن کریم نے دی۔ آپ ہی کے پہلو میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔ آپ کے حجرے شریف میں حضور انور دفن ہوئے۔ خود صدیقہ والد صدیق اکبر رضی اللہ عنہما۔ پانچواں اعتراض: احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ بنت زمعہ کو جو آپ کی بیوی تھیں طلاق دینی چاہی جس پر حضرت سودہؓ نے اپنی باری جناب عائشہ صدیقہ کو بخش دی۔ تب آپ نے انہیں اپنے نکاح میں رکھا۔ بولا یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ ایک بیوی کو باری سے محروم کردیا۔ انہیں معلقہ بنا کر اس آیت کے خلاف کیا۔ معاذ اللہ۔ (آریہ و عیسائی)۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ازواج پاک کی باریاں مقرر کرنا واجب ہی نہ تھا۔ قرآن کریم نے آپ کو اختیار دیا تھا کہ جس بیوی صاحبہ کو چاہیں اپنے پاس رکھیں، جس کو چاہیں علیحدہ رکھیں۔ تئودی الیک من تشاء تو یہاں باری مارنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ حضور کے سارے اعمال و افعال تا قیامت لوگوں کے لئے تعلیم ہیں۔ اور قرآن کریم کی تفسیر یہ عمل بھی امت کی تعلیم کے لئے تھا کہ اگر کبھی کوئی خاوند اپنی کسی بیوی سے کسی وجہ سے برداشتہ خاطر ہوجائے تو اسے طلاق دے سکتا ہے اور اگر بیوی طلاق لینا نہ چاہے تو کچھ شرائط پر صلح کرکے اس کے گھر میں رہ سکتی ہے اس واقعہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ کو کالمعلقہ نہ بنادیا ان کا نفقہ اور ہر طرح خبر گیری اپنے ذمہ رکھی اور حضور کے پردہ فرمانے کے بعد تمام مسلمانوں نے ان کی خدمت و حرمت و عزت اپنی ماؤں کی طرح کی رضی اللہ عنہا۔ لہذا نہ اس آیت کریمہ کے خلاف یہ عمل ہوا اور نہ اس میں کچھ اعتراض ہے ان کے حالات کو اپنے پر قیاس کرنا سخت غلطی ہے۔ ہمارے کام نفسانی ہوتے ہیں ان کے تمام کام ایمانی و روحانی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا و آخرت دو سوکنیں ہیں جن کا تعلق ہر مسلمان سے ہے اور ان کا اجتماع بہت مشکل ہے۔ یہ بہت ہی مشکل ہے کہ کوئی دنیا و آخرت دونوں کو یکساں طور پر سنبھالے تو چاہئے یہ کہ نہ تو دنیا کی طرف اس قدر جھک جائے کہ آخرت چھوڑ بیٹھے اور نہ آخرت کی طرف اس قدر مائل ہوجائے کہ دنیا سے بے تعلق ہوجائے کہ یہ بھی کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

دونوں جہان ہمارے لئے ہی بنائے ہیں ان میں سے کسی کو معطل نہ چھوڑو اس لئے شریعت نے گیارہ مہینے کھانے کے لئے رکھے ایک ماہ رمضان روزے کے لئے اور چوبیس گھنٹے میں کچھ ساعتیں نماز کے لئے رکھیں اور باقی وقت دنیاوی کاروبار کے لئے تاکہ ان دونوں سوکنوں کے حق ادا ہوتے رہیں اور دونوں سے تعلق قائم رہے۔ بلکہ اگر ہم اصلاح و تقویٰ اختیار کریں کہ دنیا کو دین بنا لیں تو ہماری ساری مشکلات حل ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی۔ اگر کوئی شخص دنیا کو طلاق دے کے اس سے علیحدہ ہی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کے لئے ہزارہا مخلوق پیدا کی ہے جو اسے سنبھالے رہے گی اور اس کے لئے ایسا اعلیٰ انتظام فرما دے گا کہ اسے دنیا کی حاجت نہ رہے گی۔ غرضیکہ نہ تو دنیا ہمارے بغیر فنا ہو جائے گی نہ ہم دنیا کے بغیر ہلاک ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ بڑی وسعتیں دینے والا ہے اور بڑی حکمتوں والا ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ
اور ہے اللہ کا وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے اور البتہ تحقیق وصیت فرمائی ہم نے ان
اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک تاکید فرما دی ہم نے
اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ
لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو یہ کہ ڈرو اللہ سے اور اگر انکار کرو تم
ان سے جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور تم بھی اللہ سے ڈرتے رہو اور
تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ
تو تحقیق اللہ کا ہی ہے جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں اور ہے
کفر کرو تو بے شک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ
اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى
اللہ بے پرواہ تعریف کیا ہوا اور ہے اللہ کا ہی وہ جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے
بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں
بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾
اور کافی ہے اللہ کام سپرد کیا ہوا۔
اور اللہ کافی ہے کارساز۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ طلاق ہو جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ خاوند بیوی میں سے ہر ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا۔ اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم آسمان و زمین کے مالک ہیں۔ لہٰذا خاوند کو اچھی بیوی دے سکتے ہیں۔ اور اس بیوی کو اچھا خاوند بخش سکتے ہیں۔ گویا دعویٰ

www.alahazratnetwork.org

پہلے تھا دلیل اب ارشاد ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ خاوند بیوی بعد طلاق ایک دوسرے سے بے نیاز ہو سکتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم سے کوئی بے نیاز نہیں ہو سکتا کہ ہم تمام چیزوں کے دائمی مالک ہیں۔ لہذا ہمارے دروازے پر ہمیشہ حاضر رہو گویا ٹوٹ جانے والے رشتوں کا ذکر فرما کر اب نہ ٹوٹنے والے تعلق کا ذکر ہو رہا ہے۔ عبد و معبود کا۔ خیال رہے کہ دنیاوی جسمانی رشتوں میں کمزور رشتہ نکاح کا ہے جو اپنے اختیار سے جوڑا جاتا ہے اور اپنے ہی اختیار سے توڑ بھی دیا جاتا ہے اسے کہتے ہیں سببی رشتہ' اور مضبوط رشتے نسبی ہیں۔ ماں باپ' بہن بھائی کے۔ رشتے کہ وہ نہ ہمارے اختیار سے جوڑے جاتے ہیں۔ نہ ہمارے توڑے ٹوٹتے ہیں مگر یہ نسبی رشتے بھی موت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ روحانی رشتہ وہ ہے جو مرنے سے بھی نہیں ٹوٹتا اسی لئے انسان مر کر نہ کسی کا بیٹا رہتا ہے نہ باپ۔ مگر حضور کا امتی شیخ کا مرید رہتا ہے۔ فرشتے قبر میں یہ نہیں پوچھتے کہ تو کس کا بیٹا ہے۔ ہاں یہ ضرور پوچھتے ہیں کہ کس کا بندہ' کس کا امتی' کس دین پر ہے' رشتہ نبوت' رشتہ الوہیت کا مظہر ہے۔ مر کر بندہ نہ تو رب کی بندگی سے نکلے نہ حضور کے امتی ہونے سے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی وسعت سلطنت و حکمت کا ذکر فرمایا تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ تمام آسمان و زمین ہماری ملک ہمارے قبضہ میں ہے۔ ایسی وسیع سلطنت والے احکم الحاکمین کی قدرت و سلطنت و علم بہت وسیع ہونا یقینی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ہم کو یتیموں سے سلوک' بیویوں سے اچھا برتاؤ کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ احکام تمہارے بھلے کے لئے تم کو دیئے جا رہے ہیں۔ ان احکام کی وجہ یہ نہیں کہ ہم براہ راست یتیموں' بیوگان کو نہیں پال سکتے۔ ہم تو زمین و آسمان کے خالق و مالک ہیں۔ سب کو پال چکے ہیں۔ پال رہے ہیں اور پالتے رہیں گے۔ فرشتے' روحیں وغیرہ نہ کسی کی بیوی ہیں نہ کسی کی اولاد' نہ کوئی ان کی پرورش کرتا ہے۔ انہیں براہ راست ہم ہی پال رہے ہیں۔ تم عالم اجسام میں آ کر دوسروں کے رشتہ دار بنے ہو۔ **پانچواں تعلق:** اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیات میں ہم کو معاملات درست کرنے کا حکم دیا تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ احکام صرف تمہارے لئے ہی نہیں۔ بلکہ گزشتہ کتابوں میں دوسری قوموں کو بھی دیئے گئے تھے کہ درستی معاملات' تقویٰ کا رکن ہے اور تقویٰ کا حکم ہمیشہ سے رہا ہے۔

تفسیر: **و للہ ما فی السموت وما فی الارض** یہ آیت گزشتہ مضمون کی گویا علت ہے کہ وہاں فرمایا گیا تھا کہ زوجین کی تفریق و طلاق کی صورت میں اللہ تعالیٰ زوجین میں سے ہر ایک کو دوسرے سے مستغنی کر دے گا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں اس کی مملوک و مقبوض ہیں۔ ایسے شہنشاہ مطلق کو غنی کرتے کیا دیر لگتی ہے۔ للہ کا لام یا ملکیت کا ہے یا قبضہ کا یعنی اللہ کی مملوک' مقبوض' مخلوق' مرزوق' مقدور' مقسور ہیں یا اللہ ہی کی عابد ہیں۔ پہلی دو چیزیں یعنی مملوک و مقبوض ہونا بندے کی طرف بھی مجازاً منسوب ہو سکتی ہیں مگر باقی چیزیں کسی بندے کی طرف کسی طرح منسوب نہیں ہو سکتیں۔ ہمارا جانور ہمارا مملوک و مقبوض تو ہے مگر ہمارا مخلوق یا مرزوق یا مقدور یا مقسور نہیں۔ نہ ہمارا عابد ہے لہذا اللہ کے سات آٹھ معنی ہو سکتے ہیں ما سے مراد تمام مخلوق ہے۔ عقل والی ہو یا بے عقل چونکہ بے عقل مخلوق کے اقسام زیادہ ہیں اور عقل والی مخلوق کے اقسام تھوڑے نیز عاقل مخلوق بھی بذات خود غیر عاقل ہے۔ جب رب نے عقل دی تو اسے عقل ملی۔ دیکھ لو کہ انسان کا بچہ جانوروں سے بھی زیادہ بے سمجھ پیدا ہوتا ہے کہ جانور کے بچے پیدا ہوتے ہی اپنی ماں اور غذا کو پہچان لیتے ہیں یہ

www.alahazratnetwork.org

کچھ بھی نہیں جانتا پھر عاقل ہو کر آسمان و زمین کی پیائش کر لیتا ہے پھر بوڑھا ہو کر بالکل ناسمجھ بن جاتا ہے۔ **لکیلا یعلم بعد علم شیئا**" ۔ اس وجہ سے لفظ ما میں سب کو بیان فرما دیا گیا۔ **السموات** کے جمع فرمانے اور **الارض** کے واحد فرمانے کی وجوہ بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں اس سے مراد سارے عالم اجسام کی چیزیں ہیں۔ یعنی خود آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک و مقبوض ہیں۔ کوئی کسی وقت اس کی ملکیت و قبضہ سے باہر نہیں ہو سکتی۔ **ولقد وصینا الذین اوتوا الکتب من قبلکم و ایاکم** چونکہ متکلم کی عظمت و ہیبت سے کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک بات معمولی آدمی کے تو بات بھی معمولی ہوتی ہے۔ وہی بات بڑا آدمی کے تو بڑی ہو جاتی ہے اس لئے اولاً" رب تعالیٰ نے اپنی عام سلطنت کا ذکر پہلے فرمایا۔ اب تقویٰ و طہارت کا حکم دیا۔ یہ جملہ نہایت تاکیدوں پر مشتمل ہے۔ لام تاکید کا قد تاکید کا وصینا کا کلمہ تاکید کا۔ وصینا بنا ہے 'وصیت سے جب اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں تاکیدی حکم۔ **الذین** سے مراد تمام گزشتہ دین والے لوگ ہیں۔ یہود و نصاریٰ ہوں یا دوسرے انبیاء کرام کی امتیں اسی طرح کتاب سے مراد ہر آسمانی کتاب ہے۔ توریت و انجیل ہو یا اور کتب و صحیفے **من قبلکم** کا تعلق یا وصینا سے ہے یا اوتوا الکتاب سے وایاکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یعنی تم سے گزشتہ لوگوں کو جنہیں کتاب تم سے پہلے دی گئی اور تم کو تاکیدی حکم دیا یا ہم نے پہلی کتاب والوں کو تم سے پہلے تاکیدی حکم دیا تھا۔ اب تم کو بھی تاکیدی حکم دیا۔ **ان اتقوا اللہ** یہ وصینا کا دوسرا مفعول ہے ان مصدریہ ہے تقویٰ سے مراد ہے ڈرنا یعنی ہم نے ان کو اور تم کو اللہ سے ڈرنے کا حکم دیا اللہ سے ڈر تمام نیک اعمال کی جڑ ہے اس میں سب کچھ آ گیا **و ان تکفروا فان للہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہ دوسری تاکیدی بات ہے کفر سے یا ایمان کے مقابل بد عقیدگیاں مراد ہیں۔ یا شکر کے مقابل ناشکری مراد اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور ممکن ہے کہ تمام جن و انس سے ہو۔ نیز معصوم اور محفوظ انسان اس خطاب سے علیحدہ ہیں کیونکہ ان سے کفر ممکن نہیں جیسے حضرات انبیاء و خاص اولیاء اللہ اس ان کی جزاء پوشیدہ ہے یعنی **لا تضروا اللہ شیئا**" اور **فان اللہ** کی ف تعلیلیہ ہے۔ یہ جملہ جزاء پوشیدہ کی علت ہے۔ **ما فی السموت والارض** کی تفسیر ابھی عرض ہو چکی یہاں اس ملکیت کا ذکر اپنے غنا کے اظہار کے لئے ہے۔ یعنی اے سارے جن و انس اگر تم سب کے سب کافر یا ناشکرے ہو جاؤ تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ وہ تو تمام عالم اجسام کا مالک و قابض ہے نہ کسی کے شکر سے اس کا نفع ہے نہ کسی کے کفر سے اس کا کچھ نقصان وہ غنی ہے۔ **و کان اللہ غنیا" حمیدا**" ۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی دو خصوصی صفات کا ذکر ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے غنی غنا سے بنا بمعنی بے نیازی و بے پرواہی حمید بمعنی محمود ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی حامد ہو یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے بے نیاز ہے اور ساری مخلوق کا سراہا ہوا تعریف کیا ہوا کہ محمود وہ ایک ہے حامد ساری خلقت یا وہ کریم اپنے خاص بندوں کی تعریف کرنے والا ہے کہ کسی بندے کی محبت رائیگاں نہیں فرماتا۔ مخلصین کی یہاں بھی تعریف فرماتا ہے قیامت میں بھی فرمائے گا اور ان کے گناہ بخشے گا۔ دنیا میں بڑے لوگ زیادہ محتاج ہوتے ہیں۔ ان کی بدگوئیاں بھی زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ رب تعالیٰ ہی کی شان ہے کہ تمام جہان کا پورا مالک بھی ہے۔ پھر سب سے بے نیاز اور سب اس کی تعریف ہی کریں۔ **و للہ ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہ جملہ یہاں یا تو اپنی غنا اور محمودیت یا حامدیت کے بیان کے لئے ارشاد ہوا یا اگلے مضمون **و کفی باللہ** الخ کے بیان کے لئے اس کی تفسیر ابھی عرض ہو چکی۔ خیال رہے کہ آسمان فیض دینے والا ہے اور زمین فیض لینے والی کہ ہمیشہ زمین بارش، دھوپ چاندنی تاروں کا نور آسمان سے ہی لیتی ہے نیز موسموں کی

www.alahazratnetwork.org

تبدیلیاں۔ عمروں کا ختم ہونا۔ دن رات آسمانی فیض سے آتے ہیں اس لئے آسمانی چیزوں کا ذکر پہلے ہوا۔ زمینی چیزوں کا ذکر بعد میں کہ دینے والا افضل ہوتا ہے۔ یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ تمام آسمانی ' زمینی چیزوں کا مالک و قابض ہے۔ لہٰذا وہ سب سے بے نیاز اور سب کا سراہا تعریف کیا ہوا ہے۔ یا چونکہ وہ مالک عالم اجسام ہے لہٰذا **و کفی باللہ وکیلا** "۔ کفی کفایت سے بنا بمعنی کافی ہونا اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہ رہنا باللہ کفی کا فاعل ہے۔ ب زائدہ ہے وکیلا" کفی باللہ کی تمیز۔ وکیل بنا ہے وکل سے بمعنی سپرد کرنا وکیل وہ جس کو اپنی چیز اپنا اختیار ' اپنا معاملہ سپرد کر دیا جائے یا جس پر بھروسہ کیا جائے اسی سے ہے توکل یعنی اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کے لئے کافی کارساز ہے۔ بھروسہ کے لائق ہے اس کے ہوتے کسی کی ضرورت نہیں لہٰذا اے انسانو یا اے مسلمانو اس پر توکل کرو۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو! ہم قادر ہیں کہ زوجین کو بعد طلاق ایک دوسرے سے بے نیاز کر دیں کیونکہ تمام آسمانوں اور زمین کی ساری چیزیں اللہ تعالیٰ ہی کی ملک اس کی مقبوض ہیں ہم نے تم سے پہلے امتوں کو بھی تاکیدی حکم دیا تھا اور تم کو دیتے ہیں کہ ہر حال میں اللہ سے ڈرو کہ یہ مومن کی بیش بہا دولت ہے۔ یہ حکم دینا اس لئے نہیں کہ ہم کو تمہارے تقویٰ کی ضرورت ہے بلکہ خود تمہارے ہی نفع کے لئے ہے ورنہ اگر تم سب کے سب کافر یا ناشکرے ہو جاؤ تو ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ سب کچھ آسمانی زمینی چیزیں ہماری مملوک و مقبوض ہیں ہم سب سے بے نیاز بھی ہیں سب کے محمود بھی۔ اگر تمام جہان تقویٰ اختیار کرے تو ہمارا کچھ نفع نہیں اگر تمام نافرمان ہو جائے تو ہمارا کچھ نقصان نہیں۔ خیال رکھو کہ تمام آسمانوں اور زمین کی چیزیں ہماری ہی ہیں تو اپنے بندوں کے ہم ہی کارساز ہیں۔ ہم پر سب کو بھروسہ کرنا چاہئے۔ اس میں سب کا بھلا ہے۔ خیال رہے کہ کفر کے معنی ہیں چھپانا اس لئے ایک دوا کا نام ہے کافور کہ وہ اپنی تیز خوشبو سے تمام خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے۔ جس غلاف میں درخت کے پھل رہتے ہیں اسے کہتے ہیں کفرا۔ شریعت میں انکار یا ناشکری کو کفر کہتے ہیں کیونکہ ان دونوں حرکتوں سے انسان رب کی نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ کفر یعنی بے ایمانی بہت قسم کی ہے۔ رب کا انکار اس کی صفات کا انکار نبی کا انکار وغیرہ یہ سب کفر ہیں۔ یونہی ناشکری بہت سی قسم کی ہے۔ رب کی نعمتوں کو اپنے کمال کی وجہ سے سمجھنا ناشکری ہے اس کی نعمتوں پر اس کی حمد نہ کرنا بھی ناشکری ہے۔ ان نعمتوں کا حق ادا نہ کرنا ناشکری ہے۔ رب کی نعمتوں کا چرچا نہ کرنا ناشکری ہے اللہ کے بندوں کا شکریہ ادا نہ کرنا جس کے ذریعہ سے نعمت ملی یہ بھی رب کی ناشکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو محسن اعظم ہیں۔ ان سے محبت نہ کرنا رب کی ناشکری ہے۔ غرضیکہ **ان تکفروا** میں بڑی گنجائش ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: تمام چیزوں کا حقیقی مالک و قابض اللہ تعالیٰ ہی ہے کوئی شخص ایک ذرہ کا بھی مالک حقیقی نہیں۔ جیسا کہ للہ کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ جو بندہ کسی چیز کا مالک ہے وہ رب کریم کی عطا سے اس کے کرم سے عارضی مالک ہے۔ **دوسرا فائدہ**: تقویٰ یعنی اللہ تعالیٰ کا خوف رب کی بڑی نعمت ہے جسے یہ مل جائے وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ اس تقویٰ کا حکم ہر دین و ملت میں رہا ہے جیسا کہ **ولقد وصینا** الخ سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ بندوں کی عبادت و تقویٰ سے بے نیاز ہے۔ یہ غنا ہی مدار الوہیت ہے۔ بندہ جو محتاج ہو معبود وہ جو بے نیاز ہو جیسا کہ **کان اللہ غنیا** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: تمام تعریفیں درحقیقت رب تعالیٰ ہی کی تعریفیں ہیں اگر براہ راست

www.alahazratnetwork.org

اس کی ذات و صفات کی تعریفیں کرو تب تو ظاہر ہے اور اگر اس کے کسی بندے یا کسی اور مخلوق کی تعریف کرو تو بالواسطہ وہ بھی رب ہی کی تعریف ہے کہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا اس کے بنانے سے ہوا۔ جیسا کہ حمیداً کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالٰی کسی بندے کے اخلاص و نیک اعمال کی ناقدری نہیں فرماتا۔ اس کی بارگاہ میں بندوں کے معمولی اعمال کی بڑی قدر و منزلت ہے کہ ایسے بندوں کی دنیا میں بھی تعریف فرماتا ہے آخرت میں بھی جیسا کہ حمیداً کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رب نے ایسی تعریف فرمائی کہ حضور کا نام ہی ہوا محمد یعنی اپنے رب کے تعریف کردہ تمام جہان ان کی تعریف کر رہا ہے یہ ہے حمد الٰہی کا ظہور۔

پہلا اعتراض: ان آیات کریمہ میں **للہ ما فی السموت وما فی الارض** کیوں ارشاد ہوا۔ ایک عبارت کی تکرار ادبی لحاظ سے بہتر نہیں۔ **جواب**: کسی عبارت یا کسی مضمون کی تکرار نذموم جب ہوتی ہے جبکہ وہ بے فائدہ ہو یہاں اس تکرار میں بہت فائدے ہیں۔ چنانچہ پہلی آیت میں یہ آیت اغناء یعنی زوجین کو ایک دوسرے سے غنی کر دینے کے لئے ارشاد ہوئی۔ دوسری آیت میں یہ عبارت خود رب تعالٰی کی بے نیازی و غنا ثابت کرنے کے لئے ارشاد ہوئی کہ اگر تمام دنیا کافر ہو جائے تو اس کا نقصان نہیں کیونکہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ دوسری آیت میں بندوں کو توکل کی تعلیم کے لئے ارشاد ہوا کہ بندے صرف رب تعالٰی پر توکل کریں کیونکہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے۔ لہٰذا ہر جگہ اس آیت کا علیحدہ مستقل فائدہ ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کا مالک قابض صرف رب تعالٰی ہے مگر تم لوگ نبیوں' ولیوں کو مالک مانتے ہو۔ یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے اور صریحی شرک ہے۔ **جواب**: یہاں حقیقی ملکیت ذاتی دائمی قبضہ کا حصر ہے واقعی 'حقیقی' دائمی' ذاتی ملک صرف اللہ کی ہے بندوں کی ملکیت عارضی عطائی حادث ہے۔ رب کے مالک کر دینے سے بندے بھی مالک ہیں۔ ہم لوگ اپنے مکان' دکان زمین کے مالک ہیں کہ اسے بیچ سکتے ہیں۔ اس کا کرایہ کھا سکتے ہیں۔ اپنے مال کی زکوۃ ہم پر واجب ہے اگر ہم بالکل مالک نہ ہوتے تو یہ احکام ہم پر کیوں جاری ہوتے۔ پھر ان تمام چیزوں کا رب بھی مالک ہے۔ وہ مالک حقیقی ہے، ہم اس کے مالک کر دینے سے مجازی مالک، ہم **سمیع بصیر** ہیں عارضی حادث سمع بصر سے رب تعالٰی سمیع بصیر ہے واجب قدیمی ذاتی سمع بصر ہے **تیسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالٰی ہی کارساز ہے۔ اسی پر بھروسہ چاہئے مگر تم لوگ نبیوں' ولیوں' پیروں' مشائخ کو بھی کارساز حاجت روا وغیرہ سمجھتے ہو یہ اس آیت کے خلاف ہے اور شرک صریح' و کفی باللہ وکیلا شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ندارم غیر از تو فریاد رس — توئی عاصیاں را خطابخش و بس

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ آپ حضرات بھی حاکم' حکیم' امیروں کو فریاد رس سمجھتے ہو۔ اسی لئے ظلم بیماری چندہ کی فریادیں لے کر ان کے ہاں جاتے ہو یہ بھی اس آیت کے خلاف اور شرک ہونا چاہئے۔ اطباء کے ہاں ایک شربت کا نام ہے۔ شربت فریاد رس جب جڑی بوٹیوں کا شربت فریاد رس ہو سکتا ہے تو اللہ تعالٰی کے محبوب بندے فریاد رس ہو سکتے ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ حقیقی فریاد رس مشکل کشا رب تعالٰی ہی ہے۔ عارضی عطائی طور پر اس نے اپنے بندوں کو بھی فریاد رس بنایا ہے اور ہم کو مصیبت کے وقت ان کے دروازوں پر جانے کا حکم دیا ہے۔ فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک** کل قیامت میں پہلا کام تلاش شفیع ہوگی یہ ہے بندوں کا فریاد رس

www.alahazratnetwork.org

ہونا۔ شیخ سعدی گلستان میں فرماتے ہیں۔۔

ہر کہ فریاد رسی روز مصیبت خواہد گو در ایام سلامت بجواں مردی کوش

جو کوئی رب تعالیٰ کی ان عطاؤں کا منکر ہے وہ رب تعالیٰ کو کسی چیز کا پورا مالک نہیں مانتا۔ پورا مالک وہ ہوتا ہے۔ جو مالک کر بھی سکے اگر مالک نہیں کر سکتا تو وہ صرف قابض ہے مالک نہیں جیسے مکان کا کرایہ دار جب رب تعالیٰ ہر چیز کا پورا مالک ہے۔ تو وہ اپنے بندوں کو مالک کر بھی سکتا ہے مگر غلام کو مالک کر دینے سے مولیٰ کے ملک سے وہ چیز نکل نہیں جاتی مولیٰ حقیقی مالک رہتا ہے۔ غلام عارضی مالک یونہی یہاں ہے فرماتا ہے قل اللھم ملک الملک تئوتی الملک من تشاء یہاں الملک معرفہ ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ جس ملک کا اللہ مالک اس کا مالک کر بھی سکتا ہے۔ رب تو اجسام ارواح عالم امر سب کا مالک ہے تو ان سب کا مالک کر بھی سکتا ہے۔ جو چاہے کہ مصیبت کے دن اس کا کوئی فریاد رس ہو تو اس سے کہہ دو کہ سلامتی کے زمانہ میں بہادری میں کوشش کرے۔ دنیا عالم اسباب میں اس کا نظام ہی اس طرح قائم ہے کہ بعض بندوں کے کام بعض کے ذریعہ سے بنیں اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب "جاء الحق" حصہ اول ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف بے عقل وبے جان چیزیں ہی اللہ تعالیٰ کی ہوں عقل والی چیزیں کسی اور کی ہوں کیونکہ یہاں ما فرمایا گیا ہے اور ما آتا ہے بے عقل چیزوں کے لئے۔ **جواب:** اس کے تین جواب ہیں۔ دو عالمانہ ایک جواب عاشقانہ۔ ایک یہ کہ ساری مخلوق الٰہی میں صرف تین چیزیں عقل والی ہیں۔ انسان' فرشتے جن باقی تمام مخلوق بے عقل ہے چونکہ بے عقل مخلوق بہت زیادہ تھی اس لئے ما ارشاد ہوا دوسرے یہ کہ **للہ ما فی السموت** الخ کے معنی یہ ہیں کہ تمام بے عقل چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی عابد اسی کی فرمانبردار ہیں اگر عقل والے انسان وجن شرک و کفر یا نافرمانی کریں تو ان بے جان وبے عقل سے بدتر ہیں۔ تیسرے یہ کہ انسان وجن بھی بذات خود بے عقل ہیں۔ رب نے عقل دی تو عارضی عقل آ گئی دیکھو انسان پیدا ہو تو بے سمجھ پھر بڈھا ہو کر بے عقل نیز دوران زندگی میں بہت دفعہ بے عقل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا وہ بھی بذات خود بے عقل ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اگر تم سب کفر کرو تو تمام آسمان وزمین کی چیزیں اللہ کی ہیں۔ تو کیا اگر سب کفر نہ کریں تو یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی نہیں یہ شرط وجزاء کیسی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ **فان اللہ** الخ **ان تکفروا** کی جزاء نہیں بلکہ اس کی جزاء پوشیدہ ہے۔ **فان للہ ما فی السموت** اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے۔ اور یہ ف تعلیلیہ ہے۔ آیت کریمہ کا ترجمہ یہ ہے کہ اگر تم سب کفر کرو تو اللہ تعالیٰ کا کچھ نقصان نہیں کیونکہ تمام مخلوق اس کی ملک ہے۔ لہٰذا آیت صاف ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ غنی اور حمید ہے یہ نہ معلوم ہوا کہ کب سے ہے اگر ہمیشہ سے ہے تو دنیا کے بننے سے پہلے اس کی حمد کون کرتا تھا اور اگر دنیا بننے کے بعد حمید ہوا۔ جب لوگوں نے اس کی حمد کی تو اللہ تعالیٰ کی یہ صفتیں ازلی قدیم نہ رہیں۔ **جواب:** یہاں کان دوام وہمیشگی کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اور ساری صفات ازلی وقدیم ہیں۔ ہاں اس کے افعال حادث و نو پید ہیں۔ عالم بننے سے پہلے وہ رزاق' سمیع' بصیر' حمید و غنی تھا اور عالم فنا ہونے کے بعد بھی رہے گا۔ ہاں کسی کو روزی دینا وغیرہ مخلوق کے پیدائش کے بعد سے شروع ہوئے۔ ہم سوتے میں کسی کو دیکھتے سنتے نہیں مگر سمیع و بصیر ہوتے ہیں۔ اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تب بھی منور ہے۔ غرضیکہ یہ فرق ہمارے فیض لینے میں ہے۔ رب تعالیٰ کی صفات میں فرق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : آسمانی چیزیں یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں نیکوں کے ثواب و درجات بھی اللہ تعالیٰ کی ہیں۔ اور زمینی چیزیں یعنی دنیا اور یہاں کی زینتیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی ہیں جو بندوں کے لئے پیدا کی گئی۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے یہ سماوات و ارض کی نعمتیں اے بندو تمہارے لئے پیدا فرمائیں اور تم کو اپنے لئے پیدا کیا۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** "۔ زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے ہیں اور **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** ۔ جن و انس کی پیدائش عبادت کے لئے اس لئے ارشاد ہوا **ان اتقوا اللہ** پھر یہ بھی خیال رہے کہ در حقیقت تقویٰ و پرہیزگاری بھی ہمارے لئے ہی ہے' اس کا فائدہ ہم ہی کو پہنچتا ہے وہ تو غنی ہے عالم کی ہر چیز سے ہمارے اعمال سے خود ہم سے۔ وہ حمید ہے۔ اپنا محمود ہے' اپنے نبیوں ولیوں کا محمود و معبود ہے۔ ساری مخلوق اس کی حامد و عابد ہے۔ بندے کی کامل حمد یہ ہے کہ بندہ اپنے عقائد' اپنے اعمال' اپنے اقوال' اپنے احوال' اپنے اخلاق' اپنی ہر ادا سے رب تعالیٰ کی حمد کرے۔ ایسی حمد کرنے والی صرف وہ ذات کریم ہے جس کا نام پاک احمد ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ رب تعالیٰ اعلیٰ حمید و محمود اور احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اعلیٰ حامد و احمد پھر دوسرا رخ لو تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا حمید و حامد ہے مگر اس کی اعلیٰ حمد یہ ہے کہ بندے کی ہر ادا کی حمد کرے اس کے دل کی دماغ کی آنکھ ناک کان تمام اعضاء کی اس کی زندگی موت کی۔ اس کے شہر کی در و دیوار کی رب نے یہ اعلیٰ حمد اس ذات کریم کی فرمائی جن کا نام محمد مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) چنانچہ قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل' دماغ' سینہ' آنکھ' ناک' کان' ہاتھ' پاؤں' عمر شریف' سونا جاگنا۔ غرض کہ ہر ادا کی تعریف فرمائی ہے۔

سوگند ہے چہرے کی شمس و ضحیٰ والیل ہیں تیری زلف دوتا
سینہ کی صفت ہے الم نشرح تیرے دل کی فضا کا کیا کہنا!
والعصر ہے تیرے زماں کی قسم ولعمرک ہے تیری جاں کی قسم
والبلد ہے تیرے مکان کی قسم تیرے رہنے کی جا کا کیا کہنا

ہم نے اپنی کتاب "فہرست القرآن" میں وہ آیات جمع کی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری باطنی اعضاء شریف' آپ کے حالات طیبہ طاہرہ' آپ کے مکان' شہر کی تعریفیں فرمائی ہیں یا قسم کھائی ہے۔ ان آیات کا وہاں مطالعہ کرو غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک حمید کے دو معنی ہیں۔ حمد کرنے والا تو کس کی حمد کرنے والا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی لہٰذا حضور محمد ہیں' رب تعالیٰ حامد' پھر حضور کے صدقے سے ان کے صحابہ کرام' ان کے خدام اولیاء' عظام علماء کرام کی بھی تعریفیں فرمائیں یہ بھی حضور ہی کی حمد ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بنے حضور سے بنے یا حمید کے معنی ہیں حمد کیا ہوا تو کس کا حمد کیا ہوا۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا لہٰذا حضور احمد ہیں۔ رب تعالیٰ محمود پھر حضور کے سکھائے سمجھائے بتائے سے دوسرے بندے بھی حمد کر لیتے ہیں۔ یہ حمدیں بھی حضور ہی کی ہیں کہ ان کے سکھائے بتائے ہو رہی ہیں۔ اب پڑھو **وکان اللہ غنیا** " **حمیدا** "۔

حمد بے حد مرخدائے پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را!
حمد بے حد مر محمد پاک را آنکہ ایماں داد مشت خاک را!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام زمین و آسمان کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک' مقبوض ہیں کہ وہ ان کا خالق مالک قابض ہے۔ پھر یہ عطاء

www.alahazratnetwork.org

پروردگار یہی چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محکوم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے سلطان ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ رب العالمین ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین۔

خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا   دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں

اس کی نفیس ولذیذ تحقیق ہماری کتاب "سلطنت مصطفیٰ" میں دیکھو۔

جبرائیل رکے تو براق تھکے رف رف بھی آگے جا نہ سکے
رب لون منی حبیبی کے تیرے قرب خدا کا کیا کہنا!

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَ یَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ وَ كَانَ اللّٰهُ
اگر چاہے وہ تو لے جائے تم کو اے لوگو اور لائے دوسروں کو ہے اللہ
اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور اوروں کو لے آئے اور اللہ

عَلٰى ذٰلِكَ قَدِیْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ ثَوَابَ الدُّنْیَا فَعِنْدَ اللّٰهِ
اس پر قادر جو ہو ارادہ کرتا دنیا کے ثواب تو اللہ کے پاس
کو اس کی قدرت ہے جو دنیا کا انعام چاہے تو اللہ ہی کے پاس دنیا

ثَوَابُ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِیْعًۢا بَصِیْرًا ﴿۱۳۴﴾ ع ۱۹
ہے ثواب دنیا اور آخرت کا اور ہے اللہ سننے والا دیکھنے والا
و آخرت دونوں کا انعام ہے اور اللہ سنتا دیکھتا ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بندوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا گیا تھا اب تقویٰ اختیار نہ کرنے کے وبال کا ذکر ہے کہ اگر تم متقی نہ بنے تو زمین تم سے خالی کرا لی جائے گی۔ دوسری متقی قوم یہاں آباد کر دی جائے گی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ کی بے نیازی و غناء کا ذکر تھا۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم ایسے بے پرواہ ہیں کہ چاہیں تو تمہاری جگہ دوسری قومیں آباد کر کے اپنے دین کا کام لے لیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی محمودیت یعنی حمید ہونے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارا محمود ہونا تمہارے حمد کرنے پر موقوف نہیں۔ اگر تم حمد نہ کرو گے تو دوسری قومیں پیدا کر دی جائیں گی جو ہماری حمد کیا کریں گی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کی چیزوں کا مالک ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندو تم ایسے مالک و خالق سے صرف دنیا نہ مانگو بلکہ اس سے کونین کی نعمتیں مانگا کرو وہاں سے سب کچھ ملتا ہے۔

شان نزول : مشرکین عرب اللہ تعالیٰ کے تو قائل تھے مگر قیامت حساب کتاب، جنت دوزخ، سزا جزاء کے قائل نہ تھے۔ پھر بھی وہ لوگ نیک اعمال صدقہ خیرات، مسافروں کی خدمت وغیرہ کرتے تھے۔ کیوں صرف دنیا کی دولت وغیرہ کے لئے کہ اللہ

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ ان اعمال کی برکت سے ہم کو دولت 'عزت' شہرت وغیرہ دے۔ یہ اعمال دنیا کے لئے تھے ان کے متعلق یہ دوسری آیت۔ **من کان یرید** الخ نازل ہوئی۔ بعض منافقین مدینہ بھی حشرو نشر سزا و جزاء کے قائل نہ تھے پھر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ جہاد میں شرکت کرتے تھے صرف غنیمت حاصل کرنے کے لئے ان کے متعلق یہ آیت دوم **من کان یرید** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن) بہر حال اس آیت دوم کا تعلق مشرکین و کفار سے ہے۔

تفسیر : **ان یشاء یذھبکم ایھا الناس** یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ثبات ہے۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہاں لے جانے سے مراد ہے' آسمانی عذاب بھیج کر 'کفار کو ہلاک کر دینا جیسے صورتیں مسخ کر کے 'یا زمین میں دھنسا کر' یا پتھر' یا آگ برسا کر ہلاک کر دینا۔ اور الناس سے مراد ہیں کفار و مشرکین اور آخرین سے مراد ہیں مومنین یعنی اے کافرو اگر رب چاہے تو تم کو گذشتہ معذب قوموں کی طرح عذاب سے ہلاک کر دے اور تمہاری بستیوں میں مسلمانوں کو آباد کر دے۔ مگر یہ تفسیر ضعیف ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ رب نے حضور سے وعدہ فرمالیا ہے کہ **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔ پھر یہ حضور کے آچکنے کے بعد اب آسمانی عذاب کیسا دوسرے یہ کہ گذشتہ امتوں میں جن پر عذاب آیا ان کی بستیاں اجڑی رہیں۔ پھر وہاں آبادی نہ ہوئی جیسے قوم ثمود و عاد وغیرہ اسی لئے فرعون پر عذاب مصر میں نہ آیا۔ باہر نکال کر غرق کیا گیا تاکہ مصر آباد رہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں **ایھا الناس** سے مراد مشرکین و منافقین ہیں اور **یذھبکم** میں انہی سے خطاب ہے۔ (تفسیر خازن) یعنی اے لوگو مشرکو یا منافقو اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم کو موت دے کر دنیا سے لے جائے یا تمہاری حکومت ختم کر کے تم کو بے بس کر دے۔ دوسروں کی رعایا بنا دے یا تم کو اپنا وطن چھوڑ دینے پر مجبور کر دے۔ ایسے حالات پیدا فرما دے کہ تم ترک وطن پر مجبور ہو جاؤ یا تم کو اپنی اپنی موت دے کر ہلاک کر دے اور تمہاری بستیاں تمہاری اولاد سے آباد کر دے۔ جیسے تم دوسروں کے مرے بعد ان پر قابض ہوئے۔ چونکہ فرشتوں کو موت نہیں اور جنات و دیگر جانوروں کو موت تو ہے مگر ان کی باقاعدہ بستیاں نہیں جن میں ان کی اولاد بطور میراث آباد ہوتی ہو۔ اس لئے صرف انسانوں سے خطاب فرمایا کہ بستیاں' محلے' مکانات انہیں کے ہوتے ہیں جو ان کے بعد بطور میراث دوسروں میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ اس صورت میں الناس سے مراد تمام مومن و کفار انسان ہیں غرضیکہ اذہاب یعنی لے جانے میں چند احتمال ہیں۔ **و یات باخرین** یہ جملہ **یذھبکم** پر معطوف ہے اور **ان یشاء**' کی جزاء 'یات کا مصدر ہے اتیان بمعنی آنا 'ب کی وجہ سے اس کے معنی ہو گئے لانا لانے سے مراد ہے' دوسری قوم کا پیدا فرما دینا ان لوگوں کی جگہ۔ یا ان کا ملک دوسروں کے حوالہ کر دینا کہ وہ لوگ ان کے ملک کے بادشاہ بنیں۔ یہ ان کے محکوم رعایا یا دوسرے لوگوں کو ان کے گھروں 'بستیوں' محلوں میں آباد کر دینا کہ یہ لوگ ترک وطن کر کے اور جگہ جانے پر مجبور ہو جائیں اور دوسرے لوگ ان کے گھروں کو آباد کریں۔ غرضیکہ جتنے احتمالات لے جانے میں تھے اتنے ہی احتمالات یہاں لانے میں ہیں۔ آخرین سے مراد دوسرے انسان ہیں نہ کہ انسانوں کے علاوہ دوسری مخلوق جن یا فرشتے وغیرہ۔ کیونکہ انہیں از روئے محاورہ آخرین نہیں کہا جاتا مطلق آخر اسے کہا جاتا ہے جو نوعاً "ایک ہو وصفاً" کچھ اور جیسے **فعدۃ من ایام اخر**۔ دیکھو دوسرے دن ماہ رمضان کی طرح دن ہی ہیں مگر وصفاً "اور ہیں کہ وہ دن رمضان کے تھے۔ یہ دوسرے ماہ کے یا فرماتا ہے۔ **و منوۃ الثالثۃ الاخری** (روح المعانی) اس جگہ روح المعانی نے آخر پر بہت بحث کی ہے۔ بہر حال آخرین سے مراد دوسرے انسان ہیں۔ مومنین مخلصین۔ **و کان اللہ علی ذلک قدیرا** " کان دوام و استمرار کے لئے ہے۔ ذلک

www.alahazratnetwork.org

سے اشارہ مذکورہ لے جانے سے لے آنے کی طرف ہے۔ قدیر قدرت کا صفت مشبہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس تبدیلی مخلوق پر قادر ہے جسے چاہے اپنا ملک دے، جس سے چاہے اپنا ملک خالی کرائے۔ **تئوتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء** اس کی قدرت کے دن رات نظارے ہو رہے ہیں۔ **من کان یرید ثواب الدنیا**۔ اگرچہ مشرکین و منافقین کے متعلق نازل ہوئی مگر اس سے ہم سب کو عبرت لینی چاہئے کہ نزول کے خصوص کا اعتبار نہیں ہوتا عبارت کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے یہاں من میں صرف انسان داخل ہیں۔ جنات اور فرشتے اس سے علیحدہ ہیں کہ فرشتے کسی دنیاوی و اخروی ثواب کے مستحق نہیں اور جنات کو اگرچہ دنیاوی ثواب تو ملے گا مگر اخروی ثواب سے محروم ہیں۔ لہٰذا من سے مراد یا تو وہی مشرکین و منافقین ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی یا عام انسان۔ ثواب دنیا سے مراد ہے اپنے نیک اعمال کا دنیاوی بدلہ جیسے جہاد غنیمت کے لئے ہو یا صدقات و خیرات نام نمود شہرت کے لئے ہوں یا نماز و حج عزت کے لئے ہو۔ **فعند اللہ ثواب الدنیا والاخرۃ**۔ یہ جملہ شرط مذکورہ کی جزاء نہیں اس کی جزاء تو پوشیدہ ہے۔ **فقد خسر و خاب** یہ جملہ اس جزاء کی علت ہے اور اس کی ف تعلیلیہ ہے۔ ثواب دنیا سے مراد وہ دنیاوی نعمتیں ہیں جو ابھی ذکر ہوئیں۔ غنیمت دولت عزت وغیرہ اور اخروی ثواب سے مراد جنت وہاں کی نعمتیں حق تعالیٰ کی رضا وغیرہ ہے جو بعد قیامت ملیں گی اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تقویٰ طہارت ایمان پر خاتمہ وغیرہ ہوں جو دنیا پر مل جاتی ہیں مگر ان کا تعلق آخرت سے ہوتا ہے۔ یعنی ایسا کم ہمت آدمی بہت نقصان میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا کے انعامات بھی ہیں اور آخرت کے انعامات بھی پھر وہ دونوں انعام اس سے کیوں نہیں مانگتا صرف ایک پر ہی کفایت کیوں کر لیتا ہے۔ **و کان اللہ سمیعا " بصیرا "**۔ اس سے مقصود ہے ریاکاروں' بے ہمتوں دنیا سے رغبت رکھنے والوں پر عتاب کا اظہار یہاں بھی کان دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے بصیر بھی وہ دل کے ارادوں خفیہ نیتوں پر خبردار ہے۔ لہٰذا اے بندو اپنی نیت خالص ارادے نیک کرو۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے ایک تفسیر یہ بھی نقل کی کہ سمع و بصر سے مراد نیات و خطرات پر اطلاع و خبر رکھنا ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے سمیع بھی ہے بصیر بھی۔ حالانکہ دیکھنے وسننے کی چیزیں ہمیشہ سے نہیں۔ رب تعالیٰ آئندہ ہونے والی آرزوؤں و چیزوں کو ہمیشہ سے سنتا دیکھتا ہے۔ اس کا سنتا دیکھنا مسموع و مبصر کے موجود ہونے پر موقوف نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو! اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم کو یہاں سے لے جائے اور دوسری قوموں کو لے آئے اس طرح کہ تم کو موت دے کر تمہاری جگہ دوسری قوم کو آباد کر دے جیسے فرعونیوں کو ہلاک فرما کر ان کی جگہ بنی اسرائیل کو آباد فرمایا اس طرح کہ تمہاری حکومت ختم فرما کر تمہارا ملک دوسروں کو دیدے اور تم کو ان کی رعایا بنادے۔ فارس و روم وغیرہ میں کفار کی حکومت مٹا کر مسلمانوں کو ان کا بادشاہ بنا دیا ان کو کفار کو رعایا یا اس طرح کہ تم کو اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا جائے اور تمہارے گھر دوسروں سے آباد کرا دیئے جائیں جیسا کہ بنی قریظہ و بنی نضیر یہود مدینہ کے ساتھ ہوا۔ کہ بنی قریظہ قتل کئے گئے۔ اور بنی نضیر جلا وطن۔ اس طرح کہ تم کو موت دے کر تمہارے گھروں و سامان کا بطور میراث تمہاری اولاد وغیرہ کو مالک بنادے۔ جیسا کہ تم کو اگلوں کا وارث بنایا لہٰذا کوئی شخص اس دنیا کو اپنا اصلی گھر نہ سمجھے اصلی گھر تو آگے آرہا ہے غرضیکہ وہ ہر طرح قادر ہے جو چاہے کرے۔ خیال رکھو کہ جو کوئی اپنے نیک اعمال کا عوض دنیا میں ہی چاہے کہ جہاد کرے غنیمت کے لئے۔ صدقہ و خیرات کرے'

www.alahazratnetwork.org

شہرت و عزت وغیرہ کے لئے تو وہ سخت نقصان و خسارہ میں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے پاس دنیا کی نعمتیں بھی ہیں اور آخرت کی نعمتیں بھی تو وہ کم ہمت صرف دنیا کی نعمتیں ہی کیوں چاہتا ہے۔ دونوں کی نیت و ارادہ کیوں نہیں کرتا۔ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے بصیر بھی وہ تمہارے ہر ظاہر و باطن کو دیکھتا ہے تمہاری ہر اونچی نیچی آواز سنتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جب آیت کریمہ **ان تتولوا یستبدل قوما غیرکم** نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان فارسی کی پشت پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ وہ دوسری قوم جو ان کی جگہ آسکتی ہے وہ یہ سلمان اور ان کی قوم ہے۔ حدیث۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے فکر آخرت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے دنیا کی طرف سے مطمئن فرمادے گا اس کے دل میں غنا ہوگی۔ دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آئے گی۔ اور جو دنیا کی ہی فکر میں رہے گا آخرت کو بھول جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اس کے اسباب زندگی پراگندہ فرما دے گا۔ اور فقیری اس کی آنکھوں کے سامنے کر دے گا۔ دنیا ملے گی اتنی جتنی مقدر میں ہے (تفسیر روح المعانی بروایت احمد عن زید ابن ثابت) لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دنیا کو اپنی زندگانی کا مقصود نہ بنائے۔

فائدے : اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی شخص دنیا کے ملک و دولت، عزت، صحت، شہرت کو اپنی ملکیت نہ سمجھے یہ آنی جانی ہے۔ کبھی کسی کے پاس کبھی کسی کے پاس جیسا کہ **ان یشاء یذھبکم** الخ سے معلوم ہوا۔ جو چیز اپنی ہے وہ اپنے اعمال و ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نصیب کرے۔ **دوسرا فائدہ:** رب تعالیٰ کی نافرمانی زوال ملک و دولت کا سبب ہے اگر ملک کو زوال سے بچانا ہے تو اس کی اطاعت کرو یہ فائدہ بھی ان یشاء الخ سے ہی حاصل ہوا کہ یہاں خطاب نافرمانوں سے ہے اور قوم آخرین سے مراد صالحین و نیک لوگ ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ اور اس کے رسول اور ان کا دین ہمارے محتاج نہیں بلکہ ہم ان کے محتاج ہیں۔ دین کی خدمت اگر ہم نہ کریں تو کوئی اور قوم اس کے لئے پیدا کر دی جائے گی۔ سرداران قریش نے خدمت دین سے انکار کیا تو مدینہ منورہ کے مساکین، غرباء سے خدمت دین لے لی گئی یہ فائدہ **و یات باخرین** سے حاصل ہوا۔ ہمیشہ اپنے کو اللہ رسول اور دین کا محتاج سمجھو۔ **چوتھا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ نہ تو دنیا کو اپنا اصلی مقصود بنائے کہ آخرت کو بھول جائے نہ دنیا بالکل چھوڑ دے۔ بلکہ ایک ہاتھ میں دنیا رکھے، ایک ہاتھ میں دین۔ یہ فائدہ ثواب الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے صرف دنیا مانگنا، منافقوں، کافروں کا طریقہ ہے۔ مسلمان رب سے دین بھی مانگے، دنیا بھی۔ یہ فائدہ بھی ثواب الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے ہم کو دعا کی خود تعلیم دی کہ فرمایا یہ کہا کرو **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار**۔ **چھٹا فائدہ:** اگر عبادات سے ثواب آخرت کی نیت کی جائے اور دنیاوی فوائد کی بھی تو جائز ہے اس سے ثواب آخرت کم نہیں ہوتا۔ دیکھو نماز خسوف گرہن دفع کرنے کی، نماز استسقاء بارش حاصل کرنے کے لئے، نماز حاجت کوئی خاص حاجت پوری کرنے کو پڑھی جاتی ہیں۔ مگر ان کا ثواب بھی ان شاء اللہ پورا پورا ملے گا وہ کریم ثواب کا تا نہیں بڑھا دینے والا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** عمل سے ارادہ عمل بہتر ہے کہ عمل بغیر ارادہ ثواب کا ذریعہ نہیں مگر ارادہ خیر بہرحال ثواب کا باعث ہے اگرچہ عمل کا موقعہ نہ ملے۔ نیز عمل تو کبھی کبھی ہوتا ہے۔ حج عمر میں ایک بار روزے، زکوۃ سال میں ایک بار، نماز دن میں پانچ بار، مگر ارادہ خیر ہر وقت ہوتا ہے اور ہر وقت ثواب کا پھل دیتا ہے۔ نیز ارادہ خیر سوتے جاگتے بلکہ مرے بعد بھی فائدہ دیتا ہے۔ نیز اچھے ارادہ کا اثر ارادہ والے پر پڑتا ہے خود عمل پر بھی بلکہ دوسری

www.alahazratnetwork.org

چیزوں پر بھی اچھے ارادہ والے کی مسجد بھی قبول اس میں نمازیں بھی اعلیٰ مسجد کعبہ مسجد مدینہ میں ثواب کی زیادتی کا باعث یہ بھی ہے کہ ان کے بنانے والے خلیل و حبیب کے ارادے و اخلاص بہت اعلیٰ تھے عمل کا مغز ارادہ ہے اسی لئے اس آیت میں ارادہ خیر کی تاکید فرمائی۔ **آٹھواں فائدہ:** رب تعالیٰ کے پاس سب کچھ ہے مانگنے والے میں ہمت چاہئے وہاں سے عطا سائل کی ہمت کی بقدر ہوتی ہے۔ یہ دونوں فائدے یعنی چھٹا اور ساتواں اسی **ثواب الدنیا والاخرۃ** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ دنیاوی کاموں میں بھی ثواب آخرت کی نیت کرے 'کھانا' پینا روزگار کرنا' سونا جاگنا بلکہ جینا مرنا صرف جسمانی حاجت کے لئے نہ کرے بلکہ یہ سمجھ کر کرے کہ یہ سنت رسول اللہ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) تو ان شاء اللہ ان سب پر ثواب ملے گا۔

روایت: ایک نابینا بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر بولا حضور دعا فرمادیں مجھے اللہ تعالیٰ آنکھیں دے۔ فرمایا اگر تو چاہے تو صبر کر تیرے لئے جنت کی دعا کردوں۔ یعنی چاہے تو آنکھیں لے لے' چاہے جنت۔ وہ بولا حضور میں تو دونوں چیزیں لوں گا۔ آنکھیں بھی جنت بھی۔ فرمایا اچھا وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو اور یہ دعا کرو۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ دعا پڑھ کر منہ پھیرا تو آنکھیں روشن ہو گئیں۔ وہ دعا ابن ماجہ وغیرہ میں نماز حاجت میں مذکور ہے۔ سبحان اللہ یہ ہے مانگنے والے کی ہمت۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر چاہے تو یہ لے اگر چاہے وہ لے۔ یہ تو وہ کہے جس کے پاس کچھ کمی ہو میں تو آنکھیں اور جنت دونوں ہی لوں گا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو مانگنے کی توفیق دے مانگنا بھی وہ سکھاتا ہے تو ہم مانگتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ما ز حرص و آز خود را سوختیم　　ایں دعا را ہم زتو آموختیم!
حرمت آنکہ دعا آموختی　　اندریں ظلمت چراغ افروختی
دستگیرم در چنیں بے چارگی　　شاگردانم دریں غم خوارگی!

اللہ تعالیٰ ان نابینا صحابی کے صدقے مجھے بھی آنکھوں کی روشنی میں' زیادتی جسم میں شفاء' ایمان پر خاتمہ' نیک اعمال کی توفیق بخشے۔ ہم سب مسلمانوں کو اپنے محبوب کا صدقہ عطا فرمائے۔ دولہا کی بکھیریں لوٹنے والوں کا حصہ ہوتا ہے۔ حضور دولہا ہیں تمام دین و دنیا کی نعمتیں ان کے سر کا صدقہ' ان کی نچھاور ان کی بکھیر ہے۔ ہم سب غلام' ان کے در کے بھکاری' انشاء اللہ دونوں جہان کی نعمتوں میں ہم سب کا حصہ ہے۔ ہماری لوٹ سے وہاں کمی نہیں آتی۔ دریا سے چڑیا پانی پی لے تو دریا میں کمی نہیں آتی۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ گناہ گاروں کو ان کی بستیوں' سلطنتوں' گھروں سے نکالا جائے گا اور ان کی جگہ نیک قوم کو آباد کیا جائے گا۔ مگر اب تو برعکس ہو رہا ہے ہر جگہ سے مسلمان نکل رہے ہیں۔ ان کی جگہ کفار بسائے جا رہے ہیں۔ پھر یہ آیت کریمہ درست کیسے ہوئی؟ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان نیک نہ رہے۔ جو گناہ ہم کرتے ہیں دوسری قومیں نہیں کرتیں' کوئی قوم اپنے دین و ملت قوم و ملک کی دشمن و غدار نہیں مسلمان ہی وہ قوم ہے جو اپنے دین کی دشمن اپنے نبی کی دشمن اپنے ملک و قوم کی غدار ہے۔ ایسی قوم سزا کی مستحق ہے۔ ان گناہوں کے باوجود ہمارا زندہ رہنا' روزی ملنا اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا صدقہ ہے یا اولیاء اللہ کی طفیل ورنہ ہم جیسی قوم دنیا سے ختم ہو جانا چاہئے کوڑا کال دیا جاتا ہے۔ ہندو بت پرستی چوٹی دھوتی کا مذاق نہیں اڑاتے مسلمان ہیں جو نماز قرآن' داڑھی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ایسی بے غیرت قوم سوا ہمارے

کوئی نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اگر ہم گنہگار ہیں تو کفار و مشرکین کون سے نیک کار صالحین ہیں وہ بھی تو کفر و بت پرستی کرتے ہیں۔ پھر انہیں کیوں عروج دیا جاتا ہے اور ہم پر انہیں کیوں مسلط کیا جاتا ہے۔ **جواب:** ہم کو سزا دینے کے لئے ان کا تسلط ہماری سزا کے لئے ہے نہ کہ انہیں ثواب دینے کے لئے۔

چو خواہد کہ ویراں کند عالمے نہد ملک در پنجۂ ظالمے

تیسرا اعتراض: مشہور تو یہ ہے کہ اعمال کی جزاء آخرت میں ملے گی دنیا ثواب و جزاء کی جگہ نہیں دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا بھی ثواب کی جگہ ہے۔ فرمایا گیا **ثواب الدنیا والاخرۃ** - لوگوں کا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہ عقیدہ بالکل درست ہے اصل جزاء اور حقیقی ثواب تو آخرت ہی میں ملے گا۔ دنیا میں نیک اعمال کی وجہ سے کچھ کرم فرمایا جاتا ہے خسروانہ انعام شاہانہ عطیہ ہے۔ جس سے آخرت کا ثواب کم نہیں ہوتا۔ جیسے تنخواہ نوکروں کو مہینہ پر دی جاتی ہے مگر روٹی کپڑا بھتہ انعام **عطیے** درمیان میں دیئے جاتے رہتے ہیں۔ اور ان سے تنخواہ کم نہیں ہوتی جب دینے والا کریم ہو تو دینے کے ہزار بہانہ ہوتے ہیں۔ الحمد للہ رب تعالیٰ کریم اس کے محبوب رؤف رحیم پھر عطاؤں کی کیا کمی ہے۔ ہم لینے والے بنیں۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم!

تفسیر صوفیانہ: دنیا دار الفرار ہے (بھاگ جانے کی جگہ) اور آخرت دار القرار (رہنے کی جگہ) دنیا منزل ہے جو دوران سفر میں قدرے آرام کے لئے بنائی گئی ہے اور آخرت اصل مقصود ٹھکانہ دنیا دوسرے کا گھر ہے۔ آخرت اپنا گھر اگر دنیا میں خیریت سے ٹھہرنا ہے تو مالک کو راضی رکھو ورنہ جیسے دوسروں کو نکال کر ان کے گھروں میں تم کو آباد کر دیا گیا ایسے ہی تم کو نکال کر دوسروں کو وہاں آباد کیا جائے گا۔ خیال رکھو کہ اللہ کے مقبول بندے مر کر بھی دنیا سے نہیں جاتے کہ ان کا نیک نام نیک کام ابد الآباد تک رہتا ہے۔ مردودین جیتے جی بھی مر جاتے ہیں کہ وہ اگرچہ دنیا میں ہوتے ہیں مگر ان کا نام نہیں ہوتا۔

قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت نوشیرواں نہ مرد کہ نام نکو گذاشت!

مجھ فقیر کے نزدیک یہاں نوشیرواں سے مراد حضرت صدیق و فاروق جیسے عادل و صالح حضرات ہیں۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے کہ ہو سکتا ہے کہ تم نہ رہو تمہاری جگہ دوسرے رہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عطا کے لئے اخذ ضروری ہے۔ یعنی اپنے لئے لینا لازم، دینے والے کے لئے لینے والا ہونا ضروری۔ اس کے بغیر عطاء نہیں پائی جاتی۔ فعل متعدی بغیر فاعل و مفعول موجود نہیں ہو سکتا۔ پھر عطاء دینے والے کی ہمت کے ساتھ لینے والے کی ہمت پر بھی موقوف ہے۔ بجلی کا پاور یکساں آتا ہے۔ مگر بلب اپنی طاقت کے مطابق پاور لیتا اور روشنی دیتا ہے ہم کو یہاں ہدایت دی گئی ہے کہ مسلمانوں رب سے خوب مانگو دنیا و آخرت سب کچھ مانگو وہ بہت دینے والا ہے۔ تم سیپ ہو تا کہ دنیا کی نعمتیں تمہارے ہاتھ میں پہنچ کر موتی بنیں کہ دوسرے اس سے فائدے اٹھائیں، تم شفاف آئینہ ہو تا کہ سورج کے نور سے چمکا جاؤ اللہ تعالیٰ دینے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برسنے والے بادل ہیں۔ مومنین لینے والی زمینیں ہر ایک بقدر طاقت حضور سے لیتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جاؤ قائم رہنے والے انصاف پر گواہ اللہ کے لیئے اگرچہ

اے ایمان والو انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ اللہ کے لئے گواہی دیتے چاہے تمہارا اس

اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا

اپنی ذاتوں پر یا ماں باپ پر یا قرابت داروں پر جو اگر ہو مالدار یا غریب پس اللہ

میں اپنا نقصان ہو یا ماں باپ کا یا رشتہ داروں کا جس پر گواہی دو وہ غنی ہو یا فقیر ہو

فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۫ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَ اِنْ تَلْوٗۤا

زیادہ والی ہے ان کا تو نہ پیچھے چلو خواہش کے کہ ہٹ جاؤ اور اگر مروڑو تم یا منہ پھیرو

بہر حال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ

اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿۱۳۵﴾

تو اللہ ہے اس کا جو تم کرتے ہو خبر والا

کہ حق سے الگ پڑو اور اگر تم ہیر پھیر کرو یا منہ پھیرو تو اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حکم دیا گیا تھا کہ اللہ سے دنیا کا ثواب بھی مانگو اور آخرت کا ثواب بھی۔ اب اس آیت میں ان دونوں ثوابوں کے لینے حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنی گواہیاں، فیصلے بلکہ تمام کام اللہ کے لئے کرو۔ دنیا والوں کی رضا یا نفس کی خواہش کے لئے نہ کرو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سمیع و بصیر ہے۔ تمہارے کلام سنتا، تمہارے کام دیکھتا ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ تمہارے کام و کلام سے خبردار ہے لہذا تم ہر جگہ ہر وقت ہر حیثیت میں اللہ سے ڈر کر کلام و کام کرو۔ گواہی حکومت اور فیصلے اللہ سے ڈر کر کرو۔ **تیسرا تعلق:** اس سے کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ یتیموں، بیوگان بلکہ اپنی بیویوں میں عدل و انصاف قائم رکھو۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ عام لوگوں میں بھی انصاف قائم کرو کہ گواہی دو تو سچی فیصلہ کرو تو سچا غرضیکہ خاص عدل کے بعد عام عدل کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو تم کو ہٹا کر دوسری قوم کو لا آباد کرے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم اپنی گواہیوں فیصلوں میں حق سے کام لو ورنہ تم ہٹا دیئے جاؤ گے۔ دوسرے لوگ یہاں قائم کر دیئے جائیں گے گویا تبدیلی قوم کی اسباب سے روکا جا رہا ہے۔

شان نزول : ابن جریر نے امام سدی سے روایت کی کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ عالی میں ایک امیر اور غریب کا مقدمہ پیش ہوا۔ عام حضرات کو غریب پر رحم آیا اور وہ سمجھے کہ غریب سچا ہو گا مظلوم ہو گا، امیر جھوٹا اور ظالم ہو گا۔ کیونکہ غریب آدمی کسی پر خصوصاً امیر آدمی پر ظلم کر سکتا ہی نہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ فیصلے اور

www.alahazratnetwork.org

گواہی میں امیر و غریب کا فرق نہیں ہونا چاہئے۔ حق پر گواہی و فیصلہ ہونا ضروری ہے (تفسیر روح المعانی و تفسیر خازن)۔

تفسیر: **یا یھا الذین امنوا** قرآن کریم میں عموماً "الناس" سے خطاب کفار سے ہوتا ہے اور **الذین امنوا** میں خطاب مسلمانوں سے اور **یا یھا النبی** یا یھاالرسول میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الذین امنوا کے خطاب میں سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ عمومی خطاب اپنے محبوب سے نہیں کرتا بلکہ ہم کو بھی اس سے منع کرتا ہے۔ فرماتا ہے۔ **لا تجعلو دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا**۔ پھر اس الذین امنوا میں کبھی تو فرشتے جنات انسان سب داخل ہوتے ہیں۔ جیسے اے ایمان والو! اللہ رسول سے آگے نہ بڑھو یا اے ایمان والو اپنی آوازیں حضور کی آواز سے اونچی نہ کرو یا نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جاؤ اور کہیں اس خطاب میں جن اور انسان ہی داخل ہوتے ہیں فرشتے نہیں۔ جیسے اے مومنو! تم پر روزے فرض کئے گئے اور کبھی اس خطاب میں صرف انسان داخل ہوتے ہیں۔ جنات و فرشتے علیحدہ یہاں تیسری قسم کا خطاب ہے جس میں صرف انسان داخل ہیں۔ فرشتے اور جنات کو اس سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ فرشتے و جنات نہ حاکم و سلطان ہوتے ہیں نہ ہمارے عدالتی گواہ اور چونکہ اس آیت کا حکم نفس پر گراں بھی ہے اور سخت مشکل بھی جیسا کہ ان لوگوں کو تجربہ ہے جنہیں گواہی دینے یا فیصلہ کرنے کا اتفاق پڑے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو شروع فرمانے سے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا پھر انہیں حکم سنایا تاکہ اس خطاب کی لذت سے ان کو یہ سخت اور شاق حکم آسان ہو جائے۔ حق یہ ہے کہ اس میں حاکموں گواہوں عالموں درویشوں بادشاہوں سب سے خطاب ہے۔ کیونکہ اس حکم کا تعلق سب سے ہی ہے۔ اگرچہ عدل و انصاف کفار کو بھی کرنا چاہئے۔ مگر مسلمانوں کو زیادہ مضبوطی سے کرنا چاہئے تاکہ مسلمانوں کا عدل و انصاف دوسری قوموں کے لئے نمونہ بنے۔ اس لئے مسلمانوں سے خطاب فرمایا گیا۔ **کونوا قومین بالقسط شھداء للہ** کونوا بنا ہے کون سے اس کے معنی ہیں ہونا یا رہنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بلکہ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ ایک آدھ بار انصاف کر دینا کمال نہیں بلکہ ہمیشہ انصاف کرنا انصاف پر قائم رہنا کمال ہے۔ قوامین مبالغہ ہے قیام کا معنی ہے قائم رہنا' قائم رکھنا' یہاں قائم رہنے کے معنی میں ہے بالقسط کی ب' معنی علی ہے اور ہو سکتا ہے کہ ب تعدیہ کی ہو اور قوامین کے معنی ہوں قائم کرنے والے قیام سے مراد ہے رعایت و نگہداشت کرنا یا ارادہ و عزم کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے عبادات میں تو نماز کے لئے قائم رکھنے کا حکم دیا اور معاملات میں انصاف قائم کرنے کا باقی عبادات و معاملات کا حکم تو دیا مگر قائم کرنے کا حکم نہیں دیا کیونکہ نماز و عدل ہر شخص پر ہمیشہ لازم ہیں۔ نماز روزانہ پانچ دفعہ' ہفتہ میں جمعہ ایک بار' سال میں عید دو بار' روزے' زکوٰۃ' حج' جہاد کا یہ حال نہیں۔ اسی طرح عدل و انصاف ہر شخص پر ہر وقت لازم ہے۔ اپنے نفس سے انصاف' بیویوں' اولاد' ماں باپ' قرابتداروں محلہ والوں ملک والوں سے انصاف ہر وقت واجب ہے۔ انصاف بہت قسم کے ہیں۔ کوئی انصاف بادشاہ پر واجب ہے' کوئی حاکم پر' کوئی گھر والے پر' کوئی ہر شخص پر۔ نیز نماز کے قائم کر لینے سے باقی عبادات درست ہو جاتی ہیں۔ برائیوں سے روک ہو جاتی ہے' عدل و انصاف سے گھر' محلہ' ملک قائم رہتے ہیں۔ ان وجوہ سے نماز و عدل کے قائم فرمانے کا حکم دیا۔ قسط کے لغوی معنی ہیں حصہ اب عدل و انصاف کو قسط کہتے ہیں کہ اس میں ہر ایک کو اس کا حصہ دیا جاتا ہے مگر لطف یہ ہے کہ مقسط بمعنی منصف و عادل آتا ہے اور قاسط بمعنی ظالم ہے۔ انصاف

www.alahazratnetwork.org

کے تین نام ہیں۔ انصاف بمعنی نصف (آدھا) کرنا عدل یعنی برابری کرنا۔ قسط یعنی حصہ پورا دینا قسط کا مقابل رحم تو محمود ہے اور ظلم مذموم مگر رحم محمود جب ہے جبکہ اپنے ذاتی معاملہ میں ہو۔ قومی ملکی معاملہ میں رحم در حقیقت قوم و ملک کو تباہ کرتا ہے۔ حضور نے تمام کفار مکہ کو معافی دیدی کیونکہ وہ ذاتی مجرم تھے۔ مگر چور کو معافی نہ دی کیونکہ وہ قومی و ملکی مجرم تھا۔ یعنی اللہ کے لئے گواہ ہو۔ نفس یا قومیت یا دھڑے کے لئے گواہ نہ ہو۔ للہ گواہ وہ ہوتا ہے جو گواہی محض رضاء الٰہی کے لئے دے۔ اپنے نفس یا کسی کی خوشنودی کے لئے نہ دے۔ ظاہر ہے کہ ایسا مخلص شخص ہمیشہ سچی گواہی دے گا۔ جھوٹی گواہی دے سکے گا نہیں یعنی اے مسلمانو ہمیشہ عدل و انصاف پر خوب قائم رہو یا عدل و انصاف قائم رکھو' قائم کرو' گواہی دو تو اللہ کے لئے دو نہ کہ کسی کی رو رعایت یا مروت کے لئے۔ گواہی تین قسم کی ہے۔ حقوق شرعیہ کی گواہی جیسے رمضان و عید وغیرہ یا نسب یا رضاعت وغیرہ کی گواہی۔ حقوق العباد کی گواہی جیسے قرض میراث وغیرہ کی گواہی۔ حدود اسلامیہ کی گواہی جیسے زنا' شراب وغیرہ کی گواہی۔ پہلی دو گواہیاں دینا فرض ہیں جبکہ اس کی گواہی نہ دینے سے وہ حق مارے جائیں۔ آخری یعنی حدود سزاؤں کی گواہی دینا فرض نہیں۔ چاہے تو اس کی عیب پوشی کرے' چاہے تو اسے سزا دلوا دے' یہاں پہلی دو گواہیاں مراد ہیں۔ اور امر وجوب کا ہے۔ **ولو علی انفسکم**۔ واؤ وصلیہ ہے ولو کے معنی ہیں اگرچہ اس کے بعد کانت پوشیدہ ہے علی جب شہادت کے بعد آتا ہے تو نقصان و ضرر کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی خلاف گواہی۔ انفس سے مراد ہے گواہ کی جان اس کی ذات یعنی اگرچہ وہ گواہی تمہارے خلاف ہی ہو اپنے خلاف گواہی سے مراد ہے' مدعی کے حق کا اقرار کرلینا۔ کیونکہ گواہی کے معنی ہیں کسی کے حق کی خبر دینا خواہ اپنے پر حق ہو یا دوسرے پر یا مطلب یہ ہے کہ اگرچہ گواہی تمہارے لئے مضر نقصان دہ ہی ہو کہ گواہی سے مدعی علیہ تمہارا دشمن ہو کر تمہیں نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائے مگر تم اس کی پرواہ نہ کرو اللہ پر توکل کرکے گواہی دیدو۔ یا اس گواہی سے حاکم پولیس تمہارے خلاف ہو جائے مگر تم سچی گواہی دو۔ **اولوالدین والاقربین** یہ عبارت انفسکم پر معطوف ہے یعنی اگرچہ تمہاری گواہی تمہارے ماں باپ' قرابت داروں کے خلاف ہی ہو مگر تم اس کی پرواہ نہیں کرو۔ سچی گواہی دے گزرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ واؤ بمعنی او ہے مگر اس کی ضرورت نہیں واؤ اپنے ہی معنی میں ہو تب بھی درست ہے کہ کبھی گواہی ماں باپ کے بھی خلاف ہوتی ہے اور عزیزوں کے بھی۔ **ان یکن غنیا" او فقیرا" فاللہ اولی بھما**۔ یہ نیا جملہ ہے یکن کا اسم مدعی علیہ ہے۔ جس کے خلاف گواہی دیتا ہے ان کی جزاء پوشیدہ ہے۔ **لا تمتنعوا عن الشہادۃ** اور **فاللہ اولی بھما** اس جزاء کی علت ہے اس میں ف تعلیلیہ ہے۔ اولی بمعنی زیادہ حقدار ہے بھما بمعنی عنہما ہے اور ہو سکتا ہے کہ اپنے ہی معنی میں ہو یعنی اگر مدعی علیہ جس کے خلاف تمہاری گواہی ہے غنی ہو تو اس کی رعایت نہ کرو' فقیر ہو تو اس پر رحم نہ کرو' بلکہ بہرحال سچی گواہی دو کیونکہ ان کے مقابل اللہ تعالیٰ زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی کیا جائے یا یہ مطلب یہ ہے کہ بمقابلہ تمہارے اللہ تعالیٰ غنی و فقیر پر زیادہ مہربان ہے۔ جب وہ تم کو ایسے موقعہ پر سچی گواہی دینے کا حکم دے رہا ہے تو کیا تم ان پر خدا تعالیٰ سے زیادہ مہربان ہو کہ ان کی رعایت میں جھوٹی گواہی دیتے ہو۔ **فلا تتبعوا الھوی ان تعدلوا** یہ اس مذکورہ حکم کا نتیجہ ہے۔ ھویٰ کے معنی ہیں نیچے گرانا **او تھوی بہ الریح** چونکہ نفسانی خواہش انسان کو نیچے گرا دیتی ہے اس لئے اسے ھویٰ کہتے ہیں۔ ھویٰ کے معنی ہیں اڑائے پھرنا۔ رب فرماتا ہے اور **تھوی بہ الریح** نفس امارہ انسان کو ایسے اڑائے پھرتا ہے' جیسے جنگل میں خشک پتہ کو تیز

www.alahazratnetwork.org

ہوائیں۔ ان تعدلوا مفعول لہ ہے **لا تتبعوا** کا یہ یا تو عدل بمعنی انصاف سے بنا ہے یا عدول بمعنی ہٹ جانے سے بنا۔ لہٰذا اس جملہ کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں۔ خواہش نفسانی کی پیروی نہ کرو تاکہ تم انصاف کر سکو۔ خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ تم حق سے عدول نہ کرو۔ خواہش کی پیروی نہ کرو ورنہ حق سے ہٹ جاؤ گے یا خواہش کی پیروی نہ کرو عدل و انصاف کرنے کے لئے یا خواہش کی پیروی نہ کرو حق سے ہٹ جانے کی نیت سے۔ **و ان تلوا او تعرضوا**۔ یہ حق سے ہٹنے ' غلط فیصلہ کر دینے ' جھوٹی گواہی دینے کی سزا کا ذکر ہے۔ تلوا بنا ہے لوی سے بمعنی جھوٹ بولنا یا مائل ہونا چونکہ یہاں خطاب حکام سے بھی ہے اور گواہوں سے بھی اس لئے ایسا کلمہ ارشاد ہوا جو دونوں کو شامل ہو۔ یہاں لوی سے مراد ہے پیچ داریات کرنا۔ ہیر پھیر کرنا یعنی گواہی دینا مبہم والی۔ فیصلہ غلط کرنا مگر اس کو حق ثابت کرنا تاویل سے یا جھوٹی گواہی دینا پھر اس جرم کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا اور تعرضوا سے مراد حق گواہی نہ دینا چھپا لینا یا حق فیصلہ نہ کرنا اس سے علیحدہ ہو جانا اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے تعذبون یعنی اے گواہو یا اے حاکمو اگر تم ہیر پھیر کر کے جھوٹی گواہی دیدو یا اے حاکمو اگر تم کھینچ تان کر کے غلط فیصلہ کرو اور اسے حق ثابت کرو تو تم کو سخت سزا دی جائے گی کیونکہ **فان اللہ کان بما تعملون خبیرا** " یہ پہلے جملہ کی علت ہے اس کی تفسیر بارہا بیان ہو چکی۔ یعنی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے سارے اعمال کی خبر ہے وہ گواہوں سے بھی خبردار ہے اور ایسے حاکموں پر بھی مطلع ہے۔ لہٰذا تم دنیا والوں سے ہیر پھیر کر سکتے ہو رب سے نہیں کر سکتے۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم صرف ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! حاکمو ' گواہو ' عالمو ' درویشو ' بادشاہو ہمیشہ حق انصاف پر خوب قائم رہو۔ اللہ کی رضا کے لئے گواہیاں دو اگرچہ وہ گواہی تمہارے خلاف ہی ہو یا تمہارے ماں باپ یا قرابت داروں کے مخالف ہو مگر تم حق نہ چھوڑو اگر مدعی علیہ جس کے خلاف تم گواہی یا فیصلہ دینا چاہتے ہو ' امیر ہو تو اس کی رعایت نہ کرو غریب ہو تو اس پر ترس کھا کر ناحق فیصلہ نہ کرو بلکہ حق کرو کیونکہ تم پر ان فقیر و امیر سے زیادہ اللہ کا حق ہے۔ جب اللہ کہتا ہے کہ سچی گواہی سچا فیصلہ دو تو اس کی اطاعت کرو لہٰذا تم اپنی گواہیوں ' فیصلوں میں نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو تاکہ تم انصاف کر سکو۔ نفسانی خواہش والا انصاف نہیں کرتا اور خیال رکھنا کہ اگر تم نفسانی خواہش کی پیروی یا کسی کی مروت و رعایت یا ترس کھا کر اینچ پیچ سے جھوٹی گواہی ' جھوٹا فیصلہ دو یا ان وجوہ سے گواہی چھپا لو یا فیصلہ نہ کرو تو تم کو سخت سزا دی جائے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کی خبر رکھتا ہے وہ تم سے غافل نہیں۔ لہٰذا تم اس کے عذاب سے نہیں بچ سکتے اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے کہ انصاف کرو۔ خیال رہے کہ گواہی چھپانے یا غلط گواہی دینے کی عموماً " تین وجہیں ہوتی ہیں۔ (1) مروت و رعایت۔ (2) ہیبت و رعب۔ (3) رحمت و ترس کھانا۔ اس آیت کریمہ میں ان تینوں چیزوں سے روکا گیا۔ مروت و رعایت سے بچانے کے لئے فرمایا **ولو علی انفسکم او الوالدین** الخ رعب و ہیبت کے متعلق ارشاد ہوا۔ غنیا ' ترس کھانے کے متعلق فرمایا گیا ' او فقیرا یہی حال ہے غلط فیصلوں کا کہ حکام کے غلط و ناجائز فیصلوں کی وجہیں عموماً " یہی ہوتی ہیں۔ رشوت و لالچ غنیا " میں داخل ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گواہی میں گواہ کو اختیار نہیں کہ جیسی چاہے ویسی گواہی دے بلکہ اس پر سچی گواہی دینا واجب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حاکم پر فرض ہے کہ مقدمہ کے دوران فریقین میں برابری

www.alahazratnetwork.org

کرے کسی کی طرف زیادہ مائل نہ ہو۔ حتی کہ کسی کے ہاں دعوت نہ کھائے' کسی کا ہدیہ نہ لے' کسی سے زیادہ ہنس کر بات نہ کرے۔ پہلا فائدہ شہداء للہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ قوامین بالقسط سے۔ **تیسرا فائدہ:** ہر شخص پر بقدر طاقت عدل و انصاف واجب ہے حتی کہ اپنے گناہوں کا اقرار اپنی نیکیوں میں قصور کا اقرار بھی لازم ہے۔ یہ فائدہ **ولو علی انفسکم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اگر اولاد اپنے ماں باپ کے خلاف سچی گواہی دے تو عاق یعنی نافرمان نہ ہو گی۔ یہ فائدہ **او الوالدین** سے حاصل ہوا۔ حق بات خواہ کسی کے خلاف ہو کہی جا سکتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** ماں باپ قرابت داروں کے حقوق ادا کرنا ضروری ہے اپنے ذاتی معاملات میں ان کی ہر طرح رعایت کرے مگر دینی ملکی قومی قانونی' معاملات میں کسی کی رعایت نہیں وہاں قانون مقدم ہے۔ **چھٹا فائدہ:** غنی کا رعب فقیر پر رحم انصاف کے لئے آڑ ہیں اس آڑ کو پھاڑ ڈالنا لازم ہے۔ انصاف سب سے مقدم ہے جیسا کہ **فاللہ اولی بھما** سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** رحم سے عدل و انصاف افضل ہے۔ دیکھو یہاں رحم سے منع فرمایا گیا' عدل کا حکم دیا گیا یہ فائدہ بھی **فاللہ اولی بھما** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مجرم کے وکیل کا عدالت میں کج بحثی کر کے مجرم کو ناحق چھوڑانے کی کوشش کرنا یونہی عالم یا واعظ کا غلط مسئلہ بتانا پھر تاویل سے اسے درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔ لیڈروں کا ناحق کو حق ثابت کرنے کی کوشش کرنا سخت ظلم ہے' جرم ہے' یہ فائدہ **فلا تتبعوا الھوی** سے ثابت ہوا۔

مسئلہ : گواہی چھپانا حرام ہے مگر چند موقعہ پر گواہی نہ دینا جائز ہے۔ جب اس کی گواہی نامنظور ہو جائے جب اس کی گواہی کے بغیر حقدار کو حق مل جاتا ہو۔ جب یقین سے معلوم ہو کہ قاضی میری گواہی نہ مانے گا۔ فقہا فرماتے ہیں حدود کی گواہی دینا نہ دینا دونوں درست ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر حدود کی گواہی نہ دینا افضل ہے جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا۔ **لو سترتہ' بثوبک لکان خیرا لک** (الاشباہ والنظائر۔ تفسیر روح البیان)۔ **نواں فائدہ:** جب گواہی دینے سے مدعیٰ علیہ یا حاکم کی طرف سے جانی یا مالی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تب گواہی دینا بہت ثواب ہے۔ ایسا گواہ مجاہد فی سبیل اللہ ہے۔ یہ فائدہ **ولو علی انفسکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ مگر فی زمانہ ایسی گواہی دینا ہے بہت مشکل۔ خیال رہے کہ درستی عقائد ہر انسان پر لازم ہے۔ عبادات صرف مسلمانوں پر ملکی و سیاسی معاملات تمام مومن و کفار رعایا پر لازم ہر چور کے ہاتھ کٹیں گے۔ ہر قاتل پر قصاص ہو گا مومن ہو یا کافر قومی معاملات صرف مسلمانوں پر لازم ہیں۔ کفار کو آزادی ہے جیسے سود و شراب کی تجارات وغیرہ مسلمانوں کو حرام کفار آپس میں کر سکتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے گائے بھینس پالنے کے لئے پیدا فرمائیں اور سانپ بچھو مچھر مکھی مار دینے کے لئے ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ہدیٰ پیدا فرمائی اتباع کے لئے اور ہویٰ پیدا فرمائی مار دینے کے لئے کہ فرمایا **لا تتبعوا الھوی**۔ ہدیٰ کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے ارشاد ہوا **فاتبعونی** اور ہویٰ کا مرکز ہے۔ نفس امارہ جو ہماری پیشانی میں رہتا ہے۔ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کی نگرانی کرنا کوچہ بندی ہے۔ نفس امارہ کی نگرانی کرنا دریا پر بند باندھنا ہے۔

پہلا اعتراض : عدل و انصاف سچی گواہی ہر انسان پر ضروری ہے مسلمان ہو یا کافر تو پھر اس آیت کریمہ کو **یا ایھا الذین امنوا** سے کیوں شروع فرمایا کیا کفار کو ظلم کرنا جائز ہے۔ **جواب:** بمقابلہ دوسروں کے مسلمانوں پر عدل و انصاف زیادہ ضروری ہے کہ یہ اس محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہیں جن کی عدالت میں دودھ کا دودھ پانی کا پانی جہاں اپنے

www.alahazratnetwork.org

پرائے سب ایک نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ نیز مسلمانوں کا عدل و انصاف دیکھ کر بلکہ سن کر کافر ایمان لے آئے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عدل و انصاف آج تک مشہور ہیں۔ نیز انصاف و گواہی کے معانی بہت وسیع ہیں۔ جن میں عقائد' عبادات' معاملات سب داخل ہیں۔ نماز نہ پڑھنا بے انصافی ہے۔ نماز پڑھنا انصاف' حرام خوری بے انصافی ہے' حلال کھانا انصاف ہے۔ اللہ رسول کی اطاعت نہ کرنا بے انصافی ہے' ان کی اطاعت انصاف یونہی اللہ کی توحید حضور کی رسالت کی گواہی اپنے گناہوں کی رب کے سامنے گواہی دینا ہر مسلمان پر لازم ہے۔ اس لئے گناہوں کو قرآن کریم میں ظلم فرمایا گیا **ان الشرک لظلم عظیم** یا جیسے **انی کنت من الظالمین** یا جیسے **ربنا ظلمنا انفسنا** اور اتنا وسیع انصاف اور ایسی جامع گواہی صرف مسلمانوں پر ہی لازم ہے۔ لہذا مسلمانوں کو خصوصی طور پر اس کا حکم دینا بہت بہتر ہے۔ خیال رہے کہ درستی عقائد ہر انسان پر لازم ہے عبادات صرف مسلمانوں پر ملکی و سیاسی معاملات تمام مومن و کفار رعایا پر لازم ہر چور کے ہاتھ کٹیں گے' ہر قاتل پر قصاص ہوگا' مومن ہو کافر' قومی معاملات صرف مسلمانوں پر لازم ہیں کفار کو آزادی ہے۔ جیسے سور و شراب کی تجارات وغیرہ مسلمانوں کو حرام' کفار آپس میں کر سکتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اپنے نفس کے خلاف بھی سچی گواہی دو' سچی گواہی میں اپنے نفس کا بھی لحاظ نہ کرو۔ اپنے نفس کے خلاف تو گواہی ہو سکتی ہی نہیں۔ وہ تو اقرار ہوگا' گواہی ہمیشہ دوسرے کے متعلق ہوتی ہے۔ مدعی اور ہوتا ہے گواہ کوئی دوسرا۔ یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب:** یہاں گواہی سے مراد اپنے خلاف اقرار کر لینا ہے اس اقرار کو گواہی اس لئے فرمایا کہ یہ اقرار بھی گواہی کی طرح ملزم ہے اس الزام کی مناسبت سے اقرار کو گواہی فرمایا۔ خیال رہے کہ اپنا حق دوسرے پر لازم کرنے کی کوشش کرنا دعویٰ ہے دوسرے کا حق اپنے پر لازم کر لینا اقرار ہے دوسرے کا کسی اور دوسرے پر لازم کرنا گواہی۔ دعویٰ' اقرار' گواہی تینوں الزام میں مشترک ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سچی گواہی میں ماں باپ کی بھی رعایت نہ کرنا چاہئے مگر شریعت کا مسئلہ یہ ہے کہ ماں باپ کے لئے بیٹے کی گواہی معتبر نہیں پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** اولاد کی گواہی ماں باپ کے حق میں ان کے موافق بھی قبول نہیں کہ اس میں رعایت کرنے کا احتمال قوی ہے بلکہ غلام کی گواہی مولی کے حق میں جو کوئی کسی کے ہاں کھاتا پیتا پلتا بڑھتا ہو اس کی گواہی اس شخص کے حق میں قاضی کے ہاں قبول نہیں لیکن ان کے خلاف گواہی قبول ہے۔ یہاں خلاف گواہی مراد ہے اسی لئے یہاں علی ارشاد ہوا۔ شہادت کے بعد علی جب آئے تو اس سے مراد ہوتا ہے خلاف گواہی دینا لہذا یہ آیت بھی درست ہے اور وہ مسئلہ بھی درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر علی خلاف گواہی کے لئے ہوتا ہے تو قرآن کریم فرماتا ہے **و یکون الرسول علیکم شھیدا** قیامت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے گواہ ہوں گے تو کیا حضور کی گواہی ہمارے خلاف ہوگی وہ تو ہمارے حق میں ہوگی تو یہ قاعدہ غلط ہوگا کہ علی نقصان کے لئے ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب دوسرے پارے میں اسی آیت کے ماتحت دیا گیا ہے کہ وہاں شہید بمعنی رقیب و محافظ ہے یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے ایمان و اعمال کے نگران و محافظ ہیں۔ اسی حفاظت کے ماتحت گواہی ہوگی۔ لہذا وہاں علی نے ضرر کے معنی نہ دیئے۔

تفسیر صوفیانہ : اے ایمان والو قسط یعنی اپنے حصہ پر قائم رہو اپنا درجہ اپنا مرتبہ اپنی حیثیت پہچانو' اس سے آگے نہ بڑھو' اللہ کو اس کی شان کے لائق مانو' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شان کے لائق پہچانو صحابہ کرام اولیاء اللہ علماء دین کو ان کے مرتبوں

www.alahazratnetwork.org

کے مطابق بنو اور اپنے کو آپ اپنی حیثیت کے مطابق جانو گنہگار ہو تو نیک کار بننے کا دعویٰ نہ کرو۔ شہداء للہ کے معنی علماء کرتے ہیں کہ للہ کے لئے گواہ بنو صوفیاء اس کے دو معنی کرتے ہیں کہ اللہ کے گواہ رہو اس طرح کہ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے اس کی وحدانیت ذات صفات کی گواہی دیا کرو۔ دوسرے یہ کہ اللہ کے قائم کردہ گواہ رہو کہ رب تعالیٰ نے تمہیں دنیا و آخرت میں گواہ بنایا ہے۔ جس شخص جس چیز کو تم اچھا کہہ دو وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھی ہے۔ حضور غوث پاک کی ولایت میلاد پاک کا اچھا ہونا مسلمان کی گواہی سے ہی ہے تم فاسق و فاجر ناقابل گواہی نہ بن جانا بلکہ متقی پرہیز گار مقبول الشہادۃ رہو۔ غرضیکہ شہداء للہ کے تین معنی ہیں ایک عالمانہ دو صوفیانہ ہر شخص اپنی شان کے لائق اللہ کا گواہ بنے۔ عوام اللہ تعالیٰ کی توحید و وحدانیت کی گواہی دیں۔ خواص اللہ تعالیٰ کے شہید یعنی اس کے پاس فردانیت سے حاضر رہیں اور خاص الخاص اللہ کے گواہ اس طرح ہوں کہ حق کے پاس حاضر رہیں' اپنے وجود' اپنی ہستی سے غائب ہو جائیں' کثرت کو وحدت سے فنا کر دیں۔ یہ آخری گواہی وہ شاندار گواہی ہے جو عام فرشتوں کو بھی میسر نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی گواہی دینا کبھی اپنی زبان سے ہوتا ہے کبھی جان سے کبھی اپنے خون سے۔ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کے گواہ بنو اگرچہ اپنے نفس ماں باپ عزیز و اقارب غنی فقیر کی قربانی دینے سے ہو اگر یہ چیزیں اس گواہی سے آڑ بنیں تو ان کے پیچھے نہ جاؤ۔ بلکہ اس گواہی پر قائم رہو۔ خیال رہے کہ ساری مخلوق اللہ کی گواہ ہے۔ فرشتے جنات جمادات نباتات وغیرہ اسی طرح سارے انسان حتیٰ کہ بعض کافر بھی اللہ کے گواہ ہیں مگر مسلمانوں کی گواہی ان تمام سے افضل ہے۔ کیونکہ دوسری مخلوق نے وحدانیت کی گواہی یا علامات اور نشانیوں سے دی ہے یا سن کر مگر حضور محمد مصطفیٰ نے رب کو اور تمام عالم غیب کو دیکھ کر گواہی دی۔ مسلمان حضور کی امت ہیں۔ حضور کا ان سب کو دیکھنا گویا ہمارا ہی دیکھنا ہے۔ نماز میں امام کی قراءت مقتدیوں کی قراءت ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کی گواہی دیکھی ہوئی ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو گواہی کا حکم خصوصیت سے دیا۔ کل قیامت میں بھی تمام نبیوں کے گواہ مسلمان ہی ہوں گے۔ نیز پچھلے نبیوں کی امتوں نے اپنے نبیوں سے سن کر گواہی توحید دی وہ گواہی ایمان تھی مگر ان کا دین منسوخ ہو جانے کے بعد وہ گواہی ایمان نہ رہی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اس کتاب پر جو اس نے
اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اپنے
نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَكْفُرْ
اتاری اپنے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اتاری پہلے سے اور جو انکار کرے
رسول پر اتاری اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری اور جو نہ مانے اللہ اور
بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا
اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اسکی کتابوں کا اور اسکے رسولوں کا اور آخری دن کا پس بے شک وہ گمراہ ہو گیا
اس کے فرشتوں اور کتابوں اور رسولوں اور قیامت کو تو وہ ضرور دور کی گمراہی میں پڑا

www.alahazratnetwork.org

بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ

گمراہی دور کی بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر انہوں نے کفر کیا پھر ایمان لائے پھر

بیشک وہ لوگ جو ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر ایمان لائے پھر کافر ہوئے پھر

ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ

کفر کر بیٹھے پھر بڑھ گئے کفر میں تو نہیں ہے اللہ کہ بخشے انہیں اور نہ ہدایت دے انہیں

کفر میں بڑھے اللہ ہرگز انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ

سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾

راستہ کی

دکھائے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو لوگوں کے معاملہ میں انصاف کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انصاف کا حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ تمہارا رازق خالق ہے۔ انصاف یہ ہے کہ اس کا حق مانو' اس پر ایمان لاؤ گویا ادنیٰ قسم کے انصاف کا حکم دے کر اعلیٰ قسم کے انصاف کرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ایمان کا اجمالی ذکر تھا **یا ایھا الذین امنوا** فرمایا گیا۔ اب اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل ہے کہ ایمان مقبول وہ ہے جو ان چیزوں پر ایمان لایا جائے۔ گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کچھ معاملات کا تاکیدی حکم تھا انصاف سچی گواہی وغیرہ۔ اب اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ نیک اعمال تم کو جب ہی نصیب ہوں گے جبکہ تم اس طرح ایمان قبول کرو گے گویا دشوار احکام کا حکم دے کر اس دشواری کو آسان کرنے والی صفت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ایمان میں عشق ہے اور عشق ہی ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں سچی گواہی دینے کا سخت تاکیدی حکم دیا گیا۔ اب ایمان کا حکم ہے۔ ایمان بھی چند گواہیوں کا ہی نام ہے۔ توحید رسالت حشر و نشر وغیرہ کی گواہیاں ایمان ہیں۔ ایمان میں سچی گواہی وہ ہوتی ہے جو دل سے ہو اور جو صرف زبان سے ہو' دل میں کفر ہو وہ گواہی جھوٹی ہے۔ خیال رہے کہ دنیاوی گواہیوں سے عالم کا نظام ملک کا امان قائم ہے اور ان دینی گواہیوں سے ایمان قائم ہے۔ ان کی گواہیوں کے بعد ایمان کی گواہیوں کا ذکر فرمایا۔

شان نزول : ایک بار حضرت عبداللہ ابن سلام اور کعب کے دو بیٹے اسد و اسید اور ثعلبہ ابن قیس اور عبداللہ ابن سلام کے بھانجے سلام اور ان کے بھتیجے سلمہ اور یامین ابن یامین حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے کہ ہم آپ کی کتاب قرآن مجید پر اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت پر اور حضرت عزیر علیہ السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ ان کے سواء اور کتابوں' رسولوں پر ایمان نہ لائیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہیں بلکہ اللہ کے

www.alahazratnetwork.org

سارے رسولوں اس کی ساری کتب پر ایمان لاؤ تب تم مومن ہو گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ **یاایها الذین امنوا امنوا الخ** نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کی تائید فرمائی گئی۔ (تفسیر خازن، کبیر، روح المعانی وغیرہ) چنانچہ یہ لوگ اس آیت کریمہ کو سن کر سب پر ایمان لے آئے۔ بنی اسرائیل نے بارہا ایمان اختیار کیا، بارہا کفر کیا۔ ان کے متعلق دوسری آیت **ان الذین امنو الخ** نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو اس حرکت سے روک گیا۔ (تفسیر خازن)

تفسیر : **یاایها الذین امنوا امنوا**۔ پہلا امنو ماضی مطلق ہے۔ دوسرا امنوا امر یا تو امنو سے مراد عام مومنین ہیں جو پہلے ایمان لا چکے اور امنوا امر سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا۔ یا امنو سے مراد ہے اجمالی ایمان اور امنو سے مراد ہے تفصیلی ایمان یا امنو سے مراد ہے تقلیدی ایمان اور امنوا امر سے مراد ہے تحقیقی ایمان۔ یا امنو سے مراد ہیں مشرکین و کفار جو میثاق کے دن ایمان لا چکے تھے قالو بلی کہہ کر اور امنوا امر سے مراد ہے یہاں دنیا میں ایمان لانا یا امنو سے مراد ہیں منافقین جو زبانی ایمان لا چکے تھے اور امنوا امر سے مراد ہے دل سے ایمان لانا یا امنو سے مراد ہیں اہل کتاب۔ جو اپنی کتب اپنے نبیوں پر ایمان لانے کے مدعی تھے اور امنوا امر سے مراد ہے ایمان مقبول اختیار کرنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لایا جائے یا امنو سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہ اور امنوا امر سے مراد وہ ایمان ہے جس کی تلقین حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کی۔ غرضیکہ اس جملہ کی آٹھ دس تفسیریں ہیں۔ (تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی، روح البیان وغیرہ) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں **الذین امنو** مسلمانوں کو ہی کہا جاتا ہے۔ کفار منافقین وغیرہ کو ایسے پاکیزہ پیارے خطاب سے نہیں نوازا جاتا۔ یہ خطاب صرف مسلمانوں کے لئے ہے۔ (تفسیر کبیر) ہاں منافقین کے اظہار ایمان کو ظاہری کلمہ گوئی کو قرآن کریم نے ایمان کہا ہے کہ لکہ **ذالک بانهم امنو ثم کفرو فطبع علی قلوبهم**۔ **بالله و رسوله والکتب الذی نزل علی رسوله** یہ عبارت امنوا امر کے متعلق ہے۔ چونکہ توحید باللہ نجات کے لئے کافی نہیں۔ توحید تو شیطان بھی مانتا ہے مگر ہے کافر۔ ایمان باللہ نجات کا مدار ہے اس لئے امنو باللہ فرمایا گیا نہ کہ وحدوا۔ اور چونکہ ایمانیات میں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا مقدم ہے کہ وہ سب کا خالق و مالک ہے۔ اس سے ابتداء ہے اس لئے باللہ کا ذکر پہلے ہوا۔ رسولہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو ظہور میں پیچھے ہیں مگر وجود میں پہلے اور حضور پر ایمان لانا تمام پر ایمان لانا ہے اس لئے اللہ کے بعد حضور کا ذکر ہوا۔ چونکہ توحید نبوت کے واسطے سے مفید ہے اور بغیر واسطہ نبوت مہلک جیسے بجلی کا پاور بلب پنکھے وغیرہ کے واسطے سے مفید ہے بغیر واسطہ پاور ہاتھ میں آ جائے تو فنا کر ڈالے یا سورج کو براہ راست دیکھو تو آنکھ پھوڑ دے کسی ڈبل اور رنگین شیشے کے ذریعہ دیکھو تو دیکھ لو گے اس لئے باللہ سے متصل ہی فرمایا گیا **و رسوله** اگرچہ حضور نبی بھی ہیں، رسول بھی، رحمت عالم بھی ہیں شفیع المذنبین بھی۔ مگر یہاں بھی اور کلمہ طیبہ میں بھی رسول کی صفت کا ذکر ہوا کیونکہ رسول وہ ہے جو رب سے لے بھی سکے، مخلوق کو دے بھی سکے۔ اس لینے دینے پر فیض کا دارومدار ہے اس لئے رسولہ فرمایا جو کہے کہ حضور دے نہیں سکتے وہ آپ کے رسول ہونے کا منکر ہے اور الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے کہ اس کا ایک نام کتاب بھی ہے۔ اور اس کا نزول آہستہ آہستہ تئیس سال میں ہوا۔ اس لئے نزل باب تفعیل سے ارشاد ہوا۔ چونکہ قرآن مجید اتارنا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کا کام تھا۔ حضرت جبریل تو واسطہ تھے اس لئے نزل کا فاعل رب تعالیٰ کو قرار دیا گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ پر اور اس کے ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اور جو کتاب ان پر اللہ تعالیٰ نے بہت آہستگی

www.alahazratnetwork.org

سے اتاری اس پر ایمان لاؤ۔ نیز حضور پر ایمان لانا پہلے ہے قرآن پر ایمان لانا بعد میں کہ دنیا میں حضور پہلے آئے قرآن بعد میں۔ کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں نہ کہ قرآن پڑھا کر۔ حضور نے پہلی تبلیغ میں فرمایا **کیف انا فیکم** بتاؤ تم میں ہم کیسے ہیں۔ یہ نہ فرمایا کہ قرآن کیسا ہے۔ لہذا حضور پر ایمان کا ذکر پہلے ہوا۔ قرآن پر لانے کا ذکر بعد میں۔ خیال رہے کہ یہاں **والقران** نہ فرمایا بلکہ اتنی لمبی عبارت ارشاد ہوئی تاکہ معلوم ہو کہ قرآن پر ایمان لانا اس لئے ضروری ہے کہ وہ کتاب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری۔ حضور کا فرمان قرآن کی حقانیت کی دلیل ہے۔ اسی لئے حضور کی نبوت کے لئے معجزات اتارے۔ قرآن کی حقانیت کے لئے زبان رسول ثبوت ہے۔ **والکتب الذی انزل من قبل**۔ یہ عبارت پہلی الکتاب پر معطوف ہے اور اس میں الف لام جنسی ہے۔ لہذا اس سے مراد ساری آسمانی کتابیں ہیں۔ بلکہ سارے صحیفے بھی ہیں چونکہ ان تمام کا نزول ایکدم ہوا تھا اس لئے انزل فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ قرآن کریم تشریف آوری میں ان کتب سے پیچھے ہے مگر اب ایمان میں ان کتب سے پہلے کہ ہم قرآن مان کر دوسری کتابوں کو مانتے ہیں۔ اس لئے ایمان میں پہلے قرآن کریم کا ذکر ہوا بعد میں دوسری کتابوں کا مگر ساتھ میں من قبل بھی فرمادیا گیا۔ **و من یکفر باللہ و ملئکتہ و کتبہ و رسلہ والیوم الاخر**۔ یہ اس تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جس میں ایمان کے مقابل کفر کا ذکر ہے۔ یہ واؤ جمع کے لئے نہیں اور آیت کریمہ کا یہ مطلب نہیں کہ جو ان تمام چیزوں کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ بلکہ اللہ یا رسول یا فرشتہ یا کسی کتاب یا قیامت ان میں سے جس کا بھی انکار کرے گا وہ کافر ہو گا۔ ایمان لانے میں سب پر ایمان لانا ضروری ہے مگر کفر میں ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ نماز جب ہو گی۔ جب تمام شرائط و ارکان جمع ہوں۔ مگر نماز فاسد ہونے کے لئے ایک شرط یا رکن کا جاتا رہنا کافی ہوتا ہے۔ وجود میں بہت پابندیاں ہیں۔ نفی میں یہ پابندیاں نہیں۔ کفر بمعنی انکار ہے یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور قیامت ان میں سے جس کا بھی انکار کر دے۔ **فقد ضل ضللا بعیدا**۔ یہ من یکفر کی خبر بمعنی جزاء ہے۔ گمراہی دو قسم کی ہے۔ ایک وہ جو کفر تک نہ پہنچے۔ جیسے تفضیلی رفض وغیرہ۔ دوسری وہ جو حد کفر تک پہنچ جائے۔ پہلی قسم کی گمراہی قریب کی گمراہی ہے اور دوسری قسم کی گمراہی بعید کی یعنی جو ہدایت سے بہت دور ہو جائے یہاں دوسری قسم کی گمراہی مراد ہے اس لئے اسے ضلال بعید فرمایا گیا۔ یعنی ایسا آدمی ایسی گمراہی میں پھنسا جو ایمان سے بہت دور ہے۔ کفر میں داخل ہے۔ **ان الذین امنوا ثم کفروا ثم ازدادوا کفرا**" اس آیت میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ یہودی مراد ہیں جو پہلے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے۔ پھر بچھڑا پوج کر کافر ہو گئے۔ پھر توبہ کر کے مومن بن گئے۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے کفر میں اور بڑھ گئے۔ یہ پانچ پلٹے پانچ دفعہ میں کھائے۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ منافقین مراد ہیں جو اولا" کلمہ ایمان ظاہر کر کے بظاہر مومن ہو گئے۔ پھر کفار سے بولے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ کہہ کر کافر ہو گئے پھر مسلمانوں سے مل کر بولے کہ ہم تو ایمان لا چکے ہیں۔ پھر بظاہر مومن بن گئے۔ پھر کفار کے سے کام کر کے کافر ہو گئے۔ پھر کفر میں مر گئے تو انہوں نے اپنے کفر میں اضافہ کر لیا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ مرتدین ہیں جو بار بار ایمان لا کر بار بار مرتد ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ **لم یکن اللہ لیغفر لھم ولا لیھدیھم سبیلا**" یہ عبارت **الذین امنوا** الخ کی خبر ہے۔ جیسے اس جملہ میں چند احتمال تھے ایسے ہی اس جملہ میں بھی چند احتمال ہیں۔ اگر وہاں ازدادوا کفرا سے مراد تھا کفر پر مر جانا تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ جو کفر پر مر گیا اللہ اسے بخشے گا نہیں کہ کافر کی بخشش نہیں اور نہ انہیں جنت کی

www.alahazratnetwork.org

راہ دکھائے اور اگر ازدادو کفرا" سے مراد تھا یوں کا حضور پر ایمان نہ لانا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ جب تک وہ لوگ کافر رہیں اس وقت تک اللہ تعالٰی نہ انہیں بخشے گا نہ انہیں اپنے تک آنے کی راہ دکھائے۔ اور اگر مراد تھا بار بار مرتد ہونا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں اللہ تعالٰی نہ ایمان پر مرنے کی توفیق دے گا جس سے ان کی بخشش ہو جائے نہ ان کے دل میں ایمان راسخ ہو گا غرضیکہ اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ اور کسی تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس پہلی آیت کی قریباً" دس تفسیریں ہیں جن میں سے بعض قوی ہیں' بعض ضعیف۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر جو بہت قوی ہے اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ابھی اپنے پر مطمئن نہ ہو ابھی منزل دور ہے۔ راہ مارے بہت ہیں ایمان پر مرتے دم تک قائم رہو کہ اللہ پر اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اور اس کتاب پر جو ان پر آہستگی سے اتری اور تمام ان کتابوں پر جو اگلے نبیوں پر اتریں ایمان قبول کئے رہو ان میں سے کسی چیز کا انکار اپنے دل میں نہ آنے دو۔ خیال رکھو کہ بڑے پرانا مسلمان بھی اگر اللہ تعالٰی یا اس کے فرشتوں یا اس کی کسی کتاب یا اس کے کسی رسول کا یا قیامت کا انکار کر بیٹھے تو وہ ایسا پرلے درجے کا گمراہ ہو گا جسے ایمان سے کوئی تعلق نہ رہے گا۔ ایمان سے بہت دور جا پڑے گا جو لوگ ایمان لائیں پھر کافر ہو جائیں' پھر ایمان لائیں' پھر کافر ہو جائیں' پھر کفر میں بہت ترقی کر جائیں کہ کفر پر ہی مر جائیں۔ ایسوں کو نہ تو اللہ تعالٰی بخشے گا نہ انہیں جوابات منکر نکیر کی نہ جنت کی راہ دکھائے گا۔

فوائد : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نجات کا مدار توحید نہیں ایمان ہے۔ اس لئے رب نے قرآن میں حضور نے حدیث میں کہیں توحید کا حکم نہیں دیا ایمان کا حکم دیا بلکہ قرآن و حدیث اقوال صحابہ میں توحید کا لفظ بھی نہیں آیا بلکہ توحید کا کوئی مشتق ماضی مضارع اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ الفاظ نہیں آئے۔ ایمان کا مصدر بلکہ اس کے تمام مشتقات قرآن کریم و احادیث میں مذکور ہیں۔ ایمان' امن' یومن' مومنین' مومنات سب موجود ہیں۔ لہذا الفاظ توحید بولنا اپنا نام موحد رکھنا بدعت ہے۔ نری توحید لعنت' عذاب' جہنم کا راستہ ہے۔ ایمان رحمت ثواب اور جنت کا راستہ ہے۔ شیطان کو ایمان سے محرومی توحید کے نشے نے ہی لعنتی بنا دیا۔ رب تعالٰی نے ہمارا نام مسلم مومن رکھا موحد نہیں رکھا۔ **ھو سمکم المسلمین۔** خیال رہے کہ توحید و ایمان میں چند طرح فرق ہے۔ رب کی ذات و صفات کو عقل کی ذریعہ پہچاننا توحید ہے اور پیغمبر کی معرفت سے پہچاننا ایمان ہے اور صرف رب کی ذات و صفات کو ماننا توحید ہے اور اللہ کو نبی سے الوہیت کو نبوت سے ملانا ایمان ہے ان کو جدا کرنا کفر اسی لئے یہاں امنوا باللہ فرمایا۔ وحدوا اللہ نہ فرمایا دیکھو ہماری کتاب "اسلام کی چار اصطلاحیں)۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالٰی نے حضرات انبیاء کو دو قسم کے صفات بخشے ہیں۔ بعض وہ جن کا مشاہدہ ہوتا ہے جو کفار بھی جانتے ہیں۔ جیسے حضور کا بشر ہونا' کھانا پینا' فرزند عبداللہ ہونا' مکی مدنی ہونا وغیرہ اور بعض وہ جو غیب ہیں۔ جیسے حضور کا رسول ہونا' خاتم النبیین ہونا' شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ہونا وغیرہ پہلی قسم کے صفات کو ماننا ایمان بالرسول نہیں ورنہ ابوجہل بلکہ ابلیس بھی مومن ہو جاتا کہ وہ حضور کو بشر وغیرہ مانتا ہے۔ دوسری قسم کے صفات کا ماننا ایمان ہے۔ یہ فائدہ ورسولہ سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں رسولہ فرمایا بشرہ وغیرہ نہ کہا۔ کلمہ میں پڑھتے ہیں محمد رسول اللہ۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی مسلمان اپنے ایمان و اعمال پر ناز نہ کرے۔ اللہ تعالٰی سے ہمیشہ حسن خاتمہ کی دعا کرے کہ خاتمہ کا اعتبار ہے۔ اس پر نجات کا مدار ہے۔ یہ فائدہ امنوا امر کی پہلی تفسیر

www.alahazratnetwork.org

سے حاصل ہوا کہ یہاں مسلمانوں کو ایمان پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان با لتفصیل اختیار کرنا چاہئے یعنی مسلمان یہ جانے پہچانے کہ کس کس چیز پر میرا ایمان ہے۔ توحید رسالت، قرآن مجید وغیرہ بالکل اجمال نہ چاہئے کہ ہم مسلمان تو ہیں یہ خبر نہ ہو کہ کس چیز کو مان کر مسلمان بنے۔ یہ فائدہ امنوا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ تفصیل وار ایمان قبول کرو۔ **پانچواں فائدہ:** اہل کتاب بلکہ منافقین و مشرکین کو بھی لغتہ "مومن کہہ سکتے ہیں کہ اہل کتاب اپنی کتاب پر ایمان رکھتے اور منافق ایمان ظاہر کرتے ہیں اور میثاق کے دن سب ہی ایمان لائے تھے جیسا کہ امنوا ماضی کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ اس طرح لغتہ "مومن کو کافر کہا گیا ہے یعنی بتوں کا انکار کرنے والا رب فرماتا ہے۔ **فمن یکفر بالطاغوت** مگر شرعاً" یہ استعمال درست نہیں۔ شریعت میں مومن کو کافر اور کافر کو مومن کہنا ہرگز جائز نہیں جو شخص اپنے کو کافر کہے اور ہو مسلمان اور کافر سے مراد ہے کافر بالطاغوت تو اگرچہ درست لگتا ہے مگر گنہگار ہے بلکہ اس کے کفر کا اندیشہ ہے حضرت خسرو نے جو اپنے کو کافر کہا ہے۔ کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست۔ وہاں عشق کا لفظ فرما کر بات ظاہر کر دی ہے۔ یعنی میں عشق چھپائے ہوئے ہوں مجھے اظہار کی ضرورت نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** ایمانیات میں رسول پر ایمان کا وہی درجہ ہے جو ایمان باللہ کا درجہ ہے کہ جیسے اللہ پر ایمان ضروری ہے ایسے ہی حضور پر ایمان اسی درجہ کا لازم ہے جیسا کہ ورسولہ فرمانے سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کتاب پر ایمان لانا رسول پر ایمان لانے کے بعد ہے پہلے رسول اللہ کو مانو پھر کتاب کو جیسا کہ والکتاب کو مؤخر کرنے سے معلوم۔ اسی لئے کلمہ میں توحید و رسالت کا ذکر ہے۔ کتاب کا ذکر نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنا ذکر فرمایا۔ رب کا ذکر فرمایا۔ قرآن کا ذکر نہ فرمایا بعض لوگ صرف اللہ رسول پر ایمان لاتے ہی شہید ہو گئے۔ انہیں کتاب کا پتہ بھی نہ لگا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو قرآن قرآن کی رٹ لگاتے ہیں۔ قرآن والے محبوب کے نام شریف سے گھبراتے ہیں۔ مسلمان ان لوگوں کی قرآن خوانی سے دھوکہ نہ کھائیں بلکہ پہلے پتہ لگائیں کہ ان کے دل میں قرآن والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت بھی ہے یا نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمانوں کو قرآن مجید پر بھی ایمان لانا ضروری ہے اور دوسری کتب پر اجمالی ایمان کافی ہے۔ قرآن مجید پر تفصیلی ایمان ضروری ہے۔ نیز قرآن مجید پر عمل لازم ہے۔ ان کتب پر عمل لازم نہیں۔ یہ فائدہ **والکتب الذی** الخ کی تاخیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ایمانیات میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔ تمام ایمانیات کو ماننا ایمان ہے جیسا کہ ضللا" بعیدا سے معلوم ہوا۔ **دسواں فائدہ:** کفر پر مرجانے والے کی بخشش ناممکن ہے اور وہ سوالات قبر اور قیامت میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہر جگہ ناکام ہی رہے گا جیسا کہ ثم ازدادوا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ۔** **گیارہواں فائدہ:** بار بار مرتد ہونے والے کا ایمان شرعاً" معتبر نہیں (ردالمختار) جیسا کہ ثم کفروا کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا بلکہ بعض صورتوں میں جنگ کی حالت میں ایمان لانا معتبر نہیں ہوتا جبکہ بظاہر معلوم ہو ؟# رہا ہو کہ یہ دھوکہ دینے کے لئے ایمان لا رہا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانہم ولا ہم ینظرون۔** **بارہواں فائدہ:** مرے ہوئے کافر کو مرحوم و مغفور کہنا حرام ہے۔ اس کے لئے ختم پڑھنا دعاء مغفرت کرنا ایصال ثواب کرنا سب حرام ہے۔ یہ فائدہ **لیغفر لہم** الخ سے حاصل ہوا۔ ان کی بخشش ناممکن ہے۔ اور ناممکن کی دعا کرنا حرام ہے زبان سے مرحوم مغفور کہنا جھوٹ ہے۔ جھوٹ بولنا حرام ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: یہاں مومنوں سے فرمایا گیا ایمان لاؤ۔ اس میں تحصیل حاصل ہے جو محال ہے پھر یہ حکم کیوں دیا گیا۔ یہ تو پہلے ہی سے مومن ہیں۔ **جواب:** اس کے بہت جواب تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ اگر یہاں مسلمانوں سے خطاب ہو تو مطلب ہو گا ایمان پر قائم رہو۔ مسلمانوں کو اس دعا کی تعلیم دی گئی **اھدنا الصراط المستقیم** حالانکہ وہ سیدھے راستہ پر تو پہلے سے ہی ہیں مطلب وہی ہے کہ ہم کو سیدھے رب کی ہدایت پر قائم رکھ۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں قرآن کا نام کیوں نہ لیا گیا اتنی دراز عبارت **والکتب الذی انزل علی رسولہ** کیوں فرمائی۔ **جواب:** چند وجوں سے ایک یہ کہ قرآن مجید پر ایمان لانے' اس پر عمل کرنے کی وجہ یہ ہے کہ حضور پر اترا اگر حضور پر نہ اترتا تو نہ اس پر ایمان لانا واجب ہوتا نہ عمل دیکھو قرآن مجید لوح محفوظ میں تھا۔ **بل ہو قرآن مجید فی لوح محفوظ**۔ بلکہ گذشتہ کتابوں میں بھی کچھ نہ کچھ تھا **و انہ لفی زبر الاولین** مگر اس پر عمل جب ہی واجب ہوا جب حضور پر نازل ہوا۔ **اقیموا الصلوۃ** پر عمل نبوت کے گیارہویں سال میں روزے' زکوۃ پر عمل بعد ہجرت ہوا۔ جبکہ ان آیات کا نزول ہو گیا گویا علت ایمان کی طرف اشارہ فرمانے کے لئے یہ دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ اگر حضرت جبریل یا رب جلیل براہ راست بندوں سے کچھ فرما دیتے تو عمل واجب نہ ہوتا جب تک کہ حضور کی زبان سے ادا نہ ہوتا۔ دیکھو وہ حدیث جہاں حضرت جبریل نے حضور سے پوچھا کہ ایمان' اسلام' احسان کیا ہے؟ صحابہ سے خود نہ فرمایا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کے الفاظ' معانی' احکام' اسرار وغیرہ اس طرح بخوبی جس طرح حضور پر اترے جو کہے صلوۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ دعا ہیں یا صوم کے معنی روزہ نہیں بلکہ کچھ اور چیزیں ہیں تو وہ قرآن پر ایمان لایا ہی نہیں۔ کیونکہ یہ معنی حضور پر نہیں اترے۔ خیال رہے کہ الفاظ قرآن کا نزول کان شریف پر معانی قرآن کا نزول دماغ شریف پر اسرار کا نزول دل شریف پر ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **نزلہ علی قلبک** یہ نزول بغیر واسطہ فرشتہ ہوا الفاظ بواسطہ فرشتہ۔ اس لئے **نزل علی رسولہ** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ بعض انبیاء پر نہ کتاب اتری نہ صحیفہ جیسے حضرت لوط و ہارون بعض پر دونوں اتریں جیسے موسیٰ علیہ السلام بعض پر صرف صحیفہ اترے نہ کہ کتاب جیسے حضرت ابراہیم۔ رب فرماتا ہے۔ **صحف ابراھیم و موسی** بعض پر صرف کتاب اتری صحیفہ نہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ اور ہمارے حضور اس لئے یہاں **الکتاب الذی** فرمایا۔ **تیسرا اعتراض:** جب مسلمانوں پر فرض ہے کہ قرآن مجید پر بھی ایمان لائیں اور دوسری کتب پر بھی' حضور پر ایمان لائیں۔ اور دوسرے رسولوں پر بھی' تو ہم لوگ حضور کے امتی کیوں کہلاتے ہیں۔ سب رسولوں کے امتی ہوئے۔ **جواب:** ان ایمانوں میں دو طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ ان رسولوں اور کتابوں پر اس لئے ایمان ہے کہ ہمارے رسول ہماری کتاب نے ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ لہذا انہیں ماننا درحقیقت اپنی کتاب' اپنے رسول ہی کو ماننا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان رسولوں' کتابوں کو یہ ماننا ہے کہ وہ برحق ہیں مگر اب منسوخ ہو چکے۔ اب ان پر عمل جائز نہیں۔ قرآن اور حضور پر اس طرح ایمان لانا ہے کہ وہ برحق ہیں اور ان پر عمل واجب و لازم ہے اس لئے ہم حضور کے امتی ہیں۔ ان رسولوں کے امتی نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** ایمان کے ذکر میں رسول کا ذکر کتاب سے پہلے ہے۔ اور بیان کفر میں کتب کا ذکر پہلے رسولوں کا بعد میں۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** ایمان میں عروج ہے کفر میں نزول عروج میں رسول کتاب پر مقدم ہے اور نزول میں کتاب رسول سے پہلے عروج کے معنی ہیں خلق سے خالق کی طرف توجہ اور نزول کے معنی ہیں۔ خالق کے دروازے سے ہٹ کر خلق کی طرف آنا۔ یعنی خالق تک پہنچانے والے رسول ہیں۔ بذریعہ کتاب کے (تفسیر کبیر) ریل کو انجن کھینچتا ہے بذریعہ زنجیر کے۔ زنجیر ریل کو کھینچتی نہیں بلکہ انجن کا اثر اس تک پہنچاتی ہے

www.alahazratnetwork.org

مگر ریل کے پہنچانے کے لئے زنجیر کا جڑنا ہی کافی ہے۔ زنجیر کا ٹوٹنا رک جانے کا ذریعہ ہے۔ انجن روکتا نہیں زنجیر کٹ جانا روکتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن کریم میں ہر جگہ کتاب الٰہی کے لئے نزول فرمایا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے حبوط بھی نزول ہی کے معنی میں ہے تو کہیں حبوط کیوں ارشاد نہیں ہوتا؟؟ **جواب:** نزول کے معنی ہیں اترنا حبوط کے معنی ہیں گرنا اترنے میں سوچ سمجھ ہوتی ہے جہاں چاہیں وہاں اترتے ہیں مگر گرانے' پھینکنے میں یہ نہیں ہوتا کہیں جانا جاتا ہے' کہیں پہنچنا ہوتا ہے' انزل فرما کر یہ بتایا گیا کہ کتب کا نزول ہوا ہے جہاں رب نے چاہا وہاں کتب پہنچیں اس چاہنے میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ قرآن تمام کتب سے افضل تو افضل الرسل پر ہی آیا۔ **چھٹا اعتراض:** بیان ایمان میں تین چیزوں کا ذکر فرمایا۔ اللہ رسول کتاب مگر بیان کفر میں پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا یعنی فرشتوں اور قیامت کا بھی اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ اللہ رسول اور کتابوں پر صحیح طور سے ایمان لے آنے میں فرشتوں اور قیامت پر ایمان حاصل ہو جاتا ہے۔ کفر میں ایسا نہیں ہو سکتا ہے کہ انسان اللہ رسول کتاب پر ایمان لانے کا دعویٰ کرتا رہے مگر قیامت و فرشتوں کا انکار کر جائے اور ان کی آیتوں میں تاویل کرے جیسا کہ آج کل علی گڑھی نیچریوں کا حال ہے اس لئے کفر میں ان کی تصریح فرمادی۔ (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں اعتراض:** اگر یہاں امنوا ماضی میں اہل کتاب سے خطاب ہے تو ان سے کیوں فرمایا گیا کہ قرآن سے پہلی الٰہی کتابوں پر ایمان لاؤ وہ تو ان پر پہلے ہی سے ایمان لائے ہوئے ہیں۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ ان سے فرمایا گیا اس قرآن پر بھی ایمان لاؤ اور ان کتب پر بھی۔ اس طرح کہ اس مجموعہ کو مانو۔ دوسرے اس لئے کہ قرآن کا انکار کر کے ان کتابوں پر ایمان میسر ہی نہیں ہوتا۔ قرآن کا منکر توریت و انجیل کی ان آیتوں کو نہیں مانتا جن میں قرآن کو ماننے کی تاکید کی ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **والکتاب الذی انزل من قبل** کتاب واحد فرمایا گیا حالانکہ وہ کتابیں تو بہت ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب **تفسیر** سے معلوم ہو گیا کہ یہاں الف لام جنسی ہے اور کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ جنس ایک سے زیادہ سب پر صادق آتی ہے چونکہ وہ تمام کتابیں ہدایت دینے' قرآن پر ایمان لانے کی تاکید کرنے۔ حضور کی بشارت دینے میں متفق ہیں۔ اس لئے واحد فرمایا گیا گویا وہ تمام کتب ان چیزوں میں ایک ہی ہیں۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو بار بار مسلمان و کافر ہوتا رہے اس کی مغفرت نہیں مگر دوسری آیات و احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مغفرت ہے اگر روزانہ ستر بار کفر و ایمان میں پلٹے کھائے مگر مرتے وقت ایمان نصیب ہو جائے تو مغفور ہے پھر اس آیت کا مطلب کیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں ارشاد ہوا۔ **ثم ازدادوا کفرا** اور زیادتی کفر سے مراد ہے کفر پر مرجانا۔ واقعی ایسے شخص کی مغفرت ناممکن ہے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسے کھیل کھیلنے والے کو ایمان پر خاتمہ میسر نہیں ہوتا یا اس سے مراد کوئی خاص جماعت ہے جن کے متعلق علم الٰہی میں آچکا کہ کفر پر مریں گے۔ لہٰذا یہ قانون نہیں ایک خاص جماعت کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے وہ لوگو جو ایمان کی آڑ لے چکے ہو ایمان میں آجاؤ' منافق اس شخص کی طرح ہے جو کسی کے مکان کی دیوار کے سایہ میں باہر رہتے ہوئے بیٹھ جائے کہ وہ دیوار کے سایہ میں دھوپ سے تو بچ جائے گا مگر لو' بارش' پالا وغیرہ سے نہ بچ سکے گا۔ مخلص مومن اس شخص کی طرح ہے جو مکان میں رہے کہ وہ دھوپ' بارش' پالا ہر چیز سے بچے گا اور مکان کی ہر چیز استعمال کرے گا۔ منافقین نے اسلام کی آڑ لے کر اپنے کو صرف اسلامی تلوار سے بچالیا۔ مومنین اسی ایمان کے ذریعہ تلوار

www.alahazratnetwork.org

عذاب نار وغیرہ سب سے بچ گئے کہ یہ ایمان میں داخل ہو چکے تھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض لوگ وہ ہیں جو ایمان ان میں آ جاتے ہیں۔ بعض وہ کہ ایمان میں آجاتا ہے جو ایمان میں آجائے وہ مومن بن جاتا ہے۔ مگر جس میں ایمان آجائے وہ مومن گر ہو جاتا ہے۔ روئی آگ میں جاتی ہے تو جل جاتی ہے کوئلہ میں آگ آجاتی ہے تو وہ آگ بن جاتا ہے۔ ہم دھوپ میں بیٹھیں تو سورج کے نور میں آجاتے ہیں۔ شیشہ دھوپ میں جائے تو سورج کا نور اس میں آجاتا ہے تو وہ جگمگا جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اے ایمان میں آنے والو ایمان لاؤ۔ پھر ایمان کے تین درجے ہیں۔ اول مرتبہ ہے ایمان بالبرہان۔ دوسرا درجہ ہے ایمان بالمشاہدہ والعیان۔ تیسرا درجہ ہے ایمان بالفناء عن غیر الرحمٰن۔ پہلا درجہ عوام کے ایمان کا ہے دوسرا خواص کا تیسرا اخص الخواص کا ایمان عوام کو ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔

حفظ غیب آید در استعلاء خوش بندگی در غیب آید خوب و کش

بعد مرگ اندر عیاں مردود شد! طاعت و ایمان کنوں محمود شد

ابراہیم علیہ السلام کا مردہ زندہ کر کے دیکھنا حضور کا معراج میں جا کر سب کچھ دیکھ آنا اسی مراتب ایمان میں ترقی کے لئے تھا۔ یہاں حکم ہوا کہ اے برہانی ایمان والو عیانی ایمان لاؤ کہ اللہ رسول کتب سب کا مشاہدہ کرو اور مانو جب اللہ تعالیٰ اپنے صفات کی تجلی کسی بندہ پر ڈالتا ہے تو اس بندے کے تمام اجزاء اس کے آگے سر بسجود ہو جاتے ہیں۔ پہلے اس کا دل ایمان بالغیب رکھتا تھا اب اس کا ہر بال ایمان جنانی قبول کر لیتا ہے۔ **فلما تجلی ربه للجبل جعله دكا و خر موسى صعقا**۔ جب رب تعالیٰ نے بندے پر تجلی ڈالی تو نفس کے پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے اور موسیٰ قلب عبد بیہوش ہو کر گر گیا۔ اس کا نام ایمان حقیقی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب تک ایمان بیانی ہوتا ہے بندے کو قرار نہیں ہوتا اس حال میں وہ کبھی مومن مطمئن کبھی کافر غیر مطمئن رہتا ہے۔ اگر اس اضطرار و پریشانی میں زیادتی ہو جائے تو اس کی یہ زیادتی ناقابل معافی جرم ہے پھر اسے ایمان عیانی کی راہ نہیں ملتی مثنوی میں مولانا روم نے حکایت بیان کی کہ حضرت بایزید بسطامی کے زمانے میں ایک آتش پرست تھا لوگوں نے اس سے کہا کہ مسلمان ہو جا نجات پا جائے گا۔ اس نے کہا۔

آنکہ دارد شیخ عالم با یزید! گفت ایں ایماں اگر ہست اے مرید

کاں فزوں آمد ز کوشش ہائے جاں من ندارم طاقت آں تاب آں

لیک در ایمان او بس مومنم! گرچہ در ایمان و دیں نا موقنم

گرچہ مہرم ہست محکم بود ہاں! مومن ایمان اویم در نہاں

نے بداں میلستم و نے مشتہا است باز ایماں خود گر ایمان شما است

یعنی اگر تم مجھ کو بایزید والے ایمان کی دعوت دیتے ہو تو اس کی مجھ میں طاقت نہیں میں اگرچہ منہ سے کچھ نہیں کہتا مگر ان کے ایمان پر لاتا ہوں کہ واقعی وہ ایمان رب تعالیٰ تک پہنچا رہا ہے اور اگر تم مجھے اپنے ایمان کی طرف دعوت دیتے ہو تو مجھے ایسے ایمان کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کبھی اس قال کو حال بنائے ایمان عیانی کی لذت چکھائے (از روح البیان) خیال رہے کہ قرآن کریم نے یہاں پانچ چیزوں کو کفر فرمایا اللہ کا انکار رسولوں کا انکار کتابوں کا انکار وغیرہ مگر کفریات ہزاروں ہیں یا اس لئے کہ رب کا منشاء یہ ہے کہ میرے بندے کبھی میرے محبوب سے بے نیاز نہ ہو جائیں۔ چند کفر خود بیان فرمائے باقی کفر حضور نے بیان

www.alahazratnetwork.org

فرمائے۔ جیسے چند حرام جانور قرآن نے بیان کئے باقی صدہا جانوروں کی حرمت حدیث شریف نے بتائی۔ یا ان تمام کفریات کا مرجع یہ پانچ کفری ہیں۔ نماز' روزہ کا انکار ختم نبوت کا انکار قرآن کا انکار ہے۔ حضور کی بے ادبی بھی ان آیات قرآنیہ کا انکار ہے جن میں حضور کے ادب کا حکم دیا گیا۔ حضرت صدیق اکبر نے زکوۃ کے انکار کرنے والوں اور مسلیمہ کذاب کو نبی ماننے والوں پر جہاد کیا ان حرکتوں کو کفر قرار دیا۔

بَشِّرِ الْمُنٰفِقِیْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۳۸﴾ الَّذِیْنَ یَتَّخِذُوْنَ

خوشخبری دیجئے منافقوں کو اس بات کی کہ واسطے ان کے عذاب ہے دردناک جو کہ بناتے رہیں

خوشخبری دو منافقوں کو کہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ وہ جو مسلمانوں کو چھوڑ کر

الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اَیَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ

کافروں کو دوست مسلمانوں کے کیا تلاش کرتے ہیں ان کے پاس

کافروں کو دوست بناتے ہیں کیا ان کے پاس عزت ڈھونڈتے ہیں تو عزت تو

الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِیْعًا ﴿۱۳۹﴾ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَیْكُمْ فِی الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا

آبرو کو بے شک عزت ساری اللہ کی ہے اور بے شک اتارا اوپر تمہارے کتاب میں

ساری اللہ کے لئے ہے اور بے شک اللہ تم پر کتاب میں اتار چکا

سَمِعْتُمْ اٰیٰتِ اللّٰهِ یُكْفَرُ بِهَا وَیُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰی

یہ حکم کہ جب تم سنو اللہ کی آیات کو کہ کفر کیا جا رہا ہے ان کا اور مذاق اڑایا جا رہا ہے ان کا تو

کہ جب تم اللہ کی آیتوں کو سنو کہ انکار کیا جاتا ہے اور ان کی ہنسی بنائی جاتی ہے تو

یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ

نہ بیٹھو ساتھ ان کے حتی کہ وہ لوگ مشغول ہو جائیں اس کے سوا دوسری بات میں تب تو تم بھی ان کی طرح ہو

ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اور بات میں مشغول نہ ہوں ورنہ تم بھی

الْمُنٰفِقِیْنَ وَالْكٰفِرِیْنَ فِیْ جَهَنَّمَ جَمِیْعَا ﴿۱۴۰﴾

جاؤ گے۔ بیشک اللہ جمع فرمانے والا ہے منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں سب کو

انہیں جیسے ہو بے شک اللہ منافقوں اور کافروں سب کو جہنم میں اکٹھا کریگا

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اجمالاً فرمایا گیا تھا کہ بعض لوگ وہ ہیں جو کبھی ایمان لاتے ہیں، کبھی کافر ہو جاتے۔ انہوں نے ایمان و کفر کو ایک مشغلہ سمجھ رکھا ہے۔ وہ لوگ مغفرت کے لائق نہیں۔ اب اس آیت کریمہ میں ان بد نصیبوں کا تقرر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ منافقین ہیں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بار بار مومن کافر بننے والوں کا ذکر تھا اب ان کے اس مرض کی وجہ کا بیان ہے۔ کفار سے محبت اور کفر کی طرف میلان۔ گویا پچھلی آیت میں بیماری کا ذکر تھا۔ اس آیت میں اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان اس سے بچیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں کے ایمان کافروں کے کفر کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مومن کو عزت، مسلمانوں کے پاس مل سکتی ہے۔ کفار کے پاس نہیں مل سکتی، مسلمان دھوکہ نہ کھائیں بہت لوگ عزت کے لئے کافر بن جاتے ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں کفر کا انجام بیان ہوا تھا۔ مغفرت نہ ہونا۔ راہ نہ ملنا اب مسلمانوں کو کفار کی صحبت سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ جو کفر کی اصلی وجہ ہے۔ جان کی حفاظت کے لئے سانپ سے بچو۔ ایمان کی حفاظت کے لئے بے ایمانوں سے بچو۔

تفسیر : **بشر المنفقین بان لھم عذابا الیما** ۔ بشر بشارت سے بنا۔ بشارت وہ خبر ہے جس کا اثر بشرہ یعنی ظاہری کھال پر نمودار ہو جائے کہ چہرہ کھل جائے، سننے والا پھڑک اٹھے، یعنی بڑی خوشخبری یہاں خوفناک خبر کو بشارت فرمایا۔ اظہار غضب کے لئے جیسے حاکم بد معاش ملزم کو سزا سناتے ہوئے کہے لے مبارک ہو تو خوش ہو جا کہ میں تجھے پھانسی کی سزا دیتا ہوں۔ بشر میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہر قرآن پڑھنے والے کو ہو باب تفعیل فرمانے میں اشارہ اس طرف ہے کہ آپ انہیں ہمیشہ یہ خبر عذاب دیتے رہیں۔ یا انہیں خوب ڈرائیں۔ المنافقین سے مراد منافق اعتقادی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ بان الخ بشر کا مفعول بہ ہے۔ ب زائدہ ہے لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی یہ دردناک عذاب صرف منافقوں کے لئے ہے اتنا دردناک عذاب کافروں کو بھی نہیں۔ دردناک عذاب سے مراد ہے۔ دنیا برزخ اور آخرت ہر جگہ دردناک عذاب دنیا میں اس طرح کہ انہیں دل کا اطمینان و چین نصیب نہیں۔ ہر دم فکر ہے کہ کہیں ہمارا نفاق نہ کھل جائے۔ نیک اعمال قبول نہیں اسلامی تبرکات ان کے لئے مفید نہیں۔ دیکھو عبد اللہ ابن ابی کو نہ تو حضور کے لعاب شریف نے فائدہ دیا نہ چادر شریف نے یہ ہے ان پر دنیاوی عذاب مرتے وقت اور قبر میں فرشتوں کی مار یہ ہے انہیں برزخ کا عذاب پھر انہیں آخرت کا سخت عذاب اس طرح رسوائی ذلت کے ساتھ دائمی سخت عذاب یا دوزخ کے نیچے درجہ کا عذاب جہاں سارے دوزخیوں کا خون و پیپ ان کی غذا ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ارشاد ہوا۔ **ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار** چونکہ منافق دنیا میں ہر کافر سے نفع حاصل کرنے کی کوشش میں لگے رہتے تھے اس لئے انہیں ہر کافر کا فضلہ دوزخ میں کھلایا جائے گا۔ ان بد نصیبوں کو تمام کفار سے زیادہ سخت عذاب ہو گا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے تو منافقوں کو خبر دیدے کہ ان کے لئے خصوصی طور پر بڑا دردناک عذاب ہے۔ جو بیان سے باہر ہے۔ **الذین یتخذون الکافرین اولیاء من دون المومنین**۔ یہ عبارت منافقین کے عیوب بیان فرما رہی ہے۔ یتخذون سے مراد ہے دلی و جسمانی دوست بنانا، کافرین سے مراد یا تو یہود و نصاریٰ ہیں کیونکہ مدینہ منورہ میں اس وقت یہی دو قومیں تھیں۔ جن سے

www.alahazratnetwork.org

منافقین محبت کرتے تھے۔ مشرکین تو مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ مشرکین بھی مراد ہوں کیونکہ مدینہ کے منافقوں کو ان سے بھی محبت تھی۔ اسلام کو مٹانے کے لئے ہر کافر اور مسلمانوں کا ہر دشمن ان بد نصیبوں کا دوست ہے۔ کیونکہ یہ لوگ مسلمانوں کے دلی دشمن ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام تمام کفار کا مخالف ہے سب مل کر اسے مٹاؤ اسی لئے وہ ہر کافر سے محبت کرتے ہیں۔ اولیاء جمع ہے ولی کی بمعنی مددگار دوست' قریب یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ مگر پہلے معنی یعنی دوست زیادہ ظاہر ہیں۔ دون کے معنی ہیں دور۔ مقابل' علیحدہ' سواء' وغیرہ یہاں بمعنی مقابل ہے یعنی یہ منافق وہ بد نصیب ہیں جو مسلمان کے مقابلہ میں یا مسلمانوں کو چھوڑ کر ہر کافر کو جو مسلمانوں کا دشمن ہو دوست بناتے انہیں اپنا مشیر کار قرار دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ کفار سے مدد لینا شرعاً" جائز ہے مگر مسلمانوں کے مقابل کفار سے مدد لینا حرام یا کفر ہے۔ وہی یہاں مراد ہے اور صداقت محبت' مودت' ولایت' خلت' سب قریباً" ہم معنی ہیں مگر صدیق محبوب' ولی' مودود خلیل ان سب کے معنی ہیں دوست۔ مگر ولایت و خلت دلی محبت کو کہتے ہیں۔ کفار سے صداقت اور دنیاوی محبت کبھی جائز ہے۔ کافر ماں باپ سے یہ پدری مادری محبت ان کے حقوق کی ادا درست ہے مگر ولایت یعنی دلی و جگری دوست کفار کو بنانا حرام ہے۔ ولی اللہ رسول اور سارے مومنین ہو سکتے ہیں۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا** مگر خلیل صرف اللہ رسول ہیں۔ فرماتے ہیں **لو کنت متخذا خلیلا لاتخذت ابا بکر خلیلا**۔ مومن کے دل میں اللہ رسول مومنین کی محبت ہی چاہئے۔ کفار کی محبت نہ رہے گھر میں غیر کا سامان نہ رہے' اپنا اپنے بال بچوں کا سامان رہے۔ **ایبتغون عندھم العزۃ**۔ یہ سوال ان کے دلی خیال کو ظاہر فرمانے کے لئے ہے۔ جس میں اس دوست بنانے کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ **یبتغون** کا فاعل وہی منافقین ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ **عندھم** کا مرجع کفار و مشرکین عزت کے لغوی معنی ہیں سختی و شدت۔ چنانچہ سخت زمین کو عزاز کہتے ہیں کہا جاتا ہے استعز مرضہ اس کی بیماری سخت ہو گئی' نایاب اور کمیاب چیز کو عزیز کہا جاتا ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں سختی و دشواری ہوتی ہے۔ جس بکری کا تھن سخت ہو' دودھ کی دھار سختی سے نکلتی ہو اسے شاۃ عزوز کہتے ہیں۔ عزیز بمعنی قوی جس کا مقابلہ سخت دشوار ہو۔ اصطلاح میں آبرو کو عزت کہتے ہیں کہ یہ سخت مشکل سے حاصل ہوتی ہے۔ یعنی کیا یہ منافقین ان کفار کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ منافقین کا خیال یہ تھا کہ اسلام چلے گا نہیں اور مسلمان بہت جلد ختم ہو جائیں گے۔ یہ باتیں چند روزہ ہیں۔ ہم ان کی محبت میں کفار سے کیوں بگاڑیں اس آیت میں ان کے اس خیال باطل کا ذکر ہے۔ **فان العزۃ للہ جمیعا**"۔ یہ منافقوں کے مذکورہ خیال کی تردید ہے۔ یہ جملہ یا تو پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور ف جزائیہ ہے یا ایک پوشیدہ عبارت کی علت ہے اور ف تعلیلیہ للہ کا لام یا تو ملکیت کا ہے یا صلہ کا یعنی اگر ان کا یہ خیال ہے تو غلط ہے۔ ساری عزتیں اللہ تعالٰی کی ملک ہیں جسے چاہے عزت دے یا حقیقی عزت تو اللہ تعالٰی کی ہے۔ ممکن تھا کہ منافقین کہہ دیتے کہ نہ تو ہم کو کفار سے محبت ہے نہ ہم ان کے پاس عزت تلاش کرتے ہیں۔ کیونکہ محبت و میلان دلی چیزیں ہیں' اس لئے اب اس محبت و میلان کی علامت پہچان ارشاد ہو رہی ہے یعنی کفار کی بے دینی کی مجلسوں میں جانا ان کی ہاں میں ہاں ملانا۔ خیال رہے کہ اطباء اپنی کتب میں بیماریوں' ان کے اسباب' ان کے انجام' پھر ان کی علامات کا ذکر کرتے ہیں' پھر علاج و پرہیز بتاتے ہیں۔ قرآن کریم بھی طب ایمانی کی جامع کتاب ہے۔ لہذا محبت کفار کی علامت بیان فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **و قد نزل علیکم فی الکتاب**۔ مکہ معظمہ

www.alahazratnetwork.org

میں مشرکین مکہ قرآن مجید۔ اسلام کا مذاق اڑایا کرتے تھے تو قبل ہجرت مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا۔ **و اذا رایت الذین یخوضون فی ایاتنا فاعرض عنھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ** کہ جب تم کفار کو دیکھو کہ وہ ہماری آیات کا مذاق اڑانے میں مشغول ہیں تو ان سے منہ پھیر کر الگ ہو جاؤ۔ حتیٰ کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول ہو جائیں۔ پھر جب مسلمان مدینہ منورہ آئے تو یہود و عیسائیوں کے پوپ پادری بھی یہ حرکتیں کرتے تھے۔ اسلام کا مذاق اڑاتا منافقین ان کے پاس بیٹھتے' ان کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے۔ انہیں قبل ہجرت کا وہ حکم یاد دلایا جا رہا ہے۔ **نزل علیکم** سے مراد وہی مکی آیت ہے۔ جن میں کفار کے پاس بیٹھنے سے روکا گیا تھا۔ خیال رہے کہ نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ و سلم پر ہوا۔ حضور کی معرفت سب مسلمانوں پر نزول ہوا۔ چونکہ منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے اس لئے علیکم میں ان سے خطاب ہوا۔ یعنی اے مسلمانی کا دعویٰ کرنے والے منافقوں سب مسلمانوں پر یہ حکم ہجرت سے پہلے نازل ہو چکا ہے کہ **ان اذا سمعتم ایت اللہ یکفر بھا و یستھزاء بھا**۔ یہ عبارت آخر تک نزل کا مفعول یہ ہے۔ **ان** اصل میں **انکم** تھا۔ ان کر دیا اور اس کا اسم حذف کر دیا۔ **سمعتم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ جس میں یہ منافقین اپنے دعویٰ کے مطابق داخل ہیں۔ کیونکہ شریعت کے ظاہری احکام منافقین پر جاری تھے۔ آیات اللہ سے مراد یا قرآنی آیات ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے معجزات یا خود حضور انور کی ذات بابرکات کہ یہ تمام رب تعالیٰ کی ذات و صفات کی نشانیاں ہیں۔ اگر آیات قرآنیہ مراد ہوں تو یکفر سے مراد ہے آیات قرآنیہ کا انکار کرنا انہیں جھٹلانا اور استہزاء سے مراد ہے قرآن پاک کا مذاق اڑانا دل لگی کرنا یا کفر سے کوئی خاص کفر مراد ہے۔ یعنی جب تم کفار کو سنو کہ وہ قرآنی آیت کا انکار کر رہے ہیں ان کا مذاق اڑا رہے۔ استہزاء کے معنی اس کے اقسام پہلے پارہ میں عرض کیے جا چکے ہیں۔ اور اگر آیات اللہ سے مراد حضور کے معجزات یا حضور کی ذات ہے تو کفر و استہزاء کے معانی بالکل ظاہر ہیں۔ **فلا تقعدوا معھم حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ**۔ یہ جملہ اذا سمعتم کی جزاء ہے' بیٹھنے سے مراد صرف بیٹھنا نہیں بلکہ ان کے ساتھ رہنا' اس مجلس میں موجود ہونا مراد ہے۔ لہٰذا ایسی مجلس میں کھڑا ہونا بھی حرام ہے جبکہ ان کی موافقت کرے یا خاموش رہے اگر ان کی تردید کے لئے وہاں بیٹھے یا کھڑا ہو تو اس کا حکم دوسرا ہے۔ **حتی یخوضوا**۔ انتہا ہے فلا تقعدوا کی یعنی کفار کے ساتھ بیٹھنا مطلقاً حرام نہیں۔ ابھی تم ان کے بغیر ملے جلے دنیاوی کاروبار نہیں کر سکتے بلکہ اس وقت تک بیٹھنا حرام ہے۔ جب تک کہ وہ دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں۔ جب وہ اور باتوں میں لگ جائیں تو تم کو ان کے پاس بیٹھنے کی اجازت ہے۔ **انکم اذا" مثلھم** یہ اس بیٹھنے کی سزا کا ذکر ہے کم میں خطاب منافقین سے ہے۔ جو کفار کی موافقت' ان کی ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ایسی مجلسوں میں بیٹھتے تھے۔ **مثلھم** سے مراد کفر اور مذاق اڑانے کے گناہ میں ان کفار کی طرح ہونا ہے۔ کیونکہ گناہ کرنا' کرانا' گناہ سے راضی ہونا' اس کی حمایت کرنا سب گناہ ہے۔ ایسے ہی کفر کرنا' کرانا اس سے راضی ہونا' اس کی حمایت کرنا سب کفر ہے۔ **ان اللہ جامع المنفقین والکفرین فی جھنم جمیعا "** یہ ان منافقوں کے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ یعنی جیسے دنیا میں منافق و کفار مجلسوں میں ان حرکتوں میں متفق و جمع رہتے ہیں۔ ایسی ہی یہ دونوں جماعتیں دوزخ میں بھی جمع رہیں گی۔ خیال رہے کہ یہاں نفس دوزخ میں جمع رہنے کا ذکر ہے نہ کہ دوزخ کے کسی خاص طبقے میں جمع ہونے کا منافق سب سے بدتر طبقے میں ہوں گے۔ جہاں عذاب بہت ہی سخت ہو گا۔ کھلے کافر دوسرے دوسرے طبقوں میں مگر دوزخ میں یہ سب ہوں گے۔

www.alahazratnetwork.org

پھر نوعیت عذاب دوزخ میں رہنے کی ہمیشگی ذلت و خواری میں منافق و کافر یکساں ہوں گے۔ اس لئے یہ دونوں جماعتیں جمع ہوں گی مسلمان گنہگار اگر دوزخ میں بھیجے گئے تو وہ نوعیت عذاب مقدار عذاب مدت عذاب میں کافروں سے جداگانہ ہوں گے کہ انہیں پاک و صاف کرنے کے لئے دوزخ میں رکھا جائے گا کچھ روز کے لئے رکھا جائے گا۔ ذلیل و خوار نہ کیا جائے گا۔ کفار کو سزا دینے کے لئے ہمیشہ ذلت و خواری کے ساتھ رکھا جائے گا۔ لہذا یہ گنہگار مومن اگرچہ دوزخ میں جائیں گے مگر وہاں کفار کے ساتھ جمع نہ ہوں گے۔ دوزخ میں ہونا اور ہے وہاں دوزخیوں کے ساتھ جمع ہونا کچھ اور یعنی اللہ تعالیٰ دوزخ میں منافقین و کفار دونوں کو جمع فرمانے والا ہے اس لئے آج دنیا میں یہ دونوں جمع ہو کر یہ حرکتیں کرتے ہیں یہاں کا اجتماع وہاں کے اجتماع کی خبر دے رہا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے منافقوں کو یہ خوشخبری تو سنا دو کہ ان کے لئے مرتے وقت قبر میں بہت ہی دردناک عذاب ہے۔ مرتے وقت جانکنی سخت کفر پر جان نکلنا' قبر میں حشر میں امتحان میں ناکامی' فرشتوں کی مار' قبر کی وحشت وحشت گرمی' تنگی' اور دوسرے عذاب قیامت کی گھبراہٹ' وہاں کی دھوپ' شدت رسوائی' پھر دوزخ کے نیچے طبقہ میں نہایت ذلت و خواری کے ساتھ پھینکا جانا' تمام کفار کا خون پیپ فضلہ وغیرہ کھانا پینا سب کچھ ہی ان کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ عذاب اور چیز ہے اور عذاب کا رنج والم محسوس ہونا کچھ اور۔ آپریشن میں تکلیف ہوتی ہے مگر ٹیکہ لگا دینے سے اس تکلیف کا احساس نہیں ہوتا۔ مصری عورتوں نے جمال یوسفی میں محو ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے 'کھال گوشت' ہڈی' کٹنے کی تکلیف ہوئی مگر اس کا احساس نہ ہوا اس لئے انہوں نے ہائے وائے نہ کی۔ کفار و منافقین کو دوزخ میں عذاب بھی ہو گا اور عذاب کا دلی احساس بھی۔ بعض گنہگار مومنوں کو اگرچہ عذاب ہو گا مگر ان کے دلوں میں کفار کی طرح احساس نہ ہو گا اس لئے عذاب الیم کو کفار و منافقین سے خاص فرمایا گیا ہے۔ مومن گنہگار کے دل میں نور ایمانی ہے۔ جس سے وہاں احساس تکلیف نہ ہو گا یا کم ہو گا۔ کافر کے دل میں وہ نور نہیں جس سے اسے احساس بہت ہی ہو گا۔ بعض مومنوں کو دنیاوی تکالیف کا احساس نہیں ہوتا۔ یہ منافق ایسے بے ایمان ہیں کہ مسلمانوں کے مقابل ہر کافر کو اپنا دلی دوست' مشیر' رازدار' مددگار بناتے ہیں جو مسلمانوں کا دشمن ہو وہ ان بدنصیبوں کا گہرا دوست ہے۔ مومن کو اولاً تو کافر سے محبت ہوتی ہی نہیں اگر ہو تو دلی محبت نہیں ہوتی۔ مومن کا دل اللہ رسول کی محبت کے لئے وقف ہے۔ منافقین تمام کفار کو دلی دوست جگری یار بنائے ہوئے ہیں۔ کیا یہ لوگ ان کفار کے پاس عزت و عظمت تلاش کرتے ہیں۔ کیا ان کا خیال ہے کہ کفار سے ملنے جلنے میں عزت ملتی ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ رہنے میں ذلت و خواری ہے۔ ان کا یہ خیال بہت غلط ہے۔ کیونکہ عزت و عظمت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے جسے چاہے عزت دے جس سے چاہے عزت چھین لے۔ اے منافقو تم پر تو مکہ معظمہ میں ہی یہ حکم نازل ہو چکا تھا۔ قرآن کریم کی آیات اس بارے میں آچکی تھی۔ کہ جب تم کسی قوم کو دیکھو کہ وہ اللہ کی آیتوں یعنی قرآنی آیات ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات آپ کی ذات و صفات' آپ کے کمالات کا انکار کر رہی ہے ان کا مذاق اڑا رہی ہے تو ان کی حمایت کے لئے ان کے ہاں میں ہاں ملانے کے لئے ان کی بکواس سننے کے لئے ان کے ساتھ ہرگز نہ بیٹھو۔ اس سے علیحدہ ہو جاؤ اور جب تک کہ وہ کافر دوسری باتوں میں مشغول نہ ہو جائیں تب تک ان کے پاس ہرگز نہ بیٹھو۔ اس کے بعد ضرورت کے لئے بیٹھ سکتے ہو۔ خیال رکھو کہ اگر تم نے ایسی حالت میں کفار کے ساتھ نشست و برخاست کی تو تم بھی گناہ کفر بے دینی میں انہی کی طرح ہو جاؤ گے کہ وہ تو

www.alahazratnetwork.org

کفر بک کر مجرم ہوں گے تم کفر کی حمایت کر کے یا سن کر مجرم ہوؤ گے۔ خیال رکھو کہ اس اجتماع کا انجام یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ منافقوں اور کھلے کافروں کو دوزخ میں جمع فرمادے گا کہ منافقوں کو کھلے کافروں کی طرح ذلت و خواری کا دائمی عذاب دے گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ کل قیامت میں کفار سے دور رہو تو دنیا میں بھی ان سے علیحدہ رہو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں منافق لوگ مسلمانوں کے ساتھ رکھے گئے کہ ان پر شرعی احکام جاری کئے گئے مگر آخرت میں یہ لوگ کفار کے ساتھ ہوں گے کہ دنیا ظاہر کی جگہ ہے۔ آخرت باطن کی جگہ ہوگی۔ جسمانیت کا ظہور یہاں ہے۔ روحانیت کے ظہور وہاں ہوگا۔ **دوسرا فائدہ:** منافقوں کو دوزخ میں بمقابلہ کھلے کافروں کے زیادہ سخت عذاب ہوگا۔ کیونکہ دنیا میں ان کا کفر بھی سخت تر تھا جیسا کہ **تیھم عذابا "الیما"** میں لھم کے مقدم فرمانے سے معلوم ہوا تھا کہ یہ تقدیم حصر کے لئے ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کفار کے ساتھ دلی الفت و محبت طریقہ منافقین ہے۔ مومن کو کفر سے دشمن اور ہر کافر سے نفرت چاہئے۔ خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار سے الفت کہ مسلمانوں سے نفرت ہو کفار سے محبت۔ نفاق صریح ہے۔ جیسا کہ **الذین یتخذون الکافرین** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** دینی و قومی غدار کہیں عزت نہیں پاتا نہ مسلمانوں میں نہ کفار میں عزت دین پر قائم رہنے سے ہے۔ عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس کی عطاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے کرم سے مسلمانوں کی اگر عزت چاہئے تو اسلام و مسلمانوں سے وابستہ رہو۔ درخت سے شاخ یا پتہ الگ ہو کر سرسبز نہیں رہ سکتا۔ اگرچہ اسے کتنا ہی پانی دیا جائے۔

ملت سے رشتہ اپنا تو استوار رکھ   پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ!

یہ فائدہ **یبتغون عندھم العزۃ** سے حاصل ہوا۔ مسلمان اس سبق کو بھول گئے ہم نے دیکھا کہ صلح کل عالم کی نہ سنیوں میں عزت ہو نہ دوسروں میں۔ سنی سمجھتے ہیں کہ یہ وہابی ہے۔ وہابی سمجھتے ہیں کہ یہ سنی ہے۔ استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کفر کرنا کفر کرانا کفر سے راضی ہونا سب کفر ہے اور کفر کے درجہ میں برابر بلکہ کفار کی مجلسوں میں جانا بلا ضرورت ہو تو حرام ہے۔ انہیں سچا سمجھ کر ہو تو کفر ہے۔ بدمذہبوں کے جلسوں ماتم کی مجلسوں۔ نوحہ، تبرا کی محفلوں میں شریک ہونا سخت جرم اگرچہ خود یہ حرکتیں نہ کرے اور اگر ان چیزوں کو اچھا سمجھ کر وہاں جائے تو خارج از اسلام ہے۔ یہ فائدہ **انکم اذا مثلھم** سے حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ بے دینوں کی کتابیں دیکھنا بھی جرم ہے کہ اس میں خود بے دین ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ ایمان بہت اہم اور نازک چیز ہے سستی اور مضبوط چیز کی زیادہ حفاظت نہیں ہوتی۔ نازک و قیمتی چیز کی حفاظت زیادہ ہوتی ہے پتھر میدان میں ڈالے جاتے ہیں۔ روپیہ پیسہ مقفل صندوق میں زبان و آنکھ کی قدرت نے بڑی حفاظت فرمائی کہ زبان تو دانتوں کے درمیان ہونٹوں کے اندر رکھی کیونکہ یہ بہت اہم ہے آنکھوں کو حلقہ کے اندر رکھا پلکوں کے ڈھکنے لگائے اندر پانی بھر اکہ تنکا پڑ جائے تو پانی بہالے جائے۔ ایمان اہم بھی ہے کہ آخرت کی تمام نعمتیں ایمان سے ہیں۔ اور عمر بھر کا ایمان ایک لفظ میں ختم ہو جاتا ہے۔ اس لئے قدرت نے اس کی حفاظت کا بہت انتظام فرمایا۔ کفار کی صحبت سے بچنا اس قیمتی اور نازک نعمت یعنی ایمان کی حفاظت کے لئے ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کی تردید ان میں اسلام کی تبلیغ کے لئے ان کے جلسوں میں جانا عبادت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوق عکاظ وغیرہ کفار کے میلوں میں تشریف لے جا کر تبلیغ فرمائی ہے۔ یہ فائدہ بھی مثلھم سے ہی اشارۃ"

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں جس کو جس سے الفت ہو گی۔ آخرت میں اس کے ساتھ اسے جگہ ملے گی۔ دیکھو منافقین کو کفار سے الفت تھی تو رب تعالیٰ نے فرمایا **ان اللہ جامع المنفقین والکافرین** الخ لہٰذا اگر کسی خوش نصیب بندے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت و الفت ہو تو ان شاء اللہ اس کا حشر حضور کے ساتھ ہو گا۔ فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم **المرء مع من احب** انسان اس کے ساتھ ہو گا جس سے محبت کرے گا۔ للہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو اپنا خوف 'اپنے محبوب کا عشق عطا فرماوے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جب کفار سے محبت عذاب کا باعث ہے بلکہ کفر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ثواب کا باعث ہو گی اور ایمان کی جان۔ محبت اللہ و رسول تمام عبادات سے اعلیٰ عبادت ہے۔ خیال رکھو کہ کفار سے محبت دلی 'محبت اللہ کی محبت کے لئے قینچی ہے اور حضور کی محبت اللہ کی محبت کے لئے سوئی دھاگہ 'قینچی کا کام ہے کاٹنا' سوئی کا کام ہے جوڑنا۔ کفار کی محبت اللہ سے الگ کرنے والی ہے۔ حضور کی محبت بندوں کو اللہ سے جوڑنے والی۔ دیکھو یہاں محبت کفار کو طریقہ منافقین قرار دیا۔ پھر محبت صالحین حضور کی محبت کا ذریعہ ہے۔ اور حضور کی محبت محبت الٰہیہ کا وسیلہ۔ بڑے ڈول کو موٹے رسے سے باندھتے ہیں۔ باریک تار اور پتلی رسیوں کے ذریعہ نبوت سے وابستہ ہو ولایت کے ذریعہ۔

آٹھواں فائدہ: کفار کی مجلسوں میں شرکت اتنی بری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی ممانعت میں ہجرت سے پہلے بھی آیات اتاریں اور بعد ہجرت بھی گویا اس کی ممانعت مکی بھی ہے 'مدنی بھی۔ جیسا کہ **قد نزل علیکم** الخ سے معلوم ہوا۔ جیسے سورۂ فاتحہ شریف مکی بھی ہے مدنی بھی۔ ایسے ہی یہ ممانعت مکی بھی ہے مدنی بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم منسوخ نہیں تاقیامت باقی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف منافقوں کو ہی دردناک عذاب ہو گا تو کیا کھلے کافروں کو دردناک عذاب نہ ہو گا۔ دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کو بھی دردناک عذاب ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** منافقت کا دردناک عذاب صرف منافقوں کو ہے جیسے دوزخ کے نیچے طبقے میں ہونا یا تمام دوزخیوں کا خون پیپ فضلہ پینا۔ کفار کو دردناک عذاب دوزخ میں ہمیشہ رہنا۔ ذلت و خواری وغیرہ غرضیکہ کفار کے لئے اور قسم کا دردناک عذاب ہے۔ منافقوں کو دوسری قسم کا دردناک عذاب ہو گا۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستی جرم ہے تو کیا کفار و مسلمانوں دونوں سے دوستی رکھنا درست ہے۔ **جواب:** وہ کام زیادہ جرم بلکہ کفر ہے اور یہ دوسرا کام یعنی دونوں قوموں سے الفت رکھنا جرم ہے مگر پہلی سے ہلکا ہاں سخت جرم کفر ہے بلکہ حق یہ ہے کہ مومن و کافر دونوں قوموں سے الفت ہو سکتی ہی نہیں۔ ایمان نور ہے کفر تاریکی 'ایک دل میں دونوں چیزیں کیسے جمع ہو سکتی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ بڑے بڑے کافر حتیٰ کہ حضور کا قرین بھی حضور کی صحبت میں رہ کر مومن بن گئے۔ حضرت ثمامہ نے صرف دو دن تک حضور کو دیکھا مومن ہو گیا مگر منافق حضور کے پاس رہ کر مومن نہ بنے کافر ہی رہے۔ صحبت پاک نے ان میں اثر کیوں نہ کیا۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کے دلوں کی تختی پر محبت کفار کے نقش جمے ہوئے تھے۔ صحبت یار کے نقش کیونکر جمتے۔ صحبت کے فیضان میں قصور نہیں ان دلوں میں قصور ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضور کی صحبت نے وہ نقش کیوں دھو نہ دیئے جب قرین شیطان اور دوسرے کفار کے دل سے وہ دوستیاں دھل گئیں۔ ان کی تختی دل کیوں صاف نہ ہوئی۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کے نقوش پکی روشنائی کے تھے بلکہ کھدے ہوئے تھے۔ انہیں کون مٹائے۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو اتنا سخت عذاب صرف اس لئے ہے کہ وہ کفار کو اولیاء یعنی مددگار یا دوست بناتے ہیں۔ تو چاہئے کہ سارے مسلمانوں کو سخت عذاب ہو کہ مسلمانوں بھی بہت دفعہ کفار سے مدد لیتے ہیں اور بارہا مسلمان کفار کو دوست بناتے ہیں۔ کافر بیٹے سے مسلمان ماں باپ محبت کرتے ہیں۔ جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مسلمانوں کے مقابلہ میں کفار کو مددگار بنانا عذاب کا باعث ہے اور کفار کو اولیاء یعنی ولی گہرا دوست بنانا کہ ان کی محبت دل میں سرایت کر جائے یہ حرام ہے۔ ان سے عارضی محبتیں جنہیں صداقت یا محبت کہا جاتا ہے وہ جائز ہے وہ محبت بھی ان کے کفر کی بناء پر نہ ہو اور کسی بناء پر ہو۔ خیال رہے کہ محبت کفار محبت کردگار کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی اللہ والوں کی محبت محبت الٰہی کا تکملہ ہے۔ کسی کے دشمنوں سے محبت اس کی محبت کے منافی ہے مگر اس کے دوستوں سے محبت اس کی محبت کا تکملہ ہے۔ چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تو فرمایا گیا کہ عزت صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ عزت اللہ تعالیٰ کی اس کے رسول کی اور مومنوں کی ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: کوئی تعارض نہیں یہاں عزت کی ملکیت کا ذکر ہے کہ عزت کا مالک وہی رب ہے اور وہاں عزت والا ہونے کا ذکر ہے کہ عزت والے اللہ تعالیٰ' رسول' مومن سب ہیں یا یہ کہو کہ یہاں عزت ذاتی کا ذکر ہے وہاں ذاتی عطائی دونوں کا۔ ذاتی کامل دائمی عزت اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ اس کی عطاء سے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور کے کرم سے مسلمانوں کو عزت حاصل ہے۔ ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو عزت میسر نہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ کفار کی بڑی عزت ہے۔ آج امریکہ' برطانیہ' روس بلکہ ہندو بڑی' عزت والے ہیں۔ جواب: یہاں دینی عزت کا حصر ہے اور کفار کو دنیاوی عزت حاصل ہے نیز یہاں دائمی عزت کا ذکر ہے کفار کو عارضی عزت حاصل ہے۔ مسلمان بعد وفات بھی دلوں پر راج کرتے ہیں۔ خواجہ اجمیری' داتا گنج بخش' حضور غوث پاک' امام حسین کے آستانوں پر ہندو عیسائی سر رگڑتے ہیں ان کے نام پر وجد کرتے ہیں یہ ہے اس عزت کا ظاہرہ۔ آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے پاس صرف اس وقت نہ بیٹھو جب وہ کفریا آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں۔ پھر ان کے پاس بیٹھو اٹھو' جلو' یہ بھی تو بے غیرتی ہے۔ جواب: کبھی دنیاوی کاروبار کے لئے ان کے پاس جانا ان کے پاس بیٹھنا پڑ جاتا ہے۔ اگر ان کے پاس بیٹھنا بالکل حرام کر دیا جاتا تو مسلمانوں کے کاروبار بند ہو جاتے۔ اس لئے اس کی اجازت دی گئی۔ نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو کفر و بے دینی آیات کا مذاق اڑانے سے روکو مت' صرف اتنا کرو کہ ان کے پاس سے بھاگ جاؤ یہ کون سی بہادری ہے بھاگنا بزدلی ہے بھگانا بہادری ہے۔ جواب: یہ آیات اس وقت کی ہیں جب مسلمانوں میں کفار کو ان حرکات سے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ ان کے منہ میں پتھر نہ رکھ سکتے تھے۔ جب رب تعالیٰ نے یہ طاقت دیدی تو مسلمانوں پر لازم ہو گیا کہ بزور قوت کفار کو ان حرکتوں سے روکیں اس کے لئے دوسری آیات و احادیث ہیں۔ بعض لوگوں نے جو ان آیات کو منسوخ کہا ہے ان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیات شدت کی آیات سے منسوخ ہیں۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں اس کا مقصد ہی کچھ اور ہے۔ جو ناقابل نسخ ہے یعنی کفار کے پاس ان کے کفر کی حمایت میں بیٹھنا حرام ہے وہ اب بھی حرام ہے اور قیامت تک حرام رہے گا۔ دسواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار و منافقین سب کے سب دوزخ میں یکجا ہوں گے۔ مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین دوزخ کے نیچے طبقے میں ہوں گے یعنی کھلے کافروں اور منافقوں کے درجے الگ الگ ہوں گے۔ آیات میں تعارض ہے۔ جواب: کوئی تعارض نہیں یہ دونوں قومیں دوزخ میں جمع ہوں گی اگرچہ درجوں میں الگ الگ

www.alahazratnetwork.org

ہوں۔ بعض قیدی اے کلاس میں ہوتے ہیں۔ بعض بی میں بعض سی میں۔ مگر جیل میں سب ہوتے ہیں۔ ایسے ہی یہ بھی ہوں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منافق و کفار اگرچہ علیحدہ علیحدہ طبقوں میں ہوں گے مگر کبھی کبھی اکٹھے بھی ہوا کریں گے۔ جیسے ہر درجہ کے قیدی کبھی مل جل کر سزا دیئے جاتے ہیں۔ بہر حال آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا کی الفتیں، محبتیں لگاؤ، کھچاؤ وہاں کے روحانی تعارف و پہچان کا نتیجہ ہیں۔ یہاں منافقوں کا کفار سے محبت کرنا اس لئے ہے کہ ان کی روحیں کفار کی ارواح کی ہم جنس ہیں روح مومن، روح منافق الگ الگ جنس کی فردیں ہیں۔

حکایت : مکہ معظمہ میں ایک بی بی بہت خوش طبع ہر ایک کو ہنسانے والی تھی وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ پاک آئی اتفاقاً یہاں مدینہ طیبہ میں ایک اور بی بی اسی صفت کی تھی۔ نہایت خوش طبع ہر بی بی کو خوش رکھنے، ہنسانے والی یہ بی بی صاحبہ مہاجرہ اس بی بی انصاریہ کے ہاں ٹھہری اسی کے ساتھ رہنے بسنے لگی۔ ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا وہ انھو کہ مہاجرہ کہاں اتری۔ ام المومنین بولیں مدینہ والی انھو کہ انصاریہ کے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبسم فرماتے ہوئے فرمایا روح اپنی ہم جنس کے پاس پہنچی۔

کند ہم جنس باہم جنس پرواز   کبوتر با کبوتر باز با باز!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ عزت تین قسم کی ہے عزت کسبی، عزت وہبی، عزت عطائی۔ عزت کسبی وہ جو اپنے عمل و کسب سے حاصل کی جائے۔ وہبی عزت وہ جو ماں باپ وغیرہ کی نسبت سے کسی کو حاصل ہو۔ عطائی عزت وہ جو بغیر کسی ظاہری ذریعہ صرف اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے حاصل ہو۔ پہلی دو عزتیں ناقص بھی ہیں فانی بھی۔ تیسری یعنی عطائی عزت کامل بھی ہے باقی بھی چراغ کی روشنی تیل بتی وغیرہ اسباب سے ہے وہ ایک پھونک یا تیز ہوا سے ختم ہو جاتی ہے۔ اور چاند و سورج کی روشنی عطاء الٰہی سے ہے وہ کسی کی پھونک یا ہوا سے نہیں ختم ہوتی، منافقین کفار کے پاس کسبی عزت لینے جاتے تھے۔ مسلمانوں نے حضور کے وسیلہ سے عطائی عزت حاصل کی۔ درخت کے پتے وغیرہ جڑ کے وسیلہ سے کھاد دھوپ و ہوا کا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ ہرے رہتے ہیں، درخت سے الگ ہو کر پانی کھاد دھوپ ہوا سب کچھ پائیں مگر سوکھ جاتے ہیں۔ حضور سے الگ ہو کر قرآن وغیرہ کے ذریعہ ہم ایمان یا عزت نہیں پا سکتے۔ دنیا آخرت کا آئینہ ہے۔ جو وہاں ہونے والا ہے اس کی جھلک یہاں نظر آرہی ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں منافقوں و کفار کا گٹھ جوڑ اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ وہاں دوزخ میں کفار و منافقین کو جمع فرمانے والا ہے یہاں کا اجتماع وہاں کے اجتماع کو ظاہر کر رہا ہے۔ لہذا دل والوں کو چاہئے کہ نفس والوں سے الگ رہیں ورنہ وہ بھی نفس والوں کی طرح نفس والے بن جائیں گے بلکہ ان کے دل نفس ہو جائیں گے۔

تخت موعد پیر مجلس ایں بوفست   کہ از مصاحب ناجنس احتراز کنید

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوشع علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ ہم تمہاری قوم کے ساٹھ ہزار بد اور چالیس ہزار نیکوں کو ہلاک کریں گے۔ آپ نے عرض کیا الٰہی نیک کاروں پر ہلاکت کیوں آئے گی۔ فرمایا اس لئے کہ یہ ان بدوں کے ہم پیالہ ہم نوالہ ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرب و بعد دلی معتبر ہے نہ کہ جسمی ابو جہل حضور سے قریب ہوتے ہوئے بھی دور رہا۔ اور حضرت اویس قرنی دور رہتے ہوئے حضور میں رہے۔ خیال رہے کہ پکی اور نہ مٹنے والی عزت اللہ تعالیٰ کی ہے اس نے اپنے حبیب کو عزت بخشی پھر

www.alahazratnetwork.org

حضور کے ہاتھوں ان کے غلاموں مسلمانوں کو ملی۔ کفار کی عزت دھوکہ ہے۔ ذلت بدشکل عزت نمودار ہے جس کے لئے قرار نہیں۔ گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے نلکہ کا پانی کبھی ختم نہیں ہوتا کہ نلکا کا کنکشن پانی کے مرکز سے ہے۔ مسلمان کی عزت کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے وہ کبھی ختم نہیں ہوتی مومن کی قبر کی مٹی بھی عزت والی ہے۔ کفر و الحاد کی مجلس گرد و غبار ہیں۔ شیشہ دل کو ان سے دور رکھو ورنہ میلا ہو جائے گا۔ (از روح البیان مع زیادۃ)۔

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْۤا اَلَمْ

وہ جو انتظار کرتے ہیں تمہارے متعلق پس اگر ہو تمہاری فتح اللہ کی طرف سے تو کہتے ہیں

وہ جو تمہاری حالت تکا کرتے ہیں تو اگر اللہ کی طرف سے تم کو فتح ملے کہیں کیا ہم

نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْۤا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ

کیا نہ تھے ہم ساتھ تمہارے اور اگر ہو واسطے کافروں کے حصہ تو بولیں کیا نہ قدرت رکھتے تھے ہم تم

تمہارے ساتھ نہ تھے اور اگر کافروں کا حصہ ہو تو ان سے کہیں کیا ہمیں تم پر قابو نہ تھا اور

عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ

پر اور روکا ہم نے تم کو مسلمانوں سے پس اللہ فیصلہ فرمائے گا درمیان تمہارے دن

ہم نے تمہیں مسلمانوں سے بچایا تو اللہ تم سب میں قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا

الْقِيٰمَةِ ۗ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿۱۴۱﴾ ع

قیامت کے اور ہرگز نہ کرے گا اللہ واسطے کافروں کے مسلمانوں پر کوئی راستہ

اور اللہ کافروں کو مسلمانوں پر کوئی راہ نہ دے گا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں منافقوں کی کفار دوستی کا ذکر تھا۔ اب ان منافقوں کی مسلمان دشمنی کا تذکرہ ہے۔ کہ وہ کافروں کے دوست ہیں۔ تمہارے دشمن۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی عزت کی طلب کا ذکر فرمایا گیا کہ یہ لوگ کفار سے دوستی رکھتے ہیں' جاہ طلبی کے لئے اب ان کی حرص مال کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مال کے بھی حریص ہیں جدھر مال لوھر ہی ان کا خیال۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کی حمایت کرنے والا انہیں کی مثل ہو گا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ کفار کی طرح منافق بھی ایک حال پر قائم نہیں رہتے۔ یہ کفار کی دوستی و محبت کا نتیجہ ہے۔ قرار و ثبات اللہ تعالیٰ مومن کو ہی دیتا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ

www.alahazratnetwork.org

منافقوں کو کفار سے محبت ہے نہ کہ تم مسلمانوں سے۔ جس کا ایک ثبوت تو یہ دیا گیا کہ وہ کفار کی ناجائز مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں اور دوسرا ثبوت اب دیا جا رہا ہے کہ وہ تمہاری شکست کفار کی فتح پر بھی خوشیاں مناتے ان سے مال مانگتے ہیں یعنی ان کی محبت کفار کا ذکر پہلے تھا اس محبت کی ظاہری علامات یا محبت کی وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر: **الذین یتربصون بکم** یہاں **الذین** میں چند احتمال ہیں۔ یا تو یہ گزشتہ **الذین یتخذون** کا بدل ہے یا جامع المنافقین میں جو منافقین تھا اس کی صفت ہے۔ پہلی صورت میں یہ منصوب ہے۔ دوسری صورت میں مجرور یا پوشیدہ فعل ازم کا مفعول ہے۔ لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ **یتربصون** تربص سے بنا جس کا مادہ ربص ہے۔ تربص کسی چیز کے حاصل ہونے یا زائل ہونے کے انتظار کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فتربصوا انی معکم من المتربصین**۔ فرماتا ہے۔ **والمطلقت یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء** یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں تمہاری شکست کا انتظار کرتے ہیں تاکہ وہ خوش ہوں یا تمہاری فتح و کامرانی کے منتظر ہیں کہ وہ غنیمت میں حصہ لیں **بکم** یا تو **یتربصون** کا مفعول ہے ب زائدہ یا در اصل وقوع امر بکم تھا۔ وقوع مفعول اور بکم اس پوشیدہ وقوع کا متعلق ہے (روح المعانی)۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو کافروں کے ساتھ دوزخ میں جمع فرما دے گا جو تمہارے متعلق حوادثات کا انتظار کرتے رہتے ہیں کہ مسلمان کب کسی مصیبت کا شکار ہوں اور ہم خوشیاں منائیں۔

فان کان لکم فتح من اللہ قالوا الم نکن معکم۔ یہ جملہ **یتربصون** کا بیان ہے۔ فتح کے معنی ہیں کھل جانا جنگ میں کامیابی کو فتح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کامیابی سے دشمن کا ملک فاتحین کے لئے کھل جاتا ہے۔ جہاد میں کامیابی کو فتح اس لئے کہتے ہیں کہ اس کامیابی سے دنیاوی ترقی کے دروازے دین کی تبلیغ کے دروازے اللہ کی رحمت کے دروازے جنت کے دروازے غازیوں کے لئے کھل جاتے ہیں۔ یہاں فتح کی تنوین تعظیم کے لئے ہے کیونکہ جہاد میں فتح رب تعالیٰ کی عظیم الشان رحمت ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا **من اللہ** یہ جو فتح محض تمہاری کوشش ہتھیار وغیرہ سے نہیں ہوتی بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔

قالوا الم نکن معکم یہ عبارت **فان** کی جزاء ہے۔ **قالوا** کا فاعل وہی منافقین ہیں **لم نکن** کہہ کر بتا رہے ہیں کہ ہم پہلے سے ہی تمہارے ساتھ ہیں۔ معیت و ہمراہی سے مراد ہے کلمہ پڑھنے نماز پڑھنے یا مسجدوں میں آنے میں تمہارے ساتھ ہیں۔ یا جہاد میں تمہارے ساتھ چلے آئے تھے ہم بھی تمہاری طرح مجاہد غازی ہیں۔ لہٰذا ہم بھی غنیمت میں تمہارے برابر کے حصہ دار ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ جہاد میں چلے جانے والے منافقین تو معیت سے مراد لیتے ہو عمل کی ہمراہی یعنی ہم جہاد کرنے میں تمہارے ساتھ تھے اور مدینہ میں رہ جانے والے منافقین معیت سے مراد لیتے ہوں تعاون یا دین کی ہمراہی کہ اگرچہ تم جہاد میں تھے مگر ہم مدینہ میں رہ کر تمہارے گھر بار کی دیکھ بھال کرتے تھے لہٰذا تعاون میں مذہب و ملت میں ہم تمہارے ساتھ تھے۔ لہٰذا ہم بھی مال غنیمت کے حقدار ہوئے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ان کا یہ قول تردید کے لئے نقل فرمایا نہ کہ تائید کے لئے مقصد یہ ہے کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں۔ وہ جہاد میں جا کر عمل جہاد میں تمہارے ساتھ نہیں۔ مدینہ میں رہ کر تعاون و ایمان میں تمہارے ساتھ نہیں کیونکہ ان کے دل ان کی خیر خواہی تمہارے ساتھ نہیں بارگاہ الٰہی میں دل و جان و ایمان کی ہمراہی کا اعتبار ہے نہ کہ صرف جسم کی ہمراہی کا۔ **وان کان للکفرین نصیب** یہ ان کی تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ کافرین سے مراد عام کفار خصوصاً یہود و نصاریٰ ہیں جن سے عام طور پر مسلمانوں کی جنگیں رہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد مشرکین مکہ ہوں کہ منافقین ہر کافر کے فضلہ خوار تھے۔ **نصیب** فرما کر یہ بتایا کہ کامیابی تو مسلمانوں ہی کو ہوتی ہے کفار کو کبھی عارضی غلبہ میں سے کچھ حصہ مل جاتا ہے وہ

www.alahazratnetwork.org

بھی مسلمانوں کی کسی غلطی کی وجہ سے جس سے مسلمانوں کو تھوڑی سی تکلیف پہنچ جاتی ہے اگر مسلمان صدق نیت سے جہاد فی سبیل اللہ کریں تو ان شاء اللہ فتح ان کی ہی ہے۔ **قالوا الم نستحوذ علیکم** یہ عبارت **و ان کان للکافرین نصیب**' کی جزاء ہے اس قالوا میں روئے سخن ان منافقین کا کفار کی طرف ہے۔ یہاں بھی ہمزہ استفہام کے لئے ہے۔ نستحوذ کا مادہ حوذ ہے۔ اس کے معنی ہیں غلبہ' قابو۔ رب فرماتا ہے۔ **استحوذ علیھم الشیطان** ان پر شیطان غالب آگیا' ان پر شیطان نے قابو پالیا' کبھی سختی سے اونٹ چلانے کو بھی حوذ کہتے ہیں۔ جبکہ اونٹ چلنا نہ چاہے اسے پیچھے سے مار مار کر چلایا جائے۔ کہا جاتا ہے **حاذ الابل**۔ یہ سختی اونٹ کو ہانکا چلایا یہاں نستحوذ کے دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی کیا ہم کو تم پر قابو و غلبہ نہ تھا' ضرور تھا کہ ہم مسلمانوں کی مدد کرتے' تم کو شکست دے دیتے مگر ہم نے ایسا نہ کیا تو تمہاری فتح ہوئی یا تم تو مسلمانوں کے مقابل آنے کی ہمت نہ کرتے تھے ہم تم کو تھپکیاں تسلیاں دے دے کر تمہیں رغبت دے دے کر مسلمانوں کے مقابل لائے اور تم کو فتح ہوئی یہ فتح ہمارے کارناموں میں سے ایک کارنامہ ہے تم کو جنگ میں لانے والے ہم ہیں۔ ہماری ہمت سے تم یہاں آئے یعنی تب کفار سے کہتے ہیں کہ کیا ہم کو تم پر قابو و غلبہ نہ تھا کہ ہم مسلمانوں کی مدد کر کے تم کو شکست دیدیتے یا تم پر ہمارا زور نہ تھا کہ ہم زور دے کر تم کو مسلمانوں پر چڑھا کر لائے تو تم کو فتح ہوئی **و نمنعکم من المومنین** یہ عبارت نستحوذ پر معطوف ہے لم کے تحت میں ہے استفہام انکاری سے اس کا تعلق بھی ہے۔ مومنین سے مراد مجاہد مسلمان ہیں۔ نمنع بنا ہے منع سے یہ عطا کا مقابل ہے۔ یعنی نہ دینا' روکنا رب فرماتا ہے۔ **مناع للخیر** اور فرماتا ہے۔ **و یمنعون الماعون** بھی بچانے اور حفاظت کرنے کے معنی میں بھی آتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔ اسی لئے اس کے بعد من آیا۔ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ کیا اس جنگ میں ہم نے تم کو مسلمانوں سے نہ بچایا کہ تم تک ان کی خبریں جاسوسی کر کے بھیجتے رہے۔ ضعفاء مومنین کے دل میں تمہارا رعب ڈالتے رہے۔ مسلمانوں سے ہمت توڑنے والی گفتگو کرتے رہے۔ تب تم کو یہ فتح نصیب ہوئی۔ دوسرے یہ کہ پہلے تم تو مسلمان ہو چلے تھے ہم نے تم کو اسلام سے متنفر کیا اور مومنوں کے زمرہ میں داخل ہو جانے سے بچایا۔ ایمان لانے سے روک لیا۔ آج تمہاری یہ فتح ہماری اس کوشش کا نتیجہ ہے۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی)۔ لہٰذا اس مال و منال میں ہم کو بھی حصہ دو جو تمہیں اس جنگ میں مسلمانوں سے ملا۔ **فا اللہ یحکم بینکم یوم القیمۃ**۔ یہ کلام منافقین پر غضب کے اظہار کے لئے اور مسلمانوں پر کرم فرمائی' بندہ نوازی کے لئے ہے۔ حکم سے مراد عملی فیصلہ ہے کیونکہ قولی فیصلہ تو دنیا میں بھی ہو چکا' بینکم میں خطاب منافقین اور مخلصین مومنین سب سے ہی ہے۔ یعنی اے مسلمانو تمہارے اور منافقین کے درمیان عملی فیصلہ قیامت کے دن ہو گا کہ منافقین کفار کے ساتھ ہوں گے۔ تم سے الگ۔ دنیا میں ان کے ظاہری کلمہ گوئی نماز وغیرہ کی وجہ سے وہ تمہارے ساتھ رہتے لگتے ہیں۔ دنیا کھیتی ہے جو قیامت میں کٹے گی اور اس دن دانہ بھوسہ علیحدہ کر دیا جائے گا۔ **و لن یجعل اللہ للکفرین علی المومنین سبیلا**" ۔ یہ جملہ **فا اللہ یحکم** الخ پر معطوف ہے۔ **لن یجعل اللہ** میں یا تو قیامت کی خبر ہے یا دنیا کی کافرین سے مراد تمام کفار ہیں۔ خواہ منافق ہوں یا مجاہر مجاہرین میں خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین یا دوسرے لوگ سبیل کے معنی ہیں راستہ یہاں مراد غلبہ کا راستہ ہے لہٰذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں کفار کو مومنین پر غلبہ نہ دے گا۔ دنیا میں جنگ ڈول کی طرح ہے کبھی تم کو فتح' کبھی کفار کو ظاہری غلبہ مگر قیامت میں مومن غالب ہوں گے کہ ہماری

www.alahazratnetwork.org

رحمت میں ہوں گے۔ کفار مغلوب کہ ہمارے عذاب میں ہوں گے۔ یہی حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تفسیر ہے۔ دوسری یہ کہ اگرچہ دنیا میں کبھی ظاہری فتح کفار کو بھی ہو جاتی ہے۔ مگر حقیقی دینی غلبہ اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں پر نہ دے گا کہ اسلام مغلوب ہو جائے کفر غالب آجائے کہ اسلام کی حقانیت کے دلائل غائب ہو جائیں یا اسلام دنیا سے مٹ جائے کفری کفر ہو جائے یا کفار مسلمانوں کو مذہبی حیثیت سے فنا کر دیں۔ یہ غلبہ کفار کو مسلمانوں پر کبھی نہ ہو گا۔ الحمد للہ کہ رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا۔ آج تیرہ سو برس سے زیادہ گزر جانے کے باوجود اسلام زندہ ہے۔ مسلمان موجود ہیں۔ اور اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمانوں کی تیس سلطنتیں دنیا میں موجود ہیں۔ لہذا آیت بے غبار ہے۔

خلاصہء تفسیر : ان منافقوں کی بدذاتی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ یہ لوگ تمہارے متعلق انتظار کرتے رہتے ہیں۔ خود کچھ نہیں کرتے تمہارے حالات کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ اگر رب تعالیٰ کی طرف سے تم کو فتح و ظفر و کامیابی نصیب ہوتی ہے۔ تمہارے دوست بن کر آتے کہتے ہیں کہ کیا ہم کلمہ میں نماز میں مسجد کی حاضری میں تمہارے ساتھ نہ تھے یا کیا ہم تمہارے ساتھ میدان جہاد میں نہ گئے۔ یقیناً گئے تو لاؤ غنیمت وغیرہ میں ہمارا بھی حصہ ہم کو دو اور اگر کبھی اتفاق سے کفار کو ظاہری غلبہ سے کچھ حصہ مل جائے تو کہتے ہیں اے کافرو ہمارے احسان یاد کرو کیا یہ بات درست نہیں ہے کہ ہم کو اس وقت موقعہ تھا کہ سچے دل سے مسلمانوں کی مدد کر کے تم کو شکست فاش دے دیتے مگر ہم نے ایسا نہ کیا ہم ان مسلمانوں سے الگ تھلگ رہے کہ جہاد کے میدان میں آکر بھی تم سے لڑے نہیں اور کیا یہ بات درست نہیں کہ ہم نے تم کو مسلمانوں کی مار سے بچایا یا ان کی خفیہ جنگی خبریں تم کو برابر پہنچاتے رہے۔ تمہارا رعب مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے رہے ہم نے ان کے ساتھ رہ کر کام تمہارا کیا تم کو ہر طرح بچایا لہذا تمہاری یہ فتح ہماری مدد سے ہے لہذا جنگ میں حاصل شدہ مال سے ہمارا حصہ ہم کو دو ان میں اور تم میں فیصلہ اور فاصلہ قیامت ہی میں ہو گا کہ تم جنت میں بھیجے جاؤ گے اور یہ منافق دوزخ میں۔ رہا دنیا کا معاملہ تو یہاں یہ منافقین تمہارے ساتھ ملے ہی رہیں۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں کافروں کو مسلمان پر خلط ملط ہونے کی راہ اس کا موقعہ نہ دے گا یا منافقین کفار کتنا ہی زور لگالیں اللہ تعالیٰ کفار کو مسلمانوں پر غلبہ ء تام دنیا میں کبھی نہ دے گا کہ کفار اسلام کو مٹا دیں۔ مسلمانوں کو فنا کر دیں۔ دلائل و برہان سے اسلام کی حقانیت ختم کر دیں یہ کبھی نہ ہو گا۔ اسلام تاقیامت رہے گا۔ مسلمان بھی رہیں گے۔ دینی غلبہ مسلمانوں ہی کا رہے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جب کسی سے دلی الفت و محبت نہ ہو تو زبانی جسمانی ہمراہی بیکار ہے۔ سچی ہمراہی دل و جان کی ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے منافقین کا یہ قول **الم نکن معکم** ان کے عیب میں ذکر فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو اپنے اچھوں کے ساتھ دل کی ہمراہی نصیب فرمادے۔ **دوسرا فائدہ:** مومن و کافر دونوں سے تعلق رکھنا کہ جسم سے مومن کے ساتھ رہے دل سے کافر کے ساتھ یہ منافقوں کا طریقہ ہے۔ اور نقصان کا باعث ایسے لوگ دو گھر کے مہمان ہوتے ہیں اور اکثر دو گھر کا مہمان بھوکا رہتا ہے۔ جیسا کہ **الم نستحوذ علیکم** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان کا کفار کی خفیہ پولیس بننا اور کفار کو مسلمانوں کے خفیہ جنگی راز بتانا منافقوں کا طریقہ ہے۔ جس میں آج بہت مسلمان گرفتار ہیں۔ جیسا کہ **و نمنعکم من المؤمنین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ان شاء اللہ تمام

www.alahazratnetwork.org

دنیا کے منافقین و کفار متفق ہو کر بھی اسلام اور مسلمانوں کو مٹا نہیں سکتے جیسا کہ **و لن یجعل اللہ** الخ کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ تجربہ یہ ہے کہ اکثر و بیشتر مسلمانوں کو نقصان خود مسلمانوں سے پہنچتا ہے۔ مسلمانوں کی غداری کی شامت اعمال انہیں برباد کروا دیتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** مسلمان کے خلاف کافر کی گواہی قاضی کے ہاں قابل قبول نہیں جیسا کہ **لن یجعل اللہ** الخ سے معلوم ہوا کہ اس میں بھی کافر کو مسلمان پر غلبہ دینا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مسلمان عورت کا کسی کافر سے نکاح درست نہیں۔ یہ فائدہ بھی **لن یجعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ خاوند کو بیوی پر غلبہ ہوتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کافر مسلمان غلام کو نہیں خرید سکتا کیونکہ مولیٰ کو غلام پر غلبہ ہوتا ہے اور کافر کا غلبہ مسلمان پر شرعاً درست نہیں۔ (شوافع) کافر شخص مسلمان غلام کو خرید تو سکتا ہے مگر اس سے خدمت نہیں لے سکتا۔ بجز اس کے کہ اسے یا تو آزاد کر دے یا اسے فروخت کر دے صرف خریدنے میں غلبہ نہیں بلکہ خدمت لینے کے استحقاق میں غلبہ ہے۔ (حنفی از روح المعانی)۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمان زوج کے مرتد ہو جانے سے اس کا نکاح ٹوٹ جاتا ہے۔ مومنہ عورت فوراً اس کے نکاح سے نکل جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **و لن یجعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اگر اب بھی مومنہ عورت اس کے نکاح میں رہے تو اس مرتد کو اس مومنہ پر غلبہ حاصل ہو گا یہ درست نہیں۔ **نواں فائدہ:** کافر رشتہ دار مسلمان میت کا وارث نہیں ہو سکتا کیونکہ وارث اپنے مورث کے مال پر غلبہ پاتا ہے اور کافر کا غلبہ مومن پر درست نہیں یہ فائدہ بھی **لن یجعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** قیامت میں بلکہ مرتے ہی کسی کافر کو جنت کی کسی نعمت سے فائدہ نہ ہو گا۔ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں۔ یہ فائدہ **و لن یجعل اللہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ سبیل سے مراد قیامت کے دن کا غلبہ وغیرہ ہو۔ **گیارہواں فائدہ:** جہاد میں بری نیت سے شرکت کرنا وہاں مسلمانوں کی شکست کفار کی فتح کی کوشش کرنا کفر اور طریقہ منافقین ہے۔

پہلا اعتراض: جب منافقین ایسے بدباطن غدار اور بے ایمان تھے تو ان کو جہادوں مسجدوں نمازوں میں آنے کی اجازت ہی کیوں دی جاتی تھی۔ جس سے انہیں ایسے بہانے تراشنے کا موقعہ ملتا تھا۔ **جواب:** اس میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ اگر اس زمانہ میں ظاہری کلمہ گوئی کا اعتبار نہ ہوتا تو لوگ ایمان لانا چھوڑ دیتے۔ کہتے کہ ایمان لا کر بھی ہمارے جان و مال محفوظ نہ ہوں گے مسلمان ہمارے ایمان کا اعتبار نہ کریں گے۔ نیز اس صورت میں جنگ و جدال کا دروازہ کھل جاتا کہ جسے بھی دوسرے دشمنی ہوتی وہ اسے منافق کہہ کر قتل کر ڈالتا اور بھی اس میں بہت سی حکمتیں تھیں۔ زمانہ فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اعلان فرما دیا تھا کہ نفاق کوئی نہیں اب یا کفر ہے یا اسلام یعنی اگر کسی کلمہ گو کے منہ سے یا عمل سے کفر ظاہر ہو تو وہ قتل کیا جائے گا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الکبائر و النفاق کا آخر۔ زمانہ کی تبدیلی سے بعض احکام شرعیہ بدل جاتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں مسلمانوں کی کامیابی کو فتح فرمایا گیا اور کفار کی جنگی کامیابی کو نصیب فرمایا گیا اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس فرق کے بیان میں یہ بتایا گیا کہ مسلمانوں کی جنگی کامیابی اللہ کی رحمت ہے جس کے مسلمان بفضلہ تعالیٰ مستحق ہیں مگر کفار کی کامیابی رب تعالیٰ کی رحمت نہیں بلکہ مسلمانوں پر اظہار عتاب ہے کہ تم نے غلطی کی تم کو یہ سزا دی گئی اس کامیابی کے کفار حقدار نہیں کسی عارضی وجہ سے انہیں اس سے حصہ مل گیا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **الم نستحوذ علیکم**۔ مگر صرفی قاعدے سے واؤ الف بن کر گر جانا چاہئے تھا۔ اس کا ماضی استحاذ مضارع یستحیذ آتا اور لم

www.alahazratnetwork.org

نستخذ ہوتا جیساکہ **یقال یستعاذ** وغیرہ میں ہوا ہے۔ جواب: واؤ کو الف سے بدلنے کی پانچ شرطیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس تبدیلی سے لفظ دوسرے لفظ سے مشتبہ نہ ہو التباس سے بے خوفی ہو یہاں یہ بے خوفی نہ تھی یہاں اگر یہ تبدیلی کروی جاتی تو معلوم نہ ہوتا کہ یہ حوذ معتل واوی سے بنا ہے یا حیذ معتل یائی سے بنا اس لئے واو سلامت رہا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین و مخلصین میں۔ فیصلہ قیامت کے دن ہوگا تو گویا ان کا فیصلہ دنیا میں نہ ہو چکا۔ قرآنی آیات نے فیصلہ تو یہاں ہی فرمادیا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں دنیا میں صرف قولی فیصلہ ہوا عملی فیصلہ جس سے ان دونوں فریق میں فاصلہ بھی ہو جائے نہ ہوا منافقین مخلصین کے ساتھ مخلوط رہے۔ قیامت میں فیصلہ بھی ہو جائے گا فاصلہ بھی یہاں فاصلہ والا فیصلہ مراد ہے۔ لہٰذا آیت کریمہ صاف ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کبھی مسلمانوں پر کفار کا غلبہ نہ ہوگا مگر آج تو اکثر کفار ہی کا غلبہ ہو رہا ہے مسلمان دبے ہوئے ہیں۔ پھر یہ آیت درست کیسے ہوئی؟ جواب: اس کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکے کہ یا تو یہاں اخروی غلبہ مراد ہے کہ قیامت میں یہ نہ ہوگا کہ کفار کو بخش دیا جائے جس سے وہ غالب آجائیں اور مسلمانوں کو دوزخ میں ٹھونس دیا جائے جس سے وہ مغلوب ہو جائیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے اور آیت کی روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں اخروی غلبہ ہی مراد ہے کیونکہ ابھی اس آیت سے متصل قیامت کا ذکر ہو چکا ہے یا دنیاوی غلبہ مراد ہے تو دینی غلبہ یا استحصالی غلبہ مراد ہوگا یعنی اگرچہ مسلمان کبھی مغلوب ہو جائیں اپنی کمزوری کی وجہ سے مگر دین اسلام ہمیشہ غالب رہے گا۔ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **لیظھرہ علی الدین کلہ** یا استحصالی غلبہ مراد ہے کہ کفار مسلمانوں کو جڑ سے نہ اکھیڑ سکیں گے کہ یہ قوم بالکل ہی ختم ہو جائے۔ اسلامی غلبہ کی مستقل تفصیل ہماری کتاب مواعظ نعیمیہ میں **ان الدین عند اللہ الاسلام** اور **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تقریر میں ملاحظہ فرماؤ۔ چھٹا اعتراض: احادیث سے ثابت ہے کہ قریب قیامت مسلمان بالکل مٹ جائیں گے اسلام دنیا سے ختم ہو جائے گا۔ صرف کفار ہی رہیں گے جن پر قیامت ہوگی یہ واقعہ اس آیت کے خلاف ہوگا۔ جواب: اس موقعہ پر مسلمانوں کا ختم ہو جانا کفار کے ہاتھوں نہ ہوگا بلکہ ایک طیب ہوا چلے گی جس سے ہر مومن کی جان قبض کرلی جائے گی اگر اس وقت مومن رہتے تو اللہ کا ذکر کرتے 'قیامت نہ آ سکتی' قیامت کی آفت جب آئے گی 'جب دنیا میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا۔ غرضیکہ غلبہ کفار اور ہے اور یہ واقعہ کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ : صرف زبانی کلمہ جو دل میں داخل نہ ہو اس دانہ کی طرح ہے جو پتھر کے غبار یا چھتوں یا دیوار پر بارش کلیا ئی یا کر اگ جائے جو فی الحال تو ہرا بھرا معلوم ہوتا ہے مگر اسے قرار نہیں ہوتا بہت جلد مرجھا جاتا ہے 'نہ پھل دیتا ہے نہ پھول۔ روحانی جنانی کلمہ خوانی کہ کلمہ طیبہ دل میں اتر جائے اس دانہ کی طرح ہے جو نرم اعلیٰ زمین میں بویا گیا ہو اس کے لئے بقا بھی ہے 'پھل پھول بھی اسی سے ملتے ہیں۔ منافقین کا کلمہ نمازیں جہادوں میں جانا صرف جسم و زبان سے تھا۔ دل ان کے اغیار کے ساتھ بلکہ کفار کے ساتھ تھے وہاں یار کا جلوہ کیسے آتا اس لئے ان سے وہ حرکتیں صادر ہوتی تھیں جو یہاں مذکور ہیں۔ ان کے کلمہ نے نجات کے پھول رحمت کے پھل نہ دیئے بلکہ مرتے ہی ان کا یہ درخت مرجھا گیا۔ مومن کا کلمہ دل کی گہرائیوں میں اترا ہوا تھا اس لئے وہ دنیا و آخرت میں ہرا بھرا رہا اور اس میں نجات مغفرت رحمت کے پھل پھول لگے اس کا فیصلہ اور دونوں درختوں میں فاصلہ قیامت میں کیا جائے گا۔ یہاں دونوں ہرے بھرے معلوم ہوتے ہیں 'اندھیرے حمام میں تندرست و بیمار یکساں معلوم

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہیں۔ جب شمع نور آئے تو وہ تندرستوں بیماروں کو چھانٹ کردیتی ہے باطل کا شور زیادہ ہوتا ہے مگر زور کم حق کا شور نہیں مگر اس میں زور بہت ہے۔ مومن کو چاہئے کہ دنیاوی ٹیپ ٹاپ اور یہاں کی زینت کے پیچھے نہ دوڑے بلکہ فتوحات الیہ اور مشاہدہ حق کی کوشش کرے۔ دیکھو منافقوں کا رخ دنیا کی طرف تھا تو انہیں میدان جہاد میں بھی حجاب ہی رہا۔ طالبوں کے لئے دروازہ کھلا ہے۔ وہاں کوئی دربان بھی نہیں اگر حجاب و محرومی ہے تو وہ بندہ کی طرف سے ہے۔

تو محرم نیستی محروم ازانی   رہ نا محرماں اندر حرم نیست

یعنی تو محروم اس لئے ہے کہ محرم راز نہیں ہے بغیر احرام باندھے حرم شریف کا داخلہ ممنوع ہے۔ تو احرام میں دنیا کا لباس اتار کر قرب الٰہی والا احرام جو کفن کی شکل کا ہے پہنا جاتا ہے۔ تب کہیں حرم شریف میں حاضری کی اجازت ہوتی ہے۔ حرم قرب الٰہی میں داخلہ چاہتے ہو تو دل سے لباس شہوات اتارو لباس تقویٰ پہنو تب وہاں کے قابل ہو گے نامحرم منافق وہاں کا احرام باندھے بغیر جہاد میں گئے۔ محروم ہی رہے (از تفسیر روح المعانی)

إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ يُخٰدِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوا إِلَى

یقیناً منافقین دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو اور وہ انہیں اس کی سزا دے گا اور جب اٹھتے ہیں نماز

بیشک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دیا چاہتے ہیں اور وہ ہی انہیں غافل کرکے مارے گا اور

الصَّلٰوةِ قَامُوا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ إِلَّا

کی طرف تو اٹھتے ہیں سستی سے دکھلاوا کرتے ہیں لوگوں کو اور نہیں ذکر کرتے اللہ کا مگر

جب نماز کو کھڑے ہوں تو ہارے جی سے لوگوں کو دکھاوا کرتے ہیں اور اللہ کو یاد نہیں

قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ ۙ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى

بہت کم لٹکے ہوئے ہیں درمیان اس کے نہ اس طرف نہ اس طرف اور وہ جس کو

کرتے مگر تھوڑا بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں نہ ادھر کے نہ ادھر کے اور جسے اللہ گمراہ کرے

هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللّٰهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾

گمراہ کردے اللہ پس ہرگز نہ پاؤ گے تم واسطے اس کے راستہ

تو اس کے لئے کوئی راہ نہ پائے گا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان منافقوں کی اس چال کا ذکر تھا جو وہ جہاد کے موقعہ پر چلتے تھے یعنی دو طرفہ نفع کمانے کی کوشش کرنا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کی ہر عبادت بلکہ ہر ادا میں کوئی نہ کوئی سیاسی چال ہوتی ہے۔ نماز پڑھیں تو چال کے لئے کلمہ پڑھیں تو فریب کے لئے' ہر کام میں دھوکہ دینا چاہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ گویا ان کی خاص چال کے بعد عام فریب کاریوں کا ذکر ہے تاکہ مسلمان ان کے ظاہر سے دھوکہ نہ کھائیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی جہاد میں سستی غنیمت حاصل کرنے میں چستی کا ذکر تھا۔ جہاد کبھی کبھی ہوتا ہے اب ان کی نماز میں سستی ذکر اللہ میں بے رغبتی کا ذکر ہے۔ نماز و ذکر اللہ ہر دن اور ہر حال میں ہوتا ہے۔ یعنی ان کی وقتی علامات نفاق بیان فرمانے کے بعد دائمی علامات نفاق کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی دو رنگی چال کا ذکر تھا کہ جہاد میں مسلمانوں سے بھی کمانا چاہتے ہیں اور کفار سے بھی۔ اب ان کی اس روش کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ وہ نہ کفار ہی میں رہے نہ مسلمانوں ہی میں۔ دونوں طرف سے پھٹکارے گئے۔ غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے تھا۔ اور بیماری کے انجام یعنی ہلاکت کا ذکر اب ہو رہا ہے تاکہ مسلمان ان کا یہ حال دیکھ کر عبرت پکڑیں۔

تفسیر: ان المنفقین یخدعون اللہ کسی کلام کے اول میں اِنّ تین وجہ سے لایا جاتا ہے۔ مضمون کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے۔ اس مضمون کا کوئی منکر موجود ہو اس کی تردید کے لئے۔ اس مضمون کا کوئی منکر ہو سکتا ہو اس کی فہمائش کے لئے۔ یہاں تینوں وجہیں ہو سکتی ہیں۔ منافق و مخلص دوست و دشمن کی پہچان پر قوموں کی بقا موقوف ہے۔ جو شخص یا جو قوم اپنے کھلے چھپے دشمنوں کو نہ پہچانے وہ ہلاک ہو جائے گی۔ نیز بعض ضعفاء مومنین منافقوں کی چکنی چپڑی باتوں میں آکر اس مضمون کا انکار کر سکتے تھے۔ اس لئے اسے **اِنّ** سے شروع فرمایا گیا۔ منافقین سے عقیدے کے منافق مراد ہیں جو دل میں کافر ظاہر میں مسلمان ہوں۔ ان کے یہ اعمال بعض نفاق اعتقادی ہیں بعض نفاق عملی جیسے نماز میں سستی ریا کے لئے اعمال کرنا نفاق عملی ہے۔ جس سے مسلمانوں کو بچنا لازم ہے۔ پھر منافقین عام ہیں۔ خواہ اس زمانہ کے منافق ہوں یا آئندہ تاقیامت کے منافق۔ **یخادعون** کی تحقیق پہلے پارے کے شروع میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ بنا ہے خدع سے بمعنی چھپانا یا غائب ہونا کہا جاتا ہے۔ خدعت الضب گوہ چھپ گئی اور کہا جاتا ہے **خدع الریق فی الفم** تھوک منہ میں خشک ہو گیا غائب ہو گیا جذب ہو گیا۔ اس کے معنی رک جانا بھی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ **خدع المطر** بارش رک گئی اور کہتے ہیں **السنین الخوادع** قحط کے سال کہ پیداوار رک گئی اصطلاح میں جب اس کا فاعل بندہ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں چھپ کر سازش کرنا فریب دھوکہ دینا اور جب اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مجرم کے خلاف سزا کی خفیہ تدبیر کرنا جس کا اسے پتہ نہ چلے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مجرم کے خلاف سزا کی خفیہ تدبیر کرنا جس کا اسے پتہ نہ چلے ہر وقت ہی نامعلوم ہو۔ **یخادعون** مضارع ارشاد ہوا۔ دوام و استمرار بتانے کے لئے امام زجاج فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے ذکر اپنا کیا مگر مراد لیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو (تفسیر کبیر، روح المعانی) یعنی منافقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمیشہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں کہ حضور کے خلاف خفیہ سازشیں کرتے رہتے ہیں نیک اعمال کرتے ہیں تو دھوکہ دہی کے لئے۔ خیال رہے کہ یہاں ان کے دھوکہ دینے کا ذکر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دھوکہ کھانے کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافقوں سے کبھی دھوکہ نہ کھایا۔ دھوکہ وہ کھائے جو اصل حقیقت سے بے خبر ہو۔ حضور انور کا علم تو تمام کی ایمان کی تعریف پر ہے پھر حضور کیا دھوکہ کھائیں۔ چونکہ منافقین حضور کے اس علم کے منکر تھے اس لئے حضور کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے۔ حضور کے علم کا انکار منافقین ہی کیا کرتے تھے۔ **وھو خادعھم۔** یہ عبارت گذشتہ جملہ پر معطوف ہے **ھو** کا مرجع

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ ہے۔ یہاں خادع کے معنی ہیں ان کو سزا دینے کی خفیہ تدبیر خادعہم سے مراد یا تو دنیا میں خفیہ سزا دینا ہے کہ ان پر ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے مسلمانوں کے احکام جاری فرمادیئے۔ انہیں مسجدوں میں آنے کی اجازت دے دی۔ اور یہ جہاد نہ کیا گیا۔ ان کی منافقت کے باوجود ان کو دنیاوی نعمتیں عطا فرمائیں جس سے وہ سمجھے کہ ہم خدا کے پیارے ہیں۔ حضور کی مجلس پاک میں باریابی وغیرہ جس سے وہ دھوکہ کھا گئے کہ آئندہ آخرت میں بھی مسلمانوں کی طرح بخشے جائیں گے مگر مرتے ہی پتہ لگا کہ ہم دھوکہ کھا گئے یا یہ سزا آخرت میں ہوگی کہ انہیں قیامت میں مسلمانوں کی طرح اولاً "نور دے دیا جائے گا۔ جب پلصراط کے اندھیرے پر پہنچیں گے تو مسلمانوں کا نور تو باقی رہے گا ان منافقوں کا نور بجھ جائے گا اور یہ وہاں سے نور سے رہ کر حیران و پریشان ہو جائیں گے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ **واذا قاموا الی الصلوۃ قاموا کسالی۔** یہ ان کے اجمالی فریب کی کچھ تفصیل ہے۔ یا ان منافقوں کی خاص علامت اذا دوام کے لئے ہے یعنی جب بھی قیام سے مراد نماز کے لئے اٹھنا ہے نہ کہ نماز میں قیام جو نماز کا فرض ہے اس لئے اس کے بعد الی آیا۔ کسالی کسلان کی جمع ہے۔ جیسے سکران کی جمع سکاریٰ اس کا مادہ کسل ہے۔ بمعنی کاہلی، سستی یا بوجھل ہونا۔ یعنی وہاں سستی کرنا جہاں سستی نہ چاہئے۔ یعنی یہ منافقین جب بھی نماز کے لئے اٹھتے ہیں تو سستی سے اٹھتے ہیں اس سستی کی بہت صورتیں ہیں بلاوجہ مسجد میں حاضر نہ ہونا۔ بلاوجہ جماعت ترک کرنا' اکیلے نماز پڑھنا' جماعت میں پیچھے پہنچنا جبکہ ایک آدھ رکعت ملے بغیر' ٹوپی ننگے سر یا بغیر کرتا' ننگے بدن نماز پڑھنا۔ ارکان نماز درست طریقہ سے ادا نہ کرنا یہ ایک کلمہ ان سب صورتوں کو شامل ہے۔ اور یہ تمام منافقین کی علامت ہے۔ **یراءون الناس** یہ عبارت گذشتہ مضمون کی وجہ ہے یعنی اس سستی کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے لئے نماز نہیں پڑھتے تاکہ شوق و ذوق سے پڑھیں بلکہ لوگوں کو دکھلاوے کے لئے پڑھتے ہیں تاکہ انہیں لوگ کافر نہ سمجھ لیں۔ **یراءون' ریاء** سے بنا ہے بمعنی دکھلاوا الناس سے مراد مخلص مسلمان ہیں۔ اس الناس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں کہ حضور کو دکھلانے کے لئے انہیں راضی کرنے کے لئے عمل کرنا تکمیل ہے ریا نہیں۔ خیال رہے کہ ریاء کی دو صورتیں ہیں اصل عمل میں کہ لوگ دیکھیں تو عمل کرے ورنہ بالکل نہ کرے اور ریا وصف عمل میں کہ لوگوں کے سامنے اچھی طرح عمل کرے اکیلے میں معمولی طرح پہلی ریا میں اصل عمل کا ثواب نہیں۔ دوسری ریا میں اصل عمل کا ثواب ہے۔ کمال عمل کا ثواب نہیں یہاں پہلی قسم کی ریا مراد ہے۔ **ولا یذکرون اللہ الا قلیلا** "۔ یہ جملہ یراءون پر معطوف ہے۔ اس میں منافقوں کے چوتھے عیب کا ذکر ہے۔ ذکر اللہ سے مراد یا تو نماز ہے یا نماز میں تلاوت قرآن و دعائیں وغیرہ پڑھنا' یا نماز کے سواء اور موقعوں پر اللہ کا ذکر کرنا یعنی وہ نماز نہیں پڑھتے مگر تھوڑی کہ جب مسلمانوں میں پھنسے نماز پڑھ لی جب ان سے علیحدہ ہوئے نہ پڑھی۔ یا عشاء فجر نہ پڑھی۔ باقی تین پڑھ لیں یا جاڑوں میں نہ پڑھی گرمیوں میں پڑھ لی۔ چونکہ نماز میں اول سے آخر تک لسانی' جنانی' ارکانی ذکر الٰہی ہے اس لئے نماز کو ذکر اللہ فرمایا گیا نماز کے سواء کسی عبادت میں اس طرح کا ذکر نہیں۔ یا نماز بہت جلد پڑھتے ہیں۔ اطمینان اطمینان سے نہیں پڑھتے ہر رکن میں اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں کہ نماز ان پر بوجھ ہے جسے جلد اتارنا چاہتے ہیں یا نماز کے علاوہ کسی وقت ان کے منہ پر اللہ کا نام نہیں آتا۔ ہمیشہ دنیاوی باتیں کرتے ہیں مگر ہاں بہت تھوڑا کہ کبھی رب کا نام نکل جاتا ہے۔ مومن کا حال ان کے خلاف ہے۔ وہ خلوت و جلوت میں نماز پڑھتا ہے۔ خوب اطمینان سے پڑھتا ہے' نماز کے علاوہ ہر وقت اس کے منہ پر اللہ کا نام اس کا ذکر رہتا ہے۔ **مذبذبین بین ذلک** یہ عبارت لایذکرون اللہ کے فاعل سے حال ہے۔ مذبذب بنا ہے ذب سے بمعنی دفع کرنا' روکنا'

www.alahazratnetwork.org

دور کرنا مذبذب وہ جسے ہر طرف سے دفع کیا جائے۔ مکھی کو ذباب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ہر طرف سے دفع کی جاتی ہے۔ ذبذبہ ہوا میں لٹکی ہوئی چیز کی آواز کو کہتے ہیں۔ جو اس کے ہلنے سے پیدا ہو کہ وہ چیز بھی دو طرفہ دفع کی جاتی ہے۔ بہرحال اضطراب' پریشانی حرکت پر ذبذبہ بولا جاتا ہے اس کی دونوں ذالیں اصل ہی ہیں جیسے صلصل' دمدم' ایسے ہی ذبذب' ذالک سے اشارہ ایمان و کفر کی حالت کی طرف ہے جو پچھلے مضمون سے معلوم ہوئی یعنی یہ منافقین ایمان و کفر کے درمیان لٹکے رہ گئے ہیں۔ بیچ میں ڈگمگا رہے ہیں' نہ ایمان پر انہیں قرار ہے نہ کفر پر بلکہ ہر طرف سے فرار ہے اور ہر ایک کی ان پر پھٹکار **لا الی ھٰؤلاء ولا الی ھٰؤلاء** یہ عبارت مذبذبین سے حال ہے۔ الی سے پہلے منسوبین پوشیدہ ہے۔ پہلے **ھٰؤلاء** سے مسلمانوں کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرے **ھؤلاء** سے کفار کی طرف اشارہ یعنی ان منافقوں کی حالت یہ ہے نہ تو یہ مسلمانوں میں شمار ہیں کہ ان کے دل میں کفر ہے نہ کھلے کافروں میں شمار کہ ان کے منہ پر کلمہ طیبہ ہے اب یہ عجیب مخمصہ میں پھنسے ہیں کدھر جائیں اس جملہ کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ ان منافقین کے دل میں تذبذب ہے کہ دین اسلام حق ہے یا کفر حق نہ وہ اپنے کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں' نہ پورا کافر ہی کیونکہ انہوں نے دنیاوی فتح اور مال' دولت کو حقانیت کا مدار سمجھا ہے اگر مسلمانوں کو فتح کفار کی شکست ہو گئی تو اسلام کو حق سمجھنے لگے اگر اس کے برعکس ہو گیا تو کفر کو حق جاننے لگے۔ نیز وہ دو طرفہ نشست و برخاست رکھتے' فریقین کے دلائل سنتے ہیں' مسلمانوں کے بھی کفار کے بھی اس لئے متحیر ہیں کہ کسے حق کہیں اور کسے باطل' کبھی اسلام کو حق کہنے لگتے ہیں' کبھی کفر کو۔ جس چیز کی بنیاد دلائل پر ہوتی ہے اس کا انجام یہی ہوتا ہے ایمان کی بنیاد عشق پر چاہئے۔ **و من یضلل اللہ فلن تجد لہ سبیلا** " یہ ان تمام چیزوں کی اصل علت ہے۔ من سے مراد ہر شخص ہے کسے باشد۔ اضلال سے مراد ہے گمراہی پیدا فرمانا خود اس کی اپنی حرکتوں اور بدایت کی ناقابلیت کی وجہ سے تجد میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے سبیل سے مراد ہے' حق و صواب تک پہنچانے والا راستہ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان تم ان منافقوں کی گمراہی پر غمگین نہ ہو۔ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے کہ اس کی حرکتوں کی وجہ سے رب تعالیٰ اس کے دل میں گمراہی جما دے تو اس کے لئے راہ ہدایت آپ نہیں پا سکتے' نہ ہی وہ آپ کی تبلیغ سے ہدایت پا سکتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے چند عیوب بیان فرمائے۔ اللہ رسول کو دھوکہ دینا' نماز میں سستی کرنا' اعمال میں ریاکاری کرنا' اللہ کا ذکر کم کرنا' تذبذب میں رہنا' ترتیب یہ رکھی کہ دھوکے وہی کا ذکر پہلے ہے اس کی سزا کے باقی چار عیوب کا ذکر بعد میں چنانچہ ارشاد ہوا کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں اسی دھوکے وہی کی ان کو سزا دینے والا ہے یا آخرت میں سزا دینے کی خفیہ تدبیر فرما رہا ہے۔ جس کا انہیں پتہ نہیں یا اے محبوب منافقین اللہ کے رسول کو دھوکہ فریب دیتے رہتے ہیں کہ فریب کی نیت سے کلمہ نماز وغیرہ ارکان اسلام ادا کرتے ہیں۔ جہادوں میں بھی پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کو دھوکہ دینے کی سزا ضرور دے گا ان کا حال یہ ہے کہ جب بادل ناخواستہ نماز کے لئے اٹھتے ہیں' سستی اور بے دلی سے اٹھتے ہیں مسجد میں آتے نہیں آئیں تو جماعت کے بعد' کبھی نماز پڑھ لیں' کبھی نہیں نماز پڑھیں تو اس طریقہ سے کہ ان کی بے دلی ظاہر ہوتی ہو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ محض مسلمانوں کے دکھلاوے کو نماز پڑھتے ہیں تاکہ وہ انہیں منافق کافر نہ سمجھنے لگیں۔ اللہ کی رضا کے لئے نہیں پڑھتے' نماز بہت کم پڑھتے ہیں۔ سب کے سامنے پڑھ لیتے ہیں اکیلے میں

www.alahazratnetwork.org

نہیں یا نماز میں اللہ کا ذکر بہت کم کرتے، تھوڑی سی دیر میں بہت رکعتیں پڑھ کر چل دیتے ہیں یا نماز کے علاوہ ان کے منہ پر اللہ کا ذکر بہت کم آتا ہے۔ ہمیشہ دنیاوی کلام یا غیبت و جھوٹ میں مبتلا رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کے ذکر سے جبکہ اخلاص سے ہو اللہ کی محبت پیدا ہوتی ہے اور اللہ کی محبت سے اس کی اطاعت کا جذبہ ہوتا ہے یہ اطاعت ہی ایمان کی جان ہے۔ ذکر اللہ خواہ زبانی ہو یا عملی سب کا یہی حال ہے۔ دل سیاہی چوس کاغذ کی طرح ہے کہ جس کی یاد رکھی جائے اس کا محب و مطیع بن جاتا ہے۔ منافقین اولاً تو خدا کا ذکر کرتے ہی نہیں اور کرتے ہیں تو بہت تھوڑا پھر ان میں محبت و اطاعت کہاں سے ہو۔ ان کا پانچواں عیب یہ ہے کہ کفر و اسلام کے بیچ ان کی کشتی ڈگمگا رہی ہے نہ تو ان کا شمار مسلمانوں میں ہی ہے کہ ان کے دل میں کفر ہے۔ اور نہ ان کا شمار کفار ہی میں ہے کہ ان کی زبان پر کلمہ ہے، نہ مسلمان انہیں مسلمان سمجھیں، نہ کفار انہیں کافر جانیں، دو طرفہ پھٹکارے جاتے ہیں، اے محبوب جسے اللہ تعالیٰ ہی گمراہ کر دے تو آپ اسے راہ ہدایت کیسے دکھا سکتے ہیں۔ آپ ان کی گمراہی پر غمگین نہ ہوں۔ یہ رب تعالیٰ کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینا درحقیقت رب تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش کرنا ہے جیساکہ **یخادعون اللہ** کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں رب تعالیٰ نے اپنا نام لیا مگر مراد حضور کو لیا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم رب تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ حضور کی گستاخی رب تعالیٰ کی گستاخی ہے۔ دوسرا فائدہ: انسان جیسا جرم کرے گا ویسی ہی سزا پائے گا۔ دھوکہ دے گا، دھوکہ کھائے گا، کسی سے دشمنی کرے گا اس کی دشمنی کی جائے گی۔ جیساکہ وھو خادعھم سے معلوم ہوا اسی طرح جیسی نیکی کرے گا۔ ویسی جزا دی جائے گی غرضیکہ جو بوئے گا وہ کاٹے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔۔

نان دہی از بہر حق نانت دہند   جان دہی از بہر حق جانت دہند!

تیسرا فائدہ: نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے۔ مسلمان کو نہایت ذوق و شوق سے نماز ادا کرنی چاہئے۔ اکیلے نماز پڑھ لینا گھر پر ہی پڑھ لینا مسجد میں نہ آنا۔ مسجد میں پیچھے پہنچنے کی عادت ڈال لینا۔ سستی کے طور پر یا فیشن کے لئے ننگے سر یا بغیر کرتہ نماز پڑھنا، اسی طرح آستینیں چڑھا کر، گریبان کھلا چھوڑ کر نماز پڑھنا غرضیکہ جن کاموں سے بے پرواہی یا سستی ظاہر ہے وہ کرنا سب ممنوع ہے کہ یہ تمام سستی میں داخل ہیں اسی طرح تنگ وقت کر کے نماز پڑھنا، ارکان نماز درست ادا نہ کرنا سب ممنوع ہے کہ یہ تمام چیزیں **قاموا کسالی** میں داخل ہیں۔ منافقوں کی ہر علامت سے بچنا چاہئے۔ چوتھا فائدہ: ریاکاری کے لئے نماز پڑھنا طریقہ منافقین ہے نماز وغیرہ تمام عبادات محض رضاء الٰہی کے لئے کرنا چاہئے جیساکہ **یراء ون الناس** سے معلوم ہوا ریاکار آدمی کبھی نماز صحیح طور سے نہیں پڑھ سکتا۔ پانچواں فائدہ: نماز کے علاوہ بھی انسان کو اللہ کا ذکر زیادہ کرنا چاہئے اس لئے اسلام نے سوتے جاگتے کھاتے پیتے حتیٰ کہ استنجا کو جاتے وقت بھی اللہ کے ذکر کی تاکید دی۔ بسم اللہ کر کے کھاؤ، پیو، فارغ ہو کر الحمد للہ کہو۔ آیت الکرسی پڑھ کر سوؤ آنکھ کھلتے ہی تیسرا چوتھا کلمہ پڑھو۔ وعدہ کرتے وقت ان شاء اللہ کہو اچھی بات سن کر الحمد للہ کہو تکلیف دہ یا غم کی بات سن کر لاحول شریف یا اناللہ پڑھو یہ تمام چیزیں کیوں ہیں۔ تاکہ مومن کی زبان اللہ کے ذکر سے تر رہے۔ یہ فائدہ **ولا یذکرون اللہ** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: منافقین مذہباً کافر ہوتے ہیں۔ قوماً مسلمان یعنی مردم

www.alahazratnetwork.org

شماری میں مسلمانوں میں گنے جاتے ہیں۔ مگر عقائد میں پکے کافر لہٰذا وہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے بلکہ ادھر یعنی بیچ کے ہیں جیسا کہ **لا الی ھٰولاء** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دین میں حیرت بے اطمینانی طریقہ منافقین ہے اسے یقین نہیں ہوتا کہ کون سا دین سچا ہے۔ مسلمان کو اپنے اسلام کی حقانیت پر پورا پورا یقین ہوتا ہے۔ یہ فائدہ مذبذبین الخ سے حاصل ہوا۔ مومن کو چاہئے راحت و رنج، خوشی و غم ہر حال میں راضی رہے اسلام کو حق جانے رب تعالیٰ سے توفیق خیر مانگے۔ کتا بھی کسی حال میں اپنے مالک کا دروازہ نہیں چھوڑتا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے دیتے ہیں اور خدا تعالیٰ دھوکہ کھا جاتا ہے۔ دھوکہ وہ کھائے جو بے خبر ہو معلوم ہوا مسلمانوں کا خدا بے خبر ہے (ستیارتھ پرکاش)۔ **جواب:** اس کا بہت تفصیلی جواب پہلے پارے کی تفسیر یخادعون اللہ کی ماتحت دیا جا چکا ہے۔ یہاں بھی اس آیت کی تفسیر میں کبیرو غیرہ کے حوالہ سے گزر گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اگر نماز میں سستی کرنا منافقوں کی علامت ہے تو آج نوے فی صدی مسلمان منافق ہیں۔ کیونکہ وہ نماز میں سستی کرتے ہیں، بلکہ پڑھتے ہی نہیں تو اب دنیا میں مسلمان کتنے رہ گئے۔ **جواب:** نماز میں سستی کرنا منافق کی علامت ہے جس سے بچنا چاہئے، مگر محض یہ کام نفاق نہیں نہ اس سے کسی کو منافق کہا جاتا ہے۔ شی کی علامت اور ہے حقیقت کچھ اور ہر کوا کالا ہے، مگر ہر کالا کوا نہیں بہت سے آدمی بھینسیں گائیں کالے رنگ کے ہوتے ہیں۔ مگر کوے نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ نماز میں سستی نفاق عملی یعنی منافقوں کا سا کام ہے۔ مسلمان کو اس سے بچنا چاہئے، فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہ نماز منافق کی ہے کہ سورج کے ڈوبنے کا انتظار کرتا رہے جب ڈوبنے لگے اور شیطان کے دو سینگوں کے درمیان آجائے تو اٹھ کر

کوے کی طرح چار ٹھونگیں، زمین پر مارے یعنی جلد جلد سجدے کرے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقین اللہ کا ذکر بہت کم کرتے ہیں مگر اکثر منافقین بلکہ کفار ہر وقت رام رام یا اور طرح خدا کا نام لیتے رہتے ہیں۔ یہ آیت واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں کمی مسلمانوں کے مقابلہ میں ہے کہ بمقابلہ مومن منافق ذکر اللہ کم کرتا ہے جیسا کہ ابھی فوائد میں عرض کیا گیا۔ نیز اس کا ایک اور بہترین جواب تفسیر صوفیانہ میں آئے گا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافق نہ مومن ہیں نہ کافر بلکہ ان دونوں کے علاوہ کچھ اور ہیں۔ پتہ لگا کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ اور بھی ہے۔ حالانکہ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ کفر و ایمان کے درمیان کوئی درجہ نہیں۔ انسان یا مومن ہو گا یا کافر اہلسنت کا عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** منافقین پکے کافر خارج از اسلام ہیں۔ یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ان کا شمار نہ کافر قوم میں ہے نہ مسلم قوم میں۔ انہیں مسلمان کہتے ہیں یہ کافر ہیں، کفار کہتے ہیں یہ مسلمان دونوں طرف سے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ واقعہ اور چیز ہے، شمار کچھ اور چیز۔ ورنہ خود قرآن کریم نے بارہا منافقوں کو کافر فرمایا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جسے خدا گمراہ کر دے وہ ہدایت نہیں پاتا پھر اس گمراہ کا کیا قصور ہے اسے عذاب کیوں ہو گا اسے تو اللہ تعالیٰ نے ہی گمراہ کر دیا ہے۔ **جواب:** اس کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں گمراہ کیا ان کی اپنی حرکتوں کی وجہ سے۔ کاسب گمراہی وہ منافقین ہیں، خالق گمراہی رب تعالیٰ وہ لوگ کسب کے مجرم ہیں۔ قاتل مقتول کے لئے کسب موت کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس پر موت وارد کر دیتا ہے۔ مقتول کو موت دینے والا بھی رب تعالیٰ ہی ہے مگر پھر بھی قاتل مجرم ہے کہ اسباب موت اس نے مہیا کئے

www.alahazratnetwork.org

نیز اس کے جواب کے لئے ہمارے تیسرے پارے کی تفسیر دیکھو۔ **ولو شاء اللہ ما اقتتلو** کے ماتحت وہاں مسئلہ تقدیر تفصیل سے بیان کیا ہے اس جگہ یہ بحث بھی آگئی ہے۔ بہر حال آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : منافقین تو دنیا میں آکر اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کو دھوکہ دینا چاہتے ہیں مگر خود میثاق کے دن دھوکہ کھا چکے ہیں کہ جب روحوں پر نور کا چھینٹا مار آگیا مومنوں پر پڑا کفار پر نہ پڑا منافقوں پر بھی نہ پڑا مگر وہ نور ان کو نظر آیا اور سمجھے کہ ہم پر بھی پڑ گیا ہے۔ کفار نے وہ نور نہ دیکھا دھوکہ کھایا غرضیکہ **وهو خادعهم** کا ظہور پہلے ہی میثاق کے دن ہو چکا ہے۔ اس دھوکے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کلمہ 'نماز' جہاد کا ڈھانچہ تو مل گیا مگر ان کے نور نہ ملے لوگوں کو دکھانے کے لئے نماز میں کھڑے ہو گئے اس کے ذریعہ رب کو راضی نہ کر سکے۔ نیز یہ لوگ اللہ کا ذکر بہت تھوڑا کرتے ہیں کہ صرف زبان سے ذکر اللہ کرتے ہیں۔ قلب سے نہیں کرتے' زبان دنیا کی چیز ہے اور دنیا قلیل ہے۔ **قل متاع الدنیا قلیل** 'اور دل آخرت کی چیز ہے۔ آخرت کثیر ہے' زبان کا بہت ذکر بھی تھوڑا ہے۔ دل کا تھوڑا ذکر بھی بہت ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **فاذکروا اللہ ذکرا" کثیرا**۔ اللہ کا ذکر بہت کیا کرو۔ بہت ذکر کیا ہے۔ دل کا ذکر نیز منافقوں کا ذکر اللہ مردود ہے۔ مسلمانوں کا ذکر اللہ مقبول اور ذکر مردود بہت بھی ہو تو تھوڑا ہے۔ اور ذکر مقبول تھوڑا بھی ہو تو بہت ہے۔ ذکر اللہ مقبول وہ ہے جو ذکر رسول اللہ کے ساتھ ہو اور ذکر اللہ مردود وہ جو رسول اللہ کے ذکر سے الگ ہو مومن اللہ کا ذکر رسول کے ذکر کے ساتھ کرتا ہے۔ لہذا مقبول ہے منافق رسول کے ذکر سے کترا تا ہے۔ لہذا اس کا ذکر اللہ مردود ہے۔

ذکر خدا جو ان سے جدا چاہو نجدیو والله ذکر حق نہیں کنجی سقر کی ہے

چونکہ منافقین نے میثاق کے دن نور کا چھینٹا دیکھا تھا پایا نہ تھا اس لئے ان کے دل دماغ ذکر الٰہی سے محروم ہیں۔ صرف زبان پر ذکر ہے جو غیر مقبول ہے یہ منافقین نہ تو ان خوش نصیبوں میں سے ہوئے جن پر نور کا چھینٹا پڑا نہ ان میں سے ہی ہوئے جو بالکل اس چھینٹے سے محروم رہے۔ اس کا مشاہدہ بھی نہ کر سکے۔ لہذا یہ لوگ نہ ان میں سے ہوئے نہ ان میں سے مذبذب ہی رہے۔ جسے خدا تعالیٰ گمراہ کردے کہ اس چھینٹے سے محروم کردے تو یہاں دنیا میں اس کے لئے اس نور کے پانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و من لم یجعل اللہ لہ نورا" فما لہ من نور**۔ رب تعالیٰ ہم کو اس ذکر کی توفیق دے جو کثیر ہے۔ یعنی ذکر قلبی و مقبول صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے تین حفاظتی قلعہ ہیں۔ مسجد 'ذکر اللہ تلاوت قرآن مجید جو ان میں سے ایک قلعہ میں بھی آگیا۔ وہ ان شاء اللہ شیطان سے بچ گیا۔ مبارک ہے وہ جو ان تینوں قلعوں میں رہے وہ ان شاء اللہ نفس' برے یاروں کے شر سے محفوظ رہے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ آئے گا جبکہ اسلام کا نام ہی رہ جائے گا۔ قرآن کریم کی صرف رسم رہے گی۔ مسجدیں رونق والی ہوں گی مگر ذکر اللہ سے ویران۔ اس مسجد خشت و گل کی بھی آبادی ذکر اللہ سے ہے اور مسجد روح و دل کی آبادی بھی ذکر اللہ سے ہے۔ (روح البیان)۔

آباد وہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے!

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ بناؤ کافروں کو دوست مسلمانوں کے کیا ارادہ کرتے ہو کہ

اے ایمان والو کافروں کو دوست نہ بناؤ مسلمانوں کے سوا کیا یہ چاہتے ہو کہ اپنے

الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝١٤٤

بنا لو اللہ کے لئے اوپر اپنے دلیل ظاہر

اوپر اللہ کے لئے حجت کر لو بے شک

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِى الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ

یقیناً منافق لوگ نیچے درجہ میں ہیں آگ کے اور ہرگز ان کا کوئی

منافق دوزخ کے سب سے نیچے طبقے میں ہیں اور ہرگز نہ پاؤ گے واسطے

لَهُمْ نَصِيْرًا ۝١٤٥ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ

مددگار نہ پائے گا مگر وہ جنہوں نے توبہ کی اور سنور گئے اور اللہ کی رسی مضبوط تھامی

ان کے مددگار سوا ان کے جو توبہ کریں اپنی اصلاح کریں اور پکڑ لیں اور اپنا دین

وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ وَسَوْفَ يُؤْتِ

اور اپنا دین خالص کر لیا واسطے اللہ کے پس یہ لوگ ساتھ ہیں مومنوں کے اور قریب ہے کہ

خالص اللہ کے لئے کر لیا تو یہ مسلمانوں کے ساتھ ہیں اور عنقریب اللہ

اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝١٤٦

اللہ مومنوں کو دے گا ثواب بڑا

مسلمانوں کو بڑا ثواب دے گا۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کی خرابی حال بیان فرمائی گئی تھی کہ وہ نہ ادھر کے ہیں نہ ادھر کے۔ اب مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم ان کی طرح نہ ہو ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہو جائے گا گویا پچھلی آیات میں خاص بیماروں کا ذکر تھا اب ہم کو ان بیماروں سے دور رہنے کا حکم ہے تاکہ یہ بیماری اڑ کر ہم کو نہ لگ جائے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی زبوں حالی کا ذکر تھا اب اس کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے یعنی کفار سے محبت 'کفر سے الفت تاکہ ہم اس سے دور رہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کی دنیاوی خرابی کا ذکر تھا وہ ہر طرف سے دھتکارے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ اب ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے 'دوزخ' کے نچلے طبقے میں ہونا گویا دنیاوی

www.alahazratnetwork.org

عذاب کے بعد ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین پر اظہار غضب تھا کہ وہ لوگ اپنے نفاق کی وجہ سے دنیاوی' اخروی مصیبتوں' عذابوں میں گرفتار ہیں۔ اب اظہار کرم ہو رہا ہے کہ اگر یہ اب بھی نفاق سے توبہ کرکے سیدھے سادے مسلمان بن جائیں تو ہم بخش دیں گے۔ گویا بیماری نفاق کے بعد اس کے علاج یعنی توبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول: مدینہ منورہ میں آفتاب اسلام چمکنے سے پہلے انصار کی دوستیاں' رضاعی رشتے تھیں حتی کہ حلف یہود مدینہ بنی قریظہ کے ساتھ تھے جن کی وجہ سے ان کے آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ جب انصار ایمان لائے اور کفار کی دوستی سے منع فرمایا گیا تو ان میں سے بعض حضرات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ یا رسول اللہ اب ہم کس جماعت سے دوستی رکھیں' ہمارے پرانے دوست تو کفار ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مہاجرین مومنین سے دوستی رکھو تب حضور کی تائید میں یہ پہلی آیت **یا یھا الذین امنوا** الخ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن) غرضیکہ یہ آیت کریمہ انصار کے فہمائش کے لئے اتری۔

تفسیر: **یایھا الذین امنوا لا تتخذوا الکفرین اولیاء**۔ چونکہ انصار کا یہود سے صدیوں کی دوستیاں یکدم توڑ دینا آسان نہ تھا بہ ظاہر سخت مشکل تھا اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے انہیں پیارے خطاب سے پکارا پھر حکم سنایا تاکہ خطاب کی لذت سے یہ مشکل کلام آسان ہو جائے ظاہر یہ ہے کہ **الذین امنو** سے مراد سارے ہی مسلمان ہیں اور کافرین سے مراد سارے کفار ہیں۔ کھلے کافر ہوں یا منافق لوگ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی قریبی دوست **ولی** بمعنی قرب یعنی اے مسلمانو کسی کافر کو اپنا قریبی دوست نہ بناؤ کہ ایمان نور ہے کفر تاریکی ان میں قرب نہیں ہو سکتا۔ بعض نے فرمایا کہ **الذین امنو** سے مراد منافقین ہیں جو بظاہر مسلمان تھے اور کافرین سے مراد ہیں کھلے کافر بعض نے فرمایا **الذین امنو** سے مراد مسلمان ہیں اور کافرین سے مراد ہیں کھلے کافر مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے آخری دو تفسیریں خلاف ظاہر ہیں۔ (تفسیر روح المعانی) **من دون المومنین**۔ اس عبارت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے ہو چکی کہ دون کے معنی سواء بھی ہیں اور مقابل بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ مگر سواء کے معنی زیادہ مناسب یعنی صرف مسلمانوں کو دوست بناؤ مسلمانوں کے سواء کسی قسم کے کافر کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ **اتریدون ان تجعلوا للہ علیکم سلطانا** " مبینا "۔ ہمزہ استفہام کے لئے ہے اور استفہام اظہار غضب کے لئے تریدون میں خطاب انہی مسلمانوں سے ہے جنہیں پہلے پکار آگیا تھا۔ علی ضرر و نقصان کے لئے ہے یعنی اپنے خلاف اپنے مقابل سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اکثر سلطان بمعنی حجت و دلیل آتا ہے۔ یہ مذکر بھی آتا ہے مونث بھی۔ سلطان بنا ہے سلط سے بمعنی غلبہ بادشاہ کو سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ رعایا پر غالب ہوتا ہے اسی سے ہے مسلط کرو نیا دلیل و حجت کو سلطان اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ مدعی اپنے مخالف مدعی علیہ پر غلبہ حاصل کرتا ہے یہاں سلطان سے مراد ہے اپنے نفاق و کفر پر دلیل و حجت یعنی کیا تم کفار سے دوستی کرکے یہ چاہتے ہو کہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے خلاف اپنے کفر و نفاق کی دلیل قائم کر دو۔ جس سے تم سخت سزا کے مستحق ہو جاؤ کیونکہ تمہاری کفار دوستی تمہارے منافق ہونے کی کھلی دلیل ہوگی جس کا تم سے جواب نہ بنے گا۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہاں اللہ سے مراد ہے اہل دین اللہ تب مطلب یہ ہو گا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کے رسول اور

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کے سامنے اپنے خلاف 'اپنے کفر پر دلیل قائم کردو کہ وہ حضرات تم کو منافق و کافر سمجھنے کا فیصلہ کرلیں اور تم اپنی صفائی میں بیان نہ دے سکو۔ **ان المنفقین فی الدرک الاسفل من النار**۔ یہ منافقوں کی اخروی سزا کا ذکر ہے تاکہ مسلمان یہ سن کر نفاق سے بچیں 'درک اور درجہ دونوں کے ایک ہی معنی ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اوپر سے نیچے کی طرف ترتیب کے لحاظ سے درک کہا جاتا ہے اور نیچے سے اوپر کی طرف ترتیب کے لحاظ سے درجہ کہتے ہیں۔ جنت کے درجات ہیں اور دوزخ کے درکات کہ جنت میں او نچا درجہ زیادہ اعلیٰ و افضل ہے اور دوزخ کا نچا طبقہ زیادہ سخت و تکلیف دہ کثیف چیز نیچے گرتی ہے۔ لطیف چیز اوپر چڑھتی ہے۔ دیکھئے مٹی لوہا وغیرہ نیچے گرتے ہیں اور آگ و ہوا اوپر چڑھتی ہیں۔ نیکیاں اور نیک لوگ جنت کے درجوں کے مستحق ہیں۔ جیسی نیکی ویسا درجہ او نچا اور گناہ و گنہگار کثیف ہیں۔ وہ دوزخ کے درکات کے مستحق ہیں۔ جس درجہ کا دوزخی اس درجہ کے دوزخ کا نچا طبقہ۔ اس لئے جنت اوپر ہے دوزخ نیچے درک کے لغوی معنی ہیں گہرائی سمندر کی گہرائی کو درک کہتے ہیں۔ اسی سے ہے ادراک یعنی بات کی تہہ اس کی گہرائی کو پالینا استدراک گہرے اعتراض کو دفع کر دینا۔ خیال رہے کہ دوزخ کے سات طبقے ہیں۔ پہلا طبقہ جہنم 'دوسرا لظیٰ' تیسرا حطمہ 'چوتھا سعیر' پانچواں سقر 'چھٹا جحیم' ساتواں ہاویہ۔ مگر ساری دوزخ کو جہنم کہہ دیتے ہیں۔ یعنی پہلے طبقہ کے نام سے کل کو یاد کرتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی و خازن و کبیر وغیرہ)۔ چونکہ منافق در اصل کافر بھی تھے 'دھوکہ باز بھی' اسلام کا مذاق اڑانے والے بھی 'ہر کافر کے فضلہ خوار بھی اسی لئے انہیں دوزخ کے نچلے طبقہ میں رکھا گیا جہاں تمام دوزخیوں کا خون 'پیپ فضلہ گرے اور یہ اسے کھائیں۔ نیز وہاں آگ کی تیزی بھی زیادہ۔ حضرت ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہاویہ میں آگ کے صندوق ہیں جن میں یہ منافق بند کئے جائیں گے۔ ان کے دروازوں سے تمام دوزخیوں کے پیپ و خون وہاں پہنچیں گے جو ان کی خوراک بنیں گے (روح المعانی) **و لن تجد لهم نصیرا**"۔ یہ خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے 'نصیر سے مراد ہے مددگار دنیا میں یا آخرت میں۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ یعنی تم دنیا میں منافقوں کا مددگار کوئی نہ پاؤ گے جو انہیں ہدایت دیدے یا آخرت میں ان کا مددگار کوئی نہ پاؤ گے جو انہیں شفاعت کرکے اس طبقے سے یا دوزخ سے نکال دے۔ یا ان کا عذاب ہلکا کردے مصیبت کے وقت کسی کا سہارا نہ ہونا اور بے یار و مددگار رہ جانا مصیبت کو سخت تر کر دیتا ہے۔ خیال رہے کہ حضور کی شفاعت و مددگار چار قسم کی ہوں گی۔ رفع درجات کی جو انبیاء' اولیاء بے گناہ مسلمانوں کے لئے ہے عذاب سے رہائی یا میعاد عذاب میں کمی کی شفاعت 'یہ ہم گنہگاروں کے لئے ہے۔ عذاب ہلکا کرانے کی شفاعت یہ بعض کفار کے لئے ہوگی۔ جیسے ابو طالب بلکہ ابولہب کے لئے ہوئی۔ منافقوں کے لئے ان میں سے کوئی شفاعت نہیں کہ یہ دشمن رسول ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ مدد دو قسم کی ہے۔ طاقت و قوت سے مدد۔ دوسری سفارش و شفاعت سے مدد۔ قوت و مقابلہ کی مدد کوئی نہیں کر سکتا۔ خدا پر کسی کا زور نہیں۔ سفارش و شفاعت کی مدد میں دون اللہ نہیں ہے۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ**۔ منافقوں کی مدد کسی قسم کی نہ ہوگی۔ **الا الذین تابوا و اصلحوا** چونکہ منافقین کے جرم بہت بھی تھے اور سخت بھی اس لئے ان کی تبدیلی حالت کے واسطے رب تعالیٰ نے چار شرطیں لگائیں۔ ایک شرط توبہ یعنی گذشتہ منافقت اور چالاکیوں پر نادم ہو جانا اور آئندہ کے لئے اصلاح عمل یعنی گزشتہ گناہوں سے باز آجانا اور آئندہ کے لئے اعمال اچھے کرنا تابوا اور اصلحوا دریائے ناپید اکنار ہیں۔ جن میں تقویٰ و پرہیزگاری کے سارے ارکان کا اجمالی ذکر ہو گیا۔ **و اعتصموا باللہ و اخلصوا دینهم**۔ تیسری شرط یہ کہ اس توبہ اور درستی اعمال سے مقصود ہو رضاء الٰہی کی طلب نہ کہ

دنیاوی غرض اسی طلب رضا کو بیان فرمایا۔ **و اعتصموا باللہ** اللہ تعالیٰ یعنی اس کے رسول یا اس کی کتاب یا اس کے دین کو مضبوطی سے پکڑنا کہ ہر کام رضاء رب کے لئے کرنا اس پر ہی بھروسہ کرنا۔ خیال رہے عربی میں اخذ بھی کہتے ہیں پکڑنے کو اعتصام بھی کہتے ہیں پکڑنے کو مگر اخذ مطلقاً پکڑنا اعتصام مضبوطی سے پکڑنا کہ چھوٹ نہ سکے اللہ کو پکڑنے سے مراد ہے اس کے رسول کا دامن پکڑنا۔ اس دامن کے پکڑ لینے سے دین و قرآن و ایمان سبھی کو پکڑ لیا جاتا ہے۔ چوتھی شرط بیان ہوئی دین کو خالص اللہ کے لئے اختیار کرنا چونکہ ہر مجرم سے اس جرم کی توبہ کرانی ضروری ہے۔ جس میں وہ گرفتار ہو حتی کہ اگر عیسائی کو عیسائیت سے توبہ کرائی ہو تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام و مریم کی بندگی کا اس سے اقرار کرایا جائے اگر مرزائی کو مسلمان کرنا ہو تو حضور کے خاتم النبیین ہونے کا اس سے اقرار کرایا جائے اگر شیعہ سے توبہ کرائی ہو تو خلفاء راشدین کی حقانیت کا اس سے اقرار کرایا جائے۔ اسے صرف کلمہ پڑھوانا کافی نہیں کہ وہ کلمہ تو پہلے ہی پڑھتا ہے چونکہ منافقین نماز روزہ تو پہلے ہی سے پڑھتے تھے۔ ان میں اخلاص نہ تھا رہا تھی اس لئے انہیں اخلاص کا حکم دیا گیا۔ ریاکار کو نیک اعمال سے نہ روکو بلکہ اس کی خرابی کو نکال دو۔ رب نے انہیں نماز روزے سے نہ روکا اخلاص کا حکم دے کر اصلاح فرمادی۔ یعنی نہ تو یہ ہو کہ توبہ و نیک اعمال خالص دنیا کے لئے ہوں نہ یہ ہو کہ اللہ کے لئے بھی ہوں اور دنیا سازی کے لئے بھی۔ بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لئے ہوں۔ لہٰذا اعتصام اور اخلاص میں تکرار نہیں۔ اعتصام کچھ اور رہا ہے اخلاص کچھ اور یا اعتصام سے مراد ہے دنیاوی دولت کی نیت نہ ہونا۔ اخلاص سے مراد ہے دنیاوی شہرت و عزت کا لالچ نہ ہونا اور بھی فرق کئے گئے ہیں۔ خیال رہے کہ الا گذشتہ ثبوت کو نفی اور گذشتہ نفی کو ثبوت کر دیتا ہے۔ یہاں پہلے منافقین کے عیوب و سزا میں پانچ ثبوت تھے اور دو نفی لہٰذا اس الا نے پانچ نفی اور دو ثبوت کر دیئے یعنی توبہ کر لینے والے منافقوں سے پانچ مذکورہ عیوب نفی ہو گئے اور دو صفات ثابت ہو گئیں۔ الذین سے تاقیامت منافقین مراد ہیں خواہ ایک دن کے منافق ہوں یا ایک ماہ کے یا سال بھر کے یا عمر بھر کے توبہ سے ان کی کایا پلٹ جائے گی جیسے پانچ منٹ کی بارش سال بھر کی خشکی دفع کر دیتی ہے۔ ایک منٹ کی سورج کی شعاعیں رات بھر کی شبنم کو دفع کر دیتی ہیں۔ یونہی ایک ساعت کی توبہ عمر بھر کے کفر نفاق گناہوں کو مٹا دیتی ہے۔ فرعونی جادوگر عمر بھر کے مشرک و مجرم تھے ایک آن کی توبہ سے ان کی کایا پلٹ گئی اس لئے الذین اور تابو کو بغیر قید ذکر فرمایا۔ جب وہ لوگ یہ چار کام کرلیں گے تب **فاولئک مع المومنین۔ اولئک** سے اشارہ انہی لوگوں کی طرف ہے جو وہ مذکورہ چار کام کرلیں معیت سے مراد ہے دنیاوی ہمراہی یا اخروی ہمراہی جسمانی ہمراہی یا روحانی و جنانی ہمراہی بہتر یہ ہے کہ یہ ساری ہمراہیاں مراد ہیں۔ المومنین سے مراد مخلص مسلمان ہیں یا حضرات صحابہ کرام یعنی اگر یہ منافقین یہ چار کام کرلیں۔ تو یہ لوگ صرف مومن ہی نہیں بلکہ ان مومنوں کے ساتھ شمار بھی ہو جائیں گے۔ جنہوں نے آج تک کبھی نفاق نہ کیا اور ان کا نفاق بالکل معاف فرمادیا جائے گا" پرانے مخلص اور یہ نئے مخلص دنیا کے درجات آخرت کے انعامات میں برابر ہوں گے۔ اس تفسیر سے آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہ رہا۔ **و سوف یؤت اللہ المومنین اجرا" عظیما**" ۔ یہ ان کے انعام کا ذکر ہے پہلے ان توبہ کرنے والوں کے انجام کا ذکر تھا۔ یعنی ان توبہ کر لینے والے منافقوں کا انجام تو یہ ہو گا کہ وہ پرانے مخلصین کے ساتھ ہو جائیں گے اور انعام یہ ملے گا کہ اللہ تعالیٰ سارے مومنوں کو عنقریب بڑا ثواب دے گا۔ سوف فرمانے سے معلوم ہوا کہ ثواب دور نہیں ہے نزدیک ہے جس کا کچھ حصہ دنیا میں' کچھ حصہ مرتے وقت' کچھ حصہ قبر و برزخ میں' کچھ حصہ قیامت میں اور باقی پورا حصہ بعد قیامت جنت میں عطا ہو گا اور ثواب بھی اتنا عظیم الشان ہو گا جو مخلوق کے وہم و گمان سے

www.alahazratnetwork.org

وراء ہے کیونکہ وہ اجر عظیم ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانو خیال رکھو کہ کبھی کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ مسلمانوں کے سواء تمہاری دوستی کے لائق کوئی نہیں۔ کیا تم کفار سے دوستی و محبت کر کے یہ چاہتے ہو کہ کل قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں تمہارے خلاف کھلی حجت و دلیل قائم ہو جائے اس دلیل کی بناء پر تم کفار کی طرح سخت عذاب کے مستحق ہو جاؤ۔ خیال رکھو کہ کفار سے دلی دوستی کرنا منافقت ہے اور ایسا شخص منافق ہے۔ منافقین کی سزا یہ ہے کہ وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ ہاویہ میں رہیں گے جہاں دوسرے طبقوں سے عذاب سخت تر ہو گا اور تمام طبقوں کے کفار کے پیپ و خون و فضلات ان کی غذا ہو گی۔ کیونکہ یہ منافقین دنیا میں بھی ہر قوم کے فضلہ خوار رہے دہاں بھی اس کا اثر ظاہر ہو گا۔ نیز منافقین کا کوئی مددگار و غمخوار نہ ہو گا جو ان کا عذاب دفع یا ہلکا کر سکے۔ کیونکہ انہوں نے دنیا میں نفسانی دوست بہت بنائے وہاں نفس بھی فنا کر دیا جائے گا اور نفسانی دوست بھی ختم ہو جائیں گے۔ وہاں دوستیاں اور مدد ایمانی رشتہ سے ہوں گی سواء ان لوگوں کے جو گذشتہ منافقت پر نادم ہو شرمندہ ہو کر توبہ کر لیں اور آئندہ کے لئے اپنے اعمال و احوال دوست کر لیں۔ پھر یہ توبہ و دوستی دنیا کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ کے لئے ہو اللہ کی رسی یعنی اس کے رسول کا دامن مضبوطی سے پکڑ لیں اور یہ دامن کا پکڑنا بھی خلوص سے ہو۔ دنیاوی غرض کو اس میں کوئی دخل نہ ہو اگر وہ لوگ یہ چار کام کر لیں تو وہ نہ یہ کہ صرف مومن ہو جائیں گے بلکہ پرانے مومنین و مخلصین کے زمرہ میں داخل ہو جائیں گے۔ دنیا و آخرت میں ان کے ساتھ رہیں گے۔ پرانے اور نئے ہونے کا فرق نہ کیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ سارے مومنوں کو خواہ نئے ہوں یا پرانے بڑا ہی ثواب دے گا۔ دنیا میں بھی، مرتے وقت بھی، قبر میں بھی، قیامت میں بھی، جنت میں بھی، یہ اجر و ثواب اتنا بڑا ہو گا۔ جو تمہارے گمان و وہم میں بھی نہ آسکے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کافروں سے دوستی کرنا، منافقوں کا کام ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا لازم ہے۔ کافر مسلمان کا رشتہ دار تو ہو سکتا ہے مگر دوست نہیں ہو سکتا۔ اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح درست ہے باوجود اس کے ان سے دوستی حرام ہے۔ دوستی اور چیز ہے، رشتہ کچھ اور یہ فائدہ لا تتخذوا الکافرین اولیاء سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ کافروں سے دینی محبت یعنی ان کے دین کو اچھا سمجھنا کفر ہے کہ کفر سے راضی ہونا کفر ہے اور کفار سے قومی دوستی یعنی کفار سے محبت کرنا سخت حرام اور شخصی محبت کہ کسی کافر آدمی سے کسی دنیاوی وجہ سے محبت کرنا خطرناک ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں پہلی دو دوستیاں مراد ہیں۔ جیسا کہ الکافرین کو جمع فرمانے سے معلوم ہوا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ کفار کے بڑے دنوں ہولی دیوالی، بڑے دن وغیرہ کا احترام کرنا ان میں خوشی کرنا کفر ہے کہ کفار سے دلی دوستی کی علامت ہے۔ دوسرا فائدہ: قیامت میں بعض مسلمان کفار کے ساتھ دوستی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے کہ وہاں ہر شخص اپنے دوست کے ساتھ ہو گا یہ فائدہ اتریدون ان تجعلوا الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: منافق کھلے کافر سے بدتر ہے۔ اس کا عذاب کھلے کافر کے عذاب سے سخت تر ہے۔ یہ فائدہ فی الدرک الاسفل الخ سے حاصل ہوا اس کی وجہ ظاہر ہے کہ منافق کافر بھی ہے دھوکہ باز بھی، اس کا نقصان بمقابلہ کھلے کافر کے سخت ہے ہمیشہ مسلمانوں کو منافقین کے ہاتھوں جو دکھ پہنچے وہ کھلے کافروں کے ہاتھوں نہ پہنچے۔ منافقین غدار قوم غدار ملک غدار دین ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

جعفر از بنگال صادق از دکن ننگ قوم و ننگ دین ننگ وطن

کے شب ہندوستان آید بروز مرد جعفر روح او زندہ ہنوز!

چوتھا فائدہ: دوزخ کے تمام طبقوں میں نچلا طبقہ ہاویہ زیادہ خطرناک ہے وہاں عذاب بہت سخت ہے۔ جیسے کہ جنت کے تمام طبقوں میں اونچا طبقہ جنت الفردوس یا اعلیٰ علیین بہترین ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کل قیامت میں منافقوں کا مددگار کوئی نہیں اسے مخلص مومنوں کے بہت سے مددگار اللہ تعالیٰ نے بنادیئے ہیں۔ جو ان کی شفاعت کر کے معافی یا عذاب میں تخفیف کرائیں گے جیسا کہ **لھم نصیرا** میں لھم کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا جو شخص کہے کہ میرا مددگار کوئی نہیں وہ اپنے منافق ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا**۔ خیال رہے کہ مومنین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات اولیاء عام مومنین کی طرف سے دنیا میں بھی مددیں پہنچتی رہتی ہیں۔ مرتے وقت بھی قبر میں بھی اور قیامت میں بھی اس لئے اسے ثواب قیامت کے بعد دیا جائے گا کیونکہ برزخ میں مومنوں کو زندوں کی طرف سے قیامت تک دعائیں صدقات خیرات پہنچتے رہیں گے۔ جب دنیا سے مسلمان ختم ہو جائیں گے اور یہ ثواب پہنچنا بند ہو جائے گا تب قیامت آئے گی۔ جیسے روٹی کپڑا مکان ہم کو بہت سی امدادوں کے بعد ملتا ہے۔ کپڑے میں کپاس والے کسان' پھر بنولے نکالنے والی مشین' پھر سوت کاتنے والے' پھر بننے والے کی' پھر سینے والے درزی کی امدادیں شامل ہوئیں۔ تب ہم نے پہنا پھر بھی دھوبی کے محتاج رہے۔ یونہی کلمہ قرآن نمازیں وغیرہ عرشی نعمتیں بہت ہاتھ لگنے بہت حضرات کی مدد کے بعد ہم کو ملے۔ **چھٹا فائدہ:** گنہگار مسلمانوں کی بھی شفاعت ہوگی کیونکہ یہاں شفاعت نہ ہونا مددگار نہ ہونا منافقوں کے لئے خاص کیا گیا (تفسیر کبیر)۔

ساتواں فائدہ: بدترین کافر کی بھی توبہ قبول ہے جیسا کہ **الا الذین تابوا** الخ سے معلوم ہوا۔ دیکھو منافقین بدترین کفار ہیں۔ مگر توبہ کی دعوت ان کی بھی دی گئی۔ **آٹھواں فائدہ:** سخت جرم کی توبہ بھی بہت مضبوط ہونی چاہئے۔ دیکھو ان منافقوں کو چار چیزوں کی تاکید فرمائی۔ توبہ' اصلاح' اعتصام باللہ' اخلاص دین۔ کیونکہ ان کا جرم بھی سخت تھا۔ **نواں فائدہ:** اچھوں کا ساتھ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ رب تعالیٰ نے یہاں ان چار چیزوں کا انعام یہ مقرر فرمایا کہ **فاولئک مع المومنین**۔ اللہ تعالیٰ اچھوں کا ساتھ عطا فرمادے۔ دین و دنیا میں ان کے ساتھ رکھے لکڑی کے سہارے لوہا تر جاتا ہے۔ **دسواں فائدہ:** نو مسلم اور پرانا مسلم ان شاء اللہ بارگاہ الٰہی میں ایک درجہ رکھتا ہے۔ یہ فائدہ بھی مع المومنین سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** رب تعالیٰ مومنوں کو ایسا عظیم الشان اجر دے گا جو ان کے خیال و گمان و وہم سے وراء ہوگا جیسا کہ اجرا" عظیما سے معلوم ہوا۔ کریم بھکاریوں کا استحقاق نہیں دیکھتے۔ اپنی شان کرم پر نظر فرما کر بندہ نوازی کرتے ہیں یہ فائدہ اجرا" عظیما سے حاصل ہوا۔ **بارہواں فائدہ:** سب سے سخت عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہے۔ فرعونی لوگ' مائدہ والے لوگ جنہوں نے عیسیٰ دسترخوان عیسیٰ علیہ السلام سے مانگا کہ دسترخوان آنے پر بھی ایمان نہ لائے۔ ہمارے اسلام کے منافقین۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرعونیوں کے متعلق فرمایا۔ **ادخلوا ال فرعون اشد العذاب** اور مائدہ والوں کے متعلق فرمایا۔ **فانی اعذبہ عذابا" لا اعذبہ احدا من العلمین** اور اسلامی منافقین کے متعلق فرمایا۔ **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار**۔ حضرت عمر ابن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ اگر تمام امتیں اپنے منافقین لائیں اور ہم اپنے ایک منافق حجاج ابن یوسف کو لائیں تو ہمارا یہ منافق ان سب منافقوں سے بڑھ جائے گا۔ (تفسیر روح المعانی)۔ **تیرہواں فائدہ:** قیامت میں اللہ تعالیٰ بغیر دلائل و

www.alahazratnetwork.org

حجۃ کسی کو عذاب نہ دے گا۔ یہ فائدہ سلطانا" مبینا" سے حاصل ہوا۔ اور جیسے دوستی کفار کفر کی کھلی دلیل ہے ایسے ہی مسلمانوں سے دوستی 'اولیاء اللہ 'انبیاء اکرام سے عقیدت ان شاء اللہ ایمان کی کھلی دلیل ہوگی۔ بلکہ دل کا میلان ورجحان اگر کفار کی طرف ہے تو سمجھ لو کہ انجام خراب ہونے والا ہے اور اگر کسی کے دل کا میلان مومنوں 'مقبولوں کی طرف ہے تو سمجھ لو کہ ان شاء اللہ خاتمہ بالخیر میسر ہوگا۔ حدیث شریف میں ہے کہ روحیں مختلف لشکر ہیں۔ ہر قسم کی روح کو اپنی جنس والی روحوں سے الفت ہو گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ ؎

ناریاں مرناریاں را طالب اند نوریاں مرنوریاں راجاذب اند!

پہلا اعتراض: کفار سے دوستی کو اتنا سنگین جرم کیوں قرار دیا گیا کہ قتل 'غارت 'شراب نوشی وغیرہ جرموں سے اس کی سزا اخروی سخت رکھی 'اس کی کیا وجہ ہے 'بظاہر یہ معمولی سی بات معلوم ہوتی ہے۔ جواب: اس لئے کہ ان سے محبت تمام گناہوں بلکہ کفر کی جڑ ہے قوم سے غداری ہے ملک وملت سے دشمنی ہے۔ جاسوسی 'مسلمانوں کو نقصان رسانی اسی محبت کی وجہ سے ہوتی ہے۔ کافر کی محبت 'سانپ کی محبت سے خطرناک ہے۔ کہ سانپ جان لے گا اور کافر ایمان۔ نیز کھلے کافروں سے مسلمانوں کو نقصان کم پہنچتا ہے مگر ان چھپے کافروں یعنی منافقوں سے نقصان زیادہ پہنچتا ہے کھلے زہر سے انسان کو نقصان کم پہنچتا ہے مگر مٹھائی میں چھپے ہوئے زہر سے لوگ زیادہ مرتے ہیں۔ اس لئے منافق کھلے کافروں سے بدتر ہیں۔ چنانچہ ان کا عذاب کھلے کافروں سے زیادہ ہے۔ حق تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں کرتا ہم خود اپنے پر ظلم کر لیتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: جب کفار سے محبت اتنی بری چیز ہے تو اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں درست ہے۔ بیوی سے محبت تو لازمی چیز ہے۔ جواب: اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح اس لئے درست کیا گیا تاکہ وہ ہماری صحبت سے اسلام قبول کر لیں اگر ہم کو اپنے ایمان کا خطرہ ہو یا اپنی قوم سے غداری کا اندیشہ ہو تو ہرگز ان سے نکاح درست نہیں۔ نیز بیویوں سے محبت شہوانی ہوتی ہے۔ جیسے ماں باپ سے محبت جسمانی 'محبت یعنی میلان قلبی کہ ان کی وجہ سے اسلام و مسلمانوں کی محبت کم یا مفقود ہو جائے یہ حرام ہے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر اور تمام رشتہ داروں سے بیزاری کا اعلان فرمادیا۔ دیکھو ان سے رشتہ بھی ہے نفرت بھی۔ تیسرا اعتراض: منافقین کا عذاب تمام کفار سے سخت تر کیوں رکھا گیا۔ کھلے کافر تو دل و زبان دونوں کے کافر ہیں۔ منافق کم از کم زبان کے تو مسلمان ہیں۔ ان کا عذاب ہلکا ہونا چاہئے۔ جواب: منافقین زبان کے مومن نہ تھے بلکہ زبان کے دھوکہ باز تھے یہ کلمہ خوانی مکاری و عیاری ہے۔ نہ کہ زبانی ایمان منافقین کافر بھی تھے 'دھوکہ باز بھی اسلام و مسلمانوں کے بدترین دشمن بھی۔ لہذا ان کا عذاب سخت ہونا چاہئے۔ چوتھا اعتراض: اسلام میں منافق کون ہے۔ حدیث شریف میں تو جھوٹے 'وعدہ خلاف 'گالیاں بکنے والے امانت میں خیانت کرنے والے کو منافق فرمایا گیا ہے کیا ان سب لوگوں کا یہی عذاب ہے۔ جواب: منافق وہ ہے جو کفر چھپائے 'ایمان ظاہر کرے 'اس قسم کے گنہگاروں کو منافق عملی فرمایا گیا ہے۔ یعنی منافقوں کے سے کام کرنے والے لہذا احادیث پاک بالکل صحیح ہے۔ پانچواں اعتراض: دوزخ کے نچلے طبقے میں عذاب سخت کیسے ہوگا۔ آگ ایک ہے پھر اس کے اثرات مختلف کیوں؟ جواب: جیسے سورج ایک ہے مگر اس کی گرمی زمین کے مختلف طبقوں میں مختلف ہے۔ خط استواء پر سخت گرمی ہوتی ہے۔ پہاڑوں پر ٹھنڈک ایسے ہی وہاں ایک آگ کی تاثیریں مختلف طبقوں میں مختلف ہوں گی۔ نیز دھوپ میں صفراوی مزاج والے کو

www.alahazratnetwork.org

گرمی زیادہ لگتی ہے۔ بلغمی و دموی مزاج والے کو کم اسی طرح وہاں منافقوں کو گرمی زیادہ محسوس ہوگی۔ دوسرے کفار کو کم گنہگار مسلمانوں کو جو وہاں جائیں گے بہت کم حتی کہ جو نیک مسلمان گنہگار دوزخی مسلمانوں کو نکالنے کے لئے دوزخ میں جائیں گے۔ انہیں وہاں کی آگ کی گرمی کچھ بھی محسوس نہ ہوگی بہرحال یہ اختلاف احوال و اختلاف طبقات بالکل حق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر و منافق کی بھی توبہ قبول ہے۔ مگر حدیث پاک میں ہے کہ ثعلبہ نے زکوۃ پر ناگواری ظاہر کی پھر خود زکوۃ لے کر حاضر ہوتا رہا ہر بار نامنظور ہوئی حتی کہ عہد عثمانی میں اسی طرح فوت ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس کی توبہ قبول نہ ہوئی۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ اسی طرح ایک غلول کرنے والے کی بھی توبہ حضور نے قبول نہ فرمائی۔ **جواب:** ثعلبہ نے توبہ نہ کی تھی بلکہ مسلمانوں کے خوف سے نفاق سے زکوۃ لایا تھا۔ لہذا منظور نہ ہوئی۔ خیال رہے کہ توبہ سے عذاب اخروی ختم ہو جاتا ہے مگر شرعی قانونی سزا معاف نہیں ہوتی۔ چور و زانی توبہ کرلیں مگر چوری اور زنا کی سزا ضرور پائیں گے۔ غلول والے کا معاملہ یہ دوسرا تھا۔ لہذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو منافق توبہ، اصلاح اعمال، اخلاص وغیرہ کرے تو وہ مومنوں کے ساتھ ہو جائے گا تو کیا خود مومن نہ ہوگا یہاں یہ کیوں نہ فرمایا کہ وہ مومن ہو جائے گا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ایسا توبہ کرنے والا شخص صرف مومن نہ ہوگا بلکہ پرانے مومنوں کے ساتھ ہو کر ان جیسا انعام پائے گا۔ اگر یہاں صرف یہ فرمادیا جاتا کہ وہ مومن ہو جائے گا تو شبہ ہوتا کہ مومن تو ہو جائے گا مگر بہت گھٹیا درجہ کا اور پرانے مومن بہت اونچے درجہ کے مومن ہوں گے۔ اسی شبہ کو دور فرمانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا نیز یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ہمارے ہاں وہ کامیاب ہے جو مومنوں کے ساتھ رہے۔ اکیلا مومن جو دوسروں کے ساتھ نہ ہو کامیاب نہیں۔ بکری وہی شکار ہونے سے بچتی ہے جو ریوڑ کے ساتھ رہے۔ **آٹھواں فائدہ:** اعتصام باللہ اور اخلاص دین میں کیا فرق ہے۔ دونوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا فرق تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اعتصام باللہ سے مراد ہے طلب رضاء الٰہی اور اخلاص سے مراد ہے اس طلب کا خالص ہونا کہ سواء اس کے اور کوئی مقصود نہ ہو۔ طلب اور اخلاص طلب میں بڑا فرق ہے۔ اخلاص طلب در حقیقت طلب کا کمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت الٰہی کا بادل ہیں اور قرآن مجید، احادیث صحیحہ اس بادل کی ظاہری بارش اور اسرار قرآن و رموز دین، فیوض و برکات اس بادل کی باطنی بارش ہے، کافر کا دل زمین شور ہے جہاں اس بارش سے کچھ نہ پیدا ہوا وہ پہلے کفر پر جمارہا اور مومن کا دل وہ اعلیٰ زمین ہے جہاں ہر قسم کا تخم ودیعت تھا جس سے باغ و بہار پھول و پھل پیدا ہوئے مگر منافق کا دل وہ زمین ہے جس میں اس بارش سے درخت خاردار اگے، کانٹے، چھلکے زہریلی گھاس وغیرہ پیدا ہوئیں یہ زمین بمقابل کافر کی زمین کے زیادہ نقصان دہ ہے اس لئے اس کی سزا بھی سخت ہے۔ اب اگر اس زمین پر کسی مقبول کی نگاہ کرم ہو جائے جس سے اس کی اصلاح ہو جائے اور توبہ کی وجہ سے اس زمین کا انقلاب ہو جائے جس سے اس میں اعتصام باللہ کے پھول اخلاص کے پھل لگ جائیں تو یہ زمین دوسری اعلیٰ زمینوں میں شمار ہو جائے گی۔ **فاولئک مع المومنین** ۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کھلے کافر نے اپنے کفر کی زنگ سے اپنی روح کی صفائی کو بگاڑ لیا مگر اس کے دل پر صرف ایک زنگ ہے کفر کی مگر منافق کے دل پر دو زنگ ہیں۔ کفر کی زنگ اور نفاق کی زنگ لہذا منافق بمقابلہ کھلے کافر کے زیادہ سخت ہے پھر کافر کے خانہ دل سے زبان کی

www.alahazratnetwork.org

طرف کھڑکی کھلی ہوئی ہے۔ جس کھڑکی کے ذریعہ اس کے کفر کے بخارات زبان کی راہ نکلتے رہتے ہیں کہ وہ کفر بکتا رہتا ہے۔ جس سے کفر کی بھڑک کچھ ہلکی ہوتی رہتی ہے۔ مگر منافق کے دل کی یہ کھڑکیاں ' روزن بند ہیں۔ اس کے بخارات کفر گھٹ گھٹ کر دل میں ہی رہتے ہی ہیں جس سے ان کی بھڑک اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ اسی وجہ سے وہ دوزخ کے نچلے حصہ ہاویہ میں ہوں گے کیونکہ یہ دنیا میں بھی کفر کے نچلے حصہ نفاق میں تھے ایسے ذلیل کفر والوں کا مددگار قیامت میں کوئی نہ ہوگا۔ چونکہ منافقین کے زنگ ذلیل اور بخارات نہ نکلنے کی وجہ سے بھڑک زیادہ۔ لہٰذا ان کی صفائی کے لئے چار صیقلوں کی ضرورت ہوئی توبہ 'اصلاح' اعتصام' اخلاص یہ چار صیقل جب استعمال کئے جائیں تو ان کے دلوں میں صفائی پیدا ہوگی پھر وہ مومنوں کی صفوں میں آنے کے قابل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ صرف مومنوں کو ہی اجر عظیم دے گا جب یہ مومن ہو گئے تو یہ بھی اس بڑے ثواب کے مستحق ہوں گے۔

خلاف طریقت بود کا اولیاء تمنا کنند غیر از خدا از خدا (روح)

مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ
کیا کرے گا اللہ تمہارے عذاب سے اگر تم شکر کرو اور ایمان قبول کرو اور ہے
اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے
شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۷﴾
اللہ قدردان علم والا ۔
صلہ دینے والا جاننے والا ۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین کے سخت عذاب کا ذکر تھا۔ اب وجہ عذاب کا ذکر ہے کہ عذاب کی وجہ یہ نہیں کہ ہم کو ان منافقین سے کوئی عداوت و ذاتی رنجش ہے بلکہ اس کی وجہ خود ان کی اپنی بد عملیاں ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں منافقین و مفسدین کو توبہ کی دعوت دی گئی تھی کہ اب بھی توبہ و اخلاص اختیار کر لو ہم تم کو بخش دیں گے اور پرانے مومنوں کی صفوں میں داخل فرمالیں گے اب اس قبول توبہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ہم شاکر بھی ہیں علیم بھی اور شاکر و علیم کا کام ہے بخش دینا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہم مومنوں کو بڑا ثواب دیں گے اب اپنا ایک کلیہ قانون بیان ہو رہا ہے۔ جس سے ثواب کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے وہ قانون یہ ہے کہ رب تعالیٰ بے قصور کسی کو سزا نہیں دیتا ہاں کبھی بغیر نیک اعمال عطائیں فرما دیتا ہے جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے اور وہ نو مسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو جائیں لہٰذا اگر منافقین ایمان لے آئیں اور کوئی نیکی نہ کر سکیں کہ فوت ہو جائیں تو ان کو پرانے مسلمانوں کا سا اجر دے گا۔ غرضیکہ ایک کرم خاص کا ذکر پچھلی آیت میں تھا قانون کلی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **ما یفعل اللہ بعذابکم** ۔ یہ جملہ نیا ہے جو پہلے گذشتہ جملہ کی شرح فرما رہا ہے ما یا تو استفہامیہ ہے اور ۔ عذابکم میں ب سببیہ ہے ۔ اس کا تعلق یا تو ۔ یفعل سے ہے یا کسی پوشیدہ لفظ سے ۔ اس صورت میں لفظ ما مفعول مقدم ہو گا ۔ یفعل کا مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالٰی تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا تمہیں عذاب دینے میں اس کا کوئی فائدہ نہیں اور عذاب نہ دینے میں اس کا کوئی نقصان نہیں ' نہ تم سے اسے عداوت ہے کہ تم کو ظلماً" عذاب دے کر اپنا غصہ ٹھنڈا کرے ۔ نہ وہ ظالم ہے جو بلاوجہ تم کو عذاب دے (تفسیر روح المعانی و کبیر وغیرہ) یا یہ ما نافیہ ہے اس صورت میں بعذابکم کی ب زائدہ ہے ۔ اور یہ ۔ عذابکم ۔ یفعل کا مفعول یہ ہے اب معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالٰی تم کو عذاب نہ کرے گا لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہوئیں مگر دونوں کا منشا ایک ہی ہوا (تفسیر صاوی و کبیر و روح المعانی) مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے دوسری تفسیر زیادہ آسان ہے کم میں خطاب یا تو منافقین سے ہے یا حضرات صحابہ کرام سے ۔ یا تاقیامت سارے مسلمانوں سے یا سارے انسانوں سے یا تمام جن و انس سے ان پانچ احتمالات میں سے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ پچھلی آیت میں منافقین ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں بھی خطاب ان سے ہی چاہئے ۔ **ان شکرتم و امنتم** ۔ یہ عبارت یا تو پہلی عبارت کی شرط موخر ہے اور وہ اس کی جزاء مقدم تھی یا یہ علیحدہ جملہ ہے اور اس کی جزاء **لا یعذبکم** پوشیدہ ہے ۔ شکر ضد ہے کفر یا کفران کی کفران کے معنی ہیں چھپانا تو شکر کے معنی ہوئے ظاہر کرنا اصطلاح میں ۔ شکر کے معنی ہیں ۔ نعمتیں دینے والے کی نعمتوں کا اقرار کرنا' دل سے ۔ اظہار کرنا' زبان سے اطاعت کرنا' ارکان یعنی اعضاء سے ۔ لہٰذا شکر کے تین درجے ہوئے ۔ شکر جنانی لسانی ' ارکانی ' آمنتم ایمان سے بنا کفر کا مقابل ۔ معنی درستی عقائد یہاں بھی خطاب میں وہی پانچ احتمال ہیں جو ۔ عذابکم کے خطاب میں تھے لیکن اگر منافقین و کفار سے خطاب ہو تو شکر کے معنی ہوں گے ۔ شکر کرنا اور ایمان سے مراد ہو گی ' ایمان لانا' اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہو تو شکر سے مراد ہو گا' شکر کئے جانا اور ایمان سے مراد ہو گا ایمان پر قائم رہنا ۔ کیونکہ مومن ایمان تو پہلے ہی لا چکا ہے ۔ اور وہ بندہ شاکر بھی ہے ۔ کیونکہ بغیر شکر ایمان نصیب نہیں ہوتا ۔ اگرچہ ایمان شکر سے پہلے ہے کیونکہ شکر ایک عمل ہے اور ایمان عقیدہ اور ظاہر ہے کہ عقیدہ اعمال پر مقدم ہوتا ہے اور بغیر درستی عقائد کوئی عمل نہ صحیح ہو نہ مقبول مگر شکر مبہم ایمان سے پہلے ہوتا ہے بلکہ وہ شکر مبہم ہی ایمان لانے کا ذریعہ ہوتا ہے یہاں وہی شکر مراد ہے ۔ اس لئے شکر کو ایمان سے پہلے بیان کیا گیا ۔ خیال رہے کہ شکر کے تین درجے ہیں ۔ پہلا درجہ **نعمتوں** (روزی خلقت وغیرہ) میں غور کر کے منعم کی معرفت کا شوق کرنا ۔ اس شکر کا نام تیقظ بھی ہے ۔ شکر قلبی بھی اور شکر مبہم بھی ۔ دوسرا درجہ منعم کو پہچان لینا کہ وہ صمد ہے ارحم الرحمین ہے ۔ عذاب اور ثواب دینے والا ہے ۔ تیسرا درجہ اس معرفت کے بعد اپنے منعم کی تعظیم کرنا اس کی اطاعت فرمانبرداری اور زبان سے تعریف کرنا ہے ۔ شکر کا پہلا درجہ ایمان پر مقدم ہے اور دوسرا درجہ ایمان کے ساتھ ہے اور تیسرا درجہ ایمان کے بعد ۔ یہاں پہلا درجہ یعنی شکر مبہم یا تیقظ مراد ہے ۔ لہٰذا اس کا ایمان سے پہلے بیان فرمانا نہایت ہی درست ہے ۔ (تفسیر روح المعانی) ۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اس عبارت میں قلب ہے ۔ اصل میں **امنتم و شکرتم** تھا ۔ یا واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہے ۔ تفسیر خازن نے بھی اس تیسری وجہ کو اختیار فرمایا ۔ مگر فقیر کی نگاہ میں تفسیر روح المعانی کی تحقیق نہایت قوی ہے ۔ کہ قرآن کریم کی ترکیب ذکری بھی صدہا حکمتوں سے ہوتی ہے ۔ علامہ نیشاپوری نے فرمایا کہ چونکہ یہاں خطاب منافقین سے ہے جو ظاہراً" مومن تھے مگر دلی کافر یعنی شاکر نہ تھے ۔ اس لئے یہاں شکر کا ذکر پہلے ہوا ۔ منشایہ ہوا کہ تم وہ

www.alahazratnetwork.org

ایمان اختیار کرو جو شکر یعنی عقیدت قلبی پر مبنی ہو۔ **و کان اللہ شاکرا علیما** "۔ یہ نیا جملہ ہے، جو پچھلے مضمون ما یفعل اللہ کو ثابت کر رہا ہے۔ کان دوام و استمرار کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفات دائمی ہیں۔ شاکرا" کان کی خبر اول ہے اور علیما" خبر دوم۔ شاکر و شکور اللہ تعالیٰ کے اسمائے عالیہ میں سے ہیں۔ یہاں شاکر وہ ہے، جو بندوں کی تھوڑی اطاعت پر بے شمار جزاء عطا فرماوے اور بندوں کے گنے چنے محدود زمانے کے اعمال پر غیر محدود دائمی نعمتیں بخش دے یا شاکر وہ ذات کریم جو اپنے بندوں کے معمولی عمل کی بھی قدر فرمائے۔ اور انہیں اپنی شان کے لائق جزا دے۔ چونکہ یہ شکر یعنی اعمال کی قدر دانی نعمتوں کی فراوانی ' بخششوں کی جا و دانی بغیر علم ناممکن ہے کہ جو منعم اپنے بندوں کے اعمال سے ہی بے خبر ہو وہ انہیں جزا کیسے دے گا۔ اس لئے یہاں شاکرا" کے ساتھ علیما" کا ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے صلہ دینے والا ' قدر فرمانے والا ' علیم و خبیر ہے۔ لہذا کیسے ہو سکتا ہے کہ تم لوگ شکر کرو اور وہ تمہیں سزا دے۔

خلاصہء تفسیر : اے منافقو ' یا اے مخلص صحابیو ' یا اے مسلمانو ' یا اے انسانو ' یا اے سارے جن و انس اگر تم بندہ شاکر اور مومن رہو تو اللہ تعالیٰ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا نہ اسے تم سے عداوت نہ تمہارے عذاب دینے سے اس کے ملک میں کچھ زیادتی ہوتی ہے نہ تمہیں ثواب دینے سے اس کے ملک میں کچھ کمی ہوتی ہے۔ نہ وہ ظالم ہے، جو بلاوجہ کسی کو سزا دے جب ان میں سے کوئی وجہ نہیں تو بغیر جرم کسی بندے کو عذاب دینا ناممکن ہے۔ جس کو جو سزا ملے گی وہ اس کی اپنی بد عملی ' ناشکری ' نافرمانی کا نتیجہ ہو گا۔ یہ سزا عدل و حکمت پر مبنی ہو گی۔ لہذا نہ تم نافرمانی کرو نہ سزا پاؤ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے اپنے بندوں کا قدر دان ' ان کے معمولی اعمال پر اعلیٰ نعمتیں دینے والا ہے۔ وہ ہر ایک کے عمل ' عقیدے ' مقدار عمل ' کیفیت عمل کو جانتا ہے۔ لہذا اخلاص و نیک اعمال اختیار کرو۔ تاکہ اس کی بارگاہ سے اعلیٰ نعمتیں پاؤ۔ اسے راضی کرو وہ تم پر فضل فرمائے گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے کام حکمت سے تو ہوتے ہیں۔ مگر کسی غرض سے نہیں ہوتے وہ رب کریم غرض و غایت سے پاک ہے جیسا کہ **ما یفعل اللہ** الخ سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** شکر گزار مومن کو سزا نہ دی جائے گی اور رب تعالیٰ کسی کی نیکیاں بلاوجہ ضائع نہ کرے گا۔ فرماتا ہے۔ **ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین**۔ یہاں یہ فائدہ **ان شکرتم و امنتم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا کے بادشاہ تین وجہ سے لوگوں پر سختی کرتے ہیں۔ اپنے نقصان کے خوف ' اندیشہ سے۔ نفسانی غصہ کی آگ بجھانے کے لئے ' مجرم کے جرم کی وجہ سے ' تیسری وجہ کی تو معافی ہو جاتی ہے مگر پہلی دو وجوں کی معافی نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو صرف تیسری وجہ سے سزا دے گا وہ رب کریم پہلی دو وجوں سے پاک ہے۔ **چوتھا فائدہ:** گنہگار مومن کو دائمی عذاب نہ ہو گا اس کی خلاصی ضروری ہے کیونکہ وہ مومن تو کامل ہے شاکر ناقص ہے کچھ نہ کچھ تھوڑا بہت شکریہ ضرور کرتا ہے اور ایمان و شکر کا ثواب یقینی ملنا ہے۔ اس لئے اسے بھی آخر کار ثواب کی جگہ جنت میں بھیجا جائے گا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے تھوڑے اعمال پر بھی راضی ہو جاتا ہے۔ اس پر ثواب عظیم فرماتا ہے اگر اسے راضی کرنا ہے تو اعمال نیک کرو۔ جیسا کہ شاکرا" کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ اس لئے رب تعالیٰ کا نام شکور ہے اب بھی اگر ہم اسے راضی نہ کریں تو ہماری اپنی بد نصیبی ہے۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں   راہ دکھلائیں کسے رہرو منزل ہی نہیں!

www.alahazratnetwork.org

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر حال ہر کیفیت پر ہمیشہ سے خبردار ہے۔ جیسا کہ کان استمراری سے معلوم ہوا اس زمانہ کے بعض بے دینوں کا خیال ہے کہ رب تعالیٰ بندوں کے اعمال پر جب خبردار ہوتا ہے۔ جب بندہ عمل کر چکتا ہے یہ فاسد عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے اور صریح کفر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کا ترجمہ اور مقصد یہ ہے کہ اگر تم شکر و ایمان اختیار کرو تو ہم تم کو عذاب دے کر کیا کریں گے۔ یعنی کچھ نہ کریں گے جس سے معلوم ہوا کہ اگر بندے شکر و ایمان اختیار نہ کریں تو رب تعالیٰ عذاب دے کر کچھ کرے گا۔ اس عذاب میں اس کا کچھ نفع ہے یہ شرط اس کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب:** غیر مومن غیر شاکر کو عذاب دے کر رب تعالیٰ عدل و انصاف کرے گا اس عدل و انصاف میں اس کا نفع نہیں خلق کا نفع ہے عالم کا نظام عدل و انصاف سے قائم ہے۔ مومن شاکر کو عذاب دینے میں عدل تو ہے نہیں اگر ہے تو حاکم کی کوئی ذاتی لالچ و غرض ہے۔ اس سے خدا تعالیٰ پاک ہے اس لئے یہ شرط و جزاء بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شاکر مومن کو عذاب بالکل نہ ہو کہ فرمایا گیا **ان شکرتم و امنتم** حالانکہ بہت سے شاکروں، مومنوں کو عذاب ہو گا جو گنہگار ہوں گے یہ آیت اس قانون کے خلاف ہے۔ **جواب:** شاکر سے مراد کامل شکر گزار ہے وہ وہی ہے جو گناہوں سے بچے گنہگار مومن کامل شاکر نہیں یا یہ کہو کہ گنہگار مسلمان ہے تو شاکر مگر اس کو عارضی طور پر دوزخ میں ڈالنا عذاب نہیں عتاب ہے اور وہ عتاب بھی اسے پاک و صاف کر کے جنت کے قابل بنانے کے لئے ہے جیسے گندے سونے کو آگ میں تپا کر ہتھوڑے مارنا اسے محبوب کے گلے کے لائق بنانے کے لئے ہے عذاب کے لئے نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں شکر کو ایمان پر مقدم رکھا گیا ہے حالانکہ ایمان شکر پر مقدم ہے کہ ایمان عقیدہ کا نام ہے اور شکر عمل کا تو یہ ترتیب کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** اس کے چند جوابات تفسیر میں گزر گئے۔ جن میں سے اعلیٰ جواب یہ ہے کہ یہاں شکر اعتقادی مراد ہے جو ایمان سے پہلے ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے ایمان نصیب ہوتا ہے یعنی شکر منعم لہٰذا یہ ترتیب نہایت ہی درست و صحیح ہے اور بھی اس کے جوابات دیئے گئے ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے۔

تفسیر صوفیانہ : شکر و ایمان نیران سے نجات کا ذریعہ ہے۔ جو ان نعمتوں سے الگ رہا وہ دوزخ اور فراق یار کی نار کا مستحق ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تم پر نعمتوں کا پہلا کنارہ پہنچے تو خوب شکر کرو تاکہ اس کا آخری کنارہ بھی تم تک پہنچے اور تم پر نعمت مکمل ہو جائے اگر شکر میں کمی کرو گے تو آخری کنارہ تم تک نہ پہنچے گا کسی نے کیا خوب فرمایا۔

چوں بیابی تو نفع در چند   خرد باشد جو نقطۂ موہوم
شکر آں یافتہ خرد مگذار   کہ زنا یافتہ شوی محروم!

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی لاکھوں نعمتیں وہ ہیں جو ہم کو ہمارے دنیا میں آنے سے پہلے مل چکی ہیں اس نے ہم کو نیستی سے ہست کیا تمام مخلوق سے پہلے ہماری روحیں پیدا فرمائیں۔ ہمارے ظلمت کدہ جسم میں روح کے نورانی بلب لگائے۔ ان ارواح پر نورانی چھینٹا ڈالا جو بعض پر پڑا بعض اس سے محروم رہے۔ جن پر پڑا ان سے خطاب فرمایا۔ **ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و امنتم** یعنی یہ وہ نعمتیں ہیں جو تم کو بغیر استحقاق دی گئیں۔ اگر تم نے ان نعمتوں کا شکر کیا کہ نعمتوں کو بھی پہچانا اور منعم کا احسان بھی مانا تو تم میرے فراق کے عذاب سے بچ جاؤ گے۔ نعمتوں کے شکر سے منعم کا شکر زیادہ اہم ہے

www.alahazratnetwork.org

اس لئے ایک جگہ ارشاد ہوا **واشکرولی** میری ہستی کا شکر کرو اگر منعم نہ ہو تا تو نعمتیں کون دیتا۔ جس نے رب کے وجود کا شکر کیا اسے رب تعالیٰ کے جود سے حصہ وافر ملا۔ اللہ تعالیٰ کافروں کے کفر شاکروں کے شکر سے خبردار ہے۔ جبکہ یہ کافر و شاکر نہ بنے تھے اس وقت سے وہ ان کی ذات و احوال کو جانتا ہے اس نے شاکروں کے شکر کی جزاء کافروں کے کفر کی سزا ان دونوں گروہوں کی پیدائش سے پہلے تجویز کر رکھی ہے۔ (از روح البیان)۔

الحمد للہ کہ تفسیر نعیمی کا یہ پانچواں پارہ 15 ماہ رمضان 1382ھ مطابق 10 فروری 1963ء بروز یکشنبہ کو شروع ہوا اور آج بتاریخ 16 ماہ ربیع الاول 1383ھ مطابق 7 اگست 1963ء بروز چہار شنبہ بوقت 9 بجے صبح بخیر و خوبی ختم ہوا۔ چھ ماہ ایک دن میں مکمل ہوا۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرمائے مسلمانوں کے لئے نافع مجھ سیاہ کار کے لئے توشۂ آخرت بنائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی حبیبہ سیدنا محمد والہ

و اصحبہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین○

الحمد للہ کہ اسی سال ماہ رمضان کے روزے اور اعتکاف مسجد نبوی شریف میں نصیب ہوئے یہ گنہگار **یا یھا الذین امنوا اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** کی تفسیر کا درس یہاں گجرات دے کر گیا تھا پھر اس آیت کریمہ کا درس اعتکاف کے زمانہ میں دس دن مسجد نبوی شریف اندرونی باب سیدنا عمر دیا پھر پانچ ماہ کے بعد اس مبارک سفر سے واپس گجرات آ کر آٹھ دن اسی آیت پر درس دیا ان درسوں کا خلاصہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں شامل کر دیا گیا ہے۔ اس سفر میں فقیر کو بیت المقدس، دمشق، بغداد، کربلا، کوفہ کی زیارات بھی نصیب ہوئیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے آمین ثم آمین۔

احمد یار خاں

احمد یار خان بدایونی مدرس مدرسہ غوثیہ نعیمیہ
چوک پاکستان گجرات۔ پاکستان۔

www.alahazratnetwork.org

اسم تاریخی

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

(پارہ ششم)

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مکتبہ اسلامیہ غزنی سٹریٹ نعمت میاں مارکیٹ 38۔ اردو بازار لاہور
Ph:7354851

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ ششم)

مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات ——— 647

کمپوزنگ ——— چوہدری کمپیوٹر سنٹر (لاہور)

PH:-7600123-6315430

پرنٹر ——— تایا سنز پرنٹرز' لاہور

ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ' 38 اردو بازار' لاہور۔

قیمت ———

www.alahazratnetwork.org

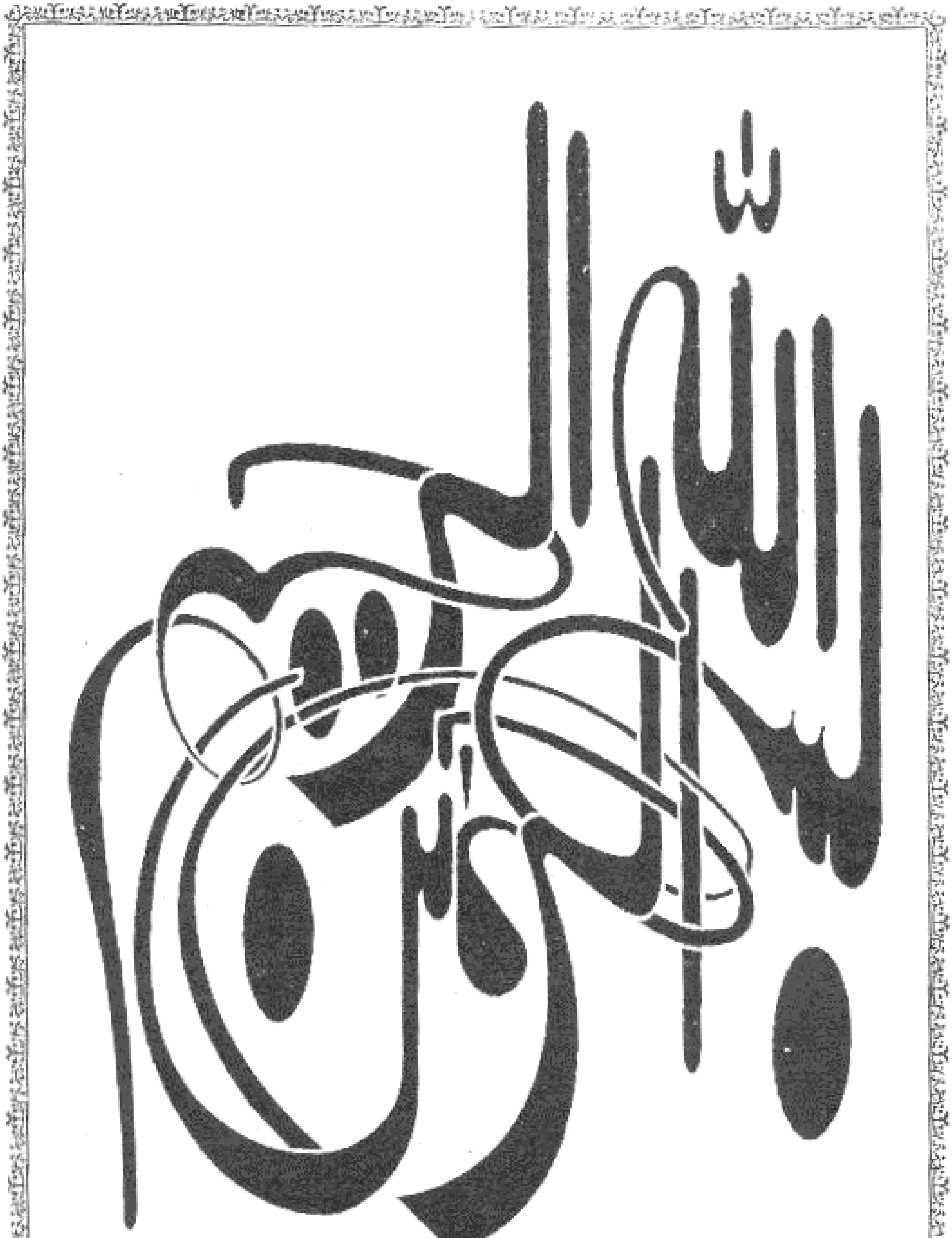

الصلوٰۃ والسلام علیک

یا رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لایحب اللہ

مضمون	صفحہ
لایحب اللہ الجہر بالسوء	۲۳
مہمان کون ہے اس کا کیا حق ہے	۲۳
جہر اور وہ میں فرق	۲۴
ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ	۲۵
نبی و رسول میں فرق ان کی تعداد	۲۶
اللہ اور رسولوں میں کس چیز میں فرق ہے کس چیز میں فرق نہیں	۲۶
اللہ رسول کو ماننا ایمان ہے الگ کر کے ماننا، ایک نبی کا انکار	
رب کا انکار ہے	۲۷
ایمان کلمہ اور صرف نبوت پر ہے	۲۵
عیسائی عورتوں سے نکاح درست نہیں	۲۶
ان سے نکاح جائز ہونے کی شرطیں	۲۶
درجہ کفر اور التزام کفر میں فرق کہاں ہوتا ہے کہاں نہیں	۲۹
توحید اور ایمان میں فرق ہے دوزخ کا راستہ ہے	
ایمان جنت کا	۲۸
ایمان کا امتحان کیا ہے ایمان کی روح کیا	۲۸
لفظ توحید وحدت الوجود سے صوفیوں کی ایجاد ہے	۲۹
رسولوں کا انتخاب نبوت ہونے سے ہے	۲۹
والذین امنوا باللہ ورسلہ	۳۰
ثواب جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے فرشتوں یا	
جنات کے لئے نہیں	۳۰
ایک ایمان کے بے شمار ثوابات ہیں اس کی تفصیل	۳۰
اللہ رسول کے لئے ایک ضمیر ایک صیغہ لا سکتے ہیں اور ممانعت	
کی حدیث کی توجیہ	۳۲
غافر، غفار، غفور کے فرق، رحمت الٰہی کی وسعت برادران	۳۵
یوسف کی پردہ پوشی کا عجیب واقعہ	۳۵
ایمان کے ثواب بعد قیامت کیوں دیئے جائیں گے	۳۵
یسئلک اھل الکتب ان تنزل علیھم کتبا	۳۵
رب کے دیدار کی درخواست، منسوخیں اور ان کے احکام	۳۶
منافق کے معنی اور اللہ تعالیٰ نبیوں کو کونسا قصد ... ہے	۴۰
اللہ کی تجلیں ... ہے دیکھنا جائز ہے یہ شرک نہیں	۴۱
قابیل اور برادران یوسف علیہ السلام میں فرق	۴۴
ورفعنا فوقھم الطور بمیثاقھم	۴۴
قوم موسیٰ اور قوم محمدی میں فرق	۴۷
بزرگوں کی ... کے شعائر تعظیم کا ثبوت	۴۷
مرقد ... ہے اس کا ثبوت قرآن ...	
بزرگوں کے آستانے رحمت الٰہی کے اسٹیشن ہیں	۴۸
فبما نقضھم میثاقھم	۵۱
مہر اور ختم میں فرق، دل پر مہر کی قسمیں ظاہری اور حقیقی مطلقاً	
قلب حقی اور ظاہری ہوتی ہے	۵۳
صلیب کے معنی اور اس کی شکل	۵۶
حضرت مسیح کی شبہ صورت کس نے دی اور کس کو دی	۵۷
اسلام کے سوا کسی دین میں یقین نہیں	۵۸
یہودیوں اور عیسائیوں وغیرہ کے شکوک	۵۸
مسئلہ رفعت اور درجات کی رفعت میں فرق اور پہچان	۵۸
حیات عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق لوگوں کے چار عقیدے ہیں	۶۰
اس حدیث حیات عیسیٰ علیہ السلام سے منکر ہو گئے	۶۳
حضرت مسیح سے تین سال تبلیغ کی جانے والے ... ہیں	۶۵
وان من اھل الکتب الا لیؤمنن بہ	۶۵
بر مرفع عیسیٰ علیہ السلام ہیں اس کے دلائل	۶۶
قرب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے قوی ترین دلائل	۶۷
شہید اور شہید میں فرق	۶۸
نزول مسیح کی ... حدیث	۷۰
قادیانیوں کا اضطراب	۷۰
انبیاء کرام کا حافظہ ان کی پہچان حضور کی پہچان آنکھ	
وضو موقوف نہیں	۷۱
سب کو دیکھ کے حضور کو نبی سے مانو	۷۳
فبظلم من الذین ھادوا حرمنا	۷۳
یہود پر تین وجہ سے حلال چیزیں حرام ہوئیں	۷۶
سود کسی دین میں حلال نہیں ہوا	۷۹
آمدنی کے کون ذریعہ حلال ہیں اور کون حرام	۷۹

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لایحب اللہ

مضمون	صفحہ
سود کامل سود خوار کی حکایت نہیں	٧٩
فتاویٰ رشیدیہ میں منی آرڈر کرنے کو سود کہا	٨٠
لکن الراسخون فی العلم	٨٢
علماء راسخین کون ہیں ان کے صفات	٨٣
دنیاوی اجرت اور آخرت کے اجر میں فرق	٨٥
انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح	٨٩
وحی کے معنی اور اس کے اقسام	٩٠
نوح کے معنی آپ کی عمر و حالات عجیبہ	٩١
اور ابراہیم اور اسماعیل کے معنی ان کے حالات	٩١
زبور کے معنی اور حضرات انبیاء کی ترتیب	٩٢
زبور آہستگی سے آئی	٩٢
ورسلا قد قصصنھم علیک	٩٦
حضور کو تمام نبیوں کا تفصیلی علم دیا گیا	٩٧
کلام الٰہی سننے کی بحث اور نبوت موسوی	
کی ابتداء کلام سے ہوئی	٩٨
نبیوں، رسولوں، کتابوں، صحیفوں کی تعداد اور موسیٰ علیہ السلام	
سے رب نے کس زبان میں کلام کیا	١٠١
کلام الٰہی کی صورتیں	١٠٢
دل کارخانہ اعمال ہے دماغ و کان اعمال اعضاء جوارح اشغال	١٠٢
زمانہ نبی اور زمانہ نبوت میں فرق	١٠٣
حضرت آدم ابو البشر ہیں اور حضور ابو الخلق یعنی خلق کی اصل	١٠٣
دوستانہ کلام کی جگہ طور محبوبانہ کلام کی جگہ عرش سے وراء ہے	١٠٥
لکن اللہ یشھد بما انزل	١٠٥
شاہد اور شہید کا عجیب فرق	١٠٨
اب صرف حضور ہی نبی اللہ ہیں	١٠٩
حضور کی نبوت پر اللہ کی گواہیاں	١١١
گواہیوں کے اقسام اور احکام	١١٢
یاایھا الناس قد جاءکم الرسول بالحق	١١٣
الناس میں حضرت خضر حضرت الیاس بھی داخل ہیں	١١٥
حضور کی ولادت مکہ میں رہائش مدینہ میں مگر آپ سارے جہان کے ہیں	١١٦

مضمون	صفحہ
حضور کی موت فوت نہیں حضور بعد موت زندہ ہیں	١١٧
رسول کے معنی اور رسالت محمدی و رسالت جبریلی	١١٧
موت میں اور دنیا سے چلے جانے میں فرق	١٢١
حضور ہر جگہ موجود ہیں مگر محسوس نہیں لہٰذا آپ اپنے فرض ادا	
کر چکے ہیں اس لئے دوسروں کی امامت نماز میں جائز ہے	١٢٢
کہ ہیں رسول اللہ کیوں ہے نبی اللہ اور حبیب اللہ	
کیوں نہیں	١٢٣
حضور وہ نور ہیں جو گھروں میں آکر ان کو پاک کرے جو اثر نہ	
لے جیسے سورج کی شعاعیں و بہتا پانی	١٢٣
اولاد کی ضرورت فانی چیز کو ہے باقی کو نہیں	١٢٦
حضرت مسیح کے بغیر باپ پیدا ہونے کے قوی دلائل	١٢٨
ابن مریم اور بنی مریم کا فرق اور روح کے معنی عجیبہ	
روح اللہ کہنے کی وجہ	١٢٧
حضرت عیسیٰ مریم کے تنفس سے نہیں صرف پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت	
حوا جناب آدم کی بیٹی نہیں وجہ فرق	١٣١
لن یستنکف المسیح ان یکون عبداللہ	١٣٣
استنکاف، استکبار اور تکبر میں فرق	١٣٣
اسدون۔ سوا خیر میں فرق دنی اور عصبیت میں فرق	١٣٧
حضرت مسیح اللہ کی طرف سے اثر ہیں۔ حضرت جبریل کی طرف	
سے روحانی مخلوق	١٣٠
قانونی اور عشقی دلائل عبادات و ثواب میں فرق	١٣٠
یاایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم	١٣٠
نور۔ نور مبین۔ نور منیر میں عجیب فرق	١٣٣
حضور برھان من اللہ کی دلیل ہیں	١٣٥
حضور سراپا معجزہ ہیں اس کی تفصیل	١٣٥
برہان سے مراد حضور ہیں نہ کہ قرآن اس کے قوی دلائل	١٣٨
حضور دنیا میں رحمت ہیں برزخ میں فضل آخرت میں ہدایت جیسے چاند	
کہ شروع ماہ میں ہلال ہے درمیان میں بدر آخر ماہ میں محاق	١٥٠
حضور کے بعض معجزات از آدم تا بعثت زمانہ ظہور تک	
بعض تاقیامت	١٥٠

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

مضمون	صفحہ
مستفتونک قل اللہ یفتیکم فی الکلالۃ	۱۵۱
سب سے آخری آیت کون سی ہے اور کب نازل ہوئی	۱۵۵
لڑکیوں کے ساتھ بہنیں عصبہ ہیں اس کی دلیل	۱۵۶
نسب سے مالی میراث ملتی ہے نسبت سے کمالی میراث	۱۵۸
سورۃ مائدۃ	۱۶۰
یاایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود	۱۶۰
قرآن مجید کی منزلوں کی تفصیل	۱۶۱
عقد اور عہد میں فرق	۱۶۱
نزول تحریم سے پہلے ہی حضور نے حرام حلال جانور	
مسلمانوں کو بتادیئے تھے۔ عمل کرا رہا تھا	۱۶۳
بہیمہ اور انعام کے نفیس معانی	۱۶۳
نباتات و عمارات میں حرام و حلال کے قاعدے	۱۶۵
قرآن کریم نے بعد ہجرت، حرام حلال جانوروں اور عورتوں	
کا ذکر کیوں کیا ہجرت سے پہلے مسلمان کیا کھاتے پیتے تھے	۱۶۵
حرام و حلال جانوروں کی پہچان	۱۶۵
بہیمہ اور انعام میں فرق	۱۶۷
یاایھا الذین امنوا لاتحلوا شعائر اللہ	۱۶۸
شعائر اللہ کسے کہتے ہیں	۱۷۰
ظالم سود خوار چور ڈاکو سے اپنا مال چھین سکتے ہیں حقدار	
اپنا حق جبرا وصول کر سکتا ہے	۱۷۶
عرب والوں اور شریح کے جرموں میں فرق	۱۷۷
جیسا شعائر اللہ ویسی اس کی تعظیم کی جاوے	۱۷۹
حرمت علیکم المیتۃ والدم ولحم الخنزیر	۱۸۰
بیمار کو انسانی خون دینا حرام ہے فرقہ داؤدیہ کے	
نزدیک سور کا صرف گوشت حرام ہے	۱۸۲
نصب اور صنم میں فرق	۱۸۳
بتوں پر چڑھاوے کی مٹھائی وغیرہ گوشت حرام نہیں	
بلکہ ان کے نام پر ذبیحہ حرام ہے	۱۸۳
علی النصب اور عند النصب میں بہترین فرق	۱۸۳

مضمون	صفحہ
گنگا جمنا کا پانی حلال ہے اگرچہ اس کی پوجا ہوتی ہے	۱۸۷
قرآن مجید سے فال کھولنے کا طریقہ اور اس کا حکم۔ فال لینے	
اور فال کھولنے میں فرق	۱۸۷
نجومیوں سے علم غیب حاصل کرنا	۱۸۸
حرام ہے ولیوں نبیوں سے حاصل کرنا درست	۱۸۸
بتوں کے نام کی مٹھائی ان پر چڑھاوے کی چیزیں شرعا	
حلال ہیں نفیس بحث	۱۸۸
الیوم یئس الذین کفروا من دینکم الیوم اکملت لکم دینکم	۱۹۰
اس آیت کے بعد حضور تین ماہ حیات رہے کوئی حکم کی آیت نہ آئی	۱۹۳
کمال کے چار معنی	۱۹۳
اکملت اور اتممت میں نفیس فرق۔	۱۹۳
دین ملت مذہب میں فرق	۱۹۳
چیز حرام ہونے اور استعمال حرام ہونے میں فرق ہے	۱۹۸
مجبورا کفر بکنا ضروری نہیں حرام کھانا ضروری ہے	۱۹۸
اسلام کے نفیس معانی اور دین محمدی کو ہی اسلام کیوں کہا جاتا ہے	۲۰۱
یسئلونک ماذا احل لھم۔	۲۰۳
حضور سے سوال پانچ قسم کے ہوتے تھے	۲۰۳
طیب وہ چیز ہے جسے شریعت نے منع نہ کیا ہو۔	۲۰۵
اصل اشیاء میں اباحت ہے۔	۲۰۷
کتے کے شکار کی آٹھ شرطیں ہیں ان کی تفصیل	۲۰۸
علم کی تعریف اور جانور کو بھی علم ہو سکتا ہے	۲۰۹
الیوم احل لکم الطیبت	۲۱۳
اہل کتاب کا ذبیحہ ان کے کھانے حلال عورتیں حلال ہونے کی تفصیل	۲۱۳
محصنت کے معانی اور اس کے اقسام	۲۱۷
کتابیوں کے ذبیحہ ان کی عورتوں سے نکاح کے متعلق	
ائمہ دین کے اختلافات	۲۱۸
کس عورت نے حضور کو زہر دیا۔ کن صحابہ نے اہل کتاب	
عورتوں سے نکاح کیا۔	۲۱۸
کتابیہ سے نکاح حلال ہونے کی چار شرطیں آج کل عام انگریز دہریہ ہیں	
اور ان کی بیٹیوں سے نکاح حرام ہے۔	۲۱۸

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللّٰہ

مضمون	صفحہ
تحفہ و ہدیہ کے اقسام اور کون سے تحفے کفار کو دینے جائز ہیں	
کون حرام	۲۱۹
کتابی مرد سے مومن عورت کا نکاح کیوں حرام ہے	۲۲۰
یاایھا الذین اٰمنوا اذا قمتم الی الصلٰوۃ فاغسلوا وجوھکم	
وضو غسل کے حکم میں حضور داخل نہیں	۲۲۱
وضو صرف نماز کے لئے ضروری ہے	۲۲۲
مگر غسل اور کپڑے و بدن پاک رکھنا ویسے ہی فرض ہے	۲۲۵
نماز کا حکم وضو و غسل کے حکم سے پہلے آیا	
مگر اس زمانہ میں حضور نے وضو و غسل ...	۲۲۸
آٹھ چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے پانچ چیزوں سے غسل اور وضو صرف نماز	
کے لئے فرض ہے مگر غسل ویسے بھی فرض	۲۲۹
پاؤں دھونے کے متعلق چند مذہب ہیں اور پاؤں دھونے کے دلائل	۲۳۰
پیشاب پاخانہ سے وضو اور منی سے غسل کیوں واجب ہوا	۲۳۱
کون سی طہارت کس پانی سے کرے	۲۳۲
وان کنتم مرضٰی او علٰی سفر	۲۳۳
یہ حکم قرآن کریم میں نیت شرط ہے وضو میں نہیں	۲۳۴
ہمارا اصلاح پاری ہے کہ ... گناہ سے ...	
حضور کا اصلاح ... ہے	۲۳۷
وضو غسل کے لئے اتمام نعمت یوں فرمایا نعمت کیوں کہا	۲۴۱
عورت کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا اس کی تحقیق	۲۴۲
واذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم ومیثاقہ الذی واثقکم	۲۴۴
قیمت، اجرت، رحمت، نعمت میں فرق حضور کو رحمت ماننے کیا	
نعمت ماننے کیوں نہ کہا	۲۴۳
حضور اللّٰہ کی نعمت بھی ہیں اور نعمت گر بھی ہر حضور کے ذریعہ	
حاصل ہو وہ نعمت ہے ورنہ عذاب	۲۴۸
یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للّٰہ	۲۴۹
عدل اور عدل میں فرق عدل کی بہت صورتیں بے انصافی اور ظلم میں	
عجیب فرق	۲۵۲
وقت دفعہ بزرگوں کو پکارنا جائز ہے شرک نہیں	۲۵۳
وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت	۲۵۷
اجر عظیم اور فضل عظیم میں فرق	۲۵۸
قیامت میں صحابہ کے مختلف درجے اور کون کس کے جھنڈے کے نیچے ہوگا	۲۶۱
یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللّٰہ علیکم	۲۶۲
نماز روزہ تین چیزوں سے ... اور تین چیزیں ... ہیں	۲۶۰
ولقد اخذ اللّٰہ میثاق بنی اسرائیل	۲۶۸
نقیب کے معنی اور ان کی تعداد	۲۷۰
بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض تھیں	۲۷۰
اسلامی نماز اور اسرائیلی نماز میں بہت سے فرق ان کی تفصیل	۲۷۱
تعزیر اور قرض حسنہ کے معنی	۲۷۱
اسرائیلی نماز و زکوٰۃ اور اسلامی نماز و زکوٰۃ کے فوائد میں فرق	
یوں ہی ہماری نماز اور صحابہ کی نماز میں فرق	۲۷۳
عوج ابن عنق کے حالات	۲۷۳
مدینہ منورہ کب بسایا گیا اور اس کی ...	۲۷۵
نماز کے لئے الصلوٰۃ کیوں ارشاد ہوا	۲۷۵
دوسری عبادات کے لئے یہ کیوں نہ فرمایا گیا	۲۷۷
اولیاء کے اقسام ان کی تعداد اور ان کے ...	۲۷۸
فبما نقضھم میثاقھم لعنٰھم	۲۷۹
کمزوری کی بناء پر معانی کی آیت منسوخ ہوئی ... معانی کا اب بھی	
حکم ہے اس معانی سے نظام عالم قائم ہے	۲۸۲
ومن الذین قالوا انا نصٰرٰی اخذنا میثاقھم	۲۸۶
عیسائیوں نے خود اپنا نام نصاریٰ رکھا	۲۸۷
عیسیٰ علیہ السلام کی تاریخ پیدائش اور مقام ولادت	
عیسائیوں میں فرقہ بندی کیسے ہوئی	۲۸۷
عیسائی آپس میں کبھی متفق نہیں ہو سکتے	۲۸۸
حضرات صحابہ کے اختلاف کی حقیقت	۲۹۲
مسلمانوں کی فرقہ بندی اور عیسائیوں کی فرقہ بندی میں فرق	۲۹۲
یاھل الکتٰب قد جآءکم رسولنا	۲۹۳
حضور کی ولادت، حکومت اور آمد میں فرق ...	۲۹۸
حضور کی وفات سے ولادت ختم ہوئی ... ختم نہیں ...	۲۹۹
مومن و کافر کیوں کہتے ہیں	

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لایحب اللہ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضور دنیا میں آخر میں ... تشریف لائے	۲۹۹	حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان سترہ سو سال اور	
جیسے سورج طلوع ہو کر ... چمکا کرتا ہے	۲۹۹	حضرت اسماعیل اور حضور کے درمیان چار ہزار سال کا فاصلہ ہے	۳۲۹
[illegible]		واذ قال موسیٰ لقومہ یٰقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم	۳۳۳
[illegible]		ارض مقدسہ کے معانی اس کی تحریر چار طرح کی ہے	۳۳۳
[illegible]	۳۰۰	نبی زادہ ... ہونے سے تو عزت کا حق نہیں	۳۳۷
نور اور کتاب میں چند احتمال	۳۰۰	بزرگوں کے شہروں کو شریف یا مقدس کہنا بہت اچھا ہے	۳۳۸
اطاعت عقل سے ہوتی ہے اطاعت عشق سے ان دونوں میں فرق	۳۰۱	قالوا یٰموسیٰ ان فیھا قوما جبارین	۳۴۰
حضور کی اولاد اور مدینہ بھی نور ہے	۳۰۳	لفظ جبار کے معنی	۳۴۲
عثمان غنی کو ذوالنورین اور مدینہ کو منورہ کہا جاتا ہے	۳۰۳	جس دل میں نبی کی عظمت نہ ہوگی	
حضور قرآن مجید سے افضل ہیں اس کے دلائل		اس دل میں کفار کی ہیبت ہوگی	۳۴۴
کہنا پیدا ہونا نور ہونے کے خلاف نہیں	۳۰۵	۹ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان کی بھارت پر فتح	۳۴۵
نبی کا بشر سے پیدا ہونا		[illegible]	۳۴۶
نورانیت کے خلاف نہیں	۳۰۵	قالوا یٰموسیٰ انا لن ندخلھا ابدا	۳۴۷
حضور بعد وفات دنیا کو دل قطب مومن ہیں جیسے سورج		بددعا تین طرح کی ہوتی ہیں	۳۵۰
ڈوبنے کے بعد چاند اور تاروں کو چمکاتا ہے	۳۰۹	میدان تیہ کی پیمائش	۳۵۱
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم	۳۰۷	موسیٰ علیہ السلام کی وفات آپ کی عمر شریف	۳۵۲
... شرک کی تردید میں نہایت نفیس فرق	۳۱۵	واتل علیھم نبا ابنی آدم بالحق	۳۵۵
... ہوتے مقدر اور کل میں نفیس فرق	۳۱۵	جناب حوا کے چالیس بچے ہوئے	۳۵۹
وقالت الیھود والنصاریٰ نحن ابناء اللہ	[illegible]	حضور ہابیل و قابیل کے واقعے سے خبردار تھے	۳۶۰
ابن اور محبوب کی محبوبیت میں فرق	۳۲۱	حضرت عثمان نے باغیوں سے جنگ نہ کی اور	
شرک نکلنے کی شکل صورتیں		حضرت علی نے جنگ کی فرق کیا ہے	۳۶۲
اللہ کی پکڑ سے بچنے کی صورت صرف زاری ہے زور بازو نہیں بچا سکتے	[illegible]	فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ	۳۶۵
یٰاھل الکتاب قد جاءکم رسولنا	۳۲۲	غراب، غریب، غروب کے معنی	۳۶۷
قرآن مجید نے اہل کتاب کو ... مشرک کہہ کر کیوں نہ پکارا	۳۲۵	قتل ہابیل کا واقعہ اس قتل کے بعد بعض درختوں میں کانٹے اور بعض	
حضور کس کے پاس کس شان سے آئے سورج کا طلوع عام ہے چمکانے		کے پھل کڑوے ہو گئے	۳۶۸
کے لئے ہاں چند طلوع خاص نفیس تحقیق	۳۲۶	انسان نے کون سے کام کس جانور سے سیکھے	۳۶۹
اصحاب فترت کون لوگ ہیں اور حضور کی ولادت ۵۶۹ء میں ہے		کیا انسان کوے کا شاگرد ہے	۳۷۱
زمانہ نبی اور زمانہ نبوت میں فرق	۳۲۷	عداوت نبی اور محبت نبی کے کفروں میں فرق	۳۷۳
حضور کی بشارت ... دوسرے نبیوں کی		من اجل ذلک کتبنا علیٰ بنی اسرائیل انہ من قتل	۳۷۳
بشارت ... میں فرق	۳۲۷	آٹھ جرموں کی سزا قتل ہے	۳۷۵

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
کسی کو زندہ کرنے کی سات صورتیں قاتل سے قصاص کیوں نہ لیا گیا۔	۲۷۵	حضور نے یہود زانیوں کو رجم کیوں کرایا وہ تو مسلمان نہ تھے	۳۲۳
حضور ولادت سے پہلے دنیا میں آ گئے اور وفات کے بعد بھی		ومن یرد اللہ فتنتہ	۳۲۵
یہاں سے نہیں گئے۔	۲۸۰	سحت کے معنی رشوت کی چار قسمیں فتویٰ کی اجرت	۳۲۹
انما جزاء الذین یحاربون اللہ۔	۲۸۱	قسط بمعنی ظلم مقسط بمعنی انصاف دار	۳۳۰
ڈاکو کسے کہتے ہیں۔ غازی مسلمان ڈاکو نہیں۔	۲۸۳	دفع ظلم کے لئے رشوت دینا جائز ہے	۳۳۱
چوری ڈکیتی، راہزنی اور محاربہ میں فرق	۲۸۴	محکوم آدمی والے کے ہدیے دعوت گیارہ آمدنیاں حرام ہیں	۳۳۲
توبہ کر لینے والے ڈاکو کا حکم	۲۸۴	قاضیوں کے فرق سے تقسیم میں فرق حضور قاسم اعلیٰ ہیں	۳۳۳
چار مسلمانوں کی نماز جنازہ نہیں	۲۸۵	وکیف یحکمونک وعندھم التورٰۃ	۳۳۴
وابتغوا الیہ الوسیلۃ	۲۹۰	حاکم اور حکم میں چند فرق۔	۳۳۵
تقویٰ کے معانی اس کے اقسام اور تقویٰ کا ذریعہ اور		گزشتہ نبیوں کی نہ کتابیں رہیں نہ ان کی تعلیمات	۳۳۷
اس کی مدارج وسیلہ وصلہ میں نفیس فرق۔	۲۹۲	انا انزلنا التورٰۃ فیہا ھدی	۳۳۸
وسیلہ کی مکمل بحث	۲۹۳	نور اور ہدایت میں فرق کیا ہدایت ایمان ہیں کتب ہدایت اعمال	۳۴۰
انبیاء اولیاء ان کے نام ان کے تبرکات وسیلہ ہیں	۲۹۳	مخلوق سے خوف حرام بھی ہے۔ کفر بھی فرض بھی۔ ایمان بھی۔	۳۴۲
اعمال گویا پانی دھاتیں ہیں۔ مقبول کی نظر گویا دھونے والا ہاتھ		دین حق وہ ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں۔ جس حدیث پر علماء اولیاء	
وسیلہ کے مسئلہ پر اعتراضات و جوابات	۲۹۶	عمل کریں وہ قوی ہے	۳۴۴
انکار وسیلہ میں وہابی اور مرزائی ایک ہیں بادشاہ کو فوج		وکتبنا علیہم فیہا ان النفس بالنفس	۳۴۸
اور فوج کو بادشاہ کی ضرورت ہے مگر ان دونوں میں فرق۔	۲۹۹	قرآن مجید میں نفس کتنے معنی میں ارشاد ہوا قصاص واجب ہونے	
توسل لسانی۔ ذاتی۔ عملی کا فرق اور حضور سے مانگنا	۲۹۹	کی چار شرطیں ہیں۔	۳۵۰
ان الذین کفروا لو ان لھم ما فی الارض	۳۰۱	نبی شیخ استاد باپ پر قصاص نہیں۔	۳۵۳
جزا کے قیامت کا دن اس لئے رکھا گیا ہے کہ ایصال ثواب سارے		وقفینا علی آثارھم بعیسی ابن مریم	۳۵۵
جمع ہو جاویں پھر سب کا ثواب دیا جاوے۔	۳۰۵	توریت و انجیل کی بعض آیات اب بھی واجب العمل ہیں	۳۶۰
والسارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما	۳۰۷	کتاب۔ گھر۔ دین۔ عزت۔ ان سب کے پشتی بان انبیاء ہیں۔	
چوری کی سات شرطیں ہیں پانچ مال میں دو جگہ میں ایک چور میں۔	۳۰۸	مضبوط پشتی بان سے دیوار مضبوط ہوتی ہے	۳۶۳
ملک و ملکوت میں فرق	۳۱۱	وانزلنا الیک الکتب بالحق	۳۶۳
چوری کے متعلق گیارہ اصول قوانین	۳۱۲	انزلنا الیک اور انزلنا الیکم میں فرق	۳۶۴
ہر نیکی اللہ کی عبادت ہے اور حضور کی اطاعت لہٰذا دوہرا ثواب ہے	۳۱۳	حق و باطل کے معانی	۳۶۵
یایھا الرسول لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر	۳۱۵	مہیمن اور محافظ میں نفیس فرق۔	۳۶۵
سارے قرآن میں یاایھا الرسول صرف دو جگہ ہے یاایھا النبی	۳۱۸	شرع اور شریعت کی نفیس تحقیق۔	۳۶۷
بہت جگہ منافقین کو قتل کیوں نہیں کیا جاتا تھا	۳۲۲	شریعت اور منہاج میں فرق	۳۶۷
عہد فاروقی میں منافقوں کا حکم۔	۳۲۲	حضور حاکم ہیں۔ قرآن حکم ہے۔	۳۶۸

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
حضرات انبیاء و اولیاء مجھ سے معبود نہیں۔	۴۷۱	ولی۔ ناصر۔ محبوب میں فرق۔	۵۱۶
حضور نزول قرآن کے منتہا ہیں اور تبلیغ قرآن کے مبدء		کربلا میں بیعت امام حسین کی ہوئی یا یزید	۵۱۷
اور حضرات صحابہ حضرت جبریل کی طرح واسطہ	۴۷۲	بلاواسطہ اور بالواسطہ نعمتوں کا فرق	۵۱۷
شریعت ہر امت کو ملی مگر طریقت صرف حضور کی امت کو		یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الذین اتخذوا	۵۱۸
شریعت و طریقت کے نفیس فرق۔	۴۷۳	نودی للصلوۃ اور نودی الی الصلوۃ میں فرق	۵۲۳
وان احکم بینھم بما انزل اللہ	۴۷۴	کسی کا رنگ تین طرح سے چڑھتا ہے۔	۵۲۳
سامری کا نام موسیٰ تھا۔ حضرت جبرائیل نے اسے پرورش کیا تھا۔	۴۸۱	کل کتنی اذانیں ہوئیں اور حضرت بلال حضور سے آگے جنت	
یا ایھا الذین امنوا لا تتخذوا الیھود والنصاری اولیاء	۴۸۳	میں جائیں گے	۵۲۴
ولی۔ صدیق۔ حبیب میں فرق	۴۸۴	قل یا اھل الکتب ھل تنقمون منا	۵۲۵
کفار سے محبت کیوں حرام ہے	۴۸۶	اہل کتاب وہ جس تک کتاب کے صرف نقوش پہنچیں	۵۲۶
فتری الذین فی قلوبھم مرض	۴۸۹	اہل ایمان وہ جس تک کتاب کا نور پہنچے	۵۲۹
محبت نفسانی ایمانی اور محبت شیطانی میں فرق	۴۹۳	حضور پر ایمان پہلے ہے قرآن وغیرہ پر ایمان بعد میں	۵۳۰
یا ایھا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ	۴۹۷	واذا جاءوکم قالوا امنا	۵۳۲
حضور کے زمانہ میں تین اور صدیق اکبر کے زمانہ میں		حضور کے پاس آنا حضور کو دیکھنا دو قسم کا ہے۔	۵۳۳
آٹھ قبیلے مرتد ہوئے	۴۹۹	سرعت و عجلت اور اثم و عدوان میں فرق	۵۳۵
محبت کی قسمیں حبیب و خلیل کا فرق	۵۰۰	علماء شیطانی نفسانی اور علماء ربانی میں فرق	۵۳۶
جہاد اور قتال میں فرق	۵۰۲	وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ	۵۳۱
حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت	۵۰۳	گھر میں اتفاق روزی میں برکت کا مجرب بہترین عمل	۵۳۷
قرآنی آیات حضور کے قول و عمل اجماع امت سے ثابت ہے		حضور ہدایت ایمان دیتے ہیں قرآن ہدایت اعمال	۵۳۸
وہ قطعی یقینی ہے اسکا انکار کفر ہے۔ سیدوں کے دادا حضرت علی ہیں	۵۰۵	مسلمانوں کی آپس کی لڑائیاں رحمت بن جائیں گی جیسے طاعون کی موت	۵۳۹
ابوبکر صدیق کی نواسی بنت قاسم حضرت امام باقر کے نکاح		۶ ستمبر ۱۹۶۵ء میں پاکستان پر ہندوستان کا حملہ اور	
میں آئیں ان سے امام جعفر صادق پیدا ہوئے۔	۵۰۵	پاکستان کی فتح عظیم	۵۳۹
مرتد کی سزا قتل ہے۔	۵۰۷	ولو ان اھل الکتب امنوا واتقوا	۵۵۰
صحابہ کرام کی جنگوں کی وجہ کیا حضرت فاطمہ		تنگی رزق کا علاج تقویٰ ہے نہ کہ برتھ کنٹرول۔	۵۵۵
جناب صدیق سے ناراض تھیں۔	۵۰۷	یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک	
انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا	۵۰۹	رسالت اور بعثت میں فرق	۵۶۰
رکوع معنی خشوع وارکعوا مع الراکعین	۵۱۱	حضور کی وحی تین قسم کی ہے۔	۵۶۰
اللہ رسول اور مسلمانوں کی مدد دائمی ہے۔	۵۱۲	معصوم و محفوظ کا فرق	۵۶۱
حضرت علی کی خلافت بلافصل کی تحقیق	۵۱۳	علم رسول وحی رسول اور ما انزل الی الرسول میں فرق۔ تبلیغ صرف	
رکوع میں خیرات کی تحقیق	۵۱۳	ما انزل الی الرسول کی ہے	۵۶۳

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ ششم لا یحب اللہ

مضمون	صفحہ	مضمون	صفحہ
غدیر خم کا واقعہ اور عید غدیر کی حقیقت	۵۶۳	رسالت جبریلی اور رسالت محمدی میں فرق	۶۰۵
حضور کی تبلیغ اور علماء کی تبلیغ میں فرق	۵۶۳	صادق و صدیق میں فرق	۶۰۶
حضور کی وفات قرآن مجید سے اور اگر میرا ارادہ [illegible] ہو جائے		قل زمانہ کے [illegible] اور خطاب	۶۰۸
تو قرآن سے نکال سکتا ہوں۔	۵۶۷	حضرت مسیح [illegible]	[illegible]
قل یا اہل الکتاب لستم علی شیء حتی تقیموا التوراۃ	۵۶۷	عبادت اور اطاعت میں فرق	[illegible]
حضور منبع قرآن ہیں اور لوگ [illegible] قرآن	۵۷۱	اطاعت چند کی عبادت صرف ایک کی ہو سکتی ہے۔	[illegible]
ان الذین امنوا والذین ھادوا	۵۷۳	قل یا اہل الکتاب لا تغلوا فی دینکم	[illegible]
لفظ صابی کی تحقیق اور حضرت [illegible] کی امت کے احکام	۵۷۳	حضور [illegible]	۶۱۵
صابیون کو رفع کیوں ہوا۔ نفیس تحقیق	۵۷۴	شریعت مطہرہ حضور کی اداؤں کا نام ہے [illegible]	
لقد اخذنا میثاق بنی اسرائیل حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام	[illegible]	[illegible]	۶۱۷
[illegible] اور درمیان میں نبی آتے رہے	۵۸۱	[illegible]	۶۱۸
[illegible]	۵۸۳	[illegible]	۶۱۸
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح	۵۸۸	[illegible]	۶۱۸
[illegible]	۵۹۱	لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل	۶۲۱
[illegible]	۵۹۱	[illegible]	۶۲۲
[illegible]		[illegible]	۶۲۷
حضرت عیسیٰ صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں	۵۹۳	تری کثیرا منھم یتولون الذین کفروا	۶۲۹
الوہیت عبدیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی نورانیت جمع ہو سکتی ہے	۵۹۴	مختلف مسائل [illegible]	۶۳۲
لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ثالث ثلثۃ	۵۹۵	محبت کے اقسام اور کفار سے کونسی محبت حرام ہے	۶۳۳
ثالث ثلثۃ اور ثالث اثنین میں فرق	۵۹۷	نبوت کی تصدیق [illegible]	۶۳۵
الوہیت مسیح کے متعلق عیسائیوں کے عجیب عقیدوں کی تفصیل	۵۹۷	لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا	۶۳۶
توبہ اور استغفار میں شرط مغفرت و رحمت میں فرق	۵۹۸	ہجرت اولیٰ یعنی حبشہ کی ہجرت کا تفصیلی واقعہ	۶۳۸
[illegible] صفات اضافیہ میں فرق	۵۹۹	وہ کون شخص ہیں جن کے ہاتھ پر صحابی ایمان لائے	[illegible]
[illegible] کا فرق	۶۰۱	کون سے عیسائی مسلمانوں سے قریب ہیں قسیس اور راہب کے معنی	۶۴۰
[illegible]		کسی کو حضور سے قرآن ملا کسی کو قرآن سے حضور ملے	۶۴۲
[illegible]	۶۰۳	نور و قرآن [illegible] ہدایت ہیں مگر [illegible]	
[illegible]	۶۰۳	[illegible] صرف حضور ہیں	[illegible]

www.alahazratnetwork.org

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ

ناپسند کرتا ہے اللہ ظاہر کرنا بری بات کا لیکن وہ جو ظلم کیا جاوے اور ہے اللہ

اللہ پسند نہیں کرتا بری بات کا اعلان مگر مظلوم سے اور اللہ سنتا

اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ

سننے والا جاننے والا اگر ظاہر کرو تم بھلائی کو یا چھپاؤ تم اسے یا معافی دو تم برائی

جانتا ہے اگر تم کوئی بھلائی علانیہ کرو یا چھپ کر یا کسی کی برائی سے

فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

سے پس تحقیق اللہ ہے معاف فرمانے والا قدرت رکھنے والا

درگزر کرو تو بے شک اللہ ہے معاف کرنے والا قدرت والا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی پردہ دری فرمائی تھی۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ منافقین ظالم ہیں۔ مسلمان اور اسلام مظلوم ہیں۔ ظالم کی پردہ دری کرنا اچھا ہے۔ تاکہ دوسرے اس کے ظلم سے بچیں۔ اس لئے اس ستار عیوب نے ان بدنصیبوں کی پردہ دری کی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو منافق توبہ کرکے اپنے کو درست کرلیں تو وہ مومنوں مخلصوں کے ساتھ ہی ہوں گے تو شبہ ہو سکتا تھا کہ پھر بھی یہ مخلص بن جانے والے منافقین مسلمانوں کے طعن سے نہ بچیں گے۔ اپنے گزشتہ کرتوتوں کی وجہ سے اب اس آیت میں اس شبہ کو زائل کیا جا رہا ہے کہ نہیں اب جو مسلمان ان کے گزشتہ نفاق پر طعن کرے گا وہ اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوگا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر تم مومن شاکر بن جاؤ تو ہم تم کو عذاب کیوں دیں؟ اب مومن شاکر بننے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ بری باتوں کا اعلان نہ کرنا۔ نیکیاں چھپ کر بھی کرنا اور علانیہ بھی کرنا۔ صرف دعوئی ایمان دعوئی شکر کافی نہیں۔

شان نزول یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی کہ ایک بار ایک شخص آپ کی شان میں زبان درازی کر رہا تھا۔ آپ نے بہت صبر فرمایا مگر وہ باز نہ آیا۔ تب آپ نے بھی اسے جواب دیا۔ اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اب تک ایک فرشتہ تمہاری طرف سے جواب دے رہا تھا۔ جب تم نے خود جواب دیا تو وہ فرشتہ چلا

www.alahazratnetwork.org

گیا۔ تو اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خزائن۔ کبیر خازن) جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی گئی اور حضرت ابوبکر کی تسلی و تشفی۔ تو حضرت صدیق کا یہ جواب دینا ناجائز نہ تھا کہ وہ مظلوم تھے اور محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بیان افضلیت کے لئے ہے۔ غرضیکہ بدلہ لینا جائز اور درگزر کرنا بہت ہی بہتر ہے۔ **دوسری روایت۔** ایک شخص کسی کے ہاں مہمان گیا۔ اس نے اس مہمان کی کوئی تواضع اور خاطر نہ کی اس نے لوگوں سے اس کی بے مروتی کج خلقی کی شکایت کی۔ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں اس مہمان کی حمایت کی گئی کہ اس کی شکایت بالکل بجا اور درست ہے کہ وہ مظلوم ہے (خازن۔ روح البیان) خیال رہے کہ شریعت میں جو عزیز دوست واقف آدمی ملنے آوے مہمان ہو کر اس کی مہمانی تین روز تک اس کا حق ہے۔ اور کسی کا حق مارنا ظلم ہے اس لئے **الا من ظلم** بالکل درست ہے یہ بھی خیال رہے کہ جو اجنبی شخص اپنے یا کسی کے کام کے لئے ہمارے پاس آئے۔ وہ مہمان نہیں اس کی خاطر مدارات اس کا حق نہیں اگر خاطر کروے تو صاحب خانہ کی مہربانی ہے۔ حق اور ہے مہربانی اور۔

تفسیر لا یحب اللہ قوی تر یہ ہے کہ یہ جملہ نفی محض نہیں بلکہ نفی عدولی ہے۔ یعنی اس کے معنی یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ تاکہ مطلب یہ ہو کہ نہ تو پسند فرماتا ہے اور نہ ناپسند۔ نہ تو اس سے راضی ہے نہ ناراض۔ **یحب** بنا ہے حب سے۔ بمعنی چاہنا پسند کرنا محبت کرنا۔ **حب اور ود** کے معنی ہیں قریباً ایک ہی ہیں مگر اکثر ود۔ بمعنی تمنا و آرزو کرنا بھی آتا ہے جیسے **ربما یود الذین کفروا لو کانوا مسلمین**۔ اور کبھی اس پسندیدگی پر بھی بولا جاتا ہے جس کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش بھی ہو۔ رب فرماتا ہے **ودوا لو تکفرون کما کفروا فتکونون سواء** کفار کوشش کرتے ہیں کہ تم بھی کافر ہو جاؤ تو وہ اور تم برابر ہو جاؤ مگر حب میں یہ قیود نہیں۔ **الجھر بالسوء** جہر مقابل ہے خفا کا جس کے معنی ہیں ظہور و اعلان۔ اس لئے بلند آواز والے کو **جھیر الصوت** کہتے ہیں۔ یہاں جہر سے مراد مطلقاً اعلان ہے۔ خواہ آواز سے ہو یا تحریر سے یعنی زبانی و قلمی ہر اعلان کو شامل ہے۔ **سوء** سے مراد وہ برائی ہے جس کا اظہار غمگین کرے اسی لئے ستر کو **سوءۃ** کہتے ہیں کہ اس کا کھلنا شرم کا باعث ہے **لیریھما سواتھما** یہاں دوسرے کی چھپی ہوئی برائیاں مراد ہیں نہ کہ اپنی برائی جیسا کہ **الا من ظلم** سے معلوم ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مطلق چھپی ہوئی برائیاں مراد ہوں خواہ اپنی ہوں یا کسی اور کی۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کی چھپی برائی کے اعلان کر دینے کو سخت ناپسند فرماتا ہے گویا اس میں ازالہ حیثیت عرفی کا قانون بیان فرمایا گیا ہے۔ یا اللہ تعالیٰ ہر چھپی بات کا اعلان ناپسند کرتا ہے **من القول** میں **من** بیانیہ ہے اور یہ سوء کا بیان ہے۔ قول سے مراد مطلقاً بات ہے خواہ ایک کلمہ ہو یا پورا کلام۔ اس میں غیبت کسی کی خفیہ عیبوں کا ظاہر کرنا۔ بددعا کرنا سب داخل ہے۔ **الا من ظلم** یہ عبارت گزشتہ کلام سے استثناء ہے۔ اگر من سے مراد جہر پوشیدہ ہو تو استثناء متصل ہے ورنہ استثناء منفصل۔ من عام ہے جو ہر مظلوم کو شامل ہے۔ مرد ہو یا عورت عالم ہو یا جاہل۔ **ظلم** بنا ہے ظلمۃ سے جس کے لغوی معنی ہیں اندھیرا۔ اصطلاح میں کسی کے حق مارنے کو یا دوسرے کی ملک میں بغیر اجازت تصرف

www.alahazratnetwork.org

کرنے کو ظلم کہا جاتا ہے۔ کیونکہ یہ آخرت میں اندھیریوں کا باعث ہے۔ حدیث پاک میں ہے **الظلم ظلمات یوم القیمة** ظلم سے مراد مطلقاً ظلم و ستم ہے۔ خواہ جانی ہو یا مالی یا ایمانی یا عزت کا ظلم۔ اس وسعت کو خیال میں رکھا جائے اس سے بہت سے مسائل **مستنبط** ہوں گے۔ خیال رہے کہ ظالم کے عیب کھولنا شرعاً جائز ہے خواہ شخصی ظالم ہو یا قومی ظالم یا وطنی ظالم ہو یا دینی ظالم۔ اللہ تعالیٰ نے ولید ابن مغیرہ کے دس عیب کھولے۔ حتیٰ کہ اسے **زنیم** یعنی ولد الزنا فرمایا کہ وہ حضور پر زیادتیاں کرتا تھا یعنی شخصی ظالم تھا۔ یونہی کفار ابولہب وغیرہ کے عیوب ظاہر کئے۔ کیونکہ وہ ملکی و قومی و دینی ظالم تھے۔ اسی طرح اگر آئندہ ظلم کا اندیشہ ہو تو کسی کو کسی کے عیب پر مطلع کر دینا جائز ہے بد معاملہ آدمی کی بد معاملگی بتا دینا۔ حاکم یا بادشاہ کو خفیہ غداری کی خبر دے دینا وغیرہ سب کچھ جائز ہے **الا من ظلم** میں بہت وسعت ہے۔ **وکان اللہ سمیعا علیما** اس جملہ کی تفسیریں بارہا بیان ہو چکی ہیں کہ کان صفات **الٰہیہ** میں دوام کے لئے ہوتا ہے یعنی تھا اور ہے اور رہے گا **سمیع علیم** دونوں رب تعالیٰ کی صفات ہیں۔ بمقابلہ سمیع کے علیم میں زیادہ وسعت ہے کہ سمع کا تعلق صرف آواز و کلام سے ہے مگر علم کا تعلق تمام معلومات سے ہے۔ جیسے قدرت سے علم وسیع ہے کہ قدرت تو ہر ممکن کے متعلق ہے۔ مگر علم واجب ممکن اور ممتنع سب کے متعلق ہے۔ مقدورات **الٰہیہ** مسموعات **الٰہیہ**۔ معلومات **الٰہیہ** سب غیر متناہی ہیں مگر معلومات ان سب سے زیادہ ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری باتوں وغیرہ کو سننے والا ہے۔ تمہارے دلوں کے ارادوں وغیرہ کو جانتا ہے۔ جب وہ تمہارے عیوب جانتے ہوئے تمہارے عیب چھپاتا ہے تو تم کو بھی بندوں کی عیب پوشی کرنی چاہیے کہ یہ سنت **الٰہیہ** ہے یا اگر تم نے لوگوں کی پردہ دری کی تو رب تعالیٰ تمہاری پردہ دری کرے گا۔ کیونکہ وہ سمیع و علیم ہے۔ تم دوسروں کی پردہ پوشی کرو تاکہ تمہارے عیب چھپے رہیں یا یہ فرمان خوف و امید دونوں کو شامل ہے۔ اے گنہ گارو اللہ سے ڈرو وہ سمیع و علیم ہے اور اے نیک کارو اللہ سے امید رکھو کہ وہ سمیع و علیم ہے۔ **ان تبدوا خیرا او تخفوہ۔ تبدوا** بنا ہے **ابداء** سے۔ بمعنی ظاہر کرنا جس کا مخالف ہے **اخفاء** خیال رہے کہ **بدو** مجرد اور باب افعال میں ظہور کے معنی دیتا ہے مگر باب **افتعال** میں آکر شروع کر دینے یا شروع ہو جانے کے معنی دیتا ہے ابتداء کے معنی ہیں شروع کرنا کیونکہ چیز شروع ہو کر ظاہر ہو جاتی ہے نیکی ظاہر کرنے کی تین صورتیں ہیں علانیہ لوگوں کے سامنے نیکی کرنا۔ خفیہ کی ہوئی نیکی کو زبان یا قلم سے بیان کر دینا۔ علامات سے نیکی ظاہر کر دینا یہ تینوں صورتیں نیکی ظاہر کرنے کی ہیں۔ ان تینوں سے خالی ہونا اخفاء ہے۔ (چھپانا) علماء کے ہاں ہر وہ جائز کام ہے جو رضائے الٰہی کی نیت سے کیا جائے۔ ریا کے لئے نماز پڑھنا خیر یعنی نیکی نہیں۔ اور اوائے سنت کی نیت سے کھانا پینا سونا خیر ہے۔ صوفیاء کے ہاں خیر وہ ہے جس سے اللہ رسول راضی ہو جائیں۔ شرعاً سوء وہ ہے جس سے وہ ناراض ہوں۔ منافقوں کا کلمہ پڑھنا سوء تھا اور حضرت ابو امیہ ضمری کا ایک موقعہ پر کفر کہہ دینا خیر تھا خیر سے ہر چھوٹی بڑی بھلائی مراد ہے۔ یعنی اے صحابیو! یا اے مسلمانوں یا اے انسانو یا اے تمام جن و انس و فرشتو تم جو بھلائی ظاہر و اعلانیہ کرو یا چھپا کر مگر تیسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ ہر خیر و شر کو جانتا ہے

www.alahazratnetwork.org

مگر یہاں صرف خیر کا ذکر فرمایا۔ کیونکہ یہاں امید دلانا مقصود ہے۔ **او تعفوا عن سوء** لفظ **تعفوا** بنا ہے عفو سے بمعنی مٹ جانا۔ معافی کو عفو اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے گناہ یا حق مٹ جاتا ہے۔ عفو کے معنی بڑھنے بڑھانے کے بھی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **حتی عفو و قالو** حضور فرماتے ہیں **قصوا الشوارب واعفوا اللحی** قصور بخش دینے کو معافی اس لئے بھی کہتے ہیں کہ اس سے آپس کی محبت بڑھتی ہے یا معافی دینے والے کے اللہ کے ہاں درجات بڑھتے ہیں یا لوگوں میں عزت بڑھتی ہے۔ سوء سے مراد وہ ظلم یا زیادتی ہے جو دوسرا تمہارے ساتھ کرے سوء کے لفظی معنی ہیں ناگواری اس لئے ستر کو سوءۃ کہتے ہیں کہ اس کا کھل جانا ناگوار ہوتا ہے...... ہر ناگوار چیز سوء ہے خواہ جانی یا بدنی یا مالی یا زبانی کسی کو گالی دینا بہتان لگانا غیبت کرنا کسی کا مال مار لینا قرضہ ادا نہ کرنا یہ سب سوء ہیں ان سے درگزر **تعفوا عن سوء** میں داخل ہیں۔ یہ جملہ صرف معاملات کے لئے ہے۔ پہلا جملہ عبادات و معاملات سب کو شامل تھا۔ ان دو جملوں میں تمام عبادات و معاملات شامل ہیں **فان اللہ کان عفوا قدیرا** یہ جملہ گزشتہ شرط کی جزاء نہیں بلکہ علت جزا ہے اور ف **تعلیلیہ** اس کی جزا پوشیدہ ہے **توجرون اجرا جزیلا**۔ یعنی اے لوگو اگر تم کوئی بھلائی علانیہ یا خفیہ کرو یا ظالم کو معافی دو تو تم کو بہت بڑا ثواب ملے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ معافی دینے والا بھی ہے قدرت والا بھی۔ گویا پچھلی آیت میں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت دی گئی اور اس آیت میں معافی دینے کی رغبت دی گئی کہ معافی دینا صفات **الٰہیہ** سے ہے تم اخلاق خداوندی اختیار کرو۔ دیکھو ہم قادر مطلق ہیں۔ اس کے باوجود معافی دینا ہماری عادت کریمہ ہے۔ یا یوں کہو کہ پہلے عدل کی اجازت دی گئی تھی۔ اب فضل کی رغبت دی جارہی ہے۔ ظالم سے بدلہ لینا عدل ہے۔ معاف کر دینا فضل یا یوں کہوں کہ پچھلی آیات میں برائی کے اعلان پر پابندیاں لگائی گئی تھیں۔ اب نیکی کی کھلی اجازت دی جارہی ہے۔ یہاں بھی کان دوام اور ہمیشگی کے لئے ہے۔ عفو وہ جو معافی دینے کا عادی ہو کہ ہمیشہ معافی دے۔ ہر معافی مانگنے والے کو معافی دے۔ ہر گناہ کی معافی دے ہر طرح کی معافی دے رب تعالیٰ شرک سے لے کر معمولی گناہ تک کو معاف فرماتا ہے۔ اور اس نے معافی کے لئے بہت ذریعے مقرر فرما دیئے ہیں۔ منہ سے معافی مانگو تو معاف مسجد کے راستے میں ہر قدم پر ایک گناہ معاف۔ مسلمان بھائی سے خوش ہو کر ملو تو گناہ معاف۔ مصافحہ میں ہاتھ ملاؤ تو گناہ معاف۔ حج کر لو تو سارے گناہ معاف۔ ماں باپ یا عالم دین کا چہرہ محبت سے دیکھو تو گناہ معاف۔ غرضیکہ ہر طرح معافی ہے۔ یہ ہے عفو کا معنی قدیر اور قادر میں فرق ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں۔ یوں ہی علیم و عالم نصیر و ناصر کے فرق وہاں ہی مطالعہ کرو۔

خلاصہ تفسیر یہ آیتیں عبادات و معاملات اور معاملات میں عدل و رحم کی بہت جامع ہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ یہ سخت ناپسند کرتا ہے کہ کوئی شخص کسی کی نسبت بری یا ہتک آمیز بات کی شہرت دے۔ ہاں جو مالی "جانی" ایمانی مظلوم ہے تو مظلوم کو یہ حق ہے کہ ظالم کو علانیہ بددعا دے یا اس کا ظلم اس کے عیوب ظاہر کر دے یا اس کی حاکم سے شکایت کر دے کہ اب ظالم وہ شخص ہے۔ یہ تو بدلہ لینے والا ہے۔ مگر اس بدلہ میں شرط یہ ہے کہ سچ کہے۔ جھوٹا الزام نہ لگائے اور بدلہ لیتا ہے تو

www.alahazratnetwork.org

برابر لے زیادتی نہ کرے۔ یہ خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ ظالم و مظلوم دونوں کے حال و قال کو سنتا بھی ہے۔ جانتا بھی ہے۔ زیادتی کرنے والے کو سخت سزا دے گا۔ اور اے مسلمانو تم جو قولی عملی فعلی کسی قسم کی کوئی نیکی علانیہ یا خفیہ کرو گے یا تم اپنے ظالم کو معافی دو گے کہ باوجود قدرت کے اس سے بدلہ نہ لو تو تمہارے یہ نیک اعمال ضائع نہیں جائیں گے تم کو ان کی جزا ضرور ملے گی۔ کیونکہ تم اس صورت میں سنت الٰہیہ پر عمل کرو گے تو رب تعالیٰ علیم بھی ہے قدیر بھی۔ سب کے تمام برے بھلے اعمال جانتا ہے۔ سزا دینے پر قادر ہے مگر اس کے باوجود عفو ہے یعنی معاف فرمانا اس کی عادت کریمہ ہے غرضیکہ یہاں مظلوم کو ظالم سے بدلہ لینے کی اجازت ہے مگر معافی دینے درگزر کرنے کی ترغیب ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** گناہ بہر حال برا ہے۔ خواہ خفیہ ہو یا علانیہ۔ مگر علانیہ گناہ کرنا بہت برا کہ اس میں گناہ بھی اور اعلان بھی **دوسرا فائدہ** جو گناہ خفیہ ہو گیا ہو اس کا اعلان کرنا بھی گناہ ہے۔ یہ دونوں فائدے **الجهر بالسوء** کے عموم سے حاصل ہوئے۔ **تیسرا فائدہ** چھپے گناہ کی توبہ اعلانیہ کرنا یہ بھی گناہ ہے کہ اس میں اپنے گناہ کا اعلان ہے۔ چھپے گناہ کی توبہ بھی خفیہ طور پر کرلو۔ یہ فائدہ بھی جہر بالسوء سے حاصل ہوا۔ جب رب تعالیٰ ہمارے عیب چھپائے تو ہم کیوں ظاہر کریں۔ **چوتھا فائدہ** گالیاں بکنا غیبت کرنا چغلی کھانا جھوٹ بولنا تمام حرام ہیں۔ ان سے بچنا لازم ہے۔ کہ یہ بھی سوء بالقول ہیں۔ اچھی باتیں کرو تاکہ لوگ تم سے اچھی عادات حاصل کریں۔ بری باتیں نہ کرو تاکہ تمہارے بچے بیویاں تمہارے ماتحت لوگ تمہاری صحبت میں برے نہ بنیں۔ اس ایک جملہ نے اخلاقیات کا بہترین سبق دیا۔ **پانچواں فائدہ** مظلوم ظالم کی شکایت حاکم سے بھی کر سکتا ہے۔ اور لوگوں سے بھی جیسا کہ **الا من ظلم** سے معلوم ہوا یہ غیبت نہیں بلکہ دفع ظلم ہے **چھٹا فائدہ** چوروں' بدمعاشوں ملک و قوم کے خفیہ غداروں کی شکایت حکومت سے کرنا ان کی مخبری کرنا بالکل جائز ہے یہ بھی الا من ظلم سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ قومی و ملکی ظالم ہیں۔ جب شخصی ظالم کی شکایت درست ہے تو یہ بدترین ظالم ہیں ان کی شکایت بھی درست ہے۔ **ساتواں فائدہ** راویان حدیث کے واقعی عیوب بیان کر دینا جائز ہے نہ یہ غیبت ہے نہ چغلی کہ یہ لوگ مذہبی ظالم ہیں کہ ان کی جھوٹی یا گھڑی ہوئی حدیثیں شائع ہو کر دین میں فساد کا باعث ہوں گی۔ **آٹھواں فائدہ** یونہی بے دینوں بے ایمانوں کی بے دینی لوگوں پر ظاہر کر دینا تاکہ لوگ ان سے بچ کر اپنا ایمان سلامت رکھ سکیں بالکل جائز ہے کہ یہ لوگ بھی دینی ظالم ہیں اور دین و قوم مظلوم ہیں۔ ان کے عیوب بتانا قوم و ملک و دین کو بربادی سے بچانا ہے **نواں فائدہ** اگر کوئی مسلمان کسی ظالم سے رشتہ یا معاملہ کرنا چاہے اور ہو اس سے بے خبر تو اسے خبردار کر دینا جائز ہے کہ یہ غیبت نہیں بلکہ بھائی مسلمان کو ظلم سے بچانا ہے۔ یونہی اگر کوئی شخص یا کوئی جماعت کسی کے خلاف سازشیں کر رہی ہو تو اس شخص کو اس سازش کی خبر کر دینا جائز ہے کہ یہ بھی دفع ظلم ہے اور الا من ظلم میں داخل ہے **دسواں فائدہ** اپنے ذاتی ظالم کو معافی دے دینا بہت ہی اچھی بات ہے جیسا کہ **او تعفو عن سوء** سے معلوم ہوا مگر قومی و دینی ظالم کو ہرگز معافی نہ دی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کفار مکہ کو معافی دے دی جو حضور

www.alahazratnetwork.org

کے جانی دشمن تھے مگر چوروں ڈاکوؤں کو معافی نہ دی۔ اخلاق اور چیز ہے ملکی انتظام کچھ اور گیارہواں فائدہ بعض نیکیاں علانیہ کرنی چاہئیں بعض خفیہ نماز جمعہ و عیدین علانیہ پڑھو نماز تہجد خفیہ۔ زکوۃ و چندہ علانیہ دو نفلی صدقات خفیہ جیسا کہ **ان تبدوا خیرا و تخفوہ** سے معلوم ہوا۔ **بارہواں فائدہ** معمولی نیکی حقیر سمجھ کر چھوڑ نہ دو جو کچھ بن پڑے کرلو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچالیتا ہے۔ یہ فائدہ خیرا کی تنکیر سے حاصل ہوا **تیرہواں فائدہ** جیسے رب تعالیٰ کی ذات واجب ازلی ابدی قدیم ہے ویسے ہی اس کی صفات واجب ازلی قدیم ہیں اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے عفو بھی ہے قدیر بھی یہ فائدہ کان استمرار یہ سے حاصل ہوا۔ اگرچہ اس کا گناہ گاروں کو معافی دینا یہ فعل حادث ہے کہ جب گناہگاروں نے گناہ کئے تب اس نے معافی دی مگر عفو کی شان قدیم ہے۔ جیسے اس کی صفت رزاقیت قدیم اگرچہ بندوں کو رزق دینا یہ فعل جب ظاہر ہوا جب کہ مرزوق پیدا ہوئے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ برائی کے اعلان سے محبت نہیں کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلانیہ برائی جائز ہے مستحب نہیں کیونکہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نہ تو محبت کرے نہ نفرت و ناراضی فرماوے وہ جائز ہوتی ہے اور جس چیز کو پسند کرے وہ بہتر اور قابل ثواب ہے۔ اور جس چیز سے ناراض ہو وہ ممنوع ہوتی ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں **لا یحب اللہ** کے معنی ہیں اللہ ناپسند کرتا ہے ناراض ہے یعنی یہ سبب محض نہیں سبب عدولی ہے اور جو چیز رب تعالیٰ کو ناپسند ہے وہ یقینی بری اور لائق سزا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اعلانیہ برائی کو ناپسند کرتا ہے معلوم ہوا کہ خفیہ برائی کو ناپسند نہیں کرتا حالانکہ یہ ہر حال برائی ہے۔ علانیہ ہو یا خفیہ تو کیا اسلام نے چھپ کر گناہوں کی اجازت دیدی ہے۔ (آریہ) **جواب** اس آیت کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ کسی دوسرے کی برائی ظاہر کرنا رب کو ناپسند ہے کہ یہ غیبت ہے مگر مظلوم ظالم کا ظلم بیان کر سکتا ہے کہ یہ غیبت نہیں بلکہ اپنا بدلہ لینا ہے جس کی صورتیں تفسیر میں عرض کردی گئیں۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ علانیہ برائی کو بہت ہی ناپسند کرتا ہے کہ اس میں گناہ بھی ہے اور اعلان گناہ بھی بخلاف خفیہ گناہ کے کہ اس میں ایک ہی گناہ ہے لہذا اعلانیہ گناہ سے ہلکا ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صفات معافی اور قدرت وغیرہ ہمارے اعمال کرنے پر موقوف ہیں کہ جب ہم کوئی برائی کرلیں تب وہ عفو و قدیر ہو کیونکہ یہاں عفو و قدیر کو جزا کے طور پر ارشاد فرمایا حالانکہ صفات **الٰہیہ** واجب و قدیم ہیں **جواب** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں **فان اللہ کان عفوا قدیرا** جزا نہیں بلکہ علت جزا ہے اس کی ف جزائیہ نہیں **تعلیلیہ** ہے مطلب یہ ہے کہ اے بندو تم جو کچھ بھی بھلائی کرو گے تم کو ثواب و اجر ضرور ملے گا کیونکہ رب تعالیٰ عفو قدیر ہے جو معافی دے وہ سنت **الٰہیہ** پر عامل ہے اسے ثواب کیوں نہ ملے **چوتھا اعتراض** یہاں پہلی آیت سمیع و علیم پر ختم فرمائی گئی۔ اور دوسری آیت کو عفو و قدرت پر اس میں کیا حکمت ہے۔ اس کے برعکس کیوں نہ ہوا۔ **جواب** اس لئے کہ پہلی آیت میں ایک جائز چیز کا ذکر فرمایا جس کا جواز بھی محدود ہے اور چند شرطوں میں مشروط ہے۔ یعنی

www.alahazratnetwork.org

مظلوم کو ظالم کی برائیاں ظاہر کر دینے کی اجازت ہے بشرطیکہ جھوٹ الزام نہ لگائے اور زیادتی نہ کرے وہاں سمیع و علیم فرمانا مناسب تھا۔ کہ اے مظلومو اس اجازت پر عمل کرتے وقت خیال رکھنا کہ ہم تمہاری باتوں کو سنتے تمہاری نیتوں کو جانتے ہیں۔ زیادتی کرو گے پکڑے جاؤ گے۔ مگر دوسری آیت میں بھلائی کا ذکر ہے کھلی چھپی نیکیاں کرنا ظالم کو معافی دینا لہذا یہاں رب تعالیٰ کی معافی و قدرت کا ذکر موزوں تھا۔ جیسا مضمون ویسا ہی رب تعالیٰ کی صفات کا ذکر۔ **پانچواں اعتراض** تم نے عفو کے معنی کئے ہمیشہ معافی دینے والا۔ ہر طرح معافی دینے والا ہر جرم کی معافی دینے والا حالانکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** اللہ تعالیٰ شرک و کفر کو نہ بخشے گا تو وہ ہر جرم کو معافی دینے والا نہ ہوا۔ **جواب** دنیا میں اللہ تعالیٰ توبہ سے شرک و کفر بھی بخش دیتا ہے۔ عموماً اہل عرب مشرک و کافر ہی تھے۔ مسلمان ہو کر توبہ کر کے مومن متقی صحابی بنے۔ ہاں جو کفر و شرک پر مر جاوے اسے نہ بخشے گا اور اس نہ بخشنے میں بندے کا اپنا قصور ہے کہ اس نے توبہ کا وقت نکال دیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ رازق ہے۔ مگر جو گندم بے وقت بوئے اسے دانہ نہیں ملتا کیونکہ اس نے وقت نکال دیا۔ اس میں قصور بندے کا ہے نہ کہ حق تعالیٰ کی رزاقیت ناقص۔

تفسیر صوفیانہ انسانی اعضا میں زبان بہت ہی اہم عضو ہے کہ اس کا ایک ہی لفظ مقبول بنا دیتا ہے۔ اور ایک لفظ مردود بھی کر دیتا ہے۔ جان کو خطرہ میں ڈال دیتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **یصاب الفتی من عثرۃ بلسانہ** ☆ **ولیس یصاب المرء من عثرۃ الرجل** ☆
☆ **معثرتہ فی القول یذھب راسہ** ☆ **وعثرۃ بالرجل تبرا علی مھل** ☆

یعنی انسان پاؤں کی لغزش سے نہیں مرتا زبان کی لغزش سے برباد ہو جاتا ہے کیونکہ پاؤں کی لغزش بیمار کر دیتی ہے جس کے بعد صحت کی امید ہے۔ مگر زبان کی لغزش سر اڑا دیتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

☆ این زبان چوں سنگ وہم آہن وست ☆ آنچہ **بجہد** از زباں چوں آتش است ☆
☆ سنگ و آہن را مزن برہم گزاف ☆ گہ زروئے نقل و گہ از روئے لاف ☆
☆ زانکہ تاریک است و ہر سوپنبہ زار ☆ درمیان پنبہ چوں باشد شرار ☆
☆ عالمی را یک سخن و یراں کند ☆ روبہائے مردہ راشیران کند ☆

یعنی تیری زبان پتھر و لوہا ہے۔ جس سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں اور تیری عزت و آبرو دین و ایمان و جان و مال روئی کے کھیت میں روئی کے ڈھیروں کے نیچے آگ کا ہونا سخت خطرناک ہے اس لئے تو زبان سنبھال کر رکھ زبان کی ایک بات دنیا کو تباہ کر سکتی ہے۔ اور مری لومڑی کو شیر بنا سکتی ہے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ بری بات کا اعلان ناپسند کرتا ہے کہ اس سے دین و ایمان کی کھیتی میں آگ لگ سکتی ہے۔ اسرار **الٰہیہ** عوام پر ظاہر کر دینا سخت خطرناک ہے۔ ہاں جو مغلوب الحال ہو کر بے اختیاری طور پر انا الحق یا سبحانی ما اعظم شانی کہہ بیٹھے تو معذور ہے۔ بشرطیکہ یہ زبان فانی سے نہ کہے زبان باقی

www.alahazratnetwork.org

ہے کیے۔ اے میرے مقرب بندو تم جو کھلی چھپی نیکی کرو گے اور جو اپنے مریدین اور معتقدین کو معافیاں دو گے وہ قابل اجر ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب رب تعالیٰ بندوں کو کسی کی پردہ دری کی اجازت نہیں دیتا تو ہم گنہگاروں کی پردہ دری خود کیوں فرمائے گا۔ وہ غیور ہے اس کی غیرت کا تقاضا ہے کہ بندہ اپنی یا کسی اور کی پردہ دری نہ کرے۔ رب تعالیٰ ستار ہے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوش۔ امید ہے کہ انشاء اللہ ہمارے عیبوں کے عیب چھپے رہیں گے۔ شعر:۔

☆ جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے ☆

☆ کب وہ چاہیں گے مری حشر میں رسوائی ہو۔ ☆

خیال رہے کہ ہمارے تمام اعضاء سے گناہ بھی ہوتے ہیں نیکیاں بھی۔ مگر زبان کے گناہ زیادہ خطرناک ہیں۔ اور زبان کی نیکیاں بہت فائدہ مند کہ ایک لفظ سے مقبول مردود بن جاتے ہیں اور مردود مقبول۔ ایک بات سے ابلیس مردود ہو گیا اور ایک ہی بات سے فرعونی جادوگر مقبول انسان۔ زبان مظہر کمال پروردگار ہے۔ اس کے بولے ہوئے لفظوں میں عجیب تاثیریں ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ
بے شک وہ لوگ جو انکار کرتے ہیں اللہ کا اور اس کے رسول کا اور ارادہ کرتے ہیں یہ کہ فرق کریں درمیان
وہ جو اللہ اور اس کے رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور
اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّ
اللہ اور رسولوں اس کے اور کہتے ہیں کہ ایمان لاتے ہیں ہم بعض پر اور کفر کرتے ہیں ہم بعض کا اور ارادہ کرتے
کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے
یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ
ہیں یہ کہ بنائیں درمیان اس کے راستہ یہ لوگ وہ
ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ کوئی راہ نکال لیں یہی ٹھیک ٹھیک
الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّهِیْنًا ﴿۱۵۱﴾
کافر ہیں پکے اور تیار کیا ہے ہم نے واسطے کافروں کے عذاب اہانت والا
کافر اور ہم نے کافروں کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں چھپے کافروں یعنی منافقین کی تردید تھی۔ اب ان آیات میں کھلے کافروں یعنی یہود و نصاریٰ کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ تاکہ مسلمان منافقوں کے عیوب سے بھی بچے رہیں اور یہود و نصاریٰ کے عیوب سے بھی پرہیز کریں۔ **دوسرا تعلق** گزشتہ آیت میں بری باتوں کے اعلان کی ممانعت فرمائی گئی اب یہاں ان بری باتوں کے اعلان کی برائی بیان ہو رہی ہے جو کفر کی حد تک پہنچ جاتی ہیں۔ گویا پہلے بری باتوں کا اجمالی ذکر تھا۔ اب ان کی کچھ تفصیل ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم تمہاری ہر چھوٹی بڑی نیکی سے خبردار ہیں۔ جزاء خیر دیں گے۔ اب جزائے خیر ملنے کی شرط بیان ہو رہی ہے یعنی ایمان کامل ہونا اور ہر کفر سے بچنا کیونکہ کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی قبول نہیں۔ **چوتھا تعلق** گزشتہ آیات میں ان منافقین کا ذکر تھا جو ایک اعتبار سے کافر تھے۔ ایک اعتبار سے مومن یعنی زبان سے مومن دل سے کافر۔ اب ان اہل کتاب کفار کا ذکر ہے جو بعض نبیوں کے مومن تھے بعض نبیوں کے کافر۔

شان نزول یہ آیت کریمہ یہود یا عیسائیوں یا دونوں کے متعلق نازل ہوئی کہ یہود نے موسیٰ علیہ السلام اور توریت کو مانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انکار کی اور انجیل شریف و قرآن مجید کا بھی انکار کیا۔ اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام و انجیل شریف کو مانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا انکار کیا۔ ان دونوں جماعتوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و خزائن)

تفسیر ان الذین یکفرون باللہ ورسلہ کسی مضمون کی اہمیت دکھانے یا اس کے منکرین کا شک دور کرنے کے لئے ان یا قد سے مضمون کی تاکید کی جاتی ہے۔ یہاں نہایت اہم مضمون بیان ہو رہا ہے کہ ایک نبی کا انکار سارے رسولوں کا انکار ہے بلکہ رب تعالیٰ کا بھی انکار ہے نیز اس مضمون کے انکاری بہت لوگ تھے کہ عیسائی یہودی حضرات انبیاء کا انکار کرتے تھے پھر اپنے کو ایماندار کہتے تھے۔ ان دو وجوں سے یہاں ان ارشاد ہوا **الذین** سے کبھی صحابہ کرام مراد ہوتے ہیں جیسے **ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ** کہیں سارے متقی مسلمان جیسے **ان الذین سبقت لھم منا الحسنیٰ** کبھی سارے انسان کبھی سارے جن و انس کبھی سارے جن و انس و فرشتے ظاہر یہ ہے کہ یہاں سارے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ **یکفرون** کفر سے بنا ہے جس کے معنی ہیں چھپانا یا انکار کرنا۔ اگر اس کا مقابلہ شکر سے ہو تو چھپانے کے معنی میں ہوتا ہے جیسے **واشکروا لی ولا تکفرون۔** اور اگر اس کا مقابلہ ایمان سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں انکار کرنا۔ یہاں اس معنی میں ہے کیونکہ آگے اس کے مقابل ایمان آ رہا ہے اگرچہ یہود و نصاریٰ نہ اللہ کے انکاری تھے نہ سارے رسولوں کے بلکہ چند رسولوں کو نہ مانتے تھے۔ مگر چونکہ ایک نبی کا انکار سے سارے رسولوں بلکہ رب تعالیٰ کا انکار ہے اس لئے باللہ و رسلہ فرمایا لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ** یہ جملہ مذکورہ کفر کی

www.alahazratnetwork.org

وجہ بیان فرمارہا ہے۔ کسی چیز کو پسند کرنا۔ کسی چیز کی تمنا کرنا۔ کسی چیز کے حاصل کرنے کا ارادہ کرنا۔ ان تینوں میں بہت فرق ہے۔ ارادہ کی بھی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو محض ارادہ کرنا۔ دوسرے ارادہ کے ساتھ حاصل کرنے کی کوشش کرنا۔ یہاں یہی صورت مراد ہے۔ **یریدون** حال استمراری ہے۔ یعنی وہ لوگ یہود و نصاریٰ چاہتے اور کوشش کرتے ہیں اور چاہتے و کوشش کرتے رہیں گے۔ قیامت تک ان کی جانی مالی بدنی کوشش رہے گی۔ آج بھی عیسائیوں کے ہسپتال کالج وغیرہ اسی طرح مسلمانوں کو مالی مدد دینا صرف اسی لئے ہے۔ یریدون فرماکر اشارۃً یہ بھی فرمایا کہ وہ یہود و نصاریٰ یہ ارادے و کوشش کرتے ہی رہیں گے۔ مگر ایسا نہ کرسکیں گے۔ تمہارا چاند ہمیشہ ترقی میں ہی رہے گا۔ رب فرماتا ہے۔ **یریدون لیطفوا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**۔ خیال رہے کہ یہاں ارادہ سے وہ ارادہ مراد ہے جو کام کے ساتھ ہوتا ہے۔ کام سے پہلے والا ارادہ مراد نہیں۔ **یفرقوا** بنا ہے تفریق سے۔ جس کے معنی ہیں جدا کرنا یا جدا یا جدا سمجھنا۔ جدائی و علیحدگی بہت قسم کی ہے۔ جسمانی جدائی' مکانی' زمانی' جناتی' رتبہ کی جدائی اور ایمانی جدائی۔ عداوت کی جدائی۔ یہاں ماننے اطاعت کرنے ادب و احترام محبت کرنے ذکر کرنے میں جدائی مراد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو ماننے اس کی اطاعت کرنے اس کا ادب و تعظیم کرنے اس کی محبت کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانتے ہیں اور نہ اطاعت کرتے ہیں۔ نہ ان کا ادب و احترام کرتے ہیں نہ ان سے محبت کرتے ہیں یا عداوت و نفرت والی جدائی مراد ہے یعنی محبت میں اللہ رسول میں جدائی کرتے ہیں کہ رب سے محبت کرتے ہیں رسول سے عداوت' رتبہ کی جدائی مراد نہیں۔ اس فرق کا مقابل ہے جمع یا وصل یعنی کفار اللہ تعالیٰ اس کے سچے رسولوں میں ایمانی جدائی کرنے کو پسند کرتے ہیں یا جدائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور بعض رسولوں پر ایمان لاتے ہیں۔ بعض رسولوں کا انکار کرتے ہیں یا اللہ و رسولوں میں فصل کرتے ہیں۔ چنانچہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے حضورؐ کا انکار کیا۔ بلکہ ان میں سے قوم سامرہ نے یوشع علیہ السلام کے بعد سارے نبیوں کا انکار کیا عیسائیوں نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کیا۔ تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ مجوسی بھی ایک نبی پر ایمان لائے جس کا نام زرادشت ہے۔ باقی انبیاء کرام کا انکار کر گئے۔ یہ سارے بے دین ہیں۔ رسل جمع ہے رسول کی' بمعنی فرماں رساں اور فیضان رساں۔ کبھی نبی کے ہم معنی ہوتا ہے کبھی نبی سے خاص۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول صرف تین سو تیرہ اور مرسل صرف چار یہاں نبی کے ہم معنی ہیں۔ **ویقولون نومن ببعض ونکفر ببعض** یہ جملہ مذکورہ تفریق کا بیان ہے اور قول سے مراد دلی قول یعنی عقیدہ ہے۔ بعض سے مراد مطلقاً بعض ہے۔ جو ایک کو بھی شامل ہے اور ایک کم کل کو بھی۔ کیونکہ عیسائی صرف ہمارے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے انکاری تھے۔ یہودی حضرت سلیمان۔ ہمارے حضور اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے انکاری مجوسی سوا ایک نبی کے سارے پیغمبروں کے انکاری۔ یہ کلمہ ان سب کو شامل ہے۔ **ویریدون ان یتخذوا بین ذلک سبیلا**۔ ارادہ کے وہی دو معنی ہیں جو ابھی بیان ہوئے۔ اتخاذ سے مراد ہے اپنی طرف سے بنانا۔ ذالک سے اشارہ کفر و اسلام کی طرف

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ سبیل سے مراد ہے راہ خدا یا راہ ہدایت یعنی مشرکین تو سارے نبیوں کے انکاری۔ مومنین سارے نبیوں کے اقراری۔ یہ لوگ ان دونوں جماعتوں کے درمیان کہ بعض کے انکاری بعض کے اقراری۔ یہ ہے ان کا نہ ادھر ہونا نہ ادھر ہونا۔ بلکہ بیچ میں لٹکا ہوا ہونا۔ ادھر ہونا چاہتے ہیں کہ اس کفر و ایمان کے بیچ ایک راہ نکالیں۔ جو ان دونوں سے الگ ہو۔ **اولئک هم الکافرون حقا۔ اولئک** سے انہی بے دینوں کی طرف اشارہ ہے۔ چونکہ یہ لوگ رحمت سے بہت دور تھے۔ اس لئے اشارہ **اولئک** اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ "**هم**" حصر کے لئے ہے۔ یہ حصر اضافی مومنوں کے لحاظ سے ہے یا ان مردودوں کے ایمان کی نفی کے لئے کافروں سے مراد ہے۔ پورے کافر جن میں ایمان کا شائبہ بھی نہ ہو۔ کیونکہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی دین نہیں۔ حق مقابل باطل کا نہیں بلکہ مقابل نقصان یا کمی کا ہے۔ یا مقابل شک و تردد کا۔ یعنی یہ یہود و نصاریٰ پورے نرے کافر ہیں بعض نبیوں کو مان لینے سے ان کے کفر میں کمی نہیں آگئی۔ جیسے تمام نبیوں کا اللہ تعالیٰ کا منکر خالص اور نرا کافر ہے۔ ایسے ہی یہ بھی یا یہ لوگ یقیناً کافر ہیں۔ مسلمانو! تم ان کے کفر میں تردد و شک نہ کرنا۔ **واعتدنا للکفرین عذابا مھینا۔** یہ ان کے کفر کا انجام ہے۔ اعتدنا بنا ہے اعداد سے جس کا مادہ ہے عدو۔ بمعنی تیار و مہیا کر رکھنا۔ کافرین سے مراد یا سارے کافر ہیں یا خاص یہ یہود و نصاریٰ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ کیونکہ بعض کفار کو دوزخ میں ذلیل نہ کیا جائے گا۔ مھین بنا ہے اہانت سے۔ جس کا مادہ ہے ہون۔ بمعنی ذلت و خواری۔ یعنی ہم نے ان بدنصیب کفار کے لئے دوزخ کا وہ عذاب تیار کر رکھا ہے جو سخت تکلیف دہ ہونے کے ساتھ انہیں ذلیل و خوار و رسوا کرنے والا بھی ہے۔ یہاں عذاب سے آخرت کا عذاب مراد ہے جو بعد قیامت شروع ہوگا۔ دنیاوی اور برزخی تکلیف تو اس کا پیش خیمہ ہیں۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہماری تعلیم کے لئے بھیجا مگر تعلیم کے لئے دو چار طریقے اختیار فرمائے صراحۃً حکم یا ممانعت۔ جیسے نماز پڑھو زکوۃ دو یا زنا کے قریب نہ جاؤ نیکیوں کی جزا گناہوں کی سزا کا ذکر جیسے **ولمن خاف مقام ربه جنتن۔** نیک لوگوں کے اعمال اقوال کا تذکرہ تاکہ ہم بھی ان کی تقلید کریں۔ بروں کے حالات اعمال و اقوال کا ذکر تاکہ ہم ان سے بچیں۔ یہاں اس آیت میں چوتھی قسم کی تعلیم ہے۔ یعنی یہود و نصاریٰ کے قول و فعل کا ذکر تاکہ ہم ان سے الگ رہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا اے مسلمانو یقین کر لو کہ یہ یہود و نصاریٰ وغیرہ جو درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے بھی انکاری ہیں۔ اور سارے نبیوں کے بھی انکاری۔

کیونکہ وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے نبیوں کا انکار کرتے ہیں وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی کر دیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو مانتے جانتے اطاعت کرنے کا مستحق سمجھیں مگر اس کے رسولوں کو مستحق نہ جانیں۔ وہ اس کے مدعی ہیں کہ ہم بعض رسولوں پر تو ایمان اختیار کرتے ہیں اور بعض کے مراتب و درجات و نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ نہ تو مومنوں کی طرح اللہ تعالیٰ اور سب رسولوں پر ایمان

www.alahazratnetwork.org

ہی لاویں اور نہ مشرکین و دہریوں وغیرہم کفار کی طرح سب کا انکار ہی کریں۔ وہ ایمان کفر کے درمیان ایک اور راہ نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ایمان و کفر کے درمیان کوئی اور راہ نہیں ہے۔ دو ہی راستے ہیں۔ ایمان یا کفر، جان رکھو کہ ایسے لوگ پکے کافر ہیں۔ جن میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں۔ ہم نے ایسے تمام کافروں کے لئے آخرت میں وہ عذاب تیار کر رکھا ہے جو دائمی بھی ہو گا اور سخت تکلیف دہ بھی اور ساتھ ہی ان کے لئے بہت رسوائی خواری ذلت کا باعث بھی تم ان چیزوں میں کچھ بھی تردد نہ کرو خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں میں فرق مراتب کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ رب ہے باقی سب اس کے بندے۔ یونہی حضرات بعض انبیاء کرام کے درجے یکساں نہیں۔ بعض بعض سے افضل ہیں۔ مگر ایمان ادب و احترام و اطاعت میں بالکل فرق نہیں کر سکتے۔ ان چیزوں میں فرق کرنا کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ حق ہے اس کے سارے رسول حق ہیں۔ سب کا ادب و احترام ضروری ہے۔ رب تعالیٰ کی بے ادبی اور کسی نبی کی بے ادبی کفر ہے۔ فرماتا ہے۔ **لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم** اور فرماتا ہے۔ **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** یونہی تمام نبیوں کو اپنے اپنے وقت میں سچا و مطاع ماننا لازم ہے۔ اگرچہ اب منسوخ احکام پر عمل نہ ہو گا۔ ان تینوں چیزوں میں اللہ و رسول میں اور تمام رسولوں میں فرق نہ کرنا ضروری ہے۔ نبی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح داخل فی الدین ہے۔ رب کے حکم کو غلط کہا تو کافر ہوا۔ حضور کے حکم کو غلط کہا تو بھی کافر ہوا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ایک نبی کا انکار تمام نبیوں بلکہ خود رب تعالیٰ کا انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ماننے اس پر ایمان لانے کا صرف یہ ہی ذریعہ ہے کہ اس کے سب رسولوں پر ایمان لایا جاوے جیسا کہ **یکفرون باللہ ورسلہ** سے معلوم ہوا۔ کیونکہ یہود و نصاریٰ نہ تو سب رسولوں کے منکر تھے۔ نہ اللہ تعالیٰ کے انکاری بلکہ بعض رسولوں خصوصاً ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے تو ان کے لئے فرمایا گیا **یکفرون باللہ ورسلہ** **دوسرا فائدہ** ایمان کی جان ہے اللہ رسول کو ملانا۔ اور کفر کی حقیقت ہے اللہ رسول میں فرق کر دینا جیسا کہ **ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ** سے معلوم ہوا بعض لوگ ہم اہلسنت سے کہتے ہیں کہ تم اللہ رسول کو ملا دیتے ہو۔ بیشک ہم اللہ رسول کو ملاتے ہیں اور ملانے ہی کا نام ایمان ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کیا جاوے گا۔ **تیسرا فائدہ** جیسے کہ کسی معین خاص نبی کا انکار کفر ہے۔ ایسے ہی ابہاماً بعض نبیوں کا انکار بھی کفر ہے۔ تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری جیسا کہ نکفر ببعض سے معلوم ہوا **چوتھا فائدہ** کفر و اسلام کے درمیان کوئی واسطہ نہیں یعنی ایسا کوئی مذہب نہیں جو نہ کفر ہو نہ اسلام بلکہ یا کفر ہو گا یا ایمان یہ ہی اہلسنت کا مذہب ہے یہ فائدہ **یریدون ان یتخذوا** سے حاصل ہوا۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ فسق وہ درجہ جو کفر و اسلام کے درمیان ہے فاسق نہ مومن ہے نہ کافر یہ آیت ان کی تردید کر رہی ہے۔ **پانچواں فائدہ** اسلام، ایمان یونہی کفر میں کمی بیشی مقداری نہیں ہو سکتی جو مومن ہے وہ پورا مومن ہے جو کافر ہے وہ پورا کافر، آدھا، تہائی اور چوتھائی مومن کوئی نہیں جیسا کہ **الکفرون حقا** سے معلوم ہوا۔ ہاں کیفیت ایمان یونہی کیفیت کفر

میں کمی بیشی ہو سکتی ہے کہ بعض لوگ کامل مومن ہوں بعض کامل کافر۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔ **شعر:۔**

☆ ہوں مسلماں گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو ☆ ماہیت پانی کی یم سے نم میں ہرگز کم نہیں ☆

قطرہ اور دریا دونوں پورا پانی ہیں آدھا پانی کوئی نہیں۔ ماہیت کلی متواطی ہے مشکک نہیں **چھٹا فائدہ** قرآن مجید کی ایک آیت کے منکر اور سارے قرآن کے منکر پورے کافر ہیں۔ یوں ہی ایک نبی کا انکاری اور سارے نبیوں کا انکاری یکساں کافر ہے۔ یہ فائدہ بھی "کافرون حقا" سے معلوم ہوا۔ نماز میں اگر ایک رکن رہ جائے یا سارے رکن رہ جائیں نماز بیکار ہے **ساتواں فائدہ** اگرچہ ایمان کے ارکان بہت ہیں توحید' رسالت' جنت' دوزخ' فرشتوں وغیرہ کا ماننا۔ مگر جس پر مدار ایمان ہے۔ وہ صرف نبوت ہے۔ اس لئے نبوت بدلنے سے دین بدل جاتا ہے۔ دیکھو عیسائیت' یہودیت اسلام الگ الگ دین ہیں مگران سب میں توحید' ملائکہ' دوزخ جنت وغیرہ تمام عقائد میں اتفاق ہے۔ صرف نبوت میں فرق ہے کہ ان لوگوں کے نبی اور ہیں۔ ہمارے نبی اور توحید وغیرہ گویا جنس ہے۔ نبوت فصل تو عین جنس میں متفق ہوتی ہے۔ فصلوں کے اختلاف کی وجہ سے بدل جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی "کافرون حقا" سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** گنہگار مسلمانوں کو اگرچہ آخرت میں عذاب ہو جاوے گا مگر انہیں اللہ تعالیٰ رسوا و ذلیل نہ کرے گا۔ خواری و رسوائی صرف کفار کی ہوگی جیسا کہ عذابا مہینا سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** سارے کافروں کو خواری کا عذاب ہوگا۔ اگرچہ بعض کا عذاب زیادہ تکلیف دہ ہو بعض کا ہلکا یہ فائدہ للکافرین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** دوزخ اور وہاں کے تمام عذاب پیدا ہو چکے ہیں۔ اگرچہ میں داخلہ بعد قیامت ہوگا یہ فائدہ **اعتدنا** ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** دوزخ کے عذاب ان کے مستحقین کے نامزد ہو چکے ہیں۔ جن کا ظہور بعد قیامت ہوگا یہ بھی اعتدنا سے معلوم ہوا۔ **بارہواں فائدہ** جیسے ایمان کے لئے ساری کتابوں اور قرآن کی ساری آیتوں اللہ کے سارے نبیوں کو ماننا ضروری ہے کہ ان میں سے ایک کا انکار کفر ہے۔ یوں ہی ایمان کے لئے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے صحابہ سارے اہل بیت کو ماننا ضروری ہے کہ ان میں سے ایک کا انکار کفر ہے۔ حضرت علی کو نبی سے بڑھا دینا باقی صحابہ کو گالیاں دینا وہی یہودیانہ طریقہ ہے کہ بعض نبیوں کو وہ خدا کا بیٹا کہتے تھے اور بعض کے دشمن تھے الحمد للہ اہلسنت کا بیڑا پار ہے کہ وہ تمام صحابہ و اہلبیت کے دل و جان سے غلام ہیں۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق کرنا کفر ہے تو کیا ہم رسولوں کو خدا مان لیں۔ خدا کو رب اور خالق مانا جاتا ہے۔ رسولوں کو بندہ اور مخلوق یہ بھی تو فرق ہو گیا۔ تو چاہیے کہ یہ بھی کفر ہو۔ **جواب** اس کا جواب انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں آتا ہے۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ **دوسرا اعتراض** **هم الكفرون حقا** نحوی ترکیب سے حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔ یعنی صرف یہود و نصاریٰ ہی پکے کافر ہیں۔ تو کیا ان دونوں فرقوں کے سوا باقی تمام کفار و مشرکین کچے کافر ہیں یا مومن ہیں۔ حصر کے کیا معنی۔ **جواب** آپ نے یہاں حصر کے معنی الٹے کر دیئے ہیں اس کے معنی ہیں یہ لوگ پکے کافر ہی ہیں۔ یہ مومن ہرگز نہیں وہ کفر میں منحصر ہیں کفران میں منحصر نہیں جیسے **انما انا بشر مثلكم**

www.alahazratnetwork.org

کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف میں ہی بشر ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں صرف بشر ہی ہوں۔ نہ خدا ہوں نہ خدا کا شریک۔ **تیسرا اعتراض** یہاں **الکفرون حقا** کیوں فرمایا۔ کافر جھوٹے اور کفر نرا جھوٹ اور باطل ہے۔ وہ حق بالکل نہیں۔ **جواب** یہاں حق باطل کے مقابلہ میں نہیں بلکہ حق بمعنی یقیناً ہے یا بمعنی کامل مشکوک اور ناقص کا مقابل یعنی یہ لوگ یقیناً کافر ہیں یا پورے کافر ہیں لہذا آیت واضح ہے (تفسیر کبیر) **چوتھا اعتراض** جب عیسائی یہودی پکے کافر ہیں تو ان کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح کیوں جائز ہے اور ان کا ذبیحہ کیوں حلال ہے؟ دوسرے کفار کی طرح یہ دونوں حرام ہونے چاہیے تھے۔ **جواب** ان احکام میں حضرات انبیاء کرام کی عظمت محبوبیت کا اظہار ہے کہ جو اپنے کو ان کا امتی کہے اور اپنے کو ان سے نسبت دے اگرچہ یہ نسبت جھوٹی سی ہو۔ تب بھی اس نسبت کا فائدہ اسے پہنچے گا کہ اس کے احکام دوسرے کفار سے ہلکے ہوں گے۔ جب ان نبیوں سے جھوٹی سی نسبت نے اتنا فائدہ دیدیا تو جس کو حضور سے سچی نسبت ہو جائے۔ سوچ لو کہ اسے کیسے فائدے ہوں گے۔ خیال رہے کہ عیسائی یہودی عورتوں سے نکاح جائز ہے سنت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین نے کبھی کسی اہل کتاب عورت سے نکاح نہ کیا اور اس جواز کی بھی دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ مذہبی عیسائی ہوں صرف قومی عیسائی نہ رہ گئے ہوں جیسے آج کل کے عام انگریز جو مذہباً دہریے ہیں آسمان کے منکر ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے انکاری ہیں۔ لہذا موجودہ میموں سے مسلمان کا نکاح حرام ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمان میں کھینچ لینے کی قوت ہو۔ خود یا اپنے بچوں کے ادھر کھچ جانے کا اندیشہ نہ ہو یعنی خود یا اس عورت سے پیدا شدہ بچے عیسائی نہ بن جاویں بلکہ ہو سکے تو وہ عیسائی مسلمان کی صحبت سے مسلمان ہو جاوے۔ مسلمان موجودہ جو ویسے عیسائیت کی طرف مائل ہیں انہیں اہل کتاب عورتوں سے نکاح حرام ہے کہ یا تو وہ خود عیسائی ہو جائیں گے یا ان کی اولاد اس کافرہ کی صحبت سے عیسائی ہو گی۔ **پانچواں اعتراض** یہود و عیسائی نہ تو سارے نبیوں کا انکار کرتے تھے نہ خدا تعالیٰ کا لہذا ان کے متعلق یہ کہنا کہ وہ رب تعالیٰ اور تمام رسولوں کا انکار کرتے ہیں۔ خلاف واقعہ ہے یوں فرمانا چاہیے تھا کہ ان پر تمام نبیوں اور حق تعالیٰ کا انکار لازم آتا ہے۔ لزوم کفر اور چیز ہے التزام کفر کچھ اور غرضیکہ انکار کو ان کی طرف منسوب کرنا جھوٹ ہے اور قرآن مجید جھوٹ سے پاک ہے۔ **جواب** لزوم کفر اور التزام کفر میں فرق وہاں ہوتا ہے جب التزام کفر پوشیدہ چیز ہو جس کے ثابت کرنے کے لئے مقدمات و دلائل کی ضرورت پڑے لیکن اگر التزام کفر بالکل ظاہر ظہور سمجھ میں آتا ہو دلیل کی ضرورت نہ پڑے تو لزوم و التزام ایک ہی ہو جاتا ہے۔ یہاں دوسری قسم کا لزوم ہے۔ جس سے التزام ظاہر ظہور معلوم ہو رہا ہے۔ (تفسیر کبیر) یہ قاعدہ بہت ضروری بھی ہے۔ باریک بھی۔ بہت خیال میں رہنا چاہیے۔ واقعی یہود و نصاریٰ سارے نبیوں کا اپنی زبان سے انکار نہیں کرتے مگر بعض نبیوں کے انکار سارے نبیوں کا انکار بالکل ظاہر ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام فرمادیں محمد رسول برحق ہیں۔ عیسائی کہیں غلط ہے۔ محمد مصطفیٰ حق نہیں یہ ظاہر ظہور جناب عیسیٰؑ کا انکار ہے۔ **چھٹا اعتراض** آپ کے بیان سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر میں زیادتی کمی نہیں ہر مومن پورا مومن ہے۔ تو کیا یہ کہا جا سکتا ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ ہمارا ایمان نبی کے ایمان کے برابر ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی گزر گیا ہے کہ ایمان کے درجات مختلف ہیں مگر یہ درجے مقدار کے لحاظ سے نہیں کیفیت کے لحاظ سے ہیں معمولی مسلمان بھی آدھا یا پاؤ مومن نہیں پورا ہی مومن ہے اگرچہ کیفیت یقین میں فرق ہے۔ نبی کا ایمان بہت اعلیٰ ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے مردہ زندہ ہوتے دیکھنے کی خواہش کی تو رب نے فرمایا کیا تم اس پر ایمان نہیں لائے عرض کیا **بلی ولکن لیطمئن قلبی** ہاں ایمان تو لا چکا ہوں مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں کیا مطلب ہے یہ ہی کہ علم الیقین کا اطمینان تو مجھے حاصل ہے۔ حق الیقین کا اطمینان چاہتا ہوں اس علم الیقین اور حق الیقین میں مقداری زیادتی کی نہیں کیفیت میں زیادتی کی ہے۔ **ساتواں اعتراض للکفرین عذابا مھینا** میں **الکافرین** کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا تو کیا سوا ان یہود و نصاریٰ کے کسی اور کافر کو ذلت کا عذاب نہ ہو گا۔ ذلت کا عذاب تو ہر کافر کو ہو گا۔ پھر یہ حصر کیونکر درست ہوا۔ **جواب** اس کے دو جواب تفسیر میں عرض کر دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ الکافرین میں الف لام استغراقی ہو تو معنی یہ ہوئے کہ سارے کافروں کو ذلت کا عذاب ہو گا۔ دوسرے یہ کہ الف لام عہدی ہو یعنی ان کافروں یہود و نصاریٰ کو ہی ان دونوں قوموں کو بہت ذلت کا عذاب ہو گا۔ تب عذابا" اور مھینا" کی تنوین **تعظیمی** ہو گی۔ یعنی ان دونوں قوموں کو بہت بڑا ذلت کا عذاب ہو گا۔ کیونکہ یہ جانتے پہچانتے ہوئے کافر ہوئے۔ جاہل کے گناہ سے عالم کا گناہ سخت تر ہے۔ ان پوپ پادریوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت توریت و انجیل سے معلوم ہو چکی تھی۔ پھر محض عناد سے انکاری تھے۔ جہلا مشرکین بے خبری سے منکر تھے تو یقیناً ان کا عذاب سخت تر ہونا چاہیے **آٹھواں اعتراض** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ماننے ادب و احترام کرنے اور اطاعت کرنے میں اللہ رسول میں فرق کرنا کفر ہے۔ للہ رسول دونوں کی اطاعت یکساں چاہیے۔ حالانکہ اللہ کے احکام فرض ہیں اور حضور کے احکام سنت فرق تو موجود ہے۔ **جواب** نہ تو اللہ تعالیٰ کے تمام احکام فرض ہیں نہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سارے احکام سنت۔ جن کا قطعی حکم ہے وہ فرض ہے خواہ اللہ نے دیا ہو یا حضور نے۔ دیکھو نماز فرض ہے حکم الٰہی ہے مگر پانچ نمازیں فرض ہیں۔ ہر نماز میں اتنی رکعتیں فرض ہیں۔ یہ حکم رسول ہے۔ زکوۃ بحکم الٰہی فرض ہے اور زکوۃ کی مقدار بحکم رسول کریم فرض ہے۔ سور بحکم الٰہی حرام ہے۔ کتا گدھا بلا بحکم رسول حرام ہیں۔ ہاں غیر قطعی احکام جائز یا مستحب ہیں خواہ رب تعالیٰ کے ہوں یا حضور کے دیکھو قرض کا لکھ لینا حکم قرآنی ہے مگر صرف مستحب ہے کیونکہ وہ حکم قطعی نہیں۔ یونہی احرام سے کھل کر شکار کرنا حکم قرآنی ہے مگر صرف جائز ہے۔ یونہی غلام کو مکاتب کر دینا صرف مستحب ہے۔ کیونکہ یہ احکام قطعی نہیں اگرچہ حکم قرآنی ہے۔ بہر حال اللہ رسول کی اطاعت یکساں ہے۔ **اطیعو اللہ واطیعو الرسول** بلکہ اگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف قرآن حکم دیں تو اس کے لئے وہ ہی لازم ہے۔ دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ۔

تفسیر صوفیانہ از آدم علیہ السلام تا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی پیغمبر نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت نہیں دی۔ سب نے ایمان کی دعوت دی۔ چنانچہ حضور انور نے فارس و روم کے بادشاہوں کو جو تبلیغی دعوت نامے لکھے۔ ان میں یہ

www.alahazratnetwork.org

ہی فرمایا۔ **اسلم تسلم** اسلام قبول کرو سلامت رہو گے۔ **وحد تسلم** نہ فرمایا کہ توحیدی ہو سلامت رہو گے۔ دوسرے کفریات کی طرح خالی توحید بھی دوزخ کا راستہ ہے۔ ابلیس صرف توحید کی وجہ سے دوزخی بنا وہ مشرک نہیں ہے۔ جنت کا راستہ ایمان اور صرف ایمان ہے۔ توحید کی حقیقت ہے اپنی عقل کے ذریعہ رب تعالیٰ کی وحدانیت ماننا۔ نبی سے بے نیاز ہو کر۔ ایمان کی حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کو پیغمبر کی معرفت جاننا۔ گویا نبی کے آئینہ میں رب کو نبوت کے شیشہ میں الوہیت رب تعالیٰ کو دیکھنا ایمان ہے۔ توحید کفر ہے ایمان ہدایت۔ اسی لئے قرآن کریم نے کسی جگہ توحید کا حکم نہ دیا۔ ایمان کا حکم دیا۔ ہم کو موحد کہہ کر نہ پکارا **الذین امنوا** کہہ کر پکارا۔ ہمارا نام موحد نہ رکھا بلکہ مومن و مسلم رکھا۔ **ھو سمکم المسلمین** بلکہ قرآن مجید میں توحید کا مصدر اس کے مشتقات ماضی مضارع' امر' اسم فاعل' اسم مفعول وارد نہ ہوئے ایمان اور اس کے ماضی مضارع وغیرہ امن' یومن' مومن' مومنات' امنوا وغیرہ سب کچھ مذکور ہوئے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے توحید کی دعوت دی بلکہ ایمان کی دعوت دی۔ پھر ایمان کا ڈھانچہ اور ہے اور روح ایمان کچھ اور۔ الوہیت' نبوت' قیامت وغیرہ کو مان لینا ایمان کا ڈھانچہ ہے۔ روح ایمان وہ ہے جو یہاں بیان ہوئی۔ یعنی اللہ رسول کو ملانا ان میں فرق نہ کرنا روح ایمان ہے اور ان میں جدائی روح کفر دیکھو یہاں اللہ رسول میں فرق کرنے والوں کو کافرون حقا فرمایا گیا۔ پھر اللہ رسول کو ملانے کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ کو رسول یا رسول کو خدا مان لیا جائے کہ یہ عین شرک ہے بلکہ نبوت کو الوہیت کے ساتھ ایسے ملانا ضروری ہے جیسے لیمپ کے نور کے ساتھ چمنی کا رنگ ہوتا ہے کہ جہاں لیمپ کا نور وہاں چمنی کا رنگ یا جیسے نوٹ کے کاغذ کے ساتھ سرکاری تحریر و مہر کہ اگر یہ تحریر مٹا دی جائے تو نوٹ کی کوئی قیمت نہیں۔ یا قرآن کے کاغذ کے ساتھ نقوش قرآنیہ کا اتصال کہ اس وصل کی وجہ سے نقوش و کاغذ بلکہ اس کی جلد سب کا یکساں احترام ہو گا۔ جنبی نہ قرآن کے نقوش کو چھو سکتا ہے نہ کاغذ اور نہ اس کی جلد۔ احترام میں سب برابر ہیں۔ رب تعالیٰ نے کلمہ طیبہ کے دو جز کئے ہیں۔ **لا الہ الا اللہ** یہ توحید ہے **محمد رسول اللہ** یہ ہے نبوت۔ مگر پہلے جز میں اپنا نام یعنی اللہ آخر میں رکھا اور دوسرے جز میں حضور کا نام اول رکھا تاکہ ان دونوں ناموں میں لفظوں کا فرق بھی نہ ہو کوئی لفظ رب و محبوب کے درمیان حائل نہ ہو۔ حضرت حسان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

☆ **ضم الا لہ اسم النبی باسمہ** ☆ **اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد** ☆

اگر نجات کے لئے توحید کافی ہوتی تو قبر میں تیسرا سوال نبوت کا نہ ہوتا۔ لفظ توحید صوفیاء کی اصطلاح میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر وہاں توحید سے مراد وحدت الوجود یا وحدت الشہود ہوتی ہے۔ وہ توحید نہیں جو ایمان کے مقابل ہے اس توحید کا بیان یہ ہے۔

☆ جمال آئینہ حسن شاہد ما است ☆

☆ **فشاھد وجھہ فی کل ذرات**

www.alahazratnetwork.org

دیگر

☆ پناہ بلندی و پستی توئی ☆ ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی ☆

دیگر

☆ خود بن کے خلیل آپ کو آتش میں گرایا ☆ اور خود ہی اس آگ کو گلزار بنایا ☆

دیگر

☆ یوسف تمہیں یعقوب تمہیں تم ہی زلیخا ☆ موسیٰ تمہیں عیسیٰ تمہیں اور تمہی ہو یحیٰی ☆

مصرعہ :۔ خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گل کوزہ : غرضیکہ نجات کا مدار ایمان ہے اور ایمان کا مدار اللہ رسول کو ملانے پر ہے اسی لئے اسلام کے تمام فرائض میں سنتیں ایسی ملی ہوئی ہیں جیسے پانی کھانے سے کہ کوئی عبادت سنتوں سے خالی نہیں۔ نماز۔ روزہ۔ حج۔ زکوۃ۔ جہاد سب کو دیکھو۔ اس کی تفصیل ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں۔

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو قوموں کو نام لے کر کافر فرمایا ایک اللہ رسول میں فرق کرنے والوں کو جو یہاں مذکور ہے **اولئک هم الکٰفرون حقا** دوسرے صحابہ کرام کے دشمنوں کو۔ کہ فرمایا **لیغیظ بهم الکفار** شعر:۔

☆ میں اپنی حیاتی پہ قربان جاواں ☆ احد نال احمد ملیندے گزر گئی ☆

خیال رہے کہ اگرچہ ایمان کے ارکان توحید 'نبوت' قیامت فرشتوں وغیرہ کو ماننا ہے مگر دین، ایمان کا مدار نبوت پر ہی ہے۔ نبوت میں سب ارکان خود بخود آ جاتے ہیں نبوت ہی کے بدلنے سے دین بدلتے ہیں۔ نصرانیت یہودیت اسلام اور تمام آسمانی دین توحید وغیرہ میں متفق ہیں صرف نبوت میں مختلف کہ یہودی موسیٰ علیہ السلام کی امت۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تو ان دینوں کو الگ الگ دین مانا جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ دین و ملت صرف نبوت سے بنتے ہیں۔ نبوت اصل دین ہے۔ ابو جہل بھی کعبہ معظمہ کا طواف کرتا تھا۔ اور حضرت ابو بکر صدیق بھی اسی کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ کعبہ ایک تھا مگر یہ دونوں ایک طرح کے نہ ہوئے کیونکہ ابو جہل براہ راست کعبہ پہنچتا تھا کافر رہا۔ حضرت صدیق اکبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کعبہ میں جاتے تھے۔ مومن 'صحابی' حاجی سب کچھ بن گئے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمانؓ حضورؐ کے نمائندہ ہو کر مکہ معظمہ گئے۔ کفار مکہ نے کہا آپ کے لئے کعبہ حاضر ہے۔ آپ عمرہ کرلیں۔ زمزم پی لیں صفا مروہ پر دوڑ لیں۔ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سال عمرہ نہ کرنے دیں گے۔ عثمان غنی نے کہا کہ میں حضور کے بغیر کعبہ کو دیکھنا بھی گوارا نہیں کرتا۔ چہ جائیکہ طواف و سعی کروں۔ طواف وہ ہے جو کعبہ ایمان کے ساتھ کعبہ اجسام کا طواف ہو۔ شعر:۔

☆ سجدہ کرنا ہے تو یوں کر کہ ہو سجدے میں جھکا ☆ سر خدا کے واسطے دل مصطفیٰ کے واسطے ☆

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ اور رسولوں پر اس کے اور نہ جدائی کی درمیان کسی کے ان میں سے

اور وہ جو اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لائے اور ان میں سے کسی پر ایمان میں فرق نہ کیا انہیں

اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿152﴾

یہی لوگ ہیں کہ عنقریب دے گا انہیں ثواب ان کے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان

عنقریب اللہ ان کے ثواب دے گا اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق اس آیت کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیتوں میں کفار اور ان کی وجہ کفر کا تفصیلی بیان تھا اب مومنوں اور ایمان کا تفصیلی بیان ہے تاکہ لوگ گزشتہ عیوب سے بچیں اور یہ صفات اختیار کریں۔ مہربان طبیب بیمار کو پرہیز کی چیزیں بھی بتاتا ہے کہ فلاں فلاں چیز نہ کھانا اور کھانے کی غذائیں دوائیں بھی بتاتا ہے کہ علاج کی تکمیل ان دو چیزوں سے ہی ہوتی ہے۔ چونکہ علاج میں پرہیز پہلے ہے دوا بعد میں۔ لہٰذا یہاں کفر پہلے بیان ہوا ایمان اب بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار پر اظہار غضب تھا اب ان پر اظہار کرم ہے کہ اگر یہ لوگ ایسے عقیدے اختیار کرلیں تو ہم ان کے سب گناہ بخش دیں گے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ کافروں کی کوئی نیکی قبول نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مومنوں کی تمام نیکیاں قبول ہیں کیونکہ ایمان شرط قبول ہے جو کافروں کو نصیب نہیں **بفضلہ** تعالیٰ مسلمانوں کو نصیب ہے۔

تفسیر والذین امنوا باللہ ورسلہ:۔ یہاں **الذین** سے مراد سارے انسان ہیں جو ایمان لائے اس الذین میں جن و فرشتے داخل نہیں کیونکہ یہاں مومنوں سے اجر و ثواب کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے اور اجر و ثواب نہ جنات کے لئے ہے نہ فرشتوں کے لئے جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے چنانچہ سورۃ احقاف میں ارشاد باری جنات کے متعلق ہے **یقومنا اجیبوا داعی اللہ وامنوا بہ یغفر لکم من ذنوبکم ویجرکم من عذاب الیم** معلوم ہوا کہ جنات کو ایمان قبول کرنے کا بدلہ صرف یہ ملے گا کہ ان کے گناہوں کی معافی ہو جائے گی اور دردناک عذاب سے نجات۔ چونکہ اللہ رسول پر ایمان کے ضمن میں تمام ایمانیات پر ایمان لانا بھی شامل ہے اس لئے صرف اس کا ذکر فرمایا گیا۔ ان کا ذکر نہ ہوا۔ گویا یہ ایمان کا اجمالی ذکر ہے رسل جمع فرما کر بتایا گیا کہ تمام نبیوں پر اجمالی ایمان کافی ہے۔ ایمان سارے رسولوں پر چاہیے اطاعت اس رسول کی جس کی امت میں ہو۔ چنانچہ قوم موسیٰ پر موسیٰ علیہ السلام کی اطاعت فرض تھی۔ قوم عیسوی پر عیسیٰ علیہ السلام کی اطاعت فرض رہی اور اب ہمیشہ کے لئے حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت فرض ہے۔ حتیٰ کہ خود موسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف میں خضر علیہ السلام پر ان کی اطاعت فرض نہ ہوئی۔ آپ نے

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں وہ کام کئے جو توریت شریف کے خلاف تھے۔ کیونکہ حضرت خضر اسرائیلی نہ تھے خیال رہے کہ نبوت کے منسوخ ہو جانے سے اس نبی کی اطاعت ختم ہو جاتی ہے۔ ان پر ایمان لانا اسی طرح واجب ہے۔ **ولم یفرقوا بین احد منھم** اگرچہ یہ مضمون **امنوا باللہ ورسلہ** میں آگیا تھا مگر اس کی اہمیت دکھانے کے لئے اسے علیحدہ بیان فرمایا گیا۔ **منھم** کا مرجع اللہ تعالیٰ اور رسل سب ہی ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے جو ابھی گزر گئی **ویریدون ان یفرقوا بین اللہ ورسلہ** یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق نہ کریں۔ سب کو یکساں طور پہ مانیں۔ اللہ تعالیٰ کو رب العالمین جانیں۔ رسولوں کو رب و مربوب خالق و مخلوق کے درمیان وسیلہ عظمیٰ سمجھیں۔ مدار ایمان اللہ اور رسولوں کو ملانا ہے غرض کہ اس جملہ میں تین چیزوں کا ذکر ہوا۔ اللہ پر ایمان لانا۔ اس کے ساتھ ہی اجمالاً "تمام رسولوں پر ایمان لانا۔ تیسرے اللہ تعالیٰ اور کسی رسول میں فرق نہ کرنا۔ سب کو ماننا سب کا ادب کرنا۔ خیال رہے کہ ماننا تین قسم کا ہے۔ ڈر سے ماننا۔ لالچ سے ماننا۔ محبت سے ماننا۔ ایمان نام ہے محبت سے ماننے کا۔ ہر نبی سے محبت ایمان کی جان ہے۔ ماننے محبت کرنے ادب کرنے میں نبیوں میں فرق نہ کرے **اولئک سوف یوتیھم اجورھم اولئک** سے اشارہ **الذین** مذکور کی طرف ہے۔ **سوف** فرما کر اشارۃً فرمایا کہ اجر کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے اور آخرت بہت قریب ہے حکومتیں اپنے نوکروں سے زیادہ وقت کام کراتی ہیں۔ تھوڑی مدت پنشن دیتی ہیں۔ چنانچہ بڑھاپے میں ریٹائر کرتی ہیں مگر رب تعالیٰ ہم سے بہت تھوڑی مدت تیس چالیس سال کام لیتا ہے۔ برزخ کے ہزاروں سال آرام دیتا ہے پھر بعد قیامت ابد الاباد تک انعام دے گا۔ اس لئے سوف ارشاد ہوا۔ اجور سے مراد یا تو تمام نیکیوں کے ثواب ہیں یا ایک ایک نیکی کے بہت بہت سے ثواب یا ایمان کے بہت ثواب کا ایمان بھی تو ایک عمل ہے بلکہ دوسرے اعمال کی جڑ ہے۔ ایک ایمان پر بہت سے ثوابوں کی امید ہے۔ دنیاوی حکومتیں اپنے نوکروں سے بہت سے کام کروا کر ایک تنخواہ دیتی ہیں مگر حکومت ربانی میں ایک ایک کام پر بیسیوں اجرتیں عطا ہوتی ہیں۔ ایک نماز میں وضو۔ مسجد میں آنے کا انتظار۔ نماز سب کا ثواب علیحدہ علیحدہ ایسے ہی ایک ایمان میں لاکھوں ثواب ہر نبی پر ایمان لانے کا الگ ثواب۔ سوا لاکھ ثواب تو یہ ہی ہو گئے۔ ہر فرشتے پر اجمالی ایمان لانے کا الگ ثواب۔ رب تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لانے کا الگ ثواب۔ فرشتوں پر ایمان لانے کا الگ ثواب۔ جنت ' دوزخ ' قیامت پر ایمان لانے کے الگ ثوابات۔ صفات **الٰہیہ** تو بیشمار ہیں۔ فرشتے لاتعداد۔ تو انشاء اللہ ایمان کے ثوابات بے شمار ہوں گے۔ یہ ہیں "اجورہم" کے معنی **وکان اللہ غفورا رحیما** پہلے جملہ میں مومنوں کو ثواب دینے کا وعدہ تھا۔ اس جملہ میں ان کے گناہوں کی معافی کا بھی وعدہ ہے اور اجر کے علاوہ کچھ اور انعام و اکرام فرمانے کی امید ہے کان دوام و استمرار کے لئے ہے غفور کے معنی ہیں بخشنے والا رحیم کے معنی ہیں اعمال کے اجر سے کچھ زیادہ عطا فرمانے والا بعض نیکیوں کا ثواب ایک کا ایک لاکھ ہے۔ ایک ثواب تو اصل نیکی کا اجر اور ننانوے ہزار نو سو ننانوے عطیہ شاہانہ رحم میں خسروانہ کے طور سے یا جنت میں بعض نعمتیں بطور اجر عطا فرمانے والا جیسے وہاں کے حور و قصور اور بعض نعمتیں محض اپنے کرم سے

www.alahazratnetwork.org

دینے والا۔ جیسے اپنا دیدار اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب وغیرہ یا آخرت میں نیکیوں کا ثواب عطا فرمانے والا اور دنیا میں نیک کاموں کو بطور کرم و رحم نعمتیں برکتیں عزتیں۔ راحتیں عطا فرمانے والا۔ غرض کہ **غفورا رحیما** کی تین تفسیریں ہیں۔ اور ہر تفسیر بہت ہی جامع۔ اس مختصری آیت میں ایمان اور جزاء ایمان کا بہت مکمل بیان ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں ہمارے متعلق تین اعمال کا ذکر ہے اور تین جزاؤں کا منہم تک تین عمل ہیں۔ اور **الیک** سے آخر تک تین جزائیں عطائیں کرم نوازیاں مذکور ہیں۔ مگر طریقہ بیان نہایت ہی نفیس ہے کہ عطاء اجر کے لئے تو صراحتہ وعدہ فرمایا **سوف یوتیھم** اور معافی گناہ عطاء انعام کے لئے اپنی دو صفتوں کا ذکر فرمایا کہ ہم غفور بھی ہیں۔ بخشنے کے عادی اور ہم رحیم بھی عمل سے زیادہ عطا فرمانے والے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا اے لوگو تم اللہ رسول میں فرق وجدائی سمجھنے والوں کا انجام تو سن چکے اب خوش نصیب مومنوں کا انجام و درجات بھی سنو۔ جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لائے۔ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مگر اس طرح ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں جدائی نہ کی۔ سب کو ایمان میں ملا دیا خواہ ان رسولوں کے نام و تعداد و حالات معلوم ہوں یا نہ ہوں یہ ہی وہ خوش نصیب لوگ ہیں جنہیں عنقریب آخرت میں ان کے نیک اعمال کے ثواب بھی ملیں گے۔ یا خود ایمان پر بہت سے ثواب ملیں گے۔ یا ایک ایک نیکی کے بہت بہت ثواب ملیں گے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے مہربان رحیم و کریم بھی لہٰذا ان کے سارے گناہ بخش دے گا اور انہیں اعمال کے ثواب کے علاوہ دنیا و آخرت میں اپنے کرم سے بہت کچھ اور بھی عطا فرمائے گا اس کی عطا ان کے وہم و گمان سے ورا ہو گی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ایمان کی اصل اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے نبیوں کو ماننا ہے کہ باقی ارکان ایمان قیامت وغیرہ کو مان لینا سب کچھ اس میں داخل ہے۔ یہ فائدہ **آمنوا باللہ ورسلہ** سے حاصل ہوا۔ جو کوئی کسی رکن ایمانی کا انکار کردے وہ اللہ رسول پر صحیح طور سے ایمان نہ لایا کہ ان کے فرمان کو غلط سمجھا۔ **دوسرا فائدہ** سارے نبیوں پر ایمان لانا انہیں برحق سمجھنا ضروری ہے۔ اگرچہ اب اطاعت صرف حضور ہی کی ہے۔ یہ فائدہ رسلہ جمع کثرت فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ایمان کی جان ہے۔ اللہ رسول کو ملانا۔ ان میں فرق نہ کرنا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ایمان کے ساتھ خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ کہ **ولم یفرقوا بین احد منھم** **چوتھا فائدہ** اللہ رسول کے لئے ایک ضمیر استعمال کرنا شرعاً جائز ہے۔ دیکھو **بین احد منھم** میں ہم ضمیر اللہ تعالیٰ اور رسولوں سب کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح اللہ رسول کے لئے ایک صیغہ کا استعمال جائز ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اغنھم اللہ رسول من فضلہ** انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور فرماتا ہے۔ **ما اتھم اللہ ورسولہ** جو انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے دیا اور فرماتا ہے **وسیری اللہ عملکم ورسول** تمہارے اعمال اللہ رسول

www.alahazratnetwork.org

دیکھیں گے اور فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** اللہ رسول اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ اسے راضی کریں اور فرماتا ہے **انعم اللہ علیہ وانعمت علیہ** جس پر اللہ نے اور تم نے انعام کیا۔ دیکھو! ان آیات میں۔ اغنی یسری۔ انعم وغیرہ صیغے ایک ایک ہیں مگر ان کا فاعل اللہ تعالیٰ بھی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ لہٰذا یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو اللہ رسول نے ایمان دیا۔ اللہ رسول کے فضل و کرم سے ہم دین و دنیا کی نعمتیں پاتے ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ صرف ایمان پر بھی بہت سی قسم کے ثواب عطا فرمائے گا جیسا کہ "اجورہم" کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **چھٹا فائدہ** ایمان کے ساتھ نیکیاں کرنا ثواب کا ذریعہ ہیں کافر کو نیکی کا ثواب نہیں جیسا کہ "اجورہم" کی دوسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ** ایمان لانے کے بعد زمانہ کفر کی نیکیوں کا بھی ثواب مل جاتا ہے۔ کفر کے گناہ مٹ جاتے ہیں نیکیاں قبول ہو جاتی ہیں جیسا کہ "اجورہم" کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** ایمان لانے پر زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حقوق اللہ ادا کرنے ہوں گے جیسا کہ غفورا سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** بندہ مومن کو صرف اعمال کی جزا ہی نہ ملے گی بلکہ بہت سے انعام و اکرام بھی عطا ہوں گے جیسا کہ رحیما کی تفسیر سے معلوم ہوا وہ انعام و اکرام بندے کے فہم سے ورا ہیں۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ اور رسولوں کو مان لینا ان میں فرق نہ کرنا ایمان کے لئے کافی ہے۔ تو کیا فرشتوں' جنت' دوزخ قیامت' آسمانی کتابوں پر ایمان لانا ضروری نہیں۔ **جواب** اس کا جواب پہلے معلوم ہو چکا کہ ان ہستیوں پر ایمان لانا اصلی ہے ان کو مان لینے سے ان بقیہ چیزوں کا مان لینا خود بخود لازم آگیا۔ جو ان چیزوں کو نہ مانے وہ درحقیقت اللہ رسول کو صحیح طور پر مانتا ہی نہیں۔ سو کے عدد میں ساری اکائیاں دہائیاں آجاتی ہیں۔ اللہ رسول پر ایمان لانے میں سارے ایمانیات پر ایمان آجاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رسولوں میں فرق نہ کرنا چاہیے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** تم ہی کہتے ہو کہ گروہ انبیاء میں سب سے افضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہم یہ ہی تو تفریق ہے لہٰذا آیات میں تعارض ہے **جواب** حضرات انبیاء کرام کے مراتب میں ترتیب ہے۔ نبوت میں تفریق کرنا کفر ہے کہ ان میں کسی ایک کی نبوت کا انکار کفر ہے۔ یا کسی نبی کو اصلی نبی کسی کو عارضی۔ ظلی نبی ماننا کفر ہے نفس نبوت میں تمام انبیائے کرام برابر ہیں سب پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اس کی مکمل بحث تیسرے پارے میں **لا نفرق بین احد من رسلہ** کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ رسول کے لئے ایک ضمیر لانا جائز ہے۔ مگر حدیث شریف میں ہے کہ کسی خطیب نے اپنے خطبے میں یوں پڑھ دیا **ومن یعصھما** یعنی ہما ضمیر اللہ رسول کے لئے ایک ہی استعمال فرمائی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ناراض ہوئے اور فرمایا **بئس الخطیب انت** تو بہت ہی برا خطیب ہے لہٰذا آیت میں حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کے جواب نوصری شرح مسلم شریف میں بہت دیئے ہیں

www.alahazratnetwork.org

ایک یہ کہ سرکار عالی کا یہ فرمان تعلیم استحباب کے لئے ہے یعنی بہتر یہ ہے کہ اللہ رسول کے لئے الگ ضمیریں لائی جاویں۔ جائز یہ بھی ہے کہ ایک ہی ضمیر لائی جاوے دیکھو ایک شخص نے حضور کو سید کہا تو فرمایا **السید هو الله** سید تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یہاں ماسوا اللہ کو سید کہنا پسند نہ فرمایا۔ دوسرے موقعہ پر حضرت سعد بن معاذ کے لئے فرمایا **قوموا الی سیدکم** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ یا ارشاد فرمایا اپنے غلام کو عبدی نہ کہے۔ حالانکہ قرآن کریم فرما رہا ہے۔ **من عبادکم** یا فرمایا انگور کو کرم نہ کہو کرم تو اللہ تعالیٰ ہیں یہ تمام ممانعتیں خلاف اولیٰ کے لئے ہیں اور قرآن کریم کی آیات بیان جواز کے لئے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں اجورہم کیوں جمع فرمایا ایمان ایک عمل ہے تو اس کا ثواب بھی ایک ہی چاہیے **جواب** اس جمع فرمانے میں تین حکمتیں معلوم ہوتی ہیں (نمبر ۱) اجور کو جمع فرمانا ہم ضمیر کے جمع کے لحاظ سے ہے۔ یعنی مومن کو اس کے ایمان کا ایک ثواب ہے تو بہت سے مومنوں کے اجر بہت سے یا ہر مومن کو ایمان کی برکت سے سارے نیک اعمال کا ثواب ملے گا۔ لہٰذا اجور فرمایا (نمبر ۲) یا صرف ایک ایمان کے لاکھوں اجر ملیں گے۔ اللہ کو ماننے کا علیحدہ اجر رسول کو ماننے کا علیحدہ اجر اسی طرح ہر ایمانی چیز پر ایمان لانے کا علیحدہ اجر پھر مومن بننے کا علیحدہ اجر۔ مومن رہنے کا الگ ثواب۔ مومن مرنے کا الگ ثواب خدا تعالیٰ ایمان پر خاتمہ نصیب کرے پھر ثواب ہی ثواب ہیں پھر دنیا میں ایمان کا ثواب علیحدہ۔ مرتے وقت قبر میں علیحدہ حشر میں علیحدہ۔ بعد حشر جنت میں دائمی ثواب۔ وہ ان سب سے جداگانہ غرض کہ اجور فرمانا بالکل درست ہے۔ اس ثواب کی نوعیتیں اور افراد سب کے سب ہی بہت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت بھی ہے اسی صفت قدرت کا ظہور کافر و منافق کے لئے قہاریت و جباریت منتقمی کی شکل میں ہوتا ہے اور مخلص مومن کے حق میں اس قدرت کا ظہور غفاریت ستاریت عنایت و کرم کی شکل میں ہوتا ہے بلا شبہ یوں سمجھو کہ بجلی کا پاور ایک ہے مگر ہیٹر سے کنکشن ہو جاوے تو گرم ہے اور اگر کولر سے کنکشن ہو جاوے تو نہایت سرد۔ پنکھے سے تعلق ہو جاوے تو ہوا دیتا ہے۔ استری سے تعلق ہو جاوے تو کچھ اور ہی رنگ دکھاتا ہے فرمایا جا رہا ہے۔ کہ جن لوگوں نے اللہ و رسولوں پر ایمان اختیار کیا۔ اس کے لئے قدرت خداوندی عطا اجر مغفرت رحمت کی شکل میں ظاہر ہو گی۔ خیال رہے کہ آخرت میں ایمان کا حساب پہلے ہے۔ اعمال کا حساب بعد میں قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے اور حشر میں اعمال کا حساب حشر قبر سے صدہا برس کے بعد ہے۔ امام غزالی نے اپنی کتاب احسن القصص میں لکھا کہ زمانہ قحط میں یوسف علیہ السلام نے مصر کے آس پاس چوکیاں مقرر فرمائی تھیں جن پر باہر سے آنے والوں کی تحقیقات کی جاتی تھی۔ چو طرف سے مخلوق غلہ حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ آتی تھی ہر آنے والے سے چار سوالات ہوتے تھے۔ تم کہاں سے آئے ہو۔ یہاں مصر میں کیوں آئے ہو اور کب تک رہو گے۔ گندم کی قیمت کے لئے کیا لائے ہو۔ جب برادران یوسف علیہ السلام آئے۔ اور اس راستہ کی چوکی پر پہنچے جو کنعان سے آتا تھا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے ان چوکی والوں سے فرمایا کہ ان مسافروں سے یہ سوال نہ کرنا کہ تم کیا لائے ہو یہ سوال ہم ان سے خود کر لیں گے مقصد یہ تھا کہ بھائیوں کی پردہ

www.alahazratnetwork.org

پوشی ہو ان کی متاع کسی پر ظاہر نہ ہو۔ امام غزالی فرماتے ہیں کہ قبر آخرت کی پہلی چوکی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی امت کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے قبر کے فرشتوں کو صرف ایمان کے سوالات کرنے کی تو اجازت دی۔ اعمال کا حساب لینے کی اجازت نہ دی۔ چنانچہ قبر میں نمازوں' روزوں وغیرہ اعمال کا حساب نہیں ہوتا۔ صرف ایمان کا حساب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ اپنے محبوب کی امت کے اعمال کا حساب قیامت میں ہم خود لے لیں گے۔ پھر قیامت میں بھی اس امت کا ایسا حساب ہو گا کہ ہر ایک کی نیکیاں نامہ اعمال کے ظاہر کی جانب ہوں گی جسے دوسرے لوگ بھی پڑھیں گے۔ اور برائی اندرونی جانب ہو گی جسے صرف وہ شخص پڑھ سکے گا۔ دوسروں کو خبر نہ ہو گی۔ یہ ہے اس کی شان ستاری۔ بہرحال مسلمان کو لازم ہے کہ اپنے ایمان کی بہت حفاظت کرے۔ اسی لئے قرآن مجید میں اس کی بہت تاکید فرمائی ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی صفت غافر بھی ہے۔ غفار بھی ہے اور غفور بھی۔ غافر بخشنے والا۔ غفار بہت بخشنے والا۔ غفور جس کی عادت ہو بخشنا اور بہت بخشنا بہت طرح بخشنا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے بخشش کے ہزارہا ذریعہ بنا دیئے ہیں جن میں چند ذریعہ بہت مشہور ہیں۔ نمبر ۱۔ ایمان لانا جس سے زمانہ کفر کے سارے گناہ بخشے جاتے ہیں نمبر ۲۔ توبہ کرنا۔ حج و جہاد نمبر ۳۔ بڑے گناہوں سے بچنا کہ یہ ذریعہ ہے چھوٹے گناہوں کی بخشش کا۔ فرماتا ہے۔ **ان تجتنبوا كبائر ما تنهون عن تكفر عنكم سياتكم** گناہ کرنے کے موقعہ پر خوف خدا سے گناہ سے بچ جانا نمبر ۴۔ فرماتا ہے۔ **ولمن خاف مقام ربه جنتن** نمبر ۵۔ آخری رات میں بعد نماز تہجد اپنے گناہوں پر رونا یہ سب گناہوں کی بخشش کا ذریعہ ہیں۔ اور شان غفوری کے مظہر اور بغیر عمل کچھ دینا یہ رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کو اعمال صالحہ کا اجر بھی دے گا اور بہت کچھ بغیر عمل بھی عطا فرمائے گا۔ یہ عطیہ دو طرح کا ہے۔ قانون سے دینا اور بغیر قانون عطا فرمانا۔ دنیا میں صدقات جاریہ۔ اولاد۔ شاگرد۔ مرید متبعین کی نیکی سے اسے بھی دینا۔ نیز مسلمانوں کی دعاؤں ایصال ثواب وغیرہ کے ذریعہ عطا فرمانا قانونی رحمت ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ مومنوں کو ثواب بعد قیامت دے گا۔ جیسے دنیاوی حکومتیں۔ پنشن فنڈ کی رقم ریٹائر ہونے کے بعد دیتی ہے۔ اتنا دراز ادھار اس لئے کیا کہ قیامت تک۔ مسلمانوں کو ثواب پہنچتے رہیں۔ جب یہ بند ہو جاویں۔ تب بدلہ دیا جاوے۔ اور ان ثوابوں کا بند ہونا قریب قیامت ہو گا۔ جب مسلمان ختم ہو جاویں گے۔ غرضیکہ یہ رحمت والے عطیے قانونی ہیں اور جنت میں تمام نعمتیں اعمال کی جزا مگر دیدار الہی صرف رحمت والا عطیہ کہ یہ کسی عمل کی جزا نہیں۔ مگر یہ عطیہ قانون کے تحت نہ ہو گا۔ بہرحال رحیم کے معنی میں بھی بڑی وسعت ہے۔ اسی لئے یہاں عطاء اجر۔ مغفرت رحمت تینوں چیزوں کا ذکر ہوا۔

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا

سوال کرتے ہیں آپ سے کتاب والے یہ کہ اتار دیں آپ اوپر ان کے ایک کتاب طرف سے آسمان کے بس بیشک سوال

اے محبوب اہل کتاب تم سے سوال کرتے ہیں کہ ان پر آسمان سے ایک کتاب اتار دو تو وہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑا سوال

www.alahazratnetwork.org

مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ

کیا تھا انہوں نے موسیٰ سے بہت بڑا اس سے پس وہ بولے کہ دکھا دو ہمیں اللہ ظاہر طور پس پکڑ لیا انہیں کڑک نے

کر چکے تھے بولے ہمیں اللہ کو علانیہ دکھا دو تو انہیں کڑک نے آ لیا ان کے گناہوں پر

بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَیِّنٰتُ فَعَفَوْنَا

بوجہ ظلم ان کے پھر بنا لیا انہوں نے بچھڑا پیچھے اس کے کہ آئیں ان کے پاس کھلی نشانیاں پھر معافی دیدی

پھر بچھڑا لے بیٹھے بعد اس کے کہ روشن آیتیں ان کے پاس آچکیں تو ہم نے یہ

عَنْ ذٰلِكَ وَاٰتَیْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِیْنًا (۱۵۳)

ہم نے اس سے اور دی ہم نے موسیٰ کو دلیل کھلی ہوئی۔

معاف فرما دیا اور ہم نے موسیٰ کو روشن غلبہ دیا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کا ایک عیب بیان فرمایا گیا تھا یعنی سارے نبیوں پر ایمان نہ لانا بعض پر ایمان لانا بعض کا انکار کرنا۔ اب ان میں یہود کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے۔ یعنی جن نبیوں پر ایمان لانا ان سے بھی لڑنا جھگڑنا گویا ان کے ایک کفر کے بعد دوسرا کفر ارشاد ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے کفری جڑ کا ذکر تھا یعنی تمام نبیوں پر ایمان نہ لانا۔ اب اس جڑ کی بعض شاخوں کا ذکر ہے۔ یعنی کفر کے لئے بہانے بنانا کہ کتاب الٰہی آہستگی سے کیوں اتر رہی ہے۔ یکدم کیوں نہ اتری۔ لہٰذا ہم اسے نہیں مانتے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں مومنوں کے اصل ایمان کا ذکر تھا۔ کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں میں فرق نہیں کرتے۔ اب اشارۃً انہیں اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا جا رہا ہے۔ یعنی نبی کے ہر فرمان پر سر جھکا دینا ان سے کج بحثی۔ ضد' عناد نہ کرنا **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عفو کرم و مغفرت کا ذکر تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم نے ایسے سرکش یہود کو جنہوں نے بچھڑا پرستی وغیرہ جرم کئے تھے۔ ان کے توبہ کرنے پر ان کی بخشش فرما دی۔ لہٰذا اب بھی جو مجرم توبہ کرے ہماری رحمت اسے آغوش میں لینے کو تیار ہے۔ گویا آئندہ مغفرت کا ثبوت گزشتہ مغفرت سے دیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول یہود کے چوٹی کے پوپ و پادریوں نے جن میں کعب ابن اشرف اور فنحاص بن عازورا بھی داخل تھے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں۔ تو ہمارے پاس ایسی کتاب لائیے جو توریت کی طرح یکدم اترے ہم ایسے قرآن پر ایمان نہیں لاتے جو آہستہ آہستہ اتر رہا ہے۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر بیضاوی۔ خازن۔ تفسیر کبیر۔ خزائن العرفان۔ تفسیر نور العرفان۔ روح البیان وغیرہ)

بعض یہود نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم میں سے فلاں فلاں

www.alahazratnetwork.org

امیروں' سرداروں کے نام اللہ کے خاص خطوط لائے جن میں لکھا ہوا ہے فلاں سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے رسول ہیں۔ انہیں مان لو اور یہ خطوط خود جبرائیل ہمارے پاس لاویں۔ تب ہم آپ کو سچا نبی مان لیں گے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح البیان۔ تفسیر کبیر وغیرہ)

ان کے یہ مطالبے محض عناداً تھے۔

تفسیر **یسئلک اھل الکتب**۔ بنا ہے سوال یا سأل سے جس کے معنی پوچھنا بھی ہیں اور مطالبہ کرنا مانگنا بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں۔ یہاں مضارع ہے یا بمعنی حال یا بمعنی استمراری حالت یعنی مطالبہ کرتے ہیں یا مطالبہ کرتے رہتے ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی یہ مطالبہ ہوا تھا اس لئے کاف خطاب فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا۔ اور چونکہ حضور سے مطالبہ درپردہ رب تعالیٰ سے مطالبہ ہے۔ اس لئے یہاں ان کا مطالبہ کا جواب خود رب تعالیٰ نے دیا۔ اہل کتاب سے مراد یا تو عام یہود ہیں یا ان کے خاص پادری کہ اہل کتاب کے معنی ہیں آسمانی کتاب کو ماننے والے یا آسمانی کتاب کو جاننے والے۔ ماننے والے تو سارے یہود ہیں۔ جاننے والے صرف ان کے پادری۔ اگرچہ یہ مطالبہ کرنے والے ایک دو آدمی ہی تھے۔ مگر چونکہ یہ لوگ اپنی ساری قوم کے نمائندے تھے اس لئے تمام اہل کتاب کو سائل قرار دیدیا گیا۔ امام کی قراءة سب کی قراءة ہے۔ نمائندوں کا مطالبہ ساری قوم کا مطالبہ ہے۔ **ان تنزل علیھم کتابا من السماء** یہ عبارت **یسالک** کا دوسرا مفعول ہے اس کا پہلا مفعول کاف خطاب ہے تنزل بنا ہے تنزل سے جس کے معنی ہیں آہستگی سے اتارنا مگر یہاں یا مطلقاً "اتارنے کے معنی میں ہے۔ یا ایک دم اتارنے کے معنی میں یعنی بمعنی انزال یا تو تنزل کے معنی ہیں۔ آپ اتروا دیں۔ کہ رب تعالیٰ سے دعا کریں یہ کتاب آجاوے جیسے آپ دعا سے بارش وغیرہ اتروا دیتے ہیں۔ ایسے ہی ایسی کتاب اتروا دیں۔ تب تو یہ سوال واضح ہے یا معنی ہیں کہ آپ اتار دیں تب مقصد یہ ہے کہ آپ بقول خود اللہ کے محبوب ہیں کہ آپ کا کام رب کا کام ہے اور رب کا کام آپ کا کام ہے اسی قاعدے سے ہم کہتے ہیں کہ آپ خود اتار دیں۔ اس نکتہ کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے۔ کہ قرآن مجید میں بہت جگہ خدائی کام بندوں کے کام قرار دیئے گئے ہیں۔ اور بندوں کے کام رب کے کام۔ علیھم کا مرجع وہ ہی اہل کتاب ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا چونکہ وہ معنی جمع تھا اس لئے یہ ضمیر جمع لائی گئی۔ یہاں ان لوگوں پر کتاب اتارنے کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ کتاب براہ راست ہم پر اترے۔ آپ پر نہ اترے۔ جیسا کہ شان نزول کی دوسری روایت سے معلوم ہوا ان کا مطلب یہ تھا کہ ہم میں سے ہر ایک پر الگ الگ ربانی تحریریں آویں جن میں لکھا ہو کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ کی معرفت سے ہم پر ایک دم کتاب اترے۔ اس طرح کہ قرآن کریم آہستگی سے نازل نہ ہو بلکہ توریت کی طرح سارے کا سارا یکدم آجاوے۔ یا قرآن مجید کے علاوہ کوئی اور کتاب آپ پر یکدم اترے جسے ہم اپنی آنکھوں دیکھیں۔ لہٰذا کتابا" میں بھی تین احتمال ہو سکتے ہیں یا بمعنی خط ہے یا بمعنی قرآن مجید یا بمعنی دیگر کتاب اور تنزل میں بھی تین احتمال۔ خیال

www.alahazratnetwork.org

رہے کہ یہود نے یہ نہ کہا کہ آپ خدا سے دعا کریں کہ وہ کتاب یکدم اتارے بلکہ عرض کیا کہ آپ اتاریں یا تو اس لئے کہ یہود قرآن کریم کو آسمانی کتاب مانتے ہی نہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی کہتے تھے۔ اس صورت میں ان کا یہ کہنا کہ آپ اتاریں طعنہ کے طور پر ہے یا اس لئے کہ وہ اگرچہ زبانی طور پر قرآن مجید کے نزول کے منکر تھے مگر ان کے دل جانتے تھے کہ قرآن کریم آسمان سے نازل ہو رہا ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ بہت سی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق اترتی ہیں جیسے **فلنو لینک قبلۃ ترضھا** لہٰذا انہوں نے مطالبہ کیا کہ آپ یک دم نزول قرآن کی خواہش کریں۔ تاکہ رب تعالیٰ آپ کی مرضی کے مطابق یک دم ہی اتار دے اس صورت میں اتارنے کو آپ کی طرف نسبت کرنا مجاز ہے **فقد سالوا موسی اکبر من ذالک فقد** کی ف یا تو جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ یعنی اگر آپ ان کے مطالبہ کو بہت بڑا مطالبہ سمجھتے ہیں تو یہ لوگ تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں (روح البیان) یا **ف تعلیلیہ** ہے اور یہ جملہ پوشیدہ جملہ کی علت یعنی اے محبوب آپ ان کے اس بیہودہ سوال پر غمگین نہ ہوں کیونکہ یہ لوگ تو موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑا مطالبہ کر چکے ہیں۔ اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سے یہ مطالبہ ان یہود مدینہ نے نہ کیا تھا بلکہ ان کے ستر نقیبوں نے کیا تھا جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اس وقت پہاڑ پر تھے جب رب نے ان سے کلام کیا۔ مگر چونکہ یہ یہود مدینہ انہی کی اولاد سے تھے۔ ان کے اعمال پر راضی تھے۔ اس لئے یہ مطالبہ ان کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ اکبر سے مراد یا تو زیادہ حیرت ناک ہے یا زیادہ عجیب یا بڑا گناہ یا بڑا مشکل کیونکہ دنیا میں ان آنکھوں سے رب تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے اور اس کا مطالبہ کرنا بطور عناد کے ہو تو گناہ جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا ذلک سے اشارہ اس مذکورہ مطالبہ کی طرف ہے۔ چونکہ یہ عقل سے بہت دور تھا اس لئے ذلک اشارہ بعید فرمایا گیا۔ یعنی یہ لوگ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے وہ مطالبہ کر چکے ہیں جو اس مطالبہ سے کہیں بڑا حیرتناک کہیں بڑا دشوار کہیں بڑا گناہ **فقالوا ارنا اللہ جھرۃ**۔ "**فقالوا**" کی ف تفسیریہ ہے اور یہ جملہ اکبر من ذلک کی تفسیر ہے۔ قالو کے فاعل کی وہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی گئی ہے کہ بظاہر یہود مدینہ میں درحقیقت ان کے اسلاف یعنی ۷۰ اصحاب موسیٰ ارنا میں خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے اس کی تحقیق وہی ہے جو ابھی اس منزل میں کی گئی ''اس ''ار'' کا پہلا مفعول ہے۔ لفظ اللہ دوسرا مفعول ہے جھرۃ لفظ اللہ کا حال ہے لفظ جہر بلند آواز کے لئے وضع ہوا ہے جس کا مخالف ہے اخفاء۔ رب فرماتا ہے **یعلم الجھر وما یخفی** مگر اب ہر ظاہری چیز پر استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں ظاہری دیدار مراد ہے جو ان آنکھوں سے ہو۔ بلا تردد و بلاشبہ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام آپ ہمیں رب تعالیٰ کی ذات ظاہر ظہور دکھا دیجئے جس میں ہم کو کوئی تردد نہ رہے۔ خیال رہے کہ جھرۃ کہہ کر ان لوگوں نے دو مطالبے کر دیئے ایک یہ کہ دیدار الٰہی خواب یا خیال یا کشف سے نہ ہو بلکہ ان آنکھوں سے جو بیداری میں کھلی رہتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ آنکھوں والا دیدار ہر ایک کو الگ الگ نہ ہو بلکہ ہم ستر آدمی بیک وقت دیکھیں۔ یاد رکھو کہ لفظ ''ار'' قرآن کریم میں دکھانے کے لئے بھی ارشاد ہوتا ہے اور سمجھانے کے

www.alahazratnetwork.org

لئے خواب و خیال کے لئے بھی جیسے **ارنا مناسکنا** یعنی ہم کو ارکان حج سمجھا دے اور **انی اری فی المنام انی اذبحک** رب تعالیٰ کا دیدار خواب یا خیال کی آنکھوں میں ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے مگر ان آنکھوں سے اسی دنیا میں رہ کر دیدار ناممکن ہے۔ جھرۃ نے یہ مسئلہ بالکل حل فرما دیا کہ انہوں نے وہ ناممکن دیدار رب سے مانگا۔ **فاخذتھم الصعقۃ بظلمھم** ف **تعقیب** بلا تراخی کے لئے ہے یعنی یہ مطالبہ کرتے ہی فوراً ان پر یہ عذاب آگیا۔ صاعقہ بنا ہے صعق سے۔ بمعنی بیہوشی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فصعق من فی السموت والارض** صاعقہ کے معنی بیہوش کرنے والی یا ہلاک کرنے والی چیز اس سے مراد وہ غیبی آسمانی عذاب ہے۔ جو ان مطالبہ کرنے والوں پر آیا اور انہیں ہلاک کر گیا۔ یا کوئی اور عذاب آسمانی۔ (مدارک' بیضاوی' روح البیان وغیرہ)

بظلمھم کی ف سببیہ ہے ظلم سے مراد ہے ان کا اپنی جان پر ظلم کرنا یعنی اپنے نبی پر ناجائز سوال کرنا یا ناممکن چیز کی دعا کرنا یا اپنے نبی کا اعتبار نہ کرنا۔ خیال رہے کہ ان اسرائیلیوں کا یہ مطالبہ شوق دیدار الٰہی میں نہ تھا بلکہ اپنے نبی پر بے اعتمادی کی بنا پر تھا کہ ہم کو تمہارا اعتبار نہیں۔ رب تعالیٰ ہم سے خود براہ راست کلام کرے احکام سنائے یہ کفر ہے اس لئے اس مطالبہ کو ظلم فرمایا گیا۔ یعنی یہ مطالبہ کرتے ہی ان پر غیبی آسمانی عذاب آگیا۔ جس نے انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ واقعہ سورہ بقر شریف میں گزر چکا ہے۔ **ثم اتخذوا العجل من بعد ما جاء تھم البینت** یہ بنی اسرائیل کے دوسرے جرم کا ذکر ہے یعنی ان کا بچھڑا پرستی چونکہ یہ واقعہ کچھ بعد میں ہوا اس لئے ثم فرمایا گیا۔ عجل سے مراد وہی بچھڑا ہے جو سامری نے فرعونی سونے سے بنایا تھا۔ **اتخذوا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے "الٰھا" بینات جمع ہے **بینۃ** کی۔ بمعنی روشن دلیل اسی لئے گواہی کو بینہ کہا جاتا ہے۔ یہاں بینات سے مراد عصا موسوی۔ ید بیضا۔ دریا کا چیرنا وغیرہ معجزات ہیں نہ کہ آیات توریت کیونکہ ابھی تک توریت نہ آئی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے ہی تو گئے تھے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب بنا کر کہ ادھر اسرائیلیوں نے یہ ستم ڈھا دیا کہ بچھڑا پرستی شروع کر دی۔ یہ واقعہ بھی سورہ بقر میں گزر چکا **فعفونا عن ذلک** ف **تعقیبیہ** ہے۔ عفو کے معنی ہیں مٹانا۔ چونکہ معافی سے گناہ مٹ جاتا ہے اس لئے اسے عفو کہہ دیتے ہیں۔ ذلک سے اشارہ بچھڑا پرستی کی طرف ہے۔ یعنی اس قدر بڑے جرم کے بعد بھی ہم نے ان کو معافی دیدی کہ انہیں جڑ سے نہ اکھیڑ دیا۔ بالکل نیست و نابود نہ کر دیا۔ اگرچہ ان کا یہ گناہ اس ہی قابل تھا کہ انہیں بالکل فنا کر دیا جاتا اس توجیہ سے آیت پر کوئی اعتراض نہیں **واتینا موسی سلطنا مبینا** یہ ان اسرائیلیوں کی انتہائی سرکشی کا ذکر ہے۔ سلطان سے مراد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ظاہر و باہر معجزات۔ جو ان کی سچائی پر دلالت کریں یعنی باوجودیکہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ایسے معجزات ظاہرہ عطا فرمائے مگر یہ ایسے سرکش لوگ ہیں کہ انہوں نے ان کی مخالفت ہی کی۔ آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ سارا قرآن یکدم لائیے اور موسیٰ علیہ السلام ساری توریت یکدم لائے تو ان سے مطالبہ کرتے تھے کہ ہمیں رب کو ظاہر ظہور دکھائیے۔ ان کے یہ تمام مطالبے محض عناد سے ہیں۔ تحقیق حق کے لئے نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر گزشتہ تفسیر سے پتہ لگ گیا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہود مدینہ محض عناد کے طور پر آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ پورا قرآن ایک دم اتار کر لاویں۔ تب ہم ایمان لاویں گے۔ ہم ایسے قرآن کو نہیں مانتے جو آہستہ آہستہ اترے دوسرے یہ کہ یہود مدینہ مطالبہ کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس خدائی خط آسمان سے اتاریں۔ جس میں لکھا ہو کہ آپ اللہ کے سچے رسول ہیں۔ تب ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ تیسری یہ کہ قرآن مجید کے علاوہ اور کوئی کتاب آپ آسمان سے اتاریں جو یکدم اترے۔ اے محبوب آپ ان کی ایسی بیہودہ باتوں سے ملول نہ ہوں۔ انہوں نے تو اپنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے وہ مطالبہ کیا جو اس مطالبہ سے کہیں زیادہ حیرتناک کہیں زیادہ شرارتی تھا۔ ان سے تو انہوں نے یہ کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کو اللہ کی ذات کھلم کھلا دکھا دیجئے جو ہمارے سامنے آکر ہم کو آپ کی نبوت کی خبر دے۔ ہم آپ کی بات نہ مانیں گے۔ اس مطالبے کی سزا انہیں دی گئی کہ انہیں غیبی عذاب یا غیبی آگ یا غیبی کڑک نے ہلاک کر دیا۔ پھر اس کے بعد انہی یہودیوں نے یہ غضب کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے کھلے معجزات دیکھنے کے باوجود بچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ مگر ہم ایسے رحیم و کریم ہیں کہ اس جرم کی بھی انہیں معافی دے دی۔ وہ اس عبادت پر بالکل ہلاک کر دینے کے مستحق تھے۔ مگر ہم نے انہیں ہلاک نہ کیا۔ وہ گناہ پر گناہ جرم پر جرم کرتے رہے ہم معافی پر معافی دیتے رہے۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کھلا غلبہ عنایت کیا۔ کھلے معجزات دیئے مگر یہ لوگ بغاوت اور مطالبے ہی کرتے رہے۔ جب ان کا معاملہ اپنے نبی کے ساتھ یہ رہا تو اگر آپ سے یہ لوگ ایسے بیہودہ مطالبے کریں تو ان سے کیا بعید ہے لہذا آپ اس سے بالکل ملول و غمگین نہ ہوں۔ اگر بارش سے شورہ زمین سرسبز نہ ہو تو بارش کا قصور نہیں۔ شعر:۔

☆ در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ☆ خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ ☆

خیال رہے کہ سلطان کے معنی ہیں غلبہ۔ اب غلبہ خواہ دلائل سے ہو یا معجزات سے یا قوت و طاقت سے یا یوں ہی قدرتی طور سے رعب اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو عطا فرمایا خود فرماتا ہے۔ **لا غلبن انا ورسلی** مگر موسیٰ علیہ السلام کو تو بے مثال غلبہ دیا کہ فرعون نے آپ کی ولادت سے پہلے اسرائیلیوں کے اسی ہزار بچے ذبح کرا دیئے تاکہ آپ دنیا میں نہ رہیں۔ مگر آپ دنیا میں رہے بلکہ خود فرعون کی گود میں رہے۔ وہاں پرورش پائی پھر مدائن سے آنے پر تمام فرعونیوں سے مقابلہ کیا۔ جادوگر مقابلہ میں آئے مگر غالب آپ ہی رہے۔ یا مراد ہے قدرتی رعب رب تعالیٰ نے یہ بھی موسیٰ علیہ السلام کو علی وجہ الکمال بخشا تھا۔ دیکھو! اسرائیلی ہارون علیہ السلام کے کہنے پر بت پرستی سے باز نہ آئے مگر آپ کو دیکھتے ہی سہم گئے آپ نے جو کہا اس پر عمل کیا اور آپ کے سامنے توبہ کے لئے تیار ہو گئے۔ یہ ہے آپ کا رعب خداداد یہ ہے سلطان مبین۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ہدایت محض رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملتی ہے اس کا فضل شامل حال نہ ہو تو علم، عقل، اچھی صحبت مقدس مقام پر رہنا نبی کی اولاد ہونا سب بیکار ہے۔ دیکھو یہ اہل کتاب موسیٰ علیہ السلام کی اولاد تھے توریت کے بڑے عالم تھے۔ مدینہ شریف میں رہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے جاتے تھے مگر رہے کافر و بے دین ہمیشہ حجت بازیاں ہی کرتے رہے کیونکہ اللہ کا فضل و کرم ان کے شامل حال نہ تھا یہ فائدہ **یسئلک اهل الکتب** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** بحث مباحثہ فضول مطالبے دل میں سختی پیدا کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اطاعت کا جذبہ عطا فرمائے مومنین صحابہ نے زیادہ حجتیں نہ کیں یہ فائدہ بھی یسئلک سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** جب رب تعالیٰ کسی کا دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ دیکھو ان بے دین یہودیوں نے اتنا نہ جانا۔ کہ سچے نبی کی سچی کتاب پر ایمان لانا چاہیے۔ خواہ کتاب یکدم آئے یا آہستہ۔ ہے تو کتاب الٰہی۔ ان عاقلوں نے بچوں کی سی ضد کی کہ اگر سارا قرآن یکدم آئے تب تو ہم ایمان لائیں گے ورنہ نہیں یا اگر ہمارے سب کے پاس رب تعالیٰ کے خطوط آجاویں تب تو ہم ایمان لائیں گے ورنہ نہیں۔ کبھی کہتے کہ اگر میکائیل علیہ السلام یہ قرآن لاتے تو ہم مان لیتے چونکہ حضرت جبرائیل لاتے ہیں اس لئے ہم نہیں مانتے وغیرہ وغیرہ یہ سب ضدیں بے عقل بچوں کی سی ہیں جو یہ عاقل کرتے تھے۔ **چوتھا فائدہ** حضور کا منکر یہودی ہو یا عیسائی درحقیقت اپنے نبی کو بھی نہیں مانتا دیکھو رب تعالیٰ ان ضدی یہود کو خاموش فرمانے کے لئے ان کی وہ ضدیں بیان فرمائیں جو وہ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے کر چکے تھے اس سے یہ ہی بتانا مقصود ہے کہ تم اپنے نبی کو بھی نہیں مانتے ان سے بھی ضد ہی کرتے رہے اگر ان محبوب کو نہ مانو تو تم سے کیا بعید ہے۔ **پانچواں فائدہ** باپ دادوں کے اعمال کا اولاد پر اور اولاد کے اعمال کا باپ دادوں پر اثر پڑتا ہے۔ جب کہ وہ ان اعمال سے راضی ہوں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے دیدار الٰہی کا مطالبہ ان یہود مدینہ نے نہ کیا تھا بلکہ ان کے بڑے پرانے باپ دادوں نے کیا تھا۔ مگر یہود مدینہ کو اس کا ذمہ دار قرار دیا گیا۔ کیونکہ یہ ان کے نقش قدم پر تھے **چھٹا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں نبیوں سے مانگ سکتے ہیں یہ شرک یا کفر نہیں۔ دیکھو یہود نے دیدار الٰہی موسیٰ علیہ السلام سے مانگا اور قرآن کریم کا یکدم نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا۔ رب تعالیٰ نے ان دونوں سوالوں کو شرک قرار نہ دیا۔ یہ نہ فرمایا کہ انہوں نے یہ نعمتیں براہ راست ہم سے کیوں نہ مانگیں لہٰذا یہ مشرک ہو گئے۔ بلکہ دوسرے طریقہ سے انہیں روکا گیا۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور سے جنت مانگی۔ ایمان و عرفان مانگا۔ جب فرعونیوں پر خون۔ جوں۔ مینڈک وغیرہ کے عذاب آتے تھے تو وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتے تھے۔ **لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل** اے موسیٰ اگر آپ نے ہم سے یہ عذاب دفع فرما دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے عذاب دفع کرنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ رب تعالیٰ نے بھی ان کے قول کو شرک قرار نہ دیتا تھا بلکہ ان سے عذاب دفع فرما دیا تھا۔ فرماتا ہے **فلما کشفنا عنهم العذاب** الخ لہٰذا ہم بھی حضور سرور دو

www.alahazratnetwork.org

جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، توفیق، دوست، اور جو مانگ سکتے ہیں یہ چیزیں جنت سے بڑھ کر نہیں اس لئے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو امیروں، حاکموں حکیموں سے ہر وقت چندہ دوا وغیرہ مانگتے ہیں۔ لیکن حضور سے کچھ مانگنے کو شرک کہتے ہیں۔ شعر:

☆ محمد از تو می خواہم خدا را ☆ خدایا از تو عشق مصطفیٰ را ☆

ساتواں فائدہ عادۃً ناممکن چیز کی دعا کرنا ممنوع ہے جس پر عذاب الٰہی آسکتا ہے۔ دیکھو اسرائیلی برسوں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہے مگر پھر بھی موسیٰ علیہ السلام پر اکڑتے رہے اور صرف چالیس دن کے لئے موسیٰ علیہ السلام باہر گئے۔ حالانکہ ہارون علیہ السلام کو ان میں چھوڑ گئے تھے مگر یہ لوگ رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو بھول گئے بچھڑے کے پجاری بن گئے۔ حضور کے صحابہ نے نہ کبھی حضور کے حکم سے سرتابی کی نہ کبھی بدعقیدگی بدعملی سے گرفتار ہوئے حالانکہ ان میں بعض وہ لوگ تھے جو فتح مکہ میں یا اس کے بعد ایمان لائے جب حضور کی وفات بہت قریب تھی۔ بعض نے صرف ایک آنحضور کی زیارت کی۔ رب تعالیٰ نے اعلان فرمادیا **کلا وعد اللہ الحسنیٰ** یونہی حضور کی امت تمام امتوں سے افضل ہے کہ یہ سب لوگ کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ **دسواں فائدہ** نیت بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں دیکھو بنی اسرائیل نے دیدار الٰہی کا مطالبہ اس لئے کیا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام پر اعتماد نہ تھا۔ وہ سزا کے مستحق ہوئے مگر موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی کی تمنا شوق و عشق میں کی ان کی محبوبیت اور زیادہ ہوگئی چیز ایک ہے مگر نیت میں فرق کی بنا پر احکام جداگانہ۔ **گیارھواں فائدہ** بڑے سے بڑا مجرم بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش سے ناامید نہ ہو اس کا کرم بندے کے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے یہ فائدہ **ثم عفونا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کے ناجائز مطالبے بلکہ بچھڑا پرستی بھی معاف ہو گئے۔ **بارھواں فائدہ** رعب یعنی لوگوں کے دلوں میں کسی کی ہیبت بیٹھ جانا رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ **"سلطانا مبینا"** سے حاصل ہوا دیکھو بنی اسرائیل ہارون علیہ السلام کی تبلیغ پر بچھڑا پرستی سے باز نہ آئے مگر موسیٰ علیہ السلام کو دیکھ کر ہی گھبرا گئے اور آپ کے فرمان پر فوراً توبہ کر بیٹھے یہ تھا رعب موسوی جسے یہاں سلطان مبین یعنی کھلا غلبہ فرمایا گیا۔ شعر:

☆ ہیبت حق است ایں از خلق نیست ☆ ہیبت ایں مرد صاحب دلق نیست ☆

پہلا اعتراض اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا یہ مطالبہ پورا کیوں نہ فرمایا جب کفار کے مطالبہ پر چاند چیر دیا گیا۔ کنکر پتھروں سے کلمہ پڑھوادیا گیا تو یہ مطالبہ بھی پورا کر دیا جاتا۔ کہ ان لوگوں پر غیبی خط آجاتے جنہیں پڑھ کر یہ لوگ مسلمان ہو جاتے یہ چیز ناممکن تو نہ تھی بلکہ ان مذکورہ معجزات سے زیادہ آسان تھی۔ **جواب** اس لئے کہ وہ لوگ یہ مطالبہ محض عناد سے کر رہے تھے۔ وہ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لاتے اور اگر منہ مانگا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لایا جاوے تو عذاب الٰہی آجاتا ہے جیسا کہ مائدہ والوں کا انجام ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے دنیا میں عذاب غیبی بند ہو چکے تھے لہذا ان کا یہ مطالبہ پورا نہ کیا گیا۔ **دوسرا اعتراض** دیدار الٰہی کے مطالبہ کو اس مطالبہ سے زیادہ بڑا (اکبر) کیوں فرمایا گیا کہ فرمایا **فقد**

www.alahazratnetwork.org

سالوا موسیٰ اکبر من ذٰلک۔ جواب اس لئے کہ دنیا میں ان آنکھوں سے دیدار الٰہی اگرچہ محال عقلی نہیں مگر محال عادی ضرور ہے اور ساری کتاب اللہ کا ایک دم آنا یا لوگوں کے پاس غیبی خطوط آنا بالکل محال نہیں بلکہ ان کا وقوع ہوا ہے۔ اور ہو سکتا ہے لہٰذا وہ مطالبہ اس سے سخت تر ہے بعید تر ہے۔ **تیسرا اعتراض** بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے دیدار الٰہی کا مطالبہ کیا تو عذاب الٰہی کے مستحق ہو گئے مگر خود موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے یہ ہی دعا کی تو محبوب رہے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کا جواب فوائد میں گزر چکا کہ ان دونوں سوالوں کی وجہ میں فرق تھا۔ ان اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتقادی کی وجہ سے یہ سوال کیا کہ بولے **لن نومن لک حتٰی نری اللہ جھرۃ**۔ اس بے اعتقادی کی وجہ سے وہ معتوب یا معذب ہوئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شوق دیدار الٰہی میں یہ عرض کیا تھا لہٰذا وہ محبوب رہے۔ دیکھو قابیل نے اپنے نبی باپ کو ستایا وہ عذاب کا مستحق ہوا اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے اپنے نبی باپ یعقوب علیہ السلام کو دکھ پہنچایا مگر یہ لوگ آخر مقرب ہو گئے کیونکہ قابیل کی یہ حرکت ایک عورت کے عشق میں تھی اور ان کا یہ کام حضرت یعقوب علیہ السلام کا محبوب بننے کے لئے تھی **یخل لکم وجہ ابیکم** اس لئے یہ فرق ہوئے **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کا جرم معاف کر دیا گیا مگر سورہ بقرہ میں گزرا کہ انہیں قتل کر دیا گیا۔ **واقتلوا انفسکم** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** سارے بچھڑا پرست قتل نہ کیئے گئے کچھ قتل کیئے گئے کچھ کو معاف کر دیا گیا۔ جو قتل کیئے گئے انہیں بعد قتل معاف فرما دینا بھی معافی ہے اگر رب تعالیٰ دنیا میں ہم کو سزا دے کہ آخرت کے عذاب سے بچالے تو یہ بھی اس کی معافی ہے۔ یا اس معافی کا مطلب یہ ہے کہ تمام قوم اسرائیل ہلاک نہ کر دی گئی وہ اس جرم کی وجہ سے اس کے مستحق ہو چکے تھے۔ **پانچواں اعتراض** دنیا میں دیدار الٰہی ممکن ہے یا ناممکن۔ اگر ممکن ہے تو اس کے مطالبہ کی وجہ سے **ان اسرائیلیوں** پر عذاب کیوں آگیا۔ اور وہ ہلاک کیوں کر دیئے گئے اور اگر ناممکن ہے جس کی دعا ناجائز ہے تو موسیٰ علیہ السلام نے یہ خواہشیں کیوں کی۔ حضرات انبیاء کرام گناہ سے معصوم ہوتے ہیں۔ **جواب** دنیا میں دیدار الٰہی ممکن بالذات ہے ناممکن بالغیر ہے ناممکن بالذات کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ جیسے آج کوئی کہے خدایا مجھے نبی بنا دے یا مجھے فرشتہ بنا دے۔ یا مجھے خدا بنا دے نعوذ باللہ ایسی دعائیں مانگنے والا سخت گناہ گار ہے اور ناممکن بالغیر کی دعا مانگنا۔ کبھی جائز ہے کبھی ناجائز۔ چونکہ بنی اسرائیل کا یہ مطالبہ شوق دیدار سے نہ تھا بلکہ عناداً تھا لہٰذا سزا کے مستحق ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمنا شوق دیدار سے تھی۔ لہٰذا وہ محبوب رہے جیسے کوئی آج ہی جنت میں پہنچ جانے کی دعا کرے شوق و عشق کی بنا پر ہے تو گناہ نہیں ورنہ گناہ ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں بچھڑا پرستی کے ساتھ یہ کیوں فرمایا گیا **من بعد ما جاءتھم البینت** کیا بغیر روشن آیات دیکھے بت پرستی جائز ہے بت پرستی بہر حال شرک ہے خواہ روشن آیات دیکھنے کے بعد ہو یا اس کے بغیر۔ **جواب** یہ ذکر ان کی زیادتی جرم بیان فرمانے کے لئے ہے بے خبر آدمی کا گناہ ایک گناہ ہے اور خبردار کا گناہ ڈبل گناہ ہے۔ نیز جس پر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام زیادہ ہوں۔ اس کا گناہ کرنا سخت

www.alahazratnetwork.org

سزا کا باعث ہے۔ بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ نے خصوصی انعام بہت فرمائے تھے۔

تفسیر صوفیانہ ہر شخص کو چاہیے کہ اپنی حیثیت کے لائق سوال کرے۔ اپنی حیثیت سے زیادہ کا مطالبہ کرنے والا محروم رہتا ہے۔ نیز لایعنی اور غیر مفید سوالات کرنے والے کا انجام شامت ہے۔ سوالات میں الجھے ہوئے دلائل میں پھنسے ہوئے لوگ اکثر ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ اگر توفیق خداوندی دستگیری نہ کرے تو انسان نبی بلکہ فرشتوں بلکہ خدا کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتا۔ اور اگر توفیق الٰہی شامل حال ہو تو نبی کو سن کر ہی ایمان لے آتا ہے۔ دیکھو یہود مدینہ کی دستگیری توفیق خیر نے نہ کی تو وہ واہیات مطالبے ہی کرتے رہے کبھی کہتے کہ حضرت جبرائیل قرآن لاتے ہیں اس لئے ہم اسے نہیں مانتے۔ اگر حضرت میکائیل لاتے تو ہم مان لیتے کبھی کہتے کہ قرآن ایک دم نہیں اترا اس لئے ہم نہیں مانتے اگر ایک دم اترتا تو ہم مان لیتے۔ اگر ان بدنصیبوں کے تمام مطالبے پورے کر بھی دیئے جاتے۔ تب بھی وہ ایمان نہ لاتے۔ حضرت ابو بکر صدیق سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بعثت مجھے نبی بنایا گیا۔ تو آپ نے فورا فرمایا صدقت آپ سچے ہیں نہ کوئی مطالبہ کیا نہ کچھ پس و پیش فرمایا حضرت اویس قرنی نے صرف سن کر سب کچھ مان لیا۔ آخر کیوں اس لئے کہ توفیق شامل حال تھی۔ یہ آیت کریمہ ہم لوگوں کے لئے باعث عبرت ہے۔ (روح البیان)

علمائے یہود بڑے بدنصیب تھے کہ انہیں رہبر بنایا گیا تھا مگر وہ رہزن بن گئے۔

شعر:۔

☆ راہ زن راہ بر نہیں ہوتے ☆ رہبرو تم میں راہزنی کیوں ہے ☆

اللہ تعالیٰ توفیق خیر دے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِمِيْثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ
اور اٹھایا ہم نے اوپر ان کے طور کو ان کا وعدہ لینے کے لئے اور کہا ہم نے ان سے کہ داخل ہو تم اس دروازے میں
پھر ہم نے ان پر طور کو اونچا کیا ان سے عہد لینے کو اور ان سے فرمایا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے داخل
سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوْا فِي السَّبْتِ وَاَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيْثَاقًا
سجدہ کرتے اور کہا ہم نے ان سے کہا کہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نہ بڑھو اور لیا ہم نے ان سے وعدہ
ہو اور ان سے فرمایا کہ ہفتہ میں حد سے نہ بڑھو اور ہم نے ان سے گاڑھا
غَلِيْظًا
مضبوط
عہد لیا

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** آیت میں یہود کی سرکشیوں کا ذکر تھا۔ اب ان کی نافرمانیوں کا تذکرہ ہے۔ گویا اصل کا ذکر فرمانے کے بعد شاخوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ سرکشی اصل ہے اور نافرمانی اس کی شاخ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے ان جرموں کا ذکر تھا جو توریت شریف آنے سے پہلے انہوں نے کیے۔ دیدار الٰہی کا مطالبہ بچھڑا پرستی۔ اب ان کے ان جرموں کا ذکر ہے جو نزول توریت کے بعد انہوں نے کیے تاکہ معلوم ہو کہ ان کی سرکشی نہ نبی اللہ کی صحبت سے کم ہوئی نہ کتاب اللہ کے نزول سے۔ چونکہ نبی کی ہدایت کتاب کی ہدایت سے اعلیٰ ہے۔ اس لئے اعلیٰ کے بعد ادنیٰ کا ذکر فرمایا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے جرموں کے بعد حق تعالیٰ کی معافیوں کا ذکر تھا۔ اب رب تعالیٰ کی معافیوں کے بعد ان کے جرموں کا ذکر ہے تاکہ پتہ چلے کہ ادھر سے عطا میں رہیں مگر ان کی طرف سے خطائیں۔ **شعر:۔**

☆ مجھ خطا کار پر عطا پہ عطا ☆ اے مرے مہرباں ترے صدقے ☆

تفسیر ورفعنا فوقھم الطور بمیثاقھم اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے وہ تین جرم بیان فرمائے جو مختلف زمانوں میں ان سے صادر ہوئے پہلا جرم و سرکشی وہ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں انہوں نے کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر ان کے پاس تشریف لائے تو یہود بولے **سمعنا و عصینا** ہم نے احکام الٰہیہ سن تو لئے مگر کریں گے نافرمانی۔ تو رب تعالیٰ نے ان پر طور اکھاڑ کر شامیانہ یا بادل کی طرح لاکھڑا کر دیا کہ یا تو مانو ورنہ گرتا ہے تم پر۔ اس کا ذکر اسی جملہ میں ہے۔ رفع کے معنی ہیں طور اکھیڑ کر اس قوم پر اٹھا دینا۔ اگرچہ یہ کام فرشتوں کا تھا مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھا، چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں۔ ان کا کام گویا رب تعالیٰ ہی کا کام اس لئے اسے رب نے اپنی طرف نسبت دیکر فرمایا **ورفعنا** ہم نے اٹھا دیا۔ اونچا کر دیا۔ **فوقھم** فرما کر یہ بتایا کہ یہاں رفع مجازاً" کسی اور معنی میں نہیں بلکہ حقیقتاً اٹھایا گیا۔ اور ان کے اوپر لایا گیا گویا فوق نے رفع کے معنی مقرر فرما دیئے وہم کا مرجع وہ تمام یہود ہیں جنہوں نے احکام توریت ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ طور وہ ہی مشہور پہاڑ ہے جو وادی مقدس طویٰ میں واقع ہے۔ جس پر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی۔ یہاں ہی توریت دی گئی یہاں ہی موسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ سے ہم کلام ہوتے تھے۔ یہ گنہگار طور کے قریب تک تو پہنچا مگر اس پر جا نہ سکا۔ دمشق سے قریب ہے۔ دمشق کی حاضری میں نے دی ہے۔ **بمیثاقھم** میں ب سببیہ ہے۔ وعدہ۔ عہد اور میثاق کے فرق ہم پہلے پارہ میں اس آیت کے ماتحت بیان کر چکے ہیں۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ یہاں میثاق سے مراد یا دین موسوی پر قائم رہنے کا وعدہ ہے یا یہ وعدہ ہے کہ اگر ہم دین سے پھر جائیں تو سخت عذاب کے مستحق ہوں گے یا توریت کے ماننے اس پر عمل کرنے کا عہد و پیمان ہے۔ تیسرے معنی بہت موزوں و مناسب ہیں۔ (کبیر وغیرہ)

www.alahazratnetwork.org

چونکہ توریت کے احکام بہت سخت تھے اور آئے یکدم لہذا وہ اس کے ماننے سے انکاری ہو گئے۔ تب یہ واقعہ پیش آیا۔ **وقلنالھم ادخلوا الباب سجدا** یہ یہود کا دوسرا جرم ہے۔ یہ واقعہ کب ہوا اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی ہوا۔ جب یہ لوگ میدان تیہ میں قید تھے۔ اس زمانہ میں انہیں شہر اریحامیں جاکر توبہ کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس صورت میں "الباب" سے مراد اریحا شہر کا دروازہ ہے اور "سجدا" سے مراد ہے۔ باادب جھکے ہوئے داخل ہونا یا نوافل پڑھ کر داخل ہونا۔ باادب یہ سجدہ توبہ کے لئے تھا داخلہ کے وقت تھا ادب کے لئے۔ دوسرے یہ کہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا جب یہ لوگ تیہ کی قید ختم کر چکے۔ تب انہیں بیت المقدس میں داخل ہونے کا حکم دیا گیا۔ اس صورت میں باب سے مراد شہر بیت المقدس کا دروازہ ہے۔ اور یہ سجدہ سجدہ شکر ہے جس میں ادب شہر ملحوظ ہے۔ اس کی پوری بحث ہم پہلے پارہ کر چکے ہیں۔ بہر حال یہاں الباب سے مراد اریحا شہر کا دروازہ ہے۔ یا بیت المقدس کا دروازہ اور سجدہ سے توبہ کا سجدہ مراد ہے یا سجدہ شکر لیکن قوی یہ ہے کہ یہ سجدہ توبہ تھا۔ کیونکہ قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا **ادخلوا الباب سجدا وقولوا حطة** یعنی سجدہ کرتے داخل ہو اور کہو معافی معافی۔ اگر سجدہ شکر ہوتا تو الحمدللہ کہلوایا جاتا۔ **حطة** کہلوانے سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ سجدہ توبہ کا تھا۔ ہر موقعہ کے لئے ذکر الٰہی علیحدہ ہے **وقلنا لھم لا تعدوا فی السبت** یہ یہود کے تیسرے جرم کا ذکر ہے۔ **لا تعدوا** بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے آگے بڑھ جانے والا۔ سبت سے مراد ہفتہ کا دن ہے۔ یہود پر لازم تھا کہ ہفتہ کے دن نہ کوئی دنیاوی کاروبار کریں نہ مچھلی کا شکار یہ دن خالص عبادت الٰہی کے لئے وقف رکھیں۔ مگر یہود نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مچھلی کا شکار یہ دن خالص عبادت کے لئے وقف رکھیں۔ مگر یہود نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مچھلی کا شکار کیا جس پر عذاب الٰہی آگیا۔ اس کا ذکر بھی پہلے گزر چکا اور انشاء اللہ سورہ اعراف میں بھی آئے گا۔ **واخذنا منھم میثاقا غلیظا**۔ اس میثاق سے یا تو وہ ہی میثاق مراد ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ طور سروں پر مسلط ہے اور ان سے یہ عہد لیا جا رہا ہے۔ یا ان لوگوں سے کہا گیا تھا کہ اگر تم نے اس وعدے کی خلاف ورزی کی تو تم کو ایسا سخت عذاب دیا جاوے گا جو کسی کو نہ دیا گیا ہو۔ غرض میثاق غلیظ سے نہایت مضبوط وعدہ مراد ہے خواہ یہ ہی جو یہاں مذکور ہے یا اور دوسرا عہد۔ خیال رہے کہ یہ عہد میثاق اگرچہ بواسطہ موسیٰ علیہ السلام و یوشع علیہ السلام داؤد علیہ السلام ہوئے مگر چونکہ رب تعالیٰ کے حکم سے تھے یا چونکہ رب تعالیٰ کے محبوبوں سے عہد رب تعالیٰ سے عہد ہے اس لئے اخذنا میں عہد لینے کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمایا۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہود جو آج بڑھ چڑھ کر باتیں کر رہے ہیں اور قرآن کریم پر ایمان لانے کے لئے اگر مگر کر کے ایچ پیچ کر رہے ہیں کہ اگر قرآن یکدم آجاتا تو ہم ایمان لے آتے۔ ان کی اپنی سیاہ کاریوں کا یہ عالم ہے کہ جب ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام جن کے بہت سے معجزات دیکھ چکے تھے اور جن کے امتی ہونے کا یہ دعویٰ کرتے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

جب وہ توریت لائے تو یہ لوگ توریت کے ماننے سے ہی انکار کر گئے تھے اور بولے کہ ہم نے سب کچھ احکام تو سن لیے مگر مانیں گے نہیں۔ آخر کار ہم نے پورا طور پہاڑ اکھیڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا اور فرمایا کہ توریت کو مانو ورنہ تم پر گرتا ہے تب خوف کے مارے ان کے ماننے کا وعدہ کیا۔ توریت تو ایک دم ہی آئی تھی۔ ان کی اپنی کتاب تھی۔ ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام پر آئی تھی۔ پوچھئے اس کا انکار کیوں کیا۔ کیا پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد جب انہیں میدان تیہ کی قید سے رہائی ملی اور یوشع علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بیت المقدس میں داخل ہو مگر اس طرح کہ اسی شہر کا احترام کرتے ہوئے سجدہ کناں داخل ہو یا اس طرح کہ باادب جھکے ہوئے داخل ہو یا اس طرح کہ نفل پڑھ کر داخل ہو مگر یہ چوتڑوں کے بل گھسٹتے ہوئے وہاں گئے اور بجائے معافی مانگنے کے گندم مانگتے گئے یہ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ پناہ خدا۔ پھر ہم نے ان سے مضبوط عہد لیا تھا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار نہ کرو مگر یہ نہ مانے اور داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ حیلہ بہانہ بنا کر مچھلی کا شکار کرتے رہے۔ آخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ ایسے بد عہد لوگ اگر آپ پر ایمان نہ لائیں تو آپ غم نہ کریں۔ ان کا ایمان قبول نہ کرنا ان کی اپنی ضد کی وجہ سے ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے سردار ہیں ایسے ہی حضور کی امت تمام امتوں کی سردار ہے۔ اس سرداری کی بہت وجہیں ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ یہ امت بہت ہی اطاعت شعار وفادار ہے۔ اسلام کے سارے احکام اس امت نے نہایت خندہ پیشانی سے قبول کر لئے دیکھو یہود نے توریت شریف قبول تو کی مگر جب کہ پہاڑ سر پر لا کھڑا کیا گیا تفسیر صاوی میں ہے کہ جب ان پر طور پہاڑ لایا گیا تو یہ سجدے میں گر گئے اور زبان سے بولے قبول کر لیا مگر سجدہ اس طرح کیا کہ پیشانی کا ایک حصہ زمین پر تھا اور آنکھیں پہاڑ پر لگی ہوئیں۔ اب تک یہود کا سجدہ ایسا ہی ہوتا ہے (صاوی) گویا اب بھی دل سے نہ مانا صرف زبان سے ماننے کا اقرار کر لیا۔ حضرات صحابہ نے قرآنی احکام مان کر عمل کر کے دکھا دیئے۔ خیال رہے توریت کے آنے کا دن یہود کے لئے مصیبت و آفت کا دن تھا۔ مگر قرآن مجید کے آنے کا دن بلکہ اس کی آمد کا مہینہ مسلمانوں کی عید کا دن عید کا مہینہ ہے۔ چنانچہ ماہ رمضان اور شب قدر مسلمانوں کی خوشی کے دن ہیں۔ کہ اب چودہ سو برس کے بعد بھی مسلمان قرآن کے نزول کے مہینہ میں شکریہ کی عبادات کرتے ہیں خوشیاں مناتے ہیں یوں ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا مہینہ دن تاریخ مسلمانوں کی عیدوں کے دن ہیں یہ ہے فرق قوم موسوی اور قوم محمدی میں۔ دوسرا فائدہ قرآن کریم کا آہستہ آہستہ ۲۳ سال میں اترنا اللہ کی خاص رحمت ہے۔ دیکھو توریت کے سارے احکام یک دم آنے سے یہود گھبرا گئے۔ مسلمانوں کو سارے احکام آہستگی سے منوا دیئے گئے۔ تیسرا فائدہ جب بندہ کو رب تعالیٰ سے بہت قرب ہو جاتا ہے تو بندے کے کام کو رب تعالیٰ اپنا کام قرار دیتا ہے فرماتا ہے میں نے کیا اور رب تعالیٰ کے کاموں کو بندہ کہتا ہے میں کرتا ہوں۔ یہ شرک نہیں یگانگت کا نتیجہ ہے۔ طور پہاڑ کو بنی اسرائیل پر فرشتوں نے اٹھایا مگر رب نے فرمایا رفعنا ہم نے اٹھایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام فرماتے ہیں کہ باذن الٰہی میں مردے زندہ کرتا ہوں۔ اندھوں کوڑھوں کو شفا دیتا ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جناب مریم علیہا السلام سے فرمایا کہ میں تجھ کو ستھرا بیٹا دیتا ہوں۔ چوتھا فائدہ ڈر اور خوف کا ایمان اور بعض وعدے معتبر ہیں۔ اگر کوئی شخص خوف سے ایمان لے آئے تو اب اسے مرتد ہو جانے کی اجازت نہ دی جاوے گی۔ دیکھو یہود کا وہ عہد و میثاق شرعاً معتبر ہوا جو انہوں نے خوف جان کی بنا پر کیا تھا۔ پانچواں فائدہ کسی کو جبراً" مسلمان بنانا جائز نہیں **لا اکراہ فی الدین** مگر مسلمان کو جبراً" برائیوں سے روکنا اس سے جبراً" نیکیاں کرانا جائز ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل سے جبراً" توریت منوائی گئی یہ فائدے ورفعنا الخ سے حاصل ہوا۔ شامی میں ہے کہ سلطان اسلام ماہ رمضان کی بے حرمتی کرکے علانیہ دن میں کھانے پینے والے مسلمان کو قتل کر سکتا ہے یہ بے تقویٰ پر مجبور کرنا۔ چھٹا فائدہ اصحاب موسیٰ علیہ السلام سے اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اصحاب موسیٰ علیہ السلام کے ان حالات کا ذکر کیا مگر جب آیت کریمہ **وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ** نازل ہوئی تو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ دلی خطرات قبضہ سے باہر ہیں۔ اگر ان پر پکڑ ہوئی تو نجات کیسے ہوگی حضور انور نے فرمایا کہ کیا تم اصحاب موسیٰ ہو کہ کہتے ہو۔ "**سمعنا و عصینا**" رب تعالیٰ نے ان کی حمایت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمومنون** یعنی ان کے ایمان و وفاداری اطاعت شعاری کی گواہی دی اور اپنے قانون میں یوں ترمیم فرمادی **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** الخ غرض کہ جیسا فرق حبیب و کلیم میں ہے ویسا ہی فرق ان کے اصحاب میں ہے۔ ساتواں فائدہ بزرگوں کے شہر کی تعظیم کرنا بہت اچھی بات ہے۔ دیکھو بستی اریحا میں حضرات انبیاء کرام کے مزارات تھے رب تعالیٰ نے اس شہر کی تعظیم اس طرح کرائی کہ یہود کو وہاں سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ اسی طرح مقدس مقامات کا ادب ضروری ہے۔ رب تعالیٰ نے طویٰ جنگل میں موسیٰ علیہ السلام کو جوتے اتارنے کا حکم دیا۔ کہ فرمایا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** اب بھی باہر سے مکہ معظمہ جانے والوں کو حکم ہے کہ احرام باندھ کر داخل ہوں کیونکہ شہر مکہ کا ادب کرنے کے لیے۔ امام مالک مدینہ منورہ کی سرزمین میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے۔ کیونکہ تعظیم مدینہ کے لئے بعض حضرات بزرگوں کی قبر کی طرف پیٹھ نہیں کرتے قرآن کریم کی طرف پیٹھ یا پاؤں نہیں کرتے کعبہ معظمہ کی طرف پاؤں پھیلانا شرعاً" منع ہے کیونکہ ان چیزوں کے ادب کے لئے یہ سب کچھ درست ہے اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہو سکتی ہے کہ ارشاد ہوا۔ **ادخلوا الباب سجدا** بلکہ ایک ہی شہر میں مسجد کا اتنا ادب ہے کہ وہاں بے غسل آدمی نہ جائے۔ پہلے داہنا پاؤں داخل کرے اور نکلتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالے۔ بدبو کی چیز مسجد میں نہ لائے۔ یہ سب ادب کے لئے ہے آٹھواں فائدہ بزرگوں کے مزارات کے پاس عبادات زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ مقام تیہ میں نہیں بلکہ مقام اریحا یا بیت المقدس میں جا کر توبہ یا شکر کرو تب قبول ہوگی۔ ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا۔ کہ توبہ کرنے کے لئے بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر توبہ کرو۔ **جاؤک فاستغفرو اللہ** جیسے بعض جگہ کی آب و ہوا

www.alahazratnetwork.org

پھل پھول کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ ایسے ہی مقربین کے قرب کی آب و ہوا عبادات کے لئے بہت فائدہ مند ہے۔ اس سے بہت سے مسائل حل ہو سکتے ہیں۔ نواں فائدہ مسلمان کسی شہر کو فتح کرنے پر فخر نہ کریں بلکہ رب تعالیٰ کا شکر کریں اور فتح کو اپنی بہادری کا نتیجہ نہ جانیں۔ رب تعالیٰ کا کرم سمجھیں یہ فائدہ سجدا" کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ یہ سجدہ سجدہ شکر تھا مجاہد و غازی جہاد میں تین باتوں کا خیال رکھیں۔ نمبرا جہاد میں صرف خدمت اسلام کی نیت سے کریں۔ ملک گیری غنیمت کے لئے نہ کریں نمبر ۲ دوران جنگ کبھی مال حاصل کرنے کی کوشش نہ کریں اللہ فتح دے تو سب کچھ ہمارا ہے نمبر ۳ کبھی اپنی جماعت یا قوت پر بھروسہ نہ کریں اللہ کے کرم پر بھروسہ کریں۔ بعد فتح تکبر نہ کریں۔ سجدہ شکر کریں انشاء اللہ فتح پائیں گے۔ اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ جم کر لڑیں رب کرم کرے گا۔ دسواں فائدہ یہود پر ہفتہ کا سارا دن عبادات کے لئے خالی رکھنا ضروری تھا۔ کوئی یہودی اس دن میں کوئی دنیاوی کاروبار نہیں کر سکتا تھا جیسا کہ **لا تعدوا فی السبت** سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ نے یہ خاص کرم فرمایا کہ جمعہ کے دن صرف ان لوگوں پر کاروبار حرام فرمایا جن پر جمعہ کی نماز میں رکاوٹ بنیں۔ یہ تمام کرم اس کریم بندہ نواز مدنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے ہیں جن کے امتی ہونے کا ہم سب کو شرف حاصل ہے۔ گیارہواں فائدہ ضدی ہٹ دھرم کو ہدایت بہت مشکل سے ملتی ہے۔ وہ ہمیشہ کیوں اور کیسے کے جال میں ہی پھنسا رہتا ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ ہم ملک یہودی تو ضدوں میں ہی پھنسے رہے مگر حضرات صحابہ کرام حضور کی اطاعت کر کے ملائکہ سے افضل ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ اطاعت کی توفیق دے کج بحثی سے بچائے۔ اس واقعہ میں ہم سب کو سبق ہے۔ بارہواں فائدہ جو اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہو جائے۔ اسے قتل کر دیا جاوے۔ اگر قتل کی دھمکی سے وہ اسلام میں پھر آ جاوے تو جائز ہے۔ دیکھو یہ بنی اسرائیل پہلے مومن ہو چکے تھے۔ پھر توریت کا انکار کر کے مرتد ہوئے جس پر پہاڑ اکھیڑ کر سروں پر مسلط کر کے ان سے توریت کا اقرار کرایا تب انہیں معافی دی گئی۔ پھر جب یہ لوگ بچھڑا پوج کر مرتد ہوئے تو انہیں قتل کرایا گیا **اقتلوا انفسکم**۔ جو کہتے ہیں کہ قتل مرتد قرآن مجید سے ثابت نہیں وہ ان آیات سے عبرت پکڑیں۔ قتل مرتد والی احادیث کی ان آیات سے تائید ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض کافروں کو جبراً" مسلمان بنانا کسی سے جبراً" اقرار کرانا جائز نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا اکراہ فی الدین** تو بنی اسرائیل پر پہاڑ مسلط کر کے دھمکا ڈرا کر توریت کیوں منوائی گئی اور اطاعت کا اقرار کیوں کروایا گیا۔ یہ عمل اس قانون کے خلاف ہے۔ جواب بنی اسرائیل مومن و مسلم تو پہلے ہی ہو چکے تھے اب توریت کا انکار کر کے مرتد ہونا چاہتے تھے۔ اس ارتداد کی انہیں اجازت نہ دی گئی۔ اب بھی کسی مسلمان کو مرتد نہ ہونے دیا جاوے گا۔ اگر ہو گیا تو قتل کیا جاوے گا۔ نیز مسلمان کو نیک اعمال کرنے گناہوں سے بچنے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ دس برس کے بچوں کو مار مار کر نماز پڑھاؤ۔ زانی کو رجم شرابی کو اسی کوڑے چور کو ہاتھ کاٹنے کی سزا دی جاتی ہے۔ تاکہ اس ڈر سے وہ ان جرموں سے بچیں یہود توریت پر عمل کرنے سے انکاری تھے لہذا یہ جبر بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض جس سجدہ کا

www.alahazratnetwork.org

اس آیت میں ذکر ہے یا تو سجدہ شکر تھا۔ یا سجدہ توبہ کوئی سا سجدہ سہی یہ سجدہ مقام تیہ میں بھی ادا ہو سکتا تھا۔ ان پر یہ پابندی کیوں لگائی گئی کہ اریحا یا بیت المقدس میں سجدہ کرتے جاؤ۔ رب تعالیٰ کی راحت اس کا عفو و کرم تو ہر جگہ ہے پھر یہ قید کیوں۔ **جواب** جیسے ریل گاڑی گزرتی ہے۔ ساری لائن سے مگر ملتی ہے۔ اسٹیشن پر بجلی کا پاور موجود ہے سارے تاریں مگر روشنی کے لئے بلب۔ ہوا کے لئے برقی پنکھے گرمی کے لئے ہیٹر کے پاس جانا ضروری ہے کہ پاور کا فیض ملتا ہے۔ ان مقامات سے اسی طرح اللہ کی رحمت اس کا عفو و کرم ہے تو ہر جگہ مگر چلتی ہے نیک مقبول بندوں کے پاس یا ان کے مزارات کے پاس یہ مقامات رحمت الہٰی کے اسٹیشن ہیں خود فرماتا ہے **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** یا تو خود محسن ہو یا کسی محسن کے قریب جاؤ تو رحمت الہٰی پاؤ گے۔ ہم مسلمانوں کو بزرگوں کے آستانوں پر حاضر ہونا اسی لئے ہے فرماتا ہے **امن یجیب المضطر اذا دعاہ** یا تم خود بیقرار ہو ورنہ بیقرار دل والوں کے پاس جاؤ تو دعا قبول ہو گی۔ شعر:۔

☆ چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داراں زن ☆ کہ بیداری بخت از بخت بیداراں شود حاصل ☆

تیسرا اعتراض سجدہ کرتے ہوئے شہر میں داخل ہونا ممکن نہیں کیونکہ سجدہ چہرے سے ہوتا ہے۔ اور چلنا داخل ہونا پاؤں سے۔ پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے داخل ہو۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا ہے کہ یا تو سجدہ سے مراد ہے جھکنا۔ رکوع کرنا یعنی ادب سے سر جھکائے ہوئے شہر میں داخل ہو۔ جیسے آج احرام باندھے ہوئے مکہ معظمہ میں داخل ہوتے ہیں یا مراد یہ ہے کہ نفل پڑھ کر شہر میں داخل ہو۔ یا دروازہ شہر میں داخل ہو کر نفل پڑھو۔ جیسے آج نفل پڑھ کر روضہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھا جاتا ہے۔ اور مسجد میں جا کر **تحیتہ المسجد** نفل پڑھتے ہیں **چوتھا اعتراض** بنی اسرائیل کو ہر گناہ پر اریحا یا بیت المقدس کیوں نہ بھیجا گیا۔ اس گناہ میں کیا خصوصیت تھی کہ اس کی توبہ کے لئے دوسرے شہر بھیجا گیا۔ رب تعالیٰ نے یہاں ہی معافی کیوں نہ دیدی **جواب** معمولی گناہ اور معمولی ناراضی کی معافی آسانی سے ہو جاتی ہے۔ مجرم خود ہی معافی لے لیتا ہے مگر بڑا جرم بخشوانے کے لئے کسی ایسی ذات کو بیچ میں ڈالنا پڑتا ہے۔ جس کی بات حاکم مانتا ہو۔ رب تعالیٰ زوجین کی سخت نااتفاقی کے متعلق فرماتا ہے۔ **فابعثوا حکما من اہلہ وحکما من اہلہا** حضرت آدم کی خطا جب تین سو سال کی گریہ زاری سے معاف نہ ہوئی تو حضور کا وسیلہ پکڑا معافی ہو گئی۔ ہم کو فرماتا ہے۔ **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاؤک** مگر ایسے وقت وسیلہ ایسی ذات کو بنایا جائے جو رب سے واصل ہو۔ ہم میں شامل ہو۔ فرشتے رب سے واصل تو ہیں مگر ہم میں شامل نہیں۔ لہٰذا ان کا توسل نہیں۔ کفار اور گنہگار آدمی ہم میں شامل تو ہیں مگر رب سے واصل نہیں ان کا توسل بھی نہیں۔ حضرات انبیاء اولیاء وہ ہیں جو ادھر اللہ سے واصل ادھر دنیا میں شامل ان کا توسل درست ہے۔ چونکہ بنی اسرائیل کی خطا سخت تھی اس لئے انہیں نبیوں کے شہر میں بھیجا گیا کہ یہ توبہ کریں وہ اپنی قبروں سے آمین کہیں ان کا کام بن جاوے۔ شعر:۔

www.alahazratnetwork.org

☆ تھور نہیں روٹھے گر دے میل روٹھے رب ☆ اور کو گر جائیں جو ہیں کوڑ تر وہ بھیکا. ☆

پانچواں اعتراض جن اسرائیلیوں نے ہفتہ کے دن شکار کر لیا وہ بندر بنا کر ہلاک کر دیئے گئے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اب بھی یہود و نصاریٰ اپنے محترم دنوں میں شکار کرتے ہیں۔ عذاب کیوں نہیں آتا۔ **جواب** جن گناہوں پر پچھلے زمانوں میں عذاب آئے وہ تمام گناہ مع زیادتی موجود ہیں۔ مگر دنیاوی عذاب آنا بند ہو گئے۔ قوم شعیب کم تولنے پر قوم لوط بدکاری پر ایلہ والے ہفتہ کے دن شکار پر ہلاک ہوئے۔ یہ تمام گناہ اب بھی ہیں مگر عذاب..... وہ ہی ہے۔ قدرت وہ ہی ہے۔ ہماری بدکاریاں وہ ہی ہیں۔ مگر نبی وہ نہیں۔ اب نبی رحمت والے حضور محمد رسول اللہ کی سلطنت کا دور دورہ ہے اس لئے قانون الٰہی بدل گیا۔ رب نے فرمایا **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم**

تفسیر صوفیانہ یہود مدینہ کے پاس قال بہت تھا وہ حال سے خالی تھے۔ اسی لئے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات سے محروم رہے۔ ایسی بارگاہ عالی میں رہ کر ایمان بھی نہ لے سکے۔ جو حال والے تھے انہوں نے اس سرکار سے ایمان' عرفان' ایقان' غذا شہادت بلکہ صحابیت حاصل کر لی۔ دلائل مثل لالٹین کی روشنی کے ہیں۔ لالٹین وغیرہ سے وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کے پاس آنکھ کی روشنی ہو اندھے کے لئے یہ خارجی روشنی بیکار ہے۔ یونہی جس کے دل میں توفیق خداوندی کی روشنی نہ ہو وہ معجزات و دلائل سے کبھی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ رب تعالیٰ نے ان آیات میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی ہے۔ کہ یہود کا آپ سے ہدایت نہ پانا اس لئے نہیں کہ شمع جمال محمدی میں روشنی کی کمی ہے۔ بلکہ اس لئے ہے کہ ان کو توفیق خداوندی کی روشنی نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ جو مطالبے آپ سے کر رہے ہیں اور جن چیزوں کو اپنے ایمان کے لئے آڑ بنا رہے ہیں وہ چیزیں اپنے پیغمبر میں دیکھ چکے تھے پا چکے تھے۔ مگر ان سے اور قسم کی کج بحثی یہ لوگ جن کے امتی ہونے کے مدعی ہیں جب ان سے نہ ٹلے تو اگر آپ سے کج بحثی کریں تو ان سے کیا بعید ہے۔ ہم لوگوں کو چاہیے کہ یہود کے اس عناد و فساد سے سبق لیں۔ اگر ہم نے بھی قیل و قال کا دروازہ کھول لیا تو حال سے محروم رہیں گے۔ رب تعالیٰ توفیق خیر نصیب کرے کہ اس سے راہ ملتی ہے۔

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ
تو ان کے توڑنے کی وجہ سے اپنے عہد کو اور ان کے انکار کی وجہ سے اللہ کی آیتوں کا اور ان کے قتل کرنے کی وجہ
تو انکی کیسی بد عہدیوں کے سبب ہم نے ان پر لعنت کی اور اس لئے کہ آیات الٰہی کے منکر ہوئے اور انبیاء کو ناحق شہید کرتے
بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا
سے نبیوں کو بغیر حق کے اور انکے کہنے کی وجہ سے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ مہر لگا دی اللہ نے ان پر انکے کفر کی وجہ سے
اور ان کے کہنے پر اس کے کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں پر مہر

www.alahazratnetwork.org

يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٥٥﴾ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾

بس نہ ایمان لائیں گے مگر تھوڑے اور ان کے کفر کی وجہ سے ان کے کہنے کی وجہ سے اوپر مریم کے بہتان بڑا

لگادی ہے تو ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے۔ اور اس لئے کہ انہوں نے کفر کیا اور مریم پر بہتان اٹھایا بڑا

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيحَ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ اللَّهِ وَمَا

اور ان کے کہنے کی وجہ سے کہ بیشک ہم نے قتل کر دیا مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کو اللہ کے رسول کو

اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو شہید کیا اور

قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۚ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِيهِ لَفِي

حالانکہ نہ انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ سولی دی انہوں نے اور لیکن شبہ میں ڈالا گیا ان کو اور بیشک

ہے یہ کہ نہ انہوں نے اسے قتل کیا اور نہ اسے سولی دی بلکہ ان کے لئے ان کی شبیہ کا ایک بنا دیا اور وہ جو

شَكٍّ مِنْهُ ۚ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًا ﴿١٥٧﴾

وہ لوگ جو جھگڑے بیچ ان کے البتہ شک کے ہیں ان سے نہیں ہے انہیں اس کا علم سوائے پیروی کرنے گمان کے اور نہیں

اس کے بارے میں اختلاف کرتے ہیں ضرور اس کی طرف سے شبہ میں پڑے ہوئے ہیں انہیں اس کی کچھ خبر

بَلْ رَفَعَهُ اللَّهُ إِلَيْهِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٥٨﴾

قتل کیا یقیناً انہیں بلکہ ان کو اٹھا لیا اللہ نے طرف اپنے اور ہے اللہ غالب حکمت والا

نہیں مگر یہی گمان کی پیروی اور بیشک انہوں نے اسکو قتل نہ کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کا اللہ تعالیٰ سے پختہ وعدہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب اس پختہ عہد کے توڑ دینے کا ذکر ہے یعنی انہوں نے عہد تو کر لیا مگر پورا نہ کیا بلکہ توڑ دیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کی اس سرکشی کا ذکر تھا جو عہد کرتے وقت انہوں نے کی یعنی خوشی سے عہد نہ کرنا بلکہ پہاڑ گرنے اور اپنے دب کر مرجانے کے خوف سے...... کرنا۔ اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جو اس عہد کے بعد ظاہر ہوئی۔ یعنی اسے پورا نہ کرنا۔ اسے توڑ دینا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی اس سرکشی کا ذکر تھا جو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تھے۔ دیدار الٰہی کا مطالبہ۔ بچھڑے کی پوجا وغیرہ۔ اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جو انہوں نے دوسرے نبیوں سے کی۔ انبیاء کرام کو قتل کر دینا اور عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ماجدہ کو بہت ستانا تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ عادی مجرم ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ان کے مجرم ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ڈھیٹ ہونے کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مجرم بھی ہیں اور ڈھیٹ بھی کہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف و پردے ہیں یعنی جرموں پر بجائے شرمندہ ہونے کے ناز کرتے ہیں جو ایسا ڈھیٹ

www.alahazratnetwork.org

مجرم ہو اس کی ہدایت کی کیا امید ہے پانچواں تعلق پچھلی آیت میں یہود کی سرکشیوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفتوں کا ذکر تھا اب اشارۃً غیبی خبر دی جا رہی ہے کہ یہ لوگ اپنی تدبیروں میں ناکام رہیں گے۔ یہ عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی تدبیر میں ناکام رہے۔ دوسرے نبیوں کی مخالفت میں خائب و خاسر رہے تو اے محبوب آپ کی مخالفت میں بھی یہ سب اسی طرح ناکام و نامراد رہیں گے۔

تفسیر **فبما نقضھم میثاقھم** ف تعقیب بلا تراخی کے لئے ہے چونکہ یہود نے گزشتہ عہد کرتے ہی اس کی مخالفت شروع کر دی تھی۔ اس لئے ف ارشاد ہوا۔ ب جارہ سببیہ ہے ما زائدہ نقض کے معنی ہیں۔ توڑنا وعدہ کی بالکل پابندی نہ کرنا اس کی پوری مخالفت کرنا نقض عہد کہلاتا ہے۔ اس کا مقابل ہے۔ ایفائے عہد یعنی وعدہ پورا کرنا ہم کو مرجع وہ ہی یہود مدینہ ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے کہ اگرچہ وعدہ شکنی کرنے والے ان کے باپ دادے تھے مگر چونکہ یہ لوگ ان کی حرکتوں سے راضی تھے اس لئے یہ جرم ان کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ میثاق سے وہی عہد مراد ہے جو کوہ طور مسلط فرما کر ان سے لیا گیا۔ یعنی احکام توریت پر عمل کرنا۔ اس میں گفتگو ہے کہ **فبما** جار مجرور کس کے متعلق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آئندہ جو ارشاد ہو رہا ہے۔ **حرمنا علیھم** اس کے متعلق ہے مگر زیادہ قوی یہ ہے کہ "**لعنا یا مخطنا**" پوشیدہ فعل کے متعلق ہے (تفسیر کبیر وغیرہ) عہد توڑنے سے مراد توریت شریف پر عمل کرنے کا عہد توڑنا ہے۔ ان یہود نے وعدہ خلافی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد سے ہی شروع کر دی تھی۔ پھر برابر کرتے ہی رہے۔ عقیدے' عبادات' معاملات سارے احکام میں خلاف ورزی کی حتیٰ کہ قارون نے زکوٰۃ سے صرف انکار ہی نہیں کیا بلکہ اس حکم کو ہی غلط کہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا منکر ہو گیا۔ نمازیں چھوڑ دیں حتیٰ کہ یہود نے آگے چل کر حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ خیال رہے کہ کفر کرنا' علامات کفر اختیار کرنا یعنی وہ عمل کرنا جو نشان کفر ہیں یوں ہی گناہ کو جائز سمجھ کر کرنا یہ ہے نقض عہد۔ جس سے انسان دین سے نکل کر بے دین ہو جاتا ہے۔ گناہ بدعملی ہے نقض عہد نہیں۔ لہٰذا ان کی بد عملیوں کو عہد توڑنا کہنا بالکل درست ہے۔

وکفرھم بایت اللہ یہ عبارت **نقضھم** پر معطوف ہے۔ کفر سے مراد انکار کرنا ہے۔ ایات اللہ سے مراد قرآن کریم کی آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں جس کے موجودہ یہودی منکر تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور توریت کی آیات ہوں کہ اگرچہ وہ لوگ ان کے مان لینے کے دعویدار تھے۔ مگر چونکہ عمل خلاف تھا اس لئے انہیں منکر قرار دیا گیا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے رسولوں ساری کتابوں سارے رسولوں کے معجزات کا انکار ہے۔ (تفسیر صاوی) غرض کہ آیات اللہ میں چار احتمال ہیں اور کفر میں دو احتمال۔ آیات اللہ قرآنیہ یا معجزات رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو کفر سے مراد اعتقادی و اقرار کفر ہے کہ یہود ان دونوں کے منکر تھے کھلے ہوئے اور اگر آیات اللہ سے مراد آیات توریت ہیں یا موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں تو "کفرہم" سے

www.alahazratnetwork.org

مراد عملی کفر کہ زبان سے ان دونوں کا اقراری تھے۔ عملاً انکاری۔ اب بھی عیسائی انجیل کے زبانی اقراری ہیں عملاً انکاری یہ ہی حال ہندوؤں کا ہے کہ عملاً "وہ دید کو چھوڑ چکے ہیں۔

وقتلھم الانبیاء بغیر حق یہ عبارت "کفرہم" پر معطوف ہے۔ اور یہود کے لعنتی ہونے کی تیسری وجہ۔ قتل سے مراد تلوار وغیرہ سے شہید کرنا ہے "ہم" کا مرجع وہ ہی موجودہ یہود ہیں۔ انبیاء سے مراد وہ نبی ہیں جنہیں یہود نے قتل کیا تھا یہ بہت بڑی جماعت تھی۔ ان میں حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام بھی ہیں۔ بغیر حق سے مراد خود ان قاتل یہودیوں کے خیال میں بھی ناحق ہوتا ہے کہ یہود خود بھی کہتے تھے کہ ہم نے ان حضرات کو بلاوجہ قتل کیا۔ محض اپنے ذاتی مفاد کی خاطر۔ کیونکہ قتل کی وجہ صرف تین ہو سکتی ہیں۔ مرتد ہو جانا کسی کو قتل کر دینا۔ زنا یا بغاوت ان حضرات انبیاء سے یہ کوئی جرم صادر نہ ہوا تھا۔ لہٰذا ان کا قتل ناحق ہی تھا۔ **وقولھم قلوبنا غلف** یہ عبارت **قتلھم** پر معطوف ہے۔ اور یہود کے پھٹکارے جانے کی چوتھی وجہ۔ غلف یا تو غلاف کی جمع ہے۔ بمعنی بستہ و جزدان یا اغلف کی جمع ہے۔ بمعنی بستہ میں بندھا ہوا۔ لہٰذا اس کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ ہمارے دل رحمت الٰہی کے پردوں و بستوں میں محفوظ ہیں۔ اس حفاظت کی وجہ سے آپ کی تبلیغ ہمارے دلوں تک نہیں پہنچ سکتی۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وقلوا قلوبنا فی اکنۃ مما تدعون الیہ**۔ یعنی وہ اپنے کافر رہنے اسلام قبول نہ کرنے پر فخر کرتے تھے اور اسے رحمت خداوندی سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ ہمارے دل علوم الٰہیہ کے غلاف معرفت ربانی کے برتن ہیں۔ جن میں علم و معرفت بھرے ہوئے ہیں ہم کو آپ کے اسلام کی ضرورت نہیں ہم تو خود علم و ایمان کا سرچشمہ ہیں۔ (روح البیان و کبیر وغیرہ) یعنی وہ اپنے کو علم و عرفان کا مرکز سمجھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز سمجھتے تھے۔ **بل طبع اللہ علیھا بکفرھم** اس عبارت میں ان کی اس بکواس کی تردید ہے۔ "بل" پچھلے مضمون کی نفی کرنے اگلے مضمون کو ثابت کرنے کے لئے آتا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے دلوں پر حفاظتی رحمت کے پردے ہیں۔ رب نے فرمایا نہیں بلکہ ان پر لعنتی مہریں ہیں۔ طبع اور ختم کے معنی چھاپ دینا۔ اس کی تحقیق پہلے پارے میں **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں کی جا چکی ہے کہ آنکھ کے لئے "غشاوہ" یعنی پردہ مناسب ہے۔ کہ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے۔ اور پردہ بھی ایک سمت کے لئے آڑ بنتا ہے۔ مگر کان و دل کے لئے مہر فرمانا مناسب ہے کہ کان ہر طرف کی آواز سنتے ہیں اور دل ہر طرف کی چیز میں غور کرتے ہیں۔ ان کے لئے مہر فرمانا مناسب ہے۔ کہ مہر لگ جانے سے ہر طرف کی روک ہو جاتی ہے۔ جیسے پارسل کے تھیلے پر مہر۔ ختم اور طبع دونوں ہم معنی ہیں۔ بمعنی مہر لیکن کبھی ان میں اس طرح فرق کیا جاتا ہے کہ ختم تو ہر مہر کو کہا جاتا ہے خواہ وہ ٹوٹ سکے یا نہ۔ جیسے لاکھ پر مہر مگر طبع وہ مہر ہے جو نہ اکھڑ سکے نہ ٹوٹ سکے نہ اڑ سکے یعنی چھاپ شدہ مہر لہٰذا طبع خاص ہے ختم عام۔ پھر دل پر مہر لگنا دو قسم کے ہے۔ زمانی اور آنی گناہ اور بد عملیوں کی وجہ سے بہت زمانہ میں دل سیاہ ہوتا ہے۔ مگر اللہ والوں کی بے ادبی کی وجہ سے آن کی آن میں دل سیاہ ہو کر مہر لگ جاتی ہے۔ ابلیس کے دل پر آن کی آن میں مہر لگ گئی صرف آدم علیہ السلام کی بے

www.alahazratnetwork.org

اولی سے جیسے سیاہی آتی بھی ہوتی ہے زمانی بھی یوں ہی دل کی صفائی آنی بھی ہوتی ہے زمانی بھی۔ نیک اعمال سے صفائی زمانی ہوتی ہے۔ اور نگاہ ولی سے صفائی آن میں۔ فرعونی جادوگروں کی دلی صفائی آن میں ہو گئی۔ اس لئے صحبت اولیاء ایک آن کی سو برس کی عبادت سے افضل ہے۔ مگر صوفیاء کے ہاں صحبت وہ ہے جو عقیدت کے ساتھ ہو۔ بغیر عقیدت صرف پاس بیٹھ جانا صحبت نہیں۔ صدیق اکبر صحابی ہوئے مگر ابو جہل کافر ہی رہا۔ کہ جناب صدیق کو عقیدت میسر تھی۔ کسی کے گھر دوست بن کر جاؤ خاطر تواضع ہو گی۔ چور بن کر جاؤ جیل ملے گی۔ بغیر عقیدت اولیاء اللہ کے پاس جانے والا چور ہے۔ عقیدت سے جانے والا دوست ہے۔ یہاں طبع اللہ میں طبع سے مراد آنی مہر ہے۔ جو حضور کی گستاخی کی وجہ سے ہوئی۔ اس لئے فرمایا گیا "بکفرہم" یہاں مہر فرما دینے کی نسبت رب تعالٰی کی طرف خلق کی نسبت ہے کہ کاسب مہر وہ یہود ہیں اور خالق مہر رب تعالٰی اس لئے ارشاد ہوا "بکفرہم" یعنی ان کے کفر میں مشغول رہنے کی وجہ سے رب نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی جس سے وہ ناقابل ایمان ہو گئے۔ جیسے گلے پر چھری پھیر دینے کی وجہ سے رب تعالٰی موت فرما دیتا ہے۔ **فلا یومنون الا قلیلا** یہ عبارت طبع اللہ کے نتیجہ کا بیان ہے۔ "قلیلا" یا تو "لا یومنون" کے فاعل ہم سے استثناء ہے۔ تب تو استثناء منقطع ہے۔ کیونکہ جو تھوڑے یہودی ایمان لائے ان کے دل پر مہر نہ ہوئی تھی۔ یا ایمان سے مستثنیٰ متصل ہے۔ اور "قلیلا" سے مراد تھوڑی چیزوں پر ایمان ہے یا تھوڑی مدت تک ایمان۔ لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ یعنی یہ یہود ایمان نہیں لائیں گے مگر ان میں سے تھوڑے آدمی جیسے ان میں سے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کیونکہ ان کے دلوں پر مہر نہ ہوئی تھی۔ یا یہ یہود ایمان نہیں لائیں گے مگر نبیوں کی تھوڑی آیات اور تھوڑی ایمانیات پر ایسا ایمان معتبر نہیں یا یہود ایمان نہیں لائیں گے مگر تھوڑی مدت کہ کچھ روز یہ لوگ مومن رہے پھر زمانہ موسوی کے بعد ہی ایمان سے پھر گئے پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس کا ترجمہ بھی اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ **وبکفرہم وقولہم علی مریم بہتانا عظیما** یہ عبارت "فبما کفرہم" پر معطوف ہے اور اس کفر سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا ہے اور پہلے "کفرہم" میں موسیٰ علیہ السلام اور دیگر نبیوں کا انکار مراد تھا لہٰذا عبارت میں تکرار نہیں ہم کا مرجع وہی یہود ہیں "قولہم یا تو کفرہم" کی تفسیر ہے یا علیحدہ کفر۔ بہتان سے مراد زنا کا بہتان ہے۔ چونکہ یہود نے حضرت مریم کی کرامات عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھنے کے باوجود انہیں بہتان لگایا۔ یا بڑی ہستی کو بہتان لگایا۔ اس لئے اسے بہتان عظیم فرمایا۔ خیال رہے کہ بہتان بنا ہے **بہت** سے بمعنی حیرانی **فبہت الذی کفر۔ بہتان** کسی کو ایسا عیب لگانا۔ جس سے وہ حیران رہ جائے۔ اس جملہ میں یہود کا پانچواں اور چھٹا عیب بیان ہوا جس کی وجہ سے وہ لعنتی ہوئے۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں چار طرح جناب مریم کی عظمت ظاہر ہوئی۔ ایک تو قولہم فرما کر کہ یہود نے یہ بہتان صرف زبانی قول سے لگایا۔ ورنہ نہ تو ان کے دل اسے صحیح مانتے ہیں نہ سننے والے۔ کیونکہ حضرت مسیح کی بچپن کی گواہی اور جناب مریم کی اگلی پچھلی پاکیزہ زندگی اس کی تردید کرتی ہے۔ دوسرے مریم فرما کر باپ نے جب انہیں بیت المقدس کی

www.alahazratnetwork.org

خادمہ بنایا تو وہ بری کیسے ہو سکتی ہیں۔ تیسرے اسے بہتان فرما کر کہ یہ ایسا جھوٹ تھا جسے سن کر حیران ہو جاویں۔ چوتھے اسے عظیم فرما کر کہ جناب مریم کو بہتان لگا کر صغیرہ گناہ یا کبیرہ گناہ نہ کیا بلکہ گناہ عظیم کیا۔ کفر گناہ کبیرہ ہے۔ مگر بزرگوں کو تہمت لگانا گناہ عظیم ہے۔ **وقولهم انا قتلنا المسيح عيسى ابن مريم رسول الله** یہ عبارت وقولہم پر معطوف ہے جو ابھی ذکر ہوا ہم کا مرجع وہ ہی یہود ہیں۔ اس میں ان کے ساتویں جرم کا ذکر ہے جس کی وجہ سے وہ لعنت کے مستحق ہوئے۔ اس عبارت میں فرمایا گیا۔ کہ یہ جرم بھی کرتے ہیں اور جرم پر فخر بھی اور جھوٹ بھی۔ قتل سے مراد مطلقاً مار ڈالنا جان نکال دینا ہے نہ کہ دھاری دار آلہ سے قتل کیونکہ یہود قتل عیسیٰ کے قائل نہ تھے انہیں سولی دینے کے قائل تھے۔ مسیح کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں یا تو مسح بنا ہے چھو کر زندہ یا اچھا کر دینے والے پیغمبر کو ولدیت کے ساتھ بیان نہ کیا۔ سب کا صرف نام لیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مع ولدیت کے بیان فرمایا اور نسبت فرمایا ماں کی طرف کیونکہ آپ بغیر باپ پیدا ہوئے تھے۔ نیز یہود کا عیسیٰ علیہ السلام کو رسول اللہ کہنا یا تو دل لگی یا مذاق کے طور پر تھا۔ یعنی جو رسول اللہ بنتے تھے ہم نے انہیں قتل کر دیا۔ جیسے فرعون نے کہا تھا **ان رسولكم الذى ارسل اليكم لمجنون** یا کفار قریش حضور سے کہتے تھے۔ **يايها الذى نزل عليه الذكر انك لمجنون** یا عیسائیوں سے خطاب تھا کہ تم جن کو رسول اللہ مانتے ہو ہم نے انہیں قتل کر ڈالا۔ خیال رہے کہ بعض عقیدے کفر ہیں۔ بعض قول کفر ہیں۔ اور بعض عمل کفر جو اعمال علامت انکار ہیں۔ وہ کفر ہیں جیسے نبی کی اہانت ان کا قتل یا قتل کا ارادہ یا قرآن کی توہین نیز کفر کا اقرار کفر ہے گناہ کا اظہار گناہ۔ اس جملہ میں یہود کے دو کفر بیان ہوئے ایک تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا ارادہ دوسرے اس پر فخر کرنا اس کا اعلان کرنا یہ دونوں جرم لعنت کے باعث ہوئے۔ **وما قتلوه وما صلبوه** یہ عبارت یہود کے اس دعویٰ کی تردید ہے جو ابھی مذکور ہوا کہ وہ دعویدار تھے کہ ہم نے جناب مسیح کو جان سے مار دیا رب تعالیٰ نے فرمایا نہ تو انہیں قتل کیا نہ انہیں سولی دی۔ خیال رہے کہ صلبوا بنا ہے صلب سے۔ بمعنی سخت و مضبوط لکڑی چونکہ اس زمانہ میں سولی کا طریقہ یہ تھا کہ انگریزی کی T کی شکل کی مضبوط لکڑی پر مصلوب کو لٹکا دیا جاتا تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں میں میخیں ٹھونک دی جاتی تھیں کہ وہ اس طرح سوکھ کر مر جاتا تھا۔ اس لئے سولی دینے کو تصلیب کہتے تھے اور سولی گاہ کو صلیب کہتے تھے۔ تین دن یا کم و بیش میت اس طرح صلیب پر لٹکی رہتی تھی۔ کبھی جلد ہلاک کرنے کے لئے مصلوب کے پاؤں کاٹ دیئے جاتے تھے۔ عیسائی انگریز حرف T ٹی کی شکل کو اب بھی پوجتے ہیں یہ سمجھ کر کہ حضرت مسیح کی سولی گاہ ہے اس فقیر نے بیت المقدس میں اس سولی گھر کو دیکھا ہے جو مسجد عمر کے بالکل سامنے ہے وہاں جناب مسیح کی مصنوعی قبر بھی بنی ہے۔ اور غسل کا تختہ پتھر کا بھی رکھا ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں حضرت مسیح کو قتل کرنے کی بھی نفی ہے۔ اور ان کو صولی پر چڑھا دینے کی بھی نفی ہے لہٰذا مرزائیوں کا یہ عقیدہ کہ آپ کو صولی پر لٹکایا گیا۔ مگر جان نہ نکلی بیہوش ہو گئے اس آیت کریمہ کے بالکل خلاف ہے۔ قرآن کریم فرما رہا ہے "وما صلبوه" یہود نے انہیں صولی نہ چڑھایا یہ کہتے ہیں کہ سولی چڑھا تو دیا مگر وہاں جان نہ نکلی جان نکلنے

www.alahazratnetwork.org

کی نفی "ما قتلوہ" میں ہوئی اور سولی چڑھانے کی نفی۔ "ما صلبوہ" میں جیسے پھانسی دینا اور ہے۔ پھانسی پر جان نکلنا کچھ اور پھانسی کی نفی سے پھانسی پر چڑھانے کی مطلق نفی ہو جاتی ہے۔ **ولکن شبہ لھم لکن** حرف استدراک ہے جیسے وہم دور کرنے کے لئے بولتے ہیں۔ "شبہ" **باب تفعیل** کا ماضی مطلق مجہول ہے۔ جس کا مصدر ہے تشبیہ اور تشبیہ کے معنی ہیں کسی کو کسی کا شبیہ یا ہم شکل بنا دینا یا کسی کو شبہ و دھوکہ میں ڈال دینا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں مگر پہلے معنی زیادہ قوی۔ دونوں صورتوں میں لھم شبہ کا نائب فاعل ہے۔ جیسے "خیل الیہ" میں الیہ نائب فاعل ہے بس کا اور جیسے "لبس علیہ" میں لفظ علیہ نائب فاعل ہے میں کا یعنی ان یہود کے لئے جناب عیسیٰ کا ہم شکل بنا دیا گیا (روح البیان وغیرہ) یا ان یہود کو شبہ و دھوکہ میں ڈال دیا گیا اس طرح کہ جو منافق آپ کو قتل یا قید کرنے آپ کے پاس آیا اسے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ہم شکل بنا دیا..... جس کا نام طیطیانوس یا یودس ذکریا یوتا تھا یا آپ کے ایک حواری سر جس کو اس کی اپنی خواہش پر آپ کا ہم شکل کر دیا۔ اور اسے سولی دے دی گئی (تفسیر ابن کثیر) یہ واقعہ جمعہ کے بعد نماز عصر ہوا (ابن کثیر) جس بادشاہ نے سولی دلوائی اس کا نام داؤد تھا۔ یہ چیزیں خیال رکھو **وان الذین اختلفوا فیہ لفی شک منہ** یہاں الذین سے مراد وہی یہودی ہیں جو حضرت مسیح کے قتل کے دعویدار تھے۔ اختلاف سے مراد ان کا یہ جھگڑا ہے کہ آیا حضرت مسیح قتل و مصلوب ہوئے یا کوئی دوسرا شخص۔ بعض کہتے تھے کہ یہ حضرت مسیح ہی ہیں کیونکہ ان کا چہرہ مسیح جیسا ہے۔ بعض کہتے تھے کہ یہ مصلوب کوئی اور آدمی ہے۔ کیونکہ اس کے باقی اعضاء مسیح جیسے نہیں نیز اگر حضرت مسیح مصلوب ہوئے تو ہمارا آدمی طیطیانوس کہاں گیا۔ غرض کہ وہ فیصلہ نہ کر سکے کہ مصلوب کون ہے یا اس سے مراد عیسائیوں کا اختلاف کہ ان کے بعض کہتے ہیں کہ ناسوت عیسیٰ قتل ہوا نہ کہ لاہوت عیسیٰ اور بعض کہتے ہیں ناسوت ولاہوت دونوں قتل ہوئے لاہوت سے مراد ان کی بشریت ہے اور ناسوت سے مراد ان کی الوہیت ہے (تفسیر روح البیان) یا بعض عیسائیوں نے کہا کہ ہم نے انہیں زندہ آسمان پر جاتے دیکھا ہے۔ بعض بولے کہ ہم نے انہیں صلیب پر لٹکے دیکھا۔ غرض کہ آپس میں دھول جوتا ہی رہا۔ خیال رہے کہ اسلام کے سوا کسی دین میں یقین نہیں اسلام اور صرف اسلام میں ہی یقین ہے۔ ہندوؤں کے ہاں یہ ہی معین نہیں کہ وید کتنے ہیں۔ ایک یا دو یا تین یا چار پھر اس میں جھگڑا ہے کہ یہ وید آئے کس پر۔ کوئی ہندو کہتا ہے چار انسانوں پر آئے۔ کوئی کہتا ہے آگ پانی مٹی ہوا پر اترے۔ عیسائیوں کا حال ان سے بھی بدتر ہے۔ وہاں بھی یہ یقین نہیں کہ خدا ایک ہے یا تین۔ اور عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں یا ان کے بیٹے یا اس کا حلول پھر یہ معین نہیں کہ انجیلیں کل کتنی ہیں اور ہر انجیل میں آیات کتنی ہیں دیکھو ان کا پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ اور انجیل برناس میں جھگڑا ہے۔ یہ ہی جھگڑے یہود میں پڑے ہوئے ہیں۔ الحمد للہ اسلام کا خدا ایک رسول ایک قرآن ایک کعبہ ایک رمضان ایک نماز ایک۔ غرض کہ یقین اسلام میں ہی میسر ہے۔ عیسائیوں کا اتفاق صرف نمائشی اور قومی ہے ورنہ وہ تو مرے بعد بھی متفق نہیں ہوتے۔ دیکھ لو ولایتی گورے عیسائیوں کا قبرستان الگ ہوتا ہے۔ دیسی کالے عیسائیوں کا قبرستان الگ۔ پھر ہندوستانیوں میں صاحب بہادروں کا قبرستان علیحدہ۔

www.alahazratnetwork.org

چوہڑے و چمار عیسائیوں کا قبرستان علیحدہ۔ جو قوم مرنے بعد بھی ایک نہ ہو سکے وہ زندگی میں ایک کیسے ہوگی اور جن کی جڑیں الگ ہیں ان کی شاخیں ایک کیسے ہوں۔ **ما لهم به من علم الا اتباع الظن** یہاں بھی لھم سے مراد وہ آپس میں جھگڑنے والے یہود ہیں یا عیسائی۔ علم سے مراد علم یقینی ہے یا علم واقعی اور ظن سے مراد جہالت مرکبہ ہے یا اٹکل پچو وہم خیال یعنی انہیں اس کا کوئی یقین نہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام مقتول نہ ہوئے۔ وہ بھی یقین رکھتے صرف اندازا" کہتے ہیں اور جو کہتے ہیں کہ وہ ہی مقتول و مصلوب ہوئے وہ بھی تردد کے ساتھ کہتے ہیں یقین ان کو بھی نہیں یہ ہی حال عیسائیوں کا ہے۔ مرزائیوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ اس کے متعلق اٹکل پچو باتیں کہتے ہیں۔ آیات قرآنیہ میں حضرت مسیح کے زندہ اٹھائے جانے کا پر زور ذکر ہے۔ اس کی ایسی تاویلیں تحریفیں کرتے ہیں کہ ابلیس بھی پناہ مانگے۔ دیکھو ان کی تفسیر بیان القرآن مصنفہ محمد علی لاہوری قادیانی۔ **وما قتلوه يقينا** یہ اصل واقعہ کا بیان ہے۔ قتل سے مراد مطلقاً مار ڈالنا ہے۔ خواہ دھار دار آلہ سے ہو یا پھانسی سولی وغیرہ دے کر یقیناً یا تو نفی قتل کے متعلق ہے یا قتلوہ کے فاعل "ھم" سے حال یعنی یقیناً انہیں قتل نہ کیا یا ان لوگوں نے یقین کرتے ہوئے قتل نہ کیا بلکہ شک و تردد کے ساتھ ہی قتل کیا۔ وہ قتل کے وقت بھی تردد کرتے رہے کہ ہم جناب عیسیٰ کو قتل کر رہے ہیں یا کسی اور کو غرض کہ یقیناً یہاں چار احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ یہود نے حضرت عیسیٰ کو یقین کی بنا پر سولی نہیں دی محض ظن و گمان پر حالانکہ سولی پھانسی یقین کر کے دی جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ انہیں یقین کر کے سولی نہیں دی۔ تیسرے یہ کہ یہ بات یقینی ہے کہ انہیں سولی نہیں۔ چوتھے یہ کہ میں یقین سے کہتا ہوں کہ انہیں سولی نہیں دی چوتھے معنی باطل ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کے علم کو یقین نہیں کہا جاتا۔ پہلے تین درست ہیں۔ بل **رفعه الله عليه** ہم ابھی کہہ چکے ہیں کہ بل گزشتہ مضمون کی نفی اور اگلے مضمون کے ثبوت کے لئے آتا ہے رفع کے معنی اٹھانا بلند کرنا چڑھانا ہیں۔ اٹھانا کبھی جسمانی ہوتا ہے کبھی رتبہ و مرتبہ کا مگر جب اس کے بعد الیٰ یا علیٰ آئے تو اس سے جسمانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ یونہی جب اٹھانے کا مفعول کوئی جسم ہو تو اس سے بلندی مکانی مراد ہوتی ہے۔ پہلے کی مثال **ورفع ابويه على العرش** یوسف علیہ السلام نے اپنے والدین کو تخت پر اٹھالیا۔ دوسرے کی مثال **اذا يرفع ابراهيم القوعد من البيت واسمعيل** جبکہ ابراہیم و اسمٰعیل بیت اللہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے چونکہ یہاں رفع کے بعد الیٰ ہے لہٰذا اس سے جسمانی بلندی مراد ہے۔ ہ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ ہے اور اپنی طرف اٹھالینے سے مراد ایسے مقام پر اٹھالینا ہے جہاں کسی انسان کی بادشاہت نہ ہو یعنی آسمان پر دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ہجرت کے متعلق فرمایا **انى ذاهب الى ربى** میں اپنے رب کے پاس جانے والا ہوں یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو اپنی طرف اٹھالیا۔ **وكان الله عزيزا حكيما** چونکہ اس اٹھانے پر بہت سے عقلی اعتراضات ہو سکتے تھے۔ جسم انسانی بغیر سیڑھی آسمان پر کیسے چڑھ گیا۔ زمہریر اور آگ کے طبقہ میں محفوظ کیسے رہا۔ آسمان پر ہوا و غذا نہیں تو وہاں زندگی کیسی ان تمام خرافات کے لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جو چاہے کرے وہ بغیر آلہ آسمان پر پہنچا بھی سکتا اور بغیر ہوا

www.alahazratnetwork.org

وغذا زندہ بھی رکھ سکتا ہے۔ جیسے مرغی کے بچہ کو انڈے میں زندہ رکھتا ہے۔ اور حکمت والا بھی ہے کہ اس اٹھانے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں۔ لہٰذا بغیر چون وچرا یہ سب کچھ مان لو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا پورا واقعہ مع اعتراضات وجوابات ہم تیسرے پارہ میں بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں بنی اسرائیل کے سات جرم بیان فرمائے توریت پر عمل کرنے کے عہد کو توڑ دینا۔ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات اور آیات توریت کا انکار۔ حضرات انبیاء کرام کو ناحق قتل کرنا فخریہ کہنا کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام کا انکار کرنا۔ حضرت مریم کو بہتان لگانا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کا دعویٰ جن میں سے دو جرم عملی ہیں عہد توڑنا۔ حضرت انبیاء کا قتل کرنا اور باقی پانچ جرم قولی ہیں۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف پر بہت سے اسلامی عقائد موقوف ہیں جیسے آپ کا سینکڑوں برس بغیر کھائے پیئے آسمان پر زندہ رہنا۔ قریب قیامت دنیا میں آنا۔ دین اسلام کی خدمت کرنا حضور انور کے ساتھ روضہ انور میں دفن ہونا اور وفات مسیح عیسائیت کی جان ہے۔ یعنی مسئلہ کفارہ کہ ان کی سولی عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ ہو گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے گنہگار عیسائیوں کو چھوڑ دیا اور ان کے عوض بے گناہ عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے دی۔ اس لئے رب العالمین نے عیسیٰ علیہ السلام کی حیات پر قرآن کریم میں بہت زور دیا ہے۔ دوسرے نبیوں کی حیات وفات پر زور نہیں دیا اور ان جرموں کے بیان کا مقصد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا ہے۔ کہ ان بنی اسرائیل کی ضد و عناد سے مغموم نہ ہوں۔ یہ تو پہلے بھی ایسے ایسے جرم کر چکے ہیں اور پھٹکار بارہا کھا چکے ہیں۔ ان پر یہ پھٹکاریں اس لئے پڑیں کہ انہوں نے طور کے گرنے کے خوف سے جو مضبوط وعدہ کیا تھا اسے توڑ دیا۔ اور توریت پر عمل نہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات توریت کی آیات دیکھیں اور انکار کیا۔ محض نفسانی خواہش سے حضرات انبیاء کرام کو ناحق شہید کیا۔ چنانچہ حضرت یحییٰ وذکریا علیہم السلام بھی انہیں کے ہاتھوں شہید ہوئے۔ پھر یہی کہتے رہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں پر تو حفاظت ورحمت کے غلاف چڑھے ہیں۔ جیسے غلاف والی کتاب گرد و غبار سے محفوظ رہتی ہے ایسے ہی ہمارے دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا اثر لینے سے محفوظ ہیں۔ اے محبوب ان کی بکواس غلط ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر وگناہوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر کر دی ہے۔ جس کی وجہ سے یہ لوگ ایمان سے محروم رہیں گے۔ ہاں ان میں سے کچھ تھوڑے ہی لوگ وہ ہوں گے جنہیں ایمان نصیب ہوگا۔ نیز انہی بدنصیبوں نے حضرت مریم کی کرامات عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے جو بوقت پیدائش ان سے ظاہر ہوئے۔ سب کچھ دیکھ کر بھی اس کنواری بتول طیبہ طاہرہ کو زنا کی تہمت لگائی۔ حالانکہ وہ کرامات پکار رہی تھیں کہ وہ صدیقہ پاک ہیں۔ طیبہ طاہرہ ہیں۔ پھر انہوں نے جناب مسیح علیہ السلام کو قتل کرنے کی کوشش کی۔ اور مشہور کر دیا کہ ہم نے ان کو سولی دے دی مگر یہ جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نہ تو ان جناب کو قتل کیا نہ انہیں سولی دی بلکہ انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے شبہ میں ڈال دیا گیا۔ کہ جو ان جناب کو قتل کرنے یا پکڑوانے آیا تھا اسے ان کا ہم شکل کر دیا گیا۔ انہوں نے اسے قتل یا سولی کر دیا پھر ان

www.alahazratnetwork.org

میں خود آپس میں پھوٹ پڑ گئی کہ بعض تو کہنے لگے کہ ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دی ہے۔ دیکھو ان کا چہرہ وہی ہے اور بعض بولے کہ نہیں یہ تو کسی اور شخص کو سولی دیدی۔ دیکھو اس کے ہاتھ پاؤں عیسیٰ علیہ السلام کے سے نہیں ہیں۔ اور اگر عیسیٰ علیہ السلام یہی ہیں تو بتاؤ ہمارا طیطیانوس کہاں گیا جو انہیں پکڑوانے کے لئے ان کے پاس حجرہ میں گیا تھا۔ بہر حال انہیں علم یقینی نہیں یقین یا وحی سے ہوتا ہے یا اپنے دیکھ لینے سے یا خبر متواتر سے ان یہودیوں عیسائیوں کے پاس وفات حضرت مسیح کے متعلق نہ وحی الٰہی ہے نہ چشم دید حالات نہ خبر متواتر۔ ان کی موجودہ انجیلوں کے مصنفین لوقا متی یوحنا وغیرہ بھی اس سولی کے واقعہ پر موجود نہ تھے۔ محض سنی سنائی باتوں پر ان کے مذہب کی بنیاد ہے۔ صرف انکل پچو اپنے وہم و گمان سے حق قتل عیسیٰ کا دعویٰ کر رہے ہیں۔ یہ لوگ انہیں قتل نہ کر سکے انہیں تو اللہ تعالیٰ نے معجزانہ طور سے آسمان پر اپنی طرف اٹھالیا۔ کہ طیطیانوس کے دیکھتے دیکھتے حجرے کی چھت کے ذریعہ آسمان پر تشریف لے گئے اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ غالب بھی ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا ان سب نے حضرت مسیح کو قتل و سولی کرنا چاہا۔ رب نے انہیں بچانا چاہا۔ جو رب نے چاہا وہ ہوا۔ جو ان سب نے چاہا وہ نہ ہوا اور رب تعالیٰ حکمت والا بھی ہے۔ حضرت مسیح کو عجیب طرح پیدا کرنا عجیب طرح آسمان پر اٹھانا۔ عجیب طرح انہیں بچانا اور انہیں آسمان پر رکھنا اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔

نوٹ ضروری: ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کا مفصل واقعہ تیسرے پارے کی تفسیر میں کر چکے ہیں اس لئے یہاں بیان نہیں کرتے۔ اسی واقعہ کے متعلق آج دنیا میں چار عقیدے ہیں۔ اکثر یہودی کہتے ہیں کہ ان کو سولی دے کر شہید کر دیا گیا۔ عیسائی کہتے ہیں کہ وہ جناب سولی پر لٹکے تو ضرور وہاں آپ کی جان بھی نکل گئی۔ سات روز زمین میں دفن رہے پھر زندہ کر کے آسمان پر اٹھائے گئے اور اب وہ آسمان پر زندہ ہیں قریب قیامت اتریں گے مرزائی قادیانی کہتے ہیں کہ وہ سولی پر لٹکے مگر آپ وہاں فوت نہ ہوئے۔ بیہوش ہو گئے۔ پھر وہاں سے نجات پا کر چھپ کر کشمیر آگئے اور کفار کی سلطنت میں رہے اور نہایت گمنامی کی حالت میں وہیں فوت ہوئے اور کشمیر میں ہی آپ کا مزار ہے۔ اسلام و قرآن و حدیث کا فرمان ہے کہ آپ کو سولی دی ہی نہ گئی۔ رب تعالیٰ نے انہیں غیبی طریقہ سے اٹھالیا ایک شخص کو ان کا ہم شکل کر دیا گیا۔ اسے سولی دیا گیا۔ آپ آسمان پر محفوظ ہیں اور قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے دین اسلام کی شاندار خدمات انجام دیں گے اس کی مکمل تحقیق مع سوالات و جوابات تیسرے پارہ سورہ آل عمران میں گزر چکی اس آیت کریمہ کی محمد علی لاہوری قادیانی نے ایسی غلط تفسیر کی ہے جس سے آیت مسخ ہو کر رہ گئی وہ تفسیر نہیں کھلی تحریف ہے۔ اس کا کچھ ذکر ہم انشاء اللہ اعتراضات و جوابات میں ابھی کریں گے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرکز ہدایت ہیں کسی کو آپ کا حسن دیکھ کر ایمان ملا کسی کو آپ کے اخلاق دیکھ کر کسی کو آپ کی سخاوت دیکھ کر کسی کو آپ کی شجاعت دیکھ کر جیسے داتا کے گھر کے بہت دروازے ہوں کسی فقیر کو کسی دروازہ سے بھیک ملتی ہے کسی کو کسی دروازہ سے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام حسن مصطفیٰ دیکھ ایمان لائے۔ جیسا کہ ان کے واقعات میں آتا ہے۔ ہم لوگ ان کا نام سن کر ہی ایمان لائے ان کا نام بھی ہادی

www.alahazratnetwork.org

ہے یہ بھی خیال رہے کہ کفر و ایمان کا مدار ثبوت پر ہے۔ کہ نبی کا ماننا ایمان ہے نبی کا نہ ماننا کفر ہے اسی لئے کفر کے متعلق دو دو جگہ ارشاد ہوا۔ ایک جگہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے انکار کو کفر کہا دوسری جگہ عیسیٰ علیہ السلام کے انکار کو کفر قرار دیا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** کفار کے عیوب ظاہر کرنا انہیں بدنام کرنا بالکل جائز ہے۔ کہ اس میں کفر کا زور توڑنا اور کفر سے نفرت دلانا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کے وہ سات عیوب شائع کر دیئے جنہیں لوگ بھول چکے تھے تاکہ ان کفار سے لوگوں کے دلوں میں نفرت پیدا ہو۔ کفار سے نفرت کا نتیجہ کفر سے نفرت ہے۔ **دوسرا فائدہ** زندہ مردہ کافروں کی غیبت کرنا بھی جائز ہے۔ غیبت مسلمانوں کی حرام ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان آیات میں یہودیوں کے عیوب بیان کئے۔ جنہیں مرے ہوئے صدیاں گزر چکی تھیں **تیسرا فائدہ** اپنے باپ دادوں کے عیوب اولاد کے عیوب ہیں جب کہ وہ ان کے عیوب سے راضی ہوں یا ان کے دین پر ہوں۔ دیکھو ان آیات میں رب تعالیٰ نے مدینہ منورہ کے یہودیوں کی طرف وہ عیوب منسوب فرمائے جو ان کے باپ دادوں نے کئے۔ یعنی نبیوں کا قتل وغیرہ۔ **چوتھا فائدہ** پیغمبروں کا انکار تمام کفروں سے بدتر کفر ہے بلکہ تمام کفروں کی جڑ ہے کہ اس سے بہت کفر پیدا ہوتے ہیں۔ دیکھو ان آیات میں دو جگہ یہود کے کفر کا ذکر فرمایا۔ **پانچواں فائدہ** کفر اور بعض بدکاریاں بد عملیاں دل پر مہر لگ جانے کا ذریعہ ہیں۔ جیساکہ " بکفرہم " کی ب سے معلوم ہوا اور دل پر مہر لگ جانا آئندہ ہدایت نہ نصیب ہونے کا ذریعہ ہے۔ اس آیت کریمہ سے وہ آیت صاف ہو گئی **ختم اللہ علی قلوبھم** **چھٹا فائدہ** قرآن کریم کے سوا آج کوئی آسمانی کتاب قابل عمل نہیں۔ اور مسلمانوں کے سوا کوئی قوم سکھ' ہندو' پارسی' یہودی' عیسائی اپنی کتابوں پر عامل نہیں جیساکہ " بکفرہم بایات اللہ " کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ جناب مسیح کی تعلیم ہے اگر تم کسی عورت کو بد نظری سے دیکھو تو آنکھ نکال دو۔ اگر تم سے کوئی شخص تمہاری پگڑی چھینے تو اسے چوغا بھی دیدو کل کے لئے کھانا جمع نہ کرو۔ تمہاری روزی آسمانوں پر جمع ہے۔ بتاؤ کون عیسائی اس پر عامل ہے۔ اگر یہ لوگ اس پر عامل ہوتے تو تباہ کن ہتھیار نہ بناتے۔ یہ بات صرف مسلمانوں میں ہے کہ تمام آیات محکمات پر بفضلہ تعالیٰ عامل ہیں۔ اس کے لئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن کا مطالعہ کرو۔ **ساتواں فائدہ** پاکدامن بی بی کو زنا کی تہمت لگانا بدترین گناہ ہے۔ خصوصاً جبکہ وہ بی بی خاص رتبہ والی ہو۔ اس سے عذاب الہی آجاتا ہے۔ دیکھو یہود پر لعنت و پھٹکار کی وجہ یہ بھی بیان ہوئی کہ وہ جناب مریم بتول کو بہتان لگاتے ہیں۔ لہٰذا آج جو کوئی ام المومنین عائشہ صدیقہ کو بہتان لگائے وہ یہود کی طرح لعنتی اور پھٹکارا ہوا ہے۔ خیال رہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی و عصمت حضرت مریم کی عصمت سے زیادہ اہم ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت مریم کی عصمت کی گواہی جناب عیسیٰ علیہ السلام کو بچپن میں گویائی بخش کر دی۔ مگر حضرت عائشہ صدیقہ کی عصمت و عفت کی گواہی براہ راست خود دی کہ آپ کی عصمت کے لئے سورہ نور کی قریباً اٹھارہ آیات اتاریں۔ جب حضرت مریم کو بہتان لگانا لعنت کا باعث ہوا تو حضرت عائشہ

www.alahazratnetwork.org

صدیقہ کو بہتان لگانا ہزارہا لعنتوں کا سبب ہے رب نے یہود کی اس حرکت کو بہتان عظیم فرمایا **آٹھواں فائدہ** جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت کا قائل ہو وہ بحکم قرآن جھوٹا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں یہودیوں کو بھی جھوٹا کہا جو ان کے قتل یا سولی کے قائل تھے اور عیسائیوں کو بھی جھوٹا کہا ہے۔ جو اس کی تائید کرتے تھے۔ آج مرزائی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹک جانے اور بعد میں پھر فوت ہو جانے کے قائل ہیں۔ وہ بھی عیسائیوں کی طرح جھوٹے ہیں۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قریب قیامت تک زندہ رہیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سولی پر لٹک جانے کا عقیدہ بھی اس آیت کے خلاف ہے کیونکہ رب فرماتا ہے **وما صلبوہ** سولی پر لٹکا دینا بھی سولی دینے میں ہی داخل ہے۔

نوٹ ضروری موجودہ زمانے کے غیر مقلد جو اپنے کو اہل حدیث کہتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق تمام اسلامی عقیدوں کے انکاری ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اہل حدیث کی مشہور کتاب عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریم میں اہل حدیث کے پیشوا حافظ عنایت اللہ نے لکھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا نہ ہوئے۔ انہوں نے بچپن میں کوئی کلام نہیں کیا۔ حضرت مریم کے پاس جناب جبریل نہیں آئے بلکہ روحنا سے مراد مریم کے خاوند یوسف نجار ہیں۔ وہ جناب مریم کے پاس پہنچے تھے۔ وغیرہ وغیرہ۔ اب تک تو ہم قادیانیوں کو روتے تھے مگر اب اہل حدیث کو کیا کہیں جو مرزائیوں سے بھی دو قدم آگے بڑھ گئے۔ تمام اہل حدیث حافظ عنایت اللہ کو بدستور اپنا پیشوا مانتے ہیں اس کے پیچھے نمازیں پڑھتے ہیں اس کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں۔ دیوبندی حضرات بھی اس کا بدستور احترام کرتے ہیں۔

نواں فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ اپنے جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر اٹھا لیے گئے ان کی موت ابھی واقع نہیں ہوئی۔ یہ فائدہ بل رفع اللہ الیہ سے حاصل ہوا کہ جب رفع کے بعد کسی جسم کا ذکر ہو یا اس کے ساتھ الیٰ ہو تو جسمانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ یہاں دونوں چیزیں موجود ہیں کہ رفع کا مفعول ہ ضمیر ہے اور بعد میں الیٰ بھی ہے۔ **دسواں فائدہ** عقائد میں گمان یا ظن کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اس میں علم یقینی چاہیے جیسا کہ **"الا اتباع الظن"** سے معلوم ہوا۔ **گیارھواں فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے صرف ماں سے ہے جیسے کہ عیسیٰ ابن مریم فرمانے سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم نے سوا آپ کے کسی پیغمبر کا ان کی ولدیت کے ساتھ ذکر نہیں فرمایا نیز آپ کو ماں کی طرف نسبت فرمایا نہ کہ باپ کی طرف حالانکہ اولاد کو باپ کی طرف نسبت دینے کا حکم قرآن کریم میں ہے۔ رب فرماتا ہے **ادعوھم لآبائھم** معلوم ہوا کہ آپ کا باپ ہے ہی نہیں۔ **بارھواں فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبی بھی ہیں رسول بھی اور مرسل بھی۔ جو آپ کے ان اوصاف کا انکار کرے وہ کافر ہے جیسا کہ یہاں رسول اللہ فرمانے سے معلوم ہوا۔ نبوت رسالت مرسلیت کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **تیرھواں فائدہ** جسے خدا بچائے اسے کوئی مار نہیں سکتا اور جسے خدا مارے اسے کوئی بچا نہیں سکتا۔ دیکھو سارے یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کرنا چاہا۔ رب نے بچانا چاہا رب کا چاہا ہوا ان کا چاہا نہ ہوا۔ اللہ تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام کفار سے مکڑی کے جالے کبوتری کے انڈے کے ذریعے بچالیا۔ فرعون' قارون' شداد کو ان کے قلعے نہ بچا سکے۔ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گود میں بچالیا ابو جندل کو کفار مکہ کے شر سے مکہ میں رکھ کر بچالیا اس لئے بندے کو رب تعالیٰ پر توکل چاہیے آج بمباری کے موقعہ پر اونچے محل بیکار ثابت ہوتے ہیں۔ اصحاب فیل کو ابابیل سے کوئی طاقت نہ بچا سکی۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں یہود کے کفر کا ذکر دو جگہ کیوں فرمایا ایک **"وکفرھم بایات اللہ"** دوسرے "وبکفرھم" یہ تو محض تکرار ہے۔ **جواب** پہلے کفر سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار ہے۔ یا توریت شریف کی آیتوں کا انکار دوسرے کفر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا انکار مراد ہے لہذا تکرار نہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب اللہ تعالیٰ نے ہی ان کے دلوں پر مہر کردی جس سے وہ ایمان لا سکتے ہی نہیں۔ تو پھر وہ سزا کے مستحق کیوں ہوئے۔ وہ تو کافر رہے اس مہر کی وجہ سے جو رب نے ان کے دلوں پر لگادی۔ **جواب** وہ اس کے مجرم ہیں کہ انہوں نے کفر و گناہ کرکے اپنے دلوں پر مہر لگوائی مہر لگنے کے اسباب انہوں نے جمع کیے جیسے ہم کسی کو تلوار ماریں اور رب تعالیٰ اسے موت دے تو موت تو رب نے دی مگر اسباب موت ہم نے جمع کیے۔ لہذا ہم مجرم ہیں ایسے ہی یہاں ہے۔ **تیسرا اعتراض** جب یہود کے دلوں پر مہر لگ چکی جس سے وہ ایمان کے قابل نہ رہے۔ تو ان سے بعض لوگ ایمان کیوں لے آئے اور "الا قلیلا" فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب** تفسیر میں گزر گیا کہ ایمان لانے والے وہ یہود تھے جن کے دلوں پر مہر نہ لگی تھی۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھ رضی اللہ عنہم اور یہ **استثناء** منقطع ہے متصل نہیں لہذا کوئی اعتراض نہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر زندہ اٹھایا جانا ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور نہ کسی اور کا آپ کے ہم شکل ہو کر سولی دیا جانا ثابت ہوا کیونکہ آیت کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ یہود نہ تو حضرت عیسیٰ کو قتل کرسکے نہ انہیں سولی دے سکے۔ سولی پر آپ کی جان نہ نکل سکی بلکہ آپ موت میں دوسرے لوگوں کے مشابہ کیے گئے کہ ان کی موت دوسروں کی طرح طبعی طور پر واقع ہوئی۔ رفع کے معنی آسمان پر اٹھانا نہیں بلکہ جناب عیسیٰ کے درجات بلند کرنا ہیں۔ جیسے رب فرماتا ہے **ورفع بعضھم درجت** یعنی اللہ نے ان کے درجے بلند فرمائے کہ انہیں رسول بنایا۔ (مرزائی قادیانی) یہ تفسیر محمد علی لاہور قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں کی ہے۔ اور اس پر بہت ناز کیا ہے۔ **جواب** یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ کھلی تحریف ہے۔ کیونکہ شبہ لھم کے یہ معنی کرنا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو موت میں ان کی طرح کردیا کہ وہ طبعی موت سے فوت ہوئے محض تحریف ہے یہ آیت اس معنی میں نہیں آتی۔ نیز جبکہ عیسیٰ علیہ السلام کی سولی پر لٹک کر جان نہ نکلنا بھی ان کا معجزہ ہے پھر آپ کی موت دوسروں کی طرح کب رہی۔ دوسرے لوگ سولی پر لٹک کر ہی مرجاتے ہیں۔ لہذا آیت کے یہ معنی تمہارے بیان کیے ہوئے مطلب کے بھی خلاف ہیں۔ نیز جب رفع کا مفعول کوئی جسم ہو تو وہاں جسمانی اٹھانا مراد ہوتا ہے۔ نہ کہ بلندی درجات۔ چنانچہ فرماتا ہے **ورفع ابویه علی العرش** اور فرماتا ہے۔ **اذ یرفع ابراهیم**

www.alahazratnetwork.org

القواعد من البیت ان دونوں آیتوں میں جسمانی اٹھانا مراد ہے۔ کیونکہ یہاں رفع کا مفعول والدین ہیں دوسری آیت میں کعبہ کی دیواریں یہاں بھی رفع کا مفعول حضرت عیسیٰ ہیں۔ نیز الیہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ بلندی درجات نہ تھی بلکہ جسمانی اٹھانے سے تھی۔ کیونکہ اگر رفع کے بعد الیٰ یا علیٰ ہو تو یقیناً مکانی بلندی مراد ہوتی ہے۔ گویا یہاں دو قرینوں سے معلوم ہو رہا ہے کہ مکانی بلندی مراد ہے۔ ایک یہ کہ رفع کا مفعول جسم ہے دوسرے یہ کہ رفع کے بعد الیٰ فرمایا گیا ہے تمہاری پیش کردہ آیت **ورفع بعضھم درجت** میں رفع کا مفعول درجات ہیں لہٰذا وہاں بلندی مکانی مراد نہیں۔ نیز تمہاری یہ تفسیر تمام صحابہ کرام مفسرین محدثین واجماع امت کے خلاف ہے۔ اس لئے بھی باطل محض ہے۔

نوٹ:۔ عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے کے متعلق مرزائیوں کے اور بہت سے اعتراض ہیں جو ہم نے تیسرے پارہ میں مع جوابات بیان کئے۔

پانچواں اعتراض کسی انسان کے دوسرے کے ہم شکل ہو جانا قانون قدرت کے خلاف ہے۔ نیز بلا قصور کسی کو جناب عیسیٰ کے ہم شکل کر کے سولی دلوا دینا ظلم ہے۔ رب تعالیٰ ان دونوں عیبوں سے پاک ہے (مرزائی) **جواب** اس کے تفصیلی جواب تیسرے پارے میں گزر گئے۔ وہاں مطالعہ کرو۔ رب تعالیٰ قانون کا پابند نہیں۔ وہ قادر مطلق بھی ہے۔ بہت جگہ ہم **شکلی** اور تبدیلی شکل ہوتی رہتی ہے۔ طیطانوس منافق تھا اور عیسیٰ علیہ السلام کا چھپا دشمن یہ دو جرم اس سزا کے لائق تھے۔ رب تعالیٰ نے بچھڑا پرستی پر ہزارہا اسرائیلیوں کو قتل کرا دیا۔ نیز یہاں رفعت سے بلندی درجات مراد لینا قرآن کریم کی روش کے خلاف ہے۔ کیونکہ فرمایا گیا "بل رفعہ اللہ" یعنی انہوں نے جناب مسیح کو قتل یا سولی نہ کیا بلکہ انہیں اللہ نے اٹھالیا۔ اگر بلندی درجات مراد ہوتی تو بل نہ فرمایا جاتا کہ خدا کی راہ میں ظلماً" قتل یا سولی ہو جانا شہادت ہے اور شہادت سے بلندی درجات ہوتی ہے۔ نہ کہ شہادت کے مقابل اپنی طبعی موت پر فوت ہونے سے پھر بل بالکل لغو و بیکار ہو جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ تفسیر و تاویل محض باطل اور قرآن کریم کے خلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر لاکھوں احسانات ایسے فرمائے جن میں سے ایک احسان یہ بھی ہے کہ اسے آخری امت بنایا کہ اس امت کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی کتاب جس کی وجہ سے ہمارے عیوب چھپے رہے۔ اگر ہمارے بعد کوئی اور نبی یا کتاب ہوتی تو ہمارے عیوب بھی ایسے کھل جاتے جیسے یہود و نصاریٰ کے بڑے پرانے عیوب کھلے چھپے تمام کے تمام قرآن و حدیث کے ذریعہ شائع کر دیئے گئے۔ دیکھو ان آیات میں صدیوں پہلے گزرے ہوئے یہود کے کیسے کیسے عیب کھلے۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تیس سال کی عمر شریف میں اپنی نبوت کا اعلان فرمایا تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر تشریف لے گئے۔ کل تین سال تبلیغ نبوت فرمائی۔ پھر قریب قیامت تشریف لا کر اسلام کی تبلیغ فرمائیں گے اور امت محمدیہ کے آخری ولی عامہ ہوں گے۔ یعنی آپ بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں اور امت اسلامیہ

www.alahazratnetwork.org

کے آخری دلی۔ امام مہدی۔ اور اصحاب کہف آپ کے خدام ہوں گے۔ نکاح کریں گے صاحب اولاد ہوں گے۔ امام سیوطی نے تفسیر در منثورہ میں سورہ کہف کی تفسیر میں فرمایا کہ چار نبی زندہ ہیں۔ دو آسمانوں میں حضرت ادریس و عیسیٰ دو زمینوں میں حضرت خضر و الیاس علیہم الصلوۃ والسلام۔ جناب خضر کا مرکزی مقام پانی ہے۔ حضرت الیاس کا مرکزی مقام خشکی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روح اول ہیں اور حضرت مسیح عقل اول۔ اسی اولیت میں شرکت کی وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معراج آسمانی ہوئی اور جناب مسیح کو بھی عروج آسمانی دیا گیا۔ اگرچہ دونوں معراجوں کی حکمتوں میں فرق ہے اور اس وجہ سے حضرت مسیح کو خاتمیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی نسبت ہے۔ (روح البیان) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ملکی انسان بنایا اور زمینی و آسمانی مخلوق میں سے قرار دیا۔ انہیں فرشتوں کی طرح کھانے پینے پہننے سے بے نیاز کر دیا۔ اب وہ فرشتوں کی طرح عرشی ہیں (عرائس البیان)

وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ
اور نہیں ہے کوئی کتاب والوں سے مگر وہ ضرور ان پہ ایمان لے آوے گا ان کی وفات سے پہلے اور
کوئی کتابی ایسا نہیں جو اس کی موت سے پہلے اس پر ایمان نہ لائے اور
الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۚ (159)
دن قیامت کے ہوں گے وہ ان پر گواہ
قیامت کے دن ان پر گواہ ہو گا

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا **تعلق** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر زندہ تشریف لے جانے کا ذکر تھا اور اس وقت پیش آنے والے واقعات کا تذکرہ ہوا۔ اب آپ کے آسمان سے واپس تشریف لانے کا ذکر ہے اور اس وقت اہل کتاب کے جو حالات ہوں گے اس کا تذکرہ ہے۔ چونکہ آپ کا آسمان پر جانا بھی عجیب تھا۔ اور اب وہاں سے آنا بھی عجیب ہو گا۔ لہذا ایک عجیب واقعہ کے بعد دوسرے عجیب واقعہ کا ذکر ہوا۔ دوسرا **تعلق** پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے اس اختلاف و شبہ کا ذکر ہوا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق اب تک ان میں ہے اب اس اختلاف کی انتہاء کا ذکر ہے کہ قریب قیامت جب وہ جناب زمین پر تشریف لائیں گے تو ان کے متعلق لوگوں کے سارے اختلافات ختم ہو جائیں گے۔ گویا اختلاف کی ابتداء کا ذکر پہلے ہوا اس اختلاف کی انتہا کا ذکر اب ہے۔ تیسرا **تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہود و نصاریٰ کے کفریہ عقائد کا ذکر ہوا کہ یہ دونوں فرقے ان کے متعلق غلط عقیدے رکھ کر کافر ہوئے۔ اب ان دونوں فرقوں کے اس کفر کی انتہا کا ذکر ہے کہ ان کے یہ کفریہ عقیدے

www.alahazratnetwork.org

اس وقت تک ہیں جب تک کہ وہ جناب پردہ غیب میں ہیں۔ ان کے اس عالم مشاہدہ میں آتے ہی یہ تمام عقیدے باطلہ ختم ہو جاویں گے۔ اور یہود و نصاریٰ دونوں ان جناب کی عبدیت و نبوت پر ایمان لائیں گے۔ شعر:۔

☆ کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے ☆ تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے ☆

تفسیر **وان من اھل الکتب** چونکہ یہ کلام نیا ہے اس لئے اس کے شروع میں واؤ ابتدائیہ آیا۔ ان نافیہ ہے۔ "ما" زائدہ قرآن مجید میں ہے کبھی کتاب بمعنی خط و تحریر آتا ہے جیسے بلقیس نے کہا تھا **القی الی کتب کریم** کبھی بمعنی قرآن مجید جیسے **ذلک الکتب لا ریب فیہ** مگر اہل کتاب میں کتاب سے توریت انجیل زبور مراد ہوتی ہے۔ یہاں وہی مراد ہے اگرچہ یہود و نصاریٰ بھی عقیدوں میں مشرک و کافر ہیں مگر چونکہ اپنے کو نبیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں خواہ غلط نسبت ہی سہی اس لئے انہیں مشرکین یا کفار نہیں کہا جاتا۔ اہل کتاب کہا جاتا ہے۔ ان کے احکام بھی مشرکین و کفار کے احکام سے نرم ہیں۔ کہ ان کا ذبیحہ حلال ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح درست ہے۔ یہاں اہل کتاب سے مراد سارے یہود و نصاریٰ ہیں یعنی توریت انجیل کے ماننے والے اس سے صرف عیسائی یا علماء اہل کتاب مراد لینا سخت غلطی ہے جیسا کہ مرزائیوں سے سرزد ہوئی۔ جس کا ذکر انشاء اللہ اعتراض و جواب میں آئے گا **الا لیومنن بہ قبل موتہ۔** الا حرف استثناء ہے جس کا مستثنیٰ منہ پوشیدہ ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ الا بمعنی لکن ہو یعنی اہل کتاب کسی حالت میں نہ ہوں گے سوا اس حال کے کہ ایمان لے آئیں گے۔ غرض کہ انہیں بجز عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان کے چارہ کار نہ ہو گا۔ "لیومنن" میں ایمان سے مراد صحیح ایمان ہے جو اسلام کی تعلیم کے مطابق ہے ورنہ عیسائی تو آج بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہیں یہ ایمان محض کفر ہے "بہ" کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں ایک یہ کہ ہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے دوسرا یہ کہ اس کا مرجع حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (تفسیر خازن' سراج منیر در منثور وغیرہ) تیسرے یہ کہ اس کا مرجع حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں (عام تفاسیر) مگر پہلی دو تفسیریں نہایت ہی ضعیف ہیں۔ تیسری تفسیر نہایت قوی کیونکہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ نہ کہ خداوند تعالیٰ کا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لہذا صحیح یہ ہی ہے کہ بہ کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام ہیں "قبل موتہ" قبل ظرف ہے۔ **لیومنن** کا۔ موت سے مراد ہے وفات اور ہ کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع اہل کتاب ہیں۔ معنی یہ ہیں نہیں ہے کوئی اہل کتاب مگر وہ اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آوے گا۔ یعنی اپنے مرنے سے پہلے غرغرہ کی حالت میں پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح ایمان لاتا ہے۔ پھر اس کی جان نکلتی ہے۔ حتیٰ کہ اگر کتابی قتل کیا جاوے۔ دریا میں ڈوبے۔ جل جاوے۔ اسے شیر کھا جاوے کسی طرح مرے پہلے وہ عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہے۔ اس طرح کہ یہودی تو اس جناب کو سچا نبی مان لیتا ہے اور عیسائی ان کی عبدیت یعنی اللہ کا بندہ ہونے کا اقرار کر لیتا ہے۔ پھر اس کی جان نکلتی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کی ایک تفسیر یہ ہی ہے۔ دوسرے یہ کہ ہ ضمیر کا مرجع عیسیٰ علیہ السلام اور موت سے مراد آپ کی وہ وفات شریف ہے جو قریب

www.alahazratnetwork.org

قیامت آپ کے زمین پر تشریف لانے یہاں سات سال یا چالیس سال رہنے کے بعد آوے گی اور اس عبارت کے معنی یہ ہیں۔ کہ ان جناب کے زمین پر تشریف لانے پر اس وقت جتنے کتابی ہوں گے یہودی ہوں یا عیسائی وہ آپ کی زندگی شریف میں پر ایمان لے آئیں گے۔ اس وقت دنیا میں سوا اسلام کے اور کوئی دین نہ ہو گا۔ پہلی تفسیر بہت ضعیف ہے دوسری تفسیر نہایت ہی قوی ہے چند وجہ سے **ایک** یہ کہ اکثر مفسرین کا یہی قول ہے۔ عام مفسرین نے اسی کو ترجیح دی ہے۔ دیکھو تفسیر ابن کثیر۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر جلالین۔ صاوی۔ جمل۔ خازن۔ بیضاوی۔ مدارک خزائن عرفان وغیرہ **دوسرے** یہ کہ احادیث متواترہ سے ثابت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت تشریف لائیں گے چنانچہ امام بخاری نے بخاری شریف میں باب باندھا عیسیٰ ابن مریم کا نزول۔ اس میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعا روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب عیسیٰ ابن مریم تم میں منصف حاکم بن کے اتریں گے۔ صلیب کو توڑ دیں گے خنزیر کو دنیا سے فنا کر دیں گے (یعنی کسی کو عیسائی یہودی رہنے کی اور سور کھانے کی اجازت نہ دیں گے) جزیہ کا مسئلہ ختم فرما دیں گے (یعنی اس وقت اسلام یا قتل ہو گا کسی کو کافر رہنے کی اجازت نہ ہو گی) دنیا میں مال کی فراوانی ہو گی۔ تمام لوگ متقی مومن ہوں گے۔ حتیٰ کہ لوگوں کی نظر میں ایک سجدہ دنیا بھر کی نعمتوں سے زیادہ پیارا ہو گا۔ پھر آپ نے یہ ہی آیت تلاوت کی **وان من اهل الكتب** یہ حدیث مسلم نے حسن حلوانی سے روایت کی۔ نیز یہ حدیث بہت سے محدثین نے نقل فرمائی **تیسرے** یہ کہ مسلمانوں کا اجماع اس پر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اس وقت سارے عالم میں صرف مسلمان رہیں گے۔ کیونکہ تمام دنیا والے ایمان لے آئیں گے۔ یہ تفسیر اجماع امت کے مطابق ہے۔ **چوتھے** یہ کہ مرتے وقت غرغرہ کی حالت کا ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ اگر اہل کتاب اپنے مرتے وقت ایمان لے بھی آویں تو قبول نہیں پھر اس غیر مقبول ایمان کا ذکر بے فائدہ ہی ہے۔ **پانچویں** یہ کہ پہلی تفسیر آیت کریمہ کے مقصد کے بھی خلاف ہے۔ اور اس موقعہ کے بھی خلاف کیونکہ یہاں یہود کے اس قول کی تردید ہو رہی ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو سولی دیدی اور ان کی موت واقع ہو چکی۔ رب نے فرمایا کہ یہ غلط ہے۔ وہ زندہ ہیں پھر دنیا میں تشریف لائیں گے۔ اگرچہ ابھی یہود یہ نہ مانیں مگر جب وہ آئیں گے تو انہیں ماننا پڑ جاوے گا۔ کہ آپ کی موت واقع نہ ہوئی تھی۔ ہم غلطی پر تھے مقصد تو یہ ہے اگر آیت کے معنی یہ ہوں کہ یہودی عیسائی اپنے مرنے سے پہلے اس پر ایمان لے آتے ہیں تو اس آیت کو اس مقام سے مناسبت کیا ہوئی اور اس میں یہود کی تردید کیسے ہوئی **چھٹے** یہ کہ اس آیت کے آخر میں ارشاد ہے۔ **يكون عليهم شهيدا** عیسیٰ علیہ السلام ان اہل کتاب کے خلاف گواہی دیں گے۔ یہ جملہ اس تفسیر کے بالکل خلاف ہے اور بے تعلق ہو جاوے گا۔ بہر حال دوسری تفسیر ہی قوی ہے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام کی وفات سے پہلے تمام اہل کتاب آپ پر ایمان لے آویں گے یہ واقعہ قریب قیامت ہو گا **ويوم القيمة يكون عليهم شهيدا** اس عبارت میں جناب مسیح کے دوسرے کمال کا ذکر فرمایا گیا۔ **يكون** کا اسم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضمیر ہے۔ **عليهم** میں ہم کی ضمیر یا تو سارے اہل

www.alahazratnetwork.org

کتاب کی طرف لوٹتی ہے عیسائی ہوں یا یہودی یا ان یہودیوں کی طرف ہے جنہوں نے اپ پر ظلم و ستم کئے آپ کو قتل کرنے کی کوشش کی اور ان عیسائیوں کی طرف جنہوں نے بروقت آپ سے بے وفائی کی۔ شہید سے مراد خلاف گواہی دینے والا گواہ ہے کیونکہ علیٰ ضرر کے لئے ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں رب تعالیٰ کے سامنے تمام یہودیوں یا عیسائیوں یا ان ظالم و بے وفا یہودیوں اور عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے مقصد یہ ہے کہ ان ظالموں بے وفاؤں نے یہ حرکتیں کرکے جناب عیسیٰ علیہ السلام کا تو کچھ نہ بگاڑا وہ تو اللہ کی حفاظت میں زندہ ہیں۔ پھر زمین پر آئیں گے۔ خود اپنا ہی بگاڑ لیا کہ اپنے خلاف ایک نبی کی گواہی بنائی۔ مگر پہلی تفسیر بہت ہی قوی ہے کہ آپ سارے اہل کتاب بنی اسرائیل کے خلاف گواہی دیں گے۔ کیونکہ یہاں آیت کریمہ میں کسی جماعت کسی واقعہ کی قید نہیں۔ **علیهم** مطلق ارشاد ہوا ہے۔ تو آپ ہر اسرائیلی کی ہر حال کی گواہی دیں گے۔ خیال رہے کہ قیامت میں ہر نبی اپنی امت کے موافق یا مخالف گواہی دیں گے۔ مگر ہمارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں کے حق میں بھی گواہی دیں گے اور اپنی امت کے حق میں بھی۔ اور امت کی گواہی پر بھی گواہی دیں گے۔ دیگر انبیائے کرام کی گواہیوں اور آپ کی گواہی میں اتنے فرق ہوا ؟ گے۔ رب فرماتا ہے **من کل امة بشهید وجئنا بک علی هولاء شهیدا** یہاں جناب مسیح کی گواہی کا ذکر ہے قیامت کا دن حضرات انبیاء خصوصاً عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ادائے گواہی کا دن ہوگا۔ اور دنیا کا زمانہ ان کے گواہ بننے کا زمانہ ہے۔ گواہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ گواہ بنتے وقت واردات پر موجود ہو اور گواہی دیتے وقت حاکم کی کچہری میں موجود ہو۔ معلوم ہوا کہ آپ تا روز قیامت تمام اسرائیلیوں کے ہر حال کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ ورنہ گواہی کیسی شاہد عام ہے شہید خاص۔ سو شاہد اسے کہا جاتا ہے جو صرف واردات کی گواہی دے۔ اور شہید وہ ہوتا ہے جو واردات۔ مدعی کے حالات۔ اس کی ہر بات کی گواہی دے۔ شاہد سے شہید بہت خاص ہے۔ جناب مسیح تمام یہود و نصاریٰ کے ہر حال کے گواہ ہوں گے۔ ان کے خلاف ہر طرح کی گواہی دیں گے۔ آپ چوتھے آسمان پر رہتے ہوئے زمین کے ہر اسرائیلی کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ آپ اپنی نظر کے متعلق فرماتے ہیں۔ **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم**

خلاصہ تفسیر ہماری تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر قوی ہے باقی ضعیف۔ ہم خلاصہ میں وہی ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ جو نہایت قوی ہے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے حضرت عیسیٰ کے متعلق جو کچھ بیان کیا وہ حق ہے کہ انہیں قتل یا سولی نہ کیا جا سکا۔ وہ بغیر موت آئے اسی طرح صحیح و سالم آسمان پر اٹھا لئے گئے۔ اگرچہ ابھی اہل کتاب یہ بات نہ مانیں۔ مگر عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام پر ویسا ہی ایمان لے آئیں گے جیسا کہ ان کے متعلق قرآن کریم نے خبر دی ہے۔ اور جیسا کہ ان پر مسلمانوں کا ایمان ہے کہ یہودی ان کی نبوت کا اقرار کرلیں گے۔ اور عیسائی ان کی بندگی کا اعتراف کرلیں گے۔ اور ان میں سے کوئی شخص ان کے قتل یا سولی ہو

www.alahazratnetwork.org

چکنے کا عقیدہ نہ رکھ سکے گا۔ دنیا دیکھ لے گی کہ اسلام نے جو فرمایا تھا وہ حق تھا اور ان اہل کتاب کے خیالات محض باطل تھے یہ تو دنیا کے حالات تھے۔ آخرت میں قیامت کے دن عیسیٰ علیہ السلام ظالم یہودیوں اور بیوفا عیسائیوں کے خلاف بارگاہ الٰہی میں گواہی دیں گے۔ جس گواہی سے یہ لوگ دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ غرض کہ عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف کارروائیاں کرنے والوں نے جناب عیسیٰ کا تو کچھ نہ بگاڑا۔ اپنا ہی نقصان کرلیا کہ اپنے خلاف اتنے بڑے پیغمبر کو گواہ بنالیا۔

نزول مسیح کی اہم حدیث حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دوبارہ دنیا میں تشریف لانے کے متعلق آیات قرآنیہ بھی ہیں اور احادیث تو بے شمار ہیں۔ ہم یہاں صرف ایک حدیث بیان کرتے ہیں جو ابن کثیر نے مسند امام احمد سے باسناد صحیح بروایت ابو ہریرہ نقل فرمائی کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سارے نبی علاتی بھائی ہیں۔ کہ دین تمام کا ایک ہے۔ فروعات (امہات) الگ الگ۔ ہم عیسیٰ ابن مریم سے بہت ہی قریب ہیں کہ ہمارے ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ وہ قریب قیامت آسمان سے اتریں گے۔ جب، تم انہیں دیکھو تو اس حلیہ سے پہچاننا کہ وہ درمیانہ قد ہیں سرخ و سفید رنگ ہے۔ وہ دو کپڑے قطری پہنے ہوں گے۔ بغیر پانی استعمال کئے ان کے سر شریف سے قطرے ٹپکا کریں گے۔ وہ تشریف لاکر صلیب کو توڑ دیں گے۔ سوروں کو ختم فرمادیں گے۔ جزیہ کا حکم ختم فرمادیں گے۔ لوگوں کو اسلام کی دعوت دیں گے۔ ان کے زمانہ میں اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے دجال کو آپ ہلاک کریں گے۔ دنیا میں امن و امان کا دور دورہ ہو گا۔ حتیٰ کہ شیر و اونٹ۔ چیتا اور گائے بکری اور بھیڑیا ایک ساتھ چریں گے۔ بچے سانپوں سے کھیلیں گے۔ چالیس سال زمین میں رہیں گے پھر وفات پاجائیں گے۔ مسلمان ان پر نماز پڑھیں گے۔ بعض روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ روضہ انور میں دفن ہوں گے۔ اس حدیث کو ابوداؤد' بخاری شریف مسلم شریف وغیرہ کتب حدیث میں مختلف راویوں اور مختلف الفاظ سے نقل فرمایا۔ یہ حدیث معنی متواتر ہے۔

لطیفہ مرزا غلام احمد قادیانی نے ان تمام حدیثوں کے متعلق کہا کہ ان میں میری آمد کی خبر دی گئی ہے۔ کیونکہ جناب عیسیٰ علیہ السلام تو وفات پاچکے جس مسیح کی پیش گوئی کی گئی ہے۔ وہ میں ہوں مسلمان غور کریں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب مسیح کی جو صفات بیان فرمائیں ان میں سے ایک صفت بھی قادیانی صاحب میں نہیں ہے۔ ان کا نام عیسیٰ ابن مریم۔ مرزا کا نام غلام احمد ابن چراغ بی بی ان کے زمانہ میں بھی اسلام کے سوا تمام دین ختم ہو جائیں گے۔ مرزا جی کے زمانہ میں تمام کفریات موجود اور عیسائیت کو بہت فروغ ان کے زمانہ میں مال پانی کی طرح بہے گا۔ مرزا جی کے زمانہ میں لوگوں کی غریبی کا یہ حال کہ خود مرزا کا اور اس کی اولاد کا گزارہ جائز ناجائز چندوں اور بہشتی مقبرہ کی قبروں کی تجارت پر جبکہ ان کے زمانہ میں دنیا میں امن و امان مکمل ہو گا۔ مرزا جی کے زمانہ میں چوری ڈکیتی قتل و غارت خدا کی پناہ۔ ان کی وفات شریف مدینہ منورہ میں دفن روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں مرزا کی موت لاہور کے ایک پاخانہ میں دفن قادیان میں۔ خود فیصلہ کرلو کیا

www.alahazratnetwork.org

مرزا جی وہی مسیح موعود ہیں جن کی تشریف آوری کی خبر حضور انور نے دی ہے۔ **نعوذ باللہ۔**

☆ چہ نسبت خاک را با عالم پاک ☆ کجا عیسیٰ کجا دجال ناپاک ☆

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ابھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ زندہ ہیں کیونکہ آپ کی وفات سے پہلے سارے اہل کتاب کا آپ پر ایمان لانا ضروری ہے اور ابھی سارے اہل کتاب آپ پر ایمان لائے نہیں تو ابھی وفات کیسی؟ سارے یہودی آپ کی نبوت کے انکاری ہیں اور سارے عیسائی آپ کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ رہے ہیں یہ فائدہ موتہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے۔ آپ کی یہ آمد حق ہے علامات قیامت سے ہے۔ یہ فائدہ بھی موتہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **وانہ لعلم للساعۃ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت کی نشانی ہیں وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔ **تیسرا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر تمام کفار مسلمان ہو جائیں گے دنیا میں اسلام کے سوا کوئی دین نہ رہے گا۔ یہ فائدہ لیومنن سے حاصل ہوا۔ کہ جب حضرت مسیح کسی کتابی کو اپنے دین پر رہنے کی اجازت نہ دیں گے۔ تو دوسرے کفار و مشرکین کو کیسے کافر رہنے دیں گے۔ اس کے متعلق ہم احادیث پیش کر چکے ہیں۔ **چوتھا فائدہ** حضرات انبیاء کرام اپنی امت کے عقائد و اعمال سب پر مطلع ہوتے ہیں۔ اعمال کھلے ہوں یا چھپے نبی کی نگاہ سے غائب نہیں کیونکہ یہ حضرات ان کے گواہ ہیں اور گواہی کامل وہی ہے جو دیکھ کر ہو ان کی گواہی کامل ہو گی ناقص نہ ہو گی یہ فائدہ "شہیدا" کی تنوین عظیمی سے حاصل ہوا۔ جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام فرماتے ہیں **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** تم جو کچھ اپنی کوٹھڑیوں میں کھاتے بچاتے ہو میں اس کی خبر تم کو دیتا ہوں یہ تو تمام انبیاء کا علم ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولین و آخرین کے اعمال و عقائد کا مشاہدہ فرما رہے ہیں کیونکہ ان سب کے گواہ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وجئنابک علی ھؤلاء شھیدا** اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور شان حبیب الرحمان میں مطالعہ کرو۔ حضور تمام اولین و آخرین کے اعمال و عقائد کا مشاہدہ فرما رہے ہیں مقدمہ کی تحقیقات کرنا گواہی وغیرہ لینا حاکم کے بے علم ہونے کی دلیل نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ قیامت میں اپنے تمام بندوں کا فیصلہ مقدمہ فرما کر کرے گا۔ اور اس مقدمہ میں نبیوں ولیوں فرشتوں بلکہ ہمارے اعضا کی گواہی لے گا حالانکہ وہ علیم و خبیر ہے۔ تاکہ کوئی شخص اس کریم کے فیصلہ پر اعتراض نہ کر سکے۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت عائشہ صدیقہ کے تہمت کی تحقیقات کرانا یا دیگر مقدمات میں گواہی وغیرہ لینا آپ کی بے علمی کی دلیل نہیں **چھٹا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت میں صرف عیسائیوں کے ہی گواہ نہ ہوں گے بلکہ یہود کے خلاف گواہی دیں گے جیسا کہ اہل کتاب کے عموم سے معلوم ہوا۔ کیونکہ آپ بنی اسرائیل کے نبی ہیں اور بنی اسرائیل میں یہودی بھی ہیں اور عیسائی بھی۔ خود فرماتے ہیں **ورسولا الی بنی اسرائیل** تو سارے بنی اسرائیل آپ کی امت دعوت ہیں اور ہر نبی اپنی امت دعوت پر گواہ ہے۔ مرزائی اس کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ آپ

www.alahazratnetwork.org

صرف عیسائیوں کے خلاف گواہ ہیں۔ مگر ان کا یہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **ساتواں فائدہ** اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو ایسا قوی حافظہ بخشا ہے۔ کہ ہزارہا سال گزر جانے بلکہ وفات پا جانے کے باوجود کوئی چیز نہیں بھولتے۔ اگر یہ حضرات بھول جانے والے ہوتے تو قیامت میں رب تعالیٰ کے سامنے گواہی کیسے دیتے بخلاف ہم لوگوں کے ہم دنیا میں پرانی باتیں بھول جاتے ہیں آخرت کا پوچھنا کیا۔ اسی لئے ہمارے کاموں کی تحریریں کتابوں کی شکل میں بروز محشر ہم کو دی جائیں گی اور کہا جاوے گا۔ **اقراء کتابک** (اپنا نامہ اعمال پڑھ) ان حضرات کی گواہیاں کتابیں دیکھ کر نہ ہوں گی۔ خود ان کی اپنی یاد پر ہوں گی اور ان کی اپنی یاد ایسی معتبر ہو گی کہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ان کی ان گواہیوں پر ہو گا۔ اندازہ لگاؤ کہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا حافظہ کیسا ہے کہ سارے عالم کے ہر کھلے چھپے حال کے گواہ ہیں۔ وہ بھولنا جانتے ہی نہیں اگر وہ بھول جائیں تو ہم گنہگاروں کا ٹھکانہ نہ لگے۔ ہم سب کے بیڑے انہیں کی یاد پر پار لگیں گے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جس رب نے انہیں اتنا بڑا ذمہ دار گواہ بنایا۔ انہیں اس کے لائق قوت حافظہ بخشی۔ **آٹھواں فائدہ** حضرات انبیاء کرام قیامت میں ہر شخص کو پہچانیں گے۔ ہر شخص کی صفات اس کی ذات اس کے حالات کو جانتے ہوں گے۔ کیونکہ اس پہچان کے بغیر گواہی ناممکن ہے۔ اب غور کر لو کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کس شان کی ہو گی۔ حضور تو از آدم تا قیامت ہر انسان کو پہچانتے ہیں کیونکہ سب کے گواہ ہیں یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ حضور اپنی امت کو صرف آثار وضو سے پہچانیں گے۔ کیونکہ بہت مسلمان فرضیت نماز سے پہلے فوت ہوئے جیسے معراج سے پہلے فوت ہو جانے والے صحابہ اور بہت مسلمان ایمان لاتے ہی مر جاتے ہیں۔ بہت لوگ اپنی شامت نفس سے نماز پڑھتے ہی نہیں۔ اگر حضور کی پہچان صرف وضو سے ہوتی تو ان لوگوں کی شفاعت کی کیا ضرورت ہوتی۔ لہذا حدیث پاک میں عام پہچان کا ذکر ہے حضور کو خصوصی پہچان بھی عطا ہوئی۔ **شعر**۔

☆ وہ لیں گے چھانٹ اپنے نام لیواؤں کو محشر میں ☆
☆ غضب کی بھیڑ میں انگی میں اس پہچان کے صدقے ☆

اعتراضات چونکہ یہ آیت کریمہ اور ہماری پیش کردہ احادیث مرزائیوں کے مذہب کا خاتمہ کر دیتی ہے کہ اگر جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کا نزول ثابت ہو جاوے تو مرزا جی کی نبوت ختم ہو جاتی ہے۔ اس لئے مرزائی اس آیت و احادیث کو بگاڑنے ان کی تحریفیں کرنے میں بہت زور لگاتے ہیں۔ ہم ان کے اعتراضات مع جوابات اسی تفسیر کے تیسرے پارے سورہ آل عمران میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ان کی چند تحریفیں مع جوابات عرض کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمادے۔ مولوی محمد علی لاہوری اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں۔

پہلا اعتراض قبل موتہ میں ہ ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہیں جناب عیسیٰ علیہ السلام نہیں ورنہ صرف وہی یہودی ایمان

www.alahazratnetwork.org

پائیں گے جو اس زمانہ میں موجود ہوں باقی تمام یہودی اس سے محروم رہیں گے۔ لہٰذا آیت کے یہ معنی ہیں کہ ہر کتابی اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آوے گا (بیان القرآن) **جواب** تمہارے اس معنی پر کہ سارے اہل کتاب اپنی موت سے پہلے عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئیں گے۔ سارے ہی اہل کتاب ایمان سے محروم ہو گئے کیونکہ موت کے وقت غرغرہ کی حالت میں ایمان لانے کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں اور نہ یہ ایمان ذریعہ نجات ہے نجات اس ایمان کے ذریعہ ملتی ہے جو زندگی میں لایا جاوے۔ اس وقت کا ایمان مفید ہے غرغرہ کا ایمان غیر مفید۔ فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر بے سود۔ اس سے فرمادیا گیا **آلن وقد عصیت قبل** کیا ایمان لاتا ہے اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا۔ بہرحال یہی تفسیر قوی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر سارے اہل کتاب جو اس وقت موجود ہوں گے ایمان لے آویں گے اور یہ واقعہ قریب قیامت ہو گا۔ کیونکہ دوسری آیت کریمہ اس تفسیر کی تائید کر رہی ہے۔ **وجعلنه علما للساعة** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کی یہی تفسیر فرمائی جیسا کہ ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کر چکے قرآن کی وہی تفسیر قوی ہے جو خود قرآن کریم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں۔ **دوسرا اعتراض** تمہاری یہ تفسیر قرآن مجید کی دوسری آیت کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وجاعل الذین اتبعوک فوق الذین کفرو الی یوم القیمة** اے عیسیٰ میں تمہارے متبعین کو قیامت تک کافروں پر فوقیت دوں گا۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار قیامت تک رہیں گے جن پر مومن اور عیسیٰ علیہ السلام کے متبعین غالب رہیں گے اگر قریب قیامت کفر رہے ہی نہیں اسلام ہی اسلام ہو جاوے تو یہ فوقیت کیسی؟ لہٰذا عیسیٰ علیہ السلام کی آمد قرب قیامت اور کفر کا دنیا سے مٹ جانا بالکل غلط ہے۔ (قادیانی) **جواب** تمہاری پیش کردہ آیت میں کفار پر مومنوں کی برتری کا ذکر ہے کفار کے تاقیامت رہنے کا ذکر نہیں۔ کفار کا رہنا اور چیز ہے اور ان پر مومنوں کی برتری دوسری چیز۔ مرے ہوئے کفار کی بدنامی ان کی ذلت و رسوائی مومنوں کی عزت یہ ان پر برتری ہے۔ آج ہم کو ابوجہل و ابولہب پر برتری حاصل ہے حالانکہ وہ لوگ جہنم میں پہنچ چکے ہیں بلکہ حضرت صدیق و فاروق کو ان کفار پر اب تک بلکہ تاقیامت برتری حاصل رہے گی حالانکہ نہ وہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اب دنیا میں ہیں نہ وہ کفار۔

شعر:-

☆ زندہ است نام فرخ و نوشیرواں بہ عدل ☆ گرچہ بسے گذشت کہ نوشیروان نماند ☆

☆ قارون ہلاک شد کہ چہل خانہ گنج داشت ☆ نوشیرواں نمرو کہ نام نکو گزاشت ☆

لہٰذا ایک وقت ایسا ضرور آوے گا کہ دنیا میں کفار نہ رہیں گے مگر کفار کی ذلت و خواری مومنوں کی عزت ہمیشہ رہے گی۔ **تیسرا اعتراض** اگر قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام آویں گے تو نبی ہوں گے یا نبوت سے معزول ہو چکے ہوں گے۔ اگر نبی ہوں گے تو حضور آخری نبی نہ رہے اور اگر نبوت سے معزول ہو کر آویں تو یہ ان کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ہم تیسرے پارہ میں بہت تفصیل سے دے چکے ہیں کہ آخری نبی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے بعد

www.alahazratnetwork.org

کوئی نبی نہ بنے۔ پہلے تمام نبیوں کا وفات پا جانا آخریت کے لئے ضروری نہیں۔ آخری بیٹا وہ ہے جس کے بعد کوئی بیٹا نہ ہو یہ ضروری نہیں کہ گزشتہ بیٹے مرجائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت اللہ کے نبی ہوں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی۔ نبی کا قرب الٰہی کبھی منسوخ نہیں ہوتا۔ دنیا میں ان کی حکومت منسوخ ہو جاتی ہے کوئی حاکم دوسری کچہری میں گواہ بن کر پیش ہو تو اپنے وقت اور اپنی جگہ کا وہ حاکم ہے یہاں اس کچہری میں گواہ۔ **تیسرا اعتراض** اگر عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں آکر جزیہ کا حکم منسوخ فرمادیں گے اور کسی کو سور کھانے کی اجازت نہ دیں گے۔ کفار کو مذہبی آزادی نہ دیں گے تو لازم آیا کہ آپ قرآن مجید کے احکام کو منسوخ فرمادیں گے کیونکہ جزیہ کا حکم قرآنی فیصلہ ہے۔ **حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون** اور **لا اکراہ فی الدین** آپ قرآن مجید کے ناسخ ہوں گے **جواب** آپ ان احکام قرآنیہ کے ناسخ نہ ہوں گے بلکہ اس نسخ کے مظہر ہوں گے۔ خود سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی ہے کہ یہ دونوں حکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد پر ختم ہو جاویں گے جیسے ماہ رمضان عید کا چاند نظر آنے پر ختم ہو جاتا ہے یا روزہ سورج ڈوبنے پر ختم ہو جاتا ہے انہیں چاند یا غروب آفتاب نے ختم نہیں کیا بلکہ خود قرآن نے ختم فرمادیا چاند اس کا مظہر ہے۔ نزول مسیح کے متعلق اور اعتراضات و جوابات تفسیر نعیمی پارہ سوم میں ملاحظہ فرماؤ ہم وہاں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خلاف گواہی دیں گے۔ دوسری آیت میں ہے کہ جب رب تعالیٰ پوچھے گا کہ تمہاری امتوں نے تمہیں کیا جواب دیئے تو عرض کریں گے **لا علم لنا** ہم کو علم نہیں۔ ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان نبیوں کی امتیں تبلیغ کا انکار کریں گی۔ وہ حضرات دعویٰ کریں گے۔ کونسی آیت درست ہے آیا وہ گواہ ہیں یا مدعی یا بے خبر **جواب** یہ تین حالات قیامت میں تین مختلف وقتوں میں ہوں گے۔ ایک وقت میں مدعی دوسرے وقت گواہ ایک وقت میں معذرت کا اظہار کہ مولا تو ہی جانے انہوں نے ہم سے کیا کہا۔ لہٰذا تینوں آیتیں درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ایمان کا مدار انبیاء کو جاننے پہچاننے ماننے پر ہے۔ مگر ان حضرات کی جان پہچان اور ماننا وہ چاہیے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ہو۔ آپ کے ذریعہ کے بغیر ان حضرات کی جان پہچان ایمان نہیں۔ اب جیسے معرفت الٰہی کا ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یونہی حضرات انبیائے کرام کی معرفت کا ذریعہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے یہودیوں عیسائیوں کے متعلق فرمایا کہ یہ لوگ قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں گے۔ ان کی وفات سے پہلے حالانکہ اب بھی عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے جاننے پہچاننے ماننے کے مدعی ہیں۔ ان کی یہ جان پہچان ایمان نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے نہیں۔ جیسے حضور فرمادیں ویسے ہی انہیں ماننا ایمان ہے کہ وہ اللہ کے بندے اللہ کے کلمہ اللہ کی روح اللہ کے نبی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی نبوت اب منسوخ ہو چکی اور یہ کہ وہ آسمان پر زندہ ہیں اور یہ کہ وہ قریب قیامت دنیا میں تشریف لائیں گے اور یہ کہ وہ ایسے کام کریں گے جو ابھی مذکور ہوئے جو شخص ان باتوں

www.alahazratnetwork.org

سے کسی بات کا انکار کرے وہ جناب مسیح کا مومن نہیں غرض کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات حضرات انبیائے کرام کی دلیل ہیں **قد جاءکم برھان من ربکم** ان تمام حضرات کو اس دلیل سے مانو اور حضور انور کو دل سے مانو۔ ان حضرات کا علم استدلالی ہو اور حضور کا علم طبعی ہو۔ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے شہر میں کسی غیر مشہور آدمی کو خط لکھو تو پتہ میں کسی کی معرفت سے لکھو تب پہنچے گا فلاں کو مل کر فلاں کو ملے یونہی اب حضور سے مل کر ان حضرات سے ملو۔ اگر حضور کے توسل کے بغیر ان حضرات کو جانا پہچانا مانا تو انجام یہ ہوگا کہ یہ تو ان کے ماننے کا دعویٰ کرتا رہے گا اور وہ حضرات اس کے خلاف قیامت میں گواہی دیں گے۔ گویا یہ جان پہچان وبال جان بن جائے گی یہ معنی ہیں اس کے کہ حضرت عیسیٰ قیامت کے دن ان عیسائیوں یہودیوں کے خلاف گواہ ہوں گے۔ اگر حضرات انبیاء کرام کی گواہی اپنے حق میں بنانی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ میں آجاؤ جسے جو کچھ مانو حضور کے فرمانے سے مانو۔ خیال رہے کہ عقلمند وہ ہے جو وقت پر کام کرے۔ وقت نکل جانے پر کام کرنا بیکار ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ایمان لانے کا وہ درجہ نہ ہو گا جو اب ایمان لانے کا درجہ ہے۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَ

تو بوجہ ظلم کے طرف سے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے حرام کردیں ہم نے ان پر وہ پاکیزہ چیزیں جو حلال کی

تو یہودیوں کے بڑے ظلم کے سبب ہم نے وہ بعض ستھری چیزیں کہ ان کے لئے حلال تھیں ان پر حرام فرمادیں اور اس

بِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ

گئیں تھیں واسطے ان کے اور بوجہ روکنے ان کے راستہ سے اللہ کے بہت سوں کو۔ اور بوجہ لینے انکے سود کو حالانکہ بیشک

لئے کہ انہوں نے بہتوں کو اللہ کی راہ سے روکا اور اس لئے کہ وہ سود لیتے حالانکہ وہ اس سے منع کئے

وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾

منع کیئے گئے وہ لوگ اس سے اور بوجہ کھانے انکے مال لوگوں کے بذریعہ ناجائز کے اور تیار کیا ہم نے واسطے کافروں کے ان میں سے عذاب دردناک

گئے تھے اور لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے اور ان میں سے جو کافر ہوئے ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے یہود کے بدترین جرموں کا ذکر فرمایا تھا۔ اب انہیں مجرم یہودیوں کی دنیاوی اور اخروی سزاؤں کا ذکر فرما رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے ان ظلموں کا ذکر فرمایا گیا جن کا تعلق حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام سے ہے۔ انہیں تنگ کرنا سولی

www.alahazratnetwork.org

دینے کی کوشش کرنا بلکہ اپنی دانست میں انہیں سولی دے دینا۔ اب یہود کے ان ظلموں کا ذکر ہے۔ جن کا تعلق تمام لوگوں سے ہے۔ جیسے لوگوں کے مال سود اور دیگر ناجائز طریقوں سے لے لینا چونکہ نبی پر ظلم عوام پر ظلم کرنے سے بد تر ہے اس لئے پہلے بد تر کا ذکر فرمایا **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کے خود راہ حق سے رکنے کا ذکر تھا اب لوروں کو راہ حق سے روکنے کا ذکر ہے گویا لازم جرم کے بعد متعدی گناہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی بد عقیدگیوں کا ذکر تھا اب ان کی بد عملیوں اور بد معاملہ کا ذکر ہے **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اہل کتاب یہود و عیسائیوں کے خلاف گواہی دیں گے اور قیامت میں ان کے جرموں کے گواہ ہوں گے۔ اب انہیں اہل کتاب کے ان جرموں کا ذکر ہے۔ جن کے متعلق آپ کی گواہی ہوگی تاکہ معلوم ہو کہ حضرت مسیح تمام یہود کے سارے اگلے پچھلے جرموں کے گواہ ہیں۔ وہ جناب چہارم آسمان پر رہتے ہوئے ان کے عیوب ملاحظہ فرما رہے ہیں۔

تفسیر **فبظلم من الذین هادوا** یہاں ف **تعقیبیه** ہے اور ب سببیہ کیونکہ یہ سزائیں جو اس آیت میں مذکور ہیں یہود کے جرموں کے بعد اور ان کے جرموں کی وجہ سے دی گئیں لہٰذا یہاں ف اور ب دونوں ارشاد ہوئیں۔ ظلم کے لغوی معنی ہیں اندھیرا۔ اسی سے ہے **ظلمة** اس کا مقابل ہے نور۔ اصطلاح میں کسی کا حق مارنے کو ظلم کہتے ہیں کہ یہ آخرت میں اندھیرے کا سبب ہے۔ پھر ہر گناہ کو ظلم کہنے لگے۔ کہ مجرم گناہ کر کے اپنے نفس کا حق مارتا ہے کہ اسے دوزخ کا مستحق قرار دیتا ہے قرآن مجید میں لفظ ظلم کفر۔ شرک گناہ کبیرہ۔ گناہ صغیرہ اور غلطی و خطا کے لئے فرمایا گیا۔ جب ظلم کی نسبت حضرات انبیائے کرام کی طرف ہو تو بمعنی لغزش خطا ہوتا ہے جیسے **ربنا ظلمنا انفسنا** حضرت آدم علیہ السلام کی دعا میں اور **انی کنت من الظلمین** حضرت یونس علیہ السلام کی دعا میں مذکور ہے یہ بمعنی لغزش ہے۔ جب ہم جیسوں کے لئے استعمال ہو تو بمعنی گناہ ہو گا اور جب کفار کے لئے استعمال ہو تو بمعنی کفر و شرک و بد کاری ہو گا۔ یہاں اسی اخیری معنی میں ہے کیونکہ کفار یہود کے لئے ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ یہود کے ظلم سے مراد ان کے وہ کفریات ہیں جو ان سے بارہا سرزد ہوئے جیسے ان کا موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ مشرکین کی طرح ہمارے لئے بھی بت سے معبود بنائیے یا ان کا کہنا کہ ہم کو ظاہر ظہور خدا دکھائیے یا ان کی بچھڑے کی پرستش کرنا یا ہر وقت موسیٰ علیہ السلام کو تنگ کرنا وغیرہ۔ من ابتدائیہ ہے ان لوگوں کو الیہود نہ فرمایا بلکہ "الذین ہادو" فرمایا تاکہ ان کی پوری بے عزتی ہو۔ یعنی جو پہلے توبہ و رجوع کر چکے تھے یا جو یہودا کی اولاد میں ہونے کی وجہ سے عزت والے تھے اس کے باوجود وہ ظالم ہوئے یہ ظلم و نافرمانی ان کی حیثیت کے بالکل خلاف تھی **حرمنا علیهم طیبت احلت لهم** لفظ حرمنا تحریم کا ماضی مطلق ہے یہاں باب **تفعیل** یا آہستگی کے لئے ہے۔ یا مبالغہ کے لئے یعنی ہم نے آہستہ آہستہ ان پر حلال چیزیں حرام کیں کہ وہ جرم کرتے رہے۔ ہم ان کے ہر جرم پر کوئی حلال چیز حرام کرتے رہے (جمل) یا مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہم نے یہود پر حلال چیزیں اچھی طرح حرام کر

www.alahazratnetwork.org

دیں کہ انہیں قطعاً حرام کر دیا ان کے استعمال کرنے پر عذاب کا مستحق قرار دیا۔ طیبات جمع ہے **طیبۃ** کی جس کے معنی حلال چیز بھی ہے اور لذیذ و مزیدار بھی اور پاک ستھرے بھی یہاں تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ دوسرے معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ **احلت** بنا ہے حلال سے مقابل حرام کا۔ حلال کے لغوی معنی ہیں کھل جانا۔ اسی لئے احرام سے فارغ ہو جانے والے کو حلال کہتے ہیں کہ وہ حرام کی پابندیوں سے کھل جاتا ہے جائز چیز کو حلال اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حرام کی ممانعت سے کھلی ہوتی ہے۔ یعنی ان یہود کے پے در پے جرموں کی وجہ سے ان پر وہ پاکیزہ ستھری لذیذ چیزیں ہم نے حرام کر دیں جو پہلے ان پر حلال تھیں۔ خیال رہے کہ یہود پر چیزوں کی حرمت تین طرح آئی ایک اس طرح کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے پر اونٹ کا گوشت دودھ حرام فرمایا تو ان کی نقل میں یہود نے بھی حرام کر لیا جس کا ذکر چوتھے پارے میں اس آیت کی تفسیر میں گزر گیا۔ **الا ما حرم اسرائیل علی نفسہ** دوسری اس طرح کہ یہود کے پوپ پادری ترک دنیا کے طور پر اپنے پر پاکیزہ چیزیں حرام کر لیتے تھے جیسا کہ آج عیسائی راہب یا ہندو سادھوں کا حال ہے۔ اس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے **ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنھا علیھم** تیسری اس طرح کہ خود رب تعالیٰ نے ان پر مختلف زمانوں میں مختلف چیزیں حرام فرمادیں۔ ان کی سرکشی کی وجہ سے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے **وعلی الذین ھادو حرمنا کل ذی ظفر** الخ یہاں تیسری قسم کی حرمت مراد ہے۔ کیونکہ پہلی دو حرمتیں تو ان کی اپنی طرف سے تھیں یہ حرمت رب کی طرف سے تھی اور سزا تھی رہی یہ تفصیل کہ وہ طیبات ان پر کب تک حلال رہیں اور کونسی طیب چیز کب اور کس جرم پر حرام کی گئی اس کی تفصیل بہت مشکل ہے۔ اس لئے مفسرین نے اس تفصیل کا ذکر نہیں کیا۔ حتیٰ کہ امام فخرالدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کے فرمان سے نے بھی (تفسیر خازن) اتنا معلوم ہوتا ہے کہ یہ حرمت مکمل طور پر توریت میں نہ تھی کہ وہ جرم کرتے رہتے اور توریت شریف میں حرمت کی آیات آتی رہتیں۔ کیونکہ ساری توریت یکدم آئی ہے۔ نیز آئندہ جرموں پر توریت میں یہ چیزیں حرام کر دی جاتیں یہ بھی ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ بغیر جرم یا جرم سے پہلے سزا نہیں دیتا لہٰذا یہی ظاہر ہے کہ مختلف نبیوں کے زمانہ میں ان پر مختلف چیزیں حرام ہوئیں کچھ توریت شریف میں اور کچھ زبور وغیرہ میں اس آیت کو امام واحدی نے مشکل ترین آیت قرار دیا ہے۔ (خازن) یاد رکھو کہ خبیث اور بری چیزوں کا حرام کر دینا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور اچھی چیزوں کا حرام فرمادینا اللہ کا عذاب۔ اسلام میں کچھ چیزوں کا حرام فرمانا رحمت الٰہی ہے۔ اور بنی اسرائیل پر یہ حرمت عذاب الٰہی تھی **وبصدھم عن سبیل اللہ کثیرا** یہ عبارت یہود کے ظلم کی کچھ تفصیل ہے واؤ عاطفہ ہے اور عطف تفسیر کے لئے ہے۔ اس میں ان کے تین جرموں کا ذکر ہے۔ پہلا جرم یہ ہے دوسرے دو آگے ہیں۔ چونکہ دین سے منہ موڑنا لوگوں کو روکنا بدترین جرم ہے اس لئے اسے پہلے بیان فرمایا اور لوگوں کا مال ناجائز طور پر کھانا اس کے بعد ہے۔ اس لئے اس کا ذکر بعد میں فرمایا یہاں ب سببیہ ہے یہ عبارت **فبظلم** کا بیان ہے۔ ب سببیہ کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔ صد کے معنی روکنا بھی ہیں اور خود رک جانا بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ سبیل اللہ

www.alahazratnetwork.org

سے مراد اللہ تعالیٰ کا دین ہے جو حضرات انبیائے کرام کے ذریعہ دنیا میں آیا جسے اختیار کرکے بندہ رب تعالیٰ کا قرب اختیار کرتا ہے اس لئے دین کو اللہ کا راستہ کہا جاتا ہے یعنی اس تک پہنچنے کا ذریعہ یا دینی نیک اعمال یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن پاک کہ یہ تمام چیزیں خدا رسی کا وسیلہ ہیں کفار لوگوں کو اللہ سے نہیں روکتے۔ اللہ کو تو مانتے ہیں۔ البتہ اللہ کی سبیل یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے روکتے ہیں۔ ہماری اور کفار کی تمام جنگیں نبوت کے مسئلہ پر ہیں الوہیت اور توحید تو قریباً تمام کفار مانتے تھے۔ اگر صد بمعنی روکنا ہے تو کثیرا اس کا مفعول بہ ہے۔ اور اگر بمعنی رک جانا ہے۔ تو کثیرا مفعول مطلق یعنی صدا کثیرا (مدارک) یعنی ان یہود کے بہت لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کی وجہ سے یا ان یہود کے اللہ کی راہ سے بہت زیادہ رک جانے کی وجہ سے۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب بھی اسلام سے رکتے تھے۔ مگر بے خبری کی وجہ سے کیونکہ ان کے پاس کتاب اللہ نبی کی تعلیم نہ تھی۔ مگر یہود مدینہ آیات الہیہ تعلیم نبی پر خبردار ہونے کے باوجود اسلام اور بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم سے رکتے تھے۔ اس لئے ان کا رکنا کثیر تھا۔ مشرکین مکہ کا رکنا قلیل نیز مشرکین عرب لوگوں کو تلوار کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتے تھے۔ مگر یہود مدینہ علم، وعظ، قلم کے ذریعے روکتے تھے۔ اور تلوار کی روک سے علم کی روک زیادہ ہے۔ اس لئے ان کی روک زیادہ تھی ان وجوہ سے ان کی رکاوٹ کو کثیر فرمایا گیا **واخذھم الربوا وقد نھوا عنہ** یہ ان یہود کا دوسرا جرم ہے یعنی سود خواری۔ چونکہ سود دینے سے سود لینا زیادہ بڑا جرم ہے اس لئے یہاں لینے کا ذکر فرمایا اور چونکہ سود لینا بہرحال حرام ہے خواہ اسے کھاتے یا پہنے یا کسی اور طرح استعمال کرے یا اسے جمع کرکے رکھ لے یا کسی کو دیدے یا خیرات کردے یا کسی نیک کام میں لگادے بہرحال حرام ہے اس لئے لینا فرمایا گیا۔ صرف کھانے پینے کا ذکر نہ فرمایا "قد نھو" فرما کر بتایا گیا کہ یہود پر سود لینا پہلے سے حرام تھا توریت تو زمانہ موسوی میں آئی مگر سود کی حرمت بہت پہلے سے تھی۔ ملت ابراہیمی میں حرام تھا یا یہ مطلب ہے کہ توریت میں یہ لوگ سود سے منع کئے گئے تھے مگر انہوں نے کوئی پرواہ نہ کی مختلف حیلوں بہانوں سے بلکہ کھلم کھلا سود لیا۔ پہلے معنی زیادہ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ شراب سور وغیرہ بعض دینوں میں حلال رہے مگر سود وہ چیز ہے جو کسی دین میں کبھی حلال نہ ہوا۔ نھو ماضی مطلق جس سے مطلقاً ممانعت معلوم ہوتی ہے۔ یہ نہی تحریمی ہے **واکلھم اموال الناس بالباطل** یہ عبارت "اخذھم" پر معطوف ہے۔ اس میں تعمیم بعد تخصیص ہے۔ یعنی خصوصیت سے سود خواری کا ذکر فرما کر عموماً دوسری حرام خوریوں کا ذکر فرمایا چونکہ مال کا بڑا نفع ہے۔ کھانا۔ دوسرا نفع اس کے بعد اس لئے کھانے کا ذکر فرمایا ورنہ حرام آمدنی کا کھانا بھی حرام ہے۔ پہننا برتنا بھی حرام۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا** اموال جمع فرما کر اشارہ فرمایا کہ یہ ایسے حریص ہیں کہ لوگوں کا ہر قسم کا مال خواہ منقولہ ہو یا غیر منقولہ پھر خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی غرض جیسا بھی مال ہو کسی طرح ہاتھ لگ جاوے یہ کھا جانے ہضم کرجانے میں تامل نہیں کرتے بالباطل میں ب سببیہ ہے یا ذریعہ کی باطل سے مراد ہر ناجائز طریقہ ہے جس سے مال حاصل کیا جاوے جیسے رشوت یا ناجائز پیشوں کے ذریعہ مال کمانا جیسے ناچ۔ گانا، جوا،

www.alahazratnetwork.org

ناپ تول کر مال دینا ملاوٹ کر کے مال بیچنا۔ ناچ کر گا کر پیسہ کمانا۔ غرض کہ جن کاموں کا حرام کیا گیا ہے ان سے حاصل کیا ہوا پیسہ حرام ہے **واعتدنا للکفرین منھم عذابا الیما** اس جملہ کی تفسیر ابھی کچھ آیات میں پہلے گزر گئی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ عبارت حرمنا پر معطوف ہے اور اس میں ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے یعنی دنیا میں تو ہم نے ان پر وہ عذاب کیا جو ابھی مذکور ہوا اور آخرت میں یہ عذاب ہے۔ الکافرین سے مراد کفر میں جمے رہنے والے کفر پر مرنے والے یا وہ جن کے کفر پر ارادہ الٰہی ہو چکا ہے کہ وہ عند اللہ کافروں کی فہرست میں آگئے اس لئے من **تبعیضیہ** ارشاد ہوا۔ ورنہ یہود سارے ہی کافر ہیں عذاب کے مستحق اور عذاب۔ عتاب۔ عتاب کا فرق اور عذاب الیم و غیر الیم میں فرق بارہا بیان ہو چکا۔ یعنی ان یہود میں سے کافر مرنے والوں کے لئے ہم نے بہت دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جو ان کے لئے نامزد ہو چکا ہے رہے وہ یہود جو ابھی تو یہودی ہیں لیکن آگے چل کر ایمان قبول کر لیں گے اور ان کا خاتمہ ایمان پر ہو گا۔ اس لئے ان کے لئے مغفرت قبولیت رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہود کے چار خصوصی جرموں کا ذکر فرمایا۔ بڑا ظلم کرنا لوگوں کو راہ ہدایت سے روکنا' سود لینا' لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھانا اور ان چار جرموں پر دو سزاؤں کا تذکرہ کیا ایک دنیاوی عذاب یعنی طیب و لذیذ چیزوں کا ان پر حرام فرمادینا۔ دوسرا اخروی یعنی دردناک عذاب جہنم کا ان کے لئے تیار ہونا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہود کے گزشتہ مذکورہ سخت ظلم کی وجہ سے کہ انہوں نے توریت کے عہد توڑے۔ موسیٰ علیہ السلام سے چند معبود بنانے کا مطالبہ کیا۔ حق تعالیٰ کا دیدار بے حجاب مانگا وغیرہ۔ ہم نے ان پر بہت سی پاکیزہ ستھری چیزیں حرام فرمادیں جن کا ذکر سورہ انعام شریف میں آرہا ہے جو کہ پہلے ان پر حلال تھیں کچھ تو توریت شریف میں ہی حرام فرما دیں اور کچھ بعد دوسرے انبیاء کرام کے زمانوں میں ان پر یہ دنیاوی عذاب اس لئے آیا کہ وہ خود اللہ کی راہ اللہ کے دین سے بہت زیادہ رکتے تھے۔ یا بہت لوگوں کو اللہ کی راہ۔ نبیوں پر ایمان لانے سے روکتے تھے۔ کسی کو شبہات میں مبتلا کر کے کسی کو روپیہ پیسہ کا لالچ دے کر کسی کو اور ذریعوں سے غرض کہ بہت لوگوں کو بہت طریقوں سے روکتے تھے اور سود لیتے تھے حالانکہ سود سے ان کو سخت منع کیا گیا تھا توریت کے نزول سے پہلے بھی اور خود توریت میں بھی مگر وہ اس ممانعت کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ان میں سے بعض تو کھلم کھلا صراحتہً سود خور ہو گئے تھے۔ اور بعض یہودی حیلے بہانہ کر کے اسے جائز کرنے کی جرأت کرتے اور لیتے تھے اور لوگوں کے مال ناجائز طریقوں سے جوئے رشوت حرام طریقوں سے کھاجاتے تھے۔ ان چار وجہوں سے اس پر دنیا میں تو یہ عذاب آیا کہ ان پر حلال طیب چیزیں حرام کر دی گئیں اور آخرت میں انکا یہ حال ہو گا کہ ان میں جو کافر ہو کر مرے گا اس کے لئے سخت دردناک عذاب ہم نے تیار کر رکھا ہے۔ جو انہیں مرتے وقت مرنے کے بعد اور قیامت میں اور بعد قیامت دیا جاوے گا اس لئے بہتر ہے کہ اب بھی توبہ کر لیں تو ان کے لئے دروازہ رحمت کھلا ہوا ہے۔ ہمارے محبوب کا دامن بڑا وسیع ہے۔ **نوٹ ضروری** ہم سود کی مکمل بحث کہ سود کسے کہتے ہیں۔ سود کتنی قسم کا

www.alahazratnetwork.org

ہے اور سود کے احکام کیا ہیں تیسرے پارہ سورہ بقر میں وضاحت کر چکے ہیں خیال رہے کہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے یہود کی بد عقیدگیوں اور بد معاملگیوں کا ذکر تو فرمایا۔ مگر ان کی عبادات کی خرابیوں کا ذکر نہ کیا کیونکہ بمقابلہ عبادات کے معاملات بہت اہم ہیں عبادات سے صرف اپنے کو نفع ہوتا ہے مگر معاملات کی درستی سے ملک کا نظام قائم رہتا ہے۔ عبادات صرف مسلمانوں سے وابستہ ہیں مگر معاملات کے احکام ہر مسلم و کافر پر جاری ہوتے ہیں۔ اسلامی حکومت کسی کافر کو سود لینے رشوت خوری کم تولنے مال میں ملاوٹ کر کے تجارت کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اسی اہمیت کی بنا پر یہاں خصوصیت سے معاملات کا ذکر ہوا۔ یاد رکھو کہ مال حاصل ہونے کے چند ذریعہ ہیں۔ جن سے مال حلال ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ حرام' وراثت' تجارت' اجارہ یعنی کرایہ' مزدوری' ملازمت' ہبہ خواہ ہدیہ ہو یا نذر یا عطیہ یہ اسباب ہیں مال حلال کے۔ اس کے علاوہ سب حرام۔ پھر تجارت و اجارہ میں تفصیل ہے۔ حلال تجارتوں کے ذریعہ حاصل شدہ مال حلال ہے۔ حرام تجارات حرام پیشوں کے ذریعہ حاصل شدہ مال حرام ہے یہ ایک کلمہ بالباطل ہزارہا مسائل کا سرچشمہ ہے۔

فائدے اسی آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ پچھلے زمانہ میں عذاب الٰہی اس طرح بھی آتا تھا کہ ان پر شرعی احکام سخت کر دیئے جاتے تھے۔ طیب و حلال چیزیں حرام کر دی جاتی تھیں۔ ہمارے دین میں اس عذاب سے امان ہے۔ دین محمدی بہت آسان ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے اور دنیاوی عذاب آنا بند ہو گئے۔ جیسے آسمان سے پتھر برسنا۔ صورتیں مسخ ہونا ایسے ہی یہ عذاب بھی بند ہو گیا۔ دوسرا فائدہ تمام حرام کمائیوں میں سود بدترین حرام ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا ذکر پہلے فرمایا۔ دوسری ناجائز آمدنیوں کا ذکر بعد میں۔ نیز سود بھی ناجائز کمائیوں میں داخل تھا مگر اسے خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا۔ تیسرا فائدہ سود لینا حرام مطلق ہے۔ خواہ اسے کھائے یا پہنے یا اور طرح استعمال کرے یا اسے جمع کر کے رکھے یا خیرات کر دے یہ فائدہ اخذہم سے حاصل ہوا کہ یہاں اکلہم نہ فرمایا۔ چوتھا فائدہ سود دینے سے سود لینا زیادہ برا اور سخت تر جرم ہے یہ فائدہ بھی اخذہم سے حاصل ہوا کہ سود دینے والا تو ایک جرم کرتا ہے۔ سود دینے کا مگر سود لینے والا دو جرم کرتا ہے۔ سود لینا اور سود کا استعمال کرنا۔ دیکھو اسرائیل یہودی سود دیتے بھی تھے اور لیتے بھی تھے مگر عذاب الٰہی کے اسباب میں سود لینے کا ذکر ہوا۔ پانچواں فائدہ سود اسلام سے پہلے اور دینوں میں بھی حرام تھا اس کی حرمت صرف اسلام ہی میں نہیں ہے۔ بلکہ تمام دینوں میں بھی تھی یہ فائدہ **"قد نھو"** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ رشوت' جوا' چوری' ناچ گانے وغیرہ کے پیشے اسلام سے پہلے دوسرے دینوں میں بھی حرام تھے اور ان سے حاصل کیا ہوا مال حرام تھا۔ اسلام میں بھی یہ سب کچھ حرام ہے اس کی تفصیل تیسرے پارہ میں گزر چکی یہ سب باطل میں داخل ہے ساتواں فائدہ سود یا ناجائز و حرام کمائیوں سے حاصل کیا ہوا مال اسی کمانے والے کی ملک نہیں بنتا بلکہ وہ مال اصل مالکوں کا ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ "اموال الناس" فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان مالکوں کو لوگوں کا مال فرمایا۔ خود کمانے والے کا مال نہ فرمایا۔ اس سے بہت سے مسائل حاصل ہوں گے حتیٰ کہ ان مالوں میں میراث بھی جاری نہ ہو گی۔ اگر

www.alahazratnetwork.org

وارثوں کو اس حرام مال کی خبر ہو اور مالکوں کا پتہ ہو تو انہیں واپس کردیں کہ یہ "اموال الناس" ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** ناجائز ذریعوں سے حاصل کیا ہوا مال کسی طرح استعمال نہ کرے مگر اس کا کھانا سخت حرام ہے یہ فائدہ اکلھم فرمانے سے حاصل ہوا کہ حرام غذا سے جو خون گوشت پوست بنے گا اسے آگ دوزخ جلد جلادے گی۔ خراب پٹرول موٹر کے پرزے خراب کر دیتا ہے۔ **نواں فائدہ** انسان کے جزا و سزا کے لئے خاتمہ کا اعتبار ہے۔ جو کافر مرے عذاب کا مستحق ہے خواہ زندگی میں مومن رہا ہو اور جو مومن مرے وہ رحمت کا مستحق ہے اگرچہ زندگی میں کافر رہا ہو جیسا "للکافرین" کی تفسیر سے معلوم ہوا **دسواں فائدہ** اگرچہ گنہگار مسلمانوں کو بھی عذاب ہو سکتا ہے مگر "عذاب الیم" صرف کافر مرنے والوں کے لئے ہے جیسا کہ للکافرین کے مقدم کرنے سے معلوم ہوا **گیارہواں فائدہ** تمام یہود کافر نہ رہے بلکہ ان میں سے کچھ مسلمان بھی ہو گئے جو مسلمان ہو گئے وہ بخش دیئے گئے اور مذکورہ عذابوں سے بچ گئے۔ یہ فائدہ منہم کے من تبعیضیہ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود نافرمانیاں کرتے رہے اور ان پر طیب چیزیں حرام ہوتی رہیں مگر یہ تو جب ہو سکتا تھا جب کہ توریت شریف قرآن مجید کی طرح تھوڑی تھوڑی اور مختلف واقعات پر اترتی۔ جب ساری توریت یکدم اتری تو یہ کیسے درست ہوا کہ ان لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے چیزیں حرام ہوتی رہیں۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہود نزول توریت سے پہلے ہی بڑے ظالم جھگڑالو اور ضدی تھے۔ ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے توریت کے احکام سخت آئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور آپ کے بعد انہوں نے بری حرکتیں کیں تو بعد والے نبیوں اور بعد والی کتابوں کے ذریعہ ان پر سختی بڑھتی گئی طیب چیزیں حرام ہوتی گئیں۔ چیزوں کی حرمت صرف توریت سے ہی نہ ہوئی بلکہ بعد میں دوسری کتابوں سے ہوتی رہی۔ **دوسرا اعتراض** حلال چیزوں کو حرام کر دینا تو کوئی عذاب نہیں۔ عذاب وہ ہے جو تکلیف دے چند چیزیں نہ کھانے میں کیا تکلیف ہو گی؟ (آریہ) **جواب** اس کی تکلیف کسی اس بیچارے سے پوچھو جو بیماری کی وجہ سے بہت سی مزیدار چیزوں سے محروم ہو گیا۔ وہ بیچارہ سخت پرہیز کی وجہ سے زندگی سے تنگ آجاتا ہے۔ خصوصاً جب کہ سب گھر والے اعلیٰ غذائیں کھاتے ہوں اور یہ مونگ کی دال پر گزارہ کرتا ہو۔ **تیسرا اعتراض** ناجائز کمائیوں میں سود بھی شامل تھا پھر اس کا ذکر علیحدہ کیوں ہوا؟ **جواب** اس لئے کہ یہ بدترین جرم ہے اسی لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ سود لینا ایسا جرم ہے جیسے کعبہ معظمہ میں اپنی ماں سے زنا کرنا۔ (**نعوذ باللہ**) **لطیفہ** فتاویٰ رشیدیہ میں مولانا رشید احمد صاحب فرماتے ہیں کہ منی آرڈر بھیجنا ممنوع ہے ربو یعنی سود ہے تو ان کے اسی فتویٰ سے ہر منی آرڈر بھیجنے والا سود خور ہے اور اتنا بڑا مجرم ہے جتنا بڑا مجرم اپنی ماں سے زنا کرنے والا ہے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ آج کل منی آرڈر سے کون بچ سکتا ہے۔ اس فتوے نے سارے مسلمانوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ کسی عالم کی عقل خراب نہ کرے۔ **چوتھا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ سود کے لئے "اخذ" یعنی لینا ارشاد ہوا اور حرام کمائیوں کے لئے "اکل" یعنی کھانا فرمایا گیا حالانکہ یہ دونوں ہی حرام ہیں **جواب** یہ بھی سود کی حرمت کی سختی ظاہر فرمانے کے لئے ہے اس کی

www.alahazratnetwork.org

تفصیل ابھی تفسیر میں عرض کر دی گئی ہے۔ پانچواں اعتراض "للکافرین منہم" سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے یہودی کافر نہیں بلکہ بعض کافر ہیں انہیں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حالانکہ سارے یہودی کافر ہیں۔ پھر یہ فرمانا کیسے درست ہوا۔ جواب اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں کافرین سے مراد کافر رہنے والے اور کافر مرنے والے ہیں اور واقعی ایسے کافر سارے یہود نہ تھے۔ بعض تھے کیونکہ ان میں سے بہت سے یہود مسلمان ہو گئے تھے۔ **چھٹا اعتراض** مسلمان ہونے والے یہودیوں کا کیا حکم ہے۔ انہوں نے زمانہ کفر میں جو سود لیا ناجائز ذریعوں سے مال کھائے کیا اسلام لانے کی برکت سے وہ بھی معاف ہو گئے۔ اگر معاف ہو گئے تو اس سے لوگ گناہوں اور حقوق مار لینے پر دلیر ہو جائیں گے۔ اگر معاف نہ ہوئے تو "للکافرین منہم" کا کیا مطلب؟ **جواب** ان جیسے جرموں کا حکم یہ ہے کہ اسلام کی برکت سے ان کے گناہ تو معاف ہو گئے مگر حق عبد باقی رہے وہ ادا کرنا ہوں گے۔ اگر کوئی شخص زمانہ کفر میں قتل یا چوری کرے پھر مسلمان ہو جاوے تو اسلام کی برکت سے ان کاموں کے گناہ معاف ہو گئے مگر حق عبد کی وجہ سے قصاص اور ہاتھ کا کٹنا ضرور ہو گا۔ گناہ اور حق میں فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے یہود کے گناہوں بدکاریوں کی دو سزائیں بیان فرمائیں۔ ایک دنیاوی سزا یعنی حلال و طیب چیزوں کا حرام فرما دینا۔ دوسری سزا اخروی یعنی دردناک عذاب یہود کے لئے ارشاد ہوا "حرمنا علیہم طیبات" اور ہم گنہگاروں کے لئے فرمایا **ویحل لھم الطیبت** اور فرمایا **کلوا مما رزقکم اللہ حللا طیبا** یعنی رب تعالیٰ نے ہم کو اس حرمت کی سزا سے محفوظ رکھا۔ اس کرم نوازی سے امید بندھی کہ انشاء اللہ رب تعالیٰ ہم کو آخرت کے دردناک عذاب سے بچائے گا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان دونوں عذابوں کو اس آیت میں جمع فرمایا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ممنوعات کا ارتکاب تحریم مباحات کا موجب ہے اور مباحات میں زیادتی و اسراف محرومی مناجات کا باعث ہے۔ ہر مباح کھا لینا جو نفس چاہے وہ کام کر لینا برا ہے۔ بلکہ کبھی نفس کو مارنا بھی چاہیے تاکہ نفس ہم پر غالب نہ آوے۔ شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

☆ مرو در پئے ہرچہ دل خواہدت ☆ کہ تمکین تن نور جاں کاہدت ☆

(روح البیان)

جو شخص ہر چیز بغیر تحقیق کھالے وہ کتے سے بدتر ہے کہ کتا جو کچھ کھاتا ہے دیکھ کر سونگھ کر کھاتا ہے یہ ناداں بغیر دیکھے سونگھے ہی کھا لیتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

لٰکِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَ الْمُؤْمِنُوْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ

لیکن مضبوط دیے بیچ علم کے ان میں سے اور ایمان رکھنے والے ایمان لاتے ہیں ساتھ اسکے جو اتارا گیا طرف آپ کے

ہاں جو ان میں علم کے پکے اور ایمان والے ہیں وہ ایمان لاتے ہیں اس پر جو اے محبوب تمہاری طرف اترا اور

وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَ الْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَ الْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

اور اس پر جو اتارا گیا پہلے سے آپ کے اور قائم رکھنے والے نماز کے اور دینے والے زکوٰۃ کے اور

جو تم سے پہلے اترا اور نماز قائم رکھنے والے اور زکوٰۃ دینے والے اور اللہ

وَ الْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِؕ اُولٰٓىٕكَ سَنُؤْتِیْهِمْ اَجْرًا عَظِیْمًا۠ ﴿۱۶۲﴾

ایمان رکھنے والے ساتھ اللہ اور دن آخر کے یہ لوگ ہیں کہ عنقریب دیں گے ہم ان کو ثواب بڑا

اور قیامت پر ایمان لانے والے ایسوں کو عنقریب ہم بڑا ثواب دیں گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں جاہل و کافر یہود کا ذکر تھا اب اس آیت میں صاحب ایمان اور صالح یہود کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار یہود کی بدکاریوں کی کچھ تفصیل تھی۔ اب مومن یہود کی خوش عقیدگی اور نیک کاریوں کا تفصیلی ذکر ہے تاکہ قرآن پڑھنے والے ان اعمال سے بچیں۔ اور ان عقائد و اعمال کو اختیار کریں کامل علاج یہ ہے کہ مریض کو کھانے والی غذائیں دوائیں بھی بتائی جائیں اور بچنے والی مضر چیزوں پر بھی مطلع کیا جاوے پرہیز کرنے کے لئے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے سخت عذاب کا ذکر تھا اب اس کے ثوابوں کا ذکر ہے گویا رب تعالیٰ کی جباری قہاری کا ذکر پہلے ہوا اس کی ستاری غفاری کرم نوازیوں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ ایمان کے گویا دو بازو ہیں خوف و امید پیدا کرنے کے بعد امید بندھائی جا رہی ہے چونکہ امید پر خوف مقدم ہے اس لئے خوف کا ذکر پہلے ہوا۔ امید کا ذکر بعد میں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کبھی تو صراحۃً احکام جاری فرماتا ہے کبھی اشارۃً۔ اس قسم کی آیات اشارۃً احکام کی ہیں کہ دوسری قوموں کی سزا و جزا کا ذکر فرمایا۔ ہم سے عمل کرانے کے لئے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ ان بنی اسرائیل میں جو کافر ہیں ان کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا تھا کہ سب اسرائیلی کافر نہیں۔ ان میں بعض مومن بھی ہیں اب اسی اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے کہ کافر اسرائیلیوں کے لئے وہ عذاب ہے۔ اور مومن اسرائیلیوں کے لئے یہ اجر و ثواب ہیں گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر لٰکن الرسخون فی العلم منھم لٰکن حرف استدراک ہے۔ اس سے کسی وہم کو دور کیا جاتا ہے چونکہ پچھلی عبارت سے شبہ ہو سکتا تھا کہ سارے یہود کا یہی حال ہو گا کہ وہ بد عقیدہ بد عمل عذاب الٰہی کے مستحق ہوں گے

www.alahazratnetwork.org

اس وہم کو دفع کرنے کے لئے یہاں **لکن** ارشاد ہوا "راسخون" بنا ہے رسوخ سے جس کے معنی ہیں ثابت ہونا پھیل جانا اسی لئے اس درخت کو راسخ کہا جاتا ہے جس کی جڑیں زمین میں پھیلی ہوں اور وہ مضبوطی سے زمین پر کھڑا ہو۔ علم میں راسخ وہ شخص ہے جس کے دل و دماغ اعضا ظاہری میں علم سما گیا ہو کہ نور علم اس کے رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو اس کی تحقیق تیسرے پارے میں ہو چکی ہے علم سے مراد یا توریت شریف کا علم ہے۔ یا علم دین منہم کا مرجع وہ یہود ہیں جن کا ذکر ابھی ہو چکا۔ علماء راسخین کون لوگ ہیں اس میں بہت گفتگو ہے۔ قوی قول یہ ہے کہ راسخ عالم وہ ہے جس کے عقیدے درست ہوں۔ اعمال صحیح ہوں۔ دل میں اللہ کا خوف رسول کی محبت ہو۔ علم دین مکمل ہو قواعد سے مسائل نکالنے کی قوت ہو جس میں یہ پانچ چھ صفات ہوں وہ علمائے راسخین ہیں۔ **الراسخون** مبتدا ہے اور **یومنون** اس کی خبر **والمومنون** یہ **الرسخون** پر معطوف ہے۔ مومنین سے مراد یا تو وہ عام یہودی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے اس صورت میں رب تعالیٰ نے خوش نصیب یہود کی دو قسمیں فرمادیں۔ علماء راسخین اور عام مومنین۔ چونکہ عام مومنین سے علماء افضل ہیں کہ وہ مومن بھی ہیں اور مومن گر بھی اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے پہلے فرمایا۔ بعد میں دوسرے مومنین کا جب علماء و عوام کے ایمانوں میں فرق ہے تو نبی اور امت میں بھی فرق ہونا لازمی ہے یا اس سے مہاجرین و انصار مراد ہیں۔ اس صورت میں اشارہ اس طرف ہے کہ نئے مسلمان اور پرانے مسلمان نفس ایمان میں برابر ہیں۔ کوئی پرانا مسلمان کسی نومسلم کو نظر حقارت سے نہ دیکھے اگر پرانے مسلمانوں کے پاس نیک اعمال کے ذخیرے ہیں تو ان نو مسلموں کو گناہوں کی معافی ایسی مل چکی ہے کہ گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئے۔ یا عام اہل ایمان خواہ مومنین یہود ہوں یا مہاجرین و انصار وغیرہ۔ اس صورت میں اشارہ ادھر ہے کہ تاقیامت مسلمان ایمان و اسلام میں برابر ہیں۔ اگرچہ حضرات صحابہ اولیاء اللہ علماء اسلام کی ریل کے فسٹ کلاس کے مسافر ہیں اور ہم جیسے عوام تھرڈ کلاس کے مسافر ہیں لیکن خدا کرے حضور سے کڑی ملی رہے تو منزل مقصود پر سب پہنچیں گے قطرہ اور دریا پانی ہونے میں برابر ہیں تیسرا قول قوی تر ہے **یومنون بما انزل الیک** عبارت **الرسخون** اور **المومنون** کی خبر ہے۔ یہاں ایمان سے مراد تصدیق قلبی ہے ما سے مراد قرآن و حدیث اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات ہیں کیوں یہ سب رب تعالیٰ کی طرف سے حضور پر اتارے ہوئے ہیں یومنون کے معنی ہیں ایمان لاتے ہیں یا ایمان رکھتے ہیں یا ایمان پر قائم رہتے ہیں **وما انزل من قبلک** یہاں واؤ عاطفہ ہے اور ما پہلے ما پر معطوف ہے اور اس ما سے مراد گزشتہ انبیائے کرام کی کتابیں صحیفے اور ان کے معجزات و کمالات سب ہی ہیں۔ کیونکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہیں۔ چونکہ سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اس لئے صرف "من قبلک" ارشاد ہوا اس کے بعد "من بعدک" نہ فرمایا گیا۔ جو کوئی حضور کے بعد نبی مانے وہ کافر ہے چونکہ قرآن کریم پر تفصیلی ایمان بھی ہے عمل بھی۔ مگر پچھلی کتب پر صرف اجمالی ایمان ہے۔ ان پر عمل نہیں اس لئے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

www.alahazratnetwork.org

ارشادات کے لئے ما انزل علیحدہ ارشاد ہوا۔ اور دوسری کتب کے لئے "ما انزل" علیحدہ فرمایا گیا۔ نفس ایمان میں سب برابر ہیں مگر تفصیلی ایمان اور عمل اور نوعیت قبول میں فرق ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان تمام باتوں کے ماننے پر مقدم ہے۔ تمام کتب تمام نبیوں تمام ایمانیات کو حضور کی معرفت ماننے کا نام ایمان ہے اس لئے **بما انزل الیک** پہلے فرمایا گیا۔ اور باقی ایمانی چیزوں کا ذکر بعد میں۔ حضور تمام ایمانیات کا دروازہ ہیں۔ دروازہ سے داخل ہو تو گھر کی نعمتیں پاؤ گے **والمقیمین الصلوۃ** اس عبارت کی ترکیب میں مفسرین نے بہت گفتگو کی ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ "بما انزل" کے ما پر معطوف ہے اور حالت جری میں ہے اور مقیمین سے مراد یا گزشتہ انبیاء کرام ہیں کہ ہر نبی کے دین میں نمازیں تھیں۔ اگرچہ تعداد اور نوعیت میں فرق رہا یا اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ تمام فرشتے نماز الٰہی ادا کرتے ہیں۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ اس پر بھی ایمان لاتے جو آپ پر اترا اور اس پر بھی جو آپ سے پہلے اترا اور گزشتہ انبیائے کرام پر یا فرشتوں پر بھی ایمان لاتے ہیں جو نمازیں قائم فرمانے والے ہیں اس صورت میں یہ جملہ بھی ایمان ہی کی تفصیل ہے۔ دوسرے یہ کہ عبارت حالت **نصبی** میں ہے امدح فعل پوشیدہ کا مفعول۔ اس صورت میں یہ عبارت جملہ معترضہ ہوگی (خازن کبیر وغیرہ) اس کے متعلق اور قول بھی ہیں جو قوی نہیں۔ خیال رہے کہ مقیمین سے مراد یا تو وہ **راسخون** اور مومنون ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا اور یہ ان کی صفت ہے یا ان کے علاوہ دوسرے لوگ ہیں۔ پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں (خازن) مالک ابن دینار کی قرات میں **والمقیمون** ہے (تفسیر مدارک) مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں بھی یہ ہی ہے (مدارک) **والمؤتون الزکوۃ**۔ یہ عبارت مومنوں پر معطوف ہے اور ان حضرات کے دوسرے عمل کا ذکر ہے۔ یعنی فرض صدقہ زکوۃ ہمیشہ دینے والے۔ زکوۃ کے معنی اس کی صورتیں پہلے پارے کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ علماء یہود کبھی زکوۃ نہ دیتے تھے۔ وہ سمجھے بیٹھے تھے کہ زکوۃ و صدقات کے احکام ہمارے لئے ہیں ہی نہیں وہ تو عوام یہود کے لئے ہیں۔ یہ علماء عوام یہود سے رشوتیں لے کر اور ناجائز آمدنیوں سے بہت بڑے مالدار تھے۔ جیسے آج ہندوؤں میں برہمن جو کہتے ہیں کہ رب نے چار قومیں پیدا کی ہیں۔ برہمن' چھتری' ویش' شودر' برہمن دان یعنی صدقات لینے کے لئے پیدا ہوئے چھتری جنگ کرنے ملک گیری کے لئے ویش تجارت کے لئے۔ شودر یعنی اچھوت ہم سب کی خدمت کے لئے یہی ان کے خیال تھے۔ اس لئے خصوصیت سے زکوۃ دینے کا ذکر فرمایا گیا۔ یعنی ان کے علماء ربانی وہ ہیں جو زکوۃ دیتے رہتے ہیں **والمومنون باللہ والیوم الاخر** یہ عبارت پہلے والمومنون پر معطوف ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان نبیوں کتابوں پر ایمان لانے میں داخل تھا۔ مگر اس کی اہمیت دکھانے کے لئے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ کیونکہ تمام چیزوں پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ کے لئے ہی تو ہے۔ وہی اصل مقصود ہے۔ باقی اس کے حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں اور چونکہ اللہ و قیامت پر ایمان وہی قبول و معتبر ہے جو نبی اور کتاب الٰہی کے ذریعہ سے ہو۔ اس لئے نبوت و کتاب پر ایمان لانے کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ اور ایمان باللہ کا ذکر بعد میں۔ یوم آخر سے مراد قیامت میں اٹھنا۔ وہاں کا حساب و کتاب جنت دوزخ وغیرہ سب

www.alahazratnetwork.org

ہی ہیں حتیٰ کہ شفاعت وغیرہ کا عقیدہ بھی اسی میں داخل ہے۔ قیامت کا ماننے والا حقیقتاً وہی ہے جو ان سب باتوں کو مانے **اولئک سنویتھم اجرا عظیما۔ اولئک** سے اشارہ اس جماعت مومنین کی طرف ہے۔ جن کے اوصاف ابھی مذکور ہوئے۔ چونکہ یہ حضرات بڑی شان والے ہیں اسی لئے "**اولئک**" بعید کا اشارہ فرمایا گیا۔ چونکہ ایمان و اعمال کا ثواب دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں عطا ہو گا۔ لہذا "سین" استقبال کے لئے لایا گیا۔ اجر سے مراد ایمان و اعمال تمام کا ثواب ہے۔ عظیم فرما کر بتایا گیا کہ انہیں ایسا ثواب ملے گا جو ان کے خیال و گمان سے وراء ہے یعنی ان لوگوں کو عنقریب ہم بہت ہی بڑا ثواب دیں گے۔ جو بیان میں نہیں آسکتا۔ دنیا والوں کی اجرت اور رب تعالیٰ کے اجر میں کئی طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ دنیا والے اجرت اور کام ساتھ رکھتے ہیں کام کئے جاؤ تنخواہ ماہ بماہ یا مزدوری روزانہ لئے جاؤ۔ مگر رب تعالیٰ جب اجر دے گا تو کام نہ لے گا۔ قبر میں ہی کہہ دیا جاوے گا کہ سو جا دولہا کی طرح یہاں سونے سے مراد آرام کرنا ہے نہ کہ یہ سونا غفلت والا۔ ورنہ یہ تو عذاب ہو جاتا۔ دوسرے دنیا کی تنخواہیں تھوڑی ہوتی ہیں جن سے بمشکل گزارہ۔ رب کے اجر بہت زیادہ ہیں۔ محدود عمل کا لامحدود ثواب۔ تیسرے دنیا میں کام سینکڑوں کرا کر تنخواہ ایک دی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ ایک کام کے بہت سے اجر دے گا۔ نماز کو لے لو۔ کہ اس میں وضو کرنے۔ مسجد جانے۔ جماعت کا انتظار کرنے وغیرہ کے ثواب الگ الگ ہیں اس لئے اس کو اجر عظیم فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر جیسے اللہ تعالیٰ نے گنہگار و بدکار یہودیوں کے بہت سے عیوب بیان فرما کر ان کے عذاب کا ذکر فرمایا تھا ویسے ہی نیک کار پرہیزگار یہود کے بہت سے صفات کا ذکر فرما کر ان کے ثواب کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ فرمایا ان اہل کتاب میں سے پختہ علم والے اور کامل ایمان والے ان تمام پر بھی ایمان رکھتے یا ایمان لاتے ہیں۔ جو آپ پر اترا اور ان سب پر بھی جو آپ سے پہلے اور انبیاء کرام پر اترا جو کسی کا انکار نہیں کرتے۔ نمازیں قائم کرنے والے ہیں، زکوٰۃ ادا کرنے والے اور اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن اور اس کے حالات پر ایمان لانے والے ہیں۔ ایسے لوگ ہمارے محبوب بندے ہیں۔ ہم عنقریب ان کو اتنا بڑا ثواب دیں گے جو ان کے خیال گمان سے باہر ہے۔ آپ پر ایمان لانے کا علیحدہ ثواب۔ ان نبیوں پر ایمان لانے کا علیحدہ ثواب پھر اللہ تعالیٰ اور قیامت پر آپ کی معرفت ایمان لانے کا علیحدہ ثواب۔ نمازیں قائم کرنے زکوٰۃ دینے کا علیحدہ ثواب۔ پھر نمازوں میں وضو کرنے جماعت سے نماز ادا کرنے کا علیحدہ زکوٰۃ دینے میں صدقہ کا علیحدہ ثواب۔ مسکین و فقیر کی حاجت روائی کا علیحدہ ثواب۔ غرض کہ اتنے ثواب دیں گے جو ان کے خیال میں نہیں آسکتے۔ دنیاوی امراء اپنے نوکروں سے بہت کام کرا کے ایک اجرت دیتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ ایک عمل کی بہت سی اجرتیں دیتا ہے۔ اجرت بھی ایسی جو لینے والے مزدور کی شان کے لائق نہیں بلکہ اس دینے والے کریم کی شان کے شایان ہے۔ خیال رہے کہ مفسرین نے اس آیت کی نحوی ترکیب کو بہت مشکل قرار دیا ہے۔ کیونکہ **راسخون مومنون موتون** تو رفعی حالت میں ہیں مگر **والمقیمین** حالت نصبی یا جری میں ہے اس کی وجہ کیا ہے ہم بحوالہ تفسیر خازن و کبیر اس کی دو وجہ بیان کر چکے۔ یہ

www.alahazratnetwork.org

بھی خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں جن میں بعض اہل کتاب کی تعریف فرمائی گئی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مراد ہوتے ہیں کہ وہ یہود کے بڑے عالم حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی ہوئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** علم اللہ کی بڑی نعمت ہے خصوصاً جب کہ علم دین ہو۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں علم کا ذکر تمام چیزوں سے پہلے فرمایا۔ ایمان، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا ذکر بعد میں کیا۔ ایمان بھی علم ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ جاننا پہلے ہے ماننا بعد میں اور ماننے کا نام ایمان ہے۔ اگر علم کے ساتھ اللہ کا فضل بھی ہو تو معمولی علم بھی ہدایت دے دیتا ہے۔ اگر فضل ربانی شامل حال نہ ہو تو بڑے سے بڑا علم بھی ہدایت نہیں دیتا۔ فرعونی جادوگر علم جادو کے ذریعہ سے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ وہ سمجھ گئے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادو نہیں معجزہ ہے اور علمائے یہود علم توریت کے باوجود کافر رہے۔ کہ جادوگروں پر فضل تھا یہ فضل سے خالی تھے۔ **دوسرا فائدہ** علمائے راسخین دوسرے علماء سے افضل ہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے راسخین فی العلم کا ذکر فرمایا۔ صرف زبان کا علم کبھی مضر ہوتا ہے مگر جو علم دل و دماغ اعضا میں سرایت کر جاوے وہ مفید ہی ہوتا ہے۔ فرشتے راسخین تھے ابلیس کو علم تھا مگر رسوخ فی العلم نہ تھا اللہ تعالیٰ رسوخ فی العلم عطا فرمائے علمائے راسخین کی تعریف ہم تیسرے پارہ میں تفصیل سے بیان کر چکے ہیں۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد ایمان صرف اس کا نام ہے کہ حضور کی معرفت اور حضور کے ذریعہ سے 'اللہ تعالیٰ' فرشتوں' نبیوں' قیامت وغیرہ کو مانا جاوے۔ جو کوئی حضور کا انکار کر کے ان تمام کو مان لے وہ مومن نہیں دیکھو یہود اللہ تعالیٰ' فرشتوں' نبیوں قیامت وغیرہ۔ سب کو مانتے تھے مگر قرآن کریم نے مومن صرف ان کو فرمایا جو حضور پر ایمان لائے۔ باقی تمام کو کافر قرار دیا۔ اب ایمان حضور کی ذات میں منحصر ہے۔ **چوتھا فائدہ** اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور میں پیچھے ہیں مگر اب ایمان میں سب نبیوں سے پہلے دیکھو رب نے پہلے فرمایا **بما انزل الیک** پھر بعد میں فرمایا **وما انزل من قبلک** **پانچواں فائدہ** صرف قرآن کو مان لینے سے ایمان نہیں ملتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمان تمام احکام تمام معجزات وغیرہ کو ماننے سے ایمان ملتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بالقرآن نہ فرمایا بلکہ **بما انزل الیک** فرمایا۔ اس سے منکرین حدیث عبرت پکڑیں بلکہ قرآن مجید پر بھی اس لئے ایمان ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** ایمان قرآن کریم پر بھی ہے۔ اور تمام آسمانی کتابوں پر بھی مگر قرآن مجید پر تفصیلی ایمان ہے دوسری کتب پر اجمالی ایمان اور قرآن کریم پر عمل بھی ہے۔ ان کتب پر عمل نہیں وہ منسوخ ہیں۔ **ساتواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں قرآن مجید آخری کتاب ہے نہ حضور کے بعد کوئی نبی ہے نہ قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب دیکھو یہاں "من قبلک" کا ذکر تو ہے مگر "من بعدک" کا ذکر نہیں۔ **آٹھواں فائدہ** تمام اعمال پر ایمان مقدم ہے بغیر ایمان کوئی عمل مفید نہیں۔ دیکھو رب نے نماز و زکوٰۃ کا ذکر ایمان کے بعد کیا۔ ایمان جڑ

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ انکی شاخیں اور نماز بمقابلہ زکوۃ زیادہ اہم ہے کہ پہلے نماز قائم کرنے کا ذکر ہوا پھر زکوۃ کا۔ نماز کی اہمیت اور نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے کا فرق ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں نواں فائدہ نجات کے لئے ایمان ضروری ہے نہ کہ صرف توحید اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں کسی جگہ توحید کا حکم نہیں دیا۔ ایمان کا حکم دیا بلکہ سارے قرآن میں توحید کا نام تک نہ لیا۔ توحید نبوت سے مل کر ایمان بنتی ہے بغیر نبوت طغیان ہے دسواں فائدہ اللہ تعالیٰ مومن متقی کو ایمان بلکہ ایمان کے ہر رکن اور تقویٰ کے ہر عمل کا بہت بڑا ثواب عطا فرمائے گا۔ جو بندوں کے وہم و گمان سے دور ہے۔ دیکھو رب نے دنیا کی نعمتوں کو قلیل فرمایا اور ان کے ثواب کو عظیم کہا۔ گیارہواں فائدہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو۔ ہر وقت ان کا حاجت مند رہے۔ دیکھو اسلام کا پہلا رکن نماز ہے مگر نہ تو اس کی تفصیل قرآن کریم میں ہے نہ زکوۃ کی ان دونوں حکموں کو اس قدر مجمل رکھا کہ سبحان اللہ تاکہ اس پہلے مسئلہ میں ہی لوگ حضور کے حاجت مند ہوں۔ خیال رہے کہ جیسے ہم جسمانی زندگی میں بعض رزق ہر وقت استعمال کرتے ہیں جیسے ہوا۔ بعض رزق ہر گھنٹہ دو گھنٹہ کے بعد جیسے پانی بعض رزقوں کی ضرورت دن میں دو تین بار ہوتی ہے جیسے غذا بعض چیزیں ہم سال بعد استعمال کرتے ہیں جیسے موسمی پھل بعض چیزیں عمر میں ایک ہی بار استعمال کرتے ہیں۔ اسی طرح روحانی زندگی کے لئے بعض عبادات ہر وقت کی جاتی ہیں جیسے عقائد کی درستگی حتیٰ کہ کلمہ پڑھ کر سوتے ہیں کلمہ پر ہی مرتے اور دفن ہو جاتے ہیں۔ اور کلمہ کا ہی سوال قبر میں ہوتا ہے۔ نماز دن میں پانچ بار زکوۃ روزہ سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار اور جہاد کبھی کسی کو نصیب ہوتا ہے۔ اسی لئے یہاں نماز کے مقیمین ارشاد ہوا اور زکوۃ کے لئے موتون فرمایا گیا۔

اعتراض **راسخین فی العلم** میں **منھم** کی قید کیوں لگائی گئی یعنی یہود میں سے مضبوط عالم کیا۔ دوسرے عالموں کو ثواب نہیں ملتا۔ **جواب** اس لئے کہ جو عالم یہود مسلمان ہو جاوے اسے ڈبل ثواب ملتا ہے۔ اولاً اپنے رسول پر ایمان لانے کا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہاں یہ قید زیادتی ثواب کے لئے ہے نہ کہ اصل ثواب کے لئے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ایمان بالکتاب کو پہلے بیان فرمایا اور اللہ تعالیٰ و قیامت پر ایمان کا ذکر بعد میں ہوا حالانکہ اللہ و قیامت پر ایمان پہلے ہے۔ نبی و کتاب پر ایمان بعد میں پھر ترتیب ذکری الٹی کیوں ہے۔ **جواب** اس کی حکمتیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یا تو ایمان باللہ کی اہمیت فرمانے کے لئے اس کا ذکر خصوصیت سے بعد میں کر دیا گیا ورنہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کے لئے اللہ پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ یا اس لئے کہ ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو نبی کی معرفت سے حاصل ہو۔ نماز پر وضو مقدم ہے۔ **تیسرا اعتراض** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ **والمقیمین الصلوۃ** امدح فعل کا مفعول ہے اور یہ جملہ معترضہ ہے حالانکہ ایک جملہ کے اجزاء کے درمیان ایسی عبارت نہیں آتی۔ یہاں معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان یہ جملہ آ رہا ہے یہ ترکیب نحوی کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا نہایت نفیس

www.alahazratnetwork.org

جواب تفسیر خازن نے دیا ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے کہ ایک جملہ کے اجزاء کے درمیان میں بھی ایسا جملہ معترضہ آ سکتا ہے اس کے ثبوت کے لئے دو شعر پیش کئے۔ شعر:۔

☆ **لا یبعدن قومی الذین هم** ☆ **سم العداة وافة الجزر** ☆

☆ **النازلین بکل معترک** ☆ **والطیبون معاقد الازر** ☆

دیکھو النازلین مفعول ہے! **اذکر** فعل پوشیدہ کا اور یہ جملہ سم **العداة** اور طیبون کے درمیان ہے جو کہ معطوف علیہ و معطوف ہیں تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ الراسخون مبتدا ہے اور یومنون اس کی خبر لہٰذا جملہ پورا ہو چکا اور یہ جملہ معترضہ کلام پورا ہو چکنے کے بعد ہے لہٰذا اس پر کوئی اعتراض نہیں اور والموتون الزکوٰۃ سے دوسرا جملہ ہے۔ جس میں الموتون مبتدا ہے۔ اور **اولئک سنؤتیھم** الخ اس کی خبر بہر حال آیت پر کوئی اعتراض نہیں **چوتھا اعتراض** عربی میں **اولئک** دور والی چیز کی طرف اشارہ کے لئے آتا ہے۔ رب تعالیٰ سب سے قریب اس سے کوئی چیز دور نہیں۔ پھر دور کا اشارہ کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** یہاں اشارہ بعید مکانی دوری کے لئے نہیں بلکہ رتبہ و درجہ کے لئے دوری کے لئے ہے وہ بھی **مخاطبین** کے لحاظ سے۔ یعنی وہ شاندار جماعت جن کے مراتب و درجات تمہارے وہم و گمان سے ورا ہیں ان کی یہ شان ہے۔ یہ حضرات اگرچہ جسماً ہمارے ساتھ رہتے ہیں مگر ان کی درجے و مراتب ہم سے بہت بلند و بالا ہیں۔ اس دوری کا ظہور جنت میں ہو گا کہ اعلیٰ درجہ والے اعلیٰ علیین میں جب سیر کو نکلا کریں گے تو دوسرے جنتی ان کو ایسے دیکھیں گے جیسے آج زمین والے ثریا تارے کو دیکھتے ہیں **اولئک** کا ظہور وہاں ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ علماء تین قسم کے ہیں۔ احکام الٰہی کے علماء ذات و صفات الٰہی کے علماء۔ ذات و صفات و احکام الٰہی ان سب کے علماء تیسری قسم کے علماء وہ ہی راسخین و عاملین ہیں۔ اکابر علماء انہیں کو کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ علماء کے پاس بیٹھو۔ حکماء کے ساتھ رہو اور کبراء کی موافقت و اتباع کرو۔ اس حدیث میں انہیں تین قسموں کی طرف اشارہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں راسخین سے مراد یہ ہی تیسری قسم کے علماء ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا وغیرہ اعمال صالحہ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی یہ حضرات عالمین بھی ہیں عاملین بھی۔ (تفسیر کبیر) چونکہ نماز سارے اعمال میں افضل ہے کہ یہ انسان کو ایسا سیدھا کر دیتی ہے جیسے ٹیڑھے بانس کو معمولی آگ نیز یہ بدنی عبادت ہے۔ اسی لئے اسے پہلے بیان فرمایا۔ اور زکوٰۃ مالی عبادت ہے۔ بدن مال سے افضل ہے۔ اس لئے زکوٰۃ کا ذکر بعد میں فرمایا۔ (روح البیان) علمائے راسخین علمائے ربانیین ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کی زبان الٰہی ہے دل عرش ہے اور روح ملکوتی ہے جن کی ہر سانس قرآن و سنت کے ترازو میں تل کر نکلتی ہے جن کے بیان در حقیقت عیاں ہوتے ہیں ان کے نفوس نعمت الٰہی ہیں (عرائس البیان) جن کا ایک قدم علم میں دوسرا قدم عمل میں مضبوط ایسے علماء عاملین بہت بڑے اجر و ثواب کے مستحق ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ کَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰی نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَاَوْ

یقیناً ہم نے وحی کی طرف آپ کے جس طرح کہ وحی کی ہم نے طرف نوح کے اور نبیوں کے بعد ان کے اور

بے شک اے محبوب ہم نے وحی تمہاری طرف بھیجی جیسے نوح اور اس کے بعد کے پیغمبروں کو بھیجی اور

حَیْنَآ اِلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَ

وحی کی ہم نے طرف ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد ان کے اور

ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں اور

عِیْسٰی وَاَیُّوْبَ وَیُوْنُسَ وَھٰرُوْنَ وَسُلَیْمٰنَ وَاٰتَیْنَا دَاوٗدَ

طرف عیسیٰ کے اور ایوب کے اور یونس کے اور ہارون کے اور سلیمان کے اور عطا کی ہم نے داؤد

عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کو وحی کی اور ہم نے داؤد کو زبور

زَبُوْرًا ﴿۱۶۳﴾

کو زبور

عطا کی

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں یہود کا یہ مطالبہ ذکر ہوا کہ آپ سارا قرآن مجید یکدم لائیں ورنہ ہم ایمان نہ لائیں گے۔ پھر ارشاد ہوا کہ ان کا یہ مطالبہ محض عناد کے طور پر ہے اس عناد کے ثبوت میں ان کے چند واقعات اور مطالبات ذکر فرمائے کہ انہوں نے فلاں فلاں وقت میں فلاں نبی سے یہ مطالبے کئے تھے۔ اب اس آیت میں اگلے اس مطالبہ کا جواب دیا جا رہا ہے۔ کہ ان بارہ حضرات کو یہود نبی مانتے ہیں۔ حالانکہ ان میں سے کسی کو آسمانی کتاب یکدم نہ ملی۔ کسی نبی کو تو کتاب ملی ہی نہیں اور کسی کو ملی مگر آہستگی سے۔ بتاؤ جب وہ حضرات نبی ہیں۔ حالانکہ انہیں یکدم کتاب نہ ملی تو ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے تم یہ مطالبہ کیوں کرتے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ اولاً "یہود کا مطالبہ بیان ہوا پھر ان کے مطالبے کی نوعیت کہ یہ مطالبہ محض عناداً" ہے۔ پھر اس کا ثبوت اب اس مطالبہ کا جواب غرض کہ نہایت نفیس ترتیب ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مومن اہل کتاب سارے نبیوں اور ان کی کتابوں صحیفوں احکام پر ایمان لاتے ہیں اب اس آیت میں ان نبیوں کتابوں کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس آیت میں تفصیل ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں مومن کی شان یہ بیان کی گئی تھی کہ مومن وہ ہے جو آپ پر اور تمام نبیوں پر یکساں ایمان لائے کہ کسی نبی میں نفس ایمان میں فرق نہ کرے۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ وحی الٰہی تمام نبیوں پر یکساں آئی کوئی نبی بغیر وحی نہ ہوئے۔ جب وحی و نبوت میں سب حضرات یکساں ہیں تو

www.alahazratnetwork.org

چاہیے کہ ان پر ایمان بھی یکساں لایا جاوے۔ گویا پہلے ایک حکم تھا۔ اب اس حکم کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ چوتھا فائدہ پچھلی آیت میں اشارۃً اللہ تعالیٰ اور تمام نبیوں پر ایمان لانے کا حکم تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ہم وحی دینے والے یہ حضرات وحی لینے والے۔ مومن وہ جو وحی دینے والے رب کو بھی مانے اور وحی لینے والے سارے نبیوں کو بھی۔ گویا پچھلی آیت میں ایمان کا حکم تھا۔ اب وجہ ایمان اور ذریعہ ایمان کا ذکر ہے۔ کہ جو ہم کو اس طرح مانے کہ ہم آسمان و زمین وغیرہ کے خالق مالک رازق ہیں نبوت کی معرفت نہ مانے وہ موحد ہے مگر مومن نہیں۔ مومن وہ ہے جو ہم کو اس طرح مانے کہ ہم نبیوں پر وحی بھیجنے والے ہیں۔ اور حضرات انبیاء وحی کے منتہی۔

شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ علمائے یہود میں سے دو راہبوں نے جن کا نام سکین اور عدی بن زید تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کسی بشر کو نبوت نہ دی نہ وحی بھیجی۔ آپ بھی تو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہی ہیں تو آپ نبی کیسے ہو گئے۔ ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن تفسیر صاوی وغیرہ)

تفسیر **انا اوحینا الیک** چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے یہود' عیسائی' مشرکین اور بہت سے کفار انکاری تھے اس لئے رب تعالیٰ نے آپ پر وحی آنے کو انا تحقیق سے شروع فرمایا۔ نیز حضور کی نبوت بہت ہی اہم ہے کہ اب حضور ہی کی نبوت پر ایمان کا دارومدار ہے۔ اس اہمیت کو ظاہر فرمانے کے لئے انا ارشاد ہوا بہر حال انا یا تو منکرین کے انکار کی وجہ سے ہے یا مضمون کی اہمیت کے اظہار کے لئے ہے۔ اوحینا بنا ہے وحی سے وحی کے لغوی معنی ہیں خفیہ اطلاع جس میں اشارہ۔ الہام وغیرہ سب داخل ہیں۔ رب فرماتا ہے **فاوحی الیھم ان سبحوا بکرۃ و عشیا**۔ یہاں وحی بمعنی اشارہ ہے اور فرماتا ہے۔ **اذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی** اور فرماتا ہے **واوحی ربک الی النحل** اور فرماتا ہے **واوحینا الی ام موسیٰ** ان تمام آیتوں میں وحی سے مراد دل میں ڈالنا ہے شریعت کی اصطلاح میں جو پیغام الٰہی بذریعہ فرشتہ کسی بندے پر نازل ہو وہ وحی ہے بشرطیکہ وہ بندہ تبلیغ کا مامور ہو۔ **لہٰذا** حضرت جبریل علیہ السلام کا جناب مریم سے کلام فرمانا شرعی وحی نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے جو طور پر بلاواسطہ کلام فرمایا اسے کلام الٰہی کہا وحی الٰہی نہ کہا۔ فرمایا **کلم اللہ موسیٰ تکلیما** کیونکہ وہ بغیر واسطہ فرشتہ تھا لہٰذا وحی نہ ہوا یہ ذکر وحی جلی کا ہے۔ وحی خفی بہت عام ہے حتی کہ پیغمبر کی خواب ان کا الہام بلکہ ہمارے حضور کا ہر کلام وحی ہے۔ وحی خفی معراج کی رات قاب قوسین کے موقع پر جو بے حجابانہ بغیر واسطہ کلام اپنے محبوب سے فرمایا اسے وحی کہا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** یہاں صیغہ جمع متکلم فرمانے میں بھی وحی الٰہی کی اہمیت کا اظہار ہے جیسے **انا انزلنہ فی لیلۃ القدر** وحی کی پوری تحقیق اور وحی کے اقسام جلی و خفی وغیرہ پہلے پارہ میں بیان ہو چکے۔ الیک سے معلوم ہوا کہ وحی کی ابتداء رب تعالیٰ سے ہوتی ہے

www.alahazratnetwork.org

اور انتہائی پر نہ تو حضرت جبریل وحی کے منتہی ہیں اور نہ ہم امت والے۔ اس انتہا سے شریعت و طریقت کے بڑے نفیس مسائل حاصل ہو سکتے ہیں **کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ** نوح علیہ السلام کا نام شریف **یشکر** تھا اور لقب نوح کیونکہ آپ خوف خدا سے بہت نوحہ یعنی گریہ وزاری کرتے تھے۔ آپ کے تاریخی حالات پہلے پارے میں بیان ہو چکے۔ چونکہ نوح علیہ السلام پہلے صاحب شریعت نبی ہیں اور مشرکین اور کفار کو پہلے ڈرانے والے پیغمبر ہیں۔ آپ ہی پہلے نبی ہیں جن کی بددعا سے کفار پر عذاب آیا آپ دوسرے ابوالبشر ہیں کہ تمام مابعد کے لوگ آپ کی اولاد ہیں آپ کی عمر پندرہ سو سال اور تبلیغ قریباً ایک ہزار سال ہوئی یعنی ساڑھے نو سو برس۔ مگر نہ آپ کے بال سفید ہوئے نہ کوئی دانت گرا۔ آپ نے ہی اپنی قوم کی تکالیف پر بہت ہی صبر فرمایا کہ دن و رات خفیہ و علانیہ تبلیغ فرماتے تھے۔ کبھی آپ قوم کی ایذا سے بیہوش ہو جاتے تو ہوش آتے ہی پھر تبلیغ فرماتے۔ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ ہی کی قبر پہلے کھلے گی وغیرہ وغیرہ ان وجوہ سے آپ کا ذکر پہلے کیا گیا۔ آپ پہلے اولوالعزم رسول ہیں علیہ الصلوۃ والسلام (خازن' روح کبیر' صاوی وغیرہ) آپ کی اتنی دراز عمر اور اتنی عمر میں دانت نہ گرنا بال سفید نہ ہونا کسی قسم کا ضعف نہ آنا آپ کا جسمانی معجزہ ہے۔ (سراج منیر) آپ سے پہلے حضرت آدم' شیث' ادریس علیہم السلام نبی گزرے والنبیین میں تمام انبیاء کرام کا اجمالی ذکر فرما دیا گیا۔ من بعدہ اس لئے فرمایا کہ احکام شرعیہ کی وحی آپ سے شروع ہوئی اور آپ کے بعد والے رسولوں کو ہوئی یہ مطلب نہیں کہ آپ سے پہلے نبیوں پر وحی نہ آئی تھی کیونکہ وحی نبوت کے لئے ضروری ہے۔ **واوحینا الی ابراھیم واسمٰعیل واسحٰق ویعقوب والاسباط** اگرچہ یہ حضرات بھی والنبیین میں داخل تھے۔ مگر چونکہ جماعت انبیاء میں یہ حضرات خصوصی صفات اور بہت شانوں کے مالک ہیں اس لئے ان کے نام پاک خصوصیت سے لئے گئے۔ حضرت ابراہیم ابوالانبیاء ہیں کہ سات نبیوں کے علاوہ تمام نبی آپ کی اولاد میں ہیں۔ حضرت آدم' شیث' ادریس' نوح' صالح' ہود' لوط علیہم السلام تو آپ کی اولاد میں نہیں باقی سب آپ کی اولاد ہیں۔ کعبہ' منیٰ' صفا مروہ آپ کی ہی یادگاریں ہیں۔ اسلام میں آپ کی سنتوں کو باقی رکھا گیا۔ تمام دینوں میں آپ کا ادب و احترام ہے۔ ابراہیم کے معنی ہیں مہربان باپ (اب رحیم) اسمٰعیل علیہ السلام آپ کے بڑے فرزند ہیں۔ آپ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں۔ آپ کے دم سے مکہ معظمہ بلکہ عرب آباد ہوا۔ اسمٰعیل کے معنی ہیں اسمع یا ایل اے خدا میری سن لے۔ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے برسوں آپ کی ولادت کی دعائیں کی تھیں اور ہر دعا کے بعد عرض کرتے اسمع یا ایل اس لئے آپ کا نام اسمٰعیل ہوا۔ اسحاق علیہ السلام تمام بنی اسرائیل نبیوں کے جد امجد ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کے والد ماجد ہیں۔ یعقوب کے لفظی معنی ہیں عقب میں آنے والا یعنی پیچھا بیٹا۔ حضرت عیص اور آپ جڑواں پیدا ہوئے۔ آگے عیص اور پیچھے یعقوب علیہ السلام۔ اس لئے آپ کا نام یعقوب رکھا گیا۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ معنی اولاد قرآنی اصطلاح میں یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کو اسباط کہا جاتا ہے۔ جن میں یوسف علیہ السلام بھی داخل ہیں۔ ان تمام ناموں کی تحقیقات ان بزرگوں کے حالات زندگی ہم پہلے

www.alahazratnetwork.org

پارہ میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ اس میں بحث ہے کہ یعقوب علیہ السلام کے سارے بیٹے نبی ہوئے یا صرف یوسف علیہ السلام یہ تحقیق بھی پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے۔ **وعیسیٰ وایوب ویونس وھرون وسلیمن** اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام جناب یوسف و ہارون وغیرہم انبیاء سے پیچھے ہیں مگر چونکہ بڑی شان والے صاحب کتاب صاحب معجزات روح اللہ کلمتہ اللہ ہیں اسی لئے آپ کا نام شریف ان بزرگوں سے پہلے لیا گیا نیز یہاں ذکر ترتیب وجود کے لحاظ سے نہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان تمام انبیاء کرام کے مزارات پر حاضری دی ہے۔ ان بزرگوں کے جائے وفات جائے دفن وغیرہ کی اگر تفصیل دیکھنی ہو تو ہمارا سفر نامہ تبلیغین کا مطالعہ کرو۔ ان بزرگوں کے ناموں کی تحقیق تاریخی حالات نسب نامے وغیرہ پہلے پارہ میں عرض ہو چکے۔ **واتینا داؤد زبورا۔** داؤد علیہ السلام حضرت سلیمان علیہ السلام کے والد ماجد ہیں۔ آپ کی خوش الحانی آپ کا معجزہ تھی۔ جب آپ زبور شریف کی تلاوت کرتے تو آپ کے پیچھے علماء ان کے پیچھے عام لوگ ان کے پیچھے جنات ان کے پیچھے پرندے چرندے.... جانور جمع ہو جاتے۔ پرندے آپ پر سایہ کر لیتے تھے (روح البیان' خازن' وغیرہ) زبور بروزن فعول - بمعنی اسم مفعول ہے۔ جیسے رسول' رکوب اور حلوب یہ زبر - بمعنی کتابتہ سے بنا ہے۔ یعنی لکھی ہوئی کتاب اس میں ڈیڑھ سو سورتیں تھیں جن میں احکام شرعیہ بہت تھوڑے تھے۔ حکمت وعظ حمد الٰہی وغیرہ زیادہ تھیں۔ ان بزرگوں کے زمانوں کی ترتیب یہ ہے۔ ابراہیم علیہ السلام پھر حضرت اسحٰق پھر حضرت یعقوب پھر حضرت یوسف پھر شعیب ابن نویب پھر ہود ابن عبداللہ پھر صالح ابن آصف پھر حضرت موسیٰ و ہارون ابن عمران پھر ایوب پھر خضر پھر داؤد ابن ایشا پھر سلیمان ابن داؤد پھر یونس ابن متی پھر الیاس پھر ذوالکفل علیہم السلام۔ (صاوی) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ عرب میں کل پانچ نبی تشریف لائے۔ ہود و صالح' اسمٰعیل' شعیب' محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اجمعین شاید عرب سے مراد زمین عرب ہو ورنہ حضرت صالح علیہ السلام کے زمانہ میں عرب آباد ہی نہ ہوا تھا۔ عرب تو حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ سے آباد ہوا۔ واللہ اعلم اور عرب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے ہمارے حضور تک کوئی نبی نہ تشریف لائے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو یہود آپ کی نبوت پر اس لئے اعتراض کرتے ہیں کہ آپ پر قرآن کریم یکدم کیوں نہ آیا۔ یا جو کہتے ہیں کہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں وہ بڑے جھوٹے ہیں۔ ہم نے آپ پر ویسی ہی وحی فرمائی ہے جیسے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں پر وحی فرمائی تھی۔ چنانچہ ہم نے حضرت ابراہیم' اسمٰعیل' اسحٰق' یعقوب ان کی اولاد عیسیٰ ایوب' یونس' ہارون' سلیمان علیہم السلام پر وحی کی تھی۔ کہ ان میں سے اکثر انبیاء کرام کے پاس کتاب تھی ہی نہیں نہ یکدم آئی نہ آہستہ۔ داؤد علیہ السلام کو زبور دی۔ مگر آہستہ پھر یہ لوگ ان سب کو نبی کیوں مانتے ہیں۔ اگر نبوت کے لئے کتاب الٰہی یکدم اترنا شرط ہے تو ان حضرات کی نبوت کیسے ثابت کریں گے۔ خیال رہے کہ الوہیت' نبوت' ولایت' ان سب کا ماننا اسلام میں ضروری ہے مگر ان تینوں میں نبوت پر زیادہ زور ہے۔ اللہ تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

نبوت کو ہر قسم کے شبہات سے صاف فرماتا ہے۔ اس لئے نبی پر معجزات ظاہر ہوتے ہیں کہ نبوت سے شبہ دور ہو۔ مدعی الوہیت کے ہاتھ پر عجائب اور کرشمے ظاہر ہو سکتے ہیں۔ مگر مدعی نبوت یعنی جھوٹے نبی کے ہاتھ پر کوئی کرشمہ جو نبوت کی تائید کرے ہرگز ظاہر نہ ہو گا۔ حتیٰ کہ جادوگر دعویٰ نبوت کر کے جادو سے عجائب نہیں دکھا سکتا۔ دجال دعویٰ الوہیت کرے گا اور بہت عجائب دکھائے گا کیونکہ الوہیت کبھی مشتبہ نہیں ہو سکتی بندے کا کھانا پینا سونا جاگنا بندگی کی دلیل ہے لیکن نبی بندے ہوتے ہیں۔ اگر کوئی دعویٰ نبوت کر کے جادو سے نبوت ثابت کرے تو نبوت مشتبہ ہو جاوے گی۔ اس لئے یہاں انا حرف تحقیق فرمایا گیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ہر نبی پر وحی الٰہی ہونا ضروری ہے کوئی نبی بغیر وحی نہیں ہو سکتے جیسا کہ **اوحینا** کے بعد **النبیین** فرمانے سے معلوم ہوا۔ ہاں ہر نبی کے لئے کتاب آسمانی ہونا ضروری نہیں۔ دیکھو حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ مگر کتابیں کل چار ہیں اور صحیفے ایک سو دس۔ **دوسرا فائدہ** گروہ انبیاء میں حضرت نوح علیہ السلام بڑی شان والے نبی ہیں۔ آپ کے خصوصی فضائل ابھی تفسیر میں بیان کئے گئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان کے نام سے اس سلسلہ کو شروع فرمایا **تیسرا فائدہ** بعض علماء نے یوسف علیہ السلام کے سارے بھائیوں کو نبی مانا ہے وہ اس آیت سے دلیل لیتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اسباط کو سلسلہ انبیاء میں ذکر فرمایا ہے اور ان پر وحی فرمانے کا تذکرہ کیا اور اسباط یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا لقب ہے۔ جو علماء ان کی نبوت کے انکاری ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ان صاحبوں کی اولاد میں نبی گزرے ہیں اسباط سے مراد بارہ قبیلے اور بارہ خاندان ہیں۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ ترجیح اسے ہے کہ وہ حضرات نبی ہیں مگر صاحب شریعت نبی نہیں واللہ اعلم۔ یوسف علیہ السلام نے ان صاحبوں کو خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا تھا۔ تارے نبی کے صحابی ہوتے ہیں۔ حضور فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم۔ **چوتھا فائدہ** یہ بارہ حضرات انبیاء عظیم الشان نبی ہیں مگر رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ اگرچہ **النبیین** میں یہ بھی داخل تھے۔ علیحدہ ذکر فرمانا ان کی عظمت شان کی دلیل ہے۔ **پانچواں فائدہ** حضرت سلیمان علیہ السلام نبی ہیں کہ رب تعالیٰ نے انہیں سلسلہ انبیاء میں بیان فرمایا۔ اور ان پر وحی نازل ہوئی جو کوئی ان کی نبوت کا انکار کرے وہ کافر ہے **چھٹا فائدہ** حضرت داؤد علیہ السلام پر زبور شریف یکدم نہ آئی بلکہ آہستگی سے آئی جیسا کہ **اتینا داؤد زبورا** سے معلوم ہوا کیونکہ یہود کو عطاء زبور سے الزام دیا جا رہا ہے کہ اگر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا اس لئے انکار کرتے ہو کہ آپ پر قرآن مجید آہستگی سے اترتا ہے تو حضرات داؤد علیہ السلام کے متعلق کیا کہو گے۔ ان پر بھی زبور شریف آہستہ آئی تھی۔ **ساتواں فائدہ** علم تاریخ اچھا علم ہے۔ خصوصاً حضرات انبیاء کرام کی تاریخ تو بہت ہی اعلیٰ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان حضرات کے تاریخی حالات سے یہود کو الزام دیا۔

پہلا اعتراض جب نوح علیہ السلام سے پہلے بھی چند نبی گزرے جیسے آدم علیہ السلام شیث علیہ السلام ادریس علیہ السلام

www.alahazratnetwork.org

تو یہاں رب تعالیٰ نے نوح علیہ السلام اور ان کے بعد والے نبیوں کا ہی ذکر کیوں فرمایا۔ کیا پہلے والے نبی نہیں؟ **جواب** اس لئے کہ ان حضرات کی وحی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے بہت مناسبت ہے کہ احکام شرعیہ اور تبلیغ اسلام کی وحی ان سے پہلے نہ تھی۔ حضرت نوح سے شروع ہوئی۔ آپ سے پہلے ذکر الٰہی اور عبادت کی ہی وحی تھی اس تشبیہ کی وجہ سے خصوصیت سے بعد والوں کا ذکر فرمایا جیسا کہ لفظ کما سے ظاہر ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس سلسلہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں نہیں۔ آپ بھی تو بڑے صاحب شان نبی ہیں۔ **جواب** اس لئے کہ یہود آپ کی ذات کو لے کر تو حضور کی نبوت کا انکار کرتے تھے کہ توریت تو یکدم آئی اور قرآن مجید آہستہ آہستہ آیا۔ اگر آپ نبی ہیں تو توریت کی طرح آپ پر قرآن کریم یکدم کیوں نہ آیا لہٰذا جواب کے موقع پر آپ کا نام شریف اور آپ کا تذکرہ مناسب نہ تھا۔ **تیسرا اعتراض** حضرات انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں کہ ان سے گناہ ہو سکتے ہی نہیں۔ پھر یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی کیسے ہو سکتے ہیں۔ انہوں نے تو بڑے بڑے گناہ کئے اپنے والد کو جو نبی تھے رلانا ان کو جھوٹی خبر دینا کہ بھیڑیا کھا گیا۔ اپنے بھائی یوسف علیہ السلام کو سخت ستانا انہیں دھوکہ سے فروخت کر کے ان کی قیمت کھانا وغیرہ **جواب** جو علماء ان کو نبی مانتے ہیں ان کے نزدیک حضرات انبیاء نبوت کی عطا کے بعد معصوم ہوتے ہیں۔ ان حضرات سے یہ گناہ عطاء نبوت سے پہلے ہوئے تھے۔ جن کے نزدیک نبی ہر وقت معصوم ہوتے ہیں۔ نبوت سے پہلے بھی بعد میں بھی وہ ان حضرات کو نبی نہیں مانتے۔ خیال رہے کہ ان حضرات کی نبوت میں اختلاف ہے۔ باقی یہ حضرات سب کے نزدیک ولی اور صحابی نبی ہیں۔ ان کی معافی ہو چکی نیز یوسف علیہ السلام نے ان کو تاروں کی شکل میں خواب میں دیکھا۔ تارے ہادی بھی ہوتے ہیں اور نور بھی لہٰذا کوئی شخص ان حضرات کو برائی سے یاد نہ کرے۔ اپنی فکر کرو۔ وہ حضرات اللہ کے پیارے ہیں۔ خبر نہیں کہ ہمارا انجام کیا ہو گا۔ ان حضرات کی اولاد میں نبی ہوئے ہیں اسی لئے اوحینا کے سلسلہ میں والاسباط فرمایا گیا بہر حال ان کا احترام ضروری ہے۔ حضرت سارہ و ہاجرہ رضی اللہ عنہما کے لڑائی جھگڑوں کی وجہ سے ہم سارہ کو برا نہیں کہہ سکتے۔ ان بزرگوں کے جھگڑوں میں رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہوتی ہے۔ اسی طرح صحابہ کرام کے اختلاف کی بنا پر ان کی بے ادبی نہیں کر سکتے۔ وہ سب حضرات امت کے ہادی آسمان نبوت کے ستارے ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام جناب ایوب و یونس حتیٰ کہ حضرت ہارون علیہ السلام سے بھی پہلے کیوں لیا گیا۔ آپ تو ان سب سے پیچھے ہیں ہارون علیہ السلام سے تو بہت ہی بعد میں ہیں **جواب** اس لئے کہ یہود حضرت عیسیٰ کے بڑے دشمن تھے۔ حتیٰ کہ آپ کے نسب شریف پر بھی طعن کرتے تھے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا نام پاک ان بزرگوں سے پہلے لیا تاکہ ان یہود کی تردید خوب ہو (روح البیان) **پانچواں اعتراض** جب یہود جناب عیسیٰ و سلیمان علیہما السلام کو نبی مانتے ہی نہ تھے تو ان کو ان دونوں بزرگوں کی ذات سے الزام کیسے دیا جا سکتا ہے۔ ان کے نام اسی سلسلہ میں کیوں ارشاد ہوئے۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ اعتراض یہودیوں اور عیسائیوں دونوں نے کیا تھا۔ عیسائی ان دونوں بزرگوں کو نبی مانتے تھے۔ ان دونوں حضرات

www.alahazratnetwork.org

کا ذکر ان عیسائیوں کے الزام کے لئے مفید ہے چونکہ یہود اس اعتراض میں پیش پیش تھے۔ عیسائی ان کی تائید کرتے تھے۔ اسی لئے یہود کی طرف اعتراض منسوب کیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کا امتحان لیتا ہے اور امتحان میں ان کی تسلی و تشفی کا بھی انتظام فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہود کا اعتراض رب تعالیٰ کا امتحان ہے اور ان بزرگوں یعنی انبیائے کرام کے تذکرے حضور کی تسکین کی خاطر کا انتظام وہاں نشتر کے ساتھ مرہم بھی ہوتا ہے۔ اللہ کے مقبولین ذکر اللہ ہیں اور ذکر اللہ سے دلوں کا چین ہے۔ **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت دلوں کا چین ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

شعر:۔

☆ ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو ☆ جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں ☆

جیسے عالم جسمانیات میں رب تعالیٰ کے بعض عطیے یکساں ہیں اور بعض فرق سے ہیں۔ دیکھو ظاہری و باطنی اعضا تمام انسانوں کو یکساں ملے۔ ہر فقیر و سلطان کو دو ہاتھ دو پاؤں ایک دل ایک جگر عطا ہوئے مگر شکل و شباہت۔ رنگ، بولی میں فرق ہے۔ بول جداگانہ ہے۔ نیز بیرونی عطیے بعض یکساں ہے بعض میں فرق ہے ہوا، سورج کی روشنی، زمین، پانی یہ عام نعمتیں ہیں۔ مگر دولت، علم، سلطنت وغیرہ خاص نعمتیں ہیں جو کسی کسی کو ملتی ہیں۔ یونہی نبوت، وحی، تبلیغ یہ وہ عام نعمت ہے جو ہر نبی کو عطا ہوئی۔ کوئی نبی ان صفات سے خالی نہیں۔ مگر صحیفہ، کتاب، کلیم اللہ ہونا۔ روح اللہ ہونا وغیرہ یہ خصوصی نعمتیں ہیں جو گروہ انبیاء میں کسی کسی کو ملیں۔ تو خصوصی نعمت کو ہر نبی میں تلاش کرنا جہالت ہے کہ فلاں نبی پر کتاب نہ آئی یا آہستہ آئی لہٰذا ہم انہیں نہیں مانتے۔ نری جہالت ہے اور عام نعمت میں خصوصیت پیدا کرنا بھی کفر ہے کہ فلاں نبی اصلی نبی ہے اور فلاں بروزی یا عارضی نبی یہ کفر ہے۔ نفس نبوت میں سب نبی برابر ان میں کوئی فرق نہیں۔ **لا نفرق بین احد من رسلہ** اور خصوصی صفات میں وہ حضرات مختلف ہیں۔ **تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض** یونہی اولیاء اللہ نفس ولایت، ایمان، تقویٰ میں سب یکساں ہیں۔ سب اللہ کے مقبول و پیارے ہیں مگر درجات ولایت میں مختلف کوئی جلالی ہے کوئی جمالی کوئی تارک الدنیا ہے کوئی دنیا میں مشغول کوئی سالک کوئی مجذوب جو تمام اولیاء اللہ کو یکساں دیکھنا چاہے وہ جاہل ہے۔ حضرات اولیاء مظہر انبیاء اور حضرات انبیاء مظہر صفات کبریا۔ رب کی صفات مختلف تو حضرات انبیاء کے جلوے مختلف ہیں۔ انہیں کے لحاظ سے حضرات اولیاء کے حالات میں فرق ہے۔ یہود مدینہ حضرات انبیاء میں ایک رنگ دیکھنا چاہتے تھے۔ اسی لئے محروم رہے اسی کا اس آیت میں ذکر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَیْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ

اور پیغمبروں کو بے شک قصے بیان کئے ہم نے ان کے اوپر تمہارے پہلے سے اور پیغمبروں کو نہ قصے بیان کئے

اور رسولوں کو جن کا ذکر آگے ہم تم سے فرما چکے اور ان رسولوں کو جن کا ذکر تم سے نہ فرمایا اور

عَلَیْكَ ؕ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِیْمًا ۟ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا

ہم نے ان کے اوپر تمہارے اور کلام فرمایا اللہ نے موسٰے سے پورا کلام رسولوں کو خوشخبری دینے والے اور ڈرانے

اللہ نے موسٰے سے حقیقتہً کلام فرمایا رسول خوشخبری دیتے اور ڈر سناتے کہ رسولوں کے بعد اللہ

یَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ

والے اس لئے کہ نہ ہو واسطے لوگوں کے اوپر اللہ کے کوئی دلیل بعد پیغمبروں کے اور

کے یہاں لوگوں کو کوئی عذر نہ رہے اور اللہ غالب حکمت والا

عَزِیْزًا حَكِیْمًا ۟

ہے اللہ غالب حکمت والا

ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں کچھ نبیوں کی فہرست بیان فرما کر فرمایا گیا۔ کہ ہم نے ان سب کو وحی تو دی مگر ان سب کو کتاب یکدم نہ دی جس سے معلوم ہوا کہ نبوت کے لئے نہ یہ ضروری ہے کہ نبی صاحب کتاب ہو نہ یہ ضروری کہ ان پر کتاب الٰہی یکدم آئے اب بتایا جا رہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان انبیائے کرام کے علاوہ اور بہت سے نبی ہیں جن کی تفصیل بیان نہ ہوئی۔ وہ سب نبی تھے۔ مگر صاحب کتاب نہ تھے۔ گویا پچھلی آیت میں حضرات انبیاء کی کچھ تفصیل تھی۔ اب تمام حضرات انبیاء کا اجمالی ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت سے معلوم ہوا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام پر توریت یکدم اتری مگر سارے نبیوں پر یکدم کتاب نہ آئی ہر نبی میں یہ وصف ڈھونڈنا غلطی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے بلاواسطہ کلام فرمایا اور نبیوں کو یہ صفت کلیم اللہ ہونے کی نہ ملی جو کوئی ہر نبی میں صفت کلیم الٰہی ڈھونڈے وہ احمق ہے۔ گویا پچھلی آیت میں کتاب ملنے کا ذکر تھا اب کلام الٰہی بلاواسطہ ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہر نبی کے لئے وحی لازم ہے۔ کتاب لازم نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہر نبی کے لئے بشیر و نذیر ہونا ضروری ہے کہ نبوت کا مقصد بشارت اور نذارت ہے۔ وہ تو ہمارے محبوب میں موجود ہیں کہ حضور تمام جہان کے لئے بشیر و نذیر ہیں لہٰذا یہ سچے رسول ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے نہ تو ہر نبی کو کتاب دی نہ یکدم دی بلکہ بعض کو کتاب دی بعض کو نہ دی اور جن کو

www.alahazratnetwork.org

کتاب دی ان میں سے کسی کو یکدم کسی کو آہستہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم عزیز یعنی ہر چیز پر قادر تو ہیں مگر حکیم بھی ہیں۔ ہمارا ہر کام حکمت سے ہوتا ہے۔ بعض کو کتاب نہ دینا بعض کو دینا۔ پھر کسی کو یکدم کتاب عطا فرمانا۔ کسی کو آہستگی سے۔ اس میں ہماری حکمت ہے۔ گویا پہلے رب تعالیٰ کے کاموں کا ذکر تھا۔ اب حکمتوں کا۔

شان نزول جب پچھلی آیت "او حینا الیک" الخ نازل ہوئی تو یہود مدینہ بولے کہ اس آیت میں اور نبیوں کا ذکر تو ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کا ذکر نہیں۔ اسی پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا خصوصی ذکر فرمایا گیا۔ ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ بہت سے نبیوں کا ذکر آپ سے نہ کیا گیا تو کسی آیت میں کسی نبی کا ذکر نہ ہونا اعتراض کے قابل نہیں (تفسیر خازن، تفسیر صاوی وغیرہ)

تفسیر ورسلا قد قصصنھم علیک من قبل واؤ یا تو عاطفہ ہے اور رسلا اس فعل کی وجہ سے منصوب ہے۔ جو گزشتہ آیت کے او حینا سے معلوم ہوا یعنی "ارسلنا" اور یہ آیت پچھلی آیت پر معطوف ہے۔ اس صورت میں رسل موصوف ہے اور **قد قصصنھم** اس کی صفت یعنی ہم نے بہت سے رسول ایسے بھیجے جن کے قصے آپ کو سنا دیئے اور بہت سے رسول ایسے بھیجے جن کے قصے آپ کو نہیں سنائے اور یا واؤ ابتدائیہ ہے اور رسلا ایک پوشیدہ "قصصنا" سے منصوب ہے۔ جس کی تفسیر اگلا قصصنا کر رہا ہے۔ اس صورت میں یہ جملہ مستقل ہے۔ کسی پر معطوف نہیں یہاں رسول سے مراد نبی ہیں۔ ہم نبی رسول اور مرسل کا فرق بارہا بیان کر چکے ہیں۔ قصصنا سے مراد ہے ان کے حالات زندگی مع ان کے ناموں کے بیان فرمانا جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ و ابراہیم علیہم السلام وغیرہم۔ یا ان کے حالات بیان فرمانا بغیر نام لئے جیسے حضرت شمویل حضرت عزیر علیہما السلام۔ خیال رہے کہ بعض انبیاء کرام وہ ہیں جن کے نام بھی قرآن مجید میں آئے اور حالات زندگی بھی بعض وہ ہیں جن کے نہ تو نام قرآن مجید میں آئے نہ حالات زندگی اور بعض وہ ہیں جن کے صرف نام قرآن مجید میں ہیں۔ حالات زندگی کا بالکل ذکر نہیں جیسے حضرت **یسع** علیہ السلام۔ بعض وہ ہیں جن کے حالات قرآن مجید میں مذکور ہیں۔ نام نہیں جیسے حضرت خرقیل و شمویل علیہما السلام۔ یہاں نام لینے نہ لینے کا ذکر نہیں۔ حالات بیان کرنے نہ کرنے کا ذکر ہے۔ "من قبل" سے مراد ہے اس صورت سے پہلے یا آج کے دن سے پہلے (بیضاوی)

ورسلا لم نقصصھم علیک یہ عبارت پہلے رسلا پر معطوف ہے۔ اس کی ترکیب میں وہی دو احتمال ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے **لم نقصصھم** سے مراد قرآن کریم میں قصہ و حالات زندگی بیان نہ کرنا ہے خواہ اس طرح کہ ان کے نام بھی نہ ہوں۔ قصہ بھی نہ ہو۔ جیسے حضرات دانیال علیہ السلام یا نام تو ہو مگر قصہ نہ ہو جیسے حضرت **یسع** علیہ السلام۔ خیال رہے کہ اس جملہ میں قرآن میں قصہ بیان فرمانے کی نفی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی نہیں۔ حضور کو تو تمام نبیوں کا تفصیلی علم دیا گیا۔ سارے نبیوں نے حضور کے پیچھے شب معراج نماز ادا کی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

قرآن مجید میں صراحۃً "قصہ بیان کرنے کی نفی ہے۔ مطلقاً بیان کرنے کی نفی نہیں۔ حضور پر صرف۔ قرآن مجید کی ہی وحی نہیں ہوئی اس کے علاوہ اور بہت وحی ہیں۔ پھر بعض وحی وہ بھی ہیں جن میں حضرت جبرائیل کا واسطہ بھی نہیں ہوتا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فکان قاب قوسین اوادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دیکھو معراج میں قاب قوسین کے وقت نہ جبرئیل تھے نہ کوئی اور فرشتہ مگر وحی ہوئی۔ بہرحال اس جملہ شریف میں نہ تو حضور کے علم کی نفی ہے۔ نہ مطلقاً قصہ بیان کرنے کی نفی۔ بلکہ قرآن مجید میں قصہ بیان فرمانے کی نفی ہے۔ وہ بھی صراحۃً "اجمالی قصے سب کے قرآن کریم میں موجود ہیں۔ **وکلم اللہ موسیٰ تکلیما** اس جملہ شریف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفت کا ذکر ہو کلم بنا ہے **تکلیم** سے جس کا مادہ کلم ہے۔ **تکلیم** سے مراد ہے بغیر واسطہ فرشتہ اللہ کا کلام فرمانا اس طرح کہ رب فرمائے اور موسیٰ علیہ السلام سنیں۔ کلم کے معنی ہوئے بار بار کلام فرمایا اور بہت کلام فرمایا۔ حتیٰ کہ تمام نبیوں کی نبوت کی ابتداء وحی سے ہوئی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی ابتداء کلام سے ہوئی **وما تلک بیمینک یموسی** لفظ اللہ کلم کا فاعل ہے اور موسیٰ مفعول بہ تکلیما فرما کر اس مقصد کی تاکید فرمادی تاکہ کوئی شخص اس کے معنی میں ایچ پیچ ہیر پھیر نہ کر سکے خیال رہے کہ معتزلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس معجزے کے منکر ہیں وہ کہتے ہیں کہ کلام الٰہی قدیم ہے بے آواز ہے بغیر جہت کے ہے اسی لئے یہ کان اسے نہیں سن سکتے کیونکہ یہ کان آواز اور جہت کے محتاج ہیں۔ وہ لفظ اللہ کو نصب پڑھتے ہیں اور معنی یہ کرتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے کلام کیا یعنی اپنے دکھ درد سنائے۔ مگر یہ تفسیر نہیں تحریف ہے۔ (تفسیر کبیر) اس زمانہ میں قادیانی فرقہ اس معجزہ کا منکر ہے۔ چنانچہ محمد علی لاہوری قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھا ہے کہ یہ کلام بلاواسطہ نہ تھا بلکہ بواسطہ جبرائیل تھا۔ جیسے عام وحی ہوتی ہے۔ مگر ان عقلمندوں نے اتنا غور نہ کیا کہ پھر حضرت موسیٰ ہی کی کیا خصوصیت ہے؟ ہر آدمی اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کر سکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں سے خطاب فرمایا پھر خصوصیت سے موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیوں ہوا نیز پھر تو ہر شخص کلیم اللہ ہو گیا پھر صرف موسیٰ علیہ السلام کا لقب کلیم اللہ کیوں ہوا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی ہم کلامی بخشی مگر موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجابانہ ہوا اور ہمارے حضور سے کلام بے حجابانہ ہوا۔ یعنی حضور کو معراج میں اپنا دیدار بھی دیا اور کلام بھی فرمایا جیسا کہ سورہ نجم شریف میں آوے گا۔ رب تعالیٰ کا موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمانا حق ہے۔ اس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ کیفیت کلام کی ہم کو خبر نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کلام قدیم سنا ہو رونگٹے سے سنا۔ ہر طرف سے سنا۔ بغیر آواز سنا۔ کلام قدیم تھا۔ سننا حادث تھا۔ جیسے کوئی سورج سے روشنی لے لے تو سورج کی روشنی پہلے سے ہی ہے۔ اس کا روشنی لینا اب ہے یوں ہی حضور کا رب کو دیکھنا اس پر ایمان ہے مگر دیکھنے کی نوعیت ہمارے خیال سے وراء ہے۔ شعر :

☆ فرق اتنا ہے کلام طور اور معراج میں ☆ ان سے پردہ تھا خدا کا آپ سے پردہ نہ تھا ☆

www.alahazratnetwork.org

رسلا مبشرین ومنذرین یہاں رسلایا تو پہلے رسل کا بدل ہے یا **اوحینا الیھم** پوشیدہ فعل سے منصوب ہے۔ اس لئے کہ حال ہے یا ارسلنا فعل پوشیدہ کا مفعول ہے (تفسیر کبیر) مبشرین اور منذرین کا رسلا کا حال پہلے بتایا جا چکا ہے کہ بشارت بنا ہے بشرۃ سے ۔ معنی ظاہری کھال۔ اصطلاح میں بشارت وہ خوشخبری ہے۔ جس سے سننے والے کا چہرہ کھل جائے۔ ظاہری کھال پر اس کا اثر ظاہر ہو جائے۔ اگر بشارت تصدیق کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں آئندہ نبی کی آمد کی خوشخبری دینا اور اگر نذارت کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ اطاعت الٰہی پر رحمت کی خوشخبری دینا اور نذارت کے معنی ہوتے ہیں رب تعالیٰ کی نافرمانی پر عذاب الٰہی سے ڈرانا۔ چونکہ یہاں نذارت کے ساتھ اس کا ذکر ہے۔ لہٰذا ثواب کی خوشخبری دینا مراد ہے۔ خیال رہے کہ آدم علیہ السلام کسی نبی کے مصدق نہیں بلکہ تمام کے مبشر ہیں۔ کیونکہ سارے نبی آپ کے بعد ہی ہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے مبشر نہیں۔ تمام نبیوں کے مصدق ہی ہیں۔ کیونکہ کوئی نبی آپ کے بعد نہیں۔ سب حضور سے پہلے ہی ہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصدق بھی تھے۔ اور آئندہ نبیوں کے مبشر بھی۔ لیکن رحمت الٰہی کی بشارت اور عذاب الٰہی سے ڈرانا سارے نبیوں کا عمل ہے۔ ہر نبی بشیر بھی ہیں۔ نذیر بھی اسی لئے قرآن کریم میں ہمارے حضور کو بشیرا و نذیرا فرمایا گیا۔ جیسے تمام نبیوں کے لئے وحی لازم ہے ایسے ہی بشارت و نذارت لازم ہے۔ حضرات انبیاء کی رسالت ان کی بشارت و نذارت پر مقدم ہے کہ وہ حضرات پہلے رسول بنتے ہیں پھر بشیر و نذیر۔ اس لئے رسالت کا ذکر پہلے ہوا۔ بشارت و نذارت کا ذکر بعد میں یہ بھی یاد ہے کہ علماء و اولیاء بھی بشارتیں دیتے اور ڈراتے ہیں۔ مگر یہ لوگ اس کام کے لئے مبعوث و مامور نہیں ہوتے۔ حضرات انبیائے کرام اس کے لئے مبعوث بھی ہیں مامور بھی۔ لہٰذا عالم وولی نبی نہیں گویا ہر نبی بشیر و نذیر ہے۔ مگر ہر بشیر و نذیر نبی نہیں یہ بھی خیال رہے کہ بشارت زیادہ ہے اور ہمیشہ نذارت یعنی ڈرانا کم ہے۔ اور کبھی کبھی اس لئے مبشرین میں پہلے ارشاد ہوا منذرین بعد میں اور "مبشرین" میں **تفعیل** سے فرمایا گیا۔ منذرین باب افعال سے غرض کہ اس ترتیب بیانی میں بہت حکمتیں ہیں کیونکہ بشارت میں رب کی رحمت کی امید دلانا ہے اور نذارت میں اس کے عذاب سے ڈرانا۔ چونکہ رب کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ اس لئے بشارت نذارت پر غالب **لئلا یکون للناس علی اللّٰہ حجۃ بعد الرسل** اس عبارت میں انبیاء کرام کے بھیجنے کی حکمت کا ذکر ہے۔ للناس سے مراد یا تو سارے لوگ ہیں یا کفار پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ **علی اللّٰہ** میں علی مقابلہ کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کون کر سکتا ہے۔ بلکہ ۔ معنی عند ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ یا اس کی عدالت میں حجۃ سے مراد معذرت و عذر خواہی ہے۔ مناظرہ یا غلبہ مراد نہیں۔ کون ہے جو اس احکم الحاکمین سے مناظرہ یا اس پر غلبہ کر سکے۔ **بعد الرسل** میں یا ارسال پوشیدہ ہے یا تبلیغ یا بشارت و نذارت پوشیدہ **الرسل** سے سارے نبی مراد ہیں۔ جن کا ذکر ابھی اجمالا ہو چکا یعنی ہم نے حضرات انبیائے کرام اس لئے دنیا میں بھیجے کہ ان کی تبلیغ و ارسال کے بعد لوگ کل قیامت میں بارگاہ الٰہی میں یہ عذر نہ کر سکیں کہ مولیٰ اگر ہمارے پاس نبی تشریف لاتے تو ہم پرہیزگار ہو جاتے۔

www.alahazratnetwork.org

عادل حاکم کے مجرم کو سزا دینے اس کے خلاف مقدمہ کا فیصلہ کرنے کی دو شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک تو جرم کا ثبوت گواہی وغیرہ سے دوسرے اس کی معذرتوں کی تردید۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں مجرموں کے جرموں کا ثبوت فرشتوں' نامہ اعمال' زمین و آسمان بلکہ مجرم کے اعضا کی گواہیوں سے دے گا۔ معذرت کی دفع کے لئے حضرات انبیاء کرام کی بعثت ہے۔ اس کا یہاں ذکر ہے **وکان اللہ عزیزا حکیما**۔ اس جملہ میں حضرات انبیاء کرام کے مختلف رنگوں میں آنے کی حکمت کا ذکر ہے۔ کان دوام و استمرار کے لئے ہے **عزیز** بنا ہے۔ عزت سے بمعنی غلبہ حکیم بنا ہے حکمت سے بمعنی مصلحت یعنی ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ غالب ہے جو چاہے کر سکتا ہے۔ اگر چاہتا تو صرف ایک نبی بھیجتا اگر چاہتا تو تمام نبی یکساں بھیجتا۔ مگر وہ حکیم بھی ہے اس کے مختلف رسولوں کو مختلف شان والا بنا کر بھیجنے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں قدرت اور ہے۔ قانون کچھ اور۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حضرات انبیاء کرام صرف اتنے ہی نہیں جن کا ذکر ابھی اس آیت میں کیا گیا۔ ان کی تعداد او شمار بہت زیادہ ہے۔ جن میں سے ہم نے بعض کے قصے قرآن مجید میں آپ کو پہلے ہی سنا دیئے ہیں اور بعض کے قصے و حالات زندگی آپ کو قرآن مجید میں نہ سنائے۔ ان تمام کی شان یکساں نہیں۔ بعض پر کتاب آئی بعض پر صحیفے اترے۔ بعض پر نہ کتاب اتری نہ صحیفے حتیٰ کہ اس جماعت انبیاء میں موسیٰ علیہ السلام وہ شاندار نبی ہیں کہ ان پر وحی بذریعہ فرشتہ ہی نہ آئی بلکہ بار بار رب تعالیٰ نے ان سے بلاواسطہ فرشتہ خوب کلام فرمایا کہ رب نے ان سے کلام کیا۔ انہوں نے بلاواسطہ فرشتہ سنا۔ یہ کلیم الٰہی کی صفت ان کے سوا کسی پیغمبر کو نہ دی گئی۔ اب تمام انبیائے کرام کے صفات یکساں ہونے کا مطالبہ کرنا حماقت ہے۔ ان تمام رسولوں کو اسی لئے بھیجا گیا۔ تاکہ وہ حضرات مطیعوں کو ثواب کی خوشخبریاں دیں۔ نافرمانوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں۔ ان حضرات کے بھیجنے میں حکمت یہ ہے کہ اب کوئی شخص قیامت میں بارگاہ الٰہی میں یہ معذرت نہیں کر سکتا کہ خدایا میں تیرے احکام سے بے خبر رہا۔ اس لئے کافر و نافرمان ہوا۔ اگر تو رسول بھیج دیتا تو میں مطیع و فرمانبردار بن جاتا۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جو چاہے کرے۔ مگر حکیم بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں مصلحتیں ہوتی ہیں تو ہزارہا انبیاء کرام کو ہدایت خلق کے لئے بھیجنا۔ اور ان کو مختلف شانوں کا مالک کرنا اس میں بہت حکمتیں ہیں۔
تفسیر خازن نے بروایت طبری بہت سی اسنادوں سے بروایت کعب احبار روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تمام زبانوں میں کلام فرمایا۔ بجز آپ کی اپنی زبان شریف کے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا میرے مولا! میں ان زبانوں کو نہیں سمجھتا۔ تب رب نے آپ کی زبان میں کلام کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا الٰہی کیا تیرا کلام یہ ہی ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میرے کلام کی جھلک ہے۔ اگر تم میرا کلام جیسا کہ ہے ویسے ہی پورا پورا سنو تو تم کچھ نہ رہو۔

روایت تفسیر ابن کثیر نے متعدد اسناد سے بروایت حضرت ابوذر روایت کی فرماتے ہیں۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

سے عرض کی کہ کل نبی کتنے ہیں۔ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے عرض کیا کہ ان میں رسول کتنے ہیں فرمایا تین سو تیرہ۔ میں نے عرض کیا پہلے نبی کون ہیں فرمایا آدم علیہ السلام۔ اسی روایت میں ہے کہ بنی اسرائیل کے پہلے نبی موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ ان کے آخری نبی عیسیٰ علیہ السلام اور تمام نبیوں میں پہلے نبی آدم علیہ السلام ہیں۔ اسی حدیث میں ہے کہ میں نے پوچھا کل کتابیں اور صحیفے کتنے آئے فرمایا ایک سو چار یعنی سو صحیفے چار کتابیں۔ شیث علیہ السلام پر پچاس خنوخ یعنی ادریس علیہ السلام پر تیس ابراہیم علیہ السلام پر دس موسیٰ علیہ السلام پر دس صحیفے (تفسیر ابن کثیر) خیال رہے کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے انسان کو جسمانی غذائیں اس کی حالت کے مطابق عطا فرمائیں۔ اولاً گھٹی پھر ماں کا دودھ، پھر نرم غذائیں پھر مستقل غذا روٹی چاول وغیرہ۔ یوں ہی رب نے انسان کی روحانی غذائیں ان کی حالت کے مطابق عطا فرمائیں۔ یعنی نبوتیں پہلے ہر بستی میں نبی ہوتے تھے۔ ہر وقت ہوتے تھے۔ اب ایک حضور سب کے نبی ہیں۔ چراغ ہر گھر میں پہنچ کر روشنی دیتے ہیں۔ تارے دور سے نظر تو آتے ہیں مگر ہم کو روشنی نہیں دیتے۔ مگر سورج ایک جگہ رہ کر ہر جگہ روشن شعاعیں دیتا ہے۔ یونہی اور نبی چراغ تھے جو بستیوں میں پہنچ کر فیض دیتے تھے۔ ہمارے نبی سورج ہیں کہ مدینہ میں رہ کر اپنی شعاعیں نورانی اور روشنی دے رہے ہیں سورج چاند تاروں چراغوں کو بجھاتا ہے مگر ذروں کو چمکاتا ہے۔ حضور نے نبوتیں منسوخ فرمادیں۔ ولایتوں کو چمکا دیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** قرآن مجید میں تمام انبیائے کرام کے تفصیلی قصے مذکور نہیں جیسا کہ **لم نقصصهم عليك** سے معلوم ہوا بلکہ تمام انبیائے کرام کے نام بھی صراحۃً مذکور نہیں۔ صرف چند حضرات کے نام مذکور ہیں **دوسرا فائدہ** حضرات انبیائے کرام کی تعداد مقرر نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ سارے نبیوں پر ایمان لانا چاہیے۔ جتنے بھی ہوں۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہاں ان کا ذکر شریف اجمالاً ہی فرمایا اور تعداد انبیاء کی کوئی دلیل قطعی نہیں۔ **تیسرا فائدہ** موسیٰ علیہ السلام بہت شان والے پیغمبر ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بلاواسطہ فرشتہ کلام فرمایا اور بارہا فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کا کلام حقیقتاً سنا جیسا کہ **كلم الله** سے معلوم ہوا۔ اسی لئے آپ کا لقب کلیم اللہ ہے جو اس کلام کا انکار کرے وہ گمراہ ہے۔ کہ اس آیت کا منکر ہے۔ جیسے معتزلہ اور ہمارے زمانہ کے لاہوری قادیانی، مرزائی۔

مسئلہ بندے سے رب تعالیٰ کے کلام فرمانے کی بہت صورتیں ہیں۔ خواب میں کلام کرنا۔ الہام کے ذریعے کلام کرنا۔ یہ صورتیں بہت سے بندوں کو نصیب ہو جاتی ہیں۔ بواسطہ فرشتہ بغیر طریقہ وحی کلام کرنا یہ خاص خاص بندوں کو میسر ہوا ہے۔ جیسے جناب مریم اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ۔ بذریعہ فرشتہ وحی کلام کرنا۔ یہ تمام انبیاء کرام کو عطا ہوتا ہے۔ مگر بیداری بحالت ہوش اس زمین پر بغیر واسطہ فرشتہ کلام فرمانا یہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوا۔ آپ کے سوا کسی کو یہ

www.alahazratnetwork.org

نعمت نہ ملی۔ ہمارے حضور سے بلاواسطہ کلام ہوا۔ دیدار کے ساتھ مگر وہ زمین پر نہ تھا۔ وہ دنیا ہی دوسری تھی۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیائے کرام کو خصوصی شانیں علیحدہ علیحدہ بخشی ہیں۔ وہ شخص جو تمام نبیوں میں یکساں صفات ڈھونڈے وہ گمراہ ہے۔ دیکھو بغیر والد پیدا ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے۔ اور بغیر ماں باپ پیدا ہونا حضرت آدم علیہ السلام کی خصوصی صفت ہے۔ جو کہے کہ نبی وہ چاہیے جو بغیر باپ پیدا ہو۔ وہ بے دین ہے۔ چھٹا فائدہ سارے نبی بشیر و نذیر ہوئے یعنی مطیعوں کو ثواب کی بشارت دینے والے اور نافرمانوں کو عذاب سے ڈرانے والے۔ یہ فائدہ مبشرین و منذرین سے حاصل ہوا۔ جیسے ہر نبی کے لئے وحی لازم ہے ایسے ہی ان کے لئے بشارت و نذارت ضروری ہے۔ ساتواں فائدہ حضرات انبیائے کرام بشارت پہلے کرتے ہیں احکام بعد میں دیتے ہیں۔ کیونکہ انسان کا دل اعمال کا کارخانہ ہے۔ جہاں اعمال بنتے ہیں اور انسان کا دماغ اعمال کی دوکان ہے۔ جہاں سے اعمال ملتے ہیں۔ اور اعضاء ظاہری وہ جگہ ہے جہاں اعمال استعمال ہوتے ہیں۔ اگر دل میں دنیا سے رغبت دنیاداروں سے خوف ہو تو یہ دل کفر و معاصی کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ اور اگر دل میں خوف خدا عشق مصطفیٰ ہو تو یہی دل ایمان' تقویٰ' نیک اعمال کا کارخانہ بن جاتا ہے۔ جیسے نور آنے پر تاریکی غائب ہو جاتی ہے ایسے ہی خوف خدا آنے پر دل سے خوف دنیا۔ محبت دنیا جاتی رہتی ہے۔ جس دل میں رب سے خوف و امید ہو تو بندہ وہ کام کر لیتا ہے۔ جو فرشتوں سے نہ ہو سکیں اور جب اس دل میں محبت دنیا بھر جاتی ہے۔ تو وہ کام کرتا ہے کہ شیطان بھی گھبرا جائے اس لئے حضرات انبیاء آخرت کی بشارت و نذارت پہلے کرتے ہیں تاکہ دل سے دنیا کی محبت نکل کر آخرت کی محبت پیدا ہو جاوے اور دل نیک اعمال کا کارخانہ بن جاوے۔ جب دل میں برے اعمال بنیں گے ہی نہیں تو اعضا کو برے اعمال ملیں گے کہاں سے۔ حضرت عثمان سے فرمایا جو چاہو کرو جنت تمہاری ہو گئی۔ کیوں اس لئے کہ ان کے کارخانہ دل میں برائیوں کے بننے کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ چیز بنتی ہے کارخانہ میں ملتی ہے دوکان سے استعمال ہوتی ہیں گھروں میں۔ جب کارخانہ چیز بنانا ہی چھوڑ دے تو گھروں استعمال میں کہاں سے ہو۔ جب دل میں برے اعمال بنیں ہی نہیں تو دماغ میں اور اعضا میں کہاں سے آئیں۔ حضرات انبیاء بشارت و نذارت کے ذریعہ امت کے دلوں کو برے اعمال بنانے کے قابل نہیں رکھتے۔ آٹھواں فائدہ اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے مگر قیامت میں اس کے فیصلے' دلائل' علامات' بحث و تحقیق کے بعد ہوں گے۔ بندے کے عذر و معذرت سب کچھ ختم کر کے فیصلے ہوں گے۔ تاکہ کوئی شخص یہ نہ کہہ سکے کہ مجھ پر زیادتی ہوئی یہ فائدہ **لئلا یکون** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ مسلمان کا ایمان رب تعالیٰ کی قدرت پر بھی چاہیے اور قانون پر بھی قدرت یہ ہے کہ ہر کام خود ہی کر دے۔ بغیر وسیلہ۔ مگر قانون یہ ہے کہ ہر کام وسیلوں اور ذریعوں سے ہو جیسے رب تعالیٰ پر ایمان ضروری ہے ایسے ہی وسیلوں پر ایمان بھی لازم ہے۔ رب کی عبادت کرو ماں باپ کی اطاعت کرو کہ رب تعالیٰ ہمارا خالق ہے اور ماں باپ ذریعہ خلق یہ فائدہ **عزیزا حکیما** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ دنیائے انسانیت میں کوئی وقت ایسا نہ گزرا جب کہ کسی نبی کی نبوت نہ ہو۔ زمانہ یا جگہ نبی سے خالی ہو سکتی ہے نبوت سے خالی

www.alahazratnetwork.org

نہیں ہو سکتی پہلے انسان نبی ہوئے تاکہ دنیا نبوت سے خالی نہ ہو یہ فائدہ بھی **لئلا یکون** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ زمانہ نبی اور ہے زمانہ نبوت کچھ اور۔ آج حضور کا زمانہ حیات، ظاہری نہیں۔ اسی لئے لوگ اب صحابی نہیں بنتے مگر آپ کی نبوت کا زمانہ ہے۔ اسی لئے تمام شرعی احکام جاری ہیں۔ **گیارہواں فائدہ** اللہ تعالیٰ پیغمبر بھیجے بغیر کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا۔ یہ فائدہ بھی **لئلا یکون** سے حاصل ہوا۔ **بارہواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت نبی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ محض عقل سے نہیں ورنہ بغیر نبی بھیجے بھی عذاب ہونا چاہیے تھا۔ یہ کہا جاسکتا تھا کہ تم نے ہم کو اپنی عقل سے کیوں نہ پہچان لیا۔

پہلا اعتراض اللہ تعالیٰ نے سارے نبیوں کے قصے قرآن مجید میں کیوں بیان نہ فرمائے۔ کتاب کامل ہے تو یہ کام بھی کامل ہی ہونا چاہیے تھا **جواب** اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ کا اظہار ہے کہ جن نبیوں کو حضور نے چمکا دیا وہ چمک گئے جن کا ذکر نہ فرمایا۔ ان کے نام و نشان دنیا سے غائب ہو گئے۔ آج حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کے نام و کام اس لئے مشہور ہیں کہ انہیں حضور نے مشہور فرمادیا۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کامل کتاب نہیں اور اس میں ہر چیز کا بیان نہیں۔ دیکھو بہت سے پیغمبروں کا اس میں ذکر نہیں دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شئی** لہٰذا آیات میں تعارض موجود ہے۔ **جواب** یہاں تفصیلی صریحی قصے بیان فرمانے کا ذکر ہے۔ مطلقاً بیان کا ذکر نہیں۔ قرآن کریم میں ہر چیز کی صریحی تفصیل نہیں۔ بیان اور تفصیل اور صریحی تفصیل میں بڑا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کامل نہیں۔ آپ کو تو سارے انبیاء کرام کی بھی خبر نہیں کہ کتنے ہیں جیسا کہ **لم نقصصہم علیک** سے معلوم ہوا (دیوبندی) **جواب** اس آیت کریمہ میں حضور کے علم کی نفی نہیں بلکہ قصے بیان کرنے کی نفی ہے علم کے متعلق فرماتا ہے **وعلمک مالم تکن تعلم** پھر قرآن مجید میں صریحی تفصیلی قصے بیان فرمانے کی نفی ہے مطلقاً قصے کی نفی نہیں دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **وکلا نقص علیک من انباء الرسل** جس سے معلوم ہوا کہ سارے نبیوں کے قصے رب نے حضور سے بیان فرمائے یعنی قرآن میں تو بعض کے قصے ہیں اور دوسری وحی میں سب کے قصے بیان فرمائے گئے۔ **چوتھا اعتراض** اگر موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے بلاواسطہ فرشتہ کلام فرمایا تو ان کا درجہ حضور سے بڑھ گیا کہ حضور سے کلام ہمیشہ بواسطہ ہی ہوا۔ (مرزائی) **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس قسم کے خصوصی فضائل دیگر نبیوں کو حاصل ہیں۔ مگر مطلقاً فضیلت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہوئی۔ صفت کلیم اللہ ہی خصوصی فضیلت ہے اگر اس قسم کے سوال کئے گئے پھر تو کہا جاسکے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا ہوئے چوتھے آسمان پر بلا کر رکھے گئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نبیوں کے والد حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر یعنی تمام انسانوں کے والد ہیں یہ صفات ہمارے حضور میں نہیں تو وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہیں۔ نعوذ باللہ۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کے فضائل و درجات حضور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم میں جمع فرمادیئے ہیں۔ اور بہت کچھ زیادہ عطا فرمائے۔ مگر دوسرے رنگ دوسرے نوعیت سے اگر حضرت آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں کہ تمام انسان ان سے پیدا ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالخلق ہیں کہ سارا عالم حضور کے نور سے بنا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرما کر کلمہ پڑھاتے ہیں تو ہمارے حضور نے کنکروں پتھروں سے کلمہ پڑھوالیا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے کلام فرمایا تو ہمارے حضور سے معراج میں بے حجابانہ کلام فرمایا وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حضرات انبیاء دنیا میں نہ آتے تو لوگ قیامت کے دن عذر کر سکتے تھے تو جو لوگ بچپن میں یا دیوانگی میں فوت ہوگئے یا جنہیں کسی نبی کی تعلیم نہ پہنچی وہ بھی تو یہ ہی عذر کر سکتے ہیں کہ نبی اگرچہ دنیا میں آئے۔ مگر ہم تک ان کی تعلیم نہ پہنچی۔ جواب ایسے لوگوں کو عذاب ہوگا ہی نہیں پھر معذرت کیسی۔ بچے ' دیوانہ جنتی ہیں۔ اور فترت والے لوگوں کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ کسی گناہ کی ان پر پکڑ نہیں۔ لہذا عذر و معذرت کی ضرورت ہی کیا ہوگی۔

تفسیر صوفیانہ حضرات انبیاء کرام مظہر صفات الٰہیہ ہیں۔ ہر نبی کسی خاص صفت کا مظہر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی ہیں۔ چونکہ صفات الٰہیہ مختلف ہیں اسی لئے حالات انبیاء اور ان کی شانیں جداگانہ ہیں۔ جو کوئی ہر نبی میں ایک ہی صفت ڈھونڈے وہ بیوقوف ہے۔ دیکھو یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں موسوی صفات کا مطالبہ کیا کہ قرآن مجید یکدم آئے۔ توریت کی طرح تو ان کے نہایت شافی جوابات دیئے گئے۔ یونہی حضرات اولیاء اللہ مظہر صفات انبیاء ہیں اور حضور غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ مظہر صفات محمدیہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اسی لئے حضرات اولیاء کے رنگ جداگانہ ہیں کوئی ولی جلالی ہے کوئی جمالی کوئی تارک الدنیا کوئی سلطان جو شخص ہر ولی میں یکساں صفات تلاش کرے وہ احمق ہے ان حضرات کے کا فیوض سے محروم رہے گا۔ جیسے ہر نبی میں وحی 'بشارت 'نذارت مشترک ہے۔ باقی صفات جداگانہ ' اسی طرح ہر ولی میں ایمان ' عشق رسول اتباع سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی مشترک ہے۔ جو ان چیزوں سے خالی ہے وہ ولی نہیں خالی ہے۔ جب تک انسان کے ہوش و حواس درست ہیں اتباع رسول اس پر لازم ہے ولی میں کرامات تلاش نہ کرو اتباع رسول تلاش کرو کہ یہی نجات کا ذریعہ ہے۔ دیکھو عیسیٰ و یحییٰ علیہما السلام بالکل تارک الدنیا ہیں حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام نے کہیں اپنے لئے گھر بھی نہ بنایا۔ ایک وقت کھا کر دوسرے وقت کے لئے نہ بچایا۔ فرماتے تھے کہ جس رب نے مجھے دوپہر کا کھانا دیا ہے۔ وہ مجھے رات کا کھانا بھی دے گا اور حضرت سلیمان علیہ السلام تمام دنیا کے بادشاہ تخت و تاج کے مالک مگر یہ دونوں حضرات نبی ہیں اللہ کے پیارے ہیں۔ جو ان دونوں میں یکساں شان ڈھونڈے وہ بیوقوف ہیں۔ ہاں دونوں بشیر نذیر مبلغ اور صاحب وحی ہیں۔ ایسے ہی حضرت ادہم اور ابراہیم ابن ادہم تارک الدنیا فقیر ہوئے۔ غوث پاک 'امیر کبیر مگر یہ دونوں اللہ کے ولی مقبول ہیں۔ ہاں ایمان ' عرفان ' اطاعت خدا اور رسول اور عشق رسول دونوں بلکہ تمام اولیاء اللہ میں مشترک ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ کلام بہت قسم کا ہے اور ہر قسم کے کلام کے لئے

www.alahazratnetwork.org

لوگ بھی علیحدہ ہیں۔ اور جگہ بھی علیحدہ۔ دشمنی سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے جس کی جگہ میدان جنگ ہے۔ دوستوں سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے جس کی جگہ ملاقات کی مجلس ہے۔ عوام سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے جس کی جگہ عام مقامات ہیں۔ بال بچوں سے کلام اور قسم کے ہے جس کی جگہ گھر ہے۔ صاحب اسرار سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے۔ جس کی جگہ مخصوص کوٹھڑی صاحب اسرار دوست سے کلام اور قسم کا ہوتا ہے۔ جس جگہ اسرار کی جگہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام دوستانہ تھا جس کی جگہ کوہ طور ہے اور حضور سے کلام محبوبانہ رازدارانہ ہے۔ جس کی جگہ عرش سے وراء ہے۔ دوستانہ کلام والے کا لقب کلیم اللہ ہے اور رازدارانہ کلام والے کا لقب حبیب اللہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام فرمایا حضور کو بتادیا پڑھو سورہ طٰہٰ شریف کا پسلا رکوع مگر جو محبوب سے کلام ہوا وہ کسی کو نہ بتایا گیا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** فرمادیا گیا۔

لٰکِنِ اللّٰهُ یَشْهَدُ بِمَاۤ اَنْزَلَ اِلَیْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَ الْمَلٰٓىٕكَةُ یَشْهَدُوْنَ

مگر اللہ گواہی دیتا ہے اوس کی جو اتارا اس نے طرف آپکی اوتارا اسے ساتھ علم اپنے کے اور فرشتے گواہی دیتے ہیں

لیکن اے محبوب اللہ اس کا گواہ ہے جو اس نے تمہاری طرف اتارا وہ اس نے اپنے علم سے اتارا اور فرشتے گواہ ہیں

وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًا ﴿۱۶۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

اور کافی ہے اللہ گواہ بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور روکا انہوں نے راستہ سے

اور اللہ کی گواہی کافی ہے وہ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا

قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۶۷﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ ظَلَمُوْا لَمْ یَكُنِ اللّٰهُ

اللہ کے بے شک گمراہ ہوئے وہ گمراہی دور والی بے شک وہ لوگ جو کافر ہوئے اور ظالم ہوئے نہیں ہے

بے شک وہ دور کی گمراہی میں پڑے جنہوں نے کفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ نہیں

لِیَغْفِرَ لَهُمْ وَ لَا لِیَهْدِیَهُمْ طَرِیْقًا ﴿۱۶۸﴾ اِلَّا طَرِیْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ

اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ یہ کہ ہدایت دے ان کو مگر جہنم کا راستہ کہ ہمیشہ رہیں گے

ہرگز نہیں بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا مگر راستہ کی دوزخ کے کہ اس میں

فِیْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرًا ﴿۱۶۹﴾

اس میں اور ہے یہ اللہ پر آسان

ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ اللہ کو آسان ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے ان حیلے بہانوں کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ جن کی بنا پر وہ حضور کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اور آپ کی حقانیت کی گواہی نہ دیتے تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی جارہی ہے۔ کہ اگر یہ لوگ آپ کی گواہی نہ دیں تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ ہم اور ہمارے فرشتے آپ کی صفات کی گواہی دے رہے ہیں۔ گویا پہلے ظلمانی کفار کے گواہی نہ دینے کا ذکر تھا۔ اب اپنی اور اپنی نورانی مخلوق کی گواہی دینے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت سے دھوکہ ہو سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کے برابر ہیں۔ کیونکہ سب پر وحی یکساں ہے۔ اب اس وہم کو دور کیا جارہا ہے کہ آپ کی شان سب سے اعلیٰ وبالا ہے کہ سارے نبی تو رب تعالیٰ کے گواہ تھے۔ مگر تمہاری شان یہ ہے کہ تم ہمارے گواہ ہو۔ اور ہم اور ہمارے فرشتے تمہارے دائمی گواہ ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں نزول قرآن کا ذکر تھا۔ اب شان قرآن کا ذکر ہے کہ یہ علوم الٰہیہ کا حامل ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ و تمام فرشتوں کی گواہی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کے کافر ہونے کا ذکر تھا اب ان کے کافر گر ہونے کا ذکر ہے۔ کہ ان کا کفر لازم نہیں متعدی ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی نافرمانیوں سرکشیوں کا ذکر تھا۔ اب اس کی سزا کا ذکر ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نہ بخشے گا۔ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔

شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ایک بار یہود کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ اے یہودیو تم جانتے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔ وہ بولے ہم آپ کو اللہ کا رسول نہ تو جانتے ہیں نہ مانتے ہیں۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **لکن اللّٰہ** الخ (تفسیر مدارک و خازن) ایک بار مشرکین عرب نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ کہ ہم نے آپ کے متعلق یہود سے پوچھا ہے وہ کوئی بھی آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دیتے نہ ان کی کتابوں میں آپ کا ذکر ہے۔ تب ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ آئی (خازن) تفسیر مدارک نے فرمایا کہ جب آیت کریمہ **انا اوحینا الیک** الخ نازل ہوئی تب یہود مدینہ نے کہا یہ غلط ہے آپ پر کوئی وحی کوئی کتاب نہ آئی تب یہ آیت آئی۔

تفسیر **لکن اللّٰہ یشھد بما انزل الیک** عربی زبان میں لکن شروع مضمون میں کبھی نہیں آتا بلکہ گزشتہ مضمون پر جو وہم کیا جاوے اس کے رفع کے لئے آتا ہے اس لئے یہاں کچھ مضمون ضرور ہے وہ یہ ہے کہ اگر یہود کافر آپ کی گواہی نہ دیں تو نہ دیں لیکن اللہ تو گواہی دیتا ہے اگرچہ "لکن" جزم سے دونوں جملوں فعلیہ اور اسمیہ پر آسکتا ہے مگر یہاں جملہ اسمیہ پر آیا تاکہ ہمیشگی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ اس کی گواہی دیتا رہتا ہے۔ اور دیتا رہے گا۔ گواہی تین طرح کی ہوتی ہے۔ زبانی گواہی قلمی گواہی علامات سے گواہی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کی نبوت وغیرہ کی گواہی تینوں طرح کی دی۔ حضور انور پر معجزات ظاہر فرمانا آپ کی نبوت کی علامات **یقینیہ** قائم کر دینا بھی رب تعالیٰ کی گواہی ہے اور توریت و انجیل و

www.alahazratnetwork.org

قرآن میں آپ کی نبوت کا اعلان فرمانا بھی رب کی گواہی ہے۔ ب تعدیہ کی ہے جو مشہود بہ پر داخل ہوئی اور ما انزل سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیات ہیں یا قرآن اور احادیث وغیرہ تمام جلی و خفی دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ **انزل علیک** **وانزل الیک** کے نہایت نفیس فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ "علیک" فرمانے میں بتایا جاتا ہے کہ **انزال** کا مقصود آپ ہیں اور الیک میں فرمایا جاتا ہے قرآن وغیرہ کا مبدا ہم ہیں اور منتہی اے محبوب تم ہو وغیرہ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ شاہد یعنی گواہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشہود لہ ہیں جن کے حق میں گواہی دی جارہی ہے۔ قرآن کریم وغیرہ مشہود بہ جس کی گواہی ہے اور کفار مشہود علیہ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کے موافق قرآن کریم کی حقانیت کی گواہی دیتا ہے۔ کفار کے مقابلہ میں معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ محمد رسول اللہ ہیں اور حضور کی ذات و صفات کا گواہ خود رب تعالیٰ ہے۔ لہٰذا گواہی توحید سنت رسول اللہ ہے اور گواہی رسالت سنت الٰہیہ۔ **انزلہ بعلمہ** یہ جملہ پہلے جملہ **یشھد** الخ کی تفسیر ہے۔ ضمیر کا مرجع **بما انزل** کا ما ہے **بعلمہ** میں ب یا تلبس کی ہے یا مصاحبت کی یا صلہ کی۔ لہٰذا اس جملہ کے تین معنی ہوئے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم **غیبیہ** اس قرآن میں ودیعت رکھ کر اسے آپ پر اتارا۔ دوسرے یہ کہ قرآن کو آپ پر جان کر اتارا کہ تم کو ہی اس قرآن جیسی کتاب کے لائق پایا۔ کتاب بے مثال ہے تو اے محبوب تم بھی بے مثال ہو۔ اس قرآن کے لائق ہو۔ تیسرے یہ کہ قرآن میں وہ احکام اتارے جو اپنے بندوں کے لائق و مناسب تھے یعنی اپنے علم کے موافق اسے اتارا (تفسیر خازن) پہلے دو معنی نہایت نفیس و لذیذ ہیں۔ تیسرے معنی تو ہر آسمانی کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہر زمانہ میں اس وقت کے لائق احکام اتارے خیال رہے کہ جانوروں کو زبان ملی الفاظ نہ ملے۔ انہیں آواز ملی کلام نہ ملا۔ مگر انسان کو زبان بھی ملی کلام بھی ملا۔ آواز ملی الفاظ بھی ملے۔ پھر بعض الفاظ کفر لئے ہوئے منہ سے نکلتے ہیں بعض ایمان لئے ہوئے۔ بعض محبت بھرے ہوتے ہیں بعض عداوت بھرے۔ بعض علم سے بھرپور۔ کالج کا پرنسپل اپنے نوکروں سے بھی کلام کرتا ہے' بال بچوں سے بھی' اور کالج کے طلباء سے بھی۔ مگر طلباء ایک سال میں ایم۔ اے پاس کر لیتے ہیں۔ پرنسپل کے بچے اور اس کے نوکر عمر بھر پرنسپل کا کلام سنتے ہیں کچھ نہیں بنتے۔ یہ مثال ہے توریت و انجیل بھی رب کا کلام ہی تھے اور قرآن بھی رب کا کلام ہی ہے۔ مگر توریت و انجیل کے کلام میں احکام تھے۔ قرآن کلام الٰہی ہے احکام بھی ہے۔ عرفان بھی محبت و کرم بھی ہے۔ رب تعالیٰ کا خصوصی علم بھی ہے اس لئے ارشاد ہوا **انزلہ بعلمہ** رب نے قرآن اتارا اپنے علم کے ساتھ اپنا علم لئے ہوئے۔ اس قرآن نے حضور کو **ما کان وما یکون** کا علم بتا دیا **والملئکۃ یشھدون** یہ جملہ **یشھد** الخ پر معطوف ہے ملائکہ سے مراد سارے فرشتے ہیں مقربین ہوں یا مدبرات امر۔ یہاں بھی **یشھدون** دوام و استمرار کے لئے ہے۔ اور فرشتوں کی گواہی سے مراد ان کا یہ کلمہ پڑھنا ہے **اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ** لہٰذا **یشھدون** کا مفعول وہی **ما انزل اللّٰہ** ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مفعول بہ اللہ کی گواہی ہو۔ یعنی میری گواہی پر فرشتے گواہ ہیں اے محبوب تمہارا گواہ میں ہوں۔ اور میری گواہی کے گواہ سارے

www.alahazratnetwork.org

فرشتے۔ خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ کلمہ خوانی انسان کی پیدائش سے کہیں پہلے کی ہے۔ کیونکہ فرشتے انسانوں سے لاکھوں سال پہلے پیدا ہو چکے ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی گواہی اور فرشتوں کی گواہی میں بہت فرق ہے' دونوں گواہیوں کی نوعیتوں میں بھی فرق ہے۔ مقصد میں بھی فرق۔ اس لئے رب تعالیٰ کے لئے **یشھد** الگ کیا گیا۔ فرشتوں کے لئے **یشھدون** الگ لایا گیا جیسے **انک میت وانھم میتون** میں حضور کے لئے میت الگ ارشاد ہوا لوگوں کے "میتون" الگ کہ حضور کی موت ۔بمعنی خروج روح عن البدن ہے اور دوسروں کی موت ۔بمعنی ترک روح البدن ایسے ہی یہاں ہے **وکفی باللہ شھیدا** اس عبارت میں زبانی گواہی کی اہمیت کا بیان ہے باللہ کی ب زائدہ ہے اور اللہ کفی کا فاعل ہے۔ شہید لفظ اللہ کا حال موکدہ ہے یا تمیز یعنی اللہ کی گواہی کافی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ کافی گواہ ہے۔ اگر دنیا میں کوئی بھی تمہاری نبوت کی گواہی نہ دے تو نہ دے ہم جو اس کے گواہ ہیں۔ شہید اور شاہد یونہی علیم اور عالم کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ شاہد وہ جو گواہی دے۔ شہید وہ کہ گواہی دینا اس کی عادت کرے۔ ہو یا شاہد وہ جو زبان سے گواہی دے۔ شہید وہ جو اپنے قول' فعل' عمل وغیرہ سے ہر طرح گواہی دے۔ اس لئے راہ خدا میں قتل ہونے والے کو شہید کہتے ہیں کہ اس کے خون کا ہر قطرہ بھی توحید و رسالت کی گواہی دیتا ہے یا شاہد وہ جو ایک وقت یا ایک جگہ ایک آدھ آدمی کے سامنے گواہی دے۔ شہید وہ جو ہر جگہ ہر وقت ہر ایک کے سامنے گواہی دے۔ یوں ہی شاہد وہ جو ایک بات کی گواہی دے شہید وہ جو ہر بات ہر چیز کی گواہی دے۔ مدعی کی ذات صفات اس کے حالات دعویٰ وغیرہ جیسے سب کی گواہی۔ ہمارے حضور اللہ کی ذات و صفات افعال وغیرہ سب کے گواہ ہیں۔ یونہی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا صرف شاہد نہیں بلکہ شہید ہے۔ **ان الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ۔** اب تک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی کا ذکر ہوا کہ آپ اور آپ کی نبوت کی گواہی پر موقوف ہے۔ چونکہ کفار اپنے کفر کو ذریعہ نجات اور ہدایت سمجھتے تھے۔ نیز کفر کا مضمون بہت اہم کہ مومن کو ایمان کے ساتھ کفریات سیکھنا بھی ضروری ہے تاکہ ان سے بچے۔ اس لئے اس جملہ کو ان سے شروع فرمایا گیا۔ الذین سے سارے کافر انسان مراد ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ سارے کافر جن و انس مراد ہوں "کفروا" کے معنی ہیں مرتے وقت تک کافر رہے۔ یا وہ جو علم الٰہی میں کافر ہوئے۔ وہ لوگ مراد نہیں جو ایک بار کفر کرے۔ پھر مومن ہو کر مرے کیونکہ اس نے اپنے دامن سے کفر کا داغ ایمان کے پانی توبہ کے صابن سے دھو دیا۔ وہ مومنوں میں آگیا۔ چونکہ اپنا کفر کرنا پہلے ہوتا ہے۔ دوسروں کو کافر بنانا بعد میں اس لئے کفروا کے بعد "صدو" کا ذکر ہوا۔ صدو بنا ہے صد سے ۔بمعنی روک' آڑ' صدو کا مفعول یہ پوشیدہ ہے۔ **الناس یا الخلق** روکنا عام ہے۔ زبان سے روکنا۔ قلم سے روکنا مال سے روکنا۔ جتھے کے ذریعے روکنا طاقت و قوت سے روکنا **سبیل اللہ** سے مراد دین اسلام ہے یا حضور کی اطاعت ہے۔ یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور ہی اللہ تک پہنچانے والے ہیں۔ یہ جملہ بہت صورتوں کو شامل ہے۔ حضور سے پہلے اللہ کے راستے بہت تھے۔ یک وقت بہت نبی ہوتے تھے۔ ہر نبی اللہ کا راستہ تھا۔ حضور کی تشریف آوری کے بعد تمام راستے بند ہو گئے اب صرف حضور ہی اللہ کا راستہ

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ حضور سے روکنا یہ کہنا کہ سیدھے اللہ کے پاس جاؤ۔ حضور کے پاس نہ جاؤ۔ یہ اللہ کے راستے سے روکنا ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **رایت المنافقین یصدون عنک صدودا** اور وہ آیت **ورایتھم یصدون وھم مستکبرون** اور وہ آیت **ولوانھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** غرضیکہ حضور سے روکنا یا دوسروں کو روکنا بے دینی ہے۔ اللہ تک پہنچو مگر حضور کے راستہ سے حضور کی معرفت پہنچو **قد ضلوا ضللا بعیدا** یہ عبارت الذین کی خبر۔ معنی جزاء ہے۔ ضلال کے معانی اور اس کے اقسام سورہ فاتحہ کی تفسیر **ولا الضالین** کے تحت بیان ہو چکے۔ دور کی گمراہی وہ گمراہی ہے۔ جو ہدایت سے بہت دور موجود ہو۔ جہاں پہنچ کر یا تو انسان ہدایت تک آسکے ہی نہیں۔ یا بمشکل تمام آئے جس کا کفر عنادی ہو وہ ہدایت نہیں پا سکتا اور جس کا کفر شک و شبہ کی وجہ سے ہو وہ باسانی ہدایت پا لیتا ہے۔ ابو جہل نے حضرت عمر کو حضور کو شہید کرنے بھیجا۔ اس وقت یہ دونوں اسلام سے دور تھے۔ ابو جہل قتل کرانے والا تھا۔ حضرت عمر قتل کرنا چاہتے تھے۔ مگر ابو جہل کا کفر عنادی تھا۔ وہ مومن نہ بنا۔ حضرت عمر دھوکہ میں تھے ذرا سے اشارے پر ایمان لے آئے۔ یہ ہیں ضلال بعید کے معنی یعنی جو کفار خود بھی کافر ہوں اور دوسروں کو بھی کافر رکھیں ہدایت پر نہ آنے دیں۔ وہ ایسے دور کی گمراہی میں پڑ چکے ہیں۔ کہ اب ان کے ایمان کی امید نہیں کیونکہ یہ کافر بھی ہیں اور کافر گر بھی۔ اب تک ان کے دنیاوی عذاب و سزا کا ذکر ہوا۔ اب ان کی اخروی سزا کا ذکر ہے۔ کہ فرمایا گیا **ان الذین کفروا واظلموا** ابھی ابھی **ان** اور **الذین** اور **کفروا** کی تحقیق ہو چکی۔ ظلم کے معنی ہیں کسی کا حق مارنا اس کا مفعول پوشیدہ ہے۔ یعنی جو کافر ہوئے اور انہوں نے اپنی جان پر ظلم کیا بدکاریاں بے ایمانیاں کر کے یا لوگوں پر ظلم کیا کہ انہیں اسلام کی طرف سے اندھیرے میں رکھا یا اسلام پر ظلم کیا کہ اس کی طرف سے لوگوں کے دلوں میں شک ڈالے۔ **لم یکن اللہ لیغفر لھم** اس طرز سے بیان فرمانا بہت ہی مبالغہ کے لئے ہے۔ اگر **لا یغفر اللہ** فرما دیا جاتا تو یہ مبالغہ حاصل نہ ہوتا۔ **لیغفر** سے مراد یا تو آخرت میں گناہ کی معافی ہے یا ان کے عیوب چھپانا ہے۔ یا انہیں دنیا میں ذلت 'قتل' 'قید' جزیہ مقرر ہونے سے بچانا ہے۔ (خازن) یعنی اللہ تعالیٰ ایسے کافروں کے گناہ معاف نہ فرمائے گا۔ ان کے عیوب نہ چھپائے گا۔ بلکہ انہیں رسوا کرے گا یا انہیں دنیا میں ذلت و خواری سے نہ بچائے گا یا انہیں دوسری قوموں کی ماتحتی ان کی قید وغیرہ سے نہ بچائے گا۔ **ولا لیھدیھم طریقا○ الا طریق جھنم** یہ ان کی دوسری سزا کا ذکر ہے۔ اس کا تعلق یا آخرت سے ہے یا دنیا سے ہدایت کے معنی اس کے اقسام **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض ہو چکے۔ اگر یہ سزا اخروی کا ذکر ہے تو طریق جہنم سے مراد دوزخ میں پہنچنے کا راستہ ہے۔ مومن کو قیامت میں جنت کا راستہ معلوم ہو گا اور کافر کو دوزخ کا راستہ۔ یہ دونوں اپنے اپنے ٹھکانوں پر کسی رہبری کے بغیر ایسے پہنچ جائیں گے جیسے کہ یہ ہمیشہ کے واقف ہیں۔ البتہ دوزخیوں کو فرشتے دھکیلتے لے جائیں گے۔ اظہار ذلت کے لئے نہ کہ رہبری کے طور پر اور اگر دنیاوی سزا کا ذکر ہے تو طریق جہنم سے مراد وہ عقائد و اعمال ہیں جو دوزخ میں پہنچنے کا ذریعہ ہوں یعنی اللہ تعالیٰ ایسے کافروں ظالموں کو دنیا و آخرت میں دوزخ کے

www.alahazratnetwork.org

راستے کی راہنمائی فرمائے گا۔ جہنم اصل میں جاہ نم تھا۔ بمعنی گہرا کنواں۔ چونکہ دوزخ بہت گہرا ہے اس لئے اسے جہنم کہا جاتا ہے۔ **خالدین فیھا ابدا** یہ ان کے انجام کا ذکر ہے خلود کے معنی ہیں دراز مدت تک رہنا۔ اگر اس کے بعد ابدا بھی آ جاوے تو بمعنی ہمیشگی کے ہوتا ہے۔ اگر ابدا نہ ہو تو بمعنی بہت عرصہ تک رہنا۔ یعنی یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ ہمیشہ تک رہیں گے۔ نہ وہاں مریں نہ وہاں سے نکلیں **وکان ذلک علی اللہ یسیرا۔ ذلک** اسم اشارہ ان دونوں سزاؤں کی طرف اشارہ ہے نہ بخشنا اور دوزخ کی راہ دکھانا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے لئے سخت سے سخت سزا دینا اور بڑے سے بڑا رحم کرنا نہایت ہی آسان ہے۔ اسے کوئی روک نہیں سکتا وہ جو چاہے کرے۔

خلاصہ تفسیر ان آیات میں تین باتیں ذہن نشین کرائی گئی ہیں۔

نمبر ا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام جہان سے مستغنی ہونا اور بے نیاز ہونا۔ نمبر ۲۔ تمام جہان کا حضور کے لئے نیاز مند ہونا۔ نمبر ۳۔ حضور کی فرمانبرداری سے سرتابی کرنے والے کا دین و دنیا میں ناکام و نامراد ہونا اور سخت سزا پانا۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ یہود و کفار آپ کی نبوت کا انکار کرنے کے لئے بہت طرح کے حیلے بہانے بناتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ ہر طرح کی ہمیشہ گواہی دیتا ہے کہ اس نے آپ پر جو نازل فرمایا قرآن یا حدیث یا آپ کی صفات و افعال حمیدہ سب اپنے علم سے نازل فرمایا (اس کے تین مطلب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے) اور اس پر یا اللہ تعالیٰ کی اس گواہی پر سارے فرشتے مقربین ہوں یا مدبرات امر گواہی دیتے ہیں کہ ان کا وظیفہ ہے۔ یہ پڑھتے رہنا **اشھد ان لا الہ الا ھو واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ**

خیال رہے کہ فرشتوں کی یہ کلمہ خوانی ایمان لانے کے لئے نہیں وہ تو پیدائشی مومن ہیں بلکہ حضور کا احترام ظاہر کرنے اور برکت حاصل کرنے اپنا قرب الٰہی بڑھانے کے لئے ہے۔ جیسے ہم لوگ مومن ہو کر کلمہ طیبہ کا وظیفہ پڑھتے ہیں۔ کلمہ پڑھ کر سوتے ہیں کلمہ پڑھ کر مرتے ہیں۔ کیوں برکت کے لئے اللہ تعالیٰ کی گواہی کافی گواہی ہے۔ اس گواہی کے ہوتے ہوئے آپ کو کسی کی گواہی کی ضرورت نہیں۔ یاد رکھو کہ تین کام وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ بھی کرتا ہے۔ فرشتے بھی انسان بھی بلکہ اور مخلوق بھی۔ حضور پر درود شریف۔ حضور کی نبوت کی گواہی اور حضور کی حمد و ثنا اس لئے حضور کا نام محمد ہے صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ کی عظمت و عزت کا یہ حال ہے تو اگر یہ مٹھی بھر کفار آپ کو نہیں مانتے تو نہ مانیں اس سے آپ کا نقصان نہیں انہیں کا نقصان ہے۔ ایک نہیں بلکہ بہت سے نقصان ہیں۔ چنانچہ جن لوگوں کا یہ حال ہو کہ خود بھی کافر رہیں۔ دوسروں کو بھی اسلام سے روکیں یہ کہہ کر یہ وہ رسول نہیں ہیں جن کی بشارت توریت میں ہے۔ علم' روپیہ' قوت' حیلوں غرض کہ کسی طرح روکیں وہ ایسی گمراہی میں گرفتار ہو گئے۔ جو ہدایت سے بہت دور ہے۔ جہاں سے ہدایت کی طرف آنا بہت مشکل یا ناممکن ہے۔ یقین فرماؤ کہ جو کافر بھی رہے اور ظالم بھی کہ اپنے نفس پر لوگوں پر کفر و گناہ کر کے یا کفر و گناہ کرا کر ظلم کریں اللہ تعالیٰ ان کے گناہ کبھی معاف نہیں کرے گا۔ اور انہیں دنیا و آخرت میں سوا دوزخ کی راہ کے

www.alahazratnetwork.org

کوئی راستہ نہ دکھائے گا کہ دنیا میں انہیں ایمانیات کی توفیق نہ ملے گی۔ آخرت میں جنت کا راستہ نظر نہ آئے گا وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ نہ وہاں سے رہائی پائیں نہ انہیں موت آئے۔ ایسی کڑی سزا دینا رب تعالیٰ پر نہایت آسان ہے۔ اے محبوب آپ غور فرمائیں کہ اس انکار میں ان کا اپنا نقصان ہے یا آپ کا لہٰذا آپ ان کی حرکتوں پر ہرگز ملول نہ ہوں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** جیسے رب تعالیٰ اپنی الوہیت میں خلق سے بے نیاز ہے کہ اگر کوئی بھی اس کی عبادت نہ کرے تو اس کا کوئی نقصان نہیں۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نبوت میں خلق سے بے نیاز ہیں کہ اگر کوئی بھی حضور کی اطاعت نہ کرے تو آپ کا کچھ نقصان نہیں۔ **دوسرا فائدہ** تمام لوگوں کے گواہ انسان مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ خالق انس والجان ہے جیسا کہ **لکن اللہ یشهد** سے معلوم ہوا۔ حضور کی تو وہ شان ہے کہ حضرت یوسف و مریم کو تہمت لگی تو ان بزرگوں کی گواہی دو بچوں نے دی مگر محبوب کی زوجہ طیبہ طاہرہ مسلمانوں کی سچی ماں جناب عائشہ صدیقہ کو تہمت لگی تو خود رب تعالیٰ نے گواہی دی یہ ہے **لکن اللہ یشهد** کا ظہور۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے حضور کی صرف ایک بار گواہی نہ دی۔ بلکہ برابر دیتا رہا اور قیامت تک دیتا رہے گا۔ تمام آسمانی کتابوں میں حضور کا اعلان سارے نبیوں کے ذریعہ۔ حضور کی شہرت بلکہ میثاق کے دن سارے نبیوں سے حضور پر ایمان لانے کا عہد **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین**۔ پھر ولادت پاک سے پہلے اور ولادت پاک کے وقت تمام عالم میں حضور کی تشریف آوری کی دھوم دھام اور عجائبات کا ظہور پھر ہزاروں معجزوں کا آپ کے ہاتھ پر ظاہر ہونا پھر تاقیامت قرآن کی بقا حضور کا عام چرچہ حضور کی محبوبیت حضور کے دین میں اولیاء اللہ علماء کی کثرت یہ سب چیزیں رب تعالیٰ کی گواہیاں ہیں یہ ہے **اللہ یشهد** کا ظہور۔ **چوتھا فائدہ** حضور پر صرف قرآن مجید نہیں اترا بلکہ اس کے علاوہ اور بہت کچھ اترا حتیٰ کہ حضور کے صفات' احوال' افعال' اعمال سب رب تعالیٰ کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ اور رب تعالیٰ ان سب کی حقانیت کا گواہ ہے جیسا کہ **ما انزل اللہ** کے عموم سے معلوم ہوا اس لئے حضور کے کسی فعل شریف پر اعتراض کرنا کفر ہے۔ کہ وہ رب تعالیٰ پر اعتراض ہے۔ دیکھو حضور انور نے بی بی زینب سے نکاح کیا کفار و منافقین نے اعتراض کیا تو رب نے فرمایا **زوجنا کہا** اے محبوب یہ نکاح تمہارا ہم نے کرایا یہ ہے اللہ کی شہادت ہمارے کام نفسانی' شیطانی' رحمانی ہر طرح کے ہوتے ہیں۔ حضور کے سارے کام رحمانی ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اپنے خاص علوم غیبیہ عطا فرمائے کہ یہ قرآن وہ سارے علوم لے کر حضور پر اترا جیسا کہ **انزلہ بعلمہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **نزلنا علیک القرآن تبیانا لکل شئی** **چھٹا فائدہ** جیسے قرآن مجید بے مثل کتاب ہے ایسے ہی اس کے لینے والے محبوب بے مثال و بے نظیر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بے مثل کتاب بے مثال نبی پر اتاری۔ یہ فائدہ **انزلہ بعلمہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور کی مثل اور کوئی تو کیا دیکھے خود خدا تعالیٰ نے اپنی خدائی میں ان کا مثل نہ دیکھا۔

www.alahazratnetwork.org

مصرع:۔ خدائے خدائی میں تجھ سا نہ پایا:۔

☆ کوئی لایا زبور انجیل کوئی توریت کتاب کسی کو ملی ☆

☆ پر تیرے سوا میرے پیارے نبی قرآن کا لانا کیا جانے ☆

ساتواں فائدہ حضور کی امت تمام امتوں سے زیادہ افضل ہے۔ رب تعالیٰ نے اعلیٰ احکام اسی امت کو بخشے۔ اعلیٰ دین اسی امت کو دیا۔ یہ فائدہ **انزلہ بعلمہ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ فرشتے بھی ہمارے حضور کا کلمہ پڑھتے ہیں بلکہ قیامت میں سارے نبی ہمارے نبی کا کلمہ پڑھیں گے۔ معراج میں سارے رسول ہمارے رسول کے پیچھے ہمارے رسول کی نماز پڑھ گئے یہ فائدہ **والملئکۃ یشھدون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ ہمارے حضور پر درود بھی پڑھتے ہیں اور ہمارے حضور کا کلمہ بھی پڑھتے ہیں۔ مگر اس سجدے سے یہ کلمہ و درود بہت بڑھ کر ہے کہ وہ سجدہ ایک دفعہ ہوا مگر درود و کلمہ ہمیشہ پڑھا جا رہا ہے۔ اسی لئے **سجد الملئکۃ** میں ماضی فرمایا گیا۔ اور **یصلون علی النبی** اور **یشھدون** مضارع استمراری ارشاد ہوا کہ دونوں جگہ مضارع ایک مبتدا کی خبر بن کر آیا جیسا کہ علم نحو و بلاغت جاننے والوں پر پوشیدہ نہیں **یضرب زید** اور **زید یضرب** میں فرق ہے۔ دسواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے مظہر ہیں۔ خدا تعالیٰ کی ایک صفت غنا بھی ہے۔ یعنی مخلوق سے بے نیازی۔ اللہ نے اپنے حبیب کو بھی مخلوق سے بے نیاز بنایا ہے۔ صرف اپنا نیاز مند رکھا۔ حضور کا دین حضور کا قرآن حضور کی عزت و عظمت کا رب تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔ یہ فائدہ کفی باللہ سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ کافر سے کافر گر زیادہ برا ہے اس کا عذاب بھی زیادہ جیسا کہ **وصدوا عن سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔ اسی طرح مومن سے مومن گر زیادہ افضل ہے۔ اس سے علماء سوء اور علمائے دین کا حال معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے انشاء اللہ اس کی مغفرت ضروری ہو گی۔ اگرچہ کتنا ہی گنہگار ہو۔ خواہ کچھ سزا پا کر یا ویسے ہی مغفرت نہ ہونا کفار کے لئے ہے جیسا کہ **لم یکن اللہ** سے معلوم ہوا۔ تیرہواں فائدہ مومن کے لئے دوزخ میں ہمیشگی نہیں صرف کفار کے لئے ہے جیسا کہ **خلدین فیھا** سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض گواہی کے لئے ضروری ہے کہ گواہ دیکھنے میں آئے اس کی بات سننے میں آئے حاکم کی کچہری ہو۔ ان چیزوں کے بغیر گواہی ممکن نہیں تو اللہ **یشھد** فرمانا کیسے درست ہوا۔ جواب گواہی تین طرح کی ہوتی ہے مقدمہ جتانے کے لئے۔ مان لینے کا اظہار کرنے کے لئے۔ منوانے کے لئے۔ گواہ کا موجود محسوس ہونا پہلی قسم کی گواہی میں ضروری ہے۔ دوسری تیسری قسم کی گواہیوں میں یہ بات ضروری نہیں۔ ہم کہتے ہیں **اشھد ان لا الہ الا اللہ** یہ گواہی ایمان کے اظہار کے لئے ہے۔ اور رب تعالیٰ کی یہ گواہی منوانے کے لئے جیسے یونیورسٹی کا سرٹیفکیٹ قابلیت کی گواہی ہے۔ حکام کے بازوؤں پر تمغہ وغیرہ حکومت کی طرف سے عہدے کی گواہی ہے۔ یہ گواہیاں منوانے کے لئے ہیں۔ دوسرا اعتراض

www.alahazratnetwork.org

فرشتوں کی گواہی جس کا یہاں ذکر ہے وہ ہم کو محسوس نہیں ہو رہی ہے۔ تو اس سے کیا فائدہ۔ **جواب** جب اللہ تعالیٰ نے ان کی گواہی کی خبر قرآن مجید میں دے دی تو وہ گواہی ہم کو یقین سے معلوم ہو گئی۔ محسوسیت کے لئے یہ کافی ہے۔ اسی سے ہمارے ایمان کی پختگی ہوتی ہے۔ اور ان فرشتوں کو ثواب و قرب حاصل ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض** اسی آیت سے معلوم ہوا کہ جو کافر بھی ہو ظالم بھی اللہ اسے نہ بخشے گا تو چاہیے کہ جو صرف کافر ہو ظالم نہ ہو اسے بخش دیا جاوے۔ حالانکہ صرف کافر کی بخشش نہیں **جواب** ہر کافر ظالم ہے کفر خود ظلم ہے **ان الشرک لظلم عظیم** جو کافر بھی ہو کافر گر اور گمراہ کن بھی وہ تو ڈبل ظالم کہ اپنے پر بھی ظلم کرتا ہے اور جن کو بہکائے... اس پر بھی علماء یہود تو اپنے دین اپنی کتاب اپنی قوم پر بھی ظلم کرتے تھے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار کو رب تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔ جب وہ ہی ہدایت نہیں دیتا تو ان بھٹکنے والوں کا کیا قصور ہے جسے خدا گمراہ کر دے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا۔ **جواب** ان لوگوں نے کفر و ظلم کر کے خود اپنے ہدایت کے راستے بند کر لئے اس کے وہ مجرم ہوئے غرض کہ گمراہی کے کاسب یہ ہیں۔ اور خالق رب تعالیٰ اس کا خلق ان کے کسب سے ہے۔ جیسے قتل پر موت رب کی طرف سے وارد ہو جاتی ہے تو قاتل کسب قتل کی وجہ سے مجرم ہے اس کی پوری تحقیق تیسرے پارے میں کی جا چکی ہے۔ اور اگر ہدایت نہ دینے کے یہ معنی کئے جاویں کہ آخرت میں انہیں جنت کے راستہ کی ہدایت نہ دے گا۔ تب تو کوئی اعتراض نہیں۔ **لا یھدی** مضارع ہے جس میں حال و استقبال دونوں معنی کا احتمال ہے۔

تفسیر صوفیانہ گواہ کی عظمت سے دعویٰ اور مدعی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کریم کی حقانیت کا گواہ اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے فرشتے ہیں تو معلوم کر لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی نبوت آپ کا دین آپ کا قرآن کیسے عظمت والے ہوں گے۔ خوش نصیب ہے وہ مسلمان جو توحید و رسالت کی دین و ایمان و قرآن کی حقانیت کی گواہی دے کر اس گواہی میں حصہ لے۔ حضور وہ عید کا چاند ہیں جن میں خالق اور فرشتوں جن و انس کی نظریں جمع ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس پر عالم ارواح میں نور کا چھینٹا نہ پڑا وہ نار میں ہمیشہ رہے گا۔ کیونکہ نار سے نکالنے والا وہ نور ہے۔ دنیا کی تمام چیزیں علم' مال' عمر اعمال' عقل زہر ہیں۔ اگر عشق کا تریاق ساتھ نہ ہو تو ہلاک کرنے والے ہیں۔ دیکھو علمائے یہود کے پاس سب کچھ ہے۔ وہ عالم عاقل' مالدار سب کچھ تھے مگر وہ کفر و طغیان ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام نعمتوں میں اعلیٰ نعمت دل کی نرمی ہے اور اس کے تمام عذابوں میں سخت تر عذاب دل کی سختی ہے۔ لوہا بغیر نرم ہوئے ہتھیار نہیں بنتا سونا بغیر نرم ہوئے زیور نہیں بنتا۔ زمین بغیر نرم ہوئے قابل کاشت ہوتی۔ آٹا بغیر نرم ہوئے بغیر گوندے روٹی' پراٹھا' شیرمال نہیں بنتا یوں ہی دل بغیر نرم ہوئے مومن عارف کامل نہیں بنتا۔ لوہے یا سونے کو یہ آگ نرم کرتی ہے۔ آٹے کو پانی نرم کرتا ہے زمین کو ہل نرم کرتا ہے دل کو عشق کی آگ' آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی اور کامل مرد کی نگاہ کامل نرم کرتا ہے جب دل نرم ہو جاتا ہے تو اس میں ایسے باغ لگتے ہیں کہ سبحان اللہ' یہود مدینہ کے پاس دل

www.alahazratnetwork.org

تھا مگر دل میں نرمی نہ تھی تو حضور انور کے پاس رہ کر بھی کچھ نہ بنے۔ حضرت اویس قرنی کے پاس دل بھی تھا۔ دل میں نرمی بھی تھی وہ دور رہ کر بھی سب کچھ بن گئے۔ شعر:

☆ ذرہ عشق نبی از حق طلب ☆ سوز صدیق و علی از حق طلب ☆

کپاس میں بنولے رہیں تو کپڑا نہیں بنتا۔ عالم میں خودی رہے تو عارف نہیں بنتا یہ آیت کریمہ تاقیامت انسانوں کے لئے عبرت ہے۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا
اے انسانو بے شک آئے تم سب کے پاس یہ رسول ساتھ حق کے طرف سے رب تمہارے پس ایمان لے آؤ
اے لوگو تمہارے پاس یہ رسول حق کے ساتھ تمہارے رب کی طرف سے تشریف لائے ہیں تو ایمان لاؤ
خَیْرًا لَّكُمْ ؕ وَ اِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
واسطے بھلائی اپنی کے اور اگر انکار کرو گے تو بے شک اللہ کا ہے وہ جو بیچ آسمانوں اور زمین کے ہے
اپنے بھلے کو اور اگر تم کفر کرو تو بے شک اللہ کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَ كَانَ اللّٰهُ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ۟
اور ہے اللہ علم والا حکمت والا
اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں یہود کے اعتراضات کے نہایت نفیس جوابات دیئے گئے اب انہیں ایمان لانے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ گویا اعتراضات دفع فرمانے کے بعد تبلیغ اسلام ہو رہی ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں قرآن کریم کے فضائل بیان ہوئے کہ اس کا گواہ اللہ تعالیٰ بھی ہے اور فرشتے بھی۔ اب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سنائی جارہی ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے قرآن مجید اپنے علم سے اتارا جان کر اتارا کہ یہ کس ذات پر اترنا چاہیے۔ اب اسی اجمال کی تفسیر بیان ہو رہی ہے کہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جو ایسی شانوں کے مالک ہیں تاکہ معلوم ہو کہ اس قرآن کے لئے آپ ہی موزوں و مناسب ہیں۔ گویا پہلے اجمال تھا اب تفصیل ہے یا پہلے دعویٰ تھا اب دلیل کا بیان ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ لاکھوں عظمتیں ذاتی بلاواسطہ بخشیں اور لاکھوں عظمتیں بالواسطہ عطا فرمائیں۔ ان بالواسطہ عظمتوں میں سے وہ عظمتیں بھی ہیں جو بذریعہ قرآن مجید آپ کو عطا ہوئیں۔ قرآن کریم کی وہ شان ہے کہ جو فرشتہ قرآن لایا وہ تمام فرشتوں کا

www.alahazratnetwork.org

سردار یعنی جبرائیل جس جگہ سے قرآن آیا وہ دوسری جگہ سے افضل یعنی لوح محفوظ جس مہینہ میں اور جس رات میں قرآن آیا وہ تمام راتوں سے وہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل یعنی شب قدر اور ماہ رمضان' جس سرزمین میں قرآن آیا وہ تمام زمینوں سے افضل یعنی زمین حجاز خصوصاً مکہ معظمہ و مدینہ منورہ۔ جس زبان میں قرآن آیا وہ زبان تمام زبانوں سے افضل یعنی عربی بلکہ جس کاغذ پر قرآن لکھا گیا۔ وہ تمام کاغذوں سے افضل جس جلد و جزدان میں قرآن باندھا جائے وہ تمام جلدوں اور جزدانوں سے افضل۔ جس نبی پر قرآن آیا وہ نبی تمام نبیوں اور رسولوں سے افضل لہٰذا افضل کتاب کے ذکر کے بعد افضل رسول کا ذکر بہت موزوں ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم کفار کو نہ تو بخشیں گے نہ ہدایت دیں گے۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ ہاں اگر وہ اس محبوب کا دامن تھام لیں ان پر ایمان لے آویں تو ہم بخش بھی دیں گے۔ ہدایت بھی دیں گے گویا عذاب کی وجہ کا ذکر پہلے ہوا۔ چھٹکارے کا ذکر اب ہے۔ مہلک بیماری کا ذکر پہلے تھا شفاء کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں اللہ کی راہ سے روکنے والے پوپ پادریوں کی برائیوں کا ذکر ہوا اب اس راستہ کی طرف بلانے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل کا بیان ہے۔ گویا آڑ کا ذکر پہلے ہوا۔ اس آڑ کو پھاڑنے والی ذات کا ذکر اب ہے۔

تفسیر یاایها الناس جس کے مطلب کی بات کہی جاوے اس کو پکارا جاتا ہے۔ طبیب بیماروں سے کہتا ہے۔ اے بیمارو یہ دوا بڑی مفید ہے۔ کوئی عالم کسی کتاب کا اعلان کرتا ہے۔ تو کہتا ہے۔ اے طالب علمو یہ کتاب بڑی شان دار ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد پاک کا اعلان فرما رہا ہے۔ اور آپ کی ولادت پاک تو سارے جہاں سارے انسانوں کے لئے مفید ہے لہٰذا کسی خاص جماعت کو نہیں پکارا بلکہ **یاایها الناس** کہہ کر سارے لوگوں کو پکارا۔ یہ ندا حضور کی نبوت عامہ کی دلیل ہے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق جن و انس' فرشتوں وغیرہم کے نبی ہیں۔ مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہیں دیگر مخلوق تابع۔ اسی لئے صرف انسانوں کو پکارا۔ خیال رہے کہ اس الناس میں صرف اس زمانہ کے انسانوں سے ہی خطاب نہیں بلکہ قیامت تک کے سارے انسانوں سے خطاب ہے۔ کیونکہ حضور پر ایمان لانا سارے انسانوں پر لازم ہے جیسے **اقیموا الصلوة الزکوة** وغیرہ احکام میں تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے۔ جن مفسرین نے الناس کے معنی اہل مکہ کئے وہ ان کی اپنی رائے ہے۔ قرآن کریم میں یہ قید نہیں۔ اگر صرف مکہ والوں سے خطاب ہو تو چاہیے کہ صرف انہیں پر ایمان لانا ضروری ہو اوروں پر نہ ہو اسی لئے تفسیر جلالین کے حاشیہ صاوی شریف میں اس قول کی تردید کر دی کہ یہ اعلان سب کو عام ہے۔ حاشیہ جمل نے بھی یہ ہی فرمایا۔ بہر حال الناس میں سارے انسان مراد ہیں حتیٰ کہ حضرت خضر و الیاس علیہ السلام جو زمین پر اس وقت موجود تھے وہ بھی اسی خطاب میں داخل ہیں۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جو اس آیت کے نزول پر تو زمین پر نہ تھے۔ مگر آخر زمانہ میں زمین پر آئیں گے وہ بھی اسی خطاب میں داخل ہیں۔ اصحاب کہف جو سو رہے وہ بھی اسی خطاب میں داخل ہیں۔ خضر و الیاس زمین پر رہ کر حضور پر

www.alahazratnetwork.org

ایمان لے آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر رہتے ہوئے حضور پر ایمان لائے۔ اصحاب کہف کے ایمان کا ظہور قریب قیامت ہو گا۔ جب وہ حضرات بیدار ہوں گے۔ بعض عشاق کہتے ہیں کہ اس الناس میں گزشتہ لوگ بھی داخل ہیں حتیٰ کہ وفات یافتہ انبیاء کرام بھی حضور پر ایمان لے آئے اس لئے معراج کی رات سب نے حضور کے پیچھے نماز پڑھی غرض کہ الناس میں بہت عموم ہے۔ **قد جاء کم** چونکہ جناب آمنہ کے لخت جگر اور حضرت عبداللہ کے نور نظر اور ہاشمی قریشی مطلبی کی تشریف آوری تو سب نے مانی مگر یہ شان رسالت تشریف آوری کفار نہ مانی۔ وہ اس کے منکر تھے لہذا یہاں تو قد فرمایا گیا اور سورہ توبہ کے آخر میں لقد فرمایا یعنی یہ سب نے مانا کہ **محمدؐ** ابن عبداللہ آئے۔ عربی قریشی ہاشمی آئے بشر آئے مگر کفار نے یہ نہ مانا کہ رسول اللہ آئے اس لئے ان کی تردید میں قد ارشاد ہوا۔ ہمارے دنیا میں آنے کو خلق یا ولادت کہا جاتا ہے۔ مگر حضور کی تشریف آوری کو رب تعالیٰ نے جاء۔ بعث۔ ارسل کے الفاظ سے بیان فرمایا یہاں فرمایا **قد جاء کم الرسول** دوسری جگہ فرمایا **اذ بعث فیھم رسولا** ایک جگہ فرمایا **ارسلناک شاھدا** کیونکہ ہم دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھے۔ جو کچھ بنے یہاں آ کر بنے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ بن کر یہاں آئے۔ ہم یہاں بننے کو آئے وہ سب کچھ بن کر دوسروں کو بنانے آئے۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا میں اللہ کا بندہ ہوں۔ میں صاحب کتاب نبی ہوں۔ مجھے رب نے نماز زکوٰۃ اور ماں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیا وغیرہ اس وجہ سے یہاں جاء فرمایا گیا۔ نیز ہم یہاں اپنے کام کے لئے آئے کہ یہاں اعمال کما کر اپنی آخرت سنبھال لیں مگر حضور رب کے کام کے لئے آئے۔ کہ اس کی مخلوق کی اصلاح کریں۔ کالج میں طلباء بھی جاتے ہیں۔ پروفیسر بھی مگر طلباء اپنا کام کرنے یعنی سیکھنے جاتے ہیں اور پروفیسر حکومت کا کام کرنے طلبا کو سکھانے جاتے ہیں۔ کالج ایک ہے۔ وہاں جانے والوں کی نوعیت میں فرق ہے۔ پھر دوسرے لوگ ایک گھر یا ایک خاندان یا ایک ملک کے لئے آتے ہیں۔ حضور سارے جہان کے لئے آئے کہ اس کی مخلوق کی اصلاح کریں نیز اور سب ایک خاص وقت کے لئے آتے ہیں مر کر چلے جاتے ہیں۔ حضور ہمیشہ کے لئے تشریف لائے وہ ایسے آئے کہ بعد وفات بھی نہ گئے اس لئے **جاء کم** فرمایا گیا۔ یعنی اے قیامت تک کے انسانوں وہ تم سب کے پاس آئے۔ تمہارے دلوں میں آئے تمہارے دماغوں میں آئے ایمانوں میں آئے۔ جانوں میں آئے اور ایسے آئے کہ آ کر تمہارے پاس سے نہ گئے خیال رہے کہ حضور انور کی پیدائش اور ولادت عرب میں ہے رہائش مکہ مدینہ میں ہے مگر تشریف آوری سارے جہان میں جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر کہ سارے جہان کا نظام اس سے وابستہ ہے۔ دن' رات' مہینے' برس' عمریں' موسم' فصلیں سب اس سے وابستہ ہیں۔ ایسے ہی نظام کائنات عرش و فرش کا نظم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے وابستہ ہے۔ ایک ہندو شاعر امرناتھ قیس نے کیا خوب کہا۔ شعر:

خلق میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات

قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

www.alahazratnetwork.org

اس لئے رب تعالیٰ نے جہاں کہیں حضور کے متعلق **جاء یا ارسل یا بعث** فرمایا وہاں یا فرمایا **هم** پھر جیسے حضور کی ولادت، سکونت اور بعثت میں فرق ہے کہ ولادت، مکہ میں سکونت مدینہ میں بعثت سارے عالم میں یوں ہی موت میں فرق ہے کہ ہماری موت کے معنی میں مرجانا یعنی مر کر چلا جانا۔ حضور کی موت میں جانے کے معنی نہیں وہاں صرف مرنا ہے۔ مرجانا نہیں۔ حضور کو موت آئی مگر آپ بعد موت یہاں سے گئے نہیں۔ یعنی ہم کو فوت بھی ہے۔ فوت بھی۔ حضور کو موت ہے فوت نہیں۔ سورج غروب ہو کر بھی جاتا نہیں بلکہ اسی عالم میں رہتا ہے۔ اس کی رفتار سے رات کے اوقات بنتے ہیں کہ اتنا نیچا ہو تو وقت مغرب ہو گا۔ جب اتنے درجے نیچا ہو جائے تو وقت عشاء ہو گا۔ اتنا نیچا ہونے پر تہائی رات گزرے گی۔ تہجد کا وقت مستحب ہو گا وغیرہ پھر غروب تاروں چاند کو چمکاتا ہے۔ دن میں ذروں کو چمکاتا ہے۔ حضور زندہ ہوں تو صحابی بنائیں۔ بعد وفات ولی بناتے ہیں۔ سبحان اللہ سورج طلوع ہو کر دن کے اوقات بناتا ہے۔ غروب ہو کر رات کے اوقات بناتا ہے۔ یونہی حضور بعد وفات عالم میں فیض دے رہے ہیں۔ نماز میں قرآن کلمہ حضور کو سلام حضور سے التجائیں **بعينه** ویسے ہی باقی ہیں۔ اس لئے قرآن کریم میں حضور کے لئے **جاء** تو آیا **ذهب من الدنيا** نہ آیا **الرسول**۔ رسول نبی مرسل کے معانی اور ان میں فرق ہم اپنے رسالہ اسلام کی چار اصطلاحوں میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ رسول کے معنی ہیں پیغام رساں اور فیضان رساں۔ حضرت جبرائیل نے بی بی مریم سے کہا تھا **انما انا رسول ربك لاهب لك غلما زكيا**۔ میں تمہارے رب کا رسول ہوں آیا ہوں تاکہ تم کو ستھرا بیٹا دوں۔ دیکھو رسالت کے ساتھ بیٹا دینے کا ذکر ہوا۔ معلوم ہوا کہ رسول صرف پیغام رساں کو نہیں کہتے۔ رسول وہ ہے، جو پیغام رساں بھی ہو اور فیضان رساں بھی۔ بے اختیار پیغام و فیضان دینا۔ رسالت جبریل ہے۔ اور بااختیار مختار ہو کر پیغام و فیضان دینا رسالت محمدی ہے۔ اس لئے ہماری کتاب سلطنت، مصطفیٰ کا مطالعہ کرو۔ غرض کہ رسول کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہے۔ لینے کی مخلوق سے نسبت ہے۔ دینے کی رب سے لیتے ہیں مخلوق کو دیتے ہیں۔ ان کا دست سوال رب کی طرف ہے اور دست عطا و نوال مخلوق کی طرف ہے۔ شعر:

☆ برتو او پاشد تو برہا ☆ تا ابد یہ سلسلہ ہو ☆

یا رسول اللہ ہمیشہ وہ تم پر برسائے جائے تم ہم پر برسائے جاؤ۔ اس لئے انہیں رسول اللہ بھی، کہا جاتا ہے اور "رسولنا" بھی چنانچہ قرآن مجید میں کہیں فرمایا **رسولكم** کہیں فرمایا **رسولنا** یہاں **الرسول** میں الف لام یا عہدی ہے۔ یا عوضی مضاف الیہ کی عوض۔ اگر عوضی ہے تو اس کا مضاف الیہ یا اللہ تعالیٰ ہے یا مخلوق یعنی وہ شاندار رسول آئے۔ یا اللہ کے رسول آئے یا تم سب کے رسول آئے۔ چونکہ حضور کی رسالت میں کوئی قید نہیں اس لئے یہاں بغیر قید **الرسول** فرمایا گیا **بالحق** ب یا تعدیہ کی ہے یا تلبیس کی۔ حق مقابل ہے باطل کا جیسے صدق مقابل ہے۔ کذب کا۔ صدق و کذب صرف کلام پر بولا جاتا ہے۔ مگر حق و باطل کلام، کام، عقیدہ، دین، ملت سب پر بولا جاتا ہے۔ نیز صدق وہ جو واقعہ کے مطابق

www.alahazratnetwork.org

ہو۔ اور حق وہ کہ واقعہ اس کے مطابق ہو کہ جیسا کہہ دیا جاوے ویسا ہی واقعہ ہو جاوے۔ یعنی ہمارے رسول حق کو لائے یا حق سے موصوف ہو کر آئے۔ پہلی صورت میں حق سے قرآن مجید۔ یا اسلام یا احکام اسلام یا عرفان وغیرہ مراد ہے۔ دوسری صورت میں حق سے حضور کے اقوال احوال افعال سب کچھ مراد ہیں۔ یعنی وہ رسول تشریف لائے جن کا سونا' جاگنا' کھانا' پینا' بولنا خاموش رہنا غرض کہ ان کی ہر ادا حق ہے (از تفسیر خازن و تفسیر صاوی روح جمل وغیرہ)۔

اور ہو سکتا ہے کہ **متکلما** کے متعلق ہو یعنی حق بولنے والے تشریف لائے۔ جن کا ہر کلام حق ہے۔ جن کی زبان جن کا دہان حق کی کان ہے (جمل) خیال رہے کہ حق کے تین معنی ہیں۔ حقیق یعنی لائق۔ درست و صحیح ثابت یعنی ناقابل زوال۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ اور ب میں دو احتمال ہیں لہٰذا بالحق کی چھ تفسیریں ہوئیں نمبر ا۔ ہمارے محبوب لائق قبول یا لائق اتباع صفات و افعال و احکام سے موصوف ہو کر آئے۔ نمبر ۲۔ ہمارے محبوب درست و صحیح صفات و افعال سے موصوف آئے ان کا کوئی وصف و فعل نادرست نہیں نمبر ۳ ہمارے محبوب ناقابل زوال صفات افعال و کلام سے موصوف ہو کر آئے کہ تاقیامت ان کے صفات افعال' احکام' فرمان باقی رہیں گے۔ زمانہ انہیں فناء نہ کر سکے گا نمبر ۴ ہمارے محبوب لائق عمل کتاب لائق عمل دین لے کر آئے۔ نمبر ۵ ہمارے محبوب صحیح و درست دین صحیح کتاب صحیح احکام لے کر آئے نمبر ۶ ہمارے رسول ناقابل نسخ ناقابل زوال کتاب و احکام دین لائے کہ تمام کتب تمام دین منسوخ ہو گئے ان کا دین کبھی منسوخ نہیں۔ **من ربکم** من ابتدائیہ ہے یہ عبارت یا تو الحق کا حال ہے کا کا کے متعلق ہو کر یا **جاء کم** کے متعلق یعنی وہ حق جو یہ رسول لے کر آئے تمہارے رب کی طرف سے ہے یا یہ رسول تمہارے رب کے پاس سے تمہارے پاس آئے۔ اگرچہ ساری مخلوق رب تعالیٰ کی ہی طرف سے آئی ہے۔ مگر وہ سب اپنا اپنا کام کرنے آئے اور یہ محبوب رب تعالیٰ کا کام کرنے تشریف لائے۔ نیز یہ محبوب خلقت کے لئے رب تعالیٰ کا تحفہ رب اعلیٰ کی نعمت بن آئے اس لئے **من ربکم** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ یہ عبارت گویا **جاء کم** کی دلیل ہے۔ یعنی چونکہ حق تعالیٰ عالم کا رب ہے۔ رب وہ جو ظاہر کی پرورش بھی کرے باطن کی پرورش بھی کرے...... جب اس نے جسم کی پرورش کے لئے لاکھوں نعمتیں غذائیں دوائیں پھل فروٹ ہوا دھوپ پانی وغیرہ پیدا فرمائے تو کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ روحانیت میں انسان کی پرورش نہ فرماتا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے اس رسول کو بھیجا جو روحانیت کے مربی ہیں چونکہ وہ رب ہے لہٰذا اس نے یہ رسول بھیجے۔ چونکہ وہ سب کا رب ہے تو یہ رسول بھی سب کے رسول ہیں۔ چونکہ وہ ہمیشہ تک رب ہے اس لئے اس نے ہمیشہ کے لئے یہ رسول بھیجے کہ نہ آپ کے زمانہ میں کوئی رسول آیا نہ آپ کے بعد لہٰذا یہ عبارت بہت خوبیوں کی جامع ہے۔ **فامنوا خیر الکم** ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا یعنی جب کہ یہ رسول تشریف لا چکے تو اب تم سارے ایمان لے آؤ اس آمنوا میں تاقیامت انسانوں سے خطاب ہے۔ خیال رہے کہ ہر عبادت کا کوئی وقت ہے اور وقت کی ابتدا و انتہا ہے۔ ایمان کا وقت انسان کی ساری زندگی ہے۔ ہوش سنبھالتے ہی ایمان لانا فرض ہوتا ہے اور مرتے وقت تک فرض رہتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

غرغرہ کی حالت آئی اور ایمان کا وقت گیا تو غرغرہ کی حالت کا ایمان معتبر نہیں مگر چاہیے کہ ایمان جلد قبول کرے کیا خبر موت کب آجائے اس لئے ف ارشاد ہوا۔ **خیرا** یا تو **اقصدوا** پوشیدہ کا مفعول ہے۔ تب تو یہ دو جملے ہیں۔ یعنی ایمان لاؤ اور اپنی بھلائی کا ارادہ کرو یا ایمان پوشیدہ کی صفت ہے۔ تب یہ ایک ہی جملہ ہے۔ یعنی ایسا ایمان لاؤ جو تمہارے واسطے خیر ہو اخلاص والا ہو نفاق والا ایمان نہ ہو کہ یہ نقصان دہ ہے یا کان پوشیدہ کی خبر ہے یعنی وہ ایمان لانا تمہارے لئے خیر ہے **وان تكفروا۔ تكفروا** کفر سے بنا ہے کفر شکر کے مقابل ہو تو معنی ناشکری ہوتا ہے۔ اگر ایمان کے مقابل ہو تو معنی بے ایمانی ہوتا ہے کبھی معنی انکار آتا ہے۔ یہاں چونکہ ایمان کے مقابل ہے لہذا معنی بے ایمانی ہے۔ کفر کی صدہا قسمیں ہیں جن چیزوں کو مان کر ایمان ملتا ہے ان میں سے کسی چیز کا انکار کفر ہے **فان اللّٰه ما فی السموٰت والارض** یہاں ف جزائیہ نہیں **تعلیلیه** ہے جو پوشیدہ جزا کی علت بیان کر رہی ہے۔ للہ میں لام ملکیت عبدیت خلقت ہے نہ کہ نفع ما سے مراد تمام ماسوی اللہ ہے۔ خواہ عقل والی چیز ہو یا بے عقل آسمان بہت ہیں۔ زمین صرف ایک یعنی اگر تم سب لوگ کافر ہو جاؤ تو رب تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں۔ کیونکہ آسمانوں اور زمین کی تمام چیزیں اسی کی مملوک اس کی مخلوق اس کی عابد ہیں۔ تم کفر کرو گے تو اس کی سلطنت میں فرق نہ پڑے گا۔ تمہارا اپنا ہی نقصان ہے **وكان اللّٰه عليما حكيما** کان دوام و استمرار یعنی ہمیشگی کے لئے ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ حضور کو سب سے آخر میں بھیجنا اور آپ کو تمام جہان کا دائمی نبی کر دینا اس میں اس کی حکمتیں ہیں لہذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ پچھلے رسول اس صفت کے کیوں نہ ہوئے۔ یا کفار کو دنیا میں مہلت دینا آخرت میں عذاب دینا اس میں صدہا راز ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے تمام اولین و آخرین اور تمام جہان کے انسانوں تم سب کے پاس ہمیشہ کے لئے یہ آخری رسول سب کے رسول۔ رسولوں کے رسول شاندار رسول تشریف لے آئے۔ یہ عرب مگر آئے تمہارے ایمانوں جانوں میں پھر حق کے ساتھ موصوف ہو کر تشریف لائے جن کی ہر ادا برحق ہے۔ آئے تمہارے رب کے پاس سے اس کا کام کرنے۔ تم خوش نصیب ہو کہ تمہیں ان کا زمانہ نصیب ہوا۔ پچھلے ان کے امتی ہونے کی تمنا کرتے چلے گئے۔ اب جب کہ تم نے ان کا زمانہ پالیا تو دیر نہ لگاؤ فوراً ان پر ایمان لے آؤ۔ اپنی بھلائی چاہو برائی نہ چاہو۔ یہ خیال رکھو کہ اگر تم سارے کے سارے کافر بن جاؤ تو ان کا اور رب تعالیٰ کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے۔ تمہارے کفر سے ان کی نبوت رب کی ملکیت میں کمی نہ آجاوے گی کیونکہ تمام آسمانوں زمین کی چیزیں اس کی مملوک مخلوق و عابد ہیں۔ وہ سب کا معبود ہے۔ وہ مالک بھی ہے۔ علم والا بھی ہے۔ حکمت والا بھی۔ جو جسے دیا جان کر دیا حکمت سے دیا۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یا اے مسلمانوں تمہارے یہ رسول وہی چیز لائے جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ اگر یہ رسول وہ حق تم کو ادا کر نہ دیتے تو تمہیں کسی طرح عقل یا علم کے ذریعہ نہ ملتا صرف ان کے ہاتھوں تمہیں ملا یعنی قرآن' ایمان' عرفان وغیرہ نعمتیں رہے کہ جیسے کنویں تالاب چشموں نہروں کا پانی بھی رب کا ہے مگر اسے ہم اپنی محنت سے حاصل کر لیتے ہیں۔ کنواں کھود کر نہر دریا سے چیر کر۔ اس لئے ہم ان پانیوں کے مالک

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہیں۔ انہیں فروخت کر سکتے ہیں۔ مگر بارش کا پانی بلاواسطہ رب کا عطیہ ہے جو بادل کے ذریعہ ملتا ہے۔ اس میں ہمارے عمل کو دخل نہیں نہ ہم اس کے مالک ہوتے ہیں۔ ایسے ہی بعض حق وہ ہیں جسے ہم عقل سے معلوم کر لیتے ہیں۔ جیسے سچ کی اچھائی جھوٹ کی برائی عدل کی خوبی ظلم کے نقصانات مگر قرآن' ایمان نماز عرفان وغیرہ ایسی حق چیزیں ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ملی ہیں ان میں ہماری عقل و علم کو دخل نہیں۔ لہٰذا یہ حق بھی ہیں اور **من ربکم** بھی ہیں۔ یہ چیزیں بارش ہیں اور حضور ان کے بادل۔ پھر خیال رہے کہ بادل اور بارش دو طرح کی ہوتی ہے۔ خصوصی بارش اور عالمگیر بارش پچھلے نبی خصوصی بادل تھے جو خاص قوموں پر برسے ہمارے حضور عالمگیر رحمت کا بادل ہیں اور قرآن مجید عالمگیر بارش اس لئے ارشاد ہوا **من ربکم**۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف بیان کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں اپنے محبوب کا میلاد پاک بیان کیا اور بہت سی آیات میں آپ کا میلاد شریف مذکور ہے۔ **لقد جاءکم رسول** الخ **لقد من اللہ علی المومنین** الخ وغیرہ نیز قرآن مجید نے بیان فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام بھی اپنی قوم کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف پڑھتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** غرض کہ میلاد پاک سنت الٰہیہ بھی ہے سنت انبیاء کرام بھی۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے دائمی رسول ہیں۔ کسی خاص قوم خاص ملک خاص وقت کے لئے نبی نہیں جیسا کہ **یاایھا الناس** اور **امنوا** سے معلوم ہوا **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے سب کچھ سیکھ کر سب کچھ بن کر دنیا میں تشریف لائے۔ ہم یہاں بننے آئے حضور بنانے آئے جیسا کہ **جاءکم** سے معلوم ہوا چوتھا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت **مکہ معظمہ** میں سکونت مدینہ منورہ میں ہوئی مگر آپ کی تشریف آوری جلوہ گری ہر مومن کے سینہ میں ہوئی۔ جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر طلوع کرتا ہے سارے جہان پر جیسا کہ **جاءکم** کی کم ضمیر سے معلوم ہوا۔ عربی میں کہا جاتا ہے **جئتک** اردو میں کہتے ہیں۔ تمہارے پاس آیا جب کہ اس کے پاس پہنچ جاوے۔ حضور کے لئے فرمایا گیا **قد جاءکم** وہ نبی تم سب کے پاس آئے۔ اس لئے ہر نمازی التحیات میں حضور کو سلام کرتا ہے۔ دور والے کو یا تو سلام لکھا جاتا ہے یا کہلوایا جاتا ہے اس کو سلام کیا نہیں جاتا۔ سلام کرنے کے لئے ضروری ہے کہ سامنے والا قریب ہو۔ سنتا ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** یہ نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں۔ پانچواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی حق ہیں اور حضور کی ساری ادائیں حق ہیں حتیٰ کہ حضور کا نسیان و بھول بھی حق ہے۔ کہ اس سے ہزارہا مسائل ہوتے ہیں جیسے کہ بالحق کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ اب حضور کو مانے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا ہے۔ اگرچہ سارے نبیوں کو مانتا ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان اہل کتاب کو ایمان لانے کا حکم دیا۔ جو توحید' قیامت' حضرات انبیاء کرام کو مانتے

www.alahazratnetwork.org

تھے۔ حضور کے انکاری تھے۔ معلوم ہوا کہ وہ ماننا ایمان نہیں۔ حضور کو ماننا ایمان ہے۔ **ساتواں فائدہ** اب ہر انسان کی بھلائی اسی میں ہے کہ حضور پر ایمان لے آئے۔ حضور کو مانے بغیر خود انسان اور اس کے سارے کام شر ہیں خیر نہیں جیسا کہ **خیرالکم** سے معلوم ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** اگر سارے انسان کافر ہو جائیں تو نقصان صرف انکا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کا نقصان ہے۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ رب تعالیٰ الوہیت میں اور حضور نبوت میں جہان سے بے نیاز ہیں جیسا کہ **وان تکفروا** لخ سے معلوم ہوا۔ **نواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات بھی ہمارے پاس سے گئے نہیں۔ آپ کی تجلی ہر مومن کے دل و جگر جان و ایمان میں ویسے ہی ہے۔ قرآن کریم نے ان کا آنا تو بیان کیا مگر چلا جانا بیان نہ فرمایا۔ سورج غروب ہو کر ہمارے پاس سے جاتا نہیں۔ اس کی نورانیت چاند تاروں کے ذریعہ ہم کو ملتی ہے اور اس کے اثرات سب موجود رہتے ہیں۔ قرآن کریم نے جگہ جگہ حضور کی آمد کا ذکر فرمایا۔ روانگی اور چلے جانے کا ذکر نہیں فرمایا۔ موت اور ہے اور دنیا سے چلا جانا کچھ اور۔ حضورؐ وفات کے بعد کلمہ وہی رہا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ** اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں محمد مصطفیٰ صلی اللہ کے رسول ہیں وہ بعد وفات بھی رسول ہیں۔ نبی ہیں شفیع المذنبین ہیں **دسواں فائدہ** ہم دنیا میں اپنے کام کے لئے آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے کام کے لئے ہمارے پاس آئے۔ حضور کے آنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ یونہی ہم اپنی ذمہ واری پر آئے۔ حضور رب تعالیٰ کی ذمہ واری پر تشریف لائے۔ جہاز میں مسافر بھی سوار ہوتے ہیں اور کپتان بھی۔ مگر دونوں کی سواریوں میں بڑا فرق ہے کہ مسافر پار لگنے کو سوار ہوتے ہیں۔ کپتان پار لگانے کو۔ اسی لئے مسافر کرایہ دے کر بیٹھتے ہیں۔ کپتان تنخواہ لے کر سوار ہوتا ہے۔ اسلام کے جہاز میں ہم بھی سوار ہیں۔ حضور بھی مگر ہم پار لگنے کو سوار ہیں۔ حضور پار لگانے کو سوار ہیں۔ یہ فائدہ بھی **جاءکم** سے حاصل ہوا۔ اسی طرح ہمارے اور حضور کے اعمال میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ہمارے لئے نیک اعمال باعث فخر ہیں۔ اور نیک اعمال کے لئے حضور کا کر لینا فخر ہم کو فخر ہے کہ ہم نماز پڑھتے ہیں اور نماز و قرآن کو فخر ہے کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ **گیارہواں فائدہ** تبلیغ اسلام کے لئے دو کام کرنے چاہئیں۔ حضور کے فضائل اسلام کے فوائد کا بیان۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے پہلے حضور کے چھ سات فضائل بیان فرمائے پھر حکم دیا **امنوا** پھر اسلام کے فوائد بیان کئے فرمایا **خیرالکم** کہ ایمان لانا تمہارے لئے دین دنیا میں خیر ہے۔ کیونکہ کسی چیز کی رغبت دو طرح ہی دی جاتی ہے۔ یا اس چیز کے فوائد بتا کر یا چیز والے کے فضائل سنا کر۔ حضور کی عظمت اگر دل نشین ہو جاوے تو قرآن، نماز، اسلام بلکہ رحمان کی عظمت دل میں قائم ہو گی۔ جن دلوں میں حضور کی عظمت نہیں۔ ان میں نہ قرآن کی عظمت ہے نہ کعبہ کی نہ خدا کی۔ ہم نے **نجدیوں** کو قرآن شریف پر پاؤں رکھتے اور کعبہ معظمہ کی طرف پاؤں پھیلا کر بیٹھتے دیکھا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے تبلیغ میں جو کوہ صفا پر کی پہلے اپنی پہچان کرائی۔ کہ فرمایا **کیف انا فیکم**۔

پہلا اعتراض اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے نبی ہیں تو یہاں صرف انسانوں سے خطاب کیوں ہے اور

www.alahazratnetwork.org

صرف انہیں کو ایمان کا حکم کیوں ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضور ساری خدائی کے نبی ہیں۔ رب فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** مگر چونکہ انسان اشرف المخلوقات ہے اور نبوت سے اصل مقصود ہے۔ اس لئے صرف اس کا ذکر ہوا۔ جیسے اللہ رب العالمین ہے مگر اس نے سورہ ناس میں فرمایا **ملک الناس۔ الہ الناس** جب انسان پر ہی حضور کی اطاعت واجب ہو گئی تو دوسری مخلوق پر بھی واجب ہو گی نیز تمام مخلوق میں بڑے گناہ انسان ہی کرتا ہے۔ انسان نے دعویٰ خدائی کیا۔ انسان نے رب کے لئے بیوی و اولاد مانی۔ انسان ہی بت پرستی کرتا ہے۔ جانور تک یہ حرکتیں نہیں کرتے۔ رب کی مرضی یہ تھی کہ اس مجرم جماعت کو ایک ایسی نعمت دی جائے جس سے وہ **ملائکہ** کا مخدوم بن جائے اور اشرف المخلوق ہونا اسے بچ جائے لیکن اس کریم نے عشق مصطفوی کی امانت اس کو بخشی جیسے رب نے بھینس کو دودھ، شہد کی مکھی کو شہد۔ ہرن کو مشک، سیپ کو موتی بخشا جس سے یہ چیزیں قابل قدر ہو گئیں۔ انسان کی عزت و قدر حضور کی برکت سے ہوئی۔ اس لئے فرمایا قد **جاءکم الرسول** دوسرا **اعتراض** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک نبی عرب میں رہ کر ہر جگہ ہر مومن کے پاس موجود ہو۔ ایک چیز کا بیک وقت ہر جگہ ہونا عقلاً ناممکن ہے لہٰذا **جاءکم** کیونکر درست ہوا۔ **جواب** مادی چیزوں پر نوری چیزوں کو قیاس کرنا درست نہیں۔ نور بیک وقت ہزار جگہ ہو سکتا ہے۔ ہمارا نور نظر جب آسمان کی سیر کرتا ہوتا ہے تو آنکھوں میں بھی ہوتا ہے۔ سورج آسمان پر رہ کر زمین کے ہر ذرہ میں تجلی فگن ہوتا ہے۔ حضور نے مسجد نبوی میں کھڑے ہو کر ہاتھ بڑھایا تو جنت کے خوشہ میں پہنچ گیا (دیکھو باب صلوٰۃ الکسوف، بخاری) ہر مردہ کو قبر میں حضور کا دیدار کرا کر آپ کے متعلق سوال ہوتا ہے۔ لہٰذا **جاءکم** فرمانا بالکل درست ہے۔ تیسرا **اعتراض** اگر حضور انور ہر مسلمان کے پاس موجود ہیں تو کوئی مسلمان نماز میں امام نہیں بن سکتا کیونکہ حضور کی موجودگی میں کسی کو امامت کا حق نہیں۔ **جواب** امامت کے لئے تین شرطیں ہیں۔ امام کا موجود ہونا۔ امام کا محسوس ہونا تاکہ مقتدی اس کی پیروی کرے اس کے قیام پر قیام کرے۔ رکوع، سجود پر رکوع سجود کریں۔ اور امام کا اپنی فرض نماز ادا نہ کر چکنا۔ جو امام فرض پڑھ چکا وہ امامت نہیں کر سکتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مومن کے پاس موجود تو ہیں مگر ہم کو محسوس نہیں۔ نیز سرکار اپنے فرائض ادا فرما چکے ہیں لہٰذا یہ سوال محض لغو ہے۔ چوتھا **اعتراض** اگر حضور کی ہر ادا حق ہے تو آپ کی نمازیں قضا بھی ہوئی ہیں کیا وہ بھی حق ہے۔ **جواب** بے شک وہ بھی حق ہیں۔ ہماری غلطیاں بھول وغیرہ نفسانی و شیطانی بھی ہوتی ہیں۔ مگر ان کی خطائیں رحمانی ہی ہوتی ہیں۔ جن سے ہزارہا مصلحتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ آدم علیہ السلام کی ایک خطا یعنی گندم کھانے پر سارے عالم کا ظہور ہوا۔ پانچواں **اعتراض** اللہ تعالیٰ نے حضور کو بے شمار صفتیں عطا فرمائیں ہیں مگر یہاں بھی اور کلمہ طیبہ میں رسول کیوں فرمایا گیا۔ نبی بشیر و نذیر کیوں نہ ارشاد ہوا۔ **جواب** دنیا آخرت کا اور عالم شہادت عالم غیب کا نمونہ ہے۔ دنیوی سلطنتوں میں تین قسم کے محکمے ہوتے ہیں۔ داخلی محکمے جن کا تعلق اندرونی ملک سے ہوتا ہے جس کا افسر اعلیٰ وزیر داخلہ ہوتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اور خارجی محکمے جن کا تعلق بیرون ملک سے ہوتا ہے جن کا افسر اعلیٰ وزیر خارجہ ہوتا ہے اور تیسرا محکمہ ان دونوں محکموں کو ملانے والا ہے جسے محکمہ مواصلات کہتے ہیں جس کے ذریعہ ان دونوں محکموں کے تعلقات بلکہ خود بادشاہ کے رعایا کے ساتھ تعلقات قائم رہتے ہیں۔ جیسے آج کل ریڈیو اور بی بی سی تار ڈاک کے محکمے۔ اگر یہ محکمے نہ ہوں تو سلطان رعایا سے بے تعلق ہو جاوے۔ ممالک کٹ جاویں۔ رب تعالیٰ کا ملک عالم غیب بھی ہے۔ عالم شہادت بھی اور رسالت و نبوت کا محکمہ گویا محکمہ مواصلات ہے۔ رسول کا تعلق ان دونوں عالموں سے ہے بلکہ خود رب تعالیٰ جسے جو دیتا ہے رسول کی معرفت دیتا ہے۔ قرآن کلمہ عبادات معاملات رب نے مخلوق کو حضور ہی کی معرفت دیئے اور مخلوق کی دعائیں تو یہ عرض و معروض بارگاہ الٰہی میں حضور ہی کی معرفت پیش ہوتی ہیں **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** حضور خالق و مخلوق اور عالم غیب و شہادت کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں اس لئے رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ جو حضور کے علم، حضور کی عطا، حضور کے وسیلے کا انکار کرے وہ حضور کی نبوت و رسالت کا انکار کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیبی نور ہیں جو عالم اجسام کی طرف بھیجے گئے ہیں۔ جس میں اس نور کے قبول کرنے کی قابلیت ہے وہ منور ہو جاتا ہے۔ جو اس کا نااہل ہو وہ تاریکی میں ہی رہتا ہے۔ ہر شخص کے نفس کی باگ کسی کے ہاتھ میں رہتی ہے تو بہتر ہے کہ ہماری باگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس میں ہو۔ اس لئے فرمایا کہ اے لوگو ایمان لے آؤ۔ اپنا بھلا چاہو۔ ہر شخص دنیا کے کنویں میں ہے اس پر واجب ہے کہ اوپر کو ترقی کرلے یہ ترقی حضور کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ اور حضور سے نسبت آپ کی اطاعت اور محبت ہی سے حاصل ہوتی ہے۔ (روح البیان)۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا مرکز رحمت کا خزانہ ہیں کسی کو حضور کی صورت دیکھ کر ایمان ملا۔ کسی کو سیرت دیکھ کر کسی کو سخاوت دیکھ کر۔ کسی کو شجاعت دیکھ کر کسی کو فقط نام سن کر۔ خزانہ ایک ہے دروازے علیحدہ علیحدہ **امنوا** میں ہر بھکاری کو حکم ہے کہ ان سے ایمان لو خواہ کچھ دیکھ کر لو۔ دروازے پر آجاؤ خالی نہ جاؤ گے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہم میں تشریف لانا ایسا ہے جیسے جسم میں جان کا آنا۔ کہ جان جسم کے رگ و ریشہ میں رہتی ہے۔ مگر آنکھوں سے چھپی ہے۔ ذات مخفی ہے فیض ہر آن ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ بعض چیزیں گندگی میں جاکر خود گندی ہو جاتی ہیں جیسے تھوڑا پانی اور عام چیزیں۔ مگر بعض چیزیں وہ ہیں کہ اگر وہ گندگی میں پہنچ جاویں یا گندی چیز ان میں آجاوے تو یہ خود گندی نہ ہوں مگر اس گندگی کو پاک کردیں۔ جیسے سورج کی کرنیں یا بہتا ہوا پانی یا سمندر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ نورانی سمندر ہیں جو گندوں میں تشریف لائے۔ انہوں نے ہمارا اثر نہ لیا۔ ہم گندوں کو پاک فرمادیا۔ خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **ویزکیھم** ہمارے محبوب ان سب کو پاک فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ وَ لَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ

اے کتاب والو نہ زیادتی کرو بیچ دین اپنے کے اور نہ کہو اوپر اللہ کے مگر حق بات بجز اس کے نہیں

اے کتاب والو اپنے دین میں زیادتی نہ کرو اور اللہ پر نہ کہو مگر سچ مسیح عیسیٰ مریم کا بیٹا

اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَ كَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى

کہ مسیح عیسیٰ بیٹے مریم کے رسول ہیں اللہ کے اور کلمہ ہیں اس اللہ کا کہ ڈالا اس کو طرف

اللہ کا رسول ہی ہے اور اس کا ایک کلمہ کہ مریم کی طرف بھیجا اور اس کے یہاں کی ایک روح

مَرْیَمَ وَ رُوْحٌ مِّنْهُ٘ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ ﳜ وَ لَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ

مریم کے اور جان ہیں طرف سے اس کے پس ایمان لاؤ ساتھ اللہ کے اور پیغمبروں اس کے اور تین نہ کہو

تو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لاؤ اور تین نہ کہو باز رہو

اِنْتَهُوْا خَیْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ یَّكُوْنَ لَهٗ

باز آجاؤ اچھا ہو بھلائی اپنی بجز اس کے نہیں کہ اللہ معبود ہے ایک پاک ہے واسطے اس کے یہ کہ ہو واسطے

اپنے بھلے کو اللہ تو ایک ہی ہے خدا ہے پاکی ہے اسے اس سے کہ اس کے کوئی بچہ

وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ ؕ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ﴿۱۷۱﴾

اس کے بچہ اسی کی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کافی ہے اللہ کام بنانے والا

بچہ اسی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ کافی کارساز

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہودیوں کو تبلیغ اسلام فرمائی گئی تھی۔ اب اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کو دعوت اسلام دی جارہی ہے۔ یہ دونوں قومیں عرب میں عزت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔ ان کے ایمان لے آنے سے دوسروں کو ایمان لے آنے کی قوی امید تھی۔ اس لئے خصوصیت سے قرآن مجید نے انہیں تبلیغ فرمائی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بے ادبی کرنے کی تردید کی گئی۔ اب ان کی شان میں حد سے بڑھنے کی تردید کی جارہی ہے۔ یعنی تفریط سے پہلے روکا گیا تھا افراط سے اب روکا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں لوگوں کو ایمان کا حکم دیا گیا اب ایمان لانے کا طریقہ سکھایا جارہا ہے۔ کہ کسی نبی کو اللہ یا اللہ کا بیٹا نہ کہا جائے۔ ہر نبی کو اللہ کا بندہ اور رسول مانا جاوے۔ نبی کو نہ ماننا اور نبی کو خدا ماننا دونوں یکساں کفر ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ایمان کا خصوصی حکم دیا گیا تھا کہ سب لوگوں کو پکار کر فرمایا گیا تھا **امنوا خیرا لکم** اب ایمان خصوصی حکم دیا جارہا ہے۔ اہل کتاب کو۔

www.alahazratnetwork.org

شانِ نزول بعض علماء نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ عیسائیوں کی تردید میں نازل ہوئی۔ جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں افراط کر کے غلو کرتے تھے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کا نزول عیسائیوں یہودیوں دونوں کے متعلق ہے۔ کہ عیسائی تو افراط کر کے غلو کرتے ہیں۔ اور یہودی آپ کی شان میں تفریط و کمی کر کے غلو کرتے تھے۔ لہٰذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں (تفسیر خازن)

تفسیر **یاھل الکتب** یہاں بھی تاقیامت اہل کتاب سے خطاب ہے۔ کسی وقت میں ہوں کسی جگہ ہوں۔ یہاں ان کو پکارنا غفلت سے بیدار کرنے کے لئے ہے کہ یہود و نصاریٰ دونوں اگر عیسیٰ علیہ السلام کے حالات سے غافل نہ ہوتے تو یہودی انہیں گالیاں نہ دیتے اور عیسائی انہیں خدا کا بیٹا نہ کہتے اس غفلت سے جگانے کے لئے یا سے خطاب فرمایا گیا۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ پکے کافر ہیں مگر چونکہ انہیں نبیوں کی طرف نسبت ہے اگرچہ جھوٹی ہی سہی اس لئے انہیں کافر کہہ کر نہ پکارا۔ اہل کتاب کہہ کر پکارا۔ جب ان نبیوں کی طرف نسبت سے نام و کام بدل گئے تو جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی نسبت ہو جائے اس کو کیسے رنگ لگیں گے۔ نسبت نبی کی بہت صورتیں ہیں۔ ساتھ بیٹھنے کی نسبت رہنے کی نسبت اولاد یا بیوی ہونے کی نسبت اور امتی ہونے کی نسبت۔ ان تمام نسبتوں میں امتی ہونے کی نسبت بہت معتبر ہے۔ وہ ہی قوی ہے۔ یہ نسبت نہ زمانہ کا اتحاد چاہتی ہے نہ جگہ کا اتحاد۔ یہ نسبت گویا کیمیا ہے جو انسان کی کایا پلٹ دیتی ہے۔ اگر یہ آیت عیسائیوں کے متعلق ہے تو کتاب سے مراد انجیل شریف ہے اور اہل کتاب سے مراد عیسائی ہیں اور اگر یہ آیت یہود و نصاریٰ دونوں کے متعلق ہو تو کتاب سے مراد توریت و انجیل دونوں ہیں اور اہل کتاب سے مراد یہود و نصاریٰ دونوں قومیں ہیں جیسا کہ ہم نزول میں ابھی عرض کر چکے ہیں۔ خیال رہے کہ اہل کتاب کے معنی ہیں کتاب والے۔ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں کتاب کے ماننے والے اور کتاب کے علم والے۔ پہلی صورت میں سارے کتابیوں سے خطاب ہے۔ عالم ہوں یا جاہل اور دوسری صورت میں ان کے پوپ پادریوں سے خطاب ہے لہٰذا اس کلمہ کی چار تفسیریں ہیں۔ **لا تغلوا فی دینکم** **لا تغلوا** کا مادہ ہے غلا یا غلو ہے۔ جس کے معنی ہیں حد سے ہٹ جانا یا حد سے بڑھ جانا۔ چیز مہنگی ہونے کو غلا کہا جاتا ہے کسی کو قدر و منزلت میں حد چھوڑنے کو غلو کہا جاتا ہے۔ ہانڈی کے جوش مارنے کو غلیان کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **یغلی فی البطون کغلی الحمیم** یہاں اگر روئے سخن عیسائیوں سے ہے تو **لا تغلو** کے معنی ہیں حد سے آگے نہ بڑھو اور اگر عیسائی یہودی دونوں سے ہیں تو **لا تغلو** کے معنی ہیں حد سے نہ ہٹو۔ اس صورت میں افراط و تفریط دونوں کو شامل ہو گا۔ دین کے معنی سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں اتنا سمجھ لو کہ دین سے مراد عقائد ہیں۔ نیک اعمال کو دین نہیں کہا جاتا بلکہ دینی کام کہا جاتا ہے بد عمل کو بے دین یا بددین نہیں کہتے۔ **دینکم** میں دین کی نسبت ان کی طرف اختیار کرنے کی ہے۔ یعنی اپنے اختیار کئے ہوئے دین میں حد سے نہ بڑھو۔ عیسائیوں یہودیوں میں عملی غلو بھی تھا۔ عقائد کا غلو بھی تھا۔ ترک دنیا' حلال چیزوں کو اپنے پر حرام کر لینا۔ دنیا کے آرام نکاح اولاد سے پرہیز کرنا ان کا عملی غلو ہے

www.alahazratnetwork.org

اور حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کی شان میں افراط و تفریط کرنا عقیدے کا غلو ہے۔ ان دونوں غلوؤں سے روکا گیا۔ مسلمانوں میں بھی ایسے غلو آگئے ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **ولا تقولوا علی اللہ الا الحق** یہ عبارت پہلی عبارت **لا تغلوا** کی گویا تفسیر ہے۔ چونکہ عیسائیوں نے جو عقیدے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گھڑ لئے تھے۔ ان سے ذات باری تعالیٰ کی الوہیت باقی رہتی ہی نہ تھی۔ کیونکہ عیسائیوں کے چار فرقے ہو گئے تھے۔ یعقوبیہ' ملکائیہ ان دونوں کا عقیدہ تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ مریم خود رب ہیں اور **نسطوریہ** کا عقیدہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور جناب مریم اللہ کی بیوی۔ مرقوسیہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ایک جوہر ہیں جن میں تین اقنوم ہیں۔ باپ بیٹا روح القدس نیز وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں اپنے باپ یعنی رب تعالیٰ کی طرف سے الوہیت ہے۔ اور ماں جناب مریم کی طرف سے ناسوتیت۔ ان عقائد سے اللہ تعالیٰ کی توحید بلکہ اس کی ذات و صفات کا انکار لازم آتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق حق بات ہی کہو۔ (تفسیر خازن) حق بات سے مراد یا تو حق عقیدہ ہے یا حق بات یا اللہ تعالیٰ کے لائق اعتقاد۔ خیال رہے کہ ایک یہودی یونس عیسائی بنا اور اس نے عیسائیوں کے عقیدے بگاڑنے کے لئے یہ عقیدے ان میں رائج کئے جس کا ذکر انشاء اللہ سورہ توبہ میں آئے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق شریک ہونے یا باپ و خاوند یا حلول یا اتحاد کے عقیدے نہ رکھو۔ وہ عقیدے رکھو جو اس کی شان کے لائق ہیں وہ وہی ہیں جو اسلام نے سکھائے۔ خیال رہے کہ حق بمعنی درست بھی آتا ہے۔ اور بمعنی حقیقی یا لائق۔ یہاں دونوں معنی ٹھیک ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے متعلق ٹھیک عقیدہ ہی رکھو یا اس کے متعلق وہ عقیدہ رکھو جو اس کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کسی طرح لائق نہیں۔ اولاد فانی چیز کے لئے ہوتی ہے تاکہ اس کی نسل رہے۔ فرشتوں کے لئے اولاد نہیں کیونکہ انہیں تاقیامت فنا نہیں۔ جنتی لوگوں کی اولاد نہیں کیونکہ انہیں فنا نہیں۔ تو وہ رب جو قدیم ازلی و ابدی ہے اس کے لئے اولاد کیسی نیز اولاد بیوی' باپ اور خاوند کی ہم جنس ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ جنس سے پاک ہے۔ **انما المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ** یہ عبارت **لا تقولوا علی اللہ** کی گویا تفسیر و تشریح ہے اس میں جناب عیسیٰ علیہ السلام کی پانچ صفات بیان ہوئیں۔ آپ مسیح ہیں۔ آپ جناب مریم کے فرزند ہیں۔ آپ اللہ کے رسول و نبی ہیں۔ اللہ کا کلمہ ہیں۔ اللہ کی طرف سے آئی ہوئی روح ہیں۔ تین وصف کا یہاں ذکر ہوا۔ دو وصفوں کا ذکر اگلے جملہ میں ہے۔ مسیح آپ کا مشہور لقب ہے۔ جیسے اسلام میں صدیق' فاروق جناب ابوبکر و عمر کے صفات ہیں۔ یہ عبرانی زبان میں مشیحا یعنی مبارک (روح البیان) قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ **اجعلنی مبارکا**۔ چونکہ ہر قسم کی برکتیں آپ کے دم قدم سے وابستہ تھیں اس لئے آپ کو مشیح کہتے تھے۔ یا یہ لفظ عربی ہے مسح یا مساحت یا مسح سے بنا یعنی چھو کر مردے زندہ۔ بیمار کو اچھے کرنے والے یا ہمیشہ سفر کرنے والے یا سیر و سیاحت میں زندگی گزارنے والے۔ چونکہ آپ کی پیدائش بغیر باپ صرف ماں سے ہوئی اس لئے آپ کو ابن مریم فرمایا جاتا ہے۔ ورنہ قرآن مجید میں نہ تو کسی عورت کا نام لیا گیا۔ سوا مریم کے اور نہ کسی نبی کو ماں یا باپ کی

www.alahazratnetwork.org

طرف نسبت سے ذکر کیا گیا۔ ہم کو حکم دیا گیا **ادعوھم لآبائھم** لوگوں کو ان کے باپوں کی طرف نسبت کرکے پکارو نیز آپ فرماتے ہیں **وبرا بوالدتی** مجھے رب تعالیٰ نے اپنی ماں سے بھلائی کرنے والا بنایا۔ اگر آپ کے والد بھی ہوتے تو بوالدی ارشاد ہوتا کیونکہ بیٹے پر ماں باپ دونوں کی خدمت لازم ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے "**وبالوالدین احسانا**" ان قوی دلائل سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش صرف ماں سے ہے۔ تیسری صفت بیان ہوئی رسول اللہ یعنی وہ ابن اللہ خدا کے بیٹے نہیں رسول اللہ ہیں۔ رسول کے معنی اور نبی رسول مرسل میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ **وکلمتہ القٰھا الی مریم** یہ عبارت رسول اللہ پر معطوف ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کی تیسری صفت ہے۔ عربی میں کلمہ کئی معنوں میں آتا ہے۔ لغوی کلمہ، نحوی کلمہ، شرعی کلمہ، منطقی کلمہ جیسا کہ اہل علم کو معلوم ہے۔ یہاں لغوی کلمہ مراد ہے۔ بمعنی بات یا بمعنی امر اس سے مراد کلمہ کن ہے۔ جو حضرت جبرائیل نے کہہ کر جناب مریم کے سینہ پر دم فرمایا اگرچہ زبان و دہان جبرائیل کا تھا مگر یہ کلمہ رب تعالیٰ کا۔ اس لئے "کلمتہ" میں کلمے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی گئی جیسے ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں تو زبان و دہان ہمارا ہوتا ہے اور کلام رب تعالیٰ کا۔ یا یوں کہو کہ حضرت جبرائیل اللہ کے مقرب بندے ہیں۔ اس لئے ان کا کلمہ رب تعالیٰ کا کلمہ ہے۔ یہ ہی تحقیق القاھا میں ہے کہ یہ کلمہ دم کرنے والے حضرت جبریل ہیں مگر اس دم کو حضرت مریم کے شکم شریف میں پہنچانے والا رب تعالیٰ ہے۔ لہٰذا القاء کا فاعل رب ہے۔ یا حضرت جبریل کا القا رب تعالیٰ کا القا ہے۔ چونکہ یہ کلمہ دم کیا گیا۔ سینہ شریف پر اور پہنچا شکم شریف میں۔ براہ راست شکم میں دم نہ کیا گیا۔ اس لئے **الی مریم** ارشاد ہوا۔ یا اس کلمہ کی ابتدا ذات باری ہے انتہا جناب مریم لہٰذا الیٰ فرمایا گیا۔ جیسے وحی الٰہی کا حال ہے۔ **وروح منہ** یہ عبارت کلمتہ پر معطوف ہے اور حضرت مسیح کی چوتھی صفت۔ اصطلاح عرب میں روح کئی معنی میں بولا جاتا ہے۔ پاک و لطیف چیز چونکہ آپ بغیر نطفے پیدا ہوئے اور جناب مریم کو حیض و نفاس سے پاک و صاف رکھا گیا۔ اس لئے آپ کو روح فرمایا گیا۔ حیات ظاہری یا حیات باطنی کا ذریعہ جیسے **اوحینا الیک روحا من امرنا** چونکہ آپ باطنی زندگی کا ذریعہ تھے۔ نیز آپ کا دم مردوں میں ظاہری زندگی کا ذریعہ تھا۔ لہٰذا آپ کو روح فرمایا گیا۔ نمبر ۳ رحمت رب فرماتا ہے۔ **ورحمتہ منا** چونکہ آپ بنی اسرائیل پر اللہ کی رحمت تھے۔ لہٰذا آپ روح اللہ ہوئے۔ دم و نفخ۔ ریح روح۔ روح قریب المعنی ہیں۔ چونکہ آپ کی پیدائش حضرت جبریل کے دم و نفخ سے ہوئی اور ان کا دم فرمانا رب کی طرف سے تھا۔ لہٰذا آپ کو روح اللہ کہا گیا۔ رب فرماتا ہے۔ **نفخنا فیھا من روحنا** بہرحال روح نہ فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں (کیس) ہم سب کو رب نے پانی سے بنایا۔ ہم جما ہوا پانی ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا سے بنایا۔ آپ ہوا یعنی نفخ جبریل پر کھینچی ہوئی ربانی تصویر ہیں۔ یہ اس کی قدرت ہے کہ پانی پر نقشہ کھینچ دے یا ہوا پر۔ کوئی مصور پانی یا ہوا میں تصویر نہیں بنا سکتا۔ مصرع

که کرده است بر آب صورت گری

www.alahazratnetwork.org

منه کی من ابتدائیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ یعنی اللہ تعالٰی کی طرف سے روح نہ کہ اللہ کا ٹکڑا۔ جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **وسخرلکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منه** اس آیت میں بھی من ابتدائیہ ہے۔ نہ کہ تبعیضیہ تمام عالم رب کی طرف سے ہے رب میں سے نہیں۔ **فامنوا باللہ ورسله** یہ جملہ پہلی عبارتوں پر متفرع ہے۔ یعنی چونکہ واقعہ وہ ہے جو ہم نے بیان فرمایا۔ لہٰذا اے عیسائیو یا اے یہودیو عیسائیو اللہ تعالٰی کے تمام رسولوں کو صحیح طور پر مانو۔ جس ماننے کا نام ایمان ہے۔ خیال رہے کہ تمام نبیوں پر اجمالی ایمان ہے۔ اور حضور پر تفصیلی ایمان ہم پر کسی اور نبی کی اطاعت لازم نہیں کہ ان کے دین منسوخ ہو چکے۔ حضور کی اطاعت لازم ہے۔ کہ ہم حضور کے امتی ہیں اور حضور کا دین منسوخ نہیں نیز اور نبیوں کے حکم صرف اس جہان میں رہے۔ ہمارے حضور کا کلمہ یہاں قبر میں۔ حشر میں بلکہ جنت میں بھی ہے جنت کی ہر چیز پر حضور کا کلمہ لکھا ہوا ہے۔ یہ فرق ہے حضور پر ایمان لانے میں اور دوسرے نبیوں پر ایمان لانے ہیں۔ مگر ایمان سب رسولوں پر ہے۔ جناب مسیح کو صرف بشر ماننا نبی نہ ماننا یا ان کو خدا یا خدا کا بیٹا ماننا ایمان نہیں صریحی کفر ہے۔ آنجناب کو عبد اللہ اور رسول اللہ مانو۔ اسی طرح انبیائے کرام کا انکار کر کے خدا تعالٰی کو ماننا ایمان نہیں۔ ایمان یہ ہے کہ رب تعالٰی کو نبی کی معرفت مانو اس لئے فرمایا **امنوا باللہ ورسله۔ ولا تقولوا ثلثة** یہ جملہ گویا امنوا باللہ کی شرح ہے اس میں خطاب یہود سے نہیں صرف عیسائیوں سے اور عیسائیوں کے بھی اس فرقے سے جو عیسیٰ علیہ السلام کو دوسرا خدا اور جناب مریم کو تیسرا خدا مانتے ہیں۔ ثلثۃ خبر ہے پوشیدہ مبتدا الہ کی یعنی یہ نہ کہو کہ معبود تین ہیں **انتهوا خیرا لکم** یہ جملہ پچھلے جملوں کا تتمہ ہے۔ پہلے حکم دیا گیا ایمان کا۔ اب حکم دیا گیا تثلیث کے عقیدہ سے باز آجانے کا۔ یا یوں کہو کہ ہر قوم کو مسلمان بناتے وقت اس کے پرانے دین سے اس دین کے عقائد سے توبہ کرائی جاتی ہے۔ چونکہ عیسائی تثلیث کے قائل تھے اس لئے صراحۃً اس سے توبہ کا حکم دیا گیا۔ **انتهوا** کا متعلق اور خیرا کا عامل فعل پوشیدہ ہے یعنی **انتهوا عن التثلیث واقصدوا خیرالکم** تثلیث سے باز آجاؤ اور اپنی بھلائی چاہو۔ یا **یکن خیرالکم** تثلیث سے باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا **انما اللہ اله واحد** یہ جملہ پچھلے حکم کی علت ہے یعنی تمہارا تثلیث کے عقیدے سے توبہ کر لینا بہتر ہوگا۔ کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی ہی سچا معبود ہے۔ جیسے ہر کثرت کی انتہا وحدت پر ہے کہ درخت میں پتے شاخیں بہت مگر جڑ ایک' انسان کے اعضاء بال وغیرہ بہت مگر دل ایک۔ ریل میں ڈبے بہت مگر انجن ایک۔ ملک میں رعایا بہت مگر بادشاہ ایک۔ آسمان پر تارے بہت مگر سورج ایک۔ یوں ہی مخلوق بہت مگر خالق ایک۔ جب ایک شخص کے دو والد یا دو والدہ نہیں ہو سکتے تو ایک مخلوق کے دو خالق کیسے ہو سکتے ہیں **سبحانه ان یکون له ولد** یہ جملہ رب تعالٰی کی وحدانیت کا بیان ہے۔ یعنی وہ ایسا واحد ہے کہ اولاد سے پاک کیونکہ وہ اولاد' جنس نوع' فصل' نوع سے پاک ہے کہ اس میں تعدد ہے۔ یہ بھی وحدانیت کے خلاف ہے۔ تو اس کے اولاد کیسی نیز اولاد بقاء نسل کے لئے ضروری ہوتی ہے اور بقاء نسل اسے چاہیے جسے فنا ہو۔ غیر فانی ذات کی نسل کیسی۔ دیکھو چاند سورج جو صرف قیامت تک باقی ہیں ان کی

www.alahazratnetwork.org

اولاد نہیں تو رب کی اولاد کیسی۔ خیال رہے کہ ولد بیٹا بیٹی دونوں کو کہتے ہیں۔ ابن بیٹے کو بنت بیٹی کو۔ مشرکین تو فرشتوں تاروں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں مانتے تھے۔ عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو یہود عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اس ایک جملہ میں تینوں کی تردید ہو گئی **له ما فی السموٰت وما فی الارض** یہ پچھلے جملہ کی دلیل ہے۔ اس کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے۔ یعنی اللہ تمام چیزوں کا خالق و مالک ہے۔ لہٰذا وہ اولاد سے پاک ہے۔ کیونکہ کوئی شخص اپنی بیوی بچوں کا مالک نہیں ہوتا۔ نبوت' زوجیت بھی ملکیت کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی۔ اگر حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے اور جناب مریم اس کی بیوی ہوتیں **نعوذ باللہ** تو رب تعالیٰ ان کے مالک اور وہ دونوں اس کے مملوک نہ ہوتے۔ حالانکہ وہ دونوں بھی زمین کی مخلوق ہیں۔ عبد کبھی اپنا جز نہیں ہوتا **وکفی باللہ وکیلا** یہ جملہ گزشتہ کی دلیل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کی کارسازی خود فرماتا ہے۔ وہ قادر مطلق ہے لہٰذا وہ اولاد سے پاک ہے۔ باپ چونکہ اکیلا اپنے سارے کام نہیں کر سکتا اس لئے وہ بیٹیوں اور بیٹوں کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ غنی ہے پھر اسے بیٹے بیٹی کیا ضرورت ہے۔ وکیل کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے۔

خلاصہ تفسیر تفسیر میں عرض کیا جا چکا کہ اس آیت کریمہ میں خطاب یا تو یہود و نصاریٰ دونوں سے ہے یا صرف نصاریٰ سے۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ اسی کا ہم خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے کتاب یعنی انجیل کے ماننے والو یا انجیل کا علم رکھنے والو۔ اپنے دین میں حد سے نہ بڑھو کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو عبدیت سے بڑھا کر انہیں الہ یا الہ کا جز (بیٹا) یا اللہ کا حلول مان لو اور اپنے پوپ پادریوں کو حلال و حرام گناہ کی بخشش کا مالک مان لو اور حلال چیزوں کو حرام اور حرام کو حلال مان لو۔ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر سچ ہی بولو اپنی طرف سے انجیل میں زیادتی کر کے اسے کلام الٰہی نہ بناؤ اور اس کے لئے باطل صفات ثابت نہ کرو۔ یہ ہی حق ہے کہ حضرت مسیح یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام اللہ کے بندے اس کے رسول ہیں اور اللہ کا کلمہ ہیں کہ حضرت جبریل نے کلمہ کن کہہ کر جناب مریم کے گریبان (سینہ) پر دم کیا۔ وہ حاملہ ہو گئیں۔ ان کا حمل خاوند کے نطفہ سے نہ ہوا۔ کلمہ کن سے ہوا۔ اور آپ اللہ کی طرف سے آئے ہوئے روح یا رحمت یا پاکیزہ ذات ہیں۔ لہٰذا تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے سارے نبیوں پر صحیح ایمان لے آؤ یہ نہ کہو نہ سمجھو کہ اللہ تین ہیں باپ' بیٹا' روح القدس۔ یعنی اللہ تعالیٰ جناب عیسیٰ' مریم' اس تثلیث کے عقیدے سے باز آ جاؤ اپنا بھلا چاہو۔ یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات' صفات' شانوں میں ہر طرح اکیلا ہے۔ وہ اس سے پاک ہے۔ کہ کوئی اس کی اولاد ہو۔ جو ہر طرح واحد ہو اس کے لئے اولاد ناممکن ہے۔ نیز تمام آسمانوں اور زمین کی چیزوں کا وہ مالک ہے۔ اگر اس کا بیٹا بیٹی یا بیوی ہوتی تو وہ اس کا مالک نہ ہوتا اس کی ملکیت ناقص ہوتی۔ نیز اللہ تعالیٰ سارے عالم کی کارسازی کے لئے کافی ہے۔ اسے عالم چلانے کے لئے کسی بیٹے پوتے یا شریک ساجھی کی ضرورت نہیں جب وہ مالک بھی ہے۔ خالق بھی غنی و بے نیاز بھی پھر اس کے لئے اولاد ماننا کیسی جہالت ہے۔ خیال رہے کہ بعض انسان کسی کے احکام ڈر سے مانتے ہیں۔ بعض لالچ سے اور بعض دلائل سے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

کبھی دوزخ کے عذاب کا ذکر فرما کر ایمان کی طرف دعوت دی۔ کہیں جنت کے ثوابوں کا ذکر فرما کر اور کہیں دلائل بیان فرما کر یہاں تیسری قسم کی تبلیغ ہے کہ دلائل بیان فرمانے کے بعد فرمایا **امنوا باللہ ورسلہ** ماننے کی یہ تین صورتیں عقل کے لئے ہیں۔ کہ عقل ان تینوں طریقوں سے مانتی ہے مگر طبیعت اور عقل کا ماننا نرالا ہے وہ عشق و محبت سے مانتا ہے۔ ہم اپنی اولاد ماں باپ دوستوں معشوق کو عقل سے نہیں' دلیل سے نہیں بلکہ دل سے مانتے ہیں۔ عقل سے ماننا کمزور ہے دل سے ماننا قوی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ عام تبلیغ کے ساتھ بعض خاص لوگوں کو خصوصی تبلیغ بھی کرنا سنت الٰہیہ ہے۔ جب کہ ان خاص کے ایمان قبول کر لینے سے دوسرے بہت لوگوں کے ایمان لانے کی امید ہو دیکھو اللہ تعالیٰ نے یہاں اہل کتاب کو خاص طور پر دعوت ایمان دی کہ ان کے ماننے والے عرب میں بہت تھے ان کا ایمان بہت لوگوں کے ایمان کا ذریعہ بن جاتا۔ اہل کتاب کے دو معنی ابھی ہم نے عرض کر دیئے دوسرا فائدہ غیر فرض کو فرض سمجھ لینا اور حلال چیزوں کو حرام سمجھ لینا نبیوں ولیوں کو خدا یا خدا کی طرح مان لینا عالموں پیروں کو حرام و حلال کا مالک سمجھ لینا دین میں غلو ہے۔ اور عیسائیوں کا اس طریقہ سے ان سادہ لوح مسلمانوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو طیب و حلال چیزوں کو حرام جاننے کو تقویٰ و ترک دنیا کو دین سمجھ لیتے ہیں۔ حرام سے بچنے کا نام تقویٰ ہے نہ کہ حلال سے بچنے کا نام۔ بعض لوگ گوشت نہیں کھاتے۔ اور بھنگ چرس پیتے ہیں پھر اپنے کو پہنچا ہوا ولی سمجھتے ہیں۔ یہ ہے غلو۔ بعض لوگ اپنے پیروں مولویوں کو حرام و حلال کا مالک جانتے ہیں کہ جو ان کے مولویوں نے حرام کہہ دیا خواہ اس کی حرمت کی کوئی دلیل نہ ہو مگر اسے حرام ہی کہے جائیں گے۔ یہ ہے غلو۔ اسی بیماری میں آج کل کے وہابی و دیوبندی بہت مبتلا ہیں۔ حضور کو نور کہنا شرک سمجھتے ہیں۔ اپنے مولوی رشید احمد صاحب کو نور مجسم کہتے ہیں (تذکرۃ الرشید) بزرگوں کے عرس کو حرام و شرک کہتے ہیں۔ اپنے مولویوں پیروں کی یادگاریں اور دن مناتے ہیں۔ جو کفریات ان کے بزرگوں کے زبان و قلم سے نکل گئے ان پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ ہے **غلو فی الدین** یہ ہے **اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ**۔ اس کی تفصیل کے لئے راہ جنت بجواب راہ سنت ملاحظہ کرو۔ تیسرا فائدہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا ہوئے جیسا کہ ابن مریم فرمانے سے معلوم ہوا۔ جو ان کے لئے باپ مانے وہ اس جیسی بہت سی آیات کا منکر ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **وبرا بوالدتی** رب نے مجھے اپنی ماں کا خدمت کرنے والا بیٹا اگر آپ کا والد ہوتا تو بوالدی فرماتے۔ موجودہ زمانہ کے بعض غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہو گئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے باپ کے قائل ہو گئے۔ دیکھو ان کی کتاب عیون زمزم فی میلاد عیسیٰ ابن مریم مصنفہ مولوی عنایت اللہ گجراتی غیر مقلد۔ چوتھا فائدہ عیسیٰ علیہ السلام میں کسی کا نطفہ شامل نہیں۔ نہ باپ کا نہ ماں کا جیسا کہ کلمتہ اور روح منہ فرمانے سے معلوم ہوا۔ آپ ابن مریم اس لئے فرماتے ہیں کہ حضرت مریم کی جنس سے ہیں۔ اور آپ کے شکم شریف سے پیدا ہوئے۔ ابن کی یہ ہی تعریف ہے۔ جن لوگوں نے آپ کو

www.alahazratnetwork.org

جناب مریم کے نطفے سے ماننا سخت غلطی کی کہ نطفہ تو زوجین کے ملنے سے ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ ابوۃ کے لئے نطفہ شرط ہے۔ مگر امومیت یعنی ماں ہونے کے لئے شکم سے پیدا ہونا کافی ہے۔ نطفہ شرط نہیں لہٰذا حضرت عیسیٰ ابن مریم ہیں مگر حضرت حوا جناب آدم کی بیٹی نہیں کہ آپ کے نطفے سے نہیں۔ پانچواں فائدہ ہر کافر کو مسلمان بنانے کے لئے اس کے کفریہ عقیدے سے توبہ کرانی ضروری ہے۔ جیسا اس کا کفر ویسی ان کی توبہ۔ مشرک کو صرف کلمہ پڑھاؤ۔ عیسائی سے وہ باتیں قبول کراؤ جو یہاں مذکور ہیں کہ اللہ تعالیٰ اولاد سے پاک ہے وغیرہ۔ چھٹا فائدہ جن کفار کے ایمان لانے کی قطعاً امید نہ ہو انہیں بھی اسلام کی تبلیغ کی جاوے لاعلاج بیمار کو بھی طبیب دوا دیئے جاتا ہے۔ یہ فائدہ **لا تقولوا** اور **انتھوا** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ تبلیغ نرمی اور خوش اخلاقی سے کی جاوے۔ بشارت دی جاوے۔ یہ فائدہ **خیرالکم** سے حاصل ہوا نرم اور میٹھی بات دل میں جلد اتر جاتی ہے ایک چھٹانک شہد سینکڑوں مکھیوں کو پھانس لیتا ہے۔ اور ایک گھڑا سرکہ ایک مکھی کو قید نہیں کر سکتا۔ کیونکہ شہد میٹھا ہے سرکہ تیز و ترش۔ آٹھواں فائدہ باپ اپنے بیٹے کا۔ خاوند اپنی بیوی کا مالک نہیں ہو سکتا۔ اگر باپ اپنے غلام بیٹے کو اس کے مولا سے خرید لے تو وہ بیٹا فوراً آزاد ہو جائے گا۔ اور اگر خاوند اپنی بیوی کو خریدے تو فوراً نکاح ٹوٹ جائے گا اسی طرح اس کے عکس کا حال ہے۔ یہ فائدہ **لہ ما فی السموٰت والارض** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔ وہ کسی بندے کا محتاج نہیں۔ سارے بندے اس کے حاجت مند ہیں۔ یہ فائدہ **وکفی باللہ وکیلا** جو کوئی خدا تعالیٰ کو کسی بندے کا حاجت مند جانے وہ کافر ہے۔

پہلا اعتراض تم لوگ بھی دین میں غلو کرتے ہو کہ گیارہویں بارہویں کو فرض سمجھتے ہو اور نبیوں ولیوں میں خدائی صفات مان کر انہیں خدا بنا دیتے ہو **لا تغلوا فی دینکم** میں تم بھی داخل ہو۔ نبیوں ولیوں کو علم غیب۔ حاجت روا۔ حاضر و ناظر مانتے ہو۔ (دیوبندی) **جواب** یہ اہل سنت مسلمانوں پر زا بہتان ہے۔ کوئی سنی ان امور خیر کو فرض نہیں سمجھتا۔ ہزارہا سنی گیارہویں وغیرہ نہیں کرتے اور کرنے والے بھی کبھی کرتے ہیں کبھی نہیں کرتے۔ پابندی کرنے والے بھی اسے مستحب ہی جانتے ہیں نہ کرنے والوں کو برا نہیں کہتے۔ ہاں ان چیزوں کو حرام کہہ کر تم غلو کرتے ہو کہ بغیر دلیل ہر کار خیر کو تم حرام کہتے ہو۔ وہاں ہم لوگ حرام کہنے والوں کو وہابی سمجھتے ہیں کہ یہ ان کی علامت ہے۔ کسی سنی نے کسی نبی ولی کو نہ خدا مانا نہ خدا کے برابر علم غیب حاضر و ناظر ہونا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطور معجزہ یا کرامت بعض بندوں کو ملے ہیں۔ تم بھی شیطان کے لئے علم غیب اور ملک الموت کو حاضر و ناظر مانتے ہو۔ دیکھو اپنی کتاب براہین قاطعہ وغیرہ۔ البتہ آپ لوگ نبی کو چوہدری و نمبردار کی طرح بالکل بے اختیار مانتے ہو۔ دیکھو **تقویۃ الایمان**۔ اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق جلد اول میں ہے۔ **دوسرا اعتراض** **روح منہ** سے معلوم ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا جز ہیں اور سراپا روح ہیں یہ صفت بیٹے میں ہوتی ہے لہٰذا بحکم قرآن عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ منہ کی من تبعیضیہ ہے (عیسائی) **جواب** منہ کی من تبعیضیہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے اس کے معنی ہیں اللہ کی طرف سے روح۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وسخر لکم ما فی السموت وما فی الارض جمیعا منہ یہاں بھی منہ موجود ہے۔ تو کیا آسمان و زمین کی ہر چیز خدا کی اولاد ہے۔ تم نے ترجمہ غلط کیا۔ تعجب ہے کہ آیت کریمہ ابنیت مسیح کے انکار کے لئے آئی اور تم اپنی کج فہمی سے ثبوت ابنیت کے لئے مانتے ہو۔ تیسرا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر نہیں بلکہ سراپا روح ہیں اور روح بھی اللہ کی۔ (عیسائی) جواب عیسیٰ علیہ السلام بشر بھی ہیں روح بھی۔ والدہ کے شکم سے پیدا ہونا کھانا پینا بیماری موت کا طاری ہونا بشریت کی دلیل ہے۔ ہم روح کے معنی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ روح کے معنی یا تو رحمت ہیں یا دم کرنا یا زندگی بخشنا یا بغیر والد حضرت روح الامین کے اثر سے پیدا ہونا۔ یا مردوں میں روح ڈال کر زندہ کرنا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات موجود ہیں اس وجہ سے انہیں روح منہ یا روح اللہ کہا جاتا ہے۔ روح ہونا بشریت کے خلاف نہیں۔ چوتھا اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمتہ یا کلمتہ اللہ کیوں کہا جاتا ہے۔ کلمہ کے معنی ہیں بات کیا آپ بات تھے۔ آپ تو بات والے تھے۔ جواب اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا۔ کہ چونکہ آپ کی پیدائش لفظ کن سے ہوئی اور وہ لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا لہٰذا آپ کو کلمتہ اللہ کہا جاتا ہے۔ یعنی رب کے کلمہ سے پیدا ہونے والے نبی۔ پانچواں اعتراض عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم کیوں کہا جاتا ہے۔ آپ تو ان کے نطفے سے پیدا ہوئے نہیں جیسے جناب حوا حضرت آدم کی بیٹی نہیں ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب مریم کے بیٹے نہیں۔ جواب ابوۃ کے لئے نطفہ ضروری ہے مگر امومیت کے لئے نطفہ لازم نہیں۔ یعنی باپ وہ ہے جس کے نطفے سے بچہ بنے مگر ماں وہ ہے جس کے شکم سے اس کا ہم جنس پیدا ہو۔ کیونکہ بچہ کی پیدائش باپ کے شکم سے نہیں ہوتی۔ لہٰذا جناب حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں کہ ان کے نطفے سے پیدا نہیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے بیٹے ہیں کہ ان کے شکم سے پیدا ہیں۔ چھٹا اعتراض جب اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے فریادرس ہے۔ نعمتیں دینے والا بلائیں ٹالنے والا ہے۔ تو تم نبیوں ولیوں کو حاجت روا فریادرس کیوں مانتے ہو۔ اور ان سے حاجتیں کیوں مانگتے ہو۔ جواب قبلہ یہ بیماری تو آپ کو بھی ہے۔ بیماری میں حکیم کے پاس بلواری میں امیروں کے پاس مصیبتوں میں فریاد لے کر حاکموں کے پاس آپ دن رات جاتے ہیں۔ نہ معلوم اس وقت آپ خدا کو کافی وکیل فریادرس وغیرہ مانتے ہیں یا نہیں۔ اس کا نہایت نفیس جواب ہم نے جاء الحق حصہ اول میں دیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ دوسری مخلوق سے روح افضل اس لئے ہے کہ وہ صرف امر کن سے بغیر واسطہ پیدا ہوئی۔ یونہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس لئے افضل ہیں کہ وہ بھی امر الٰہی سے بغیر واسطہ باپ پیدا ہوئے اور روح کا کام ہے بے جان جسم کو جاندار کر دینا۔ یونہی عیسیٰ علیہ السلام مردہ جسم کو زندہ کرتے تھے۔ اندھے کوڑھوں کو تندرست کرتے تھے۔ کیچڑ گارے میں پھونک مار کر جیتا جاگتا پرندہ کر دیتے تھے۔ نیز آپ کی پیدائش کلمہ کن سے ہوئی تھی۔ لہٰذا آپ بھی کلمہ کن سے ہی یہ سب کام کرتے تھے چونکہ آپ روح الامین کی دم سے پیدا ہوئے تو آپ بھی روح اللہ کہلائے۔ کلمہ کن سے پیدا ہوئے تو کلمتہ اللہ آپ کا لقب ہوا معلوم ہوا کہ اصل کا اثر شی میں ہوتا ہے حضرات انبیاء کرام مظہر صفات الٰہی ہیں وہ حضرات رب

www.alahazratnetwork.org

کے سے کام کر دکھاتے ہیں مگر..... رب رب ہے اور رسول رسول۔ جو آئینہ اور آئینہ دار میں فرق نہ کرے یعنی آئینہ کو آئینہ دار مان لے۔ وہ بھی کافر ہے۔ اور جو آئینہ کا ہی انکار کردے۔ وہ بھی کافر ہے عیسیٰ علیہ السلام آئینہ صفات الٰہیہ ہیں۔ عیسائیوں نے انہیں رب مان لیا۔ یعنی آئینہ کو آئینہ دار مان لیا۔ وہ کافر ہوئے۔ یہود نے آپ کی نبوت و رسالت کا ہی انکار کر دیا۔ یعنی آئینہ کے انکاری ہو گئے۔ وہ بھی کافر ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہونا اسی آئینہ ہونے کا بیان ہے۔ جیسے دوریا پس حجاب والے کو آئینہ دار صرف آئینہ میں نظر آسکتا ہے۔ اگر وہ آئینہ سے الگ ہو جاوے تو آئینہ دار کے جمال سے محجوب رہے گا۔ اسی طرح جو نبی سے علیحدہ ہو گیا وہ رب تعالیٰ کے جمال سے محروم ہو گیا۔

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓىٕكَةُ

ہرگز نفرت نہیں کریں گے مسیح اس سے کہ ہوں وہ بندے اللہ کے اور نہ فرشتے

مسیح اللہ کا بندہ بننے سے کچھ نفرت نہیں کرتا اور نہ مقرب فرشتے اور

الْمُقَرَّبُوْنَؕ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُ

قرب الٰہی دیئے ہوئے اور وہ جو نفرت کرے اس کی عبادت سے اور تکبر کرے تو عنقریب

جو اللہ کی بندگی سے نفرت اور تکبر کرے تو کوئی دم جاتا ہے کہ

هُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا (۱۷۲) فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَیُوَفِّیْهِمْ

جمع کرے گا ان کو اپنی طرف سب کو۔ پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے اچھے پس پورے دے گا

وہ ان سب کو اپنی طرف ہانکے گا تو وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے ان کی مزدوری انہیں بھرپور

اُجُوْرَهُمْ وَ یَزِیْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖۚ وَ اَمَّا الَّذِیْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَ اسْتَكْبَرُوْا

ان کو ثواب ان کے اور زیادہ دے گا ان کو فضل اپنے سے اور لیکن وہ جو نفرت کریں اور تکبر کریں تو

دے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادہ دے گا اور وہ جنہوں نے نفرت اور تکبر کیا تھا انہیں

فَیُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۙ۬ وَّ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا

عذاب دے گا ان کو عذاب دردناک اور نہ پائیں گے وہ واسطے اپنے مقابل اللہ کے کوئی دوست

دردناک سزا دے گا اور اللہ کے سوا نہ اپنا کوئی حمایتی پائیں گے

وَّ لَا نَصِیْرًا (۱۷۳)

اور نہ مددگار

نہ مددگار

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بڑے فضائل و درجات کا ذکر ہوا کہ وہ کلمۃ اللہ روح اللہ وغیرہ ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام ان فضائل و درجات کے باوجود ہیں اللہ کے بندے اور اس کے عبادت گزار۔ مقصد یہ ہے کہ اے عیسائیو تم وجہ سے اللہ تعالیٰ کی عبادت سے پھرے جاتے ہو۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق عیسائیوں کے عقیدے کا ذکر تھا کہ وہ جناب عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا یا تیسرا خدا مانتے ہیں۔ اب خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خیال اپنے متعلق بیان فرمایا جا رہا ہے۔ کہ وہ اپنے کو اللہ کا بندہ اللہ کا مطیع و فرمانبردار ہی سمجھتے ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ آسمانوں اور زمین کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مملوک مخلوق و مطیع ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندے مملوک مخلوق ہیں گویا پہلے اجمالی ذکر تھا اب اس کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔

شان نزول ایک بار نجران کے عیسائیوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عیب لگاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ ہم نے انہیں کیا عیب لگایا وہ بولے کہ آپ ان کو عبداللہ (اللہ کا بندہ) کہتے ہیں۔ ان کے لئے اس سے بڑھ کر کونسا عیب ہو سکتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ ہونا عیب نہیں یہ ان کے لئے اور سب کے لئے فخر ہے۔ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور نجرانی عیسائیوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن' روح البیان' مدارک' تفسیر بیضاوی' خزائن العرفان وغیرہ)

تفسیر لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللّٰہ۔

یستنکف کا مادہ ہے **نکف** بمعنی علیحدہ کرنا۔ دور کرنا کہا جاتا ہے۔ **نکفت الدمع** میں نے اپنے رخسار سے آنسو پونچھ کر دور کر دیئے۔ اصلاح میں کسی چیز سے عار رکھنے اسے برا ماننے کو **استنکاف** کہا جاتا ہے۔ استکبار سے **استنکاف** اوپر ہے استکبار ناحق بڑائی کو ہی کہتے ہیں اور حق بڑائی کو بھی مگر **استنکاف** ناحق بڑائی کو بھی کہا جاتا ہے۔ اس لئے مستکبر کبھی اچھی بڑائی والے کو بھی کہہ دیتے ہیں مگر مستنکف ناحق بڑائی والے کو ہی کہا جاتا ہے۔ (جملی حرف لن اگرچہ مستقبل کی نفی کے لئے آتا ہے۔ مگر کبھی دائمی نفی کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ یہاں دونو احتمال ہیں اعلیٰ حضرت کا ترجمہ دائمی نفی ہے۔ اور ہمارا ترجمہ نفی مستقبل پر **ان یکون** سے پہلے من پوشیدہ ہے۔ عبد کے معنی عبادت گزار بھی ہیں۔ اور مطیع و غلام بھی اور مخلوق بھی یہاں تمام معنی درست ہیں مسیح کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ یہ لفظ جب دجال کے لئے آتا ہے تو بمعنی ممسوح العین یعنی ایک آنکھ کا صاف (کانا) ہوتا ہے اور جب جناب عیسیٰ علیہ السلام کے لئے آتا ہے تو اس کے معنی چھو کر تندرست کرنے والے یا سیاحت و سیر کرنے والے یا مساحت کرکے تارک الدنیا ہوتے ہیں یعنی جناب مسیح

www.alahazratnetwork.org

عیسیٰ علیہ السلام کبھی بھی اللہ کے بندے۔ اللہ کے فرمانبردار ہونے۔ اللہ کی مخلوق ہونے سے عار نہیں کرتے۔ نہ پچھلے زمانہ میں نہ اب نہ آئندہ یا اب بھی جب قریب قیامت زمین پر آئیں گے تو عبدیت سے عار نہیں کریں گے۔ کیونکہ عبدیت تو ان کے لئے باعث فخر ہے نہ کہ باعث عار۔ اس دوسرے معنی سے حضرت مسیح کا اب زندہ ہونا اور آئندہ پھر زمین پر تشریف لانا ثابت ہوتا ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئندہ تشریف لاکر عبداللہ ہونے سے شرم نہ کریں گے۔ **ولا الملئکۃ المقربون** یہ عبارت المسیح پر معطوف ہے۔ یا تو مشرکین عرب کی تردید کے لئے فرشتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ کہ وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ اللہ کا بندہ نہ مانتے تھے یا عیسائیوں کی تردید کے لئے کہ وہ فرشتوں کو نبیوں سے افضل مانتے ہیں یا عجیب سے عجیب تر کا حال بیان فرمانے کے لئے یعنی اے عیسائیو تم جناب مسیح کو اس لئے ابن اللہ کہتے ہو کہ وہ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ اور غیب کی خبریں دیتے تھے۔ بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ انہوں نے کبھی گناہ نہ کیا۔ تو یہ اوصاف فرشتوں میں موجود ہیں۔ وہ بغیر ماں باپ پیدا ہوئے وہ لوح محفوظ کا علم رکھتے ہیں (تفسیر کبیر) وہ رب تعالیٰ کی نافرمانی کبھی نہیں کرتے۔ وہ دنیا کے سارے انتظامات۔ بچے بنانا۔ جان نکالنا وغیرہ سارے کام کرتے ہیں۔ بتاؤ وہ اللہ کے بیٹے ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں ہیں تو عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے کیسے ہو گئے۔ ملائکہ کے معنی ان کے اقسام پارہ الم **واذ قال ربک للملئکۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ مقربین کے تین معنی ہو سکتے ہیں اللہ سے قرب رکھنے والے فرشتے کہ گناہ کبھی نہ کریں ہمیشہ اس کی اطاعت کریں اس معنی سے سارے فرشتے اس کے مقرب ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یومرون** عرش اعظم اٹھانے والے فرشتے جو آٹھ ہیں۔ عبادت الٰہی میں مشغول رہنے والے فرشتے یہ وہ جماعت ہے جو ہمیشہ عبادت الٰہی میں مشغول رہتی ہے۔ دنیاوی انتظامات سے اسے تعلق نہیں اور جو جماعت دنیوی انتظامات کرتی ہے اسے مدبرات امر کہتے ہیں۔ یہاں پہلے زیادہ موزوں ہیں۔ یعنی مقرب فرشتے جن میں حضرت جبرائیل و میکائیل وغیرہم بھی داخل ہیں وہ بھی اللہ کا بندہ ہونے سے عار نہیں کرتے۔ حالانکہ حضرت جبرئیل وہ شان والے فرشتے ہیں۔ جن کے دم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے جناب عیسیٰ علیہ السلام میں یہ صفات اس دم کی برکت سے تھیں۔ معتزلہ وغیرہ نے اس آیت کی بنا پر کہا کہ فرشتے انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ فقیر کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان کا یہ استدلال بالکل غلط ہے جیسا کہ انشاء اللہ اعتراضات و جوابات میں عرض کیا جاوے گا۔ **ومن یستنکف عن عبادتہ ویستکبر** یہ جملہ گزشتہ جملہ کی دلیل ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی بندگی سے منہ موڑنے والوں کا انجام خراب ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ ہیں جن کی ابتدا و انتہا انجام سب ہی بہت اعلیٰ ہے۔ پھر وہ اس زمرہ میں کیسے داخل ہو سکتے ہیں من سے مراد تمام جن و انس ہیں کہ یہ سزا ان سب متکبرین کے لئے ہے **استنکاف** اور **استکبار** میں فرق ابھی بیان کیا گیا کہ استکبار عام ہے اور **استنکاف** خاص۔ **استنکاف** ناجائز بڑائی کو ہی کہتے ہیں جس میں اپنی عزت سامنے والے کی ذلت کا خیال ہوتا ہے۔ استکبار عام ہے عبادت سے مراد اللہ کی بندگی کرنا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ یا اللہ کا بندہ ہوتا ہے۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ استکبار غلط بڑائی کو ہی کہتے ہیں اور تکبر سچی بڑائی کو بھی کہتے ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ متکبر نہ کہ مستکبر ہو سکتا ہے کہ یہاں **استنکاف** سے مراد ہو خیالی بڑائی اور استکبار سے مراد عملی بڑائی۔ یعنی جو عقیدۃً یا عملاً اللہ کی عبادت سے غرور کرے اس کا یہ حال ہے۔ بعض کفار عرب نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ہم اس لئے مسلمان نہیں ہوتے کہ اس میں نماز فرض ہے۔ اور نماز میں سجدہ ہے۔ یہ عقیدہ شان کے خلاف ہے۔ یہ ہوا عقیدے کا تکبر کہ نماز سے ہی عار ہے۔ سرداران قریش حج میں مزدلفہ سے ہی لوٹ آتے تھے کہ عرفات تک جانا غرباء فقراء کے ساتھ حج کرنا ہماری شان کے خلاف ہے۔ یا نماز باجماعت میں غرباء کے ساتھ نماز پڑھنا ہماری سرداری کے خلاف ہے یہ ہوا استکبار یعنی عملی غرور اللہ دونوں تکبروں سے بچائے۔ آمین۔ **فسیحشرھم الیہ جمیعا** یہ جملہ گزشتہ عبارت کی جزا ہے۔ ف جزائیہ ہے۔ یہاں ایک فعل پوشیدہ ماننا زیادہ بہتر ہے یعنی **فلیعلم۔ حشر** کے معنی ہیں جمع کرنا۔ اسی لئے قیامت کو حشر کہتے ہیں کہ اس دن تمام اولین و آخرین۔ ایک وقت ایک جگہ میں جمع ہوں گے۔ ہم کا مرجع متکبرین مستنکفین مطیعین اور عاصین مومنین و کافرین سب ہیں۔ متکبرین کا تو ذکر ابھی ہوا اور دوسرے لوگ اس سے سمجھ میں آگئے۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت یا عبودیت سے نفرت یا غرور کرے وہ جان رکھے کہ ہم سارے بندوں کو قیامت میں اپنی بارگاہ میں جمع فرمائیں گے۔ اس حال میں کہ کسی کے پاس کوئی تکبر کا سامان نہ ہو گا۔ کسی کو اس کی رحمت کے سوا کوئی جگہ نہ ملے گی۔ اس دن سب کے تکبر ٹوٹ جائیں گے۔ پھر جب تواضع و عجز کرنے والے مومنوں کو درجے ملیں گے۔ ان پر غضب الٰہی ہو گا تو کیسی رسوائی و شرمندگی ہو گی۔ **فاما الذین امنوا وعملوا الصلحت** یہ عبارت گزشتہ اجمال کی تفصیل ہے۔ ایمان میں سارے عقائد صحیحہ داخل فرمالئے اور **عملوا الصلحات** یہ عبارت گزشتہ اجمال کی تفصیل ہے۔ **الذین** سے مراد صرف انسان ہیں۔ کیونکہ جنات اور فرشتوں کی نیکیوں کا وہ ثواب نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ ایمان میں سارے عقائد صحیحہ داخل فرمالئے اور **عملوا الصلحات** میں سارے نیک اعمال داخل فرما دیئے۔ چونکہ عقائد اعمال پر مقدم ہیں اس لئے پہلے ایمان کا ذکر فرمایا۔ چونکہ صرف توحید نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ ایمان سے نجات ہے۔ اس لئے ہر جگہ ایمان کا ذکر ہوتا ہے کہیں توحید کا ذکر نہیں ہوتا توحید اور ایمان کا فرق ہم پہلے بیان کر چکے۔ خیال رہے کہ نیکیاں بقدر طاقت لازم ہیں۔ اس لئے الصالحات کو مطلق رکھا یہ نہ بتایا کہ کتنی نیکیاں کرے۔ **فیوفیھم اجورھم** چونکہ **اما** حرف شرط ہے اس لئے جزا میں ف لائی گئی اس ف میں اشارۃً **تعقیب** بغیر تراخی بھی معلوم ہوتی ہے **یوفی** بنا ہے **توفیۃ** سے بمعنی پورا دینا۔ یہاں پورا دینے سے مراد ہے ثواب کم نہ کرنا۔ زیادتی کی نفی نہیں۔ **توفیۃ** یعنی پورا دینے کے تین معنی ہیں کمی و زیادتی نہ ہونا۔ بالکل پورا دینا۔ دوسرے زیادتی نہ ہونا کمی ہو یا نہ ہو تیسرے کمی نہ ہونا زیادتی ہو یا نہ ہو۔ جب یہ لفظ کفار کی سزا کے لئے بولا جائے گا تو وہاں دوسرے معنی مراد ہوں گے کیونکہ رب تعالیٰ ان کی سزا مطابق جرم کے دے گا۔ زیادہ نہ دے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جرم سے سزا کم دے۔ جیسا کہ بعض کفار

www.alahazratnetwork.org

کے لئے ہو گا اور جب یہ لفظ مسلمانوں کی جزا کے لئے بولا جائے تو تیسرے معنی میں ہو گا۔ یعنی کم نہ ہونا۔ رب تعالیٰ مومن کے اعمال کا ثواب کم نہ کرے گا۔ زیادتی فرمادے تو کرم ہے یہاں تیسرے معنی میں ہے۔ اجور جمع ہے اجر کی۔ بمعنی مزدوری اجرت عمل کا بدلہ۔ چونکہ اعمال صالحہ بہت ہیں اور ہر نیکی کا ثواب علیحدہ۔ نیز ایک ایک نیکی پر بہت سے ثواب کی عطا ہے۔ اس لئے اجور جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ ایمان و عمل کے لئے ماضی کے صیغے ارشاد ہوئے۔ اور جزا کے لئے مضارع کے صیغے فرمائے گئے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ عمل کی جگہ دنیا ہے اور جزا کی جگہ آخرت۔ آخرت دنیا کے لحاظ سے مستقبل ہے اور دنیا آخرت کے لحاظ سے ماضی لہٰذا ایمان و عمل کے لئے ماضی مناسبت ہے۔ اور جزا و زیادتی کے لئے مستقبل مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ عمل کا وقت بہت تھوڑا ہے۔ یعنی دنیاوی زندگی کا زمانہ جو چند سال ہے۔ مگر جزاء کا زمانہ دائمی یعنی آخرت جو ابدالآباد تک ہے۔ اس لئے عمل کے لئے ماضی جزا کے لئے مضارع ارشاد ہوا یعنی جو ایمان و اعمال اختیار کریں۔ انہیں اللہ تعالیٰ اجر دیتا ہی رہے گا۔ زیادتیاں دیتا رہے گا **ویزید من فضلہ** اس جملہ میں انعام خسروانہ کا ذکر ہے۔ زیادتی کو مطلق فرمایا یہ نہ فرمایا کہ کتنی زیادتی اس سے معلوم ہوا کہ زیادتی ہمارے وہم و گمان و خیال سے وراء ہے فضل کے معنی ہیں زیادتی۔ یہاں وہ زیادتی مراد ہے جو بطور مہربانی عطا کی جاوے۔ زیادتی سے مراد یا تو اعمال کے عوض و ثواب میں زیادتی فرماتا ہے۔ یا جزا اعمال کے علاوہ اور کوئی نعمت دینا مراد ہے۔ جو کہ عمل کا عوض نہ ہو جیسے جنت میں دیدار الٰہی۔ یعنی ایسے مومنین و صالحین کو رب تعالیٰ ان کے پورے پورے ثواب بھی دے گا۔ اور اپنے کرم خسروانہ سے زیادتی بھی عطا کرے گا۔ **واما الذین استنکفوا واستکبروا** یہ دوسری جماعت خبیثہ کا ذکر ہے جو صالحین مومنین کے مقابل ہے۔ کیونکہ ہر چیز کی پوری پہچان جب ہی ہوتی ہے۔ جب اس کا مقابل کا پتہ چلے۔ یہاں نفرت و تکبر سے مراد ہے ایمان سے نفرت۔ نیک اعمال سے نفرت۔ نیکی نہ کرنا اور جرم ہے لیکن نیکی سے نفرت کرنا دوسرا جرم۔ **فیعذبھم عذابا الیما**۔ یہ جملہ میں اما کی جزا ہے جو ابھی اس سے متصل مذکور ہوا۔ عذاب' عقاب اور عتاب کا فرق پہلے بیان ہو چکا۔ گنہگار مومن کو اگرچہ عذاب ہو جاوے مگر عذاب الیم جو قلب و قالب اور قالب کے تمام اعضاء کو گھیرے وہ نہ ہو گا۔ چنانچہ مومن کا دل اور سجدے کے سات اعضاء آگ سے محفوظ رہیں گے عذاب الیم جو دل و جگر جسم سب پر چھا جاوے صرف کفار کے لئے۔ رب فرماتا ہے **تطلع علی الافئدۃ** رب تعالیٰ محفوظ رکھے کیونکہ گنہگار مومن جسم کے گناہ تو کر لیتا ہے۔ مگر دل کے گناہ کفر و نفاق نہیں کرتا کافر قلب و قالب دونوں کے گناہ کرتا ہے عذاب گناہ کی جگہ میں پہنچے گا۔ **ولا یجدون لھم من دون اللہ ولیا ولا نصیرا** یہ ان متکبرین متکبرین کافروں کا دوسرا عذاب ہے۔ دون' غیر' سوا' الا کے بہت سے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **دون** اکثر مقابل پر یا دور پر بولا جاتا ہے۔ ہر ماسوا کو دون نہیں کہتے۔ الا ہر ماسوئی کو کہتے ہیں۔ اس لئے جو کوئی کلمہ طیبہ میں بجائے **الا** کے دون پڑھے **لا الہ دون اللہ** کہے وہ مومن نہیں ہو سکتا۔ ولی وہ جو دوستی و قرب کی بنا پر حاکم سے سفارش کر کے مجرم کو چھڑالے۔ **نصیر** وہ جو حاکم کا مقابلہ کر کے چھڑالے۔

www.alahazratnetwork.org

یعنی یہ نفرت و تکبر کرنے والے کفار کل قیامت میں اپنے لئے نہ تو کوئی سفارشی پائیں گے۔ جو سفارش و شفاعت کرکے انہیں عذاب الٰہی سے بچائے اور نہ کوئی مددگار پائیں گے۔ جو قوت و طاقت سے انہیں چھڑا لے۔ خیال رہے کہ ولی میں من دون اللہ اختیار کرنا کفر ہے۔ اور ولی اللہ کا دامن پکڑنا ایمان کا رکن اعلیٰ۔ موجودہ زمانہ کے لوگ ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں فرق نہیں کرتے۔

خلاصہ تفسیر اے عیسائیو تم تو حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ کہنے کو ان کی توہین سمجھتے ہو۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ حضرت مسیح کو اللہ کا بندہ بننے میں نفرت یا شرم نہیں وہ تو اس عبدیت پر فخر کرتے ہیں بلکہ مقربین بارگاہ الٰہیہ تمام فرشتے بھی اس عبدیت کو عار نہیں سمجھتے اور وہ حضرات یہ جرم کیسے کرسکتے ہیں۔ وہ تو اللہ کے پیارے مقبول ہیں۔ متکبرین کا حال یہ ہے کہ جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ کا بندہ بننے اس کی بندگی کرنے سے نفرت تکبر عار کرے تو یہ عار کرنے والے لوگ اور نیک و ابرار لوگ ایک جگہ ایک وقت میں یعنی قیامت میں سب جمع ہوں گے۔ پھر ان میں چھانٹ ہوگی اس طرح کہ نیک اعمال کرنے والے مومنوں کو رب تعالیٰ ان کے ثواب پورے پورے دے گا۔ کمی بالکل نہ فرمائے گا۔ اس ثواب کے علاوہ اپنے شاہانہ عطاء خسروانہ انعام سے بھی نوازے گا کہ انہیں ثواب کے علاوہ اور بہت اعلیٰ نعمتیں بخشے گا اور بندگی سے عار کرنے والے متکبر کافروں کو نہایت دردناک دائمی عذاب دے گا کہ ان کے دل و جسم پر عذاب چھا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی ساتھ ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ جو شفاعت سفارش یا زور و قوت کے ذریعہ انہیں عذاب الٰہی سے بچالے۔ لہٰذا اے عیسائیو تمہارا کہنا کہ اللہ کا بندہ ہونا عیسیٰ علیہ السلام کے لئے شرم و عار ہے محض باطل ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ ہیں اور قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے۔ اپنی بندگی کا اعلان قولاً" و عملاً" کریں گے۔ عیسائیوں کے عقیدہ ابنیت کی تردید فرمائیں گے یہ فائدہ **لن یستنکف** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہ صیغہ نفی مستقبل کے لئے ہے۔ یعنی آئندہ زمانہ میں حضرت مسیح علیہ السلام اپنی عبدیت سے عار نہ کریں گے۔ عبادت و عبودیت کا اعلان کریں گے۔ اگر آپ کی وفات ہو چکی ہوتی۔ تو یہ مستقبل کے معنی درست کیسے ہوتے۔ **دوسرا فائدہ** فرشتوں کی پیدائش اور ان کے صفات حضرت مسیح علیہ السلام سے زیادہ عجیب و غریب ہیں کہ حضرت مسیح بغیر باپ پیدا ہوئے۔ تو فرشتے بغیر ماں باپ پیدا ہوئے۔ حضرت مسیح مردوں کو زندہ بیماروں کو تندرست کرتے تھے تو فرشتے اس قسم کے ہزارہا کام کرتے ہیں۔ یہ فائدہ **ولا الملئکة** کے عطف سے حاصل ہوا کہ یہ عجیب چیز تر چیز کا عطف (تفسیر کبیر) **تیسرا فائدہ** حضرات انبیاء کرام اور فرشتے گناہوں کفر و تکبر وغیرہ سے معصوم ہیں۔ کیونکہ کفر و گناہ تکبر قیامت میں شرمندگی کا باعث ہوں گے۔ وہ حضرات اس سے محفوظ ہیں یہ فائدہ **ومن یستنکف** الخ سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں گزرا۔ **چوتھا فائدہ** ایمان نیک اعمال پر مقدم ہے اور نیک اعمال بقدر

www.alahazratnetwork.org

طاقت کرنے ضروری ہیں۔ یہ فائدہ **امنوا وعملوا الصلحت** کی ترتیب سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیک مسلمانوں کو صرف اعمال کا بدلہ ہی نہ ملے گا بلکہ اللہ کا فضل بھی ملے گا۔ جو کسی عمل کا بدلہ نہ ہو گا جیسا کہ **ویزیدھم من فضلہ** سے معلوم ہوا۔ چھٹا فائدہ قیامت میں مددگار اور ولی نہ ہونا کفار کے لئے عذاب ہو گا۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے لئے ولی بھی مقرر کرے گا اور مددگار بھی۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو قرآن کریم میں اس کی تعلیم دی۔ **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک سلطانا نصیرا** الٰہی ہمارے لئے اپنی طرف سے ولی اور مددگار مقرر فرمادے۔ ولی وہ جو نفع دے نصیر وہ جو نقصان کو دور کرے۔ جو کوئی کہے کہ خدا کے سوا مددگار ولی کوئی نہیں۔ وہ اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے نبیوں سے افضل ہیں کیونکہ یہاں مسیح پر ملائکہ کو معطوف کیا گیا ہے۔ اور یہاں عطف ترقی کے لئے ہے۔ یعنی اعلیٰ کو غیر اعلیٰ پر معطوف کیا گیا۔ حالانکہ تم کہتے ہو کہ تمام حضرات انبیاء کرام تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔ تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ (معتزلہ) جواب اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہ یہاں عجیب تر کو عجیب چیز پر معطوف کیا گیا ہے۔ نہ کہ اعلیٰ کو غیر اعلیٰ پر یہ ترقی عجیب سے عجیب تر کی طرف ہے۔ دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ مقرب فرشتے اللہ کی عبادت سے نفرت نہیں کرتے تو کیا دوسرے فرشتے مدبرات امر اور کروبین نفرت کرتے ہیں۔ ملائکہ کے ساتھ مقربین کی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب اس کا جواب بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں مقربین سے مراد قرب الٰہی رکھنے والے فرشتے ہیں۔ یہ صفت سارے فرشتوں میں موجود ہے۔ لہٰذا یہ صفت یہاں احترازیا تخصیص کے لئے نہیں۔ بلکہ توصیف و مدحت کے لئے ہے اور اگر مقربین سے مراد فرشتوں کی خاص جماعت بھی ہو تب بھی مطلب یہ ہو گا کہ جب مقرب فرشتے عبادت الٰہی سے عار نہیں کرتے تو دوسرے فرشتے بدرجہ اولیٰ عار نہیں کر سکتے۔ تیسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کوئی مددگار ولی نہیں۔ تم نبیوں ولیوں کو مددگار اور حمایتی ولی مان کر اس آیت کے انکاری ہو۔ جواب بیشک کافروں، متکبروں، منافقوں کا کوئی مددگار نہیں جیسا کہ لهم سے معلوم ہوا۔ ہم مومن ہیں اللہ تعالیٰ نے بہت سے مددگار ہمارے لئے مقرر فرمادیئے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا۔**

تفسیر صوفیانہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو تمام فرشتوں سے افضل قرار دیا کیونکہ حضرت مسیح کو عیسائیوں نے خدا کا بیٹا کہا اور فرشتوں کو مشرکین نے خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہا۔ اللہ تعالیٰ نے اشارۃً فرمایا کہ جیسے مذکر کو مونث پر بزرگی حاصل ہے۔ یوں جناب مسیح کو فرشتوں پر افضلیت ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **الکم الذکر ولہ الانثی** یہاں پر مرد کو پہلے بیان فرمایا اور ارشاد ہوا۔ **ولیس الذکر کالانثی** یہاں بھی مذکر کا مونث سے پہلے ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اور فرمایا **وللذکر مثل حظ الانثیین** یہاں بھی مذکر کا ذکر پہلے ہے۔ نیز حضرت مسیح تمام فرشتوں سے اس لئے افضل ہیں کہ فرشتے صرف نورانی روحانی مخلوق ہیں۔ اور جناب عیسیٰ علیہ السلام ماں کی طرف سے جسمانی مخلوق یعنی بشر ہیں اور جناب جبریل کی طرف سے روحانی مخلوق میں کہ آپ ان کے دم سے اور جناب مریم کے شکم شریف سے پیدا ہوئے۔ لہٰذا فرشتے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی گرد کو بھی نہیں پا سکتے (روح البیان) تمام کفروں میں تکبر کا کفر بدترین ہے۔ شیطان اسی کفر میں گرفتار ہے۔ اس لئے حدیث شریف میں ہے کہ جس کے دل میں رائی برابر تکبر ہو گا۔ وہ جنت میں نہ جائے گا اور جس کے دل میں رائی برابر ایمان ہو گا وہ دوزخ میں نہ رہے گا۔ یہاں تکبر سے مراد وہ ہی تکبر ہے جو ایمان کے مقابل ہو۔ ایک دل میں تکبر و عار اور ایمان نہیں رہ سکتے۔ تکبر دل کی سختی ہے۔ ایمان دل کی نرمی' سختی نرمی ایک دل میں کیسے سمائیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عطیے دو قسم کے ہوتے ہیں۔ قانونی' اور محبت کے قانونی عطیے میں حساب ہوتا ہے۔ محبت کے عطیے بغیر حساب۔ ہوٹل میں کھانا کھاؤ تو حساب سے ملے گا۔ پھر بل ادا کرنا ہو گا۔ کیونکہ یہ کھانا قانونی ہے۔ تو دوسری طرف حساب ہے۔ کھانا لو حساب سے قیمت دو حساب سے۔ مگر کسی دوست کے گھر دعوت کھاؤ تو بغیر حساب کھاؤ کہ یہ محبت کا عطیہ ہے دنیا میں مومن بندے دو قسم کے ہیں زاہدین اور عارفین۔ زاہدین تو قانون کے ماتحت حساب سے عبادت کرتے ہیں۔ نماز پانچ وقت کی۔ زکوٰۃ چالیسواں حصہ۔ روزے سال میں ایک ماہ کے حج عمر میں ایک بار۔ انہیں ثواب بھی قانونی ملے گا۔ حساب سے ان کے لئے فرمایا گیا۔ **فیوفیھم اجورھم** مگر عارفین محبت کے ماتحت بلا حساب عبادت کرتے ہیں کہ ہر آن ہر گھڑی نماز میں رہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **ھم علٰی صلوتھم دائمون** صدیق اکبر موقعہ پڑنے پر سارا گھر راہ خدا میں خیرات کر دیتے ہیں۔ انہیں ثواب بھی محبت والا بغیر حساب ملے گا ان کے لئے ارشاد ہوا **ویزیدھم من فضلہ** یہ دونوں فرمان دو قسم کے مسماتوں کے لئے ہیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ بعض عبادات میں اطاعت غالب ہے جیسے نماز و زکوٰۃ اور بعض میں ذوق و شوق و عشق کا غلبہ ہے۔ جیسے روزہ حج' اور جہاد پہلی قسم کی عبادات کے لئے فرمایا ہم ان کے ثوابات پورے دیں گے۔ دوسری قسم کے لئے فرمایا فضل زائد دیں گے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمام عبادات میں اعضاء ظاہری بھی کام کرتے ہیں اور دل بھی نماز میں سر' آنکھیں' زبان' ہاتھ پاؤں سب ہی کام کرتے ہیں مگر خشوع و خضوع عجز و انکسار جو نماز کی جان ہے وہ دل سے ادا ہوتے ہیں۔ بدنی کاموں پر اجر و ثواب ملیں گے اور دل کے کام پر فضل۔ اس صورت میں ہر عمل پر اجر بھی ہے فضل بھی۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا﴿۱۷۴﴾

اے لوگو بیشک آئی تمہارے پاس دلیل طرف سے رب تمہارے کے اور اتارا ہم نے طرف تمہاری روشنی ظاہر

بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے واضح دلیل آئی اور ہم نے تمہاری طرف روشن نور اتارا

www.alahazratnetwork.org

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ اعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ

پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ پر اور مضبوط پکڑیں اس کو پس عنقریب داخل فرمائے گا ان کو بیچ رحمت

تو وہ جو اللہ پر ایمان لائے اور اس کی رسی مضبوط تھامی تو عنقریب انہیں اپنی رحمت اور اپنے

مِّنْهُ وَ فَضْلٍ وَّ یَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا (۱۷۵)

اپنی کے اور فضل میں اور ہدایت دے گا ان کو طرف اپنے راستہ سیدھے کی

فضل میں داخل کرے گا اور انہیں اپنی طرف سیدھی راہ دکھائے گا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے کئی طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں اللہ کی وحدانیت اور اس کی صفات کا ذکر تھا کہ وہ اولاد وغیرہ سے پاک ہے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ کا ذکر ہے۔ گویا ایمان کے ایک رکن یعنی توحید کے ذکر کے بعد دوسرے رکن یعنی نبوت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے ایسے عقیدوں کا ذکر تھا جن پر کوئی دلیل نہ تھی یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ابن اللہ ہونا یا جناب عیسیٰ کا نبی نہ ہونا۔ اب اسلام کے ان عقیدوں کا ذکر ہے۔ جن پر صدہا دلائل قائم ہیں۔ یعنی حضور کا برہان ہونا اور قرآن کریم کا نور ہونا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اہل کتاب کے غلط عقیدوں کی تردید کی گئی۔ تاکہ وہ ان سے بچیں۔ اب درست اسلامی عقیدوں کی تلقین فرمائی جارہی ہے۔ تاکہ وہ انہیں اختیار کریں۔ گویا پرہیز کا ذکر پہلے ہوا۔ دوا کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں نیک کار مومنوں کے اجر و ثواب کا ذکر تھا اب یہ بتایا جارہا ہے۔ کہ مومن کون ہے۔ گویا ایمان کے فوائد بتانے کے بعد ایمان کی حقیقت بتائی جارہی ہے۔ یعنی حضور کی نبوت قرآن کی حقانیت کو ماننا۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیات کے آخر میں متکبرین کے برے انجام کا ذکر ہوا۔ اب اس ذات کریم کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ جن تک پہنچنے سے انسان تکبر و غرور کی بیماریوں سے نجات پا جاتا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیطان ہمارے دلوں میں غرور و تکبر پیدا کرتا ہے۔ حضور کی نگاہ کرم سے دلوں میں عجز و انکسار پیدا ہوتا ہے گویا بیماری کے بعد علاج کا اور حکیم روحانی کا ذکر ہے۔

تفسیر یاایھا الناس ابھی کچھ پہلے عرض کیا گیا کہ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام جہان کے لئے ہے۔ اور جہان میں انسان اشرف ہے کہ احکام شرعیہ کا عموماً یہی **مکلف** ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے موقعہ پر عام انسانوں کو پکارا جاتا ہے۔ نہ صرف مسلمانوں کو نہ صرف کافروں کو نہ صرف عربیوں کو نہ صرف عجمیوں کو۔ اس قاعدے سے یہاں ارشاد ہوا **یاایھا الناس** اے تمام لوگو! اس ناس میں تاقیامت سارے انسان داخل ہیں۔ **قد جاءکم برھان من ربکم** چونکہ کفار و مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برہان نبی' رسول بن کر تشریف آوری کے منکر تھے اس لئے آیات میلاد کو قد یا لقد کی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا۔ جیسے **لقد جاءکم رسول** وغیرہ اس

www.alahazratnetwork.org

قاعدے سے یہاں قد ارشاد ہوا۔ چونکہ ہم لوگ دنیا میں اپنے کام کے لئے آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے کام کے لئے تشریف لائے۔ نیز ہم سب کچھ بننے کے لئے دنیا میں آئے وہ سب کچھ بن کر دوسروں کو بنانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے۔ اس لئے ہمارے لئے قرآن کریم میں خلق ارشاد ہوتا ہے۔ اور حضور انور کے لئے جاءو یا بعث یا ارسل ارشاد ہوتا ہے۔ اس قاعدے سے یہاں جاءو ارشاد ہوا۔ حضور کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی اور سکونت مدینہ منورہ میں رہی۔ مگر تشریف آوری جلوہ گری ہر گھر بلکہ ہر قلب و جگر سمع و بصر میں ہوئی۔ اس لئے یہاں جاءکم ارشاد ہوا۔ یعنی تم سب کے پاس تشریف لائے۔ جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر چمکتا ہے ہر جگہ۔ لغت میں برہان کہتے ہیں مضبوط کرنے والی چیز کو سخت مضبوطی کو برہن کہا جاتا ہے۔ اصطلاح میں نہایت قوی دلیل کو برہان کہتے ہیں۔ جس سے دعویٰ کو پختہ و مضبوط کیا جاوے۔ جسے مخالف توڑ نہ سکے۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بلکہ خود ذات پاک مصطفیٰ کو برہان فرمایا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعویٰ توحید دعویٰ ذات و صفات کو ایسے ثابت فرمانے والے ہیں کہ سبحان اللہ۔ اللہ کی ذات و صفات کو جانتا ہو تو حضور کو دیکھ لو۔ برہان کی تنوین عظمت کی ہے۔ یعنی بڑی عظیم الشان دلیل من من ابتدائیہ ہے۔ اور من ربکم یا تو برہان کی صفت ہے یا جاءکم کے متعلق ہے۔ یعنی اے لوگو تم سب کے پاس ایک بہت مضبوط و قوی دلیل تمہارے رب کی آئی یا ایسی دلیل آئی جو تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی رب تعالیٰ کا ایک تحفہ و انعام ہے جو مخلوق کو عطا ہوا۔ شعر:۔

☆ رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود ☆ حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام ☆

چونکہ حضور کو یہاں برہان فرمایا گیا۔ اور برہان عقل سے جانی جاتی ہے۔ عقل صرف انسانوں میں ہے۔ جنات یا فرشتوں یا دوسری مخلوق میں نہیں۔ اس لئے خطاب صرف انسانوں سے ہوا اور جہاں حضور کی رحمت کا ذکر ہے۔ وہاں عالمین فرمایا گیا۔ وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین نیز چونکہ حضور نوع انسان سے ہیں اس لئے یہاں انسانوں ہی کو خطاب ہوا۔ لہٰذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جہاں عالمین فرمایا گیا۔ ربکم فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ حضور کی بعثت مخلوق کی روحانی پرورش ہے۔ اور ربوبیت الٰہیہ کا مظہر۔ چونکہ وہ رب ہے اور رب وہ جو اپنی مخلوق کو ہر طرح ظاہر و باطن پالے تو جیسے اس نے جسمانی پرورش کے لئے سورج کو چمکایا۔ جس سے نظام عالم وابستہ ہے۔ ویسے ہی اس نے روحانی پرورش کے لئے سورج کو چمکایا اس شمس الضحیٰ بدر الدجیٰ کو چمکایا جس سے روحانی نظام قائم ہے۔ غرض کہ من ربکم میں بہت نکات ہیں۔ خیال رہے کہ من ربکم میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ من کا صلہ ہو دوسرے یہ کہ من ابتدائیہ ہو۔ لہٰذا اس عبارت کے دو معنی ہوں گے۔ تمہارے رب کی دلیل آئی جس سے رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا پتہ لگے۔ دلیل چونکہ رب تعالیٰ کی قائم فرمودہ ہے لہٰذا اسے کوئی توڑ نہیں سکتا۔ جیسے سورج رب تعالیٰ کا نور ہے اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ یا تمہارے رب کی طرف سے دلیل آئی جس سے چیزوں کا حلال و حرام ہونا اچھا برا ہونا انسانوں کا کافر و مومن ہونا جنتی

www.alahazratnetwork.org

دوزخی ہونا معلوم ہوا۔ چنانچہ بکری کی حلت اور کتے گدھے کی حرمت زکوٰۃ کا اچھا ہونا سود کا حرام ہونا برا ہونا کفار سے جنگ کا عبادت ہونا۔ مسلمان سے لڑائی حرام ہونا۔ حضرت صدیق کا جنتی ہونا ابو جہل کا دوزخی ہونا طلوع و غروب کے وقت نماز کا درست نہ ہونا۔ غرض کہ تمام ایمانیات کی دلیل حضور اور صرف حضور ہیں عقل کو ان میں دخل نہیں۔ بہر حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی بھی دلیل ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے قائم کردہ دلیل بھی۔ **وانزلنا الیکم نورا مبینا** یہ عبارت **قد جاءکم** پر معطوف ہے۔ اور واؤ عاطفہ ہے۔ اگر عطف تفسیری ہے تو نور سے مراد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **قد جاءکم من اللّٰہ نور وکتب مبین** اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تمہارے پاس وہ تشریف لائے جو تمہاری عقلوں کے لئے تو برہان ہیں۔ اور تمہاری آنکھوں کے لئے نور ہیں۔ ان کی نبوت کو عقل سے پہچانو۔ آنکھوں سے دیکھو ان میں دونوں صفتیں ہیں لہٰذا عقل انسان انہیں عقل سے پہچانیں۔ کیونکہ وہ برہان ہیں۔ اور بے عقل مخلوق اور سیدھے سادے انسان انہیں آنکھوں سے دیکھیں کیونکہ وہ نور ہیں اور اگر عطف تفسیری نہ ہو تو نور سے مراد قرآن کریم ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے آئے اور قرآن مجید بعد میں نیز کلمہ پہلے پڑھا جاتا ہے۔ پھر قرآن مجید اس لئے حضور کی آمد پہلے بیان ہوئی اور قرآن کی آمد بعد میں مذکور ہوئی۔ چونکہ نور ہلکا بھی ہوتا ہے۔ تیز بھی ہلکا نور خود نظر آتا ہے۔ کسی کو چمکاتا نہیں اور تیز نور خود بھی نظر آتا ہے دوسری چیزوں کو بھی چمکاتا ہے۔ یہاں مبین فرما کر بتایا کہ وہ نور ہلکا نہیں بلکہ بہت تیز ہے۔ اور حضور تو نور بھی ہیں اور نور گر بھی حضور نے صحابہ کرام کو تاقیامت اولیاء اللہ کو نور بنا دیا۔ اس لئے انہیں قرآن مجید نے سراج منیر فرمایا۔ یعنی نور گر سورج' غرض کہ نور کے تین درجے ہیں۔ صرف نور' نور مبین' نور منیر جیسے تارے نور ہیں کہ خود چمکتے ہیں۔ مگر زمین کا اندھیرا دور نہیں کرسکتے۔ اور چاند کہ یہ نور مبین ہے' خود چمکتا ہے اور زمین پر چاندنا کر دیتا ہے۔ یہ ہے نور مبین......... اور سورج کہ خود چمکتا ہے۔ زمین پر دھوپ بھی ڈالتا ہے اور چاند تاروں کو منور بھی کر دیتا ہے۔ لہٰذا وہ نور بھی ہے۔ نور مبین بھی اور نور منیر بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں۔ نور مبین بھی نور منیر بھی۔ اس لئے قرآن کریم نے انہیں کہیں نور کہا۔ کہیں نور مبین کہیں نور منیر سراج منیر فرمایا۔ **فاما الذین امنوا باللّٰہ واعتصموا بہ** اس جملہ میں اس برہان اور نور مبین کی تشریف آوری کا مقصد بیان فرمایا کہ وہ دنیا میں یوں تشریف لائے **الذین** سے مراد صرف انسان ہیں۔ جن و فرشتے اور دوسری مخلوق نہیں کیونکہ ایمان کی جو جزا یہاں بیان ہو رہی ہے۔ وہ صرف انسانوں کے لئے ہے۔ یہاں ایمان باللہ سے مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننا کیونکہ نبوت ماننے کا ذکر تو **واعتصموا بہ** میں ہے اعتصام کے معنی ہیں مضبوط تھامنا کہ چھوٹ نہ جائے بہ کا مرجع وہی برہان۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہوا اعتصام فرما کر اشارۃً فرمایا گیا۔ کہ حضور کی ذات والا صفات اس مضبوط رسی کی طرح ہے جس کا ایک کنارا مالک کے ہاتھ میں ہو دوسرا کنارہ ڈول وغیرہ میں ہو جس کے ذریعہ نیچے والا ڈول اوپر آ جائے۔ صرف یہ رسی ہی نیچوں کو اوپر پہنچانے کا ذریعہ ہو۔ یعنی جو انسان دو کام کرے ایک تو

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو مانے۔ دوسرے دامن مصطفوی کو مضبوط تھامے تو ہم اسے تین نعمتیں بخشیں گے ایک یہ کہ **فسید خلھم فی رحمۃ منہ** رحمت سے مراد یا تو دنیا میں توفیق خیر دینا ہے یا مرتے وقت خاتمہ ایمان پر عطا فرمانا یا بعد موت برزخ کی راحتیں یا بعد قیامت جنت کی نعمتیں غرض کہ یہ کلمہ بہت وسیع ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ یہ چاروں چیزیں ہی مراد ہوں۔ چونکہ یہ رحمتیں ایمان اور اعتصام سے نصیب ہوئیں لہٰذا انہیں بطور جزا بیان فرمایا۔ **وفضل** یہ دوسرے انعام کا ذکر ہے۔ فضل سے مراد جنت کی وہ نعمتیں ہیں جو ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں۔ محض عطا رب ذوالجلال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا دیدار اور دوسری بہت سی وہ نعمتیں جو ہمارے خیال و گمان و وہم سے وراء ہیں۔ **ویھدیھم الیہ صراطا مستقیما** یہ تیسرے انعام کا ذکر ہے۔ ہدایت کے معنی اور اس کی قسمیں اور قسموں کی علامات ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر **اھدنا الصراط المستقیم** میں بیان کر چکے۔ نیز صراط مستقیم کے معنی بھی وہاں ہی بیان ہوئے۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ رحمت و فضل سے مراد جسمانی نعمتیں ہیں اور ہدایت سے مراد روحانی نعمت ہے۔ چونکہ نعمت روحانی اعلیٰ و افضل ہے نعمت جسمانی سے اس لئے اس کا ذکر آخر میں ہوا۔ اعلیٰ کی ترقی کرتے ہوئے الیہ میں ہ ضمیر کا مرجع ذات رب العالمین ہے۔ یعنی ہم ایسے مضبوط مومن کو ایسے راستے کی ہدایت دیں گے جو اسے ہماری ذات تک پہنچائے۔ یہ ہدایت بشری ارواح میں کبریائی تجلی فرمانے سے نصیب ہو سکتی ہے۔ اور اس کا نتیجہ دونوں جہاں کی سعادتیں ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ایسے مومنوں کو ہم رحمت، فضل، ہدایت خاص جو ہم تک پہنچا دے سب کچھ دیں گے۔

خلاصہ تفسیر بعض چیزیں حواس سے جانی جاتی ہیں یعنی دیکھ کر، سن کر، سونگھ کر، ٹٹول کر، چکھ کر، جو چیز حواس سے معلوم نہ ہو سکے۔ اسے عقل سے جانا پہچانا جاتا ہے۔ عقل دلیل کے ذریعہ جانتی مانتی پہچانتی ہے۔ ہر انسان پر فرض ہے کہ رب کو جانے پہچانے مانے مگر اس کی ذات حواس سے وراء ہے تو اسے عقل سے ماننا پڑتا ہے۔ عقل دلیل چاہتی ہے۔ سارا عالم رب کی دلیل ہے۔ مگر یہ دلیل کمزور ناقص ہے۔ کہ اس عالم کو دیکھ کر بعض عاقل مشرک ہو گئے۔ بعض عاقل دہریئے بن گئے۔ امام رازی کے چار سو دلائل شیطان نے توڑ دیئے۔ اسی لئے مخلوق کو ایسی برہان کی ضرورت تھی جس سے عقل بھٹک نہ سکے اور اسے کوئی عاقل توڑ نہ سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر رحم فرماتے ہوئے اپنی برہان دنیا میں بھیجی اس برہان الٰہی کا نام ہے محمد رسول اللہ جس کسی نے حضور کی معرفت رب کو مانا وہ نہ مشرک ہوا نہ دہریہ اس لئے ارشاد ہوا۔ اے تمام جہان کے اولین و آخرین انسانو تم سب کے پاس یعنی تمہارے دلوں میں سینوں میں جانوں میں ایمانوں میں وہ تشریف لائے جو سراپا قوی دلیل ہیں جن سے ہر دعوئ ایمانی و روحانی ثابت کیا جاتا ہے۔ اور وہ تمہارے رب کے پاس سے اس کا انعام بن کر تشریف لائے۔ اور ہم نے ان کی معرفت تمہاری طرف ایک ظاہر ظہور قوی نور بھیجا۔ ہماری یہ دو نعمتیں بہت اعلیٰ ہیں تو اب جو لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان لاویں اور اس برہان محمد رسول اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامیں تو اللہ تعالیٰ ان کو تین انعام دے گا نمبر ا۔ انہیں دنیا میں مرتے وقت قبر میں اور آخرت میں اپنی رحمت خاصہ میں داخل فرمائے گا۔ نمبر

www.alahazratnetwork.org

۲۔ انہیں اپنے فضل و کرم میں داخل کرے گا۔ جس فضل کا کوئی اندازہ نہیں کر سکتا۔ نمبر ۳۔ انہیں اپنے تک پہنچانے والے راستہ کی ہدایت دے گا جس کے ذریعے وہ رب تعالیٰ تک پہنچیں گے خیال رہے کہ رحمت عامہ بھی ہوتی ہے۔ اور خاصہ بھی۔ یوں ہی رحمت کسبی بھی ہوتی ہے۔ جس میں بندے کے عمل کو دخل ہو اور عطائی بھی جس میں بندے کے عمل کو قطعاً دخل نہ ہو۔ دیکھو دھوپ' ہوا' پانی نعمت عامہ عطائی ہیں اور سلطنت' دولت وغیرہ نعمت خاصہ کسبی ہیں۔ یہاں رحمت سے مراد رحمت خاصہ عطائی ہے۔ اس لئے رحمة منه فرمایا یعنی وہ رحمت جو خاص رب کی طرف سے ہے۔ اس میں تمہارے کسب کو دخل نہیں۔

حضور برہان ہیں

حضرات انبیائے کرام کے معجزات اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی دلیل ہیں۔ جن سے رب تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا برہان ہیں کہ تمام دینی و ایمانی مسئلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حل ہوتے ہیں تمام دعوئے حضور سے ثابت ہوتے ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا معجزہ ہیں۔ شعر:۔

☆ دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ☆ ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا ☆

گزشتہ انبیاء کرام میں کسی کے ہاتھ معجزہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضاء کسی کی آواز معجزہ جیسے داؤد علیہ السلام کسی کا چہرہ اور حسن معجزہ جیسے یوسف علیہ السلام۔ کسی کی سانس معجزہ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو معجزہ ہر حال ہر وصف معجزہ نہیں بلکہ معجزات کا مجموعہ ہے۔ دیکھو حضور کا بال شریف حضرت خالد کی ٹوپی میں رہا تو انہیں ہر جہاد میں فتح نصیب ہوئی۔ شاہ ہرقل کے ٹوپی میں پہنچا۔ تو اسے درد سر سے شفا نصیب ہوئی۔ بیماروں نے بال شریف دھو کر پیا تو ہر قسم کے مرض سے شفا ملی۔ حضرات صحابہ کرام بال شریف اپنے کفن میں لے گئے تاکہ قبر کی مشکلات حل ہوں۔ حضرت طلحہ کے گھر یال پہنچا تو تمام رات انہوں نے فرشتوں کی تسبیح و تہلیل سنی (مواہب' مدارج النبوۃ)

حضور کی آنکھ شریف معجزہ جو آنکھ اندھیرے اجالے میں آگے پیچھے ہر طرف کو دیکھے۔ اسی آنکھ نے تاقیامت تمام واقعات دیکھے اسی آنکھ نے نماز کسوف میں جنت کو ملاحظہ فرمایا۔

ناک شریف کا معجزہ جس نے مدینہ منورہ سے حضرت اویس قرنی کے ایمان کی خوشبو یمن سے پائی۔ (روح البیان)

زبان شریف معجزہ جس کی ہر بات وحی خدا۔ اس زبان سے جو نکلے وہ ہی ہو جاوے۔ گویا زبان کن کی کنجی ہے۔ بس زبان کا ہر حرف شریعت کا قانون ہے۔

www.alahazratnetwork.org

لعاب شریف معجزہ یہ لعاب جو حضرت جابر کے گھر دعوت کے موقعہ پر ہانڈی اور آٹے میں پڑ گیا تو اس میں ایسی برکت ہوئی کہ تھوڑا سالن و روٹی سینکڑوں مہمانوں نے کھائی۔ سب سیر ہوئے مگر وہ ویسے ہی باقی رہا۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سے پانی کے چشمے جاری ہوئے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب سے ہانڈی کی بوٹیوں۔ شوربے کے چشمے جاری ہوئے۔ شوربے میں پانی، نمک، مرچ، گھی، مصالحہ ۔۔ ۔ ہر چیز ہی ہوتا ہے۔ سب کے چشمے جاری ہو گئے۔ یہ ہی لعاب حضرت علی کی آنکھ میں لگا تو دکھتی آنکھ کو شفا ہو گئی۔ یہ ہی لعاب جب حضرت عبداللہ ابن عتیق کے پاؤں کی ٹوٹی ہڈی کو لگا تو ہڈی جوڑ دی۔ یہی لعاب معوذ ابن عفرا کے کندھے کے کٹے ہوئے ہاتھ کو لگا تو اسے جوڑ دیا۔ یہ ہی لعاب جب غار ثور میں حضرت ابوبکر صدیق کے پاؤں کے انگوٹھے کو لگا تو سانپ کا زہر ختم فرما دیا۔ یہ ہی لعاب کھاری کنویں میں پڑا تو اسے میٹھا کر دیا۔ یہ ہی لعاب خشک کنویں میں پڑا تو اس میں پانی ہی پانی ہو گیا۔

ہاتھ شریف معجزہ کہ اس ہاتھ نے بدر کے دن مٹھی بھر کنکر کفار پر پھینک دیئے تو سب کی آنکھوں میں کنکر پہنچ گئے۔ رب نے اس ہاتھ کو اپنا ہاتھ فرمایا کہ فرمایا **ید اللہ فوق ایدیھم** اسی ہاتھ میں کنکروں نے کلمہ پڑھا۔ اسی ہاتھ پر صحابہ نے بیعت کی تو رب سے بیعت ہو گئی۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک دعوت کے موقعہ پر دسترخوان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پونچھ لئے تو وہ کپڑے کا دسترخوان پھٹتے پھٹ گیا مگر کبھی آگ میں نہ جلا۔ جب میلا ہو جاتا تو اسے جلتے تنور میں ڈال دیتے تھے۔ وہ صاف ہو جاتا تھا۔ مگر جلتا نہ تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

☆ گفت روزے مصطفیٰ دست ودہاں ☆ بس مالید اندریں دستار خواں ☆

انگلیاں شریف معجزہ ایک پیالہ پانی میں یہ انگلیاں رکھ دی گئیں تو ہر انگلی سے پانی کے چشمے جاری ہو گئے۔ انگلی شریف کے اشارہ سے چودھویں رات کا چاند چر گیا انگلی شریف کے اشارہ سے ہی ڈوبا ہوا سورج واپس ہوا۔ شعر:

☆ اشارہ سے چاند چیر دیا چھپے ہوئے خور کو پھیر لیا! گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے ☆ ☆

پاؤں شریف معجزہ جو فرش پر چلے عرش پر چڑھے ان ہی پاؤں شریف کا اثر پتھر لے لے بیماروں کو ٹھوکر لگ جاوے تو شفا ہو جاوے۔

پسینہ شریف معجزہ جس میں گلاب سے اعلیٰ خوشبو غرضیکہ پسینہ مبارک دل شریف، دماغ شریف حتیٰ کہ نام مبارک سب کے سب معجزہ ہیں۔ ان کی تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔

لباس شریف معجزہ کہ ایک بار حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا تہبند شریف لوٹا

لیا تو ان کی آنکھوں سے غیب کے پردے اٹھ گئے کہ آپ نے غیبی بارش دیکھ لی جو ایک انصاری کی رفات پر نازل ہوئی جیسا کہ مثنوی شریف میں ہے۔ شعر:۔

☆ گفت بہر آن نمود اے پاک جیب ☆ چشم پاکت را خدا باران غیب ☆

بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بیٹھ جاویں وہ جگہ وہ ہوا معجزہ چنانچہ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی شریف میں وضو فرمارہے ہیں موزہ شریف اتار کر رکھ دیا ہے ایک عقاب اڑا کر لے گیا اور اسے الٹ کر پھینکا جس میں سے سانپ نکلا جو مار دیا گیا۔ حضور انور نے اس سے پوچھا کہ تو نے لونچی ہوا سے موزے کا سانپ کیونکر دیکھا وہ بولا شعر:۔

☆ مادرو موزہ بہ نیم از ہوا ☆ نیست از من عکس تست اے مصطفی ☆

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی دلیل ہیں۔ توحید دعویٰ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دلیل۔ مدعی اپنی دلیل کو ہر طرح مضبوط کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر طرح قوت بخشی۔ دلیل کی تائید سے دعویٰ کی تائید ہوتی ہے۔ دلیل پر اعتراض دعویٰ پر چوٹ ہے۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید توحید کی تائید ہے۔ حضور پر اعتراض توحید پر اعتراض۔ مقدمہ میں مدعی اور مدعا علیہ دونوں کا زور دلیل اور گواہ پر ہوتا ہے۔ مدعی قوت دیتا ہے مدعا علیہ دلیل کو کمزور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت قرآن مجید کی معرفت پر مقدم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے مانتے ہیں قرآن کریم کو بعد میں یہ فائدہ ترتیب بیان سے حاصل ہوا۔ کہ برہان کی آمد کا ذکر پہلے ہوا۔ قرآن کریم کے نزول کا ذکر بعد میں ہوا۔ دیکھو لوگ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں اور مسلمان بن کر قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ تیسرا فائدہ نجات کا مدار ایمان اور اعتصام پر ہے یعنی تمام ایمانیات کو مانو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن مضبوطی سے تھامو۔ یہ فائدہ **واعتصموا به** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ تمام نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہدایت ہے۔ کہ اسے رب تعالیٰ نے آخر میں فرمایا۔

پہلا اعتراض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے نبی ہیں تو آیت کریمہ میں صرف انسانوں سے کیوں خطاب فرمایا گیا کہ **یایها الناس** چاہیے تھا کہ عالمین کو خطاب ہوتا۔ جواب چند وجہ سے ایک یہ کہ عالمین میں اشرف المخلوق انسان ہے۔ باقی چیزیں اس کی وجہ سے ہیں۔ اشرف کو خطاب فرمایا باقی ماتحت خود ہی اس خطاب میں آ گئے۔ جیسے رب تعالیٰ نے سجدہ آدم کے حکم میں فرشتوں کو خطاب فرمایا **واذ قال ربک للملئکة** تو ابلیس خود ہی اس خطاب میں آ گیا تھا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت، نبوت، نذارت، تمام جہانوں کے لئے ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری آپ کی تجلی آپ کا عشق صرف انسانوں کو ملا۔ اس لئے **جاءکم** کا خطاب انسانوں سے ہی مناسب تھا۔ جس کے دل و سینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ہوئی وہ انسان ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

شریعت کے اکثر و بیشتر احکام صرف انسانوں پر ہی جاری ہیں۔ نبوت کا زیادہ فیض انسان نے ہی لیا۔ چوتھے یہ کہ اس آیت کریمہ میں ان ثوابوں کا ذکر ہے۔ وہ صرف انسان ہی کے لئے ہیں **فسيدخلهم في رحمته** الخ **دوسرا اعتراض** یہاں برہان سے بھی مراد قرآن شریف ہے۔ اور نور مبین سے بھی مراد قرآن مجید ہے۔ اور یہ عطف تفسیری ہے لہذا یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے میلاد شریف اور آپ کی نعت شریف کی نہیں (وہابی) **جواب** بعض لوگوں نے اس آیت کے یہ معنی بھی لئے ہیں۔ مگر یہ تفسیر بہت ہی کمزور و ضعیف ہے۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ یہ تفسیر اکثر مفسرین کے خلاف ہے۔ جمہور مفسرین کا یہ ہی قول ہے۔ کہ برہان سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں اکثر و بیشتر لفظ **جاء کم** اور بعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریف آوری کے لئے استعمال ہوا ہے۔ اور **انزل** و **نزل** قرآن کریم کے لئے چنانچہ فرمایا گیا۔ **لقد جاء کم رسول** وغیرہ ان آیات کی روشنی میں یہاں بھی **جاء کم** کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہونا چاہیے۔ وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں۔ تیسرے یہ کہ عطف کو تفسیری ماننا اور دونوں جگہ قرآن کریم مراد لینا بلا ضرورت درست نہیں۔ تجدید سے تاسیس بہتر ہے۔ یعنی دوسرے جملہ کے نئے معنی مراد ہونا۔ اس سے بہتر ہے کہ اس سے وہ ہی پہلے معنی مراد ہوں۔ چوتھے یہ کہ قرآن کریم ہمارے پاس آیا نہیں لایا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تک پہنچایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بذات خود ہے۔ اور قرآن کریم کی آمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے تابع ہے۔ تو جاء سے ذاتی آمد مراد لینا افضل ہے۔ پانچویں یہ کہ مخلوق نے حضور سے قرآن کو جانا ہے نہ کہ قرآن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ یعنی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت معجزات وغیرہ سے مان لی۔ تب یہ مانا کہ قرآن کریم ربانی کتاب ہے۔ کیونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کلام الہی ہے۔ یہ نہ ہوا کہ ہم نے پہلے قرآن کو مان لیا۔ پھر قرآن کے بتانے سے حضور کو مانا۔ لہذا یہاں پہلے **جاء کم** برہان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوا۔ پھر بعد میں **انزلنا الیکم** میں قرآن کے نزول کا یہ ہی مناسب ہے۔ وہابیوں کی تو عادت ہے کہ آیات نعت میں بلا وجہ تو بیہیں تاویلیں تحریفیں کرتے ہیں۔ شعر

☆ ذکر روکے فضل کاٹے نقص کا جویاں رہے ☆ پھر کہے مردک کہ ہوں امت رسول اللہ کی ☆

تیسرا اعتراض یہاں قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہوا کہ **وانزلنا الیکم** تم سب کی طرف قرآن اتارا۔ مگر دوسری جگہ **نزلنا علیک** بھی آیا ہے یعنی اے محبوب آپ پر قرآن اترا۔ دونوں میں سے کونسی بات درست ہے۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہے یا ہماری طرف **جواب** قرآن کریم کا نزول بلا واسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے ہم پر۔ کیونکہ نزول قرآن کا مقصد ہماری ہدایت ہے۔ ان آیات میں بلا واسطہ نزول مراد ہے۔ اور اس آیت کریمہ میں بالواسطہ نزول مراد ہے۔ لہذا دونوں آیات درست ہیں۔ اس اعتراض کے اور بہت جوابات ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا۔ کہ جو اللہ پر ایمان لائیں اس کی رسی مضبوط تھامیں انہیں

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ ہدایت دے گا سیدھے راہ کی جب وہ ایمان پہلے ہی لا چکے۔ اعتصام پہلے ہی کر چکے۔ پھر انہیں ہدایت دینے کے کیا معنی ہدایت تو انہیں پہلے ہی مل چکی ہے۔ جواب اس کا جواب سورہ فاتحہ کی تفسیر **اهدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں گزر چکا۔ کہ ہدایت بہت قسم کی ہے۔ بعض ہدایتیں وہ ہیں جو ایمان لانے تقویٰ اختیار کرنے کے بعد میسر ہوتی ہیں۔ یہاں وہ ہی آخری ہدایت مراد ہے۔ اسی لئے **الیه** فرمایا گیا۔ یعنی انہیں ایسے راستہ کی ہدایت فرمائے گا۔ جو خود ذات باری تعالیٰ تک پہنچا دے جنت تک پہنچانے والے راستہ کی ہدایت تو انہیں پہلے ہی ہو چکی تھی جس سے وہ ایمان لائے۔ یہ ہدایت دوسری ہے۔ یہ ہی جواب رحمت و فضل میں داخل فرمانے کا ہے۔ کہ ایک رحمت و فضل انہیں وہ ملا جو ایمان لانے کا ذریعہ بنا اور ایک رحمت و فضل وہ ہے جو انہیں ایمان لانے اعتصام کرنے کے بعد ملا۔

تفسیر صوفیانہ کسی کی جان پہچان یا دیکھ کر ہوتی ہے۔ یا سن کر یا دلائل سے معلوم کر کے۔ دیکھی سنی چیز کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ان دیکھی اور سنی چیز کی جان پہچان کے لئے دلائل چاہئیں۔ بندے کا کمال ہے معرفت الٰہی اور ذات الٰہی ہمارے آنکھ کان بلکہ خیال و ذہن سے وراء ہے۔

☆ اے برتر از خیال و قیاس و گمان وہم ☆ .ز ہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم

☆ دفتر تمام گشت بہ پایاں رسید عمر ☆ ما ہمچناں دراول وصف تو ماندہ ایم ☆

☆

عجیب لطف ہے کہ ایمان کے لئے رب تعالیٰ کی معرفت ضروری مگر ہماری عقل سے وراء۔ دیکھو مت مگر جانو۔ پہچانو۔ مانو۔ شعر:۔

☆ اندرون قعر دریا تختہ بندم کردہ ☆ باز می گوئی کہ دامن ترمکن ہشیار باش ☆

اس لئے مخلوق کو ضرورت تھی کسی ایسے واسطہ کی جس کی پہچان رب کی پہچان ہو جس سے نسبت رب تعالیٰ کی نسبت ہو اور جو ذات و صفات رحمان کی قوی برہان ہو اس برہان رحمان کا نام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ان کو پہچان لو۔ رب تعالیٰ کو جان لو گے مان لو گے۔

لطیفہ کسی فلسفی نے ڈاکٹر اقبال سے پوچھا کیا اللہ تعالیٰ ہے۔ فرمایا کہ ہے۔ بولا ایک ہے یا چند فرمایا ایک۔ وہ بولا دلیل۔ آپ نے فرمایا محمد رسول اللہ کی زبان فیض ترجمان۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہے اور ایک ہے۔ وہ بولا میں عقلی دلیل چاہتا ہوں۔ فرمایا جب دیکھنے والا دیکھ کر خبر دے دے تو عقلی دلیل کی ضرورت نہیں اور فرمایا جب دھوپ دیکھ لی۔ سورج کا یقین ہو گیا۔ اب سورج کے طلوع پر کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ دھوپ خود اس کی دلیل ہے۔ دھوپ سورج کی برہان ہے۔

www.alahazratnetwork.org

یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے انسانوں تمہارے پاس وہ ذات کریم تشریف لائے جو معرفت الٰہی کی جیتی جاگتی بولتی ہوئی برہان و دلیل ہے پھر وہ خالی نہ آئے بلکہ اپنے ساتھ وہ نور لائے جو خود بھی ظاہر ہے۔ دوسروں کو بھی ظاہر کرتا ہے۔ یعنی قرآن مجید جو خود نور ہے۔ جن پر نازل ہوا وہ برہان ہیں۔ اب خدا رسی کا صرف ایک ہی ذریعہ ہے۔ اللہ پر ایمان اور محمد رسول اللہ کے دامن کا اعتصام (مضبوط تھامنا) جس نے یہ دونوں کام کر لئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت رحمت و فضل کے دریا میں غوطے لگائے گا۔ اور اسے رب تعالیٰ اپنی ذات تک پہنچنے کے راستہ کی ہدایت دے گا۔ یا تو ایمان باللہ سے مراد ہے توحید اور اعتصام سے مراد ہو نبوت۔ توحید و نبوت ایمان کے دو رکن ہیں جیسے پرندے کے لئے دو پر۔ اس لئے دونوں ارشاد ہوئے۔ یا ایمان باللہ سے مراد ہیں سارے ایمانیات اور اعتصام سے مراد ہے ایمان پر استقامت۔ بہ میں ہ کا مرجع یا اللہ تعالیٰ ہے یا ایمان یا قرآن یا برہان یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ رحمت و فضل و ہدایت ان میں کئی احتمال ہیں۔ رحمت سے مراد دنیاوی نعمتیں فضل سے مراد برزخی نعمتیں ہدایت سے مراد اخروی نعمتیں یا رحمت سے مراد جسمانی نعمتیں فضل سے مراد قلبی و جنانی نعمتیں اور ہدایت سے مراد روحانی نعمتیں۔ مگر عشاق کہتے ہیں کہ اللہ کی رحمت' فضل' ہدایت سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ دنیا میں حضور رحمت ہیں۔ برزخ میں فضل اور آخرت میں ہدایت۔ جیسے سورج ایک ہے۔ مگر صبح کے وقت اس کے نام' کام' حالات اور ہیں دوپہر کو کچھ اور شام کو کچھ اور یہ ہی حال چاند کا ہے۔ کہ شروع ماہ میں اس کے نام و کام حالات اور ہیں چودھویں شب کچھ اور' آخر ماہ میں کچھ اور خیال رہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی نشانی تو ہے۔ مگر برہان نہیں۔ اللہ کی برہان صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے لوگ دنیا کی چیزیں دیکھ کر مشرک بھی ہو جاتے ہیں کہ انہیں کو خالق مان بیٹھتے ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہر شخص مومن ہی بنے گا۔ **انک لتھدی الی صراط مستقیم** خود قرآن بھی صرف ہادی نہیں۔ فرماتا ہے۔ **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا** مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم صرف ہادی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بعض وہ ہیں جو از آدم تا حضرت عیسیٰ علیہم السلام تمام امتوں میں دیکھے گئے۔ جیسے حضور کے توسل سے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے جناب خلیل پر آگ کا گلزار ہونا نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا۔ بعض وہ ہیں۔ جو ولادت اور پرورش کے وقت دیکھے گئے۔ بعض وہ ہیں جو حضرات صحابہ نے وفات شریف تک دیکھے۔ بعض وہ ہیں جو قیامت تک دیکھے جائیں گے۔ جیسے قرآن مجید یا اولیاء اسلام کی کرامات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اسلامی فتوحات وغیرہ۔ اس لئے سارے انسانوں سے فرمایا گیا۔ کہ تم سب کے پاس برہان الٰہی آئی۔

www.alahazratnetwork.org

يَسْتَفْتُوْنَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ

فتویٰ پوچھتے ہیں لوگ آپ سے فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ کے متعلق فتویٰ دیتا ہے اگر کوئی مرد ہلاک ہو جائے کہ نہ

اے محبوب تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں تم فرمادو کہ اللہ تمہیں کلالہ میں فتویٰ دیتا ہے اگر کسی مرد کا انتقال ہو جو بے اولاد

وَلَدٌ وَّلَهٗۤ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَاۤ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ

ہو واسطے اس کے اولاد اور اس کی بہن ہو تو واسطے اس کی بہن کے آدھا ہے اسکا جو چھوڑا اور وہ اس بہن کا وارث ہوگا اگر

ہے اور اس کی ایک بہن ہو تو ترکہ میں اس کی بہن کا آدھا ہے اور مرد اپنی بہن کا وارث ہوگا، اگر بہن کے

فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ وَاِنْ كَانُوْۤا اِخْوَةً رِّجَالًا

نہ ہو اسکی اولاد پس اگر ہوں وہ دو تو واسطے ان کے دو تہائی ہے اس چیز سے جو چھوڑے اور اگر ہوں وہ بھائی بہن مرد اور عورتیں

اولاد نہ ہو پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ترکہ میں ان کا دو تہائی اور اگر بھائی بہن ہوں مرد بھی اور عورتیں بھی

وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا

تو واسطے مرد کے برابر ہے حصے دو عورتوں کے بیان فرماتا ہے واسطے تمہارے اللہ تاکہ نہ بھٹکو تم

تو مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر اللہ تمہارے لئے صاف بیان فرماتا ہے کہ

وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

اور اللہ ہے ہر چیز کا جاننے والا

کہیں بہک نہ جاؤ اور اللہ ہر چیز جانتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و فضل و ہدایت کو دو چیزوں سے وابستہ فرمایا گیا تھا۔ ایک تو اللہ پر ایمان دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اعتصام۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ وابستگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں بھی چاہیے اور بعد موت بھی تاکہ معلوم ہو کہ مومن اسلامی قوانین میں زندگی میں اور بعد موت جکڑا ہوا ہے۔ دوسرے دنیاوی قوانین کی طرح صرف زندگی کے لئے نہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مکمل ذکر ہوا۔ جو بنی اسرائیل کے آخری نبی ہیں جن کے بعد نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسمٰعیل میں آئی یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہوئے۔ جو بنی اسمٰعیل سے ہیں۔ اور بنی اسمٰعیل بھائی ہیں بنی اسرائیل کے۔ کیونکہ حضرت اسحٰق و اسمٰعیل علیہم السلام بھائی بھائی ہیں۔ لہٰذا اب کلالہ مورث کا ذکر ہوا۔ جو لاولد فوت ہو جاوے اور اس کا مال اس کے بھائیوں کی طرف بطور میراث منتقل ہو جاوے۔ غرض کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد مسئلہ کلالہ کا بیان فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں ان یہود کا ذکر ہوا تھا جو

www.alahazratnetwork.org

اپنے آپ کو اولاد انبیاء ہونے کی وجہ سے جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم خواہ کیسے ہی عقیدے رکھیں۔ اور کیسے ہی عمل کریں۔ جنتی ہیں کیونکہ ہمارے باپ دادا نبی تھے۔ ہم ان کی اولاد ہیں۔ اب ان کی تردید کے لئے مسئلہ کلالہ بیان ہوا جس میں بتایا گیا کہ جیسے لاولد کا مال بھائی بہنوں میں پہنچ جاتا ہے ایسے ہی نالائق لوگوں کے باپ دادوں کے کمالات دوسروں کو ملتے ہیں۔ جو ان کمالات کے مستحق ہوں تم لوگوں نے کفرو شرک کر کے اپنے باپ داداؤں سے نسبت توڑ دی۔ تم ان کی اولاد حقیقتاً رہے ہی نہیں۔ لہٰذا اب تمہارے باپ دادوں کے کمالات مسلمانوں کو ملیں گے۔ وہ ان کے وارث حال وارث کمال بنیں گے۔

شان نزول مسلم و بخاری میں ہے کہ حضرت جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ میں سخت بیمار ہوا۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کو تشریف لائے۔ پیدل آئے۔ میں بیہوش تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ وضو کے پانی کا چھینٹا مجھ پر مارا۔ مجھے ہوش آ گیا۔ دیکھا تو سرکار میرے سرہانے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ سرہانے انہیں رحمت کی ادا لائی ہے ☆ حال بگڑا ہے تو بیمار کی بن آئی ہے ☆

میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں کلالہ ہوں (لاولد۔ لاوالد) میرا مال کیسے تقسیم ہو گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ترمذی کی روایت میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی نو بہنیں تھیں۔ ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ آپ کی سات بہنیں تھیں۔ یہ آیت حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے متعلق نازل تو ہوئی۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر تم اس مرض سے وفات نہیں پاؤ گے۔ (تفسیر خازن' روح البیان) وغیرہ نمبر ۲ طبری نے حضرت قتادہ سے روایت کی۔ حضرات صحابہ کرام کو کلالہ کے مسئلہ میں اشکال پیش آیا۔ کہ جس میت کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ اس کی میراث کیونکر تقسیم ہو۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن) مگر ان دونوں روایتوں میں کوئی تعارض نہیں، ہو سکتا کہ اول سے حضرات صحابہ کرام کو یہ اشکال پیش آ رہا ہو کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ پیش آ گیا ہو۔

تفسیر یستفتونک یہ کلمہ بنا ہے استفتاء سے جس کا مادہ ہے۔ فتویٰ' فتویٰ کے معنی لغوی اور اصطلاحی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ اصطلاح میں حکم شرعی کو فتویٰ کہا جاتا ہے۔ استفتاء کے معنی ہیں شرعی مسئلہ پوچھنا۔ اگر مسئلہ پوچھنے والے بظاہر صرف حضرت جابر تھے مگر چونکہ اس کی ضرورت تمام صحابہ کرام بلکہ عام مسلمانوں کو تھی اس لئے صیغہ جمع ارشاد ہوا۔ گویا مقالا سائل ایک صاحب تھے اور حالا سائل بہت حضرات۔ یہاں فتویٰ سے مراد کلالہ کا مسئلہ ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ **قل اللہ یفتیکم فی الکللة**۔ سبحان اللہ سوال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے کیونکہ حضور سے سوال گیا اللہ تعالیٰ سے سوال ہے **اللہ یفتیکم** میں اشارہ فرمایا گیا چونکہ مسئلہ میراث بہت اہم

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ اس لئے براہ راست اللہ تعالیٰ اس کا حکم دے رہا ہے۔ کلالہ کے معنی اس کی تحقیق شروع سورہ نساء **وان کان رجل یورث کللۃ** الخ کی تفسیر میں عرض کی جا چکی ہے۔ کہ کلالہ بنا ہے کلال سے ۔ بمعنی کمزوری یا قوت کی کمی پھر ولادت کے رشتہ کے علاوہ دوسری قرابتوں کو کلالہ کہا جانے لگا۔ کہ وہ قرابتیں بمقابلہ ولادت کی قرابت کے کمزور ہوتی ہیں۔ اصطلاح میں کلالہ ایک وارث کو بھی کہتے ہیں اور ایک مورث کو بھی۔ اولاد و ماں باپ کے سوا دوسرے وارث کلالہ ہیں۔ یعنی کمزور قرابت دار اور جو شخص مرے اور اپنے ماں باپ اولاد نہ چھوڑے وہ کلالہ ہے۔ یعنی لاولد (تفسیر خازن) **ان امرو ھلک لیس لہ ولد** یہ جملہ پہلے جملہ کی تفصیل و تفسیر ہے۔ ان شرطیہ ہے **امرؤ** کے معنی ہیں مرد اس کا مونث امراۃ ہے۔ بمعنی عورت۔ یہاں مرد سے مراد مسلمان مال والا مرد ہے۔ کیونکہ کفار پر اسلامی میراث جاری نہیں ہوتی۔ یونہی بالکل نادار میت پر احکام میراث نہیں کہ اس کے پاس مال ہی نہیں جو تقسیم ہو **ھلک** فرما کر اشارۃ فرمایا گیا کہ وہ کسی طرح مرے اپنی طبعی موت سے یا کسی حادثہ کا شکار ہو کر یہ بھی اشارۃ بتایا گیا۔ کہ اپنے آپ مرے اسے کوئی وارث، قرابت دار قتل نہ کرے۔ اگر کرے گا تو قاتل میراث سے محروم ہو گا۔ **لیس لہ ھلک** کی ضمیر سے خالی ہے۔ یعنی مرتے وقت اس کے اولاد نہ ہونا۔ ولد مطلقاً اولاد کو کہتے ہیں۔ بیٹا ہو یا بیٹی۔ ابن بیٹے کو کہتے ہیں تفسیر مدارک نے یہاں ولد سے مراد لیا بیٹا کیونکہ بیٹا ہی میت کے بھائی بہن کو محروم کرتا ہے۔ بیٹی محروم نہیں کرتی۔ باقی مفسرین نے ولد کے معنی اولاد رکھا۔ بیٹا بیٹی کیونکہ بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی بہن ذی فرض ہو کر آدھا مال نہیں لیتی۔ صرف عصبہ ہو جاتی ہے۔ اور یہاں ذکر ہے بہن کے ذی فرض ہو کر آدھا مال لینے کا فقیر کے نزدیک یہ تفسیر قوی ہے۔ خیال رہے کہ کلالہ کے ایک وصف کا ذکر تو اس آیت میں ہوا۔ یعنی اولاد نہ ہونا۔ دوسرے وصف کا ذکر حدیث شریف میں ہے یعنی ماں باپ بھی نہ ہونا۔ کلالہ کہتے ہی اسے ہیں۔ جس کے نہ اولاد ہو نہ ماں باپ یعنی اگر کوئی مسلمان مرد اس حال میں مرے کہ نہ اس کے اولاد ہو بیٹا بیٹی اور نہ ماں باپ۔ **ولہ اخت فلھا نصف ماترک**۔ یہ جملہ گزشتہ جملہ **لیس لہ** پر معطوف ہے۔ ہ کا مرجع وہ فوت ہو جانے والا مرد ہے۔ اخت سے مراد یا تو سگی بہن ہے۔ یا سوتیلی بہن۔ یعنی باپ شریکی۔ کیونکہ ماں شریکی بہن کا ذکر تو شروع سورہ نساء میں ہو چکا **وان کان رجل یورث کللۃ او امراۃ ولہ اخ او اخت** اور وہاں ہی بتا دیا گیا۔ کہ ماں شریکی بہن اگر ایک ہو تو اسے چھٹا حصہ ملے گا۔ زیادہ ہوں تو تہائی۔ بہرحال یہاں سگی یا باپ شریکی یعنی سوتیلی بہن مراد ہے۔ اور اسے آدھا مال ملنا بطور ذی فرض ہے۔ یعنی ایسا آدمی جس کے نہ ماں باپ ہوں نہ بیٹا بیٹی اور اس کے ایک بہن ہو سگی یا سوتیلی تو اسے متروکہ مال سے آدھا ملے گا یہ اس صورت کا بیان ہوا۔ جب بھائی لاولد مرے اور بہن چھوڑے۔ اب اس کے مقابل صورت کا ذکر ہے۔ **وھو یرثھا ان لم یکن لھا ولد ھو** کا مرجع مرد یعنی بھائی ہے۔ اور **یرثھا** میں ھا کا مرجع بہن فوت شدہ۔ یہاں بھی سگے یا سوتیلے باپ شریکے بہن بھائی مراد ہیں نہ کہ اخیافی (ماں شریکے) اور ولد سے مراد مطلقاً اولاد ہے لڑکا ہو یا لڑکی۔ اور باپ و ماں کی نفی حدیث شریف سے معلوم ہوئی۔ یعنی بھائی اپنی سوتیلی سگی بہن کا وارث

www.alahazratnetwork.org

ہو گا۔ اگر اس کے اولاد اور ماں باپ نہ ہوں۔ چونکہ اس صورت میں بھائی ذی فرض نہیں ہوتا بلکہ عصبہ ہوتا ہے۔ کہ دوسرے ذی فرض وارثوں سے بچا ہوا مال لیتا ہے۔ اور اگر کوئی ذی فرض نہ ہو تو سارا مال اسے ملتا ہے۔ اس لئے یہاں **یرثھا** فرمایا نصف یا کم و بیش کا ذکر نہ فرمایا۔ نیز اگر میت بہن کے بیٹی بھی ہو تو بھائی کو سارا مال نہیں مل سکتا۔ اس لئے **ولد** فرمایا ابن نہ فرمایا۔ لہذا یہ جملہ بہت واضح ہے۔ یعنی اگر کلالہ بہن فوت ہو جاوے تو یہ سگا یا **سوتیلہ** بھائی اس کا وارث ہو گا۔ اس طرح کہ اگر کوئی ذی فرض وارث بھی ہو تو اس سے بچا ہوا مال اسے ملے گا۔ ورنہ پورا مال پائے گا۔ **فان کانتا اثنتین فلھما الثلثن مما ترک** یہ کلالہ کی میراث کی دوسری صورت ہے۔ یہ کلالہ فوت ہوا اور اس کی بہنیں ایک سے زیادہ ہیں۔ بھائی کوئی نہیں تو انہیں کل مال کا دو تہائی ملے گا۔ کانتا کا مرجع بہنیں ہیں۔ قرآن مجید سے معلوم ہوا کہ دو بہنوں کی میراث دو ثلث ہیں۔ حدیث پاک سے معلوم ہوا۔ کہ دو سے زیادہ کی میراث بھی یہی دو تہائی ہے۔ **مما ترک** سے مراد میت کا سارا چھوڑا ہوا مال ہے۔ منقولی ہو یا غیر منقولی۔ تجہیز و تکفین ادا قرض اور وصیت کے بعد جو مال بچے گا اس میں یہ میراث جاری ہو گی۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **من بعد وصیۃ یوصی بھا اودین** یعنی اگر کلالہ کی بہنیں ایک سے زیادہ ہوں تو انہیں کلالہ کے متروکہ مال سے دو تہائی ملے گا۔ ایک تہائی سے دوسرے وارث کو اور اگر کوئی وارث نہ ہو تو پھر وہ بقیہ تہائی بھی رد ہو کر انہیں بہنوں کو مل جاوے گا۔ **وان کانوا اخوۃ رجالا ونساء فللذکر مثل حظ الانثیین** یہ کلالہ کے مال کی تقسیم کی تیسری قسم ہے۔ کہ میت لاولد ہے۔ اور اس کے بھائی بھی ہیں۔ بہن بھی۔ اخوۃ جمع ہے اخ۔ معنی بھائی کی۔ مگر یہاں مراد بھائی بہن دونوں ہیں **تغلیبا** اخوۃ فرمایا گیا ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا **رجالا ونساء** یعنی مخلوط ہوں۔ بھائی بھی ہوں بہن بھی۔ چونکہ اس صورت میں بہن ذی فرض نہیں ہوتی بلکہ عصبہ ہوتی ہے۔ اس لئے اس کا حصہ نصف یا کم و بیش مقرر نہیں فرمایا۔ بلکہ ایک قاعدہ ارشاد ہوا کہ بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ اگر کوئی ذی فرض وارث بھی ہے تو اس سے بچے مال کی تقسیم اس طرح ہو گی ورنہ کل مال کی تقسیم یہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کلالہ کے سگے یا سوتیلے بھائی بہن دونوں ہوں تو متروکہ مال سے دو حصہ بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو ملے گا خیال رہے کہ کلالہ کے یہ معنی اور آیت کی یہ تفسیر عام صحابہ کرام کے مذہب پر ہے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے جس کے اولاد نہ ہو ماں باپ ہوں یا نہ ہوں کیونکہ انکے نزدیک ماں باپ سے بہن بھائی محروم نہیں ہوتے ان کے ہوتے ہوئے انہیں حصہ مل جاتا ہے باقی تمام صحابہ کرام کا مذہب یہ ہی ہے کہ باپ کے ہوتے بہن بھائی محروم ہوتے ہیں (تفسیر احمدی) **یبین اللہ لکم ان تضلوا** یہ جملہ گزشتہ فرمان کی حکمتیں بیان فرما رہا ہے۔ **یبین** بنا ہے **تبیین** سے۔ معنی خوب اچھی طرح صاف صاف بیان فرمانا **لکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ بیان سے مراد میراث و دیگر شرعی احکام بیان فرمانا ہے۔ **ان تضلوا** سے پہلے یا تو لا پوشیدہ ہے۔ یا کراہیۃ پوشیدہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام احکام کو واضح طور پر اس لئے بیان فرماتا ہے۔ تاکہ اے مسلمانو تم بھٹک نہ جاؤ **واللہ بکل شیء علیم** اس جملہ میں

www.alahazratnetwork.org

بیان فرمایا گیا ہے کہ میراث کے احکام ہماری عقل سے وراء ہیں رب تعالیٰ نے جس وارث کو جو حصہ دیا بالکل درست و صحیح دیا۔ تم اس میں چون و چرا نہ کرو۔ کیونکہ وہ رب ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے کلالہ کا مسئلہ قرآن مجید میں دو جگہ بیان فرمایا۔ ایک تو سورہ نساء کے شروع میں دوسری یہاں سورہ نساء کے آخر میں۔ وہ آیات سردی کے موسم میں نازل ہوئی تھیں اور یہ آیات گرمی کے موسم میں اتریں۔ اس لئے ان آیات کو آیات شتاء کہتے ہیں اور اس آیت کو آیت صیف کہا جاتا ہے۔ (تفسیر کبیر) ان دونوں بیانوں میں فرق یہ ہے کہ وہاں کلالہ کے مال سے اخیافی بھائی بہن کے حصہ کا ذکر تھا اور یہاں سگی یا سوتیلی باپ شریکی بہن بھائی کے حصوں کا ذکر ہے۔ اس لئے وہاں اور یہاں کے احکام میں بڑا فرق ہے۔ اس آیت میں ایک کو چھٹا حصہ دیا گیا تھا زیادہ کو تہائی اور وہاں بھائی بہن کا حصہ برابر تھا۔ مگر یہاں تین صورتیں بیان فرمائی گئیں۔ نمبر ١ اگر ایک بہن ہے تو اس کا حصہ آدھا ہے۔ نمبر ٢۔ اگر دو یا زیادہ ہیں تو ان کا حصہ دو تہائی ہے۔ یہ دونوں صورتیں جب ہیں جب کہ صرف بہنیں ہوں۔ بھائی کوئی نہ ہو۔ نمبر ٣۔ اگر بھائی بہن دونوں ہوں تو یہ دونوں عصبہ ہوں گے۔ اور بھائی کو بہن سے دوگنا ملے گا۔ چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے صحابہ آپ سے ایک عظیم الشان سوال پوچھ رہے ہیں۔ (یعنی کلالہ کی میراث کا) آپ فرمادیں کہ رب تعالیٰ تم کو کلالہ کے متعلق براہ راست فتویٰ یہ دیتا ہے کہ اگر کوئی مسلمان فوت ہو جاوے اور اس کے اولاد یعنی بیٹا بیٹی نہ ہو اور نہ ماں باپ ہوں (جیسا کہ حدیث میں ہے) اور اس کی صرف ایک بہن سگی یا ماں شریکی ہو تو اسے کلالہ کے متروکہ مال سے نصف آدھا ملے گا۔ اور اگر اس کے برعکس کلالہ عورت فوت ہو جاوے کہ اس کی اولاد بیٹا بیٹی اور (ماں باپ) کوئی نہ ہوں اور اس کا صرف بھائی ہو۔ تو وہ بھائی اس کلالہ عورت کے مال کا وارث ہو گا۔ عصبتہ میراث پائے گا یعنی بقیہ ذی فرض وارثوں سے بچا ہوا مال لے لے گا۔ اور اگر ذی فرض وارث کوئی نہ ہو تو کل مال پائے گا۔ اور اگر کلالہ میت کی بہن دو یا زیادہ ہوں۔ تو انہیں متروکہ مال سے دو تہائی ملے گا۔ یہ دونوں صورتیں جب ہیں جب کہ کلالہ کی صرف بہنیں ہوں۔ بھائی کوئی نہ ہو۔ اور اگر کلالہ کی بھائی بہن دونوں سگے ہوں۔ یا علاتی تو اس کا مال اس طرح تقسیم ہو گا۔ کہ مذکر یعنی بھائی کو مونث یعنی بہن سے دوگنا عصبتہ ملے گا اللہ تعالیٰ اپنے احکام خصوصاً میراث کے مسائل واضح طور پر بیان فرماتا ہے تاکہ اے مسلمانو تم بہک نہ جاؤ رب تعالیٰ کی تقسیم پر کوئی اعتراض نہ کرو وہ ہر چیز کو خوب جانتا ہے۔ جسے جو دیا ہے جان کر دیا ہے۔ خیال رہے کہ حضرت براء ابن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کی آخری آیت یہ ہی آیت کلالہ ہے۔ جو سب سے آخر میں نازل ہوئی۔ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ سب سے آخر **اذا جاء نصر اللہ والفتح** اتری۔ بعض نے فرمایا کہ آخری آیت ربو (سود) سود کی آیت ہے۔ بعض نے فرمایا کہ آخری آیت **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ** نازل ہوئی۔ جس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اکیس دن حیات رہے۔ یہ بھی

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے کہ حج الوداع میں عرفہ کے دن **الیوم اکملت لکم دینکم** نازل ہوئی جس کے بعد سرکار اکیاسی دن یعنی دو ماہ اکیس دن حیات رہے (تفسیر خازن) ان روایات کو یوں جمع فرمایا جاسکتا ہے۔ کہ میراث کے احکام میں سب سے آخری آیت یہ ہی کلالہ کی آیت ہے۔ اور مالی معاملات میں سود کی آیت آخری ہے۔ اور بالکل آخر میں **واتقوا یوما ترجعون فیہ الی اللہ** ہے۔ لہٰذا ان روایات میں تعارض نہیں۔ سب اپنے مقام پر درست ہیں۔ واللہ اعلم۔

مسئلہ: میت کے مال متروکہ میں چار کام کئے جاتے ہیں۔ اولاً میت کا کفن دفن۔ اس سے بچے مال سے میت کے قرض کی ادائیگی۔ پھر بقیہ مال کے تہائی سے میت کی وصیت جاری کی جاوے۔ پھر بقیہ سے میراث تقسیم ہوگی۔ میت کی فاتحہ ایصال ثواب، وغیرہ میت کے مال سے نہ کی جاوے۔ کیونکہ اب وہ مال وارثوں کا ہے۔ یا تو تمام وارث اپنی خوشی سے ایصال ثواب وغیرہ کریں۔ یا پہلے مال تقسیم کریں۔ پھر کوئی وارث اپنے حصے سے یہ کار خیر کرے۔ اگر کوئی وارث نابالغ یا غائب ہے تو مال مشترکہ سے ختم فاتحہ نہ کرائی جاوے۔ خیرات وصدقات کا زمانہ اپنی زندگی ہے۔ جو کچھ ہو سکے جیتے جی اپنے ہاتھوں سے کر جاؤ۔ مرتے ہی بلکہ مرض الموت میں مبتلا ہوتے ہی مال کسی اور کا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارگاہ الٰہی میں ایسا قرب خصوصی حاصل ہے۔ جو ہمارے خیال سے وراء ہے دیکھو کلالہ کے متعلق فتویٰ پوچھا گیا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر جواب دیا رب تعالیٰ نے۔ ورنہ جس سے سوال ہو وہ ہی جواب دیتا ہے۔ یا اس کا مالک یا اس کا مختار یہ فائدہ **قل اللہ یفتیکم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** مرضی الٰہی یہ ہے کہ مسلمان کسی چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہوں۔ ہر وقت ہر طرح ہر چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حاجت مند رہیں دیکھو کلالہ کی تعریف میں ایک بات قرآن مجید نے بیان فرمائی۔ یعنی اولاد نہ ہونا یعنی دوسری بات، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائی ماں باپ نہ ہونا۔ یہ فائدہ **لیس لہ ولد** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے نماز وزکوٰۃ کا حکم دیا مگر اس کی تفصیل نہ بتائی۔ یہ تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی۔ **تیسرا فائدہ** مرد عورت سے افضل ہے۔ اسی لئے پہلے مرد کا ذکر فرمایا جاتا ہے۔ پھر عورت۔ دیکھو یہاں کلالہ مرد کا ذکر پہلے ہوا اور کلالہ عورت کا ذکر بعد میں آتا ہے۔ **ان المومنین والمومنات** یہ فائدہ **ان امرؤ ھلک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** اگر کلالہ کی صرف بہن ہو تو ذی فرض ہوگی۔ اور اگر صرف بھائی ہو تو عصبہ ہوگا۔ ذی فرض نہ ہوگا۔ دیکھو بہن کے لئے فرمایا۔ **فلھا النصف** اور بھائی کے لئے فرمایا **وھو یرثھا** **پانچواں فائدہ** اگر کلالہ کے بہن بھائی دونوں ہوں تو بہن اپنے بھائی کی وجہ سے عصبہ ہو جائے گی یعنی عصبہ بغیرہ یہ فائدہ **مثل حظ الانثیین** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** جس میت نے اپنی بیٹی چھوڑی ہو وہ کلالہ نہیں اور اس صورت میں اس کی بہن ذی فرض نہ ہوگی۔ عصبہ ہی ہوگی۔ یہ فائدہ **لیس لہ ولد** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں ولد کی نفی کی صرف ابن کی نفی نہ کی۔ **ساتواں فائدہ** میراث کے مسائل میں دو بھی جماعت ہے۔ کہ جتنا حق دو وارثوں کا ہوتا ہے۔ اتنا ہی زیادہ کا۔ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

ان کانتا اثنتین سے حاصل ہوا۔ وہ جو حدیث شریف میں ہے۔ کہ **اثنان فما فوقھما جماعۃ** یعنی دو اور زیادہ جماعت ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہی ہے کہ میراث کے حق میں جماعت ہیں آٹھواں فائدہ میراث کے مسائل نہایت ہی اہم ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے جتنی تفصیل ان کی فرمائی اور دوسرے شرعی احکام کی نہ فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم فرائض (میراث) سیکھو کیونکہ یہ آدھا علم ہے۔ یعنی سارے علوم ایک طرف یہ اکیلا علم ایک جانب کہ سارے علوم کا تعلق انسان کی زندگی سے ہے۔ اور اس علم کا تعلق انسان کی موت سے۔ آدھے میں سارے علوم ادھے ہیں۔ یہ اکیلا علم۔ نواں فائدہ علم میراث کے مسائل عقل و قیاس سے وراء ہیں۔ ان کو مان لو وجہ نہ پوچھو یہ فائدہ **واللہ بکل شئی علیم** سے حاصل ہوا۔ مریض طبیب کے نسخہ میں دواؤں کے اوزان پر بحث نہیں کرتا کہ یہ دوا دو ماشہ کیوں ہے یہ ۵ ماشہ کیوں بلکہ بغیر بحث و مناظرہ کے نسخہ استعمال کرتا ہے۔ یوں ہی بندہ کو چاہیے کہ میراث کے حصوں کی مقدار سے بحث نہ کرے۔ بغیر چون و چرا عمل کرے۔ رب نے جسے جو دیا حق دیا۔ ہر چیز میں اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں ایسی رکھی ہیں۔ جو سمجھ میں نہیں آتیں۔ تاکہ انسان بندہ بن کر رہے بندہ مجبور ہو کر رب کو مانتا ہے۔ مجبوری خواہ مالی ہو یا عقلی یا علمی یا قوت و اسباب کی مجبوری ہو۔ انسانی جسم جانا پہچانا جاتا ہے۔ مگر روح جان پہچان سے وراء ہے۔ وہاں یہ ہی کہنا پڑتا ہے کہ رب جانے یہ کیا ہے۔ درخت کی شاخیں پتے جڑ دیکھی جاسکتی ہیں۔ مگر اندرونی رس دیکھا پہچانا نہیں جاتا۔ یونہی شریعت کے بہت سے احکام کی وجہ سے ان کی حکمتیں عقل معلوم کر لیتی ہے۔ مگر میراث کے حصے۔ نماز کی رکعات زکوٰۃ کی تعداد وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جہاں عقل جواب دے جاتی ہے۔ وہاں کہنا پڑتا ہے ان کی حکمتیں رب جانے اس لئے اس آیت کے آخیر میں ارشاد ہوا **واللہ بکل شئی علیم**

نوٹ ضروری کلالہ کا مسئلہ اور علم میراث کے تمام مسائل ہماری کتاب علم المیراث میں مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض قرآن مجید میں بہن بھائیوں کا حصہ یہاں کچھ اور بیان ہوا ہے اور سورہ نساء کے شروع میں کچھ اور بیان ہوا۔ ان دونوں بیانوں میں بڑا فرق ہے۔ وہاں ایک بہن کا چھٹا حصہ زیادہ کا تہائی فرمایا گیا۔ اور وہاں بہن بھائی کا حصہ برابر رکھا گیا۔ مگر یہاں ایک بہن کا آدھا زیادہ کا دو تہائی حصہ فرمایا گیا۔ اور بھائی کا حصہ بہن سے دوگنا۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ وہاں شروع میں سورہ نساء میں اخیافی بھائی بہن مراد ہیں یعنی ماں شریکے ان کا حصہ وہ ہی چھٹا حصہ اور تہائی ہے۔ اخیافی بھائی بہن حصہ میں برابر ہوتے ہیں اور یہاں حقیقی اور علاتی بھائی بہن مراد ہیں۔ ان کا حصہ وہ ہی ہے جو یہاں ارشاد ہوا۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کلالہ وہ ہے۔ جس کے لاولد ہو۔ تم نے ماں باپ کے نہ ہونے کی قید کہاں سے لگائی۔ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس یہ ہی فرماتے ہیں۔ دیکھو تفسیر احمدی اور تفسیر ابن کثیر۔ **جواب** ہاں ان دونوں بزرگوں کا یہی قول ہے۔ مگر جمہور صحابہ اور عام

www.alahazratnetwork.org

تابعین یہ ہی فرماتے ہیں کہ کلالہ وہ ہے جس کے اولاد بھی نہ ہو ماں باپ بھی نہ ہوں۔ حضرت زید ابن ثابت جو علم فرائض کے امام ہیں۔ ان کا بھی یہ ہی قول ہے۔ چنانچہ بھائی بہن باپ دادا کے ہوتے ہوئے محروم ہیں۔ لطیفہ حضرت عبد اللہ ابن عباس و عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے مروی ہے۔ کہ وہ دونوں حضرات بیٹی کے ہوتے بہن کو محروم مانتے ہیں۔ وہ اسی آیت سے دلیل لیتے ہیں کہ اگر ولد نہ ہو تو بہن کو ملے گا۔ اور ولد کہتے ہیں بیٹے بیٹی کو مگر تمام صحابہ ان کے مخالف ہیں۔ حدیث صحیح میں ہے۔ **اجعلو الاخوات مع البنات عصبة** بیٹیوں کے ساتھ بہنوں کو عصبہ بناؤ چنانچہ بخاری شریف میں بروایت شرحبیل ابن حسنہ روایت کی کہ ایک شخص نے حضرت موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے ایک مسئلہ پوچھا کہ ایک شخص نے ایک بیٹی۔ ایک پوتی ایک بہن چھوڑی ان کی میراث کیسے تقسیم ہو۔ آپ نے فرمایا بیٹی کو آدھا اور بہن کو آدھا اور پوتی محروم اور فرمایا کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مسئلہ پوچھ لو۔ وہ بھی یہ ہی بتائیں گے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا۔ کہ اگر میں یہ فتویٰ دوں تو میں گمراہ ہو جاؤں گا۔ یہاں بیٹی کو آدھا ہے پوتی کو چھٹا حصہ۔ باقی تہائی بہن کو اور فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے واقعہ پر یہ ہی فیصلہ فرمایا۔ تفسیر ابن کثیر و احمدی تیسرا اعتراض اگر مسئلہ یہ ہے تو یہاں فرمانا چاہیے تھا **ولیس له ابن** کیونکہ ولد بیٹا بیٹی دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ جواب یہاں بہن کی محرومی کا ذکر نہیں۔ بلکہ بہن کے ذی فرض ہو کر نصف یا دو تہائی لینے کا ذکر ہے۔ یہ بات بیٹی کے ہوتے ہوئے بھی ہو جاتی ہے بیٹے سے۔ بہن بالکل محروم ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے سارے شرعی احکام اپنے محبوب کے سپرد فرمادیئے کہ وہ بیان کریں۔ مگر وارثوں کے حصے خود بیان فرمائے۔ اپنے محبوب کے سپرد نہ فرمائے۔ اس میں یہ حکمت ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ میراث کے حصے مقرر فرمائے جاتے تو شیطان کسی کے دل میں وسوسہ ڈال دیتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض وارثوں کی طرف داری کی ہے۔ یہ وسوسہ کفر ہوتا۔ ہم کو کفر سے بچانے ایمان پر قائم رکھنے کے لئے اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے اعتراض سے بچانے کے لئے یہ کام خود کیا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین میں کفار ہوازن کا مال تقسیم فرمایا اور نو مسلموں کو زیادہ عطا فرمایا تو بعض لوگوں کے منہ سے نکل ہی گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قریش کو اتنا دیتے ہیں اور ہم کو محروم رکھتے ہیں۔ حالانکہ ہماری تلواریں ہوازن کے خون سے تر ہیں۔ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انصار کو جمع فرما کر ارشاد فرمایا کہ ہم نو مسلموں کو اس لئے زیادہ عطا فرماتے ہیں کہ وہ اسلام پر خوب جم جاویں۔ تم تو پہلے ہی جمے ہوئے ہو۔ تب ان کے دلوں کو تسلی ہوئی غرض کہ مال کی تقسیم بہت نازک چیز ہے اس میں لوگ جلد بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اس لئے اپنے کو اس سے محفوظ رکھنا مناسب ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے نسب کے ذریعہ مالی میراث ملتی ہے۔ ویسے ہی نسبت کے ذریعہ حالی اور کمالی میراث ملتی ہے جس قدر نسب کی قرابت قوی اور قریب ہے۔ اسی قدر میراث کا حصہ زیادہ ایسے ہی جس قدر نسبت قوی کمال کا حصہ زیادہ اور جیسے ماں باپ سے نسب بھائی بہن کی

www.alahazratnetwork.org

میراث کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت اولیاء اللہ کے فیوض کا ان کے کمال میراث کا وسیلہ ہے۔ اور جیسے اگر بس اکیلی ہو تو اس کی میراث اور ہے اور اگر بھائی سے مل کر آوے تو میراث کچھ اور۔ اور یونہی اگر نفس اکیلا ہو تو اس کا نور سے حصہ کچھ اور اگر دل سے ملا ہو تو حصہ کچھ اور ہے۔ غرض کہ اس مال میراث سے کمال میراث کا پتہ لگاؤ۔ نسب سے نسبت کو پہچانو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے مالی میراث کے لئے رشتے دو قسم کے ہیں۔ قدرتی رشتے جیسے نسب اور اختیاری رشتے جیسے سبب یعنی نکاح و زوجیت۔ ایسے ہی کمال و حال کی وراثت کے لئے نسبت دو قسم کی ہے۔ قدرتی نسبت اور سببی نسبت۔ حضرت مریم کو بزرگوں سے اور جناب اویس قرنی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے قدرتی نسبت تھی۔ بعض دوسرے حضرات کو سببی نسبت حاصل ہوئی۔ نسبت و نفرت یہ دونوں چیزیں عجیب تاثیر رکھتی ہیں۔ نسبت سے کمال ملتا ہے۔ نفرت سے وبال آتا ہے۔ نفرت بھی قدرتی اور سببی ہر طرح کی ہوتی ہے۔ ابولہب بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ہے۔ اور حضرت عباس اور حمزہ بھی چچا۔ مگر ابولہب کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے قدرتی نفرت ہوئی۔ حضرت حمزہ کو قدرتی نسبت اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو سببی نسبت عطا ہوئی۔ ابولہب کا یہ حال ہوا کہ کسی کافر کے لئے قرآن کریم میں پوری سورت نہیں آئی۔ سواء ابولہب کے۔ یہ بدترین کافر ہوا اور حضرت حمزہ سید الشہداء رضی اللہ عنہ ہوئے۔ کنعان باوجودیکہ حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا ان کی آغوش میں پلا ان کے گھر میں رہا مگر اس کے دل میں اپنے باپ کی قدرتی نفرت ہی رہی۔ مارا گیا۔ سببی نسبت کبھی تو کسی نسبت والے کی صحبت سے میسر ہوتی ہے۔ جیسے اپنے شیخ کی محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت میسر ہو جائے اور کبھی کسی بلا و مصیبت میں گرفتار ہو کر میسر ہو جاتی ہے۔ حضرت خالد ابن ولید کو متواتر مسلمانوں سے شکست کھانے کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا۔ کبھی عبادات اتباع سنت کی برکت سے یہ نسبت میسر ہو جاتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

آیاتہا ۱۲۰ ۞ سُوْرَۃُ الْمَآئِدَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۲ رکوعاتہا ۱۶

المنزل ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِیْمَةُ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے پورا کرو عہدوں کو حلال کئے گئے واسطے تمہارے بے زبان جانور

اے ایمان والو اپنے قول پورے کرو تمہارے لئے حلال ہوئے بے زبان مویشی مگر وہ جو

الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا یُتْلٰى عَلَیْكُمْ غَیْرَ مُحِلِّی الصَّیْدِ وَ اَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

مگر وہ جو تلاوت کی جائے اوپر تمہارے نہ حلال سمجھنے والے شکار کو حالانکہ تم احرام والے ہو

آگے سنایا جاوے گا لیکن شکار حلال نہ سمجھو جب تم احرام میں ہو بے شک اللہ حکم فرماتا ہے

یَحْكُمُ مَا یُرِیْدُ ۝۱

تحقیق اللہ حکم دیتا ہے جو چاہے۔

جو چاہے۔

تعلق سورہ مائدہ کا سورہ نساء سے تعلق یہ ہے کہ سورہ نساء میں معاشرہ پر بہت زور دیا گیا تھا۔ یعنی بیویوں قرابت داروں عزیزوں سے تعلقات ان سے برتاؤں کا ذکر تھا۔ اب اس سورہ مائدہ میں تمدن یعنی قوموں کے تعلقات کی تعلیم دی گئی ہے۔ معاشرہ اور تمدن آپس میں بہت گہرا تعلق ہیں۔ معاشرہ پہلے درست کیا جاوے۔ پھر تمدن درست کیا جاوے۔ اس لئے سورہ نساء پہلے ارشاد ہوئی مائدہ بعد میں۔ نیز سورہ نساء میں زیادہ تر یہود کی تردید فرمائی گئی تھی۔ سورہ مائدہ میں عیسائیوں کی تردید پر زور ہے۔ گویا مغضوب علیہم کا ذکر فرما کر ضالین کا فرمایا گیا تاکہ مسلمان دونوں سے بچیں۔

اور آیت کا تعلق آیت سے یہ ہے کہ سورہ نساء کی آخری آیت میں اس مال کا ذکر تھا جو میت کے بہن بھائی کو بطور میراث ملے۔ میراث بھی ملک کا ذریعہ ہے۔ سورہ مائدہ کی پہلی آیت میں عقود' عہود پورا کرنے کا حکم ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ عقد یا عہد کے ذریعہ جو مال حاصل ہو وہ حلال ہے۔ گویا ایک حلال آمدنی کے بعد دوسری حلال آمدنی کا ذکر فرمایا گیا۔ جو بذریعہ عقد و عہد کے ہو۔

www.alahazratnetwork.org

سورہ مائدہ سورہ آیت' رکوع منزل کے معنی اور سورۃ کی قسمیں وجہ تسمیہ ہم سورہ بقر کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس سورت میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قوم پر غیبی دسترخوان آنے کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورہ مائدہ ہے۔ عربی میں مائدہ دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورہ کا نام سورہ عقود اور سورہ **منقذہ** بھی ہے (روح المعانی) یہ سورہ مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔ اس سورت کی اکثر آیات ۵ اور ۷ ہجری کے درمیان نازل ہوئیں۔ آیت **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ حجۃ الوداع میں مقام عرفات شریف میں نازل ہوئی۔ اس سورہ میں سولہ رکوع اور ایک سو بیس آیات دو ہزار آٹھ سو چار کلمات ہیں اور گیارہ ہزار سات سو تینتیس حرف ہیں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اس سورت میں اٹھارہ قسم کے احکام اتارے ہیں۔ اور دوسری سورت میں اتنی قسم کے احکام نہیں جیسے حرام جانوروں کی تفصیل فال کھولنے کی حرمت۔ شکار کے احکام اہل کتاب کے ذبیحہ کا حکم۔ طہارت کی تفصیل' چوروں کی سزا۔ احرام کی حالت میں شکار حرام ہونے کا حکم۔ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں و میلہ حام وغیرہ کا حکم۔ وصیت اور اس پر گواہی کا حکم۔ اذان وغیرہ کا حکم (تفسیر سراج منیر) محققین علماء کے نزدیک اس سورہ میں صرف دو آیتیں منسوخ ہیں۔ ایک تو **لا تحلوا شعائر اللہ ولا الشهر الحرام** الخ دوسری **فاحکم بینهم او اعرض عنهم** بعض مفسرین نے کم و بیش کا ذکر فرمایا (روح المعانی) سورہ مائدہ دوسری منزل کی پہلی سورت ہے کہ قرآن مجید کی دوسری منزل یہاں سے شروع ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں کل سات منزلیں ہیں جنہیں فمی بشوق میں جمع کیا گیا ہے۔ سورہ فاتحہ' مائدہ' یونس' بنی اسرائیل' شعراء' والذریات' سورۃ ق یہ منزلوں کے مبدا ہیں۔

تفسیر **یایها الذین امنوا اوفوا بالعقود** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے اور **الذین امنوا** سے مراد اہل کتاب ہیں اور عقود سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں۔ جو توریت و انجیل میں اہل کتاب سے لئے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا۔ حضور کی صفات ظاہر کرنا جو ان کتب میں مذکور ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اے وہ لوگو جو توریت و انجیل کو ماننے کے مدعی ہو ان عہد و پیمانوں کو پورا کرو جو تم سے لئے جا چکے ہیں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ اور ہو سکتا ہے کہ ایمان سے مراد میثاق کے دن کا ایمان ہو جو قالوا بلیٰ سے لیا گیا تھا اور اس میں خطاب سارے انسانوں بلکہ جنات سے بھی ہو۔ اس سورت میں عقود سے مراد وہ عہد و پیمان ہوں گے جو میثاق کے دن اللہ تعالیٰ سے کئے تھے۔ یعنی اے وہ لوگو جو میثاق کے دن قالوا بلیٰ کہہ کر ایمان لا چکے ہو ان عہود اور وعدوں کو پورا کرو جو ہم سے کیے گئے تھے کہ ایمان لاؤ نبی کی فرمانبرداری کرو۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ ایمان سے مراد شرعی ایمان ہے اور خطاب مسلمانوں سے ہے۔ اور عقود سے مراد تمام عہد و پیمان ہیں۔ خواہ صریحی عہود ہوں یا ضمنی عہد یا تحریری عہد و پیمان ہوں۔ مومن کلمہ پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ سے عبدیت کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نبوت و امتیت کے عہد کر لیتا ہے۔ ماں باپ سے ابنیت کے بھائیوں سے اخوت کے عہد و پیمان کرتا ہے۔ ان سب عہدوں کا ایفا لازم ہے۔ ان سب کو ایک ہی اوفوا بالعقود میں بیان فرما دیا۔

www.alahazratnetwork.org

اوفوا بنا ہے ایفاء سے جس کا مادہ وفاء یا وفی ہے ۔ بمعنی حفاظت کرنا پورا کرنا۔ یہ باب تفعیل سے بھی آتا ہے اور باب افعال سے بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وابراھیم الذی وفی** اب اصطلاح میں وعدہ پورا کرنے کو وفا کہا جاتا ہے یہ ہی معنی یہاں مراد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والموفون بعھدھم۔ عقود** جمع ہے عقد کی۔ عقد کے معنی ہیں گرہ لگانا۔ مضبوط باندھنا کسی چیز کو کسی سے ملانا (تفسیر کبیر روح المعانی) اصطلاح میں معاہدہ کرنے اقرار کرنے کو عقد کہا جاتا ہے عہد اکیلا آدمی بھی کر سکتا ہے مگر عقد دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے۔ عقد اس معاہدہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ جس سے کوئی چیز منعقد ہو جاوے جیسے عقد نکاح عقد بیع عقد اجارہ وغیرہ حق یہ ہے کہ یہاں عقود میں سارے معاہدے مراد ہیں۔ خواہ بندے نے رب تعالیٰ سے کئے ہوں۔ یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اپنے شیخ و استاد سے۔ خواہ آپس میں ایک دوسرے سے جائز معاہدے ہوں۔ جیسے نکاح، تجارت، کرایہ وغیرہ یا جو کفار سے کئے جاویں جیسے عقد صلح تعاون وغیرہ (روح المعانی) یعنی اے ایمان والو تم سارے عہد و پیمان پورے کرو۔ ایمان لا کر جو اللہ رسول سے عہد کئے بیعت ہو کر جو شیخ سے عہد کئے نکاح کر کے جو زوجین نے آپس میں عہد کئے۔ بیع، اجارہ کر کے جو ایک دوسرے سے عہد کئے۔ صلح وغیرہ کے ذریعہ جو کفار سے عہد کئے۔ کسی سے کوئی وعدہ کر کے اس سے عہد کئے یہ سب پورے کرو۔ العقود جمع فرما کر ان تمام قسموں کے عہد مراد لے لئے گئے۔ الف لام عہدی ہے۔ جس سے سارے جائز عہد مراد ہیں۔ ناجائز وعدہ پورا کرنا حرام ہے۔ جیسے زنا۔ چوری کرنے کا وعدہ۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے عقود کی چوبیس قسمیں بیان فرمائیں اور ان میں ہر ایک قسم کا حکم بیان فرمایا کہ کسی عہد کا پورا کرنا فرض ہے کسی کا پورا کرنا مستحب کسی کا پورا کرنا حرام ہے کسی کا پورا کرنا کفر ہے پھر فرمایا کہ یہاں ہر وہ عہد مراد ہے جس کا پورا کرنا فرض یا واجب یا مستحب ہے **احلت لکم بھیمۃ الانعام** یہ جملہ ایفائے عقود کی تفصیل ہے کہ عقود میں وہ عقد بھی داخل ہے جو بندوں کا رب تعالیٰ کے ساتھ ہے یعنی عبدیت اور الوہیت کا کہ رب تعالیٰ ہمارا الٰہ ہے۔ مالک ہے۔ ہم اس کے بندے مملوک ہیں اور بندے غلام کی شان یہ ہے کہ جو مولا کھلائے سو کھائے جو پلائے وہ پئے۔ جو پہنائے وہ پہنے۔ جب سلائے تب سوئے۔ جب جگائے تب جاگے اور مالک کی شان یہ ہے کہ اپنے مملوک کی ہر حاجت پوری کرے۔ گویا بندے کو فکر ہو مالک کے راضی رکھنے اس کی خدمت کرنے کی۔ مالک کو خیال ہو بندے کی ضروریات پوری کرنے کا اس لئے عقود کے ساتھ رب نے حلال غذاؤں کا ذکر کیا کہ تم فلاں فلاں چیز کھاؤ اور فلاں چیز نہ کھاؤ اس لئے فرمایا کہ ہمارا حکم یہ ہے۔ تمہارے لئے فلاں جانور حلال ہیں۔ لہٰذا انہیں حلال جانو اور کھاؤ ان کا حلال جاننا اس عہد کا پورا کرنا ہے۔ احلت بنا ہے احلال سے جس کا مادہ حل ہے۔ بمعنی کھل جانا۔ اسی لئے احرام کھولنے کو احلال کہتے ہیں کہ اس سے احرام کی پابندیوں سے حاجی کھل جاتے ہیں۔ حرم شریف کے سوا زمین کو حل کہتے ہیں کہ وہاں پہنچ کر انسان حرم کی پابندیوں سے کھل جاتا ہے۔ **وانت حل بھذا البلد** میں حل یا تو حلول سے بنا ہے یا حلال سے۔ یعنی آپ مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہیں یا آپ فتح مکہ کے دن حلال ہو کر بغیر احرام باندھے تشریف لائے ہیں۔ جائز چیزوں کو حلال کہتے ہیں کہ شریعت نے

www.alahazratnetwork.org

بندوں کو ان کے استعمال کی کھلی اجازت دے دی ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے لکم میں خطاب سارے مومنین سے ہے۔ احلت ماضی فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ آیت کریمہ تو ہجرت کے پانچ سال بعد اتری۔ مگر ہمارے محبوب نے تم کو حرام و حلال غذائیں پہلے ہی بتادی تھیں۔ اور تم ان احکام پر پہلے ہی سے عامل و کاربند ہو۔ گویا یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دیئے ہوئے احکام کی تائید ہے۔ کیونکہ مسلمان ہجرت سے پہلے ہی یہ حلال جانور کھاتے تھے اور حرام جانوروں سور کتوں بلوں وغیرہ سے پرہیز کرتے تھے۔ یہ آیت تو نبوت کے ظہور سے اٹھارہ برس بعد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے اٹھاون برس بعد اتری اس عرصہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین مکہ پہلے ہی سے حلال گوشت کھاتے رہے۔ حرام سے پرہیز کرتے رہے **بھیمہ** بنا ہے **بھم** سے بمعنی مضبوطی اور پوشیدگی اس لئے سخت پتھر کو اور بہادر انسان کو بہمہ کہا جاتا ہے۔ خفیہ بات کو مبہم۔ خفیہ بات کرنے کو ابہام کہا جاتا ہے اب بے عقل جاندار یعنی جانوروں کو بہمہ کہتے ہیں۔ کیونکہ انسانوں کی بات ان سے خفیہ رہتی ہے۔ وہ کچھ سمجھ نہیں سکتے اور ان کی حالت انسانوں سے خفیہ کہ وہ کسی سے کچھ کہہ نہیں سکتے عرف میں درندوں پرندوں کے سوا دوسرے جانوروں کو بہیمہ کہتے ہیں یا ہر چوپایہ کو خواہ خشکی کا ہو یا دریائی۔ انعام جمع ہے نعم کی بمعنی اچھی حالت یا اچھی چیز اسی سے ہے **نعمۃ** اہل عرب اونٹ کو انعام کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک یہ بڑی اچھی چیز ہے۔ بہیمہ عام ہے۔ انعام خاص۔ یعنی بہیمہ ہر بے زبان چوپایہ ہے اور انعام اونٹ اور اس کے مشابہ جانور جیسے گائے۔ بکری دنبہ عام کی اضافت خاص کی طرف اگر مفید ہو تو جائز ہے جیسے کہا جاتا ہے مدینۃ البغداد یا شجر اراک یعنی بغداد کا شہر۔ پیلو کا درخت۔ یہاں اضافت یا بیان کے لئے ہے یا تشبیہ کے لئے (روح المعانی) یعنی حلال کئے گئے تمہارے لئے چارپائے جانور یعنی اونٹ یا تو تمہارے لئے اونٹ۔ جیسے چوپائے حلال کئے گئے۔ حلال سے مراد کھانا حلال ہونا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس۔ ابن عمر امام جعفر صادق اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بہیمہ سے مراد ہے پیٹ کا بچہ۔ انعام سے مراد ہے حلال چوپایہ تو معنی یہ ہوئے کہ تمہارے لئے جانور مذبوحہ کے پیٹ کے بچے حلال ہیں۔ کہ اگر گائے وغیرہ کے پیٹ میں بعد ذبح بچہ نکل آوے تو وہ بھی حلال ہے۔ ہمارے ہاں اس شرط سے کہ وہ بھی ذبح کرلیا جاوے اس طرح کہ اس میں جان پڑ چکی ہو۔ امام شافعی کے ہاں مطلقاً (تفسیر کبیر و روح المعانی) **الا ما یتلی علیکم** یہ عبارت **بھیمۃ الانعام** سے مستثنیٰ ہے۔ ما سے مراد جانور ہیں۔ **یتلی علیکم** کا مطلب بھی یہ نہیں کہ وہ جانور جن کا ذکر آگے ہوگا۔ سور' مردار وغیرہ وہ آج تمہارے لئے حلال ہیں۔ مسلمانوں نے ہجرت سے پہلے بھی کبھی سور مردار نہ کھائے۔ ان سب جانوروں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی روک دیا تھا مطلب یہ ہے کہ وہ جانور جنہیں ہمارے محبوب نے پہلے ہی حرام فرمادیا ہے اور قرآن کریم میں بھی عنقریب بیان کردیئے جائیں گے وہ حرام ہیں۔ ان کے سوا باقی حلال۔ لہذا آیت بالکل واضح ہے **غیر محلی الصید وانتم حرم** لفظ **غیر** **لکم** کی ضمیر کم سے حال ہے صید سے مراد یا شکار کرنا ہے یا شکار **وانتم حرم** **محلی** کی ضمیر سے حال ہے۔ حرم جمع ہے حرام کی بمعنی محرم' محرم کے

www.alahazratnetwork.org

معنی ہیں حرم شریف میں داخل ہونے والا یا حج و عمرہ کا احرام باندھنے والا۔ چونکہ کبھی انسان ان مذکورہ جانوں کو ذبح نہیں کرتا۔ شکار سے کام چلاتا ہے کہ وہ گوشت مفت ہی مل جاتا ہے اس لئے یہاں یہ قید لگائی۔ یعنی یہ جانور مذکورہ تمہارے لئے حلال تو ہیں مگر خیال رکھنا کہ بحالت احرام یا حرم شریف میں ذبح کر انہیں پر گزارہ کرنا۔ شکار کی طرف رخ نہ کرنا۔ کیونکہ اس جگہ یا اس وقت تم پر شکار کرنا شکار کھانا حرام ہے۔ یا یوں کہو کہ بہیمۃ الانعام میں ہرن۔ نیل گائے وغیرہ شکاری جانور بھی داخل تھے۔ اس جملہ سے انہیں نکال دیا گیا۔ یعنی تمہارے لئے بے زبان چوپایہ یہ پالتو یا شکاری سب حلال کئے گئے مگر بحالت حرام یا حرم شریف میں شکاری جانور حرام ہیں۔ لہٰذا یہ استثنا متصل ہے اور آیت بالکل واضح ہے۔ **ان اللہ یحکم ما یرید** اس جملہ میں پچھلے حکم کی حکمت بیان ہوئی۔ مقصد یہ ہے کہ جانوروں کے حلال و حرام ہونے میں تمہاری عقل کام نہیں کر سکتی عقل نہیں سمجھ سکتی کہ کتا بلی کیوں حرام ہیں اور بکری و خرگوش کیوں حلال یا اور زمین کا شکار کیوں حلال ہے۔ حرم شریف کا شکار کیوں حرام یا دیگر حالات کا شکار کیوں حلال ہے احرام کی حالت کا شکار کیوں حرام۔ اس کی حکمتیں ہم جانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم نافذ فرماتا ہے یا جو چاہتا ہے۔ فیصلہ کرتا ہے۔

خلاصہ تفسیر ہماری بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ جو بہت قوی ہے۔ اے مسلمانوں تمام وہ جائز وعدے عہد و پیمان پورے کرو جو تم نے رب تعالیٰ سے یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اپنے شیخ یا استاذ سے یا آپس میں ایک دوسرے سے کئے ہیں۔ خواہ زوجین کے آپس کے معاہدے ہوں یا دوسرے عزیزوں سے یا مسلمان قوم سے یا کفار سے۔ بہر حال سارے وعدے پورے کرو۔ اسی وفاء عہد کے سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ تم ہمارے حلال کئے ہوئے جانوروں کو حلال جانو اور کھاؤ اور ہمارے حرام کئے ہوئے جانوروں کو حرام جانو۔ ان سے بچو۔ ہم فرماتے ہیں کہ تمہارے لئے تمام چوپائے جانور حلال کر دیئے گئے۔ بجز ان کے جو عنقریب تم کو بتا دیئے جائیں گے۔ ان حلال چوپایوں میں بھی یہ قید ہے کہ بحالت احرام بھی اور حرم شریف میں بھی کسی شکاری چوپایہ کو حلال مت جاننا۔ وہ تم پر حرام ہیں۔ ان حلال و حرام جانوروں کے متعلق کچھ چون و چرا نہ کرو۔ بس یہ سمجھ لو کہ رب تعالیٰ علیم و حکیم ہے۔ اس کے ہر حکم میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ جو جانور حلال کئے گئے ان میں تمہارے لئے فائدے ہیں اور جو جانور حرام کئے ان میں تمہارے لئے نقصان ہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ چوپائے حلال جانور دو قسم کے ہیں۔ پالتو جیسے اونٹ گائے بکری وغیرہ دوسرے شکاری جیسے ہرن نیل گائے وغیرہ پالتو چوپائے تو بہر حال حلال ہیں۔ شکاری چوپائے بحالت احرام بھی اور حرم شریف میں بھی۔ ان کا شکار حرام ہے۔ رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ وہ حاکم ہے جو چاہے حکم دے۔ خیال رہے کہ مسلمانوں کے لئے خوراک و غذا نہایت ہی اہم چیزیں ہیں کہ غذا سے نفس قائم ہے نکاح سے نسب قائم حرام غذا خون گوشت پوست وغیرہ کو بگاڑ دے گی۔ اور حرام عورت سے نکاح کر لینا نسب کو خراب کرے گا۔ مگر حرام عورتوں اور حرام غذاؤں کے احکام بعد ہجرت آئے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی مسلمانوں کو نکاح و غذا کے احکام دے

www.alahazratnetwork.org

دیئے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی تائید فرمائی۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہماری غذا میں نباتات یعنی دانے سبزیاں اور حیوانات داخل ہیں۔ بلکہ کبھی جمادات بھی غذائیں بن جاتے ہیں جیسے موتی۔ مونگا وغیرہ۔ قرآن کریم نے صرف حیوانی غذاؤں کا ذکر فرمایا وہ بھی نہایت اجمال کہ صرف سور کا گوشت حرام فرمایا باقی کتا گدھا اور سور کی چربی۔ کپی گردے وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمائے اور نباتات و جمادات کی حلت و حرمت کا قرآن کریم نے کہیں ذکر نہیں فرمایا۔ کہ مولی 'گاجر' شلغم حلال ہیں۔ اس کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہیں کہ جو نباتات و جمادات نشہ یا نقصان دے وہ حرام ہے۔ بھنگ چرس 'نشہ کی وجہ سے زہر سنکھیا ضرر کی وجہ سے حرام ہے۔ جو نشہ یا ضرر نہ دیں وہ حلال ہیں حتی کہ اگر سنکھیا بھی ضرر نہ دے تو حلال ہے اطباء بعض دواؤں میں استعمال کراتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مسلمان کو چاہیے کہ عبادات کے ساتھ معاملات بھی درست کرے۔ عبادات و معاملات دونوں روحانی پرواز کے دو پر ہیں۔ جیسے پرندہ بغیر دونوں پروں کے نہیں اڑ سکتا یونہی مسلمان بغیر ان دونوں کے ترقی نہیں کر سکتا یہ فائدہ **اوفوا بالعقود** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جس سے جو وعدہ کر جاوے اسے ضرور پورا کیا جاوے یہ فائدہ بھی **اوفوا بالعقود** سے حاصل ہوا۔ اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **اوفوا بالعهد ان العهد كان مسؤلا** بشرطیکہ جائز کام یا جائز چیز کا وعدہ ہو۔ **تیسرا فائدہ** ناجائز کاموں کے وعدے ہرگز پورے نہ کئے جاویں۔ ان کا توڑ دینا ضروری ہے۔ یہ فائدہ بالعقود کے الف لام عہدی سے حاصل ہوا۔ لہذا 'زنا' چوری جوا و کفر کے وعدے ہرگز پورے نہ کرے۔ انہیں توڑ دے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو ناجائز کام پر قسم کھائے تو قسم توڑ دے اور کفارہ ادا کرے **چوتھا فائدہ** جو کوئی ممانعت کے دنوں میں روزہ رکھنے کی منت مان لے وہ بھی اپنی منت پوری کرے۔ کہ بجائے اس دن کے اور دن میں روزہ رکھ لے۔ یعنی اس کی قضا کرے۔ کیونکہ منت بھی رب تعالیٰ سے معاہدہ ہے۔ اور معاہدہ پورا کرنا ضروری ہے۔ (حنفی) **پانچواں فائدہ** اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جو چیز اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام نہ کی ہو وہ حلال ہے۔ یہ فائدہ **الا ما يتلى عليكم** سے حاصل ہوا۔ کہ سوا ان جانوروں کے جن کو شریعت نے حرام کر دیا باقی تمام جانور حلال ہیں یعنی قرآن و حدیث نے حلال جانوروں کی تفصیل نہ فرمائی صرف حرام جانوروں کی تفصیل کی۔ باقی ان کے ماسوا کو حلال کیا اسی طرح قرآن کریم نے صرف حرام عورتوں کا ذکر فرمایا اور حلال عورتوں کے متعلق فرمایا **واحل لكم ما وراء ذلكم** دوسرے مقام پر ارشاد ہے **قل لا اجد فيما اوحى الى محرما على طاعم يطعمه** الخ جس سے معلوم ہوا کہ جس چیز کی حرمت شریعت میں مذکور نہ ہو وہ حلال ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں۔ جو بلا ثبوت اکثر چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہیں کہ چونکہ یہ کام قرون ثلثہ میں نہ تھا۔ لہذا حرام ہے ان کا یہ قول اس آیت اور دوسری آیات کے خلاف ہے۔ **مسئلہ** ہر وعدہ پورا کرنا ضروری نہیں۔ بعض وعدے پورے کرنے رکن ایمان ہیں۔ بعض فرض۔ بعض واجب بعض مستحب بعض حرام اور بعض کفر جیسا وعدہ اور جیسا موعود

www.alahazratnetwork.org

لہ یعنی جس سے وعدہ کیا جاوے ویسا وعدہ کا حکم۔ اللہ رسول سے کئے ہوئے وعدے ضرور پورے کرے۔ دیکھو نذر پوری نہ کرنے قسم توڑنے پر کفارہ واجب ہے کیوں اس لئے کہ اس میں اللہ سے وعدہ اللہ کی ضمانت توڑنا ہے کسی سے شراب پینے چوری یا جوئے کا وعدہ کیا ہرگز پورا نہ کرے **مسئلہ** اللہ رسول کے سارے وعدے سچے ہیں اگر کبھی ان کا ظہور نہ ہو تو سمجھ لو کہ کوتاہی ہماری طرف سے ہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ رسول وعدے پورے کرنے کا حکم دیں۔ اور خود اپنے وعدے پورے نہ کریں۔ **مسئلہ** جو نباتات یا جمادات نشہ یا نقصان دیں وہ حرام ہیں۔ باقی حلال۔ رہے جانور۔ تو دریائی جانور سب حرام سوا مچھلی کے۔ خشکی کے بے خون والے جانور سب حرام سوا ٹڈی کے۔ خون والے پرندے جو پنجے والے شکاری ہوں وہ حرام باقی حلال اور خون والے چرندے جو کیلی والے ہوں وہ حرام باقی حلال سوا اونٹ کے کہ اس کے منہ میں کیل ہے مگر حلال ہے۔ کیڑے مکوڑے سب حرام جیسے چوہا گوہ وغیرہ۔ اس کی تفصیل ہم دوسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ **چھٹا فائدہ** یہ حالت احرام شکار کرنا حرام ہے۔ ہاں دریائی شکار محرم کو بھی حلال۔ حتیٰ کہ محرم کا شکار کیا ہوا جانور کسی کو حلال نہیں نہ محرم کو نہ دوسرے کو یہ فائدہ **وانتم حرم** سے حاصل ہوا۔ احرام خواہ حج کا ہو یا عمرہ کا محرم کے لئے دریائی شکار کی اجازت دوسری آیت میں مذکور ہے۔ **ساتواں فائدہ** حدود حرم میں شکار کرنا حرام ہے۔ اگر کر لیا تو اس کی قیمت خیرات کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **وانتم حرم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** جانوروں کی حلت و حرمت میں عقل معذور ہے اس میں صرف فرمان شریعت کی پیروی ضروری ہے۔ جیسے نماز کی تعداد رکعات اور زکوٰۃ کی مقداریں عقل سے معلوم نہیں ہو سکتی یہ فائدہ **یحکم ما یرید** سے حاصل ہوا۔ کبھی عقل کو کنارہ کر دینا بھی پڑتا ہے۔ **شعر:**

☆ بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل ☆ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے ☆

نواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے احکام شرعیہ کے مالک و مختار ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے شرعی احکام نزول آیت کے پہلے ہی جاری فرما دیئے تھے چنانچہ حرام و حلال عورتیں۔ حرام و حلال غذائیں وضو اور غسل کے احکام ہجرت کے پہلے ہی دیئے جا چکے تھے۔ ان کا نزول قرآن کریم میں بعد ہجرت ہوا۔ اگر صرف قرآن ہی حاکم ہوتا تو مسلمان ہجرت سے پہلے وضو کیسے کرتے غسل کیونکر کرتے اور نکاح و غذا کے احکام کیسے معلوم کرتے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر عقد و عہد پیمان پورا کرے کیونکہ العقود جمع ہے۔ اور اس پر الف لام استغراقی ہے۔ جس کے معنی ہوئے سارے عقد سارے عہد و پیمان۔ تو کیا حرام کاری، چوری، کفر وغیرہ کے وعدے بھی پورے کرے یہ تو بہت بری بات ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ العقود میں الف لام عہدی ہے جس سے جائز و درست عہدوں عقدوں کی طرف اشارہ ہے۔ استغراق نہیں جائز و ناجائز عہدوں کی تفصیل حدیث شریف میں ہے **دوسرا اعتراض** عربی میں بہیمہ بھی جانور کو کہتے ہیں اور انعام بھی جانور کو کہتے ہیں۔ پھر بہیمہ کی اضافت انعام کی طرف کیونکر جائز ہوئی۔ مضاف و مضاف الیہ میں تغایر چاہیے۔ **جواب** بہیمہ اور انعام میں کئی طرح فرق ہے جو ابھی

www.alahazratnetwork.org

تفسیر میں عرض کئے گئے۔ بہیمہ۔ بمعنی بے زبان انعام۔ بمعنی جانور بہیمہ معنی جانور انعام معنی چوپائے بہیمہ۔ بمعنی چوپائے انعام معنی اونٹ اور اضافت تشبیہ کے لئے یعنی اونٹ جیسے چوپائے حلال ہیں۔ جو شکاری نہ ہوں جیسے گائے بھینس بکری وغیرہ اس اضافت سے کتا، بلی، شیر، چیتا وغیرہ نکل گئے۔ بہیمہ معنی پیٹ کا بچہ انعام معنی چوپایا یعنی اگر مذبوحہ چوپائے کے پیٹ میں بچہ نکلے وہ بھی حلال ہے۔ ہمارے ہاں اگر ذبح کر لیا جاوے۔ شوافع کے ہاں مطلقاً۔ **تیسرا اعتراض** وفا عہد اور جانوروں کی حلت میں کیا مناسبت ہے۔ ان دونوں کو ایک جگہ کیوں جمع فرمایا گیا۔ **جواب** ہر مومن کا اللہ تعالیٰ سے اطاعت و فرمانبرداری کا عہد ہے اور رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کی حلال کردہ چیزوں کو حلال جانے حرام فرمودہ چیزوں کو حرام سمجھے جرح قدح نہ کرے۔ لہٰذا ایفائے عہد کے ساتھ اس کا ذکر گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ میں حرام جانوروں کا نام نہیں لیا بلکہ فرمایا **الا ما یتلی علیکم** وہ آئندہ تم کو بتائے جاویں گے۔ تو اس حرمت کی آیت آنے تک یہ آیت ناقابل عمل ہوگئی کیونکہ اب ہر جانور کے متعلق یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ یہ **ما یتلی علیکم** میں داخل ہو۔ اور وہ حرمت کی آیت اس کے بہت عرصہ بلکہ کئی سال کے بعد آئی۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ اگر طبیب مریض سے کہے کہ تم ہر غذا کھاؤ سوا چند غذاؤں کے جو آئندہ بتائی جائیں گی تو اس دوران میں مریض کچھ نہیں کھا سکتا **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے حرام و حلال جانور امت کو بتا دیئے تھے یہ آیات تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے آئیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اس اجمال سے کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سوا **ما یتلی علیکم** کے باقی تمام جانور حلال ہیں۔ کیونکہ الا حصر کا فائدہ دے رہا ہے اور وہاں اس آیت میں چھ جانوروں کی حرمت کا ذکر ہے جن میں صرف ایک جانور یعنی سو حرام الذات ہے۔ باقی پانچ جانور مردار وغیرہ حرام لغیرہ ہیں تو کیا سور کے سوا باقی تمام چوپائے حلال ہیں جیسے کتا بلی، شیر، چیتا، بھیڑیا وغیرہ۔ **جواب** اس کا جواب پارہ سیقول آیت **انما حرم علیکم** کی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں حصر اضافی ہے حصر حقیقی نہیں۔ یعنی جن جانوروں کو کفار مکہ نے حرام سمجھ رکھا تھا۔ سائبہ بحیرہ وغیرہ ان کے لحاظ سے حصر فرمایا گیا کہ یہ جانور حرام نہیں بلکہ صرف ہمارے بیان فرمائے جانور حرام ہیں۔ یاتلی علیکم سے عام معنی مراد ہیں۔ خواہ قرآن میں ان کی ممانعت آوے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حق ترجمان سے۔ **چھٹا اعتراض** جانوروں کی حلت کے ساتھ احرام کے شکار کی حرمت کا ذکر کیوں فرمایا ان دونوں میں کیا مناسبت ہے۔ یہ تو بے جوڑ سی چیزیں معلوم ہوتی ہیں۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ چوپائے جانور دو قسم کے ہیں۔ پالتو اور شکاری۔ اونٹ، گائے، بکری پالتو ہیں۔ ہرن، نیل گائے شکاری۔ پالتو چوپائے تو بہرحال حلال ہیں۔ اور شکاری چوپائے بحالت احرام حرام ہیں ویسے حلال اس مناسبت سے ہیں دونوں کو جمع فرمایا ان میں بہت ہی مناسبت ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے ایمان والو! میثاق کے دن جو ہمارے تمہارے درمیان عہد و پیمان ہو چکے ہیں وہ پورے کرو۔ عہد یہ

www.alahazratnetwork.org

تھے کہ اپنے وجود خرچ کرو تاکہ مقصود پاؤ ہم تمہارے ہیں۔ تم بھی ہمارے ہو کر رہو۔ ہم سے محبت کرو۔ ہمارے ماسوا کی محبت میں نہ پھنسو۔ جفا پر صبر کرو اور صبر پر مشقت و قوت کے ساتھ قائم رہو۔ تمہارے لئے بہیمۃ الانعام یعنی تمہارے نفس امارہ حلال کیے گئے کہ یہ نفوس امارہ طلب دنیا میں جانوروں کی طرح ہیں کہ انہیں لا الٰہ کی تلوار سے فناہ کرو۔ ہاں جب نفس امارہ نفس **مطمئنہ** بن کر حرم الٰہی میں داخل ہو جائے جس سے خطاب یہ ہو جاوے **ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** اور وہ نفس دنیا سے متنفر ہو وہ حرم کے شکار کی طرح ہے۔ کہ اسے شکار کرنا ممنوع ہے۔ اور جب تم شوق لقاء یار کا احرام باندھ کر کعبہ وصال کی طرف متوجہ ہو اور ہر مرغوب و مرہوب سے علیحدہ ہو جاؤ اور ہر مطلوب و محبوب سے کنارہ کرلو تو تم محرم ہو اس وقت دنیا کے شکار میں مشغول نہ ہو کہ تمہاری یہ حرکت اس احرام کے خلاف ہو گی۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے حکم دیتا ہے۔ جب نفس جانوروں بہائم کی صفت میں ہو تو اس کے ذبح کا حکم دیا اور جب نفس **مطمئنہ** ہو کر رب کی طرف رجوع کرے تو اسے شکار حرم قرار دیا اس کے ذبح سے تم کو منع فرمایا اس میں اس رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں اس کے فرمان پر اعتراض نہ کرو (از روح البیان)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ حلال سمجھو نشانیاں اللہ کی اور نہ حرمت والے مہینہ کو اور نہ ہدی

اے ایمان والو حلال نہ ٹھہراؤ اللہ کے نشان اور نہ ادب والے مہینے اور نہ حرم کو بھیجی ہوئی

لَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَآئِدَ وَلَآ اٰمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ يَبْتَغُوْنَ

اور نہ ہاروں والوں کو اور نہ قصد کرنے والوں کو عزت والے گھر کا جو تلاش کرتے ہو فضل

قربانیاں اور نہ جن کے گلے میں علامتیں آویزاں اور نہ ان کا مال و آبرو جو عزت والے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

ان کے رب سے اور اس کی رضا مندی کو اور جب حلال ہو جاؤ تو تو شکار کرو اور نہ کمائے تم کو

گھر کا قصد کرکے آئیں اپنے رب کے فضل اور خوشی چاہتے اور جب احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔

شَنَاٰنُ قَوْمٍ اَنْ صَدُّوْكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اَنْ تَعْتَدُوْا وَ

دشمنی کسی قوم کی کہ روکا انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے اس پر کہ حد سے بڑھو

اور تمہیں کسی قوم کی عداوت کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا تھا زیادتی کرنے پر نہ ابھارے۔

www.alahazratnetwork.org

تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ

تم اور ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور پرہیزگاری پر اور نہ مدد کرو اوپر گناہ اور حد سے بڑھنے

اور نیکی اور پرہیزگاری پر ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ کرو

ع ۲

وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ۝

ہم اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت عذاب والا ہے

اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اپنے عہد و پیمان پورے کرو اب اس آیت کریمہ میں ان عہد و پیمانوں کی کچھ تفصیل ہے۔ جن کا تعلق حرم شریف سے ہے۔ یا جن کا تعلق محترم مہینوں سے گویا یہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیل ہے۔ کہ اس آیت میں بالکل اجمال تھا اس آیت میں کچھ تفصیل **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حرم شریف اور احرام کی حالت میں شکار کے متعلق کچھ احکام دیئے گئے تھے اب حرم شریف کی دوسری چیزوں کے متعلق احکام بیان ہو رہے ہیں۔ ہدی وغیرہ گویا حرم کی ایک حرمت کا ذکر پہلے تھا دوسری حرمت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ان شکاری جانوروں کا ذکر تھا جو حرم شریف میں پناہ لے لیں کہ ان کا شکار کرنا حرام ہے۔ اب ان انسانوں کا ذکر ہے جو حرم شریف جا رہے ہوں کہ ان کے جان و مال برباد کرنا حرام ہے۔

شان نزول ایک بار ایک کافر جس کا نام شریح ابن ہند ابن ضبیعہ تھا لقب حطم یا حطیم تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اپنے ساتھیوں کو مدینہ منورہ سے باہر چھوڑ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے پہلے ہی فرمادیا تھا کہ ایک ربیعہ کا آدمی آوے گا جو شیطان کی زبان سے بولے گا۔ وہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگا۔ یا رسول اللہ آپ لوگوں کو کس چیز کی دعوت دیتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کلمہ توحید' نماز قائم کرنے زکوٰۃ دینے کی وہ بولا بہت اچھی دعوت ہے۔ پھر کہنے لگا کہ میرے کچھ خاص دوست ہیں جو اپنی قوموں کے سردار ہیں۔ میں ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام نہیں کرتا۔ میں ان سے مشورہ کر لوں ممکن ہے کہ میں اور وہ تمام لوگ اسلام قبول کرلیں۔ یہ کہہ کر چلنے لگا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ یہ شخص کافر ہو کر آیا اور غدار ہو کر جا رہا ہے یہ ایمان لانے والا نہیں۔ اطراف مدینہ میں لوگوں کے جانور چر رہے تھے ان سب کو ہانک کر لے گیا اور فخریہ اشعار گاتا جا رہا تھا۔

☆ قد لفها باللیل سواق حطم ☆ لیس براعی ابل ولا غنم ☆

☆ ولا بجزار علی ظهر وضم ☆ باتوا نیاما وابن هند یم ینم ☆

www.alahazratnetwork.org

☆ بات یقاسیہا غلام کالزلم ☆ خدلج الساقین ممسوح القدم ☆

اہل مدینہ کو جب پتہ چلا کہ تو اس کے پیچھے دوڑے مگر وہ دور نکل چکا تھا نہ پکڑا جا سکا۔ مسلمانوں کو بہت صدمہ ہوا۔ آئندہ سال یہ ہی شریح ابن بکر ابن وائل کے ساتھ یمانی حاجیوں کے ساتھ حج کا احرام باندھ کر ہدی کے جانور ساتھ لئے ہوئے مدینہ منورہ کے قریب سے گزرا۔ صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ شریح یہاں سے ہدی کے جانور اور بہت سامان تجارت لئے ہوئے گزر رہا ہے۔ اجازت ہو تو اسے پکڑ کر گزشتہ سال کا بدلہ لیں اور اس کا تمام سامان چھین لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا۔ ارشاد کیا کہ وہ اس وقت حج کے احرام میں ہے۔ ہدی کے جانور اس کے ساتھ ہیں اس وقت اسے پکڑنا احرام اور ہدی کی بے ادبی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح البیان' و روح المعانی وغیرہ)

نمبر2۔ ابن زید فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن جب لشکر اسلام مکہ معظمہ جا رہا تھا۔ راستہ میں کچھ لوگ ملے جو عمرہ کے احرام سے مکہ معظمہ جا رہے تھے صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی کہ یہ بھی مشرکین مکہ کی طرح مشرک ہی ہیں۔ جب آج ہم کو مشرکین مکہ پر حملہ کرنے کی اجازت رب تعالیٰ کی طرف سے مل چکی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اجازت دیں ہم ان پر بھی حملہ کر دیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ہدی اور حاجیوں کے احترام کا حکم دیا گیا۔ (روح المعانی)

تفسیر یایہا الذین امنوا لا تحلوا شعائر اللہ۔ بارہا عرض کیا گیا ہے کہ دشوار یا بہت ضروری و اہم حکم سناتے وقت رب تعالیٰ پہلے مسلمانوں کو پیار سے خطاب **الذین امنوا** سے خطاب فرماتا ہے۔ پھر حکم سناتا ہے۔ چونکہ یہ احکام بہت اہمیت والے ہیں کہ ان کا تعلق بیت اللہ الحرام اور ماہ حرام سے ہے۔ اسی لئے پہلے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو پکارا پھر حکم سنایا۔ **لا تحلوا** بنا ہے احلال سے جو ۔ بمعنی استحلال ہے۔ یعنی حلال سمجھنا۔ درست و مباح جاننا حلال اور ہلال کا فرق ابھی پچھلی آیت میں **احلت لکم** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہاں سے بے عزتی اور لوٹ مار کرنے اور تعارض کرنے کا حلال جاننا مراد ہے۔ کیونکہ ان کی حرمت دین کا رکن ہے۔ دل کا تقویٰ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب۔ شعائر اللہ** کی تفسیر پارہ سیقول **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** کی تفسیر میں عرض کی گئی کہ شعائر جمع ہے **شعرۃ یا شعیرۃ** کی ۔ بمعنی علامت و پہچان یعنی جو کسی چیز کا شعور دلائے۔ ہر وہ چیز جس کو اللہ تعالیٰ نے دین اسلام یا اپنی قدرت یا اپنی رحمت کی علامت قرار دیا۔ ہر وہ چیز جس کو دینی عظمت حاصل ہو کہ اس کی تعظیم مسلمان ہونے کی علامت ہے وہ شعائر اللہ ہے۔ یہاں تو دین اسلام یا احکام اسلام یا ارکان حج وغیرہ مراد ہیں۔ اسی سے ہے شعار ۔ بمعنی علامت۔ یعنی اے مسلمانو تم اللہ کی مقرر کردہ علامات ایمان یا محترم چیزوں کو حلال مت سمجھ لو۔ جیسے دنیاوی سلطنتوں کا حال ہے کہ سارا ملک بادشاہ کا ہوتا ہے۔ مگر بعض انسان بعض جگہ بعض وقت سرکاری ہوتے ہیں اور باقی

www.alahazratnetwork.org

انسان و مکانات دن۔ جگہ رعایا کے پولیس و فوج کے آدمی کچہری ڈاکخانہ وغیرہ کی عمارات جمعہ یا اتوار کے دن سرکاری ہیں کہ ان کی اہانت حکومت کی غداری ہے۔ چپڑاسی سمن تعمیل کرانے جاوے تو بڑے سے بڑے آدمی گھبرا جاتے ہیں۔ چوراہے کے سپاہی کے اشارہ پر کار والوں کو تعمیل کرنا پڑتی ہے۔ ناغہ کے دن گوشت کرنے پر مقدمہ قائم ہو جاتا ہے یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء سرکاری آدمی ہیں۔ بیت اللہ ماہ رمضان۔ جمعہ کا دن مسجدیں وغیرہ سرکاری چیزیں ہیں ان کی بے حرمتی کو حلال نہ جان لو ان کی تعظیم اور احترام داخل فی الدین ہے۔ ان کی بے حرمتی ایمان کے خلاف ہے۔ اور زمانہ میں روزہ توڑو تو قضا واجب رمضان شریف میں روزہ توڑو تو کفارہ بھی واجب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصریوں نے غلام کہا تو ان کے دامن سے یہ داغ چھڑانے کے لئے دنیا بھر میں قحط سالی سات سال کی بھیجی یہ ہے۔ تعظیم **شعائر اللہ**۔ **ولا الشھر الحرام** یہ گویا عام پر خاص کا عطف ہے۔ کیونکہ شعائر اللہ میں ماہ محترم بھی داخل تھا اسے خصوصیت سے بیان فرمانا اس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے حق یہ ہے کہ شہر اور حرام دونوں ہم جنس ہیں۔ جو ایک اور زیادہ سب پر بولے جاتے ہیں۔ شہر کے معنی ہیں مہینہ، حرام کے معنی ہیں حرمت والا، عزت والا، یا وہ مہینہ جس میں جنگ وجدال کرنا حرام ہو۔ یہ کل چار مہینہ ہیں۔ رجب، ذیقعد، ذی الحجہ، محرم کہ اسلام سے پہلے بھی کفار ان مہینوں کا ادب کرتے تھے۔ ان میں چوری ڈکیتی قتل و غارت قطعاً نہیں کرتے تھے یہ عبارت شعائر اللہ پر معطوف ہو کر **لا تحلوا** کا مفعول ہے۔ اور یہاں مذکورہ چاروں مہینے مراد ہیں۔ یعنی عزت والے مہینوں کو حلال نہ بنالو کہ ان میں قتل و خونریزی کرو۔ یا مہینوں میں تبدیلی کر کے ان محترم مہینوں کو حلال نہ کرلو۔ جیسا کہ زمانہ جاہلیت میں کفار مہینوں میں تبدیلی کر لیتے تھے کہ رجب کو ربیع الاول بنا لیا اور اسی میں لڑ بھڑ لئے پھر کسی اور مہینہ کو رجب کر لیا جسے وہ لوگ نسی کہتے تھے قرآن کریم نے فرمایا **انما النسئی زیادۃ فی الکفر** پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ کیونکہ مسلمانوں نے مہینوں میں تبدیلی کبھی نہ کی تھی اور یہاں خطاب مسلمانوں سے ہی ہو رہا ہے۔ ہاں انہوں نے ماہ محترم میں شریح سے جنگ کرنا چاہی تھی۔ **ولا الھدی ولا القلائد** یہ عبارت الشہر الحرام پر معطوف ہو کر **لا تحلوا** کا مفعول بہ ہے۔ **ھدی** اسم جنس ہے اس کا واحد **ھدیۃ** ہے۔ بمعنی تحفہ اس کی جمع **ھدی** ی کی شد سے ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **حلفت برب مکۃ والمصلی** ☆ **واعتاق الھد ی مقلد ات** ☆

شریعت میں ہدی وہ اونٹ یا گائے یا بکری ہے جو کعبہ معظمہ لے جائی جاوے۔ وہاں ذبح کرنے کے لئے اور القلائد جمع ہے قلادۃ کی بمعنی ہار۔ یہاں وہ ہار مراد ہے جو ہدی کے گلے میں نشانی کے لئے ڈالا جاتا ہے۔ یہاں قلائد سے مراد یا تو وہ جانور ہے۔ جس کے گلے میں یہ ہار ڈالا گیا ہے۔ یعنی ہدی کا اونٹ یا خود ہار ہی مراد ہے یعنی نہ تم ہدی جانور کو ہلال کر لو نہ ان کے ہاروں کو اس طرح کہ ان دونوں کی بے حرمتی کرو۔ تم پر ان دونوں کا احترام ضروری ہے۔ کہ یہ بھی شعائر اللہ میں داخل ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والبدن جعلنھا لکم من شعائر اللہ** بعض مفسرین نے فرمایا کہ قلائد سے مراد وہ

www.alahazratnetwork.org

لوگ ہیں جو حرم شریف میں ہدی لے جاتے تھے۔ یعنی ہار پہنانے والے لوگ یہ لوگ کعبہ معظمہ جاتے وقت تو ہدی کی وجہ سے چوروں ڈاکوؤں سے محفوظ رہتے تھے اور واپسی پر ذبح شدہ ہدی کے ہار اپنے گلوں میں ڈال لیتے تاکہ پہچانے جاویں کہ یہ لوگ ہدی ذبح کر کے آرہے ہیں۔ اسی وجہ سے راستہ کے خطرات سے محفوظ رہتے تھے۔ اور بخیریت گھر پہنچ جاتے تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ مکہ والے جب سفر کرتے تو مکہ معظمہ کے درخت کی چھال وغیرہ کے ہار اپنے گلوں میں ڈال لیتے تھے۔ تاکہ پہچانے جاویں کہ یہ مکہ والے ہیں اور راستہ میں چور ڈاکو ان سے تعرض نہ کریں (روح المعانی) **ولا آمین البیت الحرام** یہ عبارت **ولا القلائد** پر معطوف ہے۔ اور **لا تحلوا** کا مفعول بہ آمین جمع ہے آم کی جو ام یوم کا اسم فاعل ہے۔ ام سے بنا بمعنی قصد و ارادہ۔ اسی سے ہے امام جس کی اتباع کا ارادہ کیا جاوے۔ اسی سے ہے امت وہ جماعت جو کسی امام کی پیروی کا ارادہ کرے بیت الحرام کعبہ معظمہ کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں مراد یا مکہ معظمہ ہے یا حرم شریف جس میں کعبہ معظمہ واقعہ ہے۔ یعنی حلال نہ جان لو ان لوگوں کے جان و مال کو جو مکہ معظمہ کے ارادہ سے جا رہے ہوں۔ اگر آمین سے مراد مکہ معظمہ جانے والے کفار ہیں تب تو یہ عبارت منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت کریمہ ہے۔ **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا** کہ اب کفار کو مکہ معظمہ جانے کی اجازت ہی نہیں اور اگر اس سے مراد مسلمان حاجی ہیں تو آیت کریمہ محکم ہے۔ یوں ہی شہر حرام کے متعلق گفتگو ہے۔ اگر مراد یہ ہے کہ محترم مہینوں میں جہاد نہ کرو تو منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے۔ **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** اور اگر یہ مقصد ہے کہ ان محترم مہینوں کا ادب کرو تو محکم ہے۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان دونوں عبارتوں کو منسوخ مانتے ہیں۔ اور امام شعبی وغیرہ محکم مانتے ہیں۔ (تفسیر خازن، کبیر وغیرہ) **یبتغون فضلا من ربھم ورضوانا** یہ عبارت آمین کی ضمیر ہم سے حال ہے۔ **ابتغاء** کے معنی ہیں تلاش کرنا۔ ڈھونڈنا۔ فضل رب سے مراد تجارتی نفع اور دوسری آمدنیاں جو حج میں حاصل کی جاتی ہیں۔ رضوان سے مراد ہے اخروی ثواب جو حج میں ملتا ہے۔ اہل عرب حج کے موسم میں تجارت کرتے نفع بھی کماتے اور حج بھی کرتے تھے ثواب کی نیت سے۔ اگر آمین سے مراد کفار تھے تو **یبتغون** میں ان کی نیت کا ذکر ہے۔ کیونکہ کفار حج میں ثواب کی نیت تو کرتے تھے اگرچہ ثواب پاتے نہ تھے کہ ثواب ملتا ہے ایمان کے ساتھ نیک اعمال کا اور اگر آمین سے مراد مومنین حجاج ہیں تو **یبتغون** میں واقعہ کا بیان ہے۔ یعنی ان حجاج کے جان و مال کو حلال نہ کرلو جو تجارتی نفع و ثواب حاصل کرنے بیت اللہ شریف جا رہے ہوں۔ ان سے کچھ تعرض نہ کرو **واذا حللتم فاصطادوا** اس عبارت کا تعلق غیر محلی الصید وانتم حرم سے ہے **حللتم** بنا ہے حلال سے بمعنی احرام سے کھل جانا۔ احرام ختم کر دینا۔ خواہ حج کا احرام ہو یا عمرہ کا **اصطادوا** صید سے بنا ہے بمعنی شکار اصطیاد شکار کرنا یہاں شکار سے مراد خشکی کا شکار ہے۔ کیونکہ دریائی شکار تو بحالت احرام بھی جائز تھا اور حرم کے علاوہ دوسری جگہ کا شکار مراد ہے۔ کیونکہ حرم شریف کا شکار تو ہمیشہ حرام ہے۔ محرم یا حلال وہاں کا شکار نہیں کر سکتا۔ نیز یہ امر وجوب یا

www.alahazratnetwork.org

استحباب کے لئے نہیں بلکہ صرف مباح کرنے کے لئے ہے۔ کیونکہ جو امر ممانعت کے بعد آوے وہ اس ممانعت کی پابندی اٹھانے کے لئے ہوتا ہے۔ یعنی اے مسلمانوں احرام والو جب تم احرام سے کھل جاؤ تو وہ شکار کر سکتے ہو' جو احرام کی وجہ سے تم پر حرام ہو گئے تھے کہ اب وہ پابندی اٹھ گئی۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم ان صدوکم عن المسجد الحرام ان تعتدوا** یہ دوسرا حکم ہے۔ جس کا تعلق احرام کھلنے سے ہے. جس کا مقصد یہ ہے کہ احرام کھول دینے کے بعد تم سے شکار کی پابندی تو اٹھ گئی۔ اس کی تمہیں اجازت دی گئی۔ مگر کفار محرم ہوں یا غیر محرم ان پر زیادتی کرنے کی اجازت نہیں۔ وہ پابندی بعد احرام بھی باقی ہے۔ کسی پر ظلم کرنا مسلمان کی شان نہیں **لا یجرمن** بنا ہے جرم سے جرم کے معنی ہیں پھل درخت سے توڑنا۔ گناہ کرنا۔ اسی لئے گناہ کو جرم اور گنہگار کو مجرم کہتے ہیں اور حمل یعنی کسی بات پر اکسانا ابھارنا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **ولقد طعنت ابا عیینة طعنة** ☆ **جرمت فزارة بعد ھا ان تغضبا** ☆

اس شعر میں جرم ۔ بمعنی اکسانا اٹھانا ہے۔ تیسرے معنی پر جرم دو مفعول چاہتا ہے۔ پہلا مفعول بلاواسطہ ہوتا ہے۔ دوسرا مفعول علی کے واسطے سے خواہ علی پوشیدہ ہو یا ظاہر۔ (روح المعانی) **شنان** کے معنی ہیں بغض' نفرت' عداوت' رب فرماتا ہے **ان شانئک ھو الابتر** تفسیر مظہری میں ہے کہ شنان نون کے سکون سے صفت ۔ بمعنی عداوت و نفرت اور نون کے فتح سے مصدر ہے ۔ بمعنی نفرت کرنا کیونکہ مصدر اکثر بروزن **فعلان** آتے ہیں۔ جیسے ضربان' سیلان' سلان اور عین کلمہ کے سکون سے صفت جیسے سکران' نعمان' رحمن (مظہری) چونکہ یہاں نون کے سکون سے ہے لہذا صفت ہے مصدر نہیں۔ قوم سے مراد یا عام کفار ہیں یا کفار مکہ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں **ان صدوکم** یہ عداوت و بغض کی علت ہے۔ صد کے معنی ہیں روکنا۔ یہاں حدیبیہ کے سال عمرہ کرنے سے روکنا مراد ہے **ان تعتدوا** سے پہلے علی پوشیدہ ہے اور یہ **لا یجرمنکم** کا دوسرا مفعول ہے **اعتداء** کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا اس کا مادہ عدو ہے۔ اس لئے دشمن کو عدو کہا جاتا ہے۔ دوستی کی حد سے بڑھ جانے والا۔ یعنی ایک کافر قوم نے تم کو عمرہ بیت اللہ سے روکا تھا۔ اس پر تم کو اس قوم پر سخت غصہ تھا۔ تم کو یہ غصہ و عداوت اس بات پر نہ اکسادے کہ تم موقعہ پاکر ان کفار پر ظلم کرو۔ حد سے آگے بڑھ کر سزا دو۔ مسلمانوں نے اسی حکم پر ایسا عمل کیا کہ سبحان اللہ مکہ فتح ہو جانے پر کسی مکہ والے پر زیادتی و ظلم نہ کیا گیا۔ انہیں امان دی گئی۔ خیال رہے کہ ہر چیز حد میں رہ کر مفید ہے۔ حد سے نکل کر مضر۔ آگ چولہے میں رہے مفید ہے گھر میں پھیل جائے ہلاک کر دے۔ پانی دریا کی حدود میں رہے مفید ہے۔ کناروں کی حد سے نکل جاوے تو سیلاب بن کر ملک تباہ کر ڈالے۔ یونہی غصہ' شہوت بلکہ آنکھ کان ناک وغیرہ حد میں استعمال ہوں تو مفید ہے حد سے بڑھیں تو مضر اس لئے ارشاد ہوا کہ حد سے نہ بڑھو۔ **وتعاونوا علی البر والتقوٰی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان** یہ جملہ **لا یجرمنکم** پر معطوف ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تم نہ تو خود کفار دشمن پر ظلم کرو اور نہ ظلم کرنے والے مسلمانوں کی

www.alahazratnetwork.org

ظلم پر مدد کرو۔ بلکہ انہیں زیادتی سے روک دو۔ تعاون عون سے بنا ہے۔ بمعنی مدد باب تفاعل میں آکر اس میں شرکت کے معنی پیدا ہو گئے تعاون کے معنی ہوئے ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ مدد عام ہے۔ خواہ مالی مدد ہو یا زبانی مدد یا ارکانی یعنی اعضا سے مدد یا جانی مدد جس قسم کی مدد درکار ہو اور جس مدد پر قدرت ہو وہ کرنا۔ یہاں بھی مسلمانوں سے خطاب ہے۔ بر سے مراد ہر نیکی ہے۔ تقویٰ سے مراد ہر گناہ سے بچنا۔ یہاں بر سے مراد ہے عفو و کرم اور در گزر کرنا۔ تقویٰ سے مراد ہے نفس کو بدی کے جوش سے روکنا۔ اسی طرح آگے اثم سے مراد ہے عام گناہ اور عدوان سے مراد ہے ان کفار پر ظلم کرنا۔ یعنی اے مسلمانو اپنی قوم کی ناجائز حمایت نہ کرو بلکہ نیک کام کرنے گناہوں سے بچنے میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ و ظلم پر ہرگز ہرگز کسی کی مدد نہ کرنا۔ ناجائز حمایت بھی جرم ہے **واتقوا اللہ ان اللہ شدید العقاب** اس جملہ میں وہ چیز بتائی گئی جس سے یہ سارے احکام آسان ہو جاویں یعنی اللہ سے ڈر اس کے عذاب سے خوف۔ یعنی اللہ کا ڈر دل میں رکھو اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ جب تمہارے دل میں خوف خدا ہو گا تو تمہارے دلوں کا یہ جوش بھی ٹھنڈا ہو جائے گا۔ اور ان تمام احکام پر عمل بھی آسان ہو جاوے گا۔ یعنی ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ تم کسی قوم پر قابو پا کر اس پر زیادتی نہ کرو۔ کیونکہ تم بھی رب تعالیٰ کے قابو میں ہو۔

خلاصہ تفسیر اے ایمان والو تم ان چیزوں کو حلال نہ بنالو جن کو اللہ تعالیٰ نے دین ایمان کی نشانیاں ٹھہرایا کہ ان کی تعظیم مومن ہونے کی علامت ہے۔ ان کی اہانت نہ کرو نہ حرمت والے مہینوں رجب' ذی قعدہ' ذی الحجہ' محرم کو حلال ٹھہرالو کہ ان میں جنگ و جدل کرو۔ یا مہینے تبدیل کر کے ان محترم مہینوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ اس جانور کی بے حرمتی کرو جو مکہ معظمہ ذبح کے واسطے بطور ہدی لے جایا جا رہا ہو۔ (ہدی) نہ ہدی جانور کے ہاروں کی بے حرمتی کرو جو ان کے گلے میں ڈالے گئے ہوں۔ بطور علامت کے نہ ان لوگوں کو حلال ٹھہراؤ جو بیت اللہ شریف کے ارادہ سے حج و عمرہ کرنے ساتھ ہی تجارت کے ذریعہ نفع کمانے جا رہے ہوں۔ ایسے لوگوں سے تعرض نہ کرو یہ بھی خیال رکھو کہ احرام کی وجہ سے تم پر خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا تھا۔ جب تم احرام سے کھل جاؤ تو یہ پابندی ختم ہو جائے گی پھر تم شوق سے شکار کر سکتے ہو۔ بشرطیکہ حرم شریف کا نہ ہو۔ مگر دھیان رہے کہ احرام کھلنے سے شکار کی پابندی تو اٹھالی جاوے گی مگر دوسری پابندیاں تم پر ویسی ہی رہیں گی۔ لہٰذا تم کسی کافر قوم کی عداوت میں حد سے آگے نہ بڑھو۔ یہ خیال کر کے کہ انہوں نے ہم کو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر بیت اللہ شریف سے روک کر عمرہ نہ کرنے دیا۔ حتی کہ ہم کو بغیر عمرہ کئے احرام کھولنا اور مدینہ منورہ واپس آنا پڑا۔ لاؤ اب ہم کو موقعہ ملا ہے۔ ہم اس حرکت کا خوب اچھی طرح بدلہ لیں۔ ایسا نہ کرنا اگر اور لوگ ایسا کرنا چاہیں تم ان کی اس کام میں مدد نہ کرنا بلکہ انہیں اس جذبہ انتقام سے روک دینا۔ ہمیشہ بھلائی و نیکی پر ایک دوسرے کی مدد کرو۔ گناہ و زیادتی پر مدد نہ کرو۔ اچھے کام میں مدد دینا اچھا ہے۔ برے کام میں مدد دینا برا ہے۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو یہ ڈر ہی بڑا اچھا کام تمہارے لئے آسان کر دے گا اور تمہارے دلوں سے انتقام کی آگ کو سرد کر دے گا۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا سخت ہے۔ اگر

www.alahazratnetwork.org

تم کو اس قوم پر قابو ہے تو تم پر رب تعالیٰ کو قابو ہے۔ یہ خیال دل میں جمالو۔ اور کبھی کسی پر ظلم و زیادتی نہ کرو۔ ہمیشہ حدود شرعیہ کے اندر رہو۔ غرض کہ اس آیت کریمہ میں سات چیزوں سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا۔ شعائر اللہ و دین معظم چیزوں کی بے حرمتی کرنا۔ محترم مہینوں میں جہاد کرنا یا تبدیلی کرنا۔ ہدی جانور اور ان کے گلے میں ڈالے ہوئے ہاروں کی بے حرمتی کرنا عمرہ یا حج کو جانے والوں کی بے حرمتی کرنا۔ کسی دشمن قوم سے ان پر قابو پا کر حد سے زیادہ بدلہ لینا۔ برائی پر اپنی قوم کو مدد دینا اور ایک چیز کی اجازت دی گئی۔ احرام کھولنے کے بعد شکار کرنا۔ ایک چیز کا حکم دیا گیا۔ بھلائی پر ایک دوسرے کی مدد کرنا۔ اس آیت کریمہ میں نہایت اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے۔ خیال رہے کہ عام مفسرین اس آیت کریمہ میں تین حکموں کو منسوخ مانتے ہیں۔ محترم مہینوں' یعنی رجب ذیقعدہ' ذوالحجہ محرم میں کفار سے جہاد ممنوع ہونا۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے **فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموھم** دوسرے بیت اللہ شریف جانے والے کفار کو نہ روکنا۔ انہیں حج و عمرہ تجارت کے لئے جانے دینا۔ تیسرے قلائد کا احترام کرنا کہ مشرکین کی ہدی بیت اللہ شریف جانے دینا یا مشرک اپنے گلے میں ہدی کا ہار ڈال لے اس سے کچھ نہ کہنا ان دونوں حکموں کی ناسخ یہ آیت ہے۔ **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** حتیٰ کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں صرف اس آیت کے یہ ہی اجزا منسوخ ہیں اور کوئی حکم منسوخ نہیں۔ باقی ساری سورت محکم ہے۔ اب ان محترم مہینوں میں جہاد جائز ہے۔ مشرکین کو بیت اللہ شریف جانے کی اجازت نہیں۔ ان کی ہدی وہاں یعنی بیت اللہ شریف ہی نہیں جانے دی جاوے گی۔ جن لوگوں نے اس پوری آیت کو محکم مانا ہے وہ ان عبارتوں کے معنی ہی کچھ اور کرتے ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ محترم مہینوں کو تبدیل کرکے ان کی بے حرمتی نہ کرو۔ مسلمان حجاج کو اور ان کی ہدیوں کو بیت اللہ شریف جانے وہاں حج و عمرہ کرنے وہاں تجارات کرنے سے نہ منع کرو۔ مسلمانوں کی ہدی کو حرم شریف پہنچنے وہاں ذبح ہونے سے نہ روکو ان کے نزدیک سورہ مائدہ پوری محکم ہے۔ اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں۔ مگر جمہور مفسرین نے پہلا قول اختیار فرمایا ہے۔ یہ آیت فتح مکہ کے سال نازل ہوئی اور **الیوم اکملت لکم دینکم** خاص حجتہ الوداع کے دن عرفات شریف میں نازل ہوئی (تفسیر صاوی)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ جس چیز کو کسی عزت و عظمت والی چیز سے نسبت ہو جاوے۔ وہ دینی شعار اور شعائر اللہ بن جاتی ہے۔ اس کی تعظیم ایمان کی علامت ہے۔ اس کی توہین کفر کی پہچان۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کے شعائر کو حلال نہ جان لو۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہوا **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** صفا مروہ پہاڑ شعائر اللہ سے ہیں کیوں اس لئے کہ انہیں جناب ہاجرہ کی قدم سے نسبت ہے۔ ہدی اور بدنہ شعائر اللہ ہیں۔ کیوں اس لئے کہ انہیں بیت اللہ سے نسبت ہو گئی دوسرا فائدہ سال میں چار مہینہ حرمت والے ہیں۔ رجب۔ ذی قعدہ۔ ذی الحجہ۔ محرم رب تعالیٰ فرماتا ہے **منھا اربعۃ حرم** ان بارہ مہینوں میں چار مہینے حرمت والے ہیں۔ ان مہینوں

www.alahazratnetwork.org

میں اللہ کی عبادت گناہوں سے پرہیز بہت کرے یہ فائدہ **ولا الشهر الحرام** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ ہدی جانور کا بھی احترام ہے چنانچہ بلا ضرورت اس پر سوار نہ ہو۔ یہ فائدہ **ولا الهدى** سے حاصل ہوا۔ زمانہ جاہلیت میں بھی ہدی کا بڑا احترام تھا۔ عرب کے بدو بھی ہدی والے قافلہ کو نہ لوٹتے تھے۔ چوتھا فائدہ ہدی کے گلہ میں ہار ڈالنا بہت بہتر ہے۔ اس ہار کا بھی احترام ہے۔ یہ ہار چمڑے کا ہوتا ہے۔ جس میں کوئی جوتا یا اور چیز پڑی ہوتی ہے۔ یہ جانور کے ہدی ہونے کی علامت ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **ولا القلائد** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ حجاج کی عزت و حرمت کرنا ان کا ادب احترام کرنا بہت اچھا ہے۔ یہ فائدہ **ولا آمين البيت الحرام** سے حاصل ہوا چھٹا فائدہ سفر حج میں تجارت کرنا درست ہے۔ ممنوع نہیں جیسا کہ **فضلا من ربهم** سے معلوم ہوا دوسری جگہ ارشاد ہوا **لا جناح عليكم ان تبتغوا فضلا من ربكم** بہرحال حج و عمرہ میں تجارت و مزدوری وغیرہ سب جائز ہے۔ ساتواں فائدہ اگر کوئی چور ہمارا مال چرائے تو ہم اس کے عوض میں اس چور کا مال نہ چوری کریں۔ نہ لوٹیں بلکہ اسے سزا دیگر طریقے سے دیں جیسے ہاتھ کٹوانا وغیرہ دیکھو شریح نے اہل مدینہ کے جانور چرائے پھر اسے حج کو جاتے ہوئے دیکھا گیا اہل مدینہ نے چاہا کہ اس چوری کے عوض اس کا مال لوٹ لیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمادیا اور اس آیت کریمہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی۔ مسئلہ اگر چور کے پاس اپنا مال دیکھا جاوے تو مالک یہ مال اس سے جبرا" چھین سکتا ہے چھپا کر بھی لے جاسکتا ہے۔ کہ یہ خود اس کا مال ہے۔ اسی طرح اگر کوئی سود خور سود میں یا ظالم حاکم رشوت میں کسی سے اس کی بکری بھینس یا کوئی اور مال لے۔ اگر مالک موقع پاکر اس چور یا سود خور یا راشی ظالم سے اپنا یہ جانور چھین لے تو جائز ہے۔ یہ ڈکیتی نہیں کہ یہ اس چھیننے والے کا اپنا مال ہے۔ چوری یا سود یا رشوت سے یہ مال ان ظالموں کا نہیں ہو گیا۔ مسئلہ اگر کوئی شخص کسی کا حق مارے اس کا حق نہ دے تو حق والا اس کے مال سے اپنے حق کی بقدر جبرا" یا چھپا کر لے سکتا ہے۔ اس کا ماخذ وہ حدیث ہے کہ بی بی ہندہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اپنے خاوند ابوسفیان کی شکایت کی کہ وہ کنجوس ہیں مجھے کافی خرچہ نہیں دیتے کیا میں ان کے جیب سے بقدر ضرورت پیسے نکال سکتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بقدر ضرورت نکال لینے کی اجازت دی یہ ہے حق والے کا اپنا حق جبرا" وصول کرنا۔ اگر کسی کی چیز خریدی مگر قیمت نہ دی کسی کی مزدوری کی مگر اس نے مزدوری نہ دی۔ کسی کرایہ دار نے مکان کا جائز کرایہ ادا نہ کیا۔ اگر یہ اہل حقوق اپنے حق کی بقدر جبرا" اس سے چھین لیں تو جائز ہے۔ آٹھواں فائدہ ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا دیکھو یہاں **فاصطادوا** امر کا صیغہ ہے مگر صرف اباحت کے لئے ہے۔ اس لئے آئمہ مجتہدین کی تقلید ضروری ہے۔ کہ وہ بتاسکتے ہیں کونسا امر وجوب کا ہے۔ کونسا استحباب کا یا اباحت کا قرآن کریم میں کفر کے لئے امر کا صیغہ ارشاد ہوا ہے۔ **ومن شاء فليكفر** دیکھو **فليكفر** صیغہ امر ہے۔ جو اظہار غضب کے لئے کفر پر بولا گیا۔ نواں فائدہ ظالم سے بدلہ لیتے وقت شرعی حدود کا ضرور خیال رکھا جائے۔ حد سے زیادہ بدلہ نہ لیا جاوے اگرچہ نفس کا جوش بہت ابھارے یہ فائدہ **ان تعتدوا** سے حاصل ہوا۔ چور کا صرف ایک ہاتھ کاٹو اگر جوش

www.alahazratnetwork.org

میں آکر دونوں ہاتھ کاٹ دیئے تو مجرم ہوئے۔ قاتل کو قتل کے عوض قتل کرو۔ اگر مثلہ (ہاتھ 'پاؤں ناک 'کان کاٹنا) کر کے قتل کیا تو جرم ہوا۔ رنج و خوشی غصہ وغیرہ میں نفس کو قابو میں رکھو۔

☆ ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا☆

☆ جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا☆

دسواں فائدہ اللہ کے بندوں سے مدد لینا جائز ہے حرام یا شرک نہیں اور **ایاک نستعین** کے خلاف نہیں۔ یہ فائدہ "**تعاونوا**" سے حاصل ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **من انصاری الی اللہ** ان کے مددگاروں کو آج بھی نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ صحابہ کرام کی ایک جماعت کا نام انصار ہے۔ اگر غیر خدا سے مدد لینا شرک ہوتا تو بندوں سے مدد مانگنے والے انبیاء **نعوذ باللہ** مشرک ہوئے اور یہ دونوں نام شرک ہوتے۔ گیارہواں فائدہ نیک کام پر مدد دینا نیکی ہے۔ ثواب ہے۔ برے کام پر مدد دینا گناہ ہے جیسا کہ **ولا تعاونوا** سے معلوم ہوا۔ نمازی کو وضو کے لئے پانی دینا ثواب ہے۔ ظالم قاتل کو قتل کے لئے چھری دینا گناہ ہے۔ اس فائدے سے بہت سے مسائل حل ہوں گے۔

پہلا اعتراض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شریح کا ہاتھ کیوں نہ کٹوایا۔ جب کہ اس نے اہل مدینہ کے جانور چرا لئے تھے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرینہ والوں کو قتل کر دیا تھا انہوں نے بھی صدقہ کے جانوروں کی چوری کی تھی۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ جواب ان دونوں واقعوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ شریح کافر تھا اور عرینہ والے مسلمان ہو کر مرتد ہو گئے تھے۔ مرتد کی سزا قتل ہے۔ دوسرے یہ کہ شریح صاف چور تھا اور عرینہ والے ڈاکو بھی تھے اور ساتھ ظالم قاتل بھی۔ کہ انہوں نے حضور کے چرواہوں کو ساتھ قتل بھی کر دیا تھا۔ چور اور ڈاکو کی سزا میں بڑا فرق ہے۔ تیسرے یہ کہ شریح مدینہ پاک کا رہنے والا نہ تھا دارالحرب کا رہنے والا کافر تھا۔ چوری کر کے دارالحرب میں بھاگ گیا تھا۔ اگر کوئی حربی کافر دارالاسلام میں گھس آوے۔ چوری کر کے پھر دارالحرب میں بھاگ جاوے۔ تو اس کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے۔ چوتھے یہ جنگل میں چرتے ہوئے جانور جب چرواہا ان کے ساتھ نہ ہو محفوظ مال نہیں ہوتے اور غیر محفوظ مال لے لینا شرعاً چوری نہیں ہوتا۔ دوسرا اعتراض جب شریح بیت اللہ جاتے ہوئے دیکھا گیا۔ تو اس کا مال کیوں نہ لے لیا گیا۔ اسے گرفتار کیوں نہ کر لیا گیا۔ کیا اب بھی یہ ہی حکم ہے کہ چور قاتل مل جائے تو اسے نہ پکڑا جائے اگر چور قاتل مسجد میں گھس جاوے تو کیا اسے امان ہے۔ جواب ہم تفسیر میں کہہ چکے ہیں کہ اگر آمین بیت الحرام میں کفار بھی داخل ہوں تو یہ آیت منسوخ ہے۔ اب تو کسی کافر کو عرب شریف جانے حج کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ یہ عمل اس زمانے کے قانون کے لحاظ سے تھا۔ اب چور قاتل جامع مسجد میں بھی گھس جاوے جب بھی پکڑا جاوے گا۔ ہاں اگر باہر سے قتل کر کے کوئی حرم شریف میں پناہ لے لے تو اسے وہاں قتل نہ کیا جائے گا۔ ہاں اسے کھانے پینے سے تنگ کر کے وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا

www.alahazratnetwork.org

جاوے گا۔ نکل جانے پر اسے قتل کیا جاوے گا۔ **تیسرا اعتراض** کافر کے اعمال کا ثواب نہیں۔ شریح کافر تھا اس کا حج اس کے لئے ثواب کا ذریعہ نہ تھا پھر اس کے متعلق رضوانا کیوں فرمایا۔ کیا خدا تعالیٰ کافر کے حج سے راضی ہے۔ **جواب** یہاں تلاش ثواب کا ذکر ہے۔ نہ کہ عطاء ثواب کا شریح حج کرنے چلا تھا ثواب کمانے کی نیت سے واقعہ میں اسے ثواب بالکل نہیں ہے۔ اس لئے یہاں **یبتغون** ارشاد ہوا۔ عطاء ثواب اور ہے تلاش ثواب کچھ اور **چوتھا فائدہ** اگر امر وجوب کے علاوہ صرف اباحت یا استحباب کے لئے بھی ہوتا ہے۔ تو بے دینوں کے لئے راستہ کھل جاوے گا وہ جس امر کو چاہیں گے صرف اباحت کے لئے مان لیں گے وہ کہہ سکتے ہیں کہ **واقیموا الصلوۃ** کا امر اباحت کا ہے۔ نماز پڑھنا فرض نہیں۔ صرف جائز ہے۔ **جواب** مشترک لفظ کے معنی قرینہ دیکھ کر کئے جاتے دیکھو اردو میں لفظ کل کے کئی معنی ہیں۔ مشین' آرام' گزشتہ کل' اگلی کل' موٹر کل سے چلتی ہے۔ یہاں مشین کے معنی میں ہے مجھے رات بھر کل نہ پڑی۔ آرام' میں کل گیا تھا پچھلی کل میں کل جاؤں گا۔ اگلی کل۔ اسی طرح جب پابندی اٹھانے کے لئے امر ہو گا۔ تو اباحت کے لئے ہو گا احرام میں شکار کرنا حرام کر دیا گیا تھا۔ یہاں اس احرام کی پابندی اٹھانے کے لئے امر ارشاد ہوا لہٰذا اباحت کے لئے ہے اگر یہ امر وجوب کے لئے ہو تو بجائے آسانی کے مشکل میں واقع کر دے گا۔ بجائے پابندی اٹھانے کے پابندی لگا دے گا یہ منشاء کلام کے خلاف ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں حکم دیا گیا کہ بھلائی و تقویٰ پر ایک دوسرے کی مدد کرو جس سے معلوم ہوا کہ بندوں کا امداد باہمی کرنا اچھا ہے۔ مگر دوسری جگہ فرمایا گیا۔ **مالکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ کے سوا کوئی ولی مددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** ان آیات میں ذاتی اصلی' استقلالی مدد کو ذات باری تعالیٰ سے منحصر فرمایا گیا۔ ہے اور یہاں عارضی مدد کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا۔ ریل میں انجن بھی دوڑتا ہے اور ریل کے ڈبے بھی مگر انجن بذات خود دوڑتا ہے ڈبہ انجن کے دوڑانے سے عارضی طور۔ ہاتھ میں پنکھا بھی ہلتا ہے۔ ہاتھ بھی۔ مگر ہاتھ ذاتی طور پر پنکھا عارضی طور پر۔ سورج کے سامنے شیشہ بھی چمکتا ہے۔ اور سورج بھی۔ مگر سورج بذات خود چمکتا ہے۔ اور شیشہ سورج کے چمکانے سے۔ رب تعالیٰ بذات خود ناصر ہے۔ بندہ رب تعالیٰ کے ارادے سے۔ یا وہاں ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ خدا کے مقابل ہو کر کوئی مددگار نہیں۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جن کافروں نے مسلمانوں کو عمرہ کرنے سے روکا ان پر زیادتی کرنا ممنوع ہے۔ زیادتی یہ کہ انہیں بیت اللہ سے روک دیا جائے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ کفار کو حج تو کیا مسجد حرام کے قریب آنے سے بھی روک دیا تھا۔ قرآن کریم نے بھی یہ ہی فرمایا تو اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا گیا۔ **جواب** یہ حکم اسلامی قانون تھا جو جاری کیا گیا ان کے روکنے کا بدلہ نہ تھا ورنہ صرف مکہ کے کافروں بلکہ صرف ان کافروں کو ہی بیت اللہ سے روکا جاتا۔ جنہوں نے حدیبیہ کے موقعہ پر مسلمانوں کو روکا۔ سب کافروں کے لئے یہ حکم عام نہ ہوتا۔ بہر حال اس آیت پر تمام صحابہ نے عمل پورا پورا کیا۔ اسلام نے **حائضہ** نفاس والی عورتوں جنبی مردوں کو بھی مسجد حرام شریف بلکہ تمام مسجدوں سے روک دیا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ناپاک ہیں اور مسجدیں پاک جگہ۔

www.alahazratnetwork.org

لہذا مشرکین و کفار جو نجاست کفر میں آلودہ ہیں حرم شریف سے روکے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔

تفسیر صوفیانہ ایمان کے بعد تقویٰ بڑی ضروری چیز ہے کہ وہ خدا رسی کا ذریعہ کامل ہے۔ تقویٰ دو قسم کا ہے۔ تقویٰ ظاہری۔ جسے کہتے ہیں تقویٰ جوارح اور تقویٰ باطنی جسے کہتے ہیں تقویٰ قلوب' تقویٰ ظاہری کے دو رکن ہیں۔ ظاہری اعضاء کو برے کاموں سے روکنا۔ اچھے کاموں میں لگا دینا اور تقویٰ قلوب صرف ایک چیز کا نام ہے۔ و تعظیم **ما عظمه الله** یعنی جن کو رب تعالیٰ نے عظمت دی ہے ان کی تعظیم کرنا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر الله فانها من تقوی القلوب** انہیں معظم چیزوں کا نام شعائر اللہ ہے شعائر اللہ بہت چیزیں ہیں۔ بعض زمان بعض مکان' بعض اخوان بعض خلان بعض ایام۔ پھر ان شعائر اللہ میں بعض بعض سے اعلیٰ ہیں جیسے حضرات انبیاء و اولیاء بعض بعض سے افضل ہیں۔ پھر ان شعائر اللہ سے جسے نسبت ہو جاوے اس کا ادب ہے۔ قرآن مجید شعائر اللہ میں سے ہے تو اس کی جلد اور بستہ بھی احترام کے لائق ہے کعبہ معظمہ شعائر اللہ سے ہے تو کعبہ کو جانے والی ہدی اور حاجی بھی لائق احترام ہے۔ اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے اپنے ایمان کی حفاظت کرو ایسا نہ ہو کہ یہ موتی تم سے ضائع ہو جائے اور اس کی حفاظت اس طرح کرو کہ شعائر اللہ کی بے ادبی نہ کرو۔ حتیٰ کہ محترم مہینے جنہیں اللہ نے شعائر اللہ بنادیا ان کا ادب کرو۔ کعبہ کو جانے والی ہدی بلکہ ہدی کے گلے کا ہار ان کا بھی احترام کرو۔ کعبہ کو جانے والے حاجی یا عمرہ والے لوگ ان کا احترام کرو کہ حجاج وہاں جاکر اللہ کا فضل و رضا حاصل کریں گے۔ تم یہاں رہ کر ان کا ادب کرکے رضاء الٰہی حاصل کر لو۔ احرام کا یہ ادب کرو کہ اس حالت میں شکار نہ کھیلو۔ ہاں جب احرام سے فارغ ہو جاؤ تو تم سے یہ پابندی اٹھ جاوے گی۔ اور اسلام کی حدود سے باہر قدم نہ نکالو۔ حتیٰ کہ جن کفار نے تم کو کعبتہ اللہ کے عمرہ سے روکا۔ تم ان پر قابو پا کر حد سے آگے نہ بڑھو۔ جوش انتقام میں اسلامی حدود نہ توڑو کہ یہ بھی شعائر اللہ کی بے ادبی ہے۔ رہ روان راہ خدا کو چاہیے کہ آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں اور اللہ کا خوف دل میں رکھیں کہ اس سے تمام **مشکلین** آسان ہو جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ شعائر اللہ کی تعظیم کی صورتیں مختلف ہیں۔ جیسا شعارہ ویسے اس کی تعظیم۔ صفا۔ مروہ شعائر اللہ ہیں اس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کا طواف کیا جاوے۔ ہدی کا جانور شعائر اللہ سے ہے۔ اس کی تعظیم یہ ہے کہ بلا ضرورت اس پر سواری نہ کی جائے اس کے کھانے پینے کا خیال رکھا جائے اسے بھوکا پیاسا ہرگز نہ رہنے دیا جائے۔ اس کا دودھ اون وغیرہ جو ذبح سے پہلے حاصل ہو وہ خیرات کردی جائے اپنے استعمال میں نہ لائی جائے۔ حتیٰ کہ اس کی جھول۔ میخ وغیرہ بھی خیرات کردی جائے۔ محترم مہینوں کی تعظیم یہ ہے کہ ان میں گناہ بے حیائیاں نہ کی جائیں۔ ان میں اللہ تعالیٰ کی عبادات کثرت سے کی جائے۔ جسے یہ تعظیم نصیب ہو جائے۔ وہ خوش نصیب۔ ایک بار کسی نے حضرت مرشد برحق صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قدس سرہ کی خدمت میں کسی کی شکایت کی کہ وہ بہت بد معاش ہے چور ہے مگر ماہ رمضان میں ہر برائی چھوڑ دیتا ہے۔ روزہ' تراویح' شبینوں میں حاضری' بہت پابندی سے کرتا ہے۔ حضرت نے فرمایا انشاء اللہ اس کی ساری بری حرکتیں

www.alahazratnetwork.org

چھوٹ جائیں گی۔ اور یہ ہی آیت کریمہ تلاوت کی **ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب** اس کا تاب فسق میں مبتلا ہے اور اس کا دل متقی ہے۔ انشاء اللہ قلب کا اثر قالب پر پڑے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ وہ نیک ہو گیا۔ اسے خاتم اچھا نصیب ہو گیا۔ اس فقیر نے بھی ایسے واقعات بہت دیکھے ہیں بے ادب پرہیزگار بھی ہو آخر بگڑ جاتا ہے۔ باادب گنہگار بھی ہو تو آخر سنبھل جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ باادب دل نصیب کرے۔ ادب ہی مدار ایمان ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ
حرام کیے گئے اوپر تمہارے مردار اور خون اور گوشت سور کا اور وہ جو ذبح کیا گیا اللہ کے غیر
تم پر حرام ہے مردار اور خون اور سور کا گوشت اور وہ جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا
بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ
کے لئے اسکو اور گلا گھونٹے ہوئے اور پھینک کر مارے ہوئے اور گر کر مر جانے والے اور گھونپ کر
اور جو گلا گھونٹنے سے مرے اور بے دھار کی چیز سے مارا ہوا اور جو گر کر مرا اور جسے کسی جانور نے سینگ مارا
السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا
مارے ہوئے اور وہ جنہیں درندے نے کھایا مگر وہ جو تم ذبح کر لو اور وہ جو ذبح کئے گئے اوپر تھانوں کے اور یہ کہ تقسیم کرو
اور جسے کوئی درندہ کھا گیا مگر جنہیں تم ذبح کر لو اور جو کسی تھان پر ذبح کیا گیا اور پانسے ڈال کر
بِالْاَزْلَامِ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ
تم ساتھ تیروں کے یہ سب بدکاری ہے۔
بانٹا کرنا یہ گناہ کا کام ہے۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** سورہ مائدہ کے شروع میں فرمایا گیا تھا کہ تمہارے لئے مویشی جانور حلال ہیں۔ سوا چند ان جانوروں کے جن کا ذکر سنایا جاوے گا۔ اب اس آیت کریمہ میں انہیں حرام جانوروں کا ذکر سنایا جا رہا ہے۔ گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیت میں **الا ما یتلی علیکم** کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں عارضی حرام جانوروں کا ذکر تھا یعنی شکار کے جانور جن کا شکار کرنا بحالت احرام حرام تھا۔ اب اصلی حرام جانوروں کا ذکر ہے جو بہرحال حرام ہیں مسلمان خواہ محرم ہو یا حلال یہ جانور ہمیشہ اس پر حرام ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ان جانوروں کا ذکر تھا جن کا حرام ہونا حرم شریف کی زمین میں تھا۔ یعنی حرم شریف کا شکار۔ اب ان جانوروں کا ذکر ہے

www.alahazratnetwork.org

جو ہر جگہ ہر وقت حرام ہیں۔ گویا خاص حرمت کے بعد عام حرمت کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم دیا گیا تھا۔ **واتقوا اللہ** اور تقویٰ کی اصل ہے حلال غذا حرام۔ غذائیں کھانے والے کبھی متقی نہیں ہو سکتے اس لئے اب حرام جانوروں کا ذکر ہوا۔ تاکہ مسلمان ان سے بچیں۔ حلال چیزیں کھائیں اور متقی بنیں۔ گویا تقویٰ کا حکم پہلے تھا اور متقی بنانے والی چیزوں کا بیان اس آیت میں ہے۔ غذا تخم ہے۔ اعمال پھل 'غذا اچھی' عمل اچھے 'غذا خراب عمل خراب' پھل کا ذکر پچھلی آیت میں فرمانے کے بعد اب یہاں اس کے تخم کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول اس آیت کریمہ میں دس جانوروں اور ایک عمل کی حرمت کا ذکر ہے۔ یہ گیارہ چیزیں وہ ہیں جو کفار عرب میں بہت مروج تھیں۔ چنانچہ وہ لوگ جانور کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتے پھر اسے کھا لیتے تھے۔ کبھی ذبح کرتے تو اس جانور کا بہتا ہوا خون جما لیتے تھے پھر اسے بھون کر کھاتے تھے۔ بتوں کے نام پر ذبح کرنا۔ بتوں کے تھان پر بھینٹ چڑھانے کا ان میں عام رواج تھا۔ تیروں سے فال عام طور پر کھولتے تھے۔ ان مروجہ گیارہ رسموں کو حرام کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن وغیرہ)

تفسیر حرمت علیکم المیتۃ حرمت باب **تفعیل** کا ماضی مجہول ہے۔ جس کا مصدر تحریم مادہ حرم ہے۔ حرم کے معنی حرام بھی ہیں اور احترام بھی یہاں بمعنی حرام ہے۔ حلال کا مقابل باب **تفعیل** یہاں آہستگی کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے۔ کیونکہ ان چیزوں کی حرمت اسلام میں آہستہ آہستہ نہ آئی بلکہ یکدم آئی۔ ہاں یہ چیزیں قطعاً حرام ہیں کہ ان کا منکر کافر ہے۔ اور انہیں حرام جان کر استعمال کرنے والا سخت فاسق۔ اس لئے **احرمت** نہ فرمایا حرمت فرمایا۔ یہاں حرمت گزشتہ تحریم کی خبر دینے کے لئے نہیں ہے۔ بلکہ آج سے حرام فرمانے کے لئے ہے۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** میں کتب ماہ رمضان کے روزے فرض فرمانے کے لئے ہے۔ گزشتہ فرضیت کی خبر دینے کے لئے نہیں۔ جیسے فرضیت کبھی صیغہ امر سے بیان کی جاتی ہے۔ اور کبھی خبر سے۔ ایسے ہی حرمت کبھی نہی سے بیان فرمائی جاتی ہے۔ کبھی خبر سے۔ یہاں خبر سے بیان ہوئی۔ دوسری جگہ نہی سے بھی بیان فرمائی گئی۔ جیسے **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ** الخ اور ہو سکتا ہے کہ یہ خبری ہو اور معنی یہ ہوں کہ لوح محفوظ پر تم میں یہ چیزیں پہلے ہی حرام کر دی گئی تھیں۔ اس کا ظہور آج ہو رہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہجرت سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں پر یہ تمام چیزیں حرام فرما دی تھیں۔ آج اس آیت میں اسی گزشتہ تحریم کی خبر دی جا رہی ہے۔ اس کی تائید و تاکید کے لئے فقیر کے نزدیک یہ آخری توجیہ قوی ہے۔ کیونکہ سورہ مائدہ مدنی ہے اور یہ آیت تو سرکار کی وفات کے قریب نازل ہوئی۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ اتنے عرصہ مسلمان سور' خون' مردار کھاتے رہے ہوں۔ آج یہ چیزیں حرام کر دی گئی ہوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام چیزیں امت پر پہلے ہی حرام کر دی تھیں۔ یہ ہی تحقیق **حرمت علیکم امھاتکم** میں ہے۔ کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

آیت بھی مدنی ہے۔ مگر اسلام میں ماں، بہن، بیٹی سے نکاح شروع سے حرام تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ناطق ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ علیکم میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ خواہ انسان ہوں یا جنات **میتۃ** موت کا صفت مشبہ ہے۔ یعنی مردار یہ وہ جانور ہے۔ جس کا ذبح کرنا فرض ہو۔ مگر بغیر ذبح ویسے ہی مر جاوے۔ خواہ اپنی موت یا بغیر ذبح کئے۔ اور جگہ زخمی کر دینے سے۔ لہٰذا جھٹکا کیا ہوا جانور مردار ہے۔ حرام ہے مچھلی حلال ہے کہ اس کا ذبح کرنا فرض تھا ہی نہیں خیال رہے کہ مردار کا کھانا حرام ہے۔ مگر اس کی بعض چیزوں سے دوسرے نفع لینا جائز ہے چنانچہ مردار کی کھال کے جوتے پہننا اس کے سینگ ناخن کی کنگھیاں بنانا جائز ہے۔ ہاتھی دانت کو عام استعمال کیا جاتا ہے۔ **والدم ولحم الخنزیر** دم سے مراد بہتا خون ہے۔ لہٰذا تلی اور کلیجی حلال ہے بہتا خون نجس بھی ہے حرام بھی۔ اس کا پینا بھی حرام ہے۔ دوسرے ذریعوں سے استعمال بھی ممنوع۔ اس کی خرید و فروخت بھی حرام۔ آج ڈاکٹر لوگ بعض بیماروں کو انسانی خون کے ٹیکے دیتے ہیں۔ خون کی بوتلیں چڑھاتے ہیں۔ تندرست لوگوں سے خون لیتے ہیں۔ پچاس روپیہ بوتل فروخت کرتے ہیں۔ یہ سب حرام ہے حلال جانور کا خون بھی حرام ہے۔ چہ جائیکہ انسان کا خون کہ یہ تو اشد حرام ہے۔ انسان کا کوئی عضو کام میں نہیں لایا جا سکتا انسان کی کھال کے جوتے نہیں پہن سکتے۔ انسان کے ہڈی ناخن یا بال کسی طرح کسی مصرف میں نہیں آسکتے انسان کا گوشت کسی مصرف میں نہیں آسکتا تو خون کیسے استعمال ہو سکتا ہے۔ رب تعالیٰ سمجھ دے۔ چنانچہ شامی جلد پنجم میں ہے۔ **لان لحم الانسان لا یباح فی الاضطرار لکرامتہ** یعنی انسان کے گوشت کا استعمال اضطراری حالت میں مباح نہیں۔ انسان کی شرافت کی وجہ سے، حدیث شریف میں واصلہ اور مستوصلہ دونوں پر لعنت فرمائی گئی ہے۔ واصلہ وہ عورت ہے جو دوسری عورت کے بال اپنے سر میں استعمال کرے۔ تاکہ اس کے بال بڑے معلوم ہوں۔ مستوصلہ یہ بال استعمال کرانے والی۔ حالت اضطرار کے اور احکام ہیں۔ اگر خون چڑھانے سے کسی بیمار کی جان بچتی ہو اس کے سوا کوئی چیز جان نہیں بچاسکتی تو اجازت ہوگی۔ کہ ایسی اضطراری حالت میں حرام استعمال کیا جا سکتا ہے۔ لحم خنزیر کی مکمل بحث سورہ بقر میں کی جاچکی ہے کہ سور نجس العین ہے۔ حرام **بعینہ** ہے۔ اس کا کوئی عضو کسی طرح استعمال نہیں کر سکتے۔ چونکہ عرب میں عموماً سور کا گوشت ہی کھایا جاتا تھا۔ اس لئے یہاں گوشت کا ہی ذکر کیا۔ یہ مطلب نہیں کہ سور کا گوشت تو حرام ہے اس کی کلیجی گردے حلال۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تاکلوا الربوا اضعافا مضاعفۃ** دوگنا تگنا سود نہ کھاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالو۔ چونکہ اہل عرب دوگنا تگنا ہی کھاتے تھے۔ اس لئے یہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ سور کا کوئی عضو کسی طرح استعمال نہیں کیا جاسکتا۔ رب فرماتا ہے **فانہ رجس** لہٰذا اس کی کھال کا جوتا یا مشک بنانا حرام۔ ان کا استعمال حرام ہے۔ خیال رہے کہ ایک فرقہ ہے داؤدی اس کا عقیدہ ہے۔ کہ سور کا صرف گوشت حرام ہے۔ کلیجی گردے وغیرہ سب حلال اور وہ اسی آیت سے دلیل پکڑتا ہے۔ **لحم الخنزیر** (روح المعانی) حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ سور کھانے والا اگر توبہ نہ کرے تو قتل کر دیا جاوے (روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

شاید انہوں نے سور کھانے کو علامت کفر قرار دیا اور کھانے والے کو مرتد۔ **وما اهل لغير الله به** یہ عبارت **الميتة** پر معطوف ہے۔ ما سے مراد ہر قابل ذبح جانور ہے **اهل** بنا ہے **اهلال** سے جس کا ماخذ ہے ہلال ۔ بمعنی پہلی شب کا چاند۔ **اهلال** کے معنی ہیں چاند دکھانا۔ اب پکارنے کو اہلال کہا جاتا ہے۔ کیونکہ چاند دکھانے والا پکارتا ہے۔ کہ دیکھو چاند وہ ہے۔ اس لئے بچے کے بوقت ولادت رونے کو استہلال کہتے ہیں۔ اصطلاح میں اہلال کے معنی ہیں ذبح کے وقت پکارنا۔ وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں۔ دعا مگر اصطلاح شریعت میں اس کے معنی ہیں نماز۔ تو **اقيموا الصلوة** میں صلوٰۃ کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ **لغير الله** اہل کے متعلق ہے۔ اور بہ کا مرجع ما ہے یعنی حرام ہے وہ جانور جس پر ذبح کے وقت اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا گیا۔ یعنی غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا اس جملہ کی مکمل تفسیر مع تمام گفتگو کے دوسرے پارے میں عرض کی گئی۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں مشرکین عرب باللات والعزیٰ کہہ کر جانور ذبح کرتے تھے اس جملہ میں ان کے اس عمل کا رد ہے۔ دیکھو تفسیر روح المعانی وغیرہ یہ اسی مقام **والمنخنقة** یہ عبارت **ما اهل** پر معطوف ہے یہ خنق سے بنا ہے ۔ بمعنی گلا گھونٹنا۔ اسی لئے گلے کے اندرونی پھوڑے کو خناق کہتے ہیں کہ اس سے مریض کا گلا گھٹ جاتا ہے۔ یعنی حرام ہے گلا گھونٹا ہوا جانور خواہ اسے گلا گھونٹ کر مارا جائے یا دو لکڑیوں یا کسی اور چیز میں گلا پھنس جاوے جس سے وہ گھٹ کر مر جاوے وہ حرام ہے کہ وہ بھی **ميته** میں داخل ہے۔ **والموقوذة** یہ عبارت معطوف ہے **المنخنقة** پر یہ لفظ بنا ہے **وقذ** سے ۔ بمعنی چوٹ مارنا **وقيذه** اور **موقوذه** وہ جانور ہے جسے چوٹ مار کر ہلاک کر دیا جائے خواہ لاٹھی مار کر یا غلہ مار کا یا بندوق کی گولی مار کر یا گھونسہ وغیرہ مار کر وہ بھی حرام ہے۔ کہ **ميته** میں داخل ہے مردار ہے۔ ذبح کے لئے دھار دار چیز سے کاٹنا ضروری ہے۔ ذبح اختیاری میں مقام ذبح اور ہے اور اضطراری میں مقام ذبح کچھ اور جیسا کہ آئندہ عرض کیا جاوے گا۔ **المتردية** یہ عبارت **الموقوذة** پر معطوف ہے۔ یہ تردی سے بنا ہے۔ بمعنی گرنا۔ رب فرماتا ہے **ما يغنى عنه ماله اذا تردى** متردیہ وہ جانور ہے جو اوپر چھت وغیرہ سے گر کر مر جاوے۔ یا زمین سے کنوئیں میں گر کر مرے یہ بھی **ميتة** میں داخل ہے۔ اس کا کھانا حرام ہے۔ یونہی اگر کسی پرندہ کو تیر مارا وہ ہوا میں سے درخت پر گرا پھر وہاں سے زمین پر گرا اور مرا ہوا پایا گیا تو نہ کھایا جاوے ممکن ہے وہ گر کر مرا ہو نہ کہ تیر سے (خازن) **والنطيحة** یہ معطوف ہے **المتردية** پر یہ بنا ہے **نطح** سے ۔ بمعنی سینگ گھونپ دینا **نطيحه** اور **منطوحه** وہ جانور ہے جسے دوسرا جانور سینگ گھونپ کر ہلاک کر دے اس کا کھانا بھی حرام ہے۔ کہ یہ بھی **ميتة** یعنی مردار میں داخل ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ **ميته** وہ جانور ہے کہ بغیر کسی سبب اس کی جان نکلے۔ بغیر ذبح۔ اور یہ تین جانور وہ ہیں جو بغیر ذبح مر گئے...... لہٰذا یہ چاروں حرام ہیں **وما اكل السبع** یہ عبارت **النطيحه** پر معطوف ہے ما سے مراد وہ جانور ہے جو قابل ذبح ہو۔ اکل کے بعد منہ پوشیدہ ہے۔ **سبع** ب کے ضمہ سے صفت مشبہ ہے اس کا مادہ سبع ہے ب کے سکون سے ۔ بمعنی حملہ کرنا سبع شکاری جانور کو کہتے ہیں جو کیل یا پنجہ والا ہو۔ حملہ کرتا ہو۔ جیسے شیر کتا بلی اور باز و شکرہ وغیرہ یہ اپنے شکار کا کچھ حصہ کھالیں اور

www.alahazratnetwork.org

جانور مرجاوے تو اس کا بقیہ حصہ کھانا حرام ہے۔ کہ یہ بھی میتہ یعنی مردار میں داخل ہے۔ **الا ما ذکیتم** قوی احتمال یہ ہے کہ اس عبارت کا تعلق مذکورہ بالا پانچوں جانوروں سے ہے۔ نہ کہ صرف **ما اکل السبع** سے (تفسیر خازن) **ذکیتم** بنا ہے **تذکیۃ** سے جس کا مادہ زکوۃ ہے۔ معنوی پاکی ظاہری پاکی کو عبادت کہتے ہیں اور باطنی پاکی کو زکوۃ اس لئے زکوۃ کو زکوۃ کہا جاتا ہے۔ کہ اس سے بقیہ مال پاک ہو جاتا ہے ذبح کو تذکیہ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے جانور پاک ہو جاتا ہے۔ استثناء کا مقصد یہ ہے کہ اگر یہ مذکورہ پانچوں جانور زندہ پالئے جاویں اور انہیں ذبح کر لیا جاوے تو حلال ہیں۔ **وما ذبح علی النصب** یہ عبارت **ما اکل** پر معطوف ہے۔ اور ما سے مراد ہر قابل ذبح جانور ہے۔ ذبح حلقوم اور آس پاس رگوں کو دھار دار چیز سے کاٹنے کا نام ہے۔ یہ ہے ذبح اختیاری اور ذبح اضطراری جب کہ جانور قبضہ میں نہ ہو۔ اس کے جسم پر کوئی دھار دار چیز چبھو کر خون بہا دینے کو کہتے ہیں جیسے خشک کنویں میں بکری گر گئی وہاں مری جارہی ہے۔ تو بانس میں نیزہ باندھ کر اس کے جسم میں کسی جگہ بسم اللہ پڑھ کر مار دیا جاوے خون بہہ جاوے تو ذبح ہو گئی حلال ہے۔ **نصب** جمع ہے نصاب کی جیسے حمر جمع ہے حمار کی یا یہ واحد ہے۔ اس کی جمع انصاب ہے۔ جیسے **طنب** کی جمع اطناب۔ ہر گاڑھی ہوئی چیز نصب ہے یہاں اس سے مراد مشرکین کے گاڑھے ہوئے پتھر' عبادت کے لئے صورت والا پتھر صنم یعنی بت ہے۔ بغیر صورت گڑھا ہوا پتھر نصب۔ یہاں علی یا تو ۔ معنی لام ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ جانور جو کسی تھان (استھان) پر اس کی عبادت و بھینٹ کی نیت سے ذبح کیا وہ بھی حرام ہے خیال رہے کہ جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے وہ **ما اھل بہ لغیر اللہ** ہے۔ اور جانور کسی بت پر بھینٹ کی نیت سے ذبح کیا جاوے وہ اگرچہ بسم اللہ کہہ کر ہی ذبح کیا جاوے وہ بھی حرام ہے وہ ہی یہاں مراد ہے۔ لہذا آیت میں تکرار نہیں مگر بھینٹ میں خود ذبح کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔ ذبح کرانے والے کی نیت کا اعتبار نہیں اس لئے یہاں ذبح فرمایا گیا۔ **اذبح** باب افعال سے ارشاد نہ ہوا۔ اس جملہ میں **ماذبح** فرما کر یہ بتایا کہ جانور کے سوا اور کوئی چیز بتوں پر چڑھا دی جاوے تو حرام نہیں۔ جیسے بتوں کے چڑھاوے کی مٹھائی۔ پانی' دودھ' پیسہ روپیہ کہ اگرچہ مشرکین یہ چیزیں ان کی عبادت کی نیت سے ان پر چڑھادیں وہ حرام نہیں۔ کیونکہ ماذبح نہیں حتیٰ کہ اگر مشرک مسلمان سے گوشت خرید کر بت پر رکھ آوے وہ حرام نہیں کہ **ماذبح علی النصب** نہیں **علی النصب** فرمایا **عند النصب** نہ فرمایا جس سے پتہ چلا کہ بت کے پاس جانور ذبح ہونے سے حرام نہیں ہوتا۔ بلکہ بت کے نام کی قربانی کی نیت سے حرام ہوتا ہے لہذا یہ آیت کریمہ بہت ہی جامع ہے۔ **وان تستقسموا بالازلام** یہ ماذبح پر معطوف ہے **حرمت** کا نائب فاعل ان مصدریہ ہے۔ **تستقسموا** بنا ہے **استقسام** سے جس کا مادہ قسم ۔ معنی حصہ یا قسمت ۔ معنی تقدیر و نصیب۔ یعنی حصہ معلوم کرنا۔ یا اپنی قسمت کا پتہ چلانا۔ **ازلام** جمع ہے زلم کی ۔ معنی بغیر نوک و پر والا تیر۔ اہل عرب جب کوئی بڑا کام کرنا چاہتے تو کعبہ معظمہ میں آتے۔ وہاں فال کھولنے کے لئے تین قسم کے تیر رکھتے۔ بعض پر لکھا امرنی ربی اور بعض پر تھا **نھانی ربی** اور بعض سادہ تھے۔ جن پر کچھ لکھا نہ تھا۔ بہت بڑی رقم کعبہ کے

www.alahazratnetwork.org

منتظم کو دیتے تھے اور ان تیروں کو مخلوط کر کے ان میں سے ایک اٹھاتے تھے۔ اگر امرنی والا ہاتھ آجاتا تو سمجھتے تھے کہ کامیابی ہے۔ اور اگر نہانی والا تیر نکلتا تو ناکامی ہے۔ پھر وہ کام نہ کرتے اور اگر خالی تیر نکلتا تو دوبارہ پھر فال کھولتے اور سمجھتے کہ یہ کام مشکل سے ہوگا۔ اس آیت کریمہ میں اس کو حرام فرمایا گیا۔ کہ یہ کام بھی حرام ہے اور آمدنی بھی حرام۔ چونکہ یہ فال منتظمین کعبہ کی آمدنی کا ذریعہ تھی۔ اس لئے اس کو حرام جانوروں کے ساتھ ذکر فرمایا گیا۔ یعنی وہ جانور بھی حرام ہے اور فال کھولنا یا فال کھول کر پیسہ لینا۔ اور کھانا یہ بھی حرام۔ **ذلکم فسق۔ ذلکم** سے اشارہ یا تو تیروں سے فال نکالنے کی طرف ہے۔ چونکہ یہ کام بہت ہی برا ہے۔ مومن کی شان سے بہت دور لہٰذا ذلک اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ یا ان مذکورہ تمام محرمات کی طرف ہے۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ یعنی یہ حرام جانور اور فال کی آمدنی کھانا اور فال نکالنا فسق و فجور رب کی ناراضی کا باعث ہے۔ اس سے بہت بچو۔ اس لئے **کم** ضمیر جمع لائی گئی تاکہ معلوم ہو کہ ان مذکورہ چیزوں میں سے ہر چیز فسق و فجور ہے۔ جس کا چھوڑنا ضروری ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے گیارہ چیزوں کی حرمت بیان فرمائی ہے۔ جن میں سے بعض تو بذات خود حرام ہیں۔ جنہیں حرام **بعینیہ** کہتے ہیں اور بعض کی حرمت کسی وجہ سے جسے حرام لغیرہ کہتے ہیں۔ مگر ہیں سب حرام قطعی جس کا انکار کفر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو تم پر حسب ذیل چیزیں قطعاً حرام کی گئی ہیں۔ ان سے بچے رہو ایک مردار یعنی وہ حلال جانور جس کا ذبح کرنا ضروری تھا۔ مگر وہ بغیر ذبح کئے اپنے آپ ویسے ہی مر گیا۔ دوسرے بہتا ہوا خون کہ اس کا کھانا بھی حرام اور دوسرے طریقہ سے استعمال بھی حرام۔ تیسرے سور کا گوشت اور اس کے سارے اجزاء۔ مگر خیال رہے کہ مردار جانور کا کھانا تو حرام ہے۔ مگر اس کی کھال بال پٹھے ہڈی کا استعمال جائز ہے۔ لیکن سور کا کوئی جز کسی استعمال میں نہیں آسکتا۔ چوتھے وہ حلال جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جائے خواہ اس طرح کہ ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا ہی نہ جاوے کسی اور کا نام لیا جاوے یا اللہ کے نام کے ساتھ اور کا بھی نام لیا جاوے۔ پانچویں وہ جانور جو گلا گھونٹ کر مارا جاوے یا کسی طرح اس کا گلا خود گھٹ جاوے اور مر جاوے۔ چھٹے وہ جانور جو بے دھار والی چیز سے مار دیا جاوے جیسے لاٹھی' غلہ گولی سے مارا ہوا جانور۔ ساتویں وہ جانور جو اوپر سے گر کر مر جاوے کہ چھت سے زمین پر یا زمین سے کنوئیں میں گر کر مر جاوے۔ آٹھویں وہ جانور جسے دوسرے جانور نے سینگ گھونپ کر مار دیا کہ اس کی جان نکل گئی۔ نویں جسے شکاری جانور نے کچھ کھالیا کچھ چھوڑ دیا۔ یہ نو جانور تم پر حرام ہیں۔ ہاں یہ آخری پانچ جانور اگر تم ان کو اللہ کے نام پر ذبح کر لو تو حلال ہیں جیسے گولی سے جانور کو مارا اور ابھی وہ زندہ تھا کہ ذبح کر لیا۔ یونہی کنوئیں وغیرہ میں گرا ہوا جانور وغیرہ۔ دسویں تم پر وہ جانور بھی حرام ہے۔ جو کسی تھان پر بھینٹ چڑھایا گیا۔ اس طرح کہ بت کے سامنے اس کی عبادت کے لئے اس کے نام پر قربان کیا گیا کہ یہ اگرچہ خدا کے نام ذبح ہو مگر حرام ہے۔ جب کہ خود ذبح کرنے والے کی نیت بھینٹ کی ہو۔ گیارہویں تیروں سے فال نکالنا بھی حرام ہے اور فال نکالنے پر جو چیز دی جاوے وہ بھی حرام۔ خیال رکھنا کہ یہ سب چیزیں مستقل طور پر حرام

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ ان کا استعمال کرنا فسق عملی ہے اور انہیں حلال جاننا فسق اعتقادی یعنی کفر ہے۔ لہذا ان سب سے بچی بچے رہو کہ یہ رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** یہ مذکورہ گیارہ چیزیں یعنی نو جانور ایک بہتا ہوا خون اور فال و فال کی آمدنی قطعی حرام ہے جن کا استعمال سخت گناہ و فسق ہے انہیں حلال جاننا کفر ہے۔ یہ فائدہ حرمت اور آخر میں فسق فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ حرمت کی تشدید مبالغہ کے لئے ہے اور فسق دونوں چیزوں کو شامل ہے۔ فسق عملی کو بھی فسق اعتقادی کو بھی۔ **دوسرا فائدہ** بے خون والے جانور جن کا ذبح لازم نہیں وہ بغیر ذبح کے بھی حلال ہیں جیسے مچھلی اور مڈی یہ فائدہ المیتہ کے الف لام سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** بہتا خون خواہ حلال جانور کا ہو یا حرام کا مطلقاً حرام ہے۔ اس کا پینا بھی حرام ہے۔ اور جما کر پکا کر کھانا بھی حرام ہے۔ جو خون قدرتاً جم کر کچھ اور بن جاوے وہ حلال ہے جیسے کلیجی' تلی' مشک' یونہی اس کی نسوار لینا حرام ہے خیال رہے کہ تلی شیعوں کے ہاں حرام ہے (روح المعانی) خون کا لیپ کرنا خون کا ٹیکہ لگانا بھی حرام ہے ہاں اگر طبیب حاذق کہے کہ مریض کی شفا اس کے سوا کسی چیز میں نہیں تو جائز ہے۔ مگر خون کا لیپ کیا ہوا نجس ہوگا اس لئے وہ عضو دھو کر نماز پڑھی جاوے۔ خون کی بیع حرام ہے اس کی قیمت خالص حرام کیونکہ خون شراب کی طرح حرام بھی ہے نجس بھی اور یہ مال بھی نہیں ہے پھر قیمت کیسی اور انسانی خون تو اس لئے بھی حرام ہے کہ یہ جزو انسانی ہے ہم پہلی تفسیر میں بحوالہ شامی بتا چکے کہ اضطراری حالت میں جان نکلنے کے خطرہ پر بھی انسانی گوشت کھانا جائز نہیں۔ **چوتھا فائدہ** جو جانور غیر خدا کے نام پر ذبح ہو وہ حرام ہے۔ اور جس پر کسی کا نام زندگی میں بولا جاوے وہ حلال ہے جیسے کہ ما اہل کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہذا عقیقہ کا بکرا۔ گیارہویں شریف کا دنبہ۔ میلاد شریف کی گائے سب حلال ہیں کہ ان کو اللہ کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ یہ **نسبتیں** مقصد کی ہیں اور زید کا اونٹ' عبداللہ خاں کی بکری بھی حلال ہے کہ یہ نسبتیں ملکیت کی ہیں۔ انہیں رب تعالیٰ کی نام پر ذبح کیا جاتا ہے۔ **مسئلہ** جانور کا ذبح دو قسم کا ہے۔ ذبح اختیاری اور ذبح غیر اختیاری۔ ذبح اختیاری میں حلقوم اور رگوں کا کٹ جانا ضروری۔ مگر ذبح غیر اختیاری میں کسی جگہ دھار دار چیز کا لگ کر زخم ہو جانا خون کا بہہ جانا کافی ہے **الا ماذکیتم** دونوں ذبحوں کو شامل ہے۔ **مسئلہ** بلی سے چھوڑائی ہوئی مرغی اگر ذبح کرلی جاوے اس طرح کہ ذبح کے وقت زندہ ہو۔ ذبح سے خون بہے اور تڑپے تو حلال ہے۔ اگر خون نہ بہے نہ تڑپے تو حرام ہے۔ **مسئلہ** اگر پرندہ کو تیر مارا وہ زخمی ہو کر زمین پر گرا۔ مرا پایا گیا تو حلال لیکن اگر ہوا سے کسی درخت پر گرا وہاں سے زمین پر اور مرا ہوا پایا گیا تو ناجائز ہے کہ وہ متردیہ میں داخل ہے (روح البیان) کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ گرنے کی وجہ سے چوٹ کھا کر مرا ہے۔ **پانچواں فائدہ** بھینٹ چڑھایا ہوا جانور حرام ہے۔ اگرچہ وہ اللہ کے نام پر ہی ذبح کیا جاوے۔ بھینٹ یہ ہے کہ اسے ذبح کرکے بتوں کی عبادت کی جائے جیسے مشرکین کالی کے سامنے جانور ذبح کرکے اس کا خون کالی کے بت پر چھڑکتے ہیں کہ وہاں صرف خون دینا مقصد ہوتا ہے۔ گوشت مقصود نہیں ہوتا جیسے مسلمان قربانی کرتے ہیں کہ وہاں صرف خون بہنا ہوتا ہے نہ کہ گوشت جج

www.alahazratnetwork.org

میں ہزار ہا جانور ذبح کر کے دفن کر دیئے جاتے ہیں یہ ہے بھینٹ۔ یہ فائدہ **وما ذبح علی النصب** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ اگر مشرک نے جانور بت کے لئے پالا پھر وہ اسے بت خانہ میں لایا اس کی بھینٹ کی نیت سے۔ مگر ذبح کرایا مسلمان سے اس نے بسم اللہ پڑھ کر ذبح کر دیا تو یہ جانور حلال ہے۔ (فتاوی عالمگیری) اس سے معلوم ہوا کہ بھینٹ میں ذبح کرنے والے کی نیت کا اعتبار ہے۔ نہ کہ مالک کی نیت کا۔ مسئلہ اگر جانور بتوں کے نام چھوڑا جائے۔ مگر مسلمان خدا کے نام پر ذبح کر دے تو حلال ہے کہ یہ نہ تو بھینٹ ہے۔ نہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا ہوا۔ دیکھو بحیرہ' سائبہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے ہیں مگر بحکم قرآن حلال تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ ولا حام** الخ۔

نوٹ ضروری ہم **ما اھل بہ لغیر اللہ** کی تفسیر دوسرے پارے میں کر چکے ہیں۔ اور اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں مکمل بحث کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ کرو۔ مسئلہ جانور کے سوا بتوں پر تمام چڑھائے ہوئے چڑھاوے حلال ہیں۔ جیسے پانی' پیسہ' مٹھائی' کھانا' زیور' کچا گوشت کہ اگر مشرکین یہ چیزیں بتوں پر چڑھاویں۔ جب بھی حلال ہیں یہ مسئلہ **ماذبح** فرمانے سے حاصل ہوا۔ ذبیحہ کا حکم اور ہے۔ دوسری چیزوں کا حکم کچھ اور۔ اگر بتوں کا ہر چڑھاوا حرام ہو تو بعض ہندو بتوں کے نام پر کنویں کھدوا دیتے ہیں۔ ان کا پانی بھی حرام ہو جانا چاہیے۔ بلکہ خود گنگا و جمنا کا پانی حرام ہو جانا چاہیے۔ کہ مشرکین ان پانیوں کی پوجا کرتے ہیں۔ پھر اگر یہ پانی حرام ہوں تو گنگا جمنا سے نکالی ہوئی نہریں اور ان سے سیراب کئے ہوئے کھیت کی پیداوار بھی حرام ہونی چاہیے۔ **نعوذ باللہ** غرض کہ سواء بتوں کے ذبیحہ کے تمام چڑھاوے حلال ہیں۔ مسئلہ کسی جانور کو بت کے پاس اللہ کے نام پر ذبح کر دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتا۔ بلکہ بت کی بھینٹ سے حرام ہوتا ہے۔ بھینٹ کی پہچان یہ ہے کہ اس سے گوشت مقصود نہ ہو۔ صرف خون بہا کر بت کی پرستش مقصود ہو۔ اس لئے یہاں **علی النصب** فرمایا **عند النصب** نہ فرمایا۔ یہ قیدیں ضرور خیال رہیں۔ چھٹا فائدہ پانچوں جانور **منخنقہ** موقوذہ وغیرہ اگر ان کو بروقت ذبح کر لیا جاوے تو حلال ہو جاویں گے جیسا کہ **الا ماذکیتم** سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ فال کھولنا بھی حرام ہے اور فال کھلوانا بھی حرام۔ یونہی نجومیوں سے غیب کی چیزیں پوچھنا بھی حرام ہے۔ اس پر پیسہ لینا دینا بھی حرام ہے۔ یہ فائدہ **ان تستقسموا بالازلام** سے حاصل ہوا۔ یونہی قرآن کریم سے فال کھولنا حرام ہے۔ بلکہ اس میں احتمال کفر ہے۔ کیونکہ قرآن مجید قانون الٰہی ہے نجومی کی پوتھی نہیں ہے۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے حضرت علی و معاذ رضی اللہ عنہم سے روایت نقل کی کہ آپ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم سے فال کھولنا جائز ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورہ اخلاص (قل ہو اللہ) ۷ بار پڑھے پھر یہ دعا ۳ بار پڑھے **اللھم بکتابک تفاءلت وعلیک توکلت۔ اللھم ارنی فی کتابک ما ھو المکتوم فی سرک المکنون** پھر قرآن مجید کھولے اور اس کے پہلے صفحہ کو دیکھے تو پتہ چل جاوے گا مگر یہ روایت صحیح نہیں حق یہ ہے کہ فال کھولنا سے بھی حرام ہے۔ مسئلہ کسی اچھی چیز سے اچھی فال لینا بالکل

www.alahazratnetwork.org

جاری ہے۔ فال کھولنا اور سے ذیل کھولنا یا فال نکالنا یہ اور۔ جیسے ہم کسی کام کو جا رہے ہیں کسی مقبول بندے سے اچانک ملاقات ہو گئی۔ یا کسی کے منہ سے اچھی بات سنی کوئی اچھے نام والا آدمی سامنے آگیا۔ ہم کامیابی کے امیدوار ہو گئے۔ یہ بالکل درست ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صلح حدیبیہ کے موقعہ پر سہل ابن عمر آیا تو فرمایا سہل آیا ہے۔ انشاء اللہ کام سہل ہو جاوے گا۔ یہ جائز ہے۔ مسئلہ علم غیب حاصل کرنا حرام نہیں۔ ہاں غلط ذریعوں سے حاصل کرنا گناہ ہے کہ علم غیب کاہنوں، نجومیوں، جنات سے حاصل کرنا حرام ہے۔ کہ انہیں علم غیب نہیں۔ وہ تمہیں کیا بتائیں گے۔ نبی کے ذریعہ، ولی کے ذریعہ سچی خوابوں کی تعبیر کے ذریعہ، علم جفر کے ذریعہ علم غیب حاصل کرنا بالکل حق ہے۔ جس کا ثبوت قرآن و حدیث سے ہے۔ اللہ تعالی نے عطاء علم غیب کے لئے یہ ذریعہ مقرر فرمائے ہیں (از تفسیر روح المعانی) دیکھو جب رب نے زمانہ یوسفی میں قحط سالی بھیجنا چاہی تو مخلوق کو شاہ مصر کی خواب کے ذریعہ اس کی اطلاع دے دی جسے یوسف علیہ السلام نے بیان فرمایا یہ ہے علم غیب بذریعہ خواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم خط (جفر) کے متعلق پوچھا گیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ ایک نبی (ادریس علیہ السلام) خط کھینچتے تھے۔ جس کا خط ان کے خط کے مطابق ہو گا۔ صحیح پتہ لگ جاوے گا یہ ہے علم جفر کا ثبوت۔ صحابہ کرام نے حضور سے علم غیب حاصل کیا۔ یا رسول اللہ میرا فوت شدہ بچہ کہاں ہے۔ جنت میں یا دوزخ میں وغیرہ وغیرہ اسی لئے اس آیت کریمہ میں بالازلام کی قید لگائی گئی۔ یعنی تیروں سے فال نکالنا۔ علم غیب حاصل کرنا حرام ہے۔ کہ یہ ناجائز ذریعہ سے حاصل کرنا ہے۔ یہ بحث خیال میں رکھو یہاں تفسیر روح المعانی نے علم حاصل کرنے کے لئے ذریعوں پر بڑی نفیس اور مکمل بحث کی ہے۔ آٹھواں فائدہ مشرکین جو مٹھائی جیسے دانہ پھل، دودھ گھی وغیرہ بت پر چڑھاوا چڑھاویں۔ وہ مسلمان کے لئے حلال ہے۔ کوئی چیز کسی جگہ رکھ دینے سے حرام نہیں ہو جاتی۔ یہ فائدہ ماذبح علی النصب سے حاصل ہوا کہ رب تعالی نے یہاں وضع علی النصب نہ فرمایا۔ ماذبح فرمایا۔ جو بت پر ذبح کیا جاوے وہ حرام ہے۔ جو محض رکھ دیا جاوے وہ حرام نہیں۔ نواں فائدہ جو جانور بت کے نام پر نامزد کر دیا جاوے۔ وہ شرعا حرام نہیں۔ جب تک غیر خدا کے نام پر ذبح یا بت پر بھینٹ نہ چڑھایا جاوے۔ دیکھو یہاں ماذبح الی النصب نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ بھینٹ کی حرمت میں ذبح ہو جانا معتبر ہے۔

پہلا اعتراض اللہ تعالی نے یہاں حرمت کے بعد گیارہ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ان گیارہ کی حرمت یکساں ہے۔ یا ان میں فرق ہے۔ **جواب** کھانے کی حرمت سب میں یکساں ہے۔ نفس حرمت میں فرق نہیں۔ دوسری وجہوں سے ان میں فرق ہے۔ کہ مردار وغیرہ عارضی حرام ہیں اور سور اصلی حرام۔ نیز سور کا کھانا بھی حرام ہے۔ اور اس کے کسی عضو کا اور طرح استعمال کرنا بھی حرام ہے۔ مگر دوسرے جانور مردار وغیرہ اور غیر خدا کے نام ذبح کیا ہوا ان کا صرف کھانا حرام ہے۔ باقی ان کے چمڑے کا جوتا بنانا۔ بال پٹھے اور کام میں لانا حلال ہے۔ **دوسرا اعتراض** بہتا خون اس کا صرف کھانا پینا حرام ہے۔ یا بالکل استعمال کرنا ہی حرام ہے۔ **جواب** اس کا کھانا پینا مطلقا حرام مگر دوسرے استعمالوں میں اس کا حکم شراب کا سا ہے کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

نجس بھی ہے۔ حرام بھی ہے۔ اور شرعاً یہ مال نہیں لہٰذا اس کی خرید و فروخت مطلقاً حرام اس کا لیپ وغیرہ بحالت ضرورت حلال ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ آج کل جو رواج ہو گیا ہے۔ کہ بات بات پر مریض میں خون چڑھاتے ہیں یہ ممنوع ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ۔ **موقوذہ** وغیرہ کو مطلقاً حرام فرمایا گیا مگر خنزیر کے لئے لحم یعنی گوشت کی قید لگائی گئی یا تو وہاں بھی لحم المیتہ یعنی مردار کا گوشت فرمایا جاتا یا یہاں **الخنزیر** فرمایا جاتا۔ لحم کی قید نہ لگائی جاتی۔ اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے۔ **جواب** سور کے علاوہ دوسرے جانور بذات خود حرام نہیں بلکہ کسی عارضہ سے حرام ہیں۔ یعنی ان کا مردار ہونا یا موقوذہ ہونا ان چیزوں نے انہیں حرام کیا۔ اور سور بذات خود حرام ہے۔ اس لئے ان جانوروں میں وجہ حرمت بیان کرنے کے لئے انہیں ان وصفوں سے بیان کیا۔ اور سور کو کسی وصف خاص سے بیان نہ کیا۔ اور عرب والے سور کا صرف گوشت ہی کھاتے تھے۔ دوسری چیزیں کلیجی گردے وغیرہ نہ کھاتے تھے۔ مردار وغیرہا کی ہر چیز کھا جاتے تھے۔ ان کے رواج کو روکنے کے لئے اسی طرح بیان فرمایا۔ جیسے رب کا فرمان کہ دوگنا تگنا سود نہ کھاؤ یا فرمان کہ اگر تمہاری لونڈیاں بچنا چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو وغیرہ یہ تمام قیدیں ان کی رسم کے بیان کے لئے ہیں یا اس لئے کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج رہیں۔ سور کا گوشت قرآن نے حرام کیا اجزاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے **چوتھا اعتراض** **ما اهل لغير الله** کے معنی یہ ہیں کہ جس چیز کو غیر خدا کے نام پر پکارا جاوے وہ حرام ہے۔ وہ چیز جانور ہو یا کچھ اور نیز جانور پر اس کی زندگی میں غیر خدا کا نام پکارا جاوے یا ذبح کے وقت۔ کیونکہ ما بھی عام ہے۔ اور اھل کے معنی ہیں پکارا جاوے۔ نہ تو ما میں جانور کی قید ہے۔ نہ پکارنے میں ذبح کے وقت کی قید۔ لہٰذا گیارہویں کی مٹھائی' میلاد شریف کا کھانا۔ جناب غوث پاک کی بکری۔ خواجہ اجمیر کے نام کی دیگ سب ہی حرام ہیں اور **ما اهل به** میں داخل ہے (گجراتی جہلاء دیوبند)۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں جو ہم دوسرے پارہ میں دے چکے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو دنیا کی کوئی چیز حلال نہیں ہو سکتی۔ ہر چیز حرام ہی ہو گی۔ کیونکہ ہر چیز کی نسبت کسی نہ کسی بندے کی طرف ہوتی ہے۔ دیوبند کا مدرسہ مولوی صاحب کی کتاب۔ میری کتاب' فلاں آدمی کی روٹی فلاں شخص کی بیوی۔ اب فرمایا جائے کون چیز نسبت سے خالی ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ آپ کی یہ تفسیر نہیں بلکہ آیت کریمہ کی تحریف ہے۔ اھلال کے لغوی معنی ہیں پکارنا مگر شرعی معنی ہیں ذبح کے وقت پکارنا جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی ہیں دعا مگر شرعی معنی ہیں نماز تو **اقیموا الصلوة** میں صلوٰۃ کے معنی ہیں نماز نہ کہ دعا اگر یہاں اھل کے لغوی معنی مراد ہوں تو دوسری آیات سے تعارض ہو گا۔ دیکھو قرآن کریم بحیرہ' سائبہ جانوروں کو حلال فرما رہا ہے۔ حالانکہ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑا جاتا تھا اور ان کی زندگی میں ان پر غیر خدا کا نام لیا جاتا تھا۔ معلوم ہوا کہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور بحیرہ و سائبہ وغیرہ حلال ہیں یہ تو جانوروں کا ذکر ہوا۔ کفار عرب اپنی کھیتوں کی پیداوار کا کچھ حصہ بتوں کے نام پر کر دیتے تھے قرآن کریم نے ان کے اس عمل کی برائی تو بیان کی مگر اسے حرام نہ فرمایا۔ اسی طرح اپنے بعض جانور بتوں کے نام پر کر دیتے تھے انہیں بھی حرام نہ

www.alahazratnetwork.org

کما چنانچہ فرمایا **وجعلوا اللہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا فقالوا ھذا اللہ بزعمھم وھذا الشر کائنا** آخر میں فرمایا **ساء ما یحکمون** ان کا یہ فیصلہ برا ہے اس تقسیم کو برا کہا ان چیزوں کو حرام نہ کہا جس سے معلوم ہوا کہ مٹھائی' غلہ' پھل وغیرہ چیزیں۔ اگر بتوں کے نام زد کردی جاویں تو وہ حرام نہیں۔ ہاں یہ عمل کفر ہے۔ نیز اگر جانور پر زندگی میں کسی کا نام پکار دینا اسے حرام کردیتا تو چاہیے تھا کہ اگر بعد میں یہ شخص توبہ کرکے اللہ کے نام پر ذبح کردے تو بھی حرام رہتا۔ حالانکہ وہ مخالفین کے نزدیک بھی حلال ہے۔ بہرحال یہ تفسیر محض غلط ہے۔ **پانچواں اعتراض** یہاں اللہ تعالٰی نے حرام جانوروں کے ساتھ تیروں کے ساتھ فال کھولنے کو کیوں بیان فرمایا۔ اس فال کو حرام جانوروں سے کیا تعلق ہے۔ **جواب** اس لئے کہ فال پر عموماً پیسے لئے جاتے تھے۔ مٹھائی وغیرہ بھی وصول کی جاتی تھی۔ یہاں یہ فرمایا گیا کہ یہ آمدنی بھی حرام ہے۔ اس کا پیسہ مٹھائی کپڑا حرام۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ استقسام سے مراد ہے اونٹ کے گوشت کے حصے معلوم کرنا۔ یعنی کفار عرب اونٹ کو ذبح کرتے اس کے گوشت کے حصے کچھ تو اللہ کے نام پر کرتے کچھ بتوں کے نام پر کچھ اپنے کھانے کے لئے۔ پھر ان حصوں کی تعیین ان تیروں سے کرتے تھے۔ یہاں اس فعل کو حرام کیا گیا۔ مگر پہلا جواب قوی ہے۔ **چھٹا اعتراض نطیحہ** اسم مفعول کے معنی میں ہے۔ اور جب فعیل کا وزن بمعنی مفعول ہو تو اس میں تانیث کی ت نہیں آتی پھر یہاں کیوں آئی۔ **جواب** یہاں ت تانیث کی نہیں بلکہ لفظ کو صفت سے اسم کی طرف منتقل کرنے کی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ یہ کلمہ یہاں موصوف سے مل کر نہیں آیا۔ لہٰذا اس میں ت آسکتی ہے۔ جب موصوف سے مل کر آوے تو ت نہیں آتی جیسے کف خضیب اور عین کحیل (روح المعانی) **ساتواں اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قبروں کے چڑھاوے یعنی وہاں کی مٹھائی' دودھ' پیسہ وہاں ذبح کیا ہوا جانور جیسے عرسوں میں آستانوں پر گائے وغیرہ ذبح کی جاتی ہے۔ وہ سب حرام ہے۔ اگرچہ اللہ کے نام پر ہی ذبح ہو کیونکہ یہ **ما ذبح علی النصب** میں داخل ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب اس آیت میں موجود ہے۔ یہاں **ما ذبح** فرماکر تمام چڑھاووں کو نکال دیا کہ جانور کے سوا باقی چڑھاوے حلال ہیں اور **علی النصب** فرماکر **عند** نہ فرماکر یہ بتادیا کہ کسی کے قریب جانور ذبح کرنا حرام نہیں کردیتا۔ بلکہ بتوں پر ذبح کرنا ان کی عبادت ان کی پرستش کے لئے ذبح کرنا یہ حرام کرتا ہے۔ چونکہ ابھی آیت کریمہ مکمل نہیں ہوئی۔ اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ انشاء اللہ آگے بیان ہوگی۔

اَلْیَوْمَ یَئِسَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ دِیْنِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ
آج مایوس ہوگئے وہ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے بس نہ ڈرو
آج تمہارے دین کی طرف سے کافروں کی آس ٹوٹ گئی تو ان سے نہ ڈرو

www.alahazratnetwork.org

وَاخْشَوْنِ ؕ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَ

ان سے اور ڈرو مجھ سے آج کامل کر دیا میں نے واسطے تمہارے دین تمہارا اور پوری کر دی میں نے اوپر

اور مجھ سے ڈرو آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی

رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ؕ فَمَنِ اضْطُرَّ فِيْ مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ

تمہارے نعمت اپنی اور راضی ہوا میں واسطے تمہارے اسلام کے دین سے پس جو بیقرار ہو جاوے بھوک

اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا تو جو بھوک پیاس کی شدت میں ناچار ہو

لِّاِثْمٍ ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ③

بیں نہ مائل ہونے والا گناہ کی طرف تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

یوں کہ گناہ کی طرف نہ جھکے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق اس جملہ کا پچھلی عبارت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حرام جانوروں کا ذکر تھا۔ اب دین کے کامل ہونے کا تذکرہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ اب ان احکام میں ترمیم تنسیخ نہ ہو گی۔ یہ جانور ہمیشہ حرام رہیں گے۔ کیونکہ جو کچھ ترمیم تنسیخ ہونا تھی وہ ہو چکی۔ اب اس کے بعد کوئی حکم تبدیل نہ ہو گا۔ گویا حرمت کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور حرمت کے دوام کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حرام جانوروں کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں اپنی نعمت کامل فرمانے کا ذکر ہے۔ کیونکہ بری چیزوں کو حرام کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے۔ گویا پچھلی آیت میں جانوروں کی حرمت کا ذکر تھا اب اس حرمت کے نعمت ہونے کا ذکر ہے۔ طیب چیزوں کا حرام کر دینا عذاب ہے اور خبیث چیزوں کا حرام فرما دینا نعمت بنی اسرائیل پر بعض اچھی چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔ ان کی نافرمانی کی وجہ سے وہ عذاب تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت احلت لھم** یوں ہی بعض دینوں میں شراب کا حلال ہونا رب تعالیٰ کا عتاب تھا۔ ہمارے دین میں کوئی طیب چیز حرام نہیں اور کوئی خبیث چیز حلال نہیں۔ یہ ہم پر اللہ کی رحمت ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حرام جانوروں کا کھانا فسق و بدکاری ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کبھی مجبوری میں یہ جانور کھانا حرام نہیں ہوتا گویا ان جانوروں کی اصلی حرمت بیان فرمانے کے بعد ان کی عارضی حلت اب بیان ہو رہی ہے۔

نزول یہ آیت کریمہ **الیوم اکملت لکم** نویں بقر عید جمعہ کے دن بعد نماز عصر ۱۰ھ کو مقام عرفات میں نازل ہوئی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں مقام عرفات میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اپنی اونٹنی قصواء پر سوار تھے۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی زیادہ بوجھ سے بیٹھ گئی۔ اس کے بعد

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم قریباً تین ماہ بعد دنیا سے پردہ فرما گئے یعنی بارہویں ربیع الاول دو شنبہ کے دن ۱۱ھ کو حق یہ ہے کہ اس کے بعد احکام کی کوئی آیت نہ آئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کلالہ کی آیت اس کے بعد آئی ہے۔ مگر تفسیر روح المعانی نے اس کا انکار کیا۔ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ بہت روئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رونے کا سبب پوچھا تو عرض کیا اب تک ہم ترقی میں تھے اب کمال کو پہنچ چکے اور ہر چیز کمال کو پہنچ کر مائل بہ زوال ہو جاتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سچ کہتے ہو۔ (خازن' کبیر' وغیرہ) اس آیت کے نزول کے دن دنیا میں پانچ عیدیں جمع تھیں۔ دو عیدیں مسلمانوں کی حج اکبر اور جمعہ' یہود کی عید عیسائیوں کی عید (بڑا دن) مجوسی کی عید۔ اتنی عیدیں نہ اس سے پہلے کبھی جمع ہوئی تھیں۔ اور نہ اس کے بعد۔ (خازن وغیرہ)

تفسیر **الیوم یئس الذین کفروا۔ الیوم** کی تحقیق ابھی کی جاوے گی **یئس** بنا ہے **یاس** ' بمعنی ناامیدی اس کا مقابل ہے **رجاء کفروا** سے مراد کفار عرب ہیں۔ یعنی اب تک کفار آس لگائے بیٹھے تھے کہ اسلام ختم ہو جاوے گا۔ مسلمان پھر ہمارے دین میں آ جائیں گے۔ مگر آج حجۃ الوداع کے موقعہ پر ان کی اس امید پر پانی پھر گیا۔ **من دینکم** یہ **یئس** کے متعلق ہے یعنی وہ تمہارے اسلام کے ختم ہو جانے سے مایوس ہو گئے کیونکہ مکہ فتح ہو چکا۔ تمام عرب میں اسلام پھیل چکا۔ کفار کو حج سے روک دیا گیا اس لئے کفار کو یقین ہو گیا کہ اسلام باقی رہے گا **فلا تخشوھم واخشون** کی ف جزاء کی ہے۔ خشیت' خوف' وڈر کا فرق دوسرے پارے میں عرض کیا جا چکا ہے۔ یعنی اس سے خوف نہ کرو کہ کفار تم پر غالب آ جائیں گے۔ میری نافرمانی سے بچو اور نافرمانی پر مجھ سے خوف کرو۔ مگر خوف ایسا کرو جو تم کو گناہ سے روک دے کر صرف زبانی خوف نہ ہو۔ دل میں خوف ہو۔ خیال رہے کہ **دینکم** کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ **دینکم** سے مراد اسلام ہو۔ دوسرے یہ کہ **دینکم** سے مراد حضرات صحابہ کرام کی دینداری اگر اس سے اسلام مراد ہے۔ تو **دینکم** فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے۔ کہ اسلام وہ ہی ہے۔ جو صحابہ کرام کا قبول کیا ہوا ہو۔ جو ان کے علاوہ ہے۔ وہ اسلام نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اھتدوا** اور اگر **دینکم** سے مراد ہو کہ صحابہ کرام کی دینداری تو معنی یہ ہوئے کہ تمہاری دین داری سے کفار مایوس ہو چکے اور ان کو تمہارے بہکانے کی امید نہیں رہی۔ تو ان حضرات کی استقامت فی الدین کا بیان ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **والزمھم کلمة التقوی وکانوا احق بھا** خیال رہے کہ کفار عرب مومنوں کو ایذائیں دیتے دیتے لالچ دیتے دیتے تھک گئے۔ مگر صحابہ کرام کی استقامت میں فرق نہ آیا لیکن وہ لوگ مایوس نہ ہوئے۔ انہیں صحابہ کرام کے گمراہ کرنے سے مایوسی آج ہوئی **الیوم اکملت لکم دینکم** عربی میں نہار تو رات کے مقابل دن کو کہتے ہیں یعنی پو پھٹنے سے سورج ڈوبنے تک کے وقت کو مگر یوم دن رات دونوں کو شامل ہوتا ہے۔ **الیوم** کے معنی ہیں۔ آج **الیوم** کے بھی دو معنی ہوتے ہیں آج کا دن' یہ وقت اور یہ زمانہ جیسے کہا جاتا ہے۔ کل میں جوان تھا۔ آج بوڑھا ہو گیا۔ اس کل اور آج سے مراد ہے۔ گزشتہ زمانہ اور موجودہ زمانہ یہاں **الیوم** اسی

www.alahazratnetwork.org

آخری معنی میں ہے۔ یہ **لکملت** کا ظرف مقدم ہے۔ جس سے حصر کی طرف اشارہ ہوتا ہے۔ **اکملت** بنا ہے **اکمال** سے جس کا ماخذ ہے کمال ' بمعنی پورا کرنا۔ کمال چار معنی میں بولا جاتا ہے۔ کمال ذاتی یعنی کسی چیز کے اجزاء کا مکمل ہو جانا۔ جیسے جب مکان کی چھت پڑ جاوے تو کہا جاتا ہے مکان مکمل ہو گیا۔ کمال وصفی۔ یعنی چیز کے تمام اوصاف کا جمع ہو جانا۔ مکان میں رنگ روغن قلعی وغیرہ ہو گئی۔ مکمل ہو گیا۔ انسان عالم فاضل ہنرمند ہو گیا۔ کامل ہو گیا۔ تیسرے عارضی حالت سے منتقل ہو کر اصلی حالت پر پہنچ جانا۔ بچہ کو گھٹی اور ماں کا دودھ چھوڑ کر اصل غذا دی جانے لگی۔ آج غذا کامل ہو گئی۔ دشمن کی دست برد سے محفوظ ہو جانا۔ دیوار ناقص تھی۔ اس کی اینٹیں چوری ہو جانے کا خطرہ تھا۔ پوری اونچی کر دی گئی۔ اب چوری کا خطرہ جاتا رہا۔ مکمل ہو گئی۔ یہاں چاروں معنی بن سکتے ہیں نمبرا آج دین کو ذاتی طور پر کامل کر دیا کہ جتنے شرعی احکام آنے والے تھے آچکے اب کوئی حکم نہ آوے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ کہ اس آیت کریمہ کے بعد کوئی حکم شرعی نازل نہ ہوا۔ آج ہم نے اسلام کو ان صفات پر کر دیا جس پر اسے قیامت تک رہنا ہے۔ اب کوئی حکم منسوخ نہ ہو گا۔ احکام شرعیہ میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہ ہو گی یا دین کے ارکان بھی آج مکمل ہو گئے۔ اور دین کے مسنون کے طریقے بھی مکمل ہو گئے۔ فرائض وارکان دین کے گویا اجزا ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں گویا دین کے صفات لہذا دین ذاتاً اور وصفاً مکمل ہو گیا۔ زیور کا رکن سونا ہے۔ اور اس کا حسن نگینہ موتی سے جڑائی اور اس کی گڑھائی کہ سونا ان خوبیوں کے بغیر پہننے کے قابل نہیں ہوتا۔ آج اسلام کامل کر دیا گیا۔ یعنی عارضی احکام ختم فرما کر اصلی احکام پر قائم کر دیا گیا۔ شروع اسلام میں گدھا۔ شراب متعہ عارضی طور پر حلال رہے۔ ماہ رمضان کے احکام نماز وغیرہ میں بہت تبدیلیاں ہوئیں۔ مگر وہ تمام عارضی حکم ختم ہو چکے۔ اصلی دائمی حکم آگئے آج اسلام محفوظ ہو گیا۔ دشمنوں کی دست برد سے اس کی حفاظت کر دی گئی۔ کہ پچھلی کتابوں پچھلے دینوں کی طرح اس میں کوئی کمی بیشی نہ کر سکے گا۔ **لکم** میں لام نفع کا ہے۔ اور کم میں خطاب صحابہ کرام یا عام مسلمانوں سے ہے۔ یعنی یہ تکمیل دین اے مسلمانوں تمہارے نفع تمہاری عزت افزائی کے لئے کی گئی۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ہاں تو یہ دین پہلے ہی مکمل تھا۔ مگر تمہارے لئے اس کمال کا ظہور آج ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے کامل کرنے کے لئے یہ دین آج مکمل کر دیا گیا۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے کامل و مکمل ہیں۔ دین کے معنی اور دین ' ملت ' مذہب میں فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے۔ کہ دین عقائد اور اصول و قواعد کو کہا جاتا ہے۔ مذہب فروعی مسائل کو بولا جاتا ہے۔ حنفی ' شافعی ' مالکی ' حنبلی مختلف مذہب ہیں مختلف دین نہیں۔ اسلام و عیسائیت وغیرہ مختلف دین ہیں۔ دین کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف بھی ہوتی ہے۔ جیسے اسلام اللہ کا دین ہے۔ یعنی اللہ کا بنایا ہوا۔ اللہ کی طرف سے آیا ہوا دین ہے۔ اور نبی کی طرف بھی کہا جاتا ہے۔ دین موسوی ' دین عیسوی یا دین محمدی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ دین بنانے والا ہے۔ اور حضرات انبیاء علیہ السلام دین لانے والے اور اس کی نسبت بندوں کی طرف بھی ہوتی ہے۔ کہا جاتا ہے۔ ہمارا دین یعنی ہمارا اختیار کیا ہوا دین۔ یہاں دین کو بندوں کی طرف نسبت دی گئی۔ کیونکہ دین میں ترمیم و تنسیخ اور اس کی

www.alahazratnetwork.org

تکمیل بندوں کے لحاظ سے ہی ہے۔ رب تعالیٰ کے نزدیک تو دین پہلے ہی سے کامل تھا۔ **لا یبدل القول لدی** کا یہ ہی مطلب ہے۔ کہ نسخ بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی نسبت سے جیسا کہ ہم پارہ سوم میں نسخ کی بحث میں مفصل عرض کر چکے ہیں **واتممت علیکم نعمتی** یہ جملہ **اکملت** الخ پر معطوف ہے اور اس میں دوسرے فضل و کرم کا ذکر ہے۔ **اتممت** بنا ہے **اتمام** سے اس کے معنی ہیں پورا کرنا۔ مگر اکمال اس طرح پورا کرنا کہ اب اس میں نہ زیادتی ہو سکے۔ نہ کمی **اتمام** اس طرح پورا کرنا کہ اس میں زیادتی تو ہو سکے۔ مگر کمی نہ ہو سکے۔ (تفسیرات احمدیہ) اس فرق کی وجہ سے اکمال کے بعد اتمام کا ذکر فرمایا اور اکمال کے ساتھ دین کا ذکر ہوا۔ کیونکہ اسلام کے اصول و قوانین میں زیادتی کمی ناممکن ہے۔ نمازیں نہ چھ ہو سکیں گی نہ چار روزے نہ ڈیڑھ ماہ کے فرض ہوں گے نہ پون مہینہ کے۔ مگر اتمام کے بعد نعمتی کا ذکر ہوا۔ نعمت سے مراد یا تو آیات قرآنیہ ہیں۔ حجتہ الوداع کے بعد بھی کچھ آیات اتریں یا جزئیات احکام مراد ہیں تو ظاہر ہے کہ قیامت تک جزئیات شریعہ بڑھتے رہیں گے۔ چنانچہ نوٹ' تار' ٹیلیفون' کے شرعی احکام جب ہی نکلے جب یہ چیزیں ایجاد ہوئیں۔ مگر نکلے ان ہی قوانین سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل ہو چکے تھے۔ یا نعمت سے مراد فتح مکہ ہے اور ظاہر ہے کہ اس کے بعد اور بہت شہر و ملک فتح ہوئے خصوصاً عہد فاروقی میں۔ بہر حال ان دونوں جملوں میں الگ الگ چیزوں کا ذکر ہے۔ ظاہر یہ ہے۔ کہ **علیکم** میں بھی خطاب صحابہ کرام سے ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ سارے مسلمانوں سے ہو۔ خیال رہے کہ دوسری امتوں کو دین ملے۔ ہم کو کامل دین اسلام اوروں کو نبی ملے۔ ہم کو نبیوں کا سردار ملا صلی اللہ علیہ وسلم ان کو کتابیں ملی ہم کو قرآن ملا۔ جو تمام کتابوں سے افضل ہے۔ غرض کہ نعمتیں سب کو ملیں اور تمام نعمت ہم کو۔ **ورضیت لکم الاسلام دینا** یہ جملہ **اتممت** پر معطوف ہے۔ **رضیت** بنا ہے **رضاء** سے بمعنی راضی ہونا۔ رضا کبھی تو خوش ہونے کے معنی میں ہوتا ہے۔ جیسے رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ اور جیسے **ولسوف یرضی** یونہی فرماتا ہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** ان تمام آیات میں رضا بمعنی خوش ہو جانا۔ نہ کہ غضب و ناراضی کا مقابل۔ ان کا مطلب یہ نہیں کہ ابو بکر صدیق یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آج رب سے ناراض ہیں۔ آئندہ راضی ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو اتنا دیں گے کہ وہ خوش ہو جائیں گے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **ان تشکروا یرضه لکم** یہاں رضا بمعنی ناراض نہ ہونا ہے اور کبھی پسند کرنے کے معنی میں۔ اس کا مقابل غضب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اسلام سے راضی ہے۔ باقی دینوں پر اس کا غضب ہے۔ لکم میں بھی خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ اسلام کے لغوی معنی ہیں اطاعت و فرمانبرداری۔ اصطلاح میں دین محمدی کا نام ہے۔ تمام آسمانی دین لغت کی رو سے اسلام تھے۔ مگر کسی دین کا نام اسلام نہ ہوا سواء اس دین کے **هو سمکم المسلمین دینا** اسلام کی تمیز ہے۔ یعنی اے مسلمانوں میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمالیا۔ کہ اب میری رضا صرف اسی دین اسلام ہی میں مل سکتی ہے۔ دوسرے دینوں میں میرا غضب ہی ملے گا۔ اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل**

www.alahazratnetwork.org

منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین اس جملہ **ورضیت** الخ میں اسلام کا نام لے دیا گیا۔ تاکہ **اکملت لکم دینکم** کی تفسیر ہو جاوے۔ کہ وہاں دین سے مراد اسلام ہے۔ غرض کہ یہاں رضیت اگر ناراضی کا مقابل ہے تو یہ بھی الیوم سے تعلق رکھتی ہے۔ اور معنی یہ ہیں کہ اب تک تو دوسرے دین جیسے دین موسوی عیسوی وغیرہ سے میں راضی تھا مگر آج صرف اسلام دین سے راضی ہوں۔ اب عیسائی یہودی ہو کر مجھے کوئی راضی نہیں کر سکتا۔ وہ دین پہلے ہدایت تھے۔ اب عین کفر ہیں۔ ماں کا دودھ بچپن میں حلال بھی تھا۔ ذریعہ بقا بھی۔ جوانی میں حرام بھی ہے ہلاکت بھی اور اگر بمعنی خوشی ہے۔ تو یہ گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے یعنی اول ہی سے میں نے تمہارے لئے اسلام دین کو اور اسلام کے لئے تم کو منتخب کر لیا تھا۔ میں اس سے خوش و راضی تھا۔ اور ہوں کہ دین اسلام تمہارے لئے ہو اور تم دین اسلام کے لئے میرے انتخاب میں تم پہلے ہی آچکے ہو۔ **فمن اضطر فی مخمصۃ** یہ جملہ گزشتہ جملہ **حرمت** الخ سے متصل ہے۔ درمیان میں **وان تستقسموا** سے لیکر **دینا** تک سات جملہ معترضہ تھے۔ ف فصیحہ ہے من سے مراد ہر مسلمان ہے۔ **اضطر** بنا ہے ضرر سے اور اضطرار کے معنی ہیں ضرر یا ضرورت میں واقع ہو جانا یہ مقابل ہے اختیار کا **مخمصہ** بنا ہے **خمص** سے بمعنی خالی ہونا۔ دبلے آدمی کو رجل خمیص کہا جاتا کہ اس کا جسم گوشت سے خالی ہو جاتا ہے اصطلاح میں **مخمصہ** وہ بھوک ہے جو ہلاکت کے قریب کر دے جس سے آدمی کا پیٹ غذا سے بالکل خالی ہو جاوے یعنی جو مسلمان بھوک میں مجبور و لاچار ہو جاوے کہ بجز حرام غذا کے اسے اور کچھ میسر نہ ہو۔ بھوک سے جان نکل جانے کا خطرہ ہو۔ ہر بھوک کا یہ حکم نہیں اس لئے یہاں **مخمصہ** فرمایا جوع نہ فرمایا جوع ہر بھوک کو کہتے ہیں **مخمصہ** ایسی بھوک کو **غیر متجانف لاثم** یہ عبارت **اضطر** کے ضمیر **ھو** سے حال ہے۔ جو **اضطر** کا نائب فاعل ہے۔ **متجانف** بنا ہے جنف سے **جنف** کے معنی ہیں کسی کی طرف جھکنا مائل ہونا جیسے **حنف** کے معنی ہیں کسی سے ہٹنا دور ہونا۔ **حنیف** کے معنی ہیں برائیوں سے دور **جنیف** کے معنی ہیں برائیوں کی طرف مائل لام بمعنی الی ہے۔ **اثم** سے مراد ہے۔ وہ حرام غذا لذت کے لئے کھانا یا ضرورت سے زیادہ کھا لینا ہے۔ حتی کہ اگر دو لقمہ سے جان بچ جاتی ہو تو تیسرا لقمہ کھانا گناہ ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **غیر متجانف** کل فعل محذوف کا حال ہو۔ **فان اللّٰہ غفور رحیم** یہاں ف جزائیہ نہیں بلکہ **تعلیلیہ** ہے۔ یہ جملہ **فمن اضطر** کی جزا نہیں۔ اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ یہ اس پوشیدہ جزا کی علت۔ اور وجہ ہے یعنی جو مسلمان بھوک پیاس میں مجبور ہو جاوے اور حرام غذا کھالے اس طرح کہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو وہ پکڑا نہ جاوے گا۔ یا گنہگار نہ ہوئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے۔ مہربان بھی۔ وہ کریم ایسے مجبوروں کو پکڑتا نہیں بخش دیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت میں دو جگہ **الیوم** ہے ایک تو **الیوم یئس الذین کفروا** میں اور دوسرے **الیوم اکملت لکم** الخ میں **الیوم** سے مراد اس آیت کے نزول کا دن اس کی تاریخ ہے۔ دوسرے **الیوم** میں دو احتمال ہیں۔ اگر دین کامل کرنے سے مراد ہے تاقیامت دین کا قابل نسخ نہ ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کا نہ آسکنا

www.alahazratnetwork.org

تو **الیوم** سے یہ زمانہ مراد ہے۔ اور اگر آئندہ کسی آیت حکم کا نہ اترنا۔ اور کسی اتری ہوئی آیت کا منسوخ نہ ہونا مراد ہے تو **الیوم** کے معنی ہوں گے۔ آج کا دن آج کی تاریخ لہٰذا اس آیت کی دو تفسیریں ہیں اسی طرح **دینکم** دو جگہ مذکور ہے ایک **الیوم یئس الذین کفروا من دینکم** اور دوسرا **الیوم اکملت لکم دینکم** پہلے **دینکم** میں دین میں دو احتمال ہیں۔ یا اس سے اسلام مراد ہو یا حضرات صحابہ کرام کی دینداری۔ پہلی صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ کفار اسلام کو مٹانے سے مایوس ہو گئے دوسری صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے صحابہ! کفار تم کو بہکانے سے مایوس ہو گئے غرض کہ عجیب پر لطف آیت ہے مگر ہم ایک تفسیر عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! آج کے دن آج کی تاریخ کفار عرب تمہارے دین کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ اب تک انہیں آس لگی تھی کہ اسلام ایک عارضی دین ہے۔ کچھ دن بعد ختم ہو جائے گا اور مسلمان پھر ہمارے دین میں آجاویں گے۔ مگر فتح مکہ حجۃ الوداع اسلام کی شان و شوکت ہر طرف سے لوگوں کا آنا مسلمان ہونا دیکھ کر اب مایوس ہو گئے۔ انہیں یقین ہو گیا کہ اس دین کی بنیادی بہت پختہ ہیں۔ لہٰذا اے مسلمانو تم کفار سے نہ ڈرو بے دھڑک ہو کر اپنے دین پر علانیہ عمل کرو۔ ہاں مجھ سے ڈرتے رہو۔ کہ مجھ سے ڈرنا تقویٰ و پرہیزگاری کی اصل ہے آج میں نے تمہارا دین کامل فرما دیا۔ کہ جو اصول و قواعد و احکام آنے تھے۔ سب آچکے۔ ذات' صفات' حالات حفاظت میں یہ دین کامل ہو گیا۔ اور تم پر اپنی نعمت میں نے پوری فرمادی کہ فتح مکہ ہو گئی۔ فرعی مسائل ضبط ہو گئے اور میں نے تمہارے لئے دین اسلام کو پسند فرمالیا۔ اس دین سے میں راضی ہوں۔ اسلام کے سوا کسی دین میں اب میری رضا نہیں۔ اسلام کے سوا ہر دین میں میرا غضب ہی ہے۔ چونکہ یہ دین مکمل ہی ہے۔ قیامت تک اس میں انتظام ہے۔ بعض لوگ مجبور بھی ہوں گے۔ تو ان کے متعلق سن لو کہ اگر کوئی مسلمان ہلاکت کرنے والی بھوک پیاس میں پھنس کر حرام غذا کھانے پر مجبور ہو جاوے۔ گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو کہ مزے کے لئے یا ضرورت سے زیادہ کھالے تو اس مجبوری میں بقدر ضرورت پر مذکورہ جانور مردار سور وغیرہ جانور کا گوشت کھائے۔ یا خون کو اور طرح جسم میں داخل کرے تو ہم اس کی پکڑ نہ فرمائیں گے۔ کیونکہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔ ہم ایسے مجبوروں کی پکڑ نہیں فرماتے ہماری عادت تو گنہگار کو چھوڑنا ہے نہ کہ مجبوروں کو پکڑنا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مسلمانوں سے کفار کا مایوس ہو جانا اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ مایوسی خواہ قومی ہو یا شخصی بہر حال نعمت ہے مسلم قوم کا اتنا قوی ہو جانا کہ کفار ان کو مغلوب کرنے سے مایوس ہو جاویں۔ یہ قوم مسلم پر رحمت ہے۔ کسی شخص کے متعلق کفار کا یہ یقین کر لینا کہ یہ ہمارے بہکائے بہکے گا نہیں اس شخص پر اللہ کی رحمت ہے۔ بعض اللہ کے بندے وہ ہیں جن سے شیطان مایوس ہو چکا ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ۔ یہ فائدہ **الیوم یئس الذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مایوسی کو نعمت فرمایا۔ **دوسرا فائدہ** اسلام وہ ہی ہے جو صحابہ کرام نے اختیار کیا۔ ان کے علاوہ اور ایجاد کئے ہوئے عقیدے اسلام نہیں۔ جیسا کہ **دینکم** کی پہلی

www.alahazratnetwork.org

تفسیر سے معلوم ہوا۔ لہٰذا جس مذہب میں نمازیں دو ہوں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ ہوں۔ وہ مذہب اسلام نہیں کیونکہ یہ صحابہ کرام کا دین نہ تھا۔ **تیسرا فائدہ** جو کوئی حضرات صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد مرتد کہے وہ اسی آیت کا منکر ہے۔ جب صحابہ کرام کو بہکانے سے کفار بلکہ شیطان تک مایوس ہو چکا۔ تو پھر وہ کیسے بہک سکتے ہیں۔ اس آیت نے ان حضرات کے ایمان کی گارنٹی دے دی۔ **چوتھا فائدہ** اللہ کا خوف اس کی خشیت رب کی بڑی نعمت ہے۔ مگر یہ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ جس کو خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ نصیب ہو گیا اسے دونوں جہان مل گئے۔ یہ فائدہ **واخشون** سے حاصل ہوا۔ خوف چند قسم کا ہے۔ ایذاء کا خوف جیسے سانپ سے ڈر، ظلم کا خوف جیسے ظالم حاکم سے خوف، اپنے جرم و خطا کا خوف جیسے مجرم کو عادل حاکم سے خوف۔ ہیبت کا خوف جسے کہتے ہیں رعب۔ پہلے دو خوف نفرت پیدا کرتے ہیں۔ دوسرے آخری دو خوف اطاعت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں۔ ہم گنہگاروں کو رب سے خوف ہے۔ اپنی خطاؤں کی وجہ سے۔ حضرات انبیاء کو خوف ہے ہیبت شاہانہ سے۔ ایک طالب علم کو ماں باپ استاد کا خوف ہے۔ تو محنت سے پڑھتا ہے۔ یہاں **واخشون** میں یہ آخری دو خوف مراد ہیں۔ احتیاط کا خوف ظلم کا خوف کفار سے ضرور چاہیے تاکہ مسلمان ان سے محتاط رہیں۔ رب تعالیٰ فرماتے ہے۔ **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** یہاں یہ مطلب ہے کہ اولیاء اللہ کو غیر خدا کی اطاعت یا ہیبت کا خوف نہیں ہوتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا کے پہلی بار سانپ بن جانے پر اس سے خوف کرنا ایذاء کا خوف تھا اور فرعون سے خوف کرنا ظلم کا خوف تھا۔ لہٰذا خشیت غیر خدا سے مسلمان کو نہیں ہوتی۔ جس دل میں خوف خدا رہتا ہے۔ اس میں خوف غیر نہیں ہوتا۔ **پانچواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ فائدہ **اکملت لکم دینکم** سے حاصل ہوا۔ جب دین کامل ہو چکا تو اب کسی نبی کی ضرورت نہیں رہی۔ سارے نبی ذات و صفات اور ساری غیبی چیزوں کے سمعی گواہ تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عینی گواہ اور عینی گواہ پر گواہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد کسی گواہ کی ضرورت نہیں رہتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ **چھٹا فائدہ** دین کے اصول و قواعد و قانون میں زیادتی کمی نہیں ہو سکتی وہ مکمل ہو چکے۔ اب نمازیں نہ چار ہوں نہ چھ یہ فائدہ بھی **اکملت لکم دینکم** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** دین کے فروعی مسائل کی حد نہیں۔ وہ ہمیشہ بڑھتے رہیں گے۔ نئی نئی ضرورتیں پیش آتی رہیں گی مسائل کا استنباط ہوتا رہے گا۔ یہ فائدہ **اتممت علیکم نعمتی** سے حاصل ہوا کہ اتمام کہتے ہی اسے ہیں کہ اس میں کمی نہ ہو سکے زیادتی ہو سکے اس لئے **اکملت** کے بعد دین ارشاد ہوا۔ اور **اتممت** کے بعد نعمت عقائد دین میں مسائل نعمت ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** اسلام کے سوا کسی دین سے اللہ تعالیٰ راضی نہیں۔ کوئی شخص کسی اور دین میں رہ کر کتنی ہی عبادتیں کرے مردود ہے۔ یہ فائدہ **رضیت لکم الاسلام دینا** سے حاصل ہوا۔ جڑ کٹ جانے کے بعد شاخوں کو پانی دینا بیکار ہے۔ **نواں فائدہ** قرآن کریم کی اصطلاح میں اسلام صرف دین محمدی کا نام ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دین خواہ آسمانی ہو یا زمینی اسلام نہیں یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

بھی اس جملہ **رضیت لکم الاسلام** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ اللہ تعالیٰ اسلام سے راضی ہے نہ کہ توحید سے توحید تو شیطان کے پاس بھی ہے اور بہت کافر فرقے توحید یئے ہیں جیسے آریہ اور سکھ وغیرہ یہ فائدہ بھی الاسلام فرمانے سے حاصل ہوا اس لئے سارے قرآن مجید میں نہ لفظ توحید ہے نہ اس کا کوئی مشتق' ایمان' اسلام اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں ہیں۔ ہم کو پکارا گیا تو **الذین امنوا** کے خطاب سے **الذین وحدو** سے نہ فرمایا۔ خیال رہے کہ توحید کے ساتھ نبوت شامل ہو تو ایمان و اسلام بنتا ہے۔ نبوت سے خالی توحید دوزخ کی چابی ہے۔ گیارہواں فائدہ مجبوری و اضطرار کی حالت میں جبکہ بھوک سے جان نکل جانے کا اندیشہ ہو۔ بقدر ضرورت جان بچانے کے لئے حرام چیز کھا پی لینا معاف ہے۔ جیسا کہ **فان اللہ غفور رحیم** فرمانے سے معلوم ہوا۔ بارہواں فائدہ ایسی مجبوری کی حالت میں وہ مردار وغیرہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا۔ حرام ہی رہتا ہے۔ مگر اس کے کھانے پر پکڑ نہیں۔ چیز کا حرام ہونا اور ہے۔ اس کے استعمال کا حرام ہونا کچھ اور۔ غیر منکوحہ عورت ہمارے لئے حرام ہے۔ اپنی بیوی سے بحالت حیض صحبت کرنا حرام تو حالت حیض میں خود بیوی حرام نہیں ہو جاتی۔ ہاں اس سے صحبت کرنا حرام ہو جاتا ہے۔ اس فرق کا اثر یہ ہو گا کہ غیر منکوحہ عورت سے جو بچہ پیدا ہو گا حرامی ہو گا۔ اور حائضہ بیوی کی صحبت سے جو بچہ پیدا ہو گا۔ حلال ہو گا۔ یہ فائدہ بھی **غفور رحیم** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ بحالت مجبوری مردار وغیرہ جانور ہیں تو حرام مگر ان سے کچھ کھا لینا واجب ہے کہ اگر نہ کھائے گا اور مر جائے گا۔ تو گنہگار ہو گا۔ مگر مجبوری میں منہ سے کفریک دینا واجب نہیں۔ صرف اس کی اجازت ہے۔ اگر ایسا نہ کرے اور مر جاوے تو شہید ہو گا۔ تیرہواں فائدہ ضرورت سے زیادہ مردار وغیرہ کھانا حرام ہے۔ جس پر پکڑ ہے یہ فائدہ **لاثم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ چودھواں فائدہ مہلک بیماری کا مریض جب اس کا علاج صرف حرام چیز سے ہی ہو سکے۔ اس طرح کہ مسلمان حتمی حاذق حکیم یہ بتائے تو وہ بھی بقدر علاج حرام چیز کھا سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **من اضطر** سے اشارۃً حاصل ہوتا ہے۔ مگر یہاں بھی وہ چیز حلال نہ ہو جاوے گی۔ صرف اس کے استعمال پر گناہ نہ ہو گا۔ اگر استعمال نہ کرے اور مر جاوے تو ثواب پائے گا۔ کیونکہ حرام دوا سے شفا حاصل ہونا یقینی نہیں۔ مگر حرام غذا سے جان بچ جانا یقینی ہے۔ لہذا غذا میں وجوب ہے۔ دوا میں اباحت۔ پندرہواں فائدہ بھوک ہڑتال کر کے اپنے کو ہلاک کر لینا حرام ہے۔ خود کشی ہے۔ جب مخمصہ میں حرام غذا کھا لینا واجب ہے۔ تو حلال غذا کھا کر جان بچانا اشد واجب ہے۔ سولہواں فائدہ اگر کسی بیمار سے نبی فرما دیں کہ تیری شفا فلاں حرام دوا میں ہے تو اس کا استعمال کر لینا واجب ہے کہ اس میں شفا یقینی ہے۔ دیکھو عرینہ کے بیمار لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اونٹوں کے دودھ پیشاب پیو۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ صحابہ کے دین سے کفار آج ناامید ہوئے۔ حالانکہ بعض صحابہ وہ ہیں جن سے کفار تو کیا شیطان بھی پہلے ہی سے مایوس ہو چکے تھے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ تو اس آیت اور اس حدیث سے موافقت کیسے ہو گی۔ **جواب** یہاں **دینکم** سے مراد دین اسلام ہے۔ اور مطلب یہ کہ دین اسلام کی بربادی ناکامی

www.alahazratnetwork.org

سے کفار آج مایوس ہوئے۔ اس سے پہلے ان کا خیال تھا کہ یہ بھی ایک تحریک ہے۔ جیسے دوسری تحریکیں وقتی ہوتی ہیں کہ کچھ روز چلیں ختم ہو گئیں آج کے حالات سے ان کی امیدیں خاک میں مل گئیں اور اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسے حضرات کو اسلام سے ہٹا دینے سے شیطان مایوس ہو گیا۔ یہ مایوسی دین اسلام کی پختگی کی بنا پر ہوئی لہٰذا آیت و حدیث دونوں برحق ہیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کا خوف نہ چاہیے۔ مگر مسلمان نبیوں ولیوں سے ڈرتے ہیں یہ ڈر شرک ہے۔ **جواب** ان سے ڈرنا رب تعالیٰ سے ڈرنا ہے۔ جیسے ان سے محبت رب تعالیٰ سے محبت ہے۔ حکام سے خوف سلطان ہی سے خوف ہے۔ کہ یہ سلطان ہی کے نائب ہیں۔ **تیسرا اعتراض** لوگ بادشاہوں سے ڈرتے ہیں۔ قرآن کریم نے فرمایا کہ تمہارے بعض بیوی بچے تمہارے دشمن ہیں **فاحذروھم** ان سے ڈرتے رہو۔ وہ آیت اس آیت **واخشون** کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ خوف چار پانچ قسم کے ہیں جن میں سے دو پہلی قسم کے خوف صرف رب سے چاہئیں۔ باقی آخری دو تین قسم کے خوف بندوں سے چاہئیں۔ دشمن سے محتاط رہنا۔ اپنا بچاؤ اختیار کرنا ضروری ہے۔ **چوتھا اعتراض** اگر آج کفار دین اسلام سے مایوس ہو چکے تو پھر اس آیت کے نزول کے بعد بھی کفار نے مسلمانوں سے جنگ کیوں کی۔ ان کی لڑائیاں ہمیشہ مسلمانوں سے رہیں اور اب بھی ہیں۔ پھر مایوسی کہاں ہوئی۔ **جواب** کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں۔ کفر اسلام کی ضد ہے۔ اس دشمنی و ضد کی وجہ سے لڑائیاں ہوتی رہیں اور ہوتی رہیں گی۔ وہ جانتے ہیں کہ اسلام ہمارے مٹائے مٹے گا نہیں مگر عداوت اور دلی عناد سے مجبور ہیں۔

شعر:

☆ نیش کژدم نہ از پئے کیں است ☆ مقتضاء طبیعتش ایں است ☆

بچھو کی عادت ڈنک مارنا ہے۔ وہ تو مارے گا ہی کسی کا کچھ بگڑے یا نہ بگڑے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ میں نے تمہارا دین آج کامل کر دیا تو کیا آج حجۃ الوداع سے پہلے ناقص تھا اگر ناقص تھا تو جو صحابہ اس زمانہ میں وفات پا گئے وہ ناقص دین پر گئے۔ **جواب** اس وقت کے لحاظ سے اسلام کامل تھا اور جو احکام اس وقت تھے ذریعہ نجات تھے۔ مگر آج قیامت تک کے لئے دین کامل ہو گیا۔ کہ اب کوئی حکم منسوخ نہ ہو گا۔ مثلاً جس زمانہ میں زکوٰۃ' روزہ' حج' فرض نہیں ہوئے تھے اس وقت صرف کلمہ و نماز پڑھ لینا بھی کامل تھا۔ اس پر نجات تھی۔ اب ان احکام کے آ جانے پر ان پر عمل کرنا کامل ہوا۔ شیر خوار بچے کے لئے ماں کا دودھ کامل غذا ہے۔ جوان ہو جانے پر روٹی چاول وغیرہ کامل غذا ہے۔ بیمار کے لئے سابودانہ کامل غذا ہے تندرست کے لئے دوسری غذائیں کامل ہیں۔ **دوسرا جواب** یہ ہے کہ یہاں کمال دین سے مراد ہے احکام اسلام کا نسخ نہ ہونا اور حضور کے بعد کسی نبی کا نہ ہو سکنا۔ اور "**الیوم**" سے مراد صرف آج کا خاص دن نہیں بلکہ یہ وقت اور یہ زمانہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے دین قابل نسخ تھے۔ بعد میں اور انبیائے کرام کی تشریف آوری کی امید

www.alahazratnetwork.org

تھی۔ اب یہ دین کامل ہو گیا۔ کبھی منسوخ نہ ہو گا۔ چھٹا اعتراض جب دین اسلام کامل ہو چکا تو اماموں کی تقلید اور چار مذاہب کی کیا ضرورت ہے۔ اور بعد میں علم فقہ کیوں بنایا گیا۔ اسلام میں کونسی کمی تھی جو ان اماموں نے پوری کی اور قرآن وحدیث میں کیا نقصان تھا جو فقہ سے دور کیا گیا۔ (غیر مقلد) جواب دین عقیدوں اور کلی قانون اور اصول کا نام ہے۔ یہ مکمل ہو چکے رہے جزوی مسائل اور ضروریات زمانہ کے لحاظ سے فرعی احکام وہ ہمیشہ نکالے جاتے رہیں گے۔ مگر ان ہی قواعد واصول پر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مکمل ہو چکے تھے۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **اتممت علیکم نعمتی کمال** اور تمام کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ آج ریڈیو' لاؤڈ سپیکر' فونوگراف سے سجدہ کی آیت سنی جارہے تو سننے والے پر سجدہ واجب ہے۔ یا نہیں یہ وہ مسئلہ ہے۔ جو زمانہ صحابہ میں پیش نہ آیا تھا۔ مگر شرعی قاعدے ایسے مقرر ہیں کہ یہ احکام ان سے نکل سکتے ہیں۔ ہوائی جہاز چلتی ریل میں نماز کا حکم شرعی قواعدے نکالا جاتا ہے۔ ساتواں اعتراض اگر خدا تعالیٰ اسلام سے آج راضی ہوا تو کیا اس سے پہلے اسلام سے ناراض تھا۔ جواب یہاں رضا ناراضی کا مقابل نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اے محبوب رب تعالیٰ آپ کو اتنا دے گا کہ آپ راضی ہو جاویں گے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں یہاں رضاء بمعنی خوش ہو جانا ہے۔ رب تعالیٰ پہلے بھی راضی تھا۔ مگر اس پر کفایت فرمانے سے راضی نہ تھا۔ اس کریم کا منشا یہ تھا کہ ابھی اور احکام بھیجے جاویں اور موجودہ احکام میں کچھ رد و بدل کیا جاوے آج وہ منشا پورا ہو گیا رب تعالیٰ راضی ہو گیا۔ آٹھواں اعتراض دین مکمل ہو چکنے کے بعد سلسلہ نبوت کیوں ختم ہو چکا۔ نبوت تو اللہ کی رحمت ہے۔ وہ کبھی بند نہ ہونی چاہیے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی نبی آویں اسلام کی خدمت کریں تو کیا حرج ہے۔ نبوت تو رحمت کی بارش ہے۔ ہر وقت مفید (مرزائی) جواب بارش وقت پر ہو تو رحمت ہے کھیت پکنے کے بعد نقصان دہ ہے۔ دین کا کھیت پک چکا اب نبوت مضر ہے۔ طلوع سورج سے پہلے چراغ مفید تھا سورج نکل آنے پر بیکار ہے۔ اس کی تحقیق پہلے پارے میں ہو چکی۔ نواں اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ مخمصہ اور اضطرار کی حالت میں حرام گوشت کھا سکتے ہیں تو بیمار کو انسانی خون کا ٹیکہ کیوں نہیں لگا سکتے۔ جواب یہاں مردار جانور کھانے کی اجازت دی گئی ہے۔ نہ کہ انسان کا گوشت کھانے کی۔ انسان کا کوئی جز کسی حالت میں کسی طرح استعمال کرنا جائز نہیں۔ جیسا کہ ہم نے بحوالہ شامی عرض کیا اور آج کل خون چڑھانے کا استعمال بہت ہی عام ہو گیا۔ نہ تو مخمصہ ہوتا ہے نہ اس سے شفا یقینی ہوتی ہے۔ اور چڑھا دیا جاتا ہے۔ قرآن وحدیث میں یہ کہیں نہ ملے گا کہ ضرورۃً" انسان کی کھال گوشت' خون استعمال کر لیا کرو یہ قطعاً جائز نہیں۔ دسواں اعتراض جب مخمصہ کی حالت میں حرام چیز کھا لینا جائز ہے۔ تو یہاں غفور رحیم کا کلمہ کیوں ارشاد ہوا۔ مغفرت گناہ کی ہوتی ہے اور یہ کھانا گناہ نہیں۔ جواب یا تو یہ بتانے کو کہ اس حالت میں وہ چیز حلال نہ ہوئی۔ وہ تو حرام ہی رہی۔ اس کے استعمال پر اللہ تعالیٰ پکڑ نہ فرمادے گا۔ یا مقصد یہ ہے کہ کبھی انسان بقدر حاجت کا اندازہ لگانے میں غلطی کر جاتا ہے اگر غلطی سے ایک دو لقمے زیادہ کھا

www.alahazratnetwork.org

گیاتو ہم بخش دیں گے پکڑ نہ فرمائیں گے۔ گیارہواں اعتراض لفظ اسلام میں کیا خوبی ہے۔ جو یہ نام صرف دین محمدی کو دیا گیا۔ اور کسی دین کو نہ دیا گیا۔ اور مسلم نام میں کیا خصوصیت ہے۔ جس کی وجہ سے صرف قوم محمدی کو مسلم کہا جاتا ہے۔ دوسری قوموں کو نہیں۔ ہر دین اسلام ہے ہر دین والا مسلم (ابو الکلام بے دینی) **جواب** اسلام بنا ہے سلم سے سلم کے چار معنی ہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری۔ صلح رب فرماتا ہے **فان جنحوا للسلم فاجنح لها** امن و امان حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **المومن من سلم المسلمون من لسانه ویده** اپنے کو کسی کے سپرد کر دینا کہ اپنا کچھ نہ رہے۔ سب کچھ اس کا ہو جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت فرماتے تھے **اللهم انی سلمت نفسی الیک** یہ چاروں خوبیاں صرف اسلام میں ہیں اور کسی دین میں نہیں اور یہ چاروں صفات صرف مسلمانوں میں ہیں۔ دوسری کسی قوم میں نہیں۔ مسلمان اپنے کو اللہ رسول کے سپرد اس طرح کر دیتا ہے۔ کہ سبحان اللہ۔ سر سے لے کر پاؤں کے ناخن تک اسلامی قوانین میں جکڑا ہوا ہے۔ جسم کے بعض بال کٹوانا حرام ہیں۔ جیسے بھویں پلک بعض بال کٹوانا واجب ہے۔ جیسے زیر ناف' ناک' کان' زبان' ہاتھ' پاؤں' سب زیر فرمان الٰہی استعمال کرنے کا حکم ہے۔ حتیٰ کہ سونا' جاگنا' بلکہ مرنا جینا سب اللہ رسول کے زیر فرمان ہے۔ اس لئے یہ ہی مسلمان کہلانے کا مستحق ہے۔ **قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین**۔ اگر ہم صحیح طور پر مسلمان بن جاویں تو ہمارا ہر کام عبادت ہو جاوے اور پھر ہمارے اعضا میں قوت رحمانی کار فرما ہو۔

تفسیر صوفیانہ اس ایت کریمہ میں یہ ظاہر خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ مگر بہ باطن خطاب طالبین مولیٰ سے ہے۔ طالبین مولا کے لئے دنیا مردار ہے۔ یہاں کی عام حلال چیزیں خون ہیں۔ حرام چیزیں سور یا تھوڑی دنیا میں جو پرورہ بن جائے۔ وہ خون ہے۔ زیادہ دنیا جو دل پر غفلت کی مہر لگا دے وہ سور ہے اور ریا نام و نمود کی عبادت جس میں غیر خدا کو راضی کرنے کی نیت ہو وہ **ما اهل به لغیر الله** ہے وہ دل جنہیں نفس امارہ نے گھونٹا ہوا ہے یہ **منخنقه** ہیں جو اوپر سے نیچے کی طرف دین سے دنیا کی طرف گر پڑے وہ متردیہ ہے اور متکبر دنیا دار لوگ جو ایک دوسرے پر فخر کریں۔ ستائیں۔ وہ گویا **نطیحه** جانور ہیں۔ جنہیں ایک دوسرے نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہے۔ اور وہ عبادات جو بری حرکتوں اور محبت دنیا کی وجہ سے برباد ہو گئیں وہ گویا **ماذبح علی النصب** ہیں جو دنیا کے بت پر ذبح کر دی گئیں۔ جو اللہ کی عبادات شک کے ساتھ ادا کی جاوے کہ نہ معلوم قبول ہو یا نہ قبول ہو وہ گویا تیروں سے فال نکالی چیز ہے۔ فرمایا جا رہا ہے۔ کہ اے راہ حق پر چلنے والے مولیٰ کے طلبگارو! جو ہمارے ہاں مومنوں کی فہرست میں آ چکے ہیں تم پر غافل کرنے والی دنیا تھوڑی ہو یا بہت اور ریاکاری کی عبادتیں وہ نفوس جو دنیا میں پھنس کر رہ گئے اور ان لوگوں سے میل جول جو متکبرین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش ہمیشہ کرتے رہتے ہیں اور دنیا داروں کی جھوٹی (نیم خوردہ) دنیا اور جو عبادات درست ہونے کے بعد برباد ہو جاویں وہ اور مشکوک عبادات حرام کر دی گئیں۔ ان سب سے پرہیز رکھو کہ یہ تمام چیزیں فسق اور راہ مار ہیں۔ تم سے

www.alahazratnetwork.org

شیطان اور اس کی ذریت بفضلہ تعالیٰ مایوس ہو چکے ہیں۔ کیونکہ تم ہماری امان میں ہو۔ تم ان سے بے دھڑک رہو۔ ہمیشہ خوف خدا رکھو کہ اسی قدم سے ہی تم یہ راستہ طے کر سکتے ہو۔ اسی بازو سے تم اڑ سکتے ہو۔ اسی سواری سے یہ سفر بہ آسانی کر سکتے ہو۔ حضرت سہل فرماتے ہیں بڑا عاجز وہ شخص ہے جو مجبور سے ڈرے قادر و قیوم سے بے خوف ہو جاوے۔ قادر مطلق کا خوف دل میں رکھو تاکہ دنیا کا خوف تمہارے دل میں نہ آوے۔ اے میرے محبوب کے دامن کرم سے وابستہ ہونے والو ہم نے اپنی نعمت تم پر کامل کر دی۔ کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو شفاعت کبریٰ۔ تم پر بواسطہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تجلی ذات ڈالی۔ کیونکہ تمام انبیاء علیہ السلام آئینہ صفات الٰہی تھے اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ ذات الٰہی ہیں تمہارے لئے کشف بے حجاب معافی بے عتاب وصول بے عذاب ہے اور تم پر اپنی نعمت کامل کر دی کہ تمہارے نبی کو صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت کبریٰ۔ مقام محمود وغیرہ صفات خاص عطا فرمائے۔ ابو حفص فرماتے ہیں کہ دین کا کمال دو چیزوں میں ہے۔ رب تعالیٰ کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع۔ امام جعفر صادق فرماتے ہیں کہ الیوم سے اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی طرف ہے۔ اور کمال سے اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کی طرف۔ اتمام نعمت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین تمام دینوں پر غالب ہونا۔ اسی کا تا قیامت باقی رہنا ہے۔ اے راہ رواں راہ محبت۔ اگر تم کبھی مجبور ہو کر دنیا کو اختیار کرو تو بقدر ضرورت ہی اختیار کرنا۔ اس میں تمہارے لئے معافی ہے مگر خیال رہے کہ ایسی مجبوری میں صرف دنیا وغیرہ کی طرف صرف التفات ہو اس میں پھنسا نہ ہو کہ یہ گناہ ہے اللہ تعالیٰ اسی قال کو حال بنا دے (روح البیان و عرائس البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کے دین کو کامل نہ فرمایا۔ سوا دین اسلام کے کیونکہ جلسہ میں شامیانہ' فرش' بجلی' سامعین کا اجتماع جس صدر الصدور جس سلطان کے لئے کیا جاتا ہے۔ اس کی آمد سے قبل اگرچہ وزراء امراء تقریریں۔ نعت خوان نعت خوانیاں کریں۔ مگر سلطان کی آمد کے بغیر جلسہ مکمل نہیں ہوتا۔ سلطان کی آمد اس کی تقریر پر جلسہ مکمل ہوتا ہے۔ اور اس کے جاتے ہی جلسہ درہم برہم ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر دنیا کو جلسہ گاہ بنایا۔ آسمان کا شامیانہ زمین کا فرش لگایا۔ مخلوق کو جمع فرمایا۔ سارے انبیاء علیہم السلام کے وعظ کرائے۔ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گیت گائے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار تھا جن کی خاطر یہ جلسہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آگئے دین مکمل ہو گیا۔ نیز معاملہ گواہی گزرنے پر یعنی گواہی کا انتظار رہتا ہے۔ تمام انبیاء علیہ السلام کرام ذات و صفات' جنت و دوزخ کے سمعی گواہ تھے۔ انہوں نے کہا **اشهد ان لا اله الا الله** مگر سن کر گواہی دی تھی۔ حضور نے معراج میں ذات و صفات' جنت و دوزخ کو دیکھا۔ دیکھ کر گواہی دی۔ گواہی مکمل ہو گئی۔ اعلان ہو گیا۔ **اليوم اكملت لكم دينكم**۔ **اليوم** سے مراد خاص نویں ذی الحجہ نہیں بلکہ حضور کا زمانہ پاک ہے۔

www.alahazratnetwork.org

يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَمَا عَلَّمْتُمْ
سوال کرتے ہیں لوگ آپ سے کہ کیا ہیں وہ چیزیں جو حلال کی گئیں واسطے ان کے فرمادو حلال کی گئیں واسطے تمہارے پاکیزہ چیزیں
اے محبوب تم سے پوچھتے ہیں کہ ان کے لئے کیا حلال ہوا۔ تم فرمادو کہ حلال کی گئیں تمہارے لئے پاک چیزیں اور جو
مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ فَكُلُوْا مِمَّآ
اور وہ جو سکھائے تم نے شکاری جانوروں سے شکار کراتے ہوئے سکھاتے ہو تم انہیں اس میں سے جو سکھایا تم کو اللہ نے پس کھاؤ
شکاری جانور تم نے سدھا لئے انہیں شکار پر دوڑاتے جو علم تمہیں خدا نے دیا اس میں سے انہیں سکھاتے تو
اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ
اس میں سے جو روک رکھیں وہ جانور اوپر تمہارے اور ذکر کرو نام اللہ کا اوپر اس کے اور ڈرو اللہ سے بیشک
کھاؤ اس میں سے جو وہ مار کر تمہارے لئے رہنے دیں اور اس پر اللہ کا نام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو
سَرِيْعُ الْحِسَابِ ④
اللہ جلد لینے والا ہے حساب
بے شک اللہ کو حساب کرتے دیر نہیں لگتی۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حرام جانوروں کا ذکر تھا تاکہ مسلمان ان کے کھانے سے بچیں۔ اب حلال جانوروں کا تذکرہ ہے۔ جسے مسلمان کھائیں یہ دونوں چیزیں تقویٰ کی اصل ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ جس جانور کو تم ذبح کرلو اسے کھا سکتے ہو۔ **الا ما ذكيتم** اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جس جانور کو تمہارا شکاری کتا مار ڈالے۔ وہ بھی تم کھا سکتے ہو۔ **مگر** کچھ شرائط کے ساتھ گویا ذبح اختیاری کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور ذبح اضطراری کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جس جانور کو دوسرا جانور مار دے یعنی **نطیحہ** وہ کھانا حرام ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جس جانور کو تمہارا سکھایا ہوا شکاری جانور زخمی کرکے مار دے تو حلال ہے گویا غیر شکاری جانور کے مارے ہوئے کا ذکر پہلے ہوا اور سکھائے ہوئے شکاری جانور کے مارے ہوئے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں دین کے کامل ہونے اور نعمت کے پورے ہونے کی خبر دی گئی۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کامل دین وہ جس میں انسان کی ساری ضروریات پوری کی گئیں ہو۔ زندگی کا کوئی شعبہ تشنہ نہ چھوڑا گیا ہو۔ ضروریات زندگی میں سے ایک اہم ضرورت شکار ہے۔ خصوصاً ملک عرب کے لئے جہاں بعض علاقوں میں صرف شکار پر گزارا ہوتا تھا۔ اس لئے اب شکار کے احکام بیان ہوئے۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ **نمبر۱۔** طبرانی نے بروایت حضرت ابو رافع نقل فرمایا کہ

www.alahazratnetwork.org

ایک بار حضرت جبریل امین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ شریف پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضور انور نے اجازت دے دی مگر وہ اندر آئے نہیں۔ حضور نے فرمایا کہ اے جبریل ہم اجازت دے چکے۔ تم آتے کیوں نہیں۔ عرض کیا کہ حضور کے گھر ایک کتا ہے۔ اور ہم اس گھر میں نہیں جاتے۔ جہاں کتا موجود ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ تمام کتے قتل کر دیئے جاویں چنانچہ مدینہ کے سارے کتے مارے جانے لگے۔ ابو رافع کہتے ہیں کہ مجھے عوالی مدینہ کے ایک بوڑھی کے کتے پر رحم آیا۔ میں نے اسے نہ مارا۔ اور حضور کی بارگاہ میں یہ واقعہ عرض کیا۔ فرمایا اسے بھی مار دو۔ میں نے مار دیا۔ پھر عوالی مدینہ کے لوگوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کوئی کتا رکھنا جائز بھی ہے۔ یا سب ہی مار دیئے جاویں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ اس کے بعد حضور نے ضرورۃً کتے پالنے کی اجازت دے دی جیسے شکار کے لئے یا گھر یا کھیتی و باغ کی حفاظت کے لئے یا جانوروں کی رکھوالی کے لئے کہ ان کاموں کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ نمبر ۲۔ حضرت عدی بن حاتم۔ زید بن مہلہل جو قبیلہ بنی طے کے سردار ہیں اور ان زید کو لوگ **زید الخیل** کہتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام زید الخیر رکھا۔ ان دونوں حضرات نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے علاقہ میں شکار کا بہت رواج ہے۔ سرکار فرمادیں کہ کون کون جانور حلال ہیں اور کس کس جانور کا، اشکار حلال ہے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن) تفسیرات احمدیہ نے بھی یہی روایات نقل فرمائیں۔ مگر انہوں نے حضرت عدی ابن حاتم کی روایت میں یہ بیان کیا کہ انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا کہ ہمارا گزارہ شکار پر ہے۔ اور اکثر ہمارے کتے شکار کو پکڑتے ہیں تو وہ ہم تک کھینچتے ہوئے مرجاتا ہے۔ اب ہم کیا کریں؟ تب یہ آیت کریمہ اتری (احمدی) تفسیر صاوی' ابن کثیر روح المعانی وغیرہ نے بھی یہ شان نزول بیان کئے مگر تھوڑے فرق سے۔

تفسیر یسئلونک ماذا احل لھم سوال کے معنی پوچھنا بھی ہیں۔ مانگنا بھی۔ **واما السائل فلا تنھر** جب اس کے بعد کسی مسئلہ کا ذکر ہو۔ تو بمعنی پوچھنا ہوتا ہے۔ ورنہ بمعنی مانگنا جیسے **والسائلین و فی الرقاب** چونکہ یہاں سوال کے بعد مسئلہ شرعی کا ذکر ہے۔ لہٰذا بمعنی پوچھنا ہے۔ اگرچہ پوچھنے والے ایک دو صحابہ تھے مگر چونکہ اس سوال کا تعلق تمام مسلمانوں سے تھا۔ اس لئے ان سب کو سائل قرار دیدیا گیا۔ اور **یسئلون** جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ سوال بمعنی پوچھنا تین قسم کا ہے۔ اور سوال بمعنی مانگنا دو قسم کا۔ یہ پانچوں قسم کے سوال حضور سے ہوتے تھے۔ مگر جواب کی نوعیت میں فرق ہوتا تھا۔ (۱) ضروری مسئلہ پوچھنا اس کا جواب سوال کے مطابق آجاتا تھا۔ نمبر (۲) غیر ضروری سوال ہو تو اس کا جواب کچھ فرق سے دیا جاتا تھا۔ جیسے لوگوں نے پوچھا کہ چاند کیوں گھٹتا بڑھتا ہے۔ تو جواب ملا **قل ھی مواقیت للناس** جس میں گھٹنے بڑھنے کی وجہ کی بجائے حکمت بیان کی گئی نمبر (۳) مضر سوالات جن کے جواب دینے سے لوگوں کا نقصان ہوتا۔ ان سوالوں سے منع فرمادیا جاتا تھا۔ **لا تسئلو عن اشیاء ان تبدلکم تسؤکم** سوال بمعنی مانگنا بھی حضور سے دو قسم کا ہوتا تھا۔ نمبر ۱۔ دنیاوی نعمتیں مانگنا۔ نمبر ۲۔ اخروی نعمتیں مانگنا۔ ان دونوں قسموں کے سوالات کے

www.alahazratnetwork.org

متعلق ارشاد ہوا۔ **واما السائل فلا تنہر**۔ اے محبوب کسی سائل کو جھڑکو نہیں حضرات صحابہ نے حضور سے آنکھیں مال اولاد' تندرستی جنت مانگی ہے اور تاقیامت حضور کے دروازے سے بھیک سب شاہ و گدا مانگتے رہیں گے اور حضور کے ہاں سے عطائیں ہوتی رہیں گی۔ شعر۔

☆ منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو ☆ جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو ☆

یہاں سوال سے مراد ان پانچوں قسم میں سے پہلی قسم کا ہے۔ **ما استفھامیہ** ہے۔ **ذا** اسم اشارہ ہے ان دونوں سے مراد جانور ہیں جیسا کہ جواب سے ظاہر ہے۔ احل احلال سے بنا جس کے معانی ابھی کچھ پہلے عرض کئے گئے **لھم** سے مراد سارے مسلمان ہیں۔ کیونکہ حلال و حرام کے احکام مسلمانوں پر ہی جاری ہوتے ہیں یعنی اے محبوب لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ جانور کون کون سے ہیں جو مسلمان کے لئے حلال کئے گئے۔ جنہیں مسلمان کھا سکتے ہیں۔ **قل احل لکم الطیبت** یہاں احل میں یا تو آج حلال فرما دینے کا ذکر ہے یا گزشتہ زمانہ میں حلال فرمادینے کا تذکرہ ہے۔ یعنی آج تم کو کہا جاتا ہے۔ کہ حلال کردی گئیں یا کہ پہلے سے ہی حلال کی جاچکی ہیں۔ طیبات سے مراد جانور ہیں جیسے کہ سوال و جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس سے ساری طیب چیزیں مراد ہوں۔ جانور ہوں یا کوئی اور چیز۔ طیب سے مراد یا لذیذ و مزیدار چیزیں ہیں یا وہ جن کی طرف انسانوں خصوصاً اہل عرب کا دل مائل ہو۔ بشرطیکہ وہ درست طبیعت والا ہو۔ ورنہ خبیث النفس لوگوں کے دل تو گندی چیزوں کی طرف بھی مائل ہوتے ہیں۔ یا طیب وہ جانور ہے۔ جو اللہ کے نام پر ذبح ہو گیا ہو۔ یا ہر وہ چیز جسے کتاب و سنت و اجماع و قیاس نے حرام نہ کیا ہو۔ (تفسیر خازن' کبیر' تفسیرات احمدیہ' روح المعانی' بیضاوی وغیرہ) تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں یعنی جسے شریعت نے منع نہ فرمایا ہو یعنی تمہارے لئے ہر وہ جانور حلال فرمادیا جسے شریعت نے منع نہ فرمایا یہ قاعدہ یاد رکھو۔ **وما علمتم من الجوارح** یہ عبارت **الطیبات** پر معطوف ہے۔ اور **ما** سے پہلے لفظ "صید" پوشیدہ ہے۔ **ما** سے مراد شکاری جانور ہیں **علمتم** سے مراد ہے شکار کرنے کی تعلیم دے دینا۔ **من** 'بیان ہے **ما** کا جوارح جمع ہے **جارحة** کی جس کا مادہ "جرح" ہے۔ جرح کے معنی زخم بھی ہیں اور کمانا بھی اسی لئے انسان کے ظاہری اعضاء کو جوارح کہتے ہیں۔ کہ ان سے کمائی کی جاتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والذین اجترحوا السیات** اور فرماتا ہے **ویعلم ما جرحتم بالنھار** ان دونوں آیتوں میں **جرح** بمعنی کسب ہے۔ یہاں جوارح سے مراد شکاری جانور چرندے ہوں جیسے کتا' چیتا یا پرندے جیسے باز' شکرہ شاہین وغیرہ کیونکہ یہ جانور زخمی بھی کرتے ہیں اور کمائی بھی کرتے ہیں۔ شکار کیا ہوا جانور ان کی کمائی ہے۔ یعنی تمہارے لئے حلال ہے ان شکاری جانوروں کا شکار جنہیں تم شکار کرنا سکھالو۔ **مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ مکلبین علمتم** کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ بنا ہے **تکلیب** سے۔ جس کے معنی ہیں کتے کو شکار' سکھانا یا کتے کو شکار کے لئے چھوڑنا۔ عربی میں ہر شکاری جانور کو کلب کہہ دیتے ہیں **تعلمونھن** الخ **مکلبین** کا بیان ہے۔ اور اس کی شرح ہے **ھن** کی ضمیر **جوارح** کی طرف لوٹتی ہے۔ یا **تعلمونھن**

www.alahazratnetwork.org

مکلبین کی ضمیر سے حال ہے۔ یا یہ نیا جملہ ہے۔ جو معترضہ جملہ کے طور پر یہاں بیان ہوا۔ **علمکم اللہ** سے مراد وہ مسائل شکار ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سکھائے۔ خیال رہے کہ یہاں رب تعالیٰ نے شکاری کتوں کی تعلیم کے لئے تین عبارتیں ارشاد فرمائیں۔ ایک **ما علمتم من الجوارح** دوسرے **مکلبین** تیسرے **تعلمونھن** الخ یا مبالغہ کے لئے علماء فرماتے ہیں کہ جب کتے میں تین وصف پیدا ہو جاویں تو وہ شکاری اور معلم ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ شکار پر چھوڑنے سے دوڑ جاوے۔ دوسرے بلانے پر واپس آجاوے یا دوڑتے ہوئے کو روکنے سے رک جاوے۔ تیسرے شکار سے کچھ نہ کھائے۔ صحیح سلامت مالک تک لے آوے یا وہاں شکار گاہ میں ہی دبوچ کر بیٹھ جاوے۔ نیز فرماتے ہیں کہ تین بار اسے آزما کر دیکھا جاوے۔ جب ہر دفعہ میں یہ تینوں کام کرے تو معلم یعنی شکاری ہو گیا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی و خازن وغیرہ) شاید یہ تین چیزیں اس ہی آیت سے ماخوذ ہیں کہ یہاں تین بار تعلیم کا ذکر ہوا۔ **فکلوا مما امسکن علیکم** اس جملہ میں ف تفریعیہ ہے اور یہ جملہ گزشتہ جملوں پر متفرع ہے۔ یعنی جس شکار میں یہ مذکورہ اوصاف ہوں تو تم ان کا شکار کھالو "کلوا" امر اباحت کے لئے ہے **مما** کا من یا تو زائدہ جیسے **کلوا من ثمرہ اذا اثمر** میں من زائدہ ہے یا تبعیضیہ ہے۔ کیونکہ حلال جانور خواہ شکار ہو یا کوئی اور اس کے تمام اجزا نہیں کھائے جاتے۔ خون، پتہ، فرج، ذکر خصیہ وغیرہ اعضاء حرام ہیں۔ یونہی اس کا گوبر۔ پیشاب حرام ہے۔ مما کا ما یا موصوفہ ہے۔ بمعنی شی یا موصولہ۔ بمعنی الذی اگر موصولہ ہے تو امسکن میں ضمیر پوشیدہ ہے۔ اصل میں **امسکنہ** تھا **امسکن** کا فاعل وہ جوارح یعنی شکاری جانور ہیں۔ **امساک** سے مراد ہے ان شکاری جانوروں کا شکار سے خود نہ کھانا۔ تمہارے واسطے محفوظ رکھنا۔ **علیکم** میں علی۔ بمعنی لام ہے یعنی ان شکاری جانوروں نے جو شکار مار کر خود نہ کھایا۔ تمہارے واسطے روک رکھا اسے تم کھا سکتے ہو۔ اگرچہ وہ زخمی ہو کر مر گیا ہو۔ تم اسے ذبح نہ کر سکے۔ کیونکہ اس کے لئے کتے کے دانت چھری کی طرح ہیں اور تمہارا اسے چھوڑنا گویا ذبح ہے۔ **واذکروا اسم اللہ علیہ** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے واؤ عاطفہ ہے۔ ذکر سے مراد ہے زبان سے بسم اللہ پڑھنا علیہ میں ہ ضمیر یا تو **ما علمتم** کے ما کی طرف لوٹتی ہے یا **مما امسکن علیکم** کے ما کی طرف یا کلوا کے مصدر اکل کی طرف لہٰذا اس جملے کی تین تفسیریں۔ پہلی دو تفسیروں میں **اذکروا** وجوب کے لئے ہے۔ تیسری تفسیر میں استحباب کے لئے یعنی شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لو۔ یا اگر شکار کا جانور تم کو زندہ مل جاوے تو اس پر تکبیر پڑھ لو اسے ذبح کر لو یہ دونوں چیزیں واجب ہیں۔ یا جس جانور کو تمہارے کتے نے روک رکھا ہے۔ اسے بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ یہ امر استحبابی ہے۔ **اتقوا اللہ** یہ مستقل جملہ ہے۔ واؤ یا عاطفہ ہے یا ابتدائیہ ہے۔ یعنی شکار کے احکام پر عمل کرنے میں اللہ سے ڈرو حرام شکار نہ کھاؤ خواہ شکاری حرام ہو جیسے جنگلی سور یا گوہ وغیرہ۔ یا شکار حرام ہو گیا ہو۔ جیسے وہ کتے کے منہ میں بغیر زخم کے مر جاوے۔ اسی طرح غیر معلم کتے کا شکار نہ کھاؤ۔ یوں ہی کتے چیتے وغیرہ کے سوا اور شکاری جانوروں کا شکار نہ کھاؤ۔ جیسے بلی کا شکار کیا ہوا جانور کہ یہ سب حرام ہیں۔ اللہ سے ڈرو **ان اللہ سریع**

www.alahazratnetwork.org

الحساب یہ جملہ گزشتہ احکام کی علت ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی تمہارے ہر عمل کا حساب لے گا۔ وہ بہت جلد آنا" فانا" حساب لینے والا ہے۔ کہ تمام مخلوق کے سارے نیک و بد چھوٹے بڑے نئے پرانے کھلے چھپے اعمال کا مکمل حساب صرف چار گھنٹے میں لے لے گا۔ جیسا کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس سے مروی ہے۔ کہ رب تعالٰی دنیا کے چھوٹے دن کے نصف میں ساری خلقت کا حساب لے لے گا۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے جانثار صحابہ آپ سے پوچھتے ہیں کہ حرام جانور تو قرآن کریم نے بتا دیئے۔ حضور فرمادیں کہ ہمارے لئے کون سے جانور یا کون کون سی چیزیں حلال ہیں فرمادو کہ تمہارے لئے تمام وہ لذیذ مزیدار پاک چیزیں اور جانور حلال ہیں۔ جنہیں شریعت نے حرام نہ فرمایا اور تمہارے لئے ان شکاری جانوروں کے شکار بھی حلال ہیں جنہیں تم سکھا کر سدھالو۔ خواہ وہ جانور چرندے ہوں جیسے کتا' چیتا وغیرہ یا پرندے جیسے باز' شکرہ' شاہین وغیرہ بشرطیکہ وہ تعلیم دیئے ہوئے ہوں۔ تم نے انہیں شکار کے وہ طریقے سکھا دیئے ہوں۔ جو رب تعالٰی نے تم کو بتادیئے ہوں یا براہ راست یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت۔ ایسے جانور جب شکار کریں تو تم وہ شکار کھاؤ جو انہوں نے تمہارے لئے روک رکھا اس میں سے خود نہ کھایا۔ ان کتوں کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھ لیا کرو۔ اگر تم کتے کے منہ میں جانور زندہ پاؤ تو بسم اللہ سے ذبح کر لو یا بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ۔ ان تمام پابندیوں پر پورا عمل کرو۔ خدا سے ڈرو۔ شکار کے شوق میں حرام کو حلال کرنے کی کوشش نہ کرو۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالٰی تمہارا اور ساری مخلوق کا پورا حساب لے گا۔ اور بہت جلد لے گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **اصل** اشیاء میں اباحت ہے یعنی حرام وہ چیز ہے۔ جسے شریعت حرام کرے۔ مگر حلال وہ چیز ہے۔ جسے شریعت نے حرام نہ کیا ہو۔ جس سے خاموشی ہو وہ حلال ہے۔ یہ فائدہ **الطیب** سے حاصل ہوا۔ رب تعالٰی نے حرام جانوروں کے نام پچھلی آیت میں گنائے مگر حلال جانوروں کے لئے صرف طیبات فرمادیا طیبات کے معنی ابھی ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ طیب وہ ہے جسے شریعت حرام نہ کرے۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ او دما مسفوحا** جس سے معلوم ہوا کہ شریعت میں جس کی حرمت نہ ملے وہ حلال ہے۔ لہٰذا گیارہویں شریف کی مٹھائی' میلاد شریف کے تبرکات حلال ہیں۔ کیونکہ شریعت نے انہیں حرام نہ کیا۔ یہ بھی خیال رہے کہ قرآن مجید میں سوا سور کے کسی حرام جانور کا ذکر نہیں ہاں کچھ مردار جانوروں کا ذکر ہے۔ باقی تمام حرام جانوروں کی تفصیل نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بیان فرمائی۔ اور سور کا بھی صرف گوشت ہی قرآن نے حرام کیا۔ اس کے باقی اعضاء بھی حضور انور نے ہی حرام فرمائے لہٰذا طیب و خبیث کی تفصیل حضور کے اقوال طیبہ سے ہو سکتی ہے۔ **دوسرا فائدہ** شکاری جانور کا مارا ہوا جانور حلال ہے اگرچہ وہ اس کے منہ میں مر جائے اور ہم اسے ذبح نہ کر سکیں یہ فائدہ **وما علمتم** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **مسئلہ** ایسے شکار کے

www.alahazratnetwork.org

حلال ہونے کے لئے آٹھ شرطیں ہیں۔ اگر ان میں سے ایک شرط بھی نہ ہو تو شکار حرام ہے۔ نمبر۱ جانور شکاری ہو غیر شکاری نہ ہو جیسے بلی۔ نمبر۲ وہ جانور سکھایا ہوا ہو۔ چنانچہ آوارہ غیر شکاری کتے کا شکار حرام ہے۔ نمبر۳ وہ شکاری جانور مسلمان کا ہو مشرک کا نہ ہو لہٰذا ہندو یا مجوسی کے شکاری کتے کا شکار حرام ہے۔ نمبر۴ اس نے شکار کو زخمی کر کے مارا ہو...... گلا گھونٹ کر مار دیا تو حرام ہو گیا۔ نمبر۵ اس کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر چھوڑا گیا ہو۔ اگر جان بوجھ کر بسم اللہ نہ پڑھی ہو تو حرام ہے۔ نمبر۶ اگر شکار زندہ شکاری کے پاس پہنچ جائے تو اسے ذبح کر لیا جاوے۔ نمبر۷ شکاری کتے کے ساتھ غیر شکاری کتا شریک نہ ہو گیا ہو۔ اگر غیر شکاری کتا یا مجوسی پارسی کا کتا شریک ہو گیا۔ تو شکار حرام ہے۔ نمبر۸ شکار کیا ہوا جانور پانی میں گرا ہوا نہ ملے ورنہ حرام ہے۔ **تیسرا فائدہ** جنگل کا شکار کسی کی ملکیت نہیں اسے جو پکڑے یا شکار کرے وہی اس کا مالک ہے۔ جیسے جنگل کی گھاس خود رو درختوں کے پھل وغیرہ۔ **چوتھا فائدہ** جانوروں کے ادراکات کو بھی علم کہہ سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **علمتم من الجوارح** اور **تعلمونھن** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ دیکھو معلم کتے کا مارا شکار حلال ہے۔ غیر معلم کتے کا مارا شکار حرام تو یقیناً عالم آدمی غیر عالم سے افضل ہے۔ **چھٹا فائدہ** کامل کی صحبت ناقص کو کامل کر دیتی ہے۔ آوارہ کتا معلم انسان کے صحبت میں رہ کر اس سے فیض لے کر کلب معلم یعنی شکاری کتا بن جاتا ہے کہ اس کا مارا شکار حلال ہو جاتا ہے۔ غیر صحبت یافتہ غیر تعلیم یافتہ آوارہ کتے کو سارا قرآن پڑھ کر شکار پر چھوڑو مگر اس کا مارا شکار حرام ہے۔ معلوم ہوا کہ صحبت و فیضان عجیب چیز ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے صحبت یافتہ ہدہد نے پورے شہر سبا۔ بلکہ پورے ملک یمن وہاں کی ملکہ بلقیس اور رعایا کو ایمان بخش دیا۔ یمن اور سبا کا مبلغ اعظم حضرت سلیمان علیہ السلام کا صحبت یافتہ ہدہد ہے۔ یہ ہے صحبت کا فیض۔ جب صحبت یافتہ حضرت سلیمان کے ہدہد کا یہ فیض ہے تو صحبت یافتہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے فیض کا کیا پوچھنا۔ **ساتواں فائدہ** شکاری جانور کو چھوڑتے وقت بسم اللہ پڑھنی ضروری ہے۔ اگر دانستہ طور پر نہ پڑھی تو شکار کا جانور حلال نہ ہو گا۔ یہ فائدہ **واذکروا اسم اللہ علیہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** اگر شکار زندہ ہاتھ آ جاوے تو اس کا باقاعدہ ذبح کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا اسم اللہ علیہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ **نواں فائدہ** شکاری جانور کا شکار کو زخمی کرنا ضروری ہے۔ اگر بغیر زخم کئے یونہی دبوچ کر مار دیا تو شکار حلال نہ ہو گا۔ یہ فائدہ اشارۃ **من الجوارح** سے حاصل ہوا۔ جوارح کے معنی ہیں زخمی کرنے والے جانور۔ **دسواں فائدہ** اگر شکاری جانور شکار سے کچھ کھا لے تو شکار حرام ہو گیا۔ صرف وہ ہی شکار حلال ہے جس سے وہ کچھ نہ کھائے۔ یہ فائدہ **مما امسکن علیکم** سے حاصل ہوا۔ مگر یہ شرط چرندہ شکاری میں ہے۔ اگر پرندہ شکاری جانور باز وغیرہ شکار سے کھائے تو شکار حلال ہو گا۔ احناف کا یہی مذہب ہے۔ (روح المعانی) حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ **گیارہواں فائدہ** مجوسی کا سکھایا ہوا کتا معلم نہیں مسلمان خود سکھائے یہ فائدہ **تعلمونھن** سے حاصل ہوا۔ (روح المعانی) **بارہواں فائدہ** شکار کی طرف شکاری کتے کا

www.alahazratnetwork.org

چھوڑنا ضروری ہے۔ اگر کتا خود شکاری پر جا پڑے تو شکار حرام ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا اسم اللہ علیہ** سے حاصل ہوا۔ تیرہواں فائدہ شکار کے لئے کتا پالنا اسے شکار سکھانا شرعاً" جائز ہے اس میں کوئی حرج نہیں یہ فائدہ بھی **تعلمونھن** سے حاصل ہوا۔ چودھواں فائدہ شکاری کتے کی خرید و فروخت جائز ہے۔ یہ مال ہے قابل فروخت ہے۔ (احناف) کیونکہ جب اس کتے سے شکار کھیلنا جائز قرار دیا گیا تو لامحالہ یہ کار آمد مال مانا گیا۔

پہلا اعتراض علم کے معنی ہیں صورت حاصلہ فی العقل' پھر کتوں اور دوسرے شکاری جانوروں کو علم کیسے ہو سکتا ہے۔ ان کے پاس عقل کہاں ہے۔ جس میں صورت حاصل ہو تو یہاں **علمتم** اور **تعلمونھن** کہ کر درست ہوا۔ جواب یہ منطقیوں کی اصطلاح ہے وہ بھی علم حصولی حادث کے لئے ہے۔ علم حضوری اور علم قدیم وغیرہ کی یہ تعریف نہیں۔ فرشتوں یا منطقیوں کی عقول عشرہ جنات کو بلکہ خود رب تعالیٰ کو علم ہے۔ وہاں عقل وغیرہ کہاں ہے۔ خود ہم کو اپنا علم ہے۔ یہاں صورت کہاں ہے۔ علم کی تعریف ہے۔ **ما بہ الانکشاف** جس وصف سے کوئی چیز کھلے اور ظاہر ہو۔ قرآن کریم منطق کی اصطلاحوں کا پابند نہیں دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا **کلوا** یعنی کھاؤ اور **کلوا** امر ہے۔ امر وجوب کے لئے آتا ہے تو کیا شکار کا گوشت کھانا واجب ہے۔ جواب جو امر پابندی اٹھانے کے لئے ہو وہ صرف مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ وجوب کے لئے جیسے **واذا حللتم فاصطادوا** یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ **تیسرا اعتراض مما امسکن کے من** سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پورا شکار نہ کھایا جاوے اس کے بعض حصہ کھایا جائے تو کیا پورا شکار کھانا حرام ہے ورنہ پھر من کے کیا معنی ہوں گے جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا۔ کہ **مما** کا ما یا تو زائدہ ہے پھر تو یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں اور اگر تبعیضیہ ہو تب بھی مطلب یہ ہے کہ اس کے حلال اعضاء کھاؤ۔ جیسے گوشت' کلیجی' گردے وغیرہ حرام اعضاء نہ کھاؤ جیسے پتہ' خصیہ' فرج' ذکر' دبر' خون وغیرہ چوتھا اعتراض تم نے کہا کہ کتا پالنا بھی جائز ہے اور کتے کی خرید و فروخت بھی درست ہے۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں جاندار کی تصویر۔ یا کتا یا جنبی انسان ہو وہاں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ جو چیز رحمت کے فرشتوں کی آمد کے لئے آڑ بنے وہ جائز کیوں کر ہو سکتی ہے۔ لہذا کتا پالنا حرام ہے۔ جواب یہ حدیث بالکل صحیح ہے مگر مخصوص البعض ہے تصویر سے مراد جاندار کی تصویر ہے۔ اور وہ تصویر بھی ایسی جو بلا ضرورت ہو۔ شوقیہ ہو۔ عزت سے ہو روپیہ پیسہ نوٹ کی تصویری ضرورت کی بنا پر رکھی جاتی ہے۔ بستر یا فرش کی تصویر پاؤں سے روندی جاتی ہے۔ اس کی کوئی حرمت نہیں ہوتی۔ یہ دونوں ممنوع نہیں۔ یونہی جو کتا بلا ضرورت شوقیہ پالا جائے وہ ممنوع ہے۔ شکار یا گھر بار یا جانوروں یا کھیتی کی حفاظت کے لئے کتا پالنا جائز ہے۔ اس سے رحمت کے فرشتے نہیں رکتے۔ یونہی بلاوجہ جنبی رہنا حرام ہے۔ اگر رات میں جنبی ہوا۔ وضو کر کے سو رہا۔ فجر سے پہلے غسل کر لیا تو اس جنبی سے رحمت کے فرشتے نہیں رکیں گے۔ یہ تفصیل دوسری حدیث میں ہے۔ بہرحال بلاوجہ کتا پالنا جیسا کہ آج فیشن بن گیا ہے۔ حرام ہے۔ اور مذکورہ بالا ضرورتوں سے پالنا موجود ہے۔ **چوتھا اعتراض** تم نے کہا کہ کتے کی خرید و فروخت درست حالانکہ

www.alahazratnetwork.org

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتے کی قیمت سے منع فرمایا۔ معلوم ہوا کہ کتے کی خرید و فروخت حرام ہے۔ جواب ۔ یہ حدیث اس وقت کی ہے۔ جب کتا پالنا مطلقاً حرام تھا۔ اس کا قتل کر دینا واجب تھا۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اور بعد میں ضرورۃ اس کے پالنے کی اجازت دے دی گئی۔ جیسا کہ دوسری حدیث میں ہے۔ لہٰذا اس کی خرید و فروخت بھی درست ہوئی تمہاری پیش کردہ حدیث منسوخ ہے۔ جس چیز سے نفع لینا جائز ہے اس کی خرید و فروخت بھی درست ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شکار کرنا درست ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار سے منع فرمایا دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اگر وہ حدیث صحیح ہو تو اس سے مراد وہ شکار ہے جو عبادات سے غافل کر دے اور جسے شکاری اپنا پیشہ بنالے کہ دن رات اس کی دھن میں رہے۔ ورنہ شکار صحابہ کرام نے کیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شکار کا گوشت قبول بھی فرمایا ہے۔ اور کھایا ہے اس لئے اس آیت کے آخر میں ارشاد ہوا۔ **واتقوا اللہ** "اللہ سے ڈرتے رہو۔" یعنی شکار میں ایسے مشغول نہ ہو جاؤ۔ کہ حرام و حلال کی تمیز نہ کرو۔ اور رب سے غافل ہو جاؤ۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں حساب بہت جلد لے لیا جاوے گا اور قیامت کے دن پچاس ہزار سال کا ہے تو اتنے بڑے دن کے باقی حصے میں کیا ہو گا اور وہ بڑا دن کس مشغلہ میں گزرے گا **جواب** اس کا جواب پہلے بارہا پہلے بارہا دیا جا چکا ہے کہ

شعر:-

☆ فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا ☆ کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانے والی ہے ☆

صدہا سال خاموشی صدہا سال شفیع کی تلاش۔ صدہا بلکہ ہزارہا سال حضور کی نعت خوانی جو مقام محمود پر ہو گی رب فرماتا ہے۔ **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا** ساری خلقت بلکہ خود خالق نعت ارشاد فرمائے گا۔ اتنا بڑا دن اس **مشغلہ** میں گزرے گا آج جہاں دس نعت خوان **واعظین** جمع ہو جاویں تو رات گزر جاتی ہے تو جب اتنے نعت خوانوں کا اجتماع ہو جائے۔ کفار عام مومنین۔ صالحین علماء اولیاء اللہ صدیقین شہداء انبیاء سوچ لو کہ کتنا وقت صرف ہو گا۔

تفسیر صوفیانہ حضرات صحابہ دو قسم کے ہیں۔ سائلین اور واصلین، سائلین حضرات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسائل پوچھے۔ قرآن نے جواب دیئے۔ تاقیامت مسلمانوں کا بھلا ہو گیا **یسئلونک** میں انہیں سائلین حضرات کا ذکر ہے۔ ان سائلین کا احسان تاقیامت مسلمانوں پر رہے گا۔ جن کے سوالات کی برکت سے یہ شرعی مسائل آئے۔ واصلین حضرات کو سوال کی فرصت ہی نہ تھی۔ ان کا حال تو یہ تھا۔ **شعر:-**

☆ فقط اتنی حقیقت ہے ہمارے دین و ایمان کی ☆ کہ اس جان جہاں کے حسن کا دیوانہ ہو جانا ☆

وہ حضرات مست الست ہیں انہیں سوالات کی فرصت ہی نہیں اسی لئے قرآن کریم میں حضرات خلفاء و راشدین کے سوالات کے جوابات کی آیات نظر نہیں آتیں۔ یہاں ارشاد ہوا کہ حضرات سائلین آپ سے یہ سوال کرتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

آپ ان سے اور ان کی معرفت تمام مسلمانوں سے فرمادو۔ حرام و حلال دو قسم کا ہے۔ حرام و حلال شرعی اور حرام و حلال عشقی شرعی حرام و حلال کی تفسیر ہو چکی۔ عشقی حرام و حلال یہ ہے کہ آخرت والوں کے لئے دنیا حرام ہے۔ اور دنیا والوں کے لئے آخرت حرام اور اللہ والوں کے لئے دونوں حرام۔ ان کا مقصود صرف ذات مولیٰ ہے فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم طالبین مولیٰ آپ سے پوچھتے ہیں کہ ہم کو اس سفر طلب مولیٰ میں کون چیزیں حلال ہیں تم فرمادو کہ تمہیں طیبات حلال ہیں جو رب تعالیٰ سے غافل نہ کریں۔ غفلت پیدا کرنے والی ریا کی نماز خبیث ہے۔ اور اطاعت اللہ و رسول کے ماتحت کاروبار طیب ہے۔ نفس کتا ہے۔ بعض نفوس آوارہ کتے ہیں۔ وہ جس چیز کو خواہش سے حاصل کریں۔ وہ آوارہ کتے کا شکار ہے۔ اور حرام ہے۔ بعض نفس ہیں تو کتے مگر ہیں معلم یعنی سیکھے ہوئے شکاری ہیں۔ وہ جس چیز کی خواہش کریں۔ وہ شکاری کتے کا شکار ہے وہ حلال ہے۔ غافل آدمی کا کھانا پینا سونا جاگنا طریقت میں حرام ہے کہ یہ نفس کتے کا شکار ہے۔ جو غیر شکاری ہے عاقل آدمی کے یہ سارے کام حلال بلکہ باعث اب ہیں کہ یہ معلم کتے کے شکار ہیں۔ ان کا استعمال کرو۔ مگر پھر بھی اللہ سے ڈرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب چکانے والا ہے کہ عامل کو عمل ختم کرنے سے پہلے بدلہ دیتا ہے کہ اپنا قرب و قبولیت عطا فرمادیتا ہے۔ جو خود ہی اپنی زندگی برباد کرکے اپنا خانہ خراب کرے تو وہ جائے۔ شعر:

☆ چرا از غیر شکایت کنم کہ ہم چو حباب ☆ ہمیشہ خانہ خراب و ہوائے خویشتم ☆

(از روح البیان) خیال رہے کہ کلب معلم کی نشانی یہ ہے کہ مالک کے چھوڑنے پر شکار پر جھپٹ پڑے بلانے پر لوٹ آئے۔ شکار سے بغیر مولیٰ کی اجازت خود کچھ نہ کھائے نفس معلم جب بنے گا جب اس کا یہ حال ہو جاوے۔ شعر:

☆ رہ حق میں ہو دوڑ اور بھاگ ان کی ☆ شریعت کے قبضہ میں ہو باگ ان کی ☆

☆ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ ☆ جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ ☆

صوفیا فرماتے ہیں کہ کسی کا مملوک جانور یعنی پالتو کوئی شکار نہیں کر سکتا۔ اس کی جان شکاریوں سے محفوظ ہے مگر غیر مملوک، جنگلی آوارہ جانور کی جان محفوظ نہیں۔ ہر شکاری اسے شکار کر سکتا ہے یونہی جو بندہ کسی بندے کا بندہ نہ بنے اس کا ایمان و تقویٰ غیر محفوظ ہے۔ شیطان نفس امارہ۔ برے ساتھی جب چاہیں۔ اسے شکار کرلیں۔ اگر اپنے ایمان کی حفاظت چاہتے ہو تو کسی کے بن کر کسی کے ہو کر رہو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

☆ خدا کے بندے ہیں ہزاروں بندوں میں پھرتے ہیں مارے مارے ☆

☆ میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہو گا ☆

جس لفافہ پر بیمہ کمپنی کی مہر نہ ہو۔ رجسٹری نہ ہو وہ خطرے میں ہوتا ہے خدا کرے ہمارے دلوں پر حضور کے نام کی مہر لگ جاوے تاکہ اس کا ایمان خیریت سے اپنے ٹھکانہ پر پہنچے۔ شعر:

☆ دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم ☆ الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغریٰ تیرا ☆

www.alahazratnetwork.org

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ
آج حلال کردی گئیں واسطے تمہیں پاکیزہ چیزیں۔ اور کھانا ان لوگوں کا جو دیئے گئے کتاب حلال ہے واسطے تمہارے
آج تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں اور کتابیوں کا کھانا تمہارے لئے حلال ہے اور تمہارا کھانا ان کے
وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ
اور کھانا تمہارا حلال ہے واسطے ان کے اور پاک دامن عورتیں مسلمانوں میں سے اور پاک دامن ان
لئے حلال ہے اور پارسا عورتیں ان میں سے جن کو تم سے پہلے کتاب ملی جب تم انہیں ان کے مہر دو
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ
لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے جب کہ دے دو تم ان کو مہران کے
قید میں لاتے ہوئے نہ مستی نکالتے اور نہ آشنا
مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْٓ اَخْدَانٍ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ
پاک دامنی کرتے ہوئے نہ کہ زنا کرتے اور نہ بنانے والے چھپے یار اور جو انکار کرے
بناتے اور جو مسلمان کافر ہوا
بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۡ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
ایمان کا پس بے شک ضبط ہو گئے عمل اس کے اور وہ آخرت میں ٹوٹا خسارہ پانے والوں سے ہے
اس کا کیا دھرا سب اکارت گیا اور وہ آخرت میں زیاں کار ہے

ربع

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمان کے شکار کی حلت کا ذکر تھا۔ اب اس آیت میں اہل کتاب کافروں کے شکار کئے ہوئے جانور کے حلال ہونے کا ذکر ہے کہ کافر کتابی کا معلم کتا جو شکار کرے وہ حلال ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمان کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا ذکر تھا کہ ارشاد ہوا تھا **واذکروا اسم اللہ علیہ** اب اہل کتاب کفار کے ذبیحہ کے حلال ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حلال جانوروں کا ذکر تھا۔ اب حلال عورتوں کا تذکرہ ہے کیونکہ غذا کے بعد بیوی کا مسئلہ بہت اہم ہے۔ **چوتھا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا۔ کہ اسلام بہت مکمل دین ہے۔ اب اس کے کامل ہونے کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ کہ اسلام میں صرف عبادات کی تفصیل نہیں۔ بلکہ اس میں معاملات حتیٰ کہ کھانے' عورتوں کی حلت و حرمت کی تفصیل ہے۔ گویا وہ آیت مجمل تھی اور یہ آیت اس کی تفصیل ہے۔

تفسیر **الیوم احل لکم الطیبت** الیوم کی تفسیر ابھی کچھ پہلے **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تفسیر میں

www.alahazratnetwork.org

عرض کردی گئیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس جگہ الیوم سے یا تو اس آیت کے نزول کا دن مراد ہے تو مطلب یہ ہوگا کہ شروع اسلام میں ضرورت کے لحاظ سے بعض خبیث چیزیں حلال تھیں۔ جیسے شراب یا عورتوں سے متعہ اور بعض طیب چیزیں حرام تھیں۔ جیسے بیوہ سے نکاح کرنا ایک سال عدت سے پہلے۔ مگر یہ احکام عارضی تھے۔ آج اسلام کے اصل احکام جاری ہو گئے۔ کہ صرف طیب چیزیں ہی حلال کردی گئیں۔ اور خبیث چیزیں سب حرام کردی گئیں۔ اور ساری طیب چیزیں حلال کردی گئیں کوئی طیب چیز حرام نہ رہی۔ یا **الیوم** سے مراد ہے یہ زمانہ اور یہ وقت تب مطلب یہ ہوگا کہ گزشتہ دینوں میں بعض خبیث چیزیں حلال تھیں۔ اور بعض طیب چیزیں حرام۔ مگر اب اسلام میں خبیث چیزیں ساری حرام کردی گئیں۔ طیب چیزیں ساری حلال فرمادی گئیں۔ لہٰذا **احل** سے یا تو آج حلال فرمانا مراد ہے یا گزشتہ حلال ہو چکنے کی خبر دینا مراد ہے۔ **لکم** میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے۔ طیبات کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں عرض کردی گئی کہ جس چیز کو شریعت نے حرام نہ کیا ہو۔ وہ طیب ہے۔ یہ ہی قول قوی ہے۔ یعنی اے مسلمانو آج کے دن یا اسلام میں تمہارے لئے تمام طیب چیزیں حلال کردی گئیں۔ کہ تم پر کوئی خبیث چیز حلال نہ رہی اور کوئی طیب چیز حرام نہ رہی۔ **وطعام الذین اوتوا الکتب** یہ عبارت طیبات پر معطوف ہے۔ اور احل کا نائب فاعل طعام کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد دال چاول گندم وغیرہ غذائیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد تمام غذائیں ہیں۔ مذبوحہ جانور ہوں یا کوئی اور چیز۔ تیسرے یہ کہ اس سے مراد ذبیحہ ہے۔ یعنی اہل کتاب کے کھانے تمہارے لئے حلال ہیں بلاوجہ انہیں حرام مت سمجھو۔ چنانچہ آج تک یورپ کی تیار کردہ غذائیں دوائیں ولایتی گھی وغیرہ اسلامی ممالک میں کھائے جاتے ہیں۔ یا اہل کتاب کے بھیجے ہوئے کھانے پینے کے ہدیہ تحفے تمہارے لئے حلال ہیں۔ پڑوسی کفار اور کفار کے پڑوسی ملک کو اخلاقاً ہدیہ دو اور ان کے ہدیے قبول کرو کہ اسی میں اخلاق کا برتاوا بھی ہے۔ اور تبلیغ اسلام بھی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیے قبول بھی کئے ہیں۔ انہیں ہدیے دیئے بھی ہیں۔ یا اہل کتاب کے ذبیحے تمہارے لئے اور تمہارے ذبیحہ ان کے لئے حلال ہیں ان تینوں تفسیروں میں یہ تفسیر تیسری ہی قوی ہے۔ کیونکہ دوسری غذائیں تو مشرکین مجوسی وغیرہ کی بھی حلال ہیں **اوتوا الکتب** سے سارے اصلی کتابی کفار مراد ہیں۔ خواہ خاندانی اہل کتاب ہوں یا وہ جو پہلے مشرک یا مجوسی تھے پھر عیسائی یا یہودی بن گئے۔ مگر جو مسلمان عیسائی یا یہودی بن جاوے اس کا ذبیحہ حرام ہے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب نہیں بلکہ مرتد ہے اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ اہل کتاب سے تمام کتابی مراد ہیں۔ عربی ہوں یا عجمی۔ عام صحابہ کرام کا یہی قول ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے نزدیک اہل کتاب کا ذبیحہ حرام ہے۔ وہ یہاں اہل کتاب سے مراد لیتے ہیں مسلمان ہو جانے والے کتابی۔ اور حضرت علی کے نزدیک اس سے عرب کے کتابی علیحدہ ہیں۔ ان کے نزدیک عربی اہل کتاب خصوصاً بنی تغلب کا نہ ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتیں۔ مگر قوی تفسیر وہی ہے۔ جو عام صحابہ کرام نے فرمائی۔ یعنی سارے اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی۔ خیال رہے کہ اہل کتاب کا وہی ذبیحہ حلال ہوگا جو وہ اللہ تعالیٰ کے

www.alahazratnetwork.org

نام پر ذبح یا شکار کریں۔ اگر وہ حضرت مسیح یا مریم کے نام پر ذبح کریں یا ویسے ہی گلا گھونٹ کر مار دیں۔ وہ حرام ہے۔ بعض مفسرین نے اسے بھی حلال فرمایا۔ مگر یہ صحیح نہیں (تفسیر کبیر' خازن روح المعانی و بیان وغیرہ)

یہ بھی خیال رہے کہ آج کل جو عیسائی دہریہ ہو گئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر ہو گئے۔ یا قیامت یا آسمان کی ہستی کے منکر ہو گئے۔ وہ اہل کتاب نہیں نہ ان کا ذبیحہ حلال ہے نہ ان کی عورتیں حلال' آج کل عموماً انگریز دہریے ہو چکے ہیں۔ اس کا بہت لحاظ چاہیے۔ **وطعامکم حل لھم** یہ جملہ پہلے **الیوم احل لکم** پر معطوف ہے اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے مذہب میں بھی تمہارے ذبیحہ ان کے لئے حلال ہیں۔ یہ حلت دو طرفہ ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر کتابی کفار تمہیں گوشت وغیرہ کا تحفہ دیں تو قبول کر لو۔ کھاؤ۔ ساتھ تم بھی انہیں ماکولات میں سے ہدیہ دو۔ یعنی تمہارے لئے ان کے ذبحوں کا ہدیہ لینا بھی حلال ہے اور ہمارا ذبیحہ تمہارے لئے حلال۔ یہ مسئلہ عورتوں کی طرح نہیں کہ کتابیوں کی عورتیں مسلمانوں کو حلال۔ مگر مسلمانوں کی عورتیں کتابیوں کے لئے حلال نہیں۔ اس تیسری تفسیر کی بنا پر بعض مفسرین نے فرمایا کہ بعض احکام قرآنیہ کے اہل کتاب بھی **مکلف** ہیں۔ **والمحصنت من المؤمنت** یہ عبارت **الطیبت** پر معطوف ہے اور **احل** کا نائب فاعل **محصنات** کی تفسیریں پانچویں پارہ کی پہلی آیت کی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو **محصنۃ** بنا ہے **احصان** سے جس کا مادہ ہے **حصن** بمعنی قلعہ اور مضبوطی حفاظتی جگہ۔ **احصان** کے معنی ہیں مضبوط حفاظتی قلعہ میں رکھ دینا۔ **محصنۃ** محفوظ کی ہوئی عورت یہ لفظ قرآن کریم میں تین معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نمبر (۱) خاوند والی عورت رب فرماتا ہے۔ **والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت ایمانکم** نمبر (۲) پارسا نیک عورت' نمبر (۳) مومنہ عاقلہ بالغہ پارسا نیک عورت۔ حدیث شریف میں جو رجم میں محصن آیا ہے۔ وہاں مراد ہے......

شادی شدہ مرد و عورت۔ یہاں محصنات سے مراد ہیں پاک دامن عفیفہ عورتیں من تبعیضیہ ہے اور یہ قید ترغیب کے لئے ہے۔ احترازی نہیں۔ یعنی بہتر یہ ہے کہ مسلمان پارسا نیک مومنہ سے نکاح کرے تاکہ اس کی اولاد بھی نیک ہو۔ اگرچہ فاسقہ سے بھی نکاح جائز ہے۔ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتاب من قبلکم** یہ عبارت پہلے **والمحصنٰت** پر معطوف ہے۔ یہاں بھی محصنات سے مراد پاک دامن عفیفہ عورتیں ہیں۔ اس کا مقابل ہے **فاسقات** یعنی بد چلن زانیہ۔ فاحشہ عورتیں۔ خیال رہے کہ زنا کی سزا رجم میں جو محصن آتا ہے۔ وہاں اس سے مراد ہے۔ وہ مسلمان بالغ عاقل جو شادی شدہ ہو اور حلال صحبت کر چکا ہو اور تہمت کی سزا میں جو محصنہ آتا ہے **والذین یرمون المحصنٰت** وہاں محصنہ سے مراد وہ عاقلہ بالغہ مومنہ عورت ہے جو عفیفہ ہو۔ ان دونوں جگہ محصنات میں ایمان کی قید ہے۔ مگر یہاں محصنات سے مراد صرف نیک چلن عورت ہے۔ یہاں ایمان کی قید نہیں۔ صرف پاکدامن مراد ہے۔ غرضیکہ محصنہ کے تین معنی ہیں۔ خاوند والی عورت' اس سے نکاح حرام ہے۔ رب فرماتا ہے **والمحصنٰت من النساء الا ما ملکت**

www.alahazratnetwork.org

ایماندکم عاقلہ' بالغہ' مومنہ عورت' پاکدامن عورت' یہاں تیسرے معنی میں محصنہ ارشاد ہوا ہے۔ حضرت امام شافعی کے ہاں یہاں محصنٰت سے مراد آزاد کتابیہ عورتیں ہیں۔ کیونکہ ان کے ہاں کتابیہ لونڈی سے مسلمان کا نکاح درست نہیں۔ ہمارے ہاں درست ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں محصنات سے مراد مطلقاً کتابی عورت ہے۔ خواہ حربیہ ہو یا ذمیہ۔ بعض صحابہ کے نزدیک ذمیہ کتابیہ مراد ہے۔ ان کے ہاں حربیہ کتابیہ سے مسلمان کا نکاح جائز نہیں (خازن' کبیر روح المعانی' ابن کثیر وغیرہ) یہ من بھی تبعیضیہ ہے اور یہ محصنات بھی ترغیب اور بیان استحباب کے لئے ہے۔ ورنہ فاسقہ کتابیہ سے بھی نکاح درست ہے۔ **اذا اتیتموھن اجورھن** اس کا تعلق دونوں مذکورہ محصنات سے ہے۔ مومنہ ہوں یا کتابیہ اور **اذا** ان کی حلیت کا ظرف ہے **اتیتم** بنا ہے **ایتاء** سے ۔ بمعنی دینا اور دینے سے مراد دے دینا' سپرد کر دینا ہے۔ یا اس کا وعدہ کر لینا۔ **اجور** جمع اجرت کی۔ اس سے مراد یہاں مہر ہے۔ اگر عورت آزاد ہے۔ تو اس کو یا اس کے ولی کو مہر دیا جاوے گا۔ اگر لونڈی ہے تو اس کے مولیٰ کو دیا جاوے گا کہ یہ اس ہی کا حق ہے۔ یہاں مہر دینے کا حق اس کی تاکید کے لئے ہے۔ شرطیت کے لئے نہیں۔ کیونکہ نکاح کا جواز نہ تو مہر مقرر کرنے پر موقوف ہے نہ مہر دے دینے پر۔ اگر بغیر مہر کے بھی نکاح کر لیا گیا۔ تب بھی درست ہے۔ اور مہر مثل واجب ہو گا **محصنین غیر مسفحین** یہ عبارت **اتیتموھن** کے فاعل ضمیر سے حال ہے۔ محصنات میں تو عورتوں کی پاکدامنی کا ذکر تھا۔ اور یہاں مردوں کی پاکدامنی کا ذکر ہے۔ یہاں بھی احصان سے صرف پاکدامنی مراد ہے۔ **غیر مسافحین** اسی **محصنین** کا بیان ہے **مسافحین** بنا ہے **سفاح** سے بمعنی زنا۔ یہاں علانیہ زنا مراد ہے۔ کیونکہ خفیہ زنا کا ذکر تو آگے آ رہا ہے۔ چونکہ ابھی فرمایا گیا تھا **اذا اتیتموھن اجورھن** تو شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید عورت کو صحبت کی اجرت (خرچی) دے کر اس سے صحبت کرنا حلال ہے۔ اسی لئے اس کی تصریح فرما دی گئی کہ وہاں اجور سے مراد مہر ہیں جو کہ نکاح سے واجب ہوتے ہیں۔ یہ خرچی تو خالص حرام ہے اور اس سے صحبت زنا **ولا متخذی اخدان** یہ عبارت **غیر مسافحین** پر معطوف ہے۔ اور اسی کی طرح **اتیتموھن** کے فاعل سے حال۔ **اخدان** جمع ہے **خدن** کی۔ بمعنی دوست و یار۔ مذکر و مونث دونوں پر بولا جاتا ہے۔ یہاں **اخدان** مفعول مضاف الیہ ہے **متخذی** کا اس سے مراد یا تو ان عورتوں سے ناجائز تعلق ہے۔ یا خفیہ زنا یعنی تم نہ تو ان سے علانیہ زنا کرو نہ خفیہ زنا کرو نہ ان سے ناجائز تعلق آشنا جانا رکھو بلکہ نکاح کرو۔ (روح المعانی و خازن) اس میں اشارۃً یہ بھی بتایا گیا۔ کہ اے مردو تم ہو گھر کے راجا حاکم تم پرہیزگار پاکدامن بنو تاکہ تمہارے طور طریقہ دیکھ کر تمہاری بیویاں بچے نیک پاک دامن بنیں۔ پاک دامن رہیں۔ تم ان کے لئے نمونہ ہو۔ اگر تم علانیہ یا خفیہ زنا کرو گے تو تمہارے گھر والے بھی تمہارے نقش قدم پر چلتے ہوئے بدمعاش ہی ہوں گے۔ کما تدین' تدان' (جیسا کرو گے ویسا بھرو گے۔) اگر تم دوسروں کی بیویوں بیٹیوں سے خیانت کرو گے تو دوسرے تمہاری بہو بیٹیوں بیویوں سے خیانت کریں گے۔ جب اس آیت کریمہ کا یہ حصہ نازل ہوا تو اہل کتاب بولے ہم بحکم قرآن کافر نہیں بلکہ مومن ہیں۔ اگر ہم کافر ہوتے تو مسلمانوں کے لئے ہمارا ذبیحہ اور ہماری

www.alahazratnetwork.org

عورتوں سے نکاح حلال نہ ہوتا۔ تب یہ حصہ نازل ہوا **ومن یکفر** الخ (تفسیر احمدی) نیز اندیشہ تھا کہ کتابیہ عورت سے نکاح کرکے اس کی صحبت و محبت سے خود مرتد ہو جائے یا اس عورت سے جو اولاد پیدا ہو وہ ماں کی صحبت سے کافرہ ہو جائے۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **ومن یکفر بالایمان فقد حبط عملہ** یہ نیا جملہ ہے۔ لہذا واؤ ابتدائیہ ہے۔ **من** سے مراد ہے ہر جن و انس۔ کفر، بمعنی انکار ہے۔ اور ایمان سے مراد مومن بہ وہ چیزیں ہیں جن پر ایمان لانا ضروری جیسے توحید و رسالت، کتاب اللہ، حشر و نشر وغیرہ۔ بلکہ حق یہ ہے کہ جو چیز حضور اپنے رب کے پاس سے لائے ان میں سے ہر ایک کا ماننا ایمان ہے۔ فرض، واجب، مستحب، سنت میں فرق۔ صرف عمل میں ہے کہ فرض کا کرنا ضروری ہے۔ مستحب کا کرنا ثواب ہے۔ ضروری نہیں۔ مگر احترام و عقیدت میں سب برابر ہیں۔ حتیٰ کہ سنن زوائد کی توہین بھی کفر ہے۔ نماز فرض ہے۔ **اقیموا الصلوٰۃ** قرض لکھ لینا مستحب **فاکتبوہ** اور احرام سے کھل کر شکار کرنا صرف جائز ہے۔ **واذا حللتم فاصطادوا** مگر ان سب کو برحق ماننا سب کے لئے ضروری ہے۔ **من یکفر بالایمان** سب کو شامل ہے۔ **حبط** بنا ہے **حبط** سے، بمعنی گر جانا، ساقط ہو جانا۔ یہاں، بمعنی ضبط ہو جانا ہے۔ عمل سے مراد سارے نیک اعمال ہیں۔ یعنی جو انسان مرد یا عورت کسی ایمانی چیز کا انکار کرے گا اس کے نیک اعمال ضائع ہو جاویں گے۔ خیال رہے کہ مکروہ کام کرنے سے عبادت کا ثواب کم ہو جاتا ہے۔ حرام کام ریا وغیرہ سے عبادت کا ثواب جاتا رہتا ہے۔ اصل عمل باقی رہتا ہے۔ فرض اسلامی ادا ہو جاتا ہے مگر کفر سے ثواب بھی جاتا رہتا ہے۔ اصل عمل بھی برباد ہو جاتا ہے۔ یہ ہے حبط عمل۔ شیطان کے تمام رکوع و سجود اصل سے ہی برباد ہو گئے۔ اس کے برعکس مستحب کام سے عبادت کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ مسواک وضو اور عمامہ سے نماز کا ثواب ستر گنا ہے۔ ادب و احترام سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ایمان لانے سے کفر کے زمانہ کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور بعض اچھے عمل سے گناہ نیکیاں بن جاتے ہیں۔ **فاولئک یبدل اللہ سیاٰتھم حسنٰت** حبط۔ ضبط اور عفو کا یہ فرق خوب یاد رہے۔ یا اے مسلمان! تو اس کتابیہ کی محبت و صحبت میں نہ تو خود کافر ہو جانا۔ نہ اپنی اولاد کو کافر ہونے دینا۔ ورنہ تیرے سارے اعمال برباد ہو جاویں گے۔ بلکہ کوشش کرنا کہ وہ کتابیہ تیری صحبت سے مسلمان ہو جائے **وھو فی الاخرۃ من الخاسرین**۔ یہ جملہ فقط **حبط عملہ** پر معطوف ہے۔ اس میں کفر کے دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ **ھو** کا مرجع **من یکفر** کا من ہے۔ آخرت سے مراد برزخ و حشر دونوں مقام ہیں۔ **خاسرین** بنا ہے **خسارۃ** سے۔ خسارہ وہ نقصان ہے جس میں ساری ہی کمائی ضائع ہو جائے۔ یہ دونوں سزائیں یعنی ضبطی اعمال اور آخرت میں خسارہ اس صورت میں ہے کہ کافر کفر پر مرجائے۔ اگر مرتے مرتے توبہ کرکے مسلمان ہو گیا تو دونوں سزاؤں سے بچ جائے گا۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو آج یعنی اسلام کی تشریف آوری پر یا آیت کریمہ کے نزول کے دن تمام پاکیزہ و ستھری چیزیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں۔ اس طرح کہ حرام چیزوں کی تفصیل بیان کر دی گئی۔ ان کے علاوہ تمام چیزیں جو شریعت

www.alahazratnetwork.org

میں حرام نہ کی گئی ہوں۔ وہ حلال قرار دی گئیں۔ اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے ذبیحہ تمہارے لئے حلال کئے گئے اور تمہارے ذبیحے اہل کتاب کے لئے حلال کئے گئے یا تو ان کی کتابوں میں یا قرآن مجید میں اس آیت سے یونہی اے مسلمانو مومنہ عورتیں، جو پاکدامن عفیفہ ہوں وہ بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور کتابیہ پاکدامن عفیفہ عورتیں..... تمہارے لئے حلال۔ جب کہ تم ان کے طے شدہ مہر ادا کر دو کہ انہیں نکاح سے استعمال کرو نہ تو علانیہ طور سے ان کے ساتھ زنا کرو نہ ان کے ساتھ خفیہ طریقہ سے یارانہ گانٹھو۔ خیال رکھو کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح تو کر سکتے ہو۔ مگر ان کی محبت ان کی محبت میں گرفتار ہو کر اپنے آپ کو یا اپنی اولاد کو کافر نہ ہونے دینا۔ ان کی صحبت میں کسی اسلامی ایمانی عقیدے کا انکار نہ کرنا۔ کیونکہ جو شخص کسی اسلامی عقیدے سے انکار کر دے تو اس کے سارے نیک اعمال ضبط ہو جاتے ہیں اور آخرت میں وہ بہت ہی خسارہ میں رہتا ہے۔ اس لئے کفر سے اپنے کو اور اپنی اولاد کو بچائے رہنا۔

نوٹ ضروری اہل کتاب کے ذبیحہ اور ان کی عورتوں کے نکاح کرنے کے متعلق علمائے اسلام کے چند قول ہیں۔ چنانچہ ان کے ذبیحہ کے متعلق چار قول ہیں **ایک** یہ کہ عربی بنی تغلب کتابیوں کا ذبیحہ حرام ہے۔ اور باقی اہل کتاب کا ذبیحہ حلال یہ قول سیدنا علی مرتضیٰ کا ہے۔ **دوسرے** یہ کہ اہل کتاب کا ذبیحہ مطلقاً حلال ہے۔ خواہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں یا کسی اور کے نام پر جیسے حضرت مسیح یا حضرت مریم یا حضرت عزیر کے نام پر۔ یہ قول امام **شعبی** اور عطاء کا ہے۔ **تیسرے** یہ کہ کتابیوں کا ذبیحہ مطلقاً حرام ہے۔ خواہ اللہ کے نام پر ذبح کریں یا کسی اور کے نام پر یہ مذہب روافض کا ہے ان کے ہاں اس آیت میں طعام سے مراد دانہ، غلہ وغیرہ ہیں۔ نہ کہ ذبیحہ۔ **چوتھے** یہ کہ سارے کتابیوں کا ذبیحہ حلال ہے۔ اگر وہ اللہ کے نام پر ذبح کریں۔ اور اگر..... غیر خدا کے نام پر ذبح کریں یا بغیر کچھ پڑھے ذبح کریں تو حرام ہے۔ یہ قول عام علمائے دین کا ہے یہی احناف کا قول ہے۔ اسی طرح کتابیہ عورتوں کے ساتھ نکاح کے متعلق چار اقوال ہیں۔ **ایک** یہ کہ کسی کتابیہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست نہیں خواہ ذمیہ ہو یا حربیہ۔ آزاد ہو یا لونڈی یہ قول سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ہے۔ ان کے نزدیک یہ آیت منسوخ ہے۔ اس کی ناسخ وہ آیت ہے **ولا تنکحوا المشرکات حتی یومن** وہ فرماتے ہیں کہ کتابی ڈبل مشرک ہے کیونکہ عام مشرک تو خدا کا شریک مانتے ہیں۔ یہ خدا کا شریک بھی مانتے ہیں اور اس کا بیٹا' بیٹی' بیوی بھی' وہاں فقط شرک ہے۔ یہاں شرک بھی ہے۔ نسبی و سسرالی رشتہ بھی۔ (نعوذ باللہ) حضرت عطاء کہتے ہیں کہ یہ آیت اس وقت کی ہے جب مسلمان عورتیں کم تھیں۔ تب کتابیہ عورتیں حلال کر دی گئی تھیں۔ جب مسلمان عورتیں کثرت سے ہو گئیں۔ یہ حکم ختم ہو گیا۔ کیونکہ کفار سے محبت بحکم قرآن حرام ہے۔ اور بیوی محبوبہ بھی ہوتی ہے۔ اور مشیر بھی۔ اس لئے کتابیہ سے نکاح حرام ہے۔ **دوسرے** یہ کہ ذمیہ کتابیہ سے نکاح حلال ہے۔ حربیہ کتابیہ سے حرام۔ **تیسرے** یہ کہ آزاد کتابیہ سے نکاح حلال ہے لونڈی کتابیہ سے نکاح حرام یہ قول امام شافعی کا ہے۔ ان کے یہاں محصنات سے مراد آزاد کتابیہ ہیں **چوتھے** یہ کہ مطلقاً کتابیہ عورتوں سے نکاح حلال ہے۔ آزاد ہوں یا لونڈی' ذمیہ ہوں یا حربیہ' عفیفہ ہوں یا

www.alahazratnetwork.org

فاسقہ یہی قول ہے عام علماء اسلام کا یہی ہمارا احناف کا مذہب ہے (تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی وغیرہ) امام اعظم کا قول نہایت قوی ہے کیونکہ یہ پوری آیت محکم ہے۔ منسوخ نہیں۔ کسی آیت کو بغیر دلیل منسوخ نہیں کہہ سکتے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کا ذبیحہ گوشت قبول فرمایا ہے۔ کھایا ہے۔ خیبر میں ایک یہودیہ نے جس کا نام زینب تھا۔ زہر آلود گوشت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا۔ حضور انور اور حضرت بشیر صحابی نے وہ گوشت کھایا۔ بشیر تو وفات پا گئے۔ حضور انور کو تکلیف ہوئی۔ نیز ایک یہودی نے حضور انور کی دعوت کی جس میں اپنا ذبیحہ گوشت کھلایا۔ غزوہ خیبر میں چربی کا ایک تھیلہ یہود نے اپنے قلعہ سے پھینکا۔ ایک صحابی نے اٹھالیا اور فرمایا اسے میں کھاؤں گا۔ کسی کو نہ دوں گا۔ حضور انور نے ان کو یہ کرتے دیکھا۔ تبسم فرمایا منع نہ فرمایا۔ اسی طرح بہت صحابہ نے یہودیہ۔ نصرانیہ عورتوں سے نکاح کئے ہیں حضور انور کی وفات کے بعد (تفسیر ابن کثیر) حتیٰ کہ حضرت عثمان نے نائلہ بنت قرافصہ عیسائی سے نکاح کیا اور حضرت طلحہ ابن عبید اللہ نے ایک یہودیہ سے نکاح کیا (تفسیر خازن) بہرحال مذہب احناف نہایت قوی ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ کتابیہ عورت سے نکاح درست ہے مگر وہ مسلمان جو اپنے ایمان اور دیگر احتیاطوں پر قابو نہ رکھتا ہو وہ ہرگز ہرگز کتابیہ سے نکاح نہ کرے۔ اس نکاح میں چار باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اولاً یہ کہ اپنا ایمان بچا سکے اس کی صحبت سے خود عیسائی یہودی نہ بن جائے۔ دوسرے یہ کہ اپنے بچوں گھر والوں کو بھی کفر سے بچا سکے۔ ایمان پر قائم رکھ سکے۔ تیسرے یہ کہ اس کتابیہ سے دلی محبت اس کی طرف میلان پیدا نہ ہو۔ رب فرماتا ہے **ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار** چوتھے یہ کہ اس کتابیہ کو اپنا اپنی قوم اپنے ملک کا راز دار نہ بنائے۔ جس سے وہ ہم کو نقصان پہنچا سکے۔ جو شخص اتنی احتیاطیں کر سکے وہ اس نکاح کی جرأت کرے ورنہ یہ نکاح اسے دین' ایمان' قوم بلکہ ملک کے لئے زہر قاتل ہو گا۔ **ضروری ہدایت** آج کل عام انگریز اور میمیں دہریہ ہو چکے ہیں۔ عیسائیت پر قائم نہیں رہے۔ ان سے نکاح حرام ہے۔ وہ اہل کتاب نہیں' وہ صرف قومی لحاظ سے اپنے کو عیسائی یا یہودی کہتے ہیں۔ گرجے میں جاتے ہیں۔ غرض کہ اس نکاح میں بڑی ہی احتیاط کی جائے اندھادھند نہ کیا جائے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اسلامی قانون یہ ہے کہ جو چیز شریعت نے حرام نہ کی ہو۔ وہ حلال ہے یعنی حرام ہونے کے لئے دلیل کی ضرورت ہے مگر حلال ہونے کے لئے کسی خاص دلیل کی ضرورت نہیں۔ دلیل حرمت نہ ہونا حلت کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ **احل لکم الطیبات** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حرام کی تفصیل فرمائی۔ مگر حلال چیزوں کی تفصیل نہ کی۔ صرف طیبات فرما کر اجمالی ذکر فرما دیا۔ یعنی جو چیز شریعت میں حرام نہ کی گئی ہو وہ طیب ہے۔ اور ہر طیب چیز حلال ہے۔ **دوسرا فائدہ** اسلام بہت مکمل دین ہے۔ اس میں تمام طیب چیزیں حلال ہیں اور تمام خبیث چیزیں حرام۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو طیب ہو مگر حلال نہ ہو۔ یونہی ایسی کوئی چیز نہیں جو خبیث ہو اور حرام نہ ہو۔ یہ فائدہ **الطیبات** کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ پچھلے دینوں میں بہت سی طیب چیزیں حرام تھیں۔ رب تعالیٰ فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ **فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم طیبٰت احلت لھم** تیسرا فائدہ ہر کتابی کا ذبیحہ حلال ہے خواہ وہ عربی ہو یا عجمی۔ آزاد ہو یا غلام یہ فائدہ **طعام الذین اوتوا الکتٰب** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ مگر خیال رہے کہ ذبیحہ ہو محض مارا ہوا نہ ہو۔ یعنی (کتابی) اسے اللہ کے نام پر ذبح کرے **چوتھا فائدہ** کفار کا ہدیہ لینا انہیں ہدیہ دینا جائز ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ ہمارے پڑوسی یا رشتہ دار ہوں۔ جیسا کہ **وطعامکم حل لھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ ہم ابھی خلاصہ تفسیر میں عرض کر چکے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیے ان کی دعوت قبول فرمائیں۔ مگر خیال رہے کہ یہ ہدیے اور دعوتیں ان سے محبت اور کفر کی طرف میلان کی وجہ سے نہ ہوں۔ ادائے حقوق کے ہدیے تبلیغ کے ہدیے۔ اخلاق اسلامی کے اظہار کے ہدیے ان کافرین دین کفار سے جائز ہے۔ کافر پڑوسی۔ کافر ماں باپ کافر عزیزوں کے حق ادا کرو۔ اجنبی کفار کو ہدیے دینا تبلیغ اسلام کے لئے جائز ہیں۔ مگر محبت و پیار کے ہدیے۔ رشوت کے ہدیے۔ ذلت کے ہدیے۔ ان کافرین دین کفار سے ہرگز جائز نہیں۔ ہدیوں کے اقسام و احکام خیال رکھنے چاہئیں۔ **پانچواں فائدہ** کتابیہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح حلال ہے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا لونڈی ہو ذمیہ ہو یا حربیہ۔ یہ فائدہ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ مگر ذبیحہ اور نکاح کی حلت مذہبی کتابوں کے لئے ہے۔ جو عیسائیت یا یہودیت پر قائم ہوں۔ بعض میمیں قادیانی یا بہائی مذہب رکھتی ہیں ان سے نکاح حرام ہے کہ وہ مرتد ہیں عیسائی نہیں یوں ہی جو مسلمان عیسائی ہو جائے اس سے نکاح حرام ہے۔ کہ وہ مرتد ہے عیسائی نہیں اور مرتد سے نکاح حرام ہے۔ کہ وہ مرتد ہیں عیسائی نہیں۔ یونہی جو مسلمان عیسائی ہو جائے اس سے نکاح حرام ہے۔ اولاد حرامی ہو گی۔ **چھٹا فائدہ** بہتر یہ ہے کہ پاک دامن' صالحہ' نیک عورت سے نکاح کیا جائے۔ کہ بیوی ہمارے بچوں کی کان ہے۔ خراب کان سے اچھا لوہا کیسے نکل سکتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔ **شعر:**

☆ بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں ☆ معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں ☆

یہ فائدہ **المحصنٰت** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** متعہ حرام ہے۔ کیونکہ اس میں احصان یعنی پاکدامنی نہیں یہ محض سفاح یعنی شہوت رانی اور عیاشی ہے۔ اسی لئے متاعی عورت بیوی نہیں ہوتی نہ اسے فوت شدہ خاوند کی میراث ملے اگر خاوند مدت متاع میں فوت ہو جاوے۔ نیز متاعی بیوی کے لئے کوئی حد نہیں جتنی چاہو کر لو۔ اگر وہ بیوی ہوتی تو چار سے زیادہ حلال نہ ہوتیں۔ اس کی بحث ہم پچھلے پاروں میں کر چکے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** جسے کتابیہ عورت سے نکاح کرنے میں اپنے یا اپنی اولاد کے کافر ہو جانے کا اندیشہ ہو اس کے لئے یہ نکاح حلال نہیں یہ فائدہ **ومن یکفر بالایمان** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** کافر کی نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ گناہ قائم رہتے ہیں یہ فائدہ **فقد حبط عملہ** سے حاصل ہوا۔ **حبط** کہتے ہیں نیکیاں ضبط ہونے کو۔ گناہ ختم ہونے کا نام حبط نہیں بلکہ معافی ہے۔ **دسواں فائدہ** مسلمان عورت کا نکاح کتابی یا کسی کافر مرد سے حرام ہے۔ یہ فائدہ **والمحصنٰت** جمع مونث فرمانے

www.alahazratnetwork.org

سے حاصل ہوا۔ گیارھواں فائدہ نکاح میں مہر یقیناً لازم ہے۔ خواہ اس کا ذکر ہو یا نہ ہو اور اگر ذکر ہو تو مقرر کردہ مہر لازم ہوگا۔ اگر نہ ہو تو مہر مثل دینا ہوگا۔ جیسا کہ کتاب فقہ میں مذکور ہے۔ یہ فائدہ **اذا اتیتموھن اجورھن** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ نکاح کے لئے مہر لازم ہے۔ نہ کہ ذکر مہر۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں **طعام الذین اوتو الکتب** میں طعام سے مراد ذبیحہ نہیں۔ بلکہ عام کھانے پینے کی خشک چیزیں ہیں۔ کتابیوں کا ذبیحہ تو حرام ہے (شیعہ) **جواب** یہ غلط ہے۔ کیونکہ دانہ غلہ وغیرہ تو تمام کفار مشرکین سے حاصل کیا ہوا حلال ہے۔ پھر اہل کتاب کی قید لگائی گئی۔ اہل کتاب کا ذبیحہ بھی حلال ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ اور عبداللہ ابن عباس کا یہی مذہب ہے۔ ہاں حضرت علی عرب کے عیسائیوں بنی تغلب کا ذبیحہ حرام فرماتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ درحقیقت عیسائی ہی نہیں۔ بجز شراب خوری کے اور کوئی کام عیسائیوں کا سا نہیں کرتے۔ **دوسرا اعتراض** جب کفار سے ہدیے کا لین دین جائز ہے تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس کے ہدیہ نہایت حقارت سے کیوں واپس کر دیئے یہ بھی تو خلاف اخلاق ہے۔ **جواب** یا اس لئے واپس کر دیئے کہ ملکہ بلقیس نے بطور امتحان یہ ہدیے بھیجے تھے کہ اگر حضرت سلیمان سچے نبی ہیں تو میرے ہدیے قبول نہ کریں گے اور اگر آپ صرف بادشاہ ہیں تو قبول کرلیں گے۔ اس لئے واپس فرما دیئے یا وہ ہدیے نہ تھے بلکہ بطور رشوت تھے تاکہ آپ یہ ہدیے لے کر سبا شہر یا ملک یمن پر حملہ نہ کریں۔ لہٰذا واپس کر دیئے گئے۔ حکام کو ہدیے رشوت ہوتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض** اگر کافر ماں باپ کافر بہن بھائیوں کو ہدیے تحفے لینے دیئے جائیں تو جناب ام حبیبہ نے اپنے مہمان باپ ابو سفیان کو اپنے بستر سے کیوں اٹھا دیا۔ ان کی خاطر کیوں نہ کی۔ **جواب** اس لئے کہ اس وقت ابو سفیان بظاہر مہمان تھے۔ درپردہ جاسوس تھے۔ وہ اپنی بیٹی ام حبیبہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادے معلوم کرنے آئے تھے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ میں "**الیوم**" کیوں ارشاد ہوا۔ کیا اس دن سے پہلے طیبات حرام تھیں۔ **جواب** ابھی تفسیر میں اس کے دو جواب عرض کئے گئے۔ ایک یہ "الیوم" سے مراد اسلام کے دنیا میں تشریف لانے کا زمانہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اسلام سے پہلے دوسرے دینوں میں طیب چیزیں حرام تھیں۔ اسلام میں حلال ہوئیں۔ دوسرے یہ کہ الیوم سے مراد اس آیت کے نزول کا دن ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ آج سے پہلے اسلام میں ضرورۃً بعض خبیث چیزیں حلال تھیں۔ جیسے شراب۔ اور بعض طیب چیزیں حرام تھیں جیسے اپنے مورثوں کا ورثہ وغیرہ مگر یہ عارضی احکام تھے۔ آج تمام طیب چیزیں حلال کر دی گئیں اور خبیث چیزیں حرام۔ **پانچواں اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ کتابیہ عورتوں سے نکاح درست ہے اور مسلمان عورت کا کتابی مردوں سے نکاح حرام۔ ذبیحہ کی طرح یہ حلت دو طرفہ کیوں نہیں ہوئی۔ **جواب** چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ خاوند حاکم ہے۔ بیوی محکوم **الرجال قومون علی النساء** مسلمان کا کافر کے محکوم بننا اسلام کی توہین ہے۔ دوسرے یہ کہ اولاد باپ کی ہوتی ہے۔ اگر خاوند کافر ہو بیوی مسلمان تو اولاد کافر ماننا پڑے گی۔ یہ بھی شان اسلام کے خلاف ہے۔ تیسرے یہ کہ اکثر عورت خاوند کے دین پر آجاتی ہے۔ خاوند عورت

www.alahazratnetwork.org

کے دین پر کم آتا ہے۔ اگر خاوند کافر بیوی مسلمان ہو تو عورت کا مسلمان رہنا مشکل ہو جاوے گا۔ خاوند اپنے گھر ہو کفریہ رسوم بیوی سے کرائے گا۔ اسے کرنا پڑیں گی۔ اس لئے اس کے دین کا خطرہ ہے۔ بیوی خادمہ خاوند مخدوم ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں **المحصنٰت** سے مراد پاک دامنی نہیں بلکہ آزاد کتابیہ عورتیں ہیں۔ کتابیہ لونڈی سے نکاح جائز نہیں اس لئے کہ تم بھی کہتے ہو کہ فاسقہ کتابیہ سے نکاح حلال ہے۔ اگر محصنات سے مراد پاک دامنی ہے تو یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے۔ نیز یہاں ارشاد ہوا کہ تم ان بیویوں کو ان کا مہر دو حالانکہ لونڈی کا مہر اس کو نہیں ملتا بلکہ اس کے مولا کو ملتا ہے۔ ان وجوہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ **والمحصنٰت من الذین اوتوا الکتب** میں محصنات سے مراد آزاد عورتیں ہیں نہ کہ پاک دامن (تفسیر کبیر) امام فخر الدین رازی نے نہایت اہتمام سے یہ دلائل مذہب شافعی کی تائید میں بیان فرمائے **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں **المحصنات** دو جگہ ارشاد ہوا ہے۔ ایک تو **المحصنٰت من المومنٰت** دوسرا **المحصنٰت من الذین اوتوا الکتٰب** اگر آپ دوسرے محصنات کو آزاد عورت کے معنی میں لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ کتابیہ لونڈی سے نکاح حرام ہے۔ تو چاہیے کہ پہلے محصنات کو بھی آزاد مومنہ کے معنی میں لیں اور فرمادیں کہ مسلمان لونڈی سے بھی نکاح مطلقاً حرام ہے۔ حالانکہ مومنہ لونڈی سے آپ بھی نکاح جائز مانتے ہیں۔ لہذا جیسے پہلا محصنات۔ بمعنی پارسا ہے ایسے ہی یہ محصنات بھی۔ بمعنی پارسا ہونا چاہیے۔ نیز آپ بھی فرماتے ہیں کہ مومنہ لونڈی کا مہر اس کے مولیٰ کو دیا جائے گا۔ حالانکہ یہاں ارشاد ہوا **اذا اتیتموهن اجورهن** لہذا یہ آیت آپ شوافع کے بھی خلاف ہے۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ یہاں دونوں جگہ محصنات سے مراد پاک دامن عورت ہی ہے۔ مگر یہ قید ترغیب کے لئے ہے۔ کہ اگرچہ نیک اور فاسقہ دونوں سے نکاح حلال ہے۔ مگر پارسا نیک صالحہ سے نکاح کرنا بدرجہ اتم موجود ہے یعنی مستحب ہے۔ اور قید استحباب کے لئے ہے۔ ایسی مثالیں قرآن کریم میں بہت ہیں جہاں استحباب کے لئے قیدیں لگائی گئیں اور چونکہ لونڈی خود اپنے مولیٰ کی ملک ہے لہذا مولیٰ کو اس کا مہر دینا گویا لونڈی کو ہی دینا ہے۔ بہر حال نہایت قوی یہ ہی ہے کہ یہاں دونوں جگہ محصنات۔ بمعنی پارسا ہے۔ **ساتواں اعتراض** جب کتابیہ عورت سے نکاح بہت خطرناک ہے تو اس کی اجازت ہی کیوں دی گئی۔ **جواب** یہ خطرناک بھی ہے۔ اور فائدہ مند بھی۔ امید ہے کہ کتابیہ عورت ہماری صحبت سے مسلمان ہو جاوے۔ اس کے پیٹ کی اولاد ساری مسلمان ہو گی اس نکاح کے ذریعہ اس کے میکہ والے عیسائی ہم سے قریب ہو جاویں گے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ نکاح ان کے اسلام لانے کا ذریعہ بن جاوے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے ہم سے پہلے ہی کچھ قریب ہیں۔ غرض کہ یہ نکاح وہ کرے جو اپنے کو ان کے شر سے بچا سکے۔ انہیں اپنی خیر دے سکے۔ ثقیل غذائیں وہ کھائے جس کا معدہ قوی ہو۔ کہ وہ اگرچہ بادی اور دیر ہضم ہوتی ہے مگر قوت باہ وغیرہ فوائد بھی دیتی ہیں۔ لہذا کمزور معدہ والا نہ کھائے **آٹھواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ بغیر مہر دیئے ہوئے بیوی حلال نہیں ہوتی کیونکہ یہاں **احل** کو مقید فرمایا مہر دینے سے حلال فقہا فرماتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں کہ بغیر مہر دیئے بلکہ بغیر مہر مقرر کئے بھی نکاح درست ہے۔ بیوی حلال ہے وہ مسئلہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں دینا عام ہے حقیقتاً دے دینا یا حکماً" دینا یعنی اپنے ذمہ لازم کر لینا اور واقعی نکاح سے مہر لازم ہو جاتا ہے۔ خواہ مقرر کرے یا نہ کرے ورنہ یہ آیت دوسری آیات اور بہت احادیث کے خلاف ہو گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان تبتغوا باموالکم** دیکھو اس آیت میں مال دینے کی قید نہیں بلکہ تلاش بالمال فرمایا گیا۔ شعیب علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو بی بی صفورا کے نکاح کا پیغام دیا۔ مگر ان سے مہر طلب نہ فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے کہا۔ **ارید ان انکحک احدی ابنتی ھتین علی ان تاجرنی ثمانی حجج** یہاں مہر کا ذکر فرمانا اس کی اہمیت دکھانے کے لئے ہے کہ یہ خاوند کے ذمہ لازم و ضروری ہے **نواں اعتراض** قرآن کریم میں نکاح سے متعلق صرف مردوں سے خطاب کیوں ہوتا ہے کہ تم پر فلاں فلاں عورتیں حرام ہیں فلاں فلاں حلال۔ عورتوں سے خطاب کیوں نہیں ہوتا۔ کہ تم پر فلاں فلاں مرد حلال ہیں فلاں فلاں حرام۔ نکاح کا تعلق تو عورتوں مردوں دونوں سے ہے۔ **جواب** اس لئے کہ یہ عورت نعمت ہے دولت ہے۔ مرد نعمت والا دولت والا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جنت کی نعمتوں میں وہاں کے پھل، پھول، دودھ، شہد کے ساتھ پاک بیویوں کا ذکر بھی فرمایا اور حلال و حرام نعمت کی صفت ہے نعمت حلال یا حرام ہوتی ہے۔ اور نعمت والے پر حلال یا حرام ہوتی ہے۔ گائے بکری ہم پر حلال ہے ہم گائے بکری پر حلال نہیں۔

تفسیر صوفیانہ اے راہ خدا کے مسافرو اے حقیقت والو ازل میں جب کہ تمہارے لئے یہ کمال لکھا گیا تھا اس دن سے تمہارے لئے طیب چیزیں یعنی دین و دنیا کی سعادت کے اسباب اخلاق الٰہیہ سے موصوف ہونا حلال کر دیا گیا تھا۔ تمہارے مقدر میں لکھ دیا گیا تھا کہ تم ان خوبیوں سے موصوف ہو گے۔ نیز تمہارے لئے کتاب والوں یعنی نبیوں کی غذائیں جو انہوں نے شریعت و طریقت کے دودھ نبوت و ولایت کے پستانوں سے تمہارے لئے حلال کر دیں۔ تمہارے مقدر میں لکھ دیں اور تمہاری غذائیں جو تم نے ولایت کے پستانوں سے لی ہیں ان حضرات کے لئے حلال تھیں کہ تم نے جو معرفت الٰہی شیر خالص ولادت کے پستانوں سے چوسا ہے انہوں نے وہی دودھ نبوت و ولایت دونوں پستانوں سے چوسا۔ دودھ ایک ہے پستان دو۔ نیز تمہارے لئے مومنہ محصنہ یعنی قرآن کریم کے وہ حقائق جو دوسروں سے مخفی ہیں وہ بھی حلال ہے اور پچھلی آسمانی کتابوں کے وہ حقائق و معارف جو گزشتہ اہل کتاب نبیوں کو عطا ہوئیں حلال کی گئیں تمہارے مقدر میں کی گئیں۔ مگر چاہیے کہ تم ان حقائق و معارف کو ان کا مہر دو۔ ان کا مہر ترک وجود ہے۔ اپنے وجود کو فنافی الذات کر دو اس میں محسن رہو کہ ترک وجود مشائخ واصلین کے ذریعہ کرو۔ مسافحین نہ بنو۔ یعنی نفس کے لئے ترک وجود نہ ہو نہ کسی اور ماسویٰ اللہ کے لئے کہ یہ اخدان میں داخل ہے۔ لطف یہ ہے کہ وہ ہی ساقی ہو۔ وہ ہی مشرب۔ وہ ہی شراب۔ جو کوئی مومن بن کر کافر ہو جاوے یعنی اس راستہ پر پڑ کر ہٹ جاوے۔ اس کی ساری کوششیں بیکار گئیں۔ اور آخرت میں وہ پورے نقصان میں رہا۔

(روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے جب اٹھو تم طرف نماز کے تو دھولو تم منہ اپنے اور ہاتھ اپنے کہنیوں
اے ایمان والو جب نماز کو کھڑے ہونا چاہو تو اپنا منہ دھوؤ اور کہنیوں تک
اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ؕ
تک اور مسح کرو تم سروں کا اپنے اور دھوؤ پاؤں اپنے ٹخنوں تک
ہاتھ اور سروں کا مسح کرو اور گٹھنوں تک پاؤں دھوؤ
وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ؕ
اور اگر ہو تم بے غسلے تو خوب پاک ہوؤ
اور اگر تمہیں نہانے کی حاجت ہو تو خوب ستھرے ہو لو

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو شکار کے مسائل بتائے گئے۔ شکاری آدمی کبھی شکار کے شوق میں نماز و وضو وغیرہ عبادات سے غافل ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اب وضو غسل و تیمم کے مسائل بیان فرمائے جارہے ہیں تاکہ مسلمان شکار کی وجہ سے نماز و طہارت سے غافل نہ ہو جائیں۔ گویا مشاغل کے بعد نماز کے مسائل کا ذکر فرمایا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کتابیہ عورتوں سے نکاح کی اجازت دی گئی۔ چونکہ خطرہ تھا کہ غافل مسلمان کتابیہ عورتوں کی صحبت میں کفر اختیار نہ کرلیں یا ان کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے ماں کی صحبت سے کافر نہ ہو جائیں۔ اس لئے ارشاد ہوا تھا۔ **ومن یکفر بالایمان الخ** اب وہ عمل بتایا جارہا ہے جو ان کے ایمان کی حفاظت کرے انہیں کفر سے بچائے یعنی نماز اور طہارت' وضو' غسل وغیرہ نماز کی پابندی ایمان کو پختہ کرتی ہے۔ اور جسم کی پاکی دل کو پاک رکھتی ہے گویا کفر سے ڈرایا دھمکایا تھا پہلے اور اب اس سے بچنے کا ذریعہ بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** سورت کے شروع میں حکم دیا گیا تھا۔ **اوفوا بالعقود** عہد و پیمان پورے کرو۔ عہد دو قسم کے ہیں بندے کے اللہ تعالیٰ سے عہد اور بندے کے بندے سے عہد۔ پہلے عہد کو معاملات کہتے ہیں دوسرے قسم کے عہد کو عبادات۔ اب تک معاملات کا ذکر تھا۔ کھانا پینا نکاح وغیرہ اب عبادات کے عہد کا ذکر ہے۔ عبادات میں سے بڑی عبادت نماز ہے اور نماز کی چابی طہارت ہے۔ اس لئے اب اس کے احکام دیئے گئے۔ (تفسیر کبیر) **چوتھا تعلق** انسان کے اندر حیوانی صفات بھی چھپے ہیں۔ بھوک پیاس شہوت غصہ وغیرہ اور ملکی (فرشتوں کے) صفات بھی معرفت الٰہی اطاعت الٰہی۔ قرب الٰہی کی قابلیت پچھلی آیتوں میں کھانے پینے اور نکاح کا حکم دیا گیا تھا تاکہ انسان ان چیزوں میں آزاد نہ ہو جائے۔ جانوروں کی طرح انہیں استعمال نہ کرے کہ جو چاہا کھا پی لیا۔ جس مادہ سے چاہا صحبت کرلی۔ ان احکام کا تعلق اس کی حیوانیت سے تھا۔ اب عبادات

www.alahazratnetwork.org

یعنی نماز و وضو کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق انسان کی ملکیت سے ہے گویا ایک صفت کی تکمیل کے بعد اب دوسری صفت کی تکمیل فرمائی جارہی ہے۔ پانچواں فائدہ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو علانیہ اور خفیہ زنا سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا کہ فرمایا **محصنين غير مسافحين ولا متخذى اخدان** اب اس نماز و وضو کا حکم دیا جارہا ہے۔ جو زنا بلکہ تمام گناہوں سے انسان کو بچاتی ہے۔ **ان الصلوة تنهى عن الفحشاء والمنكر** گویا زنا سے بچنے کے حکم کے بعد زنا سے محفوظ رکھنے والے حفاظتی قلعہ یعنی نماز و طہارت کی طرف اب رہبری کی جارہی ہے۔

تفسیر **يايها الذين امنوا** چونکہ وضو و غسل نہایت اہم چیزیں ہیں کہ یہ نماز کی چابیاں ہیں اسی سے جسم پاک ہوتا ہے۔ اور جسم کی پاکی کے ذریعہ دل و روح پاک ہوتے ہیں۔ نیز یہ طہارت نفس پر گراں ہے۔ سردی گرمی میں اس سے کلفت بہت ہوتی ہے۔ اسی لئے اس حکم سے پہلے مسلمانوں کو **الذين امنوا** سے خطاب فرمایا گیا۔ پھر حکم سنایا گیا۔ مریض کو ٹیکہ لگا کر بیہوش کرتے ہیں۔ پھر آپریشن کرتے ہیں یہاں **الذين امنوا** سے خطاب فرمایا گیا۔ پھر حکم سنایا گیا۔ فرشتے اس سے خارج ہیں۔ کیونکہ ان پر وضو فرض نہیں کہ ان کے لئے وضو توڑنے والی چیزیں نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے ہی طہارت وضو و غسل کے پابند تھے۔ نیز احکام وضو میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے مسلمانوں سے ممتاز ہیں۔ مسلمان سو کر اٹھیں تو ان پر وضو فرض ہے۔ حضور سو کر اٹھیں تو وضو فرض نہیں۔ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔ لہٰذا **اذا قمتم الى الصلوة** کے ایک معنی حضور کے حق میں جاری نہیں جیسا کہ ابھی عرض کیا جائے گا **اذا قمتم الى الصلوة** اذا ظرفیہ ہے۔ جس میں شرط کے معنی ملحوظ ہیں۔ یہاں قیام سے مراد یا تو نماز کا قیام ہے جو نماز میں فرض ہے تو اس سے مراد ہے ارادہ قیام جیسے قرآن میں ہے۔ **واذا قرات القران فاستعذ بالله** جب تم قرآن پڑھو تو **اعوذ بالله** پڑھ لو۔ یعنی قرآن پڑھنے لگو۔ ایسے ہی یہاں ہے۔ کہ جب تم نماز میں کھڑے ہونے لگو۔ اور یا قیام نماز سے مراد ہے نماز کے لئے اٹھنا۔ گھر یا دوکان یا آرام گاہ سے نماز کو چلنا یہ ہی ظاہر ہے۔ کیونکہ یہاں فرمایا گیا۔ **الى الصلوة** اگر نماز کا قیام مراد ہوتا تو **فى الصلوة** ہوتا نہ کہ **الى الصلوة** ان صورتوں میں ایک قید لگانی پڑے گی کہ جب تم نماز کے لئے چلو اور بے وضو ہو کیونکہ وضو کرنا بے وضو پر فرض ہے۔ باوضو پر نہیں۔ یا **فاغسلوا** کا امر استحبابی ہو۔ کیونکہ جس کا پچھلا وضو ہو اسے بھی نماز کے لئے وضو کرلینا مستحب ہے۔ داؤد ظاہری کے نزدیک ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے خواہ انسان بے وضو ہو یا باوضو اس کی دلیل یہی آیت ہے (تفسیر کبیر) بعض مفسرین نے کہا کہ ابتداء ہر نماز کے لئے وضو فرض تھا بعد میں ایک وضو سے چند نمازیں جائز ہوئیں۔ یہ آیت کریمہ اسی وقت کی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **قمتم** سے مراد سو کر اٹھنا ہے۔ یعنی جب تم سو کر نماز کی طرف چلو۔ اس صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے خارج ہوں گے۔ کیونکہ حضور کی نیند وضو نہیں توڑتی۔ چونکہ یہاں قیام سے مراد نماز کے لئے اٹھ کر جانا ہے اس لئے اس کے بعد الی لایا گیا۔ صلوٰۃ سے مراد فرض، نفل، واجب ہر نماز ہے کہ نماز پنج گانہ، نماز عید، نماز نفل سب کے لئے وضو

www.alahazratnetwork.org

فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر وضو جائز نہیں۔ ہاں نماز پنج گانہ کے لئے وضو پر وضو کرنا مستحب ہے یعنی اگر ظہر کا وضو ہو تو عصر کے لئے تازہ وضو کر لینا بہتر ہے۔ مگر فرض کے وضو سے سنتیں و نفل ادا کرنا سنت ہے کہ ظہر کے لئے جو وضو کیا گیا۔ اس سے ظہر کی سنتیں و نفل بھی پڑھے حتی کہ نماز اشراق فجر کے وضو سے پڑھنا سنت ہے اس کے لئے تازہ وضو کرنا سنت کے خلاف ہے۔ خیال رہے کہ کپڑے۔ جسم کی صفائی پاکی یونہی جنابت سے غسل بہرحال ضروری ہے۔ جسم گندہ نہ رکھو ناپاک کپڑے نہ پہنو۔ بے غسلے مت رہو۔ مگر وضو صرف نماز کے ارادہ کرنے پر کرو۔ ویسے بغیر وضو رہنا منع نہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے وضو کے لئے قید لگائی **اذا قمتم الی الصلوٰۃ** کی مگر غسل کے لئے فرمایا۔ **وان کنتم جنبا** اور کپڑے و بدن کی پاکی کے لئے فرمایا **وثیابک فطھر** اور فرمایا۔ **والرجز فاھجر۔ فاغسلوا وجوھکم** یہ جملہ **اذا قمتم** کی جزا ہے وضو میں چار فرض ہیں۔ پہلا فرض چہرہ دھونا ہے۔ دوسرا فرض کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا تیسرا فرض کچھ سر کا مسح کرنا۔ چوتھا فرض ٹخنوں سمیت پاؤں دھونا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے چہرہ دھونے کا ذکر فرمایا۔ **اغسلوا** بنا ہے **غسل** بمعنی دھونے سے غسل۔ غین کے فتح سے دھونا اور غسل غین کے پیش سے نہانا۔ نہانے کے لئے **اغتسال** بولا جاتا ہے۔ اتنا پانی ڈالنا کہ بہہ کر کم از کم ایک قطرہ ٹپک جاوے۔ دھونا ہے اس سے کم مسح ہے۔ **وجوہ** جمع ہے وجہ کی بمعنی چہرہ۔ جس کی لمبائی سر کے بالوں کی ابتدا سے ٹھوڑی کے نیچے تک ہے۔ اور چوڑائی ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک ہے۔ عربی میں وجہ چہرے کو کہتے ہیں اور فم منہ کو یعنی داخل ہونٹ سے حلق تک۔ فم میں کلی ہوتی ہے۔ چہرہ دھویا جاتا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا ہونٹ بند کرنے سے جو حصہ ڈھک جاتا ہے وہ فم یعنی منہ ہے جو کلی میں تر ہوگا اور جو حصہ کھلا رہتا ہے وہ وجہ یعنی چہرہ ہے۔ چونکہ ہر آدمی کا ایک ہی چہرہ ہوتا ہے اس لئے وجوہ بھی جمع ارشاد ہوا۔ اور کم بھی جمع تاکہ مضاف کی اکائیاں مضاف الیہ پر تقسیم ہو جاویں جیسے کہا جاتا ہے **ارکبوا فروسکم** تم اپنے گھوڑوں پر سوار ہو جاؤ۔ یعنی ہر شخص ایک گھوڑے پر۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ ہر شخص اپنا ایک چہرہ دھوئے **وایدیکم الی المرافق** یہ عبارت **وجوھکم** پر معطوف ہے۔ اور **اغسلوا** کا مفعول ہے **ایدی** جمع ہے **ید** کی انگلیوں کے کنارے سے بغل تک عضو کا نام یعنی ید ہاتھ ہے پھر اس کے اجزا کے مختلف نام ہیں۔ انگلی اصبع' ساعد 'کلائی' مرفق کہنی وغیرہ وضو میں انگلی کے سرے سے کہنی تک کا حصہ دھونا فرض ہے۔ یہاں الی بمعنی مع ہے جیسے **لا تاکلوا اموالھم الی اموالکم** میں الی بمعنی مع ہے کیونکہ یہاں الی اسقاط کے لئے ہے۔ اگر الی المرافق نہ فرمایا جاتا تو بغل تک دھونا فرض ہو جاتا۔ اس انتہا نے باقی حصہ کو نکالا اسے غایت اسقاط کہتے ہیں۔ غایت اسقاط حکم میں داخل ہوتی ہے خیال رہے کہ مرفق اسم آلہ ہے۔ رفق بمعنی نفع و آرام کا۔ اس کے معنی ہوئے آرام کرنے کا آلہ۔ کہنی کو مرفق اس لئے کہتے ہیں کہ انسان تھک کر ہاتھ پر ٹیک لگاتا جس میں ٹیک کا بوجھ کہنی پر ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ آرام کا آلہ ہوئی یعنی اپنے ہاتھ کہنیوں تک دھوؤ۔ **وامسحوا برءوسکم** یہ عبارت **اغسلوا** الخ پر معطوف ہے۔ چونکہ سر دھویا نہیں جاتا بلکہ اس کا مسح کیا جاتا ہے۔ اس لئے علیحدہ فعل ارشاد ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

مسح کے معنی ابھی بیان ہوئے۔ تری پہنچنا اس طرح کہ پانی کا قطرہ اس سے نہ گرے۔ مسح کے لفظی معنی ہیں چھونا۔ اصطلاح میں گیلا ہاتھ پھیرنا مسح ہے۔ ب زائدہ ہے۔ جو سر کی **بعضیت** بتانے کے لئے لائی گئی یعنی بعض سر کا مسح کرو اگر چہرے کی طرح سارے سر کا مسح ہوتا۔ تو ب نہ آتی بلکہ **وامسحوا رؤسکم** فرمایا جاتا۔ اس بعض کی مقدار کو حدیث شریف نے بیان فرمایا کہ وہ چہارم سر ہے۔ اتنے ہی کا مسح فرض ہے یہی احناف کا مذہب ہے کہ چہارم سر کا مسح ہمارے ہاں فرض ہے۔ سارے سر کا مسح سنت۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ ب تبعیض کی ہے اور فرمایا کہ ب بھی تبعیض کے لئے آتی ہے اور دلیل میں یہ شعر پیش کیا۔

☆ **شربنا بماء البحر ثم ترفعت** ☆ **متی الحج خضر لھن نئیج** ☆

یہاں بماء البحر میں ب تبعیضیہ ہے۔ جہاں سر کا مسح فرض ہونے کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ یا یہاں تفسیر روح المعانی و تفسیر ابن کثیر میں **وارجلکم الی الکعبین** یہ عبارت **وجوھکم** پر معطوف ہے اور **فاغسلوا** کا مفعول ہے تو **ارجل** جمع ہے **رجل** کی۔ بمعنی پاؤں انگلیوں سے لے کر ران کے آخری حصے یعنی جنگاسہ تک کو رجل کہا جاتا ہے اس کے اجزاء کے نام الگ الگ ہیں۔ ایک حصہ کا نام قدم ہے دوسرے کا نام ساق یعنی پنڈلی ہے۔ تیسرے کا نام **رکبہ** یعنی گھٹنا ہے۔ اسی طرح **فخذ** یعنی ران وغیرہ۔ عربی میں قدم کی بیچ کی ابھری ہوئی ہڈی کو بھی کعب کہتے ہیں اور قدم کے آخری حصہ کی دو طرفہ ابھری ہوئی ہڈیوں کو بھی کعب کہا جاتا ہے۔ جو ہر قدم میں دو ہوتی ہیں اور جہاں سے پنڈلی شروع ہو جاتی ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ اس لئے **کعبین تثنیہ** لایا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ایک قدم میں دو کعب ہیں۔ جس قاعدے سے کہنیاں ہاتھ کے ساتھ دھونا فرض تھا اسی قاعدے سے ٹخنوں کا پاؤں کے ساتھ دھونا فرض ہے۔ اس قاعدے سے ٹخنوں کا پاؤں کے ساتھ دھونا فرض ہے کہ یہاں بھی الی غایت اسقاط ہے۔ خیال رہے کہ کعب کے لفظی معنی ہیں بلند یا ابھرا ہوا۔ اس لئے جوان عورت جس کے پستان ابھرے ہوئے ہوں اسے کاعب کہتے ہیں جمع کواعب ہے **وکواعب اترابا** کعبہ معظمہ کو کعبہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بلند عمارت ہے اور وہاں زمین سطح سمندر سے بہت اونچی ہے۔ چونکہ ٹخنے بھی اٹھی ہوئی ہڈیاں ہیں اس لئے اسے کعب کہتے ہیں۔ **وان کنتم جنبا فاطھروا** چھوٹی طہارت یعنی وضو کے بعد بڑی طہارت یعنی غسل کا حکم دیا واؤ یا تو عاطفہ ہے اور یہ جملہ **فاغسلو وجوھکم** پر معطوف ہے۔ اور **اذا قمتم الی الصلوۃ** کی جزاء ہے لہذا اس کے معنی یہ ہیں کہ جب تم نماز کے لئے اٹھو اور ہو جنبی تو غسل کر لو۔ مقصد یہ ہوا کہ نماز کے لئے اٹھنے پر بے وضو پر وضو واجب ہے۔ اور بے غسلے پر غسل ضروری۔ یا واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ نیا ہے۔ تب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تم جنبی ہو تو غسل کر لو۔ نماز کی قید نہ ہو گی۔ **کنتم** یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی **صرتم** یعنی اگر تم جنبی ہو یا جنبی ہو جاؤ۔ مگر پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ کیونکہ جو شخص بحالت کفر جنبی ہو جائے بعد میں مسلمان ہو تو غسل واجب ہے۔ غرض کہ بحالت اسلام جنبی ہو جانا ضروری نہیں۔ **لہذا کنتم** اپنے معنی میں ہوتا

www.alahazratnetwork.org

بستر ہے۔ جنب بنا ہے جنابت سے بمعنی دوری۔ رب فرماتا ہے۔ **فبصرت عن جنب وهم لا يشعرون** یعنی موسیٰ علیہ السلام کی بہن مریم نے دور سے دیکھا اور فرعونیوں کو اس کی خبر نہ تھی۔ اس لئے پرہیز اور بچنے کو اجتناب کہتے ہیں۔ کہ اس میں نقصان دہ چیز سے دوری اختیار کی جاتی ہے۔ کروٹ کو جنب کہتے ہیں۔ کہ جس کی طرف سے کروٹ لی جائے اس سے دوری ہو جاتی ہے۔ چونکہ بے غسلا آدمی نماز' تلاوت قرآن' مسجد' طواف وغیرہ سے دور رہتا ہے۔ اس لئے اسے جنبی کہا جاتا ہے۔ جنب اسم جنس ہے واحد و جمع دونوں پر بولا جاتا ہے۔ **فاطهروا** کی ف جزائیہ ہے۔ اور **اطهرو باب تفعل** کا امر ہے۔ اصل میں **تطهروا** تھا ت ط سے بدل کر ط میں ادغام ہو گی۔ ہمزہ زائد لائی گئی (روح المعانی) مگر قوی یہ ہے۔ کہ باب **افعل** کا امر ہے۔ اس کا مصدر ہے **اطهرو** بمعنی خوب پاک ہونا۔ معنی یہ ہوئے کہ اگر تم جنبی ہو تو پاک ہو جاؤ۔ جنابت کی تین صورتیں ہیں شہوت سے منی نکلنا صحبت کرنا کہ حشفہ غائب ہو جائے۔ احتلام ہونا۔ خوب پاک ہونے کا مطلب ہے کہ سر سے پاؤں تک کے سارے ظاہری اعضاء دھولو اور منہ میں کلی اور ناک میں پانی ڈال لو کہ یہ دونوں مقام ایک اعتبار سے ظاہری جسم ہیں۔ **نکتیه عجیبه** اللہ تعالیٰ نے وضو میں اعضا کا نام لیا کہ یہ تین عضو دھوؤ اور سر کا مسح کرو۔ مگر غسل میں کسی عضو کا نام نہ لیا بلکہ فرمایا خوب پاکی کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ جنبی کو سارا جسم دھونا فرض ہے نیز اگر یہ عبارت مستقل جملہ ہے تو نکتہ یہ ہے کہ وضو کے لئے ارادہ نماز کی قید لگائی۔ کہ جب نماز کے لئے اٹھو تو وضو فرض ہے۔ مگر غسل کے لئے یہ قید نہیں بلکہ فرمایا گیا کہ اگر تم جنبی ہو یا جنبی ہو جاؤ تو غسل کر لو معلوم ہوا کہ نماز کے علاوہ اوقات میں بے وضو رہنا گناہ نہیں۔ مگر بلاوجہ بے غسل رہنا گناہ ہے۔ بے نمازی آدمی پر صرف نماز نہ پڑھنے کا گناہ ہے۔ لیکن اگر وہ بے غسل رہے تو اس پر نماز نہ پڑھنے کا گناہ بھی ہے۔ اور بے غسل رہنے کا بھی گناہ ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس گھر میں جنبی (بے غسلا) یا کتا یا جاندار کی تصویر ہو اس میں رحمت کے فرشتے نہیں آتے۔ یہاں جنبی فرمایا گیا۔ محدث یعنی بے وضو نہ فرمایا گیا۔ ہاں اگر رات میں نہانے کی حاجت ہو جاوے تو اسے اجازت ہے کہ نماز فجر کے وقت غسل کرے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

خلاصہ تفسیر اے ایمان والو جب تم نماز کے لئے اٹھو یا جب تم نماز کا ارادہ کرو اور ہو بے وضو تو تم پر فرض ہے کہ اپنا سارا منہ دھولو سر کے بالوں سے ٹھوڑی کے نیچے تک اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لو تک اور کہنیوں تک یعنی کہنیوں سمیت ہاتھ دھولو اور اپنے سر کے بعض حصے کا مسح کر لو۔ اور دونوں ٹخنوں تک پاؤں دھولو یہ حکم اس وقت ہے۔ جب تم صرف بے وضو ہوؤ۔ اور تم جنبی ہو تو وضو کی طرح کچھ خاص اعضاء نہ دھوؤ بلکہ خوب پاک ہوؤ اس طرح سر سے پاؤں تک تمام کا تمام جسم دھو ڈالو۔ ان دو پاکیوں کے بغیر نماز نہیں ہو سکتی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ وضو اور نماز مسلمانوں پر ہی فرض ہے۔ کافر پر نہیں

www.alahazratnetwork.org

اس لئے اس آیت کو **الذین اٰمنوا** سے شروع فرمایا۔ مسئلہ اگر کافر بحالت کفر وضو یا غسل کرے پھر مسلمان ہو جاوے تو اس وضو اور غسل سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں غسل میں نیت فرض نہیں۔ بغیر نیت بھی ہو جاتے ہیں جیسے کپڑے کی طہارت بغیر نیت بھی ہو جاتی ہے۔ اگر کافر بحالت کفر ناپاک کپڑا پاک کرے تو مسلمان ہو کر اس کپڑے سے نماز پڑھ سکتا ہے۔ مسئلہ اگر کافر بحالت کفر جنبی ہو پھر مسلمان ہو جاوے تو اس پر غسل فرض ہے۔ کہ اگرچہ جنبی ہونا کفر کی حالت میں پایا گیا۔ مگر جنبی رہنا بحالت اسلام بھی موجود ہے۔ جیسے اگر بحالت کفر کپڑے میں ناپاکی لگے پھر وہ مسلمان ہو جاوے تو کپڑا دھونا اس پر فرض ہے۔ دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے ہی شرعی احکام سے واقف تھے اور ان پر عامل تھے۔ دیکھو وضو کی یہ آیت مدنیہ ہے۔ سورہ مائدہ پوری کی پوری مدنیہ ہے۔ اور یہ سورت احکام کی آخری سورت ہے۔ ۶ھ کے بعد اس کا نزول شروع ہوا۔ اور نماز ہجرت سے تین سال پہلے فرض ہو چکی تھی۔ یعنی نبوت کے گیارھویں سال معراج کی رات۔ تو یوں سمجھو کہ وضو کا حکم نماز کی فرضیت سے آٹھ نو سال بعد آیا۔ مگر اس زمانہ میں کسی مسلمان نے بے وضو یا بے غسل نماز نہ پڑھی۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ظہور نبوت سے پہلے نمازیں پڑھیں۔ مگر وضو اور غسل کے ساتھ۔ یوں سمجھو کہ حضور نے مسلمانوں کو وضو و غسل کا حکم آنے سے سالہا سال پہلے وضو و غسل کا حکم دیا۔ یہ آیت تو حضور کے حکم کی تصدیق کے لئے آئی۔ آپ عالم علم لدنی ہیں۔ تیسرا فائدہ ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے۔ کوئی نماز بغیر وضو نہیں ہو سکتی۔ نماز خواہ فرض ہو یا واجب یا سنت یا نفل یہ فائدہ **اذا قمتم الی الصلوۃ** میں صلوٰۃ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ وضو میں ترتیب' نیت' اعضا کا ملنا' بے تاخیر پے در پے اعضاء کا دھونا یہ سب چیزیں فرض نہیں سنت ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر عمل فرمایا (حنفی) پانچواں فائدہ اسی طرح وضو میں کلائی تک ہاتھ دھونا۔ کلی کرنا' ناک میں پانی لینا فرض نہیں سنتیں ہیں۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں ان تین کا ذکر نہیں فرمایا۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عمل کئے ہیں۔ لہٰذا یہ سب سنت ہیں۔ چھٹا فائدہ مگر کلی اور ناک میں پانی لینا اور تمام جسم پر پانی بہانا غسل میں فرض ہیں۔ کیوں اس آیت میں غسل کے لئے اعضا مقرر نہیں فرمائے گئے بلکہ فرمایا **فاطھروا** خوب پاکی حاصل کرو **اطھروا** سے معلوم ہوتا ہے کہ جسم کے وہ اعضاء جو بعض اعتبار سے ظاہر بدن ہیں وہ بھی دھوئے جائیں۔ منہ کا اندرونی حصہ اور ناک بانسے تک ظاہر جسم ہے اس لئے روزے میں ان جگہوں میں پانی وغیرہ پہنچ جانے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اگر یہ دونوں اندرونی حصہ ہوتے۔ تو روزہ ٹوٹ جاتا۔ ساتواں فائدہ اعضاء وضو میں چہرہ دھونا فرض ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں پورے دھونا فرض نہیں۔ کیونکہ چہرے کے ساتھ الی نہ فرمایا گیا۔ ہاتھوں اور پاؤں کے ساتھ الی ارشاد ہوا ہے۔ یعنی ان دونوں عضووں کے لئے حدود بیان ہوئے۔ آٹھواں فائدہ وضو میں سارے سر کا مسح فرض نہیں۔ بعض سر کا مسح فرض ہے کیونکہ یہاں بروسکم فرمایا گیا۔ ب کے ساتھ اس بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ ایک بار چوتھائی سر کا مسح کیا۔ اس سے کم کبھی نہ کیا۔ اگر چوتھائی سے کم کا مسح بھی جائز ہوتا تو حضور بیان کے

www.alahazratnetwork.org

لئے کبھی کبھی تم پر بھی مسح فرماتے۔ (احناف) نواں فائدہ پاؤں پر مسح نہ ہو گا بلکہ انہیں دھویا جاوے گا کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **وارجلکم** لام پر فتح کے ساتھ جس سے معلوم ہوا کہ یہ **وجوھکم** پر معطوف ہے اور **اغسلوا** کا مفعول ہے اگر یہ روسکم پر معطوف ہوتا اور **امسحوا** کے متعلق ہوتا تو ارجلکم لام کے کسرہ کے ساتھ ہوتا دسواں فائدہ وضو نماز کے لئے فرض ہے۔ کسی اور عبادت کے لئے فرض نہیں جیسا کہ **اذا قمتم الی الصلوۃ** سے معلوم ہوا مگر غسل مطلقاً فرض نہیں۔ جیسا کہ **وان کنتم جنبا** سے معلوم ہوا۔ دیکھو کہ اس کی دوسری تفسیر جیسے نماز کے علاوہ بھی ستر کھولنا ننگا رہنا منع ہے۔ ایسے ہی بے غسلا جنبی رہنا منع ہے۔ مسئلہ آٹھ چیزوں سے وضو ٹوٹتا ہے اور پانچ چیزوں سے نمبرا غسل' پیشاب' پاخانہ کی راہ سے کسی چیز کا نکلنا۔ نمبر۲ بہتا خون جو ظاہر جسم پر بہے۔ نمبر۳ منہ بھر کر قے۔ نمبر۴ سونا بیہوشی نشہ' جنون' رکوع سجدہ والی نماز میں ٹھٹھا مار کر ہنسنا۔ اسباب غسل یہ ہیں۔ منی کا شہوت سے نکلنا۔ صحبت کرنا' احتلام' حیض' نفاس کا ختم ہونا' ان تمام کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ فرماؤ۔ یہ مذکورہ پانچ غسل تو فرض ہیں باقی اور موقعوں پر غسل کرنا یا سنت ہیں یا مستحب یا جائز جیسے جمعہ' عیدین' احرام کے وقت عرفات میں پہنچنا حاجی کے لئے۔ مسلمان ہوتے وقت۔ میت کو غسل دے کر کہ یہ غسل سنت یا مستحب ہیں۔ ٹھنڈک کے لئے غسل جائز ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب بھی نماز کے لئے اٹھے۔ وضو ضرور کرے خواہ پچھلا وضو ہو یا نہ ہو **نوٹ** ضروری یہ اعتراض داؤد کا ہے جو فرقہ ظاہریہ کا امام ہے ظاہری فرقہ آیات کے بالکل ظاہری معنی کرتے ہیں کسی آیت میں کوئی تاویل نہیں کرتے۔ ان مردودوں کے ہاں صرف سور کا گوشت حرام ہے۔ اس کی کلیجی گردے وغیرہ سب حلال وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں **لحم الخنزیر** ہی کو حرام کیا گیا ہے۔ یہ اعتراض بھی انہیں کا ہے۔ ان کے لئے ہر نماز کے لئے وضو فرض ہے۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **او جاء احد کم من الغائط** تم میں جو کوئی پاخانہ سے ہو کر آئے وہ وضو کرے تو چاہیے کہ جو آدمی پاخانہ دیکھنے یا کسی بچہ کو رفع حاجت کرانے کے لئے جائے۔ اس کا وضو ٹوٹ جاوے اور جو جنگل میں یا نالی پر پیشاب یا پاخانہ کرے کسی کو ہوا نکلے اس کا وضو نہ ٹوٹے کیونکہ یہ شخص پاخانہ ہو کر نہ آیا۔ اگر آیات قرآنیہ کے ایسے معانی کئے جائیں تو دین برباد ہو جاوے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف اس آیت کی تفسیر ہے۔ حضور نے خندق کے دن پانچ نمازیں ایک وضو سے پڑھی ہیں اور سوال کرنے پر فرمایا کہ ہم نے عمداً یہ کام کیا۔ معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے نیا وضو کرنا بہتر ہے۔ اور ایک وضو سے چند نمازیں پڑھنا جائز ہے۔ **دوسرا اعتراض** اعضاء میں وضو میں ترتیب فرض ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے یہاں پہلے چہرہ کا ذکر فرمایا۔ پھر ہاتھ کا پھر سر کا پھر پاؤں کا اس ترتیب سے وضو فرض ہے (شوافع) **جواب** یہاں درمیان میں واؤ عاطفہ فرمایا گیا۔ اور واؤ ترتیب نہیں چاہتا وہ صرف جمعیت کا تقاضا کرتا ہے **لہذا** ترتیب فرض نہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترتیب وار وضو فرمایا ہے۔ **لہذا** ترتیب سنت ہے۔ **تیسرا اعتراض** وضو میں

www.alahazratnetwork.org

نیت فرض ہے۔ جو ٹھنڈک کے لئے اعضاء وضو دھولے وہ اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ وضو نماز کی شرط ہے۔ تو چاہیے کہ نماز کی طرح اس میں بھی نیت شرط ہو۔ نیز حدیث شریف میں ہے۔ **انما الاعمال بالنیات** عمل نیت سے ہوتے ہیں اور وضو بھی ایک عمل ہے۔ چاہیے کہ وہ بھی نیت سے ہو (شوافع) **جواب** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ غسل' کپڑا پاک کرنا' نماز کی جگہ پاک کرنا بھی نماز کی شرط ہے۔ تو چاہیے کہ ان میں بھی نیت فرض ہو۔ حالانکہ آپ کے ہاں بھی ان چیزوں میں نیت شرط نہیں۔ یہ بھی شرائط نماز ہیں اور عمل ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں آیت میں رب تعالیٰ نے صرف اعضاء مذکورہ کے دھونے کا ذکر فرمایا۔ نیت کا ذکر نہ کیا تو قرآنی مطلق کو قیاس وغیرہ سے مقید نہیں کر سکتے۔ حدیث **انما الاعمال بالنیات** کے معنی یہ ہیں کہ اعمال کا ثواب نیت سے ملتا ہے نہ یہ کہ اعمال بغیر نیت درست ہی نہیں ہوتے۔ لہذا وضو کا ثواب نیت سے ملے گا مگر وضو کا جواز بغیر نیت بھی ہو گا۔ غسل اور کپڑے پاک کرنے کا حکم بھی یہی ہے۔ کہ نماز کی نیت سے کئے گئے تو ثواب ہے ورنہ جواز ہے۔ ثواب نہیں۔ **چوتھا اعتراض** سر کے مسح میں چوتھائی کی پابندی نہیں۔ ایک بال کا مسح بھی کافی ہے۔ کیونکہ **برؤسکم** میں مطلق بعض کا حکم دیا گیا۔ تم چوتھائی کی قید کہاں سے لگاتے ہو (شوافع) **جواب** یہ آیت کریمہ مسح کے متعلق مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اور اس مجمل کا بیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک بار چہارم سر کا مسح کیا۔ مگر چہارم سے کم بھی نہیں کیا۔ اگر ایک بال کا مسح بھی درست ہوتا تو آپ کبھی اس پر عمل فرماتے۔ مطلق میں کل مطلوب ہوتی ہے۔ مجمل میں فرد خاص مطلوب ہوتا ہے مگر اس کا بیان نہیں ہوتا۔ **پانچواں اعتراض** وضو میں پاؤں دھونے نہ چاہئیں بلکہ سر کی طرح ان پر بھی مسح کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس آیت کی ایک قرائت **وارجلکم** لام کے کسرہ سے بھی ہے اور یہ **رؤسکم** پر معطوف ہے تو سر کی طرح اس کا بھی مسح ہی چاہیے۔ **نوٹ ضروری** پاؤں کے متعلق چار مذہب ہیں۔ پاؤں کا مسح ہی کیا جاوے دھوئے نہ جاویں۔ حضرت ابن عباس' انس ابن مالک' شعبی' ابو جعفر' محمد ابن علی الباقر رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول ہے۔ شیعوں کا مذہب بھی یہی ہے۔ پاؤں دھو بھی لو اور مسح بھی کر لو۔ یعنی دونوں فرض ہیں (داؤد ظاہری) اختیار ہے خواہ مسح کر لو یا دھو لو (خواجہ حسن بصری' محمد ابن جریر طبری) پاؤں دھونا فرض ہیں۔ اگر مسح کیا گیا تو نماز نہ ہو گی۔ یہ قول عامۃ المسلمین' ائمہ دین' سلف صالحین قریباً ساری امت رسول اللہ کا ہے۔ (از تفسیر روح المعانی) یہ اعتراض موجودہ شیعوں کا ہے۔ **جواب** قرآن مجید کی عام قرات متواترہ متعامہ **وارجلکم** لام کے فتح سے اور یہ **وجوھکم** پر معطوف ہو کر **اغسلوا** کا مفعول ہے۔ تو جیسے منہ اور ہاتھ کا دھونا فرض ہے۔ مسح کافی نہیں۔ ایسے ہی پاؤں کا دھونا فرض ہے مسح کافی نہیں **ارجلکم** لام کے جر سے یہ بھی ایک قرائت ہے۔ ہمارا اس پر بھی عمل ہے کہ چمڑے کے موزے پہنے ہوں تو ہم مسح ہی کرتے ہیں ننگے پاؤں کو دھوتے ہیں۔ اور موزوں پر مسح کرتے ہیں۔ ہمارا عمل دونوں قرائتوں پر ہے۔ مگر تمہارا عمل صرف کسرہ کی قراءۃ پر ہے۔ فتحہ کی قرائت پر نہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ کرام اہل بیت عظام نے ہمیشہ

www.alahazratnetwork.org

پاؤں دھوئے ہیں کبھی ان پر مسح نہ کیا۔ بغیر چمڑے کے موزوں کا ان کا عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔ نیز دھونے میں مسح بھی ہو جاتا ہے۔ مگر مسح میں دھونا نہیں ہوتا۔ کیونکہ ہم پاؤں مل کر دھوتے ہیں۔ ملنا مسح ہے تو ہمارا عمل دونوں قراءتوں پر ہے۔ مسح کرنے والوں کا عمل ایک قراءۃ پر نہیں لہذا دھونا ہی چاہیے۔ **چھٹا اعتراض** تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حضرت انس' جابر' ابن عباس اور بہت صحابہ کرام پاؤں پر مسح کرتے تھے اور وہ حضرات اس مسح پر بہت دلائل دیتے تھے۔ حتی کہ حضرت انس نے ایک بار حجاج ابن یوسف سے کہا کہ پاؤں کا مسح تو حکم خداوندی ہے اور پاؤں کا دھونا تیرا حکم ہے۔ پھر تم لوگ وضو میں پاؤں پر مسح کیوں نہیں کرتے۔ (شیعہ) **جواب** جی ہاں تفسیر ابن کثیر میں ہے ایک جگہ یہ بھی ہے کہ یہ تمام روایات غریب ہیں ان میں سے صحیح کوئی نہیں۔ اور وہاں ہی پاؤں کے مسح کی پرزور تردید کی ہے۔ پاؤں دھونے کا سخت تاکیدی حکم ہے۔ ابن کثیر کی پوری عبارت دیکھو۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سارے صحابہ اہل بیت ہمیشہ پاؤں دھوتے تھے مسح کبھی نہیں کرتے تھے۔ بتواتر ثابت ہے۔ ان کا عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔ **ساتواں اعتراض** تیمم میں صرف منہ اور ہاتھوں کی طرح پاؤں بھی دھلتے ہوتے تو تیمم میں ان کا بھی مسح ہوتا تیمم میں مغسول اعضاء کا مسح ہے ممسوح اعضاء چھوڑ دیئے گئے ہیں۔ **جواب** تمہارا قاعدہ ہی غلط ہے کہ تیمم میں مغسول اعضاء کا مسح ہوتا ہے ورنہ غسل کے تیمم میں سارے جسم کا مسح چاہیے تھا بلکہ گھوڑے کی طرح زمین پر لوٹنا پڑتا کیونکہ غسل میں کسی عضو کا مسح نہیں ہوتا وہاں سارے اعضاء دھونے پڑتے ہیں **آٹھواں اعتراض** پیشاب پاخانہ کی نجاست بہت سخت ہے کہ بغیر دھوئے پاک نہیں ہوتے۔ منی کی نجاست معمولی ہے کہ مل دینے یا رگڑ دینے سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ نیز منی انسان کا مادہ ہے انسان نہایت ہی پاک و صاف ہے تو کیا وجہ ہے کہ پیشاب پاخانہ سے صرف چند اعضاء کا دھونا یعنی وضو کرنا فرض ہوا۔ اور منی نکلنے سے تمام اعضاء کا دھونا یعنی غسل فرض ہوا۔ اس کا برعکس ہونا چاہیے تھا **جواب** وضو نماز کی رکعات میراث کی مقدار ہماری عقل و فہم سے وراء ہیں۔ یہ تو تعبدی مسائل ہیں کہ سمجھو مت مان لو۔ اس کی حکمتیں رب تعالی جانتا ہے۔ یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ جہاں تک ہماری عقل کام کرتی ہے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ پیشاب پاخانہ غذا کھانے کا نتیجہ ہے۔ سب سے پہلے دانہ کھانے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ آپ قدم شریف سے اس درخت کی طرف گئے۔ ہاتھ سے دانہ پکڑا۔ منہ سے کھایا اور ان اعمال سے پہلے دماغ میں کھانے کا خیال آیا۔ حکم دیا گیا کہ اس خطا میں ان چار اعضا نے کام کئے لہذا جب اس کا نتیجہ ظاہر ہوا تو یہ چار اعضاء ہی دھویا کرو۔ نیز قیامت میں ہاتھ پاؤں اور چہرے وضو کے پانی کی برکت سے چمکیں گے۔ گویا وضو کے پانی میں چمکانے کی تاثیر ہے۔ غسل کے پانی میں یہ اثر نہیں۔ اور قیامت میں صرف ان اعضاء کا ہی چمکنا ہے۔ اسی لئے پیشاب پاخانہ سے وضو کرایا گیا اور وضو میں صرف یہ اعضاء دھلوائے گئے اور منی کے نکلنے سے غسل واجب کیا گیا۔ کیونکہ منی تمام اعضاء کا نچوڑ ہے اور تمام بدن کو ہی لذت منی کے نکلنے سے ملتی ہے۔ دیکھو زیادہ صحبت کرنے سے تمام جسم کمزور ہو جاتا ہے اور اگر منی محفوظ رہے تو تمام جسم قوی ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے

www.alahazratnetwork.org

نکلنے سے غسل واجب کیا گیا۔ نیز پیشاب پاخانہ ہوا روزانہ بلکہ دن میں کئی کئی بار خارج ہوتے ہیں۔ منی کبھی کبھی نکلتی ہے۔ اگر پیشاب پاخانہ سے غسل واجب ہوتا۔ تو مسلمانوں کو بہت تکلیف ہوتی۔ دیکھو نمازیں دن رات میں پانچ مگر روزے سال میں ایک بار وہ بھی صرف ایک ماہ کے۔ کیونکہ روزے میں مشقت زیادہ ہے۔ (از روح البیان) اس قسم کے سوال جواب ہر عبادت معاملات کے متعلق ہماری کتاب اسرار الاحکام میں دیکھو۔ **نواں اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ وضو کے لئے نماز کا ذکر فرمایا مگر غسل کے لئے نماز کا ذکر نہیں۔ وہاں فرمایا **وان کنتم جنبا** حالانکہ نماز کے لئے وضو غسل دونوں ضروری ہیں۔ **جواب** دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ وضو صرف نماز کے لئے فرض ہے۔ دوسری عبادات کے لئے نہیں۔ مگر غسل نماز تلاوت قرآن طواف مسجد میں جانے قرآن چھونے وغیرہ تمام بدنی عبادات کے لئے ضروری ہے۔ حتیٰ کہ روزے میں بے وضو بن جانا جائز ہے۔ مگر صحبت کرنا حرام ہے دوسرے یہ کہ بلاوجہ بے غسل رہنا ممنوع ہے۔ بے وضو رہنا ممنوع نہیں ان وجوہ سے وضو کے لئے **واذا قمتم** فرمایا اور غسل کے لئے **وان کنتم۔**

تفسیر صوفیانہ نماز جسمانی کے لئے کئی طہارتیں درکار ہیں۔ کپڑا پاک ہو۔ جگہ پاک ہو۔ جسم پاک ہو۔ پھر جسم کی پاکی کی چند صورتیں ہیں۔ ظاہری گندگی سے پاک ہو۔ حکمی گندگی سے پاک ہو پھر حکمی طہارت دو قسم کی ہے چھوٹی طہارت وضو اور بڑی طہارت غسل۔ اسی طرح جنانی روحانی 'ایقانی' عرفانی نماز کے لئے بھی بہت طہارتیں ضروری ہیں چھوٹی طہارتیں دس لازم ہیں۔ دل کی پاکی ماسواء اللہ سے۔ روح کی پاکی بذریعہ مشاہدہ سینے کی پاکی بذریعہ امید و قناعت۔ سر کی پاکی بذریعہ حیاء و ہیبت' پیٹ کی پاکی حلال غذا اور محرمات و مشتبہات سے بچنے کے ذریعے۔ بدن کی پاکی ترک شہوات کے ذریعہ ہاتھوں کی پاکی بذریعہ تقویٰ و کوشش۔ زبان کی پاکی ذکر و استغفار کے ذریعہ۔ جب یہ پاکیاں ان پانیوں کے ذریعہ حاصل ہو جاویں۔ تب یہ نماز شروع کی جائے۔ اگر طالب مولیٰ غیر کی طرف متوجہ ہو کر دل کا جنبی ہو جائے۔ اسے چاہیے کہ سارے اندرون کا غسل کرے کہ نفس کے گناہوں سے دل کو فخر و ریا سے دماغ کو خیال غیر سے بلکہ اپنے کو اپنے وجود سے پاک کرے۔ کہ نفس کو گناہوں سے۔ لذت دنیا کو توبہ ندامت' اخلاص کے پانی سے دھوئے۔ تب اس مسجد قرب میں آنے اور رب سے مناجات کی نماز کے قابل ہو گا۔ (روح البیان) غرض کہ شریعت کی نماز کا وضو غسل ظاہری اعضاء کا ہوتا ہے۔ ظاہری پانی سے اور حقیقت معرفت کی نماز کا وضو باطنی اعضاء کا ہوتا ہے۔ تو یہ ندامت وغیرہ کے پانی سے شریعت کی نماز کے ارکان سجدہ و سجود ہیں۔ اس نماز کے رکن ترک وجود ہے۔ **شعر:-**

☆ نماز عابداں سجدہ سجودے ☆ نماز عاشقاں ترک وجودے ☆

مگر شریعت کی نماز فرض سب پر ہے۔ گنہگار ہو یا ولی۔ وہ نماز کسی کسی کو میسر ہوتی ہے اللہ اس قال کو حال بنا دے اور وہ نماز بھی نصیب کرے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰۤى اَوْ عَلٰى سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ

اور اگر ہو تم بیمار یا اوپر سفر کے یا آئے کوئی تم میں سے پاخانہ سے یا چھوا تم

اور اگر تم بیمار یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضائے حاجت سے آیا یا تم نے عورتوں سے

النِّسَآءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَ

عورتوں کو پس نہ پاؤ تم پانی پس قصد کرو تم مٹی پاک کا پس مسح کرو تم اپنے چہروں

صحبت کی اور ان صورتوں میں پانی نہ پایا تو پاک مٹی سے تیمم کرو تو اپنے منہ اور ہاتھوں سے

اَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ

کا اور اپنے ہاتھوں کو اس سے نہیں ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بنائے اوپر تمہارے کوئی تنگی اور لیکن

مسح کرو اللہ نہیں چاہتا کہ تم پر کوئی تنگی رکھے ہاں یہ

يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

ارادہ کرتا ہے کہ پاک کرے تم کو اور کہ پورا کردے اپنی نعمت کو اوپر تمہارے شاید کہ تم شکر کرو

چاہتا ہے کہ تمہیں خوب ستھرا کرے اور اپنی نعمت پوری کرے تم پر کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق اس جملہ کا پچھلے جملہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلے جملہ میں حقیقی وضو و غسل کا ذکر تھا۔ اب حکمی وضو و غسل کا ذکر ہے یعنی تیمم وضو اور تیمم غسل کا چونکہ وضو اور غسل اصل تھا تیمم ان کا نائب اس لئے اصل کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور نائب کا ذکر بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی عبارت میں چھوٹی بڑی طہارتوں کی وہ صورت بیان ہوئی اس لئے الگ طریقوں سے ادا کی جاتی ہیں کہ وضو کا طریقہ اور تھا غسل کا طریقہ اور ان کے ارکان بھی الگ الگ ہیں۔ کہ وضو کے فرض چار غسل کے فرض تین اب اس چھوٹی بڑی طہارت کی وہ صورت بیان ہو رہی ہے۔ جن کا طریقہ اور رکن ایک ہی ہے۔ صرف نیت کا فرق ہے۔ یعنی تیمم کہ غسل اور وضو دونوں کے تیمم بالکل ایک ہی ہیں۔ دونوں تیمموں کے رکن صرف دو بار جنس زمین پر ہاتھ مارنا ہے۔ صرف نیت میں فرق ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلے جملہ میں وہ طہارت بیان فرمائی گئی۔ جو تمام امتوں کو دی گئی یعنی وضو اور غسل اب اس طہارت کا ذکر ہے جو مسلمانوں کے سوا کسی دین والوں کو نہ ملی۔ یعنی تیمم کہ تیمم صرف اسلام ہی میں ہے اور کسی دین میں نہ تھا۔ **شعر:۔**

☆ شد وجودش رحمتہ اللعالمین ☆ مسجد او شد ہمہ روئے زمین ☆

وجہ نزول تیمم کا ذکر سورہ نساء میں ہو چکا ہے۔ اب سورہ مائدہ میں وضو اور غسل کا حکم ہوا اور سورہ مائدہ احکام کی آخری سورت ہے جس کے سارے احکام محکم ہیں۔ اس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید وضو اور غسل سے تیمم کا حکم منسوخ ہو چکا ہو

www.alahazratnetwork.org

گا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے یہاں وضوو غسل کے بعد پھر تیمم کا ذکر فرمادیا تاکہ معلوم ہو کہ حکم تیمم وضوو غسل کے احکام آجانے پر بھی باقی ہے منسوخ نہیں ہوا اور مسلمان مجبوری کی حالت میں اب بھی تیمم کر سکتے ہیں (روح المعانی)

تفسیر **وان کنتم مرضی** یہ پوری آیت **بعینیہ** سورت نساء میں گزر چکی ہے وہاں ہی اس کی تفسیر اور اس پر مکمل بحث کی جاچکی ہے۔ یہاں بقدر ضرورت کچھ عرض کیا جائے گا۔ **مرضی** جمع مریض کی ہے اور مریض سے وہ بیمار مراد ہے جس کو پانی سے وضو یا غسل کرنا مضر ہو یا اس طرح کہ اس سے مرض بڑھ جاوے یا اس طرح کہ اس سے صحت دیر میں حاصل ہو۔ اگر جنبی یا بے وضو کے بعض اعضاء پر زخم ہوں۔ جنہیں پانی نقصان دے اور بعض اعضاء صحیح ہوں تو وہ تندرست اعضاء کو دھوئے اور زخمی اعضاء کے لئے تیمم کرے۔ یوں ہی اگر وضو یا غسل میں پانی کم پڑ گیا۔ بعض اعضاء دھل گئے بعض سوکھے رہ گئے تو ان خشک اعضاء کے لئے تیمم کرے۔ غرض کہ غسل و تیمم یوں ہی وضوو تیمم کا اجتماع درست ہے۔ ہم اس کا ذکر بحوالہ تفسیر خازن و کتب فقہ پانچویں پارے میں سورہ نساء میں کر چکے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ یوں سمجھو کہ جیسے زکوٰۃ کے لئے مختلف مالوں کے مختلف نصاب میں سونے کی زکوٰۃ کا نصاب کچھ اور ہے چاندی کا نصاب کچھ اور پیداوار کا نصاب اور۔ جانوروں کا نصاب کچھ اور۔ یونہی نماز بیٹھ کر پڑھنے کی بیماری کی حد کچھ اور ہے روزہ قضاء کرنے کی بیماری کی حد کچھ اور بلکہ روزہ توڑ دینے کی بیماری کی حد اور۔ تیمم جائز ہونے کی بیماری کی حد کچھ اور یہاں تیمم جائز کرنے والی بیماری کا ذکر ہے۔ اگر کوئی امیر آدمی گرمیوں میں اپنے وطن میں روزہ نہ رکھ سکے تو ٹھنڈے پہاڑ پر جا کر روزہ رکھے۔ یونہی کوئی بیمار آدمی ٹھنڈے پانی سے وضو نہ کر سکے تو گرم پانی سے کرے۔ تیمم ہرگز نہ کرے علی سفر یہ عبارت مرضی پر معطوف ہو کر **کنتم** کی خبر ہے علی سفر سے مراد ہے راستہ میں ہونا کسی جگہ بستی میں ٹھہرا ہوا نہ ہونا۔ کہ بستی میں عموماً پانی مل جاتا ہے۔ سفر سے مراد شرعی سفر نہیں۔ جس میں قصر ہوتا ہے۔ مطلقاً راستہ یا جنگل میں ہوتا ہے جہاں کہ پانی نہ ملے۔ خلاصہ یہ کہ تیمم کے جواز کی دو صورتیں ہیں۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا اور پانی موجود نہ ہونا۔ پہلی صورت کو "مرضی" میں بیان فرمایا اور دوسری صورت کو علی سفر نے بیان فرمایا یعنی جب تم پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو بیماری کی وجہ سے یا تمہارے پاس موجود نہ ہو۔ **او جاء احد منکم من الغائط** ہو سکتا ہے کہ یہ او بمعنی واؤ ہو اور اس عبارت کا تعلق علی سفر سے ہو اور یہ تیمم کے وجوب کی ایک صورت کا بیان ہو **منکم** میں خطاب ہر اس مسلمان سے ہے..... جس پر نماز فرض ہو۔ لہٰذا اس سے **حائضہ** اور نفاس والی عورت علیحدہ ہے۔ **غائط** نشیبی زمین کو کہتے ہیں اس کی جمع ہے غیطان۔ جیسے حائط کی جمع ہے حیطان۔ اہل عرب حاجت پوری کرنے کے لئے نشیبی جگہ تلاش کر کے بیٹھتے تھے۔ تاکہ پردہ رہے اور قضائے حاجت پوری کرنے کو کہتے ہیں غائط سے آنا جیسے آج کل بعض دیہاتی اسے جنگل پھر کے آنا کہتے ہیں یہ نہایت نفیس و باریک کنایہ ہوتا ہے یعنی جب تم بستی سے باہر ہو۔ راہ طے کر رہے ہو اور تم مسافروں میں

www.alahazratnetwork.org

سے کوئی غائط سے آئے (جنگل پھر کر آئے) مطلب وہ ہی ہوا کہ پیشاب یا پاخانہ کرکے آئے۔ خیال رہے کہ اب پاخانہ کی عمارت کو بھی عربی میں غائط کہا جاتا ہے۔ اسی مناسبت سے اور آج کل کی عربی میں مرحاض کہتے ہیں۔ **او لمستم النساء** یہ **او** اپنے معنی میں ہے۔ اور یہ عبارت **جاء احد منکم** پر معطوف ہے اس تیمم کی دوسری صورت کا بیان ہے۔ یعنی غسل کا تیمم **لمستم** بنا ہے **ملامسة** سے جس کا مادہ ہے لمس' عرف میں لمس کہتے ہیں چھونے کو اور ملامسہ کہتے ہیں صحبت کرنے کو۔ نساء سے مراد بیوی یا لونڈی ہیں۔ کیونکہ یہاں **لا مستم** میں حلال صحبت مراد ہے اور ہو سکتا ہے۔ کہ **لا مستم** سے مراد ہو چمٹنا۔ پورا پورا چھونا جس سے تمام جسم عورت کے تمام جسم سے مل جائے۔ پورا مس ہو جائے جسے مباشرت فاحشہ کہا جاتا ہے۔ یعنی عورت سے ننگے ہو کر چمٹنا کہ شرمگاہیں مل جاویں اس سے وضو ٹوٹتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ وضو تم پر واجب ہو جاوے یا اس لئے کہ تم نے پیشاب پاخانہ کر دیا اس لئے کہ بیوی سے چمٹو۔ مگر پہلے معنی نہایت ہی موزوں ہیں کہ اس میں وضو و غسل دونوں کے تیمموں کا ذکر ہو جائے گا۔ **فلم تجدوا ماء** اس عبارت کا تعلق **جاء احد** اور **لمستم** دونوں سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ نہ پانے سے مراد پانی موجود نہ ہوتا ہے۔ اور اس کا تعلق **او علی سفر** سے ہے **ماء** سے مراد بقدر کفایت پانی۔ ہے۔ یعنی اگر تم سفر میں راستہ طے کر رہے ہو اور اس حال میں تم مسافروں ہی سے کوئی پیشاب پاخانہ کرے۔ جس سے اس پر وضو واجب ہو جائے یا اپنی بیوی لونڈی سے صحبت کرے جس سے اس پر غسل واجب ہو جاوے اور وضو یا غسل کے لائق پانی پائے نہیں کہ نہ راستہ میں پانی ہو نہ اپنے پاس سواری میں ہو۔ **بعض مفسرین** نے **لم تجدوا** کے معنی کئے ہیں تم پانی کے استعمال پر قادر نہ ہو خواہ اس لئے کہ پانی ہو مگر تم وضو یا غسل نہ کر سکو بیماری کی وجہ سے خواہ اس لئے کہ پانی موجود ہی نہ ہو اس صورت میں اس عبارت کا تعلق مرضیٰ اور علیٰ سفر دونوں سے ہو گا اور معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم بیمار یا مسافر ہو اور پھر پیشاب یا پاخانہ یا بیوی سے صحبت کر لو اور پانی استعمال نہ کر سکو کہ بیمار ہو یا پانی موجود نہیں تو **فتیمموا صعیدا طیبا** یہ جملہ گزشتہ عبارت کی جزا ہے اور ف جزائیہ ہے **تیمموا** بنا ہے **یمم** سے جو اصل میں امم تھا۔ بمعنی قصد و ارادہ کرنا اسی سے ہے۔ امت اور امام امت۔ وہ جماعت جو کسی پیشوا کی پیروی کا ارادہ کرے۔ امام وہ پیشوا جس کی پیروی کا ارادہ کیا جائے **صعید** صفت مشبہ ہے اس کا مصدر صعود ہے۔ بمعنی چڑھنا۔ اونچا ہونا **صعید** ۔ بمعنی اونچی چیز۔ ظاہری چیز یعنی زمین کا ظاہری حصہ۔ خواہ مٹی ہو یا ریت یا پتھر یا کوئی اور جنس زمین کی چیز یہ ایک لفظ تمام ان چیزوں کو شامل ہے۔ طیب ۔ بمعنی ظاہر ہے۔ طہارت ظاہری پاکی کو کہتے ہیں اور طیب باطنی کو۔ یہاں ظاہری پاکی مراد ہے۔ یعنی اگر یہ حالت ہوں تو ظاہری پاک زمین کا ارادہ کرو۔ اسے استعمال کر لو۔ چونکہ تیمم میں نیت شرط ہے اور وضو میں شرط نہیں اسی لئے وضو میں قصد و ارادہ کا ذکر نہ فرمایا **فاغسلوا** الخ فرمایا۔ اور یہاں پہلے ہی مسح کا ذکر نہ فرمایا پہلے بلکہ مسح قصد کا پھر مسح کا۔ **فامسحوا بوجوهكم وايديكم منه** یہ جملہ معطوف ہے۔ پہلے جملہ **فتیمموا** پر ف عاطفہ **تعقیبیہ** ہے۔ مسح کے معنی ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکے۔ چھونا' ہاتھ پھیرنا' چہرے اور ہاتھوں

www.alahazratnetwork.org

کی حد تیمم میں بھی وہی ہے جو وضو میں تھی۔ کیونکہ تیمم وضو کا نائب ہے۔ ب زائدہ ہے۔ کیونکہ مسح خود ہی متعدی ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ چونکہ تیمم میں وضو کی طرح تمام چہرے پر ہاتھ پھیرنا فرض نہیں۔ اگر کچھ حصہ باقی بھی رہ جائے۔ جہاں ہاتھ نہ پہنچے۔ تب بھی تیمم جائز ہے۔ وضو میں اگر بال برابر جگہ خشک رہ جائے تو وضو نہ ہو گا۔ اس لئے یہاں ب زائدہ لائی گئی۔ ہاتھ پر بھی کہنیوں تک ہی مسح کیا جائے گا۔ لہذا دونوں کے لئے ب فرمانا موزوں ہے **منه** کا من ابتدائیہ ہ ضمیر **صعید** کی طرف راجع ہے۔ یعنی اس ظاہر زمین سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرو خواہ اس طرح کہ اس پر ہاتھ مار کر مسح کر دیا اس طرح کہ آندھی وغیرہ سے تمہارے چہروں ہاتھوں پر غبار موجود ہو۔ تم ہاتھ پھیر لو **منه** ان دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ غرض کہ تیمم میں مسح فرض ہے۔ زمین پر ہاتھ مارنا فرض نہیں۔ اس لئے یہاں مسح کا ذکر ہوا۔ ہاتھ مارنے کا ذکر نہ ہوا اس کے لئے **تیمموا** فرمایا گیا۔ یعنی قصد کرو اضربوا نہ فرمایا **ما یرید اللّٰہ لیجعل علیکم من حرج** اس عبارت کا تعلق یا تو صرف تیمم کے حکم سے ہے۔ یا وضو، غسل و تیمم سب سے یہ ان تمام کی علت یا حکمت ہے۔ **لیجعل** میں لام زائدہ ہے اور **لیجعل** الخ **یرید** کا مفعول ہے **علیکم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے۔ خصوصاً نمازوں سے حرج کے معنی ہیں تنگی یا دشواری **جعل** اگر خلق کے معنی میں ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے۔ اگر بنانے کے معنی میں ہو۔ تو دو مفعول کا تقاضا کرتا ہے۔ یہاں دونوں معنی ہو سکتے ہیں۔ یعنی طہارت میں یہ آسانیاں کہ نماز کے لئے صرف وضو کا حکم دیا۔ ہر نماز کے لئے غسل فرض نہ فرمایا اور پانی نہ ملنے یا پانی مضر ہونے کی صورت میں تیمم کا حکم دیا۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ تم پر تنگی فرمانا نہیں چاہتا۔ کیونکہ تم اس کے محبوب کی امت ہو۔ دوسری امتوں پر سخت احکام تھے۔ خیال رہے کہ ناممکن چیزوں کا حکم کسی امت کو نہ دیا گیا اور دشوار چیزوں کا حکم اس امت مرحومہ کو نہیں دیا گیا۔ یہاں یہ ہی بتایا ہے کہ ہم نے تم کو مشکل و دشوار احکام نہیں دیئے۔ آسان حکم دیئے **ولکن یرید لیطھرکم** یہ جملہ وضو۔ غسل اور تیمم کے احکام کی حکمتیں بیان فرما رہا ہے۔ یہاں بھی **لیطھرکم** مفعول ہے **یرید** کا اور لام زائدہ ہے۔ **کم** میں خطاب مسلمانوں سے ہے **یطھر** بنا ہے **تطھیر** سے۔ بمعنی خوب پاک و صاف فرما دینا۔ اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ وضو سے صرف وہ اعضاء پاک ہوں گے جن کو پانی لگے نہیں بلکہ تم دھوؤ گے چار اعضاء اور اس سے پاک ہو جائے گا تمہارا سارا جسم پیشاب پاخانہ سے تمام جسم پر حدث (بے وضو ہونا) طاری ہو گیا تھا ہم نے چار اعضاء دھلوا کر سارا جسم پاک فرما دیا۔ یہ اس کا کرم ہے۔ دوسرے یہ کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تیمم سے تمہارے جسم پر ناپاکی رہے گی۔ صرف دب جائے گی۔ اور تم کو اس دبی ہوئی نجاست کے باوجود نماز کی اجازت دے دی جائے گی۔ نہیں بلکہ جیسے وضو ناپاکی دور کر دیتا ہے یوں ہی تیمم ناپاکی بالکل دور کر دیتا ہے۔ اور تم تیمم سے بھی یونہی پاک ہو جاتے ہو۔ جیسے وضو سے پاک ہوتے ہو۔ تیسرے یہ کہ تم یہ نہ گمان کرنا کہ وضو غسل یا تیمم سے صرف ظاہری جسم پاک ہو گا۔ اور تم کو نماز کی اجازت ہو جائے گی۔ بلکہ رب تعالیٰ وضو وغیرہ سے تم کو گناہوں خطاؤں سے بھی

www.alahazratnetwork.org

پاک فرما دیتا ہے۔ یہ وضو وغیرہ تمہارے جسم' دل' دماغ خیال کی پاکیوں کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کہ جب انسان وضو میں ہاتھ دھوتا ہے۔ تو اس کے ہاتھوں سے کئے ہوئے سارے گناہ (صغیرہ) معاف ہو جاتے ہیں۔ جب کلی کرتا ہے۔ تو منہ سے کئے ہوئے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ جب منہ دھوتا ہے تو آنکھوں کے کئے ہوئے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کے گناہ (بدگمانی' برے خیالات) معاف ہو جاتے ہیں۔ جب پاؤں دھوتا ہے۔ تو پاؤں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ غرض کہ وضو کی برکت سے بندہ پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ اسی لئے ہمارا غسالہ اچھا نہیں۔ اس کے پینے سے مرگی کا مرض پیدا ہو جاتا ہے۔ کہ یہ پانی ہمارے گناہ لے کر گرتا ہے۔ حضور کا غسالہ شفا ہے کہ وہ نور سے مس ہو کر گرا ہے۔ اس کا بیان انشاء اللہ فوائد میں ہوگا۔ غرض کہ اس عبارت کا تعلق یا صرف وضو سے ہے یا وضو و غسل دونوں سے ہے یا صرف تیمم سے۔ خیال رہے کہ جیسے طبی لحاظ سے بعض اعضاء پر دوا لگانا دوسرے عضو کو فائدہ دیتا ہے۔ کہ تلووں میں نمک و گھی کی مالش کرو تو آنکھوں میں دماغ میں ٹھنڈک پہنچتی ہے۔ دل خوش ہو تو چہرہ کھل جاتا ہے۔ دل غمگین ہو تو چہرہ مرجھا جاتا ہے۔ یونہی طب ایمانی کے علاج کا اثر ہے۔ کہ چار اعضاء دھونے سے باقی دوسرے اعضاء بھی پاک ہو جاتے ہیں قالب کو پاک و صاف کرنے سے قلب و دماغ خیالات ارادے۔ نیت پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ **ولیتم نعمته علیکم** یہ جملہ **لیطھرکم** پر معطوف ہے۔ **یرید** کا مفعول ہے۔ اس میں وضو وغیرہ کی دوسری حکمت کا ذکر ہے۔ **اتمام** سے مراد نعمت کا مکمل کر دینا و سفاہم اتمام اور اکمال کا فرق **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ نعمت سے مراد یا دنیاوی نعمت ہے۔ یا اخروی نعمت' دنیاوی نعمت تو وہ ثواب ہے۔ جو غسل و وضو کرنے والے کو عطا ہوتا ہے۔ ہر عضو کے دھونے پر الگ ثواب ہے۔ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے۔ اور اخروی نعمت قیامت کے دن اعضاء وضو کا چمکنا ہے۔ جس سے مسلمان دوسری امتوں سے ممتاز ہوں گے۔ خیال رہے کہ وضو پچھلی امتوں میں بھی تھا۔ مگر اس کے یہ مذکورہ فوائد صرف مسلمانوں کو عطا ہوئے۔ اس لئے یہاں پہلے جملے میں **کم** اور اس جملہ میں **علیکم** فرمایا گیا۔ یعنی وضو کی یہ طہارت و صفائی اور وضو پر یہ انعام و اکرام صرف تمہارے لئے ہیں۔ اگرچہ وضو دوسری امتوں کو عطا ہوا۔ **لعلکم تشکرون** اس عبارت میں ان نعمتوں کی عطا پر شکریہ کرنے کا نفیس حکم دیا گیا۔ شکر کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہم دوسرے پارے میں **واشکروا لی ولا تکفرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہاں شکر سے مراد وضو و نماز کی پابندی اور رب تعالیٰ کا دل سے احسان ماننا ہے۔ کہ اس نے ہم کو اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں وضو' غسل' تیمم کی اعلیٰ نعمتیں عطا فرمائیں۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانوں تم یہ تو سن چکے کہ تم پر چھوٹے حدث میں ہر نماز کے لئے وضو کرنا فرض ہے۔ اور بڑے حدث میں غسل کرنا ضروری۔ ان دونوں طہارتوں وضو اور غسل میں پانی کا استعمال ہوتا ہے۔ اگر ایسا اتفاق ہو کہ تم بیمار ہو اور تمہیں پانی کا استعمال نقصان دے۔ یعنی پانی موجود ہو مگر اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو یا تم بستی سے باہر جنگل میں گزر

www.alahazratnetwork.org

رہے ہو۔ پانی نہ وہاں جنگل میں ہے نہ تمہارے پاس سواری میں۔ تمہاری حالت تو یہ ہو اور تم نے پیشاب پاخانہ کر لو۔ جس سے بے وضو ہو جاؤ یا اس مجبوری کی حالت میں اپنی بیویوں سے صحبت کر بیٹھو۔ جس سے تم پر غسل فرض ہو جائے۔ تم پانی پاؤ نہیں تو تم پریشان نہ ہوؤ بلکہ ایسے حالات میں پاک زمین کی طرف رخ کر لو۔ ادھر کا قصد کرو کہ اس سے تیمم کر لو اور اس زمین سے ہاتھ لگا کر اپنے کہنیوں تک ہاتھوں کا مسح کر لو۔ وضو اور غسل دونوں کا یہی تیمم ہے۔ یہ تمام احکام اس لئے بیان کئے کہ اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا کہ تم پر پچھلی امتوں کی تنگی فرمائے۔ تم محبوب کی امت ہو۔ تمہارے لئے احکام آسان اور ثواب زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ تمہیں ان وضو' تیمم' غسل کے ذریعہ خوب اچھی طرح پاک صاف فرما دے کہ تم وضو میں دھو صرف چار اعضاء مگر پاک ہو جاوے سارا جسم۔ نیز وضو کا پانی لگے تو ظاہری جسم کو اور پاک ہو جائے۔ دل' دماغ بھی اور اس وضو سے تمہارے سارے گناہ بھی معاف ہو جائیں نیز رب چاہتا ہے۔ کہ تم پر اپنی نعمت کامل فرماوے کہ اس وضو سے دنیا میں تم کو ثواب ملے۔ آخرت میں تمہارے اعضاء وضو چمکیں۔ تم مقرب بارگاہ الٰہی ہو جاؤ۔ یہ نعمتیں تم کو اس لئے دی ہیں کہ تم بندہ شاکر ہو۔ اس شکریہ میں ہمیشہ وضو و نماز کامل طریقہ سے ادا کرو۔ خیال رہے کہ اکمال کے معنی بھی ہیں پورا کرنا اور اتمام کے معنی بھی ہیں پورا کرنا۔ مگر اجزاء پورے کر کے ذات کو پورا کر دینا اکمال ہے۔ اور صفات کو پورا کر دینا اتمام یہاں وضو' غسل وغیرہ کے متعلق **یتم** فرمایا گیا۔ کیونکہ گزشتہ امتوں کے وضو اور غسل اجزاء کے لحاظ سے کم نہ تھے۔ ان کے وضو میں چار اعضاء دھلتے تھے۔ غسل میں تمام جسم' اسلامی وضو و غسل میں بھی یہی چیزیں دھلتی ہیں۔ مگر صفات میں فرق ہے کہ ان کے وضو صرف نماز کی چابی تھے۔ ہمارا وضو نماز کی چابی بھی ہے۔ گناہوں کا کفارہ بھی اور کل قیامت میں چہرے اور ہاتھ پاؤں کا نور بھی۔ لہٰذا یہ عبادات ان کے لئے نعمت تھیں اور ہمارے لئے تمام نعمت۔ پھر نعمتیں دو قسم کی ہیں ایک ظاہری نعمت جو بظاہر نعمت بھی ہوں اور باطن بھی نعمت دوسری نعمت باطنیہ جو بظاہر تکلیف دہ ہوں۔ در حقیقت نعمت۔ باپ اپنے بچے کو اعلیٰ غذائیں۔ پھل لباس دیتا ہے۔ یہ ظاہری نعمتیں ہیں اور علم بھی سکھاتا ہے۔ اس پر سختی بھی کرتا ہے۔ یہ باطنی نعمت ہے۔ یہاں نعمت سے مراد باطنی نعمت ہے۔ کہ وضو و نماز بظاہر سختی ہے پابندیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک نماز انسان کو پابندیوں میں جکڑ دیتی ہے۔ نمازی آدمی کا سونا جاگنا۔ پابندی کا کپڑوں جسم پر پابندیاں جماعت کا سچا پابند بلا وجہ سفر نہیں کرتا مگر حقیقت میں یہ ہیں نعمتیں۔ یہاں نعمت سے مراد نعمت باطنیہ ہے۔

نکتہ عجیبہ اس پوری آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے چند دوہری عبادتیں بیان فرمائیں۔ دو طہارتیں ایک اصل ایک بدل۔ چنانچہ وضو اصل ہے۔ تیمم بدل۔ یوں ہی غسل اصل ہے۔ تیمم اس کا بدل۔ ان طہارتوں کے دو سبب۔ وضو کا سبب چھوٹا حدث۔ غسل کا سبب بڑا حدث۔ تیمم کی دو وجہیں۔ پانی نہ ملنا۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونا۔ تیمم کی دو قسمیں۔ چھوٹے حدث سے تیمم یعنی تیمم وضو اور بڑے حدث سے تیمم یعنی تیمم غسل۔ تیمم کے دو رکن۔ یعنی دو دفعہ ہاتھ مٹی سے لگانا۔ ایک بار چہرے کے مسح کے لئے دوسری بار ہاتھ کے مسح کے لئے۔ پھر ان کے چھ فائدے بیان فرمائے۔ خوب

www.alahazratnetwork.org

پاک ہونا۔ اور رب تعالیٰ کی نعمت کا کامل ہونا ہے جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** تیمم جائز ہونے کی صرف دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ پانی موجود نہ ہو دوسرے یہ کہ پانی تو ہو مگر اس کے استعمال پر قدرت نہ ہو۔ یہ فائدہ **ان کنتم مرضی او علی سفر** سے حاصل ہوا۔ پانی کے استعمال پر قادر نہ ہونے کی تین صورتیں ہیں۔ ایک ایسی بیماری جس میں پانی کا استعمال مضر ہو۔ دوسرے پانی پر دشمن یا موذی جانور کا قبضہ جو پانی نہ لینے دے۔ جیسے کربلا میں حضرت سید الشہداء جناب حسین رضی اللہ عنہ کو پیش آیا۔ تیسرے یہ کہ وضو کرنے سے ایسی نماز فوت ہو جانے کا اندیشہ ہو جس کی قضا نہیں جیسے نماز عیدین و نماز جنازہ۔ اگر یہ جاری ہوں تو تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ مگر نماز جنازہ میں یہ حکم غیر ولی کے لئے ہیں۔ **دوسرا فائدہ** تیمم وضو کے لئے بھی ہو سکتا ہے۔ اور غسل کے لئے بھی۔ مگر دونوں تیمم ایک ہی طرح ہوں گے۔ یعنی منہ اور ہاتھوں پر مسح سے صرف نیت کا فرق ہو گا۔ یہ فائدہ **او جاء احد منکم** الخ اور **او لمستم النساء** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** سفر یا بیماری میں جب کہ غسل ناممکن ہو اپنی بیوی سے صحبت کرنا بالکل جائز ہے۔ پانی کے خوف سے صحبت ممنوع نہیں یہ فائدہ بھی **لمستم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** عربی زبان خصوصاً قرآن مجید کی زبان بہت ہی مہذب ہے۔ کہ اس میں شرمیلے مضمون کو اشارۃ کنایۃ سے بیان کیا جاتا ہے دیکھو یہاں بیوی سے صحبت کو کس قدر لطیف اشارہ سے بیان فرمایا۔ **لا مستم** فرمایا اس کے لئے صریحی لفظ بھی عربی میں ہے۔ **نیک** مگر سارے قرآن مجید میں اس لفظ کا استعمال نہیں ہوا۔ **پانچواں فائدہ** تیمم میں نیت شرط ہے۔ وضو میں نیت شرط نہیں۔ دیکھو یہاں بیان تیمم میں **فتیمموا صعید** الخ علیحدہ فرمایا اور **وامسحوا بوجوھکم** علیحدہ فرمایا۔ تیمم کے معنی ہیں۔ ارادہ کرنا' قصد کرنا' نیت کرنا مگر وضو کے بیان میں صرف **فاغسلوا وجوھکم** الخ فرمایا۔ وہاں قصد یا ارادہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا یہ آیت امام اعظم کی قوی دلیل ہے۔ **چھٹا فائدہ** تیمم کے لئے مٹی شرط نہیں بلکہ ہر جنس زمین سے ہو سکتا ہے۔ جنس زمین وہ ہے جو زمین سے نکلے اور آگ میں نہ پگھلے نہ راکھ بنے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں **ترابا طیبا** نہ فرمایا بلکہ **صعیدا طیبا** فرمایا۔ **ساتواں فائدہ** تیمم صرف پاک مٹی وغیرہ سے ہو سکتا ہے۔ ناپاک سے نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **طیبا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** تیمم میں جنس زمین یعنی مٹی وغیرہ پر ہاتھ مارنا فرض نہیں بلکہ مسح یعنی چہرے اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لینا فرض ہے۔ لہٰذا اگر چہرے اور ہاتھوں پر غبار پہلے ہی ہو یہ اس پر ہاتھ پھیرے تو تیمم ہو جائے گا۔ ہاں جب ہاتھ اور چہرہ صاف ہو تو پھر زمین وغیرہ پر مارنا فرض ہو گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں **اضربوا ایدیکم** نہ فرمایا۔ بلکہ **فامسحوا** فرمایا یعنی **صعید طیبا** کا بھی ذکر فرمایا اور مسح کا ذکر فرمایا۔ ہاتھ مارنے کا ذکر نہ فرمایا **نواں فائدہ** تیمم بھی وضو و غسل کی طرح حدث (حکمی ناپاکی) کو بالکل دور کر کے انسان کو پاک کر دیتا ہے۔ یہ نجاست یعنی حدث کا ساتر (چھپانے والا) نہیں جیسا کہ **لیطھرکم** سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے تیمم کے حکم کے بعد فرمایا کہ ہم تم کو پاک کرنا چاہتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت امام اعظم کی دلیل ہے۔ **نوٹ** امام اعظم

www.alahazratnetwork.org

تیمم کو وضو کی طرح نجاست یعنی حدث کا مزیل مانتے ہیں۔ امام شافعی صرف ساتر مانتے ہیں۔ اس پر بحث سے مسائل فقیہ کا استخراج ہوتا ہے۔ دسواں فائدہ تیمم مسلمانوں کے سوا کسی امت کو نہ ملا۔ یہ اسلام کی خصوصیات سے ہے۔ یہ فائدہ **ولیتم نعمتہ** سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ وضو' تیمم اور غسل سے صرف مغسولہ اعضاء ہی پاک نہیں ہوتے۔ بلکہ تمام جسم پاک ہو جاتا ہے یہ فائدہ **لیطھرکم باب تفعیل** سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ وضو غسل تیمم سے صرف ظاہری جسم ہی پاک نہیں ہوتا۔ بلکہ دل' دماغ سب چیزیں پاک ہو جاتی ہیں یہ فائدہ بھی **لیتم نعمتہ** سے حاصل ہوا۔ تیرہواں فائدہ اگرچہ وضو پچھلی امتوں میں بھی تھا مگر وضو کے یہ خصوصی فوائد جو ابھی ذکر ہوئے اور بروز قیامت اعضاء وضو کا چمکنا صرف اسی امت کو عطا ہوئے اور ہوں گے۔ یہ فائدہ بھی **لیتم نعمتہ** کے ساتھ **علیکم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ چودہواں فائدہ حقیقی ناپاکی تو ہر بہتی چیز سے پاک ہو جاتی ہے۔ جو نچوڑی جاسکے۔ جیسے شربت' دودھ شوربا وغیرہ مگر وضو اور غسل صرف پانی سے ہی ہو سکتے ہیں۔ کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ **وان لم تجدوا ماء الخ** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ پانی نہ ملنے پر تیمم کا حکم دیا گیا۔ **لہذا اگر شوربا دودھ ہو پانی نہ ہو۔ تو تیمم کرو وضو نہ کرو۔**

پہلا اعتراض تم نے کہا کہ پانی استعمال نہ کر سکنے کی تین صورتیں ہیں۔ بیماری' پانی پر دشمن کا مسلط ہونا اور نماز جنازہ یا عیدین جاتے رہنے کا اندیشہ۔ مگر قرآن کریم نے صرف **ایک** وجہ بیان فرمائی **وان کنتم مرضی** یعنی بیماری۔ تم نے اور دو کہاں سے نکالیں **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن کریم نے وضو توڑنے والی صرف ایک چیز بیان فرمائی۔ پاخانہ سے آنا کہ فرمایا **اوجاء احد منکم من الغائط پھر آٹھ** چیزیں کہاں سے نکل گئیں۔ جہاں سے وہ آٹھ چیزیں آئیں وہاں سے ہی یہ دو بھی آسکتی ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن مجید متن ہے۔ حدیث شریف شرح فقہ گویا اس کا حاشیہ' متن کو حاشیہ اور شرح واضح کرتا ہے یہ چیزیں حدیث پاک اور فقہ سے حاصل ہوئیں۔ یہاں قرآن مجید نے دو وجہوں کا اجمالی ذکر فرمایا ہے پانی استعمال نہ کر سکنے کو **مرضی** سے بیان کیا اور پانی نہ ملنے کو **علی سفر** سے۔ باقی رہی تفصیل وہ بولتے ہوئے قرآن کریم یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تابعین علماء نے بیان فرمائیں۔ **دوسرا اعتراض** یہاں **لمستم النساء** سے مراد ہے عورتوں کو چھونا۔ انہیں ہاتھ لگانا۔ عورت کو چھونا وضو توڑ دیتا ہے۔ صحبت کرنا مراد نہیں۔ **جواب لامستم** کے یہ معنی کرنے سے تین خرابیاں ہوں گی۔ ایک یہ کہ اس صورت میں بڑے حدث یعنی جنابت کے تیمم کا ذکر نہ ہوگا۔ حالانکہ یہاں دونوں حدثوں کے تیمم کا ذکر فرمانا مقصود ہے۔ آیت ناقص ہوگی۔ دوسرے یہ کہ **لمستم** کو باب مفاعلہ سے لانے کا فائدہ کوئی ہوگا لمس کے معنی ہیں چھونا **ملامسۃ** کے معنی ہیں دو طرفہ۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح چھونا۔ یعنی صحبت تیسرے یہ کہ یہ معنی حدیث پاک کے خلاف ہیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد پڑھتے تھے تو میں آپ کے سامنے لیٹی ہوتی تھی۔ حضور سرکار جب سجدہ فرمانے لگتے تو مجھے ہاتھ لگا دیتے۔ میں پاؤں سمیٹ لیتی۔ آپ

www.alahazratnetwork.org

سجدہ کر لیتے تو میں پاؤں پھیلاتی تھی۔ اگر عورت کو ہاتھ لگانا وضو توڑ دیتا تو دوران نماز حضور ام المومنین کو ہاتھ نہ لگاتے۔ نیز اگر عورت کو ہاتھ لگنے سے مرد کا وضو ٹوٹ جائے تو چاہیے کہ عورت کا وضو ہرگز نہ ہو سکے۔ جو دوسرے کا وضو توڑے وہ خود باوضو کیونکر ہوگی۔ **تیسرا اعتراض** تم نے **وامسحوا برءوسکم** کی تفسیر میں کہا کہ بعض سر کا مسح فرض ہے نہ کہ کل کا کیونکہ یہاں **رؤس** پر ب آئی ہے ب سے **بعضیت** معلوم ہوتی ہے۔ تو یہاں فرمایا گیا **بوجوھکم** یہاں **بوجوھکم** میں ب ہے تو چاہیے تھا کہ تیمم میں بھی بعض چہرے کا مسح ہو نہ کہ کل کا (مالکی حضرات) **جواب** واقعی "ب" تو یہی چاہتی تھی۔ مگر چونکہ تیمم میں چہرے کا مسح وضو میں منہ دھونے کے قائم مقام ہے۔ اور وضو میں چہرہ پورا دھلتا ہے اس لئے تیمم میں پورے چہرے کا مسح فرض ہوا۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا۔ **ایدیکم** اور ساتھ ہی **الی المرافق** ارشاد نہ ہوا۔ تو چاہیے کہ تیمم میں بغل تک ہاتھوں کا مسح فرض ہو۔ کیونکہ پورا ہاتھ بغل تک ہی ہے۔ **جواب** اس کا جواب بھی اسی مذکورہ جواب سے معلوم ہوگیا۔ کہ چونکہ تیمم میں ہاتھوں کا مسح وضو میں ہاتھ دھونے کے قائم مقام ہے اس لئے وہاں تک ہی مسح کیا جاوے گا۔ جہاں تک وضو میں دھلتا ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کے آخر میں فرمایا گیا **لیطھرکم** اور ارشاد ہوا **لیتم نعمتہ علیکم** حالانکہ پچھلی امتوں کو بھی وضو دیا گیا تھا۔ ان کا وضو بھی انہیں پاک کرتا تھا۔ اللہ کی نعمت تھی تو ہم کو خصوصیت سے یہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ خوب پاکی جس سے جسم کے ساتھ دل بھی پاک ہو جاوے۔ یہ صرف اس امت کے لئے ہے۔ ان کا فقط جسم پاک ہوتا تھا۔ اسی طرح وضو سے قیامت میں اعضاء وضو کا چمکنا صرف اسی امت کے لئے ہے ان کے لئے نہیں اس لئے اسے اتمام نعمت فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ اے **طالبین** مولیٰ اگر تم محبت دنیا کی بیماری کے مریض ہو۔ نفس کے نقش قدم پر چل پڑنے کی وجہ سے مسافر ہو چکے ہو اپنے وطن سے دور ہو گئے ہو۔ یا تم دنیا کی شہوتوں میں سے کسی شہوت کے بیت الخلاء سے آ گئے یا تم دنیا کی لذتوں میں نفس کے لئے ہم آغوش ہو کر جنبی ہو جاؤ اور اس آستانہ قدس میں حاضری کے قابل نہ رہو اس حالت میں تمہارے پاس توبہ استغفار کا پانی نہ ہو۔ آنکھوں کے آنسو نہ ہوں۔ کیونکہ آنکھیں خشک ہو چکی ہوں۔ طیب طاہر مقبول بندوں کے آستانوں ان کے قدموں کی خاک کا ارادہ کرو۔ کیونکہ یہ خاک بڑے بڑے دلی گناہوں سے پاک ہونے کا ذریعہ ہیں۔ اسی خاک کو اپنے چہروں پر ملو۔ اپنے ہاتھوں کا مسح کرو کہ اس میں دلوں کی شفا اور گناہوں کی بیماری کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عمل سے تم کو ذلیل نہ کرے گا۔ وہ تم پر ذلت کی تنگی نہ ڈالے گا۔ بلکہ تم کو اس کے ذریعہ پاک فرمائے گا۔ سب سے بڑا گناہ بندہ کا اپنا وجود ہے۔ حالانکہ معبود کا وجود ازلی ابدی ہے حقیقت کے ہوتے مجاز کیسا۔ نور کے ہوتے ہوئے ظلمت کیسی۔ دن کے ہوتے ہوئے رات کیسی۔ اس سے پاکی جب ہی میسر ہوگی۔ جب کسی ایسے بندے کے آستانہ پر لوٹ لگاؤ جو فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو چکا ہو۔ نیز رب تعالیٰ چاہتا ہے۔ تم کو انانیت سے پاک کرے کہ تمہاری انا کو نار عشق میں ملا

www.alahazratnetwork.org

کر فنا کی آمیزہ کر اسے کیمیا بنا دے اور چاہتا ہے کہ تم اس کا شکر کرو کہ تم پر وہ بڑا مہربان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومنین کا جسم عالم شہادت ہے۔ اور اس کا دل درون عالم غیب۔ جیسے عالم غیب و شہادت میں تعلقات ہیں۔ ایسے ہی جسم و قلب کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ جیسے دل کے آثار جسم پر نمودار ہوتے ہیں۔ ایسے ہی جسم کے آثار دل پر ظاہر ہوتے ہیں۔ ظاہری جسم کو پاک کرو تاکہ دل بھی پاک ہو جائے۔ اور جیسے سورج کے انوار کے سامنے والے شیشے میں نمودار ہو کر اس جگہ کو چمکا دیتے ہیں جو سورج سے آڑ میں ہو۔ یونہی آفتاب نبوت صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار اولیاء اللہ کے سینوں کے ذریعہ ہم جیسے دور افتادگان کو بھی چمکا سکتے ہیں۔ نور حضور کا ہے مگر ملتا ہے اولیاء اللہ کی معرفت۔ شعر:

☆ فیض ازل بزور وزرار آمدے بہ دست ☆ آب خضر نصیبہ اسکندر آمدے ☆

یہ فیض زور و زر سے نہیں ملتا زاری سے ملتا ہے۔ (تفسیر روح البیان)

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا
اور یاد کرو نعمت اللہ کی جو اوپر تمہارے ہے اور اس کا عہد و پیمان وہ جو عہد لیا اس نے تم سے جبکہ کہا
اور یاد کرو اللہ کا احسان اپنے اوپر اور وہ عہد جو اس نے تم سے لیا۔ جب کہ تم نے کہا ہم نے سنا
وَاَطَعْنَا وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
جب کہ کہا تم نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے اور ڈرو تم اللہ سے بیشک اللہ جاننے والا ہے سینوں والیوں کو
اور مانا اور اللہ سے ڈرو۔ بے شک اللہ دلوں کی بات جانتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عمومی نعمتوں کا ذکر ہوا۔ جو تاقیامت سارے مسلمانوں کو عطا ہوئیں۔ یعنی تیمم کی رعایتیں وضو کی کرامتیں۔ اب ان خصوصی نعمتوں کا ذکر ہے۔ جو صرف حضرات صحابہ کرام کو خصوصیت سے عطا فرمائی گئیں۔ یعنی صحابیت اور حضور کی بیعت جو انہیں حضرات کو میسر ہوئیں۔ ہم لوگوں کو نصیب نہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں تیمم کا ذکر ہوا۔ تیمم وہ فضیلت ہے جو امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے صدقے سے نصیب ہوئی۔ یعنی یہ نعمت متعدی ہے۔ اب اس خاص نعمت کا ذکر ہے جو صحابہ کرام پر لازم رہیں۔ یعنی متعدی فضیلت کے بعد لازم فضیلت کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں غذا، نکاح، وغیرہ معاملات پر پابندیاں لگائی گئی تھیں اور وضو تیمم وغیرہ عبادات کا حکم دیا گیا تھا۔ نفس پر یہ پابندیاں اور عبادات گراں تھے۔ اس لئے اب اس چیز کا ذکر فرمایا۔ جو ان تمام مشکلات کو آسان کر دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا اس کے انعام سوچنا کہ اگر یہ کام نفس پر گراں ہوں۔ تو اللہ کی نعمتیں اور اپنے عہد و پیمان سوچ لیا کرو۔

www.alahazratnetwork.org

پھر فیصلہ کیا کرو کہ جس منعم کے اپنے انعامات ہیں اس کے احکام ماننا لازم ہیں۔ غرض کہ مشکل چیزوں کا ذکر پہلے تھا اور مشکل کو آسان کرنے والی چیز کا ذکر اب ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ تم شکر کرو جس سے معلوم ہوا تھا کہ گزشتہ احکام پر عمل کرنا عملی شکر ہے۔ اب قولی شکر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ غرض کہ شکر کی ایک قسم کا ذکر پہلے تھا۔ دوسری قسم کا ذکر اب ہے۔

تفسیر واذکروا نعمۃ اللہ علیکم یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے **اذکروا** بنا ہے۔ ذکر سے۔ بمعنی یاد کرنا۔ یا یاد رکھنا۔ یاد دلانا۔ چرچا کرنا۔ پھر یاد کرنا زبان سے بھی ہوتا ہے۔ دل سے بھی۔ عمل سے بھی۔ جسے ذکر زبانی۔ ذکر جنانی، ذکر ارکانی کہا جاتا ہے۔ یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ ممکن ہے کہ عام مسلمانوں سے خطاب ہو۔ یا عام انسانوں سے۔ اس لئے نعمت میں بھی تین احتمال ہیں کہ **نعمۃ اللہ** سے مراد یا صحابیت ہے یا ایمان و قرآن وغیرہ۔ یا انسانیت اور انسانوں پر اللہ کے احسانات خصوصی ہیں۔ لہٰذا جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ نعمت کے معنی اس کے اقسام اور دنیاوی دینی۔ دینی نعمتوں کی کچھ تفصیل سورہ فاتحہ کی تفسیر **انعمت علیھم** کے ماتحت بیان ہو چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ قیمت، اجرت، رحمت، نعمت ان چاروں میں فرق ہے۔ قیمت وہ مال جو مال کے عوض دیا جائے اجرت وہ جو کام کے عوض دیا جائے۔ رحمت و نعمت دونوں بغیر معاوضہ ہوتے ہیں۔ مگر رحمت جڑ ہے نعمت اس کی شاخ یا رحمت شاخ ہے۔ نعمت پھل، کسی کا حال زار دیکھ کر ترس آجانا رحمت ہے۔ پھر کچھ اسے دے دینا نعمت ہے۔ رحمت ہوئی تو نعمت ملی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور کو رحمت للعالمین فرمایا کہ ارشاد ہوا **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** کہ آپ تمام نعمتوں کا ذریعہ ہیں۔ اگرچہ حضور خود بھی نعمت الٰہی ہیں مگر رحمت بھی ہیں۔ یعنی دوسری نعمتوں کا ذریعہ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اللہ کی نعمت سے مراد ایمان کی توفیق۔ صحابیت حضور کے دست اقدس پر بیعت حضور کے ساتھ نمازیں۔ حضور کی معیت میں جہاد۔ حضور کا کلام سننا وحی اترتے ہوئے دیکھنا ہے۔ اس تفسیر پر **علیکم** میں خطاب حضرات صحابہ سے ہوگا۔ اور ممکن ہے کہ نعمت اللہ سے مراد ایمان، تقویٰ خوف خدا عشق مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم ہو اور **علیکم** سے وہی سارے انسان مراد۔ خیال رہے کہ نعمت سے مراد جنس نعمت ہے جو ایک اور زیادہ بلکہ تمام نعمتوں پر صادق آتی ہے۔ اس کی نوعیں، فرعیں بہت ہیں۔ مگر چونکہ نعمت یاد رکھنا۔ نعمت دینے والے سے محبت پیدا ہو جانے کا ذریعہ ہیں۔ اور نعمت والے سے محبت اس کی اطاعت کا باعث ہے۔ اس لئے اللہ کی نعمت یاد رکھنے کا حکم دیا گیا۔ **ومیثاقہ الذی واثقکم بہ** واؤ عاطفہ ہے اور میثاق معطوف ہے۔ نعمت اللہ پر میثاق بروزن مفعال مصدر ہے۔ جس کا مادہ وثق۔ بمعنی مضبوطی ہے۔ جیسے ولادت سے میلاد۔ عروج سے معراج۔ وعدے سے میعاد۔ یوں ہی وثق سے میثاق ہے۔ ہم وعدہ، عہد اور میثاق کا فرق پہلے بیان کر چکے ہیں۔ کہ وعدہ تو ہر وعدے کو کہتے ہیں۔ عہد مضبوط و محفوظ وعدہ میثاق بوجھل وعدہ جس کی خلاف ورزی کرنے پر کچھ سزا مقرر ہو۔ یہاں میثاق حاصل مصدر ہے۔ بمعنی بوجھل مضبوط و پختہ وعدہ۔ وعدہ کی

www.alahazratnetwork.org

نسبت فاعل کی طرف بھی ہوتی ہے۔ مفعول کی طرف بھی یہاں مفعول کی طرف اضافت ہے۔ ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کونسا عہد و پیمان مراد ہے۔ بعض نے فرمایا کہ بیعت عقبہ میں جو عہد و پیمان صحابہ کرام نے حضور انور سے کیا تھا وہ مراد ہے۔ پہلی بیعت عقبہ میں بارہ انصار نے یہ وعدہ کیا تھا۔ اگلے سال دوسری بیعت عقبے میں ۷۰ صحابہ نے وعدہ کیا کہ حضور انور ہمارے مدینہ میں ہجرت فرما کر تشریف لائیں۔ ہم حضور کی اطاعت اور ہر طرح دین کی مدد کریں گے۔ اگرچہ یہ وعدہ کرنے والے صرف بارہ اور ستر تھے۔ مگر چونکہ یہ لوگ ساری قوم کے نمائندے تھے۔ اس لئے یہ وعدہ تمام حضرات اہل مدینہ کا وعدہ ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے بیعت الرضوان کے موقعہ پر کئے ہوئے وعدے مراد ہیں کہ ہم مرجائیں گے مگر جہاد میں پیٹھ نہ دیں گے۔ بعض نے فرمایا یہ وہ عہد و پیمان ہے جو ہر صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرتا تھا۔ بیعت اسلام کرتے وقت کہ ہم حضور کی فرمانبرداری کریں گے۔ ان تمام صورتوں میں میثاق سے مراد حضرات صحابہ کرام کے وعدے ہیں۔ بیعت الرضوان کا عہد بھی بلاواسطہ ان چودہ سو حضرات نے کیا۔ جو حدیبیہ میں موجود تھے اور ان کے واسطے سے تمام صحابہ کرام نے عہد کرلیا۔ نیز حضرات صحابہ کرام کے عہد بالواسطہ تمام مسلمانوں کے عہد ہیں کہ وہ حضرات مسلمانوں کے پیشوا ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ وعدہ ہے جو ہر مسلمان کلمہ پڑھتے وقت رب تعالیٰ سے کرتا ہے۔ اسلام قبول کرنا بھی ایک قسم کا وعدہ ہے۔ اس صورت میں میثاق سے مراد سارے مسلمانوں کے وعدے ہیں۔ جب مسلمان کلمہ طیبہ پڑھتا ہے۔ تو رب کا بندہ ہونے اور حضور کا امتی ہونے کا اقرار کرتا ہے۔ اس اقرار میں رب تعالیٰ کی عبادات حضور کی اطاعات کا پختہ وعدہ ہے۔ جیسے کوئی کسی کے نوکر یا غلام ہونے کا اقرار کرے اور اس کو اپنا آقا تسلیم کرے تو اس کی اطاعت کا وعدہ کرلیتا ہے۔ بعض کے نزدیک اس سے مراد یوم الست کے دن کا وعدہ ہے۔ جو تمام روحوں سے لیا گیا۔ **الست بربکم قالوا بلی** اس صورت میں تمام انسانوں کا وعدہ ہے۔ خواہ مومن ہو یا کافر۔ فقیر کے نزدیک تین تفسیریں قوی ہیں اور اس سے صحابہ کرام کے وعدے مراد ہیں یہ وعدے صاحب تفسیر کبیر نے بہت تفصیل سے بیان فرمائے **الذی** میثاق کی صفت ہے۔ واثق کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ **کم** میں وہی تین احتمال ہیں جو ابھی عرض ہوئے۔ کہ اس سے مراد صحابہ کرام ہیں یا تمام مسلمان یا سارے انسان پہلی توجیہ قوی ہے۔ **بہ** کا مرجع میثاق ہے۔ یعنی اپنا وہ عہد و پیمان بھی یاد رکھو جو اللہ تعالیٰ نے تم سے لیا۔ صحابہ کرام کے وہ عہد اگرچہ حضور کے لئے تھے۔ مگر چونکہ حضور کا عہد لینا رب تعالیٰ کا ہی عہد لینا ہے۔ حضور سے وعدہ رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ اس لئے واثق کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف بالکل درست ہے۔ (تفسیر خازن و کبیر وغیرہ) **اذ قلتم سمعنا واطعنا** یہ عبارت واثق کا ظرف ہے۔ اور اذ ظرفیہ یا یہ **واذکروا** الخ کی علت ہے اور اذ **تعلیلیہ قلتم** میں وہی تین احتمال ہیں کہ اس میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ یا عام مسلمانوں سے یا تمام انسانوں سے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ میثاق کے دن تمام روحوں نے صرف بلی کہا تھا۔ **سمعنا واطعنا** نہیں کہا تھا۔ یوں ہی ہر مسلمان ایمان لاتے وقت یہ الفاظ صراحۃً" کہتا۔ **سمعنا** اور **اطعنا** دونوں ماضی

www.alahazratnetwork.org

ہیں مگر **سمعنا** اپنے ہی معنی میں ہے اور **اطعنا** بمعنی مستقبل **سمعنا** کا مفعول آحضور کے وہ فرمان ہیں جو بوقت بیعت حضور فرماتے تھے۔ **اطعنا** کا مفعول وہ فرمان ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم عطا فرماتے رہیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ **سمعنا** بھی بمعنی مستقبل ہو۔ یعنی تم نے عہد کرتے وقت کہا تھا کہ ہم نے آپ کا فرمان سن لیا اور ہمیشہ آپ کے احکام کی اطاعت کریں گے۔ یا ہمیشہ ہم آپ کے فرمان سنیں گے اور اطاعت کریں گے۔ **واتقوا اللہ** اگر یہ خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ تو اس کے معنی ہیں تقویٰ پر قائم رہو۔ کیونکہ صحابہ کرام متقی تو تھے ہی۔ اگر عام مسلمانوں سے خطاب ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ اللہ سے ڈرو۔ تقویٰ کے معنی اس کے اقسام عام انسانوں 'مسلمانوں' اولیاء اللہ 'حضرات انبیاء کرام کے تقوؤں میں فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ جیسا متقی ویسا اس کا تقویٰ۔ **ان اللہ علیم بذات الصدور** اس جملہ نے گزشتہ سارے احکام کی تائید فرمادی۔ علیم و عالم اور علام کا فرق بارہا بیان ہو چکا۔ ذات مونث ہے۔ ذو کا بمعنی والا۔ لہذا ذات کے معنی ہوئے والی **الصدور** جمع ہے **صدر** کی بمعنی سینہ یہاں اس سے مراد دل ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ دل والی باتوں کو ہمیشہ سے اچھی طرح جانتا ہے۔ لہذا ظاہری تقویٰ کے ساتھ باطنی تقویٰ بھی اختیار کرو۔ اپنے خیالات و ارادے درست رکھو۔ ہمیشہ خیال رکھو کہ ہم تمہارے دلوں کے ارادوں خطرات سے خبردار ہیں۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کی تین تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ جو ہمارے نزدیک قوی ہے اے میرے محبوب کے صحابہ جنہیں میں نے اپنے محبوب کی صحبت کے لئے چن لیا۔ تم اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو یا یاد رکھو یا چرچا کرو۔ لوگوں کو سناؤ جو صرف تم کو عطا کی گئی نہ تم سے پہلے کسی کو ملی نہ تمہارے بعد کسی کو ملے۔ ہم نے تم کو اپنے محبوب کی صحبت کے لئے چنا۔ تمہارے چرچے آسمانی کتب میں کئے تمہیں تاقیامت تمام مسلمانوں کا پیشوا بنایا۔ تم کو ایمان کی کسوٹی بنایا۔ کہ جس کے دل میں تمہاری لگن ہو وہ مومن ہے۔ ورنہ کافر مطلق۔ تمہارے متعلق فرمایا **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا** اور اے جماعت صحابہ تم اس عہد و پیمان کو بھی یاد رکھو جو بیعت عقبہ و بیعت رضوان بیعت اسلام وغیرہ کے موقعوں پر ہم نے تم سے لئے۔ اپنے محبوب کی معرفت کہ تم نے اقرار کیا تھا۔ کہ یا رسول اللہ ہم نے ہمیشہ آپ کے فرمان قبول کئے۔ کانوں سے سنا کریں گے۔ اور آپ کے تمام احکام پر عمل کریں گے۔ آپ کی اطاعت ہمارا مشغلہ زندگی ہو گا۔ تم محبوب کے ساتھی ہو لہذا ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ ظاہری۔ باطنی تقویٰ تمہارا شعار ہو۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ دلوں کی باتیں بھی جانتا ہے۔ تمہارے خیالات ارادے سب اس کے علم میں ہیں لہذا ہر وقت اس سے ڈرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان زبان سے بیان کرنا۔ انہیں دل سے ماننا عمل سے اس کی یادگار قائم کرنا لوگوں سے اس کا چرچا کرنا عبادت ہے۔ یہ فائدہ **اذکروا نعمۃ**

www.alahazratnetwork.org

اللہ کی تفسیروں سے حاصل ہوا۔ لہٰذا میلاد شریف حضور کا ذکر۔ نعت خوانی بہترین عبادت ہے۔ کہ حضور خود اللہ کی نعمت ہیں اور یہ چیزیں اس نعمت کی یاد کا ذریعہ ہیں۔ **دوسرا فائدہ** ساری مخلوق میں انسان بڑا نافرمان وعدہ فراموش ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے صرف انسان سے ہی عہد و پیمان لئے۔ میثاق کے دن عالم ارواح میں بھی اور اس کے علاوہ بھی پھر ان کے یاد دلانے کے لئے انبیاء کرام بھیجے۔ کتب نازل فرمائیں۔ کسی اور مخلوق سے عہد و پیمان نہ لئے۔ پھر اس کے باوجود مشرک 'کافر' جھوٹے نبی بلکہ جھوٹے خدا بنے۔ انسان کے سوا اور کسی مخلوق میں یہ بیماریاں نہیں۔ شیطان بھی دعویٰ خدائی دعویٰ نبوت نہیں کرتا۔ **تیسرا فائدہ** اقرار وعدہ کے لئے صرف بلیٰ یا نعم یا ہاں ہاں کہہ دینا بھی کافی ہے۔ اس سے بھی وعدہ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ **میثاقکم** کی تیسری تفسیر سے معلوم ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے قالوا بلیٰ کو میثاق فرمایا۔ **چوتھا فائدہ** وعدہ کی پختگی چند طرح ہوتی ہے۔ الفاظ زوردار ہوں۔ وعدہ اعلیٰ جگہ پر ہو۔ جیسے کعبہ معظمہ 'منبر رسول یا مسجد میں وعدہ لینا اعلیٰ وقت میں وعدہ لینا ہے۔ جیسے جمعہ کے دن 'شب قدر' ماہ رمضان میں وعدہ لینا۔ بزرگوں کے سامنے وعدہ لیا جاوے جیسے حضور کے سامنے قرآن کریم کے سامنے 'منبر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے وعدہ لینا ان سے وعدہ اعلیٰ ہو کر میثاق بن جاتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **میثاقکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے **قالوا بلیٰ** کو میثاق فرمایا۔ کیونکہ وہ عالم ارواح میں رب کے سامنے حضرات انبیاء کرام کی موجودگی میں فرشتوں کے سامنے وعدہ لیا۔ اس سے وہ لفظ بلیٰ میثاق بن گیا۔ **پانچواں فائدہ** کوئی شخص اپنے نیک اعمال پر کبھی فخر نہ کرے۔ اسے رب تعالیٰ کی توفیق کا نتیجہ سمجھے یہ توفیق اللہ کی نعمت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کے ایمان 'صحابیت' عبادات' جہاد وغیرہ کو نعمت اللہ فرمایا۔ ہاں اس پر شکر کرے فخر برا ہے شکر اچھا۔ **چھٹا فائدہ** بیعت عقبہ اور بیعت رضوان والے سارے صحابہ رب تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں۔ جنہیں رب تعالیٰ نے یہ بیعت کا شرف بخشا۔ یہ فائدہ بھی نعمت اللہ سے حاصل ہوا۔ کہ ان بیعتوں کو رب نے نعمت اللہ فرمایا۔ **ساتواں فائدہ** کوئی شخص کسی درجے پر پہنچ کر صحابہ کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تمام غوث و قطب و ابدال صحابہ کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہ فائدہ علیکم کی ضمیر خطاب سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** تمام انبیاء کے صحابہ سے حضور کے صحابہ افضل ہیں۔ یہ فائدہ بھی اسی **علیکم** سے حاصل ہوا جس میں فرمایا کہ وہ نعمت یاد کرو جو صرف تم پر کی گئی کسی اور نبی کے صحابہ پر نہ کی گئی سبحان اللہ۔ **نواں فائدہ** حضرات صحابہ نے حضور سے کئے ہوئے سارے وعدے پورے کئے۔ وہ اپنے وعدوں کے سچے تھے۔ کیونکہ یہاں رب تعالیٰ نے ان کے وعدوں کا ذکر تو فرمایا۔ مگر ان کی مخالفت وعدہ کا ذکر نہ فرمایا۔ یعنی یہ تو فرمایا کہ تم نے کہا تھا **سمعنا واطعنا** مگر یہ نہ فرمایا کہ تم نے یہ عہد پورا نہ کیا۔ غرض کہ اسی آیت کریمہ نے حضرات صحابہ کرام کے وہ مناقب بیان کئے کہ سبحان اللہ۔ **دسواں فائدہ** اپنے فضائل و مناقب بطور شکریہ لوگوں کو سنانا جائز بلکہ بہتر ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس کے معنی یہ کئے کہ اے صحابہ اللہ کی جو نعمت تم پر ہے وہ لوگوں سے ذکر کرو کہ ہم کو رب نے یہ انعام دیا۔ حضور فرماتے ہیں **انا سید ولد آدم** میں اولاد آدم کا

www.alahazratnetwork.org

سردار ہوں یہ فرمان رب کے شکر کے لئے ہے۔ نہ کہ فخرو بڑائی کے طور پر۔ **گیارہواں فائدہ** کئے ہوئے وعدے یاد دلانا سنت الٰہیہ ہے جیسا کہ **میثاقہ** کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ **بارہواں فائدہ** حضور سے وعدہ رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ یونہی حضور کا وعدہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ جیسا کہ واثق سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ سے وعدہ لیا تھا۔ حضور نے مگر فرمایا کہ رب نے وعدہ لیا۔ کیونکہ آپ رب تعالیٰ کے مختار خاص ہیں۔ **تیرہواں فائدہ** وعدہ پورا کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ رب نے فرمایا **اوفو بالعھد** اور فرمایا **اوفوا بعھدی اوف بعھدکم** حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا **وانہ کان صادق الوعد** اور فرمایا **وابراھیم الذی وفی** ہمارے حضور کو نبوت سے پہلے کفار **صادق الوعد** کے لقب سے یاد کیا کرتے تھے۔ جو شخص وعدہ کا پختہ ہو جائے تو اس کے کئے ہوئے وعدے رب تعالیٰ بھی پورے فرماتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے **لو اقسم علی اللہ لابرہ۔**

پہلا اعتراض یہاں نعمت اللہ واحد کیوں ارشاد ہوا۔ حضرات صحابہ پر تو بہت سی نعمتیں ہیں۔ **نعماء اللہ** جمع فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب** تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں نعمت جنس ہے۔ جو واحد و جمع سب کو شامل ہے۔ یعنی جنس نعمت میں غور کرو کون ہے جو رب تعالیٰ کی نعمتیں گن سکے۔ یا نعمت سے مراد خاص نعمت ہے یعنی صحابیت جس میں تمام نعمتیں داخل ہیں۔ (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض واذکروا** سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام اللہ کی نعمتیں بھول گئے تھے۔ کیونکہ بھولی چیز یاد دلائی جاتی ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا کہ اللہ کی نعمتیں اتنی زیادہ ہیں کہ ان کا یاد رکھنا مشکل ہے۔ کثرت کی وجہ سے بھول جاتی ہیں جیسے زیادتی ظہور خفا کا سبب بن جاتی ہے **ھو الظاھر والباطن۔ تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ متقی و پرہیزگار نہ تھے اگر وہ متقی ہوتے۔ تو انہیں تقویٰ کا حکم نہ دیا جاتا۔ دیکھو فرمایا **اتقوا اللہ جواب** یہاں **اتقوا اللہ** کے معنی ہیں۔ تقویٰ پر قائم رہو۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **یایھا النبی اتق اللہ** اے نبی اللہ سے ڈرتے رہو۔ ہم ہر رکعت میں پڑھتے ہیں **اھدنا الصراط المستقیم** ہم کو سیدھے راہ کی ہدایت کر۔ حالانکہ ہم **بفضلہ** تعالیٰ گمراہ نہیں ہیں۔ ہدایت پر ہیں مطلب یہ ہی ہے کہ ہم کو ہدایت پر قائم رکھ۔ بہر حال یہ آیت کریمہ حضرات صحابہ کرام کی مدح و ثنا کی آیت ہے

تفسیر صوفیانہ اللہ کی سب سے بڑی نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور خود بھی نعمت ہیں اور تمام نعمتوں کا سرچشمہ ہیں۔ دینی و دنیاوی نعمتیں سب حضور کے طفیل حضور کے ذریعہ سے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ **فان من جودک الدنیا و ضرتھا** ☆ **ومن علومک علم اللوح والقلم** ☆

☆ رب اعلیٰ کی نعمت پر اعلیٰ درود ☆ حق تعالیٰ کی منت میں لاکھوں سلام ☆

حق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نعمتیں جسمانی ہو یا روحانی۔ ظاہری ہوں یا باطنی۔ چھوٹی ہوں یا بڑی اس وقت نعمتیں

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ جب حضور کے ذریعہ حاصل ہوں۔ ورنہ حضور کو چھوڑ کر یہ سب عذاب ہیں۔ غذا' پھل فروٹ حتیٰ کہ کلمہ قرآن' نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ اگر حضور کو چھوڑ کر اختیار کئے جاویں تو خدا کا عذاب ہیں اور حضور پر نور کے ذریعہ اختیار کئے جائیں تو نعمت ہیں۔ منافقوں کی قرآن خوانی' نمازیں' جہاد سب عذاب تھے کہ ان کے دل میں حضور جلوہ گر نہ تھے۔ ابلیس کے سجدے سجود سب عذاب ہی بنے کہ نبوت کے فیض سے خالی تھے مومنوں کے لئے یہ چیزیں نعمت ہیں کہ حضور کی معرفت ہیں۔ لہٰذا حضور نعمت بھی ہیں اور نعمت گر بھی نیز تمام نعمتیں صرف دنیاوی زندگی میں کار آمد ہیں۔ حضور کا دامن کرم۔ دنیا' قبر' حشر میں کار آمد ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں کسی نعمت کے لئے **لقد من اللہ** نہیں فرمایا۔ صرف حضور کی بعثت کے لئے فرمایا۔ اس نعمت کے ذکر سے مراد ہے ان کے تصور میں رہنا فرمایا گیا۔ کہ اللہ کی اس نعمت کی یاد میں لگے رہو کہ اسی یاد پر تمہاری کامیابی ہے۔ دنیا میں قبر حشر میں بلکہ قبر میں تو اسی یاد اسی دھیان کا امتحان ہے۔ کہ فرشتے پوچھتے ہیں۔ تم انہیں کیا کہتے تھے۔ ان کی یاد ان کا دھیان عبادات کی اصل ہے۔ ان کے دھیان کے بغیر نماز روزہ حج و زکوٰۃ جہاد بلکہ زندگی و موت بیکار ہے۔ اس نعمت اللہ کو ہر وقت یاد رکھو۔ اگر تم نے انہیں یاد رکھا تو ان کے ہاں تمہاری یاد رہے گی۔ یاد کرو یاد کئے جاؤ گے۔

☆ تیرے رستے میں مرمٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں ☆
☆ تیرے کوچہ میں ہونا دفن جنت اس کو کہتے ہیں ☆
☆ تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا ☆
☆ حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں ☆
☆ ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا ☆
☆ تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں ☆

کیا لطف ہے کہ اس قرآن نے ایک جگہ فرمایا **فاذکرونی اذکرکم** تم مجھے یاد کرو۔ یہاں فرمایا **اذکروا نعمت اللہ علیکم**۔ اللہ کی نعمت یعنی محمد رسول اللہ کو یاد کرو۔ اور اپنا وہ وعدہ اور عہد بھی یاد رکھو۔ جو تم میثاق کے دن ہم سے کر گئے تھے۔ ہماری الوہیت اور ان محبوب کی نبوت پر ایمان لانے۔ عہد ایسا نہ ہو کہ تم دنیا کے جھگڑوں میں پھنس کر ہمارا عہد و پیمان بھول جاؤ۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ جسم سے اور کام بھی کرو مگر دل میں دھیان ہمارے محبوب کا رکھو۔ ہم دل کی باتوں کو جانتے دیکھتے ہیں۔ اگر تمہارا دل ہمارا نشانہ بن گیا تو وہاں دنیا نہ پہنچنے پائے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے شہر میں تمام مکانات عمارتیں انسانوں کی ہوتی ہیں۔ جہاں نماز اور تلاوت بھی ہوتی ہے۔ اور دنیاوی کام بھی۔ مگر مسجدیں خاص اللہ کی جہاں صرف عبادات ہوتی ہیں۔ ایسے ہی انسان کے دوسرے اعضاء سے دنیاوی کاروبار بھی کئے جائیں اور اللہ کا ذکر بھی مگر دل صرف اللہ کی یاد کے لئے ہونا چاہیے۔ اور جیسے کوٹھی میں سارے کمرے دوسرے کاموں کے لئے

www.alahazratnetwork.org

مگر مالک کے آرام کا کمرہ صرف مالک کے لئے وہاں نہ کوئی سامان رہے نہ کوڑا کچرا۔ یونہی اے انسان تیرا دل صرف خدا خانہ ہو جہاں یار کے سوا کچھ نہ ہو۔ **واذکروا نعمت اللّٰہ** کی ہر وقت وہاں تجلی ہو۔

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو جاؤ تم قائم رہنے والے واسطے اللہ کے گواہ ساتھ انصاف کے اور نہ

اے ایمان والو اللہ کے حکم پر خوب قائم ہو جاؤ انصاف کے ساتھ گواہی دیتے اور تم کو کسی

شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰٓ أَلَّا تَعْدِلُوا ۚ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ

ابھارے تم کو عداوت کسی قوم کی اوپر اس کے کہ نہ انصاف کرو تم انصاف کرو وہ زیادہ قریب ہے

قوم کی عداوت اس پر نہ ابھارے کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝

پرہیزگاری کے اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ خبردار ہے اوپر اسکے جو تم عمل کرتے ہو

اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ کو تمہارے کاموں کی خبر ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عبادات کی درستی کا حکم دیا کہ وضو یوں کرو کہ نماز درست ہو اب اصلاح معاملات کا حکم ہے۔ گواہی صحیح دینا انصاف کرنا وغیرہ چونکہ عبادات کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اور معاملات کا تعلق بندوں سے ہے اس لئے عبادت کا حکم پہلے دیا معاملات کا حکم بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ اللہ کی نعمت اور اپنے عہد و پیمان یاد رکھو اب یاد رکھنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ صرف زبان سے اس کا بیان کر دینا کافی نہیں بلکہ عملی یاد ضروری ہے۔ کہ گواہ بنو یا حاکم عادل بنو۔ یہ عدل اس نعمت کی صحیح یاد ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کے آخر میں حکم دیا تقویٰ و پرہیزگاری کا۔ اب اس تقویٰ کے ارکان کا ذکر فرمایا۔ ہر حال میں عدل و انصاف کرنا کہ اس کے بغیر تقویٰ حاصل نہیں ہوتا۔

شان نزول جب کفار قریش نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر مکہ معظمہ میں داخل ہونے اور عمرہ کرنے سے روکا تو حضرات صحابہ کو بہت ہی صدمہ ہوا ایک تو انہیں مکہ معظمہ سے ہجرت کر جانے کا صدمہ تھا اب دوسرا صدمہ مکہ معظمہ سے روکے جانے کا ہوا۔ ان حضرات کے دل میں کفار سے ان حرکتوں کا بدلہ لینے کا بہت جوش پیدا ہوا تب ان کا جوش ٹھنڈا فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ اتری جس میں فرمایا گیا کہ تم کفار مکہ پر غالب آجانے کی صورت میں انصاف سے کام لینا۔ جوش میں آکر انتقام نہ لینا (از تفسیر کبیر)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر **یایھا الذین امنوا** اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تین حکم دیئے گئے۔ احکام پر قائم رہنا گواہی سچی دینا۔ فیصلے انصاف سے کرنا یہ تینوں کام بہت ہی دشوار ہیں۔ بغیر توفیق خداوندی ہم ان پر عمل نہیں کر سکتے۔ اس لئے رب کریم نے پہلے ہم کو پیارے خطاب سے پکارا۔ پھر احکام سنائے تاکہ اس خطاب کی لذت سے یہ مشکل آسان ہو جائے۔ دوسری قوموں کو نسبی خطاب سے پکارا گیا۔ جیسے **یبنی اسرائیل** مگر ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ خود اپنے ذات کریم کی نسبت سے پکارا۔ ایمان ان دو نسبتوں ہی کا نام ہے۔ حق یہ ہے کہ یہاں **الذین امنوا** سے صرف انسان مومنوں سے خطاب ہے کہ اگرچہ جن و فرشتے بھی مومن ہیں مگر وہ گواہ یا حاکم نہیں ہو سکتے ایمان کا ذکر فرما کر اعمال کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اعمال دین کے بعد ہیں۔ اگر کافر سچی گواہیاں دے۔ عدل و انصاف میں عمر گزارے۔ جنتی نہیں۔ اگرچہ ان اعمال کی وجہ سے اس کا عذاب ہلکا ہو جاوے۔ جیسے نوشیرواں۔ مگر جنتی نہیں۔ اس خطاب میں ہر زمانہ' ہر جگہ ہر طبقہ کے مسلمان داخل ہیں۔ ہر مومن کو ان احکام پر عمل لازم ہے۔ **کونوا قومین للہ کونوا** امر ہے۔ **تکونون** کا جس کا مصدر ہے **کون** بمعنی ہونا یا رہنا۔ یہاں دونوں معنی درست ہیں ہوؤ تم یا رہو تم۔ یہ **کان تامہ** سے بھی ہو سکتا ہے۔ اور **کان ناقصہ** سے بھی **قوامین** جمع ہے **قوام** کی جو مبالغہ ہے قیام کا۔ معنی بہت ہی قائم رہنے والے یا بہت ہی قائم رکھنے والے۔ دوسرے معنی پر اس کا مفعول پوشیدہ ہے احکام اللہ یا لاوامر اللہ یا لحقوق اللہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دونوں احتمال پر درست ہے۔ اگر **کونوا** تامہ ہے تو قوامین حال ہے اگر ناقصہ ہے تو قوامین اس کی خبر ہے۔ یعنی اے مسلمانوں اللہ کے لئے قائم رہو کہ تمہاری زندگی اور زندگی کا ہر حال نفس کے لئے نہ ہو۔ رب تعالیٰ کے لئے ہو۔ تمہاری موت اس کے لئے ہو **ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین** غرض کہ تمہاری زندگی و موت نہ شیطانی ہو۔ نہ نفسانی ہو۔ بلکہ رحمانی یعنی رحمان کے لئے ہو۔ (تفسیر خازن عن ابن عباس) خیال رہے کہ ہر چیز کسی مقصد کے لئے بنائی جاتی ہے۔ جب تک اس کا مقصد پورا ہو اس کی قدر ہوتی ہے۔ بیکار ہونے پر پھینک دی جاتی ہے۔ ہماری زندگی کا مقصد اللہ کی اطاعت ہے۔ اگر ہم نے یہ مقصد پورا کیا تو ہماری قدر ہے ورنہ ہماری زندگی بیکار ہے۔ جمادات' حیوانات بلکہ ہر چیز میں یہ قاعدہ جاری ہے گھڑی وقت دے تو اس کی جگہ جیب ہے۔ اگر ٹھہر جائے تو اس کی جگہ کوڑا گھر' بھینس دودھ دے' بیل کھیتی کرے تو اس کی جگہ ہمارے گھر میں ورنہ بیکار ہو جانے پر اس کی جگہ ذبح خانہ ہے۔ یہ باتیں دیکھو اور عبرت پکڑو تمہارے مملوک جانور تمہارے ہر حکم پر صابر و شاکر ہیں اور تم ان کی ہر طرح خبر گیری کرنے والے۔ تم ہمارے ہر حکم پر صابر و شاکر و فرمانبردار رہو۔ ہر طرح تمہاری خبر رکھیں گے۔ یا اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو قائم کرنے قائم رکھنے والے۔ ان پر قائم پابند رہو۔ حتیٰ کہ اگر تم کو بادشاہت ملے تو وہ بادشاہت تمہاری نہ ہو۔ بلکہ ہماری حکومت ہو۔ تم ملک میں ہمارے قوانین نافذ کرو۔ **الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوۃ** غرض کہ اس فرمان کی دو تفسیریں ہیں ہر تفسیر دریا ناپید اکنار ہے۔ **شھداء بالقسط** یہ یا تو "کونوا" کی دوسری خبر ہے۔ یا دوسرا حال یا **قوامین** کا

www.alahazratnetwork.org

ہیں پہلے دو احتمال قوی ہیں **شهداء** جمع ہے **شهيد** یا شاہد کی ۔ معنی گواہ **بالقسط** کی ب مصاحبت کی ہے ۔ معنی ساتھ ۔ قسط کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ اس کے معنی حصہ بھی ہیں اور انصاف بھی ۔ یہاں ۔ معنی انصاف ہے ۔ شہادت بہت عام ہے ۔ اللہ و رسول کی گواہی ۔ اپنے نفس کی گواہی ۔ دوسروں کے متعلق گواہی ۔ مقدمات میں گواہی ۔ یہ سب اس میں داخل ہیں ۔ ہر گواہی میں انصاف لازم ہے ۔ کہ سچی گواہی دی جائے ۔ اگرچہ وہ گواہی اپنے عزیز کے خلاف ہو یا دشمن کے موافق ہو کسی کی رعایت سے یا کسی کی دشمنی سے جھوٹی گواہی نہ دو قسط سے بنا ہے قسطاس ۔ معنی ترازو کا پلہ ۔ کیونکہ اس کے ذریعے حصے برابر کئے جاتے ہیں ۔ غرضیکہ گواہی کی پانچ صورتیں ہیں ۔ اللہ کی ذات و صفات کی گواہی ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حمیدہ کی گواہی ۔ اپنے نفس کے قصور و جرم کی گواہی ۔ شریعت کے حقوق کی گواہی ۔ کسی حقدار کے حق کی گواہی ۔ آخری دو گواہیاں تو حاکم کی عدالت میں ہوتی ہیں ۔ اور کسی کسی کو کبھی کبھی ان کا موقع ملتا ہے ۔ مگر پہلی تین گواہیاں ہر مسلمان ہر وقت دے کہ یہ مدار ایمان و تقویٰ ہے ۔ نیز آخری دو گواہیاں صرف زبان سے ہوتی ہیں ۔ مگر پہلی تین گواہیاں دل ' زبان اور ارکان سب سے ادا ہوتی ہیں حتیٰ کہ شہید اپنے خون کے قطروں سے وہ گواہیاں دیتا ہے ۔ آج ہم اللہ رسول کی گواہی دیں کل حضور ہماری گواہی دیں گے ۔ **ولا یجرمنکم شنان قوم** یہ جملہ **کونوا قوامین** پر معطوف ہے **لا یجرمن** تاکیدی نہی ہے ۔ یہ بنا ہے جرم سے ۔ معنی حمل اور برانگیختگی یا ابھارنا قصور کو ۔ اسی لئے جرم کہتے ہیں کہ اس پر نفس امارہ یا شیطان مجرم کو ابھارتا ہے ۔ **کم** میں خطاب یا تو ان ہی صحابہ سے ہے جنہیں کفار مکہ کی حرکتوں پر بہت غصہ تھا یا تمام مسلمانوں سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے ۔ کہ شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر الفاظ عام ہیں ۔ شنان کے معنی ہیں انتہائی غیض و غضب اور بہت سخت غصہ جس میں انسان ہانڈی کی طرح ابلنے لگے ۔ قوم سے مراد یا کفار مکہ ہیں یا سارے کفار ۔ یا سارے وہ لوگ جن سے ہم کو عداوت ہے ۔ پہلا احتمال شان نزول کے بہت مناسب ہے ۔ تیسرا احتمال عموم عبارت کے مناسب ہے ۔ یعنی اے صحابیو! یا اے مسلمانوں تم کو کفار مکہ کی عداوت و بغض یا مطلقاً کفار کا بغض یا مطلقاً کسی قوم کا بغض اس پر نہ ابھارے **علی ان لا تعدلوا** یہ عبارت **لا یجرمن** کا متعلق ہے ۔ عدل عین کے فتح سے ۔ معنی معاملات میں برابری ہے اور عدل عین کے کسرہ سے ناپ تول میں برابری کو کہا جاتا ہے ۔ عدل کی کئی صورتیں ہیں ۔ احسان کے عوض احسان کرنا ۔ تکلیف دور کرنے کے عوض تکلیف دور کرنا ۔ قصاص و سزاؤں وغیرہ میں انصاف کرنا ۔ یہاں تیسرے معنی زیادہ موزوں ہیں کہ شان نزول کے ہی مناسب ہیں ۔ عدل نہ کرنے کی بھی چند صورتیں ہیں ۔ محسن کے احسان کا بدلہ نہ کرنا ۔ باوجود قدرت کے جس نے تکلیف دور کی ہو موقع پڑنے پر قادر ہوتے ہوئے ۔ اس کی تکلیف دور نہ کرنا ۔ قصاص و سزاؤں میں مجرم کو سزائیں نہ دینا اس کی رعایت کرکے چھوڑ دینا ۔ مگر بے قصور کو سزا دے دینا بے انصافی نہیں بلکہ ظلم ہے ۔ بے انصافی اور چیز ہے ۔ ظلم دوسری چیز ۔ یہاں بے انصافی سے ممانعت ہے ۔ ممانعت کی دوسری آیات ہیں ۔ **اعدلوا هو اقرب للتقوى** یہ تیسرا فرمان عالی ہے ۔ یعنی عدل و انصاف کرو ۔ **هو** کا مرجع عدل ہے

www.alahazratnetwork.org

جو **اعدلوا** کا مشتق منہ ہے۔ یعنی عدل و انصاف کرو۔ یہ عدل و انصاف تقویٰ و پرہیزگاری سے بہت ہی قریب ہے یا بہت ہی قریب کرنے والا ہے۔ جس نے عدل کو مضبوطی سے پکڑ لیا وہ تقویٰ سے بہت ہی قریب ہے۔ خیال رہے کہ اس عدل کی بہت صورتیں ہیں۔ اے صحابہ کرام اگر تم کل کو حاکم بنو اور تمہارے پاس کفار مکہ کا مقدمہ آئے تو تم اس جوش میں ظلم نہ کرنا بلکہ ان کے متعلق حق فیصلہ کرنا یا جب تم فاتحانہ شان سے مکہ معظمہ میں داخل ہو تو اس وقت بدلہ لینے کی کوشش نہ کرنا عدل و انصاف کرنا کہ جو اہل مکہ مسلمان ہو جائیں۔ ان سے ہاتھ کھینچ لینا۔ ان کے ایمان کو منافقت مت سمجھنا۔ یا آئندہ تم کسی جنگ کے موقع پر مقتول کفار کا مثلہ نہ کرنا۔ یا اے مسلمانو تم حاکم ہو کر ظلم نہ کرنا عدل و انصاف کرنا یا اے مسلمانو ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ حتیٰ کہ اپنے نفس کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔ پچھلے اقسام کے عدل کبھی کبھی کسی کو میسر ہوتے ہیں۔ مگر یہ آخری عدالت تو ہر شخص ہر وقت کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اس عدل کی توفیق دے **واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون** یہ آخری حکم ہے جس سے تمام احکام آسان ہو جاتے ہیں۔ جس کے دل میں تقویٰ ہو گا۔ وہ نہایت آسانی سے عدل بھی کرے گا۔ اور قائم بالقسط بھی ہو جاوے گا۔ اور تقویٰ حاصل ہونے کا ذریعہ یہ ہے کہ انسان اللہ کو علیم و خبیر صرف جانے ہی نہیں بلکہ مانے کہ وہ ہماری ہر حرکت کو دیکھ رہا ہے۔ یعنی اے جماعت صحابہ یا اے مسلمانو ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال' احوال افعال سے خبردار ہے۔ ایسے علیم و خبیر و قدیر سے ڈرنا چاہیے۔ خیال رہے کہ ہم گنہگاروں کو اپنے جرموں کی وجہ سے خوف خدا ہوتا ہے۔ یعنی سزا کا خوف اور نیک کاروں کو نیکیاں قبول نہ ہونے کا خوف کہ ہماری نیکیاں اس بارگاہ کے لائق نہیں۔ مگر ابرار کو بارگاہ الٰہی کی ہیبت کا خوف لہذا گنہگار پرہیزگار اور ابرار کے خوف میں بہت فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو آخری درجہ یعنی گنہگاروں کا خوف ہی عطا فرما دے۔

خلاصہ تفسیر تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا تاکیدی حکم دیا۔ "**قوام للہ**" رہنا۔ انصاف سے گواہی دینا۔ جوش غضب میں بے انصافی نہ کرنا۔ ہمیشہ عدل و انصاف کرنا۔ اللہ سے ڈرنا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے۔ ہمیشہ اللہ کی رضا کے لئے اس کے تمام احکام پر خوب مضبوطی سے قائم رہو۔ گواہ بنو تو انصاف سے گواہی دو۔ اپنی گواہی میں اپنے پرائے کا لحاظ نہ کرو۔ اگر اپنی ذات یا اپنے عزیز کے خلاف گواہی دینا پڑے تو دے دو۔ اگر دشمن کے موافق دینا پڑے تو دے دو اور کسی قوم کی عداوت و بغض کی وجہ سے عدل و انصاف کا دامن نہ چھوڑو ہمیشہ انصاف کرو۔ بات کہو انصاف کی۔ فیصلہ کرو انصاف کا۔ بدلہ لو تو انصاف سے کہ یہ عدل و انصاف مسلمان کا طرہ امتیاز ہے۔ ہمیشہ ہر حال میں ہر شخص کے ساتھ ہر طرح عدل و انصاف کرو۔ یہ عدل و انصاف تقویٰ سے بہت ہی قریب ہے۔ عادل شخص بہت جلد متقی و پرہیزگار بن جاتا ہے۔ ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ جان رکھو کہ اللہ تمہارے تمام اعمال سے خبردار ہے۔ خبیر و قدیر حاکم سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیے۔ خیال رہے کہ **الذین اٰمنوا** کے خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا داخل ہونا لازم نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

حضور کے لئے خطاب **یایھا النبی یایھا الرسول یایھا المزمل** ہیں۔ یہاں بھی عدل و انصاف تقویٰ کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پیدائشی عادل اور بے مثال انصاف فرمانے والے ہیں۔ جو ذات کریم شیر خوارگی میں جناب حلیمہ کا صرف ایک پستان چوسیں۔ دوسرا پستان حلیمہ کے بچے کے لئے چھوڑ دیں۔ ان سے بے انصافی کا اندیشہ ہی نہیں ہو سکتا۔ **شعر:۔**

☆ بھائیوں کے لئے ترک پستان کریں ☆ بچپنے کی **نصافت** پہ لاکھوں سلام ☆

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** تمام نیک اعمال پر ایمان مقدم بلکہ شرط جواز اور شرط قبول ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عدل و انصاف وغیرہ معاملات کا خصوصیت سے مومنین کو حکم دیا پہلے **الذین امنوا** سے خطاب کیا۔ پھر یہ احکام دیئے۔ **دوسرا فائدہ** ہر مومن کو چاہیے کہ صرف عبادات پر ہی کفایت نہ کرے بلکہ عبادات و معاملات دونوں درست کرے۔ جیسا کہ **قومین للہ** اور **شھداء بالقسط** سے معلوم ہوا۔ **تیسرا فائدہ** کسی کو اس کی پیدائش سے پہلے یا وفات کے بعد یا اس کی غیر موجودگی میں پکارنا شرک نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان جیسی آیات میں **یایھا الذین امنوا** فرما کر قیامت تک کے مسلمانوں کو پکارا۔ جو اس ندا کے وقت موجود نہ تھے پیدا نہ ہوئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر تا قیامت مسلمانوں کو پکار کر فرمایا۔ اے اللہ کے بندو آؤ بیت اللہ کی طرف۔ نیز ابراہیم علیہ السلام نے چار جانوروں کو ذبح کرنے کے بعد پکارا۔ یہ واقعات قرآن کریم میں موجود ہیں۔ ہم آج التحیات میں حضور کو پکار کر سلام کرتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ** مسلمان کی زندگی اور زندگی کا ہر حال اور موت اللہ کے لئے ہونا چاہیے جیسا کہ **قومین للہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پانچواں فائدہ** مسلمان پر ایسی گواہی دینا فرض ہے۔ جس کی گواہی سے کسی کا حق وابستہ ہو کہ اگر یہ گواہی نہ دے تو کسی مسلمان کا حق مارا جائے۔ یہ فائدہ **شھداء بالقسط** سے حاصل ہوا۔ جس گواہی سے انصاف کا تعلق نہ ہو۔ ایسی گواہی دینا فرض نہیں۔ یونہی جس گواہی سے شریعت کا حق وابستہ ہو۔ وہ گواہی دینا فرض ہے جیسے عید یا رمضان کے چاند کی گواہی۔ جب اس کی گواہی کے بغیر ان کا ثبوت نہ ہوتا ہو۔ **چھٹا فائدہ** جھوٹی گواہی دینا گناہ کبیرہ ہے۔ خصوصاً جب کہ اس سے کوئی حق مارا جاوے۔ اگر جھوٹی گواہی سے کسی کی جان گئی تو گواہ ضامن ہے۔ جیسے زنا یا قتل کی جھوٹی گواہی دے کر کسی کو رجم یا قتل کرا دیا جائے۔ **ساتواں فائدہ** اسلامی حکام پر عدل و انصاف کرنا فرض ہے۔ اگرچہ ان کے عدل سے کسی مسلمان کا نقصان یا کسی کافر کا نفع ہوتا ہو۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر فاروق کے فیصلے میں عدل و انصاف مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا ہے۔ عدل فاروقی کے کفار بھی قائل ہیں۔ **حکایت** سلطان ہارون الرشید اپنے مصاحبوں کے ساتھ اپنے محل یا دیوان خاص میں بیٹھا تھا۔ اس کا شہزادہ مامون الرشید روتا ہوا آیا۔ بولا فلاں سپاہی زادے نے مجھے گالی دی ہے۔ ہارون الرشید نے اپنے مصاحبوں سے پوچھا کہ ایسے بچے کی کیا سزا ہونی چاہیے جو شہزادہ کو گالی دے۔ اس پر خوشامدی مصاحبوں نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لئے علیحدہ

www.alahazratnetwork.org

علیحدہ سزائیں مقرر کیں کوئی بولا اسے قتل کر دیا جاوے کسی نے کہا اس کی زبان منہ سے نکال لی جاوے۔ کوئی کہنے لگا کہ اس کا گھر بار سب ضبط کر لیا جاوے۔ سلطان یہ سب کچھ سن کر اپنے شہزادہ سے مخاطب ہو کہ بولا۔ اگر تجھ میں ہمت ہے تو معاف کر دے۔ اگر نہیں معاف کر سکتا تو تو بھی اس سپاہی زادہ کو گالی دے آ۔ مگر خیال رکھنا کہ ایک ہی گالی دینا۔ اگر دو دیں تو ابھی تو ب مدعی ہے۔ وہ مدعی علیہ پھر وہ مدعی ہو گا تو مدعی علیہ۔ اسلام میں تو او روہ برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں۔ مگر اعمال سے (از گلستاں) بہر حال اسلامی عدالت میں امیرو غریب شہزادہ فقیر زادہ برابر ہیں یہ ہے **اعدلوا ھو اقرب للتقوٰی** آٹھواں فائدہ عدل و انصاف والا سلطان یا حاکم تقویٰ سے قریب تر ہے۔ لوگوں میں اس کی عزت اس کا نام دنیا میں روشن۔ ملک میں امان' سلطنت کا نظام عدل سے ہے۔

شعر:-

☆ زندہ است نام فرخ نوشیرواں بعدل ☆ گرچہ بسے گزشت کہ نوشیرواں نماند ☆

نواں فائدہ ہر مسلمان کو کفر سے نفرت کفار سے عداوت چاہیے کہ رکن ایمان ہے کفر سے محبت کفار سے الفت ایمان کے لئے مضر ہے۔ ہم دعاء قنوت میں پڑھتے ہیں **ونخلع ونترک من یفجرک** مگر جب عدل کا وقت آئے تو اس میں مومن و کافر کا فرق نہ رہے۔ حق فیصلہ کرے۔ امانت' قرض کافر کا بھی ادا کرے وعدے عہد جو کفار سے کئے ہوں۔ وہ بھی پورے کرے۔ دیکھو رب تعالیٰ **شنآن قوم** یعنی کفار سے عداوت کی ممانعت نہ کی بلکہ انصاف نہ کرنے کی ممانعت فرمائی۔ دسواں فائدہ عدل کے بہت درجے ہیں۔ اپنے اور رب تعالیٰ کے معاملہ میں عدل۔ اپنے میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں عدل۔ اپنے اور ماں باپ کے معاملہ میں عدل۔ اپنے میں اور عزیزوں کے درمیان عدل۔ آس پڑوسیوں سے عدل۔ عزیزوں دوستوں سے عدل مسلمانوں کے ساتھ عدل۔ مملوک جانوروں' غلاموں سے عدل۔ بیوی بچوں کے درمیان عدل اور مدعی مدعی علیہ کے درمیان عدل۔ آخری عدل تو صرف حکام بادشاہ کریں گے۔ مگر باقی عدل ہر مسلمان کرے۔ ہم کسی کی تنخواہ لے کر اس کے ہو جاتے ہیں تو کتنی بے انصافی ہے۔ رب کی نعمتیں استعمال کر کے اس کے نہ ہو رہیں۔ جب رب نے دنیا کی تمام چیزیں ہمارے لئے بنائیں تو ہم اس کے لئے کچھ نہ کریں بڑی بے انصافی ہے۔ دنیا کے معمولی کام کے لئے بارش وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ مگر معمولی بہانہ سے نماز یا مسجد چھوڑ دیتے ہیں۔ کتنی بے انصافی ہے نیز ہر نعمت ہم کو حضور کے ہاتھوں ملی۔ اگر حضور کی عظمت و اطاعت نہ کریں تو کیسی بے انصافی ہے۔ ہر ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے۔ جمادات' نباتات پر اور نباتات حیوانات پر۔ حیوان انسان پر قربان۔ یونہی مال جسم پر جسم جان پر اور جان عزت پر قربان کرتے ہیں تو ہم کیوں نہ قربان ہوں اس محبوب حقیقی پر صلی اللہ علیہ وسلم یہ کتنی بے انصافی ہے۔ پھر اپنے ماں باپ کے معاملہ میں انصاف کرو کہ یہ تمہاری بے کسی کے وقت کے ساتھی ہیں۔ سب رشتہ دار تم کو بعد میں کام آئے۔ مگر یہ تمہارے اس وقت کام آئے جب تمہارا مددگار کوئی نہ تھا۔ اب تم بھی ان کی ایسے وقت خدمت کو تیار رہو۔ جب

www.alahazratnetwork.org

ان کے اعضا بھی جواب دے جائیں اولاد عزیز و اقارب کے درمیان انصاف کرو۔ تمام بیویوں اور اولاد کو ایک نظر سے دیکھو۔ غریب عزیزوں کی خدمت کرو تمہیں رب نے زیادہ مال اس لئے دیا ہے کہ اس میں غریبوں کا بھی حصہ ہے۔ پڑوسیوں مسلم قوم کے ساتھ عدل کرو غرضیکہ اس ایک جملہ میں بہت گنجائش ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت میں فرمایا گیا کہ تم کسی قوم کی عداوت میں بے انصافی نہ کرو تو کیا کسی شخص کی عداوت میں ناانصافی کرنا جائز ہے۔ بے انصافی تو بہرحال بری چیز ہے خواہ کسی قوم کی دشمنی کی وجہ سے کی جائے۔ پھر قوم کی عداوت کی قید کیوں لگائی۔ جواب شخصی عداوت معمولی اور عارضی ہوتی ہے۔ قومی عداوت ذاتی اور دائمی ہوتی ہے۔ بعض مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے شخصی دشمن بن جاتے ہیں۔ مگر قومی دشمن نہیں بن سکتے۔ اگر قومی دشمن بنیں تو کافر ہو جائیں۔ مگر پھر یہ شخصی دشمنی عارضی چند روزہ ہوتی ہے۔ جب کفر و اسلام کا سوال پیدا ہو جائے تو یہ تمام دشمن ایک ہو کر کفر کے مقابلہ میں جان دے دیتے ہیں۔ دیکھو آج پاکستان بنے اٹھارہ سال ہو گئے مگر جب کچھ لاہور' سیالکوٹ وغیرہ محاذوں پر کفار نے یلغار کی اور ان سے ہم مسلمانوں کی جنگ صرف سترہ دن رہی۔ ان سترہ دن میں پاکستانی مسلم قوم میں وہ اتحاد اور یگانگت ہو گئی کہ ساری سیاسی' مذہبی جماعتیں شیر و شکر ہو کر دشمن کے مقابل سینہ سپر ہو گئیں۔ غرضیکہ اٹھارہ سال امن والے وہ کام نہ کر سکے۔ جو جنگ کے ستر دن کر گئے۔ بہرحال قومی دشمنی بہت قوی۔ دائمی اور سخت ہوتی ہے جب قومی دشمنی کی بنا پر بے انصافی کرنا درست نہ ہوا تو شخصی دشمنی جو نہایت معمولی ہے اس کی بنا پر بے انصافی کیوں کر درست ہے۔ اس آیت کریمہ نے بے انصافی کی جڑ کاٹی ہے جس سے شاخیں خود بخود ختم ہو جائیں۔ دوسرا اعتراض اس آیت نے بے انصافی سے کیوں منع فرمایا۔ ظلم سے کیوں منع نہ فرمایا۔ **ان لا تعدلوا** کیوں ارشاد ہوا۔ **ان تظلموا** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب** ہم ابھی تفسیر میں بے انصافی اور ظلم کا فرق عرض کر چکے ہیں۔ کہ بے انصافی عام ہے۔ ظلم خاص۔ کسی کو اس کا حق نہ دینا بے انصافی ہے اور کسی کو ستانا ظلم ہے۔ قاتل کو سزا نہ دینا بے انصافی ہے۔ اور کسی کو ناحق قتل کر دینا ظلم ہے۔ جب بے انصافی ہی حرام کر دی گئی تو ظلم بدرجہ اولیٰ حرام ہے۔ خیال رہے کہ اکثر بے انصافی کو بھی ظلم کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں بھی قرآن حکیم نے ظلم کی جڑ کاٹ دی۔ کہ جب بے انصافی ہی حرام کر دی۔ تو ظلم بدرجہ اولیٰ حرام ہو گیا۔ ظلم کی ممانعت دوسری بہت سی آیات میں ہے۔ تیسرا اعتراض اگر کفار مکہ نے مسلمانوں کو حدیبیہ کے سال عمرہ سے روکا تو فتح مکہ کے بعد مسلمانوں نے ہمیشہ کے لئے کفار کو حج عمرہ۔ طواف سے روک دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرما دیا کہ اب کوئی ننگا اور کافر طواف کعبہ نہ کرے تو مسلمانوں نے کفار پر بہت ظلم کیا۔ انہوں نے اس آیت پر عمل کیوں نہ کیا۔ جواب کفار نے مسلمانوں کو قومی دشمنی میں کعبہ سے روکا تھا۔ مسلمانوں نے کعبہ معظمہ کو کفر کی گندگی سے بچانے اس حرم کو پاک رکھنے کے لئے کفار کو کعبہ سے روکا۔ جیسے جنبی حائضہ نفاس والی عورت کو کعبہ سمیت تمام مساجد سے روکا جاتا ہے۔ یہ روکنا قانون کے ماتحت تھا۔ کفار مکہ کا حضور انور کو روکنا قومی عداوت میں تھا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت عثمان کو طواف کے

www.alahazratnetwork.org

لئے عرض کیا۔ چوتھا اعتراض اگر کفار مکہ نے مسلمانوں کو مکہ سے نکالا تو مسلمانوں نے مدینہ سے یہود کو صاف کردیا کہ بنی قریظہ کو قتل اور بنی نضیر کو دیس نکالا دیا۔ یہ کہاں کا انصاف ہوا۔ اس پر مسلمانوں نے عمل کیوں نہ کیا۔ جواب بنی قریظہ کا قتل اور بنی نضیر کا جلاوطن فرمانا کسی ذاتی عناد کی وجہ سے نہ تھا۔ بلکہ ان لوگوں نے وطن سے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غداری کی کہ اولاً حضور سے معاہدہ کیا۔ پھر غزوہ احد میں مسلمانوں کی ظاہری شکست دیکھ کر معاہدہ سے پھر گئے۔ کفار مکہ کے پاس پہنچے۔ تمام عرب کے کافروں کو مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اور ان سے وعدہ کیا کہ بیرونی حملہ تم کرو مدینہ پر اندرونی حملہ ہم کریں گے اور مسلمانوں کو ایسا پیس دیں گے جیسے چکی میں دانہ غزوہ خندق انہیں کی غداری کی بنا پر ہوا۔ جس میں اللہ تعالیٰ نے ہی مسلمانوں کو بچایا۔ تب اس ملکی غداری کی بنا پر ان کے ناپاک وجود سے مدینہ شریف پاک کرایا گیا۔ آج بھی غداروں کو گولی ماری جاتی ہے۔ غرضیکہ اس آیت کا منشا کچھ اور ہے۔ ان یہود کو یہ سزا دینے کی وجہ کچھ اور تھی۔ پانچواں اعتراض اس آیت میں فرمایا گیا۔ کہ کسی قوم پر انتہائی غیض و غضب میں تم بے انصافی نہ کرو۔ تو کیا معمولی غصہ میں بے انصافی کرنا جائز ہے۔ شنئان کیوں فرمایا۔ غضب کیوں نہ ارشاد ہوا۔ جواب اس کا جواب پہلے اعتراض و جواب سے معلوم ہوگیا۔ کہ جب انتہائی غیظ و غضب میں ناانصافی جائز نہ ہوئی۔ تو معمولی غصہ میں کیوں کر جائز ہوگی۔ آیت کریمہ نے بے انصافی کی جڑ کاٹی ہے۔ جس سے شاخیں خود ختم ہو جاتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ساری عبادات انسان کی زندگی سے وابستہ ہیں کہ مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر **قوامین للہ** یعنی قائم للہ باقی باللہ ہونا وہ عبادت ہے کہ مرنے کے بعد بھی مومن سے جاری ہوتی ہے۔ جس کی زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ للہ ہو تو اس کی موت اور موت کے بعد کا ہر حال بھی للہ ہی ہوتا ہے۔ اس کی موت کی حقیقت یہ ہوتی ہے۔ **شعر**۔

☆ مرگ مومن چیست ہجرت سوئے یار ☆ ترک ایں عالم و رفتن کوئے یار ☆

مومن کی موت یار کی طرف ہجرت ہے۔ اس دنیا کو چھوڑ کر یار کی گلی میں جا بسنا ہے۔ یہاں عمل پر قائم رہنا ہے۔ وہاں یار کے دربار میں قائم رہنا جو کسی چیز کے سہارے پر ہو تو اگر سہارا مضبوط و قوی ہے۔ وہ چیز قوی اور اگر سہارا کمزور ہے تو وہ چیز کمزور۔ اگر بنیاد قوی ہے تو دیوار قوی اور اگر دیوار قوی ہے تو چھت قوی۔ بغیر سہارے پتا ہو تو جنگل میں اڑتا پھرتا ہے۔ اگر کسی مضبوط پتھر کا سہارا مل جائے تو پھر اسے کوئی آندھی نہیں اڑا سکتی۔ اگر مومن کی زندگی للہ کے سہارے پر ہو تو اللہ تو باقی ہے۔ مومن بھی باقی ہو جاتا ہے اسے موت بھی فنا نہیں کر سکتی اس کی موت وصال یار ہے۔ دنیا میں انصاف والی گواہی دو توحید کی رسالت کی حشر نشر کی قرآن مجید کی حقانیت کی سچی گواہی دو تاکہ کل قیامت میں یہ چیزیں تمہاری گواہی دیں۔ بلکہ اپنے گناہوں کا اقرار کر کے اپنے خلاف یہاں دنیا میں گواہی دیتے رہو تاکہ کل قیامت میں تمہارے اعضاء تمہارے حق میں گواہی دیں۔ یونہی اللہ کے دوستوں اور اس کے دشمنوں کے بلکہ اپنے نفس و قلب و روح کے درمیان

www.alahazratnetwork.org

عدل و انصاف کرو۔ اپنے بیوی بچوں دوست و دشمن میں عدل کرو۔ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ عیش و طیش یہ دو حالتیں انسان کو عدل سے ہٹا دیتی ہیں۔ تم ان دونوں حالتوں میں عدل کرو۔ کسی قوم کے خلاف طیش میں آکر ظلم نہ کرو تاکہ متقی بن جاؤ۔ یہاں تفسیر روح البیان میں ہے کہ نوشیرواں کے تخت پر لکھا تھا کہ ملک بغیر امارت نہیں چلتا اور امارت یعنی حکومت بغیر مردوں کے نہیں چلتی اور انسان بغیر عدل کے مرد نہیں بنتا۔ اللہ تعالیٰ سچی گواہی اور انصاف کی توفیق دے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ⑨
وعدہ فرمایا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور کام کیئے انہوں نے اچھے کہ ان کے لئے بخشش ہے اور ثواب بڑا
ایمان والے نیکوکاروں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کے لئے بخشش اور بڑا ثواب ہے
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ⑩
اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو۔یہی ہیں دوزخ والے
اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں وہ ہی دوزخ والے ہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو **قوامین للہ** بننے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس کی تفسیر یا تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ **قوامین للہ** وہ ہیں جو ایمان اور نیک اعمال دونوں سے موصوف ہوں۔ یعنی صرف زبان سے دعویٰ کرنا کہ ہم قوامین للہ ہیں۔ ہم متقی ہیں۔ یہ معتبر نہیں بلکہ دل و جسم سب اللہ کے سپرد کردو۔ تب قوامین اور متقی بنو گے۔ اس بارگاہ میں محض زبان کا اعتبار نہیں۔ وہاں دل کی گہرائیوں کو دیکھا جاتا ہے۔ منافقین کلمہ پڑھیں تو جھوٹے ہیں۔ **واللہ یشھد ان المنفقین لکذبون** ابو امیہ ضمیری مجبوری میں منہ سے کفر کہہ دیں تو سچے ہی رہیں لہٰذا امنو فرما کر دل کی اصلاح کا ذکر فرمایا اور **عملوا الصلحت** فرما کر قالب کی اصلاح کا ذکر کیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں **قوامین للہ** بننے کا حکم تھا۔ اب اس کی جزا کا ذکر ہے یعنی مغفرت اور بڑا ثواب۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں سچی گواہی دینے عدل و انصاف کرنے کا حکم تھا۔ اب اس سے محروم رہنے والوں یعنی کفار و مکذبین کی سزا کا ذکر ہے۔

تفسیر **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت** لفظ **وعد** ہے تو ماضی مگر یہ حکایت کے لئے بھی آتا ہے۔ اور عقد کے لئے بھی جیسے خریدار کہتا ہے۔ میں نے خریدا۔ یا تاجر کہتا ہے۔ میں نے بیچا۔ اس لفظ سے ہی خرید و فروخت ہوتی ہے۔ گزشتہ خرید و فروخت کی خبر نہیں یونہی یا تو اس کلام سے وعدہ فرمانا مقصود ہے یا کئے ہوئے وعدے کی حکایت ہے۔ دوسری

www.alahazratnetwork.org

صورت میں یا تو میثاق کے دن کا وعدہ مراد ہے۔ یا توریت و انجیل میں کیا ہوا وعدہ یا قرآن کریم میں فرمایا ہوا وعدہ یا معراج کی شب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ہوا وعدہ مراد ہے۔ بہرحال **وعد** ماضی میں بہت ہی گنجائش ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں **الذین** سے مراد صرف مومن انسان ہیں۔ فرشتے اور جن اس میں داخل نہیں کیونکہ فرشتوں کے لئے نہ تو مغفرت ہے نہ بڑا ثواب۔ مومن جنات کے لئے مغفرت تو ہے مگر ان کے لئے بڑا ثواب یعنی جنت نہیں۔ جنت صرف انسان مومنوں کے لئے ہے۔ ایمان کے معنی اس کے اقسام ایمان بیانی' ایمان عیانی' ایمان شعوری ایمان بالفنا اور ان اقسام کے درجات یونہی۔ نیک اعمال اس کے اقسام جسمانی' مالی' جنانی اعمال ہم تفصیل کے ساتھ۔ سورہ بقر کے اول میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں **امنو** اور **عملوا** دونوں ماضی ارشاد ہوئے۔ مگر ایمان ایک بار لا کر اس پر قائم رہنا کافی ہے۔ اور نیک اعمال ہمیشہ کرتے رہنا ضروری ہے۔ نماز روزانہ پانچ بار' روزہ و زکوۃ ہر سال ایک بار لہٰذا **عملوا** میں دوام و استمرار ہے۔ صالحات بقدر طاقت ضروری ہیں۔ یعنی جو انسان ایمان لائے اور نیک عمل کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے وعدہ کرتا ہے یا وعدہ کر چکا ہے۔ وعد کا مفعول یا تو پوشیدہ ہے۔ یا جنات اس کا مفعول ہے ہے کہ **لھم مغفرۃ واجر عظیم۔ لھم** میں لام ملکیت یا نفع کا ہے **ھم** کا مرجع **الذین** ہے **لھم** کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا اور یہ حصر ان دونوں چیزوں کے لحاظ سے ہے۔ یعنی بخشش اور بڑا ثواب صرف نیکو کار مومنوں کے لئے ہے رہے گنہگار مومن ان کے لئے مغفرت تو ہے۔ مگر اجر عظیم نہیں۔ بلکہ انہیں جنت وغیرہ کی عطا فضل ربانی اور شفاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے نصیب ہوں گے۔ اجر معاوضہ کو کہا جاتا ہے۔ جب ان کے پاس اعمال ہی نہیں یا ہیں مگر اجر عظیم کے لائق نہیں تو انہیں فضل ملے گا۔ لہٰذا حصر درست ہے۔ **والذین کفروا وکذبوا بایتنا** یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ یہ وعد کا مفعول نہیں۔ کیونکہ وعدہ اچھی چیز کا ہوتا ہے عذاب کا وعدہ نہیں ہوتا۔ وعید ہوتی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں **الذین** سے مراد تمام کفار ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا جنات کیونکہ عذاب سارے کفار کو ہوگا۔ آیات سے مراد آیات قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور احکام **الٰہیہ** سب ہی ہیں۔ خیال رہے کہ ہر کفر تکذیب ہے اور ہر کافر اللہ کی آیتوں کا جھٹلانے والا ہے خواہ دانستہ طور پر ہو جیسے کفار کے علماء۔ پوپ پادری وغیرہ یا بے خبری سے کافر جیسے وہ جو اپنے پیشواؤں کی پیروی میں کافر ہوئے۔ کیونکہ جھٹلانے والے کی پیروی کرنا بھی جھٹلانا ہے **اولئک اصحب الجحیم** یہ عبارت **والذین کذبوا** کی خبر ہے **جحیم** یا تو دوزخ کا نام ہے۔ یا اس کے خاص طبقہ کا نام خیال رہے کہ دوزخ میں جانا اور ہے۔ مگر دوزخ والا ہونا کچھ اور مکان میں جانا رہنا اور ہے۔ مگر مکان والا ہونا کچھ اور۔ کرایہ دار یا ہمارا ملاقاتی جو مہمان بن کر ہمارے گھر آئے۔ وہ مکان میں آتا ہے اور رہتا تو ہے۔ مگر مکان والا نہیں۔ گنہگار مسلمان اگرچہ عارضی طور پر دوزخ میں جائیں گے۔ مگر دوزخ والے نہ ہوں گے۔ دوزخ والے صرف کفار ہیں۔ لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ یعنی جنہوں نے ایک بار بھی کفر و تکذیب کو اختیار کر لیا اور اس پر قائم رہے وہ دوزخ والے ہیں۔ دوزخ ان کا ہے وہ دوزخ کے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ کریم و رحیم کے ایک بڑے اہم وعدہ کا ذکر ہے۔ کریم کے وعدہ فرمانے کی چار صورتیں ہوتی ہیں کسی بندے نواسے فرمادینا کہ اس مضمون کی عرضی ہم کو دے دو۔ وہ بے تو ایقین کرتا ہے۔ کہ کریم نے عطا کا وعدہ فرمالیا۔ کسی بھکاری سے کہہ دینا کہ کل مانگنے آنا۔ یہ بھی وعدہ ہے۔ کسی سے فرمادینا کہ ممکن ہے کہ ہم تم کو کچھ دیں یہ بھی وعدہ ہے۔ صاف صاف کہہ دینا کہ ہم تم سے یہ دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔ یہ بڑا ہی اہم وعدہ قرآن کریم میں وعدہ کی یہ چاروں صورتیں استعمال ہوئی ہیں۔ دعاؤں کی آیات نازل فرمائیں۔ عرضی دینے کے لئے ہم کو آستانہ عالیہ پر حاضری کا حکم دیا۔ یہ بھی وعدہ ہے۔ ہم سے فرمایا **لعلکم تتقون لعلکم تفلحون** یہ بھی وعدہ ہے۔ اپنے حبیب سے فرمایا ہے **عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا** یہ بھی وعدہ ہے اور یہاں صراحتہ **وعد اللہ** فرمایا یہ بھی وعدہ ہے یہاں چوتھی قسم کا وعدہ ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی دو قسمیں ہیں بلاواسطہ وعدے جو بذریعہ وحی کتاب اللہ میں کئے گئے اور بالواسطہ وعدے جو پیغمبر نے خود کسی سے کرلیے۔ وہ ربانی و رحمانی وعدے ہوتے ہیں۔ قرآن کریم میں کسی مسلمان کا نام لے کر کوئی وعدہ نہیں فرمایا گیا۔ حضور انور نے نام بنام صحابہ سے وعدے کئے کہ ابوبکر جنتی حسنین جنتی جوانوں کے سردار ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے ہیں۔ غرضیکہ وعد اللہ میں بہت گنجائش ہے۔ ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان سب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے خلاصہ عرض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اب یا اس سے پہلے پچھلی کتابوں میں یا لوح محفوظ میں یا شب معراج اپنے محبوب کی معرفت ان لوگوں سے جنت کا وہاں کی حور و قصور کا بلکہ رضاء رب غفور کا وعدہ فرمالیا جو ایمان لاکر اس پر قائم رہے اور ہمیشہ بقدر طاقت نیک اعمال کرتے رہے۔ جسمانی نیکیاں، قلبی نیکیاں، مالی نیکیاں غرض کہ ہر طرح کی نیکیاں کرتے رہے۔ جسمانی نیکیاں، قلبی نیکیاں گناہوں کی بخشش ہیں اور بڑا ثواب بھی جو لوگوں کو وہم و گمان سے وراہوں ان کے برخلاف جو کفر کرے۔ ہماری قرآنی آیات محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و معجزات کا انکار کریں۔ پھر اس پر قائم رہیں۔ توبہ نہ کریں تو دوزخ والے ہیں کہ دوزخ ان کی ہے وہ دوزخ کے ہیں وہاں ہی ہمیشہ رہیں گے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ایمان پر قائم رہنا اور بقدر طاقت نیکیاں ہمیشہ کرتے رہنا ہر انسان کے لئے ضروری ہے جو ان دونوں صفتوں کے جامع ہوں ان سے یہ وعدہ الٰہی ہے۔ یہ فائدہ **امنوا** اور **عملوا** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ انسان کو چاہیے کہ ہر قسم کی نیکیاں کرے۔ کوئی نیکی معمولی سمجھ کر چھوڑ نہ دے یہ فائدہ **الصلحت** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ متقی مومن کی بخشش نہ ہونا اسے اجر نہ ملنا ناممکن ہے۔ یہ فائدے **وعد اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کے وعدے سچے ہیں جن کا خلاف ناممکن ہے۔ چوتھا فائدہ متقی مومنین کا ثواب مخلوق کے وہم و گمان سے وراء ہے کوئی اس کا حساب یا اندازہ نہیں لگاسکتا۔ یہ فائدہ اجر عظیم

www.alahazratnetwork.org

سے حاصل ہوا پانچواں فائدہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر رب تعالیٰ کی رحمت و مغفرت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہر شخص کا بیڑا اس رب رحیم کے کرم سے ہی پار ہو گا۔ یہ فائدہ **لھم مغفرۃ** سے حاصل ہوا۔ مگر ہم گنہگاروں کے لئے مغفرت اور قسم کی ہے۔ نیکوں کے لئے اور قسم کی ہے۔ مقبولین بارگاہ کے لئے اور قسم کی۔ مگر ہیں سب اس کی مغفرت کے حاجت مند۔ چھٹا فائدہ کفار کے لئے دوزخ اور وہاں کا عذاب دائمی ہے۔ جس سے وہ کبھی نہیں نکل سکتے۔ جیسا کہ **اصحٰب الجحیم** سے معلوم ہوا۔ مگر جیسا کافر اس کے لئے ویسا ہی مقام اس لئے دوزخ کے طبقے مختلف ہیں کہ وہاں جانے والے کافر مختلف۔ ساتواں فائدہ مومن کیسا ہی گنہگار ہو۔ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔ وہ اصحاب النار میں سے نہیں۔ اس کا وہاں جانا عارضی ہے۔ یہ فائدہ **اولٰئک** سے حاصل ہوا۔ کہ یہ عبارت حصر کے لئے مفید ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ مغفرت اور اجر کے لئے ایمان بھی ضروری ہے۔ اور ہر قسم کی نیکیاں بھی لازم ہیں۔ تو گنہگار مومن اور مسلمانوں کے فوت شدہ شیر خوار بچے دوزخی ہونا چاہئیں۔ کہ ان میں یہ صفات موجود نہیں۔ حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں پھر یہ آیت کیوں کر درست ہوئی۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جنت کی عطا دو قسم کی ہے۔ کسبی، وہبی، عطائی، یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے۔ یہ ایمان و اعمال پر موقوف ہے۔ مسلمانوں کے بچوں کو جنت وہبی یعنی ماں باپ کے طفیل ملے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الحقنا بھم ذریتھم وما التنھم من عملھم من شئی** عطا کی جنت ان لوگوں کو ملے گی۔ جنہیں جنت بھرنے کے لئے پیدا فرمایا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ یہاں دو قیدیں اجر عظیم کے لئے ہیں۔ نیک کاروں کے لئے اجر عظیم ہے اور ہم جیسوں کے لئے فضل عظیم۔ اجر تو اس کو ملے جس کے پاس اجرت کی چیز ہو۔ **شعر:۔**

☆ یا رب تیرے فضل و کرم ہوں میرے گواہ صفائی کے ☆

☆ ورنہ رضا سے چور پہ تیرے ڈگری تو اقبالی ہے ☆

دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخی صرف وہی کافر ہیں جو آیات **الٰہیہ** کا جھٹلانے والا بھی ہو تو چاہیے کہ جو صرف کافر ہو۔ آیات **الٰہیہ** کا جھٹلانے والا نہ ہو۔ وہ دوزخی نہ ہو۔ حالانکہ ہر کافر دوزخی ہے۔ **جواب** اس کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ ہر کافر اللہ کی آیت کا انکاری ہے۔ اگر انکاری نہ ہو تو کافر کیسے ہو۔ حضور کی نبوت کا انکار کرنا ہی آیات **الٰہیہ** کا انکار ہے۔ **وکذبوا بایٰتنا** یہ جملہ **کفروا** کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ اصحاب جحیم ہونا یعنی دوزخ کے سخت ترین طبقے میں رہنا یہ ان کافروں کے لئے ہے جو منکر آیات بھی ہیں۔ تقلیدی کافر ہلکے طبقے میں ہوں گے۔ یعنی یہاں جحیم سے مراد دوزخ کا خاص طبقہ ہے۔ جہاں عذاب بہت سخت ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر متقی مومن کی بخشش ہے اور بخشش تو گناہ سے ہوتی ہے جن کے پاس گناہ ہی نہ ہوں۔ جیسے حضرات انبیائے کرام یا خاص صحابہ

www.alahazratnetwork.org

کرام اور خاص اولیاء اللہ ان کی بخشش کیسی ہوئی پھر یہ آیت عام کیسی ہوئی۔ جواب اس کا جواب ابھی فائدوں میں گزر گیا کہ گناہوں کی بخشش گنہگاروں کے لئے ہے۔ خطاؤں کی بخشش نیک کاروں کے لئے ہے عبادات میں قدرے کوتاہی کی بخشش مقبولین کے لئے ہے۔ شعر:۔

☆ زاہداں از گناہ توبہ کنند ☆ عارفاں از اطاعت استغفار ☆

چوتھا اعتراض اگر **وعد اللہ** میں معراج کی رات والے خلوت خاص کا وعدہ فرمایا۔ تو وہ وعدہ رب تعالیٰ نے حضور اقدس سے کیا نہ کہ مسلمانوں سے تو **وعد اللہ الذین امنوا** فرمانا کیوں کر درست ہوا۔ جواب غلاموں کے متعلق آقا سے جو وعدہ کیا جائے۔ وہ غلاموں سے ہی وعدہ ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سب کے آقا و مولیٰ ہیں۔ اور اس رات تو ساری امت کی نمائندگی بھی فرما رہے تھے۔ لہٰذا وہ وعدہ سب سے ہوا۔ حضور کی معرفت ہوا۔ جیسے رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی جان و مال جنت کے عوض خرید لی۔ حالانکہ اس خرید و فروخت کی ہم کو خبر نہیں۔ وہ بھی حضور ہی کی معرفت ہوئی ایسے ہی یہ وعدہ۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش عام ہے مگر اس کے لینے والے صرف مومن ہیں ادھر کی عطا میں کمی نہیں۔ اس طرف کے لینے میں کمی ہے جیسے سورج اور بارش کا فیض عام ہے مگر اندھا آدمی نہیں نور لیتا۔ اور کھاری زمین سبز نہیں ہوتی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ در بہاراں کے شود سرسبز سنگ ☆ خاک شو تا گل بروید رنگ رنگ ☆

موسم بہار میں پتھر سرسبز نہیں ہوتے تو خاک ہو جا تاکہ رنگ برنگے پھول تجھ میں کھلیں۔

اس آیت کریمہ میں خوش نصیبوں کا ذکر ہے جو اللہ تعالیٰ کی عطا لے سکتے ہیں اور بدنصیبوں کا تذکرہ ہے جو اس عطا کو حاصل نہ کر سکے۔ ایمان و عمل جس میں عدل و انصاف بھی داخل ہے۔ اس عطا کے لینے کی شرط ہے۔ لہٰذا کافر عطا سے محروم ہے۔ اس لئے نہیں کہ عطا میں تنگی ہے بلکہ اس لئے کہ اس کے پاس جھولی نہیں۔ اللہ کا فضل لینا ہے تو دنیا میں عدل کرو۔ عدل ذریعہ ہے فضل ملنے کا۔ یہاں روح البیان میں ہے کہ قیامت کے دن خلفائے راشدین و دیگر صحابہ کرام کے مختلف جھنڈے ہوں گے۔ و مومن ان جھنڈوں کے نیچے۔ چنانچہ صدیقین حضرت ابو بکر صدیق کے جھنڈے تلے۔ عادلین فاروقی جھنڈے کے نیچے۔ تمام سخی داتا لوگ عثمانی جھنڈے کے نیچے تمام شہداء جھنڈے حیدری کے نیچے۔ فقہاء حضرت معاذ بن جبل کے جھنڈے کے نیچے۔ تمام زاہدین حضرت ابوذر غفاری کے جھنڈے تلے۔ تمام فقراء و مساکین حضرت ابو الدرداء کے جھنڈے تلے۔ ہر قاری ابی بن کعب کے جھنڈے تلے۔ تمام موذن حضرت بلال کے جھنڈے تلے۔ اور تمام مظلوم مومنین حضرت حسین کے جھنڈے تلے ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یوم ندعوا کل اناس بامامھم**

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْۤا	
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو اوپر تمہارے ہے جب ارادہ	
اے ایمان والو اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو جب ایک قوم نے چاہا کہ تم پر دست درازی کریں	
اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَعَلَى اللّٰهِ	
کیا ایک قوم نے یہ کہ دراز کریں تمہاری طرف ہاتھ اپنے پس روک دیئے ہاتھ انکے تم سے اور ڈرو اللہ سے	
تو اس نے ان کے ہاتھ تم سے روک دیئے اور اللہ سے ڈرو اور مسلمانوں کو اللہ پر	
فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ	
اور اللہ پر ہی چاہیئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے	
ہی بھروسہ چاہیئے۔	

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں نیک کار مسلمانوں کو بخشش اور بڑے ثواب کی خوشخبری دے کر ایمان و تقویٰ کے اخروی فائدے بتائے گئے تھے اب اس ایمان و تقویٰ کے دنیاوی فائدے بتائے جارہے ہیں۔ یعنی دنیاوی آفتوں سے نجات تاکہ لوگ ایمان و تقویٰ میں رغبت کریں۔ **دوسرا فائدہ** پچھلی آیت میں کفر کے اخروی وبال کا ذکر تھا۔ یعنی کافروں کا دوزخی ہونا۔ اب ان کی دنیاوی ناکامیوں کا تذکرہ ہے۔ مسلمانوں پر قابو نہ پا سکنا۔ اسلام کا فروغ دیکھ کر ہمیشہ جلتے بھنتے رہنا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو عدل و انصاف کا حکم دیا گیا تھا۔ اب کفار کی زیادتیوں چیرہ دستیوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ تاکہ بتایا جائے کہ ایسے بدباطن خائن کفار کے ساتھ بھی وقت آنے پر عدل کرو۔

شان نزول اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں نمبر۱ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتویں غزوہ میں تھے جسے غزوہ ذی انمار بھی کہتے ہیں اور غزوہ ذات الرقاع بھی۔ حضور نے مقام عسفان میں نماز ظہر باجماعت ادا کی بنی **ثعلبہ** اور بنی محارب جو کفار تھے اور حضور کے مقابل۔ انہوں نے یہ نماز باجماعت دیکھ کر بہت افسوس کیا کہ ہمیں مسلمانوں کو قتل عام کا موقع ملا مگر ہم نے ہاتھ سے کھو دیا۔ جیسے ہی یہ لوگ سجدے میں گئے تھے۔ ویسے ہی ان کو قتل کر دیتے۔ اس پر بعض کفار بولے کہ ابھی ایک نماز آرہی ہے۔ جو مسلمانوں کو جان و مال سے زیادہ پیاری ہے۔ اس وقت اپنی حسرت نکال لینا چنانچہ کفار تیار ہوئے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور انور کو کفار کے برے ارادے کی خبر دی اور نماز خوف کے احکام نازل ہوئے۔ جس میں مسلمان دو ٹولیاں ہو کر نماز باجماعت پڑھتے ہیں۔ آدھے نماز میں آدھے کفار کے مقابل رہ کر ایک رکعت امام کے ساتھ پڑھ لیتے ہیں۔ اور دوسری رکعت میں ان ٹولیوں کی تبدیلی ہو جاتی ہے۔ اور

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

دوسری رکعت نماز بھی اسی طرح ادا ہوتی ہے۔ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن' روح البیان و تفسیر کبیر' مسلم شریف) نمبر ۲ جب بیرَ معونہ کا واقعہ ہوا کہ کفار ستر صحابہ کرام کو دھوکہ سے اپنے علاقہ میں لے گئے۔ تو انہوں نے ۶۷ صحابہ کو تو شہید کر دیا۔ تین حضرات بچ گئے۔ جن میں عمرو بن امیہ ضمیری بھی تھے ان تین بچنے والے حضرات میں سے ایک بزرگ پر ایک کافر نے حملہ کیا وہ بھی مارا گیا یہ بھی یہ کہتے ہوئے شہید ہوئے **الجنة ورب العالمین** قسم رب کی جنت یہ ہے باقی دو صحابی مدینہ کی طرف روانہ ہوئے۔ انہیں بنی سلیم کے دو کافر ملے جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امان نامہ لکھ کر دیا ہوا تھا۔ ان بزرگوں کو اس امان کی خبر نہ تھی۔ انہوں نے ان دونوں کافروں کو قتل کر دیا۔ ان مقتولین کی قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں کی دیت (خون بہا) مانگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ بنی نضیر (یہود مدینہ) کے محلہ میں تشریف لے گئے۔ اور ان سے اس دیت میں مدد مانگی۔ کیونکہ بنی نضیر نے جن شرطوں پر معاہدہ کیا تھا ان میں ایک شرط یہ بھی تھی۔ کہ ہمارے خطاء قتل کی دیت میں تم مدد دیا کرنا۔ وہ لوگ بڑی محبت ظاہر کرتے ہوئے بولے۔ حضور تشریف رکھیں۔ ہم کھانا بھی لاتے ہیں اور دیت کی رقم کا بھی انتظام کرتے ہیں۔ حضور کو ایک گھر کی دیوار کے نیچے بٹھایا۔ اور اوپر چھت سے بڑا بھاری پتھر حضور انور پر پھینکا کہ آپ اس سے دب کر شہید ہو جاویں۔ جبریل امین نے حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ فوراً ہٹ جاویں۔ حضور ہٹ گئے اور ان کے شر سے محفوظ رہے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی' خازن' کبیر وغیرہ) نمبر ۳ غزوہ بنی غطفان کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل میں ایک درخت کے نیچے آرام فرما رہے تھے۔ صحابہ کرام بھی اس جنگل میں متفرق جگہ ٹھہرے ہوتے تھے کہ ایک غطفانی کافر آیا۔ حضور انور کی تلوار قبضہ میں کر لی۔ سونت لی۔ حضور انور بیدار ہوئے تو وہ بولا کہ اب آپ کو مجھ سے کون بچائے گا۔ حضور انور نے فرمایا اللہ۔ یہ سنتے ہی اس کا بدن کانپا۔ تلوار ہاتھ سے گر گئی۔ حضور انور نے اٹھائی۔ اور فرمایا اب بتا تجھے مجھ سے کون بچائے گا۔ وہ بولا کوئی نہیں۔ تب حضور انور نے اسے چھوڑ دیا۔ اس سے بدلہ نہ لیا۔ روح البیان نے فرمایا کہ وہ شخص یہ کرم دیکھ کر مسلمان ہو گیا۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ (روح المعانی و روح البیان وغیرہ)

تفسیر **یایھا الذین امنوا** یہ پکارنا اظہار کرم کے لئے ہے۔ **الذین امنوا** سے مراد نہ تو سارے مومن جن و انس ہیں نہ تمام مومن انسان بلکہ صرف صحابہ کرام مراد ہیں کہ مضمون انہیں کے لائق ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ سارے مومن مراد ہوں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار سے محفوظ رہنا سارے مسلمانوں کے لئے نعمت ہے۔ جس کا شکریہ سب ہی ادا کریں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری حضور کی معراج سارے مسلمانوں کے لئے نعمت ہے۔ **واذکروا نعمة اللہ علیکم** ذکر کے چھ سات معنی ہیں۔ جو ہم دوسرے پارے میں **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہاں ذکر سے مراد ہے یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ چرچا کرنا۔ پھر یاد کرنا۔ خواہ لسانی ہو یا جنانی۔ یا ارکانی اور زبانی یاد کرنے میں خواہ تنہائی میں ذکر نا ہو یا مجمع میں غرض کہ اس ذکر میں بہت وسعت و گنجائش ہے۔ بلا معاوضہ عطاء

www.alahazratnetwork.org

نعمت ہے۔ معاوضہ کی اجرت۔ دنیا میں رب تعالیٰ کی تمام دینی و دنیاوی عطائیں ہمارے اعمال کی اجرتیں نہیں۔ جسمانی نعمتیں فانی ہیں۔ روحانی نعمتیں باقی۔ مگر جب جسمانی نعمتوں میں روحانی نعمتیں شامل کر دی جائیں تو وہ بھی باقی بن جاتی ہیں کھانا پینا جسمانی نعمتیں ہیں۔ مگر جب انہیں اللہ کی عبادت کے لئے اللہ کے ذکر سے کھایا جائے تو وہ نعمتیں روحانی بن جاتی ہیں ان پر ثواب جاودانی ملتا ہے۔ اگرچہ ہر نعمت کو یاد کرنا چاہیے مگر یہاں نعمت اللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کے شر سے محفوظ رہنا ہے۔ چونکہ حضور انور کی سلامتی سارے مسلمانوں پر اللہ کی نعمت ہے۔ اسی لئے علیکم فرمایا گیا۔ یعنی ایمان والو تم اس خاص نعمت کو جو تم پر ہوئی۔ زبانی جسمانی' جنانی طور پر یاد کرو یا یاد رکھو۔ یا لوگوں میں اس کا چرچا کرو **اذھم** اذ ظرفیہ ہے اور یہ عبارت **اذکروا** کا ظرف نہیں کیونکہ ذکر کا زمانہ اور ہے اور اس واقعہ کا زمانہ دوسرا۔ بلکہ یہ جملہ الحاصل یا "الکائن" پوشیدہ کا ظرف ہو کر **نعمت اللہ** کی صفت ہے یعنی اس نعمت کو یاد کرو۔ جو اس وقت عطا ہوئی۔ جب ایک قوم نے برا ارادہ کیا مفید چیز دنیا میں بھی نعمت ہے اور برائی سے بچا لینا بھی اللہ کی نعمت ہے۔ یہاں دوسری قسم کی نعمت کا ذکر ہے۔ یعنی کفار کے شر سے بچا لینا اور ھم ارادہ کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ ہم وہ ارادہ ہے جس کے ساتھ کوشش بھی ہو اور ارادہ عام ہے۔ اگرچہ یہ حرکت ایک شخص نے کی تھی۔ مگر چونکہ سب قوم کے مشورہ سب کی رضامندی سے تھی۔ اسی لئے ھم کا فاعل قوم کو قرار دیا گیا۔ اور اگر اس آیت کا نزول نماز باجماعت کے متعلق ہو۔ تب تو قوم فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ کہ وہاں پوری قوم نے مسلمانوں کو نماز میں ہلاک کر دینے کا ارادہ کیا تھا۔ **ان یبسطوا الیکم ایدیھم** یہ عبارت ھم کا مفعول ہے **یبسطوا** بنا ہے **بسط** سے ' معنی پھیلانا دراز کرنا۔ جب اس کا مفعول **ید** یعنی ہاتھ ہو تو اس سے مراد ہوتا ہے۔ پکڑنا' قتل یا ہلاک کرنے کے لئے اور اگر اس کا مفعول لسان یعنی زبان ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گالی دینا۔ برا بھلا کہنا۔ بہرحال دست درازی یا زبان درازی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ **ایدی** مفعول ہے لہٰذا اس کے معنی قتل و ہلاکت ہے۔ اگر اس آیت کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعہ پر ہے تو الیکم فرمانا اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی ساری امت کی ایذا رسانی ہے۔ اور اگر اس کا نزول نماز باجماعت کے متعلق ہے تو الیکم بالکل ظاہر ہے۔ یعنی ایک قوم نے تمہاری طرف دست درازی کا پختہ ارادہ کر لیا تھا۔ **فکف ایدیھم عنکم** یہ جملہ ھم پر معطوف ہے۔ ف عاطفہ ہے کف بنا ہے کف سے ' معنی روکنا ہتھیلی کو کف اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے چیز روکی جاتی ہے۔ مٹھی کی چیز گرنے سے رک جاتی ہے۔ ساری جماعت کو کافہ کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قاتلوا المشرکین کافۃ** اس لئے کہ پوری جماعت دوسری کو اپنے اندر آنے سے روکتی ہے۔ **ایدی** سے مراد یا تو ذات ہے یا خود ہاتھ ہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو یا ان کے شر کو تم سے روک لیا کہ تم تک ان کا شر نہ پہنچ سکے۔ **واتقوا اللہ** یہ عبارت **اذکروا نعمت اللہ** پر معطوف ہے۔ اور مسلمانوں کو تقویٰ کا حکم دے رہی ہے۔ بلکہ **اذکروا نعمت اللہ** کا نتیجہ بیان فرما رہی ہے۔ یعنی اللہ کی یہ نعمت یاد کرو۔ اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ ہی سے ڈرو کہ مخلوق اس کے قبضے میں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اس کے بغیر ارادہ تمہارا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ تقویٰ کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ اگر اس کے بعد دوزخ یا آگ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بچنا۔ جیسے **واتقوا النار التی وقودھا الناس والحجارۃ** اور اگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ڈرنا۔ لہٰذا یہاں بمعنی ڈرنا ہے۔ ڈرنا دل سے بھی ہوتا ہے۔ زبان سے بھی اور اعمال سے بھی۔ یہاں تینوں ڈر مراد ہیں تقویٰ کی حقیقت اس کے اقسام و احکام و فوائد شروع سورہ بقر میں عرض کئے جا چکے۔ **علی اللہ فلیتوکل المؤمنون** یہ نیا جملہ ہے۔ لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے **علی اللہ** کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **توکل** کا مادہ **وکل** ہے بمعنی سونپنا سپرد کرنا۔ اب بمعنی بھروسہ کرنا آتا ہے۔ توکل کی حقیقت اس کے درجات و اقسام پہلے عرض کئے جا چکے ہیں۔ یعنی مومنوں کو چاہیے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں کہ کارساز حقیقی وہ ہی ہے خیال رہے کہ **توکل علی اللہ** اسباب پر عمل کرنے کے خلاف نہیں۔ حضورؐ نے اسباب جہاد جمع فرمائے۔ جہاد کیا پھر ساتھ ہی خدا پر بھروسہ فرمایا۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو اللہ کی وہ نعمت یاد کرو یا یاد رکھو یا اس کا چرچا کرو۔ جب کہ ایک کافر قوم نے پختہ ارادہ کیا تھا کہ تم پر دست درازی کرے۔ ان کا ارادہ بڑا خطرناک تھا۔ اللہ تعالیٰ ہی نے تم پر کرم فرمایا کہ تم سے ان کے ہاتھ روک لئے۔ اور تم کو ان کے شر سے بچالیا۔ اس وقت تم سے سارے اسباب منقطع تھے۔ صرف اس کے کرم سے تم بچے۔ لہٰذا یہ نعمت یاد رکھو اور ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو مومنوں کو چاہیے کہ اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں۔ وہ مہربان ہو تو سب مہربان ہیں۔ شعر:۔

☆ سائیں تیری روٹھ سے مرا آور کرے نہ کوئی ☆ در در کریں سیلیاں میں مڑ مڑ دیکھو توئے ☆

☆ سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ☆ ذرا سی جھانکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام ☆

خیال رہے کہ دو چیزیں یاد رکھنا عبادت ہے۔ اور دو چیزیں بھول جانا عبادت۔ اپنے گناہ یاد رکھنا۔ توبہ کرتے رہنا عبادت ہے۔ اللہ کی نعمتیں یاد رکھنا۔ شکر کرتے رہنا عبادت ہے۔ اپنی عبادات اور نیکیاں جو کسی کے ساتھ کی جاوئیں ان کا بھول جانا عبادت ہے۔ ان پر فخر نہ کرنا تقویٰ ہے۔ دوسرے کی برائیاں جو اس نے ہمارے ساتھ کیں بھول جانا عبادت ہے۔ یہاں اللہ کی نعمت یاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جو عبادت بلکہ عبادات کا مغز ہے۔ جو اللہ کی نعمتیں یاد رکھے گا۔ وہ عبادات سے غفلت گناہوں پر ہمت نہ کر سکے گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات اللہ کی نعمتیں ہیں۔ کیونکہ حضور خود اللہ کی نعمت ہیں۔ دیکھو حضور کا کفار کی شر سے بچ جانا اس کو اللہ نے نعمت فرمایا اور اس کی یاد کا حکم دیا۔ لہٰذا حضور کی ولادت حضور کی معراج حضور پر وحی کی ابتداء حضور کی ہجرت غرضیکہ ان کا ہر واقعہ ہمارے

www.alahazratnetwork.org

نعمت ہے۔ دوسرا فائدہ اللہ کی نعمت جو ایک بار آچکی ہو اس کی یادگار منانا رضاء الٰہی کا ذریعہ ہے۔ دیکھو اسی خاص واقعہ کی یاد کا حکم دیا گیا۔ کہ فرمایا گیا۔ **اذکرو نعمت اللہ علیکم** لہٰذا عید میلاد شریف' عید معراج منانا بہت اچھا ہے۔ کہ یہ اللہ کی نعمت کا یاد کرنا یاد رکھنا یاد دلانا ہے۔ **تیسرا فائدہ** ہمیشہ کفار مسلمانوں کی تاک میں رہتے ہیں۔ ہر طرح ہر حال میں انہیں ستانا بلکہ انہیں تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ہمیشہ ان سے محتاط و خبردار رہنا چاہیے یہ فائدہ **اذھم قوم** سے حاصل ہوا۔ کافر کبھی مسلمان کی رعایت نہیں کرتا۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا والی رکھوالی ہے۔ اس کے کرم سے مسلمان زندہ و باقی ہیں۔ دیکھو رب نے کیسے نازک موقع پر کفار کی کیسی زبردست سازش سے بچالیا۔ خواہ اپنے حبیب کو یا مسلمانوں کو اس کی یہ کرم نوازیاں اب بھی دیکھنے میں آرہی ہیں۔ **پانچواں فائدہ** جنگ میں کفار کے دل میں مسلمانوں کی ہیبت ڈال دینا یا مسلمانوں کے دل میں ہمت و جرات پیدا فرمادینا یا کفار کی تدبیروں سے مسلمانوں کو بچالینا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ یہ فائدہ **فکف ایدیھم عنکم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** مسلمانوں کو ہر حال میں خصوصاً جہاد میں تقویٰ و پرہیز گاری چاہیے۔ اس کی برکت سے اللہ کی مدد و نصرت نازل ہوتی ہے۔ یہی وہ ہتھیار ہے جو صرف مسلمانوں کے پاس ہے۔ کفار کے پاس نہیں اور یہ ایسا ہتھیار ہے جس کا مقابلہ کوئی مادی ہتھیار نہیں کرسکتا۔ یہ فائدہ **واتقوا اللہ** سے حاصل ہوا۔

ہدایت غازی کو جہاد میں تین چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیے اور تین چیزوں پر عمل۔ جہاد میں محض حصول مال۔ ملک گیری کی نیت ہرگز نہ کرے۔ اللہ کے دین کی خدمت مظلوم مسلمانوں کی نصرت و حمایت کی نیت ہو۔ اپنی تعداد یا اپنی قوت یا اپنے ہتھیار پر ہرگز بھروسہ نہ کرے۔ دوران جہاد غنیمت لوٹنے کی کوشش نہ کرے۔ پہلے فتح حاصل کرے۔ پھر سب مال غنیمت بفضلہ تعالیٰ اپنا ہے۔ کرنے والے کام یہ ہیں۔ جہاد میں تقویٰ و توکل اختیار کرے۔ ہاتھ میں تلوار ہو۔ منہ میں اللہ کا نام فتح و نصرت کو رب تعالیٰ کا عطیہ جانے۔ اس کا شکر کرے۔ نماز ہرگز نہ چھوڑے افراتفری کی حالت میں پیدل یا سواری پر چلتے ہوئے اشارہ سے نماز پڑھے۔ رب فرماتا ہے۔ **فرجالا** اور **کبانا** **ساتواں فائدہ** مجاہد صرف اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔ مخلوق پر توکل نہ کرے۔ سب سے مدد لے مگر توکل کسی پر نہ کرے۔ یہ فائدہ **وعلی اللہ فلیتوکل المومنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض **اذھم قوم** بقاعدہ نحوی **اذکروا** کا ظرف نہیں ہو سکتا کیونکہ **اذکروا** مستقبل ہے اور **ھم** ماضی۔ اس قدر اختلاف زمانہ ہوتے ہوئے ظرفیت کیسی۔ پھر یہاں **اذھم** کو **اذکروا** کا ظرف کیوں بنایا گیا **جواب** ہم تفسیر میں عرض کرچکے کہ **اذھم قوم۔ نعمت اللہ** کی صفت یا حال ہے۔ اور ظرف ہے **کائنۃ** یا **الکائنۃ** کا۔ یعنی اس نعمت کو یاد کرو جو تم کو اس وقت ملی جب ایک قوم نے تم پر دست درازی کا ارادہ کرلیا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ **نعمت اللہ علیکم** اللہ کی وہ نعمت یاد کرو جو تم پر ہے حالانکہ دشمنوں کے برے ارادے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچایا گیا تھا۔

www.alahazratnetwork.org

تو یہ نعمت حضور پر تھی **علیک** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنا مسلمانوں کے لئے نعمت **الٰہیہ** ہے۔ حضور انور پر تو ہر جگہ ہر حال میں اللہ کا کرم ہے ہی۔ دنیا میں رہیں تو رحمت ہیں۔ رب کے پاس حاضر ہو جائیں تو نعمت ہیں۔ جان کا جسم میں رہنا بدن کے لئے نعمت ہے۔ نور نظر کا آنکھ میں رہنا آنکھ کے لئے نعمت ہے۔ کہ جان سے جسم کی بقا ہے اور نظر سے آنکھوں کی بہار۔ ان کے بغیر دونوں بے کار۔ **شعر:**

☆ وہ جو نہ تھے تو کچھ نہ تھا وہ جو نہ ہوں تو کچھ نہ ہو ☆

☆ جان ہیں وہ جہان کی جان ہے تو جہان ہے ☆

تیسرا اعتراض ذکر سے کیا فائدہ ہے اللہ کی اطاعت چاہیے محض ذکر بیکار ہے۔ پانی پانی کئے جاؤ۔ پیاس نہیں بجھے گی۔ پیاس تو پانی پینے سے بجھے گی پھر ذکر کا حکم کیوں دیا۔ **جواب** ذکر و فکر دونوں ہی اعلیٰ ہیں۔ عظمت سے جس کا ذکر کیا جائے اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ برائی سے جس کا ذکر ہوتا رہے اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ ہم کو بفضلہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔ حالانکہ دیکھا نہیں۔ کیوں آپ کا ذکر کرتے کرتے اور ذکر سنتے سنتے اللہ کا ذکر اس کی نعمتوں کا ذکر اس سے محبت کا ذریعہ ہے۔ اور محبت اطاعت کا ذریعہ۔ اطاعت میں دارین کی سعادت ہے۔ پانی کی مثال غلط دی۔ غذائیں کھائی جاتی ہیں بعض دوائیں سونگھی جاتی ہیں۔ بعض دکھائی جاتی ہیں اور بعض سنائی جاتی ہیں۔ منہ میں خشکی ہو تو لیموں نچوڑتے ہوئے دیکھنے بلکہ اس کا ذکر سننے سے منہ میں تری آجاتی ہے۔ اللہ کے ذکر سے دل بے چین کو چین آجاتا ہے۔

چوتھا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ غازیوں کو صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ چاہیے۔ تو مسلمان جہاد میں بندوں سے کیوں مدد مانگتے ہیں۔ آج پاکستان جہاد کشمیر میں کفار سے بھی مدد حاصل کر رہا ہے۔ یوں ہی نبیوں ولیوں سے مدد لینا خصوصاً جہاد میں عین شرک ہے۔ اور آیت کے خلاف۔ **جواب** توکل صرف خدا تعالیٰ پر چاہیے استمداد و استعانت بندوں سے بھی لینی چاہیے۔ مدد لینا اور ہے۔ توکل کرنا کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد ہجرت تبلیغ تمام امور میں صحابہ سے مدد لی ہے حتیٰ کہ ایک جماعت کا نام ہی انصار ہے۔ یعنی مدد کرنے والی جماعت عہد فاروقی میں جہادوں میں کفار سے مدد لی گئی ہے۔ حضرت خالد ابن ولید جہاد میں وہ ٹوپی سر پر رکھتے تھے جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف تھا۔ یہ ہے حضور کے تبرکات سے جہاد میں مدد لینا ہم حکیموں سے دوا حاکموں سے داد فریاد لیتے ہیں۔ مگر توکل رب تعالیٰ پر ہی کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تنصروا اللہ ینصرکم**

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ کی ظاہری نعمت مسلمانوں پر یہ ہے کہ انہیں ظاہری کفار کی شر سے بچالے اور باطنی نعمت مسلمانوں پر یہ ہے کہ انہیں باطنی کفار یعنی نفس و شیطان کی شر سے بچالے جو ہر وقت ہر مسلمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔ ہر وقت اس کی تاک میں ہیں۔ اگر مسلمان سے کوئی نیکی ہو جائے تو اسے رب کی نعمت سمجھے یہ خیال کرے کہ دست قدرت نے مجھے نفس و شیطان کے ہاتھ سے بچالیا۔ اور اپنے در پر بلالیا۔ میرے سر کو اپنے آستانہ پر جھکالیا۔ اس کا بھی

www.alahazratnetwork.org

شکریہ ادا کرے غرض کہ توفیق خیر ملنے کا شکر کرے اور اس شکر کی توفیق کا بھی شکر کرے کہ یہ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ اس ذکر و شکر کے دو بازو ہیں جن سے یہ بارگاہ الٰہی تک پہنچتے ہیں۔ ایک تقویٰ دوسرا توکل ہے۔ صوفیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ ہر غافل کرنے والی چیز سے بچے اگر مال و اولاد رب سے غافل کرے تو اس سے پرہیز کرے۔ ان تمام چیزوں کو رب کے لئے برتے اور صوفیاء کا توکل یہ ہے کہ انسان اپنے کو قدرت کے ہاتھ میں ایسا سمجھے جیسے میت غسال کے ہاتھ میں کہ میت کی ہر حرکت غسال کے ہاتھ سے ہوتی ہے۔ ایسے متوکل بندے کی ہر جنبش قدرت کے ہاتھ سے شریعت کے اشارہ سے ہو۔ شریعت سے ہٹنا انسان کے توکل کی موت ہے مولانا فرماتے ہیں۔ شعر :-

قصہ عاد و ثمود از بہر چیست
تابدانی کا نبیارا ناز کیست

خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو رنج و خوشی راحت و تکلیف سے آزماتا ہے۔ ان آزمائشوں میں کامیاب ہو جانا بھی اس کے فضل سے ہوتا ہے۔ یہاں روح البیان نے فرمایا کہ ایک پہاڑ پر حضرت عیسیٰ نماز پڑھ رہے تھے کہ آپ کی خدمت میں ابلیس آیا بولا کہ آپ کیا کہتے ہیں کہ ہر چیز قضا و قدر سے ہے۔ فرمایا ہاں۔ وہ بولا کہ آپ اپنے کو پہاڑ سے گرا دیں اور کہیں کہ میرا یہ گرنا اللہ کے ارادہ سے ہے۔ اور دیکھیں کہ آپ بچتے ہیں کہ نہیں۔ تو آپ نے فرمایا۔ مردود خیال رکھ کہ اللہ تعالیٰ کو حق ہے کہ بندہ کو آزماوے مگر بندے کو حق نہیں کہ رب کو آزمائے۔ بندہ کا حق ذکر، فکر، تقویٰ اور توکل ہے۔ راضی برضا رہنا توکل کی جان ہے۔

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ
اور البتہ تحقیق لیا اللہ نے مضبوط عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجا ہم نے ان میں سے بارہ افسروں
اور بے شک اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ہم نے ان میں بارہ سردار قائم کئے اور فرمایا میں بیشک
نَقِيْبًا وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّيْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ
کو اور فرمایا اللہ نے بیشک میں ساتھ ہوں تمہارے اگر تم نے نماز قائم کی اور دی تم نے زکوٰۃ
تمہارے ساتھ ہوں ضرور اگر تم نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دو اور میرے
وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ
اور ایمان لائے تم رسولوں پر میرے اور عزت کی تم نے ان کی اور قرض دیا تم نے اللہ کو قرض اچھا تو البتہ مٹا
رسولوں پر ایمان لاؤ اور ان کی تعظیم کرو اور اللہ کو قرض حسن دو بیشک میں تمہارے گناہ

www.alahazratnetwork.org

عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ	
دور کرونگا میں تم سے برائیاں تمہاری اور ضرور داخل کروں گا میں تم کو باغوں میں کہ بہتی ہیں نیچے سے انکے	
اتاروں گا اور ضرور تمہیں باغوں میں لے جاؤں گا جنکے نیچے نہریں رواں	
فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۲﴾	
نہریں۔ پس جو کفر کرے گا بعد اس کے تم میں سے پس بے شک بہک جاوے گا وہ سیدھے راستہ سے	
پھر اس کے بعد جو تم میں سے کفر کرے وہ ضرور سیدھی راہ سے بھٹکا	

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں یہود مدینہ کی وہ بد عہدی بیان ہوئی جو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کی اب ان یہود کے اسلاف کی وہ بد عہدی بیان ہو رہی ہے جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کی تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی ہو کہ جب یہود اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے بھی بد عہدی سے باز نہ رہے تو اگر ہم سے بد عہدی کریں تو ان پر کیا تعجب ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو نعمت الٰہیہ یاد رکھنے کا حکم دیا تھا اب گزشتہ یہود کی نعمت فراموشی کا ذکر ہو رہا ہے۔ تاکہ مسلمان ان کے اعمال سے بچیں۔ گویا بد عہدوں کی بد عہدی کا ذکر اس لئے ہے تاکہ ہم بد عہد نہ بنیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے صرف ہم کو کچھ احکام دیئے۔ اب گزشتہ قوم بنی اسرائیل کو احکام دینے کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ رب تعالیٰ نے صرف ہم کو ہی احکام کا **مکلف** نہیں کیا۔ بلکہ ہم سے پہلے بھی قوموں کو مکلف کیا تھا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے ہم کو تقویٰ اور توکل کا حکم دیا تھا۔ اب بنی اسرائیل کے ایک واقعہ کا ذکر فرمایا۔ جس سے پتہ لگے کہ تقویٰ کیا ہے اور توکل کی حقیقت کیا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں نماز قائم کرنے زکوٰۃ دینے نبی کی مدد کرنے۔ صحیح مومن بننے کا ذکر ہے۔ یہی تقویٰ اور توکل کی اصل ہے۔ جو یہ اعمال کرے وہ متقی ہے۔ اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو گا۔ انشاء اللہ۔

تفسیر ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل جس واقعہ کا اس آیت میں ذکر ہے۔ وہ بنی اسرائیل اس کے منکر ہو چکے تھے۔ جو اس آیت کے نزول کے وقت عرب میں تھے اس لئے اسے لام اور قد کی تاکیدوں سے موکد فرمانے کے لئے **لقد** سے شروع فرمایا **اخذ** کی نسبت اللہ کی طرف مجازی ہے کیونکہ یہ عہد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے لیا تھا۔ قدس کی سرزمین پر جہاد کرتے وقت چونکہ نبی کا کام رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے **اخذ اللہ** فرمایا گیا۔ میثاق کے معنی اور وعدہ عہد میثاق میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ کہ میثاق بنا ہے وثق سے بمعنی مضبوطی و پختگی۔ میثاق وہ پختہ وعدہ ہے جس کی مخالفت پر کچھ سزا دی جائے۔ یہاں میثاق سے مراد وہ میثاق نہیں جو عالم ارواح میں بندوں سے لیا گیا تھا۔ وہ

www.alahazratnetwork.org

توکل تین عہد تھے۔ ایک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد جو سب سے لیا گیا۔ جس کے بعد ہے۔ قالوا بلٰی سب نے بلٰی کہا دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی مدد کرنے کا عہد جو انبیائے کرام سے لیا گیا۔ **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** اور تیسرا وہ عہد جو علمائے بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ تبلیغ توریت کے متعلق بلکہ یہاں وہ عہد و پیمان مراد ہے جو جبارین کنعانی کفار سے جہاد کرتے وقت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے لیا کہ جہاد میں بزدل نہ بنیں۔ ڈٹ کر کفار کا مقابلہ کریں۔ لہذا آیت واضح ہے **وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا** یہ عبارت **اخذ اللہ** پر معطوف ہے۔ اس عبارت میں غائب سے متکلم کی طرف التفات ہے کہ **اخذ** غائب کا صیغہ تھا اور **بعثنا** جمع متکلم **منھم** کا مرجع بنی اسرائیل ہیں۔ چونکہ اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ گروہ تھے۔ اس لئے بارہ نقیب چنے گئے۔ ہر گروہ سے ایک نقیب۔ ان **نقباء** میں حضرت کالب ابن یوقنا بھی تھے۔ جو یہودا کی اولاد سے تھے۔ ان کے علاوہ دس نقیب اور تھے۔ ہر سبط سے ایک نقیب بعث سے مراد ہے۔ یا ہر سردار کو اپنی قوم اپنے سبط میں بھیجنا تبلیغ کے لئے یا مراد ہے۔ مقام اریحاء میں بھیجنا قوم کنعانیین کی جاسوسی کرنے ان کے حالات معلوم کرنے کے لئے نقیب بنا ہے۔ نقب سے ۔ بمعنی نقب وسیع یعنی بڑا سوراخ اسی لئے پہاڑ کے بڑا راستہ کو نقب کہتے ہیں کہ وہ پہاڑ میں وسیع سوراخ کر کے بنایا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **ونقبوا فی البلاد۔ منقبت** اور مناقب ان صفات کو کہتے ہیں جو چھان بین اور کرید کے بعد معلوم یا بیان کئے جائیں۔ اصطلاح میں نقب کے معنی ہیں تفتیش اور تجسس و تلاش یہاں نقیب یا ۔ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی چنے ہوئے۔ تلاش کئے ہوئے لوگ جنہیں قوم نے اپنی سرداری یا نمائندگی کے لئے چن لیا یا ۔ بمعنی اسم فاعل ہے یعنی اپنے قوم کے حالات کی تلاش و تجسس میں رہنے والے لوگ۔ بہر حال نقیب اس سردار کو کہتے ہیں جو قوم کا نگران ہو ان میں مبلغ ہو۔ خیال رہے کہ یہ نقیب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے چنے گئے اور قوم میں تبلیغ کے لئے اور کنعانی کفار میں جاسوسی کے لئے بھیجے گئے تھے۔ مگر چونکہ اللہ کے مقبولوں کا کام خود رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے۔ اس لئے **بعثنا** فرمایا یعنی ہم نے بھیجے جیسا کہ ابھی ہم نے **اخذ اللہ** سے عرض کیا۔ **وقال اللہ انی معکم** یہ عبارت بھی "اخذ اللہ" پر معطوف ہے۔ اس میں خطاب یا تمام بنی اسرائیل سے ہے جن سے عہد و میثاق لیا گیا تھا یا ان نقیبوں سے جنہیں بنی اسرائیل کی طرف تبلیغ کے لئے یا جبارین کی طرف جاسوسی کے لئے بھیجا گیا۔ **معکم** میں معیت (ہمراہی) سے مراد رحمت و کرم کی ہمراہی ہے۔ اللہ تعالیٰ زمانی اور مکانی ہمراہی سے پاک ہے۔ ہم ہمراہی کے معانی اور اس کے اقسام **ان اللہ مع الصابرین** کی تفسیر میں کر چکے۔ یعنی رب تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل سے یا بارہ نقیبوں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت فرما دیا کہ ہماری رحمت ہمارا کرم تمہارے ساتھ ہے۔ **لئن اقمتم الصلوۃ** اس جملہ میں معیت و ہمراہی کی تفسیر فرمائی گئی لام تاکیدی ہے۔ ان شرطیہ اس شرط کی جزا آگے آ رہی ہے۔ **لا کفرن عنکم** الخ صلوٰۃ کے معنی اور نماز قائم کرنے کی تفسیر اور نماز پڑھنے نماز قائم کرنے میں بہت فرق ہے۔ ہم **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوٰۃ** کی تفسیر اور شروع سورہ بقر **یقیمون الصلوۃ**

www.alahazratnetwork.org

کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ بنی اسرائیل پر نماز فرض تھی۔ دن رات میں دو نمازیں۔ چونکہ نماز بدنی عبادت ہے اور زکوٰۃ مالی عبادت۔ بدنی مالی سے افضل ہے۔ اس لئے نماز کا ذکر پہلے ہوا۔ اسلامی نماز اور اسرائیلی نماز میں چند طرح فرق ہے۔ اسلامی نماز دن رات میں پانچ بار ہے۔ اسرائیلی نماز دو بار۔ اس نماز میں رکوع ہے یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا جیسا کہ **وارکعوا مع الراکعین** کی تفسیر میں عرض کیا جا چکا ہے۔ اسلامی نماز میں تلاوت قرآن فرض ہے۔ ان کی نماز میں تلاوت توریت فرض نہ تھی۔ ورنہ توریت ضائع نہ ہوتی۔ تو ہمارے قرآن کی بقا کا ذریعہ نماز ہے کہ اس کی وجہ سے مسلمان کے بچہ بچہ کو کچھ سورتیں یاد کرنا پڑتی ہیں۔ تراویح کی برکت سے بعض لوگ حافظ ہوتے ہیں۔ ہماری نماز میں التحیات ہے۔ ان کی نماز میں نہ تھی بہرحال اصل نماز تھی نوعیت میں فرق تھا۔ یونہی ان کے ہاں نماز جمعہ' نماز عیدین' نماز کسوف نماز استخارہ وغیرہ نہ تھی۔ اسلام میں یہ نمازیں ہیں۔ **واتیتم الزکوٰۃ** یہ عبارت **اقمتم** پر معطوف ہے۔ اور دوسری شرط زکوٰۃ کے معنی اور ایتاء الزکوٰۃ کی تفسیر بیان ہو چکی ہے۔ بنی اسرائیل پر مال کا چوتھائی حصہ زکوٰۃ فرض تھی۔ ہمارے ہاں سونے چاندی وغیرہ کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے۔ **وامنتم برسلی وعزرتموھم** اگرچہ ایمان اور حضرات انبیاء کرام کی تعظیم و مدد نماز و زکوٰۃ پر مقدم ہے کہ ایمان پہلے اختیار کرو۔ نماز وغیرہ بعد میں مگر چونکہ یہود و نصاریٰ نماز و زکوٰۃ کے اس وقت تک منکر نہ تھے۔ بعض انبیاء کرام کے منکر ہو گئے تھے۔ جیسے یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے اور عیسائی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر۔ اس لئے نماز و زکوٰۃ کا ذکر پہلے کیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ بغیر ایمان و تعظیم انبیاء نماز و زکوٰۃ بیکار ہے جیسے درستی نماز کے لئے باوضو ہونا اور آخر نماز تک باوضو رہنا ضروری ہے۔ یونہی تمام اعمال کی درستی کے لئے مومن ہونا اور آخر دم تک مومن رہنا ضروری ہے اس لئے **امنتم برسلی** بطور شرط یا بطور حال ان احکام کے بعد مذکور ہوا۔ وسیلہ نبی ریل کے طرح نہیں کہ منزل پر پہنچ کر چھوڑ دیا جائے بلکہ شمع کی طرح کہ نور اس سے وابستہ ہے۔ نور کے لئے ہر وقت شمع کی ضرورت ہے۔ رسل سے مراد سارے نبی ہیں۔ از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم **عزرتم** بنا ہے **تعزیر** سے جس کا مادہ عزر ہے۔ بمعنی قوت' دفع' منع اسی لئے سزا کو تعزیر کہتے ہیں کہ اس سے جرم رکتے ہیں۔ مدد کو بھی تعزیر کہتے ہیں۔ کہ اس سے دوسرے کے مخالف کو دفع کیا جاتا ہے۔ عام مفسرین نے اب کے معنی کئے ہیں اگر تم نے ان کی مدد کی۔ تفسیر کبیر نے اس کے معنی تعظیم و توقیر کئے۔ ہو سکتا ہے۔ کہ یہاں تعزیر کے معنی ہوں۔ امداد مع تعظیم و توقیر یعنی اگر زکوٰۃ و نماز پر کاربند رہے اس حال میں کہ تم رسولوں پر ایمان لا چکے ہو۔ ان کی مدد کرو تعظیم و توقیر کرو۔ خیال رہے کہ وفات یافتہ رسولوں کی صحیح تعلیم کی اشاعت کرنا ان کی مدد ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ تعزیر کے معنی ہیں مدد مع تعظیم اور خواجہ حسن بصری نے اس کے معنی صرف مدد کئے۔ ابن زید نے صرف تعظیم (معانی) فقیر کے نزدیک پہلے معنی زیادہ اصح ہیں یعنی امداد مع تعظیم نبی سے جس چیز کو نسبت ہو جائے۔ اس کی بھی تعظیم ضروری ہے۔ صفا مروہ پہاڑ مکہ معظمہ شہر آب زمزم وغیرہ کی تعظیم نبی کی نسبت سے ہے۔ **وعزرتموھم** میں بڑی گنجائش ہے

www.alahazratnetwork.org

واقرضتم اللہ قرضا حسنا قرض حسن کی تفسیر ہم **من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا** کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ قرض حسن وہ صدقہ ہے جو حلال اور پیارے مال سے بر غبت کیا جائے۔ ریا کو دخل نہ ہو۔ آئندہ کسی طرح اسے باطل نہ کر دیا جائے۔ یہاں قرض حسن سے مراد وہ زکوٰۃ کے علاوہ دوسرے صدقات ہیں۔ کیونکہ زکوٰۃ کا ذکر تو پہلے ہو چکا (روح البیان وغیرہ) **لا کفرن عنکم سیاتکم** یہ جملہ **لئن اقمتم** الخ کی جزا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ قسم کا جواب ہے اور شرط کی جزا کا قائم مقام کیونکہ **لئن اقمتم** میں لام قسم کا تھا اور ان شرطیہ۔ قسم پہلے تھی۔ شرط بعد میں اور پہلے کا اعتبار مقدم ہوتا ہے (روح المعانی) **لا کفرن** اور **سیات** کے معنی پہلے بیان ہو چکے ہیں کہ تکفیر کے معنی ہیں مٹا دینا۔ سیات سے مراد یا چھوٹے گناہ ہیں یا شریعت کے حقوق۔ بندوں کے حقوق سیات سے خارج ہیں۔ لہٰذا کافر اگر مسلمان ہو جائے تو اسے قرض ادا کرنا ہی ہو گا۔ حق والوں کے حق دینا ہی ہوں گے۔ اس جملہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ان پانچ اعمال کے ذریعہ تمہارے گناہ مٹا دوں گا یہ اعمال گویا دل کے لئے صابن ہوں گے یا ان اعمال کی برکت سے تم کو کفارہ سیات کی توفیق ملے گی کہ تم مرنے سے پہلے گناہ معاف کرا لو گے **ولا دخلنکم جنت تجری من تحتھا الانھر** یہ دوسرا کرم ہے۔ چونکہ گناہوں کی معافی پہلے ہے اور جنت کا داخلہ بعد میں اس لئے اس کا ذکر گناہوں کی معافی کے بعد فرمایا۔ جنات جمع فرمانے میں اسی جانب اشارہ ہے کہ ایک مومن کو رب تعالیٰ بہت سی جنتیں باغات عطا فرمائے گا۔ چونکہ باغ کی سرسبزی پانی سے ہے اس لئے نہروں کا ذکر فرمایا۔ نہر حسین بھی ہوتی ہے اور خطرناک نہیں ہوتی۔ مفید ہی ہوتی ہے۔ نیز نہر کا پانی قبضے میں ہوتا ہے۔ بحر یعنی دریا میں یہ بات نہیں۔ اس لئے جنت میں نہریں ہیں۔ بحر یعنی دریا نہیں۔ چونکہ جنت میں صرف پانی کی نہر نہ ہو گی۔ بلکہ پانی' دودھ' شہد' شراب طہور ہر چیز کی نہریں ہوں گی اس لئے جمع ارشاد ہوا۔ یعنی ہم ایسے مخلص باعمل مومنوں کے سارے عمل بخش دیں گے۔ اور اس کے علاوہ ایسے باغات میں داخل فرمائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں **فمن کفر بعد ذلک منکم فقد ضل سواء السبیل** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ ف **تعقیب** کی ہے اور یہ جملہ گزشتہ اعلان پر مرتب ہے۔ من سے مراد یا تو وہ اسرائیلی ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یا عام اسرائیلی یا تمام انسان یا سارے جن و انس **کفر** بنا ہے کفر بمعنی انکار سے اس کا مفعول محذوف ہے۔ یا حضرات انبیاء کرام یا نماز و زکوٰۃ تعظیم انبیاء کرام وغیرہ وہ چیزیں جو ابھی مذکور ہوئیں۔ **ذلک** سے اشارہ ایمان کی طرف نہیں بلکہ اسی مذکورہ اعلان کی طرف ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ کرایا گیا تھا۔ منکم میں من تبعیضیہ ہے **سواء السبیل** سے مراد وہ عقیدے و اعمال ہیں جو رب تعالیٰ تک یا جنت تک پہنچا دیں یعنی اس اعلان اور وعدہ انعام کے بعد اب جو کوئی ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا یا کسی نبی کا انکار کرے گا سمجھ لو کہ وہ سیدھے راستہ سے بھٹک گیا۔ کبھی رب تعالیٰ تک یا جنت تک نہیں پہنچ سکتا۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل سے ایک پختہ عہد لیا اور اس عہد

www.alahazratnetwork.org

کی پابندی کی۔ نگرانی کرنے اور دشمن کی طاقت و قوت کا اندازہ لگانے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو خبر دینے کے لئے موجودہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے بارہ سردار مقرر کئے فی قبیلہ ایک سردار۔ یہ بارہ سرداروں کا تقرر بھی موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں سے وعدہ فرمایا کہ میری رحمت میرا کرم میری نگرانی تمہارے ساتھ ہے۔ اگر تم لوگوں نے نمازیں قائم رکھیں کہ ہمیشہ صحیح طور پر صحیح وقت پر پڑھتے رہے اور تم زکوٰۃ دیتے رہے اور میرے رسولوں پر ایمان لا کر قائم رہے۔ ان کی تعظیم و توقیر و مدد کرتے رہے۔ اور زکوٰۃ کے علاوہ اور نفلی صدقے خوش دلی سے حلال و مرغوب مال سے ادا کرتے رہے۔ یا غریب مسلمانوں کو بغیر سود قرضہ دیتے رہے یا غیرت مند مسلمانوں غریبوں کو جو خیرات لینے سے شرم کریں۔ قرض کے بہانہ صدقہ دیتے رہو۔ ان سب کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے کرم پر قرض قرار دیا ہے۔ کہ تم کو اس کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اگر تم نے یہ اعمال کئے تو ہم تمہارے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف فرما دیں گے اور تم کو ایسے باغات عطا فرمائیں گے جن کے نیچے دودھ 'شہد' پانی' شراب طہور کی نہریں رواں ہیں وہاں سے تم کو کبھی نکالیں گے نہیں۔ پھر اس اعلان کے بعد ان وعدوں کے بعد بھی جو کوئی تم میں سے حضرات انبیاء کرام کا یا ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی چیز کا انکار کرے گا تو سمجھ لو کہ وہ اللہ تک یا جنت تک پہنچانے والے سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ وہ کسی طرح اللہ تعالیٰ تک یا جنت تک نہیں پہنچ سکتا۔ خیال رہے کہ بنی اسرائیل کی نماز و زکوٰۃ کے صرف اخروی دو فائدے تھے۔ یعنی گناہوں کی معافی جنت کا داخلہ۔ اسلام میں نماز و زکوٰۃ کے دنیاوی برزخی۔ اخروی بہت فائدے ہیں۔ نماز سے وضو سے چہرے کی چمک حاجتیں پوری ہونا۔ نزع کی آسانی قبر میں روشنی رب کی رضا خلقت میں مقبولیت وغیرہ کیونکہ ہم کو یہ عبادتیں حضور کے وسیلہ سے ملیں۔ اس ہاتھ کی یہ برکتیں ہیں۔ بارش کا قطرہ سیپ کے ذریعہ سے ملے تو موتی بن کر ملتا ہے لہٰذا اسلامی نماز و زکوٰۃ اسرائیلی نماز و زکوٰۃ سے بہت ہی افضل ہے۔ اسی طرح ہماری نماز سے بہت ہی افضل ہے۔ صحابہ کرام کی نماز کیونکہ اگرچہ دونوں نمازوں میں قرآن ارکان شرائط یکساں ہیں۔ مگر ہم اس شان کا کہاں نصیب ہو جو صحابہ کرام کو نصیب تھے۔ اس لئے صحابہ کرام کو سوا سیر جو خیرات کرنے پر جو ثواب ملتا ہے۔ وہ دوسرے مسلمانوں کو پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے پر نہیں مل سکتا۔ حضرت علی نے چند روٹیاں خیرات کیں۔ تو ان کے فضائل میں سورہ دہر کی بہت سی آیات نازل ہوئیں۔ ہم لاکھوں روپیہ خیرات کریں ایک اچھی خواب بھی نہیں آتی۔ لہٰذا کوئی شخص اپنے آپ کو صحابہ کرام کے برابر نہ کہے۔

اصل واقعہ

غرق فرعون کے بعد جب بنی اسرائیل مصر میں مقیم ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تم سب زمین شام کی بستی اریحاء کی طرف چلو۔ اریحاء قوم جبارین کنعانین کا دار الخلافہ تھا۔ یہ کفار جبارین ایک ہزار بستیوں کے بادشاہ تھے۔ ہر بستی

www.alahazratnetwork.org

باغات و سبزہ سے پر تھی۔ دارالخلافہ اریحاء کو بنایا تھا۔ اریحاء بیت المقدس سے قریباً تیس چالیس میل فاصلہ پر تھی۔ اب اس بستی کو ریحان کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان اسرائیلیوں سے فرمایا تھا کہ وہ جگہ تمہاری جائے قرار ہوگی۔ ہم مجاہدین کی مدد فرمائیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم پروردگار ان میں سے بارہ شخص چنے۔ ہر قبیلہ میں ایک ایک جن کو اپنی اپنی قوموں کا کفیل بنایا گیا کہ یہ لوگ اپنی اپنی قوم سے وعدہ جہاد پورا کرائیں۔ ان بارہ ضامنوں کو نقیب کہا جاتا ہے۔ نقیب کے معنی ہم ابھی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ ان نقیبوں میں حضرت کالب ابن یوقنا اور یوشع ابن نون بھی تھے۔ اسرائیلیوں سے ان نقیبوں کے ذریعہ جہاد کا پختہ وعدہ لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام ان سب کے ساتھ بہت شان و شکوہ سے اریحاء کی طرف بہ ارادہ جہاد چلے۔ اریحاء پر حملہ کرنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام نے ان نقیبوں کو جاسوسی کی غرض سے اریحاء بھیجا تاکہ دیکھ کر آئیں کہ قوم کنعانین کی حالت کیا ہے اور ان کی جنگی تیاریاں کیسی ہیں۔ اور آپ مع اس لشکر جرار کے اریحاء سے قریب ہی ٹھہرے رہے۔ ان نقیبوں سے عہد لیا۔ کہ وہاں کے حالات صرف ہم سے بیان کریں۔ اپنی قوم یعنی اسرائیلیوں سے ہرگز نہ کہیں۔ یہ بارہ نقیب جب اریحاء پہنچے تو انہوں نے کنعانیوں کو بہت قد آور اور شہ زور پایا۔ اور ان کے پاس مالوں کی فراوانی دولت کی بہتات تھی۔ ان کی شہ زوری قد و قامت اور جوانی دیکھ کر یہ بارہ نقیب مرعوب ہو گئے۔ وہاں سے واپس آئے تو سوائے حضرت کالب اور یوشع علیہ السلام کے سب نے اپنا عہد توڑ دیا۔ اپنی اپنی قوموں سے قوم کنعانین کی طاقت و قوت' دولت اور کثرت مال کا خوب چرچا کیا جس سے بنی اسرائیل گھبرا گئے اور کنعانیوں سے جہاد کرنے سے انکار کر دیا اور بولے کہ اے موسیٰ آپ اور آپ کا رب جا کر اس قوم سے جنگ کریں۔ ہم تو یہاں ہی رہیں گے۔ ہم میں اس قوم سے لڑنے کی طاقت نہیں۔ اس آیت میں یہی واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ پھر بمشکل ان پر جہاد ہوا۔ اور ان کے سردار عوج بن عنق **(واللہ اعلم)** کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنفس نفیس قتل کیا۔ خیال رہے کہ اکثر مورخین نے اور ان کی پیروی میں بہت سے مفسرین نے اس قوم کنعان کے سردار کا نام عوج ابن **عنق** یا ابن عناق یا ابن عوق لکھا ہے۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی عمر تین ہزار سال تھی۔ قوم عاد سے تھا اس کا قد تین ہزار تین سو تینتیس گز تھا۔ حتی کہ اس کا سر بادل سے اوپر ہوتا تھا۔ اور طوفان نوح اس کے گھٹنوں تک پہنچا تھا اور وہ ان نقیبوں کو اپنی آستینوں میں ڈال کر لئے پھرا۔ اور کہانی اسرائیل سے ہماری شہ زوری کا ذکر کر دینا۔ اور بھی بہت مبالغہ آمیز باتیں لکھی ہیں مگر یہ روایات عقل و نقل سب کے خلاف ہیں۔ اس لئے کہ اتنے قد کا آدمی زندہ نہ رہنا چاہیے۔ کیونکہ اس کا سر طبقہ زمہریر اور کرہ آگ سے بھی اوپر نکلا ہوا ہو گا۔ پھر وہ زندہ کیسے رہا۔ ان بزرگوں نے یہاں تک لکھا ہے کہ عوج سمندر سے مچھلی پکڑ کر سورج سے بھون لیتا تھا۔ تعجب ہے کہ مچھلی بھون لیتا تھا۔ مگر اس کا سر نہیں بھنتا تھا۔ نیز طوفان نوح میں کوئی کافر نہ بچا۔ سب غرق ہو گئے اور صرف نوح علیہ السلام کی ذریت سے آئندہ نسل انسانی چلی۔ اسی لئے انہیں آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وجعلنا ذریتھم البٰقین** پھر عوج کیسے بچ رہا۔ بہرحال یہ درست ہے۔ کہ کنعانین بہت شہ زور طاقتور مالدار

اور عیش و عشرت والی تھی۔ بنی اسرائیل نے ان کے مقابلہ سے انکار کر دیا۔ ان کے عہد جہاد کا ذکر تو اس آیت میں ہے۔ اور عہد توڑنے کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ ہم نے بہت احتیاط سے یہ واقعہ عرض کیا۔ ان اسرائیلی روایات پر بہت سے اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ کے محبوب بندوں کے کام رب تعالیٰ کے کام ہیں۔ وہ حضرات فنافی اللہ ہوتے ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل سے جہاد کا یہ وعدہ اور ان میں سے بارہ نقیبوں کا چنا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ آپ نے انہیں قوم کنعانین میں جاسوسی کے لئے بھیجا۔ مگر رب العالمین نے فرمایا کہ یہ کام ہم نے کئے جیسا کہ **اخذ اللہ** اور **بعثنا** سے معلوم ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جہاد بڑی پرانی عبادت ہے۔ عہد موسوی میں بھی تھا۔ **تیسرا فائدہ** ایمان اور نیک اعمال کے ذریعے سیات یعنی چھوٹے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ اعمال گویا میلے دل کے لئے صابن ہیں یہ فائدہ **لا کفرن عنکم** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ایمان سے زمانہ کفر کے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اور نیک اعمال کے ذریعہ گناہ صغیرہ معاف ہوتے ہیں۔ مگر حقوق العباد کسی چیز سے معاف نہیں ہوتے۔ لہذا کافر مسلمان ہونے کے بعد بھی زمانہ کفر کے قرض ادا کرے گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ عفو' مغفرت' تکفیر ان سب سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ مگر عفو و مغفرت میں براہ راست رب تعالیٰ معافی دے دیتا ہے۔ اور تکفیر یہ ہے کہ بعض اعمال کے ذریعہ گناہ معاف فرمائے۔ جیسے گھوڑا لوٹ کر جب جسم ہلاتا ہے تو ساری مٹی جھڑ کر وہ صاف ہو جاتا ہے۔ لگا کیچڑ میں لوٹے۔ مگر جہاں اس نے پر جھاڑے۔ صاف ہو گیا۔ یہ ہے عفو اور ہم نے اپنا میلا کپڑا پانی و صابن سے دھویا۔ یہ ہے کفارہ۔ یہاں کفارہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا فائدہ** دین موسوی میں نماز بھی تھی اور زکوٰۃ بھی۔ اگرچہ وہ نماز و زکوٰۃ ہماری نماز و زکوٰۃ سے مختلف تھی۔ چنانچہ ان پر دن رات میں دو نمازیں فرض تھیں۔ اور زکوٰۃ چوتھائی مال۔ **پانچواں فائدہ** سارے نبیوں پر ایمان اور تمام نبیوں کا ادب و احترام اسلام کا رکن ہے۔ کسی نبی کا انکار اور کسی پیغمبر کی بے ادبی کفر ہے۔ یہ فائدہ **امنتم برسلی وعزرتموھم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** زکوٰۃ کے علاوہ اور نفلی صدقات بھی دیتے رہنا چاہئیں۔ صرف زکوٰۃ پر قناعت نہ کی جائے۔ یہ فائدہ **واقرضتم اللہ** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** سلطان اسلام کو چاہیے کہ قوم کے حالات سے بے خبر رہے اور خبرداری کے لئے قوم نمبردار سردار مقرر کرے۔ مگر ان کو یہ عہدے سونپے یہ فائدہ **اثنا عشر نقیبا** سے حاصل ہوا۔ خود حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بیعت عقبہ کے موقع پر مسلمانان مدینہ کے لئے بارہ نقیب مقرر فرمائے تھے جو مسلمانان مدینہ کا دینی انتظام کریں۔ ان کی اصلاح کرتے رہیں۔ آج بھی حکومتیں پنچ۔ حاکم وغیرہ مقرر کرتی ہیں۔ ان کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہے۔ **آٹھواں فائدہ** سلطان اسلام کو چاہیے کہ دشمن کے ملک میں اپنے جاسوس مقرر کرے۔ ان کے حالات سے باخبر رہے۔ کہ اس کے بغیر جنگ ناممکن ہے۔ یہ فائدہ بھی **اثنا عشر نقیبا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** غرباء و مساکین رب تعالیٰ کو بڑے پیارے ہیں۔ دیکھو ان پر خرچ کرنے کو

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ نے اپنے ذمے قرض قرار دیا۔ بلا تشبیہ ہماری اولاد پر خرچ کر دینا ہم پر قرض ہوتا ہے۔ دسواں فائدہ پیغمبری تعظیم اتنی ضروری واہم چیز ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کا عہد لیا۔ اور پھر تعظیم میں کوئی قید نہیں لگائی۔ کہ کس قسم کی تعظیم کرو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر قسم ہر طرح کی تعظیم کی جائے۔ جو تعظیم شریعت نے حرام نہ کی ہو وہ کی جائے۔ تعظیم میں نقل کی ضرورت نہیں کہ منقول تعظیم کرو۔ دوسری نہ کرو۔ یہ فائدہ **عزرتموهم** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ لہذا کسی نبی ولی کو سجدہ نہ کرو کہ یہ حرام ہے۔ انہیں خدا کا بیٹا بیٹی نہ کہو کہ یہ شرک ہے۔ باقی ہر طرح کی تعظیم اور جائز کلمات کا استعمال کرو۔ گیارہواں فائدہ ایمان کی برکت سے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ حقوق معاف نہیں ہوتے۔ لہذا زمانہ کفر کے قرض ادا کرنے ہوں گے۔ اس زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کی جائیں گی یہ فائدہ **لا کفرن عنکم سیاتکم** سے حاصل ہوا۔ اسلام وہ سمندر ہے کہ ہر گندے کو جو اس میں غوطہ لگائے۔ پاک فرما دیتا ہے۔ **بارہواں** فائدہ اللہ تعالیٰ ایک مومن کو کئی جنتیں عطا فرمائے گا۔ ایمان کی جنت' نماز کی جنت' روزی کی جنت' غرض کہ وہ کریم ہے۔ جب کرم نوازی فرمائے گا تو اپنی شان کے لائق عطا کرے گا۔ نہ کہ بندہ کی حیثیت کے لائق۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف متقی مومنوں کے ساتھ ہے تو کیا وہ کافروں اور گنہگاروں سے دور ہے۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **انی معکم لئن اقمتم الصلوۃ** میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرو۔ وہ تو ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ جواب معترض نے آیت کا ترجمہ غلط کیا **لئن اقمتم** کا تعلق آئندہ مضمون سے ہے۔ اس کی جزا اور جواب ہے۔ **لا کفرن عنکم سیاتکم** یعنی اگر تم نماز قائم رکھو اور نیک ہو تو میں تمہارے گناہ بخش دوں گا اس لئے "معکم" پر (ط) کی علامت ہے یعنی یہاں ٹھہرو یہ وقف مطلق ہے۔ اگر مان لیا جائے جب بھی مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ مومنوں کے ساتھ رب۔ رحمت و کرم' بندہ نوازی' ستاری' غفاری اور کافروں کے ساتھ قہاری جباری سے ہے۔ ساتھ ہونے کی بہت قسمیں ہیں۔ لہذا آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔ دوسرا اعتراض اس آیت کریمہ میں نماز و زکوۃ کے بعد ایمان کا ذکر کیوں فرمایا۔ ایمان تو نماز زکوۃ بلکہ تمام اعمال سے پہلے ہے جواب اس کے کئی جواب تفسیر سے معلوم ہو گئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ نماز و زکوۃ درست ہونے کے لئے ایمان کی قید ہے کہ ایمان کے ساتھ ہوں تو درست ہیں۔ ورنہ نہیں۔ مومن ہونا نماز و زکوۃ سے پہلے چاہیے۔ مگر مومن رہنا آخر دم تک ضروری ہے۔ قید مقید کے بعد مذکور ہوتی ہے۔ تیسرا اعتراض ایمان اللہ تعالیٰ نبیوں' کتابوں' قیامت جنت و دوزخ فرشتوں سب پر ہی لایا جاتا ہے۔ تو یہاں فقط رسولوں کا ذکر کیوں ہوا۔ **امنتم برسلی** جواب یا اس لئے کہ ان تمام کا ماننا ایمان کا ڈھانچہ ہے اور رسولوں کو ماننا ایمان کی روح ہے۔ ابلیس سب کو مانتا تھا مگر کافر رہا۔ بہت سے کفار توحید وغیرہ سب کو مانتے ہیں۔ **مگر کافر ہیں۔** یوں اس لئے کہ رسول کے منکر ہیں۔ دین بدلتا ہے۔ نبی بدلنے سے تمام آسمانی دینوں میں توحید یکساں ہے۔ نبوت میں فرق ہے تو یہ سب دین الگ ہو گئے۔ قبر میں توحید کے جواب پر نجات نہیں۔ نبوت کے جواب پر نجات ہے یا اس لئے کہ نبی کو ماننے میں

www.alahazratnetwork.org

ان سب کا ماننا آجاتا ہے۔ جیسے سو کے عدد میں تمام اکائیاں دہائیاں آجاتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی خدا کو مانے نبی کو نہ مانے۔ مگر نا ممکن ہے کہ نبی کو مانے خدا کو نہ مانے ان وجوہ سے صرف رسل کا ذکر ہوا۔ **چوتھا اعتراض** رسولوں پر ایمان کے بعد ان کی تعظیم کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا **وعزرتموھم** **جواب** اس لئے کہ تعظیم رسول بقاء ایمان بلکہ صحت ایمان کا ذریعہ ہے۔ ایمان کے بعد بقاء کے ذریعہ کا ذکر ہوا۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو اسلام لاچکنے کے بعد کافر ہو وہ گمراہ ہے۔ یعنی مرتد۔ تو کیا اصلی کافر گمراہ نہیں۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **فمن کفر بعد ذلک** حالانکہ سارے کافر گمراہ ہیں۔ **جواب** **ذلک** سے اشارہ ایمان و اعمال کی طرف نہیں بلکہ مذکورہ اعلان کی طرف یا مذکورہ عہد و پیمان کی طرف ہے یعنی اس عہد و پیمان کے بعد یا ہمارے اس اعلان عام کے بعد جو کفر کرے وہ بہت بڑا گمراہ ہے کیونکہ بے خبری کی حالت کا کفر یا گناہ قابل پکڑ نہیں۔ جسے نبوت کی روشنی نہ پہنچے۔ اس کے لئے صرف عقیدہ توحید ہی نجات کے لئے کافی ہے۔ **چھٹا اعتراض** بنی اسرائیل سارے رسولوں پر ایمان کیسے لاسکتے تھے۔ اس وقت سارے نبی تشریف نہ لاچکے تھے۔ بہت رسول بعد میں آنے والے تھے۔ جو نبی ابھی آئے ہی نہ ہوں ان پر ان کی تعظیم ان کی مدد کیسے ممکن ہے۔ لہٰذا ان سے یہ کہنا کیوں کر درست ہوا کہ **امنتم برسلی وعزرتموھم** **جواب** اجمالی ایمان آئندہ رسولوں پر بھی لایا جاسکتا ہے یہ خیال کیا جائے کہ آئندہ جس قدر رسول آئیں گے وہ برحق ہوں گے۔ ہمارا سب پر ایمان ہے۔ یونہی آئندہ تعظیم و مدد کا حال ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک موقع پر مدینہ منورہ کی زمین کا ادب کیا کہ جب آپ کا تخت اس سرزمین پر پہنچا جو کہ ہوا میں اڑتا ہوا یہاں سے گزرا تھا۔ تو آپ اس خطہ زمین پر اڑتے ہوئے نہ گزر گئے بلکہ اس سرزمین کو پیادہ طے کیا اور ساتھیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف سے باخبر کیا اور فرمایا کہ یہ میدان آگے چل کر شہر بنے گا۔ اور اس شاہ رسل کا دائمی قیام گاہ بنے گا یہی سن کر تبع مع اپنی جماعت کے یہاں آباد ہو گئے اور ان ہی سے مدینہ کی بستی آباد ہوئی جیسا کہ ہم اس آیت کی تفسیر میں انشاء اللہ عرض کریں گے۔ **وقوم تبع**۔ یہ ہے حضور کی تعظیم اور حضور کے دین کی مدد جو حضور کی تشریف آوری سے ایک ہزار سال پہلے ہوئی۔ بہرحال تعظیم مدد' ایمان یہ تمام چیزوں گزشتہ موجودہ آئندہ نبیوں کی ہو سکتی ہے۔ **ساتواں اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز کے لئے **اقمتم** ارشاد ہوا۔ اور زکوٰۃ' ایمان' قرض حسن کے لئے **اقمتم** نہ ارشاد ہوا۔ قرآن کریم میں ہم کو نماز کا حکم دیا گیا **اقیموا** فرما کر اور کسی عبادت زکوٰۃ' روزہ' حج جہاد وغیرہ کے لئے قائم کرنے کا حکم نہیں۔ **جواب** اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ساری عبادات یا سال میں ایک بار ہیں یا عمر میں ایک بار۔ نماز ہی وہ عبادت ہے جو ہر دن پانچ بار ہے۔ دوسرے یہ کہ نماز میں پابندیاں بہت ہیں۔ دوسری عبادت میں نہیں۔ چنانچہ غسل وضو کپڑے جگہ کی پاکی قبلہ کو منہ صرف نماز میں ضروری' زکوٰۃ' حج' روزہ' بغیر غسل وضو بھی ادا ہو جاتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ نماز صحیح پڑھنا بہت مشکل ہے۔ اس کے احکام بہت ہیں۔ ایک قصدی نماز کو بھی۔ اس کے فرائض واجبات' سنن' مستحبات کی خبر نہیں ہوتی۔ امام بھی ایک متحرک جسم

www.alahazratnetwork.org

ہوتا ہے۔ جو مصلے پر کھڑا ہو جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ نماز درست کر لینے والا تمام عبادات کو درست کر لیتا ہے۔ جس کی نماز درست نہیں اس کی کوئی عبادت درست نہیں۔ پانچویں یہ کہ قیامت میں سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا۔ بعد میں دوسری عبادات کا۔ قبر میں نمازی کو نماز کی ہی فکر ہوگی کہ وہ فرشتہ سے کہے گا کہ مجھے عصر کی نماز پڑھ لینے دو۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی امت میں بارہ نقیب چنے یہ چناؤ ایک خاص وقت میں ہوا جو خاص وقت تک رہا۔ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے یہ چناؤ امت محمدیہ سے ہمیشہ ہوتا رہے گا۔ چنانچہ اس امت میں ہمیشہ چالیس ابدال' سات امناء' تین خلفاء ایک قطب ہمیشہ رہیں گے۔ جن کی برکت سے عالم میں بارشیں آئیں گی۔ لوگوں کو رزق ملیں گے باقی اولیاء اللہ تو شمار سے باہر ہیں قطب کے ذریعہ مرکز عالم قائم ہے۔ داہنے امام کی برکت سے عالم ارواح بائیں امام کی برکت سے عالم اجسام قائم ہے۔ اوتاد کی برکت سے چار سمتیں مشرق و مغرب' جنوب' شمال قائم ہیں۔ ابدال کی برکت سے ساتوں اقلیم محفوظ ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز قائم رکھنا یہ ہے کہ مومن ہروقت نماز میں رہے۔ رب فرماتا ہے **هم على صلاتهم دائمون** نماز کے چار ارکان ہیں۔ قیام' رکوع' سجود' قعود اور ہمارے چار عناصر ہیں۔ ان چار ارکان سے اپنے چار عناصر کو عروج دو۔ تاکہ رب ودود تک پہنچو۔ جس نماز میں مشاہدہ یار نہ ہو وہ نماز پڑھنا ہے۔ نماز قائم کرنا نہیں نماز قائم کرنا یہ ہے قالب نماز میں ہو اور یار قلب میں ہو۔ اللہ تعالیٰ وہ نماز عطا فرمائے مال خرچ کرنا عوام کی زکوٰۃ ہے۔ ذات خرچ کرنا خواص کی زکوٰۃ۔ جیسی زکوٰۃ ویسی اس کی جزاء یہ تمام خوبیاں حضرات انبیاء کرام کی انتہائی تعظیم سے حاصل ہوتی ہیں اللہ تعالیٰ ان کی تعظیم نصیب کرے۔ آمین (از روح البیان) یہاں تفسیر عرائس البیان نے مقبولین الٰہی کی بہت قسمیں ان کے احکام ان کے فیوض و برکات بیان فرمائے۔ چنانچہ فرمایا **نقباء** بدلاء نجباء' اصفیاء اتقیا مقربین' عارفین' موحدین' صدیقین' شہداء' صالحین' اخیار ان سب کے سردار غوث ہیں۔ ان سے ہی نظام عالم قائم ہے (عرائس البیان)

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ
پس توجہ توڑنے ان کے اپنے عہدوں کو لعنت کی ہم نے ان پر اور کر دیا ہم نے دلوں کو ان کے سخت بدلتے
تو ان کی کیسی بد عہدیوں پر ہم نے انہیں پر لعنت کی اور ان کے دل سخت کر دیئے اللہ کی باتوں کو
الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ
ہیں کلموں کو جگہوں سے اپنے اور بھول گئے وہ ایک حصہ اس میں سے نصیحت کی گئی تھی جس کی اور
ان کے ٹھکانوں سے بدلتے ہیں اور بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں اور تم ہمیشہ

www.alahazratnetwork.org

عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَ اصْفَحْ اِنَّ
رہیں گے آپ مطلع ہوتے اوپر خیانت کے ان کی طرف سے سوا تھوڑوں کے ان میں سے پس معاف کردو ان سے
ان کی ایک نہ ایک دغا پر مطلع ہوتے رہو گے سوا تھوڑوں کے تو انہیں معاف کرو اور درگزر کرو
اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (۱۳)
اور درگزر کرو بے شک اللہ پسند کرتا ہے نیک کاروں کو
بے شک احسان والے اللہ کو محبوب ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اس عہد و پیمان کا ذکر تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی معرفت بنی اسرائیل سے لیے گئے تھے۔ اب انہیں اسرائیلیوں کے ان عہد و پیمان کے توڑنے ان کی مخالفت کرنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عہد و پیمان کے پورا کرنے کے فوائد کا ذکر تھا۔ اب عہد و پیمان توڑنے اس کے خلاف کرنے کی برائیوں کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ عہد توڑنے سے بچیں۔ عہد پورے کرنے کے پابند رہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کے اخیر میں فرمایا گیا تھا کہ جو اس کے بعد کفر کرے گا وہ سیدھے راستے سے بہکے گا۔ یہ اجمالی حکم تھا۔ اب اس اجمال کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ کہ ان لوگوں نے کیسے کفر کیے اور سیدھے راستہ سے کیسے بہکے۔ گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے۔

تفسیر **فبما نقضهم ميثاقهم** ف یا **تعقیبیہ** ہے یا تفصیلیہ۔ ب سببیہ ہے ما زائدہ ہے یا تنکیریہ بمعنی شی۔ اس ما کی وجہ سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی آئندہ مذکورہ لعنت وغیرہ صرف اس وجہ سے ہوئیں **نقض** کے معنی ہیں توڑنا یا مخالفت وعدہ کرنا۔ **هم** اس کا فاعل مضاف الیہ ہے اور **ميثاقهم** اس کا مفعول بہ میثاق کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف اس لئے ہے کہ ان سے عہد لیا گیا۔ عہد توڑنے سے مراد یا گزشتہ انبیاء کرام کو شہید کرنا ہے یا موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت کرنا۔ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توریت والی نعت چھپانا ہے۔ یا نماز و زکوٰۃ کا انکار کر دینا ہے۔ (روح المعانی و کبیر وغیرہ) یا حضرات انبیاء کی نبوت کا انکار ہے۔ (خازن) خیال رہے کہ پچھلی آیت میں پانچ عہدوں کا ذکر ہوا ہے۔ نماز قائم کرنا' زکوٰۃ دینا' انبیاء کرام پر ایمان لانا' انبیاء کرام کی تعظیم کرنا۔ رب تعالیٰ کو قرض حسن دینا یہ عہد بنی اسرائیل سے لئے گئے یہود نے وہ عہد توڑا جو تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ یعنی توقیر و تعظیم انبیاء نہ کی۔ بلکہ دشمن انبیاء رہے۔ نبیوں کو عیب لگانا۔ انہیں شہید کرنا انکا شیوہ رہا۔ اس عہد کے توڑنے سے وہ باقی سارے عہد توڑ بیٹھے اور گناہوں کے دریا میں ڈوب گئے۔ توقیر انبیاء تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ توہین انبیاء تمام گناہوں کی جڑ اسی توہین کی بیماری نے ہی شیطان کو مردود کیا۔ لہٰذا یہاں **ميثاقهم** میں میثاق سے مراد **وعزرتموهم** کا وعدہ ہے جسے یہود نے توڑا۔ **لعنهم** یہ عبارت **بما نقضهم** جار مجرور کا متعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

یعنی عہد توڑنا سبب ہے اور لعنت مسبب۔ لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دوری اگر اس کا فاعل بندے ہوں تو اس کے معنی ہوں گے رحمت سے دوری کی بد دعا کرنا اور اگر اس کا فاعل رب تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ رحمت سے دور کرنا۔ یہاں یہ ہی دوسرے معنی مراد ہیں کیونکہ فاعل رب تعالیٰ ہے۔ یہاں لعنت اور سختی دل میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ لعنت سے مراد سختی دل ہو اور یہ عطف تفسیری ہو۔ سختی دل خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔ دوسرے یہ کہ لعنت اور سزا ہے۔ سختی دل دوسری سزا۔ اس صورت میں یا تو لعنت سے مراد اخروی لعنت ہے۔ اور سختی دل دنیاوی عذاب یا لعنت بھی دنیاوی عذاب ہے اور سختی دل بھی دنیاوی عذاب۔ للذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ بعض مفسرین نے لعنت سے دنیاوی لعنت مراد لی ہے۔ بعض نے اخروی۔ چنانچہ امام مقاتل اور حسن فرماتے ہیں کہ یہاں لعنت سے مراد ان اسرائیلیوں کو سور اور بندر بنا دینا ہے۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ لعنت سے مراد ان پر جزیہ قائم کرنا انہیں دوسری قوموں کا غلام بنا دینا ہے۔ اس صورت میں لعنت سے دنیاوی لعنت مراد ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ لعنت سے مراد وہ پھٹکار ہو جو قیامت میں اور بعد قیامت ان پر ہوتی رہے گی۔ تب اخروی لعنت مراد ہو گی۔ بہر حال لعنت میں بڑی گنجائش ہے۔ **وجعلنا قلوبهم قسية** یہ جملہ لعنا پر معطوف ہے اور عہد توڑنے کا دوسرے نتیجہ یہاں جعل بمعنی خلق نہیں ہے۔ بلکہ بمعنی صیر ہے۔ اس لئے اس کے دو مفعول آئے۔ پہلا مفعول **قلوبهم** دوسرا **قسية هم** کا مرجع وہی عہد توڑنے والے اسرائیلی ہیں **قاسية** بنا ہے۔ قسوۃ سے قسوۃ کے بہت معنی ہیں۔ خشکی، سختی، فساد، ردی ہونا، دور ہونا۔ توفیق کا سلب ہو جانا۔ یہاں سارے معنی درست ہیں (تفسیر کبیر) حق یہ ہے کہ جو دل سخت ہو جائے۔ اس میں یہ تمام عیوب خشکی وغیرہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ **قاسية** اسم فاعل ہے۔ بہ مبالغہ کی بعض قراءتوں میں **قسية** ہے دل کی سختی یہ ہے کہ اللہ کا ذکر اور نصیحت وغیرہ اس میں اثر نہ کرے۔ رب فرماتا ہے۔ **فويل للقسية قلوبهم من ذكر الله يحرفون الكلم عن مواضعه** یہ نیا جملہ ہے جس میں لعنت اور دل کی سختی کے انجام کا ذکر ہے۔ تحریف کے معنی ہیں۔ کنارہ سے دور کر دینا۔ یہ بنا ہے حرف سے بمعنی طرف و کنارہ۔ اصطلاح میں بدل دینے کو تحریف کہتے ہیں کہ اس میں بدلی ہوئی چیز کو حد سے ہٹا دیا جاتا ہے۔ اسے حال کے صیغہ سے ارشاد فرمانا یا تو گزشتہ واقعہ کا نقشہ ذہن میں قائم کرنے کے لئے ہے کیونکہ توریت شریف کی تحریف یہودی پہلے ہی کر چکے تھے۔ یا ان کی موجودہ تحریف کا ذکر ہے۔ کیونکہ یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تحریف کرتے رہتے تھے۔ یا حال استمراری ہے یعنی تبدیلی کرتے رہتے ہیں حکم سے مراد توریت شریف کی آیات میں خواہ احکام کی آیات ہوں۔ یا سزاؤں کی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیہ آیات۔ **مواضع** جمع ہے **موضع** کی بمعنی جگہ۔ اس جگہ سے مراد یا تو توریت شریف کے اوراق ہیں کہ وہ اصلی آیات کو مٹا کر ان کی جگہ دوسری آیات بناوٹی لکھ دیتے ہیں۔ تب تحریف سے مراد لفظی تحریف ہے۔ یا مواضع سے مراد صحیح معنی و مطلب ہے۔ یعنی وہ آیات توریت کی باطل تاویلیں کر کے اصل مقصد سے ہٹا دیتے ہیں۔ تب تحریف سے مراد تحریف معنوی ہو گی۔ یہود توریت شریف میں دونوں

www.alahazratnetwork.org

قسم کی تحریفیں کرتے ہیں۔ آج مسلمانوں کے باطل فرقے قرآن مجید میں تحریف معنوی تو کرتے ہیں۔ مگر بحمدہ تعالیٰ تحریف لفظی نہیں کر سکتے اور ان کی تحریف معنوی کی بھی دھجیاں اڑا دی جاتی ہیں۔ کیوں نہ ہو کہ رب تعالیٰ اس قرآن کا محافظ ہے چونکہ کلم اسم جنس ہے اس لئے مواضعہ میں ضمیر واحد لائی گئی۔ اسم جنس کے لئے واحد اور جمع دونوں ضمیریں آسکتی ہیں۔ **ونسوا حظا مما ذكروا به** یہ جملہ "یحرفون" الخ پر معطوف ہے اور اس میں سختی دل کے دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ نسوا بنا ہے نسیان سے، بمعنی بھول جانا کبھی مجازاً چھوڑ دینے کو نسیان کہہ دیتے ہیں۔ یہاں بہت سے مفسرین نے چھوڑنے کے معنی بھی کئے ہیں مگر حقیقی معنی بن سکتے ہوں تو بلاوجہ مجازی معنی نہیں کرنا چاہئیں۔ **حظ** کے معنی ہیں نصیب یا حصہ **مما** کا من تبعیضیہ ہے **ما** سے مراد دین موسوی کے شرعی احکام ہیں **ذكروا** بنا ہے تذکیر سے، بمعنی امر اور ہو سکتا ہے کہ تذکیر، بمعنی نصیحت کرنا یا یاد دلانا ہی ہو۔ یعنی یہ یہودی توریت شریف کے بہت سے احکام کو جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا۔ چھوڑ بیٹھے' یا توریت کا بہت سا حصہ بھول گئے۔ وہ حصہ ان کے حافظہ سے نکل ہی گیا یہ ہے ان کی بدکاریوں کا نتیجہ کہ علم بھول گئے۔ ان کا حافظہ کمزور ہو گیا۔ **ولا تزال تطلع على خائنة منهم** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کے دائمی عیب کا ذکر ہے **لا تزال** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے یا ہر مسلمان سے **تطلع** کے ساتھ **لا تزال** لگانے سے اطلاع کی ہمیشگی بتائی گئی **خائنة خيانة** سے بنا جو امانت داری کا مقابل ہے یا تو یہ مصدر ہے۔ جیسے **كاذبة** یا **لا غية** یا **مكافية** یا **عافيه** یا **طاغيه** رب فرماتا ہے۔ **اهلكوا بالطاغيه** اور **لا تسمع فيها لاغيه** اور **ليس بوقعتها كاذبة** (کبیر) یا اسم فاعل ہے۔ **فعلة** یا نفس یا شخص پوشیدہ کی صفت ہے۔ (روح المعانی) **منهم حاصلة** کے متعلق ہو کر **خائنة** کی صفت ہے۔ خیانت سے مراد حضور سے کئے ہوئے عہد توڑنا یا حضور کے مقابل مشرکین کی مدد کرنا یا حضور انور کو زہر دینا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچے بٹھا کر اوپر سے بھاری پتھر لڑھکانا تاکہ حضور شہید ہو جائیں۔ یہ تمام حرکتیں یہود عرب خصوصاً بنی قریظہ اور بنی نضیر سے وقتاً "فوقتاً" صادر ہوتی رہیں۔ **الا قليلا منهم** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت **خائنة منهم** کی **هم** ضمیر سے استثناء ہے اور معنی یہ ہیں کہ آپ سارے یہود کی خیانتوں پر وقتاً" فوقتاً" مطلع ہوتے رہیں گے۔ مگر ان میں سے بعض وہ یہود بھی ہیں جو نہایت امانتدار قول کے سچے اور وعدوں کے پکے ہیں۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی جو پہلے یہودی تھے اور یہود عرب کے سردار اور ان کے بڑے عالم۔ مگر حضور انور پر ایمان لے آئے اور جلیل القدر صحابی ہوئے ان کی ایمانداری وفاشعاری احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت "**خائنة**" سے استثناء ہے بعض کے نزدیک **قلوبهم قسية** سے مستثنیٰ ہے۔ تب مطلب یہ ہو گا ان کی خیانتیں کھلی ہیں۔ جن پر آپ خبردار ہوتے رہتے ہیں۔ ہاں تھوڑی خیانتیں چھپی ہوئی ہیں۔ جو ظاہر نہیں ہوتیں۔ یا ان سب کے دل ہم نے سخت کر دیئے۔ مگر تھوڑی جماعت نرم دل بھی ہے۔ (روح المعانی) **فاعف عنهم واصفح** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اور ف جزائیہ ہے۔ عفو کے معنی ہیں مٹانا جیسے معافی کو عفو اسی لئے کہتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ اس سے جرم مٹ جاتا ہے۔ صفح چہرہ کے چوڑے حصے کو کہا جاتا ہے۔ اب اصطلاح میں منہ پھیر لینے درگزر کرنے کو صفح کہنے لگے۔ کیونکہ جس سے منہ پھیرا جائے۔ اس کی طرف منہ نہیں رہتا بلکہ منہ کی چوڑائی یعنی رخسارہ ادھر ہو جاتا ہے۔ پوشیدہ شرط یا تو **ان اسلموا** ہے یا **ان ادوا الجزیۃ** یا **ان لم ینقضوا عھدھم** ہے یعنی اگر یہ حرکتیں کرنے والے اب بھی اسلام لے آئیں تو ان کی ساری خطائیں معاف فرمادو۔ اور ان سے کریمانہ شان سے کرم فرماتے ہوئے درگزر کر دیا۔ اگر یہ لوگ جزیہ ادا کئے جائیں۔ یا اگر یہ لوگ کھلم کھلا بغاوت نہ کریں بلکہ اسلام کی رعایا بن کر رہیں۔ تو ایسی حرکتوں کی معافی دے کر ان سے درگزر کرو۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ (تفسیر خازن) غرضیکہ کمزوری کی معافی اور ہے۔ اخلاق کی معافی کچھ اور۔ شخصی مجرم کی معافی کچھ اور ہے۔ قومی و قانونی مجرم کی معافی کچھ۔۔۔ اور دوسری قسم کی معافی منسوخ ہے۔ پہلی قسم کی معافی قیامت تک جاری ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **فاعف عنھم** کی ضمیر **ھم** کا مرجع **قلیلا منھم** ہے۔ یعنی وہ تھوڑے اسرائیلی جنہوں نے بدعہدی نہ کی۔ بلکہ مسلمان ہو گئے۔ ان کی خطائیں بخش دو۔ گزشتہ سے درگزر کرو۔ اس صورت میں بھی آیت محکم ہے۔ (روح المعانی) **ان اللہ یحب المحسنین** یہ عبارت معافی کے حکم کی علت ہے۔ اور روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یعنی آپ انہیں معافی دیں۔ کیونکہ معافی دینے والے محسن ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔ آپ محسن ہیں لہٰذا رب کے محبوب ہیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ اس کا تعلق **الا قلیلا** سے ہو اور معنی یہ ہوں کہ وہ تھوڑے وفادار بنی اسرائیل محسنین ہیں۔ خدا کو پیارے ہیں۔ لہٰذا آپ ان سے معافی اور درگزر کا سلوک کریں (تفسیر کبیر) مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ خیال رہے کہ محسن بنا ہے احسان سے جس کا مادہ حسن۔ بمعنی بھلائی ہے۔ کسی سے سلوک کرنا بھی بھلائی ہے۔ معافی دینا بھی بھلائی ہے۔ اور نماز میں خشوع و خضوع دل لگا کر پڑھنا بھی احسان و بھلائی ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ کہ احسان یہ ہے کہ تم رب تعالیٰ کی عبادت اس طرح کرو کہ اسے دیکھ رہے ہو۔ اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ سمجھ لو وہ تمہیں دیکھ رہا ہے یہاں احسان دوسرے معنی میں ہے یعنی مجرموں کو معافی دینا۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں یہود کے پانچ گناہوں کا اور ان کی پانچ سزاؤں کا ذکر ہے ان کے پانچ گناہ ایک کلمہ میں فرمائے گئے۔ **فبما نقضھم میثاقھم** کیونکہ پچھلی آیت میں یہود کے پانچ عہد و پیمان کا ذکر ہے۔ نماز' زکوۃ' ایمان وغیرہ ان پانچ عہدوں کے توڑنے کو اس ایک لفظ میں بیان فرمادیا۔ پانچ سزائیں لعنت۔ دل کی سختی تحریف **کلمات الٰہیہ**۔ بہت سے عہد بھول جانا۔ ہمیشہ خیانتیں کرنا۔ یہ ہیں سزائیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل سے پانچ عہد تو وہ لئے گئے تھے۔ جو ابھی بیان ہوئے مگر ان لوگوں نے سارے عہد توڑ دیئے۔ حضرات انبیاء کو شہید انہوں نے کیا نماز زکوۃ کے یہ انکاری ہو گئے۔ آپ کے یہ... دشمن ہو گئے اس بدعہدی کی وجہ سے ہم نے ان پر دین و دنیا میں پھٹکار کر دی۔ ان کے دل سخت کر دیئے جس سے کوئی نصیحت اللہ کی آیت ان میں اثر نہیں کرتی اسی کا نتیجہ ہے کہ یہ لوگ دن

www.alahazratnetwork.org

رات توریت شریف کی آیتیں لفظاً" و معناً" بدلتے رہتے ہیں۔ کتاب اللہ کی حفاظت کرنے کی بجائے اس کے بگاڑنے میں لگے ہوئے ہیں۔ اس پھٹکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ توریت شریف کا بہت حصہ بھول گئے اب ان کا حال یہ ہے کہ آپ ان کی خیانتوں پر برابر اطلاع پاتے رہیں گے۔ مگر ان میں تھوڑے لوگ وہ ہیں جو سچے پکے وفادار اطاعت شعار ہیں۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کی جماعت۔ لہٰذا اے محبوب آپ ان کو معاف دیں۔ ان سے درگزر فرمائیں کہ یہ کام احسان ہیں اور اللہ تعالیٰ محسنوں کو پسند فرماتا ہے۔ فقیر نے یہ اجمالی تفسیر اور اس کی تفصیل ابھی تفسیر میں عرض کردی۔ ملاحظہ فرمالیں۔ خیال رہے کہ دینی' قومی' قانونی مجرموں سے درگزر جو مسلمانوں کی کمزوری کی بنا پر تھی۔ وہ جہاد کی آیتوں سے منسوخ ہو چکی۔ ہجرت سے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ سرکش' ظالم' خونخوار کفار سے کچھ نہ کہو۔ ابھی ان پر جہاد نہ کرو۔ اس قسم کی آیات جہاد والی آیات سے منسوخ ہے۔ یہاں اخلاقی معافی کریمانہ درگزر کا حکم ہے۔ یہ معافی تاقیامت باقی ہے۔ حضور انور نے فتح مکہ کے دن ابو سفیان وغیرہ کو معافی دی۔ کونسی معافی' اخلاق والی' اب اسلامی حکام بڑے لوگوں دوستوں' ماں باپ خاوند کو چاہیے اپنے تعلق والوں اور ماتحتوں کی ہربات پر پکڑ نہ کریں ورنہ گھر بگڑ جائیں گے۔ ملک برباد ہو جائیں گے۔ آپس میں فتنہ و فساد برپا ہوں گے۔ اکثر مواقع پر چشم پوشی کریں تاکہ گھر اور ملک و قوم کا نظام قائم رہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** وعدہ خلافی بدعہدی بڑا ہی جرم ہے۔ جس پر لعنت سختی دل وغیرہ ہوتی ہے۔ خصوصاً اللہ تعالیٰ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے ہوئے وعدے کہ ان کے خلاف کرنا بڑا ہی جرم ہے۔ **دوسرا فائدہ** دل کی سختی اللہ کا عذاب ہے اور دل کی نرمی اللہ کی رحمت یہ فائدہ **وجعلنا قلوبهم قسية** سے حاصل ہوا سختی دل کی علامت آنکھوں کی خشکی ہے اور نرمی دل کی علامت آنکھوں کی تری ہے۔ **تیسرا فائدہ** بعض گناہوں کی وجہ سے دل سخت ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی بعض نیکیوں کی برکت سے دل نرم پڑ جاتا ہے۔ اللہ کے محبوبوں کی بے ادبی عموماً دل سخت کردیتی ہے۔ اور نرم دلوں کی صحبت مقبولین بارگاہ سے الفت و محبت دل نرم کردیتی ہے۔ یہ فائدہ **فبما نقضهم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** زیادہ گناہوں فسق و فجور سے حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ بھول جانے کی بیماری پیدا ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **ونسوا حظا** الخ سے حاصل ہوا۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔ **شعر:**

☆ **شكوت الى وكيع سوء حفظى** ☆
☆ **فاوصانى الى ترك المعاصى** ☆
☆ **فان العلم نور من اله** ☆
☆ **وان النور لايعطى لعاصى** ☆

یعنی میں نے اپنے استاد **وکیع** سے اپنے حافظہ کی کمزوری کی شکایت کی تو انہوں نے فرمایا کہ گناہ چھوڑ دو۔ کیونکہ علم اللہ کا نور ہے اور نور گنہگار کو نہیں دیا جاتا۔ خصوصاً علم دین تو بہت تقویٰ و طہارت چاہتا ہے تفسیر روح البیان نے یہاں

www.alahazratnetwork.org

فرمایا کہ امیہ ابن صلت عرب کا بڑا مبلغ عالم و شاعر تھا مگر تھا فاسق و فاجر ایک دن اچانک ایک پرندہ نے اس کے منہ میں اپنی چونچ ڈالی اور اڑ گیا۔ امیہ اپنا تمام علم بھول گیا۔ پانچواں فائدہ ذمی کفار جب تک کہ بغاوت نہ کریں یا ان سے بغاوت کی علامت نہ پائی جائے۔ ان کا ذمہ نہ ٹوٹے گا۔ معمولی جرموں سے وہ رہیں گے ہمارے رعایا۔ یہ فائدہ **فاعف عنھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو خیبر کے یہودیوں نے حضور انور کو زہر دیا۔ بنی **قریظہ** نے حضور پر بھاری پتھر اوپر سے گرایا۔ رب نے اپنے محبوب کو بچالیا مگر ان حرکتوں کے باوجود انہیں ذمی ہی رکھا گیا۔ ان کو حربی قرار دے کر ان سے جنگ نہ کی گئی ہاں جب بنی **قریظہ** کے اسلام کے خلاف کفار سے سازش کی اور کفار مکہ بلکہ کفار عرب کو مسلمانان مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے تیار کیا۔ تب انہیں باغی اور غیر ذمی قرار دیا گیا۔ چھٹا فائدہ شرعی خطا و گناہ کی معافی حضور ہی دے سکتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **فاعف عنھم** سے حاصل ہوا۔ ہم اپنے حقوق کی معافی دے سکتے ہیں۔ شرعی حقوق کی معافی نہیں دے سکتے۔ ساتواں فائدہ معافی یا درگزر کرنا اچھی چیز ہے جس سے بندہ رب تعالیٰ کا پیارا ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ **یحب المحسنین** سے حاصل ہوا۔ سرکار فرماتے ہیں معافی سے عزت بڑھتی ہے۔ صدقہ سے مال بڑھتا ہے۔ اس میں برکت ہوتی ہے۔ آٹھواں فائدہ آیات و حدیث کے ہمیشہ وہ معنی کئے جائیں جو اب تک عام مسلمانوں نے سمجھے رہتے۔ نئے معانی نئی تو نہیں گھڑنا بے دینی ہے۔ یہ فائدہ **یحرفون الکلم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جو کہے کہ **اقیموا الصلوٰۃ** میں صلوٰۃ کے معنی نماز نہیں بلکہ دعا ہے یا خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں بلکہ اصلی نبی ہیں وہ اسلام سے خارج ہے۔

پہلا اعتراض جب اللہ تعالیٰ نے یہود کے دل سخت کر دیئے جس سے وہ ایمان و تقویٰ کے لائق نہ رہے تو پھر ان کو کفر و بد عملیوں کی سزا کیوں دی جائے گی۔ وہ تو بے قصور ہیں۔ **جواب** اس کا جواب آیت کریمہ **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں گزر گیا کہ سختی دل کا خالق رب تعالیٰ ہے اور اس کا سبب خود یہ لوگ ہیں کسب کے مجرم یہ ہیں۔ جیسا کہ **فبما نقضھم** سے معلوم ہو رہا ہے۔ قاتل مجرم ہے کیونکہ مقتول کی موت کا سبب بن جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے ان یہود کا ایک عیب یہ بیان کیا۔ **یحرفون الکلم عن مواضعہ** کہ وہ آیات توریت کو اپنی جگہ سے ہٹاتے ہیں۔ وہ لوگ آیات کو بدلتے تھے۔ یعنی اصلی آیت مٹا کر دوسری بناوٹی آیت لکھ دیتے تھے آیات کی ترتیب نہیں بدلتے تھے۔ رب تعالیٰ نے مٹانے کو ہٹانا کیوں فرمایا۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اگر تحریف سے مراد تحریف معنوی ہے تو مواضع سے مراد آیات کے محل اور آیات کے مقصد ہیں۔ یعنی وہ آیات توریت کے مقصد غلط بیان کرتے ہیں۔ ان کو مقاصد سے ہٹا دیتے ہیں۔ اور اگر تحریف لفظی مراد ہے تو ہٹانے سے مراد مٹانا ہی ہے کہ مٹائی ہوئی آیت اپنی جگہ سے ہٹا دی جاتی ہے۔ ہٹانا عام ہے۔ **تیسرا اعتراض** **عفو و صفح** یعنی معافی اور درگزر میں کیا فرق ہے۔ یہاں ارشاد ہوا۔ **فاعف** اور فرمایا **واصفح** دونوں ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ **جواب** کسی جرم کو دل سے

www.alahazratnetwork.org

نکال دینا مجرم پر ناراض نہ رہنا معافی ہے عفو کے معنی ہیں مٹانا اور مجرم کو منہ سے کچھ نہ کہنا سزا نہ دینا صفح یعنی درگزر ہے۔ غرض کہ عفو کا تعلق دل سے ہے اور درگزر کا تعلق زبان و ارکان سے یہ دونوں ایک نہیں ہیں۔ چوتھا اعتراض بعض مفسرین نے اس آیت **فاعف عنھم** کو منسوخ مانا ہے۔ وہ کیوں **جواب** وہ حضرات معافی اور درگزر کے معنی کرتے ہیں۔ حربی کفار سے جنگ نہ کرنا یہ حکم واقعی آیات جہاد سے منسوخ ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہاں ذمی یہود کی حرکتوں سے درگزر کرنا ہے۔ یہ حکم اب بھی باقی ہے۔ سورہ مائدہ کی کوئی آیت منسوخ نہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں یہود کے متعلق ارشاد ہوا۔ **لعنھم** ہم نے ان کو رحمت سے دور کر دیا۔ ان پر پھٹکار کر دی۔ مگر یہود تو بڑے مالدار ہیں۔ اب تو ان کی بادشاہت بھی قائم ہو گئی۔ خاص فلسطین میں۔ پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ **جواب** لعنتی آدمی کے پاس جو دنیاوی اخروی نعمت آئے وہ رحمت نہیں ہوتی۔ پھٹکار و عذاب ہی ہوتی ہے۔ صفراوی مزاج والا جو کھائے۔ اس سے صفرا بنتا ہے۔ یہود کا مال دولت ان کا ظاہری عزت ان کی زندگی موت قبر و حشر ان کے لئے سب لعنت ہے۔ وہ مال سے اور زیادہ گناہ کرتے ہیں۔ مومن کے لئے سب چیزیں رحمت ہیں کہ وہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لیتا ہے۔ لہذا آیت بالکل حق ہے۔ اور انشاء اللہ ان کی یہ سلطنت ان کی بڑی ذلت و خواری کا پیش خیمہ ہے۔ کسی کمزور کو بڑے پہلوانوں کے مقابلہ میں اکھاڑے میں کھڑا کر دیا جائے۔ تو انشاء اللہ یہ اس کے پچھاڑے جانے کا پیش خیمہ ہے۔ اللہ رسول سچے ہیں۔ انہوں نے جو خبر دی ہے۔ حق ہے۔

تفسیر صوفیانہ بے وفائی بدترین جرم ہے۔ جس سے انسان جانور سے بدتر ہو جاتا ہے وفاداری اور صادق العہد ہونا بہت اعلیٰ وصف ہے۔ کفار مکہ ظہور نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امین اور صادق الوعد کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ نمود رواداری چوں بیوفائی ☆ بود عار را سگاں چوں بیوفائی ☆
☆ **غیرنا** **من اوفی بعھد** گفت ☆ وفا از آورد فخر تعالیٰ حق ☆

صدق وعدہ اور وفاء عہد حق تعالیٰ کی صفات ہیں۔ جس بندے کو اللہ تعالیٰ یہ نعمتیں دے۔ وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے۔ وعدہ کسی سے کرو تو ضرور اسے پورا کرو۔ خصوصاً حق تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اپنے شیخ سے کئے ہوئے وعدے پورے کرنا تو علامت ایمان سے ہے۔ بے وفائی وعدہ خلافی کی نحوست سے انسان کا دل سخت حافظہ کمزور ہو جاتا ہے۔ اور یہ بہت سے گناہوں کی جڑ ہے۔ یونہی وفاداری وعدہ پکا ہونے کی برکت سے انسان کا دل نرم اور حافظہ قوی ہو جاتا ہے۔ اس کی برکت سے نیک اعمال کی دولت ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی تعریف فرماتا ہے **کان صادق الوعد وکان رسولا نبیا**۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسے اللہ تعالیٰ اپنا پیارا بنانا چاہتا ہے۔ اسے نرمی دل کی نعمت بخشتا ہے۔ کوئی چیز بغیر نرم ہوئے کچھ نہیں بنتی۔ سخت لوہا اوزار نہیں بنتا۔ سخت سونا زیور نہیں ہوتا۔ سخت زمین قابل کاشت نہیں۔ یوں

www.alahazratnetwork.org

ہی سخت دل قابل پذیر نہیں اور دل کی نرمی درد دل سے حاصل ہوتی ہے۔ ہمیشہ درد دل کی دعا کرو۔

☆ لوگ جو چاہیں خدا سے مانگ لیں ☆ میں نہ کچھ مانگوں سواء درد دل ☆

☆ کوچہ محبوب ہو کشکول ہو ☆ اور لب پر ہو صدائے درد دل ☆

درد دل کی دوکانیں حضرات اولیاء اللہ کے آستانہ ہیں۔ یہ سودا وہاں ہی ملتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک درگزر دو قسم کی ہے۔ ایک تو نعمت ہے۔ دوسری عذاب دشمنوں سے درگزر خدا کا عذاب ہے۔ یہاں درگزر کی دوسری قسم مراد ہے۔ یعنی ان بے وفاؤں کو منہ نہ لگاؤ ان سے درگزر کرو۔ ان کی طرف رخ نہ فرماؤ۔ یہ منہ لگانے کے قابل نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چند چیزیں سختی دل کی علامات ہیں۔ آیات الٰہیہ وعظ و نصیحت کا دل میں اثر نہ کرنا۔ اپنے گناہوں کا احساس و پرواہ نہ ہونا۔ دوسروں خصوصاً مقبولوں میں عیب نکالنا آنکھوں میں کبھی آنسو نہ آنا اور اصلی سختی کسی چیز سے نہیں جاتی۔ لوہا آگ میں نرم پڑ جاتا ہے۔ مگر پتھر آگ میں گرم تو ہو جاتا ہے۔ نرم نہیں ہوتا۔ عارضی سختی دل کے چند علاج ہیں۔ نرم دل والوں کی صحبت یا ان کے حالات زندگی پڑھنا سننا، دنیا کی مصیبتیں ناکامیاں یہ بھی دل میں نرمی پیدا کرتی ہیں۔ کثرت سے درود شریف پڑھنا۔ یہ سختی دل کا اعلیٰ علاج ہے۔ فرعونی جادوگر صحبت موسوی سے نرم دل ہو گئے۔

وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا

اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا ہم نصرانی ہیں لیا ہم نے عہد ان کا پس بھول گئے وہ لوگ ایک

اور وہ جنہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم نصاریٰ ہیں ہم نے ان سے عہد لیا تو وہ بھلا بیٹھے بڑا حصہ ان

ذُكِّرُوْا بِهٖ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

حصہ اس سے جس سے نصیحت کئے گئے پس ڈال دی ہم نے درمیان ان کے دشمنی اور بغض دن قیامت تک

نصیحتوں کا جو انہیں دی گئیں تو ہم نے ان کے آپس میں قیامت کے دن تک بیر اور بغض ڈال دیا

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اور عنقریب خبر دے گا ان کو اللہ اس کی جو وہ کرتے تھے۔

اور عنقریب اللہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں یہود کی بدعہدیوں وعدہ خلافیوں کا ذکر ہوا اب عیسائیوں کی بدعہدیوں وعدہ خلافیوں کا ذکر ہے۔ چونکہ یہود پہلے ہیں۔ عیسائی بعد میں۔ اس لئے یہود کا ذکر پہلے ہوا۔ عیسائیوں کا بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی تحریفوں کا ذکر ہوا کہ انہوں نے

www.alahazratnetwork.org

توریت کو بدل دیا۔ اب عیسائیوں کی تحریف کا ذکر ہے کہ یہ بھی یہود سے پیچھے نہ رہے۔ تبدیلی انجیل میں ان کی طرح بلکہ ان سے بھی سوا ہو گئے جیسا کہ **نسوا حظاء** الخ سے ظاہر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں بدعہد یہود سے درگزر فرمانے کا حکم دیا گیا اب اشارۃً وعدہ خلاف عیسائیوں سے درگزر کا ذکر ہے۔

تفسیر ومن الذین قالوا انا نصری اخذنا میثاقھم واؤ سر جملہ ہے اور من ابتدائیہ۔ یہ من متعلق مقدم ہے۔ **اخذنا** کا یہ مقدم کرنا اہتمام کے اظہار کے لئے ہے۔ رب العلمین نے عیسائیوں کو خود نہ فرمایا۔ **النصاری** بلکہ فرمایا **قالوا انا نصاری** جنہوں نے اپنے کو نصاریٰ کہا۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ یہ نام رب نے انہیں نہ دیا بلکہ انہوں نے خود اپنا نام نصاریٰ رکھ لیا۔ بخلاف ہم مومنوں کے کہ ہمارا نام رب نے مسلمین رکھا۔ فرماتا ہے **ھو سمکم المسلمین** دوسرے یہ بتانے کے لئے کہ وہ صرف زبانی طور پر اپنے کو نصاریٰ یعنی اللہ کے دین کا یا اللہ کا مددگار کہتے ہیں۔ مگر عملاً مدد نہیں کرتے۔ ان کا یہ محض دعوئی ہے عمل اس کے خلاف ہے۔ نصاریٰ یا ناصر بمعنی مددگار کی جمع ہے۔ چونکہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا **نحن انصار اللہ** ہم اللہ کے مددگار ہیں۔ اس لئے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ یا چونکہ یہ لوگ شام کی ایک بستی ناصرہ یا نصوریہ کے رہنے والے تھے۔ اس لئے نصاریٰ کہلائے۔ بعض نے فرمایا کہ نصاریٰ نصران کی جمع ہے۔ جیسے ندمان کی جمع ندائی یا نصری کی جمع ہے جیسے مہرائے کی جمع مہاریٰ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسکندر رومی کے تین سو چار سال بعد بیت اللحم میں پیدا ہوئے۔ بیت اللحم بیت المقدس سے بارہ میل فاصلہ پر ہے۔ پھر جناب مریم انہیں مصر لے گئیں۔ جب آپ بارہ سال کے ہوئے تو آپ کو شام کی بستی ناصرہ میں لائیں۔ ناصرہ کے رہنے والوں کو ناصری یا نصاریٰ کہا جانے لگا۔ پھر دین عیسائیت کا نام نصرانیت اور عیسائیوں کا نام نصاریٰ ہو گیا۔ دیکھو تفسیر روح المعانی یہ ہی مقام۔ میثاق کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے ہیں۔ ھم کا مرجع یا تو نصاریٰ ہیں۔ یا یہود جن کا ذکر پچھلی آیت میں گزرا۔ دوسری صورت میں یہاں کاف تشبیہ پوشیدہ ہو گا۔ اور یہ منصوب بنزع الخافض ہو گا۔ یعنی جو لوگ اپنے کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ ہم نے ان سے بھی ان کا وعدہ لیا تھا۔ اس وعدہ سے مراد وہ وعدہ ہے جو انجیل میں لیا گیا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔ یا ہم نے ان سے یہود کے وعدہ کی طرح وعدہ لیا تھا۔ آپ کے دین کی مدد کریں **فنسوا حظا مما ذکروا بہ** ف **تعقیبیہ** ہے۔ چونکہ عیسائی انجیل شریف کے عہد و پیمان کو بہت جلد ہی بھول گئے۔ اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ باقی کلمات کی تفسیر ابھی پچھلی آیت کریمہ کی تفسیر میں عرض ہوئی۔ یعنی یہ نصاریٰ ہونے کے مدعی بہت جلدی انجیل کی نصیحتوں کے بہت بڑے حصہ کو بھلا بیٹھے۔ انجیل میں بھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے بھی کہ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرنے۔ آپ پر ایمان لانے کا مضبوط عہد کیا گیا تھا۔ مگر انہوں نے سب بھلا دیا۔ خیال رہے کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں فرق ہے۔ اسلام میں بھول جانے پر سزا نہیں بھلا دینے پر سزا ہے۔ روزہ میں بھول کر کھا پی لیا۔ روزہ نہ ٹوٹا نہ وہ گنہگار ہوا۔ مگر جو شخص قرآن مجید یاد کر کے دور چھوڑ دے۔ حتی کہ

www.alahazratnetwork.org

قرآن بھول جائے تو مجرم ہے کہ یہ بھولنا نہیں بھلانا ہے۔ عیسائیوں نے احکام الٰہی بھلا دیئے تھے۔ دانستہ طور پر ان سے بے پرواہ ہو کر انہیں چھوڑ بیٹھے۔ لہٰذا مجرم ہوئے **فاغرینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ** ف تعقیبیہ ہے۔ **اغرینا** بنا ہے غری سے غری کے معنی ہیں لگ جانا چمٹ جانا کسی کے ہاتھ لگا دینے کو اغراء کہتے ہیں ھم کا مرجع یا تو یہود و نصاریٰ ہیں یا خود عیسائی ہیں۔ ان کے آپس کے فرقے ہمیشہ لڑتے رہیں گے۔ **بینھم** یا تو **اغرینا** کا ظرف ہے یا **العداوۃ** کا ظرف مقدم کیونکہ مصدر ظرف مقدم میں عمل کر سکتا ہے۔ عداوت کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ یہ بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے بڑھ جانا۔ دشمنی کو عداوت اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بھی دوستی کی حد سے بڑھنا ہوتا ہے۔ دشمنی کرنا عداوت ہے اور دشمنی دل میں رکھنا بغض یعنی دشمنی کی بنا بغض ہے۔ اگر بغض رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ناراضی۔ **الی یوم القیمۃ** دوام کے لئے ہے جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا۔ یعنی کبھی نہ بولوں گا اور ممکن ہے کہ انتہا کے لئے ہو۔ کیونکہ دنیاوی دشمنیاں جن سے لڑائی وغیرہ ہوتی ہے۔ وہ قیامت تک محدود ہیں۔ قیامت میں اور اس کے بعد کفار کی عداوتیں دوسری نوعیت کی ہوں گی۔ لہٰذا **الی یوم القیمۃ** فرمانا بالکل حق ہے یا مطلب یہ ہے کہ عیسائیوں کی فرقہ بندی کی عداوتیں قیامت تک ہیں کہ ان کا **نسطوریہ** فرقہ یعقوبیہ ملکانیہ فرقے آپس میں قیامت تک مختلف **الخیال** اور لڑتے جھگڑتے رہیں گے۔ قیامت میں کوئی کافر نہ رہے گا۔ سب مومن بن جائیں گے اگرچہ اس وقت کا ایمان معتبر نہ ہوگا **وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون** یہ جملہ گزشتہ جملہ **فاغرینا** پر معطوف ہے۔ اس جملہ میں عیسائیوں کے دنیاوی عذاب کا ذکر تھا۔ اس میں اخروی سزا و عذاب کا ذکر ہے۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے اور آنے والی چیز قریب ہے۔ اگرچہ بظاہر دور ہو اور جانے والی چیز دور ہے اگرچہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں **سوف** ارشاد ہوا۔ یہ خبر دینا سزا دینے کے لئے ہوگا۔ جیسے حاکم پھانسی کے مجرم کو پہلے اس کے جرم کی خبر دیتا ہے۔ پھر فرد جرم لگا کر سزا سناتا ہے۔ اس نوعیت کی خبر قیامت ہی میں دے دی جائے گی۔ ورنہ ان کے جرموں کی خبر تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی معرفت دنیا میں بھی دے دی گئی ہے۔ **ما** سے مراد عیسائیوں کی تمام بدعقیدگیاں اور بدعملیاں اور ان کے مظالم ہیں۔ وہ جو دنیا میں کرتے رہتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں ان کے سارے کرتوتوں کی خبر عنقریب دے گا اور ان پر فرد جرم قائم فرما کر سزا سنائے گا۔

خلاصہ تفسیر وہ لوگ جو نصرانیت کے مدعی ہیں اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کی معرفت ان سے مضبوط عہد لیا کہ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان کے دین کی مدد کرنا۔ اگرچہ سارے نبیوں نے ہی اپنی امتوں سے یہ عہد لیا تھا کہ نبی آخر الزماں کا زمانہ پائیں تو ایمان لائیں۔ مگر عیسیٰ علیہ السلام نے خصوصیت سے حضور پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ کیونکہ اب انتظار کی گھڑیاں قریباً ختم ہو چکی تھیں۔ اب اور کسی نبی کی آمد نہ تھی۔ حضور ہی آنے والے تھے۔ آپ وہ صبح کا ستارہ تھے جو آفتاب کی آمد کی خبر دیا کرتا ہے۔ اس لئے آپ نے خصوصیت سے

www.alahazratnetwork.org

یہ عہد لیا۔ مگر وہ بہت جلد انجیل کی نصیحتوں کا بڑا حصہ بھول گئے۔ یا انہوں نے بھلا دیا۔ ہم نے انہیں اس بھلاوے کی سزا دنیا میں تو یہ دی کہ ان کے فرقے بنا دیئے اور ان فرقوں کے درمیان قیامت تک دشمنی ڈال دی۔ کہ وہ ہمیشہ آپس میں لڑتے بھڑتے اور دھول جوتا کرتے رہیں گے۔ ان کا ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا اس پر لعنت کرتا رہے گا۔ اور عنقریب وقت آرہا ہے کہ قیامت میں ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ اور ہم ان کو ان کی ساری بد عقیدگیاں بد عملیاں بتا کر گنا کر ان سے اقرار کرا کر انہیں سخت سزا دیں گے۔ للذا بہتر یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ہی توبہ کرکے اسلام کے دامن میں آجائیں۔

عیسائی تفرقہ بازی کی ابتدا کیسے ہوئی صاحب روح البیان نے اس جگہ عیسائیوں کی فرقہ بندی کا عجیب واقعہ بیان فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ یہودیوں کو عیسائیوں سے سخت عداوت تھی۔ ان کی عیسائیوں سے بارہا خطرناک جنگیں ہوئیں۔ یہود کا ایک بہت بڑا پوپ اپنی قوم سے بولا کہ میں ایسی تدبیر کرتا ہوں جس سے عیسائی ہمیشہ آپس میں ہی لڑتے رہیں۔ ہم سے لڑنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ اس نے اپنی ایک آنکھ پھوڑی اور اپنے کو کانا کر کے عیسائیوں کے علاقہ میں گیا۔ اور بولا کہ تم مجھے پہچانتے ہو میں یہودی تھا۔ اور میری تمہاری بہت لڑائیاں ہوئی ہیں۔ مجھے تم سے سخت عداوت تھی۔ ایک رات حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام خواب میں میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا تو میری قوم سے کیوں عداوت رکھتا ہے اور میرے منہ پر طمانچہ مارا جس سے میری یہ آنکھ جاتی رہی۔ میں نے حضرت روح اللہ کے ہاتھ پر توبہ کی۔ عیسائی بنا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے اپنے خاص علوم عطا فرمائے اور مجھے حکم دیا کہ میں تم لوگوں میں آکر وہ علوم تمہیں سکھاؤں۔ عیسائیوں کی زود اعتقادی تو مشہور ہی ہے۔ سارے عیسائی بولس کے بہت ہی معتقد ہو گئے۔ بولس ایک بالاخانہ میں رہنے سہنے لگا۔ جس میں ایک کھڑکی تھی۔ یہ اس بالاخانے میں اکیلا رہتا۔ اس بالاخانہ کے ارد گرد عیسائیوں کا مجمع لگا رہتا۔ وہ کبھی اپنی کھڑکی کھولتا انہیں اپنا دیدار دیتا اور احکام شرعیہ سناتا۔ کبھی بری باتوں کا حکم دیتا پھر اس کی ایسی توجیہ کرتا کہ عیسائی حیران رہ جاتے۔ آہستہ آہستہ اس کے علم و عمل کا شہرہ دور دور عیسائیوں میں ہو گیا۔ عیسائی دور دراز سے اس کی زیارت کرنے اس کا کلام سننے آتے۔ جب بولس نے اپنا پورا اثر جما لیا تو آہستہ آہستہ عیسائیوں میں بد عقیدگیاں پھیلانا شروع کر دیں۔ چنانچہ ایک بار بولا کہ اے عیسائیو! تمہاری عبادات کا قبلہ مشرق ہے۔ کیونکہ اسی سمت سے سورج چاند ستارے طلوع کرتے ہیں۔ چنانچہ عیسائیوں نے اپنا قبلہ مشرق کو بنا لیا۔ ادھر منہ کر کے نمازیں پڑھنے لگے۔ کچھ عرصہ بعد بولا کہ میں عنقریب عیسیٰ مسیح پر اپنی جان کی قربانی پیش کرنا چاہتا ہوں۔ جو سیکھنا ہے مجھ سے جلد سیکھ لو پھر تم مجھے نہ پاؤ گے چنانچہ عیسائی اس کے پاس آنے لگے۔ ایک رات اس نے اپنے پاس پادری کو تنہائی میں بلایا اور سمجھایا کہ میں تجھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاص علم دیتا ہوں تو اس کی تبلیغ اپنی قوم میں کر تجھے خبر ہے کہ حضرت مسیح مردوں کو زندہ بیماروں کو تندرست کرتے تھے۔ یہ کام صرف خدا تعالیٰ کرتا ہے۔ لہٰذا وہ خدا ہی تھا جو شکل مسیح میں آیا تھا۔ یہ عقیدہ اس کے دل میں خوب پیوست کر دیا۔ دوسری شب کسی اور پادری کو بلا کر اکیلے میں سمجھایا کہ ہر انسان اپنے باپ سے پیدا ہوتا ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کوئی نہیں۔ ان کا

www.alahazratnetwork.org

باپ تو اللہ تعالیٰ ہے وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ اور جناب مریم اس رب کی زوجہ ہیں۔ تیسرے پادری کو بلا کر سمجھایا کہ ایک خدا اتنا بڑا جہاں نہیں چلا سکتا۔ خدا تین ہیں۔ ایک رب تعالیٰ دوسرے حضرت مسیح تیسرا رب جناب مریم اس طرح اور بہت قسم کی بد عقیدگیاں مختلف پادریوں کے دلوں میں جماویں۔ اور ایک شب پُر اسرار طریقہ سے غائب ہو گیا۔ عیسائیوں کو یقین ہو گیا۔ کہ اسے عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے پاس بلا لیا۔ بہت روز تک ان کا سوگ کر کے ان پادریوں نے اس کے سکھائے ہوئے عقاید کی تبلیغ شروع کی۔ ہر پادری کہتا تھا کہ بولس کا علم میرے پاس ہی ہے۔ مجھے اس کی معرفت حضرت مسیح کا علم پہنچا ہے۔ چنانچہ مختلف پادریوں نے مختلف عقیدے لوگوں میں شائع کئے۔ اور ہر ایک پادری کے ساتھ عیسائیوں کی ایک جماعت ہو گئی۔ چنانچہ عیسائی اس وقت بارہ فرقوں میں بٹ گئے اور ان کا آپس میں بہت خون خرابہ ہوا۔ اور یہ جنگ ان فرقوں کے درمیان دائمی ہو گئی۔ ہر فرقہ دوسرے فرقوں کو کافر لعنتی کہنے لگا۔ چنانچہ **نسطوریہ** 'یعقوبیہ' ملکانیہ فرقوں کی آپس کی جنگ بڑی خطرناک ہوئی۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ ان کی فرقہ بندی اور فرقوں میں بغض و عداوت ہمارا دنیاوی عذاب ہے جو عیسائیوں پر نازل ہوا۔ (روح البیان) آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہو گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ امت محمدیہ وہ خوش نصیب امت ہے۔ جن کا نام رب تعالیٰ نے مومن مسلم رکھا فرماتا ہے۔ **ھو سمکم المسلمین** باقی تمام دین والوں نے اپنے نام خود اپنی تجویز سے رکھے یہ فائدہ **قالوا انا نصاری** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اگر کسی کا نام تو اچھا ہے مگر کام برے تو اچھا نام اسے بچا نہیں۔ نام مطابق کام کے چاہیے یہ فائدہ بھی **قالوا انا نصارٰی** سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا۔ کہ انہوں نے صرف زبان سے نصاریٰ یعنی مددگار عیسیٰ ہونے کا دعویٰ کیا۔ عملاً" وہ مددگار نہ رہے۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو برے لوگوں کے اچھے نام بدل دیئے۔ ایک شخص کا نام ابو الحکم تھا۔ مگر تھا بڑا جاہل تو اس کا نام بدل کر رکھا ابو جہل۔ تیسرا فائدہ غیر اللہ سے مدد لینا جائز ہے۔ شرک نہیں بلکہ یہ سنت انبیاء ہے۔ چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے خدام سے فرمایا **من انصاری الی اللہ** اللہ تعالیٰ کے لئے میرا مددگار کون ہے تو حواریوں نے جواب دیا **نحن انصار اللہ** ہم ہیں اللہ کے مددگار اس لئے ان کو نصاریٰ کہا گیا۔ یعنی حضرت مسیح کے مددگار حضور کے صحابہ کی ایک جماعت کا نام انصار ہے۔ یعنی اسلام و مسلمین و مہاجرین کے مددگار حضرات اولیاء اللہ میں ایک طبقہ کا نام غوث ہے۔ یعنی عالم کے مددگار یہ فائدہ بھی انا نصاریٰ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ انسان کو چاہیے کہ اپنے نام اپنے لباس اپنی قوم کی لاج رکھے۔ ایسے کام کرے جو نام' مقام اور لباس کے مناسب ہوں یہ فائدہ قالوا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ عالمگیر کے بہروپیا نے فقیری لباس کی شرم کی تھی۔ علماء کو چاہیے کہ کام بھی عالموں کے سے کریں۔ شعر:۔

☆ کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کریں ☆ ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود ☆

www.alahazratnetwork.org

پانچواں فائدہ بد عقیدگی اور بد عملی کی سزا دنیا میں آپس کی پھوٹ 'عداوت' دشمنی ہے یہ فائدہ **فاغرینا بینهم العداوة والبغضاء** سے حاصل ہوا۔ قوم میں اتفاق اللہ کی رحمت ہے۔ چھٹا فائدہ عیسائی فرقوں کی آپس کی عداوتیں دشمنیاں دائمی ہیں کبھی ختم نہیں ہو سکتیں یہ فائدہ **الی یوم القیامة** سے حاصل ہوا جیسا کہ اب بھی دیکھا جا رہا ہے۔ اور دیکھا جاتا رہے گا۔ ساتواں فائدہ قیامت میں رب تعالیٰ مجرموں کو ویسے ہی دوزخ میں نہیں بھیج دے گا بلکہ پہلے ان کے جرم بتائے گا۔ دکھائے گا۔ ان سے اقرار کرائے گا۔ پھر سزا دے گا۔ باقاعدہ پیشی۔ گواہی۔ جرح وغیرہ سب کچھ ہو گی۔ پھر سزا۔ یہ فائدہ **وسوف ینبئهم** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ قیامت اگرچہ بظاہر بہت دور ہے۔ مگر حقیقتاً بہت ہی قریب ہے۔ اس لئے اس کی تیاری چاہیے۔ یہ فائدہ **سوف ینبئهم** میں سوف فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں کو احکام الٰہی بھول جانے کی دنیا میں بھی سزا دی گئی۔ آخرت میں بھول جانا تو گناہ نہیں۔ پھر اس پر سزا کیسی؟ **جواب** اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام میں بھول و خطا پر معافی ہے۔ اس سے پہلے نہ تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام پر عتاب محبوبانہ ہو گیا۔ دوسرے یہ کہ یہاں بھول سے مراد چھوڑ دینا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وتسینهم کما نسوا لقاء یومهم هذا** عیسائیوں نے دیدہ دانستہ احکام انجیل چھوڑ دیئے تیسرے یہ کہ بھول جانے اور بھلا دینے میں بڑا فرق ہے۔ بھول جانے پر سزا نہیں۔ بھلا دینے پر سزا ہے۔ انہوں نے احکام انجیل بھلا دیئے تھے۔ **دوسرا اعتراض** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں میں فرقہ بندی ایک یہودی بولس نے قائم کی۔ پھر رب تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا **فاغرینا** ہم نے عداوت ڈال دی۔ یہ تو بولس کا کام تھا۔ **جواب** بولس کا یہ کام حق تعالیٰ کے ارادہ سے ہوا بندہ مظہر ہے۔ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ میں آپس میں قیامت تک بغض و عداوت رہے گی۔ مگر اب تو عیسائیوں یہودیوں میں بڑا اتفاق ہے۔ امریکہ عیسائی ہے۔ مگر یہودیوں کو اس نے فلسطین میں بسایا۔ اور ان کی پوری پوری مدد کر رہا ہے۔ پھر یہ آیت کیوں کر درست ہوئی۔ **جواب** یہ ان کی محبت نہیں بلکہ خود غرضی ہے۔ ایک خاص غرض کے ماتحت فلسطین میں مسلمانوں کو کچلنے کے لئے یہود کو مسلمانوں پر مسلط کیا ہے۔ ورنہ ان کے دل ملے ہوئے نہیں۔ عیسائیوں کے عقیدے میں یہود نے حضرت مریم کو عیب لگایا۔ یہود نے ہی حضرت مسیح کو سولی دی۔ یہودی اب تک حضرت مسیح کو گالیاں دیتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض** تمہاری دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں کے فرقوں میں ہمیشہ عداوت و دشمنی رہے گی۔ حالانکہ عیسائیوں میں بہت اتفاق ہے وہ لوگ ایک دل ایک جان ہیں۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** ان تمام فرقوں میں اتفاق صرف ظاہری دکھلاوا ہے۔ دل سب کے الگ الگ ہیں۔ انگلستان و جرمنی کی جنگ نے اس ظاہری اتفاق کی حقیقت دکھا دی۔ یہ دونوں عیسائی ہیں۔ مگر انہوں نے ایک دوسرے کے ہزارہا افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ عیسائیوں کے ایک فرقے کے لوگ بھی متفق نہیں۔ گورے کالے عیسائیوں کے گرجے الگ بلکہ قبرستان الگ۔ یہ تو مرنے کے بعد بھی ایک

www.alahazratnetwork.org

نہیں۔ **پانچواں اعتراض** مسلمانوں بلکہ خود صحابہ میں بڑی عداوتیں و نااتفاقیاں ہوئیں۔ حضرت علی و معاویہ یوں ہیں۔ جناب علی و عائشہ کی جنگیں دنیا جانتی ہے اگر عداوت و بغض خدا کا عذاب ہے۔ تو اس عذاب میں مسلمان بلکہ مسلمانوں کے پیشوا حضرات یعنی صحابہ کرام بھی مبتلا ہیں۔ (عیسائی) **جواب۔ نعوذ باللہ** ان جنگوں کو اس فرقہ بندی کے فسادوں سے کیا تعلق۔ ان بزرگوں میں اختلاف رائے تھا۔ اس اختلاف رائے کے نتیجہ میں یہ لڑائیاں ہوئیں۔ فرقہ بندی عقائد کے اختلاف کی بنا پر کوئی جھگڑا نہ تھا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں میں یا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دو بیویوں جناب سارہ اور ہاجرہ کے جھگڑے یہ سب اختلاف رائے کے نتیجے تھے اسی لئے وہ حضرات ایک دوسرے کے پیچھے نمازیں پڑھتے اور ایک دوسرے کو اپنا بھائی کہتے اور سمجھتے تھے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر کا مطالعہ کرو۔ عیسائیوں کے ہاں تو اس کا جھگڑا ہے کہ خدا ایک ہے یا تین۔ اگر ایک ہے تو اولاد ہے یا اولاد سے پاک **انجیلیں چار** ہیں۔ یا تین یا تمیں حضرت مسیح اللہ کے بندے ہیں۔ یا اس کے بیٹے یا وہ خود خدا ہیں۔ **چھٹا اعتراض** اب مسلمانوں کے تہتر فرقے ہیں۔ ان میں آپس میں جھگڑے ہیں تو مسلمان بھی اللہ کے عذاب میں گرفتار ہیں۔ (عیسائی) **جواب** مسلمانوں کے صرف چار فرقے ہیں۔ حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی ان چاروں کا اختلاف ہے۔ جو سراپا رحمت ہے۔ یہ چاروں فرقے ایک دوسرے کو اپنا بھائی اور چاروں اماموں کو برحق مانتے ہیں۔ رہے دوسرے مرتد یا گمراہ فرقے یہ مسلمانوں کے فرقے نہیں۔ انہوں نے اسلام چھوڑ کر اور راستے اختیار کر لئے پھر یہ فرقے اللہ کی توحید حضور کی نبوت قرآن کی حقانیت۔ کعبہ کے قبلہ ہونے میں متفق ہیں۔ عیسائیوں کی طرح رب کی ذات و صفات میں آپس میں مختلف نہیں۔ **ساتواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ قیامت تک کے لئے ان میں عداوت و بغض ڈال دیا تو کیا قیامت میں اور اس کے بعد ان کی عداوتیں ختم ہو جائیں گی۔ دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ قیامت میں دوست بھی دشمن ہو جائیں گے۔ سوا پرہیزگاروں کے۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ اس سے مراد ہمیشگی ہے۔ نہ کہ انتہا۔ اور اگر انتہا ہی مقصود ہو تو قیامت کے دن ان دنیاوی عداوتوں کی انتہا ہو جائے گی۔ اس دشمنی کا نتیجہ جنگ لڑائیاں ہیں۔ قیامت اور بعد قیامت دشمنی کی نوعیت دوسری ہو گی۔ بہر حال قیامت میں ایک نوعیت کی دشمنی کی انتہا ہو گی۔ نہ کہ جنسی دشمنی کی انتہا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **آٹھواں فائدہ** یہاں فرمایا کہ ہم نے عداوت و بغض ڈال دیا۔ عداوت و بغض تو ایک ہی چیز ہے۔ پھر انہیں الگ الگ کیوں فرمایا۔ **جواب** اس آیت کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ دشمنی عداوت ہے اور دل میں عداوت کا محفوظ رہنا بغض ہے۔ لہٰذا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ ان دونوں کے ذکر میں تکرار نہیں۔

تفسیر صوفیانہ محبتیں تین قسم کی ہیں۔ نفسانی' شیطانی' رحمانی و روحانی۔ نفسانی و شیطانی محبتیں مرتے ہی ختم ہو جاتی ہیں۔ بلکہ عداوتوں میں تبدیلی ہو جاتی ہے۔ مگر رحمانی و روحانی محبتیں ابدالاباد تک قائم رہتی ہیں۔ دنیا میں بھی یہ دونوں

www.alahazratnetwork.org

محبتیں صرف ظاہری ہوتی ہیں۔ حقیقت میں عداوتیں ہوتی ہیں۔ کیونکہ یہ محبتیں دل کی دل سے یا روح کی روح سے نہیں ہوتیں۔ بلکہ نفس کی نفس سے ہوتی ہیں۔ مگر رحمانی و روحانی محبتیں حقیقی ہوتی ہیں۔ کیونکہ اس میں دل دل سے اور روح روح سے محبت کرتے ہیں۔ عیسائی فرقوں کی آپس کی محبتیں نفسانی یا شیطانی تھیں نہ کہ رحمانی و روحانی۔ کیونکہ ان میں سے روحانیت ختم ہو چکی تھی۔ اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے ان میں عداوت و بغض تاقیامت ڈال دیا۔ یعنی ان کے دل و جان ایک دوسرے کے دشمن بن گئے۔ لہٰذا ان کی ظاہری محبتیں بھی حقیقی عداوتیں ہیں جو محبت کی شکل میں نمودار ہیں۔ قیامت میں چونکہ حقیقت اللہ ہوگی۔ اس لئے اس دن یہ محبتیں اپنی اصلی حالت میں نمودار ہوں گی۔ اس لئے فرمایا **وسوف ینبئھم اللہ بما کانوا یصنعون** اہل وفاق میں عداوت و بغض نہیں اور اہل نفاق میں آپس میں محبت و انس نہیں ہو سکتی۔ اس آیت میں حقیقت کا بیان ہے۔ مخلصین مومنین کی دنیاوی عداوتیں بھی عارضی ہیں بلکہ حقیقی محبتیں ہیں جو ظاہری عداوتوں میں نمودار ہیں۔ قیامت کے دن اصلی روپ میں نظر آئیں گی۔ رب فرماتا ہے۔

ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقبلین۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ

اے کتاب والو تحقیق آئے تمہارے پاس رسول ہمارے جو بیان کرتے ہیں واسطے تمہارے بہت اس چیز سے جو تھے

اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے یہ رسول تشریف لائے کہ تم پر ظاہر فرماتے ہیں بہت سی وہ چیزیں جو تم نے کتاب

مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾

تم چھپاتے کتاب سے اور معافی دیتے ہیں بہت سے تحقیق آیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور

میں چھپا ڈالی تھیں اور بہت سی معاف فرماتے ہیں بے شک اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن

يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ

اور کتاب ظاہر کرنے والی ہدایت دیتا ہے اس کے ذریعہ اللہ اس کو جو پیروی کرے رضامندی کی اس کی سلامتی کے راستوں

کتاب اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیروں سے

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

کی اور نکالتا ہے انہیں اندھیروں سے طرف روشنی کے ساتھ حکم اپنے اور ہدایت دیتا ہے انہیں طرف راہ سیدھی کی

روشنی کی طرف لے جاتا ہے اپنے حکم سے انہیں سیدھی راہ دکھاتا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں عیسائیوں کے اس عہد کے بھول جانے کا ذکر تھا جو ان سے انجیل سے لیا گیا تھا۔ اب ان آیات کریمہ میں وہ ہی بھولے ہوئے عہد یاد دلائے جا رہے ہیں۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تشریف آوری اور ان پر ایمان لانا گویا بھولنے کا ذکر پہلے ہوا۔ اور اسی بھولی ہوئی چیز کی یاد ان آیات میں کرائی گئی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں عیسائیوں کی آپس کی عداوت و بغض کا ذکر تھا۔ اب اس نعمت کا تذکرہ ہے۔ جس سے یہ بغض و عداوت محبت و مودت میں تبدیل ہو جاوے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم پر ایمان لے آنا گویا بیماری کا ذکر پہلے ہوا تھا۔ اور اس کی دوا و علاج کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کے اخروی عذاب کا ذکر تھا **وسوف ینبئھم** الخ اب اس سے بچنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے۔ یعنی عیسائیت سے توبہ کرکے اسلام میں داخل ہو جانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں چھپ جانا۔ یہی وہ دامن ہے جہاں پہنچ کر عیبوں کا ارتکاب کرنے والے ڈھک جاتے ہیں اور سارے عیب چھپ جاتے ہیں۔

شان نزول ابن جریر نے بروایت حضرت عکرمہ بیان کیا کہ ایک بار یہود کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور اس نے حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم سے رجم کے متعلق پوچھا یعنی زانی کو سنگسار کرنا کیسا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں بڑا عالم کون ہے۔ انہوں نے اپنے بڑے پادری ابن صوریا کی طرف اشارہ کیا۔ کہ عرب میں یہود کا بڑا پادری عالم یہی ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا اے ابن صوریا تجھے قسم ہے اس کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری تجھے قسم ہے اس کی جس نے بنی اسرائیل پر طور اکھیڑا۔ تجھے قسم ہے اس کی جس نے بنی اسرائیل کے لئے من و سلوا اتارا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شان سے اسے قسمیں دیں کہ ابن صوریا کانپ گیا۔ فرمایا سچ بول توریت میں زانی کے رجم کا حکم ہے یا نہیں۔ ابن صوریا بولا۔ قسم ہے اس رب کی جس کی قسمیں مجھے آپ نے دیں کہ توریت میں رجم کا بہت تاکیدی حکم ہے۔ فرمایا کہ پھر تم لوگوں نے رجم کرنا کیوں چھوڑ دیا ہے۔ وہ بولا کہ ہماری قوم میں زنا بہت پھیل گیا۔ خصوصاً بڑے لوگ زیادہ کرنے لگے۔ تب ہم نے اس بڑھتی ہوئی وبا کو قابو سے باہر دیکھ کر اس کی سزا ہلکی کر دی۔ یعنی زانی کا سر مونڈ دینا۔ منہ کالا کر دینا اور سو کوڑے مارنا۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تائید فرمائی گئی۔ (روح المعانی)

تفسیر یاھل الکتب قد جاءکم رسولنا قرآن مجید میں اکثر آیات توحید میں **قل** کا ارشاد ہوتا ہے۔ جیسے **قل ھو اللہ احد** اور آیات بعثت میں قل ارشاد نہیں ہوتا۔ کیونکہ توحید کے گواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **انا ارسلنک شاھدا** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کا گواہ حق تعالیٰ ہے **وکفی باللہ شھیدا** چونکہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کا ذکر ہے اس لئے قل ارشاد نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم کی بعثت سارے انسانوں کی طرف ہے۔ اس لئے ایک جگہ فرمایا گیا۔ **یایھا الناس قد جاءکم برھان من ربکم** لیکن بمقابلہ دوسرے کفار کے اہل کتاب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت زیادہ ضروری ہے کیونکہ دوسرے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات سے بے خبر تھے۔ اہل کتاب کو سب کچھ خبر تھی۔ کہ توریت وانجیل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا پورا پورا بیان تھا۔ نیز عرب میں اہل کتاب کی عزت تھی۔ ان کے ایمان لانے سے دوسروں کے ایمان لانے کی قوی امید تھی۔ اس لئے یہاں خصوصیت سے اہل کتاب سے خطاب فرمایا گیا۔ اہل کتاب سے مراد یا کتاب اللہ ماننے والے ہیں یا اسے جاننے والے۔ پہلی صورت میں سارے کتابیوں سے خطاب ہے۔ دوسری صورت میں ان کے پادریوں سے۔ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے۔ جس میں توریت انجیل وغیرہ سب داخل ہیں۔ لہٰذا یہاں یہود و عیسائی دونوں مراد ہیں۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام دنیا والوں کو مفید ہے مگر اہل کتاب کو زیادہ مفید کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف آوری سے ان کی کتابوں کی تصدیق ہو گئی۔ ان کے نبیوں کی عظمت وعزت کو چار چاند لگ گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ان کی والدہ مریم سے یہود کی تہمتیں دور ہو گئیں۔ غرض کہ دوسرے کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان ملا۔ مگر اہل کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان بھی ملا۔ اور یہ تصدیقیں بھی۔ جیسے سورج سے عام زمین کو روشنی ملتی ہے۔ اچھی زمین ہو یا زمین شور مگر اعلیٰ زمین کو سورج سے روشنی بھی ملتی ہے۔ اور سرسبزی بھی۔ ان وجوہ سے فرمایا گیا۔ **جاءکم** تمہارے پاس تشریف لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہے۔ رہنا سہنا ملک عرب یا مدینہ منورہ میں۔ مگر تشریف آوری سارے جہان میں ہے۔ جیسے سورج کا رہنا چوتھے آسمان پر ہے۔ مگر چمکنا سارے جہان پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ولادت یا سکونت ختم ہو گئی۔ مگر تشریف آوری ختم نہ ہوئی جیسے سورج کے غروب ہو جانے سے اس کا طلوع ختم ہو گیا۔ مگر اس کی اپنی نورانیت۔ تجلی شعاعیں ختم نہیں ہوتیں۔ اس لئے یہاں **ولد فیکم** نہ فرمایا۔ **جاءکم** فرمایا۔ رسول کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے۔ لینے کا اور مخلوق سے تعلق ہے دینے کا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب بھی فرماتا ہے **رسولنا** اور سب مخلوق بھی کہتی ہے **رسولنا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بھی رسول ہیں اور خدا تعالیٰ کے بھی رسول ہیں۔ یہاں پہلی نسبت سے فرمایا گیا ہے **رسولنا** خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آ کر رسول نہ بنے بلکہ رسول بن کر دنیا میں آئے۔ کیونکہ یہاں جاء کا فاعل رسولنا ہے جیسے کہا جاوے کہ عالم مرد میرے پاس آیا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ عالم اور مرد تو پہلے سے تھا۔ آنا بعد میں ہوا۔ چالیس سال کی عمر شریف میں رسالت کا ظہور ہوا نہ کہ رسالت کا وجود جیسے آج چھ بجے گجرات پر سورج کا طلوع ہو تو آفتاب کی ساری صفات پہلے سے ہی موجود ہیں۔ گجرات پر ظہور چھ بجے ہے۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ فرمانے کے بعد بھی رسول ہیں۔ ہمارے نبی ہمارے ہیں جیسے سورج ڈوبنے کے بعد بھی چمکیلا ہے۔ وقت مغرب وقت عشاء اور وقت فجر بتاتا رہتا ہے۔ بلکہ چاند تاروں کو چمکاتا رہتا ہے۔ یعنی اے توریت وانجیل کے ماننے والو یا ان کتابوں کے

www.alahazratnetwork.org

جاننے والو تم سب کے پاس ہمارے وہ نبی رسول تشریف لے آئے جن کا تمہاری کتابوں میں اعلان تھا۔ جن کا تمہیں انتظار تھا۔ جن کی دھوم میں تمہارے نبی مچا گئے تھے۔ **قد** اور **جاء** اور **کم** کی تحقیقات بارہا ہو چکی ہیں۔ **یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب** یہ جملہ حال ہے۔ **رسولنا** سے **یبین** کے معنی ہیں خوب اچھی طرح بیان فرماتے رہتے ہیں **یبین** باب **تفعیل** سے ہے اور یہ مضارع **لکم** میں لام نفع کا ہے یا صلہ کا **کثیر** سے مراد ہے حقیقی کثرت و زیادتی ہے نہ کہ اضافی زیادتی۔ **مما** میں **من** تبعیضیہ ہے اور **ما** سے مراد توریت و انجیل کی آیات و احکام سب ہی ہیں **من الکتب** میں من بیانیہ ہے۔ جس نے **مما** کو ظاہر کیا اور کتاب سے مراد توریت و انجیل ہیں۔ یعنی ہمارے ان رسول کی شان یہ ہے کہ وہ تمہاری کتابوں کی بہت سی وہ آیات و احکام جو تم برابر چھپاتے رہتے ہو خوب اچھی طرح بیان فرماتے رہتے ہیں جیسے توریت میں رجم کے احکام کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کی آیات جنہیں یہود نے چھپا دیا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ظاہر فرمایا۔ عیسائیوں نے انجیل میں تبدیلی کر کے وہ خرافات بھر دیں کہ خدا تعالیٰ کی پناہ۔ اب موجودہ انجیل کا پرانا عہد نامہ اور نیا عہد نامہ دیکھنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ہم نے اپنی کتاب.... انجیل اور توہین انبیاء میں انجیل کی وہ آیات جمع کر دی ہیں۔ جن میں حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کو بڑے گندے بہتان لگائے گئے ہیں۔ ہم یہاں صرف چند عبارات پیش کرتے ہیں۔ مسلمان غور کریں کہ عیسائیوں نے انجیل میں کیسی تحریفیں کیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کو کیسی گالیاں دیں۔ پرانا عہد نامہ پیدائش باب ۱۹ آیت ۳۳ میں ہے کہ لوط علیہ السلام نے شراب پی کر اپنی دو بیٹیوں سے زنا کیا۔ جن سے دو قومیں چلیں نمبر ۲ کتاب گلیتون باب ۲ آیت ۱۳ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام ہماری خاطر لعنتی بنا ہے جو سولی دیا جاوے وہ لعنتی ہے نمبر ۳ کتاب یرمیاہ باب ۲۳ آیت گیارہ میں ہے کہ نبی اور کاہن دونوں ناپاک ہیں اسی کی آیت ۱۴ میں ہے۔ یروشلم کے نبیوں سے ہی تمام ملک میں بے دینی پھیلی ہے نمبر ۴ حضرت یہودا (یوسف علیہ السلام کے بھائی) نے اپنی بہو سے زنا کیا۔ اسے چھنالے کا حمل رہا۔ دیکھو کتاب پیدائش باب ۳۹ آیت ۲۰ تا ۲۴۔ یہ ہیں عیسائیوں کی انجیل شریف پر مہربانیاں مسلمان بلکہ تمام انسان سوچیں کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیائے کرام پر کتنے احسانات فرمائیں۔ کہ انہیں عیسائیوں کی ان تہمتوں سے بری فرمایا۔ **ویعفوا عن کثیر** یہ جملہ پہلے جملہ **یبین لکم** پر معطوف ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفت کا ذکر ہے۔ **یعفو** کا فاعل حضور انور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم **کثیر** سے مراد انہیں یہود و نصاریٰ کی بہت سی وہ دوسری قسم کی خیانتیں ہیں۔ جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ظاہر نہ فرمایا۔ یہاں بھی **کثیر** سے حقیقی کثرت مراد ہے نہ کہ اضافی یعنی وہ محبوب تمہاری بہت سی خیانتوں کی معافی دیتے ہیں۔ انہیں ظاہر نہیں کرتے ورنہ وہ تمہاری ساری خیانتوں ساری اصلی آیات سے پورے پورے واقف ہیں۔ یہ وہ خیانتیں ہیں جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دوسرے نبیوں یحییٰ و ذکریا علیہما السلام وغیرہ کی طرح توریت

www.alahazratnetwork.org

جاری کرنے اس پر عمل کرانے کے لئے تشریف لائے۔ بلکہ تمام گزشتہ کتابیں منسوخ فرمانے تشریف نہیں لائے ہیں۔ اس لئے ساری توریت کو ظاہر نہیں کرتے ان کے ظاہر نہ کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ خبردار بھی نہیں۔ خبردار تو وہ ہر چیز سے ہیں مگر جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت سے ہے وہ ظاہر کرتے ہیں۔ جن کے ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں وہ ظاہر نہیں فرماتے عدم اظہار بے علمی کی دلیل نہیں **قد جاءکم من اللہ نور وکتب مبین** یہ جملہ نیا ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صفات کا ذکر ہے۔ **کم** میں خطاب یا تو سارے انسانوں سے ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے پاس ہی تشریف لائے یا اہل کتاب سے دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ ابھی ابھی انہیں سے خطاب ہوا **من اللہ** کا تعلق یا تو **جاء** سے ہے **من** ابتدائیہ ہے یعنی اللہ کی طرف سے۔ یا **من اللہ** نور کا حال مقدم ہے۔ یعنی اللہ کا نور لنذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ پہلی تفسیر کا منشا یہ ہو گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں آکر نور نہ بنے۔ کسی سے نورانیت حاصل نہ کی بلکہ رب کی طرف سے اس کی عطا سے نور بن کر دنیا میں آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صفات ربانی ہیں۔ ہم صرف انسانیت لے کر دنیا میں آتے ہیں باقی تمام صفات عالم' حاکم' حافظ قاری یہاں آکر بنتے ہیں اور یہ تمام صفات یہاں ہی چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ صرف انسانیت لے جاتے ہیں حضور صلی اللاہ علیہ وسلم سب کچھ رب کی طرف سے لائے۔ اور ان میں سے کوئی صفت دنیا میں چھوڑ کر نہ گئے تمام صفات سے اب بھی موصوف۔ آپ اب بھی رسول' نور' برہان' شفیع ہیں اور رہیں گے۔ دوسری تفسیر میں آیت کا منشاء یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں۔ انہیں رب نے نور بنایا ہے۔ کسی انسان نے منور نہیں کیا لہذا کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکتے۔ گیس' بجلی انسان کے مصنوعاتی نور ہیں تو انہیں انسان بجھا دیتا ہے۔ مگر چاند' سورج ربانی نور ہیں کسی کے بجھائے نہیں بجھتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور کوئی نہیں بجھا سکتا۔ اس نور کی تنوین **تعظیمی** ہے۔ یعنی بڑا نور۔ خیال رہے کہ نور وہ ہے جو خود ظاہر ہو۔ دوسرے کو ظاہر کرے یہ نور دو قسم کا ہوتا ہے۔ نور حسی جیسے سورج' چاند' تارے' بجلی' گیس' چراغ وغیرہ جس سے آنکھیں منور ہوتی ہیں۔ دوسرا نور عقلی جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید' یا علم کہ ان سے عقل منور ہوتی ہے۔ یہاں نور عقلی مراد ہے کتاب سے مراد قرآن مجید ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے مبین کتاب کی صفت ہے معنی ظاہر کرنے والی۔ چونکہ قرآن مجید نے غیبی' خبریں' شرعی احکام' رب تعالیٰ کی ذات و صفات معاش و معاد کو ظاہر فرمایا اس لئے اسے مبین فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ یہاں نور و کتاب میں مفسرین کے پانچ قول ہیں **ایک** یہ کہ نور اور کتاب دونوں قرآن مجید ہیں یہ قول ابو علی معتزلی کا ہے (روح المعانی) اس قول کو تفسیر کبیر نے بہت ہی ضعیف فرمایا اور کہا کہ معطوف اور معطوف علیہ ایک ہی نہ چاہئیں بلکہ الگ الگ چاہئیں **دوسرے** یہ کہ نور اور کتاب دونوں سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور اللہ کا نور بھی ہیں۔ اللہ کی کتاب بھی۔ (روح المعانی) **تیسرے** یہ کہ نور سے مراد مومن کی عقل اور کتاب سے مراد ہے قرآن مجید (روح المعانی) **چوتھے** یہ کہ نور سے مراد اسلام ہے اور کتاب سے مراد قرآن مجید (کبیر) **پانچویں** یہ کہ نور

www.alahazratnetwork.org

سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید یہ آخری قول ہی نہایت قوی ہے۔ چند وجہ سے ایک وجہ یہ کہ اکثر مفسرین و محدثین نے یہ ہی فرمایا۔ حتیٰ کہ تفسیر روح المعانی نے نور کی تفسیر میں یہاں فرمایا **هو نور الانوار والنبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم** یہ ہی قتادہ اور زجاج کا قول ہے۔ (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی' روح البیان' کبیر' تفسیر جلالین' جمل' تفسیر مظہری وغیرہ) دوسری وجہ یہ کہ ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ذکر گزرا کہ فرمایا گیا **قد جاءکم رسولنا** یہ آیت اس کا بیان ہے۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ خود قرآن کریم نے اس کی تفسیر دوسرے مقام پر یہ ہی کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا۔ وسراجا منیرا چوتھی تفسیر یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انا نور من نور اللہ** وہ حدیث اس آیت کی تفسیر ہے۔ چونکہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشریف لائے۔ قرآن مجید بعد میں۔ نیز مومن کے دل میں پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوتے ہیں۔ بعد میں قرآن مجید زبان اور ہاتھ میں آتا ہے کہ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہیں۔ قرآن مجید بعد میں پڑھتے ہیں۔ اس لئے نور کا ذکر پہلے ہوا۔ کتاب کا ذکر بعد میں۔ نیز کتاب نور سے دیکھی اور پڑھی جاتی ہے۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھا سمجھا جاتا ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور کسی کی کوشش سے بجھ نہیں سکتا جیسے سورج و چاند کا نور۔ اس لئے **من نور اللہ** فرمایا گیا۔ یعنی اللہ کا نور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کونین چمکے دل و جسم چمکے اور اس نور کے لئے کبھی چھپنا' بجھنا غروب ہونا نہیں اس لئے **نور** تنوین سے فرمایا۔ یعنی بڑا نور۔ دائمی نور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سے افضل ہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ فوائد میں عرض کریں گے۔ اس لئے نور کو بہت اہتمام سے بیان فرمایا **یھدی به اللہ** یہ جملہ یا تو کتاب کی دوسری صفت ہے یا اس کا حال یا نور کی صفت ہے یا حال یا **رسولنا** کا حال یا **یبین لکم** کا بدل ہے یا نور و کتاب دونوں کی صفت (روح المعانی وغیرہ) آخری احتمال زیادہ قوی ہے **به** کا مرجع یا کتاب یا نور یا رسول۔ یا نور و رسول دونوں آخری احتمال نہایت قوی ہے چونکہ کتاب یعنی قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ہیں اس لئے کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم معجزے والے جیسے عصاء موسوی سے موسیٰ علیہ السلام افضل ایسے ہی کتاب اللہ یعنی قرآن مجید سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا مقصد ایک ہی ہے۔ یعنی ہدایت اس لئے دونوں مرجع کے لئے ضمیر واحد لائی گئی۔ (روح البیان و روح المعانی) بہ کو لفظ اللہ سے پہلے فرمایا گیا۔ تاکہ حصر کا فائدہ ہو۔ کیونکہ اب اللہ تعالیٰ لوگوں کو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور صرف قرآن سے ہی ہدایت دیتا ہے۔ اب کسی اور نبی کسی اور کتاب سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ہدایت کے دو معنی ہیں۔ راہ دکھانا اور منزل پر پہنچا دینا۔ حضور نے سارے جہان کو راہ خدا دکھائی۔ **لیکون للعلمین نذیرا** اور مسلمانوں کو رب تک پہنچا دیا۔ **یھدی** مضارع فرما کر ہمیشگی بتائی گئی۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہدایت دیتا رہے گا۔ جب سورج ہمیشہ نور دیتا ہے۔ دن نکلتا رہتا ہے۔ موسم بتاتا

www.alahazratnetwork.org

پھل پکتا۔ زمانہ گزارتا رہتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت کے آسمان کے سورج ہیں۔ ہمیشہ آپ سے ایمان عرفان وغیرہ ملتے ہی رہیں گے۔ گزشتہ نبیوں کی ہدایتیں وقتی تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت دائمی ہے۔ **بہ** سے اشارۃً دو باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ اب کسی نبی کی پیروی ہدایت نہیں۔ ہدایت صرف حضور کے پاس ہے دوسرے یہ کہ عقل یا دنیا کل سے ہی توحید ماننے والا ہدایت پر نہیں۔ حضور کی معرفت توحید ماننے والا ہدایت پر ہے۔ رات کو ہر گھر میں الگ چراغوں سے نور لیا جاتا ہے۔ مگر دن میں ہر شاہ و گدا کے گھر میں ایک سورج کی ہی دھوپ ہوتی ہے۔ رات کے نور مختلف ہیں۔ مگر دن کا نور ایک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں اسلام دھوپ ہے۔ تیسرے یہ کہ اگرچہ ہادی حقیقی رب تعالیٰ ہے مگر ہدایت کا وسیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسط سے رب ہدایت دیتا ہے۔ اگر یہ واسطہ بیچ میں نہ ہو تو ہدایت ملنا غیر ممکن ہو جاوے۔ جیسے ہماری پیدائش کے لئے ماں باپ ' علم کے لئے استاد وسیلہ ہیں۔ ایک **بہ** نے بہت سے معمے حل کر دیئے۔ وسیلوں کے دروازوں پر جانا پڑتا ہے۔ ان کا احسان بھی ماننا پڑتا ہے۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر جاؤ ان کا احسان مانو۔ ہدایت کے معنی اور اقسام ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں **من اتبع رضوانہ سبل السلم** من موصولہ ہے۔ یا موصوفہ اتبع صلہ ہے یا صفت یہ **یھدی** کا مفعول اول ہے۔ اتباع اور اطاعت کے معنی اور ان کے آپس میں فرق ہم **اطیعو اللہ واطیعو الرسول** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتباع سے مراد ہے تقدیری اتباع یعنی جس کے متعلق علم الٰہی میں آچکا کہ یہ اتباع کرے گا۔ **رضوان** مصدر ہے بمعنی رضاء اس سے مراد ہے۔ رضائے الٰہی کے اسباب دین اسلام اور اچھے اعمال۔ ہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ **سبل** جمع ہے سبیل اور طریق کا فرق سورہ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ سلام سے مراد یا تو سلامتی ہے۔ بمعنی امن یا اس سے دار السلام یعنی جنت مراد ہے۔ یا رب تعالیٰ کا نام ہے اور سبل السلام یا تو رضوانہ کا بدل ہے یا یھدی کا مفعول ہے دوم ہے۔ خیال رہے کہ رضوان ر کے کسرہ سے بھی آتا ہے۔ اور ر کے پیش سے بھی۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس نور یا اس کتاب یا ان دونوں کے ذریعہ۔ ان لوگوں کو جنت کے راستوں یا رب کے راستوں یا سلامتی کے راستوں کی ہدایت دیتا ہے۔ جس کے مقدر میں لکھا ہے۔ رب کی مرضی پر چلنا **ویخرجھم من الظلمت الی النور باذنہ** یہ جملہ **یھدی** پر معطوف ہے۔ **ھم** کا مرجع وہی **من** ہے جو **من اتبع** میں گزرا۔ چونکہ وہ معنی جمع تھا۔ اس لئے اس کے لئے ضمیر جمع لائی گئی۔ **ظلمات** سے مراد کفر' گمراہی' بد عملی ہے۔ اور نور سے مراد ایمان۔ خوش عقیدگی' نیک عمل ہیں۔ چونکہ کفر بہت ہیں۔ ایمان صرف ایک۔ اس لئے ظلمات کو جمع اور نور کو واحد لایا گیا۔ **اذن** سے مراد حکم یا ارادہ یا توفیق ہے اس کا تعلق **یخرج** فعل سے ہے۔ یعنی ان اتباع کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لاتا ہے۔ **ویھدیھم الی صراط مستقیم** یہ جملہ پہلے جملہ **یخرجھم** الخ پر معطوف ہے اور **یھدی بہ** کا بیان ہے **صراط مستقیم** سے وہی **سبل السلم** مراد ہیں۔ یا وہاں **سبل السلم** سے اسلام کے راستے مراد تھے۔ اور یہاں صراط مستقیم سے جنت کا راستہ

www.alahazratnetwork.org

مراد ہے۔ یا اس کے برعکس۔ لہٰذا پہلے جملہ **یهدی به الله** کا تعلق دنیا سے تھا۔ اور اس جملہ کا تعلق آخرت سے ہے۔ یا اس کے برعکس بہرحال آیت کریمہ میں بے فائدہ تکرار نہیں اور ہو سکتا ہے کہ پہلے جملہ **یهدی به الله** میں اچھے عقائد کی ہدایت مراد ہے۔ اور یہاں نیک اعمال کی ہدایت مراد یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو دنیا میں نیک اعمال کی توفیق و ہدایت دیتا ہے۔ یا آخرت میں جنت کے راستہ کی ہدایت دے گا۔ کہ وہ اپنے جنتی مقام پر بغیر کسی سے پوچھے پہنچ جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر جب کوئی شخص کہیں آئے تو اس کے متعلق چار باتیں پوچھی جاسکتی ہیں۔ کہاں سے آئے۔ کس کے پاس آئے ہو۔ کیوں آئے ہو۔ کیا لائے ہو۔ اس آیت کریمہ میں ان چاروں سوالوں کا جواب دیا گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہاں سے آئے رب کے پاس سے کس کے پاس آئے۔ سارے کتابیوں کے پاس۔ کیا لائے فرمان الٰہی اور فیضان الٰہی کہ رسول کہتے ہیں۔ اسے جو فرمان رساں۔ فیضان رساں ہو کیوں آئے۔ چھپی آیات توریت کو ظاہر فرمانے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے اہل کتاب یعنی توریت و انجیل کو ماننے والو یا جاننے والو تمہارے پاس ہمارے وہ ہی رسول آگئے جن کی بشارتیں تمہاری کتابوں تمہارے رسولوں نے دی تھیں۔ ان کے تم پر بہت احسانات ہیں جن میں سے ایک احسان یہ ہے کہ تم توریت و انجیل کی جو آیات اب تک چھپاتے بدلتے رہے۔ ان میں سے بہت سی آیتوں کو خوب ظاہر فرماتے رہتے ہیں قول سے بھی۔ عمل سے بھی اور بہت سی معافیاں بھی دے دیتے ہیں۔ تمہاری چھپائی آیتوں کو ظاہر نہیں کرتے۔ ان کے اظہار کی ضرورت نہیں۔ وہ بلاوجہ تمہارے عیب ظاہر نہیں کرتے۔ تم سب لوگوں کے پاس یا سب اہل کتاب کے پاس اللہ تعالیٰ کا بڑا عظیم الشان نور آیا۔ جو ہمیشہ چمکے گا نہ چھپے گا نہ بجھے گا۔ یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ایک کتاب آئی۔ جو ہر بات ظاہر فرماتی ہے۔ یعنی قرآن مجید۔ اس نور و کتاب کے ذریعہ اللہ تعالیٰ جنت کے راستوں کی ہدایت ان لوگوں کو دیتا ہے۔ اور دیتا رہے گا جو اللہ کی مرضی کی اتباع کرے۔ اس کی رضا پر چلے۔ خیال رہے کہ اطاعت عقل سے ہوتی ہے۔ اتباع عشق سے۔ یعنی عقل کو چھوڑ کر اطاعت میں یہ ہے کہ حکم سنو' سمجھو' فرمانبرداری کرو۔ اتباع یہ ہے کہ بغیر سوچے سمجھے اس کے نقش قدم پر چلو۔ انجن تو اطاعت کرتا ہے کہ جھنڈی سگنل دیکھ کر چلتا ہے۔ ڈبے انجن کی اتباع کرتے ہیں جس کام سے رب تعالیٰ راضی ہو اسے بے جھجک بغیر وجہ پوچھے کر گزرنا اتباع رضاء الٰہی ہے۔ جیسے حضرت خلیل کا رضاء الٰہی کے لئے بچہ قربان کر دینا۔ خود آگ میں چلا جانا۔ یہ ہے اتباع ایسے لوگوں کے لئے بشارت ہے کہ اللہ ان لوگوں کو کفر' گمراہی' بدکاری کی اندھیروں سے ایمان' ہدایت تقویٰ کی نور طرف نکالے گا۔ اس طرح کہ انہیں اچھے اخلاق کی توفیق دے گا اور ان ہی لوگوں کو سیدھے راستہ کی ہدایت دیتا رہے گا۔ دنیا میں اس طرح کہ وہ جنت تک پہنچانے والے عقائد و اعمال اختیار کریں گے آخرت میں اس طرح کہ وہ بے تکلف جنت میں اپنے مقام پر پہنچ جاویں گے انہیں کسی سے پوچھنا نہ پڑے گا یہ سب نعمتیں رب کا خاص فضل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتب آسمانی کی آیات و احکام پر مطلع ہیں اور یہود و نصاریٰ کی خیانتوں سے بھی پورے پورے واقف ہیں کہ کونسی آیات اصل میں کیا تھی۔ پھر تبدیل کر کے کیا بنائی گئی۔ یا کس طرح چھپادی گئی یہ فائدہ **یبین لکم** سے حاصل ہوا۔ کسی چیز کو وہی بیان کر سکتا ہے جو اس چیز سے واقف ہو۔ اس سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام زبانوں کو جانتے ہیں کیونکہ توریت زبان عبرانی میں تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو فریادی جانوروں لکڑیوں' پتھروں کی زبان بھی جانتے ہیں تو انسانوں کی زبانیں کیوں نہ جانیں۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر ہر زبان ہر ملک کے لوگ صلوٰۃ و سلام عرض و معروض کرتے ہیں۔ کوئی فرشتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ترجمہ کر کے نہیں بتاتا۔ نیز لوگوں کی خفیہ حرکتوں سے خبردار ہیں۔ یہود توریت کی آیتوں میں چھپ کر تبدیلیاں کرتے تھے مگر حضور کو پتہ تھا۔ **دوسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کی بہت سی خیانتوں کو ظاہر فرمادیا۔ جن کے اظہار کی ضرورت تھی اور بہت سی خیانتوں سے درگزر فرمائی۔ جن کے اظہار کی ضرورت نہ تھی مگر جانتے سب تھے۔ یہ فائدہ **یعفوا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں۔ رب تعالیٰ نے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور بہت صفات بخشے۔ حضور رسول اللہ' نبی اللہ' حبیب اللہ ہیں یونہی حضور نور اللہ ہیں یہ فائدہ **من اللہ نور** کی پانچویں تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت صرف عقلی نہیں بلکہ حسی بھی ہے۔ چنانچہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کا سایہ نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور سے نور دیکھا جاتا تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء طیبہ میں ایک نام نور بھی ہے۔ روح سب کی نور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اطہر بھی نور ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد مطہرات بھی نور ہے۔ اس لئے حضرت عثمان کا لقب ذوالنورین ہے یعنی دو نور والے اس لئے کہ آپ کے نکاح میں حضور کی دو صاحبزادیاں حضرت رقیہ و کلثوم آگے پیچھے آئیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح منہ یعنی روح اللہ ہیں۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم **من اللہ نور** یعنی نور اللہ ہیں۔ کسی شہر کو منورہ نہیں کہا جاتا۔ سوائے مدینہ منورہ کے یہ شہر نورانی کیوں کہلایا اس لئے کہ یہاں اللہ کے نور کا ظہور ہے۔ ان کی تجلی گاہ ہے۔ **چوتھا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت میں کمی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ اللہ کی طرف سے نور ہیں۔ یہ فائدہ **من اللہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو اس نور کو بجھانے کی کوشش کرنے والے بجھ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم چمکتے ہی رہے۔ **یریدون لیطفؤا نور اللہ بافواھھم واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون** اور کیوں نہ ہو کہ حضور اللہ کی حفاظت میں ہیں۔ جیسے لیمپ کی بتی چمنی کی حفاظت میں ہوتی ہے فرماتا ہے **مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح** ان دونوں آیتوں میں بھی نور سے مراد حضور انور ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **پانچواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کتاب اللہ سے افضل ہیں یہ فائدہ نور کو کتاب اللہ پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خیر خلق اللہ ہیں یعنی تمام مخلوق سے بہتر اور قرآن مجید یعنی نقوش کاغذ کتابی بھی

www.alahazratnetwork.org

مخلوق ہیں۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی افضل ہیں۔ نیز حضور انور نبی ہیں۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ نبی کا درجہ معجزہ سے بڑا ہوتا ہے۔ نیز قرآن مجید کو دیکھنے والا پڑھنے والا قاری ہے۔ کعبہ کو دیکھنے والا حاجی۔ جہاد کرنے والا غازی اور فیصلہ کرنے والا قاضی۔ مگر محبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ دیکھنے والا صحابی ہے۔ صحابی کا درجہ تمام اولیاء اللہ سے افضل ہے۔ جس ذات کریم کا چہرہ صحابی بنادے وہ خود کیسے ہوں گے۔ نیز جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی رہے تب تک آیات و سورتیں مکی ہوئیں اور جب حضور مدنی ہوگئے تو آیات بھی مدنی ہوگئیں۔ کیونکہ نہ قرآن بھیجنے والا رب تعالیٰ مکی مدنی ہے۔ وہ تو جگہ سے پاک ہے نہ قرآن لانے والے حضرت جبرائیل مکی مدنی ہیں وہ تو سدرۃ المنتہیٰ پر رہتے ہیں نہ لوح محفوظ مکی مدنی ہے۔ جہاں سے قرآن مجید آرہا ہے۔ ہاں قرآن کے لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی ہیں جن کی وجہ سے قرآنی آیات و سورتیں مکی مدنی ہوئیں۔ بلکہ قرآن کریم کا عربی میں آنا بھی اسی وجہ سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں۔ **شعر:۔**

☆ ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور ☆ زاں سبب آمد قرآن بزبان عربی ☆

چھٹا فائدہ کوئی شخص بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے قرآن مجید سمجھ نہیں سکتا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور فرمایا۔ قرآن مجید کو کتاب اور کتاب بغیر روشنی نہ پڑھی جاتی ہے نہ سمجھی جاتی ہے۔ اس لئے نماز روزہ وغیرہ سارے احکام قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھائے تو سمجھ میں آئے۔ قرآنی نقوش دیکھنے کے لئے ظاہری روشنی کی ضرورت ہے اور قرآنی احکام رموز و اسرار دیکھنے کے لئے اس نور مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے۔ جیسے قرآنی نقوش چھونے کے لئے ان پانیوں سے طہارت کرنا ضروری ہے یونہی قرآنی مضامین احکام اسرار چھونے کے لئے ضروری ہے کہ مدینہ طیبہ کے پانی سے غسل و وضو کیا جاوے۔ دل و دماغ خیالات اس پانی سے پاک کئے جاویں **ساتواں فائدہ** کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بلکہ کسی وصف کی پیمائش نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں جیسے چاند' سورج کی نورانیت سمندر کا پانی' ہوا پیمائش میں نہیں آسکتی۔ ان کی پیمائش کے لئے کوئی آلہ یا میٹر نہیں بنا۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت دیتا ہے حضور کے ذریعہ دیتا ہے۔ کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مستغنی و بے نیاز نہیں جیسا کہ **یھدی به اللہ** میں **به** کو مقدم فرمانے سے معلوم ہوا۔ اب ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں محدود و منحصر ہے۔ **نواں فائدہ** کفر بے شمار ہیں مگر ایمان صرف ایک یہ فائدہ ظلمات کو جمع اور نور کو واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** ایمان کے لئے ضروری ہے کہ ہر کفر سے بچا جاوے۔ اگر ایک کفر بھی اختیار کیا تو انسان مومن نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **یخرجھم من الظلمت** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** ایمان و کفر ایک دل یا ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کفر کو ظلمت و تاریکی فرمایا اور ایمان کو روشنی و نور۔ اور ظاہر ہے کہ روشنی و اندھیرا ضدیں ہیں۔ دو ضدیں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے دیکھا گیا ہے آزمائش ہے کہ کافر و مومن میں

www.alahazratnetwork.org

اتحاد و یگانگت نہیں ہوتی۔ بارہواں فائدہ دنیا میں ایمان و اعمال وغیرہ کی ہدایت اور قبر و حشر میں جوابات کی ہدایت آخرت میں جنت میں اپنے ٹھکانہ پر پہنچنے کی ہدایت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ملتی ہے اور ملے گی یہ فائدہ یہاں دو جگہ **یھدی** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **سبل السلم** اور **صراط مستقیم** تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ پہنچا جا سکتا ہے۔

پہلا اعتراض جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام جہان کی طرف تمام جہان کے لئے ہوئی یہاں صرف اہل کتاب سے کیوں فرمایا کہ ہمارے رسول تمہارے پاس آئے۔ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے پاس نہیں آئے۔ **جواب** اس کے چند جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف تمہارے پاس ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ بلکہ معنی یہ ہیں کہ تمہارے پاس بھی آئے یہ نہ سمجھو کہ ہم اہل کتاب کو حضور کی ضرورت نہیں۔ سورج کی ضرورت سب کو ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ رسول جن کی دھوم میں تمہاری کتابوں تمہارے پیغمبروں کی بشارتوں سے مچی ہوئی ہیں۔ وہ تمہارے پاس آئے۔ تم سے پہلے اہل کتاب ترستے چلے گئے۔ تم فخر کرو اور ان کی اطاعت کرو۔ تیسرے یہ کہ رسول دوسروں کے پاس بشیر و نذیر بن کر آئے۔ تمہارے پاس تمہاری کتابوں کے مصدق بن کر بھی آئے۔ تم پر ان کا احسان زیادہ ہے۔ بارش و سورج کا احسان اعلیٰ زمین پر بمقابلہ بنجر زمین کے زیادہ ہے۔ لہٰذا آیت بالکل ظاہر ہے۔ چوتھے یہ کہ دوسروں کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے آئے کہ انہیں علم دین سے پاک کریں۔ اور قرآن و حکمت سنائیں اور سکھائیں۔ اور تمہارے پاس اس لئے بھی آئے کہ تمہاری کتابوں کی چھپی آیات۔ چھپے احکام ظاہر فرمادیں یعنی تم کو دوسروں سے زیادہ فائدے پہنچے۔ **دوسرا اعتراض** جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود نور ہیں تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ یہ نور کونسا ہے جس کی طرف نکالا گیا۔ **جواب** حضور بیرونی ہیں جیسے سورج اور اس نور سے مراد انسان کا اندرونی نور ہے۔ جیسے آنکھوں کی روشنی یہ روشنی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ ملتی ہے۔ اس نور میں تین احتمال ہیں۔ ہم کو صفاتی ظلمتوں سے نورانی صفات کی طرف نکالتا ہے۔ ہم ماں کے پیٹ سے جاہل بے شعور۔ بے ادب ناواقف پیدا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو علم، دانش، شعور وغیرہ کے نور ملتے ہیں۔ کچھ ماں کی گود میں کچھ باپ کے سایہ میں کچھ استاد و شیخ کی معرفت۔ دوسرے ظلماتی اعمال سے نورانی اعمال کی طرف نکالتا ہے۔ نماز روزہ وغیرہ نورانی اعمال ہیں۔ محرمات شرعیہ نورانی اعمال۔ تیسرے یہ کہ دل کی ظلمتوں سے دل کے نور کی طرف نکالتا ہے۔ دل زمین کی طرح ہے بذات خود تاریک کسی کی تجلی سے روشن۔ جب روشن ہو جاتا ہے تو متقی بن جاتا ہے۔ وہ جو حدیث پاک میں ہے کہ اپنے دل سے فتویٰ لو۔ جسے یہ اچھا کہے وہ نیکی ہے اور جسے برا کہے وہ گناہ یا عثمان غنی سے فرمایا کہ تم جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔ یہ انہیں نورانی دلوں کا ذکر ہے۔ نورانی دل ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں رہتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ جیسے مانوس بکری کو رسی کی ضرورت نہیں۔ مانوس چڑیا کو پنجرے میں رکھنے کی حاجت نہیں۔ وہ تو ویسے ہی مالک سے ہل مل گئی لب کہا جاوے۔ یونہی منور دل مانوس دل ویسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں رہے گا۔ جسم کے وطن مختلف ہیں مگر دل کا وطن یار کی گلی ہے۔ **تیسرا اعتراض** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور نہیں ہیں وہ تم ہم جیسے بشر ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل انما انا بشر مثلکم جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشر بھی ہیں نور بھی ہیں۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رسول بھی ہیں نبی بھی۔ یا جیسے عیسیٰ علیہ السلام بشر بھی ہیں مگر کلمۃ اللہ اور روح اللہ بھی ہیں۔ اس آیت میں بشر مثلکم کے معنی یہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالص بشر ہیں۔ آپ میں الوہیت نہیں۔ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے وغیرہ خالص بندے ہیں۔ لہٰذا بشریت نورانیت کے خلاف نہیں۔ **چوتھا اعتراض** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں تو حضور کھاتے پیتے کیوں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں۔ اولاد کیوں ہے۔ نور کھانے پینے اور نکاح و اولاد سے پاک ہوتا ہے۔ دیکھو فرشتے نور ہیں تو نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ نکاح و اولاد والے ہیں (نوٹ) یہ منکرین نورانیت یعنی بے نوروں کا انتہائی اعتراض ہے جو وہ نورانیوں پر یعنی حضور انور کو نور ماننے والوں پر کرتے ہیں۔ **جواب** اس جیسے بہت سے اعتراضات کے جوابات ہم نے اپنی کتاب رسالہ نور میں دیئے ہیں وہاں دیکھنا چاہیے۔ اس کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور من اللہ ہونے پر بہت مفصل بحث کی گئی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں بشر بھی۔ یعنی نورانی بشر اور نورانی بشر کے لئے کھانا پینا اولاد خلاف شان نہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام روح اللہ بھی ہیں۔ کلمۃ اللہ بھی مگر کھاتے پیتے رہے اور قریب قیامت تشریف لا کر نکاح کریں گے۔ صاحب اولاد ہوں گے۔ جب روح اللہ کلمۃ اللہ کھاپی سکتے ہیں۔ تو نور اللہ بھی کھاپی سکتے ہیں۔ بعض جنتی لوگ اولاد کی خواہش کریں گے اور ان کے اولاد ہوگی۔ دیکھو جنتی انسان بھی نورانی ہوں گے۔ حوریں بھی نورانی مخلوق ہیں۔ مگر کھانا پینا اولاد سب ہوگی۔ ہاں ہاروت و ماروت فرشتوں کو جب لباس بشری میں زمین پر بھیجا گیا۔ تو وہ کھانے پینے لگے۔ شہوت بھی ان میں ہوگئی۔ عصا موسوی جب سانپ بن جاتا تھا تو کھاتا پیتا تھا **تلقف ما یافکون** ہاں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ وصال رکھتے تھے تو مسلسل روزے رکھتے نہ کھاتے تھے نہ پیتے تھے کسی قوت میں فرق نہ آتا تھا۔ اس وقت نورانیت کی جلوہ گری ہوتی تھی۔ عادۃً نہ کھاتے پیتے تو تکلیف محسوس فرماتے تھے اس وقت بشریت کا ظہور تھا عیسیٰ علیہ السلام صدہا برس سے آسمان پر زندہ ہیں۔ کھانے پینے سے پاک ہیں یہ ہے نورانیت کا ظہور۔ قرآن مجید نور ہے تو اس کے حرف کالے کیوں ہیں نور تو کالا نہیں ہوتا یہ آگ میں جل کیوں جاتا ہے۔ نور تو نہیں جلتا۔ یہ پریس میں چھپتا کیوں ہے نور تو چھپتا نہیں۔ وجہ ظاہر کہ قرآن نور بھی ہے۔ کتاب بھی۔ یہ سارے حالات کتاب ہونے کی وجہ سے ہیں۔ نورانیت کے نہیں۔ قرآن کا نور کتاب کے غلاف میں ہے۔ حضور کا نور بشریت کے لحاظ سے حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ آمنہ خاتون کے فرزند حضرت عبداللہ کے نور نظر ہیں۔ اور نورانیت کے لحاظ سے سب کی اصل ہیں۔ سب حضور سے ہیں۔ تمام

www.alahazratnetwork.org

عالم نور محمدی سے ہے۔ شعر۔

☆ ظاہر میں میری نخل حقیقت میں میری اصل ☆ اس گل کی یاد میں یہ صدا ابوالبشر کی ہے ☆

پانچواں اعتراض اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں اور ہمارے پاس حاضر بھی تو روشنی کیوں نہیں ہوتی۔ مسلمانوں کے گھروں میں اندھیرا کیوں ہوتا ہے۔ لہٰذا یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور نہیں یا حاضر نہیں۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن کریم اور فرشتے نور ہیں اور ہمارے گھروں میں موجود بھی ہیں پھر گھروں میں اندھیرا کیوں ہوتا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت دیکھنے کے لئے بصیرت کی نورانیت چاہیے اللہ تعالیٰ ہم کو وہ بصیرت دے کہ اس نور مجسم کی نورانیت دیکھ سکیں۔ ورنہ بصیرت والوں سے سن کر مان لیں اندھے کو چاہیے کہ اگر وہ خود نہ دیکھ سکے تو دیکھنے والوں کی مان لے۔ دیکھنے والوں کا ایک شعر سنو۔

☆ گرچہ صد مرحلہ دورم زبہ پیش نظرم ☆ **وجهه فی نظری کل غدات وعشی** ☆

چھٹا اعتراض اگر حضور نور ہیں تو والدین سے پیدا کیوں ہوئے۔ نور کسی سے پیدا نہیں ہوتا۔ **جواب** نور کا ماں باپ سے پیدا نہ ہو سکنا کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں۔ ہماری روح' آنکھ کی روشنی' قوت خیالیہ یہ سب چیزیں نور ہیں اور ماں باپ سے پیدا ہوتی ہیں۔ جب روح اللہ' کلمۃ اللہ ماں کے شکم سے پیدا ہو سکتے ہیں تو نور اللہ بھی پیدا ہو سکتے ہیں۔ جنت میں حوروں کے شکم سے نورانی مخلوق پیدا ہو گی۔ جس کا حوالہ ابھی گزرا۔ ان سب باتوں کا لحاظ بھی کرو تب بھی یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور بھی ہیں بشر بھی بشریت کی بنا پر پیدائش ہے۔ **ساتواں اعتراض** یہاں **سبل السلم** جمع کیوں فرمایا گیا۔ سلامتی کا راستہ تو ایک ہی ہے۔ یعنی اسلام پھر جمع فرمانے کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** یہ راستہ نوعا" ایک ہے۔ مگر فردا" بہت یعنی اسلام راستہ ہے سلامتی کا۔ پھر اسلام کا ہر رکن سلامتی کا راستہ ہے۔ اور اسلام کے ارکان تو بہت ہیں لہٰذا سلامتی کے یہ راستے بھی بہت نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ سب سلامتی کے راستے ہیں۔ یہاں جمع فرمانا افراد کے لحاظ سے ہے۔ اور **اهدنا الصراط المستقيم** میں **صراط** واحد فرمانا نوعیت کے لحاظ سے ہے۔ **آٹھواں اعتراض** پھر **يهديهم الى صراط مستقيم** میں **صراط** واحد کیوں ارشاد ہوا۔ وہاں بھی جمع ہی فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب** اگر صراط مستقیم سے مراد آخرت میں جنت کا راستہ ہے تب تو وہ ایک ہی ہے جس میں پل صراط پڑتا ہے۔ لہٰذا اسے واحد فرمانا نہایت صحیح ہے اور اگر اس سے مراد جنت کا وہ راستہ ہے۔ جو دنیا میں ہے تو یہاں نوع کی واحدانیت مراد ہے۔ کیونکہ دنیا میں جنت کا راستہ صرف ایک ہے یعنی اسلام باقی تمام دین گمراہی ہیں اور دوزخ کے راستے تب بھی واحد فرمانا درست ہے۔ **نواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جو رضائے الٰہی کی اتباع کرے ہم اسے سلامتی کے راستوں کی رہبری فرمائیں گے۔ جو شخص رضاء الٰہی کی اتباع کر چکا وہ تو ہدایت پا چکا پھر ہدایت دینے راہ دکھانے کے کیا معنی **جواب** اس اعتراض کا ایک

www.alahazratnetwork.org

جواب تو وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہاں اتباع کرنے سے مراد علم الٰہی میں اس کا اتباع کرنا یعنی جس کے متعلق علم الٰہی میں آچکا۔ کہ یہ رضاء الٰہی پر چلے گا۔ لہٰذا مطلب واضح ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہدایت سے مراد ہے ہدایت پر قائم رکھنا یعنی جو اللہ کی مرضی پر چلے گا۔ اسے اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستوں کی ہدایت پر قائم رکھے گا۔ جیسا کہ **اھدنا الصراط المستقیم** میں عرض کیا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ علماء کرام کے نزدیک اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو رضاء الٰہی کی اتباع کرنا چاہے۔ اسے اللہ تعالیٰ اس نور کے ذریعہ ہدایت دیتا ہے جیسے شہروں کے چوراہوں پر راستہ بتانے والے لکڑی یا لوہے کے ہاتھ کھڑے ہوتے ہیں جن پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ سڑک فلاں طرف جاوے گی اور رات کو ان لکڑی کے ہاتھوں پر روشنی ہوتی ہے تاکہ بخوبی تحریر پڑھی جاسکے۔ دنیا ہزارہا سڑکوں کا چوراہا ہے۔ اور یہاں اندھیرا بھی ہے۔ اللہ کا راستہ دکھانے کے لئے قرآن کریم وہ اشارہ والا ہاتھ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نور۔ ان دونوں کی مدد سے یہ راستہ ملتا ہے۔ اور صوفیاء کرام کے نزدیک اسکے معنی یہ ہیں کہ جو کوئی اتباع رضوان کر بھی لے۔ تمام نیک اعمال کرے وہ بھی اس نور سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ اس کے دل کو سلامتی کے راستوں کی ہدایت اس نور سے ملے گی۔ جیسے خاردار غاردار راستہ بغیر روشنی طے نہیں ہوتا۔ دنیا خاردار راستہ ہے۔ محمدی نور کے بغیر طے نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہے۔ رہنا سہنا مکہ اور مدینہ میں کہ کچھ زندگی مکی ہے کچھ مدنی" اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات مدینہ منورہ میں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سارے عالم میں ہے۔ ولادت اور آمد میں بہت فرق ہے۔ جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر طلوع ہوتا ہے جانب مشرق میں مگر آتا ہے چمکتا ہے ساری دنیا میں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کو ختم کیا۔ آمد کو ختم نہ کیا۔ یعنی موت شریف سے ولادت پاک ختم ہوئی۔ تشریف آوری ختم نہ ہوئی۔ جیسے سورج کے غروب سے سورج کا طلوع ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ اگر وجود ختم ہو جاتا تو چاند تاروں کو روشنی کون دیتا۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم چلے گئے ہوتے تو ولیوں، غوثوں، قطبوں کو نور ولایت کون بخشتا۔ لہٰذا حضور کی تشریف آوری ناقابل فنا ہے۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ اب بھی پڑھا جاتا ہے۔ نماز وغیرہ میں سلام اب بھی عرض کیا جاتا ہے۔ حضور کی آمد صفت رسالت شان نورانیت سے ہوئی۔ حضور آمد سے پہلے بھی نور تھے رسول تھے۔ آمد پر بھی نور اور بعد وفات بھی نور یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے چوبیس ہزار سال پہلے رب کی تسبیح و تقدیس کرتے تھے اور آپ کی تسبیح و تقدیس سن کر فرشتے تسبیح و تقدیس عرض کرتے تھے۔ حتیٰ کہ وہ نور جناب آدم علیہ السلام کی پشت میں امانت رکھا گیا۔ پھر درجہ بدرجہ پاک پشتوں میں منتقل ہوتا ہوا اپنے والدین کریمین **طیبین طاہرین** سے ظاہر ہوا۔ ہر زمانہ اور ہر دور میں اس نور کی کرامتیں و برکتیں دیکھی جاتی رہیں۔ چونکہ حضور نور ہیں۔ لہٰذا خود ایسے ظاہر کہ عالم کا ذرہ ذرہ آپ کو پہچانتا ہے۔ چاند اشارہ سے پھٹا، سورج اشارہ سے لوٹا۔ کنکر پتھروں نے کلمہ پڑھا۔

www.alahazratnetwork.org

جانوروں نے گواہی دی۔ غرض کہ ایسے ظاہر کہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اور دوسروں کو ایسا ظاہر فرمایا کہ جس چیز کو حضور سے نسبت ہو گئی وہ چمک گئی عرب کے ذرے آپ سے چمکے۔ اپ کے والدین بلکہ سات پشت بلکہ دائی حلیمہ حضور سے چمکیں۔ تمام انبیائے کرام کے نام ان کے کلام حضور سے چمکے۔ جس عالم یا درویش کو حضور سے نسبت ہو گئی۔ وہ چمک گیا۔ جب حضور کسی سے نہیں چھپے کہ نور ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کوئی نہیں چھپا کہ سب حضور سے منور ہیں ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

☆ اے فروغت صبح آثار و دھور ☆ چشم تو بینندہ ما فی الصدور ☆

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ پاک سے آسمانی صحیفے کتابیں مخفی نہیں۔ ہاں سب کا اظہار نہیں اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ یہ رسول تمہاری چھپائی ہوئی آیات کو ظاہر فرماتے ہیں۔ پھر خیال رہے کہ حضور نور ہیں اور قرآن مجید مبین ہے۔ حضور قرآن کو ظاہر کرتے ہیں۔ چمکاتے ہیں قرآن کریم حضور کے صفات حمیدہ بیان کرتا ہے۔ اب ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے وابستہ ہے جو حضور کے دامن سے وابستہ ہو گا۔ ہدایت پر ہو گا۔ جو الگ ہو گا گمراہ ہو گا۔ حتی کہ قرآن سے ہدایت ملے گی تو حضور کے ذریعہ ملے گی۔ قرآن کتاب ہے۔ حضور نور ہیں۔ نور کے بغیر کتاب سے فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا کہ نظر آئے نہ سمجھا جائے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ
البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا بے شک اللہ وہ مسیح ہیں بیٹے مریم کے فرما دو کہ تو کون
بیشک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں تم فرما دو پھر اللہ کا
يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ
مالک ہوتا ہے طرف سے اللہ کے کسی چیز کا اگر ارادہ کرے اللہ یہ کہ ہلاک کر دے مسیح بیٹے مریم کو اور ماں کو انکی
کوئی کیا کر سکتا ہے اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم اور اس کی ماں اور تمام
وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا
اور ان کو جو ہیں زمین میں سب کو اور اللہ کا ہی ہے مالک آسمانوں اور زمین کا اور ان
زمین والوں کو اور اللہ ہی کے لئے سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے
بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾
کا جو درمیان ہے ان کے پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے
درمیان جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی بہت سی چھپائی ہوئی چیزوں کو ظاہر فرماتے ہیں۔ اب اہل کتاب کے ایک خصوصی عقیدے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو انہوں نے تبدیل کر دیا کہ اصل عقیدہ چھپایا۔ نیا عقیدہ اختیار کر لیا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل یا تفسیر ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اے کتابیو تمہارے پاس نور بھی آیا اور ظاہر کتاب بھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم ان سے فائدہ حاصل کرنا چاہتے ہو تو ان کفریات سے توبہ کرو۔ گویا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت کا ذکر تھا اب اس نور سے فیض لینے کی شرائط کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس نور و کتاب کے ذریعہ لوگوں کو اندھیریوں سے نور کی طرف نکالتا ہے۔ اب ان اندھیریوں کا ذکر ہے جن میں اہل کتاب پھنسے ہیں گویا اندھیریوں کے اجمالی ذکر کے بعد ان کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ اور یہ آیت کریمہ اس آیت کی شرح ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہدایت نورانیت وغیرہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں منحصر ہے۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کہ دیکھو عیسائی اگرچہ حضرات انبیاء' آسمانی کتابوں' اللہ کی ذات' فرشتوں' جنت و دوزخ وغیرہ سب کچھ مانتے ہیں مگر ہیں پکے کافر کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض نہیں لیتے۔ گویا دعویٰ کے بعد دلیل کا ذکر ہے اور دلیل بھی جیتی جاگتی۔ جس سے پتہ چلے کہ اب تاقیامت قرآن مجید اور تمام سے ہدایت نہیں ملتی۔ ذریعہ ہدایت صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

شان نزول یہ آیت کریمہ نجران کے عیسائیوں یعقوبیہ اور ملکانیہ فرقوں کے متعلق نازل ہوئی جن کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح ان کے جسم میں حلول کر لیا ہے۔ اس لئے جناب عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی اس طرح حلول کئے ہوئے ہے جیسے آفتاب میں چاند کی روشنی یا آگ میں حرارت یا پھول میں رنگ و بو۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں بہت مدلل طریقہ سے ان کے اس عقیدے کا رد کیا گیا۔ (از روح البیان)

تفسیر **لقد کفر الذین قالوا** چونکہ الوہیت مسیح کے عقیدے کو یعقوبیہ و ملکانیہ عیسائی کفر نہ سمجھتے تھے بلکہ اسے ایمان جانتے تھے۔ اس لئے اس مضمون کو اللہ تعالیٰ نے لام تاکید اور قد تحقیق سے شروع فرمایا۔ جس مضمون کے انکاری موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے ہوں اسے تاکیدوں سے شروع فرمایا جاتا ہے۔ پھر جیسا انکار ویسی تاکیدیں۔ معمولی انکار کے لئے صرف قسم کافی۔ سخت انکار کے لئے اعلیٰ تاکیدیں' کچہری میں مدعی گواہ اور دوسرے ثبوت پیش کرتا ہے۔ کیونکہ مدعی علیہ زبردست انکاری ہوتا ہے۔ چونکہ عیسائی زبردست انکاری تھے لہٰذا لام اور قد دونوں سے تاکیدیں کی گئیں۔ **کفروا** بنا ہے کفر سے۔ معنی کافر ہو جانا۔ ہدایت سے نکل جانا یا انکار کر لینا یعنی اس قول سے عیسائی آدھے یا چوتھائی کافر نہیں ہوئے۔ پورے ہی کافر ہو گئے یا عبدیت مسیح کے انکار سے عیسائی ساری ایمانیات کے انکاری ہو گئے۔ از شریعت آدم علیہ

www.alahazratnetwork.org

اسلام تا شریعت محمدیہ کسی شریعت کے رو سے یہ مومن نہ رہے کہ کسی بندے کو الہ مان لینا تمام دینوں میں ہی کفر رہا ہے۔ اگرچہ یہ عقیدہ شرک ہے مگر چونکہ ہر شرک کفر ہے۔ اس لئے اسے کفر قرار دیا گیا۔ **الذین** سے مراد وہ ہی نجرانی عیسائی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو الہ مانتے تھے۔ **قالوا** سے مراد یا زبان سے کہنا اور دعویٰ کرنا ہے یا دل سے سمجھنا اور عقیدہ رکھنا۔ مناسب یہ ہے کہ عام معنی مراد ہوں۔ کیونکہ ان کے پادری تو زبان سے یہ دعویٰ کرتے تھے اور اس پر مناظرے کرتے تھے۔ عوام عیسائی صرف دل میں یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اس پر بحث نہ کر سکتے تھے۔ یہ آیت کریمہ ان دونوں پر فتویٰ کفر صادر فرما رہی ہے۔ **ان اللّٰہ ھو المسیح ابن مریم** ط عیسائیوں کا ایک فرقہ تین الہ مانتا ہے کہ ایک الٰہ عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ دوسرا الٰہ روح القدس تیسرا الٰہ اللہ تعالیٰ دوسرا فرقہ حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا مانتا ہے۔ تیسرا فرقہ توحید کا قائل ہے۔ مگر حضرت مسیح میں الوہیت کا حلول مانتا ہے۔ یہاں اس ہی تیسرے فرقہ کا بیان ہے۔ دوسری آیات میں باقی دو فرقوں کا تذکرہ ہے۔ خیال رہے کہ یعقوبیہ اور ملکانیہ فرقے صراحۃ "حضرت مسیح کو خدا نہیں کہتے تھے۔ وہ توحید کے مدعی تھے۔ مگر ان کے عقیدے سے یہ لازم آتا تھا کہ حضرت مسیح خود اللہ ہوں۔ یہاں ان کے عقیدے کا نتیجہ اور اس کا لازم مراد ہے وہ کہتے تھے کہ حضرت مسیح میں لاہوت اور ناسوت ہے۔ لاہوت رب تعالیٰ کو کہتے تھے۔ اس لئے ان کا عقیدہ اسی طرح بیان ہوا۔ (روح المعانی وغیرہ) جیسے انسان میں حیوانیت اور ناطقیت ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ انسان حیوان ہے۔ اور انسان ناطق ہے۔ لفظ اللہ اسم ان ہے اور المسیح الخ اس کی خبر **ھو** بیان حصر کے لئے ہے۔ یہاں حصر میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ الوہیت کو مسیح میں منحصر کیا گیا ہو۔ دوسرے یہ کہ مسیح کو الوہیت میں منحصر کیا جاوے۔ تیسرے یہ کہ جانبین میں حصر ہو یعنی اللہ مسیح ہی ہیں یا مسیح اللہ ہی ہیں یا اللہ مسیح ہیں اور مسیح اللہ ہیں۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیسے زید ہو **المنطلق** کے ہوتے ہیں۔ زید چلنے والا ہی ہے کہ چلنے کو زید میں منحصر نہیں کیا جاتا۔ بلکہ زید کو چلنے میں منحصر کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ جناب مسیح کو اس لئے الہ کا محل مانتے تھے کہ آپ بغیر باپ پیدا ہوئے۔ آپ مٹی سے پرندے کو اصل پرندہ بنا دیتے تھے۔ لہٰذا آپ خالق ہوئے۔ آپ ناقابل علاج بیماروں کو شفا دیتے تھے۔ لہٰذا آپ شافی الامراض ہوئے۔ آپ مردہ زندہ کر دیتے تھے۔ لہٰذا آپ محی یعنی زندہ کرنے والے ہوئے۔ یہ صفات رب تعالیٰ کی ہیں نہ کہ بندے کی لہٰذا آپ بندے نہیں الہ ہیں۔ ان تینوں دلائل کے نہایت نفیس جوابات یہاں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمائے۔ چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم فرما کر ان عیسائیوں کی پرزور تردید فرما دی گئی۔ کیونکہ کسی کا بیٹا ہونا الوہیت کے خلاف ہے۔ یونہی کسی سے جنا کسی میں سے نکلنا الوہیت کے خلاف ہے۔ لہٰذا نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہو سکتے ہیں نہ حضرت آدم علیہ السلام کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام۔ حضرت مریم کے بیٹے ہیں ان کے شکم سے پیدا ہوئے اور حضرت آدم علیہ السلام مٹی سے بنے۔ یہ بھی بتا دیا گیا کہ آپ بغیر باپ صرف ماں سے پیدا ہوئے۔ **قل فمن یملک من اللّٰہ شیئا** اس جملہ میں الوہیت مسیح کی دوسری پرزور تردید ہے۔ **قل** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے

www.alahazratnetwork.org

یا ہر عقل رکھنے والے سے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ سلم رب تعالیٰ کی ذات وصفات کے گواہ ہیں۔ توحید الٰہی پر حملہ کرنے والوں کو جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی دیں تو مناسب ہے۔ مدعی پر جو اعتراض مدعٰی علیہ کا ہو اس کا جواب گواہ دیتا ہے۔ **فمن** کی ف یا تو عاطفہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے یا جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا (روح المعانی) **من** میں انکاری سوال ہے۔ **یملک** بنا ہے ملک - بمعنی قدرت سے اور یہاں دفع کرنے کی قدرت مراد ہے۔ **من اللہ** میں ایک مضاف پوشیدہ ہے۔ یعنی **من امر اللہ یا من ارادۃ اللہ شیئا یملک** کا مفعول بہ ہے یا **من اللہ** حال مقدم ہے۔ **شیئا** کا اور معنی یہ ہیں کہ جو شئی رب کی طرف سے جاری ہو گئی اس کے ارادے میں آگئی اس کا مالک رب کے مقابلہ میں کون ہے کہ خلاف ارادہ الٰہی اسے روک دے یا یہ معنی ہیں کہ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں تو کون ہے جو اللہ کے ارادہ اللہ کے چاہے میں سے کسی چیز کو دور کر سکے۔ دفع کر سکے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ ان **تکلفات** سے پاک ہے۔ یہ ترجمہ بہت ہی شاندار ہے۔ یعنی اللہ کا ارادہ کوئی نہیں ٹال سکتا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام خدا ہوتے تو ٹال دیتے۔ کیونکہ قدرت الوہیت کے لئے ضروری ہے یا کوئی اللہ تعالیٰ کا کیا ہوا کر سکتا ہے۔ **ان اراد ان یھلک المسیح ابن مریم** یہ عقیدہ الوہیت کی تیسری وجہ تردید ہے **یھلک** بنا ہے "اہلاک" سے - بمعنی وفات دینا۔ موت دینا۔ غضب کی ہلاکت یا بربادی مراد نہیں جیسے **کل شئی ھالک الا وجھہ** میں ہلاکت سے مراد فنا ہے نہ کہ عذاب کی ہلاکت مسیح فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اگرچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب نے یہ قدرت دی تھی کہ چھو کر بیماروں کو تندرست اور مردوں کو زندہ کر دیتے تھے مگر یہ قدرت بہ عطاء الٰہی تھی۔ رب تعالیٰ کے مقابلے میں کام نہ آسکتی تھی۔ چنانچہ حضرت مسیح کو جب رب تعالیٰ وفات دینا چاہے گا تو آپ اس کے مقابل اپنے کو زندہ رکھنے پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ مقدوریت دلیل عبدیت ہے۔ **وامہ ومن فی الارض جمیعا** یہ عبارت المسیح پر معطوف ہے اور **یھلک** کا مفعول بہ ان دو چیزوں یعنی حضرت مسیح کی والدہ۔ اور زمین کی ساری جاندار چیزوں کا ذکر ہے اس بات کی وضاحت کے لئے ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ حضرت مسیح کو مردے زندہ کرنے کی قدرت بہ عطاء الٰہی تھی۔ اور بہ ارادۃ الٰہی اس کا ظہور ہوتا تھا کہ ان کے چھونے پھونکنے سے رب تعالیٰ بیماروں کو تندرست مردوں کو زندہ فرماتا تھا۔ یہ ناممکن ہے کہ جسے خدا موت دینا چاہے اسے عیسیٰ علیہ السلام نہ مرنے دیں یا زندہ کر دیں چنانچہ خود حضرت مسیح ان کی والدہ بلکہ سارا جہان رب تعالیٰ کی قدرت و ارادہ سے وابستہ ہیں۔ جب تک چاہے زندہ رکھے جب چاہے وفات دیدے فنا کر دے پھر ان میں الوہیت کیوں مانتے ہو۔ **وللہ ملک السموت والارض وما بینھما** یہ جملہ یا تو نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ یا یہ **فمن** - **ملک** پر معطوف ہے **قل** کا مفعول ہے۔ یہ عبدیت مسیح کی چوتھی دلیل ہے۔ یعنی آسمانوں، زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کی ملکیت حقیقتاً رب تعالیٰ ہی کی ہے۔ تمام چیزیں اس کی مملوک ہیں تو حضرت مسیح علیہ السلام اور ان کی والدہ بھی اسی کے مملوک ہوئے وہ ان کا مالک پھر الوہیت مسیح کے قائل تم کیوں ہو مملوکیت اور الوہیت جمع نہیں ہو سکتی۔ چونکہ ہمارے سامنے عالم

www.alahazratnetwork.org

اجسام ہی ہے اور یہ عالم آسمان و زمین میں محدود ہے۔ اس لئے ان ہی کا ذکر ہوا۔ ورنہ رب تعالیٰ عالم ارواح عالم امکان سب ہی کا مالک ہے۔ **یخلق ما یشاء** اس عبارت میں ان نجرانی عیسائیوں کے دلائل کا جواب ہے کہ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے بنا کر پھونک مار کر زندہ کردیتے تھے تو وہ بھی رب تعالیٰ ہی پیدا فرماتا تھا۔ خالق وہ تھا اس خلق کا ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ پر ہوتا تھا وہ جسے چاہے پیدا کرے۔ اگر خود عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے تو یہ بھی رب تعالیٰ ہی کی قدرت ہے کہ انہیں بغیر باپ صرف ماں سے پیدا کر دیا۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دم سے مردے زندہ ہو جاتے تھے تو وہ بھی رب تعالیٰ ہی کی قدرت سے تھا۔ اگر حضرت حوا بغیر ماں صرف حضرت آدم علیہ السلام کے جسم سے پیدا ہوئیں تو یہ بھی اس رب کی قدرت ہے اگر آدم علیہ السلام مٹی و پانی سے بغیر ماں باپ پیدا ہوئے تو ان کا خالق بھی رب ہی ہے۔ اگر دن رات کیڑے مکوڑے گھاس پھوس صرف پانی مٹی وغیرہ سے بغیر باپ ماں پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ بھی رب تعالیٰ ہی کی قدرت ہے۔ ان چیزوں کی وجہ سے حضرت آدم یا حضرت حوا یا حضرت عیسیٰ یا ان چڑیوں کو خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو کیونکہ **واللہ علی کل شئی قدیر** اللہ تعالیٰ ہر چیز پر ہر طرح قادر ہے۔ جسے چاہے جیسے چاہے پیدا فرمادے۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر شئی کے معانی اور قدرت کے اقسام اور اس جملہ کے مضمون کی پوری شرح پارہ الم میں عرض کی جاچکی ہے وہاں مطالعہ فرماؤ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے خلق پر قادر ہے نہ کہ ہر چیز کے کسب پر۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں حق تعالیٰ نے عیسائیوں کے مشہور عقیدے الوہیت مسیح کی تردید میں چار قوی دلائل فرمائے۔ اور عیسائیوں کے تین دلائل کے بہترین جوابات دیئے چنانچہ تردید الوہیت مسیح کے لئے حسب ذیل دلائل قائم فرمائے۔ آپ کا ابن مریم ہونا۔ ماں کے شکم سے پیدا ہونا آپ کو موت آسکنا اللہ تعالیٰ کا تمام آسمانی زمینی چیزوں کا مالک ہونا جن میں حضرت مسیح بھی داخل ہیں۔ یعنی آپ کا مملوک الٰہی ہونا۔ اللہ تعالیٰ کا قادر و غالب ہونا اور حضرت مسیح کا مقدور یعنی تحت قدرت داخل ہونا۔ یہ دلائل عبدیت مسیح کے ہیں اور عیسائیوں کے تمام دلائل کے جوابات **یخلق ما یشاء** میں دے دیئے گئے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ عیسائی نرے کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خود اللہ ہی ہیں کیونکہ ان میں الوہیت ایسے حلول کئے ہے جیسے پھول میں رنگ و بو یا آگ میں روشنی و گرمی' اے محبوب صلی اللہ علیہ سلم آپ ان کے جواب میں فرمادو کہ کیا کوئی شخص جناب مسیح ہوں یا کوئی اور ایسا بھی ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارادہ کو موڑ دے کہ خدا جو کرنا چاہے اسے نہ کرنے دے اگر اللہ تعالیٰ خود جناب مسیح ان کی والدہ بلکہ تمام زمینی چیزوں زمینی آدمیوں کو موت دینا چاہے۔ تو وہ انہیں نہ مرنے دے۔ عیسائی بھی ایسی جرات نہ کر سکیں گے کہ حضرت مسیح علیہ السلام میں رب تعالیٰ کا مقابلہ کرنے کی طاقت مانیں۔ یہ خیال رکھو کہ تمام آسمان اور ساری زمین اور ان کے درمیان کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں۔ وہ مالک حقیقی ہے سب اس کی مملوک جناب مسیح آسمان و زمین کے درمیان کی ہی مخلوق ہیں تو وہ بھی اللہ کے بندے اللہ کے مملوک ہوئے پھر وہ اللہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ بندہ مالک کا ہمسر نہیں ہو سکتا اور تم لوگ نہ تو حضرت مسیح علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام کے بغیر باپ پیدا ہونے سے دھوکہ کھاؤ۔ نہ ان کے اس معجزہ سے دھوکہ کھاؤ۔ کہ وہ مٹی کے پرندے بنا کر ان میں دم کر کے اصل پرندہ جاندار بنا دیتے تھے۔ مردوں کو زندہ بیماروں کو اچھا کر دیتے تھے۔ ان صفات کی وجہ سے وہ الٰہ نہیں ہو گئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے جیسے چاہے پیدا فرماتا ہے۔ اسے ہر چیز پر ہر طرح قدرت ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بغیر باپ پیدا ہونا رب تعالیٰ کی قدرت سے ہے۔ یونہی ان کے ہاتھ پر مردوں کا زندہ ہونا۔ بیماروں کا تندرست ہونا رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے ہے۔ یونہی حضرت مسیح کے دم سے مٹی کے پرندوں کا جاندار بن جانا اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے ان معجزات کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی قدرت کے قائل ہو جاؤ۔ خود جناب مسیح کو خدا مت مان لو۔ اللہ اللہ ہے بندہ بندہ ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں بغیر کسی اصل کے پیدا فرما دیں محض اپنی قدرت سے جیسے آسمان و زمین بعض چیزیں کسی اصل سے بنائیں۔ بعض غیر جنسی اصل سے جیسے حضرت آدم علیہ السلام اور بہت جاندار چیزیں جو مٹی سے بنیں اور بنتی رہتی ہیں اور بعض ہم جنس اصل سے صرف مذکر سے جیسے حضرت حوا۔ یا صرف عورت سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا نر و مادہ دونوں سے جیسے عام انسان اور بعض چیزیں دوسری مخلوق کے واسطہ سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واسطہ سے کچھ چڑیاں پیدا فرما دیں۔ ان سب کا خالق رب تعالیٰ ہی ہے۔ ان مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز الٰہ نہیں۔ سب اس کے بندے ہیں۔ اور اس کی قدرت کاملہ کے مظہر ہیں (روح المعانی وغیرہ)

نوٹ ضروری: موجودہ زمانہ میں بعض نادان یہ آیت کریمہ حضرات انبیاء کرام کی مجبوری بے بسی' بندہ ناچیز بالکل غیر مختار ہونے کی دلیل میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس آیت کا منشا یہ نہیں۔ یہاں تو الوہیت مسیح کی نفی ہے نہ کہ ان کے اختیار خداداد کا انکار مقصد یہ ہے کہ وہ جناب خدا تعالیٰ سے مستغنی یا اس کے مقابل کسی قدرت کے مالک نہیں۔ وہ خدا کے چاہے کو نہیں ٹال سکتے۔ مگر جب خدا تعالیٰ ہی ان کے ہاتھ سے لوگوں کی مصیبت ٹالنا چاہے تو وہ مختار ہے اس کے چاہے سے حضرت مسیح علیہ السلام بھی مختار ہیں۔ ان کے اختیار خداداد کی دوسری آیات ہیں۔ **واحی الموتی باذن اللہ** وغیرہ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** سارے عیسائی کافر ہیں خواہ یعقوبیہ ہوں یا ملکائیہ یا کوئی اور فرقے کے عیسائی یہ فائدہ **لقد کفر الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** کفر کی بہت قسمیں ہیں۔ خالق کا انکار ایک قسم کا کفر ہے۔ رب تعالیٰ کے لئے اولاد بیوی ماننا دوسری قسم کا کفر۔ اسے کسی چیز میں حلول ماننا اور نوعیت کا کفر ہے۔ مگر یہ سب اصل کفر میں برابر ہیں۔ یہ فائدہ بھی **لقد کفر الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ دیکھو عیسائی باوجود عقل و ہوش و گوش رکھنے کے ایسے عقیدے رکھتے ہیں جو عقل سلیم کے بالکل ہی خلاف ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو الٰہ مانتے ہیں۔ حالانکہ وہ جناب والدہ کے شکم سے پیدا ہوئے دنیا میں کھاتے پیتے سوتے تھے۔ جس ذات کے یہ حالات ہوں وہ الٰہ کیسے ہو سکتا ہے مگر وہ اتنی ظاہریات کو نہیں سمجھ سکے۔ نور

www.alahazratnetwork.org

عقل نور نبوت کا محتاج ہے یہ فائدہ **مسیح ابن مریم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** بعض مقبول بندے باذن پروردگار خدائی کام کرتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود وہ خدا نہیں ہو جاتے بندہ ہی ہوتے ہیں۔ ان عجائبات کا ان کے ہاتھ پر ظہور رب تعالیٰ کی قدرت کا ظہور ہوتا ہے۔ خالق رب ہے۔ مظہر وہ بندہ آئینہ میں سورج کا عکس سورج کے سے کام کرتا ہے۔ مگر سورج سورج ہے عکس عکس ہے۔ یہ فائدہ **یخلق ما یشاء** سے حاصل ہوا۔ رب و مربوب خالق و مخلوق میں فرق غنا اور احتیاج سے ہے۔ رب وہ ہے جو غنی و بے نیاز ہو۔ بندہ وہ جو حاجت مند و نیاز مند ہو۔ **پانچواں فائدہ** خدا تعالیٰ حلول سے پاک ہے نہ کسی چیز میں سمائے نہ اس میں کوئی چیز سمائے نہ وہ کسی کی جگہ ہے نہ وہ کسی جگہ میں ہے۔ جو کوئی اس کے لئے حلول مانے وہ کافر ہے۔ جگہ حادث ہے۔ رب تعالیٰ قدیم ہے یہ فائدہ **اللہ هو المسیح** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو عیسائیوں نے اللہ تعالیٰ کا حلول عیسیٰ علیہ السلام میں مانا تو انہیں رب تعالیٰ نے صراحتہ کافر فرمایا۔ **چھٹا فائدہ** کوئی شخص رب تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف نہیں کر سکتا۔ جو کوئی کسی کو نفع پہنچاتا ہے رب تعالیٰ کے ارادے سے پہنچاتا ہے۔ جو کسی نبی ولی پیر فقیر یا کسی کے متعلق یہ عقیدہ رکھے کہ وہ رب تعالیٰ کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ اس کے ارادہ اس کے حکم کو رد کر سکتا ہے۔ وہ کافر مطلق ہے یہ فائدہ **فمن یملک** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** اگر کچھ لوگ کسی مقبول بندے کو خدا یا خدا کا بیٹا مان لیں تو ان کے جواب میں ان ماننے والوں کو برا کہا جائے گا۔ ان مقبولوں کا احترام قائم رکھا جاوے گا۔ اور اگر کسی مردود کو لوگ خدا کہنے لگیں تو عابد و معبود دونوں کی برائی بیان کی جائے گی۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان عیسائیوں کو تو کافر کہا جو جناب مسیح کو خدا کہتے تھے۔ کہ فرمایا **لقد کفر الذین قالوا**۔ مگر جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کا نہایت احترام سے نام لیا کہ انہیں مسیح فرمایا یعنی چھو کر مردے زندہ فرمانے والے اور بیماروں کو شفا دینے والے اور انہیں ابن مریم فرمایا۔ یعنی بغیر والد کے معجزانہ طور پر صرف ماں سے پیدا ہونے والے۔ ان کے معجزات ان کی عظمتوں کو قائم رکھا۔ لیکن جہاں بت پرستوں کی تردید فرمائی گئی۔ تو ان کے ساتھ ان کے بتوں کی بھی خبر لی گئی۔ کہ فرمایا گیا۔ کہ اگر ان سے مکھی بھی کچھ چھین لے تو چھڑا نہ سکیں۔ حتیٰ کہ فرمایا **ضعف الطالب والمطلوب** یعنی یہ عابد و معبود طالب و مطلوب دونوں ہی ضعیف ولاچار و حقیر ہیں حتیٰ کہ ایک جگہ ارشاد ہوا **انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جهنم** تم اور تمہاری معبود چیزیں اینٹ پتھر سب دوزخ کا ایندھن ہو دونوں فرقوں کی تردید میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقبولوں کی مقبولیت ان کے پوجا کئے جانے سے کم نہیں ہو جاتی۔ کعبہ میں بت رکھ دیئے جاویں تو کعبہ کعبہ ہی رہتا ہے۔ افسوس کہ موجودہ زمانہ کے وہابی یہ فرق نہ سمجھ سکے۔ **آٹھواں فائدہ** اللہ کے سوا ہر چیز قابل فنا ہے یعنی ممکن ہے رب تعالیٰ کی ذات و صفات فنا سے وراء ہیں۔ یعنی واجب ہیں۔ یہ فائدہ **ان یهلک المسیح** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ اللہ کے سوا ہر چیز قابل فنا ہے۔ یعنی ممکن ہے مگر بعض ممکنات کو فنا نہیں وہ ابدی ہیں۔ جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور بعد قیامت جنتی لوگ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اکلها دائم** اور فرماتا ہے **خلدین فیها ابدا** یونہی دوزخ اور وہاں کے

www.alahazratnetwork.org

عذاب۔ اور بعد قیامت دوزخی لوگ کہ انہیں فنا نہیں۔ فنا کے قابل ہونا اور ہے اور فنا ہو جانا کچھ اور۔ بہرحال بہت سی مخلوق ابدی ہے کہ اسے فنا نہیں۔ مگر ماسوی اللہ کوئی چیز ازلی نہیں۔ ازلیت مخلوقیت کے خلاف ہے۔ کوئی چیز ہمیشہ سے نہیں۔ رب کے پیدا کرنے سے ہوئی۔ **نواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت شان والے ہیں۔ تمام نبیوں میں آپ کی انوکھی ہی آن ہے۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار معجزے دیکھ کر عیسائیوں نے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں معجزات دیکھ کر کسی مسلمان نے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہا سب نے عبداللہ و رسولہ ہی مانا۔ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت خداداد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کل چار مردے زندہ کیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باذن پروردگار اس سے کہیں زیادہ مردے زندہ کیے۔ دیکھو مدارج النبوت۔ لکڑی پتھروں سے کلمہ پڑھوالیا۔ ڈوبا سورج واپس کیا چاند توڑ کر جوڑ دیا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے عیسائی کافر ہیں۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ صرف بعض عیسائی کافر ہیں کل نہیں۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے **ان الذین کفروا من اهل لکتب والمشرکین** یعنی اہل کتاب اور مشرکین میں سے جو لوگ کافر ہوئے۔ **من** تبعیضیہ سے معلوم ہوا کہ بعض اہل کتاب کافر ہیں۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** اس آیت کریمہ میں **کفروا** کے معنی ہیں کافر رہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جو کتابی و مشرکین مرتے دم تک کافر رہے۔ وہ دوزخی ہیں اور جو کتابی یا مشرکین مسلمان ہو جائیں۔ وہ دوزخی نہیں **لہذا** آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام وفات پاچکے جو ان کی وفات کے منکر ہیں وہ اس آیت کے منکر ہیں جیسا کہ **یہلک المسیح** سے معلوم ہوا (مرزائی) **جواب** کوئی مسلمان یہ نہیں مانتا کہ حضرت مسیح کو موت نہیں انہیں موت ہے اور یقینی ہے مگر ابھی موت آئی نہیں قریب قیامت آوے گی۔ اس آیت میں کسی لفظ کے معنی یہ نہیں کہ انہیں موت آچکی اس آیت کا مقصد تو یہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ہو سکتی ہے۔ اور جس کی وفات ہو سکے وہ خدا نہیں۔ موت آسکنا اور ہے۔ اور موت آچکنا کچھ اور۔ لہذا آیت بالکل واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض** بعض مسلمان نبیوں ولیوں میں خدائی طاقتیں مانتے ہیں انکا عقیدہ یہ ہے۔ **شعر**۔

☆ خدا جس کو پکڑے، چھوڑالے محمد ☆ محمد جو پکڑیں چھوڑا کوئی نہیں سکتا ☆

یہ عقیدہ بالکل مشرکیہ ہے۔ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ سے بڑھا دیا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ (وہابی) **جواب** نعوذ باللہ یہ مسلمانوں پر صاف بہتان ہے۔ اس شعر کا مطلب ظاہر ہے کہ جو گنہگار مسلمان اپنے گناہوں سے رب کی پکڑ میں آجاوے اسے حضور شفیع المذنبین شفاعت کر کے رب سے معافی دلوا کر چھڑا سکتے ہیں۔ مسئلہ شفاعت بالکل برحق۔ اس آیت میں رب تعالیٰ کے مقابلہ کی نفی ہے کہ اس کا مقابل کوئی نہیں۔ شفاعت کی نفی نہیں۔ **چوتھا اعتراض** عیسائی الوہیت مسیح کے قائل ہیں۔ پھر ان کی تردید میں حضرت مریم کا ذکر کیوں ہوا۔ کہ فرمایا گیا کہ اگر

اللہ تعالیٰ مسیح ابن مریم اور ان کی ماں اور تمام جہان کو فنا کرنا چاہیے الخ **جواب** دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ ماننے سے ان کی والدہ جناب مریم کو بھی الٰہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ماں بیٹے کی جنس سے ہوتی ہے۔ بلکہ عیسائی ان میں بھی الوہیت کی صفات مانتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ ان کی والدہ ماجدہ بھی اپنے سے موت کو دفع نہیں کر سکتیں۔ تو نہ جناب مسیح الٰہ ہیں نہ جناب مریم۔ دوسرے اس لئے کہ عیسائیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے مردوں کو زندہ فرمانے کے معجزہ سے دھوکہ کھایا۔ وہ سمجھے کہ مردے زندہ کرنا رب کا کام ہے۔ اور یہ کام تو جناب مسیح علیہ السلام کرتے ہیں لہٰذا ان میں الوہیت ہے۔ ارشاد ربانی ہوا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام خود مستقل طور پر مردے زندہ نہیں کرتے۔ یہ کام رب تعالیٰ کرتا ہے۔ مگر حضرت مسیح اس کا مظہر ہو جاتے ہیں۔ اگر وہ نہ چاہے تو حضرت مسیح نہ اپنے سے موت ٹال سکتے ہیں۔ نہ اپنی والدہ سے نہ کسی اور سے۔ کیونکہ ہر شخص پہلے اپنے سے آفت دفع کرتا ہے۔ پھر اپنے عزیزوں خصوصاً اپنی ماں سے پھر دوسرے لوگوں سے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں یعقوبیہ عیسائیوں کا عقیدہ نقل فرمایا کہ وہ لوگ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ الٰہ ہرگز نہیں کہتے وہ توحید کے قائل ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو الوہیت کا محل جانتے ہیں۔ جس میں الوہیت نے سرایت کی ہے۔ پھر یہ نقل کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ الوہیت کی سرایت ماننے سے الٰہ ماننا لازم آجاتا ہے۔ پانی میں شکر حلول کرے تو یقیناً پانی کو میٹھا کہا جاوے گا یہاں ترومی قول مراد ہے۔ خیال رہے کہ بندہ رب تعالیٰ کا مظہر تو ہو سکتا ہے بلکہ ہے۔ مگر اس کا محل نہیں ہو سکتا۔ آئینہ سورج کے مقابل ہو کر سورج کا مظہر بن جاتا ہے۔ مگر سورج کا محل نہیں ہو جاتا۔ بندہ کو رب کا مظہر ماننا ایمان ہے۔ محل ماننا کفر یہ فرق خیال رہے کہ حال ہمیشہ محل کا محتاج ہوتا ہے۔ اور مظہر اصل کا محتاج ہے۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی ولی کسی چیز کے مالک نہیں قادر نہیں۔ ملکیت قدرت سب رب کی ہے۔ جیسا کہ **قل فمن یملک** الخ سے معلوم ہوا۔ جو مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک قادر مانیں وہ بھی عیسائیوں کی طرح کافر ہیں۔ **جواب** یہاں ذاتی ملکیت ذاتی عرفانی قدرت کی نفی ہے جو لازم الوہیت ہے۔ کسی بندے میں ایسی ملکیت و قدرت ماننا کفر و شرک ہے۔ اللہ کی عطا سے اس کے چاہنے سے ہم اپنے مکان و جائیداو کے مالک ہیں کہ انہیں فروخت بھی کر سکتے ہیں۔ ان کا کرایہ بھی کھا سکتے ہیں۔ بادشاہ ملک کا مالک ہے۔ حضرت سلیمان ہوا۔ جنات' انسانوں کے مالک تھے۔ رب فرماتا ہے۔ **وسخرنا له الريح تجری بامره** حضرات انبیاء کرام علیہ السلام رب کے بندے اس کے مملوک ہیں۔ مگر ہمارے آقا ہمارے مولیٰ ہیں۔ شہر کا ڈی۔ سی بادشاہ کا نوکر ہے۔ مگر ہمارا حاکم ہے ہماری ماں ہمارے باپ کی خادمہ ہے۔ مگر ہماری مخدومہ ہے۔ حضرات انبیاء علیہ السلام کو اپنی نسبت سے دیکھنا چاہیے کہ وہ ہمارے کون ہیں۔

تفسیر صوفیانہ بندے سے خدا تعالیٰ کو جاننا معرفت ہے اور بندہ میں اس کو ماننا کفر ہے۔ عیسائی اس میں اور سے میں فرق نہ کر سکے۔ مظہر کو محل مان بیٹھے کافر ہو گئے۔ رب وہ ہے جو اوپر نیچے ہونے سے پاک ہے۔ مولانا فرماتے ہیں **شعر**۔

www.alahazratnetwork.org

☆ دامن او گیر اے یار دلیر ☆

☆ کو منزہ باشد از بالا وزیر ☆

☆ نے چو عیسیٰ سوئے گردوں برشود ☆

☆ نے چوں قارون ورزمین اندر رود ☆

☆ ربی الاعلیٰ ست درو آں جہاں ☆

☆ رب اولیٰ و در خور این الہاں ☆

عیسائی آئینہ اور آئینہ دار میں فرق نہ کر سکے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئینہ جمال الٰہی تھے انہیں رب مان بیٹھے۔ لہٰذا کافر ہوئے۔ اس آیت کریمہ میں یہ ہی بیان فرمایا گیا کہ ظل اصل کے تابع ہوتا ہے۔ اصل ظل کے تابع نہیں ہوتا۔ اگر عیسیٰ علیہ السلام اصل میں اللہ ہیں تو ان کے افعال و معجزات حکم الٰہی کے تابع کیوں ہیں۔ پھر تو چاہیے تھا کہ وہ رب تعالیٰ کی مخالفت بھی کر سکیں کہ رب تعالیٰ انہیں یا ان کی ماں کو یا کسی اور کو موت دینا چاہے اسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچا لیں۔ جب یہ ناممکن ہے تو ان کا الٰہ ہونا بھی ناممکن ہے۔ شعر:۔

☆ آئینہ رونما است دے روئی شود ☆ بندہ خدا نما است وے اونمی شود ☆

بہر حال یہ آیت کریمہ معرفت الٰہی کا خزانہ ہے۔ بندہ فنافی اللہ ہو کر اللہ کے سے کام کرتا ہے۔ مگر بندہ بندہ ہے رب رب ہے۔ پانی گرم ہو کر آگ کا سا کام کرتا ہے۔ مگر پانی پانی ہے۔ آگ آگ ہے۔ کام کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ۔ اڑانے والی پتنگ ہے۔ مگر اڑنے والا وہ ہے۔ جس کے ہاتھ میں ڈور ہے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ

اور بولے یہودی اور عیسائی کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں فرمادو پس

اور یہودی اور نصرانی بولے کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں تم فرماؤ پھر تمہیں کیوں تمہارے

يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

کس نے عذاب دینا ہے تم کو بوجہ گناہوں تمہارے کے بلکہ تم انسان ہو ان میں جنہیں پیدا کیا بخشتا ہے واسطے اسکے کہ چاہے اور عذاب

گناہوں پر عذاب فرماتا ہے۔ بلکہ آدمی ہو اس کی مخلوقات سے جسے چاہے بخشتا ہے اور جسے چاہے سزا دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿۱۸﴾

دیتا ہے جسے چاہے اور اللہ ہی کا ملک آسمانوں اور زمین کا اور ان کا جو درمیان ہے ان دونوں کے اور اسی کی طرف ہے لوٹنا

اور اللہ کے لئے ہے سب سلطنت آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی اور اسی کی طرف پھرنا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اہل کتاب کے ان اعتقادات کا ذکر تھا جو جناب عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق نہیں۔ اب ان کی اس خوش فہمی کا تذکرہ ہے جو ان کو اپنے متعلق ہے۔ یعنی اللہ کا محبوب ہونا اس کا بیٹا ہونا۔ جنت کا بہر حال ٹھیکیدار ہونا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام کی عبدیت ان کے ابن مریم ہونے ان کے قابل موت ہونے ان کے امر الٰہی کے ماتحت ہونے سے ثابت کی گئی کہ جس میں یہ صفات ہوں وہ اللہ یا اللہ کا ابن نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔ اب عیسائیوں یہودیوں کا عام بشر میں سے ہونا ان پر عذاب الٰہی آنے سے ثابت فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام موت سے اپنے کو بھی نہیں بچا سکتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ جناب باوجود نبی اللہ ہونے کے عیسائی کفار کو عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتے۔ کیونکہ عیسائیوں کے متعلق رب تعالیٰ عذاب کا ارادہ فرما چکا۔ ان کے کفر و طغیان کی وجہ سے اور کوئی شخص ارادہ الٰہی کو بدل نہیں سکتا۔

شان نزول ابن جریر اور بیہقی نے دلائل **النبوت** میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نعمان ابن آصی، بحری ابن عمرو، شاش ابن عدی یہود کی جماعت حاضر ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور اسلام قبول نہ کرنے پر خدا کے عذاب سے ڈرایا۔ یہ لوگ بولے کہ ہم تو اللہ کے پیارے اللہ کے بیٹے ہیں ہم کو عذاب ہو سکتا ہی نہیں۔ آپ دوسروں کی فکر کریں انہیں عذاب سے ڈرائیں۔ اور عیسائی عموماً اپنے کو اللہ کا بیٹا اور اللہ تعالیٰ کو آسمانی باپ کہتے تھے۔ کیونکہ ایک بار حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ میں اپنے اور تمہارے باپ کے پاس جا رہا ہوں۔ اور ہم کو عذاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حضرت مسیح ہمارے گناہوں کے کفارہ میں سولی پا چکے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی، تفسیر صاوی، خازن وغیرہ)

تفسیر وقالت الیھود والنصری نحن ابنوء اللہ واحباؤہ چونکہ یہاں یہود و نصاریٰ سے ان کی جماعتیں مراد ہیں اور جماعت مونث ہے۔ اس لئے **قالت** مونث ارشاد ہوا۔ جب فاعل جمع مکسر ہو تو فعل مذکر کا صیغہ بھی آ سکتا ہے۔ اور مونث کا بھی جیسے **قالت لھم رسلھم** اور جیسے **وقال نسوۃ فی المدینۃ** یہاں قول سے مراد یا تو زبانی دعویٰ ہے۔ یا دلی اعتقاد۔ یہود و نصاریٰ سے مراد یا تو وہی جماعت ہے جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر یہ دعویٰ کیا تھا یا اس زمانہ کے سارے یہودی عیسائی یا ان کے سارے اولین و آخرین تاقیامت ہونے والے۔ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ تمام عیسائیوں، یہودیوں کا یہ ہی عقیدہ ہے **ابناء** جمع ہے ابن کی۔ ابن کے معنی ہوتے ہیں بیٹا۔ مگر یہاں بمعنی اولاد ہے کیونکہ ان کے مرد تو اپنے کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور کہتے ہیں اور ان کی عورتیں اپنے کو اللہ کی بیٹیاں کہتی ہیں **ابنو اللہ** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہاں مضاف پوشیدہ ہے۔ یعنی **انبوا انبیاء اللہ** ہم اللہ کے نبیوں کے

www.alahazratnetwork.org

بیٹے ہیں۔ چونکہ یہ لوگ عیسائی و یہودی بنی اسرائیل تھے اور اولاد انبیاء اس لئے ان کا یہ دعویٰ تھا۔ یا یہود تو حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کو بیٹا کہتے ہیں اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں اور یہودی اپنے کو حضرت عزیر کا کنبہ سمجھتے ہیں۔ عیسائی اپنے کو جناب مسیح علیہ السلام کا قریبی عزیز سمجھتے ہیں اور بیٹے کے پیارے بھی گویا بیٹے ہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اپنے کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ کلمہ مجاز ہو۔ یعنی ہم خداوند تعالیٰ سے ایسا قرب رکھتے ہیں۔ جیسا بیٹا باپ سے بہر حال یہ دونوں جماعتیں اپنے کو حقیقۃً خدا کا بیٹا نہیں مانتیں۔ بلکہ یہودی صرف حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی صرف عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان کی اس بکواس کی تردید میں اپنا اولاد و ماں باپ سے پاک ہونے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ دوسرے طریقہ سے ان کی تردید کی۔ خیال رہے کہ توریت و انجیل میں خدا تعالیٰ کو آسمانی باپ اور مخلوق کو خدا کی اولاد کہا گیا ہے اور بنی اسرائیل عموماً اپنے کو خدا کی اولاد کہتے تھے۔ اور خدا تعالیٰ کو آسمانی باپ کہہ کر پکارتے تھے اور پکارتے ہیں۔ باپ ۔ بمعنی مربی اور اولاد ۔ بمعنی مربوب اس معنی سے یہاں **ابناء اللہ** ارشاد ہوا۔ اب بھی عرب میں دنیاداروں کو **ابناء الدنیا** اور دینداروں کو **ابناء الاخرۃ** کہا جاتا ہے۔ **احباء** جمع ہے حبیب کی ۔ بمعنی محبوب یا ۔ بمعنی محب یہ یا تو عطف تفسیری ہے۔ جو ابناء کو بیان فرما رہا ہے۔ یا مطلب یہ ہے کہ ہم خدا کے بیٹے بھی ہیں پیارے بھی نالائق عاق بیٹے نہیں۔ جس سے باپ ناراض ہو۔ **قل فلم یعذبکم بذنوبکم** یہ عبارت ان کے دعووں کی تردید ہے۔ **قل** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ **یعذب** یا تو ۔ بمعنی دوام و استمرار ہے یا ۔ بمعنی حال یا ۔ بمعنی استقبال۔ **ب** سببیہ ہے **ذنوب** جمع ہے **ذنب** کی ۔ بمعنی گناہ اس سے جسمانی و جنانی سارے گناہ مراد ہیں یعنی بدعملیاں اور بدعقیدگیاں۔ بدعملیوں میں حقوق الٰہی حقوق العباد چھوٹے بڑے گناہ سب شامل ہیں۔ یعنی اے محبوب یا اے مسلمان تم ان کو جواب یہ دو کہ اگر تم اللہ کے پیارے بیٹے ہو تو رب تعالیٰ تم کو دنیا میں عذاب کیوں دیتا رہا کہ تم گزشتہ زمانہ میں اپنی حرکتوں کے سبب بندر سور بنے۔ تم پر پتھر برسے اور قسم قسم کے آسمانی عذاب آئے۔ یا تم کو اب ہمارے ہاتھوں کیوں عذاب دے رہا ہے۔ کہ تم ہمارے ہاتھوں قتل، قید، جلاوطن ہوتے ہو۔ تم پر جزیہ قائم ہوتا ہے۔ یا تم کو آخرت میں کیوں عذاب دے گا۔ تم خود کہتے ہو کہ ہم یہودی چالیس دن دوزخ میں رہیں گے۔ کیونکہ ہم نے اتنی مدت بچھڑا پوجا تھا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اگر تم خدا کے پیارے بیٹے یعنی اس کے نہایت فرمانبردار بندے ہو تو تم ہمیشہ ایسے گناہ ایسی حرکتیں کیوں کرتے رہے۔ کہ تم پر عذاب آتے رہے۔ بچھڑے کی پوجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت سے بہتان حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل جناب مسیح کی سولی۔ حضرت مریم کو تہمت لگانا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہنا۔ کونسا وہ جرم ہے جو تم نے نہ کیا۔ ایسی حرکتیں کرو پھر بھی خدا کے پیارے بیٹے بنے رہو یہ عجیب محبوبیت ہے۔ **بل انتم بشر ممن خلق** یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے۔ یعنی **لیس الامر کذلک** بات یہ نہیں بلکہ تم عام مخلوق میں سے ایک مخلوق ہو۔ عام انسانوں میں انسان ہو۔ انسانیت کے سواء تم میں

www.alahazratnetwork.org

اور کوئی خصوصی امتیاز نہیں۔ یہاں بشر موصوف ہے۔ اور **ممن خلق** کائن کے متعلق ہو کر اس کی صفت ہے۔ یہ مختصر سی عبارت ان کے دعویٰ کی پر زور تردید ہے۔ یہاں دو چیزیں خیال میں رہیں۔ ایک یہ کہ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب بالذات ہیں۔ ان کی محبوبیت کسی شرط یا عمل پر موقوف نہیں۔ دوسرے لوگ محبوب بالعرض ہیں۔ نبی کے واسطہ سے محبوب کہ جو ان کا مطیع ہو وہ رب کا محبوب ہو جاوے۔ **فاتبعونی یحببکم اللّٰہ** جیسے اپنا بیٹا ہم کو محبوب بالذات ہے اور اس کے دوست ہم کو محبوب بالعرض۔ بیٹے کی وجہ سے فرمایا گیا کہ نہ تو تم لوگ نبی ہو کہ محبوب بالذات ہو نہ تم حضرات انبیاء کے مطیع تاکہ محبوب بالعرض ہو جاؤ۔ جب کچھ بھی نہیں تو تم محبوب نہیں ہو صرف دوسری مخلوق کی طرح 'بشر مخلوق ہو۔ 'لہٰذا بل فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم میں بشر کہنے کی تین نوعیتیں ہیں۔ انتہائی تعظیم کے لئے بشر کہنا جیسے **الی خالق بشرا** یعنی رب تعالیٰ کے ہاتھ کی بنائی ہوئی مخلوق مباشرت بالید سے بنا۔ فرمایا گیا۔ **خلقت بیدی** دوسرا تواضع انکسار کے لئے بشر کہنا۔ جیسے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے کو بشر کہا **انا بشر مثلکم** تیسرے اہانت کے لئے بشر کہنا جیسے شیطان نے کہا تھا **ما کنت لاسجد لبشر** یہاں اہل کتاب کو بشر فرمانا ان کی اہانت کے لئے ہے۔ یعنی تم میں سوا بشریت کے اور کوئی کمال نہیں۔ متقی مومن بنو گے بخشے جاؤ گے۔ ورنہ سزا پاؤ گے **یغفر لمن یشاء ویعذب لمن یشاء** یہ عبارت پچھلے مضمون کی دلیل ہے یعنی دیگر انسانوں کی طرح تم بھی عام انسان ہو۔ تم میں مومن بھی ہیں۔ کافر بھی' متقی بھی ہیں اور فاجر بھی۔ اللہ تعالیٰ تم میں سے مومنوں کو بخشے گا۔ کافروں کو سخت عذاب دے گا۔ متقیوں کو بخشے گا۔ فاجروں کو اگر چاہے گا بخش دے گا۔ چاہے گا تو گناہوں کی سزا دے گا۔ خیال رہے کہ مغفرت رب تعالیٰ کو محبوب ہے۔ اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ تم میں سے مومن گنہگاروں کو جنہیں چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے گا سزا دے گا یہ مطلب نہیں کہ مومن متقیوں کو چاہے گا۔ تو بخشے گا۔ چاہے گا تو بلاوجہ سزا دے گا۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **وللّٰہ ملک السموت والارض وما بینھما والیہ المصیر** اس آیت کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے کہ **للّٰہ** میں لام ملکیت کا ہے اور یہاں عالم اجسام کا ذکر ہے جو آسمان و زمین اور ان کی درمیانی چیزوں کا نام ہے دوسرے عالم جیسے عالم انوار' عالم ارواح' عالم امر کا یہاں ذکر نہیں اس فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ ہر شخص اپنے کو اللہ تعالیٰ کی طرف ملکیت۔ عبدیت سے نسبت کرے۔ یہ کہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے مملوک ہیں۔ اس کی مخلوق ہیں اس کے قبضہ میں ہیں اس کے عابد ہیں۔ کہ انسان کی عزت اسی میں ہے۔ کوئی اپنے کو رب کا بیٹا اس کا بھائی بھتیجا نہ کہے۔ تم سب یہاں اس کی مملوک و مخلوق ہو۔ اور سب کو وہاں اس کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسے اپنے عقائد' اعمال' اقوال کا حساب دینا ہے تو یہاں اپنے اعمال و اقوال کو درست کرو۔ مقصد یہ ہے کہ کسی کی پکڑ سے بچنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ زور سے بچا جاوے۔ یا زر سے یا زاری سے۔ اللہ تعالیٰ مالک الملک ہیں۔ قادر مطلق ہیں۔ اس کی پکڑ سے بچنے کے لئے زور یا زر کام نہیں آسکتے وہاں صرف زاری کام آتی ہے۔ **شعر:-**

www.alahazratnetwork.org

☆ زور راگذار زاری راگیر ☆ رحم سوئے زاری آید اے فقیر ☆

خلاصہ تفسیر یہود و نصاریٰ جہاں اور بہت سی بے دینیوں۔ گمراہیوں' کفریات میں مبتلا ہیں وہاں وہ اپنے متعلق اس خوش فہمی میں بھی مبتلا ہیں کہ ہم کو اچھے عقائد اچھے اعمال کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ہم جو چاہیں اعمال کریں۔ جنت ہماری ہے۔ کیونکہ ہم خدا کے محبوب بیٹے بیٹیاں ہیں۔ اس لئے کہ ہم خدا کے بیٹے کے گروہ اس کے خاندان سے ہیں۔ یہود کہتے ہیں کہ عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ ہم ان کے خاندان سے ہیں۔ عیسائی سمجھے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں۔ ہم ان کے خاندان سے ہیں۔ ہم کو رب تعالیٰ نہ پکڑے گا۔ نہ عذاب دے گا' اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانوں تم ان کو جواب دو کہ اگر تم خدا کے پیارے بیٹے ہو کسی گناہ پر تمہیں کوئی عذاب نہ ہو گا۔ بہر حال جنتی ہو تو تم پر گزشتہ زمانوں میں تمہاری بد اعمالیوں کی وجہ سے دنیا میں آسمانی عذاب کیوں آئے حتیٰ کہ تم ایک زمانہ میں بندر سور بنا کر ہلاک کر دیئے گئے۔ اور اب تم پر عذاب الٰہی کیوں آ رہے ہیں کہ تمہاری بدکاریوں کی وجہ سے سلطنت تم سے چھنی۔ عزت تمہاری ختم ہوئی۔ دوسری قوموں کے دست نگر تم بنا دیئے گئے۔ اور آخرت میں بھی تم دوزخ میں کیوں جاؤ گے۔ تم خود کہتے ہو کہ یہود چالیس دن دوزخ میں رہیں گے۔ دنیاوی اخروی عذابوں کا تم پر آنا تمہارے اس دعویٰ کو باطل کرتا ہے۔ لہٰذا تمہارا یہ قول محض غلط ہے عام مخلوق کی طرح تم بھی انسانی مخلوق ہو۔ لہٰذا اگر تم نیک بنو۔ نیک رہو تو بخشے جاؤ گے۔ بد ہو گے سزا پاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ پر کسی کا دعویٰ نہیں۔ وہ مالک و مختار ہے۔ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی تمام چھوٹی بڑی چیزیں اس کی مخلوق اس کی مملوک ہیں۔ اس کے قبضہ میں ہیں۔ تم حیلے بہانے نہ بناؤ ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ۔ آخر کار تمہیں اس کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں کوئی بہانہ نہ بنا سکو گے آج اپنے کو محبوب بیٹا نہ سمجھو۔ گنہگار بندہ سمجھو توبہ کرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کے لئے ایسے الفاظ استعمال نہ کئے جاویں جن کے اچھے معنی بھی ہوں برے معنی بھی۔ لہٰذا اسے باپ میاں' جی نہ کہو کہ باپ مربی کو بھی کہتے ہیں اور اسے بھی جس کے نطفے سے پیدائش ہو۔ یہ فائدہ **ابنوا اللہ** سے حاصل ہوا۔ عام مسلمان اللہ میاں کہتے ہیں۔ یہ ممنوع ہے کیونکہ میاں مالک کو بھی کہتے ہیں۔ خاوند کو بھی' عیسائی یہودی اپنے کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے تو اللہ کو اپنا باپ کہتے تھے۔ وہ اس کے مجرم تھے۔ دوسرا فائدہ کوئی شخص ایمان و نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ کسی درجہ کا انسان ہو ایمان کا بھی حاجت مند ہے۔ اور نیک اعمال کا بھی۔ آج کل بعض محبت اہل بیت کے مدعی اور بعض جاہل بے دین پیر فقیر اس دھوکے میں ہیں۔ کہ حضرت حسین شہید ہو کر ہمارے گناہوں کا کفارہ دے گئے۔ ہم علی کے حسین کے یا غوث پاک کے ملنگ ہیں ہم کو اعمال کی کیا ضرورت ہے۔ یہ خیال کافر ہے۔ اور ایسے خیال والا کفر ہے۔ یہ وہی عیسائیوں والا عقیدہ ہے کہ مسیح علیہ السلام

www.alahazratnetwork.org

کی صولی ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو گئی۔ جب ہر شخص جسمانی زندگی کے لئے دھوپ' آسمان' زمین' غذا' پانی' ہوا کا حاجت مند ہے۔ تو روحانی زندگی کے لئے خدا اور رسول کی اطاعت سے بے نیاز کیسے ہو سکتا ہے۔ ہم نے آج تک کوئی محب حسین یا کوئی پیر فقیر ایسا نہ دیکھا جو بغیر سانس لئے بغیر کھائے پئے بغیر زمین پر رہے۔ بغیر آسمان کے سایہ کے زندہ رہے۔ اسلام روحانی زمین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمانی رحمت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گویا سانس ہے۔ جس کی ہر وقت ضرورت ہے۔ نماز و روزہ وغیرہ آسمانی غذائیں ہیں۔ جو اپنے اپنے وقت پر استعمال کی جاتی ہیں۔ ہم تو مر کر بھی اللہ کی بندگی حضور کی امت سے نہیں نکل سکتے۔ تیسرا فائدہ دنیاوی عذاب بلکہ دنیاوی تکلیف بندگی کی دلیلیں ہیں نافرمان عیسائیوں' یہودیوں پر بارہا آسمانی عذاب آئے۔ معلوم ہوا کہ وہ بھی بندے ہیں۔ بلکہ دنیاوی پریشانیاں و تکلیف بندہ بنا دیتی ہیں۔ فرعون عیش و آرام میں رہ کر خدا بن بیٹھا۔ جب ڈوبنے لگا تو بندہ بنا بولا **قال امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل** یہ فائدہ **فلم یعذبکم** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ نافرمانی کر کے اپنے کو رب کا محبوب جاننا حماقت ہے۔ محبوبیت اور محبیت کی علامت اطاعت ہے۔ شعر:۔

☆ **تعصی الرسول وانت تظهر حبه** ☆ **هذا العمری فی الفعال بدیع** ☆

☆ **لو کان حبک صادقا لا طعته** ☆ **ان المحب لمن یحب مطیع** ☆

حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔ شعر:۔ ت

☆ ہر کہ سیمائے راستاں دارد ☆ سر خدمت بر آستاں دارد ☆

حضرات انبیائے کرام علیہم السلام رب کے محبوب اور اس کے اعلیٰ درجے کے مطیع ہیں۔ بلکہ اطاعت سے محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ ہاں کبھی محبوبیت سے اطاعت نصیب ہوتی ہے۔ حضرت مریم پیدائشی محبوبہ رب العالمین تھیں۔ تو انہیں اطاعت بھی علی الکمال میسر ہوئی پانچواں فائدہ بغیر ایمان و عمل اچھا نسب محض بے کار ہے۔ کافر کے لئے نسب سے کچھ فائدہ نہیں۔ نہ اس کے لئے نبی کی اولاد ہونا فائدہ مند یہ فائدہ **بل انتم بشر ممن خلق** سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ان بنی اسرائیل کو جو نبیوں کی اولاد تھے۔ محض بشر فرمایا۔ ان کی تمام فضیلتوں کی نفی فرمادی۔ کنعان نبی زادہ تھا مگر کفار کے ساتھ ڈوبا۔ کیونکہ خود کافر تھا۔

پہلا اعتراض یہودی صرف عزیر علیہ السلام کو عیسائی صرف عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ اپنے سارے لوگوں کو نہ خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ نہ کہتے ہیں پھر قرآن کریم کا یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ یہود و نصاریٰ اپنے کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ کہ یہ لوگ پیدائش کے لحاظ سے صرف ان دو حضرات کو ہی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ مگر دوسرے معنی سے اپنے کو خدا کا بیٹا بتاتے تھے۔ یعنی ہم خدا تعالیٰ کو بیٹے کی طرح پیارے ہیں۔ یا ہم خدا کے بیٹے عزیر یا عیسیٰ علیہ السلام کے کنبے ہیں۔ لہٰذا گویا اس کے بیٹے ہی ہیں۔ وہاں حقیقتاً بیٹا مراد ہے اور یہاں مجازی بیٹا مراد۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض اگر دنیاوی تکالیف بندے کی محبوبیت کے خلاف ہیں۔ تو نبیوں ولیوں کو یہ تکالیف کیوں پہنچتی ہیں۔ وہ تو رب تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔ پھر **فلم یعذبکم** درست کیسے ہوا۔ پھر یہود و نصاریٰ اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے تھے۔ کہ ہم کو دنیاوی تکالیف ایسے ہی پہنچیں جیسے حضرات انبیاء کرام کو پہنچیں۔ حالانکہ وہ محبوب بندے ہیں۔ ایسے ہی ہم کو بھی محبوب ہیں اور ہم کو یہ تکالیف پہنچیں۔ لہٰذا یہ دلیل مکمل کیسے ہوئی۔ **جواب** یہاں تکالیف کا ذکر نہیں بلکہ دنیاوی اور اخروی عذابوں کا ذکر ہے جیسے دنیا میں صورتیں مسخ ہونا۔ آسمان سے پتھر برسنا جنہیں خود یہود بھی عذاب کہتے تھے۔ یوں ہی آخرت میں چالیس دن دوزخ میں رہنا جس کے یہود بھی قائل تھے۔ یونہی یہود کو دنیاوی عزت و عظمت سے محروم کر دیا جانا۔ باوجودیکہ وہ اولاد انبیاء ہیں۔ یہ وہ عذاب ہے جن سے ان کی مردودیت ثابت ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے یہاں تو یہود کو **بشرا ممن خلق** فرمایا۔ اور ان کے تمام کمالات کی نفی فرما دی۔ مگر دوسری آیت میں یہود کے متعلق ارشاد ہوا۔ **وانی فضلتکم علی العلمین** میں نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس آیت کریمہ میں موجودہ یہودیوں سے خطاب ہے۔ جو بد عقیدہ بد عمل بے دین ہو چکے تھے۔ اور تمہاری پیش کردہ آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے وہ یہود مراد ہیں۔ جو صحیح العقیدہ اور نیک اعمال والے تھے۔ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے تھے۔ اس زمانہ میں وہ یہود اپنے وقت میں تمام جہان سے افضل تھے۔ لہٰذا دونوں آیتوں میں کوئی تعارض نہیں۔ مومن کے لئے شرافت نسبی مفید ہے۔ کافر کے لئے بالکل بیکار۔ اب بھی جو اہل کتاب مسلمان ہو جاوے تو اسے دوسرے نو مسلموں سے دوگنا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کے ہاں قانون کوئی نہیں۔ جسے چاہے بخش دے۔ جسے چاہے پکڑ کر سزا دے دے۔ یہ تو بڑے اندھیر کی بات ہے کہ چاہے تو بے گناہ مسلمان کو نرک (دوزخ) میں جھونک دے۔ چاہے تو کافر بدکار کو **بیکنٹھ** (جنت) میں بھیج دے۔ اس سے بڑھ کر مسلمانوں کے خدا کا ظلم کیا ہو سکتا ہے (ستیارتھ پرکاش) **جواب** پنڈت جی نے آیت سمجھی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ جس مجرم کو چاہے اپنے فضل و کرم سے بخش دے۔ کیونکہ وہ رحیم ہے اور جس مجرم کو چاہیے سزا دیدے کیونکہ وہ مقسط یعنی عدل والا ہے۔ مجرم کو سزا دینا اس کا عدل ہے۔ بخش دینا اس کا فضل ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ بے گناہوں کو سزا دے دے۔ سزا یا عذاب کہتے ہی اسے ہیں جو مجرم کو جرم کی عوض دی جاوے بے قصور کو سزا دینا ظلم ہے۔ **وما انا بظلام للعبید** اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم نہیں فرماتا۔ اسلام میں آریوں کی سی سختی نہیں کہ بخشش کوئی چیز ہی نہ ہو۔ **پانچواں اعتراض** ایک حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان جو چاہیں کریں۔ وہ جنتی ہو چکے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے جب بندہ قرب حق حاصل کر لیتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا۔ ان دونوں **حدیثوں** میں وہ ہی کہا گیا جو یہاں یہود و نصاریٰ کا عقیدہ بیان ہوا۔ اگر عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو چاہیں کریں۔ اگر مقبول بندہ جو چاہے کرے وہ جنتی ہے تو کتابی کہہ سکتے ہیں کہ ہم جو چاہیں کریں جنتی ہیں۔ ان **حدیثوں**

www.alahazratnetwork.org

میں اور عیسائیت میں کیا فرق ہے (منکرین حدیث) جواب اس اعتراض کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ ان احادیث میں ان حضرات کو گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔ بلکہ گناہوں سے حفاظت ہے۔ جن کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات **بفضلہ** تعالیٰ گناہ نہ کریں گے کہ رب تعالیٰ کی حفاظت میں آئے گا جیسے پرندے کے پر کاٹ کر اس کو کہا جائے۔ اب اڑ تا پھر۔ اب وہ اڑے کس چیز سے۔ چنانچہ اس خبر کے بعد حضرت عثمان نے کوئی گناہ نہیں کیا۔ کتابی لوگ تو کفار تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ پھر کہتے تھے کہ ہم جنتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ سعید وہ ہے جو کرے اور ڈرے۔ شقی و بدبخت وہ ہے جو نہ کرے اور اکڑے۔ **مومن** ہر طرح ہر وقت نیکی کرتا ہے۔ پھر ڈرتا ہے۔ کہ میری کسی حرکت سے یہ نیکیاں برباد نہ ہو جائیں۔ **کافر** نیکی نہیں کرتا۔ پھر بھی اکڑتا ہے۔ کہ فلاں کی اولاد سے ہوں۔ میں دوزخ میں نہیں جا سکتا۔ مذکورہ یہود و عیسائی شقی تھے جو کفر شرک ہر قسم کی بدکاریاں کرتے تھے۔ اور کہتے تھے ہم اللہ کے پیارے بیٹے ہیں۔ جیسے بیٹا کیسا ہی قصور کرے مگر رہتا ہے بیٹا باپ کی مہربانی کا مستحق، کیچڑ لگ جانے سے نسب ختم نہیں ہوتا۔ ہم گناہ کر لیں تو ہماری محبوبیت میں فرق نہیں پڑتا۔ یہ وہ دھوکہ تھا جس نے ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ یا رب العالمین نے دنیا کو آخرت کا نمونہ بنایا ہے۔ یہاں کے حالات دیکھو وہاں کا پتہ لگاؤ۔ جب یہاں دنیا میں تم پر تمہاری بدکاریوں کی وجہ سے عذاب آ گئے۔ تو وہاں بھی عذاب آئیں گے۔ تم اپنے کو خدا کا بیٹا پیارا نہ سمجھو بلکہ مجرم بندہ سمجھ کر توبہ کرو۔ رب کے ہاں محض نسب نہیں دیکھا جاتا ایمان و عمل کی پرستش ہے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس غلط خوش فہمی سے بچائے۔ توبہ کی توفیق دے۔ اے مسلمان خیال رکھ کہ دنیا میں بار بار نہیں آنا جو کرنا ہے کر لے حضرت بلھے شاہ قصوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ نت نت کیسی استغفار ☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆
☆ ایس وطن دا ایک ہی پھیرا ☆ مڑ نہیں آونا دوجی بار ☆
☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆

☆ قرآن کتاباں چاروں نیر ☆ کردے چانن وچ انھیر ☆
☆ بلھے پھیرے دل کا پھیر ☆ پھر کر توبہ استغفار ☆
☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆

☆ بلھے شاہ دی سنو حکایت ☆ جس کا مرشد شاہ عنایت ☆
☆ مرشد ملیا ہوئی ہدایت ☆ مرشد کر گیا بیڑا پار ☆
☆ توبہ کر لے ایک ہی بار ☆

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ

اے کتابیو بے شک آئے تمہارے پاس ہمارے رسول جو بیان کرتے ہیں واسطے تمہارے اوپر بند

اے کتاب والو بے شک تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے کہ تم پر ہمارے احکام ظاہر فرماتے ہیں بعد اس

اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ

ہو جانے رسولوں کے یہ کہ کہو تم نہیں آیا ہمارے خوشخبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا پس بے شک آگیا تمہارے

کے کہ رسولوں کا آنا مدتوں بند رہا۔ کہ کبھی کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوشی اور ڈر سنانے والا نہیں آیا تو یہ خوشی اور

وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

پاس خوشخبری دینے والا اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

ڈر سنانے والے تمہارے پاس تشریف لائے اور اللہ کو سب قدرت ہے۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اہل کتاب کے غلط دعویٰ عزت اور بیہودہ دعویٰ محبوبیت کا ذکر ہوا۔ اب سچی عزت اور صحیح محبوبیت الٰہی کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان حضور کی اطاعت و فرمانبرداری گویا کتابیوں کی غلطیوں کا ذکر پہلے ہوا۔ اصلاح اب فرمائی جارہی ہے کہ اولاد انبیاء ہونا خدا کا محبوب نہیں بنا دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہونے سے محبوبیت خداوندی نصیب ہوتی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کے عذابوں و سزاؤں کا ذکر تھا۔ اب وہ طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ جس سے گناہ معاف ہوں۔ عذاب سے نجات ملے۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں پناہ لینا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب دے۔ اب بخشش و عذاب کے استحقاق کے ذریعہ کا ذکر ہے کہ حضور سے دور رہنا عذاب الٰہی کا ذریعہ ہے اور حضور سے قرب بخشش حاصل کرنے کا ذریعہ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

شان نزول حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت معاذ ابن جبل، سعد ابن عبادہ، عقبہ ابن وہب نے دو یہود راہبوں سے کہا جن کا نام رافع ابن حرملہ اور وہب ابن یہودا تھا کہ اے رافع اور اے وہب تم لوگوں نے زمانہ جاہلیت میں ہم لوگوں کو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی اور تم نے ہم سے نبی پاک کے اوصاف حمیدہ بیان کر کے ہم کو حضور کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مدینہ میں تشریف لے آئے اور تمہاری بتائی ہوئی علامات سے ہم نے حضور کو جانا پہچانا اور ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔ حیرت در حیرت ہے کہ تم لوگ حضور پر ایمان کیوں نہیں لائے۔ ارے اللہ سے ڈرو۔ حضور پر ایمان لاؤ یہی تو وہ نبی ہیں۔ جن کی خبر تم نے

www.alahazratnetwork.org

ہم کو دی تھی۔ وہ دونوں بولے کہ ہم نے تم کو اس بارے میں کوئی خبر نہیں دی تھی اور بولے کہ ہماری کتب میں نبی آخر الزمان کے متعلق کوئی خبر نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے بعد کوئی نبی نہیں آیا۔ کوئی بشیر و نذیر نہیں آیا۔ رب تعالیٰ نے ان کے بعد نبوت جاری نہیں رکھی۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن) ضد میں ان بدنصیبوں نے یہ کہا ورنہ یہ بکواس تو ان کے عقائد کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ یہود حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی مانتے ہیں۔ زبور شریف کو آسمانی کتاب تسلیم کرتے ہیں حالانکہ داؤد علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بہت عرصہ بعد ہوئے۔

تفسیر یااھل الکتب یہاں ندا یا اظہار غضب کے لئے ہے یا اظہار کرم کے لئے۔ یا غافلوں کو بیدار فرمانے کے لئے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کہ اظہار غضب کے لئے ہے۔ کیونکہ وہ اہل کتاب عناد و بغض کی وجہ سے حضور کی نبوت کے انکاری تھے۔ اہل کتاب سے مراد یا تو صرف یہود ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے یا یہود و عیسائی دونوں۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے۔ کہ قرآن کریم میں الفاظ کے عموم کا لحاظ ہوتا ہے نہ کہ خصوصی شان نزول کا اگرچہ اہل کتاب عقیدۃً مشرک و کافر تھے انہیں مشرکین و کافرین کے لفظ سے خطاب ہونا چاہیے تھا۔ مگر چونکہ ان کو اللہ کے سچے نبیوں سچی کتابوں سے نسبت تھی۔ اگرچہ جھوٹی و غلط نسبت ہی سہی۔ اس نسبت کا احترام کرتے ہوئے انہیں کافر یا مشرک کے بجائے اہل کتاب کے لفظ سے خطاب ہوا۔ اہل کتاب کے معنی ہیں کتاب کو جاننے والے یا کتاب آسمانی کو ماننے والے۔ پہلی صورت میں کتابیوں کے پوپ و پادریوں سے خطاب ہے۔ دوسری صورت میں عام کتابیوں سے دوسرے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ **قد جاءکم رسولنا** چونکہ مدینہ کے اہل کتاب مشرکین و کفار کی طرح محمد ابن عبداللہ کی تشریف آوری تو مانتے تھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے منکر تھے یا حضور انور کی ولادت کے تو قائل تھے۔ مگر حضور کی تشریف آوری آپ کی بعثت کے انکاری تھے۔ اس لئے اس مضمون کو تاکیدی **قد** سے شروع فرمایا گیا۔ حضور کی ولادت اور تشریف آوری یعنی بعثت کا فرق ہم ابھی کچھ پہلے بیان کر چکے ہیں۔ حضور کی تشریف آوری نبوت کے لحاظ سے ساری مخلوق کی طرف ہے۔ دعوت کے لحاظ سے سارے انسانوں کی طرف اور کتب آسمانی کی تصدیق کے لحاظ سے سارے مومنین اہل کتاب کی طرف اور پوپ پادریوں کے چھپائے ہوئے مسائل بدلی ہوئی آیات کو ظاہر فرمانے کے لحاظ سے کفار اہل کتاب کی طرف ہے۔ یہاں چوتھی حیثیت کا ذکر ہے۔ اس لئے خصوصی طور پر کتابیوں کو مخاطب کر کے فرمایا **قد جاءکم** کیونکہ آگے حضور کی صفت بیان کا ذکر ہے۔ جیسے سورج نورانیت دینے کے لئے سارے عالم پر طلوع کرتا ہے۔ اور دانہ پکانے کے لئے باغوں پر پھل پکانے پھول پکانے کے لحاظ سے باغوں پر گندی زمین کو خشک کر کے پاک بنانے کے لئے ناپاک زمین پر۔ لعل بنانے کے لئے بدخشاں کے پہاڑوں پر طلوع کرتا ہے۔ لہٰذا اس کا ایک طلوع عام ہے۔ باقی چند طلوع خاص۔ پھر جیسے سورج کے غروب سے اس کا طلوع یعنی چمکنا اور ظہور ختم ہو جاتا ہے۔ اس کا وجود ختم نہیں ہوتا۔ یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے حضور کا ظہور ختم ہوا۔ آپ کا وجود یا نبوت ختم نہ ہوئی۔ ہم موت سے فنا ہو

www.alahazratnetwork.org

جاتے ہیں حضرات انبیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ وفات ہم سے چھپ گئے وہاں فنا نہیں بہرحال یہاں صرف اہل کتاب سے خطاب فرمایا کہ تمہارے پاس یہ رسول تشریف لائے۔ بالکل مناسب ہے چونکہ ان اہل کتاب نے حضور کو رسول نہیں مانا اور حضور سے فیض نہ لیا اس لئے **رسولکم** نہ فرمایا بلکہ **رسولنا** ارشاد ہوا۔ مسلمانوں نے حضور کو مانا۔ حضور سے سب کچھ لیا۔ لہٰذا ان کے متعلق **رسولکم** بھی ارشاد ہوا۔ اور **من انفسکم** بھی۔ **یبین لکم** یہ عبارت **رسولنا** سے حال ہے۔ **یبین** بنا ہے۔ **یبین** سے ۔ معنی آہستہ آہستہ ظاہر کرتے رہنا یا خوب ہی ظاہر فرمادینا۔ اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی ان پادریوں کی چھپائی ہوئی آیات۔ چھپائے ہوئے توریت و انجیل کے احکام بدلا ہوا دین وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ سارے شرعی احکام غیبی خبریں مراد ہوں۔ چونکہ ان چیزوں کا بیان فرمانا ان کے لئے ہی مفید تھا۔ اس لئے **لکم** فرمایا گیا۔ لام نفع کا ہے۔ یعنی وہ محبوب تم لوگوں کے لئے آیات انجیل و توریت تمہارے لئے بدلے ہوئے احکام تمہارے چھپائے ہوئے سچے عقیدے یا دین کے سارے احکام رب تعالیٰ کی ذات و صفات غرض کہ جو چیزیں پردہ غیب میں چھپی ہوئی تھیں سب کی سب خوب بیان فرماتے رہتے ہیں۔ **علی فترۃ من الرسل** یہ عبارت جاء کے متعلق ہے۔ **علی** کے بعد **حین** پوشیدہ ہے۔ **من الرسل کائنۃ** کے متعلق ہو کر **فترۃ** کی صفت ہے **فترت** بنا ہے **فتر**۔ یا **فتور** سے۔ اس کے لغوی معنی ہیں بند ہو جانا۔ ہلکا پڑ جانا۔ ٹھہر جانا کہا جاتا ہے **فتر بشئی ای سکنت** اردو میں بھی کہا جاتا ہے۔ عقل میں فتور آگیا۔ فلاں قوم میں فتور پڑ گیا۔ اصطلاح میں فترت دو نبیوں کے درمیان کے زمانہ کو کہتے ہیں جبکہ پہلے نبی کے احکام دنیا سے منقطع ہو جاتے تھے۔ دین سست و ہلکا پڑ جاتا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے تک کے زمانہ کو زمانہ فترت کہتے ہیں اور اس زمانہ کے لوگوں کو اصحاب فترت کہا جاتا ہے۔ وہی یہاں مراد ہے۔ یہ زمانہ قریباً چھ سو سال کا ہے۔ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک ۵۶۹ء (پانچ سو انہتر عیسوی) میں ہے۔ جن مفسرین شارحین نے چھ سو سال کہے ہیں وہ تقریبی ہیں۔ اس زمانہ کے لوگوں کو صرف عقیدہ توحید کافی تھا۔ اتنے عرصہ میں دنیا میں کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا **لیس بینی وبینہ نبی** میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں۔ وہ جو روایت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد چار رسول آئے۔ تین تو وہ جو عیسیٰ علیہ السلام نے خود بھیجے **اذ ارسلنا علیہم اثنین** پھر فرماتا ہے **وعززنا بثالث** اور چوتھے رسول خالد ابن سنان جو قبیلہ بنی عبس سے ہیں اور عربی ہیں۔ وہاں رسول سے مراد لغوی پیغام بر یا ہادی ہیں۔ خالد ابن سنان کی بیٹی حضور کی خدمت میں حاضر ہو کر ایمان لائی (تفسیر روح المعانی) اس زمانہ میں تمام عالم میں تاریکی ہی رہی۔ نور نبوت بالکل ختم ہو چکا تھا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سے قیامت تک کبھی زمانہ فترت نہ آئے گا۔ کیونکہ نہ تو حضور کے بعد کوئی نیا نبی ہے۔ اور نہ حضور کی تعلیم دنیا سے غائب ہو گی۔ بلکہ علماء اولیاء اللہ کے ذریعہ ہمیشہ آپ کا دین تابندہ رہے گا۔ اور حضور کی

www.alahazratnetwork.org

نبوت کے فیوض جاری رہیں گے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ایک ہے زمانہ نبی اور ایک ہے زمانہ نبوت۔ نبی کی حیات ظاہری کا زمانہ زمانہ نبی ہے۔ اور جب تک کہ نبوت منسوخ نہ ہو۔ تب تک زمانہ نبوت ہے۔ حضور کا زمانہ نبی۔ جب کہ لوگ حضور کی زیارت سے صحابہ بنتے تھے آپ کی حیات ظاہری ختم ہونے پر ختم ہو گیا۔ اب صحابیت کا دور گزر چکا اور آپ کا زمانہ نبوت تاقیامت بلکہ ابدالاباد تک ہے۔ دیگر نبیوں کا زمانہ نبوت دوسرے نبی کے تشریف لانے اور ان کی نبوت منسوخ ہو جانے پر ختم ہو جاتا تھا۔ حضور کی نبوت منسوخ نہیں لہٰذا زمانہ نبوت کبھی ختم نہیں۔ **ان تقولوا ما جاءنا من بشیر ولا نذیر** یہ عبارت **قد جاءکم** کا مفعول لہ جس میں حضور انور کی تشریف آوری کی حکمت کا بیان ہے۔ **ان تقولوا** سے پہلے کراہتہ پوشیدہ ہے۔ یا ان سے پہلے لام پوشیدہ ہے اور ان کے بعد لا مقدر۔ اصل میں **لئلا** تھا۔ قول سے مراد یا تو دنیا میں لوگوں سے کہنا ہے۔ یا آخرت میں بارگاہ الٰہی میں عرض کرنا ہے۔ من زائدہ تنکیر یہ ہے بشارت کے ساتھ اگر تصدیق کا ذکر ہو تو اس سے کسی نبی کی تشریف آوری کی بشارت مراد ہوتی ہے اور اگر اس کے ساتھ ڈرانے کا ذکر ہو تو رحمت بخشش معافی کی بشارت و خوشخبری مراد ہوتی ہے۔ یہاں بشارت دوسرے معنی میں ہے کیونکہ اس کے بعد **ولا نذیر** ہمارے حضور کسی نبی کے بشیر نہیں۔ کیونکہ آپ کے بعد نبی کوئی نہیں۔ ہاں حضور اللہ کی رحمت بخشش وغیرہ کے بشیر ہیں یعنی یہ محبوب اس لئے تشریف لائے تاکہ تم کل قیامت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی بدکاریوں کا یہ عذر نہ کر سکو۔ کہ مولیٰ گزشتہ نبیوں کی تعلیم دنیا سے گم ہو چکی تھی۔ کوئی اور نبی ہمارے پاس پہنچا نہیں۔ ہم نیک اعمال کس کی تعلیم سے کرتے یا تم دنیا میں لوگوں سے نہ کہو کہ ہماری کتابوں نبیوں نے آخری بشیر و نذیر کی آمد کی خبر دی تھی۔ مگر وہ تو کوئی نہ آئے۔ لہٰذا ہماری کتابیں غلط ہیں **فقد جاءکم بشیر و نذیر** یہ عبارت ان کی معذرت کا جواب ہے۔ بشیر و نذیر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور **کم** سے خطاب اہل کتاب سے ہے۔ **فقد** کی ف فصیحہ ہے۔ جس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اب تم اپنی بے علمی کا عذر نہ کر سکو گے کہ تمہارے پاس عربی قریشی ہاشمی مطلبی نبی تشریف لے آئے۔ جو بشیر بھی ہیں نذیر بھی۔ اب تم کو ان کی اطاعت سے بغیر چارہ نہیں۔ سارے نبی بشیر و نذیر تھے۔ مگر ان کی بشارت و نذارت اور حضور کی بشارت و نذارت میں تین طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ وہ حضرات خاص قوم کے بشیر و نذیر ہوتے تھے۔ ہمارے حضور سارے جہان کے بشیر و نذیر ہیں **لیکون للعلمین نذیرا** دوسرے یہ کہ وہ حضرات ایک خاص وقت تک بشیر و نذیر ہوتے تھے۔ ہمارے حضور تاقیامت بلکہ روز قیامت کے بھی بشیر و نذیر۔ کیونکہ آپ کی نبوت کبھی منسوخ نہیں۔ تیسرے یہ کہ ان تمام حضرات کی بشارت و نذارت سن کر تھی۔ حضور کی بشارت و نذارت دیکھ کر حضور نے معراج میں جنت دہاں کے طبقے دوزخ وہاں کے درکات ان سب کے مستحقین بلکہ رب کی ذات و صفات کو دیکھا۔ اس لئے بشیر و نذیر تنوین سے فرمایا گیا۔ یعنی شاندار بشیر و نذیر **واللہ علی کل شئی قدیر** اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ صدیوں خبر نہ بھیجے۔ اس پر بھی قادر ہے کہ آخر میں ایک ایسا رسول بھیج دے جو صدیوں کی تاریکی و کفر کو دور فرما

www.alahazratnetwork.org

کرنہ مٹنے والا دن نکال دے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مظہر ہیں۔ وہ اس پر بھی قادر ہے کہ گزشتہ زمانوں میں بیک وقت صدہا پیغمبر ہوں۔ مگر لوگ ہدایت کم لیں۔ اور اس پر بھی قادر ہے کہ اکیلے حضور سارے عالم کو ہدایت دیں۔ اس کی ہی قدرت تو ہے کہ رات کو لاکھوں چراغوں تاروں چاند سے نور دے۔ مگر پورا نہ ہو۔ پھر وہ قادر و قیوم دن میں ایک سورج سے سارے جہان میں روشنی کردے۔ جب ایک سورج ہر حصہ زمین کو چمکا سکتا ہے۔ تو ایک محمد رسول اللہ سارے جہان کے دلوں کو چمکا سکتے ہیں فرماتا ہے **لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ** ایک رسول تمام لوگوں کی زندگیوں کے لئے نمونہ ہیں۔ حالانکہ لوگوں کی زندگیاں مختلف ہیں۔ کسی کی زندگی شاہانہ ہے۔ کسی کی گدایانہ۔

خلاصہ تفسیر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام عالم کے لئے رحمت ہے عالم انسان کے لئے باعث فخر ہے۔ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے لئے حضور کی تشریف آوری بہت ہی بابرکت ہے۔ کہ حضور کی برکت سے ان کے نبیوں کے نام دنیا میں روشن ہو گئے ان کی کتب کی تصدیق دنیا نے کردی حتیٰ کہ ان کے بعض اولیاء اللہ کی کرامات قرآن کریم میں منقول ہوئیں۔ جو تمام عالم میں مشہور ہو گئیں۔ یہود و نصاریٰ کے پوپ پادریوں کے چھپائے ہوئے توریت و انجیل کے بعض احکام درست ہو گئے ان وجوہ سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خصوصیت سے اہل کتاب کو مخاطب فرما کر نبی کریم کی تشریف آوری کا ذکر فرمایا۔ کہ ارشاد کیا' اے آسمانی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کے جاننے ماننے والو تم سب کے پاس ہمارے وہ رسول تشریف لائے جن کی آمد کا تم کو بے چینی سے انتظار تھا۔ جن کی آمد کی خبر تمہارے انبیاء دے گئے تھے تمہاری کتب میں ان کی بشارتیں تھیں۔ جہاں ان کے تم پر اور بہت سے احسان ہیں وہاں ایک بڑا احسان یہ ہے کہ وہ تمہارے سامنے تمہاری کتب کے اصلی و صحیح احکام ظاہر فرماتے ہیں تمہاری کتابوں تمہارے نبیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اگر ان کی عظمت و قوت دیکھنا ہو تو اس میں غور کرو۔ کہ یہ اس وقت تشریف لائے جب مدتوں سے حضرات انبیاء کرام کی آمد بند ہو چکی تھی۔ دنیا نبوت کے نور سے محروم ہو گئی تھی۔ عالم میں اندھیرا ہی اندھیرا تھا۔ انہوں نے ایسے گھٹا ٹوپ میں تشریف لا کر عرب و عجم بلکہ سارے عالم کو نور سے معمور کر دیا۔ ان کی بعثت اس لئے ہوئی کہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ مولا ہمارے پاس بشارت و نذارت والا کوئی نبی نہیں آیا۔ جو نبی آئے تھے۔ ہمارے زمانے میں ان کی تعلیم باقی نہ رہی تھی۔ اور ہمارے زمانہ میں کوئی نبی آیا نہیں۔ ہم تیری عبادت کیسے کرتے' ایمان کیسے لاتے۔ اب تمہارے پاس بشیر و نذیر آخری نبی تشریف لے آئے تمہارا یہ عذر ختم ہو گیا۔ جان رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کرے۔ اگر چاہے تو ایک وقت میں بہت سے نبی بھیجے۔ پھر ان کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی تعلیم گم ہو جاوے۔ اور اگر چاہے تو ایک نبی سے سارے عالم میں اجالا کردے اور ان کے نور کو تاقیامت باقی رکھے۔ رات میں لاکھوں تارے کھلیں مگر دن نہ نکلے۔ اور سویرے کو ایک سورج چمکے اور دن نکل آوے۔ یہ سب اس کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت موسیٰ و

www.alahazratnetwork.org

عیسیٰ علیہما السلام کے درمیان سترہ سو یعنی تقریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ اس دوران میں ایک ہزار رسولوں سے زیادہ تشریف لائے اور حضرت عیسیٰ اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قریباً چھ سو سال کا فاصلہ ہے۔ اس درمیان میں کوئی نبی نہ آئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ملک عرب میں حضرت اسماعیل علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی نہ آئے۔ اسماعیل علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان قریباً چار ہزار سال کا فاصلہ ہے اہل عرب بنی اسماعیل ہیں اور وہ سارے رسول بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ بنی اسماعیل پر ان کی اطاعت واجب نہ تھی۔ عربی لوگ اولاً دین ابراہیمی پر رہے پھر دین محمدی میں آئے۔ ان میں کوئی یہودی عیسائی نہ تھا۔ نہ ہو سکتا تھا کہ انبیاء بنی اسرائیل ان کے نبی ہی نہ تھے۔ لہٰذا دوسرے لوگوں اور بنی اسرائیل کے لئے زمانہ فترت چھ سو سال تھا۔ اور اہل عرب کے لئے فترت قریباً چار ہزار سال ہے۔ غور کرو کہ جس خطہ میں چار ہزار سال تک نور نبوت نہ پہنچا ہو۔ وہاں تاریکی کا کیا حال ہو گا۔ یہ حال تھا کہ اہل عرب اسلامیت تو کیا انسانیت کھو چکے تھے۔ جانوروں میں بھی ماں اپنے بچوں کو خود نہیں کھاتی۔ مگر عرب کی عورت اپنی لڑکیوں کو اپنے ہاتھوں زندہ دفن کر دیتی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قوم کو صرف تیرہ برس میں ٹھیک کیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ شعر:۔

☆ سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے ☆ اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی ☆

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے اہل کتاب امتوں کے بھی نبی ہیں۔ حضور کی نبوت کسی ملک کسی قوم کسی زمانہ سے خاص نہیں۔ ہر ملک ہر قوم کے لئے تاقیامت نبی ہیں یہ فائدہ **اھل الکتاب** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تمام دنیا کو فائدہ پہنچا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہ فائدہ بھی **جاءکم** میں **کم** خطاب سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل توریت و انجیل سے بھی خبردار ہیں اور یہود و نصاریٰ کی تحریفوں سے بھی باخبر ہیں یہ فائدہ **یبین** الخ سے حاصل ہوا۔ اصل توریت و انجیل اور اس کی تحریفوں کو وہ ہی بیان کر سکتا ہے۔ جو ان سے واقف ہو۔ **چوتھا فائدہ** حضور کی تشریف آوری سے صدیوں پہلے انبیاء کرام کی تشریف آوری بند ہو چکی تھی۔ دنیا میں اندھیرا چھا چکا تھا۔ یہ فائدہ **علی فترۃ من الرسل** سے حاصل ہوا۔ اس فاصلہ کی رفتار ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ دنیا میں چھ سو برس اور عرب میں چار ہزار سال سے کوئی نبی نہ آئے تھے۔ **پانچواں فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا پر اللہ کی حجت ہیں۔ جن سے اہل کفر و عناد کی زبانیں بند ہو گئیں۔ یہ فائدہ **ان تقولوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** حضور سے لے کر قیامت تک کبھی زمانہ فترت نہ ہو گا۔ نہ کبھی دنیا سے نور نبوت غائب ہو۔ کیونکہ اس مدنی سورج صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کبھی غروب نہیں۔ یہ سورج ہمیشہ چمکے گا۔ یہ فائدہ **علی فترۃ من الرسل** سے حاصل ہوا۔

☆ کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے ☆ پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی ☆

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبشر و مصدق نہیں۔ بلکہ تمام نبیوں کے صرف مصدق ہیں۔ ہاں حضور بشیر و نذیر ہیں۔ یعنی ثواب و عذاب کی خبریں دینے والے۔ مگر حضور کی بشارت و نذارت دیکھی ہوئی ہے دیگر انبیاء کرام کی بشارتیں سمعی تھیں۔

پہلا اعتراض جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری تمام انسانوں بلکہ تمام جہانوں کے لئے ہے اور سب کی طرف ہے تو یہاں صرف اہل کتاب کو مخاطب کر کے کیوں فرمایا گیا۔ کہ تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے۔ جواب چند وجوں سے۔ ایک یہ کہ عرب میں اہل کتاب کی بڑی عزت تھی۔ کیونکہ وہ اہل علم بھی تھے اور اولاد انبیاء بھی۔ ان کے ایمان لے آنے سے دوسرے لوگوں کے ایمان کی قوی امید تھی۔ اس لئے انہیں خصوصیت سے دعوت ایمان دینے کے لئے انہیں خطاب فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ اہل کتاب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ اور لوگوں کو منتظر بنائے ہوئے تھے تیسرے یہ کہ حضور کی تشریف آوری سے زیادہ فائدہ اہل کتاب کو ہی پہنچا کہ حضور کے دم قدم سے ان کے نبیوں ان کی کتابوں کی تصدیق تائید ہوئی۔ ان کی کتب کی تصحیح ہوئی۔ دوسرا اعتراض یہاں اللہ تعالیٰ نے **رسولنا** کیوں فرمایا **رسولکم** یا **رسولکم منکم** یا **رسول من انفسکم** کیوں نہ فرمایا جیسا کہ مسلمانوں سے فرمایا ہے۔ **لقد جاءکم رسول من انفسکم** جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگرچہ سارے انسان حضور کے امت دعوت ہیں۔ مگر امت اجابت صرف مسلمان ہیں۔ جنہوں نے حضور کو نبی مانا۔ اپنے کو حضور کا امتی جانا۔ لہذا **رسولکم** یا **رسول منکم** یا **رسول من انفسکم** مسلمانوں سے ہی فرمانا موزوں ہے۔ اہل کتاب جن سے یہاں خطاب ہے انہوں نے حضور کو رسول مانا ہی نہیں۔ اپنے کو حضور کا امتی جانا ہی نہیں۔ اس لئے **رسولکم** نہ فرمانا ہی موزوں ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں یہ کیوں ارشاد فرمایا **علیٰ فترۃ من الرسل** کیا نبیوں کی آمد کا بند ہو جانا اور اس کے بعد تشریف لانا اس میں کوئی خوبی ہے۔ جواب جی ہاں یہ بڑی خوبی ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ نعت ہے۔ حضور کے زمانہ میں کسی نبی کا نہ ہونا صرف حضور ہی کا اکیلے سب کی اصلاح فرمانا بھی حضور کا کمال ہے۔ حضور کے بعد تاقیامت کسی نبی کا نہ آنا اس میں بھی حضور کا کمال ہے کہ گزشتہ انبیاء کرام کے پردہ فرمانے کے تھوڑے عرصہ بعد ہی ان کی کتابیں اور دین مسخ ہو جاتے تھے۔ حضور کی یہ خصوصیت ہے کہ تاقیامت نہ آپ کی کتاب قرآن مسخ ہوا نہ آپ کا دین بدلا نہ بدلے۔ علماء کے ذریعہ دین باقی رکھا گیا۔ یونہی حضور کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نے ایسے وقت میں ایسے لوگوں کو درست کیا جب نبوت کا نور صدیوں سے بجھ چکا تھا۔ خصوصاً عرب تو چار ہزار برس سے نبوت سے محروم تھا۔ پھر حضور نے صرف ان لوگوں کی اصلاح ہی نہیں کی بلکہ ان میں سے ایسے موتی بنائے کہ سبحان اللہ انہیں میں صدیق و فاروق بنائے انہیں میں عثمان و علی جیسے چمکدار ستارے چمکائے۔ غرض کہ یہ فرمان حضور کی شان ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ چوتھا

www.alahazratnetwork.org

اعتراض اس آیت کریمہ میں حضور انور کی تشریف آوری کی حکمت یہ بیان فرمائی کہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ہمارے پاس بشیر و نذیر نبی نہ آئے۔ حضور کے بعد والے قیامت تک کے لوگ بھی یہ ہی کہہ سکتے ہیں لہٰذا حضور کے بعد بھی نبوت لازمی ہے۔ نبی آنا چاہیے۔ لہٰذا حضور انور کے بعد بھی نبی آئے اور آئیں گے۔ (مرزائی) جواب اس کا جواب ابھی تیسرے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا۔ کہ حضور کے پردہ فرمانے سے تاقیامت زمانہ فترت نہ آوے گا کہ نور نبوت بجھ جاوے۔ لوگ بے خبر رہ جاویں۔ حضور کا سورج ہمیشہ چمکتا ہی رہے گا۔ پھر لوگوں کو یہ شکایت کیسی ہو سکتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہمیشہ کے لئے تشریف لے آئے۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کی طرف سب کے پاس تشریف لائے۔ مگر کفار کے صرف کانوں میں آئے کہ انہوں نے صرف حضور کا نام سن لیا۔ بعض کفار کی صرف آنکھوں میں آئے جیسے ابوجہل ابولہب نے صرف چہرہ انور دیکھ لیا۔ بعض مسلمانوں کے دماغوں میں بھی آئے کہ انہوں نے حضور انور کو نبی مان لیا۔ بعض عشاق کے سینوں میں تشریف لائے۔ جس سے ان کا سینہ رحمت کا گنجینہ بن گیا۔ مگر فنافی الرسول لوگوں کے دلوں میں تشریف لائے جن سے ان کے دل عرش معلی بن گئے۔ غرضیکہ آنے والے محبوب ایک ہیں۔ مگر آمد کی نوعیتوں میں فرق ہے جیسے قرآن کریم کسی کے صرف ہاتھوں میں آتا ہے کسی کے دماغ میں رہتا بستا ہے۔ کسی کے دل میں جلوہ فگن ہوتا ہے۔ عام مسلمانوں کے ہاتھوں میں حافظوں کے دماغوں میں علماء و صوفیاء کے دلوں میں آتا ہے یا جیسے سورج زمین شورہ کے صرف ظاہر کو چمکاتا ہے۔ مگر اعلیٰ زمین کے اندرون میں بھی پہنچتا ہے۔ کہ وہاں دانہ کو پرورش کر کے اگا دیتا ہے لہٰذا اہل کتاب سے جاءکم فرمانا اور نوعیت کے لئے ہے۔ مومنین سے جاءکم فرمانا اور نوعیت کا ہے۔ جو چیز انتظار کے بعد ملتی ہے اس کی قدر ہوتی ہے۔ حضور کی آمد کا انتظار صدیوں کرایا۔ پھر بھیجا تاکہ لوگ اس نعمت عظمیٰ کی قدر جانیں۔ حضور اللہ کی طرف سے گواہ ہیں۔ کسی کے لئے گواہ کسی پر اس کے خلاف گواہ کہ قیامت میں رب تعالیٰ کے فیصلے کفار کی زبان بندی حضور ہی کے ذریعہ ہوگی۔ اس آیت میں حضور کے اس وصف کا ہی بیان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یبین لکم میں یبین کا مفعول پوشیدہ ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں بہت گنجائش ہو گئی۔ حضور ہمیشہ ہر مفید چیز بیان فرماتے ہیں۔ حتیٰ کہ انسان کو اس کی اپنی حقیقت بتاتے ہیں کہ تو کون ہے اور تیرا درجہ کیا ہے۔ جس نے یہ سمجھ لیا وہ عارف باللہ ہو گیا۔ اور اپنے کو رب تک پہنچنے کا ذریعہ بتاتے ہیں۔ بندے کی بڑی ترقی یہ ہے کہ حضور کے قدم تک پہنچ جاوے۔ شعر:۔

☆ تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا ☆ میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا ☆

www.alahazratnetwork.org

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِیْكُمْ

اور جب کہا موسیٰ نے واسطے اپنی قوم کے اے قوم میری یاد کرو تم نعمت اللہ کی جو اوپر تمہارے ہے جب کہ بنائے اس نے

اور جب موسیٰ نے کہا اپنی قوم سے اے میری قوم اللہ کا احسان اپنے اوپر یاد کرو کہ تم میں سے پیغمبر

اَنْۢبِیَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ یُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۲۰﴾

تم میں نبی اور بنایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو وہ جو نہ دیا کسی کو جہان والوں میں سے

کیے اور تمہیں بادشاہ کیا اور تمہیں وہ دیا جو آج سارے جہان میں کسی کو نہ دیا

یٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِیْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَرْتَدُّوْا

اے قوم میری داخل ہو جاؤ زمین پاک میں وہ جو لکھی اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ پھر

اے قوم اس پاک زمین میں داخل ہو جو اللہ نے تمہارے لئے لکھی ہے اور پیچھے

عَلٰۤى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِیْنَ ﴿۲۱﴾

جاؤ اوپر پیٹھوں کے اپنی ورنہ لوٹو گے تم خسارہ پانے والے

نہ پلٹو کہ نقصان پر پلٹو گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان فرمائی گئی۔ **یبین لکم** کہ وہ تم کو بھولی باتیں بھولے واقعات بھولا دین بتاتے اور بیان فرماتے ہیں۔ اب حضور ہی کی معرفت بنی اسرائیل کا ایک بڑا پرانا بھولا ہوا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ گویا یہ آیت **یبین لکم** کی تفصیل یا دلیل ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہ محبوب اس وقت تشریف لائے۔ جب عرصہ تک دنیا نبوت کے نور سے محروم رہ چکی تھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بنی اسرائیل میں اس کثرت سے نبی تشریف لائے کہ ایک زمانہ ایک شہر میں بہت سے انبیاء کرام تشریف فرما ہوتے تھے۔ گویا فترت کے بعد کثرت کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اہل کتاب سے خطاب فرما کر حضور کی بشارت دی گئی تھی۔ اب انہیں اہل کتاب کو گزشتہ اعلیٰ نعمتیں سنائی جا رہی ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اہل کتاب کو دعوت اسلام دی گئی۔ اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ پر ایمان نہ لائیں۔ تو آپ غم نہ کریں۔ کیونکہ یہ پرانے پاپی ہیں۔ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کو بھی ہمیشہ پریشان کرتے رہے۔ اگر آپ کو تنگ کریں تو ان سے کیا بعید ہے۔

تفسیر واذ قال موسیٰ لقومہ یہ نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے اذ سے پہلے ایک فعل پوشیدہ ہے **اذکروا** یا **اذکر**۔ اگر **اذکروا** پوشیدہ ہے تو بنی اسرائیل سے خطاب ہے اور اگر **اذکر** پوشیدہ ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب

www.alahazratnetwork.org

ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ اگر حضور سے خطاب ہے تو اس کے معنی ہیں یاد فرماؤ یا بنی اسرائیل کو یاد دلاؤ یا مسلمانوں کو سناؤ یاد کراؤ۔ غرض کہ اس کی پانچ چھ تفسیریں ہیں۔ **لقومہ** **قال** کے متعلق ہے۔ ہ ضمیر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ قوم کے معانی اس کی اقسام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یہاں قوم سے یا نسبی قوم مراد ہے یا ملکی قوم۔ کیونکہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے ہم نسب بھی تھے ہم ملک بھی' اور ہو سکتا ہے کہ مذہبی قوم مراد ہو۔ یہ بنی اسرائیل سارے مومن تھے۔ یعنی اے بنی اسرائیل وہ واقعہ یاد کرو یا یاد رکھو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ واقعہ دھیان میں رکھو یا بنی اسرائیل کو یاد دلاؤ یا اس واقعہ کا اپنی امت سے ذکر کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنے نسبی یا ملکی یا مذہبی قوم سے یہ فرمایا تھا۔ یعنی بنی اسرائیل سے **یقوم اذکروا نعمۃ اللہ علیکم** یہ جملہ **قال موسیٰ** کا مفعول بہ ہے۔ **اذ** سے پہلے **اذکر** پوشیدہ ہے۔ یعنی اے محبوب وہ واقعہ یاد کرو۔ جو آپ کے علم و مشاہدہ میں ہے۔ ہماری آنکھ کی بصارت کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔ چیز موجود ہو معدوم نہ ہو۔ سامنے ہو پیچھے نہ ہو۔ نزدیک ہو۔ دور نہ ہو۔ کچھ دور بھی ہو بالکل نزدیک نہ ہو۔ روشنی میں ہو اندھیرے میں نہ ہو۔ بے پردہ ہو پردہ کی آڑ میں نہ ہو۔ مگر دل کی بصیرت اور دماغ کے خیال کے لئے یہ کوئی چیز شرط نہیں۔ خیالی موجود' معدوم' دور قریب اگلی پچھلی سب چیزیں دیکھ لیتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت نظری ہماری قوت خیال سے زیادہ قوی ہے۔ اگلی پچھلی باتیں سب دیکھتی ہے۔ اس لئے **اذ** سے پہلے **اذکر** ارشاد ہوا۔ جناب کلیم اللہ کا ان سرکشوں کو **یقوم** فرما کر پکارنا تالیف قلوب کے لئے ہے۔ طریقہ تبلیغ یہ ہی ہے کہ نرمی سے کلام کیا جاوے **اذکروا** **اذکر** سے مشتق ہے۔ بمعنی یاد کرنا۔ یاد زبانی بھی ہوتی ہے۔ جنانی بھی۔ ارکانی بھی۔ زبان سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا چرچا کرنا بھی عبادت ہے۔ دل سے ان کا اعتراف و اقرار کرنا بھی عبادت ہے۔ نعمتوں کے شکریہ میں نیک اعمال کرنا گناہ سے بچنا بھی عبادت ہے۔ یہاں تینوں قسم کے ذکر مراد ہیں۔ یہاں نعمت اللہ سے مراد عام نعمتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ اور خاص نعمتیں بھی۔ جو خصوصاً بنی اسرائیل کو عطا ہوئیں۔ دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ **علیکم** سے معلوم ہو رہا ہے اس نعمت کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ یعنی اے میری قوم اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو۔ یاد رکھو جو خصوصیت سے تم پر ہیں۔ ان نعمتوں کا زبان سے چرچا کرو۔ دل سے بھی اقرار و اعتراف کرو نیز اس شکریہ میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میری فرمانبرداری کرو۔ وہ نعمتیں یہ ہیں۔ **اذ جعل فیکم انبیاء** **اذ** یا تو ظرفیہ ہے اور یہ جملہ **اذکروا** کا مفعول بہ ہے یا **اذ** **تعلیلیہ** ہے اور یہ جملہ **اذکروا** کی علت ہے موسیٰ علیہ السلام نے اس موقع پر تین خصوصی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ پہلی نعمت نبوت ہے۔ بنی اسرائیل میں بہت زیادہ نبی تشریف لائے۔ کسی قوم کسی قبیلہ میں اتنے نبی نہ آئے جتنے بنی اسرائیل میں۔ چنانچہ یعقوب علیہ السلام سے لے کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام بنی اسرائیل میں آئے۔ صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسماعیل میں تشریف لائے۔ اگرچہ بہت نبی' بنی اسرائیل میں آنے والے تھے مگر چونکہ ان کی تشریف آوری یقینی تھی اس لئے **جعل** ماضی فرمایا گیا (تفسیر کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے

www.alahazratnetwork.org

بعد سے سارے نبی جناب ابراہیم علیہ السلام ہی کی اولاد میں ہوئے بنی اسحاق میں انبیاء بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں ہمارے حضور۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ صرف بنی اسرائیل اور بنی اسماعیل میں ہی نبی بھیجے گا۔ **وجعلکم ملوکا** یہ عبارت **جعل فیکم** پر معطوف ہے۔ اور **قال موسیٰ** کا مقولہ۔ یہاں بھی **کم** میں خطاب بنی اسرائیل سے ہے۔ اس میں حق تعالیٰ کی دوسری نعمت کا ذکر ہے۔ یعنی بنی اسرائیل کو سلطنت عطا ہونا۔ **ملوک** جمع ہے **ملک** کی۔ بمعنی سلطان و بادشاہ جیسے بنی اسرائیل میں نبی بہت ہوئے ایسے ہی ان میں سلاطین و بادشاہ بہت ہوئے۔ حتیٰ کہ بعض وہ ہستیاں بھی ہیں جو نبی بھی ہیں سلطان و بادشاہ بھی۔ جیسے یوسف علیہ السلام اور داؤد و سلیمان علیہما السلام۔ چونکہ قوم کے ایک فرد کا بادشاہ ہونا گویا کل قوم کی سلطنت ہے اس لئے یہاں **جعلکم** فرمایا۔ **جعل فیکم** نہ فرمایا اور کسی قوم میں کسی فرد کا نبی ہونا ساری قوم کی نبوت نہیں۔ اس لئے وہاں **جعل فیکم انبیاء** فرمایا۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں ملوک سے مراد آزاد ہونا۔ وسیع مکانوں کا مالک ہونا جس میں نہریں ہوں۔ خادم و لونڈیوں کا مالک ہونا کہ بنی اسرائیل پہلے فرعون کی رعایا تھے۔ رب نے اسے غرق کر کے انہیں آزاد مختار کیا۔ لہٰذا یہ سب لوگ ملک یعنی آزاد و مختار و مالدار ہوئے۔ اس صورت میں تمام بنی اسرائیلی ملوک ہوئے۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل میں جو شخص ایک گھر ایک خادم کا مالک ہوتا اور اس کی بیوی ہوتی تو اسے ملک کہا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو سے کسی نے کہا کہ ہم فقراء مہاجرین ہیں۔ فرمایا کیا تمہارے پاس بیوی ہے۔ بولا ہاں۔ فرمایا کیا تیرے پاس رہنے کو گھر ہے۔ بولا ہاں۔ فرمایا تو غنی ہے۔ وہ بولا میرے پاس ایک خادم بھی ہے فرمایا تو بادشاہ ہے (خازن) بہرحال بنی اسرائیل کو ملوک فرمانا ہر طرح درست ہے۔ **واتکم مالم یوت احدا من العلمین** یہ بنی اسرائیل کی تیسری خصوصی نعمت کا ذکر ہے اتا کا فاعل رب تعالیٰ ہے **ما** سے مراد دریا چیرنا' فرعون کو ہلاک کرنا۔ پتھر سے پانی کے چشمے جاری فرمانا جس سے بنی اسرائیل سیراب ہوں ان پر من و سلویٰ اتارنا۔ بادل سے ان پر سایہ کرنا ہے۔ اگرچہ ان میں سے بعض نعمتیں وہ ہیں جو اس فرمان کے بعد انہیں ملیں۔ مگر چونکہ ان کا ملنا یقینی تھا اس لئے **اتی** ماضی فرمایا گیا۔ اس تفسیر سے **العلمین** بالکل اپنے ظاہری معنی پر ہے۔ کیونکہ واقعی یہ مذکورہ انعامات بنی اسرائیل کے سوا نہ ان سے پہلے کسی قوم کو ملے نہ ان کے بعد تاقیامت کسی کو ملیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے خطاب ہے۔ مگر یہ تفسیر گزشتہ اور آئندہ مضامین کے خلاف ہے۔ بعض نے فرمایا **العلمین** سے مراد اس زمانہ کے جہانوں والے ہیں۔ مگر ہماری اس تفسیر سے اس قید کی ضرورت نہیں۔ اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بنی اسرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے افضل ہو جاویں۔ **یقوم ادخلوا الارض المقدسة** یہ عبارت یا تو **اذکروا نعمة اللہ** کی عملی تفسیر ہے۔ یا اس کا نتیجہ دوبارہ **یقوم** فرمانا اس قوم کی عزت افزائی اور جہاد کی ترغیب کے لئے ہے **دخول** سے مراد مجاہدانہ فاتحانہ شان سے وہاں داخل ہونا ہے۔ **ارض مقدسة** کے معنی ہیں صاف کی ہوئی زمین کہ وہ جگہ وبائی بیماریوں' قحط' بھوک' آفات سے صاف

www.alahazratnetwork.org

کردی گئی ہے۔ کہ وہاں یہ بلائیں نہیں آتیں یا پاک و ستھری کی ہوئی زمین جسے اللہ نے شرک و کفر سے پاک فرمادیا۔ کیونکہ وہ حضرات انبیاء کرام کی قیام گاہ ہے۔ قوم جبارین کا وہاں تسلط عارضی ہے۔ جس سے اس کی اصلی پاکی و بزرگی میں فرق نہیں پڑتا۔ اس سے مراد زمین بیت المقدس ہے۔ جیسا کہ حضرت ابن عباس 'امام سدی' اور ابن زید نے فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے زمین طور مراد ہے۔ بعض نے کہا زمین شام یعنی دمشق وغیرہ۔ مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ یعنی اے میری قوم بنی اسرائیل زمین بیت المقدس میں مجاہدانہ غازیانہ "فاتحانہ طور پر داخل ہو جاؤ۔ قوم جبارین کو وہاں سے نکال دو۔ جو وہاں قبضہ کئے بیٹھے ہیں **التی کتب اللہ لکم** یہ ارض مقدسہ کی صفت ہے لکھنے سے مراد بنی اسرائیل کی تقدیر میں لکھنا ہے۔ یا لوح محفوظ میں لکھنا اور مطلب یہ ہے کہ میں لوح محفوظ اور اس کی تحریر دیکھ رہا ہوں۔ وہاں لکھا ہوا ہے کہ یہ زمین تم کو ملے گی۔ یا لکھنے سے مراد ہے فرض فرمانا۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** مگر یہ توجیہ کچھ ضعیف سی ہے۔ کیونکہ جب **کتب** بمعنی فرض ہو تو اس کے بعد **علی** آتا ہے۔ لام نہیں آتا۔ یہ مطلب ہے کہ میرے منہ سے نکل گیا کہ یہ زمین تم کو ملے گی۔ یہ رب تعالیٰ کی تحریر ہو گئی کہ میری زبان **کن** کی کنجی ہے۔ پہلے دو معنی ہیں لکھنا حقیقت ہے باقی معانی میں مجاز ہے۔ **لکم** کا متعلق یا سکتا ہے یا **تکون** ہے یا لام بمعنی **علی** ہے اور یہ کتب کے متعلق یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہاری تقدیر میں یا لوح محفوظ میں لکھ دیا ہے کہ یہ زمین مقدسہ تمہارا وطن و مسکن بنے گی۔ یا آخر کار تم کو ملے گی۔ یا اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض فرمادیا کہ اس زمین پر جہاد کر کے فاتحانہ شان سے داخل ہو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی طرف سے تحریریں چار قسم کی ہیں۔ تین تحریریں تو چیز کے ہونے سے پہلے اور ایک تحریر اشیاء کے وجود کے ہونے کے بعد۔ سارے عالم کے بننے سے پہلے ایک ایک واقعہ کی تحریر لوح محفوظ میں۔ دوسرے پندرھویں شعبان کی شب میں سال بھر کے آنے والے واقعات کی تحریر فرشتوں کے صحیفوں میں۔ تیسرے ماں کے پیٹ میں بچے کے آئندہ حالات کی تحریر۔ چوتھے اعمال کرنے پر نامہ اعمال کی تحریر۔ یہاں پہلی تحریر مراد ہے۔ **ولا ترتدوا علی ادبارکم** یہ عبارت **ادخلوا الارض** الخ پر معطوف ہے۔ **ارتداد** سے مراد ہے پھر جانا۔ **ادبار** سے مراد ہے پیٹھیں جمع دبر کی۔ یعنی یہ حکم سن کر تم آگے بڑھو غازیانہ شان سے چلو۔ بزدل ہو کر پیٹھوں کی طرف یعنی پیچھے مصر وغیرہ کی جانب مت لوٹ جاؤ۔ ہو سکتا ہے۔ کہ **ارتداد** سے مراد دین سے پھر جانا۔ مرتد ہو جانا ہو۔ یعنی اس حکم پر فوراً عمل کرو۔ اس کا انکار کر کے مرتد نہ ہو جاؤ کیونکہ نبی کے حکم کا انکار کفر ہے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ **فتنقلبوا خسرین** یہ عبارت یا تو **لا ترتدوا نھی** کا جواب ہے یا ایک پوشیدہ شرط کی جزاء۔ انقلاب سے مراد یا زمین میں لوٹ جانا ہے۔ یا دین سے پھر جانا **خسرین** حال ہے **تنقلبوا** کے فاعل **انتم** سے یہ خسارہ سے بنا ہے بمعنی پورا گھاٹا عظیم نقصان یعنی اگر تم نے جہاد نہ کیا اور مصر کو واپس لوٹ گئے۔ تو پورا پورا نقصان اٹھا کر لوٹو گے۔ کہ پھر قوم جبارین تم کو بزدل سمجھ کر تم پر حملہ کردے گی۔ تم کو مصر سے بھی نکال دے گی۔ یا اگر تم مرتد ہو گئے تو دونوں جہان میں نقصان پاتے ہوئے مرتد ہو گے۔ جس سے تمہاری دنیا بھی خراب دین بھی برباد ہو گا۔

www.alahazratnetwork.org

جہاد کبھی فرض ہوتا ہے کبھی نہیں۔ اور جب فرض ہوتا ہے تب بھی سب پر قتال و جنگ فرض نہیں ہوتی بعض غازی لڑتے ہیں بعض ان کا کھانا پکاتے زخمیوں کی مرہم پٹی کرتے ہیں۔ بعض شہروں میں رہ کر ملک کی حفاظت اور دوسرے کام کرتے ہیں۔ مگر جب نبی لڑنے کو فرمادیں تو لڑنا فرض ہو جاتا ہے۔ اس کا انکار کفر۔ یہ ہی آپ نے فرمایا کہ میرے اس فرمانے سے کہ **ادخلوا الارض المقدسة** تم سب پر وہاں داخل ہو جانا فرض ہو گیا۔ اب اس کا انکار کر کے مرتد نہ ہو۔

خلاصہ تفسیر ہماری بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ وقت بھی یاد فرماؤ جب کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل سے فرمایا تھا کہ اے میری قوم اللہ کی وہ نعمتیں یاد کرو جو تم پر ہیں کہ اس نے تم میں بہت سے نبی مبعوث فرمائے کہ اتنے نبی کسی قوم میں نہیں آئے۔ یہ تمہاری بڑی عزت ہے۔ نیز تم سب کو دنیاوی بادشاہ بنایا کہ بنی اسرائیل میں بڑے بڑے سلطان و حکمران کئے۔ جس سے تم شاہی قوم ہوئے۔ اور تم کو وہ نعمتیں بخشیں جو نہ تم سے پہلے کسی قوم کو ملیں اور نہ تمہارے بعد تاقیامت کسی کو ملیں۔ تمہاری خاطر فرعونی لوگ غرق کئے گئے۔ دریا چیرا گیا۔ تم پر من و سلویٰ اترنے والا ہے۔ تم میں کثرت سے اولیاء اللہ ہوئے اور ہوں گے۔ لہذا تم ان نعمتوں کا شکریہ اس طرح ادا کرو۔ کہ بیت المقدس کی پاک زمین پر قوم جبارین کا قبضہ ہے۔ تم ان پر جہاد کرو اور فاتحانہ شان سے بیت المقدس میں داخل ہو جاؤ اس ظالم و جابر و کافر قوم کو ہلاک کر دو۔ اس پاک خطہ کی بادشاہت وہاں کا رہن سہن تمہاری ہی قسمت میں لکھا گیا ہے۔ لہذا تم اس میں کوشش کرو۔ خیال رکھو کہ اب پیٹھ پھیر کر مصر کی طرف نہ لوٹ جانا ورنہ تم لوگ دنیا و آخرت میں سخت نقصان پاؤ گے۔ تمہاری یہ حرکت بزدلی ہو گی جس سے دشمن کی ہمت بڑھ جاوے گی۔ اور اس میں رب تعالیٰ کی نافرمانی اور میری مخالفت ہو گی۔ اس سے بڑھ کر اور کیا نقصان ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں دو مقدس بستیوں پر کفار کا غلبہ تھا اور وہاں کفر کا غلبہ تھا۔ مصر اور فلسطین، مصر پر فرعون قابض تھا فلسطین پر قوم عمالقہ۔ رب چاہتا تھا کہ یہ بستیاں تو نہ اجڑیں مگر کفار سے خالی ہو جائیں یہاں اسلام و ایمان کا راج ہو۔ چنانچہ مصر تو فرعونیوں سے اس طرح خالی کرالیا کہ بنی اسرائیل کو ان پر جہاد نہ کرنا پڑا۔ باہر نکال کر اسے غرق کر دیا گیا۔ کیونکہ اس وقت بنی اسرائیل غلام تھے۔ ان کی نہ حکومت تھی نہ ان میں جہاد کی قوت۔ اب یہ لوگ آزاد ہو چکے تھے۔ قوت و سلطنت والے تھے۔ حکم ہوا کہ اب فلسطین کو تم جہاد کر کے کفار سے خالی کراؤ۔ جیسی بندے کی طاقت ویسے رب کے احکام۔ درختوں کو اپنی جگہ کھڑے کھڑے پانی کھاد پہنچایا جاتا ہے۔ پرندوں کو روزی کے لئے جانا تو پڑتا ہے۔ مگر کمانا نہیں پڑتا۔ انسان کو جانا بھی پڑتا ہے۔ کمانا بھی، پھر انسان کو لڑکپن میں بغیر کمائے وہ روزی ملتی ہے۔ جو چبانا بھی نہیں پڑتی جوں جوں قوت آتی ہے غذا اور طریقہ غذا بدلتی ہے یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا مقدس شہر مکہ بھی کفار کے قبضہ میں تھا۔ اسے بھی حضور کی معرفت خالی کرایا گیا۔ مگر وہاں سے کفار نکالے نہ گئے۔ بلکہ کفار کے دلوں سے کفر نکال کر انہیں مسلمان کر دیا گیا۔ یہ فرق ہے کلیم و حبیب میں۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی نئی و پرانی نعمتیں یاد کرنا۔ یاد رکھنا ان کا چرچا کرنا بڑی عبادت ہے۔ خواہ شخصی نعمتیں ہوں یا قومی و دنیاوی نعمتیں ہوں یا اخروی۔ پھر یاد کرنا خواہ قولاً ہو یا اعتقاداً" یا عملاً" یہ فائدہ **اذکروا** اور **نعمت اللہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ لہٰذا عرس بزرگان مجلس میلاد شریف بچوں کی سالگرہ۔ یوم آزادی' یوم انقلاب وغیرہ منانا بھی محبوب ہے کہ ان سب میں اللہ کی نعمت کی یاد منانا ہے۔ **دوسرا فائدہ** نبیوں کی اولاد ہونا ان کا ہم قوم ہونا بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ یہ فائدہ **اذجعل فیکم انبیاء** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا آج حضرات سادات کرام بہت شرافت و عظمت والے ہیں کہ حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہیں۔ بشرطیکہ مومن ہوں۔ کافر کے لئے نبی کا بیٹا ہونا بھی بیکار ہے۔ دیکھ لو آج اسرائیلیوں کی کوئی عزت نہیں حالانکہ وہ اولاد انبیاء ہیں۔ کیونکہ وہ کافر ہو چکے۔ کنعان ذلیل ہوا اگرچہ نبی زادہ تھا کیونکہ کافر تھا۔ **تیسرا فائدہ** حکومت و سلطنت بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ ہر آزاد قوم کو اس کی قدر اس کی حفاظت کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ **وجعلکم ملوکا** سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو ہجرت سے پہلے تیرہ سالہ تبلیغ سے صرف چند لوگ مسلمان ہوئے اور بعد ہجرت جب اللہ نے حضور کو سلطنت و حکومت دی تو دس سالہ تبلیغ سے ہزارہا بلکہ لاکھ سے زیادہ آدمی اسلام لائے۔ زمانہ فاروقی کی فتوحات اسلامی تبلیغ تاقیامت مشہور رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمارے پاکستان کو دائم قائم رکھے۔ تمام اسلامی ممالک کو ترقیاں دے۔ **چوتھا فائدہ** نبی کی قوم نبی نہیں کہلاتی مگر بادشاہ کی قوم بادشاہ کہلاتی ہے۔ یعنی نبی شہزادے اپنے کو نبی نہیں کہہ سکتے۔ مگر شاہزادے اپنے کو بادشاہ کہہ سکتے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ملوک فرمایا مگر انہیں نبی نہ فرمایا بلکہ فرمایا **وجعل فیکم انبیاء** **پانچواں فائدہ** بنی اسرائیل کو رب تعالیٰ نے بعض ایسی نعمتیں دیں جو نہ ان سے پہلے کسی کو دیں نہ بعد میں جیسے من و سلویٰ برسانا۔ غیبی روشنی کے لئے اسمان سے نورانی ستونوں کا اترنا۔ پتھر سے پانی کے چشمے بہتے رہنا۔ بحر قلزم کا چیرنا وغیرہ۔ یہ فائدہ **واتکم** الخ سے حاصل ہوا۔ مگر ان بدقدروں نے ہمیشہ احسان فراموشی کی جس سے تاقیامت ذلیل و خوار ہو گئے۔ **چھٹا فائدہ** جس سرزمین میں اللہ کے مقبول بندے رہیں۔ وہ مقدس ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **الارض المقدسۃ** سے حاصل ہوا کہ سرزمین فلسطین اس لئے مقدس ہے۔ کہ وہ حضرات انبیاء کا جائے مقام ہے۔ **ساتواں فائدہ** اگر کسی متبرک مقام پر مشرکین و کفار غلبہ کر لیں تو اس سے ان مقامات کے تقدس میں فرق نہیں آتا۔ دیکھو اس وقت زمین بیت المقدس پر قوم جبارین کا قبضہ تھا مگر اسے ارض مقدسہ فرمایا گیا۔ جب کعبۃ اللہ شریف میں بت تھے۔ تب بھی وہ بیت اللہ تھا۔ اگر مسجد میں کتے گھس جاویں تو مسجد کی عظمت میں فرق نہیں آتا۔ **آٹھواں فائدہ** جہاد بڑی پرانی عبادت ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی تھا۔ یہ فائدہ **یقوم ادخلوا** الخ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں داخلہ سے مراد بیت المقدس میں فاتحانہ غازیانہ مجاہدانہ داخلہ ہے۔ **نواں فائدہ** اللہ کی نعمتوں کا شکریہ عملی یہ ہے کہ اس کی اطاعت اس کے نبیوں کی فرمانبرداری کی جاوے۔ صرف زبان سے الفاظ ادا کر دینا کافی نہیں دیکھو یہاں **اذکروا نعمۃ اللہ** کے بعد **ادخلوا**

www.alahazratnetwork.org

الارض فرمایا گیا۔ کہ اللہ کی نعمتوں کا ذکر یہ ہے کہ بیت المقدس پر جہاد کرو۔ **دسواں فائدہ** جس بستی میں اللہ کے مقبول بندے رہتے ہوں یا مقبولوں کی قبریں ہوں۔ ان بستیوں کو شریف یا مقدس یا معظم کہنا چاہیے جیسے مکہ معظمہ' مدینہ منورہ یا بغداد شریف' اجمیر شریف وغیرہ۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے فلسطین کی زمین کو جہاں حضرات انبیاء کرام کے مزارات ہیں۔ ارض مقدسہ فرمایا۔ یہ آیت اس مسئلہ کی ماخذ ہے کہا جاتا ہے مزاج شریف۔ اسم شریف' جب مزاج اور اسم شریف ہو سکتا ہے۔ تو بغداد و اجمیر و سرہند کو بھی شریف کہا جا سکتا ہے۔ کہ یہ مقامات بزرگوں کو اپنی آغوش میں لئے ہوئے ہیں **گیارہواں فائدہ** اللہ کے مقبول بندوں کی نگاہ لوح محفوظ میں لگی ہے۔ وہ حضرات وہاں کے واقعات جانتے ہیں۔ یہ فائدہ **کتب اللہ لکم** سے حاصل ہوا۔ اگر رب تعالیٰ نے کسی کو کچھ بتانا ہی نہ تھا تو لوح محفوظ میں یہ سب لکھا کیوں خدا کو اپنے بھول جانے کا اندیشہ تو نہ تھا۔ بلکہ کسی کو بتانا مقصود تھا۔ اس لئے سب کچھ لکھ دیا۔ اس وجہ سے اسے کتاب مبین کہتے ہیں یعنی خاص بندوں پر ظاہر کرنے والی کتاب۔

پہلا اعتراض بنی اسرائیل کو نبوت بھی دی گئی اور سلطنت بھی۔ مگر نبوت کے متعلق فرمایا گیا **جعل فیکم انبیاء** اور سلطنت کے متعلق ارشاد ہوا **جعلکم ملوکا** بیان میں فرق کیوں ہے۔ دونوں جگہ عبارت یکساں کیوں نہ ہوئی۔ **جواب** اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں ملوک سے مراد آزاد خود مختار ہے۔ نہ کہ سلطان و بادشاہ۔ چونکہ سارے اسرائیلی فرعون کی غلامی سے آزاد و خود مختار ہوئے تھے۔ لہٰذا انکا ہر فرد ملک تھا۔ مگر ہر فرد نبی نہ تھا بلکہ ان میں سے بعض حضرات نبی ہوئے۔ لہٰذا **ملوک** کے لئے **جعلکم** اور نبی کے لئے **جعل فیکم** ہی مناسب ہے۔ دوسرے یہ کہ بادشاہ کی قوم بادشاہ کہلاتی ہے۔ مگر نبی کی قوم نبی نہیں کہلاتی۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا۔ کہ اے بنی اسرائیل تم کو وہ دیا جو عالمین میں سے کسی کو نہ دیا۔ تو کیا بنی اسرائیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت سے بھی افضل ہیں۔ **جواب** یہاں **مالم یوت** میں **ما** سے مراد درجات و مراتب نہیں۔ بلکہ وہ خصوصی نعمتیں ہیں جو بنی اسرائیل کے سوا کسی کو نہ ملیں۔ جیسے من و سلویٰ وغیرہ۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ انعام اور چیز ہے۔ درجہ و مرتبہ کچھ اور چیز۔ اور **ما** سے مراد درجات ہوں تو **العلمین** سے مراد اس زمانہ کے عالم والے ہیں۔ مسلمان بہت عرصہ بعد ہوئے تب بھی کوئی اعتراض نہیں۔ **تیسرا اعتراض** جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو حکم جہاد دیا۔ اس وقت بیت المقدس میں قوم جبارین آباد و قابض تھی۔ وہ سب مشرک و کافر تھے۔ وہ جگہ مشرکین و کفار کی تھی۔ وہاں شرک و کفر کا مرکز تھا پھر اسے ارض مقدس کیوں فرمایا۔ **جواب** اس لئے کہ وہاں بیت المقدس بھی تھا۔ اور حضرات انبیاء کرام کے مزارات بھی نبیوں کا مسکن (جائے قیام) بھی۔ لہٰذا وہ جگہ مقدس تھی۔ وہاں مشرکین کا بس جانا۔ وہاں شرک و کفر ہونا اس کی عظمت کو مٹا نہ سکا۔ موتی کیچڑ میں لتھڑ جاوے تب بھی موتی ہی ہے۔ کعبہ معظمہ میں بت رہے تب بھی وہ کعبہ شریف ہی رہا۔ ذاتی عظمت عارضی شرارت سے نہیں مٹ سکتی۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارض مقدسہ کے متعلق ارشاد ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

کتب اللہ لکم جب اللہ تعالیٰ نے وہ زمین بنی اسرائیل کے لئے لکھ دی تھی تو وہاں کفار کیسے قابض ہو گئے۔ جواب جیسے کسی کے گھر میں کوئی غاصب ناجائز طور پر گھس جاوے۔ پھر وہاں سے دھکے دے کر نکالا جاوے۔ یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام لبنان کے پہاڑ پر چڑھے۔ ان سے فرمایا گیا۔ کہ آپ یہاں سے چو طرف نظر دوڑائیں۔ جہاں تک آپ کی نظر جاوے گی۔ وہاں تک کی زمین مقدس ہے اور وہ آپ کی اولاد کی جائے قیام ہے۔ بہر حال قوم جبارین کے قبضہ کی وجہ سے وہ زمین بنی اسرائیل کے استحقاق سے نہ نکل گئی۔ **لکم** میں لام استحقاق کا ہے۔ کعبہ معظمہ میں بت رہے تو وہ بت خانہ نہ بن گیا۔ رہا خانہ خدا۔ لہذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیات قرآنیہ چند قسم کی ہیں۔ ایک وہ جن میں رب تعالیٰ نے خود کلام فرمایا۔ دوسری وہ جن میں حق تعالیٰ نے شیطان اور شیطانی لوگوں کا کلام نقل فرمایا۔ جیسے **ما کنتم لا سجد لبشر** جیسے عزیر ابن اللہ یا جیسے المسیح ابن اللہ تیسری وہ جن میں رب نے انبیاء و اولیاء کا کلام نقل فرمایا۔ جیسے یہ آیت **یا قوم اذکروا** یہ تیسری قسم کی آیت قرآن بھی ہیں اور حدیث بھی ہیں۔ رب نے اپنے محبوب کا کلام نقل کیا **امسک علیک زوجک واتق اللہ** یہ کلمات کلام اللہ یعنی قرآن کی آیت بھی ہے۔ اور حدیث بھی کہ فرمان مصطفوی بھی ہے۔ یہ آیات بہت ہی شاندار ہیں کہ ان میں دونوں جمع ہیں نور الوہیت اور نور نبوت۔ اس لئے ہماری اپنی دعاؤں سے وہ دعائیں افضل ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں۔ یعنی ماثورہ دعائیں اور وہ دعائیں تو بہت ہی افضل ہیں جو نبیوں کی دعائیں قرآن مجید میں نقل ہوئیں کہ ان میں الفاظ زبان نبی اور کلام الٰہی کی تاثیریں جمع ہو گئیں۔ **اذکروا نعمۃ اللہ علیکم** بہت ہی مقدس فرمان ہے کہ یہ قرآن بھی ہے اور کلیم اللہ کی حدیث بھی **اذکر** پہلے پوشیدہ ہے۔ یعنی اے نبی آپ وہ واقعہ یاد کرو۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا تھا۔ یاد وہ چیز کرائی جاتی ہے۔ جو علم میں تو ہو توجہ میں نہ ہو۔ معلوم ہوا کہ تمام اگلی پچھلی باتیں حضور کے علم میں ہیں بلکہ حضور کے مشاہدہ میں ہیں رب فرماتا ہے **الم تر کیف فعل ربک** بعاد یا فرماتا ہے۔ **الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل** صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان کا دل گویا مقدس زمین ہے جسے دنیاوی آلائشوں سے پاک و صاف رکھنا ضروری ہے۔ دل میں دنیا اور دنیاوی جھگڑوں' بغض و حسد و کینہ یا کفر و شرک و بدعقیدگیوں کا آجانا گویا قوم جبارین کا ارض مقدسہ پر قبضہ کرلینا ہے۔ اللہ کے مقبولوں کی جماعت گویا قوم موسیٰ ہے۔ جن کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے قوم موسیٰ یعنی مقبولین بارگاہ الٰہی تم پر اللہ کے بڑے فضل و کرم ہیں۔ تم میں انبیاء' رسل' اولیاء ہیں اس نعمت کا شکریہ یہ ہے کہ پس ماندہ دلوں پر نظر کرو اور مجاہدانہ و غازیانہ نظر ڈال کر وہاں سے اس قوم جبارین کو نکال دو۔ تاکہ وہ دل پاخانہ اغیار نہ رہیں بلکہ کاشانہ یار بن جاویں۔ دل ہمارے ہیں۔ مگر ان پر قبضہ غیروں نے جما کیا ہے۔ ان ناجائز **قابضین** کو وہاں سے نکالو۔ تاکہ یہ دل کی بستیاں اصل مالک کی تجلی گاہ بن جاویں جیسے کسی ملک پر سلطان کا قبضہ فوج کے ذریعہ ہوتا ہے۔ کہ فوج ہی دشمن کو وہاں سے نکالتی یا دباتی ہے۔ اسے فتح کر کے سلطان کے حوالے کرتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

یونہی دل پر تجلی یار کا قبضہ ان مقبول بندوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ جو ربانی فوج ہے۔ جس دل میں اس فوج کا داخلہ نہ ہو وہاں نور الٰہی نہیں پہنچتا۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **یقوم ادخلوا الارض المقدسة** جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع مہاجرین و انصار مکہ معظمہ میں فاتحانہ شان سے داخل ہو گئے۔ تب کعبۃ اللہ سے بت اور مکہ معظمہ سے شرک و کفر نکلے۔ رحمت رب تعالیٰ ہی ہوتی ہے مگر اس کے داخلہ کے لئے جماعت انبیاء کا داخلہ شرط ہے۔ جسم میں دوا جاتی ہے تو بیماری نکلتی ہے اور وہاں شفا داخل ہوتی ہے۔ جو بغیر واسطہ اولیاء و انبیاء اپنے دل کی صفائی چاہے۔ وہ احمق ہے۔ ہمیشہ نامراد رہے گا۔ شعر:۔

☆ کھول دو سینہ مرا فاتح مکہ آ کر ☆
☆ کعبہ دل سے صنم کھینچ کے کر دو باہر ☆
☆ آپ آ جایئے سینہ میں مرے جاں ہو کر ☆
☆ سلطنت کیجئے اس جسم میں سلطان ہو کر ☆

گھر میں گھر والا آتا ہے تو مع سامان آتا ہے۔ جب نکلتا ہے تو سامان پہلے نکل جاتا ہے۔ حب رسول حب اولیاء' خوف خدا انوار الٰہی کا سامان ہے۔ جب دل میں یہ نور آنے والا ہوتا ہے تو پہلے وہاں یہ سامان آتا ہے اور جس دل پر پھٹکار ہونے والی ہوتی ہے۔ تو پہلے وہاں سے یہ سامان نکل جاتا ہے۔

قَالُوْا یٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِیْهَا قَوْمًا جَبَّارِیْنَ ۖۗ وَ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى یَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ

انہوں نے کہا اے موسیٰ بے شک اس زمین میں قوم ہے جبارین اور بے شک ہم ہرگز نہیں داخل ہوں گے اس میں یہاں

بولے اے موسیٰ اس میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں اور ہم اس میں ہرگز داخل نہ ہوں گے جب تک وہ وہاں

فَاِنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿۲۲﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ

تک کہ نکل جاویں اس سے پس اگر نکل جاویں وہ اس سے پس بے شک ہم داخل ہونے والے ہیں کہا دو مردوں

سے نکل نہ جائیں تو ہم وہاں جائیں دو مرد کہ اللہ سے ڈرنے والوں میں سے تھے

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَیْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ

نے ان میں سے جو خوف کرتے تھے انعام کیا اللہ نے اوپر ان کے داخل ہو جاؤ تم اوپر ان کے دروازہ میں

اللہ نے انہیں نوازا بولے کہ زبردستی دروازہ میں ان پر داخل ہو اگر تم

www.alahazratnetwork.org

غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْۤا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۲۳)

پس جب کر داخل ہو گئے تم اس میں پس بے شک تم غالب ہو گئے۔ اور اللہ پر ہی بھروسہ کرو اگر ہو تم ایمان والے	
دروازے میں داخل ہو گئے تو تمہارا ہی غلبہ ہے اور اللہ پر بھروسہ کرو اگر تمہیں ایمان ہے۔	

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کے اس حکم کا ذکر تھا۔ جو انہوں نے بنی اسرائیل کو دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی عملی یاد اس آیت میں بنی اسرائیل کی احسان فراموشی اور رب تعالیٰ کی نعمت بھول جانے کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ ہماری تمام وہ نعمتیں بھول گئے جو ہم نے ان کو دیں۔ غرق فرعون' بحر قلزم کو ان کے لئے چیرنا وغیرہ اور جہاد سے انکار کر دیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خاص حکم جہاد کا ذکر تھا۔ اب بنی اسرائیل کی اس حکم سے سرتابی کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے نبی کے فرمان سے سرتابی کر بیٹھے تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو موجودہ یہود کی سرتابیوں سے صدمہ نہ ہو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں کریم بندہ نواز کی عطا کا ذکر تھا۔ اب ناسمجھ بندوں کی اس عطا سے محرومی کا تذکرہ ہے۔ دین کے بعد لین کا ذکر ہے کہ داتا نے عطا کی پیشکش کی مگر لینے والے نے انکار کر دیا۔

تفسیر قالوا یموسٰی یہ نیا جملہ ہے جس میں بنی اسرائیل کے جواب کا ذکر ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ جواب دیا۔ **قالوا** کا فاعل وہ سارے اسرائیلی ہیں جن سے بیت المقدس میں داخلہ کے لئے کہا گیا۔ اگرچہ یہ عرض چند شخصوں نے کی ہو گی۔ مگر چونکہ وہ چند ساری قوم کے نمائندے تھے۔ اور نمائندوں کا کہنا سب کا کہنا ہوتا ہے۔ اس لئے سب کو کہنے والا قرار دیا گیا۔ اور فرمایا گیا۔ **قالوا** ان میں سے بعض صالح اسرائیلی مستثنیٰ ہیں۔ جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ ان لوگوں کا اپنے پیغمبر کو نام لے کر پکارنا بھی سرکشی ہے۔ ان بد نصیبوں کے جواب کی ابتداء ہی بے ادبی سے ہوئی۔ کہ انہوں نے اپنے پیغمبر کو یا نبی اللہ یا کلیم اللہ کہہ کر خطاب نہ کیا۔ جسے اللہ کوئی درجہ دے اسے نام سے پکارنا گویا اس درجہ کا انکار کرنا ہوتا ہے۔ اگر بیٹا اپنے ماں باپ کو نام لے کر پکارے تو گویا وہ اس کے ماں باپ ہونے کا انکار کرتا ہے۔ ڈی۔ سی کو نام لے کر پکارو تو گویا اس کے اس عہدے کا انکار کرتے ہو۔ اس لئے اس پکارنے والے سے حکومت بھی ناراض ہوتی ہے۔ یونہی پیغمبر کو صرف نام لے کر پکارنے سے رب تعالیٰ ناراض ہے۔ حضور کے صحابہ حضور کو نہ تو نام لے کر پکارتے تھے۔ نہ بھیا' ابا کہہ کر۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑے ادب سے پکارنا ضروری ہے۔ صرف نام سے پکارنا ممنوع ہے۔ **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** چونکہ انہیں داخلہ کا حکم موسیٰ علیہ السلام نے ہی دیا تھا۔ اس لئے انہوں نے جواب بھی آپ ہی کو دیا۔ یا اللہ کہہ کر رب تعالیٰ سے عرض نہ کیا۔ اگرچہ وہ حکم رب تعالیٰ کی طرف سے تھا۔ **ان فیھا قوما جبارین** یہ عبارت **قالوا** کا مفعول بہ ہے۔ اس لئے **ان** کسرہ سے آیا۔ **فیھا** کا مرجع وہ

www.alahazratnetwork.org

زمین بیت المقدس ہے۔ جہاں جانے کا۔ جس کے فتح کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ قوم جبارین سے مراد وہی عمالقہ قوم ہے۔ جو قوم عاد کی بقیہ تھی۔ جو اس وقت بیت المقدس پر قابض تھی۔ (خازن) جبار مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جب یہ خدا تعالیٰ کی صفت ہو تو یہ بنتا ہے۔ جبر۔ بمعنی تلافی کر دینا۔ تختی غلبہ سرکشی۔ دوسرے کو دبانا سے بنتا ہے۔ اس سے ہے مجبور۔ یعنی دبایا ہوا یا بنتا ہے جبارہ سے۔ بمعنی بلند قامت۔ کہا جاتا ہے۔ **نخلة جبارة** اونچی کھجور جہاں تک ہاتھ نہ پہنچ سکے۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں (خازن' معانی' کبیر وغیرہ) یعنی اس بستی میں بہت سخت' غالب' سرکش قوم ہے۔ یا بہت بلند قامت جسم پہلوان لوگ ہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ مصر میں صرف ایک جابر بادشاہ تھا فرعون۔ باقی اس کے سارے تابع اور تابعین میں بعض لوگ مومن تھے۔ پھر وہ فرعون بھی قد و قامت میں ہماری طرح تھا۔ اس کے باوجود رب تعالیٰ نے ہم کو اس پر جہاد کرنے کا حکم نہ دیا۔ بلکہ خود ہی اسے غرق کر دیا۔ تو یہاں فلسطین میں تو ہزاروں جباروں کی تعداد ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو ان سے جہاد کرنے کا حکم کیوں دے رہا ہے۔ انہیں بھی وہ خود ہی ہلاک کر دے۔ پھر ہم کو وہاں آباد کر دے۔ خیال رہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارہ نقیب اس قوم کی تحقیقات کے لئے بھیجے تھے۔ انہوں نے وہاں جا کر ان کی جسامت کا یہ حال دیکھا کہ ان کے ایک جوتے میں ایک اسرائیلی سو سکتا تھا۔ (روح البیان) اور طاقت کا یہ حال دیکھا کہ ایک عملقی بازار سے زنبیل میں کچھ سبزی لا رہا تھا۔ اس نے ان نقیبوں میں سے چند کو اپنی زنبیل میں ڈال لیا اور اپنے بادشاہ کے سامنے اٹھائے زنبیل میں لے آیا۔ ایسے گرایا۔ جیسے ہم چیونٹی جوں کو کپڑے سے جھاڑ دیتے ہیں اور بولا کہ یہ لوگ ہم سے لڑنے آ رہے ہیں (تفسیر کبیر) جب یہ نقیب وہاں سے لوٹے اور موسیٰ علیہ السلام کو یہ واقعات بتائے تو آپ نے فرمایا کہ اسرائیلیوں سے یہ نہ کہنا ورنہ وہ بزدل ہو جائیں گے۔ سوا دو نقیبوں کے باقی دس نے وعدہ خلافی کی۔ اور بنی اسرائیل سے یہ حالات کہہ دیئے۔ تب ان لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ عرض کیا کہ وہاں بیت المقدس میں بڑی قد آور زور آور قوم ہے۔ یہ دس بد عہد نقیب مقام تیہ میں بڑی آفتوں میں مبتلا ہو کر مرے (تفسیر کبیر) ان بقیہ دو نقیبوں پر اللہ تعالیٰ نے بڑا ہی کرم فرمایا جیسا کہ ابھی آ رہا ہے۔ **وانا لن ندخلها حتى يخرجوا منها** یہ جملہ ان کا دوسرا مقولہ ہے۔ پہلا کلام گویا اس کلام کی علت تھا۔ **دخول** سے مراد ہے غازیانہ طریقہ فاتحانہ شان سے داخل ہونا۔ جس کا انہیں حکم دیا گیا۔ عمالقہ کے نکلنے سے مراد ہے۔ ان کا کسی اور وجہ سے بیت المقدس سے نکل جانا۔ ہماری بغیر جنگ یعنی ہم میں ان کے نکالنے کی طاقت نہیں۔ اگر وہ خود ہی اپنے آپ یا کسی اور وجہ سے وہاں سے نکل جاویں۔ تب ہم وہاں آرام کرنے پھل فروٹ کھانے سیر تفریح کرنے پہنچ جائیں بھی تو ہم فاتحانہ حیثیت سے نہ وہاں جا سکتے ہیں نہ اس قوم کو وہاں سے نکال سکتے ہیں۔ یہ ہے اس قوم کی سرکشی اپنے نبی سے۔ **قال رجلان من الذين يخافون انعم الله عليهما** اس عبارت میں اس جواب کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے دو مقبول بندوں نے دیا۔ امت میں بڑے درجہ والے وہ لوگ ہوتے ہیں۔ جو اس وقت نبی کی تائید کریں۔ جب لوگ ان کی مخالفت کر رہے ہوں۔ جیسے حضرت ابو بکر صدیق' علی مرتضیٰ اور بلی

www.alahazratnetwork.org

بی بی خدیجۃ الکبریٰ کہ انہوں نے سب سے پہلے حضور کی تصدیق و تائید کی۔ اسی طرح یہ دونوں حضرات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اس وقت مئوید ہوئے۔ جب کہ قوم نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے نبی کی تصدیق کے بعد ان دونوں کی تائید کا ذکر فرمایا۔ اور ذکر بھی کیا نہایت شاندار طریقہ سے انہیں خوف الٰہی انعام الٰہی کی نعمتوں سے مالا مال فرمانے کا تذکرہ فرمایا۔ اس عبارت کی چند ترکیبیں اور چند ہی تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ **رجلان** سے مراد وہی دو نقیب ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا۔ اور قوم عمالقہ کے حالات اسرائیلیوں سے بیان نہ کئے۔ ایک تو حضرت کالب ابن یوقنا یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بہنوئی یعنی آپ کی بہن حضرت مریم بنت عمران کے خاوند۔ دوسرے حضرت یوشع ابن نون ابن افرائیم ابن یوسف علیہ السلام یعنی یوسف علیہ السلام کے پوتے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی بعد میں آپ کے خلیفہ (روح البیان) اس صورت میں من تبعیضیہ ہے۔ اور **من الذین یخافون** صفت اول ہے۔ **رجلان** کی۔ اور **انعم اللہ** الخ دوسری صفت اور انعام سے مراد وفاء عہد کی توفیق ملنا ہے۔ معنی یہ ہیں کہ انہیں ڈرانے والے اسرائیلیوں میں سے دو شخص جن پر اللہ نے یہ انعام فرمایا کہ انہیں راز داری اور وفاداری کی توفیق دی۔ انہوں نے یہ کہا۔ دوسرے یہ کہ **رجلان** سے مراد قوم عمالقہ کے دو آدمی ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر **بفضلہ تعالیٰ** ایمان لے آئے تھے۔ اس صورت میں **الذین یخافون** سے مراد قوم عمالقہ ہے۔ اور **یخافون** کا مفعول **ہم** پوشیدہ ہے۔ اور انعام سے مراد ایمان لانے کی توفیق ہے۔ یعنی جس قوم سے یہ اسرائیلی ڈر رہے تھے۔ اسی قوم کے دو آدمیوں نے انہیں یہ جواب دیا۔ ان دو آدمیوں پر اللہ نے یہ انعام کیا تھا۔ کہ وہ ایمان لے آئے تھے۔ تیسرے یہ کہ **من** بمعنی لام ہے اور **الذین** سے مراد ڈرنے والے اسرائیلی ہیں۔ یعنی دو شخصوں نے ڈرنے والے اسرائیلیوں سے یہ کہا ان دونوں پر اللہ نے انعام کیا تھا کہ ان کے دل قوی بنائے تھے۔ گویا اسرائیلی دو قسم کے ہو گئے۔ ڈرنے والے جو کہ بہت تھے اور نہ ڈرنے والے جو کہ تھوڑے تھے ڈرنے والوں سے یہ کلام کیا گیا۔ مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ **ادخلوا علیہم الباب** یہ **قال رجلن** کا مقولہ ہے جس میں اسرائیلیوں کی جنگی تدبیر بتائی گئی ہے۔ **علیہم** کا مرجع قوم عمالقہ ہے۔ اور باب سے مراد شہر قدس کا دروازہ ہے۔ **دخول** سے مراد ہمت کر کے گھس جانا ہے۔ یعنی ہمت کر کے دروازہ بیت المقدس میں گھس جاؤ۔ اس پر قبضہ کر لو۔ جس سے قوم عمالقہ نہ نکل سکے۔ اور بے بس ہو کر ہتھیار ڈال دے۔ ان پر ایسی تنگی کرو کہ انہیں جائے قرار اور جائے فرار کچھ نہ رہے۔ اچانک ان پر جا پڑو ٹوٹ پڑو۔ **فاذا دخلتموہ فانکم غلبون** یہ پہلی عبارت کا نتیجہ ہے ہ کا مرجع دروازہ ہے یعنی ہم تم کو یقین دلاتے ہیں کہ جب تم دروازہ شہر پر قبضہ کر لو گے تو انشاء اللہ تم نہایت آسانی سے فتحیاب ہو جاؤ گے۔ کیونکہ ان کے جسم بڑے ہیں مگر ان کے پہلوؤں میں دل نہیں۔ جنگ صرف جسم و ہتھیار سے نہیں بلکہ دل سے ہوتی ہے۔ جنگ میں دلیری چاہیے۔ صرف گدھے کا سا موٹا جسم کافی نہیں۔ **وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین** یہ مومن کا وہ روحانی ہتھیار ہے۔ جس کا توڑ کافر کے پاس نہیں۔ ایمان تقویٰ اور اللہ پر بھروسہ یعنی اگر

www.alahazratnetwork.org

تم سچے مسلمان ہو۔ تو اللہ پر ہی بھروسہ کرو۔ وہ چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے۔ یہاں توکل سے مراد توکل عام مومنین ہے۔ یعنی اول اسباب جمع کرنا۔ پھر مسبب الاسباب پر بھروسہ کرنا۔ ترک اسباب والا توکل مراد نہیں کہ یہ خواص کا توکل ہے۔ وہ بھی خاص حالات میں۔ جہاد میں توکل مع اسباب چاہیے۔ (تفسیر خازن)

خلاصہ تفسیر جب موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو بیت المقدس پر جہاد کا حکم دیا۔ بنی اسرائیل پہلے ہی قوم عمالقہ کی قد آوری شہہ زوری کا حال اپنے دس نقیبوں کی زبانی سن کر ڈر چکے تھے۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے موسیٰ علیہ السلام بیت المقدس میں جو قوم ہے جس سے جہاد کرنے کا آپ ہم کو حکم دیتے ہیں۔ وہ قوم تو بڑی شہہ زور قد آور ہے۔ بڑے جابر لوگ ہیں۔ ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم وہاں داخل نہیں ہو سکتے۔ ہاں اگر وہ خود بخود وہاں سے نکل جاویں تو ہم بھی سیر و تفریح کرنے وہاں پہنچ جاویں گے۔ خیال رہے کہ ان لوگوں کے اس جواب کے چار جز ہیں ایک **یموسیٰ** دوسرا **ان فیھا** تیسرا **انا لن ندخلھا** چوتھا **فان یخرجوا** الخ اس جواب کی ابتداء جناب کلیم اللہ کی بے ادبی سے شروع ہوئی۔ کہ انہوں نے صرف نام لے کر پکارا یا موسیٰ لہٰذا ساری باتیں ہی غلط ہوئیں جس دیوار کی پہلی اینٹ ٹیڑھی ہو وہ ساری دیوار ٹیڑھی ہوتی ہے۔ پیغمبر کا ادب ایمان کی پہلی اینٹ ہے۔ اللہ اس اینٹ کو سیدھا کرے۔ ان ڈرنے والوں کی جماعت میں سے دو شخص بولے جن پر اللہ نے بڑا فضل و کرم کیا تھا۔ ان کے دل پختہ تھے۔ وعدہ موسوی پر انہیں اعتماد تھا۔ کہ اللہ کے بندو' ہمت کرو' دروازہ شہر میں گھس جاؤ۔ انشاء اللہ اگر تم نے دروازہ پر قبضہ کر لیا۔ تو غالب تم ہی رہو گے۔ کیونکہ ان لوگوں کے جسم قوی ہیں۔ مگر دل کمزور۔ ایسے موٹے بیل لڑنے میں بہادر نہیں ہوتے۔ **اگر تم سچے مسلمان ہو۔** تو اپنے رب پر بھروسہ کرو۔ وہ ہی کافی کارساز ہے۔ ایمان و توکل وہ ہتھیار ہے۔ جس کا جواب کفار کے پاس نہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** نبی کو بغیر خصوصی القاب صرف نام سے پکارنا بہت ہی برا ہے۔ رب تعالیٰ کو ناپسند ہے۔ اس کا وبال دنیا میں بھی پڑ جاتا ہے۔ یہ فائدہ **قالوا یموسیٰ** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا یہ جواب عتابانہ ناراضی کا اظہار فرماتے ہوئے نقل کیا۔ ان کے ایک ایک لفظ سے رب تعالیٰ ناراض ہوا۔ اس کا وبال بنی اسرائیل پر وہ پڑا جو آگے بیان ہو رہا ہے۔ **دوسرا فائدہ** جس کے دل میں نبی کی عظمت و ہیبت نہ ہو۔ اس کے دل میں کفار کی ہیبت بیٹھ جاتی ہے۔ یہ فائدہ **لن ندخلھا** سے حاصل ہوا کہ بنی اسرائیل کے دل میں قوم جبارین کی بغیر دیکھے ہیبت بیٹھ گئی۔ کیوں اس لئے کہ وہ اپنے پیغمبر کے بے ادب تھے۔ دیکھو فرعونی جادوگر جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا۔ کہ آپ سے اجازت لے کر جادو دکھایا۔ انہیں ایمان ملا اور ایمان کے ساتھ دل کی جرأت کی ہمت و نصیب ہوئی کہ فرعون سے کہہ دیا **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔ ہم ایمان نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ فرق ہے بے ادب اور باادب کا۔ **تیسرا فائدہ** جنگی راز عوام سے چھپانا صرف خواص پر ظاہر کرنا۔ جن کو جنگی مہارت ہو۔ بہت ہی ضروری ہے جنگ کا مدار اسی چیز پر ہے۔ جو قوم رازداری نہ کر سکے وہ کبھی جنگ نہیں جیت سکتی دیکھو دس نقیبوں نے

www.alahazratnetwork.org

قوم جبارین کی جسامت و شہہ زوری بنی اسرائیل کو بتادی تو اس کا وہ انجام ہوا جو یہاں مذکور ہے۔ چوتھا فائدہ امر وجوب کے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو ادخلوا الارض المقدسة میں ادخلوا امر تھا۔ اس امر کی مخالفت کی وجہ سے بنی اسرائیل پر مختلف عتاب بلکہ عذاب آئے۔ پانچواں فائدہ اللہ کی بڑی نعمت بندہ پر یہ ہے کہ بندہ کو نبی کی فرمانبرداری کی توفیق مل جاوے۔ یہ فائدہ انعم اللہ علیھم سے حاصل ہوا۔ ان دو شخصوں یعنی یوشع ابن نون اور کالب ابن یوقا پر اللہ کا بڑا انعام یہ ہوا۔ کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے حکم کی اطاعت کی کہ راز چھپائے۔ رب تعالیٰ نے ان کی تعریف فرمائی۔ چھٹا فائدہ اللہ تعالیٰ اولیاء کرام کو علوم غیبیہ بخشتا ہے۔ دیکھو یہ دونوں بزرگ اس وقت ولی تھے۔ یوشع علیہ السلام نبی بنے ہیں موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد مگر انہوں نے پہلے ہی خبر دے دی کہ اگر تم بیت المقدس کے دروازے میں داخل ہو گئے تو فتح تمہاری ہو گی اور واقعی ہو تا بھی ایسا ہی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان دونوں ولیوں کا فرمان بغیر تردید نقل فرمایا۔ ساتواں فائدہ اللہ کے مقبولین سیاسیات عالم' جنگی تدبیروں' سلطنت کے طریقوں سے قدرتی طور پر واقف ہوتے ہیں۔ انہیں کوئی چیز کسی سے سیکھنی نہیں پڑتی یہ فائدہ ادخلوا علیھم الباب سے حاصل ہوا کہ ان دونوں ولیوں نے دشمن کے محاصرہ کرنے کی وہ تدبیر بتائی جس پر آج تک عمل ہو رہا ہے۔ آج بھی دشمن کی فوج کو گھیرے میں لے لینا بڑی کامیاب تدبیر سمجھی جاتی ہے دشمن کے نکلنے کا دروازہ بند کرے' پھر وہ تمہارے قابو میں ہے۔ یوسف علیہ السلام نے سلطنت کے امور سارے عالم کو رزق الٰہی کی تقسیم اس خوش اسلوبی سے انجام دیئے کہ سبحان اللہ۔ وہ حضرت یہ کام کسی سے سیکھ کر مصر میں آئے تھے۔ رب تعالیٰ سے سیکھ کر ہمارے حضور نے جو سلطنت رانی جنگ کے قوانین بنائے۔ وہ آج تک دوسری قومیں بھی برت رہی ہیں یہ ہے ان کا علم خداداد۔ آٹھواں فائدہ فتح و نصرت فوج کی کثرت ہتھیاروں کی فراوانی پر موقوف نہیں۔ یہ تو رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے۔ اگر وہ چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے۔ یہ فائدہ فتوکلوا الخ سے حاصل ہوا۔ اس کا تجربہ ۶ ستمبر ۱۹۶۵ء کی اس جنگ سے ہوا۔ جس میں ہندوستان نے پوری طاقت سے غافل پاکستان پر حملہ کیا' ان کا پروگرام یہ تھا۔ کہ بستر گھنٹوں میں لاہور سے پشاور تک کو فتح کر لینا ہے۔ ان کی فوج پینتالیس ہزار تھی' ٹینک ہوائی جہاز توپیں سینکڑوں تھیں۔ مگر چھ سو اسلامی فوج نے ان کی یلغار روک لی اور سترہ دن کی جنگ کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کے چھ سو ٹینک' سوا سو ہوائی جہاز ایک بحری جہاز اسلامی فوج کے ہاتھوں تباہ ہوئے۔ اور تیس ہزار کے قریب فوج ہلاک ہوئی۔ مختلف محاذوں پر سولہ سو میل سے زیادہ علاقہ پر مسلمانوں نے قبضہ کر لیا۔ یہ ہے وعلی اللہ فتوکلوا کا ظہور۔ اے مولیٰ تیری شان کریمی کے قربان' بدر و حنین کی نصرتیں اب بھی اتر سکتی ہیں۔ خدا کرے ہم بندے بنیں۔ نواں فائدہ مومن غازیوں کا سب سے اعلیٰ ہتھیار ایمان اور توکل ہے ان ہتھیاروں کا توڑ کفار کے پاس نہیں۔ یہ فائدہ ان کنتم مومنین سے حاصل ہوا۔ بحالت جنگ ان دو ہتھیاروں سے ضرور کام لیں۔

پہلا اعتراض وہ بنی اسرائیل اس سرتابی سے مرتد ہو گئے تھے یا نہیں۔ اگر نہیں تو کیوں۔ پیغمبر کے حکم کا انکار کفر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اگر مرتد ہو گئے تھے تو انہیں ارتداد کی سزا کیوں نہ دی گئی۔ **جواب** مرتد نہیں ہو گئے تھے۔ گنہگار ہو گئے تھے۔ پیغمبر کے حکم پر عمل نہ کرنا کفر نہیں گناہ ہے۔ ہاں ان کے حکم کو غلط سمجھنا کفر ہے۔ اس کا یہاں ثبوت نہیں کیونکہ وہ اسرائیلی اس بد عملی کی وجہ بیان کر رہے ہیں کفار کا شہہ زور ہونا۔ اپنا کمزور ہونا۔ لہٰذا یہ گناہ ہوا فسق ہوا' کفر نہیں ہوا۔ **دوسرا اعتراض** **ان کنتم مومنین** سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے لئے توکل ضروری ہے جو رب تعالیٰ پر توکل نہ کرے وہ مومن نہیں تو کیا بے صبرے لوگ کافر ہیں۔ **جواب** یہ فرمان ترغیب کے لئے ہوتا ہے۔ مومنین سے مراد کامل مومنین ہیں۔ جیسے ایک باپ اپنے بیٹے سے کہتا ہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ نافرمان فرزند اپنے باپ کا بیٹا نہیں رہتا۔ اس کی نسل باپ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ مطلب یہ ہی ہوتا ہے کہ اگر لائق بیٹا ہے تو اطاعت کر۔ **تیسرا اعتراض** ان دونوں بزرگوں نے بنی اسرائیل کو یہ کیوں نہ کہا کہ چلو جنگ کرو۔ یہ کیوں کہا کہ دروازہ شہر میں داخل ہو جاؤ وہ موقع تو جہاد کا تھا۔ **جواب** یہ فرمان بھی بنی اسرائیل کی ہمت افزائی کے لئے تھا۔ مقصد یہ تھا کہ تم کو ان سے لڑنا نہ پڑے گا۔ تم شہر کے دروازہ پر قبضہ کر کے انہیں گھیرے میں لے لو۔ وہ شہر میں کچھ دن محصور رہ کر خود ہتھیار ڈال دیں گے۔ تم فقط وہاں داخل ہو جاؤ۔ جیسا کہ فتح مکہ میں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن مکہ معظمہ کو گھیرے میں لے لیا۔ اور بغیر قتال مکہ معظمہ فتح ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اولادِ نبی یا قومِ نبی ہونا جب ہی مفید ہے۔ جب کہ اطاعتِ نبی نصیب ہو۔ بنی اسرائیل انبیاء کی اولاد بھی تھے۔ ان کے ہم قوم بھی۔ مگر نافرمانیوں سرکشیوں کی وجہ سے اپنے سارے فضائل کھو بیٹھے۔ ان کی نظر اپنے مقابل کفار کی جبارت پر تو گئی جو ان سے بہت دور تھے مگر اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام کی محبوبیت رب تعالیٰ کی قدرت پر نہ گئی۔ اس لئے وہ بزدل ہو گئے۔ دماغ کی آنکھ میں تین قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں کبھی تو آنکھ نہ دور کو دیکھتی ہے اور نہ نزدیک کو۔ وہ تو اندھی ہے کبھی نزدیک کو دیکھتی ہے دور کو نہیں کبھی اس کے برعکس دور دیکھتی ہے نزدیک کو بنی اسرائیل کے دل کی آنکھوں میں تیسری قسم کی بیماری تھی کہ انہیں قریب رہنے والے اللہ نبی کی رحمت نظر نہ آئی اور دور والے قوم جبارین کی وہمی طاقت نظر آئی اور وہ دو خوش نصیب باوجودیکہ قوم جبارین کی شہہ زور جسامت دیکھ کر آئے تھے۔ مگر ان کی نظر اللہ اور کلیم اللہ پر گئی۔ قوم جبارین پر نہ گئی۔ اور پکار اٹھے کہ تم دروازے تک تو چلو۔ تم ہی غالب رہو گے۔ کیونکہ تم جناب کلیم کے ساتھ ہو۔ رب تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ہے۔ تو تم ان کے واسطے سے رب کے ساتھ ہو۔ اور جو رب کے ساتھ ہو۔ رب تعالیٰ بھی اس کے ساتھ ہو۔ اسے کیا کھٹکا۔ جس کے دل کی آنکھ بے نور ہو جاوے اسے دور کے کفار نظر آتے ہیں۔ ساتھ کے محبوبین نہیں دکھائی دیتے۔ دل کی آنکھ بھی کسی حکیم کے سرمہ سے کھلتی ہے۔ یہ بنی اسرائیل غرق فرعون کے دن دیکھ چکے تھے۔ کہ آگے دریا تھا۔ پیچھے فرعونی لشکر۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی نے انہیں بچا لیا آج بھی یہ اسی طرح بچ جاتے۔ بلکہ کامیاب ہو جاتے جو ڈالتا ہے وہ سنبھالتا ہے سب کچھ دیکھ کر یہ جاہل بن گئے۔

www.alahazratnetwork.org

حکایت تمثیلی صوفیائے کرام بطور تمثیل ایک حکایت فرماتے ہیں۔ کہ لب دریا ایک بڑا مضبوط درخت کھڑا تھا۔ دریا میں سیلاب آیا۔ درخت کو اکھیڑ کر بہا لے گیا۔ درخت قلابازیاں کھاتا بہتا جا رہا تھا۔ کبھی جڑ اوپر کبھی شاخیں اوپر درخت نے ایک کشتی کو دیکھا کہ بڑے آرام سے بہت سامان، بہت انسانوں کو اٹھائے تیرتی جا رہی ہے درخت بولا کہ میں بھی تیرا ہم قوم ہم جنس ہوں۔ تو بھی لکڑی میں بھی لکڑی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ تو آرام سے تیر رہی ہے۔ میں مصیبت میں بہ رہا ہوں۔ کشتی بولی کہ واقعی تو میرا ہم جنس ہے۔ مگر مجھے کاریگر کے ہاتھ لگ گئے ہیں تجھے وہ ہاتھ نہیں لگے نیز میرے ساتھ ملاح ہے۔ جو مجھے ڈوبنے بہکنے سے بچا رہا ہے۔ تو بے نورا بے پیرا ہے۔ اس لئے بہا جا رہا ہے۔ غوطے کھا رہا ہے۔ میری یہ ساری بہار اس ہاتھ اور اس ساتھ کی برکت سے ہے۔ مجھے کاریگر نے آرے سے چیرا۔ بسولے سے چیرا۔ رندے سے صاف کیا۔ مجھ پر کیلیں ٹھونکیں۔ میں نے سب کچھ برداشت کیا۔ اب دائمی بہاریں دیکھ رہی ہوں۔ بنی اسرائیل نبی زادے تھے۔ مگر انہوں نے نبی کے ہاتھ قبول نہ کئے مشقتیں برداشت نہ کیں۔ اس سے محروم رہے۔ کھٹے درخت کی شاخ میٹھے سے پیوند کر دی جاوے۔ میٹھی ہو جاتی ہے بشرطیکہ پیوند لگانے والا کوئی کاریگر ہو جو آنکھ سے آنکھ ملا دے۔ کاغذ کو کاغذ سے ملاتے ہیں۔ بذریعہ گوند کے اینٹ کو اینٹ سے جوڑتے ہیں بذریعہ گارے یا سیمنٹ کے۔ لکڑی کو لکڑی سے جوڑتے ہیں بذریعہ کیلوں کے، بندے کو رب سے وصال ہوتا ہے بذریعہ نبوت کے اور ولایت کے۔

قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ

کہا انہوں نے اے موسیٰ بیشک ہم وہاں ہرگز داخل نہ ہوں گے کبھی بھی جب وہ رہیں اس میں پس جاؤ تم اور رب

بولے اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ وہاں ہیں تو آپ جائیے اور آپ کا رب

رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (۲۴) قَالَ رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَ

تمہارا پس لڑو۔ بے شک ہم یہاں بیٹھے رہیں گے عرض کیا اے میرے رب بے شک نہیں مالک ہوتا ہوں میں

تم دونوں لڑو ہم یہاں بیٹھے ہیں۔ موسیٰ نے عرض کی کہ اے رب میرے بے شک اختیار نہیں

اَخِیْ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِیْنَ (۲۵) قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ

مگر اپنی ذات کا اور اپنے بھائی کا پس فرق کر دے ہمارے درمیان اور درمیان قوم بدکاروں کے فرمایا پس تحقیق وہ حرام

مگر اپنا اور اپنے بھائی کا تو تو ہم کو بے حکموں سے جدا رکھ فرمایا پس تو وہ زمین ان پر حرام

عَلَیْهِمْ اَرْبَعِیْنَ سَنَةً یَتِیْهُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَلَا تَاْسَ عَلَی الْقَوْمِ

ہے اوپر انکے چالیس سال تک حیران پھرا کریں گے وہ زمین میں پس نہ افسوس کر دو تم اوپر قوم

ہے چالیس برس تک بھٹکے پھرا کریں گے زمین میں تو تم ان بے حکموں کا

www.alahazratnetwork.org

الْفٰسِقِيْنَ ﴿۲۶﴾
بدکار کے
افسوس نہ کھاؤ

تعلق ان آیات کریمہ میں پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضرت یوشع و کالب کے جواب کا ذکر تھا۔ جو انہوں نے بنی اسرائیل کو دیا۔ اب بنی اسرائیل کے جواب الجواب کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے ایسے حکیمانہ مشورہ کا کیسا احمقانہ جواب دیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کو توکل کا حکم دیا گیا تھا۔ اب اس آیت میں ان کی بے توکلی گھبراہٹ اور گستاخی کا ذکر ہے۔ گویا وعظ کا ذکر پہلے تھے اور ان کے اثر نہ لینے کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی طرف سے بنی اسرائیل کو فتح و نصرت کی بشارت دی گئی تھی۔ اب بنی اسرائیل کے اس بشارت کو قبول نہ کرنے کی وجہ سے ظہور بشارت میں دیر لگنے کا ذکر ہے۔

تفسیر **قالوا یموسیٰ انا لن ندخلها ابدا**۔ اگرچہ ان بنی اسرائیل سے کلام کیا تھا۔ ان دو بزرگوں نے مگر ان لوگوں نے براہ عناد جواب میں خطاب کیا موسیٰ علیہ السلام سے نہ کہ ان دونوں بزرگوں یوشع اور کالب سے۔ یہ بھی ان لوگوں کی انتہائی نافرمانی تھی۔ یہاں کلام میں وہ ہی بے ادبی ہے کہ اپنے پیغمبر جناب موسیٰ کلیم اللہ کو بغیر کسی پیارے لقب کے صرف نام سے پکار رہے ہیں۔ **ندخلها** میں **ها** کی ضمیر کا مرجع وہ ہی بیت المقدس یا اریحاء کی بستی ہے۔ جس پر قوم جبارین مسلط تھی۔ دخول سے مراد ہے مطلقاً وہاں جانا۔ اگرچہ بغیر قتال ہی کے ہو۔ **ابدا** سے مراد ہے اپنی زندگی بھر۔ یعنی آپ تو ہم کو جہاد کے لئے کہتے ہیں ہم تو وہاں کبھی قدم بھی نہ رکھیں گے۔ جہاد تو بہت دور رہا۔ **ابدا** ظرف ہے **لن ندخل کل ما داموا فیها** یہ عبارت **ابدا** کا بدل ہے۔ **ما** بمعنی **مادام** ہے۔ اور **داموا** دوام سے بنا ہے۔ یہاں بمعنی **دوانا** ٹھہرنا ہے۔ یعنی جب تک کہ وہ قوم جبارین بیت المقدس میں مقیم ہیں۔ تب تک ہم کبھی وہاں نہ جائیں گے۔ اس قسم کے بدل عرب میں مروج ہیں۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **واکرم اخاک الدھر مادمتما معا** ☆

☆ **کفی بالممات فرقة وتنائیا** ☆

یعنی اپنے بھائی کا اکرام و احترام کرتے رہو زمانہ بھر جب تک کہ تم دونوں ایک ساتھ رہو۔ پھر موت تو فرقت اور دوری واقع کرنے کے لئے کافی ہے۔ یہاں **دمتما** بدل ہے **الدھر** کا (روح المعانی) **فاذھب انت وربک فقتلا** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے **ذھاب** سے مراد ہے بستی بیت المقدس میں جہاد کے لئے جانا۔ یعنی جب آپ نے ہمارا ارادہ معلوم کر لیا کہ ہم تو ہرگز جہاد نہ کریں گے۔ لہٰذا آپ اور آپ کا رب وہاں جائیں اور دونوں جہاد کریں۔ یہاں رب کے

www.alahazratnetwork.org

جانے سے مراد ہے اس کی فتح و نصرت کا موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جانا ورنہ بنی اسرائیل رب تعالیٰ کو جسم و جسمانیات اور جانے آنے سے پاک مانتے تھے۔ یہ گفتگو کے انتہائی بزدلی کے اظہار کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جب آپ کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا اتنا یقین ہے کہ ہم بیت المقدس کے دروازے میں داخل ہوتے ہی وہ بستی جیت لیں گے۔ تو آپ اکیلے کیوں نہیں جاتے۔ وہ رب کریم تب اکیلے ہی کو فتح دے دیگا۔ ہم کو کیوں تکلیف دیتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ربک** سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے۔ اور اس زمانہ میں بڑے بھائی' والد' بادشاہ کو رب کہہ دیتے تھے۔ بمعنی مربی (تفسیر کبیر) جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **ارجع الی ربک** مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے۔ اس جملہ میں اور بہت سے احتمال ہیں۔ **انا ههنا قعدون** اس جملہ میں **قاعدون** سے مراد ہے آگے نہ بڑھنا خواہ اس طرح کہ وہاں ہی ٹھہرے رہیں یا اس طرح کہ یہاں سے مصر کو واپس لوٹ جاویں۔ یعنی ہم یہاں ہی ٹھہریں گے۔ یہاں سے آگے نہ بڑھیں گے۔ ان بدنصیبوں کا یہ سرکشی کا جواب سن کر آپ نے منہ پھیر لیا اور نہایت خشوع و خضوع عجز و انکسار کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں عرض کیا **قال رب انی لا املک الا نفسی واخی** اب تک نبی اور ان کی امت کے درمیان کلام کا ذکر ہوا۔ اب کلیم اللہ اور اللہ تعالیٰ کے درمیان عرض و جواب کا ذکر ہے چونکہ دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کو پکارنا سنت ہے۔ اس کی مہربانی حاصل کرنے کے لئے اس لئے آپ نے پہلے اسے پکارا اور رب کہہ کر پکارا۔ بیان استحقاق کے لئے کیونکہ مربوب کا رب پر حق ہے۔ مانگنے کا حق۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ماں کے پیٹ میں بلاواسطہ پالتا ہے اور پیدا ہونے کے بعد بالواسطہ۔ مگر اس نے موسیٰ علیہ السلام کو تو پیدائش کے بعد بھی بلاواسطہ پالا۔ کہ ماں تو آپ کو صندوق میں بند کر کے دریا میں بہا گئی تھیں۔ رب نے ہی انہیں ان کے انگوٹھے سے دودھ دیا اور پھر سارے سامان پرورش مہیا کئے۔ اس لئے آپ نے رب کہہ کر پکارا کہ قوم مجھے چھوڑ گئی۔ میرا تیرے سوا کوئی نہیں۔ خیال رہے کہ اس عبارت کی بہت سی ترکیبیں ہیں۔ مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ اخی معطوف ہے **نفسی** پر اور **الا** کے ماتحت ہے۔ حالت نصب میں ہے۔ **ملک** سے مراد ہے قبضہ اور قابو و اختیار۔ عرفی ملکیت مراد نہیں۔ کیونکہ کوئی شخص اپنے ذات اور اپنے بھائی کا خصوصاً جب کہ بھائی نبی ہو مالک نہیں ہو سکتا۔ ظاہر یہ ہے کہ اخی سے مراد حضرت ہارون علیہ السلام ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اخی سے مراد دینی بھائی ہوں۔ یعنی حضرت ہارون و یوشع و کالب علیہم السلام یا اخ سے مراد رشتہ دار ہوں۔ کیونکہ حضرت ہارون تو آپ کے بھائی تھے۔ اور یوشع علیہ السلام بھانجا اور کالب ابن یوقنا بہنوئی (تفسیر کبیر) یعنی اے میرے رب مجھے صرف اپنی جان اور اپنے بھائیوں کا ہی اختیار ہے۔ بنی اسرائیل تو میرے قبضہ و اختیار سے باہر ہیں۔ میرے کہنے سے وہ جہاد نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ نبی کا اپنی امت سے بیزار ہو جانا خدا تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔ جب ماں باپ دینی استاد شیخ کی ناراضی انسان کو تباہ کر دیتی ہے تو نبی کی بیزاری خدا کی پناہ۔ نبی اپنی امت کے جان' مال' اولاد' بیوی' گھر بار سب کے مالک ہوتے ہیں۔ دیکھو خاوند پر بیوی کو نہ تو بادشاہ حرام کر سکتا ہے۔ نہ مالک' نہ ماں باپ نہ کوئی اور مگر نبی بیوی

www.alahazratnetwork.org

کو بیوی رہتے ہوئے حرام فرما سکتے ہیں۔ حضرت کعب پر زمانہ بائیکاٹ میں ان کی بیوی حرام کر دی گئیں۔ یہ ہے نبی کی ملکیت۔ موسیٰ علیہ السلام کا **لا املک** فرمانا انتہائی غضب کا اظہار ہے۔ نبی ہی تو امت کی پناہ ہیں۔ جب وہ ہی ناراض ہو گئے تو سہارا کون سا رہ گیا۔ لہٰذا جناب کلیم اللہ کا یہ فرمان ان لوگوں پر غضب الٰہی ہے **فافرق بیننا وبین القوم الفسقین** پچھلی عبارت دعا کی تمہید تھی۔ یہ عبارت اصل دعا ہے ف ترتیب کی ہے۔ فرق سے مراد فاصلہ و دوری۔ اگر جگہ کی دوری مراد ہے تو آخرت میں دوری ہوگی اور اگر فیصلہ کی دوری و فرق مراد ہے تو دنیا میں ہوگی۔ **بیننا** میں نا سے مراد خود اپنی ذات اور حضرت ہارون و یوشع اور کالب ہیں۔ **قوم فاسقین** سے مراد یہ ہی بے ادب ضدی اسرائیلی ہیں۔ یعنی چونکہ یہ لوگ میرے اختیار میں نہیں۔ میری بات نہیں مانتے۔ لہٰذا اے مولیٰ آخرت میں بھی یہ لوگ ہمارے ساتھ نہ رہیں ہمارا مقام اور ہو ان کا مقام کچھ اور یا دنیا میں ہم میں اور ان میں فیصلہ فرما دے کہ ہم سے تو راضی ہو جا۔ ان پر عتاب فرما۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ بعض نے فرمایا کہ دنیا میں مکانی دوری مراد ہے اور معنی یہ ہیں۔ کہ دنیا میں ہی ان کو ہم سے الگ کر دے یہ مفسرین فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام میدان تیہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ نہ رہے۔ یہ بددعا تین طرح کی ہوتی ہے۔ دنیا کی تباہی کی بددعا جسے کہتے ہیں۔ کو سنا وہ مر جائے اس کی اولاد یا مال تباہ ہو جائے وغیرہ۔ ایمان کی بربادی کی بددعا کہ وہ بے ایمان ہو کر مرے۔ یہ بددعا موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دی تھی۔ نبی سے دوری ان سے علیحدگی کی بددعا۔ یہاں تیسری بددعا ہے کہ مجھے ان بدنصیبوں سے دور کر دے۔ جب قوم نبی سے دور ہو گئی تو اب رب تعالیٰ سے قرب کیسے حاصل کرے گی۔ اس بددعا کا اثر یہ ہے کہ یہودیوں کو اب تک موسیٰ علیہ السلام سے کوئی الفت نہیں۔ یہ لوگ ان جناب سے دور ہی ہیں۔ امت مصطفوی اپنے نبی پر آج بھی فدا ہے۔ حضور کے ہاں امت کے میلے لگے ہیں۔ دنیا پہنچ کر وہاں پہنچتی ہے۔ جو نہ پہنچیں وہ فراق میں روتے ہیں۔ مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام فلسطین میں یہودیوں سے صرف بارہ میل پر ہیں۔ لیکن یہ بدنصیب وہاں قطعاً نہیں جاتے۔ یہ ہے اس بددعا کا ظہور **قال فانها محرمة علیهم اربعین سنة یتیهون فی الارض** اس عبارت میں آپ کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ یہ فرمان عالی بذریعہ وحی یا الہام حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہوا۔ ف ترتیب کی ہے۔ یہ جملہ آپ کی دعا پر مترتب ہے۔ ھا کا مرجع وہ بیت المقدس کی بستی ہے۔ محرم سے مراد شرعی حرمت نہیں۔ بلکہ محرومیت و ممانعت کی حرمت ہے۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **جالت لتصر عنی فقلت لها اقصری** ☆ **انی امرء صرعی علیک حرام** ☆

یعنی وہ مجھ پر جھپٹی تو میں نے اس سے کہا الگ رہ۔ میں وہ شخص ہوں کہ تجھ پر میرا پچھاڑنا حرام ہے یعنی ناممکن ہے **اربعین سنة** یا تو محرم کا ظرف ہے یا **یتیهون** کا ظرف مقدم **یتیهون** مضارع ہے۔ جس کا مصدر تیہ ہے۔ بمعنی حیرانی و پریشانی آوارگی۔ ارض سے مراد زمین شام و مصر کے درمیان ایک وسیع علاقہ ہے جسے علاقہ **تیہ** کہتے ہیں جہاں بنی اسرائیل

www.alahazratnetwork.org

چالیس سال کے لئے قید کر دیے گئے تھے اس میدان کی پیمائش میں اختلاف ہے۔ غالباً یہ نو کوس چوڑا اور تمیں میل لمبا تھا۔ یہ بنی اسرائیل چھ لاکھ تھے (تفسیر کبیر وغیرہ) یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا قبول فرماتے ہوئے رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ یہ زمین مقدس ان لوگوں پر چالیس سال کے لئے حرام کر دی گئی۔ کہ وہاں ان کا داخلہ ناممکن ہو گیا۔ اب یہ لوگ اس میدان **تیہ** میں چالیس سال تک حیران و پریشان رہیں گے۔ اگر بستی قدس میں جانا بھی چاہیں گے تو نہ جا سکیں گے۔ **فلا تاس علی القوم الفسقین** اس جملہ میں حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو تسلی ہے۔ **تاس** بنا ہے **اسی** سے ' بمعنی رنج و غم ' اسی سے ہے اساءة ' بمعنی غمگین کرنا۔ رب فرماتا ہے **فکیف اسی علی قوم کفرین۔ لا تاس** میں خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور **قوم فاسقین** سے مراد یہ ہی ضدی نافرمان اسرائیلی ہیں۔ یعنی اے موسیٰ علیہ السلام آئندہ آپ ان اسرائیلیوں کی پریشانی دیکھ کر غم و رنج نہ فرمانا۔ یہ تو ہیں ہی اس لائق۔ اور ان کی یہ سزا آپ کی اس بددعا سے ہے۔ اس معنی سے یہ جملہ بالکل ظاہر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام یہ بددعا فرما کر رنجیدہ ہوئے تھے۔ تب فرمایا گیا کہ آپ اس پر غم نہ کریں۔ مگر بات وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کی۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ان دو بزرگوں کا حکیمانہ جواب تو سن لیا جو انہوں نے بنی اسرائیل کے سمجھانے کے لئے دیا۔ اب بنی اسرائیل کا جواب الجواب بھی سنئے کہ وہ ایسی عظیم الشان فتح کی بشارتیں سننے کے باوجود بولے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ اور آپ کے ساتھی **یوشع** و کالب خواہ کچھ بھی کہیں ہمارا جواب یہ ہے کہ جب تک قوم جبارین بیت المقدس میں ہے۔ ہم وہاں کبھی بھی قدم نہ رکھیں گے۔ جہاد بہت بڑی چیز ہے اگر آپ کو جہاد کا شوق ہے تو بسم اللہ آپ خود جائیں۔ اپنے رب کو ساتھ لے جائیں۔ آپ اور آپ کا رب دونوں جہاد کریں ہم تو یہاں ہی ٹھہریں گے۔ آگے نہ بڑھیں گے۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے اس نافرمان قوم سے مایوس ہو کر جناب باری میں دعا اور معذرت کی کہ میرے مولیٰ یہ قوم میرے قابو کی نہیں۔ مجھے تو صرف اپنی ذات اور اپنے بھائی ہارون و یوشع و کالب پر ہی اختیار ہے۔ میرے مولیٰ میں تو اس قوم سے تنگ آ گیا۔ ہم چاروں ہیں اور نافرمان قوم میں علیحدگی فرما دے کہ ہمارے لئے اور قسم کا فیصلہ فرما۔ ان کے لئے دوسری قسم کا فیصلہ کر دے۔ تب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے بذریعہ وحی یا بذریعہ الہام فرمایا کہ اچھا وہ مقدس بستی اسکے لئے چالیس سال تک حرام کر دی گئی کہ ان کا اس بستی میں اس عرصہ تک جانا ناممکن ہے۔ یہ ایک میدان میں ہی حیران و سرگرداں پھریں گے۔ اور آئندہ آپ ان کی پریشانی ملاحظہ فرما کر غم نہ کرنا۔ یہ لوگ ترس کھانے رحم کرنے کے لائق نہیں ہیں۔ یہ سزا ان کے لئے نہایت موزوں ہے۔ چنانچہ یہ چھ لاکھ اسرائیلی زمین شام و مصر کے درمیان ایک نو کوس چوڑے تمیں میل لمبے میدان میں اس طرح قید کر دیئے گئے کہ یہ لوگ دن بھر چلتے کہ یہاں سے نکل جاویں مگر شام کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہاں ہی ہیں۔ اس عرصہ میں ان کی غذا کے لئے ان پر من و سلوٰی اتارا گیا۔ من میٹھا حلوا تھا اور سلوٰی نمکین کباب۔ جو روزانہ ان کو قدرتی طور پر مل جاتے تھے۔ ایک پتھر سے بارہ چشمے پانی کے

www.alahazratnetwork.org

جاری کر دیئے گئے۔ جس سے یہ پانی پئیں نہائیں۔ اس دوران میں ان کے کپڑے نہ گلے نہ پھٹے نہ میلے ہوئے۔ جو بچہ ان کے پیدا ہوتا۔ اس پر قدرتی ناخن کا لباس ہوتا تھا جو اس کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ بڑھتا جاتا تھا۔ رات کو روشنی کے لئے ایک ستون نمودار ہوتا تھا جو اس میدان میں بجلی کی ٹیوب کا کام دیتا تھا۔ دن کو ہلکا بادل ان پر سایہ کرتا تھا (از روح المعانی و بیان۔ کبیر و خازن وغیرہ) یہ پورا واقعہ بالتفصیل پہلے پارہ میں گزر چکا ہے۔ چالیس سال پورے ہونے پر بنی اسرائیل حضرت یوشع علیہ السلام یا موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ بیت المقدس پر حملہ آور ہوئے۔ اسے فتح کیا اس وقت بلعم ابن باعورا کے مردود ہونے اور سورج کے ٹھہر جانے کا واقعہ پیش آیا۔

وفات موسیٰ علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں جو تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے بیان فرمائے **ایک** یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ میدان تیہ میں نہ رہے۔ آپ ان سے علیحدہ رہے۔ اور اس دوران میں بنی اسرائیل سے علیحدہ ہی آپ کی وفات واقع ہوئی کیونکہ مقام تیہ بنی اسرائیل کے لئے قید خانہ تھا۔ جہاں مجرم سرکشوں کو رکھا گیا۔ آپ وہاں کیوں رہتے نیز آپ نے دعا کی تھی کہ مولیٰ ہم میں اور ان فاسقین میں جدائی کر دے۔ پھر آپ ان کے ساتھ کیسے رہتے۔ **دوسرے** یہ کہ آپ بھی تیہ میں بنی اسرائیل کے ساتھ رہے۔ مگر ایسے جیسے جیل میں انتظام کے لئے پولیس بھی رہتی ہے۔ آپ کی برکتوں سے بنی اسرائیل کو وہاں غذا' پانی' ابر کا سایہ اور رات کو روشنی ملتی تھی۔ اگر آپ نہ ہوتے تو اسرائیلی وہاں جل بھن کر ختم ہو جاتے۔ آپ نے رب تعالیٰ سے فیصلہ میں جدائی کرنے کی دعا کی تھی نہ جگہ میں جدائی کی۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ آپ بنی اسرائیل کے ساتھ چالیس سال کے بعد تیہ سے آئے اور آپ کی معیت میں بیت المقدس پر جہاد ہوا۔ آپ نے ہی عوج ابن عناق کو مارا جو قوم جبارین کا سردار تھا۔ **تیسرے** یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام رہے تو بنی اسرائیل کا ساتھ مقام تیہ میں مگر چالیس سال پورے ہونے سے پہلے ہی آپ کی وفات مقام تیہ میں ہی واقع ہو گئی۔ ایک سال پہلے حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہوئی۔ اور ایک سال بعد آپ کی وفات ہوئی۔ آپ کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو لے کر قوم جبارین پر جہاد کیا۔ اور بیت المقدس فتح کیا۔ یہ تیسرا قول زیادہ قوی ہے۔ **واللہ اعلم** جب آپ کی وفات کا وقت آیا تو آپ نے دعا کی کہ مولیٰ مجھے بیت المقدس سے قریب کر دے تاکہ میں اس زمین پاک میں دفن ہوؤں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے آپ کو اس زمین پاک سے قریب فرما دیا۔ حضور فرماتے ہیں کہ اگر میں وہاں ہوتا تو تم کو موسیٰ علیہ السلام کی قبر دکھاتا۔ لب سڑک ہے۔ ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ بستی قدس سے ایک پتھر پھینکنے کی بقدر دور ہے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی (خازن) آپ کے بعد یوشع علیہ السلام آپ کے خلیفہ اور نبی بنے۔ انہوں نے بیت المقدس فتح کیا۔ جب حملہ کیا تو جمعہ کا دن تھا۔ سورج ڈوبنے لگا اگر ڈوب جاتا تو ہفتہ کی رات آجاتی۔ اس دین میں ہفتہ کے دن جنگ حرام تھی۔ تو جہاد حرام ہو جاتا۔ دشمن ایک دن کی مہلت پا کر پھر تیاری کر لیتا۔ اس لئے آپ نے سورج سے کہا کہ تو بھی مامور ہے۔ میں بھی مامور ہوں۔ ذرا ٹھہر جا

www.alahazratnetwork.org

مجھے فتح کر لینے دے۔ پھر ڈوبنا۔ چنانچہ سورج ٹھہر گیا۔ جب آپ نے بیت المقدس فتح فرمالیا۔ تب سورج ڈوبا۔ پھر یوشع علیہ السلام کی وفات ہوئی اور آپ کو افراثیم پہاڑ میں دفن کیا گیا۔ آپ کی عمر ایک سو چھبیس سال ہوئی۔ آپ موسیٰ علیہ السلام کے بعد ستائیس سال زندہ رہے (تفسیر خازن) اگر ان واقعات کی زیادہ تفصیل درکار ہو تو تفسیر روح البیان خازن' روح المعانی کا یہ مقام دیکھو۔ اس فقیر احمد یار خاں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر پر حاضری دی ہے۔ عمان سے جاتے ہوئے بیت المقدس کے قریب ایک معمولی سی بستی ہے۔ جس کا نام موسیٰ کلیم اللہ ہے۔ وہاں آپ کا مزار مقدس ہے۔ زبردست فوج کا وہاں پہرا ہے۔ کیونکہ بیت المقدس کے ادھر شہر پر یہود کا قبضہ ہے۔ ان سے ہر وقت خطرہ ہے۔ وہاں یہ فقیر کئی گھنٹے حاضر رہا۔ بہت جاذبیت اور فیض ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابہ سے کہیں افضل ہیں۔ باوفا ہیں۔ دیکھو ان لوگوں نے تو اپنے نبی سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا رب جائیں' جہاد کریں۔ ہم یہاں ہی رہیں گے۔ جہاد کی تکالیف آپ کو ہی پہنچیں۔ ہم تو جہاد بلکہ فتح کے بعد آرام حاصل کرنے وہاں پہنچیں گے گویا اپنے آرام پر نبی کو قربان کر رہے ہیں۔ مگر ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو متفکر دیکھ کر حضرت مقداد ابن اسود وغیرہم نے فرمایا تھا کہ یا رسول اللہ ہم اصحاب موسیٰ نہیں ہیں۔ جو آپ سے عرض کر دیں کہ آپ اور آپ کا رب جہاد کریں۔ ہم یہاں ہی رہیں گے۔ ہم اصحاب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شعر:۔

☆ تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا ☆
☆ پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرتمند ماؤں کا ☆
☆ اگر ارشاد ہو بحر فنا میں کود جائیں ہم ☆
☆ ہلاکت خیز گرداب بلا میں کود جائیں ہم ☆
☆ نبی کا حکم ہو تو پھاند جائیں ہم سمندر میں ☆
☆ جہاں کو محو کر دیں نعرہ اللہ اکبر میں ☆

ان صحابہ کرام نے اپنا سب کچھ حضور پر قربان کر دیا۔ اور جنگ بدر و حنین وغیرہ میں ساتھ دیا۔ عہد فاروقی میں تو ان حضرات نے کمال ہی کر دیا۔ جیسے حضور تمام نبیوں کے سردار ہیں ویسے ہی حضور کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ کے سردار ہیں۔ یوں سمجھو کہ امت مصطفوی اپنے نبی کے نام پر فدا اور قربان تھی اور ہے۔ امت موسوی اپنے آرام پر اپنے کو قربان کرنا چاہتی ہے۔ حضور انور پر ہجرت کی رات اور احد کے دن دشواریاں پیش آئیں۔ مگر ان دونوں وقتوں میں صحابہ نے حضور کا ساتھ نہ چھوڑا۔ حضور کی ہجرت کے وقت صرف دو صحابی مکہ میں تھے۔ حضرت ابوبکر اور علی۔ باقی حضرات ہجرت کر چکے تھے۔ ان دونوں بزرگوں نے جو قربانیاں دیں وہ دنیا کو معلوم ہے۔ دوسرا فائدہ بنی اسرائیل ایسی سرکش قوم ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ ان سے ان کے نبی بھی بیزار تھے۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ الٰہی مجھے صرف اپنے برادر اور اپنے بھائی پر ہی قابو ہے۔ اب بھی بنی اسرائیل یعنی یہود تمام دنیا کے لئے مصیبت بنے ہوئے ہیں۔ ہمارے پیغمبر ہم سے کبھی بیزار نہیں ہوئے۔ ہمیشہ ہمارے لئے دعائیں ہی کرتے رہے۔ رات کو جب سب سوتے ہیں تو وہ رحمت والے کھڑے ہو کر مصلے پر امت کے لئے روتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ** بروں سے علیحدگی اچھی ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے علیحدگی کی دعا کی۔ **چوتھا فائدہ** جہاد کی فرضیت کے لئے فوج اور دوسرا جنگی سامان شرط ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کے انکار کر دینے پر موسیٰ علیہ السلام کو جہاد کا حکم نہ دیا گیا۔ کیونکہ شرائط جہاد ختم ہو چکے تھے۔ ظاہری اعتبار صرف دو چار آدمی جہاد نہیں کر سکتے تھے۔ ان کے لئے جہاد موخر کر دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ** پیغمبر کی مخالفت کی وجہ سے کبھی دنیا میں بھی مصیبت آجاتی ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کی اس حرکت میں ان پر دنیاوی آفت آگئی۔ کہ وہ مقام تیہ میں قید کر دیئے گئے۔ یوں ہی پیغمبر کی اطاعت سے دنیا میں بھی اللہ کی رحمتیں مل جاتی ہیں۔ حضرات صحابہ کرام کو رنگ لگ گئے کیونکہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کے صدقہ میں ہم کو بھی حضور کی فرمانبرداری کی توفیق دے **چھٹا فائدہ** کبھی بروں کی وجہ سے اچھوں کو تکلیف پہنچ جاتی ہے۔ دیکھو نافرمانی کی بنی اسرائیل نے مگر ان کے ساتھ مقام تیہ میں حضرت یوشع و کالب و ہارون بلکہ دوسری روایت کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام کو بھی رہنا پڑا۔ (روح البیان) **ساتواں فائدہ** کبھی مقبول بندوں کی برکت سے بروں کو بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل کو اس قید کے زمانہ میں مقام تیہ میں غیبی روزی' قدرتی پانی' بادل کا سایہ رات کو غیبی روشنی چالیس سال تک ملتی رہی کیوں۔ اس لئے کہ ان میں حضرت ہارون' یوشع اور جناب کالب بھی تھے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام بھی تشریف فرماتھے۔ گویا ان بزرگوں کے صدقہ سے ان کی قید سی کلاس سے اے کلاس میں تبدیل ہو گئی۔ جہاں بجز نظربندی کے اور کوئی تکلیف انہیں نہ ہوئی (روح البیان) **آٹھواں فائدہ** مقدس زمین میں اور بزرگوں کے قرب میں مقبولین الٰہی کی قبروں کے پاس دفن ہونا بڑی خوش نصیبی ہے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے وقت دعا کی کہ الٰہی مجھے ارض مقدسہ یعنی بیت المقدس کے پاس پہنچا دے۔ تاکہ میں اس زمین میں دفن ہوں۔ کیونکہ وہاں اس علاقہ میں حضرت ابراہیم و اسحاق و یعقوب و یوسف علیہم السلام۔ مدفون ہیں۔ یوسف علیہ السلام کی نعش مبارک کئی سو برس کے بعد مصر سے بیت المقدس پہنچائی گئی۔ اب آپ کا مزار مقدس حضرت یعقوب علیہ السلام کی آغوش میں ہی ہے۔ اس گنہگار فقیر احمد یار نے ان تمام مزارات پر حاضری دی ہے۔ **الخلیل** بستی جو کہ بیت المقدس سے تیس کلومیٹر پر واقع ہے۔ وہاں غار انبیاء ہے۔ جس میں ستر ہزار پیغمبروں کے مزارات ہیں۔ ان میں یہ مزارات بھی ہیں۔ ان تمام کی تفصیل ہماری کتاب سفرنامہ حرمین میں ملاحظہ کرو۔ خیال رہے کہ تیہ میں قید ہوتے وقت جن اسرائیلیوں کی عمر بیس سال سے زائد تھی وہ تمام مقام تیہ میں فوت ہو گئے کہ یہ لوگ انکاری ہو گئے تھے جن کی عمر اس سے کم تھی یا جو وہاں ہی پیدا ہوئے وہ ارض مقدس میں فاتحانہ شان سے داخل ہوئے جیسا کہ تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے۔ **نواں فائدہ** جس دل میں نبی کی

www.alahazratnetwork.org

حرمت نہ ہو اس میں اللہ تعالیٰ کی عزت اس کے احکام کا وقار کبھی نہیں آسکتا۔ دیکھو بنی اسرائیل کے دلوں میں موسیٰ علیہ السلام کا وقار نہ تھا تو ان کے دلوں میں نہ رب تعالیٰ کی عزت تھی اور نہ اس کے احکام کا احترام۔ غور کرو کہ انہوں نے حکم الٰہی کا کس بدتمیزی سے مذاق اڑایا۔ احترام نبی ایمان کی جان ہے۔ **دسواں فائدہ** جس کے دل میں اللہ رسول کی ہیبت نہیں اس کے دل میں کفار کی ہیبت ہوتی ہے اور جس دل میں اللہ رسول کی ہیبت ہو اس کے دل میں کسی کا خوف نہیں آتا۔ دیکھو حضرت کالب اور حضرت یوشع کے دلوں میں قوم جبارین کی ہیبت نہ آئی اور ان سات لاکھ اسرائیلیوں کے دل مٹھی بھر عمالقہ سے ڈر گئے کیوں' صرف اس لئے کہ ان دونوں کے دلوں میں خوف خدا تھا۔ ان تمام کے دل اس خوف سے خالی تھے۔

پہلا اعتراض حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ خدایا میں صرف اپنی جان اور اپنے بھائی پر قابو رکھتا ہوں۔ کیا حضرت یوشع و کالب علیہما السلام آپ کے قابو میں نہ تھے اور ضرور تھے پھر یہ کلام کیوں کر درست ہوا؟ **جواب** مفسرین نے اس سوال کے کئی جواب دیئے ہیں۔ قوی اور بہتر جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر میں ابھی عرض کیا کہ یہاں اخ سے مراد صرف نسبی بھائی نہیں بلکہ دینی بھائی مراد ہے جس میں وہ سب حضرات شامل ہیں اخ جنسی معنی میں ہے۔ **دوسرا اعتراض** بنی اسرائیل تو اپنی اس سرکشی کی وجہ سے تیہ میں قید کیے گئے۔ حضرت موسیٰ و ہارون اور دوسرے مومنین وہاں کیوں قید کیے گئے انہوں نے کیا قصور کیا تھا۔ **جواب** وہ حضرات وہاں قید نہ کیے گئے۔ بلکہ ان قیدیوں کو سنبھالنے کے لئے وہاں رکھے گئے۔ جیسے جیل میں حکومت کا پورا عملہ رہتا ہے۔ سپرنٹنڈنٹ جیل' ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس وغیرہ کیوں قیدیوں کو سنبھالنے ان کی حفاظت کے لئے تھے۔ اگر یہ حضرات وہاں نہ ہوتے تو بنی اسرائیل کو وہاں نہ من و سلویٰ ملتا۔ نہ پانی نہ روشنی نہ سایہ۔ یہ سب کچھ ان بزرگوں کی برکت سے ملا۔ ان کے قدم بابرکت تھے۔ **تیسرا اعتراض** جب موسیٰ علیہ السلام نے دعا مانگی تھی کہ خدایا ہم کو ان فاسقوں سے الگ رکھ تو آپ کو تیہ میں ان مجرموں کے ساتھ کیوں رکھا گیا۔ کیا یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ **جواب** بعض مفسرین نے اسی وجہ سے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تیہ میں نہ رہے۔ مگر یہ قوی نہیں کیوں کہ حضرت ہارون یوشع اور کالب علیہم السلام تو یقیناً وہاں رہے۔ پھر بھی اعتراض پڑ گیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے صرف اپنی علیحدگی کی دعا نہ کی تھی۔ بلکہ سب مسلمانوں کی علیحدگی کی دعا کی تھی۔ کہ عرض کیا تھا **فافرق بیننا وبین القوم الفسقین** قوی جواب یہ ہے کہ یہاں درجے مرتبے کی جدائی مراد ہے۔ نہ کہ جگہ یا وقت کی علیحدگی۔ لہٰذا آپ تیہ میں رہتے ہوئے بھی ان مجرمین سے الگ رہے۔ جیل کے حکام جیل میں ہوتے ہوئے بھی قیدیوں سے الگ رہتے ہیں۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض** موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو خبر دی تھی کہ یہ زمین مقدسہ اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے۔ پھر وہ لوگ اس زمین کو کیوں حاصل نہ کر سکے۔ اور مقام تیہ میں کیوں قید ہوئے۔ کیا اللہ تعالیٰ کا وعدہ غلط ہو گیا۔ **جواب** اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوا۔ مگر چالیس سال کے بعد۔ ان کی سرکشی سے چالیس سال کی میعاد پڑ گئی۔ پھر یہ بنی

www.alahazratnetwork.org

اسرائیل وہاں کے فاتح وہاں کے حاکم و سلطان ہے۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا کہ یہ زمین چالیس سال تک ان پر حرام ہے۔ یعنی اس مدت کے بعد یہ وہاں جائیں گے۔ **پانچواں اعتراض** رب تعالیٰ نے آخر میں کیوں فرمایا۔ کہ **فلا تاس علی القوم الفسقین** کہ آپ ان فاسقوں پر غم نہ کرو۔ جب خود ہی موسیٰ علیہ السلام نے ان پر بددعا کی تھی تو ان پر غم کرنے کے کیا معنی۔ پھر اس فرمان کا مطلب کیا ہے۔ **جواب** ہم اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں دے چکے۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ آپ ان لوگوں کی تکلیف دیکھ کر غم نہ کریں۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے خود ہی کفار پر بددعا فرمائی۔ پھر آپ نے اپنے فرزند کنعان پر غم بھی کیا۔ ایسا آپ نہ کرنا لہذا آیت واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض** اصحاب موسیٰ نے اس وقت اپنے نبی کو چھوڑ دیا۔ اور اصحاب رسول اللہ نے ہجرت کی رات حضور کو چھوڑ دیا کہ سارے مکہ سے صرف ایک علی رضی اللہ عنہ ہی حضور کے بستر پر سوئے باقی تمام صحابہ غائب رہے اور احد کے دن سب ہی آپ کو چھوڑ کر بھاگ گئے (روافض) **جواب** یہ بالکل غلط ہے۔ ہجرت کی شب سوا حضرت علی و صدیق اکبر کے کوئی صحابی مکہ میں نہ تھے۔ سب پہلے ہی اسلام کی خاطر ہجرت کر گئے تھے۔ ان دونوں نے اپنی جانیں حضور پر فدا کر دیں۔ صدیق اکبر تو اول نمبر رہے۔ جنگ احد میں کوئی حضور کو چھوڑ کر نہ بھاگا۔ بلکہ یہ خبر مشہور ہو گئی تھی۔ کہ حضور شہید ہو گئے ادھر پیچھے سے حملہ ہوا۔ ان دو وجہوں سے افراتفری پھیل گئی۔ جنہیں حضور کی حیات کی خبر تھی وہ حضور پر ایسے فدا ہوئے جس کی مثال نہ ملے گی۔ **ساتواں اعتراض** اولاً بنی اسرائیل کو حکم جہاد دیا گیا۔ پھر ان کی سرکشی کی وجہ سے وہ حکم مؤخر کر دیا گیا اور انہیں تیہ میں قید کر دیا گیا۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہی حکم جہاد کیوں نہ دیا گیا۔ ان سے فرمادیا جاتا کہ تم ہی جہاد کرو۔ ہم تمہاری مدد کریں گے۔ جیسے ہمارے حضور سے کہا گیا۔ **وقاتل فی سبیل اللہ لا تکلف الا نفسک** اور حضرت ابوبکر صدیق منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں اکیلے جہاد کے لئے چل دیئے تھے۔ بعد میں مسلمان ملے اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب** جناب کلیم پر شریعت کا غلبہ تھا۔ اور حبیب پر فنا فی اللہ کا غلبہ شریعت میں جہاد کے لئے فوج بھی شرط ہے۔ مقام فنا میں کوئی شرط نہیں۔ اپنے کو بہر حال پیش کر دینا ضروری ہے۔ حضرت ابراہیم کا نمرودی آگ میں چل دینا اپنے فرزند کو بلا حجت ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جانا اسی فنا کی جلوہ گری ہے۔ تحقیق میں کیوں۔ کیسے کس طرح کی گنجائش ہے مقام فنا میں اس کی گنجائش نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضرات انبیاء کرام گویا نیسان بادل ہیں۔ اور ان کے فرمان اس کی بوندیں نیسان کی بوندیں اگر کسی سیپ میں پڑ جاویں تو در یتیم یا سچے موتی بن جاتے ہیں۔ اگر عمدہ زمین میں پڑیں تو سبزہ زار کر دیتے ہیں لیکن اگر زمین شورہ میں پڑیں تو ضائع جاتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کے فرمان عالیہ سے ہی خوش نصیب لوگ صدیق' ولی مجتہد بن جاتے ہیں۔ عوام انہیں فرمانوں سے مومن متقی پرہیزگار بن جاتے ہیں۔ مگر منافقین و کفار و بد نصیب لوگ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ فرمان ایسے شاندار تھے کہ اگر بنی اسرائیل خوش نصیب ہوتے اور ان پر عمل کرتے تو صالحین و صدیق بن جاتے مگر زمین بنجر تھی اس لئے وہ سب فرمان بیکار گئے بلکہ ان کا کفر عناد اور بھی بڑھ گیا۔ جس کے نتیجہ

www.alahazratnetwork.org

میں وہ قید کر دیئے گئے۔ بارش ایک ہے مگر اثر لینے والے مختلف۔ شعر:۔

☆ باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست ☆ در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس ☆

نکتہ حدیث شریف میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کا وقت وفات قریب آیا تو جناب ملک الموت آپ کی خدمت میں آئے۔ پیغام موت سنایا۔ آپ نے انہیں طمانچہ مارا جس سے ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ وہ بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو کر بولے کہ خدایا تو نے مجھے اس کے پاس بھیجا جو مرنا نہیں چاہتا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرماؤ کہ ایک بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جس قدر بالوں پر آپ کا ہاتھ لگے فی بال ایک سال عطا ہو گا۔ چنانچہ ملک الموت پھر جناب کلیم اللہ کی خدمت میں حاضر ہوئے پیغام پہنچایا۔ فرمایا پھر کیا ہو گا۔ عرض کیا پھر موت۔ فرمایا تو ابھی سہی۔ صوفیاء اس طمانچہ مارنے کی نہایت عجیب وجہ بیان فرماتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ پہلے ملک الموت نے عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں تاکہ آپ کو دارالفنا سے دارالبقا کی طرف منتقل کر دوں۔ آپ نے طمانچہ مار دیا کہ ہم دارالفنا میں ہی ہیں کہاں جو ہمیں منتقل کرو گے۔ ادب سے ہمارا درجہ پہچانتے ہوئے کلام کرو چنانچہ بعد میں دوبارہ حاضر ہو کر ملک الموت نے عرض کیا۔ اس لئے آیا ہوں لا **وصل الحبیب الی الحبیب**۔ پیارے کو پیارے سے ملا دوں۔ آپ فوراً تیار ہو گئے۔ اس طمانچہ میں تعلیم ادب تھی۔ اس حدیث کے بہت نکات سوالات کے جوابات ہمارے مواعظ میں ملاحظہ کرو۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا

اور تلاوت کرو ان پر خبر آدم کے دو بیٹوں کی ساتھ حق کے جبکہ قربانی دی ان دونوں نے قربانی پس قبول کر لی گئی ان دونوں میں

اور انہیں پڑھ کر سناؤ آدم کے دو بیٹوں کی سچی خبر جب دونوں نے ایک ایک نیاز پیش کی تو ایک کی قبول

وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ

سے ایک سے اور نہ قبول کی گئی دوسرے سے وہ بولا کہ میں قتل کروں گا تجھے کہا اس کے سوا نہیں

ہوئی اور دوسرے کی نہ ہوئی بولا قسم ہے میں تجھے قتل کر دوں گا کہا اللہ

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۷﴾ لَىِٕنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ

کہ قبول کرتا ہے اللہ پرہیزگاروں سے البتہ اگر پھیلایا تو نے میری طرف ہاتھ اپنا تاکہ قتل کر دے

اسی سے قبول کرتا ہے جسے ڈر ہے بے شک اگر تو اپنا ہاتھ مجھ پر بڑھائے گا

يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۸﴾ اِنِّىْٓ

تو مجھے نہیں ہوں میں پھیلانے والا ہاتھ اپنا طرف تیری تاکہ قتل کر دوں تجھے بے شک

کہ مجھے قتل کرے تو میں اپنا ہاتھ نہ بڑھاؤں گا کہ تجھے قتل کروں میں اللہ

www.alahazratnetwork.org

اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْٓاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِۚ وَ
میں ڈرتا ہوں اللہ سے پالنے والا جہانوں کا بے شک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لوٹے تو ساتھ گناہ میرے اور
سے ڈرتا ہوں جو مالک سارے جہان کا میں تو یہی چاہتا ہوں کہ میرا اور تیرا گناہ دونوں تیرے
ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۹﴾
گناہ اپنے کے پس ہو جاوے تو آگ والوں سے اور یہ بدلہ ہے ظالموں کا
ہی پلہ پڑیں تو تو دوزخی ہو جائے اور بے انصافوں کی یہی سزا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں نافرمان قوم کے سزا و عذاب کا ذکر تھا۔ جو اپنے کو اولاد نبی کہہ کر فخر کرتی تھی۔ اور نبی کی مخالفت کی وجہ سے عذاب کی مستحق ہوئی۔ یعنی بنی اسرائیل اب نبی کے نافرمان بیٹے کے انجام کا ذکر ہے۔ جو نبی زادہ ہونے کے باوجود نافرمانی کی وجہ سے راندہ درگاہ ہوا۔ گویا نافرمان قوم کا انجام سنا کر نافرمان شخص کا انجام سنایا جا رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نافرمانوں کے لئے نبی زادہ ہونا محض بیکار ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کے واجب قتل یعنی کفار پر جہاد نہ کرنے کا ذکر تھا کہ وہ یہ قتال نہ کرکے سزا کے مستحق ہوئے۔ اب قابیل کے حرام قتل کرنے کا ذکر ہے۔ کہ وہ خون ناحق کرکے عذاب نار کا مستحق ہوا۔ گویا قتل واجب کا ذکر فرمانے کے بعد قتل حرام کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حاسد یہودیوں کی بزدلی کا ذکر تھا۔ اب اس آیت کریمہ میں حاسد قابیل کی حرام خون پر جرأت کا تذکرہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ حاسد نیکیوں سے بزدل ہوتا ہے۔ گناہوں پر دلیر ہوتا ہے۔ غرض کہ حسد کے ایک انجام کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسرے انجام کا ذکر اب ہے۔ یہود ہمیشہ سے ہی حاسد ہیں۔

تفسیر واتل علیهم یہ نیا جملہ ہے۔ اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ **اتل** بنا ہے تلاوت سے صرف قرآن کریم کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ احترام کے لئے۔ ورنہ **لغۃ** ہر پڑھنا تلاوت ہے۔ کیونکہ یہ بنا ہے **تلو** سے۔ بمعنی پیچھے اس لئے منطقی جملہ شرطیہ کو قضیہ کہتے ہیں اور اس کی شرط کو مقدم اور اس کی جزاء کو جو پیچھے ہے تالی کہتے ہیں۔ یعنی پیچھے آنے والا جملہ۔ چونکہ پڑھنے والا پڑھنے کے دوران ہر لفظ کو پیچھے چھوڑ کر آگے بڑھتا جاتا ہے۔ اس لئے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ یعنی آیات قرآنیہ کا پڑھنا **علیهم** میں ضمیر کا مرجع یا تو اہل کتاب ہیں کیونکہ اب تک انہیں کا ذکر ہوا ہے۔ نیز یہ واقعہ توریت و انجیل میں مذکور ہے۔ حضور کا اس واقعہ کو بالکل صحیح بیان فرمانا آپ کی نبوت کی دلیل ہے۔ یا اس کا مرجع مسلمان ہیں یا سارے انسان اہل کتاب ہوں۔ یا مومنین یا کوئی اور۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ **نبا ابنی آدم بالحق نبا** اتل کا مفعول بہ ہے۔ اس کے معنی ہیں خبر۔ اس لئے پیغمبر کو نبی کہتے ہیں۔ بمعنی خبر والا یعنی خبر رکھنے والا یا خبر دینے والا یا خبر لینے والا **بنی ادم** کے متعلق بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دونوں بنی اسرائیل کے دو شخص

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ چونکہ سارے انسان بنی آدم ہیں اس لئے انہیں ابن آدم فرمایا گیا۔ کیونکہ آگے آرہا ہے۔ **من اجل ذلک کتبنا علی بنی اسراعیل** الخ مگر حق یہ ہے کہ ان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹے ہیں قابیل اور ہابیل۔ کیونکہ اسی آیت کے بعد آرہا ہے کہ قاتل کو مقتول کی نعش دفن کرنے کا طریقہ نہ آیا تو کوے کو بھیج کر دفن کرنا سکھایا گیا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی میت تھی۔ اور پہلا دفن۔ اگر بنی اسرائیل کے دو آدمی ہوتے تو انہیں دفن کا طریقہ معلوم ہوتا۔ **بالحق** یا تو اتل کے متعلق ہے یا ثابتا کے متعلق ہو کر نبا کی صفت ہے۔ یعنی اے محبوب آپ بنی اسرائیل کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کی سچی خبر سنا دیجئے یا حق کے ساتھ تلاوت فرمادیجئے۔ خیال رہے کہ حضرت حوا کے بیس حمل سے چالیس بچے پیدا ہوئے۔ ہر حمل میں ایک لڑکا ایک لڑکی پیدا ہوتے تھے۔ ان میں پہلے سے قابیل اور اس کی بہن اقلیمہ پیدا ہوئے۔ ایک سال کے بعد پھر حمل سے ہابیل اور لیوا پیدا ہوئے۔ ہابیل کے قتل ہو جانے پر ایک لڑکی زیادہ بچ رہی۔ اس لئے حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ بعض نے کہا کہ قابیل اور اقلیمہ جنت میں پیدا ہوئے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے۔ کہ زمین پر آکر پیدا ہوئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی نسل میں ایسی برکت دی کہ آپ کی وفات کے وقت چالیس ہزار انسان موجود تھے۔ بیٹے' پوتے' نواسے سب ملا کر۔ اس زمانہ میں لڑکے پر اپنی توام (ساتھ پیدا ہونے والی) لڑکی حرام دوسرے حمل کی بچی حلال ہوتی تھی۔ اس لئے قابیل کے لئے لیوا حلال تھی۔ اور ہابیل کے لئے اقلیما حلال مگر اقلیما خوبصورت تھی۔ اس لئے قابیل نے چاہا کہ اس سے ہی نکاح کرے۔ آدم علیہ السلام نے فرمایا یہ لڑکی تیرے لئے حرام ہے۔ یہ ہابیل کے نکاح میں جاسکتی ہے۔ قابیل بولا آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ کا یہ حکم نہیں ہے۔ آپ کی اپنی رائے ہے آپ ہابیل کو زیادہ چاہتے ہیں۔ اس لئے آپ کی کوشش یہ ہے کہ خوبصورت لڑکی اس کی بیوی بنے۔ تب آپ نے فرمایا۔ اچھا تم دونوں اقلیمہ کے متعلق قربانیاں پیش کرو۔ جس کی قربانی قبول ہو جاوے۔ وہ ہی اقلیمہ سے نکاح کرے۔ دونوں نے قبول کر لیا اس کا ذکر یہاں ہے۔ **اذ قربا قربانا۔ اذ** ظرف ہے۔ **نباء** کا بناء ہی اس میں عامل ہے۔ کیونکہ **نبا** میں معنی مصدر ہیں۔ قربان اس پیش کش کا نام ہے۔ جس سے قرب الٰہی حاصل کیا جاوے۔ **قربا** کا فاعل وہ دو بیٹے ہیں۔ قابیل و ہابیل قربان میں جانور ہی کی قید نہیں کوئی چیز ہو قرب الٰہی کے لئے پیش ہو قربان ہے۔ قابیل کھیتی باڑی کرتا تھا۔ ہابیل جانور پالتا تھا۔ چنانچہ ہابیل نے تو نہایت نفیس دنبہ ذبح کیا۔ اور قابیل نے نہایت ردی گندم کی بالیاں لیں حتیٰ کہ جس بالی میں اچھی گندم تھی وہ مل کر خود کھالی۔ یہ دونوں چیزیں ایک پہاڑ پر رکھ دیں۔ قابیل کی نیت یہ تھی کہ اگر میری قربانی قبول نہ بھی ہوئی۔ جب بھی اقلیمہ کو چھوڑوں گا نہیں۔ ہابیل نہایت اخلاص سے قربانی لے گیا۔ دل میں سوچ لیا کہ میں اللہ کے حکم پر راضی ہوں۔ جو فیصلہ ہو گا مجھے منظور ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ **فتقبل من احد هما ولم یتقبل من الاخر**۔ یہ ہابیل و قابیل کی قربانیاں پیش کرنے کے نتیجہ کا بیان ہے **ف تعقیب** بلا تراخی کے لئے ہے۔ **احد هما** سے مراد ہے ہابیل اور **اخر** سے مراد ہے قابیل۔ اس زمانہ میں قربانی قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ سفید رنگ کی غیبی آگ

www.alahazratnetwork.org

آسمان سے آتی اور قربانی کی چیز کو جلا جاتی تھی۔ مردود قربانی پر آگ نہ آتی تھی۔ نہ جلاتی تھی۔ وہ یونہی پڑی رہتی تھی۔ اس قاعدہ سے اس پہاڑ پر بھی آگ آئی اور ہابیل کا دنبہ جلا گئی۔ قابیل کی گندم کی بالیاں یوں ہی پڑی رہیں۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ ہابیل کا دنبہ آگ اٹھا کر لے گئی۔ یہ دنبہ جنت میں رہا اور پھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا۔ جسے رب فرماتا ہے۔ **وفدیناہ بذبح عظیم** (تفسیر صاوی و روح البیان) یعنی ہابیل کی قربانی قبول ہوئی اور قابیل کی قربانی رد ہوگی۔ جس سے معلوم ہوا کہ اقلیمہ ہابیل کی بیوی بن سکتی ہے قابیل کی نہیں بن سکتی چاہیے تو یہ تھا کہ قابیل اس فیصلہ آسمانی کو مان کر خاموش ہو جاتا۔ مگر **قال لا قتلنک** بجائے توبہ کرنے کے اس پر حسد کا بھوت سوار ہو گیا اور ہابیل سے بولا کہ اب اگر اقلیمہ کا نکاح تجھ سے ہو گیا تو میری بڑی ذلت ہوگی۔ اس لئے میں تجھے ضرور قتل کروں گا۔ تاکہ تو اقلیمہ سے نکاح نہ کر سکے۔ مگر قابیل نے یہ دھمکی فوراً ہی نہ دی۔ بلکہ حضرت آدم علیہ السلام حج کو تشریف لے گئے تب اس نے یہ کہا۔ **قال انما یتقبل اللہ من المتقین** اس قبولیت و مردودیت میں میرا کوئی قصور نہیں۔ قصور تیرا ہے کہ تو فاسق و فاجر ہے۔ تو نے حضرت آدم علیہ السلام کا کہنا نہ مانا۔ تو نے حرام عورت سے نکاح کرنا چاہا تو نے بدنیتی سے قربانی پیش کی۔ تو نے ردی مال کی قربانی دی۔ بفضلہ تعالٰی میں ان برائیوں سے دور ہوں۔ اس لئے میری قربانی قبول ہوئی۔ تیری رد۔ غرضیکہ عمل قبول ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ عمل کا اچھا ہونا۔ عامل کا متقی ہونا۔ تقوٰی دو قسم کا ہے۔ تقوٰی جسمانی' تقوٰی دل' تقوٰی جسمانی نفی و اثبات کا مجموعہ ہے۔ یعنی ممنوع کاموں سے بچنا۔ اچھے کام کرنا۔ تقوٰی دلی ہے۔ اللہ کی مقبول چیزوں کی تعریف کرنا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔** تیرا عمل بھی خراب ہے کہ اپنی بہن سے نکاح کرنا چاہتا ہے۔ تو خود نہ جسمانی متقی ہے کہ تو ممنوع کام کرتا ہے۔ اچھے کام نہیں کرتا۔ نہ دلی متقی ہے۔ کہ تیرے دل میں حضرت آدم کا ادب نہیں جو نبی بھی ہیں تیرے والد بھی۔ پھر تیری قربانی میں قبولیت کہاں سے آئے۔ لہٰذا اب تیرا مجھے قتل کرنے کا ارادہ بھی فسق پر فسق ہے۔ سن لے میرا ارادہ یہ ہے کہ **لئن بسطت الی یدک لتقتلنی ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک۔** لام قسم کا ہے ان شرطیہ' **بسط** کے معنی ہیں پھیلانا۔ اسی لئے بستر کو بساط کہتے ہیں کہ وہ پھیلایا اور بچھایا جاتا ہے۔ یہاں ہاتھ بڑھانا مراد ہے۔ دونوں جگہ قتل کے لئے ہاتھ بڑھانا مراد ہے۔ یعنی اگر تو نے مجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ تو میں اس کے جواب میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا۔ بلکہ اگر تجھے قتل کئے بغیر میرا بچاؤ نہ ہو سکا تو اپنے بچاؤ کے لئے تجھے قتل نہ کروں گا۔ بلکہ خود قتل ہو جاؤں گا۔ تاکہ میں رب تعالٰی کی بارگاہ میں مظلوم مقتول ہو کر پیش ہوں۔ غرض کہ یہاں اپنے بچاؤ کی نفی نہیں۔ بلکہ قتل قابیل کے لئے ہاتھ اٹھانے کی نفی ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے کیونکہ **انی اخاف اللہ رب العلمین** یعنی میرا ہاتھ نہ اٹھانا کسی کمزوری و بزدلی کی وجہ سے نہیں۔ بلکہ صرف خوف خدا کے لئے ہے۔ ہابیل عمر میں قابیل سے بڑے تھے۔ اور طاقت و قوت میں بھی زیادہ۔ اگر ہابیل ہاتھ اٹھاتے تو قابیل یقیناً مارا جاتا۔ شاید اس قتل میں آپ سے کچھ زیادتی ہو جاتی۔ اس لئے

www.alahazratnetwork.org

آپ نے ہاتھ نہ اٹھایا۔ انی ارید ان تبوا باثمی واثمک اس عبارت میں قابیل کو قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھانے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔ ایک وجہ تھی خوف خدا۔ دوسری وجہ یہ ہے تبوء بنا ہے بوء سے۔ معنی لازم ہونا۔ اقرار کرنا۔ لوٹنا رجوع کرنا۔ یہاں آخری معنی میں ہے چونکہ انسان کا اصل وطن آخرت ہے۔ دنیا تو ایک سفری منزل ہے۔ وہاں سے دنیا میں آیا ہے۔ وہیں ہی جاتا ہے اس لئے وہاں جانے کو رجوع بوء یعنی لوٹنا واپس ہونا کہا جاتا ہے۔ اثمی میں مضاف پوشیدہ ہے اصل میں اثم قتلی تھا۔ یہاں گناہ کی نسبت ہابیل کی طرف سببیت کی نسبت ہے نہ کہ فاعلیت کی اور اثمک سے مراد قابیل کے پچھلے گناہ ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا حکم نہ ماننا۔ ناجائز نکاح کا ارادہ کرنا۔ ہابیل کے قتل کا ارادہ کرنا۔ پھر قتل کے بعد مرتد ہو جانا' گانا بجانا' باجے تاشے ایجاد کرنا وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ اثمی سے مراد ہابیل کے سارے گزشتہ گناہ ہوں۔ حدیث شریف میں ہے کہ ظالم قاتل پر مقتول کے گناہ لاد دیئے جائیں گے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ یعنی میں چاہتا ہوں کہ میں ظالم نہ بنو۔ مظلوم بنوں۔ تاکہ تو قیامت میں میرے تمام گناہوں کا بوجھ بھی اٹھالے اور اپنے گناہوں کا بھی۔ فتکون من اصحب النار یہ عبارت ان تبوء پر مرتب ہے۔ اصحاب النار سے مراد ہے۔ دائمی دوزخی ہو جانا۔ جو کافروں کے لئے ہو گا۔ یا تو قابیل اس وقت ہی مرتد ہو چکا تھا۔ نبی کے فرمان کو غلط سمجھنے کی وجہ سے یا آئندہ مرتد ہونے والا تھا۔ اس لئے ہابیل نے یہ کہا وذلک جزاء الظلمین ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی ہابیل کا ہی ہے۔ جو انہوں نے قابیل سے کیا۔ ظالمین سے مراد مرتدین یا قاتلین ہیں۔ ذلک سے اشارہ گزشتہ سزاؤں کی طرف ہے۔ اپنے اور دوسرے کے گناہ لے کر لوٹنا دائمی دوزخی ہونا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہو۔ اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو۔ یعنی اے محبوب ظالموں' قاتلوں' مرتدوں کی یہ ہی سزا ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان حاسدین' بے وفا معاندین یہودیوں کو یا اپنی امت کو یا تمام لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل و قابیل کا سچا واقعہ پڑھ کر سنادو۔ جبکہ دونوں بھائیوں میں ایک لڑکی اقلیمہ کے متعلق اختلاف ہوا۔ تو آدم علیہ السلام کے حکم سے قرعہ اندازی کے طریقہ پر دونوں نے بارگاہ الٰہی میں اپنی اپنی قربانیاں پیش کیں۔ اس طرح کہ ہابیل نے تو اعلیٰ درجہ کا دنبہ نہایت خوش دلی نیک نیتی سے اور قابیل نے اپنے کھیت کے گندم کی ردی بالیاں نہایت بددلی بدنیتی سے ایک پہاڑ پر رکھ دیں۔ چنانچہ ہابیل کی قربانی تو قبول ہو گئی کہ غیبی آسمانی آگ ان کے دنبہ کو جلا گئی۔ یا اٹھالے گئی۔ اور قابیل کی قربانی رد ہو گئی کہ اسکی ردی بالیاں ویسے ہی پڑی رہیں تو قابیل بجائے توبہ کرنے کے حسد کی آگ سے اور بھڑک گیا بولا کہ اے ہابیل میں تجھے قتل کر دوں گا۔ تاکہ تو اقلیمہ سے نکاح نہ کر سکے۔ ہابیل نے کہا کہ اس قربانی کے رد ہونے میں میرا کیا قصور ہے۔ میں حق پر ہوں بے قصور ہوں۔ اخلاص سے میں نے قربانی پیش کی۔ نیک نیتی میں تھا اور تو ناحق پر ہے۔ قصور مند ہے۔ قربانی میں نہ تجھے اخلاص نصیب ہوا۔ نہ نیک نیتی۔ لہٰذا تو فاسق ہے۔ فاسق کی قربانی قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ متقیوں پرہیزگاروں کی قربانیاں قبول کرتا ہے۔ اے قابیل سن لے۔ اگر تو نے مجھے قتل

www.alahazratnetwork.org

کرنے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو میں تجھے قتل کرنے کے لئے ہاتھ نہ اٹھاؤں گا۔ کیونکہ میں خدا سے ڈرتا ہوں۔ قاتل کی سزا رب تعالیٰ کے یہاں بہت ہی سخت ہے۔ سن لے میں بزدل یا کمزور نہیں ہوں۔ تجھ سے عمر میں بڑا بھی ہوں۔ طاقت میں زیادہ بھی مگر میں چاہتا ہوں کہ میں تیرے گناہ لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہوں بلکہ تو میرے قتل کا گناہ اور اپنے باقی سارے گناہ لے کر یا میرے سارے گناہ اور اپنے سارے گناہ لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہو تو تو دوزخی ہو جاوے۔ مجھے اللہ تعالیٰ گناہوں سے بچالے۔ خیال رکھ کہ تو مجھے قتل کرنے میں ظالم ہو گا۔ اور ظالم کی یہ ہی سزائیں ہیں جو میں نے تجھے سنائیں۔ اب بھی ہوش کر۔ اور اپنے برے ارادے سے باز آجا۔ گزشتہ تمام گناہوں سے توبہ کرلے۔ تاکہ پاک و صاف رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضری دے سکے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** قوم کو گزشتہ محبوبین اور مردودین کے قصے سنانا تاکہ قوم کی اصلاح ہو، سنت الٰہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقبول بارگاہ ہابیل اور مردود بارگاہ قابیل کا قصہ سنانے کا حکم دیا۔ یہ قصے بھی اعلیٰ درجے کی تبلیغ ہیں۔ **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ سلم کو تمام اولین و آخرین کے علوم بخشے۔ یہ فائدہ **واتل علیھم** سے حاصل ہوا۔ ہابیل و قابیل کا واقعہ حضور کی ولادت سے قریباً سات ہزار برس پہلے کا ہے۔ مگر فرمایا گیا۔ کہ انہیں یہ واقعہ سنا دو۔ کوئی قصہ اس سے سنوایا جاتا ہے۔ جسے وہ یاد ہو۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے یہ واقعہ بالکل اجمالی طور سے بیان کیا نہ یہ بتایا کہ وہ بیٹے کون تھے۔ ان میں کیا جھگڑا تھا۔ انہوں نے قربانی کن چیزوں کی پیش کی۔ کس عورت میں جھگڑا تھا۔ یہ سب چیزیں حضور علیہ السلام نے بتائیں۔ **تیسرا فائدہ** پیغمبر کی بے ادبی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ قابیل نے حضرت آدم کی بے ادبی کی کہ آپ غلط کہتے ہیں۔ اقلیمہ سے میرا نکاح درست ہے۔ تو آخر کار وہ قاتل۔ زانی، مرتد، بدمعاش سب کچھ بن گیا۔ **چوتھا فائدہ** شرعی قانون سب کے لئے لازم العمل ہیں۔ کوئی نبی زادہ ولی زادہ ان سے الگ نہیں ہو سکتا۔ جب سارے انسان اپنی زندگی کے لئے ہوا، پانی، غذا کے حاجت مند ہیں تو وہ سب ایمانی زندگی کے لئے شرعی قوانین کے بھی پابند ہیں۔ دیکھو قابیل نبی زادہ تھا۔ مگر اس نے دین آدم علیہ السلام کو نہ مانا مارا گیا۔ **پانچواں فائدہ** دنیا میں پہلا قتل ایک عورت کی وجہ سے ہوا جھگڑے کی بنیادیں تین ہیں۔ زن، زر، زمین، جن میں زن بڑی بنیاد ہے۔ اس لئے شریعت میں عورت پر پردہ وغیرہ کی پابندی لگائی ہے۔ آگ محدود رہے تو مفید ہے۔ حد سے باہر آئے تو ہلاکت۔ **چھٹا فائدہ** رب تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ ایک ہی پیٹ سے کافر، مومن، سعید، شقی، کالے، گورے پیدا فرماتا ہے۔ حضرت حوا کا پیٹ ایک، مگر اسی پیٹ سے ہابیل پیدا ہوئے۔ سعید، قابیل پیدا ہوا، شقی، سانچہ ایک مگر ڈھلنے والے برتن مختلف۔ **ساتواں فائدہ** نبی کا گستاخ مخلوق میں سب سے پہلے شیطان ہے اور انسانوں سے پہلا گستاخ قابیل، دونوں کا انجام دیکھ لو۔ **آٹھواں فائدہ** مرتد و بے دین کو نبی زادہ ہونا بالکل ہی بیکار ہے۔ پیغمبر زادگی ایمان کے ساتھ مفید ہے۔ دیکھو قابیل نبی زادہ تھا۔ مگر ہلاک ہو گیا۔ **نواں فائدہ** جھگڑے چکانے کے لئے قرعہ اندازی بہت اچھی چیز ہے دیکھو

www.alahazratnetwork.org

ہابیل و قابیل کے جھگڑے ختم کرنے کے لئے قربانی کے ذریعہ قرعہ اندازی کرائی گئی۔ یہ قربانی ایک قسم کی قرعہ اندازی ہی تو تھی۔ **دسواں فائدہ** قربانی بڑی پرانی رسم ہے۔ دیکھو ہابیل نے قربانی دی۔ اگرچہ اسلامی قربانی اور پچھلی قربانیوں میں کئی طرح فرق ہے۔ **گیارہواں فائدہ** قربانی کا گوشت کھانا اسلام میں جائز ہوا۔ جیسے مال غنیمت کا استعمال صرف اسلام میں ہی ہے۔ اس سے پہلے نہ تھا۔ یہ گوشت اور مال غنیمت پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ جسے غیبی آگ جلا جاتی تھی۔ ہر جگہ نماز ادا ہو جانا۔ تیمم قربانی کا گوشت مال غنیمت صرف اسلام میں حلال ہوئے۔ اس سے پہلے حلال نہ تھے۔ **بارہواں فائدہ** حسد تمام گناہوں کی جڑ ہے شیطان مردود ہوا تو حسد سے' قابیل ہلاک ہوا تو حسد سے' قتل ہابیل حسد کی بناء پر ہوا۔ اللہ تعالیٰ حسد سے بچائے۔ **تیرہواں فائدہ** تمام فتنوں میں عورت کا فتنہ بہت زبردست ہے۔ دنیا میں پہلا قتل عورت کی وجہ سے ہوا۔ قابیل نے ہابیل کو عورت ہی کی وجہ سے قتل کیا۔ زن' زر' زمین یہ جھگڑے کی بنیادیں ہیں۔ ان سب میں زن بہت خطرناک ہے۔ **شعر:-**

☆ جھگڑے کی بنیادیں تین ☆ زن ہے۔ زر ہے اور زمین ☆
☆ اگر نیک بودے سر انجام زن ☆ زنان رامزن نام بودے نہ زن ☆

چودھواں فائدہ مظلوم مقتول کے گناہ ظالم قاتل پر ڈال دیئے جائیں گے۔ کہ وہ اپنے گناہوں کی بھی سزا بھگتے گا اور مظلوم کے گناہوں کی بھی جیسا کہ **باثمی واثمک** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ **پندرہواں فائدہ** مرتد دائمی دوزخی ہے کہ کفار کی کبھی بخشش نہیں۔ یہ فائدہ **من اصحب النار** سے حاصل ہوا۔ **سولہواں فائدہ** اگر مظلوم مقتول اپنی جان بچانے کے لئے قاتل کو قتل کر دے۔ جب کہ اس کے بغیر قتل کئے اپنی جان نہ بچتی ہو تو جائز ہے۔ اسے حفاظت خود اختیاری کہتے ہیں۔ لیکن اگر مظلوم خود قتل ہو جاوے۔ ظالم کو قتل نہ کرے تو جب کہ اسے اپنا قتل ہو جانا یقین سے معلوم ہو تو جائز بلکہ ثواب ہے۔ یہ فائدہ **ما انا بباسط یدی الیک لاقتلک** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ہابیل کے اس صبر کی تعریف فرمائی۔ دیکھو حضرت عثمان غنی نے ظالم قاتل کا مقابلہ نہ کیا صابر رہتے ہوئے۔ تلاوت قرآن کرتے ہوئے شہید ہوئے۔ آپ کا یہ عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔ باغیوں سے جنگ نہ کرنا' مظلوم شہید ہو جانا۔ اس آیت سے ثابت ہوا۔ اور حضرت علی نے باغیوں سے جنگ کی۔ ان کا عمل اس آیت پر تھا۔ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ** یہ دونوں حضرات اللہ کے پیارے ہیں۔ **سترہواں فائدہ** قربانی کی قبولیت تقویٰ و اخلاص سے ہے نہ کہ محض ظاہری ٹیپ و ٹاپ سے۔ یہ فائدہ **انما یتقبل اللہ من المتقین** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لن ینال اللہ لحومها ولا دماؤها الخ۔**

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہابیل نے اپنے کو قابیل کے سامنے پیش کر دیا اپنے بچاؤ کی کوشش نہ کی۔ یہ تو

www.alahazratnetwork.org

خودکشی ہے۔ جیسے زہر کھا کر یا اپنے کو پھانسی لگا کر ہلاک کرنا خودکشی ہے ایسے ہی ظالم قاتل کے سامنے لیٹ جانا اس کے ہاتھ میں تلوار دے دینا۔ اپنا گلہ اس کے سامنے کر دینا بھی خودکشی ہے پھر ہابیل نے یہ کیوں کیا۔ اور رب تعالیٰ نے ان کی اس حرام موت کی تعریف کیوں فرمائی (بعض بے دین) جواب ظلماً" قتل سامنے آ جاوے تو اس وقت چار صورتیں ہوتی ہیں جن میں سے تین صورتیں جائز ہیں۔ ایک صورت ناجائز۔ ایک اپنا دفاع کرنا یعنی ظالم کا مقابلہ کرنا اگرچہ اس دفاع میں حملہ آور کو قتل کرنا ہی پڑ جاوے۔ یا اس سے جنگ و قتال کی نوبت آ جاوے۔ حضرت حسین اور حضرت علی کا قاتلین سے مقابلہ اسی بناء پر تھا۔ دوسرے یہ کہ ایسی حالت میں ظالم کو قتل نہ کرنا اپنے بچاؤ کی اور کوئی صورت اختیار کرنا۔ جیسے بھاگ جانا۔ یا اس کے وار کو روکنے کی کوشش کرنا یہ بھی جائز ہے۔ دیکھو ہجرت کی رات جب کفار مکہ نے قتل کے ارادہ سے حضور کا گھر گھیر لیا تو حضور انور نے اپنا بچاؤ کیا۔ کہ آپ وہاں سے نکل گئے۔ مگر دفاع نہ کیا یہ اسی دوسری صورت پر عمل ہے۔ تیسرے اپنے بچاؤ کی بھی کوشش نہ کرنا۔ یونہی صابر بن کے بیٹھے رہنا اور مقتول ہو جانا یہ بھی جائز ہے۔ خودکشی نہیں حضرت ہابیل کا یہ تیسرا ہی عمل ہے۔ جو بالکل جائز ہے۔ جیسے حضرت عثمان غنی کی شہادت چوتھے تلوار قاتل کے ہاتھ میں دینا۔ اس کا ریا ہوا زہر کھا لینا یہ خودکشی ہے اور اسی طرح مرنا حرام موت مرنا ہے۔ دیکھو زانی' ظالم قاتل کا حاکم کے سامنے پیش ہو کر اقرار جرم کر کے رجم یا پھانسی پا جانا حرام موت یا خودکشی نہیں۔ مگر اپنے کو خود قتل کر لینا یا کسی سے کہہ کر اپنے کو مروا دینا خودکشی ہے۔ قانون کے تحت موت حلال ہے۔ قانون کے خلاف حرام۔ دوسرا اعتراض ہابیل نے اپنا قتل کیوں منظور کیا۔ اقلیمہ کو ہی کیوں نہ چھوڑ دیا تاکہ اپنی جان بچ جاتی۔ جواب اقلیمہ قابیل کے لئے حرام تھی اگر ہابیل کہہ دیتے کہ تو ہی اس سے نکاح کر لے میں نہیں کرتا۔ یہ خلاف حکم ایمان تھا۔ یہ کفر کی اجازت دینا کفر ہوتا۔ آپ نے جان دے دی کفر اختیار نہ کیا۔ تیسرا اعتراض ہابیل نے یہ کیوں کہا **انی اخاف اللہ رب العلمین**۔ اگر آپ اپنا بچاؤ کرتے ہوئے اسے مار دیتے تو گنہگار نہ ہوتے پھر اس میں خوف خدا کی کیا بات تھی۔ خوف خدا تو ناجائز کام پر چاہیے۔ جواب اس لئے کہ ہابیل بمقابلہ قابیل کے قوی و صحت مند بھی تھے اور عمر میں بھی زیادہ۔ اگر اپنا دفاع کرتے تو شاید دفاع میں حملہ آور بن جاتے اور حملہ آوری میں کوئی بات حد سے زیادہ ہو جاتی۔ جو رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہوتی۔ اس ناجائز کے احتمال سے آپ نے جائز دفاع بھی نہ کیا۔ حرام سے بچنے کے لئے مشتبہ سے بھی پرہیز کیا۔ یہ تقویٰ کی انتہا ہے۔ چوتھا اعتراض کسی کو کافر یا گنہگار بنانے کی کوشش کرنا بھی تو گناہ ہے۔ گناہ کرنا گناہ کرانا گناہ پر مدد دینا سب ہی گناہ ہے۔ تو ہابیل نے یہ کیوں کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ لے کر لوٹے۔ اس کے گنہگار ہو کر مرنے کی کوشش کیوں کی۔ جواب کسی کو گناہ کی رغبت دینا یا گناہ میں مدد دینا یہ ہے۔ گناہ کرانا۔ یہ ممنوع ہے۔ یہاں ان میں سے کچھ بھی نہ تھا۔ ظلماً" قتل کرنا قابیل نے چاہا تھا۔ آپ نے اپنے دفاع نہ کرنے کی وجہ یہ بیان کی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تو مجھے قتل کرے گا تو میں تجھے قتل کرنے کا ارادہ نہ کروں گا۔ تاکہ گنہگار ہو کر تو مرے میں نہ مروں۔ نہ اس میں قتل کی رغبت ہے۔ نہ قتل کی مدد کرنا۔ بلکہ اپنے کو

www.alahazratnetwork.org

قتل سے بچاتا ہے۔ اور قابیل کو قتل سے باز رہنے کی تبلیغ ہے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہے۔ کہ قابیل اس ارادہ سے باز آ جاوے (تفسیر خازن) **پانچواں اعتراض** قابیل نے قتل ہابیل کا جرم کیا مردود ہوا۔ اور اولاد یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ستایا۔ حضرت یعقوب کو رلایا۔ مگر محبوب رہے۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** وجہ ظاہر ہے کہ قابیل کے ان جرموں کی وجہ اقلیمہ عورت سے محبت حضرت آدم سے عداوت تھی۔ اور اولاد یعقوب علیہ السلام کے ان جرموں کی وجہ جناب یعقوب کی محبت تھی۔ کہ آپ یوسف علیہ السلام سے الگ ہو کر ہم سے محبت کرنے لگیں گے بنیادوں میں فرق تھا تو پھلوں اور نتیجوں میں فرق ہو گیا۔ چونکہ ابھی یہ واقعہ پورا بیان نہیں ہوا کچھ حصہ ابھی آرہا ہے۔ اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ انشاء اللہ آگے بیان ہوگی۔

فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ

پس رغبت دی اس کو اس کے نفس نے قتل کی اپنے بھائی کے پس قتل کر دیا اس کو پس ہو گیا نقصان

تو اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کا بھاؤ دلایا تو اسے قتل کر دیا تو رہ گیا

الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ

والوں سے پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا جو کھودتا تھا زمین میں تاکہ دکھائے اس کو کیسے

نقصان میں تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کریدتا تاکہ اسے دکھائے کیونکر اپنے

يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ قَالَ يٰوَيْلَتٰۤى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا

چھپائے جسم مردہ اپنے بھائی کا بولا ہائے خرابی میری کیا عاجز ہو گیا میں یہ کہ ہوؤں میں مثل

بھائی کی لاش چھپائے بولا ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا

الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

اس کوے کے پس چھپا دیتا میں مردہ جسم اپنے بھائی کا تو ہو گیا وہ شرمندوں سے

کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں قابیل کے ارادہ قتل کا ذکر تھا۔ اب اس کے فعل قتل کا ذکر ہے۔ گویا یہ آیت اس مضمون کا نتیجہ بیان فرما رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ہابیل کی نصیحتوں کا ذکر تھا جو اس نے قابیل کو کیا تاکہ وہ اس ارادہ سے باز رہے۔ اب اس کی نصیحت قبول

www.alahazratnetwork.org

نہ کرنے کا ذکر ہے۔ گویا تبلیغ کا ذکر پہلے تھا اور تبلیغ کے اثر نہ ہونے کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ظلم و صبر کی ابتدا کا ذکر تھا۔ اب ان دونوں ظلم و صبر کی انتہا کا ذکر ہے۔ کہ قابیل نے ظلم کی انتہا کر دی اور ہابیل نے صبر و تحمل کی انتہا کر دی۔ گویا آیت ان آیات کا تتمہ ہے۔

تفسیر **فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ** اس جملہ میں ف صرف **تعقیب** کے لئے ہے۔ فوراً کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ قتل ہابیل کا واقعہ قربانی کے واقعہ سے کچھ عرصہ بعد ہوا۔ فوراً نہ ہوا۔ جیسے **فحملتہ فانتبذت بہ مکانا قصیا** میں **فانتبذت** کی ف صرف **تعقیب** کے لئے ہے۔ **طوعت** بنا ہے طوع سے طوع کے معنی ہیں خوشی۔ فرمانبرداری اور سہل و آسان کر دینا۔ اسی سے ہے اطاعت اس سے ہے **طوعا و کرھا** یہاں یا تو خوش کر دینے کے معنی میں ہے یا آسان کر دینے کے معنی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اولاً قابیل کو ہابیل کا قتل بہت ہی گراں معلوم ہوا۔ کیونکہ بڑا جرم تھا اور اس سے پہلے کبھی دنیا میں قتل انسانی نہ ہوا تھا۔ مگر اس کے نفس امارہ نے اسے سمجھا بجھا کر یہ کام اسے سہل کر دیا۔ اس پر اسے راضی و خوش کر لیا۔ اب بھی بڑا گناہ کرتے وقت پہلے ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔ پھر دلیری یہاں اسی کا بیان ہے۔ **لہ** کا مرجع قابیل ہے۔ **نفس** سے مراد اس کا نفس امارہ ہے۔ اخ سے مراد ہابیل ہے۔ کیونکہ ہابیل اگرچہ قابیل کا دینی بھائی نہ رہا تھا مگر نسبی بھائی تھا۔ اخ فرمانے میں بھی قابیل کی برائی ہے کہ بھائی بھائی پر مہربان بلکہ اس کا قوت بازو ہوتا ہے۔ مگر یہ اپنے بھائی کا قاتل بن گیا۔ یعنی اولاً قابیل کو ہابیل کے قتل میں تردد اور ہچکچاہٹ رہی۔ اتنے بڑے کام کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مگر اس کے نفس امارہ نے آخر کار اس کو اس قتل پر راضی کر لیا۔ دلیر کر دیا کہ اپنے بھائی کو باوجود بے قصور ہونے کے باوجود بھائی ہونے کے قتل کر دے **فقتلہ فاصبح من الخسرین** قابیل کو قتل کرنے کی ترکیب نہیں آتی تھی۔ کیونکہ آج دنیا میں پہلا قتل ہو رہا تھا۔ ابلیس جانور کی شکل میں قابیل کے سامنے آیا۔ اس کے پنجہ میں ایک اور جانور تھا۔ اس نے اس جانور کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل دیا۔ جس سے وہ جانور مر گیا۔ تب قابیل کو قتل کرنے کا طریقہ آیا۔ چنانچہ ایک دن ہابیل اپنے جانور کسی پہاڑی پر چرا رہے تھے۔ دوپہری میں کسی سایہ دار درخت میں سو گئے۔ قابیل نے بڑا وزنی پتھر ان کے سر پر مارا۔ جس سے ان کا سر کچل گیا۔ اور وہ فوت ہو گئے (تفسیر خازن' روح وغیرہ) یہاں اسی کا بیان ہے۔ کس جگہ کس دن کس عمر میں قتل کیا۔ انشاء اللہ اس کا ذکر خلاصہ تفسیر میں آوے گا۔ **خاسرین** سے مراد ہے۔ دنیا و آخرت میں نقصان پانے والا۔ دنیا میں اس طرح کہ اپنے والد ماجد کو ناراض کر لیا۔ خود بغیر بھائی کے رہ گیا۔ رہتی دنیا تک جس قدر ظلماً قتل ہوں گے۔ ان سب میں اس کا بھی حصہ ہو گا۔ آخرت میں اس طرح کہ خدا تعالیٰ کی پھٹکار اور عذاب نار کا مستحق ہو گیا اگرچہ اس وقت قابیل کے سوا اور کوئی نہ قاتل تھا نہ ظالم نہ خاسر۔ مگر چونکہ آئندہ ایسے لوگ پیدا ہونے والے تھے۔ جن کا پہلا یہ ہوا۔ اس لئے **خاسرین** جمع اور **من** تبعیضیہ فرمایا گیا۔ **فبعث اللہ غرابا یبحث فی الارض** یہاں بھی ف **تعقیب** کے لئے ہے۔ فوراً کے معنی میں نہیں۔ کیونکہ دفن کا یہ واقعہ قتل کے واقعہ سے چالیس دن بعد ہوا۔ **بعث** کے

www.alahazratnetwork.org

معنی ہیں بھیجنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اذبعث فیهم رسولا**۔ وہاں بعثت کے معنی ہیں بذریعہ نبوت بذریعہ وحی تعلیم خلق کے لئے بھیجنا۔ یہاں اس کے معنی ہیں اس کوے کا اللہ کے ارادے سے یہاں آنا یا رب تعالیٰ کا اس کوے کو اس کام کے لئے مقرر فرمانا۔ جب کسی کام کی عظمت یا اہمیت دکھائی ہو تو اسے رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ اور جب کسی کام کی حقارت یا اس کی جزا دکھائی ہو تو شیطان کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ جیسے **فانسه الشیطن ذکر ربه فلبث فی السجن بضع سنین** چونکہ کوے کے اس فعل سے تاقیامت انسانوں کو دفن کی تعلیم دینی تھی اس لئے **بعث اللہ** فرمایا۔ یعنی **بعث** کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی گئی **غربا** بنا ہے **غرب** سے • بمعنی غائب ہو جانا دور ہو جانا۔ اس لئے سورج کے چھپنے کو غروب کہتے ہیں۔ مسافر کو غریب کہ وہ اپنے وطن سے دور ہے انوکھی چیز کو بھی غریب چیز کہا جاتا ہے۔ کہ وہ لوگوں کی نظر سے غائب رہتی ہے۔ کوے کو عربی میں غراب اس لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے گھر سے بہت دور نکل جاتا ہے۔ (خ) **یبحث** بنا ہے بحث سے۔ بحث کے معنی ہیں کھل جانا۔ ظاہر ہو جانا۔ مباحثہ مناظرہ کو اس لئے بحث کہتے ہیں کہ اس سے اصل واقعہ کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ زمین کریدنے کو بھی بحث اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے زمین کا اندرونی حصہ کھل جاتا ہے۔ (غ-ل) قابیل نے ہابیل کو قتل تو کر دیا مگر یہ نہ جانا کہ اب اس لاش کو کیا کرے۔ اس لئے یہ لاش ایک تھیلے میں ڈال کر چالیس دن اپنے کندھے پر لئے پھرا۔ حیران تھا کہ کیا کرے۔ تب اللہ تعالیٰ نے اس کی تعلیم کے لئے دو کوے بھیجے۔ ایک کوے نے دوسرے کو قتل کر کے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کرید کر گڑھا کیا اور مردہ کوے کو اس گڑھے میں رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی۔ تب قابیل کو دفن کرنے کا طریقہ آیا اور اس نے اسی ترکیب سے ہابیل کی لاش دفن کی یہاں اس کا ذکر ہے۔ **لیریه کیف یواری سوءة اخیه** یہ عبارت **بعث اللہ** کے متعلق ہے لام **تعلیلیه** ہے۔ یری اراءہ سے بنا ہے • بمعنی دکھانا۔ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ بعض نے کہا کہ فاعل کوا ہے یواری بنا ہے وری سے • بمعنی چھپانا۔ رب فرماتا ہے۔ **لباسا یواری سواتکم**۔ اسی سے ہے۔ تواری۔ فرماتا ہے **وراء** کہا جاتا ہے۔ **حتٰی توارت بالحجاب**۔ مخلوق کو وری کہتے ہیں کہ ان سے زمین چھپ جاتی ہے۔ پیچھے کو **وراء** کہا جاتا ہے۔ فرماتا ہے **فلیکونوا من ورائکم** بلکہ کبھی آگے کو بھی **وراء** کہہ دیتے ہیں کہ وہ بھی چھپا ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وکان وراءهم ملک**۔ **سواء** کو بھی **وراء** کہا جاتا ہے فرماتا ہے **ویکفرون بما وراءه** ان سب میں چھپنے کے معنی ملحوظ ہیں۔ **سوءة ساء یسوء** سے ہے • بمعنی رنجیدہ و غمگین ہونا۔ اب مراد کے لحاظ وہ چیز **سوءة** کہلاتی ہے جس کا ظاہر ہونا غمگین کرے۔ اس لئے ستر کو **سوءة** کہا فحش بے حیائی کے کام کو **سوءة** کہا جاتا ہے کہ ان کا کھلنا غمگین کرتا ہے۔ یہاں ہابیل کی لاش کو سوءة کہا۔ کیونکہ قابیل اسے چھپانا چاہتا تھا۔ اس کے ظہور سے اسے غم تھا ورنہ ہابیل کے مردہ جسم پر کپڑے تھے اور وہ تھیلے میں چھپا ہوا تھا۔ یعنی رب تعالیٰ نے کوا اس لئے بھیجا کہ وہ کوا اسے دکھاوے۔ یا رب تعالیٰ کوے کے ذریعے اسے دکھلوے کہ اپنے بھائی کی لاش کیسے چھپائے۔ کیونکر دفن کرے **قال یویلتی اعجزت ان**

www.alahazratnetwork.org

اکون مثل ھذا الغراب فاواری سوءۃ اخی۔ قول سے مراد یا تو دل میں کہنا ہے۔ یعنی سوچنا یا زبان سے کہنا خود منہ میں بڑبڑانا یا ندا کے لئے ہے۔ یا اظہار افسوس کے لئے۔ ویلتی بنا ہے ویل سے ویل اور ویح دونوں کے معنی ہیں۔ قبح' برائی' خرابی یہ لفظ اظہار افسوس کے موقع پر بولا جاتا ہے۔ یعنی قابیل نے دل میں سوچا یا منہ میں بڑبڑایا کہ ہائے افسوس میں ایسا نا سمجھ و بیوقوف ہوں کہ اس کوے کی طرح بھی مجھ میں سمجھ بوجھ نہ ہوئی کہ میں اس کی طرح ہی اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا۔ زمین میں دفن کر دیتا۔ یہ کوا بھی مجھ سے زیادہ سمجھدار ہے فاصبح من الندمین یہاں ف ترتب کی ہے۔ اصبح بمعنی صار ہے خود اپنے معنی میں نہیں۔ اس کے معنی ہیں ہو گیا۔ نادمین بنا ہے ندم سے بمعنی ندامت و شرمندگی۔ یعنی کسی چیز کے ہاتھ سے جاتے رہنے پر تبدیلی رائے۔ اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے۔ پچھتانا۔ خواہ کسی خوبی کے حاصل نہ ہونے پر ہو یا کسی برائی کے آجانے پر یعنی قابیل یہ سوچ کہا۔ یہ کہہ کر شرمندہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ قابیل کی یہ شرمندگی اس ظلماً" قتل پر نہ تھی۔ بلکہ چالیس دن تک لاش اپنے کندھے پر لئے پھرنا دفن کی ترکیب نہ جاننا۔ کوے سے بھی زیادہ نا سمجھ ہونا اس پر شرمندگی ہوئی۔ لہٰذا یہ ندامت توبہ نہ تھی بلکہ اپنی حماقت پر افسوس تھا۔ خیال رہے کہ اس وقت قابیل کے سوا کوئی شرمندہ نہ تھا۔ مگر چونکہ آئندہ ایسے لوگ ہونے والے تھے۔ اس لئے نادمین جمع فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر قربانی کے واقعہ کے بعد کچھ عرصہ قابیل منتظر رہا۔ اولاً" تو اس بڑے جرم کی ہمت نہ کرتا تھا۔ مگر آخر کار اس کے نفس امارہ نے اسے اس قتل کے لئے آمادہ کر ہی لیا۔ چنانچہ قابیل نے موقع پا کر اپنے بھائی ہابیل کو قتل کر دیا اور دنیا و آخرت میں ٹوٹے میں پڑ گیا۔ کہ دنیا میں والد کا نافرمان ہوا۔ بھائی سے محروم ہو گیا۔ قیامت تک اس پر پھٹکار ہو گئی۔ آخرت میں قہر قہار عذاب نار کا مستحق ہو گیا۔ قتل تو کر دیا مگر حیران پھرا کہ لاش کا کیا کرے۔ آخر کار رب تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو مرے ہوئے کوے کو لایا اور اس نے اپنی چونچ و پنجہ سے زمین کریدی۔ مرے کوے کو دفن کیا۔ اسے دکھایا کہ مردے کو یوں دفن کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کوے کو دیکھ کر قابیل نے ہابیل کی لاش دفن کی۔ دل میں سوچا کہ ہائے افسوس میں تو اس کوے سے بھی گیا گزرا ہوا کہ اس کو دفن کرنا آتا ہے۔ مجھے نہ آیا۔ یہ سوچ کر بہت ہی پچھتایا اور شرمندہ ہو گیا۔ مگر یہ شرمندگی قتل پر نہ تھی۔ بلکہ دفن کا طریقہ معلوم نہ ہونے پر تھی۔

قتل ہابیل

قابیل نے ہابیل کو قتل کی دھمکیاں تو قربانی کے واقعہ کے بعد ہی دے دی تھیں۔ مگر حضرت آدم علیہ السلام کے گھر پر موجودگی کی وجہ سے اس جرم کی حرکت نہ کر سکا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام حج کعبہ کے لئے مکہ معظمہ گئے۔ اور گھر ان سے خالی رہا۔ تو اس نے ہابیل کو اس طرح قتل کیا جو ابھی عرض کیا گیا۔ چونکہ اس زمانہ میں سنہ اور مہینہ یا تو مقرر نہ

www.alahazratnetwork.org

ہوئے تھے یا مشہور نہ تھے۔ اس لئے یہ پتہ نہیں چلا۔ کہ کس مہینہ اور کس سنہ میں قتل واقع ہوا۔ البتہ احادیث سے معلوم یہ ہوتا ہے کہ منگل کے دن قتل کا واقعہ ہوا۔ کیونکہ سرکار فرماتے ہیں کہ منگل کا دن خون کا دن ہے۔ کیونکہ اس دن حضرت حوا کو پہلا حیض آیا اور اسی دن ہابیل کا قتل واقع ہوا۔ اس قتل کے وقت حضرت آدم علیہ السلام **کعبۃ اللہ** کے حج میں تھے۔ آپ نے وہاں ہی دیکھا کہ بعض درخت خاردار ہو گئے پہلے کسی درخت میں کانٹے نہ ہوتے تھے۔ بعض درختوں کے پھل کھٹے بعض کے پکے ہو گئے۔ پہلے سب کے میٹھے ہوتے تھے۔ زمین کا رنگ گندمی ہو گیا۔ پہلے اس مٹی کا رنگ یہ نہ تھا (تفسیر صاوی و روح البیان) اسی وقت آپ سمجھ گئے کہ آج کوئی بڑا حادثہ ہوا ہے اس میں اختلاف ہے کہ یہ قتل کہاں واقع ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ بصرہ میں ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ زمین ہند میں بلکہ بعض نے کہا کہ خود مکہ معظمہ میں غار حرا کے پیچھے ہوا۔ اور اس وقت حضرت آدم طواف کعبہ کر رہے تھے۔ اس وقت ہابیل کی عمر بیس یا پچیس سال تھی۔ (روح البیان و خازن) قتل کا یہ واقعہ ہوتے ہی قابیل کا رنگ سیاہ ہو گیا۔ پہلے سفید تھا۔ دل نہایت سخت ہو گیا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام گھر آئے تو قابیل سے پوچھا کہ ہابیل کہاں ہے۔ بولا کہ میں ہابیل کا محافظ نہ تھا۔ مجھے خبر نہیں کہ وہ کہاں ہے۔ آپ نے فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ تو نے اسے قتل کر دیا ہے۔ ورنہ تو پہلے گورا تھا۔ اب کالا کیوں ہو گیا۔ پہلے زمین خون ایسے ہی چوس لیتی تھی۔ جیسے آج پانی کو چوس لیتی ہے۔ آپ کی اس وقت کی دعا سے زمین نے خون چوسنا جذب کرنا چھوڑ دیا تاکہ آئندہ قتل کا سراغ خون سے لگ سکے۔ آپ کو قتل ہابیل سے بہت صدمہ ہوا۔ تب آپ نے بطور مرثیہ کچھ کلمات زبان سریانی میں فرمائے۔ عربی شاعر نے اسے عربی اشعار میں یوں بیان کیا۔

☆ تغیرت البلاد ومن علیها ☆

☆ فوجه الارض مغبر قبیح ☆

☆ تغیرت کل ذی لون و طعمه ☆

☆ وکل بشاشة والوجه الصبیح ☆

☆ ومالی لا اجود بسکب دمع ☆

☆ و هابیل تضمنه الضریح ☆

☆ اری طول الحیوة علی نقما ☆

☆ فهل انا من حیاتی مستریح ☆

یعنی تمام شہر اور شہروں کے لوگ بدل گئے۔ خود زمین مٹیالی رنگ بری ہو گئی۔ ہر رنگ و مزے والی چیز بدل گئی۔ اور حسین چہروں کی بشاشت جاتی رہی۔ میں آنسو کیوں نہ بہاؤں اور ہابیل کو قبر نے گود میں لے لیا۔ عمر بھر اس کی تکلیف محسوس کروں گا۔ اب مجھے زندگی میں چین نہ آوے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ اشعار ہی آدم علیہ السلام نے کہے۔

www.alahazratnetwork.org

مگر تفسیر خازن و روح المعانی و تفسیر کبیر نے اس کا انکار کیا۔ اور فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام شعر نہیں کہا کرتا۔ یہ اشعار تفسیر خازن و روح البیان نے نقل فرمائے۔ آدم علیہ السلام کو اس قتل کا اتنا صدمہ ہوا کہ آپ بقیہ عمر پھر ہنسے نہیں۔ قابیل اپنی بہن اقلیمہ کو جس کا وہ خواہش مند تھا جو اس کے لئے حرام تھی اسے لے کر عدن بھاگ گیا۔ وہاں ہی اس سے اس کی اولاد حرام کی ہوئی ایک دن ابلیس نے اس سے کہا کہ اگر تو آگ کی پرستش کرتا ہوتا تو تیری قربانی کو بھی آگ کھالیتی۔ ہابیل آگ پوجتا تھا۔ اس لئے آگ نے اس کی قربانی قبول کرلی۔ قابیل نے یہ سن کر آگ کی پرستش شروع کردی۔ اور سب سے پہلے آتش پرستی قابیل نے ہی کی۔ اسی نے ستار سارنگی گانا باجے ایجاد کئے۔ آخر میں جب بوڑھا ہوگیا تو اس کی اولاد اسے پتھر مارا کرتی تھی۔ آخر اس کے ایک بیٹے نے اسے قتل کردیا۔ کفر و طغیان پر بڑی ذلت کے ساتھ مرا۔ قتل ہابیل کے پچاس سال بعد حضرت شیث علیہ السلام اکیلے پیدا ہوئے۔ اور آپ ہی آدم علیہ السلام کے خلیفہ اور نبی برحق ہوئے۔ آپ اول سے عابد زاہد شب زندہ دار تھے (عام تفاسیر و روح البیان وغیرہ)

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بڑے گناہ سے اولاً انسان ڈرتا ہے۔ پھر نفس امارہ اسے رغبت دے کر اس پر دلیر کرتا ہے۔ اگر اول سے ہی نفس کی بات نہ مانے تو گناہ سے بچ جاتا ہے۔ یہ فائدہ **فطوعت له نفسه** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** انسان نے سب سے پہلا گناہ قتل کا کیا۔ دوسرے گناہ بعد میں کئے اور اس پہلے گناہ کا پہلا سبب حسد ہے۔ لہٰذا پہلا گناہ قتل ہے۔ اور پہلی وجہ گناہ حسد ہے۔ بلکہ شیطان بھی حسد ہی کی وجہ سے مردود ہوا۔ **تیسرا فائدہ** دنیا میں سب سے پہلا فساد عورت کی وجہ سے ہوا۔ عورت ام الفساد ہے۔ **چوتھا فائدہ** ظلماً قتل کی نحوست سے ظالم قاتل کی دنیا بھی برباد ہو جاتی ہے اور دین بھی یہ فائدہ **من الخاسرین** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** اچھی بات جہاں سے ملے قبول کرلینی چاہیے۔ دیکھو انسان نے دفن ایک معمولی جانور سے سیکھا۔ یعنی کوے سے۔ انسان نے بہت سے کام جانوروں سے سیکھے۔ اپریشن بیل سے سیکھا کہ ایک دھوبی کو **استسقاء** کی بیماری تھی۔ اس کے پیٹ پر بیل کا پاؤں پڑا۔ پیٹ پھٹ گیا۔ **استسقاء** کی تھیلی نکل گئی۔ بعد میں زخم کو آرام ہوگیا۔ **استسقاء** جاتی رہی۔ آنکھ کی دوائیں سانپ سے ملیں۔ مکانات بنانے کی ترکیب بیہ جانور سے معلوم ہوئی۔ **چھٹا فائدہ** مردہ کو دفن کرنا بڑی پرانی سنت ہے حضرت آدم علیہ السلام سے جاری ہے۔ ہر دین میں جاری رہی۔ اسلام میں بھی دفن ہی سنت ہے۔ مردہ کو جلانا یا پانی میں بہانا فطرت کے بھی خلاف ہے۔ عقل کے بھی خلاف ہے۔ جیسا کہ مشرکین ہند کا عمل ہے۔ **ساتواں فائدہ** مردہ کو مٹی میں ہی دفن کرنا چاہیے یہ ہی سنت ہے۔ آج کل بعض امیر خاندانوں میں جو مروج ہے کہ لکڑی کی پیٹی کو نرم گدیلوں تکیوں سے سجا کر اس میں میت کو رکھتے ہیں۔ پھر یہ پیٹی کیلوں سے جڑ کر دفن کرتے ہیں۔ بالکل خلاف سنت ہے یہ فائدہ **یواری سوءة اخی** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** صرف ندامت و شرمندہ ہو جانا ہر گناہ کی توبہ نہیں بلکہ بعض گناہوں میں کفارہ یا سزا بھی بھگتنا پڑتی ہے۔ کوئی شخص روزہ رمضان توڑ کر نہ قضا کرے نہ کفارہ دے صرف شرمندہ ہو جاوے تو کافی نہیں یہ

www.alahazratnetwork.org

فائدہ **من الندمین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** انسان کے اعمال کا اثر عالم کی ہر چیز پر پڑتا ہے۔ اگر انسان کے اعمال اچھے ہوں تو دنیا میں رونق رزق میں برکت ہوتی ہے۔ اعمال بگڑ جاویں تو دنیا میں بے رونقی بے برکتی فساد ہوتے ہیں۔ دیکھو قتل کیا قابیل نے اور کانٹے آئے درختوں میں کھٹے ہوئے پھل۔ رنگ بدلا زمین کا۔ قرآن فرماتا ہے۔ **ظهر الفساد فی البر والبحر بما كسبت ایدی الناس** لوگوں کی بدعملیوں سے بحر و بر میں فساد پھیلتے ہیں۔ **دسواں فائدہ** اچھے برے اعمال اچھی بری نیت کا ظہور چہرے پر ہوتا ہے۔ دیکھو اس ظلماً قتل کی وجہ سے قابیل گورا تھا کالا ہو گیا۔ تہجد کی پابندی کرنے والے کا چہرہ نورانی ہوتا ہے۔ انسان کا چہرہ خدا کی کتاب ہے۔ آخرت میں ہر نیک و بد کا پتہ اس کا چہرہ ہی دے دے گا۔ رب فرماتا ہے۔ **یعرف المجرمون بسیمهم** **گیارہواں فائدہ** جیسے بعض بیماریوں میں انسان کا معدہ غذا قبول نہیں کرتا جو کھائے قے ہو جاتی ہے۔ یونہی شقی کا دل اچھی نصیحت قبول نہیں کرتا۔ دیکھو ہابیل نے کیسی حکیمانہ عاقلانہ ناصحانہ باتیں قابیل کو سمجھائیں مگر قابیل کے دل نے قبول نہ کیں۔ یونہی سعید کا دل برے مشورے قبول نہیں کرتا۔ **بارہواں فائدہ** جن دنوں میں منحوس کام ہو چکے ہوں۔ وہ دن قیامت تک منحوس ہیں۔ دیکھو منگل کا دن منحوس ہوا کہ اس دن قتل ہابیل واقع ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فی یوم نحس مستمر** اس طرح جن دنوں میں اچھے واقعات ہو چکے ہیں وہ دن سعید ہیں جیسے دو شنبہ یا جمعہ۔ یا ماہ رمضان۔

پہلا اعتراض قابیل تو کافر ہو چکا تھا۔ ہابیل مومن رہا۔ مومن کافر کا دشمن ہے نہ کہ بھائی۔ پھر اسے ہابیل کا بھائی کیوں کہا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **كل مومن اخوة** سارے مومن آپس میں بھائی ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب** بھائی بہت قسم کے ہوتے ہیں۔ نسبی بھائی، ملکی بھائی، کاروباری بھائی اور دینی بھائی استاد بھائی پیر بھائی۔ وطنی بھائی وغیرہ۔ یہاں اس آیت کریمہ میں نسبی بھائی مراد ہے۔ یعنی باپ و ماں جایا۔ واقعی قابیل ہابیل کا ماں جایا بھائی تو تھا۔ اور وہاں اس آیت میں دینی بھائی مراد ہے۔ کافر مومن کا دینی بھائی نہیں۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب قابیل کافر ہو چکا تھا تو اس کا نکاح لیوذا لڑکی کے ساتھ بھی شرعاً جائز نہ تھا۔ کیونکہ کافر مرد سے مسلمہ عورت کا نکاح درست نہیں۔ پھر آدم علیہ السلام نے اس پر یہ نکاح کیوں پیش فرمایا۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح پیش فرمانے کے وقت قابیل کافر نہیں ہوا تھا۔ بعد میں ہوا۔ اگر اس کا نکاح لیوذا سے ہوتا تو مومن کا مومنہ سے نکاح ہوتا۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم ہمارے اسلام کا ہے کہ کافر کا نکاح مومنہ سے درست نہیں۔ ان دینوں میں درست تھا۔ بلکہ شروع اسلام میں بھی ایسے نکاح ہوئے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیوں کے نکاح ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے ہوئے تھے۔ بعد میں انہوں نے طلاقیں دے دی تھیں۔ پھر یہ حکم منسوخ ہوا۔ **تیسرا اعتراض** مردہ کو دفن کرنا جانوروں کا کام ہے۔ مردہ انسان کو جلانا یا پانی میں بہانا چاہیے۔ خود قرآن کہہ رہا ہے۔ کہ کوے نے کوے کو دفن کیا۔ (ہندو) **جواب** اس قسم کے اعتراضوں کے جوابات ہم نے اپنی کتاب اسرار الاحکام میں دیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ

www.alahazratnetwork.org

انسان کو دفن کرنا عقل و فطرت کے عین موافق ہے۔ جلانا یا پانی میں بہانا خلاف عقل بھی ہے۔ خلاف فطرت بھی۔ انسان کی پیدائش مٹی سے ہے تو چاہیے کہ مٹی مٹی میں ملادی جاوے۔ آگ و پانی انسان کی اصل نہیں۔ اس میں کیوں جلایا یا بہایا جاوے۔ نیز دفن کرنے میں میت کی پردہ پوشی ہے۔ کسی کو پتہ نہیں لگتا کہ قبر میں میت کا کیا حال ہوا۔ جلانے اور بہانے میں اس کی ایسی پردہ دری ہوتی ہے۔ کہ خدا کی پناہ۔ اسلام میں میت کو ڈبونا سخت مجبوری کی حالت میں ہے۔ کہ کوئی سمندری جہاز میں زمین سے بہت دور فوت ہو جاوے۔ تب اس کی تجہیز و تکفین و نماز جنازہ کرکے اس میں وزن باندھ کر سمندر کی تہ میں پہنچادیا جاوے۔ مگر یہ مجبوری سے ہے۔ **چوتھا اعتراض** پھر تو انسان کوے کا شاگرد ہوا۔ اور کوے کا درجہ انسان سے زیادہ ہوا (آریہ) **جواب** شاگردی موقوف ہے سیکھنے اور سکھانے پر یہاں یہ نہ تھا۔ کسی کو کچھ کرتے ہوئے دیکھ کر کچھ سمجھ لینا شاگردی نہیں یہ تو رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت ہے۔ ہم نے ابھی فوائد میں عرض کیا ہے کہ انسان نے بہت سے کام جانور کے ذریعہ معلوم کئے۔ وہ تمام جانور انسان کے استاد نہیں ہو گئے۔ اگر دیوار پر کوئی نصیحت لکھی ہے۔ آپ نے حاصل کرلی تو دیوار آپ کی استاد نہیں بن گئی۔ اسلام میں اذان بذریعہ خواب بتائی گئی۔ بلکہ ابلیس نے حضرت ابو ہریرہ کو آیت الکرسی کے فوائد بتائے۔ نہ خواب والا فرشتہ استاد بنا اور نہ یہ لعین شیطان ہوا۔ کسی کو باقاعدہ سکھانا اور ہے کسی سے کچھ معلوم کرلینا کسی کو بتادینا کچھ اور۔ **پانچواں اعتراض** جب قابیل اپنے کئے پر نادم ہو گیا تو یہ ندامت توبہ کیوں نہ بنی۔ حدیث شریف میں ہے **الندم توبة** یہ آیت اس حدیث سے متعارض ہے۔ **جواب** قابیل اپنے کئے پر نادم نہ ہوا۔ بلکہ طریقہ دفن نہ جاننے اور چالیس دن تک لاش اٹھائے پھرنے پر نادم ہوا تھا۔ یہ توبہ نہیں۔ یا گزشتہ دینوں میں نادم ہونا توبہ نہ تھا۔ ندامت کا توبہ ہو جانا اسلام میں ہے۔ یا صرف ندامت قتل جیسے جرم میں کافی نہیں حق العبد میں توبہ کی شرائط کچھ اور ہیں۔

تفسیر صوفیانہ روح انسانی گویا آدم ہے۔ قلب انسانی گویا حوا ہے۔ نفس امارہ گویا قابیل ہے۔ جس کے ساتھ ہوا گویا اقلیما پیدا ہوئی۔ نفس مطمئنہ گویا ہابیل ہے عقل انسانی گویا لیوذا ہے ہواء نفسانی بظاہر بہت حسین معلوم ہوتی ہے کہ لذتوں کی طرف لے جاتی ہے اور عقل انسانی بظاہر بدشکل محسوس ہوتی ہے۔ کہ برائیوں سے روکتی ہے۔ نفس امارہ کو کہا گیا کہ تو عقل کے ساتھ رشتہ قائم کر تاکہ دین و دنیا میں امان پائے۔ مگر نفس امارہ نے ہوا سے رشتہ جوڑنا چاہا۔ جس سے معاصی و بدکاریوں کی اولاد پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔ جب اسے اس فعل بد سے منع کیا جاتا ہے تو یہ نفس **مطمئنہ** کو ہلاک کردیتی ہے۔ اسی کی ہلاکت سے انسان دنیا و آخرت میں برباد ہو جاتا ہے۔ مبارک ہیں وہ لوگ جو اس نفس امارہ کے اس نکاح کو روکیں۔ اگر نفس عقل سے ملے تو مفید ہے۔ ہدایت پائے گا۔ اور اگر ہوئی یعنی شہوت سے ملے تو تباہ ہو جاوے۔ نفس قلب کا دشمن ہے۔ وہ اسے ہلاک کرنے کی ہر وقت فکر میں لگا ہے۔ جب رب تعالیٰ کرم کرے تو انسان بڑے سے بڑا عاقل ہو جاتا ہے۔ اگر کرم نہ ہو تو جانور سے زیادہ بیوقوف ہوتا ہے۔ دیکھو جو بات کوے کی سمجھ میں آگئی وہ انسان کی سمجھ نہ آ

www.alahazratnetwork.org

سکی۔ ایسے واقعات سے انسان کو اپنی مجبوری و معذوری پر نگاہ رکھنی چاہیے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قابیل ہابیل کو قتل کر کے مردود ہو گیا۔ مگر برادران یوسف علیہ السلام خود جناب یوسف علیہ السلام کو کنویں میں ڈالنے فروخت کر دیئے۔ والد سے بھائی کو جدا کر دینے باوجود مومن ہی رہے۔ بلکہ بعد میں اولیاء یا انبیاء ہوئے۔ جرم ایک سا ہے۔ مگر نتیجہ میں فرق ہے۔ اس لئے کہ قابیل نے یہ حرکت اقلیما عورت کی محبت میں کی اور ان حضرات نے یہ حرکتیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی محبت میں کیں۔ تاکہ بعد میں ہم حضرت یعقوب علیہ السلام کے پیارے بن جاویں۔ اس سے نتیجوں میں فرق ہوا۔ ابولہب نے کفر کیا۔ حضور کی عداوت میں۔ ابو طالب نے اسلام قبول نہ کیا حضور کی محبت میں تاکہ میری رعایت سے کفار مکہ حضور کو نہ ستائیں۔ اپنے کفر کو حضور کی حفاظت کی خدمت کا ذریعہ سمجھا۔ دیکھو ان دونوں میں کتنا فرق ہے۔ کہ ابولہب کی برائی میں قرآن کریم کی پوری ایک سورت آئی سورہ لہب۔ کسی خاص کافر کے لئے پوری سورت نہیں آئی۔ سواء ابولہب کے۔ اور ابو طالب کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ دوزخ میں نہیں بلکہ دوزخ سے دور ایک جھیرے میں ہیں۔ دیکھو محبت نبی اور عداوت نبی کے کفروں میں فرق ہے۔ عداوت خلیل کی وجہ سے گرگٹ کا مارنا ثواب ہوا اور محبت خلیل کی بنا پر ہدہد کا بادشاہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا خاص خادم بنا دیا گیا۔ اس کا گوشت حلال نہ کیا گیا تاکہ لوگ اس کا شکار نہ کریں محبت حضور کی وجہ سے احد پہاڑ زیارت گاہ خاص و عام بن گیا۔

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا

اس وجہ سے لکھا ہم نے اوپر بنی اسرائیل کے کہ بے شک وہ شخص جو قتل

اس سبب سے ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا کہ جس نے کوئی جان قتل کی بغیر جان

بِغَیْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ مَنْ

کر دے کسی جان کو بغیر جان کے یا فساد کے زمین میں پس گویا قتل کر دیا اس نے لوگوں

کے بدلے یا زمین میں فساد کئے تو گویا اس نے سب لوگوں کو قتل کیا اور جس نے

اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَاۤ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا ؕ وَ لَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَیِّنٰتِ ٘

کو تمام اور جس نے زندہ رکھا اس جان کو پس گویا زندہ رکھا تمام لوگوں کو اور البتہ تحقیق

ایک جان کو جلا لیا اس نے سب لوگوں کو جلایا اور بے شک ان کے پاس ہمارے رسول

ثُمَّ اِنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِی الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ﴿۳۲﴾

آئے ان کے پاس رسول ہمارے ساتھ روشن دلیلوں کے پھر بے شک بہت سے ان میں سے پیچھے اس کے بیچ زمین کے زیادتی کرنے والے

روشن دلیلوں کے ساتھ آئے پھر بے شک ان میں بہت اس کے بعد زمین میں زیادتی کرنے والے ہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں قتل ہابیل کا واقعہ بیان ہوا۔ اب اس واقعہ کے بیان فرمانے کا مقصد بیان کیا جارہا ہے۔ یعنی ہم نے یہ واقعہ اس لئے بیان فرمایا تاکہ ان بنی اسرائیلیوں کو عبرت ہو جنہوں نے بہت سے نبیوں کو شہید کر دیا اور اب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے درپے ہیں۔ قرآن کریم میں گزشتہ لوگوں کے قصے کسی مقصد سے بیان ہوئے ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ بے قصور کا قتل ایسا بدترین قصور ہے کہ نبی زادہ بھی اس کی وجہ سے مردود ہو جاتا ہے۔ دیکھو قابیل نبی زادہ تھا۔ مگر بے قصور ہابیل کو قتل کرنے کی وجہ سے اس کے متعلق قرآن کریم نے فرمایا **فاصبح من الخسرین** کہ اس کی دنیا بھی برباد ہوئی۔ اور آخرت بھی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل کو اپنی نبی زادگی پر بڑا فخر ہے۔ کہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں۔ مگر انہوں نے بہت سے نبیوں کو ظلماً قتل کیا ہے۔ تو قابیل کی طرح بلکہ قابیل سے زیادہ ان کا انجام خراب ہوگا کہ قابیل نے صرف ایک کو قتل کیا۔ بنی اسرائیل نے بہت کو۔ قابیل نے غیر نبی کو قتل کیا۔ انہوں نے نبیوں کے خون میں اپنے ہاتھ رنگے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں بیان ہوا کہ قابیل ظلماً قتل کی وجہ سے بہت سے جرموں کا مرتکب ہوا **من الخسرین** چنانچہ وہ آتش پرست ہوا زانی ہوا گانے بجانے کا موجد ہوا۔ ایک قتل بہت گناہوں کا ذریعہ ہے۔ ایسے ہی یہ یہود قاتلین انبیاء ہیں۔ اس کی وجہ سے ان میں بہت سے عیوب پیدا ہو گئے۔ دیکھ لو موجودہ یہودی ہزارہا جرموں کے مرتکب ہیں۔

تفسیر **من اجل ذلک** اس عبارت کی دو ترکیبیں ہیں اور دو ہی معنی ایک یہ کہ یہ جار مجرور متعلق ہے **فاصبح** کے اور اس میں قابیل کے نادم ہونے کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے۔ اس صورت میں **ذلک** پر وقف ہے اور **ذلک** سے اشارہ اس کوے کے واقعہ کی طرف ہے اور **کتبنا** سے۔ یعنی اس وجہ سے ہم نے بنی اسرائیل پر یہ فرض فرمایا۔ تب **ذلک** سے اشارہ قابیل کے پورے واقعہ کی طرف ہے **اجل** کے لفظی معنی ہیں وقت مقرر یا میعاد اسی لئے ادھار کو **اجل** کہتے ہیں اور نقد کو عاجل۔ یعنی دیر سے آنے والی چیز آجل ہے۔ اصطلاح میں غایت، مقصد مفعول لہ کو اجل کہہ دیتے ہیں۔ کیونکہ غایت کام کے بعد ہوتی ہے۔ یعنی وجہ **کتبنا علی بنی اسرائیل۔ کتبنا** بنا ہے کتابت سے۔ معنی لکھنا یہاں مراد ہے۔ فیصلہ کر دینا لازمی حکم دے دینا۔ چونکہ فیصلہ لکھا جاتا ہے اس لئے اسے کتابت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ قابیل کا واقعہ بنی اسرائیل سے بہت پہلے ہوا۔ اور ظلماً قتل کا گناہ ہونا ہر دین میں تھا اور قاتل پر قصاص بھی ہر دین میں تھا۔ مگر چونکہ سب سے پہلی کتاب یعنی توریت بنی اسرائیل پر ہی اتری۔ اور بنی اسرائیل ہی نے بہت سے انبیاء کرام کو شہید کیا اور بنی اسرائیل ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنے کے درپے تھے۔ ان وجوہ سے بنی اسرائیل کا ذکر خصوصیت سے فرمایا **انہ من قتل نفسا بغیر نفس او فساد فی الارض** یہ عبارت **کتبنا** کا مفعول بہ ہے۔ من سے مراد ہر انسان ہے مومن ہو کافر کیونکہ معاملات تمام انسانوں پر یکساں ہیں۔ قتل سے مراد مار ڈالنا ہے۔ خواہ دھار دار

www.alahazratnetwork.org

آلہ سے ہو یا زہر خورانی سے یا گلا گھونٹ کر یا کسی اور ذریعہ سے۔ بلکہ قتل کرنا۔ قتل کرانا۔ قاتل ظالم کی مدد پر قتل کرنا حتی کہ بعد قتل اس ظالم کو صاف بچانا بھی سخت جرم ہے کہ یہ بھی قتل نفس کے متعلقات سے ہے نفسا سے مراد انسانی جان ہے۔ جانور وغیرہ تو شکار بھی کیئے جاتے ہیں۔ ذبح بھی۔ مگر ظلما" جانور کو مارنا بھی گناہ ہے جیسے گائے بھینس بکری کو بھوکے پیاسے ماردینا حرام ہے۔ بنی اسرائیل کی وہ بڑھیا دوزخ میں گئی جس نے بلی کو باندھ کر ماردیا نہ اسے کھانے کو دیا نہ کھولا حتی کہ وہ بھوکی پیاسی مرگئی۔ اور اس رنڈی کی نجات ہوگئی جس نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلادیا جس سے اس کی جان بچ گئی۔ بغیر نفس سے مراد ہے بغیر قتل نفس **فساد فی الارض** سے مراد قتل کے علاوہ اور وہ جرم ہیں۔ جس سے مجرم قتل کا مستحق ہو جاوے۔ جیسے ڈکیتی بغاوت زنا وغیرہ یعنی جو شخص بھی کسی انسان کو بغیر جان کی عوض (قصاص) اور بغیر قصور و جرم کے قتل کردے۔ خیال رہے کہ آٹھ جرموں کی سزا قتل ہے۔ قتل عمد' زنا' ڈکیتی' بغاوت' خروج' کافر حربی ہونا' مرتد ہونا۔ بلاقصور کسی پر جان لینے کی نیت سے حملہ آور ہونا اور اس شخص کا بغیر قتل کسی طرح اپنے کو نہ بچا سکنا ان سب صورتوں میں مجرم کا قتل جائز ہے۔ مگر قصاص' زنا' بغاوت' ڈکیتی خروج ارتداد میں سلطان اسلام کے حکم سے قاضی کے فیصلہ سے قتل کیا جاوے گا۔ آخری دو مجرموں کو بغیر حکم سلطان بھی قتل کیا جا سکتا ہے۔ کافر حربی کو اور حملہ آور کو۔ اس لئے یہاں بغیر نفس اور فساد کی قید لگائی گئی۔ **فکانما قتل الناس جمیعا** یہ عبارت **من قتل** کی جزاء خبر ہے۔ اس پورے جملہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں نمبرا ایک شخص کا قاتل دنیاوی سزا میں تمام جہان کے قاتلوں کی طرح ہے۔ یعنی دونوں کی سزا قصاص ہے۔ ایک آدمی کے قاتل کو بھی قتل ہی کیا جاوے گا۔ بہت سوں کے قاتل کو بھی قتل ہی کیا جاوے گا۔ نمبر ۲ جس قسم کی سزا اخروی ایک کے قاتل کے لئے ہے۔ وہ ہی اخروی سزا بہت کو قتل کرنے والے کے لئے ہے یعنی دوزخ اگرچہ دونوں سزاؤں کی کیفیت میں فرق ہو۔ نمبر ۳ جس قسم کے غضب و عتاب کا مستحق ایک کا قاتل ہے اس قسم کے غضب الہی کا مستحق بہت سوں کا قاتل ہے۔ نمبر ۴ جس نے نبی یا امام عادل یا سلطان اسلام یا عالم دین یا ولی اللہ کو قتل کیا اس نے گویا تمام جہان کو قتل کیا۔ کیونکہ موت العالم موت العالم۔ یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے۔ نمبر ۵ جس نے ایک بے قصور مسلمان کا قتل جائز سمجھا گویا اس نے جہان بھر کا قتل جائز سمجھا۔ کیونکہ حرام ہونے میں دونوں قتل یکساں ہیں۔ یہ قول قتادہ کا ہے۔ (تفسیر مظہری' خازن وغیرہ) یا ایک مظلوم کو قتل کرنا اور قتل کی ابتداء کرنا تمام جہان کے قتلوں کا ذریعہ ہے۔ کہ پھر لوگ اس کی دیکھا دیکھی اوروں کو قتل کریں گے تو ان سب قتلوں کا عذاب اس پہلے قاتل کو بھی ملے گا کہ قتل کا موجد یہ ہے جیسا کہ تاقیامت قتلوں کے عذاب میں قابیل کا حصہ ہے۔ **ومن احیاھا فکانما احیا الناس جمیعا** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ **من** سے مراد ہر شخص ہے **ھا** کا مرجع بے قصور نفس انسانی ہے۔ کسی کو زندہ کرنے کی بہت صورتیں ہیں۔ نمبرا کوئی شخص بھوک یا پیاس سے مر رہا تھا اسے کھلا پلا کر موت سے بچالیا۔ نمبر ۲ کوئی شخص ظلما" قتل ہو رہا تھا اسے قاتل ظالم سے چھوڑا لیا۔ نمبر ۳ کوئی نابینا کنوئیں میں گر رہا تھا اسے گرنے سے بچالیا۔ نمبر ۴ کوئی شخص خودکشی کر رہا

www.alahazratnetwork.org

تھا اسے سمجھا بجھا کر اس حرکت سے باز رکھا نمبر ۵ کوئی شخص قتل ہونے والی حرکت کرنا چاہتا تھا۔ قتل یا زنا۔ اسے اس حرکت سے باز رکھا جس سے اس کی جان بچ گئی۔ نمبر ۶ کسی بچی کو ظالم ماں زندہ دفن کرنا چاہتی تھی اسے اس حرکت سے روک لیا بلکہ بچی کو اپنی پرورش میں لے لیا دفن نہ ہونے دیا۔ نمبر ۷ کسی پر شیر یا سانپ حملہ کر رہا تھا اس سے اسے بچالیا۔ نمبر ۸ کسی گھر میں آگ لگ گئی یا کسی بستی میں پانی کا طوفان آگیا۔ اس نے وہاں کے آدمی کو جلنے یا ڈوبنے سے بچالیا۔ غرض کہ زندہ کرنے کی نسبت سبب کی طرف ہے نہ کہ فاعل حقیقی کی طرف۔ یعنی جس شخص نے کسی ایک نفس انسانی کو زندہ کیا کہ اسے ظلماً قتل یا کسی اور وجہ موت سے بچالیا تو اسے اس قسم کا ثواب ملے گا۔ جو جہان بھر کو زندہ رکھے۔ یعنی موت سے بچائے۔ نوعیت ثواب ایک ہی ہے۔ اگرچہ ان دونوں کی کیفیت ثواب میں فرق ہو۔ حضرت ابن عباس نے اس کے معنی یہ کئے ہیں کہ جس نے ایک نبی کو قوت دی ایک ولی یا ایک عالم دین یا ایک سلطان یا ایک امام عادل کی بقاء کی کوشش کی تو گویا اس نے جہان بھر کو زندگی بخشی کیونکہ ایک نبی کی خدمت ایک عالم دین کی زندگی ایک ولی کی حیات دنیا بھر کی زندگی ہے (مظہری، وخازن وغیرہ) یا جو شخص احیائے نفس کا موجد ہوگا۔ اسے جہان بھر کے احیائے نفس کرنے والوں کا ثواب ملے گا۔ کیونکہ موجود خیر کو تمام عاملین خیر کا ثواب ملتا ہے۔ ان دونوں جملوں کے اور بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔ **ولقد جاءتھم رسلنا بالبینت** یہ بنی اسرائیل پر رب تعالیٰ کا دوسرا کرم ہے اور قتل ناحق کی ممانعت کی دوسری تاکید **ھم** کا مرجع بنی اسرائیل ہیں اور رسلنا سے مراد انبیاء بنی اسرائیل ہیں **بینت** سے مراد یا ان کی آسمانی کتابیں ہیں یا ان کے معجزات یا ان کے وعظ و **نصیحتیں** یا ان کے فرمان کو ظلماً قتل بری چیز ہے۔ یعنی اولاد بنی اسرائیل کو تاکید کی گئی کہ ظلماً قتل سے بچیں اس کا گناہ بہت سخت ہے۔ پھر ان کے پاس مسلسل انبیاء کرام بھیجے جو کتابیں۔ معجزات وعظ و نصیحت لے کر ان کے پاس آئے ان سب نے یہ ہی کہا کہ ظلماً قتل بدترین جرم ہے۔ اس تمام کے باوجود بنی اسرائیل کا یہ حال ہے کہ **ثم ان کثیر منھم بعد ذلک فی الارض لمسرفون** **ثم** ترتیب اور مہلت و تاخیر کے لئے آتا ہے۔ یہاں تاخیر یا زمانی ہے۔ یا رتبتی **منھم** کا مرجع بنی اسرائیل ہیں کثیر اس لئے فرمایا کہ بعض بنی اسرائیل بڑے عابد، زاہد، متقی مومن بھی تھے۔ مگر تھوڑے **ذلک** سے اشارہ تمام چیزوں کی طرف ہے۔ توریت اتارنا اس میں قتل کی برائیاں بیان فرمانا حضرات انبیاء کرام کا تشریف لانا ان کا معجزات دکھانا انہیں ظلماً قتل سے ڈرانا وغیرہ۔ **الی الارض** سے مراد یا زمین فلسطین و شام ہے۔ جہاں بنی اسرائیل نے حضرات انبیاء کرام کو قتل کیا یا زمین مدینہ منورہ جہاں یہود نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی تدبیریں کیں یا زمین عرب یا زمین خیبر یا تمام زمین یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے۔ کیونکہ یہودی ہر زمانہ میں ہر زمین میں فساد پھیلاتے زیادتیاں ہی کرتے رہے۔ اب بھی کر رہے ہیں۔ مسرفون بنا ہے اسراف سے بمعنی بیجا زیادتی اس سے مراد یا حضرات انبیاء کرام کو قتل کرنا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دینے کا ارادہ کرنا یا مسلمانوں میں فتنہ و فساد پھیلانا۔ کہ یہودیوں جیسی فسادی قوم دنیا میں کوئی نہیں۔ یعنی اتنی تاکیدوں کے باوجود پھر بھی بہت سے یہودی

www.alahazratnetwork.org

زمین میں زیادتیاں کرتے رہے۔ جیسے جرم انہوں نے کئے ایسے کسی قوم نے نہیں کئے۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں گزشتہ کتب گزشتہ نبیوں کی بعض تعلیمات کا ذکر فرمایا۔ اس کے تین مقصد ہیں۔ کبھی ان تعلیمات پر مسلمانوں سے عمل کرانا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے قصاص کے احکام زبور شریف سے نقل فرمائے **ان النفس بالنفس** الخ کبھی صرف بنی اسرائیل کی سرکشی بیان فرمانے کے لئے نقل فرمائے جاتے ہیں۔ ہمارے لئے قابل عمل نہیں **لا تعدوا فی السبت** ہفتہ کے دن شکار نہ کرو اور اس کی مخالفت پر عذاب آجانے کا ذکر **قلنا لهم كونوا قردة خسئين** کبھی یہ دونوں مقصود ہوتے ہیں۔ ہم سے عمل کرانا اسرائیلیوں کی سرکشی کا ذکر فرمانا۔ یہاں اس تیسرے مقصد کے لئے قتل کے اس قانون کا تذکرہ توریت شریف سے نقل فرمایا گیا ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے ظلماً قتل کے موجد یعنی ظالم سفاک قاتل قابیل کا حال معلوم فرمالیا۔ اور لوگوں سے بیان بھی فرمادیا۔ اس کا انجام آپ کے سامنے ہے۔ قابیل کے ان واقعات کے مدنظر ہم نے تمام لوگوں پر خصوصاً بنی اسرائیل پر جو اپنی اولاد انبیاء ہونے پر فخر کرتے ہیں اور جرموں پر دلیر ہیں یہ لکھ دیا تھا کہ جو شخص کسی نفس انسانی کو بلاوجہ قتل کرے کہ نہ تو اس نے کسی کو قتل کیا ہو نہ زمین میں ڈکیتی' زنا' بغاوت وغیرہ سے فساد پھیلایا ہو۔ پھر بھی اسے قتل کردیا تو اس پر ایسا گناہ ہے جیسے کوئی تمام لوگوں کو قتل کردے کہ ان دونوں قاتلوں کی دنیاوی سزا قصاص ہے اخروی سزا عذاب نار قہر قہار اور جس نے کسی مرتے ہوئے کو بچالیا کہ ظلماً قتل ہو رہا تھا اسے قاتل سے چھڑالیا۔ بھوک پیاس سے مر رہا تھا بچا لیا۔ آفت ناگہانی سے قریب موت تھا کہ بچالیا اسے ایسا ثواب ملے گا جیسے کہ سارے انسانوں کو موت سے بچائے۔ کیونکہ ایک پر مہربانی اور تمام پر مہربانی ایک ہی قسم کی نیکی ہے۔ اس کا ثواب بھی ایک ہی قسم کا ہے۔ پھر بنی اسرائیل کے پاس بہت نبی تشریف لائے۔ معجزات دکھائے۔ احکام الٰہی سنائے۔ انہوں نے بھی ان سے یہ ہی فرمایا کہ ظلماً قتل سخت جرم ہے۔ ان تمام کے باوجود پھر بھی بہت سے اسرائیلی زمین میں فساد پھیلاتے رہے اور پھیلا رہے ہیں۔ کہ نبیوں کو قتل کیا۔ بنی اسرائیل نے آپس میں سخت خونریزی کی۔ انہوں نے آپ کو زہر دیا۔ انہوں نے آپ پر جادو کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے خلاف تمام مشرکین عرب کو جمع کرکے غزوہ احزاب والا واقعہ پیش کیا۔ غرض کہ ہمیشہ سے ان کے ہاتھ حضرات انبیاء کرام کے خون سے رنگین ہیں۔ ان کے دامنوں پر ہزارہا قسم کے فسادات کے دھبے ہیں ایسی سرکش قوم کی مخالفت سے آپ ملول نہ ہوں۔ یہ تو عادی مجرم ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ظلماً قتل بہت سے گناہوں کا باعث ہے۔ اس قتل کی وجہ سے قابیل نبی زادہ ہونے کے باوجود ہلاک ہوا۔ اور بنی اسرائیل اولاد انبیاء ہونے کے باوجود تباہ ہوئے۔ حسد کینہ' قتل ہزارہا جرموں کی جڑ ہے یہ فائدہ **من اجل ذلک** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ گناہ ایجاد کرنا زبردست گناہ ہے کہ آئندہ تمام گنہ گاروں کی سزا میں اس موجد کا حصہ ہوگا اور نیکی ایجاد کرنا زبردست نیکی ہے کہ آئندہ تمام نیک کاروں کے

www.alahazratnetwork.org

ثواب میں اس کا بھی حصہ ہو گا۔ موجد قتل تمام قتلوں کا ذمہ دار ہے۔ پہلی جان بچانے والا تمام جان بچانے والوں کے ثواب میں حصہ دار ہے۔ جیسا کہ اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا اس میں بدعت حسنہ و بدعت سیئہ کی ایجاد کی طرف اشارہ بھی ہے۔ موجد خیر کو تاقیامت خیر کرنے والوں کا ثواب ملتا رہتا ہے۔ اور موجد شر کو تاقیامت شرارتیوں کے عذاب سے حصہ ملتا رہتا ہے۔ یہ اسلام کا بڑا عام قاعدہ ہے۔ **تیسرا فائدہ** جو سزا ایک قتل کی ہے وہ ہی بہت سے قتلوں کی ہے۔ یعنی قصاص اور جو عذاب ایک قتل کا ہے وہ ہی عذاب بہت سے قتلوں کا یعنی غضب الٰہی اور عذاب جہنم۔ یوں ہی ایک کفر اور بہت سے کفروں کا ایک ہی عذاب ہے۔ اگرچہ کیفیت عذاب میں فرق ہو۔ **چوتھا فائدہ** فعل کو اس کے سبب کی طرف نسبت کر سکتے ہیں۔ اگرچہ فاعل حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ دیکھو اس آیت میں موت دینے اور جلانے کو انسان کی طرف نسبت کی اسے مارنے جلانے کا فاعل بنایا۔ **من احیاها** الخ لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ حضور زندگی بخشتے ہیں۔ جنت دیتے ہیں دوزخ سے بچاتے ہیں۔ ایمان عزت بخشتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم رب فرماتا ہے۔ **لما یحییکم** ہمارے نبی تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام نعمتوں کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ **پانچواں فائدہ** نبی کی اولاد کا گناہ دوسروں کے گناہ سے زیادہ خطرناک اور زیادہ سزا کا باعث ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر خصوصیت سے عنایات فرمائے۔ اللہ تعالیٰ بزرگوں کی اولاد بنائے تو بزرگوں کے سے کام کی توفیق بھی دے یہ فائدہ **علی بنی اسرائیل** فرمانے سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** جان کے عوض جان لینا یعنی ظالم قاتل کو قصاصاً قتل کرنا بہت اچھا ہے کہ اس سے دنیا کا انتظام قائم ہے۔ یہ فائدہ **بغیر نفس** سے حاصل ہوا۔ مگر قصاص لینے کا اختیار حاکم وقت کو ہے یعنی اس کے فیصلہ اس کے حکم سے قصاص لیا جاوے گا۔ کوئی اور شخص قانون کو اپنے ہاتھ میں لے کر قصاص نہیں لے سکتا۔ **ساتواں فائدہ** فسادی شخص کو قتل کرنا لازم ہے۔ لہٰذا ڈاکو، باغی، خارجی کو قتل کیا جاوے گا۔ یہ فائدہ **او فساد فی الارض** سے حاصل ہوا۔ مگر ان قتلوں میں بھی سلطان یا حاکم کا فیصلہ ضروری ہے۔ ہر شخص خود مختار ہو کر انہیں قتل نہیں کر سکتا۔ **مسئلہ** اپنے مال یا جان کی حفاظت میں حملہ آور کو قتل کر دینا جرم نہیں۔ اگر کسی کے گھر میں چور آ گئے یا اس کی جان لینے کے لئے کسی نے اس پر حملہ کیا اس نے انہیں دفع کرنے اپنی جان یا مال بچانے کے لئے انہیں قتل کر دیا تو مجرم نہیں۔ یہ مسئلہ بھی **او فساد فی الارض** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** کسی مرتے ہوئے کی جان بچانا بہت بڑی نیکی ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بدکار عورت نے ایک پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلا کر اس کی جان بچالی۔ تو وہ بخشی گئی۔ جب کتے کی جان بچانے کا یہ ثواب ہے تو مرتے ہوئے آدمی کی جان بچانا کتنا ثواب ہو گا۔ ہمارے حضور نے عرب کی کروڑوں بچیوں کی جان بچائی کہ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا بند کر دیا یہ فائدہ **فکانما احیا الناس جمیعا** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک جان بچانے والے کے لئے تمام انسانوں کی جان بچانے والے کا سا ثواب مقرر فرمایا۔ **نواں فائدہ** اگر رحمت الٰہی دستگیری نہ کرے تو نبیوں کی اولاد ہونا مفید نہیں بلکہ مضر ہوتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل نبیوں کی اولاد ہی کی ہم قوم تھے مگر اپنے بد اعمال

www.alahazratnetwork.org

بد عقیدگیوں کی وجہ سے دنیا بھر کے کفار سے بدتر کافر ہوئے۔ یہ فائدہ **ثم ان کثیرا منھم** الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ گزشتہ انبیاء کرام ہادی تھے مگر ان کی ہدایت قوم اور زمانہ سے محدود تھیں۔ اس لئے ان کی کتب اور تعلیم فنا ہو کر رہ گئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہادی مطلق ہیں۔ تاقیامت ہر ایک کے ہادی اس لئے حضور کا قرآن ایک ایک فرمان ایک ایک شان بلکہ ہر ادا باقی رکھی گئی۔ قرآن نے یا حضور نے جس نبی کی جو تعلیم بطور حکایت نقل فرمادی وہ باقی رہی باقی فنا ہو گئیں۔ توریت شریف کا یہ حکم قرآن میں منقول ہو گیا۔ تاقیامت باقی ہے۔ **مصرع**

جو کیلی سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہو جو حضور سے وابستہ ہو اور وہ فنا نہیں ہوتا۔

پہلا اعتراض ظالم قاتل سے قصاص لینے کا حکم دین موسوی سے پہلے تھا یا نہیں۔ اگر نہیں تھا تو دینوں میں عالم کا انتظام کیونکر قائم تھا۔ اور اگر تھا تو یہاں صرف بنی اسرائیل کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا گیا **کتبنا علی بنی اسراءیل** الخ **جواب** قصاص کا حکم تمام دینوں میں رہا۔ یہاں ظلماً "قتل کی سختی کا ذکر ہے۔ یہ بنی اسرائیل کے لئے ہوئی یعنی ان سے کہا گیا کہ ایک نفس کا قاتل تمام انسانوں کے قاتل کی طرح مجرم ہے۔ یہ سختی پہلے دینوں میں مذکور نہ تھی (تفسیر خازن) **دوسرا اعتراض** اگر بنی اسرائیل سے پہلے بھی قصاص کا حکم تھا تو آدم علیہ السلام نے قابیل سے قصاص کیوں نہ لیا۔ **جواب** یا اس لئے کہ آپ کو اس قتل کا شرعی ثبوت نہ ملا۔ آج بھی قاتل پھانسی سے بچ جاتے ہیں ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے یا اس لئے کہ قابیل وہاں سے بھاگ گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قبضہ میں نہ رہا۔ آج قاتل اگر دوسرے ملک دوسری حکومت میں بھاگ جاوے جہاں اس بادشاہ کی دسترس نہ ہو تو اسے پھانسی کیسے دی جائے۔ یا اس لئے کہ اس وقت آدم علیہ السلام کو قصاص لینے پر قدرت نہ تھی۔ قصاص کے لئے حکم سلطان ضروری ہے۔ اور سلطان کے لئے حکومت غلبہ قدرت لازم۔ **تیسرا اعتراض** بنی اسرائیل سے پہلے قتل پر وہ سختیاں کیوں نہ ہوئیں جو ان پر ہوئیں۔ جب قصاص دائمی حکم تھا تو چاہیے تھا کہ یہ سختیاں بھی دائمی ہوتیں **کتبنا علی بنی اسرائیل** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ کہ بنی اسرائیل بہت ظالم قاتل خونخوار قوم تھی۔ ان سے پہلے لوگ قتل پر اتنے دلیر نہ تھے۔ جتنے دلیر یہ بنی اسرائیل تھے۔ قاتلین انبیاء یہ ہی بنی اسرائیل ہیں عادی مجرم کی سزا سخت ہوتی ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ایک آدمی کا قتل تمام انسانوں کے قتل کی طرح ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ ہر قتل علیحدہ جرم ہے۔ تو ایک کے قاتل نے ایک جرم کیا۔ سو کے قاتل نے سو جرم کئے۔ پھر یہ دونوں برابر کیسے۔ **جواب** اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ کہ قتل کی سزا قصاص ہے۔ ایک قتل کی سزا بھی یہ ہی ہے۔ لاکھ قتل کی سزا یہ ہی قصاص۔ کیونکہ قصاص انتہائی سزا ہے۔ جس کے اوپر کوئی سزا نہیں ہو سکتی۔ ایک بار زنا کی سزا بھی رجم ہے اور سو بار زنا کی سزا بھی وہ ہی رجم۔ اور اگر اخروی سزا مراد ہے۔ تو تشبیہ صرف نوعیت میں ہے کیفیت میں نہیں۔ یعنی ایک جان لینے والے قاتل کو لاکھوں جان لینے والے قاتل کی سی سزا ملے گی۔ جیسے ایک قسم کے کفر اور لاکھوں قسم کے کفر کی سزا

www.alahazratnetwork.org

یکساں ہے۔ ایک شخص قرآن کریم کی صرف ایک آیت کا انکار کر کے کافر ہوا دوسرا آدمی سارے قرآن کا انکار کر کے کافر ہوا۔ تیسرا آدمی انبیاء کی نبوت بلکہ خداوند تعالیٰ کی ہستی کا انکار کر کے کافر ہو۔ یہ سب ہی کافر ہیں۔ سزائے کفر میں سب برابر ہیں۔ اگرچہ کیفیت عذاب میں مختلف ہوں۔ لہٰذا آیت کریمہ برحق ہے۔ پانچواں اعتراض ایک نفس کو موت سے بچانے والا تمام جہان کو بچانے والے کی طرح کیونکر ہو سکتا ہے۔ جب نیکیاں زیادہ تو ثواب بھی زیادہ چاہیے۔ جواب اس کے جوابات ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے جو احیائے نفس کو ایجاد کر دے تو اسے آئندہ تمام احیاء نفس کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے واد (زندہ لڑکیوں کو گاڑ دینا) کو ختم فرمادیا تو اب جہاں بھر کی لڑکیوں کی زندگی پر حضور کو ثواب مل رہا ہے۔ یا ایک نبی کی خدمت کرنے والے کو یا ایک عالم دین یا ایک ولی کی جان بچانے والے کو دنیا بھر کے جان بچانے والے کے برابر ثواب ملے گا۔ کیونکہ اس ایک جان سے لاکھوں جانیں وابستہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ہمارا نفس امارہ ہمارے پہلو میں ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ اس کی زندگی اللہ رسول کی اطاعت میں ہے۔ اس کی موت اللہ رسول کی مخالفت میں ہے۔ جس نے اپنے نفس کو زندہ کر لیا۔ کہ اسے دین پر لگادیا۔ ایمان پر قائم کر دیا تو گویا اس نے جہان بھر کو زندہ کر دیا۔ پہلے اپنے کو زندہ کرو تاکہ تمہارے ذریعہ سے دوسرے زندہ ہوں۔ ایک نفس زندہ ہزاروں کو زندہ کرتا ہے۔ اور جس نے اپنے نفس کو ہلاک کر دیا کہ اسے باغی و سرکش اور اللہ رسول کا نافرمان بنادیا تو گویا اس نے جہاں بھر کو ہلاک کر دیا۔ کہ ایک نفس مردہ ہزاروں کو مردہ کر سکتا ہے۔ شیطان مردہ ہے۔ کروڑوں کو مردہ بنا رہا ہے۔ اللہ کے ولی زندہ ہیں ہزاروں کو زندگی بخش رہے ہیں۔ اگر نفس زمین دل میں فساد پھیلائے یا دل کو قتل کرنا چاہے تو اسے مجاہدہ و ریاضت کی تلوار سے قتل کر دینا چاہیے۔ اگر اپنی حد میں رہے۔ قلب پر دست درازی نہ کرے تو اس کی خدمت بھی کرنی چاہیے۔ کہ یہ سواری کا کام دیتا ہے۔ حضرت سلطان عارفین بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ کے نفس نے سرکشی سے ٹھنڈا پانی مانگا۔ آپ نے تین سال تک پانی ہی نہ پیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم لوگ جہاں پیدا ہوتے رہتے بستے ہیں وہاں ہی آتے ہیں اور مر کر چلے جاتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کرام کی پیدائش سکونت تو خاص جگہ میں ہوتی ہے۔ مگر ان کا آنا ساری اس قوم میں ہوتا ہے جس کے وہ نبی ہیں اس لئے یہاں فرمایا **لقد جاءتھم رسلنا** وہ حضرات انبیاء پیدا ہوئے فلسطین یا شام میں مگر آئے سارے بنی اسرائیل میں۔ پھر وہ حضرات وفات پا کر نہیں جاتے۔ بلکہ جب ان کا دین منسوخ ہو تب جاتے ہیں۔ چونکہ ہمارے حضور سارے جہان کے نبی ہیں۔ آپ کا دین منسوخ نہیں۔ اس لئے آپ سارے جہان میں آئے۔ اور کبھی نہ گئے ہمیشہ کے لئے آگئے پھر خیال رہے کہ اور انبیاء کرام پیدائش پر آئے ہمارے حضور پیدائش سے صدیوں پہلے آئے جیسے سورج طلوع ہونے سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے دنیا میں آجاتا ہے۔ دن نکال دیتا ہے۔ تارے اور چراغ بجھا دیتا ہے۔ اذانیں کہلوا دیتا ہے۔ سوتوں کو جگا دیتا ہے۔ نور پھیلا دیتا ہے۔ نماز پڑھا دیتا ہے۔ پھر کہیں دیر کے بعد طلوع کرتا ہے غرض کہ وہ خاموش رہنے کے باوجود سب کو اپنی آمد کی اطلاع دیتا ہے۔ حضور کی پیدائش سے پہلے سارے عالم میں آپ کی

آمد کی اطلاع دے دی گئی۔ پھر ہم خالی ہاتھ آتے ہیں یہاں اعمال وغیرہ لینے آتے ہیں۔ وہ حضرات بھرے ہاتھ آتے ہیں۔ ہم کو دینے آتے ہیں۔ باخبر آتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا **بالبینات** موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ماں کے سوا کسی فرعونی دائی کا دودھ نہیں پیا۔ ہمارے حضور نے دائی حلیمہ کا بایاں پستان نہیں پیا یہ ہے ان کی خبرداری۔

اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِیْنَ یُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ
اس کے سوا نہیں کہ بدلہ ان لوگوں کا جو جنگ کرتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں
وہ کہ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے اور ملک میں فساد کرتے پھرتے ہیں
فَسَادًا اَنْ یُّقَتَّلُوْٓا اَوْ یُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَیْدِیْهِمْ وَ اَرْجُلُهُمْ مِّنْ
فساد کی یہ کہ قتل کیے جاویں یا سولی دیئے جاویں یا کاٹے جاویں ہاتھ ان کے اور پاؤں
ان کا بدلہ یہی ہے کہ گن گن کر قتل کر دیئے جاویں یا ان کے ایک طرف سے
خِلَافٍ اَوْ یُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْیٌ فِی الدُّنْیَا
ان کے الگ طرفوں سے یا نکال دیئے جاویں زمین سے یہ واسطے ان کے رسوائی ہے دنیا میں
ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹے جاویں یا زمینوں سے دور کر دیئے جاویں۔ یہ دنیا
وَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ (۳۳) اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ
اور واسطے ان کے آخرت میں عذاب ہے بڑا سوا ان لوگوں کے جو توبہ کریں پہلے سے اس سے کہ
میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لئے بڑا عذاب مگر وہ جنہوں نے توبہ کر لی اس سے
اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَیْهِمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۳۴)
قدرت پاؤ تم اوپر ان کے پس جان لو کہ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے
پہلے کہ تم ان پر قابو پاؤ تو جان لو کہ اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ناجائز قتلوں کا ذکر تھا یعنی بے قصور کو ظلماً قتل کرنا۔ اب جائز بلکہ واجب قتل کا ذکر ہے۔ یعنی ڈاکوؤں، رہزنوں کا قتل گویا قتل کی ایک نوعیت کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی دوسری نوعیت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ قاتلین اور فسادی لوگوں کا قتل جائز ہے کہ ارشاد ہوا تھا **بغیر نفس او فساد فی الارض** اب قتل اور فساد کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ ڈاکو قاتل و فسادی ہیں۔ لہٰذا انہیں اس کی سزا میں قتل وصولی وغیرہ کرو گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ایک جان کو بچانا گویا جہان کو بچانا ہے۔ اب اس کے برعکس کی صورت

www.alahazratnetwork.org

بیان ہو رہی ہے۔ کہ کبھی ایک جان کو مار دینا گویا ایک جہان کو بچانا ہوتا ہے۔ چنانچہ خطرناک ڈاکو کو مار دو تاکہ جہان محفوظ رہے۔ غرض کہ تصویر ایک رخ پچھلی آیات میں دکھایا گیا تھا۔ اور اس کا دوسرا رخ اب دکھایا جا رہا ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ بہت سے بنی اسرائیل مسرف ہیں یعنی زیادتی کرنے والے۔ ان کی ایک زیادتی و ظلم کا ذکر تو پہلے ہو چکا یعنی بے قصوروں کا قتل کرنا۔ اب ان کی دوسری زیادتی و ظلم کا ذکر اس آیت میں ہو رہا ہے۔ یعنی مستحق قتل ڈاکو وغیرہ کو قتل نہ کرنا یہود زانی ڈاکو وغیرہ کو قتل تو کیا کرتے الٹی ان کی حمایت کرتے تھے۔ ظالم کو سزا نہ دینا بھی ظلم ہے۔ شعر :-

☆ نکوئی بابداں کردن چناں است ☆ کہ بد کردن بجائے نیک مرداں ☆

شان نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق خازن، تفسیر کبیر وغیرہ سے تین روایات بیان کیں۔ ایک یہ کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب سے معاہدہ کیا تھا کہ تم ہماری مخالفت نہ کرو۔ ہم تمہاری مخالفت نہ کریں۔ پھر ان اہل کتاب نے اپنے اس معاہدہ کو توڑ دیا اور مسلمانوں پر ڈکیتی کی۔ انہیں قتل بھی کیا۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا گیا کہ حضور انور ان کو ان مذکورہ سزاؤں میں سے کوئی سزا دیں۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ ہلال ابن عویمر کی قوم کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدہ کیا تھا۔ کہ ہماری طرف سے آپ امن میں رہیں گے۔ اور آپ کی طرف سے ہم محفوظ و مامون۔ حضور انور نے اپنا وعدہ پورا فرمایا مگر ہلال کی قوم نے بنی کنانہ کے ان لوگوں کو قتل کر دیا۔ ان کے مال لوٹ لئے۔ جو مسلمان ہونے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ منورہ آرہے تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان غداروں کو سزا دینے کا حکم دیا گیا۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ عرینہ کے متعلق نازل ہوئی کہ اس قبیلہ کے کچھ آدمی مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اسلام ظاہر کر کے مدینہ پاک میں رہنے لگے۔ کچھ دن بعد بیمار ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ ہمارے صدقہ کے اونٹوں میں جاؤ۔ وہاں ان کا دودھ اور ان کا پیشاب پیو شفا پاؤ گے۔ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ صحت یاب ہونے پر حضور کے چرواہوں کو تو قتل کر دیا اور اونٹ لے کر بھاگ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے حضرت یسار رضی اللہ عنہ کو بھیجا کہ ان بد نصیبوں نے حضرت یسار کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انہیں شہید کر دیا۔ پھر یہ سب لوگ بہت جلد ہی گرفتار کر کے بارگاہ عالی میں پیش کئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر آنکھیں پھوڑ کر مقام حرہ کے تپتے میدان میں پھینکوا دیا۔ وہ کئی دن تڑپ تڑپ کر وہاں ہی مرے اور انہیں پانی تک نہ دیا گیا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ آئندہ ڈاکوؤں کو یہ سزائیں نہ دی جاویں۔ جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔ گویا یہ آیت اس سنت کی ناسخ ہے۔ (تفسیر خازن، کبیر، مظہری وغیرہ)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر **انما جزؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ**۔ **انما** حصر کے لئے۔ ڈاکوؤں کی سزا صرف ان تین میں منحصر ہے ان کے علاوہ اور کوئی سزا دینا جائز نہیں۔ لہٰذا اب ڈاکوؤں کا مثلہ نہ کیا جاوے گا۔ یعنی ان کے چاروں ہاتھ پاؤں کاٹے نہ جائیں گے۔ آنکھیں پھوڑی نہ جائیں گی۔ لفظ جزاء مشترک ہے ثواب کو بھی جزا کہے ہیں سزا کو بھی یہاں۔ معنی سزا ہے۔ جزاء اسم جنس ہے ایک اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں تین سزاؤں پر بولا گیا۔ **الذین** سے مراد مسلمان یا اہل ذمہ کفار ڈاکو ہیں۔ حربی کفار ڈاکوؤں کا وہ حکم نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ یونہی مرتدین ڈاکوؤں کا بھی یہ حکم نہیں۔ **یحاربون** بنا ہے **حرب** سے جس کے معنی ہیں جنگ مگر مخالفت حکم کو بھی حرب کہہ دیا جاتا ہے۔ قرآن کریم سود خواروں کے متعلق فرماتا ہے **فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ** اور فرماتا ہے۔ **وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ** یہاں تو بمعنی مخالفت حکم و نافرمانی ہے۔ تب تو مطلب بالکل ظاہر ہے اور ہو سکتا ہے کہ حقیقی معنی میں ہو تو اس کے بعد لفظ اولیاء پوشیدہ ہے۔ لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔ فقیر کی اس تفسیر سے بہت اعتراض اٹھ گئے۔ یعنی وہ لوگ جو اللہ رسول کی نافرمانی کرتے ہیں۔ یا وہ لوگ جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں کہ راہ ماری کر کے انہیں ڈراتے دھمکاتے یا لوٹتے یا قتل کرتے ہیں۔ چونکہ مسلمان اللہ رسول کے پیارے ہیں۔ اس لئے ان سے جنگ گویا اللہ رسول سے ہی جنگ ہے اللہ کے بندوں کو ستانا رب کو ایذا دینا ہے۔ حضور کی امت کو پریشان کرنا حضور کو دکھ دینا ہے چنانچہ زمانہ نبوی میں ایک شخص جمعہ کی نماز کو آیا تو پیچھے مگر لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے آنے کی کوشش کرنے لگا تو حضور نے فرمایا بیٹھ جا تو نے اللہ رسول کو ایذا دی ہے اس کے برعکس اللہ کی مخلوق حضور کی امت کو راحت دینا اللہ رسول کو راضی کرنا ہے۔ **شعر:**

☆ کرو مہربانی تم اہل زمین پر ☆ خدا مہرباں ہو گا عرش بریں پر ☆

ویسعون فی الارض فسادا ظاہر یہ ہے کہ یہ عطف تفسیری ہے اور یہ جملہ **یحاربون** الخ کی تفسیر ہے۔ **یسعون** بنا ہے **سعی** سے۔ بمعنی کوشش کرنا۔ اس سے ڈکیتی کی عام کوشش مراد ہے۔ راستہ روکنا' مال لوٹنا' قتل کرنا' مسافروں کو صرف ڈرانا دھمکانا **الارض** سے مراد الاسلام کی زمین ہے دارالحرب کی زمین کے متعلق بہت تفصیل ہے۔ اگر مسلمان وہاں امان لے کر جاوے تو امن و امان سے رہے اگر غازیانہ شان سے جاوے۔ تو کفار کا جو مال ہاتھ لگے وہ غنیمت ہے۔ اگر موقعہ پا کر ان کی سرحد میں گھس جاوے انہیں مار آوے۔ ان کا مال چھین لاوے تو وہ ڈاکو نہیں۔ مجاہد ہے۔ جیسے آج کل عموماً سرحدوں پر واردات ہوتی رہتی ہیں کہ کفار کبھی ہمارے علاقہ میں گھس کر نقصان کر جاتے ہیں۔ کبھی ہمارے غازی ان کی حد میں گھس کر سب کچھ لے آتے ہیں۔ غرضیکہ **الارض** سے حربی کفار کی زمین مراد نہیں۔ **فسادا** یا **یسعون** کی ضمیر ھم سے حال ہے۔ بمعنی مفسدین یا **ذوی فساد** یا **یسعون** کا مفعول لہ ہے۔ یعنی **للفساد** یا **یفسدون** پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے۔ یعنی امان کی زمین میں فساد کرتے پھرتے ہیں۔ فساد سے مراد ہر قسم کی ڈکیتی ہے۔ خیال رہے کہ خفیتاً" مال چرانے والے کو سارق کہتے ہیں (چور) اچک لینے کو نہبہ کہتے ہیں کہ اچانک کسی کے ہاتھ سے کوئی چیز چھین

www.alahazratnetwork.org

کر بھاگ جاوے۔ قوت و طاقت کے ساتھ کسی جماعت کا شہر میں گھس آنا اور لوگوں کے مال جبراً چھین لینا مکابرہ کہلاتا ہے اور اس کو مکابر اور جماعت کو مکابرین کہا جاتا ہے۔ اور مسافروں کی راہ ماری کرنے کو محاربہ کہتے ہیں اور اس جماعت کو محاربین یعنی ڈاکو' یہاں چوتھی صورت مراد ہے۔ انہیں کی سزا کا یہاں ذکر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک راہ ماروں کی جماعت کو ڈاکو کہا جاتا ہے۔ ان کی یہ سزا ہے جو یہاں مذکور ہے۔ دن دہاڑے بستیوں میں گھس کر لوٹنے والوں کی سزا یہ نہیں جو یہاں مذکور ہے۔ (تفسیر خازن) دوسرے اماموں کے ہاں محاربین اور مکابرین دونوں کی یہ ہی سزا ہے۔ ڈاکو چار قسم کے ہیں۔ ان کی مختلف سزائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے **ان یقتلوا** الخ یہ عبارت جزا کی خبر ہے۔ اس لفظ میں ان ڈاکوؤں کا ذکر ہے جو راستہ مارتے ہوئے مسافر کو صرف قتل کریں۔ مال وغیرہ نہ لوٹیں خواہ لاٹھی سے ماریں یا بندوق تلوار وغیرہ سے۔ اسے باب **تفعیل** سے بیان فرمانے میں کئی مسئلے بتائے گئے۔ ایک یہ کہ ایک مسافر کو قتل کرنے سے سارے ڈاکو قتل کئے جائیں گے۔ ہر ایک کو گن گن کر قتل کیا جاوے گا۔ دوسرے یہ کہ یہ قتل سزاء شرعی یعنی حد ہے۔ جو کسی کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔ قصاص حق العبد ہے کہ مقتول کے ولی کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے۔ یعنی سارے ڈاکو گن گن کر ضرور قتل کر دیئے جاویں کسی طرح انہیں معاف نہ کیا جاوے۔ **او یصلبوا** قرآن کریم کے احکام میں **او** کبھی **تخییر** کے لئے آتا ہے۔ کبھی تقسیم کے لئے۔ ایک جرم کی چند سزاؤں میں **او** ارشاد ہو تو تخییر یعنی اختیار دینے کے لئے ہو گا۔ جیسے کفارہ قسم میں فرمایا گیا۔ **تحریری رقبة او اطعام عشرة مساکین او کسوتھم** الخ مگر یہاں چار جرموں کی چار سزاؤں کے درمیان **او** لایا گیا تو تقسیم کے لئے ہے کہ فلاں مجرم کو یہ سزا دو فلاں کو یہ۔ **او** کا یہ فرق حدیث شریف سے ثابت ہے چنانچہ یہ عبارت **ان یقتلوا** پر معطوف ہے اس میں ان ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے جو مسافر کو قتل بھی کریں اور ان کا مال بھی لوٹ لیں۔ وہ سولی دیئے جاویں کہ زندہ ڈاکو کو اونچی میخ پر لٹکا دیا جاوے بازار یا گزرگاہ عام میں لٹکا کر اس کا پیٹ پھاڑ دیا جاوے۔ کئی دن تک وہاں ہی لٹکتا رہے تاکہ لوگ عبرت پکڑیں (تفسیر احمدی) بعض **فقہاء** نے فرمایا کہ قتل کر کے سولی پر لٹکایا جاوے۔ مگر پہلا قول قوی ہے کہ اس سے عبرت زیادہ حاصل ہو گی۔ **او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف** یہ عبارت **یصلبوا** پر معطوف ہے اس میں ان ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہے جو مسافروں کا صرف مال لوٹیں کسی کو قتل نہ کریں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ ان کا داہنا ہاتھ گٹے کے نیچے سے اور بایاں پاؤں ٹخنے کے نیچے سے کاٹ دیا جاوے۔ اس قسم کے ہر ڈاکو کو یہ سزا دی جاوے بشرطیکہ انہوں نے اتنا مال لوٹا ہو کہ ہر ڈاکو کو چوری کا نصاب مل سکے۔ یعنی دس درہم یعنی پونے تین روپیہ ہر ڈاکو کے حصہ میں آ سکیں۔ تب ہر ایک کو یہ سزا دی جا سکے گی کیونکہ یہ چور سے زیادہ ظالم ہیں۔ انہوں نے ڈرایا بھی مال بھی چھینا (تفسیر روح المعانی و روح البیان وغیرہ) **او ینفوا من الارض** یہ عبارت **تقطع** پر معطوف ہے۔ اس میں ان ڈاکوں کی سزا کا ذکر ہے جو صرف راستہ روکیں۔ مسافروں کو ڈرائیں۔ قتل یا مال کی لوٹ نہ کریں۔ اس ڈرانے کی سزا ہے زمین سے نکال دینا۔ ہمارے ہاں اس سے مراد جیل میں ڈال دینا اور جب تک

www.alahazratnetwork.org

کہ عملی طور پر اس کی توبہ ثابت نہ ہو جاوے جیل سے نہ نکالنا۔ کیونکہ جیل بھی ایک قسم کا دیس نکالا ہے۔ عرب جیل کو دیس نکالا کہتے ہیں چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے کہ جو جیل میں تھا۔

☆ خرجنا من الدنیا ونحن من اهلها ☆

☆ فلسنا من الاموات فیها ولا الاحیاء ☆

☆ اذا جاء نا السجان یوما لحاجة ☆

☆ عجبنا وقلنا جاء هذا من الدنیا ☆

(روح المعانی) یعنی ہم دنیا میں رہتے ہوئے دنیا سے نکل چکے ہیں۔ اب ہم جیل میں نہ مردے ہیں نہ زندہ۔ جب کبھی کسی کام کو جیل کے حکام ہمارے پاس آتے ہیں تو ہم تعجب سے کہتے ہیں کہ یہ دنیا سے آئے ہیں بہر حال یہاں دیس نکالے سے مراد جیل میں ڈال دینا ہے۔ امام شافعی کے ہاں وطن سے نکال دینا مراد ہے۔ بعض اماموں کے ہاں انہیں ہر جگہ سے نکالتے رہنا کہیں ٹھہرنے نہ دینا مراد ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ ان دونوں صورتوں میں ڈاکوؤں کا فساد بڑھے گا گھٹے گا نہیں۔ وہ جہاں جائیں گے ڈکیتی کریں گے۔ حکومت کو پریشانی ہی رہے گی۔ لہٰذا مذہب حنفی قوی ہے۔ **ذلک لهم خزی فی الدنیا** یہ نیا جملہ ہے **ذلک** مبتدا ہے اور **خزی** اس کی خبر **لهم** اس **خزی** کا متعلق مقدم ہے۔ **ذلک** سے اشارہ ان چاروں سزاؤں کی طرف ہے یعنی یہ سزائیں تو ان ڈاکوؤں کی دنیاوی رسوائی ہیں۔ جس سے یہ ذلیل و خوار ہوں۔ اور دوسروں کو عبرت ہو۔ ان سزاؤں سے وہ عذاب آخرت میں نہیں بچیں گے۔ بلکہ **ولهم فی الاخرة عذاب عظیم** یہاں آخرت سے مراد قبر قیامت اور بعد قیامت سب ہی ہیں۔ یعنی ان ڈاکوؤں کے لئے بعد موت ہر جگہ اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔ یہ سزائیں وہاں کا عذاب نہ دفع کریں نہ کم کریں **الا الذین تابوا من قبل ان تقدروا علیهم** یہ عبارت ساری گزشتہ سزاؤں اور اخروی عذاب سے استثناء ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے خود بخود سچی توبہ کریں۔ ڈکیتی چھوڑ دیں اور حاکم کے پاس خود ہی حاضر ہو جائیں گزشتہ پر ندامت آئندہ کے لئے باز رہنے کا عہد کرلیں تو وہ اخروی عذاب سے بھی بچ جاویں گے۔ اور دنیاوی حد شرعی سے بھی۔ اب ان کا حکم یہ ہو گا کہ لوٹے ہوئے مال مالکوں کو واپس کریں۔ اگر کسی کو قتل کیا ہے تو ان پر قصاص ہے کہ مقتول کا ولی چاہے تو انہیں قتل کرادے چاہے تو ان سے دیت لے یا معاف کر دے۔ یوں ہی اگر ان ڈاکوؤں نے کسی کے اعضا کاٹے ہیں تو بھی وہ حق العبد ہوں گے۔ کہ وہ مقطوع چاہے تو ان کے اعضاء قصاص میں کٹوائے چاہے دیت لے۔ چاہے معاف کر دے۔ غرض کہ ڈکیتی کی سزا شرعی سے بچ گئے۔ حقوق العبد کے ذمہ دار رہے (روح المعانی' تفسیر کبیر و عام تفاسیر و کتب فقہ) اسی لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ جو توبہ کرلیں انہیں سزا نہ دو۔ بلکہ فرمایا **فاعلموا ان الله غفور رحیم** جس سے معلوم ہوا کہ ان کی توبہ سے دنیاوی حدود شرعیہ اور اخروی عذاب ختم ہوا۔ حقوق العباد ویسے ہی باقی ہیں کہ مغفرت و رحمت اس معافی کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔ یعنی اگر

www.alahazratnetwork.org

تمہارے پکڑنے سے پہلے ڈاکو بھی توبہ کرلیں تو تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے اپنے مجرموں کو بخش دیتا ہے۔ قتل کا قصاص حق العبد ہے کہ ولی مقتول خواہ قاتل کو قتل کرے یا معاف کرے یا اس سے فدیہ لے لے۔ زنا کی سزا بہر حال حق اللہ ہے معاف نہیں ہو سکتی۔ ڈکیتی کی سزا بھی حق اللہ ہے۔ جسے بندہ معاف نہیں کر سکتا۔ ڈاکو پکڑے جانے پر ضرور سزا پائے گا۔ لیکن اگر ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلے تو ڈکیتی کی سزا سے بچ جاوے گا۔ جو حق اللہ تھی۔ لوگوں کے قتل اور مال لینے کی سزا جو حق العبد ہے قائم رہے گی۔ خیال رہے کہ مسلمان یا ذمی ڈاکوؤں کا یہ حکم ہے جو یہاں بیان ہوا۔ حربی کافر اگر پکڑے جانے کے بعد بھی مسلمان ہو جاوے اور توبہ کرے تو ان سزاؤں بلکہ مال کے تاوان سے بری ہو جاوے گا۔ (تفسیر احمدی) رب تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے۔ **الا من تاب و آمن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنٰت** اب بھی سلطنتوں کا اسی پر عمل ہے کہ جنگی قیدیوں سے قتل و غارت کا بدلہ نہیں لیتے یہ بھی خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں لفظ **او** حکام کو اختیار دینے کے لئے نہیں کہ چاہیں تو ڈاکوؤں کو قتل کردیں۔ چاہے سولی دے دیں چاہے ہاتھ پاؤں کاٹ دیں بلکہ تقسیم کے لئے ہے کہ چار قسم کے ڈاکوؤں کی یہ چار سزائیں ہیں کیونکہ لفظ **او** اگر ایک کی سزاؤں میں ارشاد ہو تو اختیار کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے قسم کے کفارات میں **او** اختیار کے لئے ہے۔ مگر یہاں مختلف جرموں کی مختلف سزاؤں کو **او** سے بیان فرمایا گیا۔ لہذا یہاں اختیار نہیں بلکہ تقسیم ہے یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے (تفسیر احمدی)

خلاصہ تفسیر جو لوگ اللہ رسول سے جنگ کرتے ہیں کہ اللہ کے بندوں اس کے دوستوں کو ستاتے ڈراتے ہیں اس طرح کہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ راستے بند کرتے ہیں۔ ڈکیتی پر کمربستہ رہتے ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ اگر وہ صرف قتل کریں مال نہ لوٹیں تو انہیں سب کو ضرور قتل کر دیا جائے۔ کسی طرح معافی نہ دی جائے۔ اور اگر قتل بھی کریں مال بھی لوٹیں تو ان کو سولی پر لٹکا دیا جاوے اس طرح کہ ان کو زندہ ہی کو اونچے درخت اونچی میخ پر بازار میں لٹکایا جاوے ان کا پیٹ پھاڑ دیا جاوے۔ پھر یونہی لٹکا رکھا جاوے حتیٰ کہ سوکھ جاوے یا بگڑنے کا اندیشہ ہو جاوے اور اگر صرف مال ہی لوٹیں کسی کو قتل نہ کریں تو ان کے دو طرفہ ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جاویں کہ داہنا ہاتھ بایاں پاؤں کاٹا جاوے اور اگر انہوں نے مسافروں کو صرف ڈرایا دھمکایا تو ہے مگر نہ کسی کو قتل کیا نہ کسی کا مال لوٹا تو انہیں ان کے گھر بار سے نکال دیا جاوے۔ اس طرح کہ انہیں جیل میں ڈال دیا جاوے۔ حتیٰ کہ سچی توبہ کریں یہ تو ان کی دنیاوی سزائیں ہیں۔ اخروی سزا اس کے علاوہ ہے۔ ان کے لئے سخت عذاب اور ذلت و خواری ہے۔ ہاں جو ڈاکو گرفتار ہونے سے پہلے ہی از خود توبہ کرلیں۔ گزشتہ پر نادم آئندہ کے لئے عہد کرلیں تو وہ اخروی سزا سے بھی بچ جاویں گے۔ اور دنیاوی مذکورہ سزا سے بھی بچ جاویں گے۔ ہاں قتل ناحق کا قصاص لوٹا ہوا مال واپس کرنا ان پر لازم ہو گا کہ یہ سزا شرعی نہیں بلکہ حق عبد ہے۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ حق خواہ اللہ تعالیٰ کا ہو یا شریعت کا یا بندے کا بہر حال اس کے لئے ضروری ہے۔ کہ مارا ہوا حق ادا کرے۔ جو سزا یا کفارہ ہو

www.alahazratnetwork.org

وہ اسے پورا کرے۔ ساتھ میں توبہ بھی کرے ورنہ آخرت کی سزا سے بچنا مشکل ہے۔ نمازیں رہ گئی ہیں تو قضا بھی کرے۔ توبہ بھی۔ روزہ توڑا ہے تو قضا و کفارہ بھی کرے۔ توبہ بھی چوری کی ہے تو ہاتھ بھی کٹیں توبہ بھی کرے۔ زنا میں پکڑا گیا ہے تو رجم بھی ہو توبہ بھی کرے ڈکیتی کی ہے تو یہ سزائیں بھی بھگتے۔ توبہ بھی کرے۔ ہاں اگر زانی چور ڈاکو خود ہی عدالت میں حاضر ہو کر سزا لے لیں تو ان کی یہ حاضری ہی توبہ میں شمار ہے۔ حضرت ماعز کے متعلق حضور نے فرمایا کہ اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اہل مدینہ پر تقسیم ہو تو سب بخشے جاویں۔ جناب ماعز کی حاضری عدالت اور اقرار زنا کو توبہ قرار دیا۔

حکایت خلافت حیدری کے مبارک دور میں ایک ڈاکو تھا۔ حارثہ ابن بدر تیمی بصری جس نے بصرہ میں ابراہیم مچا رکھا تھا۔ اسے اللہ نے توبہ کی توفیق دے دی۔ اس نے کچھ قریشی لوگوں سے کہا کہ میں توبہ کرتا ہوں مجھے حضرت اسد اللہ حیدر کرار علی ابن ابی طالب خلیفتہ المسلمین سے معافی دلوا دو۔ کسی نے ہمت نہ کی وہ ڈاکو سعید ابن قیس ہمدانی کے پاس یہ عرض لے کر حاضر ہوا۔ انہوں نے حارثہ کو کوفہ لے جاکر دربار حیدری کے کسی گوشہ میں چھپا دیا اور خود امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ڈاکوؤں کے احکام پوچھے۔ جناب امیر المومنین نے یہ حکم بیان فرمایا کہ جو ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرے اسے معافی ہے سعید نے کہا اگرچہ حارثہ ابن بدر ہی ہو۔ فرمایا اگرچہ وہ ہی ہو۔ سعید بولے حارثہ نکل۔ پیش ہو جا۔ چنانچہ حارثہ نکل آیا اور سعید نے کہا حضور یہ ہے حارثہ۔ توبہ کر کے حاضر ہوا ہے۔ چنانچہ جناب امیر المومنین نے اس کو امان دے دی اور حارثہ بعد میں مخلص دیندار ہو گیا۔ (ابن ابی شیبہ' ابن ابی حاتم' تفسیر روح المعانی) یہ ہے اس آیت کریمہ کی تفسیر' جناب علی قرآن ناطق ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ اسلام جرموں کی سزائیں بہت سخت ہیں۔ کیوں نرم سزاؤں سے جرم نہیں رکتے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمتہ اللعالمین ہیں۔ مگر آپ نے عرینہ کے مرتدین ڈاکوؤں کو وہ سخت سزا دی کہ سن کر دل کانپ جاتے ہیں۔ بس اس ایک سزا سے ملک میں امن ہو گیا۔ ورنہ عرب جیسے ملک میں امان قائم ہونا ناممکن تھا۔ نرم سزاؤں کا انجام آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ دوسرا فائدہ جیسے حدیث سے قرآن کریم کا نسخ ہو سکتا ہے ایسے ہی قرآن سے حدیث کا نسخ بھی ہو سکتا ہے۔ دیکھو عرینہ والے ڈاکوؤں کی سزا جو حدیث سے ثابت تھی وہ اس آیت کریمہ سے منسوخ ہو گئی۔ اب ڈاکوؤں کی سزا یہ ہے جو یہاں مذکور ہوئی۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا حدیث شریف سے ثابت ہے اور اس کا نسخ ہو کر کعبتہ اللہ کا قبلہ ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ یوں ہی آیات قرآنیہ احادیث سے منسوخ ہو سکتی ہیں۔ دیکھو غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی ہونا قرآنی آیات سے ثابت ہے اس کا منسوخ ہونا حدیث سے ثابت ہے۔ اب غیر خدا کو سجدہ تعظیمی حرام ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم آیت ما ننسخ من ایت الخ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کو ستانا اللہ رسول سے جنگ کرنا ہے یہ فائدہ یحاربون اللہ ورسولہ سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا۔ دیکھو قبیلہ عرینہ نے حضرات صحابہ کرام کو ستایا۔ انہیں اللہ رسول سے جنگ کرنے والا قرار دیا گیا۔ اس سے اشارۃً یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ہر نیک و بد اعمال کی خبر ہے۔ ہماری نیکیوں سے حضور خوش ہوتے ہیں۔ ہمارے گناہوں سے رنجیدہ۔ کیونکہ بغیر علم خوشی و غم ناممکن ہے۔ **چوتھا فائدہ** ملک میں فساد پھیلانا بڑا ہی جرم ہے امان رکھنا بڑی نیکی یہ فائدہ **یسعون فی الارض** سے حاصل ہوا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے اس فساد انگیزی کو اللہ رسول سے جنگ قرار دیا۔ **پانچواں فائدہ** ڈاکو چار قسم کے ہیں اور ان کی سزائیں بھی چار طرح کی۔ صرف قتل کر دینے والے ان کی سزا قتل ہے۔ قتل کر کے مال لوٹنے والے۔ ان کی سزا سولی ہے۔ صرف مال لوٹنے والے ان کی سزا داہنا ہاتھ اور بایاں پاؤں کاٹنا ہے۔ صرف وحشت پھیلا دینے والے راستہ بند کر دینے والے ڈاکو جو قتل یا لوٹ نہ کر چکے ہوں ان کی سزا صرف قید ہے۔ یہ فائدہ اس پوری آیت سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** قاتل ڈاکو کا قتل حد شرعی ہے۔ قصاص نہیں۔ **لہٰذا** ولی مقتول کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتا۔ نہ اسے خون بہا لینے کا حق ہے۔ یہ فائدہ **ان یقتلوا** کو باب **تفعیل** سے لانے سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ** صرف دہشت پھیلانے ڈاکوؤں کو دیس نکالا نہ دیا جاوے گا۔ بلکہ انہیں جیل میں دیا جاوے گا۔ کیونکہ ڈاکو شہر بدر ہو کر زیادہ فساد پھیلائیں گے۔ یہ فائدہ **ینفوا من الارض** کی تفسیر سے حاصل ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ڈاکوؤں کو جیل دی اور فرمایا کہ میں انہیں دوسرے شہر منتقل نہ کروں گا۔ یعنی دیس نکالے کی سزا نہ دوں گا۔ ورنہ یہ ان شہر والوں کو ستائیں گے (تفسیر خازن از مکول) **آٹھواں فائدہ** اگر ڈاکو گرفتاری سے پہلے سچی توبہ کر لیں تو ڈکیتی کی شرعی سزا سے اور آخرت کے عذاب سے بچ جاویں گے۔ مگر خون کا قصاص اور لوٹے مال کی واپسی ان پر لازم ہوگی۔ یہ فائدہ غفور رحیم سے حاصل ہوا کہ مغفرت و رحمت شرعی سزاؤں کی معافی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہ قصاص اور مال کی واپسی حق اعبد ہوں گے کہ صاحب حقوق انہیں معاف کر سکتے ہیں۔ **نواں فائدہ** پکڑے جانے کے بعد ڈکیتی سے توبہ درست نہیں بہرحال سزا دی جاوے گی۔ یہ فائدہ **قبل ان تقدروا** سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ** چار مسلمان وہ ہیں جن کی نماز جنازہ نہیں پڑھی جاوے گی۔ باغی' ڈاکو' مکابر' خناق (در مختار) لہٰذا ڈاکو کو نہ غسل دیا جاوے۔ نہ نماز پڑھی جاوے۔ یہ مسئلہ **او یصلبوا** سے حاصل ہوا۔ ہر حق العبد ضائع کرنے میں حق اللہ اور حق الرسول بھی ضائع ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس میں ان دونوں ہستیوں کے احکام کی نافرمانی ہے دنیاوی سزائیں حق العبد کی سزائیں ہیں۔ آخرت کی سزا حق اللہ و حق الرسول کی سزا ہے۔ یہ فائدہ **وفی الاخرۃ عذاب عظیم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں **یحاربون** دو معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مخالفت حکم اور جنگ عرینہ کے ڈاکوؤں نے اللہ کے حکم کی تو مخالفت کی تھی اور حضور سے جنگ کی تھی۔ اور ایک لفظ بیک وقت حقیقی و مجازی دونوں معنی میں استعمال نہیں ہو سکتا۔ پھر یہاں کیوں استعمال ہوا۔ **جواب** یہاں صرف حقیقی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ رسول سے جنگ کرنے کے معنی ہیں ان کے پیاروں سے جنگ کرنا۔ عرینہ کے ڈاکوؤں نے حضور سے جنگ نہ کی تھی۔ حضرات صحابہ کو دکھ

www.alahazratnetwork.org

پہنچایا تھا۔ یہ سوال و جواب تفسیر کبیر نے یہاں ہی بیان فرمادیا۔ **دوسرا اعتراض** عربی میں لفظ **او** اختیار کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ تو اس آیت کے معنی یہ ہوئے کہ امام و حاکم کو اختیار ہے۔ کہ وہ ڈاکوؤں کو خواہ قتل کرائے خواہ سولی دے خواہ ان کے ہاتھ پاؤں کٹوادے۔ خواہ انہیں قید کرے پھر تم نے تقسیم کیوں کی کہ ایسے ڈاکو کو قتل کرو۔ اور ویسے ڈاکو کو سولی دو (خواجہ حسن بصری و مجاہد وغیرہم) دیکھو قسم کے کفارات میں بھی لفظ **او** ارشاد ہوا۔ وہاں اختیار دیا گیا۔ **نوٹ** حضرت ابن عباس خواجہ حسن بصری' سعید ابن مسیب امام نخعی و مجاہد کا یہی مذہب ہے۔ کہ ہر ڈاکو کے متعلق سلطان اسلام کو اختیار ہے کہ ان چار سزاؤں میں سے جو چاہے سزا دے (تفسیر خازن) **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا۔ کہ جب ایک جرم کی چند سزاؤں کو **او** کے ساتھ بیان کیا جاوے تو وہاں **او** اختیار دینے کے لئے ہوتا ہے۔ لیکن اگر چند جرموں کی سزاؤں میں **او** ارشاد فرمایا جائے تو وہاں تقسیم کے لئے ہوتا ہے کہ فلاں جرم کی یہ سزا اور فلاں جرم کی یہ سزا۔ اس آیت کریمہ نے چار قسم کے ڈاکوؤں کی چار سزائیں بیان فرمائیں۔ لہٰذا یہاں تقسیم ہے اور کفارہ قسم میں ایک جرم یعنی قسم توڑنے کی چند سزائیں بیان ہوئیں ہیں لہٰذا وہاں اختیار ہے (تفسیر احمدی) **تیسرا اعتراض** انسان کو سولی دینا یا ہاتھ پاؤں کاٹ ڈالنا نہایت وحشیانہ سزا ہے۔ اسلام بہت مہذب دین ہے اس میں ایسی وحشیانہ سزائیں نہ ہونا چاہئیں۔ یونہی زانی کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دینا انتہا درجہ کی بربریت ہے۔ (بعض بے دین) **جواب** افسوس ہے کہ مسلمانی کے دعویدار اس قسم کے واہیات اعتراض کرتے ہیں۔ آج کافر حکومتیں بھی کہتی ہیں کہ عرب میں اسلامی سزاؤں نے ہی امن قائم کیا۔ جواہر لعل نہرو وزیر اعظم بھارت نے کہا تھا کہ انڈیا میں عرب کی سزائیں جاری کرنا چاہئیں۔ ایک بدمعاش کو سخت سزا دے کر قوم کو سنبھال دینا ملک میں امن قائم کر دینا عین انصاف ہے۔ گلا عضو کاٹ دو تاکہ باقی اعضا درست رہیں اسلام کی سخت سزاؤں نے ہی ڈاکوؤں کو رہبر بنایا۔ سر بازار ایک چور کا ہاتھ کاٹ دیا جاوے تو انشاء اللہ پچاس سال تک ملک میں چوری نہ ہو۔ قوم کو شخص پر قربان نہ کرو۔ شخص کو قوم پر قربان کرو۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کر لے تو سب کچھ معاف۔ یہ عجب قانون ہے کہ قتل لوٹ غارت کر کے توبہ توبہ کہہ لو تو سب کچھ معاف ہو گیا۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ توبہ سے ڈکیتی کی سزا جو حق شرعی ہے وہ معاف ہو گی۔ قتل کا قصاص لوٹے مال کی واپسی معاف نہ ہو گی۔ جیسا کہ غفور رحیم فرمانے سے معلوم ہوا۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں ڈکیتی کی چوتھی سزا بیان فرمائی گئی **نفی من الارض** جس کا ترجمہ ہے زمین سے نکال دینا۔ احناف نے اس کے معنی کئے جیل بھیج دینا یہ معنی لغت کے بھی خلاف ہے عقل کے بھی خلاف۔ جیل بھیجنے کو زمین سے نکالنا نہیں کہا جاتا اس کا ترجمہ دیس نکالا یا جلاوطنی ہونا چاہیے (شوافع' مالک وغیرہم) **جواب** یہاں نفی ارض کے لغوی معنی پر عمل ناممکن ہے کیونکہ زمین سے نکالنے کے معنی یہ ہونے چاہئیں کہ اسے آسمان پر بھیج دیا جائے لہٰذا الارض میں ضرور قید لگانی پڑے گی۔ آپ حضرات ارض سے مراد لیتے ہیں وطن کی زمین۔ امام اعظم مراد لیتے ہیں گھر بار کوچہ بازار کی زمین۔ انسان جیل میں رہ کر ان تمام

www.alahazratnetwork.org

زمینوں سے نکل ہی جاتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا عمل شریف اس معنی کی تائید کرتا ہے۔ نیز سزا کا مقصد ہوتا ہے جرم روکنا۔ ڈاکو جلاوطن ہو کر اور زیادہ ڈکیتیاں کرے گا ہاں جیل میں رہ کر ڈکیتی نہ کر سکے گا۔ لہذا یہ معنی نہایت ہی موزوں ہیں۔ منشا قرآن کے موافق ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کے عمل کے مطابق۔

تفسیر صوفیانہ زمین سے تکلیف دہ چیز دور کرنا بہترین نیکی ہے۔ حتیٰ کہ راستہ سے پتھر کانٹا ہٹا دینے پر بھی مغفرت کا وعدہ ہے۔ جب زمین سے تکلیف دہ چیزیں ہٹانا نیکی ہے تو راستہ کو پر خطر بنانا وہاں ڈکیتی وغیرہ سے مسافروں کے جان و مال غیر محفوظ کر دینا بڑا گناہ یہ تو دنیاوی راستوں کا حکم ہے۔ راہ مولیٰ پر ڈکیتی کرنا اسے پر خطرناک بنانا راہروان راہ مولیٰ کو اس راستے سے روکنا بہت بڑی ڈکیتی ہے۔ اس راستہ کے ڈاکوؤں کی سزا یہ ہے کہ خذلان (رسوائی) کی تلوار سے قتل کر دیئے جاویں یا ہجران (فراق یار) کی شاخ پر سولی دیئے جاویں یا وصال یار کے دامن سے ان کے ہاتھ کاٹ دیئے جاویں یا قربت الٰہی کی زمین سے نکال دیئے جاویں جو دوسروں کو راہ خدا سے روکیں وہ خود وہاں سے محروم ہوتے ہیں۔ ہاں اگر یہ لوگ اللہ کی پکڑ اولیاء اللہ کے غضب میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں اور راہ ماری چھوڑ دیں تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے خیال رہے کہ ولایت کا مردود عنایت سے محروم ہے۔ اولیاء اللہ کی نظر سے گرا ہوا کہیں نہیں الحقتہ۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

☆ کلید گنج سعادت قبول اہل دل است ☆
مبادکس کہ دریں نکتہ شک و ریب کند ☆

مثنوی میں مولانا فرماتے ہیں۔

☆ لا جرم برآں راہ بر توبستہ شد ☆ چوں دل اہل دل از توخستہ شد ☆
☆ زود شاں در یاب و استغفار کن ☆ ہم چوابرے گریہ ہاؤ زار کن ☆
☆ تاگلستان شاں سوئے تو بشگفند ☆ میوہ ہائے پختہ برخود واکند ☆
☆ ہم براں درگرد کم از سگ مباش ☆ با سگ کہف اوشد ہستی خواجہ تاش ☆

اگر تجھ سے کسی اللہ والے کا دل ناراض ہو گیا تو سمجھ لے کہ رب تعالیٰ کا راستہ تجھ پر بند ہو گیا۔ بہت جلد ان کے دروازہ پر پہنچ معافی مانگ اور بادل کی طرح آنسو بہا تاکہ تیرے ایمان کے باغ میں قبولیت کے پھل لگیں۔ (روح البیان و روح المعانی)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو طرف اس کے وسیلہ اور کوشش کرو اللہ کے

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو

فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۵﴾
راستے میں تاکہ تم کامیاب ہو
اس امید پر فلاح پاؤ

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں راہزنوں ڈاکوؤں کا ذکر تھا۔ ان کی سزا کا تذکرہ تھا اب وہ بروں کی جماعت ان کے فیوض و برکات کا ذکر ہے۔ یعنی حضرات اولیاء اللہ جو رب تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ عظمیٰ ہیں رہزنوں کی سزا کے بعد رہبروں کے فیضان کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ ڈاکوؤں سے بچیں اولیاء اللہ کا دامن پکڑیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ڈاکوؤں کی شرعی سزا کے ساتھ کرم کریمانہ کا ذکر بھی ہوا کہ اگر ڈاکو پکڑے جانے سے پہلے توبہ کرلیں تو اس شرعی سزا سے بچ جائیں گے اب وہ دروازے بتائے جارہے ہیں جہاں توبہ کی توفیق نصیب ہوتی ہے۔ ان دکانوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جہاں سے توبہ و تقویٰ کے سودے ملتے ہیں۔ یعنی حضرات اولیاء کے آستانے جو رب رسی کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ رسول سے جنگ کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہوا۔ اب تقویٰ کا حکم دیا وہ جنگ فسق تھی۔ تقویٰ اس کا علاج ہے تاکہ لوگ تقویٰ کے ذریعہ فسق سے بچیں اور ساتھ ہی وہ دروازے بتائے گئے۔ جہاں سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ڈکیتی کی سزا کا ذکر تھا جو جرموں کے روکنے کا عارضی علاج ہے۔ اب تقویٰ اور وسیلہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ جو جرموں کا اصلی و دائمی علاج ہے۔ گویا گناہوں کے سیلاب کے روکنے کے لئے کوچہ بندی کا ذکر پہلے ہوا۔ اور نفس پر تقویٰ وسیلہ کے بند باندھنے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ جہاں سے گناہ چلتے ہیں۔ **پانچواں تعلق** گزشتہ پچھلی آیات میں ان یہود پر عتاب کیا گیا جو بد عقیدہ و بد عمل تھے۔ اس کے باوجود اولاد انبیاء ہونے پر فخر و تکبر کرتے تھے اب فرمایا جارہا ہے کہ مومنو تم ان بے وقوف یہود کی طرح نہ ہونا۔ تم تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا اور حضرات انبیاء و اولیاء کو وسیلہ بنانا صرف اولاد نبی ہونا مفید نہیں بلکہ متوسل بالنبی ہونا مفید ہے۔

تفسیر یایها الذین امنوا۔ الناس میں خطاب سارے انسانوں سے ہوتا ہے۔ اور **الذین امنوا** میں کبھی صرف صحابہ کرام سے۔ کبھی سارے انسان مومنین سے کبھی تمام جن و انس مومنوں سے کبھی سارے **ملائکہ** جنات انسان مومنوں سے۔ بظاہر یہاں خطاب تمام انسان مومنوں سے ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ تمام مومنین فرشتوں جنات اور انسانوں سے ہو۔ کیونکہ تقویٰ و پرہیزگاری اور خدا رسی کے لئے توسل سب ہی کو ضروری ہے۔ اس لئے یہاں عام خطاب ہی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ نیز **الذین امنوا** کے خطاب میں عموماً حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے۔ ان کے خطاب **یایها النبی۔ یایها الرسول یایها المزمل یایها المدثر** ہیں یہاں بھی خطاب ہم مسلمانوں سے ہے حضور انور

www.alahazratnetwork.org

سے نہیں۔ حضور انور تو عین تقویٰ اور سب کے وسیلہ ہیں۔ حضور کا وسیلہ کون ہو سکتا ہے۔ ایمان' اسلام' توحید کا فرق اور ایمان کے مراتب بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوسری قوموں کی طرح اپنے محبوب کی امت کو نسبی نام سے نہیں پکارا بلکہ نسبتی نام یعنی ایمان سے پکارا۔ **اتقوا اللہ** یہ کلمہ اتقاء کا امر ہے جس کا مادہ وقی ہے۔ تقویٰ کے دو معنی ہیں ڈرنا اور بچنا یہاں ۔ بمعنی ڈرنا ہے تقویٰ دو قسم کا ہے قالب کا اور قلب کا۔ قالب کے تقویٰ کا ڈھانچہ اللہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری ہے اور اس کی روح اتباع رسول ہے۔ یعنی حضور کی ہر اوا کی نقل ان کا نقل بن جانا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** میں اس تقویٰ کے ڈھانچہ کا ذکر ہے اور **فاتبعونی یحببکم اللہ** میں اس تقویٰ کے روح کا ذکر ہے۔ قلب یعنی دل کا تقویٰ اللہ کی چیزوں کا ادب و احترام رب فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوای القلوب** یہاں یا تو جسمانی تقویٰ کا حکم دیا جا رہا ہے یا دونوں تقووں کا جسمانی ہو یا جنانی دوسرا احتمال بہت قوی ہے۔ لہٰذا اس حکم میں سارے شرعی احکام فرائض و سنتیں۔ حرام و مکروہات کی طرف اشارہ ہے ساری شریعت کا سمندر اس کوزے میں جمع ہے اس ایک لفظ سے کوئی شرعی حکم خارج نہیں۔ خیال رہے۔ کہ ایمان کے بعد تقویٰ کا حکم دینے میں چند باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ ہر درجے کے مومن کو اعمال کی ضرورت ہے خواہ ایمان غیبی والا ہو یا ایمان شہودی والا۔ یا ایمان فنا والا اعمال سے کوئی بے نیاز نہیں۔ دوسرے یہ کہ صرف ایمان پر قناعت نہ کرو۔ اعمال بھی کرو۔ پھل کھانے کے لئے درخت کی جڑ اس کی شاخوں کی حفاظت کرو۔ اگر درخت کے پتے جانور کھا جاوے تو پھل نہیں لگیں گے۔ رہنے سہنے کے لئے حفاظت جان و مال کے لئے مکان کی بنیادیں اس کی دیواریں چھت سب ہی کی ضرورت ہے۔ یونہی نجات کے پھل حاصل کرنے کے لئے ایمان کی جڑ تقویٰ کی شاخوں کی ضرورت ہے۔ دین کی عمارت کے لئے ایمان کی بنیاد اور تقویٰ کی دیواروں چھت کی ضرورت ہے۔ **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** یہ دوسرا حکم ہے جو ایمان و تقویٰ کے بعد ہے **ابتغوا** بنا ہے **ابتغاء** سے جس کا مادہ **بغی** ہے۔ **ابتغاء** کے معنی تلاش کرنا ڈھونڈنا۔ ہر چیز کی تلاش کے لئے دروازے الگ ہیں۔ ہر سودے کی جستجو کے لئے بازار و دکانیں جدا گانہ ہیں۔ اس چیز کی تلاش میں ان دروازوں ان دوکانوں۔ بازاروں میں جانا پڑتا ہے۔ خدا تعالیٰ کو ڈھونڈو حضور کے دروازے پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھونڈو حضرات اولیاء اللہ کے دروازوں پر۔ حضرات اولیاء اللہ کے آستانے تلاش کرو۔ استاد کے ذریعہ سے۔ غرض کہ **وابتغوا** میں بہت ہی وسعت ہے۔ الیہ میں ہ ضمیر کا مرجع یا تو اللہ تعالیٰ ہے یا اتقوا کا مصدر ہے یعنی اللہ تعالیٰ یا تقویٰ کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ بروزن فعیلہ صفت مشبہ ہے وسل سے بنا ہے وصل صاد سے ۔ بمعنی ملنا۔ دسل سین سے ۔ بمعنی قریب۔ اسی لئے جنت کے ایک اعلیٰ مقام کا نام وسیلہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا ہو گا۔ کہ وہ جگہ رب تعالیٰ کے قرب خاص کی ہے۔ اس وسیلے کی دعا بعد اذان مانگی جاتی **وال محمد ن لوسیلۃ** خیال رہے کہ وسیلہ کے لغت میں بہت معانی ہیں۔ قرب' محبت' حاجت جنت کا خاص مقام ایک شاعر کہتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

☆ ان الرجال لهم الیک وسیلته ☆ ان یاخذوک تکحلی وتعضب ☆

(تفسیر روح المعانی و خازن) اصطلاح میں کسی چیز کے ذریعے کو وسیلہ کہا جاتا ہے۔ یہاں وسیلہ کے تمام معنی بن سکتے ہیں مگر آخری معنی یعنی ذریعہ قوی ہے۔ وسیلہ عام ہے۔ حضرات اولیاء' انبیاء' نیک اعمال' ان حضرات کے تبرکات سب ہی اس میں شامل ہیں۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہاں اعمال کے علاوہ دوسرے وسیلے مراد ہیں کیونکہ اعمال تو **اتقوا اللہ** میں آگئے تقویٰ کے بعد وسیلہ کی تلاش کا حکم دے کر بتایا گیا۔ کہ کوئی متقی تقویٰ کے کسی درجہ پر پہنچ کر خدارسی کے لئے وسیلے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ ہم اپنے قدم سے اسٹیشن پر پہنچ سکتے ہیں مکہ معظمہ نہیں پہنچ سکتے وہاں جانے کے لئے کسی خاص سواری کی حاجت ہے۔ یونہی تقویٰ کے قدم سے براہ راست رب تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکتے۔ خدارسی کے لئے کسی وسیلہ عظمیٰ کی ضرورت ہے۔ تقویٰ سے وسیلہ تک پہنچو وسیلہ سے رب تک کوئی متقی مسلمان یہ نہ سمجھے کہ میں تو متقی ہو گیا۔ اب مجھے خدارسی کے لئے کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں جیسے ہر مومن اعمال و تقویٰ کا حاجت مند ہے یونہی ہر متقی وسیلہ کا محتاج ہے۔ **وجاهدوا فی سبیله** یہ چوتھا حکم ہے۔ جو وسیلہ تلاش کرنے کے بعد دیا گیا ہے۔ **جاهدوا** بنا ہے مجاہدہ سے جس کا مادہ ہے جہد۔ بمعنی مشقت جہاد کو جہاد اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مشقت ہوتی ہے۔ یہاں تو جہاد مراد ہے تو فی سبیلہ کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف لوٹے گی۔ یا تلاش میں محنت و مشقت کرنا مراد ہے اس صورت میں یہ ضمیر یا تو وسیلہ کی طرف ہے یا اللہ تعالیٰ کی طرف یا تقویٰ کی طرف۔ لہٰذا اس عبارت کی چار تفسیریں ہیں۔ یعنی اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا وسیلہ کی راہ میں کوشش کرو یا تقویٰ کی راہ میں یا اللہ کی راہ میں کوشش کرو۔ لہٰذا یہ کلمہ بہت جامع ہے۔ **لعلکم تفلحون** اس عبارت کی تفسیریں بارہا عرض کی جا چکی ہیں۔ لعل ہمارے لئے۔ بمعنی امید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے یقین کے لئے ہے۔ یعنی اس امید سے یہ کام کرو کہ تم کامیاب ہو جاؤ یا اس لئے کہ تم کامیابی حاصل کرو۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تین چیزوں کا حکم دیا اور ان تین چیزوں کا ایک نتیجہ ارشاد فرمایا۔ تقویٰ وسیلہ کی تلاش۔ مجاہدہ کا حکم دیا فلاح و کامیابی کا وعدہ فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے وہ لوگو یا اے وہ مخلوق جو ایمان لا چکے اللہ سے ڈرو کہ اس کی اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پیروی کرو اور صرف اپنے تقویٰ پر ہی بھروسہ نہ کرو۔ صرف ایمان تقویٰ رب تک نہیں پہنچا سکتے بلکہ رب تک پہنچنے کے لئے وسیلہ کی تلاش کرو۔ جس کے ذریعہ تمہارے ایمان و اعمال بخیریت تمام منزل مقصود تک پہنچیں اور وسیلہ کی تلاش میں کوشش و مشقت کرو تاکہ تم دین و دنیا میں کامیاب رہو۔ خیال رہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ ہم سے شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اور ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ ملتا نہیں۔ اس کے ملنے کے مقامات خاص ہیں ان مقامات پر جانا رب کی تلاش کے لئے ضروری ہے۔ جیسے ریل گزرتی ساری لائن سے ہے مگر ملتی ہے اسٹیشن پر۔ یونہی پاور بجلی کے سارے تار میں ہوتا ہے مگر روشنی ملتی ہے بلب سے۔ اس لئے وسیلہ کی تلاش کا حکم دیا پھر وسیلہ کے پاس تم جاؤ۔ تمہارے پاس وسیلہ نہیں آئے گا۔ موسیٰ علیہ السلام گئے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

حضرت خضر علیہ السلام کے پاس خود خضر علیہ السلام نہیں آئے تھے۔ قانون قدرت ہے وسیلہ کے پاس جانا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پہلے ایمان کا ذکر فرمایا پھر تقویٰ کا کیوں کہ ایمان کے بغیر تقویٰ بیکار ہے۔ نیز ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے۔ پھر تقوے کے ساتھ تلاش وسیلہ بھی لازم ہے تاکہ اعمال کی دولت بخیریت ہمارے اس وطن میں پہنچے جہاں ہم کو اس کی ضرورت ہے۔ راستہ میں شیطان وغیرہ ڈکیتی و چوری نہ کرلیں نیز یہ اعمال وسیلہ کی برکت سے قابل قبول ہو جاویں۔

وسیلہ از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دین میں ہر امت کا یہ عقیدہ رہا اور حضرات صحابہ کرام سے آج تک تمام مسلمانوں کا یہ ہی عقیدہ رہا اور ہے کہ رب تعالیٰ تک رسائی کے لئے حضرات انبیاء اولیاء بلکہ ان کے تبرکات بھی وسیلہ ہیں۔ سب کا اس پر اتفاق رہا اس ملت اسلامیہ میں ابن تیمیہ پہلا وہ شخص ہے جس نے وسیلہ انبیاء و اولیاء کا انکار کیا اور کہا کہ وسیلہ صرف اپنے ایمان و اعمال کا چاہیے۔ ان کے سوا کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں۔ یہاں اس آیت کریمہ میں بھی وسیلہ صرف ایمان و اعمال کا وسیلہ مراد ہے۔ ابن تیمیہ کے معتقدین وہابیوں کے اس کے متعلق دو گروہ ہو گئے ایک گروہ کہتا ہے کہ زندہ نبیوں ولیوں کا توسل جائز ہے وفات یافتہ کا توسل جائز نہیں دوسرا گروہ کہتا ہے کہ توسل علی الاطلاق حرام بلکہ شرک ہے۔ خواہ زندہ بندوں کا توسل ہو یا وفات یافتہ بندوں کا ہم نے اس کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے رحمت خدا بوسیلہ اولیاء جس میں بائیس آیات قرآنیہ اکیس احادیث نبویہ سولہ اقوال علماء و اولیاء دس اقوال مخالفین سے اس وسیلہ کا ثبوت دیا گیا ہے۔ اور اس رسالہ کے دوسرے باب میں مخالفین کے تمام اعتراضات کے جوابات دیئے گئے وسیلہ کے اکیس عقلی ثبوت دیئے گئے۔ اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے وہ رسالہ ضرور مطالعہ فرماؤ انشاء اللہ بہت فائدہ ہو گا یہاں بطور اختصار اس وسیلہ کے متعلق چند باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ قرآن کریم و احادیث شریفہ سے چند قسم کے توسل ثابت ہیں نمبر ۱ حضور کی ولادت پاک سے پہلے حضور کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح مانگنا نمبر ۲ مقبول بندوں کی حیات شریفہ میں ان کا وسیلہ اختیار کرنا نمبر ۳ بزرگوں کی وفات کے بعد ان کا وسیلہ پکڑنا نمبر ۴ بزرگوں کے تبرکات سے وسیلہ پکڑنا۔ چنانچہ قرآن کریم کافر کتابیوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا** یہ لوگ ان محبوب کے توسل سے کفار پر فتح مانگتے تھے۔ **فلما جاءھم ما عرفوا کفروا بہ** جب وہ جانے پہچانے نبی آگئے تو یہ انکار کر بیٹھے۔ دیکھو یہ توسل ہے حضور کی پیدائش سے پہلے۔ اور فرماتا ہے کہ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کی مدد سے یتیم بچوں کی گرتی ہوئی دیوار بنائی اور وجہ یہ بیان کی **وکان ابوھما صالحا** ان بچوں کا باپ نیک تھا اس لئے ان پر رب کا یہ کرم ہوا کہ ان کی گرتی ہوئی دیوار ان دو مقبولوں کے ذریعہ بنوا دی گئی۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیرا** میری یہ قمیص لے جاؤ اور ابا جان کے چہرہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہو جائیں گے۔ یہ ہے زندہ نبی کے تبرکات کا وسیلہ۔ بنی اسرائیل کو حکم ہوا کہ تم تابوت سکینہ کو جہاد میں اپنے ساتھ رکھو فتح پاؤ گے۔ اس تابوت میں کیا تھا۔ **فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک ال موسی وال**

www.alahazratnetwork.org

ھذون تحملہ الملئکۃ اس صندوق میں تمہارے رب کی طرف دلوں کا چین و سکون ہے اور حضرت موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔ اس میں وفات یافتہ بزرگوں کے تبرکات سے وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے۔ فرماتا ہے۔ **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اے محبوب ان میں آپ کے ہوتے ہوئے ہم ان پر عذاب نہیں بھیجیں گے اور فرماتا ہے **لو تزیلو لعذبنا الذین کفروا** اگر مکہ سے یہ مسلمان نکل جاتے تو ہم کفار مکہ کو عذاب دے دیتے اور فرماتا ہے **یبتغون الی ربھم الوسیلۃ ایھم اقرب** یہ لوگ خود اس کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔ جو ان میں سے اللہ سے زیادہ قرب والا ہو۔ اس قسم کی بائیس آیات وسیلہ کی ہیں۔ حضرت کبشہ نے اپنے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا تھا جس سے منہ لگا کر حضور نے پانی پیا تھا۔ مدینہ کے بیماروں کو یہ چمڑہ کا ٹکڑا دھو کر پلاتی تھیں۔ انہیں شفا ہوتی تھی۔ حضرت امیر معاویہ نے اپنے وفات کے وقت وصیت کی تھی۔ کہ میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال و ناخن شریف ہیں وہ میرے کفن میں میری آنکھوں اور منہ پر رکھ دیئے جاویں تاکہ قبر کی مشکل آسان ہو۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ سے لوگوں نے بارش نہ ہونے کی شکایت کی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ میرے حجرے کی چھت کھول دو جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور ہے۔ چھت کھولنا تھی کہ خوب بارش ہوئی۔ اس قسم کی صدہا احادیث ہیں۔ جن میں حضور کے نام کے تبرکات سے توسل ثابت ہے۔ قیامت میں وسیلہ کی تلاش پہلے ہو گی۔ وہاں کا کاروبار حساب کتاب بعد میں شروع ہو گا۔ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ ہم فقیر و محتاج۔ جب رب تعالیٰ غنی ہو کر بغیر وسیلہ ہم کو کوئی دنیاوی اور دینی نعمت نہیں دیتا۔ تو ہم محتاج ہو کر وسیلہ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس نے ہم کو ہستی دی تو ماں باپ کے ذریعہ علم دیا استاد کے ذریعہ۔ مال دیا مالداروں کے وسیلہ سے۔ شفا دی حکیم کے وسیلہ سے۔ موت دی تو ملک الموت کے وسیلہ سے ہم کو ایمان قران۔ رحمت رحمان ملی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے۔ بزرگوں کا وسیلہ وہ نعمت ہے۔ جس کا فیض جانوروں بلکہ زمین و زمان کو حاصل ہوتا ہے۔ اصحاب کہف کا کتا ان بزرگوں کے وسیلہ سے عظمت والا ہوا۔ مکہ مکرمہ۔ مدینہ منورہ کی سرزمین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے عظمت والی ہوئی حتیٰ کہ رب تعالیٰ نے شہر مکہ کی قسم فرمائی اس لئے کہ وہاں حضور جلوہ گر تھے **لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد** بہر حال بزرگوں کا وسیلہ ایسا اہم مسئلہ ہے جس پر عقل و نقل قرآن و احادیث شاہد ہیں۔ مخالفین کے پاس ایک آیت ایک حدیث ایسی نہیں۔ جس کا ترجمہ ہو کہ بزرگوں کا وسیلہ نہ پکڑو۔ صرف عقلی ڈھکوسلے ہیں۔ جن سے وہ آیات و احادیث کا انکار کرتے ہیں۔ یہاں تفسیر صاوی شریف میں ہے کہ وہ لوگ گمراہ اور بدنصیب ہیں جو مسلمانوں کو اولیاء اللہ کی زیارت کی وجہ سے کافر و مشرک کہتے ہیں اور زیارت اولیاء کو عبادت غیر اللہ قرار دیتے ہیں یہ مردود ہیں یہ زیارت اولیاء اللہ **ابتغاء وسیلہ** ہے۔ اس آیت کے ماتحت۔ (تفسیر صاوی)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مسلمانوں کو نیک اعمال کے ساتھ کوئی اور وسیلہ بھی ڈھونڈنا ضروری ہے صرف نیک اعمال پر ہی قناعت نہ کرے یہ فائدہ **اتقوا اللہ** کے بعد **وابتغوا الیہ الوسیلہ**

www.alahazratnetwork.org

فرمانے سے حاصل ہوا۔ سارے نیک اعمال تو **اتقوا اللہ** میں داخل ہیں پھر وسیلہ کیا چیز ہے وہ وسیلہ مقبولین ہی تو ہے اس لئے بزرگان دین کی بیعت عہد صحابہ سے آج تک کی جاتی ہے۔ نیک اعمال صفائی قلب کے لئے پانی و صابن کی طرح ہیں۔ پانی صابن میلے کپڑے کو جب ہی صاف کرسکتے ہیں جب اور کسی کا ہاتھ لگے بغیر دھونے والے کے ہاتھ کے پانی صابن بیکار ہے بزرگوں کی نگاہ دھونے والا ہاتھ ہے۔ خیال رہے کہ کبھی بغیر صابن و پانی کے صرف ہاتھ پھر جانے سے گرد و غبار ہو جاتا ہے مگر صرف صابن و پانی سے بغیر ہاتھ لگے کبھی صفائی نہیں ہوتی اسی طرح بارہا ایسا ہوا کہ صرف نگاہ مقبول سے بغیر اعمال بخشش ہو گئی جیسے فرعونی جادوگر یا حضور کے والدین اور وہ حضرات صحابہ جو بغیر کسی عمل کے وفات پا گئے مگر اس کی مثال کہیں نہیں ملے گی کہ صرف نیک اعمال سے بغیر توسل مقبولین نجات ہو گئی ابلیس کے پاس اعمال تھے توسل نہ تھا مارا گیا۔ دوسرا فائدہ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی وسیلہ کی ضرورت نہیں حضور تو خود تمام جہان کے لئے وسیلہ عظمیٰ ہیں انہیں کونسے وسیلہ کی ضرورت ہو سکتی ہے یہ فائدہ **یایها الذین امنوا** فرمانے سے حاصل ہوا عام انسان اپنی پیدائش میں ماں باپ کے وسیلہ کے حاجت مند ہیں مگر آدم علیہ السلام ماں باپ کے حاجت مند نہیں وہ تو خود ابوالبشر ہیں ان کا باپ کون ہو سکتا ہے۔ **تیسرا فائدہ** وسیلہ حاصل کرنے کے لئے تلاش ضروری ہے گھر بیٹھے وسیلہ ہر ایک کو نہیں مل جاتا یہ فائدہ **وابتغوا** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھا گیا ہے کہ **طالبین** مولیٰ تلاش شیخ کرتے ہیں اس تلاش کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔ **چوتھا فائدہ** تلاش وسیلہ میں مشقتیں بھی جھیلنا پڑیں تو ضرور جھیلے یہ فائدہ **وجاهدوا فی سبیله** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کی تلاش میں نکلے اور اس تلاش کے سفر میں آپ نے بڑی مشقت اٹھائی خود فرمایا **لقد لقینا من سفرنا هذا نصبا** **پانچواں فائدہ** زندہ بزرگوں سے ملاقات کے لئے سفر کرنا وفات یافتہ بزرگوں کے مزارات پر سفر کرکے حاضری دینا وہاں جاکر رب تعالیٰ سے دعا کرنا ان کے وسیلہ سے اور مدینہ منورہ سفر کرکے جانا۔ عرس بزرگاں میں سفر کرکے حاضر ہونا سب بہت ہی بہتر ہے ان سب سفروں کا ماخذ یہ ہی آیت ہے کہ یہ بھی تلاش وسیلہ ہے۔ شامی میں ہے کہ جب ڈاکٹروں حکیموں کے پاس سفر کرکے جانا علاج کے لئے جائز ہے تو مقبول بندوں کے پاس قبروں پر سفر کرکے جانا بھی جائز ہے کہ صاحب مزارات کے فیوض تفاوت ہیں بلکہ بزرگوں کے عرسوں میں اولیاء اللہ کا علماء کا اجتماع ہوتا ہے۔ وہاں حاضری سے بہت بزرگوں سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ **ابتغاء وسیله** کا یہ بہترین طریقہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدہ ماجدہ کی قبر انور پر مدینہ پاک سے تشریف لے گئے۔ حالانکہ ابواء شریف جہاں جناب آمنہ کی قبر ہے۔ مدینہ منورہ سے قریباً دو سو میل ہے یہ فقیر وہاں حاضر ہوا ہے۔

اعتراضات و جوابات اس سلسلہ میں ہم ان لوگوں کے اعتراضات بھی نقل کریں گے جو وسیلہ مقبولین کے مطلقاً انکاری ہیں اور ان کے بھی جو صرف وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ کے انکاری ہیں۔ زندہ بزرگوں کے وسیلہ کے قائل ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض بندوں کا وسیلہ کوئی چیز نہیں صرف اپنے اعمال کا وسیلہ چاہیے یہاں اس آیت میں وسیلہ سے مراد نیک اعمال کا وسیلہ ہے (عام دیوبندی) **جواب** یہ غلط ہے اعمال کے ساتھ بزرگوں کا وسیلہ بھی ضروری ہے۔ سارے نیک اعمال تو **اتقوا الله** میں آچکے پھر وسیلہ کا حکم ہوا۔ معطوف اور معطوف علیہ میں فرق ضروری ہے۔ اس لئے یہاں بزرگوں کا وسیلہ ضرور مراد ہے نیز فرماؤ کہ نیک اعمال کہاں سے حاصل کرو گے وہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ علماء و صلحاء و اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہی حاصل ہوں گے پھر وسیلہ مقبولین ضروری ہوا تمہیں کیسے معلوم ہوا کہ فجر کی نماز نیکی ہے اور سورج نکلتے وقت کی نماز گناہ کیسے معلوم ہوا کہ بکری اور گائے کھانا نیکی ہے کتا بلی کھانا گناہ غرضیکہ تم اعمال کے محتاج اور اعمال حضور کے حاجت مند' حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں یقیناً مقبول ہیں اور ہمارے اعمال بالکل مشکوک نہ معلوم کہ مقبول ہیں یا مردود۔ تعجب ہے کہ ہمارے مشکوک اعمال تو خدا رسی کا وسیلہ ہو جاویں اور یقیناً مقبول یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے وارثین علماء و اولیاء وسیلہ نہ بنیں اللہ تعالیٰ سمجھ دے۔ **دوسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے وہ بغیر وسیلہ ہر چیز ہم کو دے سکتا ہے وسیلہ ماننا خدا تعالیٰ کو مجبور ماننا ہے لہٰذا وسیلہ اولیاء شرک ہے۔ (عام دیوبندی) **جواب** وہ تو قادر ہے مگر ہم مجبور ہیں ہم بغیر وسیلہ اس سے نہیں لے سکتے آگ گرم کر سکتی ہے مگر روٹی بغیر وسیلہ اس سے گرم نہیں ہو سکتی لہٰذا درمیان میں وسیلہ ضروری ہے۔ حضرت صاحب تم بغیر ماں باپ کے پیدا کیوں نہیں ہو جاتے آپ کی تشریف آوری کے وقت دائی پہلے آتی ہے اور مولوی صاحب پیچھے براجمان ہوتے ہیں وسیلہ کے انکاریوں کو چاہیے کہ دائی کے بغیر وسیلہ پیدا ہو جایا کریں اور مسلمانوں کی مدد کے بغیر کفن دفن لے لیا کریں۔ **تیسرا اعتراض** اگر ہم کو حضور کے وسیلہ کی ضرورت ہے تو نبی کریم کو بھی ہمارے وسیلہ کی ضرورت ہے۔ نبی کریم نے حضرت عمر سے فرمایا تھا کہ اے میرے بھائی مکہ معظمہ پہنچ کر میرے لئے بھی دعا کرنا ہم کو حکم ہے درود شریف پڑھو درود شریف کیا ہے حضور کے لئے رحمت کی دعا ہم کو حکم ہے کہ اذان کے بعد حضور کے لئے وسیلہ ملنے کی دعا کریں۔ اگر حضور ہم سے بے نیاز ہیں تو ہم دعائیں کیوں کرتے ہیں۔ **نوٹ** یہ اعتراض تفسیر روح المعانی نے بھی خاص انداز میں کیا ہے وہ بھی وسیلہ کے سخت منکر ہیں۔ ابن تیمیہ ملحد کے پیروکار ہیں۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ان دعاؤں کے ہرگز حاجت مند نہیں ہم دعائیں کریں یا نہ کریں حضور پر رحمتوں کی بارش ہر وقت ہو رہی ہے ہماری یہ دعائیں تو صرف مانگنے کھانے کا بہانہ ہیں جیسے بھکاری داتا کے دروازے پر اس کی جان و مال بال بچوں کو دعائیں دے کر بھیک لیتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ہم کو درود شریف کا حکم دینے سے پہلے فرمایا **ان الله وملئكة يصلون على النبى** یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے تو درود بھیجتے ہی ہیں تم دعائیں کرو یا نہ کرو پھر فرمایا کہ تم ان کے لئے دعائیں کرو تاکہ جو رحمت کی بارش ان پر ہو رہی ہے اس کا **چھینٹا** تم پر بھی مار دیا جاوے۔ یہ دعائیں مانگنے کھانے کا بہانہ ہیں جیسے رب تعالیٰ کی الوہیت رزاقیت سمع بصر ہماری عبادت ہماری مرزوقیت پر موقوف نہیں سورج کی نورانیت ہمارے نور لینے پر موقوف نہیں یوں ہی حضور کی نبوت حضور کے درجات ہماری کوششوں پر موقوف نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض قابیل کو حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ کنعان کو نوح علیہ السلام کا وسیلہ۔ عبد اللہ ابن ابی منافق کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر و تہبند کا وسیلہ کچھ کام نہ آیا یہ سب مردود ہی رہے معلوم ہوا کہ وسیلہ انبیاء کوئی چیز نہیں اپنے اعمال ہی کا وسیلہ چاہیے (دیوبندی) جواب جی ہاں کفار کو وسیلہ انبیاء و اولیاء مفید نہیں وسیلہ تو مومنوں کو فائدہ مند ہے سورج اندھے کو بارش زمین شورہ کو اعلیٰ درجہ کی دوا و غذا مردہ کو فائدہ نہیں دیتی اس لئے نہیں کہ یہ چیزیں بیکار ہیں بلکہ اس لئے کہ لینے والے میں فیض حاصل کرنے کی قابلیت نہیں۔ نیز ان لوگوں نے ان حضرات کا وسیلہ اختیار ہی نہیں کیا یہ تو ان حضرات کے مخالف رہے پھر فیض کیسے پاتے؟ **پانچواں اعتراض** مشرکین و کفار اس وسیلہ کی بیماری میں گرفتار ہیں ان کا شرک و کفر یہ ہی ہے کہ وہ خدا رسی کے لئے بتوں کو وسیلہ مانتے تھے تم بھی اسی وسیلہ بازی کے بیمار ہو تم بھی مشرک ہو قرآن کریم فرماتا ہے کہ مشرکین کہتے ہیں **ما تعبد هم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ** ہم اپنے بتوں کو اس لئے پوجتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا سے قریب کردیں دیکھو یہ توسل ہی شرک ٹھہرایا گیا۔ جواب اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مشرکین مردودوں کو خدا رسی کا وسیلہ بنا کر مشرک ہوئے۔ ہم مقبولوں کو وسیلہ بنا کر مومن بنے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا۔ آب زمزم کا احترام کرنا ایمان ہے۔ بتوں کی طرف سجدہ گنگا جل کی تعظیم کفر ہے اسی فرق کی وجہ سے دوسرے یہ کہ مشرکین ان وسیلوں کی عبادت کرنے لگے انہیں مستقل معبود رب مان بیٹھے۔ رب تعالیٰ کو ان کا محتاج ماننے لگے لہٰذا مشرک ہوئے جیسا کہ اس تمہاری پیش کردہ آیت میں ہے **ما نعبدهم الا** الخ غیر خدا کی عبادت شرک ہے بحمدہ تعالیٰ مسلمان کسی پیر پیغمبر کی نہ تو پوجا کرتے ہیں نہ انہیں خدا مانتے ہیں بلکہ انہیں خالص بندہ اور عام بندوں کا وسیلہ عظمیٰ سمجھتے ہیں غرضیکہ وسیلہ وسیلہ ہے اور مقصود مقصود۔

نوٹ انکار وسیلہ کے مسئلہ میں وہابی اور مرزائی بالکل متفق ہیں اس آیت کی تفسیر میں مولوی محمد علی صاحب لاہوری مرزائی نے اولیاء اللہ کے وسیلہ کو شرک لکھا ہے۔ ان سے توسل کرنے والوں کو مشرکین کہا دیکھو تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی (مرزائی لاہوری یہ ہی آیت) اور دیوبندیوں کی کتاب راہ سنت میں ہے کہ خواجہ اجمیری وغیرہ کسی بزرگ کے مزار پر جاکر ان کے توسل سے خدا تعالیٰ سے دعا کرنا زنا اور چوری سے بدتر گناہ ہے۔ غرضیکہ اس انکار وسیلہ میں وہابی مرزائی ایک ہیں۔ اللہ کی پناہ۔ چھٹا اعتراض حدیث شریف میں ہے کہ زمانہ فاروقی میں بارش بند ہوگئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس کا دامن پکڑ کر بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ مولیٰ ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے بارش مانگتے تھے آج تیرے نبی کے چچا کے وسیلہ سے بارش مانگ رہے ہیں بارش بھیج۔ چنانچہ بارش ہوئی اس سے معلوم ہوا کہ بزرگوں کی زندگی میں تو ان کا توسل جائز ہے بعد وفات جائز نہیں۔ نوٹ یہ اعتراض دوسرے قسم کے منکرین کا ہے جو مطلقاً وسیلہ کے منکر نہیں بلکہ وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ کے انکاری ہیں۔ جواب اس حدیث میں یہ نہیں کہ آپ نے فرمایا ہو کہ اب ہم نے حضور کا وسیلہ چھوڑ دیا یہ ہرگز نہیں فرمایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فرمان کا منشاء یہ ہے کہ مولیٰ ہم صرف نبی صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

کا وسیلہ ہی نہیں پکڑتے بلکہ ان کے عزیزوں قریبوں ان سے نسبت رکھنے والوں کا بھی وسیلہ اختیار کرتے ہیں اس میں وسیلہ کا عام کرنا مقصود ہے کہ وسیلہ اولیاء اللہ کا بھی ہو سکتا ہے اس لئے آپ نے **بعم نبیک** کہا یا عباس نہ کہا ورنہ حضرات صحابہ نے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے فرمان پر حضور انور کی قبر شریف کے وسیلہ سے رب سے بارش مانگی جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ **ساتواں اعتراض** جیسے ہم کو حضور کے توسل کی ضرورت ہے یوں ہی حضور کو ہمارے وسیلہ کی حاجت ہے۔ حضور کا دین حضور کا قرآن حضور کے احکام ہماری کوششوں کے وسیلہ سے دنیا میں شائع ہوتے ہیں۔ ہماری عبادات سے حضور کو ثواب ملتا ہے ہم لوگ حضور کی رعایا اور فوج ہیں بادشاہ کو رعایا کی بھی ضرورت ہے فوج کی بھی۔ **جواب** اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر خدا تعالیٰ کو بھی مخلوق کے وسیلہ کا محتاج مانو کہ اس کا دین اس کا قرآن اس کی عبادات بندوں ہی کے ذریعہ سے دنیا میں پھیل رہی ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ وسیلہ وہ ہوتا ہے جس کے نہ ہونے سے چیز بھی نہ ہو یعنی موقوف علیہ حضور کا دین ثواب درجات ہم پر موقوف نہیں ہم حضور کے حاجت مند ہیں حضور ہم سے غنی ہم سے یہ خدمت لینا ہماری عزت افزائی کے لئے ہے۔ چپڑاسی بادشاہ کا حاجت مند ہے بادشاہ چپڑاسی کا محتاج نہیں۔ حضور کی خدمت کے لئے جنات فرشتے بلکہ خاک پانی ہوا سب حاضر ہیں۔ **آٹھواں اعتراض** رب تعالیٰ فرماتا ہے **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم لن يغفر الله لهم** ان منافقوں کے لئے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ہم توانہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ بولو کہاں گیا وسیلہ حضور کی دعا سے بھی بخشش نہیں۔ **جواب** اس بخشش نہ ہونے کی وجہ یہ ہی تھی کہ منافقین حضور کے وسیلہ کے انکاری تھے سیدھے براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے تھے چنانچہ تمہاری پیش کردہ پوری آیت یہ ہے **واذا قيل لهم تعالوا يستغفر لكم رسول الله لووا رؤسهم ورايتهم يصدون وهم مستكبرون سواء عليهم** الخ یعنی جب منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے دعا کریں تو اپنا سر پھیر لیتے ہیں اور غرور کرتے ہوئے آپ کے پاس نہیں آتے۔ ان مردودوں بے وسیلوں کے لئے آپ اپنے کرم کریمانہ سے دعا دے بھی تو ہم تب بھی انہیں نہیں بخشیں گے کیونکہ وہ وسیلہ کے انکاری ہیں مومنوں کے متعلق حضور انور سے فرماتا ہے۔ **وصل عليهم ان صلوٰتك سكن لهم** اے محبوب آپ ان کے لئے دعا فرماؤ آپ کی دعا ان کے دلوں کا چین ہے یہ ہیں وسیلہ والے لوگ۔

نوٹ ضروری حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے توسل کی تین صورتیں ہیں۔ توسل جنانی' توسل لسانی' توسل عملی' توسل خیالی یہ ہے کہ دل میں عقیدہ رکھے کہ اللہ کی ہر رحمت حضور کے توسل سے ملے گی۔ **شعر**

☆ یہ خدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر ☆

☆ جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں ☆

حضور اللہ کی رحمتوں کا دروازہ ہیں۔ دوسرے یہ کہ زبان سے بارگاہ الٰہی میں حضور کے وسیلہ سے دعا کرے **الٰهی بجاه**

www.alahazratnetwork.org

نبیک بحق نبیک کے یعنی خدایا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ان کے حق یا ان کے توسل سے مجھے یہ دے۔ توسل عملی یہ ہے کہ نیک اعمال حضور کی طرف سے کرے نماز پڑھتا ہوں اللہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی رب کی رحمت مانگے یہ بھی توسل کی قسم ہے یہ تمام توسل حضرات صحابہ کرام سے ثابت ہیں ابن ماجہ شریف وغیرہ میں ہے کہ دعاء حاجت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نابینا کو تعلیم فرمائی اس میں یہ الفاظ ہیں **اللھم انی اسالک واتوجہ الیک بمحمد نبی الرحمة یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی حاجتی ھذہ لتقضی اللھم فشفعہ فی** (ابن ماجہ باب صلوٰۃ الحاجۃ عن عثمان ابن حنیف مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور سے عرض کیا **اسئلک مرافقتک فی الجنة** میں آپ سے مانگتا ہوں۔ کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔) حضرت علی مرتضیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہمیشہ قربانی فرماتے تھے۔ یہ تمام صورتیں توسل کی ہی ہیں اور اس آیت کریمہ پر عمل ہے۔ اپنے اعمال حضور کے نام پر لگا دو تاکہ کل قیامت میں نہ ان کی تفتیش ہو نہ قرقی سرکاری مال کی چنگی والے تفتیش نہیں کرتے اور دیوالیہ کے قرض میں اس کی قرقی نہیں ہوتی۔

تائید غیبی وسیلہ کا یہ مضمون لکھنے کے بعد مجھے دیوبندیوں کے پیشوا ان کے حکیم امت مولوی اشرف علی صاحب کی ایک کتاب ملی **الوسیلہ** اس میں مولوی صاحب مذکور نے وسیلہ مانا ہے۔ اور بزرگوں سے توسل کے جواز کے بہت دلائل دیئے ہیں۔ ابن تیمیہ اور قاضی شوکانی کی بہت تردید کی ہے اور جو دلائل و جوابات ہم نے عرض کئے ان میں سے بہت سے دلائل مولوی صاحب نے دیئے ہیں یہ تائید غیبی ہے۔ **الحمد للہ علی ذالک۔**

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ نے فلاح و کامیابی کے لئے چار چیزیں مقرر فرمائیں۔ ایمان، تقویٰ، وسیلہ کی تلاش اور جہاد ان میں سے تین چیزیں فلاں کا قالب ہیں۔ ایمان، تقویٰ، جہاد اور ایک چیز فلاح کی جان ہے یعنی وسیلہ کو بغیر وسیلہ یہ تینوں چیزیں بیکار ہیں۔ وسیلہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک محض وسیلہ جیسے لاہور پہنچنے کے لئے ریل، دوسرا وہ وسیلہ جس سے مقصد وابستہ ہو جیسے روشنی کے لئے چراغ۔ پہلا وسیلہ مقصود پر پہنچ کر چھوڑ دیا جاتا ہے مگر دوسرے وسیلہ سے ہر وقت وابستگی ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے خدام دوسری قسم کا وسیلہ ہیں۔ جن سے ایمان و تقویٰ رضاء الٰہی وابستہ ہے حضور کا دامن چھوٹا کہ سب کچھ ختم ہوا اسی لئے حضور کا نام کلمہ طیبہ میں ساری عبادتوں میں بلکہ مومن کی زبان میں جان میں ایمان میں داخل ہے۔ مرنا بھی حضور کے نام پر اور قیامت میں اٹھنا بھی حضور کے نام پر ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی نعمتیں بعض تو ہم کو بغیر تلاش مل جاتی ہیں۔ جیسے سورج کا نور، ہوا، زمین، آسمان کا سایہ اور بعض نعمتیں معمولی تلاش کرنی پڑتی ہیں جیسے کنوئیں کا پانی بعض نعمتیں قدرے کوشش و محنت سے تلاش کی جاتی ہیں جیسے عام غذائیں

www.alahazratnetwork.org

دوائیں بعض بہت ہی محنت و جانفشانی سے جیسے سونے چاندی کی کانیں تیل وغیرہ کے چشمے یوں ہی روحانی نعمتیں بعض آسانی سے ملتی ہیں بعض بہت ہی محنت و تلاش سے وسیلہ خدارسی وہ نعمت ہے جس کے لئے بڑی تلاش کی ضرورت ہے اس لئے ارشاد ہوا **وابتغوا الیه الوسیلة** اب رہا یہ سوال کہ خدارسی کا وسیلہ کہاں ڈھونڈھو اس کے متعلق صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز اس کے دروازے سے ڈھونڈھی جاتی ہے بادشاہ سے ملنا ہو تو اس کے دروازے اس کی گلی اس کے دفتر اس کی مسجد میں جاؤ۔ جہاں وہ نماز کے لئے آتا ہے۔ ریل کی تلاش ہے تو اسٹیشن پر آؤ جہاں وہ ٹھہرتی ہے یوں ہی رب تعالیٰ سے ملنا ہو تو حضور کے دروازے پر آؤ حضور کی محبت چاہیے تو حضرات اولیاء و علماء کے آستانوں پر حاضری دو اللہ نصیب کرے۔ ریل گزرتی ہے تمام لائن سے مگر ملتی ہے اسٹیشن پر اللہ کی رحمت ہے ہر جگہ مگر ملتی ہے رحمت کے اسٹیشن پر پاور سارے تار میں ہے مگر روشنی وہاں ہی ملے گی۔ جہاں بلب ہوگا۔ ان حضرات کے آستانہ پر رنگ برنگے بلب ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا۔ **وابتغوا الیه الوسیلة** غرضیکہ جیسے دنیاوی نعمتیں اپنی اپنی منڈیوں میں ملتی ہیں یونہی روحانی نعمتیں بھی منڈیوں میں ملتی ہیں خدارسی کا وسیلہ اس کی منڈی ہے۔ حضور کے عاشقوں کے سینے میں رب فرماتا ہے۔ **لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد** مجھے اس شہر کی قسم ہے جس میں تم تشریف فرما ہو وہ شہر کونسا ہے وہ شہر ان کے چاہنے والوں کے سینے ہی تو ہیں ان کے آستانوں پر جاؤ مگر خالی ہاتھ نہ جاؤ بلکہ عقیدت و محبت کی نقدی لے کر جاؤ انشاء اللہ سودے لے کر آؤ گے یار کے ملنے کے یہ ہی بازار ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ
بے شک وہ جو کافر ہوئے اگر تحقیق ان کا ہو وہ جو زمین میں ہے سارے کا سارا اور اس کی مثل ساتھ اس کے
بے شک وہ جو کافر ہوئے جو کچھ زمین میں ہے سب اس کی برابر اور اگر ان کی ملک ہو کر اسے
لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ وَلَهُمْ
تاکہ فدیہ دیں اس کا عذاب سے قیامت کے دن کے تو نہ قبول کیا جاوے ان سے اور واسطے
دے کر قیامت کے عذاب سے اپنی جان چھوڑائیں تو ان سے نہ لیا جاوے گا اور ان کے لئے
عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ
ان کے عذاب دردناک ارادہ کریں گے یہ کہ نکل جاویں آگ سے اور وہ نہ ہوں گے
دکھ کا عذاب ہے دوزخ سے نہ نکلنا چاہیں اور وہ اس سے

www.alahazratnetwork.org

یَخْرُجِیْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ۝
نکلنے والے اس سے اور واسطے ان کے ہی ہے عذاب ٹھہرنے والا
نہ نکلیں گے اور ان کو دوامی سزا ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں تقویٰ اور وسیلہ اختیار کرنے والے مومنوں کی فلاح اور اعلیٰ کامیابی کا وعدہ فرمایا گیا اب بے وسیلے بے نورے بے پیرے کفار کی ناکامی کا ذکر ہے تاکہ مسلمان تقویٰ اور وسیلہ اختیار کریں اور طریقہ کفار سے بچیں گویا دوا کے بعد پرہیز کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں تین چیزوں کو کامیابی کا ذریعہ بتایا گیا تقویٰ' وسیلہ کی تلاش اور جہاد اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ان نعمتوں سے محروم رہنے والے کفار زمین بھر سونا فدیہ دے کر بھی عذاب سے نہیں بچ سکتے۔ فلاح و کامیابی تو وہ کیا پائیں گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعوے کی دلیل ہے یا پچھلی آیت میں کامیابی کے ذریعوں کا ذکر تھا اس آیت میں انحصار کا ذکر ہے کہ صرف یہ ہی تقویٰ' وسیلہ وغیرہ کامیابی کا ذریعہ ہیں نہ کہ مال کا فدیہ۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت کریمہ میں چار قسم کے ڈاکوؤں کی چار مختلف سزاؤں کا ذکر تھا۔ اب کفار کی سزا کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ کافر بد تر ہے۔ مسلمان ڈاکو سے کہ کافر کے لئے دوزخ میں ہیشگی ہے اس ڈاکو کے لئے وہاں ہیشگی نہیں گویا مال کے ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر فرمانے کے بعد دین کے ڈاکوؤں یعنی کفار کی بد ترین سزا کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں کامیابی کے وسیلہ کا ذکر تھا یعنی تقویٰ اور تلاش وغیرہ اب ناکامی کے ذریعہ اور وسیلہ کا ذکر ہے یعنی کفر اور نبی کا انکار تاکہ لوگ اس وسیلہ کو اختیار کریں اور اس وسیلہ سے بچیں۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت میں تقویٰ اور وسیلہ کا حکم دیا گیا تھا اب ان دونوں کا وقت بتایا جارہا ہے کہ تقویٰ اور وسیلہ اختیار کرنے کا وقت یہ زندگی ہے۔ قیامت میں تقویٰ اعمال اور توسل کا وقت نہ ہو گا کفار وہاں مال خیرات کرنے کی تمنا کریں گے مگر بے کار دوسری آیات میں ہے کہ کفار قیامت میں نبی پر ایمان لانے کی آرزو کریں گے مگر بیکار **یلیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** یہاں اعمال کرو۔ یہاں ہی وسیلہ پکڑو۔

تفسیر ان الذین کفروا چونکہ اس آیت کریمہ کے مضمون کے انکاری پہلے بھی موجود تھے اور آئندہ بھی ہونے والے تھے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد سارے کفار ہیں۔ خواہ انسان ہوں یا جنات کیونکہ ہر کافر کی یہ ہی سزا ہے خواہ انسان ہو یا جن **کفروا** سے مراد ہے ہر قسم کا کفر' کفر کی لاکھوں صورتیں ہیں سب کی اصل ہے۔ نبی کا انکار نبی کا منکر ہر قسم کا کفر کر سکتا ہے۔ شیطان کے کفر کی ابتداء نبی کے انکار سے ہوئی **کفروا** ماضی فرمانے میں یا تو اس طرف اشارہ ہے کہ عذاب کے لئے عمر میں ایک بار کفر کر لینا کافی ہے جبکہ اس سے توبہ نہ کرے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جو ازل میں کفار کی فہرست میں آگئے یا اس طرف اشارہ ہے کہ جو مرتے وقت کافر ہوئے۔ زندگی میں خواہ مومن رہے ہوں یا کافر

www.alahazratnetwork.org

بہر حال **کفروا** ماضی فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ **لو ان لھم ما فی الارض جمیعا۔ لو** حرف شرط ہے یہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے اس لئے یہاں ثبت فعل پوشیدہ ہے اور **ان لھم** پورا جملہ اس ثبت کا فاعل ہے **لھم** ان کی خبر مقدم ہے اور **ما فی الارض** الخ ان کا اسم موخر لو کی جزا آگے آرہی ہے **ما تقبل** الخ **لھم** کا مرجع **الذین کفروا** ہے لام ملکیت یا قبضہ کا ہے۔ **ھم** سے مراد ہر فرد کافر ہے نہ کہ پوری جماعت کفار' **ما** سے مراد ہر قسم کا مال ہے۔ سونا چاندی وغیرہ بلکہ موتی' مونگے وغیرہ بھی داخل ہو سکتے ہیں کہ کیونکہ سمندر کی چیزیں بھی زمینی چیزیں ہی ہیں کہ سمندر زمین پر ہی ہے۔ **جمیعا' ما** کی تاکید معنوی ہے **ومثلہ معہ** اس عبارت میں واؤ عاطفہ ہے اور مثلہ معطوف ہے **ما فی الارض** پر ان کا اسم ہے **معہ** یا **ثابتا** کا ظرف ہو کر یا تو **مثلہ** کی صفت ہے یا حال لہٰذا اس کا تعلق پچھلی عبارت سے واضح ہے۔ **مثلہ** کی اور **معہ** کی ضمیریں **ما فی الارض** کی طرف ہیں یعنی اگر یہ **ثابت** ہو جاوے کہ ہر کافر کے پاس یا اس کی ملکیت میں ساری زمین کے سارے ظاہری و باطنی مال ہوں اور اتنے ہی مقدار میں اور مال بھی ہوں یعنی زمینی مال کا دوگنا ہو **لیفتدوا بہ من عذاب یوم القیمۃ** لام امر کے ہے اسی کا تعلق اس ثبت سے ہے جو ان کی خبر **لھم** سے پہلے پوشیدہ ہے۔ **لیفتدوا** بنا ہے **افتداء** سے جس کا مادہ فدیہ ہے فدیہ وہ مال ہے جو پھنسی جان چھوڑانے کے عوض دیا جاوے اس لئے قرآن کریم نے اس مال کو فدیہ فرمایا جو ظالم خاوند کے ہاتھ پھنسی عورت خاوند کو دے کر طلاق لے یوں ہی قاتل جو خون بہا دیتا ہے اسے فدیہ کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ مال مراد ہے جو رشوت کے طور دے کر حاکم کی پکڑ سے اپنے کو بچایا جاوے قیامت کے دن کے عذاب سے یا تو میدان محشر کا عذاب مراد ہے۔ وہاں کی سخت دھوپ' زمین کی تپش سخت پیاس' دل کی گھبراہٹ' پسینہ کی روانی وغیرہ یا دوزخ کا دائمی عذاب مراد ہے۔ جس کا فیصلہ قیامت کے دن کیا جاوے گا یا دونوں عذاب مراد یعنی کفار کا یہ حال ہو گا کہ اگر ان کے پاس ساری روئے زمین کے مال بلکہ اتنے ہی اور مال ہوتے ہیں جس کا فدیہ دے کر وہ قیامت یا بعد قیامت یا دونوں کے عذاب سے بچ جاتے تو وہ اس مال کے فدیہ دینے میں دریغ نہ کرتے **ما تقبل منھم** یہ **لو** کی جزاء ہے **تقبل** کا نائب فاعل وہ ہی **ما فی الارض** ہے الخ ہے جو ان کا اسم موخر تھا۔ یعنی اتنے عظیم مال کا فدیہ ان سے قبول نہ کیا جاتا اور انہیں عذاب سے رہائی نہ دی جاتی یہاں روح المعانی نے کہا کہ **ما تقبل** نے سے پہلے **لا فتدوا بہ** پوشیدہ ہے وہ پوشیدہ جملہ اور یہ جملہ دونوں لو کی جزاء ہیں۔ اس **ما تقبل** اس پوشیدہ جزاء سے بے نیاز کر دیا **ولھم عذاب الیم** اس جملہ کی بہت سی ترکیبیں ہیں مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ مستقل جملہ ہے **لھم** خبر مقدم ہے **عذاب** مبتداء موخر عذاب۔ عتاب اور عقاب کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں **الیم** بنا ہے الم سے ۔ معنی درد و تکلیف **الیم** ۔ معنی دردناک تکلیف دہ یعنی ان کفار کا عذاب سے بچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان کا عذاب ہلکا بھی نہ ہو گا آئندہ کبھی ختم بھی نہ ہو گا ہمیشہ ہمیشہ رہے گا **لھم** کا لام لزوم عذاب کے لئے ہے۔ **یریدون ان یخرجوا من النار** یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں کفار کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے وہاں سے کبھی کسی طرح نہ نکلنے کا ذکر ہے اور ارادہ سے مراد یا دلی ارادہ ہے یا کوشش کرنا یا

www.alahazratnetwork.org

تمناء و آرزو کرنا پہلے اور دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں اس نکلنے کے ارادہ یا کوشش کی یا تو یہ صورت ہوگی کہ کبھی دوزخ کا دروازہ کھلا کرے گا یہ لوگ نکل جانے کے لئے دروازہ کی طرف دوڑیں گے۔ جب وہاں یعنی عین دروازہ پر پہنچیں گے اور قریب ہوگا کہ نکل جائیں تو دروازہ بند ہو جاوے گا اس وقت کی مایوسی اور رنج ناقابل بیان ہے یا یہ صورت ہوگی کہ آگ کے بھڑکتے شعلے اتنے اونچے اٹھیں گے کہ کنارہ جہنم تک پہنچ جایا کریں گے ان شعلوں میں یہ بھی اٹھتے رہیں گے کنارہ پر پہنچتے ہی چھلانگ لگانے کی کوشش کریں گے مگر بے سود پھر شعلے نیچے بیٹھ جائیں گے اور یہ لوگ دوزخ کی تہ میں پہنچ جائیں گے۔ خدا کی پناہ اس لئے ارشاد ہوا **وما هم بخارجين منها** یہ لوگ اس آگ سے نکل نہ سکیں گے۔ نکلنے کی ساری تدبیریں بیکار ہوں گی۔ خیال رہے کہ ھم کا مرجع وہ ہی کفار ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا **ان الذين كفروا** الخ **ولهم عذاب مقيم** یہ مستقل جملہ ہے۔ **لهم** کا مرجع وہی کفار ہیں **مقيم** کے معنی ہیں دائم، غیر زائل، غیر منتقل یعنی ان کفار کے لئے دائمی ہمیشہ کا عذاب ہوگا جو نہ کبھی ختم ہو نہ ہلکا ہو۔

خلاصہ تفسیر اے لوگو! تقویٰ، وسیلہ، جہاد وغیرہ جیسے جی دنیا میں اختیار کر لو جو لوگ دنیا میں یہ کام نہ کریں کافر ہو کر مریں ان کا یہ حال ہوگا کہ اگر قیامت کے دن ان کے پاس ساری زمین کے ہر قسم کے مال ہوتے بلکہ اتنے ہی اور بھی ہوتے اور وہ یہ تمام مال بطور فدیہ ادا کر کے اپنی جان قیامت اور بعد کے عذاب سے چھڑا سکتے تو وہ کبھی اس میں دریغ نہ کرتے یہ سب کچھ دے کر اپنے کو چھڑا لیتے مگر یہ کچھ نہ کر سکیں گے۔ ان سے کچھ نہ قبول کیا جاوے گا کیونکہ فدیہ، خیرات، عمل کی جگہ دنیا ہے جو ختم ہو چکی ان کفار کے لئے نہایت ہی دردناک عذاب ہوگا بارہا آگ سے نکل جانے کی کوشش و ارادہ کریں گے کبھی دروازہ دوزخ کھلنے پر ادھر دوڑیں گے کبھی آگ کے شعلوں میں اچھلنے کی حالت میں وہاں سے چھلانگ لگانے کی کوشش کریں گے مگر آگ سے نکل نہ سکیں گے کیونکہ انہیں عذاب دائمی ہوگا جو نہ کبھی ختم ہو نہ کبھی ہلکا ہو اس لئے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ دن وہ وقت آنے سے پہلے ہی ایمان و اعمال و وسیلہ اختیار کرے **شعر**:۔

☆ جو کل کرتا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کر لے ☆

☆ جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہوے کیا ہوت ہے ☆

خیال رہے کہ کافر کے لئے موت بھی عذاب ہے۔ برزخ بھی قیامت بھی اور بعد قیامت دوزخ بھی۔ مومن کے لئے خوشی کا باعث قبر میں دیدار یار کی عید ہے قیامت میں اول وقت جب عدل کا ظہور ہوگا اس وقت سب کو وحشت ہوگی۔ الا ماشاء اللہ یہ وحشت اس وقت تک رہے گی جب تک کہ حضور کے پاس نہ پہنچ جاویں وہاں پہنچے اور وعدہ شفاعت سنتے حضور کے سجدے میں گر جانے میں یہ وحشت و غم خوشی میں تبدیل ہو جاوے گی بعد قیامت بخشش ہو جانے پر انشاء اللہ خوشی ہی خوشی ہے لہٰذا یہ آیت کفار کے لئے ہے۔ عتاب، عذاب، عقاب کا فرق بارہا ہو چکا ہے۔ عقاب صرف کفار کے لئے ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ مال کا فدیہ قبول نہ ہونا صرف کفار کے لئے ہے مومن جو مال اپنی زندگی میں خیرات کر گیا ہے اور اس کے مرے بعد اس کے عزیز و اقارب یا مسلمان جو خیرات و صدقات کا ثواب بھیجتے رہتے ہیں وہ تمام مال انشاء اللہ اس کے لئے ضرور فدیہ بن جاویں گے ان صدقات و خیرات کی برکت سے گنہگار مومن کی رہائی ضرور ہوگی یہ فائدہ **ان الذین کفروا** سے حاصل ہوا بلکہ جزاء کے لئے قیامت کا دن اسی لئے رکھا گیا ہے تاکہ مسلمانوں کے سارے بھیجے ہوئے صدقات و خیرات پورے جمع ہو جاویں پھر ان کے ثواب دیئے جاویں تاقیامت زندہ مسلمان مردہ مسلمانوں کو ایصال ثواب کرتے رہیں گے۔ دوسرا فائدہ کفار کو میدان محشر میں اتنی سخت تکلیف ہوگی کہ خدا کی پناہ دوزخ کی تکلیف تو بعد میں آوے گی یہ فائدہ عذاب یوم القیامۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ مومنوں کے لئے انشاء اللہ عرش اعظم کا سایہ بھی ہوگا اور پینے کے لئے کوثر کی نہر بھی میدان محشر میں پہنچی ہوگی۔ جہاں سے مرتدین کو ہٹا دیا جاوے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ چوتھا فائدہ دردناک عذاب صرف کفار کو ہوگا۔ گنہگار مومن کو اگر عذاب ہوگا بھی تو ہلکا ہوگا کہ اس کی رسوائی نہ ہوگی دل و دماغ کو آگ نہ جلائے گی یہ فائدہ **ولھم عذاب الیم** میں **لھم** کو مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ کفار دوزخ سے نکلنے کی خود کوشش کریں گے ناکام رہیں گے مگر گنہگار مومن جو دوزخ میں جاوے گا وہ خود وہاں سے نکلنے کی کوشش نہ کرے گا بلکہ اسے نکالنے کی کوشش اس کے نبی حضرات اولیاء اللہ علماء دین کریں گے آخر اسے نکال ہی لائیں گے حتی کہ حکم ہوگا کہ جس کے دل میں رائی برابر بھی ایمان ہے اسے نکال لاؤ۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ **وما ھم بخارجین** الخ سے حاصل ہوا وہاں سے نکلنا اپنی کوشش سے نہیں ہوگا بلکہ مقبولوں کی کوشش اللہ کی رحمت سے ہوگا۔ چھٹا فائدہ کفار کے لئے عذاب دائمی ہوگا کہ کبھی وہاں سے چھٹکارا نہ پائیں گے۔ گنہگار مومن کے لئے دائمی عذاب نہیں عارضی عذاب ہوگا یہ فائدہ **لھم عذاب مقیم** میں **لھم** کو مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ کفار کا عذاب کبھی ہلکا نہ ہوگا انہیں جتنی تکلیف دوزخ میں داخل ہوتے وقت محسوس ہوگی۔ اتنی ہی ہمیشہ محسوس ہوتی رہے گی یہ فائدہ **عذاب مقیم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ مومن کا عذاب کچھ عرصہ بعد ہلکا ہو جاوے گا حتی کہ بعض مومنوں کی جان نکال لی جاوے گی بعد میں جنت کے داخلہ کے وقت پھر ڈالی جاوے گی جیسا کہ بعض روایات سے ثابت ہے۔ بہر حال یہ آیت کریمہ کفار کے لئے ہے یہ عذاب انہی کے ہیں۔

حکایت نافع ابن ازرق خارجی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک بار کہا کہ آپ تو کہتے ہیں کہ بعض قومیں دوزخ سے نکال جائیں گی مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ **وما ھم بخارجین منھا** وہ کبھی آگ سے نکلیں گے ہی نہیں آپ نے فرمایا اسے دل کے اور آنکھوں کے اندھے اوپر سے آیت پڑھ **ان الذین کفروا** یہ ساری سزائیں کفار کے لئے ہی ہیں (روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں ان **الذین کفروا** کیوں فرمایا گیا **الکفرین** فرمانا کافی تھا وہ لفظ مختصر بھی تھا۔ **جواب** اس لئے کہ **الکفار** کہنے سے شاید کوئی سمجھتا کہ یہ سزا ان کے لئے ہے جو دنیا میں ہمیشہ کافر ہو کر زندہ رہے کافر مریں **کفروا** ماضی فرما کر یہ بتا دیا کہ صرف ایک بار کفر کر لینا اور بغیر توبہ مرجانا بھی اسی عذاب کا باعث ہے **الضارب** اور **الذی ضرب** میں فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض** جب کفار کو یہ خبر ہوگی کہ ہم دوزخ سے نکل نہیں سکتے تو وہاں سے نکلنے کی کوشش کیوں کریں گے۔ **جواب** بے خودی اور انتہائی گھبراہٹ میں جیسے ذبح کے وقت جانور اور قتل کے وقت ملزم بے اختیاری بھاگ دوڑ کرتا ہے گھبراہٹ میں۔ **تیسرا اعتراض** جب کفار کو دوزخ سے نکالنا ہی نہیں ہے تو دوزخ کا دروازہ کیوں کھولا جاوے گا جس کو دیکھ کر کفار ادھر دوڑیں گے۔ اس میں کیا حکمت ہے۔ **جواب** یہ بھی عذاب ہوگا امید کی جھلک دیکھ کر ناامید ہونا سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے یہ امیدی و ناامیدی ان پر بار بار طاری کی جائے گی تاکہ تکلیف میں زیادتی ہوتی رہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کا عذاب کبھی ہلکا نہ ہوگا اور حدیث شریف میں ہے کہ ابو طالب کا عذاب بہت ہی ہلکا ہے اور ابولہب کو دو شنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے اس آیت میں اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب** اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ جیسے دنیا میں ہر تکلیف اولاً زیادہ محسوس ہوتی پھر رفتہ رفتہ برداشت کی عادت پڑ جانے پر ہلکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ دوزخ میں یہ نہ ہوگا ہاں بعض کفار کو سخت عذاب ہوگا بعض کو ہلکا جیسے کفر و سرکشی ویسا عذاب تخفیف واقعی بعض کفار کو ہوگی مگر تخفیف احساسی نہ ہوگی۔ یا یہ مطلب ہے کہ جس کو سخت عذاب دیا جاوے گا اسے سخت عذاب ہی رہے گا بعد میں ہلکا نہ کیا جاوے گا۔ حدیث شریف میں یہ ذکر ہے کہ بعض کفار کو اول ہی سے عذاب سخت ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ کافر دل کا دماغ مجرم ہے گنہگار مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو جسم کا مجرم ہے اس کا دل و دماغ بغاوت یعنی کفر و شرک و بد عقیدگی سے بری ہے اس لئے مومن گنہگار کے عذاب میں رعایتیں ہیں کافروں کے عذاب میں کوئی رعایت نہیں اس لئے ان کے لئے عذاب دائمی بھی ہے سخت بھی ہے عذاب کے ساتھ مایوسی بھی ہے ان کے مال و نیک اعمال کی بربادی بھی مومن شہد کی مکھی کی طرح شہد کا مرکز ہے۔ کافر سانپ کی طرح زہر کا مرکز ہے شہد کی مکھی بھی اگرچہ نیش زنی کرتی ہے کاٹ لیتی ہے مگر شہد کی وجہ سے محبوب ہے۔ سانپ ہر طرح مبغوض۔ مولانا فرماتے ہیں **شعر**۔

☆ مومناں کان عسل زنبور وارا ☆ کافراں خود کان زہرے ہمچو مار ☆

غرض کہ گنہگار مومن ناآشنا نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے۔ **شعر**۔

☆ ہرچند غرق بحر گناہم زصد جہت ☆ گر آشناء عشق شوم زاہل رحمم ☆

اگرچہ میں سو طرف سے گناہوں میں ڈوبا ہوا ہوں اگر عشق سے آشنا ہو جاؤں تو رحمت کا مستحق ہوں مالی فدیہ کا کام نہ آنا عذاب دردناک ہونا دوزخ سے نکل نہ سکنا باوجود بھاگنے کی کوشش کے پھر وہاں ہی قید رہنا سب اس دماغی دلی جرموں کے

www.alahazratnetwork.org

نتیجہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ دل و دماغ کو یار کا کاشانہ بنائے رکھے آمین۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوزخ سے بچنے کی کوشش مومن بھی کرتا ہے۔ کافر بھی مگر ان دونوں کی کوششوں میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ مومن یہ کوشش بروقت کرتا ہے یعنی زندگی میں کافر یہ کوشش بعد وقت کرے گا یعنی بعد موت دوزخ میں پہنچنے کے بعد۔ دوسرے یہ کہ مومن حق اور جائز کوشش کرتا ہے۔ یعنی ایمان و نیک اعمال کرکے گناہوں سے توبہ کرکے رب کو راضی کرکے کافر ناحق اور ناجائز کوشش کرے گا۔ یعنی دروازہ دوزخ سے نکل جانے بھاگ جانے یا اچھل جانے سے اس لئے مومن اس کوشش میں **بفضلہ** تعالیٰ کامیاب ہے اور کافر ناکام مجرم حاکم کے سامنے پیش ہوکر کوشش کرکے بری ہو جاوے تو جیل سے بچ جاتا ہے جو قیدی جیل سے بھاگ جانے کی کوشش کرے وہ زیادہ سزا کا مستحق ہو جاتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے اس ارادے کی برائی بیان فرمائی اللہ تعالیٰ دوزخ سے بچنے کی صحیح کوشش نصیب کرے وہاں زر یا زور کام نہیں آتا وہاں تو زاری کام کرتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ زور را بگزار زاری را بگیر ☆ رحم سوئے زاری آید اے فقیر ☆

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا
چور اور چورنی بس کاٹ دو ہاتھ ان کے بدلہ اس کا جو انہوں نے کیا عذاب طرف سے
اور جو مرد یا عورت چور ہو تو ان کا ہاتھ کاٹو ان کے کیے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا اور
مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۞ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ
اللہ کے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ہے بس جو توبہ کرے پیچھے ظلم اپنے کے اور درست کرے بس
اللہ غالب حکمت والا ہے تو جو اپنے ظلم کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو اللہ اپنی مہر
فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ
تحقیق اللہ توبہ قبول کرے گا اوپر اس کے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا نہ جانا تم نے کہ تحقیق اللہ
سے اس پر رجوع فرمائے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ
اس کا ملک ہے آسمانوں اور زمین کا سزا دیتا ہے جس کو چاہے اور بخشتا ہے جس کو
کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہی سزا دیتا ہے جسے چاہے اور بخشتا ہے جسے

www.alahazratnetwork.org

يَشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۰﴾

چاہے اور اللہ اور ہر چیز کے قدرت والا ہے

چاہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے ۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفر اور کفار کی سزا کا ذکر ہوا کفر دین کی چوری ہے اور کافر دین کا چور اب مال کی چوری اور مال کے چور کی سزا کا ذکر ہے گویا بڑی چوری کی سزا کے بعد چھوٹی چوری کی سزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیات میں ڈاکوؤں کی سزا کا ذکر ہوا تھا کہ ان کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں کاٹا جاوے اب چوروں کی سزا کا ذکر ہے کہ ان کا صرف ایک ہاتھ کاٹا جاوے چونکہ ڈاکوؤں کے جرم دو ہیں اور چور کا جرم ایک اس لئے ڈاکوؤں کے دو عضو کٹوائے گئے۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیات میں قتل کی سزا کا ذکر تھا اب چوری کی سزا کا ذکر ہے یعنی جانی مجرم کے بعد مالی مجرموں کی سزا کا ذکر ہے۔

شان نزول یہ آیت کریمہ طعمہ ابن ابیرق کے متعلق نازل ہوئی جس نے مدینہ منورہ میں ایک گھر سے آٹے کا تھیلہ اور زرہ چوری کر کے ایک یہودی کو اس کی تہمت لگادی تھی۔ طعمہ کی اس چوری کا پورا واقعہ مع اس کے انجام پانچویں پارہ سورہ نساء میں آیت **ولا تکن للخائنین خصیما** کی تفسیر میں تفصیل وار بیان ہو چکا ہے (تفسیر خازن و تفسیر احمدی)

تفسیر **السارق والسارقة فاقطعوا ایدیهما** اس جملہ کی بہت ترکیبیں کی گئیں ہیں۔ سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ **السارق والسارقة** مبتدا ، بمعنی شرط ہے کیونکہ اس میں الف لام موصولہ ہے اور **السارق** ، بمعنی ماضی ہے لہٰذا یہ مبتدا ، بمعنی شرط ہے ف جزائیہ ہے **اقطعوا** الخ **مبتداء** کی خبر ، بمعنی جزاء ہے امر اور نہی خبر بن سکتے ہیں یہ ترکیب نہایت آسان بھی ہے واضح بھی اور ہو سکتا ہے کہ **السارقة** کے بعد **اذا سرقا** پوشیدہ ہو اور وہ شرط ہو **فاقطعوا** الخ اس پوشیدہ شرط کی جزاء اور یہ جملہ شرطیہ السارق کی خبر۔ سارق بنا ہے **سرقة** سے **سرقة** معنی ہیں پوشیدگی۔ چھپنا' خفیہ ہونا' اس لئے کسی کی بات چھپ کر سننے کو **استراق السمع** کہتے ہیں اور ایسے آدمی کو **مسترق السمع** کہا جاتا ہے۔ حدیث شریف میں ان شیاطین کو **مسترق السمع** کہا گیا ہے جو آسمان تک پہنچ کر فرشتوں کی آپس کی باتیں چھپ کر سنتے ہیں۔ شریعت میں چوری کے لئے شرطیں مال میں ہیں ایک شرط جگہ میں دو شرطیں چور میں ان شرائط کے بغیر چوری نہیں بنتی اور اس پر یہ سزائیں نہیں دی جاتیں۔ مال کی شرطیں یہ ہیں ایک اس کا مال ہونا غیر مال کی چوری پر یہ سزا نہیں لہٰذا اگر مسلمان کا سور چوری کرے ہاتھ نہ کٹے گا کہ سور مسلمان کے لئے مال نہیں دوسرے مال کا قیمتی ہونا لہٰذا کفن چور کا ہاتھ نہ کٹے گا کہ کفن مملوک نہیں۔ چوتھے مال کا معصوم ہونا لہٰذا حربی کافر کے مال کی چوری چوری نہیں غنیمت ہے کہ اس کا مال شریعت میں معصوم نہیں۔ پانچویں مال کا محفوظ ہونا لہٰذا راستہ یا کھلی مسجد سے کسی کا مال لینا جبکہ مالک وہاں موجود نہ ہو

www.alahazratnetwork.org

چوری نہیں۔ جگہ کی شرط ہے محفوظ ہونا غیر محفوظ جگہ سے کسی کا مال لے لینا چوری نہیں۔ چور میں شرط ہے عاقل ہو بالغ' دیوانہ یا بچہ چوری کرے ہاتھ نہ کٹے گا یہ قیدیں ضروری خیال میں رہیں مسروقہ مال کا نصاب ہونا یعنی دس درہم کی قیمت کا ہونا یہ چوری کے لئے شرط نہیں بلکہ چوری کی اس سزا کے لئے شرط ہے۔ خیال رہے کہ چوری ہوتی ہے ہمت اور قوت سے جو مرد میں زیادہ ہیں عورت میں کم۔ اس لئے یہاں مرد چور کا ذکر پہلے ہوا عورت چورنی کا ذکر بعد میں اور زنا شہوات سے ہوتا ہے۔ اور شہوت عورت میں زیادہ ہے مرد میں کم نیز عورت کی بغیر رضا مرد اس سے زنا نہیں کر سکتا اس لئے زنا کی سزا میں عورت زانیہ کا ذکر پہلے ہے مرد زانی کا ذکر بعد میں کہ ارشاد ہے **الزانية والزاني فاجلدوا** الخ قطع سے مراد ہے تلوار وغیرہ دھار دار چیز سے ہاتھ کاٹنا لہٰذا چور کا ہاتھ توڑا مروڑا یا شل نہ کیا جاوے گا بلکہ دھار دار چیز سے کاٹا جاوے گا اگرچہ **ید** پورے ہاتھ کو کہتے ہیں مگر یہاں کلائی تک ہاتھ مراد ہے لہٰذا چور کی نہ تو صرف انگلیاں کٹیں گی نہ پورا ہاتھ صرف کلائی کی جڑ سے ہاتھ کٹے گا۔ ہتھیلی انگلیاں جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ **ایدی** سے مراد صرف داہنا ہاتھ ہے مطلقاً" ہاتھ نہیں۔ چنانچہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قراۃ میں **ایمانهما** (روح المعانی وغیرہ) اس لئے چور و چورنی دو کے لئے **ایدی** جمع بولا گیا اگر چور کے دونوں ہاتھ کٹتے ہوتے تو **ید** کا **تشنیه** آتا **ایدی** جمع ارشاد نہ ہوتا۔

قاعدہ ایسا عضو جو جسم میں ایک ہی ہو۔ جب **تشنیه** کی طرف مضاف ہوتا ہے تو جمع لایا جاتا ہے اور اگر وہ عضو جسم میں دو ہوں اور **تشنیه** کی طرف مضاف ہوں تو **تشنیه** لائے جاتے ہیں چونکہ جسم میں داہنا ہاتھ ایک ہی ہے اس لئے **ایدیهما** ارشاد ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقد صغت قلوبكما** دیکھو جسم میں دل ایک ہوتا ہے تو یہاں دو عورتوں کے لئے قلوب جمع ارشاد ہوا اہل عرب کہتے **اشبعت بطونهما** (تفسیر خازن و روح المعانی کبیر وغیرہ) یاد رکھو کہ یہ آیت کریمہ کئی طرح مجمل ہے چوری کیسی ہو کتنے مال کی ہو کون سا ہاتھ کاٹا جاوے۔ ہاتھ کہاں سے کاٹا جاوے چور کا ہاتھ کون کاٹے۔ کہاں کاٹا جاوے دارالاسلام میں یا اور جگہ بھی۔ ان تمام چیزوں کو حدیث پاک نے بیان فرمایا۔ یہاں **فاقطعوا** میں خطاب اسلامی حکام و سلاطین سے ہے ہر شخص یہ سزا نہیں دے سکتا دس درہم یعنی پونے تین روپیہ سے کم کی چوری میں ہاتھ نہ کٹے گا یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ **جزاء بما كسبا** قوی یہ ہے کہ یہ عبارت **فاقطعوا** کا مفعول لہ ہے۔ مفعول مطلق وغیرہ نہیں یہاں جزاء بمعنی سزا ہے کیونکہ یہ جرم کے بعد مذکور ہے اور سزا سے مراد دنیاوی سزا ہے یعنی شرعی حد' اخروی سزا سے بچنے کے لئے توبہ بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہاں **كسبا** فرمایا گیا۔ **سرقا** نہ فرمایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ چور اس سلسلہ میں جو جرم کرے اس کی سزا یہ ہی ہاتھ کٹنا ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی سزا نہیں لہٰذا اگر چور چوری کا مال کھا پی لے یا برباد کر دے تو اس پر مال کا ضمان واجب نہیں یہ ہی احناف کا مذہب ہے **كسبا** کا فاعل وہ ہی چور اور چورنی ہیں جو ابھی مذکور ہوئے۔ مذکر اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے **تشنیه** مذکر ارشاد ہوا یعنی اے حکام چور اور چورنی کے داہنے ہاتھ کاٹ دو ان دونوں کے تمام جرموں کی سزا دینے کے لئے **نكالا من الله** یہ عبارت یا تو **جزاء** کا مفعول لہ ہے

www.alahazratnetwork.org

حال متداخلہ کی طرح مفعول لہ متداخلہ ہے یا **فاقطعوا** کا دوسرا مفعول کہ چونکہ یہ جزاء سے علیحدہ کوئی چیز نہیں اس لئے بیچ میں واؤ نہ لایا گیا بلکہ بدل کی طرح بغیر واؤ مذکور ہوا (روح المعانی و روح البیان وغیرہ) **نکال** اسم مصدر ہے۔ بمعنی تنکیل یہ بنا ہے **نکول** سے۔ بمعنی باز رہنا یا باز رکھنا۔ چونکہ سخت سزاء دوسروں کو جرم سے باز رکھتی ہے ان کے لئے عبرت بن جاتی ہے اس لئے اسے نکال کہا جاتا ہے یعنی یہ سزا اللہ کی طرف سے دوسروں کے لئے عبرت ہے یا اس چور کے لئے سخت سزا ہے جو اسے اور دوسروں کو آئندہ چوری سے باز رکھے گی۔ **واللہ عزیز حکیم** اس عبارت میں ایسی سخت سزا مقرر فرمانے کی حکمت کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جس جرم کی جو سزا چاہے مقرر کرے اس پر کوئی اعتراض کرنے والا نہیں اور حکمت والا بھی ہے اس کے ہر حکم میں صدہا حکمتیں ہیں چوری کی ایسی سخت سزا حکمت سے ہے **فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح۔ من** سے مراد چور ہے توبہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ہاتھ کٹ جانے کے بعد توبہ کرے اس صورت میں ظلم سے مراد چوری ہے اور **اصلح** سے مراد آئندہ کے لئے چوری سے باز رہنے کا پورا عہد یعنی ہاتھ کٹ جانے سے چور اخروی عذاب سے نہ بچ سکے گا اس عذاب سے بچنے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ گزشتہ چوری سے سچی توبہ کرے دوسرے یہ کہ آئندہ کے لئے چوری نہ کرنے کا عہد کرے۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ توبہ سے مراد ہے ہاتھ کٹنے حاکم کے پاس مقدمہ آنے سے پہلے ہی مالک مال سے معافی مانگ لینا اور **اصلح** سے مراد ہے اس کا چرایا ہوا مال واپس کر دینا اور مالک کا راضی ہو جانا مقدمہ حاکم کے پاس نہ لانا یعنی تو چور حاکم کے پاس مقدمہ دائر ہونے سے پہلے مالک سے معافی مانگ لے اور اسے مال واپس دے کر خوشامد کر کے اس پر راضی کرے کہ وہ مقدمہ عدالت میں نہ لے جاوے تو نتیجہ یہ ہو گا **فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم** اس جملہ کے بھی دو معنی ہوں گے۔ **یتوب** سے مراد ہے توبہ قبول کر لینا یا دنیا میں اس طرح کہ وہ چور ہاتھ کٹنے سے بچ جاوے یا آخرت میں کہ وہ عذاب دوزخ سے بچ جاوے یعنی جو چور چوری کے بعد مالک سے معافی مانگ لے اور چرایا ہوا مال واپس کر دے اسے حاکم کے پاس مقدمہ نہ لے جانے پر راضی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیاوی سزا سے معافی دے دیگا اس کے ہاتھ نہ کٹے گا۔ یا جو چور ہاتھ کٹ جانے کے بعد ہم سے گزشتہ چوری کی معافی مانگے آئندہ چوری نہ کرنے کا عہد کرے اللہ تعالیٰ اسے بخش دے گا آخرت میں سزا نہ دے گا چونکہ نماز و زکوٰۃ کی تعداد و مقدار۔ میراث کے حصے، شرعی سزائیں عقل انسانی سے وراء ہیں اس لئے چوری کی سزا کا ذکر فرما کر رب تعالیٰ اپنی عموم سلطنت کا ذکر فرما رہا ہے کہ چونکہ ہم مالک الملک ہیں اور سلطان کے جاری کردہ قوانین پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں ہوتا لہذا ہم پر اعتراض نہ کرو اطاعت کرو چنانچہ ارشاد ہوا **الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموت والارض** اس جملہ میں توبہ قبول فرمانے کی وجہ و حکمت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ تمام آسمانوں و زمین کی حقیقی ملکیت اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اگر وہ بڑے سے بڑے مجرم کو بخش دے تو اسے کون منع کر سکتا ہے اور اگر معمولی جرم پر پکڑے تو اسے کون روک سکتا ہے وہ مالک الملک جو ہے **الم تعلم** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یہ فرمان نہایت ہی محبت

www.alahazratnetwork.org

وکرم کا ہے یا مسلمان قرآن پڑھنے والے سے دونوں صورتوں میں استفہام انکاری ہے یعنی اے محبوب آپ جانتے ہی ہیں یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان تیرا تو ایمان ہی ہے کہ رب تعالیٰ مالک الملک ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت سے عارف باللہ اور عابد ہیں جبکہ وقت بھی نہ بنا تھا۔ لاکھوں سال حضور نے ایسی عبادت کی کہ صرف ایک معبود تھا اور ایک ہی عابد اول **ما خلق اللہ نوری** ملک کہتے ہیں ظاہری ملکیت اور ملکوت کہتے ہیں باطنی ملکیت کو ملک عام بندوں حتیٰ کہ کفار کو بھی دے دیا جاتا ہے مگر ملکوت صرف خاص انبیاء و اولیاء کو عطا ہوتا ہے۔ **سمٰوٰت اور ارض** کی تفسیریں بارہا بیان ہو چکی ہیں **یعذب من یشاء ویغفر لمن یشاء** دونوں جگہ من سے مراد مجرم و گنہگار ہیں کیونکہ سزا بھی جرم کی ہوتی ہے اور بخشش و معافی بھی جرم کی لہٰذا اس جملہ کے معنی یہ نہیں کہ جس نیک کار صالح بندے کو چاہے تو بلا قصور سزا دے دے اور جسے چاہے اسے معافی دے دے بلکہ معنی یہ ہیں کہ وہ کریم جس مجرم گنہگار کو چاہے سزا دے۔ جس مجرم کو چاہے معاف فرما دے رہے بے گناہ یا معصوم بندے نہ ان کے لئے سزا ہے نہ معافی کیونکہ وہ بے جرم و بے قصور ہیں جیسے فرشتے یا شیر خوار فوت شدہ انسان بچے یا معصوم یا محفوظ انسان لہٰذا یہ آیت کریمہ ہم جیسے گنہگاروں کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کا دعاء مغفرت کرنا یا تو اپنی خطاؤں کی مغفرت کے لئے ہے یا دوسروں کو تعلیم کے لئے عطاء جنت چار طرح ہوگی اپنے عمل سے۔ دوسروں کے عمل کی برکت سے جیسے مسلمانوں کے شیر خوار فوت شدہ بچے محض اللہ کے فضل سے جیسے وہ جہنمی لوگ جنہیں رب تعالیٰ بغیر شفاعت بخشے گا۔ اپنے دست قدرت میں لے کر اور جنت بھرنے کے لئے جو مخلوق پیدا ہوگی مگر دوزخ ملنے کی صرف ایک وجہ ہے اپنی بد عملی بغیر جرم کسی کو عذاب دینا پھر فرمایا کہ تم لوگ اپنے جرموں کی سزا دیئے جاؤ گے رب کی شان سے بعید ہے دنیا کی تکلیف سزا نہیں۔ لہٰذا بغیر عمل بھی آ سکتی ہیں **واللہ علی کل شئی قدیر**۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت والا ہے اس کی مکمل تفسیر مع سوال و جواب پہلے پارے میں ہو چکی کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یہ مطلب نہیں کہ ہر عیب سے موصوف ہونے پر قادر ہے۔

خلاصہ تفسیر اے اسلامی حاکمو و بادشاہو جب تمہاری رعایا میں کوئی مرد یا عورت چوری کرے تو ان دونوں کا ایک ایک ہاتھ (داہنا) کلائی سے کاٹ دو یہ ہاتھ کاٹنا اور دونوں کی چوری اور تمام متعلقہ جرموں کا جو وہ چوری کے سلسلہ میں کریں بدلہ ہے یہ سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت ہے کہ ایسی سزا دیکھ کر کوئی چوری کی ہمت نہ کرے گا۔ جان لو کہ اللہ سب پر غالب بھی ہے جس جرم کی جو سزا چاہے مقرر فرما دے اس پر کسی کو اعتراض کا حق نہیں حکمت والا بھی ہے اس کے قوانین اور سزاؤں میں ہزارہا حکمتیں ہیں (۱) یہ تو چور کی دنیاوی سزا ہے جو چور اپنے اس جرم و سزا کے بعد سچی توبہ بھی کرے۔

اور آئندہ کے لئے اپنی اصلاح بھی کرے کہ کبھی چوری نہ کرنے کا عہد کرے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اسے آخرت کی سزا نہ دے گا (۲) جو چور چوری کرنے کے بعد توبہ کرے کہ مالک مال سے معافی مانگ لے اور اصلاح بھی کرے

www.alahazratnetwork.org

کہ اس کا چرایا ہوا مال اسے دیدے اور مالک راضی ہو جاوے حاکم کے پاس چوری کا مقدمہ نہ لائے تو اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اسے ہاتھ کٹنے کی سزا سے معافی دے دیگا کیا تم کو خبر نہیں کہ اللہ تمام آسمانوں اور زمین کا مالک حقیقی ہے جس مجرم کو چاہے سزا دے اور جس مجرم کو چاہے بخش دے نہ کوئی سزا سے اسے روک سکتا ہے نہ بخش دینے سے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

ضروری نوٹ جیسے نماز و زکوٰۃ کی آیات بالکل مجمل ہیں کہ ان میں نماز کے اوقات' طریقہ ادا' تعداد رکعات یوں ہی زکوٰۃ کے نصاب' مقدار نصاب' شرط وجوب زکوٰۃ اور مقدار اور کسی چیز کا ذکر نہیں وہ سب چیزیں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائیں یوں ہی یہ آیت کریمہ بالکل مجمل ہے اس میں چوری کی حقیقت' چوری کے مال کے نصاب' ہاتھ کہاں سے کٹے' دوبارہ سہ بارہ چوری کرنے پر کیا سزا دی جاوے کسی چیز کا ذکر نہیں یہ سب چیزیں احادیث شریفہ نے بیان فرمائیں۔ اس لئے بطور اختصار کچھ عرض کیا جاتا ہے۔ (۱) محفوظ مال محفوظ جگہ سے چھپ کر لے لینا شریعت میں چوری کہلاتا ہے۔ محفوظ مال وہ ہے جس کا لینا اسے جائز نہ ہو محفوظ جگہ وہ ہے جہاں جانا اسے جائز نہ ہو (۲) چوری کے نصاب میں آئمہ دین کا بڑا اختلاف ہے۔ ہمارے امام اعظم کے ہاں دس درہم یعنی پونے تین روپیہ کی قیمت کا مال چوری کا نصاب ہے کہ اس سے کم کی چوری پر ہاتھ نہ کٹے گا (۳) چوری کا ثبوت یا دو مردوں کی گواہی سے ہو گا یا چور کے دوبار چوری کا اقرار کر لینے سے ہو گا صرف مال برآمد ہونا کافی نہیں۔ یہاں ایک مرد اور دو عورتوں کی گواہی کافی نہیں (۴) پہلی چوری میں چور کا داہنا ہاتھ کٹے گا۔ دوسری چوری میں بایاں پاؤں' تیسری چوری میں اسے قید کر دیا جائے گا حتی کہ صحیح توبہ کے آثار اس پر ظاہر ہوں۔ امام شافعی کے ہاں چار چوریوں میں چاروں ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں گے پہلی چوری میں داہنا ہاتھ دوسری میں بایاں پاؤں' تیسری میں بایاں ہاتھ چوتھی چوری میں داہنا پاؤں مگر مذہب حنفی بہت قوی ہے (۵) اگر چند چوریوں کے بعد چور پکڑا گیا تو ان سب کے عوض داہنا ہاتھ کٹے گا ہاں اگر ہاتھ کٹنے کے بعد پھر چوری کرے تو بایاں پاؤں کٹے گا (۶) داہنا ہاتھ کلائی سے کٹے گا اور بایاں پاؤں ٹخنوں کے نیچے سے (۷) مسجد کا موقوفہ مال اگر مقفل کوٹھڑی سے چرائے تو ہاتھ کٹے گا لیکن اگر قبر اکھیڑ کر میت کا کفن چرائے یا گرہ کٹی کرے تو ہاتھ نہ کٹے گا (۸) ہاتھ کٹ جانا چوری کی دنیاوی سزا ہے اخروی سزا یعنی دوزخ کا داخلہ اس کے علاوہ ہے وہ سزا سچی توبہ سے معاف ہو سکتی ہے۔ یہ مسئلہ **فمن تاب** الخ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا (۹) حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے سے پہلے چوری حق العبد ہے کہ اگر مالک چاہے تو معاف کر دے مقدمہ دائر نہ کرے لیکن حاکم کے پاس مقدمہ پہنچ جانے کے بعد حق اللہ بن جاتی ہے کہ اب مالک مال معاف نہیں کر سکتا ضرور ہاتھ کٹے گا۔ خیال رہے کہ زنا کی سزا بہر حال حق اللہ ہے جسے بندہ معاف نہیں کر سکتا اور قتل کی سزا بہر حال حق العبد ہے کہ مقتول کے وارثین حاکم کے پاس مقدمہ پہنچنے کے بعد بھی معاف کر سکتے ہیں اور چوری کی سزا پہلے حق العبد ہے مگر مقدمہ دائر ہونے کے بعد حق اللہ یہ مسئلہ **فمن تاب** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا (۱۰) ہاتھ کٹنے کے بعد چور سے مال مسروقہ کا ضمان نہ لیا

www.alahazratnetwork.org

جاوے گا اگر مال موجود ہے تو مالک کو دلوا دیا جاوے گا اگر چور خرچ کر چکا ہے تو ضمان نہیں دلوایا جاوے گا یہ مسئلہ **جزاء بما کسبا** سے حاصل ہوا ہم نے چوری کے متعلق یہ دس قانون بیان کر دیئے ہیں ان میں سے ہر قانون کے ماتحت صدہا جزئی مسائل نکل سکتے ہیں دلائل و مسائل اور تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو (۱۱) چور کے ہاتھ کٹنا زانی کا رجم۔ قاتل سے قصاص لینا وغیرہ تمام سزاؤں میں حاکم کا فیصلہ شرط ہے بغیر فیصلہ حاکم ہر کس و ناکس یہ سزائیں نہیں دے سکتا لہٰذا اگر سلطان خود ہی جرم کرے تو اس کو یہ سزائیں نہیں دی جا سکتیں کیونکہ وہ تو حاکم اعلیٰ ہے۔ اس پر فیصلہ کون کرے۔

پہلا اعتراض چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا بہت بڑا ظلم ہے تین روپیہ کے مال کے عوض ایک انسان کا ہاتھ کاٹ دینا جس کی قیمت ہی نہیں ہو سکتی کہاں کا انصاف ہے (بعض بے دین) **جواب** ہاتھ کٹنا مال کے عوض نہیں بلکہ خدائی قانون توڑنے کی سزا ہے قانون بڑی قیمتی چیز ہے قانون شکنی پر کبھی پوری قوم کو ہلاک کر دیا جاتا ہے نیز اگر ایک شخص کا ہاتھ کٹ جانے سے ملک میں چوری بند ہو جاوے اور لوگوں کے جان و مال محفوظ ہو جاویں تو یہ سودا مہنگا نہیں۔ جہاں جب تک چوری کی یہ سزا رہی وہاں بڑے امن و امان سے لوگ زندگی بسر کرتے رہے۔ **دوسرا اعتراض** اگر چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا ہے کیونکہ چوری ہاتھ سے ہوتی ہے تو چاہیے کہ زنا کی سزا آلہ تناسل کاٹنا ہو کہ زنا اس سے ہوتا ہے اس کی سزا رجم کیوں ہے (آریہ) **جواب** یہ غلط ہے زنا سارے جسم سے ہوتا ہے کیونکہ منی کا نکلنا سارے جسم سے ہے نیز چوری میں مال برباد کیا جاتا ہے اور زنا میں آئندہ نسل تباہ کی جاتی ہے کہ اس سے حرام کا بچہ پیدا ہوتا ہے اسکی ساری نسل برباد ہو جاتی ہے نیز اگر زانی مرد کا آلہ تناسل کٹوایا جائے تو زانیہ عورت کو پھر کیا سزا دی جا سکتی ہے لہٰذا زنا کی سزا رجم بالکل حق ہے۔ **تیسرا اعتراض** چوری کی سزا میں مرد کا ذکر پہلے ہے اور زنا کی سزا میں عورت کا ذکر پہلے ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے اس میں کیا حکمت ہے۔ **جواب** یہ فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ چوری میں اصل مرد ہے کہ چوری ہوتی ہے **طاقت** ہمت اور جرات سے جو فطرتاً مرد میں زیادہ ہے اور زنا میں عورت اصل ہے کہ زنا ہوتا ہے۔ شہوت سے اور شہوت عورت میں زیادہ لہٰذا دونوں جگہ اصل کا ذکر پہلے کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض** قرآن کریم نے مطلقاً چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا لہٰذا ہر چوری پر ہاتھ کٹنا چاہیے۔ تم نے نصاب کی قید کہاں سے لگائی کہ اتنی قیمت کے مال کی چوری میں ہاتھ کٹے گا کم میں نہیں اگر ایک پیسہ کی چوری بھی کرے تو ہاتھ کٹنا چاہیے (نوٹ) حضرات عبداللہ ابن عباس، عبداللہ ابن زبیر، خواجہ حسن بصری رضی اللہ عنہم کا یہ ہی مذہب ہے کہ ہر چوری پر ہاتھ کٹے گا یہ اعتراض ان ہی کا ہے (تفسیر خازن، وغیرہ نے نقل فرمایا۔) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ **قطع ید** بھی مطلق ہے چاہے چور کے پورے کاٹ دو چاہیے انگلیاں چاہے کلائی سے چاہے کہنی سے چاہے کندھے سے حالانکہ آپ بھی کلائی سے ہاتھ کٹواتے ہیں اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے مطلق میں امر کلی مطلوب ہوتا ہے اور مجمل میں فرد مبہم مطلوب ہوتا ہے جس کی تفصیل درکار ہوتی ہے اس آیت کریمہ کی تفصیل احادیث پاک سے ہوتی ہے احادیث صحیحہ نے

www.alahazratnetwork.org

ہی چوری کا نصاب مقرر فرمایا اور احادیث نے ہی ہاتھ کٹنے کی تفصیل بیان فرمائی آپ بھی فرماتے ہیں کہ کافر حربی کے مال کی چوری کرنے والا اس کے ہاتھ نہ کٹیں گے۔ اگر السارق مطلق ہے تو یہ قید کہاں سے لگی وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ آسمانوں زمین کا ملک صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے اور تم لوگ نبیوں' ولیوں کو عالم کا مالک مانتے ہو یہ شرک ہے۔ **جواب** ایک ہے ملک میم کے کسرہ سے ایک ہے ملک میم کے پیش سے ایک ہے ملکوت اور ملک کا اسم فاعل مالک ہے۔ ملک سے بنا ہے ملک یعنی بادشاہ اور ملکوت سے بنا ہے ملیک اللہ تعالیٰ مالک بھی ہے ملک بھی ملیک بھی ظاہر پر ملکیت ملک ہے باطن و حقیقت پر ملکیت کو ملکوت کہا جاتا ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز کا پورا مالک ہے ادھورا مالک نہیں پورا مالک وہ ہے تو دوسرے کو مالک کر بھی سکے جو دوسرے کو مالک کر نہ سکے وہ ادھورا مالک ہے۔ اولاً مہاجرین ادھورے مالک رہے جب ان کے نام مکانات کی رجسٹری ہو گئی تب پورے مالک بنے کہ فروخت کر دینے پر قادر ہو گئے۔ جیسے رب تعالیٰ اپنی ملک اپنے ملک کا بندوں کو مالک کر سکتا ہے تو وہ کریم اپنے ملکوت بھی اپنے پیارے بندوں کو دے سکتا ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا کوڑھی اندھے اچھے کرنا۔ حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلنا یوسف علیہ السلام کی قمیص سے نابینا آنکھ کا روشن ہونا یہ ملکوت ہی پر قبضہ ہے اور یہ سب کچھ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ حضور غوث پاک کا فرمانا کہ اللہ کے شہر میرے ملک میرے قبضہ میں ہیں اسی ملکوت کے قبضہ کا ذکر ہے۔ **چھٹا اعتراض** اگر اللہ تعالیٰ نے اپنا ملک و ملکوت بندوں کو دے دیا تو خود مالک رہا یا نہ رہا اگر نہ رہا تو اس آیت کے خلاف ہے اگر مالک رہا تو یہ مشرک ہے کہ بندہ بھی مالک اللہ بھی مالک۔ **جواب** اللہ تعالیٰ مالک ہے مولیٰ غلام کو کوئی چیز دے دے تو مولیٰ بھی مالک رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حقیقی مالک ہے۔ بندے مجازی مالک' سورج آئینہ کو چمکا دے تو سورج بے نور نہیں ہو جاتا حقیقی نور سورج ہوتا ہے۔ مجازی نور شیشہ' ذاتی طور پر انجن چلتا ہے انجن سے وابستہ ہو جانے سے ریل بھی دوڑتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ شریعت میں چوری صرف مال کی ہوتی ہے طریقت میں چوری اعمال کی بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ بدترین چور وہ ہے جو اپنی نماز میں چوری کرے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ نماز میں چوری کیسے ہوتی ہے فرمایا کہ نماز میں رکوع و سجدہ پورا نہ کرنا نماز کی چوری ہے مال کے چور کے یہ ہاتھ ظاہری کٹتے ہیں اور اعمال کے چور کے باطنی ہاتھ کٹتے ہیں کہ پھر وہ ہاتھ یار کے دامن تک نہیں پہنچتے اس سے محروم رہتے ہیں اور بے مراد رہتے ہیں (روح البیان) ایسے چوروں کے لئے یہ عبرتناک سزا ہے جو رب کی طرف سے مقرر ہوئی ہے اللہ کی سزا میں حکمت ہے کیونکہ وہ عزیز و حکیم ہے۔ ہاں جو کوئی چور ہماری بارگاہ میں توبہ کرے اور ہمارے محبوب سے معافی مانگ لے ان کے حقوق ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کر لے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی وہ آسمانوں زمین یعنی نبوت انبیاء اور قلوب گنہگاروں کا مالک ہے سزا دینا اور معاف فرمانا اسے آسان ہے وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیکی میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت تو ہر نیکی میں عبادت الٰہی کا بھی ثواب ملتا ہے اور اطاعت مصطفوی کا بھی

www.alahazratnetwork.org

رب فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** یوں ہی ہر گناہ میں اللہ تعالیٰ معصیت بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی بھی لہذا اس میں ڈبل گناہ ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کی معصیت کا اور حضور کی نافرمانی کا کیونکہ ہمارے گناہوں سے حضور کو تکلیف ہوتی ہے۔ جس سے حضور کو تکلیف ہو اس میں حضور کی حق تلفی ہے۔ جیسے چور اگر مقدمہ دائر ہونے سے پہلے صاحب حق بندے سے معافی چاہ لے اور مقدمہ پیش نہ ہو تو وہ ہاتھ کٹنے سے بچ جاتا ہے یوں ہی اگر ہم چور قیامت میں مقدمہ پیش ہونے سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر معافی حاصل کر لیں تو انشاء اللہ سزا سے معافی مل جاوے گی۔ خیال رکھو کہ حضور حاکم بھی ہیں کریم رحیم بھی رب فرماتا ہے **لتحکم بین الناس بالحق** معلوم ہوا حضور حاکم ہیں اور فرماتا ہے **وبالمومنین رؤف رحیم** معلوم ہوا کہ حضور انور رؤف بھی ہیں رحیم بھی اور قاعدہ ہے کہ اگر مجرم خود چل کر حاکم کریم کی عدالت میں پیش ہو جاوے تو پھر وہ پکڑتے نہیں معاف فرمادیتے ہیں' چنانچہ برادران یوسف علیہ السلام دربار یوسفی میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں گزشتہ جرموں کی سزا نہ دی بلکہ فرمادیا **لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم** اور جب حضرت ابو سفیان' عکرمہ بلکہ ہندہ۔ وحشی جیسے مجرم حضور عالی کی عدالت عالیہ میں حاضر ہو گئے تو حضور نے انہیں معافی دے دی بلکہ انہیں انعام شاہانہ عطایائے خسروانہ سے مالا مال کر دیا تو کیا تعجب ہے کہ وہ ابو سفیان کو بخشنے والے مولیٰ ہندہ کو معافی دے دینے والے کریم۔ عکرمہ اور وحشی سے درگزر فرمانے والے رؤف رحیم ہم چوروں سے بھی درگزر فرمادیں اب پڑھو یہ آیت **فمن تاب من بعد ظلمہ واصلح فان اللہ یتوب علیہ ان اللہ غفور رحیم**۔ شعر:-

☆ بد سہی چور سہی مجرم ناکارہ سہی ☆ اے وہ کیسا ہی سہی ہے تو کریمانہ تیرا ☆
☆ چور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اسکے خلاف ☆ تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا ☆

اللہ تعالیٰ ہم مجرموں چوروں کو اس حاکم کریم کی بارگاہ عدالت تک حاضری نصیب کرے وہاں پہنچنے کی دیر ہے انشاء اللہ مشکلیں حل ہو جاویں گی۔ نصیبے کھل جائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک**

لطیفہ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مولوی محمد علی لاہوری قادیانی اپنی تفسیر بیان القرآن میں لکھتے ہیں یہاں ہاتھ کاٹنے سے مراد چور کو چوری سے روک دینا ہے یعنی چور کو سمجھا بجھا کر چوری سے منع کر دو یہ ہے قادیانی تفسیریں یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے تمام امت رسول اللہ اس پر متفق ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹے جاویں۔

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِينَ
اے رسول نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں
اے رسول تمہیں غمگین نہ کریں وہ جو کفر پر دوڑتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا ۚۛ سَمّٰعُوْنَ

ان لوگوں میں سے جنہوں نے کہا کہ ایمان لائے ہم اپنے منہ سے اور نہ ایمان لائے دل اُن کے اور ان لوگوں میں جو

کچھ وہ جو اپنے منہ سے کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور ان کے دل مسلمان نہیں اور کچھ یہودی

لِلْكَذِبِ سَمّٰعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ۙ لَمْ يَاْتُوْكَ ۭ يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ مِنْۢ بَعْدِ

یہودی ہوئے سننے والے ہیں جھوٹ کو سننے والے ہیں دوسری قوم کے لئے نہیں آئے وہ آپ کے پاس بدل دیتے ہیں کلمات کو

جھوٹ خوب سنتے ہیں اور لوگوں کی خوب سنتے ہیں جو تمہارے پاس حاضر نہ ہوئے اللہ کی باتوں کو ان

مَوَاضِعِهٖ ۚ يَقُوْلُوْنَ اِنْ اُوْتِيْتُمْ هٰذَا فَخُذُوْهُ وَاِنْ لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَاحْذَرُوْا

اپنی جگہ سے کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ تم یہ تو لے لو اسے اور اگر نہ دیئے جاؤ یہ پس بچو

کے بعد بدلتے ہیں کہتے ہیں یہ حکم تمہیں ملے تو مانو اور اگر یہ نہ ملے تو بچو !!

تعلق اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں چوری کی سخت سزا کا ذکر تھا یعنی ہاتھ کاٹنے کا اب فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگ ان سخت سزاؤں کی وجہ سے اسلام سے پھر جاویں گے تو آپ ان کی پرواہ نہ کریں استقامت سے یہ سزائیں جاری فرماتے رہیں گویا پہلے سخت سزا کا ذکر تھا اب اس پر قائم رہنے کا ذکر ہے کہ کوئی مانے یا نہ مانے آپ یہ سزائیں دیئے جاویں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں سخت سزا کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان سزاؤں کا نہ ماننا یا ان میں تردد کرنا کفر ہے گویا پہلے اسلامی سزا کا ذکر تھا اب اس کی اہمیت کا تذکرہ ہے کہ اس کا انکار کفر ہے جیسے حکومت کوئی قانون جاری فرمائے تو اس کے متعلق اعلان کرے کہ اس کی خلاف ورزی کرنے والے کو یہ سزا دی جاوے گی۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں چوری کی سزا ہاتھ کاٹنے کا ذکر تھا۔ اب زنا کی سزا رجم کرنے کی اہمیت کا تذکرہ ہے گویا مالی جرم کی سزا کے بعد جانی جرم زنا کی سزا کی اہمیت کا تذکرہ ہے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوگا۔

شان نزول خیبر یا فدک کے یہودیوں میں ایک امیر خاندانی گھرانے کے ایک شادی شدہ جوڑے نے آپس میں زنا کرلیا۔ بحکم توریت ان پر رجم کی سزا جاری ہوتی تھی مگر وہاں کے یہودی پادریوں نے ان دونوں کو اس سزا سے بچانا چاہا انہیں پتہ لگا تھا کہ بمقابلہ توریت کے قرآن مجید کے احکام بہت نرم ہیں اور یہودیت سے آسان دین ہے اس لئے وہاں کے پوپ پادریوں نے خفیہ طور پر ایک جماعت یہود مدینہ بنی **قریظہ** کے پاس بھیجی اور ان جانے والوں کو سمجھادیا کہ چونکہ بنی قریظہ ہمارے ہم مذہب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم وطن ہیں اس لئے تم ان کی معرفت حضور کی بارگاہ عالی میں حاضر ہونا اور یہ مسئلہ دریافت کرو مگر علانیہ حاضری نہ دینا بلکہ خفیہ طور پر وہاں جانا اگر وہ سرکار رجم کے سوا کسی اور سزا کا حکم دیں

www.alahazratnetwork.org

تو یہ سرو چشم قبول کر کے اس سزا کا مدینہ منورہ میں بھی اعلان کرنا اور آکر اپنے وطن خیبر میں بھی خوب دھوم مچانا تاکہ ہم یہ کہہ سکیں کہ ایک سچے نبی نے یہ ہلکی سزا تجویز فرمائی ہے جن کی نبوت توریت سے ثابت ہے اور اگر وہ رجم کا حکم دیں تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا اور چپکے سے واپس آجانا اس جانے آنے کی کسی کو خبر نہ کرنا۔ چنانچہ یہ جماعت مدینہ منورہ حاضر ہوئی بنی قریظہ سے خفیہ طور سے ملی اور ان سے سارا ماجرا بیان کیا۔ چنانچہ ان لوگوں کے ساتھ یہ یہود مدینہ بھی حضور کی خدمت میں آئے جن میں کعب ابن اشرف کعب ابن اسد سعید ابن عمرو اور مالک ابن صیف بھی تھے اپنے ساتھ کچھ منافقین کو بھی لے لیا جو بظاہر مسلمان تھے درپردہ کافر اور عرض کیا کہ یارسول اللہ شادی شدہ زانی کی سزا کیا ہے حضور نے فرمایا کیا تم میری تجویز کردہ سزا مانو گے وہ سب یک زبان ہو کر بولے کہ ماننے ہی کے لئے تو یہاں آئے ہیں فرمایا ان کی سزا رجم یعنی سنگسار کرنا ہے وہ بولے ان کی سزا یہ نہیں ہے آپ نے بہت سخت سزا تجویز فرمادی۔ حضور انور نے فرمایا کہ کیا تم اس جوان بے ڈاڑھی والے گانے گورے چٹے عالم کو مانتے ہو جو فدک میں رہتا ہے اور اس کا نام ابن صوریا ہے وہ بولے کہ آج روئے زمین پر اس سے بڑا توریت کا عالم کوئی نہیں فرمایا اسے بلوالو اور اس سے فتویٰ لو ہمارے سامنے چنانچہ فدک سے اسے بلایا گیا (فدک خیبر سے تیس میل جانب تبوک ہے اب وہ جگہ اجڑ چکی ہے) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابن صوریا تجھے قسم ہے اس رب کی جس کے سوا کوئی معبود نہیں جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری۔ جس نے فرعون کو غرق کیا جس نے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ اتارا سچ بولنا کہ توریت شریف میں شادی شدہ زانی کی سزا رجم ہے یا نہیں۔ ابن صوریا آپ کے فرمان عالی سے کانپ گیا اور بولا کہ بے شک توریت میں ایسے زانی کی سزا رجم ہے فرمایا کہ پھر تم نے اس حکم پر عمل کیوں چھوڑ دیا تب اس نے اس کے متعلق بڑا عجیب و غریب قصہ بیان کیا کہ ہمارے ایک بادشاہ کے عزیز نے زنا کر لیا تھا بادشاہ نے ہم لوگوں سے کہا کہ کسی صورت سے میرے اس عزیز کی جان بچالو تم کو اتنا انعام دیا جائے گا تب ہم لوگوں نے بجائے رجم کے منہ کالا کرنا۔ گدھے پر سوار کرنا شہر میں پھرانا کچھ کوڑے مار دینے کی سزا مقرر کر لی۔ اس پر یہودی ابن صوریا کو برا بھلا کہنے لگے اور اس فیصلہ کے انکاری ہو گئے مگر اب یہ معاملہ بہت مشہور ہو چکا تھا چنانچہ ان دونوں زانی و زانیہ کو مسجد نبوی کے سامنے ہی دروازے سے کچھ دور رجم کیا گیا مگر منافقین مدینہ اور یہود مدینہ اور وہ خیبر سے آنے والے یہود اس حکم سے ناراض ہی رہے منافقین تو اس سزا پر اعتراض کرنے لگے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح المعانی' کبیر روح البیان وغیرہ) بروایت ابوداؤد' ابن ماجہ' عن جابر ابن عبداللہ اس کے شان نزول کے متعلق اور روایات بھی ہیں مگر یہ روایت قوی تر ہے۔

تفسیر یایھا الرسول اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں دوسرے نبیوں کو ان کے پاک ناموں سے پکارا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر نہ پکارا حضور کے اوصاف سے پکارا۔ اکثر مقامات پر نبی فرما کر پکارا ہے۔ اور صرف دو مقام پر رسول کے خطاب سے پکارا ایک تو یہاں دوسرے **یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک** میں (تفسیر خازن) اور ایک

www.alahazratnetwork.org

ایک جگہ مزمل اور مدثر کے لقب سے پکارا **یایھا المزمل** اور **یایھا المدثر**۔ نبی کے معنی ہیں غیب کی خبریں دینے والے رسول کے معنی ہیں فرماں رساں اور فیضان رساں جو مخلوق کو خالق کا پیغام بھی پہنچادے فیضان بھی وہ رسول ہے۔ جبریل امین نے جناب مریم سے فرمایا تھا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا** میں تمہارے رب کا رسول ہوں آیا ہوں تاکہ تم کو ستھرا بیٹا بخشوں۔ دیکھو اپنی رسالت کا بیان کیا بیٹا بخشنا یعنی فیضان رسانی۔ پھر بے اختیار فیضان رسانی تو رسالت جبریلی ہے اور با اختیار فیضان رسانی رسالت انبیاء کرام خصوصا رسالت محمدی ہے اللہ تعالیٰ نے حضور کو لاکھوں اوصاف بخشے جن میں صفت رسالت بہت ہی اہم ہے حتیٰ کہ کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ پڑھا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا اظہار غضب کے لئے۔ کسی مضمون کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے مسلمانوں کو خطاب فرما کر وہ مضمون بیان ہوتا ہے اور بہت ہی اہمیت دکھانے کے لئے حضور کو خطاب فرما کر سنایا جاتا ہے چونکہ یہاں مضمون ہے حضور کے دل سے غم دور کرنا اس کی اہمیت کے اظہار کے لئے **یایھا الرسول** فرمایا تاکہ مسلمانوں کو بتایا جاوے کہ ہم اپنے محبوب کا دل میلا نہیں ہونے دیتے تم بھی کبھی ان کو رنج و صدمہ نہ پہنچاؤ تمہارے گناہ سے انہیں رنج ہوتا ہے تم گناہ نہ کرو چونکہ حضور ہی اللہ کی تمام نعمتیں مخلوق کو پہنچانے والے اگر وہ ہی غمگین رہیں تو یہ تقسیم کا کام کیسے ہو سکتا ہے حضور کے غم سے عالم کا نظام درہم برہم ہو جاوے گا اس لئے **یایھا الرسول** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ حضور اللہ کے رسول ہیں مخلوق کی طرف یعنی اس کی نعمتیں سب تک پہنچانے والے اور مخلوق کے رسول ہیں خالق کی طرف یعنی مخلوق کے دکھ درد نیک و بد اعمال رب تک پہنچا کر برائیاں بخشوانے والے نیکیاں قبول کرانے والے یہاں الرسول میں دونوں احتمال ہیں اللہ کے رسول سب کے رسول **لا یحزنک الذین یسارعون فی الکفر**۔ **لا یحزنک** بنا ہے حزن سے بمعنی رنج و غم یہ لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی اس کے معنی ہیں غمگین ہونا اور غمگین کرنا یہاں متعدی ہے کیونکہ ساتھ ہی مفعول کا ذکر ہے دیکھو **ولا ھم یحزنون** میں حزن لازم ہے اور **لا یحزنھم الفزع الاکبر** میں حزن متعدی ہے۔ غم و فکر بہت قسم کے ہیں اپنی جان' مال' اولاد یا اپنے ایمان و اعمال کا غم انہیں شخصی غم کہتے ہیں مسلمانوں کے جان مال' ایمان کا غم انہیں قومی غم کہا جاتا ہے۔ دنیاوی شخصی غم سراپا بیماری ہے اور قومی دینی غم دوسرے غموں کا علاج ہے اور مبارک ہے حضور کو اس موقع پر اس قوم کے ایمان کا غم ہوا تھا یہ غم عبادت تھا مگر اس غم عبادت سے رب نے منع فرمایا کیونکہ جس پر ذمہ داریاں بہت ہوں اس کا دل بے غم چاہیے۔ حضور پر سارے عالم کا بوجھ ہے اگر آپ کے دل کو غم ہوں تو یہ بوجھ کیسے اٹھے اس لئے فرمایا **لا یحزنک الذین** سے مراد وہ منافقین ہیں جو یہود مدینہ اور یہود خیبر و فدک کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے۔ فتویٰ حاصل کرنے کے بہانہ سے **یسارعون** کی اصل سرعت ہے مصدر مسارعت جس کے معنی ہیں جلدی کرنا کفر سے مراد ہے اظہار کفر یا کفار کی طرف میلان ہے ورنہ منافقین کافر تو پہلے ہی سے تھے۔ **من الذین قالوا امنا بافواھھم ولم تومن قلوبھم**۔

www.alahazratnetwork.org

عبارت **الذین یسارعون** کا بیان ہے **من** کا تبین پوشیدہ کے متعلق ہو کر حال ہے۔ **الذین** کا **یسارعون** کے فاعل کا **بافواھم من قالوا** کے متعلق ہے اور **ولم تومن** الخ **قالوا** پر معطوف ہے یعنی اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو یہ منافقین غمگین نہ کریں جو بہت جلد کفر کا اظہار کر دیتے ہیں وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے پہلے ہی صرف منہ سے کہہ دیا تھا کہ ہم ایمان لائے ان کے دل ایمان نہ لائے تھے ایسوں کے کفر بکنے سے آپ ہرگز غمگین نہ ہوں **ومن الذین ھادوا سمعون للکذب** اس عبارت کی کئی ترکیبیں ہیں اور کئی معنی ایک یہ کہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے **من الذین** خبر مقدم ہے **سمعون** مبتدا موخر دوسرے یہ کہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ **من الذین ھادوا** معطوف ہے **من الذین قالوا** پر اور **سمعون** ان کی حالت کا بیان ہے۔ **للکذب** کا لام یا صلہ کا ہے یا غایتہ کا لہٰذا اس عبارت کی چار تفسیریں ہوں گی یعنی بعض یہودی آپ کا فرمان جھوٹ بولنے کے لئے سنتے ہیں تاکہ آپ کی بات سن کر جائیں اور جھوٹی باتیں آپ کی طرف منسوب کر دیں یا بعض یہودی وہ ہیں جو جھوٹی باتیں سنتے ہیں سچی باتیں نہیں سنتے یا آپ ان منافقوں اور ان یہودیوں سے غمگین نہ ہوں جو ہمیشہ جھوٹی باتیں سنتے ہیں ان ہی ترکیبوں کے لئے **ھادوا** پر ج کا وقف ہے۔ **سمعون لقوم اخرین لم یاتوک** اس عبارت میں ان منافقین اور یہود کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یہ عبارت یا تو دوسرا مبتدا ہے یا دوسرا حال لقوم میں لام صلہ کا ہے یا غایتہ کا اس لئے اس عبارت کی بھی چند تفسیریں ہوں گی **قوم اخرین** سے مراد وہ خیبر یا فدک کے یہودی ہیں جو مدینہ منورہ خود حاضر نہ ہوئے تھے کہ کچھ لوگوں کو سمجھا بجھا کر مدینہ منورہ بھیجا تھا یعنی آپ کی خدمت میں حاضر ہونے والے یہ یہودی اور منافقین آپ کے فرمان نہیں سنتے یہ تو دوسروں کی باتیں سنتے ہیں علماء یہود کی یا یہ لوگ آپ سے مسئلہ ماننے کے لئے نہیں سنتے دوسروں کے لئے سنتے ہیں جاسوس ہیں دوسروں تک آپ کی باتیں پہنچاتے ہیں وہ دوسرے کون ہیں وہی جو خود آپ کے پاس نہ آئے خیبر یا فدک میں رہے انہیں بھیج دیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی ان آنے والے لوگوں ہی کی صفت ہو یعنی یہ منافقین و یہود جو آپ کی خدمت میں فتویٰ لینے آئے ہیں یہ آپ کے پاس آئے ہی نہیں کیونکہ ان کے جسم تو آپ کے پاس ہیں مگر دل دوسرے لوگوں کے پاس اس صورت میں **لم یاتوک** کا تعلق ہو گا **سمعون** سے۔ **یحرفون الکلم من بعد مواضعہ** یہ عبارت **لقوم اخرین** کی دوسری صفت ہے اس کی پہلی صفت تھی **لم یاتوک یحرفون** کے معانی بہت دفعہ بیان ہو چکے تحریف لفظی تحریف معنوی کے اقسام احکام تفصیل سے بتا دیئے گئے **کلم** سے مراد توریت شریف کی مقرر کردہ سزائیں اور توریت کے احکام ہیں یا مطلقاً آیات توریت **بعد** اور **مواضعہ** کے درمیان ایک عبارت پوشیدہ ہے **ان وضعہ اللہ** یعنی وہ یہود جو آپ کے پاس نہیں آئے ہیں خیبر یا فدک ہی میں رہے ہیں ان کا حال یہ ہے کہ وہ توریت شریف کی مقرر کردہ سزائیں یا توریت کے احکام یا توریت کی آیتوں میں تبدیلی اور ترمیم کرتے رہتے ہیں اس کے بعد کہ اللہ نے ان سزؤں احکام آیات کو اپنے مناسب ٹھکانوں پر رکھا تھا ایسے نڈر لوگ جو اپنی کتابوں میں کتر بیونت سے باز نہیں آتے۔ وہ آپ کی بات کیونکر مان لیں گے۔ **یقولون ان**

www.alahazratnetwork.org

او یتیم ھذا فخذوہ اس عبارت میں بھی اس نئے آنے والی یہودی قوم کے حال کا بیان ہے **او تیتم** سے مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسئلہ بتایا جانا اور **ھذا** سے اشارہ ہے اس کی طرف جو ان بھیجنے والوں نے بتایا تھا **خذوا** کے معنی ہیں قبول کر لو مان لو اس کا اعلان کر دو مدینہ منورہ میں بھی اور خیبر و فدک یعنی ان بھیجنے والے یہود نے ان لوگوں کو یہ سمجھا کر بھیجا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شادی شدہ زانی کی سزا وہی بتائیں جو ہم لوگ دیا کرتے ہیں منہ کالا کرنا کچھ کوڑے مار دینا گدھے کی سواری وغیرہ تو تم آپ کا فرمان بخوشی قبول کر لینا اور اس کا اعلان بھی کر دینا تاکہ ہماری تائید ہو جاوے اس پر **امنا صدقنا** کہہ دینا **وان لم توتوہ فاحذروا** اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے یہ بھی انہیں بھیجنے والوں کا کلام ہے یہاں **حذر** کے معنی ہیں بچنا۔ احتیاط کرنا مراد نہیں یعنی اے مدینہ جانے والو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تم کو یہ سزا نہ بتائی جاوے بلکہ رجم کا حکم دیا جاوے تو اس کے قبول کرنے سے بچنا اسے ہرگز نہ ماننا تم وہاں انکار نہ کر سکو تو اس کا اعلان بھی نہ کرنا نہ تو مدینہ منورہ میں اور نہ خیبر و فدک میں تاکہ ہماری پردہ دری نہ ہو جائے۔

خلاصہ تفسیر اے تمام جہان کو ہمارے فرمان و پیغام و فیضان پہنچانے والے رسول وہ لوگ آپ کو رنج میں نہ ڈال دیں آپ ان کی حرکتوں سے غمگین و ملول نہ ہوں جو بہت جلد منہ سے کفر بول دیتے ہیں آپ کے احکام میں کج بحثی بلکہ انکار کر دیتے ہیں یہ لوگ تو پہلے سے ہی منافق ہیں صرف منہ سے کہہ چکے ہیں کہ ہم ایمان لائے ان کے دل مومن نہ تھے نہ ہیں اگر ان کے دل مومن ہوتے تو ایسی جرات نہ کرتے بعض یہود جو آپ کی خدمت میں مسئلہ پوچھنے آئے ہیں وہ آپ کی باتوں کو ماننے کے لئے نہیں سنتے وہ تو جھوٹ باندھنے کے لئے سنتے ہیں کہ آپ کے دربار میں آویں اور باہر جا کر آپ پر جھوٹ تھوپ دیں یا یہ یہودی تو اپنے پوپ پادریوں کے جھوٹ سننے دوسری قوم کی باتیں ماننے کے عادی ہیں جو ہرجائی ہو وہ آپ کی بات کیسے سنے یہ لوگ آپ کی نہیں سنتے یہ تو ان کی سنتے ہیں جو آپ کے پاس نہ آئے انہیں بھیج دیا یعنی خیبر کے یہود ان بھیجنے والوں کا یہ حال ہے کہ توریت شریف کا احکام اس کی آیتوں میں تبدیلیاں ترمیم کرتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ جگہوں سے انہیں ہٹاتے ہیں ان آنے والوں سے انہوں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا تو رہے ہو۔ مگر خیال رکھنا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس زنا کی سزا وہی بتائیں جو ہم دیا کرتے ہیں تب تو مان لینا خوش ہو جانا اس کا اعلان کرنا اور اگر اس کے خلاف رجم کا حکم دیں تو اسے ہرگز قبول نہ کرنا خاموش ہو جانا۔ اس کا اعلان نہ کرنا۔ اے محبوب جو لوگ پہلے سے ہی یہ فیصلہ کر کے آپ کی خدمت میں آئے ہوں وہ آپ کی بات کیسے مان سکتے ہیں تو ان کے نہ ماننے پر آپ کیوں غم کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تین جماعتیں حاضر ہوئی تھیں۔ منافقین یہود مدینہ' یہود فدک یا یہود خیبر۔ اس آیت کریمہ میں ان تینوں جماعتوں کے متعلق تین باتیں ارشاد ہوئیں منافقین کا ذکر ہوا **ولم تومن قلوبھم** تک یہود مدینہ کا ذکر ہوا **سمعون لقوم اخرین** تک

www.alahazratnetwork.org

اور یہود خیبر کا ذکر ہوا **لم یاتوا** ان تینوں جماعتوں کے فیض نہ لینے کی تین **وجہیں** ہیں۔ منافقین اس سے فیض نہیں لیتے کہ ان کے دلوں میں ایمان نہیں۔ یہود مدینہ اس لئے فیض حاصل نہیں کرتے کہ وہ بری نیت سے آتے ہیں یا جھوٹوں کی بھی سنتے ہیں۔ یہود خیبر اس لئے فیض پاتے نہیں کہ وہ آپ کے پاس آئے ہی نہیں ان کے جسم حاضر ہیں مگر دل غیر حاضر سبحان اللہ کیسی پیاری ترتیب اور کیسا پیارا بیان۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا کہہ کر پکارنا جائز ہے۔ یہ پکار سنت **الٰہیہ** بھی ہے۔ سنت انبیاء کرام بھی سنت صحابہ بھی بلکہ سنت علماء کہ بھی لہٰذا مسلمانوں کا یا رسول اللہ یا نبی اللہ یا حبیب اللہ کہنا بالکل جائز باعث ثواب ہے بلکہ حضور اقدس کو پکار کر صلوٰۃ و سلام عرض کرنا بھی سنت صحابہ سے ثابت ہے اس لئے ہر نماز میں التحیات واجب ہے اور التحیات میں حضور کو پکار کر سلام عرض کیا جاتا ہے۔ **السلام علیک ایھا النبی الخ** احادیث سے ثابت ہے کہ درخت و پتھروں نے حضور اقدس کو پکار کر سلام عرض کیا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب **المعجزات**۔ یہ فائدہ یا ایھا الرسول سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نام لے کر یا ایسے القاب سے پکارنا جن سے دوسرے عام لوگوں کو پکارا جاتا ہے۔ حرام ہے لہٰذا صرف یا محمد یا بشر یا ابا یا بھیا چچا وغیرہ کہہ کر نہ پکارو انہیں یا رسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ پیارے القاب سے پکارو یہ فائدہ بھی یا ایھا الرسول سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ رب تعالیٰ ان کے قلب پاک کو طرح طرح جگہ جگہ تسلیاں دیتا ہے کہ قلب محبوب پر غم نہ آنے پائے اللہ تعالیٰ ان کا دل میلا نہیں ہونے دیتا۔ سبحان اللہ یہ فائدہ **لا یحزنک الخ** سے حاصل ہوا۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کی دھلے
کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

چوتھا فائدہ ہر مبلغ عالم کو چاہیے کہ لوگوں کے اثر نہ لینے سے غمگین نہ ہو تبلیغ کئے جاؤ کہ تبلیغ بڑا ثواب ہے۔ بارش سے ہر زمین فائدہ نہیں اٹھاتی مگر بادل برستا ہی رہتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یومنون** یہ نہ فرمایا کہ **سواء علیھم** یعنی ان کفار کے لئے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ تو ایمان نہ لائیں گے مگر آپ کے لئے برابر نہیں آپ کو تو تبلیغ کا ثواب ملے گا ہی یہ فائدہ بھی **لا یحزنک** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** اظہار کفر بھی کفر ہے یعنی منہ سے کفر کی بات بکنا کفر ہے یہ فائدہ **یسارعون فی الکفر** سے حاصل ہوا۔ منافقین دل سے پہلے بھی کافر تھے آج ان کے کفری باتیں کرنے یعنی اظہار کفر کو کفر فرمایا گیا۔ لہٰذا اگر منافق بھی کفر ظاہر کرے تو مرتد ہوگا۔ **چھٹا فائدہ** زبان سے ایمان ظاہر کردینے سے انسان شرعاً مسلمان بن جاتا ہے اس پر مسلمانوں کے احکام جاری ہو جاتے ہیں مگر عند اللہ مومن نہیں اللہ کے نزدیک مومن وہ ہی ہے جو دل سے ایمان لائے۔ شرط جواز اور ہے شرط قبول کچھ اور یہ فائدہ **ولم تومن قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** جو شخص اعتراض کرنے غلطیاں ڈھونڈنے کے

www.alahazratnetwork.org

لئے بڑے سے بڑے عالم شیخ کے پاس جاوے وہ ہدایت نہیں پا سکتا ہدایت ملتی ہے دل کے اخلاص اور کلام والے کی محبت سے متکلم سے اخلاص کلام کی تاثیر کی شرط ہے یہ فائدہ **سمعون للکذب** سے حاصل ہوا دیکھو حضور انور ہدایت کا سرچشمہ ہیں جہاں سے ہدایت کی نہریں رواں ہوتی ہیں مگر منافقین اور ان یہود نے حضور سے بھی ہدایت نہ لی کیونکہ انہیں حضور انور سے اخلاص نہ تھا یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی شخص حضور کو دھوکہ نہیں دے سکتا۔ اللہ تعالیٰ حضور کو لوگوں کے دلی حالات پر مطلع کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ **یقولون ان اوتیتم** الخ سے حاصل ہوا کہ جو مشورہ یہود فدک نے فدک میں کیا تھا۔ رب نے حضور کو مطلع کر دیا۔ **آٹھواں فائدہ** مسلمان کو چاہیے کہ شریعت کو اپنی رائے کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرے بلکہ خود اپنے کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالے۔ اسی لوہے کی قیمت بڑھتی ہے جو سانچے میں ڈھل کر پرزہ بن جائے وہی سونا محبوب کے پہننے کے لائق بنتا جو سانچے میں ڈھل کر زیور بن جائے وہی انسان قرب خدا کے لائق ہے جو شریعت کے سانچے میں ڈھلا ہو لہذا کوئی مسلمان اپنی مرضی کے مطابق علماء سے فتویٰ حاصل کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اپنی مرضی کو علماء دین کے فتوے کے مطابق بنائے ورنہ ہرگز فائدہ نہ پائے گا۔ یہ فائدہ **یقولون ان اوتیتم** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** اگر دل غیر حاضر ہو تو جسم کی حاضری محض بیکار ہے اصل حاضری دل کی ہے۔ یہ فائدہ **لم یاتوک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ دل عطا فرمائے **شعر:۔**

☆ گر بے منی و پیش منی در یمنی! ☆ گر بامنی و در یمنی پیش منی! ☆

حضرت اویس قرنی یمن میں رہ کر بھی حضور کے قدموں میں رہے اور ابو جہل مکہ میں رہ کر منافقین مدینہ میں رہ کر حضور انور سے دور رہے۔

پہلا اعتراض منافقین اور یہود تو پہلے ہی سے کافر تھے پھر ان کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ وہ کفر میں جلدی کرتے ہیں یعنی جلدی سے کافر ہو جاتے ہیں جلدی سے کافر تو وہ ہو جو پہلے سے کافر نہ ہو۔ **جواب** یہ فرمان عالی منافقین کے متعلق ہے اور کفر میں جلدی کرنے سے مراد ہے کفر کے اظہار میں جلدی کرنا بھی کفر ہے جو شخص بغیر سخت مجبوری کے کفر کی بات کہے وہ شرعاً" کافر ہے اگرچہ دل سے نہ کہے۔ **دوسرا اعتراض** جب منافقین اب تک شرعاً" مومن تھے۔ آج اظہار کفر سے شرعاً" کافر ہوئے تو ان پر مرتدین کے احکام جاری کیوں نہ کئے گئے اور انہیں قتل کیوں نہ کرایا گیا۔ **جواب** اس وقت تک اسلام کی اشاعت نئی نئی ہوئی تھی اگر منافقین کی ان حرکتوں پر انہیں قتل کرایا جاتا تو لوگوں میں یہ بات پھیل جاتی کہ مسلمان تو مسلمانوں ہی کو قتل کر دیتے ہیں پھر لوگ مسلمان ہوتے ہوئے ڈرتے اس لئے منافقوں کی ان بکواسوں کے باوجود ان سے درگزر کیا جاتا تھا یہ لوگ ایسی بکواسیں کر کے حیلے بہانے تاویلیں بھی توبہ کر کے مسلمانوں ہی میں رہتے تھے۔ عہد فاروقی میں اعلان کیا گیا تھا کہ اب اسلام ہے یا کفر اگر کسی سے کفر سنا گیا تو قتل کیا جاوے گا۔ دیکھو مشکوۃ شریف باب الکبائر۔ **تیسرا اعتراض** **سمعون لقوم اخرین** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور کی بارگاہ میں وہ لوگ دوسروں کی طرف

www.alahazratnetwork.org

سے مسئلہ پوچھنے آئے تھے یہ کوئی جرم نہ تھا پھر اسے ان کے عیوب میں کیوں شمار کیا گیا یہ تو اچھی بات ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ یہ لوگ آپ کی نہیں سنتے۔ دوسروں یعنی کفار کی سنتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ لوگ مسئلہ پوچھنے نہیں آئے بلکہ جاسوسی کرنے آئے ہیں تاکہ آپ کی باتیں بطور جاسوسی دوسروں تک پہنچائیں۔ تبلیغ کے لئے حضور کے احکام پہنچانا عبادت ہے مگر جاسوسی کے لئے پہنچانا جرم ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہود خیبرو فدک مسلمان نہ تھے کافر تھے پھر ان کو زنا پر حضور نے رجم کیوں کرایا۔ رجم میں زانیہ اور زانی کا مسلمان ہونا بھی شرط ہے **نوٹ** حضرت امام شافعی رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک زنا کے احصان میں اسلام ضروری نہیں اگر کافر شادی شدہ بھی زنا کرے تو رجم کیا جاوے گا۔ حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک اس احصان میں اسلام شرط ہے کافر زانی پر رجم نہیں۔ یہ اعتراض امام شافعی کا ہے یہ واقعہ ان حضرات کی ہی دلیل ہے۔ **جواب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان یہود پر اسلامی رجم نہیں فرمایا بلکہ ان کے مذہب کے مطابق حکم توریت ان پر جاری فرمایا اس لئے حضور انور نے ان سے اس زنا کا اسلامی ثبوت نہ مانگا اور اس رجم کے لئے خود ان کے علماء کو جمع فرمایا ان سے حکم توریت دریافت فرمایا ان سے فتویٰ دلا کر رجم کیا۔ اسلامی رجم میں یہ کب ہوتا ہے کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کرام نے عرب کے مشرک زانیوں کو رجم کیا ہو حالانکہ عرب کے مشرکوں میں زنا عام تھا اگر زنا کے احصان کے لئے اسلام شرط نہیں کافر زانی کو بھی رجم کرنا چاہیے تو مشرکین عرب تو بہت ہی رجم کئے جاتے امام اعظم کا قول بہت ہی قوی ہے۔ زنا کے احصان میں زانی زانیہ کا مسلمان ہونا شرط ہے۔ **پانچواں اعتراض** اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا **یحرفون الکلم من بعد مواضعه** اور دوسرے مقام پر فرمایا **یحرفون الکلم عن مواضعه** یعنی وہاں لفظ بعد نہیں ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے **جواب** ان دونوں میں بڑا فرق ہے اس آیت میں جہاں لفظ **بعد** نہیں وہاں تحریف سے مراد ہے تحریف معنوی اور مواضع سے مراد ہے آیات توریت کے محمل یعنی وہ آیات توریت کی فاسد تاویلیں کر کے ان کے اصل محل سے ہٹاتے ہیں اور یہاں جہاں کے لفظ **بعد** بھی ہے تحریف سے مراد ہے تحریف لفظی یعنی آیات کے الفاظ مٹا دینا یا بدل دینا یا آیات کا توریت سے نکال دینا لہذا ان دونوں میں فرق ظاہر ہے (تفسیر خازن) **چھٹا اعتراض** ان منافقین نے اس موقع پر توحید یا رسالت یا قرآن یا کسی ایمانی رکن کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ حضور انور کے فتویٰ رجم کا بھی انکار نہیں کیا تھا پھر رب تعالیٰ نے ان کے کفر کا فتویٰ کیوں دیا کہ فرمایا **یسارعون فی الکفر** **جواب** اس لئے کہ انہوں نے حضور کے فتویٰ کو بے محل فتویٰ قرار دیا۔ حضور کے کسی کلام، کام کسی حال پر اعتراض کفر ہے ہمارے کام و کلام نفسانی، شیطانی، رحمانی، ہر طرح کے ہوتے ہیں ہمارے اعضاء پر کبھی دن ہوتا ہے کبھی رات نفس و شیطان نے ہم پر قبضہ کرلیا تو رات ہوگئی۔ حضور کی توجہ کے سورج نے تجلی ڈال دی تو دن نکل آیا مگر حضور کے ہر قول و فعل قال و حال سب رحمانی ہیں حتیٰ کہ حضور کی زبان پر رب بولتا ہے حضور نے جناب زینب سے نکاح کیا تو رب نے فرمایا **زوجناکها** یہ نکاح ہم نے کرایا۔ لہذا حضور کے کسی حال و قال پر

www.alahazratnetwork.org

اعتراض رب تعالیٰ پر اعتراض ہے اور رب پر اعتراض کفر ہے کسی بادشاہ وزیر پر اعتراض کرنا کفر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار آسمان کے نیچے بے مثال اور بے نظیر دربار ہے یہ آستانہ عرش اعظم سے نازک تر ہے **شعر**:۔

☆ ادب گاہیست زیر آسمان از عرش نازک تر ☆
☆ نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا ☆

اور ٹھکانوں درباروں میں صرف جسم سے پہنچ جانا وہاں کی حاضری کے لئے کافی ہوتا ہے مگر دربار محمدی میں صرف جسم سے پہنچنا کافی نہیں وہاں حضور قلبی ضروری ہے دیکھو ان منافقین و یہود کے دل کفار کے ساتھ تھے تو اگرچہ وہ اس آستانہ عالیہ میں جسم سے آگئے مگر رب نے فرمایا **لم یا توک** یہ لوگ آپ کے ہاں حاضر نہیں کیونکہ ان کے دل غیر حاضر ہیں دیکھو یہ لوگ اس حاضری سے صحابی نہ بنے دوسروں کی آواز صرف کان سے سن لی جاتی ہے۔ مگر کلام محبوب سننے کے لئے صرف کان کافی نہیں وہاں دل سے سننا ضروری ہے حضور کی بات وہ ہی سن سکتا ہے جو دوسروں کی نہ سنے کلام رسول اس کان میں جلوہ گر ہوتا ہے جو کان جھوٹ پر نہ لگیں ناپاک زبان قرآن کی جگہ نہیں ناپاک کان کلام رسول کی جگہ نہیں دیکھو یہ منافقین و یہود اگرچہ کان سے حضور عالی کا یہ فیصلہ سن رہے تھے مگر رب تعالیٰ نے فرمایا **سمعون للکذب** یہ تو جھوٹ سنتے ہیں تمہاری کیسے سنیں بلکہ فرمایا **سمعون لقوم اخرین** یہ تو دوسروں کی سنتے ہیں تمہاری کیسے سنیں یہاں دوئی کی گنجائش نہیں یہاں توحید درکار ہے تمام چیزوں کو دیکھنے کے لئے یہ آنکھ کافی ہے مگر جمال محمدی دیکھنے کے لئے دل کی آنکھ درکار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وترھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون** یہ آپ کی طرف دیکھتے تو ہیں مگر دیکھتے نہیں۔ اس جمال کے لئے بصیرت کی نگاہ ضروری ہے۔ ابو جہل نے آنکھ سے حضور کو دیکھا۔ مگر صحابی نہ بنا۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا صحابی نے آنکھ سے حضور کو نہ دیکھا مگر صحابی بن گئے۔ عام طور پر سچی بات بولنے والا سچا کہلاتا ہے مگر دربار محمدی وہ نازک دربار ہے کہ سچا ہونے کے لئے صرف زبان سے سچ بول دینا کافی نہیں یہاں دل کی گہرائی دیکھی جاتی ہے رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ جب منافق آپ کے آستانہ پر حاضر ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں مگر فرماتا ہے کہ اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں اللہ اکبر کلام سچا متکلم جھوٹا اے مدینہ جانے والے ذرا ہوش کر کے وہاں حاضری دینا ایسا نہ ہو کر تیرا جسم وہاں حاضر ہو مگر غائب مانا جاوے یہ نہ سمجھو کہ یہ آیت چودہ سو برس پہلے منافقین اور یہود کے متعلق ہے ہم سے اس کا کوئی تعلق نہیں اللہ کی پناہ مانگو ایسا نہ ہو کہ ہم بھی اس کی زد میں آجاویں وہاں انا کی جگہ نہیں وہاں تو فنا کی جگہ ہے اللہ تعالیٰ وہ فنا عطا فرمادے یہ وہ آستانہ ہے کہ یہاں خود قرآن مجید کلام الٰہی چل کر آتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

☆ کلیم طور پہ رب کا کلام لینے گئے ☆
☆ خود ان کے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے ☆

آپ نے دنیا میں آکر دنیا کو سجا دیا جو ان سے نہ سجا وہ کہیں نہ سجے گا جو ان سے روشن نہ ہوا وہ کہیں روشن نہ ہو گا جو ان کے ہاتھوں پار نہ لگا وہ کبھی پار نہ لگے گا۔

☆ بزم کونین سجانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ شمع توحید جلانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ ایک پیغام جو ہر دل میں اجالا کر دے ☆
☆ ساری دنیا کو سنانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ ایک مدت سے بھٹکتے ہوئے انسانوں کو ☆
☆ ایک مرکز پہ بلانے کے لئے آپ آئے ☆
☆ ناخدا بن کے ابلتے ہوئے طوفانوں میں ☆
☆ کشتیاں پار لگانے کے لئے آپ آئے ☆

غرضیکہ یہ آیت کریمہ بہت ہی عبرتناک ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس آستانہ کی صحیح حاضری نصیب کرے آمین۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ وہ ہی درخت پھل دے سکتا ہے جس کی شاخیں اوپر ہوں اور جڑ نیچے گرد و غبار والے پتھر پر دانہ اگ جاوے تو پھل نہیں دیتا کہ اس کی جڑ نیچے نہیں گئی یوں ہی وہ کلمہ مغفرت کے پھل دیتا ہے جس کی شاخ زبان و اعضاء ظاہری پر ہوں مگر جڑیں دل کی گہرائیوں میں اتری ہوں' منافقین کی زبان پر تو کلمہ تھا مگر دل میں نہ تھا فرمایا گیا **یقولون بافواھم ولم تومن قلوبھم** اس لئے رب نے انہیں کافر قرار دیا کارتوس کی گولی ضرور مار کرتی ہے مگر جبکہ اسے بارود شکار تک پہنچا دے عقائد و اعمال گولی ہیں اور حضور کی توقیر و تعظیم بارود۔

وَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهٗ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهٗ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور جس کا اللہ فتنہ کرنا چاہے تو ہرگز تو اللہ سے اس کا کچھ بنا نہ سکے گا وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دل پاک

لَمْ يُرِدِ اللّٰهُ اَنْ يُّطَهِّرَ قُلُوْبَهُمْ ؕ لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ ۚ وَّلَهُمْ فِى

ارادہ کیا اللہ نے یہ کہ پاک کرے دلوں کو ان کے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لئے

کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں

www.alahazratnetwork.org

الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ فَاِنْ

آخرت میں عذاب ہے بڑا بڑے سننے والے ہیں جھوٹ کو بہت کھانے والے ہیں حرام کو

آخرت میں بڑا عذاب بڑے جھوٹ سننے والے حرام خور تو اگر وہ تمہارے حضور

جَآءُوْكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ ۚ وَاِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ

پس اگر آئیں وہ آپ کے پاس تو فیصلہ کرو درمیان ان کے یا منہ پھیرلو ان سے اور اگر منہ پھیرلو ان سے

حاضر ہوں اس میں فیصلہ فرماؤ یا ان سے منہ پھیر لو اور اگر تم ان سے منہ

فَلَنْ يَّضُرُّوْكَ شَيْئًا ۗ وَاِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ

تو ہرگز نہیں نقصان دینگے آپ کو کچھ اور اگر فیصلہ کرو تو فیصلہ کرو درمیان ان کے ساتھ انصاف کے بیشک

پھیر لوگے تو وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے اور اگر ان میں فیصلہ فرماؤ تو انصاف سے فیصلہ کرو

يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ۝

اللہ محبت کرتا ہے انصاف کرنے والوں سے

بے شک انصاف والے اللہ کو پسند ہیں

تعلق اس عبارت کا تعلق پچھلی عبارت سے بالکل واضح ہے پچھلا مضمون یہ تھا کہ منافقین اور یہود آپ کے پاس بدنیتی سے فتویٰ لینے آتے ہیں ان کا ارادہ اول سے ہی یہ ہوتا ہے کہ اگر ہماری مرضی کے مطابق فتویٰ ملا تو قبول کرلیں گے ورنہ نہیں اب اس بدنیتی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ عذاب الٰہی میں گرفتار ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہ کیا اس لئے برے ارادہ فاسد نیت سے آپ کے دربار عالی میں حاضر ہوتے ہیں گویا بیماری کا ذکر پچھلی عبارت میں تھا۔ بیماری کی وجہ کا ذکر اب ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی عبارت میں منافقین اور یہود کی ایک خاص بد عملی کا ذکر تھا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی نہ ہونا اب اس کے انجام کا ذکر ہے یعنی دنیا میں رسوائی آخرت میں سخت عذاب گویا روحانی بیماری کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی بالآخرت آفرنی کا ذکر ہو رہا ہے۔

شان نزول مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلہ آباد تھے بنی نضیر اور بنی **قریظہ** ان میں سے بنی نضیر اونچے مانے جاتے تھے اور بنی **قریظہ** نیچے اس اونچ نیچ کے نتیجہ کے طور پر ان کے طریقہ یہ تھا کہ اگر بنی **قریظہ** کا کوئی شخص کسی نضیری کو مار دیتا تو وہ اس مقتول کے وارثوں کو ڈبل دیت (خون بہا) دیتا اور اگر کوئی نضیری کسی **قریظی** کو مار دیتا تو وہ ایک دیت بلکہ اس سے بھی کم ادا کرتا تھا ان کا یہ ظالمانہ رواج عرصہ سے چلا آرہا تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدینہ منورہ تشریف لانے کے بعد کسی **قریظی** نے ایک نضیری کو قتل کر دیا یہ مقدمہ یہود کے پادری حیی ابن اخطب کے ہاں پیش ہوا اس نے

www.alahazratnetwork.org

مروجہ قانون کے مطابق دوگنے خون بہا کا فیصلہ کیا اور بولا کہ چونکہ نیچی قوم نے اونچی قوم کا آدمی مارا ہے لہذا ڈبل دیت ادا کرے بنی **قریظہ** نے کہا کہ ہم تو ایک ہی دیت دیں گے ہمارا ان کا دین نسب ایک ہے تو اس تفریق کی کیا وجہ ہے اور ہم اس کا فیصلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ سے کرائیں گے۔ چنانچہ یہ دونوں فریق بنی **قریظہ** اور بنی نضیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں اس فیصلے کے لئے آئے بنی قریظہ تو خوشی سے آئے مگر بنی نضیر مجبوراً" تب یہ آیت کریمہ **فان جاؤک** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن' تفسیر ابن کثیر) ابوداؤد نسائی ابن حبان اور حاکم نے مستدرک میں بھی یہ ہی روایت کی۔ اس کے نزول کے متعلق اور روایات بھی ہیں۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پوری دو آیتیں اسی واقعہ زنا کے متعلق نازل ہوئیں۔ جو ہم پہلے عرض کر چکے ہیں مگر زیادہ قوی قول یہ ہے کہ یہ حصہ قتل بنی نضیر کے متعلق آیا۔ چنانچہ آئندہ آیات کا مضمون بھی اسی کی تائید کر رہا ہے **ان النفس بالنفس** الخ اس نفس بالنفس کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ قتل کے متعلق یہ آیت ہے **واللہ اعلم۔**

تفسیر ومن یرد اللہ فتنتہ یہاں **من** سے مراد انسان و جنات ہیں کہ کفر و گناہ یہ ہی دو مخلوق کرتی ہیں انسانوں سے بھی وہ انسان اس سے خارج ہیں جن کے محفوظ یا معصوم یا جنتی ہونے کا وعدہ الٰہی ہو چکا ہے ارادہ اور مشیت اور رضا میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے اللہ تعالیٰ بعض کے گمراہ کرنے کافر کرنے کا ارادہ کرتا ہے مگر کسی کے کفر یا گمراہی سے نہ راضی ہے نہ حکم فرماتا ہے سب کو ایمان و تقویٰ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ ایمان و تقویٰ سے ہی راضی و خوش ہے فتنہ کے بہت ہی معنی ہیں عذاب دینا ہلاک کرنا' رسوا کرنا' گمراہ کرنا' امتحان کرنا' آزمائش میں ڈالنا یہاں سوائے امتحان کے باقی تمام معنی بن سکتے ہیں بہتر یہ ہے کہ ایسے عام معنے کئے جاویں کہ یہ تمام معنی اس میں آجاویں۔ **فلن تملک لہ من اللہ شیئا** یہ عبارت **من یرد اللہ** کی خبر بمعنی جزا ہے **لن تملک** میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس فرمان عالی سے مقصود ہے حضور انور کا غم و رنج دور فرمانا اور ہو سکتا ہے کہ خطاب ہر مسلمان سے ہو **من اللہ** یا تو متعلق ہے۔ **تملک** کے یا متعلق ہے **کائنا۔ ثابتا** پوشیدہ کے اور یہ کائنا حال ہے **شیئا** کا شیی سے مراد یہاں ہدایت رحمت لطف و مہربانی ہے (روح المعانی) یا **شیئا** سے مراد دفع عذاب ہے دیکھو روح البیان۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جس بندے کو عذاب دینا۔ ہلاک کرنا۔ گمراہ کرنا چاہے تو آپ رب تعالیٰ کی طرف سے اس کی ہدایت وغیرہ کے مالک نہیں یا آپ اس کے لئے اللہ کی ہدایت و رحمت وغیرہ کے مالک نہیں یا آپ اللہ تعالیٰ کے مقابل اس کی ہدایت کے مالک نہیں یہ تفسیریں خیال رکھنی چاہئیں۔ **اولئک الذین لم یرد اللہ ان یطھر قلوبھم** یہاں **اولئک** سے اشارہ یا تو **من** کی طرف ہے جو ابھی **من یرد اللہ** میں مذکور ہوا چونکہ وہ معنی میں جمع تھا لہذا **اولئک** جمع لایا گیا یا اس سے اشارہ ان ہی منافقین اور یہود کی طرف ہے جو اس مقدمہ میں بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے تھے چونکہ یہ لوگ اللہ کی رحمت سے بہت دور تھے اس لئے **اولئک** اشارہ بعید فرمایا گیا وہاں جسم کا قرب بغیر روحانی قرب کے معتبر نہیں **لم یرد** میں گزشتہ

www.alahazratnetwork.org

او یسحتکم بعذاب (تمہیں عذاب سے ہلاک کردے) اصطلاح میں اس مال کو جو ناجائز ذریعہ سے حاصل کیا جاوے۔ **سحت** کہتے ہیں کیونکہ حرام مال اصل مال کو بھی ہلاک کردیتا ہے یا کھانے والے کو تباہ کر ڈالتا ہے گھر کی برکت ختم کردیتا ہے عموماً رشوت کو **سحت** کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ رشوت کی چار صورتیں ہیں۔ • حاکم کا ظالم سے رشوت لیکر ناحق غلط فیصلہ کرنا حاکم کا مظلوم سے رشوت لیکر اس کے متعلق حق فیصلہ کرنا۔ عالم دین کا سچے **مستفتی** سے رشوت لے کر صحیح فتویٰ دینا۔ عالم کا جھوٹے **مستفتی** سے رشوت لے کر جھوٹا اور غلط فتویٰ دینا۔ یہ چاروں رشوتیں حرام ہیں۔ **سحت** میں داخل ہیں مگر چوتھی رشوت یعنی مال لے کر غلط فتویٰ دینا کفر بھی ہے کہ اس میں دین کو بدل ڈالنا ہے یہ ہی حرکت یہود کے پوپ پادری کرتے تھے حکام کے ہدیئے خاص دعوتیں 'عید' بقرعید کو رعایا کے تحفے یہ سب رشوتیں ہیں کہ دینے والے یہ چیزیں اس لئے دیتے ہیں کہ بوقت پر حاکم سے ناجائز فائدے حاصل کئے جاویں۔ یہ بھی خیال رہے کہ رشوت اور اجرت میں فرق ہے رشوت حرام ہے۔ اجرت جائز' حکام و علماء و مفتیان کی تنخواہیں اجرت ہیں لہٰذا حلال ہیں۔ مفتی کا درست فتویٰ لکھ کر دینے مہر لگانے کی اجرت لینا حلال ہے کہ مفتی پر فتویٰ بتانا فرض ہے۔ اسے لکھ کر دینا جس سے اس کا فتویٰ کچہری میں کام آوے اور پھر بعد میں مفتی کا کچہری میں گواہی دینا اپنے فتویٰ کی تصدیق کے لئے حاکم کے سامنے پیش ہونا فرض نہیں لہٰذا ان کی اجرت لے سکتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا یضار کاتب ولا شہید** لکھنے والے اور گواہ کو نقصان نہ پہنچایا جاوے ان کی اجرتیں دے دی جاویں **فان جاءوک فاحکم بینھم او اعرض عنھم** یہاں ف جزائیہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو آپ کو اختیار ہے۔ جاؤک کا فاعل وہ ہی خیبر و فدک یا بنی نضیر وغیرہ کے یہودی ہیں جو حضور انور کی رعایا نہ تھے اور آپ کی خدمت میں اپنے فیصلے لاتے تھے مگر ماننے کے لئے نہیں بلکہ آسانی ڈھونڈھنے کے لئے کہ اگر ہماری رائے کے مطابق آسان فیصلہ ہو تو مان لیں گے ورنہ نہیں۔ لہٰذا یہ آیت محکم ہے کسی آیت سے منسوخ نہیں **حکم** سے مراد ہے فیصلہ فرمانا اور **اعرض** سے مراد ہے فیصلہ نہ کرنا یعنی جب یہ یہود نضیر یا خیبر آپ کو پنچ بنا کر آپ سے فیصلہ کرانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے کہ آپ اس کا پنچ بننا قبول کریں یا رد فرمادیں **وان تعرض عنھم فلن یضروک شیئا** اس عبارت میں حضور کی بے نیازی کا ذکر ہے **اعراض** کے معنی منہ پھیرنا ہیں اس کا مادہ اور اس مادہ کے معانی بارہا بیان ہو چکے ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان مقدمات میں پنچ بننا قبول نہ فرماویں اور ان کی طرف دھیان نہ دیں تو یہ لوگ آپ کا کچھ بگاڑ نہ سکیں گے کیونکہ ہم آپ کے حافظ و ناصر ہیں **واللہ یعصمک من الناس** لیکن اگر ان کا مقدمہ آپ طے کریں تو خیال رکھیں کہ **وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط** قسط کے معانی تیسرے پارے کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں کہ اس کے معنی ہیں حصہ اصطلاح میں انصاف کو قسط کہتے ہیں کیونکہ اس میں ہر ایک کا حصہ اسے صحیح طور پر پہنچ جاتا ہے۔ یہاں حکم سے مراد پنچائتی فیصلہ ہے یعنی اگر آپ ایسے مقدمات میں پنچ بننا قبول فرمالیں اور ان کا فیصلہ کریں تو فیصلہ انصاف سے

www.alahazratnetwork.org

کریں کہ سیاسی امور میں اسلام کے مطابق فیصلہ فرمادیں اور عبادات ' معاملات ' میراث میں ان کے مذہب کے مطابق ان پر حکم جاری فرمادیں یہ خطاب بظاہر تو حضور سے ہے مگر درحقیقت ہم سب کو بتانا مقصود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انصاف نہ کرنا ظلم کرنا ناممکن ہے ہماری اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ عبارت گزشتہ عبارت کی ناسخ نہیں اور یہ ساری آیت محکم ہے اس کا کوئی لفظ منسوخ نہیں حقیقت یہ ہے کہ سورہ مائدہ پوری کی پوری محکم ہے اس کا کوئی حکم منسوخ نہیں **ان اللہ یحب المقسطین۔** پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ قسط کا اسم فاعل ثلاثی مجرد ہیں ۔ بمعنی ظالم و کافر آتا ہے۔ رب فرماتا ہے **اما القاسطون فکانوا لجھنم حطبا** اور باب افعال کا اسم فاعل ۔ بمعنی انصاف کرنا آتا ہے لہذا یہاں ۔ بمعنی منصف عادل ہے کہ باب افعال سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو انصاف کرنے والے بندے پسند ہیں جو اپنے پرائے میں انصاف کریں بلکہ اپنے نفس کے معاملہ میں بھی انصاف سے کام لیتے ہیں لہذا ہمیشہ انصاف ہی کرنا چاہیے اس سے قدم نہ نکالو۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان منافقوں یہودیوں کے آپ کے آستانہ سے بے فیض ناشاد نامراد لوٹنے سے آپ غمگین نہ ہوں ان کی ناکامی نامرادی کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی عطا آپ کی فیض رسانی میں کچھ کمی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان کو پاک فرمانا نہ چاہا جسے اللہ تعالیٰ عذاب دینا چاہے آپ اس کے لئے اللہ کی ہدایت رحمت دینے کے مالک نہیں عطا ادھر سے ہو تو تقسیم آپ کی طرف سے ہوتی ہے۔ قاسم ' مالک کا مقابلہ کر کے اس کے دشمنوں کو نہیں دے سکتا۔ ان بدنصیبوں کے مقدر میں تو یہ ہے کہ دنیا میں ان کی رسوائی ہو کہ رہتی دنیا تک ان کی حرکتیں مشہور رہیں اور لوگ ان پر پھٹکار کرتے رہیں اور آخرت میں انہیں دائمی سخت عذاب ہو۔ ان یہود کی حرکتیں یہ ہیں کہ آپ کا کلام فیض ترجمان نہیں سنتے اپنے پوپ پادریوں کے جھوٹ کو سنتے ہیں حرام خوری ' سود ' جوا ' چوری ان کا محبوب مشغلہ ہے یا ان کے پوپ پادریوں کا یہ حال ہے کہ اگر ان کے پاس مقدمہ درپیش ہو تو جھوٹ امیر کی سنیں گے سچے غریب کی نہ سنیں گے۔ رشوت کھاتے ہیں پھر یہ آپ سے ہدایت کیسے لیں۔ لہذا اگر یہ لوگ آپ کو پنچ بنانا چاہیں اور آپ سے اپنا فیصل کرانا چاہیں تو آپ کو اختیار ہے ان کے پنچ بن کر ان کا فیصلہ کریں یا پنچ بننے فیصلے کرنے سے انکار فرمادیں۔ آپ مطمئن رہیں کہ اگر آپ ان سے منہ پھیرلیں ان کی پنچایت قبول نہ کریں تو یہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ کیونکہ ہم آپ کے حافظ و ناصر ہیں ہاں یہ خیال رہے کہ اگر آپ اور آپ کی امت کے لوگ کسی کے پنچ بن جاویں تو فیصلہ حق و انصاف سے فرمادیں کسی کی رو رعایت نہ کریں اللہ تعالیٰ انصاف والے حاکموں پنچوں کو بہت ہی پسند فرماتا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ہدایت کا مالک رب تعالیٰ ہے اس کے محبوبوں کے آستانہ ہدایت کے دروازے ہیں جسے رب تعالیٰ ہدایت دینا نہ چاہے اسے کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی جب مالک دیتا

www.alahazratnetwork.org

ہے تو دروازے سے خیر ملتی ہے یہ فائدہ **ومن یرد** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ دنیا کی رسوائی آخرت میں بڑا عذاب صرف کفار کے لئے ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں سے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گنہگار امتیوں کو محفوظ رکھے گا یہ فائدہ **لھم** کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو کہ پچھلی امتوں کے گناہ قرآن شریف کے ذریعہ تمام دنیا میں شائع فرما دیے ہم گنہگار کے گناہوں پر پردہ ہی ہے اور رہے گا۔ انشاء اللہ۔ **تیسرا فائدہ** اس آیت کریمہ نے ان تمام آیات و احادیث کی شرح فرمادی جن میں فرمایا کہ آپ کسی کے نفع نقصان کے مالک نہیں ان سب کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کو کچھ اختیار نہیں کہ جسے خدا محروم رکھنا چاہے اسے کوئی کچھ نہیں دے سکتا مگر رب تعالیٰ کی عطا سے بعض بندے مختار ہیں ان کے ہاتھوں رب تعالیٰ کی عطائیں ملتی ہیں یہ فائدہ **فلن تملک لہ** کی ف جزائیہ سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ** بزرگوں کی صحبت سے وہ ہی فیض یاب ہو گا۔ جو اپنے کو خالی سمجھ کر ان سے لینے کے لئے ان کے دروازوں پر جاوے جو پہلے ہی سے اپنی پختہ رائے لے کر جاوے وہ ہرگز وہاں سے کچھ نہ لے گا۔ خالی ڈول کنوئیں سے پانی لاتا ہے بھرا ڈول کیا لائے۔ سفید کپڑا رنگا جاتا ہے جو کپڑا پہلے سے پختہ سیاہ ہو اسے کوئی کیسے رنگے یہ فائدہ **سمعون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** کفار کی غیبت یعنی انہیں پس پشت برا کہنا جائز ہے یہ فائدہ **سمعون** اور **اکلون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہود کے پوپ پادری خیبر یا فدک میں تھے اور ان کی برائی مدینہ منورہ میں قرآن مجید میں پڑھی جارہی تھی کہ وہ حرام خور ہیں ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ کبھی کے مر گئے مگر اس کی برائیاں سورہ لہب میں اب تک پڑھی جارہی ہیں۔ **چھٹا فائدہ** رشوت لینا مطلقاً" حرام ہے خواہ رشوت لے کر ظلم کرے یا انصاف مگر رشوت دینا جب حرام جبکہ رشوت کے ذریعے ظلم کرایا جاوے اگر ظالم حاکم بغیر رشوت لئے ہمارا حق ہم کو نہیں دیتا تو اس مجبوری میں اسے رشوت دے کر اپنا حق حاصل کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ **اکلون للسحت** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے رشوت خواری کی مطلقاً برائی فرمائی رشوت دینے کی مطلقاً برائی بیان نہ کی۔ **ساتواں فائدہ** جس شخص کی آمدنی حرام و حلال سے مخلوط ہو اس کے ہدیے قبول کرنا اس کی دعوت کھانا اس سے تجارتی لین دین کرنا جائز ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ اسکندریہ یعنی مقوقس کا ہدیہ قبول فرمایا اور حضور نے ان ہی یہود سے قرض لیا۔ جن کے متعلق ارشاد ہوا۔ **اکالون للسحت** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم بازار سے خرید و فروخت کرتے تھے حالانکہ وہاں کے دوکاندار بعض سود خوار بھی تھے۔ بعض خائن بھی (تفسیر روح البیان) نیز اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر یوسف علیہ السلام کو شاہ مصر کے گھر۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب کے گھر برسوں رکھا وہاں ہی ان کی پرورش کی۔ حالانکہ ان لوگوں کی کمائی و آمدنی خالص حلال نہ تھی۔

مسئلہ چند آمدنیاں سخت حرام ہیں۔ (۱) سود (۲) جوئے سے حاصل شدہ مال (۳) غصب (۴) خیانت (۵) شراب (۶) سور (۷) مردار کی قیمت (۸) گانے بجانے والوں کی اجرت (۹) زنا کی اجرت (۱۰) جادوگری کی اجرت (۱۱) فال کھولنے کہانت کی

www.alahazratnetwork.org

اجرت (۱۲) رشوت کی آمدنی۔ امام حسن فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے مقروض کے گھر قرض کی بنا پر دعوت بھی کھاؤ تو حرام ہے کہ یہ سود ہے (تفسیر روح البیان) آٹھواں فائدہ کسی کا پنچ بننا لازم نہیں اگر کوئی ہم کو پنچ بنانا چاہے تو ہم کو اختیار ہے کہ قبول کریں یا نہ کریں یہ فائدہ **او اعرض عنھم** سے حاصل ہوا نواں فائدہ حاکم وقت کو اپنی رعایا کے مقدمات طے کرنا ضروری ہیں۔ مگر غیر لوگوں کے مقدمات طے کرنا جو اس کی رعایا نہ ہوں ضروری نہیں اسے اختیار ہے کہ مقدمہ لے یا نہ لے یہ فائدہ بھی **او اعرض عنھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

مسئلہ مفتی و فتویٰ دینا مبلغ پر تبلیغ کرنا بہر حال لازم ہے خواہ اپنے ملک کا آدمی فتویٰ مانگے یا غیر ملک کا یعنی مسئلہ بتانا ضروری ہے۔ لکھنا لازم نہیں۔ دیکھو یہ یہود خیبر کے رہنے والے تھے اس وقت تک خیبر فتح نہ ہوا تھا لہٰذا وہ حضور کی رعایا نہ تھے اور حضور سے فیصلہ چاہتے تھے تو سرکار کو اختیار دیا گیا کہ ان کا فیصلہ کریں یا نہ کریں مگر تبلیغ کے متعلق فرمایا **یایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** دسواں فائدہ حاکم کو چاہیے کہ انصاف کرے انصاف میں کافر مومن اپنے پرائے کا ہرگز خیال نہ کرے ہمیشہ مسلمان حکام کا یہ ہی طرہ امتیاز رہا ہے یہ فائدہ **فاحکم بینھم بالقسط** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہی ان لوگوں کو پاک کرنا نہ چاہا تو پھر وہ بے قصور ہوئے پھر انہیں عذاب کیسا۔ **جواب** اس کا جواب تیسرے پارہ میں **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں بہت تفصیل سے گزر گیا۔ ان کی پاکی نہ چاہنے کی وجہ خود یہاں مذکور ہے **سمعون للکذب اکلون للسحت** ان جرموں کی بنا پر انہیں عذاب ہے۔ مقتول اللہ کے ارادے سے مرا ہے مگر قاتل کو پھانسی دی جاتی ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہود خیبر کفار تھے اور کفار شرعی احکام کے **مکلف** نہیں ہوتے پھر ان کی یہ برائی کیوں بیان ہوئی کہ وہ جھوٹ سنتے حرام کھاتے ہیں وہ تو ہیں ہی کافر جو چاہیں کریں **جواب** کفار عبادات اسلامی کے **مکلف** نہیں سیاسی احکام کے وہ بھی **مکلف** ہیں جوا' رشوت' چوری وغیرہ جرائم وہ نہیں کر سکتے اس پر حاکم اسلامی بھی ان کو سزا دے گا اور عاقبت میں بھی سزا ملے گی۔ یہاں ان کی رشوت خوری کا ذکر ہے اسی پر عتاب ہے۔ **تیسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمانے کے لئے بھیجا ہے۔ خود فرماتا ہے **لتحکم بین الناس بما ارمک اللہ** اور یہاں فرماتا ہے کہ آپ حکم کریں یا نہ کریں آیات میں تعارض ہے۔ نوٹ اس اعتراض کی بنا پر بعض مفسرین نے یہاں کی یہ آیت منسوخ مانی ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے پوری سورہ مائدہ ہی محکم ہے۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جو کفار حضور کی رعایا نہ تھے اور اپنے کسی خاص مقدمہ میں حضور انور کو **حکم** یعنی پنچ بنانا چاہتے تھے۔ پنچ بننے نہ بننے کا اختیار دیا گیا اور رعایا پر شرعی احکام جاری فرماتے احکام شرعیہ کی تبلیغ فرمانے کا حضور کو حکم دیا گیا۔ حکم اور چیز کا ہے اختیاری دوسری چیز کا دیا گیا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ نیز عدالت حکم اور ہے اور پنچایتی حکم اور عدالتی حکم دینے کے حضور مامور ہیں

www.alahazratnetwork.org

پنچایتی حکم بننے میں حضور مختار حکومت کے مقرر کردہ حکام مقدمات کا فیصلہ کرنے پر مامور ہیں مگر پنچ بننے پر مامور نہیں۔ چاہیں بنیں یا نہ بنیں۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ خالق مالک معطی ہے ہر چیز اسی کی مملوک' مخلوق ہے وہ ہی سب کو سب کچھ دیتا ہے مگر قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں تقسیم کرنے والوں کے ذریعہ سے مخلوق میں تقسیم ہوں پھر جیسا تقسیم کرنے والا قوی ہو گا ویسی ہی تقسیم اعلیٰ اور کامل ہو گی۔ کنواں دریا اور بادل تینوں پانی کے قاسم ہیں مگر کنواں کمزور قاسم ہے تو صرف بیگہ دو بیگہ زمین کو سیراب کرتا ہے دریا قوی قاسم ہے تو شہروں کو سیراب کردیتا ہے بادل بہت ہی قوی قاسم ہے تو وہ ملکوں بلکہ دنیا بھر کو سیراب کردیتا ہے۔ ایک کنواں کا پانی اگر معمولی رسی ڈول سے تقسیم کیا جاوے تو ایک گھر کے دو چار گھڑے بھرے گا اگر رہٹ پانی تقسیم کرے تو کھیت کو سینچ دے گا لیکن اگر بجلی کا ٹیوب ویل وہ ہی پانی تقسیم کرے تو زمین کے مربے مربے بھرے ہو جاتے ہیں۔ کنواں ایک پانی ایک خالق و مالک ایک مگر قاسموں کے فرق سے تقسیم میں فرق ہے۔ چراغ' گیس' بجلی' چاند' سورج' سب ہی نور کے قاسم ہیں مگر ان میں جو فرق ہے وہ سب کو معلوم ہے سارے نبی اللہ کی نعمتوں کے قاسم تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم قاسم اعلیٰ ہیں ان حضرات نے محدود وقت میں محدود قوموں کو نعمت **الٰہیہ** تقسیم فرمائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاقیامت سارے عالم کو اللہ کی نعمتیں دیں پھر کنوئیں۔ دریا ہوتے ہوئے بھی بارش کی دعائیں کی جاتی ہیں۔ قاسم کے ہوتے ہوئے قاسم اعلیٰ کی تلاش ہوتی ہے یوں ہی دوسرے انبیاء کی امتوں نے بلکہ ان نبیوں نے حضور کی دعائیں مانگیں قاسم اعلیٰ کے آنے پر دوسرے قاسموں کی **تقسیمیں** بند ہو جاتی ہیں۔ بارش ہو جانے پر کنوؤں' نہروں' دریاؤں سے پانی نہیں لیا جاتا یوں ہی حضور کی تشریف آوری پر تمام نبوتیں منسوخ ہو گئیں بہر حال حضور رب کی نعمتوں کے قاسم اعلیٰ ہیں خود فرماتے **اللہ المعطی وانا قاسم** حضرات صحابہ کرام نے اس قاسم اعلیٰ سے ایسی نعمتیں حاصل کیں کہ خود قاسم بن گئے۔ جیسے بارش سے تالاب قاسم بن جاتے ہیں مگر منافقین اور یہ خیبر و فدک کے یہود نے اس قاسم اعلیٰ کی تقسیم سے حصہ نہ لیا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ انہیں پاک کرنے کا رب تعالیٰ نے ارادہ ہی نہ فرمایا۔ ایسے محروم لوگ دنیا و آخرت میں خسارہ میں ہیں جو چمگادڑ سورج سے نور نہ لے سکے وہ چراغوں سے روشنی کیا لے گا ان کا حال یہ ہے کہ ان کے کانوں میں اپنے پوپ پادریوں کی آوازیں گونج رہی ہیں یہ آپ کی کیا سنیں ان کے پیٹوں میں حرام غذائیں بھری ہیں تو آپ کی صحبت سے فیض کیسے لیں۔ یار کا جلوہ شرک و شرکت سے پاک ہے۔ ایک دل میں دو محبتیں ایک کان میں دو آوازیں ایک سینہ میں دو آرزوئیں کیسے جمع ہوں۔ حضور کا آستانہ تو وہ ہے کہ جسم اطہر پر یہ عام مکھی بھی نہیں بیٹھی کہ یہ گندگیوں پر بیٹھنے کی عادی ہے پھر سید الطاہرین صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک پر کیسے بیٹھے یہ بھی گندگیوں پر بیٹھنے والی مکھیاں ہیں۔ آپ سے فیض کیسے لیں۔

www.alahazratnetwork.org

☆ اے بسا مرغے پرندہ دانہ جو ☆
☆ کہ بریدہ حلق اوہم حلق او ☆
☆ اے بسا ماہی در آب دور دست ☆
☆ گشتہ از حرص گلو ماخوذ شست ☆
☆ اے بسا قاضی و منبر نیک خو ☆
☆ از گلوئے رشوتے او زرو رو ☆
☆ بلکہ درہاروت و ماروت آں شراب ☆
☆ از عروج چرخ شاں شد سد باب ☆

رشوت، شہوت، حرص طمع نے ہاروت و ماروت کے لئے آسمان پر جانے کا دروازہ بند کر دیا تو ان منافقوں یہودیوں کے لئے ان کی حرام خوری نے بارگاہ رسالت میں بھی حاضری کا دروازہ بند کر دیا۔ اب ان کے دل اس دربار میں نہیں آسکتے۔

وَكَيْفَ يُحَكِّمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ
اور کیسے حکم بنائیں گے وہ آپ کو حالانکہ ان کے پاس توریت ہے کہ اس میں حکم ہے اللہ کا پھر منہ موڑتے
اور وہ تم سے کیونکر فیصلہ چاہیں گے حالانکہ ان کے پاس توریت ہے جس میں اللہ کا حکم موجود ہے
مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾
ہیں وہ اس کے بعد اور نہیں ہیں یہ لوگ مومنین
بایں ہمہ اس سے منہ پھیرتے ہیں اور وہ ایمان والے نہیں۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ چونکہ رب تعالیٰ نے ان کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا ہے۔ اس لئے یہ آپ سے ہدایت نہ لیں گے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ یہ آپ سے فیض کیسے حاصل کریں یہ آپ کے تو معتقد بھی نہیں یہ تو اپنی کتاب توریت سے بھی فیض نہیں لیتے جس کے یہ معتقد ہیں اس میں حکم رجم موجود ہے مگر اسے چھوڑ کر آپ کے پاس فیصلہ کے لئے آتے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا۔ اس آیت میں دلیل ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ آپ پر ان کا فیصلہ فرمانا لازم نہیں چاہیں کریں یا نہ کریں اب اس اختیار دینے کی حکمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ آپ کے فیصلہ کرانے آئے ہی نہیں ہیں فیصلہ تو خود

www.alahazratnetwork.org

ان کی اپنی کتاب میں موجود ہے بلکہ اپنی آسانی چاہنے آئے ہیں کہ اگر حضور زانی کو رجم سے بچاویں تو آپ ہی کی بات مان لیں یہ حق کی تلاش میں نہیں گویا پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فیصلہ فرمانے کا اختیار دیا گیا تھا۔ اب اس اختیار کی حکمت بیان ہو رہی ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم دیا گیا تھا کہ اگر آپ ان کا فیصلہ کریں تو حق فیصلہ کریں۔ اب ارشاد ہے کہ وہ آپ کے حق فیصلہ کو قبول نہ کریں گے گویا داتا کی عطا کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اب سائل کی محرومی کا ذکر اس آیت میں ہے۔

تفسیر **وکیف یحکمونک** عربی میں **کیف** حالت پوچھنے کے لئے ہوتا ہے۔ پوچھنا کبھی تو متکلم کے جاننے کے لئے ہوتا ہے کبھی مخاطب کے امتحان کے لئے کبھی اگلے کلام کی تمہید کے لئے کبھی اظہار عظمت کے لئے کبھی تعجب کرنے کے لئے کبھی تعجب دلانے کے لئے یہاں آخری مقصد یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کو تعجب دلانے کے لئے ہے۔ رب تعالیٰ خود تعجب کرنے سے پاک ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ سوال ان یہود خیبر کے پول کھولنے کے لئے ہو کہ وہ آپ کو حکم نہیں بناتے بلکہ اپنی آسانی چاہتے ہیں **یحکمون** بنا ہے **تحکیم** سے جس کا مادہ **حکم** ہے **تحکیم** کے معنی ہیں کسی کو اپنا پنچ بنانا۔ حاکم وہ جو جانب سلطان سے یا رب تعالیٰ کی طرف سے عام لوگوں کے فیصلہ کرنے کے لئے مقرر ہو حکم وہ جسے فریقین مدعی' مدعیٰ علیہ کسی خصوصی جھگڑے متنازعہ میں فیصلہ کرنے کے لئے مقرر کرلیں لہٰذا حکم اور حاکم میں کئی طرح فرق ہے حاکم سلطان یا رب تعالیٰ کا مقرر کردہ حکم فریقین کا مقرر کردہ حاکم عام فیصلے کرنے والا حکم خاص فیصلہ کرنے والا حاکم بزور اپنا فیصلہ منوانے والا حکم صرف فیصلہ سنانے والا نہ کہ منوانے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے حاکم ہیں مسلمانوں اور تمام ذمی کفار بلکہ ساری مخلوق کے حاکم ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لکڑیوں' ہرنیوں' اونٹوں' چڑیوں نے فریادیں کیں اور ان کی دادرسی حضور نے فرمائی جس کے متعلق بہت احادیث ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیکون للعٰلمین نذیرا** مگر حکم کبھی کبھی کسی کسی کے بنا کرتے تھے۔ اس موقع پر بھی یہود خیبر کے حضور حکم تھے۔ حکم بننے نہ بننے کا حضور کو اختیار دیا گیا تھا۔ آج بھی اعلیٰ سے اعلیٰ حکام کبھی کسی خاص موقع پر فریقین کے حکم یعنی پنچ بن جاتے ہیں یعنی اے محبوب تعجب کی بات ہے کہ اپنی مانی جانی پہچانی توریت کا حکم تو نہیں مانتے اور آپ کو یہ مانتے نہیں۔ پھر کیسے اپنا حکم بناتے ہیں یا اے محبوب یہ آپ کو اپنا حکم کیسے بنا سکتے ہیں۔ حالانکہ یہ نہ مسلمان ہیں نہ آپ کے ذمی رعایا نہ آپ کو سچا نبی مانتے ہیں۔ آپ کی ہر بات کو غلط جانتے ہیں لہٰذا یہ آپ کو حکم نہیں بناتے۔ بلکہ حکم توریت سے بچنے کے لئے بہانہ بناتے ہیں ان کا ظاہر کچھ ہے باطن کچھ اور **وعندھم التورۃ فیھا حکم اللہ** یہ عبارت **یحکمون** کے فاعل سے حال ہے۔ **عندھم** خبر مقدم ہے اور **التورٰۃ** مبتداء مؤخر اور یہ عبارت حصر کا فائدہ دیتی ہے یا **التوراۃ** فاعل ہے ثبت فاعل پوشیدہ کا اور **عندھم** اس کا ظرف۔ اگر تورات فاعل ہے تو **فیھا حکم اللہ** تورات کا حال ہے ورنہ **فیھا حکم اللہ** نیا جملہ ہے (روح المعانی) یعنی آپ کو یہ پنچ کیسے بنا سکتے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ جس میں اللہ کا حکم یعنی زانیوں کو سنگسار کرنے کی سزا موجود ہے اور یہ لوگ توریت کے ماننے کے دعوےٰ دار بھی ہیں پھر توریت کو چھوڑ کر آپ کے پاس کیسے آتے ہیں۔ خیال رہے کہ ان لوگوں کے پاس اگرچہ تحریف شدہ توریت تھی مگر رجم کی آیات بعینہٖ اس میں باقی تھیں وہ نکالی نہ گئی تھیں۔ ان آیات پر ان لوگوں نے عمل چھوڑ دیا تھا۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا **فیھا حکم اللہ** اور بہت سی اصلی آیات محو تھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ موجودہ توریت کی آیتوں کا نہ اقرار کرو نہ انکار بلکہ یوں کہہ دو کہ ہم اللہ کی ساری آیتوں پر ایمان لائے **ثم یتولون من بعد ذلک** یہ جملہ معطوف ہے **یحکمونک** پر اور **ثم رقبہ** کی تراخی کے لئے ہے نہ کہ زمانہ کی تراخی کے لئے **یتولون** ۔ بمعنی مستقبل ہے یہ بنا ہے تولی سے جس کا مادہ ولی ۔ بمعنی قرب ہے۔ باب **تفعل** سلب مادہ کے لئے ہے یعنی قریب نہ ہونا دور ہو جانا۔ اب منہ پھیرنے قبول نہ کرنے یا انکار کرنے کو تولی کہا جاتا ہے کہ ان چیزوں سے انسان اس سے دور ہو جاتا ہے۔ **ذلک** سے اشارہ ہے **تحکیم** کی طرف یعنی یہ لوگ آپ کو حکم بنانے کے بعد آپ کے حکم سے پھر جائیں گے اسے قبول نہ کریں گے کیونکہ یہ ماننے کے لئے آپ کو حکم نہیں بنا رہے ہیں بلکہ اپنی رائے کی تائید کے لئے آپ کو آڑ بنانا چاہتے ہیں یہ تفسیر قوی ہے بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ علیحدہ ہے اور **یتولون** حال کے معنی میں ہے یعنی یہ لوگ اس توریت کے ہوتے ہوئے حکم توریت سے پھر جاتے ہیں اسے نہیں مانتے تو آپ کا حکم کیا مانیں گے **وما اولئک بالمومنین** یہ جملہ نیا ہے واؤ ابتدائیہ ہے **اولئک** سے اشارہ انہیں حاضرین یہود کی طرف سے ہے چونکہ یہ دل سے حضور انور سے دور تھے اگرچہ جسماً قریب تھے۔ اس لئے **اولئک** اشارہ بعید ارشاد ہے۔ **مومنین** سے مراد توریت پر ایمان لانے والے یا حضور پر ایمان لانے والے ہیں یا آپ کا فیصلہ ماننے والے یعنی یہ لوگ توریت کے ماننے والے نہیں اپنی رائے کے تبع ہیں یا یہ لوگ آئندہ بھی آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ کافر ہی مریں گے یا یہ لوگ آپ کا یہ فیصلہ نہ مانیں گے آخری دو صورتوں میں یہ غیبی خبر ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے اور مسلمان کے لئے کیسی تعجب کی بات ہے کہ یہ یہود خیبر آپ کو اس مقدمہ میں حکم اور پنچ بنا رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس توریت موجود ہے۔ جس میں یہ حکم ہے کہ شادی شدہ زانی کو رجم کرو اور اس کے ماننے کے یہ لوگ دعویدار بھی ہیں پھر اسے نہیں مانتے اور آپ کو سچا نبی نہیں مانتے پھر آپ کے پاس اپنا یہ فیصلہ لائے ہیں۔ آپ یقین رکھیں کہ آپ سے فیصلہ کرائیں گے پھر اس سے پھر جائیں گے یہ لوگ مومن نہ ہوں گے۔ منکر ہو جئیں گے منکر ہو کر مریں گے۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ جو شخص حکم قرآنی حکم رسول کے ہوتے ہوئے اور حکم تلاش کرے خدا رسول کے حکم پر راضی نہ ہو وہ نفس پرست آسانی کا طلب گار ان یہود کا پیروکار ہے۔ جو توریت سے منہ

www.alahazratnetwork.org

موڑ کر بہانہ کے لئے حضور سے فیصلہ کے خواستگار ہوتے تھے یہ فائدہ **کیف یحکمونک** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ بدبختی سے قرآن و حدیث کو آڑ بناتے ہوئے اپنے نفس کی خواہش پوری کرنا رب تعالیٰ کو ناپسند ہے یہ فائدہ بھی **یحکمونک** سے ہی حاصل ہوا۔ دیکھو یہود خیبر حضور سے فیصلہ کرانے آئے تھے۔ مگر رب تعالیٰ نے ان کی اس حاضری پر عتاب کیا اس لئے کہ ان کی نیت بد تھی۔ وہ حضور کی اطاعت کرنے اپنے کو فرمان عالی کے مطابق کرنے نہ آئے تھے بلکہ حضور کے فرمان کو اپنی رائے کے مطابق کرنے آئے تھے خود شریعت کے سانچہ میں ڈھلو اپنے سانچہ میں شریعت کو نہ ڈھالو۔ تیسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک تک کچھ نہ کچھ اصلی توریت باقی تھی یعنی ساری تبدیل نہ ہو چکی تھی۔ اس میں بہت سی اصلی آیات بھی تھیں یہ فائدہ **وعندھم التورة** سے حاصل ہوا۔ اب نہ توریت کا ایک حرف باقی ہے۔ نہ انجیل کا جب دنیا سے زبان عبرانی ہی رب تعالیٰ نے مٹادی تو اس زبان کی توریت و انجیل کیسے باقی رہ سکتی ہیں۔ یہ ترجمے اصل توریت و انجیل نہیں یہ تو مترجمین کی مہربانیاں ہیں۔ چوتھا فائدہ اس زمانہ میں توریت شریف کے کچھ حکم اصل حالت میں موجود تھے۔ جیسے زانی کے رجم کا حکم جسے یہود مانتے نہ تھے۔ یہ فائدہ **فیھا حکم اللہ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ کتاب اللہ کا حکم نہ ماننا اور کتاب اللہ ماننے کا دعویٰ کرنا محض باطل ہے ایسا آدمی مومن نہیں کہ رب تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ یہ لوگ توریت کے مومن نہیں یہ فائدہ **وما اولئک بالمومنین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ گزشتہ نبیوں کی صرف کتابیں ان کے بعد رہیں انکی احادیث ان کے فرمان دنیا میں باقی نہ رہے اور وہ کتابیں بھی کچھ روز رہیں۔ پھر تبدیل ہوگئیں یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ کے فرمان بھی محفوظ ہیں۔ آپ کا قرآن بھی محفوظ ہے یہ فائدہ بھی **وعندھم التورٰیة** سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ ان کے پاس صرف توریت ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان نہیں۔ ہمارے حضور کے متعلق فرماتا ہے **ویعلمھم الکتب والحکمة** کتاب تو قرآن مجید ہے۔ حکمت حدیث شریف جو آج تک محفوظ ہیں اور انشاء اللہ قیامت تک محفوظ رہیں گے بلکہ حضور انور کی ہر ادا تمام احوال اقوال دنیا کے سامنے رہیں گے۔

پہلا اعتراض قرآن کریم نے یہاں فرمایا کہ یہود کے پاس توریت ہے دوسرے مقام پر فرماتا ہے کہ یہود نے توریت میں تحریف کردی **یحرفون الکلم عن مواضعہ** ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جب وہ توریت مسخ کر چکے تو ان کے پاس توریت رہی ہی نہیں۔ **جواب** یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ان کے پاس بالکل درست غیر محرف توریت ہے اگر یہ فرمایا جاتا تب تعارض ہوتا یہاں محرف توریت کے موجود ہونے کا ذکر ہے۔ جس میں کچھ اصل تھی کچھ مسخ شدہ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ اس توریت میں اللہ کا حکم ہے۔ حالانکہ اس میں بہت سے احکام تھے پھر حکم واحد کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حکم اللہ اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب شامل ہوتے ہیں دوسرے یہ کہ یہاں حکم اللہ سے مراد رجم کا حکم ہے جس میں یہود ابھی تک ترمیم نہ کر سکے تھے آیہ

www.alahazratnetwork.org

رجم بعینہ موجود تھی مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ رجم کا فتویٰ آپ سے لینے کیوں آئے۔ یہ فتویٰ تو توریت میں موجود ہے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے آپ کے تو یہ لوگ معتقد نہیں توریت کے معتقد ہونے کے مدعی ہیں۔ **تیسرا اعتراض** یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **وما اولئک بالمومنین** یہ یہود مومن نہیں مومن لغوی معنی میں ہے یا اصطلاحی معنی میں۔ **جواب** دونوں معنی ہو سکتے ہیں یعنی یہ لوگ مرتے دم تک مومن نہ ہوں گے کافر ہی مریں گے یہ اصطلاحی معنی ہوئے اور اس میں غیبی خبر ہے یا یہ لوگ توریت کے ماننے والے نہیں صرف دعویٰ ایمان کرتے ہیں یا یہ معنی ہیں کہ یہ لوگ آپ کے فیصلہ پر ایمان نہ لائیں گے صرف سیاسی طور پر آپ کو حکم بناتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آنکھ صدہا چیزیں دیکھ سکتی ہے کان صدہا چیزیں ہزاروں آوازیں سن سکتے ہیں۔ ایک زبان ہزارہا الفاظ بول سکتی ہے مگر ایک دل میں دین و دنیا دونوں کی محبتیں نہیں رہ سکتیں دل اس میان کی طرح ہے جس میں دو تلواریں نہیں سما سکتیں اس گھر میں دوئی کی گنجائش ہی نہیں جہاں اور جس دل میں محبت دنیا ہے اس میں دین کی محبت کیسے آوے۔ یہود کے پاس توریت تھی ان کے دل میں توریت نہ تھی ہوتی بھی کیسے ان کے دل میں تو حسد، کینہ، بغض انبیاء تھا اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **وعندھم التوراۃ** اور آگے فرمایا **فیھا حکم اللہ** جس سے معلوم ہوا کہ توریت میں تو رجم کا حکم تھا مگر ان کے دلوں میں توریت نہ تھی کسی کے پاس کتاب ہونا کمال نہیں۔ کمال ہے دل میں کتاب ہونا۔ اس وجہ سے رب تعالیٰ نے فتویٰ دیا کہ وہ مومن نہیں غذا پانی پاس رکھا رہے نہ بھوک دفع ہوگی نہ پیاس جب یہ چیزیں پیٹ میں اتریں گی تب بھوک و پیاس کو دفع کریں گی۔ یوں ہی کتاب اللہ پاس رکھی ہے دل کا کفر دفع نہ ہوگا جب تک کہ دل میں کتاب نہ اتر جاوے یہ بھی خیال رہے کہ کتاب اللہ خود دل میں نہیں اترتی بلکہ نبی کی نگاہ کرم یا نبی کے نائبین کا بازوئے رحمت کتاب اللہ کو دل میں اتارتا ہے صابن اور پانی خود بخود کپڑا صاف نہیں کرتے نہ کپڑے میں لگتے ہیں۔ جب تک کہ کوئی ہاتھ کام نہ کرے ان یہودیوں کے پاس کتاب اللہ تھی مگر کوئی ید اللہ ان کے سر پر نہ تھا۔ اس لئے کافر کے کافر رہے۔

إِنَّآ أَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ أَسْلَمُوْا

بے شک اتاری ہم نے توریت کہ اس میں تھی ہدایت اور روشنی فیصلہ کرتے رہے ساتھ اس کے انبیاء جو مطیع ہوئے واسطے

بے شک ہم نے توریت اتاری اس میں ہدایت اور نور ہے اس کے مطابق یہود کو حکم دیتے تھے ہمارے

لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ

ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے اور اللہ والے علماء اور فقیہ لوگ اس وجہ سے کہ حفاظت چاہی گئی

فرمانبردار نبی اور عالم اور فقیہ کہ ان سے کتاب اللہ کی حفاظت چاہی گئی تھی

www.alahazratnetwork.org

كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَآءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ

ان سے اللہ کی کتاب کی اور تھے وہ اس کے محافظ گواہ بھی نہ ڈرو تم لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے

اور وہ اس پر گواہ تھے تو لوگوں سے خوف نہ کرو اور مجھ سے ڈرو اور میری

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۗ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

اور نہ خرید و بعوض میری آیتوں کے قیمت تھوڑی اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو اتارا

آیتوں کے بدلے ذلیل قیمت نہ لو اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہ ہی

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اللہ نے تو یہ ہی لوگ کافر ہیں

لوگ کافر ہیں

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا یہود مومن نہیں اب اس آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ایسی توریت کو چھوڑ دیا ہے جس میں ہدایت' نور ہے حضرات انبیاء کرام اس پر احکام جاری کرتے رہے اور ایسی کتاب کا تارک واقعی کافر ہی ہے گویا پچھلی آیت میں یہود کے کفر کا دعویٰ تھا۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ثبوت ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود آپ کو حکم بناتے تو ہیں مگر اس لئے نہیں کہ آپ کا فیصلہ مانیں صرف آسانی کی تلاش اپنی بے دینی کی تائید کرانے کے لئے آپ سے فیصلہ کراتے ہیں ان کا ظاہر کچھ اور ہے باطن کچھ اور اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ تو توریت کو بھی دل سے نہیں مانتے اسے اپنی رائے کے مطابق بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو دل سے کیسے مانیں گے حالانکہ توریت کی ایسی اعلیٰ شان ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ یہود کے پاس توریت ہے اور توریت میں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے یعنی زانی کو سنگسار کرنا اب توریت شریف اور اس کے احکام کی عظمتوں کا ذکر ہے گویا توریت کے نزول کے بعد اس کی عظمت کا ذکر فرمایا گیا۔

نزول اگلی تین آیتوں میں تین مقام پر تین عتاب فرمائے گئے چنانچہ اس آیت کے آخر میں ہے **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الکفرون** دوسری آیت کے آخر میں فرمایا گیا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الظلمون** تیسری آیت کے آخر میں ارشاد ہوا **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاؤلئک ھم الفسقون** بعض مفسرین نے فرمایا کہ تینوں عتاب یہود پر ہیں ان کے تین حالات کے لحاظ سے ان پر تین طرح عتاب فرمایا گیا۔ کافر' ظالم' فاسق فرما کر بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلے دو عتاب یہود پر نازل ہوئے اور تیسرا عتاب عیسائیوں پر کیونکہ وہاں انجیل شریف کا ہی ذکر ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ پہلا عتاب تمام مشرکین و کفار پر ہے دوسرا عتاب یہود کے

www.alahazratnetwork.org

متعلق نازل ہوا۔ تیسرا عتاب عیسائیوں کے متعلق نازل ہوا (تفسیر خازن و روح المعانی) تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ آیات بھی اس واقعہ کے متعلق نازل ہوئیں جبکہ یہود خیبر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حَکم بنا کر زنا کی سزا کا فیصلہ حضور سے کرانا چاہا تھا (خازن)

تفسیر اس آیت کریمہ میں توریت شریف کے چھ صفات بیان ہوئے۔ اسے ہم نے اتارا۔ اس میں ہدایت ہے اس میں نور ہے اس پر حضرات انبیاء' مشائخ و علماء فیصلے کرتے رہے۔ اس کی حفاظت نبیوں بزرگوں علماء کے ذمہ کی گئی۔ یہ حضرات اس کے شہداء و ذمہ دار رہے **انا انزلنا التورة** چونکہ توریت شریف کا نزول یکدم ہوا تھا۔ قرآن مجید کی طرح آہستگی سے نہ ہوا اس لئے **انزلنا** باب افعال سے فرمایا گیا۔ نزول قرآن تین بار ہوا ایک تو لوح محفوظ سے آسمان دنیا کے بیت العزت تک یہ نزول ستائیسویں رمضان کی شب میں ہوا۔ یعنی شب قدر میں ہوا یعنی شب قدر میں دوسرا نزول ہر رمضان میں حضور انور پر ہوتا تھا کہ جبریل امین حضور کے ساتھ قرآن کا دور فرماتے تھے۔ تیسرا نزول تئیس سال میں آہستہ آہستہ یہ نزول احکام جاری فرمانے کے لئے تھا۔ پہلے نزول کے لحاظ سے قرآن کریم کے لئے **انزلنا** آتا ہے۔ بقیہ کے لحاظ سے **نزلنا** ارشاد ہوتا ہے توریت کے معانی ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ اگر یہ لفظ عربی ہے تو بنا ہے **تورية** سے۔ بمعنی اشارۃ کنایۃ رموز کی باتیں کرنا۔ چونکہ توریت شریف میں اکثر آیات رمز اشارہ کنایہ کے طور پر تھیں۔ قرآن کریم کی طرح صاف صاف نہ تھیں اس لئے اسے توریت کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ آیات توریت کے لئے شان نزول نہیں کیونکہ وہ ساری یکدم آئی۔ آیات قرآنیہ کے شان نزول ہوتے ہیں کہ فلاں صحابی کے فلاں واقعہ پر یہ آیت آئی تاکہ ان صحابہ کا احسان سارے مسلمانوں پر ہے۔ اسی لئے صحابہ سے قرآن جمع کرایا گیا۔ **فیها هدی و نور** یہ عبارت توریت کا حال ہے **فیها** خبر مقدم ہے۔ جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی اس توریت میں ہدایت اور نور ہی ہے کفر و گمراہی نہیں یہ صفت یا نزول کے وقت کے لحاظ سے ہے یعنی نزول کے وقت اس میں ہدایت و نور ہی تھے اب منسوخ ہو چکنے کے بعد اس میں نہ ہدایت رہی نہ نور جیسے کہا جاوے **جاء نی زید و هو راکب** زید میرے پاس سوار ہو کر آیا یعنی آتے وقت سوار تھا۔ اب سوار ہونے کا ذکر نہیں۔ ہدایت سے مراد شرعی احکام کا ذکر ہے نور سے مراد سچے عقائد کا ذکر یا ہدایت سے مراد شرعی عقائد و احکام کا ذکر ہے اور نور سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی۔ چونکہ حضور نور ہیں کہ اگر حضور نہ ہوتے تو آسمان و زمین نہ پیدا ہوتے۔ اس لئے حضور کی بشارت کی آیات کو نور فرمایا گیا یعنی نور کی خبر دینے والی نورانی آیتیں (تفسیر روح المعانی) دیکھو مدینہ جو حضور کا شہر ہے اس کا نام ہے مدینہ منورہ یعنی نورانی مدینہ دنیا کے کسی شہر کا نام منورہ نہیں سواء مدینہ منورہ کے کیونکہ وہاں نور الٰہی جلوہ گر ہے حضرت عثمان کا لقب ہے ذوالنورین یعنی دو نور والے کیونکہ سواء آپ کے کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہ آئیں تو جیسے حضور کی نسبت سے مدینہ نورانی حضرت عثمان نورانی یوں ہی حضور کے ذکر کی نسبت سے وہ آیات توریت نور اور نورانی ہیں یا اب بھی توریت کی اصلی آیتوں میں جو رب

www.alahazratnetwork.org

کی طرف سے نازل ہوئیں۔ ہدایت و نور ہے کہ وہ دین اسلام کی حقانیت بیان فرماتی ہیں۔ غرضیکہ ہدایت اور نور میں دو احتمال ہیں پہلے احتمال سے توریت میں بوقت نزول ہدایت و نور رہے بعد نسخ نہیں رہے دوسرے احتمال سے پھر بھی رہے۔ خیال رہے کہ کتاب اللہ مومنین کے لئے ہدایت اعمال ہوتی ہیں ہدایت ایمان نبی سے ملتی ہے نیز کتاب اللہ مومن کی ہدایت ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کے لئے نہیں وہ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نزول توریت سے پہلے موسیٰ علیہ السلام اور مومنین بنی اسرائیل ہدایت اور نور پر نہ تھے نبی ہدایت کا مرکز ہوتے ہیں باقی تمام ہدایات نبی کی معرفت ملتی ہیں **یحکم بھا النبیون الذین اسلموا** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا توریت کا دوسرا حال مقدرہ **یحکم** بنا ہے حکم سے ۔ بمعنی فیصلے کرنا **بھا** کا مرجع توریت ہے یہاں بھی **یحکم** ۔ بمعنی حال نہیں ہے بلکہ اس میں گزشتہ واقعہ کا ذکر ہے کیونکہ اب تو نہ وہ نبی رہے نہ ان کے فیصلے۔ سب نبوتیں بھی منسوخ اور خود توریت بھی نہ حکم رہا نہ حاکم۔ **النبیون** سے مراد وہ ہی نبی ہیں جو موسیٰ علیہ السلام اور داؤد علیہ السلام یا عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان گزرے جبکہ توریت منسوخ نہ ہوئی تھی۔ کیونکہ زبور و انجیل کے نزول پر ان دو کتب کے احکام جاری ہوئے۔ یہ انبیاء کرام بھی ہزاروں تھے کیونکہ حضرت موسیٰ و داؤد و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان کئی ہزار نبی ہیں جو صاحب کتاب نہ تھے توریت پر ہی عمل کرتے تھے **الذین نبیون** کی صفت کاشفہ ہے کہ سب نبی رب کے مطیع تھے۔ **اسلموا** بنا ہے **اسلام** سے ۔ بمعنی اطاعت و فرمانبرداری یہاں اسلام اصطلاحی معنی میں نہیں کیونکہ اصطلاحی اسلام یعنی دین **محمدی** تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آیا یعنی اس توریت شریف کی شان یہ ہے کہ اس توریت سے گزشتہ انبیاء کرام فیصلے کرتے رہے **للذین ھادوا** اس عبارت کا تعلق یا تو **یحکم** سے ہے یا **انزلنا** سے **ھادوا** سے مراد بنی اسرائیل ہیں جو یہود ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے یا یہ توبہ کر کے یہودی کہلاتے تھے۔ خیال رہے حضرات انبیاء سے فرمایا گیا **اسلموا** اور اس قوم کو کہا گیا **ھادوا** کیونکہ یہ قوم یہودی کہلاتی تھی حضرات انبیاء یہودی نہیں کہلاتے تھے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت مسلمان کہلاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسلمان نہیں کہتے وہ تو مسلمان بنانے والے ہیں **والربنیون والاحبار** یہ عبارت معطوف ہے **النبیون** پر اور **یحکم** کا فاعل ہے **ربانیون** جمع ہے ربانی کی ۔ بمعنی اللہ والے اور احبار جمع حبر کی جس کے معنی ہیں اچھی چیز۔ خوب صورت نقش یا وہ خوشی جس کا اثر چہرے پر ظاہر ہو جاوے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فی روضۃ یحبرون** ربانی سے مراد ہے عابدین لوگ یعنی اولیاء اللہ اور احبار سے مراد ہیں فقہاء و علماء اہل کتاب یا ربانی سے مراد ہیں عام علماء اور احبار سے مراد ہیں ان کے مجتہدین علماء یا ربانیون سے مراد ہیں عادل منصف بادشاہ و حکام اور احبار سے مراد ہیں علماء یہود چونکہ اصل حاکم حضرات انبیاء کرام ہوتے تھے اور اولیاء اللہ ' علماء ' حکام ان کے نائب ہو کر حاکم ہوتے تھے۔ اس لئے پہلے حضرات انبیاء کرام کا ذکر ہوا۔ پھر ان اولیاء و علماء کا **بما استحفظوا من کتب اللہ** اس عبارت کا تعلق **یحکم** سے ہے ب سببیہ یا وجہ کی ہے **استحفظوا** کا نائب فاعل ربانیین اور احبار ہیں **من** زائدہ ہے۔ **کتاب**

www.alahazratnetwork.org

اللہ سے مراد توریت شریف ہے۔ جس کا ذکر ابھی ہوا یعنی یہ مشائخ و علماء و سلاطین و حکام اس لئے توریت سے فیصلے کرتے تھے کہ ان سب کو حضرات انبیاء کرام کی طرف سے کتاب اللہ یعنی توریت کا محافظ بنایا گیا تھا ان میں سے ہر ایک پر یہ فرض تھا کہ توریت کی حفاظت کرے اس کے الفاظ' معانی' احکام میں تبدیلی نہ آنے دے۔ یہ فرق ہے قرآن و توریت میں کہ قرآن کریم کی حفاظت خود رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لے لی اور ان کتب کی حفاظت مخلوق کے ذمہ رکھی اس کا اثر یہ ہوا کہ قرآن کریم محفوظ رہا اور وہ کتب بدل گئیں **وکانوا علیہ شھداء** یہ عبارت معطوف ہے۔ **استحفظوا** پر اور **کانوا** کا اسم وہی ربنیین اور احبار ہیں **علیہ** کا مرجع **کتاب اللہ** یعنی توریت شریف ہے۔ **شھداء** جمع ہے **شھید** کی ٬ بمعنی رقیب و محافظ و ذمہ دار یہاں شہید ٬ بمعنی گواہ نہیں۔ اس لئے یہاں علیہ ارشاد ہوا جیسے **ویکون الرسول علیکم شھیدا** (روح المعانی و بیان وغیرہ) یعنی یہ علماء و صالحین توریت شریف کے محافظ و نگران مقرر کئے گئے تھے جانب انبیاء کرام سے **فلا تخشوا الناس واخشون** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یعنی جب توریت کی شان یہ ہے تو اس میں خطاب موجودہ علماء یہود کو ہے جو لوگوں کے ڈر اپنی آمدنی کم ہو جانے کے خوف سے احکام توریت لوگوں پر جاری نہیں کرتے تھے انہیں بدلتے تھے یعنی جب اس توریت شریف کی یہ شان ہے تو اے علماء یہود تم لوگوں سے نہ ڈرو مجھ سے ڈرو۔ توریت کے احکام صحیح صحیح بیان کر دو۔ خوف' خشیت' ورق کے معنی ان میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ مخلوق سے خوف چند قسم کے ہیں بعض خوف کفر ہیں۔ بعض خوف حرام بعض خوف مباح بعض خوف عین ایمان ہیں ان مختلف خوفوں کا مختلف آیات میں ذکر ہے کہیں فرمایا کہ مخلوق سے خوف کرو کہیں ہے نہ کرو۔ کہیں ہے کہ اولیاء اللہ کو خوف نہیں کہیں ہے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا مخلوق کا وہ خوف جو ایمان سے روکے وہ کفر ہے جو فرائض و واجبات سے روکے وہ حرام ہے جیسے ڈیوٹی کے خوف سے نماز نہ پڑھے یہ خوف کہ میرا ایمان دولت ہے کہیں اسے شیطان یا برے ساتھی چھین نہ لیں۔ اس لئے بدمذہبوں کی صحبت ان کے وعظوں ان کی کتابوں سے بچے یہ خوف ایمان بلکہ ایمان کی جان ہے یہاں خوف سے پہلے قسم کا خوف مراد ہے یعنی سرداری اور آمدنی چھن جانے کے خوف سے ایمان نہ لانا اسلام سے دور رہنا۔ **ناس** سے مراد یہود پبلک ہے یا یہودی امراء و حکام وغیرہ **ولا تشتروا بایتی ثمنا قلیلا** اس آیت کی تفسیر پہلے کی جا چکی ہے چونکہ علماء یہود دو وجہ سے احکام توریت چھپاتے یا بدلتے تھے۔ لوگوں کا ڈر اپنی آمدنی کی لالچ اس لئے پہلے ڈرنے سے منع فرمایا گیا اب لالچ کرنے سے یعنی میری آیات توریت کے عوض دنیاوی دولت نہ کماؤ۔ دنیا ثمن ہے آخرت اصل دولت تم اصل دولت دے کر ثمن یعنی قیمت خریدتے ہو۔ پھر دنیا کتنی بھی زیادہ ہو قلیل یعنی تھوڑی ہے کہ فانی ہے آخرت کثیر ہے کہ باقی ہے تم کثیر کے عوض قلیل لیتے ہو کیسے بیوقوف ہو **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون** اس عبارت میں ان کی حرکتوں کی سزا کا ذکر ہے من سے مراد عام ہے خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا اور کوئی پھر خواہ علماء ہوں یا حکام و بادشاہ **لم یحکم** سے مراد ہے اللہ کے فرمان کے مطابق فیصلہ نہ کرنا اس کے خلاف کرنا یہ سمجھ کر کہ

www.alahazratnetwork.org

فیصلہ ربانی غلط ہے۔ ہمارا یہ فیصلہ درست ہے کیونکہ کفر فساد عقیدہ سے ہوتا ہے جو عالم سلطان اللہ کے فیصلہ کو حق جانتے سچا مانتے ہوئے فیصلہ غلط کرے وہ فاسق ہے گمراہ ہے کافر نہیں ما انزل اللہ سے مراد تمام وحی الہیہ ہیں خواہ کسی نبی پر ہوئی ہوں۔ بشرطیکہ منسوخ نہ ہوئی ہوں منسوخ وحی پر فیصلہ نہیں ہو سکتا ہو گا تو غلط ہو گا۔ یہ قیدیں ضروری خیال رہیں کہ ان قیدوں سے تمام اعتراضات اٹھ جاتے ہیں یعنی جو کوئی عالم' حاکم رب کے اتارے ہوئے احکام کے خلاف حکم دیں یا جاری کریں رب کے حکم کو غلط سمجھ کر اپنے حکم کو حق سمجھ کر وہ پکے کافر ہیں یوں ہی جو احکام **الٰہیہ** جاری نہ کریں۔ انہیں چھپا دیں وہ پکے کافر ہیں۔ **لم یحکم** دونوں صورتوں کو شامل ہے۔

خلاصہ تفسیر پہلے یہ سمجھ لو کہ گزشتہ کتابوں میں ہمارے حضور کا اور قرآن کا اس امت کا حضور کے صحابہ اور اولیاء اللہ کا تذکرہ تھا۔ بشارت دینے اور ان قوموں کو حضور کی اتباع کے لئے تیار رکھنے کے لئے ہمارے قرآن کریم میں ان کتابوں' نبیوں ان کی امتوں اور امتوں کے اولیاء اللہ کے تذکرے ہیں مگر بشارت کے لئے نہیں بلکہ ان کی تصدیق کے لئے اور اس لئے کہ قرآن میں یہ چیزیں مذکور ہو کر تاقیامت ان کے چرچے رہیں۔ مٹ نہ جائیں۔ یہ آیت کریمہ اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ اس آیت کریمہ میں توریت شریف کے چھ صفات بیان ہوئے اس کا **منزل من اللہ** ہونا۔ اس میں ہدایت اور نور ہونا اس پر انبیاء' اولیاء' علماء کا عمل ہونا۔ اس کی حفاظت انبیاء اولیاء علماء کے ذمہ ہونا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے یہود تم اس شاندار کتاب یعنی توریت کو عملاً "چھوڑ بیٹھے جس کی شان یہ ہے کہ ہم نے اس میں نور' ہدایت رکھ کر نازل فرمایا اس توریت کے احکام گزشتہ انبیاء کرام رب کے مطیع و فرماں بردار ربانی اولیاء علماء یہود پر جاری فرماتے رہے اس کتاب الٰہی کی حفاظت ان ربانی مشائخ و علماء کے سپرد کی گئی وہ ہی حضرات اس کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ توریت کے احکام چھپاتے یا بدلتے اور اس کے خلاف احکام دیتے۔ لہذا موجودہ یہود یو تم اپنی آمدنی کم ہو جانے سے نہ ڈرو ان خوفوں سے توریت کے احکام نہ چھپاؤ نہ بدلو مجھ سے ڈرو میری آیات کی عوض دنیا نہ خریدو دنیا خود متاع نہیں متاع تو آخرت ہے یہ تو قیمت ہے جس سے آخرت حاصل کی جاوے اس کے ساتھ ہی تھوڑی بھی ہے کہ اسے فنا ہے فانی چیز کتنی بھی ہو تھوڑی ہے۔ خیال رکھو کہ جو عالم' حاکم یا کوئی اور اللہ کے اتارے ہوئے احکام جاری نہ کرے انہیں چھپائے یا انہیں بدلے وہ مطلقاً کافر ہے تم چند روزہ زندگی کے لئے ایمان چھوڑ کر کافر کیوں ہوتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** توریت شریف بہت شاندار کتاب ہے اس میں عقائد احکام سب کچھ ہیں بہت سے انبیاء کرام اس کے مبلغ رہے۔ قرآن مجید کے بعد توریت کی ہی شان ہے۔ اسی کا درجہ ہے۔ پہلی آسمانی کتاب توریت ہے۔ آخری کتاب قرآن مجید ہے اور کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہ ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس کے عامل و مبلغ ہوں۔ یہ توریت شریف کی خصوصی شان ہے۔ **دوسرا فائدہ** ہر نبی پر کتاب الٰہی نہ آئی۔ دیکھو سلسلہ

www.alahazratnetwork.org

انبیاء حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوا مگر پہلی کتاب توریت موسیٰ علیہ السلام پر آئی۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام سے پہلے انبیاء کرام صاحب کتاب نبی نہ تھے۔ بعض پر صحیفے اترے تھے نیز حضرات انبیاء کرام قریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور آسمانی کتب چار اگر ہر نبی پر نئی کتاب آتی تو کتابیں بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی آتیں یہ فائدہ **یحکم بہ النبیون** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** توریت یا زبور یا انجیل کے احکام اگر قرآن مجید میں بغیر تردید ذکر فرمائے جاویں۔ تو ہمارے لئے بھی واجب العمل ہیں (تفسیر ابو سعود) یہ فائدہ بھی **یحکم بھا النبیون** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** کتاب الٰہی کی حفاظت کرنا علماء پر فرض ہے۔ یہ فائدہ بھی **بما استحفظوا** سے حاصل ہوا۔ چنانچہ الفاظ قرآن کی حفاظت کے لئے حفاظ طریقہ تلاوت کی حفاظت کے لئے قراء معانی و احکام قرآن کی حفاظت کے لئے علماء و اسرار و رموز قرآن کی حفاظت کے لئے صوفیاء مقرر فرمائے گئے۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آسمانی کتب کی حفاظت اپنے ذمہ کرم پر نہ لی تھی۔ بلکہ بندوں کے سپرد فرمائی تھی۔ اس لئے وہ بگڑ گئیں فنا ہو گئیں قرآن کریم کی حفاظت خود اس کریم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہے فرمایا **وانا لہ لحافظون** اس لئے قرآن کریم کا ایک نقطہ بھی نہ بدلا یہ فائدہ بھی **بما استحفظوا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** ربانی مشائخ اور علماء دین اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے ہی مرتبہ والے ہیں کہ رب تعالیٰ نے انھیں ہی حفاظت دین حفاظت کتب الٰہیہ کے لئے منتخب فرمایا جنہوں نے یہ فرض ادا کیا ان کی شان ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے۔ یہ فائدہ بھی **بما استحفظوا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** جو عالم یا حاکم شرعی احکام کو غلط سمجھے مروجہ قوانین کی تعریفیں کرے یوں ہی جو کہے کہ قرآنی قوانین اس زمانہ کے لئے تھے اب نیا زمانہ ہے نئے قوانین چاہئیں یا کہے کہ چور کے ہاتھ کاٹنا زانی کو رجم کرنا ظلم ہے وہ کافر ہے یہ فائدہ **فاولئک ھم الکفرون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** رشوت لے کر حکم شریعت بدلنا غلط فتویٰ دانستہ دینا کفر ہے طریقہ یہود ہے۔ یہ فائدہ **لا تشتروا** الخ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** دنیا اور سامان دنیا کتنا بھی زیادہ ہو مگر ہے تھوڑا یہ فائدہ **ثمنا قلیلا** سے حاصل ہوا۔ دنیا ثمن ہے اور قلیل ہے۔ **دسواں فائدہ** رب تعالیٰ کے مقابلہ میں مخلوق سے ڈرنا مخلوق کے خوف سے دین بدلنے کی کوشش کرنا حرام ہے۔ طریقہ یہود ہے۔ یہ فائدہ **فلا تخشوا الناس واخشون** سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ کہ اسلام میں ایسے علماء ہر زمانہ میں رہے۔ جنہوں نے زیر خنجر بھی تبلیغ اسلام کے لئے جان دے دی مگر احکام شرعیہ کی آن نہ جانے دی۔ **گیارھواں فائدہ** توریت شریف صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی اس کے احکام صرف انہیں لوگوں پر جاری تھے یہ فائدہ **للذین ھادوا** سے حاصل ہوا جیسے موسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل اور اہل مصر کے نبی تھے یوں ہی ان کی کتاب صرف بنی اسرائیل کی کتاب تھی۔ ہمارے حضور عالمین کے نبی ہیں ان کی کتاب قرآن مجید عالمین کی کتاب۔ **بارھواں فائدہ** جس دین میں اولیاء اللہ ہوں وہ ہی حق ہے یہ فائدہ **والربانیون** سے حاصل ہوا توریت کی عظمت کے اظہار کے لئے ربانین اولیاء اللہ کا عمل مذکور ہوا لہٰذا مذہب اہل سنت برحق ہے کہ اس میں اولیاء اللہ ہیں کسی اور مذہب میں نہیں مذہب حنفی بہت عظمت والا ہے کہ فی صدی

www.alahazratnetwork.org

پچھتر اولیاء اللہ حنفی ہوئے یہ آیت کریمہ ان چیزوں کی اصل ہے۔ **تیرھواں فائدہ** جس ضعیف حدیث پر اولیاء اللہ علماء دین امت رسول اللہ عمل کرلیں وہ حدیث قوی ہو جاتی ہے اس کا درجہ بڑھ جاتا ہے۔ یہ فائدہ **یحکم بھا النبیون** سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے توریت شریف کے چھ فضائل میں یہ بھی بیان فرمایا کہ اس پر انبیاء اولیاء علماء فیصلے اور عمل کرتے رہے معلوم ہوا کہ ان بزرگوں کے عمل سے قرآن و حدیث کی شان بڑھ جاتی ہے۔ قرآن و حدیث سونا ہے۔ عمل مقبولین اس پر سہاگہ یا اس کے موتی و نگینے **چودھواں فائدہ** حدیث ضعیف ولی کے کشف سے قوی ہو جاتی ہے۔ جیسے کہ بارہ ہزار کلمہ بخشنے سے میت کے عذاب دفع ہونے کی حدیث ایک ولی کے کشف سے قوی مانی گئی (دیکھو ہماری کتاب جاء الحق) یہ فائدہ **یحکم بھا** سے اشارۃً حاصل ہوا کہ حضرات انبیاء و اولیاء علماء توریت پر عمل بذریعہ کشف بھی کرتے تھے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ توریت شریف میں ہدایت بھی ہے نور بھی پھر قرآن کریم کو ماننے کی کیا ضرورت ہے اور پھر توریت ماننے والے یہود کو کافر کیوں کہا جاتا ہے وہ ہدایت پر بھی ہیں نور پر بھی۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ نزول توریت کے وقت اس میں ہدایت و نور دونوں تھے منسوخ ہونے کے بعد اب ہدایت ناسخ کتاب میں ہے نہ کہ اس میں رات میں تارے ہادی بھی ہوتے ہیں۔ نورانی بھی مگر دن میں نہ ہدایت رہتے ہیں نہ نورانی کیونکہ یہاں **فیھا ھدی** کو توریت کا حال بتایا گیا اور حال ہمیشہ ذوالحال کے عامل کی قید ہوتا ہے کہ اس کے ساتھ رہتا ہے نہ کہ وقت بیان میں اگر کوئی کہے کہ پرسوں زید سوار ہو کر میرے پاس آیا تو یہ معنی نہیں کہ وہ اب بھی سوار ہے آتے وقت سوار تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد اگر کوئی صحیح توریت پر بھی عمل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے تو کافر ہو گا۔ آج اگر موسیٰ علیہ السلام بھی ہوتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے یا یہ مطلب ہے کہ اب توریت کی ان آیات میں ہدایت و نور ہے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے ان کی اتباع کا حکم ہے کہ وہ آیات منسوخ نہیں ہوئیں۔ عقائد' بشارتیں اور قصے والی آیات منسوخ نہیں ہوا کرتیں۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ انبیاء کرام توریت کے احکام جاری فرماتے تھے ان کے پاس اپنی کتب نہ تھیں۔ انہیں رب تعالیٰ نے آسمانی کتابیں عطا نہ فرمائیں مگر دوسری آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام نبیوں کو آسمانی کتابیں عطا ہوئیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فقد کذب رسل من قبلک جاءوا بالبینت والزبر والکتب المنیر** ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** تمہاری پیش کردہ آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ ہر رسول کو نئی کتاب ملی تھی وہ حضرات کتاب والے ہو کر آئے خواہ نئی کتاب والے خواہ پرانی کتاب پر عامل بن کر رب تعالیٰ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **ویعلمھم الکتب والحکمۃ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو نئی کتاب نہیں سکھاتے سب کو ایک ہی کتاب قرآن مجید سکھاتے ہیں نیز اس آیت کریمہ کے معنی یہ ہو سکتے ہیں کہ آپ سے پہلے ان

www.alahazratnetwork.org

رسولوں کو جھٹلایا گیا تھا جو صاحب کتاب تھے یعنی حضرت موسیٰ و داؤد و عیسیٰ علیہم السلام۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت پر تین جماعتوں نے عمل کیا۔ انبیاء' اولیاء' علماء لہذا چاہیے کہ حضور کے بعد نبی آویں تاکہ قرآن پر بھی یہ تین جماعتیں عمل کریں۔ اگر اب نبوت نہ رہے تو قرآن کا درجہ توریت سے گھٹ جاوے گا کہ توریت پر عمل تین جماعتوں کا اور قرآن پر عمل صرف دو کا یعنی اولیاء علماء کا' نبوت اچھی چیز ہے تو چاہیے کہ کبھی ختم نہ ہو اچھی چیز باقی رہنی چاہیے (مرزائی) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں الزامی اور تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر مرزا جی نبی ہوں تب بھی قرآن کا درجہ توریت سے کم ہی رہے گا کیونکہ توریت پر عمل کرنے والے ہزارہا نبی اور قرآن پر عمل کرنے والے صرف ایک نبی یعنی مرزا جی وہ بھی تیرہ سو برس کے بعد۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن پر ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل سارے نبیوں کے عمل سے افضل ہے کیونکہ حضور تمام نبیوں سے افضل ہیں پھر قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں کے نمائندے ہو کر سب کی طرف سے قرآن پر عمل کریں گے۔ نیز معراج کی رات سارے نبی اسلامی نماز حضور کے پیچھے پڑھ گئے گویا سب نے قرآنی نماز پڑھی۔ رات میں چاند تارے بجلی گیس چراغ اچھی چیزیں ہیں مگر دن میں یہ سب بیکار ہیں کیونکہ سورج چمک رہا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام نبوتیں اچھی تھیں اب آفتاب نبوت چمک رہا ہے۔ کسی اور چراغ کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تاقیامت سب کو کافی ہے **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آیات **الہیہ** کو فروخت کرنا ممنوع و حرام ہے تو تعویذ پر اجرت لینا تعلیم قرآن پر تنخواہ لینا حرام ہونا چاہیے حالانکہ ہمارے صوفیاء علماء ان پر اجرت و تنخواہ لیتے ہیں یہ عمل کیوں جائز ہوا۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب پارہ **الم** میں دیا جاچکا ہے اور ابھی تفسیر میں بھی کچھ عرض کر دیا گیا کہ آیات کو فروخت کرنے کے معنی یہ ہیں کہ روپیہ لے کر آیات کے احکام بدل دیئے جاویں۔ تعویذ ایک قسم کا روحانی علاج ہے علاج کی اجرت لینا جائز ہے۔ حضرات صحابہ کرام نے ایک سانپ کاٹے ہوئے پر سورہ فاتحہ پڑھ کر دم کر دی اس پر تیس بکریاں اجرت وصولی کی سب نے بکریاں کھائیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا تو حضور انور نے اسے جائز فرمایا بلکہ خود بھی اس گوشت کا بقیہ تناول فرمایا۔ قرآن چھاپ کر بیچنا کتابت قرآن کی اجرت لینا سب جائز ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ **ما انزل اللہ** کے مطابق حکم نہ دینا اور کچھ حکم دینا کفر ہے تو موجودہ حکام جو قانون مروجہ پر حکم دیتے ہیں مسلمان نہ رہے مثلاً چوری کی سزا قرآن مجید میں ہاتھ کاٹنا ہے۔ اب حاکم دو سال قید کی سزا دیتا ہے۔ وہ مومن کیسے رہا۔ ہے **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ احکام **الہیہ** کو غلط سمجھنا قانون کو حق کو جاننا یا اس قانونی حکم کو حکم شرعی کہنا کفر ہے۔ موجودہ حکام مجبوراً یہ قانونی فیصلے کرتے ہیں ان کا یہ عقیدہ نہیں کہ قرآنی احکام غلط ہیں ہمارے یہ احکام درست ہیں نعوذ باللہ ظاہر ہے کہ کفر بد عقیدگی کا نام ہے عقیدہ بگڑے تو انسان کافر ہو **چھٹا اعتراض** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت فیصلے بہت احکام قرآن کریم کے خلاف جاری فرمائے وہ اس آیت کریمہ کی زد میں کیوں نہیں آتے کہ **ومن**

www.alahazratnetwork.org

لم یحکم بما انزل اللہ سب مسلمان ان فیصلوں کو حق مانتے ہیں دیکھو قرآن کریم فرماتا ہے کہ میت کا مال وارثوں کا حق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہماری میراث تقسیم نہیں ہوگی۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ دو گواہ پر فیصلہ ہوا کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت خزیمہ کی ایک گواہی کافی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ مرد کو چار بیویاں رکھنا جائز ہے۔ حضور انور نے حضرت علی کو جناب فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرمادیا یہ احکام خلاف ما انزل اللہ ہیں (بعض موجودہ بے دین)۔ جواب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر فرمان ما انزل اللہ ہے رب فرماتا ہے۔ وما ینطق عن الھوی ان ھوا لا وحی یوحی لہٰذا وہ احکام عالیہ قرآن کے خلاف نہیں قرآن کی تفسیر میں شرح یا اس کی تخصیص ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ ساتواں اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ ما انزل اللہ پر حکم دینا چاہیے تو ساری آسمانی کتب ما انزل اللہ ہیں ہم جس پر چاہیں حکم دیں۔ اب توریت و انجیل پر حکم کیوں نہیں دیا جاتا۔ جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ما انزل اللہ غیر منسوخ احکام میں جو منسوخ ہو چکے وہ ناقابل عمل ہیں آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح ہونا۔ عیسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں شراب حلال ہونا دین موسوی میں ناپاک جسم کو کاٹ ڈالنے کے احکام اب قابل عمل نہیں کہ منسوخ شدہ ہیں۔ سورج کی موجودگی میں نہ تاروں سے نور لیا جاتا ہے نہ چراغوں سے۔ آٹھواں اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت میں ہدایت اور نور تھا تو جو لوگ نزول توریت سے پہلے فوت ہو چکے تھے۔ جیسے فرعونی جادوگر وہ نہ ہدایت پر تھے نہ نور پر تو وہ کافر رہنے چاہئیں حالانکہ وہ سب مومن تھے نیز موسیٰ علیہ السلام نے نزول توریت سے پہلے کس چیز کی تبلیغ کی اس وقت آپ کے پاس نہ ہدایت تھی نہ نور تو فرعونیوں کو تبلیغ کس چیز کی فرمائی۔ جواب موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہدایت ایمان اور نور نبوت۔ نزول توریت سے پہلے ہی تھا سارے مومن آپ سے یہ ہدایت یہ نور حاصل کرتے تھے ہدایت اعمال اور نور ایمان توریت میں تھا۔ جو توریت کے نزول سے انہیں ملا یہ فرق خیال رکھو ہدایت ایمان نبی سے ملتی ہے۔ ہدایت اعمال کتاب سے یہ فرق بھی عام مومنوں کے لئے ہے ورنہ نبی کو ہدایت اعمال خود اپنے نور سے ملتی ہے۔ ہمارے حضور نزول قرآن سے پہلے نمازی وغیرہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ کتاب الٰہی میں ہدایت بھی ہوتی ہے نور بھی ہدایت دماغ کے ذریعہ تمام جسم کو ملتی ہے۔ مگر نور کا مقام مومن کا دل ہے کتاب کا نور دل میں ہی پہنچتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ توریت میں ہدایت بھی ہے نور بھی ہدایت راہ دکھاتا ہے نور راہ منور کر کے چمکا کر اس پر چلاتا ہے مگر یہ ہدایت اور نور دماغ و دل میں جب پہنچتے ہیں جبکہ نبی کا دست کرم وہاں پہنچائے ورنہ گدھے پر دفتر رکھ دو بیکار ہے کہ وہاں جسم پر کتابیں پہنچیں دل و دماغ تک نہ پہنچیں اس لئے ارشاد ہوا۔ یحکم بھا النبیون الخ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نبی مسلم ہیں مگر جیسی ہستی ویسی اطاعت وہ حضرات سراپا اطاعت الٰھیہ ہیں لہٰذا سراپا ہدایت ہیں بڑے خزانہ کی حفاظت کے لئے بڑا مضبوط قفل درکار ہے چونکہ وہ کتب الٰھیہ قیمتی خزانہ تھیں۔ اس لئے

www.alahazratnetwork.org

ان کی حفاظت کے لئے حضرات انبیاء و مشائخ و علماء مقرر فرمائے گئے۔ رب نے فرمایا **بما استحفظوا** صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس دنیا میں سے دین نکل جاوے وہ اس مردار کی طرح ہے۔ جس میں جان نکل جاوے وہ اگرچہ کتنا ہی موٹا تازہ ہو اس کی قیمت کچھ نہیں نہ تو اس کی قیمت ہے نہ وہ کسی کی قیمت۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ ایں جہاں جیفہ است مردار و رخیص ☆

☆ برچنیں مردار چوں باشم حریص ☆

☆ پس حیات ما است موقوف خطام ☆

☆ اندک اندک خد کن تم الکلام ☆

اور جو دنیا دین کے ساتھ ہے وہ قیمتی بھی ہے اور آخرت کی قیمت بھی مگر آخرت کو دنیا کے عوض نہ بیچو بلکہ دنیا کے ذریعہ آخرت خریدو جو کوئی اپنے متعلق **ما انزل اللہ** کے خلاف کرے۔ حکم الٰہی کو چھوڑ کر نفس کے حکم پر چلے وہ ہماری اصطلاح میں کافر ہے۔ رب سے غفلت کفر ہے۔ بیداری ایمان۔ **شعر:۔**

☆ اہل دنیا کافران مطلق اند ☆ روز و شب و رزق زق دور بک بک اند ☆

☆ چیست دنیا از خدا غافل بدن ☆ نے قماش و روزی و فرزند و زن ☆

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ

اور لکھا ہم نے اوپر ان کے اس توریت میں کہ بے شک جان بدلہ جان کے ہے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک
اور ہم نے توریت میں ان پر واجب کیا کہ جان کے بدلہ جان اور آنکھ کے بدلہ آنکھ اور ناک

بِالْأَنْفِ وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ

عوض ناک کے اور کان بدلہ کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور سارے زخم بدلوائے ہیں
کے بدلہ ناک اور کان کے بدلہ کان اور دانت کے بدلہ دانت اور زخموں میں بدلہ ہے

فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ

پس جو کوئی صدقہ کرے ساتھ اس کے پس وہ کفارہ ہے واسطے اس کے اور جو نہ حکم کرے ساتھ اس کے جو اتارا
پھر جو دل کی خوشی سے بدلہ کرا دے تو وہ اس کا گناہ اتار دے گا اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے

هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٤٥﴾

اللہ نے پس وہ لوگ ہی ظالم ہیں
تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے توریت شریف میں ہدایت بھی نازل فرمائی تھی اور نور بھی اب اس ہدایت و نور کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے یعنی شرعی احکام متعلقہ معاملات گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل و تشریح ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ احکام توریت پر گزشتہ انبیاء کرام بھی عامل رہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ بلکہ اس کے بعض احکام پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عمل ہے یعنی جان و اعضاء و زخم کے قصاص توریت میں بھی تھے۔ اسلام میں بھی ہیں گویا پچھلی آیت کریمہ میں عمل انبیاء سے ان احکام کی اہمیت دکھائی گئی تھی۔ اس آیت کریمہ میں عمل سید الانبیاء سے اہمیت ظاہر کی گئی۔ کلام کی اہمیت متکلم کی شان سے ہوتی ہے اور کام کا درجہ کام والے کے مرتبہ سے معلوم ہوتا ہے چونکہ حضور بڑے شان والے نبی ہیں۔ اس لئے اس عمل کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے اب حضور کا عمل دکھایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ یہود کے پوپ پادریوں نے آیات توریت کو فروخت کردیا تھوڑی قیمت کے عوض کہ فرمایا گیا تھا۔ **لا تشتروا بایاتی الخ** اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ دیکھو قصاص کے احکام توریت میں موجود تھے اور موجود ہیں مگر ان پوپ و پادریوں نے انہیں عملاً فنا کردیا کہ اس پر عمل بالکل چھوڑ دیا گویا پچھلی آیت میں ان کے آیات الہیہ بیچنے کا ذکر تھا۔ اب اس حرکت کا مشاہدہ کرایا جارہا ہے جس سے پڑھنے سننے والے کو حق الیقین حاصل ہو جاوے۔

شان نزول سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہود میں رواج ہو گیا تھا کہ اگر عورت کو مرد قتل کردے تو قاتل کو قتل نہ کرتے تھے ان کے اس عمل بد کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ توریت میں تو جان کا بدلہ جان قرار دیا گیا تھا۔ یہ مرد و عورت کا فرق ان یہود کی تحریف ہے (تفسیر مدارک) بلکہ انہوں نے ادنیٰ اعلیٰ شریف و رذیل قوموں کے خون میں بھی یہ ہی اندھیر کر رکھا تھا حتی کہ بنی نضیر کو اعلیٰ مانتے تھے۔ بنی قریظہ کو ادنیٰ اگر کوئی نضیری کسی قرظی کو قتل کردیتا تو قاتل کو ہرگز قتل نہ کرتے تھے بلکہ اس کی دیت بھی آدھی دلواتے تھے۔ دیکھو تفسیر خازن 'کبیر' روح البیان)

تفسیر وکتبنا علیھم فیھا۔ کتبنا بنا ہے **کتب** سے یا **کتابت** سے جس کے لغوی معنی ہیں لکھنا اور اصطلاح میں معنی ہوتے ہیں فرض کرنا لازم کرنا کیونکہ لکھ کر دیا ہوا حکم زبانی حکم سے زیادہ اہم مانا جاتا ہے۔ یہاں اگر اصطلاحی معنی میں ہے تب تو اس کے معنی ظاہر ہیں کہ فرض فرمانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اگر لغوی معنی میں ہے یعنی معنی لکھنا تو اگرچہ تختیوں میں توریت لکھنے والے فرشتے تھے مگر چونکہ وہ تحریر اللہ تعالیٰ کے حکم اس کے فرمان سے تھی لہذا حقیقتاً فاعل رب تعالیٰ ہی تھا یا چونکہ اللہ کے مقبول بندوں کا کام گویا رب تعالیٰ کا ہی کام ہے لہذا **کتبنا** ارشاد ہوا۔ جب بندے کو رب تعالیٰ سے قرب بہت ہوتا ہے تو بندہ کا کام رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کا کام بندہ کا کام بن جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو رب کی بیعت قرار دیا گیا **انما یبایعون اللہ** اور حضرت

www.alahazratnetwork.org

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ بہ حکم پروردگار میں مردے زندہ کرتا ہوں میں بیماروں کو شفا دیتا ہوں۔ اسی قاعدے سے یہاں ارشاد ہوا کہ **کتبنا علیھم۔ علیھم** کی ضمیر یہود کی طرف راجع ہے۔ جن پر توریت کے احکام ماننا فرض تھا۔ **فیھا** کا مرجع توریت شریف ہے۔ **ان النفس بالنفس** یہ پورا جملہ **کتبنا** کا مفعول بہ ہے۔ قرآن مجید میں **نفس** کئی معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ ذات **لا اعلم ما فی نفسک** جان **من قتل نفسا بغیر نفس** دل جیسے **فطوعت لہ نفسہ قتل اخیہ** نفس امارہ نفس مطمئنہ نفس لوامہ یہاں بمعنی جان ہے بمعنی ذات تو مذکر ہے اور بمعنی جان و روح ہو تو مونث اس کی تصغیر بہرحال نفیسہ آتی ہے (روح المعانی) یہاں دونوں معنی کا احتمال ہے **بالنفس** سے پہلے مقتولہ یا مقتول پوشیدہ ہے اور نفس سے مراد مطلق نفس و ذات انسانی ہے مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام بالغ ہو یا نابالغ مومن ہو یا کافر البتہ اگر مومن کسی کافر حربی کو مار دے تو قصاص نہیں جہاد میں کفار مسلمانوں کے ہاتھوں مارے ہی جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ عبارت مجمل ہے اس کی تفصیل حدیث شریف نے کی' جان کا قصاص جب لیا جاتا ہے۔ جبکہ چار شرطیں پائی جاویں انسانی جان کو قتل کرے ناحق قتل کرے ظلماً" قتل کرے۔ عمداً" قتل کرے۔ لہٰذا بھیڑ بکری وغیرہ جانوروں یوں ہی جنات کے قتل میں قصاص نہیں کہ یہ انسانی جان نہیں اور کافر حربی یا ڈاکو کے قتل میں قصاص نہیں کہ یہ قتل ناحق نہیں حملہ آور یا چور کو مار دینے میں قصاص نہیں کہ یہ قتل ظلماً" نہیں بلکہ دفع ظلم کے لئے ہے۔ خطاء یا شبہ سے قتل کرنے میں قصاص نہیں کہ یہ قتل عمداً" نہیں۔ بہرحال قرآن کی کسی آیت پر بغیر حدیث شریف کی مدد کے عمل ناممکن ہے **النفوس نفس بالنفس** دونوں کو واحد فرمانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ ایک جان کے عوض ایک جان یعنی صرف قاتل ہی کو قتل کیا جاوے گا۔ بنی نضیر بنی قریظہ سے اپنے مقتول کا بدلہ ڈبل لیتے تھے کہ اپنے ایک مقتول کے عوض ان کے دو کو قتل کرتے تھے۔ اس فرمان عالی میں ان کے اس عمل کی تردید ہے (تفسیر احمدی) نیز اگر ایک شخص چند آدمیوں کو مار دے تو ان سب مقتولوں کے عوض صرف اس ایک قاتل ہی کو قتل کیا جاوے۔ یہ بھی اشارہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے عوض قتل ہی کیا جاوے گا۔ خواہ وہ کسی طرح مقتول کو مارے نوعیت قتل میں برابری شرط نہیں یہاں تک تو جان کے قصاص کا ذکر ہوا **والعین بالعین** یہ اعضاء کے قصاص کا ذکر ہے چار اعضاء کے قصاص کا ذکر ہو رہا ہے پہلا عضو آنکھ ہے اگر کوئی ظالم کسی کی آنکھ پر ایسی چوٹ مارے کہ آنکھ تو قائم رہے مگر اس کی روشنی جاتی رہے تو اس ظالم کی آنکھ کی روشنی زائل کر دی جاوے گی کہ اس کی آنکھ پر بھیگی روئی رکھ کر اس پر گرم شیشہ پھیر دیا جاوے گا حضرات صحابہ کرام نے یہ ہی عمل کیا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے لیکن اگر ظالم نے آنکھ نکال ڈالی چاقو وغیرہ سے تو ابھی اس سے قصاص نہ لیا جاوے گا اسے قید رکھا جاوے گا اگر مظلوم اس صدمہ سے مرجاوے تو اس سے جان کا قصاص لیا جاوے گا اگر مرا نہیں تو اس کی آنکھ نہ نکالی جاوے گی بلکہ دیت دلوائی جاوے گی کیونکہ آنکھ نکالنے میں برابری ناممکن ہے۔ ممکن ہے کہ مظلوم تو اچھا ہو گیا اور ظالم آنکھ نکالنے سے مرجاوے (تفسیر احمدی وغیرہ) **والانف بالانف** یہ دوسرے عضو کے قصاص کا ذکر ہے کہ جو کوئی ظلماً" عمداً" کسی کی

www.alahazratnetwork.org

ناک کاٹ دے، تو اس کی ناک کاٹ دی جاوے مگر خیال رہے کہ اگر بانسہ کاٹا ہے تو اس کا بھی بانسہ کاٹا جاوے گا۔ لیکن اگر جڑ سے کاٹ دی ہے تو قصاص نہیں کہ اس میں برابری ناممکن ہے بلکہ اب دیت واجب ہوگی (تفسیر احمدی) **والاذن بالاذن** یہ تیسرے عضو کے قصاص کا ذکر ہے یعنی کان کا کان کے کاٹنے میں بہر صورت قصاص ہے خواہ آدھا کاٹے یا پورا کہ اس میں مساوات ممکن ہے **والسن بالسن** یہ چوتھے عضو کے قصاص کا حکم ہے۔ اگر کسی نے کسی کا دانت اکھیڑ دیا تو اس کا دانت اکھیڑا جاوے گا۔ اگر چوٹ مار کر بیکار کر دیا تو اس کا دانت بھی بیکار کر دیا جاوے گا اس میں بھی بہر حال قصاص واجب ہے کہ مساوات ممکن ہے۔ خیال رہے یہاں پانچوں جگہ ب جارہ ہے **بالنفس' بالعین' بالاذن' بالسن** ان سب جگہ اس کا متعلق ایسا پوشیدہ مانا جاوے گا۔ جو وہاں کے مناسب ہو۔ لہٰذا کہا جاوے گا۔ **النفس یقتل بالنفس** اور **العین یفقا بالعین** اور **الانف یقطع بالانف** اور یوں ہی **الاذن یقطع بالاذن** اور **السن تقع بالسن۔ والجروح قصاص** یہ عام قاعدہ کلیہ ہے **الجروح** معطوف ہے **النفس** پر اور ان کا اسم ہے قصاص بنا ہے۔ **قص** سے بمعنی برابری اس لئے الٹے پاؤں واپس ہونے کو قص کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فارتد اعلی اثارھما قصصاً** یعنی تمام زخموں کا بدلہ ہے اس کی برابر اس میں اشارۃً ارشاد ہے کہ جن زخموں میں برابر ہو سکے ان ہی میں قصاص ہے۔ جن میں برابری نہ ہو سکے ان میں قصاص نہیں لہٰذا دانتوں کے سواء کسی ہڈی کے توڑ دینے کا قصاص نہیں یوں ہی پیٹ یا سر میں آر پار ہو جانے والے زخم میں قصاص نہیں کہ ان میں برابری نہیں ہو سکتی (تفسیر احمدی) **فمن تصدق به فهو كفارة له** یہ دوسری صورت کا بیان ہے یعنی مجرم کو معاف کر دینے کا اس جملہ میں دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **من** سے مراد مقتول کے وارث ہیں یا خود مقطوع مظلوم جس کے اعضاء مذکورہ کاٹے گئے ہوں۔ **تصدق** سے مراد ہے رضاء الٰہی کے لئے قصاص معاف کر دینا چونکہ اس معافی کا بھی ثواب ملتا ہے۔ اس لئے اسے تصدق یعنی خیرات و صدقہ فرمایا **به** کا مرجع وہ ہی مذکورہ قصاص ہے۔ **فهو** میں **هو** کا مرجع صدقہ یعنی معاف کر دینا ہے۔ **کفارہ** کے معنی ہیں گناہ مٹانے معاف کرانے کا ذریعہ **له** کا مرجع وہی معاف کرنے والا یعنی مظلوم ظالم سے قصاص معاف کر دے تو یہ معافی اس معاف کرنے والے کے گناہوں کا کفارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس کے گناہ معاف فرمادے گا جیسا کہ احادیث شریفہ میں ہے دوسرے یہ کہ جو مظلوم ظالم کا قصاص معاف کر دے تو یہ معافی اس ظالم کے اس جرم کا کفارہ ہے کہ اس سے اس ظالم کا یہ گناہ معاف ہو جاوے گا کیونکہ حق العباد صاحب حق کے معاف کر دینے سے معاف ہو جاتا ہے۔ **ومن لم يحكم بما انزل الله فاولئك هم الظلمون** اس جملہ میں قصاص جاری نہ کرنے والوں یا اس کے خلاف حکم دینے والوں کی سزا کا ذکر ہے **من** سے مراد وہ حکام یا علماء ہیں جو ان احکام قصاص کو غلط سمجھیں اور مروجہ قوانین کو درست سمجھ کر انہیں جاری کریں یعنی جو **ما انزل الله** کے مطابق فیصلہ نہ کرے وہ ظالم ہے کافر ہے یہاں ظلم بمعنی کفر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **والكافرون هم الظالمون** اور فرماتا ہے **ان الشرك لظلم عظيم۔**

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر توریت وغیرہ آسمانی کتابوں میں عبادات' معاملات' سیاسیات تمام چیزوں کے احکام تھے۔ مگر سیاسیات بہت اہم تھے کہ ان سے عالم کا نظام ملک کا انتظام قائم ہے اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ یہود نے توریت کے سیاسی احکام بھی بدل ڈالے تو معاملات و عبادات کا کیا پوچھنا چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ان اسرائیلیوں پر توریت میں یہ لازم فرمایا تھا کہ ایک جان کے عوض ایک جان کو قتل کرو یعنی ظالم قاتل کو اور آنکھ کے عوض آنکھ پھوڑو ناک کے عوض ناک کاٹو۔ کان کے عوض کان کاٹو اور دانت کے عوض دانت نکالو ان کے علاوہ تمام قابل قصاص زخموں کا قصاص ہے مگر چونکہ یہ حق العبد ہے۔ اس لئے قانون یہ ہے کہ اگر مقتول کے ورثاء یا مقطوع خود اپنے ظالم کو قصاص معاف کردیں تو یہ معافی قاتل و قاطع کا کفارہ بن جاوے گی کہ اس معافی سے نہ اس ظالم پر قصاص رہے گا نہ گناہ حکم توریت تو یہ تھا۔ ان اسرائیلیوں نے اس قصاص میں ایسی گڑبڑ کی کہ معاذ اللہ عورت و مرد کے درمیان قصاص ختم کردیا۔ ایک شریف مقتول کے عوض دو دو آدمی مارنے لگے اور غریب ذلیل مقتول کا قصاص ہی اڑا دیا جیسے ان لوگوں نے رجم وغیرہ سزاؤں میں بہت ترمیم و تبدیلی کردی اس سے بڑھ کر قصاص کے احکام میں ہیر پھیر کر ڈالا جو حاکم جو پوپ پادری جو شخص بھی اللہ کے اتارے ہوئے احکام نافذ نہ کرے اسے غلط سمجھے وہ پکا ظالم و کافر ہے۔ خواہ حاکم ہو یا شیخ یا عالم یا پوپ و پادری یا نبی زادہ غرضیکہ کوئی ہو وہ اس انکار سے کافر ہو گا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ گزشتہ کتابوں کے جو احکام قرآن پاک میں بغیر تردید اور بغیر اظہار ناراضگی نقل ہوں وہ ہمارے لئے بھی قابل عمل ہیں یہ فائدہ **وکتبنا فیھا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو جان اور اعضاء کے قصاص کے احکام توریت شریف میں تھے جو اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے نقل فرمائے اس آیت کی بنا پر ہمارے اسلام میں بھی قصاص کے یہ ہی احکام ہیں۔ دوسرا فائدہ شریعت میں جان کا بدلہ جان ہے۔ قاتل جان بھی مطلق ہے اور مقتول جان بھی مطلق لہٰذا عورت مرد کو قتل کرے یا بالعکس یوں ہی مسلمان ذمی کافر کو قتل کرے یا بالعکس بہرحال قصاص واجب ہے۔ یہ فائدہ **ان النفس بالنفس** میں دونوں جگہ نفس کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** جان کے قصاص میں قاتل کو صرف قتل کیا جاوے گا نوعیت قتل میں یکساں ہونا ضروری نہیں لہٰذا اگر کوئی کسی کو سر کچل کر مار دے یا چھوٹی بچی سے زنا کر کے مار دے کہ وہ زنا کی تاب نہ لائے اور مر جاوے یا کسی کو پانی میں غرق کر کے یا کسی اور ذریعہ سے مار دے۔ بہرحال قاتل کو تلوار سے ہی قتل کیا جاوے گا یہ نہ ہو گا کہ جس طرح اس نے مارا ہے اسی طرح اسے مارا جاوے یہ فائدہ بھی **النفس بالنفس** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** ہر قتل میں قصاص نہیں۔ جب تک قتل میں چند شرطیں نہ ہوں قتل ناحق ہو۔ بطور ظلم ہو' عمداً ہو' لہٰذا اگر حق پر قتل کیا تو قصاص نہیں کافر حربی کو مار دیا مرتد' ڈاکو' زانی کو حاکم کے فیصلہ سے قتل کیا یہ قتل برحق ہیں اس کا قصاص نہیں۔ اپنی جان موذی حملہ آور آدمی سے بچانے کے

www.alahazratnetwork.org

لئے اسے مار دیا اس میں قصاص نہیں کہ یہ قتل ظلماً نہیں۔ قتل باشبہ میں قصاص نہیں کہ یہ قتل عمداً نہیں یہ فائدہ **النفس بالنفس** کے مجمل ہونے سے حاصل ہوا اس کی تفصیل حدیث شریف نے کی۔ خیال رہے کہ آیت کریمہ بعض اعتبار سے مطلق ہے۔ بعض اعتبار سے مجمل۔ **پانچواں فائدہ** اگر ایک قاتل چند شخصوں کو قتل کر دے تو قصاص میں صرف اس کو قتل کیا جاوے گا اور اگر چند آدمی مل کر ایک شخص کو قتل کر دیں تو اس ایک قتل کے قصاص میں ان سب کو قتل کیا جاوے گا یہ فائدہ بھی **النفس بالنفس** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** جان کی طرح اعضاء کا بھی قصاص ہے یہ فائدہ **والعین بالعین** الخ سے حاصل ہوا مگر اس قصاص میں بھی وہ ہی تین شرطیں ہیں جو قصاص جان میں تھیں یعنی ناحق ہو۔ ظلماً ہو عمداً ہو۔ **ساتواں فائدہ** جن زخموں میں برابری کی سزا نہ ہو سکے ان میں قصاص نہیں جیسے جڑ سے ناک کاٹ دینا یا دماغ یا پیٹ تک پہنچ جانے والا زخم لگا دینا یہ فائدہ **والجروح قصاص** سے حاصل ہوا۔ قصاص میں برابری شرط ہے۔

مسئلہ اگر کوئی کسی کو بلاقصور طمانچہ مار دے گھونسہ تھپی مار دے اس میں بھی قصاص ہے۔ **مسئلہ** اگر باپ اپنے بیٹے کو یا مولیٰ اپنے مملوک غلام کو۔ نبی امتی کو قتل کر دے تو قصاص نہیں (کتب فقہ) دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے قبطی کو گھونسہ مار کر ہلاک کر دیا مگر ان پر قصاص واجب نہیں ہوا۔ یوں ہی اگر استاد اپنے شاگرد کو غلط فہمی سے طمانچہ تھپی مار دے مگر شاگرد بے قصور ہو تو بھی استاد پر قصاص واجب نہیں یہ بے قصور شاگرد استاد کو طمانچہ یا گھونسہ نہیں مار سکتا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے ایک غلط فہمی کی بنا پر حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچا۔ حالانکہ وہ بے قصور تھے تو موسیٰ علیہ السلام پر قصاص واجب نہیں ہوا۔ یہ ہی حکم خاوند اور بیوی کا ہے کہ اگر خاوند غلط فہمی سے اپنی بیوی کو طمانچہ تھپی لگا دے تو بیوی قصاص میں خاوند کو نہیں مار سکتی۔ **آٹھواں فائدہ** قصاص حق العبد ہے کہ مظلوم یا مقتول کے وارث ظالم یا قاتل کو معاف کر دیں تو معاف ہو جاوے گا یہ فائدہ **فمن تصدق** الخ کے **من** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** اگر مقتول کے وارثوں میں سے ایک وارث بھی قصاص معاف کر دے یا دیت سے راضی ہو جاوے اور باقی وارثین قصاص لینا چاہیں تب بھی قصاص ختم ہو جاوے گا یہ فائدہ بھی **فمن تصدق** الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** قصاص معاف کر دینے والے کو بہت بڑا ملتا ہے یہ فائدہ **تصدق** اور **کفارة** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** جو حاکم قصاص جاری نہ کرے یا جو عالم قصاص کے خلاف فتویٰ دے حکم قصاص کو غلط سمجھتے ہوئے تو وہ حاکم و عالم کافر ہے یہ فائدہ **ھم الظلمون** سے حاصل ہوا۔ **بارہواں فائدہ** قصاص حاکم کے فیصلہ سے لیا جا سکتا ہے ہر شخص قصاص نہیں لے سکتا یہ فائدہ اشارۃ **ومن لم یحکم** الخ سے حاصل ہوا۔ تمام شرعی سزاؤں کا یہ ہی حال ہے بغیر فیصلہ حاکم چور کے ہاتھ نہیں کٹ سکتے زانی کو سنگسار نہیں کیا جا سکتا۔ مرتد اور قاتل کو قتل نہیں کیا جا سکتا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض اگر گزشتہ شریعتوں کے احکام جو قرآن مجید میں آجاویں ان پر عمل کرنا ہم کو بھی ضروری ہو تو چاہیے کہ ہم پر حلال جانوروں کی چربی حرام ہو کیونکہ رب تعالیٰ نے قرآن کریم میں یہود کے متعلق فرمایا **حرمنا علیھم شحو مھما** جب ہم پر وہ چربی حرام نہ ہوئی تو قصاص کیوں واجب ہو گا یہ قصاص بھی تو حکم توریت ہے۔ جواب چربی کی حرمت والی آیت میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ یہ حکم ان بنی اسرائیل کو بطور سزا دیا گیا تھا کہ فرمایا **فبظلم من الذین ھادوا حرمنا علیھم** الخ تو اس امت مرحومہ پر وہ عذاب کے احکام جاری نہیں ہو سکتے۔ قصاص کے متعلق یہ نہیں فرمایا گیا لہٰذا یہ حکم ہمارے لئے واجب العمل ہے۔ دوسرا اعتراض اس آیت کریمہ میں مطلق" فرمایا گیا کہ نفس کے بدلہ نفس ہے پھر تم نے ظلم' عمد' ناحق کی قیدیں کہاں سے لگائیں ہر قتل میں قصاص ہونا چاہیے۔ جواب یہ آیت کریمہ ان امور میں مطلق نہیں بلکہ مجمل ہے اسے احادیث شریفہ میں واضح فرمایا ورنہ پھر تو چاہیے کہ گائے بکری ذبح کرنے والے پر اور مجاہد غازی پر جو جنگ میں کفار کو ماریں قصاص واجب ہو جاوے کہ جانور اور کفار سب ہی نفس ہیں۔ تیسرا اعتراض حدیث شریف میں ہے کہ مومن کو کافر کے عوض قتل نہ کیا جاوے تم نے یہ کیوں کہا کہ مسلمان قاتل کو کافر مقتول کے عوض قتل کیا جاوے گا (حضرات شافعی) جواب آپ کی پیش کردہ حدیث میں کافر سے مراد کافر حربی ہے رہے کافر ذمی یا مستامن ان کے مسلم قاتل کو ضرور قتل کیا جاوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا ہے **دماءھم کدمائنا واموالھم کاموالنا** ان کے خون ان کے مال ہمارے مسلمانوں کے خون و مال کی طرح ہیں اسی لئے اگر کوئی مسلمان ذمی کا مال چرائے تو اس کا ہاتھ کٹے گا۔ حربی کافر کا مال چھپ کر چھین کر لے لے کوئی سزا نہیں۔ بلکہ انعام ملتا ہے دن رات سرحدوں پر یہ واردات ہوتی رہتی ہیں۔ چوتھا اعتراض تم نے کہا کہ نبی امتی کو قتل کر دے یا مار دے تو قصاص نہیں مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار اپنے کو صحابی کے سامنے قصاص کے لئے پیش کر دیا۔ جب کہ حضور انور نے انہیں چھڑی لگائی تھی۔ جواب حضور انور کا یہ عمل شریف تعلیم امت کے لئے تھا۔ حضور پر واجب نہ تھا جیسے کہ بیویوں میں عدل و انصاف باری مقرر فرمانا قرعہ ڈال کر بیویوں کو سفر میں ساتھ لے جانا کچھ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب نہ تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم عمل فرماتے تھے۔ کیوں ہماری تعلیم کے لئے۔ پانچواں اعتراض تم نے کہا کہ قصاص میں صرف قتل ہے نوعیت قتل میں برابری ضروری نہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ ایک یہودی نے ایک لڑکی کا سر کچل کر مار دیا تو حضور انور نے اس کا سر ہی کچلا تلوار سے قتل نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ جیسے قاتل قتل کرے گا ویسے ہی اسے بھی قتل کیا جاوے گا (شافعی) جواب وہ حدیث منسوخ ہے جیسے کہ حضور نے عرینہ والوں کی آنکھیں پھوڑیں ہاتھ پاؤں کاٹے اور انہیں حرہ میدان میں چھوڑ دیا کہ وہ کئی دن میں تڑپ کر مرے۔ پھر مثلہ کی حرمت سے یہ عمل منسوخ ہو گیا۔ ایسے ہی یہ عمل شریف منسوخ ہے ورنہ جو کسی لڑکی کو زنا سے مار دے۔ وہاں برابری کیسے ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ جسمانی قصاص کی بہت شرطیں ہیں اور وہ کبھی کبھی کسی پر جاری کیا جاتا ہے مگر نفسانی قصاص ہر شخص ہمیشہ خود ہی لیتا رہے اگر نفس دل کو قتل کردے کہ اسے غفلت کی تلوار سے ذبح کردے تو اس کا قصاص نفس سے یوں لو کہ اسے مجاہدہ کی تلوار سے ذبح کرو اگر نفس کبھی انسان سے گناہ کرا کر اسے ناقص کردے تو اس کے قصاص میں بہت سی نیکیاں کرلو اگر فرض قضا کرادے تو اس قدر نفل لو اکرو کہ آئندہ اسے ایسے جرم کی ہمت ہی نہ پڑے غفلت دل کا قتل ہے اور گناہ کرادینا گویا دل کے اعضاء کٹ کرا سے ناقص کردینا ہے۔ ان کے قصاص مختلف ہیں اگر خود صاحب شریعت جو تمام مسلمانوں کے ولی وارث ہیں نفس کو کسی جرم کی معافی دے دیں تو ان کی یہ معافی نفس کے جرم کا کفارہ ہے جو شخص ان واردات پر عمل نہ کرے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے دل پر نازل فرمائے کہ اسے ظلمت سے نور کی طرف شک سے یقین کی طرف مخالفت سے متابعت کی طرف جھوٹ سے سچ کی طرف۔ شرک سے توحید کی طرف۔ ظلم سے عدل کی طرف۔ گناہ سے اطاعت کی طرف نہ نکالے تو وہ کافر ہے ظالم ہے فاسق ہے کافر ہے کہ اللہ کی نعمتوں کا ناشکرا ہے ظالم ہے کہ علم کے مطابق عمل نہیں کرتا فاسق ہے کہ اللہ کی مراد پر اپنی مراد کو ترجیح دیتا ہے۔ ایسا بندہ حجاب میں رہے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس اور دل دونوں ایک دوسرے کے دشمن ہیں کہ نفس مرکز شیطان ہے دل تجلی گاہ رحمٰن نفس اندھیرا ہے۔ دل روشنی۔ عقل ان دونوں کے درمیان ہے اگر عقل نفس کے ساتھ ہو کر دل کو دبائے تو عقل شیطانی ہے اور دل کے ساتھ ہو کر نفس کو سزا دے اس سے دل کا قصاص لے تو عقل رحمانی ہوتی ہے **شعر**۔

☆ عقل زیر حکم دل رحمانی است ☆ چوں ز دل آزار شد شیطانی است ☆

شیطانی عقل دل کی پاسبانی نہیں کرتی بلکہ رہزنی کرتی ہے دل کو عقل کی ضرورت ہے مگر جب اس دل میں عشق الٰہی کی جلوہ گری ہو جاوے تو عقل کی نہیں چلتی۔ **شعر**۔

☆ بہتر ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل ☆
☆ لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے ☆

یہ قصاص نفس وغیرہ اس وقت تک ہے۔ جب تک کہ نفس زندہ ہے مگر جب عشق کی سینہ میں جلوہ گری ہو گئی تو نفس میں جرم کرنے کی ہمت ہی نہ رہی وہ تو مردہ بدست زندہ ہو گیا۔ پھر نہ نفس جرم کرے نہ قصاص کی ضرورت پڑے۔ عشق وہ آگ ہے جو ماسواء محبوب کو جلا کر فنا کر دیتی ہے۔ **شعر**۔

☆ عشق آمد عقل خود آوارہ شد ☆ شمس آمد شمع خود بیچارہ شد ☆

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ
اور ان کے پیچھے بھیجا ہم نے ان کے نشانات قدم کے پیچھے بیٹے مریم کو سچا کرنے والا اس کو جو ان کے سامنے ہے
اور ہم نے ان نبیوں کے پیچھے ان کے نشان قدم پر عیسیٰ ابن مریم کو لائے تصدیق کرتا ہوا توریت کی جو

www.alahazratnetwork.org

مِنَ التَّوْرٰىةِ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا

توریت اور دی ہم نے ان کو انجیل جس میں ہے ہدایت اور روشنی اور سچا کرنے والی اس کو

اس سے پہلے تھی اور ہم نے اسے انجیل عطا کی جس میں ہدایت اور نور ہے اور تصدیق فرماتی ہے

بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٤٦﴾

جو اسکے سامنے ہے توریت اور ہدایت اور نصیحت واسطے پرہیزگاروں کے

توریت کی کہ اس سے پہلے تھی اور ہدایت اور نصیحت پرہیزگاروں کو اور

وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ؕ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ

اور چاہیے کہ انجیل والے فیصلہ کریں اس پر جو اتارا اللہ نے اس میں اور جو نہ فیصلہ کرے

اور چاہیے کہ انجیل والے حکم کریں اس پر جو اللہ نے اس میں اتارا اور جو اللہ

بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾

اس پر جو اتارا اللہ نے پس یہ ہی لوگ وہ بے راہ ہیں ۔

کے اتارے پر حکم نہ کریں تو وہی لوگ فاسق ہیں ۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں یہود کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ توریت شریف کے احکام قصاص و رجم وغیرہ جاری کریں۔ اب عیسائیوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ اپنی کتاب انجیل شریف پر عمل کر کے قصاص و رجم جاری کریں یا انجیل کا یہ حکم مانیں کہ نبی آخر الزمان حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں چونکہ یہودی عیسائیوں سے پہلے ہیں اس لئے یہود کو پہلے خطاب فرمایا گیا عیسائیوں کو بعد میں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں توریت شریف کی عظمتوں کا ذکر فرمایا گیا کہ اس پر حضرات انبیاء کرام عمل کرتے رہے اس میں نور وہدایت ہے اب اور طرح اس توریت شریف کی عظمت کا اظہار ہے کہ جناب عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام جیسی شاندار ہستی نے توریت کی تصدیق فرمائی۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں قصاص نفس اور قصاص اعضاء کا حکم دیا گیا اور فرمایا گیا کہ یہ حکم توریت ہے۔ اب اس قصاص کی اہمیت بیان فرمائی جارہی ہے کہ یہ حکم جناب عیسیٰ ابن مریم صلوٰت اللہ وسلامہ علیہ کا تصدیق فرمودہ ہے اس پر عمل نہایت ہی ضروری ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں قرآن مجید کی عظمت یوں بیان کی گئی کہ وہ توریت کے بعض احکام کو دنیا میں شائع فرمانے والا ہے جیسے حکم قصاص یا حکم رجم وغیرہ اب اسی قرآن مجید کی عظمت دوسری طرح بیان ہو رہی ہے کہ یہ ہی قرآن مجید انجیل اور اس کے بعض احکام کی دنیا میں شہرت و بقا کا ذریعہ ہے انجیل والوں کو چاہیے کہ قرآن مجید سے دشمنی نہ کریں اس کا احسان مانیں کہ قرآن مجید نے ان کی کتاب کا نام کر دیا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر **وقفینا علی اثارھم بعیسی ابن مریم** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ یا یہ عبارت معطوف ہے **والتورۃ** پر اور واؤ عاطفہ ہے۔ **تقفینا** بنا ہے **تقفیۃ** سے جس کا مادہ قفا ہے بمعنی پیچھے۔ **تقفیہ** کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلانا یا بھیجنا۔ چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مذکورین نبیوں کے بعد تشریف لائے کہ آپ کے زمانہ میں ان میں سے کوئی نبی نہ تھا۔ اس لئے **قفینا** فرمایا گیا **اثار** جمع ہے **اثر** کی بمعنی نشان قدم **ھم** کا مرجع وہ ہی انبیاء کرام ہیں جن کا ذکر ہوا **النبیون الذین اسلموا** میں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس ملک **فلسطین** میں پیدا ہوئے جن میں اکثر مذکور انبیاء کرام پیدا ہوئے تھے نیز آپ کی تشریف آوری کے وقت مذکور نبیوں کی کتابیں ان کی تعلیمات ان کے فرمان کچھ موجود تھے بالکل مٹ نہ گئے تھے اس لئے فرمایا گیا **علی اثارھم** کیونکہ نشان قدم کچھ وقت تک تو رہتے ہیں پھر مٹ جاتے ہیں۔ اس فرمان کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود نبی نہ تھے گزشتہ نبیوں کے نقش قدم پر ہی چلتے تھے **بعیسی** کی ب یا تو زائدہ ہے کیونکہ **قفینا** دو مفعول خود ہی چاہتا ہے یاء تعدیہ کی ہے اگر **تقفینا** کو باب تفعیل میں لانا تعدیہ کے لئے نہ ہو چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ صرف ماں سے ہوئی۔ اس لئے ہر جگہ آپ کو والدہ کی طرف ہی نسبت کیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **اثارھم** فرمانا یہ بتانے کے لئے ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ان تمام نبیوں کے بعد تشریف لائے ان کے زمانہ میں کوئی اور نبی موجود نہیں تھے۔ آپ بنی اسرائیل کے خاتم النبیین ہیں **آثارھم** فرمانے کا یہ مقصد نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام ان نبیوں کے نقش قدم پر چلنے کے لئے آئے آپ ان کے تبع تھے۔ کیونکہ آپ مستقل صاحب شریعت پیغمبر ہیں کسی نبی کے تبع نہیں جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھا **مصدقا لما بین یدیہ من التورۃ** یہ عبارت عیسیٰ ابن مریم کا حال ہے **مصدقا** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ اس کے تین معنی ہیں سچا کہنے والا سچا کرنے والا۔ سچا کہلوانے والا یہاں یہ تینوں معنی بن سکتے ہیں **من التورۃ لما** کا بیان ہے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام زبور شریف اور تمام آسمانی صحیفوں کے بھی مصدق تھے مگر چونکہ یہاں خطاب یہود سے ہے اس لئے صرف توریت کا ذکر فرمایا۔ نیز توریت بہت جامع کتاب اور اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب ہے اس کے بہت سے احکام انجیل شریف میں بھی تھے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام نے جاری فرمائے۔ اس لئے خصوصیت سے توریت کا ذکر فرمایا یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کو اس شان سے بھیجا کہ وہ اپنے سے پہلی کتاب توریت کو سچا کرتے تھے کہ توریت نے انکی آمد کی خبر دی تھی آپ کی آمد سے وہ خبر سچی ہو گئی چونکہ صرف توریت نے ہی آپ کی بشارت دی تھی اس لئے آپ نے صرف توریت کو سچا کر دیا ہمارے حضور کی بشارتیں ساری کتابوں اور صحیفوں میں تھیں اس لئے آپ کے متعلق ارشاد ہوا **مصدقا لما معکم** یہ فرق ہے تصدیق عیسوی اور تصدیق محمدی میں کہ حضور کی آمد سے تمام کتب آسمانی سچی ہو گئیں۔ نیز آپ نے توریت کو سچا کہا لوگوں سے سچا کہلوایا۔ اس لئے ارشاد ہوا **مصدقا** الخ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے صرف فلسطین کے بنی اسرائیل سے توریت کو سچا کہلوایا کہ آپ صرف ان کے ہی نبی تھے۔ مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جہان سے تمام آسمانی کتب کو سچا کہلوایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں

www.alahazratnetwork.org

کے نبی ہیں اور حضور کی وجہ سے ہر مسلمان تمام کتب مانتا ہے۔ **واتینہ الانجیل** یہ عبارت معطوف ہے **قفینا** الخ پر اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوسری شان کا ذکر ہے کہ وہ صاحب کتاب صاحب شریعت رسول ہیں ہم نے انہیں انجیل شریف عطا فرمائی۔ چونکہ انجیل ایک جگہ اور ایک وقت میں ساری کی ساری عطا ہو گئی تھی۔ اس لئے اس کے متعلق **اتینا** ارشاد ہوا **نزلنا** نہ فرمایا بخلاف قرآن مجید کے کہ وہ ۲۳ سال میں آیا۔ **فیہ ھدی و نور** یہ عبارت انجیل کا حال مؤکدہ ہے جس میں **فیہ** خبر مقدم ہے اور **ھدی و نور** مبتدا مؤخر ہے **ھدی** سے مراد ہے عقائد صحیحہ اور نور سے مراد ہے اعمال صالحہ۔ یا ھدی سے مراد ہے شریعت کے احکام اور نور سے مراد ہے طریقت کا بیان غرضیکہ جتنے احتمال توریت کے متعلق **فیہ ھدی و نور** میں عرض کئے گئے وہ ہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی ہم نے انہیں وہ انجیل دی جس میں ہدایت و نور تھا یہ ہدایت و نور ہونا عطاء انجیل کے وقت کے لحاظ سے ہے۔ **ومصدقا لما بین یدیہ من التورٰۃ** یہ عبارت معطوف ہے۔ **فیہ ھدی** الخ پر اور انجیل کا دوسرا حال ہے۔ مفرد حال جملہ حال پر معطوف ہو سکتا ہے یہ عطف جائز ہے (روح المعانی) یہاں بھی **مصدقا** میں وہ ہی تین احتمال ہیں جو پہلے **مصدقا** میں تھے اور اس کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی عرض کی گئی یعنی وہ انجیل بھی اپنے سے پہلی کتاب توریت کو سچا کہتی تھی یا سچا کرتی تھی یا سچا کھلواتی تھی نہ تو جناب عیسیٰ علیہ السلام توریت کے تبع تھے نہ انجیل۔ تصدیق اور چیز ہے اتباع دوسری چیز **وھدی و موعظۃ للمتقین** یہ عبارت **مصدقا** پر معطوف ہے اور انجیل کا حال واؤ عاطفہ اور ہو سکتا ہے کہ **ھدی** ترکیب میں مفعول لہ ہو۔ یہاں ہدایت سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت ہے جو ذریعہ اس ہدایت خاص کا لہٰذا یہ مکرر نہیں پہلے **ھدی** سے اور ہدایت مراد تھی اس **ھدی** سے یہ بشارت مراد ہے (تفسیر خازن و روح وغیرہ) انجیل شریف کی پہلی ہدایت تو ختم ہو چکی یہ ہدایت یعنی حضور کی بشارت تا قیامت باقی ہے۔ خیال رہے کہ انجیل شریف میں حضور کا نام شریف حضور کا حلیہ مبارکہ حضور کے اوصاف حضور کی ہجرت حتیٰ کہ حضور کے خاص صحابہ کے حالات و صفات مذکور تھے یہاں تک کہ بعض یہودیوں عیسائیوں نے ان ہی صفات میں حضور کو دیکھا تو مومن ہو گئے جیسے عبداللہ ابن سلام اور حضرت سلمان فارسی وغیرہم اس لئے یہاں **ھدی** ارشاد ہوا یعنی حضور کی طرف پوری پوری رہبری کرانے والی آپ کی پہچان کرنے والی اب تک یوحنا انجیل اور برناس انجیل وغیرہ میں حضور کی بہت صفات مذکور ہیں اگرچہ ان میں بہت ردوبدل ہو چکا ہے یہ ہے **ھدی** کا ظہور **موعظۃ** کے معنی ہیں شاندار تبلیغ وعظ **للمتقین** کا تعلق **موعظۃ** سے ہے چونکہ انجیل شریف میں وعظ نصیحتیں مثالیں بشارتیں نذارتیں بہت ہیں اس لئے اسے **موعظۃ** فرمایا اور چونکہ ان چیزوں سے وہ ہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں جو پہلے ایمان لا کر متقی بن جاویں یا جن کے نصیب میں متقی ہونا لکھا ہو اس لئے **للمتقین** فرمایا غرضیکہ انجیل ہدایت سب کے لئے ہے۔ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دیتی ہے مگر نصیحت پرہیزگاروں کے لئے **ولیحکم اھل الانجیل بما انزل اللہ فیہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں گزشتہ حکم انجیل کا بیان ہے۔ **اھل انجیل** سے مراد عیسائی ہیں جو انجیل ماننے کے مدعی تھے

www.alahazratnetwork.org

بما انزل اللہ سے مراد انجیل شریف کے تمام احکام ہیں اور یہاں **امر ناھم** پوشیدہ ہے یعنی ہم نے عیسائیوں کو اس زمانہ میں حکم دیا تھا کہ انجیل شریف کے تمام احکام پر فیصلے کرو جو اللہ کے اتارے ہوئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ اس زمانہ موجودہ کا ذکر ہو اور **ما انزل اللہ** سے مراد انجیل کی وہ آیات ہوں جن کی تائید قرآن کریم نے فرمادی یا حضور کی بشارت کی آیات مراد ہوں اس کی منسوخ آیات مراد نہ ہوں یعنی عیسائیوں کو چاہیے کہ اللہ کی اتاری ہوئی آیات انجیل پر حکم جاری کریں کہ ہمارے ان محبوب پر ایمان لے آویں یا ظالموں سے قصاص لیں یا زانیوں کو رجم کرادیں لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الفسقون** اس عبارت کی تفسیر ابھی کچھ پہلے گزر چکی یہاں **فاسقون** سے فسق اعتقادی جسے فسق جحودی کہتے ہیں وہ مراد ہے۔ یعنی بد عقیدگی جو کفر تک پہنچ جاوے **من** سے مراد یا عیسائی ہیں یا تمام لوگ **لم یحکم** کے معنی پہلے بیان ہو چکے کہ جو حکم الٰہی کو غلط سمجھ کر اس پر فیصلے نہ کرے اس کے مقابلہ میں اپنے رواج کے قانون کو درست سمجھے وہ کافر ہے چونکہ **من** سے مراد جماعت منکرین ہے لہٰذا **اولئک** جمع فرمانا بالکل درست ہے یعنی **من لفظا** تو واحد ہے مگر معنی جمع۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چار صفات بیان فرمائے ان کا انبیاء بنی اسرائیل کے بعد آنا۔ ابن مریم ہونا توریت کی تصدیق کرنا۔ صاحب انجیل ہونا اور انجیل شریف کے پانچ صفات بیان فرمائے اس میں ہدایت ہونا۔ نور ہونا' توریت کی تصدیق کرنا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دینا' پرہیزگاروں کو نصیحت فرمانا۔ چونکہ نبی کی معرفت کتاب کی معرفت سے پہلے ہے اور نبی کی عظمت سے کتاب کی عظمت کا ظہور ہے اس لئے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صفات بیان ہوئے بعد میں انجیل کے اوصاف کا ذکر کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ توریت شریف کی مذکورہ عظمتیں تو آپ نے سن لیں کہ اس میں نور و ہدایت سب کچھ ہے۔ حضرات انبیاء کرام اس کے احکام مخلوق میں جاری کرتے رہے علماء ربانی و مشائخ اس کی حفاظت پر معمور ہیں۔ اب اس توریت کی یہ عظمت بھی ملاحظہ کرو کہ ان انبیاء کرام کے بعد بنی اسرائیل کے آخری نبی جناب عیسیٰ ابن مریم نے بھی اس توریت کی تصدیق و تائید فرمائی ہم نے حضرت مسیح کو انجیل شریف عطا کی اس انجیل میں ہدایت یعنی صحیح عقیدوں کی بھی تعلیم ہے اور نور یعنی درست اعمال کی بھی رہبری ہے۔ یہ بھی جناب مسیح کی طرح توریت کی تصدیق فرماتی ہے اس میں ہدایت یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت بھی ہیں اور آپ کی علامات بھی آپ کی صورت و سیرت افعال' احوال' اعمال سب کا ذکر مکمل ہے اور نصیحت بھی جس سے پرہیزگار فائدے اٹھاتے ہیں تو انجیل کے ماننے والے عام عیسائی یا انجیل جاننے والے پوپ پادری اللہ کے اتارے ہوئے احکام پر حکم جاری کریں کہ اس نبی آخر الزمان پر ایمان لے آویں۔ زانی کو رجم قاتل کو قتل کریں جو کوئی اللہ کے اتارے احکام پر حکم نہ دے انہیں ناحق جانے اپنے گھڑے ہوئے قوانین کو حق جانے وہ فاسق یعنی کافر ہیں یا ہم نے اس زمانہ میں انجیل ماننے والوں جاننے والوں سے فرمایا تھا کہ انجیل والے ان احکام پر عمل و فیصلہ کریں جو اللہ نے انجیل

www.alahazratnetwork.org

شریف میں اتارے اور جو کوئی ان کے خلاف فیصلہ کرے وہ فاسق و کافر ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں آپ تمام بنی اسرائیل کے نبیوں کے بعد تشریف لائے یہ فائدہ **وقفینا** اور **علی اثارھم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے سوا کوئی نبی موجود نہ تھے یعنی کوئی نبی آپ کا ہم زمانہ نہ ہوا یہ فائدہ بھی **وقفینا** اور **اثارھم** سے حاصل ہوا اگر کوئی نبی آپ کے زمانہ میں ہوتا تو آپ اس کے پیچھے نہ ہوتے یہ خلاف ہے **اثارھم** کے تیسرا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے صرف ماں سے پیدا ہوئے یہ فائدہ عیسیٰ ابن مریم فرمانے سے حاصل ہوا قرآن کریم نے کسی نبی کو نسبت نسبی سے بیان نہ فرمایا اور کسی بی بی کا نام نہ لیا سواء عیسیٰ علیہ السلام کے اور سواء حضرت مریم کے۔ **چوتھا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے توریت کو جھٹلایا نہیں بلکہ اس تصدیق و تائید کی یہ فائدہ **مصدقا لما بین یدیہ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر ہیں بہت ہی عظمت والے ہیں۔ یہ فائدہ **واتیناہ الانجیل** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** انجیل شریف میں ہدایت 'نور' تصدیق 'نصیحت' احکام شرعیہ سب کچھ ہی ہے جو کہے کہ انجیل میں صرف وعظ و مثالیں ہیں احکام شرعیہ نہیں وہ اس آیت کریمہ کے خلاف کہتا ہے۔ **ساتواں فائدہ** توریت و انجیل نے حضور کی صرف بشارت نہ دی بلکہ مخلوق کو حضور کی طرف رہبری بھی کی اگر وہ کتب صرف حضور کا نام بتا دیتیں نشان وہی مکمل نہ کریں تو کوئی اور بھی اپنا نام محمد یا احمد رکھ کر کہہ دیتا کہ وہ میں ہی ہوں جس کی بشارات توریت و انجیل نے دیں بلکہ ان کتب نے حضور انور کی ایسی نشاندہی کر دی کہ لوگ بغیر تامل حضور کو پہچان گئے یہ فائدہ دوسرے **ھدی** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** توریت و انجیل کی غیر منسوخ آیات یا وہ آیات جن کی قرآن کریم نے تائید فرمائی تاقیامت واجب العمل ہیں۔ چنانچہ ان کتب کی آیات توحید آیات قصص' آیات بشارت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لازم العمل ہیں۔ یوں ہی قتل کے قصاص زانی کے رجم کے احکام جو قرآن کریم میں منقول ہوئے ان پر عمل واجب ہے یہ فائدہ **ولیحکم اھل الانجیل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** اب توریت و انجیل کے اصلی غیر تبدیل شدہ احکام کسی کے لئے لائق عمل نہیں۔ عیسائی یہودی بھی ان پر عمل کر کے ہدایت نہیں پا سکتے اپنے اپنے وقت میں وہ کتابیں ہدایت تھیں۔ اب ان پر عمل گمراہی ہے یہ فائدہ **ولیحکم اھل الانجیل** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** موجودہ کچہریوں کو عدالت کہنا انہیں عدالت کا گھر جاننا اور موجودہ حکام کو عادل و منصف سمجھنا ناجائز ہے۔ یہ فائدہ **فاولئک ھم الفسقون** سے حاصل ہوا کیونکہ ان کچہریوں میں اسلامی قوانین جاری نہیں۔ مروجہ قوانین پر فیصلے ہوتے ہیں وہ فیصلے شرعاً عدل نہیں۔ مثلاً آج چور کو سزائے قید دی جاتی ہے یہ عدل نہیں۔ عدل یہ ہے کہ اس کے ہاتھ کاٹے جائیں یوں ہی نوشیرواں کو عادل کہنا جائز نہیں کہ وہ کسی نبی کے دین کے قوانین پر فیصلے نہیں کرتا تھا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض حضرت عیسیٰ علیہ السلام توریت کے ناسخ ہیں پھر آپ کو توریت کا مصدق کیوں فرمایا تصدیق تنسیخ کے خلاف ہے۔ **جواب** تنسیخ تصدیق کے خلاف نہیں۔ آپ نے توریت کو منسوخ بھی کیا اور اس کی تصدیق بھی کی آپ کا یہ فرمانا کہ توریت سچی کتاب ہے اس کی تصدیق ہے اور پھر یہ فرمانا کہ توریت کے احکام اب قابل عمل نہیں یہ اس کی تنسیخ ہے دیکھو ہمارے حضور تمام گزشتہ کتب کے مصدق بھی ہیں ناسخ بھی۔

نوٹ ضروری بعض لوگوں نے اس آیت سے دھوکہ کھایا اور کہا کہ انجیل توریت کی ناسخ نہیں اور نہ اس میں احکام شرعیہ تھے صرف کچھ وظیفے اور وعظ تھے مگر یہ غلط ہے تصدیق نسخ کے خلاف نہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب انجیل میں ہدایت بھی ہے نور بھی نصیحت بھی پھر اب قرآن کو ماننے کی کیا ضرورت ہے یا کم از کم انجیل پر عمل بھی ذریعہ نجات ہے تو ہم عیسائیوں کو دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں وہ بھی ہدایت پر ہیں۔ **جواب** **فیہ ھدی** حال ہے انجیل کا اور اس کا عامل ہے **اتینہ** تو نحوی قاعدہ سے اس کا مطلب یہ ہوا کہ جب ہم نے انہیں انجیل دی تب اس میں ہدایت نور نصیحت تھی اب یہ چیزیں اس میں نہیں جیسے میں کہوں کہ پار سال میرے پاس زید سوار ہو کر آیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اب بھی سوار ہے وہ آنے کے وقت سوار تھا اب نہیں۔ چاند تارے اور چراغ وغیرہ رات میں نور ہیں۔ سورج نکلنے پر نور نہیں۔ یوں ہی تمام کتب رات کی اندھیریوں میں نور تھیں قرآن مجید کا سورج طلوع ہونے پر نور نہ رہیں۔ بچپن میں ماں کا دودھ ہماری غذا تھا جوان ہونے پر نہ رہا اس زمانہ میں انجیل وغیرہ ہدایت تھیں اب اصلی غذاء روحانی یعنی قرآن آگیا وہ ہدایت نہ رہیں۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں دو جگہ **مصدقا** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** پہلا **مصدقا** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حال ہے اور دوسرا **مصدقا** انجیل کا حال ہے لہذا **مصدقا** میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت و انجیل متقیوں کے لئے ہدایت و نصیحت سب کچھ ہے جب وہ پہلے سے ہی متقی ہیں تو انہیں ہدایت دینے سے کیا فائدہ ہدایت تو گمراہوں کو دینی چاہیے جنہیں ہدایت کی ضرورت ہے۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب پہلے پارہ میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آئندہ متقی ہونے والے ہیں یعنی اللہ کے علم میں جو متقی ہیں جن کے نصیب میں متقی ہونا یا متقین سے مراد مومنین ہیں یعنی کفر و شرک سے بچنے والے ان کے لئے اعمال کی ہادی کیونکہ ہدایت عمل ایمان کے بعد ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا کہ انجیل والے وہ حکم کریں جو اللہ نے اس میں اتارا جس سے معلوم ہوا کہ انجیل کے احکام اب بھی قابل عمل ہیں اور انجیل منسوخ نہیں اگر منسوخ ہوتی تو اس پر اب حکم کیسے ہوتا پھر تم عیسائیت کی تردید' اور عیسائیوں کو اسلام کی تبلیغ کیوں کرتے ہو (عیسائی) **جواب** اس کے کئی جواب ابھی تفسیر میں گزر چکے ایک یہ کہ یہاں **قلنا لھم** پوشیدہ ہے یعنی اس زمانہ میں جبکہ انجیل شریف آئی تب ہم نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم انجیل کے احکام جاری کرو یہ گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ **ما انزل اللہ** سے مراد انجیل شریف کی وہ

www.alahazratnetwork.org

آیات ہیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں ہیں اور آپ پر ایمان لانے کا حکم مقصد یہ ہے کہ انجیل والوں کو چاہیے کہ انجیل کے ان احکام پر عمل کریں اور نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں تیسرے یہ کہ یہاں **ما انزل اللہ** سے مراد قصاص اور رجم کی آیات ہیں جن کی تائید و تاکید قرآن کریم نے کردی یعنی عیسائیوں کو چاہیے کہ ان احکام پر عمل کریں۔ ہر **ما انزل اللہ** پر عمل تو ناممکن ہے قرآن کریم کی منسوخ آیات **ما انزل اللہ** تو ہیں مگر ان پر عمل نہیں تو انجیل کے تمام **ما انزل اللہ** پر عمل کیونکر ہو سکتا ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں تین آیات میں ایک ہی جرم کی تین سزائیں بیان ہوئیں۔ چنانچہ پہلے ارشاد ہوا کہ جو **ما انزل** پر حکم نہ دے وہ کافر ہے۔ دوسری آیت میں ارشاد ہوا کہ وہ ظالم ہے۔ یہاں تیسری آیت میں فرمایا گیا کہ وہ فاسق ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** کوئی تعارض نہیں ظالم سے مراد بھی کافر ہے اور فاسق سے مراد بھی۔ فاسق اعتقادی یعنی کافر ہی ہے تعبیریں مختلف ہیں مگر مطلب ایک ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایسا مجرم کافر بھی ہے ظالم بھی بدکار فاسق بھی اس مجرم کے تین جرموں کا تین جگہ ذکر ہے لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ کتاب اللہ گویا دیوار ہے اور نبوت اس کا پشتہ یا کتاب اللہ گویا جہاز ہے نبی اس کے چلانے والا کپتان پشتہ جس قدر مضبوط ہو گا اسی قدر دیوار قوی ہو گی۔ کپتان جیسا لائق و فائق ہو گا اسی قدر جہاز محفوظ ہو گا۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توریت کے متعلق فرمایا کہ اس کے حاکم، حافظ حضرات انبیاء کرام تھے اور آخر میں جناب مسیح علیہ السلام بھی اس توریت کی تصدیق فرماتے آئے گویا توریت کے پشتے یہ حضرات انبیاء تھے اور توریت والے جہاز کے ناخدا وہ حضرات تھے چونکہ وہ نبوتیں منسوخ ہو گئیں پشتے گر گئے تو دیوار بھی قائم نہ رہ سکی چنانچہ توریت بھی فنا ہو گئی۔ قرآن کے پشتی بان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اسلام کے جہاز کے کھیون ہار وہ آقاء نامدار ہیں جن کی نبوت ابدالآباد تک باقی اس کے لئے نسخ نہیں۔ پشتہ مضبوط لہٰذا دیوار مضبوط دیکھ لو۔ قرآن ویسے ہی محفوظ چلا آیا ہے۔ اسلام ایسی طرح پھل پھول رہا ہے۔

☆ چہ غم دیوار امت را کہ دارد چوں تو پشتی بان ☆
☆ چہ غم از موج بحر آں را کہ دارد نوح کشتی بان ☆

بیت المقدس کے پشتی بان سارے نبی تھے اور کعبہ کے پشتی بان حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دیکھ لو۔ بیت المقدس اور کعبہ میں کیا کھلا ہوا فرق نظر آ رہا ہے۔ دوسرے کلموں کے پشتی بان اور نبی تھے اور کلمہ طیبہ کے پشتی بان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دیکھ لو وہ تمام کلمے ختم ہو گئے یہ کلمہ اسلام ویسے ہی پائندہ زندہ ہے۔ یوں ہی جس کے دین و ایمان کی پشتی حضور فرما دیں وہ دین و ایمان قائم ہے اور جسے ان کی پشتی نصیب نہ ہو وہ فانی ہے۔ یوں ہی نیک اعمال یوں ہی دولت و عزت و عظمت کہ اگر ان چیزوں کو حضور کی پشتی نصیب ہو جائے تو یہ سب باقی ہیں انہیں فنا نہیں اگر حضور کی پشتی سے محروم ہیں تو فانی ہیں دنیاوی بادشاہوں کی عزتیں خاک میں مل جاتی ہیں کہ ان کی پشتی فوج یا مال سے ہے اللہ والوں کی عزتیں تاقیامت باقی ہیں کہ ان کی پشتی حضور سے ہے صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضور کی پشتی نصیب کرے۔

www.alahazratnetwork.org

اقبال نے کیا خوب کہا۔

☆ اقبال کس کے لطف کا یہ فیض عام ہے ☆
☆ رومی فنا ہوا حبشی کو دوام ہے ☆

یعنی حضور کی پشتی سے بلال حبشی رضی اللہ عنہ تا ابد باقی ہو گئے سکندر رومی فنا ہو کر رہ گیا۔ انجیل میں ہدایت، نور نصیحت سب کچھ تھا مگر اب کچھ نہیں کیوں اس لئے کہ اس کی پشتی کرنے والی نبوتیں منسوخ ہو گئیں۔

وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ

اور اتاری ہم نے آپ کی طرف یہ کتاب حق کے ساتھ سچا کرنے والی ان کتب کو جو اس کے پہلے ہیں اور

اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف سچی کتاب اتاری اگلی کتابوں کی تصدیق فرماتی اور ان پر محافظ

الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ

حفاظت کرنے والی اوپر اس کے تو حکم فرماؤ درمیان ان کے ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیروی

و گواہ تو ان میں فیصلہ کرو اللہ کے اتارے ہوئے سے اور اے سننے والے ان

اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ مِنَ الْحَقِّ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا

کرو خواہشوں کی انکی اس سے جو آیا آپکے پاس حق ہر ایک کے لئے بنائی ہم نے تم میں سے شریعت اور وسیع راستہ

کی خواہشوں کی پیروی نہ کرنا اپنے پاس آیا حق چھوڑ کر ہم نے تم سب کے لئے ایک شریعت اور

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ

اور اگر چاہتا اللہ تو بناتا تم کو ایک گروہ اور لیکن تاکہ جانچے تم کو اس میں جو دیا تم کو پس جلدی کرو

راستہ رکھا اور اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی اُمت کر دیتا مگر منظور یہ ہے کہ جو کچھ تمہیں دیا

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ

بھلائیوں میں طرف اللہ کے ہے لوٹنا تمہارا سب کا پس خبر دے گا تم کو اس کی کہ تھے تم اس میں

اس میں تمہیں آزمائے تو بھلائیوں کی طرف سبقت چاہو تم سب کا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے تو وہ تمہیں

تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۴۸﴾

اختلاف کرتے

بتادیگا جس بات میں تم جھگڑتے تھے

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں توریت وانجیل کے ہدایت و نور و نصیحت ہونے کا ذکر تھا۔ اب قرآن مجید کا نہایت شاندار طریقہ سے ذکر ہے کہ وہ پچھلی کتابوں کی تصدیق بھی کرتا ہے ان کی حفاظت بھی چونکہ قرآن کریم ان دونوں سے پیچھے ہے اس لئے اس کا ذکر بھی پیچھے ہی فرمایا گیا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ انجیل شریف میں توریت مقدس کی تصدیق کرتی تھی یعنی توریت کو انجیل کی حمایت حاصل تھی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ توریت و انجیل بلکہ تمام آسمانی کتب کو قرآن کریم کی تصدیق و حمایت حاصل ہے اس کی حفاظت بھی گویا ایک حمایت کے بعد دوسری اعلیٰ حمایت و حفاظت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بیان ہوا کہ گزشتہ انبیاء کرام توریت سے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام انجیل سے حکم دیتے رہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب آپ قرآن سے احکام نافذ فرمادیں کہ یہ تمام احکام کا جامع ہے گویا آپ کے احکام ان تمام احکام سے اعلیٰ ہیں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کو چاہیے کہ وہ انجیل کے احکام قصاص و رجم وغیرہ احکام کو جاری کریں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے محبوب آپ اللہ کے ان احکام کو جاری کریں جو اس نے آپ پر اتارے۔ کیونکہ آپ توریت و انجیل کے تابع نہیں۔

تفسیر **انا انزلنا الیک الکتب بالحق**۔ چونکہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن کریم کے نزول کے سخت منکر تھے۔ اس لئے اس مضمون کو **ان تحقیقیہ** سے شروع فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن یکبارگی بھی ہوا اور آہستہ بھی ہر ماہ رمضان میں جبریل امین حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن لاتے بلکہ حضور کے ساتھ دور فرماتے تھے اور تیئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا آیتہ آیتہ بھی اترا پہلے نزول کے لحاظ سے **انزلنا** فرمایا جاتا ہے اور دوسرے نزول کے لحاظ سے **نزلنا** ارشاد ہوتا ہے بلکہ قرآن کریم کی بعض آیات بلاواسطہ جبریل امین بھی حضور کو عطا ہوئیں جیسے سورہ بقر کی آخری آیات شب معراج بلاواسطہ عطا ہوئیں۔ یہاں یا تو وہ ہی ماہ رمضان والا یکدم نزول مراد ہے۔ یا تیئیس سال والا آہستگی کا نزول دوسری صورت میں یہاں انزال سے مراد صرف اتارنا ہے یکدم اتارنا نہیں یعنی تحریری معنی مراد ہیں چونکہ نزول قرآن کی انتہاء حضور کی ذات والا صفات پر ہے اس لئے **الیک** فرمایا گیا۔ چونکہ نزول قرآن حضور پر ہے ہم پر نہیں اس لئے **الیک یا علیک** فرمایا جاتا ہے اور چونکہ نزول قرآن حضور کی ہدایت کے لئے نہیں ہماری ہدایت کے لئے ہے حضور تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں اس لئے کہیں **الیکم** فرمایا جاتا ہے اس لئے قرآن کریم نے کہیں فرمایا **ھدی للمتقین** اور کہیں فرمایا **ھدی للناس** کہیں **ھدی لک یا ھدی للرسول** نہ فرمایا جیسے سارا عالم رب تعالیٰ کا مخلوق و مملوک ہے اس لئے فرمایا **للہ ما فی السمٰوت وما فی الارض** اور عالم ہمارے لئے ہے۔ اللہ کے لئے نہیں اس کا فائدہ ہم کو ہے رب کو نہیں اس لئے فرمایا **خلق لکم ما فی الارض جمیعا**۔ لہذا **انزلنا الیک** بھی درست ہے اور **انزلنا الیکم** بھی صحیح۔ **الکتاب** میں الف لام عہدی ہے اور

www.alahazratnetwork.org

اس سے مراد یہ کتاب یعنی قرآن کریم ہے۔ قرآن کریم میں جہاں کہیں رسول یا کتاب کسی خاص قوم کے ذکر کے سلسلہ میں ہو وہاں دوسرے نبی اور دوسری کتابیں مراد ہوتی ہیں اور جہاں کہیں **الرسول** یا **الکتاب** بغیر قید بولا جاوے تو **الرسول** سے ہمارے حضور اور **الکتاب** سے قرآن مراد ہوتا ہے۔ **بالحق** یا تو کتاب کا حال ہے یا **انزلنا** کے فاعل کا حال مؤکدہ یا **الیک** کے کاف خطاب سے حال لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں وہ کتاب حق ہے یا ہم بھیجنے والے حق ہیں یا آپ لینے والے حق (تفسیر روح المعانی) حق کے تین معانی ہیں۔ بمعنی سچ باطل۔ بمعنی جھوٹ یا۔ بمعنی حکمت باطل۔ بمعنی عبث یا۔ بمعنی غیر فانی و غیر زائل باطل۔ بمعنی فانی اور زائل پہلے دو معنی سے تمام آسمانی کتب حق ہیں تیسرے معنی سے صرف قرآن مجید حق ہے کیونکہ قرآن ہی ناقابل نسخ کتاب ہے۔ یہاں حق کے تینوں معنی بن سکتے ہیں پھر حق یا تو رب تعالیٰ کی صفت ہے یا حضور کی یا قرآن مجید کی لہٰذا اس جملہ کی نو تفسیریں ہیں۔ دیکھو قرآن کریم فرماتا ہے **ربنا ما خلقت هذا باطلا** یہاں باطل۔ بمعنی عبث ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **الا کل شئی ما خلا اللہ باطل** یہاں باطل۔ بمعنی فانی ہے۔ **مصدقا لما بین یدیه من الکتب** یہ عبارت **الکتب** کا حال ہے۔ تصدیق کے تین معنی پہلے ہو چکے سچا کرنا۔ سچا کہنا' سچا کہلوانا' **من الکتاب** بیان ہے **لما** کا **الکتب** میں الف لام جنسی یا استغراقی ہے۔ جس سے مراد توریت و انجیل یا ساری آسمانی کتابیں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی **الیک** کے کاف سے حال ہو یعنی یہ کتاب قرآن یا اے محبوب آپ سرکار پہلی کتابوں توریت و انجیل وغیرہ کو سچا کرتے سچا کہتے سچا کہلواتے ہیں کہ انہوں نے قرآن کریم کی اور آپ کی آمد کی خبریں دیں آپ کی اور قرآن کریم کی تشریف آوری سے وہ خبریں سچی ہو گئیں آپ نے اور قرآن نے ان کتابوں کو سچا کر دیا۔ **ومهیمنا علیه** یہ عبارت معطوف ہے۔ **مصدقا** پر اور یہ بھی یا قرآن کا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال ہے **مهیمن** کا مادہ یا تو **هیمن** ہے۔ بمعنی حفاظت اور **مهیمنا**۔ بمعنی محافظ و گواہ حضرت حسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں فرماتے ہیں۔

☆ **ان الکتاب مهیمن لنبینا** ☆ **والحق یعرفه ذوو الالباب** ☆

اس شعر میں مہیمن۔ بمعنی گواہ ہے۔ اس کا فعل **هیمن** ہے جیسے بیطر' خیمر' سیطر' بیتر' عربی زبان میں صرف یہ پانچ لفظ ہی اس وزن پر آئے ہیں۔ چھٹا لفظ نہیں (روح المعانی) یا اس کا مادہ آمن ہے اور ہ زائدہ جیسے اراق سے اہراق۔ بمعنی امین یعنی یہ قرآن شریف یا آپ سرکار ان کتابوں کے محافظ ان کے گواہ یا ان کے امین ہیں۔ خیال رہے کہ مہیمن مومن کی تصغیر نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے سمجھا کیونکہ یہ مہیمن اسماء الٰہیہ میں سے بھی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ناموں کی تصغیر کرنا کفر ہے (روح المعانی) چونکہ قرآن کریم ناقابل نسخ ہے تاقیامت تبدیلی سے محفوظ ہے اس لئے یہ دوسری کتابوں کا مصدق بھی ہے اور محافظ بھی انجیل شریف نہ تو ناقابل نسخ تھی نہ محفوظ اس لئے وہ توریت کی مصدق تو تھی مگر مہیمن یعنی محافظ نہ تھی جو خود ہی محفوظ نہ ہو وہ دوسرے کو محفوظ کیسے کرے گی (تفسیر خازن) اسی وجہ سے انجیل کے لئے صرف مصدق فرمایا گیا

www.alahazratnetwork.org

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف مصدق ہی کہا گیا مگر قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مصدق بھی فرمایا اور مہیمن بھی حفاظت اور **ھیمنہ** قریباً ہم معنی ہیں مگر اکثر حفاظت عام ہے۔ اور **ھیمنہ** خاص ہر حفاظت کو حفاظت کہا جاتا ہے مگر جس حفاظت کے ساتھ نگرانی بھی ہو وہ ہے **ھیمنہ** ہے۔ بینک کا چپڑاسی بھی وہاں کی دولت کا محافظ ہے اور وہاں کا خزانچی اور منیجر بھی محافظ ہے مگر چوکیدار صرف قفل کا محافظ ہے اور منیجر دولت کا نگران بھی ہے نیز ہم گھر کے سامان کے محافظ ہیں جو معمولی چیزیں باہر پڑی ہیں ان کے محافظ ہیں مگر جیب کا روپیہ گھر کے قیمتی زیور ان کے ہم محافظ بھی ہیں نگران بھی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا محافظ نہیں بلکہ مہیمن ہے۔ ہر وقت ہر ایک کی ہر ضرورت سے خبردار اور ان کی ضروریات پوری کرنے والا ہے۔ قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری کتابوں سارے نبیوں کی عزت کے مہیمن ہیں۔ ان کی اصل تعلیمات کے مہیمن ہیں کہ حضور کی اور قرآن کریم کی وجہ سے ان کی عظمتیں ان کی اصل تعلیم آج تک باقی ہے۔ **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی جزا ہے لہٰذا ف جزائیہ ہے **بینھم** کا مرجع اہل کتاب ہیں یا مومنین ہیں یا تمام انسان خواہ مومن ہوں یا اہل کتاب وغیرہ مقصد یہ ہے کہ جس کا مقدمہ آپ کے پاس آئے اس کا فیصلہ مطابق **ما انزل اللہ** کے ہو کسی فریق کی رعایت مروت نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **ھم** کا مرجع ساری مخلوق الٰہی ہے جن وانس فرشتے، چاند، سورج، تارے ذرے جانور وغیرہ حضور کا حکم ان سب پر جاری ہے۔ حضور باذن الٰہی ان سب پر حاکم ہیں اس لئے حضور نے جانوروں کے متعلق بھی احکام نافذ فرمائے۔ **ما انزل اللہ** سے مراد قرآن کریم اور حدیث شریف دونوں ہی ہیں اس لئے **بالکتاب** یا **بہ** یا بالقرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ حضور کا ہر قول ہر فعل ہر ادا **ما انزل اللہ** ہے سب رب تعالیٰ ہی کی طرف سے ہے۔ آپ کا ہر فیصلہ مطابق **ما انزل اللہ** ہے یعنی جب آپ یا یہ کتاب ان کتابوں کی مصدق اور محافظ ہیں یا جب اہل کتاب آپ کے پاس اپنے فیصلے لائیں تو آپ وحی الٰہی کے مطابق ان میں فیصلہ کریں۔ **ولا تتبع اھواءھم** یہ دوسرا حکم ہے **فاحکم** الخ پر معطوف ہے۔ **اھواء** جمع ہے **ھوی** کی بمعنی گرنا نفسانی خواہش کو ہوا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ دوزخ میں گرنے کا ذریعہ ہے **ھم** کا مرجع وہ ہی یہود و نصاریٰ ہیں اس میں خطاب ہر مسلمان سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ خیال بھی نہیں ہو سکتا کہ حضور سرکار وحی چھوڑ کر ان کی خواہش کی پیروی کریں نعوذ باللہ۔ **عما جاءک من الحق** یہ عبارت **لا تتبع** کے فاعل کا حال ہے **عما** سے پہلے **عادلا** یا **منحرفا** پوشیدہ ہے اس میں بھی خطاب حکام اسلام سے ہے یعنی اپنے پاس آئے ہوئے پہنچے ہوئے حق کو چھوڑ کر ان کی خواہشوں کی پیروی نہ کرو۔ فیصلے مطابق وحی الٰہی کے کرو **لکل جعلنا منکم شرعۃ ومنھاجا** یہ نیا جملہ ہے اس میں خطاب یا تو ازل تا روز قیامت سارے ہی انسانوں سے ہے یا یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں سے پہلے ذکر ہوا توریت کا پھر انجیل کا پھر قرآن مجید کا اب اس جملہ میں ان تینوں کتب والوں کا یعنی یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کا **شرعۃ** یا تو بنا ہے شرع سے بمعنی وضاحت و بیان یا بنا ہے شروع سے بمعنی دخول۔ لغت میں شرعہ اس گھاٹ

www.alahazratnetwork.org

کو کہتے ہیں جو دریا سے کاٹ کرلائی جاوے اس سے لوگ کھیت سیراب کریں شریعت بروزن فعیلۃ بمعنی اسم مفعول ہے اصطلاح میں کھلے راستہ کو شرعہ کہا جاتا ہے۔ جس پر بہ آسانی چل سکیں اس سے ہی شارع عام ہے یعنی جرنیلی سڑک دین کے واضح و کھلے احکام کو شریعت کہتے ہیں کیونکہ ہر شخص اس پر بہ آسانی چل کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے یہ ہی آخری معنی یہاں مراد ہیں یعنی خدا رسی کا کھلا راستہ **منہاج** بنا ہے **نہج** سے۔ بمعنی فراخی و چوڑائی اصطلاح میں چوڑے راستہ کو **منہاج** کہا جاتا ہے شریعت اور منہاج یا تو ایک ہی معنی میں ہیں۔ تکرار تاکید کے لئے ہے یا اللہ تعالیٰ پہنچانے والا راستہ شریعت ہے اور شریعت تک پہنچانے والا راستہ منہاج یا عقائد اسلامیہ شریعت ہے اور اعمال اسلامیہ منہاج' یا اللہ رسول کی اطاعت شریعت ہے اور ان کی محبت و عشق منہاج یا خدا تک پہنچانے والا راستہ یعنی نبی کی اطاعت شریعت اور نبی تک پہنچانے والا راستہ یعنی ولی یا عالم کی اطاعت منہاج جیسے گھر سے اسٹیشن تک پہنچانے والا راستہ بھی اور ہے اس کی سواری بھی اور مگر اسٹیشن سے کراچی پہنچانے والی ریلوے لائن بھی اور ہے اس کی سواری بھی اور یا کتاب اللہ کی اطاعت شریعت ہے اور فرمان پیغمبر کی اطاعت منہاج یعنی کتاب و سنت۔ یا حضور کے قالب کے احوال شریعت ہیں اور قلب پاک کے احوال منہاج یا اصولی اعمال شریعت ہیں فروعی اعمال منہاج۔ فروعی مسائل کو شریعت و منہاج کہا جاتا ہے اور عقائد کو دین لہٰذا تمام کتب آسمانی کا دین ایک ہی ہے شریعتیں مختلف رب فرماتا ہے **شرع لکم من الدین ماوصی بہ نوحا ان اقیموا الدین** الخ یعنی اے لوگو ہم نے ہر امت کے لئے الگ الگ شریعتیں بنائی تھیں۔ یہود کے لئے توریت کی شریعت عیسائیوں کے لئے انجیل کی شریعت مسلمانوں کے لئے قرآن کی شریعت۔ دین سب کے ایک نبیوں کے منکرین کے لئے بھی شریعتیں تھیں مگر ان بدنصیبوں نے ان شریعتوں کو مانا نہیں جیسے قوم ثمود و قوم عاد کے کفار کے لئے دین صالح دین ہود کی شریعتیں تھیں مگر انہوں نے انہیں قبول نہ کیا لہٰذا اس جملہ کا یہ مطلب نہیں کہ مشرکین اور دہریوں وغیرہم کے لئے ان کے گھڑے ہوئے احکام شریعتیں تھیں ہندوؤں' سکھوں' پارسیوں کے لئے وہ شریعتیں تھیں جو یہاں کے انبیاء لائے تھے ان کے یہ مروجہ رسمیں ان کی شریعتیں نہیں۔ خیال رہے کہ **جعلنا** ماضی ہے یعنی ہر زمانہ میں شریعتیں جداگانہ آتی رہیں مگر اب نزول قرآن کے بعد سب کے لئے ایک ہی شریعت ہے یعنی اسلام کی شریعت لہٰذا آیت صاف ہے یعنی ہم نے گزشتہ زمانوں میں ہر امت کے لئے ایک ایک شریعت مقرر کی تھی۔ اب اسلام کے آجانے پر تمام انسانوں کے لئے ایک ہی شریعت یعنی اسلام ہے اب کوئی شخص کسی شریعت کو اسلام کے سواء نہیں مان سکتا۔ رات میں روشنی کے لئے آسمان پر لاکھوں تارے اور زمین پر لاکھوں چراغ ہوتے ہیں۔ مگر دن میں ایک ہی سورج سے سب روشنی لیتے ہیں۔ اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ آج ہم نے ہر انسان و جن کے لئے اسلام کو شریعت و منہاج بنایا اب تمام کے لئے یہ ہی شریعت ہے یہ ہی منہاج۔ **ولو شاء اللہ لجعلکم امۃ واحدۃ** یہ جملہ علیحدہ مستقل ہے اس کی دو تفسیریں ہیں شاء کا مفعول پوشیدہ ہے **جمعکم یا اجتماعکم** وغیرہ یہاں یا تو گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے یا موجودہ زمانہ کا پہلی صورت میں

www.alahazratnetwork.org

خطاب تمام اگلے پچھلے لوگوں سے ہے اور دوسری صورت میں موجودہ لوگوں سے امت واحدہ سے مراد ایک دین ایک ملت ایک شریعت ہے یعنی اے دنیا کے لوگو اگر اللہ تعالیٰ تمہارا اجتماع چاہتا تو اول سے ہی ایک ہی دین ایک ہی شریعت تمام لوگوں کے لئے آتے ایک ہی نبی تشریف لاتے نسخ وغیرہ کچھ نہ ہوتا از آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی دین رہتا یا اے موجودہ لوگو اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تم سب کو ایک جماعت بنا دیتا۔ اس طرح کہ تم سب کو اسلام قبول کرنے کی توفیق دے دیتا۔ اور اس سورج کے چمک جانے پر کوئی بے نور بے ہدایت نہ رہتا سب مسلمان ہو جاتے یہودیت نصرانیت' شرک سب ختم فرما دیتا وہ بڑا قدرت والا ہے **ولکن لیبلوکم فی ما اتکم** اس جملہ میں میں اختلاف ادیان اختلاف رائے کی حکمت کا ذکر ہے۔ **لکن** کے بعد **لم یشاء** پوشیدہ ہے اور **لیبلوکم** اس کے متعلق ہے **اتاکم** سے مراد یا تو وہ ہی مختلف دین اور شریعتیں ہیں جو پہلے آتی اور منسوخ ہوتی رہیں یا اس سے مراد قلب و نفس۔ ہدایت و گمراہی ہے اور اختلاف رائے اور اختلاف خیالات ہے یعنی اگرچہ رب تعالیٰ اس پر قادر تھا کہ تم کو ایک ہی دین پر رکھتا مگر اس نے ایسا کیا نہیں بلکہ الگ الگ شریعتیں بھیجیں تاکہ تمہاری آزمائش ہو کہ تم حکم الٰہی پر سر جھکاتے ہو یا اپنی رائے پر عمل کرتے ہو اور یہ کہتے ہو کہ رب تعالیٰ نے الگ الگ دین کیوں بھیجے یا رب نے اب تم سب کو اسلام کی توفیق نہ دی کچھ مسلمان ہوئے کچھ کافر رہے تاکہ تمہاری آزمائش ہو جاوے اختلاف دین سے تم کو جہاد و ہجرت کرنا پڑے اور تم مجاہد مہاجر غازی شہید ہو۔ **فاستبقوا الخیرات** اس عبارت میں گزشتہ مذکورہ اختلاف کے نتیجہ کی طرف اشارہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **استباق** سے مراد یا تو ایک دوسرے پر آگے بڑھنا ہے یا ایمان میں جلدی کرنا ہے کیونکہ موت کی خبر نہیں۔ **خیرات** سے مراد اچھے عقیدے اور اچھے اعمال ہیں یعنی جب تم جان چکے کہ سب ایک دین پر نہ ہوں گے کچھ مومن کچھ کافر ہوں گے لہذا تم کوشش کرو کہ تم کافروں میں نہ ہو خوش عقیدہ خوش اعمال مومنین ہو۔ **الی اللہ مرجعکم جمیعا** اس عبارت میں بھلائیوں کی طرف سبقت کرنے کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مرجع مصدر میمی ہے۔ بمعنی لوٹنا لوٹنے سے مراد مر کر یا قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہونا ہے جبکہ دنیا کے تمام ساتھ چھوٹ جائیں گے چونکہ ہم سب دنیا میں رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے ہیں اس لئے وہاں جانے کو لوٹنا فرمایا گیا یعنی اے انسانو تم سب کا آخر کار لوٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اس پیشی کا انتظام ابھی سے کرو اگرچہ جانور بھی اٹھائے جائیں گے مگر ان کے لئے دوزخ و جنت کی سزا و جزاء نہیں نیز وہ دنیا میں کسی شریعت کے مکلف نہیں اس لئے صرف انسانوں سے فرمایا گیا کہ تمہارا اسی کی طرف رجوع ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ **فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون** یہ عبارت الی اللہ الخ پر معطوف ہے خبر دینے سے مراد سزا و جزاء دینا ہے یعنی عملی فیصلہ فرمانا ورنہ قولی فیصلہ تو یہاں دنیا میں بذریعہ انبیاء کرام فرما دیا گیا ہے یعنی اس دن تم کو رب تعالیٰ تمہارے اختلافات کے فیصلے کی خبر دے گا کہ حق پر کون ہے باطل پر کون حق والوں کو جنت میں اور باطل والوں کو دوزخ میں داخل کرے گا۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان نبیوں اور کتابوں کے بعد ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن مجید نازل فرمائی جو بالکل حق ہے یا ہم حق ہیں یا تم حق ہو یا ہمارا اتارنا حق ہے یہ کتاب یا ہم یا اے محبوب تم اس قرآن مجید سے پہلے والی تمام کتابوں کی تصدیق کرتے ہو کہ وہ سچی ہیں اور ان کتب کی محافظ ہے کہ اس قرآن کی یا تمہاری وجہ سے ان تمام کتابوں کے نام بلکہ ان کے بعض احکام عقائد عزت عظمت محفوظ ہیں لٰہذا آپ یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار کے درمیان اپنی وحی یعنی قرآن مجید اور اپنی رائے عالی کے مطابق فیصلے فرمایا کریں' اور اے احکام تم کبھی بھی کفار کی خواہش کے مطابق وہ حق چھوڑ کر فیصلے نہ کرنا جو تمہارے پاس آچکا کہ ایسا فیصلہ ظلم ہوگا یہ خیال رکھو کہ ہم نے اس سے پہلے یہود و نصاریٰ وغیرہم کے لئے الگ الگ شریعتیں بنائی تھیں۔ جن پر فیصلے ہوا کرتے تھے یا ہم نے اب تمام انسانوں کے لئے ایک دین ایک شریعت ایک منہاج مقرر فرمادی وہ ہے دین محمدی اس کی تعلیم اس کے احکام کہ اب سب کو یہ ہی شریعت اختیار کرنا ضروری ہے۔ اگر ہم چاہتے تو مختلف دین اس دنیا میں نہ بھیجتے صرف ایک ہی دین آتا اور لوگ ہمیشہ اس کے پابند ہوتے۔ سب ایک ہی امت ہوتے یہ ہے ہماری قدرت مگر ہماری حکمت یہ ہے کہ الگ شریعتیں' الگ دین رکھے تاکہ تمہاری جانچ ہوتی رہے یا اگر ہم چاہتے تو سارے لوگوں کو دین محمدی اختیار کرنے کی توفیق دے دیتے کوئی کافر نہ رہتا۔ سب ایک ہی امت بن جاتے یا اگر ہم چاہتے تو اے مسلمانو تم سب کو ایک جماعت بنا دیتے کہ کوئی فاسق گنہگار نہ رہتا سب متقی ابرار بن جاتے۔ رہے نفس پرست لوگ اس تفریق پر اعتراض کر کرکے کافر ہو جاویں اور حق پرست لوگ سر تسلیم خم کرکے اس تفریق پر ایمان لے آویں کہ جو کچھ رب نے کیا حق ہے جیسے اگر وہ چاہتا تو تمام انسانوں کی غذا' زبان' وضع و قطع' شکل و عقل یکساں فرما دیتا۔ مگر ایسا نہ کیا ان سب باتوں میں انسانوں کو متفرق کر دیا ہزارہا حکمتوں کی بنا پر لٰہذا اے لوگو اچھے عقائد اچھے اعمال کی طرف دوڑو کفار میں سے نہ بنو مومن جیو اور مومن و مطیع مرو۔ آخر کار تم کو رب تعالیٰ کی طرف کوچ کر جانا ہے وہاں تم سب کا فیصلہ ہونا ہے تو اچھے ہو کر مطیع ہو کر وہاں پہنچو۔ رب تعالیٰ سے اچھے انعام حاصل کرو۔

فائدے اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام آسمانی کتابوں خصوصاً توریت و انجیل کے ماہر ہیں کیونکہ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے حضور کو ان کتب کا گواہ قرار دیا جیسا کہ مھیمنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ اور گواہی بغیر علم ممکن نہیں دوسری جگہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتا ہے **یاھل الکتب قد جاءکم رسولنا یبین لکم کثیرا مما کنتم تخفون من الکتب ویعفو عن کثیر** اے کتابیو تمہارے پاس ہمارے رسول تشریف لائے جو تمہاری کتاب کی چھپائی ہوئی بہت سی باتیں ظاہر کرتے ہیں اور بہت سی درگزر کرتے ہیں معلوم ہوا کہ حضور کو تمام کتابوں کی ہر چیز معلوم ہے خواہ وہ تبدیل کر دی گئی یا باقی ہو۔ دوسرا فائدہ انجیل کتاب توریت کی صرف مصدق یعنی تصدیق فرمانے والی تھی مگر قرآن کریم اس کا مصدق بھی ہے اور محافظ بھی لٰہذا قرآن کریم کا احسان ساری کتب اور سارے نبیوں پر بہت ہی ہے یہ فائدہ مھیمنا کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفات الٰہیہ سے موصوف ہیں اور رب تعالیٰ نے حضور کو اپنے نام عطا فرمائے دیکھو مہیمن اللہ تعالیٰ کا نام ہے اور مہیمن اس کی صفت ہے مگر اس آیت کریمہ میں رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن مجید کو مہیمن فرمایا اسی طرح رؤف و رحیم اللہ تعالیٰ کے نام ہیں مگر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف بھی فرمایا رحیم بھی **و بالمومنین رؤف رحیم** **چوتھا فائدہ** اسلامی حاکم اپنی کافر رعایا پر ان کے مقدمات میں اسلامی احکام جاری فرما دے گا اور انہیں اسلامی سزا دے گا۔ چنانچہ ان کے چور کے ہاتھ کاٹے گا ان کے قاتل کو قتل کرے گا یہ فائدہ **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا۔ (نوٹ ضروری) اس قاعدے سے ان کفار کے نکاح میراث غذائیں علیحدہ ہیں کہ اس قسم کے مقدمات میں حاکم اسلام ان کے دین کے احکام ان پر جاری کرے گا جیسا کہ حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ ان کے لئے سور ایسا ہے جیسے ہمارے لئے بکری اور ان کے لئے شراب ایسی ہے جیسے ہمارے لئے سرکہ **او کما قال** **پانچواں فائدہ** قانون اسلام صرف قرآن نہیں بلکہ قرآن و حدیث دونوں ہیں بلکہ اجماع قیاس بھی یہ فائدہ **بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا اگر صرف قرآن ہی قانون ہوتا تو بالقرآن فرمایا جاتا اتنی دراز عبارت ارشاد نہ ہوتی۔ **چھٹا فائدہ** قرآن کریم حاکم نہیں حاکم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن حکم و قانون ہے۔ یہ فائدہ بھی اس **فاحکم بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا کہ حکم کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا اور **انزل اللہ** کے ذریعہ حکم فرمایا گیا۔ **ساتواں فائدہ** رشوت لیکر یا مروت یا رعایت یا نفسانی خواہش سے غلط فتویٰ دینا یا حاکم کا غلط فیصلہ کرنا بدترین جرم ہے۔ یہ فائدہ **ولا تتبع** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ** اسلامی احکام و قوانین ہی حق اور انصاف ہیں ان کے سواء دوسرے احکام قوانین نرے ظلم ہیں چور کا ہاتھ کاٹنا حق اور انصاف ہے اسے سزاء قید دینا محض ظلم یہ فائدہ **جاءک من الحق** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** **ولا تتبع** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ حکام اسلام سے ہے یہ فائدہ **لجعلکم** میں ضمیر **کم** جمع لانے سے حاصل ہوا کہ جن سے خطاب **لجعلکم** میں ہے انہیں سے خطاب **ولا تتبع** میں ہے۔ **دسواں فائدہ** تمام انبیاء اور ساری آسمانی کتب عقائد میں متفق ہیں احکام فرعی میں مختلف ہر نبی نے توحید' نبوت' قیامت' فرشتوں' تقدیر وغیرہ عقائد کی یکساں تعلیم دی ہاں نماز کی ترکیب زکوٰۃ کی مقدار وغیرہ میں اختلاف رہا یہ فائدہ **شرعۃ ومنھاجا** سے حاصل ہوا کہ یہاں دین نہ فرمایا۔ **گیارہواں فائدہ** دنیا میں مختلف شریعتیں مختلف انبیاء کرام کے تشریف لانے میں صدہا حکمتیں ہیں کہ ہر زمانہ میں اس وقت کے لحاظ سے احکام آئے اور اس سے مقبولین و مردودین میں چھانٹ ہو گئی کہ مقبول بندوں نے سر جھکا دیئے۔ مردودوں نے نسخ و اختلاف نہ مانے کج بحثی ہی کرتے رہے۔ مشرکین ہند کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ شروع دنیا سے ہی وید آگیا تھا اور تمام دنیا کو ہر زمانہ میں اس پر عمل کرنے کا حکم ہے اور وید کی حالت یہ ہے کہ اتنی مدت میں ہندوستان کی چند بستیوں سے باہر نہ گیا خود اپنے ماننے والے ہندوؤں میں سے بھی ہر ایک کے پاس نہ پہنچا۔ صرف چند پنڈت ہی اس کے کچھ منتر جانتے ہیں یہ تو ہمارے قرآن کی شان ہے کہ تھوڑی سی مدت

www.alahazratnetwork.org

ہیں دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچا ہر شخص کے پاس پہنچا۔ میں نے بیت المقدس کے پاس بیت اللحم کے عیسائیوں کو دیکھا کہ انہیں سورہ مریم کے رکوع کے رکوع حفظ ہیں وہ رکوع پڑھتے جاتے ہیں اور حضرت مسیح کی پیدائش گاہ وغیرہ کی زیارت کراتے ہیں۔ ہندوستانی آریے رام چند دہلوی اور کالی چرن آگرہ والے کو سیپارے کے سیپارے حفظ تھے یہ ہے قرآن کریم کا معجزہ کہ دشمنوں کے سینہ میں بھی گھر کر لیتا ہے۔

نوٹ ضروری بعض بے وقوفوں نے اس آیت سے دھوکہ کھایا کہ دنیا میں ہر دین حق ہے جو بھی اپنے دین میں رہ کر اچھے کام کرے گا نجات پا جائے گا سب دین رب کی طرف سے ہیں **لکل جعلنا منکم شرعة** مگر یہ قول باطل ہے ورنہ حضرات انبیاء خصوصاً ہمارے حضور کفار کو اسلام کی دعوت کیوں دیتے بلکہ فرما دیتے کہ اپنے دین پر قائم رہ کر اچھے کام کرتے جاؤ۔ اس آیت کا منشاء یا تو یہ ہے کہ گزشتہ زمانوں میں ہر نبی کی امت کے لئے الگ شریعت ہم نے بنائی تھی جو اپنے وقت میں حق تھی یا یہ منشا ہے کہ آج ہر قوم کے لئے صرف ایک ہی شریعت ہم نے بنائی۔ اب ہر شخص کو اس شریعت کی پیروی کرنا پڑے گی۔

پہلا اعتراض قرآن کریم تو آہستہ آہستہ تئیس سال کے عرصہ میں نازل ہوا پھر یہاں اس کے متعلق **انزل اللہ** کیوں فرمایا گیا۔ **نزل اللہ** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب** اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں انزال سے مراد مطلقاً اتارنا ہے نہ کہ یکدم اتارنا۔ یا یہاں وہ نزول مراد ہے جو ماہ رمضان میں یکدم ہو تا تھا وغیرہ۔ **دوسرا اعتراض** قرآن کریم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم توریت و انجیل وغیرہ کے ناسخ ہیں پھر انہیں توریت و انجیل کا محافظ کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا **مھیمنا علیہ** نیز جب قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتب الٰہیہ کے محافظ ہیں تو پھر ان کتب میں تنسیخ و مسخ کیسے ہو گیا۔ محفوظ چیز تو چوری سے امن میں ہوتی ہے۔ **جواب** قرآن کریم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کتب کی عظمت ان کے عقائد ان پر ایمان کے محافظ ہیں۔ آج جس کتاب جس نبی کو عظمت و شہرت ملی ہے۔ حضور کے ذریعہ قرآن کے واسطے سے ملی نیز قرآن کریم نے ان کی حقانیت کی حفاظت فرمائی تمام جہان سے ان کے حق ہونے کا اقرار کرایا۔ نسخ صرف فرعی احکام کا فرمایا یہ نسخ انکی تصدیق و حفاظت کے خلاف نہیں نیز قرآن کریم نے جس چیز کی حفاظت فرمائی اس میں تبدیلی نہ ہوئی یعنی ان کتب کی عزت' ان کے عقائد ان کتب کے بعض احکام اور جن میں تبدیلی ہوئی ان کی حفاظت ہی نہ فرمائی۔ **تیسرا اعتراض** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار رعایا پر شرعی اسلامی احکام جاری فرماتے تھے جیسا کہ **فاحکم بینھم بما انزل اللہ** سے معلوم ہوا تو سرکار نے ان یہود کو توریت دکھا کر کیوں رجم فرمایا خود ہی رجم کا فیصلہ کیوں نہ فرمایا **جواب** اس لئے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود کے حاکم نہ تھے حکم تھے ابھی ان کا علاقہ فتح نہ ہوا تھا۔ یا اس لئے کہ اسلامی رجم کے لئے احصان شرط ہے اور احصان کے لئے مجرم کا مسلمان ہونا ضروری ہے اس لئے ان کی توریت کے مطابق انہیں

www.alahazratnetwork.org

رجم کرایا نہ کہ حکم قرآنی کے مطابق۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ ہر قوم کی شریعتیں الگ الگ ہیں تو پھر ہم ان کی دعوت اسلام کیوں دیتے ہیں انہیں انکی شریعتوں پر عمل کرنے دیں وہی ان کے لئے ہدایت ہیں کہ وہ بھی اسلامی شریعت کی طرح ربانی شریعتیں ہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ فرمایا گیا **لکل جعلنا** اور **جعلنا** ماضی ہے جس کے معنی یہ ہیں ان کے لئے گزشتہ زمانہ میں الگ شریعتیں رکھی گئی تھیں یہ مطلب نہیں کہ وہ شریعتیں اب بھی ذریعہ ہدایت ہیں اب ہدایت صرف اسلام میں ہے اس کے لئے وہ آیت کریمہ پڑھو **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منه** الخ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کو اس کی طرف لوٹنے کے بعد تمہارے اختلافات کی خبر دے گا۔ حالانکہ اس رب کریم نے تو اس کی خبر دنیا میں ہی دے دی ہے کہ اسلام کے سوا تمام دینوں کو باطل قرار دیا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** دنیا میں اس نے قولی فیصلہ فرما دیا۔ عملی فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ یہاں کافر و مومن سب ہی اس کی نعمتیں برت رہے ہیں۔ بظاہر پتہ نہیں چلتا کہ وہ راضی کس سے ہے ناراض کس سے قیامت میں عملی فیصلہ عملی خبر دی جاوے گی کہ کفار کو جہنم میں ٹھونس دیا جائے گا۔ **چھٹا اعتراض** تم نے میمن کی جو تفسیر کی اس سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت ہر چیز سے مطلع ہر ایک کے ایمان اعتقاد اعمال سے خبردار ہیں مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ قیامت میں باطل معبود اپنے عابدوں سے کہیں گے۔ **انا کنا من عبادتکم لغافلین** ہم تمہاری عبادات سے بے خبر تھے۔ جھوٹے معبود' چاند سورج' پتھر درخت دریا انبیاء و اولیاء سب ہی ہیں معلوم ہوا کہ یہ سب ہی ہمارے حالات سے غافل اور بے خبر ہیں۔ بتوں ولیوں کی لوگ عبادت کرتے رہے ہیں **جواب نعوذ باللہ** حضرات انبیاء کرام معبودان باطلہ میں داخل نہیں معبود باطل وہ ہے جس کی عبادت کی جاوے۔ رب کے سواء کسی قوم نے اپنے نبی کی عبادت نہ کی اگر وہ لوگ نبی کو سجدے کرتے نبی دیکھتے رہتے منع نہ کرتے تو وہ معبود باطل کہلاتے ان بدنصیبوں نے نبیوں کے نام کے بت بنا کر ان کی عبادت کی یہ ان بتوں کی عبادت ہے نہ کہ نبیوں کی جیسے کوئی اللہ کے نام کا بت بنا کر اسے سجدے کرے تو وہ خدا کا عابد نہیں مشرک ہے یا کوئی کعبہ کا مجسمہ یا نقشہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھے۔ وہ کعبہ کی طرف نماز نہیں پڑھ رہا ہے نہ اس کی نماز درست ہو بلکہ یہ دونوں مشرک ہیں۔ حضرات اولیاء نہ معبود ہیں نہ بے خبر وہ حضرات رب کے گواہ شفیع ہیں۔ شفاعت شکایت گواہی بغیر علم نہیں ہو سکتی رب فرماتا ہے **یاایها النبی انا ارسلنک شاهدا** اور فرماتا ہے **وقال الرسول یارب ان قومی اتخذوا هذا القرآن مهجورا** اگر وہ بے علم ہیں تو یہ شہادت اور شکایت کیسی۔

تفسیر صوفیانہ قرآن کریم کی دو شانیں ہیں نزول کی شان اور تبلیغ کی شان۔ اس کے نزول کی ابتداء رب تعالیٰ سے ہے واسطہ نزول حضرت جبریل علیہ السلام منتہائے نزول حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے یہاں الی ارشاد ہوا جو انتہا کے لئے آتا ہے کہ فرمایا **انزلنا الیک الکتاب** اس کی تبلیغ کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور واسطہ

www.alahazratnetwork.org

تبلیغ حضرات صحابہ کرام منتہاء تبلیغ سارے انسان تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے منتہی بھی ہیں اور مبتداء بھی۔ اور جیسے نزول قرآن کے لئے حضرت جبریل کو ماننا ضروری ہے یوں ہی تبلیغ قرآن کے لئے حضرات صحابہ پر ایمان لانا اشد ضروری ہے کہ حضرت جبریل واسطہ نزول اور یہ حضرات واسطہ تبلیغ اور جیسے قرآن اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتب اور تمام نبیوں کی شان۔ حقانیت' نام کے مہیمن اور محافظ ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی عزت ناموس ایمان کے دائمی محافظ ہیں امام بوصیری فرماتے ہیں۔

☆ **احل امته فی حرز ملته** ☆ **کاللیث احل بالاشبال فی الاجم** ☆

یعنی حضور نے اپنی امت کو اپنی ملت کے حصار میں ایسے محفوظ فرمادیا جیسے شیر اپنے بچوں کو اپنی کچھار میں محفوظ کردیتا ہے ظاہری دولت کے بیمہ کے لئے دنیاوی کمپنیاں ہیں مگر دولت ایمان کے بیمہ کے لئے حضور کا نام عالی آپ کا دامن کرم ہے بلکہ مومن کی عزت آبرو نام نشان دین و دنیا سب کی رجسٹری حضور کے ہاں ہوتی ہے وہ ہماری ہر چیز کے **مھیمن** ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلے اللہ کے فیصلے ہیں کہ وہ **ما انزل اللہ** سے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شریعت تو تمام امتوں کو ملی کہ یہاں ارشاد ہوا **لکل جعلنا منکم شرعۃ** الخ مگر طریقت صرف امت محمدیہ کو عطا ہوئی پچھلی امتوں میں بعض نبیوں بعض خاص ولیوں کو طریقت ملی مگر اس امت کو عموماً عطا ہوئی شریعت یار تک پہنچنے کا وہ کھلا سیدھا راستہ ہے جس کو ہر شخص بے تکلف طے کرسکے۔ طریقت یار تک پہنچنے کا وہ پر اسرار چھپا ہوا پیچیدہ سرنگی راستہ ہے جس کو ہر شخص نہیں جانتا۔ شریعت میں خود چل کر یار تک پہنچتا ہے طریقت میں یار کی طرف سے کشش کے ذریعہ بلاتا ہے۔ شریعت میں ظاہر پر عمل ہے۔ طریقت میں باطنی اسرار پر عمل حضرت خضر علیہ السلام کے بے گناہ بچے کو قتل کردینا۔ کشتی توڑ دینا۔ ٹوٹی دیوار جوڑ دینا طریقت تھا۔ یوں ہی موسیٰ علیہ السلام کا عرض کرنا رب ارنی یہ طریقت ہی تھا۔ مگر یہ طریقت بطور سلسلہ امت تک نہ پہنچی۔ طریقت کے سلسلوں کا امت میں جاری ہونا اس امت مرحومہ کی خصوصیت ہے۔ شریعت میں بجلی پاور ہاؤس سے بذریعہ تار آتی ہے جس کو صدہا خطرات ہیں کوئی تار کاٹ دے۔ فیوز اڑ جاوے وغیرہ طریقت میں بجلی کی بیٹری خود دل میں ہوتی ہے جسے یہ خطرات نہیں۔ جہاں ظاہری تار والی بجلی کام نہ آوے۔ بیٹری والی بجلی کام آتی ہے۔ شریعت میں قالب کے ذریعہ قلب کو ٹھیک کیا جاتا ہے۔ طریقت میں دل کے ذریعہ قالب کو درست کیا جاتا ہے۔ شریعت الفاظ کے ذریعہ پڑھائی جاتی ہے۔ طریقت نگاہوں کے ذریعہ دل کو پلائی جاتی ہے۔ شریعت میں گناہوں کے راستوں یعنی ہمارے آنکھ' کان' زبان' ہاتھ پاؤں پر پہرہ لگایا جاتا ہے کہ ان تک گناہ نہ پہنچیں یا یہ گناہ تک نہ جائیں مگر طریقت میں گناہوں کے سرچشمہ یعنی نفس امارہ پر کنٹرول کیا جاتا ہے کہ یہاں سے گناہ نہ بنیں نہ چلیں مرکز کی روک تھام کی جاتی ہے نفس امارہ کو جو سرچشمہ گناہ ہے تبدیل کرکے نفس مطمئنہ بنادیا جاتا ہے۔ جس سے وہ نفس نیکیوں کا سرچشمہ بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے شریعت و طریقت کے مرکز علیحدہ علیحدہ بنائے ہیں۔ جسم پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز شریعت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مرکز طریقت ان سے فیض لینے والے الگ الگ ٹولے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو امت واحدہ یعنی صاحب طریقت بنا دیتا مگر رنگ برنگے انسان بنانے میں بندوں کی آزمائش ہے کہ دیکھیں شریعت والے طریقت والوں کے آستانہ پر جھکتے ہیں یا نہیں اور طریقت والے شریعت والوں کی طرف رجوع کرتے ہیں یا نہیں شریعت و طریقت کا چولی دامن کا ساتھ رکھنا سب کا رجوع الی اللہ ہے لہٰذا اس تک پہنچنے کی تیاری میں عمر گزارنی چاہیے۔ اعتراض وجواب میں وقت برباد نہ کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ گر بسوزد باغت انگورت دہد ☆ درمیان ماتمے سورت دہد ☆

☆ لا مسلم و اعتراض ازما برفت ☆ چو عوض می آید از مفقود رفت ☆

انگور کا پودا جل کر پھل زیادہ دیتا ہے۔ مومن کا دل عشق کی آگ میں جل کر بہار دکھاتا ہے۔

وَاَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ اَنْ

اور یہ کہ حکم کرو درمیان ان کے ساتھ اس کے جو اتارا اللہ نے اور نہ پیروی کرو خواہشات کی ان کے اور ان سے احتیاط

اور یہ کہ اے مسلمانان اللہ کے اتارے پر حکم کر اور ان کی خواہشوں پر نہ چل اور ان سے بچتا رہ

يَّفْتِنُوْكَ عَنْۢ بَعْضِ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكَ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمْ اَنَّمَا يُرِيْدُ

کر دو کہ پھسلا دیں تم کو بعض اس سے جو اتارا اللہ نے تمہاری طرف پس اگر منہ پھیریں وہ تو جان لو کہ اللہ یہی ارادہ

کہ کہیں تجھے لغزش نہ دے دیں کسی حکم میں جو تیری طرف اترا پھر اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو کہ اللہ ان

اللّٰهُ اَنْ يُّصِيْبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ

کرتا ہے کہ پہنچائے ان کو بوجہ بعض گناہوں ان کے اور تحقیق بہت سے لوگ بدکار

کے بعض گناہوں کی سزا ان کو پہنچایا چاہتا ہے اور بے شک بہت آدمی بے حکم

لَفٰسِقُوْنَ ۝ اَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُوْنَ ؕ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ

ہیں کیا پس جاہلیت کا حکم تلاش کرتے ہیں اور کون ہے زیادہ اچھا اللہ سے

ہیں تو کیا جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں اور اللہ سے بہتر کس کا حکم

حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ۝

حکم میں واسطے اس قوم کے جو یقین رکھے

یقین والوں کے لئے

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید نازل فرمانے کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب اس قرآن سے فیصلہ فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا نزول قرآن کا ذکر پہلے ہو اور مقصد نزول اور حمت نزول کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ نزول قرآن آپ پر حق کے ساتھ ہوا ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس حق سے پھسلانے والے بہت ہیں مگر ان کی پرواہ نہ کرو۔ حق پر ثابت قدم رہو گویا قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر پہلے ہوا اس پر استقامت کا حکم اب دیا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ دنیا میں بہت شریعتیں آئیں جو حضرات انبیاء کرام لائے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ شریعتیں اب قابل عمل نہیں اب تو آپ کی شریعت آپ کا حکم سب پر جاری ہو گا گویا پچھلی آیات میں شریعتوں کے نزول کا ذکر تھا اب ان کے نسخ کا اشارۃً ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول ابن ابی حاتم اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ یہود کے کچھ پوپ پادری کعب ابن امیہ عبداللہ ابن صوریا۔ شاس ابن قیس نے آپس میں مشورہ کیا کہ چلو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلیں انہیں دھوکہ دیں ان کے دین سے پھسلا دیں۔ چنانچہ وہ تینوں بارگاہ اقدس میں حاضر ہو کر بولے کہ یارسول اللہ آپ کو معلوم ہے کہ ہم یہود کے چوٹی کے علماء میں ہماری قوم میں ہمارا بڑا وقار بڑی عزت ہے اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو ہمارے ساتھ بہت ہی بڑی جماعت ایمان لے آئے گی۔ جس سے آپ کے دین کو بہت قوت پہنچے گی۔ ہمارا ایک کام آپ کر دیں۔ ہم سب ایمان لانے کو تیار ہیں۔ کام یہ ہے کہ فلاں قوم سے ہمارا جھگڑا ہے۔ ہم آپ کو اس میں حکم بناتے ہیں وہ لوگ آپ کے حکم پر راضی ہو جائیں گے آپ براہ کرم فیصلہ ہمارے حق میں کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے انکار فرما دیا حضور کی تائید میں یہ آیت کریمہ **وان احکم بینھم** نازل ہوئی (تفسیر خازن، کبیر، روح البیان، روح المعانی وغیرہ) (۲) جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں بنی قریظہ اور بنی نضیر کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مقتول سب برابر ہیں۔ خون کا حکم تمام قوموں کے لئے یکساں ہے۔ بنی نضیر بنی قریظہ کے برابر ہیں۔ انہیں کوئی فوقیت حاصل نہیں کہ ان کے ایک مقتول کے عوض بنی قریظہ کے دو آدمی قتل کئے جاویں تو بنی نضیر بولے ہم آپ کے اس حکم پر راضی نہیں ہمارے ہاں صدیوں سے یہی رواج چلا آ رہا ہے کہ ایک نضیری کے عوض دو قریظی قتل کئے جاتے ہیں آپ بھی اس رواج کے مطابق فیصلہ فرمایئے۔ تب دوسری آیت کریمہ **افحکم الجاھلیۃ یبغون** الخ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی و مدارک و بیضاوی وغیرہ)

تفسیر **وان احکم بینھم بما انزل اللہ**۔ یہ عبارت یا تو معطوف ہے **الکتاب** پر اور حالت نصبی میں ہے یا معطوف ہے۔ **الحق** پر اور حالت جری میں ہے۔ دونوں صورتوں میں ان سے پہلے **قولنا** پوشیدہ ہے (روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

احکم بنا ہے **حکم** سے بمعنی فیصلہ سے اس میں اور اس آیت کے تمام خطابات میں بظاہر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر در حقیقت مسلمانوں سے خصوصاً اسلامی حکام سے ہے (تفسیر کبیر) یہ حکم وجوبی ہے اور اس وجوب کا تعلق **احکم بینھم بما انزل اللہ** سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اہل کتاب کا فیصلہ کرنا واجب نہ تھا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **فاحکم بینھم اواعرض عنھم** لیکن اگر فیصلہ کریں تو مطابق شرع فیصلہ کرنا واجب تھا۔ یہ ہی حکم مسلمانوں اور حکام اسلام کا ہے کہ اگر انہیں اہل کتاب اپنا پنچ بنائیں تو ان پر پنچ بننا واجب نہیں۔ لیکن اگر بن جاویں تو شرعی صحیح فیصلہ کرنا واجب ہے ہماری اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ یہ آیت بھی محکم اور آیت **فاحکم بینھم اواعرض عنھم** بھی محکم ہے ان میں سے کوئی منسوخ نہیں **بینھم** کا مرجع اہل کتاب ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمانوں کی رعایا نہ ہوں۔ ورنہ جو کفار مسلمانوں کی رعایا ہوں ان کے فیصلے حاکم اسلام پر کرنا ضروری ہیں **ما انزل اللہ** سے مراد قرآن مجید اور حدیث نبویہ بلکہ قیاس مجتہد اور اجماع سب ہی داخل ہیں۔ خیال رہے کہ پچھلی آیت میں حکم سے مراد زنا کی سزا کا حکم تھا اور یہاں حکم سے مراد قتل کی سزا کا فیصلہ ہے لہٰذا آیات میں تکرار نہیں (تفسیر خازن) **ولا تتبع اھوآءھم** یہ عبارت یا تو **ان احکم** کی تفسیر ہے یا دوسرا حکم یہاں بھی بظاہر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مراد امت ہے **اھواء** جمع **ھوی** کی بمعنی خواہش نفسانی **ھم** کا مرجع وہ ہی اہل کتاب ہیں یعنی ان اہل کتاب کی نفسانی خواہشات کی پیروی نہ کرو بلکہ ان پر اسلامی حکم جاری کرو اور ان کے خاص مذہبی معاملات میں ان کی کتاب کے مطابق حکم جاری کرو بہر حال ان کی مرضی کی پیروی نہ کرو **واحذرھم ان یفتنوک عن بعض ما انزل اللہ الیک** اس جملہ میں وہ بات بتائی گئی ہے جو عدل و انصاف کا مدار ہے یعنی ان مقدمہ والوں کی باتوں میں آنا ان کی لالچ یا ڈرانے کی پرواہ نہ کرنا **حذر** سے مراد ہے احتیاط کرنا یعنی وہ خوف جو فریبی مکار دشمن سے ہوتا ہے جس کا نتیجہ احتیاط کرنا اور چوکنا رہنا ہوتا ہے۔ حق سے باطل کی طرف پھرنا فتنہ ہے۔ **بعض** سے مراد ہے وہ خاص فیصلہ قتل جو ان پوپ پادریوں نے بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا یعنی ان لوگوں کا یہ عرض کرنا کہ اگر آپ نے فیصلہ ہمارے حق میں کر دیا تو ہم مع اپنی جماعت کے مسلمان ہو جائیں گے یہ وعدہ اسلام نہیں بلکہ آپ کو اس بارے میں حق فیصلہ سے روکنے سے باطل فیصلہ کرانے کی ایک چال ہے لہٰذا یہ فتنہ ہے یہاں فتنہ بمعنی آزمائش نہیں ہے **فان تولوا** **تولوا** بنا ہے **تولی** سے بمعنی منہ پھیرنا اس کا فاعل وہ کتابی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تھے یعنی اگر یہ لوگ آپ کے حق فیصلے سے منہ پھیریں اسے قبول نہ کریں باطل فیصلہ کرانا چاہیں تو **فاعلم انما یرید اللہ ان یصیبھم ببعض ذنوبھم** یہ جملہ ان کی جزاء ہے **یصیب** مضارع ہے۔ **اصابت** کے بمعنی پہنچانا یہ دو مفعول چاہتا ہے اس کا پہلا مفعول تو **ھم** ہے اور دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ دنیاوی سزا یعنی ان کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونا۔ ان پر سزا مقرر ہونا اور جلاوطن ہونا جیسا کہ بعد میں ظاہر ہوا کہ یہ تینوں سزائیں انہیں ملیں **بعض ذنوبھم** سے مراد ان کی یہ ہی ہیرا پھیری ظلم کرنا ظلم کرانے کی کوشش کرنا ہے۔ ان کو بقیہ

www.alahazratnetwork.org

گناہوں کی سزا آخرت میں دی جاوے گی یعنی ان کی یہ سرکشی دنیاوی سزا پانے کی علامت ہے یہ پچھن مار کھانے کے ہیں یہ لوگ ان حرکتوں سے خود قہر الٰہی کو دعوت دے رہے ہیں **ان کثیرا من الناس لفسقون** یہاں **کثیرا من الناس** سے مراد یہ ہی سرکش یہود ہیں یا ان کی مثل اور سرکش **فاسقون** سے مراد ہے کفر پر مضبوط اور پورے ڈھیٹ حدود الٰہیہ سے خارج اگرچہ سارے اہل کتاب کافر ہیں مگر ان میں سے بعض لوگ نرم پالیسی والے ہیں۔ بعض بہت سرکش اس لئے کثیر فرمایا گیا۔ اس صورت میں **ناس** سے مراد اہل کتاب ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ناس سے مراد سارے انسان ہوں اور کثیر سے مراد سارے کافر۔ مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ یعنی بہت سے اہل کتاب بڑے ڈھیٹ ہٹ دھرم ہیں کہ اپنی قوم کے غریبوں کو دبانا چاہتے ہیں یا مومن لوگ تو اللہ سے خوف رکھتے ہیں مگر کفار بڑے سرکش اور ناہنجار ہیں **افحکم الجاھلیۃ یبغون** اس عبارت میں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت ایک ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے یعنی **تترکون حکم اللہ یاحکمک** ہمزہ استفہامیہ ہے۔ استفہام یعنی سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔ پوچھنا' اقرار کرانا' انکار کرنا تعجب کرنا۔ تعجب کرانا یہاں استفہام آخری مقصد کے لئے ہے یعنی مخلوق کو یا قرآن پڑھنے والے کو تعجب دلانا کیونکہ جو شخص بے موسم یا بے موقع کلام کرے تو لوگ اس پر تعجب بھی کرتے ہیں اسے احمق بھی کہتے ہیں جو سردی میں گرمی کے لباس پہنے یا اس کے برعکس گرمی میں سردی کا لباس و بستر استعمال کرے یا دن میں دھوپ میں چراغ سے کتاب پڑھے یا سردی کی دھوپ میں چھتری لگائے یا بارش میں چھتری بغل میں لئے رہے مگر لگائے نہیں اس پر لوگ ہنستے ہیں اسے دیوانہ کہتے ہیں یوں ہی نبوت مصطفوی کا سورج چمک جانے پر جاہلیت کی رسوم سے اس پر تعجب ہے کہ حضور کے فیصلے سے جنات فرشتے جانور چاند' سورج' لکڑیاں' کنکر' پتھر غرضیکہ ساری مخلوق تو راضی ہے مگر یہ لوگ انسان ہو کر راضی نہیں یہ بات تعجب انگیز ہے۔ **جاھلیۃ** سے مراد ہے یا تو حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ سلم کے درمیان کا وہ زمانہ ہے جبکہ تعلیم ربانی قریباً معدوم ہو چکی تھی لوگ بے راہ ہو گئے تھے یا اس سے مراد نفسانی خواہشات ہیں پہلے معنی کی جاہلیت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور تبلیغ سے ختم ہو گئی مگر دوسری جاہلیت تاقیامت رہے گی یہاں حکم جاہلیت سے مراد وہ ہی غلط فیصلہ ہے جو یہود حضور انور سے کرانا چاہتے تھے جیسے شخصی زندگی میں ہم پر دو قسم کے دور آتے ہیں بچپن کا دور محض نفسانی ہوتا ہے۔ ہوش سنبھالنے پر عقل کا دور شروع ہوتا ہے اس نفسانی دور میں بچے کے سارے عیوب معاف ہوتے ہیں۔ بچہ بستر پر پیشاب پاخانہ کرے معاف ہے ماں کا دودھ پئے۔ چیزیں بگاڑے کوئی پکڑ نہیں مگر ہوش سنبھالنے پر یہ حرکات معاف نہیں ہوتیں۔ حضور سے پہلے انسانیت نفسانیت کے دور میں تھی اس کے سارے قصور معاف فرما دیئے گئے صرف توحید نجات کے لئے کافی ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقل اکل ہیں حضور سے دنیا کا عقلی دور شروع ہو گیا اب اس زمانہ کے رسم و رواج قابل معافی نہیں جو اب بھی وہ رسوم چاہے وہ ایسا ہی ہے۔ جیسے عاقل بالغ لڑکا ماں کا دودھ مانگے اور بستر پر پیشاب پاخانہ کرے اس لئے فرمایا گیا۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اب بھی آپ کی تشریف آوری کے بعد

www.alahazratnetwork.org

بھی وہ ہی جاہلیت کے زمانہ کے اندھادھند فیصلے چاہتے ہیں جبکہ انسان جانوروں سے بدتر تھے اور ہر شخص اپنی من مانی کرتا تھا۔ اب تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے حق کا بول بالا ہے اس دور میں وہ فیصلے چاہنا تعجب کی بات ہے **ومن احسن من اللہ حکما** یہ جملہ علیحدہ ہے اور من استفہامیہ ہے یہ استفہام انکاری ہے اس سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے احکام کے خلاف حکم دیں خواہ کفار ہوں یا ظالم حکام اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں کیونکہ حضور کا حکم تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہی ہے نہ انصاف کرنے والے مسلمان حاکم اس میں داخل ہو سکتے ہیں کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ **حکما احسن** کی ضمیر سے تمیز ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر کون اچھے حکم والا ہے وہ اچھے حکم والا **احکم الحاکمین** ہے۔ **لقوم یوقنون** لام یا تو بمعنی عند کا ہے یا بیان کا ہے جیسے **ھیت لک** یا **سقیالک** میں ہے بعض کے نزدیک صلہ کا ہے۔ ایقان سے مراد ایمان ہے یعنی مومن قوم کے عقیدے میں رب تعالیٰ سے اچھا حکم والا کوئی نہیں مگر کفار اپنی حماقت و جہالت سے دوسروں کے حکم کو اللہ کے حکم سے اچھا جانتے ہیں یا مومنوں کے لئے اللہ سے اچھا حاکم کون ہو سکتا ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ پر قرآن مجید بھی اتارا اور ہم نے آپ کو یہ تین حکم بھی دیئے ایک یہ کہ آپ (یعنی آپ کے تابعین حکام اسلام) اہل کتاب کفار کے درمیان اللہ تعالیٰ کے اتارے احکام جاری کریں اور ان کے مطابق ان کے فیصلے کریں وہ اتارے ہوئے احکام خواہ قرآن مجید میں ہوں یا آپ کے فرمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ (یعنی آپ کے نائبین) ان کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ ان کی مرضی کے مطابق فیصلے نہ فرماویں۔ تیسرے یہ کہ کفار کوشش کریں گے کہ کسی طرح آپ کو (یعنی آپ کے حکام) کو حق سے لغزش دے دیں پھسلا دیں تو ان سے محتاط رہیں ان کی چکنی چپڑی باتوں ان کی لالچ بھری گفتگو کی طرف توجہ نہ کریں وہ ان ترکیبوں سے یہ چاہتے ہیں کہ آپ کو (یعنی آپ کے حکام) کو بعض احکام اسلامیہ سے لغزش دے دیں اپنی مرضی کے مطابق فیصلے کرالیں۔ اگر یہ لوگ آپ کے حق فیصلے سے راضی نہ ہوں تو یقین فرمایئے کہ اس کا خمیازہ انہیں ہی بھگتنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کے بعض گناہوں یعنی غلط فیصلہ کرانے کی کوشش اور حق فیصلہ پر راضی نہ ہونے کی سزا انہیں دنیا میں ہی دے آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے وہاں تو انہیں کفر اور سارے گناہوں کی سزا ملے گی۔ مگر اس جرم کی سزا دنیا میں بھی ملے گی کہ وہ مسلمانوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہوں گے بہت سے لوگ بدکار نفس بدنجار کے پنجہ میں گرفتار ہیں اب تک تو یہ لوگ اپنی من مانی کرتے رہے کہ سزاؤں میں بھی ذاتی اونچ نیچ کا فرق کرتے رہے کیا اب بھی وہ ہی جاہلیت کے دور کے فیصلے کرانا چاہتے ہیں بیوقوف یہ نہیں جانتے کہ رات گزر چکی سویرا ہو گیا نبوت کا سورج افق عالم پر چمک گیا ایسی اب اندھیر گردی کیسے ہو سکتی ہے آپ کا حکم اللہ کا حکم ہے اور اللہ سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے مگر یہ عقیدہ تو ایمان والوں کا ہے یہ بے دین تو اللہ کے مقابل اپنے نفس کے حکم کو ترجیح دیتے ہیں خیال رہے کہ اللہ کے حکم دو قسم کے ہیں تکوینی حکم اور تشریعی حکم، تکوینی حکم میں

www.alahazratnetwork.org

بندوں کو کچھ اختیار نہیں ہے جیسے انسانی جسم کے اعضاء کا اپنے مقامات پر ہونا کالا گورا ہونا سعید دشقی ہونا۔ جینا مرنا ان پر ثواب عذاب بھی نہیں ملتا تشریعی حکم میں بندوں کو اختیار دیا جاتا ہے اور اس پر ثواب و عذاب ہوتا ہے جیسے نماز و روزے وغیرہ کا حکم تکوینی احکام کے متعلق سب کو یقین ہے کہ بالکل برحق ہیں اگر آنکھیں پاؤں میں کان پیٹھ میں ہوتے تو مصیبت پڑ جاتی۔ تب اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام کو برحق مانتے ہو تو اس کے تشریعی احکام کو بھی برحق مانو اس سے بہتر کس کا حکم ہو سکتا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اسلامی حاکم کافر رعایا کو سزائیں وغیرہ اسلامی دے گا نہ کہ ان کی مروجہ سزائیں لہذا کافر چور کے ہاتھ کاٹے گا کافر قاتل کو قتل کرے گا۔ یہ فائدہ **بما انزل اللہ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** کوئی شخص اپنے کو کفار و فساق کے فریب و مکر سے محفوظ نہ جانے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے محتاط رہنے کا حکم دیا تو ہم کس شمار میں ہیں یہ فائدہ **واحذرھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حکام کو فیصلہ میں بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے مقدمہ والے بہت ہی دھوکہ دیتے ہیں بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرے۔ یہ فائدہ بھی **واحذرھم** الخ سے حاصل ہوا۔

حکایت ایک قاضی صاحب کے پاس ایک عورت زار و قطار روتی ہوئی اپنے خاوند کے خلاف شکایت لائی قاضی صاحب کے پاس ایک شخص بیٹھا تھا۔ اس نے کہا عورت بڑی مظلومہ ہے۔ قاضی صاحب نے پوچھا تمہیں کیسے معلوم ہوا وہ بولا اس کی زاری اور بے تحاشا رونے سے قاضی صاحب نے فرمایا کہ کبھی ظالم بھی روتا ہے تاکہ اس کا ظلم چھپ جاوے رب تعالیٰ فرماتا ہے **جاءوا اباھم عشاء یبکون** یوسف علیہ السلام کے بھائی انہیں کنوئیں میں ڈال کر والد ماجد کے پاس روتے چیخیں مارتے ہی آئے تھے۔ تحقیقات پر پتہ چلا کہ عورت نہایت ہی ظالمہ تھی۔ مرد بے قصور تھا آج کل بڑے بڑے ظالم غریب بن کر حکام کے پاس پہنچتے ہیں مگر ہوتے ہیں۔ ظالم بڑی احتیاط چاہیے۔ **چوتھا فائدہ** کسی کے نفس کا شریعت کے خلاف چاہنا دل کا رجحان اسلام کے خلاف ہونا اس پر عذاب الٰہی آنے کی علامت ہے۔ خدا کرے ہمارے دل وہ ہی چاہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں یہ فائدہ **انما یرید اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **شعر:**

☆ ہر کہ سیمائے راستاں دارد ☆ سر خدمت بر آستاں دارد ☆

پانچواں فائدہ مسلمان ہو کر کفار کی رسموں کو پسند کرنا بہت ہی معیوب ہے ان کی یہ رسمیں اس وقت کی ہیں جب دنیا میں اندھیرا تھا اب تو نبوت کا سورج تاقیامت چمک رہا ہے پھر کیوں گڑھے میں گرتے ہو اب تک مسلمان میراث میں ہندو قانون پسند کرتے تھے یعنی اپنی بیٹیوں کو میراث سے محروم کر دینا کس قدر افسوس ہے یہ فائدہ **افحکم الجاھلیۃ یبغون** سے حاصل ہوا اب تو مسلمان کفار کی اداؤں پر فدا ہیں۔ صورت، سیرت، رسم و رواج عیسائیوں کے پسند کرتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔

پہلا اعتراض **ما انزل اللہ** پر فیصلہ کرنے کا حکم دوبارہ کیوں دیا گیا یہ ہی آیت ابھی پہلے بھی گزر گئی تکرار سے کیا فائدہ۔ **جواب** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ وہاں **فاحکم** سے مراد زانی پر رجم کا فیصلہ کرنا تھا اور یہاں **ان احکم** میں حکم سے مراد قاتل پر قصاص شرعی کا فیصلہ کرنا ہے یا اس کے برعکس لہذا مضمون میں تکرار نہیں اور اگر تکرار ہو بھی تو تاکید کے لئے ہے بے فائدہ تکرار خلاف فصاحت ہے سورہ رحمن شریف میں ۲۷ جگہ ہے **فبای الاء ربکما تکذبن** یہ تکرار عین فصاحت ہے۔ **دوسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کیوں فرمایا **ولا تتبع اھواءھم** ان کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کرو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اندیشہ تھا۔ نوٹ مسلمانوں میں ایک بدنصیب قوم ہے جو عصمت انبیاء کی منکر ہے امام فخرالدین رازی نے تفسیر کبیر میں ان کا یہ اعتراض نقل فرمایا ہے **جواب** اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ کے سارے خطاب مومنین سے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں ہی نہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہو رہا ہے اس جواب سے اعتراض کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خطاب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے مگر سنانا مقصود ہے امت کو۔ امام رازی نے یہ جواب بھی دیا۔ تیسرے یہ کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس سے مراد ان چیزوں پر استقامت یعنی اے محبوب یونہی عمل کئے جایئے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یایھا النبی اتق اللہ** مطلب یہ ہی ہے کہ اے محبوب اسی طرح تقویٰ پر قائم رہیئے ورنہ یہ حکم تو بعد میں آیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہی ان یہود کی عرض و معروض کو ٹھکرا چکے تھے جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ نیز یہ آیت مدنیہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ نے بڑی بڑی لالچ دیں ہر طرح ڈرایا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پائے استقامت میں لغزش نہ آئی **شعر:**

☆ وہ آفت جب فضاء آسمان بھی تھرتھراتی تھی ☆
☆ محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی استقامت کی مثال نہ ملے گی۔ ان بے مثال محبوب کی ہر ادا بے مثال ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ **عن بعض ما انزل اللہ** کفار تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر حکم الٰہی سے ہٹانے کی خواہش رکھتے تھے۔ **جواب** اس موقع پر انہوں نے قتل کے فیصلہ میں حضور سرکار کو ہٹانا چاہا تھا۔ اپنے اور اپنی قوم کے اسلام کی لالچ دے کر اس واقعہ کے لحاظ سے یہ ارشاد ہوا۔ **چوتھا اعتراض** یہاں **ببعض ذنوبھم** کیوں فرمایا گیا کیا کفار کو سارے جرموں کی سزا نہ ملے گی انہیں تو ہر جرم کی سزا ملنی چاہیے۔ **جواب** یہاں دنیاوی سزا مراد ہے قتل' قید' جلاوطنی مسلمانوں کا رعایا بن جانا وغیرہ اور واقعی کفار کو دنیا میں تو بعض جرموں کی ہی سزا ملتی ہے وہ سزا بھی بعض ہی ہوتی ہے تمام جرموں کی پوری سزا تو بعد قیامت ہی ملے گی۔ **پانچواں اعتراض** یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ بہت سے لوگ فاسق ہیں

www.alahazratnetwork.org

کثیر من الناس کفار تو سارے ہی فاسق ہیں کیا ان میں بعض نیک کار بھی ہیں۔ جواب یہاں **الناس** سے مراد سارے انسان ہیں جن میں مومن کفار سب ہی داخل ہیں مومن تھوڑے ہیں کافر زیادہ لہذا یہ فرمانا بالکل حق ہے کہ بہت لوگ فاسق ہیں یعنی تھوڑے لوگ متقی اور اگر **الناس** سے مراد کفار ہی ہوں تب بھی کفار دو قسم کے تھے ایک سرداران کفر۔ دوسرے ان کے مطیع و فرمانبردار بڑے باغی فاسق یہ ہی سردار تھے دوسرے لوگ تو ان کی پیروی میں کافر ہوئے تھے۔ اس صورت میں کثیر سے مراد کثرت اضافی نہیں بلکہ کثرت حقیقی ہے۔ **چھٹا اعتراض** اللہ تعالیٰ کا حکم بہرحال ہر شخص کے لئے اچھا ہے پھر یہاں **لقوم یوقنون** کیوں فرمایا گیا یقین والوں کے سواء دوسروں کے لئے رب تعالیٰ کا حکم اچھا نہیں (آریہ) **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں لام بمعنی **عند** ہے یعنی یقین والے مومنوں کے عقیدہ میں رب کا حکم سب سے اچھا ہے کفار تو اپنے خواہش نفسانی کے فیصلے کو ہی اچھا سمجھتے ہیں یہاں واقعیت کا ذکر نہیں ان کے خیالات کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ صورت میں ہر انسان یکساں ہے مگر سیرت اور سعادت و شقاوت میں مختلف کوئی روح سعید ہے کوئی شقی سعادت و شقاوت چہرے سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ دلی رجحان سے اس کا پتہ چلتا ہے۔ دل کا رجحان شریعت مطہرہ کے خلاف احکام کی طرف ہونا علامت شقاوت ہے اور شریعت پاک سنت مصطفوی کی طرف دل کا جھکاؤ علامت سعادت ہے۔ شقی آدمی جاہلیت کی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔ سعید ان سے نفرت کرتا ہے کوئی صابن کوئلہ کو سفید نہیں کر سکتا کوئی صحبت بدبخت ازلی کو سعید نہیں کر سکتی۔ خیبر و تبوک بلکہ مدینہ منورہ کے بنی قریظہ و بنی نضیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرکے آپ کا کلام پاک سن کر بھی شقی ہی رہے۔ تفسیر صاوی شریف پہلا پارہ زیر آیت **ثم اتخذتم العجل** فرمایا کہ سامری کا نام موسیٰ تھا یہ کنواری لڑکی سے پیدا ہوا یعنی حرامی تھا۔ اس کی ماں شرم سے اسے پہاڑ کی غار میں چھوڑ آئی رب تعالیٰ نے بذریعہ جبریل علیہ السلام پرورش کرائی مگر جوان ہو کر رہا کافر و ساحر۔ اس لئے اس مردود نے غرق فرعون کے دن حضرت جبریل کو پہچان لیا کہ وہ ان کی پرورش میں رہا تھا وہاں فرمایا۔

☆ **اذا المرء لم یخلق سعید من الازل** ☆ **فقد خاب من ربی وخاب المؤمل** ☆

☆ **فموسی الذی رباہ جبریل کافر** ☆ **وموسی الذی رباہ فرعون مرسل** ☆

یعنی حضرت جبریل کی آغوش میں پرورش پانے والا یہ موسیٰ (سامری) تو کافر ہوا اور فرعون کے گھر پرورش پانے والے موسیٰ علیہ السلام مرسل ہوئے یہ نتیجہ ہے سعادت ازلی اور شقاوت ازلی کا انسان کو چاہیے کہ بزرگوں کی انقیاد (اطاعت) کرے اعتراض نہ کرے موت و فوت سے پہلے کمائی کرو صوفیاء فرماتے ہیں کہ پانچ چیزوں سے پہلے پانچ چیزوں کو غنیمت جانو موت سے پہلے زندگی کو بڑھاپے سے پہلے جوانی کو۔ بیماری سے پہلے تندرستی کو مشغولیت سے پہلے فراغت کو فقیری سے پہلے مال کو۔ سردی کا موسم بہت اعلیٰ ہے کہ اس کی راتیں قیام کے لئے دراز اور اس کے دن صیام کے لئے چھوٹے دراز رات کو سو

www.alahazratnetwork.org

کر چھوٹی نہ کرلو روشن دن کو اپنے گناہوں سے مکدر مت کرو۔ جن لوگوں کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی ان کے حالات سے عبرت لو (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں زندگی کامیابی سے وہ ہی گزار سکتا ہے جو تین چیزوں پر عامل رہے اپنے پرائے تعلق والوں پر اللہ رسول کے احکام جاری کرے دوسرے یہ کہ اپنی اپنے عزیزوں دوستوں کی خواہش نفسانی کی اتباع نہ کرے سب کی **اھواء** سے بچے تیسرے یہ کہ اپنی زندگی احتیاط سے گزارے دنیا اندھیرا اور پھسلن والا راستہ ہے چاہیے کہ ہمارے ایک ہاتھ میں اللہ کا نور یعنی حضور کا دامن رہے دوسرے ہاتھ میں قرآن کا عصا رہے ورنہ اندھیرے اور پھسلن میں ہم برباد ہو جاویں گے۔ نفس امارہ کے منہ میں شریعت کی لگام دو لو رو وہ لگام کسی اللہ والے کے قبضہ میں کرو ورنہ یہ مست گھوڑا تمہیں کہیں خار یا غار میں ہلاک کردے گا۔ صوفیاء کے نزدیک یہ آیت ہر شخص کے لئے ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ ۘ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ بناؤ یہودیوں اور عیسائیوں کو دوست ان میں کے بعض دوست

اے ایمان والو یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ آپس میں ایک دوسرے کے دوست

بَعْضٍ ؕ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاِنَّهٗ مِنْهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ

ہیں بعض کے اور جو دوستی کرے گا ان سے تم میں سے پس تحقیق وہ ان سے ہوگا بے شک اللہ نہیں

ہیں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی رکھے گا تو وہ انہیں میں سے ہے بے شک اللہ بے انصافوں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

ہدایت دیتا ظالم قوم کو

کو راہ نہیں دیتا۔

وقف لازم
وقف منزل
وقف غفران

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ اور سارے کفار سے محتاط رہنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب ان سے محبت و دوستی رکھنے سے سخت ممانعت فرمائی جارہی ہے گویا معمولی خطرہ کے بعد بڑے خطرہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مسلمان اپنی زبان اپنے قلب کو یہود و نصاریٰ وسوسے لور شرارتوں سے محفوظ رکھیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے خیالات اور دلوں کو ان کے خطرات ان کی محبت و میلان سے محفوظ رکھو گویا قالب کے اخلاص کے بعد قلب کے اخلاص کی تاکید فرمائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کفار کو دنیا میں بھی عذاب دینا چاہتا ہے اس لئے ان کے دماغ اوندھے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اب مسلمانوں سے فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنے کو اس عذاب سے بچائے رہنا اگر تم نے ان کفار سے محبت کی تو تم بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ وہ تباہ ہوں گے اپنی حرکتوں کی وجہ سے تم تباہ ہو گے ان مجرموں کی محبت کی وجہ سے گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں۔

شان نزول ایک بار حضرت عبادہ ابن صامت جو بنی حارث ابن خزرج قبیلہ سے تھے یعنی انصاری خزرجی تھے انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ یہود کی بہت بڑی جماعت جو بڑی دولت مند اور جاہ و جلال والی ہے ان سے میری گہری دوستی تھی۔ میں نے اسلام قبول کر کے ان سب سے علیحدگی اختیار کر لی۔ میں نے اللہ رسول کی محبت پر ان سب کی محبتوں کو قربان کر دیا وہاں ہی عبداللہ ابن ابی ابن سلول بھی اتفاق" موجود تھا وہ بولا کہ مگر میں نے یہود سے اپنے تعلقات نہیں توڑے کیونکہ مجھے ان کے تعلقات کی ضرورت ہے حالات زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ سب سے تعلقات رکھے جاویں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ یہود سے محبت تو ہی کر سکتا ہے عبادہ نہیں کر سکتے وہ بولا ہاں مجھے ان سے محبت منظور ہے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر وغیرہ)

(۲) غزوہ خندق کے بعد جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی قریظہ کا محاصرہ فرمایا تو ان کے محلہ میں کسی کام کے لئے حضرت ابو لبابہ ابن عبدالمنذر کو بھیجا بنی قریظہ نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر دیں تو حضور ہمارے ساتھ کیا معاملہ فرمائیں گے۔ ابو لبابہ نے اپنے حلق پر انگلی پھیر کر اشارۃً بتایا کہ تم سب قتل کئے جاؤ گے۔ پھر شرمندہ ہوئے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راز دشمنوں پر فاش کر دیا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن)

(۳) غزوہ احد میں جب مسلمانوں کے قدم عارضی طور پر اکھڑ گئے تو بعض ضعفاء مومنین بولے کہ ہم فلاں یہودی سے امان لے لیں کہ مجھے خطرہ ہے کہ اس افراتفری کی حالت میں یہود ہم پر نہ ٹوٹ پڑیں کسی نے کہا کہ میں فلاں عیسائی کی امان لے لوں گا۔ اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن' تفسیر روح المعانی) مگر یہ تیسری روایت کچھ ضعیف سی ہے کیونکہ سورہ مائدہ کا نزول ۵ ہجری سے شروع ہوا ہے اور غزوہ احد ۳ ہجری میں ہوا۔ اس لئے پہلی دو روایات قوی معلوم ہوتی ہیں۔ واللہ اعلم۔

تفسیر یایھا الذین امنوا۔ چونکہ اسلام کی خاطر تمام کفار سے پرانی دوستیاں ختم کر دینا بہت مشکل اور اہم کام ہے اور رب تعالیٰ مشکل اور اہم احکام مسلمانوں کو خطاب کر کے سناتا ہے تاکہ خطاب کی لذت سے وہ کام آسان ہو جاوے اس لئے یہاں رب تعالیٰ نے پہلے خطاب فرمایا اور بعد میں حکم سنایا حق یہ ہے کہ یہ خطاب تاقیامت مسلمانوں سے ہے صرف حضرات صحابہ سے خاص نہیں کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے مگر عبارت عام ہے اور ہر مسلمان پر یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنا حرام ہے اس خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں حضور انور کو **یایھا النبی یایھا الرسول** سے

www.alahazratnetwork.org

خطاب ہوتا ہے **لا تتخذوا الیھود النصرٰی اولیاء** یہودی نصاریٰ کے ناموں کی تحقیق بارہا بیان ہو چکی ہے۔ **اولیاء** کے معانی اور اس کی تفسیر دوسرے پارے کی تفسیر میں گزر چکی۔ محبت مودت' صداقت' ولایت ان سب کے معنی قریباً یکساں ہیں اور حبیب' ودود' صدیق' ولی قریباً ہم معنی ہیں مگر اکثر ولایت اس محبت کو کہا جاتا ہے جو اختیاری ہو اور دل کی گہرائیوں میں اتر جاوے' غیر اختیاری اور اوپری محبت کو ولایت نہیں کہا جاتا۔ ان وجوہ سے یہاں احباء یا اصدقا نہیں فرمایا بلکہ اولیاء فرمایا کہ کیونکہ کافر اولاد کافر ماں باپ عیسائی بیوی سے غیر اختیاری محبت تو ہوتی ہے خیال رہے کہ اولیاء جمع ہے ولی کی اور **ولی** یا تو بنا ہے ولی سے · بمعنی قرب یا محبت یا بنا ہے ولایت سے · بمعنی مدد و نصرت یہاں تمام معانی درست ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو ولی قریب نہ بناؤ انہیں محبوب و پیارا نہ بناؤ۔ انہیں بلا ضرورت مددگار نہ بناؤ غرضیکہ ان سے محبت تو مطلقاً حرام ہے مگر ان کی مدد کرنا یا ان سے مدد لینا ضرورت سخت میں حلال ہے بلا ضرورت حرام خصوصاً جب کہ ان سے محبت یا مدد لینا مسلمانوں کے مقابلہ میں ہو تو بہت سخت حرام ہے۔ خیال رہے کہ قرابت و رشتہ داری اور چیز ہے محبت دوسری چیز یہاں محبت کی ممانعت ہے رہی بعض قرابت داریاں یہ ان سے جائز ہیں چنانچہ اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح حلال ہے اور ظاہر ہے کہ جب ان سے نکاح ہو گا تو قرابت داری بھی ہو گی۔ یوں ہی قرابت داری کے حقوق ادا کرنا ضروری ہیں۔ چنانچہ مسلمان خاوند اپنی عیسائی بیوی کے حق ادا کرے گا ولایت چیز ہی اور ہے۔ جس سے منع فرمایا گیا ہے **بعضھم اولیاء بعض** اس عبارت میں اس ممانعت کی وجہ بیان ہوئی اس کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ **بعضھم** کا مرجع یہود و نصاریٰ دونوں ہیں مگر دوسرے بعض سے مراد اس قوم کے بعض ہیں یعنی بعض یہود بعض یہود کے دوست ہیں اور بعض عیسائی بعض عیسائی کے دوست ہیں وہ تمہارے دوست نہیں۔ صرف اپنی قوم کے دوست ہیں تو تم ان کے دوست کیوں بنتے ہو۔ افسوس ہے کہ عیسائی قوم صلیب پر متحد ہو جاوے۔ یہودی حضرت عزیر کے بت پر جمع ہو جاویں ہندو ایک جانور یعنی گائے پر متفق ہو جاوے حالانکہ ان سب کا خدا بھی ایک نہیں مگر مسلمان قوم جس کا خدا' رسول' کلمہ' قرآن' کعبہ ہر چیز ایک ہے وہ متفق نہ ہو کتنی شرم کی بات ہے اس آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کی غیرت کو جھنجوڑا ہے دوسرے یہ کہ دوسرے بعض سے مراد دونوں یہود و نصاریٰ ہیں یعنی تمہارے مقابلہ میں عیسائی یہودیوں کے اور یہودی عیسائیوں کے دوست ہیں اگرچہ ان کے آپس میں کتنے ہی اختلاف ہوں مگر تمہاری دشمنی میں سب ایک ہیں لہٰذا تم کو ان سے مل کر نفع نہ ہو گا۔ نقصان ہی ہو گا۔ بہت تعجب ہے کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو گالیاں دیتے ہیں۔ یہود نے ہی جناب مسیح کو سولی دینے کی کوشش کی مسلمان حضرت مسیح ان کی والدہ کے دل سے معتقد مگر عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کے دوست ہیں لہٰذا اے مسلمانو دنیا میں کوئی کافر تمہارا دوست نہیں تم آپس میں متفق ہو کر رہو۔ **ومن یتولھم منکم فانہ منھم** اس عبارت میں اس جرم کی سزا کا ذکر ہے۔ **من** سے مراد ہر مسلمان ہے۔ خواہ عالم ہو یا جاہل پیر ہو یا فقیر متقی ہو یا فاسق جیسے ہر پیر فقیر عالم جاہل کو سانپ کا زہر یکساں مضر ہے یوں ہی محبت کفار سب

www.alahazratnetwork.org

ہی کو نقصان دہ ہے کوئی نہ کہے کہ میں ولی ہوں مجھے مضر نہیں۔ **هم** کا مرجع وہ ہی یہود و نصاریٰ ہیں اور اس جملہ کی بھی چند تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ جو ان یہود و نصاریٰ سے دینی محبت رکھے کہ ان کے دین کو اچھا سمجھے وہ انہیں میں سے ہو گا یعنی کافر ہو گا مومن نہ رہے گا دوسرے یہ کہ جو ان سے قومی محبت رکھے یا مسلمانوں کے مقابل ان سے محبت کرے ان کی مدد کرے تو حکم شرعی میں اس قوم سے شمار ہو گا کہ ان ہی کے ساتھ اس سے بھی مسلمان جہاد کریں گے مثلاً کوئی مسلمان یہود و نصاریٰ کے ساتھ مسلمانوں کے مقابل لشکر میں آوے تو مجاہدین کے ہاتھوں وہ بھی مارا جائے گا اور یہ غازی مسلمان اس قتل میں گنہگار نہ ہوں گے یا جو ان سے بلاوجہ مدد لے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ قومی حیثیت سے ان میں شمار ہو گا جو مسلمان ان کے اعمال کو اچھا سمجھے ان کی صورت ان کی سیرت اسے پسند ہو تو وہ قیامت میں ان میں سے ہو گا۔ اس کا حشر ان کفار ہی کے ساتھ ہو گا۔ یہ بھی بڑا عذاب ہے۔ جیسے کسی مہمان کو بھنگی چماروں کے ساتھ بٹھا دیا جاوے تو یہ اس کی ذلت ہے۔ فقیر کی یہ تفسیر اور قیود خیال میں رہیں۔ **ان اللہ لا یهدی القوم الظلمین** یہ اس جرم کی دوسری سزا کا ذکر ہے یہاں **ظلمین** سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ان یہود و نصاریٰ سے محبت کریں یعنی اپنی محبت غیر محل میں صرف کریں ایسوں کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے گا ہی نہیں کہ وہ اسلام پر قائم رہیں یا ان کی مدد نہ فرمائے گا جس سے وہ راہ راست پر رہیں بلکہ ان کو ان کے نفس کے حوالہ کر دے گا۔ محبت کفار سے ان کے دل میں ہدایت کی جگہ رہے گی ہی نہیں لہٰذا یہ گناہ تمام گناہوں سے بدتر ہے کہ دوسرے گناہوں کا اثر قالب پر پڑتا ہے مگر محبت کفار کا اثر دل و دماغ بلکہ روح اور ایمان پر پڑتا ہے محبت کفار کا نتیجہ کفر ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں چار باتیں ارشاد ہوئیں۔ یہود و نصاریٰ کی دوستی سے ممانعت۔ اس ممانعت کی حکمت **بعضهم اولیاء بعض** اس محبت کی دو سزائیں ایک دنیاوی **فانه منهم** دوسری اخروی **لا یهدی القوم الظلمین** چنانچہ ارشاد ہوا اے مسلمانو! کبھی یہودیوں عیسائیوں کو دلی دوست نہ بناؤ نہ انہیں دوست سمجھو یہ لوگ اگرچہ آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہیں کہ یہود تو عیسائیوں کے دشمن ہیں اور عیسائی یہود کے دشمن مگر تمہارے مقابلہ میں ایک دوسرے کے دوست ہو جاتے ہیں تمہیں تباہ کرنے میں دونوں کو شاں ہیں خیال رکھو کہ جو مسلمان ان سے محبت رکھے گا وہ انہیں میں سے ہو گا۔ اگر مذہبی محبت رکھے گا تو انہیں کے مذہب سے ہو جائے گا یعنی کافر ہو گا اور اگر دنیاوی یا قومی محبت رکھے گا تو عند اللہ اسی قوم سے شمار ہو گا کہ اس کا حشر یہود و نصاریٰ کے ساتھ ہو گا ایسے ظالم شخص کو جو مسلمانی کا دعویٰ کر کے محبت رکھے یہود و نصاریٰ سے اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہوتیں کہ اللہ رسول سے بھی محبت کرے اور ان سے بھی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** تمام گناہوں میں بدتر گناہ کفار سے محبت ہے۔ دیکھو

رب تعالیٰ نے اسے کفر قرار دیا جیساکہ **فانه منهم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا نیز باقی گناہوں کا تعلق جسم سے ہے مگر اس کا تعلق دل سے اور ظاہر ہے کہ دل کا گناہ بدتر ہے جسم کے گناہوں سے یہ محبت کفار عام ہے کہ خواہ ان کے دین سے محبت ہو یا ان کی قوم سے یا ان کے اعمال سے یا ان کی شکل و صورت سے سب ہی خراب ہے اس کا انجام خراب کفار کی محبت ہر مسلمان کو مضر ہے خواہ ولی ہو یا عالم یا پیر فقیر یا کوئی اور جیساکہ **من** کے عموم سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ جب اہل کتاب سے دوستی و محبت حرام یا کفر ہے تو مشرکین سے محبت و دوستی بھی یقیناً بدرجہ اولیٰ حرام ہوگی کہ وہ تو اہل کتاب سے بدتر ہیں کہ اہل کتاب کا ذبیحہ اور انکی عورتوں سے نکاح حلال ہے ان کا یہ بھی حلال نہیں یہ فائدہ بھی **فانه منهم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار سے مدد لینا بلا ضرورت حرام ہے خصوصاً جبکہ ان کی مدد سے ہمارے قومی و دینی مفاد پر برا اثر پڑتا ہو یہ فائدہ **اولیاء** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ ولی بمعنی مددگار بھی ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** اسی طرح یہود و نصاریٰ اور تمام کفار کی مدد کرنا خصوصاً مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں امداد دینا سخت حرام ہے یہ فائدہ بھی اولیاء کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا اس سے دین اور قوم کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ جیساکہ بارہا کا تجربہ ہے مگر مسلمان اس تعلیم کو بھول گئے اپنی قوم کے غدار جتنے مسلمان ہیں اتنے کوئی نہیں مسلمانوں نے جب اور جہاں کفار سے شکست کھائی وہاں اپنی ہی قوم کی غداری سے کھائی۔ **شعر۔**

☆ جعفر از بنگال صادق از دکن! ☆ ننگ آدم ننگ دیں ننگ وطن! ☆
☆ لیل پاکستان چوں آید بروز ☆ رو جعفر روح او زندہ ہنوز! ☆

پانچواں فائدہ مسلمان بادشاہوں کا کفار کو اعلیٰ عہدے کلیدی آسامیاں دینا جن سے مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکیں حرام ہے اس سے قوم و دین کو سخت خطرہ پہنچ سکتا ہے۔

حکایت حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ خلافت فاروقی میں گورنری کے عہدے پر مقرر ہوئے آپ نے اپنا کوئی کاتب عیسائی مقرر کیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر سخت ناراضی فرمائی ابو موسیٰ اشعری نے عرض کیا کہ اس علاقہ میں اس جیسا لائق آدمی کوئی نہیں اس کی عیسائیت اس کے ساتھ ہے میں نے تو اسے صرف کاتب رکھا ہے تو حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر یہ عیسائی مرگیا تو کسے رکھو گے جس کو اس کی موت کے بعد رکھو گے اسے ہی اب رکھ لو۔ اللہ نے انکو مسلمانوں سے دور کیا ہے تم انہیں کیوں قریب کرتے ہو۔ دیکھو (تفسیر خازن وغیرہ) **چھٹا فائدہ** جس مسلمان کے دل میں کفار سے محبت ہو اس کا ایمان خطرہ میں ہے یہ فائدہ **لا یهدی القوم الظلمین** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** کفار سے تجارتی لین دین کرنا ان میں عدل و انصاف کرنا اگر وہ ہمارے پڑوسی ہوں تو ان کے حق پڑوسیت ادا کرنا بوقت ضرورت ان سے مدد لینا یا ان کی دنیاوی مدد کرنا ان سے بغیر سودی قرض کا لین دین کرنا جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب

www.alahazratnetwork.org

وفات پائی تو آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاں گروی تھی اور اس کا آپ پر قرض تھا کیونکہ یہ ولایت و دوستی نہیں یہ تو معاملہ ہے معاملات اور دوستی میں بڑا فرق ہے (از روح البیان) آٹھواں فائدہ یہود و نصاریٰ کی شکل بنانا ان کے سے لباس و وضع قطع رسم و رواج اختیار کرنا حرام ہے کہ اس میں صورۃً ان سے دوستی ہے اگرچہ دل میں ان سے محبت نہ ہو (روح البیان) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **من تشبه بقوم فهو منهم**

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں صرف یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے کی ممانعت کیوں فرمائی تمام کفار مسلمانوں کے دشمن ہیں ان سے دوستی خطرناک ہے۔ پھر صرف ان دو قوموں کا خصوصیت سے کیوں ذکر فرمایا۔ **جواب** چند وجہ سے ایک یہ کہ اس آیت کے نزول کے وقت مدینہ منورہ میں یہ ہی دو قومیں تھیں یہود اور نصاریٰ' مشرکین قریباً ختم ہو چکے تھے وہ ایمان لا چکے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان دونوں قوموں کا اس ملک میں بہت اثر تھا دولت مند' اہل علم' جبہ والے یہ ہی لوگ تھے حتیٰ کہ اہل مدینہ اکثر و بیشتر ان کے مقروض تھے ان سے پرانے تعلقات تھے جن کا توڑنا ضروری تھا۔ عہد صحابہ میں اکثر لڑائیاں ان ہی دو قوموں سے ہوئیں۔ تیسرے یہ کہ ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح درست تھا اندیشہ تھا کہ اس رشتہ کی وجہ سے مسلمان ان کی محبت میں گرفتار ہو کر نقصان نہ اٹھائیں۔ چوتھے یہ کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ مسلمان آئندہ چل کر یہود و نصاریٰ کی محبت ان سے میل جول ان کی مشابہت میں بہت گرفتار ہوں گے یہاں تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی تھی کہ میری امت اہل کتاب کے نقش قدم پر چلے گی۔ حتیٰ کہ اگر کسی عیسائی نے اپنی ماں سے زنا کیا ہو گا۔ تو میری امت میں بھی ایسا شخص ہو گا۔ جو اپنی ماں سے زنا کرے گا۔ اس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے۔ مسلمان عیسائیوں کی محبت میں فنا ہوئے جا رہے ہیں۔ ان وجوہ سے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا اس تخصیص میں بہت حکمتیں ہیں۔ **دوسرا اعتراض** اسلام نے یہود و عیسائی عورتوں سے نکاح کیوں حلال رکھا۔ جب ان سے نکاح ہو گا تو محبت بھی ہو گی۔ یہ عجیب بات ہے کہ ان سے نکاح کرو اور محبت نہ کرو۔ **جواب** محبت بہت سی قسم کی ہوتی ہے۔ شہوانی محبت' قومی محبت' ملکی محبت' دینی محبت' دلی محبت' روحانی محبت' ایمانی محبت کفار کے ساتھ دلی محبت حرام ہے۔ جسمانی شہوانی محبت درست ہے جیسے کہ خاوند کو بیوی سے انس و محبت فطری طور پر ہوتی ہے۔ **لہٰذا** نکاح کی اجازت اس محبت کی ممانعت کے خلاف نہیں اور جو شخص اتنا کمزور ہو کہ کافرہ بیوی کو اپنا دل و جان حوالہ کر بیٹھے۔ اسے ان سے نکاح حرام ہے یہ نکاح کا جواز صرف اس لئے ہے کہ یہ ذریعہ تبلیغ ہے کہ ہماری رشتہ داری کی وجہ سے وہ لوگ مسلمان ہو جاویں غرضیکہ اگر کھینچ لینے کی طاقت ہے تو ان سے نکاح کرو اگر خود کھنچ جانے کا اندیشہ ہے تو ہرگز نہ کرو سانپ وہ پالے جسے تریاق معلوم ہو۔ **تیسرا اعتراض** آخر عیسائیوں' یہودیوں یا دیگر کفار سے محبت کرنے میں حرج کیا ہے۔ اس سے منع کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** اس لئے کہ کفار شیطانی ٹولہ ہے رب فرماتا ہے۔ **اولئک حزب الشیطن** ان سے محبت ذریعہ بن جاتی ہے۔ شیطان سے محبت کبھی دیدار سے ہوتی ہے کبھی گفتار سے کبھی آثار سے۔ یہ لوگ شیطان کے آثار ہیں ان سے محبت شیطان سے محبت

www.alahazratnetwork.org

کاذریعہ ہے یوں ہی مومنین خاص کر اولیاء اللہ کی محبت حضور سے محبت کا ذریعہ ہے اور حضور کی محبت اللہ کی محبت کا وسیلہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و قدرت کے آثار ہیں ان سے محبت اللہ کی محبت کا ذریعہ ہے اس لئے قرآن کریم میں حضرات انبیاء و اولیاء کا بہت ذکر ہے کہ ان کے ذکر سے ہی محبت ہو۔ ان کی محبت سے اللہ کی محبت ہو۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ **بعضهم اولياء بعض** کہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **والقينا بينهم العداوة والبغضاء** ہم نے ان میں آپس میں بغض ڈال دیا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہود و نصاریٰ آپس میں ایک دوسرے کے مخالف ہیں مگر مسلمانوں کی دشمنی میں ان کو مٹانے کی کوشش میں ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں دیکھ لو امریکہ جو مذہبا" عیسائی ہے اس نے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے لئے فلسطین میں یہود کو بسایا انکی سلطنت قائم کی ان کی ہر طرح کی مدد کر رہا ہے حالانکہ ان کے عقیدے میں یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قاتل ان کے بدترین دشمن ہیں تمام کفار اسلام دشمنی میں برابر ہیں۔ **الكفر ملة واحدة** کفر ایک ہی ملت ہے ان آیات میں ان کی آپس کی عداوتوں کا ذکر ہے اور یہاں ان کی اسلام دشمنی میں ایک ہو جانے کا تذکرہ لہذا آیات میں تعارض نہیں یا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ عیسائی عیسائی کے دوست ہیں۔ تمہارے دوست نہیں یہودی یہودیوں کے دوست ہیں تمہارے دوست نہیں۔ تم بھی مسلمانوں کے دوست رہو۔ عیسائیوں' یہودیوں کے دوست نہ ہو اس صورت میں آیت بالکل واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض** دیکھا جا رہا ہے۔ عیسائی مسلمانوں سے بڑی محبت کرتے ہیں ان کی مدد بھی کرتے ہیں برطانیہ اور امریکہ نے پاکستان میں صدہا خیراتی شفاخانے اسکول امدادی مرکز قائم کئے ہوئے ہیں پاکستان کی بڑی مدد امریکہ کر رہا ہے پھر یہ آیت کیونکر درست ہے۔ یہ تو واقعہ کے خلاف ہے ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **لا يالونكم خبالا** وہ تمہاری عداوت میں کمی نہیں کرتے یہ خبر درست کیسے ہوئی اور قرآن کی یہ تعلیم تنگ نظری پر مبنی ہے ہم کو فراخدلی چاہیے (بعض ملحدین) **جواب** ہم دھوکہ کھا رہے ہیں وہ یہ تمام کام اپنی مصلحتوں کے لئے کر رہے ہیں مشن کالج' ہسپتال وغیرہ عیسائیت کی تبلیغ کے لئے ہیں ہم کو مدد دینا ہمیں کسی قوم سے لڑانے کے لئے اور اپنا کام نکالنے کے لئے ہے۔

لطیفہ کسی کالج کے مسلمان لڑکوں نے اپنے عیسائی پرنسپل سے جو انگریز تھا پوچھا کہ آپ نے اتنا کچھ خرچ کر کے کتنے مسلمان عیسائی بنائے۔ حساب بتاؤ کہ کتنے مسلمان عیسائی بنے وہ ہنس کے بولا یہ نہ پوچھو بلکہ یہ پوچھو کہ کتنے مسلمان مسلمان رہے ہم مسلمانوں کے دل و دماغ صورت سیرت پر چھا گئے نام تمہارے اسلامی رہ گئے ہیں کام سب عیسائیوں کے سے ہو گئے۔ **شعر:۔**

☆ توجہ والی عہد بابا ماچہ کرو! ☆ از جمال مصطفیٰ بیگانہ کرا ☆

ہم کو عیسائیوں نے کھلونے دے کر جمال مصطفوی سے بیگانہ کر دیا۔ **چھٹا اعتراض** اگر یہاں اولیاء بمعنی مددگار ہو۔ اور

www.alahazratnetwork.org

یہود و نصاریٰ کو مددگار بنانا ان سے مدد لینا ہی ممنوع ہو تو آج مسلمان جی نہیں سکتے ہر اسلامی سلطنت فنی معاشرتی اقتصادی مدد امریکہ و برطانیہ سے لیتی ہے بلکہ بہت سی اسلامی سلطنتیں امریکہ وغیرہ کی مالی امداد سے قائم ہیں۔ جواب یہاں لفظ اولیاء بمعنی دوست ہے تب تو یہ اپنے عموم پر ہے کسی کافر کو مذہبی دوست بنانا کفر ہے انہیں قومی دوست بنانا حرام ہے اور مسلمانوں کی تباہی کا باعث اور اگر بمعنی مددگار ہے تو اس میں کچھ قید لگانا ضروری ہے یعنی بلا ضرورت انہیں مددگار نہ بناؤ یا مسلمانوں کے مقابلہ میں انہیں مددگار نہ بناؤ کہ ان کی مدد لے کر مسلمان قوم کو تباہ و برباد کر دو یا ان سے ایسی مدد نہ لو جس سے تم ان کے قبضہ میں آجاؤ ان کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بن جاؤ کہ انہیں کلیدی آسامیاں دے دو جس سے وہ تمہارے ملک و قوم پر قابض ہو جاویں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض موقع پر کفار کی امداد قبول نہ فرمائی اور بعض موقعوں پر قبول فرما لی ضرورت نہ تھی قبول نہ کی ضرورت تھی اور اس مدد لینے سے ہمارا کوئی نقصان نہ تھا تو قبول فرمالی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی مبارک اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی زندہ جاوید تفسیر ہے۔ بہرحال آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بڑے غیور ہیں ان کی غیرت کا تقاضا ہے کہ ان کا چاہنے والا دوسروں کے دروازوں پر نہ جائے یا اس دل میں رہتا ہے جس میں اغیار نہ ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر پر یہ مکھی کبھی نہ بیٹھی کیونکہ وہ گندگی پر بھی بیٹھ جاتی ہے۔ شہد کی مکھی حاضر بارگاہ ہوتی تھی کہ وہ صرف پھولوں پر ہی بیٹھی ہے یہاں ہرجائی کا کام نہیں۔ یہاں وہ چاہیے جو صرف ان کا ہو رہے اس لئے ارشاد ہوا کہ اے وہ لوگو جو ایمان لا کر ہمارے اور ہمارے محبوب کے ہو چکے خبردار یہود و نصاریٰ بلکہ کسی کافر کو اپنے دل میں نہ بساؤ انہیں دوست نہ بناؤ اگر تم نے انہیں دوست بنایا تو پھر تم ان ہی کے ہو رہو گے ادھر کے نہ ہو گے ہمارے ہاں نسب نہیں دیکھا جاتا نسبت دیکھی جاتی ہے۔ جیسے آنکھ کو گرد و غبار سے محفوظ رکھنے کے لئے قدرت نے پلکوں پپوٹوں کے پردے لگا دیئے ہیں۔ دل کو کفر کی گرد و غبار سے بچانے کے لئے ایمان کے غلاف میں رکھو ورنہ ظالم ہو گے اور ظالم کو ہدایت نہیں ملتی۔

فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَن
پس دیکھو گے تم ان لوگوں کو جن کے دلوں میں بیماری ہے کہ جلدی کرتے ہیں ان میں کہتے ہیں کہ خوف کرتے ہیں
اب تم انہیں دیکھو گے جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑتے ہیں کہتے ہیں ہم ڈرتے
تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَن يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِّنْ عِندِهِ
ہم یہ کہ پہنچے ہم کو گردش پس قریب ہے یہ کہ لائے اللہ فتح مندی کو یا کوئی امر اپنے پاس سے پس ہو جاویں
ہیں کہ ہم پر کوئی گردش آجاوے تو نزدیک ہے اللہ فتح لاوے یا اپنی طرف سے کوئی حکم پھر اس پر جو اپنے دلوں میں

www.alahazratnetwork.org

فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا

وہ اوپر اس کے جو چھپایا انہوں نے اپنے دلوں میں شرمندہ اور کہیں وہ لوگ جو ایمان لائے کہ کیا یہ ہی

چھپایا تھا پچھتاتے رہ جائیں اور ایمان والے کہتے ہیں کیا یہی ہیں جنہوں نے اللہ کی

أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ

وہ لوگ ہیں جو قسم کھا گئے تھے اللہ کی مشقت کرتے ہیں قسموں میں کہ بے شک وہ البتہ تمہارے

قسم کھائی تھی اپنے حلف میں پوری کوشش سے کہ وہ تمہارے ساتھ ہیں ان کا کیا دھرا سب

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

ساتھ ہیں ضبط ہو گئے اعمال ان کے پس ہو گئے وہ ٹوٹے والے

اکارت گیا تو وہ رہ گئے نقصان میں

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی دوستی سے روکا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان سے دوستی رکھنے والا دل کا بیمار اور منافق ہو گا گویا پچھلی آیت میں نقصان دہ چیز سے روکا گیا اب اس سے نہ بچنے والوں کا انجام بیان ہو رہا ہے تاکہ مسلمان اس سے ڈریں اور بچیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی کرنے والا ظالم ہے اور ظالم کو ہدایت نہیں ملتی اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو منافقین مدینہ برسوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام سے ملتے جلتے ہیں۔ مگر ہدایت نہ پا سکے کیونکہ ان کے دلوں میں یہود و نصاریٰ کی محبت کا کیڑا لگا ہوا ہے کیڑا کھایا ہوا تخم کیسی ہی اچھی زمین میں بویا جاوے کیسے ہی کھاد و پانی سے اس کی خدمت کی جاوے، مگر وہ اگتا نہیں کیونکہ کیڑا خوردہ ہے گویا پچھلی آیت کریمہ میں دعویٰ تھا اور ان آیات میں اس کا ثبوت ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی محبت سے ممانعت فرمائی گئی اب اندیشہ کو دور فرمایا جا رہا ہے۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ ان سے محبت نہ رکھنے میں ہم پر دنیاوی مصیبتیں آ جائیں گی۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے خیالات کو دل میں جگہ نہ دو اللہ پر توکل کرو۔ منافقین کے دلوں میں ایسے خدشات پیدا ہوتے ہیں تم رب تعالیٰ پر توکل کرو اللہ تعالیٰ پر توکل کرو اللہ تم کو ان کفار سے بے نیاز کر دے گا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی دوستی ان کی محبت سے منع فرمایا گیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے، کہ یہ حکم قطعی ہے اس کے متعلق کسی کے عذر لنگ نہ سنے جائیں گے کہ ہم فلاں مجبوری کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں۔ غرضیکہ پچھلی آیت میں حکم تھا اب اس حکم کی اہمیت کا بیان ہے۔

شان نزول عبداللہ ابن ابی اور اس کے جماعت کے دوسرے منافقین مدینہ خیبر اور نجران کے یہود سے خفیہ تعلقات رکھا پ

آمد و رفت لین دین رکھتے تھے۔ جب مسلمان اس پر مطلع ہوتے اور ان سے پوچھتے کہ تم یہ کیا حرکت کر رہے ہو تو وہ کہہ دیتے کہ دنیا میں آفتیں مصیبتیں گرانی قحط سالی بیماریاں آتی رہتی ہیں ہمارے ان یہود سے پرانے تعلقات ہیں آفات و مصیبتوں میں یہ لوگ ہمارے کام آتے ہیں۔ ہماری مدد کرتے ہیں۔ اس لئے ہم ان سے تعلقات قائم رکھنے پر مجبور ہیں مگر ان کے دل میں یہ تھا کہ مسلمانوں کا اعتبار نہیں۔ اسلام کو فروغ ہو یا نہ ہو یہ تو ایک وقتی چیز ہے کچھ روز بعد اسلام ختم ہو جاوے گا ہم اس عارضی چیز کی وجہ سے اپنے ان پرانے دوستوں سے کیوں بگاڑلیں اس آیت کریمہ میں ان کی اس حرکت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور مسلمانوں کا اسلام کے دائم قائم رہنے اور آئندہ اسلامی فتوحات کی خوش خبری دی گئی ہے۔ (تفسیر خازن)

تفسیر فتری الذین فی قلوبھم مرض عام مفسرین فرماتے ہیں کہ **فتری** کی ف ترتیب کی ہے۔ جس سے یہ بتایا گیا کہ کفار سے محبت کرنے پر یہ انجام مرتب ہوتا ہے۔ امام کرخی فرماتے ہیں کہ ف عاطفہ ہے اور یہ جملہ **ان اللہ لا یھدی القوم الظلمین** پر معطوف ہے **فتری** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے **تر** بنا رویت ہے ۔بمعنی دیکھنا۔ خواہ آنکھ سے دیکھنا ہو یا دل سے دیکھنا یعنی معلوم کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں **الذین** سے مراد منافقین مدینہ ہیں اور **مرض** سے مراد دل کی بیماری نفاق ہے **مرض** کی تنوین **تعظیمی** ہے۔ یعنی بڑا اور مہلک مرض بد اعتقادی کی بیماری جیسے جسم کے بعض مرض تکلیف دہ ہوتے ہیں مگر مہلک نہیں ہوتے اور بعض مرض مہلک ہوتے ہیں یوں ہی دل میں گناہوں کی طرف میلان دل کی تکلیف دہ بیماری ہے مگر کفار یا کفر کی طرف میلان دل کی مہلک بیماری ہے۔ جسم کی مہلک بیماری جان لیتی ہے لیکن دل کی مہلک بیماری ایمان ختم کر دیتی ہے۔ یہاں مرض کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان کی جو کچھ حرکتیں ہیں ان کی وجہ منافقت ہے اگر ان میں منافقت نہ ہوتی تو انہیں نہ ایسے اندیشے ہوتے نہ اس جرم کی ہمت کرتے نہ **ان کے** دل یہودیوں عیسائیوں کی طرف مائل ہوتے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان ان کے نفاق سے پہلے ہی خبردار تھے مگر ان حرکتوں سے ان کا نفاق ظاہر ہو جاوے گا۔ آنکھوں دیکھا جاوے گا۔ اس لئے **تری** فرمانا ۔بمعنی مستقبل درست ہے **یسارعون فیھم** یہ عبارت **الذین** کا حال ہے اور اگر **تری** میں دل کا دیکھنا مراد ہے تو یہ عبارت اس کا دوسرا مفعول ہے۔ یہاں **یسارعون** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جلدی جلدی دوڑ دوڑ کر یہودیوں عیسائیوں کے پاس جاتے ہیں دو دن مدینہ منورہ رہے پھر دو چار دن کے لئے وہاں بھاگ گئے تاکہ تم بھی خوش رہو اور وہ کفار بھی یا یہ منافقین معمولی سی تکلیف تھوڑی سی پریشانی دیکھ کر ان کے پاس دوڑ جاتے ہیں۔ اسلام سے پھسل جاتے ہیں۔ بخلاف مومنین کے کہ وہ کسی حال میں رب کے دروازے سے نہیں ہٹتے اس کے بعد **الی** نہ فرمایا بلکہ **فی** فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ یہ لوگ انہیں میں رہتے سہتے ہیں۔ جسم ان کے مدینہ منورہ میں مسلمانوں کے ساتھ ہیں دل ان کے خیبر و فدک کے یہود کے ساتھ ہیں **فیھم** سے مراد ہے **فی حبھم فی موالاتھم فی مناصحتھم** یعنی اے محبوب یا اے مسلمان تم عنقریب

www.alahazratnetwork.org

ان دل کی بیماری والے منافقوں کو آنکھوں دیکھ لوگے کہ یہ یہود و نصاریٰ کی محبت ان کی خیر خواہی میں بہت ہی جلدی کرتے ہیں ادھر دوڑے چلے جاتے ہیں کسی کے سمجھانے بجھانے سے رکتے نہیں۔ **یقولون نخشی ان تصیبنا دائرۃ** یہ عبارت **یسارعون** کے فاعل سے حال ہے اس میں ان منافقوں کا وہ بہانہ بیان فرمایا جارہا ہے جو وہ مسلمان کے سامنے پیش کرتے تھے۔ **دائرہ** بنا ہے دور سے اور دول دونوں کے معنی ہیں گھومنا یا گرد پھیرنا گھیرنا اس دور سے بنا ہے۔ دار ۔ معنی گھر کیونکہ وہ دیواروں سے گھرا ہوتا ہے پھر شہر کو بھی دار کہنے لگے کہ وہاں کے باشندے اس میں گھومتے پھرتے ہیں۔ پھر دنیا اور آخرت کو دار کہا جاتا ہے حتیٰ کہ جنت کو دار السلام اور دوزخ کو دار البوار قرآن کریم میں فرمایا گیا یعنی سلامتی کا گھر اور ہلاکت کا گھر۔ دائرہ اس خط کو بھی کہتے ہیں جو کسی سطح کو گھوم کر احاطہ کرلیتا ہے آفات کو دائر کہتے ہیں کیونکہ وہ انسان کو گھیر لیتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **علیھم دائرۃ السوء** جمع دوائر ہے۔ رب فرماتا ہے **یتربص بکم الدوائر** خیال رہے کہ دور اور دول دونوں کے معنی ہیں گھیرنا' گھومنا' پھرنا مگر آفات کے لئے دور بولا جاتا ہے ۔ معنی گردش اور محبوب شے کے لئے دول چنانچہ مال کو دول کہتے ہیں۔ یہاں دائرہ سے یہ ہی آخری معنی مراد ہیں۔ یعنی گردش زمانہ ناگہانی آفت وہ اس سے مراد لیتے تھے اسلام کی بربادی اور مسلمانوں کا بے یار و مددگار رہ جانا مگر ظاہر کرتے تھے قحط سالی اور دنیاوی آفات یعنی اگر ہم یہود سے محبت نہ رکھیں تو خطرہ ہے کہ کل ہم کو قحط یا اور کوئی آفت پیش آجاوے اور وہ ہماری مالی یا جانی مدد نہ کریں۔ **فعسی اللہ ان یاتی بالفتح**۔ یہ ف تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ مضمون کی علت ہے **بشرا المومنین** عربی میں **عسی** کسی چیز کا قرب بیان کرنے کے لئے بھی آتا ہے اور امکان بیان کرنے کے لئے بھی یعنی اس کے معنی ہوتے ہیں۔ قریب یا ممکن ہے گویا یہ فعل مقاربہ بھی ہے اور فعل توقع بھی یہاں دونوں معنی ہوسکتے ہیں۔ اگر امید دلانے کے لئے ہو تو سمجھ لو کہ رب تعالیٰ کا **عسی** پختہ وعدے کے لئے ہوتا ہے۔ جس کا پورا نہ ہونا غیر ممکن ہو فتح سے مراد یا فتح مکہ ہے یا خود خیبر و فدک وغیرہ شہروں کی فتح ہے جہاں ان منافقوں کے ان داتا یہود رہتے تھے یعنی بہت ممکن ہے یعنی یقیناً عنقریب اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو وہ قوت دے گا کہ وہ مکہ معظمہ یا خیبر و فدک و نجران مراکز یہود کو فتح فرمالیں گے ان لوگوں کو حیرت ہو جاوے گی **او امر من عندہ** یہ عبارت فتح پر معطوف ہے امر یعنی حکم سے مراد فتح کے علاوہ کوئی اور چیز ہے اس میں گفتگو ہے کہ وہ کیا چیز مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد منافقوں کے سرداروں کی موت ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد منافقین کی رسوائی ہے بعض کے نزدیک یہود مدینہ بنی قریظہ کا قتل اور بنی نضیر کی جلاوطنی ہے کہ ان کے دل میں مسلمانوں کا رعب اس قدر بیٹھ جاوے کہ وہ بغیر جنگ و قتال کے جزیہ' قتل' جلاوطن پر راضی ہو جاویں۔ اپنے کو مسلمان کے حوالہ کر دیں یہ ہی آخری بات قوی ہے یعنی عنقریب وہ وقت آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں غازیوں کو جہادوں میں فتح و نصرت دے کر شہروں و ملکوں کا انہیں مالک بنادے یا بغیر جہاد ہی یہود کے علاقے مسلمانوں کو بخش دے رب تعالیٰ نے اپنے یہ دونوں وعدے ایسے فرمائے کہ دنیا نے دیکھ لیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں ہی خیبر وغیرہ فتح ہوگئے اور بنی

www.alahazratnetwork.org

قریظہ قتل کئے گئے۔ بنی نضیر جلاوطن **فیصبحوا علی ما اسروا فی انفسھم ندمین** یہ عبارت گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے ف تعقیبیہ ہے **یصبحوا** اور **اسروا** کا فاعل اور **انفسھم** ضمیر کا مرجع یہی بکواس کرنے والے منافقین ہیں **ما** سے مرو نفاق یا یہود و نصاریٰ کی محبت یا ان کا یہ خیال ہے کہ اسلام ایک عارضی دین ہے۔ عنقریب فنا ہو جاوے گا۔ **ندامت** سے مراد شرمندہ ہو کر پچھتانا ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ کے ان دونوں وعدوں کا ظہور ہو گا تو یہ منافقین اپنے کئے پر پچھتائیں گے کہ ان کے دوست یہود تو حجاز سے ختم ہو جائیں گے اور مسلمان ان کا اعتبار نہ کریں گے یہ بے یار و مددگار رہ جائیں گے **ویقول الذین امنوا** قوی یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے اس میں ان منافقین کی دوسری درگت کا ذکر ہے۔ **الذین امنوا** سے مراد وہی حضرات صحابہ ہیں جن سے وہ منافقین مذکورہ چالباز چاپلوسی کی گفتگو کیا کرتے تھے یعنی اس موقع پر یہ مسلمان ان منافقوں کے منہ پر علانیہ یہ کہیں کہ **اھؤلاء الذین اقسموا باللہ جھد ایمانھم انھم لمعکم** اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں۔ قوی تفسیر یہ ہے کہ یہ پوری عبارت مومنین کا کلام ہے اور **الذین** سے مراد اور **اقسموا** کا فاعل اور **ایمانھم** یوں ہی **انھم** کی ضمیروں کا مرجع یہی منافقین ہیں اور **معکم** میں خطاب ان لٹنے پٹنے نکالے جانے والے یہودیوں سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ جب یہود کی درگت بنے گی اور وہ مسلمانوں کے ہاتھوں مصیبت پر مصیبت پائیں گے اور منافقین جو یہود سے کہا کرتے تھے کہ اے یہودیو اگر تم سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی تو ہم تمہاری مدد کریں گے اور اگر تم کو مسلمانوں نے نکالا تو ہم تمہارے ساتھ نکل چلیں گے مگر اس وقت یہ باتیں بنانے والے منافقین خاموش رہیں گے بلکہ مسلمانوں کی خوشامدیں کرنے لگیں گے۔ تب مسلمان ان یہود سے خطاب کر کے کہیں گے کہ دیکھو یہ ہیں وہ منافقین جو تم سے ایسے وعدے کرتے تھے اور آج تم سے الگ ہو گئے **لہٰذا** ساتھ ہونے سے مراد دین یا مدد و تعاون میں ساتھ ہونا ہے اس جملہ کی اور کئی تفسیریں ہیں۔ جو تفسیر خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر وغیرہ نے فرمائیں۔ مگر یہ تفسیر بہت واضح بھی ہے اور قوی بھی **حبطت اعمالھم فاصبحوا خسرین** اس جملہ کی بھی بہت تفسیریں ہیں۔ قوی یہ ہے کہ یہ بھی مسلمانوں کا ہی کلام ہے اور خطاب یہود سے ہے لہٰذا **حبطت** سے مراد ہے بیکار اور برباد ہو جانا اعمال سے مراد ہے۔ منافقوں کا یہود کی مدد کرنا انہیں مسلمانوں کی خفیہ خبریں پہنچاتے رہنا وقت پر جنگ میں مسلمانوں سے الگ رہ کر کفار کی فتح کی کوشش کرنا یعنی اے یہودیو ان منافقین نے تمہاری مدد کے لئے جو تدبیریں خفیہ سازشیں کیں دیکھ لو آج سب برباد ہو گئیں اور وہ تمہاری مدد میں ناکام رہ گئے اور آج تم ہمارے ہاتھوں شکست پر شکست کھا رہے ہو۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے اور اعمال سے مراد منافقین کے ظاہری نماز روزے وغیرہ ہیں ضبطی سے مراد آخرت میں ان کا کام نہ آنا ہے۔ پہلے جملہ میں منافقوں کی دنیاوی خرابی کا ذکر تھا اور اس جملہ میں ان کی اخروی خرابی کا ذکر ہے مگر تفسیر اول گزشتہ مضمون کے موافق ہے۔

خلاصہ تفسیر اس آیت کریمہ میں چار باتیں بیان فرمائی گئی ہیں ایک تو منافقین کا دلی بیماری نفاق میں مبتلا ہونا۔ دوسرے ان

www.alahazratnetwork.org

کا یہود و نصاریٰ سے گھلا ملا ہونا۔ ان کے جسموں کا مسلمانوں کے ساتھ ہونا دلوں کا کفار کے ساتھ رہنا۔ تیسرے ان کی معذرت کا بیان کہ ہم کفار سے کیوں ملتے ہیں۔ چوتھے ان کے عذر کی تردید **فی قلوبهم مرض** میں پہلی بات کا ذکر ہے **یسارعون** میں دوسری بات کا۔ **یقولون** الخ میں تیسری چیز کا۔ **عسیٰ اللہ** میں چوتھی چیز کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے قرآن پڑھنے والے مسلمان رب تعالیٰ کا حکم تو یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ سے دوستی نہ کرو مگر تم فی الحال یہ محسوس کر رہے ہو یا آئندہ آنکھوں سے ملاحظہ کرو گے کہ دل کے بیمار منافقین یہود و نصاریٰ کی طرف دوڑے جارہے ہیں۔ ان سے محبت میل جول خوب کرتے ہیں اور مسلمانوں سے اس جرم کی زبان سے یہ معذرت کرتے ہیں کہ ہم کو گردش زمانہ قحط بھوک افلاس کا کھٹکا لگا ہوا ہے۔ یہود جتھہ والے بھی ہیں مالدار بھی ایسے حالات میں ہم کو ان کی مدد کی ضرورت ہے۔ اس لئے ہم ان سے ظاہری میل ملاپ رکھتے ہیں دل میں یہ نیت کرتے ہیں کہ مسلمانو تمہارے ساتھ رہنے سے ہم کو گردش کا خطرہ ہے۔ تمہارا دین عارضی ہے جو چند دن میں ختم ہو جاوے گا ہم تمہاری خاطر ان سے کیسے بگاڑ لیں۔ مسلمانو تسلی رکھو عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ اللہ تعالیٰ تم کو جہادوں میں فتح دے گا۔ یہود کے دلوں میں تمہاری ہیبت پیدا کرے گا۔ جس سے تم ان پر جزیہ قائم کرو گے۔ بعض کو دیس نکالا دے گا بعض کو تمہارے ہاتھوں قتل کرا دے گا۔ تب یہ منافقین اپنے دلوں میں پچھتائیں گے کہ ہم نے یہود کا ساتھ دے کر بڑی غلطی کی اب نہ ہم ان کے ہی رہے نہ مسلمانوں کے اس وقت مسلمان ان لٹتے پٹتے دیس نکالا پانے والے یہود سے کہیں گے کہ دیکھو یہ منافقین وہ ہی ہیں جو تم سے اللہ تعالیٰ کی مضبوط قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ ہم دل سے تمہارے ساتھ ہیں وقت پڑنے پر ہر طرح تمہاری مدد کریں گے لو دیکھو آج یہ تماشائی بنے جو کچھ تمہاری مدد خفیہ خبر رسانی وغیرہ اعمال کئے سب بیکار گئے۔ کچھ نہ بنا سکے آج تم ہو اور تمہاری سرکوبی کے لئے ہم ہیں تم اور یہ دونوں بڑے نقصان میں رہ گئے۔ قرآن کریم کے یہ تمام وعدے ہو بہو پورے ہوئے۔ اللہ تعالیٰ سچا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سچے قرآن سچا اسلام سچا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ کفار کی طرف دل کا میلان ان کی طرف جھکاؤ۔ بیماری دل یعنی کفر یا نفاق یا ضعف ایمانی کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **فی قلوبهم مرض** سے حاصل ہوا پختہ ایمان کی علامت ہے ہر بے دین سے نفرت مسلمانوں سے محبت۔ دوسرا فائدہ عذر گناہ بدتر از گناہ ہے یعنی اپنے گناہ کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ **یقولون نخشی** الخ سے حاصل ہوا مومن گناہ سے توبہ کرتا ہے بہانے یا معذرت نہیں کرتا۔ **تیسرا فائدہ** محبت تین قسم ہے۔ محبت نفسانی' محبت ایمانی' محبت شیطانی جو دنیاوی غرض کے لئے محبت ہو وہ محبت نفسانی ہے یہ فانی ہے غرض گئی محبت گئی۔ جو گناہوں جرموں کے لئے محبت ہو وہ شیطانی ہے جیسے جواریوں شرابیوں کی جوئے و شراب کے لئے محبت یہ محبت بہت جلد عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے جو محبت اللہ رسول کے لئے ہو وہ محبت ایمانی ہے۔ یہ غیر فانی ہے کیونکہ اس محبت کی بنیاد مضبوط ہے چونکہ منافقوں اور یہودیوں کی محبت نفسانی تھی لہذا فنا

www.alahazratnetwork.org

ہو گئی صحابہ کی آپس کی محبتیں اور حضور انور سے محبت ایمانی تھی وہ باقی رہی۔ چوتھا فائدہ خوشامدی لوگ جو کسی غرض کی بنا پر محبت و الفت کا دم بھرتے ہیں وہ وقت پر دھوکہ دے جاتے ہیں۔ دیکھو منافقین مدینہ یہود مدینہ سے نفسانی محبت رکھتے تھے مگر جب ان پر وقت پڑا تو سارے منافق دھوکہ دے کر گھروں میں بیٹھ رہے۔ شیخ سعدی کہتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ دوست شمار آنکہ در نعمت زند ☆ لاف یاری و برادر خواندگی ☆

پانچواں فائدہ دنیاوی خطرات کی بنا پر دین کو خطرہ میں ڈالنا طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ **ان تصیبنا دائرہ** سے حاصل ہوا۔ منافقین مصیبت دنیاوی کے خطرہ سے یہود سے محبت و میل جول رکھتے تھے۔ حالانکہ ان سے میل جول دین کے لئے خطرناک تھا۔ مومن دنیا کو دین پر قربان کرتا ہے۔ **چھٹا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ہیں اس کے خلاف محال بالذات اور یقینی ناممکن ہے اگرچہ وہ وعدے ممکن وغیرہ الفاظ سے کئے جاویں دیکھو رب تعالیٰ نے مسلمان سے فتوحات اور کفار سے ذلت جلاوطنی کے وعدے **عسی** فرما کر کئے گئے مگر یہ سب وعدے ہوئے یہ فائدہ **عسی اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** دو گھر کا مہمان بھوکا رہتا ہے ہر دل عزیز بننے والا دو طرفہ ذلیل ہوئے انہیں نہ مسلمانوں میں عزت ملی نہ یہود میں۔ **آٹھواں فائدہ** تقیہ یعنی منافقت اور دو رخا پن نیکیاں برباد ہو جانے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **حبطت اعمالھم** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ** تقیہ باز یعنی منافق کسی کے کام نہیں آتا وہ مسلمانوں کے لئے مفید تو کیا ہوتا کفار کے لئے بھی بیکار ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے اس پر کفار بھی اعتبار نہیں کرتے یہ فائدہ **اقسموا باللہ** الخ کی اس تفسیر سے حاصل ہوا جو ہم نے عرض کی۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ منافقین فتح مکہ یا یہود مدینہ کے جلاوطن و قتل کے بعد نادم ہوں گے حالانکہ وہ تو اول سے ہی نادم رہتے تھے مسلمانوں سے چھپتے پھرتے تھے۔ پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوتی۔ **جواب** ان فتوحات سے پہلے وہ ڈھیٹ تھے بے شرمی سے مسلمانوں سے باتیں بنا کر سچے بنتے تھے۔ اگرچہ مسلمان ان کو منافق ہی سمجھتے تھے مگر وہ اپنے خیالات میں اپنے نفاق کو چھپا لیتے تھے ان واقعات کے بعد ان کا نفاق اس قدر ظاہر ہو گا کہ وہ خود اپنا رسوا ہو جانا محسوس کر لیں گے۔ یہ ہی مراد ہے ندامت سے لہذا آیت بالکل حق ہے۔ **دوسرا اعتراض** رب تعالیٰ نے جو ان منافقین کی معذرت کا ذکر فرمایا ہے وہ عذر تو ہمیشہ ہر مسلمان کو رہتا ہے یعنی دنیاوی گردشوں کے خطرے کی وجہ سے کفار سے تعلقات رکھنا۔ اگر یہ کام برا ہے تو کوئی مسلمان اس برائی سے خالی نہیں۔ مسلم ممالک کفار ملکوں سے تعلقات لین دین رکھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے قرض لئے تھے پھر اسے منافقین کی برائیوں میں کیوں ذکر فرمایا۔ **جواب** ایمان کا دارومدار صرف ایک چیز پر ہے یعنی نبی کی بات پر اعتماد کیونکہ ہم نے اللہ کی ذات و صفات، فرشتے، قیامت، حساب و کتاب جنت و دوزخ کو دیکھا نہیں ان سب کو صرف حضور کی زبان سے سن کر مانا اگر اس زبان پر اعتماد نہ ہو تو انسان کافر

www.alahazratnetwork.org

مطلق ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں شعر:۔

☆ ارانا الهدى بعد العمى فقلوبنا ☆ به موقنات ان ما قال واقع ☆

منافقوں کو حضور کی دی ہوئی خبروں کا یقین نہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اعتماد نہ تھا۔ حضور انور نے اسلام کے فروغ مسلمانوں کی فتوحات کفار کی شکستیں حجاز کا کفار سے پاک ہو جانا ان سب کی خبریں دی تھیں۔ منافقین کہتے تھے کہ نہ معلوم یہ خبریں درست ہوں یا نہ ہوں۔ اسلام کو فروغ ہو یا نہ ہو گھبرا کر کہتے تھے۔ **نخشى ان تصيبنا دائرة** اس لئے ان کا یہ قول کفر تھا۔ مسلمانوں کو حضور کے تمام وعدوں پر اعتماد تھا وہ نہایت ہی مطمئن تھے۔ **تیسرا اعتراض** منافقین کے نیک اعمال تو اول ہی سے درست نہ تھے پھر ان کے اعمال کی ضبطی کے کیا معنی اور یہ کیوں فرمایا گیا کہ **حبطت اعمالهم** اعمال ضبط تو اس کے ہوں جس کے پاس پہلے سے موجود بھی ہوں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** یہاں **حبط** سے مراد اول ہی سے نادرست ہونا ہے نہ کہ درست ہو کر بعد میں باطل ہونا یا مطلب یہ ہے کہ اگر منافقین ایمان لے آئیں تو ان کے زمانہ نفاق کے صدقات و خیرات قبول ہو جائیں جیسے کافر مسلمان ہو جاوے تو اس کے زمانہ کفر کے تمام صدقات و خیرات مقبول ہو جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ ایمان میں قوت ہے کفر میں ضعف و کمزوری مومن قوی دل ہوتا ہے۔ کافر کمزور دل' ایمان میں زور ہے۔ کفر و نفاق میں محض شور وہ بھی عارضی جیسے بعض غذائیں جسم کو قوت دیتی ہیں ایسے ہی ایمان' تقویٰ' نیک اعمال دل کو قوت بخشتے ہیں۔ شعر:۔

☆ تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر ☆

☆ کہ کمال طاقت حیدری تو یہاں ہے نان شعیر میں ☆

حضرت ابوذر غفاری جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش میں مکہ معظمہ آئے تو ایمان لانے سے پہلے ڈر کی وجہ سے کسی سے حضور کا پتہ بھی نہ پوچھ سکے اور ایمان لاتے ہی کفار کے مجمعوں میں جا کر اعلانیہ کلمہ سنانے لگے۔ فرعونی جادوگر ایمان سے پہلے فرعون سے بہت ڈرتے تھے۔ ایمان لاتے ہی بولے **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے منافقین کے دل میں ایمان نہ تھا تو انہیں قحط' بھوک' دیگر دنیاوی آفات کا ہر وقت دھڑکہ لگا رہتا تھا۔ اس دھڑکے سے وہ یہود و نصاریٰ کی بھی خوشامدیں کرتے تھے اور مسلمانوں کی بھی مخلص مومنوں کے دل قوی تھے وہ ہر مصیبت سے لاپرواہ تھے۔ ہر مصیبت کا مقابلہ کرنے کو تیار تھے۔ جیسے بعض غذائیں بعض دوائیں جسم کو قوت دیتی ہیں۔ ایسے ہی اخلاص' ایمان' دل کو قوت بخشتے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کی دلی کمزوری کا ذکر فرمایا جو نفاق کی وجہ سے تھی صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس امارہ اور شیطان ہمارے اندرونی یہود و نصاریٰ ہیں جو شخص دل کو بھی چاہے۔ نفس کو بھی وہ منافق ہے ان کی محبت انسان کو دوزخ کی طرف لے جاتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

www.alahazratnetwork.org

☆ آنچہ در فرعون بود اندر تو ہست ☆ لیک از دربات محبوس چہ است ☆
☆ چہ خرابت می کند نفس لعین ☆ دور می اندازدت سخت ایں قریں ☆
☆ آتشت رہیزم فرعون نیست ☆ زانکہ چوں فرعون اور اعون نیست ☆

یعنی تیرے نفس میں بھی فرعون جیسی سرکشی ہے مگر چونکہ تیرے پاس فرعون جیسے اسباب نہیں ہیں اس لئے نفس اس کی سی حرکتیں نہیں کرسکتا اگر اس کے پاس اسباب ہوں تو یہ بھی فرعون بن کر دکھاوے غرضیکہ سب کچھ تیرے اندر ہی ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ کلمہ گو کافر کھلے کافروں سے بدتر ہوتے ہیں۔ کھلے کافر مانتے تھے کہ جو حضور کی زبان سے نکلتا ہے وہ برحق ہوتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پہننے کی اس وقت خبر دی۔ جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کرکے مدینہ منورہ جا رہے ہیں۔ راہ میں سراقہ ایک غار میں حضور کے پاس پہنچے اور امیہ ابن خلف کے قتل کی' عتبہ کی ہلاکت کی خبریں دیں تو امیہ اور ابولہب گھبرا گئے کہ اب ان کی خیر نہیں۔ حضور کی بات کبھی غلط نہیں ہوتی۔ خبر دی کہ کفار مکہ نے مسلمانوں کے بائیکاٹ کے لئے جو محضر نامہ لکھ کر کعبہ کی دیوار میں رکھ کر دیوار چن سے بند کر دی تھی۔ حضور نے خبر دی کہ وہ کاغذ کیڑا کھا گیا۔ صرف اللہ کا اور میرا نام چھوڑا ہے۔ سب کو اس پر یقین آ گیا مگر منافقین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اعتماد نہ تھا۔ آپ کی غیبی خبروں پر یقین نہ رکھتے تھے وہ یہ ہی کہتے تھے کہ یہ غیب کی خبریں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کیا خبر یہ ہی حال آج کلمہ گو کفار کا ہے۔ جو برابر دیکھا جا رہا ہے۔ ایمان علم و عقل سے نہیں ملتا بلکہ رب تعالیٰ کے کرم و فضل سے ملتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جو کوئی مرتد ہو جاوے گا تم میں سے اپنے دین اسلام سے پس قریب ہی لاوے گا اللہ
اے ایمان والو تم میں جو کوئی اپنے دین سے پھرے گا تو عنقریب اللہ ایسے لوگ لائے گا کہ وہ اللہ کے پیارے
بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗٓ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ
ایسی قوم کو کہ محبت کرتا ہے ان سے اللہ اور محبت کرتے ہیں وہ اس سے پست اوپر مسلمانوں کے غالب اوپر کافروں
اللہ ان کا پیارا مسلمانوں پر نرم کافروں پر سخت اللہ کی
يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ۭ ذٰلِكَ فَضْلُ
کے جہاد کریں گے وہ اللہ کے راستہ میں اور نہیں ڈریں گے ملامت سے کسی ملامت والے کے یہ مہربانی ہے
راہ میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا اندیشہ نہ کریں گے

اللہ یُؤتِیہِ مَن یَّشَآءُ وَاللہُ وَاسِعٌ عَلِیمٌ ﴿۵۴﴾

اللہ کی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا ہے علم والا ہے

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اور اللہ وسعت والا علم والا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ کی محبت سے منع فرمایا گیا تھا یہ محبت مسلمانوں کے مرتد ہو جانے کا ذریعہ ہے کہ مسلمانو کا کفار سے دلی محبت کرنا اکثر اس کے مرتد ہو جانے کا ذریعہ ہے لہٰذا اب مرتد پر اظہار غضب فرمایا جا رہا ہے گویا محبت کفار کی بیماری کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اس کے نتیجہ یعنی ارتداد کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں منافقین کے پلپلے پن کا ذکر تھا کہ وہ قحط سالی' بھوک وغیرہ کے خوف سے یہود و نصاریٰ سے محبت کرتے تھے تاکہ بوقت ضرورت ان سے قرض وغیرہ لے سکیں اب مسلمانوں کی پختگی کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ مسلمانوں پر نہایت ہی نرم ہیں اور کفار پر نہایت سخت وہ کسی ملامت وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔ غرضیکہ کمزوروں کا ذکر فرمانے کے بعد پختہ لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں منافقین کے اس جرم کا ذکر تھا جو ضبطی اعمال کا ذریعہ ہے یعنی نفاق و محبت کفار۔ اب پختہ مومنین کے ان اوصاف کا ذکر ہو رہا ہے جن سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے گویا ضبطی اعمال کے سبب کے بعد معافی سیئات کے ذریعہ کا ذکر ہو رہا ہے۔

نزول یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جنھوں نے اپنی خلافت کے زمانہ میں مرتدین پر بہت جہاد فرمائے۔ خیال رہے کہ اسلام سے گیارہ فرقے مرتد ہوئے تین تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں بنو مدلج یعنی ذوالحمار (اسود عیسیٰ کی قوم) بنو حنیفہ مسیلمہ ابن حبیب کذاب کی قوم' بنو اسد یعنی طلیحہ ابن خویلد کی قوم اور سات فرقے' حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت میں مرتد ہوئے۔ (۱) فزارہ یعنی عیینہ ابن حصن فزاری کی قوم۔ (۲) غطفان یعنی قرہ ابن سلمہ قشیری کی قوم (۳) بنو سلیم یعنی فجاءہ ابن عبدیالیل کی قوم۔ (۴) بنو یربوع یعنی مالک ابن نویرہ کی قوم۔ (۵) بعض بنی تمیم یعنی سجاع بنت منذر کی قوم (یہ سجاع وہ عورت ہے جس نے دعویٰ نبوت کیا۔ اور پھر مسیلمہ کذاب سے نکاح کر لیا (۶) کندہ یعنی اشعث ابن قیس کی قوم۔ (۷) بنو بکر ابن وائل یعنی حطم ابن زید کی قوم اور ایک فرقہ عہد فاروقی میں مرتد ہوا۔ غسان یعنی جبلہ ابن کی قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک کے مرتدین ان میں کا پہلا فرقہ بنی مدلج ان کا سردار اسود ابجم تھا۔ کاہن تھا۔ پھر دعویٰ نبوت کر بیٹھا یمنی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کی سرکردگی میں ایک دستہ اس کی سرکوبی کے لئے بھیجا۔ اسود عنی فیروز دیلمی کے ہاتھوں اپنے گھر میں مارا گیا یہ رات وہ ہی تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات پاک کی آخری رات تھی۔ حضور انور نے اسی رات مسلمانوں کو اسود کے قتل کی خبر دیدی اور اگلے روز حضور کی وفات ہو گئی۔ پھر اس کے قتل کی باقاعدہ خبر اواخر ربیع الاول میں خلافت صدیقی میں مدینہ

www.alahazratnetwork.org

منورہ پہنچی۔ حضرت صدیق کی خلافت میں یہ پہلی فتح کی خبر تھی۔ بنو حنیفہ قوم تھی مسیلمہ کذاب کی۔ مسیلمہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ عہد صدیقی میں اس سے بہت بڑا معرکہ جہاد ہوا۔ جسے جنگ یمامہ کہتے ہیں۔ اس جنگ میں حضرت وحشی کے ہاتھوں مسیلمہ دوزخ رسید ہوا اور بنو اسد طلیحہ ابن خویلد کی قوم تھی۔ طلیحہ نے دعویٰ نبوت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی سرکوبی کے لئے حضرت خالد بن ولید کی سرکردگی میں ایک جماعت بھیجی مگر وہ معمولی جھڑپ کے بعد شام کی طرف بھاگ گیا۔ پھر مسلمان ہو گیا اور صحیح طور پر مسلمان ہوا۔ یہ وہ مرتدین تھے جو عہد نبوی میں ہی مرتد ہو گئے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سواء اہل مدینہ اہل مکہ اہل بحرین کے عام عرب لوگ زکوٰۃ کے منکر ہو گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے ان پر چڑھائی کرنے کے لئے صحابہ کرام سے مشورہ فرمایا سب نے مخالفت کی اور فرمایا کہ یہ لوگ کلمہ گو اور اہل قبلہ ہیں۔ صرف زکوٰۃ کے انکار کی وجہ سے ان پر جہاد نہیں ہونا چاہیے حضرت ابوبکر صدیق سن کر اکیلے تلوار باندھ کر گھوڑے پر سوار ہو کر مقابلہ کے لئے چل دیئے فرمایا کہ جو نماز و زکوٰۃ میں فرق کرے گا کہ ایک کو مانے گا دوسرے کا انکار کرے گا میں اس پر جہاد کروں گا پھر تمام صحابہ آپ کے ساتھ چلے منکرین زکوٰۃ کو جب پتہ لگا کہ لشکر اسلام آگیا تو ارتداد سے توبہ کر گئے۔ حضرت ابو حسن فرماتے ہیں کہ نبیوں کے بعد افضل خلق ابوبکر صدیق ہیں جنہوں نے اسلام کی ایسے نازک حالت میں دستگیری فرمائی جو حالات ابوبکر صدیق کو خلافت سنبھالتے ہی پیش آئے اگر پہاڑ کو وہ حالات پیش آتے تو ٹکڑے ہو جاتا۔ ابوبکر صدیق ہی تھے۔ جنہوں نے ایسے نازک حالات میں مسلمانوں کو سنبھالا کہ پھر آئندہ کسی کو دعویٰ' انکار' احکام اسلام کی ہمت نہ ہوئی۔ خلافت فاروقی کی فتوحات کا سنگ بنیاد حضرت صدیق اکبر نے رکھا ان کی تمام فتوحات جناب صدیق کی ہی کرم ہیں۔ اس آیت کریمہ میں خلافت صدیقی کے ان ہی حالات کی خبر دی گئی ہے۔ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلیٰ مناقب بیان کر رہی ہے اور خلافت صدیقی کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے (تفسیر خازن و عامہ تفاسیر)

تفسیر یایھا الذین امنوا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں خطاب زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے مسلمانوں سے ہے۔ جیسا کہ آگے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمان تین قسم کے تھے۔ بعض وہ جن کا اسلام سے پھرنا بالکل ناممکن تھا۔ جیسے وہ حضرات جن کے جنتی ہونے کی قرآن مجید یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دے دی جیسے حضرات خلفاء راشدین اور دیگر مبشرین بالجنہ عشرہ مبشرہ وغیرہم بعض وہ لوگ تھے جن کا کفر ممکن تھا مگر واقع نہیں جیسے عام صحابہ کرام بعض وہ جن کا کفر و ارتداد واقع ہو گیا۔ جیسے وہ قبیلے جو زمانہ نبوی یا زمانہ صدیقی میں مرتد ہوئے ان میں سے بعض تو پھر مسلمان ہو گئے جیسے زکوٰۃ کے منکرین بعض کفر و ارتداد پر مارے گئے جیسے مسیلمہ کذاب کے عام معتقد اس **الذین امنوا** میں خطاب سب سے ہے **من یرتد منکم عن دینہ۔ من** شرطیہ ہے **یرتد** الخ شرط ہے اور **فسوف یاتی** الخ جزاء جملہ شرطیہ میں شرط و جزاء کا واقع ہونا یا ممکن ہونا لازم نہیں رب تعالیٰ نے عالم ارواح میں جب تمام نبیوں سے ہمارے

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق عہد لیا **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ تو ان سے فرمایا **ومن یتولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون**۔ حالانکہ حضرات انبیاء کا عہد سے پھر جانا یا ان کا فاسق ہو جانا بالکل ناممکن ہے۔ لہذا یہ جملہ ان حضرات کے حق میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کرنے کے قبیل سے ہے یہ بات بہت ہی دھیان میں رکھی جاوے۔ **یرتد** بنا ہے ارتداد سے جس کا مادہ ہے رد۔ معنی لوٹنا واپس ہونا پھر جانا۔ پھیر دینا۔ شریعت میں مرتد وہ ہے جو شرعی مسلمان ہونے کے بعد ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار کر دے۔ خواہ اس طرح کہ ملت اسلام کو چھوڑ کر دوسری ملت میں جا ملے جیسے کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی یا آریہ ہو جاوے یا اس طرح کہ اپنے کو مسلمان ہی کہتا رہے نماز روزہ کا پابند رہے۔ مگر شرعاً" کافر ہو جاوے جیسے زمانہ صدیقی میں زکوٰۃ کے منکرین یا ختم نبوت کے منکرین یا نماز پنج گانہ کی فرضیت کے منکرین یعنی قادیانی چکڑالوی وغیرہم **منکم** میں خطاب انہیں سے ہے۔ جن کو **یایھا الذین امنوا** کہہ کر پکارا گیا۔ غرضیکہ یہاں دوسری قسم کے مرتدین مراد ہیں۔ یعنی رہیں قومی مسلمان مگر شرعاً" کافر ہوں۔ کیونکہ جن مرتدین کا یہاں ذکر ہے وہ منکرین زکوٰۃ و منکرین ختم نبوت ہیں۔ جن پر حضرت صدیق کی۔۔۔ تلوار چلی۔ **دین** سے مراد صرف اسلام ہے دین کی نسبت وکی طرف اختیار کر لینے کی ہے یعنی اے موجودہ مسلمانو تم میں سے جو کوئی اپنے دین یعنی اسلام سے پھر کر کافر و مرتد ہو جاوے تو **فسوف یاتی اللہ بقوم** اس عبارت میں ف جزائیہ ہے اور یہ جملہ پہلے جملہ کی جزا ہے لانے سے مراد پیدا فرمانا ہے۔ کسی دوسرے ملک سے لانا نہیں بلکہ بر سر اقتدار فرما دینا ان مرتدین پر مسلط کر دینا مراد ہے۔ **قوم** سے مراد حضرت خلیفہ اول ابوبکر صدیق جانشین مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے تمام وہ ساتھی ہیں جو خلافت صدیقی میں ان مرتدین پر حملہ کرنے میں آپ کے ساتھ رہے حضرت علی امام حسن اور قتادہ ضحاک اور ابن جریج کا یہ ہی قول ہے کہ یہاں قوم سے مراد حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے مجاہد ساتھی ہیں (تفسیر خازن و کبیر وغیرہ) اس میں غیبی خبر ہے۔ جس میں خلافت صدیقی کے دور کے تمام غزوات کی خبر دیدی گئی ہے۔ حضرت صدیق اکبر اور ان کے ان ساتھیوں کی چھ خصوصی صفات بیان فرمائیں۔ چنانچہ ارشاد فرمایا **یحبھم ویحبونہ** اس عبارت میں ان حضرات کی دو صفتوں کا ذکر ہوا۔ ایک یہ کہ خدا تعالیٰ ان سب سے دائمی محبت فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں محبت سے خصوصی محبت مراد ہے۔ یوں تو رب تعالیٰ ہر مسلمان سے محبت فرماتا ہے مگر حضرت انبیاء کرام سے اور قسم کی خصوصی محبت کرتا ہے اور حضور سے اور قسم کی محبت حضرات صحابہ سے اور قسم کی محبت ہے اولیاء اللہ سے اور قسم کی محبت۔ ہم اپنے دوستوں' اولاد' ماں باپ بیوی بچے نوکروں غلاموں جانوروں سب سے محبت کرتے ہیں۔ مگر دوستوں سے محبت اور قسم کی کرتے ہیں ماں باپ سے اور قسم کی اولاد اور طرح کی اللہ تعالیٰ حضور سے ایسی محبت فرماتا ہے کہ آپ کا نام ہوا حبیب اللہ اور حضرت ابراہیم سے ایسی محبت فرماتا ہے کہ ان کا لقب ہوا خلیل اللہ یعنی خلیل اللہ وہ جو رب کی مرضیات مانے۔ حبیب اللہ وہ کہ رب تعالیٰ اس کی مرضیات مانے یوں ہی جیسی محبت اللہ تعالیٰ جناب ابوبکر اور ان کے اس لشکر سے فرماتا ہے ویسی محبت دوسروں سے نہیں۔ پھر یہ بھی لحاظ رہے کہ

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ نے اپنی محبت کا ذکر پہلے کیا پھر ان کی محبت کا یعنی اللہ ان سب سے محبت کرتا ہے۔ اور وہ سب اللہ سے کیونکہ ہر چیز کی ابتدا رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے۔ پہلے وہ ہم کو توفیق دیتا ہے پھر ہم نیکی کرتے ہیں پہلے وہ ہمارا ذکر کرتا ہے پھر ہم اس کا ذکر کرتے ہیں یوں ہی پہلے وہ بندے سے محبت کرتا ہے پھر بندہ رب سے محبت کرتا ہے۔ لہذا تمام صدیقی لوگوں سے پہلے رب تعالیٰ محبت کرتا ہے بعد میں یہ لوگ یہ بھی خیال رہے کہ صحیح محبت کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ محبوب کے غلاموں نوکروں متعلقین حتیٰ کہ اس کی چیزوں سے محبت ہو جاتی ہے۔ حضرت ہاجرہ خدا کو پیاری ہیں تو صفا مروہ پہاڑ جن پر آپ کے قدم پڑے وہ بھی رب کو پیارے کہ انہیں شعائر اللہ فرمایا۔ حضور خدا کو پیارے تو حضور کا شہر مکہ بھی خدا کو پیارا کہ اس کی قسم فرمائی۔ جب حضرت صدیق خدا کو پیارے تو حضرت صدیق کے غلام ان سرکار کے نوکر چاکر ہم جیسے کمینے بھی خدا کو پیارے کہ یہ سب حضرت صدیق کے متعلقین ہیں **اذلة على المومنين اعزة على الكفرين** اس عبارت میں اس مقدس جماعت کی تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہوا۔ اذلۃ جمع ہے ذلیل کی جس کا مادہ ذل ہے۔ بمعنی مغلوبیت یا پستی اسی سے ہے **ذلول** یہاں انتہائی نرمی مراد ہے۔ جیسے مغلوب آدمی غالب کے سامنے نرمی کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اولاد کو ماں باپ کے متعلق حکم دیتا ہے **واخفض لهما جناح الذل** اعزۃ جمع ہے۔ عزیز کی جس کا مادہ عز ہے۔ بمعنی غلبہ عزیز وہ جو غالب ہو مغلوب نہ ہو اس لئے سخت زمین کو ارض عزاز کہتے ہیں۔ یہاں عزت سے مراد سختی و شدت ہے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے۔ **اشداء على الكفار رحماء بينهم الكفرين** سے مراد سارے کافر ہیں اصلی ہوں یا مرتدین پھر مشرکین ہوں یا اہل کتاب یعنی ان کی تیسری و چوتھی صفت یہ ہے کہ مسلمانوں پر نہایت نرم اور تمام کفار پر نہایت سخت کہ مسلمانوں کو کبھی تکلیف نہیں پہنچاتے انہیں ایذا نہیں دیتے اگر کبھی مسلمان سے انہیں تکلیف پہنچ جاوے تو اسے معاف فرما دیتے ہیں مگر کفار کے آگے کبھی نہیں جھکتے۔ دین میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے۔ بخلاف منافقوں کے کہ وہ کفار کی ملامت وغیرہ سے بہت ڈرتے ہیں' ان کی پانچویں صفت یہ ہے **ويجاهدون في سبيل الله** اگرچہ جہاد ہر کافر سے جنگ کرنے کو کہتے ہیں۔ مگر یہاں مرتدین سے جنگ مراد ہے۔ کیونکہ ذکر انہیں کا ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ مرتد اگر ایک دو ہوں تو انہیں فہمائش کی جاوے سمجھانے پر بھی باز نہ آئے تو اسے قتل کیا جاوے گا۔ اگر مرتدین کی باقاعدہ جماعت بن گئی اور انہوں نے طاقت پکڑی تو ان پر جہاد کیا جاوے گا۔ یہاں یہ ہی آخری صورت مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ شریف میں جو لوگ مومن ہو کر حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ان میں شاید ایک دو شخص ہی اکیلے اکیلے مرتد ہوئے اور کوئی مرتد نہ ہوا۔ خود ابو سفیان نے بادشاہ روم ہرقل کے ہاں کہا تھا کہ جو مسلمان ہو جاتا ہے وہ مرتد نہیں ہوتا جو جماعت مرتد ہوئی تھی۔ وہ خانہ بدوش لوگ تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نہ کر سکے تھے ان پر حملہ کیا گیا۔ معمولی جھڑپ میں ان کو شکست ہو گئی۔ باقاعدہ مرتدین پر جہاد حضرت ابو بکر صدیق کے زمانہ ہی میں ہوئے لہذا یہ آیت کریمہ ان پر ہی چسپاں ہے انہیں کا اس میں ذکر ہے۔ **يجاهدون في سبيل الله** فرما کر رب تعالیٰ نے بہت سی باتیں بتادیں ایک یہ کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

جنگیں کفار یعنی مرتدین سے ہوں گی مسلمانوں سے نہ ہوں گی کیونکہ مسلمان چوروں' ڈاکوؤں' باغیوں سے جنگ کو قتال تو کہتے ہیں جہاد نہیں کہتے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ** جہاد صرف کفار سے ہوتا ہے لہذا مانعین زکوۃ اور منکرین ختم نبوت مرتدین ہیں دوسرے یہ کہ جناب صدیق خلیفہ برحق اور سلطان اسلام ہیں کہ جہاد کے لئے سلطان اسلام ضروری ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ مجاہدین سارے کے سارے مخلص مومن ہوں گے ان کے وہ جہاد ریا سے نہ ہوں گے۔ کیونکہ ریا سے جنگ قتال تو ہے جہاد فی سبیل اللہ نہیں۔ اس ایک کلمہ نے حضرت صدیق اور ان کے ساتھیوں کی بہت صفات بتادیں۔ ان کی چھٹی صفت یہ ہے **ولا یخافون لومۃ لائم** اس جملہ میں اس طرف اشارہ ہے کہ وہ مجاہدین بھی ہوں گے اور دین میں بہت مضبوط کہ مرتدین پر جہاد کرنے میں انہیں کسی کی مخالفت کسی کی ملامت کی پرواہ نہ ہو گی۔ سبحان اللہ اس عبارت نے تو گویا حضرت صدیق اکبر کا نقشہ کھینچ کر دکھادیا۔ کیونکہ حضرت صدیق نے منکرین زکوۃ پر جہاد کا ارادہ فرمایا تو کسی صحابی نے آپ کے ارادے کی حمایت نہ کی سب نے مخالفت ہی کی مگر آپ کسی کی پرواہ کئے بغیر اکیلے گھوڑے پر سوار ہو کر چل پڑے پھر سب آپ کے ہمراہ ہو گئے یہ ہے **لا یخافون لومۃ لائم** کا ظہور ان چھ صفتوں کا بیان فرما کر ان کی شان بیان ہو رہی ہے **ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء ذلک** سے ان مذکورہ چھ صفتوں کی طرف اشارہ ہے۔ **فضل اللہ** سے مراد اللہ تعالیٰ کا احسان اس کی مہربانی ہے جو کسی عمل کا معاوضہ نہیں یعنی اس بڑے کام کے لئے حضرت صدیق اکبر اور ان کی جماعت کا چناؤ اور انتخاب محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ یہ انتخاب پہلے ہی ہو چکا ہے۔ جس کو چاہا اس نے منتخب کر لیا یہ جملہ بھی حضرت ابو بکر صدیق کے لئے ہی ہے۔ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ حضرت صدیق کے متعلق فرماتا ہے **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ ان یوتوا** الخ یہاں فضل اللہ کا ذکر ہے اور سورہ نور شریف میں آپ کو **اولو الفضل** یعنی فضل والا فرمایا گیا وہ آیت کریمہ گویا اس آیت کی شرح و تفسیر ہے اس فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ اگر کوئی کہے کہ جناب علی کے ہوتے ہوئے حضرت ابو بکر کا چناؤ خلافت کے لئے کیوں ہوا حضرت علی تو حضور کے بھائی تھے۔ جواب دیا کہ یہ نعمتیں میراث وغیرہ سے نہیں ملتیں یہ تو ہمارا فضل ہے جسے چاہیں عطا کریں یہ سوال تو یہود کا سا ہے۔ یہود کہتے تھے کہ نبوت بنی اسرائیل کے نام نامزد ہو چکی تو خاتم النبیین بنی اسماعیل میں کیسے آگئے۔ نہ نبوت کسی کی میراث ہے نہ خلافت پر کسی کا ٹھیکہ ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فضل اللہ سے مراد اللہ کی دی ہوئی بزرگی و فضیلت ہے اور مطلب یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تمام صحابہ میں جو حضرت صدیق کو فضیلت دی ہے اللہ جسے چاہے فضیلت دے **واللہ واسع علیم** اس میں گزشتہ تمام چیزوں کی وجہ یا حکمت بیان ہوئی یعنی اللہ تعالیٰ کا فضل اس کی رحمت بہت ہی وسیع ہے وہاں تنگی نہیں مگر رب تعالیٰ علیم و خبیر ہے۔ جانتا ہے کہ کس رحمت کس فضل کے لائق کون ہے۔ اس کو عطا فرماتا ہے۔ یہ انتخاب حضرت صدیق اکبر کے ظرف عالی کو جان کر کیا گیا ہے۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو! ایمان پر قائم رہو۔ پھسل نہ جانا اگر تم اسلام سے پھر کر مرتد ہو گئے تو اپنا ہی نقصان کرو گے۔ اللہ

www.alahazratnetwork.org

تعالٰی جماعت مرتدین کی سرکوبی کے لئے ایسی قوم کو بر سر اقتدار لائے گا تم پر انہیں مسلط کرے گا۔ جن میں حسب ذیل چھ صفات ہوں گی۔ ایک یہ کہ اللہ تعالٰی ان سے خصوصی محبت کرتا ہے۔ دائمی کرتا ہے۔ وہ سب خدا کے محبوب بندے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ بھی اللہ تعالٰی سے دل و جان سے دائمی محبت کرتے ہیں کہ اپنے نفس کے لئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں۔ رضاء الٰہی کے لئے کرتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ مسلمانوں پر بہت نرم کہ کسی مسلمان کا دل نہیں دکھنے دیتے۔ چوتھے یہ کہ کافروں پر نہایت سخت کہ ان کی پرواہ نہیں کرتے ان کے دل میں کسی کافر کی ہیبت نہیں آتی۔ پانچویں یہ کہ یہ محبوب لوگ مرتدین پر فی سبیل اللہ جہاد کریں گے ان کی شوکت کو ختم کر دیں گے اور اس جہاد کے متعلق کسی مخالف کی مخالفت اپنے پرایوں کی ملامت سے نہ ڈریں گے یہ چناؤ اور حفاظت دین سرکوبی مرتدین کے لئے ان کے چناؤ محض اللہ تعالٰی کا فضل و کرم ہے وہ جسے چاہے اپنے فضل سے نوازے اللہ تعالٰی بڑے فضل و کرم والا ہے۔ بڑی وسعتوں والا ہے مگر ہے علیم و خبیر کہ جسے جو دیتا ہے۔ اپنے علم کے موافق دیتا ہے۔ اس عظیم الشان کام کے لئے جناب صدیق اور ان کے ساتھیوں کا چناؤ رب تعالٰی کے علم سے ہے۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانی نعمتیں بعض عام ہیں بعض خاص 'دھوپ' ہوا' پانی وغیرہ عام نعمتیں ہیں سلطنت وزارت دولت خاص نعمتیں یوں ہی روحانی نعمتیں بعض عام ہیں جیسے کلمہ' قرآن' نماز' وغیرہ جو سب مسلمانوں کو ملیں۔ اور ولایت' غوثیت' قطبیت' صحابیت وغیرہ خاص نعمتیں ہیں جو کسی کسی کو ملیں بلکہ صحابیت عام نعمت تھی جو تمام صحابہ کو ملی مگر صدیقیت خاص نعمت جو حضرت ابوبکر کو عطا ہوئی اللہ کے ہاں کسی نعمت کی کمی نہیں وہ لاکھوں صدیق فاروق پیدا کر سکتا تھا مگر وہ علیم ہے جانتا ہے کہ عالم کی مصلحت کس چیز میں ہے۔ رب تعالٰی لاکھوں سورج کروڑوں چاند پیدا فرما سکتا ہے۔ لیکن اگر دو سورج بھی ہوتے تو دنیا گرمی سے ہلاک ہو جاتی۔ پھر دانہ پھول جل جاتے۔ ہم کو سینکڑوں بال دیئے۔ دو دو ہاتھ پاؤں آنکھیں کان دیئے مگر دل ایک ہی دیا ورنہ نظام جسم خراب ہو جاتا نبوت کے آسمان پر خاتم الانبیاء سورج ایک ہی بنایا۔ صدیق چاند ایک ہی پیدا کیا وہ واسع ہے مگر علیم بھی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ قرآن کریم جو غیبی خبریں دیتا ہے۔ جو بالکل درست و سچی ہوتی ہیں اس کی پیش گوئیاں ہو بہو درست نکلتی ہیں۔ علم غیب قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے یہ فائدہ **من یرتد** اور **فسوف یاتی اللہ بقوم** سے حاصل ہوا۔ اس فرمان میں تین پیش گوئیاں کی گئیں جو بالکل درست ہوئیں۔ اس میں غیبی خبر دی گئی کہ آئندہ کچھ لوگ مرتد ہوں گے (۲) وہ مرتدین بڑے طاقت ور ہوں گے۔ (۳) ان کے مقابلے کے لئے اللہ تعالٰی اپنے پیاروں کو مقرر فرما دے گا۔ جو ان کا قلع قمع کر دیں گے یہ تینوں خبریں زمانہ صدیقی میں ہو بہو درست ہوئیں جیسا کہ احادیث اور تواریخ داں حضرات پر مخفی نہیں۔ دوسرا فائدہ حضرت ابوبکر صدیق کی خلافت منجانب اللہ تعالٰی ہے کہ رب تعالٰی نے آپ کو خلیفہ برحق بنایا یہ فائدہ **فسوف یاتی اللہ بقوم** سے حاصل ہوا اور انہیں اور ان کی جماعت کو مجاہد فی سبیل اللہ قرار دیا۔ مجاہد فی سبیل اللہ وہ ہے۔ جو مومن ہو مخلص ہو اللہ کے لئے کفار سے لڑے اور کسی

سلطان اسلام کے زیر فرمان لڑے بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق کو "عملاً" اپنا خلیفہ اپنی حیات شریف میں ہی مقرر فرمادیا کہ فتح مکہ کے بعد آپ کو حج میں اپنی طرف سے کچھ اعلانات کرنے بھیجا اور اپنی وفات کے قریب آپ کو اپنے مصلے پر کھڑا کیا۔ امام بنایا اور یہ کہہ کر امام بنایا کہ جس جماعت میں ابوبکر ہوں اس میں کسی کو امام بننے کا حق نہیں۔ ایک عورت اپنا مقدمہ لے کر بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئی فرمایا کل آنا وہ بولی اگر کل تک میں آپ کو نہ پاؤں یعنی آپ کی وفات ہو جاوے تو فرمایا ابوبکر سے فیصلہ کرانا اور فرمایا کہ دل چاہتا ہے کہ ابوبکر کو خلیفہ کردوں مگر اللہ تعالیٰ انہیں ہی خلیفہ کرے گا۔ مسلمانوں کا آپ کی خلافت پر اجماع فیصلہ الٰہی اور فیصلہ مصطفوی کا ظہور تھا۔ **تیسرا فائدہ** حضرت ابوبکر صدیق اللہ کے محبوب ہیں ان کے طفیل ان کے خدام بارگاہ بھی خدا کے محبوب ہیں یہ فائدہ **یحبھم** سے معلوم ہوا۔ آپ کی محبوبیت کا یہ عالم ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اور آپ کے متعلق بھی یہ فرمایا **ولسوف یرضی** چوتھا فائدہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے غلاموں کو اللہ تعالیٰ پیارا ہے یہ فائدہ **ویحبونہ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** حضرت ابوبکر صدیق مسلمانوں پر نہایت ہی نرم ہیں کفار پر سخت یہ فائدہ **اذلۃ علی المومنین** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور کے صحابہ کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** **چھٹا فائدہ** حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے ساتھی مجاہد فی سبیل اللہ غازیان اسلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعہ اسلام کی کشتی کو تباہی سے بچالیا۔ مسلمانوں کے جہاز کے پہلے ناخدا یہ پہلے تاجدار اسلام ہیں رضی اللہ عنہ یہ فائدہ **یجاھدون فی سبیل اللہ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** حضرت ابوبکر صدیق استقامت کا پہاڑ ہیں۔ استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے انہیں دنیا کی کوئی طاقت راہ حق سے جنبش نہیں دے سکتی یہ فائدہ **ولا یخافون لومۃ لائم** سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ حضرت ابوبکر صدیق پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے۔ یہ فائدہ **ذلک فضل اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **وکان فضل اللہ علیک عظیما** اور حضرت صدیق کے لئے فرمایا **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ** الخ یکساں خطابات ہیں۔ نواں فائدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کا انتخاب ان بڑے بڑے کاموں کے لئے "اتفاقاً" نہیں کردیا۔ بلکہ بلکہ ان کو اس کا اہل جان کر کیا اس عظیم کارناموں کے لائق وہ ہی عظیم الشان ہستی تھی۔ یہ فائدہ **علیم** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ حضرت ابوبکر صدیق کا مومن ہونا آپ کا خلیفہ برحق ہونا آپ کا اللہ کا محبوب ہونا آپ کا غازی اسلام ہونا وغیرہ قطعی یقینی ہیں۔ ان میں سے ایک کا انکار کفر ہے یہ فائدہ پوری اس آیت سے حاصل ہوا۔ اس کی تائید دوسری آیات سے ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کی صحابیت قطعی یقینی ہے۔ جس کا انکار کفر ہے فرماتا ہے **اذ یقول لصاحبہ لا تحزن** آپ کا خلیفہ اول ہونا قطعی یقینی ہے۔ جس کا انکار کفر ہے۔ فرماتا ہے۔ **ثانی اثنین اذھما فی الغار خلیفۃ اللہ الاول** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کے ثانی ابوبکر صدیق خدا انہیں ثانی یعنی دوسرا کہے انہیں

www.alahazratnetwork.org

تیسرا کرنے والا کون ہے۔ **شعر:۔**

☆ ثانی اثنین ہیں بوبکر خدا میرا گواہ ☆

☆ حق مقدم کرے پھر کیوں ہو مؤخر صدیق ☆

بعد الرسل تمام خلق سے حضرت صدیق اکبر کا افضل ہونا قطعی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعۃ** حضرت صدیق کا بعد انبیاء ساری خلق سے بڑھ کر متقی ہونا قطعی یقینی ہے۔ فرماتا ہے **وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی۔ الاتقی** اسم تفضیل ہے جیسے گروہ انبیاء یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام یوں ہی صرف صدیق اکبر ہی وہ خوش نصیب صحابی ہیں کہ آپ میں چار پشت تک صحابیت ہے۔ ماں' باپ' صحابی' خود صحابی' بیٹے بیٹی صحابی' پوتے نواسے صحابی عبداللہ ابن زبیر نواسے ہیں اور صحابی ہیں بعد انبیاء اس شان کا نہ پیدا ہوا نہ پیدا ہو۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام سیدوں کے دادا حضرت علی شیر خدا ہیں اور نانا حضرت ابو بکر صدیق فروہ بنت قاسم ابن ابو بکر صدیق حضرت امام باقر کے نکاح میں آئیں۔ جن سے امام جعفر صادق پیدا ہوئے ان سے ہی حسینی سادات کی نسل چلی۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔ گیارہواں فائدہ دین اسلام کے ایک بھی قطعی شرعی مسئلہ کا انکار کفر ہے۔ جو مسلمان ساری اسلامی باتیں مانے صرف ایک مسئلہ کا انکار کرے وہ مرتد ہے اسے قتل کیا جاوے گا اگر طاقت ور جماعت ہے تو اس پر جہاد ہو گا یہ فائدہ **من یرتدو منکم** سے حاصل ہوا کیونکہ اس آیت کریمہ میں جس جہاد کی پیش گوئی کی گئی ہے وہ حضرت ابو بکر صدیق کا وہ جہاد ہے جو آپ نے منکرین زکوۃ پر کیا۔ رب نے ان منکرین کو مرتدین فرمایا اور اس جنگ صدیقی کو جہاد۔ بارہواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننا حضور کے زمانہ میں یا بعد کسی کو نبی مان لینا کفر و ارتداد ہے۔ ایسے لوگوں پر جہاد اسلامی جہاد ہے یہ فائدہ بھی **من یرتدد** سے حاصل ہوا کیونکہ حضرت صدیق اکبر نے یمامہ والے مرتدین پر بھی جہاد کیا۔ جنہوں نے مسیلمہ کذاب کو حضور انور کے زمانہ میں ہی نبی مان لیا تھا اس جنگ کو قرآن کریم نے جہاد فرمایا اور ان بے دینوں کو مرتد قرار دیا ختم نبوت قطعی یقینی مسئلہ ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ مرتد ہو گئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **من یرتد منکم عن دینہ** اگر ان کا ارتداد واقع نہ ہوتا تو **من یرتد** کیوں فرمایا جاتا نعوذ باللہ۔ جواب اس کے چند جوابات ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر یہی آیت خوارج حضرت علی اور اہل بیت اطہار کے لئے اسی تقریر سے پیش کریں تو تم کیا جواب دو گے۔ جواب تحقیقی ابھی تفسیر میں گزر چکے کہ جملہ شرطیہ کے اجزاء میں نہ وقوع لازم ہے نہ امکان۔ رب تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام سے میثاق کے دن عہد لے کر فرمایا **فمن تولی بعد ذلک فاولئک ھم الفاسقون** نیز فرماتا ہے۔ **لقد اوحی الیک والی الذین من قبلک لئن**

www.alahazratnetwork.org

اشرکت لیحبطن عملک حالانکہ حضرات انبیاء کرام نہ تو رب سے کئے ہوئے وعدوں سے پھر سکتے ہیں نہ شرک و کفر کر سکتے ہیں۔ قانون میں خطاب وفاداروں' غداروں سب سے ہی ہوتا ہے تاکہ قانونی ہمہ گیری کی حیثیت ظاہر ہو۔ دوسرے یہ کہ یہاں حضرات صحابہ سے خطاب نہیں بلکہ ان لوگوں سے خطاب ہے جو حضور کے زمانہ میں مومن تھے صحابی نہ بنے جیسے عام دیہات کے باشندے انہیں میں لوگ مرتد ہوئے انہیں پر صدیق اکبر نے جہاد کیا۔ اگر نعوذ باللہ صحابہ کرام مرتد ہو گئے تو بتاؤ کہ ان پر جہاد کس نے کیا اور اس آیت کا ظہور کیسے ہوا۔ حضرات صحابہ تو مرتدین پر جہاد فرمانے والے ہیں۔ **دوسرا اعتراض** ان مجاہدین سے مراد حضرات صحابہ کرام نہیں وہ تو اس آیت کے نزول کے وقت موجود تھے یہاں فرمایا گیا ہے کہ اللہ ایسی قوم لائے گا۔ لہذا اس سے مراد بعد کے لوگ ہوں گے وہ مرزا قادیانی ہے یا بہاؤ اللہ ایرانی اس آیت میں ان کی خبر دی گئی ہے۔ **نوٹ** موجودہ مرزائی اور بہائی اپنے پیشواؤں پر یہ آیت چسپاں کرتے ہیں۔ اس طرف اشارہ محمد علی لاہوری نے بھی کیا ہے۔ اپنی تفسیر بیان القرآن میں صاف صاف کہنے کی تو ہمت نہ ہو سکی۔ اشارۃً" کہہ گئے۔ **جواب** تعجب ہے کہ مرزائی اور بہائی لوگ جن کے مذہب میں جہاد کرنا ہی گناہ ہے جن کے نبی قادیانی کہتے ہیں کہ میں نے جہاد منسوخ کر دیا وہ اپنے کو اس آیت کا مصداق بنا رہے ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا **یجاھدون فی سبیل اللہ** تم لوگوں نے کن مرتدین پر کب اور کہاں جہاد کئے۔ تفصیل بتاؤ تم تو کفار کی سلطنت میں پیدا ہوئے انہیں کے زیر سایہ ان کے غلام بن کر جیئے ان کی غلامی کرتے کرتے مرے۔ تمہیں جہاد سے کیا تعلق یہاں **فسوف یاتی اللہ بقوم** میں **یاتی** سے مراد یہ نہیں ہے کہ خدا انہیں پیدا کرے گا۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ انہیں برسر اقتدار لائے گا کب لائے گا۔ چودہ سو برس کے بعد پنجاب یا ایران میں نہیں بلکہ زمانہ صحابہ ہی میں مدینہ منورہ کی سرزمین میں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **قل للمخلفین من الاعراب ستدعون الی قوم اولی باس شدید** جنگ تبوک سے رہ جانے والے دیہات کے باشندوں سے فرما دو کہ تم لوگ عنقریب سخت جنگ جو قوم (قوم یمامہ) سے جنگ کی طرف بلائے جاؤ گے معلوم ہوا کہ جنگ تبوک سے رہ جانے والے لوگ اس جہاد میں بلائے گئے یعنی زمانہ نبوی سے بالکل قریب یہ جہاد ہوئے تم اب چودھویں صدی کی پیداوار اس آیت کے مصداق کیونکر بنے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت میں اس مجاہد قوم سے مراد حضرت علی اور ان کے ساتھی ہیں۔ حضور کی وفات کے بعد صحابہ علی مرتضیٰ کی خلافت کا انکار کر کے سب مرتد ہو گئے۔ حضرت علی نے جنگ صفین۔ جنگ جمل میں ان پر جہاد کیا یعنی معاویہ اور عائشہ سے اس آیت میں ان جہادوں کی خبر دی گئی ہے (نعوذ باللہ) **نوٹ** یہ اعتراض شیعہ فرقے کا ہے۔ اسے تفسیر کبیر نے مع جواب نقل کیا۔ **جواب** اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب امیر معاویہ میں ملاحظہ کرو۔ یہاں بطور اختصار یہ سمجھو کہ اگر یہ آیت کریمہ حضرت علی کے حق میں ہوتی اور ان کی خلافت نہ ماننا ان کی موجودگی میں اور کو خلیفہ ماننا ارتداد ہوتا تو حضرت علی حضور کے پردہ فرماتے ہی اور حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ بنتے ہی ان پر بلکہ سارے اہل مدینہ پر جہاد کرتے اور جیسے حضرت ابوبکر منکرین زکوٰۃ کے لئے اکیلے ہی چل پڑے

www.alahazratnetwork.org

تھے۔ حضرت علی اکیلے ہی تلوار لے کر ان پر جہاد کرتے تین خلفاء یعنی حضرت صدیق و فاروق و عثمان غنی کی بیعت خود نہ کر لیتے۔ تعجب ہے کہ قرآن کریم تو آپ کے جہاد کی خبر دے اور آپ بجائے جہاد کے ان کی بیعت فرما کر انہیں خلیفہ المسلمین امیر المومنین مان لیا۔ نیز جنگ جمل و صفین میں خود حضرت علی نے اپنے مقابل حضرات کو مرتد نہ فرمایا بلکہ باغی فرمایا کہ ارشاد کیا **اخواننا بغو علینا** یہ سب ہمارے بھائی ہیں جنہوں نے ہم سے بغاوت کرلی ان کے قیدیوں کو قتل نہ کیا ان کے مال کو غنیمت نہ بنایا۔ امیر معاویہ سے صلح کی کوشش کی مرتدین سے صلح کیسی ان کے متعلق تو قرآن کریم فرماتا ہے **تقاتلونهم اویسلمون** یا ان سے لڑو یا وہ مسلمان ہو جاویں۔ تیسری چیز ہی نہیں۔ لہٰذا تم آیت کریمہ کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف کر رہے ہو نیز خود حضرت علی، حسن قتادہ ضحاک ابن جریج نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق ہے۔ جس کے حوالے ابھی ہم عرض کر چکے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ان مسلمانوں کی تعریف میں فرمایا گیا **اعزة علی الکفرین** دوسری جگہ ارشاد ہوا **اشداء علی الکفار** تو کیا مسلمانوں کو چاہیے کہ کافروں پر خوب سختی کیا کریں۔ انہیں قتل و غارت ہی کریں یہ تو سفاکی خونریزی ہے۔ اسلام نے خونریزی سکھائی ہے (آریہ) **جواب** یہاں حق تعالیٰ نے اسے **اعزة** فرمایا وہاں اس آیت میں **اشداء** فرمایا **ظالمین** نہ فرمایا۔ کفار پر سختی کے معنی یہ ہیں کہ ان کے مقابلہ میں دین پر سختی سے قائم ان کی ہیبت مسلمان کے دل میں نہ آئے اگر حربی کفار سے جنگ کرنی پڑ جائے تو ڈٹ کر مقابلہ کریں ان کے مقابلہ میں نرمی یا پلپلا پن نہ دکھائیں۔ ذمی رعایا کفار پر جیسا رحم و کرم مسلمانوں بادشاہوں نے کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ اب بھی دیکھ لو کہ بھارت میں مسلمانوں کے نہ مال محفوظ ہیں نہ جانیں۔ پاکستان میں ہندو کیسے آرام سے زندگی گزار رہے ہیں۔ **پانچواں اعتراض** اگر رب تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ مرتدین پر جہاد کرنے کے لئے ایسے مسلمان قائم فرمایا کرے گا۔ جو ان پر جہاد کریں تو آج مسلمانوں میں ختم نبوت کے انکاری۔ ضروریات دین کے انکاری بڑی بڑی جماعتیں ہیں۔ ان پر جہاد کرنے کے لئے رب نے کوئی مسلم جماعت قائم نہ کی یہ وعدہ کیسے پورا ہوا۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ پیشگوئی حضرت ابوبکر صدیق کے جہادوں کے متعلق ہے جو پوری ہو چکی۔ **من یرتد منکم** میں خطاب اس زمانہ کے مومنوں سے ہے۔ آئندہ کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پیش گوئی فرمائی کہ میری امت ساری گمراہ نہ ہو گی ان میں ایک فرقہ ضرور ہدایت پر رہے گا اور فرمایا میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے۔ سب دوزخی ایک جنتی وہ بھی دیکھنے میں آ رہا ہے کہ بفضلہ تعالیٰ اہل سنت و جماعت بھی رہیں گے اور سب پر غالب رہیں گے۔ اب بھی اسی فیصد اہل سنت ہیں اور بیس فی صدی ہیں سارے گمراہ فرقے ہیں یہ ہے میرے محبوب عالم غیوب کی پیشگوئی کا ظہور جو قیامت تک ہوتا رہے گا غرضیکہ وعدہ الٰہی بالکل سچ ہے۔ دنیا نے دیکھ لیا۔ **چھٹا اعتراض** یہاں آیت کریمہ نے جناب صدیق اور ان کے تمام ساتھیوں کے متعلق فرمایا کہ وہ مسلمانوں پر نرم ہیں مگر حضرت ابوبکر نے فاطمہ زہراء کو ان کی میراث سے محروم کیا۔ حتیٰ کہ فاطمہ زہرا آپ پر ناراض ہو گئیں اور ان کے ساتھیوں نے زمانہ حیدری میں آپس میں جنگیں

www.alahazratnetwork.org

کیں پھر وہ نرم کیوں کر ہوئے (شیعہ) جواب قرآن کریم سچا ہے تمہاری فہم میں غلطی ہے۔ حضرت صدیق نے قانون رسول اللہ کو جاری فرمایا کہ نبی کا متروکہ مال میراث نہیں ہوتا اس لئے حضور انور کو ان کے گھر میں دفن کیا گیا کہ وہ جگہ اب وقف ہو چکی تھی کسی کی ملک نہ تھی ہم اپنے گھر میں دفن نہیں ہو سکتے کہ ہمارے بعد ہمارا گھر وارثوں کی ملک ہے وہ قبرستان نہیں بن سکتی اور حضرت صدیق نے اپنے دور خلافت میں یہ تمام امور ویسے ہی باقی رکھے۔ میراث تقسیم نہ کی انہیں وقف ہی قرار دیا۔ حضرت فاطمہ زہرا جناب صدیق پر ناراض نہ ہوئیں بلکہ اپنے مطالبہ میراث پر افسوس کیا اور پھر کبھی مطالبہ نہ کیا **فغضبت** اور **لم تتکلم** کے یہی معنی ہیں۔ حضور **صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان** سے ناراضی کفر ہے صحابہ کی آپس کی جنگیں عداوت کی نہ تھیں اختلاف رائے کی تھیں۔ جیسے برادران یوسف علیہ السلام اور حضرات سارہ و ہاجرہ کے اختلافات۔ اس اختلاف پر ملامت نہیں اور یہ اختلاف نرمی یا محبت کے خلاف نہیں لہذا آیت بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ اے ایمان کے دعویدارو تم میں سے جو کوئی حق تعالیٰ سے قلب میں آکر مرتد ہو جاوے۔ حقیقی ایمان سے محروم رہے تو تم خدا تعالیٰ کو نقصان نہ پہنچا سکو گے کیونکہ رب تعالیٰ ایسی قوم لائے گا جو ازل سے ہی اس کے محبوب و محب ہیں جن کی ذات سے محبت ہے نہ کہ صفات سے محبت صفاتی بدل جاتی ہے محبت ذاتی نہیں بدلتی یہ محبت بھی رب کے فضل سے نصیب ہوتی ہے ورنہ کہاں تراب اور کہاں رب الارباب ان کی حالت یہ ہوگی کہ مسلمانوں سے ہم جنس ہونے کی وجہ سے پست اور کفار پر غیر جنس ہونے کی وجہ سے سخت اور قتل اللہ کی راہ میں اپنی ذات و صفات کی فنا کے لئے مجاہدے کریں گے اور اس کی راہ میں کسی کی ملامت کی پرواہ نہ کریں گے بلکہ ان ملامتوں سے لذت پائیں گے۔ جیسے ایک شاعر نے کہا شعر:

☆ اجد الملامۃ فی ھواک لذیذۃ ☆ حبا لذکرک فلیلمنی الیوم ☆

یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہے دے اس راستہ میں اپنے قدم سے چلنے والا ایک ساعت کی راہ ستر سال میں طے نہیں کر سکتا اور اس طرف سے جس کی کشش ہو جاوے تو ستر سال کی راہ ایک پل میں طے ہوتی ہے۔ فرعونی جادوگر ایک ساعت میں کہاں پہنچے۔ ابراہیم ادھم رابعہ بصریہ تھوڑی مدت میں بہت دراز سفر طے کر گئے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ

اس کے سوا نہیں کہ تمہارا دوست اللہ اور رسول ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے جو کہ قائم رکھتے ہیں نماز کو

تمہارے دوست نہیں مگر اللہ اور اس کے رسول اور ایمان والے کہ نماز قائم کرتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ (۵۵) وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ
اور دیتے ہیں زکوۃ کو اور وہ رکوع والے ہیں اور جو دوستی کرے گا اللہ سے اور اس کے رسول اور ان
اور زکوۃ دیتے ہیں اور اللہ کے حضور جھکے ہوئے ہیں اور جو اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں
اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۵۶)
لوگوں سے جو ایمان لائے پس تحقیق اللہ کا ٹولہ وہ ہی غالب ہیں
کو اپنا دوست بنائے تو بے شک اللہ ہی کا گروہ غالب ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مرتدین کی سزا کا ذکر فرمایا تھا۔ اب اس دوا کا ذکر ہے۔ جس سے انسان ارتداد کی بیماری سے بچا رہے یعنی اللہ رسول اور مومنین کی محبت گویا ارتداد کی بیماری کے انجام اس کی سزا کے بعد اس سے بچاؤ کی تدبیر اس کی دوا بتائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم مرتدین کی سرکوبی کے لئے صدیقی جماعت کو لائیں گے جو خدا کی پیاری جماعت ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تمہیں رب تعالیٰ کی محبوبیت چاہیے تو تم صدیقی جماعت کو اپنا دلی اور روالی بناؤ تم بھی پیارے بن جاؤ گے۔ پھول کے ساتھ گھاس باندھ دی جاوے، تو وہ بھی بادشاہ کے دربار میں پہنچ جاتی ہے۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں **شعر:**

☆ گو نیست جمال و رنگ و بویم! ☆ آخر نہ گیاہ باغ اویم ☆

تیسرا تعلق پچھلی گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار سے دوستی کرنے کی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ اب اللہ رسول اور مومنین سے دوستی و محبت کرنے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے گویا توڑنے والے رشتوں کا ذکر فرمانے کے بعد جوڑنے والے رشتوں کا ذکر ہے زہر کے ذکر کے بعد تریاق کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان زہر سے بچیں۔ تریاق اختیار کریں۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ان تین چیزوں کا ذکر تھا۔ جن کے اختیار کرنے سے اللہ کی جماعت میں شامل ہونا ہوتا ہے یعنی اللہ کی محبت اس کے محبوب کی اطاعت مسلمانوں سے تعلق۔ اب اس چیز کا ذکر ہے جس سے بچنے سے اللہ کی جماعت میں شامل ہونا ہوتا ہے یعنی کفار سے محبت' ہر کام کے لئے شرائط اختیار کرنا پڑتے ہیں۔ منافی چیز سے بچنا پڑتا ہے نماز کے لئے طہارت وغیرہ کرو۔ دنیاوی بات و دنیاوی کام نہ کرو یہ ہی ایمان کا حال ہے۔ **پانچواں تعلق** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل جسے چاہے دے وہ بڑی وسعتوں حکمتوں والا ہے۔ اب وہ جگہ بتائی جا رہی ہے جہاں سے اللہ کا فضل ملتا ہے۔ گویا عطا کے ذکر کے بعد اس سودے ملنے کی دوکان کا پتہ بتایا جا رہا ہے۔

شان نزول حضرت جابر ابن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ ایک بار حضرت عبد اللہ ابن سلام بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر عرض

www.alahazratnetwork.org

کرنے لگے کہ یا رسول اللہ ہمارے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے ہماری یہودی قوم بنی قریظہ اور بنی نضیر نے ہم کو چھوڑ دیا۔ اور آپس میں قسمیں کھالیں کہ ہمارے ساتھ نشست و برخاست اور میل ملاپ نہ کریں گے۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ اب تمہارے دوست اللہ رسول اور سارے مومنین ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن سلام نے یہ آیت سن کر فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رب ہونے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے اور مسلمانوں کے دوست ہونے پر راضی ہیں۔ (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبادہ ابن صامت رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ جنہوں نے اپنے یہود حلیف بنی قریظہ اور بنی نضیر کے متعلق یہ ہی شکایت کی کہ انہوں نے ہم کو چھوڑ دیا۔ اب ہم کیا کریں (تفسیر خازن وغیرہ)

تفسیر **انما ولیکم اللہ ورسولہ۔ انما** لفظ حصر ہے جو پہلے جزء کو دوسرے جز میں منحصر کرتا ہے۔ جیسے **انما الھکم الہ واحد** یا جیسے **انما انا بشر مثلکم** تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے اور میں بشری ہوں۔ ایسے ہی یہاں ہے یعنی منی ہوئے تمہارے ولی اللہ رسول ہی ہیں۔ یہاں حصر اضافی نہیں بلکہ حقیقی ہے۔ کیونکہ مومنوں کے والی وارث ان مذکورہ ہستیوں کے سواء کوئی نہیں۔ ولی کبھی بنتا ہے **ولی** سے ۔ بمعنی قرب' محبت' مدد' دوستی تب اس کے معنی ہوتے ہیں۔ قریب' محبوب' مددگار' دوست اور کبھی بنتا ہے۔ **ولایت** سے ۔ بمعنی تصرف۔ ملکیت تب اس کے معنی ہوتے ہیں والی متصرف' مالک اسی سے ہے مولا یہاں **ولی** سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں قریب یا دوست یا محبوب یہ ۔ بمعنی والی یا متصرف نہیں ہو سکتا (تفسیر کبیر) **کم** میں مخاطب یا تو اس زمانہ کے مسلمان ہیں خصوصاً وہ حضرات جو ایمان لا کر بے یار بے دوست یعنی اکیلے رہ گئے تھے یا تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ قرآن مجید میں عبارت کے عام ہونے کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا چونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت و دوستی' قرب حقیقی ہے دوسروں کی مجازی اور اللہ تعالیٰ کی محبت وغیرہ اصل مقصود ہے۔ دوسری محبتیں اس کا وسیلہ اس لئے یہاں اللہ کا ذکر پہلے ہے رسول کا ذکر بعد میں (روح المعانی) **رسولہ** سے مراد ہیں حضور سید عالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ اللہ کے سارے نبی ہمارے محبوب دوست ہیں مگر چونکہ ان سب کی محبت حضور کے ذریعہ سے ہے اس لئے صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا جیسے کہ ہم سارے نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں مگر ارشاد ہوا **امنوا باللہ ورسولہ** کہ ان نبیوں پر ایمان حضور کی معرفت سے ہے۔ حضور کے توسل کے بغیر نہ ہم ان نبیوں پر ایمان لا سکتے ہیں نہ انہیں محبوب رکھ سکتے ہیں۔ **والذین امنوا** یہ عبارت معطوف ہے **رسولہ** پر چونکہ مسلمانوں سے محبت اس لئے ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ ہیں نیز ایمان ملا ہے حضور کے دم قدم سے اس لئے ان کا ذکر رسول کے بعد ہوا اس عبارت میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد حضرت ابو بکر صدیق اور ان کی جماعت ہے یعنی صدیقی ٹولہ کیونکہ ابھی پچھلی آیت میں قوم اور **اعزۃ** یوں ہی **اذلۃ اویجاھدون** میں وہ ہی حضرات مراد تھے یہ قول ہے حضرت عکرمہ اور بہت مفسرین کا

www.alahazratnetwork.org

(روح المعانی و تفسیر کبیر) دوسرے یہ کہ اس سے حضرت علی رضی اللہ عنہ مراد ہیں کیونکہ ایک بار انہوں نے رکوع کرتے ہوئے ایک سائل کو انگوٹھی خیرات کی ان کی تعریف میں یہ ارشاد فرمایا گیا۔ **وھم راکعون** یہ قول ہے حضرت عطا کا بروایت ابن عباس (تفسیر کبیر و معانی) تیسرا یہ کہ اس سے مراد ہیں عام مومنین جن میں حضرت صدیق و علی بھی داخل ہیں۔ خصوصاً انصار و مہاجرین۔ یہ قول ہے حضرت امام محمد باقر کا چنانچہ امام محمد باقر سے عرض کیا گیا کہ ہم نے سنا ہے کہ اس سے مراد حضرت علی ہیں تو فرمایا کہ وہ بھی ان میں داخل ہیں (معانی و کبیر وغیرہ) یہ تیسرا قول نہایت قوی ہے کہ دوسری آیات اس کی تائید کرتی ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **والمومنون والمؤمنت بعضھم اولیاء بعض** نیز ابھی اگلی آیت میں آرہا ہے **ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا** وہاں سب کے نزدیک **امنوا** سے مراد سارے مومنین ہیں۔ نیز حضرت عبداللہ ابن سلام یا عبادہ ابن صامت نے یہ ہی کہا تھا کہ ایمان کی وجہ سے کوئی یہودی ہمارا دوست نہ رہا تو جواب دیا گیا کہ تمہارے دوست سارے مومن ہو گئے (کبیر و معانی) **الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون** یہ عبارت یا تو **الذین امنوا** سے بدل ہے یا اس کی صفت (معانی وغیرہ) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے کے معنی بارہا عرض کئے جاچکے ہیں چونکہ نماز دن رات میں پانچ دفعہ پڑھی جاتی ہے اور زکوٰۃ سال میں ایک بار نماز سارے مسلمان پڑھتے ہیں۔ زکوٰۃ صرف مالداروں پر ہے نماز کی ادا کے لئے طہارت' قبلہ منہ ہونا' ستر' وقت وغیرہ بہت سی شرطیں ہیں۔ زکوٰۃ کے لئے ان میں سے کچھ نہیں اس لئے نماز کے لئے **یقیمون** ارشاد ہوا اور زکوٰۃ کے لئے صرف **یوتون** فرمایا چونکہ اسلام میں نماز و زکوٰۃ بڑا اہم فریضے ہیں جو ان کا پابند ہو گا وہ انشاء اللہ باقی فرائض کا بھی پابند ہو گا۔ اس لئے صرف ان دو کا ذکر ہوا باقی اسلامی ارکان حج و جہاد وغیرہ کا ذکر نہ ہوا **وھم رکعون** میں واؤ عاطفہ ہے اور جملہ **یوتون الزکوۃ** پر معطوف ہو کر **الذین** کا صلہ ہے۔ جملہ اسمیہ معطوف ہو سکتا ہے۔ جملہ فعلیہ پر یا واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ **یقیمون** اور **یوتون** دونوں فعلوں کے فاعل **ھم** کا حال ہے یا صرف **یوتون** کے فاعل سے **رکعون** بنا ہے رکوع سے ظاہر یہ ہے کہ یہاں رکوع۔ بمعنی عجز و نیاز اور دلی خشوع و خضوع ہے جیسے رب تعالیٰ نے جناب مریم سے فرمایا **وارکعی مع الراکعین** حالانکہ بنی اسرائیل کی نمازوں میں رکوع نہ تھا رکوع صرف اسلامی نمازوں میں ہے نیز حضرت مریم مردوں کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتی تھیں۔ پھر معیت کے کیا معنی لہٰذا وہاں بھی رکوع۔ بمعنی خشوع ہے یعنی تمہارے دوست وہ مسلمان بھی ہیں جو نمازیں قائم رکھتے زکوٰۃ دیتے ہیں۔ اس حالت میں کہ ان کے دلوں میں عجز و نیاز خشوع و خضوع ہوتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہو رکوع والی نماز پڑھتے ہیں۔ اسلامی نماز کے سواء کسی دین کی نماز میں رکوع نہ تھا **ومن یتول اللہ ورسولہ والذین امنوا** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں اللہ رسول اور مومنوں سے محبت کرنے کے خاص فائدے کا ذکر فرمایا جو دنیا و آخرت دونوں جہان میں حاصل ہوتا ہے۔ نیز پہلے یہ ذکر تھا کہ اللہ رسول اور مومنین تمہارے والی ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم بھی تو ان کے ولی بنو ان سے محبت ان کی اطاعت کرو تو اللہ کے ٹولہ میں آ تو

www.alahazratnetwork.org

گے۔ یہاں یتولی بنا ہے ولی سے۔ بمعنی محبت' قرب وغیرہ نہ کہ ولایت سے اس پر تمام کا اجماع ہے من سے مراد سارے مسلمان ہیں یہاں بجائے ضمیر کے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ اللہ رسول اور مسلمانوں کی دوستی کا منشا باشان ہونا معلوم ہو یہ پوری عبارت مبتداء۔ بمعنی شرط ہے خیال رہے کہ قرآن کریم نے اللہ رسول کی اطاعت کا بھی ذکر فرمایا جس کی جزا کامیابی ہے **ومن یطع اللہ ورسولہ فقد فاز فوزا عظیما** اور حضور کی اتباع کا ذکر بھی فرمایا جس کی جزا ہے محبت الٰہی **فاتبعونی یحببکم اللہ** مگر یہاں تولی کا ذکر فرمایا جس کا نتیجہ ہے اللہ کے ٹولہ میں آجانا تولی میں اطاعت' مدد' محبت' قرب سب داخل ہیں تولی میں بڑی وسعت ہے اس کا نتیجہ بہت شاندار ہے یعنی اللہ کی جماعت اس کے ٹولہ میں آجانا **فان حزب اللہ ھم الغلبون** یہ عبارت اس مذکورہ مبتدا کی خبر نہیں اس کی خبر پوشیدہ ہے یہ اس کی اس کی علت ہے **حزب** طاقتور جماعت کو کہتے ہیں ہر جماعت کو **حزب** نہیں کہا جاتا اس کی جمع ہے **احزاب** اس لئے لشکر کو بھی **حزب** کہا جاتا ہے **لما رای المومنون الاحزاب** یعنی جو کوئی اللہ رسول اور مسلمانوں سے دوستی کرے گا تو وہ دنیا و آخرت میں غالب رہے گا کیونکہ وہ اللہ کا ٹولہ ہو گا اور اللہ کا ٹولہ ہمیشہ غالب رہتا ہے۔ جیسے کوئی شخص حکومت کا رکن بن جاوے تو وہ حاکم بن جاتا ہے۔ اسے عزت حکومت سب کچھ مل جاتی ہے وہ راج کرتا ہے ایسے ہی جو اللہ کے ٹولہ میں آجاوے وہ اللہ کے ملک پر راج کرتا ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان ہوا۔ پانی' جنات پر راج کرتے تھے عیسیٰ علیہ السلام کی حکومت قرآن بیان فرما رہا ہے۔ ہمارے حضور عالم کے شہنشاہ ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو! اگر تم سے یہود الگ ہو گئے تمہارے مومن ہو جانے کی وجہ سے تو تم کیوں گھبراتے ہو تم تو اس سودے میں بڑے نفع میں رہے تمہارے دوست' مددگار محبوب اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور وہ سارے مسلمان ہیں جو نمازیں قائم رکھتے زکوۃ دیتے ہیں ان کے دل میں خشوع و خضوع عجز و نیاز کا دریا موجیں مارتا ہے۔ تم سے وہ مخلوق چھوٹی اللہ رسول ملے۔ تم سے فساق و فجار سرکش یہود الگ ہوئے یہ متقی پرہیزگار مسلمان قریب ہو گئے اب تم ان کے دوست ہو گئے وہ تمہارے دوست' خیال رکھو کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے دوستی و محبت رکھیں تو خواہ ظاہری لحاظ سے کمزور ہوں۔ تھوڑے ہوں بے سامان ہوں مگر جہاں بھر پر غالب رہیں گے۔ کیونکہ وہ تو اللہ کا ٹولہ ہو گئے اللہ کی جماعت اس کا ٹولہ سب پر غالب ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کی محبت و مدد عارضی و فانی نہیں بلکہ دائمی و باقی ہے زندگی و موت بعد موت ان کی امدادیں پہنچتی رہتی ہیں حتیٰ کہ ہمارے مرنے کے بعد مسلمان ہم کو ایصال ثواب وغیرہ سے مدد پہنچاتے رہتے ہیں اور صالح مومنین اولیاء اللہ اپنی قبور میں سے ہماری مددیں کرتے رہتے ہیں۔ قیامت میں مومنین ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے غرضیکہ جسمانی امدادیں عارضی ہیں جو ختم ہو جائیں گی۔ مگر روحانی امدادیں دائمی ہیں۔ جن کے لئے فنا نہیں **ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** جملہ اسمیہ دوام کے لئے ہے محبت ایمانی اور امداد ایمانی قرب ایمانی غیر فانی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

ضروری تنبیہ

اس آیت کریمہ سے بعض لوگوں نے حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی خلافت بلافصل یعنی ان کا پہلا خلیفہ ہونا اور تینوں خلافتوں کا ناجائز ہونا ثابت کیا وہ یہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں **انما** حقیقی حصر کا لفظ ہے اور **ولی** کے معنی ہیں والی متولی یعنی امیر و خلیفہ اور **وهم راكعون يوتون الزكوة** کے فاعل کا حال ہے اور آیت کے معنی یہ ہیں کہ اے مسلمانو تمہارے والی امام متولی صرف اور صرف اللہ رسول ہیں اور وہ مومن ہیں جو رکوع کی حالت میں زکوۃ دیتے ہیں اس آیت میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایک بار حضرت علی نماز کے رکوع میں تھے کہ کسی سائل نے سوال کیا آپ کے ہاتھ شریف میں ایک چاندی کی انگوٹھی تھی۔ آپ نے اسی رکوع کی حالت میں وہ انگوٹھی والی انگلی فقیر کی طرف کر دی اس نے یہ انگوٹھی اتار لی اللہ تعالیٰ نے جناب امیر المومنین کی یہ ادا ایسی پسند فرمائی کہ آپ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ جس میں مسلمانوں کو خطاب کیا گیا کہ تمہارا خلیفہ تمہارا والی امام صرف یہ ہی ہے جو رکوع کرتے کرتے زکوۃ بھی دے جس سے معلوم ہوا کہ ان کے سوا اور کوئی خلیفہ نہیں ہو سکتا وہی خلیفہ برحق ہیں۔ چنانچہ حاکم اور ابن مردویہ نے بروایت حضرت ابن عباس یہ واقعہ نقل فرمایا اور حضرت حسان نے جناب علی کے اس واقعہ کو اپنے کلام میں یوں نظم فرمایا **شعر:**۔

☆ ابا حسن نفديک نفسی ومحجتی ☆
☆ وكل بطی فی الهدی ومسارع! ☆
☆ ايذهب مدحيک المحبر ضائعا ☆
☆ وما المدح فی جنب الامه بضائع! ☆
☆ فانت الذی اعطيت اذ كنت راكعا ☆
☆ زكوة قدتک النفس باخير راكع! ☆
☆ فانزل فيک الله خير ولايته ☆
☆ واثبتها اثنا كتاب الشرائع! ☆

یعنی اے علی ابو الحسن آپ پر ہماری جانیں اور ہر ہدایت یافتہ قربان ہوں آپ کا مدح کو کبھی برباد نہ ہوگا۔ آپ ہی وہ ہیں جنہوں نے رکوع کرتے کرتے زکوۃ ادا کی۔ اے بہترین رکوع والے تم پر میری جان فدا اللہ تعالیٰ نے تمہارے بارے میں بہترین ولایت کی۔ آیت اتاری اور اسے قرآن جیسی شریعت کی کتاب میں محفوظ فرما دیا (از روح المعانی) لہٰذا حضرت علی کے سواء کوئی امام و خلیفہ نہیں۔ یہ ان حضرات کی انتہائی دلیل ہے۔ جسے ہم نے ان کی طرف سے اس طرح بیان کر دیا کہ شاید وہ بھی اس طرح بیان نہ کر سکیں۔

www.alahazratnetwork.org

جواب اس کے جوابات حسب ذیل ہیں۔ اولاً یہ کہ اگر یہ واقعہ درست ہو اور واقعی یہ اشعار حضرت حسان ہی کے ہوں کسی کے بناوٹی نہ ہوں تب بھی اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل نہیں ہوئی۔ ہم نے اس کا شان ابھی عرض کردیا جو تمام معتبر تفاسیر میں مذکور ہے اور حضرت امام محمد باقر کا فرمان بحوالہ نقل کردیا کہ یہ آیت کریمہ مہاجرین و انصار کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے کہا کہ ابوبکر صدیق کے متعلق بعض نے فرمایا کہ عام مسلمانوں کے متعلق۔ دوسرے یہ کہ یہاں ولی بمعنی دوست و محبوب و مددگار ہے نہ کہ بمعنی امیر و خلیفہ کیونکہ اگر یہاں ولی بمعنی خلیفہ اور امام ہو تو لازم آوے گا کہ اللہ تعالیٰ بھی خلیفہ ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی خلیفہ یہ تو محض باطل ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر ولی بمعنی امام و خلیفہ ہو تو یہ آیت کریمہ گزشتہ آیات اور آئندہ آیات سے بالکل بے جوڑ ہو جاوے گی کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ۔ پھر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مرتدین کی سرکوبی کے لئے ایسی جماعت لاوے گا جو مسلمانوں پر پست کفار پر سخت ہیں آگے آرہا ہے کہ جو اللہ رسول اور مسلمانوں سے محبت کرے گا وہ کامیاب ہے تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آگے پیچھے دوستی و محبت کا ذکر ہو اور بیچ میں ایک خلافت کا تذکرہ آجاوے۔ چوتھے یہ کہ پھر یہ آیت ان سائلین کا جواب نہ ہوگی۔ جن کے جواب میں یہ آیت آئی ہے ان بزرگوں کا سوال تو یہ تھا کہ اسلام لانے کی وجہ سے ہمارا کوئی دوست نہ رہا اور جواب دیا گیا کہ تمہارے خلیفہ علی مرتضیٰ ہیں۔ پانچویں یہ کہ اللہ رسول تو اس آیت کے نزول کے وقت ولی تھے اور حضرت علی اس وقت ولی یعنی خلیفہ نہ تھے۔ لہٰذا تمہاری تفسیر پر معنی یہ ہوئے کہ اللہ رسول تو فی الحال ولی ہیں اور یہ مومن یعنی علی آئندہ والی ہوں گے یہ معنی محض باطل ہیں۔ چھٹے یہ کہ اس تفسیر سے لازم آوے گا کہ صرف حضرت علی ہی خلیفہ اور امیر ہوں اور کوئی خلیفہ نہ ہو یعنی نہ حضرت امام حسن و حسین خلیفہ ہوں نہ دوسرے بارہ امام حالانکہ آپ حضرات بارہ امام مانتے ہیں۔ **انما** حصر کے لئے ہے اور حصر بھی حقیقی۔ ساتویں یہ کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ پر کبھی زکوٰۃ فرض ہی نہ ہوئی۔ آپ کی زندگی فقر و فاقہ میں گزری پھر آپ نے زکوٰۃ میں چاندی کا چھلہ کیسے دیا۔ یہاں زکوٰۃ دینے کا ذکر ہے (تفسیر کبیر) آٹھویں یہ کہ نماز کی حالت میں فقیر کی آواز سن لینا اور نماز بھی کس کی حضرت علی کی جن کو نماز میں جسم میں لگا ہوا تیر نکال لئے جانے کی خبر بھی نہ ہو۔ نماز کے خشوع و خضوع کے خلاف ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الذین هم فی صلاتهم خشعون**۔ نویں یہ کہ بحالت نماز صدقہ دینا اگر عمل کثیر سے ہو تو نماز باطل کردے گا اور اگر عمل قلیل سے ہو تو بھی کراہت سے خالی نہیں نماز میں کوئی حرکت و جنبش نہ چاہیے۔ حضرت علی یہ کیسے کرسکتے تھے اور رب تعالیٰ اس ناجائز یا مکروہ فعل کی تعریف کیسے فرماسکتا ہے۔ دسویں یہ کہ اگر ان تمام باتوں سے آنکھ بند کرلی جاوے تو بھی حضرت علی کی خلافت بلافصل کیسے ثابت ہوگی۔ کیونکہ اس آیت کے نزول کے وقت تو آپ خلیفہ تھے نہیں بعد میں ہوئے۔ اب بعد خواہ دو تین برس کا بعد ہو یا چوبیس تیس سال کا بعد اور واقعی ان تین خلفاء راشدین کے بعد آپ امیر المومنین خلیفہ برحق ہیں۔ گیارہویں یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب خلیفہ کے چناؤ پر غور کیا تو حضرت علی نے یہ آیت

www.alahazratnetwork.org

پیش نہ کی اور اس آیت سے اپنی خلافت کا استحقاق بیان نہیں فرمایا اور بعد میں بھی تینوں خلفاء کے دور میں کبھی حضرت علی نے اس آیت کی بنا پر اپنے کو خلیفہ ثابت نہ کیا اور تمام اہل بیت اطہار حضرت عبداللہ ابن عباس، امام حسن اور دیگر حضرات کی نظر بھی اس آیت پر نہ گئی کسی نے اس کے ذریعہ خلافت حیدری ثابت نہ کی۔ اب چودہ سو برس کے بعد شیعہ حضرات کو اس آیت کے یہ معنی سوجھے تو کیا یہ لوگ حضرت علی و ابن عباس و امام حسن سے زیادہ قرآن سمجھتے ہیں اگر ان بزرگوں نے تقیہ سے یہ آیت پیش نہ کی تو آپ لوگ تقیہ کیوں توڑتے ہیں۔ آپ بھی تقیہ کئے رہو۔ کبھی اس آیت کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ۔ لہذا حق یہ ہی ہے کہ اولاً تو یہ واقعہ ہی درست نہیں اگر درست ہو تو اس موقع پر اس آیت کریمہ کا نزول ماننا درست نہیں اور یہاں ولی بمعنی خلیفہ نہیں اور **وهم راكعون** حال نہیں اس کی تفسیر وہ ہی حق ہے جو ابھی عرض کی گئی۔ اس کی مکمل بحث تفسیر کبیر اور تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ملاحظہ فرماؤ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مددگار والی وارث ناصر ہیں جو کہے کہ خدا کے سواء کوئی مددگار نہیں وہ اس آیت کریمہ کا انکار کرتا ہے۔ لہذا اللہ رسول اور متقی مسلمانوں کو مددگار ماننا حکم قرآنی ہے۔ **دوسرا فائدہ** ہمیشہ مسلمانوں کو اپنی قوم سے ہی عزت ملے گی۔ اس قوم میں رہ کر غلبہ حاصل ہو گا۔ مسلم قوم سے کٹ کر کفار سے مل کر ذلت و رسوائی کے سواء کچھ حاصل نہ ہو گا۔ **تیسرا فائدہ** ایمان کے ساتھ تقویٰ ضروری ہے اور تقویٰ کے لئے نماز و زکوٰۃ ضروری ارکان ہیں۔ **چوتھا فائدہ** سارے متقی مسلمان اللہ کی جماعت ہیں اور انشاء اللہ تمام کفار پر غالب رہیں گے خواہ غلبہ جسمانی قوت کا ہو یا روحانی قوت کا دیکھو انہیں اللہ کی جماعت فرمایا گیا اور ان کے لئے غلبہ کا وعدہ فرمایا گیا۔ **پانچواں فائدہ** اللہ کے مقبول بندے اللہ کی طرف سے اللہ کے ملک پر راج کرتے ہیں۔ ان کی حکومت، بحر و بر شجر و حجر سب پر نافذ ہے۔ ان کے منہ سے جو نکلتا ہے وہی ہوتا ہے۔ اس پر قرآنی آیات احادیث صحیحہ شاہد ہیں یہ سب کچھ اس لئے نہیں کہ وہ اللہ ہو گئے بلکہ اس لئے کہ وہ اللہ کے ٹولہ میں آگئے وزیر اعظم سارے ملک پر حاکم ہے ڈپٹی کمشنر سارے ضلع کا کمشنر پوری کمشنری کا فرمانروا ہے یہ حکام بادشاہ نہیں بلکہ بادشاہ کے ٹولہ کے ہیں اسی طرح حضرات انبیاء اولیاء ملک الہی کے حاکم ہیں یہ فائدہ **حزب الله هم الغلبون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں **ولی** واحد کیوں ارشاد ہوا اولیاء کیوں نہ فرمایا گیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام مسلمانوں کو دوست بتایا گیا ہے۔ اس کے لئے اولیاء جمع لانا چاہیے تھا؟ **جواب** اس لئے کہ ان سب کی ولایت یکساں نہیں اللہ تعالیٰ کی محبت اصل مقصود ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اس محبت **الٰہیہ** کا وسیلہ ہے اور مسلمانوں سے محبت حضور کی محبت کا ذریعہ اصل مقصود ایک ہی محبت تھا۔ اس لئے ولی واحد ارشاد ہوا (دیکھو تفسیر کبیر)

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض محبت تو سارے رسولوں سے چاہیے پھر **رسولہ** واحد کیوں ارشاد ہوا جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ان تمام رسولوں کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ضمن میں ہے ہم ان حضرات کو اس لئے اپنا محبوب و ولی مانتے ہیں کہ حضور نے ان کی محبت کا حکم دیا جو آج جو کوئی حضور کو چھوڑ کر سارے نبیوں سے محبت کرے وہ کافر ہی ہے۔ دیکھو یہودی، عیسائی اپنے نبیوں سے محبت کرتے ہیں مگر ہیں کافر جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **امنوا باللہ ورسولہ** اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ۔ حالانکہ تمام نبیوں پر ایمان لانا ضروری ہے مگر چونکہ ان پر ایمان حضور پر ایمان کے ضمن میں ہے۔ اس لئے وہاں **رسولہ** واحد ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کے مددگار اور محبوب اللہ تعالیٰ۔ رسول اور سارے متقی مسلمان ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** تمہارا خدا کے سواء کوئی ولی اور مددگار نہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** تمہاری پیش کردہ آیت میں **من دون اللہ** سے مراد اللہ کے مقابل ہے اور اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے مقابل تمہارا کوئی ولی و مددگار نہیں کہ رب تعالیٰ تم کو سزا دینا چاہے اور وہ تم کو بچالے یہاں اللہ کے حکم سے مددگاروں کا ذکر ہے یا وہاں حقیقی مدد کا ذکر ہے۔ یہاں عام کا اور واقعی حقیقی مددگار وہی رب ہے۔ اس کے بنادینے سے اور بھی مددگار ہیں لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان اللہ کی جماعت ہیں اور اللہ کی جماعت غالب رہتی ہے مگر آج مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب** موجودہ مسلمان اپنے رستہ سے ہٹ گئے۔ تقویٰ اور رب تعالیٰ پر توکل بھول بیٹھے ورنہ **شعر**:۔

☆ کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں ☆

☆ یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں ☆

اب اس لئے گئے گزرے دور میں بھی دینی غلبہ مسلمانوں ہی کو ہے۔ قرآن تمام کتابوں پر غالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام و احترام و عزت تمام نبیوں کے نام و احترام پر غالب اسلام کی ہر چیز دوسروں کی تمام چیزوں پر غالب ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں انما ولیکم اللہ کیوں فرمایا گیا **ناصرکم یا محبوبکم** کیوں نہ ارشاد ہوا جب کہ ولی کے معنی بھی محبوب و ناصر ہیں۔ **جواب** اس لئے کہ ناصر میں مدد کا ذکر تو ہوتا محبت کا ذکر نہ ہوتا اور محبوب یا حبیب فرمانے میں محبت کا ذکر ہوتا۔ ناصر کا ذکر نہ ہوتا۔ ولی میں یہ دونوں چیزیں بیان فرمادی گئیں۔ ولی وہ ہے جو محبت کی بنا پر کسی کی مدد کرے اور آیت کریمہ کے معنی یہ ہوئے کہ تمہارے مددگار مع محبت یہ ہستیاں ہیں۔ بعض محب ہوتے ہیں مددگار نہیں ہوتے اور بعض مددگار ہوتے ہیں محب نہیں ہوتے۔ بعض مددگار بھی ہوتے ہیں محب بھی یہ تیسری جماعت ان دونوں سے زیادہ کرم والی ہے۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ تمہارے مددگار وہ مسلمان ہیں جو نماز قائم کرتے زکوٰۃ دیتے ہیں تو کیا بے نماز مسلمان اور بخیل مسلمان مددگار نہیں سارے ہی مسلمان مددگار ہیں خواہ نمازی ہوں یا بے نماز۔

www.alahazratnetwork.org

جواب یہ صفت کاشفہ ہے نہ کہ مخصصہ۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جن کے دین میں یہ نماز و زکوٰۃ نہیں وہ تمہارے مددگار نہیں تمہارے مددگار یہ مومن ہیں جن کے دین میں نماز ہے وہ بھی رکوع والی اور زکوٰۃ ہے۔ مومن اگر بے نمازی بھی ہو وہ بھی نماز و زکوٰۃ کو فرض جانتا ہے۔ اپنے کو گنہگار سمجھتا ہے اگر فرض نہ مانے تو کافر ہو جاوے لہٰذا وہ **ویقیمون الصلوٰة** کے ٹولہ میں سے ہے۔ **ساتواں اعتراض** رکوع تو نماز کا رکن ہے پھر نماز کے ذکر کے بعد رکوع کا ذکر کیوں کیا **وھم راکعون**۔ یہ عبارت زائد معلوم ہوتی ہے۔ **جواب** اگر رکوع سے مراد یہ ہی شرعی رکوع ہے جو نماز کا رکن ہے تب مطلب یہ ہو گا کہ وہ مومن تمہارے دوست ہیں جو رکوع والی نماز قائم کرتے ہیں یعنی امت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ رکوع صرف اسلامی نماز میں ہے پچھلی امتوں کی نمازوں میں رکوع نہ تھا اور اگر بمعنی خشوع و خضوع ہے تب معنی ظاہر ہیں کہ نماز سے بدنی عبادت کی طرف اشارہ کیا گیا اور زکوٰۃ سے مالی عبادت کی طرف اور رکوع سے دلی عبادت یعنی خشوع و خضوع کی طرف۔ مقصد یہ ہے کہ یہود ان عبادات سے خالی ہیں۔ مسلمان ان عبادات سے موصوف ہیں۔ یہود کی دوستی کے مقابل ان کی دوستی بے حد مفید ہے۔ **آٹھواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کا ٹولہ غالب ہے امام حسین اللہ کے ٹولہ میں تھے پھر یزید سے مغلوب کیوں ہو گئے۔ **جواب** حضرت امام حسین ہرگز مغلوب نہیں ہوئے کربلا میں جیت آپ کی ہی ہوئی ہار یزید کی۔ مسلمان مارے تو بھی جیت اس کی ہے مرے تو بھی وہی جیتا ہے لوٹ لائے تو وہ جیتے لٹ جاوے تو وہ جیتے۔ جیت ہوتی ہے مقصد جنگ حاصل ہونے سے حضرت حسین کی جنگ کا مقصد بادشاہت حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ یزیدی بدعنوانیوں کے ٹکڑے اڑانا تھا وہ آپ نے شہید ہو کر لٹ کر پٹ کر حاصل کر لیا۔

تفسیر صوفیانہ ہمارا ولی اللہ تعالیٰ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور مومن متقی بھی مگر اللہ تعالیٰ کو ولی ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے غافل کرنے والی چیزوں سے نفرت و عداوت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ولی ماننے کے معنی یہ ہیں کہ اپنی نفس و ہوا سے نفرت و عداوت ہو جب تک یہ دونوں صفت رسول کے تابع نہ ہو جاویں اور مومنوں کو ولی ماننے کے معنی یہ ہیں کہ انہیں اپنا دینی بھائی مانے اور جو اپنے لئے پسند نہ کرے۔ ان کے لئے بھی پسند نہ کرے۔ خیال رکھو کہ ظاہری و باطنی دشمنوں پر فتح و نصرت اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ ظاہری دشمن جن و انس ہیں باطنی دشمن خود ہمارا اپنا نفس ہے جو ہر دم ہمارے ساتھ ہے۔ شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے یہ موذی لاحول سے بھی نہیں بھاگتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے فرمایا اے بندو میں تم سے کل کے اعمال آج نہیں مانگتا تم مجھ سے کل کی روزی آج کیوں مانگتے ہو۔ مجھ پر توکل کیوں نہیں کرتے میں تمہارا رزق دوسرے کو نہیں دیتا۔ تم میری عبادت دوسرے کے لئے کیوں کرتے ہو تم میرا رزق کھا کر میرے ناشکرے اور دوسروں کے شکر گزار کیوں بنتے ہو مجھ سے جنگ اور دوسروں سے صلح کیوں کرتے ہو۔ عزت کا مالک میں ہوں تم دوسروں سے عزت کیوں مانگتے ہو میں نے دوزخ کافروں

www.alahazratnetwork.org

کے لئے بنائی تم اس میں چھلانگ کیوں لگاتے ہو۔ جسارت کا انجام خسارت ہے نفس ظلمانی چیز ہے اس سے تم کو ظلمت ہی ملے گی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ عکس نورانی ہمہ روشن بود! ☆ عکس ظلمانی ہمہ گلخن بود!! ☆
☆ عکس ہرکس رابداں اے دوربیں ☆ پہلوئے جنسے کہ خواہی ہم نشین ☆

اللہ رسول تو تمہارے ولی ہیں تم بھی کوشش کرو کہ ان کے ولی ہو اولیاء اللہ کی دوستی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت وولایت نصیب ہوتی ہے اور حضور کی محبت سے اللہ تعالیٰ کی محبت ونصرت میسر آتی ہے تم ان کی محبت سے اللہ کی جماعت میں آسکتے ہو۔ اور جب اللہ کی جماعت میں آگئے تو پھر نصرت وغلبہ تمہارا ہی ہے۔ (از روح البیان وعرائس البیان) صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ جیسے دنیاوی نعمتیں ساری کی ساری رب کا عطیہ ہیں مگر ان میں سے بعض بلاواسطہ ملتی ہیں۔ براہ راست رب کی طرف سے جیسے دھوپ۔ ہوا آسمان کا سایہ۔ بارش بعض نعمتیں واسطہ سے ملتی ہیں جیسے روٹی' پانی' پھل فروٹ دولت وغیرہ بلاواسطہ نعمتیں کسی سے نہ مانگی جاویں نہ خریدی جاویں واسطہ والی نعمتیں واسطوں سے مانگی بھی جاتی ہیں خریدی بھی جاتی ہیں۔ دھوپ ہوا کی نہ بھیک مانگی جاوے نہ روپیہ دو روپیہ سے ہوا دھوپ خریدی جاوے مگر روٹی پانی کی بھیک بھی مانگی جاتی ہے۔ خریدی بھی جاتی ہے یوں ہی روحانی نعمتیں بعض بغیر واسطہ ملتی ہیں۔ جیسے فطری ایمان وغیرہ بعض رسول کے واسطہ سے جیسے ایمان' قرآن' کلمہ وغیرہ بعض نعمتیں مسلمانوں کے واسطہ سے ملتی ہیں۔ جسے ایصال ثواب وغیرہ پہلی نعمتوں کے لئے فرمایا گیا۔ **ولیکم اللہ** دوسری نعمتوں کے متعلق ارشاد ہوا **ورسولہ** تیسری نعمتوں کے متعلق ارشاد ہوا **والذین امنوا** اور ایمان قرآن حتی کہ جنت وغیرہ جیسی نعمتیں حضور سے مانگنا جائز ہیں کہ یہ نعمتیں حضور کے واسطہ سے ملی ہیں۔

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ بناؤ ان لوگوں کو جنہوں نے تمہارے دین کو ٹھٹھا اور کھیل کود بنا لیا ان

اے ایمان والو جنہوں نے تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا لیا ہے وہ جو تم سے

الَّذِينَ اُوتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ

لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور کافروں کو دوست اور ڈرو اللہ سے اگر

پہلے کتاب دیئے گئے اور کافر ان میں کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ اور اللہ سے

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ۝٥٧ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا

ہو تم ایمان والے اور جب تم پکارتے ہو نماز کی طرف تو بناتے ہیں وہ اسے

ڈرتے رہو اگر ایمان رکھتے ہو اور جب تم نماز کے لئے اذان دو تو اسے ہنسی کھیل

www.alahazratnetwork.org

وَلَعِبًا ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾
ٹھٹھا اور کھیل کو د اور یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ قوم ہے نہیں عقل رکھتی
بناتے ہیں یہ اس لئے ہے کہ وہ نرے بے عقل لوگ ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کو دوست بنانے سے منع فرمایا گیا۔ اب سارے کفار کی دوستی سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے۔ کیونکہ کوئی کافر مسلمان کا دوست نہیں ہو سکتا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور متقی مسلمانوں کی دوستی و محبت کا ذکر ہوا۔ اب ان کے مقابل کفار سے نفرت و عداوت کا ذکر ہے گویا کرنے والی چیز کا ذکر پہلے تھا اور نہ کرنے والی چیز کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ رسول کی ولایت و دوستی کا ذکر تھا اب اس دوستی کی شرط کا ذکر ہے یعنی دشمنان دین سے عداوت کرنا کہ اس کے بغیر اللہ رسول کی محبت ناممکن ہے۔ گویا دوستی کا ذکر پہلے تھا اور اس کی شرط کا ذکر اب ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں ان ہستیوں کا ذکر تھا جن کی دوستی و محبت دین و دنیا میں فائدہ مند ہے اب ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جن کی دشمنی ان سے نفرت دین و دنیا میں مفید ہے۔ گائے بھینس کا پالنا مفید ہے سانپ بچھو کو مار دینا فائدہ مند کفار زہریلے جانور ہیں جن سے دوری مفید ہے۔

شان نزول سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رفاعہ ابن زید ابن تابوت اور سوید ابن حارث یہ دونوں بہت چرب زبان شیریں گفتار تھے بظاہر مسلمان ہو گئے تھے مگر دل میں کافر تھے۔ یعنی منافق تھے مسلمانوں کو ان کا نفاق معلوم ہو گیا تھا مگر پھر بھی بعض سادہ لوح مسلمان ان سے محبت رکھتے ان سے تعلقات قائم کیے ہوئے تھے ان کی فہمائش کے لئے پہلی آیت کریمہ **یایها الذین امنوا لا تتخذوا** الخ نازل ہوئی (خازن روح المعانی۔ کبیر وغیرہ) ۲ بیہقی شریف نے دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ جب موذن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذان دیتے اور مسلمان نماز کو مسجد نبوی شریف میں جاتے تو بعض یہودی کہتے **قاموا لا قاموا** یعنی یہ لوگ نماز کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔ خدا کرے اٹھنے کے لائق نہ رہیں اور جب مسلمان رکوع و سجود کرتے تو یہود مذاق اڑاتے کہ دیکھو ان کی وضع کہ سر نیچا چوتڑ اونچے کئے پڑے ہیں۔ ان کے متعلق یہ دوسری آیت **واذا نادیتم** الخ نازل ہوئی۔ ۳ ابن جریر نے سدی سے روایت کی کہ مدینہ منورہ میں ایک عیسائی تھا۔ جب موذن کہتا **اشهد ان محمد رسول اللّٰه** تو وہ کہتا کہ جھوٹا جل جاوے۔ ایک شب اس کا خادم گھر کی آگ بجھانا بھول گیا اور سب گھر والے سو گئے آگ کی چنگاری اڑی اور گھر میں آگ لگ گئی۔ اس کے سارے گھر والے اور وہ خود جل کر راکھ ہو گئے۔ اس موقع پر یہ دوسری آیت نازل ہوئی (خازن کبیر روح المعانی وغیرہ) ۴ مدینہ کے یہود و منافقین جب اذان کی آواز سنتے تو حسد کی آگ میں جل جاتے ایک دن یہ لوگ حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر بولے کہ آپ نے یہ اذان ایسی چیز ایجاد کی ہے جو کسی دین میں نہ تھی۔ آپ دعویٰ نبوت کرتے ہیں مگر سارے نبیوں کی مخالفت کرتے ہیں۔ اگر اذان اچھی چیز ہے تو دوسرے نبیوں نے کیوں رائج نہ کی یہ اونٹ کی سی آواز میں مرغ کی سی بانگ بہت بری معلوم ہوتی ہیں۔ ان کی تردید میں یہ دوسری آیت **واذا نادیتم** نازل ہوئی (تفسیر خازن)

تفسیر **یایھا الذین امنوا** چونکہ تمام کفار سے علیحدگی ان سے دوستی نہ رکھنا ایمان کی حفاظت کا ذریعہ بھی ہے اور بظاہر بہت مشکل بھی اس لئے رب تعالیٰ نے پہلے مسلمانوں کو پکارا پھر یہ حکم سنایا تاکہ اس نداء سے یہ دشوار کام آسان ہو جاوے اس خطاب میں سارے ہی مسلمان داخل ہیں۔ کسی وقت کے ہوں کسی جگہ کے یہاں **امنوا** فرمانے میں اس حکم کی وجہ کی طرف اشارہ ہے کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ کفار سے دوستی نہ رکھی جاوے ایمان و کفر' نور و ظلمت ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں چونکہ تم مومن ہو اس لئے سب سے کٹ کر صرف ہمارے ہو رہو۔ **لا تتخذوا الذین اتخذوا دینکم ھزوا ولعبا۔ لا تتخذوا** اور **اتخذوا** یہ دونوں بنے ہیں **اتخاذ** سے جس کا مادہ **اخذ** ہے۔ بمعنی لینا۔ پکڑنا' بنانا یہاں بمعنی بنانا ہے یہ دو مفعول چاہتا ہے **لا تتخذوا** کا پہلا مفعول **الذین** ہے اور دوسرا مفعول ہے **اولیاء** اور **اتخذوا** کا پہلا مفعول ہے **دینکم** اور دوسرا مفعول **ھزوا ولعبا۔ الذین** سے سارے کفار و منافقین مراد ہیں۔ جس کا بیان آرہا ہے **من الذین** الخ **ھزوا** اور **لعب** بمعنی **ھزوا** اور **ملعوب** ہے یعنی وہ شی جس کا مذاق و دل لگی بنایا جاوے جس پنجابی میں کہتے ہیں بٹ۔ **ھزوز** کے ضمہ سے بھی آتا اور سکون سے بھی ہماری قراۃ میں ضمہ سے ہے لعب متقابل ہے جد کا ھزو زبان سے ہوتا ہے لعب دل و نیت سے یعنی جن لوگوں نے تمہارے دین یعنی اسلام کو مذاق و دل لگی بنالیا ہے کہ جب چاہا تمہارے پاس آکر مسلمان بن گئے اور جب چاہا کافروں میں جاکر کافر بن گئے۔ دین کو مذاق و دل لگی بنا رکھا ہے۔ ایسوں کو دوست نہ بناؤ یہاں مسلمانوں کی غیرت کو چیلنج کیا گیا ہے کہ کوئی سعید بیٹا اسے دوست نہیں بناتا جو اس کے ماں یا باپ یا بزرگوں کا مذاق اڑائے اگر انہیں دوست بنائے تو لوگ اس کو ملامت کرتے ہیں تو تم ایسے لوگوں کو دوست کیوں بناتے ہو جو تمہارے دین کا مذاق اڑائیں۔ دین کا مذاق اڑانے کی بہت صورتیں ہیں۔ اسلام کا براہ راست مذاق اڑائیں یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر طعن کریں یا اسلام کے عقیدے یا عمل کا مذاق اڑائیں۔ **من الذین اوتوا الکتب من قبلکم والکفار اولیاء۔ من** بیانیہ ہے اور یہ عبارت **الذین** کا بیان ہے اگرچہ اہل کتاب بھی کافر ہیں مگر چونکہ ان کے احکام مشرکین کے احکام سے ہلکے ہیں کہ ان کا ذبیحہ حلال ہے ان کی عورتوں سے مسلمانوں کا نکاح درست ہے۔ اس لئے انہیں علیحدہ بیان فرمایا گیا۔ لہٰذا **الکفار** سے مراد مشرکین ہوں گے اولیاء جمع ہے ولی کی۔ بمعنی دوست و محبوب خیال رہے کہ یہ من تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے اور اس سے تمام اہل کتاب و مشرکین مراد ہیں۔ جو ہمیشہ قولاً عملاً تحریراً اسلام کا مذاق اڑاتے ہی رہتے ہیں **واتقوا اللہ ان کنتم مومنین**۔ یہ دوسرا حکم ہے **تقویٰ** کے معنی اور اس کے اقسام و احکام بارہا

www.alahazratnetwork.org

بیان ہو چکے ہیں۔ چونکہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ اس لئے یہاں تقویٰ کے معنی ڈرنا ہے۔ بچنا نہیں۔ **مومنین** سے مراد سچے و پکے مومن ہیں اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے۔ جس پر **اتقوا اللہ** دلالت کرتا ہے یعنی اگر تم سچے و پکے مومن ہو تو اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہو اور دشمنان دین کو دوست نہ بناؤ **واذ نادیتم الی الصلوۃ** یہ ان کے دوسرے جرم کا ذکر ہے **نادیتم** بنا ہے **نداء** سے ۔ معنی پکارنا یہاں اس سے نماز کی اذان مراد ہے۔ اگرچہ موذن ایک ہی ہوتا ہے مگر چونکہ یہ کام تمام مسلمانوں کا ہے اس لئے **نادیتم** جمع حاضر ارشاد ہوا اور یہاں باب مفاعلہ مقابلہ کے لئے نہیں یا **نداء** سے مراد نماز کے لئے ایک دوسرے کو پکارنا ہے کہ چلو نماز کو چونکہ یہاں **نداء** میں بلانے کے معنی ملحوظ ہیں۔ اس لئے اس کے بعد الی ارشاد ہوا یعنی جب تم نماز کی طرف بلانے کے لئے اذان دیتے ہو یا ایک دوسرے کو نماز کی طرف بلاتے پکارتے ہو تو **اتخذوھا ھزوا ولعبا۔ ھا** کا مرجع **نادیتم** کا مصدر یعنی **نداء** و اذان ہے **ھزوا** اور **لعبا** کے معنی بھی عرض کئے گئے یعنی یہ لوگ اذان کا مذاق اڑاتے ہیں یا تو اس کی نقل بناتے ہیں یا نمازیوں پر آوازے کستے ہیں **ذلک بانھم قوم لا یعقلون۔ ذلک** سے مراد ان کا مذاق اڑانا ہے۔ **ھم** کا مرجع وہی یہود و عیسائی اور دوسرے کفار ہیں یعنی ان لوگوں کا یہ مذاق اڑانا اسی لئے ہے کہ ان لوگوں میں وہ عقل نہیں جو حق و باطل کے درمیان فرق کر دے یہ دینی معاملہ میں جانوروں سے بدتر ہیں اگرچہ دنیاوی کاروبار میں بڑے دانا و عاقل ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے مسلمانو تم یہود و نصاریٰ وغیرہ اہل کتاب ان کے علاوہ اور کفار کو اپنا دوست نہ بناؤ انہیں یار نہ سمجھو یہ تو وہ ہیں جو تمہارے دین اسلام کا مذاق اڑاتے ٹھٹھا کرتے ہیں۔ جو تمہارے دین کے دشمن ہیں۔ وہ تمہارے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر تم سچے و پکے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو۔ قولاً "اعتقاداً" عملاً" ہر طرح متقی رہو۔ متقی مزد کہ تقویٰ ایمان کا زیور ہے ان لوگوں کی بدباطنی کا یہ عالم ہے کہ جب تم نماز کی اذان دیتے ہو یا ایک دوسرے کو نماز کے لئے بلاتے ہو تو تمہاری اذان تمہارے اس بلاوے کا مذاق اڑاتے ہیں یہ بہت ہی بے عقل لوگ ہیں اتنا نہیں سمجھتے کہ تمام دینوں کے اعلانات سے اسلامی اذان ہر طرح نہایت اعلیٰ و بالا ہے۔ مشرکین کے سنکھ عیسائیوں کے گھنٹ یہودیوں کے ناقوس کی بے معنی آوازوں سے اسلامی اذان کی آوازیں کیسی اعلیٰ و افضل ہیں کہ ان میں اللہ کی حمد نبی کی نبوت کا اعلان بھی ہے۔ نماز کا بلاوا بھی۔ نماز کے فوائد کا اعلان بھی ہے۔ جس سے نماز کی ترغیب ہوتی ہے ایسی پیاری چیز کا جو قوم مذاق اڑائے وہ تمہاری دوست کب ہو سکتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** دلی تصدیق کے بغیر کلمہ پڑھنا اور حقیقت اسلام کا مذاق اڑانا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے منافقوں کی اس حرکت کو **ھزوا** اور لعب فرمایا۔ **دوسرا فائدہ** ہر کلمہ گو مسلمان نہیں جب تک کہ اس کے عقائد درست نہ ہوں۔ دیکھو کلمہ گو منافقوں کو رب تعالیٰ نے کفار فرمایا۔ **تیسرا فائدہ** منافقوں بے دینوں سے محبت کرنا مسلمان کے لئے حرام ہے۔ یہ فائدہ **لا تتخذوا الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** انسان کا

www.alahazratnetwork.org

دل گویا لوہا ہے۔ اچھے اور مقبول بندے پارس ہیں۔ برے لوگ گویا تر زمین ہیں اگر لوہا پارس سے لگ جاوے تو سونا ہو جاتا ہے لیکن اگر تر زمین میں رہے تو زنگ آلود ہو کر بیکار مٹی ہو جاتا ہے جس سے کچھ نہیں بن سکتا۔ اچھوں سے الفت بروں سے نفرت دل کا بہترین علاج ہے۔ **پانچواں فائدہ** اذان کا ثبوت قرآن سے مجید سے ہے جیسا کہ **نادیتم الی الصلوٰۃ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔ جو کہے کہ اس کا ثبوت صرف حدیث سے ہے۔ غلط ہے دوسرے مقام پر قرآن کریم فرماتا ہے **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ** وہاں بھی اذان جمعہ کا ذکر ہے۔ **چھٹا فائدہ** نماز پنج گانہ میں سے ہر نماز کے لئے اذان سنت ہے خواہ جماعت ہو یا نہ ہو یہ فائدہ **الی الصلوٰۃ** سے حاصل ہوا کہ یہاں **الی جماعۃ الصلوٰۃ** نہ فرمایا لہذا جنگل میں اکیلا نمازی اور غیر آباد مسجد میں اکیلا نماز پڑھنے والا بھی اذان کہہ کر نماز پڑھے۔ **ساتواں فائدہ** اللہ کے مقبول بندوں کے خواب شرعاً معتبر ہیں۔ دیکھو اذان اور اس کے الفاظ حضرت عبداللہ ابن زید اور عمر فاروق وغیرہم صحابہ کرام نے خواب میں ہی دیکھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہ اذان قائم فرمائی اور قرآن مجید نے بھی اسی اذان کا اعتبار فرمایا رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **آٹھواں فائدہ** کسی دینی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے اذان کا مذاق اڑانے والوں کو کافر قرار دیا۔ لہذا عالم دین، مسجد، کعبہ معظمہ، نماز، رمضان کسی چیز کا مذاق اڑانا انہیں ہلکا جاننا کفر ہے۔ پھر حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا کیا پوچھنا جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے۔ **نواں فائدہ** اذان کی بے حرمتی کرنا بڑی پرلے درجے کی حماقت ہے جیسا کہ **لا یعقلون** سے معلوم ہوا تمام دینوں میں اعلانات کے طریقے مروج ہیں مگر نہایت بھدے اور بے ڈھنگے۔ مشرکین کے سنکھ گرجے کی گھنٹ سے بچے ڈر جاتے ہیں۔ اذان وہ پیاری چیز ہے کہ اگر صحیح اور خوش الحانی سے دی جاوے تو کفار بھی رو پڑتے ہیں۔ خود میں نے قرآن کی تلاوت اور اذان پر لوگوں کو روتے ہوئے دیکھا ہے۔ **دسواں فائدہ** کافر کتنا ہی عاقل و سمجھدار ہو مگر اللہ کے نزدیک بے عقل ہے۔ مومن کیسا ہی سیدھا سادھا ہو اللہ کے نزدیک عقل مند ہے یہ فائدہ **قوم لا یعقلون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو کافر و اہل کتاب اسلام کا مذاق اڑائیں۔ صرف انہیں ہی دوست نہیں بنانا چاہیے تو جو کفار ایسے نہ ہوں ان سے دوستی محبت سب جائز ہے حالانکہ علماء فرماتے ہیں کہ کسی کافر سے دوستی جائز نہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یہ قید بیان کے لئے ہے۔ اور اس میں دوست نہ بنانے کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے کہ تمام کفار خواہ کتابی ہوں یا غیر کتابی سب ہی اسلام کو دل لگی و مذاق سمجھتے ہیں۔ ان میں سے کسی سے دوستی جائز نہیں دیکھو رب تعالیٰ نے سورہ فتح کے آخر میں تمام صحابہ کرام کے فضائل بیان فرمائے **والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینھم** الخ مگر آخر میں فرمایا **وعد اللہ الذین اٰمنوا وعملوا الصٰلحٰت منھم مغفرۃ واجرا عظیما۔** اللہ نے ان سے مومنین و متقین سے بخشش اور بڑے ثواب کا وعدہ فرمایا وہاں بھی مطلب یہ نہیں ہے کہ بعض صحابہ ایمان و تقویٰ سے خالی نہیں بلکہ وہاں بھی وجہ مغفرت کا ذکر ہے کہ ان سب مومنین و متقین سے یہ

www.alahazratnetwork.org

وعدے ہو چکے دیکھو تو اس سے پہلے فرمایا جا چکا ہے **لا تتخذوا الیھود والنصری اولیاء** دوسری جگہ ارشاد ہے **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء** وہاں بغیر قید ہر کافر سے دوستی کی ممانعت فرمادی گئی۔ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہیں۔

نوٹ ضروری موجودہ لاہوری قادیانی اس آیت سے دھوکہ دیتے ہیں۔ دیکھو ان کی تفسیر بیان القرآن یہ کہ آیت وہ کہتے ہیں کہ ان کفار سے دوستی جائز ہے جو اسلام کا مذاق نہ اڑاتے ہوں۔ **دوسرا اعتراض** اگر کسی کافر سے دوستی جائز نہیں تو آج مسلمان زندہ کیونکر رہیں آج مسلم سلطنتیں امریکہ' روس' چین وغیرہ کے تعاون و مدد سے چل رہی ہیں۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب ابھی پہلے **لا تتخذوا الیھود والنصری اولیاء** کی تفسیر میں گزر گیا کہ دوستی اور چیز ہے۔ تعاون و مدد دوسری چیز۔ تعلقات برو قسط۔ تجارتی معاملات اور چیز ہے اداء حقوق کچھ اور اسلام نے کفار سے محبت کرنے کو حرام فرمایا۔ تعاون' تعلقات اداء حقوق سے منع نہ فرمایا۔ جب اہل کتاب عورتوں سے نکاح جائز ہے تو ظاہر ہے کہ اس کے حقوق ادا کرنا پڑیں گے مگر دلی محبت اس سے بلکہ کافر ماں باپ سے بھی حرام ہے دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے کفار عزیزوں کو کیسا صاف جواب دیا۔ **فانھم عدولی الا رب العلمین** **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اذان صرف نماز کے لئے ہونی چاہیے تو فرمایا گیا اذا نادیتم الی الصلوۃ تم لوگ بچے کے کان میں مردہ کو دفن کرکے قبر پر۔ وبائی بیماریوں میں اذان کیوں کہتے ہو۔ **جواب** آیت کریمہ میں حصر کا لفظ کوئی نہیں یہ تم نے اپنی طرف سے لگایا ہے ہر نماز کے لئے اذان نہیں دیکھو نماز عید' نماز استسقاء' نماز کسوف کے لئے اذان نہیں۔ اور صرف نماز سے اذان خاص نہیں اذان آئی ہے نماز کے اعلان کے لئے مگر اس میں اور بہت سے فائدے ہیں۔ آنکھیں دی ہیں۔ رب نے دیکھنے کے لئے مگر اس سے روتے بھی ہیں۔ اشارے بھی کرتے ہیں۔ خوشی و غم کا اظہار بھی جب دنیاوی چیزوں میں بہت فائدے ہوتے ہیں۔ اذان تو اللہ کا ذکر ہے اس میں بہت فوائد ہیں اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **چوتھا اعتراض** یہاں اس آیت میں **نادیتم الی الصلوۃ** فرمایا گیا اور سورہ جمعہ میں **اذا نودی للصلوۃ** فرمایا گیا یعنی یہاں الی ہے اور وہاں لام اس فرق بیان میں حکمت کیا ہے دونوں جگہ یکساں ذکر کیوں نہیں۔ **جواب** اس فرق میں صدہا حکمتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ ہے کہ نماز پنج گانہ کی اذانیں نماز کی طرف بلانے کے لئے ہوتی ہیں اس لئے یہاں الی ارشاد ہوا جمعہ کی پہلی اذان جس سے تجارت و کاروبار کرنا حرام ہو جاتے ہیں۔ وہ تیاری نماز کے لئے ہوتی ہے نہ کہ نماز کے لئے نماز میں ابھی دیر ہوتی ہے۔ دوسری اذان نماز کے لئے ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں **للصلوۃ** ارشاد ہوا یہ اذان سن کر مسلمان کاروبار بند کرکے غسل تبدیلی لباس وغیرہ میں مشغول ہوتے ہیں اور بھی بہت حکمتیں ہیں۔ نماز پنج گانہ سب پر فرض ہے۔ نماز جمعہ دیہاتیوں' غلاموں' مسافروں' معذوروں پر فرض نہیں نہ ان لوگوں پر اذان جمعہ سن کر سعی واجب اس لئے وہاں **للصلوۃ من یوم الجمعۃ** ارشاد ہوا کہ جس کے حق میں وہ اذان **للصلوۃ** ہے اس پر سعی واجب ہے دوسروں پر نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ انسان کا دل گویا سیاہی چوس لینے والا کاغذ ہے۔ جیسے وہ کاغذ جس قسم کی سیاہی سے لگایا جاوے وہ رنگ خود لے لیتا ہے دل بھی جس سے الفت رکھے اس کا رنگ لے لیتا ہے۔ دل تین طرح سے کسی کا رنگ لیتا ہے۔ الفت سے صحبت سے چرچہ سے۔ اچھوں کی الفت اچھوں کی صحبت اچھوں کا چرچا دل کو اچھا کر دیتا ہے۔ بروں کی صحبت یا الفت یا ان کا چرچا دل کو برا بنا دیتا ہے۔ حضور کا رنگ صحابہ کرام نے صحبت سے بھی لیا۔ ہم بعد کے لوگ حضور کی محبت و چرچا سے حضور کا رنگ لیں جیسے جسم کا گندا مسجد 'نماز' قرآن 'کعبہ کے قابل نہیں کیچڑ میں لتھڑا ہوا اعلیٰ فرش پر آنے کے لائق نہیں یوں ہی دل کا گندا بے رنگا مسجد قرب الٰہی کے لائق نہیں اگر اس مسجد میں حاضری کی تمنا ہے تو دل کو اچھوں کے رنگ میں رنگو۔ جس چراغ میں تیل بتی ہو وہ اگر روشن چراغ سے مس ہو جائے تو روشن ہو جاتا ہے۔ بجھے ہوئے چراغ سے مس ہونا بیکار ہے انسان کے دل میں فطرت کا تیل بتی موجود ہے کسی روشن سے محبت رکھو تاکہ خود بھی روشن دل ہو جاؤ۔ بجھے ہوؤں کے پاس جانے سے کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ کفار کو دوست نہ بناؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حق کی اذان اہل حق ہی سنتے ہیں رب کی طرف سے بہت سی اذانیں ہوئیں عالم ارواح میں توحید کی اذان **الست بربکم** حضور کی نبوت کی اذان **لتؤمنن به ولتنصرنه** دنیا میں حضرت خلیل کی معرفت حج کی اذان **وناد فی الناس بالحج** معراج کی رات بیت المقدس میں حضور کی امامت انبیاء کی اذان بیت المعمور میں حضور کی امامت ملائکہ کی اذان۔ **شعر:**

☆ بغور سر اسامیہ بندھا یہ سدرہ اٹھا وہ عرش جھکا ☆
☆ صفوف سمانے سجدہ کیا ہوئی جو اذان تمہارے لئے ☆

جس نے ازل کی اذان دل کے کان سے سن لی ہے اور محبت کے تلبیہ سے اس کا جواب دے دیا ہے وہ یہ اذان بھی سن کر حاضر بارگاہ ہو جاتا ہے جو اس اذان کے قبول سے محروم رہا وہ یہ اذان کیسے سنے وہ تو اس کا مذاق ہی اڑائے گا۔ جس کی روح میں صفا نہیں اس کے لئے بقا کہاں سے آوے۔ لطف جب ہے کہ کان اذانیں سنیں دل رحمان کی طرف متوجہ ہو جاوے روح حاضر ہو جاوے۔ اے مومنو ایسے غافلوں سے جو اس اذان کا مذاق اڑائیں دور رہو یہ لوگ بے نور بے عقل ہیں۔ جو عقل یار تک نہ پہنچاوے وہ عقل شیطانی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ **شعر:**

☆ کشتی بے لنگر آمد مرد شر ☆ کہ ز باد کژ نیابد او حذر ☆
☆ لنگر عقل است عاقل را اماں ☆ لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں! ☆

یعنی بے لنگر والی کشتی میں نہ بیٹھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے دنیا کی کشتی میں عقل کے لنگر سے کام لو اور عقل کا لنگر عاقلوں یعنی

اللہ والوں کی دوکان سے خریدو۔ یہاں تفسیر روح البیان میں ہے کہ اذان بڑی اعلیٰ عبادت ہے اور موذن بڑی خوش نصیب جماعت جنت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر انبیاء کرام پھر حضرت بلال مع بیت المقدس و بیت اللہ و مسجد نبوی کے موذنوں کے جائیں گے۔ اذان میں **اشهد ان محمدا رسول الله** سن کر انگوٹھے چوم کر آنکھوں سے

www.alahazratnetwork.org

لگانا دین و دنیا میں فائدہ مند ہے۔ فقیر احمد یار غفرلہ القدیر کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت بلال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے آگے ہٹو بچو کرتے جنت میں داخل ہوں گے معراج کی رات جو حضور انور نے اپنے آگے حضرت بلال کے قدم کی آہٹ سنی تھی یہ وہی تھی جو بعد قیامت جنت میں داخلہ کے وقت ہو گی۔ حواس انبیاء آئندہ آوازوں کو بھی سن لیتے ہیں۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّاۤ اِلَّاۤ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْنَا

فرما دو آپ اے کتاب والو نہیں ناراض ہوتے ہو تم ہم سے مگر اس لئے کہ ایمان لائے ہم اللہ پر اور اس پر جو

تم فرماؤ اے کتابیو تمہیں ہمارا کیا برا لگا یہی نہ کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہماری طرف اترا

وَ مَاۤ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ

اتارا گیا طرف ہمارے اور جو اتارا گیا پہلے سے اور بے شک بہت سے تم میں سے بدکار ہیں فرما دو کہ کیا خبر دوں میں تم کو

اور اس پر جو پہلے اترا اور یہ کہ تم میں سے اکثر بے حکم ہیں تم فرماؤ کیا میں بتاؤں جو اللہ کے

بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَ غَضِبَ عَلَیْهِ

شر کی اس سے زیادہ لوٹنے کے لحاظ سے پاس اللہ کے وہ کہ پھٹکار کر دی اس پر اللہ نے اور غضب کیا اوپر اس

یہاں اس سے بدتر درجہ ہے وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور ان پر غضب فرمایا اور ان میں

وَ جَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَ الْخَنَازِیْرَ وَ عَبَدَ الطَّاغُوْتَ ؕ اُولٰٓىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا

کے اور بنا دیئے ان میں سے بندر اور سور اور پوجنے والے شیطان کے یہ لوگ ہیں بہت بری جگہ میں

سے کر دیئے بندر اور سور اور شیطان کا پجاری ان کا ٹھکانا زیادہ برا ہے اور

وَّ اَضَلُّ عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ ﴿٦٠﴾

اور زیادہ گمراہ سیدھے راستہ سے

یہ سیدھی راہ سے زیادہ بہکے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا تھا کہ یہودیوں عیسائیوں کو دوست نہ بناؤ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ ان سے بیزاری کا اظہار فرما دو اور نفرت کی وجہ بتا دو گویا دلی نفرت کے حکم کے بعد زبانی بیزاری کے اظہار کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ یہود و نصاریٰ تمہاری اذانوں کا بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ تمہارے ایمان اور ایمانیات کے دشمن ہیں گویا پہلے ان کے مذاق اڑانے کا ذکر تھا۔ اب اس مذاق کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہودی عیسائی خود اسلام کو دل لگی و ٹھٹھا سمجھتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی بات نہیں جس کو دل لگی

www.alahazratnetwork.org

سمجھا جاوے اسلام میں تو نیک اعمال اچھے عقیدوں کے سواء کچھ نہیں گویا پہلے ان کی بد عملی کا ذکر تھا اب ان کی حماقت و بے وقوفی کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اعلیٰ دین کا مذاق اڑایا بد ترین دین اختیار کر لیا۔

شان نزول سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہود کی ایک جماعت آئی جن میں ابو یاسر ابن اخطب' رافع ابن ابی رافع' عازور' زید' خالد' آزار ابن ابی آزار' اشیع' نازی ابن محمود وغیرہ یہود کے پادری بھی تھے اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کن کن پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے کی تعلیم دیتے ہیں۔ تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابراہیم' اسماعیل' اسحاق' یعقوب ان کی اولاد حضرت موسیٰ' حضرت عیسیٰ علیہم السلام کے نام گنائے اور وہ آیت پڑھی **امنا باللہ وما انزل الینا وما انزل الی ابراھیم واسمعیل** الخ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام شریف سن کر جل گئے اور بولے کہ آپ کے دین سے بد تر کوئی دین نہیں یہ دین تو بالکل شر ہے۔ اس میں خیر نہیں ہم تو عیسیٰ پر ہرگز ہرگز ایمان نہ لائیں گے نہ اس کو مانیں جو عیسیٰ کے ماننے کا حکم دے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **قل یاھل الکتب عن سواء السبیل** تک (تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی و خزائن وغیرہ)

تفسیر قل یاھل الکتب۔ قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور بتایا گیا ہے۔ سب مسلمانوں کو کہ سارے مسلمان یہود کی بکواس کا یہ جواب دیں۔ چونکہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان اقدس میں سخت گستاخی کی تھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بلکہ تمام انبیاء کرام کے گواہ برحق ہیں کہ حضور کے ذریعہ ان کی شانیں دنیا کو معلوم ہوئیں۔ اس لئے اس مضمون کو قل سے شروع فرمایا گیا یعنی اے محبوب چونکہ ان بدباطنوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عزت پر حملہ کیا ہے تم ان کی عزت بچاتے ہوئے یہ فرما دو یہاں یا نداء کے لئے ہے اور نداء اظہار غضب کے لئے نداء کبھی غافل کو ہوشیار کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ اہل کتاب کے معانی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ اہل کتاب فرمانے میں اس جانب اشارہ ہے کہ تمہارے پاس توریت کے صرف نقوش پہنچے جو لکھنے میں آتے ہیں۔ کتاب کا نور اس کے اسرار تم تک نہ پہنچے اگر وہ پہنچ جاتے تو تم اہل کتاب کے خطاب کے مستحق نہ ہوتے اہل ایمان کہے جاتے۔ تم اس گدھے کی طرح ہو۔ جس پر کتابیں لدی ہوں اور وہ علم سے کورا ہو۔ شعر:۔

☆ نہ محقق بود نہ دانش مند! ☆ چار پائے بروکتابے چند! ☆
☆ آں فرومایہ راچہ علم و خبر ☆ کہ بروہیزم است یا دفترا ☆

گھر کے مالک کو بھی گھر والا کہا جاتا ہے اور کرایہ دار کو بھی اور گھر کے مہمان کو بھی اور جو گھر میں بیٹھا ہو اس کو بھی۔ اس والا

www.alahazratnetwork.org

میں بہت گنجائش ہے وہ لوگ تھے تو کتاب والے مگر دور کی نسبت سے لہذا یہ فرمان ایک معنی سے حقارت کا بھی ہے۔ **هل تنقمون منا** لفظ **هل** انکاری سوال کے لئے ہے اس کے معنی ہیں نہیں **تنقمون** بنا ہے **نقمه** سے۔ بمعنی سخت برا سمجھنا۔ عیب لگانا۔ سزا دینا اس سے ہے انتقام۔ بمعنی بدلہ دینا یا بدلہ لینا۔ یہاں پہلے دو معنی میں ہو سکتا ہے۔ اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ **شیئا** یعنی تم لوگ ہماری کسی چیز کو برا نہیں سمجھتے۔ عیب نہیں لگاتے **الا ان امنا باللہ** یہ عبارت اس پوشیدہ **شیئا** سے استثناء ہے اور **تنقمون** کا مفعول **به** بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت مفعول لہ ہے۔ لہذا اس کی دو تفسیریں ہیں ایمان باللہ کے معانی بارہا بیان ہو چکے کہ اس میں فرشتوں' قیامت' تقدیر وغیرہ تمام پر ایمان لانا داخل ہے اور ایمان باللہ وہی معتبر ہے جو حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ سے ہو اور صحیح طور پر ہو جو لوگ اللہ تعالیٰ کو محض عقلی دلائل سے مان لیں یا حضرات انبیاء کرام کی تعلیم کے خلاف اسے مانیں۔ وہ مومن باللہ نہیں۔ یعنی اے کتابیو تم ہم سے صرف اس بنا پر ناراض ہو کہ ہم صحیح معنی میں اللہ پر ایمان لائے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم نے ہمارے کمال کو عیب سمجھ لیا اور ہم سے ناراض ہو گئے۔ ایک شاعر کہتا ہے شعر:۔

☆ **لا عیب فیهم غیر ان سیوفهم** ☆ **بهن فلول من قراع الکتائب** ☆

یعنی اس قوم میں اور تو کوئی عیب نہیں۔ بجز اس کے کہ ان بہادروں کی تلواریں دشمنوں کی سرکوبی کرتے کرتے کند ہو گئیں ہیں اس میں عیب کی نفی بہت مبالغہ سے ہے **وما انزل الینا وما انزل من قبل** یہ عبارت لفظ اللہ پر معطوف ہے پہلے **ما انزل** سے مراد قرآن کریم حدیث شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام معجزات ہیں۔ اس لئے **بالقرآن** نہ فرمایا اور دوسرے **ما انزل** سے مراد تمام انبیاء کرام کی کتابیں صحیفے ان کے معجزات سب ہی ہیں۔ ان دونوں ایمانوں میں فرق یہ ہے کہ قرآن کریم اور اسلامیات پر ہمارا تفصیلی ایمان ہے اور دیگر کتب وغیرہ پر اجمالی ایمان قرآن و حدیث شریف پر ایمان بھی ہے عمل بھی ان تمام پر ایمان ہے عمل نہیں کہ وہ کتب منسوخ ہو چکیں نیز گزشتہ کتب اور پچھلے نبی تشریف آوری میں پہلے ہیں قرآن حکیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں ہیں مگر ہمارے ایمان میں قرآن و نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہلے ہیں وہ کتابیں اور وہ انبیاء کرام بعد میں کہ ہم نے پہلے قرآن اور اپنے نبی کو مانا پھر ان کتابوں' ان نبیوں کو مانا اور اسلامی عقائد میں حضور پہلے ہیں باقی تمام عقائد بعد میں پہلے حضور کو نبی مانتے ہیں پھر قرآن' روزہ' نماز وغیرہ کو مانتے ہیں بلکہ خدا کی ہستی کو ماننا حضور کے ماننے پر مقدم ہے مگر رب تعالیٰ کی صفات کو ماننا حضور کو ماننے کے بعد ان وجوہ سے پہلے **ما انزل** کو آگے بیان کیا دوسرے **ما انزل** کو پیچھے حالانکہ نزول میں وہ سب پہلے ہیں اور قرآن کریم وغیرہ پیچھے **وان اکثرکم فاسقون** یہ عبارت **ان امنا باللہ** الخ پر معطوف ہے اور اس کا تتمہ ہے فسق سے مراد فسق اعتقادی یعنی کفر ہے اگرچہ سارے یہودی عیسائی کافر ہیں مگر چونکہ ان میں سے بعض لوگ اللہ کے علم میں آئندہ ایمان لانے والے بھی تھے۔ اس وقت وہ شرعاً کافر تھے۔ عند اللہ مومن کہ ان کے نام مومنوں کی فہرست میں تھے اس لئے **اکثرکم** فرمایا یعنی تمہارے ہم سے ناراض

www.alahazratnetwork.org

ہونے کی وجہ دو ہیں ایک یہ کہ ہم صحیح معنی میں مومن ہیں۔ دوسرے یہ کہ تم اکثر لوگ کافر ہو۔ کافر مومن سے ناراض ہی ہوتا ہے کہ کفر اندھیرا ہے ایمان نور **قل ھل انبئکم بشر من ذلک مثوبۃ من ذلک** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں ان یہود کے اس قول کا جواب دیا گیا ہے کہ اسلام سے بدتر اور کوئی دین نہیں کہ اس دین میں عیسیٰ علیہ السلام کو نبی مانا گیا ہے۔ چونکہ کوئی بات اولاً پوچھی جاوے پھر بتائی جاوے وہ سننے والے کے دل میں بہت اچھی طرح بیٹھ جاتی ہے۔ اس لئے پہلے **ھل انبئکم** فرمایا گیا جیسے کسی کو کوئی اہم خبر دینا ہو تو کہا جاوے کیا آپ نے وہ سنا۔ کیا تمہیں کچھ خبر ہے یا کیا تم کو ایک خبر دوں پھر خبر دی جاوے تو بہت غور سے سنی جاتی ہے۔ **انبئکم** بنا ہے **نباء** سے۔ بمعنی عظیم الشان خبر اسی سے ہے نبی یعنی غیب کی خبریں دینے والا **بشر** کی ب زائدہ ہے اور **شر** سے مراد ہیں بدترین **ذلک** سے اشارہ اس کی طرف ہے۔ جس سے یہود ناراض تھے۔ **ذلک** سے پہلے **اھل** پوشیدہ ہے **مثوبۃ** شر کی تمیز ہے اور عند اللہ شر کا ظرف **مثوبۃ** بنا ہے ثواب سے۔ بمعنی نیکی کا اچھا بدلہ۔ یہاں بطریق طعن سزا کو ثواب سے تعبیر کیا گیا جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔ ع

تحیۃ بینھم ضرب وجیع

یعنی جب وہ ملتے ہیں تو ان کا سلام سخت مار پیٹ سے ہوتا ہے مار پیٹ کو سلام کہنا بطور طعن ہے یا رب تعالیٰ کا فرمانا **فبشرھم بعذاب الیم** انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔ یعنی مان لو' فرض کر لو کہ ایمان و اسلام شر ہے اور مسلمان برے لوگ تو اللہ کے نزدیک سزا میں ان سے بدتر لوگ وہ ہیں جو **من لعنہ اللہ وغضب علیہ** من سے مراد یہ ہی لعنتی یہودی ہیں جن کے جواب میں یہ آیت کریمہ اتری ہے ان کے پانچ عیوب فرمائے گئے ایک ان کا لعنتی ہونا۔ دوسرے اللہ کے غضب کا مستحق ہونا۔ لعنت کے معنی ہیں رحمت سے دور کرنا یعنی رحم نہ فرمانا اور غضب سے مراد ہے انہیں سزا دینا یا لعنت سے مراد ہے رحمتوں کا بند فرما دینا غضب کے معنی ہیں بجائے نعمت کے نقمت دینا یہود پر اللہ تعالیٰ نے بڑی رحمتیں فرمائی تھیں انہیں کی خاطر فرعون غرق کیا گیا دریا چیرا گیا۔ انہیں پر من و سلویٰ برسایا گیا مگر ان کی بری حرکتوں کی باعث ان کی عزت و رحمت سب ختم ہو گئی یہ ہوئی لعنت ان پر عذاب آئے یہ ہے غضب۔ لعنت کے متعلق چند احتمال ہیں ایک یہ کہ لعنت دنیا میں ہے غضب آخرت میں۔ دوسرے اس کے برعکس تیسرے یہ کہ دونوں دنیا میں ہیں۔ چوتھے یہ کہ دونوں آخرت میں ہیں پانچویں یہ کہ لعنت و غضب دونوں دنیا میں بھی ہیں آخرت میں بھی۔ پانچواں احتمال زیادہ قوی ہے۔ یہ عبارت **ھو** پوشیدہ کی خبر ہے یعنی یہ بدترین لوگ وہ ہیں جن پر اللہ نے لعنت بھی فرمائی اور غضب بھی **وجعل منھم القردۃ والخنازیر**۔ اس عبارت میں ان کے بقیہ تین عیوب کا ذکر ہے یا یہ لعنت و غضب کی شرح ہے۔ **جعل** کا فاعل رب تعالیٰ ہے **منھم** کا مرجع یہودی ہیں۔ یہودی حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کر لینے کی وجہ سے بندر بنا دیئے گئے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں غیبی دسترخوان اترنے کے باوجود ایمان نہ لانے پر سور بنا دیئے گئے۔ یا حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں وہ شکاری لوگ جوان تو بندر بنائے گئے اور

www.alahazratnetwork.org

ان کے بوڑھے سور بنائے گئے حضرت عبداللہ ابن عباس سے یہ ہی دوسری روایت ہے (خازن کبیر روح البیان وغیرہ) **وعبد الطاغوت** یہ عبارت معطوف ہے **قردۃ** پر اور اس میں یہود کے پانچویں عیب کا ذکر ہے ہماری قرات میں عبد ماضی ہے اور طاغوت مفعول بہ ہے عبد سے پہلے من پوشیدہ ہے بعض قراتوں میں عبد ب کے پیش سے ہے جمع عابد کی اور طاغوت مجرور ہے عبد کا مضاف الیہ اس کی اور بہت سی قراتیں ہیں طاغوت کی تحقیق تیسرے پارہ کی تفسیر میں **ومن یکفر بالطاغوت** کی شرح میں عرض کی جا چکی ہے کہ یہ بروزن فعلوت مبالغہ کا صیغہ ہے۔ طغی سے بنا۔ بمعنی سرکشی طاغوت کے معنی ہیں بہت سرکش، بہت گمراہ یا بہت گمراہ کن۔ طاغوت سے مراد یا شیطان ہے یا گائے کا بچھڑا جسے یہود نے پوجا تھا زمانہ موسوی میں یا یہود کے کاہن لوگ یا ان کے پوپ پادری جن کی یہ لوگ اطاعت کرکے کفرو سرکشی کرتے تھے یا وہ یہودی مراد ہیں۔ جنہوں نے ایک بار مکہ معظمہ جاکر مشرکین کو خوش کرنے کے لئے کعبۃ اللہ میں رکھے ہوئے بتوں کو سجدہ کیا جس کا ذکر قرآن مجید ہے۔ اس صورت میں طاغوت سے مراد لات و عزیٰ وغیرہ بت ہیں یا یہود حضرت عزیر علیہ السلام کے نام کے بت بنا کر پوجا کرتے تھے تو طاغوت سے مراد حضرت عزیر علیہ السلام کے نام پر بنائے ہوئے پتھر یا لکڑی کے مجسمہ ہیں یعنی بدترین لوگ وہ ہیں جن میں بندر سور اور شیطان کے پجاری بنادیئے گئے۔ بتاؤ یہ حرکتیں ہم نے کی ہیں یا تم نے اپنے گریبان میں منہ ڈالو **اولئک شر مکانا** یہ نئی عبارت ہے جس میں گزشتہ عبارت کا نتیجہ کا ذکر ہے۔ **اولئک** سے اشارہ ان ہی یہود کی طرف ہے جن کے پانچ عیوب ابھی بیان ہوئے مکان تمیز ہے شرکی اگرچہ شریر تو یہود ہیں مگر ان کے ٹھکانہ اور دوزخی مقام کو شر فرمایا گیا ہے۔ مجازاً" جیسے کہا جاتا ہے فلاں بدترین درجہ والا ہے یعنی یہ لوگ بدترین ٹھکانہ والے ہیں **واضل عن سواء السبیل** یہ عبارت شریر معطوف ہے اور **اولئک** کی خبر **اضل** اسم تفضیل ہے۔ **سواء السبیل** سے مراد ہے۔ خدا رسی کا سیدھا راستہ یعنی درست عقیدے اچھے اعمال یعنی یقیناً یہ ہی لوگ بدترین درجہ والے اور راہ حق سے بہت بھٹکے ہوئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اہل کتاب آپ کے دین کے متعلق کہہ رہے ہیں ان کے جواب میں آپ فرمادو کہ تم کو ہمارے اندر اور کوئی عیب نظر نہیں آتا جس سے تم ناراض ہو۔ تمہاری ناراضی ہم سے صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور تمام ان چیزوں پر ایمان لائے ہیں جو ہم پر اتریں قرآن مجید احکام رسول معجزات وغیرہ نیز ہم تمام ان چیزوں پر ایمان لائے جو اس سے پہلے دوسرے نبیوں پر اتریں ان کی کتابیں ان کی تعلیم ان کے معجزات ان کے فضائل وغیرہ۔ غرضیکہ ہم تو سچے پکے صحیح معنی میں مومن ہیں اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم میں سے اکثر لوگ کافر و بے دین ہیں۔ نبیوں کے دشمن ان کی کتابوں میں تحریف کرنے والے ان کے معجزات کے انکاری پھر تم ہم سے ناراض کیوں نہ ہو بھلا تاریکی نور سے رات دن سے بے دینی دین سے بھی کبھی راضی ہو سکتی ہے۔ فرمادو کہ اچھا فرض کرلو کہ ہمارا دین شر ہے تو یقیناً اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس سے بدتر شریر وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے دنیا میں پھٹکار فرمائی اور آخرت میں غضب

www.alahazratnetwork.org

کیااور بد ترین لوگ وہ ہیں۔ جنہیں اللہ نے دنیا میں بندر اور سور بنادیا ان کی صورتیں مسخ فرمادیں اور انہیں ایسا بے عقل بنادیا کہ وہ باوجود اہل کتاب ہونے کا دعویٰ کرنے کے شیطان بچھڑا وغیرہ پوجنے لگے یہ لوگ بد ترین درجے کے ہیں اور خدا رسی کی راہ سے بہت بہکے ہوئے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالو کہ تم شر ہو یا ہم تم لوگ ہم سے کس منہ سے آنکھ ملاتے ہو اور کس ہمت پر ہمارے منہ لگتے ہو اپنے کرتوت اور سزائیں دیکھو اور شرمندہ ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو امتحان تو بنی اسرائیل کے لئے جس میں وہ لوگ فیل ہو گئے۔ ایلہ والوں کا امتحان شکار کے جانوروں سے لیا گیا اور طالوتی لوگوں کا امتحان ایک نہر سے لیا گیا کہ دوپہر میں یہ لوگ پیاسے تھے۔ سامنے نہر آئی حکم دیا گیا کہ کوئی سواء ایک چلو کے زیادہ پانی نہ پئے سوائے تین سو تیرہ کے باقی سارے لشکر نے پانی خوب پی لیا اور جالوت کے مقابلہ سے بزدل ہو گئے۔ ایک امتحان حضرات صحابہ کرام کا لیا گیا کہ بحالت احرام جب شکار کرنا حرام ہوتا ہے۔ اتنے شکاری جانور ان حضرات پر آئے کہ ان کے خیموں میں گھس گئے۔ بحمدہ تعالیٰ ایک بھی اس امتحان میں فیل نہ ہوا۔ سب ہی پاس ہوئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سارے نبیوں ساری کتابوں پر بڑا ہی احسان ہے کہ حضور کے ذریعہ ان سب کی حقانیت دنیا میں ظاہر ہو گئی یہ فائدہ **وما انزل من قبل** سے حاصل ہوا کہ ہر مسلمان پر ان سب نبیوں کا ماننا لازم ہو گیا۔ **دوسرا فائدہ** حمایت انبیاء میں مسلمانوں نے بہت قوموں کو اپنا دشمن بنا لیا گیا گویا مسلمان ان تمام نبیوں کے بڑے ہی خیر خواہ ہیں یہ فائدہ **هل تنقمون** الخ سے حاصل ہوا کہ موجودہ عیسائیوں نے اس کی قدر نہ کی۔ یہ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کی حمایت کرتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کا بدلہ ان کے دشمنوں سے خود لیتا ہے۔ یہ فائدہ **لعنه الله** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہود نے اسلام کو شر اور مسلمانوں کو شریر کہا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے پانچ عیوب گنائے ان کا لعنتی ہونا غضب و قہر کا مستحق ہونا ان کا بندر و سور بننا ان کا بت پرست ہونا وغیرہ دیکھو ولید نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہا تو قرآن کریم نے اس کے دس عیب بیان کئے **خلاف مهين** وغیرہ۔ سب سے بڑا گناہ اللہ والوں کی عیب جوئی ہے۔ **چوتھا فائدہ** ایمان کے بغیر نہ بزرگوں کی اولاد ہونا کام آوے نہ متقدس جگہ رہنا مفید ہو دیکھو وہ یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام و ہارون علیہ السلام کی اولاد تھے۔ عرب جیسے مقدس ملک میں رہتے تھے مگر حضور کے انکاری تھے تو رب نے انہیں لعنتی پھٹکارا ہوا فرمایا یہود اپنے اولاد انبیاء ہونے پر فخر کرتے تھے۔ ان کا فخر خاک میں ملا دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کا مسلمانوں پر بڑا ہی کرم ہے کہ یہ کتنے ہی گناہ کرلیں مگر دنیا میں ان پر عام عذاب نہیں آتا دیکھو یہود دنیا میں ایک ایک جرم کی وجہ سے بندر سور بنے مگر ہم لاکھوں جرم کریں نہ بندر بنتے ہیں نہ سور قوم شعیب علیہ السلام پر کم تولنے کی وجہ سے عذاب آگیا۔ ہم کم بھی تولتے ہیں۔ ملاوٹ بھی کرتے ہیں مکھن نکال کر دودھ بھی بیچتے ہیں ولائتی گھی ولائتی سونا اصلی سونے کی جگہ بیچتے ہیں۔ مگر عذاب دنیاوی سے محفوظ ہیں یہ صدقہ ہے اس رحمت والے کا۔ **شعر:**۔

www.alahazratnetwork.org

☆ دنیا میں رحمت دو جہاں اور کون ہے! ☆
☆ اے آفتاب طیبہ و بطحی تم ہی تو ہو! ☆

پہلا اعتراض یہود تو سارے ہی فاسق و بے دین ہیں۔ پھر یہاں **لکثرکم فسقون** کیوں فرمایا گیا ان میں کچھ یہود مومن بھی تھے جواب اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ انہیں میں سے بعض لوگ علم الٰہی میں آگے چل کر مومن ہونے والے تھے۔ اس لئے **عند اللہ** وہ فاسق نہ تھے بلکہ بعض حضرات ایمان لا بھی چکے تھے جیسے حضرت سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی وہ مومن تھے۔ دوسرا اعتراض یہاں ارشاد ہوا **بشر من ذلک** اور **ذلک** سے اشارہ ہے اسلام کی طرف تو کیا اسلام شر ہے اور یہودیت اسلام سے بدتر شر یہ تو درست نہیں اسلام تو خیر ہی خیر ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب یہاں شر واقعی مراد نہیں بلکہ ان کے عقیدے کے لحاظ سے شر مراد ہے یعنی جس دین اسلام کو تم شر کہتے ہو۔ اس سے بدرجہا شر اور بدتر تو تم ہو شاعر کہتا ہے **شعر:**۔

☆ **فکم من عائب قولا صحیحا** ☆ **و آفته من الفهم السقیم** ! ☆

جیسے قرآن کریم نے فرمایا **فبئس ما یامرکم به ایمانکم**۔ حالانکہ یہود کے پاس ایمان تھا ہی نہیں مگر جسے وہ ایمان سمجھتے تھے اسے ایمان کہا گیا یا فرماتا ہے **این شرکائی الذین کنتم تزعمون** حالانکہ رب تعالیٰ شریک سے پاک ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں ارشاد ہوا **مثوبة عند اللہ۔ مثوبہ** بنا ہے ثواب سے جیسے قول سے مقولہ ہے۔ جوازے بجوزہ ثواب کہتے ہیں نیکیوں کے اچھے بدلہ کو یہود کو یہود کے پاس نیکیاں کہاں اور ان کا اچھا بدلہ کیسا پھر یہ کلام کیونکر درست ہوا۔ جواب یہاں ان پر طعن کرنے کے لئے عذاب کو ثواب فرمایا گیا جیسے رب تعالیٰ دوزخی کفار سے فرمائے گا۔ **ذق انک انت العزیز الکریم** حالانکہ دوزخی نہ کریم ہے نہ عزیز کیوں فرمائے گا اسے شرمندہ کرنے کو ایسے ہی یہاں ہے۔ چوتھا اعتراض یہود بندر سور نہ بنائے گئے تھے بلکہ ان کی خصلتیں بری عادتیں بندروں سوروں کی سی ہو گئی تھیں وہ انسان نما بندر و سور تھے (مرزائی) نوٹ نہ معلوم مرزائی حضرات کو کیا خدا کی مار ہے کہ وہ بلا وجہ معجزات انبیاء کی آیات اور گزشتہ قوموں کی عذاب کی آیات میں تاویلیں بلکہ تحریفیں کرتے رہتے ہیں۔ مولوی محمد علی لاہوری قادیانی نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں یہاں یہ ہی معنی کئے اور بڑی ہیر پھیر کی۔ جواب اگر بندر و سور کے ایسے معنی کئے گئے تو خدا خیر کرے اسلام ہی ختم کر ڈالو گے۔ جہاں فرمایا گیا کہ تم پر سور کا گوشت حرام ہے وہاں معنی کر لو کہ سور جیسے آدمیوں سے ملنا جلنا حرام ہے۔ جہاں حکم ہے کہ شراب کے قریب نہ جاؤ۔ وہاں معنی کر لو کہ دنیا شراب ہے اس کے قریب نہ جاؤ چلو چھٹی ہوئی نہ سور حرام رہا نہ شراب اسی طرح صوم و صلوٰۃ کے معنی میں ہیر پھیر کر کے مسلمانوں کو ان عبادات سے بھی محروم کر دو بلا وجہ قرآن کریم کی آیات میں ہیر پھیر کرنا اور ظاہری معنی کا انکار کرنا کفر ہے آخر کیا وجہ ہے؟ کیوں بندر و سور کے یہ معنی کئے پھر عصا موسوی کے سانپ بن جانے کی آیات میں سانپ کے کیا معنی کرو گے۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی جو پہاڑ

www.alahazratnetwork.org

سے پیدا ہوئی وہاں اونٹنی سے کیا معنی کرو گے۔ قرآن کو کیوں بگاڑتے ہو۔ پانچواں اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر نبی کی پرستش کی جاوے تو وہ نبی بھی طاغوت میں داخل ہے۔ دیکھو یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہہ کر انکی پرستش کی رب نے انہیں یہاں طاغوت فرمایا کیونکہ طاغوت سے مراد یہاں بچھڑا بھی ہے اور حضرت عزیر بھی۔ جواب نعوذ باللہ یہ بہتان عظیم ہے کسی نبی کی عبادت نہیں کی گئی۔ عزیر علیہ السلام کے نام کے بت بنا کر یہودیوں نے پوجے نہ کہ انکی ذات جیسے عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے نام کے بت یا فوٹو بنا کر انہیں پوجتے ہیں تو یہ پتھر طاغوت ہوئے نہ کہ وہ حضرات انبیاء کرام ان کی عبادت تو جب ہوتی جبکہ لوگ ان کی زندگی میں انہیں سجدے کرتے اور وہ حضرات خاموش رہتے۔

تفسیر صوفیانہ ہر جماعت کا انسان اپنی مثل سے محبت کرتا ہے۔ غیر سے نفرت مومن مومن سے محبت کرتا ہے کافر کافر سے از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولیاء و انبیاء مومن کو پیارے ہیں۔ یہود و نصاریٰ ان سے دور ہیں یہ رجحان قلبی ایمان و کفر کی کسوٹی ہے کسی نے حضرت عبداللہ ساجی سے پوچھا کہ اولیاء اللہ کس چیز سے پہچانے جاویں۔ فرمایا زبان کی نرمی اچھے اخلاق' چہرے کی بشاشت' نفس کی سخاوت' اعتراض کی کمی' معذرت کا قبول' عام خلق پر مہربانی ہے۔ **شعر:**

☆ تاج شاہی طلبی گوہر ذاتی بنما ☆ ور خود از گوہر جمشید و فریدوں باشی ☆

بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ جس دل میں اللہ سے محبت ہو اس میں کسی نبی کسی ولی سے عداوت ہو۔ **شعر:**

☆ دلم خانہ مہر یار است وبس ☆ ازاں می نہ گنجد در و کین کس ☆

دل تین قسم کے ہیں بعض وہ جو دنیا میں شہوات کا چکر کاٹتے ہیں وہ جو آخرت میں کرامت کے گرد گھومتے ہیں بعض وہ سدرہ منتہی میں مناجات کے گرد طواف کرتے ہیں۔ ان یہود نے اسلام کو شر اور عداوت عیسیٰ علیہ السلام کو خیر کما ان پر قیامت تک لعنت و پھٹکار پڑ رہی ہے یہ ہے اس کا انجام (روح البیان) بعض دل تندرست ہوتے ہیں بعض دل بیمار اور بعض دل مردے۔ یہود کے دل مردے تھے جنہیں کوئی دوا مفید نہ ہوئی۔

وَإِذَا جَآءُوكُمْ قَالُوٓا ءَامَنَّا وَقَد دَّخَلُوا۟ بِٱلْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا۟ بِهِۦ ۚ وَٱللَّهُ

اور جب آتے ہیں وہ تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہم حالانکہ بیشک داخل ہوئے وہ ساتھ کفر کے اور وہ نکل گئے ساتھ

اور جب تمہارے پاس آئیں تو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اور وہ آتے وقت بھی کافر تھے اور جاتے وقت بھی کافر اور اللہ

www.alahazratnetwork.org

أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿٦١﴾ وَتَرَىٰ كَثِيرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ	
اس کے اور اللہ خوب جانتا ہے اسکو جو وہ چھپاتے تھے اور دیکھو گے تم بہت سوں کو ان میں سے کہ جلدی کرتے ہیں وہ گناہ	
خوب جانتا ہے جو چھپا رہے ہیں اور ان میں تم بہتوں کو دیکھو گے کہ گناہ اور	
وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ	
اور حد سے بڑھنے اور اپنے حرام کھانے میں البتہ برا ہے وہ جو کر رہے تھے کیوں نہیں منع کرتے ان کو ان کے عالم	
زیادتی اور حرام خوری پر دوڑتے ہیں بے شک بہت ہی برے کام کرتے ہیں انہیں کیوں نہیں منع	
الرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۚ لَبِئْسَ	
والے اور علماء ان کے کہنے سے گناہ اور ان کے کھانے سے حرام البتہ برا ہے	
کرتے ان کے پادری اور درویش گناہ کی بات کہنے اور حرام کھانے سے بے شک بہت ہی	
مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿٦٣﴾	
وہ جو وہ کرتے تھے	
برے کام کرتے ہیں۔	

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کے لعنتی اور مغضوب علیہم ہونے کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ لوگ آپ کی مجلس پاک میں آکر بھی بے فیض ہی رہتے ہیں کافر آتے ہیں کافر جاتے ہیں گویا بیمار کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اس بیماری کے نتیجہ کا ذکر یعنی مجلس پاک مصطفوی سے محروم جانے کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کے کفر باطنی کا ذکر تھا کہ وہ مسلمانوں سے ان کے ایمان کی بنا پر متنفر ہیں۔ اب ان کی دھوکہ بازیوں کا ذکر ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں زبان سے کلمہ پڑھتے دل میں کفر رکھتے ہیں یعنی کفر ظاہر کے بیان کے بعد منافقت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ یہود راہ خدا سے بہت ہی بھٹکے ہوئے ہیں۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کہ وہ ہادی مطلق صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں بیٹھ کر بھی راستہ پر نہیں آتے گویا دعویٰ پہلے ہوا دلیل اب بیان ہو رہی ہے۔

شان نزول امام قتادہ اور امام سدی فرماتے ہیں کہ چند یہودی ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے کہ ہم لوگ آپ سے آپ کے دین سے بالکل راضی ہیں ہم آپ پر ایمان لاتے ہیں۔ اسلام بہت ہی اچھا دین ہے اور بہت سی چکنی چپڑی باتیں کیں مگر دل میں کفر چھپائے رکھا یعنی منافقت سے یہ باتیں کیں ان کے متعلق یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کی بدباطنی سے مطلع فرمایا گیا کہ

www.alahazratnetwork.org

مسلمان ان سے دھوکہ کھا کر نقصان نہ اٹھائیں۔

تفسیر **اذا جاءوکم اذا** ظرفیہ ہے اور **جاءو** کا فاعل وہی یہود ہیں جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں آنے سے مراد عام آنا ہے۔ خواہ باہر سے مدینہ منورہ میں آویں یا اپنے مدینہ والے گھروں سے حضور کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔ نیز آنے سے مراد صرف جسم سے آنا ہے۔ بغیردل کی حاضری کے یہ آنا بھی گناہ ہے جیسے مسجد میں نماز کے لئے آنے پر فی قدم ایک نیکی ہے اور ایک گناہ کی معافی مگر جوتی چرانے کے لئے مسجد میں آنے پر فی قدم لعنت و پھٹکار ہی ہے بلکہ حضور کو دیکھتے حضور سے عرض و معروض کرنے کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اخلاص سے اور نفاق سے اخلاص سے دیکھنے والا صحابی بن جاتا ہے بلکہ اخلاص سے ان کا نام لینے والا اگرچہ سو برس کا کافر ہو مومن ہو جاتا ہے۔ نفاق سے دیکھنے والا اپنے کفر کو اور بھی پختہ کرلیتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ینظرون الیک وھم لا یبصرون کم** میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ضمیر کا جمع لانا تعظیم کے لئے ہے جیسے **انا نحن نزلنا الذکر** الخ اور یا خطاب حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں کیونکہ منافق یہودی مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوشش کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو ان کا بھی یقین تھا کہ آپ کو دھوکہ نہیں دیا جاسکتا کہ ان کی نگاہ دلوں کے راز بھی دیکھتی ہے۔ **شعر:**

☆ اے فروغت صبح آثار و دہور ☆ چشم تو بینندہ ما فی الصدور ☆

اس کی تفسیر وہ آیت ہے **واذا لقوا الذین امنوا قالوا امنا**۔ اس صورت میں اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ منافقین کو آخرت کی فکر نہیں انہیں دن رات یہ ہی فکر رہتی ہے کہ مسلمانوں کو اپنے ایمان کا یقین کس طرح دلائیں کبھی کسی کے دروازے پر جا کر قسمیں کھا کھا کر کہہ رہے ہیں کہ ہم پکے مسلمان ہیں ہم کو منافق نہ سمجھنا کبھی کسی کے چوکھٹ پر سرجھکا کر یہ کہہ رہے ہیں غرضیکہ ان کی جان عجیب تنگی و ضیق میں ہے۔ حضور کا آستانہ ایمان عرفان وغیرہ کی ٹکسال ہے۔ جہاں ایمان بنتا ہے۔ جہاں رحمٰن ملتا ہے جب وہ وہاں سے ایمان نہ پاسکے تو وہ ایمان کس دوکان سے لائے بازار ایمان مدینہ پاک ہے ٹکسال ایمان حضور کا آستانہ ہے۔ حضرات اولیاء اللہ ایمان کے خزانہ ہیں مگر ٹکسال حضور ہیں **قالوا امنا** یہ **جاءوک** کا جواب ہے۔ **امنا** میں یا تو اپنے گزشتہ ایمان کی خبر ہے یا اب ایمان لانے کا ذکر ہے۔ لہذا **امنا** یا جملہ خبریہ ہے یا جملہ انشائیہ یعنی ہم پہلے سے ایمان لا چکے ہیں یا اب ایمان قبول کرتے ہیں۔ چونکہ ان کا یہ آمنا کہنا دھوکہ دینے کے لئے تھا۔ اس لئے یہ کہنا بھی ان کے کفر کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے مخلصین کو آمنا وغیرہ کہنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی تھی۔ وہ خاموش زبان تر آنکھوں سے سب کچھ کہہ دیتے تھے **وقد دخلوا بالکفر وھم قد خرجوا بہ**۔ اس عبارت میں دو جملے ہیں دونوں **جاءوکم** کی ضمیر فاعل سے یا **قالوا** کی ضمیر فاعل سے حال ہیں پہلے جملہ میں صرف **قد** ہے دوسرے جملہ میں **ھم** بھی ہے اور **قد** بھی تاکہ ان کے کفر کا دوام بتایا جاوے یعنی ان کا کافر ہو کر نکلنا واپس جانا خود ان کے لزوم کفر کی وجہ سے ہے۔ یہاں آکر کفر نہیں پیدا ہوا (تفسیر کبیر) **بالکفر** اور **بہ** دونوں میں ب مصاحبت کی ہے یعنی

www.alahazratnetwork.org

وہ لوگ کفر ہی لیکر حضور کے آستانہ میں آئے۔ اور کفر ہی لیکر واپس گئے۔ آپ کی صحبت یا کلام کا اثر ان کے دلوں میں مطلقاً نہ ہوا۔ حضور عالی کا دربار وہ ہے جہاں حاضری دینے والوں کے کفر و گناہ بدبختی وغیرہ سب کچھ دھل کر دور ہو جاتے ہیں۔ ایمان، عرفان بلکہ خود رحمان انہیں مل جاتے ہیں **واللہ اعلم بما کانوا یکتمون** یہ نیا جملہ ہے جس سے مقصود ہے پہلے بیان کی تاکید یعنی ہم نے جو کچھ خبر دی ہے۔ بالکل حق ہے کیونکہ اللہ ان کے دلی خفیہ ارادوں چھپی تدبیروں کو خوب جانتا ہے وہ جو خبر دے رہا ہے بالکل حق و درست ہے اس فرمان عالی میں انتہائی غضب کا اظہار ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ وہ پہلے سے ہی منافق ہیں اور آپ کی بارگاہ میں بری نیت سے ہی آتے ہیں۔ یہاں تک تو ان کے دلی چھپے ہوئے حالات کا ذکر فرمایا۔ اب ان کے ظاہری عیوب کا تذکرہ ہے جو ان کے دلی عیب یعنی نفاق کی دلیل ہیں۔ چنانچہ فرمایا **تری کثیرا منہم یسارعون فی الاثم والعدوان**۔ ظاہر یہ ہے کہ تری میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور رویت سے مراد آنکھ سے دیکھنا ہے کیونکہ حضور کی نگاہ کھلی چھپی ہر چیز کو دیکھتی ہے (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ خطاب ہر مسلمان سے ہو اور رویت سے مراد دل سے دیکھنا یعنی عقلاً معلوم کرنا ہو یا آنکھ سے دیکھنا مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے **کثیر** تری کا مفعول بہ ہے اس سے مراد یہود کے علماء ہیں منافقت میں یہ سارے یہود یکساں تھے مگر یہ گناہ جو یہاں مذکور ہیں وہ صرف علماء یہود کرتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ **کثیر** سے سارے وہ یہود مراد ہوں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ چکا ہے۔ **منہم** کا مرجع یہود ہیں۔ جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے **یسارعون** بنا ہے **سرعۃ** سے **سرعت وعجلۃ** دونوں کے معنی ہیں جلدی کرنا مگر عموماً اچھے کام میں جلدی کرنے کو سرعت کہا جاتا ہے اور برے کام میں جلدی کرنے کو عجلت مگر یہاں گناہ میں جلدی کرنے کو سرعت فرمایا گیا یہ بتانے کے لئے کہ وہ لوگ گناہ میں ایسی جلدی کرتے ہیں۔ جیسے وہ بڑی نیکی کر رہے ہیں گویا عجلت کے ساتھ رغبت بھی ظاہر فرمانے کے لئے **یسارعون** فرمایا۔ سرعت کے بعد اکثر الی آتا ہے۔ جیسے **سارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ**۔ مگر کبھی کسی حکمت سے فی بھی لایا جاتا ہے جیسے **یسارعون فی الخیرات** یہاں فی فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ گناہوں میں پہلے سے ہی مبتلا ہیں۔ مراتب گناہ میں ترقی کرنے میں جلدی کرتے ہیں (روح البیان) **اثم وعدوان** کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں (۱) چھوٹے گناہ **اثم** ہیں اور بڑے گناہ **عدوان**۔ (۲) جسمانی گناہ **اثم** ہیں قلبی گناہ یعنی کفر و نفاق **عدوان**۔ (۳) حقوق اللہ مارنے **اثم** ہیں۔ حقوق عباد مارنے لوگوں پر ظلم کرنا **عدوان** ہے۔ (۴) توریت شریف کی آیت مٹا دینی **اثم** ہے اور اس میں جعلی آیات شامل کر دینی **عدوان** ہے۔ (۵) مسلمانوں کو ستانا **اثم** ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دینا **عدوان** ہے (روح المعانی و بیان وغیرہ) ان مردودوں میں یہ سارے عیوب موجود تھے۔ غرضیکہ **اثم و عدوان** سے وہ گناہ مراد ہیں جو ان کے دین میں بھی گناہ تھے صرف وہ گناہ مراد نہیں جو اسلام میں ہی گناہ ہیں کیونکہ وہ لوگ ان کے چھوڑنے کے مکلف نہیں تھے۔ اسلام لا کر مکلف ہوتے **واکلہم السحت** یہ عبارت معطوف ہے **عدوان** پر اس میں ان کے تیسرے جرم کا ذکر ہے **اکل** سے مراد ہے مطلق

www.alahazratnetwork.org

لینا قبضہ کرنا چونکہ مال کا بڑا مقصد ہوتا ہے۔ کھانا' باقی پہننا' برتنا اس کے تابع ہوتا ہے اس لئے اکثر جگہ قرآن کریم میں **اکل** فرما کر مطلقاً لینا مراد ہے۔ جیسے **لا تاکلوا الربوا** یا جیسے **وتاکلون التراث اکلا لما۔ سحت** کے معنی ہیں مطلقاً" حرام یہاں اس سے مراد یا تو وہ رشوت ہے جو یہود آیات توریت احکام توریت بدلنے کے عوض لوگوں سے لیا کرتے تھے یہ جرم ان کے علماء کا تھا یا مطلقاً وہ کمائیاں مراد ہیں جو توریت میں حرام تھیں۔ جیسے چوری' رشوت' سود وغیرہ تب اس میں سارے یہود مبتلا تھے اب بھی یہودیوں کے برابر دوسری قومیں حرام خور نہیں **لبئس ما کانوا یعملون۔** یہاں **بئس** کا فاعل **ھو** پوشیدہ ہے اور **شیئا** محذوف اس کی تمیز ہے **ما کانوا مخصوص** **کانوا یعملون** فرما کر بتایا گیا کہ ان کے یہ عمل ایک دوبار کے نہیں۔ بلکہ دائمی ہیں یعنی یہود کے یہ کرتوت بہت بری چیزیں ہیں جو ان کے دین میں بھی حرام بلکہ کفر ہیں۔ اب تک روئے سخن بدکار یہود کی طرف تھا جو یہ مذکورہ جرم کرتے تھے اب ان علماء کی طرف رخ ہے جو انہیں روکتے نہ تھے باوجود قادر ہونے کے منع نہیں کرتے تھے کہ **لو لا ینھھم الربنیون الاحبار۔** **لولا** رغبت دینے کا کلمہ ہے۔ بمعنی **ھلا** جیسے اردو میں کسی کو کسی کام پر اکسانے بھڑکانے کے لئے کہا جاتا ہے کیوں نہیں کرتا یعنی ضرور کر۔ **ینھی** بنا ہے **نھی** سے بمعنی منع کرنا خواہ قولا" ہو یا قلما" یا عملا" **ربانیون** اور **احبار** کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں کہ **ربانیون** جمع ہے ربانی کی منسوب رب کی طرف۔ بمعنی اللہ والا **احبار** جمع ہے **حبر** کی۔ بمعنی بڑا عالم بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ربانیون** سے مراد عیسائی پادری ہیں اور **احبار** سے مراد توریت کے علماء مگر قوی احتمال یہ ہے کہ یہ دونوں جماعتیں یہود کی ہیں کیونکہ پہلے سے ذکر یہود ہی کا ہو رہا ہے یہود کے پیر و مشائخ ربانیون ہیں اور ان کے علماء **احبار** ہیں خیال رہے کہ ان کو ربانی اور احبار کہنا ان کے عقیدے کے لحاظ سے ہے ورنہ واقعہ میں وہ سب کفار ہیں وہ ربانی نہیں **شیطانی** ہیں یعنی جنہیں یہود ربانی اور احبار سمجھتے ہیں وہ انہیں ایسی بدکاریوں سے کیوں نہیں روکتے۔ بنی اسرائیل کے ہاں تارک الدنیا مشائخ کو ربانی کہا جاتا تھا اور دینی علم رکھنے والے کو حبر یا احبار کہتے ہیں اسلام میں ربانی کہتے ہیں عالم باعمل کو۔ علماء تین قسم کے ہیں۔ علماء شیطانی' علماء نفسانی۔ علماء ربانی۔ بدعمل عالم جو لوگوں کو بے دین بنائیں۔ علماء شیطانی ہیں بے عمل بے فیض عالم جن سے کسی کو دینی نفع نہ پہنچے وہ علم کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنائیں وہ نفسانی عالم ہیں باعمل عالم جن سے لوگوں کو دینی فیض پہنچتا رہے۔ جن کی زبان پر فرمان ہو دل میں فیضان وہ ربانی علماء ہیں یہ ہی نائب رسول ہیں انہیں کے متعلق ارشاد ہے کہ میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہوں گے یہ علماء گویا پارس ہیں ان کی صحبت اکسیر ہے۔ علم دین گویا حضرت جبریل کی گھوڑی کی خاک ہے اور بے دین عالم گویا سامری کا بچھڑا سامری کے بچھڑے سے لوگ گمراہ ہوئے۔ اس عالم کے وعظ سے لوگ بے دین بنتے ہیں **عن قولھم الاثم واکلھم السحت** یہ عبارت **ینھی** کے متعلق ہے یہاں **اثم** سے مراد زبانی گناہ ہے جیسے جھوٹ بولنا مسلمانوں کو گالیاں دینا ان کی غیبتیں کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں بیہودہ بکواس بکنا۔ حرام خوری کے معانی ابھی عرض کئے جاچکے

www.alahazratnetwork.org

ہیں- یعنی یہود کے پوپ پادری اپنے عوام یہود کو جھوٹ بولنے حرام کمائیوں سے منع کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ یہ چیزیں ان کے دین میں بھی حرام یا کفر ہیں۔ اور وہ ان عوام کے ان جرموں سے خبردار بھی ہیں انہیں منع کرنے پر قادر بھی ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے۔ حضور اقدس یا مسلمانوں سے اور سنایا جا رہا ہے۔ انہیں پوپ پادریوں کو کیونکہ آیات قرآنیہ ان تک پہنچتیں تھیں **لبئس ما کانوا یصنعون**۔ **لبئس** اور ما کی تفسیر ابھی ابھی ہو چکی **یصنعون** کا فاعل وہی پوپ پادری ہیں۔ عوام یہود کی بد عملیوں کے متعلق **یعملون** فرمایا گیا اور ان کے پوپ پادریوں کے منع نہ کرنے ان کی ان بدکاریوں پر خاموش رہنے کے متعلق **یصنعون** فرمایا کیونکہ عمل سے صنعت سخت تر ہے۔ عمل ہر کام کو کہتے ہیں مگر صنعت وہ کام جو دل میں راسخ ہو جاوے۔ جس کی عادت پڑ جاوے۔ چونکہ ان علماء اور درویشوں کی یہ خاموشی ان عوام کی بد عملیوں سے زیادہ خطرناک تھی کہ اس خاموشی سے لاقانونیت پھیلتی تھی اس لئے اسے صنعت فرمایا یعنی ان پوپ پادریوں کی یہ خاموشی بدترین بد عملی ہے کہ ان کی ساری قوم کی تمام بد عملیاں ان پادریوں کی شہہ پر ہو رہی ہیں ان کی خاموشی سے عوام یہود سمجھتے ہیں کہ یہ کام کوئی خاص برے نہیں ورنہ ہمارے پوپ صاحب ہم کو منع کر دیتے جب ہم اب بھی ان کے پیارے ہیں تو یہ کام بھی اچھے ہی ہوں گے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود کی مردودیت مغضوبیت اس حد تک بڑھی ہوئی ہے کہ یہ لوگ آپ کی بارگاہ میں آتے تو ہیں مگر فیض لینے کے لئے نہیں۔ بلکہ دھوکہ دینے کے لئے چنانچہ وہ آپ کے سامنے منہ سے کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لاتے ہیں۔ ہم مسلمان ہو گئے مگر حالت یہ ہے کہ آپ کے ہاں کافر ہی آتے ہیں اور کافر ہی جاتے ہیں۔ جیسے آئے ویسے ہی گئے ہم ان کے دلی ارادوں نیتوں کو جانتے ہیں۔ ان کی چھپی ہوئی حالت سے خبردار ہیں۔ چنانچہ آپ انہیں لوگوں کو دعویٰ ایمان کرنے کے بعد دیکھتے ہی ہیں کہ وہ گناہوں۔ ظلم اور حرام خوری میں بہت جلدی کرتے ہیں اگر مومن ہو گئے تھے تو ان کے حال و اعمال کیوں نہ بدلے ان کے اعمال بڑے ہی برے ہیں۔ اعمال سے دلوں کے احوال کا پتہ لگتا ہے۔ پھل پھول جڑ کا پتہ دیتی ہیں یا اکثر یہود کے اندر یہ عیوب ہیں پھر کس منہ سے اپنے کو اولاد انبیاء اور دوسروں سے اچھا کہتے ہیں یہ تو عوام یہود کا حال ہے ان کے پوپ پادریوں کا یہ حال ہے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر انہیں صراحتاً بلکہ اشارۃً بھی منع نہیں کرتے یہ ان کے پیر پادری جھوٹ بولنے حرام خوری سے منع کیوں نہیں کرتے یہ پادری لوگ ان سے بڑھ کر بدکار ہیں کہ بدکاروں کی بدکاریاں ان کی پر اسرار خاموشی کی وجہ سے ہی ہو رہی ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** بدنصیب شقی کو اعلیٰ سے اعلیٰ صحبت سے بھی فیض نہیں ملتا۔ بزرگوں کے پاس وہ جیسا آتا ہے وہاں سے ویسا ہی جاتا ہے۔ پیشاب سے بھرا ہوا برتن اگر سمندر میں بھی غوطہ لگائے پھر بھی کچھ نہ لائے گا۔ یہ فائدہ **وھم قد خرجوا بہ** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا مرکز ہیں جب یہ وہاں سے ہی محروم رہے تو کہاں سے ہدایت پائیں گے۔ **دوسرا فائدہ** بعض مردود انسان قرین شیطان سے بھی

www.alahazratnetwork.org

زیادہ بدنصیب ہیں۔ دیکھو یہ منافق یہودی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے جاتے رہتے تھے مگر ویسے کے ویسے ہی گمراہ رہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرین ایمان لے آیا مومن بن گیا۔ دیکھو مشکوۃ شریف باب الوسوسہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا قرین شیطان مومن ہو گیا۔ مجھے اچھا ہی مشورہ دیتا ہے یہ فائدہ بھی **وهم قد خرجوا به** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایسا مہربان ہے کہ حضور کو دشمنوں کی سازشیں بتاتا ان سے بچاتا ہے۔ یہ فائدہ **بما كانوا يكتمون** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ گناہوں میں جلدی کرنا نیکیوں میں دیر لگانا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن کو چاہیے کہ نیکی میں جلدی کرے گناہ کا خیال آنے پر توقف کرے شاید اللہ تعالیٰ اسے بچا ہی لے یہ فائدہ **يسارعون** الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ بعض گناہ و بدعملیاں دلی کفر و نفاق کی علامات ہیں ان کے ذریعہ دل کا حال معلوم ہوتا ہے۔ جیسے درخت کا تخم زمین میں ہوتا ہے مگر درخت اور اس کے پتے پھل پھول سے وہ تخم پہچانا جاتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں منافق یہود کے چار گناہوں کو ان کے نفاق کی دلیل بتایا۔ گناہوں پر حد سے بڑھنے میں جلدی کرنا حرام خوری کرنا وغیرہ فقہاء کرام بعض افعال کو کفر کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہی آیت ہو سکتی ہے۔ یوں ہی بعض اعمال پختگی ایمان کی علامت و دلیل ہیں۔ جیسے مقبولوں کی طرف دل کی رغبت جماعت نماز کی پابندی مسجد کی آبادی کا شوق رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما يعمر مسجد الله من امن بالله واليوم الاخر** چھٹا فائدہ رشوت لینا' حرام خواری اور بعض گناہوں پر کفار کی بھی پکڑ ہو گی وہ ان سے بچنے کے مکلف ہیں جیسے قانونی اور اسلامی سیاسی احکام کے کفار بھی مکلف ہیں۔ اس پر ان کو سزا ملے گی یہ فائدہ **لبئس ما كانوا يعملون** سے حاصل ہوا لہٰذا کافر مسلمان ہونے کے بعد بھی زمانہ کفر کے قرضے ادا کرے لی ہوئی رشوت چوری کیا ہوا مال مالکوں کو واپس دے۔ ہاں اسلامی عبادات کا کافر مکلف نہیں۔ مسلمان ہونے پر زمانہ کفر کی نمازیں قضا نہ کرے گا نہ زکوٰۃ دے گا۔ اب مسلمان ہونے کے بعد سے اس پر نماز و زکوٰۃ وغیرہ فرض ہوں گی۔ ساتواں فائدہ عالم پر زبانی' قلمی' عملی تبلیغ فرض ہے وہ خود بھی گناہوں سے بچے نیکیاں کرے اور دوسروں کو بھی اس پر عمل کرائے اگر عالم گناہ دیکھ کر باوجود قدرت کے منع نہ کرے تو سخت گنہگار ہے یہ فائدہ **لو لا ينههم الربانيون** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ جاہل کا گناہ کرنے سے عالم کے گناہوں پر خاموشی زیادہ سخت جرم ہے کہ اس کی خاموشی سے لوگوں میں گناہ پھیلیں گے لوگ سمجھیں گے کہ اگر یہ کام برے ہوتے تو مولوی صاحب اس سے منع کیوں نہ کرتے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے جاہل یہود کی بدعملیوں کے متعلق ارشاد فرمایا **ما كانوا يعملون** اور یہودی پوپ پادریوں کے متعلق فرمایا **ما كانوا يصنعون** عمل اور **صنع** کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ نواں فائدہ کفار کے پیشواء علماء پر بھی فرض ہے کہ اپنے ماتحت لوگوں کو اچھی باتیں بتائیں اگر نہ کریں گے تو اس کی سزا پائیں گے یہ فائدہ بھی **لو لا ينهاهم الربانيون** الخ سے حاصل ہوا جاہل کفار کے مقابلہ میں عالم کفار کی سزا سخت تر ہے۔ کافر مالدار کافر بادشاہوں کا یہی حال ہے کہ اگر وہ ایمان لائیں اور

www.alahazratnetwork.org

ان کی وجہ سے ان کے ماتحت بھی ایمان قبول کرلیں تو انہیں بڑا ثواب ہے اور اگر وہ کافر رہیں تو انہیں اپنے تمام ماتحتوں کے کفر و بد عملیوں کی برابر سزا ہے۔ دسواں فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے دلی ارادوں خفیہ نیک و بد اعمال کو اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرمارہے ہیں کوئی آڑ ان کی نگاہ کے لئے حائل نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ **وتری کثیرا** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چنانچہ حضور انور نے دو قبروں کے متعلق خبر دی کہ ان میں عذاب ہو رہا ہے یہ میت چغل خوری کرتا تھا اور یہ میت پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا۔ حضرت عباس سے جب فدیہ مانگا گیا اور انہوں نے اپنی غریبی و ناداری کی شکایت کی تو فرمایا کہ تم چار سو دینار اپنی زوجہ پاک کو مکہ میں دے کر آئے تھے وہ کہاں ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو ان تمام کی خبر دے سکتا ہوں جو کچھ تم اپنے گھروں میں کھاتے بچاتے ہو۔ اور کھاؤ بچاؤ گے۔ جیسے ہمارے خیال کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں۔ انبیاء کی نگاہ کے لئے کوئی پردہ حائل نہیں۔ **شعر:۔**

☆ خدا مطلع ساخت برجملہ غیب ☆ **علی کل شئی خبیر** آمدی ☆

گیارہواں فائدہ تبلیغ دین صرف علماء پر ہی لازم نہیں بلکہ پیران عظام مشائخ کرام پر بھی ضروری ہے بلکہ ہر اثر والے پر ضروری ہے کہ اپنے ماتحتوں کی اصلاح کرے ورنہ پکڑا جاوے گا یہ فائدہ **الربانیون والاحبار** سے حاصل ہوا۔ **ربانیون** تو یہود کے تارک الدنیا فقیر ہیں اور احبار ان کے پادری علماء اب بھی مشائخ کو چاہیے کہ جو لوگ ان کے پاس فیض حاصل کرنے آئیں انہیں نماز کی پابندی۔ معاملات کی درستی کی تلقین کریں بلکہ اپنے تعویذ وغیرہ میں نماز کی پابندی کی شرط لگادیں۔ بڑا ثواب پائیں گے میں جب کسی کو تعویذ دیتا ہوں تو دو شرطیں لگادیتا ہوں نماز پنج گانہ کی پابندی ہر گیارہویں چاند کو حضرت غوث پاک کی فاتحہ۔

پہلا اعتراض عدوان اور حرام خوری بھی اثم یعنی گناہ میں داخل ہے۔ پھر اثم کے بعد ان دونوں کا علیحدہ ذکر کیوں فرمایا۔ **جواب** تاکہ معلوم ہو کہ حقوق العباد ضائع کرنا بدترین گناہ ہے کیونکہ عدوان سے مراد ظلم اور سحت سے مراد رشوت ہے جیسا کہ ہم نے اس کی ایک تفسیر میں عرض کیا۔ **دوسرا اعتراض** یہود تو کافر ہیں اور کافر شرعی احکام کے مکلف نہیں ہوتے۔ وہ سور کھائیں۔ شراب پئیں۔ اسلامی حاکم انہیں نہیں روکے گا تو ان کو گناہوں رشوت خوریوں سے کیوں روکا گیا۔ سور کھانا' رشوت کھانا' دونوں ہی حرام ہیں۔ پھر اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں ان کلمہ گو کفار کے کفر کی دلیل دی جارہی ہے کہ اگر یہ لوگ دل سے مسلمان ہو گئے ہوتے تو یہ حرکتیں کرنے کی ہمت نہ کرتے یہ اعمال ان کے کفر کی دلیل ہیں۔ دوسرے یہ کہ کفار پر بھی حرام خوری حق تلفی کی پکڑ ہے۔ سور کھانے میں کسی کی حق تلفی نہیں وہ کھاتے ہیں تو کھائیں مگر چوری رشوت' جوا وغیرہ سے ضرور روکا جاوے گا کہ اس میں بندے کی حق تلفی ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہود کے پوپ پادریوں کو ربانی کیوں فرمایا۔ ربانی وہ جو اللہ والا ہو وہ

www.alahazratnetwork.org

شیطان والے ہیں انہیں اللہ تعالیٰ سے کیا تعلق جواب یہاں واقعی اللہ والے مراد نہیں بلکہ جنہیں عام یہود اللہ والا کہتے سمجھتے ہیں وہ مراد ہیں۔ یعنی ان کے اعتقاد میں اللہ والے یہ فرمان عالی ان کے عقیدے کی بنا پر ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہودی علماء کافر ہیں کفار پر حق کی تبلیغ شرعاً واجب نہیں پھر یہاں ان کی تبلیغ نہ کرنے پر عتاب کیوں فرمایا گیا۔ **جواب** یہ دکھانے کے لئے کہ یہودی علماء لوگوں کو اسلام کی رغبت کیا دیتے کفر سے نفرت تو کیا دلاتے وہ تو ان باتوں سے بھی نہیں روکتے جو ان کے دین میں حرام ہیں۔ اس میں ان کی کوتاہیوں کو ظاہر فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ۔ حضور کی بارگاہ میں آنے کی تین چار نوعیتیں ہیں صرف جسم سے آنا دل سے آنا روح سے آنا ان میں سے ہر قسم کی آمد کے نتیجے الگ الگ ہیں جسم سے آنے والوں کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے یہ آنا بھی بے دینی و کفر ہے کہ یہ آنا دھوکا فریب دینے کے لئے ہے دل سے آنے کا ذکر ہے اس آیت **جاءوک فاستغفروا اللہ** اس آنے کا نتیجہ ہے گناہوں کا دھل جانا رحمتوں کا مل جانا روح سے آنے کا ذکر اس آیت میں **اذا جاءک الذین یومنون** الخ اس آنے کا نتیجہ ہے دونوں جہان کی آفتوں سے سلامتی خاص رحمتوں کا عطیہ **فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** صرف جسم سے آنے والا آکر بھی غائب رہتا ہے۔ دل و جان سے آنے والا غیر حاضری میں بھی حاضر رہتا ہے ابو جہل و یہ یہودی حضور کے ہاں حاضر ہو کر بھی غیر حاضر رہے اور اویس قرنی مدینہ میں نہ آکر بھی حاضر رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ایمان و اطاعت پر پختگی کا نام ہے استقامت یہ رب تعالیٰ کو بہت ہی پسند ہے۔ کفر و گناہ پر پختگی کا نام ہے ضد اور ہٹ دھرمی یہ بڑی ہی مبغوض حرکت ہے اور اس سے متصف انسان مردود ہے اس ضد کی دو قسمیں ہیں معمولی ضد اور قوی ضد جو یہود و ازلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک میں بھی پہنچ کر کافر ہی رہے وہ بہت سخت ضدی اور شقی ازلی ہے اس کا یہاں ذکر ہے عارضی سیاہی کو صابن دھو دیتا ہے مگر کوئلہ کو صابن سفید نہیں کر سکتا کہ اس کی سیاہی اصلی ہے دیکھو یہ بد نصیب منافق یہودی حضور کی بارگاہ میں جیسے آتے ویسے ہی جاتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ کبھی نیکی کی طرف دھیان بھی نہیں کرتے اور بدکاریوں گناہوں کی طرف دوڑ کر جاتے ہیں پہلے حقوق الٰہی مارتے ہیں پھر حقوق العباد ہضم کرنے لگتے ہیں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عالم ربانی اور مشائخ طریقت دونوں پر بقدر طاقت تبلیغ واجب ہے اگر تبلیغ نہ کریں گے تو سارے گنہگاروں کا وبال ان پر ہو گا جو ان کی خاموشی کی وجہ سے گنہگار ہوئے مبلغ کو چاہیے کہ ہر شخص کو تبلیغ کرے خواہ وہ مانے یا نہ مانے۔ اندھے کو راستہ بتاؤ۔ وہ تمہاری رہبری سے انکھیارا نہ ہو جاوے گا مگر تم کو رہبری کا ثواب مل جاوے گا۔ استغراق سے ارشاد افضل ہے کیونکہ ارشاد و رہبری طریقہ انبیاء ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک** حضرات انبیاء استغراق کے لئے نہیں آتے ارشاد کے لئے آتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ ۚ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا ۘ بَلْ

اور کہا یہود نے کہ اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ جکڑے جاویں اور لعنت کئے جاویں وہ اس وجہ سے

اور یہودی بولے اللہ کا ہاتھ بندھا ہوا ہے ان کے ہاتھ باندھے جاویں اور ان پر اس کہے سے لعنت ہے بلکہ

يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ وَلَيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنْزِلَ

جو انہوں نے کہا بلکہ ہاتھ اس کے کھلے ہیں خرچ کرتا ہے جیسے چاہے اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا بہت سوں کو ان میں

اس کے ہاتھ کشادہ ہیں عطا فرماتا ہے جیسے چاہے اور اے محبوب یہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے

إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ وَأَلْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ

سے وہ جو اتارا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے سرکشی اور کفر کو اور ڈال دی ہم نے درمیان ان کے دشمنی

اترا اس سے ان بہتوں کو شرارت و کفر میں ترقی ہو گی اور ان میں ہم نے قیامت تک آپس میں دشمنی اور

إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ ۚ كُلَّمَا أَوْقَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ۚ وَيَسْعَوْنَ فِي

اور بغض دن قیامت تک جب کبھی روشن کرتے ہیں وہ آگ لڑائی کے لئے بجھا دیتا ہے اس کو خدا اور کوشش

بیر ڈال دیا جب کبھی لڑائی کی آگ بھڑکاتے ہیں اللہ اسے بجھا تا ہے اور زمین میں فساد

الْأَرْضِ فَسَادًا ۚ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿٦٤﴾

کرتے ہیں وہ زمین میں فساد کی اور اللہ نہیں محبت کرتا فساد کرنے والوں سے

کے لئے دوڑتے پھرتے ہیں اور اللہ فسادیوں کو نہیں چاہتا ۔

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا **تعلق** پچھلی آیت میں یہود کا کفر میں پختہ ہونا بیان فرمایا گیا۔ وہ حضور انور کی مجلس شریف میں آکر بھی کافر رہتے ہیں اب اس کا ثبوت خود ان کے اپنے قول سے دیا جا رہا ہے کہ ان کے منہ سے ایسی بکواس نکلتی رہتی ہے جو خود ان کے نزدیک بھی کفر ہے۔ گویا پہلے ان کے کفر کی پختگی کا ذکر تھا۔ اب اس کا ثبوت ہے۔ دوسرا **تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی رسول دشمنی کا ذکر تھا جیسا کہ ہم نے اثم اور عدوان کی تفسیر میں عرض کیا اب ان کی خدا دشمنی کا ذکر ہے جو رسول دشمنی کا نتیجہ ہے۔ جس کے دل میں حضور کی عظمت نہ ہو اس کے دل میں خدا تعالیٰ کی عظمت کبھی نہیں ہو سکتی گویا پہلے یہود کی بیماری کا ذکر تھا اب اس کے برے انجام کا۔ تیسرا **تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود کے پوپ پادری انہیں گناہ بکنے سے نہیں روکتے اب فرمایا جا رہا ہے کہ انکی زبان درازی اور منہ پھٹ ہونے کی حد ہو چکی وہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اس بکواس سے باز نہیں آتے گویا زبان درازی کی ابتداء کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی انتہا کا ذکر ہو رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شانِ نزول اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) فحاص ابن عازورا یہودی قبنقاع کے یہود میں بہت بڑا مالدار تھا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت کی وجہ سے ایک دم فقیر ہو گیا اللہ کے قہر میں آ گیا ایک دن وہ اپنی جماعت میں بیٹھ کر کہنے لگا کہ اللہ کے ہاتھ بندھ گئے یعنی نعوذ باللہ وہ کنجوس و بخیل ہو گیا۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی چونکہ باقی سننے والے یہود نے اس کی تردید نہ کی بلکہ خاموشی سے سنتے رہے اس لئے ان سب کو اس کا قائل قرار دیا گیا اور **قالوا** جمع ارشاد ہوا (تفسیر خازن کبیر روح المعانی و بیان وغیرہ) (۲) جب آیت کریمہ **من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا** الخ نازل ہوئی تو بعض یہود نے کہا اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھ گئے یعنی وہ فقیر ہو گیا کہ اسے قرض مانگنے کی حاجت پیش آئی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (۳) پہلے عموماً حضرات صحابہ کرام فقراء و مساکین تھے۔ یہود ان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے تھے کہ مسلمانوں کا خدا بخیل ہے جو اپنے ان پیاروں بندوں پر بھی خرچ نہیں کرتا تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان کی نہایت شاندار تردید کی گئی (تفسیر کبیر)

تفسیر **وقالت الیھود ید اللہ مغلولۃ** اگر یہ قول صرف فحاص ابن عازورا کا ہے تو جماعت یہود کو اس کا قائل اس لئے قرار دیا گیا کہ وہ اس کی یہ بکواس سن کر خاموش رہے اور اس کو اپنا پیشواء مانے گئے اور اگر عام یہود کا قول ہے تب تو بالکل ظاہر ہے **ید اللہ** سے مراد رب تعالیٰ کا دست عطا اس کی جود و سخا ہے نہ کہ یہ گوشت و ہڈی والا ہاتھ کہ یہود اس قسم کا ہاتھ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ مانتے تھے۔ **مغلول** بنا ہے غل سے بمعنی باندھنا اسی سے ہے **اغلال** بمعنی بیڑیاں جس سے مجرم کے پاؤں باندھے جاتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **خذوہ فغلوہ** عربی میں مغلول بخیل کو بھی کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تجعل یدک مغلولۃ الی عنقک** اور فقیر کو بھی یہاں دونوں معنی کا احتمال ہے۔ یعنی یہود بولے کہ اللہ تعالیٰ بخیل ہے یا فقیر ہے نعوذ باللہ۔ اس کے ہاتھ بندھے ہیں وہ خرچ نہیں کرتا یا نہیں کر سکتا۔ **غلت ایدیھم** یہ عبارت یہود کی بکواس کے جواب کی ابتداء اور تمہید ہے اس کا اصل جواب تو آگے آ رہا ہے۔ **بل یداہ** الخ یہ جملہ یا تو انشائیہ ہے یا خبریہ اگر انشائیہ ہے تو بمعنی دعاء بد ہے عرب لوگ اظہار ناراضی و غضب کے لئے بددعائیہ الفاظ کہتے ہیں اردو میں بھی مروج ہے ماں غصہ میں کہتی ہے تو مر جائے۔ بددعا مقصود نہیں ہوتی یوں ہی قرآن مجید میں بددعائیہ کلمات غضب الٰہی کے اظہار کے لئے ہوتے ہیں جیسے منافقین کے لئے فرمایا گیا **فزادھم اللہ مرضا** اللہ ان کی بیماری اور بڑھائے۔ یا ارشاد ہے **تبت یدا ابی لھب** ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جاویں یا فرمایا گیا **قاتلھم اللہ انی یوفکون** انہیں خدا غارت کرے کیسے پھرے جاتے ہیں یہ تمام کلمات اظہار غضب کے لئے ہیں رب تعالیٰ کسی کو دعا یا بددعا دینے سے پاک ہے سب اس سے دعا مانگتے ہیں وہ کس سے دعا مانگے یا ہم کو تعلیم کے لئے ہے کہ تم لوگ انہیں اس طرح بددعائیں دیا کرو یا یہ جملہ خبریہ ہے یعنی ان یہود کے ہاتھ باندھ دیئے جاویں وہ ہی فقیر ہو جائیں۔ بخیل ہو جائیں یا ان کے ہاتھ باندھ دیئے جائیں گے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی دنیا میں اس طرح کہ وہ سخت بخیل ممسک ہوں گے۔ کسی کے

www.alahazratnetwork.org

پاس مال نہ ہونا معمولی فقیری ہے مگر مال ہونا اور اس سے نفع نہ اٹھا سکنا بڑی سخت فقیری ہے۔ یہودی دوسری قسم کے فقیر ہیں کہ ان کے پاس مال بہت مگر بخل کی وجہ سے نہ خود کھا سکتے ہیں نہ کسی کو کھلا سکتے ہیں جمع کیا اور مر گئے ان کی دولت کا خلاصہ یہ ہے۔ محنت سے جوڑنا حسرت سے چھوڑنا یہ خدا کا عذاب ہے آخرت میں اس طرح کہ ان کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انہیں دوزخ میں پھینکا جاوے گا۔ اس بکواس کی سزا میں **ولعنوا بما قالوا** یہ جملہ **غلت الخ** پر معطوف ہے اور اس میں بھی وہ تین مذکورہ احتمال ہیں کہ اپنی اس بکواس کی وجہ سے لعنت کئے جاویں یا اے مسلمانو کہو کہ ان پر لعنت کی جاوے دنیا و آخرت میں۔ لعنت کے معنی اور اس کے اقسام بارہا بیان ہو چکے یہاں یا تو بندوں کی لعنت مراد ہے۔ یا رب تعالٰی کی لعنت و پھٹکار مراد **بل یداہ مبسوطتن** یہ عبارت یہودی بکواس کا جواب ہے۔ بل اضراب کے لئے ہے یعنی پہلے قول کی نفی اور آئندہ قول کا ثبوت اس میں **غل** کی نفی ہے بسط کا ثبوت۔ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی کے لئے ہاتھوں کا ذکر ہے کہیں ایک ہاتھ کا جیسے **ید اللّٰہ فوق ایدیھم** کہیں دو ہاتھوں کا جیسے یہاں اور آیت کریمہ **ما منعک ان تسجد لما خلقت بیدی** میں اور کہیں بہت سے ہاتھوں کا جیسے **انا خلقنا لھم مما عملت ایدینا** چونکہ یہ گوشت و پوست و ہڈی والا ہاتھ رب تعالٰی کے لئے ناممکن ہے اس لئے وہاں ہاتھ سے مراد یا قدرت ہوتی ہے یا جود و کرم یا نعمت و احسان یا مملکت و سلطنت یا خاص توجہ اردو میں بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں کام میں حکومت کا ہاتھ ہے یعنی اس کی مدد ہے۔ بہت زیادہ کرم یا توجہ کے لئے **ید** کو تثنیہ یا جمع لایا جاتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے اس **ید** سے مراد ہے تائید یعنی قوت دینا **مبسوط** بنا ہے **بسط** سے بمعنی کشادگی یہ **غل** کا مقابل ہے یہاں بھی کشادگی سے وہ ہی مراد ہے جو رب تعالٰی کے لائق ہے اردو میں بھی سخاوت کو اور زیادہ خرچ کرنے کو ہاتھ کھلنا کہا جاتا ہے فلاں کا بڑا کھلا ہاتھ ہے یعنی خوب خرچ کرتا ہے یعنی رب تعالٰی کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں بڑا کریم ہے معمولی سخی ایک ہاتھ سے ایک آدھ فقیر کو دیتا ہے بڑا سخی و کریم دو ہاتھوں سے بانٹتا ہے۔ اس کی عطا ہر ست ہوتی ہے وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے رب تعالٰی کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں کہ ہر وقت ہر طرف ہر شخص کو بہت دیتا ہے یا اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہیں ایک ہاتھ دینے کے لئے دوسرا ہاتھ بندوں کے اعمال لینے کے لئے کہ ان کی نیکیاں قبول فرماوے اور بد اعمال سے انہیں معاف فرمائے یا دونوں ہاتھ کھلے ہیں ایک ہاتھ دن میں دینے کے لئے دوسرا ہاتھ رات میں عطا کے لئے یا دونوں ہاتھ کھلے ہیں ایک ہاتھ بندوں کی مانگ سے دینے کے لئے دوسرا ہاتھ انہیں بغیر مانگے دینے کے لئے۔ سبحان اللہ **ینفق کیف یشاء** اس عبارت میں اس کے ہاتھ کشادہ ہونے کا بیان ہے یہ جملہ یا تو **یدہ** کی ضمیر مجرور سے حال ہے کیونکہ ذوالحال و حال میں خبر کا فاصلہ جائز ہے۔ جیسے **ھذا بعلی شیخا** یا مستقل علیحدہ جملہ ہے۔ **کیف** ظرف ہے۔ **ینفق** کا (روح المعانی) انفاق سے مراد عطا فرمانا ہے نہ کہ خرچ کرکے ختم کر دینا کہ رب تعالٰی کے خزانے خرچ ہو جانے سے پاک ہیں۔ انفاق سے یا تو مال کی عطا مراد ہے یا مال اعمال احوال وغیرہ تمام نعمتوں کی عطا مراد پہلا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی رب تعالٰی جیسے چاہے اپنے بندوں کو اپنی نعمتیں دیتا ہے کسی کو غریب کسی کو امیر فرماتا ہے پھر ایک

www.alahazratnetwork.org

ہی شخص کو کبھی غنی کبھی فقیر کرتا ہے۔ نہ اس سے کوئی اس کے متعلق پوچھ سکتا ہے نہ وہ کسی سے اجازت لے کر خرچ فرماتا ہے۔ وہ مالک الملک ہے جسے جو چاہے جب چاہے عطا فرمائے اس کے ہاں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں **ولیزیدن کثیرا منھم ما انزل الیک من ربک طغیانا وکفرا** یہ جملہ یا تو بالکل مستقل ہے جس میں ان یہود کے لعنتی ہونے کا ثبوت ہے اور یا **ینفق** کا بیان **کثیرا** سے مراد علماء یہود ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی برحق جانتے ہوئے محض حسد سے آپ کے انکاری تھے یا وہ مراد ہیں۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے۔ **منھم** کا مرجع وہ ہی مذکورہ یہود ہیں **ما انزل** سے مراد آیات قرآنیہ حضور کے معجزات آپ کے دلائل توحید و ایمان ہیں کہ یہ تمام رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وارد ہوئے **طغیان** سے مراد ان کی عملی سرکشی ہے۔ کفر سے مراد ان کا اعتقادی فساد و عناد ہے یعنی چونکہ یہ لوگ رب کے ہاں سے دھتکارے ہوئے ہیں۔ آپ کے حاسد ہیں اس لئے آیات قرآنیہ آپ کے معجزات و دلائل سے ان کے کفر و بدکاریوں میں زیادتی ہوتی رہے گی۔ ہر آیت کے نزول ہر معجزہ کے ظہور کے وقت ان کا انکار اور زیادہ بڑھ جاوے گا۔ ان کی حسد کی آگ اور بھی بھڑک جاوے گی۔ خیال رہے کہ حضور انور سے صرف ہدایت ہی ملتی ہے **انک لتھدی الی صراط مستقیم** مگر قرآن مجید سے ہدایت بھی ملتی ہے۔ گمراہی بھی **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا** قرآن مجید کایا نہیں پلٹ سکتا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی کی کایا ہی پلٹ دیتے ہیں۔ فطرت بدل دیتے ہیں حتیٰ کہ حضور انور کا قرین یعنی ساتھ رہنے والا شیطان مسلمان ہو گیا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ ہے کایا پلٹ **والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمۃ** یہ عبارت معطوف ہے **ولیزیدن** پر اس میں ان پر دنیاوی عذاب کا ذکر ہے۔ **بینھم** کا مرجع یہود ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہوا اور ہو سکتا ہے کہ یہود و عیسائی دونوں ہوں کہ کچھ پہلے ان دونوں کا ہی ذکر ہو چکا ہے **لا تتخذوا الیھود والنصرٰی اولیاء** مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ عداوت دشمنی ہے اور اس دشمنی کا بقاء بغض ہے **الی یوم القیمۃ** سے مراد یا تو ہمیشگی ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے میں تجھ سے قیامت تک نہ بولوں گا یا اس دنیاوی دشمنی جنگ و جدال کی انتہاء کا ذکر ہے۔ قیامت میں اور اس کے بعد دوسری قسم کی دشمنی ہو گی یعنی اس پھٹکار کا عذاب یہ ہے کہ ہم نے یہود میں یا یہود و نصاریٰ دونوں میں دائمی دشمنی ڈال دی۔ چنانچہ یہود میں جبریہ' قدریہ' مرجیہ' مشبہ فرقے موجود ہیں جو ایک دوسرے کو کافر کہتے رہتے ہیں۔ ان کی آپس میں دھول جوتی ہی رہتی ہے۔ یوں ہی عیسائیوں میں ملکانیہ' نسطوریہ' یعقوبیہ فرقے ہمیشہ لڑتے رہتے ہیں۔ ان میں خدائی کتاب الٰہی ہی مقرر نہیں جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں **فلما اوقدوا نارا للحرب اطفاھا اللہ۔** اس جملہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو یہود کے شر سے بچائے رکھنے کا وعدہ الٰہی ہے۔ **کلما** میں یا تو حضرات صحابہ کے زمانہ ہی کا ذکر ہے یا تاقیامت عرب میں پہلے دستور تھا کہ جب دو قوموں کی آپس میں جنگ ہونے والی ہوتی تو فریقین اپنے اپنے پہاڑوں یا اونچے مقامات پر آگ روشن کرتے تھے اسے نار حرب کہتے تھے یعنی جنگی آگ یہ گویا جنگ کا الٹی میٹم

www.alahazratnetwork.org

ہوتا تھا وہ رواج تو جاتا رہا مگر یہ مثال قائم رہی کہ فلاں نے جنگ کی آگ بھڑکائی یعنی لڑائی کی کوشش کی وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے (تفسیر روح المعانی) آگ بجھانے سے مراد ہے ان یہود کی کوششوں کو بیکار کر دینا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے شر سے بچالینا یعنی یہ یہود جب بھی مسلمانوں کے خلاف جنگی تدبیریں کرتے ہیں یا کریں گے اللہ تعالیٰ انہیں ان تدبیروں میں ناکام کر دے گا۔ اسلام اور مسلمان ان کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ اس کا تجربہ پہلے بھی ہو چکا اور اب بھی ہو رہا ہے **والحمد للہ** ایک قول یہ ہے کہ اس میں ان کے دائمی عمل کا ذکر ہے۔ حضور سے پہلے اور آپ کی موجودگی میں آپ کے بعد ہر زمانہ میں چنانچہ جب یہود نے پہلی بار فساد پھیلایا تو ان پر فطرس رومی کو مسلط کر دیا۔ جس نے انہیں پیس کر رکھ دیا پھر فساد پھیلایا تو ان پر مجوس مسلط ہوئے پھر فساد پھیلایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان پر مسلط فرمادیا گیا اور انشاء اللہ آئندہ بھی ایسا ہی رہے گا۔ یہاں تک کہ قریب قیامت جناب عیسیٰ علیہ السلام و امام مہدی کے زمانہ میں فنا کر دیئے جائیں گے۔ انشاء اللہ **ویسعون فی الارض فسادا** یہ ان کے دوسرے فسادوں کا ذکر ہے یعنی یہود اپنی مسلسل ناکامیوں کے باوجود چین سے نہ بیٹھیں گے۔ فساد پھیلاتے ہی رہیں گے۔ دوسری قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکاتے رہیں گے۔ لہٰذا ان سے بے فکر نہ رہنا چاہیے **واللہ لا یحب المفسدین** اللہ تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ ان کو سخت ناپسند کرتا ہے لہٰذا تمام یہود بہت مردود بین ہیں۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود کی گستاخیوں پر مغموم و ملول نہ ہوں یہ تو ایسے بے ادب ہیں کہ بارگاہ الوہیت میں بھی گستاخیوں سے باز نہیں آتے چنانچہ یہ میرے متعلق کہتے ہیں کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں وہ بخیل یا فقیر ہے نعوذ باللہ انہیں بدنصیبوں کے ہاتھ بندھ جائیں یہ ہی بخیل و فقیر رہیں یہ لوگ اپنی اس بکواس کی وجہ سے لعنتی ہو گئے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی اللہ کے دونوں دست کرم کشادہ ہیں ہر طرف ہر ایک کو بہت ہی عطا فرماتا ہے۔ اس کریم کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ جس طرح چاہے اپنی مخلوق پر خرچ فرماتا ہے کسی کو فقیر کسی کو امیر بناتا ہے۔ پھر ایک ہی کو کبھی فقیر کبھی امیر کرتا ہے اس میں اس کی لاکھوں مصلحتیں ہیں اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی گستاخیوں پر ناراض نہ ہوں ان میں سے بہتوں کا یہ حال ہے کہ آپ کی کتاب آپ کے معجزات آپ کے فرمانوں سے ان بدنصیبوں کے کفر سرکشی میں اور بھی اضافہ ہوتا ہے جس قدر آیات آتی ہیں اسی قدر کا یہ انکار و مذاق کرتے ہیں۔ جس سے ان کا کفر پر کفر بڑھتا رہتا ہے۔ ہم نے ان پر دنیا میں یہ عذاب بھیجا کہ ان کو فرقوں میں بانٹ دیا اور ان میں آپس میں عداوتیں۔ بغض قیامت تک ڈال دیئے کہ ان میں سے دو فرقے کبھی متفق ہو کر نہیں بیٹھ سکتے اتفاق و محبت اللہ کی رحمت ہے۔ جنت کی نعمت ہے فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل اخوانا علی سرر متقابلین** اور آپس کی دشمنیاں دوزخ کا عذاب ہے فرماتا ہے **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** اور آپ کے یا مسلمانوں کے مقابل یہ لوگ جب بھی لڑائی کی آگ بھڑکائیں گے کہ کفار کو آپ کے مقابل لائیں گے اللہ تعالیٰ انہیں ناکام بنا دے گا۔ آپ کو ان کی شر سے محفوظ رکھے

www.alahazratnetwork.org

گا ہاں اتنا ضرور ہو گا کہ یہ ہمیشہ آپ کے خلاف فتنہ و فساد پھیلاتے رہیں گے۔ لہٰذا ہمیشہ مسلمان ان سے چوکنے رہیں یہ بڑے فسادی ہیں رب تعالیٰ فسادیوں کو پسند نہیں کرتا اس کے نزدیک فسادی بدترین مجرم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرما دیا۔ غزوہ احزاب اور غزوہ بنی نضیر وغیرہ جو حضور کے زمانہ میں ہوئے بعد میں جنگ قادسیہ و یرموک میں مسلمانوں کی فتوحات یہود کا خائب و خاسر ہونا۔ اس آیت کریمہ کی زندہ جاوید تفسیریں ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** گناہوں سے روزی گھٹتی ہے اور نیکیوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ روزی میں برکت دیتا ہے دیکھو اس زمانہ کے یہود پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی نحوست سے روزی تنگ ہو گئی۔ قرآن کریم نیکیوں اور استغفار کی برکتوں کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتا ہے۔ **یمدد کم باموال وبنین۔** **دوسرا فائدہ** قوم میں سے ایک کا برا قول و فعل سب کا قول و فعل ہے اگر قوم اس پر مطلع ہو کر اسے منع نہ کرے دیکھو یہ بکواس صرف فنحاص ابن عازورا نے کی تھی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **وقالت الیھود** یہی حال اچھے اقوال و اعمال کا ہے کہ نیکی کرنا کرانا نیکی میں مدد کرنا اس سے خوش ہونا سب پر ثواب ہے۔ **تیسرا فائدہ** جس کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام نہ ہو گا اس کے دل میں خدا تعالیٰ قرآن مجید فرشتوں وغیرہ کا ادب کبھی نہیں آ سکتا۔ حضور کا ادب تمام آداب کی اصل ہے۔ دیکھو یہود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ تھے تو رب تعالیٰ کے بھی گستاخ ہو گئے اور رب کی شان میں وہ بکواس کر بیٹھے جو بدترین گمراہ و کافر بھی نہ کرے گا۔ **چوتھا فائدہ** انسان کبھی جوش غضب میں ایسی باتیں کہہ بیٹھتا ہے جو اس کے مذہب بلکہ اس کے ضمیر کے بھی خلاف ہوتی ہے۔ دیکھو یہود کا عقیدہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ بخیل یا فقیر ہے مگر ان کے منہ سے ایسی بکواس نکلی انسان کو اپنی زبان کی نگرانی و حفاظت چاہیے ایک لفظ سے آدمی مقبول ہو جاتا ہے اور ایک لفظ سے مردود۔ **پانچواں فائدہ** جس چیز کو رب تعالیٰ سے نسبت ہو جاوے اس کی بے ادبی کفر ہے۔ یہود نے ہاتھ کو اللہ تعالیٰ سے نسبت دی۔ پھر اسے مغلول یعنی بندھا کہہ کر اس کی اہانت کی تو وہ لعنتی قرار دیئے گئے۔ یوں ہی جو شخص اللہ کے نبی اللہ کی کتاب اللہ کی مسجد۔ اللہ کے کعبہ کی شان میں بکواس کرے وہ بے دین و لعنتی ہے۔ **چھٹا فائدہ** اللہ تعالیٰ دنیا میں فرمانبردار بندوں کو بھی روزی دیتا ہے۔ نافرمانوں کو بھی یہاں کی عطا ہمارے اعمال پر موقوف نہیں یہ فائدہ **بل یدہ مبسوطتن** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ دونوں ہاتھوں سے مراد دوستوں کی طرف عطا کا ہاتھ ہے اور دشمنوں کی طرف دوسرے دست عطا کی توجہ مراد ہے اس کی اور بھی تفسیریں ہیں۔ **ساتواں فائدہ** رب تعالیٰ ہماری تعریف یا توہین سے بے نیاز ہے ہماری تعریف سے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہماری توہین کرنے سے اس کا کوئی نقصان نہیں مگر اس کا اثر خود ہم پر پڑتا ہے جو رب تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے وہ خود قابل تعریف ہو جاتا ہے۔ جو اس کی اہانت کرے وہ خود عیب دار ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہود نے کہا تھا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہیں جو بات وہ میرے متعلق کہتے ہیں وہ خود اس سے متصف ہو جاتے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ** مطیع کو ثواب دینا اور مجرم کو عذاب دینا اللہ تعالیٰ پر بذات خود واجب نہیں وہ مختار ہے اپنے اختیار سے

www.alahazratnetwork.org

ثواب و عذاب دے گا یہی مذہب اہل سنت ہے یہ فائدہ **ینفق کیف یشاء** سے حاصل ہوا اس کے ذمہ کسی کو واجب بذاتہ ماننا اس کے دست کرم کو پابند ماننا ہے جیسا کہ معتزلہ کا عقیدہ ہے۔ (تفسیر کبیر) نواں فائدہ قرآن و حدیث سے اس کو ہدایت ملتی ہے جس کے دل میں ایمان کی حرارت ہو جو ازلی شقی ہے وہ ان سے نقصان اٹھاتا ہے یہ فائدہ **ولیزیدن کثیرا** الخ سے حاصل ہوا۔ سورج سے چگادڑ کی آنکھ اندھی ہو جاتی ہے۔ سورج کا قصور نہیں اس کی اپنی آنکھ کا قصور ہے۔ دسواں فائدہ قوم میں عداوت و بغض ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **والقینا بینھم العدوٰۃ** الخ سے حاصل ہوا۔ یوں ہی قوم میں اتحاد و اتفاق اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ گیارہواں فائدہ بعض گناہوں کی وجہ سے لوگوں میں نااتفاق پیدا ہوتی ہے۔ آپس میں عداوتیں بغض پھیلتے ہیں یہ فائدہ بھی **والقینا بینھم العدوٰۃ** الخ سے حاصل ہوا۔ کہ یہود کو بارگاہ الٰہی میں گستاخی کی وجہ سے عداوت و بغض کی سزا بھی ملی یوں ہی بعض نیکیوں کی وجہ سے اتفاق و محبت پیدا ہوتی ہے جو شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت داہنا پاؤں دروازہ میں پہلے رکھا کرے۔ بسم اللہ شریف پڑھ کر داخل ہوا کرے اور گھر والوں کو سلام کیا کرے اگر گھر خالی ہو تو السلام علیک ایہا النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ کہہ لیا کرے۔ فجر کی سنتیں گھر پڑھ کر ۷۰ بار استغفار پڑھ لیا کرے تو انشاء اللہ گھر میں اتفاق روزی میں برکت رہے مجرب ہے۔ بارہواں فائدہ اللہ تعالیٰ پر وہ کام واجب نہیں جو بندوں کے لئے مفید ہو یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ دیکھو قرآنی آیات ان یہود کے کفر و طغیان کا باعث تھیں۔ مگر رب تعالیٰ نے نازل فرمائیں (تفسیر کبیر) چگادڑوں کی رعایت کے لئے سورج کو تاریک نہیں کیا جاتا۔ معتزلہ کے نزدیک اللہ تعالیٰ پر وہ کام واجب ہیں جو بندوں کے لئے مفید ہوں دوسرے مقام پر فرماتا ہے **فزادتھم رجسا الی رجسھم** تیرہواں فائدہ انشاء اللہ یہود و نصاریٰ بلکہ تمام کفار کی اسلام دشمنی میں اسلام کے خلاف کوششیں بیکار رہیں گی۔ اسلام کا سورج چمکتا دمکتا رہے گا۔ یہ فائدہ **اطفاءھا اللّٰہ** سے حاصل ہوا اب تک یہ ہی دیکھا جا رہا ہے کہ یہود و نصاریٰ اسلام کے خلاف مسلمانوں کو مٹانے کے لئے صدہا کوششیں کرتے رہتے ہیں۔ مگر اللہ تعالیٰ ہمیشہ مسلمانوں کو بچا لیتا ہے۔

پہلا اعتراض یہود اگرچہ کافر ہیں مگر ہیں تو اہل کتاب ان کا یہ عقیدہ ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ بخیل یا فقیر ہے پھر وہ یہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ان کی طرف اس کلام کی نسبت کیونکر درست ہے کہ **ید اللّٰہ مغلولۃ** جواب تفسیر کبیر میں اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ وہ مسلمانوں پر طعنہ و طنز کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اسلام کے عقیدے میں مسلمانوں کا خدا فقیر ہے وہ بندوں سے قرض مانگ رہا ہے **من ذالذی یقرض اللّٰہ قرضا حسنا**۔ دوسرے یہ کہ جاہل یہودی اپنی غریبی تنگ دستی دیکھ کر یہ کہہ دیتے تھے اگرچہ یہ ان کا عقیدہ نہ تھا۔ جیسے اب بھی بعض جاہل لوگ خدا تعالیٰ کی شان رفیع میں گالیاں بک دیتے ہیں۔ مصیبت میں بہت گستاخیاں کرتے ہیں۔ فقیر کا خیال یہ ہے کہ یہود جیسی مردود قوم سے یہ گستاخیاں بعید نہیں جب وہ حضرات انبیاء کرام کو قتل کرنے سے نہ جھجکے تو اس قول سے کیا جھجکتے۔ جب دل میں

www.alahazratnetwork.org

خوف خدا نہ رہے تو انسان شیطان سے بھی بدتر حرکتیں کرلیتا ہے۔ کونسی تکلیف ہے جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو نہ پہنچائی۔ دوسرا اعتراض **غلت ایدیھم** اگر بددعا ہے تو یہ رب کی شان کے خلاف ہے دعا بددعا کرنا۔ بندوں کا کام ہے نہ کہ رب تعالیٰ کا اور اگر یہ خبر ہے تو صحیح نہیں ہوئی۔ آج تک یہودی بڑے مالدار ہیں ان میں کوئی فقیر نہیں۔ **جواب** اس اعتراض کے جوابات تفسیر میں گزر گئے کہ رب تعالیٰ کی ان جیسی عبارتوں کا منشاء ہوتا ہے اظہار غضب نہ کہ حقیقتاً بددعا ہر زبان میں خصوصاً عربی میں غصہ و ناراضی ظاہر کرنے کے لئے بددعائیہ کلمات استعمال کرتے ہیں نیز اگر یہ خبر ہے تو بالکل حق ہے یہود سے بڑھ کر کوئی قوم کنجوس ذلیل فقیر نہیں۔ یہ لکھ پتی ہو کر بھی فقیر ہی رہتے ہیں۔ فقر و غنا دل کا ہوتا ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہود کے ہاتھ باندھ کر انہیں دوزخ میں ڈالا جاوے گا یہ مابعد قیامت کی خبر ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **لعنوا بما قالوا** یہود پر اس بکواس کی وجہ سے لعنت ہے تو کیا جن یہود نے یہ بکواس نہ کی ان پر رحمت ہے وہ تو سارے ہی لعنتی ہیں یہ بکواس کریں یا نہ کریں۔ رب فرماتا ہے **لعنۃ اللہ علی الکذبین** **جواب** اس بکواس کی لعنت تو صرف انہیں بکواس والوں پر ہے قتل انبیاء کی لعنت قاتلین پر اور کفر کی لعنت سارے یہود پر ہے ان پر بہت سی قسم کی لعنتیں ہیں۔ **چوتھا اعتراض** اللہ تعالیٰ تو ہاتھ پاؤں وغیرہ جسمانیات سے پاک ہے پھر اس کے دو ہاتھ کھلنے کے کیا معنی۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ہاتھ کی کشادگی سے مراد ہوتی ہے جود و سخا کرم نوازی ہاتھ کشادہ ہونے کا مطلب ہوتا ہے۔ بہت ہی سخاوت و کرم کہ ہر وقت ہر طرف اس کی بخششیں جاری ہوں دوست پر دشمن پر بھی ہماری اردو میں بھی یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن و حدیث و معجزات ہی کفار کا کفر بڑھاتے ہیں۔ یہ چیزیں تو ایمان ملنے کا ذریعہ ہیں نیز کفر تو بسیط چیز ہے اس میں زیادتی کمی کیسی۔ **جواب** یہ مذکورہ نعمتیں ایمان ہی کا ذریعہ ہیں مگر وہ اپنی قلبی بیماری کی وجہ سے ان کے انکار سے اپنے کفر میں اور زیادتی کر لیتے ہیں جیسے اعلیٰ غذا بیمار کی بیماری میں اضافہ کر دیتی ہے۔ بارش سے بعض گھاسیں جل جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم ہدایت بھی دیتا ہے اور حضور بھی مگر حضور ہدایت ایمان دیتے ہیں اور قرآن ایمان یافتہ کو ہدایت اعمال دیتا ہے ہدایت رسول تخم ہے جو انسان کے سینہ میں بویا جاتا ہے۔ ہدایت قرآن بارش ہے بارش بوئے ہوئے تخم کو اگا دیتی ہے مگر تخم کو تبدیل نہیں کر سکتی جس کے سینہ میں ہدایت کا تخم ہو ہی نہیں اسے قرآن اعمال کی ہدایت کیسے دے نیز کفر میں کیفیت کی زیادتی کمی ہو سکتی ہے۔ مقدار و کمیت کی نہیں کوئی شخص آدھا یا پاؤ کافر نہیں جو بھی ہے پورا ہی کافر ہے ہاں بعض ہلکے کافر ہیں بعض سخت کافر۔ **چھٹا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ یہود کی آپس میں سخت عداوت تاقیامت رہے گی مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **بعضھم اولیاء بعض** نیز آج ان کی آپس میں بڑی محبت و میل جول دیکھا جا رہا ہے۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب** اس کا جواب پچھلی آیات کی تفسیر میں گزر گیا کہ ان کا آپس میں بہت ہی دھول جوتا ہے کبھی اتفاق ہوتا ہے تو ظاہری سیاسی نہ کہ حقیقی محبت اسے اتفاق نہیں کہتے۔ سیاسی گٹھ جوڑ کہتے ہیں نیز وہ مسلمانوں کے مقابل متحد ہو جاتے ان کے دل آپس

www.alahazratnetwork.org

میں پھٹے ہوئے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی** **ساتواں اعتراض** اگر آپس کی ناتفاقی رب کی لعنت و پھٹکار ہے تو مسلمان بھی اسی زد میں آجاتے ہیں مسلم قوم میں بھی بہت سی ناتفاقیاں فرقہ بندیاں ہیں۔ **جواب** اس کا جواب بھی پچھلی آیات کی تفسیر میں گزر گیا کہ مسلمانوں کی یہ ناتفاقیاں ظاہری اور عارضی ہیں یہ لوگ خدا کی ذات و صفات' نبی' کعبہ' قرآن وغیرہا میں متفق ہیں ان میں تو ابھی یہ بھی معین نہیں کہ نبی بندے ہیں یا خدا آفتاب ایک ہے یا چند یہ لوگ مرے بعد بھی ایک نہیں ہم نے یہود کو دیکھا نہیں نہ ان کے موجودہ حالات سے خبردار ہیں اور غریب و امیر عیسائیوں کو دھول جوتی دن رات دیکھ رہے ہیں کہ ان میں دیسی اور ولایتی عیسائیوں اور غریب و امیر عیسائیوں میں اتحاد نہیں ان سب کے قبرستان اور گرجے تک الگ ہیں اس سے بدتر حال یہود کا ہوگا قرآن سچا ہے جو خبر دے رہا ہے حق دے رہا ہے ہم کو پتہ لگے یا نہ لگے۔ مسلمانوں میں آپس میں کیسی ہی مخالفتیں ہوں مگر ہر مسلمان نماز ختم کرنے پر تمام مسلمانوں کی مغفرت کی دعا کرتا ہے **رب اغفرلی ولوالدی ولجمیع المسلمین** ہر ایصال ثواب کے موقع پر سارے مسلمانوں کو ثواب بخشتا ہے قبرستان میں جاکر تمام مسلمانوں کی قبروں کی زیارت سب کو ایصال ثواب کرتا ہے نیز مسلمانوں میں لڑائیاں شیطان ڈلواتا ہے۔ یہود کی یہ لڑائیاں خود رب تعالٰی نے بطور عذاب ڈالیں نیز مسلمانوں کی آپس کی لڑائیاں انشاء اللہ رحمت بن جائیں گی کہ ان سے جو دلی تکلیف پہنچتی ہے وہ گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔ کفار کی لڑائیاں عذاب ہیں۔ جیسے طاعون کی بیماری اہل کتاب کے لئے عذاب تھی مسلمانوں کے لئے رحمت اس لئے رب تعالٰی نے حضور انور کی دو دعائیں قبول فرمالیں مسخ وغیرہ کا عذاب نہ آنا کسی قوم کا مسلمانوں کو تباہ نہ کر سکنا مگر تیسری دعا قبول نہ فرمائی یعنی آپس میں عداوت نہ ہونا۔ **آٹھواں اعتراض** اس آیت میں وعدہ ہے کہ رب تعالٰی یہود و کفار کی بھڑکائی ہوئی جنگی آگ بجھاوے گا مگر اکثر مسلمانوں کی جنگیں کفار سے رہتی ہیں اور کبھی مسلمانوں کو شکست بھی ہو جاتی ہے۔ پھر یہ وعدہ کیونکر پورا ہوا۔ **جواب** کفار کا ارادہ یہ رہتا ہے کہ دنیا سے اسلام اور مسلمانوں کو مٹادیں مگر ہمیشہ اس میں ناکام رہتے ہیں آگ بجھا دینے کا یہ ہی مقصد ہے وہ چاہتے ہیں کہ سارے کفار جمع ہو کر مسلمانوں پر بلہ بول دیں مگر اکثر تو اس میں کامیاب نہیں ہوتے اگر کبھی ایسی جنگ ہو بھی جائے تو اللہ تعالٰی مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرماتا ہے دیکھو غزوہ احزاب میں کیا ہوا اور اس سال چھ ستمبر ۱۹۶۵ء کو بھارت نے غافل پاکستانیوں پر کیسا زبردست اچانک بے خبری میں حملہ کیا اور رب تعالٰی نے مسلمانوں کو ان کے شر سے کیسا بچایا کہ ان کے چھ سو ٹینک سوا سو ہوائی جہاز تباہ ہوئے بے شمار سامان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ لگا قریباً بارہ ہزار کفار فوجی مسلمانوں کے ہاتھوں ہلاک ہوئے اور اللہ نے پاکستانی مسلمانوں کو فتح عظیم عطا فرمائی یہ ہے اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی آنکھوں دیکھی تفسیر اللہ سچا ہے اس کے وعدے برحق۔

تفسیر صوفیانہ انسان کا دل اعلٰی زمین کی طرح ہے اعلٰی زمین میں اگر اچھا تخم بو دیا جاوے تو اچھے پھول پھل پیدا ہوتے ہیں ورنہ اسی زمین سے درخت خاردار زہریلی گھاس پھوس اگتی ہے بلکہ ایسی چھوٹی ہوئی زمین میں سانپ بچھو کیڑے مکوڑے

www.alahazratnetwork.org

اپنے گھر بنا لیتے ہیں یوں ہی اگر انسان کے دل میں کوئی اللہ والا ایمان و عرفان وغیرہ کے تخم بودے اور اس پر عنایت کی ہوائیں رحمت کے پانی ملتے رہیں تو اس میں ایسے پھول پھل پیدا ہوتے ہیں جو فرشتوں کو میسر نہیں ورنہ اس دل میں کفر عناد' حسد' کینہ' پرورش پاتے ہیں۔ علماء یہود کے دلوں پر اللہ والوں کی نگاہ نہ پڑی تو وہ بارگاہ الٰہی میں بھی گستاخ ہو گئے اور لعنت الٰہی کے مستحق ہوئے۔ چونکہ ان دلوں میں تخم اچھا نہ تھا تو قرآن و حدیث کے پانی سے وہاں کفر و عناد و طغیان کی ہی پیداوار ہوئی چنانچہ اب ان کے کام یہ ہی رہ گئے کہ جنگ کی آگ بھڑکاتے فساد پھیلاتے پھریں اور رب تعالیٰ ان کی کوششیں بیکار کرتا ہے۔ شعر:-

☆ در زمین گر شکر در نے است ☆ ترجمان هر دے است ☆

مگر کفر و عناد کا چراغ رحمت کی ہوا کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:-

☆ آں چراغ لوبہ پیش صرصرم ☆ خوچہ باشد اے سمیں پیغمبرم ☆

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں۔ عاقل' غافل' جاہل' عاقل رب کی نعمت پا کر شاکر بن جاتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ یہ نعمت میرے کمال سے نہیں عطاء ذوالجلال سے ہے اور مصیبت پر صابر ہو جاتا ہے وہ یقین کرتا ہے کہ مجھ سے کچھ گناہ ہوئے ہیں اس لئے یہ آفت آئی توبہ اور عبادات کر کے رب کو راضی کر لیتا ہے غافل یہاں کی آفتوں میں اسباب پر نظر کرتا ہے اور اسباب کی طرف دوڑتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا' موسم کی تبدیلی یا فلاں وجہ سے یہ بیماریاں یا خسارے آئے رجوع الی اللہ نہیں کرتا۔ جاہل راحتوں کو اپنے کمال کا نتیجہ سمجھتا ہے۔ آفتوں کو رب تعالیٰ کا ظلم کہتا ہے اور زیادہ کافر ہو جاتا ہے یہ یہودی جاہل تھے مال کم ہو جانے پر اللہ تعالیٰ کے بے ادب بن گئے اور زیادہ غضب لعنت کے مستحق ہوئے۔ بزرگوں کے پاس حاضری اس لئے دی جاتی ہے کہ دل کی غفلت دور ہو۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاَدْ

اور اگر تحقیق کتاب والے ایمان قبول کر لیتے اور پرہیزگار ہو جاتے البتہ مٹا دیتے ہم ان سے گناہ ان کے اور

اور اگر کتاب والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ اتار دیتے اور ضرور

خَلْنٰهُمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوْ اَنَّهُمْ اَقَامُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ

البتہ داخل کرتے ہم ان کو نعمت کے باغوں میں اور اگر تحقیق وہ قائم کرتے توریت کو اور انجیل کو اور اس کو

انہیں چین کے باغوں میں لے جاتے اور اگر وہ قائم رکھتے توریت اور انجیل اور

اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ مِّنْ رَّبِّهِمْ لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ

جو اتارا گیا طرف ان کے رب کی طرف سے ان کے تو البتہ کھاتے وہ اوپر سے اپنے اور

جو کچھ ان کی طرف ان کے رب کی طرف سے اتارا گیا تو انہیں رزق ملتا اوپر سے

www.alahazratnetwork.org

اَرْجُلِهِمْ ۭ مِنْهُمْ اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ ۭ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ سَاۗءَ مَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۶﴾

نیچے سے پاؤں اپنے کے ان میں سے ایک جماعت ہے درمیانی رو اور بہت سے ان میں سے برے ہیں وہ کام جو وہ کرتے ہیں۔

اور ان کے پاؤں کے نیچے سے ان میں کوئی گروہ اعتدال پر ہے اور ان میں اکثر بہت ہی برے کام کر رہے ہیں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں یہود کے ان عیوب کا ذکر تھا جو ان پر لعنت و پھٹکار کا باعث بنے یعنی بارگاہ الوہیت میں گستاخی اب انہیں وہ چیز بتائی جا رہی ہے جو ان کے لئے رحمت الٰہی ملنے کے ذریعہ ہو۔ ایمان و تقویٰ گویا دل کے میل کے بعد اس کے صابن کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود پر لعنت و غضب کا ذکر ہوا اب اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا ذکر ہے کہ ان گناہوں کے باوجود اگر اب بھی توبہ کر لیں تو ہم سب کچھ معاف کر دیں گے گویا گناہوں کے بعد ان کے کفارہ کا ذکر ہے کہ یعنی یہود اپنی حماقت سے ہم کو فقیر یا بخیل کہتے ہیں ذرا ایمان لا کر ہمارا کرم ہماری بندہ نوازی کی شان دیکھ لیں جھولی پھیلائیں پھر دیکھیں ہم کیا دیتے ہیں کتنا دیتے ہیں کیسے دیتے ہم سے لینے کا ذریعہ یہ نہیں ہے کہ ہم کو بخیل وغیرہ کہو بلکہ ہم سے لینے کا ذریعہ ہے ہمارے دروازے پر بھکاری یعنی مومن بن کر آ جانا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ یہود کے لئے قرآن و معجزات زیادتی کفر کا باعث ہیں کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر یہ ایمان قبول کر لیں تو ان کے لئے ان کے سارے گناہ بھی وبال کا ذریعہ نہ بن سکیں گے گویا پہلے ضبطی اعمال کے اسباب کا ذکر ہوا تھا اب معافی سیئات کا ذکر ہے۔ ضبط و عفو میں سے ضبط کے بعد عفو کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کے آپس کی عداوت و بغض کا ذکر ہوا کہ یہ لوگ تاقیامت بکھرے رہیں گے اب اس ایمان و تقویٰ کا حکم ہے جو ان بکھروں کو ملانے والا ہے گویا بکھیرنے والے کفر کا ذکر پہلے تھا۔ بکھروں کو جمع کر دینے والے ایمان کا ذکر اب ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی جنگوں کو حرب اور فساد فرمایا گیا اور ان کی ناکامیابیوں کی پیشگوئی کی گئی۔ اب انہیں ایمان تقویٰ توریت قائم کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے جس کے بعد ان کی جنگیں جو کفار سے ہوں وہ بجائے فساد کے جہاد بن جاویں اور بجائے حرب کے قرب الٰہی ہو جاویں جو چیز ایمان و تقویٰ کے بغیر ہے وہ فساد ہے نفسانی ہے جو ایمان کے ماتحت ہو وہ جہاد ہے رحمانی ہے۔

☆ عقل زیر حکم دل رحمانی است ☆ چوں دل آزاد شد شیطانی است ☆

تفسیر **ولو ان اهل الكتب امنوا واتقوا۔** لو حرف شرط ہے مگر اس میں تعلیق بھی ہوتی ہے اور ترغیب بھی اور اس شرط و جزا کی نفی کی خبر بھی اور اس پر حسرت دلانا بھی ان وغیرہ میں صرف تعلیق ہوتی باقی چیزیں نہیں ہوتیں یہاں لو فرمانا عجیب حکمتوں پر مبنی ہے۔ تعلیق سے تو یہ بتایا کہ رحمت الٰہی حاصل کرنے کے لئے اب صرف ایک دروازہ ہے۔ دروازہ محمد رسول اللہ باقی سارے دروازے بند ہو چکے فقیر داتا کے مکان کی چھت وغیرہ پر نہیں جاتا بلکہ دروازہ سے بھیک مانگتا ہے

www.alahazratnetwork.org

یوں ہی ساری مخلوق حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور رب سے بھیک مانگے کہ اب ایمان صرف وہاں سے ملتا ہے۔ ترغیب ہے یہ بتایا کہ یہودیو اگرچہ تمہارے گناہ بہت زیادہ ہیں مگر میری رحمت تمہارے گناہوں سے بڑی وسیع ہے اب بھی بندے بن جاؤ۔ سب معاف فرما دیں گے۔ اہل کتاب سے مراد یا تو یہود ہیں کیونکہ اس سے پہلے انہیں کا ذکر ہوا یا یہودی عیسائی دونوں کیونکہ اگلی آیت میں توریت و انجیل دونوں کا ذکر ہے دوسری توجیہ قوی معلوم ہوتی ہے۔ تمام اہل کتاب کو تبلیغ مقصود ہے چونکہ اہل کتاب عرب خصوصاً اطراف مدینہ میں بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے ان کے مسلمان ہو جانے پر دوسرے کفار کے ایمان کی امید قوی تھی نیز اہل کتاب کو مسلمان ہونے پر ڈبل ثواب ملتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز اہل کتاب ہی بڑے مجرم پرانے پاپی تھے اس لئے یہاں خصوصیت سے ان کا ذکر فرما کر انہیں دعوت اسلام دی گئی ورنہ جو کافر بھی مسلمان ہو جاوے اس پر یہ ہی رحمتیں ہیں۔ **امنوا** سے مراد یا تو حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانا ہے یا خود توریت و انجیل پر ہی صحیح ایمان لانا مراد کیونکہ اسلام کے انکار کرنے والا صحیح معنوں میں توریت و انجیل پر ایمان نہیں رکھتا۔ ایمان میں سارے عقائد اسلامیہ کا اجمالی ذکر ہے۔ **تقویٰ** سے مراد نیک اعمال ہیں خواہ عبادات ہوں یا معاملات خواہ اخلاقیات ہوں یا سیاسیات چونکہ ایمان اعمال سے پہلے ہے اس لئے ایمان کا ذکر تقویٰ سے پہلے ہوا نیز منافقین کا ایمان لانا تقویٰ کے لئے نہ تھا بلکہ دھوکہ دینے کو تھا اس لئے ایمان کو تقویٰ سے ملایا گیا۔ گویا تقویٰ میں اخلاق کی طرف اشارہ ہے (تفسیر کبیر) **لکفرنا عنهم سیاتهم** رب تعالیٰ نے ایمان تقویٰ کے فائدے دو قسم کے بیان فرمائے اخروی اور دنیاوی اخروی فائدے دو طرح کے ہیں۔ دفع نقصان، عطاء رحمت رحمان اس عبارت میں دفع نقصان کا ذکر ہے اور اگلی عبارت میں عطاء رحمت کا اور دنیاوی فائدے کا ذکر اگلی آیت میں ہے **کفرنا** بنا ہے تکفیر سے جس کا مادہ ہے کفر۔ معنی چھپانا یا مٹانا **سیات** سے مراد یہود کے سارے پچھلے گناہ ہیں جو انہوں نے کفر کے زمانہ میں کئے وہ اگرچہ لاکھوں ہیں مگر انہیں جمع قلت فرما کر اس طرف اشارہ فرمایا کہ وہ تمام کے تمام رحمت الٰہی کے مقابل بہت تھوڑے ہیں (روح المعانی) **شعر:۔**

☆ ما ایم بہ گناہ تو دریاء رحمتی ☆
☆ آنجا کہ فضل تست چہ باشد گنہ ما ☆
☆ گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا ☆
☆ مگر اے غفور ترے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے! ☆

اس کی رحمت کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کو پلک جھپکتے پاک فرما دیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں سیات گناہ کبیرہ کے مقابل نہیں فرمایا گیا تاکہ اس سے گناہ صغیرہ مراد ہوں بلکہ مطلقاً گناہ کے معنی میں ہے۔ خواہ جسمانی گناہ ہوں یا جنانی چھوٹے یا بڑے ہاں حقوق العباد اس سے خارج ہیں کہ ایمان لانے سے وہ معاف نہیں ہو جاتے۔ مقروض کافر مومن

www.alahazratnetwork.org

ہونے کے بعد قرض ضرور ادا کرے گا۔ **ولا دخلنهم جنت النعيم** اس عبارت میں دوسرے اخروی فائدہ کا ذکر ہے یعنی عطاء رحمت رحمانی۔ جنات جمع ہے جنت کی ۔ معنی گھنا باغ جس کی زمین سبزہ درختوں سے ڈھکی ہو نعیم ۔ معنی نعمت الٰہی جو وہاں ہیں علاوہ اس سبزہ وغیرہ کے حضرت مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ **جنات نعيم** جنت الفردوس اور جنت عدن کے درمیان ہے۔ وہاں کی حوریں جنت کے گلاب سے پیدا کی گئی ہیں۔ کسی نے پوچھا وہاں کون جاوے گا فرمایا خصوصاً وہ مومن جو گناہ کرنے لگیں اور ہیبت خداوندی کی وجہ سے باز آجاویں (تفسیر روح المعانی) **ولو انهم اقامو التورة الانجيل** اس جملہ میں ایمان کے دنیاوی فائدہ کا ذکر ہے **هم** کا مرجع وہی اہل کتاب ہیں جن کا ذکر ابھی پچھلی آیات میں ہوا قائم کرنے کے معنی ہوتے ہیں درست کرنا سیدھا رکھنا **اقيموا الصلوة** کے معنی ہیں نماز درست کرو ہمیشہ پڑھتے رہو۔ یہاں قائم کرنے سے مراد ہے۔ ان کتابوں کے حقوق ادا کرنا صحیح طور پر انہیں ماننا توریت و انجیل قائم کرنے سے مراد ہے اس کے عقائد اور غیر منسوخ احکام پر عمل کرنا جس کی جان ہے۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا توریت و انجیل میں جس کا تاکیدی حکم تھا کیونکہ منسوخ آیات پر عمل کرنا ممنوع ہے توریت و انجیل میں فسخ و مسخ ہو چکا۔ قرآن کریم کی منسوخ آیات پر عمل نہیں ہوتا۔ جیسے عدت وفات ایک سال ہوتا۔ مرتے وقت ماں باپ وغیرہ وارثوں کے لئے وصیت کا واجب ہوتا۔ کفار پر جہاد نہ کرنا ان سے چشم پوشی ہی کرنا کہ ان احکام کی آیات قرآن کریم میں موجود ہیں مگر ان پر عمل نہیں ان کی ناسخ آیات و احادیث پر عمل ہے لہٰذا یہ آیت بالکل واضح ہے **وما انزل اليهم من ربهم** یہ عبارت معطوف ہے۔ **التورة والانجيل** پر **ما انزل** سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ یہ سارے جہان کے لئے آیا ان کی ہدایت کے لئے آیا جس میں یہود بھی داخل ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد کتاب شعیاہ کتاب خرقیل کتاب حقوق اور کتاب دانیال علیہم السلام ہوں کیونکہ ان تمام کتابوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں اور آپ پر ایمان لانے کے احکام تھے اکثر مفسرین نے یہ تفسیر اختیار کی یعنی اگر یہودی عیسائی توریت و انجیل اور دوسری کتب انبیاء کی بتائی ہوئی راہ اختیار کرتے تو **لا كلوا من فوقهم ومن تحت ارجلهم** یہ اس دوسرے لو کی جزا ہے جو اس آیت میں مذکور ہے اور ایمان کے دنیاوی فائدہ کا ذکر ہے **اكل** سے مراد صرف کھانا نہیں بلکہ اللہ کی نعمتوں کا پانا انہیں استعمال کرنا مراد ہے جیسے **لا تاكلوا الربوا** کے معنی یہ نہیں کہ سود کھاؤ مت اسے اور طرح استعمال کر لو بلکہ مطلقاً تو ہی نہیں **اكلوا** کا فاعل وہی یہود و اہل کتاب ہیں جو اس وقت یک دم تنگ دست ہو گئے تھے اور اس تنگ دستی میں گھبرا کر کہہ اٹھے تھے کہ اللہ کے ہاتھ بندھ گئے اب وہ عطا نہیں کرتا اوپر اور نیچے کی طرف سے کھانے کی بہت تفسیریں ہیں (۱) آسمان سے بروقت بارشیں ہوتیں۔ زمین سے اچھی پیداوار حاصل ہوتی۔ (۲) درختوں سے بہت پھل حاصل ہوتے زمین سے بہت دانے ملتے۔ (۳) درختوں کے اوپر سے پھل توڑ کر کھاتے درختوں کے نیچے سے گرے ہوئے پھل چن کر کھاتے (۴) سلاطین و بادشاہوں کی طرف سے انہیں عطیے ملتے اپنے ماتحتوں کی طرف سے نذرانے وصول ہوتے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لفتحنا عليهم**

www.alahazratnetwork.org

برکٰت من السماء والارض (۵) اوپر نیچے سے کھانے سے مراد بہت کثرت سے نعمتیں ملنا ہیں جیسے کہا جاتا ہے فلاں شخص سر سے پاؤں تک نعمتوں میں ہے (تفسیر کبیر و خازن و معانی وغیرہ) **منهم امة مقتصدة** یہ نیا جملہ ہے جس میں اس زمانہ کے یہود و نصاریٰ کا حال بیان فرمایا گیا ہے۔ **منهم** خبر مقدم ہے **امة** الخ مبتداء مؤخر **هم** کا مرجع اہل کتاب ہیں یعنی یہود و نصاریٰ امت کے معانی اس کے اقسام بارہا بیان ہو چکے **مقتصدة** بنا ہے قصد سے ۔ معنی درمیانی حالت ارادہ کو قصد اس واسطے کہتے ہیں کہ منزل کا ارادہ کرنے والا درمیانی راہ چلتا ہے۔ دائیں بائیں سے بچتا ہے۔ اسی سے ہے **واقصد فی مشيك** اور **منهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد** اور **سفرا قاصدا** یہاں مقتصد سے وہ لوگ مراد ہیں جو یہود کی تفریط عیسائیوں کی افراط سے بچے رہے اور اسلام لے آئے جیسے یہود میں حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی عیسائیوں میں اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ اور ان کے ساتھی رضی اللہ عنهم اجمعین یعنی ان اہل کتاب میں بعض لوگ درمیانہ رو مومن و مسلمان ہیں **وكثير منهم ساء ما يعملون** یہ عبارت پہلے جملہ **منهم** الخ پر معطوف ہے چونکہ ان میں اسلام قبول کرنے والے تھوڑے تھے کفر پر رہنے والے بہت زیادہ اس لئے یہاں کثیر ارشاد ہوا **ما** مصدریہ ہے اور **ما يعملون ساء** کا فاعل ہے۔ مخصوص بالذم پوشیدہ ہے یعنی ان میں سے بہت لوگوں کے اعمال بہت ہی برے ہیں عمل سے مراد دل کے عمل بھی ہیں کفر عناد حسد دشمنی اور ظاہری جسمانی اعمال بھی۔

خلاصہ تفسیر ان دونوں آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تین شرطوں پر تین وعدے فرمائے ہیں دو وعدوں کا تعلق آخرت سے ہے اور ایک وعدے کا تعلق دنیا سے چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اگرچہ بنی اسرائیل نے گزشتہ اور موجودہ زمانوں میں بہت ہی سخت جرم کئے بلکہ ان کے جرموں کا سلسلہ نہ بند ہوا اور وہ سلسلہ اب بھی جوں کا توں ہی جاری ہے مگر ہم غفور رحیم ارحم الراحمین ہیں اب بھی ہم آپ کی معرفت اے محبوب ان سے وعدے کرتے ہیں کہ اگر یہ لوگ اس قدر حرکتوں کے باوجود آپ پر ایمان لے آویں اور تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کریں کہ گزشتہ سے توبہ کریں آئندہ کے لئے پاکیزہ زندگی گزارنے کا عہد کریں تو ہم ان کے سارے چھوٹے بڑے گناہ معاف فرما دیں گے خواہ پرانے ہوں یا نئے اور ان کو جنت نعیم میں داخل فرمائیں گے اور اگر اب بھی یہ لوگ توریت و انجیل اور تمام کتب آسمانیہ کو قائم کرلیں کہ ان کی ہدایت کے موافق آپ پر ایمان لے آویں تو ہم ان کی روزی میں بہت ہی دنیاوی برکتیں دیں گے کہ وہ اوپر کی طرف سے یعنی میوہ دار درختوں کے پھل کھائیں اور نیچے کی طرف سے یعنی کھیتوں سے ہر قسم کے دانے کھائیں ہاں ان میں اب بھی ایک میانہ روی کرنے والی جماعت موجود ہے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یہود سے اور نجاشی بادشاہ حبشہ اور ان کے ساتھی عیسائیوں میں سے مگر ان یہود و نصاریٰ میں اکثر لوگوں کے اعمال بہت ہی برے ہیں۔ جن کی پاداش میں ان پر یہ وبال آ رہے ہیں (۲) یہ یہود جو ہمارے دور کرم پر اعتراضات کرتے رہتے ہیں اپنے اعمال کو نہیں دیکھتے اگر یہ لوگ گزشتہ زمانہ میں صحیح معنی میں ایمان لے آئے ہوتے اور انہوں نے تقویٰ و طہارت اختیار کیا ہوتا تو ان پر یہ وبال کاہے کو

www.alahazratnetwork.org

آتے ہم انکو عذاب دینے کے بجائے ان کے سارے گناہ بخش دیتے اور انہیں جنات نعیم میں داخل فرماتے اور اگر یہ گزشتہ زمانہ میں توریت و انجیل وغیرہ کی تعلیمات پر عمل کرتے انہیں قائم رکھتے تو انہیں اتنی برکتیں ملتیں کہ ہر طرف سے انہیں روزی ہی روزی ملتی مگر انہوں نے بدکاریوں کی وجہ سے اپنے رزق خود گھٹائے ہاں یہ سارے ہی خراب نہیں ان میں کچھ لوگ میانہ رو بھی رہے۔ مگر اکثر کے اعمال خراب ہی رہے اسی وجہ سے ان پر عذاب آتے رہے۔

فائدے ان دونوں آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ساری کتابوں سارے نبیوں پر ایمان ہے حضور کا انکار ان تمام کا انکار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت گویا سو کا عدد ہے جس میں ساری اکائیاں دہائیاں آجاتی ہیں یا حاصل جمع ہے جس میں جمع کے سارے اعداد داخل ہیں یہ فائدہ **ولو ان اهل الكتب امنوا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو اہل کتاب اپنی کتابوں اپنے نبیوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں مگر رب نے ان کے ایمان کو معدوم قرار دیا۔ **دوسرا فائدہ** تقویٰ و پرہیزگاری کا درجہ ایمان کے بعد ہے بغیر ایمان اختیار کئے کیسے ہی نیک اعمال اختیار کرو تقویٰ میسر نہیں یہ فائدہ اس سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے تقویٰ کا ذکر ایمان کے بعد کیا اب عیسائی یہودی لاکھ نیکیاں کریں۔ تعلیم کے مدرسے شفا کے لئے ہسپتال قائم کریں یتیموں غریبوں کی مدد کریں مگر متقی نہیں کیونکہ مومن نہیں جب درخت کی جڑ کٹ جاوے تو شاخوں کو پانی دینے سے ہرا بھرے کیسے رہے۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہم تمام کے گناہوں سے کہیں زیادہ ہیں یہ فائدہ **لكفرنا عنهم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کے بدترین جرم بیان فرما کر انہیں ایمان و تقویٰ کی دعوت دی اور ان سے بخشش ہی نہیں بلکہ دخول جنت کا وعدہ فرمایا بڑے سے بڑا مجرم بھی اس کے کرم سے مایوس نہ ہو۔ **چوتھا فائدہ** منسوخ کتابوں کے عقائد منسوخ نہیں ہوتے صرف احکام منسوخ ہوتے ہیں ان کے بتائے ہوئے عقائد اختیار کرنا ہمیشہ ضروری ہیں۔ بشرطیکہ وہ آیات صحیح ہوں بناوٹی نہ ہوں یہ فائدہ **ولو انهم اقاموا التورة** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** ایمان و نیک اعمال کی برکت سے رزق میں برکتیں نصیب ہوتی ہیں اس سے بروقت بارشیں آتی ہیں۔ پیداوار زیادہ ہوتی ہے یہ فائدہ **لا كلوا من فوقهم** الخ سے حاصل ہوا۔

لطیفہ آج کل بعض سرپھرے انسان کی بڑھتی ہوئی پیداوار سے بہت خائف ہیں وہ رزق کی تنگی سے بچنے کے لئے نسل کشی یا اولاد کی پیداوار روکنے پر بہت زور دے رہے ہیں۔ حالانکہ جو روحیں آنے والی ہیں وہ آکر ہی رہیں گی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ عزل کرنا بیکار ہے کسی روح کی آمد ہماری کوشش سے نہیں رک سکتی۔ رزق کی کشائش کے لئے تقویٰ عبادت استغفار اختیار کرنا چاہیے یہ حضرات **لا كلوا من فوقهم** جیسے خداوندی وعدوں کو غور سے پڑھیں قرآن کریم نے کہیں خاندانی منصوبہ بندی یا برتھ کنٹرول کو رزق کی تنگی کا علاج قرار نہ دیا قرآن مجید استغفار کے متعلق ارشاد فرماتا ہے۔ **يرسل السماء عليكم مدرارا** الخ **چھٹا فائدہ** جب قوم میں گناہ زیادہ ہو جاویں بدکاریاں بہت پھیل جاویں تو ان پر عذاب آسکتا ہے اگرچہ ان میں بعض نیک لوگ بھی ہوں جیسا کہ **منهم امة مقتصدة** کی ایک تفسیر سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا۔ کبھی نیکوں کے طفیل بد کار عذاب سے بچ جاتے ہیں کبھی بدکاروں کی شامت سے نیک کاروں کو مصیبت پڑ جاتی ہے۔ یہ قاعدہ بہت یاد رکھنا چاہیے۔ ساتواں فائدہ ایمان و تقویٰ کی برکت سے گزشتہ زمانہ کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں مگر انسانی حقوق معاف نہیں ہوتے یہ فائدہ **سیاتھم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حقوق العباد کی معافی کا وعدہ نہیں فرمایا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان و تقویٰ کی برکت سے صرف صغیرہ گناہ معاف ہوتے ہیں گناہ کبیرہ معاف نہیں ہوتے کیونکہ یہاں **سیاتھم** فرمایا گیا قرآن مجید کی اصطلاح میں سیات گناہ صغیرہ کو کہتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنه نکفر عنکم سیاتکم** دیکھو یہاں سیات کبائر کے مقابل ارشاد ہوا۔ **جواب** جب لفظ سیات کبائر سے مل کر آوے تب گناہ صغیرہ کے معنی میں ہو گا ورنہ مطلقاً گناہ کے معنی میں تمہاری پیش کردہ آیت میں کبائر کے ساتھ آیا ہے اور یہاں ایمان و تقویٰ کے ساتھ ایمان و تقویٰ کفر کے زمانہ کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے صغیرہ ہوں یا کبیرہ جب ایمان کی برکت سے شرک و بت پرستی ہی مٹ جاتی ہے جو **اکبر الکبائر** ہے تو دوسرے گناہوں کا کیا پوچھنا۔ **دوسرا اعتراض** سیات جمع قلت ہے جو نو تک بولی جاتی ہے تو چاہیے کہ ایمان و تقویٰ سے کافر کے گزشتہ زمانہ کفر کے صرف نو گناہ معاف ہوں باقی ویسے ہی باقی رہیں حالانکہ ایمان کی برکت سے کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ **جواب** اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں جمع قلت تحدید کے لئے نہیں بلکہ تقلیل و کمی کے لئے ہے اور کمی بمقابلہ رحمت الٰہی ہے اور یہ بتانا مقصود ہے کہ بندوں کے گناہ کیسے ہی ہوں کتنے ہی ہوں مگر اللہ کی رحمت سے بہت ہی کم ہیں انہیں معاف فرما دینا اشارہ کرم کی بات ہے۔ **تیسرا اعتراض** توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتب منسوخ شدہ ہیں پھر ان پر عمل کرنا انہیں قائم رکھنا اس کے کیا معنی اب تو وہ ناقابل عمل ہیں پھر کیوں فرمایا گیا کہ **اقاموا التورۃ والانجیل** **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں گزشتہ زمانہ کا ذکر ہے جبکہ یہ کتب منسوخ نہ ہوئی تھیں اور مطلب یہ ہے کہ اگر ان اہل کتاب نے اپنے اپنے زمانوں میں توریت انجیل قائم رکھی ہوتی اسے تبدیل و مسخ نہ کرتے ان پر عمل پیرا رہتے تو ان پر عذاب نہ آتے بلکہ برکتیں نازل ہوتیں۔ دوسرے یہ کہ اس زمانہ کا ذکر ہے اور توریت و انجیل قائم رکھنے سے مراد ان کے پیش فرمودہ عقائد اختیار کرنا ہیں ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم بھی ہے کسی کتاب کے منسوخ ہونے سے اس کے صرف احکام منسوخ ہوتے ہیں عقائد جوں کے توں باقی رہتے ہیں **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اہل کتاب نے کتاب پر عمل نہ کیا اس لئے ان پر کھانے پینے کی برکتیں نازل نہ ہوئیں۔ حالانکہ اہل کتاب اب بھی بڑے عیش و آرام میں ہیں ان کے رزق میں برکتیں بیان سے باہر ہیں آج دنیا بھر کے ملک امریکہ، انگلینڈ کے دست نگر ہیں پھر اس آیت کا کیا مطلب ہے۔ **جواب** موجودہ عیسائیوں، یہودیوں پر یہ مال کی کثرت عیش و آرام خدا کی رحمت و برکت نہیں بلکہ اس کی لعنت ہے کفر و عناد کے باوجود دنیا

www.alahazratnetwork.org

کی فراوانی لعنت کا عذاب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما نسوا ما ذکروا به فتحنا علیهم ابواب کل شئ** بلکہ یہ عذاب مصیبت کے عذاب سے زیادہ خطرناک ہے کہ انسان اس میں دھوکہ کھا کر اور زیادہ کفر و عناد بڑھالیتا ہے اس آیت کریمہ میں **لاکلوا** الخ سے مراد رحمت و برکت کا کھانا پینا ہے نہ کہ لعنت و پھٹکار کا پھانسی کے مجرم کو پھانسی سے دو چار دن پہلے عمدہ اعلیٰ کھانے دیئے جاتے ہیں یہ کھانے رحمت کے نہیں لہٰذا آیت میں نفی اور طرح کی فراوانی کی ہے اور ان کی فراوانی دوسری قسم کی حاصل ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں روئے سخن حضور کے زمانہ کے ان یہود سے ہو جنہوں نے غریبی میں پھنس کر کہا تھا **ید اللّٰہ مغلولة** لہٰذا پہلی آیت کی جزا یعنی بخشش مغفرت تاقیامت ہے اور اس آیت کی یہ جزا اس زمانہ کے عیسائیوں کے لئے ہے یہ جواب تفسیر روح المعانی نے اختیار کیا مگر فقیر کے نزدیک پہلا جواب قوی ہے اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک کی سچی فہم عطا فرمادے۔

تفسیر صوفیانہ کچی عقل والے بچوں کو لالچ یا خوف سے راہ راست پر لگاتے ہیں انہیں ماں باپ پیسوں کے لالچ یا مار سے ڈرا کر نمازی بناتے ہیں اسکول بھیجتے ہیں جب بچہ پکی عقل کا ہو جاتا ہے تو پھر خود اپنے ذوق و شوق سے ہی محنت کرتا ہے نہ اسے لالچ کی ضرورت پڑتی ہے نہ ڈرانے کی۔ چونکہ وہ اہل کتاب کچی عقل کے مالک تھے اس لئے انہیں رب تعالیٰ نے اس آیت میں دینی و دنیاوی تین چیزوں کا لالچ دے کر ایمان و تقویٰ کی رغبت دی ان کے گناہ مٹانا' جنت دینا' دنیا میں انہیں خوب کھانے پینے کو دینا یعنی اگر اہل کتاب حقیقی ایمان اختیار کریں اور شرک فعلی شرک صفاتی سے بچیں یا علوم ظاہرہ سے ایمان اختیار کریں اور ان لوگوں پر اعتراض کرنے سے بچیں جو علوم باطنی سے ایمان لائے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا شعر

☆ واذا لم تر الهلال فسلم ☆ لا ناس راوه بالابصار! ☆

اگر تم نے چاند خود نہ دیکھا ہے تو ان کی بات مان لو جنہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا تو ہم ان کے ایمان کی برکت سے ان کے گناہ مٹادیں اور مطابق ان کے تقویٰ کے انہیں جنت عطا فرمادیں اور اگر اہل کتاب علوم ظاہری کی تحقیق کر کے توریت قائم کرلیں اور علوم باطنی کی تکمیل کر کے انجیل قائم کرلیں اور رب کی طرف سے جو کچھ ان پر مبدء و معاد کے احوال ظاہر ہوں اس پر قائم رہیں تو انہیں اوپر سے یعنی روحانیات سے علوم حقیقیہ الٰہیہ کی روزی ملے اور نیچے سے یعنی عالم اجسام سے سفلی علوم سفلیہ سے رزق روحانی عطا ہوں جن سے یہ لوگ معرفت الٰہی معرفت ملک و ملکوت سے بہرہ مند ہو جاویں دنیا کی حرام لذتوں سے بچنا اخروی اعلیٰ لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ ایں دہاں بستی دہانے از شد ☆ کہ خورندہ لقمہاء راز شد! ☆

☆ گزر شیر دیوتن را وابری ☆ در خطام او بسی نعمت خوری ☆

جیسے بچہ جب ماں کا دودھ چھوڑ دیتا ہے تو دنیا کی اعلیٰ نعمتیں پاتا کھاتا ہے یوں ہی اگر بندہ نفس کا یہ منہ بند کردے اسے دنیاوی حرام لذتوں سے یکسر الگ کردے تو پھر اسے راز الٰہی کے لقمے ملتے ہیں۔ یہ محرومی اعلیٰ مرحومی کا ذریعہ ہے (از روح البیان و

www.alahazratnetwork.org

روح المعانی) انسانوں میں بعض لوگ درمیانی امت ہیں جو توحید اسماء و صفات تک واصل ہیں۔ مگر بہت سے لوگ محجوب ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی دانہ و پھل زمین۔ کھاد وغیرہ نیچے والی چیزوں سے اور بارش۔ دھوپ' ہوا اوپر والی چیزوں کی مدد سے تیار ہوتا ہے جیسا کہ **لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا یوں ہی روحانی غذائیں یعنی نیک اعمال عبادات وغیرہ ہماری کوششوں سے جو کہ نیچے والی چیزیں ہیں اور نور نبوت فیضان ولایت سے جو کہ اوپر والی چیزیں ہیں تیار ہوتی ہیں۔ نماز کے لئے کپڑا جسم پاک کر لینا قبلہ رو ہو جانا ارکان ادا کر لینا ہماری کوشش سے ہو گا مگر دل میں سوز و گداز پیدا ہونا اخلاص میسر ہونا۔ حضور کی نگاہ کرم سے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ بَلِّغۡ مَآ أُنزِلَ إِلَيۡكَ مِن رَّبِّكَۖ وَإِن لَّمۡ تَفۡعَلۡ فَمَا

اے رسول تبلیغ کئے جائیے اس کی جو اتارا گیا طرف آپ کی آپ کے رب سے اور اگر کیا آپ نے تو نہیں تبلیغ

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اتارا گیا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہو تو تم نے

بَلَّغۡتَ رِسَالَتَهُۥۚ وَٱللَّهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ ٱلنَّاسِۗ إِنَّ ٱللَّهَ لَا يَهۡدِي

کی اس کے پیغام کی اور اللہ بچائے گا تم کو لوگوں سے بے شک اللہ نہیں ہدایت دیتا

اس کا کوئی پیغام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے بے شک اللہ

ٱلۡقَوۡمَ ٱلۡكَٰفِرِينَ ۝

کافر قوم کو

کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** گزشتہ آیات میں یہود و نصاریٰ کے غیظ و غضب اور حسد کا ذکر تھا اور یہ کہ یہ لوگ جنگ کی آگ بھڑکاتے رہیں گے۔ رب تعالیٰ اسے بجھاتا رہے گا اب اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بے خوف و خطر ہو کر تبلیغ کا حکم دیا جا رہا ہے یعنی پہلے دشمنوں کی سخت دشمنی کا ذکر تھا اب ان کی ناکامی کی خبر دے کر محبوب کو خوب تبلیغ کا حکم ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اہل کتاب کو راہ راست پر آنے کی رغبت دی گئی۔ اس کے دنیاوی دینی فائدے بتائے گئے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں راہ راست پر لانے کا حکم دیا گیا گویا فیض پانے والوں کو خطاب فرما کر فیض دینے والے سے خطاب ہے۔ اللہ کی مخلوق دو طرح کی ہے ایک دینے والی دوسری لینے والی سورج اور بادل بھی اللہ کی مخلوق ہیں اور زمین بھی اس کی مخلوق ہے مگر سورج و بادل فیض دینے والی مخلوق ہے اور زمین فیض لینے والی یوں ہی حضرات انبیاء کرام فیض دینے والے بندے ہیں۔ باقی لوگ فیض لینے والے۔ پچھلی آیات میں لینے والی مخلوق سے کہا کہ اے اسرائیلیو ایمان لے لو تقویٰ لے لو اب دینے والے بندہ سے فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوب انہیں

www.alahazratnetwork.org

ہماری ہر نعمت دیدو گویا بھکاریوں کے ذکر کے بعد داتا کی دین کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اہل کتاب کے ہدایت پانے سے مایوس کیا گیا اب ارشاد ہے کہ اس کے باوجود اے محبوب آپ تبلیغ کئے جاویں۔ آپ کو اجر و ثواب ملے گا جن علاج مایوس بیماروں کے علاج پر بھی طبیب کو فیس اور دواؤں کی قیمت ملتی ہے اگرچہ بیمار فائدہ نہ اٹھائے۔ آپ حکیم مطلق ہیں وہ لوگ بیمار لاعلاج ہیں۔ **چوتھا تعلق** ابھی ارشاد ہوا کہ اہل کتاب میں اعتدال پسند میانہ رو یعنی مومنین تھوڑے ہیں بدکار کفار بہت زیادہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ ان کی زیادتی سے بالکل خوف نہ کریں رب تعالیٰ ان کے شر سے آپ کو بچائے گا گویا دشمنوں کی کثرت و زیادتی کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا ان کے شر سے حفاظت کا ذکر اب فرمایا جا رہا ہے ساری خدائی اک طرف فضل الٰہی اک طرف کا ظہور ہے۔

شان نزول تفسیر کبیر نے اس آیت کریمہ کے شان نزول میں دس قول نقل کئے۔ مگر فقیر کے نزدیک ان میں سے اکثر ضعیف بلکہ باطل ہیں سورہ مائدہ احکام کی آخری سورۃ ہے اور اس کی کوئی آیت منسوخ نہیں۔ ساری کی ساری مدنی ہے۔ لہٰذا اس آیت کا نزول قبل ہجرت مکہ معظمہ میں ماننا درست نہیں فقیر کے نزدیک اس کے شان نزول کی قوی روایت وہ ہے۔ جو تفسیر روح البیان نے نقل فرمائی کہ یہود مدینہ نے جب حضور کی روز افزوں ترقی دیکھی تو بعض ضعفاء مومنین یا منافقین کے ذریعہ یہ خبر پہنچائی کہ ہم یہودی بہت بڑے مالدار عظیم جتھے والے ہیں اگر آپ تبلیغ اسلام سے باز نہ رہے تو ہم آپ کو قتل کر دیں گے یا کرادیں گے اور اگر آپ اس تبلیغ سے باز جائیں تو ہم آپ کا بہت احترام کریں گے آپ پر اپنا مال خرچ کریں گے اس خبر کے پھیلنے پر قریباً ایک سو صحابہ کرام حضور کی حفاظت کے لئے مقرر ہو گئے جو سفر و گھر اندر باہر ہر وقت آپ کی حفاظت کرتے تھے اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی حفاظت اپنے ذمہ کرم پر لینے کی خبر دی اس آیت کے نزول پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان جاں نثار صحابہ سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنے اپنے گھر جائیں میرے رب نے میری حفاظت کی خبر دے دی پھر اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات کی اندھیریوں میں تنہا مدینہ منورہ کے ارد گرد جنگلوں تک میں گشت فرماتے تھے اور دشمن باوجود کثرت کے آپ کے کچھ نہ کر سکے (روح البیان)

تفسیر یایھا الرسول قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نداء فرمانا پکارنا اظہار کرم اور حضور کی عزت افزائی کے لئے ہوتا ہے اسی لئے آپ کو پیارے القاب و صفات سے پکارا جاتا ہے۔ نام شریف لے کر کہیں نہیں پکارا گیا اگرچہ سارے انبیاء کرام رسول یعنی اللہ کے پیغام رساں ہیں مگر جب الرسول مطلق ارشاد ہوتا ہے تو اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ رسول کے نفیس معانی اور رسول کی شان رسول کا مقام ہم پچھلی آیات میں بیان کر چکے ہیں رسول کا تعلق رب تعالیٰ سے فرمان و فیضان لینے کا ہوتا ہے مخلوق سے تعلق دینے عطا فرمانے کا ہوتا ہے لہٰذا وہ رسول اللہ بھی ہیں

www.alahazratnetwork.org

اور **رسولنا** یعنی ہمارے رسول بھی ہیں یہاں الرسول میں یہی دونوں احتمال ہیں یا تو اس کے معنی ہیں اے میرے رسول یا اے ساری کائنات ساری مخلوق کے رسول دوسرا احتمال اکثر مفسرین نے اختیار فرمایا چونکہ یہاں تبلیغ کا حکم ہے اس لئے رسول کے خطاب سے ندا فرمائی گئی نہ کہ نبی یا مزمل وغیرہ کے خطابات سے۔ رسالت اور بعثت دونوں کے معنی ہیں بھیجنا رسول اور مبعوث دونوں کے معنی ہیں بھیجا ہوا مگر بعثت رسالت سے عام ہے اور مبعوث رسول سے عام بعثت مطلقاً" بھیجنا ہے رسالت کچھ دے کر پہنچانے کے لئے اور کچھ کہہ کر سنانے کے لئے بھیجنا لہٰذا رسول وہ ہستی ہے جس کو مخلوق کی طرف رب نے کچھ دے کر کچھ کہلا کر بھیجا ہو **بلغ ما انزل الیک من ربک** بلغ بنا ہے تبلیغ سے۔ بمعنی خوب پہنچانا یا آہستگی کے ساتھ پہنچاتے رہنا اس کے معنی یہ ہیں کہ یوں ہی خوب اچھی طرح پہنچائے جاؤ ورنہ حضور کی تبلیغ تو اس آیت کے نزول سے برسوں پہلے سے جاری تھی تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ لہٰذا یہی معنی ہیں کہ اپنی تبلیغ جاری رکھو۔ جیسے **یاایھا النبی اتق اللہ**۔ اے نبی یوں ہی اللہ سے ڈرے جایئے۔ حضور نے قولی تبلیغ تو اعلان نبوت کے بعد شروع کی۔ مگر آپ کی عملی تبلیغ ولادت ہوتے ہی شروع ہو گئی تھی حتیٰ کہ بی بی حلیمہ کا بایاں پستان شریف نہ چوسا۔ بھائی کے لئے چھوڑا یہ تھی عدل کی تبلیغ اور وفات کے وقت بھی تبلیغ فرما کر رب کو پیارے ہوئے کہ آخری ہچکیوں میں فرمایا **الصلوۃ و ما ملکت ایمانکم** بعد وفات حضور کی ظاہر تبلیغ علماء باطنی تبلیغ صوفیاء سے ہوتی رہی بلکہ روحانی تبلیغ یعنی دلوں میں فیض پہنچانا لوگوں کو راہ راست پر لگانا تاقیامت رہے گا جو شخص کوئی نیکی کرتا ہے حضور کے فیض سے کرتا ہے **ما انزل الیک** الخ سے یا تو آیات قرآنیہ مراد ہیں۔ یا احکام شرعیہ خواہ قرآنی ہوں یا حدیث سے حاصل ہوں یہاں تفسیر صاوی شریف نے فرمایا کہ حضور کی وحی تین قسم کی ہیں ایک وہ جن کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ جیسے قرآن مجید اور شرعی احکام حضور نے ان کی حرف بحرف اعلیٰ تبلیغ فرما دی اور آخر وقت تک فرمائی بلکہ حضور کے خدام علماء دین حضور کی طرف سے تاقیامت کرتے رہیں گے۔ دوسرے وہ اسرار الٰہیہ جو عام لوگوں کے لائق نہیں وہ حضور نے اہل کو پہنچائے جو اہل نہ تھے ان سے چھپائے۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے دو برتن (تھیلے) عطا فرمائے ایک تو میں نے تم میں پھیلا دیا۔ (احادیث) اگر دوسرے کا شمہ بیان کروں تو میرا گلا کاٹ دیا جاوے۔ یہ اسرار بھی بذریعہ اولیاء اللہ خواص کو پہنچتے رہیں گے۔ تیسرے وہ خاص راز کی باتیں جو رب تعالیٰ اور محبوب کے درمیان خصوصی اسرار ہیں وہ کسی کو نہیں دیئے گئے نہ بتائے گئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** دیکھو رب نے قاب قوسین میں بلا کر سب کو ہٹا کر حضرت جبریل کو بھی سدرہ پر روک کر ایسے اسرار راز پر مطلع فرمایا جو کسی کو نہ بتائے گئے بلکہ انہیں **ما اوحی** کے پر اسرار لفظ سے تعبیر کر دیا شعر۔

☆ میان طالب و محبوب رمزے است ☆ کراما کاتبین راہم خبر نیست ☆

دیکھو آیات قرآنیہ میں احکام کی آیات تفسیر و تفصیل سے شائع فرمائی گئیں مگر متشابہات کی تفسیر نہ بتائی گئی نہ اس میں غور کرنے کی اجازت دی گئی لہٰذا یہاں **ما انزل الیک** میں پہلی قسم کی وحی مراد ہے خیال رہے کہ یہاں یہ تو فرمایا کہ کیا

www.alahazratnetwork.org

پہنچاؤ مگر یہ فرمایا کہ کہاں اور کس کو پہنچاؤ۔ وہ پوشیدہ ہے یعنی اپنی امت کو پہنچاؤ حضور کی امت ساری مخلوق ہے **للعلمین نذیرا** حضور نے انس و جن و فرشتے سب کو ان کی حیثیت کے لائق تبلیغ کی یا اپنی امت کے ہاتھوں زبان' دماغ' دل تک پہنچاؤ کہ انہیں پڑھاؤ' بتاؤ' سکھاؤ' سمجھاؤ یہ سب کچھ حضرت کی طرف سے ہے رب نے قرآن حضور کو دیا پھر حضور سے سب کو دیا اس لئے **بلغ** ارشاد ہوا **وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ** اس جملہ میں ناممکن کو ناممکن پر معلق ہے **ان لم تفعل** شرط ہے جس میں آئندہ کا ذکر ہے اور **فما بلغت** الخ میں گزشتہ کا ذکر ہے یا **ان لم تفعل** میں ایک حکم کی تبلیغ نہ فرمانا مراد ہے اور **فما بلغت** میں تمام احکام کی تبلیغ نہ فرمانا مراد یعنی اگر آپ نے آئندہ تبلیغ نہ کی تو گویا گزشتہ زمانہ میں بھی تبلیغ نہ کی کہ وہ کی ہوئی تبلیغ بیکار ہو گئی یا اگر آپ نے ایک تبلیغی حکم نہ پہنچایا تو گویا کوئی حکم نہ پہنچایا جیسے نماز کا ایک رکن یا شرط چھوڑ دینا گویا تمام ارکان کا چھوڑ دینا ہے۔ گزشتہ ادا کیئے ہوئے ارکان بھی بیکار ہو جاتے ہیں یا جیسے ایک انسان کا قتل گویا تمام کا قتل ہے۔ یا جیسے ایک نبی یا ایک آیت کا انکار گویا تمام نبیوں آیتوں کا انکار ہے (تفسیر مدارک و بیضاوی) بعض قراتوں میں **رسالاتہ** ہے جمع ہے (تفسیر کبیر) لہذا یہاں شرط و جزا ایک نہیں **واللہ یعصمک من الناس** یہ جملہ حکم تبلیغ کا تتمہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ حفاظت فرمایا گیا۔ **یعصم** بنا ہے **عصمۃ** سے بمعنی حفاظت اسی سے ہے۔ معصوم یعنی محفوظ حفظ اور عصمت دونوں کے معنی ہیں حفاظت مگر حفظ سے عصم زیادہ قوی ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ بعض اولیاء گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں معصوم نہیں معصوم صرف فرشتے یا انبیاء کرام ہیں محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے معصوم وہ جو گناہ نہ کر سکے کہ نہ گناہ اس تک پہنچ سکیں نہ وہ گناہ تک پہنچ سکے ایسے ہی دشمنوں سے محفوظ وہ کہ دشمن اس تک نہ پہنچے اور معصوم وہ کہ دشمن اس تک نہ پہنچ سکے۔ **ناس** سے مراد دشمن انسان ہیں خواہ کفار ہوں یا منافقین' خیال رہے کہ حضرات انبیاء سے عداوت صرف کفار جن و انس کو ہی ہے۔ دوسری مخلوق تو ان کی خدام بارگاہ ہے کہ کنکر پتھر حضور کا کلمہ پڑھتے ہیں چاند سورج ہوا بادل اطاعت کرتے ہیں مگر کفار جن نبی کو جانی ایذاء نہیں پہنچا سکتے کفار انسان ہی ان کے دشمن بھی ہیں اور ایذا رساں بھی۔ چنانچہ گزشتہ بعض نبیوں کو کفار انسانوں نے قتل کیا زخمی کیا نہ کہ جنات نے نیز اس موقع پر انسان نے ہی حضور کو دھمکی دی تھی۔ ان وجوہ سے یہاں **من الناس** ارشاد ہوا یہاں حفظ سے مراد قتل اور تبلیغ سے رکاوٹیں پیدا کرنے والی چیزوں سے حفاظت ہے یعنی رب تعالیٰ آپ کو ان دشمن انسانوں سے محفوظ رکھے گا کہ نہ تو وہ آپ کو قتل کر سکیں گے نہ آپ کی تبلیغ روک سکیں گے **ان اللہ لا یھدی القوم الکفرین** یہ عبارت گزشتہ عبارت کی گویا دلیل ہے۔ **لا یھدی** سے مراد کفار کو حضور کے قتل اور تبلیغ روکنے کی راہ نہ ملنا ہے یا بمعنی مستقبل ہے یا بمعنی حال استمراری **قوم کافرین** سے مراد تمام کفار ہیں۔ خواہ جن ہوں یا انس یعنی اللہ تعالیٰ ان کفار کو آپ کے خلاف راہ نہ دے گا کہ وہ آپ کو قتل کر سکیں یا آپ کا دین روک سکیں یا رب تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کے خلاف کفار کو راہ نہیں دیا کرتا۔ چنانچہ جن انبیاء کرام پر جہاد فرض تھا وہ کبھی کفار کے ہاتھوں شہید نہ ہوئے جو حضرات شہید ہوئے

www.alahazratnetwork.org

وہ جہاد کے مامور نہ تھے (تفسیر صاوی شریف) اس تفسیر سے انشاء اللہ تعالیٰ آیت کریمہ بالکل صاف واضح ہو گئی۔

خلاصہ تفسیر اے میری طرف سے تمام کائنات کو پیغام و فیضان پہنچانے والے میرے رسول یا مخلوق کے رسول تمام آیات قرآنیہ احکام شرعیہ تبلیغیہ بدستور لوگوں تک پہنچائے جاؤ اس تبلیغ میں کسی کے دھمکانے کی پرواہ نہ کرو اگر بفرض محال آپ نے ایک حکم شرعی کی بھی تبلیغ نہ کی تو گویا آپ نے کسی حکم کی تبلیغ نہ کی جیسے اگر کسی نے نماز کا ایک رکن یا شرط ادا نہ کی تو گویا کوئی رکن ادا نہ کیا یا اگر آپ نے آئندہ تبلیغ بند کردی تو ایسا ہو گا جیسے آپ نے گزشتہ میں بھی تبلیغ رسالت نہ فرمائی آپ مطمئن رہیں اللہ تعالیٰ بدباطن دشمن انسانوں کے شر سے آپ کو ہمیشہ بچائے گا کہ وہ نہ تو آپ کو قتل کر سکیں گے نہ آپ کا دین روک سکیں گے اللہ آپ کا اور آپ کے دین کا حافظ و ناصر ہے اللہ تعالیٰ کفار کو راہ ہی نہ دے گا۔ جس سے وہ آپ کو یہ تکلیف پہنچا سکیں لہذا آپ اطمینان سے بے دھڑک تبلیغ جاری رکھیں خیال رہے کہ ایک ہے علم رسول ایک ہے وحی رسول ایک ہے **ما انزل الی الرسول**۔ علم رسول تو بہت ہی وسیع چیز ہے خصوصاً ہمارے حضور کا علم کہ رب فرماتا ہے **وعلمک مالم تکن تعلم**۔ حضرات انبیاء کرام کو علوم ان کی ولادت سے پہلے عطا ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گہوارے کی گفتگو سے معلوم ہوتا ہے وحی رسول بہت قسم کی ہے دل میں القاء خواب میں اشارہ فرشتے کا آکر کچھ کہنا۔ معراج میں بلا کر رب کا فرمان وغیرہ یہ سب وحی رسول ہیں۔ مگر **ما انزل الی الرسول** وہ ہے جو بذریعہ فرشتہ کے تبلیغ کے لئے بھیجا جاوے خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی۔ تبلیغ ہر **ما انزل** کی فرض ہے۔ ہر وحی یا ہر علم کی تبلیغ ضروری نہیں اس لئے یہاں **ما انزل اللہ** فرمایا **ما اوحی** یا **ما علم اللہ** نہ فرمایا دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی تبلیغ جب ہی فرمائی۔ جب نماز کا حکم نازل ہو گیا اس سے پہلے نماز میں خود پڑھیں کسی کو حکم نہیں دیا۔ کیونکہ اس سے پہلے حکم نماز علم رسول یا وحی رسول تو تھا مگر ما انزل الی الرسول نہ تھا۔ غرضیکہ تبلیغ ما انزل الی الرسول کی ہے پھر آیات متشابہات کی تبلیغ فرمائی گئی معانی کی نہیں۔ علم الرسول بہت عام۔ وحی الرسول اس کے بعد ہے اور ما انزل الی الرسول اس کے بھی بعد ان دونوں سے خاص۔

ضروری نوٹ اس آیت کریمہ کے نزول اور اس کی تفسیر کے متعلق تفسیر روح المعانی نے ایک عجیب سا قول شیعہ حضرات کا نقل کیا اور اس کے متعلق قریباً آٹھ صفحات رنگین کئے۔ ہم معلومات میں اضافہ اور بے دینوں کی تحریف ظاہر کرنے کے لئے اس کا مختصر خلاصہ نقل کرتے ہیں تاکہ ناظرین معلوم کرلیں کہ اگر اللہ تعالیٰ قرآن کریم کی حفاظت نہ فرماتا تو لوگ اسے کیسے فنا کر دیتے یہ لوگ کہتے ہیں کہ حج الوداع سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸ ذی الحجہ اتوار کے دن ایک منزل پر پہنچے۔ جس کا نام غدیر خم ہے۔ جو جحفہ منزل کے قریب ہے مکہ و مدینہ کے درمیان وہاں کچھ لوگوں نے حضرت علی کی شکایت کی جو یمنی تھے۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ اے محبوب آپ حضرت علی کی خلافت بلا فصل کا اعلان فرمادیں اور جماعت صحابہ کی مخالفت کی پرواہ نہ کریں اور پوری آیت یوں تھی **یاایھا الرسول بلغ ما**

www.alahazratnetwork.org

انزل الیک من ربک ان علیا ولی المومنین وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ۔ زمانہ نبوی میں یوں ہی تلاوت ہوتی رہی بعد میں صحابہ نے اس کے درمیان سے یہ الفاظ نکال دے **ان علیا ولی المومنین۔** اور اس موقع پر حضور نے تمام صحابہ کو جمع فرماکر حضرت علی کے متعلق فرمایا **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** جس کا میں مولیٰ ہوں اس کے علی مولیٰ یعنی ولی و خلیفہ ہیں۔ اٹھارہ ذی الحجہ عید غدیر کا دن ہے جو اس تاریخ میں روزہ رکھے اسے ساٹھ ماہ یعنی پانچ سال کے روزوں کا ثواب ہے اور **واللہ لا یھدی القوم الکفرین** سے مراد صحابہ کی جماعت ہے جنہوں نے حضرت علی کو خلیفہ نہ مانا۔ اس آیت کی اس تفسیر کی بنا پر حضرات شیعہ اٹھارہ ذی الحجہ کو عید مناتے ہیں۔ غور کرو کہ یہ آیت کریمہ کی تفسیر ہے یا تحریف اور اس روایت کی بنا پر حضرت علی رضی اللہ عنہ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات پر کیسے کیسے اعتراض پڑیں گے۔ (۱) جب خلافت حیدری کا اعلان اس کی تبلیغ ایسی اہم چیز تھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی اجمالی ذکر کیوں فرمایا کہ **فعلی مولاہ** صاف صاف آپ کی خلافت کا اعلان بہ ایں الفاظ کیوں نہ فرمادیا کہ میرے بعد علی خلیفہ ہیں جو ان کے ہوتے دوسرے کو خلیفہ مانے گا وہ کافر ہوگا صرف لفظ مولیٰ کیوں فرمایا (۲) مولیٰ کے معنی خلیفہ نہیں اس کے معنی ہیں دوست یا مددگار رب فرماتا ہے **انت مولانا** ہم علماء دین کو مولانا کہتے ہیں حضور انور نے اپنے کو مولیٰ فرمایا کہ **من کنت مولاہ فعلی مولاہ** حالانکہ نہ خدا تعالیٰ کسی کا خلیفہ ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ علماء دین۔ (۳) حضور کے پردہ فرمانے کے بعد جب مسئلہ خلافت پیش ہوا تو حضرت علی نے اپنے لئے کوشش تو کی مگر اس آیت سے استدلال نہ فرمایا نہ کسی کو یہ واقعہ غدیر خم یاد دلایا کہ تم اتنی جلد وہ واقعہ کیوں بھول گئے۔ حضور کا مقرر کردہ خلیفہ تو میں ہوں۔ (۴) حضرت علی نے بلکہ تمام صحابہ و اہل بیت نے اس آیت کریمہ کے ہوتے ہوئے خلفاء راشدین کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اور انہیں خلیفہ تسلیم کرلیا اب صدیوں کے بعد اس آیت کی یہ تفسیر آپ حضرات کو معلوم ہوئی انہیں معلوم نہ تھی۔ (۵) حضرت علی نے اس آیت میں یہ تحریف ہوتے دیکھی کہ اس کا ایک جز نکال دیا گیا اور خاموش رہے۔ پھر اپنے زمانہ خلافت میں جب خلفاء ثلاثہ پردہ فرماگئے تھے اسے درست نہ فرمایا بتاؤ یہ کتنا بڑا جرم ہے آج قرآن مجید کے زیر زبر میں فرق کیا جاوے تو مسلمانوں میں خون کی ندیاں بہہ جاویں کوئی اسے گوارا نہ کرے حضرت حسین نے خلافت یزیدی کے مقابلہ میں سر دے دیا اس کے ہاتھ میں ہاتھ نہ دیا مگر وہ بھی اس موقع پر تحریف قرآن دیکھتے رہے۔ اور خاموش رہے۔ (۶) ان سب باتوں سے چشم پوشی کرلی جاوے تب بھی اس حدیث میں خلافت بلافصل کا ایک لفظ بلکہ اشارہ بھی نہیں اگر مولیٰ کے معنی خلیفہ ہی کرلئے جاویں تو بلافصل کی قید کہاں سے لگائی جاوے گی۔ اگر مولیٰ ۔ معنی اولیٰ ہی مان لیا جاوے تو بھی اولیٰ کے معنی خلیفہ نہیں رب فرماتا ہے۔ **ان اولی الناس بابراھیم للذین اتبعوہ وھذا النبی والذین امنوا** غرضیکہ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے رب تعالیٰ اپنے قرآن کا حافظ ہے۔ (۷) احکام شرعیہ کی پوری تبلیغ اور دین کی تکمیل تو نویں بقر عید حجۃ الوداع کے موقع تک ہو چکی تھی کہ اس موقع پر عرفات کے میدان میں فرمادیا گیا تھا **الیوم اکملت لکم**

www.alahazratnetwork.org

دینکم اتممت علیکم نعمتی اور حضور انور نے امت سے پوچھا تھا **ھل بلغت** کیا میں نے پوری تبلیغ کر دی سب نے کہا تھا **بلیٰ**۔ جس پر حضور نے فرمایا تھا۔ **اللھم اشھد** پھر نو دن بعد اب یہ حکم کیسا اور خلاف حیدری جو دین کا بڑا اہم مسئلہ تھا۔ وہ تشنہ بیان کیوں رہ گیا لہٰذا یہ آیت کریمہ حجتہ الوداع سے پہلے کی ہے نہ کہ بعد کی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شرعی حکم چھپایا نہیں ایک ایک حکم کی پوری پوری تبلیغ فرما دی لہٰذا جو کہے کہ حضور انور نے بوقت وفات شریف حضرت علی کے لئے خلاف نامہ لکھنا چاہا مگر صحابہ نے نہ لکھنے دیا اور آپ یہ حکم دل میں ہی لے گئے۔ وہ اس آیت کریمہ کے خلاف کہتا ہے بے دین ہے حضور انور تبلیغ فرمودہ احکام میں سے ہی کوئی حکم "تاکیداً" تحریر فرمانا چاہتے تھے اور یہ کاغذ و قلم دوات منگانے کا واقعہ جمعرات کا ہے۔ وفات شریف پیر کو واقع ہوئی ان پانچ دن میں حضور انور نے جو احکام دیئے کہ نماز کی پابندی رکھنا۔ لونڈی غلاموں سے اچھا سلوک کرنا وغیرہ کی خدمت کرنا یہ ہی لکھنے کا ارادہ فرمایا تھا۔ حضرات صحابہ نے حضور کی یہ تکلیف گوارا نہ کی۔ **دوسرا فائدہ** جیسے سارے قرآن پر ایمان لانا فرض ہے یوں ہی سارے قرآن کی تبلیغ بھی لازم تھی اور ہے اب بھی علماء حضور کی نیابت میں یہ فرض ادا کر رہے ہیں اور کرتے رہیں گے یہ فائدہ **وان لم تفعل** الخ سے حاصل ہوا ایک آیت کا چھپانا گویا کل کا چھپانا ہے۔ **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کا حافظ و ناصر ہے۔ تمام دنیا حضور کا کچھ نہ بگاڑ سکی اب بھی حضور کے صدقہ سے حضور کے نائبین علماء اولیاء کا اللہ تعالیٰ حافظ و ناصر ہے۔ جس کا دن رات تجربہ ہو رہا ہے خود اس فقیر نے بارہا اس کا تجربہ کیا ہے۔ دیکھ لو حضور کے دین حضور کے قرآن کس کس دور میں کیسے حالات سے گزرے مگر بفضلہ تعالیٰ محفوظ رہے اور رہیں گے۔ **چوتھا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور کے دین کے علماء کی تبلیغ میں کئی طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ حضور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ ہیں۔ علماء حضور کی طرف سے مبلغ دوسرے یہ کہ حضور علی التعیین تبلیغ کے مامور من اللہ ہیں علماء کو تبلیغ کا حکم ہے مگر کوئی عالم معین طور پر مامور من اللہ نہیں۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عقائد' عبادات' معاملات ان کے فرائض واجبات سنتیں مستحبات' حرام' مکروہات ہر چیز کے ایسے مبلغ ہیں کہ ان میں سے ایک چیز کی تبلیغ نہ کرنا گویا بالکل تبلیغ نہ کرنا ہے۔ علماء پر بقدر طاقت تبلیغ ہے حتیٰ کہ قرب قیامت فتنہ کے زمانہ میں علماء پر تبلیغ واجب نہ رہے گی۔ **پانچواں فائدہ** جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات کے قریب حضرت علی کو خلافت نامہ لکھنے کے لئے قلم و کاغذ منگایا۔ حضرت عمر نے نہ لکھنے دیا آپ وہ ارادہ لے کر وفات پا گئے۔ وہ کافر ہے کہ اس نے اس آیت کا انکار کر دیا اور حضور پر الزام لگا دیا کہ حضور نے بعض تبلیغی احکام چھپا لئے۔ حضور اس واقعہ کے بعد پانچ دن حیات رہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ میں کوتاہی کرتے تھے۔ تب ہی تو رب تعالیٰ نے **بلغ** فرمایا ورنہ اس حکم کی ضرورت کیا تھی (نعوذ باللہ) **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کے خطاب حضور کی تائید کے لئے ہوتے ہیں یعنی یوں ہی تبلیغ فرماتے جاؤ۔ جیسے **یاایھا النبی اتق اللہ**۔ ورنہ غور کرو کہ یہ آیت کریمہ تو حضور انور کی وفات شریف سے کچھ پہلے اتری اور حضور نے ہجرت سے پہلے

تبلیغ کے لئے جو مصیبتیں جھیلیں اور بعد ہجرت جو جہاد کئے وہ دنیا جانتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول قرآن سے پہلے بھی عملی مبلغ تھے کہ کفار عرب حضور کو امین اور صادق الوعد کے القاب سے یاد کرتے تھے۔ **دوسرا اعتراض** **وان لم تفعل فما بلغت رسالتہ** میں شرط و جزا ایک ہی ہے۔ حالانکہ ان دونوں میں فرق چاہیے۔ **جواب** اس کی تفصیل ابھی عرض کی گئی کہ یا تو اس جملہ کے یہ معنی ہیں کہ اگر آپ نے ایک حکم کی بھی تبلیغ نہ کی تو گویا کسی کام کی بلیغ نہ کی یا اگر آئندہ تبلیغ نہ کی تو گویا پہلے بھی تبلیغ نہ فرمائی وہ تبلیغ بھی رائیگاں گئی لہٰذا شرط و جزا میں بڑا فرق ہے۔ تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا کچھ اور ہی جواب دیا ہے مگر یہ جواب بہت آسان اور عمدہ ہے۔ **تیسرا اعتراض** ایک مسئلہ کی تبلیغ نہ فرمانے کو تمام احکام کی تبلیغ نہ فرمانا کیوں قرار دیا **جواب** جو عبادت دوسری عبادت کا جزء ہو ان میں سے ایک کا چھوڑ دینا تمام عبادات کو بے کار کر دیتا ہے۔ دیکھو نماز میں تلاوت' قیام' رکوع' سجدہ وغیرہ عبادات نماز کے اجزاء ہیں۔ اگر کوئی شخص سارے ارکان نماز ادا کرے مگر ایک رکن چھوڑ دے تو سارے بیکار ہیں۔ یوں ہی حضور انور کے لئے تمام احکام کی تبلیغ مطلق تبلیغ کے ارکان ہیں اس لئے اگر حضور انور ایک حکم کی تبلیغ نہ فرمادیں تو تمام احکام کی تبلیغ بیکار ہو گویا آپ کے لئے تمام عمر کی تبلیغ ایک عبادت قرار دی گئی ساری تبلیغیں اس کے ارکان۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کفار کا خوف تھا اس لئے فرمایا گیا **واللہ یعصمک من الناس** حالانکہ مخلوق سے خوف کرنا شان نبوت کے خلاف ہے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ **جواب** مخلوق سے خوف ایذاء حضرات انبیاء کرام کو ہو سکتا ہے ہلکہ ہوا ہے۔ خوف اطاعت ماسوی اللہ سے نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے ہلکہ پہلی بار جب عصا سانپ بنا تو اس سے خوف کیا اس لئے **لا خوف علیھم** ارشاد ہوا اور **لا خوف لھم** نہیں فرمایا مگر حضور انور کے دل میں کفار کا خوف نہ تھا۔ اس آیت کے نزول سے پہلے بھی حضور نے بے دھڑک تبلیغ فرمائی۔ کبھی رب سے عرض نہیں کیا کہ مجھے کفار سے خوف ہے نہ صحابہ کو اپنی حفاظت کے لئے مقرر فرمایا۔ خود صحابہ کو حضور پر خوف تھا انہیں سنانے کے لئے یہ آیت آئی۔ **پانچواں اعتراض** جب رب تعالیٰ نے حضور انور سے حفاظت کا وعدہ فرمالیا تو جنگ احد میں سرکار کو کفار سے زخم کیوں پہنچے یوں ہی کفار مکہ کی ایذاء سے تنگ آ کر ہجرت کیوں کرنی پڑی۔ **جواب** تفسیر خازن وغیرہ نے تو اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہ آیت غزوہ احد کے بعد کی ہے لہٰذا اس سے پہلے جو تکلیفات کفار نے پہنچائیں وہ اس وعدے سے پہلے تھیں مگر قوی جواب یہ ہے کہ یہاں قتل اور دین کی تباہی سے حفاظت کا وعدہ ہے یعنی وہ تم کو نہ تو قتل کر سکیں گے نہ آپ کا دین مٹا سکیں گے تکالیف پہنچنا اس کے خلاف نہیں وہ تو رب کی طرف سے امتحان اور زیادتی درجات کے لئے ہے۔ **چھٹا اعتراض** یہاں حفاظت کے وعدہ میں **من الناس** کیوں فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ نے کفار' جنات'

www.alahazratnetwork.org

شیاطین اور دوسری چیزوں سے حضور کی حفاظت نہیں فرمائی۔ **جواب** حضرات انبیاء کرام کی دو ہی مخلوق دشمن ہیں۔ کفار جن اور کفار انسان۔ مگر ان دونوں میں سے صرف انسان ہی درپے آزار ہے۔ چنانچہ انہیں شہید کرنے والے زخمی کرنے والے زہر دینے والے کافر انسان ہی تھے۔ جنات نہ تھے۔ انہیں سے خطرہ تھا لہٰذا **من الناس** ارشاد ہوا۔ دیگر مخلوقات تو مطیع و فرمانبرداری ہیں۔ غیر پہاڑ کے بغض رکھنے کے معنی یہ ہیں کہ وہاں آباد قوم بغض رکھتی ہے۔ **ساتواں اعتراض** کیا رب تعالیٰ نے اس آیت کے نزول سے پہلے حضور کی حفاظت دشمنوں سے نہ کی ضرور کی ہجرت کی شب کفار کی تلواروں سے بچایا۔ غار ثور میں بچایا سراقہ ابن مالک سے بچایا۔ پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے کہ ہم آپ کو دشمنوں سے بچائیں گے حفاظت تو پہلے سے فرمائی گئی تھی۔ **جواب** اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ یوں ہی آپ کی حفاظت فرماتا رہے گا۔ جیسے اس سے پہلے کی ہے یہ فرمان عالی دوام حفاظت کے وعدے کے لئے ہے حدوث حفاظت کے لئے نہیں۔ **آٹھواں اعتراض** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ کافر قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ حالانکہ حضور سے پہلے اہل عرب کافر تھے۔ جنہیں ہدایت دی گئی تو یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **جواب** اس فرمان کے معنی یا یہ ہیں کہ کافر قوم کو اللہ تعالیٰ تمہیں شہید کرنے کی راہ یا موقع نہ دے گا۔ یہاں ہدایت سے مراد ایمان و اعمال کی ہدایت نہیں بلکہ ایذا رسانی کی راہ دینا ہے یا یہ معنی ہیں کہ جس کے دل میں نبی کا عناد ان سے دشمنی ہو اسے اللہ کبھی ہدایت نہ دے گا ہر قسم کے کافر کو ہدایت مل سکتی ہے مگر نبی کے ذاتی دشمن ذاتی بے ادب کو ہدایت نہیں ملتی۔ شیطان نے ایک لاکھ چوبیس ہزار نبیوں کو دیکھا ان کے کلام سے کروڑوں اولیاء اللہ کے ساتھ رہا مگر ہدایت نہ پائی۔ کیونکہ دشمنی نبی اور بے ادبی رسول کا کافر ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے تبلیغ قرآن کے لئے بھیجا اس کا حکم دیا۔ حضور نے نقوش قرآن ہمارے ہاتھوں تک اور الفاظ قرآن زبان تک آواز قرآن کان تک معانی قرآن ذہنوں تک پہنچائے۔ احکام قرآن ہمارے اعضاء ظاہری تک پہنچائے مگر اسرار قرآن خواص کے دلوں تک پہنچائے **بلغ** یہ تمام تبلیغیں شامل ہیں مگر یہ تمام تبلیغیں **ما انزل** کی ہیں **ما اعرف** کی تبلیغ سے سخت منع فرمادیا یہ **ما اعرف** معرفت الٰہی کے وہ مخصوص راز ہیں جن پر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مطلع ہو سکتے ہیں۔ آپ کا دل و دماغ ہی اس کی برداشت کر سکتا ہے۔ اگر اس کا کروڑواں حصہ آشکارا کیا جاوے تو آسمان و زمین تاب نہ لاسکیں خود فرماتا ہے **لو انزلنا هذا القرآن على الجبل لرايته خاشعا متصدعا من خشية الله** اور فرماتا ہے **انا عرضنا الامانة على السموت والارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها**۔ غرضیکہ احکام کی تبلیغ فرض کی نہ کہ عرفان کی عرفان **ما انزل اليک** نہیں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رسول مقتدی ہوتے ہی نہیں؟ مقتدی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا اس طرح کہ آپ کو غیر اللہ کی طرف التفات' رب تعالیٰ سے غافل نہ کر سکے گا۔ دنیا کا اشتغال آخرت سے غافل

www.alahazratnetwork.org

نہ کرے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ **ما انزل الیہ** یعنی معانی و اسرار قرآن میں تمام علوم ہیں۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی نے حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول نقل فرمایا کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم جاوے تو میں قرآن مجید سے معلوم کر سکتا ہوں کہ کہاں ہے۔ کسی نے ایک عالم سے پوچھا کہ حضور کی عمر شریف قرآن سے نکالو۔ انہوں نے فرمایا کہ حضور انور کی عمر شریف تریسٹھ سال ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ **ولن یوخر اللہ نفسا اذا جاء اجلھا**۔ سورہ منافقون میں ہے اور سورہ منافقون تریسٹھویں سورت ہے اور اس کے بعد سورہ تغابن ہے۔ تغابن کے معنی ہیں افسوس کرنا اس میں اشارۃ ارشاد ہوا کہ حضور کی وفات ۶۳ سال میں ہوگی اور مسلمان اس پر افسوس و غم کریں گے (روح المعانی) یہ تو **ما انزل الیک** کی وسعت علوم کا حال ہے تو وہ فیض ربانی جو **ما اعرف** میں داخل ہے۔ اس کی وسعت کا کیا پوچھنا ہے (از تفسیر عرائس البیان) رب نے حضور کی ایسی حفاظت فرمائی کہ تاقیامت حضور کا نام شریف مخلوق کی حفاظت کا ذریعہ بن گیا۔ دیکھو حضور کے غلام حضرت سفینہ پر شیر نے حملہ کرنا چاہا تو آپ نے فرمایا۔ اے ام السائب (شیر) میں رسول اللہ کا غلام ہوں تو وہ شیر پالتو کتے کی طرح دم ہلا کر آپ کے آگے چلنے لگا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب الکرامات اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان سید المحفوظین کی حفاظت میں ہر جگہ رکھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ نام احمد چوں شدہ حصن حصین ☆ پس چہ باشد ذات آں روح الامین ☆

قُلْ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَیْءٍ حَتّٰى تُقِیْمُوا التَّوْرٰىةَ وَ الْاِنْجِیْلَ

فرمادو اے کتاب والو نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہاں تک کہ قائم کرو تم توریت اور انجیل کو

تم فرمادو اے کتابیو تم کچھ بھی نہیں ہو جب تک نہ قائم کرو توریت اور انجیل اور جو کچھ تمہاری طرف

وَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ لَیَزِیْدَنَّ كَثِیْرًا مِّنْهُمْ مَّاۤ اُنْزِلَ

اور اس کو جو اتارا گیا طرف تمہارے تمہارے رب سے اور البتہ ضرور زیادہ کرے گا بہتوں کو ان میں سے

تمہارے رب کے پاس سے اترا اور بے شک اے محبوب وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْیَانًا وَّ كُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۶۸﴾

وہ جو اتارا گیا طرف آپ کے آپ کے رب سے سرکشی اور کفر کو پس نہ غم کرو تم اوپر قوم کافروں کے

کے پاس سے اترا اس سے ان میں بہتوں کو شرارت اور کفر کی ترقی ہوگی تم کافروں کا کچھ غم نہ کھاؤ

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تبلیغ عام کا تاکیدی حکم دیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ آپ کی اس تبلیغ سے بعض اہل کتاب کفار کو بجائے فائدے کے نقصان ہی ہوگا گویا پہلے دوا کو دینے کا حکم دیا گیا۔ اب محروم اور شقی ازلی لوگوں کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ہے

www.alahazratnetwork.org

سورج کو چمکنے کا حکم پہلے دیا گیا بادل کو برسنے کا حکم پہلے دیا گیا۔ چمگادڑ اور شورہ زمین کی محرومی کا تذکرہ اب فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضور کو تبلیغ رسالت کا حکم دیا گیا۔ اب رسالت کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ صرف شرعی فقہی احکام ہی رسالت نہیں بلکہ کفار کی تردید اہل کتاب کو جھنجھوڑنا بھی رسالت میں داخل ہے۔ اس کی تبلیغ بھی کی جاوے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد تھا کہ اللہ کافر قوم کو راہ نہیں دیتا اب اس آیت میں اس راہ نہ دینے کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ یہ توریت و انجیل کو قائم نہیں رکھ سکے جو اپنی مانی ہوئی کتابوں پر عامل نہ ہوں انہیں ہدایت کیسے ملے گویا اس خبر کی وجہ یہاں بیان ہو رہی ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں حضور کو تبلیغ کا حکم تھا۔ اب لوگوں کے قبول ہدایت نہ کرنے پر غم کرنے سے منع فرمایا جارہا ہے یعنی آپ کا کام احکام پہنچانا ہے نہ کہ نافرمانوں پر غم کھانا۔ پانچواں تعلق آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق تبلیغ کا حکم دیا گیا۔ اب ایک خاص تبلیغ کا حکم ہے یعنی بے دین کافر اہل کتاب کی بے دینی ان کے کفر و الحاد کی تبلیغ لوگوں کو کرنا کیونکہ تبلیغ صرف عقائد و مسائل کی نہیں ہوتی بلکہ مقبولوں کے فضائل مردودوں کی مردودیت کی بھی تبلیغ ہوتی ہے **قل ھو اللہ** میں توحید کی تبلیغ ہے محمد رسول اللہ میں نبوت کی تبلیغ **اقیموا الصلوۃ** میں نماز وغیرہ مسائل کی تبلیغ ہے۔ اس طرح **والذین معہ اشداء علی الکفار** میں صحابہ کرام کے فضائل کی تبلیغ ہے اور **تبت یدا ابی لھب** اور **عتل بعد ذالک زنیم** میں ابولہب اور ولید ابن مغیرہ کی مردودیت کی تبلیغ ہے تاکہ مسلمان مقبولوں کے فضائل اور مردودوں کی مقہوریت پر بھی ایمان لائیں۔

شان نزول ایک بار رافع ابن حارثہ، سلام ابن مشکم، مالک ابن صیف، رافع بن حرملہ وغیرہ یہودی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے کہ آپ کا یہ دعویٰ ہے کہ آپ ملت ابراہیمی پر ہیں اور آپ یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ ہمارے دین ہماری کتب ہمارے نبیوں پر ایمان رکھتے ہیں وہ سب حق ہیں تو ہم دین ابراہیمی پر ہوئے اور آپ ہم میں سے ہوئے۔ پھر ہماری مخالفت کیوں کرتے ہیں۔ حضور نے فرمایا ہاں مگر تم لوگ خود اپنی کتب اپنے دین کے انکاری ہو گئے تم نے خود اپنے لئے نئے دین تراش لئے جن چیزوں کے ظاہر کرنے کا تم کو حکم تھا وہ تم نے چھپا دیں۔ ہم تمہارے اس دین سے بیزار ہیں وہ بولے تو ہم آپ کے دین سے بیزار ہیں۔ ہم حق پر ہیں اس موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور ان لوگوں کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ)

تفسیر **قل یاھل الکتب لستم علی شئی** یہاں قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور اہل کتاب سے وہ لوگ مراد ہیں جو اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ بالا گفتگو کر رہے تھے جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا اور ہو سکتا ہے کہ تمام دنیا کے اہل کتاب مراد ہوں اگلے پچھلے اور موجودہ کیونکہ حضور کے فرمان عالی جیسے تاقیامت

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں تک پہنچ رہے ہیں یوں ہی کفار تک پہنچ رہے ہیں مگر مسلمانوں سے رحمت کے خطاب ہیں۔ کفار نے غضب و عتاب کے خطاب ممکن ہے کہ **قل** میں ہر مسلمان یا ہر قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہو اس صورت میں اہل کتاب سے سارے **اگلے پچھلے** کتابی مراد ہیں۔ اہل کتاب سے مراد یا یہود ہیں یا یہود و عیسائی دونوں مراد **شئی** سے مراد سچا دین ہے۔ جسے **شئی** کہا جاسکے باطل گویا شئی ہی نہیں قابل ذکر قابل اعتبار ہی نہیں۔ یعنی اے اہل کتاب تم جس خود ساختہ دین پر ہو وہ تو کوئی چیز نہیں لاشئی محض ہے نہ اس کا کوئی فائدہ ہے نہ نتیجہ یا شئی سے مراد ان کی وہ فخر کی باتیں ہیں۔ جن پر وہ اکڑتے تھے یعنی اولاد ابراہیمی ہونا توریت و انجیل کا عالم ہونا عرب کے جزیرہ میں رہنا وغیرہ تو مطلب یہ ہوگا کہ تم نہ ابراہیمی ہو نہ توریت و انجیل کے ماننے والے نہ ان کتب کے عالم نہ اہل عرب تم کسی خوبی سے موصوف نہیں کہ بے ایمان کی ساری خوبیاں بھی برائیاں ہیں اگر ایمان قبول کرلو تو سب کچھ ہو **حتی تقیموا التورة والانجیل وما انزل الیکم من ربکم** یہ عبارت **لستم** الخ کی انتہاء ہے توریت و انجیل قائم کرنے کے معنی ابھی کچھ پہلے **ولوانهم** کی تفسیر میں گزر گئے کہ اس سے مراد توریت و انجیل کی ان ہدایتوں پر عمل کرنا ہے جو نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے متعلق کی گئی تھیں یا ان کتابوں کے تمام وہ درست عقیدے جن کی تعلیم گزشتہ انبیاء کرام نے دی تھی کہ اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک ہے اولاد بیوی وغیرہ سے پاک ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان کتب کے منسوخ احکام پر عمل کرنا مراد نہیں کیونکہ اب ان کا چھوڑ دینا ضروری ہے نہ کہ ان کا قائم کرنا **ما انزل** سے مراد یا تو قرآن مجید ہے جو تمام لوگوں کی طرف آیا۔ جن میں اہل کتاب بھی داخل ہیں۔ بلکہ ان پر قرآن مجید کا زیادہ احسان ہے کہ اس نے ان کی کتابوں ان کے نبیوں کی تصدیق بھی کی تائید بھی۔ انہیں عزت بھی بخشی یا اس سے مراد دیگر انبیاء کرام کی کتابیں اور صحیفے ہیں کہ ان سب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا تاکیدی حکم تھا یعنی اس وقت تک تم کسی **قابل شمار** دین پر نہیں جب تک کہ تم توریت و انجیل کے یہ احکام نہ قائم کرو ان پر عمل پیرا نہ ہو **ولیزیدن کثیرا منهم ما انزل الیک من ربک** اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے ایمان سے مایوس فرمانا مقصود ہے تاکہ ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر ان کو صدمہ و رنج نہ ہو **کثیرا** مفعول **به** اول ہے۔ فعل **لیزیدن** کا اور ما انزل الخ فاعل ہے کثیر فرما کر یہ بتایا کہ سارے کتابی بدبخت نہیں ان میں سے کچھ تھوڑے قرآن کریم کی ہدایات قبول کرلیں گے ہاں ضدی قسم کے لوگ اس سے محروم رہیں گے بلکہ زیادہ سرکش ہو جائیں گے۔ ہدایت پانے والے تھوڑے ہیں کفر پر جمے رہنے والے زیادہ **ما انزل** سے مراد قرآن کریم ہے یا قرآن، الہام اور حضور کے معجزات سب ہی ہیں چونکہ قرآن کی منزل مقصود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اس سے مقصود عالم کو ہدایت دینا ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے نزول کی نسبت کبھی لوگوں کی طرف جاتی ہے۔ کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لہٰذا ابھی کچھ پہلے **ما انزل الیکم** فرمانا بھی درست تھا اور یہاں **ما انزل الیک** فرمانا بھی حق ہے **طغیانا وکفرا** یہ **لیزیدن** الخ کا مفعول **به** دوم ہے۔ طغیان کے معانی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ بنا ہے۔ **طغی** سے

www.alahazratnetwork.org

بمعنی حد سے بڑھ جانا رب فرماتا ہے **لما طغی الماء** ہر چیز اپنی حد میں رہے تو اچھی ہے ورنہ خراب یہ ہی انسان کا حال ہے۔ طغیان کفر کی علت ہے۔ پہلے انسان سرکشی کرتا ہے تب کافر بنتا ہے۔ اس لئے طغیان کا ذکر کفر سے پہلے ہوا۔ یعنی قرآن کریم اور آپ کے معجزات ان بدنصیبوں کے لئے سرکشی اور کفر کی زیادتی ہی کا سبب بنیں گے کہ آیات اترتی جائیں گی یہ لوگ ان کا انکار کرتے جائیں گے آپ پر زیادہ جلتے بھنتے رہیں گے۔ غرضیکہ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی ہے۔ قرآن کریم انہیں ہدایت دیتا ہے جو ان سے وابستہ نہیں ہیں ان کا کفر بڑھاتا ہے یا جن لوگوں میں انا کی بیماری ہے انہیں گمراہی دیتا ہے جن کو فنا میسر ہے انہیں ہدایت دیتا ہے **فلا تاس علی القوم الکفرین** اس عبارت میں گزشتہ مضمون کا مقصد بیان فرمایا گیا اور **لا تاس** نہی واحد حاضر ہے **اسی**۔ سے بنا۔ بمعنی سخت غم اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اے محبوب آپ ان کے کفر و سرکشی پر رنج نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ آپ ان کے عذاب و ہلاکت پر غم نہ کریں (تفسیر روح المعانی وغیرہ)

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان شیخی خورے، آپ کی اطاعت سے بے نیاز ہو جانے والے اہل کتاب سے فرمادو کہ تم تو کسی قابل ذکر دین پر ہو ہی نہیں تم محض بے کار ہو۔ تمہارا ادعائی ایمان محض لاشی ہے۔ جب تک تم توریت و انجیل اور آسمانی کتابوں کا دکھایا ہوا راستہ ان کی بتائی ہوئی باتیں سکھائے ہوئے احکام کو قائم نہ کرو کہ ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کر لو کہ تمام آسمانی کتابوں نے ان پر ایمان لانے کی سخت تاکید کی ہے۔ ان محبوب کو ماننا ان تمام کتب کو قائم کرنا ہے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ لوگ ایمان نہ لاویں تو آپ پرواہ نہ کریں۔ ان کا کفر و سرکشی تو اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ آپ پر اترا ہوا قرآن آپ کے فرمان پاک آپ کے معجزات انہیں ایمان بخشنے کی بجائے ان کے کفر و سرکشی کو اور بھی زیادہ کر دیں گے ان کی شرارتیں بڑھتی ہی رہیں گی کہ ہر آیت کا انکار کریں گے۔ اور زیادہ ضد پر کمر باندھیں گے۔ ایسی کافر قوم پر ہرگز غم نہ کریں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے فرمان پر عمل کئے بغیر انسان کچھ نہیں نہ اس کی کوئی قدر ہے نہ کچھ حقیقت اگرچہ عالم فاضل، خاندانی ہو نبیوں کی اولاد ہو یہ فائدہ **لستم علی شئی** الخ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے علماء بنی اسرائیل کو جو اولاد انبیاء تھے فرمایا کہ تم کچھ نہیں۔ **دوسرا فائدہ** اب تمام آسمانی کتب پر عمل یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان قبول کیا جاوے حضور کی اطاعت کے بغیر کسی آسمانی کتاب پر عمل ناممکن ہے یہ فائدہ **حتی تقیموا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** نبی پر آسمانی کتب اترنا سب انسانوں پر اترنا ہے کیونکہ مقصود ان ہی کی ہدایت ہے یہ فائدہ **ما انزل الیکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** قرآن و حدیث مثل بارش کے ہے۔ بارش بوئے ہوئے بیج کو اگا تو سکتی ہے۔ اسے بدل نہیں سکتی۔ جن کے دلوں میں بدبختی کا بیج ہے۔ اس کے لئے قرآن

www.alahazratnetwork.org

وحدیث اس شقاوت کی زیادتی کا باعث ہی ہوگا اور جن کے دل میں سعادت و نیک بختی کا تخم ہے ان کے لئے قرآن و حدیث ایمان و عرفان کی زیادتی کا سبب ہوگا یہ فائدہ **ولیزیدن** الخ سے حاصل ہوا اس لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان بناتے ہیں۔ پھر اسے قرآن و حدیث پڑھاتے ہیں کلمہ گویا سعادت کا تخم ہے۔ قرآن و حدیث اس کے لئے رحمت کا پانی۔ پانچواں فائدہ کسی شخص کے ہدایت قبول نہ کرنے پر رنج و غم نہ کرنا چاہیے۔ مبلغ اپنا کام کئے جاوے لوگ قبول کریں یا نہ کریں یہ فائدہ **فلا تاس** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں اہل کتاب سے فرمایا گیا کہ تم کسی چیز پر نہیں یا تم کچھ بھی نہیں۔ حالانکہ وہ کافر تھے کفر پر تھے۔ پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں شئی سے مراد دین حق ہے جو حقیقتاً شئی ہے کفر وغیرہ تو باطل اور لا شئی چیزیں ہیں لہٰذا وہ لوگ لا شئی ہوئے یہاں شئی بمعنی حق ہے نہ کہ بمعنی موجود یا مفہوم وغیرہ قرآن کریم میں شئی بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بمعنی حق و صحیح ہے۔ دوسرا اعتراض اگر **ما انزل الیکم** سے مراد قرآن کریم ہو تو آیات میں تعارض ہوگا۔ کیونکہ قرآن کریم کہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے کہ قرآن آپ کی طرف اترا۔ کہیں مسلمانوں سے کہتا ہے کہ تمہاری طرف اترا۔ یہاں یہود و نصاریٰ سے فرمایا کہ تمہاری طرف اترا بتاؤ قرآن اترا کس کی طرف ہے۔ حضور کی طرف یا مسلمانوں کی طرف یا کفار کی طرف۔ جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کے منتہاء نزول ہیں اور دوسرے لوگ مدعاء نزول یعنی نزول آسمانی کا منتہاء حضور ہیں۔ ہدایت کرنا ہم کو مقصود ہے منتہاء کے لحاظ سے **انزل الیک** فرمایا جاتا ہے مدعیٰ کے اعتبار سے **انزل الیکم** جیسے ریل سے ڈاک پوسٹ آفس میں پہنچتی ہے۔ پھر دوسرے ذریعوں سے ہمارے گھروں میں۔ ڈاکخانہ ڈاک کے منتہی ہیں ہم لوگ ڈاک کے مدعیٰ پر قرآن مجید کافروں کو ایمان کی ہدایت دیتا ہے۔ مومنوں کو تقویٰ کی۔ متقیوں کو عرفان کی عارفوں کو ایقان کی اس لئے اس کے نزول کی نسبت کبھی حضور کی طرف ہوتی ہے کبھی مسلمانوں کی طرف کبھی کفار کی طرف لہٰذا تمام آیات درست ہیں۔ جیسے سورج بارش کے بعض فیض عام ہوتے ہیں۔ بعض فیض خاص عام فیض دھوپ دن' روشنی' موسم یوں ہی زمین کا دھل جانا گرد و غبار جم جانا۔ سورج یا بارش کے عام فیض ہیں مگر بعض جگہ لعل بنا دینا یا پھل پھول اگا دینا سچے موتی بنا دینا یہ سورج و بارش کے خاص فیوض ہیں۔ یونہی قرآن کریم کے عام فیوض سارے انسانوں کے لئے ہیں کہ اس سے ایمان' اعمال کی رہبری ہوتی ہے۔ عرفان' ایقان' ولایت قطبیت غوثیت قرآن کریم کے خاص فیوض ہیں جو کسی کو ملتے ہیں سب کو نہیں۔ تیسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ اب بھی توریت و انجیل پر عمل کرنا چاہیے کہ فرمایا گیا۔ **حتی تقیموا التورة** الخ حالانکہ وہ کتب اب منسوخ ہو چکیں۔ منسوخ پر عمل کیسا۔ جواب اس اعتراض کا جواب پچھلی آیات کی تفسیر میں گزر گیا کہ منسوخ کتب کے فرعی احکام منسوخ ہوتے ہیں نہ کہ عقائد وہ تو تاقیامت باقی رہتے ہیں۔ یہاں توریت قائم کرنے سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ہے کہ توریت و انجیل نے اس کا حکم دیا۔

www.alahazratnetwork.org

تھا جو تاقیامت باقی ہے۔ چوتھا اعتراض قرآن و حدیث تو ہدایت کا ذریعہ ہیں پھر ان سے کفر و طغیان کیسے بڑھ سکتا ہے۔ اس سے تو قرآن و حدیث کی توہین ہوتی ہے جواب اس اعتراض کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے۔ بارش اور سورج اللہ کی رحمتیں ہیں مگر یہ دونوں چیزیں بعض مخلوق کو تکلیف دہ بھی ہیں جیسے چمگادڑ کو وہ سورج نکلنے پر اندھی ہو جاتی ہے۔ اس میں اس کی آنکھ کا قصور ہے نہ کہ سورج کا گندگی پر بارش پڑنے سے اور گندگی پھیلتی ہے۔ اس میں بارش کا قصور نہیں۔ شعر :-

☆ گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ☆ چشمہ آفتاب راچہ گناہ! ☆

اعلیٰ غذا سخت معدہ والے کو زیادہ بیمار کر دیتی ہے اس میں غذا کا قصور نہیں اس کے اپنے معدے کا فتور ہے۔ اس قرآن سے لوگ مومن، عارف، متقی، مقبول بارگاہ الٰہی بنے اور تاقیامت بنتے رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ دینداری کی حقیقت ظاہری و باطنی احکام کی پابندی ہے۔ انسان جسم کو شریعت سے دل کو طریقت سے آراستہ کرے۔ یہ چیز دو مقدمات اور چار نتائج سے حاصل ہوتی ہے۔ دو مقدمات تو ربانی کشش جسے جذب الٰہی کہتے ہیں۔ دوسرے شیخ کامل کی صحیح تربیت ہیں اور چار نتائج دنیا سے منہ موڑنا۔ توجہ الی اللہ۔ دل و نفس کا تزکیہ و صفائی۔ اخلاق الٰہی اختیار کرنا ہے۔ اہل کتاب باطن کو چھوڑ کر صرف ظاہر پر قناعت کر بیٹھے تھے لہٰذا بے دین ہی رہے۔ ہر چیز بغیر باطن کے بیکار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر :-

☆ فائدہ ہر ظاہرے خود باطن است ☆ ہمچو نفع اندر دواہا کامن است! ☆
☆ نیست راچہ خوانند چہ ناخوانندہ ☆ ہست پاء او بہ گل درماندہ ☆
☆ گر سرش جنبد بسیر باد رو! ☆ تو بسر جنبانیش غرہ مشو!! ☆
☆ آں سرش گوید سمعنا اے صبا ☆ پاء او گوید عصینا خلنا ☆

دوا کے اجزاء اس کا ظاہر ہے۔ دوا کا نفع اس کا باطن ہے دوا بغیر نفع بیکار ہے۔ سبزہ کا سر اس کا ظاہر ہے۔ جڑ اس کا باطن سر ہوا کا مطیع ہے۔ جڑ ہوا کی مخالفت کہ ہوا سے اس کا سر ہلتا ہے۔ جڑ نہیں ہلتی۔ اہل کتاب کا دعویٰ عمل بالکتاب کا تھا یہ ان کا ظاہر تھا مگر عمل مخالفت کتاب تھا یہ تھا ان کا باطن اس کی وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد تھی انسان کو چاہیے نفس کا تزکیہ کرے۔ اس لئے اہل کتاب سے فرمایا گیا کہ تم کسی شئی پر نہیں کہ تمہارے پاس ظاہر ہے باطن نہیں۔ اس لئے ان کے لئے تمام مفید چیزیں مضر ہوئیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے خطابات دو جہت والے ہوتے ہیں۔ قہر و مہر جس کے دل میں قرآن اتر جاوے وہاں مہر و کرم ہے اور جس کی زبان پر تو قرآن ہو مگر اس کا دل فیضان سے خالی ہے وہ قہری پائے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی اصطلاح میں شئی وہ ہے جو اپنا مقصد پیدائش پورا کرے جو مقصود پورا نہ کرے وہ لاشئی ہے دیکھو آنکھ کان، زبان والے کفار کو رب نے بہرا گونگا اندھا فرمایا **صم بکم عمی** زندہ کافروں کو مردہ قرار دیا **اموات**

www.alahazratnetwork.org

غیر احیاء مگر وفات یافتہ شہیدوں کو زندہ کیا۔ **بل احیاء ولکن لا تشعرون**۔ بیکار گھڑی لاشئی ہے۔ جس سکہ کا چلن بند ہو جاوے وہ لاشئی ہے۔ عقائد اعمال ' دولت عزت ' نسب علم وغیرہ کا مقصد رضاء الٰہی ہے۔ جب رب راضی نہ ہو تو یہ سب چیزیں لاشئی ہیں۔ یہود کے علم ' عمل ' نسب وغیرہ سے رب راضی نہ تھا کیونکہ ان کا کنکشن حضور سے نہ تھا۔ لہٰذا ان کی یہ تمام چیزیں لاشئی ہوئیں اور فرمایا گیا۔ **لستم علی شئی**۔ آنکھ والے ابوجہل وغیرہ کفار نے حضور کو دیکھا مگر صحابی نہ بنے۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم وغیرہ نابینا حضرات نے حضور کو ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھا مگر صحابی بن گئے کہ انہوں نے دیکھنے کا منشاء پورا نہ کیا اور ان حضرات نے دیکھنے کا مقصد پورا کر دیا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰی مَنْ اٰمَنَ
تحقیق وہ لوگ جو ایماندار بنے اور وہ جو یہودی ہوئے اور دین سے نکل جانے والے اور عیسائی
بے شک وہ جو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور اسی طرح یہودی اور ستارہ پرست اور نصرانی
بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ
جو ایمان لائے اللہ پر اور آخر دن پر اور کام کئے اچھے بس نہیں کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ لوگ
ان میں جو کوئی سچے دل سے اللہ قیامت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرے تو ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے
یَحْزَنُوْنَ ﴿۶۹﴾
غمگین ہوں گے
اور نہ کچھ غم

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اہل کتاب کسی دین معتبر پر نہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حالت صرف اہل کتاب کی نہیں ہے بلکہ ہر کافر کی ہے خواہ اہل کتاب ہو یا صابئی یا منافقین گویا تخصیص کے بعد حکم کی تعمیم کی گئی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر اہل کتاب توریت و انجیل قائم کریں تو سب کچھ ہیں۔ اب اس آیت کریمہ میں توریت و انجیل قائم کرنے کے معنی بیان ہو رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر ایمان لے آویں گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا۔ اس آیت میں اس اجمال کی تفصیل ہے تاکہ اہل کتاب یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم توریت و انجیل قائم کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے حفاظت کا وعدہ فرمایا گیا تھا **واللہ یعصمک من الناس** اب فرمایا جا رہا ہے کہ جو آپ کے دامن کرم میں آکر صحیح مومن بن جاوے اس کی بھی خوف و غم سے حفاظت فرمائی جاوے گی گویا لازم حفاظت کے بعد متعدی حفاظت کا ذکر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر ان الذین امنوا والذین ھادوا۔ چونکہ یہ مذکورہ قومیں اپنے عقائد اپنے اعمال کو ہی ذریعہ نجات سمجھتی ہیں اور اس آیت کے مضمون کے انکاری ہیں اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ الذین سے مراد انسان ہیں اور ممکن ہے جن وانس دونوں ہوں کیونکہ جنات میں بھی یہ مذاہب ہیں امنوا سے مراد ادعائی اور زبانی ایمان ہے جو منافقین اختیار کئے ہوئے تھے نہ کہ حقیقی و شرعی ایمان کیونکہ شرعی ایمان کا ذکر تو آگے آرہا ہے۔ من امن باللہ الخ اور ہو سکتا ہے۔ ایمان لغوی معنی میں ہو۔ یعنی امن دے لیا یعنی وہ لوگ جو زبانی ایمان لے آئے یا وہ لوگ جنھوں نے کلمہ پڑھ کر اپنے جان ومال کو اسلامی تلوار سے امن دے لی اور قومی مسلمان بن گئے ھادوا کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ ان کی نسبت یا یہود کی طرف ہے (یعقوب علیہ السلام کے بڑے بیٹے) یا اس مشہور توبہ کی طرف جو انہوں نے بچھڑے کی پوجا سے کی تھی ھود کے معنی ہیں توبہ و رجوع قرآن کریم میں ہے۔ انا ھدنا الیک غرضیکہ یہود کو یہود کہنے کی یہ دو وجہیں ہیں یعنی اور وہ جو یہودی بنے یا یہودی بننے کے مدعی ہوئے والصبون یہ لفظ صابی کی جمع ہے یہ لوگ صابی ابن متو شلخ ابن ادریس علیہ السلام یا صابی ابن ماری کی اولاد سے تھے۔ یہ صابی ابن ماری حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زمانہ میں تھا اس لئے انہیں صابی کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ صابیہ حضرت ادریس علیہ السلام کے دین کا نام تھا۔ جس میں توحید، طہارت، روزہ وغیرہ کچھ عبادات تھیں حضرت ادریس علیہ السلام مصر میں رہے۔ پھر وہاں سے قریباً سارے جہان میں تبلیغ کے لئے تشریف لے گئے۔ یہ سلسلہ اس طرح ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام، شیث علیہ السلام، انوش، قونان مہلائیل، یرد، اخنوخ یعنی حضرت ادریس علیہ السلام جن کا لقب ہرمس تھا۔ ملت ادریس کا نام ملت صابیہ تھا۔ بعض نے فرمایا کہ صابی بنا ہے صباء سے بمعنی نکل جانا۔ چونکہ یہ لوگ تمام اہل کتاب سے الگ رہے۔ فرشتوں ستاروں کے پجاری بنے اس لئے انہیں صابی کہا جاتا ہے۔ آخری قول ہی قوی ہے کہ یہ مشرکین ستارہ پرست ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت ابن ابی کعب اور عبداللہ ابن مسعود کی قرات میں ہے والصبئین ی کے ساتھ الذین امنوا پر معطوف ہے حالت نصبی میں ہے مگر عام قراتوں میں صبؤن واؤ کے ساتھ ہے۔ اس واؤ کی مفسرین نے چھ وجہیں بیان کی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ مبتداء ہے اور اس کی خبر کذلک پوشیدہ ہے اور جملہ معترضہ ہے۔ چونکہ یہ فرقہ بدترین کافر تھا تو اس کا ذکر علیحدہ اس طرح سے کر کے تاکید فرما دی یعنی منافقین و یہود حتی کہ صابی جیسے مردودوں کا بھی یہی حکم ہے کہ اگر یہ لوگ ایمان و عمل درست کر لیں تو بے خوف و غم ہو جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ صابئون معطوف ہو۔ الذین کے محل پر اسم ان محلاً مرفوع ہوتا ہے کہ مبتداء ہے اس پر تفسیر کبیر نے یہ اعتراض کیا کہ اسم ان پر محلی اعراب بغیر خبر کے بیان کئے ہوئے جائز نہیں یہ تو کہہ سکتے ہیں ان زیدا قائم وعمرو مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان زید اوعمر و قائم مگر تفسیر روح المعانی نے اسے جائز مانا۔ دلیل اس شعر سے دی۔ شعر:۔

☆ فمن یک امسی بالمدینۃ رحلہ ☆ فانی وقیار بھا لغریب ☆

www.alahazratnetwork.org

اس شعر میں **لغریب** خبران ہے نہ کہ خبر مبتداء کیونکہ مبتداء کی خبر پر لازم تاکید نہیں آتا اور نہ یہ ان اور **قیار** مبتداء دونوں کی خبر ہے ورنہ غریبان ہوتا لہٰذا **لغریب** خبران ہے اور قیار معطوف ہے ی متکلم پر خبر غریب ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اگر اسم ان کا اعراب لفظی نہ ہو بلکہ تقدیری یا محلی ہو۔ تب اس کے اسم پر دوسرا اسم محلاً معطوف ہو سکتا ہے۔ جیسے **ان ھذا وزید قائم** یا **ان موسی وبکر قاعد** یہ تحقیق خیال میں رہے۔ بہت ہی نفیس ہے اس کی اور بہت سی وجوہ تفسیر کبیر و معانی میں دیکھو **والنصری** یہ کلمہ یا **الذین** پر معطوف ہے یا صابون پر اگر صابون اسم ان ہو اور ہو سکتا ہے کہ **النصری** میں وہ ہی تحقیق ہو جو ابھی **الصبؤن** میں کی گئی۔ غرضیکہ اس عبارت میں چار گروہوں کا ذکر ہے منافقین کلمہ گو یعنی قومی مسلمان، یہودی، صابی اور عیسائی ان چاروں فرقوں کے متعلق ارشاد ہوا۔ من امن باللہ والیوم الاخر یہ عبارت مبتداء ہے اور **فلا خوف** الخ اس کی خبر پھر یہ جملہ اسمیہ ان کی خبر ہے **من** سے مراد ان چاروں جماعتوں کے افراد ہیں۔ **امن** سے مراد ہے ایمان شرعی اس کے بعد **منھم** پوشیدہ ہے ایمان باللہ میں حضرات انبیاء کرام پر ایمان لانا داخل ہے کیونکہ ایمان باللہ ہوتا ہی وہ ہے جو نبی کی معرفت سے حاصل ہو۔ خدا تعالیٰ کو عقل یا کسی اور ذریعہ سے مان لینا توحید تو ہے مگر ایمان نہیں۔ چنانچہ شیطان موحد ہے مومن نہیں اللہ کو جاننا اللہ کو ماننا نجات کے لئے کافی نہیں۔ اللہ پر ایمان لانا نجات کا ذریعہ ہے۔ جس نبی کا زمانہ ہو اس کی معرفت سے اللہ کو قیامت وغیرہ کو ماننا ایمان ہے۔ جن انبیاء کرام کی نبوتیں منسوخ ہو گئیں ان کی معرفت سے خدا کو ماننا بھی ایمان نہیں اسی لئے عیسائی یہودی وغیرہ مومن نہیں کہ وہ اللہ کو بذریعہ عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام خدا مانتے ہیں حضور کے ذریعہ خدا کو نہیں مانتے۔ یہ ہی حال عبادات کا ہے کہ حضور کے ذریعہ وہ کام عبادت ہیں حضور کے بغیر محض لغو۔ حضور سے منہ موڑ کر نماز پڑھنا نماز نہیں اوٹھک بیٹھک ہے روزہ رکھنا روزہ نہیں فاقہ ہے جہاد کرنا جہاد نہیں بلکہ فساد ہے۔ حج کرنا حج نہیں بلکہ محض سیرو تفریح ہے۔ حضور کے ذریعہ یہ سب کام عبادات ہیں۔ دین حضور پر دائر ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ شعر:۔

☆ بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست ☆ اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است ☆

یوم آخر سے مراد قیامت ہے اس میں حساب و کتاب جنت دوزخ فرشتے وغیرہ سب داخل ہیں۔ کیونکہ قیامت میں یہ سب کچھ ہو گا اور بذریعہ فرشتوں کے ہو گا۔ لہٰذا ان دو کلموں میں سارے ایمانیات آگئے یہ عبارت بہت جامع ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان دو کلمات میں ایمانیات کے دونوں کناروں کا ذکر ہو باقی چیزیں ان کے درمیان میں آجاویں یعنی اللہ سے لے کر قیامت تک کی ہر چیز پر ایمان لائیں۔ اگرچہ یہود و نصاریٰ اللہ تعالیٰ اور قیامت وغیرہ پر ایمان رکھتے تھے مگر چونکہ حضور انور کے انکاری تھے اس لئے ان کو غیر مومن قرار دیا گیا اور فرمایا کہ اب ان محبوب کی معرفت ایمان لائیں اگرچہ منافقین زبان سے ایمان کے مدعی تھے مگر وہ ایمان شرعاً معتبر نہیں۔ لہٰذا ان سے بھی فرمایا گیا کہ دل سے ایمان لائیں **وعمل صالحا۔**

www.alahazratnetwork.org

اس کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے کہ جس عمل کو نبی نیک فرمادیں وہ عمل نیک ہے اس میں بدنی مالی اور ان دونوں کا مجموعہ سب ہی داخل ہیں۔ چونکہ ہر شخص پر بقدر طاقت نیک اعمال ہیں اس لئے اسے مطلق رکھا یہ نہ فرمایا کہ کتنے نیک اعمال کریں۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانی زندگی کے لئے سانس ہر وقت لی جاتی ہے پانی بارہا پیا جاتا ہے۔ کھانا دن میں دوبار کھایا جاتا ہے۔ خاص پھل فروٹ کبھی کبھی یوں ہی ایمانی زندگی کے لئے خوف خدا محبت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت چاہیے۔ جیسے مرتے سوتے جاگتے نماز میں دن میں پانچ بار روزے سال میں ایک بار حج عمر میں ایک بار **من عمل صالحا** میں یہ سب داخل ہیں۔ یوں ہی ایک ہی عمل کبھی کسی وقت صالح بن جاتا ہے۔ دوسرے وقت گناہ نماز تین وقتوں میں گناہ ہو جاتی ہے روزہ عید کے دن گناہ ہے ایک جگہ وہ عمل صالح ہوتا ہے دوسری جگہ گناہ کعبہ میں طواف کرنا صالح ہے اور جگہ کسی گھر کے گرد گھومنا گناہ ہے یہ سب چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوئیں غرضیکہ عمل صالحا مجمل ہے تفصیل حضور سے دریافت کرنا ہو گی۔ چونکہ اعمال کا درجہ ایمان کے بعد ہے اس لئے اعمال کا ذکر بھی ایمان کے بعد ہوا غرضیکہ یہ فرمان عالی بھی بہت جامع ہے **فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ یہ عبارت **من امن** الخ کی خبر ہے چونکہ **من** میں شرط کے معنی تھے اس لئے **فلا** میں ف جزائیہ لائی گئی اور چونکہ **من** لفظاً" واحد ہے مگر معنی میں جمع اس لئے عملاً" صالحاً" کو واحد لایا گیا اور یہاں **علیھم** اور **ھم** اور **یحزنون** جمع ارشاد ہوا اس جملہ کی پوری تحقیق انشاء اللہ سورہ یونس میں **الا ان اولیاء اللہ** الخ کی تفسیر میں کی جاوے گی یہاں اتنا سمجھ لو کہ آئندہ کے خطرہ کو خوف کہتے ہیں اور گزشتہ کی تکلیف وہ چیز کی تکلیف کو غم۔ خوف تین قسم کا ہے۔ خوف مفید جیسے اللہ سے ڈر اس کی پکڑ دوزخ وغیرہ سے ڈر۔ ایذاء کا خوف جیسے سانپ یا ظالم آدمی سے ڈر اور خوف مضر جیسے دنیاوی نقصان کا ڈر اور اس کی وجہ سے دین سے محرومی۔ یہاں آخری تیسری قسم کے خوف کی نفی ہے۔ اس لئے **علیھم** فرمایا۔ **علی** نقصان کے لئے آتا ہے۔ اس خوف و حزن سے یا تو دنیا میں خوف و حزن مراد ہے اور اس کی نفی یا بروز قیامت خوف و غم کی نفی یا دنیا و آخرت دونوں جگہ خوف و غم کی نفی فقیر کے نزدیک یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے اس مختصر تحقیق سے یہ جملہ شریف بالکل واضح ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ تفسیر وہ لوگ جو مدعی ایمان ہوئے کہ ایمان ان کی زبان پر رہا دل میں نہ اترا یعنی منافقین اور وہ جو یہودی بنے۔ حتیٰ کہ وہ لوگ بھی جو تمام آسمانی دینوں سے نکلے ہوئے ہیں۔ ستارہ پرست اور عیسائی اگرچہ یہ لوگ بڑے پرانے پاپی اور سخت مجرم ہیں مگر ہماری آغوش رحمت ان کے لئے کھلی ہے۔ ہم کریم ہیں ان کو اعلان عام دیتے ہیں کہ ان میں جو کوئی اللہ پر اور قیامت پر ایسا ایمان قبول کرے جو ہمارے ہاں قبول و معتبر ہے۔ اس طرح کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو مان کر ان سب کو مانے اور اس کے ساتھ بقدر طاقت نیک عمل بھی کرے جسے اسلام نیکی کہتا ہے تو ہم ان سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم ان کے صرف گزشتہ گناہ ہی معاف نہ کریں گے۔ بلکہ اس کے ساتھ انہیں اپنا قرب خصوصی اور ولایت بھی عطا فرمائیں گے۔ جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ وہ دنیا و آخرت میں ڈر اور رنج و غم سے محفوظ و مامون ہو جائیں گے نہ انہیں آئندہ کا خطرہ

www.alahazratnetwork.org

رہے گا نہ گزشتہ کا غم یہ بے خوف و خطر ہو نا رنج و غم سے آزاد ہو جانا ہماری بہت بڑی نعمت ہے جو دروازہ مصطفوی سے ملتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ مسلمان دو قسم کے ہیں۔ ایک دینی مومن دوسرے صرف قومی مومن یہ تقسیم اول سے چلی آرہی ہے۔ حضرات صحابہ کرام دینی مومن تھے منافقین قومی مومن جن کا شمار مسلمان قوم میں تھا مگر حقیقتاً تھے کافر یہ فائدہ **امنوا** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت تہتر فرقے ہو جاوے گی ایک کے سوا سب دوزخی ان سب کو امتی فرمانا قومی لحاظ سے ہے دوسرا فائدہ یہودی نصرانی اگرچہ توحید اور تمام ایمانیات کو مانیں مگر مومن نہیں جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں یہ فائدہ **من امن باللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ اور قیامت وغیرہ کو ماننا ایمان نہیں صرف توحید ہے اور نری توحید دوزخ کا راستہ ہے ایمان جنت کا ذریعہ یہ فائدہ بھی **من امن باللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** مومن خواہ کسی درجہ کا ہو نیک اعمال ضرور کرے کوئی شخص اعمال و تقویٰ سے بے نیاز نہیں یہ فائدہ **وعمل صالحا** سے حاصل ہوا جسمانی زندگی کے لئے پانی غذا ضروری ہیں ایمانی و روحانی زندگی کے لئے اعمال بدنی و مالی وغیرہ ضروری ہیں۔ **پانچواں فائدہ** ہر متقی صالح مسلمان ولی اللہ ہے ولایت کے بہت درجے ہیں ایک درجہ یہ بھی ہے یہ فائدہ **فلا خوف علیہم** الخ سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات اولیاء اللہ کے لئے بھی یہ ہی فرمایا **لا خوف علیہم** الخ **چھٹا فائدہ** اللہ کا خوف دنیا سے بے خوفی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ بھی **لا خوف علیہم** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** اللہ کی بڑی نعمت خوف و غم سے آزادی ہے۔ بے کھٹکے کی زندگی بڑے نصیب ور کو میسر ہوتی ہے یہ فائدہ بھی **لا خوف** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض **ان الذین امنوا** فرمانے کے بعد پھر فرمانا **من امن باللہ** کیونکر درست ہوا۔ جو پہلے ہی مومن ہو چکا ہو اس کا پھر مسلمان ہونا کیا معنی۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ **الذین امنوا** میں قومی مومن یعنی منافقین مراد ہیں۔ جنہیں اسلامی فرقہ میں داخل مانا جاتا تھا۔ اس لئے ان پر جہاد وغیرہ نہ ہوتا تھا مگر وہ مذہبی مومن نہ تھے دل میں ان کے کفر تھا۔ اس لئے ان کی نماز جنازہ نہ پڑھی جاتی تھی۔ اور **من امن باللہ** میں دینی و شرعی مومن بن جانا مراد ہے یعنی دل سے مسلمان ہو جانا اور ہو سکتا ہے کہ **الذین امنوا** میں دینی مومن ہی مراد ہوں اور **من امن باللہ** سے مراد ہو ایمان پر خاتمہ ہو جانا کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں صرف چار جماعتوں کا ہی ذکر کیوں ہوا۔ منافقین یہود عیسائی اور صابیی جو بھی ایمان و عمل اختیار کرے وہ جنتی ہے خواہ ان چار جماعتوں میں سے ہو یا کسی اور جماعت سے۔ **جواب** اس لئے کہ ملک عرب میں خصوصاً مدینہ منورہ میں ان چار جماعتوں کا ہی چرچا تھا نیز یہ لوگ خصوصاً صابیی اور یہود بڑے بھاری مجرم تھے۔ گزشتہ زمانہ میں بہت جرم کر چکے تھے۔ اس لئے خصوصیت سے ان کو دعوت ایمان دی گئی تاکہ دوسروں کو امید بندھ جاوے کہ جب ان ایسے مجرموں کی بھی معافی بلکہ قبولیت کی امید ہے تو ہم بھی اس کی

www.alahazratnetwork.org

رحمت سے مایوس نہ ہوں۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نجات کے لئے صرف اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان لے آنا کافی ہے۔ نبی' فرشتوں وغیرہم پر ایمان کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ فرمایا گیا **امن باللہ والیوم الاخر** جواب اس کے جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ ایمان باللہ میں انبیاء کرام پر ایمان لانا داخل ہے۔ ایمان باللہ ہو تا ہی وہ ہے کہ رسول کی معرفت رب تعالیٰ کو پہچانا جاوے اور یوم آخر میں حساب کتاب' جنت دوزخ پر ایمان داخل یا اس عبارت میں ایمانیات کے دو کناروں کا ذکر فرمایا گیا یعنی از توحید تا یوم قیامت سب پر ایمان لائے بعض عشاق کہتے ہیں کہ یہاں **امن باللہ** میں اللہ نے نام اپنا لیا ہے مگر ارادہ فرمایا رسول اللہ کا جیسے **یخدعون اللہ** میں رسول اللہ کو دھوکہ دینا مراد ہے دیکھو تفسیر خازن زیر آیت **یخدعون اللہ والذین امنوا** **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عیسائی یہود وغیرہ کفار ایمان لاتے ہی اور نیک عمل کرتے ہی ولی اللہ بن جاتے ہیں کہ ان کے لئے فرمایا گیا **لا خوف علیہم** الخ یہ ہی حضرت اولیاء اللہ کے لئے فرمایا گیا ہے **لا خوف علیہم** الخ تو گیا ہر نو مسلم ولی اللہ ہو جاتا ہے ولایت تو بہت ہی اونچا مقام ہے جواب اس کا تفصیلی جواب انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں عرض کیا جاوے گا۔ **الا ان اولیاء اللہ** الخ اتنا سمجھ لو کہ ولایت کے بہت درجے ہیں۔ ولایت عامہ ولایت خاصہ اور ولایت خاص الخاصہ ولایت عامہ ہر مومن کو حاصل ہے کہ کافر اللہ کا دشمن ہے اور مومن اللہ کا ولی یعنی دوست' رہی ولایت خاصہ۔ بمعنی رب تعالیٰ سے قرب خصوصی وہ کسی کسی کو میسر ہوتا ہے۔ ایمان کی بھی بہت قسمیں ہیں۔ ایمان یقینی' عین الیقینی اور حق الیقینی عمل صالحہ و تقویٰ کی بھی بہت قسمیں ہیں۔ حرام سے بچنا' شبہات سے بچنا' جو چیز یار سے آڑ بنے اس سے بچنا۔ یوں ہی فرائض پر عمل کرنا۔ فرائض و واجبات پر عمل کرنا۔ فرائض واجبات' سنتیں' مستحبات سب پر عمل کرنا۔ غرضیکہ جیسا ایمان و اعمال ویسی ہی ولایت۔ ولایت خاصہ والوں کے لئے رب العالمین نے تین درجے بیان فرمائے۔ بے خوف ہونا۔ بے غم ہونا اور دنیا و آخرت میں ان کے لئے بشارت ہونا۔ **لہم البشری فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ** انشاء اللہ اس کی تفصیل سورہ یونس میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں عرض کی جاوے گی یا ہماری کتاب شان حبیب الرحمن میں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ ہم لوگ بلکہ دنیا بھر کے گنہگار گندے ہیں اور ہم سب کے گناہ گندگی ہے ایمان گویا آب جاری یعنی رحمت کی نہر ہے۔ صاف و شفاف' نیک اعمال گویا صابن ہے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کی نگاہ کرم گویا ملنے والا قدرتی ہاتھ ہے۔ جس گندے کو پانی' صابن' ملنے والا ہاتھ نصیب ہو جاوے بھلا وہاں گندگی یا میل کیا ٹھہرے۔ اس آیت کریمہ نے اولاً تو ان گندوں کا ذکر فرمایا جو نہر و صابن کے پاس ہوتے ہوئے نگاہ کرم کے ہاتھ سے محروم ہیں یعنی منافقین پھر ان لوگوں کا تذکرہ فرمایا جو ان تینوں نعمتوں سے محروم ہیں۔ یعنی کھلے کافر حتیٰ کہ صابئی جیسے مجرم بھی فرمایا کہ یہ لوگ اگرچہ کیسے ہی مجرم گندے میلے کچیلے ہیں۔ مگر ذرا اس نہر و بحر میں غوطہ لگا کر یہ صابن اور یہ دست کرم استعمال کر کے تو دیکھیں آن کی آن میں

www.alahazratnetwork.org

ان کی کایا پلٹ جاوے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے دل میں خدا کا خوف ہوتا ہے یہ خوف دوسرے تمام خوفوں کو دل سے نکال دیتا ہے اسے اپنے گناہوں کا غم رہتا ہے یہ غم تمام غموں کو دفع کر دیتا ہے جیسے پانی پیاس کو اور غذا بھوک کو یا نور ظلمت کو مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ ہرکہ ترسد مرورا ایمن کنند ☆ ہر دل ترسندہ راساکن کنند! ☆

☆ لاتخافوا ہست منزل خائفاں ☆ ہست درخور از برائے خائف آں ☆

☆ آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس ☆ درس نہ دہی نیست او محتاج درس ☆

حضرت ابراہیم خواص قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بیمار دل میں ہر طرح کا خوف رہتا ہے۔ دل کی پانچ دوائیں ہیں جن سے بیماری دور ہوتی ہے۔ فکر و تدبر کے ساتھ تلاوت قرآن' پیٹ کو کچھ خالی رکھنا رات کو تہجد کے لئے جاگنا' صبح کو توبہ استغفار زاری کرنا۔ صالحین کی صحبت' شافی تو اللہ تعالیٰ ہے مگر ذریعہ شفاء ذکر اللہ ہے۔ جس سے دل بے چین کو چین قلب بے قرار کو قرار نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے (از روح البیان مع زیادہ)

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ؕ كُلَّمَا جَآءَ

البتہ تحقیق لیا ہم نے وعدہ اولاد یعقوب علیہ السلام سے اور بھیجے ہم نے طرف ان کے بہت رسول جب کبھی

بے شک ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان کی طرف رسول بھیجے جب کبھی ان کے پاس کوئی رسول وہ بات لے

هُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝

لائے ان کے پاس کوئی رسول وہ چیز جو نہیں پسند کرتے دل ان کے تو ایک گروہ کو جھٹلا دیا انہوں نے اور ایک گروہ

کر آیا جو ان کے نفس کی خواہش نہ تھی ایک گروہ کو جھٹلایا اور ایک گروہ کو قتل کرتے ہیں اور اس گمان میں

وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا

کو قتل کرتے ہیں اور گمان کیا انہوں نے یہ کہ نہ ہوگا کوئی فتنہ پس اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے پھر توجہ فرمائی اللہ نے

ہیں کہ کوئی سزا نہ ہوگی تو اندھے اور بہرے ہوگئے پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی پھر ان میں

وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

اور پھر ان کے پھر اندھے ہوگئے اور بہرے ہوگئے بہت سے ان میں سے اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں۔

بہتیرے اندھے اور بہرے ہوگئے اور اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ وغیرہم کو ایمان و عمل کی دعوت دی گئی اور اس بخشش کا وعدہ فرمایا گیا تھا۔ اب ان کے گزشتہ سخت جرموں کا ذکر فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو ان کے ایمان سے مایوس کیا جا رہا ہے کہ اگرچہ ہم کرم کریمانہ فرمانے کا اعلان فرما رہے ہیں مگر یہ لوگ کرم لینے کے نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے پرانے مجرم ہیں۔ لہٰذا آپ ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر مغموم نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن اور اسلام کے احکام اہل کتاب کو ہدایت دینے کی بجائے ان کا کفر و طغیان زیادہ کر دیں گے۔ اب اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ سے اس کے عادی ہیں۔ جن نبیوں کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں ان کی ہمیشہ مخالفت کرتے رہے **تیسرا تعلق** کچھ پہلے ارشاد ہو چکا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ بے دھڑک تبلیغ کئے جاویں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ اب ان لوگوں کی حرکتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جن کے شر سے بچانے کا وعدہ کیا گیا کہ یہ لوگ ایسے شریر ہیں کہ اپنے نبیوں کو شہید کر چکے ہیں تاکہ معلوم ہو کہ آپ کا ان سے محفوظ رہنا اتفاقاً نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا کرم خاص سے ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں نہایت مہربانی سے یہود کو دعوت ایمان و عمل دی گئی اور اس پر اعلیٰ وعدے فرمائے گئے اب انہیں یہود ی کی ہسٹری بیان فرما کر ان کی انتہائی بدکاریوں کا ذکر فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن رحمت ایسا وسیع ہے کہ وہ ایسے مجرموں کو بھی بخشنے پر تیار ہے۔ اس سے گنہگار مسلمانوں کی ڈھارس بندھے کہ جب رب تعالیٰ ایسے کو بخش دیتا ہے تو ہم پھر بھی اس کے محبوب کے امتی ہیں گنہگار ہیں مگر انشاء اللہ لائق مغفرت ہیں۔

تفسیر لقد اخذنا میثاق بنی اسراءیل چونکہ اس وقت کے موجودہ یہودی و عیسائی اپنی ان گزشتہ حرکتوں سے انکار کر چکے تھے۔ ان واقعات کو چھپا چکے تھے۔ مقدسوں کی شکل میں دنیا کے سامنے آتے تھے۔ قرآن کریم نے ان کی یہ حرکتیں ظاہر فرمائیں۔ اس لئے اس مضمون کو لام اور قد دو تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا۔ جس عہد و میثاق کا یہاں ذکر ہے اس سے وہ عہد و پیمان مراد ہے جو توریت شریف میں اور حضرت موسیٰ و دیگر انبیاء کرام کی معرفت ان سے لیا گیا تھا کہ توریت پر عمل کرو صحیح راستہ پر قائم رہو۔ حضرات انبیاء کرام کا احترام کرو۔ اور نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اگر ان کا زمانہ پاؤ ان کی خدمت کرو۔ اگرچہ یہ عہد حضرات انبیاء کرام نے کئے تھے مگر چونکہ اللہ کے مقبول بندوں کا کام خود رب تعالیٰ کا کام ہے لہٰذا **اخذنا** فرمایا گیا کہ ہم نے عہد لیا' عہد' وعدہ' میثاق اور اصران تمام کے فرق اور احکام بارہا بیان ہو چکے۔ میثاق وہ مؤجل وعدہ ہے جس پر پختگی بھی کر دی گئی ہے اور اس کی مخالفت پر کچھ سزا بھی مقرر کر دی گئی ہو اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے جس کے معنی ہیں عبد اللہ' ان کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے۔ یہود ہوں یا عیسائی اور ہو سکتا ہے کہ اس میثاق سے مراد روز میثاق کا عہد ہو جو عالم ارواح میں بنی اسرائیل سے خصوصی طور پر لیا گیا۔ جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے **اذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب** الخ اس دن تین میثاق و عہد لئے گئے تھے ایک عام

www.alahazratnetwork.org

عہد رب کی ربوبیت کا دوسرا خاص انبیاء کرام سے حضور پر ایمان لانے ان کی مدد کرنے کا تیسرا اہل کتاب سے کتب الٰہیہ کی حفاظت و تبلیغ کرنے کا خیال رہے کہ رب تعالیٰ اہل کتاب کو یا تو ان کے نسبی نام سے پکارتا ہے یا بنی اسرائیل یا یہود فرماکر یا کتاب کی طرف نسبت نام سے یا اہل الکتاب مگر ہم مسلمانوں کو ہمیشہ نسبتی نام سے پکارتا ہے اور ہماری نسبت کتاب کی طرف نہیں بلکہ صاحب کتاب یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرماتا ہے **یایها الذین امنوا** ایمان میں نسبت حضور کی طرف ہے **وارسلنا الیهم رسلا** یہ عبارت پہلے مضمون کی تائید کے لئے ہے کہ ان میں حضرات انبیاء کرام کا بھیجنا اس عہد کو یاد دلانے اس کی توثیق کے لئے تھا خیال رہے کہ حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہ السلام کے درمیان قریباً دو ہزار سال کا فاصلہ ہے اور اس دوران میں ایک ہزار پیغمبر تشریف لائے جو سب بنی اسرائیل سے تھے۔ جن میں سے بعض کے نام قرآن مجید میں ہیں جیسے حضرت داؤد سلیمان' زکریا' یحییٰ علیہم السلام بعض کے نام حدیث شریف میں آئے جیسے شعیاء' ارمیا' یوشع علیہم السلام باقی کے نام معلوم نہ ہو سکے **رسل** سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں۔ خواہ صرف نبی ہوں یا رسول بھی یا مرسل بھی۔ حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ رسول تین سو تیرہ اور مرسلین چار نبی عام ہیں۔ رسول خاص مرسل اس سے بھی خاص جیسے جسم نامی پھر حیوان پھر انسان۔ **كلما جاءهم رسول** اب تک تو رب تعالیٰ کے کرم و فضل کا ذکر تھا یعنی بنی اسرائیل سے عہد لیتا اور ان کے پاس حضرات انبیاء کرام کو بھیجتے رہنا۔ اب ان کی بد عملیوں کا ذکر ہے **كلما** کو بعض مفسرین نے ظرفیہ مانا ہے۔ بعض نے شرطیہ ظاہر یہ ہے کہ شرطیہ ہے **هم** کا مرجع وہ ہی بنی اسرائیل ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ رسول سے مراد جنس رسول ہیں۔ خواہ ایک ہوں یا زیادہ کیونکہ بنی اسرائیل میں بعض وقت بہت سے نبی یک وقت آئے۔ لہٰذا آیت واضح ہے **بما لا تهوى انفسهم** اس عبارت میں ب تعدیہ کی ہے اس لئے جاء کے معنی ہوگئے لائے اور **ما لا تهوى** اس کا مفعول۔ **ما** سے مراد حق باتیں ہیں خواہ حق عقیدے ہوں یا نیک اعمال پھر خواہ توریت شریف کے ہی احکام ہوں جن کی تجدید کے لئے وہ حضرات آئے یا ان کے علاوہ اور احکام جو ان نبیوں پر وحی ہوئے لہٰذا **ما** میں بہت وسعت ہے۔ **تهوى** بنا ہے **هوى** سے بمعنی گرنا گرانا۔ بری خواہشات کو **هوى** کہا جاتا ہے کہ وہ انسان کو نیچے گراتی ہیں۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ یعنی خواہش اور دل کی پسندیدگی۔ انفس جمع ہے نفس کی۔ نفس کے بہت معنی ہیں۔ ذات' نفس امارہ' دل یہاں یا بمعنی نفس امارہ ہے یا بمعنی دل جب بھی ان کے پاس ایک یا چند نبی وہ عقائد و نیک اعمال لے کر اپنے رب کی طرف سے آتے جو ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف ہوتے **فريقا كذبوا وفريقا يقتلون** یہ عبارت کلما کی جزا نہیں ہے بلکہ جزاء کا نتیجہ ہے اس کی جزا تو پوشیدہ ہے عادوہ یا عصوا پہلا "فریقا" مفعول ہے **كذبوا** کا اور دوسرا "فریقا" مفعول ہے **يقتلون** کا اور ان لوگوں نے جھٹلایا تو سارے نبیوں کو مگر بعض کو صرف جھٹلایا عمل سے عقیدے سے اور قول سے اور بعض کو جھٹلایا بھی اور انہیں قتل بھی کر دیا۔ خیال رہے کہ عیسائیوں نے حضرات انبیاء کو جھٹلایا تو مگر کسی کو قتل نہ کیا مگر یہود نے جھٹلایا بھی اور قتل بھی کر دیا چونکہ ایک نبی کا جھٹلانا گویا تمام کا

www.alahazratnetwork.org

جھٹلانا ہے مگر قتل ہر نبی کا علیحدہ جرم ہے اس لئے **کذبوا** کو ماضی فرمایا **یقتلون** کو مضارع استمراری یعنی قتل کرتے رہتے ہیں یا یہ مقصد ہے کہ قتل انبیاء کے یہ لوگ عادی ہو چکے ہیں۔ اگر ہم اپنے محبوب کی حفاظت نہ فرماتے تو یہ بدنصیب انہیں بھی شہید کر دیتے۔ چنانچہ حضور کو زہر دیا تو یہود نے آپ پر بھاری پتھر گرایا تو یہود نے۔ لہٰذا کوشش قتل اب بھی جاری ہے۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ اب تک یہود کے دو سنگین جرم بیان ہوئے۔ رب کے وعدے توڑ دینا وعدہ یاد دلانے والے پیغمبروں کو قتل کرتے رہنا اب ان جرموں کی وجہ کا ذکر ہے۔ جس کی بنا پر یہ لوگ ایسے گناہوں پر دلیر ہوئے یعنی ان گناہوں کو ہلکا سمجھنا کہ یہ معمولی جرم ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **وحسبوا ان لا تکون فتنة تکون** فعل تام ہے۔ **فتنة** اس کا فاعل فتنہ سے مراد رب تعالیٰ کی طرف سے بھیجا ہوا عذاب و بلا ہے یعنی ان بدنصیبوں نے گمان یہ کیا کہ یہ جرم معمولی ہیں ان پر بلا و عذاب کچھ نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد ہیں ہمارے لئے سب کچھ روا ہے یا عذاب الٰہی نازل ہونے میں دیر ہوئی تو انہوں نے رب تعالیٰ کی ڈھیل سے غلط نتیجہ نکالا کہ سب کچھ معاف ہو گیا۔ عذاب و سزا کیسی۔ خلاصہ یہ کہ یہود نے ایسے بھاری جرموں کو تین وجہ سے ہلکا جانا۔ ایک یہ کہ ہم بڑے اونچے ہیں اولاد انبیاء ہمارے لئے یہ گناہ معمولی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضرات انبیاء کرام کسی بڑی شان کے مالک نہیں ہم جیسے ہیں ہم میں سے ایک ہیں ہمارے بھائی برادر چچا تائے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم پر اتنے گناہوں سے عذاب الٰہی نہیں آیا۔ رب تعالیٰ ہماری ان حرکتوں سے راضی ہے۔ **فعموا وصموا** یہ عبارت معطوف ہے **حسبوا** پر **عمی** سے مراد ہے دل کے اندھے اور **صموا** سے مراد ہے دل کے بہرے یعنی وہ لوگ عذاب میں دیر ہونے سے اور زیادہ دل کے اندھے بہرے ہو گئے کہ اب ان کی نگاہ میں بڑے سے بڑا گناہ برا ہی نہ رہا سرکشی میں حد سے بڑھ گئے اور ہو سکتا ہے کہ آنکھ و کان کے اندھے بہرے مراد ہوں کیونکہ جو آنکھ اللہ کی آیتیں نہ دیکھے وہ اندھی ہے۔ اگرچہ دنیا بھر کی تمام چیزیں دیکھے اور جو کان اللہ کا کلام اس کے نبیوں کے فرمان قبولیت سے نہ سنیں وہ بہرے ہیں اگرچہ دنیا بھر کی آوازیں سنیں جیسے کہ جو سرکاری ملازم ڈیوٹی نہ دے وہ نکما ہے۔ چاہے اور سارے کام کرے کیونکہ تنخواہ ڈیوٹی کی ملتی ہے نہ کہ دوسرے کاموں کی یوں ہی آنکھ کان اطاعت الٰہی اللہ کا کام کرنے کو دیئے گئے ہیں۔ دوسرے کام تابع ہیں۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہ کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے قوی قول یہ ہے کہ اس میں ذکر اس واقعہ کا ہے کہ پہلے بنی اسرائیل نے حضرت شعیاء علیہ السلام کو شہید کیا اور حضرت ارمیاء علیہ السلام کو قید کیا اللہ تعالیٰ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط فرما دیا۔ جس نے بیت المقدس کو ویران کر دیا۔ یہود کو تباہ کر ڈالا۔ ان میں سے اکثر کو ہلاک کر دیا جو بچے انہیں انتہائی طور پر ذلیل و خوار بنا دیا مقام بابل میں انہیں گویا مقید کر ڈالا۔ **ثم تاب اللہ علیہم۔ ثم** عطف مع تراخی کے لئے ہے کیونکہ ان کی توبہ کا واقعہ بہت عرصہ کے بعد ہوا کہ یہ لوگ بہت عرصہ تک بخت نصر کے پنجہ ظلم میں گرفتار رہے۔ آخر انہوں نے توبہ کی رب تعالیٰ نے ایک فارسی بادشاہ بہمن ابن اسفندیار مقرر فرمایا۔ جس نے ان اجڑے ہوئے اسرائیلیوں پر رحم کھایا۔ بیت المقدس کو پھر آباد کیا اور انہیں ان کے وطن فلسطین میں بسایا کچھ عرصہ میں یہ

www.alahazratnetwork.org

لوگ بہت پھلے پھولے اور پہلے سے بھی زیادہ اور اچھے حال میں ہو گئے۔ خیال رہے کہ ان قاتلین انبیاء کو توبہ کی توفیق نہ ملی بلکہ ان کی اولاد در اولاد کو کیونکہ جب توہین نبی کرنے والے کو توفیق تو بمشکل ملتی ہے تو قاتلین انبیاء کو توبہ کی توفیق کیسی **ثم عموا وصموا کثیر منهم**۔ یہاں بھی ثم عطف تراخی کے لئے ہے کیونکہ یہ دوسرا جرم توبہ کے بہت عرصہ کے بعد ہوا چنانچہ یہ لوگ بہت عرصہ تک بیت المقدس میں خوب شاد آباد رہے۔ پھر ان میں سرکشی پھیلی تو حضرت زکریا علیہ السلام کو شہید کر ڈالا اور بہت سے انبیاء کرام کو جھٹلایا حتی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی قتل کرنے کی کوشش کی (تفسیر صاوی و روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ **عموا** اور **صموا** کا فاعل کثیر نہیں ہے ورنہ یہ دونوں صیغے واحد آتے جمع نہ آتے بلکہ ان کا فاعل **هم** ضمیر ہے اور کثیر بدل البعض لہذا آیت بے غبار ہے۔ چونکہ اس بار سارے یہودی بے دین و مجرم نہ ہوئے تھے بلکہ ان میں سے اکثر اس لئے یہاں فرمایا گیا۔ **کثیر منهم** یہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے جو سورہ بنی اسرائیل میں ہے **لتفسدن فی الارض مرتین** اس آیت نے ان کے دوبار فساد کی تفصیل کر دی اس تفسیر سے یہ آیت بالکل واضح ہو گئی اس کی چند اور تفسیریں ہیں مگر ضعیف۔ **واللہ بصیر بما یعملون** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **یعملون** بمعنی ماضی ہے اور اس سے مراد بنی اسرائیل کے یہ ہی مذکورہ اعمال ہیں ان واقعات کو ظاہر فرمانے کے لئے صیغہ حال سے تعبیر فرمایا گیا۔ مگر ظاہر یہ ہے کہ یہ حال استمراری ہے یعنی اول سے لے کر اب تک یہ لوگ جو کچھ کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ ہم سب کچھ دیکھ رہے ہیں لہذا اس میں اسرائیلیوں کی موجودہ بد کرداریاں بھی داخل ہیں۔ جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں کر رہے ہیں۔ جیسے حضور کو زہر کھلانا۔ آپ پر پتھر لڑکانا۔

خلاصہ تفسیر یہود کا دستور تھا کہ ہمیشہ اپنے فضائل و کمالات کا ڈھنڈورا پیٹتے رہتے تھے کہ ہم اولاد انبیاء ہم توریت کے عالم ہم مقدس لوگ ہم ویسے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان گھٹانے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا بدلہ لیتے ہوئے ان کے وہ چھپے ہوئے حالات بیان کئے۔ جسے ان لوگوں نے دنیا سے چھپا رکھا تھا۔ جس سے وہ ایسے بدنام ہوئے کہ یہ بدنامی کا داغ ان کے دھوئے نہیں دھل سکتا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان یہود کی ایذا رسانیوں اور کفر پر ضد کرنے سے ملول نہ ہوں یہ تو بڑے پرانے پاپی ہیں۔ چنانچہ ہم نے ان سے توریت شریف میں نیز موسیٰ علیہ السلام کی معرفت ایمان تقویٰ احترام انبیاء اطاعت رسول کا بہت پختہ عہد لیا پھر وہ عہد یاد دلانے کے لئے ان میں ایک دو نہیں۔ متفرق زمانوں میں صدہا رسول بھیجے مگر ان کا وطیرہ یہ رہا کہ جب کبھی ان کے پاس رسول تشریف لاتے اور انہیں وہ احکام الٰہیہ سناتے پہنچاتے جو ان کی خواہشات نفسانیہ کے خلاف ہوتے تو یہ لوگ بجائے اطاعت کرنے کے ان حضرات میں سے کسی جماعت کو تو صرف جھٹلاتے اور کسی جماعت کو جھٹلا کر قتل کر ڈالتے ہم حلیم ہیں کریم ہیں عرصہ تک ان کا یہ ہی طریقہ رہا ہماری ڈھیل سے یہ لوگ بالکل ہی غافل ہو گئے اور سمجھ گئے کہ انبیاء کو جھٹلانا یا قتل کرنا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ اس پر کوئی عذاب و سزا نہیں آتی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل اندھے بہرے ہو گئے

www.alahazratnetwork.org

گناہوں پر دلیر پھر ہم نے ان پر سخت بادشاہ مسلط کیا تو چیخ پڑے توبہ کی ہم نے معافی دے دی اور ان پر رحم دل بادشاہ مقرر کر دیا یہ چین سے ہو گئے پھر انہیں سرکشی سوجھی اس بار سارے تو نہیں اکثر لوگ پھر دل کے بہرے اندھے ہو گئے۔ پہلی بار میں تو انہوں نے حضرت شعیاء علیہ السلام کو قتل کیا تھا۔ اب کی بار میں حضرت زکریا یحیٰی علیہ السلام کو قتل کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کی پوری کوشش کی آپ کو شہید کرنے کی تدبیریں کیں ہم ان سے بے خبر نہیں ہیں جو کچھ یہ کرتے رہے ہیں یا کر رہے ہیں۔ ہم سب دیکھ رہے ہیں انہیں ایسی مار ماریں گے کہ یہ یاد کریں گے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ مومن وہ ہے جو اپنی خواہش کو حکم الٰہی کے تابع کرے اپنے کو شریعت کے سانچے میں ڈھالے۔ کافر وہ ہے جو حکم الٰہی کو اپنی خواہش کے تابع کرنا چاہے اپنے سانچے میں شریعت کو ڈھالے یہ فائدہ **بما لا تھوی انفسھم** الخ سے حاصل ہوا۔ اس سے ہم مسلمانوں کو عبرت پکڑنا چاہیے۔ دوسرا فائدہ قتل نبی بدترین جرم ہے ناقابل معافی اور ہر قتل علیحدہ مستقل جرم ہے۔ تکذیب نبی ایک ہی جرم ہے یہ فائدہ **کذبوا** کو ماضی فرمانے اور **یقتلون** کو مضارع فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ تیسرا فائدہ سعید بندے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے معمولی گناہ کو بہت بڑا اور بڑی نیکی کو نہایت معمولی بلکہ معدوم سمجھتا ہے۔ بدبخت بندے کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے بڑے گناہوں کو معمولی اور معمولی نیکی کو بڑا سمجھتا ہے۔ یہ فائدہ **وحسبوا لا تکون فتنۃ** سے حاصل ہوا۔ مولانا عطار فرماتے ہیں کہ میری سوانح عمری یہ ہے کہ شعر:

☆ بے گناہ نہ گذاشت بہا ساعتے! ☆ باحضور دل نہ کردم طاعتے! ☆

حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر:

☆ من نہ گویم کہ طاعتم بپذیر ☆ قلم عفو بر گناہم کش! ☆

حضرت علی مرتضیٰ فرمایا کرتے تھے شعر:

☆ **الٰھی عبدک العاصی اتاک** ☆ **مقر بالذنوب وقد دعاک** ☆

حضرت صدیق اکبر فرماتے ہیں شعر:

☆ **کیف حال یا الٰھی لیس لی خیر عمل** ☆ **سواء اعمال کثیر زاد طاعاتی قلیل** ☆

حضرت ابو سفیان ابن حارث نے مسلمان ہونے کے بعد کبھی حضور انور کی بارگاہ میں آنکھ اونچی نہ کی۔ ہمیشہ شرم و حیا سے سرنگوں بارگاہ عالی میں بیٹھتے تھے۔ اللہ اپنا خوف نبی کی شرم نصیب فرمائے۔ چوتھا فائدہ بندے پر رب تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب اس کے دل کو اندھا بہرا اور ناقابل ہدایت بنا دینا ہے۔ قانون کے جرم کی سزا جان مال کے نقصان سے ملتی ہے مگر قرآن کے جرم کی سزا ایمان کے نقصان سے ملتی ہے۔ اس جرم کا اثر سیدھا دل پر پڑتا ہے۔ یہ فائدہ **عموا وصموا** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے اگر انتہائی جرم کے باوجود عذاب الٰہی نہ آوے تو

www.alahazratnetwork.org

سمجھو کوئی سخت عذاب آنے والا ہے۔ یہ فائدہ **وحسبوا لا تکون** الخ سے حاصل ہوا شعر:

☆ تو مشو مغرور بر حلم خدا ☆ دیر گیرد سخت گیرد مر ترا ☆

چھٹا فائدہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ چھوٹے گناہ کو بہت بڑا سمجھتا ہے اور منافق کی علامت یہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے گناہ کو معمولی تصور کرتا ہے یہ فائدہ **وحسبوا ان لا تکون فتنۃ** سے حاصل ہوا۔ کوئی گناہ معمولی سمجھ کر مت کرو کہ کبھی چھوٹی چنگاری سے گھر جل جاتا ہے۔ اور کوئی نیکی معمولی سمجھ کر چھوڑ مت دو کہ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے یہ آیات مسلمانوں کے لئے درس عبرت ہے۔ ساتواں فائدہ توبہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت ہے۔ جس کی وجہ سے بڑے سے بڑے گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ کفر بھی۔ یہ فائدہ **ثم تاب اللہ علیھم** سے حاصل ہوا اس لئے بڑے سے بڑا مجرم بھی مایوس نہ ہو توبہ کرے مگر خیال رہے کہ ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے کفر سے توبہ ایمان قبول کرلینا ہے۔ حقوق العباد سے توبہ ان کا ادا کر دینا پھر معافی مانگنا ہے۔ بعض گناہ وہ ہیں جن کی نحوست ایسی ہوتی ہے کہ مجرم کو توبہ نصیب نہیں ہوتی توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ جیسے نبی کی توہین۔ دیکھو ابلیس کو توبہ کی توفیق نہ ملی ہے نہ ملے کیونکہ وہ توہین پیغمبر کا مجرم ہے۔ یوں ہی قتل نبی ایسا جرم ہے کہ اس کے مجرم کو توبہ نصیب نہیں ہوتی۔ اس لئے یہاں **ثم تاب اللہ علیھم** ارشاد ہوا تاکہ معلوم ہوا کہ قاتلین پیغمبر نے توبہ نہ کی۔ بلکہ عرصہ کے بعد ان کی اولاد اور ہم قوم نے کی۔ **آٹھواں فائدہ** جس مصیبت سے توبہ کی توفیق مل جاوے وہ مصیبت اللہ کی رحمت ہے اور جس راحت سے انسان رب سے غافل ہو جاوے وہ دولت و راحت اللہ کا عذاب ہے دیکھو بنی اسرائیل پر جب بخت نصر مسلط ہوا تو انہوں نے توبہ کی کہ ارشاد ہوا **ثم تاب اللہ علیھم**

پہلا اعتراض **کلما جاء ھم رسول** اور اس کی جزا یعنی **فریقا کذبوا** الخ میں مناسبت نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہود کے پاس آئے تو ایک رسول اور وہ لوگ ایک فریق کا انکار ایک فریق کو قتل کریں کیا ایک رسول کے بھی دو فریق ہو سکتے ہیں۔ فریق تو پوری جماعت ہوتی ہے ایک رسول دو جماعتیں کیسے بن گئے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں رسول واحد نہیں۔ بلکہ جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب شامل ہیں اور **کلما جاء ھم** کی جزاء **فریقا کذبوا** الخ نہیں بلکہ اس کی جزا پوشیدہ ہے یہ **فریقا کذبوا** الخ اس جزاء کا نتیجہ ہے۔ معنی یہ ہیں کہ جب کبھی ان کے پاس رسول آئے ایک یا زیادہ تو انہوں نے ان کی نافرمانی کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی اطاعت کرنے کی بجائے ان میں سے بعض کو قتل کیا۔ بعض کا انکار لہٰذا آیت کا مطلب ظاہر ہے۔ **دوسرا اعتراض** حضرات انبیاء کرام کا جھٹلانا اور ان کا قتل نزول قرآن سے پہلے ہو چکا تھا پھر جھٹلانے کو ماضی اور قتل کو مضارع سے کیوں بیان فرمایا کہ وہاں **کذبوا** کہا اور یہاں **یقتلون**۔ **جواب** اس لئے کہ ان کا جھٹلانا تو ایک بار ہی ہو گیا۔ ایک نبی کا جھٹلانا تمام کا جھٹلانا ہے تمام تکذیبیں ایک میں شمار ہیں مگر ہر نبی کا قتل علیحدہ جرم ہے تو گویا قتل بارہا واقع ہوا تکذیب ایک بار حتیٰ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

کے قتل کی دو بار انتہائی کوشش کی کہ خیبر میں حضور کو زہر دیا مدینہ منورہ میں اوپر سے آپ پر بھاری پتھر لڑھکایا۔ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بچالیا مگر وہ تو اپنا کام کر ہی چکے تھے یہ ہے۔ **یقتلون** کا ظہور تیسرا اعتراض عقیدے کا مسئلہ ہے کہ نبی کے قاتل کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی وہ یہود حضرات انبیاء کرام کے قاتل تھے پھر ان کو توبہ کیسے ملی کہ فرمایا **ثم تاب اللہ علیھم** نیز قتل حق عبد ہے۔ جس کی توبہ کے لئے مقتول کے وارثوں سے معافی مانگنا لازم ہے ان قاتلین نے یہ بھی نہیں کیا پھر یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ **ثم تاب اللہ علیھم**۔ جواب ان دونوں اعتراضوں کا جواب **ثم** سے دے دیا گیا ہے کہ خود قاتلین کو توبہ نہ ملی بلکہ صدیوں کے بعد ان کی اولاد در اولاد کو توبہ کی توفیق ملی اور توبہ قتل کی حمایت سے ہوئی کہ یہ لوگ اپنے باپ دادوں۔ کے حامی تھے اب توبہ کرلی لہٰذا آیت واضح ہے۔ چوتھا اعتراض **ثم عموا وصموا کثیر منھم** یہ عبارت ترکیب نحوی کے لحاظ سے درست نہیں کیونکہ جب فعل کا فاعل ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد ہی آتا ہے فاعل خواہ واحد ہو خواہ جمع۔ جب **عموا** کا فاعل کثیر ہے تو **عمی وصمی** آنا چاہیے تھا۔ جواب مفسرین نے اس اعتراض کے چند جوابات دیئے ہیں ایک یہ کہ **کثیر منھم** فاعل نہیں اس کا فاعل تو **ھم** ہے یہ اس **ھم** کا بدل البعض ہے اور جب فاعل ضمیر ہو تو فعل مطابق فاعل کے آتا ہے دوسرے یہ کہ **کثیر منھم** خبر ہے مبتدا پوشیدہ کی اور یہ الگ جملہ ہے اصل عبارت یہ ہے **العمی والصمم کثیر منھم** اندھاپن بہراپن ان سے بہت ہی ہے۔ تیسرے یہ کہ **عموا وصموا** میں واؤ ضمیر کا نہیں بلکہ علامت جمع ہے عرب کہتے ہیں **اکلون البراغیث** مجھے مچھروں نے کھالیا **اکلوا** صیغہ جمع نہیں (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) پانچواں اعتراض اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کی مدد ان کی فتح و نصرت کا وعدہ فرما چکا ہے قرآن کریم میں بھی بارہا اس کا اعلان ہے پھر یہود ان انبیاء کو قتل کیسے کرسکے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام کی مدد کا وعدہ کیوں پورا نہ کیا۔ جواب اس اعتراض کا جواب پہلے پارہ میں دیا جاچکا ہے کہ یہود نے ان ہی انبیاء کرام کو شہید کیا۔ جن کے دین میں جہاد نہ تھا۔ خفیہ تدبیروں سے شہید کیا۔ کوئی نبی جہاد میں کفار کے ہاتھوں شہید نہ ہوئے۔ مدد کفار کے مقابلہ میں فرمائی گئی۔ چھٹا اعتراض یہاں ارشاد ہوا **ثم تاب اللہ علیھم** جس سے معلوم ہوا کہ قاتلین انبیاء کو توبہ کی توفیق ملی اور وہ تائب ہوگئے کیا قتل نبی سے توبہ ہو جاتی ہے۔ جواب اس کا جواب اس آیت میں موجود ہے کہ فرمایا گیا **ثم تاب علیھم** ثم سے بتایا گیا کہ توبہ بہت عرصہ کے بعد ہوئی تو توبہ قاتلین نے نہ کی بلکہ ان کی اولاد در اولاد نے کہ وہ قتل انبیاء سے راضی ہونے کی وجہ سے سخت کافر تھے۔ پھر انہوں نے توبہ کی مسلمان ہوگئے اپنے ان باپ دادوں کو کافر سمجھنے لگے۔ خیال رہے کہ کافر مسلمانوں سے جنگ کریں اور مسلمانوں کو شہید کردیں پھر توبہ کرکے مسلمان ہو جاویں تو ان کا یہ قتل ایمان کی برکت سے معاف ہو جاوے گا۔ ایمان کی برکت سے کفر کے زمانہ کے یہ خون معاف ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **الا من تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنت** الخ۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ جسمانی بیماریوں کا اثر جسم پر پڑتا ہے کہ اس سے جسم کمزور ہو جاتا ہے۔ مگر نفسانی بیماریوں کا اثر دل اور روح پر پڑتا ہے کہ اس سے روحانی قوتیں کمزور یا ختم ہو جاتی ہیں۔ آنکھ کا موتیا آنکھ کو اندھا کر دیتا ہے مگر کفر و بد عملی کا موتیا دل کو اندھا بنا دیتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرات انبیاء کے قتل کا نتیجہ بیان کیا **عموا و صموا** اگر انسان کی دستگیری رحمت الٰہی نہ کرے تو وہ مفید چیزوں سے نقصان ہی اٹھاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام ایمان، عرفان، رحمت رحمان دینے آتے ہیں مگر بد بخت انسان ان کی تکذیب کر کے انہیں ایذائیں دے کر طغیان، کفران، عصیان ہی کماتا ہے فضیل ابن عیاض فرماتے ہیں کہ جو راہ آخرت چلنا چاہے وہ سفید۔ سرخ، کالی، ہری موت اختیار کرے۔ سفید موت بھوک ہے۔ کالی موت لوگوں کے طعنے ہیں۔ سرخ موت شیطان و نفس کی مخالفت ہے۔ ہری موت دنیاوی مصیبتیں اور بیماریاں ہیں جو اس راستہ سے بہکا مارا گیا۔ اندھا بہرا سفر کیسے کرے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

☆ کور راہر گام باشد ترس چاہ ☆ باہزاراں ترس می آید براہ!! ☆
☆ مرد بینا دیدہ عرض راہ را ☆ پس بداند او مغاک و چاہ را!! ☆
☆ ماہیاں رابحر نگذارد بروں ☆ خاکیاں رابحر نگذارد بروں! ☆
☆ اصل ماہی آب و حیوان از گل است ☆ حیلہ و تدبیر آنجا باطل است! ☆
☆ قفل است و کشایندہ خدا!! ☆ دست در تسلیم زن اندر رضا! ☆

یعنی اندھے کو ہر قدم پر کنوئیں کا خوف ہوتا ہے وہ ہزارہا خوفوں کے درمیان سے راہ طے کرتا ہے۔ آنکھ والا غار کنوئیں وغیرہ سے بے خطر چلتا ہے۔ مومن انکھیارا ہے کافر اندھا مخلوق دو قسم کی ہے۔ آبی و خاکی۔ آبی مخلوق کی سرشت میں پانی کا غلبہ ہے۔ خاکی مخلوق کی سرشت میں خاک غالب ہے۔ دریا آبی مخلوق کو باہر نہیں چھوڑتا۔ خاکی مخلوق کو اندر نہیں چھوڑتا۔ یہاں تدبیر کام نہیں آتی۔ نبوت کا سمندر مومن کو باہر نہیں رہنے دیتا کافر کو اندر نہیں بساتا مومن کا نبی کے بغیر گزارہ نہیں کافر کا نبی کے پاس گزارہ نہیں۔ اے گنہگار مسلمان اپنے زنگ آلود دل کو رب کے حوالہ کرو وہ ہی اس کے کھولنے والا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم شہادت دیکھنے کے لئے ظاہری اعضاء دیئے گئے ہیں۔ عالم غیب محسوس کرنے کے لئے دل عطا ہوا کسی کی شکل و شباہت آواز وغیرہ شہادت ہے۔ یہ آنکھ کان سے محسوس ہوتی ہے۔ مگر اس کی روح یوں ہی اس کی الفت و عداوت رشتہ داری وغیرہ عالم غیب ہے جو دل سے معلوم ہوتی ہے پھر جیسے آنکھ کے لئے صدہا بیماریاں ہیں ایسے ہی دل کے لئے صدہا بیماریاں ہیں۔ جیسے آنکھوں کے بہت علاج ہیں یوں ہی بیمار دل کی بہت دوائیں ہیں دل کا سرمہ بھی ہے جس سے دل کی نظر تیز ہوتی ہے۔ آنکھ کا سرمہ طور سے آتا ہے۔ دل کا سرمہ حضرات اولیاء اللہ کے آستانوں سے عداوت نبی دل کو اندھا کر دیتی ہے۔ اس لئے فرمایا گیا **ثم عموا و صموا** کہ وہ یہود عداوت نبی سے دل کے اندھے بہرے ہو گئے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:

www.alahazratnetwork.org

☆ سرمہ کن در چشم خاک اولیاء ☆ تا ببینی ز ابتداء تا انتہا ☆

نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگرچہ رب تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے مگر بروں کو اور ان کے برے کاموں کو قہر کی نظر سے دیکھتا ہے اور اچھوں کو اور ان کے اچھے کاموں کو رحم و کرم کی نظر سے دیکھتا ہے۔ یہاں **واللہ بصیر بما یعملون** میں قہر کی نظر سے دیکھنا مراد ہے کہ اس سے پہلے مقہوروں کا ذکر ہوا تو جو بدوں کی صحبت اختیار کرے گا۔ ان سے الفت رکھے گا وہ بھی رب تعالیٰ کی نظر قہر میں آجاوے گا اور جو اچھوں کی صحبت و الفت اختیار کرے گا وہ بھی رب کی نظر رحمت میں آجاوے گا۔ اس لئے ہمارے ہاں ولی کی ایک ساعت کی صحبت سو برس کی عبادت سے بہتر ہے کہ ولی کے آستانہ پر نظر رحمت پڑ رہی ہے۔ نظر صرف ایک چیز کو نہیں دیکھتی اس کے ساتھ بہت کو دیکھ لیتی ہے۔ جب ہماری نظر کا یہ حال ہے تو رب تعالیٰ کی نظر تو بڑی وسیع ہے نہ معلوم وہ اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کتنوں کو بلاحظہ فرمالیتی ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ

بیشک تحقیق کفر کیا انہوں نے جنہوں نے کہا کہ بے شک اللہ وہ مسیح ہیں بیٹے مریم کے اور فرمایا

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں کہ اللہ وہی مسیح ابن مریم کا بیٹا ہے اور مسیح نے تو یہ کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل

الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ

مسیح نے اے اولاد یعقوب عبادت کرو اللہ میرے اور اپنے رب کی تحقیق وہ جو شرک کرے ساتھ اللہ

اللہ کی بندگی کرو جو میرا رب ہے اور تمہارا رب بے شک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر

فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۷۲﴾

کے پس بے شک حرام کر دیا اللہ نے اوپر اس کے جنت اور ٹھکانہ اس کا آگ ہے اور نہیں ہیں واسطے ظالموں کے کوئی مددگار

جنت حرام کردی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے مشترکہ جرموں کا ذکر ہوا اب عیسائیوں کے خاص جرم و بے دینی کا ذکر ہے یعنی حضرت مسیح کو خدا کہنا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ بنی اسرائیل تعلیم انبیاء کے مقابلہ میں اپنے نفس کے بتائے ہوئے راستہ کو ترجیح دیتے ہیں حتی کہ انہوں نے ایسے پیغمبروں کو قتل تک کر دیا۔ جن کی تبلیغ ان کی نفسانی خواہشات کے خلاف تھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ نفس انسانی ایسا گمراہ کن ہے کہ انسان کو گمراہی کفر کے گہرے کنوئیں میں گرا دیتا ہے۔ چنانچہ اب عیسائیوں کے نفسانی عقیدوں کے ذکر ہے گویا نفس کی اتباع کرنے والوں کا حال بتا کر نفس کا حال بتایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ

www.alahazratnetwork.org

میں بنی اسرائیل کے بہرے اندھے ہونے کا ذکر تھا۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ یہ لوگ اپنے اندھے پن سے ایسے عقیدے اختیار کر چکے ہیں جو عقل و دانش کے بالکل خلاف ہیں یعنی حضرت مسیح کا اللہ ہونا گویا پچھلی آیت میں ان کے اندھے ہونے کا ذکر تھا اب اس کا ثبوت ہے۔

شان نزول ایک بار نجران کے عیسائیوں کے سردار سید عاقب اور ان کے متبعین نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خود خدا ہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ خود مریم کے پیٹ سے جنا گیا اور رب تعالیٰ نے حضرت مسیح میں حلول فرمایا ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)

تفسیر لقد کفر الذین قالوا عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں اور ان کے مختلف عقیدے جن میں سے فرقے یعقوبیہ اور ملکانیہ کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مریم نے اللہ جنا وہی ذات جو اللہ ہے وہی بشکل مسیح دنیا میں آگئی۔ اس آیت میں ان کی تردید ہے کچھ فرقوں کا عقیدہ اس کے خلاف ہے ان کا ذکر اگلی آیت میں ہے چونکہ یہ عقیدہ نرا کفر ہے اور جہنمی ہونے کا راستہ مگر انہوں نے اس عقیدے کو عین ایمان سمجھا اور جنتی ہونے کا راستہ تصور کیا۔ اس لئے اس آیت کریمہ کو لام اور قد دو تاکیدوں سے مؤکد فرما کر شروع کیا گیا۔ خیال رہے کہ ہر شرک کفر ہے مگر ہر کفر شرک نہیں۔ کفر بہت عام ہے۔ شرک خاص' کسی عقیدہ اسلامیہ کا انکار کفر ہے مگر کسی بندہ کو خدا کی برابر جاننا یا اس طرح کہ بندہ کو اونچا کر کے رب کے برابر سمجھا جائے۔ یا رب تعالیٰ کی شان گھٹا کر اسے بندہ کی برابر کر دیا جاوے یہ مشرک ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عیسائی پکے کافر ہیں کہ رب تعالیٰ کی ذات و صفات کے منکر ہیں۔ مگر شرک نہیں کہ انہوں نے چند خدا نہ مانے۔ خدا ایک ہی مانا جو عیسیٰ علیہ السلام کی شکل میں آگیا نعوذ باللہ اور ہو سکتا ہے کہ ہر کفر بھی ایک معنی سے شرک ہے۔ اس لحاظ سے یہ مشرک بھی ہیں انشاء اللہ اس کی بحث سوال و جواب میں آوے گی۔ **الذین** سے مراد یعقوبیہ ملکانیہ فرقے کے عیسائی ہیں۔ **قالوا** سے مراد دل کا قول یعنی عقیدہ باطلہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ زبانی قول مراد ہو۔ جو دل سے یہ عقیدہ رکھے مگر زبان سے خاموش رہے وہ حقیقتاً کافر ہے اور جو زبان سے یہ بکواس کرے دل سے اس کا قائل نہ ہو وہ بھی شرعاً" کافر ہے کہ کفر بکنا بھی کفر ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ **قالوا** کو عام مانا جاوے زبانی قول ہو یا جنانی قول یعنی عقیدہ **ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** یہ عبارت قالوا کا مقولہ ہے۔ **ھو** حصر کے لئے ہے۔ حصر کی وجہ اور یہ کہ یہ حصر دو طرفہ ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہ بے وقوف کہتے تھے۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ تو خدا کے بیٹے ہیں نہ تیسرے خدا جیسا کہ ان کے دوسرے فرقے کہتے ہیں۔ بلکہ وہ عین خدا ہیں اللہ مسیح ابن مریم ہی ہیں کہ اللہ مسیح ہی ہیں اور حماقت دیکھو کہ اس حصر کے باوجود وہ لوگ حضرت مسیح کو ابن مریم بھی کہتے ہیں۔ یعنی جناب مسیح ابن مریم ہونے کا باوجود عین اللہ ہیں خود ان کے کلام ہی میں ان کی تردید ہے جو کسی کا بیٹا ہو وہ خدا کیسا مگر وہ یہ نہ سمجھ سکے۔ **وقال المسیح یبنی اسراءیل اعبدوا اللہ ربی وربکم**۔ اس عبارت میں ان کی

www.alahazratnetwork.org

نقلی تردید ہے۔ یعنی تم جنہیں خدا کہہ رہے ہو وہ خود اپنے کو رب کا بندہ کہتے تھے بلکہ بندگی میں اپنے کو تمہاری طرح قرار دیتے تھے۔ اگر وہ خود اللہ تھے تو پھر اللہ کی عبادت کیوں کرتے تھے۔ عابد و معبود ایک نہیں ہو سکتے۔ غیر غیر چاہئیں نیز پھر وہ یہ کیوں فرماتے کہ اللہ کی عبادت کرو پھر تو وہ فرماتے کہ میری عبادت کرو نیز پھر وہ اللہ کو اپنا رب کیوں فرماتے رب و مربوب غیر غیر چاہئیں ان کا یہ فرمان تمہارے عقیدہ کی ایک دو قسم کی نہیں بلکہ بہت طرح بہت قسم کی تردید کر رہا ہے۔ تمہارا عقیدہ الوہیت مسیح ان کے فرمان کے بالکل خلاف ہے۔ خیال رہے کہ حضرت مسیح کا یہ فرمان تحریف شدہ انجیلوں کے اندر موجود تھا۔ بلکہ اب بھی موجود ہے جسے عیسائی مانتے تھے اور اب بھی مانتے ہیں۔ اسی لئے جناب مسیح کا یہ فرمان پیش فرمانا بالکل صحیح ہے اور عیسائی یہ نہیں کہہ سکتے کہ جناب مسیح نے یہ فرمایا ہی نہ تھا غرضیکہ ان کی تردید عقلی دلائل سے تو ابن مریم فرما کر کر دی اور نقلی دلائل سے یہ فرما کر کر دی۔ **انه من يشرك بالله** اس جملہ میں ان عیسائیوں کے بد عقیدے کی سزا کا ذکر ہے۔ **من** سے مراد ہر شخص ہے جن ہو یا انس **يشرك** بنا ہے۔ **اشراك** سے ۔ بمعنی حصہ دار یا ساجھی ماننا اس کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ جس سے عموم کا فائدہ حاصل ہو اس جملہ میں تین اطلاق ہیں' شرک کا اطلاق من کا عموم پھر شرک کے مفعول بہ کا اطلاق یعنی جو جن و انس کسی درجہ کا ہو اولاد انبیاء ہو یا کوئی اور کسی چیز کو نبی ولی کو جان دار یا بے جان چیز کو زمین یا آسمان کسی شئی کو اللہ کا شریک ٹھہرائے۔ کسی طرح خواہ اس طرح کہ اسے مستقل خدا مانے خواہ اس طرح کہ اس میں خدا کی سی صفات مانے مثلاً کسی کو مستقل ذاتی عالم الغیب موجود۔ حیی مانے یا یہ سمجھے کہ وہ ذاتی مستقل طور پر شافی الامراض مردے زندہ کرتا ہے۔ غرضیکہ کسی قسم کا شرک کرے اور ہو سکتا ہے کہ شرک سے مراد کفر ہو کیونکہ یہ عیسائی جن کا یہاں ذکر ہے۔ مشرک نہ تھے بلکہ کافر تھے نیز جو تین سزائیں آئندہ مذکور ہیں وہ ہر کفر کی ہیں۔ خواہ مشرک کافر ہو یا موحد کافر یا دہریہ کافر۔ لہذا آیت کا مطلب یہ نہیں کہ مشرک کی تو یہ سزائیں ہیں۔ کافر کی نجات ہے بہر حال مقصد یہ ہے کہ جو مخلوق کسی قسم کا کفر کرے اس کی تین سزائیں ہیں۔ پہلی یہ کہ **فقد حرم الله عليه الجنة** یہ عبارت **من يشرك** کی جزا ہے۔ **حرم** بنا ہے۔ **تحريم** سے ۔ بمعنی بالکل حرام کر دینا ہے یعنی اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت کا داخلہ تو کیا وہاں کی خوشبو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حرام فرما دی کہ وہ کسی نیکی کی وجہ سے کسی اعلیٰ نسبت کے ذریعہ جنت کے قریب بھی نہیں جا سکتا اس کے لئے جنت کا داخلہ وہاں کی نعمتیں حرام ہیں وہ محرم علیہ ہے۔ دوسری سزا یہ کہ **ماويه النار** یہ جملہ معطوف ہے **حرم الله** الخ پر اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ نہ ہو گا کہ مشرک و کافر جنت سے محروم ہو کر

اعراف میں چلا جاوے جہاں نہ عذاب ہو نہ ثواب بلکہ وہ نرا دوزخی ہو گا۔ **ماوی** بنا ہے **اوی** سے ۔ بمعنی پناہ دائمی مقام کو **ماوی** کہتے ہیں۔ عارضی مقام کو منزل **نار** سے مراد دوزخ ہے۔ خواہ وہاں کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا تیسری سزا یہ کہ **وما للظلمين من انصار** اس جملہ میں یا تیسری سزا کا ذکر ہے یا ان دونوں سزاؤں کی علت کا بیان ہے یعنی ایسے مشرک و کافر ظالم ہیں۔ اور قیامت میں ظالم کا مددگار کوئی نہیں۔ خیال رہے کہ عیسائی بہت چیزوں کو اپنا مددگار مانتے تھے۔ حضرت عیسیٰ'

www.alahazratnetwork.org

حضرت مریم، روح القدس صلیب وغیرہ۔ ان سب کی مدد کی نفی فرمانے کے لئے انصار جمع ارشاد ہوا اور ہر فرد کی نفی کرنے کے لئے **من** استغراقیہ ارشاد ہوا یا یہ مطلب ہے کہ مدد بہت قسم کی ہوتی ہے اور مددگار بہت طرح کے مال سے مددگار، جانی مددگار، قوت و طاقت سے مددگار، شمید و جماعت سے مددگار ان تمام قسم کے مددگاروں کی نفی کے لئے **من انصار** فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ **انه من یشرک** سے لے کر انصار تک یا تو رب تعالیٰ کا اپنا کلام ہے یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی کلام ہے۔ جسے رب نے نقل فرمایا تھا یعنی ان جناب نے یہ بھی فرمایا تھا کہ میرے اور اپنے رب کی عبادت کرو اور یہ بھی فرمایا تھا کہ مشرک کی یہ تین سزائیں ہیں۔ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہ بھی حضرت مسیح کا فرمان عالی ہے۔

خلاصہ تفسیر عیسائیوں کے الوہیت مسیح کے متعلق مختلف عقیدے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تیسرے خدا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ خود خدا ہی ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان کی شکل میں دنیا میں ظہور فرمایا اس آیت کریمہ میں اس تیسرے فرقے کی نہایت شاندار تردید فرمائی گئی کہ ارشاد ہوا وہ عیسائی نرے کافر و مشرک ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ جناب مسیح ابن مریم ہی خدا ہیں اور خدا مسیح ابن مریم ہی ہے۔ اول تو ان جناب کا ابن مریم ہونا ہی ان کے اس عقیدہ کے تردید کے لئے کافی ہے کہ جو کسی کا بیٹا ہو وہ خدا کیسا جو کسی کے پیٹ میں سما جاوے۔ جنا جاوے وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ خود حضرت مسیح کے ارشادات گرامی بھی ان کی تردید کر رہے ہیں۔ انہوں نے اعلانیہ فرمایا تھا کہ اے اسرائیلیو تم اس ذات کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب۔ اس فرمان مسیحی میں چند باتیں خیال میں رہیں ایک یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام شریف یعنی ہے یعنی شرافت والے لقب مسیح ہے یا مسیح سے بنا، بمعنی چھونے والے یعنی چھو کر مردوں کو زندہ بیماروں کا اچھا کرنے والے۔ دوسرے یہ کہ آپ چونکہ صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں اس لئے انہیں کو خطاب فرمایا ورنہ اللہ کی عبادت ہر شخص پر لازم ہے یا بنی اسرائیل دوسری قوموں کے سردار مانے جاتے تھے ان کے درست ہو جانے سے دوسری قوموں کی درستی کی امید تھی اس لئے ان سے خطاب کیا۔ تیسرے یہ کہ آپ نے **ربنا** فرمایا۔ جس میں آپ اور بنی اسرائیل سب ہی آجاتے بلکہ **ربی وربکم** فرمایا تو اس لئے کہ اللہ سب کا رب ہے نبی کا بھی غیر نبی کا بھی مگر نوعیت ربوبیت میں فرق ہے نبی کا رب اس طرح ہے کہ انہیں امت کا مربی۔ انہیں دینے والا بنایا۔ امت کا نبی اس طرح کہ انہیں لینے والا بنایا۔ جیسے وہ سورج و بادل کا بھی رب ہے۔ جو دینے والے ہیں زمین کا بھی رب ہے۔ جو سورج بادل سے لینے والی ہے یا اس لئے کہ اللہ کی معرفت نبی کے ذریعہ سے ہو تو ایمان ہے۔ بغیر واسطہ نبی ہو تو عین بے دینی، نبی کا انکار کر کے خدا کو ماننا کفر ہے لہٰذا حضرات انبیاء نہ خدا ہیں نہ ہم جیسے بشر کہ اگر تم نے کسی کو خدا یا خدا کی طرح مانا تو وہ مشرک ہے اور مشرک کی تین سزائیں ہیں ایک یہ کہ وہ جنت سے دائمی محروم ہے دوسرے یہ کہ اس کا ٹھکانہ دوزخ جہاں اس نے ابد الاباد تک رہنا ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ ظالم ہے اور ظالموں کا مددگار قیامت میں کوئی نہیں تو وہ بے یار و مددگار ہو گا۔ ان جیسے ارشادات کے ہوتے ہوئے جو انہیں خدا مان لے وہ پورا ہی بے وقوف بھی ہے اور بڑا

www.alahazratnetwork.org

مشرک و ظالم بھی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ آخرت کے معاملات میں انسانی عقل بالکل ہی بے کار بلکہ مضر ہے وہاں نور نبوت ہی چاہیے۔ دیکھو عیسائی جنہوں نے عقل سے دنیا کی صدہا بے نظیر چیزیں بتائیں وہ اس عقل کے ذریعہ ایمان نہ بنا سکے وہاں ایسے اندھے ہوئے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام کو ابن مریم مانتے ہوئے خدا مان بیٹھے یہ فائدہ **المسیح ابن مریم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** کسی قوم کی تردید کرنے کے لئے اس کے مانے ہوئے بزرگوں کے قول پیش کرنا سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ **وقال المسیح** الخ سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے عیسائیوں کی تردید کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حکیمانہ قول پیش فرمایا۔ **تیسرا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کے نبی ہیں۔ دوسری قوموں کو نبی نہیں۔ لہٰذا عیسائیوں کو یہ حق نہیں کہ ہر قوم کو عیسائیت کی دعوت دیں۔ یہ فائدہ **یبنی اسرائیل** فرمانے سے حاصل ہوا۔ انہوں نے ہمارے حضور کی طرح **یاایہا الناس** نہ فرمایا۔ **چوتھا فائدہ** مربوبیت اور الوہیت کبھی جمع نہیں ہو سکتی یعنی اللہ کسی کا مربوب نہیں ہو سکتا۔ یوں ہی عبادت اور الوہیت کا اجتماع ناممکن ہے یہ فائدہ **اعبدوا اللہ** اور ربی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** مشرک و کافر پر جنت ہمیشہ کے لئے حرام ہے۔ مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو انشاء اللہ جنت ضرور جاوے گا۔ خواہ معافی پا کر اول ہی سے خواہ سزا پا کر کچھ عرصہ کے بعد یہ فائدہ **فقد حرم اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** گنہگار مومن اگر دوزخ میں سزا پانے گیا تب بھی دوزخ اس کی منزل ہوگی اس کا ٹھکانہ نہ ہوگی۔ دوزخ ٹھکانہ صرف کافروں کے لئے ہے یہ فائدہ **ماواہ النار** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** کسی کافر و مشرک کو مرحوم یا جنتی یا بیکنٹھ باسی وغیرہ کہنا حرام ہے اور اگر اسے جنتی سمجھ کر یہ کہے تو وہ کافر ہے کہ وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ یوں ہی اس کے لئے دعاء مغفرت کرنا اسے ایصال ثواب کرنا حرام بلکہ بعض حالات میں کفر ہے۔ **آٹھواں فائدہ** قیامت میں مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب ہے۔ مسلمانوں کے مددگار رب تعالیٰ نے بہت مقرر فرما دیئے ہیں ان کے مددگار انبیاء اولیاء قرآن مجید' چھوٹے بچے' کعبہ معظمہ' ماہ رمضان وغیرہ بہت ہیں یہ فائدہ **وما للظلمین** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں بطریقہ حصر فرمایا گیا کہ ظالموں کا ہی مددگار کوئی نہیں اگر مسلمانوں کا مددگار بھی کوئی نہ ہو تو اس حصر کے کیا معنی۔ **نواں فائدہ** بعض جاہل نعت گو اور جاہل نعت خواں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا الگ دیتے اور پڑھ دیتے ہیں جیسا کہ بہت جگہ سنا گیا ہے یہ کفر و شرک ہے یہ وہی یعقوبیہ ملکانیہ عیسائیوں والا عقیدہ ہے جسے قرآن کریم نے شرک قرار دیا یہ فائدہ **لقد کفر الذین قالوا** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں نہ خدا کا جزء ہیں نہ خدا کے بیٹے پوتے ہیں حضور خالص بندے ہیں اور اللہ کے سچے رسول تمام مخلوق کے آقا و مولیٰ اسلام کا عقیدہ یہ ہے۔ سبحان اللہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا ہی خوب فرمایا۔ **شعر:۔**

حق یہ ہے کہ ہیں عبد الٰہ اور عالم امکان کے شاہ
برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

www.alahazratnetwork.org

دسواں فائدہ بعض جاہل صوفی بے دین پیر مسئلہ وحدت الوجود کو سمجھے بغیر ہر چیز کو خدا کہہ دیتے ہیں یہ کفرو شرک ہے اللہ کے ماسواہ جو بھی ہے اس کا بندہ ہے۔ مسئلہ وحدت الوجود بالکل حق ہے مگر اسے وہ ہاتھ لگائے جو صوفیاء کی رمزوں کے واقف ہے سمجھے سوچے ہر چیز کو خدا کہہ دینا لاکھوں خدا مان لینا ہے۔ یہ مصرعہ عین کفر ہے ع

ہم تم ہیں خدا ہر در و دیوار خدا ہے

اور یہ شعر بالکل حق ہے۔ **شعر:۔**

☆ پناہ بلندی و پستی توئی ☆ ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی ☆

ساری مخلوق کو خدا ماننا کفر ہے اور ساری مخلوق کو فنا ماننا لا شئی ماننا اور کہنا کہ رب ہی رب ہے ایمان ہے۔ **گیارہواں فائدہ** کفار کی جگہ دوزخ ہے کوئی کافر اعراف میں نہیں رہے گا۔ اعراف کفار کی جگہ نہیں یہ فائدہ **وما واہ النار** سے حاصل ہوا۔ اعراف میں کون رکھے جائیں گے۔ انشاء اللہ یہ سورہ اعراف میں عرض کیا جاوے گا۔

پہلا اعتراض یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ عیسائی حضرت مسیح کو ابن مریم بھی کہیں ان کی موت و صولی کے بھی قائل ہوں اور پھر انہیں خدا بھی کہیں خدا تعالیٰ کے لئے پیدائش' وفات ابن مریم ہونا کیونکر ممکن مان سکتے ہیں۔ **جواب** ان بے وقوفوں کا عقیدہ یہ ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام بشر بھی ہیں خدا بھی آپ کی بشریت پر ابن مریم ہونا۔ پیدا ہونا' سولی پانا وارد ہوا نہ کہ آپ کی الوہیت پر۔ آپ کی بشریت میں الوہیت ایسے حلول کئے ہیں جیسے پھول میں رنگ و بو یا آگ میں گرمی اللہ نے لباس انسانی پہن لیا تو وہ ابن مریم بھی ہو گیا اور اس پر وفات پر طاری ہوئی یعنی اس لباس پر نہ کہ ذات رب العالمین پر یہ عقیدہ بھی کفر ہے کہ رب تعالیٰ سرایت و حلول سے پاک و منزہ ہے اسے کسی چیز میں حال یا کسی چیز کا محل ماننا کفر ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہ عقیدہ تو مسلمانوں کا بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر بھی مانتے ہیں اور نور بھی اگر بشر نور ہو سکتا ہے تو الٰہ بھی ہو سکتا ہے۔ **جواب** نعوذ باللہ نورانیت کو الوہیت سے کیا نسبت نورانیت اور نور رب تعالیٰ کی مخلوق چیزیں ہیں سورج' چاند' تارے' علم' قرآن' فرشتے یہ تمام چیزیں مخلوق ہیں مگر نور ہیں۔ جنتی لوگ نورانی ہوں گے۔ بشریت کا نورانیت کے ساتھ اجتماع ایسا ہے جیسے بشریت کا نبوت و رسالت۔ محبوبیت کے ساتھ اجتماع عبدیت و الوہیت میں اجتماع ناممکن ہے کہ بشر حادث' ممکن' مخلوق' مرزوق' ہے' اللہ تعالیٰ واجب قدیم' خالق' رازق' حی و قیوم ہے **لہٰذا** مسئلہ نورانیت کو الوہیت سے کوئی نسبت نہیں **تیسرا اعتراض** الوہیت مسیح کا عقیدہ رکھنے والے عیسائیوں کو مشرک کیوں کہا گیا انہوں نے دو خدا تو نہیں مانے وہ تو ایک ہی خدا کے قائل رہے یعنی حضرت مسیح کو خدا مان لیا یہ عقیدہ کفر تو ہے۔ شرک کیسے ہو گیا اور **انہ من یشرک باللہ** کیونکر درست ہوا۔ **جواب** ان عیسائیوں کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں الوہیت حلول کئے ہوئے ہے۔ جیسے آئینہ میں سورج کی شعاعیں اس لئے وہ اللہ یعنی محل الوہیت ہیں یعنی وہ حضرت مسیح کو صرف خدا نہیں مانتے' خدا اور ہے۔ حضرت مسیح اور وہ خدا ہے۔ اور آپ خدائی یا الوہیت والے ہیں۔ **لہٰذا**

www.alahazratnetwork.org

یہ بالکل شرک ہوا نیز کسی غیر خدا کو خدا مان لینا بھی شرک ہے جیسے کہ کسی بندے میں خدائی صفات ماننا شرک ہے لہٰذا ان عیسائیوں کو مشرک کہنا بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض** حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں خدائی صفات ہیں یعنی مردے زندہ کرنا' بیمار اچھے کرنا' غیب جاننا وغیرہ صفات سے موصوف کا پتہ چلتا ہے لہٰذا آپ اللہ ہیں (عیسائی) **جواب** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر سانپ بھی خدا ہوا کہ وہ سمیع بھی ہے بصیر بھی اور زندہ کو مردہ کر دیتا ہے اور حضرت اسرافیل بھی خدا ہوئے کہ وہ سمیع و بصیر بھی ہیں اور صور سے سب کو زندہ کر دیں گے بلکہ قصائی بھی خدا ہو گئے کہ وہ حی سمیع بصیر اور جانوروں کو مردہ کرنے والے یعنی ممیت بھی ہیں۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یہ جو کچھ کرتے تھے۔ اللہ کے اذن اس کی قدرت سے کرتے تھے۔ وہ ان کاموں میں مستقل نہ تھے۔ جو رب کا محتاج ہو وہ بندہ ہے۔ اگرچہ خدائی کام کر دکھائے جو غنی بے نیاز ہے وہ خدا ہے جو دوڑائے وہ انجن ہے جو دوڑے وہ ریل کا ڈبہ۔ **پانچواں اعتراض** اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بندہ بن کر آ جاوے پھر کھا پی لے مر جاوے وہ ہر چیز پر قادر ہے **ان اللہ علی کل شئی قدیر** **جواب** نعوذ باللہ موت۔ کھانا پینا خدا تعالیٰ کے لئے شئی نہیں۔ وہ اس قابل نہیں کہ رب کی قدرت میں آ جاویں۔ واجبات اور ناممکنات قدرت سے دور ہیں۔ لہٰذا خدا تعالیٰ مجبور نہیں بلکہ وہ چیزیں زیر قدرت آنے سے مجبور ہیں اگر چیز سامنے روشنی میں ہو اور آنکھ نہ دیکھے تو آنکھ مجبور اندھی ہے لیکن اگر چیز بہت دور اندھیرے میں ہو اور نظر نہ آئے تو آنکھ مجبور نہیں وہ چیز دکھائی دینے کے قابل نہیں۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین و کفار کے بہت سے مددگار نہیں تو کیا ان کے لئے ایک دو مددگار ہیں یہاں انصار جمع کی نفی ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی **تفسیر** سے معلوم ہو گیا کہ **من انصار** میں **من** استغراقیہ ہے جس نے نفی کا استغراق کر دیا اور انصار کی جمعیت نوعیت کے لحاظ سے اور **من** کا استغراق افراد کے اعتبار سے ہے معنی یہ ہوئے کہ ان کا کسی قسم کا کوئی مددگار نہیں۔ **ساتواں اعتراض** اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو شرک باللہ کرے گا۔ اس کی یہ تین سزائیں ہیں تو کیا مشرک کے سوا دوسرے کفار کی یہ سزائیں نہیں ہیں وہ بخشے جائیں گے۔ **جواب** ہم نے ابھی **تفسیر** میں عرض کر دیا کہ ان جیسی تمام آیات میں شرک باللہ سے مراد کفر ہے۔ ہر کافر کی یہ ہی سزا ہے یعنی نوع سے جنس مراد ہے فرماتا ہے مشرکین سے اپنی عورتوں کا نکاح نہ کرو یعنی کفار سے یا اللہ شرک نہ بخشے گا یعنی کفر نہ بخشے گا۔

تفسیر صوفیانہ عیسائی لوگ راہ حق پر اپنے عقل کے قدم سے چلے اور انہوں نے اللہ کے نبی کو عقل کی آنکھ سے دیکھا تو وہ شبہات بلکہ کفریات بلکہ مہلکات میں پھنس گئے۔ جیسے دماغ کی آنکھ دوپہر میں سورج کو نہیں دیکھ سکتی یوں ہی عقل کی آنکھ نبوت کا سورج نہیں دیکھ سکتی اس لئے وہ پردہ اور پردہ دار میں آئینہ دار خدا اور خدا نما بندے میں فرق نہ کر سکے پردہ کو پردہ دار آئینہ کو آئینہ دار خدا نما کو خدا کہنے لگے حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ **شعر:۔**

☆ بندہ خدا نما است ولے او نمی شود ☆ آئینہ رونما است ولے رو نمی شود ☆

www.alahazratnetwork.org

واقعی جناب مسیح نے مردے زندہ کیے مٹی سے پرندے بنا کر ان میں دم کر کے اصل پرندے بنا دیئے۔ بیماروں کو شفا بخشی مگر بالاستقلال نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے حاجت مند رہتے ہوئے وہ مستقل اور غیر مستقل میں فرق نہ کر سکے امت محمدیہ نے راہ حق کو جذبات الہیہ کے ذریعہ طے کیا اور حضرات انبیاء کو عشق و معرفت کی نظر سے دیکھا وہ مقصد پر پہنچ گئے اور استدلال کی کلفتوں سے بچ گئے۔ حضرت شبلی نے اپنی کتابیں پانی سے دھو ڈالیں اور بولے کہ تم یار کی دلیلیں ہو وصول کے بعد دلیلوں کی کیا ضرورت ہے وصول ذریعہ قبول ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ **شعر:۔**

☆ چوں شدی بر بامہائے آسمان ☆ سرد باشد جست و جوئے نردبان ☆

☆ آئینہ روشن کہ شد صاف جلی ☆ جہل باشد برنہادن صیقلی! ☆

☆ پیش سلطاں خوش نشستہ در قبول ☆ جہل باشد جستن نامہ رسول! ☆

یعنی جو آسمان پر پہنچ جائے اسے سیڑھی و زینہ کی ضرورت نہیں جب آئینہ صاف ہو اسے صیقل کی ضرورت نہیں جو بادشاہ کے سامنے مقبول بنا بیٹھا ہو اسے نامہ و پیام کی ضرورت نہیں اس فرق کی وجہ سے مسلمان حضرات انبیاء کرام کو صحیح طریقے سے مانتے ہیں۔ کفار غلط طریقہ سے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں **ظلم** چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ کفرو شرک ' گناہ ' خطاء ' کسی کا حق مارنا۔ اگر انبیاء کرام کے لئے یہ لفظ آوے تو بمعنی خطا ہوگا۔ اگر ہم جیسے گنہگاروں کے لئے آوے تو بمعنی گناہ جیسے **اذ ظلموا انفسھم** اگر کفار کے لئے آئے تو بمعنی کفرو شرک ہوگا جیسے یہاں ہے۔ **للظلمین** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی ظالموں کے ہی مددگار کوئی نہیں۔ مسلمانوں کے ہیں۔ چنانچہ اولیاء انبیاء ان کے مددگار ہیں۔ مدد سے مراد آخرت میں مدد ہے نہ کہ دنیاوی لہٰذا یہ آیت کریمہ دیگر آیات کے خلاف نہیں جو ڈول رسی سے وابستہ نہ ہو اسے کنوئیں سے کون نکالے جو انسان نبی سے وابستہ نہیں اسے کفرو معصیت کے گناہ سے کون نکالے۔

وقف لازم

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ

البتہ تحقیق کافر ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ تین میں کا تیسرا ہے حالانکہ نہیں ہے کوئی معبود سوا معبود

بے شک کافر ہیں وہ جو کہتے ہیں اللہ تین خداؤں میں کا تیسرا ہے اور خدا تو نہیں مگر ایک خدا اور اگر

وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ

ایک کے اور اگر نہ باز رہے یہ لوگ اس سے جو کہتے ہیں تو البتہ ضرور پہنچے گا ان لوگوں کو جو کافر رہے ان میں

اپنی بات سے باز نہ آئے تو جو ان میں کافر مریں گے ان کو ضرور دردناک عذاب پہنچے گا

www.alahazratnetwork.org

عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ اَفَلَا یَتُوْبُوْنَ اِلَی اللّٰہِ وَیَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۷۴﴾

سے عذاب دردناک کیا پس نہیں توبہ کرتے یہ لوگ طرف اللہ کی اور معافی مانگتے اس سے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تو کیوں نہیں رجوع کرتے اللہ کی طرف اور اس سے بخشش مانگے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں ان عیسائیوں کا ذکر تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عین خدا یعنی خدا کی حلول کی جگہ مانتے ہیں۔ اب عیسائیوں کے اس فرقہ کا ذکر ہے جو تین خدا مانتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ، جبریل یعنی روح القدس اور خدا تعالیٰ گویا ان کے ایک فرقہ کی تردید کے بعد دوسرے فرقہ کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں عیسائیوں کے ایک عذاب کا ذکر ہوا اب ان کو دوسرے عذاب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ اندھے بہرے ہو گئے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ یہ لوگ ایسے اندھے ہوئے کہ ان کے ہاں اب تک یہ ہی طے نہ ہو گا کہ اللہ ایک ہے یا تین اگر ایک ہے تو کس شان اور کس صفت کا ہے اس سے بڑھ کر اندھا پن اور کیا ہو گا کہ الوہیت و نبوت ہی معین نہ ہو گویا گزشتہ پچھلی آیت کریمہ میں ایک دعویٰ تھا اور ان آیات میں اس کے دلائل ہیں۔ **چوتھا تعلق** بہت دور سے کفار کی بد عقیدگیوں کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ اب رب تعالیٰ کی وسعت رحمت و مغفرت کا ذکر ہے کہ اگرچہ یہ لوگ سخت بد عقیدہ بدترین بد عمل ہیں لیکن اگر اب بھی توبہ کر لیں تو ہم بخش دیں گے۔ **افلا یتوبون** غرضیکہ اب تک بیماریوں کا ذکر تھا۔ اب ان کے علاج کا تذکرہ ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی عداوت انبیاء کا ذکر تھا جو نبیوں کی دشمنی سے کافر ہوئے۔ اب عیسائیوں کی غلط محبت نبی کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شان میں غلو سے کافر ہوئے۔ یعنی عداوت کے کافروں کے بعد غلط محبت کے کافروں کا ذکر ہے۔ تفریط کرنے والوں کے بعد افراط والوں کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان افراط و تفریط دونوں سے بچیں درمیانی راہ اختیار کریں۔

تفسیر لقد کفر الذین قالوا۔ لقد اور **کفر** کی تفسیر ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ہو چکی **الذین** سے مراد عیسائیوں کے دو فرقے ہیں۔ مرقوسیہ اور نسطوریہ **قالوا** سے مراد دل کا قول یعنی سمجھنا ماننا عقیدہ رکھنا ہے۔ یا زبان کا دعویٰ یعنی لوگوں نے یہ کہا۔ **کفر** سے مراد شرک ہے کیونکہ شرک بھی کفر کی ایک قسم ہے۔ جو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تیسرا خدا یا خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔ وہ تو کافر بھی ہیں مشرک بھی کہ انہوں نے بندہ کو رب کے برابر مان لیا مگر جو عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ ایک ہی ہے جو حضرت مسیح کی شکل میں آ گیا۔ دوسرا کوئی خدا نہیں وہ کافر ہیں۔ اگرچہ مشرک نہ ہوں کہ انہوں نے چند خدا نہ مانے بلکہ خدا کو انسان مان لیا اور انسان کو خدا۔ نعوذ باللہ یہاں پہلے دو عیسائیوں کا ذکر ہے جو مشرک ہیں۔ **ان اللہ ثالث ثلثۃ** عربی میں کسی عدد کا اسم فاعل بنا لیا جاوے تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس عدد میں سے ایک ثلثہ کے معنی تین اور ثالث کے معنی تیسرا پھر اس ثالث کے دو معنی ہوتے ہیں اگر یہ اپنے مثل عدد کی طرف مضاف ثالث ثلثہ رابع اربعہ

www.alahazratnetwork.org

تب اس کے معنی ہوتے ہیں ان میں سے ایک اور اگر اپنے سے نیچے والے عدد کی طرف مضاف ہو تو معنی ہوتے ہیں اس درجہ والا لہٰذا ثالث ثلثہ کے معنی ہیں تین میں سے ایک اور ثالث اثنین کے معنی ہیں دو کا تیسرا یعنی دو کو تین بنانے والا۔ تیسرے درجہ والا پہلی صورت میں ثلثہ کو جر ہی ہوگا کہ وہ مضاف الیہ ہے۔ دوسری صورت میں جر بھی ہو سکتا ہے کہ وہ مضاف الیہ ہے اور نصب بھی کہ وہ مفعول بہ بھی ہے۔ لہٰذا رابع ثلثہ میں ثلثہ کو جر بھی پڑھ سکتے ہیں اور نصب بھی (تفسیر کبیر و روح المعانی) خیال رہے کہ تثلیث کے عقیدے والے عیسائیوں کے پھر چار فرقے ہیں۔ ایک فرقہ کہتا ہے کہ الٰہ مستقل تین ہیں۔ دوسرا فرقہ کہتا ہے کہ الٰہ ان تین کا مجموعہ ہے یعنی الٰہ ہے تو ایک مگر اس کے جز چار ہیں۔ تیسرا فرقہ کہتا ہے کہ ذات الٰہ ایک ہے دو اس کی صفتیں ہیں۔ ان کا مجموعہ ایک خدا ہے۔ چوتھا فرقہ کہتا ہے کہ ذات دو ہیں اور ایک صفت ان کا مجموعہ ایک الٰہ ہے۔ پھر ان کا آپس میں یہ اختلاف ہے کہ وہ تین کون ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ تین اللہ تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام اور مریم ہیں۔ چنانچہ قرآن مجید فرماتا ہے کہ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے سوال ہوگا۔ **انت قلت للناس اتخذو نی وامی الھین من دون اللہ** اور بعض کہتے ہیں کہ وہ تین اللہ تعالیٰ' عیسیٰ علیہ السلام اور روح القدس (تفسیر صاوی) یعنی باپ بیٹا روح القدس وہ کہتے ہیں کہ جوہر ایک ہے اور **اقنوم** تین جیسے سورج ایک ہے مگر اس کی ٹکیہ' شعاعیں' گرمی یہ تین ہیں باپ سے مراد ذات' عیسیٰ کلمہ اور روح حیاۃ' کلمہ عیسیٰ میں ایسا مخلوط ہے جیسے پانی دودھ میں اسے کہتے ہیں **التوحید فی التثلیث**۔ غرضیکہ ان کے عجب احمقانہ کلام ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں ثالث ثلثہ میں ایک لفظ پوشیدہ ہے وہ ہی کفر ہے یعنی ثالث ثلثہ الھۃ یعنی اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے کہ معبود تین ہیں۔ ان میں سے ایک اللہ ہے۔ ورنہ یہ کلمہ اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن مجید میں بھی ہے اور حدیث شریف میں بھی۔ چنانچہ رب فرماتا ہے۔ **ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم** اور حدیث شریف میں کہ ہجرت کے دن جب غار ثور میں حضرت صدیق نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کفار آگئے تو فرمایا **ما ظنک باثنین اللہ ثالثھما** دیکھو اس آیت و حدیث میں اللہ تعالیٰ کو چوتھا چھٹا تیسرا فرمایا گیا یہ بالکل برحق ہے جہاں چند مسلمان جمع ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہوتا ہے علم و قدرت و رحمت سے۔ جس مجمع میں پانچ مسلمان ہیں تو چھٹا اللہ تعالیٰ ہے یہ بالکل درست ہے۔ عیسائیوں کی نیت وہ تھی جو ابھی عرض کی گئی یہ کفر تھی اس لئے ان کی تردید میں ارشاد ہوا **وما من الہ الا الہ واحد** اس ایک فرمان میں ان عیسائیوں کی تمام بکواسوں کی مکمل تردید ہے یعنی ہستی میں کوئی معبود نہیں سوا اس اللہ کے جو ذاتاً' صفتہ' قدرۃ ایک ہے نہ اس کا کوئی شریک ہے نہ بیوی بچے اولاد نہ اس کی صفات کا کسی میں حلول غرضیکہ واحد سے مرنو ذاتاً' صفتہ' استغناء' ہر طرح واحد ہے۔ کثرت کی انتہا وحدت پر ہوتی ہے۔ عبودیت میں کثرت ہے الوہیت میں وحدت اگر وہاں بھی کثرت ہو تو وہ کسی اور وحدت پر ختم ہوگی اور پھر الٰہ الٰہ نہ رہے گا۔ نیز اگر الٰہ چند ہوں کہ وہ مل کر ایک دوسرے کی مدد سے عالم بنائیں عالم چلائیں نعوذ باللہ جیسے چند کاریگر مل کر مکان بناتے ہیں پھر چند

www.alahazratnetwork.org

گھر والے مل کر گھر چلاتے ہیں۔ اس صورت میں ان میں سے کوئی الٰہ نہ رہے گا کہ الٰہ وہ جو غنی ہو عبد وہ جو محتاج ہو۔ اور اگر ایک الٰہ ہی خالق ہے تو باقی الٰہ بیکار ہیں۔ نیز اگر ایک الٰہ دوسرے الٰہ کو راضی کر کے خلق وغیرہ کرے ان کی بغیر رضا نہ کر سکے تو پھر محتاج ہوا محتاج الٰہ نہیں الوہیت کے لئے وحدانیت ضروری ہے اس ایک کلمہ نے مسئلہ حل فرمادیا **وان لم ینتھوا عما یقولون** اس فرمان عالی میں ان عیسائیوں کی سزا اور شرط سزا کا ذکر ہے۔ انتہاء سے مراد ہے اپنا یہ کفریہ عقیدہ ختم کر دینا اس سے باز آجانا اس کا فاعل وہی عیسائی ہیں جن کا یہ کفریہ عقیدہ نقل ہوا۔ قول سے مراد زبانی کلام ہے یا دلی اعتقاد یعنی اگر یہ لوگ اپنے اس کفریہ عقیدے یا کفریہ قول سے باز نہ آئے تو **لیمسن الذین کفروا منھم عذاب الیم** یہ عبارت **ان لم ینتھوا** شرط کی جزا ہے۔ مس سے مراد پہنچنا ہے نہ کہ محض معمولی طور پر چھو جانا منہم کا من یا تو بیانیہ ہے تو کفروا سے مراد ہے کفر کرنا یا من تبعیضیہ ہے تو کفروا سے مراد ہے کفر پر اڑنا کفر پر مرنا یا کفر حقیقی یعنی اللہ کے ہاں کفار کی فہرست میں نام ہونا۔ کفر شرعی میں فی الحال کا کفر معتبر ہے کفر حقیقی میں مآل یعنی انجام کا کفر معتبر ہے۔ **عذاب الیم** سے مراد یا تو آخرت کا عذاب ہے یا دنیاوی برزخی اخروی سارے عذاب الیم فرما کر بتایا گیا کہ انہیں معمولی عذاب نہ ہو گا بلکہ سخت ایذا رساں دردناک عذاب ہو گا یا اس طرح کہ انہیں عذاب بھی ہو گا اور رسوائی بھی یا اس طرح کہ انہیں عذاب دائمی ہو گا یا اس طرح کہ ان کے جسم اور دل سب پر آگ پہنچے گی یا اس طرح کہ انہیں دوزخ میں کسی کی مدد پہنچنے کی امید نہ ہو گی یہ چیزیں گناہ گار مومنوں کو دوزخ میں نہ ہوں گی۔ یعنی ان سارے کافروں یا ان میں سے جو کفر پر مریں کفر پر اڑیں سخت عذاب پہنچے گا اور جو توبہ کر کے مومن ہو جاویں وہ اس عذاب سے بچ جاویں گے۔ وہ تو اللہ کی رحمت میں ہوں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا **افلا یتوبون الی اللہ ویستغفرونہ** اب تک ان عیسائیوں کو تبلیغ کی گئی تھی دلائل سے اور دھمکا کر ڈرا کر اب انہیں تبلیغ ہے بشارت دے کر کیونکہ بعض لوگ دلیل سے مانتے ہیں بعض ڈر کر بعض لالچ سے چونکہ ڈر سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں۔ خوشخبری سے ماننے والے کم اس لئے پہلے عذاب کا ذکر ہوا پھر توبہ کی قبولیت کا یا برے عقائد برے اعمال دل کا میل ہیں توبہ اور آنکھ کا پانی دل کا صابن اور پانی میل کے ذکر کے بعد پانی اور صابن کا ذکر ہے۔ **افلا** میں استفہام یا تعجب دلانے کے لئے ہے یا رغبت دینے کو کہ ہماری رحمت کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا ہے یہ اس میں غوطے کیوں نہیں لگاتے۔ بغیر خرچ بغیر تکلیف رب کی رحمت مل رہی ہے اس سے اپنا دامن کیوں نہیں بھر لیتے۔ توبہ اور استغفار میں بہت طرح فرق ہے۔ دل سے ندامت توبہ ہے منہ سے معافی چاہنا استغفار ہے گزشتہ پر شرمندگی توبہ ہے۔ آئندہ گناہ نہ کرنے کا پختہ ارادہ استغفار ہے برائیوں سے باز آجانا توبہ ہے ان کا کفارہ ادا کرنا استغفار ہے۔ برائی چھوڑ دینا توبہ ہے اچھائی اختیار کرنا استغفار غالباً یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں یعنی یہ لوگ یہ مشرکانہ عقیدہ چھوڑتے کیوں نہیں اور اسلامی توحید اختیار کیوں نہیں کرتے اگر یہ کر لیں تو بخش دیئے جائیں گے کیونکہ **واللہ غفور رحیم** اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے۔ مہربان بھی مغفرت و رحمت میں بھی کئی طرح فرق کیا گیا ہے گناہوں پر عذاب نہ دینا مغفرت ہے اپنے کرم سے انعام

www.alahazratnetwork.org

دے دینا رحمت بد عقیدگی بخش دینا مغفرت ہے۔ بد عملی معاف فرمادینا رحمت بڑے گناہ بخش دینا مغفرت ہے۔ چھوٹے گناہ معاف کردینا رحمت غرضیکہ یہ دونوں کلمے بہت جامع ہیں۔

خلاصہ تفسیر الوہیت مسیح کے متعلق عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں اور ان کے مختلف عقیدے پچھلی آیت میں ان عیسائیوں کی تردید کی گئی جو کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہی خدا ہیں اب اس عیسائی فرقہ کی تردید ہے۔ جو کہتے ہیں کہ الٰہ تین ہیں چنانچہ ارشاد ہوا کہ ان عیسائیوں کی طرح وہ عیسائی بھی سخت کافر ہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے۔ خواہ اس طرح کہ ایک اللہ کے تین جز ہیں۔ یا اس طرح کہ مستقل تین الٰہ ہیں یا اس طرح کہ دو صفات ایک ذات الٰہ ہیں یا اس طرح کہ دو ذات اور ایک صفت الٰہ ہیں پھر خواہ اس طرح کہ حضرت مسیح' مریم' اللہ تعالیٰ الٰہ ہیں یا اس طرح کہ مسیح' مریم' روح القدس الٰہ ہیں۔ غرضیکہ کسی طرح تثلیث کا عقیدہ رکھیں کافر ہیں۔ معبود صرف ایک ذات واحد صمد و قادر ہے۔ جس میں کسی طرح دوئی ممکن نہیں اگر یہ لوگ اپنے ان مشرکانہ عقیدوں سے توبہ نہ کریں گے اور ان سے باز نہ آئیں گے تو جو مرتے وقت تک کافر رہیں انہیں برزخ و آخرت میں سخت ہی دردناک عذاب پہنچے گا۔ یہ لوگ بارگاہ الٰہی میں اب بھی توبہ کیوں نہیں کر لیتے اس سے معافی کیوں نہیں مانگ لیتے۔ اللہ تعالیٰ تو غفور رحیم ہے بڑے سے بڑے مجرم کو توبہ کرنے پر بخش دیتا ہے اگر یہ لوگ توبہ کرکے مسلمان ہو جاویں تو اگرچہ انہوں نے صدہا کفر و بد عملیاں کی ہیں ہم سب بخش دیں گے خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات ہیں مگر ہیں دو قسم کی بعض وہ جن کا تعلق خلقت سے نہیں جیسے اس کا زندہ ہونا موجود ہونا ازلی ابدی ہونا۔ انہیں صفات حقیقیہ کہتے ہیں۔ بعض وہ جن کا تعلق خلقت سے ہے۔ جیسے رازق ہونا سمیع و بصیر ہونا۔ انہیں صفات اضافیہ کہتے ہیں پھر صفات اضافیہ دو قسم کی ہیں۔ عامہ اور خاصہ' عامہ وہ جن کا فیض عام خلقت کو ملتا ہے۔ جیسے خالق ہونا' مالک ہونا' خاصہ وہ ہیں جن کا فیض خاص بندوں کو ملتا ہے۔ جیسے غفار ہونا۔ ستار ہونا کہ ان کا تعلق گنہگار بندوں سے ہے یا قہار ہونا کہ اس کا تعلق کفار سے ہے۔ پھر یہ صفات اضافیہ اپنے متعلقات سے ظاہر ہوتی ہیں۔ ہم جیسے گنہگاروں پر اس کی ستاری غفاری کا ظہور ہے کفار پر اس کی قہاری کی جلوہ گری۔ اس لئے حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ گنہگار مخلوق کو پیدا فرمالے تاکہ اس کی غفاری ستاری ظاہر ہو غفور اس کی صفت اضافیہ خاصہ ہے کہ گنہگاروں کو بخشنے والا ہے رحیم اس کی صفت اضافیہ عامہ ہے کہ سب کو اس کی رحمت کی ضرورت ہے اس لئے یہاں بندوں کی توبہ و استغفار کا ذکر پہلے ہوا اور رب تعالیٰ کی غفار و رحمت کا ذکر بعد میں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** اگرچہ کفر کی بہت قسمیں ہیں مگر کفر ہونے میں وہ سب برابر ہیں **الکفر ملة واحدة** دیکھو رب تعالیٰ نے ان عیسائیوں کو بھی کافر فرمایا جو حضرت مسیح کو عین خدا مانتے ہیں اور انہیں بھی کافر کہا جو تین خدا مانتے ہیں۔ دونوں فرقوں کے لئے **لقد کفر** یکساں استعمال ہوا۔ **دوسرا فائدہ** منہ سے کفر بکنا اور دل میں کفریہ عقیدہ رکھنا دونوں ہی کفر ہیں یہ فائدہ **الذین قالوا** میں قول کے مطلق فرمانے سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ قولی 'زبانی' دل دونوں قوتوں کو شامل ہے مجبوراً" منہ سے کفر بولنے والے کا جبکہ اس کا دل ایمان پر قائم ہو اور حکم ہے رب فرماتا ہے **الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان** تیسرا فائدہ دلائل سے کفر اختیار کرنا یا بغیر سمجھے سوچے لوگوں کی دیکھا دیکھی کافر بن جانا۔ یکساں کفر ہے یہ فائدہ بھی **قالوا** کے اطلاق سے حاصل ہوا لہذا عیسائیوں کے پوپ پادری جو تثلیث پر دلیلیں دیتے ہیں اور عوام عیسائی جو بغیر سمجھے بوجھے عیسائی ہو گئے۔ یکساں کافر ہیں ایمان کا بھی یہ ہی حال ہے۔ دلائل سے ایمان لانے والا حضور پر فدا ہو کر ایمان لانے والا یعنی عقلی مومن عشقی مومن اور ہم جیسے گنہگار بے عقل بے شعور بے سمجھے بوجھے ایمان قبول کر لینے والے سب ہی مومن ہیں۔ حضرت بلال سے پوچھو کہ تم کیا دیکھ کر ایمان لائے کوئی شق القمر کا معجزہ دیکھ کر ایمان لایا کوئی پتھروں درختوں سے کلمہ سن کر ایمان لایا مگر حضرت بلال صرف حضور کا چہرہ دیکھ کر ان کا کلام سن کر ایمان لائے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب بلکہ کیفیت ایمان میں عشقی ایمان والے اعلیٰ ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہ عشق و فنا والا ایمان نصیب فرمادے۔ **چوتھا فائدہ** اللہ تعالیٰ ذات و صفات و افعال میں ہر طرح ایک ہے جو ان میں سے کسی چیز میں خدا کا شریک مانے وہ مشرک ہے الفاظ کے اشتراک سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ لفظ سمیع و بصیر 'حی' علیم' رؤف و رحیم اللہ تعالیٰ کے لئے فرمائے گئے ہیں اور بعض بندوں کے لئے بھی مگر صفت سمع و بصر حیات و علم میں وہ **وحدہ لا شریک** ہے جو کسی بندے میں اس کا سا علم سمع بصر مانے وہ کافر ہے یہ فائدہ **الا الہ واحد** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** عذاب اخروی پہنچنے کے لئے کفر پر اڑنا بلکہ کفر پر مرنا شرط ہے جو شخص عمر بھر کافر مشرک رہے مگر مومن ہو کر مرے وہ جنتی ہے۔ جیسے کہ فرعونی جادوگر یا وہ حضرات جو عین جنگ کی حالت میں حضور پر ایمان لائے اور فوراً ہی شہید ہو گئے یہ فائدہ **وان لم ینتھوا** الخ سے حاصل ہوا یہ مت سمجھو کہ اتنے سالوں کا کفر ایک آن کے ایمان سے کیسے مٹے گا۔ سورج کی ایک تجلی رات بھر کی شبنم (ژیل) کو ختم کر دیتی ہے ابر رحمت کا ایک چھینٹا مہینوں کی خشک زمین کی پیاس بجھا دیتا ہے۔ شعر:-

☆ اے کہ پنجاہ رفت در خوابی شعر:-

☆ اے کہ پنجاہ رفت در خوابی ☆ مگر ایں پنج روز دریابی ☆

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے سورج ہیں ہمارے دل شبنم بھری ہوئی زمین حضور رحمت کے بادل ہیں ہم لوگ خشک زمین ان کی ایک نگاہ کرم میں سب کا بیڑا پار ہے۔ **چھٹا فائدہ** بدتر سے بدتر کافر و مشرک و گنہگار کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔ کسی کو اس کے دروازہ سے دھتکارا نہیں جاتا یہ فائدہ **افلا یتوبون** الخ سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے عیسائیوں کے انتہائی کفر بیان فرما کر پھر انہیں توبہ کی دعوت دی پاک ہے وہ رحمان جو اپنے دروازے سے کسی کو نہیں نکالتا کوئی آئے تو پاک ہے وہ رحیم جو اپنے آستانہ پر گرنے والوں کو نہ ہٹاتا ہے نہ بھگاتا ہے واقعی وہ صبور ہے کہ جو اسے گالیاں دیں انہیں بھی روزی دیتا ہے اور رحمت کی دعوت۔ **ساتواں فائدہ** آخرت میں عذاب الیم صرف کفار کو ہو گا۔ گنہگار مومن خواہ کیسا ہی مجرم ہو اگر اسے عذاب ہو تو الیم نہ ہو گا۔ نہ اس کی رسوائی ہو گی نہ اس کے دل دماغ اعضاء سجدہ کو آگ جلا سکے گی کہ

www.alahazratnetwork.org

دل و دماغ یار کا مسکن ہیں اور اعضاء سجدہ ذریعہ ہیں سجدہ کے یہ فائدہ **لیمسن الذین کفروا** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ اللہ تعالیٰ غافر بھی ہے یعنی بخشنے والا وہ غفار بھی ہے یعنی بہت بخشنے والا اور غفور بھی ہے یعنی ہمیشہ بخشنے والا ہر طرح بخشنے والا ہر بہانے سے بخشنے والا ہر حیلہ سے بخشنے والا بخشش کا عادی کیونکہ بعض لوگ گنہگار ہیں ان کے لئے خدا غافر ہے بعض لوگ بہت بڑے گنہگار ہیں گناہ کبیرہ کر لینے والے ان کے لئے خدا غفار ہے اور ہم جیسے عادی مجرم ہمیشہ ہر طرح گناہ کرنے والے ہیں تو ہمارے لئے وہ غفور ہے ہم کو گناہ کی عادت ہے اسے بخشنے کی عادت گناہ سے ہم باز نہیں آتے بخشش وہ نہیں چھوڑتا بھلا غور تو کرو کہ ہزاروں گناہ نماز کے بہانہ بخش دیتا ہے ہزارہا گناہ رمضان کے حیلہ سے ہزارہا گناہ قرآن کے ذریعہ سے غرضیکہ جس لائق ہم ہیں وہ ہم کرتے رہتے ہیں جو اس کی شان کریمی کے لائق ہے وہ کرتا ہے۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو ثالث ثلثۃ کہنا کفر ہے مگر خود رب العالمین نے بھی اپنے لئے یہ کلمات فرمائے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خود فرمایا ہے کہ جہاں پانچ ہوں وہاں ہم چھٹے ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں اپنے یار غار سے فرمایا کہ تمہارا کیا خیال ان کے دو کے متعلق جن کا تیسرا اللہ ہے یہ الفاظ اسلام میں کیوں بولے گئے ان دونوں میں مطابقت کیسے ہو۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ عیسائیوں کے اس قول کے یہ معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین معبودوں میں سے ایک معبود ہے۔ اس کا شرک ہونا ظاہر ہے اور ان آیات و احادیث کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت اپنے علم یا اپنی رحمت سے ان کے ساتھ ہے مقصد بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا کہ اگر عیسائی تثلیث کے عقیدے سے باز نہ آئے تو انہیں دردناک عذاب پہنچے گا تو اگر عیسائی تثلیث سے توبہ کر لیں مگر مسلمان نہ ہوں دہریہ بن جاویں کیا وہ عذاب سے بچ جاویں گے۔ اگر بچ جاویں گے تو اسلام کی کیا ضرورت رہی۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں لغوی باز رہنا مراد نہیں بلکہ شرعی باز رہنا مراد ہے۔ وہ ہی نجات کا مدار ہے۔ شرعی باز رہنا یہ ہی ہے کہ اسلام قبول کر لیا جاوے جیسے حدیث شریف میں ہے **من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ** وہاں بھی جنتی ہونے کے لئے شرعی کلمہ پڑھنا معتبر ہے جس کا شریعت میں اعتبار ہے یعنی مسلمان ہو جانا دوسرے یہ کہ ہاں پھر انہیں تثلیث کا عذاب نہ ہوگا اور دوسرے کفر کا عذاب ہوگا اگر مسلمان ہو جاویں تو ان میں سے کوئی عذاب نہ ہوگا اگر متقی بھی بن جاویں تو کسی قسم کا کوئی عذاب نہ ہوگا نہ کفر کا نہ فسق کا اس لئے ارشاد ہے **امنوا وعملوا الصلحت** **تیسرا اعتراض** **کفروا منہم** سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے تثلیث والے عیسائی کافر نہیں بلکہ بعض کافر ہیں **منہم** میں من تبعیضیہ ہے تو کیا بعض عیسائی مومن بھی ہیں۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں **منہم** میں من تبعیضیہ نہیں بلکہ بیانیہ ہے۔ جیسے رب تعالیٰ حضرات صحابہ کرام کے لئے فرماتا ہے **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت منہم مغفرۃ** الخ حالانکہ سارے صحابہ بحکم قرآن مومن بھی ہیں متقی بھی ہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام ازواج پاک مومنات اور پرہیزگار ہیں بحکم قرآن مگر فرماتا ہے **اعد**

www.alahazratnetwork.org

للمحصنت منکن اجرا عظیما وہاں بھی من بیانیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں کفر سے مراد کفر پر مرجانا اڑ جانا ہے یعنی جو عیسائی تثلیث پر مرے گا وہ سخت عذاب پائے گا۔ بہت سے عیسائی مسلمان ہو کر مرتے ہیں لہذا اس صورت میں من تبعیضیہ درست ہے۔ **چوتھا اعتراض افلا یتوبون** سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے سے بڑا کافر بھی توبہ منہ سے بول دے تو بخشا جاتا ہے بہت کفار توبہ توبہ کہتے رہتے ہیں کیا وہ بھی بخشے جائیں گے **جواب** ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے جیسا جرم ویسی توبہ کفر سے توبہ ایمان ہے۔ غصب حق سے توبہ اداء حق ہے۔ یہاں چونکہ کفر سے توبہ مراد ہے لہذا اس کے معنی یہ ہیں کہ ایمان لائیں کفر و بد عقیدگی چھوڑیں عیسائیوں کا کفر پر اڑا رہنا اور منہ سے توبہ توبہ کہتے رہنا عبث ہے پہلے کنوئیں سے کتا نکالو پھر اس سے پانی نکالو۔ مردار کتا کنوئیں میں ہی رہے سارا پانی نکال دیا جاوے تو کنواں پاک نہیں ہوتا۔ **پانچواں اعتراض** یہاں عیسائیوں کو توبہ اور استغفار دونوں کا حکم دیا گیا ان دونوں میں کیا فرق ہے توبہ و استغفار تو ایک ہی چیز ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ دل سے گزشتہ جرموں پر نادم ہونا توبہ ہے زبان سے معافی مانگنا استغفار ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عیسائی دل سے گزشتہ بد عقیدگیوں سے توبہ کریں اور زبان سے کلمہ طیبہ پڑھیں۔ تب مومن ہوں گے نہ تو منافقوں کی طرح کفر دل میں رکھ کر صرف زبان سے کلمہ طیبہ پڑھ لیں اور نہ ساتر کافر کی طرح دل سے ایمان قبول کرلیں اور بظاہر عیسائی کے عیسائی رہیں دل و زبان اور کان سب پر اسلام کا رنگ چڑھالیں دو رنگی چھوڑ کر یک رنگ ہو جائیں۔ **چھٹا اعتراض** اگر عیسائی تین خدا تین اللہ مانتے ہیں تو مسلمان بھی بہت سے قدیم واجب اللہ مانتے ہیں۔ چنانچہ وہ اللہ تعالیٰ کو بھی قدیم واجب مانتے ہیں اس کی صفات علم' قدرت' حکمت وغیرہ کو قدیم مانتے ہیں یہ بھی شرک ہے (جہمیہ فرقہ) **جواب** نعوذ باللہ یہ محض دھوکہ ہے اللہ تعالیٰ کی صفات رب کے علاوہ چیزیں نہیں وہ یا تو عین ذات ہیں یا نہ عین ہیں نہ غیر جیسے ہماری بصارت آنکھ میں ہے سماعت کی طاقت کان میں بولنے کی طاقت زبان میں رب کے ہاں یہ بات نہیں وہ بذات خود سمیع بصیر علیم و خبیر ہے۔ **ساتواں اعتراض** اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر بعد میں کیوں ہوا کہ آخر میں فرمایا **واللہ غفور رحیم جواب** اس لئے کہ اس کی غفاری و رحمت کا ظہور ہمارے گناہوں کے بعد ہے۔ ہم گناہ کریں تو وہ بخشے ہم قابل رحم بندے ہوں تو وہ رحمت کرے ہم توبہ کریں تو وہ توبہ قبول کرلے۔ ظہور کے لحاظ سے ہمارے اعمال ہمارے توبہ و استغفار کا ذکر پہلے ہے اس کی مغفرت و رحمت کا ذکر بعد میں۔

تفسیر صوفیانہ حضرات انبیاء کرام آئینہ جمال الہٰی اور تجلی گاہ ذات العالمین ہیں جس آئینہ پر آفتاب تجلی ڈال رہا ہو۔ اس آئینہ کو دماغ کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتے آنکھ خیرہ ہو کر محسوس کرنے میں سخت غلطی کرے گی پھر اس شیشے کو دیکھنے کے لئے کسی ٹھنڈے شیشے والے چشمہ کی ضرورت ہے یونہی اگر حضرات انبیاء کرام کو محض عقل کی آنکھ سے دیکھا گیا تو یا انہیں اپنے جیسا بشر کہہ دیا جاوے گا یا خدا یا خدا کا بیٹا محض عقل ضرور ٹھوکر کھائے گی۔ جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کو یہود نے بھی محض عقل کی آنکھ سے دیکھا تو انہیں بغیر والد پیدا ہوتے دیکھ کر ان پر اور ان کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ پر صدہا الزام لگا

www.alahazratnetwork.org

دیئے۔ عیسائیوں نے بھی محض عقل کی آنکھ سے دیکھا تو انہیں بغیر باپ پیدا ہونے کی بنا پر اللہ یا اللہ کا بیٹا یا تیسرا خدا کہہ دیا۔ عیسائیوں کی آنکھیں ایسی خیرہ ہوئیں کہ وہ خود آپس میں بھی ان جناب کے متعلق فیصلہ نہ کر سکے یہ تھا انجام محض عقل کی آنکھ سے۔ انہیں دیکھنے کا یہاں فرمایا گیا کہ بے وقوفو اپنی چوندھیائی ہوئی آنکھوں میں پہلے تو توبہ و استغفار کا سرمہ لگاؤ۔ پھر اتباع محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹھنڈا اور حقیقت نما چشمہ لگاؤ۔ تب تم کو پتہ لگے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہ اللہ ہیں نہ ابن اللہ بلکہ عبدہ ورسولہ ہیں کوئی بغیر باپ پیدا ہونے سے اللہ بن نہیں جاتا بلکہ پیدا ہونا مخلوق ہونا اس کی عبدیت کی دلیل ہے مسلمانوں نے ہزارہا معجزات اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے مگر الحمد للہ انہوں نے حضور کو نہ اللہ کہا نہ ابن اللہ بلکہ بندہ اللہ اور عالم امکان کا شاہ مانا **شعر**۔

☆ حق یہ ہے کہ ہیں عبد اللہ اور عالم امکاں کے شاہ ☆

☆ برزخ ہیں وہ سر خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں ☆

غرضیکہ جمال محمدی کو اتباع محمدی کے چشمہ سے دیکھا مومن ہوئے۔ جمال انبیاء ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف صوفیاء کرام توبہ و استغفار کے **متعلق** فرماتے ہیں کہ اگر کارخانہ میں مال بننا بند ہو جاوے تو نہ بازار میں فروخت ہو سکتا ہے نہ گھروں میں استعمال لیکن اگر کارخانہ میں مال تیار ہو تا رہے تو فروخت یا استعمال پر لاکھ پابندیاں لگاؤ مگر وہ کھلے چھپے فروخت و استعمال ضرور ہو گا۔ ہمارا دل گناہوں کا کارخانہ ہے دماغ و دکان اعضاء استعمال کے گھر اگر دل میں گناہوں کی طرف میلان ہی نہ رہے تو کارخانہ سے گناہ بنے ہی نہیں پھر بدن استعمال کیسے کرے۔ حضرت عثمان سے فرما دیا جاؤ جو چاہو کرو۔ جنت تمہاری ہو چکی وجہ یہ ہی تھی کہ ان کے کارخانہ دل میں گناہ بننا بند کر دیئے گئے۔ پھر استعمال کیسے ہوں توبہ کرو۔ یعنی کارخانہ دل میں گناہ بننا بند کرو استغفار کرو کہ استعمال شدہ گناہوں کی معافی مانگو۔ اور غفور رحیم کے **متعلق** صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کی رونق عشق سے ہے۔ سخاوت کی بہار بھکاریوں سے ہے کہ دربار الٰہی بارگاہ نبوی پر گنہگاروں کی بھیڑ لگی ہو ادھر سخی کے ہاتھ بخشش میں چل رہے ہوں یوں ہی ستاری غفاری کے بازار کی بہار گنہگاروں سیاہ کاروں سے ہے کہ گنہگار خطاکار مصلوں پر رگڑ رگڑ کر رو رہے ہوں ادھر سے **واللہ غفور رحیم** کے اعلان ہو رہے ہوں۔ جب برادران یوسف علیہ السلام شرمندہ ہو کر دربار یوسفی میں آئے تب **لا تثریب علیکم الیوم** فرمانے کی بہار آئی۔ جب ہندہ' عکرمہ' وحشی' ابو سفیان دروازہ محمدی پر آئے تب دامن کرم ان کی طرف اٹھا اور انہیں آغوش میں لیا گیا ایک سخی نے اپنے مکان کے سو دروازے رکھے تاکہ ایک بھکاری سو بھیکیں لیں۔ رب نے اپنی غفاری کے ہزاروں دروازے رکھے تاکہ بھکاری ہر جگہ سے بھیک لیں اولیاء اللہ کے آستانے مغفرت کے دروازے رمضان' قرآن اس کی مغفرت کے دروازے۔

www.alahazratnetwork.org

مَا الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ

نہیں ہیں مسیح بیٹے مریم کے مگر پیغمبر بے شک گزر گئے ان سے پہلے بہت پیغمبر اور ان کی والدہ بہت ہی

مسیح ابن مریم نہیں مگر ایک رسول اس سے پہلے بہت رسول ہو گزرے اور اس کی

صِدِّیْقَةٌ كَانَا یَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَیْفَ نُبَیِّنُ لَهُمُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ

سچی ہیں کھاتے تھے وہ دونوں کھانا دیکھو تم ہم کیسے بیان فرماتے ہیں ہم واسطے ان کے نشانیاں پھر

ماں صدیقہ ہے دونوں کھانا کھاتے تھے دیکھو تو ہم کیسی صاف نشانیاں بیان کرتے ہیں پھر

انْظُرْ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ (۷۵) قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَكُمْ

دیکھو کیسے پھیرے جاتے ہیں فرمادو کیا پوجتے ہو تم سوا اللہ کے اس کو جو نہیں مالک ہے واسطے تمہارے

دیکھو وہ کیسے اوندھے جاتے ہیں تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو تمہارے نہ نقصان کا مالک

ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ (۷۶)

نقصان کا اور نہ فائدہ کا اور اللہ ہی سننے جاننے والا ہے

نہ نفع کا اور اللہ ہی سنتا جانتا ہے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عیسائیوں کے حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق عقیدوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان کے عقائد باطلہ کی تردید میں نہایت قوی دلائل بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ جن سے ان کی ابنیت کی کھلی تردید ہوتی ہے عبدیت کا ثبوت گویا ان کے دعووں کا ذکر پہلے ہوا ان کی تردید کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں عیسائیوں کے عقیدوں کا کفر و شرک ہونا بیان فرمایا گیا اب اس کے قوی دلائل ارشاد ہو رہے ہیں گویا پچھلی آیات میں اپنا دعویٰ تھا۔ اب اس دعوے کے دلائل ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں عیسائیوں کو عذاب سے ڈرا کر اور معافی کی امید دلا کر باطل عقائد سے توبہ کرنے کا حکم دیا گیا اب دلائل سے سمجھا کر انہیں توبہ کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ بعض لوگ ڈر سے مانتے ہیں بعض لالچ سے اور بعض دلائل سے پہلے دو قسم کے لوگوں کے لئے پچھلی آیات میں دعوت تھی۔ تیسرے قسم کے لوگوں کو اب دعوت توبہ دعوت ایمان دی جا رہی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت مسیح سے ان بہتانوں کو دور کیا گیا جو عیسائیوں نے انہیں لگائے یعنی ان کا عین اللہ یا ابن اللہ یا تیسرا خدا ہونا۔ اب ان کی ان صفات کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے انہیں اور ان کی والدہ کو عطا فرمائیں۔ یعنی ان کا رسول ہونا ان کی والدہ ماجدہ کا اللہ کی بندی اور صدیقہ ہونا گویا اتہاموں کی نفی کے بعد صفات کا ثبوت ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کو توبہ کی تلقین فرمائی گئی تھی۔ اب انہیں توبہ کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ حضرت مسیح علیہ الصلوۃ

www.alahazratnetwork.org

والسلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ رسول ہیں اور ان کی والدہ صدیقہ ہیں گویا توبہ کا حکم پہلے تھا اور توبہ کے طریقہ کی تعلیم اب دی جارہی ہے۔

تفسیر **ما المسیح ابن مریم الا رسول** اس عبارت میں **ما** نافیہ ہے **المسیح** مبتداء اور **رسول** اس کی خبر ہے **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا یہ حصر اضافی ہے نہ کہ حقیقی اور حصر الوہیت یا ابن اللہ ہونے کے لحاظ سے ہے یعنی حضرت مسیح نہ اللہ ہیں نہ ابن اللہ نہ تیسرے خدا بلکہ صرف اور محض بندے اور رسول ہیں یہ مطلب نہیں کہ ان میں سواء رسالت کے اور کوئی وصف نہیں نہ وہ کلمۃ اللہ ہیں نہ روح اللہ نہ وہ مردے جلانے والے ہیں نہ اندھوں کوڑھوں کو شفاء دینے والے بلکہ وہ رسالت کے ساتھ ان تمام صفات سے موصوف ہیں رسول کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی یہ شاندار رسول کہ صاحب کتاب صاحب شریعت رسول ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے حضرت جبریل کو بھی رسول فرمایا **انما انا رسول ربک** دوسرے فرشتوں کو **جاعل الملئکۃ رسلا** دوسرے پیغمبروں کو بھی **الی فرعون رسولا** اور ہمارے حضور کو بھی یہ سب حضرات رسول ہیں مگر ان کی رسالت کی شانوں میں فرق ہے۔ حضرت جبریل خاص رسول ہیں۔ دوسرے فرشتے عام رسول اس لئے حضرات انبیاء کرو حی لانے والے صرف حضرت جبریل ہیں مگر یہ دونوں رسالتیں بے اختیار پیغام رساں فیض رساں والی ہیں جیسے ڈاک کا محکمہ جو حکام تک بادشاہ کا پیغام پہنچاتا ہے اس لئے حضرت جبریل کا کوئی امتی نہیں ان کا کلمہ نہیں پڑھا گیا۔ حضرات انبیاء کرام کی رسالت بااختیار ہے کہ پیغام و فیضان اپنے اختیار سے مخلوق تک پہنچاتے ہیں جیسے با اختیار حکام مگر دیگر انبیاء کرام کی رسالتیں محدود وقت محدود قوموں کے لئے تھیں اس لئے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ فرعون کی طرف حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا قوم عاد کی طرف ہود کو قوم ثمود کی طرف صالح کو قوم مدین کی طرف شعیب علیہم السلام کو بھیجا مگر ہمارے حضور کی رسالت نہ وقت سے محدود ہے نہ قوم سے اس لئے ارشاد ہوا **للعلمین نذیرا** یا **رحمۃ للعالمین** چراغ خاص گھر کا نور ہیں۔ سورج ساری زمین کا نور اگرچہ نور دونوں ہیں۔ **قد خلت من قبلہ الرسل** یہ جملہ **رسول** کی صفت ہے یہاں **قد** تحقیق کے لئے ہے تقریب کے لئے نہیں۔ **خلت** بنا ہے **خلو** سے بمعنی گزر جانا اسی سے ہے خالی جس میں کوئی شئی گزر جاوے اب موجود نہ ہو اس کے معنی موت نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سارے رسول وفات نہیں پا چکے۔ تین رسول زندہ ہیں۔ حضرت ادریس' الیاس خضر علیہم السلام حضرت ادریس جنت میں زندہ ہیں اور حضرت الیاس زمین پر حضرت خضر علیہ السلام سمندروں پر' ہاں ان کے دور نبوت گزر چکے ان کے دین منسوخ ہو چکے لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت مسیح سے پہلے بہت شاندار نبی گزرے جن کے معجزات حضرت مسیح سے بھی زیادہ حیرت ناک ہوئے اس کے باوجود نہ وہ خدا تھے نہ خدا کے بیٹے بلکہ خالص بندے اور رسول عیسیٰ علیہ السلام صرف ماں سے پیدا ہوئے بغیر باپ کے اور آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ پیدا ہوئے۔ یوں ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردہ بے جان انسان زندہ کئے جن میں پہلے جان تھی اور حضرت موسیٰ علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام نے لکڑی کی لاٹھی میں جان ڈالی کہ عصاء کو سانپ بنایا حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر میں جان ڈال کر اونٹنی بنائی یا اس میں لو اونٹنی نکالی۔ لاٹھی کو سانپ بنانے اور پتھر کو اونٹنی بنانے میں انقلاب حقیقت بھی ہے اور بے جان میں جان ڈالنا بھی حقیقت بدل دینا بہت ہی حیرت ناک ہے۔ لاٹھی خشک لکڑی ہے پتھر جمادات ان کو جانور بنا دینا حیرت ناک ہے کہ ان میں گوشت پوست آنکھ ناک کان' جگر معدہ خون بنا دینا کیسی عجیب چیزیں ہیں۔ جب وہ حضرات اتنے عجیب معجزات کے باوجود نہ خدا ہوئے نہ خدا کے بیٹے تو عیسیٰ علیہ السلام کیسے ہوئے۔ سبحان اللہ کیسی قوی اور بھاری دلیل ہے **وامه صديقة** یہ عبارت مستقل جملہ ہے۔ جس میں حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے متعلق صفائی دی گئی ہے ان جناب کے متعلق تین قوموں کے تین عقیدے تھے۔ جن سب کی ایک لفظ صدیقہ سے تردید ہو گئی۔ یہود انہیں بدکاری کا الزام لگاتے تھے ان کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ جناب کام 'کلام' اقوال' اعمال' احوال کی سچی ہیں عیسائی انہیں خدا کی بیوی یا تیسرا خدا مانتے ہیں ان کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ خدا نہیں بلکہ صدیقہ ہیں۔ صدیقیت بندے کی صفت ہے نہ کہ خدا تعالیٰ کی بعض بے وقوف انہیں نبی مانتے ہیں (روح المعانی) خلاصہ یہ ہے کہ رب العالمین نے مریم صدیقہ نہ کہا بلکہ **امه صديقه** فرمایا اس **امه** میں عیسائیوں کی تو یہ تردید ہوئی کہ بے وقوفو! تم کہتے ہو کہ جس کے باپ نہ ہو وہ خدا ہے یہ نہیں کہتے کہ جس کی ماں ہو وہ خدا نہیں بندہ ہے۔ یہود کی تردید اس طرح ہو گئی کہ یہ ناممکن ہے کہ پھل آم ہو اور اس کا درخت ببول ہو۔ اسی طرح یہ ناممکن ہے کہ فرزند مسیح کلمتہ اللہ روح اللہ ہو اور اس کی ماں اچھی نہ ہو اعلیٰ چیز کا برتن بھی اعلیٰ ہوتا ہے اور مریم کو نبی کہنے والوں کی بھی تردید ہو گئی کہ وہ نبی نہیں بلکہ زمرہ صدیقین میں سے ہیں۔ صدیقیت نبوت کے بعد ہے نبی صرف مرد ہوتے ہیں عورتیں نہیں ہوتیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ما ارسلنا من قبلك الا رجالا نوحى اليهم** اور صدیقیت کے متعلق فرمایا **من النبين والصديقين والشهداء والصلحين** معلوم ہوا کہ صدیقین نبیین کے بعد ہیں۔ ہر نبی صدیق ہے۔ ہر صدیق نبی نہیں جیسے ہر نبی ولی ہے ہر ولی نبی نہیں۔ صادق اور صدیق کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ صادق وہ جو جھوٹ نہ بولے صدیق وہ جو جھوٹ نہ بول سکے صادق وہ جو زبان کا سچا ہو۔ صدیق وہ جو زبان کلام وغیرہ ہر شی کا سچا ہو۔ صادق وہ جو واقعہ کے مطابق کہے صدیق وہ جس کے کہے کے مطابق واقعہ ہو جاوے وغیرہ حضرت مریم کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **وصدقت بكلمت ربها وكتبه** خیال رہے کہ جناب مریم بذات خود بھی اچھی ہیں اور چند وجوہ سے انکی عظمت میں اور چار چاند لگ گئے (۱) ان کی والدہ حنہ نے انہیں بیت المقدس کی خدمت کے لئے اللہ سے مانگا یہ ان کا اخلاص ان کی عظمت کا باعث ہوا۔ (۲) انکی پرورش بیت المقدس میں ہوئی (۳) ان کی تربیت حضرت زکریا علیہ السلام نے کی۔ (۴) ان کو جنتی میووں سے پرورش کیا گیا جسے اللہ یہ نعمتیں بخشے وہ صدیقہ ہی ہو گی۔ **كانا ياكلن الطعام** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ مستقل ہے کانا کا اسم حضرت عیسیٰ و مریم دونوں بزرگ ہیں چونکہ مذکر افضل ہے مونث سے نیز عیسیٰ علیہ السلام نبی ہیں جناب مریم نبی نہیں اس لئے تغلیبا کانا تثنیہ مذکر ارشاد ہوا یعنی وہ

www.alahazratnetwork.org

دونوں حضرات کھانا کھاتے تھے۔ جو کھانا کھائے وہ رب نہیں رب وہ جو کھلاتا ہے کھاتا نہیں نیز کھانا وہ کھاتا ہے جو کھانے کا حاجت مند ہو۔ جب وہ کھانے کی ضرورت رکھتے تھے تو رب نہیں ہو سکتے نیز کھانے کی وجہ سے بہت سی حاجت مندیاں پیش آتی ہیں۔ کھانے کی وجہ سے انسان مکان' آٹا پیسنے والے' روٹی پکانے والے' لکڑی چولہا وغیرہ صدہا چیزوں کا حاجت مند ہو جاتا ہے نیز کھانے سے دنیا میں پیشاب پاخانہ ہوا خون گوشت وغیرہ بنتے ہیں نیز کھانے سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں۔ جن کی وجہ سے طبیبوں معالجوں وغیرہم کی حاجت پڑتی ہے۔ غرضیکہ ایک کھانے سے بندگی پوری ظاہر ہوتی ہے۔ انسان کھانے کے سوا' زمین' ہوا' دھوپ' لباس وغیرہ بھی استعمال کرتا ہے۔ ان سب کا حاجت مند ہے۔ مگر کھانا کھانے میں حاجت مندی بہت ہی ظاہر ہوتی ہے۔ کھانا حاجت مندیوں کا مجموعہ ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اگرچہ وہ مردوں کو زندہ بیماروں کو صحت یاب کرتے تھے مگر اپنے کو بھوک پیاس سے نہیں بچا سکتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بذات خود کچھ نہیں کرتے تھے جو کرتے تھے رب کی دی ہوئی قدرت سے کرتے تھے جہاں قدرت دیدی وہاں قادر ہیں جہاں قدرت نہ دی وہاں مجبور ہیں یہ علامت بندگی ہے غرضیکہ ان چند کلمات میں عبدیت مسیح کے بے شمار دلائل بیان فرما دیئے گئے۔ اس لئے فرمایا **انظر کیف نبین لھم الایت انظر** بنا ہے نظر سے۔ بمعنی دیکھنا یا غور کرنا یہ خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے۔ اگر ہر قرآن پڑھنے والے سے خطاب ہے تو منشا یہ ہے کہ اللہ کی آیتوں میں غور کرو کہ یہ غور عبادت ہے ان کفار کی ہٹ دھرمی میں بھی غور کرو کہ یہ حضور کو دیکھ کر مدینہ کی زمین میں رہ کر قرآن اترتے دیکھ کر بھی کافر رہے تاکہ تم ان کے عیوب سے بچو اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو مقصد یہ ہو گا کہ جیسے سمندر کے موتی' کان کا سونا ہے تو رب کی مخلوق مگر لوگوں کو جب ملتے ہیں جب کوئی ماہر انہیں نکال کر دے یوں ہی آیات قرآنیہ کے رموز و اسرار بلکہ مطالب بندوں کو جب ملیں گے۔ آپ غور و فکر سے نکال کر انہیں سمجھا دیں۔ **تبین** بنا ہے تبیین سے۔ بمعنی خوب بیان کرنا بہت واضح کرتے رہنا آیات جمع ہے آیت کی۔ بمعنی کھلی دلیل یا ظاہر نشانی یعنی اے محبوب یا اے قرآن پڑھنے والے غور تو کرو کہ ہم کس طرح عبدیت مسیح پر کھلی دلیلیں مضبوط حجتیں بیان فرماتے ہیں جن سے اس مسئلہ میں کسی قسم کی پوشیدگی نہیں رہتی۔ **ثم انظر انی یوفکون** یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے دوبارہ **انظر** فرمانے میں مبالغہ کا اظہار ہے کہ وہ بات بھی پوری طرح غور سے دیکھو اور یہ چیز بھی۔ چونکہ ان دونوں نظروں میں بڑا فرق مراتب ہے کہ وہ نظر قدرت الٰہی کے لئے اور یہ نظر عیسائیوں کی ضد پر تعجب کے لئے ہے اس لئے ثم عاطفہ ارشاد ہوا۔ انی۔ بمعنی کیف بھی آتا ہے اور۔ بمعنی من این بھی یہاں۔ بمعنی کیف ہے چونکہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے اب تک برابر اوندھے ہی چلتے رہے اس لئے **یوفکون** حال استمراری کے صیغہ سے ارشاد ہوا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بیان آیات میں غور کرنے کے بعد اس میں غور کرو کہ عیسائی کیسے اوندھے ہیں کہ ان دلائل کے باوجود اوندھی باتیں ہی کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ **یوفکون** بنا ہے **افک**

www.alahazratnetwork.org

سے ۔ معنی پھرنا نکلے جھوٹ اور بہتان کو بھی اس لئے **افک** کہتے ہیں کہ جھوٹا آدمی حق سے پھر جاتا ہے **قل اتعبدون من دون اللہ** یہ جملہ علیحدہ مستقل ہے جس میں عبدیت مسیح ثابت کرنے کے بعد ان کی الوہیت کی تردید کرنے کے بعد ان کی پرستش و عبادت کی سخت تردید کی جا رہی ہے گویا الوہیت کی تردید کے بعد معبودیت کی تردید ہے چونکہ اس آیت میں توحید کا مضمون ہے اس لئے اسے **قل** سے شروع فرمایا گیا۔ قرآن مجید میں توحید کا مضمون اکثر **قل** سے شروع ہوتا ہے اور نبوت و رسالت کا مضمون بغیر **قل** کے کہ حضور توحید کے گواہ ہیں۔ رب تعالیٰ حضور کی رسالت کا گواہ **قل** میں روئے سخن کبھی رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے کبھی عام مخلوق کی طرف کبھی مسلمانوں کی طرف کبھی صرف کفار کی طرف جیسے ہم بعض باتیں صرف ماں باپ سے کرتے ہیں۔ بعض صرف بیوی سے بعض صرف بچوں سے بعض دوستوں سے بعض دشمنوں سے یہاں روئے سخن صرف بت پرست مشرکین اور عیسائیوں یہودیوں سے ہے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اور حضور کے فرمان ایک بار صادر ہو چکے مگر ان کا ابقاء ان کا تعلق تاقیامت ہے۔ لہذا اس کا **قل** کا تعلق تاقیامت مشرکین وغیرہم سے ہے۔ یہاں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور انکار تعجب کا ہے تعجب کی وجہ دو ہو سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ اے یہود نصاریٰ کے پادریو! تم توریت و انجیل پڑھ کر اولاد انبیاء ہو کر بھی غیر خدا کی عبادت کرتے ہو۔ دوسری یہ کہ تم مدینہ میں رہ کر ہماری صحبت پا کر بھی بت پرستی کرتے ہو جسے ہم سے ہدایت نہ ملی اسے کہیں سے نہ مل سکے گی۔ **دون** کی تحقیق بہت بار ہو چکی ہے کہ یہ بہت معنی میں آتا ہے۔ یہاں بمعنی سوا یا بمعنی مقابل ہے۔ عبادت کے معانی اس کے اقسام ایاک نعبد کی تفسیر میں بیان کئے گئے یہاں خطاب ان ہی عیسائیو سے ہے جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ **قل** میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر قرآن پڑھنے والے سے **ما لا یملک لکم ضرا و لا نفعا** یہ **ما** موصولہ ہے۔ بمعنی **الذی** اور **تعبدون** کا مفعول بہ ہے **ما** سے مراد یا تو ہر غیر اللہ معبود ہے خواہ چاند سورج ہوں یا درخت و پتھر یا عیسائیوں کی صلیب یا حضرت عیسیٰ و مریم علیہم السلام چونکہ غیر عاقل معبود زیادہ تھے اس لئے یہاں ما ارشاد ہوا یا ما سے مراد حضرات عیسیٰ علیہ السلام ہیں چونکہ یہاں نوع معبود باطل مراد ہے۔ اس لئے **ما** ارشاد ہوا جیسے **لا تنکحوا ما نکح اباؤکم** یا چونکہ یہاں ایک وصف کے ساتھ ذات کو بیان فرمایا گیا اس لئے **ما** ارشاد ہوا جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **فلما جاءهم ما عرفوا کفروا بہ**۔ دیکھو یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ما سے تعبیر کیا گیا یعنی جانی پہچانی ہوئی ذات' ملکیت سے مراد ذاتی ملکیت ہے یعنی مستقل بذات خود بغیر کسی عطا کے مالک ہونا (روح المعانی و بیضاوی وغیرہ) چونکہ دنیا میں نقصان زیادہ ہیں نفع تھوڑے اس لئے ضرر یعنی نقصان کا ذکر پہلے کیا اور نفع کا بعد میں نقصان و نفع سے مراد یا مطلقاً ہر نقصان و نفع ہے یا خاص وہ نقصان و نفع جو دلیل الوہیت مانے جاتے ہیں جیسے بیٹا بیٹی بخشنا زندگی و موت' بیماری و صحت دینا وغیرہ ظاہر یہ ہے کہ ہر نقصان و نفع مراد ہے جیسا کہ **ضرا** اور **نفعا** کے نکرہ فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے خیال رہے کہ نفع نقصان دینا اور چیز ہے ان کا مالک ہونا کچھ اور پھر مالک ہونے میں ذاتی مالک ہونا اور ہے عطائی مالک ہونا کچھ اور یہاں نہ تو نفع و نقصان دینے کی

www.alahazratnetwork.org

نفی ہے نہ ہر ملکیت کی بلکہ ملکیت ذاتی کی نفی ہے لہذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے **واللہ ھو السمیع العلیم** یہ عبارت بھی عیسائیت کی تردید کی بڑی دلیل ہے۔ **ھو** کا مرجع اللہ ہے سمیع و علیم سے مراد اگی سننے جاننے والا ہے۔ یعنی ازلی ابدی سمیع و علیم یا ذاتی سمیع و علیم یہ دونوں صفتیں رب تعالیٰ سے خاص ہیں۔ اس کے سوا کوئی بندہ دائمی یا ذاتی طور پر نہ سمیع ہے نہ علیم ہر ایک خود بھی حادث ہے اس کی ہر صفت بھی حادث خود بھی رب کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا اس کی صفات بھی رب کی عطا سے مطلب یہ ہے کہ لائق عبادت وہ اللہ ہے۔ جو بندوں کے نفع نقصان کا ذاتی مالک ہے جو ازلی ابدی مستقل سمیع و علیم ہے یہ صفتیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں نہیں لہذا نہ وہ اللہ ہیں نہ ان کی عبادت درست ہے اے عیسائیوں اس وحدہ لاشریک کی عبادت کرو جس کے قبضہ میں حضرت مسیح ہیں۔

خلاصہ تفسیر عیسائیوں کا ہر فرقہ جھوٹا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ان کے سارے ہی عقیدے باطل ہیں نہ تو عیسیٰ علیہ السلام اللہ ہیں نہ تیسرے الٰہ نہ ابن اللہ وہ تو خالص نرے بندے اور اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بہت رسول دنیا میں گزرے جنہوں نے حضرت مسیح سے بھی اعلیٰ معجزات دکھائے موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا عصاء کا سانپ بننا دریا کا چیر دینا بنی اسرائیل پر من و سلویٰ کی بارش کرانا وغیرہ حضرت صالح علیہ السلام کا پتھر سے زندہ اونٹنی نکالنا حضرت آدم کا بغیر ماں باپ پیدا ہونا معجزات مسیح سے اعلیٰ ہیں مگر ان معجزات کے باوجود وہ خدا نہ ہوئے تو عیسیٰ علیہ السلام بھی خدا نہیں خدا کے بندے ہیں یوں ہی ان کی والدہ ماجدہ نہ تو خدا ہیں نہ خدا کی بیوی نہ نبی بلکہ اللہ کی سچی بندی ہیں جن کے اقوال' اعمال' احوال سب سچے ہیں ان دونوں کی بندگی کی کھلی دلیل یہ ہے کہ وہ دوسرے بندوں کی طرح کھانا کھاتے پانی پیتے تھے اپنے سے بھوک و پیاس کو دفع نہ کر سکتے تھے کھانا کھانے میں بندہ صدہا طریقہ سے رب تعالیٰ کا حاجت مند ہوتا ہے۔ غور تو کرو کہ ہم عبدیت مسیح وغیرہ پر عیسائیوں کا کیسی کیسی کھلی نشانیاں ظاہر فرما رہے ہیں۔ جن کا جواب وہ نہیں دے سکتے پھر بھی تعجب سے سوچو کہ ان آیات کے باوجود عیسائی کیسے لوندھے جا رہے ہیں کہ اب بھی حضرت عیسیٰ کو خدا یا خدا کا بیٹا ہی کہے جا رہے ہیں اے محبوب آپ ان سے اتنا تو فرما دو کہ کیا تم ان مسیح علیہ السلام' مریم صلیب وغیرہ کو پوجتے ہو جو تمہارے عقیدے میں بھی بذات خود کسی کے نفع نقصان کے حقیقی مالک نہیں ہیں وہ جو کچھ کرتے ہیں رب تعالیٰ کی عطا سے کرتے ہیں۔ جب وہ اپنے ہر وصف میں رب کے حاجت مند ہیں تو لائق عبادت نہیں رب تعالیٰ ہی ازلی ابدی ذاتی حقیقی سننے جاننے والا ہے۔ حضرت مسیح کا سننا جاننا بھی رب تعالیٰ کی عطا سے ہے لہذا صرف رب تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے اس کے سواء کوئی نہ عبادت کے لائق ہے نہ اللہ ہے۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب بلکہ مشرکین ہند بھی۔ نافع اور مضر چیزوں کی یوں ہی عجیب چیزوں کی پوجا کرتے تھے اس لئے کہ ان سے یہ نفع ہے یا نہ نقصان' چنانچہ مشرکین ہند سانپ کو پوجتے ہیں کہ یہ زہریلا ہے ہلاک کر دیتا ہے سورج' چاند' سایہ دار درخت گائے کو پوجتے ہیں محض اس لئے کہ ان سے نفع بہت ہیں۔ جب ریل نئی نئی نکلی ہے تو ہندو انجن کو پوجتے رہے کہ یہ عجیب چیز ہے اس آیت میں ارشاد ہوا کہ لائق عبادت وہ نہیں جو

www.alahazratnetwork.org

نفع نقصان دے بلکہ لائق عبادت وہ ہے جو اس نفع نقصان کا مالک حقیقی ہے جسے چاہے اس نفع نقصان کا مالک کر دے آئینہ دار کو دیکھو آئینہ میں نہ پھنسو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے سارے انبیاء وفات یافتہ نہیں ان میں بعض زندہ بھی ہیں جیسے حضرت ادریس 'الیاس' خضر علیہم السلام یہ فائدہ **قد خلت** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انہیں **ماتت** نہ فرمایا یعنی وفات یافتہ بلکہ **خلت** فرمایا **خلت** اور **ماتت** کا فرق ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں بہت سے صدر مملکت 'وزیر اعظم گزرے یعنی ان کی صدارتیں وزارتیں بن کر ختم ہو چکیں اگرچہ وہ ابھی زندہ ہیں گزرنے اور مرنے میں بڑا فرق ہے ہر مرجانے والا گزر جاتا ہے مگر ہر گزرنے والا مرتا نہیں کہا جاتا ہے اس راستہ سے بہت گزرے اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ سب مرگئے۔ خیال رہے کہ یہ ہی عبارت چوتھے پارے میں سورہ آل عمران میں گزر چکی ہے **وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل**۔ خلت کی تحقیق وہاں کی جا چکی ہے۔ **دوسرا فائدہ** اگر کوئی قوم کسی مقبول بندے کو حد سے بڑھا دے تو اس قوم کی تردید کے لئے اس مقبول بندے کی اہانت نہ کی جاوے بلکہ حد سے بڑھانے والوں کی پر زور تردید کی جاوے یہ فائدہ **امه صديقه** سے حاصل ہوا کہ عیسائیوں نے جناب مریم کو خدا یا خدا کی بیوی کہہ دیا تو رب تعالیٰ نے ان عیسائیوں کی تردید تو کی مگر جناب مریم کا احترام قائم رکھا کہ انہیں صدیقہ فرمایا اس **صدیقہ** فرمانے میں جناب مریم کی الوہیت کی تردید عبدیت کے ساتھ صدیقیت کا اثبات ہے۔ **تیسرا فائدہ** کھانا بندے کی بندیت کی قوی دلیل ہے۔ کیونکہ بندگی کا مدار حاجت مندی پر ہے۔ بندہ رزق کھانے میں بہت طرح رب کا محتاج ہے بندہ کھانا حاصل کرنے میں صدہا طرح رب کا محتاج ہے۔ پھر خود کھانے میں اس کا محتاج پھر کھانا ہضم کرنے میں رب کا محتاج۔ پھر کھانے کے بعد اس کے نتائج بیماری کمزوری وغیرہ دفع کرنے میں رب تعالیٰ کا محتاج یہ فائدہ **كانا ياكلن الطعام** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کھانا کھانے کو جناب عیسیٰ علیہ السلام و مریم کی بندگی کی دلیل بنایا اور اسے آیات جمع فرمایا کہ ایک ہی کھانا دلائل عبدیت ہے۔ **چوتھا فائدہ** حضرت عیسیٰ علیہ السلام اب آسمان پر بغیر کھانے پانی کے زندہ ہیں فرشتوں کی طرح یہ فائدہ **كانا ياكلن** ماضی فرمانے سے حاصل ہوا یعنی وہ زمین میں کھاتے تھے پیتے تھے اب نہیں کھاتے۔ **پانچواں فائدہ** جب تک اللہ کی رحمت دستگیری نہ کرے کوئی دلیل ہدایت نہیں دے سکتی دلائل حقہ 'ذریعہ ہدایت ہیں نہ کہ مستقل ہادی یہ فائدہ **انى يوفكون** سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا کہ بیان آیات کے بعد بھی عیسائی اوندھے ہی جا رہے ہیں۔ **چھٹا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے سواء نفع نقصان کا حقیقی مالک کوئی نہیں وہ جسے چاہے نافع بنا دے جسے چاہے مضر و ضار قرار دے دے یہ فائدہ **لا يملك لكم ضرا** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ** اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ذاتی مستقل نہ سمیع ہے نہ بصیر نہ علیم نہ خبیر وہ جسے چاہے جب چاہے سمیع بصیر بنا دے یہ فائدہ **والله هو السميع العليم** کے حصر سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

لطیفہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دے کر ان کی ہڈیاں پسلیاں توڑ ڈالیں۔ جناب مسیح نے سولی چڑھتے وقت پانی مانگا تو یہود نے انہیں بجائے پانی کے شراب ان کے نتھنوں میں ڈال دی۔ جس سے آپ نے بہت تکلیف سے جان دی (تفسیر کبیر) ان باتوں کو مانتے ہوئے پھر انہیں خدا مانتے ہیں یہ ہے اندھا پن۔

پہلا اعتراض اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام صرف رسول ہیں ان میں رسالت کے سواء اور کوئی وصف نہیں تو تم نبیوں ولیوں کو حاجت روا مشکل کشا کیوں مانتے ہو یہ عقیدے اس آیت کے خلاف ہیں۔ پیغمبر صرف رسول یعنی ڈاکیے کی طرح پیغام پہنچا دینے والے ہوتے ہیں اور بس ان میں اور کوئی وصف نہیں ہوتا۔ **الا رسول** نے حصر کا فائدہ دیا۔ **جواب** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں حصر اضافی ہے یعنی الوہیت کے لحاظ سے یعنی وہ نہ الٰہ ہیں نہ ابن اللہ بلکہ صرف بندے اور رسول ہیں اس کے علاوہ ان میں بہت صفات ہیں آپ کلمۃ اللہ' روح اللہ' مردوں کو زندگی' بیماروں کو شفا بخشنے والے' باذن الٰہی' یہ عطا پروردگار غیوب پر مطلع سب کچھ ہیں ان کے یہ سارے صفات قرآن کریم نے ہی بیان فرمائے لہٰذا ظاہر ہے کہ آپ دافع بلا مشکل کشا ضرور ہیں کیونکہ بیماری بلا ہے جسے جناب مسیح باذن پروردگار دفع فرماتے ہیں۔

دوسرا اعتراض اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح سے پہلے سارے رسول وفات پا چکے کوئی زندہ نہیں یوں ہی حضور سے پہلے سارے نبی حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام بھی وفات پا چکے کیونکہ سورہ آل عمران میں یہ ہی **قد خلت من قبلہ الرسل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا ہے کسی نبی کو اب زندہ ماننا اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر اور فائدوں میں گزر چکا کہ یہ آیت ہی بعض نبیوں کے زندہ ہونے کی دلیل ہے کہ یہاں **قد خلت** فرمایا گیا **ماتت** نہ فرمایا گیا۔ سارے نبی واقعی گزر گئے مگر بعض وفات پا کر بعض صرف اس طرح کہ ان کا زمانہ نبوت ختم ہو گیا۔ حتیٰ کہ عیسیٰ علیہ السلام اب دنیا میں تشریف لائیں گے تو نبی ہونے کی حیثیت سے نہیں آئیں گے بلکہ اب امت مصطفیٰ ہونے کی شان سے لہٰذا آپ اس وقت بھی گزرے ہوئے رسول ہی ہوں گے۔ یعنی خود موجود مگر ان کی رسالت ختم' حضرت ادریس علیہ السلام کا زندہ اٹھا لیا جانا تو قرآن کریم میں صراحۃً مذکور ہے فرماتا ہے۔ **ورفعناہ مکانا علیا۔** حضرت الیاس و خضر کا اب تک زندہ ہونا احادیث سے ثابت ہے۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح کھانا کھاتے اور کھانے کے حاجت مند تھے تو اب ان کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ وہ آسمان پر کھانا پانی کے بغیر زندہ ہیں اس آیت کے خلاف ہے۔ جب کھانا ان کی عبدیت کی دلیل ہے تو نہ کھانا ان کی الوہیت کی دلیل ہوئی لہٰذا ان کو اب کھانے پینے سے بے نیاز ماننا گویا انہیں الٰہ ماننا ہے۔ (نوٹ) یہ اعتراض اس زمانہ کے قادیانی عالم مولوی محمد علی صاحب کو سوجھا۔ جسے انہوں نے اپنی تفسیر بیان القرآن میں نقل فرمایا۔ **جواب** واقعی کھانا دلیل عبدیت ہے مگر نہ کھانا دلیل الوہیت نہیں فرشتے کچھ نہیں کھاتے مگر الٰہ نہیں۔ بندے ہیں ہم عالم ارواح میں کچھ نہ کھاتے تھے اور نہ آئندہ بعد مرنے کے کچھ کھائیں گے۔ مگر الٰہ نہیں بندے ہی ہوں گے۔ حضرت مسیح کا زمین پر رہ کر کھانے کا حاجت مند ہونا ان کی عبدیت کی دلیل

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ آسمان پر بغیر کھائے زندہ رہنا اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی کہ وہ چاہے تو کھانے والا بشر کو بغیر کھائے پئے زندہ رکھے خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ماں کے پیٹ اور حضرت جبریل کے دم سے پیدا ہوئے ہیں اس لئے وہ بشر ہیں مگر ملکی صفات سے موصوف آپ زمین پر تشریف فرما تھے تو بشریت کا ظہور تھا کہ کھانے پینے سے زندہ تھے مگر آسمان پر پہنچ کر ملکی صفت کا ظہور ہے کہ فرشتوں کی طرح اللہ کے ذکر سے زندہ ہیں جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب علوتاً کھانا نہ کھاتے تھے تو بھوک سے تکلیف محسوس کرتے تھے مگر جب عیادۃً کھانا چھوڑتے یعنی وصال کے روزوں میں تو خواہ کتنی ہی مدت کھانا پینا چھوڑ دیتے قطعاً تکلیف نہ ہوتی۔ دنیا میں رہے سانس لیتے رہے گرمی سردی محسوس فرماتے رہے مگر معراج میں نہ ہوا کی ضرورت ہوئی نہ سانس کی حاجت نہ کرہ نار کی گرمی نہ طبقہ زمہریر کی ٹھنڈک نقصان پہنچا سکی بشریت میں ملکیت کے صفات ہو سکتے ہیں الوہیت شان ہی دوسری ہے۔ **چوتھا اعتراض** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھاتے پیتے تھے لہٰذا وہ ہم جیسے ہوئے کہ ہم بھی کھاتے پیتے ہیں وہ بھی۔ **جواب** یہ فرمان عالی حضرت مسیح کی عبدیت کے ثبوت میں ہے نہ کہ ان کی تثلیث کے ثبوت کے لئے اگر کھانے پینے سے تثلیث لازم ہو تو جانور و انسان یکساں ہوں گے۔ حالانکہ ان میں بڑا فرق ہے مومن و کافر جنتی دوزخی برابر نہیں۔ قرآن کریم شاہد ہے تو نبی اور غیر نبی کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اس کی بحث بارہا ہو چکی۔ **پانچواں اعتراض** جب بہت سوں کی اطاعت ہو سکتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** تو بہت سوں کی عبادت کیوں نہیں ہو سکتی اطاعت و عبادت ایک سی ہی چیزیں ہیں۔ **جواب** اطاعت کے معنی ہیں اپنی ماتحتی دوسرے کے سرداری مان کر اس کی فرمانبرداری کرنا یعنی اظہار ماتحتی اطاعت ہے مگر عبادت کے معنی ہیں۔ اظہار عبدیت یعنی اپنی بندگی اور دوسرے کی الوہیت یعنی اسے خالق یا خالق کے برابر مان کر اس کی فرمانبرداری کرنا عبادت ہے اطاعت' عبادت' عادت میں فرق صرف نیت و خیال کا ہے آرام کے لئے کھانا پینا سونا عبادت ہے۔ جس پر کوئی ثواب نہیں حکم خداوندی سمجھ کر کھانا پینا سونا اللہ کی عبادت ہے اور حضور کی نقل کرنے کی بھی نیت کر کے یہ کام کرنا اللہ کی عبادت بھی ہے۔ حضور کی اطاعت بھی۔ چونکہ ہم ماتحت بہت کے ہو سکتے ہیں۔ مگر عبد صرف ایک کے لہٰذا اطاعت بہت کی ہو سکتی۔ مگر عبادت صرف ایک کی ہم بھائی' بھتیجا' چچا' ماموں بہت کے ہو سکتے ہیں مگر بیٹے صرف ایک ماں ایک باپ کے یہ تو پوچھا جاتا ہے کہ آپ کے بھائی کتنے ہیں یہ نہیں پوچھا جاتا کہ آپ کے والد کتنے ہیں۔ اس لئے عبادت صرف ایک کی ہو گی۔ **چھٹا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو کوئی نفع نقصان کا مالک نہ ہو اسکی عبادت نہیں چاہیے تو لازم آیا کہ جو چیز نفع نقصان دے اس کی عبادت کرنی چاہیے تو چاہیے کہ پتھر' چاند و سورج دریاؤں کی عبادت کی جاوے کہ یہ سب چیزیں نافع ہیں۔ اور سانپ جنات کی پوجا بھی جائز ہے کہ یہ چیزیں مضر ہیں لہٰذا ان کی عبادت حق ہے۔ (سناتن دھرمی ہندو) **جواب** نافع مضر ہونا اور چیز ہے اور نفع نقصان کا مالک ہونا کچھ اور پھر نفع نقصان کا عارضی عطائی مالک ہونا اور چیز ہے۔ دائمی مستقل بالذات مالک ہونا کچھ اور دنیا میں بعض چیزیں غیر اختیاری ہیں

www.alahazratnetwork.org

جیسے زہر بعض صورتوں میں آگ ہوا پانی بھی اور چیزیں غیر اختیاری مفید جیسے تریاق اور نفع بخش دوائیں بعض چیزیں غیر اختیاری دافع بلا ہیں جیسے دوا دافع زکام دافع نزلہ دافع بخار یا جیسے بزرگوں کے تبرکات بعض لوگ بہ عطاء الہٰی نفع نقصان کے عارضی مالک ہیں جیسے حاکم بادشاہ یا حضرات اولیاء و انبیاء حضرت سلیمان باذن پروردگار ہواؤں کے ملک جنات کے مالک بلکہ سارے جہان کے بادشاہ و مالک ہے حتی کہ ہوا ان کے حکم سے چلتی تھی رب فرماتا ہے۔ **وسخرنا له الريح تجري بامره۔** حضرت عیسیٰ علیہ السلام باختیار نافع اور برکت والے حضرت یوسف علیہ السلام باختیار فیض رساں جس پر قرآن کریم شاہد ہے۔ شیطان باختیار نقصان دہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **يتخبطه الشيطان من المس** اور فرماتا ہے **اولیئهم الطاغوت يخرجونهم من النور الی الظلمت** یہ بے اختیار یا باختیار نافع و مضر ہونا مدار الوہیت نہیں الوہیت کا مدار نفع نقصان کا مستقل ذاتی مالک ہونا ہے یہ صرف خدا تعالیٰ ہی کی صفت ہے اور وہ ہی لائق عبادت ہے۔ یہاں وہ ہی مراد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بے شک نفع نقصان کے مالک ہیں۔ مگر باذن پروردگار جس نفع نقصان کا اللہ نے انہیں مالک کر دیا اس کے مالک ہیں۔ جس کا مالک نہ کیا اس کے مالک نہیں پہلے آپ مردے زندہ کرتے تھے۔ اب قریب قیامت جب آئیں گے تو زندہ کافروں کو مردہ کریں گے کہ ان کے سانس سے کفار ہلاک ہوں گے معلوم ہوا کہ ان کی یہ صفات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ جب چاہا جس صفت کا چاہا مالک بنا دیا۔ جب چاہا یہ اختیار واپس لے لیا بلکہ مخلوق کی تمام صفات کا یہ ہی حال ہے کہ رب کے قبضہ میں ہیں۔ جب چاہا ہم کو زندہ سمیع بصیر کر دیا جب چاہا ہم سے یہ صفات لے لیں یہ گھومنے والے بندے ہیں گھمانے والا رب لہذا آیت صاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ بعض دل عقل کے تابع ہوتے ہیں اور بعض عقلیں دل کے تابع جو دل عقل کے تابع ہو وہ اللہ کا عذاب ہے اور جو عقل دل کے تابع ہو وہ عقل بھی اللہ کی رحمت ہے اور دل بھی اللہ کا فضل اس کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کہا **شعر۔**

☆ صبح ازل میں مجھ سے یہ جبریل نے کہا ☆

☆ جو ہو غلام عقل کا وہ دل نہ کر قبول ☆

جب دل بادشاہ ہو اور عقل رعایا ہو تو وہ دنیا کی ہر چیز سے رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کر لیتا ہے بلکہ اسے خود اپنی ذات میں دلائل توحید مل جاتے ہیں **وفی انفسکم افلا تبصرون** اور اگر عقل بادشاہ ہو جاوے دل رعایا تو اسے حضرات انبیاء کرام کی ذات سے بھی معرفت نصیب نہیں ہوتی ان کو جان کر پہچان کر بھی مشرک ہی رہتا ہے بلکہ ان حضرات کا جو دلائل توحید ہیں دلائل شرک بنا لیتا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور سارے انبیاء کرام لوگوں کو شرک و کفر سے نکالنے توحید و ایمان دینے آئے مگر عیسائیوں کے دل عقل کے تابع تھے انہوں نے ان شرک مٹانے والے مسیح کو ہی خدا اور خدا کا شریک مان لیا ان لوگوں نے پردہ اور پردہ دار میں یوں ہی مظہر اور اصل میں فرق نہ کیا۔ حضرت مسیح کے چند خدا داد معجزات کو دیکھ کر انہیں خدا مان لیا یہ نہ سمجھے کہ یہ معجزات بذات خود ان کے اپنے صفات نہیں بلکہ ان میں کوئی اور ہاتھ کام کر رہا

www.alahazratnetwork.org

ہے وہ اصل کام کرنے والا اللہ ہے اور یہ مظہر ہیں انہوں نے حضرت مسیح کے ان معجزات پر تو نظر کی مگر ان کے بشری صفات سے آنکھ بند کرلی اللہ تعالیٰ نے انکی عقلوں سے پردہ غفلت دور کرنے کے لئے ان کا کھانے پینے کا حاجت مند ہونا بذات خود نفع نقصان کا مالک نہ ہونا دکھا کر ان کی عبدیت کا ثبوت دیا انسان مسافر راہ عشق ہے۔ حضرات انبیاء منزلیں ہیں۔ رب تعالیٰ اصل مقصود جو انہیں خدا مان لے وہ منزل کو مقصود مان کر محروم رہ جاتا ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔ شعر:

☆ تو رہ نورد عشق ہے منزل نہ کر قبول ☆

☆ لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول! ☆

خیال رہے کہ حضرات انبیاء خدا رسی کا وسیلہ ہیں مگر ایسا وسیلہ جس سے مقصود وابستہ ہے جیسے شمع سے نور کی وابستگی ہے ان سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

قُلْ یٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِیْ دِیْنِكُمْ غَیْرَ الْحَقِّ وَ لَا تَتَّبِعُوْۤا اَهْوَآءَ
فرما دو اے کتاب والو نہ زیادتی کرو اپنے دین میں سوا حق کے اور نہ پیروی کرو خواہشوں کی
تم فرماؤ اے کتاب والو اپنے دین میں ناحق زیادتی نہ کرو اور ایسے لوگوں کی خواہش پر
قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَ اَضَلُّوْا كَثِیْرًا وَّ ضَلُّوْا عَنْ سَوَآءِ السَّبِیْلِ۠ (۷۷) ع
اس قوم کی جو بہک گئی پہلے سے اور گمراہ کر دیا انہوں نے بہت کو اور بہک گئے سیدھے راستہ سے
نہ چلو جو پہلے گمراہ ہو چکے اور بہتوں کو گمراہ کیا اور سیدھی راہ سے بہک گئے۔

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** اللہ تعالیٰ نے پہلے یہود کی بد عقیدگیوں کا ذکر فرمایا پھر عیسائیوں کی بدمذہبی کا تذکرہ کیا۔ اب ان دونوں قوموں سے فرمایا جا رہا ہے کہ تمہاری بد عقیدگیاں بت پرست قوموں کی پیروی سے پیدا ہوئیں یہ چیزیں تمہارے نبی لے کر نہ آئے تھے گویا ان کی بد عقیدگیوں کے ذکر کے بعد ان کے مرکز کا ذکر ہے جہاں سے یہ جرم آرہے ہیں تاکہ وہ چشمہ بند کیا جاوے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے باطل عقائد کا ذکر تھا اب ارشاد ہے کہ ان کا اصل دین جو ہمارے انبیاء لائے تھے وہ حق تھا یہ باطل چیزیں ان لوگوں کی اپنی ملاوٹ کی وجہ سے ہیں گویا پہلے دین میں ملاوٹ کا ذکر تھا اب ملاوٹ کرنے والوں کا پتہ دیا جا رہا ہے۔ جرم کے بعد مجرموں کی نشان دہی ہو رہی ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کے **غلو فی الدین** کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ دین میں غلو حق بھی ہوتا ہے ناحق بھی حق غلو اچھا ہے۔ ناحق غلو برا ان لوگوں نے ناحق اور باطل غلو کیا ہے۔ اس لئے یہ مجرم اور معتوب ہوئے ہیں۔ حق غلو کرنے والے ثواب پاتے ہیں گویا پہلے غلو کا ذکر تھا۔ اب غلو کی تغیر کا تذکرہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر **قل یاھل الکتب** قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے رب تعالیٰ اکثر جگہ لوگوں کو اپنی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سناتا ہے یعنی ہم تم سے فرماتے ہیں کہ تم لوگوں سے یہ کہہ دو اس واسطہ میں جو لذت اور لطف ہے وہ دل والوں پر مخفی نہیں رب تعالیٰ جس کو جو دیتا ہے جس سے جو کہتا ہے حضور کی معرفت دیتا اور کہتا ہے۔ شعر:۔

☆ لاو رب الیبت جو جس کو ملا ان سے ملا ☆ بٹتی ہے کونین میں نعمت رسول اللہ کی ☆

یوں ہی ہم بھی رب تعالیٰ سے جو کہنا جو لینا چاہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے کہیں ان کے توسل سے لیں حضور رب تعالیٰ کا دروازہ ہیں دروازہ کے راستہ اندر کی چیز باہر آتی ہے اور باہر کی چیز اندر جاتی ہے لیناو دینا دروازے سے ہی ہوتا ہے جب وہ رب بے نیاز غنی ہو کر حضور کے توسل سے ہم کو دیتا ہے تو ہم نیازمند فقیر ہو کر حضور کے توسل سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر ہم رب کو سجدہ کرنا چاہیں تو کعبہ کا توسل ضروری ہے کہ بغیر کعبہ کو سامنے لئے سجدہ رب کو نہ ہو گا یوں ہی کوئی عبادت کرنا چاہیں تو حضور کا توسل اختیار کریں در سے لینا چاہیں تو حضور کے واسطہ سے کہیں ورنہ عبادت نہ بنے گی اور رب نہ بنے گا سایہ دیوار نے دیوار سے کہا کہ تو درمیان سے ہٹ جا تاکہ میں سورج کو دیکھ لوں دیوار بولی کہ تیری ہستی مجھ سے قائم ہے اگر میں نہ رہوں تو تیرا وجود ہی ختم ہو جاوے حضور دیوار ہیں باقی سب حضور کا سایہ ہے کہ حضور سے قائم و باقی ہے بلکہ شریعت و طریقت حقیقت و معرفت حضور کے حالات ہیں جیسے سویرا' دوپہر' تیسرا پہر' شام سردی گرمی یہ سب سورج کے حالات ہیں کہ سورج مشرق میں ہے تو اس وقت کا نام سویرا ہے بیچ آسمان میں ہو اس وقت کا نام دوپہر مغرب میں ہو تو وقت کا نام شام ہے افق سے اوپر ہو تو دن ہے افق سے نیچے ہو تو رات سیدھا گزرے تو گرمی کا موسم ہے کترا کر جاوے تو سردی ان اوقات اور موسموں کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر ان کا واسطہ سورج یوں ہی شریعت و طریقت کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر ان کا واسطہ حضور ہیں۔ قوی یہ ہے کہ اہل کتاب سے مراد دونوں قومیں ہیں یہودی عیسائی کیونکہ اس سے پہلے دونوں ہی کا ذکر ہو چکا ہے۔ بعض لوگوں نے صرف عیسائی مراد لئے ہیں مگر یہ قوی نہیں یہاں اہل کتاب فرما کر خطاب فرمانا عتاب کے لئے ہے جس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم لوگوں کا کفر و شرک زیادہ عذاب کا باعث بنے کہ تمہارے پاس کتاب موجود ہے جس میں توحید کی تعلیم ہے پھر تم مشرک ہو تو سخت مجرم ہو مشرکین جاہل ہیں تم عالم ہو عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے زیادہ باعث عذاب ہے نیز تمہاری عرب میں عزت و حرمت ہے اگر تم مسلمان بن جاؤ تو تمہاری پیروی میں اور لوگ بھی مسلمان ہو جاویں گے **لا تغلوا فی دینکم لا تغلوا** بنا ہے بنا ہے غلو سے جس کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا یا حد سے ہٹ جانا یا زیادتی کر دینا یا زیادہ ہو جانا اس لئے مہنگی چیز کو غالی کہتے ہیں کہ اس کی قیمت حد سے بڑھ گئی یا اس کی قیمت بڑھ گئی۔ یوں ہی درمیانی راہ چھوڑ کر افراط یا تفریط یعنی زیادتی کمی میں پڑ جانا غلو ہے یہاں غلو کے کئی معنی بن سکتے ہیں۔ یہودیوں نے جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کے متعلق بہت تفریط کی کہ ان کی نبوت کا انکار کر دیا بلکہ ان کے

www.alahazratnetwork.org

نسب شریف پر اعتراض کیا ان کی طیبہ طاہرہ ماں کو بہتان لگادیا یہ تفریط کا غلو ہوا اور عیسائیوں نے انہیں خدا یا خدا کا بیٹا کہہ دیا یہ افراط کا غلو ہوا یا یہود نے حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہا یہ افراط کا غلو ہوا اور عیسائیوں نے جناب مسیح کو خدا کا بیٹا کہا یہ بھی افراط کا غلو ہوا لہذا **لا تغلو** میں دونوں قوموں سے خطاب ہے **دینکم** سے مراد وہ اصل یہودیت و نصرانیت ہے جو حضرات موسیٰ کلیم اللہ اور عیسیٰ کلمۃ اللہ رب کی طرف سے ان کے پاس لائے ان کے اپنے خود ساختہ دین مراد نہیں چونکہ وہ دین ان لوگوں کے لئے آئے تھے لہذا انہیں **دینکم** فرمایا گیا۔ اس تفسیر سے یہ جملہ بالکل واضح ہے **غیر الحق** یہ عبارت **غلوا** پوشیدہ کی صفت ہے اصل میں تھا **غلوا غیر الحق** تھا اور نکرہ کی صفت نکرہ ہو تو تخصیص کا فائدہ ہوتا ہے۔ جس سے پتہ لگا کہ **غلو فی الدین** یعنی دین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے ناحق بھی اور ناحق زیادتی بری ہے انہوں نے ناحق زیادتی کی تھی یہ کفر تھی اسلام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اجماع امت کے اور قیاس مجتہدین کا اضافہ اسلام میں شریعت کے چار سلسلے حنفی' شافعی' مالکی' حنبلی اور طریقت کے سلسلے قادری' چشتی' نقشبندی' سہروردی' علم کلام میں اہل سنت کی دو جماعتیں اشاعرہ ماتریدیہ یہ سب چیزیں اسلام میں زیادتی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیدا ہوئی مگر حق ہے۔ اس زیادتی پر ثواب ہے (تفسیر کبیر' روح المعانی وغیرہ) غرضیکہ دین میں مخالف دین زیادتی باطل ہے اور موافق دین زیادتی جو دین کی تقویت کے لئے ہو حق ہے۔ تفسیر کشاف نے فرمایا کہ **غلو فی الدین** دو قسم کا ہے **غلو حق** اور **غلو باطل** امام راغب نے فرمایا کہ غلو ہمیشہ باطل ہی ہوتا ہے مگر اس قول کی محققین نے تردید کردی (تفسیر روح المعانی) **ولا تتبعوا اھواء قوم قد ضلوا من قبل** یہ دوسرا فرمان عالی ہے جو پہلے جرم کی وجہ ہے یعنی گمراہوں کی اندھی تقلید' اتباع اور اطاعت کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ کسی کے قول کی فرمانبرداری اطاعت ہے اور کسی کے نقش قدم پر بغیر سوچے چلنا اتباع ہے **اھواء** جمع ہے **ھوی** کی اصطلاح میں ہوا اس خواہش نفسانی کو کہتے ہیں جو حق کے مخالف ہو یعنی باطل خواہش جس پر کوئی دلیل نہ ہو صرف نفس نے اسے ایجاد کیا ہو اچھی چیز کی رغبت کو آرا یا حب کہتے ہیں۔ بری چیز کی رغبت کو **ھوا** کیونکہ یہ خواہش جہنم میں گرانے والی ہے **ھوی** کے معنی ہیں گرنا ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ **ان الھوی لھو الھوان بعینہ** ☆ **فاذا ھویت فقد لقیت ھوانا** ☆

کسی شخص نے حضرت ابن عباس سے کہا **الحمد للہ الذی جعل ھوای علی ھواک** خدا کا شکر ہے جس نے میری ہوا (خواہش) آپ کی ہوی کے مطابق فرمادی تو آپ نے جواب دیا **کل ھوی ضلالۃ** یہ نہ کہو کیونکہ ہر **ھوی** گمراہی ہے (تفسیر کبیر) انسان کے پاس تین چیزیں ہیں۔ نفس' عقل' دل' نفس شیطان کا وسوسہ گاہ ہے دل رحمان کا تجلی گاہ' عقل اگر نفس کے تابع ہو جاوے تو شیطانی ہے اگر دل کے تابع ہو جاوے تو یزدانی رحمانی ہے نفس کی خواہش کو ہوای کہا جاتا ہے۔ دل کی بچی خواہش بدی یعنی ہدایت ہے۔ **قوم** سے مراد انہی یہود و نصاریٰ کے باپ دادے ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک سے پہلے ہوئے۔ قبل سے مراد زمانہ مصطفوی سے پہلے کا وقت ہے **اضلوا کثیر** یہ عبارت قوم کی

www.alahazratnetwork.org

دوسری صفت ہے **قد ضلوا** اس کی پہلی صفت تھی۔ **ضلال** کے معنی ہیں خود گمراہ ہونا اضلال کے معنی ہیں دوسرے کو گمراہ کرنا **کثیرا** آیا تو **اضلال** پوشیدہ کی صفت ہو کر **اضلوا** کا مفعول **مطلق** ہے یا اضلوا کا مفعول ہے یعنی وہ قوم جن کی تم پیروی کر رہے ہو یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور لوگوں کو بہت گمراہ کیا یا بہت کو گمراہ کیا۔ **وضلوا عن سواء السبیل** یہ قوم کی تیسری صفت ہے اس گمراہی سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں بھی گمراہ رہنا ہے۔ **سواء السبیل** سے مراد یا توحید الٰہی ہے یا دین اسلام صراط' سبیل' طریق کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے بہرحال پہلی گمراہی سے مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے زمانوں میں گمراہ ہونا اور اس گمراہی سے مراد ہے۔ اس زمانہ مصطفوی میں گمراہ رہنا جبکہ ہدایت کا سورج چمک رہا ہے یا پہلی گمراہی سے مراد ہے گمراہی کے عقیدے اختیار کرنا اور اس گمراہی سے مراد ہے اپنی اس گمراہی میں گمراہ رہنا یعنی اسے گمراہی نہ جاننا بلکہ ہدایت سمجھنا یا پہلی گمراہی سے مراد ہے دین سے گمراہی اور اس گمراہی سے مراد ہے جنت کی راہ سے گمراہی (تفسیر کبیر) یا پہلی گمراہی سے مراد ہے۔ عقلی گمراہی اور اس گمراہی سے مراد ہے شرعی گمراہی یا یہاں **ضلوا** کا فاعل **کثیرا** ہے اور پہلے **ضلوا** کا فاعل قوم تھی بہرحال آیت میں تکرار نہیں (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہود و نصاریٰ کی بد عقیدگیاں سن چکے اب آپ ان دونوں سے فرمادو کہ تم لوگ اپنے دین میں ناحق باطل زیادتیاں نہ کرو تمہیں تمہارے نبیوں نے کیا سکھایا تھا تمہاری کتابوں نے کیا بتایا تھا اور تم نے کیا بنا ڈالا خیال رکھو کہ تم اپنے ان اگلوں کی خواہشات نفسانیہ کی پیروی نہ کرو جو خود بھی بھٹکے ہوئے تھے اور بہت سوں کو بہکا دیا اور وہ اب بھی سیدھے راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں ایسوں کی پیروی تم کو گمراہ کرے گی۔ خیال رہے کہ یہاں قرآن کریم میں کتابیوں کو الزام دیا کہ تمہارے پیشواؤں نے تمہارا یہ دین بنایا۔ مشرکوں کو دیکھ کر اور تم ان کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑے۔ اب بعض حق گو عیسائی دبی زبان سے کبھی کہہ بیٹھتے ہیں کہ مقدس پولوس نے یونانی بت پرستی کی تقلید میں یہ دین بنایا تھا۔ دیکھو کتاب ازیلا' یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے کہ حضور نے ان کے وہ خفیہ راز اور سربستہ حقیقت کھول دی۔ جسے دنیا والوں سے چھپایا گیا تھا۔ یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ فطرت انسانی یہ ہے کہ انسان جس کی صحبت اختیار کرتا ہے اس سے اسے محبت ہو جاتی ہے۔ یوں ہی جس کا ذکر خیر زیادہ کرتا ہے اس سے بھی اسے الفت ہو جاتی ہے۔ یوں ہی جس کے چال چلن اختیار کرتا ہے اس کی محبت اس کے دل میں آجاتی ہے اس لئے قرآن کریم نے ہم کو اچھوں کی صحبت میں رہنے اچھوں کا چرچا کرنے ان کا ذکر کرنے اچھوں کے طریقے اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اچھوں اور بروں کی صحبت ان کے ذکر خیر ان کی چال چلن اختیار کرنے سے روکا تاکہ ہمارے دلوں میں بروں کی محبت نہ ہو اچھوں کی الفت ہو رب تعالیٰ بھی اسے یاد کرتا ہے جو اسے یاد کریں۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ بدترین سرکشوں کو بھی دعوت اسلام دینا چاہیے وہ قبول کریں یا نہ کریں ہم کو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ دیکھو اس آیت کریمہ میں یہودیوں عیسائیوں کو کفر سے توبہ کر کے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی۔ حالانکہ ان میں سے بہت کے قبول کرنے کی امید نہیں قابل طبیب مایوس لاعلاج بیماروں کا بھی علاج کرتا ہے۔ بیمار اگرچہ مر جاوے مگر یہ فیس اور دوا کی قیمت کا مستحق ہو جاتا ہے۔ دوسرا فائدہ اللہ تعالیٰ نے کافر یہود و نصاریٰ کو ہمیشہ یا اہل الکتاب کہہ کر پکارا یعنی کتاب کے ماننے والے انہیں کتاب کی طرف نسبت فرمایا ان کے نبی کی طرف نسبت نہ کیا یہ نہ کہا کہ اے موسیٰ یا عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والو۔ جس سے معلوم ہوا کہ کتاب کا ماننے والا کافر ہو سکتا ہے

مگر نبی کو صحیح طور پر ماننے والا کافر نہیں ہو سکتا کتاب کے بغیر ہدایت مل سکتی ہے۔ نبی کے بغیر ایمان نہیں مل سکتا۔ سارے نبیوں کے پاس کتاب نہ تھی کہ حضرات انبیاء ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں مگر کتابیں صرف چار مگر ان تمام کے ماننے والے مومن تھے فرعونی جادوگر صرف موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ مومن ہو گئے۔ اس وقت توریت نہیں آئی تھی غرضکہ قرآن یعنی قرآن والا ہونے سے ایمان نہیں ملتا۔ نبی والا ہونے سے ایمان ملتا ہے۔ تیسرا فائدہ دین میں زیادتی دو قسم کی ہے۔ حق زیادتی۔ جس سے دین کو قوت پہنچے اور ناحق زیادتی جو دین کے خلاف ہو ناحق زیادتی کرنا حرام بلکہ کفر ہے۔ حق زیادتی کرنا ثواب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات کے وقت قرآن مجید بھی جمع نہ ہوا تھا۔ اب دیکھو جمع قرآن' تفاسیر قرآن' جمع احادیث شروح احادیث' علم فقہ' اصول فقہ' اصول حدیث' اسماء الرجال پھر شریعت اور طریقت کے سلسلے دین میں اس قدر زیادتیاں ہو گئیں کہ سبحان اللہ یہ سب زیادتیاں اچھی ہیں اور ان کے موجد ثواب کے مستحق یہ فائدہ غیر الحق سے حاصل ہوا۔ آج شریعت و طریقت کے ایسے اعمال ایجاد ہو چکے ہیں جن کا خیر القرون میں پتہ بھی نہ تھا اور وہ اعمال بالکل حق درست ہیں۔ چوتھا فائدہ قرآن مجید واقعی کتاب اللہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں۔ حضور انور نے اس زمانہ کے عام یہودیوں عیسائیوں کو الزام دیا کہ تمہارے دین میں خواہشات نفسانیہ داخل کر دی گئی ہیں مگر ان کے پادری پوپ تردید نہ کر سکے سب کو قبول ہی کرتے بنی۔ یہ علوم غیبیہ حضور کی نبوت کی دلیل ہیں۔ پانچواں فائدہ گمراہوں کی پیروی ہلاکت کا راستہ ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

☆ اذا کان الغراب دلیل قوم ☆ سیهد یهم طریق الهالکین ☆

جب کسی قوم کا رہبر کوا ہو تو وہ انہیں مردار پر پہنچائے گا یہ فائدہ **ولا تتبعوا اهواء قوم** الخ سے حاصل ہوا لہٰذا ہادیوں اور صالحین کی پیروی نجات کا راستہ ہے اس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **واتبع سبیل من اناب الی** یعنی ائمہ دین مجتہدین کی پیروی ذریعہ نجات ہے اور صالحین کا طریقہ۔ چھٹا فائدہ گمراہ پیشواؤں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پیروکار گمراہ ہوں شاگردوں سے استاد کا مریدین سے پیر کا پتہ لگتا ہے۔ غرضیکہ کسی کی اچھائی برائی اس کی گفتار یا اس کے نسب یا خاندان سے معلوم نہیں ہوتی بلکہ خود اس کے اپنے کردار اور اس کے ساتھیوں کے طور اطوار سے معلوم ہوتی ہے اسے **ضلوا**

www.alahazratnetwork.org

واضلوا نے بیان فرمایا یہ فائدہ **واضلوا کثیرا** الخ سے حاصل ہوا۔ یوں ہی ہادی پیشواؤں کی پہچان یہ ہے کہ ان کے پیرو کار نیک و صالح بندے بن گئے ہوں۔ پھل سے درخت کو پہچانو حضور امام اعظم ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ وہ پیشوا دین ہیں کہ آج نوے فی صدی اولیاء اللہ حنفی ہیں اور حنفی فقہاء 'مجتہدین صالحین کی تو شمار نہیں۔ یوں ہی باقی تینوں امام حضرت امام شافعی' مالکی' حنبلی ان کے متبعین میں بڑے بڑے اولیاء علماء صالحین پائے جاتے ہیں مگر جو ان سب کی تقلید سے موڑے ہوئے ہیں۔ ان میں نہ کوئی ولی ہے نہ کوئی صحیح عالم دین ان پھلوں کو دیکھ کر شاخوں کا پتہ لگاؤ اور شاخوں سے جڑ کا

لطیفہ کسی شخص نے ایک بزرگ سے پوچھا کہ کیا امام ابو حنیفہ جولا ہے تھے (کپڑا بننے والے) انہوں نے جواب دیا کہ آپ کپڑے کے تاجر تھے اور ہاں انہوں ایسا معرفت کا تھان بنا۔ جس میں جہان بھر کے علماء و اولیاء اللہ کو لے لیا۔ کون سا محدث' مفسر' مجتہد' ولی ہے جس کو حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے سے ٹکڑا نہ ملا ہو۔ **ساتواں فائدہ** جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ہدایت نہ ملی اسے کسی جگہ سے ہدایت نہیں مل سکتی یہ فائدہ دوسرے **ضلوا** سے حاصل ہوا خلاصہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے اس جگہ یہود و نصاریٰ کی بدکاریاں تین طرح بیان فرمائیں ایک ان کے اپنے کردار دکھا کر کہ یہ لوگ بت پرست' شہوت پرست' لالچی' حرام خور ہیں۔ کتاب اللہ کے بگاڑنے والے ہیں۔ اسے پہلے **ضلوا** میں بیان کیا۔ دوسرے ان کے ساتھیوں کی بدکاریاں بتا کر **واضلوا** تیسرے ان کے حضور کے آستانہ سے محرومی دکھا کر کہ یہ لوگ یہاں رہ کر بھی گمراہ رہے۔ لہٰذا اگر حضور کی عظمت دیکھنا ہو تو حضور کے کردار شریف کو دیکھو ان کے یاروں ساتھیوں کو دیکھو بلکہ اگر خدا تعالیٰ کی شان دیکھنا ہو تو حضور کی شان حضرات انبیاء و اولیاء کی شان دیکھو۔

پہلا اعتراض تم نے کہا کہ غلو حق بھی ہوتا ہے اور ناحق بھی حق غلو اچھا ہے اور ناحق غلو برا یہ کیسے ہو سکتا ہے جو شئی حد سے بڑھے گی وہ ناحق ہی ہو گی یوں ہی درمیانی راہ چھوڑنا افراط و تفریط میں پڑنا کیسے حق ہو سکتا ہے۔ درمیانی راہ حق ہے اس سے ہٹنا کمی زیادتی میں پڑنا باطل ہے۔ **جواب** غلو کی یہ دو قسمیں ہم نے نہیں کیں خود قرآن کریم نے کردیں کہ فرمایا **لا تغلوا فی دینکم غیر الحق** اس کے متعلق تفاسیر کی عبارتیں تفسیر میں پیش کردی گئیں غلو کے چار معنی عرض کئے ہیں ایک معنی زیادتی بھی ہیں واقعی دین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے۔ ناحق بھی حدیث شریف میں ہے کہ جو اسلام میں اچھا طریقہ ایجاد کرے۔ اسے اپنا اور اس طریقہ پر چلنے والوں کا ثواب ملے گا ہماری زندگی غلو پر موقوف ہے ہم ماں کے پیٹ سے ننگے بدن۔ بے ختنہ بڑے بال بڑے ناخن والے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر پیدا ہوتے ہی لباس پہنتے ہیں۔ بال ناخن کٹواتے ہیں۔ یہ ہے غلو جس پر پیدائش سے عمل ہو رہا ہے غلو کی دینی مثالیں ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **دوسرا اعتراض** جب اہل کتاب کا دین منسوخ ہی ہو چکا تو اس میں غلو کرنا اسے بگاڑنا کیوں ممنوع ہوا اور کیوں فرمایا گیا **لا تغلوا فی دینکم** منسوخ دین کو تو فنا کر دینا بھی اچھا ہے۔ **جواب** کسی آسمانی دین کے عقائد منسوخ نہیں ہوتے۔ صرف اعمال منسوخ ہوتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں وہ لوگ اپنے دین کے عقائد میں غلو کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ و عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے حضور پر ایمان لانے کا حکم تھا اسے تبدیل کرتے تھے یہ کفر تھا۔ اس لئے قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے بگاڑے ہوئے عقائد کی اصلاح فرمائی کہ وہ غیر منسوخ ہیں مگر ان کے بگاڑے ہوئے اعمال کی اصلاح نہیں کی کہ وہ منسوخ شدہ ہیں بلکہ انہیں چھوڑ کر اسلامی اعمال قبول کرنے کا حکم دیا۔ تیسرا اعتراض دین میں صرف اللہ رسول کی پیروی و اطاعت چاہیے ان کے سواء کسی کی نہیں چاہیے دیکھو رب فرماتا ہے **لا تتبعوا اھواء قوم** لہٰذا اسلام میں تقلید شخصی کرنا حرام ہے۔ شعر:

☆ ہوتے ہوئے مصطفیٰ کی گفتار ☆ مت مان کسی کا قول و کردار ☆

جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جاہل کو عالم کی مستفتی کو مفتی کی رعایا کو حاکم یا بادشاہ کی مریض کو حکیم کی شاگرد کو استاد کی بیوی کو خاوند کی اطاعت نہیں کرنا چاہیے سب لوگ بے نکیل کے اونٹ کی طرح جدھر چاہیں جائیں نیز پھر بخاری مسلم وغیرھما کی پیروی بھی نہ چاہیے کہ وہ جس حدیث کو صحیح کہہ دیں اسے صحیح مان لو اور جس حدیث کو ضعیف کہہ دیں اسے ضعیف مان لو۔ جواب تحقیقی خود اس آیت میں ہی دے دیا گیا ہے کہ فرمایا گیا **قد ضلوا** یعنی گمراہوں کی پیروی نہ کرو اس کا نہایت مفصل مدلل جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول بحث تقلید میں دیکھو۔ چوتھا اعتراض اس آیت کریمہ میں **ضلوا** دو جگہ کیوں ارشاد ہوا ایک جگہ ہی کافی تھا یہ تکرار بے فائدہ ہے۔ **جواب** اس کا جواب بہت مفصل ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ پہلے **ضلوا** میں زمانہ ماضی کی گمراہی مراد ہے۔ اسی لئے وہاں **من قبل** فرمایا گیا اور دوسرے **ضلوا** میں زمانہ حال کی گمراہی مراد ہے یا پہلے **ضلوا** میں عقائد کی گمراہی مراد ہے۔ دوسرے میں اعمال کی گمراہی یا پہلے **ضلوا** میں ایمانیات میں گمراہی مراد ہے۔ دوسرے میں راہ جنت کی۔ اس لئے دوسرے **ضلوا** کے بعد ارشاد ہوا **عن سواء السبیل**۔ ہدایت صرف ایک ہے گمراہی لاکھوں جیسے ایمان ایک ہے بے ایمانیاں کفر لاکھوں طہارت صرف ایک ہے۔ غلاظتیں گندگیاں لاکھوں' شفا صرف ایک ہے بیماریاں ہزاروں۔

تفسیر صوفیانہ درخت میں تین چیزیں ہوتی ہیں' جڑ' شاخیں' پھل پھول' پتے وغیرہ درخت کی جڑ میں بقا ضروری ہے اس میں غلو نہیں کرسکتے اگر کیا تو درخت ختم ہو جاوے گا۔ باقی شاخوں' برگ و بار میں کاٹ چھانٹ زیادتی کمی برابر کرتے رہتے ہیں اس کی شاخ پیوند کر دی جاتی ہے کبھی شاخیں کاٹ ڈالی جاتی ہیں کبھی پھل پھول توڑ لئے جاتے ہیں کبھی اس کے پھل بجائے تخمی کے قلمی کر کے بڑھا دیئے جاتے ہیں۔ یوں ہی دین میں ذات و صفات نبوت و سنت گویا درخت اسلام کی جڑیں ہیں۔ ان میں زیادہ کمی دین کی بربادی ہے۔ اسی کا نام ہے۔ غلو ناحق اور فروعی مسائل گویا اس درخت کے برگ و بار پھل پھول وغیرہ ہیں۔ ان میں زیادتی تا قیامت ہوتی ہی رہے گی۔ اسی زیادتی کا نام ہے غلو بر حق کتابیوں نے اصل توحید و نبوت میں غلو کیا کافر ہو گئے۔ مسلمانوں نے فروعی مسائل میں غلو یعنی زیادتی کے حالات زمانہ کے لحاظ سے وہ مومن رہے غرضیکہ **غلو فی الدین** اور ہے **غلو للدین** کچھ اور انہوں نے **غلو فی الدین** کیا تھا ہمارے ہاں **غلو للدین** ہے صوفیاء

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں کہ جو شخص پردیس میں کمانے گیا اس کی کمائی کی جگہ پردیس ہے اور کمائی سے نفع اٹھانے کی جگہ اپنا دیس ہے اس کو چاہیے کہ پردیس میں تین باتوں کا خیال رکھے کمانے سے غافل نہ رہے۔ کمائی سنبھال کر رکھے برباد نہ کر دے۔ کمائی بخیریت اپنے وطن پہنچائے اگر ان تین چیزوں میں سے ایک میں لاپرواہی کی تو آخر روئے گا۔ دنیا ہماری کمائی کی جگہ ہے یعنی پردیس۔ آخرت ہماری کمائی برتنے کی جگہ ہے یعنی وطن یہاں اعمال کماو پھر کمائے ہوئے اعمال سنبھالو۔ پھر انہیں خیریت سے اپنے وطن پہنچا دو۔ وطن پہنچانے والی بیمہ کمپنیاں دو قسم کی ہیں لیمٹڈ (رجسٹرڈ) جن کی ذمہ دار حکومت ہے اور غیر لیمٹڈ ولی خدا کے اپنی کمائی کسی لیمٹڈ کمپنی کے حوالہ کرو ان کی حفاظت میں بھیجو۔ دنیا میں اکیلے نہ رہو ورنہ شکار ہو جاؤ گے۔ مسلمانوں کی جماعت میں رہو۔ پیشوا اختیار کرو۔ پیشوا دو قسم کے ہیں واصل اور فاصل' واصل پیشوا کی پیروی واصل بنا دے گی اور فاصل یعنی حق سے دور پیشوا کی پیروی گمراہ کر دے گی۔ اہل کتاب نے فاصلین کی پیروی کی گمراہ ہوئے۔ مومنین واصلین کی پیروی کرتے ہیں۔ ہدایت یافتہ ہیں واصل اپنے کو نیست کر کے ہست ہو جاتا ہے۔ اور فاصل اپنی انا باقی رکھتا ہے لہذا فنا ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر:۔

☆ کار گاہ گنج حق در نیستی است ☆ غرہ ہستی چہ دانی نیست چیست ☆

☆ آب کوزہ چوں در آب جو شود! ☆ محو گردد در وے وجو او شود! ☆

بارگاہ الٰہی میں نیستی بقا کا راز ہے۔ کوزے کا پانی سمندر میں جا کر سمندر بن جاتا ہے کہ اپنے کو فنا کر چکا ہے لہذا اہل کتاب مغضوب علیہم بھی ہیں اور ضالین بھی کہ یہ بحر توحید میں فنا نہ ہوئے۔ مومن مرحوم ہیں کہ رحمت کے سمندر میں فنا ہو چکے ہیں۔ اس لئے کنایوں سے فرمایا گیا کہ غلو ناحق نہ کرو اور فاصلین کی پیروی نہ کرو۔ یہ دنیا و جنکشن ہے جہاں سینکڑوں پلیٹ فارم ہیں۔ ہر پلیٹ فارم سے گاڑیاں مختلف مقامات کو جاری ہیں۔ دیکھنے میں تمام گاڑیوں کی شکل یکساں ہے مگر ان کے رخ مختلف ہیں تم اس گاڑی میں سوار ہو جس کا رخ مدینہ منورہ کی طرف ہے جو وہاں پہنچائے یہ گاڑی حضرات اولیاء کے آستانوں پر ملتی ہے ان کے آستانے اس گاڑی کے پلیٹ فارم ہیں۔ بنی اسرائیل غلط پلیٹ فارم سے غلط گاڑی میں سوار ہو گئے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ

پھٹکارے گئے وہ لوگ جو کافر ہوئے اولاد یعقوب میں سے اوپر زبان داؤد اور عیسیٰ بیٹے مریم کے یہ اس وجہ سے

لعنت کئے گئے وہ جنہوں نے کفر کیا بنی اسرائیل میں داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی زبان پر یہ بدلا ان

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ

ہے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے بڑھتے تھے وہ تھے کہ وہ نہیں باز رہتے تھے اس برائی سے جیسے وہ کرتے تھے

کی نافرمانی اور سرکشی کا جو بری بات کرتے آپس میں ایک دوسرے کو نہ روکتے ضرور بہت ہی

www.alahazratnetwork.org

لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۷۹﴾

البتہ برا ہے وہ جو کرتے تھے یہ لوگ

برے کام کرتے تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں زمانہ مصطفوی میں موجودہ اہل کتاب کی بدعملیاں' بدعقیدگیاں ذکر فرمائی گئی تھیں۔ اب ان کے اسلاف کی بدعقیدگیاں بدعملیاں حضرات انبیاء کرام کی مخالفت اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ ہمیشہ کے نافرمان اور عادی مجرم ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا کہ کتابیوں کو تبلیغ فرماؤ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جارہا ہے کہ اگر یہ لوگ آپ کی تبلیغ سے فائدہ نہ اٹھائیں آپ کی مخالفت ہی کریں تو آپ رنجیدہ نہ ہوں یہ تو گزشتہ انبیاء کرام کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں موجودہ اہل کتاب کو حکم تھا کہ گمراہ قوموں کی خواہشات کی پیروی مت کرو اب ان گزشتہ گمراہ قوموں پر جو عذاب الٰہی آیا۔ اس کا ذکر ہے تاکہ پتہ لگے کہ اگر یہ لوگ ان کی پیروی کریں گے تو ان کا انجام بھی وہ ہی ہو گا جو ان کا ہوا تھا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں گمراہ ہونے گمراہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب ان کے لعنتی ہونے کا تذکرہ ہے یعنی ان کے اخروی عذاب کے بعد ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہے۔

شان نزول زمانہ مصطفوی میں جو اہل کتاب تھے وہ ہمیشہ اپنے اولاد انبیاء ہونے پر فخر کیا کرتے تھے بڑی سے بڑی بدکاریاں کرتے تھے مگر ان سب پر پردہ ڈالنے کے لئے اولاد نبی ہونے کی آڑ لیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں یہ آیات کریمہ نازل فرمائیں۔ جن میں فرمایا گیا کہ تم جن نبیوں کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو وہ تو تم پر لعنتیں کر چکے ہیں۔ تم ان کے دھتکارے ہوئے ہو پھر فخر کیسا غرضیکہ اس آیت کریمہ میں ان کی بڑی آڑ کو پھاڑ گیا ہے (تفسیر خازن و تفسیر کبیر)

تفسیر لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل لعن بنا ہے لعنت سے۔ بمعنی رحمت سے دوری اگر اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا اور اگر اس کا فاعل بندے ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں رحمت سے دوری کی بددعا کرنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اگر ان پر لعنت فرمانے والا رب تعالیٰ ہے تو پہلے معنی مراد ہیں اور اگر اس کا فاعل حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام ہیں تو اس کے معنی دوسرے ہیں۔ خیال رہے کہ اجرت' نعمت (انعام) رحمت کے فرق ب "اربیان ہو چکے ہیں۔ سزا' تادیب اور لعنت میں فرق یہ ہے کہ سزا و تادیب اصلاح کے لئے ہوتی ہے مگر لعنت اس کو تباہ کرنے کے لئے ماں باپ استاد کسی قصور پر بچہ کو طمانچہ لگائیں جرمانہ کریں یہ تادیب و سزا ہے لیکن ماں باپ کا بچہ کو عاق کر کے نکال دینا استاد کا مدرسے سے ہمیشہ کے لئے نکال دینا یہ ہے پھٹکار مسلمانوں پر ان کے گناہوں کی وجہ سے تکالیف آجانا۔ سزا یا تادیب ہے مگر کفار پر رحمت کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند کر دینا یہ ہے۔ لعنت اخروی رحمتیں ایمان

www.alahazratnetwork.org

پر خاتمہ۔ قبر کے امتحان میں کامیابی۔ حشر میں گناہوں کی بخشش صراط سے آسانی سے گزر جانا ہیں اور دنیا میں رحمت نیک اعمال کی توفیق' دل کی نرمی' اچھوں سے الفت ان کی ہمراہی وغیرہ ہیں ان سے محرومی اللہ کی لعنت ہے۔ رہا زیادہ مال اولاد' دنیاوی عزت' حکومت وغیرہ یہ اگر یار تک پہنچادیں۔ رحمت ہیں اگر وہاں سے ہٹادیں تو لعنت ان چیزوں سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ چونکہ حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کے زمانوں میں سارے بنی اسرائیل کافر نہ تھے ان میں سے بعض حضرات سچے پکے مسلمان بھی تھے۔ اس لئے **الذین کفروا** فرمایا اور **من** تبعیضیہ ارشاد ہوا یعنی بنی اسرائیل میں سے کافر اسرائیلیوں پر اللہ نے یا ان نبیوں نے لعنت فرمائی تھی **کفروا** میں ہر طرح کے کفار مراد ہیں خواہ کسی قسم کا کفر کریں۔ **علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم۔ علیٰ** حرف جار متعلق ہے۔ **لعن** کے یعنی اس لعنت کا ظہور ان نبیوں کی زبان پر ہوا لسان اس خاص عضو کو بھی کہتے ہیں۔ جس سے بولا جاتا ہے یعنی زبان اور لسان لغت کو بھی کہا جاتا ہے کہتے ہیں کہ ہماری زبان عربی ہے یعنی ہماری لغت عربی ہے لسان اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ پر بولی جاتی ہے اس لئے یہاں دو نبیوں کے لئے لسان واحد ہی لائی گئی یہاں لسان سے یا تو پہلے معنی مراد ہیں یعنی منہ کی زبان' ان کی بددعائیں یا دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ان نبیوں کی بولیوں ان کی کتابوں زبور اور انجیل میں ان پر لعنت کی گئی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایلہ بستی کے باشندے یہود تھے ان کے دین میں ہفتہ کے دن شکار حرام تھا۔ ان لوگوں نے زمانہ داؤدی میں حیلہ سے ہفتہ کو شکار کرلیا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے ان پر بددعا کی کہ خدایا انہیں بندر بنادے۔ چنانچہ وہ سب کے سب بندر بنادیئے گئے یہ ہے زبان داودی میں ان پر لعنت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین۔** انشاء اللہ یہ واقعہ سورہ اعراف میں آوے گا یہ لوگ پانچ ہزار تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اسرائیلیوں نے جناب مسیح سے دعا کرائی کہ ہم پر غیبی دسترخوان آوے آپ کی دعا سے آیا اس میں سے انہوں نے کھایا اور بچایا مگر ایمان نہ لائے۔ تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا کی کہ الٰہی انہیں مسخ کردے جیسے زمانہ داؤدی میں مسخ کئے گئے۔ چنانچہ یہ تمام سور بنا دیئے گئے یہ واقعہ بھی انشاء اللہ آئندہ بیان ہوگا یہ لوگ یا تو تین سو تیس تھے (تفسیر صاوی) یا یہ بھی پانچ ہزار تھے (تفسیر خازن وغیرہ) یہ ہی قول ہے حضرت مجاہد' قتادہ' حسن بصری اور امام باقر کا رضی اللہ عنھم (روح المعانی) اس صورت میں زبان سے مراد یہ ہی منہ کی زبان ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں دیں اور فرمایا کہ جو ان کا زمانہ پائے اور ان پر ایمان نہ لائے وہ لعنتی ہو (کبیر' خازن) بعض نے فرمایا کہ زبور شریف اور انجیل شریف میں کفار اسرائیلیوں پر لعنت کی گئی تھی۔ یہاں وہ مراد ہے۔ اس صورت میں **لسان** سے مراد لغت ہے۔ دیکھو تفسیر صاوی وغیرہ۔ مگر پہلی تفسیر زیادہ قوی ہے آیت کریمہ کا اگلا مضمون بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ **ذلک بما عصوا وکانوا یعتدون۔ ذلک** سے اشارہ اس مذکورہ لعنت کی طرف ہے۔ **بما** میں ب سببیہ ہے اور ما مصدریہ **عصوا** بنا ہے **عصیان** سے بمعنی گناہ یا نافرمانی اس سے کوئی خاص نافرمان مراد ہے یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنا اور

www.alahazratnetwork.org

غیبی دستر خوان کی نعمتیں کھا کر ایمان نہ لاتا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاکر اسلام قبول نہ کرتا اس لئے یہ صیغہ ماضی لایا گیا اور ان کا حد سے گزرتے رہنا یعنی کتب الٰہیہ کی حدیں توڑنا یہ تو ان کا دائمی مشغلہ تھا۔ اس لئے یہ **کانوا یعتدون** ماضی استمراری فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ **عصو** سے مراد ہو حضرات انبیاء کرام کی یہ نافرمانی اور **کانوا یعتدون** سے مراد ہو رب تعالیٰ کی ہمیشہ نافرمانی کرتے رہنا مطلب یہ ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی نافرمانی تو ہمیشہ ہی کرتے رہتے تھے مگر جب انہوں نے ان نبیوں کی نافرمانی کی اور انہوں نے بددعا فرمائی تو اللہ کا عذاب آگیا اور وہ پھٹکارے گئے کیونکہ عذاب نبی کی بددعا پر ہی آتے ہیں **کانوا لا یتناھون** یہ جملہ نیا ہے جس میں بنی اسرائیل کے تیسرے عیب کا ذکر ہے۔ پہلا عیب **بما عصوا** ہے دوسرا عیب **یعتدون** اور تیسرا عیب یہ ہے یا یہ عبارت **یعتدون** کو ظاہر کر رہی ہے یعنی ان کے دوسرے عیب کی تفسیر ہے۔ **کانوا** ماضی استمرار کے لئے ہے **لا یتناھون** بنا ہے **تناھی** سے جس کے معنی باز رہنا بھی ہیں اور دوسروں کو باز رکھنا بھی یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ ہمارا ترجمہ پہلی تفسیر پر ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسری تفسیر پر یعنی وہ بنی اسرائیل خود باز نہ آتے تھے یا دوسروں کو باز رہنے کی تلقین نہ کرتے **عن منکر فعلوہ** یہ عبارت **لا یتناھون** کے متعلق ہے۔ **منکر** وہ گناہ ہے جس سے شریعت نے انکار یعنی منع فرمایا ہو یعنی بری بات اس سے مراد یا ہفتہ کے دن شکار کرنا ہے یا رشوت خوری یا سود لینا یا مردار جانوروں کی چربی کی خرید و فروخت۔ قوی یہ ہے کہ اس سے مراد مطلقاً گناہ ہو یعنی کلی جرم جس کی یہ ساری حرکتیں فرد ہیں (روح المعانی) **فعلوہ** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس کا فاعل وہ ہی ہے جو **کانوا لا یتناھون** کا تھا اور منکر سے پہلے **معاودۃ** پوشیدہ ہے معنی یہ ہیں کہ جس جرم کو وہ ایک بار کر لیتے اسے دوبارہ کرنے سے باز نہ آتے تھے۔ یعنی عادی مجرم بن گئے تھے۔ (جلالین، صاوی، کبیر، معانی وغیرہ) یا یہ کہ اپنے کئے ہوئے گناہوں سے توبہ نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ وہ اپنے گناہوں کو معمولی سمجھتے تھے بلکہ منع کرنے والوں کو برا سمجھتے تھے۔ دوسرے یہ کہ **فعلوہ** کا فاعل وہ ہے جو **یتناھون** کا مفعول بہ تھا اور فعلوہ میں ہ ضمیر کا مرجع منکر ہے یعنی بنی اسرائیل دوسروں کو اس گناہ سے نہ روکتے تھے۔ جسے وہ دوسرے لوگ کر چکتے اس طرح کہ وہ دین کی تبلیغ نہ کرتے تھے لوگ ان کے سامنے جرم کرتے یہ دیکھتے رہتے انہیں منع نہ کرتے ان کی مروت یا خوشامد میں لگے رہتے تھے یا ان کی قوم کے مجرم جو جرم ایک بار کرتے اسے یہ برا نہ کہتے تھے۔ غرضیکہ اس جملہ کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کو مشکل ترین فرمایا ہے کیونکہ جرم کر چکنے کے بعد اس سے نہیں منع کیا جاتا بلکہ پہلے ہی منع کیا جاتا ہے اور یہاں **فعلوا** ماضی ہے فقیر کی ان تفسیروں سے یہ اشکال دور ہو گیا **لبئس ما کانوا یفعلون** اس جملہ میں ان مذکورہ تینوں جرموں کی قباحت کا ذکر ہے **ما** سے مراد یہ تینوں جرم ہیں۔ **کانوا یفعلون** فرما کر بتایا کہ وہ بنی اسرائیل ان جرموں کے عادی ہو چکے تھے ایک آدھ بار یہ جرم ان سے سرزد نہیں ہوئے بلکہ وہ ہمیشہ عمداً یہ سب کچھ کرتے رہتے یعنی ان کی یہ نافرمانیاں حد سے بڑھتے رہنا۔ برائیوں سے نہ رکنا یا نہ روکنا بہت ہی برے جرم ہیں جو وہ ہمیشہ کرتے رہتے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اسرائیلی اپنے اولاد انبیاء ہونے پر فخر کرتے ہیں مگر حالت ان کی یہ ہے کہ ان میں سے کفار اسرائیلیوں پر حضرت داؤد اور حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریم کی دو بار بددعا ہوئی۔ اور یہ لوگ ان کی بددعاؤں سے دوبار عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے زمانہ داؤدی میں اپنے دینی قانون کو توڑتے ہوئے۔ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کیا تو انہوں نے ان پر لعنت کی۔ جس سے یہ لوگ بندر بنا دیئے گئے پھر انہی مقدس و پاکباز بننے والوں نے زمانہ مسیحی میں خود ہی غیبی قدرتی دستر خوان مانگا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا سے وہ آیا انہوں نے اس میں سے کھایا مگر رہے بے ایمان ان میں سے کوئی ایمان نہ لایا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بددعا فرمائی جس سے یہ لوگ سور بن گئے ان کی یہ تمام دلیریاں اس لئے ہیں کہ یہ لوگ حضرات انبیاء کرام کے نافرمان ہیں اور حد سے آگے بڑھتے رہتے دینی حدود توڑتے رہنے کے عادی ان کی حالت یہ تھی کہ یہ جو جرم ایک بار کر لیتے اس کو بار بار کرنے سے باز نہ آتے تھے یعنی بجائے توبہ کرنے کے جرم کے عادی بن جاتے تھے یا جو جرم ان کی قوم میں پھیل جاتا اسے روکتے نہ تھے ان کے یہ تمام مذکورہ گناہ بہت ہی برے ہیں۔ اب اگر یہ لوگ آپ کی نافرمانی کریں تو ان سے کیا بعید ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ بزرگوں کی بددعا بڑی ہی خطرناک ہے۔ اس سے قومیں تباہ ہو گئیں۔ عذاب الٰہی ہمیشہ اللہ والوں کی بددعا سے آئے یہ فائدہ علی لسان داؤد و عیسیٰ ابن مریم سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں شعر:۔

☆ ہیچ قومی را خدا رسوا نہ کرد ☆ تادل صاحبدلے نہ آمد بہ درد ☆

دوسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ دیکھو اسرائیلیوں پر ایک ایک گناہ سے عذاب آگئے ہم ہزارہا گناہ کرتے ہیں عذاب نہیں آتا یہ فائدہ **بما عصوا** الخ سے حاصل ہوا۔ ہم عین جمعہ کی نماز کے وقت تارک نماز بنے بیٹھے رہتے ہیں۔ دوکانداریاں کرتے رہتے ہیں۔ عذاب نہیں آتا بلکہ خود یہ یہودی بھی ہفتہ کے دن شکار کر لیتے ہیں مگر عذاب نہیں آتا کیونکہ اب رحمت والے شہنشاہ کا راج ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** تیسرا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام نبیوں کے ساتھیوں سے افضل ہیں۔ دیکھو یہ دونوں فرقے امتحانوں میں فیل ہوئے۔ زمانہ موسوی میں جب قوم جبارین کے مقابلہ کے لئے اسرائیلیوں کو بھیجا گیا۔ تو وہ بھی فیل ہوئے زمانہ شمویل علیہ السلام میں جب اسرائیلیوں کو نہر کا پانی لینے سے روکا گیا تو وہ بھی فیل ہوئے **فشربوا منہ الا قلیل** مگر حضور کے صحابہ کا ایک بار شکار سے امتحان لیا گیا کہ بحالت احرام ان کے پاس بہت شکار آئے مگر کسی نے شکار نہ کیا سب پاس ہوئے۔ بدر وغیرہ میں تھوڑے غازیوں کو بہت کفار سے لڑایا گیا۔ لڑ گئے۔ سارے پاس ہوئے۔ اس لئے فرمایا گیا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ۔ چوتھا فائدہ گناہ کرنا بھی گناہ ہے اور گناہ کا عادی ہو جانا بھی گناہ بلکہ یہ بڑا گناہ ہے یہ فائدہ **کانوا لا یتناھون** الخ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا بلکہ گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے گناہ کبیرہ بن جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولم یصروا علی ما**

فعلوا پانچواں فائدہ لوگوں کو برائی سے روکنا اچھائی کا حکم کرنا واجب ہے۔ تبلیغ بند ہونے پر عذاب الٰہی آسکتا ہے۔ یہ فائدہ **کانوا لا یتناهون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضرت ابن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے کہ بنی اسرائیل میں پہلی خرابی یہ پیدا ہوئی کہ آج ان کا پوپ پادری لوگوں کو اچھائی کا حکم کرتا۔ برائی سے روکتا اور کل اس قوم کو تبلیغ نہ کرتا اس لئے کہ وہ پادری ان کے ساتھ کھانے پینے اٹھنے بیٹھنے میں شریک ہو چکا ہوتا تھا۔ اس لئے اس کی مروت کرتا تھا۔ اس جرم کی وجہ سے ان کے دل غافل ہو گئے (ترمذی' خازن) احمد نے حضرت عدی ابن عمیرہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کی بدکاریوں کی وجہ سے عوام پر عذاب نہ بھیجے گا۔ حتیٰ کہ جب لوگ قادر ہوتے ہوئے برائیوں سے منع کرنا چھوڑ دیں گے تب ان پر عام عذاب آوے گا اور خطیب نے بروایت ابو سلمہ نقل فرمایا کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے بعض لوگ بندروں سوروں کی شکل میں اپنی قبروں سے اٹھیں گے اس لئے کہ انہوں نے دین میں مداہنت کی ہوگی کہ بدکاروں کو قادر ہوتے ہوئے گناہوں سے نہ روکا ہوگا۔ چھٹا فائدہ بدکاروں مجرموں کے تاریخی حالات جاننا یاد رکھنا بہت ضروری ہے تاکہ ان سے ہم عبرت حاصل کریں ان کے سے اعمال سے بچیں۔ ساتواں فائدہ بدکار کفار کی غیبت کرنا یعنی پس پشت انہیں برا کہنا جائز ہے۔ دیکھو جن اسرائیلیوں کی برائیاں اس آیت کریمہ میں بیان ہو رہی ہیں وہ کب کے مر چکے قیامت تک ان کے عیوب پڑھے پڑھائے جاتے رہیں گے۔ خاص مسلمان کے خفیہ عیوب اس کے پس پشت بیان کرنا گناہ ہے کہ یہ غیبت ہے اور غیبت کرنا سخت جرم ہے۔

پہلا اعتراض اس پہلی آیت کریمہ میں بنی اسرائیل پر لعنت کی دو وجہیں بیان ہیں ایک **عصوا** یعنی ان کا نافرمانی کرنا۔ دوسرے **کانوا یعتدون** میں یعنی ان کا حد سے بڑھنا وہ تو گناہ و نافرمانی اور حد سے بڑھنا ہمیشہ ہی کرتے تھے پھر ایک کو ماضی دوسرے کو استمرار کے صیغہ سے کیوں بیان فرمایا کیا انہوں نے نافرمانی صرف ایک بار ہی کی تھی۔ **جواب** اس کا جواب اشارۃً تفسیر میں گزر گیا کہ **عصوا** میں جنس نافرمانی مراد ہے اور **کانوا یعتدون** میں افراد مراد مچھلی کا شکار ہفتہ کے دن اگرچہ انہوں نے بارہا کیا۔ مگر یہ ہے کہ ایک ہی جرم یوں ہی دسترخوان کھا کر کافر رہنا ایک ہی جرم ہے۔ لہٰذا اسے ماضی مطلق سے تعبیر فرمایا اور دوسرے گناہ وہ بار بار کرتے رہے لہٰذا اسے استمرار سے بیان کیا یا **عصو** سے مراد نبی کی وہ نافرمانی جس پر ان نبی نے بددعا کی وہ نافرمانی ایک بار ہی ہوئی اور **کانوا یعتدون** سے ان کی نافرمانیاں مراد ہیں جو وہ رب تعالیٰ کی کرتے تھے۔ **دوسرا اعتراض** کافر اسرائیلیوں پر لعنت ہمیشہ سب کی طرف سے ہوتی ہی رہے گی پھر **لعن** ماضی مطلق کیوں ارشاد ہوا اور علی لسان داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کیوں ارشاد ہوا یعنی عام لعنت کو خاص کیوں کر دیا گیا۔ **جواب** یہاں لعنت سے مراد صرف زبانی لعنت نہیں بلکہ عذاب الٰہی کا نزول مراد ہے وہ ان پر ایک ہی بار ہوا کہ وہ ایک ہی بار بندر بنے اور ایک ہی بار سور بنے اس لئے ماضی مطلق فرمانا نہایت موزوں ہے نیز ان پر یہ لعنت ان دو نبیوں کی بددعا سے ہوئی نیز یہ لوگ ان نبیوں کو اپنا نبی مانتے ہیں ان کے اولاد ہونے پر فخر کرتے ہیں اس لئے ان دو حضرات کا ذکر خصوصیت سے فرمایا گیا کہ

www.alahazratnetwork.org

بدنصیبو تم تو ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے ہو اور وہ تم پر لعنت کر کے تمہارا بیڑا غرق کر گئے۔ تم تو ان کے پھٹکارے ہوئے ہو۔ **تیسرا اعتراض** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ **لا یتناھون عن منکر فعلوہ** یعنی جو گناہ وہ کر چکتے تھے اس سے منع نہ کرتے تھے۔ کیے ہوئے گناہ سے کیسے منع کیا جا سکتا ہے۔ ہمیشہ منع کرنا آئندہ گناہ سے ہوتا ہے کیے گناہ سے توبہ ہوتی ہے نہ کہ ممانعت وہ گناہ تو ہو چکا پھر یہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب** مفسرین نے اس اعتراض کو بہت مشکل فرمایا اور اس کے بہت جوابات دیئے ہیں ہم نے نہایت آسان جواب ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے کہ یا تو عن کے بعد **معاودۃ** پوشیدہ ہے یا منع نہ کرنے سے مراد ہے۔ اسے برا نہ کہنا اور آئندہ کو نہ روکنا یا **فعلوہ** میں ہ سے مراد ہے جنسی گناہ افراد گناہ مراد نہیں لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض** جس بستی پر عذاب الٰہی آیا وہاں سے پہلے نبی اور مومنین نکال دیئے گئے یہ قانون قدرت ہے پھر یہ بندر سور بننے کا عذاب انہیں بستیوں میں آ گیا جہاں نبی موجود تھے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** عذاب الٰہی تین قسم کے آئے عذاب خاص یعنی بستی کے کچھ لوگوں پر عذاب عام یعنی عام بستی والوں پر کہ وہاں کے سارے باشندے ہلاک کر دیئے گئے۔ عذاب عام انعام کہ وہاں کے سارے باشندے بھی ہلاک کر دیئے گئے اور بستی بھی اجاڑ دی گئی آخری دو قسم کے عذابوں میں حضرات انبیاء کرام اور مومنین اس جگہ سے نکال دیئے جاتے تھے۔ پہلے خاص عذاب میں یہ نہ ہوتا تھا۔ یہ دونوں عذاب پہلی قسم کے تھے کہ خاص لوگوں پر آئے۔

تفسیر صوفیانہ اللہ کے مقبول بندے اس کے خلیفہ اور نائب ہیں اس کی صفات مہر و قہر کے مظہر کسی کو ان کا قبول کر لینا رب تعالیٰ کا قبول ہے اس کا رد کر دینا رب تعالیٰ کا رد فرما دینا ہے۔ ان کی لعنت اللہ کی لعنت ہے اور ان کی رحمت اللہ کی رحمت ہے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے **ان صلوتک سکن لھم** دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **ھو الذی یصلی علیکم** معلوم ہوا کہ حضور کی صلوٰۃ (رحمت) اللہ کی صلوٰۃ ہے حضرت داؤد و عیسیٰ علیہما السلام کی زبانیں لعنت الٰہی کا مظہر تھیں حقیقتاً لعنت رب کی تھی۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا **علی لسان داؤد و عیسی ابن مریم** دوسری جگہ ارشاد ہوا **کما لعنا اصحب السبت** معلوم ہوا کہ لعنت رب کی طرف سے تھی مگر اس کا ظہور ان زبانوں پر ہوا یہ حضرات مظہر صفات ذوالجلال ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

☆ ہیں نہ کر دی تو کہ من کردم یقین ☆ ای صفاتت در صفات ما فنا! ☆
☆ ما میت لو رمیت گشتہ!! ☆ خویشتن در موج چوں کف ہشتہ ☆

یعنی تمہارے صفات ہماری صفات میں فنا ہو چکے ہیں لہٰذا تمہارے کام نہیں ہمارے ہیں۔ تم ہم سے وہ تعلق رکھتے ہو جو سمندر کا تعلق جھاگ سے ہے۔ لہٰذا تمہارا کنکر پھینکنا ہمارا پھینکنا ہے اور ایک جگہ فرماتے ہیں۔

☆ کہ ترا از توبکل خالی کنند! ☆ توشوی پست او سخن عالی کنند ☆
☆ گرچہ قرآن از لب پیغمبر است ☆ ہر کہ گوید حق نہ گفت او کافر است ☆

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے گناہ کو منکر فرمایا ہے کیونکہ وہ نکرہ بنا رہتا ہے۔ رب سے آزاد اور وہاں سے چھوٹا ہوا اور اطاعت کو معروف فرمایا کیونکہ وہ معرفت الٰہی کا ذریعہ ہے منکر پر پیش قدمی کرنا گناہ ہے اس پر اڑ جانا کفر ہے کہ سبب ہے۔ رین قلب کا جس دل پر رین چھا جاوے وہ دل بندر سور بن جاتا ہے ایسا آدمی جسماً آدمی رہتا ہے مگر قلباً جانور رہ غلاف آدمی رہ جاتا ہے یہ آیات انتہائی عبرتناک ہیں (از روح البیان)

تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ

دیکھو گے تم بہت کو ان میں سے دوستی کرتے ان سے جو کافر ہوئے البتہ برا ہے وہ جو آگے بھیجا واسطے ان کے

ان میں تم بہت کو دیکھو گے کہ کافروں سے دوستی کرتے ہیں کیا ہی بری چیز ہے اپنے لئے خود آگے بھیجی یہ کہ اللہ کا

اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ (80) وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ

ذاتوں نے ان کی یہ کہ ناراض ہوا اللہ اوپر ان کے اور عذاب میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اور اگر ہوتے وہ ایمان رکھتے اللہ

ان پر غضب ہوا اور وہ عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور اگر وہ ایمان لاتے اللہ

وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ (81)

اور نبی پر اور اس پر جو اتارا گیا طرف ان کے تو نہ بناتے وہ ان کو دوست اور لیکن بہت سے ان میں بدکار ہیں۔

اور نبی پر اور اس پر جو ان کی طرف اترا تو کافروں سے دوستی نہ کرتے مگر ان میں بہتیرے فاسق ہیں۔

تعلق اس آیت کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیتوں میں گزشتہ اسرائیلیوں کی بدکاریوں کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں موجودہ بنی اسرائیل کی بدعملیوں کا تذکرہ ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ یہ سارے کے سارے یکساں ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اسرائیلی خود اپنے مانے ہوئے نبیوں کے پھٹکارے ہوئے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ آپ کے اور مسلمانوں کے بھی سخت دشمن ہیں۔ نبی کی دشمنی ان کی ضمیر میں پڑی ہوئی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی دشمنی انبیاء کا تذکرہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کی دوستی مشرکین کا ذکر ہے یعنی یہ لوگ نبیوں مسلمانوں کے تو دشمن ہیں دوست ہیں تو کس کے مشرکین بت پرستوں اور کفار کے گویا ان کے ایک عیب کے بعد دوسرے عیب کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہود کے پوپ پادری لوگوں کو برائیوں سے نہیں روکتے یا خود گناہوں سے نہیں بچتے اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ان کے دلوں میں کفار مشرکین بت پرستوں سے محبت ہے پھر یہ برائیوں سے کیسے بچیں گویا پچھلی آیات میں ان کی دلی بیماری عداوت انبیاء کا ذکر بھی تھا اور

www.alahazratnetwork.org

اس بیماری کی وجہ یعنی گناہوں میں مشغولیت کا ذکر بھی اور اب اس وجہ کا ذکر ہے یعنی محبت کفار۔ جیسے کہا جاوے کہ فلاں کو بخار ہے۔ کیونکہ اسے زکام ہے اور زکام اس لئے کہ اس نے سردی سے احتیاط نہ کی۔

نزول مدینہ منورہ کے کھلے یہود کعب ابن اشرف اور اس کے ساتھی اور وہاں کے چھپے یہودی یعنی منافقین جو در حقیقت کافر تھے۔ بظاہر کلمہ پڑھ کر اپنے کو مسلمانوں کہتے تھے جب ان لوگوں نے اسلام کی ترقی دیکھی تو جل گئے۔ خفیہ طور پر مکہ معظمہ پہنچے۔ مشرکین مکہ خصوصاً ابو سفیان وغیرہ سے ملے اور ان سب کو مسلمان سے سخت جنگ کرنے پر ابھارا کہ سارے کفار مل کر مسلمانوں پر حملہ کرو ہم یہود مدینہ تمہاری پوری پوری مدد کریں گے مگر اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے یہ آیت کریمہ اس کے متعلق نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ اگرچہ یہ لوگ اس کوشش میں کامیاب نہ ہوئے مگر اس حرکت سے ان کے دلوں کا پتہ لگ ہی گیا کہ ان کے دلوں میں حضور آپ کی اور مسلمانوں کی عداوت کی آگ کیسی بھڑک رہی ہے (تفسیر خازن، روح المعانی وغیرہ)

تفسیر **تری کثیرا منھم**۔ تری رویت سے بنا ہے۔ بمعنی دیکھنا یہ دیکھنا آنکھ کا ہو تو ایک مفعول چاہتا ہے اور اگر دیکھنا دل کا ہو تو دو مفعول چاہتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ آنکھ کا دیکھنا مراد ہے اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اگرچہ یہ اسرائیلی یہودی نہایت خفیہ طور پر مکہ معظمہ میں سازش کرنے گئے تھے اور انہوں نے اس سفارش کے چھپانے کی بہت کوشش کی تھی مگر چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ غیب میں ہر کھلی چھپی چیز کو دیکھ لیتی ہے۔ اس لئے اسی ارشاد ہوا نیز حضور کی نگاہ دلوں کے راز سینوں کے بھیدوں، ارادوں، خطرات سب کو ہی ملاحظہ فرماتی ہے۔ اس لئے تری ارشاد ہوا کہ آپ ان کی محبت کفار کو دیکھ رہے ہیں اگرچہ محبت و نفرت آنکھ سے دیکھنے میں نہیں آیا کرتی نیز چونکہ حضور انور کی نگاہ گزشتہ آئندہ چیزوں کو بھی مشاہدہ کر لیتی ہے۔ جیسے ہمارا خواب و خیال اس لئے **تری** بصیغہ حال ارشاد ہوا یعنی آپ ان لوگوں کی اس گزشتہ حرکت کو دیکھ رہے ہیں۔ **شعر**۔

☆ اے فروغت صبح آثار و دہور ☆ چشم تو بینندہ ما فی الصدور ☆

چونکہ یہ حرکت سارے یہودیوں نے نہ کی تھی بلکہ ان کے بعض نے جن میں سے بعض کھلے کافر تھے بعض چھپے کافر یعنی منافق اس لئے **کثیرا** ارشاد ہوا۔ **منھم** کا مرجع وہ ہی یہود ہیں جن کا ذکر پچھلی آیات میں ہو چکا ہے۔ **یتولون الذین کفروا** یہ جملہ **کثیرا** کا حال ہے **یتولون** بنا ہے **تولی** سے جس کا مادہ ولی یا ولایت ہے۔ بمعنی دوستی و محبت، دوستی دلی بھی ہوتی ہے۔ عملی بھی۔ دل کا میلان اس کا جھکاؤ۔ محبت تو دلی تولی ہے اور کفار کی سی شکل، لباس سیرت اختیار کرنا انہیں ہدیہ تحفے دینا لینا ان کے ساتھ اوٹھ بیٹھ ان سے صلاح مشورے عملی محبت ہے یہاں عام تولی مراد ہے۔ جس میں دلی رجحان اور یہ ظاہری اعمال سب ہی شامل ہیں۔ **الذین کفروا** سے مراد مشرکین مکہ ہیں جو یہود کے نزدیک بھی کافر تھے۔ اس جملہ کی اور کئی تفسیریں بھی ہیں مگر قوی تفسیر یہ ہی ہے یعنی اے محبوب آپ ان میں سے بہت یہود کو دیکھ رہے

www.alahazratnetwork.org

ہیں کہ یہ لوگ کفار مکہ سے دلی اور عملی محبت کرتے ہیں۔ تمہارے مقابلہ انہیں کفار عزیز ہیں **لبئس ما قدمت لھم انفسھم** اس عبارت میں ان کی مذکورہ حرکت کی برائی بیان فرمائی جارہی ہے اس میں **بئس** فعل ذم ہے اور **ما قدمت** اس کا فاعل **ما** سے مراد ان کا یہ مذکورہ عمل ہے یعنی ان کا یہ مذکورہ عمل جو انہوں نے اپنے آگے بھیجا بہت ہی برا ہے کہ یہ عمل ان کو آخرت میں برباد کرے گا **ان سخط اللہ علیھم** اس عبارت سے پہلے ایک مضاف پوشیدہ ہے۔ موجب یا باعث یہ عبارت اس کا مضاف الیہ وہ ہی **بئس** کا مخصوص بالذم ہے ان مصدریہ کی وجہ سے یہ فعل بمعنی مصدر ہو گیا۔ **سخط** سخت ناراضی کو کہتے ہیں یعنی ان کا برا توشہ آخرت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے کام کرلئے رب کو ناراض کرکے یہ لوگ اس سے ملیں گے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے دو طریقے ہیں۔ ایک اس کے دشمنوں سے نفرت کرنا۔ دوسرے اس کے دوستوں سے محبت کرنا اگر یہ نعمت نہ ملے تو ساری نیکیاں برباد ہیں۔ شیطان کے پاس اعمال کم نہ تھے مگر اس نے اللہ کے مقبول بندے حضرت آدم علیہ السلام سے محبت کی بجائے نفرت کی مار آگیا۔ اسی کا یہاں بیان ہے کہ ان یہود و منافقین نے کفار سے محبت کی اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہو گیا **وفی العذاب ھم خالدون** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ جملہ علیحدہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ **فی العذاب** متعلق ہے۔ **خالدون** کے **ھم** مبتداء اور **خالدون** خبر **فی العذاب** کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا **ھم** کا مرجع وہ ہی یہود اور منافق ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ عذاب میں ہی ہمیشہ رہیں گے کہ مرتے ہی برزخی عذاب میں اور بعد قیامت اخروی عذاب میں ابد الآباد تک یا یہ مطلب ہے کہ عذاب میں ہمیشگی صرف کفار ہی کو ہے۔ رہے گنہگار مسلمان وہ اگرچہ عذاب پائیں مگر اس میں ہمیشہ نہ رہیں گے۔ لہذا حصر دونوں طرح درست ہے چونکہ یہ شبہ ہو سکتا تھا کہ کفار سے محبت بھی دوسرے گناہوں کی طرح ایک گناہ ہے۔ پھر اس گناہ پر اتنا عتاب و عذاب کیوں ہے۔ رب تعالیٰ اس شبہ کے متعلق فرماتا ہے کہ یہ گناہ محض گناہ نہیں بلکہ حکومت الٰہیہ سے غداری ہے اور کفر کی علامت بھی جو گناہ کفر کی علامت ہو وہ کفر ہوتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے **ولو کانوا یومنون باللہ والنبی وما انزل الیہ**۔ اس عبارت میں ان یہودیوں یا منافقوں کے دعویٰ ایمان کی تردید ہے۔ اگر روئے سخن کھلے یہود سے ہے تو **النبی** سے مراد وہ نبی ہیں۔ جن کے امتی ہونے کا یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام اور **ما انزل الیہ** سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب توریت شریف ان کے صحیفے اور ان کے معجزات اور ان کے فرمان عالیہ ہیں اور اگر منافقین کی طرف توجہ غضب ہے تو **النبی** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور **ما انزل الیہ** سے مراد قرآن مجید اور حضور کے معجزات آپ کے ارشادات عالیہ ہیں چونکہ مسلمانوں کو قرآن مجید حضور کے فرمان احکام سب ہی پر ایمان لانا ضروری ہے صرف قرآن کا مان لینا کافی نہیں نیز قرآن مجید کو بھی اس لئے ماننا ضروری ہے کہ وہ حضور پر اترا حضور نے اس کے ماننے کا حکم دیا۔ اس لئے **والقرآن** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی **وما انزل الیہ** منافقین اپنے کو مسلمان کہتے تھے حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے کے دعوے دار تھے۔ اس لئے ان کی تردید اس طرح فرمائی یہ پورا جملہ شرط ہے۔ جزا اس کی یہ ہے کہ **ما اتخذوھم اولیاء** یہاں بھی **اتخذوا** کا فاعل یا کھلے یہودی یا منافقین ہیں اور **ھم** کا مرجع مشرکین عرب اور کفار مکہ ہیں اولیاء ولی کی جمع ہے۔ معنی قریب یا دوست یا مددگار ظاہر یہ ہے کہ یہاں۔ معنی دوست ہے اس کی پوری تحقیق پہلے بھی کی جاچکی ہے اور انشاء اللہ گیارہویں پارہ میں بھی کی جاوے گی کہ ولایت کتنی قسم کی ہے اور ہر قسم کے احکام کیا ہیں یعنی اگر یہود اللہ تعالیٰ اور اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی کتاب توریت ان کے صحیفے وغیرہ پر ایمان رکھتے ہوتے تو وہ مشرکین کو دوست نہ بناتے کیونکہ توریت میں بھی مشرکین کی دوستی سے ممانعت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں بھی یا اگر یہ منافقین اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن و فرمان مصطفوی پر ایمان رکھتے ہوتے تو مشرکوں سے یارانہ نہ گانٹھتے۔ کیونکہ اسلام میں کفار کو دوست بنانا سخت جرم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا یتخذ المومنون الکفرین اولیاء ولکن کثیرا منھم فسقون** اس عبارت میں ان کے کفر و فسق کا ثبوت ہے چونکہ پچھلی عبارت میں ارشاد ہوا تھا کہ وہ مومن نہیں تو شاید کوئی وہم کرتا کہ وہ کافر بھی نہیں ہیں بلکہ مومن و کافر کے درمیان کچھ اور ہی فرقہ ہو اس وہم کو دور فرمانے کے لئے یہ ارشاد ہوا۔ لہٰذا **لکن** فرمانا۔ بالکل درست ہے **منھم** کا مرجع اگر یہ ہی مشرکین سے دوستی کرنے والے یہودی اور منافقین ہیں تو مطلب یہ ہو گا کہ ان میں سے کچھ لوگ تو اس جرم سے توبہ کرکے مخلص مسلمان بن جائیں گے اور اکثر لوگ کافر رہیں گے یا یہ مطلب ہے کہ ان میں سے بعض محض دنیاوی تعلقات آپس کی رشتہ داریوں کی وجہ سے ان سے محبت کرتے ہیں مگر اکثر لوگ آپ کی عداوت میں ان سے محبت کرتے ہیں۔ یہ آخری لوگ فاسق و کافر ہیں اور اگر **منھم** کا مرجع سارے یہودی و منافقین ہیں تو معنی بالکل ظاہر ہیں کہ ان یہود و منافقین میں سے کچھ ایمان بھی قبول کرلیں گے مگر اکثر لوگ عند اللہ فاسق و کافر ہیں۔ خیال رہے کہ فسق کے تین درجہ ہیں۔ تغابی، انہماک، جحود مسلمان کا کبھی کبھی گناہ کرلینا فسق تغابی ہے۔ ہمیشہ گناہ میں مشغول رہنا فسق انہماک اور دل سے گناہوں کو اچھا سمجھ کر کافر ہو جانا فسق جحود یہاں یہ تیسرا درجہ ہی مراد ہے۔

خلاصہ تفسیر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اب تک تو آپ نے یہود کے گزشتہ کفر و بدکاریاں ان پر حضرات انبیاء کرام کی لعنت وغیرہ سنیں موجودہ یہود کا حال یہ ہے کہ ان کی دو جماعتیں ہو گئیں۔ ایک کھلے یہودی دوسرے منافقین ان میں سے بہت سے وہ بدبخت ہیں جو آپ کی مخالفت اور دین اسلام کے مٹانے کے لئے مشرکین کو دوست بنالیتے ہیں انہوں نے اپنے لئے توشہ آخرت کیا بھیجا اللہ کا غضب اس کی پھٹکار یہ توشہ تو بہت ہی برا ہے یہ اتنا نہیں سوچتے کہ جہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے وہاں کے لئے کیا سامان بھیجا جائے وہاں کے لئے نیک اعمال، ایمان کامل، رضاء الٰہی کے توشہ چاہیے تھے۔ انہوں نے اس کے برعکس کفر و بد عملیاں رب کی ناراضی کے توشہ بھیجے لہٰذا یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے اگر یہ لوگ دعوئ ایمان میں سچے ہوتے۔ اللہ تعالیٰ، موسیٰ علیہ السلام اور توریت شریف وغیرہ پر ان کا ایمان ہوتا تو یہ مشرکین کو ہرگز دوست نہ

www.alahazratnetwork.org

بناتے کیونکہ اس دین موسوی بلکہ تمام انبیاء کرام کے دینوں میں کفار سے دوستی کی سخت ممانعت کی گئی ہے۔ ان کی یہ دوستی ان کے دعوئی ایمان کی تردید کرتی ہے یہ مومن نہیں لیکن ان میں سے بعض تو توبہ کر کے مومن ہو جائیں گے اور اکثر لوگ عند اللہ فاسق و کافر ہیں کہ کافر جئیں گے اور کافر ہی مریں گے۔ خیال رہے کہ ہر دین میں دو چیزیں ہوتی ہیں عقائد اور مسائل۔ عقائد تو تمام آسمانی دینوں کے یکساں رہے۔ مسائل چند طرح کے ہیں بعض وہ جو اسلام میں ہیں۔ پچھلے دین میں نہ تھے۔ انہیں سنت رسول اللہ کہتے ہیں بعض وہ جو دین ابراہیمی سے رہے انہیں فطرت کہتے ہیں بعض وہ جو تمام دینوں میں رہے۔ انہیں سنت انبیاء کہتے ہیں۔ نکاح اور بے دینوں سے نفرت یہ وہ مسائل ہیں جو ہر دین میں رہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کے دشمن ضرور پیدا کئے ان سے نفرت ایمان کا رکن قرار پائی اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ اگر یہود اللہ رسول کتب آسمانی پر ایمان رکھتے ہوتے تو مشرکین سے محبت نہ کرتے کہ مشرکین سے نفرت ہر دین میں رکن ایمان رہی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے دلوں کے حال محبت و دشمنی ایمان و کفر وغیرہ سب سے خبردار ہیں بلکہ حضور کی نگاہیں ان قلبی حالات کو دیکھتی ہیں یہ فائدہ **وتری** سے حاصل ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پتھروں کے دلوں کا حال جانتے ہیں کہ فرماتے ہیں کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور غیر پہاڑ ہم سے دشمنی رکھتا ہے ہم اس سے نفرت کرتے تو انسان کے دلوں کا حال اس چشم حق بین سے کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ **شعر:**

☆ خدا مطلع ساخت برجملہ غیب ☆ علی کل شئی خبیر آمدی! ☆

☆ نہ آمد مثال تو در دو جہاں ☆ نذیر آمدی بے نظیر آمدی! ☆

لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں اپنے ایمان و عشق و محبت کے دعوئی کی ضرورت ہی نہیں وہاں تو اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی مانگنے شفاعت مانگنے کی ضرورت ہے۔ وہ ہمارے ہر حال سے خود ہی خبردار ہیں۔ **دوسرا فائدہ** مشرکین و کفار سے دوستی رکھنا سخت جرم ہے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا باعث ہے۔ ان سے قومی دوستی حرام ہے مذہبی دوستی کفر اور اللہ رسول کے مقابلہ میں مسلمانوں کو تباہ کرانے کے لئے ان سے دوستی بدترین کفر ہے اور عذاب الٰہی کا باعث افسوس مسلمان یہ سبق بھول جاتے ہیں۔ ڈاکٹر اقبال اسی کو بہت روئے ہیں کہتے ہیں۔ **شعر:**

☆ جعفر از بنگال صادق از دکن ☆ ننگ آدم ننگ دیں، ننگ وطن ☆

☆ کے شب ہندوستان آید بروز ☆ مرد جعفر روح او زندہ ہنوز ☆

ہماری قوم میں ایسے منافقوں کی اب بھی کمی نہیں۔ **تیسرا فائدہ** انسان کو چاہیے کہ جتنا دنیا میں رہنا ہے اتنی یہاں کی فکر کرے اور جس قدر آخرت میں رہنا ہے۔ اتنی فکر وہاں کی کرے۔ بدنصیب ہے وہ جو دنیا میں پھنس کر آخرت کو بھول جائے وہاں کا توشہ ساتھ نہ لے یہ فائدہ **لبئس ما قدمت** الخ سے حاصل ہوا۔ **شعر:**

www.alahazratnetwork.org

☆ توشہ اعمال اپنا ساتھ لے جاؤ اجی ☆
☆ کون پیچھے قبر میں بھیجے گا سوچو تو سہی ☆
☆ بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے ☆
فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے ☆

چوتھا فائدہ دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے۔ مسلمان گنہگار دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ یہ فائدہ **ھم خالدون** حصر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ نبی کا منکر خدا تعالیٰ کا مومن کبھی نہیں ہو سکتا اگرچہ خدا پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے یہ فائدہ **ولو کانوا یومنون باللّٰہ** الخ سے حاصل ہوا دیکھو وہ یہود بھی اللہ تعالیٰ کے انکاری نہ تھے اور منافقین بھی یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے مگر رب تعالیٰ نے ان کو اللہ کا انکاری قرار دیا اور فرمایا کہ اگر یہ لوگ اللہ رسول پر ایمان لاتے۔ چھٹا فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے خلاف سازش کرنا اللہ تعالیٰ کی ناراضی ہے۔ ایسا شخص کتنا ہی بڑا عابد ہو مگر اللہ تعالیٰ اس سے ناراض ہے یہ فائدہ **ان سخط اللّٰہ** الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ کفار سے دوستی خواہ دلی ہو یا عملی منافقوں کی علامت ہے اللہ رسول کی دوستی اور ان کے دشمنوں سے محبت ایک دل میں جمع ہو سکتیں روشنی و تاریکی کا ایک جگہ جمع ہونا غیر ممکن ہے یہ فائدہ **ما تخذوھم اولیاء** سے حاصل ہوا اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو کفار کی سی شکل و صورت وضع قطع رکھتے ہیں کہ یہ کفار سے عملی محبت ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **ادخلوا فی السلم کافۃ** اللہ تعالیٰ ہمارا ظاہر باطن قلب قالب یکساں مسلمان کرے **شعر**:

☆ تن اجلا من کالا بگلے کے سے بھیک ☆
☆ اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک ☆

آٹھواں فائدہ مسلمان کو چاہیے کہ اچھوں کے ساتھ رہے اچھوں کی ہمراہی بروں کا بیڑا پار لگا دیتی ہے۔ جیسے کفار سے محبت ان کی ہمراہی تباہ کر دیتی ہے۔ ایسے ہی اچھوں سے الفت ان کی ہمراہی رب تک پہنچا دیتی ہے۔ نواں فائدہ جیسے اصلی نقلی سونے کی پہچان کے لئے کسوٹی ہے۔ خالص اور ملاوٹی دودھ کے جاننے کے لئے آلات ہیں۔ ایسے ہی کھرے کھوٹے مومن کی پہچان کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات معیار ہے حضور سے اور ان کی ہر منسوب چیز سے محبت ان کے دشمنوں سے نفرت کھرے مومن کی علامت ہے ان کی منسوب چیزوں سے نفرت یا ان کے دشمنوں سے محبت کھوٹے ملاوٹی کی نشانی ہے یہ فائدہ بھی **ولو کانوا یومنون باللّٰہ** الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ اعتبار خاتمہ کا ہے اگر خاتمہ اچھا ہے تو انسان اچھا اگرچہ زندگی میں برا ہو اور اگر خاتمہ خراب ہے تو انسان خراب اگرچہ زندگی میں اچھا ہو یہ فائدہ **ولکن کثیرا منھم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان سارے یہود و منافقین کو فاسق نہ فرمایا

www.alahazratnetwork.org

ان میں سے جو مومن ہو کر مرنے والے تھے انہیں الگ کر لیا اور فرمایا کہ ان میں سے بہت سے فاسق ہیں یعنی جو کفر پر مریں۔

پہلا اعتراض اگر کفار سے دوستی و محبت اتنی ہی بری چیز ہے تو اہل کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کا نکاح کیوں جائز ہے۔ خاوند کو بیوی سے محبت تو ہوتی ہی ہے۔ **جواب** اس کا جواب بالتفصیل پانچویں پارہ میں گزر گیا کہ ایک ہے۔ ادائے حقوق' ایک ہی رشتہ داری کی محبت ایک ہے طبعی غیر اختیاری محبت ایک ہے قومی محبت ایک ہے دینی محبت اور' ایک ہے کسی کو اپنا خاص رازدار بنانا ان سب کے احکام یکساں نہیں کفار عزیزوں کے حقوق قرابت ادا کیے جائیں گے۔ لہٰذا کافر ماں باپ کافر اولاد و کافر بیوی کے حق ملی حق خدمت ضرور ادا کرو یوں ہی کافر اولاد کافرہ بیوی سے طبعی محبت اس پر بھی پکڑ نہیں مگر ان سے قومی یا دینی محبت کرنا یا انہیں اپنے قومی رازوں پر مطلع کر دینا یہ ہے حرام بلکہ کبھی کفر یہاں اسی محبت پر اظہار غضب ہو رہا ہے یہود مدینہ منافقین مدینہ نے مشرکین سے یہ ہی محبت اور گٹھ جوڑ کیا تھا۔ اہل کتاب عورتوں سے نکاح جب درست ہے۔ جب مسلمان خود پختہ مسلمان ہو کہ اس کی صحبت میں رہ کر اسلام سے نہ پھسل جائے اگر ہو سکے تو اسے مسلمان کرے ورنہ حرام ہے۔ **دوسرا اعتراض** نحوی ترکیب سے آیت **لبئس ما قدمت** الخ درست نہیں معلوم ہوتی۔ کیونکہ **بئس** کا فاعل ہے **ما قدمت** الخ اور اس کا مخصوص بالذم ہے **ان سخط اللہ** حالانکہ **قدمت** کا فاعل ہے **انفسھم** اور **سخط** کا فاعل ہے اللہ تعالٰی۔ چاہیے یہ کہ **بئس** کا فاعل اور مخصوص بالذم یکساں ہوں۔ **جواب** اس اعتراض کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ **ان سخط اللہ** سے پہلے موجب پوشیدہ ہے جو ان محلا کی طرف مضاف ہے۔ یعنی ان لوگوں کی یہ حرکات جو اللہ تعالٰی کی ناراضی کا باعث ہیں بہت بری ہیں۔ **تیسرا اعتراض** کفار سے دلی محبت رکھنے والے سب ہی فاسق و بے دین ہیں تو یہاں **کثیرا منھم فسقون** کیوں ارشاد ہوا کہ بعض محبین کفار عادل بھی ہیں۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں فاسق سے مراد عند اللہ فاسق ہیں جن کا نام فاسقوں کی فہرست میں آچکا ہے اور ان کا خاتمہ خراب ہونے والا ہے اور جن کا نام اس فہرست میں نہیں ان کا خاتمہ بالخیر ہونے والا ہے وہ اللہ کے نزدیک فاسق نہیں اگرچہ اس وقت وہ بظاہر فاسقوں کے ٹولہ میں شمار ہیں لہٰذا **کثیر** فرمانا بالکل درست ہے۔ اللہ تعالٰی خاتمہ بالخیر نصیب فرمائے۔ **چوتھا اعتراض** یہ آیت خواہ یہود کے متعلق ہو یا منافقین کے متعلق وہ تمام اللہ کو جانتے مانتے تھے۔ اہل کتاب تھے دہریہ نہ تھے۔ پھر یہ کیوں فرمایا کہ **ولو کانوا یومنون باللہ** اگر وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہوتے۔ **جواب** خدا تعالٰی کو جاننا پہچاننا اور ماننا ایمان نہیں بلکہ ایمان یہ ہے کہ اس کو پیغمبر کے ذریعہ ان کی معرفت سے مانا جاوے۔ شیطان خدا کو جانتا پہچانتا مانتا ہے مگر مومن باللہ نہیں کہ نبی کی معرفت نہیں مانتا بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا تھا کہ **لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃ** ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے یا آپ کی نہ مانیں گے۔ حتی کہ خدا تعالٰی کو ظاہر ظہور دیکھ لیں تو ان پر عذاب آگیا کیوں اس لئے کہ وہ خدا تعالٰی کو اپنی آنکھ سے

www.alahazratnetwork.org

ذریعے ماننا چاہتے تھے۔ نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پھر ایمان یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو ایسے نبی کی معرفت مانو جن کی نبوت منسوخ نہ ہوئی ہو لہذا اب جو رب تعالیٰ کو گزشتہ انبیاء کے ذریعہ جانے مومن نہیں کہ ان کی نبوتیں منسوخ ہو چکیں بجلی کی تار میں چراغ یا لالٹین یا گیس لگاؤ روشنی نہیں ہوگی اسی طرح عقل کے ذریعہ خدا کو مانو نور ایمان نہیں ملے گا۔ پھر اس تار سے بلب بھی وہ لگاؤ جو فیوز نہ ہو چکا ہو۔ گزشتہ منسوخ نبوتیں فیوض شدہ بلب ہیں۔ جو لب روشنی دینے سے قاصر ہیں۔ اب رب تعالیٰ کو صرف حضور انور کے ذریعہ جانو مانو تو مومن بنو گے۔ چونکہ یہ یہود یا منافقین حضور کے انکاری ہو کر خدا کو مانتے تھے۔ لہذا وہ مومن باللہ نہ تھے۔ یہ آیت بالکل حق ہے بلکہ سارے نبیوں ساری کتابوں بلکہ قرآن کریم کو بھی ان ہی سرکار کے ذریعہ مانو تو مومن بنو گے۔ حضور کی نبوت تمام کی اصل ہے نبوت کی بقا سے کتاب کی بقا ہے۔ نبوت منسوخ کتاب بھی منسوخ۔

تفسیر صوفیانہ جیسے انسان اور گائے بھینس وغیرہ جانور منطقی قاعدہ سے ایک نوع نہیں کہ انسان حیوان ناطق ہے اور یہ جانور حیوان غیر ناطق اس فصل نے دونوں کو الگ الگ بنا دیا۔ یوں ہی صوفیاء کی اصطلاح میں مومن و کافر ایک نوع نہیں الگ الگ نوعیں ہیں کہ مومن انسان محبوب ہے اور کافر انسان مردود محبوبیت و مردودیت کی فصلوں نے ان دونوں گروہوں کو الگ الگ نوع کر دیا جو مومن محبت کرے کفار سے وہ اپنی نوع سے کٹ کر دوسری نوع میں ملتا ہے اس لئے عنداللہ مجرم ہے۔ مرد و عورت میں انسان و غیر انسان میں چھانٹ علیحدگی ضروری ہے یوں ہی مومن و کافر میں علیحدگی ضروری ہے اگرچہ شکل و صورت رہن سہن میں دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت میں کوسوں کا فرق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

شعر:۔

☆ میل مجنوں پیش آں لیلیٰ رواں ☆ میل ناقہ پس پئے طفلش رواں ☆

☆ گفت اے ناقہ چو ہر دو عاشقیم ☆ ما و ضد پس ہمرہ نالایقیم ☆

☆ نیست بر وفق من مہر و مہار ☆ کرد باید از تو صحبت اختیار ☆

☆ جاں زہجر عرش اندر فاقہ ☆ دل ز عشق خار بن چوں ناقہ ☆

☆ جاں کشاید سوئے بالا بالہا ☆ در زدہ تن در زمیں چنگالہا ☆

مجنوں لیلیٰ کے ناقہ کے پیچھے دوڑ رہا تھا اور لیلیٰ کی ناقہ اپنے بچہ کے پیچھے بھاگ رہی تھی۔ مجنوں نے ناقہ سے کہا۔ اے ناقہ میں اور تو دونوں ہم پیشہ ہیں تو بچہ کے پیچھے بغیر لگام و مہار بھاگ رہی ہے اور میں لیلیٰ کے پیچھے بغیر نکیل دوڑ رہا ہوں جان عرش کے ہجر میں زار ہے۔ نفس ناقہ کی طرح طالب خار زار ہے۔ جان اوپر کی طرف پرواز کرنا چاہتی ہے۔ نفس نیچے غار میں چنگل گاڑھ رہا ہے۔ جنہوں نے نفس کو جان کا ہم جنس بنا دیا وہ کامیاب رہے اور جنہوں نے جان کو نفس کے ہم جنس بنایا وہ مردود ہوئے۔ ان یہود و منافقین نے دل و جان کو نفس کا ہم جنس بنا کر کفار سے میلان اختیار کیا مردود ہوئے۔ صوفیاء

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں کہ رب نے ہم کو یہاں بہت دولت دے کر مشک و عنبر خریدنے بھیجا ہے تم اس دولت سے بھنگ و اجوائن مت خرید لو ورنہ مالک کو کیا جواب دو گے مالک کی دی ہوئی رقم برباد نہ کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے عبادات کے لئے ایک ڈھانچہ ہوتا ہے۔ ایک روح اور ایک زیور ڈھانچہ وہ جس سے عبادت جائز ہو روح وہ جس سے عبادت قبول ہو زیور وہ جس سے عبادت کا ثواب بڑھے وضوء' رکوع و سجود نماز کا ڈھانچہ ہے عشق و اخلاص نماز کی روح۔ پھر جماعت مسجد اچھا امام نماز کا زیور ہے یوں ہی گناہ کے لئے ایک ڈھانچہ ہے۔ ایک گناہ کی روح اور ایک گناہ کی عارضی گندگی برے کام گناہوں کا ڈھانچہ ہیں۔ کفار کی طرف دلی میلان گناہوں کی روح ہے۔ ان کفار سے ساز باز گناہوں پر گندگی کا اور اضافہ یہاں ان تینوں کا ذکر ہے یہ آیت بہت ہی جامع ہے۔ اسی لئے عارف انسان فرشتوں سے افضل ہے کہ اس کی عبادات میں ڈھانچہ روح زیور سب کچھ ہے اور بے دین انسان شیطان سے بدتر ہے کہ اس کے گناہوں میں یہ تین چیزیں جمع ہیں ڈھانچہ روح گندگی دیکھو حضرت حسین کا کربلا والا آخری نماز کا آخری سجدہ سارے فرشتوں کی ساری عبادات سے افضل ہوا کہ ان کی شہادت میں ڈھانچہ اور روح تو تھی ہی مگر اللہ تعالیٰ نے اسے ایسے زیوروں سے آراستہ کیا جن کی مثال نہیں۔

☆ محمد کا نواسہ ہو رہا ہے ذبح سجدہ میں ☆

☆ زمیں والوں کا سجدہ دیکھ آئیں آسماں والے ☆

درشت غربت ایک زیور۔ بیکسی دوسرا زیور تین دن کی پیاس شہادت حسین کا تیسرا زیور اپنے سامنے اپنے پیارے بچوں دوستوں کی شہادت چوتھا زیور سجدہ میں سر کٹانا پانچواں زیور بعد شہادت بیوی بچوں کا دشمنوں کے ہاتھ اسیر ہونا چھٹا زیور ہے غرضیکہ کونسا زیور تھا جس سے یہ شہادت آراستہ نہ کی گئی۔ حسین بے مثال شہید اور آپ کی شہادت عظمیٰ بے مثل شہادت۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الْیَهُوْدَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ

البتہ ضرور پاؤ گے آپ لوگوں میں بہت سخت دشمنی والا ان لوگوں کی جو ایمان لائے یہود کو اور ان لوگوں کو جنہوں

ضرور تم مسلمانوں کا سب سے بڑھ کر دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پاؤ گے اور ضرور تم مسلمانوں

اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا الَّذِیْنَ قَالُوْۤا اِنَّا نَصٰرٰی ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ

نے شرک کیا اور البتہ ضرور پاؤ گے تم ان میں زیادہ قریب محبت میں ان لوگوں کی جو ایمان لائے جنہوں نے کہا کہ بیشک

کی دوستی میں سب سے زیادہ قریب ان کو پاؤ گے جو کہتے تھے ہم نصاریٰ ہیں یہ اس لئے کہ ان میں

قِسِّیْسِیْنَ وَ رُهْبَانًا وَّ اَنَّهُمْ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

ہم عیسائی ہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ ان میں سے علماء اور راہب ہیں اور بیشک وہ نہیں غرور کرتے۔

عالم اور درویش ہیں اور یہ غرور نہیں کرتے تھے

www.alahazratnetwork.org

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی مسلمانوں کے خلاف خفیہ سازشوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان کی دلی عداوت کا ذکر ہے جو انہیں اسلام اور مسلمانوں سے ہے گویا یہود کی عملی بیرونی عداوت کے بعد انکی قلبی اور اندرونی عداوت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں یہود کی ان کوششوں کا ذکر فرمایا گیا جو وہ اسلام کے خلاف کرتے تھے اب تمام کوششوں کی وجہ کا ذکر ہے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے گویا درخت عداوت کی شاخوں کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی جڑ کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ مومنین کی اولیاء اللہ کی حضرات انبیاء کی خصوصا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت انسان سے وہ حرکتیں کرا لیتی ہے جو خود اس کی ضمیر کے خلاف ہوتے ہیں۔ مشرکین سے دوستی 'بتوں کو سجدہ شرک کی تعریف کرنا یہ وہ حرکتیں ہیں جو خود یہود کے عقیدوں کے بھی خلاف ہیں مگر وہ یہود مسلمانوں اور حضور کی عداوت میں یہ سب کچھ کر گزرے مومن کی دشمنی تمام گناہوں کی جڑ ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات کریمہ کا ذکر تھا کہ یہودی مسلمانوں کے مقابلہ میں مشرکین سے محبت کرتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس کی محبت کی وجہ یہ ہے کہ اسلام کی سخت عداوت میں یہ دونوں یعنی یہود و مشرکین یکساں ہیں گویا دونوں اس سخت عداوت میں ہم جنس ہیں اور ہر جنس اپنی جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں یہود کی سخت اسلام دشمنی کا ذکر تھا۔ اب ان کے مقابلہ میں عیسائیوں کی نرم پالیسی کا تذکرہ ہے گویا اہل کتاب کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت کی سخت دشمنی کے بعد ان کی دوسری جماعت کی نرمی کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ سارے کافر اگرچہ کافر ہیں مگر ان میں پھر کچھ فرق ہے۔ **پانچواں تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی بے دینی اور عداوت مسلمین کا ذکر تھا اب اس آیت میں اس کی ظاہری وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہود میں علماء' عابدین' زاہدین نہیں یہ سب لوگ پکے دنیادار حریص و حاسد ہیں۔ عیسائیوں میں علماء صالحین ہیں اس لئے ان کا حال یہ نہیں۔

شان نزول اعلان نبوت کے پانچویں سال مشرکین مکہ کے ظلم مسلمانوں پر بہت ہی زیادہ ہو گئے اور ابھی تک جہاد کا حکم نہیں آیا تھا۔ مسلمانوں کی حفاظت کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کو جانے کا مشورہ دیا اور فرمایا کہ وہاں کا بادشاہ نیک آدمی ہے نہ کسی کو ستاتا ہے نہ اس کے ملک میں کوئی ستایا جاتا ہے۔ چنانچہ ماہ رجب پانچویں سال نبوت کو گیارہ مرد اور چار عورتوں کا مختصر سا مہاجرین کا قافلہ مکہ معظمہ سے حبشہ روانہ ہوا گیارہ مرد یہ ہیں۔ (۱) عثمان ابن عفان۔ (۲) زبیر ابن عوام۔ (۳) عبداللہ ابن مسعود۔ (۴) عبدالرحمٰن بن عوف۔ (۵) ابو حذیفہ ابن عتبہ۔ (۶) مصعب ابن عمیر۔ (۷) ابو سلمہ ابن عبدالاسد (۸) عثمان ابن مظعون (۹) عامر ابن ربیعہ۔ (۱۰) حاطب ابن عمرو۔ (۱۱) سہیل ابن بیضاء اور چار عورتیں یہ ہیں۔ (۱) رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی زوجہ عثمان ابن عفان۔ (۲) سہلہ بنت سہیل یعنی ابو حذیفہ کی زوجہ۔ (۳) ام سلمہ بنت امیہ یعنی ابو سلمہ کی زوجہ جو بعد میں حضور کے

www.alahazratnetwork.org

نکاح میں آئیں۔ (۴) لیلہ ابی خیثمہ یعنی عامر ابن ربیعہ کی زوجہ۔ پندرہ مہاجرین کا یہ قافلہ براستہ سمندر حبشہ روانہ ہوا انہوں نے آدھے دینار میں کشتی کرایہ پر لی اور بخیریت حبشہ پہنچ گئے۔ اس ہجرت کا نام ہجرت اولیٰ ہے اور ان حضرات کو مہاجرین اولین کہا جاتا ہے۔ پھر جعفر ابن ابی طالب اور دوسرے مسلمان وہاں جاتے رہے۔ حتیٰ کہ وہاں صرف مرد بیاسی پہنچ گئے۔ عورتیں بچے ان کے علاوہ تھے ایک سال کے بعد یعنی نبوت کے چھٹے سال جب کفار مکہ کو پتہ لگا کہ یہ مسلمان تو حبشہ میں امان سے رہنے سہنے لگے تو انہوں نے عمرو ابن عاص اور عبداللہ ابن ربیعہ کو ایک جماعت کے ساتھ بہت سے تحفے تحائف لے کر بادشاہ حبشہ (جس کا نام اصحمہ یا سمحہ تھا لقب نجاشی۔ اس زمانہ میں شاہ حبشہ کو نجاشی کہا جاتا تھا جیسے شاہ روم کو قیصر اور شاہ فارس کو کسریٰ) کے پاس بھیجا۔ انہوں نے دربار نجاشی میں باریابی حاصل کری اور نجاشی کو تحفے پیش کر کے کہا کہ ہمارے مکہ میں ایک دیوانہ نے دعویٰ نبوت کیا ہے (نعوذ باللہ) کچھ لوگ اس کے ساتھ لگ کر بہت فساد پھیلا رہے ہیں۔ ان میں بعض فسادی تیرے ملک میں فساد پھیلانے کے لئے آگئے ہیں جو تیرے دین تیرے نبی عیسیٰ علیہ السلام کے بھی دشمن ہیں بہتر ہے کہ تو انہیں ہمارے حوالے کر دے تاکہ تیرا ملک فساد سے محفوظ رہے۔ بادشاہ نے کہا کہ میں ان لوگوں کے بیان لینے کے بعد فیصلہ کروں گا چنانچہ یہ مہاجرین شاہی دربار میں بلائے گئے ان حضرات نے دربار میں پہنچ کر بادشاہ کو سجدہ نہ کیا بلکہ اسلامی سلام کیا قریشی وفد نے بادشاہ سے کہا کہ کیا آپ نے نہ دیکھا کہ یہ لوگ آپ کے آگے نہ جھکے ایسے متکبر ہیں۔ نجاشی نے ان حضرات سے پوچھا کہ تم نے ہم کو یہ سلام کونسا کیا انہوں نے جواب دیا کہ وہ سلام کیا جو اہل جنت آپس میں کیا کریں گے۔ اور جو فرشتے ایک دوسرے کو کرتے ہیں۔ نجاشی نے پوچھا کہ تم ہمارے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کیا کہتے ہو۔ مہاجرین نے کہا کہ وہ اللہ کے بندے اللہ کے رسول کلمۃ اللہ اور جناب مریم کنواری بتول کے فرزند ہیں۔ نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھا کر کہا کہ تمہارے نبی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیم میں اس تنکے کے برابر بھی کمی زیادتی نہ کی۔ وفد قریش کے منہ تو یہ سن کر ہی زرد پڑ گئے پھر نجاشی نے ان مسلمانوں سے کہا کہ کیا تمہارے قرآن نے ہمارے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کچھ فرمایا ہے تو حضرت جعفر طیار نے کھڑے ہو کر سورہ مریم کی تلاوت کی بھلا اللہ کا کلام ہو اہل بیت رسول اللہ کی زبان ہو پھر تاثیر کا کیا پوچھنا خود نجاشی اور اس کے درباری رہبین قسیسین غرضیکہ تمام حاضرین زار و زار رونے لگے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں۔ نجاشی بادشاہ اسی وقت ایمان لے آئے۔ عمرو ابن عاص جو وفد قریش کے رئیس تھے وہ نجاشی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ ایک معمہ پوچھا جاتا ہے کہ بتاؤ وہ کون تابعی ہے جس کے ہاتھ پر صحابی مسلمان ہوئے وہ تابعی نجاشی ہیں جن کے ہاتھ پر عمرو ابن عاص صحابی ایمان لائے (تفسیر صاوی) پھر نجاشی نے مسلمانوں سے کہا کہ تم میرے ملک میں چین و آرام اور امن و امان سے رہو حتیٰ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی۔ اتفاقاً مہاجرین حبشہ میں ابو سفیان کی بیٹی ام حبیبہ یعنی رملہ بنت ابو سفیان ابن صخر ابن حرب جن کی والدہ حضرت عثمان غنی کی پھوپھی صفیہ بنت عاص ہیں۔ یہ بھی تھیں۔ نجاشی بادشاہ نے حبشہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

کا نکاح ام حبیبہ سے کر دیا اور اپنے پاس سے چار سو دینار یا چار لاکھ درہم ادا کر دیئے (اکمال) حبشہ کے لوگوں نے بہت کچھ سامان عطر و تیل وغیرہ بطور جہیز جناب ام حبیبہ کی خدمت میں پیش کئے ام حبیبہ کے پہلے خاوند کا حبشہ میں ہی انتقال ہو چکا تھا (تفسیر صاوی) فتح خیبر کے سال یعنی ۶ ہجری میں یہ مہاجرین حبشہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے اتفاقاً" حضرت جعفر خاص فتح خیبر کے دن پہنچے۔ حضور انور نے فرمایا میں نہیں کہہ سکتا کہ آج مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر کے آنے کی۔ حضرت جعفر کے ساتھ یا ان کے فوراً ہی حبشہ کے عیسائی حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ جن میں سے باسٹھ حبشی تھے اور آٹھ شامی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورہ یٰسین پڑھ کر سنائی یہ لوگ سن کر بہت روئے اور بولے کہ یہ کلام حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وحی کے بالکل مطابق ہے ان لوگوں کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ یعنی مومنین دربار نجاشی اور مومنین وفد (تفسیر خازن' خزائن' تفسیر صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی و خازن نے بہت طویل واقعہ بیان کیا ہے ہم نے مختصراً" نقل کیا۔

تفسیر **لتجدن اشد الناس عداوۃ للذین امنوا** یہ نیا جملہ ہے جس میں یہود کی خباثت کا ذکر ہے **لتجدن** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یہ فعل دو مفعول چاہتا ہے۔ افعال قلوب سے ہے۔ چونکہ یہود کی اسلام دشمنی بالکل ظاہر ہے۔ کسی دلیل کی محتاج نہیں اس لئے **تجدن** ارشاد ہوا اس کا پہلا مفعول **اشد الناس** ہے دوسرا **الیھود** الخ یا یوں کہو کہ پانا وہاں بولا جاتا ہے۔ جہاں معلوم چیز کی آزمائش ہو کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص کو میں جیسا جانتا تھا میں نے اسے ویسا ہی پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں کے ہر حال سے خبردار ہیں آپ کو یہود کے عداوت و دشمنی کی خبر تھی مگر اس کا ظہور خاص موقعوں پر ہوتا ہے لہٰذا فرمایا گیا کہ تم انہیں بدترین دشمن پاؤ گے یعنی آزماؤ گے ان کی یہ آزمائش تاقیامت ہوتی رہے گی یہود مسلمانوں سے عداوتیں کرتے رہیں گے۔ حضور پر اس کا ظہور ہوتا رہے گا۔ **عداوۃ** تمیز ہے **اشد الناس** کی چونکہ مومن انسانوں کا دشمن کافر انسانوں کے سواء اور کوئی نہیں۔ فرشتے مومنوں کے دعاگو ہیں۔ (قرآن مجید) خشکی دریا کا ہر جانور مومنوں علماء کے لئے دعائیں کرتے ہیں اس لئے یہاں **اشد الناس** فرمایا **اشد الخلق** نہ کہا۔ خیال رہے کہ شیطان یا موذی جانوروں کو مومنین سے ہی نفرت نہیں بلکہ انہیں تو انسانوں سے عداوت ہے لہٰذا **اشد الناس** فرمانا بہت ہی موزوں ہے **الذین امنوا** فرما کر یہ بتایا کہ کوئی کسی درجہ کا مومن کسی وقت ایمان لائے کسی طرح مسلمان ہو جاوے۔ یہ اس کے دشمن ہیں انہیں سلام و ایمان کے نام سے چڑ ہے اس لئے بالمومنین نہ فرمایا تاکہ یہ شبہ نہ ہو کہ یہود عداوت تو کرتے ہیں مگر کامل مومنوں سے عوام مومنین سے نہیں۔ آج بھی دیکھا جا رہا ہے کہ ہندو اور یہودی ہر کلمہ گو کے دشمن ہیں خواہ وہ کسی فرقہ کا ہو۔ چکڑالوی سنی ہو یا وہابی جو اسلامی فرقہ ان کو اپنا دوست جانے وہ دھوکے میں ہے۔ **الیھود والذین اشرکوا** یہ عبارت **لتجدن** کا دوسرا مفعول ہے۔ یہود کو مشرکین سے پہلے بیان فرمانے میں اشارہ ہے کہ یہود بمقابلہ مشرکین کے بھی سخت دشمن ہیں گویا اول نمبر دشمن یہود ہیں۔ دوم نمبر مشرکین کیونکہ یہود کا

www.alahazratnetwork.org

مذہب یہ ہے کہ اپنے مذہبی مخالفین کو ہر ممکن طریقہ سے نقصان پہنچانا بہت بڑا ثواب ہے یہود نفسانی خواہشات کی پیروی' حرص' ہوس' عداوت انبیاء میں ہمیشہ پیش پیش رہے دنیا میں دو قومیں بہت حریص ہیں یہودی اور مشرکین رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولتجدنهم احرص الناس على حيوة** اور فرماتا ہے **ومن الذين اشركوا يود احدهم لو يعمر الف سنة۔ والذين اشركوا** فرماکر یہ بتایا کہ ہر مشرک مسلمانوں کا دشمن ہے۔ خواہ ان کے عوام سے ہو یا خواص سے جیسے ہر سانپ انسان کا دشمن ہے خواہ کسی قسم کا ہو اس لئے مشرکین نہ فرمایا یعنی آپ مسلمانوں کا بدترین دشمن دو قوموں کو پائیں گے ایک یہود دوسرے مشرکین **ولتجدن اقربهم مودة للذين امنوا** یہ عبارت پہلی عبارت کے مقابلہ میں ہے جس میں عیسائیوں کا اسلام اور مسلمانوں سے قرب بیان فرمایا گیا۔ اس عبارت کی وہ ہی تحقیق ہے۔ جو ابھی پہلے جملے میں عرض کی گئی **اقربهم** میں **هم** کا مرجع وہ ہی الناس ہے جس سے مراد کفار تھے مودت اور محبت کے معانی ان میں فرق ان کے درجات بارہا بیان ہو گئے ہیں یعنی تمام کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں سے قریب تر محبت والا آپ پائیں گے۔ **الذين قالوا انا نصرى** یہ عبارت **لتجدن** کا دوسرا مفعول ہے اس عبارت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد تمام عیسائی نہیں بلکہ نجاشی اور ان کے ساتھی اور وہ عیسائی ہیں جو حضرت جعفر کے ساتھ مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات کے لئے آئے اور قرآن مجید سن کر روئے بعد میں مسلمان ہو گئے یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس سعید ابن جبیر' امام سدی اور عطا کی ہے اس صورت میں قالو کے معنی یہ ہوں گے کہ جو مسلمان ہونے سے پہلے اپنے کو عیسائی کہتے تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی کی تائید کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد وہ ہی عیسائی ہیں۔ جو اب بھی عیسائی ہیں انہیں بمقابلہ یہود و مشرکین کے **اقرب** فرمایا گیا کیونکہ یہود مسلمانوں کو دشمنی میں ہر قسم کا مکر۔ حیلہ حتیٰ کہ مسلمانوں کا قتل۔ ان کے مال کی چوری غصب کو عبادت جانتے ہیں ان کے ہاں مسلمانوں کو ایذا دینا بڑی نیکی ہے۔ عیسائیوں کے ہاں انسان کی ایذا عبادت نہیں وہ ایذا کو حرام جانتے ہیں اس لحاظ سے وہ یہود مشرکین سے ہلکے دشمن ہیں (تفسیر کبیر) **قالوا انا نصارٰى** فرماتے ہیں ایک عجیب نکتہ ہے وہ یہ کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے یہود کو حکم جہاد دیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آپ اور آپ کا رب جائیں' جہاد کریں ہم تو یہاں ہی بیٹھے ہیں۔ ان کے عناد کا تو یہ حال ہے کہ اپنے نبی سے نہیں ٹلے۔ مگر جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے ایک مصیبت کے موقع پر فرمایا **من انصاری الى الله** میرا مددگار اللہ کی راہ میں کون ہے تو **قال الحواريون نحن انصار الله** انہوں نے کہا ہم ہیں اللہ کے رسول اللہ کے دین کے مددگار' یہ فرق تھا ان دونوں قوموں کے رویہ میں وہ ہی فرق اب تک چلا آ رہا ہے اور تا قیامت رہے گا اس لئے انہیں صرف نصاریٰ نہ فرمایا اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ **ذلك بان منهم قسيسين ورهبانا** اس عبارت میں یہود و نصاریٰ کے فرق کی وجہ اور نصاریٰ کے مسلمانوں سے قریب تر ہونے کی علت بیان ہوئی **ذلك** سے اشارہ پہلے **لتجدن** کی طرف ہے یا دوسرے **لتجدن** کی جانب عیسائیوں کے قریب تر ہونے کی تین وجہیں بیان ہوئیں ایک یہ

www.alahazratnetwork.org

کہ ان میں قسیس ہیں دوسرے یہ کہ ان میں رہبان ہیں قسیس بنا ہے قس سے۔ بمعنی رات میں کسی چیز کو ڈھونڈھنا عیسائیوں کے علماء و پادریوں کو قسیس اس لئے کہتے ہیں کہ وہ رات میں عبادات کے عادی ہیں بہت کم سوتے ہیں اکثر حصہ عبادات میں گزارتے ہیں بعض نے فرمایا کہ رومی زبان میں قسیس کے معنی ہیں عالم دین رہبان یا تو راہب کی جمع ہے جیسے راکب کی جمع رکبان اور فارس کی جمع فرسان یا رہبان واحد ہے کہ اس کی جمع ہے۔ **رهابين** جیسے قربان کی جمع ہے قرابین بہرحال یہ لفظ بنا ہے رہب سے۔ بمعنی ڈر و خوف رب فرماتا ہے۔ **ترهبون به عدوا الله وعدوكم** لہذا راہب کے معنی ہوئے خوف خدا دل میں رکھنے والے اس سے مراد ہیں۔ عیسائیوں کے تارک الدنیا درویش (تفسیر کبیر) روح المعانی نے فرمایا کہ راہب وہ عیسائی ہیں جو گرجوں کے گوشوں میں اپنی زندگی گزارتے ہیں اپنے کو خصی کر لیتے ہیں۔ بھوکے پیاسے رہتے ہیں راتوں کو اپنے گلوں میں رسی ڈال کر لٹکتے ہیں ترک دنیا میں زندگی گزارتے ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لا رهبانية في الاسلام** یعنی اسلام میں رہبانیت نہیں **وانهم لا يستكبرون**۔ یہ عیسائیوں کے قریب ترین ہونے کی تیسری وجہ ہے کہ ان میں قبول حق سے تکبر نہیں اگر انہیں حق بات سمجھانے کی کوشش کی جاوے تو ان میں سے کچھ لوگ قبول کر لیتے ہیں بخلاف عام یہود کے کہ وہ کسی کی بات ماننے کو اپنی ذلت و توہین جانتے ہیں۔ حق کو حق جانتے ہوئے بھی مانتے نہیں۔ دیکھو شاہ فارس یعنی کسریٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دعوت نامہ اسلام چاک کر دیا مگر شاہ روم یعنی ہرقل نے آنکھوں سے لگا لیا۔ اس کا احترام کیا۔ کسریٰ مشرک تھا ہرقل عیسائی' نجران کے عیسائیوں نے حضور سے مباہلہ نہ کیا بلکہ جزیہ قبول کر لیا مگر یہود خیبر نے حضور کو زہر دیا۔ بہت سے عیسائی سلاطین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہدیے تحفے بھیجے۔ چنانچہ مقوقس یعنی شاہ مصر نے حضور کے فرمان عالی کے جواب میں حضور کی خدمت میں تحفے بھیجے بہت عقیدت کا اظہار کیا یہ بادشاہ عیسائی تھا۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو زندگیاں دی ہیں زندگی جسمانی اور زندگی روحانی۔ جسمانی زندگی میں ضروری ہے کہ جان جسم میں رہے۔ زندگی ایمانی میں ضروری ہے کہ ایمان جان میں رہے پھر جیسے زندگی جسمانی کے لئے بعض چیزیں مفید ہیں۔ بعض مضر۔ بعض سے موت واقع ہو جاتی ہے غذا ہوا پانی ضروری ہے زہر قاتل ہے نیز بعض لوگ زندگی جسمانی کے دشمن ہیں بعض دوست ہیں یوں ہی زندگی روحانی کے لئے بعض چیزیں مفید ہیں بعض مضر بعض قاتل بعض لوگ دوست ہیں بعض دشمن ان مفید و مضر جسمانی کی پہچان طب یونانی سے ہوتی ہے تو ایمان کے دوست دشمن کی پہچان طب ایمانی سے ہوتی ہے۔ قرآن کریم طب ایمانی کی اعلیٰ کتاب ہے اس آیت میں ایمانی دشمنوں کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا اگرچہ سارے کافر مسلمانوں کے مخالف ہیں مگر اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان قرآن پڑھنے والے ان تمام کفار میں سخت اور بدترین دشمن مسلمانوں کا دو قوموں کو پاؤ گے اول نمبر یہود' دوسرے نمبر وہ جنہوں نے کسی قسم کا شرک کیا یعنی مشرکین کہ یہ دونوں قومیں مسلمان کی جان ان کے مال' عزت آبرو کے ہر طرح دشمن ہیں اور ان تمام کفار میں دوستی میں

www.alahazratnetwork.org

قریب تر مسلمانوں سے ان لوگوں کو پاؤ گے جو پہلے اپنے کو نصاریٰ کہتے تھے اب مسلمان ہو گئے یا جنہوں نے اپنے پیغمبر عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم اللہ کے دین کے مددگار ہیں یا جو اپنے کو عیسائی کہتے ہیں ان عیسائیوں کا مسلمانوں کی دوستی سے قریب تر ہونا تین وجہ سے ہے ایک یہ کہ ان میں اب تک بڑے بڑے علماء ہیں ان میں تارک الدنیا خدا پرست درویش و راہب ہیں اور ان کے عوام کے دلوں میں ان کا ادب ہے۔ دوسرے یہ کہ ان میں تکبر اور اپنی بڑائی نہیں عموماً ان کے دلوں میں تواضع و انکساری ہے بخلاف یہود کے کہ یہ حاسد پکے دنیا دار بڑے لالچی سخت متکبر ہیں ان کے دلوں میں کوئی نصیحت اثر نہیں کرتی۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** بعض لوگوں کو حضور سے قرآن ملا جیسے حضرت بلال اور عام صحابہ کرام اور بعض کو قرآن سے حضور ملے۔ جیسے حضرت عمرو ابن عاص جو سورہ مریم سن کر ایمان لائے کوئی آئینہ سے صورت دیکھتا ہے کوئی صورت کے ذریعہ آئینہ کو دیکھتا ہے اس کی صفائی وغیرہ قرآن کریم آئینہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ دار کسی نے حضور کے رخسار میں قرآن بلکہ یار کو دیکھا۔ کسی نے قرآن میں یار کے رخسار کا مشاہدہ کیا۔ **دوسرا فائدہ** سودا ایک ہے مگر اس کے ملنے کے ڈپو علیحدہ گندم آٹا چینی ایک ہے ایک ہی سرکلر کی ہے مگر جس ڈپو کا راشن کارڈ ہو گا اس ڈپو سے ملے گا۔ ایمان کا سودا ایک ہے مگر کسی کو مکہ معظمہ میں دیدیا۔ کسی کو مدینہ منورہ میں کسی کو حبشہ کے ڈپو سے۔ حضرت عمرو ابن عاص کو ایمان کا سودا حبشہ کے ڈپو سے دیا۔ دینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی ہیں۔ **تیسرا فائدہ** حسن ایک ہوتا ہے مگر اس کے چمکنے کی جگہ مختلف ہوتی ہیں۔ حسن یوسف ایک تھا مگر چمکا بازار مصر میں حسن محمدی ایک تھا مگر حضرت عمرو ابن عاص کو نظر آیا۔ بازار حبشہ میں حضور نے کسی کو اپنے ہاتھ سے دیا کسی کو اپنے غلاموں سے دلوایا۔ حضرت صدیق کو ایمان براہ راست دیا۔ حضرت عمرو ابن عاص کو ایمان حضرت نجاشی کے ذریعہ دلوایا کہ کسی فقیر کو داتا خود دیتا ہے کسی کو اپنے غلام کے ہاتھ سے دلواتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** کافر عداوت بمقابلہ کافر محبت کے سخت تر ہے یہود کے کفر کی بنیاد حضرات انبیاء کرام کی سخت عداوت پر ہے۔ عیسائیوں کے کفر کی بنیاد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں افراط پر ہے۔ رب تعالیٰ نے یہود کو مسلمانوں کا بدترین دشمن قرار دیا یہ قاعدہ بہت عام ہے۔ جس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے دیکھو شیعہ اور وہابیوں میں کتنا فرق ہے جو اکثر مشاہدہ میں آتا رہتا ہے۔ **پانچواں فائدہ** یہود اور مشرکین دونوں دشمن ہیں مگر یہود اول نمبر ہیں یہ فائدہ یہود کو مقدم فرمانے اور **الذین اشرکوا** کو مؤخر فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ** یہود و مشرکین بلکہ تمام کفار مسلمانوں کے نفس اسلام و ایمان کے دشمن ہیں خواہ مسلمان کسی درجہ کا ہو اور کسی وقت کا ہو کسی قوم کسی ملک کا ہو یہ فائدہ الذین امنوا فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں **المومنین** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی۔ **ساتواں فائدہ** ہر مشرک خواہ وہ کسی طبقہ کسی ملک کسی ملت کا ہو گائے پرست ہو یا درخت پرست یا ستارہ پرست پرانا مشرک ہو یا نیا۔ مسلمانوں کو بدترین دشمن ہے یہ فائدہ **الذین اشرکوا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انہیں **والمشرکین** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد

www.alahazratnetwork.org

کی۔ **آٹھواں فائدہ** مشرکین کو مسلمانوں کا دوست سمجھنا بڑی غلطی ہے۔ جس کا نہایت تلخ تجربہ ہم اہل پاکستان کو بارہا ہو چکا ہے اپنی مخلوق کو جیسا وہ جانتا ہے دوسرا کوئی نہیں جانتا۔ جب وہ فرما رہا ہے کہ یہ تمہارے دشمن ہیں تو بالکل حق فرما رہا ہے ہماری عقل ہماری رائے جھوٹی ہے رب تعالیٰ کی خبر سچی۔ **نواں فائدہ** عیسائی خواہ کسی طبقے کے ہوں مگر یہود و مشرکین سے اسلام دشمنی میں ہلکے ہیں یہ فائدہ **قالوا انا نصارٰی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ** قوم میں علماء و درویشوں کا رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اس سے تمام قوم سنبھلی رہتی ہے یہ فائدہ **منهم قسيسين الخ** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ** غرور و تکبر اللہ کی لعنتیں ہیں جس سے انسان بہت سی خوبیوں سے محروم ہو جاتا ہے یہ فائدہ **لا يستكبرون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیسائیوں کی تعریف میں ان کی تواضع کا ذکر فرمایا۔ **بارہواں فائدہ** تکبر کسی قسم کا ہو برا ہے خواہ قوم پر ہو یا علم پر یا دولت پر یا جتھے پر یا زہد و تقویٰ و عبادت پر کوئی تکبر ہو اللہ کی رحمت سے محروم کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ **لا يستكبرون** کے اطلاق سے حاصل ہوا **شعر**۔

☆ عجز کار انبیاء و اولیاء است ☆ عاجزی محبوب درگاہ خدا است ☆

تیرہواں فائدہ عیسائیوں میں عبادت ترک دنیا کا شوق و ذوق ہے اب بھی ان میں بہت سے راہب اور سن دیکھے جاتے ہیں ہم نے فلسطین میں بہت بڑے بڑے گرجے اور گرجوں میں بڑے بڑے راہب دیکھے بخلاف یہود کے کہ یہ لوگ دنیا میں اس قدر مشغول ہیں کہ انہیں عبادات و ریاضات کا خیال بہت کم آتا ہے یہ فائدہ **منهم قسيسين الخ** سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم کی ساری خبریں برحق ہیں۔ **چودہواں فائدہ** نبی کی عداوت بے ادبی انسان کو تاقیامت برباد کر دیتی ہے اور نبی کی محبت و ادب تاقیامت سربلند کر دیتی ہے یہود کی ابتداء حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخی سے ہوئی تو انہیں تاقیامت حضرات انبیاء و مومنین کا سخت تر دشمن قرار دیا گیا۔ عیسائیوں کی ابتداء حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت گزاری و وفاداری سے ہوئی تو انہیں تاقیامت نبیوں اور مومنوں کا قریب قرار دیا گیا گرگٹ دشمن خلیل اللہ ہے کہ نمرودی آگ میں پھونکیں مارتا تھا تاقیامت اس کا مارنا ثواب ہے۔ ہدہد جناب خلیل اللہ کا خدمت گار ہے کہ وہ نمرودی آگ پر پانی ڈالتا تھا تو اسے جناب سلیمان علیہ السلام کا خاص خادم بنایا پانی کا بادشاہ قرار دیا بلکہ اس کے ذریعہ سارے ملک سبا بلقیس وغیرہ کو ایمان ملا اس نے ملکہ بلقیس کی گفتگو سمجھ کر سن کر حضرت سلیمان کو پہنچائی یہ نتیجہ ہے محبت نبی خدمت گزاری نبی کا۔

پہلا اعتراض قرآن کریم میں اس جگہ **للذين امنوا** اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف **للمؤمنين** فرمانا کافی تھا یعنی یہود مشرکین مومنوں کے بدترین دشمن ہیں۔ **جواب** اس کا جواب اشارۃً تفسیر میں گزر چکا کہ وہ لوگ مسلمانوں کے دشمن ان کے ایمان کی وجہ سے ہیں اگر کوئی مسلمان یہود و مشرکین کا رشتہ دار پڑوسی یا دوست یا محسن بھی ہو وقت پر یہ رعایت نہ کریں گے کوئی مومن یہ خیال نہ کرے کہ میں تو مشرکین کا پرانا دوست ہوں میرے ان کے پرانے

www.alahazratnetwork.org

تعلقات گہرے مراسم ہیں وہ میرے خیر خواہ ہیں تمہارا ایمان ان کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں یہود کے لفظ **الیھود** ارشاد ہوا اور مشرکین کے لئے **الذین اشرکوا** فرمایا گیا اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے یا تو یہود کو **الذین ھادو** فرمایا جاتا یا مشرکین کو بھی **والمشرکین** سے تعبیر کر دیا جاتا تاکہ عبارت میں یکسانیت ہوتی۔ **جواب** اس کے جواب بھی تفسیر میں اشارۃً عرض کئے گئے ایک یہ کہ یہود میں بہت فرقے نہیں مشرکین کے بہت فرقے ہیں۔ ستارہ پرست بت پرست گائے پرست پھر ان میں سے ایک ایک کے بہت فرقے ہیں۔ دو خدا ماننے والے تین چار حتیٰ کہ سال کے دنوں کے برابر تین سو ساٹھ خدا ماننے والے وغیرہ وغیرہ حتیٰ کہ پانچوں "آگ' خاک' ہوا کو خدا مانتے ہیں بعض نہیں ان کے فرقے بے شمار ہیں **اشرکوا** فرما کر یہ بتایا کہ ان کے سارے فرقے اسلام دشمنی میں یکساں ہیں دوسرے اس میں یہ اشارہ کیا گیا کہ پرانا مشرک اور نیا مشرک حتیٰ کہ ایک دن کا مشرک اسلام دشمنی میں برابر ہیں وجہ عداوت مطلقاً شرک ہے خواہ کسی طرح کا ہو یا کسی وقت کا۔ **تیسرا اعتراض** یہاں عیسائیوں کے متعلق **قالوا انا نصریٰ** اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف **النصاریٰ** فرما دینا کافی تھا۔ **جواب** اس اعتراض کے بھی کئی جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ عیسائیوں میں بہت فرقے ہیں جن میں آپس میں بہت اختلاف ہیں مگر وہ تمام فرقے مسلمانوں سے قرب محبت میں برابر ہیں یعنی جنہوں نے بھی اپنے منہ سے اپنے کو نصاریٰ کہہ دیا خواہ وہ کسی فرقے کے ہوں مگر بمقابلہ یہود مسلمانوں سے قریب المحبت ہیں یا جن لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم ہیں مددگار اللہ کے دین کے وہ اس اطاعت کی وجہ سے اب بھی مسلمانوں سے قریب المحبت ہیں غرضیکہ یہ دراز عبارت یا اظہار عموم و اطلاق کے لئے ہے یا اس قرب و محبت کی وجہ بیان فرمانے کے لئے ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ جنہوں نے اب تک اپنے کو عیسائی کہا تھا اور اب وہ مسلمان ہو گئے وہ مسلمانوں سے قریب المحبت ہیں۔ **چوتھا اعتراض** بعض یہود بھی مسلمانوں سے بہت ہی قریب رہے ہیں اور ان کی محبت مسلمانوں اور اسلام سے سچی و پختہ رہی جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام ان کے ساتھی یا بعد میں حضرت کعب احبار وغیرہم پھر قرآن کریم نے یہود کو سخت دشمن کیوں قرار دیا۔ **جواب** یہود میں ایسے لوگ بہت تھوڑے گنے چنے ہوئے مگر عیسائیوں میں بہت گویا یہودی شخصی طور پر اچھے ہوئے عیسائی قومی طور پر لہٰذا عیسائیوں کو قریب المحبت فرمانا بہت موزوں ہے۔ **پانچواں اعتراض** اس آیت کریمہ میں عیسائیوں کو مسلمانوں سے قریب المحبت فرمایا گیا۔ حالانکہ تجربہ بتا رہا ہے کہ عیسائی مسلمانوں اور اسلام کے بڑے سخت دشمن ہیں۔ خلفاء راشدین کے زمانہ میں اکثر لڑائیاں عیسائیوں سے ہوئیں یہود سے کوئی لڑائی نہ ہوئی عیسائیوں نے مسلمانوں کو ملک کے ملک جاہ کر دیئے دیکھو اسپین اور قرطبہ کے حالات آج بھی عیسائی مشنریاں اسلام کو تباہ کرنے کی فکر میں لگی ہوئی ہیں ان کے کالج ہسپتال وغیرہ سب مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لئے ہیں۔ پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں عیسائیوں سے مراد نجاشی بادشاہ اور اس کے ساتھی اور وہ ستر عیسائی ہیں

www.alahazratnetwork.org

جو حبشہ سے حضور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے یہ لوگ مسلمان ہو گئے تھے انہیں کے متعلق آگے ارشاد ہو رہا ہے **واذ اسمعوا ما انزل الی الرسول** الخ کہ یہ لوگ قرآن مجید سن کر روتے ہیں اور کہتے ہیں **امنا** ہم ایمان لے آئے عبداللہ ابن عباس وغیرہم مفسرین کا یہی قول ہے رضی اللہ عنہم اجمعین لہٰذا آیت بالکل واضح ہے دوسرے یہ کہ یہاں بمقابلہ یہود گفتگو ہے عیسائی بھی مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں مگر یہود مشرکین کے مقابلہ میں بہت کم (تفسیر کبیر) یہ بالکل درست ہے ہندوستان میں قریباً ڈیڑھ سو سال عیسائیوں کی حکومت رہی اس عرصہ میں مسلمانوں پر زندگی دوبھر نہیں ہوئی دس کروڑ مسلمان رہے اور انہیں قدرے مذہبی آزادی رہی اب اٹھارہ سال سے وہاں ہندوؤں کی حکومت ہو گئی وہاں مسلمان چار کروڑ رہ گئے۔ لاکھوں قتل کر دیئے گئے اور جو وہاں ہیں وہ زندہ درگور ہیں ایسی مصیبت میں ہیں جیسے اسرائیل فرعون کے ہاتھوں آفت میں تھے چند سال سے فلسطین میں یہودی راج قائم کر دیا گیا ہے دیکھ لو وہاں مسلمانوں کا حال کیا ہے اس کے علاقہ میں مسلمانوں کا رہنا تو کیا وہاں جانا بھی ناممکن ہے بلکہ اس کی وجہ سے سارے فلسطین و شام کے مسلمانوں کو مصیبت پڑ گئی ہے میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ فلسطین کے اسلامی علاقہ میں مسلمان و عیسائی ساتھ ساتھ رہتے بستے ہیں مگر یہودی علاقہ میں اگر مسلمان جھانک بھی لے تو اسے گولی مار دی جاتی ہے۔ یہ واقعات اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی تفسیریں ہیں، بہر حال اگرچہ سارے سانپ زہریلے ہیں مگر پھن والا سانپ زیادہ خطرناک یہاں تفسیر کبیر نے عجیب بات فرمائی وہ یہ کہ عیسائیوں نے انجیل میں ردوبدل کر دیا اپنے دین میں تبدیلیاں کر ڈالیں مگر ان کا ایک پادری جس کا نام قسیس تھا وہ اپنے صحیح مذہب پر قائم رہا صحیح انجیل پر عامل اس کے ہم مذہب علماء کو قسیسین کہتے ہیں یہاں ان ہی عیسائیوں کا ذکر ہے تفسیر خازن نے فرمایا کہ مسلمانوں کو ستانا یہود کے ہاں داخل فی الدین ہے عیسائیوں کے ہاں نہیں یہود کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا مال چوری جھوٹ فریب سے لے لینا بھی ثواب ہے عیسائیوں کا یہ عقیدہ نہیں۔ خلفاء راشدین کی لڑائیاں واقعی یہود سے نہ ہوئیں عیسائیوں سے ہوئیں مگر اس کی وجہ یہ تھی کہ یہود کی سلطنت کہیں تھی ہی نہیں۔ عیسائیوں کی سلطنتیں بہت تھیں۔ لہٰذا جنگیں بھی انہیں سے ہوئی تھیں۔ مگر آئندہ آیت **واذا سمعوا** الخ سے پہلے جواب کو قوت ہوتی ہے کہ یہ آیت ان خاص عیسائیوں کے متعلق ہے جو بعد میں مسلمان ہو گئے کیونکہ ان آیات میں ان کے ایمان لانے کا صراحتہً ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ یہود اپنی حرکات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی سخت ناراضی میں گرفتار ہو گئے۔ جسے سخطنہ الکبری کہتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں ہی بچھڑے کی پرستش کر لی بلکہ بچھڑے کی محبت ان کے دلوں میں گھر کر گئی **واشربوا فی قلوبھم العجل** یہ لوگ انسانیت سے نکل کر حیوانیت میں آ گئے پھر حیوانیت سے گر کر جمادیت میں پہنچے کہ اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا **اجعل لنا الھا کما لھم الھۃ** جیسے ان مشرکین کے معبود ہیں ویسے ہمارے لئے بھی کوئی معبود گڑھ دیجئے پھر حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر اور بھی گہرے گڑھے میں گر گئے

www.alahazratnetwork.org

پھر داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہفتہ کے دن شکار کرکے اور اس کی سزا میں بندر بن کر پھر حضرت عیسٰی علیہ السلام کے زمانہ میں غیبی دسترخوان مانگ کر پھر ایمان نہ لا کر اور اس کی سزا میں سور بن کر اور بھی لعنت الٰہی کے مستحق ہوتے چلے گئے حتی کہ انہیں اہل حق سے بہت دوری ہو گئی اور اسلام مسلمین بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کا تعلق نہ رہا بلکہ ان کے دلوں میں اللہ والوں سے عداوت کی آگ بھڑک گئی۔ عیسائی بھی اگرچہ کافر ہیں مگر ان سے یہ حرکات سرزد نہ ہوئیں ان میں عبادات کا ذوق رہا ان میں علماء درویش پیدا ہوتے رہے۔ اس لئے ان کو اللہ والوں سے قرب رہا۔ اس قرب کی وجہ سے بہت عیسائی مسلمان ہوئے اور ان کے ذریعہ اسلام کو بہت ترقیاں ہوئیں جیسے نجاشی اور ان کے ساتھی اللہ والوں سے نفرت خدا کا عذاب اللہ والوں سے قرب خدا کی رحمت۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تمام مخلوق میں ہدایت کا زیادہ محتاج انسان ہے بطخ اور مچھلی کا بچہ بغیر ہدایت ہی تیرنا کھانا جانتا ہے مگر انسان بغیر ہدایت کچھ نہیں کر سکتا اگر اعلیٰ درجہ کے تیراک کے بچے کو تالاب میں ڈالو ڈوب جاوے گا لہذا معرفت الٰہی میں ہادی کا زیادہ محتاج انسان ہی ہے اگرچہ اللہ تعالٰی نے اپنی مخلوق چاند تاروں سبزیوں وغیرہ کو معرفت الٰہی کا ذریعہ بنایا مگر یہ سب چیزیں گونگی ہیں اس لئے انسان ان چیزوں سے رب کو پہچاننے کی بجائے انہیں رب مان بیٹھا حتی کہ مشرکین ہند کے ہاں بندوں سے زیادہ تعداد معبودوں کی ہے غرضیکہ عالم کی چیزیں کعبہ معظمہ قرآن مجید ذریعہ ہدایت و دلیل توحید ہیں ان میں سے ہادی کوئی نہیں ہادی صرف انبیاء کرام ہیں۔ کعبہ حضور کی تشریف آوری سے پہلے بت خانہ بنا ہوا تھا۔ مشرکین مکہ کو ہدایت نہ دے سکا خود اپنے خدا خانہ بننے میں حضور کا منتظر رہا قرآن حضور کی تشریح و تفصیل کے بغیر قطعاً ہادی نہیں وہ تو یہ بھی نہیں بتاتا کہ نماز کیسے پڑھو زکوۃ کتنی دو۔ اس لئے انسان کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء بھیجے گئے مگر ان کی تبلیغیں محدود قوموں محدود وقتوں میں تھیں آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لامحدود قوموں اور لامحدود وقت کے لئے مبلغ اعظم بنا کر بھیجے گئے اس لئے حضرات انبیاء کرام کی تعلیم دنیا سے گم ہو گئی۔ حضور کی تعلیم بلکہ ہر ادا تاقیامت باقی رکھی گئی انسان دو قسم کے ہیں سعید اور شقی سعید کی علامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف میلان ہے اور شقی کی علامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دوری ہے۔ تمام شقیوں میں بدترین یہود ہیں اس لئے انہیں مسلمانوں سے سخت عداوت ہے اور ہلکے شقی عیسائی ہیں اس لئے انہیں مسلمانوں سے قرب و محبت ہے۔ اس میں فرق مراتب کا بیان ذکر ہے اللہ تعالٰی اپنے محبوبوں سے کسی کو دور نہ کرے۔ جلوہ محبوب ایک ہے مگر دیکھنے والی آنکھیں مختلف ہمارے جد امجد اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں۔

☆ کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی ☆

☆ نہیں اس کے جلوہ میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے ☆

وصلی اللہ تعالٰی علی خیر خلقہ ونور عرشہ وزینۃ فرشہ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین برحمتہ وھو ارحم الراحمین۔

www.alahazratnetwork.org

الحمد للہ کہ تفسیر نعیمی کا چھٹا پارہ یکم جولائی ۱۹۶۵ء عیسوی کو شروع ہو کر آج ۲۱ مئی ۱۹۶۶ء مطابق ۲۹ محرم الحرام ۱۳۸۶ ہجری بروز شنبہ ختم ہوا۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے صدقہ جاریہ بنائے۔ بقیہ جلدیں پوری کرنے کی توفیق دے۔ آمین۔

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان)

www.alahazratnetwork.org

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ ہفتم

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

۴۰۔ اردو بازار ★ لاہور

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی (پارہ ہفتم)

مصنف ——— حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات ——— 702

کمپوزنگ ——— لیزر کمپوزنگ ان' سٹار سائنس مارکیٹ'

تکیہ املی والا' آبکاری روڈ' نیو انار کلی' لاہور

پرنٹر ——— پیر بھائی پرنٹرز

ناشر ——— مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور۔

قیمت ———

www.alahazratnetwork.org

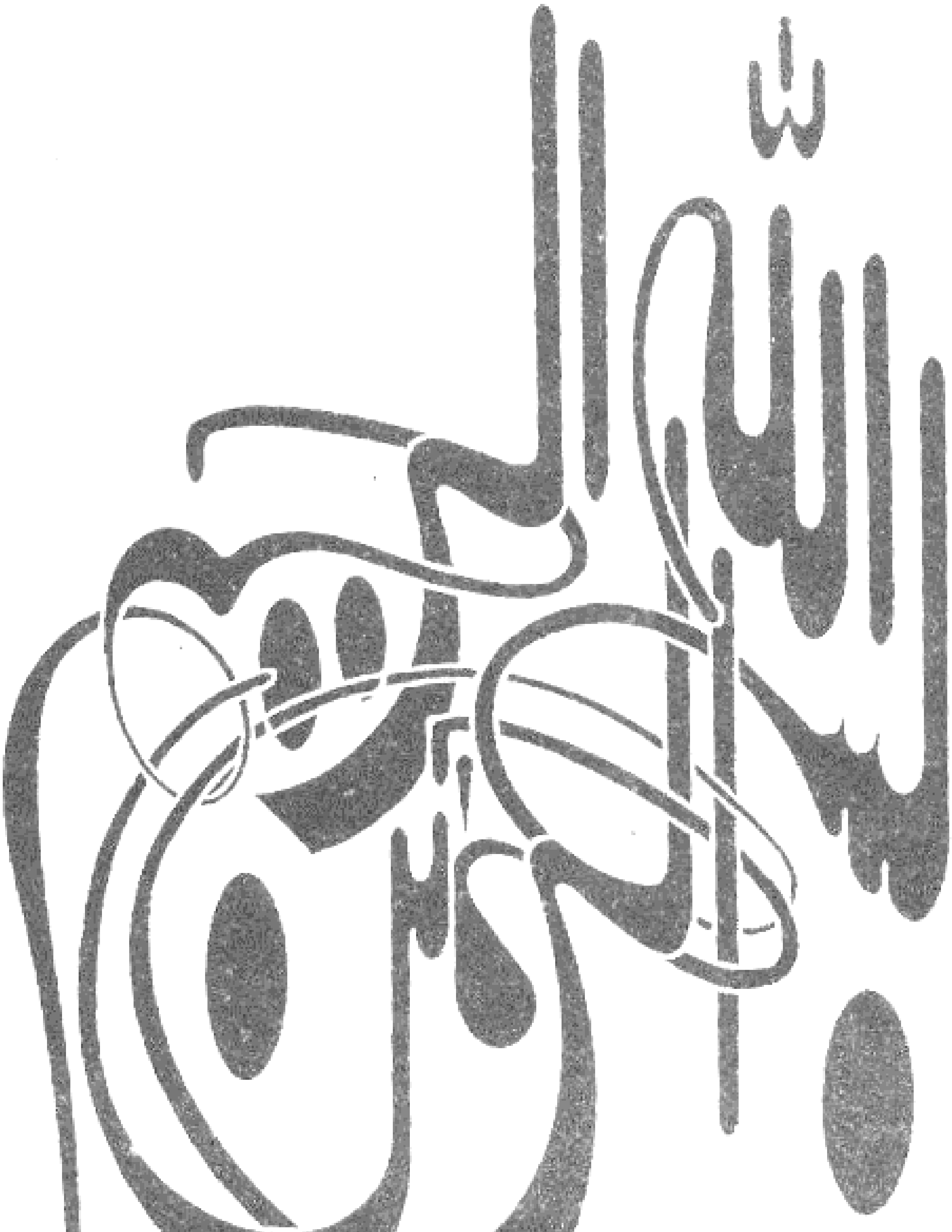

www.alahazratnetwork.org

فہرست "تفسیر نعیمی" پارہ ہفتم واذا سمعوا

مضمون	صفحہ
واذا سمعوا ما انزل الی الرسول	15
فیض کے نفیس معنی قرآن میں وجدان اور تڑپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پیدا ہوئی۔	17
بہہ جانے اور چھلک جانے میں فرق۔	17
قرآن میں سوز وگداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول کے بعد ہوا۔	20
وما لنا لا نومن باللہ	23
ایمان و تقویٰ دل کی قوت دینے والی روحانی غذا ہے۔	26
یا ایھا الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔	29
فاتحہ کی چیز کو حرام کہنا تحریم حلال ہے اس سے بچو۔	31
حرام تین قسم کا ہے اور حلال وطیب میں نفیس	31
فرق نوے فیصدی۔	31
تقویٰ اکل حلال صدق مقال اعلیٰ نعمتیں متقیوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔	33
بھوک ہڑتال حرام ہے اور اس سے مرجانا خودکشی ہے	34
شریعت کا کفر وایمان حرام و حلال اور ہے طریقت کا کفر وایمان کچھ اور اس کی نفیس تفصیل۔	35
لا یواخذکم اللہ فی ایمانکم ولکن یواخذکم۔	36
قسم لغو منعقدہ غموس میں شوافع اور احناف کا اختلاف	38
قسم کے تین کفاروں کے مختلف احکام ضروریہ۔	43
حنث سے پہلے کفارہ قسم نہیں دے سکتے اس کی نفیس تحقیق۔	44
یا ایھا الذین امنوا انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشیطان۔	46
شیطان خود جواری، شرابی نہیں نہ وہ مشرک ہے۔	49
شراب 3 ہجری میں بعد غزوہ احد حرام کی گئی، جوا، بت پرستی کسی دین میں حلال نہ تھے۔	50
شراب انگوری نجاست غلیظہ ہے دوسری شرابیں نجاست خفیفہ اور ان کے احکام میں چھ فرق۔	51
فال کھولنا کھلوانا حرام ہے۔	51
شطرنج کے احکام۔	52
حربی کافر سے جوا کھیلنے اور اس سے جیتا ہوا مال لینے کا حکم۔	52
جو خدا سے غافل کرے وہ شراب ضرور خمر خانے اور شراب خانے کہاں کہاں ہیں۔	53
واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول	
اطاعت عقل سے ہوتی ہے اتباع عشق سے حکم اطاعت میں	53
رسول اور خطاب میں نبی کیوں بولا جاتا ہے۔	55
حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلق کے مختار مطلق ہیں نفیس بحث حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موت	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
آپ کی حیات کو فنا نہ کر سکی۔ اطاعت کی شرحیں کعبہ رب کی مسجودیت کا مظہر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی اطاعت کے مظہر۔	58
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور دوسروں کی اطاعت میں کئی نفیس فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطاع مطلق ہیں۔ اطعوا محمدا" کیوں نہ فرمایا اطعوا الرسول کیوں کہا۔	61
تقویٰ اور احسان میں فرق اور تقویٰ کے احکام۔	61
حکم اور مشورہ میں فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ماں کے شکم اور حلیمہ کی گود بلکہ عالم ارواح میں نبی ہیں۔	62
کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں ہے نبی اللہ کیوں۔ نہیں یا ایها الذین امنوا لیبلونکم الله بشی من الصید۔	63
اللہ نے ہم کو ایمان کی صفت سے پکارا نہ کہ توحید کی صفت سے۔	64
صحابہ انبیاء اور صحابہ مصطفیٰ میں فرق۔	67
عاقل شکاری شیر کو شکار کرتا ہے غافل شکاری اس کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی حال دنیا اور دین دار کا ہے۔	69
یا ایها الذین امنوا لا تقتلوا الصید و انتم حرم	69
محرم کا مارا ہوا شکار حرام ہے اس لئے لا تذبحوا نہ کہا۔ حرم کے چاروں حدود۔	71
اگر محرم بھوک سے مر رہا ہو اور شکار و مردار	

مضمون	صفحہ
دونوں سامنے ہوں تو کیا کھائے۔	73
جو لاوارث بے یار و مددگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پناہ لے لے' وہ امان پائے گا جیسے شکاری جانور کعبہ سے۔	74
اولیاء اللہ کے دامن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حدود حرم ہیں یہاں امان ہے۔ فقہی مسئے۔	74
احل لکم صید البحر۔	77
کلام میں فرق۔	77
دریائی جانور کون حلال ہیں کون حرام۔	78
موذی اور غیر موذی جانوروں کی پہچان۔	80
احرام میں دریائی پانی کا شکار کیوں حلال ہے۔	80
دریا میں تیرتی ہوئی مچھلی حرام ہے۔	81
مچھلی بو دے جائے تب بھی حلال ہے۔	81
جعل الله الكعبة البيت الحرام قیاما للناس۔	82
کعبہ معظمہ کے فوائد اور وہ قیام عالم کا ذریعہ کیسے ہے۔	83
بقر عید کے پہلے عشرہ میں کون کون واقعات ہوئے	84
کلام موسوی توبہ آدم ذبح اسماعیل وغیرہ۔	84
دنیا کا بقا کعبہ سے اور کعبہ کا بقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔	86
کعبہ قیاما" للناس ہے۔ بعض اولیاء قیوم عالم ہیں۔	87
بزرگوں کی نسبت دور تک فیض پہنچاتی ہے۔	88
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں' نشان بے نشان ہیں' زبان بے زبان ہیں۔	89

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ما علی الرسول الا البلاغ واللہ یعلم ما تبدون الخ۔	90
نبوت منسوخ ہونے پر نبی رسول اللہ تو رہتے ہیں مگر رسول الخلق نہیں رہتے۔	92
طیب خبیث کے عجیب ولذیذ معانی	93
طیب خبیث عارضی اور اصلی میں فرق۔	96
یا ایہا الذین امنوا لا تسئلوا عن اشیاء۔	97
اللہ رسول اصحاب اور ہم مسلمان مومن ہیں مگر ایمانوں میں فرق ہے اشیاء کی تحقیق یہ غیر منصرف کیوں ہے	99
صحابہ کے سوالات تین قسم کے تھے تین ہی طرح کے جوابات۔	101
حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے ہر ذرہ ہر قطرہ کو دیکھ رہے ہیں۔	101
علم حقیقی قال سے نہیں حال سے حاصل ہوتا ہے بتایا نہیں جاتا۔	104
لنریہ من ایاتنا فلا تسئلنی۔ ما جعل اللہ من بحیرۃ ولا سائبۃ ولا وصیلۃ۔	105
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی صورتیں کتنی ہیں۔	107
رب نے کس کس کے پاس ہم کو بلایا۔	108
جب مشرکوں کے بت لعنتی گئے اور گنگا کلیانی حرام نہیں تو ان پر چھوڑے ہوئے جانور کیوں حرام ہوں گے۔	109

مضمون	صفحہ
بتوں کے نام کے جانور اور اولیاء کے نام کے جانوروں میں فرق۔	111
یا ایہا الذین امنوا علیکم انفسکم لا یضرکم الخ۔	113
آیات قرآنیہ چھ قسم کی ہیں۔ بعض کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوا، تبلیغ کب بند ہو گئی اس کی تفصیل امام صاحب کے گڑ کھانے کا عجیب واقعہ۔	116
کیا کسی کے قصور سے دوسرے پر عذاب آجاتا ہے۔	116
مراثی نااہل پیر گمراہ گمراہ گر ہیں۔	118
یا ایہا الذین امنوا شہادۃ بینکم۔	119
شہادت کے چھ معنی ہیں۔	121
گواہی اصلی اور فرعی میں فرق گواہی اصلی میں مشاہدہ ضروری ہے سارے نبی رب کی ذات و صفات کے فرعی گواہ تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصلی گواہ۔	121
مقدمہ میں گواہی بڑی اہم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خالق و مخلوق کے گواہ ہیں۔	125
متاع اور ثمن کا نفیس فرق۔	127
اللہ رسول کے کون سے فیصلے قابل اپیل ہیں اور کون سے ناقابل اپیل نفیس قاعدہ۔	131
نفی اور انکار میں فرق نافی کے ذمہ دلیل ہے منکر کے ذمہ نہیں، وضو کی آیت نماز کی فرضیت کے کئی سال بعد آئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی وضو کا حکم دیا۔	131

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
یوم یجمع اللہ الرسل فیقول ما ذا اجبتم۔	133
انبیاء کرام قیامت میں متفرق کب ہوں گے اور جمع کب ہوں گے۔ ما ذا اجبتم کی نفیس تحقیق اور کہ رب نے کفار سے نہ پوچھا نبیوں سے پوچھا۔	134
لا علم لنا کی نفیس تحقیق اور لا تعلمهم نحن نعلمهم کا مقصد۔	135
حضرات انبیاء کرام کو قیامت میں گھبراہٹ بالکل نہ ہوگی۔	138
قیامت میں بعض لوگ رب کو اپنا حساب دیں گے، بعض دوسروں کا حساب دلائیں گے، بعض اپنا حساب رب سے لیں گے۔	138
اذ قال اللہ یا عیسی ابن مریم اذکر نعمتی۔	139
اجرت رحمت نعمت میں فرق کے اقسام۔	140
عیسیٰ علیہ السلام کو پہلے توریت و انجیل کا علم دیا گیا تھا پھر قرآن و حدیث کا علمتک الکتاب۔	141
چند بچوں نے گہوارے میں کلام کیا پھر یہ جناب عیسیٰ کی خصوصیت کیوں۔	144
جناب موسیٰ، جناب خضر کے پاس کیا سیکھنے گئے تھے اور کیا سیکھ کر آئے۔	145
و اذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر۔	145
انبیاء کرام کے معجزے تین قسم کے ہوتے ہیں۔ لازمی، اختیاری اور غیر اختیاری۔	146
چمگادڑ کی خصوصیات۔	147
جناب عیسیٰ چھو کر بیماروں کو اچھا کرتے تھے پکار کر مردوں کو زندہ اور دم سے گارے کو چڑیا، دم کی تاثیریں۔	149
حضرت شاہ دولہ کی ڈوبی ہوئی برات حضور غوث پاک نے زندہ نکالی۔	151
و اذ اوحیت الی الحواریین ان امنوا بی۔	153
رسول کے نفیس معانی اور کلمہ میں رسول کیوں ہے نبی کیوں نہیں۔	155
اے چچا اگر تم میری اطاعت کرو تو رب تمہاری بات مانے گا۔ مائدہ سفرہ اور خوان میں فرق۔	156
مائدۃ من السماء سے مراد علم نہیں بلکہ یہ ہی دسترخوان مراد ہے اس کے دلائل اور قادیانیوں کی نفیس تردید۔	160
بزرگوں کے لنگر کا کھانا شفا ہے اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں آپ کے سوا کوئی نبی نہ تھا۔	160
قال عیسی ابن مریم اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء۔	163
میری تجھ سے اور تیری رب سے اس کا ثبوت قرآن مجید سے۔	164
اللھم کی تحقیق ستر ناموں میں میم ہے۔	164
اتوار کے دن خوان اترا تھا وہ عید ہے۔	165
معجزے لازمی، مکرر، دائمی تین طرح کے ہیں۔	165
رزق باواسطہ اور بلاواسطہ میں فرق رزق باواسطہ بندوں سے ملتا ہے والرزقین جمع اس لئے ہے۔	165
نبیوں کی بعض دعائیں ہم مانگ سکتے ہیں بعض	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
نہیں مانگ سکتے۔	166
انبیاء کو قبولیت دعا کی خبر دی جاتی ہے 'عید میلاد' عید معراج کا قرآن سے زبردست ثبوت۔	168
بندہ کو رازق 'خالق' رب کہنا جائز ہے یا نہیں۔	169
حضرت مسیح سے رب نے کلام فرمایا بلا واسطہ مگر آپ کلیم اللہ نہیں یہ کیوں۔	169
جنت میں گوشت دانے وغیرہ ہوں گے یا نہیں۔	170
کس امت کی کون سے دن عید ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی چار عیدیں ہیں۔	170
واذ قال اللہ یا عیسی ابن مریم ءانت قلت۔	172
نفس کے گیارہ معنی ہیں رب کے لئے نفس کس معنی سے بولا جاتا ہے فی نفسک میں فی ظرفیہ نہیں کہ اللہ اپنے علم کا ظرف نہیں۔	175
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا [illegible] صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمانا کہ اگر تم نے قصور کیا ہے تو توبہ کرو' آپ کی بے علمی کی دلیل نہیں۔	176
انبیاء کرام سے ان کی قبر و حشر میں امت کے بارے میں سوال ہوں گے۔	177
اولیاء پر انبیاء کرام رشک کریں گے اس کا کیا مطلب ہے؟	178
ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ	179
شہید اور رقیب میں نفیس فرق۔	182
وان تغفر لھم میں کفر کی شفاعت نہیں۔	182
نبی اللہ کے نائب ہیں اور علماء نبی کے نائب اللہ [illegible] کفر ہے۔	201
وھو اللہ فی السموات و فی الارض۔	203
حق کے تین معنی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر معنی سے حق ہیں۔	205
اعمال کا ثواب بقدر عقل ملتا ہے اس کی مثالیں۔	206
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و سکونت اور تشریف آوری میں فرق۔	207
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ولادت و ظہور ختم ہوئے۔ تشریف آوری ختم نہ ہوئی۔	207
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی عقل و دماغ میں آئے اور مومنوں کے دل و ایمان میں۔	207
اللہ کے مقبولوں کے لئے موت ہے فنا نہیں وہ مر کر باقی رہتے ہیں جیسے سورج غروب ہو کر بھی باقی رہتا ہے۔	209
الم یروا کم اھلکنا من قبلھم۔	209
موت کی قسمیں اور ہلاکت 'شہادت وصال' وفات میں فرق 'نفیس تحقیق قرآن کے معانی۔	210
تاریخی اور جغرافیائی چیزوں میں شہرت کافی ہے۔	212
ولو نزلنا علیک کتابا فی قرطاس فلمسوہ۔	214
کسی نبی نے فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں نہ دیکھا سوائے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔	217
حسن یوسف کی تجلی کنعان کے کنویں پر اور تھی مصر کے بازار میں اور عورتوں کے سامنے اور یونہی معراج کی رات تجلی محمدی اور طرح کی تھی جسے کوئی انسان نہیں جھیل سکتا تھا۔	217

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
سورج کی تجلی سویرے اور دوپہر کو اور شام کو اور ہلکے بادل میں اور گہرے بادل میں مختلف۔	217
نبی سے کتاب اللہ کو مانو آفتاب سے نبی کو نہ مانو' اسی لئے کتاب دکھا کر نہیں اتری۔	218
بعض معجزات دکھائے جاتے ہیں جیسے شق القمر بعض بتائے اور سنائے جاتے ہیں جیسے معراج اور نزول قرآن' فرشتے عورت کی شکل میں کبھی نہیں آتے۔	219
پہلی وحی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرئیل کو پہچان لیا تھا ورقہ سے تائید کرائی تھی۔	221
رب کو بلکہ خود اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہچانو تو مومن ہو گے' شمع سے ہر چیز کو دیکھو' شمع کو کسی چیز سے نہ دیکھو۔	221
ولقد استهزئ برسل من قبلك۔	222
قرآن مجید میں قل فرمانے کے پانچ چھ مقاصد ہیں' نفیس تحقیق بعض عبادات فرض ہیں مگر سنت نہیں جیسے زکوۃ۔	224
فرض کام کے لئے سفر فرض سنت کے لئے سفر سنت حرام کے لئے سفر حرام۔	226
قل لمن ما فی السموات والارض قل الله۔	227
وقتی گواہ اور دائمی گواہ میں فرق۔	229
خطاب تین طرح کے ہوتے ہیں فوری وقتی اور دائمی اللہ کی نعمتیں بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت ہیں بلاواسطہ ہوں تو عذاب جیسے پاور (بجلی) تار کے واسطے سے رحمت ہے بلاواسطہ تار عذاب۔	230
ملکیت تین طرح کی ہوتی ہے' منصب غرض کرم کی جیسی قاسم کی قوت ویسی تقسیم قوی نل' چھ سا' رہٹ ٹیوب ویل پانی کے قاسم ہیں بادل اور دریا بھی مگر تقسیموں میں فرق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شاندار قاسم ہیں تو تقسیم بھی کامل۔	230
خاتمیت مجازی نہیں ہو سکتی' مالکیت ہو سکتی ہے	234
لفظ (کلا) کے بہت معانی۔	234
بزرگوں کے آستانے اللہ تعالیٰ کے لنگر خانے ہیں' جہاں سے بازا بٹتا ہے۔	235
محی الدین ابن عربی کی بے مثال دعا قبل دید۔	235
قل اغیر الله اتخذ ولیا"۔	237
معصوم و محفوظ کا فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ کے ارادے سے بھی معصوم ہیں۔	238
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان کا حکم کب دیا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول عابد ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی اول مومن ہیں۔	239
خوف خدا کی قسمیں اور نبیوں کو کون سا خوف ہوتا ہے۔	240
خوف خدا اور خوف سزا میں فرق۔	242
شیطان کو مارنے کے دو ہتھیار۔	242
من ذنبك میں ذنب کی اضافت ک کی طرف بجانب مفعول ہے' نفیس تحقیق ہے۔	244
وان یمسسک الله بضر فلا کاشف له الا هو۔	245
مس ذوق اور ادراک میں نفیس فرق' ضر' شر اور خیر و نفع میں فرق۔	246

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
قبر کے معنی۔	247
عین اور نعین کا نفیس نکتہ۔	249
قل ای شئی اکبر شهادة ۔	250
خالق اور مخلوق کی گواہیوں میں بہت سے نفیس فرق، شاہد اور شہید میں بہت سے نفیس فرق۔	252
وحی اور نزول میں نفیس فرق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں۔	252
قرآن شعاع ہے جس کا ایک کنارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے، دوسرا کنارہ مخلوق کی طرف۔	253
ہادی، بشیر، نذیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن ان چیزوں کا ذریعہ، قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہادی نہیں۔	253
درخت اسلام کے لئے قرآن دھوپ پانی کی طرح بیرونی فیض ہے، نگاہ رسول جڑ کے فیض کی طرح اندرونی فیض	253
مکہ والوں نے کن اہل کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت سنی۔	255
باپ بیٹے اور بیٹی کی پہچان میں فرق۔	255
شئی کے معانی اور اللہ کو شئی کس معنی سے کہتے ہیں۔	257
حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت بشیر و نذیر کیسے ہیں۔	259
جھوٹے نبیوں کی نبوت شئی نہیں کہ رب کی چاہی ہوئی نہیں۔	259
ومن اظلم ممن افترے علی اللہ کذبا۔	260
حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ اور سب نبیوں کے گواہ ہیں۔	262
فتنہ کے سات معنی ہیں۔	264
مرنے پر جان چھوٹ جاتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ایمان نہیں چھوڑتے۔	267
اولی بالمومنین من انفسهم۔	267
دوزخ کا صرف ایک ذریعہ ہے جنت کے ذریعہ بہت۔	267
ومنهم من يستمع اليك وجعلنا علی قلوبهم۔	268
ابو طالب کے اشعار دین اسلام کی حقانیت کا اقرار۔	270
حتی انتہائیہ مفرد پر آتا ہے اور ابتدائیہ جملہ پر۔	271
نبی اور نبی میں فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کتنے تھے ان میں سے کون ایمان لائے۔	272
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ رب کی سودے والی دکان ہے، جیسی اخلاص و محبت کی نقدی لاؤ گے، ویسا سودا پاؤ گے، ورنہ خالی ہاتھ لوٹو گے، چور بن کر جاؤ گے پکڑے جاؤ گے۔	273
ابو طالب کو برائی سے یاد نہ کرو۔	274
ہر چیز کو کاٹنے کا آلہ الگ ہے، کفر کو کاٹنے کا آلہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قینچی۔	276
ولو تری اذ وقفوا علی النار۔	276
کفار کی چار وقت ندامت ہوگی مومن کو خوشی۔	279
دنیا میں واپس آنے کی تمنا کیوں رد کر دی جائے	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
گی۔	280
دنیا میں واپسی کی تمنا کفار بھی کریں گے اور شہدا بھی پھر ان میں فرق کیا ہے۔	281
ایک کام کلام مومن کے لئے محبوبیت کا ذریعہ کافر کے لئے مردودیت کا۔	282
وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا۔	282
انسان کی تین زندگیوں کی تفصیل اور ان کی مدت۔	285
قیامت میں مومنین، کافرین، حضرات انبیاء اولیاء کی حیثیوں میں فرق۔	286
قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ حتی اذا جاءتہم۔	287
مومن کی زندگی، دنیاوی زندگی اور دنیا میں زندگی، ان میں فرق، قیامت کو ساعت کیوں کہتے ہیں۔	288
مومن کی موت اچانک نہیں اگرچہ وہ ہارٹ فیل سے مرے، کافر کی موت اچانک ہے اگرچہ برسوں بیمار ہے، اچانک موت غفلت کی موت ہے۔	291
دنیا منزل ہے، برزخ عارضی گھر مگر آخرت اصلی گھر اور دار ہے، مومن کے بد عمل گردنوں پر ہوں گے، کفار کی پیٹھوں پر اس فرق کی وجہ۔	293
ساعۃ معنی دوڑ کر آنے والی لہٰذا قیامت ساعت ہے کہ دوڑ کر آرہی ہے، کفار کی طرف مومن دوڑ رہے ہیں، قیامت کی طرف۔	294
قد نعلم انہ لیحزنک الذی یقولون۔	295
علم کی قسمیں ان کے نتیجے محبوب کو جاننا اور ہے	

مضمون	صفحہ
دشمن کو جاننا کچھ اور صبر کی قسمیں۔	297
حضرات انبیاء کرام پر مصیبتیں کیوں آتی ہیں، وہ صبر کیوں کرتے ہیں۔	301
کلام اور متکلم کے جھوٹے ہونے میں فرق۔	301
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں، پتھروں کو کلمہ پڑھایا، ابوجہل کو کیوں نہ پڑھالیا۔	302
وان کان کبر علیک اعراضہم۔	303
دل کے تین دروازے ہیں، دو بیرونی، ایک اندرونی جان کے بغیر جسم کی قدر نہیں، ایمان کے بغیر دل کی قدر نہیں، جان کے لئے غذا ہوا ضروری ایمان کے لئے خوف خدا، غیرت مصطفیٰ لازم۔	306
معجزات انبیاء تین قسم کے ہیں لازم اختیاری اور غیر اختیاری۔	307
کیا قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام سب کو ہدایت دیں گے یا کفار کو فنا کر دیں گے۔	309
جس کے ایمان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ کر لیں وہ ضرور ایمان لائے گا۔	311
ارادہ اور محبت میں فرق۔	312
حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں آسمان پر جانے آیات لانے کی طاقت تھی مگر استعمال کی اجازت نہ تھی۔ **استطعت ان تبتغی** کی نفیس تفسیر۔	312
وقالوا لولا انزل علیہ آیۃ من ربہ	312
قلوا فرمانے کے مواقع اور اس کی نوعیتیں، نکتہ عجیبہ۔	313
جانور وغیرہ کس چیز میں ہماری مثل ہیں۔	316
علوم قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
غیب۔	318
علوم قرآنیہ کی جھلک اور مسلمانوں کے عقیدے نہایت نفیس تحقیق۔	318
قرآن مجید میں طب‘ جغرافیہ‘ نبوت‘ شمسی مہینے تاریخ وغیرہ سب ہیں حضرت صدر الافاضل کا علم۔	319
جانوروں میں علوم و عقل دانش کی جھلک۔	321
جب ساری مخلوق عبادت کرتی ہے تو انسان اشرف الخلق کیوں ہے۔	323
اس آیت کی تفسیر ختم کرنے پر مفسر کو خواب میں بشارت عجیبہ سرکار بغداد نے دی۔	324
والذین کذبوا باٰیاتنا صم و بکم۔	324
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظاہر رب کی ظاہری صفات کو ظاہر کرتا ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا باطن رب کی باطنی صفات کی مظہر ہیں۔	326
آئینہ اور ایکسرے کی طرح غیر اللہ کے معانی اور ہر معنی کی علامت۔	327
بھیک مانگنے کے لئے اللہ کی حمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائیں دو ان میں عیب نہ نکالو ورنہ مار کھاؤ گے۔	329
قیامت میں دوزخی جنتی سے کہے گا کہ میں نے تجھے پانی پلایا آج میری شفاعت کر۔	331
ولقد ارسلنا الی امم من قبلک فاخذنا ھم۔	333
خلقت بعثت اور ارسال میں فرق۔	334
ترکیبوں کے معانی ان میں سے کون اچھی ہے کون	

مضمون	صفحہ
بری۔	336
دل کی سختی اور پختگی میں فرق دل کی نرمی کس دکان سے ملتی ہے۔	337
دین نبوت سے بنتے ہیں نہ کہ توحید و دوسرے عقائد سے۔	337
جب موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے پاس شان اتباع سے گئے تو عیسیٰ علیہ السلام بھی شان اتباع سے آئیں گے۔	338
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین زمانہ ہیں ’زمانہ وجود‘ زمانہ ظہور‘ زمانہ نبوت اور ان کے حدود اور کس زمانہ میں کیا فیض دنیا کو ملا۔	339
فلما نسوا ما ذکروا بہ۔	340
مومن کی موت کے تین نام ہیں ’وفات‘ وصال‘ شہادت۔ کافر کی موت کے تین نام ہیں۔ تدمیر‘ ہلاکت‘ اخذ۔ یونہی مومن کی زندگی طیبہ ہے کافر کی ضنک۔	343
قل ارءیتم ان اخذ اللہ سمعکم۔	347
ختم کے معانی اور **یختم علی قلبک** میں ختم سے کیا مراد ہے۔	348
ہر مومن کا دل اور قبر ٹیلی ویژن کی چھتی ہے جس میں جلوہ محبوب نظر آتا ہے۔	352
قرآن کے چار فیوض لینے کے لئے چار چیزوں کو چار بائیوں سے پاک کرو۔	354
وما نرسل المرسلین الا مبشرین و منذرین۔	354
ہماری ولادت‘ وفات‘ ہستی‘ نیستی ہے نبی کی	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ولادت ، وفات ، طلوع و غروب ہے ، ان کی بعثت و ارسال کے معنی ۔	355
نبوت گویا مواصلات ہے ۔ جو رب کو بندوں سے بندوں کو رب سے ملاتا ہے ۔	357
عبادت میں لذت نسبت سے پیدا ہوتی ہے ۔	360
قل لا اقول لکم عندی خزائن اللہ ولا اعلم الغیب	361
اس آیت کا مضمون صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان کر سکتے ہیں ، اس میں دعوی کی نفی ہے ، علم یا ملکیت کی نفی نہیں	362
صرف کفار سے یہ فرمایا گیا ملکیت اور پاس رکھنے میں فرق ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطاؤں کی جھلک ۔	363
مصری عورتوں کا قول کہ یوسف بشر نہیں فرشتہ ہیں ۔ رب نے بغیر تردید نقل فرمایا یعنی انہوں نے سچ کہا تھا اس کی تفسیر وہ صورت میں بشر سیرت میں فرشتہ	364
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی چار قسم کی ہے حتی کہ ہر حرکت و سکون وحی ہے ۔	365
آیات قرآنیہ تین طرح کی ہیں ، یہ آیت متشابہات سے ہے ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق اپنی پہچان کرائیں ۔	366
حکم الٰہی بغیر وحی بے تامل عمل نہیں ۔	369
بعض نبی کے لڑکے یا اولاد کیوں نہ ہوئی ۔	370
نبی عادۃ " نہ کھائیں تو تکلیف ہوتی ہے مگر عبادۃ " نہ کھائیں تو نہیں ہوتی ۔	372
وانذر بہ الذین یخافون ان یحشروا الی ربھم	372
دون کے نفیس معانی اور **دون غیر الا** میں فرق ۔	374
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا چار قسم کا ہے اور لوگ چند طرح کے کون سا ڈرانا کس کو ہے ۔	375
دنیا کی محبتیں چار وجہ سے ہیں ، آخرت میں محبت صرف ایک وجہ ہے ۔	375
ولا تطرد الذین یدعون ربھم بالغداوۃ والعشی	379
غدو ، بکرہ اور عشا کا فرق ۔	380
ظلم کے تین معنی ہیں ، یہاں کون سے معنی مراد ہیں ۔	381
تا قیامت رب کو رات دن یاد کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب رہیں گے ۔ لفظ مرید کے معنی اور ماخذ ۔	383
قیامت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حساب نہ ہو گا ، نہ خاص اولیاء کا ظلم بمعنی بے مروتی بھی ہوتا ہے ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکتے رہنا عبادت ہے ۔	384
ایک بات مختلف زبانوں پر مختلف تاثیریں رکھتی ہے ۔	385
وکذلک فتنا بعضھم ببعض لیقولوا اھؤلاء من اللہ علیھم	386
علت اور حکمت میں فرق ۔	388
علم اور **علیھم** کا نفیس فرق ۔	388

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
صحابہ کی فقیری کفار مکہ کے لئے گمراہی کا سبب بنی مگر ہرقل کے لئے برعکس۔	390
قسطنطنیہ کے پہلے حملہ میں یزید جرنیل تھا اور بڑے صحابہ سپاہی تھے۔	390
مرید تین قسم کے ہیں۔	391
وا ذا جاءک الذین یومنون بایاتنا فقل سلام علیکم	392
بارگاہ رسالت میں حاضری کی صورتیں اور ان کے احکام چور کا آنا' بھکاری کا آنا جدا گانہ ہے' جانے کی بہت قسمیں ہیں اتر کر گر کر' چڑھ کر چل کر جانا۔	393
بھکاری تین طرح کے ہیں' مانگنے والے' دعا دینے والے' صرف آکر کھڑے ہو جانے والے ان کے لئے تین آیتیں ہیں۔	394
سلام کی آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے بعض سلام آنے والا کرے' بعض بیٹھا ہوا۔	394
سلام کے چار معنی ہیں' رب کا نام جنت کلو رحمت سلامتی کی دعا وغیرہ۔	394
نفس کے معانی اور رب تعالیٰ کو کس معنی سے نفس کہتے ہیں۔	395
رحم اور کرم میں فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضری پر کون سی رحمت ملتی ہے۔	395
جہالت کے معانی اور کون سی جہالت کا گناہ معاف ہے۔	395
قرآن مجید کے بعض احکام وقتی ہیں' بعض دائمی تاقیامت۔	396
جیسے گھڑی کی ایک مشین چار قسم کی سوئیوں کو مختلف حرکت دیتی ہے' ایسے ہی ایمان کی مشین مختلف طرح مومنوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتی ہے۔	397
ساری عبادات سے افضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے پر حاضری ہے۔	399
حقوق العباد کی نہ شفاعت ہوگی نہ معافی۔	399
ہر جگہ سے کعبہ کو منہ ہو سکتا ہے ایسے ہی ہر جگہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دل کا رخ ہو سکتا ہے۔	400
ازلی تحریر اور وقتی تحریر میں نفیس فرق۔	403
قل انی نہیت ان اعبد الذین تدعون من دون اللہ	403
قرآن مجید میں دعا چار معنی میں ارشاد ہوئی ہے۔	404
حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کسی کے مطیع نہیں سوائے رب کے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع ہیں۔	405
حتیٰ کہ حمزہ و عباس بھی کہ سب امتی ہیں۔	405
قل انی علی بینہ من ربی و کذبتم بہ	408
بہ بینہ کے نفیس معانی۔	411
انبیاء کرام کی سیف زبانی کی آیات اور میرے پاس عذاب نہ ہونے کے معانی نفیس تحقیق۔	411
رحمت والے نبی کے پاس عذاب نہیں' وہاں تو رحمت ہے۔	411
حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں اس کی نفیس تحقیق۔	412

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
رب کے غضب کی آگ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سرد کرتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے جوش کو رب ٹھنڈا فرماتا ہے۔	413
حضور صلی اللہ علیہ وسلم واقع عذاب ہیں، باعث عذاب نہیں، احکام تین قسم کے ہیں، تکوینی اور تشریعی، سیاسی ان کے فرق نفیس تحقیق۔	414
ان الحکم الا للہ کی نفیس تحقیق خدا کے سواء کو حاکم ماننا۔	415
ابو طالب کے ایمان کی کوشش فرمانا، ان کا ایمان نہ لانا نفیس تحقیق۔	419
محبت، ارادہ، امر، مشیت میں نفیس فرق ہدایت نہ خدا کے امر سے ملے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امر سے بلکہ خدا کی مشیت سے ملتی ہے۔	419
وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔	420
رحمت علم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔	420
علم، قدرت، دسترسی وغیرہ۔	421
مفاتح الغیب کیا ہیں، بحر و بر کے عجیب معانی۔	422
حبہ اور بذر میں فرق۔	422
کلی علم جزئیات علوم کی چابی ہے۔	426
عالم کامل وہ جو دوسرے کو عالم بنا سکے۔ مالک کامل وہ جو مالک بنا سکے۔	426
حضور صلی اللہ علیہ وسلم مفاتح الغیب ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہر اداء امور غیبیہ کی چابی ہے۔	427

مضمون	صفحہ
وھو الذی یتوفاکم باللیل و یعلم ما جرحتم۔	428
نیند کو وفات یا موت کیوں کہتے ہیں۔	429
نیند میں ہر عضو کی روح نکل جاتی ہے مرنے پر دل کی روح نکلتی ہے۔	429
جرح اور کسب میں فرق مومن کاسب ہے کافر جارح۔	430
مومن و کافر کی موت اور حساب میں فرق۔	431
کافر، مومن، ولی، نبی کی نیند میں فرق۔	432
جسم کے دن و رات اور ہیں دل کے دن و رات کچھ اور۔	434
وھو القاھر فوق عبادہ ویرسل علیکم حفظۃ۔	435
ولی خیالات، عشق و محبت، فرشتوں کی تحریر بلکہ ان کے علم سے خارج ہیں۔	436
حافظین فرشتے کتنی قسم کے ہیں اور کتنے ہی کب سے کب تک حفاظت کرتے ہیں۔	436
جان کے محافظ فرشتے ہیں ایمان کے محافظ اولیاء و انبیاء۔	436
جان نکالنے والے فرشتے چودہ ہیں، سات رحمت کے مومنوں کے لئے، سات عذاب کے کفار کے لئے ان سب کے سردار حضرت عزرائیل ہیں۔	437
تمام روئے زمین حضرت عزرائیل کے سامنے طشت کی طرح ہے۔	437
بعض کی جان خود رب نکالتا ہے، جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ علیہ، بعض کی صرف عزرائیل	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
اور بعض دوسرے فرشتے تعاون کرکے نفیس تحقیق۔	438
جانوروں، جنات، فرشتوں کو موت کیسے آتی ہے یا آئے گی۔	438
مولیٰ کے تین معنی مالک، وارث، محبوب۔	438
جس عمل کا حساب ہوگا اس کا وزن ہوگا۔ سب کا حساب نہ ہوگا بکری دوہنے کی مدت میں سارا حساب ہو جائے گا۔	439
اللہ رسول کی امان پانچ پیروں کا سایہ کہنے کا ثبوت۔	441
کاتب اعمال دو فرشتے، حافظین ساٹھ اور جان نکالنے والے سات فرشتے کیوں ہیں۔	443
ہماری کمزوری اور فرشتوں، نبیوں، ولیوں کی طاقت رب کی معرفت کا ذریعہ ہے۔	445
حفاظت عامہ اور حفاظت خاصہ کا فرق۔	445
بزرگان دین اور ان کے تبرکات دافع ابلاء مشکل کشا ہوتے ہیں۔	450
زبانی قول، فیضانی قول، دلی قول میں فرق عجیب تحقیق۔	450
قل هو القادر على ان يبعث عليكم عذابا من فوقكم	451
اوپر والے اور نیچے والے عذابوں کی نفیس تفسیریں۔	453
اللہ کی نعمتوں کا دروازہ صرف ایک ہے وہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو دور کر دیں تو کہیں ٹھکانہ نہیں، جیسے	

مضمون	صفحہ
دھوپ کا ذریعہ صرف سورج ہے۔	454
ہر تیس سال میں طوفان نوحی کا ظہور ہوتا رہے گا	456
نبی زلزلے مومن کے لئے رحمت ہے کافر کے لئے عذاب	457
کس عذاب کو بند کر دیا گیا ہے اور کون سا عذاب آ سکتا ہے۔	457
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف رسول ہیں مگر مومنوں کے لئے رسول، وکیل، شفیع سب کچھ ہیں۔	458
اللہ کی قدرت نبی کے ذریعے سے رحمت ہے بغیر اس کے عذاب جیسے بجلی کلیا ور ہیٹر کے ذریعہ گرم ہے۔ فرج کے ذریعہ ٹھنڈا، رب کی بعض نعمتوں میں تعدد ہے بعض میں وحدت جیسے تارے اور سورج ایسے ہی جیسے صحابی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔	459
واذا رايت الذين يخوضون ۔	460
تفکر، تدبر، غور اور خوض میں نفیس فرق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا، تکنا، نظارہ کرنا، زیارت کرنا، تاکنا، گھورنا ان میں فرق۔	461
شیطانی، نفسانی، ایمانی بھول میں فرق، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کس بھول سے محفوظ ہیں۔	462
کفار کی صحبت کی قسمیں ان کے احکام۔	464
سورج میں رات نہیں آسکتی حضور میں گناہ نہیں آسکتے۔	466
وذر الذين اتخذوا دينهم لعبا ولهوا ۔	467

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
کافر دنیا سے سات طرح دھوکہ کھاتا ہے' نفیس بحث۔	469
دنیاوی زندگی دنیا میں زندگی' دنیا کے لئے زندگی ان میں فرق۔	469
دون کے معانی اور اس کے مقامات استعمال۔	469
قل اتدعو من دون اللہ ما لا ینفعنا ولا یضرنا۔	475
قرآن مجید میں دعا اور صلوۃ چار معنی میں آیا ہے۔	477
حضرت مسیح و عزیر معبودان باطلہ نہیں بلکہ ان کے فوٹو' ان کے ہلم کے بت صلیب وغیرہ معبودان باطلہ ہیں۔	477
ہدایت تین قسم کی ہے۔ فطری' عقلی' شرعی۔ اس آخری ہدایت کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔	479
نماز قائم کرنے کے شرعی اور عشقی معانی۔	482
حضرت صدیق کا ایمان رب کا لگایا ہوا باغ ہے۔ اسے کوئی نہیں کاٹ سکتا۔	482
وھو الذی خلق السموات والارض بالحق	485
صور کیا ہے اور قیامت میں کتنی بار پھونکا جائے گا' صور سے کون بیہوش ہوگا کون فنا۔	487
دنیا میں حضرات انبیاء کو ملک اور ملکوت دونوں کیوں دیئے جاتے ہیں' کیوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارسال یا بعثت ارشاد ہوتی ہے۔	488
دوسروں کے لئے خلق اس فرق کی نفیس وجہ۔	489
صور پھونکنے کے متعلق مرزائی تحریف اور رد۔	489

مضمون	صفحہ
خلق اور بعثت میں فرق' نبی کی بشریت سے خدا کو پہچاننا توحید ہے ان کی رسالت سے پہچاننا ایمان ہے۔	490
دنیا میں لوگ آہستگی سے کیوں پیدا کئے گئے' قیامت میں یکدم کیوں اٹھیں گے' نفیس بحث' اپیل اور رحم کی درخواست میں فرق۔ پہلے نفخہ پر فنا' دوسرے پر پیدائش کی نفیس تفصیل۔	492
واذ قال ابراھیم لابیہ آزر اتتخذ اصناما الھۃ	494
یادگار قولی یا فعلی میں فرق' یادگار منانا۔ اب اور والد میں ام اور والدہ میں فرق۔	495
آزر حضرت ابراہیم کا کون تھا۔	496
آپ کی ماں حلبی یا شامی ہیں' مقام پیدائش کوئی ہے۔	496
نہایت قوی دلائل کہ آزر جناب ابراہیم کا باپ نہیں۔	496
از آدم تا عبداللہ اکیلوں آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں ہیں' ان کی تفصیل آپ کے نسب میں چھپی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب نامہ تا آدم علیہ السلام نفیس تحقیق۔	497
آزر کے معنی یہ عجمی لفظ ہے یا عربی۔	497
ملک اور ملکوت کا نفیس فرق۔	498
لفظ آمنہ کے حروف کے نکات۔	499
دعاء ماثورہ اعمال مسنونہ کے کہتے ہیں' عمل نبی اور سنت نبی میں فرق۔	501
انبیاء کے اعمال قانون سے وراء ہوتے ہیں تو ان	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
کی دعائیں بھی قانون سے وراء قبول ہوتی ہیں۔	502
فلما جن علیہ اللیل را کوکبا قال ھذا ربی	503
اسلامی نمازیں سورج سے وابستہ ہیں' روزے' زکوۃ وغیرہ چاند سے۔	505
اکبر کے معانی جب یہ اللہ کی صفت ہو تو یہ معنی ہوتے ہیں' جب بندے کی صفت ہو تو یہ معنی۔	506
نمرود کے حالات اور حضرت ابراہیم کی پرورش۔	506
نبی کسی کے شاگرد نہیں ہوتے' موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر کے شاگرد نہ بنے' نفیس تحقیق' نبی کبھی گمراہ نہیں ہوتے۔	510
انی وجھت وجھی للذی فطرالسموات والارض حنیفا۔	512
وجھت ماضی کیوں فرمایا اتوجہ کیوں نہ فرمایا۔	513
دل میں اغیار نہ رہیں یار اور اس کا سامان رہے۔	513
وحاجہ قومہ قال اتحاجونی فی اللہ	516
دنیاوی تکالیف و راحتیں کفار کے لئے عذاب ہیں' مومنین کے لئے رحمت مقبولین کے لئے ذریعہ تبلیغ۔	519
وکیف اخاف ما اشرکتم ولا تخافون۔	512
عالم کی چیزیں رب تعالیٰ کی اجمالی دلیلیں ہیں مگر نبی تفصیلی دلیل ہیں۔	523
مناسب اور نامناسب آمیزشوں میں فرق' توحید کے ساتھ نبوت کی آمیزش ایمان ہے۔	525
اطمینان' امان اور بے خوفی میں نفیس فرق۔	527
وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ	528
حجت کے معنی اور حجت نفسانی' شیطانی' رحمانی میں فرق۔	529
حضرت ابراہیم کے دلائل کی تفصیل نفیس تحقیق۔	531
دلیل اور دل رب کی معرفت کا ذریعہ ہیں مگر دلیل کمزور ہے دل قوی نفیس تحقیق۔	533
بجلی پاور ہاؤس سے بھی ملتی اور سیل سے بھی مگر سیل کی بجلی میں آسانی ہے دل میں نور محمدی کا سیل رکھو۔534	
ووھبنا لہ اسحاق و یعقوب۔	534
اسحاق اور یعقوب کے معانی ان کی عمریں۔	535
نوح کے معنی آپ کا نسب ولادت اور حضرت آدم' نوح' ابراہیم میں کتنا فاصلہ ہے۔	536
حضرت داؤد کا نسب نامہ اور حالات شریف' حضرت ایوب یوسف کے حالات۔	536
احسان اور محسن کے چار معانی حضرت الیاس و یحییٰ علیہم السلام کے حالات۔	537
سلسلہ انبیاء میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیوں نہیں ان چار سلسلوں کے ذکر کی حکمت۔	539
بیٹی کی اولاد اپنی ذریت ہے اس کی آیت کریمہ۔	540
قرآن مجید میں چھبیس نبیوں کے نام ہیں چار اختلافی نبیوں کے نبیوں کی افضلیت تمام خلق سے مخصص ہے۔	541

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
بنی اسرائیل کی افضلیت قومی اس کی وجہ۔	542
و من اباءہم و ذریاتہم و اخوانہم۔	544
کسی نبی کے ماں یا باپ کافر مشرک نہیں ہوئے' بیوی زانیہ نہیں ہوئی' برادران یوسف آخر مومن متقی ہوئے۔	545
ضبط شدہ مال کی بقا نہیں حضرات صحابہ کے اعمال باقی ہیں' قرآن مسجد نبوی وغیرہ تو وہ حضرات مقبول ہیں۔	548
اولئک الذین اتینا ہم الکتب والحکم والنبوۃ۔	551
کتاب کے تین معنی کیا ہر نبی کو نئی کتاب ملی۔	551
اقتداء اور اتباع میں نفیس فرق اور نبی کی اقتداء ان کی ہدایت اقتداء میں فرق۔	553
قرآن حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم قرآن۔	553
انبیاء کرام کے خصوصی صفات جس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جامع ہیں۔	554
علماء اسلام دنیا میں تمام نبیوں کی عزت کے محافظ ہیں' آخرت میں ان کے گواہ ان کی تنخواہ رب کے ذمہ ہے	556
وجود آدم اور ورود محمدی میں فرق' آدم ابوالبشر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح ہیں۔	556
اسباط یعقوب' سبطین محمدی' حسن یوسف اور حسن محمدی میں فرق۔	556
قرآن نے ساری مخلوق کو ہدایت کیسے دی نفیس تحقیق۔	558
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت پر اجرت کیوں نہیں مانگتے' بھکاری کا ہاتھ مانگنے کے لئے اور داتا کا ہاتھ دینے کے لئے پھیلتا۔	558
ما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ۔	559
حق قدرہ کے نفیس دو معنی حضرت موسیٰ طالب توریت تھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب قرآن ہیں۔	561
توریت میں صرف نور ہدایت تھی' قرآن میں سوز وگداز بھی ہے مگر یہ سوز و گداز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ادا ہو جانے پر پیدا ہوا' پٹڑی وہاں چارج ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں۔	562
توریت اور قرآن کے نزول میں چھ طرح فرق ہے۔	565
قرآن جیسا آیا ویسا ہی رہا مگر توریت جیسی آئی ویسی نہ رہی۔	568
وھذا کتاب انزلناہ مبارک مصدق الذی۔	571
قرآن کریم کو فلک کیوں فرمایا جاتا ہے اور **ھذا** کیوں۔	572
الفاظ قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان پر آہستگی سے ہوا۔ مضامین قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یکدم۔ لہذا **نزلنا انزلنا** فرمایا۔	572

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
قرآن کریم مبارک کیسے ہے۔	573
فاتحہ ختم وغیرہ کا ثبوت امام رازی آلوسی اور خود میرا تجربہ۔	573
ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الی۔	578
نبی اور رسول میں فرق۔	579
اور آیت اطاعت میں رسول کیوں ہے نبی کیوں کیوں نہیں۔ اللہ پر جھوٹ گڑھنے کی بہت صورتیں ہیں۔	579
اللہ پر جھوٹ گڑھنے کی بہت صورتیں ہیں	581
سکرات موت اور غمرات موت میں عجیب فرق۔	582
اخراج اور رجوع میں فرق کافر کے لئے موت اخراج ہے مومن کے لئے رجوع۔	583
زور اور زاری دکھانے کے مقامات۔	585
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سکرات موت کیوں ہوئی۔	586
ولقد جئتمونا فرادی کما خلقناکم اول مرۃ	588
اسلامی شفاعت میں چار شرطیں ہیں شفاعت اور وکالت میں نفیس فرق قانون اور رحم میں فرق۔	590
ایمانیات مضمون ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کا پتہ ہیں لاپتہ کو خط لکھنا ہو تو کسی پتہ والے کی معرفت سے لکھو۔	591
آنے اور پانے میں فرق۔	594
قیامت میں انبیاء کرام کا نفسی نفسی فرمانا	

مضمون	صفحہ
گھبراہٹ سے نہ ہوگا۔	595
دنیا میں رب کے پاس آنے کی صورتیں۔	595
ان اللہ فالق الحب والنوی	596
سورج کے شعاعوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں میں فرق شعاعوں سے زمین میں نگاہوں سے دلوں میں دن نکلتا ہے۔	599
دل کے قبر کے تعب کے صدہا اندھیرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سویرے سے رفع ہوئے۔	600
تقسیم نعمت اور شفاعت کے لئے علم غیب ضروری ہے۔	602
وھو الذی جعل لکم النجوم لتھتدوا بھا۔	604
علم اور فقہ میں فرق۔	607
حوریں انسان نہیں شکل انسانی میں ہیں جیسے حضرت جبرائیل کبھی شکل انسان میں ہوتے تھے۔	609
انسان کے لئے اندھیریاں بہت ہیں ہر اندھیری میں صحابہ تارے ہیں۔	610
وھو الذی انزل من السماء ماء فاخرجنا بہ	613
درخت کھجور کو تین نبیوں سے نسبت ہے اس کی دوسری خصوصیات قنوان، مفرد بھی جمع بھی ان میں فرق۔	615
شریعت کھیت ہے، طریقت باغ۔	619
وجعلوا للہ شرکاء الجن وخلقھم وخرقوا	620
طیب طاہر اور سبحان میں نفیس فرق سبحان اور	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
تعالیٰ میں فرق و تعالیٰ اور ارتفع میں فرق۔	622
بدیع السموات والارض	625
انی یکون لہ ولد	625
شئی کے تین معنی۔	627
معرفت توحید اور معرفت ایمان میں فرق۔	628
عبادت دو کی نہیں ہوسکتی اطاعت ہوسکتی ہے' نفیس بحث۔	628
نہ خدا دو ہوسکتے ہیں نہ مصطفیٰ دو عبادت ہر بندے کی جداگانہ ہے' عبادت اور عبودیت میں فرق۔	629
ایجاد' مخلق اور بدیع میں فرق' بندہ خالق یا بدیع نہیں ہوسکتا' موجد ہوسکتا ہے عجیب تحقیق۔	630
کیا حضرت علی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل ہیں' زوجہ اور صاحبہ میں فرق۔	631
رب تعالیٰ جسم محمدی کا خالق ہے' روح محمدی کا بدیع۔	632
چاول' فرمائشی مال اور نمونہ میں فرق۔	633
لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار	633
ادراک اور نظر میں فرق۔	633
دیدار الٰہی کی نفیس بحث۔	635
دیدار معراج کا نفیس ثبوت۔	637
رب کا دیدار حجاب سے ہوگا جیسے سورج کو ہلکے بادل سے دیکھا جاتا ہے۔	638
کیا حضرت عائشہ نے دیدار معراج کا انکار کیا۔	
رب کے نور دو قسم کے ہیں۔	638
حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر بھی ہیں باطن بھی	
یونہی قرآن۔	640
قد جاء کم بصائر من ربکم ہمارے پاس جسم محمدی مکہ مدینہ سے آیا دوسرے لحاظ سے ا نزول۔	640
حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے نگران ہیں' کفار کے نہیں۔	641
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تاقیامت باقی ہیں اس کی تفصیل۔	647
اتبع ما اوحی الیک من ربک	649
حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کے متبع ہیں مطیع نہیں۔	649
ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع بھی ہیں مطیع بھی۔	649
حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن شریف سے ہی وحی کے متبع تھے۔	650
حافظ حفیظ اور وکیل میں نفیس فرق۔	651
جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں آگیا اللہ کے کرم میں آگیا جو ان کی نظر سے گر گیا کبھی نہ اٹھ سکا۔	653
حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے متبع ہیں'	
قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق ہے۔	
حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی عربی تھے تو قرآن مکی مدنی عربی ہوا۔	655
رکوع آیت وقف سکتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نام ہے۔	657
ولا تسبوا الذین یدعون من دون	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ		
اللہ	658	حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفا پہاڑ کو سونے کا کر سکتے تھے نفیس تحقیق۔	668
موت سے مومن کو بلایا جاتا ہے کافر کو لایا جاتا ہے' محبوبوں کو پہنچایا جاتا ہے۔	661	معجزات تین قسم کے ہیں۔اور کس معجزہ کے انکار سے عذاب آتا ہے۔	669
حضرت صدیق اکبر کا حدیبیہ میں بت کو گالی دینا جوش ایمان سے تھا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا تختیاں ڈالنا۔	663	شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم' دل وغیرہ کے حالات ہیں۔	670
واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاءتھم۔	665	نبی کو معجزات کی قدرت ہے مگر بعض کی اجازت نہیں۔	672
قسم' حلف' یمین میں فرق۔	667		

www.alahazratnetwork.org

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ

اور جب سنا انہوں نے وہ جو اتارا گیا طرف ان پیغمبر کے تو دیکھتے ہو تم ان کی آنکھوں کو کہ بہتی ہیں آنسو سے اس وجہ

اور جب سنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اترا تو ان کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے ابل رہی ہیں اس لئے

مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ (۸۳)

کہ پہچانا انہوں نے حق کو   کہتے ہیں   اے رب ہمارے ایمان لائے ہم بس لکھ تو ہم کو ساتھ گواہوں کے

کہ وہ حق کو پہچان گئے   کہتے ہیں   اے رب ہمارے ایمان لائے ہم تو ہمیں حق کے گواہوں میں لکھ لے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں بعض عیسائیوں کی نرمی کا ذکر تھا‘ اب ان کی آنکھوں کی نمی‘ محبت الٰہی میں آنسو بہانے کا ذکر ہے۔ گویا قلب کی حالت بیان کرنے کے بعد چشم کی حالت زبان کی عبارت کا ذکر ہے۔ قلب کے بعد قالب کا تذکرہ ہے۔ چونکہ دل بادشاہ ہے جسم اس کی رعایا لہٰذا اول اس کا ذکر پہلے آنکھوں و زبان کا ذکر اب بعد میں ہوا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کی اس قرب محبت کا ذکر تھا جو انہیں مسلمانوں سے ہے اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اس محبت مومنین کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دل نرم آنکھیں تر ہو گئیں اور ایمان نصیب ہو گیا۔ صالحین کی محبت نیکیوں کی تخم ہے‘ تخم کا ذکر پچھلی آیات میں تھا۔ درخت یا پھلوں کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔

حب درویشاں کلید جنت است   بغض درویشاں کلید لعنت است

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عیسائیوں کے مومنوں سے قریب المحبت ہونے کی دو وجہیں بیان ہوئیں ایک ان میں علماء صوفیوں درویشوں کا ہونا دوسرے ان کے دلوں میں تکبیر و غرور نہ ہونا اب اس کی تیسری و چوتھی وجہ بیان ہو رہی ہے قرآن مجید کی آیات سن کر آنکھوں سے آنسو بہانا اور زبان سے اعلان کرنا گویا ایک نعمت کی چار وجہیں ہیں جن میں سے دو کا ذکر پہلے ہوا بقیہ دو کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں عیسائیوں کی محبت مومنین کا ذکر تھا۔ اب ان کی محبت قرآن اور محبت صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ ہے کبھی محبت قرآن و محبت رسول پہلے نصیب ہوتی ہے محبت مومنین بعد میں بطور نتیجہ اور کبھی اس کے برعکس ہوتا ہے کبھی سورج سے دھوپ کو معلوم کرتے ہیں کبھی دھوپ سے سورج کا پتہ لگاتے ہیں۔ یہاں دھوپ سے سورج کو معلوم کرنا ہوا‘ مسلمان دھوپ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج قرآن اسی شمس الضحیٰ کی نورانی شعاعیں ان لوگوں نے دھوپ سے سورج کا جانا۔

شان نزول : جب مہاجرین حبشہ بادشاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں بلائے گئے۔ جہاں حبشی عیسائی اور مشرکین مکہ کا اجتماع

www.alahazratnetwork.org

تھاتو نجاشی بادشاہ نے امیر مہاجرین حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا تمہارے قرآن میں ہماری مریم بتول کا ذکر بھی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے قرآن میں اس جناب کے ذکر کی پوری ایک سورت ہے۔ سورہ مریم اور ان کا ذکر تو بہت جگہ ہے۔ شاہ حبشہ نے سورہ مریم سنانے کی عرض کی' آپ نے یہ رکوع تلاوت کیا **واذکر فی الکتاب مریم** اور **ذلک عیسی ابن مریم** تک پڑھا اس کے بعد سورۃ" شریف شروع سے **ھل اتاک حدیث موسی** تک کی تلاوت کی اس پر نجاشی اور اس کی درباری عیسائی بہت روئے۔ جیسا کہ ابھی اس سے پچھلی آیت میں عرض کیا گیا پھر نجاشی بادشاہ کے ستر صاحب مدینہ منورہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لئے آئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں سورۃ یٰسین سنائی۔ جس پر وہ بہت ہی روئے ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے' اور زار و قطار رونے لگے ان واقعات پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی' جس میں ان لوگوں کے اس جذبہ کی تعریف فرمائی گئی۔ (تفسیر مدارک) یہ پورا واقعہ ابھی پچھلی آیت کریمہ میں تفصیل سے عرض کیا گیا۔

تفسیر : **واذا سمعوا ما انزل الی الرسول** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ جملہ معطوف ہے۔ **منھم قسیسین** پر اور واؤ عاطفہ ہے اس میں ان عیسائیوں کے مومنوں سے محبت کرنے کی تیسری چوتھی وجہ بیان فرمائی گئی معطوف علیہ میں پہلی دوسری وجہ بیان کی گئی تھی مگر اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ اسی دوسرے قول کو ترجیح ہے۔ (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ اس آیت سے قرآن مجید کا دوسرا خمس شروع ہوتا ہے پہلا خمس ختم ہوگیا۔ **لایستکبرون** پر لہذا مناسب یہی ہے کہ یہ آیت نئی ہو۔ (صاوی) رب تعالیٰ نے یہاں **اذا** فرمایا **کلما** نہیں فرمایا۔ جس سے مسلمانوں کو اشارۃً بتایا کہ قرآن کریم سننے پر یہ وجدانی کیفیت یہ سوز و گداز ہمیشہ نہیں ہوتا یہ رنگ کبھی ہوتا ہے لہذا اگر کسی وقت تلاوت یا نماز یا عبادت یا وعظ میں یہ رنگ نہ آئے تو اس سے بددل نہ ہو جانا کہ یہ قبض و بسط ہر چیز میں ہوتا رہتا ہے' تم مزے کے لئے عبادت نہ کرو خدا کے لئے کرو **سمعوا** کا فاعل **ھم** ضمیر ہے جس کا مرجع انصاری یا نصاری یا قسیسین و رہبان ہیں یہاں بھی **سمعوا** فرمایا **استمعوا** نہ فرمایا جس میں اشارۃً بتایا کہ کبھی یہ وجدانی کیفیت اتفاقاً" سن لینے سے بھی پیدا ہو جاتی ہے" خواہ ارادۃً توجہ سے سنے یا ویسے ہی اتفاقاً" **ماانزل** سے مراد سارا قرآن مجید نہیں بلکہ اس کی بعض آیات مراد ہیں اس لئے **انزل** فرمانا درست ہے۔ ممکن ہے کہ **ماانزل** سے مراد قرآنی آیات بھی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات آپ کے حالات بھی جو نجاشی بادشاہ نے ان مہاجر مسلمانوں سے سنے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ قرآن کریم میں جہاں **الرسول** یا **النبی** بغیر قید مذکور ہوتا ہے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں یہ تڑپا دینے والی شان جب پیدا ہوئی جبکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا اس سے پہلے نہ کوئی اس سے تڑپا تھا نہ اس میں یہ سوز و گداز تھا اس لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ **ما انزل الی الرسول** بڑی عبارت ارشاد ہوئی بلکہ یہ کتاب قرآن ہی جب بنی جب کہ اسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا۔ قرآن کے معنی ہیں پڑھی ہوئی کتاب کس کی پڑھی ہوئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ خالی بیٹری کچھ نہیں کرتی مگر جب مشین میں چارج کر دی جائے پھر سب کچھ کرتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ وہ ہے جہاں قرآنی عبادات بلکہ دلوں کی بیٹریاں چارج کی جاتی ہیں اس آستانہ سے کعبہ میں زمین مدینہ میں پاور بھر آگیا اس کارخانہ سے حضرت صدیق و فاروق مہاجرین و انصار کی

www.alahazratnetwork.org

بیڑیاں جارج ہوئیں' دعائیں وہ ہی قبول ہوتی ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں کا پاور ہو **تری اعینهم تفیض من الدمع** یہ عبارت **واذا سمعوا** کی جزا ہے دیکھنے سے مراد آنکھوں سے دیکھنا اس لئے اس کا مفعول ایک ہی آیا۔ یعنی **اعینهم** تری میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا حضرات صحابہ کرام سے جنہوں نے ان عیسائیوں کا روتا آنکھوں سے دیکھا۔ تفیض حال ہے **اعینهم** کا اور **من الدمع** تفیض کی تمیز ہے کا ئنا" یا ثابتا" کے متعلق ہو کر یہ عبارت تین طرح سے نہایت ہی فصیح وبلیغ ہے۔ بہتے ہیں آنسو مگر فرمایا گیا ان کی آنکھیں بہتی ہیں' پھر آنسوؤں کا ذکر دمعا" سے نہ فرمایا بلکہ الدمع معرفہ سے کیا۔ پھر **الدمع** پر **من** داخل فرمایا اس میں ایسی خوبیاں ہیں جو قال سے نہیں بلکہ حال سے معلوم ہو سکتی ہیں' تفیض بنا ہے فیض سے بمعنی چھلکنا یعنی برتن کا بھر جانا اور اس سے کچھ گر جانا بزرگوں کے فیوض و برکات کو اس لئے فیض کہتے ہیں کہ وہ ان کے بھرے ہوئے دل کا چھلکاؤ ہوتا ہے جو جوش میں بہنے لگتا ہے۔ جس سے ہم جیسے لوگ چلو بھر لیتے ہیں یعنی ان کی آنکھیں آنسوؤں سے اس قدر بھر جاتی ہیں کہ ان سے آنسو ابل پڑتے ہیں۔ تم ان کا یہ حال اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہو۔ خیال رہے: کہ برتن سے کوئی چیز گر جانے میں برتن خالی ہو جاتا ہے آس پاس چیز بہہ جاتی ہے اسے اردو میں گر جانا بہہ جانا اور عربی میں سیلان یا جریان کہا جاتا ہے مگر چھلکنے میں برتن خالی نہیں ہوتا' آس پاس چیز بہہ جاتی ہے جس سے چیونٹی مکھی وغیرہ جانور پی لیتے ہیں اسے عربی میں فیض اردو میں ابلنا یا چھلکنا کہا جاتا ہے چونکہ مرد مومن کے ایسے آنسو جو عشق الٰہی میں بہیں اس زمین کے لئے جہاں وہ بیٹھ کر روئے اس در و دیوار کے لئے بلکہ وہاں کے ذروں کے لئے جو شخص وہاں محبت و اخلاص سے آکر بیٹھ جائے اس کے لئے فیض رساں ہوتے ہیں اور خود رونے والے کے لئے کمی نہیں ہوتی اس لئے یہاں تفیض فرمایا۔ فیض کے معنی یہاں بہت چسپاں ہیں' **مما عرفوا من الحق** اس عبارت میں دو **من** ہیں۔ پہلا **مما** میں دوسرا **من الحق** میں پہلا **من** تعلیلیہ ہے **ما** مصدریہ دوسرا **من** یا **ما** کا بیان ہے۔ یعنی **من** بیانیہ یا **من** تبعیضیہ ہے۔ حق سے مراد یا قرآن مجید ہے یا اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا یہ تمام چیزیں کیونکہ یہ سب حق ہیں یعنی وہ لوگ قرآن سن کر اس لئے روتے ہیں کہ وہ حق کو پہچان چکے **یقولون ربنا امنا**۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے یا **عرفوا** کے فاعل سے حال ہے **یقولون** کا فاعل وہی قرآن سن کر رونے والے عیسائی ہیں۔ ربنا سے پہلے یا پوشیدہ ہے **امنا** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا بالقرآن یا بما انزل یعنی وہ لوگ رو کر یہ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم قرآن پر یا ان رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر یا اس اتارے ہوئے پر ایمان لے آئے ہمارے گزشتہ گناہ معاف فرما دے یہ کلام یعنی **امنا** اب ایمان لانے کے لئے ہے نہ کہ گزشتہ ایمان کی خبر دینے کے لئے جیسے بعث اور اشتریت (تفسیر مدارک) **فاكتبنا مع الشاهدين** اس جملہ میں **ف** جزائیہ ہے اور یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ **اکتب** سے مراد یا مسلمانوں کے دفتر میں نام لکھنا ہے یا بمعنی **اجعل** **شاهدين** سے مراد وہ پرانے مسلمان ہیں جو پہلے کلمہ شہادت پڑھ کر ایمان لا چکے ہیں' اور صدیق و فاروق یا مہاجرین وانصار بن چکے ہیں یا اس سے مراد امت محمدیہ ہے جو قیامت میں تمام نبیوں کے حق میں گواہی دے گی۔ **لتكونوا شهداء على الناس** یعنی اگرچہ ہم آج مسلمان ہوئے مگر ہمیں اپنے فضل و کرم سے پرانے مسلمانوں میں سے بنا دے یا ہم کو قیامت میں امت محمدیہ میں اٹھا جو حضرات انبیاء کی گواہ ہے۔ خیال رہے: کہ انجیل شریف میں امت محمدیہ کے فضائل میں یہ بیان فرمایا گیا تھا کہ وہ امت سارے نبیوں کی گواہ ہوگی۔ وہاں سے معلوم کر کے یہ دعا مانگ رہے ہیں لہٰذا آیت واضح ہے (تفسیر مدارک) یا یہ مطلب ہے کہ مولیٰ ہم پردیسی اتفاقاً" تیرے محبوب کی گلی میں پھیرا مار چلے پھر ہمیں

www.alahazratnetwork.org

یہاں آنا میسر ہوا یا نہ ہم تو غائبین ہیں یہ خوش نصیب صحابہ جو ہر وقت تیرے محبوب کے آستانہ میں سایہ کی طرح حاضر رہتے ہیں ہم غائبین مجبورین کو ان حاضرین شاہدین کے ساتھ لکھ لے ہمارا نام بھی ان کے دفتر میں آ جائے' غرضیکہ شاہدین یا بنا ہے شہود سے یا شہادت سے یا مشاہدہ سے یہاں ہر معنی درست ہیں۔ شہود حاضری' شہادت گواہی' مشاہدہ نظارہ جمال مصطفائی۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی نے ان نومسلم عیسائیوں کی چار حالتوں کا ذکر فرمایا کانوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سننا۔ آنکھوں سے آنسو بہانا' دل میں سوز و گداز معرفت الٰہی کا ہونا زبان سے اپنے ایمان کا اظہار کرنا پھر اچھوں کا سنگ مانگنا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ ان مذکورہ عیسائیوں کے دلوں کا حال تو وہ ہے جو آپ نے ابھی سن لیا اور ان کا عمل یہ ہے کہ یہ لوگ جب حضرات صحابہ سے یا آپ سے یا مسلمانوں سے وہ قرآن وغیرہ سنتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تم آپ دیکھتے ہی ہو کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بہنے لگتی ہیں اس طرح کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابل پڑتے ہیں۔ یہ آنسوؤں کا ابل پڑنا اس لئے ہوتا ہے کہ وہ حق پہچان چکے ہیں بذریعہ انجیل شریف قرآن مجید کی حقانیت پہچان چکے ہیں یا قرآن سنتے ہی حق پہچان گئے اسلام کی حقانیت معلوم کر گئے یا انہوں نے قرآن کے ذریعہ آپ کو پہچان لیا۔ آپ سراپا حق ہیں بعض لوگوں نے آپ سے قرآن کو جانا۔ بعض نے قرآن سے آپ کو پہچانا یہ پہلے لوگوں میں سے ہیں انہوں نے اس سوز و گداز کو غنیمت جانتے ہوئے یہ کیا کہ وہ روتے ہوئے دعا مانگتے ہیں کہ الٰہی ہم ایمان لائے تو ہمارے ایمان کا گواہ رہ' اور اپنے فضل و کرم سے ہم کو پرانے مسلمانوں میں شامل فرما لے یا قیامت میں ہم کو ان شاہدین میں اٹھا جو حضرات انبیاء کرام کے گواہ ہیں' خیال رہے: کہ جیسے عرق کشید کرتے وقت دوا اور پانی دیگ یعنی قرع میں ہوتا ہے۔ آگ کی گرمی سے اس کی بھاپ اوپر والے انبیق سے ٹکرا کر پانی بن جاتی ہے وہ پانی ٹونٹی سے ٹپک جاتا ہے ایسے ہی رونے کی حالت میں دل سے گرم بھاپ سی اٹھتی ہے دماغ سے ٹکرا کر پانی بنتی ہے وہ پانی آنسوؤں کی شکل میں آنکھوں سے ٹپک پڑتا ہے یہ آنسو رونے کا آخری درجہ ہے۔ یہاں ذکر ہے کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے ابلتی ہیں اگر فقط **بکوا** فرمادیا جاتا تو یہ باریک بات حاصل نہ ہوتی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دوسرے سے قرآن مجید پڑھوا کر سننا بھی عبادت ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی ابن کعب سے قرآن مجید پڑھوا کر سنا یہ فائدہ' **واذا سمعوا** سے حاصل ہوا۔ سبحان اللہ قرآن پاک پڑھنا' عبادت سننا عبادت اسے دیکھنا عبادت' اسے چھونا اسے لکھنا اسے لکھوانا سب عبادت ہے نیز اس گریہ و زاری سوز و گداز کو غنیمت جانے۔ اس موقعہ پر دعا ضرور مانگ لے یہ وقت نزول رحمت الٰہی کا ہے نیز دعا کے الفاظ منہ سے ضرور کہے اور دعا میں اولا" ربنا یا اللھم ضرور کہے کہ یہ آداب دعا سے ہے ربنا کہنے میں اپنے پروردہ ہونے رب کے مالک ہونے کا اقرار ہے۔ دوسرا فائدہ: اگر بغیر ارادہ کان میں قرآن مجید کی آواز آ جائے اور ارادے سے سنے تو یہ بھی عبادت ہے یعنی ارادۃ" سننا بھی عبادت ہے اور اتفاقا" سن لینا بھی عبادت یہ فائدہ بھی **واذا سمعوا** سے حاصل ہوا کہ سمع کہتے ہیں مطلقا سننے کو اور استماع کہتے ہیں ارادۃ" توجہ سے سننے کو' اسی لئے اگر آیت سجدہ اتفاقا" سن لے تب بھی سجدہ تلاوت واجب ہے۔
تیسرا فائدہ: قرآن مجید کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ طاہرہ سننا بھی عبادت ہے یہ فائدہ ما انزل الی الرسول سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام' کلام' اعمال' احوال سب رب

www.alahazratnetwork.org

کی طرف سے اتارے ہوئے ہیں۔ چوتھا فائدہ: قرآن کریم سن کر رونا بلکہ ہر ذکر الٰہی پر گریہ وزاری کرنا اگر عشق و محبت سے ہو تو اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے یہ فائدہ تفیض من الدمع سے حاصل ہوا بلکہ عذاب الٰہی سن کر خوف سے رونا اور رحمت الٰہی سن کر امید سے رونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام ان کے رب کی صفات پر شوق و محبت سے رونا یہ سب کچھ عبادت ہے بلکہ ان کے نام پر وجد کرنا جسم کے رونگٹے کھڑے ہو جانا اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم یعنی جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے ان کا حال یہ ہے۔ اللہ رسول کے ذکر سے ان کی کھالوں پر بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔

کبھی عشق کی آگ اندھیر ہے! مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے!
دل مرتضیٰ سوز صدیق دے تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے!

پانچواں فائدہ: قرآن کریم جب لوح محفوظ ہی میں تھا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ابھی نازل نہ ہوا تھا تو اس میں الفاظ، معانی احکام، مضامین، عرفان ایمان سب کچھ تھا مگر سوز و گداز درد نہ تھا یہ صفت قرآن میں جب پیدا ہوئی جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھ لیا اس زبان فیض ترجمانی سے مس ہو کر سوز و گداز و درد، عشق، جذبہ سب کچھ اس میں ہو گیا۔ جیسے لوح محفوظ میں قرآن کریم، مکی، مدنی نہ تھا اس میں وقف سکتہ، رکوع وغیرہ نہ تھے یہ سب چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے سے حاصل ہوئیں۔ ایسے ہی یہ ہے یہ فائدہ بجائے القرآن کے ما انزل الى الرسول فرمانے سے حاصل ہوا۔ بلکہ زمین مدینہ کعبہ معظمہ اور رمضان ہماری عبادات میں دعاؤں میں سوز و گداز درد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے ہی ہے۔ یہ سودا صرف اسی دوکان سے ملتا ہے۔ چھٹا فائدہ: رونے کے ساتھ معرفت حق ہو تو نور پر نور ہے۔ یہ فائدہ مما عرفوا الخ سے حاصل ہوا۔ جب مزہ ہے کہ دل عشق سے پر ہو آنکھیں آنسوؤں سے محبت کی جڑ دل میں قائم ہو اس کی شاخیں آنکھوں وغیرہ ہیں۔ ساتواں فائدہ: رو رو کر دعا مانگنا قبولیت سے قریب ہوتا ہے، یہ فائدہ فاكتبنا مع الشهدين سے حاصل ہوا یعنی وہ لوگ روتے ہوئے یہ دعا مانگتے ہیں۔

دعائیں تو سالک بہت ہیں مگر اثر کے لئے چشم تر چاہئے

یہ کرم بھی رب کی طرف سے ہی ہوتا ہے ادھر سے فیض ہو تو آنکھوں میں نمی آتی ہے بلکہ ہمارا بزرگوں کے پاس حاضری دینا دل کی نرمی آنکھوں کی نمی حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ آٹھواں فائدہ: معرفت الٰہی سے جو رونا ہو وہ بہت مقبول ہے رونے کی بہت قسمیں ہیں۔ ان میں سے وہ قسم اچھی ہے جس کا تعلق معرفت الٰہی اور عشق مصطفوی سے ہو۔ خیال رہے کہ عشق معرفت کے بعد ہوتا ہے یہ فائدہ مما عرفوا الخ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اپنے ایمان کا اعلان اور لوگوں کے سامنے اقرار کرنا بھی رب تعالیٰ کو پیارا ہے بلکہ اقرار شرط ہے احکام اسلامیہ جاری کرنے کے لئے یہ فائدہ يقولون ربنا امنا الخ سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: پرانا مسلمان ہونا یعنی قدیم الاسلامی اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ مع الشاهدين کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ان نو مسلموں نے پرانے مسلمانوں کے ساتھ ہو جانے کی آرزو کی۔ گیارھواں فائدہ: کسی بندے کا اچھا ہونا بھی اللہ کی نعمت ہے اور اچھوں کے ساتھ ہونا ان کے زمرہ میں داخل ہونا بڑی نعمت ہے، یہ نعمت دنیا میں بھی مفید ہے، آخرت میں بھی فائدہ مند یہ فائدہ مع الشاهدين کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ اصحاب کہف کا کتا اچھوں کے ساتھ ہو گیا۔ اس کا بھی

www.alahazratnetwork.org

بیڑا پار لگ گیا۔ **بارھواں فائدہ:** نو مسلم اور پرانے مسلمان ایمان میں برابر ہیں۔ سب کا حشر ایک ساتھ ہو گا یہ فائدہ بھی مع الشاہدین کی تفسیروں سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے ان کی اس دعا کا تو ذکر فرمایا مگر یہ نہ فرمایا کہ ان کی یہ دعا رد ہو گئی معلوم ہوا کہ قبول ہو گئی۔ **تیرھواں فائدہ:** اہل کتاب اگرچہ سارے نبیوں کتابوں توحید وغیرہ کو مانتے ہوں مگر مومن نہیں کافر ہیں۔ جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانیں یہ فائدہ امنا سے حاصل ہوا کہ ان عیسائیوں نے کہا کہ ہم اب ایمان لائے۔ **چودھواں فائدہ:** بعض تحریریں ہمارے اعمال کے بعد ہوتی ہیں۔ جیسے اعمال نامہ کی تحریر یہ فائدہ فاکتبنا سے حاصل ہوا کہ انہوں نے عرض کیا کہ اب تک ہمارا نام کفار کی فہرست میں تھا۔ اب وہاں سے مٹا کر مومنین کی فہرست میں لکھ دے کیونکہ ہم ایمان لا چکے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی **ما انزل الی الرسول** صرف القرآن کیوں نہ فرمادیا گیا جو مختصر تھا۔ **جواب:** اس کے کئی جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے گئے کہ یا تو اس لئے کہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سن کر گریہ وزاری کی **ما انزل** میں ان دونوں کا شامل فرمایا گیا یا اس لئے کہ قرآن کریم میں یہ تڑپا دینے کی تاثیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہونے کے باعث پیدا ہوئی کارتوس بندوق میں آکر اپنا کمال دکھاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن کریم تو آہستہ آہستہ تیئیس سال میں نازل ہوا پھر اس کے لئے **انزل** کیوں ارشاد ہوا۔ انزال کے معنی ہیں ایک دم اتارنا۔ **جواب:** یا تو یہاں انزال میں تجرید ہے اور اس کے معنی ہیں مطلقاً اتارنا۔ یکدم اور آہستگی کا لحاظ نہیں یا قرآن کریم کا نزول کئی بار ہوا ایک بار آہستگی سے اور بار ہا یکدم۔ چنانچہ جبریل امین ہر ماہ رمضان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم سناتے تھے یا ان لوگوں نے پورا قرآن نہ سنا تھا بلکہ کچھ آیات سنی تھیں ان آیات کا نزول یک دم ہی ہوا تھا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے عیسائی قرآن مجید سنکر روتے اور اپنے ایمان کا اعلان کرتے ہیں۔ کیونکہ پچھلی آیت میں عام عیسائیوں کا ہی ذکر ہے یہ بات تو واقعہ کے خلاف ہے۔ بہت عیسائی قرآن مجید کی تردید کرتے اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ پھر یہ فرمان درست کیونکر ہوا۔ **جواب:** پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ **الذین قالوا انا نصری** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے نجاشی اور ان کے ساتھی اور وہ ستر عیسائی مراد ہیں جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ تب تو یہ آیت کریمہ واضح ہے کہ یہ لوگ جو ایمان لائے ان کا یہ حال ہے کہ قرآن سنکر روتے اور عرض کرتے ہیں' دوسرے یہ کہ **قالوا انا نصاری** سے مراد عام عیسائی ہیں کہ یہ بمقابلہ مشرکین و یہود نرم ہیں اس صورت میں **واذا سمعوا** سے مراد ان میں سے بعض لوگ ہیں اور مطلب یہ ہے کہ ان عیسائیوں میں بعض لوگ تو یہاں تک مسلمانوں سے قریب ہیں کہ قرآن سن کر رو پڑتے ہیں' مومن بن جاتے ہیں بلکہ بیان القرآن میں محمد علی لاہوری نے تو یہاں لکھا کہ لارڈ ہیڈلے رات کو تہجد کے وقت نماز میں قرآن مجید پڑھ کر روتا تھا اور بھی آج کئی یورپین عیسائی ہیں جن کے دل قرآن مجید کے سننے سے پگھلتے ہیں واللہ اعلم' بہرحال یہ آیت کریمہ بالکل درست ہے' بعض عیسائیوں نے مسلمان ہو کر قرآن مجید کے ترجمے تفسیریں انگریزی میں شائع کیں۔ چنانچہ آج کل محمد پکھتال انگریز کا انگریزی ترجمہ بہت مروج ہے میں نے حرمین شریفین میں انگریز عیسائیوں کی تفسیر انگریزی میں دیکھی وہاں یہ تفسیریں انگریزی خواں حاجی مسلمانوں کو مفت دی جاتی ہیں' کسی مشرک یا

www.alahazratnetwork.org

یہودی کو اس قسم کی توفیق نہ ملی۔ چوتھا اعتراض: یہ عیسائی جب مسلمان ہو گئے تو انہیں عیسائی کیوں کہا گیا۔ مسلمان ہو جانے کے بعد ان کا مسلمانوں سے محبت کرنا قرآن مجید سن کر رونا اپنے ایمان کا اعلان کرنا عجیب بات نہیں مشرکین اور بعض یہود بھی مسلمان ہو کر یہ کام کرتے ہیں۔ سیدنا عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مسلمان ہو کر بڑے مبلغ اسلام ہوئے۔ جواب: اس کا جواب پچھلی آیت میں دے دیا گیا کہ عیسائیوں میں ایسے مخلص بہت ہوئے مشرکین 'یہود میں بہت تھوڑے جو نہ ہونے کے برابر ہیں' اس کے متعلق بہت کچھ وہاں ہی عرض کیا گیا۔ وہاں ہی ملاحظہ کرو۔ پانچواں اعتراض: ان عیسائی نو مسلموں سے مسلمان ہو چکنے کے بعد یہ کیوں دعا کی کہ فاکتبنا مع الشاہدین یہ لوگ شاہد تو ہو ہی گئے ہر مسلمان شاہد ہے' جواب: اس کے دو جواب تفسیر میں عرض کیئے گئے۔ ایک یہ کہ شاہدین سے مراد ہیں پرانے مسلمان جو ان لوگوں سے بہت پہلے توحید و رسالت کی گواہی دے رہے ہیں' مطلب یہ ہے کہ اگرچہ ہم آج مسلمان ہوئے ہیں' مگر مولی اپنے کرم سے ہم کو ان پرانے مسلمانوں میں شمار فرمالے جو ہم سے پہلے بہت نیک اعمال کر چکے۔ دوسرے یہ کہ شاہدین سے مراد ہے قیامت میں انبیاء کرام کے گواہ تو مطلب یہ ہے کہ ہمارا خاتمہ ایمان پر فرما اور ہمارا حشر مسلمانوں کے ساتھ کر ان کی طرح ہم کو انبیاء کرام کا گواہ بنا یہ سعادت ان کے ساتھ ہم کو بھی نصیب کر۔ چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی اعینھم تفیض من الدمع صرف یبکو کیوں نہ فرمایا گیا' وہ تو مختصر لفظ تھا جواب: اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس میں اشارۃً" فرمایا گیا کہ ان کے یہ آنسو دوسروں کے لئے فیض رساں ہوتے ہیں۔ خوف خدا عشق حضور مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم میں رونے والے کی جگہ بھی بافیض ہو جاتی ہے' تفیض بہت ہی پر لطف لفظ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قرآن مجید پڑھنے اور سننے والے مختلف قسم کے ہیں جن میں سے بعض وہ خوش نصیب ہیں جن کی زبان اور کان میں الفاظ قرآن پہونچتے ہیں ان کی عقل تک شواہد قرآن ان کے دلوں تک حلاوت و لذت قرآن پہنچتے ہیں ان کی روحیں اسی قرآن کے ذریعہ جمال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مشاہدہ کر لیتی ہیں ان کے اسرار صفات الہی کا نظارہ کرتے ہیں ایسے قاریوں اور سامعین پر علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ تجلیات ربانیہ کھل جاتے ہیں' جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں ان کے دل مجلس سماع میں عشق کی آگ سے بھڑک جاتے ہیں۔ ان کے رونگٹے خوف خدا سے کھڑے ہو جاتے ہیں ان کے اعضاء پر وجدانی علامات طاری ہو جاتی ہیں۔ ان کے یہ حالات اپنے اختیار میں نہیں بلکہ کسی طرف سے فیض کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ ان کے پاس کے جن و انس بلکہ زمان و مکان میں عجیب تاثیرات پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس حقانی جماعت کا ذکر ہے۔

حکایت: حضرت جنید بغدادی ایک بار نماز میں یہ آیت کریمہ بار بار تلاوت کر رہے تھے کل نفس ذائقۃ الموت' ہاتف غیبی نے آواز دی اے جنید تمہاری تکرار آیت سے چار مومن جن مر چکے ہیں جنہوں نے ہیبت الٰہی میں آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھا اب اور کتنوں کو مارو گے آگے بڑھو۔ حضرت ابو بکر صدیق قرآن مجید پڑھتے وقت بے تاب ہو کر روتے تھے' یہ عیسائی مومن حضرات صحابہ کرام کے فیضان سے آن کی آن میں درجہ پر پہنچ گئے اور اس مرتبہ پر پہنچ کر بھی اپنے کو مبتدی تصور کر کے کہنے لگے کہ مولی ہم کو اس جماعت میں شامل فرمادے جو تیرے رسول کی قدر و منزلت کا مشاہدہ کرنے والے ہیں۔ انہوں نے

www.alahazratnetwork.org

حق یعنی قرآن کو تو پہچان لیا اب صاحب قرآن حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کے مشاہدہ کرنے کا شوق دامن گیر ہوا اور یہ دعا مانگی قرآن مومن کی ابتدا' ہے 'صاحب قرآن انتہا (تفسیر عرائس البیان) عارف پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ حضور ہی اس کی ابتدا ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی انتہا۔

مرد مومن نائب پیغمبر است　　　مرد مومن مالک خشک و تر است
مرد مومن را محمد انتہاء است!　　　مرد مومن را محمد ابتدا است

صوفیاء فرماتے ہیں کہ کامل وہ ہے جو اچھا ہو اور اچھوں کے ساتھ ہو اچھوں کا ساتھ اللہ کی بڑی رحمت ہے اس لئے ان لوگوں نے دعا کی کہ ہم کو شاہدین کے ساتھ لکھ لے لکڑی کے سہارے لوہا تر جاتا ہے۔ نیکوں کے سہارے ہم شامتوں کے مارے گنہگاروں کا انشاء اللہ بیڑا پار ہوگا۔ ہر رشتہ نسبت دیکھتا ہے' زوجیت' برادری وغیرہ ہم جنس سے ہی ہو سکتی ہے مگر عشق وہ رشتہ ہے جو نہ نسبت دیکھے نہ جنسیت نہ برابری نہ برادری حتی کہ گنہگار کو جناب احمد مختار سے عشق ہو جاتا ہے بلکہ بندہ کو پروردگار سے والہانہ محبت ہو جاتی ہے 'گنہگار جانتا ہے کہ میں کہاں 'حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں۔

لاف مہرش چہ زتم من حبشی او قرشی　　　فہم رازش چہ کنم من عجمی او عربی

مگر پھر دل اختیار میں نہیں اس آستانہ تک پہنچ ہی جاتا ہے' ان کے قدموں سے لپٹ ہی جاتا ہے' عشق کا خدا بھلا کرے کہ ہم جیسے بدکاروں کو سرکاروں تک پہنچاتا ہے۔ اب پڑھو **فاکتبنا مع الشاھدین** اگر اس آیت کی زندہ و جاوید تفسیر دیکھنا ہے اور مع الشاہدین کی لذت پوچھنا ہے تو حضرت بلال کو دیکھو۔ ان سے اس ہمراہی کی لذت پوچھو ڈاکٹر اقبال نے حضرت بلال کی بارگاہ میں عرض کیا ہے۔

چمک اٹھا جو ستارہ تیرے مقدر کا　　　حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے دم قدم کی آبادی　　　تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لئے　　　کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے سہے

اسی معیت کی برکت ہے جس نے حضرت بلال کو زندہ جاوید بنا دیا۔

اقبال کس کے لطف کا یہ فیض عام ہے　　　رومی کو ہے فنا حبشی کو دوام ہے

یہ آیت کریمہ مسائل تصوف کی کان ہے۔ کلام الٰہی سن کر رونا۔ یار کے ذکر پر وجد آنا' رونے اور وجدانی حالت میں کچھ منہ سے عشقیہ الفاظ ابل پڑنا۔ اچھوں کے ساتھ کی دعائیں کرنا' ایمان کے وسیلہ سے دعائیں مانگنا وغیرہ سبھی کچھ اس سے ثابت ہوتا ہے' نیز ان آنسوؤں سے فیض پہنچا رہی ہے کب تک قیامت تک کہ ان آنکھوں کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیض کا چشمہ ہیں گھڑے کا پانی ختم ہو جاتا ہے کہ وہ چشمہ سے کٹ گیا مگر نلکے کا پانی ختم نہیں ہوتا کہ اس کا تعلق چشمہ سے ہے ایسے رونے والے اللہ کے مقبول ہیں ان کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پھر ان کا فیضان ختم کیسے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فیضان کا چشمہ ہیں اولیاء اللہ اس چشمہ کے نلکے تمام دنیا اس سے ہمیشہ فیض لے مگر وہاں کمی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں' جیسے پنسل کے سرے پر حرف مٹانے والا ربڑ لگا ہوتا ہے تو پنسل کا ایک سرا لکھنے کا کام کرتا ہے۔ دوسرا سرا ربڑ والے

www.alahazratnetwork.org

لکھے کو مٹانے کا ایسے ہی ہمارے زبان اور دیگر اعضاء کے دو کنارے ہیں، ایک کنارہ سے گناہ ہوتے ہیں دوسرے کنارہ سے کئے ہوئے گناہ مٹ جاتے ہیں۔ جھوٹ بولے بدنظری کی گناہ لکھے گئے توبہ کر لی آنکھ سے آنسو بہا لئے سب کئے گناہ بے کئے بن گئے دیکھو وہ لوگ کہہ رہے تھے کہ ہم کو شاہدین کے ساتھ لکھ لے یعنی اس آنسو توبہ کی برکت سے ہمارے نام کفار کی فہرست سے اپنی عفو و کرم سے مٹا دے اور مومنوں کی فہرست میں درج فرما دے۔

وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا

اور کیا حال ہے ہمارا کہ نہ ایمان لائیں ہم ساتھ اللہ کے اور اس کے جو آیا ہمارے پاس حق سے اور لالچ کرتے ہیں ہم یہ

اور ہمیں کیا ہوا کہ ہم ایمان نہ لائیں اللہ پر اور اس حق پر کہ ہمارے پاس آیا اور ہم طمع کرتے ہیں

رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ

کہ داخل کرے ہمکو رب ہمارا ساتھ قوم نیک کے تو ثواب دیا ان کو اللہ نے بوجہ اس کے جو کہا انہوں نے وہ باغات کہ

کہ ہمیں ہمارا رب نیک لوگوں کے ساتھ داخل کرے تو اللہ نے ان کے کہنے کے بدلے انہیں باغ دیئے جن کے

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ

بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ ہے بدلہ نیک کام والوں کا اور وہ لوگ جنہوں

نیچے نہریں رواں ہمیشہ ان میں رہیں گے۔ یہ بدلہ ہے نیکوں کا اور وہ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری

كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝

نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہ لوگ ہیں دوزخ والے

آیتیں جھٹلائیں وہ ہیں دوزخ والے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں نو مسلم عیسائیوں کی چشم گریاں زبان ذاکر کا ذکر تھا۔ اب ان آیت میں ان کے دل بریاں اور ارادے کی پختگی کا تذکرہ ہے گویا ان کے ظاہر کا ذکر فرمانے کے بعد ان کے باطن کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان نو مسلم عیسائیوں کے اسلام میں داخل ہونے کا ذکر تھا۔ اب ان کے ایمان سے نہ نکل سکنے کا تذکرہ ہے کہ ان میں ایمان ایسا رچ گیا کہ کسی کے طعن کسی کی ملامت سے نکل نہ سکا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مومنوں کی ایمانی پختگی کا تذکرہ تھا۔ اب ان آیات میں ان کے ثواب ان کی مقبولیت کا ذکر ہے کہ ارشاد ہے **فاثابهم الله** **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان نو مسلموں کے داخل **فی الدین** ہونے کا ذکر تھا

www.alahazratnetwork.org

اب ان کے داخل فی الصالحین ہونے کا تذکرہ ہے یعنی وہ آن کی آن میں دین میں بھی آگئے اور صالحین کے زمرہ میں بھی داخل ہو گئے۔

شان نزول : جب حبشی عیسائیوں کا ستر آدمیوں کا وفد مدینہ منورہ سے مومن ہو کر اپنے ملک حبشہ میں واپس پہنچا اور یہود کو ان کے ایمان قبول کر لینے کی خبر ہوئی تو وہاں کے یہودیوں نے انہیں ملامت کی ان پر زبان طعن درازی کی کہ تم لوگوں نے اپنا جدی پشتی دین چھوڑ دیا اور ایسا نیا دین اختیار کر لیا جو اس علاقہ میں پہلے سے نہ تھا تب ان لوگوں نے ان یہود کو وہ جواب شاندار دیا جس کا یہاں ذکر ہے (تفسیر خازن' مدارک' بیضاوی وغیرہ)

تفسیر : **ومالنا لا نومن باللہ وما جاء نا من الحق**۔ قوی احتمال یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہذا **ومالنا** کا واؤ ابتدائیہ ہے **ما** تعجب سے استفہام کے لئے ہے اور **لانومن** حال ہے لنا کی ضمیر سے باللہ متعلق ہے **نومن** کے اور **وماجاء نا** الخ معطوف ہے اللہ پر اس صورت میں یہ کلام وہ ہے جو ان نو مسلموں نے اپنے دل میں سوچا یا رب تعالیٰ سے عرض کیا اور ہو سکتا ہے کہ اس میں ان لوگوں کو جواب دیا گیا ہو۔ جنہوں نے ان لوگوں کو مسلمان ہو جانے پر طعنہ دیا ہو کر تم نے اپنے پرانے دین کو کیوں چھوڑا۔ اور مسلمان کیوں ہو گئے تب واؤ زائدہ ہے۔ پوشیدہ سوال کے جواب میں واؤ زائدہ آسکتا ہے (روح المعانی)۔ بہر حال ان کا یہ کلام نہایت ہی مخلصانہ ہے حق سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ذات حق جنکا ہر قول ہر فعل ہر ادا حق ہے جو سراپا حق ہیں یا مراد قرآن مجید ہے یا اسلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یعنی وہ نو مسلم اپنے دل میں سوچتے ہیں یا رب تعالیٰ سے بطور شکریہ عرض کرتے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ ہیں بطور عقیدت کہتے ہیں یا طعنہ دینے والے عیسائیوں یہودیوں کو جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جو سراپا حق ہیں کیوں ایمان نہ لائیں۔ ہمارے پاس وہ حق تشریف لے آیا۔ پھر اس پر ایمان نہ لانا' بڑی ناشکری' بے قدری ہے۔ **ونطمع ان یدخلنا ربنا مع القوم الصلحین** یہ جملہ **لانومن** کی ضمیر سے حال ہے **نطمع** سے پہلے مبتداء پوشیدہ ہے کیونکہ مضارع جب حال ہو تو اس کے اول واؤ نہیں آتا واؤ صرف جملہ اسمیہ حالیہ کے اول آتا ہے بعض شارحین نے فرمایا کہ یہ عبارت **نومن** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور **لا** نفیہ کے تحت ہے۔ طمع سے مراد امید قوی ہے یا مراد ہے لالچ۔ دنیاوی لالچ بری ہے' دینی لالچ اچھی یہاں دینی لالچ مراد ہے یا طمع کے معنی ہیں کسی چیز سے سیر نہ ہونا زیادتی کی خواہش کئے جانا اس کا مقابل ہے قنع سیر ہونا زیادتی کی خواہش نہ کرنا قنع سے بنا ہے قناعت دنیا کے لئے قناعت اچھی آخرت کے لئے طمع اچھی **یدخل** کا پہلا مفعول تو ہے **نا** اور مفعول دوم **الجنتہ** پوشیدہ ہے۔ قوم صالحین سے مراد وہ حضرات صحابہ کرام ہیں جو ان سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے اور مہاجرین و انصار کے لقب سے سرفرازی پا چکے تھے۔ بہت جہاد و نیک اعمال کر چکے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہ کر خدا رسیدہ ہو چکے تھے یعنی ہم لوگ اگرچہ ہیں تو نو مسلم اسلام سے ناواقف آج ہی مسلمان ہوئے مگر ہم کو اپنے رب کریم سے امید قوی ہے کہ ہم کو ان قدیم الاسلام صحابہ کرام کے ساتھ ہی جنت میں داخل فرمادے جو ہم سے پہلے اسلام کی بڑی بڑی خدمات کر کے بہت ترقیاں کر چکے یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو اپنے رب سے طمع ہے کہ صالح مومنین میں ہم کو داخل فرمالے اس زمرہ میں ہمارا شمار فرمالے غرضیکہ یا تو وہ صالحین کے ساتھ رحمت میں داخلہ مانگ رہے ہیں یا صالحین کا ساتھ مانگ رہے ہیں

www.alahazratnetwork.org

فاثابهم الله بما قالوا اس جملہ میں ان کے اخلاص' دعا وغیرہ کے نتیجہ کا ذکر ہے۔ اس لئے اس پر **ف** ترتیب کی لائی گئی۔ **اثاب** بنا ہے **اثابته** سے جس کا مادہ ثواب ہے بمعنی نیک بدلا اور جزاء خیر **هم** کا مرجع وہی نو مسلم عیسائی ہیں۔ جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے' **بما** میں **ب** سببیہ ہے اور **ما** مصدریہ **قول** سے مراد یا تو ان کا زبانی قول ہے جو ابھی مذکور ہوا جو صحیح اعتقاد کے ساتھ تھا یا مراد ہے دلی قول یعنی عقیدہ یا اس سے مراد وہ دعا ہے جو ابھی مذکور ہوئی یعنی **فاكتبنا مع الشاهدين**۔ **بما كانوا** سے یہ بتایا گیا کہ یہ ثواب ان کے صرف اس دعا کا اس کلام کا نتیجہ ہے صرف اس قول کو ہم نے قبول کر لیا اور انہیں سب کچھ دے دیا۔ **جنت تجرى من تحتها الانهار** یہ اثاب کا دوسرا مفعول ہے جنت کے معنی اس کے جمع لانے کی وجہ بننے کے معانی انہار و بحار میں فرق کہ جنت میں پانی دودھ شہد شراب طہور کی نہریں کیوں ہیں دریا کیوں نہیں۔ یہ سب باتیں بارہا بیان ہو چکیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ آخرت میں باغات ہیں جن میں پھل ہوتے ہیں وہاں دانے کے کھیت نہیں کیونکہ دانہ بھوک دور کرنے پیٹ بھرنے کے لئے ہوتا ہے پھل لذت کے لئے وہاں بھوک نہیں تاکہ کھیت کے دانے ہوں یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ جب کرم کرے گا تو ایک مومن کو ایک قول یا ایک عمل کے عوض ایک دو بلکہ بہت سی جنتیں عطا فرما دے گا پھر ہر جنت میں ایک دو نہریں نہ ہوں گی بلکہ بہت سی نہریں ہوں گی وہ کریم ہم کو ہمارے لائق جزا نہ دے گا بلکہ اپنی کرم نوازی اپنی شان کے لائق دے گا۔ خیال رہے کہ ان لوگوں نے نیکوں کا ساتھ مانگا تھا۔ جنت نہیں مانگی تھی مگر چونکہ نیکوں کا ساتھ جنت میں ہی مل سکے گا اس لئے انہیں جنت بھی دے دی گئی' دانہ حاصل کرنے والے کسان کو بھوسہ بھی مل جاتا ہے' ایسے ہی صالحین کا ساتھ مانگنے والوں کو جنت بھی عطا ہو جاتی ہے۔ **خلدين فيها** یہ عبارت اثابہم کی ضمیر **هم** سے حال مقدرہ ہے' خلود کے معنی بہت رہنا بھی ہوتے ہیں اور ہمیشہ رہنا بھی' یہاں ہمیشہ رہنا مراد ہے کیونکہ بہت سی آیات میں ان کے ساتھ ابدا بھی مذکور ہے یعنی وہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ ابدالآباد تک رہیں گے نہ مریں نہ وہاں سے نکلیں **وذلك جزاء المحسنين ذلك** سے اشارہ جنات وہاں کی نہریں وہاں ہمیشہ قیام ہے۔ محسنین کے معنی ہیں نیک لوگ خوش عقیدہ نیک عمل المحسنین سے مراد یا تو یہ ہی لوگ ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یا ہر قسم کے نیک لوگ اس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ یہ لوگ اپنے اخلاص اور اس دعا اس تمنا کی برکت سے پرانے نیک کار مومنوں کے زمرہ میں شمار ہو گئے اور اس جزاء کے مستحق وہاں عمل کا وقت عمل کی مقدار نہیں دیکھی جاتی اخلاص دیکھا جاتا ہے **والذين كفروا وكذبوا باٰيٰتنا اولٰئك اصحاب الجحيم**۔ اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ جب **الذين** کے بعد **امنوا** ہو اور بعد میں عطا جنت وغیرہ کا ذکر ہو تو الذین سے مراد صرف انسان ہوتے ہیں کہ مومن جن اور فرشتوں کے لئے جنت اور وہاں کی نعمتیں نہیں فرشتے جنت میں ہوں گے جزاء کے لئے نہیں بلکہ جنتیوں کی خدمت کے لئے بعض جانور جنت میں جائیں گے۔ جیسے اصحاب کہف کا کتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ناقہ عیسیٰ علیہ السلام کا خچر وہ بھی جزا کے لئے نہیں بلکہ ان بزرگوں کے ساتھ رہنے خدمت کرنے کے لئے اور جب الذین کے بعد کفروا کا اور دوزخ کی سزا کا ذکر ہو تو وہاں کافر انسان کافر جن سب ہی مراد ہو سکتے ہیں کو دوزخ کی سزا جن کافروں کے لئے بھی ہے۔ یہاں **الذين** سے مراد یا تو دوسرے عیسائی ہیں جو ایمان قبول نہ کریں اور ایمان لانے والوں پر طعن کریں یا مراد یہودی ہیں جن کی اسلام دشمنی مشہور ہے کفر سے مراد ان کا پچھلا کفر ہے یعنی توریت و انجیل کی تحریف اپنے انبیاء کرام کو جھٹلانا ہے۔ **كفروا** ماضی ہے اگر اس کے بعد ضبطی اعمال کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے جنہوں نے کفر کیا کیونکہ ایک آن کا کفر تمام نیکیاں برباد کر دیتا ہے لیکن اگر کفروا

www.alahazratnetwork.org

کے بعد دوزخ کی سزا کاذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں جو کافر رہے مرتے دم تک یا جو کافر ہوئے مرتے وقت یا جو کافر ہوئے علم الٰہی میں کیونکہ ایک آن کا کفر دوزخی نہیں بناتا لہذا یہاں **کفروا** اور **کذبوا** کے معنی ان تین میں سے کوئی کرنا چاہیں یعنی جو کفر تکذیب کرتے رہے یا مرتے وقت جنہوں نے کفر و تکذیب کی یا جو علم الٰہی میں کافر او رمکذب ہوئے اور آیات جھٹلانے سے مراد آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار کرنا ہے یعنی آیا تنا سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں یا توریت و انجیل کی آیتیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سرتاقدم آیات الٰہیہ میں آپ کے بال شریف آیت آپ کی آنکھ شریف آیت وغیرہ کیوں نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے اپنی قدرت کا نمونہ بنایا ہے نمونہ وہ ہوتا ہے جو کاریگر کا کمال دکھائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کمال ذوالجلال کے نمونہ اتم ہیں۔ **جحیم** دوزخ کے ایک طبقہ کا نام ہے۔ یہاں مطلقاً دوزخ مراد ہے **اصحاب النار** کے معنی ہیں دوزخ والے جو کہ وہاں ہی رہیں وہاں سے نہ نکلیں نہ مریں یعنی وہ یہودی عیسائی جو پہلے سے بھی کافر تھے اور اب ہمارے قرآن ہمارے محبوب اور محبوب کے معجزات کے منکر ہو گئے وہ دوزخی ہیں کہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں کبھی وہاں سے نکل نہ سکیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر : ان نومسلم عیسائیوں کی پختگی ایمان کا حال یہ ہے کہ جب ان کے ہم قوم عیسائی یا یہودی ان کو مسلمان ہو جانے پر طعنہ دیتے ہیں تو ان کے طعنوں کا اثر نہیں لیتے بلکہ ان کو نہایت مخلصانہ تبلیغ والا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول برحق پر ایمان کیوں نہ لائیں جب وہ حق ہمارے پاس آگیا اور ہم نے اسے پہچان بھی لیا پھر ایمان لانے سے رکاوٹ کیا ہے۔ ہمارا حال یہ ہے کہ ہم کو ایمان لا کر اپنے رب کے کرم سے امید قوی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو ان صالحین مومنین قدیم الاسلام صحابہ کی جماعت میں شمار فرمالے ہم کو ان کے ساتھ جنت کا داخلہ نصیب فرمادے نئے پرانے مومنوں میں فرق نہ کرے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول اس امید کی وجہ سے انہیں ایسی جنتیں عطا فرمائیں۔ جن کے نیچے شراب طہور شہد دودھ وغیرہ کی نہریں بہ رہی ہیں یہ لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ انہیں وہاں موت آئے نہ وہاں سے نکالے جائیں۔ ہمارے ہاں نیک کاروں کی جزا یہی ہے ان نیک کار خوش عقیدہ مسلمانوں کا بدلہ تو یہ ہے رہے وہ بدنصیب جو پہلے بھی کافر رہے اور اب بھی ہماری آیات قرآنیہ معجزات نبویہ کے انکاری ہوئے یہ بدنصیب دوزخ والے ہیں کہ وہاں ہمیشہ رہیں گے اور سخت سے سخت عذاب پائیں گے غرضیکہ ایک ہی قرآن ہے ایک ہی نبی ہے مگر لوگ مختلف ہیں ان کے ذریعہ کوئی جنتی بن جاتا ہے کوئی ان کا انکار کرکے دوزخ حاصل کر لیتا ہے نصیب اپنا اپنا۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفر میں کمزوری ہے ایمان میں دل کی قوت دیکھو یہ نومسلم عیسائی ایمان لاتے ہی ایسے شیر دل بہادر ہو گئے کہ انہیں اپنی قوم کے طعنوں زبان درازیوں کی کوئی پرواہ نہ رہی ان سب سے صاف صاف کہہ دیا **وما لنا لا نومن** جیسے کہ فرعونی جادوگر ایمان لانے سے پہلے فرعون سے ڈرتے بھی تھے اس کی اطاعت بھی کرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی اللہ نے انہیں دل کی وہ قوت عطا فرمائی کہ فرعون کے ڈرانے دھمکانے پر صاف صاف کہہ دیا۔ **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے مقوی دوائیں غذائیں جسم کو قوت دیتی ہیں ایمان و تقویٰ دل کو تقویت بخشتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: ایمان کے لئے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کو ماننا کافی نہیں نہ توحید سے نجات ہے بلکہ

www.alahazratnetwork.org

مومن وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مانے انہیں جانے پہچانے یہ فائدہ **من الحق** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کا ذکر باللہ کے ساتھ کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کسی کے پاس آنے جانے سے پاک ہے آنا جانا ساتھ رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے یہ فائدہ **وما جاء نا من الحق** سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے **جاء نا** ارشاد نہ ہوا بلکہ حق کے لئے فرمایا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** اچھوں کا ساتھ اور نیکوں کے زمرہ میں داخل ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے یہ فائدہ **مع القوم الصلحین** سے حاصل ہوا شیطان سے وہی بکری محفوظ رہتی ہے جو ریوڑ میں رہے حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین** موسیٰ علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام نے دعا کی تھی **والحقنی بالصالحین** اللہ تعالیٰ اچھوں کا ساتھ نصیب کرے۔ **پانچواں فائدہ:** اسلام لاتے ہی نومسلم اور پرانا مسلمان نفس ایمان میں برابر ہو جاتے ہیں کوئی پرانا مسلمان کسی نومسلم کو اس لئے حقارت سے نہ دیکھے کہ وہ نومسلم ہے یہ فائدہ **ان یدخلنا ربنا** سے حاصل ہوا بلکہ جو آج مسلمان ہوا اس کے سارے پچھلے گناہ معاف ہو گئے اور پرانے مسلمان کے گناہ موجود ہیں اس لئے وہ نومسلم قابل احترام ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نکتہ نواز ہے چاہے تو ایک لفظ سے سارے گناہ بخش دے اور دوزخی کو جنتی بنا دے یہ فائدہ **فاثابهم الله** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان لوگوں کے صرف اس کہنے پر **ونطمع ان یدخلنا** رب نے انہیں جنت کا وارث بنا دیا یہ فائدہ **بما قالو** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عطاء جنت کا سبب ان کا یہ قول بنایا۔ لہٰذا مسلمان کو چاہئے کہ ہمیشہ اچھی بات منہ سے نکالے۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ ایک مومن کو صرف ایک جنت عطا نہ فرمائے گا۔ بلکہ کئی جنتیں دے گا یہ فائدہ جنات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نیکی کی تمنا کرنا بھی نیکی ہے دیکھو ان نومسلم عیسائیوں نے جماعت صحابہ میں شامل ہونے کی تمنا کی تو اس تمنا پر بھی انہیں ثواب دیا گیا کہ ارشاد ہوا **فاثابهم الله بما قالوا** نیکی کرنا کرانا نیکی میں مدد دینا نیکی کی تمنا کرنا سب ہی ثواب ہے یہ ہی حال گناہ کا ہے۔ **نواں فائدہ:** اگر رحمت الٰہی دستگیری کرے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک جھلک قرآن مجید کی ایک آیت سے ایمان مل جاتا ہے اگر ادھر سے دستگیری نہ ہو تو ہمیشہ حضور کو دیکھنے پورا قرآن سننے جاننے سے بھی ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **والذین کفروا وکذبوا بایٰتنا** سے حاصل ہوا دیکھو یہ نومسلم عیسائی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک نگاہ دیکھ کر آپ سے صرف چند آیات سن کر ایمان لے آئے کفار مکہ یہود مدینہ نے عمر بھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا سے جانا سمجھا مگر مومن نہ ہوئے رب کی بے نیازی سے خوف چاہئے۔

پہلا اعتراض: یہ نومسلم عیسائی ایمان لاتے ہی نیک و صالح ہو گئے ان کے سارے گناہ معاف ہو گئے پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ ہم کو صالح قوم میں داخل فرما۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ صالحین سے مراد پرانے مسلمان ہیں جو بہت سے نیک اعمال کر چکے ہیں ان نومسلموں کے ایمان لانے سے پہلے ہی لہٰذا یہ دعا بالکل ہی درست ہے مطلب یہ ہے کہ مولیٰ ہماری بے عملی کو نہ دیکھ ہم کو ان عاملین کے زمرہ میں شامل فرما لے یا جنت میں ان کے ساتھ جگہ دے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **بما قالوا** فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ صرف اس کہنے سے جنتوں کے بھی مستحق ہو گئے اور پرانے صالحین کے ساتھ ہو گئے یہ تو ناانصافی ہے کہ ایک شخص کو بغیر کسی عمل کے بڑے پرانے عاملوں کے برابر کر دیا جائے (آریہ)۔ **جواب:** یہ ناانصافی نہیں بلکہ کرم نوازی اور عطاء خسروانہ ہے۔ جنت کسبی بھی ہے اور وہبی یا عطائی بھی یہ عطائی جنت ہے رب تعالیٰ نیک کار

www.alahazratnetwork.org

مومنوں کے چھوٹے بچوں کو جو ہوش سنبھالنے سے پہلے فوت ہو گئے ان کے ماں باپ کے ساتھ جنت میں رکھے گا تو ماں باپ کو کسی جنت ملے گی۔ ان بچوں کو عطائی جنت کسی کا حق مارلینا بے انصافی ہے۔ بغیر حق کچھ دے دینا مہربانی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا **کفروا و کذبوا باٰیٰتنا** حالانکہ آیات کا جھٹلانا بھی کفر ہے تو کفر اور جھٹلانے کو الگ الگ کیوں فرمایا۔ **جواب:** یہاں کفر سے مراد ہے پچھلے نبیوں کا ان کے احکام و فرمانوں کا انکار اور جھٹلانے سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن و معجزات کا انکار لہذا مضمون میں تکرار نہیں یا یوں کہو کہ کفر بہت سی قسم کا ہے جن میں سے ایک کفر ہے آیات الہیہ کا جھٹلانا یہاں نوعیت کفر بتانے کے لئے کفروا کے بعد **کذبوا باٰیٰتنا** ارشاد ہوا۔ کفر تکذیب بدترین کفر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ان نومسلم عیسائیوں نے تو صالحین کا ساتھ مانگا تھا۔ جنت نہیں مانگی تھی اس کی جزاء میں جنت کی عطا کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا **فاثابهم الله بما قالوا جنات تجری**۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ اچھوں کی ہمراہی مانگنا بھی عبادت ہے اور عبادت کی جزاء جنت ہے دوسرے یہ کہ اچھوں کی ہمراہی جنت ہی میں نصیب ہو گی کہ وہی تو اچھوں کا مقام ہے ان کے ساتھ رکھنے کے لئے انہیں جنت دی گئی۔ تیسرے یہ کہ جو دانہ مانگتا ہے اسے بھوسہ بھی ساتھ ملتا ہے کسان دانہ کے لئے کاشت کرتا ہے بھوسہ بھی پاتا ہے۔ اچھوں کی سنگت دانہ ہے اس کے مقابلہ جنت اور وہاں کی نعمتیں بھوسہ ہیں وہ بھی عطا کی گئیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض انسانوں کی فطرت میں کفر و فساد ہے ان کی ہدایت عارضی ہوتی ہے پھر وہ اپنی فطرت کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔ یہ لوگ صورتاً انسان ہوتے ہیں سیرت میں شیطان یا درندے یا جانور وہ سب کچھ سن کر بھی نہیں سنتے اور سب کچھ دیکھ کر بھی نہیں دیکھتے بعض لوگوں کی فطرت میں ہدایت اطاعت معرفت داخل ہے ان کی گمراہی عارضی ہوتی ہے ان کے چراغ میں تیل بتی سب کچھ ہوتا ہے صرف دیا سلائی دکھانے کی دیر ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان دونوں قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ان نومسلم عیسائیوں نے حضرات صحابہ کرام کی صحبت پاتے ہی ایمان قبول کرلیا اور لوگوں کے طعن پر کہہ دیا کہ ایمان کیوں کر قبول نہ کریں ہمارے پاس تو حق آ گیا یعنی تیل بتی ہر چیز تیار تھی لقد دکھانے کی دیر تھی وہ ہم کو مل گیا ہم تو چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو صالحین میں داخل فرمائے کیونکہ ہماری ان کی فطرت ایک ہی ہے یہ لوگ تو جنتوں کے مستحق ہو گئے اور پہلی قسم کے لوگ دوزخ کے ایندھن بنے ہر قوم وہاں ہی پہنچتی ہے جہاں کا خمیر ہوتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

خوئے بد در ذات تو اصل نبود — کز بد اصل نیاید جز جحود!
آں بدی عاریتی باشد کہ او — آرد اقرار و شود او توبہ جو!
ہمچو آدم زلتش عاریہ بود! — لاجرم اندر زماں توبہ نمود!
چونکہ اصلی بود جرم آں ابلیس — رہ نبودش جانب توبہ نفیس!

آدم علیہ السلام کی لغزش عارضی تھی لہذا بہت جلد رجوع و توبہ انہیں میسر ہو گئی۔ ابلیس کا جرم اصلی تھا اور اس کی گذشتہ عبادات عارضی اس لئے اسے توبہ نصیب نہ ہوئی۔ عارضی سیاہی صابن سے دھل جاتی ہے اصلی سیاہی کو کون دھوئے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں دو قسم کی دعائیں مذکور ہیں۔ بعض وہ جو خود رب تعالیٰ نے ہم کو تعلیم کے لئے ارشاد فرمائیں جیسے **اهدنا الصراط المستقیم**۔ بعض وہ جو دعائیں جو مقبول بندوں نے مانگیں اور رب تعالیٰ نے نقل فرمائیں۔

www.alahazratnetwork.org

دوسری قسم کی دعاؤں میں دو برکتیں ہیں ایک قرآن مجید کی دعا ہونا دوسرے مقبول بندوں کے منہ سے نکلی ہوئی ہونا یہاں جو دعائیں ہیں وہ دوسری قسم کی ہیں یہ بہت ہی مقبول ہیں بعض بات انسان کے منہ سے ایسی نکل جاتی ہے جس سے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور انسان مقبولین میں سے بن جاتا ہے۔ بعض بات ایسی نکل جاتی ہے جس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ شیطان کی ایک بات سے اس کی لاکھوں سال کی نیکیاں برباد ہو گئیں **لم اکن لا سجد لبشر** حضرت آدم علیہ السلام کی ایک ہی بات سے ان کی خطا معاف ہو گئی دیکھو رب نے فرمایا **بما قالوا** ہم نے ان نو مسلموں کو جنتیں ایک قول کی وجہ سے عطا فرما دیں نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار آیات اللہ کا انکار ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کافر ہے مومن جو خشک روٹی کھاتا ہے وہ جنت کی نعمت ہے جو پھٹے پرانے کپڑے پہنتا ہے' وہ جنت کا لباس ہے' جس جھونپڑے میں رہتا ہے وہ جنت کا محل ہے کہ وہ ان چیزوں کا استعمال کر کے اللہ کی اطاعت کرتا ہے' پھانسی والے قیدی کو مضبوط کالی کوٹھڑی میں رکھتے ہیں اسے اچھا کھانا دیتے ہیں' ظاہر ہے کہ وہ کھانا رحمت کا نہیں عذاب و سزا کا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ حرام کر لو ان پاکیزہ چیزوں کو جو حلال کیں اللہ نے واسطے تمہارے اور نہ حد
اے ایمان والو نہ حرام ٹھہراؤ وہ ستھری چیزیں جو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیں اور حد سے نہ بڑھو
اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّا
سے بڑھو بے شک نہیں پسند کرتا اللہ بڑھنے والوں کو اور کھاؤ اس میں سے جو روزی دی تمکو اللہ نے حلال پاکیزہ اور
بے شک حد سے بڑھنے والے اللہ کو ناپسند ہیں اور کھاؤ جو کچھ تمہیں اللہ نے روزی دی حلال و پاکیزہ
تَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
ڈرو اللہ سے وہ اللہ کہ تم اس پر ایمان لانے والے ہو۔
اور ڈرو اللہ سے جس پر تمہیں ایمان ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں عیسائیوں کی تعریف کے سلسلے میں ارشاد ہوا تھا کہ ان میں قسیس و راہب لوگ ہیں جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ ترک دنیا اور حلال چیزوں کو حرام کر لینا رب تعالیٰ کو پسند ہے کیونکہ قسیس و راہب تارک الدنیا تھے۔ لہٰذا اب مسلمانوں کو تارک دنیا اور حلال چیزوں کو حرام کر لینے سے منع فرمایا جا رہا ہے' غرضیکہ پچھلی آیت کریمہ سے ایک شبہ کو دور کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اچھے عقائد کی تعلیم تھی اب اچھے اعمال کرنے اچھی غذائیں کھانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا جڑ کا ذکر فرما کر شاخوں کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان عیسائیوں کی برائیاں بیان ہوئیں جو کافر اور دین کو جھٹلانے والے ہیں۔ اب مسلمانوں کو حد سے بڑھنے سے روکا جا رہا ہے جو ان عیسائیوں کا طریقہ تھا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو خبر دی گئی تھی کہ تم وہ

www.alahazratnetwork.org

صالحین ہو جن کے ساتھ ملنے ساتھ رہنے کی تمنا دوسری قومیں کرتی ہیں کہ رب سے دعائیں کرتی ہیں **ان یدخلنا مع القوم الصالحین** اب مسلمانوں کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنی ساکھ قائم رکھو ہمیشہ صالحین رہو اپنے کسی کام میں حد سے آگے نہ بڑھو۔

شان نزول : ایک بار حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کی جماعت میں وعظ فرمایا جس میں قیامت دوزخ اور عذاب الٰہی کا ذکر بلیغ کیا۔ حضرات صحابہ کرام کے دلوں پر بہت ہی اثر ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کے گھر میں دس صحابہ کرام جمع ہوئے۔ ابوبکر صدیق' علی مرتضیٰ' عبداللہ ابن مسعود' ابوذر غفاری' مولیٰ ابی حذیفہ' عبداللہ ابن عمر' مقداد ابن اسود' سلمان فارسی' معقل ابن مقرن' خود عثمان ابن مظعون صاحب خانہ اور ان بزرگوں نے تارک الدنیا ہو جانے کا عہد کیا وعدہ کیا کہ ہم ہمیشہ دن کو روزہ رات کو نوافل ادا کریں گے' بستروں پر نہ سوئیں گے گوشت چربی وغیرہ اچھے کھانے نہ کھائیں گے۔ عورتوں سے نکاح نہ کریں گے اور جو شادی شدہ ہیں وہ اپنی بیویوں کے پاس نہ جائیں گے۔ ٹاٹ پہنیں گے' خانہ بدوش ہو کر زمین میں مسافرانہ زندگی بسر کریں گے حتی کہ بعض صاحبوں نے کہا کہ ہم خصی ہو جائیں گے تاکہ عورتوں کے لائق نہ رہیں کیونکہ گناہوں کی جڑ دنیا ہے نہ دنیا سے ہم تعلق رکھیں گے نہ گناہ کریں گے یہ خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عثمان ابن مظعون کے گھر تشریف لے گئے مگر وہاں کسی کو نہ پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان کی بیوی ام حکیم سے پوچھا کہ کیا یہ خبر حق ہے کہ ان لوگوں نے یہ عہد و پیمان کئے ہیں ام حکیم نے نہایت حکیمانہ انداز میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر عثمان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر دی ہے تو سچ ہے کچھ دیر بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا انہوں نے اس کا اقرار کیا اور عرض کیا کہ ہم نے نیت خیر سے یہ ارادہ کیا ہے تاکہ گناہوں سے بچے رہیں اور ناراضی الٰہی کے مستحق نہ بنیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب نے ترک دنیا کا حکم نہیں دیا روزے بھی رکھو افطاری بھی کرو رات کو سوؤ بھی نوافل بھی پڑھو میں تم کو عیسائیت کی تعلیم دینے نہیں آیا دیکھو میں نے نکاح بھی کیا گوشت بھی کھاتا ہوں' دنیا میں بھی مشغلہ رکھتا ہوں یہ میری سنت ہے جو میری سنت سے منہ موڑے وہ میری جماعت سے نہیں' تم پر اپنی جان کا بھی حق ہے۔ اپنی بیوی بچوں کا بھی گذشتہ قومیں اپنے نفسوں پر ایسی سختیاں کر کے ہلاک ہو گئیں یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی گئی۔ (تفسیر کبیر' روح المعانی' روح البیان' خازن' صاوی' مدارک' تنویر المقباس وغیرہ) اس کے شان نزول میں اور روایات بھی ہیں مگر یہ روایت قوی ہے' بہر حال حضرات صحابہ کرام بلکہ تمام مسلمانوں کی فہمائش کے لئے یہ آیات اتریں۔

تفسیر : **یاایھا الذین امنو** چونکہ آئندہ کچھ احکام اور کچھ ممانعتیں بیان ہو رہی ہیں اور یہ چیزیں مومنین کے لئے ہوتی ہیں کافر احکام شرعیہ کے مکلف نہیں اس لئے پہلے انہیں **امنوا** کے خطاب سے پکارا قوی احتمال یہ ہے کہ اس خطاب میں تمام انس و جن مومنین شامل ہیں۔ صرف صحابہ سے خطاب نہیں کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے مگر الفاظ عام ہیں اس خطاب کے نکات بارہا بیان ہو چکے **لا تحرموا طیبات ما احل اللہ لکم۔ لا تحرموا** بنا ہے تحریم سے۔ جس کے معنی ہیں حرام کرنا' حرام سمجھنا' حرام کہنا' حرام کا فتویٰ دینا یہاں سارے معنی درست ہیں' طیبات جمع ہے طیبہ کی اس کا مادہ ہے طیب ط کسرہ کے

www.alahazratnetwork.org

جزم سے طیب کے بہت معنی ہیں کھری چیز' نتھاری صاف کی ہوئی چیز' اندرونی پاکی اور صفائی والی چیز' عمدہ اعلیٰ چیز' دل پسند چیز جسے دل قبول کرے اس لئے خوشبو کو طیب مدینہ منورہ کو طیبہ۔ مومن کو طیب مومنہ کو طیبہ کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **الطیبات للطیبین** یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی پسندیدہ چیز لہذا الطیب وہ لذیذ چیز ہے جس کی طرف دل راغب ہو اس کا مقابل ہے خبیث' جیسے حلال کا مقابل ہے حرام اور طاہر کا مقابل ہے نجس بعض چیزیں حلال ہیں مگر طیب نہیں' جیسے کڑوی اور بد مزہ بدبودار' حلال چیزیں اور بعض چیزیں طیب بھی ہیں حلال بھی جیسے لذیذ مزے دار غذائیں پھل وغیرہ **مااحل** سے مراد مطلقاً حلال چیزیں ہیں خواہ کھانے کی ہوں یا پینے کی یا برتنے کی جیسے حلال غذائیں' حلال مشروبات' حلال لباس' بیویاں' مکانات وغیرہ اس ایک لفظ میں تمام چیزیں داخل ہیں یعنی اللہ کی حلال کی ہوئی لذیذ نعمتوں کو نہ تو اپنے پر حرام کرلو قسم کھاکر یا عہد کرکے نہ دوسروں کے لئے حرام کرو۔ ان کی حرمت کا فتویٰ دے کر یا ان میں حرام چیز شامل کرکے چنانچہ بحیرہ سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام نہ کہو یوں ہی آج کل کی مروجہ فاتحہ' ختم کی چیز کے حرام ہونے کے فتوے نہ دو۔ غرضیکہ یہ ایک فرمان صدہا احکام کو شامل ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لم تحرم ما احل اللہ لک** یوں ہی اپنے حلال مال میں مغصوب چوری' حق غیر کا مال ملا کر خلط ملط کرکے حلال کو حرام نہ کرلو (از تفسیر کبیر) **ولا تعتدوا** اس عبارت میں یا تو پہلے حکم کی ہی تاکید ہے یا نیا حکم ہے یہ بنا ہے **اعتداء** سے جس کا مادہ عدو ہے معنی حد سے بڑھ جانا یعنی اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال چیزوں کے لئے حدیں مقرر فرمادیں ہیں تم ان سے آگے نہ بڑھو اگر اس سے مراد ہے حلال کو حرام نہ کرلینا تو اس پہلے حکم کی تاکید ہے اور اگر مراد ہے حرام کو حلال نہ بنالینا تو نیا حکم ہے یعنی نہ تو حلال و طیب چیزوں کو حرام کرلو نہ حرام کو حلال جانو کیونکہ **ان اللہ لا یحب المعتدین** اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ جو حلال و طیب چیزوں کو حرام جانیں وہ بھی رب کے محبوب نہیں مردود ہیں اور جو حرام کو حلال جانیں وہ بھی مردود ہیں تم کو چاہئے کہ تابع فرمان الٰہی رہو جسے وہ رب کریم حلال کرے اسے حلال جانو جسے حرام کرے اسے حرام جانو۔ **وکلو مما رزقکم اللہ حلالا طیبا** اس عبارت کا منشا یہ ہے کہ صرف حلال سمجھنے پر ہی کفایت نہ کرو بلکہ حلال طیب چیزیں خود کھاؤ بھی اوروں کو کھانے کا حکم بھی دو **کلوا** امر ہے یا مباح کرنے کے لئے ہے یا واجب کرنے کے لئے کیونکہ جان بچانے کے لئے کھانا فرض ہے مرن برت رکھ کر مرجانا حرام' روزانہ کئی بار کھانا سنت ہے زیادہ کھانا جائز نیز حلال کھانا فرض ہے حرام کھانا حرام ہے لہذا **کلوا** میں دو احتمال ہیں یعنی کھاؤ یا کھانے کو جائز جانو کھانے سے مراد مطلقاً استعمال کرنا ہے جس میں کھانا پینا پہننا برتنا سب ہی داخل ہیں چونکہ حرام و حلال کا تعلق زیادہ کھانے سے ہوتا ہے اس لئے اکثر کھانے کا ذکر فرمایا جاتا ہے' رب فرماتا ہے **لا تاکلوا الربوا** سود نہ کھاؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سود کھاؤ نہیں' پہن لو برت لو' مطلب یہ ہے کہ بالکل استعمال نہ کرو حلال وہ چیز ہے جو شریعت میں حرام نہ ہو حرام تین قسم کی ہیں بذات خود حرام جیسے سور' کتا' گدھا وغیرہ حرام۔ حرام بغیرہ جو کسی حادثہ کی وجہ سے حرام ہو جاوے جیسے مردار بکری وغیرہ حرام عارضی جو ہماری کسی حرکت سے ہمارے لئے حرام ہو جائے جیسے چوری' جوئے' سود' رشوت یا حرام کمائیوں ناجائز پیشوں سے حاصل کی ہوئی چیزیں ان تمام کی تفصیل قرآن مجید نے نہیں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ان تین کے سوا باقی سب چیزیں حلال ہیں حلال کے بعد طیب کا ذکر فرمانے میں وہ حکمت ہے جو ابھی عرض کی گئی کہ بعض چیزیں حلال ہوتی ہیں طیب نہیں' جیسے تھوک رینٹ وغیرہ بعض چیزیں طیب یعنی مزیدار لذیذ ہوتی ہیں مگر حلال نہیں جیسے بعض حرام جانوروں کے گوشت کہ بظاہر بڑے مزیدار معلوم ہوتے ہیں مگر حلال نہیں بعض چیزیں حلال بھی ہیں طیب بھی

www.alahazratnetwork.org

جیسے حلال گوشت یا اپنی زوجہ اس لئے حلال کے ساتھ طیب فرمایا گیا۔ **وا تقو اللہ الذی انتم بہ مومنون** اس فرمان کا مقصود یہ ہے کہ حلال چیزوں کو حرام کرلینا تقویٰ نہیں' بلکہ تقویٰ کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قائم کردہ حدود میں رہا جائے یہ مقصد بھی ہے کہ حلال طیب چیزیں کھانے استعمال کرنے میں اتنے مشغول نہ ہو کہ تم خدا تعالیٰ کو ہی بھول جاؤ اس کا ڈر ہمیشہ اپنے دل میں رکھو یہ بھی مقصد ہے کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے تقویٰ میں تمام برائیوں سے بچنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے یا یہ مقصد ہے کہ ایمان کے ساتھ تقویٰ بھی ضروری ہے' تقویٰ میں تمام برائیوں سے بچنا اور تمام نیکیاں کرنا داخل ہے یا یہ مقصد ہے کہ حلال طیب روزی تقویٰ کے لئے استعمال کرو کیونکہ عبادات کی روح عبادات کا نور اکل حلال صدق مقال سے وابستہ ہے اگر روزی حرام ہے تو کسی عبادت میں نور اور سرور نہ ہوگا۔ نوے فیصدی تقویٰ اکل حلال صدق مقال میں ہے' دس فیصدی تقویٰ باقی دوسری چیزوں میں یعنی اے مسلمانوں کوئی عہد پیمان کرو مگر اللہ سے ڈر کر کرو ہمیشہ اللہ کا ڈر اپنے دل میں رکھو جس پر تمہارا ایمان ہے ایمان کا تقاضا تقویٰ ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں حرام کی ہیں بعض چیزیں حلال سور کتا وغیرہ حرام ہے' گائے' بکری وغیرہ حلال یہ حلال جانور طیب ہیں۔ حرام جانور خبیث اب جو کوئی ان طیب چیزوں کو حرام ذریعوں سے حاصل کرے یا اس میں حرام شامل کرے وہ طیب کو حرام بناتا ہے یوں ہی جو قسم وغیرہ کے ذریعہ طیب کو حرام کرے وہ بھی جرم کرتا ہے ان سب کی ممانعت اس آیت میں فرمائی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو وہ لذیذ چیزیں جو اللہ نے حلال کی ہیں تم نہ تو انہیں حرام سمجھو نہ اپنے پر کسی طریقہ سے حرام کرلو نہ دوسروں کو ان کے حرام ہونے کا فتویٰ دو نہ ان میں حرام چیز خلط کرکے حرام بناؤ نہ انہیں حرام کہو یوں ہی کسی حرام چیز کو حلال جان کر حد شرعی سے آگے نہ بڑھو اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں یعنی حلال طیب کو حرام جاننے والوں اور حرام چیز کو حلال جاننے والوں کو ناپسند کرتا ہے جو حلال طیب روزی تمہیں اللہ دے وہ خوب کھاؤ' پیو استعمال کرو' تقویٰ اس میں نہیں کہ حلال کو حرام کرلو بلکہ حرام سے بچنا تقویٰ ہے' لہٰذا ہمیشہ اللہ سے ڈرتے رہو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ایمان کے ساتھ تقویٰ لازم ہے۔

حکایت : امام حسن رضی اللہ عنہ ایک دعوت میں تشریف لے گئے' آپ کے ساتھ فرقد بخی اور اس کے ساتھی بھی تھے' دعوت میں بھنے مرغ' شہد' فالودہ اور قسم قسم کے کھانے شربت تھے فرقد الگ ہو بیٹھا امام حسن نے پوچھا کہ کیا تیرا روزہ ہے وہ بولا نہیں لوگوں نے کہا کہ یہ عمدہ غذائیں نہیں کھایا کرتا تو حضرت امام حسن نے فرمایا کہ اے فرقد شہد ایک مکھی کے منہ کا لعاب ہے' آٹا گھی بھی اللہ کی نعمتیں ہیں ان میں سے کونسی چیز حرام ہے' اللہ کی نعمتیں بندوں کے ہی لئے پیدا ہوئی ہیں' ایک روایت میں ہے کہ کسی نے امام حسن سے عرض کیا کہ فلاں شخص لذیذ غذائیں نہیں کھاتا' وہ کہتا ہے کہ میں ان کا شکریہ ادا نہیں سکتا آپ نے فرمایا کہ وہ ٹھنڈا پانی بھی پیتا ہے یا نہیں لوگوں نے کہا ہاں پیتا ہے فرمایا کیا وہ ٹھنڈے پانی کا شکریہ ادا کرسکتا ہے' وہ جاہل ہے' ٹھنڈا پانی اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کا شکریہ ناممکن ہے (تفسیر مدارک)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے' پہلا فائدہ: اسلام میں ترک دنیا حرام ہے' تصوف کے معنی یہ نہیں کہ حلال چیزیں چھوڑ دی جائیں حرام سے بچنے سے تصوف حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ **لا تحرموا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا

www.alahazratnetwork.org

یعنی حرام نہ سمجھو' دوسرا فائدہ: اگر کسی شخص نے قسم کے ذریعہ اپنے پر حلال چیز کو حرام کرلیا ہو وہ قسم توڑ کر حلال چیز کھائے اور قسم کا کفارہ ادا کرے قسم کا بہانہ بنا کر حلال سے پرہیز نہ کرے' یہ فائدہ **لاتحرموا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا حرام نہ کرلو' لہٰذا اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں گوشت نہ کھاؤں گا یا اپنی بیوی کے پاس نہ جاؤں گا یا ماں باپ کی خدمت نہ کروں گا تو قسم کی وجہ سے ان چیزوں سے محروم نہ رہے بلکہ یہ کام کرے قسم کا کفارہ دے' رب تعالیٰ فرماتا ہے **لم تحرم ما احل اللہ لک** تیسرا فائدہ: جو چیز رب تعالیٰ نے حرام نہ کی ہو وہ حلال ہے اسے حرام نہ کہو یہ فائدہ **لا تحرموا** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا حرام نہ بناؤ لہٰذا فاتحہ ختم شریف وغیرہ کے کھانے حرام نہ جانو یہ چیزیں حلال ہیں اللہ کا کلام پڑھ دینے یا کسی کو ایصال ثواب کر دینے سے حرام نہیں ہو جاتیں' رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی** چوتھا فائدہ: حلال و طیب میں کچھ فرق ہے۔ حلال وہ چیز ہے جو حرام نہ ہو طیب وہ چیز ہے جو گندی نہ ہو ستھری ہو اس سے دل نفرت نہ کرے لہٰذا تھوک رینٹ وغیرہ اگرچہ حرام نہیں حلال ہیں مگر طیب نہیں یہ فائدہ حلالا "طیبا" سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: یہ سمجھنا کہ فقیر یا بزرگ وہ ہے جو اچھا کھانا اچھا لباس استعمال نہ کرے اپنے پاس پیسہ نہ رکھے اچھے مکان میں نہ رہے' غلط ہے' بزرگ وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں کا پابند ہو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرغ اور فالودہ کھایا ہے۔ آپ کو مٹھائی اور حلوہ بہت پسند تھا' اور فرماتے تھے کہ مومن میٹھا ہوتا ہے' حلوہ پسند کرتا ہے۔ (تفسیر مدارک) خیال رکھو: کہ اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ غذائیں صالحین بندوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں۔ فاسق فاجر لوگ تو ان کے طفیلی کھا لیتے ہیں' اب ہم نے سمجھ رکھا ہے کہ اعلیٰ نعمتیں بدکاروں فاسقوں فاجروں کے لئے ہیں نیک لوگوں کے لئے خشک روٹی موٹے کپڑے ٹوٹے مکان اور فاسقوں کی دست نگری ہے یہ محض غلط ہے' رب تعالیٰ فرماتا ہے' **والطیبات من الرزق قل ھی للذین امنو فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیمۃ** معلوم ہوا کہ دنیا میں اچھے کھانے مومنوں کے لئے ہی پیدا کئے گئے کفار فساق ان کے طفیل کھاتے ہیں اور قیامت میں تو صرف مومنوں کو ملیں گے' کفار ان سے محروم رہیں گے۔ چھٹا فائدہ: شرعی حرام چیزوں کو حلال جاننا بے دینی ہے یہ فائدہ **لا تعتدوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ بعض بے دین تارک نماز بھنگی چرسی پوستی ہو کر فقیری اور خداری کا دعویٰ کرتے ہیں لوگ ان کے معتقد ہو جاتے ہیں' دونوں مردود ہیں' فقیری کے لئے تقویٰ ضروری ہے۔ ساتواں فائدہ:

اہل سنت کے نزدیک حرام روزی بھی رزق الٰہی ہے' مگر اس کا استعمال گناہ ہے یہ فائدہ **کلوا مما رزقکم اللہ حلالا "طیبا"** سے حاصل ہوا' جیسا کہ تخصیص کا فائدہ ہے' کہ وہ بعض چیزوں کو نکالنے کے لئے ہوتی ہے۔ (تفسیر کبیر)۔ آٹھواں فائدہ: دوسرے گناہ لازم گناہ ہیں مگر حرام غذا متعدی گناہ ہے معمولی زخم لازم ہے مگر کینسر کا زخم متعدی کہ اس کی شاخیں تمام جسم میں پھیل کر سارے جسم کو خراب کر دیتی ہیں۔ حرام غذا سے خون' گوشت' حتی کہ نطفہ جو کچھ بھی بنے گا حرام ہی ہوگا' حرام لباس پہن کر جو عبادت کی جائے گی ناقص ہی ہوگی۔ غصب کی ہوئی زمین پر جو عبادت کی جائے گی غلط ہی ہوگی غرض کہ حرام روزی بہت دور تک خرابی ڈالتی ہے' اس لئے حلال روزی کا بہت تاکیدی حکم دیا گیا۔ نواں فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں ہوتا کبھی صرف مباح کرنے کے لئے ہوتا ہے' دیکھو یہاں **کلوا** صیغہ امر ہے مگر اباحت کے لئے ہے جیسا کہ ابھی اس کی ایک تفسیر میں عرض کیا گیا۔ (تفسیر کبیر) دسواں فائدہ: ساری حلال و طیب چیزیں خود ہی نہ کھالے بلکہ اس میں سے اللہ کی راہ میں خیرات بھی کرے اپنی روزی میں فقراء و مساکین کا حصہ بھی رکھے' یہ فائدہ **مما رزقکم اللہ** میں **من** تبعیضیہ فرمانے سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا غرضیکہ نہ بخل کرے نہ اسراف و فضول خرچی '(تفسیر کبیر) گیارہواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اللہ کی روزی غفلت کے ساتھ نہ کھائے اس کا شکریہ بھی ادا کرے 'یہ فائدہ **واتقوا اللہ** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کلوا امر ہے اور امر وجوب کے لئے آتا ہے کیا طیب روزی کھانا فرض ہے اگر کوئی شخص لذیذ غذائیں نہ کھائے تو گنہگار ہو گا؟ بہت سے غریب لوگ ہیں جنہیں اعلیٰ درجہ کی لذیذ غذائیں میسر نہیں ہوتیں تو کیا وہ سب گنہگار ہیں؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں صرف اباحت و اجازت کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں ان کے حلال سمجھنے کا عقیدہ مراد ہے تب وجوب کے لئے ہی امر ہے یعنی حلال طیب چیزوں کا کھانا جائز سمجھو یا حلال روزی کھانا فرض ہے حرام کھانا حرام۔ خیال رہے جان رکھنے کے لئے بقدر ضرورت کھانا فرض ہے کہ جو کوئی بھوک ہڑتال کر کے جان دیدے، وہ خود کشی کر کے مرا اور روزانہ دو وقتہ یا سہ وقتہ کھانا سنت ہے یوں ہی جان بچانے کے لئے معمولی غذا کھالینا فرض ہے لذیذ نعمتیں کھانا سنت ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ نہ تو اپنے کو لذیذ غذاؤں کا عادی بنالو کہ معمولی غذا کھا ہی نہ سکو نہ لذیذ غذاؤں سے یکسر محروم ہو جاؤ ہر طرح کی عادت ڈالو یہ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ رہا 'صرف کھجور' جو کی روٹی 'ستو پر بھی گذارہ فرمالیا اور کبھی مرغ و بٹیر بھی کھائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل شریف اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں **مما رزقکم اللہ من** کے ساتھ کیوں ارشاد ہوا کیا بعض لذیذ غذائیں ہی حلال ہیں سب نہیں۔ **جواب:** مفسرین کرام نے اس من میں دو احتمال نکالے ہیں ایک یہ کہ من تبعیضیہ نہیں بیانیہ ہے اور یہ عبارت حلالا "طیبا" کا حال مقدم ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو حلال طیب روزی اللہ تمہیں دے وہ کھاؤ تب تو مطلب بالکل واضح ہے۔ دوسرے یہ کہ من تبعیضیہ ہے اور مطلب یہ ہے حلال و لذیذ نعمتیں ساری کی ساری نہ کھالو بلکہ کچھ تم کھاؤ کچھ فقراء و مساکین کو کھلاؤ تمہاری ہر نعمت میں مساکین کا بھی حصہ ہے لہٰذا مطلب بالکل واضح ہے (از تفسیر روح المعانی)۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں حلال کے ساتھ طیبہ کیوں ارشاد ہوا جو حلال ہے وہ طیب ضرور ہے یہ قید بے فائدہ ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ علماء کے نزدیک حلال وہ جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ ہے جو دل کو مرغوب ہو 'صوفیاء کے نزدیک حلال وہ ہے جو حرام نہ ہو۔ طیب وہ جو رب تعالیٰ کو پسند ہو جس کے استعمال سے رب راضی ہو۔ بعض چیزیں حلال ہوتی ہیں مگر طیب نہیں کہ ان کے کھانے سے رب راضی نہیں 'بعض چیزیں حلال نہیں مگر طیب ہیں جیسے اضطرار کی حالت میں مردار کا گوشت ہے تو حرام مگر رب تعالیٰ ان کے کھانے سے ناراض نہیں بلکہ جو نہ کھائے اور مرجائے تو رب تعالیٰ اس سے ناراض ہے۔ **چھوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا **لا تحرموا طیبات** اور یہ جملہ نہی ہے نہی یعنی ممانعت حرام کرنے کے لئے آتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قسم کھا کر حلال چیز اپنے پر حرام کر لینا حرام ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر اپنے نفس پر شہد کیوں حرام فرمالیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں معصوم سے ناجائز کام سرزد نہیں ہو سکتا۔ **جواب:** "لا تحرموا" کے بہت معنی ہیں ایک معنی وہ ہیں جو سائل نے بیان کئے اس معنی سے بھی قسم کھا کر کھانا چھوڑ دینا حرام نہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے نفس پر اونٹ کا گوشت حرام فرمالیا ایک نذر مان کر 'ہاں ہماری شریعت میں اس قسم پر قائم رہنا ممنوع ہے بلکہ قسم توڑ دینا اور کھانا کھالینا ضروری ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قسم توڑ دی تھی 'شہد کھا کر قسم کا کفارہ ادا

www.alahazratnetwork.org

فرمادیا تھا۔ لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں اس لئے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم پر نہایت ہی محبوبانہ انداز سے فرمایا لم تحرم ما احل اللہ لک لہٰذا آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل شریف اس آیت کے خلاف ہے۔ **پانچواں اعتراض:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مریض کو مضر غذائیں کھانا جائز نہیں بلکہ تندرستوں کو بھی مضر صحت غذائیں ممنوع ہیں' فقہاء کا یہ فتویٰ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** حرام چیزیں دو قسم کی ہیں ایک تو نوعا" حرام دوسرے شخصا" حرام یا ایک بذات خود حرام دوسری کسی عارضہ سے حرام مضر صحت چیزیں ایسے لوگوں کے لئے حرام ہیں کہ نقصان وہ چیزوں سے بچنا ضروری ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے لا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ یہ حرام لغیرہ کہلاتی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کو قوم صالح علیہ السلام کے کنویں کے پانی سے روک دیا حتیٰ کہ جن لوگوں نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا۔ ان کو آٹا پھینک دینے کا حکم دیا کیوں وہ پانی بذات خود حرام نہ تھا بلکہ مضر تھا لہٰذا حرام ہو گیا۔ بعض لوگ بزرگوں کے جنگلوں کے جانوروں کا شکار نہیں کرتے کیوں اس لئے کہ وہ مضر ہوتے ہیں لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ بلکہ وبائی زمین میں جانا ممنوع ہے نقصان کے اندیشہ سے جہاں کی آب و ہوا مضر صحت ہو وہاں سے منتقل ہو جانا چاہئے یہ تمام احکام اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** کھانے کے احکام کے ساتھ تقویٰ کا حکم کیوں دیا کہ فرمایا واتقو اللہ کھانے میں اور تقویٰ میں کیا مناسبت ہے۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ حلال روزی تقویٰ کی اصل ہے' حرام خور متقی نہیں ہو سکتا دوسرے یہ کہ تقویٰ یہ نہیں کہ لذیذ غذائیں چھوڑ دی جائیں تقویٰ یہ ہے حرام و ممنوع کام چھوڑے جاویں' تیسرے یہ کہ انسان کو چاہئے کہ کھانے پینے میں ہی زندگی نہ گزارے تقویٰ و طہارت کی کوشش میں رہے بلکہ کھانا پینا تقویٰ کے لئے اختیار کرے' حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

خوردن برائے زیستن و ذکر کردن است تو معتقد کہ زیستن از بہر خوردن است

بہر حال کھانے کو تقویٰ سے گہرا تعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جیسے جسمانی پرورش کے لئے حلال و طیب روزیاں پیدا فرمائیں جن سے جسم کی ترقی ہوتی ہے ایسے ہی روحانی پرورش کے لئے روحانی طیب و حلال غذائیں پیدا فرمائیں' جسمانی صحت کے لئے مضر غذاؤں سے بچو روحانی صحت کے لئے مضر اعمال سے بچو یہاں ارشاد ہوا کہ اے مسلمانوں حلال و طیب روحانی غذاؤں سے اپنے کو محروم نہ کرلو اپنے نفس پر ظلم و زیادتی نہ کرو اللہ تعالیٰ ظالموں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ ظاہر کا باطن پر اثر پڑتا ہے لہٰذا باطن کو سنبھالنے کے لئے ظاہر کو درست رکھو لہٰذا کھاؤ حلال و طیب پیو حلال و طیب بولو حلال و طیب چلو حلال و طیب دیکھو حلال و طیب سنو حلال و طیب چھوؤ حلال و طیب بلکہ دماغ سے سوچو تو حلال طیب سوچو دل میں حلال و طیب ہی کو جگہ دو بلکہ شریعت میں جو طیب چیز حلال راستہ سے آئے وہ حلال ہے جو حرام ذریعہ سے آئے وہ حرام مگر طریقت میں جو حرام مقصد کے لئے کھائی جائے وہ بھی حرام ہے اگر رزق نفس کے لئے کھایا حرام ہو ایار کو منانے اسے راضی کرنے کے لئے کھایا تو حلال ہے ناپاک لباس سے نماز جائز نہیں ہوتی حرام لباس پہن کر نماز قبول نہیں ہوتی۔ شریعت میں طیب وہ جسے نفس پسند کرے دل کو مرغوب ہو جیسے لذیذ کھانے طریقت میں طیب وہ ہے جسے رب تعالیٰ پسند کرے جسے رب ناپسند فرمادے وہ اگرچہ حلال ہو مگر طیب نہیں دیکھو۔ بحالت روزہ حلال غذائیں طیب نہیں کہ ان کے کھانے سے رب ناراض ہے افطار کرتے ہی وہی چیزیں طیب ہو گئیں' بحالت نماز کوئی جائز بات طیب نہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ اس وقت بات کرنے سے رب ناراض ہے سلام پھیرتے ہی یہ باتیں طیب ہوگئیں مومن کی زندگی بھی طیب ہے موت بھی طیب کہ وہ اللہ کے لئے ہے لہٰذا اس سے راضی ہے کافر کی زندگی بھی خبیث ہے موت بھی خبیث کہ رب اس سے راضی نہیں۔ یہ آیت کریمہ بہت وسیع ہے مولانا فرماتے ہیں۔

بے ہوا نہی از ہوا ممکن نہ بود — غازی برمردگاں نتواں نمود!!
پس کلوا از بہر دام شہوت است — بعد ازاں لاتسرفوا آں عفت است
چونکہ رنج صبر نہ بود مر ترا — شرط نہ بود پس فرونآید جزا
حبذا آں شرط و شادا آں جزا — آں جزائے دل نواز و جانفزا

ہمیشہ غازی و مجاہد کے سامنے زندہ کفار چاہئیں ورنہ مردہ کفار پر جہاد کوئی نہیں کرتا ہمارے نفس و ہوا زندہ ہیں ہم کو ان پر جہاد کا حکم دیا گیا ان پر جہاد ان کی مخالفت سے ہے لہٰذا نفس کے حقوق ادا کرو طیب لذیذ غذائیں کھاؤ تاکہ وہ زندہ رہے اور تم اس پر جہاد کرتے رہو (از تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب العالمین نے ہر چیز کی حد مقرر فرمادی ہے جو ان حدوں میں رہے وہ کامیاب ہے جو حد توڑ کر باہر نکل جائے وہی ناکام ہے آنکھ ناک کان ہاتھ پاؤں سب کے لئے حدود ہیں حتی کہ مال، وقت، جگہ، زندگی، موت، سونا، جاگنا سب کی حدیں ہیں حتی کہ بندوں میں گنہگاروں کی نیک کاروں کی مومنین کی کفار کی مومنین میں ولیوں کی غوث و قطبوں کی حدود ہیں جو حد سے نکلا مارا گیا۔ فرعون عبدیت کی حد توڑ کر دعوی خدائی کر بیٹھا کفار مکہ اپنی حدود توڑ کر نبوت کی حد میں داخل ہونے لگے کہ بولے ہم میں نبی میں کوئی فرق نہیں ہلاک ہوئے صوفیاء کی اصطلاح میں حلال وہ ہے جو معارف الٰہیہ تک پہنچاوے اور غیبی خوان سے ملے اور طیب وہ ہے جو دل میں یار کا شوق پیدا کردے۔ یہاں اہل مشاہدہ سے خطاب ہے کہ جب تم مقام مشاہدہ تک پہنچ گئے تو مجاہدے کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اس درجہ پر پہنچ کر حلال و طیب روزی کھاؤ حد سے آگے نہ بڑھو غرضیکہ شریعت کا کفر و ایمان حرام و حلال اور ہے طریقت کا کفر و ایمان حرام و حلال کچھ اور حضرت سلطان باہو قدس سرہ فرماتے ہیں۔

جو دم غافل سو دم کافر ساتوں مرشد ایہہ فرمایا ہو — مرن توں اگے مر کے باہو تب مطلب نوں پایا ہو
سنیا سخن تو کھل گیاں اکھیں اساں چت مولیٰ نال لایا ہو — کیتی جان حوالے رب دے ہم نے ایسا سخن پکایا ہو

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ
نہیں پکڑ فرماتا ہے تمہاری اللہ اس لغو پر جو تمہاری قسموں میں ہو اور لیکن پکڑ فرماتا ہے تمہاری ان قسم
اللہ تمہیں نہیں پکڑتا تمہاری غلط فہمی کی قسموں پر ہاں ان قسموں پر گرفت فرماتا ہے جنہیں تم نے مضبوط کیا
الْاَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهٗۤ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ
پر جو تم منعقد کرو تو اس کا کفارہ کھانا دینا ہے دس مسکینوں کو اس درمیانی سے کہ کھلاتے ہو تم
تو ایسی قسموں کا بدلہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے اپنے گھر والوں کو جو کھلاتے ہو اس

www.alahazratnetwork.org

أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَن لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

گھر والوں کو یا پہنا نا ہے ان کو یا آزاد کرنا ہے ایک گردن کا پس جو نہ پائے تو روزے ہیں تین دن کے

اس کے اوسط میں سے یا انہیں کپڑے دینا یا ایک بردہ آزاد کرنا تو جو ان میں سے کچھ نہ پائے تو تین دن کے

ذَٰلِكَ كَفَّارَةُ أَيْمَانِكُمْ إِذَا حَلَفْتُمْ وَاحْفَظُوا أَيْمَانَكُمْ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ

یہ کفارہ ہے قسموں کا تمہاری جب کہ قسم کھاؤ تم اور حفاظت کرو تم لوگ قسموں کی اپنی اسی طرح بیان

روزے یہ بدلہ ہے تمہاری قسموں کا جب تم قسم کھاؤ اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو اسی طرح اللہ

لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٨٩﴾

کرتا ہے اللہ واسطے تمہارے آیتیں اپنی تاکہ تم شکر کرو

تم سے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں حلال چیزوں کو حرام کر لینے کی ممانعت فرمائی گئی تھی اب اس آیت کریمہ میں قسم کھالینے کی ممانعت فرمائی جارہی ہے، قسم کے ذریعہ بھی حلال شے کو حرام ہی کیا جاتا ہے، مثلاً یہ کہ خدا کی قسم میں گوشت نہ کھاؤں گا، وغیرہ گویا قاعدہ کلیہ بیان فرمانے کے بعد اس کی ایک فرد کا ذکر فرمایا جارہا ہے جس میں عام لوگ مبتلا ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں حلال کو حرام کر لینے پر آخروی سزا کا آخرت کے وبال کا ذکر ہوا کہ **ان اللہ لا یحب المعتدین** اب اسی جرم پر دنیاوی سزا کا ذکر ہے یعنی قسم کھالینے پر کفارہ واجب ہو جانا گویا آئندہ کی سخت سزا کے بعد موجودہ نرم سزا سنائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں صرف تحریم حلال کا ذکر تھا اب اس تحریم حلال پر اللہ کے نام کو آڑ بنالینے کی حرمت بیان ہو رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا نام تو وہ بابرکت ہے جس سے حرام شے حلال ہوتی ہے۔ بکری مرجائے تو حرام اللہ کے نام پر ذبح ہو جائے تو حلال تم کیسے بے وقوف ہو کہ اس کے نام پاک سے حلال کو حرام بناتے ہو کہ اس کے نام کی قسم کھا کر چیزیں حرام کر لیتے ہو۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایات ہیں، ایک یہ کہ جب ان گیارہ حضرات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ترک دنیا سے سخت ممانعت فرمائی تو وہ بولے کہ ہم نے تو اپنے عہد پر قسمیں کھائی ہیں، اپنی قسموں کا ہم کیا کریں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں قسموں کا کفارہ دے کر ختم کر دینے اور حلال چیزوں کو استعمال کر لینے کا حکم دیا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے اس کا شان نزول یہی بیان (تفسیر خازن، تفسیر روح المعانی)۔ **دوسرے**: یہ کہ سیدنا عبداللہ ابن رواحہ کے گھر ایک مہمان آیا رات کو کھانے کے وقت عبداللہ ابن رواحہ گھر موجود نہ تھے ان کی بیوی صاحبہ نے ان کے انتظار میں مہمان کو کھانا نہ دیا جب آپ گھر آئے اور پتہ لگا کہ میرے انتظار میں اب تک مہمان کو کھانا نہیں کھلایا گیا تو آپ نے قسم کھائی کہ میں کھانا نہ کھاؤں گا اس پر بیوی صاحبہ نے قسم کھائی کہ میں بھی تمہارے بغیر نہ کھاؤں گی ادھر مہمان نے قسم کھائی کہ اگر آپ

www.alahazratnetwork.org

دونوں نہ کھائیں گے تو میں بھی نہ کھاؤں گا۔ مجبوراً حضرت عبداللہ نے اپنی قسم توڑی اور کھانا کھایا پھر ان کی بیوی نے بھی کھایا اور مہمان نے بھی صبح کو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر انہوں نے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر خوشی کا اظہار فرمایا ارشاد فرمایا تم نے بہت اچھا کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (ابن زید' تفسیر روح المعانی) مگر ان دونوں روایتوں میں تعارض نہیں ممکن ہے یہ دونوں واقعات متصل یعنی قریب قریب ہوئے ہوں' ان پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی ہو۔

تفسیر: **لا یوا خذکم اللہ** اس عبارت میں عاقل بالغ مسلمانوں سے خطاب ہے کیونکہ کافر اور دیوانہ اور مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کی قسم پر یہ مذکورہ احکام جاری نہیں ہوتے **لا یوا خذ** بنا ہے مواخذہ سے جس کا مادہ **اخذ** ہے بمعنی پکڑ فرمانا قوی یہ ہے کہ یہاں یہ مضارع بمعنی حال ہے اور پکڑ سے مراد ہے دنیاوی پکڑ یعنی کفارہ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں تم پر پکڑ نہیں فرماتا کہ کفارہ واجب نہیں کرتا اخروی پکڑ یعنی گناہ مراد نہیں **باللغو فی ایمانکم** اس میں ب سببیہ ہے لغو قسم اس کی تحقیق پہلے سپارہ میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ لغو کے لغوی معنی ہیں' ساقط ناقابل اعتبار چیز قسم لغو کے متعلق احناف اور شوافع کا اختلاف ہے شوافع کے ہاں قسم لغو یہ ہے کہ بغیر ارادہ قسم واللہ باللہ منہ سے نکل جائے۔ بعض لوگ واللہ کہنے کے عادی ہوتے ہیں' واللہ آیئے۔ واللہ جایئے وغیرہ احناف کے ہاں لغو قسم یہ ہے کو جھوٹے واقعہ پر غلط فہمی سے اسے سچ سمجھ کر کھالی جائے چونکہ اس قسم میں جھوٹ بولنے کی نیت نہیں ہوتی اس لئے اس پر نہ کفارہ ہے نہ گناہ مگر یہاں لغو قسم میں قسم غموس بھی داخل ہے' قسم لغو اور قسم غموس دونوں اس میں برابر ہیں کہ ان میں کفارہ واجب نہیں ہوتا قسم غموس یہ ہے کہ گذشتہ چیز پر دانستہ طور پر جھوٹی قسم کھائی جائے اس میں احناف کے نزدیک گناہ تو ہے مگر کفارہ نہیں (تفسیرات احمدیہ) **فی ایمانکم** ثابت کے متعلق ہو کر لغو کا حال ہے یا اس کی صفت یعنی تمہاری قسموں میں جو لغویت واقع ہو جاتی ہے اس پر رب تعالیٰ کسی قسم کی پکڑ نہیں فرماتا کہ اس پر کفارہ لازم نہیں فرماتا ہے۔ **ولکن یوا خذکم بما عقدتم الایمان۔ لکن** وہم دور فرمانے کے لئے ہے یہاں پکڑ سے مراد دنیاوی پکڑ یعنی کفارہ ہے جو صرف قسم منعقدہ میں واجب ہوتا ہے اور **ما عقدتم** سے مراد قسم ہے جو پوری کرنے کے لئے کھائی جائے یہ قسم منعقدہ میں ہی ممکن ہے۔ قسم منعقدہ یہ ہے کہ کوئی آئندہ کام کے متعلق قسم کھائے کہ قسم خدا کی میں یہ کروں گا اس کے خلاف کرنے پر کفارہ واجب ہوتا ہے ماعقدتم میں ما مصدریہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ قسمیں منعقد کرنے پر تمہاری پکڑ فرماتا ہے کہ تم پر کفارہ واجب کرتا ہے اس صورت میں آیت کریمہ بالکل واضح ہے اور اس آیت میں تینوں قسموں کا ذکر ہے لغو میں قسم لغو اور قسم غموس کا ذکر ہے اور عقدتم میں قسم منعقدہ کا مذہب حنفی کے مطابق یہ تفسیر ہے اور یہ ہی تفسیر بہت قوی ہے (تفسیر احمدی) گذشتہ امتوں میں لغو قسم پر بھی پکڑ تھی یعنی گناہ اور قسم منعقدہ پر کفارہ نہ تھا اسلام میں لغو قسم پر گناہ بھی نہیں اور منعقدہ قسم پر کفارہ ہے۔ (تفسیر احمدی) خیال رہے: کہ ما عقدتم سے پہلے حنث یا نکث پوشیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ منعقدہ قسم کے توڑنے پر تمہاری پکڑ فرماتا ہے کیونکہ قسم منعقدہ سے کفارہ نہیں بلکہ اس کے توڑنے سے کفارہ ہوتا ہے (روح المعانی احمدی وغیرہ) امام شافعی کے ہاں قسم منعقدہ اور قسم غموس دونوں میں کفارہ واجب ہے' وہ قسم غموس کو ماعقدتم میں داخل مانتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں یہ قسم یہاں لغو میں داخل ہے ان کے ہاں ماعقدتم میں تفسیر حنفی قوی ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا **ولکن یوا خذکم بما کسبت قلوبکم** وہاں غموس کو کسب قلوبکم میں بیان فرمایا اور صرف مواخذہ کا ذکر کیا کفارہ کا ذکر نہ

www.alahazratnetwork.org

کیا احناف کی تفسیر سے یہ آیت اس سورۂ بقرہ کی آیت کے خلاف نہ ہوگی۔ **فکفارتہ اطعام عشرۃ مساکین** یہ عبارت **ہو اخذکم** کا بیان ہے یعنی قسم منعقدہ پر پکڑ یہ ہے کہ اس کا کفارہ 'خیال رہے: کہ یہاں کفارہ میں چار چیزیں بیان فرمائیں جن سے پہلے تین میں اختیار دیا گیا۔ دس مسکینوں کا کھانا 'ان کا کپڑا یا غلام آزاد کرنا' ایک ہی ترتیب رکھی کہ اگر یہ تینوں کام نہ ہو سکیں تو تین دن کے روزے ہیں کھانا دینے کی احناف کے ہاں دو صورتیں ہیں 'ایک یہ کہ مسکین کو بطور دعوت کھلا دیا جائے تب تو دو وقت اس کا پیٹ بھرنا ضروری ہے 'دوسرے یہ کہ اسے مالک کر دیا جائے اس صورت میں شرط یہ ہے کہ فی مسکین آدھا صاع یعنی قریباً" سوا دو سیر گندم یا اس کا آٹا دے دیا جائے فطرہ کی طرح کھانا کھلانے کی صورت میں سالن بھی دینا ہوگا مالک کرنے کی صورت میں یا جنس دے یا قیمت دے کھانا دینے کی صورت میں تو دس مسکینوں کو ایک دن میں دے دے یا ایک مسکین کو روزانہ سوا دو سیر گندم یا ساڑھے چار سیر جو دیا کرے اگر ایک مسکین کو دس مسکینوں کا کھانا دے دیا تو ایک دن کا ادا ہوا تو دن اور دینا ہوگا۔ کھانا کھلانے کی صورت میں اسے اختیار ہے کہ روزانہ ایک مسکین کو صبح شام کھلا دیا کرے یا ایک ہی دن میں دس مسکینوں کو کھلا دے (تفسیر احمدی و کتب فقہ) **من اوسط ما تطعمون اھلیکم** یہ عبارت ثابت کے متعلق ہو کر اطعام کا بدل ہے اور حالت رفعی میں ہے یا اطعا" ما محذوف کی صفت ہے اوسط سے مراد ہے درمیانی کھانا یا عدد میں درمیانی کہ نہ تو دن میں ایک وقت نہ تین وقت بلکہ دو وقت کھلائے یا درجہ میں درمیانی کہ نہ تو نہایت اعلیٰ قسم کا کھانا کھلانا واجب ہے نا بالکل ہی ادنیٰ بلکہ جیسا کھانا عموماً" اپنے بچوں کو کھلاتا ہے۔ ویسا کھلائے (احمدی) **اھلیکم** سے مراد بیوی بچے اور متعلق لوگ سب ہی ہیں جن کا کھانا انسان کے ذمہ ہوتا ہے **او کسوتھم** یہ عبارت معطوف ہے اطعام پر **ھم** کا مرجع وہی دس مسکین ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا کسوۃ سے مراد اتنا لباس ہے جس سے مسکین کا عام بدن ڈھک جائے لہذا مرد کو کرتہ پائجامہ یا تہبند دے اور اگر مسکین عورت کو دینا ہے تو دوپٹہ بھی دے صرف ستر ڈھک دینا یعنی ناف سے گھٹنے تک کا لنگوٹا دے دینا کافی نہیں (عام تفاسیر و احمدی) نکتہ عجیبہ عربی میں اگر اطعام کے بعد دو مفعول مذکور ہوں تو کھانے کا مالک کر دینا مراد ہوتا ہے جیسے اطعمت زیدا الخبز اور اگر ایک مفعول مذکور ہو تو صرف اباحت یعنی کھانا کھلا دینا مراد ہوتا ہے اور کسوۃ کاف کے کسرہ سے ہو تو معنی ہوتے ہیں کپڑے کا مالک کر دینا اور اگر کاف کے فتحہ سے ہو تو معنی ہوتے ہیں کسی کو عاریتہ" کپڑا پہنا دینا اس آیت کریمہ میں اطعام کے بعد صرف ایک مفعول یعنی عشرہ مساکین مذکور ہے لہذا کھانے کا مالک کرنا ضروری نہیں اور کسوت کاف کے کسرہ سے ہے لہذا اس کے معنی ہیں کپڑوں کا مالک کر دینا تو اگر دس مسکینوں کو عاریتہ" کچھ دن کے لئے کپڑے پہنا دے تو کفارہ ادا نہ ہوگا یہاں مالک کر دینا ضروری ہے 'یہ نکتہ حضرات شوافع نہ سمجھے انہوں نے کھانے میں بھی مالک کرنا ضروری مانا لباس پر قیاس کرکے خلاصہ یہ ہے کہ کسوۃ کاف کے کسرہ سے لباس کا نام ہے نہ لباس کے نفع کا لہذا کفارہ میں لباس صرف پہنا نہ دے بلکہ فقیر کو دے دے۔ (تفسیر احمدی) یہاں بھی خیال رہے: کہ یا تو روزانہ ایک مسکین کو ایک دن میں دس جوڑے دیدے تو ایک مسکین کا جوڑا مانا جائے گا تو مسکینوں کو اور دینا پڑے گا (احمدی) یہ مسئلہ خیال رہے: **او تحریر رقبۃ** یہ عبارت معطوف ہے کسوتھم پر اور کفارہ کی تیسری قسم کا بیان ہے تحری معنی آزاد کرنا رقبہ کر نا رقبہ معنی گردن مگر مراد ہے گردن والا یعنی غلام چونکہ رقبہ مطلق ارشاد ہوا لہذا اس کے معنی ہوں گے وہ غلام جو ذاتا" کامل ہو وصفا" مطلق یعنی غلام ایسا آزاد کرے جو اندھا 'لولا لنگڑا' دیوانہ نہ ہوں کہ یہ لوگ ذاتا" ناقص ہیں ہاں غلام مسلمان ہو یا کافر کہ اسلام و کفر غلام کا وصف ہے یہ نکتہ شوافع نہ سمجھے اور ان حضرات

www.alahazratnetwork.org

نے فرمایا کہ کافر غلام کسی کفارہ میں آزاد نہیں ہو سکتا کیونکہ قتل کے کفارہ میں مومن غلام آزاد کرنا ضروری ہے تو تمام کفارات میں یہ ہی چاہیے حالانکہ کفارہ قتل میں غلام مطلق نہیں وہاں فرمایا گیا۔ **تحریر رقبۃ مومنۃ** جہاں مقید ہے وہاں مقید مانا جائے گا۔ جہاں مطلق ہے وہاں مطلق رکھا جائے گا لہذا مذہب احناف بہت قوی ہے **فمن لم یجد فصیام ثلثۃ ایام** اس عبارت میں کفارہ قسم کی چوتھی نوعیت کا ذکر ہے۔ جو ترتیبی ہے **لم یجد** سے مراد ہے اداء کفارہ کے وقت ان چیزوں پر قادر نہ ہونا بعد میں اگرچہ قادر ہو جائے **لم یجد** کا مفعول پوشیدہ ہے۔ ضمیر غائب مونث یعنی جو ان مذکورہ تین چیزوں میں سے کسی چیز کو نہ پائے نہ غلام نہ کھانا نہ کپڑا تو وہ تین روزے رکھے۔ خیال رہے: کہ احناف کے نزدیک قسم کے کفارہ میں تین روزے مسلسل لگاتار رکھنا ضروری ہے لہذا اگر درمیان میں کوئی روزہ ناغہ ہو گیا یا عورت کو حیض آ گیا تو پچھلا رکھا ہوا روزہ بیکار ہو گیا اب پھر تین روزے رکھے یہ ہی احناف کا مذہب ہے اس کے دلائل انشاء اللہ فوائد میں عرض ہوں گے۔ **ذلک کفارۃ ایمانکم اذا حلفتم** ذالک سے اشارہ ان چاروں مذکورہ چیزوں کی طرف ہے۔ اگرچہ کفارہ کی مذکورہ چیزیں ابھی ابھی مذکور ہوئی ہیں مگر چونکہ وہ بہت بڑی شان والی ہیں اس لئے **ذالک** اشارہ بعید ارشاد ہوا جیسے ذالک الکتاب میں ہے چونکہ ان کاموں کو اللہ کے نام کی شرافت سے نسبت ہے اس نسبت سے یہ چیزیں عظیم الشان ہوئیں جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ دنبہ عظیم قرار دیا گیا 'بذبح عظیم' کفارہ فرما کر یہ بتایا کہ مذکورہ چیزیں صف کفارہ ہیں ان سے دوسری عبادات ادا نہیں ہو سکتیں۔ لہذا کفارہ کے روزوں میں قضا روزوں کی نیت نہیں کر سکتے کھانے کپڑے میں زکوۃ کی نیت نہیں کر سکتے نیز ان کاموں پر ثواب کا وعدہ نہیں گذشتہ گناہ مٹنے کا وعدہ ہے کفارہ کی اضافت ایمان کی طرف اس لئے ہے کہ قسم کفارہ کا ذریعہ ہے جیسے کہا جاتا ہے نماز مغرب یا روزہ رمضان قسم توڑنا کفارہ واجب ہونے کی شرط ہے اس لئے کفارہ قسم کہا جاتا ہے کفارہ حنث نہیں کہا جاتا ایمان سے مراد وہی منعقدہ قسم ہے جس کی طرف اشارہ فرمایا **بما عقدتم الایمان** میں **اذا** ظرفیہ ہے اور ممکن ہے کہ شرطیہ ہو اور اس کی جزا پوشیدہ ہو (روح المعانی)۔ خیال رہے: کہ احناف کے نزدیک ان چاروں کفاروں میں سے کوئی کفار قسم توڑنے سے پہلے نہیں ادا کر سکتے اور شوافع کے ہاں اگلے تین مالی کفارے قسم توڑنے سے پہلے بھی دیئے جا سکتے ہیں ۔ مگر روزوں کا کفارہ صرف قسم توڑنے کے بعد ادا ہو گا (احمدی) کفارہ بنا ہے کفر سے بمعنی چھپانا یا مٹانا بد عقیدگی کو کفر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ نیکیوں کو مٹا دیتا ہے ایک دوا کا نام کافور ہے مگر اس کی تیز خوشبو دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتی ہے چونکہ یہ نیک اعمال قسم کے گناہ کو مٹا دیتے ہیں اس لئے انہیں کفار کہتے ہیں **ان الحسنات یذھبن السیات** چونکہ منعقدہ قسمیں بہت قسم کی ہوتی ہیں اپنے کام پر قسم کہ میں یہ کروں گا' دوسرے شخص کے کام پر قسم کہ تو یہ کرے گا رب کے کام پر قسم کو مثلاً آج بارش ہوگی یا تیرے بیٹا پیدا ہو گا ان سب قسموں میں اگر پوری نہ ہوں تو کفارہ واجب ہو تا ہے' اس لئے ایمان جمع ارشاد ہوا اپنے خاص مقبول بندوں کی قسم رب تعالیٰ پوری فرما دیتا ہے اگر وہ رب پر قسم کھا لیں **واحفظوا ایمانکم** اس عبارت میں کفارہ کے علاوہ ایک اور اہم حکم دیا گیا یعنی اپنی قسموں کی حفاظت کرنا اس حفاظت کی بہت تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اپنی قسموں کو پورا ہی کرو بلاوجہ توڑ کر کفارہ نہ دو اس صورت میں یہ قید ہوگی کہ قسم بری بات پر یا اچھی بات سے رکنے پر نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنی زبان کی حفاظت کرو بہت قسمیں نہ کھایا کرو تاکہ تمہاری قسموں کی حفاظت رہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم** ایک شاعر کہتا ہے۔

قلیل الالایا حافظ یمینہ ‌ ‌ ‌ ‌ اذا بدرت منہ الالیہ برت

www.alahazratnetwork.org

اس شعر میں قسم کی حفاظت سے مراد ہے قسم نہ کھانا (روح المعانی) تیسرے یہ کہ قسم پوری کرنے کے لئے کھاؤ نہ کہ توڑنے کے لئے توڑنا کسی مجبوری سے ہو مسلمان کو اپنی زبان کا ہی پاس چاہئے کہ جو زبان سے کہے پورا کرے چہ جائیکہ قسم اس کی پاسداری تو بہت ہی چاہئے اگر قسم توڑ کر کفارہ دے دینے کی عادت ڈال لی گئی تو خلق میں تمہارا تمہاری قسموں کا اعتبار اٹھ جائے گا اور رب تعالٰی بھی ناراض ہو گا کہ مذکورہ کفارہ اس بدنیتی جھوٹے ارادوں کا گناہ نہیں مٹا سکتا اگر کوئی رمضان میں روزہ نہ رکھے پھر قضا کرے تو قضا کا ثواب ادا کی طرح نہیں ہو سکتا جو بلاوجہ وقت پر نماز نہ پڑھے قضا کر کے پڑھے تو اگرچہ فرض ادا ہو گیا مگر بلاوجہ قضا

کرنے کا گناہ معاف نہیں ہوا یوں ہی قسم کھا کر بلاوجہ توڑ دے پھر کفارہ دیدے تو اگرچہ قسم کا گناہ تو ختم ہو گیا مگر اس بلاوجہ توڑنے کا گناہ کیسے معاف ہو گا اس لئے ارشاد ہوا **واحفظوا ایمانکم کذلک یبین اللہ لکم ایاتہ لعلکم تشکرون** یہ ان احکام کا تتمہ ہے **کذالک** میں **ذالک** سے ان ہی مذکورہ احکام کی طرف اشارہ ہے **یبین** بنا ہے **تبین** سے بمعنی خوب بیان کرنا یا آہستگی سے بیان فرمانا ہمارے لئے لعل شک کے لئے ہوتا ہے یہاں نتیجہ اور مقصد کے لئے ہے یعنی جیسے ہم نے قسم کے احکام بہت تفصیل سے بیان فرمائے یوں ہی ہم تمہارے لئے اے مسلمانوں اپنی آیات واحکام خوب واضح کر کے بیان کرتے ہیں تاکہ تم بندہ شکر گزار بنو خیال رہے: کہ **یبین** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ براہ راست رب تعالٰی ہی مفصل بیان فرماتا ہے جیسے قسم کے احکام میراث کے حصے یا اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے مفصل بیان فرماتا ہے جیسے احکام نماز و زکوٰۃ کو قرآن مجید میں اگرچہ مجمل ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل بیان فرمائی نیز **لکم** فرما کر بتایا کہ یہ تفصیل وار بیان تمہارے نفع کے لئے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے سے ہی واقف ہیں اور تم سے پہلے کے شاکر ہیں قرآن مجید مجمل ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے شارح ہیں اور علماء دین اس متن و شرح پر حاشیہ چڑھانے والے دیکھو لفظ صلوٰۃ قرآن میں ہے نماز کی شرح کہ کیسے پڑھو حدیث میں اور نماز کے اعمال میں کون فرض ہے کون واجب کون سنت فقہ میں ہے **یبین اللہ** ان سب کو شامل ہے۔

خلاصہء تفسیر: ہر جرم پر آخرت میں پکڑ ہو گی خواہ اس طرح کہ پیشی ہو کر معافی ہو جائے۔ خواہ اس طرح کی سزا بھی دے دی جائے رب تعالٰی فرماتا ہے **ومن یعمل مثقال ذرۃ شرا یرہ** مگر بعض جرم وہ ہیں جن پر دنیا میں بھی پکڑ ہو جاتی ہے خواہ سیاسی پکڑ ہو جیسے چوری پر ہاتھ کٹنا زنا پر سنگسار ہونا شراب پر اسی کوڑے یا شرعی پکڑ جیسے رمضان میں روزہ توڑنے پر کفارہ لازم ہونا خواہ غیبی پکڑ جیسے زنا عام ہو جانے پر وبائیں آنا زکوٰۃ کا رواج نہ رہنے پر بارشیں بند ہو جانا اور بعض گناہوں پر دنیا میں پکڑ نہیں جیسے نماز نہ پڑھنا روزہ نہ رکھنا یہ ہی حال نیکیوں کا ہے کہ بعض نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے جیسے والدین کی خدمت۔ قسم غموس ان گناہوں میں سے ہے جن کی پکڑ آخرت میں تو ہے مگر دنیا میں نہیں کہ اس پر کفارہ نہیں مگر قسم منعقدہ کا توڑنا ان گناہوں میں سے ہے جس پر دنیا میں بھی شرعی پکڑ ہے کہ اس پر کفارہ واجب ہے اس آیت کریمہ میں ان ہی قسموں کا ذکر ہے۔ ابھی تفسیر میں اشارۃً عرض کیا گیا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک احناف کی دوسری شوافع حضرات کی ان مختلف تفسیروں سے مختلف احکام حاصل کئے گئے ہیں ہم یہاں حنفی تفسیر عرض کرتے ہیں اے مسلمانوں تمہاری لغو قسمیں خواہ غموس ہوں یا لغو ان دونوں میں اللہ تعالٰی تم پر دنیاوی مواخذہ یعنی کفارہ واجب نہیں فرماتا ہاں منعقدہ قسمیں جن کو منعقد کرنے کے لئے تم کھاؤ ان پر پکڑ فرماتا ہے کہ ان کے توڑ دینے کی صورت میں تم پر کفارہ واجب کرتا ہے ان قسموں کے توڑنے کا کفارہ یہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ تم قسم توڑ دینے کے بعد دس مسکینوں کو اپنے گھر بار کا درمیانی کھانا دو خواہ اس طرح کہ ان کی دعوت کرکے انہیں کھلادو خواہ اس طرح کہ انہیں کھانے کا مالک کردو یا دس مسکینوں کو بدن چھپانے والا کپڑا دے دو یا کوئی صحیح سالم غلام یا لونڈی آزاد کردو خواہ وہ غلام مسلمان ہو یا کافر ان تین میں تو تم کو اختیار ہے کہ ان میں سے جو چاہو ادا کردو لیکن اگر بروقت کفارہ دینے کے تم ان میں سے کسی چیز پر قادر نہ ہو کہ نہ تمہارے پاس دس مسکینوں کا کھانا ہو نہ کپڑا نہ آزاد کرنے کے لئے غلام تو مسلسل تین روزے رکھو تمہاری قسموں کا یہ کفارہ ہے جب تم قسم کھا کر توڑ دو تو یہ ادا کرو یہ بھی خیال رکھو کہ اولاً تو قسم کھاؤ نہیں اور جب کھاؤ تو اسے حتی الامکان نبھاؤ اس کی حفاظت کرو کہ مسلمان کی زبان خصوصاً قسم بہت حفاظت کی چیز ہے ہم تمہارے نفع کے لئے اس طرح اپنے احکام اپنی آیات خوب واضح کرکے بیان فرماتے ہیں تاکہ تم بندہ شکر گزار ہو۔

فوائد و مسائل : قسم تین قسم کی ہے قسم لغو، قسم غموس، قسم منعقدہ۔ قسم لغو یہ ہے کہ انسان نادانستہ طور سے گذشتہ کی جھوٹی قسم کھالے مثلاً اس نے کہا خدا کی قسم زید آگیا اسے یہ ہی خبر تھی مگر واقعہ میں یہ غلط تھا، زید نہ آیا تھا، اس قسم پر نہ گناہ نہ کفارہ قسم غموس یہ ہے کہ گذشتہ واقعہ پر دانستہ طور پر جھوٹی قسم کھالے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں قسم منعقدہ یہ ہے کہ آئندہ کے متعلق قسم کھائے کہ میں یہ کروں گا یا نہ کرونگا ایسا ہوگا اس قسم کو توڑ دینے پر وہ کفارہ واجب ہوگا جو یہاں ارشاد ہوا۔ مسئلہ قسم غموس میں گناہ ہے کفارہ نہیں اس گناہ کا ذکر سورۂ بقر میں گذر گیا کہ ارشاد ہوا **ولکن یؤاخذکم بما کسبت قلوبکم** سے مراد ارادۃً جھوٹی قسم کھانی ہے اور پکڑ کے بعد کفارہ بیان نہ ہوا جس سے معلوم ہوا کہ وہاں پکڑ سے مراد اخروی پکڑ یعنی گناہ ہے (تفسیر احمدی)۔

مسئلہ : قسم منعقدہ میں کفارہ واجب ہے مگر قسم توڑ دینے کے بعد اور گناہ کے متعلق تفصیل ہے اگر کسی نیکی کے نہ کرنے یا گناہ کرنے کی قسم کھائی تھی تو اس کے توڑ دینے میں کوئی گناہ نہیں بلکہ توڑ دینا اور کفارہ ادا کردینا ضروری ہے اور اگر اس کے برعکس کی قسم تھی تو اس کا توڑنا ممنوع ہے یہ مسئلہ **یؤاخذکم** کے بعد فکفارتہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **فائدہ**: کفارہ قسم میں اگر فقراء کو کھانا دیا گیا تو اس کا مالک کردینا ضروری نہیں دو وقت دس مسکینوں کی دعوت کردینا بھی کافی ہے لیکن اگر کپڑا دیا گیا تو کپڑے کا مالک کردینا ضروری ہے یہ فائدہ اطعام کو مصدر فرمانے اور کسوۃ کاف کے کسرہ سے فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **فائدہ**: قسم کے کفارہ میں ہر مسکین کو پورا جوڑا دینا ضروری ہے صرف تہبند یا لنگوٹ دے دینا کافی نہیں یہ فائدہ بھی کسوۃ سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **فائدہ**: قسم کے کفارہ میں تین روزے رکھنا ہوں تو مسلسل لگاتار رکھنا ہوں گے یہ ہی قول ہے حضرت عبداللہ ابن عباس مجاہد اور قتادہ وغیرہم کا یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔ چنانچہ ابن مردویہ نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ جب کفارہ کی آیت نازل ہوئی تو حضرت حذیفہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ کیا ہم کو ان تین کفاروں میں اختیار ہے فرمایا ہاں لیکن اگر روزہ سے کفارہ دینا پڑے تو تین دن کے مسلسل رکھنا ہوں گے **ثلثۃ ایام متتابعات**' ابن ابی شیبہ' ابن حمید' ابن جریر' ابن ابی داؤد' ابن منذر' حاکم' اور بیہقی نے بہ سند صحیح روایت کی کہ حضرت ابی ابن کعب کی قراءت میں متتابعات موجود ہے ان کی قراءت یوں ہے فصیام ثلثۃ ایام متتابعات یہ ہی احناف کا مذہب ہے (تفسیر روح المعانی) **فائدہ**: پہلے کفاروں سے عاجز ہونا ادائے کفارہ کے وقت معتبر ہے یعنی جو شخص قسم کا کفارہ ادا کرتے وقت مسکینوں

www.alahazratnetwork.org

کے کھانے کپڑے غلام آزاد کرنے پر قادر نہ تھا اس نے تین روزے رکھ لئے بعد میں وہ ان پر قادر ہو گیا تو کفارہ ادا ہو گیا۔ یہ ہی مذہب احناف ہے' امام شافعی کے ہاں قسم توڑنے کے وقت عاجز ہونا معتبر ہے' مذہب احناف بہت قوی ہے جیسا کہ **فمن لم یجد** کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے **فائدہ:** قسم توڑنے سے پہلے کفارہ ادا نہیں کر سکتے۔ توڑنے کے بعد کفارہ واجب ہوتا ہے' یہ فائدہ **واحفظوا ایمانکم** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قسم پوری کرنے اس کی حفاظت کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے نہ کہ کفارہ واجب کرنے کے لئے احناف کا مذہب یہ ہی ہے امام شافعی کے ہاں تین مالی کفارے تو قسم توڑنے سے پہلے (حنث سے پہلے) بھی ادا کئے جا سکتے ہیں مگر کفارے کے روزے قسم توڑنے کے بعد ہی رکھے جائیں گے۔ (تفسیر خازن و احمدی وغیرہ) **فائدہ:** قسم کے کفارہ میں کافر غلام بھی آزاد کیا جا سکتا ہے مومن کی قید نہیں یہ ہی احناف کا مذہب ہے یہ فائدہ **تحریر رقبۃ** میں **رقبۃ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ امام شافعی کے ہاں مومن غلام ہی آزاد کیا جائے گا کافر نہیں۔ کفارہ قسم کے تفصیلی احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ **فائدہ:** بلا وجہ قسم توڑ دینا بعد میں کفارہ دے دینا گناہ ہے کہ کفارہ سے اگرچہ قسم توڑنے کا گناہ تو مٹ گیا مگر بدنیتی وعدہ خلافی دوسرے کو دھوکا دینے کا گناہ تو باقی رہا انسان کو چاہئے کہ اولاً تو کسی سے وعدہ کرے نہیں قسم کھائے نہیں اور جب کرے تو پورا کرے ورنہ رب تعالیٰ بھی ناراض ہو گا اور مخلوق میں اس کا اس کی زبان کا اس کی قسموں کا اعتبار جاتا رہے گا جن انبیاء کرام کے متعلق فرمایا گیا صادق الوعد وہ حضرات وعدے پورے کرتے تھے وعدہ خلافی کر کے قسمیں توڑ کر کفارے نہیں دیا کرتے تھے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف لغو قسم میں کفارہ نہیں اس کے علاوہ دونوں قسموں میں کفارہ ہے خواہ قسم غموس ہو یا قسم منعقدہ کیونکہ ارشاد ہوا **ولکن یواخذکم بما عقدتم الایمان** لہٰذا جو قسم ارادۃً کھائی جائے خواہ گذشتہ پر جھوٹی قسم ہو یا آئندہ پر دونوں میں کفارہ ہے (شوافع) اس کو پارہ سیقول میں یوں بیان فرمایا **ولکن یواخذکم بما کسبت قلوبکم** کسب اور عقد ایک ہی چیز ہے (شوافع) یہ اعتراض حضرات شوافع کا انتہائی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی اجمالاً تفسیر میں گذر گیا کہ عقد سے مراد دلی ارادہ نہیں ہے بلکہ منعقد کرنا مضبوط کرنا مراد ہے یہ وہ ہی قسم ہو سکتی ہے۔ جس کے پورا کرنے نہ کرنے پر انسان قادر ہو اور وہ قسم منعقدہ ہی ہے۔ غموس قسم پر انسان کا اختیار نہیں لہٰذا وہ عقدتم سے الگ ہے ہاں وہ قسم **کسبت قلوبکم** میں داخل ہے اس میں گناہ ہے کفارہ نہیں لہٰذا یہاں اس آیت کریمہ میں پکڑ فرمانے سے مراد ہے' کفارہ لازم فرما دینا اور وہاں پہلے پارہ والی آیت میں پکڑ سے مراد آخرت کی پکڑ یعنی گناہ ہے اس لئے یہاں پکڑ کے بعد کفارہ کا ذکر ہے اور وہاں کفارہ کا ذکر نہیں۔ لہٰذا یہاں لغو قسم سے مراد غموس اور لغو دونوں ہیں اس کی مکمل تحقیق تفسیرات احمدیہ میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** جب آیت کے شروع میں فرما دیا گیا کہ **کفارتہ اطعام عشرۃ مساکین**' تو پھر بعد میں کیوں فرمایا کہ **ذالک کفارۃ ایمانکم** دوبارہ فرمانا زائد ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں اشارۃً عرض کر دیا گیا کہ اس دوبارہ فرمان کا منشاء یا تو یہ ہے کہ ان چاروں کاموں کا مجموعہ کفارہ نہیں بلکہ ان میں سے جو کام بھی کر لیا جائے کفارہ ادا ہو جائے گا' یا یہ بتاتا ہے کہ یہ کام صرف کفارۂ قسم ہیں انہیں اور دوسرے ارادوں میں صرف نہ کرو یا یہ بتاتا ہے کہ یہ کام قسم توڑنے کا گناہ مٹانے کے لئے ہیں ان کاموں پر کسی قسم کے ثواب کا وعدہ نہیں غرضیکہ دوبارہ فرمانا بہت حکمتوں سے ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسم کا کفارہ قسم توڑنے سے پہلے بھی دیا جا سکتا ہے کیونکہ ارشاد ہوا **فکفارتہ**

www.alahazratnetwork.org

اطعام سے مراد قسم ہے جس سے معلوم ہوا کہ کفارہ واجب کرنے والی چیز قسم ہے نہ کہ حنث یعنی قسم توڑنا سبب پائے جانے کے بعد چیز ادا ہو جاتی ہے جیسے زکوٰۃ کا سبب مال ہے نہ کہ سال تو سال گزرنے سے پہلے بھی زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ نیز مسلم شریف میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی کسی چیز پر قسم کھالے پھر وہ چیز اچھی محسوس ہو تو **فليكفر عن يمينه ولياتِ الذي هو خير** دیکھو اس میں کفارہ کا ذکر پہلے ہے اور قسم توڑنے کا ذکر بعد میں معلوم ہوا کہ کفارہ حنث یعنی قسم توڑنے سے پہلے دیا جا سکتا ہے۔ (حضرات شوافع) یہ اختلافی مسئلہ ہمارے اور شوافع کے درمیان بہت مشہور ہے اس پر ان حضرات کے یہ مشہور دلائل ہیں جو ان کے علماء مختلف طریقوں سے بیان فرماتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی یہ ہے کہ یہ دلائل تمہارے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ آپ لوگ بھی روزے سے کفارہ دیتے ہیں قسم توڑ دینا ضروری مانتے ہیں۔ صرف مالی تین کفاروں میں حنث پر کفارہ مقدم کرنا جائز کہتے ہیں۔ یہ فرق اس آیت میں کہاں ہے نیز آپ کی پیش کردہ مسلم شریف کی حدیث آپ کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہاں ارشاد ہے **فليكفر عن يمينه ولياتِ الذي هو خير**۔ اگر یہ ف تعقیب کی ہے تو چاہئے کہ کفارہ پہلے دینا اور قسم بعد میں توڑنا واجب ہو جائے حالانکہ یہ آپ بھی نہیں کہتے اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ قسم کفارہ کا سبب نہیں اس کا سبب حنث یعنی قسم توڑنا ہے کیونکہ قسم توڑنے کے لئے نہیں کھائی جاتی بلکہ پوری کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا **واحفظوا ايمانكم** جب قسم توڑنا کفارہ کا سبب ہے تو سبب سے پہلے مسبب کیسے ہو سکتا ہے آپ کی پیش کردہ حدیث میں حنث اور کفارہ میں ترتیب مذکور نہیں مطلب یہ ہے کہ قسم کے بعد اگر قسم توڑنا بہتر ہو تو یہ دونوں کام کرے حنث اور کفارہ ترتیب سے خاموشی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب جمعہ کی اذان ہو جائے تو **فاسعوا الى ذكر الله وذروا البيع** اللہ کے ذکر کی طرف آنے کی کوشش کرو۔ تجارت چھوڑ دو یہاں یہ معنی نہیں کہ پہلے سعی کرو بعد میں تجارت بند کرو بلکہ مطلب یہ ہے کہ اذان سنتے ہی یہ دونوں کام کرو نیز کفارہ کے متعلق صحیح حدیث یوں بھی وارد ہے **فلياتِ الذي هو خير ثم ليكفر عن يمينه** کہ پہلے قسم توڑے پھر اس کے بعد کفارہ دے یہاں ثم نے ترتیب بتا دی کہ حنث پہلے ہو اور کفارہ بعد میں خیال رہے کہ ہمارے اور شوافع کے ہاں اس آیت کریمہ میں حنث ضرور پوشیدہ ہے یعنی **عقد تم الايمان ثم حنثتم لكفارته** جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فمن كان منكم مريضا او على سفر فعدة من ايام اخر**۔ اس آیت میں فافطر پوشیدہ ہے یعنی جو بیمار یا مسافر ہو اور رمضان کے روزے نہ رکھے تو آئندہ قضا کرے ایسے ہی یہاں ہے کیونکہ ہم اور شافعی حضرات دونوں کہتے ہیں کہ بغیر قسم توڑے کفارہ واجب نہیں صرف جواز تقدیم میں اختلاف ہے اس کی پوری تحقیق یہاں ہی تفسیر روح المعانی میں دیکھو۔ **چوتھا اعتراض:** جب کپڑے دینے کی صورت میں فقراء کو کپڑوں کا مالک کر دینا ضروری ہے تو کھانا دینے کی صورت میں بھی انہیں کھانے کا مالک کر دینا ضروری ہونا چاہئے وہاں اباحت کافی کیسے ہوگی۔ (حضرات شوافع)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ اطعام میں مصدر ارشاد ہوا اور لباس میں اسماء مصدر نہ ارشاد ہوا بلکہ کسوة مادہ کا ذکر ہوا اس لئے یہ فرق ہوا ہم ابھی بہت نفیس طریقہ سے یہ فرق تفسیر میں عرض کر چکے۔ **پانچواں اعتراض:** یہ عجیب بات ہے کہ قسم کے کفارہ میں مالی کفارہ بہت سخت ہے اور بدنی کفارہ بہت ہی نرم غلام آزاد کرنے میں تو بہت ہی مال خرچ ہوتا ہے کہ غلام سینکڑوں روپیہ کا ہوتا ہے کھانا کپڑا بھی بہت قیمتی ہے اور تین روزے نہایت معمولی کام ہے ان میں مناسبت کوئی نہیں (بعض بے دین)۔ **جواب:** رکعات نماز زکوٰۃ کی مقدار میراث کے حصے سزاؤں کی

www.alahazratnetwork.org

تفصیلی کفارات کے احکام عقل انسانی سے وراء ہیں یہاں صرف گردن جھکانا اور قبول کر لینا ضروری ہے دنیاوی بادشاہوں کے قانون' طبیب کے نسخے میں دواؤں کی مقداریں بلاچون وچرا مان لی جاتی ہیں یہ تو احکم الحاکمین کے قوانین ہیں بلا بحث مانو وہ حاکم بھی ہے' حکیم بھی علیم بھی اس نے جو احکام دیئے بالکل درست دیئے اگرچہ اس کے تمام احکام میں صدہا حکمتیں ہیں مگر ہم حکمتوں کے پیچھے نہ پڑیں اگر احکام شرعیہ کی حکمتیں معلوم کرنا ہوں تو ہماری کتاب اسرار الاحکام کا مطالعہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ : قسمیں دو قسم کی ہیں دنیا سے علیحدگی پر قسم یہ لغو قسم کہلاتی ہے' قرب الٰہی سے محرومی پر قسم یہ قسم منعقدہ ہے جو اس طرح کی قسم میں پھنس جائے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں یعنی اپنے پانچ حواس ظاہری اور پانچ حواس باطنی کو وہ کھانا غذائے روحانی کو جو تم اپنے اہل یعنی دل' روح سر وخفی کو دیا کرتے ہو ان کے کھانے یہ ہی شوق' محبت' صدق' اخلاص' تفویض' تسلیم' رضا بالقضا' انس ہیبت' شہود' کشف اور ان کی درمیانی غذا' ذکر' فکر' شوق' توکل' عبادت' خوف' امید ہیں اپنے حواس کو یہ غذائیں دو کہ انہیں ان عبادات میں لگا دو یا ان حواس کو تقویٰ ظاہری باطنی کا لباس پہناؤ یا گردن آزاد کرو اس طرح کہ اپنے نفس کو ہوی وہوس حب دنیا اطاعت شیطان کی قیدوں سے آزاد کر دو اگر کوئی ان کٹھن چیزوں پر قادر نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھے ایک وہ دن جو گزر گیا ایک دن موجودہ اور ایک دن آئندہ گذشتہ زمانہ کا روزہ یہ ہے کہ کئے ہوئے گناہوں پر نادم ہو کر توبہ کرے موجودہ زمانے کا روزہ یہ ہے کہ غفلت پیدا کرنے والی چیزوں سے باز رہے اگلے دن کا روزہ یہ ہے کہ عزیمت پر کمربستہ رہے گناہ چھوڑنے کا ارادہ کرے اطاعات پر ثابت قدم رہے' مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ صبرت نیست از دنیائے دوں   چون ست صبرت از خدائے دوست جوں

چونکہ بے ایں شرب کم داری سکوں   چوں زابراری خدا و زیشروں

اے بیوقوف جب تو کمینی دنیا یہاں کے کھانے پینے سے صبر نہیں کر سکتا تو حق تعالیٰ اس کے عشق سے اور غذا روحانی سے صبر کیوں کیسے لیتا ہے (تفسیر روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صوفیاء کے مشرب میں ساری قسمیں اور ان کے کفارے اور کفاروں کے مصارف خود ہم میں ہی موجود ہیں خدا دیکھنے والی آنکھ دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے طبیب اپنے مریض کو نسخہ لکھ کر بھی دیتا ہے جس کے اجزاء بیمار کو معلوم ہو جاتے ہیں اور وہ نسخہ سمجھ میں آجاتا ہے کہ بنفشہ زکام کے لئے لکھا ہے ملٹھی کھانسی کے لئے گلاب کے پھول جلاب کے لئے ساتھ ہی کوئی گولی یا پڑیا بھی دیتا ہے' جس کے اجزاء نہ دیکھے جاتے ہیں' نہ عقل میں آتے ہیں وہ بغیر سمجھے کھائی جاتی ہے اور کہتا ہے کہ یہ گولی اس نسخہ کے ساتھ یا چائے کے ساتھ کھاؤ ایسے ہی رب تعالیٰ نے عبادات کفارات میں بعض چیزیں وہ رکھی ہیں جو عقل میں آجائیں بعض وہ جو عقل سے وراء ہوں کہ بندہ نہیں صرف بندگی کی بنا پر مانے عقل کو دخل نہ دے نماز کے اجزاء سمجھ میں آتے ہیں کہ ان میں رب تعالیٰ کی حمد وثنا ہے اپنے عجز کا اظہار مگر نماز کے اوقات اس کی تعداد اور رکعات عقل سے وراء ہے یوں ہی کفارہ میں مسکینوں کو کھانا کپڑا دینا عقل میں آتا ہے کہ یہ صدقہ ہے مگر دس کی پابندی کہ اگر آٹھ نو مسکینوں کو دیا تو کفارہ ادا نہ ہوا یہ عقل سے وراء ہے کہ اسے سمجھو نہیں مگر عمل کرو نیز ان کی ترتیب بھی عقل میں نہیں آتی۔ نیز فرماتے ہیں کہ ہماری قسمیں اپنی ہماری ہوتی ہیں جن کا وا ہم پر لازم ہوتا ہے اگر ادا نہ کریں تو کفارہ دینا پڑتا ہے' مگر اللہ والوں کی بعض قسمیں ان کی اپنی نہیں ہوتیں وہ قسمیں رب کی طرف سے ہوتی ہیں ان قسموں کو خود رب تعالیٰ پوری فرماتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے اگر مومن جوش میں کہہ دے کہ آج بارش ہو گی یا تو بخشا جائے گا یا تجھے

www.alahazratnetwork.org

اللہ بیٹا دے گا تو رب تعالیٰ ان کی زبان کی لاج رکھتا ہے' ضرور پوری کر دیتا ہے اس لئے یہاں ارشاد ہوا **کفارۃ ایمانکم** اور فرمایا گیا **اذا لفتم** ہماری قسمیں اور رہیں ہمارے منہ سے نکلی ہوئی رب کی قسمیں کچھ اور۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے بات یہی ہے کہ شراب اور جوا اور بت اور تیر گندی چیزیں ہیں شیطان

اے ایمان والو شراب اور جوا اور بت اور پانسے ناپاک ہی ہیں شیطانی کام

مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ

کے کاموں سے ہیں پس بچو ان سے تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ بات یہی ہے کہ ارادہ کرتا

تو ان سے بچتے رہنا کہ تم فلاح پاؤ شیطان یہی چاہتا ہے

أَنْ يُوقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ

ابلیس یہ کہ ڈال دے تمہارے درمیان دشمنی اور بغض شراب اور جوئے میں اور روک دے تم کو

کہ تم میں بیر اور دشمنی ڈلوا دے شراب اور جوئے میں اور تمہیں اللہ کی یاد

ذِكْرِ اللَّهِ وَعَنِ الصَّلَاةِ ۖ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿۹۱﴾

اللہ کے ذکر اور نماز سے تو کیا تم باز رہو گے۔

اور نماز سے روکے تو کیا تم باز آئے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی گذشتہ آیات میں مسلمانوں سے فرمایا گیا تھا کہ حلال و طیب چیزوں کو حرام نہ کر لو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرام چیزوں شراب جوا وغیرہ کو حلال نہ ٹھہرا لو گویا تقویٰ کے ایک رخ کا ذکر پچھلی آیات میں تھا یعنی حلال و طیب چیزیں استعمال کرنا اور اس کے دوسرے رخ کا ذکر اب ہے یعنی حرام چیزوں سے بچنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان حلال و طیب چیزوں کا ذکر تھا' جنہیں کوئی شخص قسم کھا کر اپنے پر حرام کرے اب ان چیزوں کا ذکر ہے' جو رب تعالیٰ نے حرام فرما دیں گویا عارضی حرمت کا ذکر فرمانے کے بعد حرمت اصلی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ اپنی کھائی ہوئی قسموں کی حفاظت کرو جن میں تم اللہ کا نام لیتے ہو' اللہ کے نام کی حرمت کا لحاظ رکھو' اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب اللہ کے نام کا اتنا احترام ہے کہ اس کے نام کی کھائی قسم پوری کرنا چاہئے تو اس کریم کے احکام کا بھی احترام کرو کہ شراب و جوئے وغیرہ سے پرہیز کرو۔

شان نزول : ایک انصاری کے گھر حضرات صحابہ کی دعوت تھی جس میں مہاجرین بھی مدعو تھے انصار بھی' کھانے کے بعد حسب معمول شراب کا دور چلا تمام مہمان نشہ میں چور ہو گئے۔ اسی بے خودی میں ایک صاحب بولے کہ مہاجرین سے انصار

www.alahazratnetwork.org

افضل ہیں۔ اس پر ایک انصاری نے حضرت سعد کی ناک پر لوٹ کی ہڈی ماری جس سے خون جاری ہو گیا' نشہ اترنے پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں زخمی ناک لئے ہوئے حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ سے بہت صدمہ پہنچا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) حضرت سعد بن ابی وقاص فرماتے ہیں کہ میرے متعلق قرآن کریم کی چار آیتیں احکام کی نازل ہوئیں۔ میں نے بدر کے دن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مال غنیمت میں ایک تلوار مانگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ تلوار وہاں ہی رکھ دو جہاں سے اٹھائی ہے تب آیت کریمہ **یسلونک عن الانفال** نازل ہوئی۔ میں بیمار تھا میں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے مال کے متعلق سوال کیا تو آیت کریمہ **کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت** نازل ہوئی' میرے اسلام قبول کر لینے پر میری ماں نے مجھے دوبارہ کافر ہو جانے پر مجبور کیا تو آیت کریمہ **ووصینا الانسان بوالدیہ** نازل ہوئی' ایک دعوت میں بحالت نشہ میں ایک انصاری کے ہاتھوں زخمی ہو گیا تو یہ آیت کریمہ **انما الخمر والمیسر** نازل ہوئی (تفسیر احمدی) حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بہت تمنا تھی کہ شراب حرام کر دی جائے جب آیت کریمہ **یسلونک عن الخمر والمیسر** نازل ہوئی تو آپ نے فرمایا الٰہی شراب کے متعلق بیان شافی نازل فرما **لا تقربوا الصلواۃ وانتم سکاری** نازل ہوئی' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر یہ آیت کریمہ سنائی پھر جناب عمر رضی اللہ عنہ نے یہ ہی دعا کی الٰہی شراب کے متعلق بیان شافی نازل فرما پھر جب یہ آیت کریمہ **انما الخمر** نازل ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو بلا کر سنائی جناب عمر رضی اللہ عنہ بہت ہی خوش ہوئے اور بولے **انتھینا ربنا**۔ الٰہی ہم شراب سے باز آئے۔ (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ شراب کے متعلق پہلے یہ آیت نازل ہوئی **قل فیھما اثم کبیر و منافع للناس** اس پر بعض حضرات نے شراب چھوڑ دی بعض لوگ پیتے رہے۔ پھر آیت کریمہ **لا تقربوا الصلواۃ وانتم سکاری** نازل ہوئی تو کچھ اور صاحبوں نے بھی شراب چھوڑ دی۔ بعض حضرات نے کہا کہ نماز کے اوقات کے علاوہ ہم شراب پی لیا کریں گے اور نشہ میں گھر سے نہ نکلیں گے۔ پھر سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل ہوئی **انما الخمر والمیسر** تب سب حضرات نے توبہ کر لی (تفسیر روح المعانی) اس آیت کے نزول کے دن اہل مدینہ نے اپنے گھروں میں رکھی ہوئی شراب گرائی تو مدینہ کی گلیوں میں شراب بارش کے پانی کی طرح بہتی تھی۔ عرصہ تک گلی کوچوں میں شراب کی بو رہی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے گھر جو واقعہ پیش آیا وہ ہم بیان کر چکے ہیں میں نے وہ جگہ دیکھی ہے جہاں حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کا مکان تھا اور شراب کا دور چل رہا تھا کہ اس آیت کا اعلان ہوا اور ان حضرات نے بے مثال طریقہ سے شراب چھوڑی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنتی ہونے کی بشارت دی اب اس جگہ مسجد بنی ہے جسے مسجد فضیخ یعنی شراب والی مسجد کہتے ہیں۔ قابل زیارت جگہ ہے۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنو** چونکہ اہل عرب سے شراب چھڑانا بظاہر بہت ہی مشکل اور بہت اہم تھا کہ وہاں صدیوں سے پانی کی طرح شراب پی جاتی تھی نیز ان سے جوئے کی عادت چھوڑانا بھی آسان نہ تھی کو جوا وہاں بہت مروج تھا اور اس میں بہت آسانی سے مال مل جاتا تھا یہ دونوں چیزیں نفس کو بہت پسند تھیں۔ اس لئے پہلے مسلمانوں کو پیارے خطاب سے پکارا پھر حرمت کا ذکر سنایا نیز شرعی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں کفار ان احکام کے مکلف نہیں نیز نیکیاں کرنا گناہوں سے بچنا صرف

www.alahazratnetwork.org

مومنوں کو عذاب سے بچاسکتا ہے۔ کفار کچھ بھی کریں عذاب کے مستحق ہیں ان وجوہ سے مسلمانوں کو خطاب کرکے شراب و جوئے کی حرمت کا حکم سنایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں ہمارے ملک میں جو ذمی کفار رہتے ہوں ہم ان کو ان مذکورہ چیزوں سے جبراً نہ روکیں گے **انما الخمر والمیسر والانصاب والازلام** خمر اور میسر کے معنی اور ان کی تفسیر سورۂ بقر میں گزر چکی ہے اور انصاب والازلام کے معنی اسی سورۃ مائدہ کے اول میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ یہاں اجمالاً اتنا عرض کرتے ہیں کہ خمر کے لغوی معنی ہیں چھپانا اسی لئے دوپٹہ کو خمار کہتے ہیں کہ وہ سر کو چھپالیتا ہے' لغت میں خمر انگوری شراب کو کہا جاتا ہے یہاں وہ ہی مراد ہے یہ ہی مذہب احناف ہے۔ چونکہ یہ شراب عقل کو چھپالیتی ہے لہٰذا خمر کہلاتی ہے دوسرے اماموں کے ہاں ہر نشہ آور پتلی چیز خمر ہے خواہ شراب انگوری ہو یا دوسری شرابیں یا تاڑی وغیرہ اس اختلاف کے نتائج ہم سورۂ بقر میں عرض کرچکے ہیں کہ شراب انگوری کا ایک قطرہ بھی حرام ہے اور دوسری شرابیں جب نشہ دیں یا لطف و لذت کے لئے استعمال کی جائیں تب حرام ہیں یہ امام اعظم کا قول ہے شریک ابن عبد اللہ اور امام اوزاعی کے ہاں ان کا حکم افیون وغیرہ خشک نشہ آور چیزوں کا سا ہے (دیکھو تفسیر احمدی) قرآن کریم نے صرف خمر یعنی شراب انگوری حرام کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشی یعنی نشہ آور چیز حرام فرمادی ہمیشہ قرآن مجید ایک فیصد چیزیں بیان کرتا ہے باقی ننانوے فی صدی چیزیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حرام فرماتے ہیں۔ قرآن مجید نے صرف سور کا گوشت حرام کیا سور کے باقی اجزاء نیز کتا بلی وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام فرمائے تاکہ مسلمان کسی وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہوجائیں خیال رہے کہ قرآن مجید جب چند چیزوں کو جمع فرماتا ہے تو ان میں ضرور کوئی مناسبت ہوتی ہے نماز کو زکوٰۃ کے ساتھ جمع فرماتا ہے **اقیمو الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ** اپنے نام پاک کو اپنے رسول کے ساتھ جمع فرمایا **امنوا باللہ ورسولہ** دوسری ایمانیات' قیامت' فرشتوں وغیرہ کے ساتھ جمع نہیں فرمایا یہاں خمر کو جوئے کے ساتھ اس لئے جمع فرمایا کہ شراب خواری اور جوا لازم ملزوم ہیں کہ شراب خوار کا خرچ تو بڑھ جاتا ہے کمائی رہتی نہیں شرابی نشہ کی صورت میں کما نہیں سکتا اب اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے چوری' بھیک یا جوا کا مشغلہ کرتا ہے' شرابی سے چوری و بھیک بھی مشکل سے ہوتی ہے اس لئے عموماً جوا کھیلتا ہے' اس تناسب سے جوئے کا ذکر شراب کے ساتھ فرمایا۔ **میسر** بنا ہے **یسر** سے بمعنی آسانی رب فرماتا ہے **فان مع العسر یسرا**۔ جوئے کو میسر اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں دوسرے کا مال بہ آسانی جیت لیا جاتا ہے اس لفظ کی تحقیق بھی سورۂ بقر میں ہوچکی یہاں اجمالاً اتنا عرض ہے کہ جوا ہر وہ عقد ہے۔ جس میں دو طرفہ مال کی ہار جیت کی شرط ہو جوئے کی بہت قسمیں ہیں اور سب حرام اگر ایک طرف سے مال کی شرط ہو تو وہ انعام ہے جوا نہیں اس میسر کو عربی میں قمار بھی کہتے ہیں قمار کے لغوی معنی ہیں غلبہ' چونکہ جوئے میں شراب کی سی لذت آتی ہے' جوئے کا نشہ بھی انسان کو غافل کردیتا ہے' اس لئے اللہ تعالیٰ نے شراب کے ساتھ ہی جوئے کا ذکر فرمایا شراب شخصی تباہی کا سبب ہے۔ جوا قومی تباہی کا ذریعہ ہے نیز شراب میں لذت جان ہے جوئے میں لذت مال ان وجوہ سے شراب کا ذکر پہلے اور جوئے کا بعد میں کیا گیا۔ **انصاب** جمع نصب کی بمعنی گاڑھنا اس کی جمع قلت انصاب ہے اور جمع کثرت نصب سادہ پتھر جس کی پوجا کی جائے وہ نصب ہے اور نقشین پتھر جس میں کسی کی شکل بنائی جائے اور اس کی پرستش کی جائے وہ اصنام ہے اس کی تحقیق بھی شروع سورۂ مائدہ میں ہوچکی۔ ازلام جمع زلم کی ہے فال کھولنے کے تیر **رجس من عمل الشیطان** عربی میں رجس گندے کاموں گندے عقیدوں کو کہا ہے اور رجز بمعنی عذاب ہے' اور رکس گندی بدبودار چیزوں کو کہتے ہیں چونکہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

دو گندے کاموں کا ذکر ہوا۔ شراب و جوا اور دو گندے عقیدوں کا بت پرستی اور تیروں سے فال اس لئے رجس ارشاد ہوا جو گندے کام گندے عقیدے دونوں پر بولا جاتا ہے (تفسیر صاوی) عمل شیطان سے مراد شیطان کے بنائے ہوئے کام ہیں نہ کہ شیطان کے کئے ہوئے کام کیونکہ شیطان خود نہ تو شراب پیتا ہے نہ جوا کھیلتا ہے نہ بت پرستی کرتا ہے نہ تیروں سے فال لیتا ہے۔ وہ خود مشرک یا بدکار نہیں وہ تو بڑا پکا موحد ہے نیز اسے سارے جہان کو گمراہ کرنے کی فکر لگی ہے اسے شراب و جوئے کی فرصت کہاں وہ تو بہت مصروف زندگی رکھتا ہے اسے ایک آن کی فرصت نہیں یا عمل الشیطان سے مراد ہے شیطان کے پسندیدہ کام جن سے شیطان خوش ہوتا ہے تو مطلب یہ ہوا کہ یہ چاروں کام بذات خود بھی گندے ہیں اور ان سے شیطان بھی خوش ہوتا ہے۔ جس کام سے شیطان خوش ہو بہت برا ہے حتی کہ اگر وہ نماز سے خوش ہو تو وہ نماز نیکی نہیں۔ یوں ہی جس کام سے اللہ رسول خوش ہو جائیں وہ بہت اچھا ہے' **فاجتنبوہ لعلکم تفلحون**۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اس لئے اس پر ف جزائیہ آئی اجتناب کے معنی ہیں دور رہنا اس کا مادہ ہے جنب بمعنی دوری اس لئے گندے شخص کو جس پر غسل فرض ہو جنبی کہتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے **فبصرت بہ عن جنب وھم لا یشعرون** پرہیز کو اجتناب اس لئے کہتے ہیں کہ انسان بری چیز سے دور رہتا ہے ہ کا مرجع یا شیطان ہے یا رجس یا مذکورہ چیزوں میں سے ہر ایک چیز اسی لئے یہ ضمیر واحد لائی گئی لعل ہمارے لئے بمعنی امید ہوتا ہے رب تعالیٰ کی طرف سے خبر یقینی کے لئے یعنی جب حالت یہ ہے تو تم شیطان سے یا پلیدی سے یا ان چاروں کاموں میں سے ہر ایک سے پرہیز کرو اس امید پر کہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ **انما یرید الشیطان**۔ شراب و جوئے کی دینی خرابیاں بیان فرمانے کے بعد ان کے دنیاوی نقصانات بتائے جا رہے ہیں کہ یہ چیزیں فتنہ فساد بغض و عداوت کی جڑیں ہیں شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے کیونکہ وہ تمام دنیا کے انسانوں پر نظر رکھتا ہے ہر شخص کا بد خواہ ہے۔ برے کام وہ ہی کراتا ہے یا شیطان سے مراد قرین شیطان ہے جو ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے' یا اس سے مراد برے ساتھی ہیں جو ہم کو برے کاموں کا مشورہ دیتے ہیں **ان یوقع بینکم العداوۃ والبغضاء** چونکہ عداوت و بغض ڈالنے والا شیطان ہے شراب و جوا ان کے سبب ہیں اس لئے **یوقع** کا فاعل شیطان کو قرار دیا گیا۔ عداوت اور بغض میں تھوڑا سا فرق ہے وہ یہ کہ عداوت عام ہے بغض خاص عداوت ہر دشمنی کو کہتے ہیں کھلی ہو یا چھپی ہوئی بغض خاص چھپی ہوئی دشمنی کو کہا جاتا ہے جو کسی کے دل میں رہے (تفسیر روح البیان) **فی الخمر والمیسر** ظاہر یہ ہے کہ یہاں فی بمعنی بسببیہ ہے۔ اس کے بعد تعالیٰ پوشیدہ ہے چونکہ بت پرستی اور تیروں سے فال دشمنی و عداوت کا سبب نہیں اس لئے یہاں صرف شراب و جوئے کا ذکر تو ہوا ان دونوں کا ذکر نہ ہوا رجس و گندگی میں وہ سب برابر ہیں۔ اس لئے پہلے ان چاروں کا ذکر تھا یعنی شیطان چاہتا ہے کہ شراب و جوئے کے ذریعہ تمہاری آپس میں دشمنی و عداوت ڈال دے کہ شرابی عموماً" جماعت کے ساتھ شراب پیتے ہیں۔ نشہ آجانے پر آپس میں گالی گلوچ اور مار پیٹ کرتے ہیں نشہ اتر جانے پر اپنی چوٹ دیکھ کر بدلہ کی کوشش کرتے ہیں نیز ہارا ہوا جواری جیتے ہوئے کا دشمن بن جاتا ہے کہ اس نے میرا اس قدر مال بڑی آسانی سے لے لیا موقعہ پا کر اسے قتل تک کر دیتا ہے۔ جیسا کہ بارہا کا مشاہدہ ہے۔ غرضیکہ شراب و جوا فساد بلکہ خونریزی کی جڑیں ہیں ان سے نظام ملک کی بربادی ہے بلکہ شراب ہر برائی کی جڑ ہے کہ برائی سے روکنے والے عقل ہے۔ جب شراب نے عقل ہی کھو دی تو شرابی جو چاہے کرے **ویصدکم عن ذکر اللہ و عن الصلوٰۃ** یہ شراب و جوئے کے دینی نقصان ہیں۔ **یصد** بنا ہے صد سے بمعنی روک ٹوک و آڑ اس کا فاعل شیطان ہے اگرچہ یہ دونوں چیزیں ساری عبادات سے ہی روکنے کا ذریعہ

www.alahazratnetwork.org

ہیں مگر چونکہ ذکر اللہ بقیہ عبادات سے افضل ہے اور ذکر اللہ میں نماز سب سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اس لئے خصوصیت سے ان دونوں کا ذکر فرمایا تجربہ ہے کہ شرابی شراب کی لذت اس کے نشہ میں چور ہو کر نماز وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتا جواری جب تک اپنا سب کچھ ہار نہ دے جو انہیں چھوڑتا جیتنے والا ایک بار جیت کر جوئے کی ہوس میں لگا رہتا ہے پھر نماز و ذکر اللہ کیسے کرے لہذا ان دونوں کی مشغولیت ذکر اللہ اور نماز سے رکاوٹ کا خاص سبب ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا **فھل انتم منتھون** نہایت بلیغ و لطیف طریقہ سے ممانعت ہے یعنی اے مسلمانوں ہماری سخت ممانعت ہے اور ان عقلی و نقلی خرابیوں دینی و دنیاوی نقصانات سننے کے بعد کیا تم شراب و جوئے سے باز رہو گے یعنی بالضرور باز رہو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر جوش سے فرمایا انتہینا ربنا۔ اے ہمارے رب ہم ضرور باز رہیں گے یا ہم باز آ گئے۔

خلاصہء تفسیر : چونکہ شراب عرب شریف میں صدیوں سے پانی کی طرح پی جاتی تھی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اسے بہت آہستگی سے حرام فرمایا کہ اولاً اس سے نفرت دلائی پھر کچھ عرصہ بعد اس کے پینے پر پابندی لگائی کہ بحالت نشہ نماز کے قریب نہ جاؤ پھر کچھ عرصہ بعد یعنی 3 ہجری بعد غزوۂ احد یہ آیت کریمہ نازل فرما کر قطعاً حرام فرما دی (روح البیان) شراب پچھلے بعض دینوں میں حلال تھی شروع اسلام میں بھی حلال تھی مگر جوا' بت پرستی' ناجائز فال نہ کسی دین میں کبھی حلال رہی نہ کبھی اسلام میں حلال ہوئی کیونکہ بد عقیدگی اور بد معاملگی کبھی حلال نہ ہوئے مگر چونکہ شراب خواری جوئے کا ذریعہ کہ شرابی آدمی کمانے کی بجائے جوئے چوری سے اپنا خرچ چلاتا ہے' نیز شراب خواری میں عقل جاتے رہنے پر بت پرستی بھی کر سکتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان سب کی ممانعت فرمائی اور شراب کو پہلے بیان فرمایا کہ یہ جوئے بت پرستی وغیرہ کا ذریعہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے ایمان والو شراب و جوا' بت پرستی' تیروں سے فال کھولنا یہ سارے کام گندے ہیں' شیطانی ہیں۔ لہذا ان سے ایک دم بچو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ شراب و جوئے میں دنیاوی و دینی بہت سی خرابیاں ہیں شیطان چاہتا ہے کہ شراب و جوئے کے ذریعہ تمہارے آپس میں دشمنی و بغض ڈال دے کہ تم شراب کے نشہ میں ایک دوسرے کو گالیاں دو آپس میں مار پیٹ کرو نشہ اترنے پر اس مار پیٹ کا بدلہ لو جوئے میں ہار جانے والا جب جیتنے والے کو اپنا مال لے جاتا ہوا دیکھے تو اس کے دل میں غم و غصہ کی آگ بھڑک جاوے جوش و غضب میں اسے ہلاک ہی کر ڈالے لہذا یہ دونوں چیزوں ہزارہا دنیاوی خرابیوں کا ذریعہ ہیں اور یہ دونوں تم کو نماز سے اللہ کے ذکر سے روکتی ہیں' کہ شرابی نشہ میں نماز نہیں پڑھتا اور نشہ اتر جانے پر پھر پینے کی فکر میں رہتا ہے' جواری جب جوئے کے لئے بیٹھ جائے تو ختم کرنے میں نہیں آتا نماز کہاں اور ذکر اللہ کہاں جب شراب و جوا گندی چیزیں بھی ہیں اللہ رسول کی ناراضی کا سبب بھی آپس کے عداوت و بغض کا ذریعہ بھی نماز ذکر اللہ بقیہ ساری عبادات سے رکاوٹ بھی' تو اے مومنو ہمارے محبوب کے غلامو ہماری رضا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی کے لئے تم ان سے باز آؤ گے ضرور باز آ جاؤ۔ یہ فرمان عالی سن کر مسلمانوں کو چاہئے کہ بیکار خرچوں سے بچیں چائے' حقہ' سگرٹ' پان' تمباکو' نسوار وہ چیزیں ہیں جن میں فائدہ مطلقاً نہیں مگر ان میں مال اور وقت دونوں ضائع ہوتے ہیں۔ مسلمان کی زندگی سادہ چاہئے یہ بھی خیال رکھو کہ شیطان ہمارا ایمانی دشمن ہے اگر وہ کسی آرام دہ چیز کا مشورہ بھی دے تو وہ مٹھائی میں زہر دے رہا ہے اور ہمارے دوست اللہ و رسول ہیں اگر وہ ہم کو تکلیف دہ حکم بھی دیں تو وہ کام در حقیقت اچھے ہیں ہم طبیب کے نشتر برداشت کرتے ہیں کیونکہ اس لئے کہ اسے اپنا دوست جانتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: شرعی احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں۔ کفار ان کے مکلف نہیں' چنانچہ کفار پر نماز روزہ زکواۃ وحج وغیرہ فرض نہیں ان پر شراب وجوا وغیرہ حرام نہیں یہ فائدہ **یاایھا الذین امنوا** سے حاصل ہوا۔ سیاسی وملکی انتظامات کے احکام کفار پر بھی جاری ہیں چنانچہ وہ چوری ڈکیتی قتل نہیں کر سکتے اگر کریں گے سزا شرعی ان پر جاری ہوگی۔ دوسرا فائدہ: انگوری شراب نجس نجاست غلیظہ ہے اس کا ایک قطرہ بھی حرام قطعی ہے نشہ دے یا نہ دے اس کی حرمت یا نجاست کا منکر کافر ہے یہ فائدہ رجس سے حاصل ہوا (تفسیر احمدی)۔

مسئلہ : شراب انگوری کے سوا دوسری شرابیں نجاست خفیفہ ہیں ان کی حرمت انگوری شراب کی سی نہیں۔ شراب انگوری ایک قطرہ پینے پر شرعی حد یعنی اسی (80) کوڑے جاری ہوگی دیگر شرابوں میں حد نشہ تک پینے میں سزا شرعی ہے اس سے کم پینے میں نہیں (تفسیر احمدی) نشہ آور اور خشک چیزیں جیسے افیون' بھنگ' چرس وغیرہ نجس نہیں پاک ہیں تا حد نشہ انہیں کھانا حرام ہے اگر نشہ نہ دیں۔ جیسے کہ دواء وغیرہ میں اطباء استعمال کرائیں تو حرام نہیں بہت سی معجونوں میں افیون پڑتی ہے اور اطباء بیماروں کو استعمال کراتے ہیں۔

مسئلہ: انگوری شراب مسلمان کے لئے مال متقوم نہیں لہٰذا اسے برباد کر دینے والے پر تاوان لازم نہیں اس کی تجارت مسلمان کے لئے حرام ہے (تفسیر احمدی وکتب فقہ) شراب انگوری کے سوا دوسری شرابوں کے مال ہونے میں اختلاف ہے اس کے برباد کر دینے پر امام اعظم کے نزدیک تاوان ہے۔ صاحبین کے ہاں تاوان نہیں (تفسیر احمدی)۔ تیسرا فائدہ: انگوری شراب پینے کے سواء اور کسی طرح بھی استعمال نہیں کی جا سکتی لہٰذا اس کا اعضاء پر لیپ کرنا بھی حرام ہے یہ فائدہ رجس سے حاصل ہوا مگر شرعی سزا اس کے پینے پر ہوگی۔ لیپ کرنا وغیرہ حرام تو ہے مگر اس پر یہ سزا نہیں۔ خیال رہے کہ انگوری شراب اور دوسری شرابوں میں چھ طرح فرق ہے (1) شراب انگوری نجاست غلیظہ ہے دوسری شرابیں نجاست خفیفہ (2) شراب انگوری کے ایک قطرہ پینے پر سزا شرعی یعنی اسی کوڑے جاری ہوں گے۔ دیگر شرابوں میں حد نشہ تک پینے پر (3) شراب انگوری مطلقاً حرام قطعی ہے اس پر ساری امت کا اجماع ہے۔ دوسری شرابوں میں بہت گفتگو ہے وہ تا حد نشہ حرام ہیں اس سے کم میں علماء کا اختلاف ہے' جمہور کے نزدیک مکروہ تحریمی امام اعظم کے ہاں نہیں بلکہ تا حد نشہ میں بھی شریک ابن عبداللہ اور امام اوزاعی اور ابن ابی لیلا کا اختلاف ہے (تفسیر احمدی)۔ (4) شراب انگوری کی حرمت کا منکر کافر ہے دوسری شرابوں کی حرمت میں اختلاف لہٰذا ان کی حرمت کا منکر کافر نہیں (5) شراب انگوری کا لیپ وغیرہ بھی حرام ہے دوسری شرابوں کا نہیں' (6) شراب انگوری کی مسلمان خرید و فروخت نہیں کر سکتا دوسری شرابوں کی خرید و فروخت بوقت ضرورت کر سکتا ہے۔ چوتھا فائدہ: جوئے سے حاصل کیا ہوا مال جیتنے والے کے ملک نہیں بن جاتا اس پر فرض ہے کہ واپس دے قریباً ساری حرام آمدنیوں کا یہی حال ہے جیسے رشوت' سود وغیرہ کی آمدنیاں یہ فائدہ والمیسر سے حاصل ہوا جی کہ عقود فاسدہ یا ظلم سے حاصل کیا ہوا مال حاکم کے فیصلہ سے بھی ظالم کے لئے حلال نہیں ہو جاتا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں کسی مقدمہ میں ایک فریق کی تیز زبان چالاکی کی بنا پر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں تو وہ مال اس کے لئے حلال نہ ہوگا۔ حرام ہی رہے گا وہ مال اس کے لئے دوزخ کا انگارا ہے جب نبی کے فیصلہ سے یہ مال حلال نہ ہو سکا تو دوسرے حکام کے فیصلے سے حلال کیسے ہوگا۔ پانچواں فائدہ: بت سازی بت فروشی مسلمان کے لئے حرام ہے اس کی قیمت مسلمان کے لئے حلال نہیں یہ فائدہ والانصاب سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: فال کھولنا کھلوانا

اس سے بے خبر ہے اور اس کے خلاف عمل کرے تو وہ مجرم نہیں یہ فائدہ ...
... وہ کسی شرعی حکم کا مکلف نہیں۔ ہاں اس پر شرک

www.alahazratnetwork.org

اس پر پیسے لینا دینا حرام ہے' یہ فائدہ **والازلام** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** صرف نیک اعمال کرنے سے کامیابی و نجات نہیں ہوتی بلکہ اس کے لئے برے اعمال سے بچنا بھی ضروری ہے یہ فائدہ **فاجتنبوه لعلکم تفلحون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نیکیاں کرنا گناہوں سے بچنا دکھلاوے نام و نمود کے لئے نہ ہونا چاہئے' بلکہ نجات حاصل کرنے کے نیت سے ہونا ضروری ہے' یہ فائدہ بھی **لعلکم تفلحون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مسلمانوں کا آپس میں بغض و عداوت بھی حرام ہے اور جو چیز بغض و عداوت کا ذریعہ بنے وہ بھی حرام یہ فائدہ **ان یوقع بینکم العداوة** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جو چیز اللہ کے ذکر اور نماز سے روکے وہ بھی حرام ہے یہ فائدہ **ویصدکم عن ذکر اللہ** سے حاصل ہوا اس لئے اذان جمعہ ہو جانے پر تجارت وغیرہ مشاغل حرام ہیں۔

مسئلہ: شطرنج مالی ہار جیت سے حرام ہے اس کے بغیر احناف کے ہاں ممنوع ہے امام شافعی کے ہاں جائز بشرطیکہ نماز و ذکر سے نہ روکے (تفسیر احمدی) **مسئلہ:** شراب خواری بعض دینوں میں بلکہ شروع اسلام میں بھی حلال رہی مگر جوا' سود' چوری' رشوت' ظلم کسی کا مال دبا لینا چھین لینا وغیرہ کبھی کسی دین میں حلال نہ ہوئے نہ اسلام میں کبھی حلال تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے امین اور صادق الوعد تھے۔ حضرات صحابہ کرام نے اسلام قبول کرتے ہی ان چیزوں سے علیحدگی اختیار کی۔

پہلا اعتراض: شراب و جوا اور فال بد عملیاں ہیں مگر بت پرستی بد عقیدگی کچھ اور چیز۔ **جواب:** یہ چاروں چیزیں رجس یعنی گندگی ہونے میں برابر ہیں کہ ان تین کی گندگی عملی ہے اور بت پرستی کی گندگی اعتقادی نیز اس طرح بیان فرمانے میں مسلمانوں کی شراب وغیرہ سے انتہائی نفرت دلانا مقصود ہے کہ یہ چیزیں بت پرستی سے قریب ہیں (تفسیر کبیر) **دوسرا اعتراض:** تو پھر عداوت و بغض کے بیان میں صرف شراب و جوئے کا ذکر کیوں ہوا وہاں بھی ان چاروں کا ذکر چاہئے تھا۔ **جواب:** اس لئے کہ یہاں مقصود شراب و جوئے کی حرمت بیان فرمانا ہے بت پرستی و فال کا ذکر تبعاً" ہوا نیز بت پرستی و فال میں یہ دنیاوی نقصانات نہیں عداوت و بغض شراب و جوئے میں یہ بھی ہیں ان وجوہ سے وہاں صرف دو کا ذکر ہوا (تفسیر کبیر) **تیسرا اعتراض:** کیا شیطان بھی شراب' جوا' بت پرستی فال کا مرتکب ہے وہ تو بڑا موحد ہے' پھر اسے **من عمل الشیطان** کیوں فرمایا گیا یعنی شیطانی کام' **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ عمل الشیطان سے مراد ہے' شیطان یہ کام کراتا ہے ان سے راضی ہوتا ہے' جیسے کہا جائے کہ نماز روزہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں یعنی اسے خوش کرنے والے کام۔ **چوتھا اعتراض:** اگر جوا حرام ہے اور جوئے سے حاصل شدہ مال حرام تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مشرکین مکہ سے رومیوں کے فارس پر چند سال میں غالب آجانے پر مالی شرط لگائی۔ جس میں مالی ہار جیت تھی پھر آپ کے شرط جب پوری ہو گئی کہ رومی فارسیوں پر چند سال میں غالب آگئے تو آپ نے مشرکین سے وہ مال وصول کیوں کیا وہ تو جوئے کا مال تھا' دیکھو سورہ روم کی پہلی آیت کی تفسیر' **جواب:** اس کا جواب تفسیر احمدی نے تو یہ دیا ہے کہ شرط صدیقی جوا حرام ہونے سے پہلے تھی لہٰذا اس آیت سے وہ منسوخ ہو گئی مگر فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی نہیں کیونکہ شرط لگانا اگرچہ پہلے تھا۔ ہجرت سے قبل مگر شرط جیتنا اس آیت کے بعد ہوا یعنی شرط کے تو سال بعد جواب تحقیقی وہ ہے جو فقہاء نے دیا کہ مسلمان کا کفار سے مال شرط لگانا حرام ہے کیونکہ اس میں اپنے ہار جانے کا اندیشہ ہے لیکن اگر مسلمان شرط جیت گیا تو مال حلال ہو گا کہ حربی کافر نے اپنی خوشی سے دیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو شرط

www.alahazratnetwork.org

جیت لینے کا یقین تھا کہ قرآن کریم نے اس کی خبر دے دی تھی۔ **سیغلبون فی بضع سنین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط میں یہ ترمیم کرا دی کہ بجائے تین سال کے نو سال کرا دیئے اس لئے جناب صدیق کی وہ شرط بھی جائز تھی اور یہ مال بھی حلال اسی بنا پر فقہا فرماتے ہیں 'لا ربٰو بین الحربی والمسلم فی دار ھم' یعنی دار الحرب میں حربی کافر اور مسلمان کے درمیان سود نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** جوئے میں فریقین جیتنے والے کو اپنا مال دے دینے پر راضی ہوتے ہیں پھر اسے حرام کیوں کیا گیا۔ **جواب:** زنا، سود، رشوت میں بھی فریقین مال لینے دینے پر راضی ہوتے ہیں مگر حرام ہیں جن عقود کو شریعت نے حرام کر دیا وہ بہر حال حرام ہیں خواہ رضا سے ہو یا بغیر رضا جیسے یہ مذکورہ چیزیں ہاں تجارت کرایہ عاریت، ہبہ وغیرہ عقود ان میں رضا معتبر ہے کہ دوسرے کی رضا کے بغیر حرام ہیں رضا ہو تو درست **الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم۔**

تفسیر صوفیانہ: صوفیائے کرام کے نزدیک مومن وہ ہے جس کے دل کی تختی پر رب تعالیٰ قلم عنایت سے ایمان حقیقی لکھ دے **اولئک کتب فی قلوبھم الایمان** ایمان کا اصل مقام دل ہے ظاہری اعضاء ایمان کی تجلی گاہ ہیں جیسے سورج کا اپنا مقام چوتھا آسمان ہے زمین پر اس کی تجلی ہے۔ صوفیاء کے ہاں خمر مردہ چیز ہے جو عقل کو بے نور کر دے لہذا تکبر، حرص، ہوس، محبت دنیا بلکہ رب سے غافل کرنے والی ہر چیز خمر ہے اس خمری سے نفس امارہ بن جاتا ہے اور انسان حیوان بلکہ شیطان بن جاتا ہے۔ شیطان پر تکبر کی خمر کا ہی خمار چڑھا جس سے وہ مردود بارگاہ ہوا ان کی اصطلاح میں دنیا کے عوض دین کھو بیٹھنا جوا ہے اور ایسا دنیادار جواری ہے۔ حرص، بخل، غصہ، عداوت سیدھے راستے سے بہک جانا اس کے نتیجے ہیں۔ **تعبد من دون اللہ** بت پرستی جو اللہ کے رضا کے مقابل کسی اور کو راضی کرے وہ عرفاء کے ہاں شرک ہے اور اللہ کے سواء کسی سے خیر کی امید شر ہے خوف ازلام ہے۔ ضار و نافع اللہ تعالیٰ ہی ہے اس کے مقابل کوئی کچھ نہیں یہ سب چیزیں گندگی اور شیطانی ہیں ان سے بچو گے تو نجات پاؤ گے یہ چیزیں تمام برائیوں کی جڑیں ہیں ان میں مبتلا ہونے والا اللہ کے ذکر حقیقی سے محروم رہتا ہے 'اے مسلمانوں کیا اس سے بچو گے سبحان اللہ' یار نہیں چاہتا کہ میرا چاہنے والا اغیار کو بھی چاہے یار و اغیار ایک دل میں نہیں رہ سکتے صوفیاء کے ہاں خمر بری چیز ہے شراب اچھی ہے جو خدا سے غافل کرے وہ خمر ہے جو دنیا سے غافل کر کے یار کی طرف متوجہ کرے وہ شراب طہور ہے **وسقاھم ربھم شرابا طھورا** ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

نی گویم کہ از عالم جدا باش ۔ بہر جائیکہ باشی باخدا باش

اگر ریا کی نماز خدا سے آڑ بن جائے تو وہ خمر ہے اگر زن و فرزند خدا رسی کا ذریعہ بن جائیں تو وہ شراب طہور ہیں سنت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، صوفیاء کرام کا شراب و خمر میں فرق دریائے ناپید اکنار ہے ان کے ہاں خمر خانے اور جگہ ہیں مے خانے اور جگہ۔۔۔

مست جس جام میں پی لے وہ ہی پیمانہ ہے ۔ جس جگہ بیٹھ کے پی لے وہی مے خانہ ہے

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا عَلٰی
اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو ان رسول کی اور ڈرتے رہو پس اگر منہ پھیر دو تم تو جان رکھو بجز اسکے
اور حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ہوشیار رہو پھر اگر تم پھر جاؤ تو جان لو کہ ہمارے

www.alahazratnetwork.org

رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۹۲﴾ لَیْسَ عَلَی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اور کچھ نہیں سوائے ہمارے رسول پر پہنچانا ہے ظاہر نہیں ہے ان لوگوں پر جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے

رسول کا ذمہ صرف واضح طور پر حکم پہنچا دینا ہے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے ان پر کچھ گناہ

جُنَاحٌ فِیْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّ

اچھے کوئی گناہ اس میں جو کھایا پیا انہوں نے جبکہ پرہیزگاری کریں اور ایماندار رہیں اور عمل کریں

نہیں ہے جو کچھ انہوں نے چکھا جب کہ ڈریں اور ایمان رکھیں اور نیکیاں پھر ڈریں اور ایمان

اٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ؕ وَاللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اچھے پھر ڈریں اور مومن رہیں پھر ڈریں اور اچھے رہیں اور اللہ پسند کرتا ہے نیک کاروں کو

رکھیں پھر ڈریں اور نیک رہیں اور اللہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے' پہلا تعلق: پچھلی آیات میں شراب و جوئے سے سخت ممانعت فرمائی گئی ہے اہل عرب پر ان کا چھوڑنا بہت گراں تھا کیونکہ وہ صدیوں سے ان دونوں چیزوں کے عادی تھے اب وہ بات بتائی جارہی ہے جس سے ان کا چھوڑنا آسان ہو جائے یعنی اللہ رسول کی بخوشی فرمانبرداری ان کا بندہ بے دام بن جانا گویا سخت حکم پہلے دیا اور اس حکم پر عمل آسان کرنے والی چیز کا ذکر اب فرمایا جارہا ہے گویا اپریشن کے ساتھ بے حس کر دینے والے ٹیکہ کا یا کڑوی دوا کے ساتھ شکر کا ذکر فرمایا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں شراب و جوئے کے متعلق احکام دیئے گئے' اب فرمایا جارہا ہے کہ ان پر عمل کرنے میں تمہارا ہی بھلا ہے' ہمارے محبوب کا فائدہ نہیں وہ تم سے تمہارے اعمال سے بے نیاز ہیں' اس بے نیازی کا اظہار بھی گویا تبلیغ ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں شراب و جوئے کے متعلق ایک اٹل قانون کا ذکر تھا اب اس قانون کے نفاذ کا ذکر ہے کہ اس قانون کے بننے سے پہلے جو کچھ کھا پی لیا گیا وہ سب معاف ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں جوئے اور شراب کی عقلی برائیاں بیان ہوئیں اب ارشاد ہے کہ تم ان عقلیات پر بس نہ کرو' تم تو اس لئے یہ چیزیں چھوڑ دو کہ اس میں ہماری اور ہمارے رسول کی اطاعت ہے' غرضیکہ جوئے شراب چھوڑنے کا حکم پہلے دیا گیا اور اس چھوڑنے پر ثواب ملنے کی شرط کا ذکر اب ہے کیونکہ جو شخص عقلی خوبیاں یا برائیاں دیکھ کر پرہیزگاری اختیار کرے وہ نہ متقی ہے نہ مستحق ثواب بلکہ ثواب کا مستحق وہ ہے جو اللہ رسول کی اطاعت کے لئے یہ کام کرے۔

شان نزول : جب شراب و جوئے کی حرمت کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمان ان سے یکدم باز آگئے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو مسلمان ان چیزوں کی حرمت سے پہلے شراب پیتے ہوئے اور جوا کھیلتے اس سے حاصل کیا ہوا مال کھاتے ہوئے فوت یا شہید ہو گئے اور وہ زندہ مسلمان جو مدینہ منورہ سے دور دراز مقامات پر آباد ہیں انہیں جب تک کہ حرمت کی خبر نہ پہنچے اور وہ بے خبری میں ان دونوں چیزوں کو استعمال کرتے رہیں

ان کا کیا حکم ہے کیا وہ لوگ گنہگار ہوں گے تب یہ آیت کریمہ لیس علی الذین امنوا نازل ہوئی جس میں آپ کے سوال کا بالتفصیل جواب دیا گیا (تفسیر کبیر) اس کے قریب قریب تفسیر خازن خزائن نے بھی بیان فرمایا۔

تفسیر: **واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول** یہ عبارت معطوف ہے **فاجتنبوہ** پر مطلب یہ ہے کہ شراب وغیرہ سے بچو اللہ و رسول کی اطاعت کرو اطاعت کا مادہ ہے طوع بمعنی خوشی و رغبت اس کا مقابل ہے کرہ بمعنی ناخوشی و بے رغبتی بخوشی فرمانبرداری کو اطاعت کہا جاتا ہے اس خوشی پر ثواب ملتا ہے۔ جبری فرمانبرداری تو منافقین بھی کر لیتے تھے مگر ثواب کے مستحق نہ تھے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح مطلقاً بہرحال ضروری ہے، خواہ آپ کا حکم قرآن کے موافق ہو یا اس کے خلاف اس لئے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے علیحدہ **اطیعوا** فرمایا گیا رہے عالم حاکم ماں باپ ان کی اطاعت میں شرط ہے کہ خلاف شرع حکم نہ دیں اس لئے دوسری جگہ ان کے لے **واولی الامر** ارشاد ہوا علیحدہ **اطیعوا** نہ ارشاد ہوا

ہاں اللہ کی اطاعت اس لئے ہے کہ وہ ہمارا خالق مالک رازق حاکم حقیقی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اس لئے ہے کہ وہ ہمارے نبی رسول شفیع ہیں اس لئے اللہ کی اطاعت کا ذکر پہلے ہے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کا ذکر بعد میں قرآن مجید میں عموماً" رسول اور الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں لہذا یہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں کیونکہ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی رسول کی اطاعت واجب نہیں، ساری نبوتیں منسوخ ہو چکیں، عبادت، اطاعت اور اتباع کا فرق ہم پانچواں پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں، عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہے اطاعت اللہ کی بھی اس کے رسول کی بھی اور دوسرے بزرگوں کی بھی، اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے صلی اللہ علیہ وسلم اطاعت عقل سے ہوتی ہے، اتباع عشق و محبت سے، انجن اسٹیشن والوں کی اطاعت کرتا ہے مگر ڈبے انجن کی اتباع کہ ڈبے نہیں دیکھتے کہ لائن صاف ہے یا نہیں سگنل ہے یا نہیں لائن کمزور ہے یا مضبوط ان کا کام ہے انجن کے پیچھے دوڑنا، ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

خیال رہے کہ قرآن مجید میں اطاعت کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول فرمایا جاتا ہے اور خطاب کے موقع پر عموماً" نبی فرمایا جاتا ہے کیونکہ اطاعت واجب ہوتی ہے محسن کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ شان رسالت محسن ہیں رسول کے معنی ہیں فرماں رساں فیضان رساں اس لئے یہاں بھی رسول فرمایا گیا یہ بھی خیال رہے: کہ اگر کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف قرآن حکم دیں تو اس کے لئے وہی حکم شریعت ہے اس کے لئے قرآن کا وہ حکم شریعت نہیں اس کی بہت مثالیں ہم نے اپنی کتاب سلطنت مصطفیٰ میں بیان کی ہیں وہاں مطالعہ کرو یہ بھی خیال رہے کہ اللہ کی اطاعت صرف اس کے فرمان و احکام میں ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور کے عمل میں بھی ہے کہ آپ کے احکام فرض یا واجب ہیں اور آپ کے اعمال سنت موکدہ یا غیر موکدہ لہذا اطاعت خدا سے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم عام تر ہے یہاں دو اطاعتوں کا حکم دیا گیا ہے اطاعت الٰہی اطاعت رسول مگر پانچویں پارے میں چار اطاعتوں کا حکم ہے اور ایک جگہ صرف ایک اطاعت کا ذکر ہے یعنی اطاعت رسول کا **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** اس کی وجہ ہم پانچویں پارے میں زیر آیت **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** میں عرض کر چکے ہیں۔ اطاعت رسول جان ہے باقی تمام اطاعتوں

www.alahazratnetwork.org

کی **واحذروا** یہ عبارت **اطیعوا** پر معطوف ہے یہ لفظ بنا ہے حذر سے بمعنی احتیاط ہوشیاری یا بچنا یا ڈرنا یہاں چاروں معنی بن سکتے ہیں اگر بمعنی ڈرنا ہو تو ڈر دو قسم کا ہوتا ہے ایذا کا ڈر اور پکڑا کا ڈر' ایذا کے ڈر کا انجام نفرت ہے پکڑ کے ڈر کا انجام اطاعت ہے لہذا **احذروا** کے معنی ہوئے اطاعت کے باوجود شیطان سے ڈرتے رہو کہ وہ ہر جگہ ہر وقت پہنچ جاتا ہے یا ہم سے ڈرتے رہو اطاعت کر کے بے خوف نہ ہو جاؤ یا احتیاط سے کام لو ہماری اطاعت ہمارے قوانین کے ماتحت کرو یا اپنی زندگانی ہوشیاری سے گزارو اپنے ہر عضو ہر کام پر نظر رکھو انجن کا ڈرائیور آگے لائن سگنل پر بھی نظر رکھتا ہے اور انجن کے ہر پرزہ پر بھی نگاہ کئے رہتا ہے تم بھی اپنے جسم و دل کے ہر حال پر نگاہ رکھو کہ دل کدھر جا رہا ہے اعضاء کدھر' **فان تولیتم فاعلموا انما علی رسولنا البلاغ المبین** اس عبارت کے چند منشاء ہو سکتے ہیں' ایک اللہ کے سخت غضب کا اظہار دوسرے عذاب الٰہی کا سخت خطرہ تیسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام دنیا سے استغنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی کا اظہار اس لئے مفسرین نے ان کی جزا میں کئی احتمال بیان کئے ہیں یا تو **فاعلموا** ہی اس کی جزا ہے یا اس کی جزا ہے **فلن تضروا نبینا** **تولی** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ یہ ولی بمعنی قرب سے بنا باب تفعل میں آکر سلب قرب یعنی دوری کے معنی دیتا ہے اب اس سے مراد ہوتا ہے منہ پھیر لینا پیٹھ کر لینا یعنی نہ ماننا بلاغ کے معنی ہیں تبلیغ احکام الٰہیہ مبین سے مراد ہے کھلم کھلا تبلیغ واضح طور پر احکام الٰہی کا پہنچا دینا یعنی اگر تم اللہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری سے منہ پھیرو گے تو ہمارے نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے کیونکہ ان کے ذمہ تمہاری ہدایت دینا نہیں ان کے ذمہ صرف احکام الٰہیہ کا پہنچا دینا ہے وہ اپنا کام بہت اچھی طرح کر چکے تم نہ مانو گے تو سزا پاؤ گے ان کا کام پورا ہو چکا اب تمہارا انجام باقی ہے نجات یا عذاب (تفسیر روح المعانی) **لیس علی الذین امنوا وعملوا الصلحت جناح فیما طعموا** اس عبارت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سوال کا جواب ہے یہاں مومنین و صالحین سے مراد وہی حضرات صحابہ ہیں جو شراب و جوا حرام ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے یا شہید ہو چکے تھے اور وہ حضرات صحابہ ہیں جو شراب و جوا حرام ہونے سے پہلے وفات پا چکے تھے یا شہید ہو چکے تھے اور وہ حضرات صحابہ ہیں جنہیں ابھی تک شراب و جوئے کی حرمت کی خبر نہ پہنچی تھی' چونکہ وہ تمام حضرات مومنین و صالحین تھے ان میں کوئی فاسق نہ تھا اس لئے انہیں مومنین صالحین ارشاد فرمایا' **جناح** کی تنوین عموم کے لئے ہے یعنی کسی قسم کا گناہ چھوٹا ہو یا بڑا **فیما** میں **ما** سے مراد وہی شراب و جوا ہے جس کے متعلق سوال تھا اگرچہ طعم کے معنی کھانا یا چکھنا ہیں مگر کبھی پینے کے لئے بھی آجاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے **ومن لم یطعمہ فانہ منی** یعنی جو نہر کا پانی نہ چکھے گا نہ پئے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فان شئت حرمت النساء سواکم — وان شئت لم اطعم نقاخا ولا بردا

یعنی اگر تم چاہو تو میں ٹھنڈا پانی' نیند نہ چکھوں' یہاں پانی و نیند کے لئے طعم ارشاد ہوا اس آیت میں بھی طعم عام ہے جس میں شراب پینا اور جوئے کی آمدنی کھانا سب ہی شامل ہیں یعنی ان مومنین صالحین صحابہ پر اس میں کچھ گناہ نہیں کہ وہ اس سے پہلے شراب پی چکے یا جوئے کی آمدنی کھا چکے یا جو اب بے خبری میں کھا پی رہے ہیں کیونکہ قانون بننے اور جاری ہونے سے پہلے لوگوں پر حاوی نہیں ہوتا فقیر کی یہ تفسیر خیال میں رہے کہ اس سے تمام اعتراض اٹھ جاتے ہیں آیت کریمہ بفضلہ تعالیٰ واضح ہو گئی **اذا ما اتقوا وامنوا وعملوا الصالحات** اس عبارت میں **اذا** نہ تو شرطیہ ہے نہ ظرفیہ بلکہ بیان واقعہ کے لئے ہے جس میں ان صحابہ کا تقویٰ' ایمان' نیک کار ہونے کا ذکر ہے' ان تینوں فعلوں کا فاعل وہی حضرات صحابہ ہیں جن کے متعلق

www.alahazratnetwork.org

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا (کبیر روح المعانی وغیرہ) یہاں تقویٰ سے مراد بد عقیدگیوں سے بچنا ہے اور ایمان سے مراد اچھے عقیدے اختیار کرنا **عملوا الصالحات** سے مراد نیک اعمال کرنا ہے نہایت نفیس ترتیب سے ان چیزوں کا ذکر ہوا' بد عقیدگیوں سے بچنا پہلے ہے اچھے عقیدے اختیار کرنا بعد میں **لا الہ** پہلے ہے **الا اللہ** بعد میں نیک اعمال ان دونوں کے بعد ہیں 'صالحات' جمع فرما کر اشارۃً بتایا کہ ہر قسم کے نیک اعمال کرتے ہیں بدنی اعمال ہوں یا مالی **ثم اتقوا وامنو۔ ثم** ترتیب رتبی کے لئے ہے اور اس تقویٰ سے مراد شراب وجوئے سے بچنا ہے ایمان سے مراد ایمان پر قائم رہنا ہے۔ چونکہ یہ تقویٰ اور ایمان پر استقامت پہلے تقویٰ اور ایمان کے بعد ہے لہٰذا ثم ارشاد ہوا' یعنی وہ لوگ پھر شراب وجوئے سے بچیں اور ایمان پر قائم رہیں **ثم اتقوا واحسنو** یہاں تقویٰ سے مراد باقی تمام گناہوں برائیوں سے بچنا ہے اور احسان سے مراد یا بقیہ نیک اعمال کرنا ہے یا نیکیوں میں اخلاص کرنا غرضیکہ یہاں تین جگہ تقویٰ کا ذکر ہے اور دو جگہ ایمان کا ہر جگہ تقویٰ و ایمان کے علیحدہ معنی ہیں جو ہم نے عرض کئے اس کے علاوہ ان کے اور بہت معنی کئے گئے ہیں جیسا کہ انشاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کیا جائے گا' **واللہ یحب المحسنین** اس عبارت میں ایمان تقویٰ احسان کے نتیجہ کا ذکر ہے' محسنین سے مراد یا تو مذکورہ تقویٰ و ایمان والے ہیں نیک اعمال میں اخلاص کرنے والے یا لوگوں سے اچھے سلوک کرنے والے یعنی اللہ تعالیٰ نیک کار مومنوں سے بہت ہی محبت فرماتا ہے 'اگر خدا کا پیارا بننا ہے تو نیک اعمال کرو۔

خلاصہء تفسیر : جیسے جسمانی نعمتیں بعض ایسی ہیں جن کی ضرورت ہر شخص کو ہر وقت ہے جیسے ہوا' پانی غذا' دھوپ وغیرہ انہیں نعمت عامہ کہتے ہیں بعض نعمتیں وہ ہیں جن کی ضرورت کسی کسی کو کبھی کبھی پڑتی ہے جیسے سونا' چاندی' موتی' جواہرات انہیں کہتے ہیں نعمت خاصہ یوں ہی روحانی نعمتیں بعض تو خاص ہیں' جیسے نبوت' ولایت' **قطبیت**' غوثیت یا زکوۃ' حج و جہاد وغیرہ اور بعض نعمت عامہ ہیں جن کی سب کو ہر وقت ضرورت ہے جیسے ایمان اور اللہ رسول کی اطاعت بلکہ دنیاوی نعمتوں کی حاجت مرے بعد جاتی رہتی ہے مگر ایمان و اطاعت رسول کی ضرورت بعد موت بھی رہتی ہے یہاں اسی نعمت عام کا ذکر ہے۔ جس کا ہر شخص ہر وقت محتاج اس لئے ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو ہمیشہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر طرح بخوشی فرمانبرداری کرو اور ہمیشہ شیطان سے ہوشیار رہو کسی وقت اپنے کو اس کے شر سے محفوظ نہ سمجھو اپنی زندگی احتیاط سے گذارو اگر تم میں فرمانبرداری کا جذبہ ہوگا تو تم پر شراب و جوا چھوڑنا بلکہ تمام شرعی پابندیاں آسان ہو جائیں گی۔ یہ خیال رکھو کہ اگر تم فرمانبرداری سے منہ موڑو گے تو اپنا ہی نقصان کرو گے ہمارے محبوب کا کچھ نہ بگڑے گا کیونکہ ان کے ذمہ احکام کی تبلیغ فرما دینا ہے نہ کہ تم کو ہدایت دینا اور وہ تو اچھی طرح تبلیغ فرما چکے اپنے فرض سے سبکدوش ہو چکے اللہ تعالیٰ اپنے قوانین بیان کرنے کے بعد کبھی عذاب کا ذکر فرماتا ہے کبھی ثواب کا کبھی اپنے علیم و خبیر ہونے کا کبھی اپنے غنی و بے نیاز ہونے کا کبھی اپنے محبوب کی بے نیازی کا یہاں یہ آخری پانچواں طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ کیونکہ جسمانی اور روحانی عالم کا نظام حاکم و محکوم سے مل کر چلتا ہے اور ضروری ہے کہ محکومین کو یہ خبر ہو کہ ہم حاکم کے حاجتمند ہیں وہ ہم سے بے نیاز ہے اس سے حاکم کا وقار دلوں میں قائم ہوگا اور اس وقار سے نظام درست رہے گا اس لئے یہ ارشاد ہوا پھر فرمایا کہ یہ بھی خیال رکھو کہ نیک کار مومنوں پر اس کا کچھ گناہ نہیں جو وہ اس حرمت سے پہلے شراب یا جوئے کا مال کھا پی چکے یا جو تحریم کے بعد حکم حرمت کی خبر ملنے سے پہلے کھا پی لیں کیونکہ قانون بنے

www.alahazratnetwork.org

ے پہلے اور اس کے شہرت سے پہلے واجب العمل نہیں ہو تا وہ تمام رعائتوں کے مستحق جب ہیں جب کہ شرک و کفر سے بچیں درست عقیدے اختیار کر کے مومن کامل رہیں اور درستی عقائد کے ساتھ ہر قسم کے نیک اعمال کریں پھر شراب و جوئے سے بچے رہیں ایمان پر قائم رہیں پھر تمام برائیوں سے بچیں اور نیک کام کریں یا اخلاص سے نیکیاں کریں یا لوگوں کے ساتھ اچھے سلوک کریں' خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نیک کاروں سے محبت کرتا ہے اگر تم اس کے پیارے بندے بننا چاہتے ہو تو اپنے نسب' قومیت دولت پر گھمنڈ نہ کرو نیک کار بنو۔

نوٹ : یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بعض بے دین جاہلوں نے اس آیت کریمہ کی عجیب ہی تفسیر بلکہ تحریف کی ہے وہ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ شراب و جوا حرام جب ہیں۔ جب ان سے عداوت بغض اللہ کے ذکر سے غفلت پیدا ہو اگر یہ فسادات پیدا نہ ہوں بلکہ ان سے خوبیاں مصلحتیں ہوں تو مومنوں پر کسی چیز کے کھانے پینے میں کوئی حرج نہیں' شراب پئیں جوئے کے مال کھائیں کچھ بھی کریں **فیما طعموا** عام ہے۔ نعوذ باللہ یہ بکواس بالاجماع مردود ہے (تفسیر کبیر)۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی طرح مطلقاً ضروری ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جسے جو بھی حکم دیں اس پر فرمانبرداری لازم ہے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ قرآن کریم کا تو یہ حکم ہے آپ اس کے خلاف کیوں حکم دے رہے ہیں یہ فائدہ **اطیعوا** کو مکرر فرمانے سے حاصل ہوا' دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انبیاء کرام کی میراث نہیں تقسیم ہوتی۔ حضرت علی فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہ کریں۔ حضرت خزیمہ کی ایک گواہی دو کی برابر ہے یہ احکام بظاہر قرآن کریم کے موافق نہیں مگر ان کے لئے واجب العمل رہے بلکہ انسانوں کے سوا دوسری مخلوق بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار ہے' جیسے ساری مخلوق رب تعالیٰ کی مطیع ہے کہ وہ اس کا خالق ہے یوں ہی باذن پروردگار ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے رسول ہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر سورج لوٹنا اشارہ پر چاند پھٹنا حکم پر جانوروں کنکروں پتھروں لکڑیوں نے کلمہ پڑھا جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان ہوا۔ جنات سب تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو شہنشاہ کونین ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا ابد حیات النبی ہیں آپ کو موت آئی مگر موت آپ کی حیات کو فنا نہ کر سکی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کے لئے نبی ہیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام ہمیشہ کے لئے جاری ہیں یہ تینوں باتیں **واطیعوا الرسول** سے حاصل ہوئیں کیونکہ اطاعت واجب ہونے کے لئے تین شرطیں' فرمانبردار کا زندہ ہونا اس کی فرماں روائی کا قائم ہونا فرمان کا باقی ہونا' غیر منسوخ ہونا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی اطاعت کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ایسی لازم و ضروری ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کو سجدہ کرنے کے لئے کعبہ کی طرف سجدہ کرنا ضروری کعبہ اللہ تعالیٰ کی مسجودیت کا مظہر ہے اور حضور اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے مظہر اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** **چوتھا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ اپنی زندگی بہت ہوشیاری اور احتیاط سے گزارے کسی وقت اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے جب تک کہ ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو جائے' یہ فائدہ **واحذروا** سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی بے نیازی کے مظہر ہیں' انہیں کسی بندے کی حاجت نہیں۔ سب کو ان کی

حاجت ہے اگر تمام جہان گمراہ ہو جائے تو نہ رب تعالٰی کی الوہیت میں فرق پڑسکتا ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں یہ فائدہ فان تولیتم فاعلموا سے حاصل ہوا۔ اگر کوئی سورج سے روشنی نہ لے تو سورج کے نور میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ چھٹا فائدہ: انسان کیسی ہی نیکیاں کرے اگر اللہ رسول سے قرب حاصل نہ کرسکے تو وہ تمام نیکیاں بے کار ہیں نیکی وہی اچھی ہے جو اللہ رسول کے قرب کا ذریعہ یہ فائدہ تولیتم کے پہلے معنی سے حاصل ہوا کہ اگر تم دور رہو گئے نیز انسان کیسی ہی نیکی کرے اگر اس کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نہ ہو۔ ادھر سے ہٹا ہوا ہو تو سب برباد ہے جیسے نمازی کا پوری نماز میں رخ کعبہ کو چاہئے کہ اگر نماز کے کسی حصہ میں سے پھر گیا تو قرآن قیام' رکوع' سجدہ تو وہ ہی ہو گا مگر نماز نہ ہو گی' یوں ہی مومن کی ساری زندگی سارے اعمال میں اپنا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رکھے ورنہ ناکام ہو گا یہ فائدہ تولیتم کی دوسری تفسیر سے

حاصل ہوا اگر تم منہ پھیرو' ساتواں فائدہ: قانون بننے سے پہلے واجب العمل نہیں ہوتا نیز قانون کے اعلان سے پہلے اگر کوئی اس سے بے خبر ہے اور اس کے خلاف عمل کرے تو وہ مجرم نہیں یہ فائدہ لیس علی الذین امنو سے حاصل ہوا لہٰذا اگر کوئی شخص دنیا کے ایسے گوشہ میں ہو۔ جہاں شرعی احکام بالکل نہ پہنچے ہوں وہ کسی شرعی حکم کا مکلف نہیں۔ ہاں اس پر شرک سے بچنا عقیدہ توحید اختیار کرنا لازم ہے کہ اللہ تعالٰی کی واحدانیت کی گواہی ہر ذرہ دے رہا ہے۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین مغفور ہیں کیونکہ وہ احکام شرعیہ آنے سے پہلے وفات پاگئے اور تھے وہ موحد اس زمانہ میں نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی تھا یہ فائدہ بھی لیس علی الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اللہ تعالٰی کی محبوبیت 'نسب و دولت' عزت دنیاوی سے حاصل نہیں ہوتی اس کے حصول کا ذریعہ ایمان و تقویٰ ہے۔ جس قوم کا آدمی ان دو چیزوں سے موصوف ہو خدا کا پیارا ہے یہ فائدہ واللہ یحب المحسنین سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم اور فرماتا ہے العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین ہر مومن عزت والا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ اطیعوا کیوں ارشاد ہوا اللہ کے لئے الگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے الگ جیسے امنوا باللہ ورسولہ میں امنوا ایک ہی ارشاد ہوا ہے ایسے ہی یہاں اطیعوا ایک ہی ارشاد کیوں نہ ہوا۔ جواب: چند وجہ سے ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت مستقل اور مطلق واجب ہے جیسے خدا کی اطاعت کہ ماں باپ سلطان وغیرہ کی اطاعتوں میں کیوں اور کیسے کی گنجائش ہے اگر وہ جائز حکم دیں تو اطاعت کرو ورنہ نہیں مگر اللہ کی اطاعت کی طرح رسول کی اطاعت مطلقاً ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت "مستقلاً" واجب ہے۔ خدا کی اطاعت کی طرح' اطاعت الٰہی کی ضمن میں اطاعت رسول نہیں' لہٰذا قرآن مجید کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ماننا لازم ہیں۔ حدیث پاک قرآن مجید کی طرح واجب العمل ہے۔ تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت خدا کی اطاعت کی طرح ہے یعنی ماں باپ کی اطاعت دینی طور پر یوں ہی لازم ہے جیسے خدا کی اطاعت کہ سرتابی کفر ہے بخلاف ایمان کے کہ ایمان اللہ رسول کے ماننے کا نام ہے نبوت توحید سے مل کر ایمان بنتا ہے۔ اس لئے امنوا ایک آیا اطیعوا دو دوسرا اعتراض: اس آیت میں رب نے اپنا تو ذاتی نام لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا صفاتی نام لیا اطیعوا اللہ ومحمدا کیوں نہ فرمایا اطیعوا الرب واطیعوا الرسول کیوں نہ ارشاد ہوا۔ جواب: یا اس لئے کہ اطاعت بقدر احسان واجب ہے ماں باپ

www.alahazratnetwork.org

سے ہم کو جان ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان، عرفان، قرآن، بلکہ رحمان ملا۔ اس لئے آپ کی اطاعت ماں باپ سے بھی زیادہ واجب ہے یا اس لئے کہ اطاعت ڈر سے بھی ہوتی ہے لالچ سے بھی اور محبت سے بھی ان میں محبت کی اطاعت بڑی قوی ہے **الرسول** فرمانے میں محبت جوش مارتی ہے کہ رسول وہ ہیں جنہوں نے بندوں کا رشتہ رب سے جوڑا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت با محبت چاہئے یہ خوبیاں **فان تولیتم** تو شرط ہے اور **فاعلموا** جزا قاعدہ یہ ہے کہ جزا شرط پر معلق و موقوف ہوتی ہے جیسے اگر سورج نکلے گا تو دن نکل آئے گا دن کا نکلنا سورج کے طلوع پر موقوف ہے اس قاعدے سے لازم یہ آیا کہ اگر لوگ اطاعت الٰہی سے منہ موڑیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ فرض اگر منہ نہ موڑیں تو تبلیغ فرض نہ ہو یہ تو درست نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تبلیغ بہر حال لازم ہے۔ رب فرماتا ہے **بلغ ما انزل الیک** **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر چکا کہ **فاعلموا** اس شرط کی جزا نہیں ہے اس کی جزا پوشیدہ ہے اور یہ جملہ **فاعلموا** اس جزا کی علت ہے یعنی اگر تم اللہ رسول کی اطاعت سے منہ موڑو گے تو اپنا ہی بگاڑو گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا کیونکہ ان کے ذمہ صرف تبلیغ ہے وہ کر چکے جیسے کوئی حاکم کسی مجرم سے کہے کہ اگر تو نے میرا حکم نہ مانا تو جان لے کہ میں جج ہوں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مبلغ ہیں تبلیغ کے علاوہ ان میں اور کوئی صفت نہیں **انما** حصر کے لئے آتا ہے تم کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین مشکل کشا، حاجت روا، عطا الٰہی سب کچھ ہیں، تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے حصر کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی ان محبوب کے ذمہ تم تک احکام پہنچا دینا ہے تم سب کو ہدایت دے دینا ان پر واجب نہیں یعنی وہ مبلغ اعظم ہیں ہادی حقیقی نہیں ہادی حقیقی تو اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا تمہارے کفر و سرکشی کا سوال ان سے نہ ہو گا یہ مطلب نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبلغ کے سوا اور کچھ نہیں نہ نبی ہیں نہ رسول جیسے **انما انا بشر مثلکم** کا مطلب یہ نہیں کہ میں صرف بشر ہوں نبی رسول وغیرہ کچھ نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ صرف بشر ہوں نہ فرشتہ ہوں نہ جن نہ خدا نہ خدا کا بیٹا حصر حقیقی حصر اضافی کا فرق یاد رکھو۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مومنین صالحین جو شراب و جوئے کا مال کھا پی چکے اس میں ان پر گناہ نہیں جبکہ وہ متقی و پرہیزگار رہیں۔ یہ فرمان کیونکر درست ہو اجب شراب و جوا حرام نہ ہوئے تھے تو حلال تھے اور حلال چیز خواہ متقی کھائے یا فاسق کسی پر گناہ نہیں پھر اس قید کے کیا معنی نیز جو لوگ شراب و جوئے کی حرمت سے پہلے فوت ہو چکے وہ اب متقی مومن کیسے بنیں گے پھر یہ شرط کیسے درست ہوئی۔ **نوٹ:** تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کو بہت ہی قوی سمجھا اور اس کے بہت جوابات دیئے جن میں سے بعض فقیر کو پسند نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جوابات دیئے گئے ہیں۔ بہترین جواب یہ ہے کہ یہاں **اذا ما اتقوا** نہ تو شرط ہے نہ ظرف بلکہ مقام مدح میں ہے جس سے حضرات صحابہ کرام کی تعریف فرمائی گئی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان متقین، مومنین، صالحین، محسنین پر اس زمانہ کے شراب و جوئے کے استعمال میں کوئی گناہ نہیں کیونکہ جب شراب و جوا حلال تھے تب ان کا استعمال کرنا تقویٰ کے خلاف نہ تھا۔ فسق و فجور نہ تھا۔ گویا انہیں متقی فرما کر گناہ نہ ہونے کی علت کی طرف اشارہ فرما دیا گویا صفت کو بطریق شرط بیان فرمایا جیسے میں کہوں کہ زید جبکہ میرا پیارا بیٹا ہے تو اسے میرے گھر کی ہر چیز کھانا پینا درست ہے یہاں جب کہ کہنا شرط کے لئے نہیں یہ ہی جواب تفسیر کبیر نے دیا جیسے قرآن کریم حضرات صحابہ کی نہایت شاندار تعریفیں فرما کر ارشاد کرتا ہے **وعد اللہ الذین امنو وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما** یہاں منہم

www.alahazratnetwork.org

فرض نہیں ہوا کہ نماز کا حکم خدائی شان سے ہے اور شکار کا حکم دوسری شان سے۔ جواب تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حکم ماننا فرض ہے مگر مشورہ ماننا فرض نہیں وہاں اختیار ہے ورنہ حکم و مشورہ میں فرق کیا ہو گا یہ ہی قرآنی احکام کا حال ہے **اقیموا الصلواۃ** حکم ہے اور **فاصطادوا** مشورہ اللہ تعالیٰ نے خلیفۃ الارض کے متعلق فرشتوں سے مشورہ فرمایا تو فرشتوں نے اختلاف رائے کیا غرضیکہ حکم میں فرق ہے حاکم میں فرق نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے نبوت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر حال میں نبی ہیں بلکہ حضرت حلیمہ کی گود میں جناب آمنہ کے شکم میں نبی ہیں بلکہ عالم ارواح میں نبی ہیں چالیس سال کی عمر شریف میں اعلان نبوت فرمایا نبوت اور اظہار نبوت میں فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے سلطان کا نوکر جب ہی تنخواہ کا مستحق ہے جب سلطان کی خدمت کرے ڈیوٹی اچھی طرح دے نکما نوکر حرام خور ہے یوں ہی اللہ کی نعمتیں اس کے لئے حلال و طیب ہیں جو اس کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرے فاسق و کافر کھانے پینے کا بھی مجرم ہے کہ اس کی غذا پانی سے فسق و کفر ہی پیدا ہو گا جیسے بھڑ جو کھائے اس سے زہر ہی بنتا ہے۔ مومن کا کھانا پینا' سونا' جاگنا' عبادت ہے کہ اس کی خوراک سے ایمان و عرفان و عبادات ہی حاصل ہوں گے جیسے شہد کی مکھی جو کھائے پئے اس سے شہد ہی بنتا ہے یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین متقین صالحین' محسنین' پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ اعلیٰ حلال و طیب غذائیں کھائیں' بشرطیکہ وہ ان نعمتوں کا حق ادا کریں کہ منعم کا شکر کریں ان کے لئے کھانا پینا مضر نہیں کہ انہوں نے شرائط ادا کر دیئے' صوفیا فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں محسن وہ ہے جو خود مر جائے مگر اس کے احسانات نہ مریں عامل کے ساتھ اس کے عمل بھی مر جائیں وہ ہمارے ہاں متقی اگرچہ ہو مگر محسن نہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

محسناں مروند و احسانہا بماند	اے خنک آں را کہ ایں مرکب براند
ظالماں مردن و ماند آں ظلمہا	وائے جانے کو کند مکرو دہا
گفت پیغمبر خنک آنرا کہ او	شد ز دنیا ماند از او فعل نکو
مرد محسن لیک احسانش نہ مرد	نزد یزداں دین و احسان نیست خرد
وائے آں کو مرد و عصیانش بماند	تانہ پنداری بمرگ او جاں بماند

یہ تقویٰ و احسان بھی رب تعالیٰ کی توفیق سے ہی نصیب ہوتے ہیں ہم کو تو نیچے گرنا آتا ہے۔ رب تعالیٰ بلندی عطا فرمائے تو اس کا کرم ہے نیز اطاعت تین قسم کی ہوتی ہے اطاعت بالخوف' اطاعت بالرجاء' اطاعت بالمحبت یعنی ڈر کی اطاعت' لالچ کی اطاعت' محبت کی اطاعت' ان تینوں میں محبت کی اطاعت قوی ہے کہ دونوں اطاعتوں کے لئے فنا ہے خوف گیا' اطاعت گئی' امید گئی' اطاعت گئی مگر محبت کی اطاعت کے لئے فنا نہیں اور رسول کے لفظ سے محبت وابستہ ہے دیکھو' جسمانیات میں ماں محبت کا سرچشمہ ہے' اس لئے بھائی کو ماں جایا کہتے ہیں۔ ایمانیات میں لفظ رسول محبت کا سرچشمہ ہے کہ ماں کا لفظ بولتے ہی اس کا دودھ اس کی تمام مہربانیاں یاد آجاتی ہیں ہارون علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے لئے کہا **یا ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی** اے میرے ماں جائے میری ڈاڑھی اور سر کے بال نہ پکڑیوں ہی رسول بولتے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کمالات احسانات یاد آجاتے ہیں اور محبت کا دریا جوش مارنے لگتا ہے اس لئے اطاعت کے موقعہ پر الرسول فرمایا تاکہ

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت با محبت چاہئے اس محبت سے ساری اطاعتیں آسان ہو جاتی ہیں اس لئے سارے قرآن مجید میں اطاعت کے ساتھ رسول ہی فرمایا جاتا ہے۔ کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ ہے نبی اللہ یا حبیب اللہ نہیں۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ضرور امتحان لے گا اللہ تعالیٰ تمہارا کچھ شکاروں سے کہ پاویں گے اسے ہاتھ
اے ایمان والو ضرور اللہ تمہیں آزمائے گا ایسے بعض شکار سے جس تک تمہارا ہاتھ اور نیزے
وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ
تمہارے اور برچھے تمہارے تاکہ جان لے اللہ اس کو جو ڈرتے ہیں اس سے غیب میں پس جو حد سے بڑھے پیچھے
پہنچیں کہ اللہ پہچان کرا دے ان کی جو اس سے بن دیکھے ڈرتے ہیں اس کے بعد جو حد سے بڑھے
فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾
اس کے پس واسطے اس کے عذاب ہے دردناک
اس کے لئے دردناک سزا ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اصلی ودائمی حرام چیزوں کی حرمت کا ذکر ہوا۔ یعنی شراب وجوا اب اس چیز کی حرمت کا ذکر ہے جو عارضی طور پر چند دنوں کے لئے حرام ہو جاتی ہے پھر حلال ہوتی ہے یعنی بحالت احرام شکار کرنا گویا دائمی حرام کے بعد عارضی حرام کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کے ساتھ ہی ساتھ احتیاط کرنے ہوشیار رہنے کا حکم ہوا کہ فرمایا گیا **واحذروا** اب اس ہوشیاری کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ بہت موقعہ آزمائش کے آجاتے ہیں ان میں اپنے کو سنبھالنا اور شریعت کے دائرے میں رہنا ضروری ہے جیسے محرم کو شکاروں کا گھیر لینا گویا احتیاط کا اجمالی ذکر پہلے تھا اس کی تفصیل اب بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: کچھ پہلے گذشتہ آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ طیب وحلال چیزوں کو حرام نہ کہو اب فرمایا جارہا ہے کہ طیب وحلال ہونا ہماری مرضی سے ہے جس چیز سے ہم ممانعت کر دیں وہ حرام ہو جاتی ہے اگرچہ بذات خود طیب معلوم ہوتی ہو۔ طیب رہا نہ حلال پھر بعد احرام وہی شکار طیب بھی ہو گیا حلال بھی حرام وحلال ہونا ہمارے حکم پر ہے گویا پہلے طیب وحلال کے پاک ہونے کا ذکر تھا اور اب طیب وحلال کرنے والی چیز کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

شان نزول : 6ہجری میں پندرہ سو چالیس مسلمان عمرہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہوئے اس سفر میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کے چند امتحانات لئے جن میں مسلمان اول نمبر کامیاب ہوئے ان امتحانات میں ایک یہ تھا کہ حضرات صحابہ عموماً شکار کرتے تھے بعض صحابہ شکار کے بہت شوقین تھے اور حالت احرام میں سوا چند جانوروں کے تمام خشکی

www.alahazratnetwork.org

کے جانوروں کا شکار کرنا حرام ہوتا ہے زمین حرم میں شکار کرنا حرام ہے یہ حضرات جب احرام باندھ کر مقام حدیبیہ میں پہنچے وہاں ان کو کچھ روز قیام کرکے بغیر عمرہ کئے واپس ہونا پڑا جس کا واقعہ بہت مشہور ہے اسے صلح حدیبیہ کہتے ہیں۔ تو اس حالت احرام میں پرندے چرندے یعنی شکار کے جانور ان کی سواریوں ان کے خیموں میں اس طرح گھس آتے رہے کہ اگر یہ حضرات چاہتے تو چھوٹے جانوروں کو اپنے ہاتھوں سے پکڑ لیتے اور بڑے جانوروں کا نیزوں سے شکار کر لیتے اللہ تعالٰی نے ان حضرات کو اس پیش آنے والے واقعہ کی خبر دینے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی تاکہ مسلمان اس سے خبردار رہیں شکار سے بچیں الحمد للہ کہ تمام صحابہ کرام اس امتحان میں اول نمبر کامیاب ہوئے کسی صحابی نے ایک چڑیا بھی نہ پکڑی (روح البیان وغیرہ) اور بقیہ امتحانات میں بھی وہ حضرات یوں ہی کامیاب ہوئے حدیبیہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک جنگل ہے ' جس کا کچھ حصہ حل میں واقعہ ہے کچھ حصہ حرم میں ہم نے اس میدان کی زیارت کی ہے ' جدہ سے مکہ معظمہ جاتے ہوئے راہ میں آتا ہے ' جیسے میدان حنین مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان ایک وسیع علاقہ کا نام ہے ہم نے اس کی بھی زیارت کی ہے ' صلح حدیبیہ کا واقعہ بہت مشہور ہے اور سورۂ فتح میں مذکور ہے۔

تفسیر : **یاایھا الذین امنوا** چونکہ شکار کے شوقین حضرات کو ایسی حالت میں شکار سے رکنا بہت ہی دشوار ہوتا ہے۔ جبکہ شکار اپنے سامنے ا . ہاتھ کی زد میں ہو اس وقت ان کا شکار نہ کرنا کتنا دشوار ہے یہ تو کسی شکاری سے ہی پوچھو۔ اس لئے رب تعالٰی نے پہلے **الذین امنوا** کے خطاب سے ان حضرات کو پکارا پھر یہ اہم واقعہ جو پیش آنے والا تھا بتایا کبھی **الذین امنوا** کے حساب میں سارے مومن فرشتے جن وانس داخل ہوتے ہیں جیسے اے ایمان والوں ہمارے نبی کی آواز پر اپنی آواز اونچی نہ کرو وغیرہ کبھی اس خطاب میں صرف مومن جن وانس ہی داخل ہوتے ہیں جیسے اے مومنو تم پر روزے فرض کئے گئے کبھی اس خطاب میں صرف مومن انسان شامل ہوتے ہیں۔ جیسے اے ایمان والو تم پر جہاد فرض کیا گیا کبھی اس خطاب میں صرف صحابہ کرام ہی داخل ہوتے ہیں ' یہاں چوتھی قسم کا خطاب ہے جس میں صرف صحابہ داخل ہیں جیسا کہ آیت کریمہ کے مضمون سے واضح ہے کہ یہ واقعہ انہی حضرات کو پیش آیا دوسروں کو پیش نہ آیا اللہ تعالٰی نے مسلمانوں کو کہیں بھی توحید کے لقب سے نہ پکارا بلکہ ایمان کے خطاب سے پکارا تاکہ پتہ لگے کہ بارگاہ الٰہی میں پیاری چیز نری توحید نہیں بلکہ وہاں ایمان کی قدر ہے اور ایمان پر ہی نجات کا مدار ہے ' ایمان کی حقیقت اس کے ارکان اس کی اقسام ہم بارہا بیان کر چکے۔ **لیبلونکم اللہ** اس لفظ کی تحقیق دوسرے پارے کے شروع میں کی جا چکی ہے کہ یہ بنا ہے **بلو** سے بمعنی آزمائش و امتحان اسی سے ہے **بلا** مصیبت کو بلا اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی بندوں کی آزمائش ہوتی ہے۔ اللہ تعالٰی امتحانات چند قسم کے لیتا ہے کبھی مرغوب چیز چھین کر کبھی مکروہ چیز دے کر کبھی خود مرغوب چیز دے کر بھی امتحان لیتا ہے کہ بندہ اس میں پھنس کر غافل ہوتا ہے یا نہیں یہ امتحان بہت سخت ہے یہاں یہ تیسری قسم کا امتحان ہے چونکہ یہ واقعہ ضرور اور عنقریب پیش آنے والا تھا اس لئے اس میں لام تاکید اور نون تاکید لائے گئے چونکہ اس میں تمام صحابہ ہی کا امتحان تھا کہ نہ کوئی شکار کرے نہ کوئی شکار کی طرف اشارہ کرے نہ کوئی شکار میں مدد دے اس لئے تمام حضرات سے خطاب ہوا۔ خیال رہے کہ ممتحن کبھی تو امتحان لیتا ہے اپنی بے علمی دور کرنے کو کبھی امتحان دینے والے کی غلط فہمی دور کرنے کو کہ وہ ہو نا قابل مگر سمجھے اپنے کو قابل کبھی دوسروں کی دہن دوزی کے لئے کہ کسی شاگرد کو اعلٰی درجہ دینا چاہتا ہے

www.alahazratnetwork.org

تو پہلے امتحان لے کر اس کی لیاقت دوسروں کو دکھا دیتا ہے پھر اسے انعام اکرام سے نوازتا ہے اللہ تعالیٰ کے **امتحانات تیسری قسم** کے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تمام نبیوں کے صحابہ سے زیادہ مطیع ہیں ان کی اطاعت دکھا کر قیامت میں انہیں درجے دے گا یہاں یہ ہی ہے **بشئی من الصید** یہ عبارت **لیبلونکم** کے متعلق ہے۔ ب سببیہ ہے اور **من الصید** میں من بیانیہ ہے **صید** بیان ہے شئی کا **صید** کے معنی ہیں شکار کرنا مگر یہاں مراد ہے شکار والے جانور یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے یہاں صید سے مراد وہ وحشی جانور چرندے پرندے ہیں جو ان احرام والے صحابہ پر چھا گئے تھے شئی فرما کر بتایا کہ وہ شکاری جانور بہت معمولی حقیر تھوڑے سے ہوں گے اگرچہ وہ تعداد میں بہت تھے مگر انہیں تھوڑا فرمایا چند وجہ سے ایک یہ کہ انہیں شکار کر لینے پر اللہ کی ناراضی جو ہوگی وہ بہت زیادہ ہوگی۔ عتاب الٰہی کے مقابل تھوڑے ہیں دوسرے یہ کہ انہیں شکار نہ کرنے پر جو اللہ کی رضا حاصل ہوگی وہ بہت زیادہ ہے یعنی رضاء الٰہی کے مقابلہ میں بہت حقیر تیسرے یہ کہ یہ شکار متاع دنیا ہے اور دنیاوی سامان اگرچہ بہت ہو مگر کم ہے کثرت اور چیز ہے عظمت کچھ اور چوتھے اس لئے کہ تاکہ ان مومنین پر یہ امتحان آسان ہو جائے سخت امتحان کو آسان بتایا جاتا ہے تاکہ امتحان دینے والا گھبرا نہ جائے پانچویں اس لئے کہ ان جانوروں کو اللہ کی رضا سے نسبت نہیں لہٰذا اگر بہت بھی ہوں تو تھوڑے ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ کا دنبہ اگرچہ ایک تھا مگر عظیم تھا کہ اسے جناب خلیل و ذبیح سے نسبت تھی اس لئے اسے عظیم فرمایا گیا **وفدینٰہ بذبح عظیم** **تنالہ ایدیکم ورماحکم** یہ عبارت شئی کی صفت ہے یا صید کا حال تنال بنا ہے نیل سے بمعنی پانا حاصل کرنا بعض لوگوں نے کہا کہ کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں پہنچنا اس وقت اس کے بعد الیٰ آتا ہے ان کی دلیل حضرت امام زین العابدین کا یہ شعر ہے۔

ان نلت یاریح الصبا یوما الی ارض الحرم　　بلغ سلامی روضۃ فیھا النبی المحتشم

مگر یہ دلیل کمزور ہے اس لئے کہ یہ قصیدہ جس کا یہ مطلع ہے حضرت امام زین العابدین کا نہیں یہ کوئی اور زین العابدین ہے اس قصیدے میں بہت غلطیاں ہیں اس شعر میں ریح مونث کے لئے بلغ فعل مذکر لایا گیا بلغی چاہیے تھا لہٰذا یہ استدلال غلط ہے ہاتھ اور نیزوں کے پانے کے چند معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ بعض تم سے بہت ہی قریب آجائیں گے کہ تم انہیں ہاتھوں سے پکڑ لو اور بعض قدرے دور رہیں گے کہ ان تک تمہارے ہاتھ نہ پہنچیں مگر تمہارے نیزے پہنچ جائیں نیزوں کی زد میں آجائیں۔ دوسرے یہ کہ بعض چھوٹے چھوٹے جانور تم تک پہنچیں گے۔ جنہیں تم ہاتھ ہی سے دبوچ لو بعض بڑے جانور ہوں گے جنہیں تم بھالے چھید کر گرا لو تیسرے یہ کہ بعض شکاری جانوروں کو تم ذبح اختیاری کر سکو گے کہ انہیں نیزے سے گرا کر زندہ پکڑ لو اور ذبح کر لو بعض کو ذبح اضطراری کر سکو گے کہ تیروں نیزوں سے زخمی ہو کر ہلاک ہو جائیں۔ (تفسیر روح المعانی) بہرحال اس فرمان کا مقصود شکار کی کثرت ان پر قبضہ فرماتا ہے **لیعلم من یخافہ بالغیب** اس عبارت میں مذکورہ امتحان کا مقصد بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس امتحان کا مقصود تمہاری قوت ایمان کا اظہار ہے یہاں اللہ کے جان لینے سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا لوگوں کو دکھا دینا اس کا ظاہر فرما کر جان لینا یا علم الٰہی سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام یا تاقیامت مسلمانوں کا جان لینا کیونکہ اللہ کے پیاروں کا جاننا گویا اللہ تعالیٰ کا ہی جاننا ہے ورنہ حق تعالیٰ تو ہر چیز کو ہمیشہ سے جانتا ہے غیب کے معانی اور اس کے اقسام شروع سورۂ بقرہ **یومنون بالغیب** میں بیان ہو چکے بالغیب سے مراد یا تو غیب یعنی دل سے ڈرنا ہے کہ زبان شہادت ہے اور دل غیب یا غیب میں ڈرنا یعنی رب سے بغیر دیکھے ڈرنا یعنی یہ امتحان اس لئے ہے کہ اس سے کھرے کھوٹے مومن متقی کی پہچان ہو جائے کہ جن

www.alahazratnetwork.org

کے دلوں میں خوف خدا ہے وہ تو شکار نہ کریں گے اور جو صرف خوف خدا کے دعویدار ہیں وہ شکار کرلیں گے یہ شکار کھرے کھوٹے میں فرق کا ذریعہ ہے **فمن اعتدی بعد ذلک فلہ عذاب الیم** اس عبارت میں اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہے **من** سے مراد وہ حدیبیہ والے محرم صحابہ ہیں جن کا مذکورہ امتحان لیا گیا **اعتدی** کے معنی ہیں حد سے بڑھ گیا کہ اس حکم کے خلاف عمل کر بیٹھا شکار کرکے یا شکاری کی مدد کرکے یا شکار کی طرف اشارہ کرکے یا شکار کا گوشت کھا کر غرضیکہ **اعتدی** میں بہت وسعت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ حد سے مراد احرام کی ساری حدود ہوں۔ سلا کپڑا' خوشبو' سر ڈھکنا' جوں کھٹمل وغیرہ مارنا' شکار کرنا وغیرہ کی ممانعت اور ممکن ہے اسلام کی حدود مراد ہوں یا انسانیت کی حدیں یا نبی کے امتی ہونے کی حدیں یا اللہ کا بندہ ہونے کی حدود غرضیکہ ہر چیز حد میں رہے تو مفید ہے حد سے نکل جائے تو مضر' خلاصہ یہ ہے کہ تعدی میں شکاری حدود سے آگے بڑھنا مراد ہے یا احرام کی حدود سے یا اسلام کی حدود سے یا بندگی کی حدود سے نکلنا مراد ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ ابھی شکار کا ہی ذکر ہوا ہے اس میں بہت گفتگو ہے کہ یہاں دردناک عذاب سے کیا مراد ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے آخرت میں دوزخ کا عذاب سخت مراد ہے کیونکہ جو کوئی اب ان شکاروں کا شکار حلال جان کر کرلیتا وہ کافر ہوتا اور کافر کے لئے دوزخ ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ کفارہ ہے جو اگلی آیت میں مذکور ہے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ محرم کے شکار کا کفارہ عذاب نہیں ایک لحاظ سے عبادت ہے سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ عذاب الیم سے مراد شکاری کے کپڑے اتار کر اسے کوڑے مارنا ہیں اس موقع پر شکاری کی یہ سزا رکھی گئی تھی قرآن مجید میں کوڑوں کو عذاب فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔ **ولیشھد عذابھما طائفۃ** اور فرماتا ہے **فعلیھن نصف ما علی المحصنات من العذاب** اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول یوں نقل فرمایا کہ آپ نے ہدہد کے متعلق فرمایا **لاعذبنہ عذابا شدیدا**۔ اکثر مفسرین نے اسی قول کو اختیار فرمایا دیکھو تفسیر کبیر اور روح المعانی۔ خازن وغیرہ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے ایمان والو میرے محبوب کے صحابیو' مطلع رہو کہ عنقریب اللہ تعالیٰ تمہارا کچھ شکاری جانوروں سے امتحان لینے والا ہے کہ تم عمرہ کا احرام باندھے حدیبیہ میں ٹھہرے ہوؤ گے کہ تم کو چھوٹے بڑے شکار کے جانور گھیر لیں گے تم پر اس طرح چھا جائیں گے کہ تم کو ان کے شکار کے لئے محنت کرنا نہ پڑے صرف تیروں یا ہاتھوں سے با آسانی ان کا شکار کرسکو خیال رکھنا اس وقت تمہارے دل شکار کے لئے بے قرار نہ ہو جائیں یہ تمہاری آزمائش ہوگی کہ کس کے دل میں خوف خدا ہے اور کس کے دل میں نہیں اس کے ذریعہ رب تعالیٰ ربانی اور دلی متقین میں چھانٹ کردے گا۔ خیال رکھنا کہ اس اطلاع کے بعد جو کوئی زیادتی یعنی قانون شکنی کرتے ہوئے وہ شکار کرلے گا تو اسے دنیا یا آخرت میں سخت سزا دی جائے گی۔ لہٰذا بہت احتیاط رکھنا شکار کو برے ارادہ سے دیکھنا بھی نہیں۔ خیال رہے کہ عام قانون یہ ہے کہ بحالت احرام شکار کرلینے سے اس جانور کی قیمت خیرات کرنا پڑتی ہے مگر حضرات صحابہ کرام کے اس شکار کرلینے پر صرف قیمت کی خیرات واجب نہ ہوتی بلکہ کوئی خاص سزا اس کے علاوہ بھی ہوتی کیونکہ اس شکار کرلینے میں صرف قانون شکنی نہ ہوتی بلکہ ربانی امتحان کی خلاف ورزی بھی ہوتی' دیکھو یہود پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام تھا مگر ایلہ والوں کا شکار سے امتحان تھا ایلہ والوں نے شکار کرلیا تو بندر بنا دیئے گئے ان کے علاوہ اور یہودیوں نے بارہا شکار کئے مگر ان پر یہ عذاب نہ آیا۔ قانون شکنی کے سزا اور ہے امتحان میں رہ جانے کی سزا کچھ اور کہ اس میں حکم ربانی کی بے ادبی بھی ہے یہاں اس سزا کا نہ ذکر ہوا نہ اس کا ظہور ہوا کیونکہ اللہ کے فضل سے سارے صحابہ اس امتحان میں

www.alahazratnetwork.org

کامیاب رہے اس آیت کی مذکورہ سزا مخفی ہی رہ گئی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: دنیا میں سختیاں دشواریاں رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے امتحانات ہیں اگر بندہ ان میں ثابت قدم رہے تو بڑا کامیاب ہے ان پر گھبرانا نہ چاہئے بلکہ راضی برضا رہنا چاہیے یہ فائدہ **لیبلونکم اللہ** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: دنیا میں نعمتوں کی زیادتی ہر طرح کا عیش و آرام بھی حق تعالیٰ کی طرف سے بندوں کا امتحان ہے کہ ان میں مشغول ہو کر بندہ رب سے غافل نہ ہو جائے یہ فائدہ **بشی من الصید** سے حاصل ہوا دیکھو رب نے احرام باندھے ہوئے صحابہ کے خیموں میں شکار داخل فرمادیئے اور ادھر صحابہ کو ممانعت فرمادی کہ خبردار انہیں ہاتھ نہ لگانا۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ انہیں امتحان سے پہلے آگاہ فرمادیتا ہے تاکہ اس امتحان میں کامیابی آسان ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے امتیوں پر قبر کے امتحان کے سارے پرچے آؤٹ کر دیئے کہ وہاں کل تین پرچے ہوں گے۔ توحید کا' دین کا' نبوت کا تم اس کے جواب یہ دے دینا ورنہ امتحان سے پہلے اگر پرچے شائع ہو جائیں تو بیکار کر دیئے جاتے ہیں یہ ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کرم و مہربانیاں۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے افضل ہیں دیکھو بنی اسرائیل کا دو بار امتحان لیا گیا جن میں وہ فیل ہی ہوئے' ایک بار حضرت شمویل علیہ السلام کے زمانہ میں طالوت کے ساتھ جانے والے مجاہدین کا امتحان ہوا کہ یہ پیاسے تھے آگے ٹھنڈے پانی کی نہر آئی تو حکم دیا کہ اس سے کوئی نہ پئے مگر **فشربوا منہ الا قلیلا** ہزاروں میں سے صرف تین سو تیرہ پاس ہوئے باقی سب فیل دوسری بار ایلہ والوں کا امتحان ہوا کہ ان کو ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام تھا اللہ کی شان کہ ہفتہ کے دن دریا میں مچھلیاں بہت نمودار ہوئیں یہ لوگ صبر نہ کر سکے سب نے شکار کر لیا اور ان پر عذاب الٰہی آگیا کہ بندر بنا دیئے گئے **فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین** مگر حضرات صحابہ کا جب اس وقت نہایت سخت امتحان ہوا تو ان میں سے کسی نے شکار کرنا تو کیا اسے نگاہ بھر کر بھی نہ دیکھا تمام حضرات اول نمبر کامیاب رہے یہ ہے فرق اصحاب انبیاء اور اصحاب مصطفیٰ میں صلی اللہ علیہ وسلم شاگردوں کا فرق دیکھ کر ان کے معلمین کا فرق معلوم کر لو۔ پانچواں فائدہ: بحالت احرام صرف خشکی کے شکار حرام ہوتے ہیں دریائی جائز لہٰذا محرم مچھلی کا شکار کر سکتا ہے یہ فائدہ **تنالہ ایدیکم ورماحکم** سے حاصل ہوا کیونکہ دریائی شکار ہاتھ یا نیزے سے نہیں کئے جاتے بلکہ بنسی یا جال سے کئے جاتے ہیں۔ اس کا ذکر اگلی آیت میں آرہا ہے۔ چھٹا فائدہ: بحالت احرام موذی جانوروں کا شکار حلال ہے جیسے چیل' کوا' دیوانہ کتا' شیر' بھیڑیا وغیرہ یہ فائدہ بھی **تنالہ ایدیکم ورماحکم** سے اشارۃً حاصل ہوا کہ یہ موذی جانور انسانوں کے خیموں میں نہیں آیا کرتے اس کا ذکر بھی انشاء اللہ اگلی آیت میں آئے گا۔ ساتواں فائدہ: دل کے حال کا پتہ اعمال و افعال سے لگتا ہے نافرمانیاں کر کے یہ دعویٰ کرنا کہ ہم خدا سے ڈرتے ہیں' جھوٹا دعویٰ ہے یہ فائدہ **من یخافہ بالغیب** سے حاصل ہوا۔ اگر دل میں اللہ کا خوف نبی کی شرم ہے تو ان کی اطاعت کرو۔ آٹھواں فائدہ: امتحان اور اس کی نوعیت کی خبر پہلے سے دے دینا امتحان کے خلاف نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان صحابہ کا شکار سے امتحان لیا مگر پہلے اس کی خبر دے دی قبر میں امتحان ہو گا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر مع امتحان کے سوالات کی خبر پہلے دے دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کربلا میں حضرت حسین کو پیش آنے والے واقعات کی خبر پہلے دیدی لہٰذا

www.alahazratnetwork.org

مخالفین کا یہ کہنا کہ اگر حضرات انبیاء کرام کو علم غیب ہو تو پھر ان کے امتحانات بیکار ہو جائیں گے کیونکہ امتحان کے لئے امتحان دینے والے کی بے خبری ضروری ہے محض غلط ہے۔

پہلا اعتراض : اللہ تعالیٰ تو علیم خبیر ہے اسے لوگوں کے امتحان کی کیا ضرورت ہے پھر وہ حضرات صحابہ کرام اور دوسرے مسلمانوں کے امتحان کیوں لیتا ہے۔ جواب: اس کا جواب دوسرے پارہ کے شروع آیت کریمہ **ولنبلونکم بشئی من الخوف** کی تفسیر میں گزر چکا کہ امتحان لینے والے کے علم کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کبھی دوسروں کو بتانے کے لئے ہوتا ہے رب تعالیٰ جب کسی بندے کو اعلیٰ مقام دینا چاہتا ہے تو دنیا میں اس کا امتحان لے کر کامیاب کر کے پھر دیتا ہے تاکہ دوسرے بندے اس مقام کے دینے پر اعتراض نہ کریں حضرات صحابہ کرام کا امتحان اسی لئے تھا۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے وہ ہمیشہ سے علیم و خبیر ہے پھر یہ فرمانا کیونکہ درست ہوا کہ **لیعلم اللہ** تاکہ اللہ جان لے کیا وہ پہلے سے نہیں جانتا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں علم سے مراد دیکھنا ہے یعنی علم مشاہدہ یہ علم کسی چیز کے ہو جانے کے بعد ہی ہوتا ہے یا اللہ کے جاننے سے مراد ہے اللہ کے بندوں کا جان لینا کہ ان کا جاننا اللہ کا ہی جاننا ہے۔ تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کا خوف تو ہر حال میں چاہئے غائبانہ ہو یا حاضرانہ پھر یہ کیوں فرمایا گیا **من یخافہ بالغیب**۔ جواب: جیسے ایمان کے لئے ضروری ہے کہ **بالغیب** ہو یوں ہی خوف کے لئے ضروری ہے کہ بالغیب ہو اسی خوف پر ثواب ملے گا دیکھ کر تو کافر بھی خوف کرنے لگیں گے۔ جس خوف کی قدر ہے وہ خوف **بالغیب** ہے اس لئے یہاں خوف **بالغیب** کا ذکر فرمایا۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جو کوئی حد سے بڑھے گا یعنی اس موقعہ پر شکار کرلے گا اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ حالانکہ بحالت احرام شکار کرلینے پر صرف کفارہ واجب ہوتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے کفارہ نہ عذاب نہ دردناک پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں حد سے بڑھنے سے مراد ہے اس شکار کو جائز سمجھ لینا پھر شکار کرنا یہ کفر ہے اور کافر کے لئے عذاب دردناک ہے یا دردناک عذاب سے کوڑے لگانا مراد ہے یہ کوڑے صرف اس شکار کے لئے تھے لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اطاعت والوں کا ایمان اور درجے کا ہے محبت والوں کا ایمان دوسرے درجہ کا یوں ہی مطیعوں کا حج و عمرہ اور ہے محبین کا کچھ اور نماز روزہ حج و زکوٰۃ سب میں یہ فرق مراتب ہے کہ سالکین کی یہ عبادات اور ہیں واصلین کی کچھ اور۔

نماز زاہداں سجدہ سجودے نماز عاشقاں ترک وجودے

دنیا گویا حدیبیہ کا میدان ہے عاشقین مولیٰ گویا محرمین ہیں دنیا کی لذات اور رب تعالیٰ سے غافل کرنے والی چیزیں گویا وہ شکار ہیں جو عشاق کے خیموں میں چھائے ہوئے ہیں ان میں سے جانی لذات تو ہاتھوں سے حاصل ہوتے ہیں اور مالی و جاہی لذات نیزوں تیر کمان سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ اے لوگو جو محبین کا ایمان اختیار کر کے دنیٰ لذات سے ایک طرف ہو بیٹھے اور حج وصول اور عمرہ وصال کا احرام باندھ چکے۔ خیال رکھو: کہ اس راہ سلوک طے کرنے کی حالت میں تمہیں نفسانی، حیوانی، شہوانی لذات کے شکار گھیر لیں گے جو تم کو بہت آسانی سے حاصل ہو سکیں گے۔ خیال رکھنا کہ ان شکاروں سے بچے رہو تاکہ تمہارا احرام قائم رہے اگر تم حد سے بڑھے تو محرومی کے عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے یہ عذاب بہت دردناک ہو گا کہ معرفت کے

www.alahazratnetwork.org

بعد رجوع من اللہ کا سخت عذاب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قلب چوں آمد سیہ شد در زماں! — زر در آمد شد زری او عیاں!

دست و ما انداخت زر دریوزہ خش! — دوزخ آتش ہمی خند درخش

خالص سونا اور ملاوٹ والا دونوں ہی پیلے ہوتے ہیں مگر خالص سونا وہ ہے جو آگ میں جا کر پیلا رہے سیاہ نہ ہو جاوے یوں ہی مومن و منافق سب ہی کلمہ پڑھتے ہیں مگر خالص مومن وہ جو امتحان کی آگ میں سرخرو رہے (تفسیر روح البیان) عاقل شکاری شیر و چیتا وغیرہ کو شکار کرتا ہے۔ غافل شکاری ان کے ہاتھوں شکار ہو جاتا ہے مومن دنیا کو شکار کرتا ہے کافر اور غافل دنیا کے ہاتھوں شکار ہو جاتا ہے فرمایا گیا کہ اے مسلمانوں اللہ تمہارا اس شکار کے ذریعہ امتحان فرما رہا ہے تم شکار کرنا خود شکار نہ ہو جانا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کو شکار کرنے یا دنیا کے ہاتھوں شکار ہو جانے کی تین علامتیں ہیں۔ اگر دنیا دل میں آ جاوے تو بندہ خود شکار ہو جاتا ہے اگر دل دنیا میں رہے تو شکار کرتا ہے اگر دنیا دین کے ساتھ تابع ہو کر رہے تو بندہ شکار کرتا ہے اور اگر دنیا خالص ہو جاوے کہ اس کے ساتھ دین نہ رہے تو بندہ شکار ہو جاتا ہے اس لئے اسلام نے اعضاء بدن 'مال وغیرہ سب میں شرعی احکام رکھے تاکہ دنیا دین کے ساتھ رہے خالص نہ ہونے پائے اگر دنیا صفر بن کر دین کے عدد کے ساتھ مل جاوے تو بندہ دنیا کو شکار کر لیتا ہے اگر محض صفر تو بندہ دنیا کا شکار ہو جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ نے ہم کو صدہا تکوینی حدود میں رکھا ہے کہ ہماری زندگی 'موت 'بچپن 'جوانی 'بڑھاپا 'کھانے پینے 'سونے جاگنے 'بیماری تندرستی کی حدیں ہیں جن کے اندر ہم کو رہنا پڑتا ہے یوں تشریعی حدیں بہت ہیں ہمارے اعضاء مال وغیرہ سب پر شریعت کا کنٹرول ہے پھر جیسے تکوینی حدود بعض دائمی ہوتی ہیں بعض عارضی 'بیماری میں بہت سی غذاؤں پر عارضی پابندیاں لگ جاتی ہیں ایسے ہی تشریعی پابندیاں بعض دائمی ہیں بعض عارضی' جھوٹ کبھی نہ بولو گالی کبھی نہ بکو 'حرام کبھی نہ کھاؤ' یہ دائمی حدود ہیں نماز میں ادھر ادھر نہ دیکھو کسی سے بات نہ کرو یوں ہی احرام میں سلا کپڑا نہ پہنو شکار نہ کرو یہ عارضی حدیں ہیں جو ان میں سے کوئی حد توڑے گا اسے دردناک عذاب ہو گا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے نہ قتل کرو تم شکار کو حالانکہ تم احرام والے ہو اور تم میں جو اسے قتل کرے گا ارادۃً

اے ایمان والو شکار نہ مارو جب تم احرام میں ہو اور تم میں جو اسے قصداً قتل کرے تو

فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ

تو بدلہ ہے اس کی مثل جو قتل کیا جانوروں سے حکم دیں اس کا دو انصاف والے تم میں سے ہدی پہنچنے والی

اس کا بدلہ یہ ہے کہ ویسا ہی جانور مویشی سے دے تم میں سے دو ثقہ آدمی اس کا حکم کریں

الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَ

کعبہ تک یا کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا یا اس کی برابر روزے تاکہ چکھے وہ وبال اپنے کام کا

قربانی ہو کعبہ کو پہنچتی یا کفارہ دے چند مسکینوں کا کھانا یا اس کے برابر روزے کہ اپنے کام کا وبال

www.alahazratnetwork.org

عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ؕ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
معاف کر دیا اللہ نے اس سے جو گزر گیا اور جو ہوئے گا تو بدلے گا اس سے اللہ اور اللہ غالب
جتنکھ اللہ نے معاف کیا جو ہو گزرا اور جو اب کرے گا اللہ اس سے بدلہ لے گا اللہ غالب
ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾
حکمت والا ہے۔
ہے بدلہ لینے والا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں احرام والے صحابہ کرام کے ایک خاص امتحان کا ذکر ہوا جو شکار کے ذریعہ لیا گیا۔ اب بحالت احرام شکار کی عام ممانعت کا ذکر ہے کہ کوئی شخص بحالت احرام یا حرم شریف کی حدود میں شکار نہ کرے گویا یہ آیت حکم خاص کے بعد عام حکم بیان فرما رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ جو کوئی بحالت احرام شکار کرے گا اسے سزا دی جائے گی۔ اس سزا کی تفصیل پہلے عرض کی گئی اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس جرم پر صرف سزا ہی نہ دی جائے گی بلکہ کفارہ بھی دینا لازم ہو گا۔ گویا شکار کی سزا کے بعد کفارہ کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اس شکار کی حرمت بیان ہوئی جو محرم کے پاس خود پہنچ جائیں اب مطلقاً شکار کی حرمت کا ذکر ہے خواہ وہ محرم کے پاس خود آجائیں یا محرم ان کے پاس پہنچے۔

شان نزول : ایک عمرہ کے موقعہ پر حضرت ابوالیسر نے بحالت احرام حمار وحشی یعنی ایک نیل گائے کا شکار کر لیا لوگوں نے ان پر اعتراض کیا تو وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے اور اپنے اس قصور کی خبر دی اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی، خازن، تفسیر مدارک)۔

تفسیر : **یا ایھا الذین امنوا** چونکہ احکام شرعیہ خصوصاً اسلامی عبادات اور کفارات صرف مسلمانوں پر ہی لازم ہیں اور اس آیت میں احرام و حرم مکہ معظمہ کے احکام اور احرام کی حالت میں یا حرم شریف میں شکار کر لینے پر کفارات کا ہی ذکر ہے اس لئے اس آیت کو مسلمانوں کے خطاب سے شروع فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ احکام مسلمانوں کے ہیں کفار پر جاری نہیں **لا تقتلوا الصید** عربی میں صید مصدر ہے بمعنی شکار کرنا مگر یہاں بمعنی مفعول ہے بمعنی شکاری جانور ہر وحشی جانور شکار ہے خواہ حلال ہو جیسے ہرن نیل گائے وغیرہ یا حرام جیسے بھیڑیا، چیتا وغیرہ خواہ پرندہ ہو جیسے کبوتر، فاختہ وغیرہ یا چرند و یہاں شکار سے خشکی کے شکار مراد ہیں کیونکہ بحالت احرام دریائی شکار مچھلی وغیرہ حلال ہیں جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے اور خشکی کے شکار میں سے بھی چند جانور مستثنیٰ ہیں۔ چیل، کوا، چوہا، دیوانہ کتا، بھیڑیا اور خونخوار جانور جیسا کہ حدیث شریف میں ہے خیال رہے کہ یہاں نہ تو فرمایا **لا تصیدو** (شکار نہ کرو) نہ فرمایا **لا تذبحوا الصید** (شکار کو ذبح نہ کرو) بلکہ ارشاد ہوا **لا تقتلوا الصید** شکار کو قتل نہ کرو تاکہ معلوم ہو کہ محرم کا کیا ہوا شکار مقتول ہے مذبوح نہیں یعنی مردار ہے حلال نہیں اسے نہ کوئی محرم کھا سکتا ہے نہ کوئی اور (تفسیر روح البیان و روح المعانی و تفسیر احمدی وغیرہ) تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ محرم کا مارا ہوا شکار مردار ہے جیسے کافر کا ذبیحہ

www.alahazratnetwork.org

جانور، بعض نے فرمایا کہ مردار تو نہیں مگر اس کا کھانا ٹھیک نہیں، جیسے غاصب کوئی مغصوب جانور ذبح کرے، امام شافعی کے ہاں شکار صرف حلال وحشی جانور کو کہتے ہیں حرام وحشی شکار نہیں مگر مذہب احناف قوی ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

صید الملوک ثعالب وارانب! واذا رکبت فصیدی الابطال!

عرب کا ایک اور شاعر کہتا ہے۔

لیث ترس زبیتہ فا صطدا!

ان اشعار میں لومڑی کو بھی شکار کہا گیا، بہرحال شکار ہر وحشی جانور ہے حلال ہو یا حرام اور ہر شکار پر کفارہ مذکورہ واجب ہے **وانتم حرم** یہ عبارت **لاتقتلوا** کے فاعل سے حال ہے حرم جمع ہے حرام کی جیسے روح جمع ہے رواح کی (تفسیر مدارک و روح المعانی) حرام سے مراد ہے احرام باندھنے والا خواہ حج کا یا عمرہ کا یا حرم شریف کی زمین میں داخل ہونے والا خواہ احرام میں ہو یا نہ ہو لہٰذا محرم کہیں شکار نہیں کر سکتا نہ حرم میں نہ حل میں اور حدود حرم مکہ میں کوئی شکار نہیں کر سکتا خواہ محرم ہو یا حلال یہ آیت ان سب کو شامل ہے خیال رہے کہ حدود حرم جن میں شکار کرنا حرام ہے، حسب ذیل ہیں، **مکہ معظمہ** سے جانب مشرق چھ میل جانب مغرب بارہ میل، جانب جنوب اٹھارہ میل، جانب شمال چوبیس میل (تفسیر روح البیان) ان حدود میں ہمیشہ شکار کرنا حرام ہے نہ محرم شکار کرے نہ حلال **ومن قتلہ منکم متعمدا** ۔ اب اس جرم کی سزا کا ذکر ہے یعنی کفارہ دنیاوی کا یہاں بھی **منکم** کی قید لگا کر فرمایا گیا کہ یہ مذکورہ کفارہ صرف مسلمان پر ہے، قتل سے مراد مطلقاً مار ڈالنا ہے خواہ تیر سے شکار کو مارے یا بندوق سے یا لاٹھی یا پتھر سے یا کتا دوڑا کر سب کا کفارہ وہ ہے یہاں مذکورہ ہے **متعمدا** سے مراد یہ ہے کہ اسے اپنا احرام بھی یاد ہو یا زمین حرم ہونا بھی معلوم ہو اور یہ بھی خبر ہو کہ اس حالت میں شکار حرام ہے۔ قرآن مجید نے "عمداً" شکار پر کفارہ واجب کیا اور حدیث شریف نے خطاء پر لہٰذا ہر شکار پر کفارہ ہے خواہ "عمداً" ہو یا "خطاءً" یہ ہی اس مقام کی تحقیق ہے **فجزاء مثل ما قتل من النعم** یہ عبارت **قتلہ** کی خبر ہے چونکہ **من** میں شرط کے معنی تھے اس لئے یہاں **ف** جزائیہ آئی جزاء مبتدا محذوف **الواجب** کی خبر ہے یا علیہ پوشیدہ کا مبتدا اور مثل صفت ہے جزا کی امام شافعی و امام محمد کے ہاں مثل سے مراد صورۃ "مثل ہے یعنی جو جانور شکار کیا ہے اس کا ہم شکل جانور خرید کر ذبح کرے چنانچہ اگر ہرن مارا ہے تو بکری اگر نیل گائے ماری ہے تو گائے اگر شتر مرغ کا شکار کیا تو اونٹ خرگوش کا شکار کیا ہے تو بکری کا بچہ ذبح کرے، ہمارے امام اعظم اور امام ابو یوسف کے ہاں مثل سے مراد معنی مثل ہے یعنی شکار کئے ہوئے جانور کی قیمت **من النعم** امام شافعی کے ہاں مثل کا بیان ہے اور امام اعظم کے ہاں **ما قتل** کا بیان نعم وحشی اور پالتو دونوں جانوروں پر بولا جاتا ہے خیال رہے کہ جن شکاری جانوروں کی مثل صوری نہ ہو جیسے چڑیا وغیرہ ان کے متعلق امام شافعی بھی فرماتے ہیں کہ وہاں قیمت ہی واجب ہو گی۔ امام اعظم کا فرمان بہت ہی قوی ہے کیونکہ ان کے ہاں مثل کے معنی بہت عام ہیں کسی صورت میں فرق نہیں کرنا پڑے گا۔ امام شافعی کے ہاں کہیں مثل صوری مراد لینا ہو گا کہیں مثل معنی یعنی قیمت نیز آگے ارشاد ہے **یحکم بہ ذوا عدل منکم** اگر مثل سے مراد صوری مثل ہو تا تو دو عادلوں کے فیصلہ کرنے کے کیا معنی فیصلہ تو قیمت کا ہی ہو گا **یحکم** صفت ہے جزا کی یا مثل کی ذوا عدل سے مراد وہ دو آدمی ہیں جنہیں جانوروں کی قیمت لگانے کا محاورہ ہو **منکم** فرما کر بتایا کہ یہ فیصلہ کرنے والے مسلمان متقی ہوں کافر یا فاجر نہ ہوں یعنی اس شکاری پر اس شکار

www.alahazratnetwork.org

کئے ہوئے جانور کی قیمت واجب ہے 'اس قیمت کا فیصلہ جائے شکار یا اس کے قریبی بستی کے دو آدمی متقی مسلمان جنہیں قیمت لگنے کی مشق ہو کریں اگرچہ ایک آدمی کی قیمت لگنے کا بھی اعتبار ہے مگر دو سے قیمت لگوانا بہتر ہے **ھدیا بالغ الکعبۃ** **ھدیا** یا تو جزا کا حال ہے یا بہ کی ضمیر کا اور **بالغ الکعبۃ ھدیا** کی صفت ہے کیونکہ **بالغ الکعبۃ** اضافت لفظی ہونے کی وجہ سے ھدیا کی طرح نکرہ ہے۔ ہدی وہ جانور ہے جو حرم شریف میں لے جا کر ذبح کیا جائے ثواب کے لئے ھدی یا بکری ہوتی ہے یا گائے یا اونٹ کعبہ سے مراد حدود حرم مکہ معظمہ میں کیونکہ خاص کعبے میں جانور ذبح نہیں کئے جاتے یعنی اگر اس شکار کی قیمت اتنی ہو کہ اس سے ہدی خریدی جا سکے تو شکاری کو اختیار ہے کہ یا تو اس کی ہدی خرید کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے **او کفارۃ طعام مساکین** یہ عبارت یا تو جزا پر معطوف ہے یا من النعم کے محل پر معطوف ہے اور طعام مساکین کفارہ کا بیان ہے یعنی اس صورت میں شکاری کو اختیار ہے کہ یا تو وہ اس کی قیمت سے ہدی خرید کر حرم شریف میں لے جا کر ذبح کرے یا اس قیمت سے گندم یا جو وغیرہ خرید کر مساکین کو دے ہر مسکین کو گندم کا آدھا صاع یا جو کا پورا صاع **او عدل ذالک صیاما** یہ عبارت کفارۃ پر معطوف ہے اور **ذالک** سے اشارہ طعام کی طرف ہے عدل کے معنی ہوتے ہیں برابر اگر عین کے کسرہ سے ہو تو اسی جنس کا برابر مراد ہوتا ہے اگر عین کے فتحہ سے ہو تو غیر جنس سے برابر مراد ہوتا ہے (تفسیر احمدی 'روح البیان وغیرہ) چونکہ روزے کھانے کی غیر جنس ہیں اس لئے یہاں عدل عین کے فتح سے ارشاد ہوا یعنی اگر شکاری چاہے تو بجائے کھانا دینے کے روزے رکھے کہ ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک روزہ رکھے خیال رہے کہ ہدی تو صرف حرم شریف میں ہی ذبح ہو گی مگر کھانا اور روزے ہر جگہ ادا ہو سکتے ہیں کیونکہ ہدی میں **بالغ الکعبۃ** کی قید لگائی گئی ان دونوں میں یہ قید نہیں ہے 'امام شافعی کے ہاں صدقہ میں بھی حرم کی قید ہے کہ کھانا وہاں کے ہی مسکین کو دے مگر روزے میں ان کے ہاں بھی گنجائش ہے کہ خواہ حرم شریف میں رکھے یا اور جگہ خیال رہے کہ یہ کفارہ کی ہدی اگر ذبح کی جائے تو صرف حرم میں لیکن اگر کسی مسکین پر خیرات کر دی جائے تو اور جگہ بھی درست ہے کہ اب وہ ہدی نہیں بلکہ صدقہ ہے طعام کی طرح نیز اگر اس قیمت کا کھانا دے تو فی مسکین آدھا صاع گندم دے اگر یہ جانور ہی فقیر کو دیتا ہے تو ایک ہی کو دے سکتے ہیں (تفسیر احمدی 'روح المعانی) یہ بھی خیال رہے کہ شکاری کے لئے بھی یہ ہی جزائیں ہیں اور شکاری کی مدد کرنے والے اشارہ کرنے والے پر بھی یہی جزائیں ہیں۔ بحکم حدیث امام شافعی کے ہاں صرف شکاری کی یہ جزائیں ہیں 'دوسرے مددگاروں کی نہیں (تفسیر احمدی) **لیذوق وبال امرہ** یہ عبارات نتیجہ ہے گذشتہ تمام جزاؤں کا لیذوق متعلق ہے جوزی پوشیدہ فعل کے وبال بنا ہے وبل سے بمعنی بوجھ اس لئے بہت زیادہ بارش کو وابل ثقیل غذا کو جو ہضم نہ ہو وبیل دھوبی کے ڈنڈے کو جس سے وہ کپڑے کوٹتا۔ وبل کہتے ہیں (روح المعانی وغیرہ) امرہ کی ضمیر یا تو رب تعالیٰ کی طرف ہے تب امر سے مراد حکم ہے یا اس کا مرجع خود شکاری ہے تو امر سے مراد جرم ہے یعنی یہ جزائیں اس لئے واجب ہوئیں کہ شکاری محرم اپنے جرم کی سزا بھگتے یا یہ جزائیں اس لئے ہوئیں کہ محرم شکاری اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کرنے کا وبال چکھے اور آئندہ اس جرم سے باز رہے **عفا اللہ عما سلف** اس عبارت میں گذشتہ شکاروں کی معافی کا اعلان فرمایا گیا **عما** میں **ما** سے مراد شکار ہیں اور سلف سے مراد ہے اس قانون بننے سے پہلے یا اسلام کی تشریف آوری سے پہلے جو مجرموں نے شکار کر لئے مقصد یہ ہے کہ تم نے بحالت احرام اسلام سے پہلے یا یہ حکم آنے سے پہلے جو شکار کر لئے وہ معاف کر دیئے گئے ان پر نہ تو دنیا میں یہ جزا واجب ہو گی نہ آخرت میں پکڑ اگرچہ چاہئے تو یہ تھا کہ ان شکاروں پر بھی پکڑ ہو کیونکہ اے اہل

www.alahazratnetwork.org

عرب تم لوگ دین ابراہیمی پر تھے ان کے دین میں بحالت احرام شکار حرام تھا نیز جاہلیت کے لوگ بھی اسے حرام سمجھتے تھے **ومن عاد فینتقم اللہ منہ** اس عبارت میں اس محرم کا ذکر ہے جو ایک بار شکار کرکے جزاء و کفارہ دے کر دوبارہ پھر شکار کرے من سے مراد ہے محرم عاد سے مراد ہے دوبارہ شکار کرے خواہ پہلے شکار کی جزاء دے کر یا بغیر دیئے **من** مبتدا ہے بمعنی شرط اور **فینتقم** سے پہلے **ھو** پوشیدہ ہے **فھو ینتقم** کیونکہ جب مضارع جزاء ہو تو اس پر **ف** جزائیہ نہیں آتی لہذا اسے جملہ اسمیہ بنایا جا۔ ئے (روح المعانی' خازن وغیرہ) انتقام یعنی بدلہ لینے سے مراد ہے اس پر دوبارہ جزاء کفارہ واجب فرمانا یہی عام علماء فقہا کا مذہب ہے مگر سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہے صرف اخروی گناہ ان کے نزدیک دوبارہ شکار کرلینے پر جزاء وغیرہ واجب نہیں مگر یہ قول جمہور علماء کے خلاف ہے۔ بہرحال خواہ محرم میں یکبار چند شکار کرے یا آگے پیچھے کرے اس پر فی شکار ایک جزاء واجب ہوگی جتنے شکار اتنی جزائیں **واللہ عزیز ذوانتقام** اس عبارت میں قانون کی اہمیت کا اظہار ہے یعنی یہ قانون ہے' رب تعالیٰ کا اور وہ تو غالب و قادر بھی ہے کہ سب اس کے بندے ہیں بدلہ لینے والا سزا دینے والا بھی کہ کوئی اسے سزا دینے بدلہ لینے سے روک نہیں سکتا لہذا اس سے ڈرو اور احرام میں شکار سے بچو۔

خلاصہء تفسیر : یہ آیت کریمہ بڑے ہی معرکہ کی ہے' بحالت احرام شکار کرلینے کے متعلق ائمہ مجتہدین میں بڑا اختلاف ہے اور تمام علماء کا استدلال اسی آیت سے ہے اس لئے اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں ہم مطابق مذہب حنفی خلاصہ تفسیر عرض کرتے ہیں جو کہ نہایت ہی قوی اور مدلل ہے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا اے ایمان والو خبردار احرام میں یا حرم شریف میں کوئی خشکی کا شکار نہ کرنا سوا ان چند جانوروں کے جنہیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے مستثنیٰ کردیا احرام خواہ حج کا باندھا ہو یا عمرہ کا بہرحال اس میں شکار حرام ہے۔ جو احرام والا یا حرم شریف میں داخل ہونے والا عمداً" ایسا شکار قتل کرکے مجرم ہوجائے وہ شکار کی جگہ یا اس سے قریب بستی میں دو عادل متقی قیمت جاننے والوں سے اس کی قیمت لگوالے اگر اس کی قیمت ہدی کو پہنچ جائے یعنی اس قیمت کی بکری یا گائے یا اونٹ آسکے تب اس کو تین چیزوں کا اختیار ہے ایک یہ کہ اس قیمت کی ہدی خرید کر حرم شریف میں پہنچا کر ذبح کرے وہاں کے فقراء اس کا گوشت کھالیں یا اس قیمت کا غلہ خریدے اور وہاں ہی یا حرم شریف پہنچ کر اسے مساکین میں تقسیم کردے فی مسکین آدھا صاع (سوا دو سیر) گندم یا ایک صاع یعنی ساڑھے چار سیر جو دے یا فی مسکین غلہ کے صدقہ کے عوض ایک روزہ رکھے کہ اگر اس قیمت سے دس صاع گندم آتی ہے تو بیس روزے رکھے روزے خواہ وہاں ہی رکھ لے یا حرم شریف پہنچ کر یہ سزا اس لئے ہے کہ یہ شکاری اپنے اس جرم کا وبال چکھے اور آئندہ ایسی حرکت نہ کرے اس آیت کے نزول سے پہلے جو کچھ تم بحالت احرام شکار کرچکے ہو اگرچہ ان پر بھی سزا تو چاہئے تھی مگر خیر ہم نے معاف فرمادیا جو کوئی دوبارہ پھر شکار کرے خواہ پہلے شکار کی سزا بھگت کر یا اس سے پہلے اللہ تعالیٰ اس سے بھی یہ ہی بدلہ لے گا کہ اس کو دوبارہ یہ ہی سزا بھگتنا پڑے گی اللہ سے ڈرو وہ بڑا غالب بھی ہے بدلہ لینے والا بھی اسے کوئی سزا سے روک نہیں سکتا۔

تتمہ : جب محرم بھوک سے مر رہا ہو اور سامنے مردار بھی ہو اور شکار بھی تو امام زفر کے ہاں مردار کھالے شکار نہ کرے کہ مردار کی حرمت ایک وجہ سے ہے اور اس شکار کی حرمت چند وجہ سے مگر امام اعظم کے نزدیک شکار کرکے کھائے اور اس کا کفارہ دے دے مردار نہ کھائے کہ مردار کی حرمت دائمی ہے اس شکار کی حرمت عارضی کہ احرام کھل جانے یا حرم سے باہر نکل جانے

www.alahazratnetwork.org

پر ختم ہو جاتی ہے (مبسوط، تفسیر روح المعانی) اگر مردار اور شکار مذبوحہ موجود ہو تو سب کے نزدیک یہ شکار کھائے مردار نہ کھائے (دیکھو روح المعانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: احرام و حرم کے یہ احترامات یعنی شکار کی یہ جزائیں صرف مسلمانوں کے لئے ہیں کفار ان کے مکلف نہیں یہ فائدہ اس آیت کے اول میں **یا ایہا الذین امنوا** فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ: جو لاوارث بے یار و مددگار اللہ کے پیاروں کی پناہ لے لے وہ دنیاوی آفات سے بھی بچ جاتا ہے، یہ فائدہ **لا تقتلوا الصید** فرمانے سے حاصل ہوا کہ پالتو جانور اپنے مالک کی امان میں ہے اس کا ذبح حرم و احرام میں جائز ہے شکاری جانور لاوارث بے یار و مددگار ہے اس نے کعبہ معظمہ کی امان لی کہ اس کے حدود حرم میں آگیا تو وہ امان پا گیا کہ اس کا شکار کرنا حرام قرار دیا لہٰذا اگر ہم جیسے نکارے مجرم جن کا کوئی ولی وارث نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیں تو انشاء اللہ دنیا و آخرت کے عذاب سے بچ جائیں گے۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام! ہمچو کاہ بے آدم کو بے گناہ آوردہ ام

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

تیسرا فائدہ: کعبہ معظمہ کی حدود حرم کعبہ کا دامن پناہ ہیں کہ جو ان حدود میں آگیا گویا کعبہ میں آگیا کعبہ نے اسے پناہ دے دی یوں ہی حضرات اولیاء اللہ و علماء دین کعبہ مصطفوی کے حدود حرم ہیں جو ولی کی نگاہ میں آگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں آ گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم کرم تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے کوئی آئے تو سہی یہ فائدہ **وانتم حرم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن دخلہ کان امنا** غرضیکہ حرم کعبہ، حرم جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑا فرق ہے حرم کعبہ میں شکار کو شکاری سے امان ہے۔ حرم مصطفوی میں گنہگار کو عذاب نار اور قہر باری سے امان ہے صلی اللہ علیہ وسلم خدا اس حرم سے الگ نہ کرے۔

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے! بے کسی اوٹ لے خدا نہ کرے

چوتھا فائدہ: محرم اور حدود حرم کا ذبح کیا ہوا شکار حرام ہے جسے کوئی نہیں کھا سکتا نہ محرم نہ دوسرا کوئی اور یہ فائدہ **ومن قتلہ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے **من ذبحہا** یا **من صادہ** نہ فرمایا بلکہ قتلہ فرمایا **فقہی معمے:** ہم تیزی ذہن کے لئے چند فقہی معمے عرض کرتے ہیں۔ **معمہ:** وہ کون مسلمان ہے جس کا ذبیحہ حرام ہے۔ **حل:** وہ احرام یا حرم والا مسلمان ہے جس کا ذبیحہ شکار حرام ہے۔ حتیٰ کہ بعض اماموں کے ہاں یہ مردار سے بھی بدتر ہے جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **معمہ:** وہ کون مسلمان ہے جس پر اس کی بیوی حرام ہے **حل:** یہ وہ حاجی ہے جو حج کر کے طواف زیارت کئے بغیر واپس آجائے وہ جب تک پھر مکہ معظمہ جا کر طواف زیارت نہ کرے تب تک اس کی بیوی اس پر حرام ہے **معمہ:** وہ کون سا مسلمان ہے کہ جب نماز پڑھے تو ہو جائے مگر بعد میں وہ درست نماز خود بخود باطل ہو جائے، **حل:** یہ وہ شہری مسلمان ہے جو جمعہ کے دن نماز ظہر اپنے گھر پڑھ لے پھر بعد نماز جمعہ کی نماز کے لئے مسجد میں آئے وہاں جمعہ کی نماز تیار پائے اس کی ظہر پہلے درست ہوئی تھی اب نماز جمعہ پالینے کی وجہ سے اس کی ظہر باطل ہو گئی۔ **معمہ:** وہ کون مسافر ہے جو اپنے گھر میں نماز ادا پڑھے مگر قصر پڑھے **حل:** یہ وہ شخص ہے جس کا گھر کنارہ شہر پر ہو اپنے گھر سے بہ ارادہ سفر نکلے کچھ دور جا کر نماز قصر شروع کر دے دوران نماز وضو ٹوٹ جائے وہ گھر میں

لوٹ کر وضو کرے وہاں ہی یہ نماز پوری کرے تو یہ شخص یہ نماز قصر کرے گا۔ **معمہ:** وہ کون مسلمان ہے کہ جب وہ نماز پڑھے تو نہ ہو کچھ عرصہ بعد وہ باطل نماز بغیر اعادہ خود بخود ہو جائے **حل:** یہ وہ صاحب ترتیب مسلمان ہے، جس کی ایک نماز رہ جائے وہ اسے بغیر قضا کئے ہوئے اگلی نماز میں پڑھتا رہے۔ چونکہ اس پر ترتیب فرض تھی اس لئے اس کی کوئی نماز نہ ہوگی مگر جب یہ نمازیں پانچ سے زیادہ ہو جائیں گی تو سب درست ہو جائیں گی کہ اب اس پر ترتیب فرض نہ رہی۔ **پانچواں فائدہ:** اگر محرم شکاری ہدی دے تو اس کا حرم شریف میں جا کر ذبح کرنا ضروری ہے، حل میں اسے ذبح نہیں کر سکتا لیکن اگر مساکین کو صدقہ یا روزے سے کفارہ دے تو ہر جگہ دے سکتا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں ہدی میں قید لگائی گئی **بالغ الکعبہ** کی مگر مسکینوں کو کھانا دینے اور روزوں میں یہ قید نہیں اسے مطلق رکھا گیا۔ مقید میں قید ہے مطلق میں اطلاق، مسئلہ حرم یا احرام میں شکار کے تین کفارے ہیں، ایک یہ کہ اس شکار کی قیمت کا جانور خرید کر حرم شریف کی حدود میں ذبح کر دے۔ دوسرے یہ کہ اس قیمت کی گندم خرید کر ہر مسکین کو فطرے کی بقدر یعنی سولہ سیر دے، تیسرے یہ کہ ہر سولہ سیر کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔

مسئلہ: اگر محرم چند شکار کرے تو ہر شکار کا مستقل ایک کفارہ واجب ہوگا۔ **مسئلہ:** حدیث شریف سے ثابت ہے کہ محرم کا شکاری کو کسی قسم کی مدد دینا بھی حرام ہے نہ اسے شکار بتائے نہ بندوق وغیرہ اٹھا کر دے نہ ذبح وغیرہ میں مدد دے اگر کرے گا تو اس پر بھی کفارہ مذکورہ واجب ہوگا۔ **مسئلہ:** ان مذکورہ کفارات میں یہ اختیار خود شکاری محرم کو ہوگا کہ وہ چاہے تو ہدی لے جائے چاہے مساکین کو کھانا دے، چاہے روزے رکھے قیمت لگنے والے عادلوں کو نہیں یہ ہی امام اعظم کا مذہب ہے (تفسیرات احمدیہ)۔ **چھٹا فائدہ:** مدینہ منورہ کی حدود میں شکار کر لینے پر مذکورہ کفارہ واجب نہیں یہ ہی امام اعظم کا قول ہے امام شافعی کے ہاں وہاں کے شکار پر بھی کفارہ واجب ہے امام اعظم کی دلیل یہ ہی آیت ہے کہ یہاں ارشاد ہوا **وانتم حرم** **ساتواں فائدہ:** اگر محرم شکار کا کفارہ ادا کرنے کے بعد پھر دوسرا شکار کرے تو اس پر دوسرا کفارہ واجب ہوگا، یہ فائدہ **ومن عاد فینتقم اللہ** سے حاصل ہوا امام ائمہ دین کا یہی مذہب ہے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر کفارہ واجب نہ ہوگا وہ یہاں انتقام سے مراد لیتے ہیں صرف اخروی عذاب باقی صحابہ دنیاوی کفارہ اور اخروی عذاب دونوں مراد لیتے ہیں (تفسیر خازن) **آٹھواں فائدہ:** اس آیت کے نزول سے پہلے اور اس قانون کے بننے سے پہلے جن محرموں نے شکار کر لئے تھے ان پر نہ گناہ ہے نہ کفارہ کیونکہ گناہ ہوتا ہے قانون شکنی سے جب قانون ہی نہ بنا تھا تو اس کے توڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا یہ فائدہ **عفا اللہ** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: گناہ چند قسم کے ہیں وہ گناہ جس پر نہ سزا ہو نہ کفارہ جیسے جھوٹ بولنا غیبت کرنا وغیرہ، وہ گناہ جن پر سزا ہے جیسے چوری، قتل، زنا، تہمت زنا وغیرہ۔ تیسرے وہ گناہ جن پر سزا نہیں مگر کفارہ ہے جیسے رمضان شریف میں روزہ توڑ دینا، قسم توڑ دینا وغیرہ سزا میں محض عذاب ہوتا ہے اسے حاکم جاری کرتا ہے مگر کفارہ میں ثواب بھی ہوتا ہے اور اسے مجرم خود اپنے پر جاری کرتا ہے معلوم ہوتا ہے کہ جن جرموں میں بندہ کی حق تلفی ہو ان پر سزا دی جاتی ہے اور جن جرموں میں کسی محترم چیز کی بے حرمتی ہو ان میں کفارہ ہوتا ہے اور جن جرموں میں یہ کوئی چیز نہ ہو ان میں نہ سزا ہے نہ کفارہ صرف توبہ ہوتی ہے، حرم یا احرام کے شکار میں کعبہ معظمہ اور حج کی بے حرمتی ہے اس لئے اس پر کفارہ واجب ہے یہ جرم اسی تیسری قسم کا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض : یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کہ **لا تقتلوا الصید وانتم حرم** یہ مضمون صرف **لا تصید وامحرمین** سے حاصل ہو سکتا تھا۔ **جواب:** اس دراز عبارت میں دو مسئلے بتائے گئے ایک یہ کہ محرم کا شکار حرم ہے وہ مذبوح نہیں بلکہ مقتول ہے دوسرے یہ کہ اس حرمت کی علت حرم یا احرام ہے ان دونوں سے نکلتے ہی شکار حلال ہے' دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عمداً" شکار کرنے سے محرم پر یہ مذکورہ کفارہ واجب ہے مگر تم کہتے ہو کہ خطاً" شکار سے بھی یہ کفارہ واجب ہے تمہارا یہ قول قرآن کریم کے فرمان متعمداً" کے خلاف ہے (سعید ابن جبیر)۔ خیال رہے کہ سواء سعید ابن جبیر کے کسی فقیہ نے خطاً" شکار کے کفارہ کا انکار نہ کیا ان کا یہ قول بالکل شاذ ہے (خازن) **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ عمداً" شکار پر کفارہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور خطاً" شکار کا کفارہ حدیث شریف سے ثابت' ہمارا ایمان قرآن و حدیث دونوں پر ہے ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں متعمداً" کی قید گناہ کے لئے لگی گئی ہو اس لئے آگے ارشاد ہے **لیذوق وبال امرہ تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شکار کے کفارے میں اس کا ہم شکل جانور ذبح کرنا ہی واجب ہے جیسے ہرن کے شکار میں بکری نیل گائے کے شکار میں گائے کہ رب تعالیٰ نے فرمایا **من النعم** یہ **نعم** مثل کا بیان ہے **من** بیانیہ ہے پھر تم لوگ قیمت کیوں واجب کرتے ہو (شافعی) **جواب:** احناف کے نزدیک **من النعم ما قتل** کا بیان ہے نہ کہ مثل کا یعنی محرم نے جو جانور شکار کر لیا اس کی مثل قیمت دے اس کی دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **یحکم بہ ذوا عدل** اس مثل کا فیصلہ دو متقی مسلمان کریں' ظاہر ہے کہ فیصلہ قیمت کا ہی کریں گے نہ کہ اس شکار کے ہم شکل جانور کا' دوسرے یہ کہ امام اعظم کے مذہب پر یہ آیت اپنے عموم پر رہے گی کیونکہ قیمت ہر شکار کی ہو سکتی ہے مگر امام شافعی کے ہاں اس آیت میں قید لگانی پڑے گی کیونکہ ہر شکار کا ہم شکل جانور نہیں ملتا تو وہ حضرات ایسے شکار میں قیمت ہی واجب کرتے ہیں آیت کو عموم پر رکھنا قید لگنے سے بہتر ہے لہذا مذہب احناف بہت قوی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** چاہئے یہ کہ شکار کے کفارے کے روزے اور اس کی قیمت کا صدقہ بھی حرم شریف میں ہی ہو کیونکہ ہدی بھی وہاں ہی ذبح ہوتی ہے پھر تم صدقہ اور روزوں کو ہر جگہ کیوں جائز کہتے ہو (شافعی)۔ **جواب:** اس لئے کہ قرآن کریم نے صرف ہدی میں یہ قید لگائی ہے کہ حرم میں پہنچ کر ذبح ہو' فرمایا **ھدیا بالغ الکعبۃ** صدقہ اور روزوں میں یہ قید نہیں لگائی' قرآن کریم کے مقید و مطلق پر ایسے عمل چاہئے کہ مقید مقید رہے اور مطلق مطلق اس میں کوئی تبدیلی نہ کرنی چاہئے نیز صدقہ اور روزے ہر جگہ عبادت ہیں ہر وقت عبادات ہیں مگر جانور ذبح کرنا یا تو خاص زمانہ میں عبادت ہے' جیسے قربانی یا خاص جگہ میں جیسے ہدی لہذا ہدی میں قید لگانا درست ہے مگر روزوں یا صدقہ میں کوئی قید لگانا درست نہیں مذہب احناف بہت ہی قوی ہے۔

نوٹ ضروری : یہ آیت کریمہ شکار احرام کے مسائل کا سرچشمہ ہے تمام اماموں نے اسی آیت سے اپنے اپنے مذہب کے مطابق اس سے مسائل نکالے ہیں اس کی تحقیق اور تفصیل کے لئے کتب فقہ کا مطالعہ فرماؤ ہم نے مذہب حنفی پر مذکورہ تفسیر کی ہے جو نہایت ہی قوی ہے دوسرے اماموں کی تفاسیر اور ان پر جرح قدح بڑی کتب میں ملاحظہ کرو' خصوصاً" تفسیر احمدی و روح المعانی میں ہم نے جس قدر عرض کر دیا اس میں کفایت ہے۔

تفسیر صوفیانہ : مومن دو قسم کے ہیں اہل سلوک اور اہل محبت یعنی جنہوں نے عشق خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا احرام باندھ لیا' سلوک والے گویا حلال ہیں محبت والے گویا محرمین نفسانی عیش و آرام و دنیاوی چیزیں گویا خشکی کا شکار ہیں فرمایا جا رہا ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ اے محبت کا احرام باندھ کر کعبہ وصل کی طرف جانے والو تم خود شکار ہو چکے ہو اور شکار خود شکار نہیں کرتا لہٰذا تم بھی اس دنیاوی شکار سے باز رہو جو طالب مولیٰ ان میں سے کوئی شکار کرلے کہ حرص و ہوس دنیاوی عیش میں مشغول ہو بیٹھے تو اسی عیش کی بقدر مجاہدہ و ریاضت کر کے اس کا کفارہ دے مگر اس مجاہدہ کا فیصلہ دو حاکم یعنی دل اور روح کریں کہ اس کے عوض ترک طعام ترک شراب، مال کی خیرات، ضبط حواس، گوشہ نشینی وغیرہ سے کفارہ دے مگر یہ کفارے ایسے اخلاص سے ہوں کہ کعبہ قبولیت پہنچ جائیں یا اپنے اندرونی پانچ مسکینوں کو پانچ کھانے دے یعنی عقل، قلب، سر، روح، خفی کو روحانی غذائیں، صدق، نیت، خلق سے کنارہ کشی، مکروہات پر صبر، مرغوبات سے علیحدگی و یکسوئی، اللہ کی عطاؤں پر شکر، رضا بالقضاء، ازلی احکام پر سر تسلیم جھکانا یہ ان مساکین کی غذائیں ہیں یا ان کے برابر روزے رکھے، صوفیاء کے ہاں روحانی روزے یہ ہیں کہ اپنے کو اغیار سے علیحدہ رکھے ملک جبار کی طرف میلان کو اختیار کرے یہ تمام کفارات اس لئے ہیں کہ نفس امارہ اپنی سرکشی کی سزا پائے کہ وہ لذتوں، شہوتوں، غفلتوں میں مشغول ہوا تو اس کو یہ مذکورہ کام کرا کر سزا دو جو کچھ یہ لوگ طالبین محسن بننے سے پہلے کر چکے ان کی معافی ہے جو دنیا کا تارک ہو کر پھر دنیا کی طرف لوٹ جائے تو اللہ تعالیٰ اس سے بدلہ لے گا کہ اسے دنیا میں رسوائی آخرت میں خسارہ دے گا اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے، بدلہ لینے والا بھی مولانا فرماتے ہیں۔

عاشق صنع توام در شکر و صبر — عاشق مصنوع کے باشم جو گبر

عاشق صنع خدا با فر بود! — عاشق مصنوع او کافر بود

عشق و محبت صانع عالم سے کرو یا اس کی صنعت سے مصنوع سے عشق عشاق کے نزدیک کفر ہے کہ مصنوعات اغیار میں یار کے جو یاں اغیار میں نہیں پھنستے مشرک مصنوعات الیہ کا پجاری ہے، مومن مصنوعات کے ذریعہ صانع کو پہچان کر اسے پوجتا ہے، مومن کے مصنوع معرفت صانع کا زینہ ہے کافر کے لئے مصنوع جال ہے (تفسیر روح البیان)۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ

حلال کیا گیا تمہارے واسطے شکار دریا کا اور کھانا اس کا نفع کے لئے واسطے تمہارے اور واسطے مسافروں کے اور حرام کیا گیا اوپر

حلال ہے تمہارے لئے دریا کا شکار اور اس کا کھانا تمہارے اور مسافروں کے فائدے کو اور تم پر حرام ہے خشکی کا شکار

الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ (۹۶)

تمہارے شکار خشکی کا جب تک رہو تم احرام والے اور ڈرو اللہ سے وہ کہ اس کی طرف جمع کئے جاؤ گے تم

جب تک تم احرام میں ہو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف تمہیں اٹھنا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حج یا عمرہ کے احرام والوں کو شکار سے روک دیا گیا تھا اب بعض شکاروں کی اجازت دی جا رہی ہے گویا یہ آیت عام حکم کے بعد خاص حکم دے رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں محرم کو شکار کے قتل سے منع فرمایا گیا جس سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ جو جانور قتل و ذبح کے

www.alahazratnetwork.org

لائق ہوں ان کا شکار محرم کے لئے حرام ہے اور جو جانور قابل ذبح نہ ہوں ان کا حکم یہ نہیں اب اس سے اشارے کی تصریح فرمائی جارہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تشریح ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں محرم کو شکار سے روکا گیا تھا مگر دریائی شکار سے روک دینا سخت تکلیف کا باعث تھا کہ بعض ملک کے لوگ صرف مچھلی پر ہی گزارہ کرتے ہیں' اس لئے اب آسانی فرمائی جارہی ہے کیونکہ خشکی کے شکار پر کسی قوم کا گذارہ نہیں مگر دریائی شکار پر بہت سی قوموں کا گذارہ ہے وہ دوسری چیز کھا ہی نہیں سکتے۔

تفسیر: **احل لکم** احل بنا حلال سے بمعنی مباح' یہ حرام کا مقابل ہے یا تو یہ اجازت ہے بصورت خبر یعنی آج سے حلال کیا گیا جیسے **احل لکم لیلۃ الصیام الرفث الی نساء کم** یا بمعنی خبری ہے یعنی پہلے ہی سے حلال رکھا گیا ہے **لکم** میں خطاب احرام والے مسلمانوں سے ہے خواہ حج کا احرام باندھے ہوں یا عمرہ کا یعنی اے احرام والو تمہارے لئے آج سے حلال کیا گیا یا پہلے ہی سے حلال رکھا گیا **صید البحر وطعامہ** یہ عبارت **احل** کا نائب فاعل ہے **صید** کے معنی ہیں شکار کرنا یا شکاری جانور یعنی یہ یا تو بمعنی مصدر ہے یا بمعنی مفعول ہے **بحر** سے مراد مطلقاً پانی ہے خواہ بحر ہو یا نہر یا تالاب دریائی شکار وہ ہے جو پانی میں ہی پیدا ہو اور پانی ہی میں رہے۔ خشکی میں زندہ نہ رہ سکے حلال ہو یا حرام جیسے **مچھلی** یا مگرمچھ یا کیکڑا وغیرہ جو جانور دریا میں بھی رہے خشکی میں بھی جیسے مینڈک یا بطخ مرغابی وغیرہ یہ دریائی شکار نہیں ان کا شکار کرنا محرم کو جائز نہیں اگر شکار کرے گا تو کفارہ مذکورہ دینا پڑے گا۔ **طعام** سے مراد وہ **مچھلی** ہے جسے دریا باہر پھینک دے اور وہ مر جائے حضرت ابوبکر و عمر' ابوایوب انصاری وغیرہم' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہی قول ہے یعنی محرم کو دریائی شکار کرنا' بھی حلال ہے اور جو دریا کنارہ پر پھینک دے اور وہ مر جائے وہ بھی حلال بعض نے فرمایا کہ تازہ **مچھلی** صید بحر ہے اور خشک **مچھلی** طعام بحر یہ دونوں حلال ہیں دیکھو حضرت یوشع علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے تو ساتھ میں **مچھلی** لے گئے عرصہ تک وہی کھاتے رہے (تفسیر احمدی) بعض نے فرمایا کہ صید بحر سے مراد ہے دریا کا ہر شکار حلال ہو یا حرام اور **طعامہ** سے صرف حلال شکار مراد ہے لہذا یہ عام کے بعد خاص ہے' بعض نے فرمایا کہ صید بحر سے مراد ہے خود محرم کا شکار کرنا اور **طعامہ** سے مراد ہے' دوسرے کا شکار کیا ہوا کھانا کہ یہ دونوں حلال ہیں **خیال رہے** کہ احناف کے ہاں **مچھلی** کے سوا تمام دریائی جانور حرام ہیں امام احمد بن حنبل کے ہاں مینڈک اور ناکہ (مگرمچھ) کے سوا تمام دریائی جانور حلال ہیں امام مالک اور ابن ابی لیلیٰ کے نزدیک تمام دریائی جانور حلال ہیں بعض ائمہ کے نزدیک جن دریائی جانوروں کی مثل خشکی کا جانور حلال ہو وہ دریائی بھی حلال ہے اور جن کا مثل خشکی کا جانور حرام ہو وہ دریائی بھی حرام ہے لہذا دریائی گائے بھینس حلال ہے اور دریائی کتا دریائی سور دریائی انسان حرام ہے (تفسیر خازن) **متاعا لکم وللسیارۃ** **متاعا** **احل** کا مفعول لہ ہے یا متعلم پوشیدہ کا مفعول مطلق جس چیز سے نفع حاصل کیا جاوے وہ متاع ہے یا متاع بمعنی نفع حاصل کرنا **لکم** میں خطاب محرمین سے ہے سیارہ مبالغہ ہے سیر کا بمعنی چلنا سیارہ راہ گیر مسافر خواہ ایک ہو یا چند ہوں قافلے کی شکل میں یعنی اللہ تعالیٰ نے دریائی شکار حلال فرمادیا تم احرام والوں اور دوسرے مسافروں کو نفع دینے کے لئے رب تعالیٰ کی تم پر یہ خاص مہربانی ہے۔ لہذا مقامی محرم یہ شکار تازہ بہ تازہ کھائیں اور مسافر **مچھلی** خشک کرکے اپنے ساتھ توشہ کے طور پر رکھیں' سب درست ہے' اس لئے یہاں **لکم** بھی فرمایا گیا اور **للسیارہ** بھی۔ **وحرم علیکم صید البر** یہ

www.alahazratnetwork.org

محرمین کے لئے دوسرا حکم ہے حرم بنا ہے تحریم سے جس کا مادہ حرمت ہے۔ حلت کا مقابل یعنی ناجائز کبھی حرمت بمعنی عزت و احترام بھی آتا ہے جیسے بیت الحرام، اشہر حرام یہاں وہ معنی مراد نہیں یہاں حرم خبر کے لئے ہے کیونکہ نفی شکار پہلے ہی حرام کیا جا چکا ہے، یہاں اس کا ذکر تاکید کے لئے ہے علیکم میں خطاب ان ہی احرام والے حاجیوں یا عمرہ کرنے والوں سے ہے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یہاں بھی صید سے مراد یا شکار کرنا ہے یا شکار کا جانور خشکی کا شکار وہ جانور ہے جو خشکی میں رہ سکے اس کی پیدائش خواہ پانی میں ہو خواہ خشکی میں لہذا ہرن، خرگوش کا شکار بھی محرم کو حرام ہے اور مرغابی، قاز، بطخ کا شکار بھی حرام ہے شکاری جانور وہ ہے جو بذات خود انسان سے وحشت کرے لہذا پلا ہوا ہرن بھی محرم کے لئے حرام ہے کہ وہ اگرچہ اب مانوس ہو گیا مگر اصل میں ہے وحشی اگر کوئی حلال آدمی شکار کرے وہ محرم کھا سکتا ہے جبکہ اس کے شکار میں کسی محرم نے مدد نہ کی ہو یہ ہی امام اعظم کا قول ہے خیال رہے کہ محرم پر خشکی کا شکار مطلقاً حرام ہے خواہ حلال جانور کا شکار کرے یا حرام کا لہذا محرم نہ تو ہرن کا شکار کر سکتا ہے نہ جنگلی سور کا نیز محرم کو بھیڑیئے، چیل کوے کا شکار کرنا حلال ہے، باقی درندوں میں تفصیل ہے اگر وہ حملہ کریں تو ان کا شکار کر سکتا ہے، بغیر حملے کے نہیں کر سکتا اگر کر لیا تو اس کی قیمت خیرات کرنا پڑے گی جو بکری سے زیادہ نہ کی جاوے گی لہذا شیر، چیتا، شکرہ، باز وغیرہ کا شکار کرنا محرم کو ممنوع ہے، اس کی تفصیل کتب فقہ اور تفسیر روح المعانی وغیرہ میں دیکھو، **ما دمتم حرما** یہ حرام کے لئے قید ہے حرم بمعنی محرمین ہے یعنی جب تک تم احرام میں رہو، تب تک تم پر خشکی کا شکار حرام ہے خیال رہے کہ بحالت احرام شکار کی حرمت احرام ختم ہو جانے سے ختم ہو جاتی ہے مگر حرم شریف کے شکار کی حرمت کبھی ختم نہیں ہوتی ہے وہ ہر حال حرام ہیں محرم اور حلال کوئی بھی ان کا شکار نہیں کر سکتا **واتقوا اللہ الذی الیہ تحشرون** اس حرمت کی اہمیت دکھانے کے لئے مضمون کو اس جملہ پر ختم کیا گیا یعنی ان احکام کی مخالفت نہ کرو اللہ سے ڈرو تم سب کو وہاں ہی حاضر ہونا ہے اس کے حضور جمع ہونا ہے اس کی پکڑ سے کسی طرح نہیں چھوٹ سکتے۔

خلاصہ تفسیر : اے حج عمرہ کے احرام والو شکار کے متعلق تم کو یہ آسانی دی جاتی ہے کہ تمہارے لئے بحالت احرام دریائی شکار حلال کیا گیا تم دریائی جانوروں کو شکار بھی کر سکتے ہو اور اگر بغیر شکار تم کو مل جاویں تو انہیں کھا بھی سکتے ہو اگر مچھلی کا شکار کرو تو جائز ہے اور اگر دریا نے مچھلیاں کنارے پر پھینک دیں تو بھی کھا سکتے ہو اس میں مقامی محرم اور مسافر محرم کا سامان ہے کہ مقامی محرم تازہ مچھلیاں کھائیں مسافر محرم خشک مچھلیاں کھاتے رہیں ہاں جب تک تم احرام کی حالت میں رہو تب تک تم پر خشکی کا شکار حرام ہے اس کی سزا پچھلی آیت کریمہ میں بیان ہو چکی احرام کھل جانے پر خشکی کا شکار بھی حلال ہے بشرطیکہ وہ حرم شریف کے حدود کا نہ ہو ان احکام کو معمولی نہ سمجھو بہت سختی ہے ان پر عمل کرو اللہ سے ڈرتے رہو جس کی بارگاہ میں تم کو حاضر ہونا اور سب کو جمع ہونا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دریائی شکار مطلقاً حلال ہے۔ خواہ احرام والا کرے یا حلال آدمی اور خواہ حرم شریف کے حدود کا شکار ہو یا بیرون حرم کا یعنی حل کا یہ فائدہ **واحل لکم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: بحالت احرام محرم خود بھی دریائی شکار کر سکتا ہے اور دوسرے کا کیا ہوا بھی کھا سکتا ہے اور اگر دریا خود ہی اسے پھینک دے جب بھی کھا سکتا ہے یہ فائدہ **وطعامہ** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: خشک مچھلی کھانا جائز ہے یہ فائدہ **وللسیارۃ** فرمانے سے حاصل ہوا حضرات صحابہ کرام نے ایک بار ایک بڑی مچھلی کا گوشت پندرہ دن تک کھایا جیسا کہ احادیث میں ہے حضرت یوشع

www.alahazratnetwork.org

و موسیٰ علیہ السلام نے تلاش خضر کے پورے سفر میں مچھلی کھائی جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ **چوتھا فائدہ:** محرم کے لئے خشکی کا شکار مطلقاً حرام ہے یعنی شکار کرنا بھی اور دوسرے محرم کا مارا ہوا شکار بھی یہ فائدے **وحرم** سے حاصل ہوئے۔ **پانچواں فائدہ:** احرام کی حرمت احرام کھلتے ہی ختم ہو جاتی ہے مگر حرم شریف کا شکار بھی کوئی نہیں کر سکتا یہ فائدہ **ما دمتم حرما** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بحالت احرام خشکی کا شکار کرنا سخت جرم ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں چار طرح اس کی ممانعت فرمائی اولاً" فرمایا **لا تقتلوا الصید** پھر اس کی سزا کا ذکر فرمایا پھر فرمایا **لیذوق وبال امرہ** پھر یہاں فرمایا **وحرم علیکم صید البر**۔ ان تاکیدوں کی تکرار سے اس حکم کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

مسئلہ: محرم بحالت احرام مکھی، مچھر، جوں، کھٹمل بھی نہیں مار سکتا کیونکہ یہ چیزیں موذی نہیں، موذی وہ جانور ہے جو اپنے نفع کے بغیر انسان کا نقصان کرے۔ لہٰذا سانپ، بچھو، چوہا، چیل، کوا موذی ہیں کہ یہ بلاوجہ انسان کا نقصان کرتے اسے تکلیف پہنچاتے ہیں مگر جوں، کھٹمل، وغیرہ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے انسان کو کاٹتے اس کا خون چوستے ہیں یہ فرق خیال میں رہے۔

مسئلہ: محرم کو بحالت احرام سر منڈانا جسم کا کوئی بال اکھیڑنا حرام ہے اگر ایسا کرے گا تو اس کا کفارہ دینا پڑے گا۔ اس قسم کے مسائل کتب فقہ خصوصاً" بہار شریعت میں دیکھو۔ **ساتواں فائدہ:** احرام کھل جانے کے بعد شکار کرنا تو جائز ہو گا مگر حالت احرام کا شکار کیا ہوا جانور حرام ہی رہے گا لہٰذا **ما دمتم حرما** کی قید شکار کرنے کے لئے ہے۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ بحالت احرام خشکی کا شکار تو حرام کر دیا جاتا ہے مگر دریائی شکار حلال رہتا ہے وہ بھی تو اللہ کی مخلوق ہے اسے حرم و احرام میں امان کیوں نہ دی گئی فرق کیا ہے۔ **جواب:** اس قسم کے احکام ہماری عقل سے وراء ہیں ہر جگہ عقلی گھوڑے دوڑانا نہیں چاہئیں کہیں عقل کے ہتھیار ڈال دینا چاہئیں صرف فرمان کی اطاعت ضروری ہے۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جائے سپر باید انداختن

معلوم یہ ہوتا ہے کہ بحالت احرام خشکی کے شکار کا موقعہ تو بہت ملتا ہے مگر دریائی شکار کا موقعہ بہت کم میسر ہوتا ہے۔ حتیٰ کا حرم شریف کی حدود میں کوئی دریا، نہر ہے ہی نہیں نیز خشکی کے شکار میں مشغولیت بہت ہوتی ہے دریائی شکار میں مشغولیت بہت کم وہ گھنٹوں میں ہوتا ہے یہ منٹوں سیکنڈوں میں لہٰذا خشکی کا شکار حرام کر دیا گیا تاکہ حاجی اس میں اپنا وقت صرف نہ کریں اللہ اللہ اور ارکان حج و عمرہ کی ادا میں مشغول رہیں نیز خشکی کے شکار میں کبھی غلطی سے آدمی بھی مارا جاتا ہے کہ شکار کو گولی ماری آدمی زد میں آ گیا مگر دریائی شکار میں ایسا کبھی نہیں ہوتا اس میں کسی انسانی جان کا خطرہ نہیں کہ انسان خشکی میں رہتے ہیں دریا میں نہیں رہتے نیز بعض ملک کے باشندے صرف مچھلی پر ہی گزارہ کرتے ہیں اور چیز کھا سکتے ہی نہیں مگر خشکی کے شکار پر گزارہ کسی کا نہیں۔ اگر مچھلی حرام کر دی جاتی تو وہاں کے مسلمان حج و عمرہ نہ کر سکتے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ دریا کا ہر شکار حلال ہے، مچھلی ہو یا دریائی کتا سور کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **صید البحر وطعامہ**۔ جو جانور دریا کا شکار ہے وہی ہماری غذا ہے۔ جب سارے دریائی جانور صید ہیں تو وہ سب حلال غذا بھی ہیں۔ (نوٹ) یہ ان حضرات کا اعتراض ہے۔ جو ہر دریائی جانور کو حلال سمجھتے ہیں، جیسے ابن ابی لیلیٰ اور امام مالک۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **وطعامہ** میں **ہ** کا مرجع صید نہیں بلکہ بحر ہے اور معنی یہ ہیں کہ جس مچھلی کا شکار نہ کیا جا سکے بلکہ دریا ہی اسے مار دے کہ اسے کنارہ پر پھینک دے وہ بھی

www.alahazratnetwork.org

حلال ہے یعنی دریا کا ہر شکار حلال نہیں بلکہ اس کا مارا ہوا حلال جانور بھی حلال ہے اگرچہ اس کا شکار نہ کیا جاوے اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مارا ہوا حلال جانور بھی حلال ہے اگرچہ اس کا شکار نہ کیا جائے اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **الحل میتتہ** دریا کا مارا ہوا جانور حلال ہے لہذا اگر مچھلی دریا میں ہی مر کر تر جائے وہ حرام ہے کو وہ دریا کی ماری ہوئی نہیں بلکہ بیماری کی ماری ہوئی ہے اور اگر تیر یا گولی سے ماری جائے تو حلال ہے کہ یہ شکار کی ہوئی ہے' یہ فرق خیال میں رہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **متاعا لکم وللسیارۃ** تمہارے اور مسافروں کے لئے نفع کا سامان اتنی دراز عبارت سے فائدہ کوئی نہیں معلوم ہوتا اس عبارت سے فائدہ کیا ہے۔ **جواب:** اس کے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ مچھلی تازہ بھی حلال ہے یہ بات **لکم** سے بتائی گئی اور باسی سوکھی بھی حلال۔ یہ بات **وللسیارہ** سے بتائی گئی دوسرے گوشت بدبو چھوڑ دیں تو حرام ہو جاتے ہیں مگر مچھلی حلال رہتی ہے دوسرے یہ کہ مچھلی کا صرف کھانا ہی جائز نہیں بلکہ اس کا ہر استعمال حلال ہے۔ مچھلی کے تیل سے علاج اس کی بدن پر مالش وغیرہ سب کچھ حلال ہے احرام والوں کے لئے بھی اور غیر محرمین کے لئے بھی۔

تفسیر صوفیانہ: اے بحر حقیقت میں غوطہ لگانے والو اور خالق کعبہ کی طرف قصد کر کے جانے والو اس سفر میں احرام باندھنے والو تمہارے لئے اس دریا کے شکار یعنی دریاء معرفت کے مشاہدات کشف اور دلی واردات سب حلال ہیں یہ تمہارے لئے اور تمام مسافرین راہ معرفت کے لئے روحانی غذائیں ہیں کہ تم ان واردات ان تجلی صفات سے خوب سیر ہو گے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اپنے رب کے پاس راتیں گزارتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے ان شکاروں سے تم خود بھی کھاؤ اور دوسرے مسافرین راہ کو بھی کھلاؤ **فکلوا منہا واطعموا البائس الفقیر** خود کھاؤ فقراء کو کھلاؤ' مشائخ و علماء راسخین کے ساتھ ان کے زیر تربیت طلباء کو بھی بہت کچھ مل جاتا ہے مگر خیال رکھنا کہ اس سفر میں خشکی کے شکار دنیا کے مطالب یہاں کے منافع حرام ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا والوں پر آخرت حرام ہے اور آخرت والوں پر دنیا حرام ہے۔ اللہ والوں پر دونوں حرام ہیں ان کا مقصود ذات معبود ہے باقی تمام موجود سے وہ الگ ہیں۔ جب تک تم کعبہ وصال اور قبلہ وصول کے لئے احرام باندھے رہو۔ دنیا سے الگ رہو۔ یہاں صحو اور محو یعنی بقا اور فنا جمع نہیں ہوتیں ہوش و غشی دو ضدیں ہیں یہ جمع کیسے ہوں' یہاں ماحی ہو صاحی نہ ہو خبردار نہ ہو بے خبر ہو۔

این مدعیان در طلبش بے خبر انند آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد!

صاحی یعنی باہوش کے افعال اپنے ہوتے ہیں مگر ماحی یعنی جو اس میں مر مٹا محو ہو گیا اس کے افعال اپنے نہیں ہوتے رب کے ہوتے ہیں پھر جب تم حلال ہو جاؤ یعنی وصول کے ارکان سے فارغ ہو کر اصول کی راہ چلو تو تم سے یہ پابندیاں اٹھ جائیں گی اب تم طالبین عاکفین ہو کر دنیا کا شکار کرو حلال روزی خوب کھاؤ کماؤ کھلاؤ تم کو اللہ کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے' لہذا دنیا میں ہر غیر اللہ سے بچو اللہ تعالٰی حور بعد الکور یعنی وصال کے بعد فراق سے بچائے' غرضیکہ احرام کعبہ کے احکام اور ہیں احرام خالق کعبہ کے احکام کچھ اور (تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم روحانیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا سمندر ہیں ولایت کے سلسلے گویا مختلف دریا ہیں جو اس سمندر سے نکلے ہیں طریقت کے مسائل گویا اس سمندر و دریا کے شکار ہیں دنیا گویا خشکی ہے دنیا کی چیزیں جو شریعت کے قانون کے ماتحت ہیں گویا وہ خشکی کے پالتو جانور ہیں اور دنیا کی حرام چیزیں گویا خشکی کا شکار ہیں سارے

www.alahazratnetwork.org

مسلمان رب البیت کے طالب اس کے حاجی ہیں مسلمان حضور صلی علیہ وسلم کے اور اولیاء اللہ کے تمام عطیے عبادات عشق و محبت بخوشی استعمال کریں مگر دنیا کی حلال چیزیں برتیں حرام چیزوں سے پرہیز کریں کہ یہ خشکی کا شکار ہیں۔

جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ
بنایا اللہ نے کعبہ کو جو حرمت والا گھر ہے ذریعہ بقا لوگوں کے لئے اور عزت والے مہینہ کو اور ہدی
اللہ نے ادب والے گھر کعبہ کو لوگوں کے قیام کا باعث کیا اور حرمت والے مہینہ اور حرم کی قربانی اور
وَالْقَلَآئِدَ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَ
کے جانور کو اور ہاروں کو یہ اس لئے ہے تاکہ جانو تم کہ بیشک اللہ جانتا ہے وہ جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے
گلے میں علامت آویزاں جانوروں کو یہ اس لئے کہ تم یقین کرو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو
اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۞ اِعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَاَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ
اور بیشک اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے اور بے شک اللہ بخشنے والا
کچھ زمین میں ہے اور یہ کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے جان رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا
رَّحِيْمٌ ۞
مہربان ہے۔
مہربان ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں بتایا گیا تھا کہ حرام اور حرم شریف وحشی جانوروں پرندوں کی امن کا ذریعہ ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حرم شریف اور کعبہ معظمہ انسانوں کے لئے بھی آفات سے امان اور دنیاوی و اخروی سعادتوں کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے گویا کعبۃ اللہ کے ذریعہ جانوروں کی امان کا ذکر فرمانے کے بعد انسانوں کی امان کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کعبۃ اللہ شریف کے ان فیوض و برکات کا ذکر تھا جو وہاں جانے والوں کو ملتے ہیں اب اس کے ان فیوض و برکات کا ذکر ہے جو دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں گویا قریبی فیوض کے بعد بعیدی فیوض کا ذکر ہے سخی دو طرح کے ہوتے ہیں ایک وہ جو فقیر کو بلا کر دیتے ہیں دوسرے وہ جو فقیروں کے گھر آ کر دیتے ہیں۔ کنواں اور دریا بلا کر پانی دیتے ہیں بادل آ کر دیتا ہے کعبہ معظمہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے سخی ہیں کہ آ کر بھی دیتے ہیں اور بلا کر بھی۔ چنانچہ کعبہ معظمہ لوگوں کو بلا کر حج و عمرہ طواف، سعی وغیرہ کراتا ہے اور دور رہتے ہی لوگوں کی نماز قربانیاں زندگی و موت درست کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ظہور کے زمانہ میں لوگوں کو بلا کر صحابی بنایا مگر مومن، ولی، عارف تاقیامت بناتے رہیں گے تو کعبہ کے بلا کر دینے والے فیوض کا ذکر فرما کر وہ فیوض بیان ہو رہے ہیں جو کعبہ آ کر دیتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حدود کعبہ یعنی ساری زمین حرم کے فیوض کا ذکر تھا جو شہر کے ارد گرد چو طرف ہے اب خاص کعبۃ اللہ شریف کے فیوض و برکات کا ذکر ہے۔ گویا بالعرض فیضان کے بعد بالذات فیض رسانی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حدود کعبہ یعنی زمین حرم کی برکتوں کا ذکر تھا اب ہدی 'قلائد وغیرہ کے برکات کا تذکرہ ہے یعنی جو جانور کعبۃ اللہ سے منسوب ہو جائیں وہ بھی فیض پہنچاتے ہیں۔

تفسیر: **جعل اللہ الکعبۃ البیت الحرام** اس جملہ کی کئی ترکیبیں اور تفسیریں کی گئی ہیں مگر آسان ترکیب و تفسیر یہ ہے کہ **جعل** بمعنی خلق نہیں بلکہ بمعنی صیر ہے نہ بمعنی بین ہے یعنی اللہ نے بنایا اور کعبہ اس کا پہلا مفعول ہے اور بیت الحرام یا اس کی صفت یا بیان اور قیاما" دوسرا مفعول **جعل** فعل ماضی ہے مگر ہمیشگی اور دوام کے لئے ہے یعنی اول پیدائش کے وقت سے تا روز قیامت اللہ نے کعبہ کو ذریعہ بقا بنایا اور کعبہ کی یہ عظمت کسی بندے کی دی ہوئی نہیں بلکہ بلاواسطہ رب تعالیٰ کی عطا کردہ ہے لہذا کوئی بھی اس کی عظمت ختم نہیں کر سکتا جیسے سورج کی روشنی کسی کے بجھائے نہیں بجھ سکتی اس لئے جعل کا فاعل لفظ اللہ ہوا کعبہ بنا ہے کعب سے بمعنی بلندی یا اونچائی اس لئے ٹخنوں کو کعب کہتے ہیں کہ قدم میں ابھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **وارجلکم الی الکعبین** اور بالغہ لڑکی جس کے پستان ابھرے ہوئے ہوں اسے کاعبہ کہا جاتا ہے اس کی جمع ہے کواعب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکواعب اترابا** چونکہ کعبہ کی سطح سمندر سے بہت اونچی ہے یا چونکہ اس کا ذکر اس کا چرچا دنیا میں بہت بلند ہے لہذا اسے کعبہ کہا جاتا ہے یا کعبہ بمعنی مربع ہے یعنی چوکور چیز چونکہ اس کی لمبائی چوڑائی برابر ہے لہذا وہ کعبہ ہے یا کعبہ بمعنی مکعب ہے جس کی لمبائی چوڑائی اونچائی سب برابر ہوں چونکہ اس کی تینوں سطحیں برابر ہیں لہذا اسے کعبہ کہا جاتا ہے۔ **بیت الحرام** میں حرام عظمت و احترام کے معنی میں ہے یعنی عزت والا گھر یہ حرام حلت کا مقابل یعنی بمعنی ناجائز نہیں یہ عبارت یا تو کعبہ کی صفت ہے محض تعریف و توصیف کے لئے جیسے اللہ الرحمٰن الرحیم یا وضاحت کے لئے کیونکہ کفار عرب نے یمن میں ایک گھر بنایا تھا بیت خشم اسے وہ کعبہ یمانیہ کہتے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو بھیج کر جلوا دیا بیت حرام فرما کر بتایا کہ وہ کعبہ یمانیہ مراد نہیں بلکہ یہ کعبہ مکہ معظمہ والا مراد ہے (تفسیر صاوی و روح المعانی وغیرہ) **قیاما للناس** یہ عبارت جعل کا دوسرا مفعول ہے قیام کے تین معنی ہیں معنی مصدری یعنی کھڑا ہونا جیسے **واذکروا اللہ قیاما وقعودا**۔ قائم کی جمع یعنی کھڑے لوگ جیسے **وذاھم قیام ینظرون** بمعنی اسم آلہ یعنی قیام و بقا کا ذریعہ یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی لوگوں کے بقا و قیام کا ذریعہ بقا و قیام سے مراد یا دنیاوی بقا ہے یا دینی بقا یا دونوں بقا دینی بھی دنیاوی بھی ناس سے مراد یا اہل عرب ہیں یا تمام جہان کے اہل اسلام یا تمام دنیا کے لوگ مومن ہوں یا کافر اگر اہل عرب مراد ہوں تو ان کے لئے کعبہ معظمہ سے ہے کہ لوگ حج و عمرہ کے لئے وہاں پہنچیں تو ان عرب کو روزی ملے نیز عرب میں لوٹ مار چوری ڈکیتی 'قتل عام تھے مگر کعبہ معظمہ اور حدود حرم میں بالکل امن رہتا تھا۔ جس سے ان لوگوں کی جان و مال محفوظ تھے لہذا کعبہ معظمہ ان کی بقا کا ذریعہ ہے نیز کعبہ معظمہ کی وجہ سے تمام دنیا میں اہل عرب کی عزت و عظمت تھی نیز یہ لوگ اپنے بہت دینی کام کعبہ معظمہ سے کرتے تھے ان وجوہ سے کعبہ اہل عرب کے لئے ذریعہ بقا ہوا اور اگر سارے مسلمان مراد ہوں تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے صدہا کام کعبہ معظمہ سے وابستہ ہیں کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز اور تلاوت قرآن ہوتی ہے کعبہ جا کر ہی حج و عمرہ ہوتا ہے کعبہ معظمہ کا ہی طواف ہوتا ہے کعبہ معظمہ کو دیکھنا عبادت ہے 'کعبہ معظمہ میں پہنچ کر حجاج کو دنیا بھر کے پھل فروٹ ملتے ہیں کعبہ معظمہ میں ہی

www.alahazratnetwork.org

تمام جہان کے مسلمان آپس میں مل لیتے ہیں جس سے ان کا قومی دینی نظام قائم رہتا ہے۔ ہر سال ان کی عالمی کانفرنس وہاں منعقد ہو جاتی ہے۔ لہذا کعبہ مسلمانان عالم کے لئے دینی و دنیاوی بقا کا ذریعہ ہے۔ کعبہ معظمہ ہی وہ جگہ ہے جہاں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے یہی وہ جگہ ہے جہاں حاضری دینے سے تمام عمر کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور حج کر کے انسان گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے کہ گویا آج ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا غرضیکہ جیسے جسمانی بقا سورج سے ہے یوں ہی روحانی بقا کعبہ معظمہ سے خیال رہے کہ جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے ایمان کا تعلق کعبہ معظمہ سے 'بلکہ مرتے ہی ہم جسمانی غذاؤں سے بے پرواہ ہو جاتے ہیں مگر کعبہ معظمہ کی ضرورت دنیا برزخ' محشر سب جگہ رہتی ہے۔ قبر میں کعبہ کو منہ کر کے دفن ہوتے ہیں 'بعض خوش نصیبوں کی روحیں غلاف کعبہ کے اندر یا چاہ زمزم میں رہتی ہیں 'بعض عشاق بعد وفات بھی حج کرتے رہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں فرمایا کہ یونس علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام حج کرنے احرام باندھے آئے ہیں ایک صحابی کے متعلق فرمایا جو بحالت احرام اونٹ سے گر گیا تھا کہ یہ تاقیامت حج کرتا رہے گا۔ محشر میں کعبہ معظمہ کی شفاعت حجر اسود کی گواہی سے ہماری نجات ہوگی یہ ہے **قیاما للناس** کا ظہور اور اگر ناس سے مراد سارے انسان ہیں تو ان کے لئے کعبہ معظمہ بقا کا ذریعہ اس لئے ہے کہ جب تک کعبہ آباد ہے وہاں حج و عمرہ و طواف ہو رہا ہے۔ تب تک دنیا آباد ہے اگر کعبہ ویران ہو جائے وہاں کا حج و عمرہ و طواف بند ہو جائے تو دنیا بھی فنا کر دی جائے جہاں میں کوئی باقی نہ رہے۔ حضرت عطا کا یہی قول ہے (تفسیر روح المعانی) اور تفسیر مدارک نے فرمایا کہ اگر ایک سال لوگ کعبہ کو خالی کر دیں تو کعبہ غائب ہو جائے اور دنیا برباد۔ کعبہ معظمہ' قرآن مجید اور علماء دین کے ذریعہ دنیا کا بقا ہے جیسا کہ بہت احادیث سے ثابت ہے۔ **والشہر الحرام** یہ عبارت معطوف ہے **الکعبۃ** پر اور **جعل** کا پہلا مفعول ہے یہاں **شہر** سے مراد بقر عید کا مہینہ ہے جس میں حج ہوتا ہے یا اس سے مراد حرمت و عزت والے چار مہینے رجب' شوال' ذیقعد' ذی الحجہ۔ یہاں حرام بمعنی محترم و معظم ہے یعنی اللہ نے ماہ ذی الحجہ کو بھی لوگوں کو بقاء کا ذریعہ بنایا کہ اس مہینہ میں حج ہوتا ہے اور حج سے مسلمانوں خصوصاً اہل عرب کی دین و دنیا وابستہ ہے۔ خیال رہے کہ ماہ ذی الحجہ کا پہلا عشرہ بہت ہی عظمتوں والا ہے امام نیشاپوری فرماتے ہیں کہ اس ہی عشرہ میں موسیٰ علیہ السلام نے رب سے پہلا کلام کیا۔ اسی عشرہ میں حج ہوتا ہے اسی عشرہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی۔ اسی عشرہ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبح اور فدیہ کا واقعہ پیش آیا اسی عشرہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے اور حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان سے نجات پائی اسی عشرہ میں بیعت الرضوان' صلح حدیبیہ' بشارۃ خیبر ہوا اسی لئے اس عشرہ میں خصوصاً "عرفہ کے دن یعنی نویں بقر عید کا روزہ بہت افضل ہے (تفسیر روح البیان) ان واقعات کے متعلق اور ان کی تواریخ کے بارے میں اور روایات بھی ہیں **والھدی والقلائد** یہ عبارت بھی معطوف ہے **الکعبۃ** پر اور **جعل** کا پہلا مفعول **ھدی** وہ جانور ہے جو بیرون حرم سے حرم شریف میں لے جا کر ذبح کر دیا جائے **قلائد** جمع ہے قلادہ کی بمعنی ہار یہاں ہار سے وہ ہار مراد ہے جو ہدی کے گلے میں ڈالا جاتا ہے کو جوتا یا کوئی اور چیز اس جانور کے گلے میں باندھ دی جاتی ہے جس سے پہچانا جاتا ہے کہ جو جانور کعبہ معظمہ ذبح کے لئے جا رہا ہے' عرب کے ڈاکو چور دن رات ڈکیتی کرتے تھے مگر ان ہاروں کو دیکھ کر نہ ان جانوروں کی طرف رخ کرتے تھے نہ ان قافلہ والوں کی طرف یہ لوگ اور یہ جانور بڑی امن و حفاظت بلکہ عزت و عظمت کے ساتھ خانہ کعبہ پہنچ جاتے تھے واپسی میں یہ لوگ وہی ہار اپنے گلوں میں ڈال لیتے تو بخیریت اپنے وطن پہنچ جاتے تھے۔ (تفسیر کبیر) بہر حال یہ چار چیزیں یعنی

www.alahazratnetwork.org

کعبۃ اللہ شریف 'ماہ ذی الحجہ' ہدی اور ہدی کے ہار بہت وجہوں سے بقا کا ذریعہ ہیں **ذلک لتعلمو ان اللہ یعلم ما فی السموت وما فی الارض**۔ یہ گزشتہ مضمون کا نتیجہ ہے یعنی کعبہ **معظمہ** کی ان حرمتوں سے یہ نتیجہ نکالنا چاہئے **ذالک** سے اشارہ کعبہ **معظمہ** کو لوگوں کے لئے باعث قیام بنانا ہے **تعلموا** سے مراد علم مشاہدہ یا حق الیقین ہے۔ خیال رہے کہ **ذالک** نصبی محل میں ہے **جعل** یا شرع پوشیدہ فعل کا مفعول ہے اور **لتعلموا** اس پوشیدہ فعل کا متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے کعبہ **معظمہ** ماہ حرام 'ہدی' قلادوں کو قیام اس لئے بنایا تاکہ تم آنکھوں دیکھے یہ جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے ذرہ ذرہ کو جانتا ہے دیکھو اس نے سارے جہان میں خانہ کعبہ ماہ حرام کو ان خوبیوں کے لئے منتخب فرمایا کعبہ **معظمہ** کے سوا اور کسی گھر کے لئے یہ دعویٰ نہیں کیا گیا نہ بیت المقدس کے لئے نہ کسی اور جگہ کے لئے اور اس دعویٰ کا ظہور تاقیامت ہوتا رہے گا بڑی بڑی طاقتوں نے کعبہ **معظمہ** کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی حتی کہ ابرہہ نے ہاتھیوں سے اس پر چڑھائی کی مگر کوئی بھی اپنے ناپاک ارادوں میں کامیاب نہ ہوا اور کعبہ **معظمہ** کی عظمت ویسی ہی رہی یہ ہے رب تعالیٰ کے علم و حکمت کا ظہور اب بھی کعبہ کی عظمت دیکھو اور رب کعبہ کی علم و حکمت قدرت و قوت کا آنکھوں سے مشاہدہ کرلو **وان اللہ بکل شئی علیم** اس عبارت میں تخصیص کے بعد تعمیم ہے یعنی پہلے ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ تمام آسمان و زمین کی چیزوں کو جانتا ہے اب فرمایا کہ ہر چیز کو جانتا ہے خواہ آسمان و زمین کی ہو یا ان کے علاوہ اس عبارت میں اس طرف اشارہ ہے کہ چونکہ رب تعالیٰ نے کعبہ **معظمہ** کو ان خوبیوں کے لئے منتخب فرمایا لہٰذا اس کے لئے سامان بھی ایسے ہی کر دیئے 'حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی جناب حوا کہ یہاں ہی ملایا دیگر انبیاء کرام کو یہاں ہی بلایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کو یہاں ہی بسایا۔ حضرت خلیل کے ہاتھوں جناب ذبیح کو یہاں ہی ذبح کرایا۔ حضرت ہاجرہ کو یہاں ہی دوڑایا آخر میں حضور **محمد** مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں ہی پیدا فرمایا ان وجہوں سے کعبہ **معظمہ** کی حرمت کو اور چار چاند لگ گئے ان سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے جو کچھ کرتا ہے عین حکمت کے مطابق ہوتا ہے۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار — غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

ان چیزوں میں غور کر کے ایمان کو قوت حاصل ہوتی ہے **اعلموا ان اللہ شدید العقاب و ان اللہ غفور رحیم** اس عبارت کا مقصود ہے لوگوں کو احترام کعبہ پر آمادہ کرنا ہر قانون کے اعلان کے آخر میں قانون پر پابندی کرنے والوں کے انعام اور قانون شکنی کرنے والوں کی سزا کا ذکر ہوتا ہے۔ **اعلموا** میں خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یا سارے انسانوں سے یا تمام جن و انس سے۔ علم سے مراد علم مفید ہے جو عمل کا ذریعہ ہو اللہ کے عذاب و ثواب کو صرف جان لینا فائدہ مند نہیں شیطان نے بھی کہا تھا کہ **انی اخاف اللہ رب العلمین** مگر اس کا یہ خوف خدا کچھ مفید نہ ہوا یعنی اے لوگو یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بھی سخت ہے اگر تم نے کعبہ **معظمہ** کی بے حرمتی کی تو سخت سزا پاؤ گے اور وہ بخشنے والا مہربان بھی ہے اگر تم نے کعبہ وغیرہ کی عزت کی تو تمہارے سارے گناہ معاف فرمادے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : یہاں رب تعالیٰ نے چار چیزوں کی حرمتوں ان کے فوائد کا ذکر فرمایا کعبہ **معظمہ** بقرعید کا مہینہ 'عام ہدی کے جانور اور ڈیل دار قربانی کے جانور جن کے گلے میں ہار پہنائے جائیں اور وہ حرم شریف میں قربان کئے جائیں مگر **جعل** فرما کر یہ بتایا کہ ان چیزوں کی یہ عظمت آج کی نہیں بلکہ بڑی پرانی ہے حتی کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے فرشتے کعبہ کا طواف

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ کرتے تھے اور آدم علیہ السلام اس طرف نماز پڑھتے تھے اور جعل اللہ فرما کر یہ بتایا کہ کعبہ کو یہ عظمتیں کسی مخلوق کی دی ہوئی نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں لہٰذا کوئی شخص اس کعبہ کی عظمت دور نہیں کر سکتا کیونکہ جسے انسان بنائے اسے بگاڑ بھی سکتا ہے مگر جسے اللہ بنائے اسے کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ چراغ ہم بجھا سکتے ہیں اپنے مکان اپنے برتن ہم توڑ پھوڑ سکتے ہیں مگر چاند سورج کہ ہم بجھا نہیں سکتے آسمان کو بگاڑ نہیں سکتے کہ یہ چیزیں اللہ نے بنائی ہیں' چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی اس حرمت و عزت والے گھر کعبہ معظمہ کو اہل عرب یا سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں کے لئے ذریعہ قیام وسیلہ بقا بنایا کہ اس گھر سے ان کی دین و دنیا قائم ہے مومن جئیں تو کعبہ معظمہ سے وابستہ ہو کر مریں تو کعبہ کو منہ کر کے بعد موت غسل دیئے جائیں' دفن کئے جائیں تو کعبہ کی طرف منہ کر کے ان کی صدہا عبادتیں اس کعبہ سے وابستہ ہیں یوں ہی بقرعید کے مہینے اور کعبہ کی طرف جانے والے عام ہدی کے جانور اور خاص ڈیل والی قربانیاں ان سے بھی لوگوں کا قیام ہے کہ ان سے امیروں کے ارکان حج و عمرہ ادا ہوتے ہیں۔ غریبوں کا گزارہ ان کی گوشت سے ہوتا ہے ان تمام چیزوں میں غور فرماؤ تا کہ تم کو عین الیقین بلکہ حق الیقین ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ تمام آسمان زمین کی چیزیں بلکہ ہر چیز کا جاننے والا ہے یہ چاروں رب کے انتخاب میں آ گئیں تو آج تک وہ حرمت والی ہیں اگر تمام بادشاہ و سلاطین مل کر ان کی حرمتوں کو مٹانا چاہیں تو نہ مٹا سکیں گے اے لوگو تم نے کعبہ معظمہ وغیرہ کے لئے قوانین تو سن لئے اب ان پر پابند بھی رہنا اگر تم سے قانون شکنی کی تو اللہ تم کو سخت عذاب دے گا کیونکہ وہ شدید العقاب ہے اور اگر تم نے ان قوانین کی پابندی کی تو وہ تمہارے سارے گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ غفور الرحیم ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے' پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق اس کے بعض بندے صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں دیکھو لوگوں کا قیام ان کا بقا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر یہاں فرمایا گیا کہ لوگوں کا بقاو قیام کعبہ معظمہ وغیرہ سے ہے کہ ان کے دین دنیا کعبہ سے وابستہ ہیں اس میں شرک نہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگرچہ عزت ذلت دینے والا ایمان عرفان دین و دنیا کی نعمتیں بخشنے والا رب تعالیٰ ہے مگر یہ تمام چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے وابستہ ہیں تمام جہان کا قیام کعبہ سے ہے اور کعبہ کا قیام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے۔

کعبہ کی زینت ان ہی کے دم سے — طیبہ کی رونق ان کے قدم سے!
کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں — دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں!

دوسرا فائدہ: جن وقتوں اور جن مہینوں کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت ہو جائے اور جن تاریخوں میں کبھی کوئی اہم واقعہ ہو جاوے تو وہ دن وہ تاریخیں تاقیامت حرمت والے ہو جاتے ہیں' دیکھو بقرعید کا مہینہ اس لئے حرمت والا ہوا کہ اس میں حضرات انبیاء و اولیاء کے کچھ خاص واقعات ہوئے ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا۔ لہٰذا ماہ ربیع الاول ماہ رجب اس لئے برکت و عظمت والے ہیں کہ ان میں سے ایک محبوب کے زمین پر آنے کا مہینہ ہے دوسرا زمین سے آسمان پر معراج میں جانے کا مہینہ ہے گویا بقرعید انبیاء کا مہینہ ہے اس لئے وہ شہر حرام ہوا اور یہ دونوں سید الانبیاء کے مہینے اس لئے یہ بھی محترم ہوئے ماہ ربیع آخر اس لئے حرمت والا ہوا کہ وہ سید الاولیاء' حضور غوث الثقلین حضور قطب ربانی محبوب سبحانی شیخ عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ کے ولادت و وفات کا زمانہ ہے۔ تیسرا فائدہ: جس چیز جس جانور کو اللہ کے مقبولوں سے نسبت ہو جاوے وہ بھی عظمت والا بلکہ بقاء عالم کا ذریعہ بن جاتی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں تو ان قربانی کے جانوروں کو جو بیت اللہ جائیں

www.alahazratnetwork.org

باعث بقاء عالم بتایا دوسری جگہ انہیں شعائر اللہ قرار دیا کہ فرمایا **والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ** ان جانوروں کو یہ عظمت کہاں سے ملی 'کعبہ **معظمہ** کی نسبت سے جب جانور کعبہ کی نسبت سے قیاما للناس بن جاتے ہیں تو حضرات اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے قیوم عالم اور غوث قطب کیوں نہ بنیں' حضور پیر لاثانی مجدد الف ثانی قدس سرہ کی بعض تصانیف میں بعض حضرات اولیاء کو قیوم عالم فرمایا گیا ہے اس کلام میں آیت ہے' اس نام کو شرک بتانا سخت بے دینی ہے جب یہ ہدی کے جانور قیاما" للناس ہیں تو وہ حضرات بھی قیوم عالم ہیں کہ ان کے ذریعہ عالم قائم ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دینی عظمت والی چیزوں کی توقیر ایمان ہے ان کی توہین کفر اور عذاب الٰہی کا باعث یہ فائدہ **اعلموا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** جو ان کی بے حرمتی کرے اللہ اس کے لئے شدید العقاب ہے جو ان کا احترام کرے اللہ اس کے لئے غفور رحیم ہے دیکھو شیطان کے لئے اللہ تعالیٰ شدید العقاب ہے کیونکہ اس نے رب کے پیغمبر کی تعظیم سے انکار بلکہ ان کی اہانت کی اور فرعون کے جادوگروں کے لئے اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے کیونکہ انہوں نے جناب کلیم اللہ کی تعظیم کی کہ جادو کرنے کے لئے ان سے اجازت مانگی وہ بہ یک دم مومن 'صحابی' غازی' صابر' شہید سب کچھ بن گئے' مولانا فرماتے ہیں۔

از خدا خواہیم توفیق ادب! بے ادب محروم ماند از فضل رب

پانچواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی عزت و حرمت رب تعالیٰ کی ذات و صفات کا پتہ ہیں کہ ان کی عزت سے حق تعالیٰ کی عظمت معلوم ہوتی ہے یہ فائدہ **ذالک لتعلموا** سے حاصل ہوا دیکھو رب نے کعبہ **معظمہ**' ماہ ذی الحجہ' ہدی وغیرہ کو اپنی معرفت کا ذریعہ قرار دیا کہ فرمایا ان عظمتوں سے معلوم کرلو کہ اللہ علیم و خبیر ہے یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء رب تعالیٰ کی عظمتوں کا پتہ ہیں۔

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کی شان کے صدقے میں ہر ہر آن یا رب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے جس نے ایسے شان والے محمد رسول اللہ کو پیدا فرمایا ایسے شان والے کعبہ کو بنایا خیال رکھو کہ حضور کی شان سے سب کی شانیں وابستہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چھٹا فائدہ:** موسم حج میں حجاج تجارت' حرفت' نوکری و ملازمت وغیرہ کرسکتے ہیں اس سے حج میں کوئی خرابی نہیں ہوتی یہ فائدہ قیاما" للناس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ کعبہ کے قیاما" للناس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس سے تمام عالم کے تجارتی کاروبار وابستہ ہیں اس تجارت کی اجازت قرآن مجید میں صراحۃً بھی ہے رب فرماتا ہے **لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا" من ربکم** (تفسیر روح المعانی)۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ کی مقبول چیزوں کے جسم سے لگی ہوئی چیزیں بھی دافع البلاء' مشکل کشا باعث بقا ہوتی ہیں یہ فائدہ **والقلائد** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہدی جانوروں کے گلے کا ہار کو جو جوتے وغیرہ کا ہوتا ہے اسے بھی قیاما" للناس فرمایا کیوں اس لئے کہ ہدی کے جانور کو کعبہ سے نسبت اور اس پھٹے جوتے کے ہار کو اس جانور سے نسبت ہے۔

میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں' چاہوں غیروں کو مجھے ہے دل سے الفت دل کو تم سے تم کو غیروں سے

یہ نسبت بہت دور تک اثر دکھاتی ہے' بجلی کا کرنٹ جب کسی کے جسم میں آجائے تو جو اس جسم سے چھو جائے وہاں بھی پہنچتا ہے پھر جو اس دوسرے سے مس ہو جائے وہاں بھی **غیر النہایہ** لہذا حضرات انبیاء' اولیاء کے جوتے شریف لباس شریف بال

www.alahazratnetwork.org

مبارک دافع البلاء ہیں یوسف علیہ السلام کی قمیص شافی امراض ثابت ہوئی۔ حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی مٹی۔ جو ئی خاک نے سامری کے بچھڑے میں جان ڈال دی بعض لوگ بزرگوں کالباس ان کا جوتاان کے بال ناخن وغیرہ کو تبرک سمجھ کران کا احترام کرتے ہیں ان کے اعمال کا ماخذ یہی آیت ہے۔ دیکھو پھٹے جوتے چمڑے وغیرہ کا ہار جو ہدی کے گلے میں پڑگیا اس کا اتنا احترام کیا گیا کہ اس کا ذکر یہاں عزت کے ساتھ کیا گیا **والقلائد** اور اسے بھی بقاء انسانی کا ذریعہ بتایا گیا۔ جب یہ پھٹے جوتے کا ہار ہدی کے گلے میں پڑکر محترم ہو گیا تو بزرگوں کا جوتہ ان کے قدم سے لگ کر ضرور محترم ہو گا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کعبہ **معظمہ** کو بیت الحرام بھی بنایا اور لوگوں کو بقا کا ذریعہ بھی مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ مولیٰ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ **معظمہ** کو حرم بنایا اور میں مدینہ منورہ کو حرم بناتا ہوں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی پیدائش کے دن سے مکہ کو حرم بنایا ان احادیث کا آپس میں بھی تعارض ہے اور یہ احادیث اس آیت کے بھی خلاف ہیں۔ **جواب**: کعبہ **معظمہ** اور مکہ **محترمہ** کے متعلق ابتدائے آفرینش سے رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا تھا اور اس کے متعلق لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا کہ یہ مقام بڑی حرمت والا ہو گا مگر اس فیصلہ الٰہی کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہوا لہذا اس آیت کریمہ میں اس فیصلہ کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں اس فیصلہ کے ظہور کا تذکرہ ہے بعض علماء نے فرمایا کہ اس مقام کی

ذاتی حرمت اول پیدائش کے دن سے ہے اور اس کے ساتھ بیرونی حرمت جو سونے پر سہاگہ کی طرح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ہے دیکھو زمین مدینہ اول ہی سے محترم ہے مگر اس کے احترام کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف فرما ہو جانے سے ہوا نیز یہ منور جگہ ذاتا" پہلے سے ہی قابل احترام ہے حتیٰ کہ حضرات سلیمان علیہ السلام نے جب اپنے تخت پر تمام دنیا کی سیر فرمائی تو اس زمین کے خطہ کو پیدل طے کیا اس پر سے اڑ کر نہ گزرے پھر تبع اور دوسرے ساتھیوں کو اس کے متعلق خبر دی اس خبر پر تبع وہاں ہی آباد ہو گئے اور یہ ہی سبب بنا اس جگہ شہر بن جانے کا جس کا ذکر انشاء اللہ اس آیت کی تفسیر میں آئے گا بہر حال نہ تو احادیث آپس میں متعارض ہیں نہ قرآن و حدیث (تفسیر روح البیان) **دوسرا اعتراض**: کعبہ **معظمہ** ہدی اور ہدی کے گلے کے ہار لوگوں کے قیام ان کی بقا کا ذریعہ کیونکر ہیں دنیا میں ہر جگہ ایسے لوگ آباد ہیں جنہیں کعبہ سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ کعبہ کے دشمن ہیں۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں الناس سے مراد یا تو اہل عرب ہیں تب تو آیت بالکل ظاہر ہے کہ اہل عرب کی دین و دنیا کعبہ **معظمہ** کی برکت سے ہے وہاں خائف کو امان ہے اہل عرب کی روزی کعبہ **معظمہ** کے ذریعہ سے ہے کعبہ ہی سے نمازیں حج و عمرہ وغیرہ وابستہ ہیں اور اگر الناس سے مراد سارے مسلمان ہیں تو قیام سے مراد ہے ان کے دین کی بقا کا ذریعہ اسلام کے بڑے بڑے ارکان کعبہ **معظمہ** سے قائم ہیں حتیٰ کہ مریں تو کعبہ کو منہ کرکے دفن ہوں تو کعبہ کے رخ پر اور اگر ناس سے مراد سارے جہان کے انسان ہیں تو اس کا مطلب وہ حدیث بیان فرما رہی ہے کہ جب تک کعبہ آباد ہے دنیا قائم ہے جب کعبہ ویران وہاں کا طواف حج و عمرہ بند ہو جائے گا تو قیامت آجائے گی لہذا دنیا کی بقا کعبہ **معظمہ** اور ان چیزوں کی برکت سے ہے۔ **تیسرا اعتراض**: ان آیات کریمہ میں کعبہ **معظمہ** کی ان عظمتوں کو علم الٰہی کی دلیل قرار دیا گیا کہ ارشاد ہوا **ذالک لتعلموا** کعبے کی یہ **عظمتیں** رب تعالیٰ کے علم تام کی علامت کیونکر ہو سکتی ہیں۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

نے دنیا میں بہت سرسبز و شاداب خطے بھی بنائے ہیں اور وہ خطے بھی جہاں تیل وغیرہ کے چشمے یا سونے وغیرہ کی کانیں ہیں مگر زمین حرمین کو ان ظاہری و باطنی ٹیپ و ٹاپ سے پاک رکھا نہ وہاں زمین کے اوپر کھیت و باغ نہ اس کے نیچے تیل کے تالاب نہ سونے وغیرہ کی کانیں پھر اس کے باوجود اس زمین کو تمام خلق کا مرجع بنادیا آج ہر سلطنت اپنا پروپیگنڈہ حرمین شریفین میں زیادہ کرتی ہے کہ وہاں تمام دنیا جمع ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کے علام الغیوب اور قدیر مطلق ہونے کی بڑی دلیل ہے کہ ہر خطہ زمین کو وہی چیز بخشی جس کے وہ لائق تھی اور وہ ایسا قادر ہے کہ جہاں جیسا باغ لگانا چاہے لگادے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے کعبہ معظمہ کو اپنی قدرتوں کا مظہر بنایا اسے اپنی صفات کے انوار سے منور کر کے جگمگادیا اس جگہ کو اغیار سے محفوظ رکھا اخیار کو وہاں حاضری کی اجازت دی اور ان اخیار پر بھی بہت پابندیاں لگائیں کہ بغیر احرام وہاں داخل نہ ہوں وہاں شکار وغیرہ نہ کریں اسے اپنا گھر اور تمام جہان کا دل بنایا موسیٰ علیہ السلام کے طور پر حضرت عیسیٰ کو کوہ مصنفیہ پر اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ معظمہ میں اپنا جلوہ دکھایا چنانچہ فرمایا گیا کہ جلوہ الٰہی سینا پر آیا ساعیر پر بلند ہوا اور فاران پر چکا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومن کے دل کو پیام انسان کا ذریعہ بنایا اسے حکم دیا کہ اس کعبہ دل کو اغیار سے خالی رکھو' یہاں یار کا ہی چرچہ رکھو کعبہ دل حقیقی بیت الحرام ہے اور سیرالی اللہ کا زمانہ گویا ماہ محترم ہے اسی زمانہ میں خلق کے اختلاط سے الگ رہو نفس امارہ گویا ہدی والا جانور ہے جس کے گلے میں ارکان شریعت کا ہار ہے' جسے کعبہ دل پر آداب طریقت کی چھری سے ذبح کردیا جاتا ہے ان ہی چیزوں سے مومن عارف کی بقاء ہے کعبہ اجسام کا حج عمر میں ایک بار فرض ہے مگر اس کعبہ ایمان یعنی قلب مومن کا حج ہر وقت عارف لوگ کیا کرتے ہیں (از عرائس البیان و تفسیر روح البیان) اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ صوفیاء کرام کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کا قبلہ ارواح کعبہ ایمان و عرفان اور خالق کا بیت الحرام جہاں خالق ملتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور جس مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے وہ شہر حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر فدا و قربان ہونے والے عشاق اس کعبہ کی ہدی ہیں ان عشاق کے گلوں میں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا طوق پڑا ہے' وہ قلائد ہیں یہ چار چیزیں بقاء نسل انسانی کا ذریعہ ہیں جیسے کعبہ معظمہ لوگوں کا جامع ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات جامع الناس ہے' خیال رہے: کہ جیسے کعبہ معظمہ باوجود ان عظمتوں و برکتوں کے اپنے قبلہ دائمی بننے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاؤں کا حاجتمند ہے اسلام میں پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش پر کعبہ معظمہ قبلہ اسلام بنایا گیا اور یہ کہہ کر بتایا کہ جس قبلہ سے تم راضی ہو ہم اسی طرف تم کو پھیر دیتے ہیں اس سے تاقیامت سب کو سبق دے دیا گیا کہ بڑے سے بڑا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جسے جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم سے ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا ملتا ہے یہ کعبہ کی دیواروں مکہ کے کوچہ و بازاروں سے پوچھو۔

وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا ہو کر نشان بے نشاں بن کر زبان بے زباں بن کر

رب تعالیٰ نشان دینے سے پاک ہے اس کا نشان دینے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قیامت کے اول حال میں سب بے زبان ہو جائیں گے اس وقت ہم سب بے زبانوں کی زبان حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہوں گے **وانا خطیبھم اذا صمتوا**۔ حسن مقید کی خوبی زیور سے ہوتی ہے حسن بے قید کی خوبی ادا سے ظاہر ہوتی ہے اللہ تعالیٰ حسن مطلق ہے اللہ جمیل یحب الجمال

حضور اس حسن مطلق کی ادا ہیں۔

لطیفہ : جب کسی کو خط لکھنا ہو تو پتہ میں شہر، ضلع، وارڈ، نمبر مکان، ڈاک خانہ، لیٹر بکس نمبر لکھا جاتا ہے تب اس تک وہ خط پہنچتا ہے مگر اپنے شخص کا پتہ یوں لکھا جاتا ہے کہ پوسٹ ماسٹر کو مل کر فلاں کو ملے اللہ تعالیٰ بستی، محلہ، وارڈ، تحصیل، ڈاک خانہ سے پاک و بے نیاز ہے تو اب یہی کہا جائے گا کہ ہر شخص ہر چیز ہمارا ہر نیک عمل رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر خدا تعالیٰ کو ملے اس لامکان تک پہنچے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نشان بے نشان ہیں رب خود فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک** اور فرماتا ہے **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب** جو گنہگار تمہارے پاس پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ کو پالے گا جو تمہارے پاس آکر تم سے پوچھے کہ رب کہاں ہے تو میں قریب ہوں یہ بے نشان بے نشان کی شان صلی اللہ علیہ وسلم۔

مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٩﴾ قُلْ

نہیں ہے ذمہ ان پیغمبر کے مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے وہ سب جو ظاہر کرتے ہو تم اور وہ جو چھپاتے ہو فرما

رسول پر نہیں مگر حکم پہنچانا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو

لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ ۚ فَاتَّقُوا

دو کہ نہیں برابر ہے گندا اور پاک اگرچہ پسند آئے تم کو زیادتی گندے کی پس ڈرو

تم فرما دو کہ گندا اور ستھرا برابر نہیں اگرچہ تجھے گندے کی کثرت بھائے تو اللہ سے

اللّٰهَ يٰٓأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٠٠﴾

اللہ سے اے عقلوں والوں شاید کہ تم کامیاب ہو

ڈرتے رہو اے عقل والو تاکہ تم فلاح پاؤ

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ ۱ تعلق: پچھلی آیات میں کعبہ معظمہ کی عظمتوں کا ذکر ہوا کہ وہ باعث بقائے انسان ہے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و مراتب کا ذکر ہے جو باعث بقائے کعبہ ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو نہ کعبہ ہوتا نہ اس کی یہ عظمتیں۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں لوگوں کو نیاز مندی اور کعبہ معظمہ کی بے نیازی کا ذکر ہوا کہ کعبہ معظمہ لوگوں کی بقاء کا ذریعہ ہے لوگ کعبہ کی بقا کا ذریعہ نہیں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی اور تمام عالم کی نیاز مندی کا تذکرہ ہے کہ ان کے ذمہ

www.alahazratnetwork.org

صرف تبلیغ ہے اگر کوئی بھی ان کی اطاعت نہ کرے تو ان کا کچھ نقصان نہیں اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تو سورج کا کچھ نہیں بگڑتا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ترغیب و ترہیب دونوں تھیں کہ اللہ سخت عذاب والا ہے اس سے ڈرو اللہ غفور رحیم ہے اس سے معافی کی امید رکھو اب اس ترغیب و ترہیب کے بعد نفس تبلیغ فرمائی جارہی ہے کہ اپنے ظاہر و باطن کو سنبھالو اللہ سب کچھ جانتا ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات سے پتہ چلا تھا کہ اگرچہ سارے عالم کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر عالم کے بعض حصے بہت ہی شاندار ہیں کہ ساری روئے زمین ان کی ہمسری نہیں کرسکتی جیسے کعبہ معظمہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگرچہ سارے انسانوں کے خالق و مالک ہم ہی ہیں مگر بعض انسان خبیث ہیں بعض طیب خبیث خواہ کتنے ہیں زیادہ ہوں مگر تھوڑے طیب سے ہمسری نہیں کرسکتے۔ پانچواں تعلق: کعبہ معظمہ دنیا کی آبادی کا ذریعہ ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کی آبادی کا ذریعہ دیکھو کعبہ کا حج و عمرہ طواف وغیرہ صرف مسلمان کرتے ہیں اور کوئی قوم نہیں کرتی اور مسلمانوں کو یہ احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیئے کعبہ اللہ کا گھر ہے مسلمان اسے آباد کرنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آباد کرانے والے بسانے والے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ جنت کا بنانے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے بسانے والے خدا تعالیٰ دوزخ کی آگ بھڑکانے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بھڑکتے کو مسلمان کے لئے بجھانے والے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ بنانے کے بعد اس کے بسانے والے کا ذکر فرمایا خیال رہے کہ گھر کی آبادی وہاں کے مکینوں سے ہوتی ہے مسجدوں کی آبادی نمازیوں سے کچہریوں کی آبادی قاضیوں سے میدان جہاد کی آبادی غازیوں سے کعبہ کی آبادی حاجیوں سے اور نمازی غازی حاجی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے ہیں۔

شان نزول: حضرت جابر ابن عبداللہ فرماتے ہیں کہ ایک نو مسلم نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بحالت کفر شراب کی تجارت کرتا تھا مجھے اس سے بہت نفع ہوا اب میں بڑا امیر ہوں وہ مال میرے پاس بہت ہے اگر میں وہ مال کار خیر میں خرچ کردوں تو کیا مجھے کچھ ثواب ملے گا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم وہ مال حج و جہاد جیسی اعلیٰ عبادات میں بھی خرچ کردو تب بھی وہ تم کو مچھر کے پر کے برابر مفید نہیں اللہ تعالیٰ طیب ہے وہ طیب ہی قبول فرماتا ہے تب یہ آیت کریمہ **قل لا یستوی** نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید فرمائی گئی (تفسیر روح المعانی، خازن، روح البیان وغیرہ)۔ (2) امام مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ ہی آیت **لا یستوی** الخ کے نزول کا واقعہ یہ ہے کہ ایک شخص تھا حطیم وہ ایک بار اہل مدینہ کے جانور چرالے گیا سال آئندہ وہ یمامہ کے حاجیوں کے ساتھ عمرہ کرنے مکہ معظمہ چلا جب یہ قافلہ مدینہ منورہ کے قریب سے گزرا تو حضرات صحابہ کرام نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگی کہ ہم حطیم کا مال چھین لیں اور اسے گزشتہ چوری کی سزا دیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اس وقت عمرہ کرنے جارہا ہے ہدی وغیرہ اس کے ساتھ ہیں تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید اور حضرات صحابہ کی فرمائش کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان و روح المعانی و بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر: **ما علی الرسول الا البلاغ** یہاں ما نافیہ ہے بمعنی لیس علی ایک پوشیدہ کلمہ کے متعلق ہے واجب یا ثابت یا لازم الرسول سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت کے دائمی نبی دائمی پیغمبر ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلق رسول فرمایا جاتا ہے کسی خاص قوم کی طرف نسبت نہیں کیا جاتا الرسول میں الف

www.alahazratnetwork.org

لام مضاف الیہ کے عوض ہے مضاف الیہ یا خالق ہے یا مخلوق۔ خیال رہے کہ رسول کا تعلق خالق سے لینے کا ہوتا ہے مخلوق سے دینے کا نبوت منسوخ ہونے پر نبی کا تعلق رب تعالیٰ سے لینے کا تو رہتا ہے مگر مخلوق کو دینے کا تعلق نہیں رہتا لہٰذا وہ حضرات رسول اللہ تو رہتے ہیں مگر رسول خلق نہیں رہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت منسوخ نہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ تک رسول اللہ بھی ہیں رسول الخلق بھی۔ **الا البلاغ** میں **الا** سے حصر ثابت ہوتا ہے مگر یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے لہٰذا اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سواء تبلیغ اور کچھ نہیں کرتے اور کچھ نہیں دیتے حضور ہدایت' ایمان' عرفان' شفاعت' رحمت' پاکیزگی' علم وغیرہ سب کچھ دیتے ہیں بلاغ کے معنی ہیں احکام الٰہیہ کا پہنچانا خواہ زبان سے ہو یا قلم سے یا تلوار سے یا اپنے عمل شریف سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تمام تبلیغیں مکمل طور پر فرمائیں۔ عملی تبلیغ بچپن شریف سے کی زبانی تبلیغ ظہور نبوت کے بعد ہجرت سے پہلے کی اور زبانی' قلمی' سنانی تبلیغیں ہجرت کے بعد فرمائیں اور بواسطہ علماء' اولیاء اللہ' مجاہدین' اسلامی سلاطین تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ باقی ہے یعنی اے لوگو ہمارے ان رسول کے ذمہ تم کو ہدایت دے دینا تم کو ہدایت یافتہ کر دینا لازم نہیں ان کے ذمہ احکام الٰہی تم سب تک پہنچا دینا ہے یہ کام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے علی وجہ الکمال پورا فرما دیا اب اگلا کام یعنی ان کی تبلیغ قبول کرنا نہ کرنا تمہارا ہے **واللہ یعلم ما تبدون وما تکتمون** اس جملہ میں لوگوں کو سخت ڈرایا گیا **ما** سے مراد سارے قول' فعل' حال' اعمال' احوال ہیں۔ **تبدون** سے مراد ہے علانیہ ظاہر ظہور کرنا **تکتمون** سے مراد ہے مخلوق سے چھپ کر کرنا یا کرنا یعنی یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کھلے چھپے ظاہر و خفی اعمال' افعال احوال و اقوال جانتا ہے ہر شخص کو وہ سزا یا جزاء دے گا جس کا وہ مستحق ہے **قل لا یستوی الخبیث والطیب** ظاہر یہ ہے کہ **قل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے بعد **لھم** پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب مسلمانوں سے فرما دو تاکہ انہیں یہ مسئلہ اور خبث و طیب کا فرق معلوم ہو جائے یا کفار سے فرما دو یا سارے انسانوں سے فرما دو خواہ کافر ہوں یا مومن یا ساری مخلوق جن و انس سے فرما دو کیونکہ خبیث و طیب جن و انس سب ہی ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس میں خطاب ہر مسلمان قاری قرآن سے ہو کیونکہ آگے آ رہا ہے **ولو اعجبک کثرۃ الخبیث** (**لا یستوی**) میں درجہ میں برابری کی نفی ہے خبیث بنا ہے خبث سے۔ خبث کے لغوی معنی ہیں میل اسی لئے لوہے کے میل کو خبث الحدید کہتے ہیں خبیث کے معنی ہیں میل والا اور طیب کے معنی ہیں میل سے صاف اصطلاح میں خبیث کے بہت معنی ہیں گندا' ردی' برا وغیرہ اسی لئے قرآن کریم نے ردی مال کو خبیث فرمایا **ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون ولستم باخذیہ** طیب بنا ہے طیب سے بمعنی کھرا و ستھرا و پاک ہونا خباثت و طیب دو قسم کی ہے جسمانی اور روحانی پھر ان دونوں کی بہت قسمیں ہیں اس آیت کریمہ میں یہ حکم عام بیان فرمایا کہ کوئی خبیث و طیب کسی قسم کے ہوں درجہ میں برابر نہیں۔ حرام خبیث ہے حلال طیب نجس خبیث ہے طاہر طیب برے اعمال خبیث ہیں اور نیک اعمال طیب کفر خبیث ہے ایمان طیب کافر خبیث ہے مومن طیب فاسق خبیث ہے متقی طیب ناشکرا خبیث ہے شکر گزار بندہ طیب جاہل خبیث ہے۔ عارف باللہ طیب' بدبخت خبیث ہے نیک بخت طیب' حریص لالچی آدمی خبیث ہے قناعت و صبر والا طیب غرضیکہ اس ایک جملہ نے ان سب کے متعلق فرما دیا کہ یہ دونوں درجہ میں برابر نہیں **ولو اعجبک کثرۃ الخبیث** اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے کیونکہ یہ **قل** کے ماتحت ہے یعنی آپ فرما دو کہ اے مسلمان تجھے خبیث کی کثرت خیرہ نہ کر دے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں مالدار کفار اور زیادتی مال کی کوئی وقعت ہی نہ تھی ایک ایک مجلس

www.alahazratnetwork.org

میں سونے چاندی کے ڈھیر تقسیم فرمادیئے۔

مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم — دولت دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تونگر!

اعجب بنا ہے **اعجاب** سے اعجاب بنا ہے **عجب** سے بمعنی حیرت یا ہیبت یا تعجب کرنا یا بنا ہے **عجب** عین کے ضمہ سے بمعنی پسند آنا۔ خوش ہونا کثرۃ سے مراد ہے افراد کی زیادتی یا اجزاء کی زیادتی یعنی اگرچہ تم کو غیبت و گندی چیزوں کی زیادتی بظاہر بھلی معلوم ہو اور طیب چیز کم ہونے کی وجہ سے بظاہر حقیر محسوس ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ طیب تھوڑا ہو تو بھی اعلیٰ ہے خبیث زیادہ ہو تب بھی ادنیٰ ایک گھڑا پیشاب سے ایک تولہ عطر افضل ہے تھوڑی حلال چیز بہت سی حرام چیز سے بہتر ہے کہ حلال مقبول ہے حرام مردود **فاتقوا اللہ یا اولی الالباب** یہ عبارت پہلے جملہ پر مرتب ہے اس طیب بنانے والی چیز کا ذکر ہے یعنی اللہ کا خوف یہ وہ پارس ہے جو لوہے کو سونا کردیتا ہے۔ تقویٰ کے معنی اور اس کے اقسام یوں ہی عقل اور لب میں فرق اور عقل کی قسمیں بارہا بیان ہو چکیں چونکہ لب کی قسمیں بہت ہیں اور اہل عقل بہت قسم کے اس لئے **اولی الالباب** جمع ارشاد ہوا یعنی چونکہ خبیث اور طیب برابر نہیں اس لئے اے خالص عقل والو اللہ سے ڈرو اور طیب چھوڑ کر خبیث کے طالب نہ ہو کیونکہ خبیث کا طالب خود خبیث ہے اور طیب کا طالب خود طیب ہے **الخبیثات للخبیثین**۔ یوں ہی **الطیبات للطیبین** اگر تم دنیا میں خبیث کے طالب بنے تو سخت سزا پاؤ گے **لعلکم تفلحون** یہ تقویٰ و طہارت کا نتیجہ ہے یعنی تم طالب طیب ہو تاکہ تم تقویٰ کے اعلیٰ درجہ پر پہنچو اور دنیا و آخرت میں کامیاب رہو دنیا میں بندے کی کامیابی یہ ہے کہ رب کو راضی کرلے آخرت میں کامیابی یہ ہے کہ رب تعالیٰ اسے راضی کرے دنیا کی زندگی میں تو جو رب چاہے وہ بندہ کرے آخرت میں جو بندہ چاہے وہ رب کرے **لهم ما یشاؤن** چونکہ تقویٰ طیب بننے کا ذریعہ ہے اس لئے طیب کے بعد تقویٰ کا ذکر فرمایا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگو خوب خیال رکھو کہ جیسے کعبہ **معظمہ** کے تم حاجت مند ہو وہ تمہارا محتاج نہیں تمہارا قیام تمہاری بقا کعبہ سے ہے کعبہ کا قیام اس کی بقا تم سے نہیں یوں ہی وہ کونین کے دولہا کعبہ کی رونق مدینہ کی زینت اللہ کے محبوب خالق اور ساری مخلوق کے دائمی رسول تم سے بے نیاز ہیں تم ان کے حاجت مند اور نیاز مند ہو ان کے رسول کے ذمہ صرف یہ ہے کہ مخلوق تک اللہ کے احکام پہنچادیں' وہ اپنا کام کرچکے زبان' قلم' عمل' تلوار وغیرہ کے ذریعہ تبلیغ کرچکے اب اگلا کام تمہارا ہے تم اپنا ظاہر بھی سنبھالو باطن بھی درست کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہر و باطن دونوں جانتا ہے جیسا تمہارا ظاہر و باطن ہوگا ویسی تمہیں سزا و جزا ملے گی یہ بھی خیال رہے کہ ہماری عطا ہمارے محبوب کی سخا میں فرق نہیں عطا و سخا کا دریا موجزن ہے البتہ لوگوں کے لینے میں فرق ہے بعض اس سخا سے حصہ لے کر مرحوم بن جاتے ہیں بعض محروم رہتے ہیں۔

مرحوم لوگ طیب ہیں محروم خبیث لہذا **لا یستوی الخبیث والطیب** کی بہت تفسیریں ہیں خبیث سے مراد مال حرام طیب سے مراد مال حلال یہ دونوں برابر نہیں مال حلال میں برکت' رحمت' شفا' عبادات کی لذت دعا کی قبولیت ہے مال حرام میں ان کے برعکس دوسرے یہ کہ خبیث سے مراد ہے انسان خبیث طیب سے مراد ہے انسان طیب کافر فاسق دوزخی انسان' مومن متقی جنتی محبوب انسان برابر نہیں ان دونوں کی پیدائش زندگی' موت کھانے پینے' بول چال سونے جاگنے' چلنے پھرنے میں فرق ہے اس کی مراد طیب ہے مہمان کی غذا اور پھانسی والے ملزم کی غذا جو اسے جیل میں ملتی درجہ کی ملتی ہے برابر نہیں' تیسرے یہ کہ خبیث سے مراد کلمہ خبیث ہے اور طیب سے مراد کلمہ طیب ہے یعنی اچھی بری برابر نہیں کلمہ خبیث وہ ہے جو بری نیت سے بولا جائے

www.alahazratnetwork.org

کلمہ طیب وہ ہے جو عشق و محبت اور اچھی نیت سے بولا جائے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی! نہ ہو تو مرد مسلمان ہے کافر زندیق

چوتھے یہ کہ خبیث سے مراد بنجر زمین ہے طیب سے مراد قابل کاشت زمین کہ یہ دونوں زمینیں نام شکل و حالات میں یکساں ہیں مگر خبیث زمین میں بویا ہوا دانہ برباد جاتا ہے 'طیب زمین میں بویا ہوا پھل پھول لاتا ہے 'اگرچہ دانہ پانی ہوا دھوپ یکساں ہیں پانچویں یہ کہ خبیث سے مراد ہے گندے دل طیب سے مراد ہے اچھے اور پاکیزہ دل ابو جہل کے لئے قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مفید نہیں ہوئے کہ دل خبیث تھا 'حضرات صحابہ کی یہ قابلیت انہیں چیزوں سے بے شمار مختلف فائدے نصیب ہوئے اس لئے ارشاد ہوا کہ محبوب تم فرمادو یا اے مسلمان 'تو اعلان کر دے کہ حلال و حرام 'نیک و بد 'کفر و ایمان 'فسق و تقویٰ 'ناشکری و شکر 'بے صبری و صبر غرضیکہ کوئی خبیث و طیب درجہ میں برابر نہیں خبیث مردود ہے طیب مقبول اگرچہ کبھی تم خبیث کی زیادتی اس کا شور اس کی ظاہری ٹیپ ٹاپ سے دھوکا کھا کر اسے پسند کر بیٹھو مگر اس کا انجام خراب ہے لہذا تم اللہ سے ڈرتے رہو خبیث کے طالب نہ ہو ہمیشہ طیب کے جویاں رہو کیونکہ خبیث کا طالب خبیث ہے طیب کا طالب طیب یہ دونوں طالب برابر نہیں کوا مردار کی جستجو میں رہتا ہے 'بلبل پھول کو جویاں کوا اور بلبل برابر نہیں اللہ سے ڈرو تاکہ دین و دنیا میں کامیاب رہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت غنی عن العالمین بھی ہے یعنی تمام مخلوق سے بے نیاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس بے نیازی کے بھی مظہر ہیں تمام جہان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نیاز مند ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب سے بے نیاز ہیں وہ صرف اپنے رب کے نیاز مند ہیں یہ فائدہ **ما علی الرسول** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر قسم کی تبلیغ فرمائی عملی 'قولی 'لسانی 'سنانی 'ارکانی جہاد و غزوات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہی تو تھے یہ فائدہ **البلاغ** کے متعلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ [illegible] فائدہ: کوئی شخص براہ راست رب تعالیٰ سے ہدایت نہیں لے سکتا جسے جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ملے گا یہ بھی **البلاغ** کے اطلاق سے معلوم ہوا پہنچانے کی ضرورت وہاں ہی پڑتی جہاں خود نہ لیا جا سکے۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہان کے دائمی نبی ہیں اور تاقیامت بواسطہ علماء و اولیاء آپ کی تبلیغ جاری ہے یہ فائدہ بھی **البلاغ** کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہ نہ فرمایا کہ کس قوم کی تبلیغ اور کب تک تبلیغ آپ کے ذمہ ہے جس سے معلوم ہوا کہ تاقیامت سب کی تبلیغ آپ کے آستانہ سے جاری ہے۔ پانچواں فائدہ: مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنا ظاہر بھی درست کریں اور باطن بھی عقائد بھی ٹھیک کریں 'اعمال بھی صورت بھی سنبھالیں سیرت بھی صرف ظاہر یا صرف باطن کی اصلاح کافی نہیں یہ فائدہ **ما تبدون** اور **ما تکتمون** سے حاصل ہوا۔ ضروری ہے کہ اندرون برتن شربت بھی اچھا ہو اور برتن بھی صاف ستھرا ہو رب تعالیٰ توفیق دے۔ چھٹا فائدہ: کافر مومن جاہل 'عالم 'بے دین اور دیندار 'فاسق و پرہیزگار درجہ میں برابر نہیں 'مومن کافر سے عالم جاہل سے دیندار بے دین سے یوں ہی پرہیزگار فاسق سے درجہ میں کہیں افضل و اعلیٰ ہے یہ فائدہ **لا یستوی** سے حاصل ہوا جو کافر و مومن سب کو بھائی بھائی کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ ساتواں فائدہ: عظمت کے بغیر کثرت محض بیکار ہے دینی امور میں زیادتی تعداد اور کثرت رائے محض بیکار ہے ایک مسلمان سواد اعظم ہے لاکھوں بے دین و کفار سواد اعظم نہیں ڈاکٹر

www.alahazratnetwork.org

اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو　　　　که از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید

جاہلوں ناقصوں کی جمہوریت سے مرد کامل کی شخصی حکومت بہتر دو سو گدھوں کی جمہوریت کا وزن ایک انسان کامل کے برابر نہیں ہوتا اور فرمایا۔

یاں لوگ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے

یہ فائدہ **ولو اعجبک کثرۃ الخبیث** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کامل عقل والا وہی ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہے اور عقل وہی مفید ہے جو رب تعالیٰ تک پہنچادے رب تعالیٰ ابوجہل عقل سے بچائے۔ صدیقی عقل نصیب کرے یہ فائدہ **واتقوا اللہ یا اولی الالباب** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہر شخص کو تقوے کا حکم ہے مگر جیسا شخص اس کا ویسا تقویٰ کافر کے لئے تقویٰ یہ ہے کہ ایمان قبول کرے مومن کے لئے تقویٰ یہ ہے کہ نیک اعمال قبول کرے بد عملیوں سے بچے پرہیز گار کے لئے تقویٰ یہ ہے کہ وہ شبہ کی چیزوں سے بچے **حضرات انبیاء** و اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ ہر اس چیز سے بچیں جو یار کے سامنے آڑ بن جائے جیسے حضرت سلیمان نے ایک ہزار گھوڑے ذبح کرادیئے کہ ان کی وجہ سے آپ کی نماز میں تاخیر ہوگئی تھی رب نے ہوا کو ان کا گھوڑا بنادیا فرمایا **وسخرنا لہ الریح** اس لئے **واتقوا اللہ** مطلق فرمایا۔ **دسواں فائدہ:** عقل عام ہے اور لب خاص لب کے لفظی معنی ہیں خلاصہ یا مغز جو عقل وہم و خیال سے خالص ہو وہ لب ہے لب خاص بندوں کو دی جاتی ہے عقل سے جہاز راکٹ ٹینک وغیرہ بنتے ہیں مگر لب سے دین' ایمان' عرفان بنتے ہیں یہ فائدہ **اولی الالباب** فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کے ذمہ صرف احکام دینا ہے وہ ڈاکیہ کی طرح رب کا حکم مخلوق تک پہنچادینے والے ہیں اس کے سواء شفاعت وغیرہ کوئی وصف نبی کو حاصل نہیں دیکھو رب فرمارہا ہے **وما علی الرسول الا البلاغ الا** سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا (چکڑالوی) **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں مطلب یہ ہے کہ رسول کے ذمہ تم کو ہدایت دے دینا نہیں ان کے ذمہ صرف احکام الٰہی پہنچادینا ہے لہٰذا جو ہدایت حاصل نہ کرے تو اس کا اثر رسول کی ذات کریم پر بالکل نہیں اس کے ذمہ دار خود وہ لوگ ہوں گے ورنہ قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رؤف' رحیم' رحمت عالمین' نور' سراج' بشیر' نذیر' خدا رسی کا وسیلہ عظمیٰ فرمایا ہے حضور اپنے رب کی عطا سے اس کے فضل سے سب کچھ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ظاہر و باطن سب کچھ درست کرنا چاہئے مگر حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا وہ تو تمہاری نیتیں ارادے دیکھتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ انسان نیت ٹھیک کرے صورت جیسی چاہے رکھے اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری صورتیں نہیں دیکھتا بلکہ نیت وارادے بھی دیکھتا ہے لہٰذا صورت و سیرت دونوں ٹھیک کرو ہم نجس و گندے برتن کا کھانا قبول نہیں کرتے رب تعالیٰ مشرکین و کفار کی سی شکل رکھنے والوں کے نیک اعمال کیسے قبول کرے گا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کثرت و قلت کوئی چیز نہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ سواد اعظم (بڑی جماعت) کے ساتھ رہو دوسری حدیث میں ہے کہ محبت والیوں زیادہ بچے جننے والیوں سے

www.alahazratnetwork.org

نکاح کرو کہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا۔ انکحوا لودنا لودود فانی اکاثربکم الامم وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس آیت میں خبیثوں گندوں کی کثرت و زیادتی کی برائی کی گئی ہے حدیث شریف میں مومنوں صالحوں متقیوں کی زیادتی کی تعریف فرمائی گئی' بیشک مسلمانوں کی کثرت اللہ کی رحمت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ید اللہ علی الجماعت** جماعت مومنین پر اللہ کی رحمت ہے۔ خیال رہے کہ اگر کسی زمانہ میں سب لوگ گمراہ ہو جائیں اور صرف ایک شخص ہدایت پر رہ جائے تو وہی سواد اعظم یعنی بڑا گروہ ہے کہ از صحابہ کرام تا یوم قیامت کے مسلمانوں کے عقائد رکھتا ہے دیکھو شرح فقہ اکبر وغیرہ۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اے عقل والو اللہ سے ڈرو تو کیا بے عقل والے اللہ سے نہ ڈریں اللہ کا خوف تو عاقل اور غیر عاقل سب کو ہی چاہیے۔ **جواب:** اس آیت کا منشایہ ہے کہ اے عقل والو تم بھی اللہ سے ڈرو اپنی عقل و دانش پر گھمنڈ نہ کرو بلکہ عقل مفید وہی ہے جو دل میں خوف خدا پیدا کرے۔ جو عقل رب سے غافل کردے وہ عقل شیطانی ہے اور لعنت کا باعث اور جو عقل رب تک پہنچاوے وہ عقل رحمانی ہے رحمت کا ذریعہ۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں تبلیغ کے معنی ہیں پہنچانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے احکام و فیوض بذریعہ قال مخلوق کے کانوں تک پہنچاتے ہیں اور بذریعہ حال دلوں تک بذریعہ نظر روحوں تک قال والی تبلیغ ۲۳ سال تک فرمائی مگر حال والی اور نظر والی تبلیغ ابد الآباد تک فرماتے رہیں گے۔ مشرق و مغرب، جنوب، شمال میں جو فیض جس کو مل رہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے مل رہا ہے۔

جس طرف کو اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے میں تری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

لہذا اے مسلمانوں ہمارے رسول کی تبلیغ سے ظاہر و باطن دل و دماغ روح و جسم کو فیض دے لو اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر یعنی جسم و جسمانیات کو بھی جانتا ہے اور تمہارے باطن یعنی روح و روحانیات سے بھی خبردار ہے صوفیاء کرام کے نزدیک خبیث وہ شے ہے جو نفسانی راستہ سے آئے خواہ ظاہری رزق ہو یا باطنی رزق عبادات وغیرہ اور طیب وہ شے ہے جو نفسانی راستہ سے بچا ہوا تم تک پہنچے طیب وہ ہے جس سے حق اللہ حق الرسول ادا کیا جائے خبیث وہ ہے جس میں مردودوں کی شرکت ہو طیب شہد ہے' خبیث زہر مومن عادل درخت باردار ہے فاسق درخت خاردار ظاہر ہے کہ شہد اور زہر۔ بار (پھل) اور خار برابر نہیں روح علوی چیز ہے انسان کو بلندی کی طرف لے جاتی ہے' نفس سفلی چیز ہے جو ہمیشہ انسان کو نیچے گراتی ہے' مولانا فرماتے ہیں۔

ہمیں مرد اندر پئے نفسے چو زاغ کو بگورستان بروئے سوئے باغا

نفس اگرچہ زیرے کست و خرزہ داں قبلہ اش دنیا است او رامردہ داں

صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اولاً فرمایا کہ خبیث طیب برابر نہیں پھر فرمایا کہ تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم خبیث نہ ہو طیب ہو پانی جسم کو پاک بناتا ہے تقویٰ کا پانی نفس کو طیب بناتا ہے پھر فرمایا تاکہ تم کامیاب ہو ہر شخص کی کامیابی الگ ہے برات میں راستہ کے بچوں کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں بکھیر کے پیسے زیادہ لوٹ میں مل جاویں براتیوں کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں کھانا اچھا مل جاوے دولہا کے کمینوں کی کامیابی یہ ہے کہ انہیں جوڑے روپے مل جاویں مگر دولہا کی کامیابی یہ ہے کہ اسے برات کا اصلی مقصود یعنی دولہن مل جاوے لہذا کفار بلکہ ہمارے نفس ناہنجار نے دنیا کی دولت و مال کو کامیابی سمجھا مگر اللہ والوں کے دل کی کامیابی یہ ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

اس زندگی میں مولیٰ مل جاوے لہٰذا نفس کے پیچھے نہ چلو ورنہ یہ تم کو بجائے باغ کے مردار کی طرف لے جائے گا نفس اگرچہ بہت چالاک ہے مگر اس کا قبلہ دنیا ہے دنیا میں خبیث بہ ظاہر بہت معلوم ہوتا ہے مگر در حقیقت حقیر ہے طیب اگرچہ معمولی اور کم محسوس ہوتا ہے مگر در حقیقت عظیم ہے تم ہمیشہ طیب کے طالب رہو۔

گلستان جہاں میں پھول بھی ہیں اور کانٹے بھی　　　مگر جو گل کے جویاں ہیں انہیں کیا خار کا کھٹکا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ خبیث دو قسم کے ہیں اصلی اور عارضی یہی طیب کا حال ہے خبیث اصلی کبھی طیب نہیں بن سکتا خبیث عارضی تلاوت قرآن صحبت صالحین سے طیب بن جاتا ہے ناپاک کپڑا پانی صابن سے پاک ہو جاتا ہے کہ عارضی ناپاک ہے مگر پیشاب پر پانی صابن ڈالو تو پاک نہیں ہوتا کہ اصلی نجس ہے۔ جو آرام یا راحت میں رب کو بھول جاوے وہ عارضی طیب ہے۔ جو ہر حال میں دروازہ پر رہے وہ اصلی طیب ہے رب فرماتا ہے **ومن الناس من یعبد اللہ علی حرف** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اصلی خبیث کو طیب بنا دیا دیکھو حضور کا قرین شیطان مسلمان ہو گیا شیطان اصلی خبیث ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے طیب کر دیا اس کی حقیقت بدل دی پیشاب سمندر میں گر کر فنا ہو کر پاک ہو جاتا ہے پاخانہ آگ میں راکھ بن کر سور نمک کی کان میں نمک بن کر پاک ہو جاتا ہے۔ ہمارا شعر ہے۔

تم کچھ کرپا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے　　　کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس کندن سبھی بنائے

خدا وہ آگ نصیب کرے۔ جو ہماری حقیقت کو بدل دے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے نہ پوچھو تم ان چیزوں کے متعلق کہ اگر ظاہر کر دی جاویں تمہارے لئے تو غمگین

اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تمہیں بری لگیں اور اگر انہیں اس وقت پوچھو گے کہ قرآن

عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ

کر دیں تم کو اور اگر پوچھو گے تم ان کے بارے میں جبکہ اتارا جا رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جاویں گی واسطے تمہارے معافی دی

اتر رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جاویں گی اللہ انہیں معاف کر چکا اور اللہ بخشنے والا حلم والا

حَلِيْمٌ (١٠١) قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ (١٠٢)

اللہ نے ان سے اور اللہ بخشنے والا حلم والا ہے بیشک پوچھیں چیزیں ایک قوم نے پہلے تم سے پھر ہو گئے وہ انکے انکاری۔

ہے　تم سے اگلی قوم نے انہیں پوچھا پھر ان سے منکر ہو بیٹھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تبلیغ ہے اب فرمایا جا رہا ہے کہ چونکہ وہ رب تعالیٰ کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں اس لئے ضروری احکام وہ تم کو خود ہی پہنچا دیں گے تم ان کی اطاعت کرو تم ان سے پوچھ پوچھ کر اپنے پر احکام سخت نہ کرالو گویا حضور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کی تبلیغ کا ذکر پہلے ہوا اور مسلمانوں کو تبلیغ کرنے کے ثواب کا ذکر اب ہو رہا ہے داتا کی دین کا ذکر پہلے تھا فقیروں کو لینے کا طریقہ اب سکھایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت عامہ کا ذکر ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معجزات سے ثابت ہو گئی اب فرمایا جا رہا ہے اے مسلمانوں تم کفار کی طرح معجزات کے مطالبوں میں مشغول نہ ہو بلکہ اطاعت کی کوشش کرو بہت مطالبوں سے کبھی مصیبت آجاتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے کھلے چھپے حالات جانتا ہے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بتائے سب کچھ جانتے ہیں تم ان سے پوچھ پوچھ کر اپنے عیوب نہ کھلوا لو اپنے پردے رہنے دو۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ بعض لوگ خبیث ہیں بعض طیب یہ دونوں درجہ میں برابر نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مسلمانوں تم بہت پوچھ کچھ کر کے ان کو ظاہر نہ کرا لو بعض لوگ خبیث ہیں مگر پردہ میں ہیں لوگوں میں بدنام نہیں تم ان کے عیوب نہ کھلوا لو ممکن ہے کہ ان سوالات سے خود پوچھنے والے ہی کا پردہ چاک ہو جائے لہذا پردہ رہنے دو۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا' اے عقل والو اللہ سے ڈرو تاکہ کامیابی پاؤ جس سے معلوم ہوا تھا کہ کامیابی کا دارو مدار اللہ سے خوب اور نیک اعمال کرنے برے اعمال سے بچنے پر ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے اوقات بیہودہ اور لغو سوالات میں ضائع نہ کرو بلکہ عمل صالح میں صرف کرو بیہودہ سوالات کا انجام خراب ہوتا ہے کامیابی کثرت عمل سے ہے نہ کہ کثرت سوال سے۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں (1) بعض منافقین بطور تمسخر و دل لگی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت غیر ضروری باتیں پوچھا کرتے تھے کوئی کہتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میری اونٹنی گم گئی ہے بتایئے کہاں ہے کوئی کہتا کہ فرمایئے میرا باپ کون ہے میں کس کا بیٹا ہوں ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر قیام فرما کر ارشاد کیا کہ اچھا آج جو کچھ پوچھنا ہے ہم سے پوچھ لو ہم اس مجلس میں سب کچھ بتا دیں گے تو عبد اللہ ابن حذافہ سہمی کھڑے ہو کر عرض گذار ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے فرمایا تمہارا باپ حذافہ ہے یعنی تم حلال سے پیدا ہوئے ہو اپنے ہی باپ کے ہو' دوسرا شخص بولا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے فرمایا تیرا باپ سالم ہے شیبہ کا آزاد کردہ غلام (یعنی تو اپنے باپ سے نہیں) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ تیور دیکھے تو عرض کیا یارسول اللہ ہم بارگاہ الٰہی میں توبہ کرتے ہیں (یعنی سب کے پردے رہنے دیجئے)" (بخاری جلد اول کتاب العلم باب الغضب فی التعلیم ص 20) عبد اللہ ابن حذافہ کی والدہ نے جب یہ واقعہ سنا تو اپنے بیٹے عبد اللہ پر ناراض ہوئیں اور بولیں کہ تجھ جیسا نالائق بیٹا کوئی نہ ہو گا اگر میں نے زمانہ جاہلیت میں کوئی ناجائز حرکت کی ہوتی تو آج میں کیسی رسوا ہو جاتی' عبد اللہ بولے کہ اگر آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی حبشی غلام کا بیٹا کہہ دیتے تو میں اس کا بیٹا ہوتا (تفسیر خازن) کسی نے پوچھا کہ میرا باپ کون ہے فرمایا صداقہ ہے یعنی تو حرامی ہے اپنے باپ کے نطفے سے نہیں کیونکہ اس کی ماں کا خاوند کوئی اور تھا ایک شخص نے پوچھا میرا انجام کیا ہو گا فرمایا تو جہنمی ہے تیرا انجام آگ ہے ایک نے پوچھا میرا باپ فوت ہو چکا ہے وہ کہاں ہے فرمایا دوزخ میں اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خزائن عرفان) (2) حضرت علی ابن ابی طالب فرماتے ہیں کہ جب حج کی آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ سے فرمایا کہ حج کرنا فرض ہے تو حضرت اقرع ابن حابس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا ہر سال فرض ہے حضور خاموش رہے انہوں نے پھر یہی پوچھا پھر خاموش رہے انہوں نے پھر یہی سوال کیا تب فرمایا کہ اگر ہم ابھی ہاں کہہ

www.alahazratnetwork.org

دیتے تو ہر سال ہی فرض ہو جاتا عمر میں ایک بار فرض ہے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **یاایها الذین امنوا**۔ قرآن مجید میں کبھی **الذین امنوا** سے تاقیامت سارے انسان مومن مراد ہوتے ہیں کبھی سارے جن وانس بلکہ ملائکہ مومنین مراد ہوتے ہیں کبھی صرف صحابہ کرام ہی مراد ہوتے ہیں اس کا پتہ آیت کے مضمون سے چلتا ہے یہاں تیسری قسم کا خطاب ہے یعنی صرف صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہی مراد ہیں کیونکہ قرآن کے زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ پوچھنا انہیں کو میسر تھا اور آگا مضمون یہ ہی ہے لہذا ایسا ایمان سے مراد وہ ایمان ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر میسر ہو۔ مومن اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حضرات صحابہ کی بھی اور ہماری بھی مگر ان چار ایمانوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اللہ تعالیٰ مومن ہے یعنی مخلوق کو امان دینے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن ہیں بمعنی امت کو ایمان بخشنے والے حضرات صحابہ مومن ہیں شہودی کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبریل کو نزول قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو آنکھوں سے دیکھا اور دیکھ کر ایمان لائے ان کا ایمان ان چیزوں پر شہودی ہوا ہم بہر حال مومن بالغیب ہوئے کہ ان میں سے کوئی چیز نہ دیکھی اور ایمان لائے۔ حضرت بلال نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد اذان نہ دی کہ اب **اشهد ان محمد رسول الله** کے دیکھ کر پڑھوں **لا تسئلو عن اشياء**۔ **لا تسئلوا** بنا ہے سوال سے جس کا مادہ سئل ہے سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں جیسے **واذا سالتموهن متاعا**" اور جیسے **لا يسئلون الناس الحافا**" اور اس کے معنی پوچھنا بھی ہیں جیسے **واذا سالك عبادى عنى فانى قريب** جب بمعنی پوچھنا ہو تو اکثر اس کے بعد عن آتا ہے جیسے **و يسئلونك عن الانفال** یہاں پوچھنے کے معنی میں ہے۔ **اشياء** سے مراد احکام شرعیہ اور دوسری چیزیں سب ہی ہیں۔ خیال رہے: کہ **اشياء** جمع شئی کی ہے۔ وزن افعال نہی ہے۔ ورنہ۔ جمع قلت ہوتی یہ ہے جمع کثرت شئی کی جمع ہی **شيئاء** بروزن حمراء آخر کلمہ میں دو ہمزہ جمع ہوئیں درمیان میں الف تھا یہ عربی میں ثقیل ہے اس لئے اس کی پہلی ہمزہ جو لام کلمہ ہے وہاں سے ہٹا کر شروع میں لگادی گئی۔ **اشياء** ہو گیا چونکہ **شيئاء** بروزن فعلاء ہے اس لئے غیر متصرف ہوا خلیل اور سیبویہ نے یہ ہی کہا ہے اخفش اور فراء نے کہا ہے کہ یہ اصل میں **اشيياء** تھا جیسے اصدقاء اور صفیاء اس سے بنا اشیاء اور یہ وزن بھی غیر منصرف کا ہے مگر قوی بات وہ ہے جو امام کسائی نے فرمائی کہ یہ بروزن افعال ہے جیسے **ابناء** اور **اسماء** اس میں غیر منصرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں چونکہ بظاہر حمرا اور صفرا کے وزن پر تھا اس لئے اسے غیر منصرف مانا گیا جیسے کراویل اس میں غیر منصرف ہونے کی کوئی وجہ نہیں صرف مصابیح کے وزن پر ہونے کی وجہ سے اسے غیر منصرف کہا گیا قیاس یہ ہی تھا کہ منصرف ہو قرآن نے غیر منصرف فرمایا اس لئے مان لیا گیا (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) فقیر کے نزدیک یہ قول بہت ہی قوی ہے قرآن مجید ہمارے قاعدوں کا پابند نہیں بلکہ ہمارے قاعدے قرآن مجید کے پابند ہیں **ان تبد لكم تسؤكم**۔ یہ جملہ شرطیہ صفت ہے اشیاء کی تبد بنا ہے **بدء** سے بمعنی ظہور ابداء ظاہر کرنا تسوء بنا ہے **سوء** سے بمعنی برائی یا برا لگنا جہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی برا لگنا یا سوء اور مشقت میں پڑ جانا یعنی اے جماعت صحابہ جو میرے محبوب کو دیکھ کر ایمان لائے ہو تم ہمارے محبوب سے ایسی چیزوں کے متعلق نہ پوچھا کرو کہ اگر وہ بتا دی جائیں تو تم کو غمگین کریں یا تم کو مشقت میں ڈال دیں **وان تسئلو عنها حين ينزل القرن تبد لكم** اس عبارت میں ویسے سوال و

www.alahazratnetwork.org

جواب کے دنیاوی انجام کا ذکر ہے یعنی یہ غور کرو کہ یہ زمانہ ہے نزول قرآن کا آج حال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھنا رب تعالیٰ سے پوچھنا ہے اور آیات قرآنیہ کے نزول کا زمانہ ہے تمہارے سوالات پر نزول آیات ہوتا ہے تمہارے حالات سوالات آیات قرآنیہ کے شان نزول میں تو ہو سکتا ہے کہ تم ایسے سوالات کرو اور قرآن کریم ان کے جواب دے تو تم مصیبت یا مشقت یا پردہ دری میں گرفتار ہو جاؤ **عفا اللہ عنہا** یہ نیا جملہ ہے **عفا** بنا ہے **عفو** سے معنی مٹا معافی کو عفو اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے قصور و جرم مٹ جاتا ہے **عنہا** کی ضمیر کا مرجع یا تو سوال ہے جو **لا تسئلو** کے ضمن میں مذکور ہے یا اس کا مرجع اشیاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو معاف فرمایا کہ جن کی ممانعت نہ ہو وہ مباح کر دیں - چیزیں تین قسم کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا قرآن یا سنت میں مذکور ہو جیسے بکری گائے اور بغیر کیل و پنجہ والے جانور وہ حلال ہیں دوسرے وہ جن کا حرام ہونا قرآن یا حدیث پاک میں مذکور ہے جیسے سور کتا بلا وغیرہ تیسرے وہ جن سے خاموشی ہے نہ قرآن کریم میں ان کا ذکر ہے نہ حدیث پاک میں وہ معافی میں ہیں ان کو حرام نہیں کہا جا سکتا جیسے آم مالٹا سنترہ وغیرہ پھل یا اعلیٰ درجے کے لباس و مکان وغیرہ ان ہی کی معافی کا یہاں ذکر ہے لہذا حلال چیز وہ ہے جو شریعت میں منع نہ ہو یا مطلب یہ ہے کہ تم سے زمانہ جاہلیت میں جو قصور ہو چکے ہیں وہ معاف کر دیئے یا تم نے اب تک جو ایسے سوالات کئے وہ معاف کر دیئے اب آئندہ نہ کرنا **قد سالہا قوم من قبلکم** اس عبارت میں ان لایعنی سوالات کے برے انجام کا وہ نتیجہ بیان ہو رہا ہے جو گزشتہ لوگوں نے بھگتا قوم سے مراد قوم صالح علیہ السلام ہے جنہوں نے اپنے نبی سے غیبی اونٹنی مانگی اور قوم موسیٰ علیہ السلام جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ ہم کو خدا تعالیٰ کا دیدار کرا دو یا جنہوں نے گائے کے ذبح کے حکم پر پوچھ پوچھ کر بہت قیدیں لگوالیں اور مصیبت میں پڑ گئے قوم عیسیٰ علیہ السلام نے غیبی دسترخوان مانگا جس سے ان پر عذاب الٰہی آ گیا - غرضیکہ قوم اسم جنس ہے جس سے بہت قومیں مراد ہیں **ثم اصبحوا بہا کافرین** - ثم عطف تراخی کے لئے ہے **بہا** کا مرجع وہ ہی مذکورہ اشیاء ہیں یعنی ان قوموں نے اپنے انبیاء سے ایسی چیزوں کے متعلق سوالات کئے اور جواب ملنے پر منکر ہو گئے جس سے ان پر عذاب الٰہی آیا تم ان قوموں کے انجام میں غور کرو اور ایسے لایعنی سوالات سے باز رہو۔

خلاصہ ء تفسیر : شان نزول سے معلوم ہو چکا کے بعض لوگوں نے غیر ضروری سوالات کئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوابات دیئے مگر اللہ تعالیٰ نے نہ تو اپنے محبوب سے یہ فرمایا کہ آپ نے ایسے سوالات کے جوابات کیوں دیئے نہ یہ فرمایا کہ آئندہ ایسے سوالات کے جواب نہ دیا کریں تاکہ جواب نہ دینے کی وجہ سے کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بے علم اور بے خبر نہ جانے بلکہ پوچھنے والوں سے فرمایا کہ آئندہ اس قسم کے سوالات نہ کیا کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب سے نہ روکا لوگوں کو سوال سے روکا کہ فرمایا اے وہ خوش نصیب لوگو جو دولت ایمان سے مالا مال ہو چکے ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں ایمان کا خاص درجہ حاصل کر چکے تم ہمارے محبوب سے آئندہ کبھی ایسی چیزوں کے متعلق پوچھا نہ کرو کہ اگر وہ تم پر ظاہر کر دی جاویں تو تم کو ان سے کوئی فائدہ نہ ہو بلکہ تم کو بری لگیں ایسے سوالات تمہارے لئے مضر ہیں تم کو معلوم ہے کہ یہ زمانہ ہے نزول قرآن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیات نازل ہو رہی ہیں اگر تم اس زمانہ میں ایسے سوالات کرو گے تو تم پر وہ باتیں ظاہر کر دی جائیں گی اور تاقیامت وہ آیات اور ان محبوب کے جوابات دنیا میں باقی رہیں گے لہذا ایسے بے فائدہ بلکہ مضر سوالات سے باز رہو اب تک تم نے جو اس قسم کے سوالات کر لئے اللہ نے معاف فرما دیئے یا جو کچھ تم سے زمانہ جاہلیت میں ہو چکا - رب تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

معاف فرمادکایا جو چیزیں ہم اور ہمارے محبوب بیان نہ فرمادیں وہ معافی میں ہیں رب نے ان کی معافی دے دی اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی تم کو معلوم ہے کہ تم سے پہلے قوم صالح قوم موسیٰ قوم عیسیٰ علیہم السلام نے اپنے رسول سے ایسے بیہودہ سوالات اور مطالبات کئے پھر ان کے منکر ہو گئے۔ جس سے ان پر عذاب الٰہی آ گئے تم ایسے خطرناک کام کرتے ہو لہٰذا تم اس سے باز رہو۔

نوٹ : حضرات صحابہ کرام کے سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین قسم کے ہوئے ایک وہ جن کے جوابات قرآن کریم نے بغیر ترمیم و تبدیلی دیئے جیسے **یسئلونک عن المحیض** لوگ آپ سے حیض کے احکام پوچھتے ہیں **قل ھوا ذی فا عتزلوا النساء** تم فرماؤ کہ وہ گندگی ہے ایسی حالت میں بیویوں سے الگ رہو یا **ویسئلونک عن الا نفال قل الا نفال للہ** الخ وغیرہ سوالات بہت ضروری تھے جن کے جوابات بعینہٖ دیئے گئے۔ دوسرے وہ سوالات جن کے جوابات کچھ ترمیم سے دیئے گئے کہ اصل سوال زیادہ مفید نہ تھے جیسے **یسئلونک عن الا ھلۃ قل ھی مواقیت للناس** حضرات صحابہ نے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ پوچھی تھی کہ یہ سورج کی طرح ہمیشہ پورا کیوں نہیں نکلتا تو اس کی وجہ بیان فرمانے کی بجائے اس کی حکمت اس کے فائدے بیان کئے گئے یا جیسے سوال کیا کہ ہم کیا مال اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو اس کے جواب میں فرمایا گیا کہ فلاں فلاں مصرف میں خرچ کرو تیسرے وہ سوالات جن کے جوابات دینے کی بجائے ان سے روک دیا گیا۔ یہاں ان تیسری قسم کے سوالات کا ذکر ہے کیونکہ یہ سوالات مضر تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ازازل تا ابد بتا دیا دکھا دیا سمجھا دیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم علم لدنی ہیں کون کس کا بیٹا ہے یہ ابتداء ہے کون دوزخ میں جاوے گا کون جنت میں یہ انتہا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سب کو خبر ہے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب اسرار ہیں اس لئے ان کا اظہار نہیں فرماتے یہ فائدہ اس آیت کریمہ کے پہلے شان نزول سے حاصل ہوا۔

ایک ماہ عدن گورا سا بدن — نیچی نظریں کل کی خبریں

حضور کے صدقہ سے بعض اولیاء اللہ کو حق تعالیٰ یہ علوم بخشتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

بلکہ قبل از حزاون تو سالہا — می شناسندت بہ چندیں حالہا
سرمہ کن در چشم خاک اولیاء — تابہ بینی زابتداء تا انتہاء

دیکھو اصحاب فیل کا واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چالیس دن پہلے ہوا اور قوم عاد یعنی ہود علیہ السلام کی کافر قوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریباً "چھ ہزار سال پہلے ہوئی مگر ان واقعات کے متعلق ارشاد ہوا **الم ترکیف فعل ربک با صحاب الفیل** اور فرمایا ہے **الم ترکیف فعل ربک بعاد**۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ رب نے اصحاب فیل قوم عاد سے کیا کیا معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں ہیں جو ذات کریم اپنی ولادت سے پہلے دنیا کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہی ہو وہ اپنی وفات کے بعد بھی عالم کے ذرہ ذرہ کو دیکھ رہے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام تشریعیہ اور احکام تکوینیہ کا مالک بنایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں اور نہ میں سب کچھ ہے حضور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کی زبان سے جو نکلتا ہے وہی ہوتا ہے یہ فائدہ اس آیت کے دوسرے شان نزول سے معلوم ہوا کہ فرمایا اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں۔ **تیسرا فائدہ:** اصل اشیاء میں اباحت ہے یعنی جو چیز شریعت میں حرام نہ کی گئی ہو وہ مباح ہے خواہ قرون ثلثہ میں ہو یا نہ ہو حدیث شریف میں ہے کہ حلال وہ جسے اللہ نے حلال کیا حرام وہ جسے اللہ نے حرام کیا اور جس چیز سے خاموشی رہی وہ معاف ہے یہ فائدہ **عفا اللہ عنہا** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جب عنہا کی ضمیر اشیاء کی طرف ہو لہذا نیاز فاتحہ حنفی شافعی بننا۔ قادری چشتی بننا درست ہے کہ انہیں اللہ رسول نے حرام نہ کیا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اور فہرست القرآن میں دیکھو اس مسئلہ پر بہت آیات بہت احادیث وارد ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** اپنے شیخ سے جو وظیفہ یا عمل حاصل ہو اس کو بغیر قید ادا کرو پوچھ پوچھ کر اس میں پیدیں نہ لگواؤ یہ فائدہ بھی عفا اللہ عنہا سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات صحابہ کرام اللہ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ بہت سی آیات ان کے سوالات ان کے واقعات ان کے حالات کے بنا پر نازل ہوئیں یہ فائدہ **وان تسئلوا** جملہ شرطیہ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ گزشتہ انبیاء کرام کی کتابیں ان کی صحیفے رب تعالیٰ کی طرف سے پورے کے پورے لکھے لکھائے انہیں دے دیئے جاتے تھے ان کی آیات کے شان نزول نہ تھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کی احکام کی آیات اکثر حضرات صحابہ کرام کے سوالات یا واقعات کی بنا پر نازل ہوئیں تاکہ ان حضرات کا احسان تاقیامت مسلمانوں پر رہے دیکھو تیمم کی آیت حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہو جانے پر نازل ہوئی اور رمضان کی راتوں میں اپنی بیویوں کے پاس جانا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر جائز ہوا جو ان بزرگوں کا مخالف ہو اسے نہ تیمم کرنے کا حق ہے نہ رمضان کی راتوں میں اس رعایت سے فائدہ اٹھانے کا کوئی حق نیز اللہ تعالیٰ نے حضرات صحابہ کرام کو جامع قرآن بنایا کہ ان کے سینوں سے آیات لے کر قرآن جمع کیا گیا اگر ان حضرات کو فاسق مانا جائے تو قرآن کریم مشکوک ہو گا اگر قرآن کو غیر مشکوک ماننا ہے تو اللہ تعالیٰ کو حضرت جبریل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرات صحابہ کرام کو غیر مشکوک ماننا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ قرآن بھیجنے والا حضرت جبریل لانے والے حضور لینے والے صحابہ کرام پھیلانے والے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کی مطلق آیتیں مطلق رہیں گی مقید مقید رہیں گی مقید کی وجہ سے مطلق کو مقید نہیں کیا جا سکتا (حنفی) یہ فائدہ **عفا اللہ عنہا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا (تفسیر احمدی مع تصنیف)۔ **ساتواں فائدہ:** جس چیز کے حرام ہونے کا یقین نہ ہو اس کی بلاوجہ تحقیقات نہیں کرنا چاہئے وہ حلال ہے ہمارے پاس گوشت لایا گیا اب ہم لانے والے سے پوچھیں کہ اسے بسم اللہ سے ذبح کیا گیا تھا یا نہیں پھر خریدار نے حلال پیسے سے خریدا ہے یا حرام سے اسے پاک پانی میں پکایا ہے یا ناپاک میں یہ ہیں شبہات یا وسوسے کسی نے ہماری دعوت کی یا چندہ دیا تو اس کے متعلق تحقیقات کریں کہ یہ پیسہ حلال کا ہے یا حرام کا اس کی ضرورت نہیں فقہا فرماتے ہیں کہ جس کی کمائی مخلوط ہو اس کی دعوت کھانا اس کے ہدیئے لینا جائز ہے اس حکم کا ماخذ یہ آیت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کے ہدیے قبول فرمائے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ ستار عیوب ہے سب کے عیب چھپاتا ہے حتی کہ عیبوں کے متعلق سوالات سے بھی منع فرما دیا تاکہ لوگوں کے عیب نہ کھل جائیں تو ولید ابن مغیرہ کے دس عیوب کیوں بیان فرمائے حتی کہ اسے فرمایا **عتل بعد ذالک زنیم** وہ حرام کا جنا ہے وہ فرمان شان ستاری کے خلاف ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ ان کے عیوب چھپاتا ہے جو اس کے محبوب کی عزت و ناموس کے پیچھے نہ پڑیں جو اس کے حبیب کی عزت پر ہاتھ ڈالیں انہیں ذلیل و خوار کر دیتا

www.alahazratnetwork.org

ہے ولید ابن مغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پڑا رہتا تھا اسے ذلیل کرنے کو اس کے عیوب بیان فرمائے اللہ تعالیٰ محض بھی بے مثل بھی مولانا فرماتے ہیں۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد میلش اندر طعنہ پاکاں دہد

چوں خدا خواہد کہ ما یاری کند میل مارا جانب زاری کند

جب خدا کسی کی پردہ دری کرنا چاہتا ہے تو اس کو بے عیب بندوں میں عیب نکالنے کی سوجھتی ہے اور جب خدا تعالیٰ ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم کو اپنے عیب سوچ کر رونے گریہ زاری کرنے کی توفیق دیتا ہے اللہ تعالیٰ دل بریاں چشم گریاں نصیب کرے۔

کبھی عشق کی آگ اندھیرے مسلماں نہیں خاک کا ڈھیر ہے

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضیٰ سوز صدیق دے

یہ آیت مسلمان کی عزت و عظمت کی ہے وہ آیت بے دین کفار غضب و لعنت کی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد کیوں فرمایا گیا **حین ینزل القران** کیا قرآن کریم کے نزول کے بعد لایعنی اور بیکار سوال کرنے چاہئیں' ایسے سوال تو ہمیشہ ہی برے ہیں۔ **جواب:** نزول قرآن کا ذکر ایسے سوالات کرنے نہ کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا ذکر ہے **تبدلکم** کے لئے مقصد یہ ہے کہ جب نزول قرآن بند ہو جائے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف واقع ہو جائے اور پھر تم علماء سے اولیاء سے ایسے سوالات کرو تو اتنا خطرہ نہیں ابھی نزول قرآن کے زمانہ میں ایسے سوالات بہت خطرناک ہیں کیونکہ اس وقت تم کو جواب ضرور دیا جائے گا اور وہ جواب قرآن کریم میں مذکورہ ہو گا تو قیامت تک تمہاری بدنامی ہوتی رہے گی۔ جن کی خوبیاں قرآن کریم میں آ گئیں وہ تاقیامت نیک نام ہو گئے جن کی برائیاں قرآن مجید میں آ گئیں وہ تاقیامت بدنام ہو گئے یہ زمانہ تمہارے لئے بڑی احتیاط کا ہے اس لئے صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں اپنے بیوی بچوں سے بے تکلف ہوتے ہوئے گھبراتے تھے کہ کہیں قرآن کریم کی آیت اس کے متعلق نازل نہ ہو جائے یہ ہی یہاں ارشاد ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **عفا اللہ عنہا** سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ہر چیز میں اصل اباحت ہے جو چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ ہو بعد کی ایجاد ہو وہ حرام ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **کل محدث بدعۃ و کل بدعۃ ضلالۃ** ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی لہذا اشیاء میں اصل حرمت ہے **عفا اللہ عنہا** کے معنی ہیں ہم نے وہ سوالات معاف کر دیئے (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد کی سب چیزیں حرام ہیں تو تم بھی بعد کے ہی ہو اپنی حقیقت سوچو اور چھ کلمے' جمع قرآن مجید قرآن پاک میں اعراب لگانا حدیث کی کتابیں' چاروں سلسلے حنفی شافعی وغیرہ یوں ہی قادری چشتی وغیرہ اور تمام عربی علوم منطق فلسفہ ریاضی بلکہ تفسیر و حدیث و فقہ سب ہی حرام ہوں گے نعوذ باللہ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حدیث پاک میں نئے عقائد کا ذکر ہے کہ اسلام میں جو نئے عقائد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ایجاد ہوں وہ بدعت ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے گمراہی عقائد سے ہوتی ہے نہ کہ اعمال سے عملی بدعت کا ذکر اس حدیث میں ہے کہ جو اسلام میں اچھے طریقے ایجاد کرے تو اس کو تمام عالمین کا ثواب ہے اور جو اسلام میں غلط طریقے ایجاد کرے' اس کو تمام عالمین کا عذاب ہے **من سن فی الاسلام سنۃ حسنۃ فلہ اجرھا واجر من عمل بھا** اس کی مکمل تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہم کو چار چیزیں بخشی ہیں، جسم، دل، دماغ، روح ان چاروں کے غسل کے لئے چار پانی عطا فرمائے، شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت، علم شریعت کو علم شرعی، فرعی کہتے ہیں۔ باقی تین علوم کو علم حقیقی، اصلی کہا جاتا ہے علم شرعی فرعی تو قال سے حاصل کیا جاتا ہے مگر علم حقیقی اصلی حال سے حاصل ہوتا یہ علم لدنی ہے اس کے لئے سوال خطرناک ہے یہاں ارشاد ہوا کہ اے مومنوں حقائق اشیاء کے متعلق سوال نہ کیا کرو اگر تم کو وہ علوم قال سے سکھائے گئے تو تم آفات میں پڑ جاؤ گے کیونکہ بذریعہ الفاظ تم اسے سمجھو گے نہیں تو شبہات میں پڑ جاؤ گے جیسے فلاسفہ کہ انہوں نے علوم الٰہیہ کو عقل سے معلوم کرنا چاہا تو گمراہ ہو گئے، دس خدا مان بیٹھے اور ان سے لاکھوں آدمی گمراہ ہو گئے حقائق کا علم قال سے محال ہے رب تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض** اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے **لقد رای من ایات ربہ الکبری** معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حقیقی علم اپنے خلیل و حبیب کو بتایا نہیں بلکہ دکھایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنی امت کو شرعی علوم سکھائے اور حقیقی علوم دکھائے فرماتا ہے **یتلوا علیہم ایاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمتہ** اور فرماتا ہے **سنریہم ایاتنا فی الافاق** اے مومنو اگر تم نے علوم حقیقیہ کے متعلق پوچھنا ہے تو بعد نزول قرآن خود قرآن سے پوچھنا تو وہ تمہیں بقدر تمہاری عقلوں کے دکھائے گا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس علم حقیقی حاصل کرنے گئے تو انہوں نے فرمایا اے موسیٰ مجھ سے کچھ پوچھنا نہیں **فلا تسالنی عن شئی** یہ کیوں فرمایا اسی لئے کہ علم حقیقی قال و سوال سے پالینا محال ہے۔ جب جناب کلیم نے پوچھنا شروع کیا تو تیسرے سوال پر انہیں اپنے سے جدا کر دیا اس آیت کے نزول سے پہلے جو تم سوالات کر چکے ہو وہ رب نے معاف فرما دیئے۔ تم سے پہلے فلاسفہ نے یہ علوم حقیقیہ قال و سوال سے حاصل کئے تو اس وجہ سے وہ کافر ہو گئے (روح البیان) قال والا علم محدود ہے کہ وہ بتیس حرفوں کی قید میں ہے ان حروف کا پابند ہے اور علوم حقیقیہ لامحدود غیر محدود کو محدود کیسے بیان کرے اور اسے اپنے احاطہ میں کیسے لے۔

طلب سے منگائی جاتی ہے سینہ میں چھپائی جاتی ہے
توحید کی مے پیالوں سے نہیں آنکھوں سے پلائی جاتی ہے

اس لئے بعض صوفیاء نے تصوف کی کتب نہایت مغلق اشاروں میں لکھی ہیں اور فرما دیا ہے کہ ہماری کتب وہ دیکھے جو ان کا اہل ہو نااہل ہاتھ نہ لگائے ورنہ ایمان کھو بیٹھے گا، جیسے فصوص الحکم مصنفہ حضرت محی الدین ابن عربی یا لوائح جامی موجود جاہل صوفیوں نے اس حال کو قال سے بیان کرنا شروع کیا کافر اور کافر گر ہو گئے اپنے کو خدا کہہ کر اپنے مریدوں سے اپنے کو سجدے کرانے لگے نعوذ باللہ ایک شخص کہتا تھا کہ مسئلہ وحدت الوجود یہ ہے کہ ہر چیز خدا ہے ہم تم خدا ہر در و دیوار خدا ہے میں نے کہا یہ صریحی شرک ہے وحدت الوجود یہ ہے کہ خدا کے سوا کچھ نہیں۔

ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

ان دونوں میں بڑا فرق، صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس نے نبی کو معجزات سے یا صرف دلائل سے، محض عقل سے مانا وہ ٹھوکر کھا جائے گا اور جس نے نبی کو نبی سے جانا ول سے مانا معجزات کو نبی سے مانا انشاء اللہ اس کے ایمان پختہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں نور سے سب کچھ دیکھو نور کو کسی سے نہ دیکھا نور کو خود نور سے دیکھو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود حضور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم سے دیکھو سورج سے سب کو دیکھو سورج کو خود سورج سے ہی دیکھو آفتاب آمد دلیل آفتاب، قبر میں مومن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی پہچانے گا جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہچان لیا اسے پھر زیادہ پوچھ گچھ کی ضرورت نہ رہی ہے۔ اے لقاء تو جواب ہر سوال

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِیْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِیْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ

نہیں بنایا اللہ نے کوئی کان چیرا جانور اور نہ سانڈ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن وہ

اللہ نے مقرر نہیں کیا ہے کان چرا ہوا اور نہ بجار اور نہ وصیلہ اور نہ حامی ہاں کافر لوگ اللہ پر جھوٹا

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (۱۰۳)

لوگ جنہوں نے کفر کیا وہ گھڑتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور بہت ان میں سے نہیں عقل رکھتے

افتراء باندھتے ہیں اور ان میں اکثر نرے بے عقل ہیں۔

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا

اور جب کہا جاتا ہے واسطے ان کے آؤ طرف اس کے جو اتارا اللہ نے اور طرف ان رسول کے

اور جب ان سے کہا جاوے آؤ اس طرف جو اللہ نے اتارا اور رسول کی طرف کہیں ہیں وہ بس ہے

مَا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا

تو کہتے ہیں کافی ہے ہم کو وہ جو پایا ہم نے اوپر اس کے اپنے باپ دادوں کو اگرچہ ہوں ان کے باپ

جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا کیا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ نہ جانیں نہ راہ

یَهْتَدُوْنَ (۱۰۴)

دادے نہ جانتے ہوں کسی چیز کو اور نہ ہدایت پاتے ہوں

پر ہوں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو عبث اور غیر ضروری باتوں کے پوچھنے سے منع فرمایا گیا۔ اب عبث کاموں سے منع فرمایا جا رہا ہے حلال جانوروں کو حرام کر لینے سے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں پوچھ پوچھ کر غیر ضروری چیزوں کو ضروری کرا لینے یا غیر حرام کو حرام بنا لینے سے منع فرمایا گیا تھا۔ اب حلال جانوروں کو حرام کر لینے سے روکا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں گزشتہ کفار کی حالت کا ذکر ہوا کہ انہوں نے خود پوچھ پوچھ کر اپنے پر قیدیں لگوائیں اور خود ہی توڑتے ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں اپنے پر سختی کرا لینے سے منع فرمایا گیا تھا کہ بے کار سوالات کر کے ہم سے اپنے پر سختی نہ کراؤ اب خود اپنے پر سختی کر لینے سے منع فرمایا جا رہا ہے کہ حلال

www.alahazratnetwork.org

جانوروں کو اپنے پر حرام کر کے خود سختی نہ کرو گویا غلط پابندی لگوا لینے سے منع فرمانے کے بعد غلط پابندی لگانے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **ما جعل اللہ من بحیرۃ** عربی میں **جعل** کبھی بمعنی خلق آتا ہے یعنی پیدا کرنا تب یہ ایک مفعول چاہتا ہے جیسے **جعل الظلمات والنور** اللہ نے تاریکیاں اور روشنی پیدا فرمائیں اور کبھی بنانے کے معنی میں آتا ہے تب دو مفعول چاہتا ہے جیسے **جعلکم خلائف الارض** رب نے تم کو زمین کا خلیفہ بنایا۔ یہاں بنانے کے معنی میں ہے پیدا کرنے کے معنی میں نہیں یہ مطلب نہیں کہ اللہ نے ان جانوروں کو پیدا نہ کیا انہیں کسی اور نے پیدا کیا ہے یہ کفر ہے اس کا پہلا مفعول تو **من بحیرۃ** الخ ہے دوسرا مفعول پوشیدہ ہے **حرا ما** اور مشروعا" یعنی اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہ فرمایا۔ **استغراق** نفی کے لئے ہے یعنی اللہ نے کوئی بحیرہ کوئی سائبہ وغیرہ حرام نہ فرمائیں۔ بحیرہ بروزن فعیلہ بمعنی مفعول ہے یہ بنا ہے بحر سے بمعنی چیرنا دریا کو اس لئے بحر کہا جاتا ہے کہ اس کا پانی زمین کو چیر کر اپنے لئے راستہ بناتا ہے تو بحیرہ کے معنی ہوئے چرا ہوا زمانہ جاہلیت میں جو اونٹنی پانچ بار بچے جن دیتی اور اس کا پانچواں بچہ نر ہوتا تو اس کا کان چیر کر اسے بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے کہ اس سے نہ کوئی کام لیتے تھے نہ اس سواری کرتے وہ کسی کے باغ یا کھیت میں گھس جاتا اسے کھانے پینے سے نہ روکتے تھے اس کا دودھ بتوں پر چڑھاتے تھے خود پیتے تھے۔ بحیرہ کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے **ولا سائبۃ** یہ عبارت معطوف ہے **من بحیرۃ** پر لا تاکید نفی کے لئے لایا گیا۔ سائبہ بنا ہے سیب سے بمعنی چلانا یا چھوڑنا بمعنی اسم مفعول ہے یعنی چھوڑا ہوا چلایا ہوا آزاد کیا ہوا جانور اہل عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی بیمار ہوتا تو نذر مانتا تھا کہ اگر میں تندرست ہو جاؤں یا بخیریت سفر سے واپس آؤں تو میری اونٹنی سائبہ ہو گی یعنی بتوں کے نام پر چھوڑی ہوئی سائبہ کو بھی بحیرہ کی طرح حرام مانتے تھے اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو نر بیل کو بتوں کے نام چھوڑ دیتے ہیں جسے بجار کہا جاتا ہے **ولا وصیلۃ** یہ عبارت معطوف ہے **ولا سائبۃ** پر یہ لفظ بنا ہے وصل سے بمعنی ملنا ملانا یہ بھی بمعنی اسم مفعول ہے یعنی ملا ہوا یا ملایا ہوا جانور اہل عرب میں جب کسی کی بکری سات بار بچے دیتی اگر ساتواں بچہ نر ہوتا تو اسے ذبح کر کے صرف مرد کھاتے تھے عورتوں کے لئے حرام جانتے تھے اور اگر مادہ ہوتا تو اسے بکریوں میں چھوڑ دیتے تھے اور اگر نر و مادہ کا جوڑا پیدا ہوتا تو کہتے کہ یہ دونوں بہن بھائی مل گئے پھر اس بکری کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اسے ذبح نہ کرتے اس کو حرام سمجھتے تھے اس کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے **ولا حام** یہ عبارت معطوف ہے **ولا وصیلۃ** پر حام بنا ہے **حمی** سے بمعنی گرمی یا بمعنی اہل عرب کا دستور یہ تھا کہ جب ان کا اونٹ دس بار اونٹنی کو گابھن کر دیتا

تو اس کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے اور کہتے کہ یہ حام یعنی ذبح اور کام وغیرہ سے محفوظ کر دیا گیا اسے بھی بجار کی طرح چھوڑ دیتے اس کو چارہ پانی سے نہ روکتے وہ آزاد پھرتا تھا خلاصہ یہ ہے کہ بحیرہ اور سائبہ اونٹنیوں کے نام ہیں اور وصیلہ بکری کا اور حام اونٹ کا یہ تمام جانور بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے ان کے گوشت ان کا دودھ حرام سمجھا جاتا تھا اس آیت کریمہ میں ان کفار کے اس عمل کی اور اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ یہ حرام ہو جاتے ہیں **ولکن الذین کفروا یفترون علی اللہ الکذب** اس جملہ میں **ماجعل اللہ** الخ سے پیدا ہونے والے ایک سوال کا جواب دیا گیا ہے کفروا سے مراد مشرکین عرب ہیں اس میں یہود و نصاریٰ وغیرہ داخل نہیں کیونکہ ان کے ہاں یہ عمل نہ تھے **افتراء** بنا ہے فری سے بمعنی نرا جھوٹ **افتراء** کے معنی ہیں کسی پر

www.alahazratnetwork.org

جھوٹ باندھ دینا کذب سے مراد یہ ہی جھوٹے اعمال اور جھوٹے عقیدے جو اللہ تعالٰی کی طرف منسوب کر دیئے جاتے تھے کہ کفار عرب کہتے تھے کہ ہم کو اللہ نے یہ حکم دیئے ہیں حالانکہ ان چار جانوروں کا موجد بلکہ دین ابراہیم کو پہلا بگاڑنے والا عمرو ابن لحی ابن قمعہ ابن خندف تھا جو بنی مدلج سے تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے دوزخ میں جلتے دیکھا ہے (روح المعانی وغیرہ) **واکثرھم لا یعقلون** یہاں اکثر سے مراد عام کفار عرب ہیں جو محض اپنے بڑوں کی دیکھا دیکھی یہ کام کرتے تھے انہیں خبر نہ تھی کہ ان کاموں کی اصل کیا ہے اور ان کے بڑے بڑے سخت پجاری جانتے تھے کہ یہ حرکتیں ہماری ایجاد ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں **لا یعقلون** یہاں کا مفعول پوشیدہ ہے اصلحاوغیرہ اب تک تو کفار عرب کی بیماری کا ذکر ہوا کہ وہ جان مال جانوروں کے ذریعہ بتوں کی پرستش میں گرفتار ہیں اب ان کی بیماری کے درجہ لاعلاج میں پہنچ جانے کا ذکر ہے کہ وہ ناصح خیر خواہوں کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے بلکہ ان کی تردید کرتے ہیں جب بیمار طبیب سے علاج کرانے کی بجائے اس کی تردید کرنے لگے تو اس کی اصلاح یا علاج کی کیا امید ہے چنانچہ ارشاد ہوا **واذا قیل لھم** یہ نیا جملہ ہے اس میں ان ہی کفار کی ہٹ دھرمی اور ضد دکھائی گئی اس قول کا فاعل یا تو اللہ تعالٰی ہے یا خاص مومن یا عام مسلمان ظاہر یہ ہے کہ **لھم** کا مرجع وہ اکثر مشرکین ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا **تعالوا الی ما انزل اللہ والی الرسول - تعالو** کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے کہ **لغتا** اس کے معنی ہیں چڑھنا نیچے سے اوپر آنا مگر اصطلاح میں مطلقاً آنے کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں چونکہ مشرکین کو دعوت اسلام دی گئی ہے کفر پستی ہے اسلام بلندی نیز ہم پست ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بلند اونچے کے پاس جانا چڑھ کر ہوتا ہے نیچے کے پاس پہنچنا اتر کر یا گر کر ہوتا ہے برابر والے کے پاس جانا چل کر ہوتا ہے نیز نیچے تو بغیر واسطے کے بھی گرا جاسکتا ہے مگر اوپر بغیر سیڑھی کے نہیں ہو سکتا رب تعالٰی تک پہنچنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کے لئے اولیاء علماء وسیلہ اس لئے یہاں **جیئوا اما اتوا انزلوا** نہ فرمایا گیا بلکہ **تعالوا** ارشاد ہوا۔ **تعالو** فرمایا نہایت ہی موزوں ہے یہاں آنے سے مراد ہے چل کر آنا نہیں بلکہ برے عقیدے چھوڑ کر اسلامی عقائد قبول کرنا مراد ہے **ما انزل اللہ** سے مراد اللہ تعالٰی کے سارے احکام ہیں خواہ ذریعہ قرآن مجید دیئے گئے ہوں یا بذریعہ حدیث شریف اس لئے الی القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی قرآن و حدیث حکم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں لہذا قانون کو پکڑو حاکم کے پاس جاؤ تم پر قانون وہ جاری کرے اس لئے **ما انزل اللہ** کے بعد الی الرسول فرمایا گیا نیز انتہاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے اس لئے الی الرسول بعد میں ارشاد ہوا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہ کر قرآن و حدیث اختیار نہ کرو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دامن سے وابستہ رہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا قرآن کی طرف آنے کے تابع نہیں بلکہ یہ مستقل چیز ہے اس لئے الرسول کے لئے علیحدہ الی فرمایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی کئی صورتیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پاک میں حاضری دینا حیات شریف میں یا بعد وفات شریف ان بزرگوں کے پاس پہنچنا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں یعنی علماء و اولیاء اللہ ایسی جگہ حاضر ہونا جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب حاصل ہوتا ہے جیسے عبادات اور درس و تدریس کی مجلسیں علوم دینیہ کے مدرسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کرنا قبول کرنا ان پر عمل کرنا یہاں سارے احتمال درست ہیں پہلے تین احتمال زیادہ قوی ہیں کہ اطاعت تو **الی ما انزل اللہ** میں مذکور ہو چکی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ہجرت کے متعلق فرمایا تھا **انی ذاھب الی ربی سیھدین** قرآن مجید نے چند ہستیوں کی طرف بلایا ہے

www.alahazratnetwork.org

اللہ کی طرف **ففروا الی اللہ** کلمہ طیبہ کی طرف **تعالوا الی کلمتہ سواء** اپنے فرمان اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جو یہاں مذکور ہے اللہ کی طرف آنا یہ ہے کہ اس کے رسول کی طرف آجاؤ۔ کلمہ طیبہ کی طرف آنا یہ ہے کہ اسے قبول کرلو پڑھ کر مسلمان ہو جاؤ **قالوا حسبنا ما وجدنا علیہ اباءنا** یہ عبارت جزاء ہے **واذا قیل** کی اس عبارت میں **حسبنا** خبر مقدم ہے اور **ما وجدنا** الخ مبتداء موخر ہے آباء سے مراد یا تو نسبی باپ دادے ہیں جن کی یہ اولاد ہیں یا روحانی باپ دادے یعنی ان کے پوپ پادری۔ **ما وجدنا** سے مراد ہے ان کے عقیدے ان کے یہ مذکورہ اعمال یعنی اے محبوب یہ اپنے کفرو کفریات پر ایسے ڈھیٹ ہیں کہ جب ان سے ہمارا قرآن یا مسلمان یہ کہتے ہیں کہ کہاں جارہے ہو ادھر آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم کو باپ دادوں کے رسم و رواج کافی ہیں ہم کو اسلام و قرآن کی ضرورت نہیں **اولو کان اباءھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون** یہ کلام ربانی ہے جس میں ان کے کلام کی تردید کی گئی ہے **اولو** میں ہمزہ استفہامیہ ہے اور واؤ حالیہ آباء سے مراد ہی ان کے نسبی باپ دادے یا ان کے پوپ پادری ہیں علم سے مراد فروعی مسائل کا علم ہے۔ ہدایت سے مراد عقائد کا علم ہے یا بے علمی سے مراد جہالت ہے اور بے ہدایت ہونے سے مراد کفرو بد عقیدگی ہے یا بے علمی سے مراد معرفت الہی نہ ہونا ہے اور بے ہدایت ہونے سے مراد پیغمبر کی معرفت نہ ہونا ہے بہرحال **لا یعلمون** اور **لا یھتدون** کی بہت تفسیریں ہو سکتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو یاد رکھو ان مشرکین کے ایجاد کردہ چار جانور بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ۔ حام جنہیں وہ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں اور ان کے گوشت دودھ حرام سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے نہ تو یہ عمل مشروع کیا اور نہ ان جانوروں کے گوشت، دودھ حرام کئے یہ عقیدے کفار کی اپنی ایجاد ہیں کہ انہوں نے خود ہی یہ عقیدے گھڑے اور خود ہی انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا کہ ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس قسم کے جانور بتوں کے نام پر چھوڑ دیا کرو ہم ان اعمال سے راضی ہیں اور رب تعالیٰ ہی نے ان کے گوشت دودھ حرام کر دیئے ہیں ان مشرکین کے عوام کا حال یہ ہے کہ ان میں کوئی عقل نہیں جو ان پنڈتوں مہنتوں نے کہہ دیا اسے مان لیا۔ ساتھ ہی یہ ایسے ضدی اور ڈھیٹ بھی ہیں کہ جب مسلمان ان سے کہتے ہیں کہ بدنصیبو کہاں بہے جارہے ہو اللہ رسول کے فرمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ ایمان لاؤ کفر سے بچو تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم کو ایمان وغیرہ کی ضرورت نہیں ہم کو وہ ہی عقیدے وہ ہی اعمال کافی ہیں جن پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے یہ بیوقوف اتنا نہیں سوچتے کہ کیا یہ اپنے باپ دادوں کی بہرحال پیروی کریں گے اگرچہ ان کے پاس نہ عقل ہو نہ ہدایت ہو بے عقلوں گمراہوں کی پیروی تو ہلاکت کے غار میں گرا دیتی ہے انہیں چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لیں۔ خیال رہے کہ **اہبوا جیئوا تعالوا** ان سب کے معنی ہیں آؤ لیکن اگر اوپر والا نیچے والے کو بلائے تو اس کے پاس چڑھ کر جانا ہوتا ہے اور اگر نیچے والا اوپر والے کو بلائے تو اس کے پاس اتر کر جانا ہوتا ہے اور اگر فرشی فرشی کو بلائے تو وہاں چل کر جانا ہوتا ہے۔ چڑھ کر۔ چل کر۔ اتر کر کا خیال رہے چونکہ بندوں کو اللہ تعالیٰ کے فرمان اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم والا شان کی طرف بلایا گیا اس طلب کے لئے **تعالو** فرمانا بہت ہی مناسب ہے۔ انسان نیچے جاتا ہے اتر کر بھی اور گر کر بھی اترنے میں واسطے کی ضرورت پڑتی ہے گرنے میں ضرورت نہیں لیکن اوپر جاتا ہے کسی وسیلہ سے ہاں اوپر جانا اپنی کوشش سے ہو جیسے ڈول بذریعہ رسی اوپر جاتا ہے مگر دوسرے کے کھینچنے سے چونکہ یہاں بطور جبر نہیں کھینچا گیا بلکہ انہیں اختیار سے بلایا گیا لہذا **تعالوا** فرمانا ہی مناسب تھا۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کسی مخلوق کی عبادت کی نیت سے اس کے نام پر جانور چھوڑنا جیسے ہندو بتوں کے نام پر بجار چھوڑتے ہیں کفر ہے اور ایسا کرنیوالا کافر ہے یہ فائدہ **ما جعل اللہ** سے حاصل ہوا غیر خدا کی عبادت بہر حال کفر ہے خواہ کسی قسم کی ہو بدنی یا مالی۔

مسئلہ : جانور کو اللہ تعالیٰ کے نام پر وقف کر دینا جائز ہے جبکہ وہ غیر منقول وقف کے تابع ہو جیسے کسی مسجد پر منقول سامان نیا بیل وقف کر دیئے جاویں کہ یہ وہاں کام کریں (ردالمحتار) بلکہ دینی خدمت کے لئے اپنی اولاد کو وقف کر دینا بھی جائز ہے کہ میرا بیٹا عالم بنے دین کی خدمت کرے اس سے دنیا کا کام نہ لیا جاوے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین احصروا فی سبیل اللہ** الخ حضرت حنہ نے اپنی بیٹی مریم کو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کیا تھا رب تعالیٰ ان کا وقف یوں بیان فرماتا ہے **رب انی نذرت لک ما فی بطنی محررا** الخ دوسرا فائدہ: کفار کے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کا نہ گوشت حرام ہے نہ دودھ اگر ایسے جانور کو مسلمان بسم اللہ سے ذبح کرے تو حلال ہے یہ فائدہ بھی اس **ما جعل اللہ** الخ سے حاصل ہوا دیکھو رب تعالیٰ نے ان چار جانوروں کو حرام سمجھنا علامت کفار قرار دیا جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے اگر یہ چاروں جانور شرعاً حرام ہوتے تو یہ آیت کریمہ مشرکین کی تائید میں ہوتی نہ کہ تردید میں حضرات صحابہ کرام غزوات جہادوں میں کفار کے یہ جانور بھی غنیمت میں حاصل کرتے تھے انہیں حرام نہیں سمجھتے تھے غازیوں میں تقسیم کرتے انہیں کھاتے تھے۔ چوتھا فائدہ: غیر اللہ کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام سمجھنا اللہ پر بہتان باندھنا ہے اور یہ کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ **ولکن الذین کفروا یفترون** الخ سے حاصل ہوا۔

لطیفہ : بعض مسلمان کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے جانور پالتے اسے فربہ کرتے ہیں پھر اسے بسم اللہ سے ذبح کرکے پکا کر ان بزرگ کی فاتحہ کرتے ہیں بعض بے عقل اس جانور کو حرام کہتے ہیں تعجب ہے کہ وہ حرام کہنے والے اس جانور کو حرام نہیں کہتے جو ولیمہ یا کسی دوست کی دعوت کے لئے پالا جاوے جب ہندوؤں کے معبود یعنی گائے کا گوشت اور گنگا کا پانی ہی حرام نہیں ہوا تو ان کے ناموں پر چھوڑے جانور بھی حرام نہیں اور جب وہ جانور حرام نہیں تو بزرگوں کی فاتحہ کے لئے ذبح کیا ہوا جانور حرام کیوں ہو گا۔ پانچواں فائدہ: صرف قرآن کی طرف آنا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ قرآن کے ساتھ حدیث کی طرف رجوع کرنا بلکہ اجماع امت اور قیاس مجتہدین کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے یہ فائدہ **تعالوا الی ما انزل اللہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں تعالوا الی القرآن نہ فرمایا اتنی دراز عبارت فرمائی قرآن' حدیث' اجماع' قیاس سب ہی **ما انزل اللہ** میں داخل ہیں۔ قرآن مجید تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر شریف میں اترنا شروع ہوا اور 23 سال تک اترتا رہا مگر دوسری وحی خفی ولادت مبارک سے ہی شروع ہو گئی اور تا ابد ہوتی ہی رہے گی بی بی حلیمہ کا بایاں پستان نہ چوسنا بچپن شریف میں کھیل سے نفرت حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جانا یہ کہہ کر جب ہم کھانے میں برابر ہیں تو کمانے میں برابری کریں گے یہ اسی خفی وحی سے تھا موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے ہاں مصری کسی دائی کا دودھ نہ چوسنا سوا اپنی والدہ کے اس دوسری خفی وحی سے تھا اس وقت توریت نہیں آئی تھی فرماتا ہے **وحرمنا علیہ المراضع** چھٹا فائدہ: صرف الفاظ قرآن و حدیث کی طرف رجوع کرنا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنا بھی ضروری ہے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.alahazratnetwork.org

غلامی ہو عمل قرآن وحدیث پر ہو۔ تب نجات ہوگی یہ فائدہ **والی الرسول** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** شریعت کے مقابلہ میں کافر یا جاہل باپ داداؤں کی حرام رسموں کو ماننا طریقہ کفار ہے۔ اللہ رسول کے فرمان کے مقابلہ میں کسی کا رواج و رسم معتبر نہیں یہ فائدہ **قالوا حسبنا ما وجدنا** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کافر یا جاہل باپ داداؤں کی پیروی حرام ہے صالحین کی اتباع بہت ضروری ہے یہ فائدہ **لا یعلمون** اور **لا یہتدون** کی قید لگانے سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** ہمارے بزرگان دین الحمد للہ صادقین یعنی دل کے زبان کے عقیدے کے عمل کے سچے ہیں ان کے ساتھ رہنا اللہ تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے بلکہ سیدھا راستہ وہی ہے جس پر اللہ کے مقبول بندے چلے ہوں رب فرماتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔** **نواں فائدہ:** نجات کے لئے صرف قرآن کریم کو مان لینا کافی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری بھی ضروری ہے یہ فائدہ **والی الرسول** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** بارگاہ نبوت میں حاضری مستقل طور پر ضروری ہے۔ قرآن کریم کے تابع نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بھی مقصود بالذات ہے یہ فائدہ **الی الرسول** میں علیحدہ الی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دروازہ تاقیامت ہر شخص کے لئے کھلا ہوا ہے کسی وقت کسی پر بند نہیں یہ فائدہ **تعالوا** کے مطلق ہونے سے حاصل ہوا کہ تاقیامت لوگوں کو رسول کی طرف آنے کی دعوت دی گئی نہ قرآن کا فیض بند ہوا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کے فرمان ہر زمانہ ہر شخص کے لئے ہیں یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان ہمیشہ ہر شخص کے لئے ہیں۔ **بارھواں فائدہ:** جس کے ایمان کی ناامیدی ہو اسے دعوت اسلام دی جاوے کہ وہ اگرچہ ایمان قبول نہ کرے مگر اس مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا علاج بیمار کا علاج کرنے پر حکیم کو فیس دوا کی قیمت ضرور ملتی ہے دیکھو اس آیت میں ان لوگوں کو دعوت اسلام دی گئی جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے تھے۔

پہلا اعتراض: یہ چاروں جانور یعنی بحیرہ، وصیلہ وغیرہ حرام ہیں اگرچہ اللہ کے نام پر ذبح کئے جاویں ان کا دودھ بھی حرام ہے ان کے گوشت بھی حرام رب فرماتا ہے **وما اھل بہ لغیر اللہ** جس پر غیر خدا کا نام پکار دیا جاوے کہ یہ فلاں کے نام کا ہے وہ حرام **ما جعل اللہ** الخ کے معنی یہ نہیں ہیں کہ اللہ نے ان جانوروں کو حرام نہ کیا بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے یہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑنا مشروع نہیں کیا ان کا یہ عمل کفر ہے اسی طرح ولیوں نبیوں کے نام پر پالا ہوا جانور حرام ہے اگرچہ بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے۔ (بعض بے عقل و بے دین)۔ **جواب:** کفار عرب کے ان جانوروں کے متعلق دو عقیدے تھے ایک یہ کہ انہیں بتوں کے نام پر چھوڑنا اچھا کام ہے اس سے رب تعالیٰ راضی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس چھوڑ دینے سے ان کے گوشت دودھ حرام ہو جاتے ہیں یہ آیت کریمہ ان دونوں عقیدوں کی تردید کے لئے آئی ہے۔ یعنی نہ تو اللہ تعالیٰ نے یہ عمل جائز کیا ہے اور نہ ان کے گوشت دودھ حرام کئے تمہاری تفسیر سے لازم یہ آوے گا کہ اس آیت نے ان کفار کے ایک عقیدے کی تو تردید کی مگر دوسرے عقیدے کی تائید کی کہ واقعی ایسے جانوروں کے دودھ و گوشت حرام ہیں لہٰذا تمہاری تفسیر باطل ہے نیز اگر آیت کریمہ کے وہ معنی ہوتے جو تم نے کئے تو آیت یوں نہ ہوتی اور **جعل** کا مفعول بحیرہ سائبہ نہ ہوتے بلکہ پھریوں ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارا یہ کام یعنی بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا حرام کیا نیز اگر یہ جانور ہی حرام ہو جاتے تو حضرات صحابہ کرام اور تمام غازی مسلمان یہ جانور غنیمت میں نہ حاصل کرتے نہ کھاتے ہمیشہ غازیوں نے یہ جانور غنیمت میں لئے انہیں کھایا۔ نیز اگر یہ جانور حرام

www.alahazratnetwork.org

ہو جاویں اور بعد میں وہ چھوڑنے والا کافر مسلمان ہو کر ان حرکتوں سے توبہ کرے تو تم بھی کہتے ہو کہ اب وہ جانور حلال ہو جاویں گے بہرحال یہ تفسیر محض باطل ہے۔ **ما اھل** کے معنی ہیں **ما ذبح** تمام مفسرین نے اس کے معنی یہ ہی کئے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہیں وہ خدا پر کیا جھوٹ گھڑتے تھے۔ **جواب:** یہ کفار رب تعالیٰ پر دو جھوٹ گھڑتے تھے ایک یہ کہ ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ہم بتوں کے نام پر یہ جانور چھوڑیں رب تعالیٰ ہمارے اس عمل سے راضی ہے دوسرے یہ کہ ہمارے اس عمل سے ان جانوروں کے گوشت دودھ حرام ہو گئے اللہ تعالیٰ نے انہیں حرام کر دیا نہ ان کا یہ عمل رب کو پیارا تھا نہ اس عمل سے ان کے گوشت دودھ حرام ہوتے تھے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اکثر کفار بے عقل ہیں کفار تو سارے ہی بے عقل ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ عام مشرکین بغیر سوچے سمجھے محض کاہنوں' مہنتوں' پنڈتوں کے کہنے پر یہ جانور چھوڑتے تھے انہیں خبر نہ تھی کہ یہ کیوں چھوڑے جاتے ہیں۔ رہے ان کے کاہن پنڈت وغیرہ وہ تو بڑے چالاک تھے وہ جانتے تھے کہ یہ حرکتیں محض ہماری ایجادیں ہیں ان کی حقیقت کچھ نہیں چونکہ پنڈت تھوڑے تھے عوام زیادہ اس لئے انہیں اکثر فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں **ما انزل اللہ** کے بعد **والی الرسول** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ **ما انزل اللہ** یعنی قرآن و حدیث دل کے لئے پانی و صابن کی طرح ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم دھونے والے ہاتھ کی طرح جیسے میلے کپڑے گندے کپڑے کو پانی' صابن' ہاتھ سب کی ضرورت ہے ایسے ہی میلے دل کو قرآن و حدیث کی ضرورت ہے اور نظر رسول کی ضرورت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **لا یعلمون** اور **لا یھتدون** میں کیا فرق ہے علم اور ہدایت تو ایک ہی ہیں یا لازم ملزوم ہیں۔ **جواب:** علم و ہدایت کے کئی فرق ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یا تو علم سے مراد فروعی مسائل کا علم ہے ہدایت سے مراد اصول عقائد یا بے علمی سے مراد جہالت ہے اور بے ہدایت ہونے سے مراد گمراہی ہے وغیرہ' علم و ہدایت نہ تو ایک ہیں نہ لازم ملزوم ابلیس کا علم بہت وسیع ہے مگر ہدایت نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واضلہ اللہ علی علمہ**۔ **چھٹا اعتراض:** جیسے کفار عرب کا اپنے جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا حرام بلکہ کفر تھا مگر وہ جانور حلال ایسے ہی آج کل بزرگوں کی قبروں پر جانور دے آنا حرام بلکہ شرک ہے اگرچہ جانور حلال ہے یہ دونوں کام یکساں ہیں۔ **جواب:** کفار بتوں کے نام پر جانور چھوڑتے ہیں ان کی عبادت کی نیت سے لہٰذا یہ عمل شرک ہے۔ مسلمان بزرگوں کے مزارات پر جانور دیتے ہیں۔ انہیں ثواب پہنچانے کی نیت سے کہ اس کا کھانا پکا کر بزرگ کی فاتحہ کر دی جاوے۔ عبادت اور ثواب میں بڑا فرق ہے۔ حضرت سعد نے اپنی ماں کے نام پر کنواں کھدوایا اور نام رکھا بیر ام سعد۔ آج مسلمان ولیمہ' عقیقہ دوستوں کی دعوت کے لئے جانور موٹا فربہ ذبح کرتے ہیں یہ کوئی شرک نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہلے آتے ہیں قرآن و حدیث پر عمل بعد میں کرتے ہیں۔ کلمہ پہلے پڑھتے ہیں۔ قرآن مجید بعد میں تو یہاں **الی الرسول** بعد میں کیوں ارشاد ہوا کہ **الی ما انزل اللہ** پہلے اور **الی الرسول** بعد میں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ کوئی شخص نیک اعمال کرنے کے بعد بھی اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ جانے ہر وقت ان کا حاجتمند رہے جیسے کوئی شخص کسی وقت اللہ کی ربوبیت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ جیسے جسمانی زندگانی کے لئے غذا پانی سے بڑھ کر ہوا ہے کہ کھانے پانی کے بغیر انسان کچھ دیر زندہ رہ لیتا ہے مگر ہوا کے بغیر ایک آن نہیں گذار سکتا اس لئے غذا کھیت

www.alahazratnetwork.org

میں پانی کنوئیں میں ہوتا ہے مگر ہوا ہر جگہ۔ غذا فروخت ہوتی ہے۔ ہوا فروخت نہیں ہوتی۔ یوں ہی ایمانی زندگی کے لئے عبادات غذا و پانی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق گویا ہوا اور سانس ہے دیکھو نماز روزے کے لئے اوقات مقرر ہیں اور یہ کبھی معاف بھی ہو جاتی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں اور یہ کبھی معاف نہیں ہو تا بعد موت قبر و حشر میں بھی اس کی ضرورت ہے۔

تفسیر صوفیانہ : شیطان بعض جھوٹے فقیروں جاہل پیروں پر تسلط کر کے انہیں بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام بنا دیتا ہے بعض جاہل صوفی اپنے کان یا ناک چھید کر بالے ڈال لیتے ہیں یہ شیطان کے بحیرہ جانور ہیں (کان چرے ہوئے) بعض جاہل پیر اپنے گلے میں طوق ڈال لیتے ہیں ڈاڑھی مونچھ ابرو پلک وغیرہ منڈوا دیتے ہیں۔ بستیوں میں آوارہ پھرتے ہیں شیطان کے حام جانور ہیں اس قسم کے لوگ اپنے کو قلندریہ کہتے ہیں۔ حالانکہ وہ جھوٹے ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

قلندری نہ بریشت و موی یا ابرو!!! حساب راہ قلندر بدانکہ موی بموست!

گزشتن از سر مو در قلندری سہل است چوں حافظ آنکہ ز سر بگذرد قلندر راوست

یعنی بال منڈانے سے قلندری نہیں ملتی بلکہ ہر بال بال کا حساب رکھے ان کے حساب دینے سے قلندری ملتی ہے۔ بال سے گزرنا قلندری نہیں، سر سے گزر جانا قلندری ہے۔ بعض جاہل فقیر شہروں میں گھومتے ہیں ان کے منہ میں شریعت کی لگام گلے میں طریقت کا پٹہ نہیں ہوتا۔ ہر جگہ پہنچ جاتے ہیں ہر جائز ناجائز چیز سے مزے اٹھاتے ہیں یہ لوگ شیطان کے سائبہ جانور ہیں۔ بعض لوگ حرام کو حلال اور حلال کو حرام جاننے لگتے ہیں۔ جیسے صوفیوں کا فرقہ یہ لوگ شیطان کے وصیلہ جانور ہیں یہ تمام لوگ اپنے کو خدا رسیدہ سمجھتے ہیں مگر ہیں شیطان سا ہے کہ کہتے ہیں پہنچے ہوئے مگر پہنچے ہوتے ہیں شیطان تک وہ کہتے ہیں کہ ہم کو شریعت کی مخالفت مضر نہیں ہم مقام سبقت تک پہنچ چکے ہم کو شریعت کی ضرورت نہیں ان کے متعلق ارشاد ہو رہا ہے **ما جعل اللہ من بحیرۃ** الخ یہ لوگ نہ اہل شریعت ہیں نہ اہل طریقت نہ اہل معرفت نہ اہل حقیقت بلکہ یہ لوگ طبیعت اور صاحب خدیعت ہیں یعنی نفس امارہ کے وسوسوں میں پھنسے ہوئے یہ خود بھی بے دین ہیں ان کے ماننے والے بھی بے دین ان جیسوں کی تقلید کفر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از مقلد تا محقق فرقہا است ایں یکے کوہست آں دیگر صدا است

دست در بینا زنی آئی براہ دست در کورے زنی آئی بچاہ

انکھیارے کا دامن پکڑو راہ پر پڑو گے اندھے کا دامن پکڑو چاہ یعنی کنوئیں میں گرو گے ان لوگوں نے اپنی جبہ دستار فقیری گدڑی کو شکار کا جال بنایا ہوا ہے کسی نے ایک جاہل بے دین صوفی سے کہا کہ اپنا جبہ میرے ہاتھ فروخت کر دے وہ بولا اگر شکاری اپنا جال بیچ دے تو شکار کس سے کرے یہ میرا جال ہے جس میں آدمی پھنستے ہیں اس آیت کریمہ میں ایسے جاہل شیطانوں کی تقلید سے منع فرمایا گیا ہے **اولو کان اباءھم لا یعلمون شیئا ولا یھتدون** (تفسیر روح البیان)۔ جیسے کوئی پیر فقیر، صوفی، عالم غذا، پانی، ہوا، سورج سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قرآن ان کے احکام ان کے فرمان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مرے بعد غذا ہوا کی ضرورت نہیں رہتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی ضرورت وہاں بھی رہتی ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قرآن و حدیث کی طرف آنا جب ہی مفید ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.alahazratnetwork.org

بارگاہ میں حاضری میسر ہو اگر اس دروازہ تک رسائی نہیں ہے تو یہ ہی ہو گا کہ۔

کتابیں پڑھیں دینداری نہ آئی بخار آگیا پر بخاری نہ آئی

اس لئے یہاں **والی الرسول** بھی ارشاد ہوا جیسے کوئی شخص کسی کو دعوت نامہ بھیجے مگر جگہ کا پتہ نہ دے کہ دعوت کہاں ہے کھانا کہاں ملے گا تو کوئی بھی نہیں پہنچ سکے گا **ما انزل اللہ** میں تو نعمتوں کا ذکر ہے اور **الی الرسول** میں ان نعمتوں کے ملنے کی جگہ کا ذکر ہے یعنی **ما انزل اللہ** کہاں ملے گا **ان رسول** کے پاس خط میں سب کچھ ہو پتہ نہ ہو تو خط نہیں پہنچ سکتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی طرف آؤ اطاعت کے قدم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آؤ ارادت کے قدم سے جیسی منزل ویسی وہاں پہنچنے کی سواری۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا عَلَیْكُمْ اَنْفُسَكُمْۚ لَا یَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَیْتُمْؕ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے لازم پکڑو تم اپنی جانوں کو نہیں نقصان دے گا تم کو وہ جو گمراہ ہوا جب کہ تم ہدایت
اے ایمان والو تم اپنی فکر رکھو تمہارا کچھ نہ بگڑے گا جو گمراہ ہوا جب کہ تم راہ ہدایت پر
اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا فَیُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (۱۰۵)
پالو اللہ ہی کی طرف ہے لوٹنا تم سب کا پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تم کرتے تھے
ہو تم سب کی رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں بتا دے گا جو تم کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین و کفار کا کفر پر پختگی کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ اپنی حماقت میں ایسے مضبوط ہیں کہ اللہ رسول کی طرف آنے کا نام نہیں لیتے اب مسلمانوں کو ایمان پر پختہ رہنے کی ہدایت کی جارہی ہے کہ جب کفار اپنے کفر میں ایسے پختہ ہیں تو تم ایمان میں پختہ کیوں نہ ہو گویا کفار کی ضد کے بعد مسلمانوں کو استقامت کا حکم ہے غلط بات پر جم جانا ضد یا ہٹ دھرمی ہے اچھی بات پر مضبوطی سے قائم ہو جانا استقامت ہے استقامت ہزار کرامت سے افضل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین و کفار اسلام کی طرف نہیں آتے اب ارشاد ہے کہ ان کے اسلام کی طرف نہ آنے سے ایمان 'اسلام' قرآن' رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا یہ لوگ اپنا ہی بگاڑ رہے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کے چار مخصوص جانوروں کا ذکر ہوا کہ وہ ان بیہودگیوں کو رب کی طرف نسبت کرتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمانو! تم اس قسم کی خرافات سے دور رہنا تمہارا ہر کام اللہ رسول کی ہدایت کے مطابق ہونا چاہئے اگلا گرے پچھلا ہوشیار۔

شان نزول : حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب کے اہل کتاب سے تو جزیہ قبول فرمایا مگر مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہ کیا ان کے لئے یا اسلام یا تلوار کا حکم دیا تو منافقوں نے مسلمانوں سے کہا کہ یہ عجیب حکم ہے مشرکین اور اہل کتاب سب ہی کافر ہیں تو یہ فرق کیسا یا تو کسی سے جزیہ نہ لیا جاوے یا سب سے لیا جاوے مسلمانوں کو اس اعتراض سے رنج و دکھ پہنچا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ تم ان بیہودوں کی ایسی بکواس سے ملول نہ

www.alahazratnetwork.org

ہوا کرو اپنے دین پر پختہ رہو۔ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ اسلام یا قرآن یا رحمان پر اعتراض وہ کرے گا جو اللہ تعالیٰ کو یا رحیم نہ مانے یا حکیم نہ جانے جو اسے رحیم بھی مانتا ہے حکیم بھی وہ اس کے کسی حکم پر اعتراض کر سکتا ہی نہیں جیسے مریض حکیم کی ہر دوا بخوشی کھاتا ہے۔ بچہ ماں کی ہر ہدایت بخوشی قبول کرتا ہے۔ (2) بعض مومنین کو کفار کے کافر رہتے اسلام قبول نہ کرنے سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ بعض مومنین کو اپنے عزیز و قرابت دار کافروں پر صدمہ ہوتا تھا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے ان کا صدمہ دور کرنے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ روح البیان۔ خازن وغیرہ)۔

تفسیر : **یاایها الذین امنوا** ظاہر یہ ہے کہ یہ ندا نہ تو اظہار غضب کے لئے ہے نہ غفلت سے جگانے کے لئے بلکہ انتہائی رحمت کے اظہار کے لئے ہے جیسا کہ **اگلے** مضمون اور شان نزول سے معلوم ہو رہا ہے قرآن مجید میں مسلمانوں کو نداء غضب کے لئے تو ہوتی ہی نہیں اس خطاب میں تاقیامت مسلمان داخل ہیں صرف صحابہ کرام سے ہی خطاب نہیں۔ اسلام ظاہر کا نام ہے ایمان دلی اعتقاد کا نام اس لئے مسلمانوں کو اسلموا فرما کر خطاب نہیں فرماتا تھا بلکہ **امنوا** سے خطاب ہوتا ہے۔ مسلمان قومی بھی ہوتے ہیں اور مذہبی بھی مگر مومن مذہبی ہو گا صرف قومی مومن نہیں منافقین قومی مسلمان مانے جاتے مومن نہ مانے جاتے تھے اس لئے اس خطاب میں منافقین داخل نہیں ہو سکتے **علیکم انفسکم** حق یہ ہے کہ پورا **علیکم** اسم فعل ہے بمعنی **الزموا** اس کے بعد والا اسم منصوب ہوتا ہے مفعول بہ ہونے کی وجہ سے صرف علیکم ہی اسم فعل ہے علیم یا علیہ اسم فعل نہیں ہوتا اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں مگر یہ قول زیادہ قوی ہے کبھی لازم بھی ہوتا ہے جیسے علیک بذات الدین میں

(روح المعانی) **انفس** جمع ہے نفس کی نفس کے بہت معنی ہیں دل' جان' ذات' عین یہاں بمعنی ذات ہے معنی یہ ہیں کہ تم اپنی ذات کی فکر کرو یا اپنی ذات کی فکر لازم رکھو دوسروں کی فکر میں اپنی ذات کو نہ بھول جاؤ۔ اللہ نے ہم کو تین نعمتیں دی ہیں مال' جان' ایمان ہم مال و جان کے لئے تین کام کرتے ہیں۔ دشمنوں سے بچانا۔ آئندہ کے لئے بڑھانا اور مستقبل کی فکر کرنا یوں ہی چاہئے کہ ایمان کو دشمنوں سے بچاؤ۔ اعمال بڑھاؤ۔ عاقبت کی فکر کرو اس مختصری عبارت میں ان سب باتوں کا حکم لایا گیا اگر اللہ یہ تین چیزیں نصیب کر دے تو دنیا میں چین آخرت میں آرام سب کچھ نصیب ہو جاتا ہے۔ **لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے جو پہلے جملہ کی وجہ بیان فرما رہا ہے اور لا نفی کا ہے نہی کا نہیں **یضر** بمعنی استقبال ہے ضرر سے مراد دینی و دنیاوی نقصان ہے کم میں خطاب انہیں مومنین سے ہے۔ جن سے ابھی علیکم میں خطاب ہوا **من ضل** میں مراد مطلقاً گمراہی ہے۔ جس میں کفر' ارتداد' بدمذہبی' بدعملی سب ہی شامل ہیں **اذا** ظرفیہ ہے اور یہ عبارت **لا یضر** کا ظرف ہے **اهتدیتم** میں ہدایت سے مراد اپنے عقائد' عبادات معاملات سب داخل ہیں جن میں تبلیغ بھی آگئی لہذا آیت بالکل واضح ہے یعنی راہ حق سے بھٹکنے والے لوگ تمہارا کچھ نہ بگاڑیں گے جب کہ تم پورے پورے ہدایت پر رہو کہ تمہارے عقائد بھی درست ہوں۔ عبادات بھی معاملات بھی اور تم ان کو بقدر طاقت تبلیغ بھی کر چکے ہو جب تم اپنے فرض ادا کر چکے اور وہ گمراہ ہی رہے تو تم پر اس کا کیا وبال۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر تم سچے مسلمان رہے تو کفار نہ تو تمہارا دنیاوی نقصان کر سکیں کہ کفار تمہاری قوم تمہارے دین کو ختم کر دیں نہ دینی نقصان کر سکیں کہ کل قیامت میں تم سے ان کی باز پرس ہو جاوے۔ خیال رہے کہ اگر کبھی مسلمانوں کو کفار کے مقابل شکست ہو جاوے تو بھی اس میں ہمارا اپنا قصور

www.alahazratnetwork.org

ہوتا ہے کبھی رب کی طرف سے آزمائش یہ چیزیں ضرر نہیں امام حسین رضی اللہ عنہ کو یزیدیوں نے شہید کر دیا ضرر نہ پہنچایا نقصان تو اس کو پہنچا کہ اس کا منصوب خاک میں مل گیا حضرت حسین رضی اللہ عنہ اپنا کام کر گئے یہ نفع ہے نقصان نہیں۔ **الی اللہ مرجعکم جمیعا** " یہ عبارت نیا جملہ ہے **الی اللہ** مقدم خبر ہے اور **مرجعکم** الخ موخر مبتدا خبر کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع (لوٹنا) کم میں خطاب سارے مومن و کافر انسانوں سے ہے مومنوں کا ذکر تو **امنوا** اور **علیکم** اور **انفسکم** وغیرہ میں ہو چکا ہے اور کفار وغیرہ کا ذکر **من ضل** میں ہو گیا مرجع سے مراد یا تو مرکز رب کی بارگاہ میں حاضری ہے یا قیامت میں دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ قبر میں صرف عقائد کا حساب ہے۔ قیامت میں اعمال کا بھی حساب ہو گا اور یہاں اعمال کا ذکر ہو رہا ہے کہ ارشاد ہے **فینبئکم بما کنتم تعلمون** یہ عبارت **الی اللہ** الخ پر معطوف ہے خبر دینے سے مراد ثواب و عذاب دینا ہے یعنی عملی خبر کیونکہ قولی خبر تو بذریعہ انبیاء کرام اور کتب آسمانی دنیا میں بھی دیدی گئی ہے کہ کون مومن ہے کون کافر اور مومنوں کا اجر یہ ہے کافروں کا عذاب یہ تعملون میں عمل سے مراد جسمانی عمل یعنی نیک و بد افعال اور قلبی عمل یعنی اچھے برے عقیدے سب ہی شامل ہیں لہذا یہ جملہ بشارت 'نذارت' ترغیب' ترہیب سب کو شامل ہے اور بہت جامع ہے اگرچہ قیامت میں ہر ایک کو اس کے اعمال پر خبردار کرنا سزا و جزا دینا فرشتوں کا کام ہے مگر چونکہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقرب بندے ہیں اور جو کچھ بھی کرتے ہیں رب کے حکم سے کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے کام کو رب تعالیٰ نے اپنی طرف نسبت فرمایا اور کہا کہ اللہ تم کو خبر دے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے ایمان والوں جن کے دل میں ایمان مضبوط ہو چکا تم اپنی فکر کرو دنیا میں رہ کر آخرت کا توشہ تیار کر لو دوسروں کی فکر میں اپنے کو نہ بھول جاؤ کیونکہ جب تم صحیح معنی میں ہدایت پر ہو کہ تمہارے عقیدے عبادتیں معاملات لوگوں کو شریعت کی تبلیغ ضرورت کے وقت کفار پر جہاد سب کچھ ٹھیک ہوں اس کے بعد جو لوگ بد عقیدہ بد عمل رہیں اور تمہاری نہ مانیں تو ان کے گمراہ بد عمل رہنے سے تم کو بالکل نقصان نہ پہنچے گا کسی کی بد عملی دوسرے کے لئے عذاب کا باعث نہ ہو گی تمہارے ذمہ تبلیغ احکام ہے باقی ہدایت دینا ہمارا کام ہے تم سب کا رجوع آخر کار قیامت میں ہماری ہی طرف ہے کہ اس دن مومن کافر' متقی' فاسق سب ہماری بارگاہ میں جمع ہوں گے اللہ تعالیٰ ان سب کو ان کے گذشتہ عقائد و اعمال کو پوری پوری خبر دے دیگا کہ مومنوں کو ثواب کفار کو عذاب دے گا۔ خیال رہے کہ علیکم انفسکم بہت وسیع آیت ہے۔ جیسے ڈرائیور مشین کے ہر پرزہ پر نظر رکھتا ہے کہ ہم کو چاہیے کہ اپنے ہر عضو آنکھ' کان' زبان وغیرہ پر نظر رکھیں کہ یہ پرزے غلط کام تو نہیں کر رہے ہیں اور جیسے ڈرائیور معمولی خرابی خود نکال لیتا ہے بڑی خرابی دور کرنے کے لئے مشین کو ورکشاپ میں بھیجتا ہے یوں ہی اگر اپنی اصلاح تم خود نہ کر سکو تو کسی شیخ کامل کے ذریعہ اپنی اصلاح کراؤ ہمارا کسی شیخ کی بیعت کرنا اس آیت پر عمل ہے کہ اپنی فکر رکھو۔ خیال رہے: کہ یہ آیت کریمہ تبلیغ واجب ہونے کی بہت اہم آیت ہے اس میں ارشاد فرمایا گیا کہ جب تم خود ہدایت پر ہو تو تم کو دوسروں کی بد عملی سے نقصان نہ ہو گا اور تم ہدایت پر جب ہی ہوں گے جبکہ سارے احکام خداوندی پر عمل کریں گے ان احکام میں تبلیغ بھی داخل ہے جو بقدر طاقت بلا عذر تبلیغ نہ کرے وہ ہدایت پر ہے ہی نہیں لہذا وہ اس پر پکڑا جاوے گا۔ ترمذی نے بروایت قیس ابن ابی حازم روایت کی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ لوگو تم اس

www.alahazratnetwork.org

آیت سے دھوکہ نہ کھاؤ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ جب لوگ ظالم کو ظلم کرتے دیکھیں اور باوجود قدرت کے اسے نہ روکیں تو ان پر عام عذاب آجاوے گا۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آیت اس زمانہ کے لئے ہے جب لوگ علماء ناصحین کے فرمان پر کان نہ دھریں تبلیغ پر انہیں ایذاء دیں تب تبلیغ فرض نہ رہے گی اور اسی آیت کا ظہور ہو گا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کی آیات چھ قسم کی ہیں۔ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور نزول قرآن سے پہلے ہو چکا۔ بعض وہ آیات ہیں جن کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہو چکا۔ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یعنی زمانہ صحابہ کرام میں ہوا۔ بعض آیات وہ ہیں جن کا ظہور قریب قیامت ہو گا بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت میں ہو گا۔ بعض وہ ہیں جن کا ظہور قیامت کے بعد ہو گا اس آیت کا ظہور قریب قیامت ہو گا جبکہ لوگ تبلیغ کا اثر لینا چھوڑ دیں گے مبلغین کے پیچھے پڑ جاویں گے اور حساب و کتاب کی آیتوں کا ظہور قیامت میں ہو گا اور جنت و دوزخ وغیرہ کا ظہور بعد قیامت ہو گا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر سے کسی نے کہا کہ آپ تبلیغ چھوڑ دیں فرمایا ابھی اس کا وقت نہیں آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حاضرین ہمارے احکام غائبین کو پہنچا دیں۔ ہم لوگ اس وقت حاضر تھے تم لوگ غائب ہم پر فرض ہے کہ تم تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام پہنچائیں کسی شخص نے حضرت ابو ثعلبہ خشنی سے اس آیت کے متعلق پوچھا کہ اس کا مطلب کیا ہے کیا اب تبلیغ نہ کی جاوے تو فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا کہ لوگو احکام شرعیہ لوگوں تک پہنچاتے رہو۔ جب لوگوں کا یہ حال ہو جاوے کہ بخل کی پیروی کرنے لگیں ہر شخص اپنی رائے پسند کرے۔ دنیا کی فکر میں پڑ کر آخرت کو بالکل بھول جاویں تو تم اپنی فکر کرنا لوگوں کی فکر چھوڑ دینا ایک زمانہ ایسا آرہا ہے۔ جبکہ ایمان پر قائم رہنا ہاتھ میں آگ لینے سے بھی زیادہ دشوار ہو جاوے گا جو اس زمانہ میں صبر کرے اسے پچاس مومنوں کا ثواب ملے گا۔ کسی نے پوچھا کہ اس زمانہ کے پچاس کا یا آج کل کے پچاس کا فرمایا آج کل کے پچاس کا یعنی پچاس صحابہ کرام کا دیکھو ترمذی شریف (تفسیر خازن و روح المعانی۔ تفسیر کبیر وغیرہ) غرضیکہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ایک تفسیر سے یہ ہمیشہ قابل عمل رہی اور رہے گی۔ دوسری تفسیر سے اس پر عمل قریب قیامت ہو گا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان خصوصاً علماء اور مبلغین کو چاہئے کہ دوسروں کو سنبھالنے کی فکر میں اپنے سے غافل نہ ہو جائیں خود بھی پکے مومن متقی بنیں یہ فائدہ علیکم انفسکم سے حاصل ہوا بلکہ خود پہلے نیک بنیں پھر دوسروں کو نیکی کی رغبت دیں ورنہ تبلیغ اثر نہ کرے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قوا انفسکم واھلیکم نارا**۔

لطیفہ: مشہور یہ ہے کہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک عورت اپنے بچے کو لائی اور بولی کہ حضور اسے گڑ مضر ہے مگر یہ کھاتا ہے میرے منع کرنے سے گڑ نہیں چھوڑتا اسے آپ منع فرما دیں امام صاحب نے فرمایا اسے ایک ہفتہ کے بعد میرے پاس لانا چنانچہ ایک ہفتہ کے بعد پھر آئی تو آپ نے اس بچہ کو گڑ کھانے سے منع فرمایا وہ بولی کہ آپ نے اس دن ہی منع کر دیا ہوتا فرمایا کہ گڑ میرے مزاج کے بھی خلاف ہے مگر میں کھالیا کرتا تھا۔ پہلے میں نے خود چھوڑا پھر اسے منع کیا۔

دوسرا فائدہ: کسی کے گناہ کا وبال دوسرے پر نہیں پڑ سکتا اپنی کرنی اپنی بھرنی اپنی بدی کی سزا خود اپنے کو ہی ملے گی۔ یہ فائدہ **لا یضرکم** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ مسلمان اپنی نیکیوں کا ثواب دوسرے کو بخش سکتا ہے اور وہ اسے ضرور پہنچتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ بخشنے والا بھی محروم نہیں رہتا مگر اپنے گناہ کا عذاب کسی کو نہیں بخش سکتا یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ خدایا میرے صدقہ میرے حج وغیرہ کا ثواب میرے والدین کو پہنچے مگر یہ نہیں کہہ سکتے کہ خدایا میرے جوئے میری شراب خوری کا عذاب میرے دشمنوں کو پہنچے۔ **تیسرا فائدہ:** جو شخص عملی یا قولی تبلیغ پر قادر ہو اور پھر نہ کرے اور لوگ اس کی سستی کی وجہ سے بددین یا بدعمل بن جاویں تو اس کوتاہی کرنے والے کو کوتاہی کرنے کا ضرور عذاب ہو گا مثلاً ماں باپ اساتذہ اپنے بیٹے یا شاگرد کو برائیوں سے نہ روکیں یا بادشاہ۔ حاکم اپنی رعایا کو بدکاریوں سے باز نہ رکھے تو اس سستی کی سخت سزا ان سب کو ملے گی یہ فائدہ **اذا اهتديتم** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہوں کی گمراہی دوسروں کے لئے مضر نہ ہونے میں یہ شرط لگائی کہ دوسرے ہدایت پر رہیں ہدایت میں تبلیغ بھی داخل ہے۔ تبلیغ زبانی بھی اور تبلیغ قوت و طاقت سے بھی جیسی اپنی طاقت ہو ویسی تبلیغ کرے علماء زبان سے تبلیغ حکام جبراً لوگوں کو برائیوں سے روکیں۔ **چوتھا فائدہ:** جب لوگ بہت سرکش ہو جاویں کہ مبلغ کی تبلیغ کا اثر لینے کے بجائے اسے ستاویں اس کی زندگی اجیرن کر دیں تو اس مجبوری میں تبلیغ لازم نہیں بلکہ خاموش رہے اور اپنی عزت و جان کی حفاظت کرے یہ فائدہ **لا يضركم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اعمال کی سزا جزا دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں ملے گی دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزاء یہ فائدہ **فينبئكم** الخ سے حاصل ہوا آج عمل ہے حساب نہیں کل حساب ہو گا عمل نہ ہو گا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کے محبوب بندوں کے کام رب تعالیٰ کے کام ہیں کیونکہ ان کو رب تعالیٰ سے بہت قرب ہے یہ فائدہ بھی **فينبئكم** الخ سے حاصل ہوا دیکھو قیامت میں سزا و جزا دینا فرشتوں کا کام ہے مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ رب تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان صرف اپنی اصلاح کرے دوسروں کی مطلق پرواہ نہ کرے۔ لہٰذا اسلام کا بڑا رکن یعنی تبلیغ ختم ہو گئی ہماری تبلیغ کرنا اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر اور فوائد میں گزر گیا کہ اس آیت پر عمل قریب قیامت ہو گا۔ جب لوگ واعظین مبلغین کا اثر لینا چھوڑ دیں گے بلکہ الٹا اثر لینے لگیں گے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تبلیغ کر دینے کے بعد لوگوں کی بدعملی کا یہ مبلغ ضامن نہیں ہدایت تو اللہ کے قبضہ میں ہے ورنہ خود رب تعالیٰ فرماتا ہے **يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك من ربك** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **بلغوا عنى ولو اية** تبلیغ اسلام کا اہم فریضہ ہے بلکہ جہاد بھی تبلیغ کے لئے ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کسی کی بدعملی کا اثر دوسرے پر نہیں پڑتا مگر حدیث شریف میں ہے کہ ماں باپ سے اولاد کا خاوند سے بیوی کا حاکم و سلطان سے رعایا کا سوال ہو گا کہ یہ لوگ مجرم کیوں بنے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہ سوال ان لوگوں سے جب ہو گا جب انہوں نے اپنے ماتحتوں کی اصلاح میں کوتاہی کی ہو گی اور یہ سوال اپنے فریضہ میں کوتاہی کرنے کی بنا پر ہو گا کہ تم نے ان سے لاپرواہی کیوں کی لاپرواہی اپنی بدعملی ہے اگر یہ لوگ اپنے ماتحتوں کی اصلاح میں پوری کوشش کریں پھر لوگ اصلاح قبول نہ کریں تو ان سے قطعاً باز پرس نہ ہو گی لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے قطعاً خلاف نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ دوسرے کے جرموں کی سزا بے قصوروں کو نہیں دی جاتی **لا يضركم من ضل** مگر حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ اگر ایک شخص جہاز کا تختہ توڑ دے تو سارے ہی ڈوبتے ہیں یوں ہی اگر ایک شخص قانون شکنی کرے تو سب پر وبال آ

www.alahazratnetwork.org

جاتا ہے نیز رب تعالیٰ فرماتے ہیں **واتقوا فتنة لا تصيبن الذين ظلموا منكم خاصة** اس فتنہ سے ڈرو جس میں عذاب صرف ظالموں کو ہی نہ پہنچے گا۔ یعنی بے قصوروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیگا یہ آیت کریمہ اس حدیث اور اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت کریمہ میں بے قصوروں سے عذاب اخروی کی نفی کی گئی ہے اس آیت اور اس حدیث میں دنیاوی تکالیف کا ذکر ہے کہ وہ بروں کے ساتھ اچھوں کو بھی پہنچ جاتی ہے زکوٰۃ نہ دینے والوں کی وجہ سے بارش موقعہ پر نہیں ہوتی قحط پڑ جاتا ہے اور قحط سے سب کو ہی تکلیف ہوتی ہے۔ جن قوموں پر دنیاوی عذاب آئے اور وہ ہلاک کر دیئے گئے تو ان کے ساتھ بے قصور جانور اور بے گناہ بچے بھی ہلاک ہو گئے مگر یہ عذاب مجرموں کے لئے عذاب ہوتا ہے بے قصوروں کے لئے رحمت کہ اس کے عوض ان کو اعلیٰ مرتبے عطا ہوتے ہیں جیسے بادشاہ غداروں کے شہر کو بم باری سے تباہ کر دے ان میں جو وفادار لوگ وہاں رہتے ہیں۔ انہیں ان عمارات کے بڑے بھاری معاوضے ملتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت اور حدیث کے خلاف نہیں۔ **خیال رہے:** کہ اکثر نیکوں کے صدقے برے لوگ اللہ کی نعمتیں پا لیتے ہیں عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الله يدافع عن الذين امنوا** مگر کبھی بروں کی نحوست سے اچھوں پر بھی مصیبت آجاتی ہے جبکہ برائی کا غلبہ اور بروں کی کثرت ہو جاوے گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں مگر یہ مصیبت اچھوں کے لئے رحمت بن جاتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ جب تم ہدایت پر رہو گے تو تم کو گمراہوں کی گمراہی مضر نہیں ہو گی تو کیا اگر ہم ہدایت پر نہ ہوں تو گمراہوں کی گمراہی ہم کو نقصان پہنچاوے گی جب کسی کے گناہ کا عذاب دوسرے کو نہیں ہوتا تو اس شرط کے کیا معنی۔ **جواب:** جو شخص ہدایت پر نہ ہو تو گمراہ ہو گا اور گمراہوں کے ٹولے والا دوسروں کے گناہ میں شریک ہوتا ہے تو لامحالہ اسے عذاب بھی ہوتا ہے یا یہ کہو کہ جو شخص باوجود قدرت کے لوگوں کو برائی سے نہ روکے وہ ان کی برائیوں گناہوں کی سزا پائے گا نہ روکنے کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ: اے وہ لوگو جو سچے طالبوں کا سا ایمان لاچکے یعنی اپنے کو راہ طلب میں ڈال چکے اور طالب مولیٰ بن چکے تم اس راستہ میں اپنے نفس سے غافل نہ رہو ہر وقت اپنی صفائی میں لگے رہو اگر تم کو لوگ کامل کہنے لگیں تمہارے مرید ہو جائیں تو اس سے دھوکہ نہ کھاؤ لوگوں کی تعریف خلقت کا تمہاری طرف رجحان تم کو اپنے متعلق دھوکہ نہ دیدے اگر سالک دوسرے سالک کی اصلاح میں لگ کر اپنے سے غافل ہو جاوے تو ہلاک ہو جاوے گا اور اسے بھی ہلاک کر دے گا جیسے کوئی دریا میں ڈوب رہا ہو دوسرا تیرنے والا اس کا ہاتھ پکڑے تو دونوں ڈوب جائیں گے اسے چاہئے کہ ڈوبتے کو اپنے کپڑے وغیرہ کا سہارا دے اس کا ہاتھ نہ پکڑے اسے بھی چاہئے کہ دوسرے کو دامن پکڑا دے ہاتھ نہ دے اگر راہ طلب میں دوسرے لوگ ہلاک ہو گئے تو ان کی ہلاکت تم کو مضر نہ ہو گی بشرطیکہ تم طلب میں ہو۔ اولاً "تم اپنی کوشش سے یہ راستہ طے کرو پھر ایک وقت آوے گا۔ کہ تم کو عنایت الٰہی خود جذب کرے گی پھر تم اس کی طرف ایسے کھچو گے جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھچا جاتا ہے تب **الى الله مرجعكم** کا ظہور ہو گا اس کے بعد رب تعالیٰ تم کو تمہاری کوششوں تمہارے اعمال کا ثواب دے گا بہر حال کوئی ناقص اپنے سے غافل ہو کر دوسروں کی رہبری میں مشغول نہ ہو جاوے ورنہ خود بھی ہلاک ہو گا دوسروں کو بھی ہلاک کرے گا فی زمانہ لوگوں نے شیخوخت کو کھیل سمجھ لیا ہے ہر کس و ناکس پیر بن جاتا ہے پیروں کی نالائق جاہل اولاد میراثی پیر بن کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہدایت ہمارے لئے حفاظتی قلعہ ہے ہدایت کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن جو

www.alahazratnetwork.org

اس دامن کی پناہ میں آگیا تمام آفات سے بچ گیا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں کہ۔

از رسالت درجہاں تکوین ماست　　　از رسالت دین ما آئین ماست!

ملت مارا اساس دیگر است　　　این اساس اندر دل ما مضمر است!

نبوت کے دامن سے وابستہ ہو کر ہماری دینی تخلیق ہوتی ہے رسالت ہی سے ہمارا دین ہمارا قانون وابستہ ہے ہماری دیوار کی بنیاد ہی کچھ اور ہے یہ بنیاد ہمارے دلوں کی زمین پر قائم ہے اللہ تعالیٰ اس بنیاد سے وابستگی نصیب فرمادے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے گواہی تمہاری آپس کی جب آوے تم میں سے ایک کو موت بروقت

اے ایمان والو تمہاری آپس کی گواہی جب تم میں سے کسی کو موت آوے

الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ

وصیت کے دو آدمی ہیں انصاف والے تم میں سے یا دو دوسرے تمہارے غیروں میں سے اگر تم سفر کرو

وصیت کرتے وقت تم میں سے دو معتبر شخص ہیں یا غیروں میں کے دو جب تم

ضَرَبْتُمْ فِى الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ

زمین میں پس پہنچے تم کو مصیبت موت کی روکو تم ان دونوں کو پیچھے

ملک میں سفر کو جاؤ پھر تمہیں موت کا حادثہ پہنچے ان دونوں کو نماز کے بعد

بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِىْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ

نماز کے پس قسم کھائیں وہ اللہ کی اگر شک کرو تم کہ نہیں خریدتے ہم اس کے عوض قیمت اگرچہ

روکو وہ اللہ کی قسم کھائیں اگر تمہیں کچھ شک پڑے ہم حلف کے بدلے کچھ مال نہ خریدیں

كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّاۤ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ﴿۱۰۶﴾

ہو قرابت والا اور نہیں چھپاتے ہم گواہی اللہ کی بیشک ہم تب تو البتہ گنہگاروں میں سے ہیں

گے اگرچہ قریب کا رشتہ دار ہو اور اللہ کی گواہی نہ چھپائیں گے ایسا کریں تو ہم ضرور گنہگاروں میں ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو حفاظت نفس کا حکم دیا گیا تھا کہ ارشاد ہوا تھا علیکم انفسکم اب اس آیت کریمہ میں حفاظت مال کا حکم دیا جارہا ہے چونکہ حفاظت نفس مقدم ہے۔ حفاظت مال پر اس لئے پہلے حفاظت نفس کا حکم دیا پھر حفاظت مال کا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا

www.alahazratnetwork.org

کہ تم سب آخر کار رب تعالیٰ ہی کی طرف لوٹو گے وہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ عطا فرمائے گا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اصلی ثواب وعذاب تو آخرت میں عطا ہو گا مگر ان کی کچھ سزا و جزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ سے معلوم ہو گا کہ دو خائن لوگوں کو دنیا ہی میں رسوا کر دیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے چار جانوروں بحیرہ سائبہ وغیرہ کو بتوں کے نام پر چھوڑنے کی حرمت بیان فرمائی اب دوسروں کا مال ناجائز طور پر لینے کی حرمت کا ذکر ہے یعنی حقوق اللہ کے بعد حقوق العباد کا تذکرہ ہے کہ نہ تو جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑنا جائز ہے۔ اور نہ کسی کا مال ناجائز طور پر لینا درست ہے۔ **چوتھا تعلق:** کچھ پہلے لوگوں کو عبث سوالات کرنے سے روکا گیا تھا اب ایک نہایت اہم و ضروری مسئلہ کا بیان ہے تاکہ معلوم ہو کہ ہم ضروری مسائل تمہارے پوچھے بغیر ہی بیان فرما دیتے ہیں ان میں تمہارے سوال کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔

شان نزول: تمیم ابن اوس داری اور عدی ابن زید دونوں عیسائی تھے اور ہر سال بغرض تجارت شام کو جایا کرتے تھے ایک بار ان کے ساتھ حضرت بدیل ابن ابی مریم جو حضرت عمرو ابن عاص کے غلام تھے مدینہ منورہ سے ان دونوں کے ساتھ تجارت کے لئے گئے۔ جب یہ تینوں ملک شام پہنچے تو بدیل سخت بیمار ہو گئے۔ جب بدیل اپنی زندگی سے مایوس ہوئے تو انہوں نے اپنے مال کی فہرست ایک کاغذ پر لکھ کر کپڑوں کی تہہ میں رکھ دی جس کی خبر ان دونوں ساتھیوں کو نہ دی اور ان دونوں سے کہا کہ میں تو مر رہا ہوں تم میرا مال مدینہ منورہ میں میرے عزیزوں گھر والوں کو پہنچا دینا یہ کہہ کر وہ وفات پا گئے۔ ان کی وفات کے بعد ان دونوں نے ان کا مال تلاش کیا تو اس میں نہایت وزنی چاندی کا پیالہ جس پر سونے کا پانی چڑھا تھا نقشین تھا اس کا وزن تین سو مثقال تھا (ساڑھے چار ماشہ کا ایک مثقال ہوتا ہے) یہ پیالہ بادشاہ شام کے ہاتھ فروخت کرنے گئے تھے اور دونوں نے یہ پیالہ چھپا لیا اسے مکہ مکرمہ میں ایک ہزار درہم میں فروخت کر دیا۔ پانچ پانچ سو درہم آپس میں بانٹ لئے باقی مال بدیل کے گھر والوں کو دے دیا جب ان لوگوں نے یہ مال کھولا تو اس میں مال کی فہرست کا پرچہ نکلا جس میں اس پیالہ کا نام بھی تھا مگر سامان میں نہ تھا یہ لوگ ان دونوں کے پاس آئے ان سے پوچھا کہ کیا بدیل نے اپنا کچھ مال فروخت کر دیا تھا ان دونوں نے کہا نہیں پوچھا کیا تم نے بدیل سے کوئی چیز خریدی ہے بولے نہیں تو ان لوگوں نے کہا کہ بدیل کے سامان میں مال کی فہرست ہے اس میں ایک وزنی قیمتی پیالہ کا نام بھی ہے مگر ان کے سامان میں وہ پیالہ نہیں ان دونوں نے کہا ہم کو خبر نہیں جو کچھ بدیل نے ہم کو دیا تھا وہ تم لوگوں تک ہم نے پہنچا دیا آخر کار یہ مقدمہ بارگاہ نبوت میں پیش ہوا ان لوگوں نے وہاں جھوٹی قسم کھائی اور مقدمہ سے بری ہو گئے کچھ عرصہ بعد وہ پیالہ مکہ معظمہ میں ایک شخص کے پاس پایا گیا بدیل کے وارثوں نے اس سے پوچھا کہ تمہارے پاس یہ پیالہ کہاں سے آیا وہ بولے ہم نے تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے اب یہ مقدمہ پھر بارگاہ نبوت میں پیش ہوا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل کے گھر والوں سے فرمایا کہ تم قسم کھاؤ کہ یہ پیالہ بدیل کا ہے اور یہ دونوں عیسائی جھوٹے ہیں ان لوگوں نے قسم کھائی اور پیالہ حاصل کر لیا اس موقعہ پر یہ آیت اور اس کے اگلی آیت **فان عثر** الخ نازل ہوئی پہلے مقدمہ پر یہ آیت اور دوسرے مقدمہ پر دوسری آیت **فان عثر** الخ نازل ہوئی جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں فیصلوں کی تائید فرمائی گئی (تفسیر روح البیان، خازن، خزائن، تفسیر کبیر وغیرہ) ترمذی شریف میں آخری واقعہ یوں بیان ہوا کہ جب تمیم داری مسلمان ہوئے تو ان کے دل نے انہیں اس خیانت پر ملامت کی یہ خود بدیل کے گھر والوں کے پاس پہنچے اور یہ سارا واقعہ پیالہ فروخت کرنے کا بیان کر دیا اور انہیں پانچ

www.alahazratnetwork.org

درہم دیئے کہ یہ میں نے لئے تھے اور بقیہ پانچ سو عدی کے پاس ہیں تب دوبارہ مقدمہ چلا مگر ترمذی نے فرمایا کہ یہ حدیث غریب ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر خازن)۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** : حق یہ ہے کہ اس آیت کا کوئی حکم منسوخ نہیں اس کا ہر حکم تاقیامت باقی ہے لہٰذا **الذین امنوا** سے تاقیامت سارے مسلمان مراد ہیں اور یہ احکام سب پر جاری ہیں خیال رہے کہ منسوخ اور مخصوص آیتوں میں **الذین امنوا** سے مراد صرف صحابہ کرام ہوتے ہیں کیونکہ وہ احکام بعد کے مسلمانوں تک پہونچتے ہی نہیں۔ جیسے اے ایمان والوں ہمارے نبی کے گھر دعوت میں وقت سے پہلے نہ پہنچ جاؤ یا اے مسلمانو اللہ کے رسول سے آگے نہ بڑھو کہ یہ دونوں حکم حضرات صحابہ کے ساتھ خاص ہیں ہم کو ان پر عمل کا موقع نہ ملا یا جیسے فرمان باری تعالیٰ کہ اے ایمان والو جب ہمارے نبی سے عرض معروض کرنا چاہو تو پہلے صدقہ دے لیا کرو وہ حکم منسوخ ہے ان جیسے احکام کی آیات میں **الذین امنوا** سے مراد صرف صحابہ کرام ہوں گے مگر غیر منسوخ اور غیر مخصوص آیتوں میں صرف صحابہ کرام مراد نہیں ہوتے بلکہ سارے مسلمان ظاہر یہ ہے کہ **الذین امنوا** سے مراد سارے انسان مسلمان ہیں کیونکہ فرشتے اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں اور مومن ہیں مگر انہیں ابھی موت نہیں نہ وہ مال رکھتے ہیں لہٰذا وہاں وصیت کے احکام جاری نہیں۔ مومن جنات پر سفر کے وہ احکام جاری نہیں جو یہاں مذکور ہیں۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں **الذین امنوا** سے کیوں خطاب فرمایا **الذین اسلموا** کیوں نہ فرمایا **شہادۃ بینکم اذا حضر احدکم الموت حین الوصیۃ اثنان ذوا عدل منکم**۔ اس آیت کے نحوی ترکیب انتہائی مشکل ہے مفسرین نے اس کی بہت ترکیبیں کی ہیں سب سے آسان ترکیب یہ ہے کہ شہادۃ مضاف ہے بین کی طرف اور مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے اور اس کی خبر ہے **اثنان** یا تو شہادہ سے پہلے ذو پوشیدہ ہے یا اثنان سے پہلے شہادہ پوشیدہ ہے **اذا حضر** ظرف ہے شہادت کا اور **حین الوصیۃ اذا حضر** کا بدل ہے اب معنی بالکل واضح ہو گئے۔ خیال رہے کہ شہادۃ کے قریباً" چھ معنی ہیں حاضر ہونا' فیصلہ کرنا' قسم کھانا' جاننا' وصیت کرنا' گواہی دینا' تفسیر بیضاوی' پہلا پارہ آیت **وادعوا شہداء کم** میں لکھا ہے کہ شاہد کے معنی ہیں حاضر' گواہ' مددگار' امام و سلطان اور قسم کھانا رب تعالیٰ نے لعان کے بیان میں قسم کو شہادت فرمایا ہے۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی قسم کھانا یا گواہ بننا' (روح المعانی) یعنی اے مسلمانوں تمہارے آپس کے گواہ جب تم میں سے کسی کو موت آپہنچے یعنی اس پر علامات موت نمودار ہو جاویں اور وہ مرنے لگے اس وقت وہ وصیت کرنا چاہے تو دو گواہ ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ وصیت کی گواہی میں دو گواہ ضروری ہیں نہ تو اس میں ایک گواہ کافی ہے نہ چار گواہوں کی ضرورت۔ خیال رہے کہ بعض خبروں میں صرف ایک کی گواہی کافی ہوتی ہے جیسے رب فرماتا ہے **وشہد شاھد من اھلھا** اور بعض میں چاری گواہی لازم فرماتا ہے۔ **لولا جاء و اعلیہ باربعۃ شہداء**۔ عام خبروں میں دو کی گواہی ضروری ہوتی ہے۔ وصیت بھی ان ہی میں سے ہے گواہی دو قسم کی ہوتی ہے گواہی اصلی یعنی عینی گواہی فرعی' فرعی گواہی تو علامات' شہرت یا گواہی بر گواہی سے ہو جاتی ہے مگر عینی و اصلی گواہی میں دو شرطیں ہیں ایک گواہ بنتے وقت دوسرے گواہی دیتے وقت گواہ بنتے وقت تو شرط ہے کہ گواہ واردات پر موجود ہو اسے دیکھے اور واردات والوں کو پہچانے گواہی دیتے وقت ضروری ہے کہ حاکم کی عدالت میں حاضر موجود ہو وقف' نکاح' نسب میں گواہی فرعی بھی قبول ہے باقی اہم معاملات میں گواہی عینی ضروری ہے۔ یہاں گواہی عینی مراد ہے۔ اس آیت کے پہلے جز میں گواہ بننے کا ذکر ہے اور دوسرے جز میں گواہی دینے کا۔ خیال

www.alahazratnetwork.org

رہے کہ سارے انبیاء اولیاء اللہ کی ذات وصفات کے جنت دوزخ وغیرہ کے فرعی گواہ تھے کسی نے ان میں سے کوئی چیز دیکھی نہ تھی مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضور مخلوق کے آگے خالق کے عینی واصلی گواہ میں **یا ایہا النبی انا ارسلناک شاھدا** " اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مخلوق کے عینی گواہ **جئنا بک علی ھؤلاء شھیدا** اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ خالق چھپا نہ مخلوق کا کوئی ذرہ تک آپ کی گواہی عینی اور اصلی رہے۔ **ذوا عدل منکم ذوا عدل** صفت ہے **اثنان** کی اور **منکم کائنین** کے متعلق ہو کر ذوا عدل کا حال ہے۔ ذوا تثنیہ ہے ذو کا معنی والے عدل کے معنی ہیں عدالت وانصاف یہاں عدالت سے مراد ہے فسق کا مقابل یعنی تقویٰ و پرہیز گاری۔ **منکم** سے مراد ہے مدعی کے عزیز و قرابت دار یا ہم قوم یعنی وہ گواہ فاسق و فاجر نہ ہوں متقی و پرہیز گار ہوں مدعی کی قوم اس کے عزیزوں میں سے ہوں حضرت عکرمہ اور حسن زہری کی یہ ہی تفسیر ہے (روح المعانی و تفسیر کبیر' خازن وغیرہ) **او اخران من غیر کم ان انتم ضربتم فی الارض۔** قوی قول یہ ہے کہ **او اخران** معطوف ہے۔ **منکم** پر اور **غیر کم** سے مراد ہے وہ اجنبی مسلمان جو وصیت کرنے والے کے قریبی رشتہ دار نہ ہوں بلکہ اجنبی ہوں دوسری قوم کے مسلمان ہوں۔ **ان انتم** اس کا تعلق **اوخران** سے ہے۔ **ضرب** کے چند معنی ہیں۔ مارنا' مثال بیان کرنا' چلنا سفر کرنا یہاں تیسرے معنی مراد ہیں یعنی اگر تم اپنے وطن سے باہر سفر میں ہو اور وہاں تم کو اپنے قرابت دار مسلمان گواہ نہ ملیں تو اجنبی مسلمان جو دوسری قوم سے ہوں انہیں ہی گواہ بناؤ۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں جمہور فقہاء کا یہی قول ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) بعض مفسرین نے **منکم** سے مراد لئے مسلمان اور **من غیر کم** سے مراد لئے کفار اور معنی یہ کئے کہ اگر تم سفر میں وصیت کرنے لگو اور تم کو مسلمان گواہ نہ ملیں تو مسلمانوں کے علاوہ کفار و مشرکین کو گواہ بناؤ۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے کیونکہ اب مسلمان کفار کو گواہ نہیں بنا سکتا۔ بعض صحابہ فرماتے ہیں کہ ایسی مجبوری کی وصیت میں اب بھی مسلمان کفار کو گواہ بنا سکتا ہے اور صرف ایسی وصیت میں کفار کی گواہی مسلمان کے لئے معتبر ہے۔ عبداللہ ابن عباس۔ ابو موسیٰ اشعری' سعید ابن جبیر' سعید ابن مسیب' شریح مجاہد' ابن سیرین' ابن جریج رضی اللہ عنہم اجمعین کا یہی قول ہے (تفسیر کبیر) باقی صحابہ کا اور تمام مفسرین و محدثین کا وہ قول ہے جو ہم نے اوپر بیان کیا **فاصابتکم مصیبۃ الموت** یہاں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت **انتم ضربتم** الخ پر معطوف ہے اور شرط دوم ہے۔ اگرچہ مومن کی موت اللہ کی رحمت ہے مگر چونکہ اس میں شدت نزع بھی ہوتی ہے اور تمام دنیاوی تعلقات کا ختم ہونا بھی ہوتا ہے جو فطرۃ " تکلیف دہ ہے اس لئے اسے مصیبت فرمایا گیا اور موت کی مصیبت آنے سے مراد ہے۔ علامات موت کا ظاہر ہونا یعنی اگر تم سفر میں ہو اور وہاں تمہیں موت آنے لگے اور تم وصیت کرنا چاہو اور وہاں تمہارے عزیز و اقرباء جو دنہ ہوں تو وہ اجنبی لوگ جو وہاں میسر ہوں انہیں کو گواہ بناؤ۔ **تحبسونھما من بعد الصلوۃ** یہ نیا جملہ ہے جس میں وصیت کے گواہوں سے گواہی لینے کا طریقہ بتایا گیا ہے گویا اس سے پہلے انہیں گواہ بنانے کا ذکر تھا اب گواہوں سے گواہی لینے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے وہاں **وصابتکم** الخ میں مرنے والوں سے خطاب تھا اور یہاں **تحبسونھما** میں میت کے وارثوں اور حکام سے خطاب ہے۔ چونکہ وصیت کے متعلق اکثر مقدمے چل جاتے ہیں اور حکام کی عدالتوں میں گواہی کی نوبت آجاتی ہے اس لئے یہاں حکام اور وارثوں سے خطاب فرمایا شریعت کے بعض احکام پر ہر ایک شخص عمل کر سکتا ہے۔ جیسے نماز تہجد و نماز پنجگانہ بعض احکام پر جماعت کے ساتھ عمل ہوتا ہے اکیلے نہیں جیسے نماز جمعہ و عیدین بعض احکام پر حاکم کے فیصلے کے بعد عمل ہو سکتا ہے جیسے سزائیں' فسخ نکاح'

www.alahazratnetwork.org

مقدمات کے فیصلے بعض احکام پر سلطان کے ذریعہ ہو سکتا ہے جیسے جہاد یہ گواہی حکام کی کچہریوں میں ہی لواہو سکتی ہے لہذا یہ حکم دیا گیا۔ **تحبسون** فرما کر اشارۃً بتایا کہ حکام گواہوں کے گھر نہ جائیں گواہ حاکم کے پاس آئیں نیز گولہ حاکم کے پابند ہیں حاکم گواہ کا پابند نہیں گواہ حاکم کے سامنے کھڑا ہو حاکم گولہ کے آگے نہ کھڑا ہو یہ سب چیزیں اشارۃً **تحبسونهما** سے معلوم ہوتی ہیں جس کے معنی ہیں ٹھیرانا اور روکنا نماز سے مراد نماز عصر ہے کہ اس وقت لوگوں کا اجتماع زیادہ ہوتا ہے نیز اس وقت دن و رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں۔ مسلمان خصوصاً اہل عرب اس وقت کا بہت احترام کرتے ہیں اس وقت جھوٹی گواہی جھوٹی قسموں سے بہت ڈرتے ہیں اس لئے یہ وقت گواہی لینے کے لئے مقرر فرمایا گیا یعنی اے میت کے وارثو اور اے حکام جب اس مسافر میت کی وصیت کے گواہ اس کا مال متروکہ اور وصیت لے کر تمہارے پاس پہنچیں تو تم ان گواہوں کو سب کے سامنے بعد نماز عصر گواہی دینے کے لئے کھڑا کرو **فیقسمان باللہ** کہ وہ اللہ کی قسم کھائیں مگر یہ قسم جب ہے جبکہ **ان ارتبتم** یہ عبارت **یقسمان** کی شرط مؤخر ہے **ارتیاب** بنا ہے **ریب** سے اس کے معنی ہیں بہت شک کرنا اس میں خطاب وارثوں سے ہے یعنی اگر تم شک کرو اور خیال کرو کہ یہ گواہ جھوٹ بول رہے ہیں یا انہوں نے میت کا کچھ مال خورد برد کر دیا تو تم اس اہتمام سے ان کی گواہی لو **لا نشتری بہ ثمنا ولو کان ذا قربی** یہاں ف عاطفہ ہے اور یہ جملہ معطوف ہے **تحبسونهما** پر **یقسمان** کا فاعل وہی دونوں گواہ ہیں جن کو بعد نماز عصر گواہی کے لئے کھڑا کیا گیا ہے۔ **لا نشتری یقسمان باللہ** کا مفعول ہے ان دونوں کے درمیان میں جملہ شرطیہ بیان ہوا یعنی **ان ارتبتم بہ** کا مرجع ان کی اپنی قسم ہے **ثمنا** سے مراد رشوت وغیرہ کا مال ہے جو لے کر جھوٹی گواہی دی جاوے **لو کان** میں **کان** کا اسم وہ شخص ہے جو انہیں مال دے کر جھوٹی گواہی دلوائے **فا قربی کان** کی خبر ہے یعنی وہ گواہ گواہی دینے سے پہلے قسمیہ بیان دیں کہ اللہ کی قسم ہم کسی سے کچھ مال لے کر جھوٹی قسم نہیں دے رہے ہیں اگرچہ کوئی ہمارا عزیز قریبی ہی ہو اور ہم کو کچھ دے کر جھوٹی گواہی ہم سے دلوانا چاہے تو ہم نے تو اس کی قرابت داری کی رعایت کر کے جھوٹی گواہی دیں گے اور نہ رقم کے لالچ میں قسم تو اس پر لے جاوے گی **ولا نکتم شهادة اللہ** یہ عبارت **لا نشتری** پر معطوف ہے اور قسم کا جواب شہادت اللہ سے مراد وہ گواہی ہے جس کے دینے کا رب تعالیٰ کی طرف سے حکم ہے یعنی جو گواہی ہم میت کے پاس سے لیکر آئے ہیں وہ ہرگز نہ چھپائیں گے نہ کلاً "نہ بعضاً" بلکہ پوری گواہی دیں گے **انا اذا لمن الاثمین**۔ یہ عبارت گواہی اور قسم کی تاکید کے لئے ارشاد ہوئی یعنی اگر ہم روپیہ کے لالچ یا کسی عزیز کی قرابت داری کی رعایت کی وجہ سے قسم یا گواہی میں جھوٹ بولیں تو ہم سخت مجرم اور حق العباد مارنے والے ہو کر اپنے پر سخت ظلم کریں گے اور مجرموں کے زمرے سے ہوں گے۔

خلاصۂ تفسیر: اے مسلمانوں جب تم میں سے کوئی مرنے لگے اور وصیت کرنا چاہے تو وصیت کے وقت اپنے عزیزوں قرابت داروں میں سے دو متقی پرہیزگار گواہ مقرر کرے جن کے سامنے وصیت کرے اور انہیں اپنی وصیت پر گواہ بناوے اور اگر مرنے والا سفر میں ہو جہاں اسے اپنے عزیز قرابت دار گواہ نہ مل سکیں اور اسے موت کا حادثہ پیش آجاوے تو وہاں سے ہی دوسرے اجنبی متقی مسلمانوں کو گواہ بنالے اب جب کہ مرنے والا مرجاوے اور یہ گواہی دینے وارثوں کے پاس آویں اور اے وارثو! اے حاکمو تم کو ان کی گواہی کے متعلق شک و شبہ ہو کہ یہ لوگ جھوٹی گواہی دے رہے ہیں یا انہوں نے مال میں خیانت کی ہے تو تم ان دونوں کو نماز عصر کے بعد مسلمانوں کے مجمع میں کھڑا کرو وہ سب کے سامنے گواہی دینے سے پہلے یہ قسم کھائیں کہ اللہ

www.alahazratnetwork.org

کی قسم ہم سچی گواہی دیں گے کسی سے کچھ مال لیکر جھوٹی گواہی نہ دیں گے اگر ہمارا کوئی عزیز بھی ہم کو روپیہ دے جھوٹی گواہی نہ دیں گے اللہ کی طرف سے جس گواہی کی ہم پر ذمہ داری ہے اسے ہرگز نہ چھپائیں گے نہ کلا" نہ "بعضا" اگر ہم ایسا کریں تو ہم سخت مجرم ہیں اور ہم ظالم قوم سے ہیں جو اپنے پر یا مسلمانوں پر ظلم کرتی ہے سخت مجرم ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ کی اور چند تفسیریں ہیں مگر یہ تفسیر نہایت آسان اور قوی تر ہے نیز اس تفسیر کی بنا پر آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں نہ اسے منسوخ ماننا پڑتا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام میں وصیت بڑی اہم چیز ہے دیکھو رب تعالٰی نے وصیت کے متعلق یہاں مسلسل کئی آیات نازل فرمائیں اس پر گواہ بنانے کا طریقہ بلکہ گواہی سے گواہی لینے کا طریقہ بتایا حالانکہ دوسری جگہ قرآن مجید میں گواہی کے متعلق عام قانون بنادیا گیا ہے۔ **واشهدوا ذوى عدل منكم**۔ اس عام قانون کے ہوتے ہوئے پھر وصیت کے لئے علیحدہ قانون ارشاد ہوا جس سے وصیت کی اہمیت معلوم ہوئی۔ **دوسرا فائدہ**: دوسرے مالی معاملات کی طرح وصیت میں بھی دو گواہ چاہئیں نہ تو ایک گواہ کافی ہے نہ چار گواہوں کی ضرورت ہے یہ فائدہ **اثنان** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مسلمان کی وصیت میں بھی دوسرے معاملات کی طرح دو گواہ مسلمان متقی ہی چاہئیں اس میں بھی کفار کی یا فساق کی گواہی معتبر نہیں یہ فائدہ **ذوا عدل** اور **منكم** فرمانے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ وصیت میں اپنے عزیز و اقارب کو گواہ بنایا جاوے صرف اجنبی لوگوں کو گواہ بنانا بہتر نہیں کیونکہ اہل قرابت ہمارے گھر کے حالات بہت اچھی طرح جانتے ہیں یہ فائدہ بھی **منكم** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اگر بحالت سفر وصیت کرنا پڑ جاوے تو چونکہ وہاں اپنے عزیز و اقارب نہیں ملتے اس لئے اجنبی لوگوں کو ہی گواہ بنالینا چاہئے۔ مگر وہ بھی مسلمان اور پرہیزگار دیندار ہوں یہ فائدہ **من غيركم ان انتم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: نماز عصر اور اس کے بعد کا وقت بڑی عظمت والا ہے کہ اس وقت دن رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اللہ کے مقبول بندوں کی موجودگی وقت اور جگہ کو مقبول بنادیتی ہے یہ فائدہ **من بعد الصلوة** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: اگر گواہوں سے گواہی کسی خاص عظمت والی جگہ یا معظم وقت میں لی جاوے تو حرج نہیں بلکہ بہتر ہے تاکہ گواہوں پر ہیبت طاری ہو اور جھوٹی گواہی دینے کی ہمت نہ کریں جیسے مکہ معظمہ میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر کے پاس یا بیت المقدس میں **صخرہ** کے پاس گواہی یا قسم لی جاوے یوں ہی بعد نماز عصر یا کسی اور متبرک وقت میں گواہی لی جاوے۔

مسئلہ: امام شافعی کے ہاں خون، طلاق، آزادی غلام اور دو سو درہم مال کی گواہی میں اس قسم کا اہتمام کرنا ضروری ہے امام اعظم کے ہاں گواہی کیسی ہی ہو کسی جگہ یا کسی وقت سے خاص نہیں (تفسیر خازن، تفسیر کبیر واحمدی وغیرہ) غرضیکہ امام اعظم کے ہاں قسم خود ایک معظم چیز ہے اس کے لئے دوسرے اہتمام کی ضرورت نہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: معاملات کی گواہی حاکم کے سامنے ہونی چاہئے گواہ حاکم کی کچہری میں حاضر ہوں گواہ حاکم کے پابند ہوں حاکم گواہوں کا پابند نہ ہو یہ سب مسائل حاصل ہوئے۔ **تحبسونهما** سے **نواں فائدہ**: مقدمہ میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ دعوٰی، جواب دعوٰی، گواہی، حاکم کا فیصلہ مگر ان سب میں گواہی کو بڑی اہمیت ہے کہ اس پر دعوٰی کی پختگی ہوتی ہے۔ اس پر حاکم کا فیصلہ موقوف ہے۔ فریقین کی جرح گواہوں پر ہی ہوتی

www.alahazratnetwork.org

ہے دیکھو اس آیت میں دعویٰ یا جواب۔ دعویٰ یا فیصلہ کے لئے کوئی پابندی نہیں لگائی گئی بلکہ۔ گواہوں پر پابندیاں لگائی گئیں کہ انہیں کھڑا کرو۔ عصر کے بعد گواہی لو۔ گواہی سے پہلے ان سے یہ قسمیں لو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں اللہ کے گواہ ہیں۔ اور آخرت میں نبیوں کے گواہ ہوں گے اس لئے قدرت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا ہی اہتمام فرمایا۔ **دسواں فائدہ:** شرعی قسم صرف اللہ کی ذات و صفات کی ہی کھائی جاوے اسی قسم پر احکام شرعی جاری ہوتے ہیں لغوی قسم دوسری چیزوں کی بھی کھائی جاسکتی ہے جیسے **والتین والزیتون** الخ یہ فائدہ **فیقسمان باللہ** سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** جھوٹے گواہوں کی گواہی سے جو ظلم ہو گا اس ظلم میں حاکم داخل نہ ہو گا مگر گواہ برابر کے شریک ہوں گے حتی کہ اگر جھوٹی گواہی سے قصاص یا رجم ہو گیا تو ان گواہوں پر خون بہا واجب ہو گا یہ فائدہ **انا اذا لمن الاثمین** سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** قرآن مجید سے کوئی شخص نہ فتویٰ دے سکتا ہے نہ عمل کر سکتا ہے۔ فتویٰ، عمل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان پر ہو گا۔ دیکھو قرآن مجید نے یہاں گواہی کے بیرونی احکام تو بیان کئے مگر گواہی کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا کہ وہ ان الفاظ سے گواہی دیں یہ حدیث شریف نے بیان کیا نماز زکوٰۃ کا صرف نام لیا طریقہ وقت رکعات نہ بتائیں تاکہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج رہیں۔ **تیرھواں فائدہ:** قرآن مجید کے بہت احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے آئے دیکھو تمیم داری اور عدی سے گواہیاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے چکے تھے سارا مقدمہ طے ہو چکا تھا یہ آیتیں بعد میں آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ سمجھا بجھا کر پڑھا کر بھیجا ہے نزول قرآن تو اجراء احکام کے لئے ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بحالت سفر وصیت کرنا پڑ جاوے تو کفار کو بھی گواہ بنایا جاسکتا ہے اور ان کی گواہی مسلمانوں کے مقابل قبول ہو گی کیونکہ یہاں فرمایا گیا **او اخران من غیر کم** کیونکہ اس آیت کریمہ کو شروع کیا گیا **یا ایھا الذین امنوا** سے اور مومن کا غیر کافر ہوتا ہے۔

نوٹ: بعض ائمہ سفری وصیت میں بحالت مجبوری کفار کی گواہی مسلمان کے متعلق جائز کہتے ہیں یہی مذہب ہے حضرت ابن عباس، ابو موسیٰ اشعری، سعید ابن مسیب، سعید ابن جبیر، شریح، مجاہد، ابن سیرین اور ابن جریج کا تفسیر کبیر اور خازن نے اس پر بہت زور دیا ہے اور فرمایا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس کوفہ میں ایک ایسی ہی گواہی پیش ہوئی تو آپ نے قبول فرمائی یہ دلیل ان ہی حضرات کی ہے ان بزرگوں کے علاوہ امام حسن، زہری اور عام جمہور فقہاء محدثین حتی کہ عام صحابہ کا یہی قول ہے کہ کفار کی گواہی مسلمان پر کسی طرح جائز نہیں (تفسیر کبیر)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ہیں ایک یہ کہ فاسق مسلمان کی گواہی بھی جائز نہیں دیکھو رب نے فرمایا **ذوا عدل منکم** یہاں **منکم** فرما کر یہ بتایا کہ گواہ مسلمان ہو ذوا عدل فرما کر یہ بتایا کہ مسلمان بھی متقی پرہیزگار ہوں فاسق نہ ہوں۔ جب فاسق مسلمان کی گواہی بھی معتبر نہ ہوئی تو کافر کی گواہی کیونکہ قبول ہو گی لہذا یہاں **او اخران** سے مراد ہیں دوسری قوم کے مسلمان اور **منکم** سے مراد ہے اپنی جماعت اپنی برادری اپنی قوم کے مسلمان اگر آخران سے مراد کفار ہوتے تو **من بعد الصلوۃ** کیوں فرمایا جاتا۔ نماز عصر کے بعد کا وقت مسلمانوں ہی کے نزدیک عظمت والا ہے۔ یہود نصاریٰ، مشرکین نہ نماز عصر کو مانیں نہ اس کے بعد کے وقت کو۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت

www.alahazratnetwork.org

بدیل کی وصیت کے گواہ دو عیسائی ہی تھے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ جب یہ آیت کریمہ عیسائیوں کی گواہی کے متعلق نازل ہوئی ہے تو ان کی گواہی کیوں قبول نہ ہو۔ **جواب:** وہاں وہ دونوں عیسائی حضرت بدیل کے وصی یعنی وصیت کے منتظم تھے نہ کہ گواہ کافر مومن کا وصی بن سکتا ہے کہ مرنے والا اپنے مال و اولاد کا انتظام اس کے سپرد کر جاوے یا اپنی امانت اسے سونپ جاوے وصایت' امانت' شہادت الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہاں گفتگو شہادت میں ہے کفار کی گواہی مسلمان پر نہیں ہو سکتی۔ رب فرماتا ہے **واشهدوا ذوی عدل منکم** وہ آیت اس گواہی پر ناطق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **فيقسمان بالله** یعنی گواہ اللہ کی قسم کھائیں حالانکہ شرعاً گواہ پر قسم نہیں ہوتی مدعی کے ذمہ گواہ پیش کرنا ہے اور گواہ کے ذمہ سچی گواہی دینا اور مدعا علیہ کے ذمہ قسم ہے پھر یہ آیت کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں گواہ اس واقعہ پر قسم نہ کھائیں گے۔ جس کی وہ گواہی دے رہے ہیں بلکہ اس پر قسم کھائیں گے کہ ہم گواہی سچی دیں گے اس گواہی میں بغیر کسی کی رعایت کے سچی بات کہیں گے لہذا گواہی اور چیز کی ہے قسم اور چیز پر۔ **چوتھا اعتراض:** یہ آیت امام اعظم قدس سرہ کے خلاف ہے ان کے ہاں گواہی کے لئے اعلیٰ مقام اعلیٰ وقت کی پابندی نہیں مگر یہاں فرمایا گیا **من بعد الصلوة** یہ گواہی عصر کے بعد لی جاوے یعنی معظم وقت میں پھر امام اعظم نے قرآن کریم کے خلاف فتویٰ کیوں دیا۔ **جواب:** امام اعظم اس اہتمام کی ممانعت نہیں فرماتے بلکہ اس کے ضروری ہونے کا انکار کرتے ہیں یعنی حاکم پر یہ واجب نہیں کہ گواہوں کو کسی مقدس جگہ پر لے جاوے محترم وقت میں ان سے قسم لے اگر مناسب جانے تو ایسا کرے یہاں مناسب ہی ذکر ہے نہ کہ وجوب کا۔

تفسیر صوفیانہ: کامیاب زندگی اس کی ہے جو اپنے نفس کا تزکیہ کرے اسے پاک وصاف بنائے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قد افلح من تزکی** نفس کی صفائی و پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے مال کو پاک وصاف رکھے کہ مال سے غذا و لباس حاصل ہوتے ہیں اگر یہی گندے ہوئے تو نفس کیسے پاک ہوگا۔ خراب غذا سے خون بھی خراب بنے گا اور خراب خون نفس کو خراب کرے گا۔ پٹرول خراب ہو تو مشین صاف نہیں رہ سکتی مال کی پاکیزگی کے لئے ضروری ہے کہ حلال ذریعہ سے آئے حلال ذریعہ میں جائے اچھی جگہ خرچ ہو اپنی زندگی موت بلکہ بعد موت اپنے مال کی حفاظت کرے کہ مرنے لگے تو اچھے مقام پر خرچ کرنے کی وصیت کر جاوے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اسی لئے وصیت کے احکام اور اپنی وصیت کی حفاظت کا ذکر فرمایا کہ وطن میں مرنے لگو تو اپنے عزیز و اقارب کو اپنی اچھی وصیت کا گواہ بنالو۔ پردیس میں مرنے لگو تو اجنبی مسلمانوں کو گواہ بنالو تاکہ تمہارا مال تمہارے بعد برباد نہ ہو مال سے ہماری جسمانی' نفسانی بقا ہے جب مال کی حفاظت کی اس قدر تاکید ہے تو اعمال' احوال' افعال کی حفاظت کیسی ضروری ہوگی' خود اندازہ لگالو۔ مومن جیتے تو اپنے احوال و اعمال کی حفاظت کرتا ہے اور حفاظت کرتا ہی مرے اور مرنے کے لئے تو اپنے اعمال صالحہ کی حفاظت کا انتظام کر جاوے تاکہ اس کے اعمال اعمال باقیہ صدقات جاریہ بن جاویں اپنی اولاد اپنے شاگردوں اپنے مریدین کو اچھا بنا کر جاؤ انہیں اچھی وصیتیں کر جاؤ تاکہ تمہارے یہ اعمال تمہارے لئے قبر میں باعث ثواب بنتے رہیں اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو وفات کے وقت خصوصی وصیتیں فرمائیں کہ نماز کی پابندی کرنا' اپنے غلاموں ماتحتوں سے اچھا سلوک کرنا' تقویٰ پر قائم رہنا اپنے دین' اپنے قرآن اپنی امت کی بقا کی دعائیں مانگیں اور رب تعالیٰ نے حضور سے یہ وعدے فرمائے۔

www.alahazratnetwork.org

رونقت را روز روز افزوں کنم ؛ نام تو بر نقرہ و برزر زنم
منبر و محراب سازم بہر تو ؛ در محبت قہر من در قہر تو
تاقیامت باقیش داریم ما ؛ تو مترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ
چاکر انت لکھا گیر ندو جاہ ؛ دین تو باقی زماہی تا بماہ

یعنی اے محبوب تاقیامت تمہاری رونق روز بروز بڑھتی رہے گی تمہارا نام چاندی سونے پر لکھا جاوے گا تمہارے ذکر کے لئے ہم منبر و محراب بنائیں گے۔ جس پر تمہارا قہر ہو گا ہمارا قہر ہو گا ہم تمہارے دین کو تاقیامت باقی رکھیں گے تم اپنے دین کی بربادی کا خطرہ نہ کرو تمہارے در کے نوکر چاکروں کو ہم عزت عظمت ملک دیں گے تمہارا دین فرش سے عرش تک رہے گا یہ بے دین کی فکر۔

دوسری تفسیر صوفیانہ: مال دو قسم کے ہیں ایک متاع دوسرا ثمن ' متاع وہ ہے جو کہ کھانے یا پینے یا دیگر ضروریات میں خرچ ہو جیسے دانہ ' لباس ' مکان وغیرہ ثمن وہ ہے جو کسی کام نہ آوے نہ کھائی جاوے نہ پہنی جاوے نہ برتی جاوے مگر متاع حاصل ہونے کا ذریعہ ہو جیسے نوٹ یا روپیہ پیسہ ' اگر ثمن کا چلن ہو تو مفید ہے اس کی قدر ہے اگر چلن بند ہو جاوے تو محض بیکار ہے۔ منسوخ شدہ نوٹ ردی ہے۔ آخرت متاع ہے اور دنیا ثمن یعنی آخرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہمارے اعضاء ہمارے مال و اولاد سب ثمن ہیں مومن کی دنیا چالو سکہ ہے کافر کی دنیا وہ سکہ ہے جس کا چلن نہیں۔ مال ' اعمال ' احوال ' کمال یہ اللہ کی چار نعمتیں ہیں۔ جیسے مال میں حکم ہے کہ اچھی جگہ سے کماؤ محفوظ رکھو اچھی جگہ خرچ کرو اسی طرح اعمال ' احوال ' کمال اچھے کرو۔ محفوظ رکھو برباد نہ ہونے دو اور مرتے وقت بعد کے لئے جمع کر لو جسم کے کام اعمال ہیں دل کے عقیدے احوال ہیں۔ ان دونوں سے روح کو جو ترقی ہوتی وہ ہے کمال غرضیکہ مال کی طرح افعال ' اعمال ' احوال ' کمال سب میں احتیاط ضروری ہے۔ جب ثمن کی ایسی احتیاط ہے تو اصل متاع کی کیسی احتیاط لازم ہے خود غور کر لو۔

فَإِنْ عُثِرَ عَلَىٰٓ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ إِثْمًا فَـَٔاخَرَانِ يَقُومَانِ مَقَامَهُمَا مِنَ
پھر اگر اطلاع ملے اس پر کہ وہ دونوں مستحق ہو گئے گناہ کے تو دوسرے دو کھڑے ہوں جگہ میں ان کی ان میں
پھر اگر پتہ چلے کہ وہ کسی گناہ کے سزاوار ہوئے تو ان کی جگہ دو اور کھڑے ہوں ان میں سے جن کے خلاف گواہی دیکر
الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلَيَانِ فَيُقْسِمَانِ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَآ أَحَقُّ
سے کہ مستحق ہوئے جن پر پہلے دونوں گناہ کے مستحق ہو چکے میت کے قریبی پس یہ قسم کھائیں
یہ دونوں ان گناہ یعنی جھوٹی گواہی نے ان کا حق لے کر ان کو نقصان پہنچایا جو میت سے زیادہ قریب ہوں تو اللہ
مِن شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ إِنَّآ إِذًا لَّمِنَ الظَّـٰلِمِينَ ۝ ذَٰلِكَ أَدْنَىٰٓ
اللہ کی کہ البتہ ہماری گواہی زیادہ حق ہے ان کی گواہی سے اور نہیں حد سے بڑھے ہم بے شک ہم تب تو ظالموں سے ہیں
کی قسم کھائیں کہ ہماری گواہی زیادہ ٹھیک ہے ان دو کی گواہی سے اور ہم حد سے نہ بڑھے ایسا ہو تو ہم ظالموں میں

www.alahazratnetwork.org

اَنْ یَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰى وَجْهِهَاۤ اَوْ یَخَافُوْۤا اَنْ تُرَدَّ اَیْمَانٌۢ بَعْدَ

یہ زیادہ نزدیک ہے اس سے کہ لائیں وہ گواہی اس کے صحیح طریقہ پر یا خوف کریں اس سے کہ رد کر دی جاوے

ہوں یہ قریب تر ہے اس سے کہ گواہی جیسی چاہیے ادا کریں یا ڈریں کہ کچھ قسمیں رد کر دی جاویں

اَیْمَانِهِمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ؕ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ﴿۱۰۸﴾ ع

گواہیاں پیچھے ان کی گواہیوں کے اور ڈرو اللہ سے اور سنو اور اللہ نہیں ہدایت دیتا فاسق قوم کو

ان کی قسموں کے بعد اور اللہ سے ڈرو اور حکم سنو اور اللہ بے حکموں کو راہ نہیں دیتا

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں مسافر میت کے ان وصیوں کا ذکر تھا جنہیں میت اپنے مال کا محافظ بنا جاوے اور انہیں اپنا مال اپنے وارثوں تک پہنچانے کا ذمہ دار کر جاوے۔ اب ان وصیوں کے جھوٹ ظاہر ہو جانے کا ذکر ہے کہ اگر وہ خیانت کر لیں اور جھوٹا بیان دیں تو کیا کیا جاوے گویا پچھلی آیت میں وصیوں کے بیان کا ذکر تھا اب ان کے جھوٹے بیان کی تردید کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں وصیوں کی گواہی کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کا یہ بیان ناقابل رد نہیں کہ کسی طرح ٹوٹ ہی نہ سکے بلکہ اگر علامات سے ان کا جھوٹ ثابت ہو جاوے تو ان کا بیان رد ہو سکتا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں وصیوں کے بیان کا ذکر تھا اب ان آیات میں ان وصیوں کے مقابل میت کے وارثوں کے تردیدی بیان ان کی قسم کا تذکرہ ہے۔ جس سے ان کا بیان ٹوٹ سکے۔

شان نزول: تمیم داری اور عدی ابن زید جب حضرت بدیل کا مال جھوٹی قسم کھا کر بدیل کے وارثوں کو دے گئے پھر وہ چاندی کا پیالہ مکہ معظمہ میں ایک شخص کے پاس پکڑا گیا اس نے کہا کہ ہم نے یہ پیالہ تمیم داری اور عدی سے خریدا ہے۔ تب بدیل کے وارثوں نے پھر یہ مقدمہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش کیا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ تمیم و عدی کے بیان لئے اس کے مقابل بدیل کے وارثوں نے قسمیہ بیان دیا کہ یہ دونوں جھوٹے ہیں اور یہ پیالہ ہمارے عزیز بدیل کا ہے تب بارگاہ رسالت سے ان وارثوں کے حق میں فیصلہ ہوا کہ پیالہ انہیں دلوا دیا گیا اور تمیم و عدی سے پیالہ کی قیمت مکہ کے خریدار کو واپس کرائی گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فیصلہ کی تائید میں یہ دونوں آیات نازل ہوئیں اس کا تفصیلی بیان پچھلی آیت کریمہ کے شان نزول میں گزر چکا غرض کہ اس واقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالیہ میں دو مقدمہ پیش ہوئے۔ پہلے مقدمے کے متعلق گزشتہ آیت آئی دوسرے کے متعلق یہ آیتیں۔

تفسیر: **فان عثر علی انهما استحقا اثما**۔ **ف** تعقیبیہ ہے چونکہ یہ واقعہ جو یہاں مذکور ہے پہلے واقعہ کے بعد ہے اس لئے **ف** لائی گئی **عثر** سے معنی پھسلنا یا عثور سے معنی خفیہ چیز پر اپنی کوشش کے بغیر اطلاع پانا۔ چونکہ پھسل جانے والا پھسلن کی جگہ پر بعد میں اطلاع پاتا ہے اس لئے اطلاع پانے کو بھی **عثر** کہہ دیتے ہیں اطلاع پانے والے میت کے وارث ہیں جن کے مال میں دونوں وصیوں نے خیانت کی ہے۔ **هما** کا مرجع وہ دونوں وصی ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہو چکا یہاں **استحقا** معنی **استوجبه** ہے یعنی واجب کر لیا **اثم** سے مراد ہے جھوٹ بولنے اور خیانت کرنے کا گناہ یعنی اگر وصیوں کے

www.alahazratnetwork.org

بیان دینے کے بعد علامات و قرینوں سے معلوم ہو گیا کہ وہ دونوں جھوٹ بول گئے اور اس مال میں خیانت کر گئے اور جھوٹ و خیانت کے گناہ کو اپنے ذمہ لازم کر گئے۔ اس واقعہ میں قرینہ تھا پیالہ کا مکہ معظمہ میں پکڑا جانا اور قابض کا بیان دے دینا کہ ہم نے تمیم سے یہ پیالہ خریدا ہے۔ **فاخران یقومان مقامھما** یہاں **ف** جزائیہ ہے اور یہ جملہ **ان عثر** کی جزا ہے **اخران** سے مراد اس مسافر میت کے وہ دو وارث ہیں جن کے مال میں خیانت ہوئی مقامہما میں **ھما** کی ضمیر ان دونوں وصیوں کی طرف ہے جو پہلے جھوٹا بیان دے چکے ان کی جگہ کھڑے ہونے کا مطلب یہ ہے کہ حاکم کے سامنے وہاں ہی کھڑے ہوں جہاں مدعی مدعی علیہ یا گواہ کھڑے ہوتے ہیں یعنی اس صورت میں دوسرے دو شخص ان وصیوں کی جگہ حاکم کے سامنے حاضر ہوں **من الذین استحق علیھم الاولیان**۔ اس عبارت کی نحوی ترکیب بہت ہی مشکل ہے۔ مفسرین نے اس کی بہت ترکیبیں کی ہیں اور اس کے بہت معنی بیان فرمائے ہم ان میں سے دو آسان ترکیبیں اور معنی عرض کرتے ہیں۔ اس عبارت میں **من بیانیہ** ہے اور یہ عبارت **اخران** کا بیان ہے **الذین** سے مراد وارثین میت ہیں اور استحق کا فاعل **اولیان** ہے۔ **علیھم** متعلق ہے استحق کے اور اولیان اولی کا تثنیہ ہے یہ بنا ہے ولایت سے اور اس سے مراد وہ دو جھوٹے وصی ہیں جو پہلے غلط بیانی کر چکے ہیں اور استحق کا مفعول پوشیدہ یعنی گناہ اور علی ضرور مقابلہ کے لئے ہے علیہم میں **ھم** کا مرجع **الذین** ہے اس سے مراد وارثین میت ہیں معنی یہ ہوئے کہ اب ان دونوں جھوٹے وصیوں کی جگہ دو دوسرے **گواہ کھڑے** ہوں یہ دونوں ان لوگوں میں سے ہوں جن کے خلاف بیان دے کر پہلے دونوں وصی گناہ کے مستحق ہو چکے ہیں وہ دونوں گواہی کے زیادہ حقدار تھے کہ وہی دونوں میت کے مرتے وقت وہاں موجود تھے۔ اس صورت میں مطلب بالکل واضح ہو گیا۔ دوسری تفسیر یہ ہے کہ **اولیان** تثنیہ ہے ولی کا ولی بنا ہے **ولی** بمعنی قرب سے **اولی** بمعنی اقرب ہے اور۔ الاولیان سے مراد ہے وہ دو گواہ جو اب کھڑے ہو کر گواہی دے رہے ہیں اور میت کے قریبی وارث ہیں اور الاولیان بدل ہے آخران کا اور **الذین** سے مراد وارثین میت ہیں استحق کا مفعول وصیت ہے۔ معنی یہ ہوئے کہ ان وارثوں میں سے دوسرے دو شخص جو میت کے قریبی وارث ہوں یہ کھڑے ہو کر وہ بیان دیں جو آگے آ رہا ہے۔ بہرحال اولیان کے دو معنی ہیں گواہی کے **متولی اور میت** سے قریب تر اور اولیان یا استحق کا فاعل ہے یا آخران کا بدل یہ دونوں معنی خیال میں رکھے جاویں **فیقسمان باللہ لشھادتنا احق من شھادتھما**۔ اس عبارت میں ان دو وارثوں کے الفاظ کا ذکر ہے جو وہ حاکم کے سامنے پیش کریں **فیقسمان** قسم سے بنا بمعنی حلف و یمین اور شہادت سے مراد ہے قسم قرآن مجید میں قسم کو شہادت فرمایا گیا ہے رب لعان کے بیان میں ارشاد فرماتا ہے۔ **فشھادۃ احدھم اربع شھادات باللہ**۔ وہاں شہادت بمعنی قسم ہے کیونکہ لعان میں خاوند بیوی دونوں اپنے بیان پر چار چار قسمیں ہی کھاتے ہیں **احق** اسم تفضیل ہے حق کا یعنی لائق قبول اور **شھادتھما** میں بھی شہادت سے مراد قسم ہے **ھما** کا مرجع وہ پچھلے دو وصی ہیں جو جھوٹا بیان دے گئے یعنی یہ دونوں وارث حاکم کے سامنے کھڑے ہو کر قسمیہ بیان دیں کہ وہ دونوں وصی جھوٹے ہیں اور یہ برآمد شدہ مال ہمارے مورث کا ہے ہم اس کے اب مالک ہیں اور ہماری یہ قسمیں ان دونوں وصیوں کی قسموں سے زیادہ قابل قبول ہیں کیونکہ ان دونوں کا جھوٹ علامات سے ثابت ہو چکا مال برآمد ہو گیا جس نے میت کی تحریک کی تصدیق کر دی۔ خیال رہے کہ اگرچہ یہ دونوں وارث مدعی ہیں اور مدعی پر قسم نہیں ہوتی مگر چونکہ تمیم داری اور عدی نے پیالہ مل جانے پر دعویٰ کیا تھا کہ یہ پیالہ ہم نے بدیل مرحوم سے خرید لیا تھا اس خریداری کا وارثوں نے انکار کیا لہٰذا اب یہ خریداری کے منکر ہوئے اور انہوں

www.alahazratnetwork.org

نے قسم کھائی۔ پہلے مقدمہ میں تمیم داری اور عدی منکر تھے کہ پیالہ ہم کو بدیل کے مال میں نہیں ملا اس لئے انہوں نے قسم کھائی لہذا دونوں قسمیں برحق ہیں قانون شرعی کے موافق **و ما اعتدینا** یہ بھی ان دونوں وارثوں کا ہی کلام ہے جواب قسم کھا رہے ہیں **اعتدا** بنا ہے **عدو** سے بمعنی حد سے بڑھنا یعنی ہم اس قسم میں حد سے نہیں بڑھے ہیں ہم نے ان دونوں وصیوں پر زیادتی نہیں کی ہے **انا اذا لمن الظلمین۔** یہ نیا جملہ ان ہی وارثوں کے کلام کا تتمہ ہے یعنی اگر ہم جھوٹی قسمیں کھا کر ان دونوں وصیوں پر زیادتی کر رہے ہوں تو ہم ظالموں میں سے ہوں گے **ذالک ادنی ان یاتوا بالشھادۃ علی وجھھا** یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے جس میں ان مذکورہ قانون کی حکمت بیان فرمائی گئی **ذالک** سے اشارہ ہے وارثوں سے قسم لینے کی طرف **ادنی** بنا ہے **دنو** سے بمعنی قرب ادنیٰ کے معنی ہوئے قریب تر لائق تر **یاتوا** کا فاعل میت کے وصی ہیں یا سارے مسلمان جنہیں قسم کھانی پڑے شہادت سے مراد یا گواہی ہے یا قسم **وجھہ** سے مراد ہے حقیقت اور سچائی یعنی وصیوں کے بیان کے بعد وارثوں سے قسم لینے کا فائدہ یہ ہے کہ اب وصی سوچ سمجھ کر سچی قسم کھائیں گے کیونکہ انہیں خوف ہو گا کہ اگر ہم نے جھوٹ بولا تو ہو سکتا ہے کہ ہمارا جھوٹ کھل جاوے اور میت کے وارث ہمارے خلاف قسم کھا کر مقدمہ جیت لیں۔ ہم سخت مجرم ہو جاویں **او یخافوا ان ترد ایمان بعد ایمانھم** یہ جملہ معطوف ہے ایک پوشیدہ عبارت پر اس سے پہلے یہ پوشیدہ ہے **یخافوا عذاب الاخرۃ یخافوا** کا فاعل وہی وصی میت ہیں یعنی وہ وصی اب جھوٹا بیان نہ دیں گے انہیں جھوٹے بیان سے یا تو آخرت کا خوف روکے گا یا یہ خوف کہ ان کی قسم رد ہو جاوے اور وہ بدنام ہوں **واتقوا اللہ واسمعوا** یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے **احفظوا احکام اللہ** یعنی اللہ کے قوانین کی حفاظت کرو اور اللہ سے ڈرو ہمارے حکم بہ گوش ہوش سن لو تقوے کے معنی تقویٰ کے اقسام و احکام بہت دفعہ بیان ہو چکے **واللہ لا یھدی القوم الفاسقین** یہ گزشتہ فرمان کا تتمہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے احکام واضح طور پر بیان فرما دیئے اگر تم نے اب بھی ان کی خلاف ورزی کی تو تم فاسق ہو گے اگر اس حال پر مر گئے تو تم کو جنت کی راہ اللہ تعالیٰ دکھائے گا۔ کافر کو نہ تو جوابات نکیرین کی ہدایت ملتی ہے نہ سوالات حشر کے جوابات کی نہ جنت کے راستہ کی یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں انسان جب تک فاسق و کافر رہے اسے نیک اعمال کی ہدایت نہیں ملتی۔

خلاصہ تفسیر: اگر وہ وصی جو پہلے گواہی اور قسمیہ بیان دیئے گئے ہیں کسی طرح علامات سے ان کا جھوٹا ہونا ثابت ہو جاوے اور پتہ چل جاوے کہ وہ دونوں اپنی قسمیہ بیانوں اور گواہیوں میں گناہ کما گئے تو میت کے وارثوں میں سے دو شخص ان کی جگہ کھڑے ہوں اور اس طرح قسمیہ بیان دیں کہ یہ دونوں وصی جھوٹے ہیں ان کا جھوٹ علامات سے ظاہر ہو گیا ہمارا بیان بمقابلہ ان کے بیان کے زیادہ قابل قبول ہے ان کے بیان سے ہمارا بیان صحیح تر ہے ہم نے اپنے بیان میں زیادتی نہیں کی ہے اگر ہم اپنے بیان میں غلطی کریں تو ہم ظالموں میں سے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ قانون اس لئے جاری کیا گیا ہے تاکہ آئندہ گواہ درست گواہی دیا کریں اس خطرہ سے کہ اگر ہم غلط بیانی کریں گے تو ہمارا بیان رد ہو جاوے گا ان کی قسمیں دوسری قسموں سے ٹوٹ جائیں گے اے لوگو اللہ سے ڈرتے رہو ہمارا حکم سنو اگر تم نے اس حکم کی خلاف ورزی کی تو تم فاسق ہو گے اور فاسقوں کو اللہ تعالیٰ جنت وغیرہ کی راہ نہیں دیتا۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگر گواہوں کا جھوٹ علامات سے ثابت ہو جاوے تو ان کی گواہی رد ہو سکتی ہے ہر گواہ کی ہر گواہی کا قبول کرنا واجب نہیں ہوتا یہ فائدہ **فان عثر** سے حاصل ہوا دیکھو مکہ معظمہ سے پیالہ برآمد ہو جانے پر تمیم اور عدی کی گواہی باطل ہو گئی۔ **دوسرا فائدہ:** علامات کی بنا پر قسم کھائی جاسکتی ہے ہر چیز دیکھ کر ہی معلوم نہیں ہوتی بعض چیزیں علامات سے بھی معلوم ہو جاتی ہیں حتیٰ کہ اس پر قسم بھی کھائی جاسکتی ہے یہ فائدہ **فیقسمان** سے حاصل ہوا دیکھو بدیل کے وارثوں نے علامات دیکھ کر قسم کھالی کہ یہ پیالہ ہمارا ہے اور وہ دونوں وصی جھوٹے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی قسم کا اعتبار فرمایا قرآن کریم نے بھی اس کی تائید فرمائی۔ **تیسرا فائدہ:** طے شدہ مقدمہ کے خلاف اپیل کی جاسکتی ہے اور وہ فیصلہ تڑوایا جاسکتا ہے یہ آیت کریمہ مقدمات کی اپیل کی اصل ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اپیل کے لئے یہ ضروری نہیں کہ دوسرے حاکم کے پاس ہی اپیل ہو بلکہ پہلے حاکم کے پاس بھی اپیل ہو سکتی ہے جس نے وہ مقدمہ طے کیا تھا دیکھو بدیل کے وارثوں نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کی اپیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کی۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کا جو فیصلہ نبوت کی شان سے ہو وہ اپیل کے قابل نہیں مگر وہ فیصلہ جو حاکم ہونے کی شان سے گواہوں کی بنا پر ہو وہ اپیل کے قابل ہے بارگاہ الٰہی میں بھی اپیل ہو گی ایک مجرم جسے جہنم میں لے جانے کا حکم ہو چکا تھا وہ رمضان اور قرآن کی سفارش پر چھوڑ دیا جاوے گا کفار کے لئے دوزخ کا فیصلہ ناقابل اپیل ہو گا مگر گنہگار مسلمان کے لئے دوزخ کا فیصلہ قابل اپیل ہو گا۔ کچا بچہ ماں باپ کا دامن پکڑ کر جنت میں لے جاویگا۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن کریم کی اصطلاح میں قسم کو بھی شہادت فرمایا گیا ہے دیکھو یہاں بدیل کے وارثوں کے قسمیہ بیان کو شہادت فرمایا گیا **فیقسمان باللہ لشھادتنا** کیونکہ قسم بھی گواہی کا کام دیتی ہے گواہی کا مقصد ہے مدعیٰ ثابت کرنا یہی مقصد قسم سے بھی ہوتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اس آیت کریمہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ بعض معاملات میں دو شخص مدعی ہو سکتے ہیں اس صورت میں وہ دونوں گواہیاں پیش کریں گے پھر ان دونوں گواہوں کو علامات سے پرکھا جاوے گا کہ کون سی گواہی قابل قبول ہے اس کی بہت سی مثالیں کتب فقہ میں موجود ہیں یہ اشارہ اس طرح ہوا کہ رب تعالیٰ نے تمیم داری عدی اور بدیل کے وارثوں ان دونوں کے لئے لفظ شہادت ارشاد فرمایا کہ ارشاد ہوا **لشھادتنا احق من شھادتھما** یہ نکتہ نہایت ہی باریک ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** اس آیت کریمہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ نفی کے مدعی پر بھی گواہی پیش کرنا اسے دلیل سے ثابت کرنا لازم ہے۔ انکار اور چیز ہے نفی دوسری چیز منکر کے ذمہ گواہی نہیں نفی کرنے والے کے ذمہ گواہی ہے یہ اشارہ بھی بدیل کے وارثوں کے بیان کو شہادت فرمانے سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے **وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا اونصاری قل ھاتوا برھانکم** دیکھو یہودیوں عیسائیوں نے کہا تھا کہ ہمارے سوا جنتی کوئی نہیں یہ تھا نفی کا دعویٰ ان سے رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی دلیل لاؤ نیز ہم کلمہ میں پڑھتے ہیں **لا الٰہ الا اللہ** خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں یہ ہے نفی کا دعویٰ اس پر دلائل پیش کرتے ہیں۔ فی زمانہ وہ لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کمالات کا انکار کرتے ہیں۔ جب ان سے دلائل مانگے جائیں تو کہتے ہیں ہم تو منکر ہیں ہمارے ذمہ دلیل نہیں وہ ان آیات سے عبرت حاصل کریں وہ لوگ منکر نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے نافی ہیں۔ **نواں فائدہ:** قرآن کریم کی بہت سی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے نازل ہوئیں قانون تو سرکار جاری فرما چکے تھے۔ دیکھو بدیل کے وارثوں اور تمیم داری کے مقدمہ کے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر دیئے تھے۔ یہ آیات ان فیصلوں کے بعد اتریں۔ وضو کی آیت نماز کی

www.alahazratnetwork.org

فرضیت کے بعد برسوں نازل ہوئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کو وضو کا قانون پہلے ہی سکھا چکے تھے۔ نماز ہجرت سے دو سال پہلے معراج کی شب فرض ہوئی مگر وضو کی آیت سورہ مائدہ میں آئی سورہ مائدہ کا نزول 5 ہجری سے شروع ہوا ان سات آٹھ برسوں میں مسلمانوں نے نمازیں بغیر وضو نہیں پڑھیں اس زمانہ میں قرآن نے وضو نہیں کرایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرایا۔ **دسواں فائدہ:** گواہوں پر جرح کرنا ان کی گواہی کا سچا جھوٹا ہونا معلوم کرنا اگر علامات سے گواہوں کا جھوٹ ظاہر ہو تو اس کو رد کر دینا یہ تمام باتیں قرآن وحدیث سے ثابت ہیں آج کل مقدمات گواہوں پر جرح جو وکلاء کرتے ہیں۔ اس کا ماخذ یہ آیت بھی ہے۔ گواہی آنکھ بند کر کے نہیں قبول کرنی چاہیے۔ **گیارھواں فائدہ:** حاکم اپنے علم ذاتی پر فیصلہ نہیں کر سکتا بلکہ گواہیوں علامتوں قسموں پر فیصلہ کرے گا اور یہ فیصلہ ان گواہیوں وغیرہ کے بدلنے سے بدل جاوے گا کل قیامت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے گواہی جرح وغیرہ کے بعد ہی ہونگے رب فرماتا ہے **لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من یحیی عن بینۃ** گواہیاں وغیرہ لینا حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے **فیقسمان باللہ لشھادتنا** الخ قسم اور گواہی کا اجتماع کیسا گواہ پر قسم نہیں ہوتی پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں شہادت بمعنی گواہی نہیں بلکہ بمعنی قسم ہے بدیل کے وارثوں نے قسم کھائی کہ یہ پیالہ ہمارا ہے پھر اپنی قسم کے قابل قبول ہونے اور دونوں وصیوں کے جھوٹے ہونے کی قسم کھائی یہ قسم پر قسم تھی اسی کا یہاں بیان ہے۔ **دوسرا اعتراض:** میت کے دو وارث جو بعد میں اپنا بیان دیتے ہیں۔ وصیوں کے خلاف ان کا وہ بیان گواہی ہے یا قسم اگر گواہی ہے تو انہوں نے میت کو وصیت کرتے دیکھا نہیں نہ وہ بروقت وصیت وہاں موجود تھے کہ میت تو سفر میں فوت ہوا پھر گواہی کیسی اور اگر قسم ہے تو یہ مدعی تھے مدعی پر قسم کیسی حدیث شریف میں **البینۃ علی المدعی والیمین علی من انکر** یہ دونوں تو یہ کہہ رہے تھے کہ یہ پیالہ ہمارا ہے کہ ہماری مورث کا متروکہ مال ہے وصی اس کے منکر تھے پھر ان وارثوں پر قسم ہونے کے کیا معنی قرآن وحدیث میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ان وارثوں کا بیان قسم تھا یہاں شہادت بمعنی قسم ہے۔ جب وہ پیالہ برآمد ہوا اور دونوں وصیوں یعنی تمیم داری اور عدی نے دعویٰ کیا کہ اس پیالے کے ہم مالک ہیں کیونکہ ہم نے بدیل سے خرید لیا تھا ان وارثوں نے ان دونوں باتوں کا انکار کیا تو اب وہ دونوں وصی مدعی ہو گئے اور وارث منکر لہذا ان کا قسم کھانا بالکل درست ہو گیا۔

تیسرا اعتراض: یہ دونوں وارث قسم بھی کیسے کھا گئے قسم تو یقین علم پر ہوتی ہے یہ دونوں میت کے مرتے وقت جب وہاں موجود ہی نہ تھے تو انہیں فروخت کرنے نہ کرنے کا علم کیسے ہوا پھر اس پر قسم کیسے کھائی۔ **جواب:** علامات اور دونوں وصیوں کے پہلے بیان اور خود میت کی تحریر سے علم یقینی انہیں حاصل ہو گیا۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا۔ علامات کی بنا پر قسم کھائی جا سکتی ہے۔ ہم کسی عمارت میں مینارے گنبد منبر دیکھ کر قسم کھا سکتے ہیں کہ یہ مسجد ہے اگرچہ ہم نے واقف کو وقف کرتے نہ دیکھا بلکہ اس کی گواہی بھی دے سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم کسی شخص کو اپنے گھر بار میں رہتے بستے اولاد ہوتے دیکھ کر قسم کھا سکتے ہیں کہ یہ دونوں خاوند بیوی ہیں اگرچہ ہم نے ان کا نکاح ہوتے نہ دیکھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا حالانکہ ہدایت کی ضرورت تو اسی کو ہے متقی تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہے اسے ہدایت کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ جو شخص کافر ہو کر مرا اسے اللہ تعالیٰ قبر و حشر میں صحیح جواب دینے کی

www.alahazratnetwork.org

ہدایت نہ دے گا وہ یا تو جواب دے گا ہی نہیں یا اوندھے جواب دے گا مثلاً یہ کہ میں بدکار تھا ہی نہیں۔ فرشتوں نے غلط لکھ دیا ہے۔ مومن کو درست جواب کی ہدایت دے گی یا دنیا میں اللہ تعالیٰ کافر کو نیک اعمال کی ہدایت نہیں دیتا کوئی شخص اپنی عقل سے رب کو راضی کرنے کی ہدایت نہیں پا سکتا یہ ہدایت انبیاء سے ہی ملتی ہے عقل ہوائی جہاز بنا سکتی ہے ایمان نہیں بنا سکتی وہ نبی کی اتباع سے بنتا ہے کوئی بڑے سے بڑا فلسفی بھی اجنبی شہر میں جا کر وہاں کے گلی کوچے معلوم نہیں کر سکتا کسی سے پوچھنے ہی پڑیں گے جو وہاں کا واقف ہو۔ حضرات انبیاء کرام سے ہی رب کے ہاں کی ہدایت مل سکتی بعض علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جب تک فاسق فاسق رہے ہدایت نہیں پاتا جب فسق سے توبہ کرے پھر ہدایت پاتا ہے کافر کافر رہتے ہوئے مسلمان نہیں ہوتا کفر چھوڑ کر مسلمان ہوتا ہے یا بدمذہب اور فاسق اعتقادی کو اعمال کی ہدایت نہیں دیتا پہلے مومن ہو پھر اعمال کی ہدایت دے گا یا کافر کو پل صراط سے گزر کر جنت کی ہدایت نہیں دیگا مومن کو یہ ہدایتیں ملیں گی کہ ہر مسلمان بغیر کسی سے پوچھے اپنے جنتی گھر میں پہنچ جاوے گا۔

تفسیر صوفیانہ: جھوٹی گواہیاں جھوٹی قسمیں عالم کے فساد کا ذریعہ ہیں سچی گواہیاں قسمیں جہاں کے بقا کا ذریعہ مومن کو چاہئے کہ طمع دنیا کے لئے سچائی کو نہ چھوڑے جیسے تمیم داری اور عدی کی گواہیاں ان کے اعمال دیکھ کر باطل کر دی گئیں یوں ہی انسان کی گواہی توحید و رسالت کے لئے بھی خطرہ ہے ایسا نہ ہو کہ ہمارے برے اعمال برے احوال برے افعال کی وجہ سے یہ گواہیاں رد کر دی جاویں مسلمان کو چاہئے کہ اپنے اعمال اپنے اقوال کے مطابق بنائے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

طریق صدق بیاموز ز آب صافی دل براستی طلب آزادگی چو سرو چمن

ایسا نہ ہو کہ ہم زبان سے کہیں کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارے اعضاء اور فرشتے ہمارے خلاف گواہیاں دیں یہ نہ سمجھو کہ خیانت صرف مال میں ہی ہوتی ہے خیانت مال، اعمال، احوال، افعال سب میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو ہر قسم کا امین بنائے ایک بزرگ جب نماز کی نیت کرتے تو بہت روتے اور کہتے کہ میں نیت میں کہتا ہوں چار رکعت نماز واسطے اللہ کے نہ معلوم اس قول میں سچا ہوں یا نہیں ایسا نہ ہو کہ میں تو کہتا ہوں نماز واسطے اللہ کے پڑھتا ہوں اور ادھر سے جواب ملے کہ تو جھوٹا ہے تو نماز واسطے نفس یا واسطے دنیا کے پڑھتا ہے ایسا نہ ہو کہ سجدہ میں میرا سر جھکے کعبہ کی طرف مگر مجھے رد کر دیا جاوے کہ تیرا دل تو جھکا ہے دنیا کی طرف تیرا سجدہ جھوٹا ہے۔

کبھی قبلہ رو جو کھڑا ہوا تو حرم سے آنے لگی صدا ترا دل تو ہے صنم آشنا تجھے کیا ملے گا نماز میں

غرضیکہ گواہی اور قسم وہی معتبر ہے کہ علامات اس کے موافق ہوں علامات کی مخالفت کے ہوتے نہ گواہی کا اعتبار ہے نہ قسم کا ایسی گواہیاں قسمیں ٹوٹ سکتی ہیں۔ یہ مت سمجھو کہ تمیم داری کا یہ واقعہ ختم ہو چکا کہیں ہم بھی اس کی زد میں نہ آجاویں۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ

جس دن جمع کرے گا اللہ پیغمبروں کو تو کہے گا کہ کیا ہے وہ جو جواب دیئے گئے تم وہ عرض کریں گے کہ نہیں ہے

جس دن اللہ جمع فرماوے گا رسولوں کو پھر فرمائے گا تمہیں کیا جواب ملا عرض کریں گے ہمیں کچھ علم نہیں بیشک

www.alahazratnetwork.org

اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ

علم ہم کو بیشک تو غیبوں کا جاننے والا ہے۔

بے شک تو ہی ہے غیبوں کا خوب جاننے والا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں جھوٹی گواہی جھوٹی قسم کا دنیاوی وبال بیان ہوا **ان ترد ایمان** دوسرے فریق کو قسم کھانے کا حق مل جانا اور اس جھوٹے گواہ کا رسوا و شرمندہ ہونا۔ اب اسی جھوٹی گواہی جھوٹی قسم کا اخروی وبال بیان ہو رہا ہے۔ یعنی حضرات انبیاء کرام کا ان سے بیزار ہو جانا ان کی شفاعت نہ کرنا تاکہ گواہ جھوٹ کی خرابیوں کو دھیان میں رکھیں اور اس سے باز رہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات سے گواہی کی اہمیت معلوم ہوئی تھی کہ اس سے عالم کا نظام اور عدل و انصاف قائم ہے اب اس گواہی کی اخروی اہمیت بتائی جا رہی ہے گواہی قیامت میں بھی ہوگی اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام سے گواہی لے گا پھر فیصلہ فرمائے گا۔ لہٰذا گواہی میں بہت احتیاط کرو بلکہ ایمان نام گواہی کا ہے انسان توحید و رسالت کی گواہی دے کر ہی مسلمان بنتا ہے اگر جھوٹی گواہی کی وجہ سے کسی کا حق مارا گیا یا کسی پر ظلم ہو گیا تو اس کا وبال گواہوں پر پڑے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گواہی کا اور اس کے متعلق مسائل کا ذکر تھا اب اس کی اہمیت کا تذکرہ ہے کہ سچی گواہی سنت انبیاء کرام ہے کہ وہ حضرات دنیا میں خالق کی گواہی مخلوق کے سامنے دیتے رہے اور قیامت میں مخلوق کی گواہی خالق کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دیں گے لہٰذا اس سنت کو بگاڑو نہیں۔ **چوتھا تعلق:** قرآن مجید کا طریقہ یہ ہے کہ احکام شرعیہ بیان فرمانے کے بعد الہیات کے مسائل آخرت کے احوال بیان فرماتا ہے تاکہ لوگ ان حالات میں غور کر کے احکام شرعیہ پر سختی سے عمل کریں بہت دور سے شرعی احکام بیان ہو رہے تھے اب قیامت کی ہولناکی بیان ہو رہی ہے تاکہ لوگ ان میں غور کر کے گزشتہ احکام پر عمل کریں۔ لالچ یا محبت سے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں ڈر سے ماننے والے زیادہ۔

تفسیر: **یوم یجمع اللہ الرسل** یوم کبھی بمعنی نہار آتا ہے رات کا مقابل کبھی بمعنی وقت یہاں بمعنی وقت ہے کیونکہ قیامت اور جنت دوزخ میں رات و دن نہ ہونگے یہاں یوم ظرف ہے یا تو اذکر فعل پوشیدہ کا اور خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا اذکروا کا اور خطاب ہے تمام انسانوں سے یعنی اے محبوب انہیں وہ دن یاد دلاؤ یا اس دن کا تذکرہ کر دو یا اے لوگوں اس دن کو یاد کر لو یا یاد رکھو اور ہو سکتا ہے کہ یہ صرف ہو **لا یھدی** کا یا **اتقوا اللہ** کا جو گزشتہ آیت میں گزرے یعنی اللہ تعالیٰ اس دن فاسقوں کو ہدایت نہ دیگا یا اللہ سے ڈرو یعنی اس دن سے ڈرو (تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ) پہلی دو صورتوں میں یہ نیا جملہ ہے دوسری دو صورتوں میں گزشتہ جملہ کے متعلق ہے۔ جمع فرمانے سے مراد ہے سب کو بارگاہ الٰہی میں یک وقت پیش کرنا وہ دن ہے قیامت کا جب شفیع کی تلاش کے بعد حساب و کتاب شروع ہو جاوے گا گواہی شاہدی ہوگی مقدمات کی تحقیقات خود رب العالمین فرمائے گا۔ رسل سے مراد سارے انبیاء کرام مع ان کی امتوں کے ہیں یعنی سارے انسان رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم مجموع لہ الناس**۔ چونکہ حضرات انبیاء اصل ہیں امتیں ان کی تابع اس لئے صرف ان ہی کا ذکر ہوا (تفسیر روح المعانی وغیرہ)۔ خیال رہے کہ تلاش شفیع کے وقت حضرات انبیاء کرام یکجا نہ ہونگے متفرق مقام ہوں گے۔ اس لئے ایک ہزار سال تک لوگ انہیں ڈھونڈتے پھریں گے ایک ہزار سال کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ لگے گا اور حضور انور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم کی خدمت میں طلب شفاعت کرتے ہوئے اپنی درخواست پیش کریں گے مگر عدالتی کارروائی شہادت کے وقت یہ حضرات مع اپنی امتوں کے یکجا یعنی بارگاہ رب العالمین میں جمع ہوں گے یہاں اسی وقت کا تذکرہ ہے **فیقول ماذا اجبتم** یہ جملہ معطوف ہے **یجمع اللہ** پر یقول کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **ما استفہامیہ** ہے۔ **ذا** اسم موصول **اجبتم** اس کا صلہ یہ دونوں کی خبر یعنی رب تعالیٰ حضرات انبیاء کرام سے فرمائے گا کہ آپ حضرات کو آپ کی امتوں کی طرف سے تبلیغ کا جواب کیا ملا۔ خیال رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک تمام انبیاء کرام کو یہاں جمع فرمایا جاوے گا اور ان حضرات سے ان کی نافرمان امتوں کے متعلق سوال ہو گا۔ جنہوں نے ان کی اطاعت نہ کی اس مجمع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہ ہوں گے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال ہو گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تسئل عن اصحاب الجحیم** دوزخیوں کے متعلق آپ سے سوال نہ ہو گا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان کفار قوم کے خلاف حضرات انبیاء کرام کے حق میں گواہی دے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ ہوں گے پھر اسی مجمع میں ان کی موجودگی کے کیا معنی لہٰذا اسی مجمع میں نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا یہ سوال اپنی بے خبری کی بنا پر نہیں وہ تو عالم الغیوب ہے یہ سوال ان کفار پر اظہار قہر و غضب کے لئے ہو گا اسی لئے رب تعالیٰ خود ان کفار سے خطاب نہ فرمائے گا کہ تم نے اپنے نبیوں کو کیا جواب دیا یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے سوال نہ فرمایا کہ یہ کفار میری توحید میرے فرشتوں میری جنت دوزخ قیامت وغیرہ کو مانتے تھے یا نہیں صرف یہ کہا کہ اے رسولو یہ تم کو مانتے تھے یا نہیں یہ تمہارے تھے یا نہیں کیونکہ نبی کا ماننا اصل ایمان ہے نبی کو مان کر سب کچھ مان لیا نبی کا انکار سب کا انکار کیا۔ ابلیس نبی کا منکر ہو کر سب کچھ مانتا ہے مگر کافر ہے **قالوا لا علم لنا انک انت علام الغیوب** یہ ان حضرات انبیاء کرام کا جواب ہے اس کے دو جز ہیں ایک **لا علم لنا** اور دوسرا **انک انت** پہلے جواب کا مقصد یہ نہیں کہ حضرات انبیاء کرام کو اپنی قوم کے جوابات یاد نہ رہے وہاں تو عام لوگوں کو دنیا کی ہر بات یاد آجاوے گی۔ رب فرماتا ہے **یوم یتذکر الانسان ما سعی**۔ نہ یہ مقصد ہے کہ وہ حضرات اس دن کی گھبراہٹ سے سب کچھ بھول گئے اللہ تعالیٰ اپنے خاص بندوں کو اس گھبراہٹ سے محفوظ رکھے گا۔ فرماتا ہے **لا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقاھم الملئکۃ** اور فرماتا ہے **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون**۔ نہ اس کا مقصد یہ ہے کہ وہ حضرات یہ فرمارہے ہیں کہ ہم کو خبر نہیں کہ ان لوگوں نے ہمارے بعد کیا کیا کیونکہ ان سے سوال تو یہ ہے کہ انہوں نے تمہیں جواب کیا دیا نیز یہی حضرات بعد میں ان لوگوں کی شکایت کریں گے۔ رب فرماتا ہے **فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشھید وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا** بلکہ اس جواب کا مقصد ان حضرات کا اپنی نافرمان امتوں سے بیزاری ناراضی نفرت کا اظہار ہے ان کی شفاعت سے انکار ہمیں خبر نہیں تو ہی جانے یہ کبھی اظہار غضب کے لئے کہا جاتا ہے نہ کہ نفی علم کے لئے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ باپ نالائق بیٹے پر غضب ناک ہو کر اس کی ماں سے پوچھتا ہے کہ یہ کیا حرکتیں کرتا ہے ماں اس سے سخت بیزاری ظاہر کرتے ہوئے کہتی ہے مجھ کو کچھ خبر نہیں تم جانو لیکن اگر بچانا ہو تو اس کی سفارش کرتی ہے کہ اسے معاف کردو اب نہیں کرے گا یہ ناسمجھ ہے غلطی کر گیا۔ اس کی مثال وہ آیت کریمہ ہے **لا تعلمھم نحن نعلمھم** اے محبوب ان منافقین کو آپ نہیں جانتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں۔ یہاں بھی علم رسول کی نفی نہیں بلکہ اظہار غضب ہے کیونکہ دوسرے مقام پر ارشاد ہے **ولتعرفنھم فی لحن**

www.alahazratnetwork.org

القول۔ آپ ان منافقوں کو کلام کی روش سے ہی پہچان لیتے ہیں۔ دوسرے جز کا مقصد بھی اظہار غضب ہی ہے کہ تو خود علام الغیوب ہے ان بد نصیبوں کے کفریات سے خبردار ہے۔ جس کے یہ لوگ مستحق ہیں وہ سزا انہیں دے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کو علام تو کہہ سکتے ہیں علامہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ علامت تانیث کی ت کے مشابہ ہے (تفسیر کبیر) غیوب جمع ہے غیب کی اگرچہ غیب مصدر ہے مگر چونکہ غیب کی قسمیں بہت ہیں اس لئے اس کی جمع ارشاد ہوئی (روح المعانی) فقیر نے جو تحقیق یہاں عرض کی اسی کو روح البیان و روح المعانی نے ترجیح دی۔

خلاصہ ء تفسیر: تمام انبیاء کرام کے جمع ہونے کے تین موقعہ ہیں جن میں سے دو ہو چکے اور تیسرا آئندہ ہونے والا ہے۔ جس کا ذکر یہاں ہے۔ میثاق کے دن اللہ تعالیٰ نے سارے رسولوں کو جمع فرما کر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی مدد کرنے کا عہد و پیمان لیا۔ جس کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** دوسرا اجتماع معراج کی رات بیت المقدس میں ہوا کہ سارے نبیوں نے جمع ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جس کا ذکر احادیث میں ہے۔ تیسرا اجتماع وہ ہے جو قیامت کے دن ہو گا جس کا ذکر یہاں ہے یہ اجتماع کفار کے خلاف گواہی لینے کے لئے کیا جاوے گا۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجۃ الوداع کے موقعہ پر نبیوں کا اجتماع ہوا ہے مگر سارے نبیوں کا نہیں۔ چند نبیوں کے نام حدیث شریف میں وارد ہوئے اس تیسرے اجتماع کے متعلق ارشاد ہوا کہ اے لوگوں اس دن کو یاد کرو یا یاد رکھو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں سے اس دن کا تذکرہ فرماؤ یا انہیں یاد دلاؤ جس دن اللہ تعالیٰ از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام تمام انبیاء کرام کو ان کی منکر و نافرمان امتوں قوموں کے ساتھ اپنے حضور جمع فرمائے گا اور ان نافرمان قوموں پر عتاب فرماتے ہوئے ان سے نہیں بلکہ ان کی موجودگی میں ان حضرات انبیاء سے سوال فرمائے گا کہ تم نے جب دنیا میں ہمارے احکام و فرمان کی تبلیغ ان لوگوں کو کی تو تم کو ان کی طرف سے کیا جواب ملا انہوں نے آپ کو کیا جواب دیا۔ حضرت انبیاء کرام بیزاری ظاہر فرمانے کے لئے عرض کریں گے مولیٰ ہم نہیں جانتے تو ہی علام غیوب ہے تجھے خبر ہے کہ انہوں نے ہم کو کیا جواب دیئے یہ بے دین بد نصیب تیری بارگاہ میں حاضر ہیں تو ان کے جرموں پر مطلع ہے جس سزا کے یہ لوگ مستحق ہیں وہ انہیں دے انہوں نے ہم کو جو جواب دیئے وہ تجھے معلوم ہی ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سوال ہمیشہ سائل کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اس کے اور مقاصد بھی ہوتے ہیں دیکھو رب تعالیٰ علام غیوب ہے پھر حضرات انبیاء کرام سے پوچھ رہا ہے کہ ان لوگوں نے آپ کو کیا جواب دیا اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ اگر آپ کو علم ہوتا تو جناب صدیقہ کی تہمت کے موقعہ پر لوگوں سے دریافت کیوں فرماتے خود ہی فرما دیتے کہ واقعہ یوں ہے رب تعالیٰ بعد تحقیق قیامت میں فیصلے فرمائے گا۔ **دوسرا فائدہ:** کسی سے کلام نہ فرمانا اس پر ناراض ہونے کی علامت ہے دیکھو رب تعالیٰ براہ راست کفار سے نہ پوچھے گا بلکہ ان کے متعلق حضرات انبیاء کرام سے پوچھے گا تاکہ ان پر غضب کا اظہار ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا یکلمھم** - **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ یہ کلام ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ فرمائے گا بلکہ اس موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی امت وہاں حاضر بھی نہ کی جاوے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشی اور اس امت کی حاضری اور ہی شان

www.alahazratnetwork.org

سے ہوگی یہ فائدہ **یجمع اللہ الرسل** سے حاصل ہوا کہ رسل سے مراد دیگر انبیاء کرام ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** **لا علم لنا** فرمانا قائل کی بے علمی کی دلیل نہیں دیکھو حضرات انبیاء کرام کو ان کے جوابات کا علم ہے مگر فرمارہے ہیں **لا علم لنا** بیزاری اور شفاعت سے انکار کے لئے جیساکہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا بہرحال کلام کا منشاء سمجھنا ضروری ہے۔ **پانچواں فائدہ:** مدار نجات توحید نہیں مدار نجات ایمان ہے اور مدار ایمان رسول کو ماننا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان کفار کے متعلق توحید جنت دوزخ کے ماننے کا سوال نہ فرمایا بلکہ نبی کے ماننے کے متعلق سوال کیا۔ **چھٹا فائدہ:** قیامت میں اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب یہ ہوگا کہ کسی کو بے یارو مددگار کردیا جاوے۔ دیکھو ان کو دوزخ میں بھیجنے سے پہلے حضرات انبیاء کو ان سے بیزار کردیا گیا تاکہ ان کا کوئی شفیع و سفارشی نہ ہو اس لئے مسلمانوں کے مددگار بہت سے بنا دیئے جائیں گے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔

پہلا اعتراض: یہاں **الرسل** میں سارے انبیاء کرام داخل ہیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور آپ سے بھی یہی سوال ہوگا۔ آپ بھی اپنی بے علمی ظاہر کریں گے اور لاعلمی کا اقرار فرمائیں گے۔ **جواب:** ہرگز نہیں **الرسل** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ورنہ یہ آیت کریمہ دوسری آیات کے خلاف ہو جاوے گی دیگر انبیاء کرام مدعی ان کی کافر قومیں مدعیٰ علیہ کی حیثیت سے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان حضرات انبیاء کرام کی گواہ کی حیثیت سے پیش ہوگی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کے گواہ صفائی کی حیثیت سے جلوہ گر ہوں گے جیساکہ قرآن مجید فرماتا ہے **لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھداء** اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی مدعیوں کی جماعت میں داخل ہوں تو فرماؤ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ کون ہوگا اور وہ آیت کریمہ کیسے درست ہوگی نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** دوزخیوں کے متعلق آپ سے سوال نہ کیا جاوے گا لہٰذا یقیناً اس مجمع میں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں گے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت۔ **دوسرا اعتراض:** اس دن اللہ تعالیٰ براہ راست ان کفار سے ہی کیوں نہ پوچھیگا کہ تم نے اپنے نبیوں کو کیا جواب دیا۔ حضرات انبیاء کرام سے کیوں خطاب فرمایا۔ **جواب:** یا اس لئے کہ وہ تو حضرات انبیاء کی تشریف آوری کے ہی انکاری ہو جائیں گے عرض کریں گے **ماجاءنا من نذیر** ہمارے پاس دنیا میں کوئی نبی آئے ہی نہیں پھر جواب دینے کا سوال ان سے کیا کیا جاوے یا اظہار غضب کے لئے کہ رب تعالیٰ ان سے کلام نہ فرمائے گا۔ دوسرے وقت کلام کرے گا مگر تحقیق یا محبت کا نہیں بلکہ غضب و قہر کا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کو اس دن کچھ علم نہ ہوگا۔ صاف فرمارہے ہیں **لا علم لنا** اگر انہیں علم ہو تو ان کا یہ جواب جھوٹ ہو وہ حضرات جھوٹ سے پاک ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ **لا علم لنا** سے علم کی نفی مقصود نہیں بلکہ کفار سے بیزاری مقصود ہے اور ان سے قطع تعلق اور شفاعت سے انکار ورنہ قیامت میں ہر شخص کو اپنی ہر بات یاد ہوگی **یوم یتذکر الانسان ما سعی**۔ **چوتھا اعتراض:** حضرات انبیاء کرام قیامت کے اول وقت ہیبت کی بناء پر سب اگلی پچھلی باتیں بھول جائیں گے اس بھول کی بناء پر یہ کہیں گے پھر ہوش آنے پر ان کی شکایت فرمائیں گے حدیث شریف میں ہے کہ اولا" حضرات انبیاء کرام لوگوں کی طلب شفاعت کے وقت ان سے کہیں گے **لست ھناکم اذھبوا الی غیری** یعنی ہم اس کام کے لئے نہیں کسی اور کے پاس جاؤ بلکہ نفسی نفسی پکاریں گے عام مفسرین بلکہ جلال الدین سیوطی نے بھی یہاں یہی لکھا پھر تم نے یہ کیوں کہا کہ یہ فرمان اظہار بیزاری کے لئے ہے۔ **جواب:** محققین مفسرین کا یہ قول نہیں دیکھو تفسیر کبیر اور روح

www.alahazratnetwork.org

المعانی اور روح البیان وغیرہ یہاں تفسیر صاوی شریف نے فرمایا کہ حضرات انبیاء کرام کا یہ فرمانا **لست هنا کم اذهبوا الی غیری۔** گھبراہٹ کی بنا پر نہ ہو گا بلکہ مقصد یہ ہو گا کہ شفاعت کبریٰ کرنا ہمارا کام نہیں یہ کام کسی اور ہی کا ہے۔ ہمارا کام شفاعت صغریٰ ہے تم شفیع اکبر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ شفاعت نہیں دی لہٰذا اس وقت ہم صرف اپنے نفس کے مالک ہیں دیکھو تفسیر صاوی یہی مقام سبحان اللہ بہت اچھی تحقیق ہے پھر فرمایا کہ ان حضرات کے خدام یعنی اولیاء اللہ اس دن گھبراہٹ سے محفوظ ہونگے رب فرماتا ہے **لا یحزنهم الفزع الاکبر** تو ان حضرات کو گھبراہٹ کیسی۔ **پانچواں اعتراض:** **لا علم لنا** فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم کو ان کفار کے دل کی بات یا ان کے خاتمہ کی خبر نہیں کہ وہ کس حال پر مرے ہم ان کے ظاہر سے مطلع ہیں۔ **جواب:** یہ محض غلط ہے رب تعالیٰ نے کفار کے دل یا ان کے خاتمہ کا سوال نہیں۔ فرمایا بلکہ پوچھا ہم کہ تم کو انہوں نے جواب کیا دیا ناممکن ہے کہ سوال کچھ اور ہو اور حضرات انبیاء جواب کچھ اور دیں۔ **چھٹا اعتراض:** حضرات انبیاء کرام سے یہ سوال کیوں ہو گا کہ ان کی کافر قوم نے انہیں کیا جواب دیا خود ان کفار سے ہی کیوں نہ پوچھا گیا کہ تم نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ کفار تو پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ ہمارے پاس کوئی رسول پہنچا ہی نہیں **ماجاء نا من نذیر** جس کے خلاف گواہیاں قائم ہوئیں اور وہ خاموش ہو گئے دوسرے یہ کہ اس سے اللہ تعالیٰ ان کفار پر اپنا غضب ظاہر فرمائیگا۔ کہ اب ان سے کلام ہی نہ کرے گا۔ تیسرے یہ کہ اس میں حضرات انبیاء کرام کی بیزاری ظاہر ہو گی تاکہ کفار کو پتہ چل جاوے کہ ہمارا یار و مددگار آج کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: قیامت کے دن کے دو حال ہیں اولاً رب تعالیٰ صفت قہاریت سے تجلی فرمائے گا خود فرمائیگا **لمن الملک الیوم لله الواحد القهار** مگر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر شفاعت کا دروازہ کھل جائے گا تو صفت غفاریت کا ظہور ہو گا۔ اولاً وحدت سے کثرت دفع ہو گی اس کے حضور سب مضمحل ہوں گے اس وقت ہر موجود اپنے کو معدوم سمجھے گا اور **لا علم لنا** کی پکار پڑے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عارفین، عاشقین کاملین کی قیامت ہمیشہ ہی برپا رہتی ہے وہ ہمیشہ اپنی ذات اپنی صفات کو معدوم جانتے ہیں وہ کہتے ہیں۔

پناہ بلندی و پستی توئی!　　ہمہ نیست اند آنچہ ہستی توئی

صوفیاء فرماتے ہیں کہ موت اضطراری سے پہلے موت اختیاری سے مرجاؤ اس قیامت کے آنے سے پہلے اپنی قیامت قائم کر لو۔ **موتوا قبل ان تموتوا** اور **من مات فقد قامت قیامته** تاکہ وہ قیامت آسان ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں ہم لوگ اپنا حساب دیں گے ہم سے ہمارے اعمال کے متعلق سوال ہو گا حضرات انبیاء کرام اپنی قوموں کا حساب پیش کریں گے ان سے ان کی قوموں کے متعلق سوال ہو گا۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء سے یہ نہ پوچھا کہ آپ لوگوں نے کیا عمل کئے تھے بلکہ یہ پوچھا کہ آپ کو آپ کی قوموں نے کیا جواب دیئے تھے حساب ہے مگر ان کا نہیں ان کی قوموں کا اس **ماذا اجبتم** میں نفیس اشارہ اس طرف ہے کہ ان لوگوں نے آپ حضرات سے برتاؤ کیا کیا آپ حضرات ان سے خوش ہیں یا ناخوش اس لئے رب تعالیٰ نے یہ پوچھا کہ ان لوگوں نے رب کو مانا یا نہیں نیک اعمال کئے یا نہیں۔ حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں بعض لوگ رب تعالیٰ کو اپنا حساب دیں گے بعض لوگ اس سے اپنا حساب لیں گے یعنی چکائیں گے جن پر زکوٰۃ چالیسواں حصہ فرض تھی مگر انہوں نے اپنا سارا مال راہ خدا میں خیرات کر دیا ظاہر ہے کہ وہ تو اپنا حساب رب سے چکائیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِيْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدْ

جب فرمایا اللہ نے اے عیسیٰ بیٹے مریم کے یاد کرو تم میری نعمت کو جو تم پر اور تمہاری ماں پر ہے جبکہ میں نے

جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ یاد کرو میرا احسان اپنے پر اور اپنی ماں پر جب میں نے

تُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ

قوت دی تم کو ساتھ پاک روح کے باتیں کرتے تھے تم لوگوں سے گہوارے میں اور ادھیڑ عمر میں اور جب

روح پاک سے تیری مدد کی تو لوگوں سے باتیں کرتا پالنے میں اور پکی عمر ہو کر اور جب

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْإِنْجِيْلَ

سکھائی میں نے تم کو کتاب اور حکمت کی بات اور توریت اور انجیل

میں نے تجھے سکھائی کتاب اور حکمت اور توریت اور انجیل

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ان جھوٹے گواہوں کی رسوائی اور سزا کا ذکر ہوا جو اپنی مالی گواہی میں حد شرعی توڑ دیں اور جھوٹی گواہی دے دیں اب اس آیت کریمہ میں ان جھوٹے گواہوں عیسائیوں پر اظہار غضب ہے جو اپنی ایمانی گواہی میں جھوٹ بولیں کہ وہ حضرات مریم کے متعلق گواہی دیں کہ وہ رب تعالیٰ کی بیوی اور عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق گواہی دیں کہ وہ خدا کے بیٹے ہیں۔ نعوذ باللہ گویا مالی جھوٹی گواہی کے بعد ایمانی و اعتقادی جھوٹی گواہی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جھوٹی گواہی کے رد ہو جانے کا ذکر تھا کہ گواہوں کو اپنی جھوٹی گواہی کے رد ہو جانے سے خوف کرنا چاہئے۔ اب عیسائیوں کی اس جھوٹی گواہی کے رد ہو جانے کا ذکر ہے جو انہوں نے دنیا میں حضرت عیسیٰ و مریم کے متعلق دیں کہ وہ حضرات خود ان کی یہ گواہیاں رد کر دیں گے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں اس سوال و جواب کا اجمالی ذکر ہوا جو سواء ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے نبیوں سے کیا جاوے گا۔ اب اس تفصیلی سوال جواب کا ذکر ہے۔ جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خصوصی طور پر ہو گا چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گروہ انبیاء میں خصوصی شان رکھتے ہیں کہ آپ خاتم انبیاء بنی اسرائیل ہیں وہ کلمۃ اللہ۔ روح اللہ ہیں اس لئے ان کے سوال و جواب کو خصوصیت سے علیحدہ کر کے بیان فرمایا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرات انبیاء کے اس سوال کا ذکر تھا۔ جس کا تعلق ان کی ذات سے تھا یعنی ان کی اطاعت نہ کرنا انہیں ایذا دینا وغیرہ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اس سوال کا ذکر ہے جس کا تعلق ذات اللہ العالمین سے ہے یعنی اس ذات کو حضرت مریم کا خاوند عیسیٰ علیہ السلام کا والد کہنا۔ چونکہ اس سوال و جواب میں رب تعالیٰ کی ذات سے تعلق ہے اس لئے اولاً رب تعالیٰ نے بطور تمہید اپنی نعمتیں شمار کرائیں بعد میں سوال و جواب فرمایا۔

تفسیر: **اذ قال اللہ یعیسی ابن مریم** اس جملہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں قوی تفسیر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور **اذ** ظرف ہے **اذکرو** فعل پوشیدہ کا اور خطاب ہے تمام انسانوں سے یا ظرف ہے **اذکر** کا اور خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم سے اگرچہ یہ سوال وجواب قیامت میں ہو گا مگر چونکہ یہ واقعہ یقینی ہے اس لئے **قال** ماضی فرمایا گیا۔ عربی میں یقینی مستقبل کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں **فراء** کے نزدیک عیسیٰ مبنی بر ضمہ ہے یا مبنی بر فتحہ عیسیٰ کی لفظی تحقیق اور اس کے معنی بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ چونکہ آپ بغیر والد پیدا ہوئے اس لئے آپ کو ہر جگہ ابن مریم فرمایا جاتا ہے۔ عیسیٰ کے معنی شریف مریم کے معنی ہیں خادمہ چونکہ آپ کو بچپن شریف سے ہی آپ کی والدہ حنہ نے بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف کر دیا تھا اس لئے آپ کا نام بھی مریم یعنی خادمہ رکھا یعنی اے لوگو وہ وقت بھی یاد کرو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان لوگوں کو وہ وقت یاد دلائیں جب رب تعالیٰ حضرت عیسیٰ ابن مریم سے یوں خطاب فرمائے گا یہ خطاب عنقریب ہو گا اور یقیناً ہو گا۔ لہذا گویا فرما ہی دیا۔ **اذکر نعمتی علیک وعلی والدتک** اللہ تعالیٰ اور اس کی نعمتوں کو دنیا میں یاد کرنا عبادت ہے۔ جس پر ثواب ملے گا۔ آخرت میں اس کا ذکر باعث ثواب نہیں کہ عمل کی جگہ دنیا ہے نہ کہ آخرت ہم لوگوں کو قیامت میں نعمتیں یاد دلائی جائیں گی۔ حساب کے لئے یا عتاب کے لئے کہ تم نے ہماری نعمتیں استعمال کیں تھا تو شکر کیا ادا کیا۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو نعمتیں یاد دلانا کسی اور مقصد کے لئے ہے اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتیں یاد تو تھیں مگر آپ کو ادھر توجہ دلانے اور آپ کی قوم عیسائیوں کو شرمندہ فرمانے کے لئے **اذکر** فرمایا گیا ذکر سے مراد ذکر لسانی یاد کرنا ہے اور ممکن ہے کہ زبانی یعنی عیسائیوں سے فرمانا مراد ہو کہ بد نصیبو مجھ پر تو رب تعالیٰ نے یہ احسانات کئے تم نے میرے ذریعہ اس ذات کریم کو عیب لگائے اس ذکر کا منشا شکر کرانا نہیں کہ شکر کی جگہ دنیا ہے وہاں آخرت میں شکر کی جزا ملے گی۔ (صاوی۔ روح البیان) بلکہ عیسائیوں، یہودیوں دونوں پر اظہار غضب مقصود ہے کہ یہودیوں نے ایسے انعام والے نبی اور ان کی والدہ کو گالیاں دیں اور عیسائیوں نے ان کے ذریعہ خدا کو بہتان لگائے۔ نعمت وہ اعلیٰ چیز ہے جو بغیر معاوضہ کسی کو دی جاوے اجرت، رحمت، نعمت ان میں بڑا فرق ہے۔ نعمت تین قسم کی ہیں۔ نعمت عامہ، نعمت خاصہ، نعمت شخصیہ، دھوپ، ہوا، زمین، آسمان، نعمت عامہ میں دولت، عزت، شہرت، نعمت خاصہ یہاں شخصی نعمتیں مراد ہیں جو حضرت مسیح کے سوا کسی کو عطا نہ ہوئیں۔ نعمت اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ پر بولا جاتا ہے۔ یہاں بہت سی نعمتیں مراد ہیں اللہ تعالیٰ نے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی نعمتوں کی تفصیل یہاں ہی بیان فرما دی مگر حضرت مریم کی نعمتوں کا ذکر نہ فرمایا لہذا یا تو یہی نعمتیں حضرت مریم کی بھی ہیں جس ماں کا بیٹا ایسی عظمتوں والا ہو تو ماں بھی بہت شان والی ہو گی یا حضرت مریم کی نعمتوں سے مراد ہے ان کی جہاں بھر کی عورتوں پر بزرگی دینا۔ جناب زکریا علیہ السلام کی تربیت میں رکھنا بیت المقدس میں پرورش کرنا بچپن شریف میں جنتی میوے عطا فرمانا انہیں طیبہ طاہرہ بتول بنانا انہیں بذریعہ جبریل امین پاک ستھرا بیٹا بخشنا وغیرہ یعنی اے عیسیٰ تم میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو میں نے تم کو اور تمہاری والدہ مریم کو دنیا میں عطا کیں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارہ نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے **اذ ایدتک بروح القدس**۔ یہ عبارت یا تو **نعمتی** کا ظرف ہے یا اس کا بدل **ایدت** بنا ہے تائید سے جس کا مادہ ہے **اید** معنی قوت وطاقت تائید کے معنی ہیں قوت دینا روح القدس یا حضرت جبریل علیہ السلام کا لقب ہے کیونکہ وہ روحانی نورانی مخلوق ہیں اور پاک ہے گناہ بے عیب یعنی موصوف کی اضافت صفت کی طرف ہے یا روح سے مراد حضرت جبریل علیہ السلام اور قدس اللہ تعالیٰ یعنی رب کی روح یا روح القدس سے مراد ہے خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح کیونکہ بعض روحیں پاک و نورانی ہیں۔ بعض خبیث و ظلماتی بعض چمکدار ہیں بعض دھندلی بعض خیر ہیں بعض شر بعض عزت والی بعض ذلیل جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (تفسیر کبیر) مگر پہلی توجیہ زیادہ قوی ہے۔ حضرت جبریل علیہ السلام

www.alahazratnetwork.org

جناب مسیح کی خدمت میں رہتے انہیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھتے تھے۔ یہاں اس کا ذکر ہے یعنی ہم نے بذریعہ جبریل تم کو قوت دی تمہاری تائید کی۔ دوسرے نبیوں کے پاس حضرت جبریل وحی کے وقت ہی حاضر ہوتے تھے مگر جناب مسیح کے ساتھ ہر وقت باڈی گارڈ کی طرح ساتھ رہتے تھے اور آپ کو دشمنوں سے شر سے محفوظ رکھتے تھے **ایدتک** کے یہ معنی ہیں **تکلم الناس فی المهد و کهلا** ۔ یہ دوسری خصوصی نعمت کا ذکر ہے جو صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی پیدا ہوتے ہی کلام آدم علیہ السلام نے بھی کیا مگر لوگوں سے نہیں اس وقت لوگوں سے کلام کرنا عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت ہے مہد کے لفظی معنی ہیں شروع یا ابتداء بچوں کے گہوارے کو مہد اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ان کا ابتدائی مقام ہوتا ہے جس میں وہ جھولتے ہیں۔ کہل و کہولت چالیس سال کے بعد کی عمر کو کہا جاتا ہے اگرچہ ادھیڑ عمر میں کلام اور لوگ بھی کرتے ہیں مگر آپ آسمان سے واپس آکر اسی عمر میں کلام کریں گے اس لئے یہ کلام فرمانا بھی آپ کی خصوصیت قرار پایا اس کی پوری بحث سورۂ آل عمران میں ہو چکی ہے وہاں ملاحظہ کرو یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ آپ تینتیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے اور آسمان سے تشریف لا کر چالیس سال قیام فرمائیں گے واللہ اعلم۔ **و اذ علمتک الکتب و الحکمة والتوراة والا نجیل** یہ تیسری نعمت کا ذکر ہے اس میں چار نعمتیں مذکور ہیں کتاب کا علم۔ حکمت کی عطا توریت کا علم انجیل کا علم **علمت** فرما کر بتایا گیا کہ دوسرے لوگ کتاب و حکمت استادوں سے سیکھتے ہیں مگر تم کو یہ علوم نہ تو کسی انسان نے سکھائے نہ حضرت جبریل نے براہ راست میں نے سکھائے مخلوق کے شاگرد کا علم ناقص ہو سکتا ہے مگر رب تعالیٰ کے شاگرد کا علم کامل ہو گا۔ حضرت جبریل کتاب لانیوالے ہیں۔ سکھانے والے نہیں۔ کتاب کا کاتب پریس میں چھاپنے والا جلد باندھنے والا یوں ہی ڈاکیہ یعنی کتاب لانے والا استاد نہیں ہوتا بلکہ پڑھانے سکھانے والا استاد ہوتا ہے۔ حضرت جبریل کتاب لانے والے اور ہم تم کو کتاب و حکمت سکھانے والے **علمت** باب تفعیل فرما کر بتایا کہ یہ چاروں **علم** نہایت کامل عطا فرمائے۔ یہاں تفعیل آہستگی کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے یہاں کتاب سے مراد یا تو لکھنے کا علم ہے آپ بغیر کسی سے سیکھے اعلیٰ درجہ کی کتابت فرماتے تھے یا مطلقاً آسمانی کتابیں مراد ہیں جن میں توریت، زبور اور نبیوں کے صحیفے داخل ہیں حکمت سے مراد آسمانی کتب کے اسرار و رموز ہیں یا کتاب سے مراد توریت و انجیل ہے **والتوراة** عطف تفسیری ہے حکمت سے مراد ان کے اسرار ہیں یعنی رب نے آپ کو لکھنے کا علم یا آسمانی کتب کا علم یا توریت و انجیل کا علم دیا ان کے اسرار سکھائے کہ آپ بغیر کسی کی شاگردی کے ان کتب کو پڑھتے بھی تھے اور ان کے اسرار و رموز سے کماحقہ خبردار بھی تھے اس تمام کی تفسیر تیسرے پارے سورۂ آل عمران میں ہو چکی ہے اور ممکن ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہو کہ قرآن مجید کے بتیس ناموں میں ایک نام کتاب بھی ہے اور حکمت سے مراد حدیث شریف ہو کیونکہ حضور کا ہر کلام ہر کام بہت سی مصلحتوں سے ہوتا ہے نیز یہ تاقیامت محکم ہے کبھی تبدیل یا فنا نہیں ہو سکتا۔ یعنی اے عیسیٰ تم کو ہم نے زمین پر دوبارہ بھیجا ایک بار توریت و انجیل کے احکام وہاں جاری کرنے کے لئے دوسری بار قریب قیامت احکام قرآن و حدیث جاری فرمانے کے لئے چونکہ قرآن مجید تمام کتابوں سے اعلیٰ ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا جیسے **و اسجدی و ارکعی**۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب دنیا میں قریب قیامت تشریف لائیں گے تو نہ کسی امام کے مقلد ہوں گے نہ کسی شیخ کے مرید یعنی نہ حنفی شافعی ہوں گے نہ قادری چشتی وغیرہ بلکہ خود مجتہد مطلق ہوں گے مگر آپ کو قرآن و حدیث کا یہ علم کسی استاد سے حاصل نہ ہو گا بلکہ خود بخود القاء الٰہی سے عالم ہوں گے یہ معنی ہیں **علمتک الکتاب والحکمة** کی وہ یہ خصوصی صفت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے

www.alahazratnetwork.org

سواء کسی کو نہ ملی۔ خیال رہے کہ یہ تمام نعمتیں بلاواسطہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئیں اور آپ کے واسطے سے جناب مریم کو کبھی ماں کی عظمت سے بیٹے کو عظمت ملتی ہے کبھی اس کے برعکس بیٹے کے شرف سے ماں باپ کو شرف حاصل ہوتا ہے۔ جناب آمنہ و عبداللہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہماری عقل فہم سے وراء ہے کہ آپ اس ذات کریم کے والدین ہیں جو بعد خدا سب سے افضل ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔

وہ کنواری پاک مریم وہ نفخت فیہ کا دم ہے عجب نشان اعظم!
مگر آمنہ کا جایا وہی سب سے بڑھ کر آیا اسے اک نے اک بنایا!

خلاصہ ء تفسیر: اے لوگوں وہ وقت یاد کرو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سب کو وہ وقت یاد دلاؤ جب کہ حق تعالیٰ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے جناب مریم کے فرزند عیسیٰ تم ہماری ان خصوصی نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے دنیا میں صرف تم کو دیں تمہارے سواء کسی کو نہ دیں اور وہ نعمتیں یاد کرو جو براہ راست یا تمہاری معرفت تمہاری ماں مریم کو بخشیں کہ تم کو بذریعہ جبریل امین جو کہ پاک روح ہیں قوت بخشی کہ وہ تمہارے خادم ہو کر ہر وقت تمہارے ساتھ رہتے تھے تم کو یہ نعمت دی کہ تم بچپن میں جو گہوارہ میں جھولنے کی عمر ہوتی ہے اور ادھیڑ عمر میں لوگوں سے نہایت فصیح و بلیغ کلام فرماتے تھے یہ نعمت بھی صرف تم کو ہی دی اور ہم نے براہ راست بغیر کسی کی شاگردی کے آسمانی کتب کا علم بخشا حکمت راز و رموز سکھائے خصوصاً توریت و انجیل کا عالم بنایا کہ تم بغیر کسی کی شاگردی کے یہ کتب پڑھتے پڑھاتے بھی تھے اور ان کے ان رموز و اسرار سے واقف بھی تھے جو اکابر انبیاء ہی جانتے ہیں تمہیں پہلی زندگی میں توریت و انجیل کا علم دیا اور دوسری زندگی میں قرآن و حدیث کا علم عطا فرمایا تاکہ آپ قریب قیامت اس کے احکام جاری فرمائیں قرآن مجید اولاً میاں جی سے سکھا جاتا ہے۔ پھر قاری صاحب سے پھر عالم سے پھر شیخ سے پھر حافظ سے اور اس کے لئے عمر صرف کی جاتی ہیں مگر تم کو یہ سب ہم نے بغیر واسطہ استاد عطا کئے۔

فائدے: اس عبارت شریفہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بھی اپنی نعمتیں یاد دلائی ہیں اور آخرت یعنی قیامت میں بھی یاد دلائے گا مگر دنیا میں یاد دلائیں تاکہ ہم ایمان لائیں رب کا شکر اس کی عبادت کریں آخرت میں یاد دلائے گا یا اس کو الزام دینے کے لئے یا دوسروں کو الزام دینے کے لئے یہ فائدہ **اذکر نعمتی** سے حاصل ہوا جناب عیسیٰ علیہ السلام کو یہ نعمتیں یاد دلانا یہودیوں عیسائیوں پر الزام دینے کے لئے ہو گا۔ **دوسرا فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ صرف والدہ سے پیدا ہوئے۔ یہ فائدہ عیسیٰ ابن مریم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو ماں باپ کی نسبت سے نہ پکارا۔ صرف عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح پکارا نیز حکم قرآن ہے کہ لوگوں کو باپ کی نسبت سے پکارو **ادعواھم لاباءھم** مگر آپ کو ماں کی نسبت سے پکارا اسی وجہ سے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی یاد اس کی نعمتوں پر دھیان ایسا اچھا عمل ہے۔ جو بعد موت بلکہ قیامت بلکہ جنت میں بھی رہے گا۔ ساری نیکیاں مرنے سے فنا ہو جاتی ہیں مگر ذکر اللہ ہمیشہ باقی ہے یہ فائدہ **اذکر نعمتی** سے حاصل ہوا بعض بندے قبر میں بھی قرآن مجید پڑھتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کی مدد برحق ہے اور اللہ کی نعمت ہے کہ فرمایا **اید تک بروح القدس** ہم نے براہ راست نہیں بلکہ بذریعہ جبریل تمہاری مدد کی تم کو قوت دی ہم کو حکم

www.alahazratnetwork.org

دیا کہ یوں دعا کیا کرو **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** خدایا اپنی طرف سے ہمارا ولی ہمارا مددگار مقرر فرمادے۔ **پانچواں فائدہ:** ماں باپ پر انعام اولاد پر انعام ہے اور اولاد پر انعام ماں باپ پر انعام ہے یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں یہ فائدہ **وعلی والدتک** سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ حضرات سادات کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور علی مرتضیٰ فاطمہ زہرا سے شرف حاصل ہوا یعنی اولاد کو عزت ملی باپ دادوں سے اور حضرت آمنہ 'عبداللہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شرف ملا یعنی ماں باپ کو اولاد سے عزت۔ **چھٹا فائدہ:** عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں لوگوں سے کلام فرمانا برحق ہے یہ فائدہ **فی المهد** فرمانے سے حاصل ہوا اس کا انکاری اس آیت کریمہ بلکہ بہت سی آیات قرآنیہ کا منکر ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن والا کلام نقل بھی فرمایا ہے **قال انی عبداللہ**۔ **ساتواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام تمام فرشتوں حتیٰ کہ حضرت جبریل علیہ السلام سے بھی افضل ہیں جیسا کہ **ایدتک** کی تفسیر سے معلوم ہوا امداد و تعاون خادمانہ بھی ہوتی ہیں مخدومانہ بھی ماں باپ بچے کی مدد کرتے ہیں بادشاہ رعایا کی استاذ شاگرد کی شیخ مرید کی مدد کرتے ہیں یہ مخدومانہ مدد ہے اولاد ماں باپ کی رعایا بادشاہ کی مرید شیخ کی مدد کرتے ہیں یہ مدد خادمانہ ہے۔ پہلی مدد کا نام کرم نوازی ہے۔ دوسری مدد کا نام خدمت 'حضرت جبریل امین خادم انبیاء ہیں اسی لئے مخدوم ملائکہ ہیں **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو علم لدنی بخشتا ہے وہ حق تعالیٰ سے بلاواسطہ فیض علم پاتے ہیں یہ فائدہ **واذ علمتک** سے حاصل ہوا آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے ناموں کا علم داؤد علیہ السلام کو زرہ بنانے ملک چلانے کا علم۔ سلیمان علیہ السلام کو ملک رانی سلطنت 'پرندوں کی بولی کا علم 'حضرت یوسف علیہ السلام کو ملک رانی 'کاشتکاری 'غلہ کی حفاظت 'دنیا کو غلہ تقسیم کرنے وغیرہ کا علم رب تعالیٰ نے بغیر واسطہ عطا فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام کے پاس گئے مگر ان سے وہاں کچھ سیکھنے نہیں دیا۔ صرف تین باتیں وہ معلوم کیں جس کا تعلق ظاہری علوم سے نہیں تھا۔ **نواں فائدہ:** حضرت جبریل علیہ السلام حضرات انبیاء کرام کے معلم یا استاد نہیں وہ صرف پیغام رساں کتاب الہی پہنچانے والے رہا علم کتاب حکمت وہ انہیں رب تعالیٰ ہی عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **علمتک الکتاب** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** علم قرآن اور علم حدیث اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو یہ نعمت یاد دلائی۔ **گیارھواں فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب دنیا میں قریب قیامت آسمان سے اتارے گا تو آپ الفاظ قرآن۔ احکام قرآن تجوید قرآن کے عالم ہونگے تمام احادیث کے پورے طور پر ماہر ہوں گے۔ یہاں آکر نہ کسی کی شاگردی کریں گے نہ کسی کی تقلید۔ **بارھواں فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت زمین پر تشریف لائیں گے اور احکام اسلامیہ لوگوں پر جاری کریں گے۔ آپ دنیا میں پہلے رہے تو انجیل و توریت کے احکام جاری فرماتے رہے اور اب رہیں گے تو احکام قرآن و حدیث جاری کریں گے یہ تینوں فائدے **علمتک الکتاب والحکمۃ** کی آخری تفسیر سے حاصل ہوئے جبکہ کتاب و حکمت سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ مراد ہوں۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی نعمتیں کیوں یاد دلائے گا کیا وہ ان نعمتوں کو بھول جائیں گے یا انکاری کریں گے یہ دونوں باتیں ان کی شان کے خلاف ہیں۔ **جواب:** صرف وہاں موجود عیسائیوں یہودیوں پر اظہار غضب کے لئے تاکہ وہ لوگ ان نعمتوں کو سنیں اور اپنی افراط و تفریط پر نادم و شرمندہ ہوں اور اس خطاب کا ذکر قرآن کریم میں اس لئے فرمایا کہ دنیا میں موجود یہودی و عیسائی سنیں اور اپنی افراط و تفریط سے توبہ کریں۔ **دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام سے فرمائیگا کہ وہ نعمتیں یاد فرمایئے جو آپ پر اور آپ کی والدہ پر کی گئی مگر تفصیل صرف ان نعمتوں کی فرمائی جو عیسیٰ علیہ السلام پر کی گئی۔ اجمال و تفصیل میں مطابقت کیوں نہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو یہ مذکورہ نعمتیں حضرت مریم کی بھی نعمتیں ہیں اولاد پر انعام ماں باپ پر انعام ہوتا ہے۔ جناب مریم پر رب تعالیٰ کا یہ انعام کہ وہ ایسے جلیل الشان فرزند کی والدہ بنائی گئیں۔ دیکھو جب حضرت مریم کو لوگوں نے گھیر لیا کہ بغیر نکاح یہ بچہ کہاں سے لائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی ماں کی گود میں بولے اور صرف اپنے فضائل بیان فرمائے **قال انی عبداللہ** اعتراض ہوا ماں پر جواب میں آپ نے اپنے فضائل بتائے کیوں صرف اس لئے کہ مجھے پہچان لو تو جان جاؤ گے کہ ایسے فرزند کی ماں کیسی ہوگی موتی کو دیکھ کر سیپ کا پتہ لگاؤ سونے کو دیکھ کر کان کا پتہ لگاؤ فرزند کو دیکھ کر ماں کی شان معلوم کر لو یا حضرت مریم کے نعمتوں کا یہاں ذکر نہیں۔ دوسرے مقام پر ذکر ہے وہ بھی اس دن بیان فرمائے جائیں گے۔ بہر حال کلام بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب عیسیٰ علیہ السلام کی تائید و تقویت کے لئے حضرت جبریل مقرر کئے جا چکے تھے تو یہود نے آپ کو ایذائیں کیوں پہنچائیں۔ حضرت جبریل نے ان کی مدد کیوں نہ فرمائی۔ **جواب:** حضرت جبریل کی ڈیوٹی یہ تھی کہ وہ آپ کو قتل سے بچائیں۔ رہیں تکالیف وہ رب کے ارادہ سے پہنچیں تاکہ آپ کے مرتبے اونچے ہوں دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب نے فرمایا **واللہ یعصمک من الناس۔** اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا اس کے باوجود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ہاتھوں بہت تکالیف پہنچیں ہاں وہ آپ کو شہید نہ کر سکے یہ تکالیف رب کی رحمت ہو جاتی ہیں یہ جواب خیال رہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں صرف ایک بار ہی کلام فرمایا مگر یہاں فرمایا گیا **تکلم الناس فی المھد** تم گہوارہ میں لوگوں سے کلام کرتے تھے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہ فرمان عالی گہوارہ (پنگوڑہ) اور ادھیڑ عمر کے کلام دونوں کے متعلق ہے واقعی ان دونوں زمانہ کے مجموعہ میں آپ نے بارہا کلام فرمایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ نے ماں کی گود میں یعنی پیدا ہوتے ہی صرف ایک بار کلام کیا مگر گہوارہ میں لوگوں سے بارہا کلام کیا یہ گفتگو سورۂ آل عمران تیسرے پارہ میں ہو چکی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سواء اور انبیاء کرام نے بھی بچپن میں کلام فرمایا۔ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی کلام کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی حمد الٰہی کی بعض روایات میں ہے کہ آپ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا پھر یہ بطور خصوصی نعمت آپ سے کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** حضرت آدم علیہ السلام پر بچپن آیا ہی نہیں نہ وہ گہوارے میں جھولے آپ پورے ساٹھ ہاتھ مع عقل و ہوش و بلوغ پیدا ہوئے اور خود انہوں نے اور دیگر انبیاء کرام نے لوگوں سے کلام نہ کیا حضرت آدم نے یا رب سے کلام کیا یا فرشتوں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کی حمد کی اپنی والدہ ماجدہ یا کسی اور سے کلام نہ کیا۔ **چھٹا اعتراض:** احادیث سے ثابت ہے کہ چند بچوں نے ماں کی گود یا گہوارہ میں کلام فرمایا جریج کی گواہی دینے والا بچہ۔ جناب آسیہ کی مشاطہ (کنگھی چوٹی کرنے والی) عورت کا بچہ۔ یوسف علیہ السلام کی پاکدامنی کی گواہی دینے والا بچہ وغیرہ لہٰذا یہ کلام جناب عیسیٰ علیہ السلام کی خصوصیت نہ رہا۔ پھر رب نے آپ کی خصوصیات میں کیوں ذکر فرمایا۔ **جواب:** آپ کی یہ خصوصیت دوسرے انبیاء کرام کے لحاظ سے ہے کہ گروہ انبیاء میں بطور معجزہ بچپن میں لوگوں سے کلام صرف آپ نے ہی کیا ان بچوں نے جو کلام کیا وہ نبی نہ تھے نیز یہ کلام ان کا اپنا معجزہ یا کرامت نہ تھا۔ بلکہ وہ نبی یا ولی کی کرامت سے بولے لہٰذا ان کی یہ گفتگو کلام کرانے والوں کا معجزہ یا کرامت تھا۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **علمتک الکتاب** ارشاد ہے **والتوراۃ**

www.alahazratnetwork.org

والانجیل۔ توریت و انجیل بھی تو آسمانی کتاب میں ہی ہیں آپس میں تکرار ہے۔ **الکتاب** میں توریت و انجیل بھی آگئی تھیں۔ **الجواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ الکتاب سے مراد یا کتاب کا علم ہے یا کتاب سے مراد بقیہ آسمانی کتابیں ہیں جیسے زبور اور دیگر انبیاء کے صحیفے یا الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے حکمت سے حدیث شریف مگر چونکہ توریت و انجیل ان میں معظمہ تھیں اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا۔ جیسے رب نے فرمایا **حافظوا على الصلوات والصلوة الوسطى**۔ **آٹھواں اعتراض:** تم نے تفسیر میں کہا کہ حضرات انبیاء کا علم لدنی ہوتا ہے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے مگر موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے گئے انہیں علم لدنی کیوں نہیں دیا گیا۔ **جواب:** اس کا مفصل جواب انشاء اللہ پندرہ پارہ کی آخرت آیات میں دیا جاوے گا یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے پاس کتاب یا حکمت یا شریعت کے مسائل سیکھنے نہیں گئے اور نہ انہیں رب تعالیٰ نے وہاں جانے ان سے سیکھنے کا حکم دیا صرف اپنی خوشی سے گئے اور طریقت کے اسرار سیکھنے کے شوق میں گئے وہ بھی ان سے سیکھنے نہیں بلکہ جناب خضر کے بعض کام دیکھے ان کے راز معلوم کئے اور چلے آئے اگر یہ حکم الٰہی وہاں گئے ہوتے تو نہ جناب خضر واپس کرتے نہ وہ آپس آتے اللہ تعالیٰ کتاب و حکمت کا علم لدنی ضرور عطا فرماتا ہے۔ بعض دیگر علوم بھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے سیکھنے کا شوق کیا مگر کچھ سیکھا نہیں اگر کچھ سیکھ کر آتے تو اس پر عمل فرماتے کہ علم تو عمل کے لئے ہوتا ہے عجیب بات ہے کہ خضر علیہ السلام اپنے علم کی تبلیغ نہیں فرماتے اور موسیٰ علیہ السلام اس پر عمل نہیں کرتے لہذا موسیٰ علیہ السلام کا علم بھی لدنی ہے۔ **نواں اعتراض:** جب انجیل نے توریت کو منسوخ ہی کر دیا تو جناب مسیح کو توریت کا علم کیوں دیا گیا۔ منسوخ کتاب کا علم بیکار ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہود نے توریت قریباً غائب کر دی تھی آپ کا یہ معجزہ تھا کہ آپ حافظ توریت تھے لوگوں کو بالکل صحیح توریت سنادی دوسرے یہ کہ کوئی کتاب بالکل منسوخ نہیں ہوتی عقائد۔ خبروں کی آیات بہت سے احکام کی آیات منسوخ نہیں ہوتیں لہذا توریت کا علم بیکار نہیں۔

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِإِذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا
اور جب کہ بناتے تھے تم گارے سے مثل شکل پرندے کی میرے حکم سے پھر تم پھونک مارتے تھے اس میں
اور جب مٹی سے پرندکی سی صورت میرے حکم سے بناتا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے لگتی اور تو مادر زاد
بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي وَإِ
تو ہو جاتی تھی وہ پرندہ میرے حکم سے اور شفا دیتے تھے تم پیدائشی اندھے اور کوڑھے کو میرے حکم سے اور جبکہ تم
اندھے اور سفید داغ والے کو میرے حکم سے شفا دیتا اور جب تو مردوں کو میرے حکم سے زندہ نکالتا اور جب میں نے
ذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ
مردے کو زندہ نکالتے تھے میرے حکم سے اور جبکہ روکا میں نے بنی اسرائیل کو تم سے جبکہ لائے تم ان کے پاس کھلی دلیلیں تو کہا ان
بنی اسرائیل کو تجھ سے روکا جبکہ ان کے پاس روشن نشانیاں لے کر آیا تو ان میں کافر بولے

www.alahazratnetwork.org

كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۱۰﴾

لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان میں سے کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا

کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ۔

تعلق: اس عبارت کا پچھلی عبارت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے چند معجزوں کا ذکر ہوا اب اس عبارت میں آپ کے بقیہ معجزات کا تذکرہ ہے گویا یہ عبارت گذشتہ عبارت کا تتمہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علمی معجزات کا ذکر تھا اس عبارت میں آپ کے خداداد قدرت تصرف کا ذکر ہے گویا خداداد علم کے بعد خداداد قدرت کا تذکرہ ہے چونکہ علم تمام چیزوں سے افضل ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسری قوتوں کا ذکر بعد میں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی عبارت میں ذکر تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعہ جناب مسیح کو قوت و مدد دی گئی اب اس مدد کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عالم کی چیزیں آپ کے زیر فرمان ہو گئیں کہ بیماریوں بلکہ موت و حیات پر آپ کا قبضہ ہو گیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے علم وغیرہ کا ذکر ہوا اب آپ کے دشمنوں سے محفوظ رہنے تمام مخالفین کا اپنی کوششوں میں ناکام رہ جانے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

تفسیر: **وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِاِذْنِيْ**۔ اس جملہ میں واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے۔ **تخلق** بنا ہے **خلق** سے خلق کے معنی پیدا کرنا بھی ہے یعنی نیست کو ہست کرنا رب فرماتا ہے۔ **خالق كل شئ** اور اس کے معنی گھڑنا بنانا بھی ہے۔ رب فرماتا ہے **وتخلقون افكا** یہاں دوسرے معنی میں ہے اس ہی لئے اس کے بعد **من الطين** بھی ارشاد ہوا اور **كهيئة الطير** بھی۔ **طين** کہتے ہیں گارے کو خشک مٹی کو تراب کہا جاتا ہے۔ کاف بمعنی مثل ہے اور یہ پوری ہی عبارت تخلق کا مفعول ہے ظاہر یہ ہے کہ طیر سے مراد مطلقاً پرندہ ہے کیونکہ آپ ہر قسم کا پرندہ بنانے پر قادر تھے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد چمگادڑ ہو کیونکہ آپ نے صرف چمگادڑ ہی بنایا تھا کہ چمگادڑ میں بہت عجائبات قدرت ہیں یہاں اذن سے مراد صرف حکم یا اجازت ہی نہیں ہے حکم کو امر کہتے ہیں اجازت کو اجازت ہی کہا جاتا ہے بلکہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیئے ہوئے اختیارات ہیں یا آپ کے لئے یہ کام آسان فرما دینا (روح البیان) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد حکم و اجازت عامہ ہو جو جناب مسیح کو دیدی گئی تھی یعنی تم میری دی ہوئی قوت و طاقت سے پرندے کی سی شکل بناتے تھے گارے سے۔ انبیاء کرام کے معجزات تین قسم کے ہوتے ہیں معجزات لازمہ جیسے حسن یوسفی یا لحن داؤدی کہ یہ معجزے ہر دم ان بزرگوں کے لئے لازم تھے۔ دوسرے معجزات اختیاریہ جیسے عصاء موسوی اور ید بیضا کہ جب چاہا لاٹھی کو سانپ بنا دیا ہاتھ کو چمکا لیا۔ معجزات غیر اختیاریہ جیسے آیات قرآنیہ کا نزول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ معجزہ دوسری قسم کا تھا یعنی اختیاری معجزہ۔ یہ تینوں قسم کے معجزے ہوتے ہیں۔ اللہ کے اذن سے جیسی ہماری ہر حرکت اللہ کے اذن سے ہے **فَتَنْفُخُ فِيْهَا فَتَكُوْنُ طَيْرًا" بِاِذْنِيْ**۔ **ف** تعقیب بلا تراخی کی ہے نفخ سے مراد منہ سے پھونک مارنا یعنی دم کرنا ہے یہاں طیر سے مراد اس مٹی کے پرندہ کا حقیقتہً "پرندہ بن جاتا ہے تخلق اور نفخ سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان چڑیوں کے بننے کی دو شرطیں تھیں ایک یہ کہ اس کا

www.alahazratnetwork.org

مجسمہ آپ کے ہاتھ سے بنے دوسرے یہ کہ آپ کی پھونک اس میں پڑے دوسرے کا بنایا ہوا مجسمہ آپ کی پھونک سے چڑیا نہیں بنتا تھا یوں ہی اگر آپ کسی اور کے بنائے ہوئے مجسمہ میں پھونک مار دیتے تو بھی پرندہ نہیں بنتا تھا جیسے عصاء موسوی کا سانپ بنتا کہ اس میں شرط یہ تھی کہ وہی لاٹھی ہو اور موسوی ہاتھ ہو۔ دوسرا ڈنڈا آپ کے ہاتھ میں سانپ نہ بنتا تھا۔ نہ یہ عصا دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بنتا تھا یعنی تم مٹی کی چڑیا بنا کر فوراً اٹھائے ہوئے اس میں دم کرتے تھے اور تمہارے دم کرتے ہی رب کے حکم تم کو دیئے ہوئے اختیار کی وجہ سے وہ اصلی زندہ پرندہ بن جاتی تھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ نے صرف چمگادڑ بنایا کہ اس میں ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے جانوروں میں نہیں اس میں صرف گوشت و خون ہے ہڈی نہیں۔ یہ بغیر پروں کے گوشت سے اڑتا ہے۔ یہ بجائے انڈوں کے بچے دیتا ہے۔ اسے حیض آتا ہے اس کے پستان ہیں جس سے دودھ نکلتا ہے۔ اس کی آنکھ دن کی روشنی اور رات کے سخت اندھیرے میں کام نہیں کرتی وغیرہ۔ (روح البیان) اس کا تفصیلی بیان شروع آل عمران میں ہو چکا۔ خیال رہے کہ یہ بظاہر تو ایک معجزہ ہے مگر حقیقت میں بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے کیونکہ جب جناب مسیح گارے کی چڑیا کی شکل بناتے تو وہ محض گارا ہوتی تھی آپ کے دم کی برکت سے اس میں گوشت ' ہڈی ' پر۔ پھر اس میں دل کلیجی وغیرہ یوں ہی خون سب کچھ بن جاتے تھے اس شکل کی تکمیل کے بعد روح پڑ جاتی تھی ایک گارے کی اتنی چیزیں بن جانا بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔ یہ کایا پلٹ جانا غیر ممکن نہیں۔ صابن میں میدہ ' تیل ' ریٹھے سب کچھ ہوتے ہیں مگر سوڈا کا شک پڑتے ہی سب صابن کی شکل ہو جاتے ہیں۔ ہم ماں کے شکم میں صرف نطفہ تھے مگر اس ایک سے ہم میں ساری چیزیں بن گئیں سرکی جوں چارپائی کے کھٹمل ان کے گواہ ہیں۔ لہذا آپ کا یہ معجزہ بالکل برحق ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے گھر لعاب ہانڈی میں ڈالا تو اس میں گوشت ' شوربا اتنا ہوا کہ سینکڑوں آدمی سیر ہو گئے یہ معجزہ بھی بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے کہ شوربا میں بہت چیزیں ہوتی ہیں **وتبری الاکمہ والابرص باذنی** یہ عبارت تخلق پر معطوف ہے **تبری** بنا ہے **ابراء** سے جس کا مادہ **برء** ہے بمعنی دور ہو جانا اسی سے ہے **براءت** اور **بری** **ابراء** کے معنی ہیں تندرست کر دینا شفا دے دینا کیونکہ اس میں بیماری سے دوری ہو جاتی ہے **اکمہ** وہ اندھا جو ماں کے پیٹ سے ہی اندھا پیدا ہوا ہو یا ممسوح العین جس کی آنکھ کی جگہ بری ہوئی نہ ہو ان دونوں کی شفا بقاعدہ طبی ناممکن ہے **ابرص** سفید داغ والا اگر سفید داغ میں سوئی چبھونے سے خون نہ نکلے تو اس کا علاج بھی اطباء کے نزدیک ناممکن ہے غالباً" یہاں وہی مراد ہے کہ معجزہ ہوتا ہی وہ ہے جو دوسروں کو عاجز کر دے یعنی تم میرے حکم سے پیدائشی اندھے اور ایک خاص قسم کے برص والوں کو شفا دیتے تھے **واذ تخرج الموتی باذنی** یہ عبارت **تبری** الخ پر معطوف ہے اخراج سے مراد ہے گڑھے ہوئے بلکہ گلے ہوئے مردوں کو ان کی قبروں سے نکالنا تازہ مردہ کو زندہ کر دینے سے گلے ہوئے مردہ کو زندگی بخش کر قبر سے صحیح سلامت نکال دینا بہت ہی عجیب ہے کہ اس سے عالم امر و عالم اجسام سب پر تصرف و قدرت ظاہر ہوتی ہے آپ نے کل چار یا پانچ مردے زندہ فرمائے اس کی تفسیر و تفصیل سورہ آل عمران میں گزر چکی یعنی تم اللہ کے حکم سے گلے ہوئے مردوں کو زندہ کر کے نکالتے تھے **واذ کففت بنی اسرائیل عنک۔** اس عبارت میں ایک خاص واقعہ کی طرف اشارہ ہے کہ بنی اسرائیل یعنی یہود نے کچھ عیسائیوں کی مدد سے آپ کو سولی دینا چاہی رب تعالیٰ نے آپ کو صحیح سلامت زندہ آسمان پر اٹھا لیا اور یہ لوگ اپنے ارادوں میں ناکام ہو گئے۔ **کف** یعنی روک دینے سے یہ ہی مراد ہے بنی اسرائیل سے مراد یہودی ہیں اور بعض مرتد عیسائی جو اس سازش میں ان سے مل گئے

www.alahazratnetwork.org

تھے۔ اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **وما قتلوه وما صلبوه ولكن شبه لهم** چونکہ آپ کی یہ حفاظت بطور معجزہ تھی۔ اس لئے ایسے معجزات کے سلسلہ میں بیان فرمایا اگرچہ حضرت خلیل و موسیٰ علیہم السلام اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی حفاظت کی گئی مگر اس طرح حفاظت صرف عیسیٰ علیہ السلام کی ہوئی اس لئے آپ کی خصوصیت ہے **اذ جئتهم بالبينات** یہ کففت فعل مذکور کا ظرف ہے **بینات** جمع ہے **بینہ** کی معنی روشن و ظاہر دلیل اس سے مراد جناب مسیح کے مذکورہ معجزات ہیں یعنی جب آپ بنی اسرائیل کے پاس ایسے کھلے نشانات اپنے معجزات لے کر آئے تو وہ لوگ بجائے ایمان لانے کے آپ کے قتل کی کوشش کرنے لگے ہم نے تم کو ان کے فریب سے بچالیا **فقال الذين كفروا منهم ان هذا الا سحر مبين۔ الذین** سے مراد وہی بنی اسرائیل ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا چونکہ وہ سب کافر نہ تھے ان میں سے بعض مومن تھے۔ اس لئے **منهم** ارشاد ہوا چونکہ اس زمانہ میں طب کا بہت زور تھا۔ بڑے قابل طبیب جالینوس کا زمانہ تھا۔ آپ نے ان سب کو اپنے مقابلہ کے لئے للکارا وہ تمام کے تمام آپ کے مقابلہ میں نہ آسکے اس لئے ان لوگوں نے ان معجزات کو جادو کہہ دیا چونکہ ان کا معجزہ ہونا بالکل ظاہر تھا کہ بڑے سے بڑے ماہر علم طب بھی عاجز ہو گئے تھے اسی لئے اسے کھلا جادو کہا یعنی اس کے جادو ہونے میں کوئی تردد نہیں کھلم کھلا جادو ہے۔ جس نے سب کو حیران کر دیا۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کو یاد دلاؤ یا اے لوگو وہ وقت یاد کرو یا یاد رکھو۔ جب اللہ تعالیٰ قیامت میں تمام عیسائیوں یہودیوں کے سامنے انہیں شرمندہ کرنے ان پر اظہار غضب کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے خطاب کر کے فرمائے گا کہ اے مریم کے فرزند عیسیٰ تم میری ان خصوصی نعمتوں کو یاد کرو جو دنیا میں تم پر اور تمہاری والدہ مریم پر ہم نے کیں کہ ہم نے جبریل جو روح القدس ہیں ان کو تمہارے ساتھ رکھ کر ان کے ذریعہ تم کو قوت دی تمہاری مدد فرمائی تم کو یہ شرف بخشا کہ تم لڑکپن میں گہوارے میں اور بڑھاپے میں لوگوں سے نہایت ہی فصیح و بلیغ کلام فرماتے تھے کہ تم کو یہ شان دی کہ تم کو براہ راست ہم نے آسمانی کتابوں حکمت کی باتوں خصوصاً توریت و انجیل کا علم لدنی بخشا تمہیں یہ قدرت اور عالم میں تصرف عطا فرمایا کہ تم گارے سے چڑیا کی شکل بناتے تھے پھر اس میں دم فرما دیتے تھے تو وہ جیتی جاگتی صحیح چڑیا بن جاتی تھی تم کو دنیا کا مشکل کشا حاجت روا بنایا کہ جس مشکل کو کوئی حل نہ کر سکتا تھا وہ تمہارے در پر حل ہو جاتی تھی۔ چنانچہ مادر زاد اندھوں کو اللہ کے حکم سے تم ہی انکھیارا کر دیتے تھے جس سے دنیا بھر کے طبیب عاجز تھے یوں ہی تم خداداد قدرت سے کوڑھوں برص کے ماروں کو شفا دیتے تھے یہ تو تمہاری قوت قدرت عالم اجسام پر تھی اللہ نے تم کو عالم ارواح پر یہ قدرت بخشی تھی کہ جب مردے کے جسم سے روح نکل جاتی اور مردہ قبر میں گل سڑ کر مٹی بن کر ہوا میں اڑ جاتا۔ مگر تم میرے حکم سے اسے زندہ فرما کر قبر سے زندہ نکال لیتے تھے وہ وقت بھی یاد کرو کہ اسرائیلیوں نے تم سے سخت دشمنی کی تو ان کے شر سے تم کو بچالیا کہ تم تو ان کے پاس روشن دلیلیں لائے مگر ان میں سے کافر یہی کہتے تھے کہ یہ کھلا جادو ہے وہ جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکے تم پر یہ نعمتیں تمہاری والدہ پر ہیں کہ ایسے شاندار بیٹے کی ماں کیسی شان کی مالک ہوگی اے عیسیٰ میری ان نعمتوں کو یاد فرماؤ۔ جن سے تم گروہ انبیاء میں ممتاز ہو۔ قرآن کریم نے یہ تو بتا دیا کہ جناب مسیح اپنی دم یعنی سانس کی پھونک سے مٹی کی چڑیا کو اصلی پرندہ بناتے تھے مگر یہ نہ بتایا کہ بیماروں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کس طرح کرتے تھے آیا یہ کام بھی دم سے ہی کرتے تھے یا کسی اور چیز سے ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں کام دم سے نہ کرتے تھے کیونکہ قبر کے وہ مردے جن کی ہڈیاں بھی گل چکی ہوں وہاں دم کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ بیماروں کو اچھا

www.alahazratnetwork.org

کرتے تھے پھو کر اس لئے آپ کا لقب مسیح ہے یعنی پھونے والے پھو کر شفاء دینے والے اور مردے جلاتے تھے پکار کہ جناب خلیل اللہ نے ذبح شدہ چار پرندے پکار کر ہی زندہ کئے تھے **ثم ادعھن یا تینک سعیا** لہذا آپ کی سانس اور ہاتھ و آواز معجزہ تھے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ میں معجزہ تھا۔ داؤد علیہ السلام کی آواز میں یوسف علیہ السلام کے حسن میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سرے سے پاؤں تک سراپا معجزہ تھے بلکہ آپ کا نام شریف آپ کی ہر ادا معجزہ بلکہ بہت سے معجزات کا مجموعہ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تعریض جائز ہے کہ خطاب کسی سے ہو دے سناتا کسی اور کو ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ قیامت میں حضرت مسیح سے یہ خطاب فرمائے گا۔ مگر سو دیوں عیسائیوں کو سنائے گا کہ وہ لوگ جناب مسیح علیہ السلام کے یہ صفات سنیں اور اپنی بدعقیدگیوں پر شرمندہ ہوں پنجابی میں کہتے ہیں۔ دھیئے کلم کر نوئے کلن کر۔ دوسرا فائدہ: اولاد کی عزت سے ماں باپ کی عزت ہے یوں ہی باپ دادوں کی عظمت سے اولاد کو شرف ہے یہ فائدہ **وعلی والدتک** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہذا حضرات سادات کرام اگر صحیح العقیدہ رہیں تو اسلام میں ان کی بڑی عزت ہے کہ عزت والوں کو اولاد ہیں رب تعالیٰ بنی اسرائیل سے فرماتا ہے **وانی فضلتکم علی العلمین**۔ بنی اسرائیل کی عالم پر بزرگی اس لئے تھی کہ وہ اولاد انبیاء تھے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مدد برحق ہے اور یہ مدد اللہ کی نعمت ہے دیکھو حضرت مسیح پر اللہ کی نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ بھی ہے کہ روح القدس یعنی حضرت جبریل نے ان کی مدد فرمائی لہذا حضرات انبیاء کی مدد برحق ہے اللہ کی نعمت ہے جسے ان حضرات کی مدد نہ ملے وہ اللہ کی نعمت سے محروم۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت تو یہ ہے کہ وہ سب کچھ براہ راست بلا وسیلہ سب کچھ کر دے مگر قانون یہ ہے کہ واسطوں اور وسیلوں سے کام ہوں یہ فائدہ بروح القدس کی ب سے حاصل ہوا۔ دنیا عالم اسباب ہے ہم لوگ اسباب سے وابستہ ہیں۔ پروردگار قادر ہے بارش کی طرح بچے آسمان سے برسا دے دانہ بھوسہ آسمان سے گرا دے مگر قانون یہ ہے کہ بچے ماں باپ کے ذریعہ سے دانے کاشتکاروں کے توسل سے پیدا ہوں۔ پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کا علم لدنی ہوتا ہے جو انہیں براہ راست عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **وعلمتک الکتاب** الخ سے حاصل ہوا کہیں ثابت نہیں کہ حضرات انبیاء کرام نے کسی کی شاگردی کی ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے علم حاصل کرنے کی کوشش اپنے شوق سے کی مگر ان سے علم حاصل نہ کیا جیسا کہ ہم ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں اعتراض و جواب کے سلسلہ میں عرض کر چکے اگر آپ شاگردی کرتے تو ان پر اعتراضات نہ فرماتے ان سے سیکھ کر اس پر عمل کرتے۔ چھٹا فائدہ: بزرگوں کے دم میں بڑی تاثیر ہے۔ رب تعالیٰ نے حضرت آدم کے جسم میں دم کے ذریعہ روح ڈالی **ونفخت فیہ من روحی** عیسیٰ علیہ السلام مٹی کے پرندے میں دم کرکے ہی جان ڈالتے تھے **فتنفخ فیھا** حضرت اسرافیل علیہ السلام صور پھونک کر ہی عالم کو فنا کریں گے۔ دوبارہ پھونک کر مردوں کو زندہ فرمائیں گے **یوم ینفخ فی الصور**۔ ہوا کا یہ حال ہے کہ آپ سے لگ کر گرم برف سے لگ کر ٹھنڈی ہو جاتی ہے پھولوں سے لگ کر مہک جاتی ہے۔ روڑی گھورے سے گزرے تو بدبودار ہو کر سارے محلہ کو بدبودار کر دیتی ہے کبوتروں کے پروں سے لگ کر لقوے کو شفا دیتی ہے۔ چیڑ کے درخت سے لگ کر تپ دق کو شفا بخشتی ہے یوں ہی ہوا بزرگوں کے منہ سے نکلے تو مصیبتیں دفع کر دیتی ہے جس زبان سے آیات قرآنیہ یا دعا پڑھی جلوے پھر اس میں سے ہوا یعنی ان کے منہ کی بھاپ نکلے تو وہ بھی شفا بخشتی ہے۔ ساتواں فائدہ: اللہ کے مقبول

www.alahazratnetwork.org

بندے باذن الٰہی دافع البلاء مشکل کشا حاجت روا ہوتے ہیں دیکھو اندھاپن کوڑھ بلا ہے مگر یہ بلائیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی دفع فرمادیتے تھے آب زمزم شفا ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا اور اس میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لعاب شامل ہے۔ خاک مدینہ شفا ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے پیدا شدہ پانی شفا تھا۔ **ارکض برجلک** الخ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی گئی ہوئی آنکھیں روشن کردیں **اذهبوا بقمیصی هذا فالقوه علی وجه ابی یات بصیرا**۔ بلکہ حضرت مریم کا ہاتھ لگنے سے کھجور کے سوکھے ہوئے گلے ہوئے ڈنڈ میں سبزی بھی آئی پھل بھی جو فوراً پک گئے۔ آٹھواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندے عالم اجسام عالم ارواح سب پر ہی راج کرتے ہیں اور باذن الٰہی تمام چیزیں ان کے زیر حکم ہوتی ہیں یہ فائدہ **تخرج الموتی** سے حاصل ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حکم سے گلے سڑے مردے کی خاک "آناً فاناً" جمع ہو کر جسم کی شکل اختیار کرلیتی تھی یہ آپ کا تصرف عالم اجسام میں تھا اور فوراً ہی عالم ارواح میں گئی ہوئی روح واپس آکر اس جسم میں داخل ہوجاتی تھی جس سے مردہ زندہ ہو جاتا تھا۔ حضرت سلیمان کے حکم سے ہوا چلتی تھی۔ **تجری بامره** حضرت مریم کے ہاتھ لگنے سے کھجور کا خشک ڈنڈ ہرا ہو کر "آناً فاناً" بار آور ہو گیا تھا رب فرماتا ہے **وهزی الیک بجذع النخلة**۔ جب ان انبیاء اولیاء کے اختیار خداداد کا یہ حال ہے تو حضرت سید الانبیاء کی قدرتوں کا کیا حال ہوگا۔ نواں فائدہ: یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ کے بندے مردے جلادیتے ہیں۔ بیماروں کو شفا دیتے ہیں بحکم الٰہی آئی ہوئی ٹال دیتے ہیں اس میں شرک کی کوئی بات نہیں یہ فائدہ تخلق، تنفخ، تبری، تخرج کے مخاطب **صیغے** فرمانے سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کاموں کا فاعل عیسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا لہٰذا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے نبی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ جیسے گنہگاروں کا بیڑا پار لگادیتے ہیں۔ حضور بحکم پروردگار بدنصیبوں کے نصب کھول دیتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ایسی بندھی نصیب کھلے مشکیں کھلیں
دونوں جہاں میں دھوم تمہاری کمر کی ہے

دسواں فائدہ: نبی کی نگاہ شے کی حقیقت بدل دیتی ہے۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پھونک گارے کی حقیقت بدل کر اسے چڑیا بنادیتی تھی جس میں خون گوشت دانت وغیرہ سب کچھ ہوتے تھے۔ جب حضرت مسیح کی پھونک مٹی کی چڑیا بنا سکتی ہے تو میرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ مجھ جیسے گنہگار کی حقیقت بدل سکتی ہے کہ ان کے کرم سے ہم بدکار نیک کار بن جاویں۔ جب پارس پتھر لوہے کو سونا بنادیتا ہے۔ کیمیا سے تانبہ سونا قلعی چاندی بن جاتی ہے تو محبوب کی نگاہ کے کیا بنا سکتی ہے اندازہ کرلو۔ ہم نے عرض کیا ہے۔

تم کچھ کرپا کرو تو سالک برا بھلا بن جائے
کھوٹا کھرا نہ دیکھے پارس کندن بھی بنائے

خس خس جتنا قدر نہ میرا صاحب نوں وڈھائیاں
میں گلیاں دا گوڑ کوڑا محل چڑھایا سائیاں

گیارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کی دعا سے یا ان کے معجزات و کرامات سے لوگوں کو وہ دوبارہ عمر دیتا ہے جو پہلے اپنی عمر پوری کرکے فوت ہوچکے تھے یہ فائدہ **تخرج الموتی باذنی** سے حاصل ہوا۔ دیکھو جن سڑے گلے مردوں کو عیسیٰ علیہ السلام زندہ فرماتے تھے وہ اپنی عمریں پوری کرکے فوت ہوئے تھے۔ مگر آپ کے معجزے سے انہیں پھر عمر عطا ہوتی تھی لہٰذا اگر حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ نے بارہ برس کی ڈوبی برات کو صحیح سلامت نکالا اور وہ لوگ بہت عرصہ زندہ رہے ہوں تو اس پر

www.alahazratnetwork.org

کوئی اعتراض نہیں۔

نوٹ: اس برات کے دولہا کا نام سید کبیر الدین ہے۔ لقب دریائی دولہا۔ اب انہیں شاہ دولہ کہا جاتا ہے۔ ان کی قبر شریف گجرات مغربی پاکستان میں زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ آپ کی عمر شریف قریباً چھ سو برس ہوئی حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں اور آپ نے ایک بار حضور غوث رضی اللہ عنہ کو وضو کراتے ہوئے آپ کے قدم شریف سے ٹپکتے ہوئے قطروں کے پانچ چلو پائی پی لیا فی چلو ایک سو سال عطا ہوئے جو عمر اپنی گزار چکے تھے وہ اس کے علاوہ آپ کی وفات شریف 1000ھ (ایک ہزار ہجری) کے بعد ہے ان تمام واقعات کی تفصیل دیکھو کتاب مقامات محمود وغیرہ میں اس سے ثابت ہے کہ حضرت شاہ دولہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے خلیفہ ہیں اور تاریخ بیعت تاریخ عطاء خلافت سب کچھ وہاں مطالعہ فرماؤ جو لوگ اس واقعہ پر اعتراض کرتے ہیں وہ اس آیت کریمہ **واذ تخرج الموتی** الخ میں غور فرمائیں۔ **بارھواں فائدہ:** اللہ تعالٰی اپنے نبیوں کو جہاں اور معجزے عطا فرماتے ہیں وہاں ہی ان کی محفوظیت کا معجزہ بھی بخشتا ہے۔ محفوظیت' محبوبیت' مذکوریت یہ ان حضرات کے خصوصی معجزات ہیں یہ فائدہ **واذ کففت بنی اسرائیل** سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت' مذکوریت' محفوظیت تاقیامت زندہ جاوید معجزات بن جاتا ہے۔ مدینہ کی گلیاں' اولیاء اللہ کی محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے ہیں۔ جس قدر چرچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ دنیا میں کسی کا نہیں آپ کی محفوظیت کا یہ عالم ہے کہ آپ کا دین آپ کی نمازیں روزے قرآن آپ کی عزت عظمت سب محفوظ ہیں مٹانے والے مٹ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا کم نہ ہوا بلکہ جس کا جو چرچا ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہوا۔

پہلا اعتراض: حضرت عیسٰی علیہ السلام مٹی کی چڑیا بنا کر انہیں زندہ نہ کرتے تھے نہ اندھے کوڑھوں کو شفا بخشتے تھے بلکہ دل کے اندھے کوڑھوں یعنی کافروں جاہلوں کو کلمہ پڑھا کر مومن بناتے تھے اور ایسے دلوں کو علم بخش کر انہیں گویا چڑیا بنا دیتے تھے (مرزائی)

نوٹ ضروری: چونکہ مرزائیوں کے گھریلو مثیل مسیح میں کوئی معجزہ یا کرامت نہیں اس لئے یہ لوگ حضرات انبیاء کرام خصوصاً جناب مسیح کے معجزات کا شدت سے انکار کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ اس آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے قرآن کریم کے ہر کلمہ کو اس کے ظاہری معنی پر ہی رکھنا ضروری ہے بلا شرعی وجہ کے کسی قسم کی تاویل کرنا درست نہیں ورنہ پھر اسلام کا نظام ختم ہو جاوے گا۔ صلوٰۃ' زکوٰۃ' صوم کے لغوی معنی کر لو سارے ارکان ختم یوں ہی لحم خنزیر کے معنی کر لو۔ خنزیر جیسے لوگ تمام محرمات کی حرمت ختم نعوذ باللہ از صحابہ کرام تا ایندم کسی عالم مفسر محدث نے ان آیات کے معنی نہ کئے نیز اگر یہ معنی کئے جاویں تو اس میں جناب عیسٰی علیہ السلام کی کیا خصوصیت ہے ہر عالم مبلغ لوگوں کو کلمہ پڑھا کر تبلیغ کر کے یہ کام کر لیتا ہے پھر رب تعالٰی نے خصوصیت سے آپ کے متعلق یہ صفات کیوں بیان فرمائیں۔ **دوسرا اعتراض:** حضرات انبیاء کرام کسی معجزے پر قادر نہ ہوتے تھے وہ بالکل بے اختیار ہوتے ہیں اللہ تعالٰی ان کے ہاتھ پر ان کے بغیر اختیار کے اپنے حکم سے کچھ عجائب ظاہر کر دیتا ہے۔ دیکھو رب تعالٰی نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے معجزات میں قید لگائی کہ فرمایا **باذنی** یہ سب کچھ میرے حکم سے ہوتا تھا۔ لہٰذا ان واقعات سے ان کا اختیار ثابت نہیں ہوتا۔ **جواب:** یہ محض غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو ان افعال کا فاعل حضرت عیسٰی علیہ السلام کو نہ بتایا جاتا۔ تخلق' تبری' تخرج بلکہ پھر تو یوں ہوتا کہ میں یہ کام کرتا تھا۔ **باذنی** فرما کر یہ بتایا گیا کہ

www.alahazratnetwork.org

جناب عیسیٰ علیہ السلام ان معجزات پر مستقل قادر نہ تھے۔ رب تعالیٰ سے بے نیاز نہ تھے لہٰذا ان کے یہ معجزات دیکھ کر انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے اذن سے ہوتا ہے۔ ہماری کوئی حرکت و سکون ان کے اذن کے بغیر نہیں۔ رب فرماتا ہے **وما تشاء ون الا ان يشاء الله رب العلمين**۔ ہم بغیر رب کے چاہے کچھ چاہ بھی نہیں سکتے مگر پھر بھی ہم بعض کاموں میں مختار ہیں۔ خیال رہے کہ بعض معجزات حضرات انبیاء کرام کے لئے بالکل لازم ہوتے ہیں کبھی ان سے جدا نہیں ہوتے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے حسن یا داؤد علیہ السلام کے لئے خوش آوازی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بے سایہ ہونا بعض معجزات یا عصاء موسوی ید بیضا۔ اس آیت کریمہ کے متعلق پوری تحقیق تیسرے پارہ سورۂ آل عمران میں دیکھو **تیسرا اعتراض:** جاندار کے فوٹو اور مجسمہ بنانا حرام ہیں۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام مٹی کی چڑیاں کیوں بناتے تھے۔ بت سازی بھی تو بری ہے۔ **جواب:** تصویر سازی مجسمہ سازی ہماری شریعت میں حرام ہے ان شریعتوں میں حرام نہ تھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے جنات مجسمہ تصویریں بناتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **يعملون له ما يشاء من محاريب و تماثيل** نیز آپ کا یہ مجسمے بنانا بت پرستی کرانے کے لئے نہ تھا بلکہ اپنا معجزہ دکھانے کے لئے تھا۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنا حسن زنان مصر کو دکھایا جس سے انہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے یہ حسن دکھانا معجزہ دکھانے تبلیغ دین کے لئے تھا نہ کہ برے ارادے سے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں تین جگہ ارشاد ہوا **باذنی** آخر یہ کیوں۔ **جواب:** اس لئے کہ بندہ کبھی اللہ تعالیٰ کے سے کام کرنے لگتا ہے، مگر پھر بھی بندہ بندہ ہوتا ہے اللہ اللہ ہے۔ خالق و مخلوق میں فرق احتیاج و غنا کا ہے بندہ وہ ہے جو حاجتمند ہو اللہ وہ ہے جو غنی و بے نیاز ہو انجن و ریل دونوں یکساں طور پر دوڑتے ہیں مگر انجن انجن ہے ریل ریل ہے کہ انجن محتاج الیہ ہے اور ریل حاجتمند سورج اور سورج نما آئینہ دونوں چمکتے ہیں مگر سورج غنی ہو کر آئینہ محتاج ہو کر **باذنی** فرما کر یہی بتایا کہ حضرت عیسیٰ خدائی کام کرتے تھے مگر تھے بندے کیونکہ وہ اللہ کے اذن سے کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: بزرگان دین کا ایک درجہ ہے جسے درجہ فنا فی اللہ کہا جاتا ہے اس درجہ میں اعضاء بندے کے ہوتے ہیں اور ان میں طاقت رب تعالیٰ کی اس کے متعلق احادیث صحیحہ آیات قرآنیہ وارد ہیں۔ جب بندہ اس درجہ پہنچتا ہے تو اس سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں جس کے متعلق بہت آیات و احادیث وارد ہیں اس حالت میں بندے کے کام کو رب فرماتا ہے کہ میرا کام ہے اور رب تعالیٰ کے کام کو بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا کام ہے دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر میں کفار پر کنکر پھینکے تو رب نے فرمایا کہ **ما رميت اذ رميت ولكن الله رمى** وہ کنکر تم نے نہ پھینکے اللہ نے پھینکے اعلیٰ حضرت قدس سرہ بریلوی فرماتے ہیں۔

سنگریزہ می زند دست جناب! ما رمیت از رمیت آید خطاب

تا ابد گر شرح ایں مفصل کنم! جز تحیر ہیچ نبود حاصلم!

حضرت جبریل نے جناب مریم سے فرمایا تھا **لاهب لك غلاما زكيا**۔ میں تم کو ستھرا بیٹا دینے آیا ہوں اسی قبیل سے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ میں باذن الٰہی مردے زندہ کرتا ہوں اندھے کوڑھے اچھے کرتا ہوں اور اسی قبیل سے رب تعالیٰ کا جناب مسیح کی تصدیق فرمانا اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے عیسیٰ تم میری نعمت فنا کو یاد کرو کہ ہم نے تم کو اپنی ذات میں ایسا فنا کیا کہ تم ہمارے سے کام کرنے لگے تمہاری انا ہم نے ختم کی تم کو فنا ہم نے بخشی اب بھی اولیاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

www.alahazratnetwork.org

نیابت میں یہ سب کچھ کر دکھاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

صومعہ عیسی است خوان اہل دل — ہاں وہاں اے مبتلا ایں در مہل!
جمع گشتندے زہر اطراف خلق — از ضریر و لنگ و اشل و دلق!
او چو فارغ گشتے از اوراد خویش — چاشت بیروں شدے آں خوب کیش!
پس دعا کردے و گفتے از خدا — حاجت و مقصود جملہ شد روا!
خوش رواں و شادماں سوئے خواں — از دعائے او شدندی پاروان
آزمودی تو بسے آفات خویش! — یافتی صحت ازیں شاہان خویش!

اب تک حضرات اولیاء اللہ سے ایسی مشکل کشائی دیکھنے میں آتی ہے یہ سب فنا فی اللہ کی بہاریں ہیں مولانا نے فیصلہ فرمایا ارشاد فرماتے ہیں۔

چوں بباطن بنگری دعوی کجاست — او و دعوی پیش آں سلطاں فنا است
مات زید زید اگر فاعل بود! — لیک فاعل نیست کو عاطل بود!
او ز روئے لفظ نحوی فاعل است — ورنہ او مفعول و موتش قاتل است

یعنی یہ حضرات اور ان کے یہ دعوے سب مولیٰ کی ذات میں فنا ہوتے ہیں صورۃً لفظ میں یہ فاعل ہیں حقیقۃً رب تعالیٰ جسے نحوی ترکیب میں مات زید کہو یعنی زید مرگیا تو زید فاعل ہے اور مرگیا فعل لیکن حقیقت میں زید مفعول ہے فاعل و قاتل موت ہے۔ فقیر حقیر احمد یار خاں کہتا ہے کہ مجھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ اطہر سے وہ وہ نعمتیں ملیں جو میری عقل سے وراء ہیں ایسی ایسی مشکلیں حل ہوئیں جن کا حل کرنا انسانی طاقت سے باہر ہے۔

وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَی الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ

اور جب اشارہ کیا میں نے طرف حواریوں کے یہ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر کہا انہوں نے ہم ایمان لائے ہم اور

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ

بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ اِذْ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ یٰعِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ هَلْ یَسْتَطِیْعُ رَبُّكَ

گواہ ہو کہ ہم مسلم ہیں۔ جب کہا حواریوں نے اے عیسی بیٹے مریم کے کیا طاقت رکھتا ہے رب تمہارا یہ کہ

رہ کہ ہم مسلمان ہیں۔ جب حواریوں نے کہا اے عیسی ابن مریم کیا آپ کا رب ایسا کرے گا کہ ہم پر

اَنْ یُّنَزِّلَ عَلَیْنَا مَآىِٕدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾

اتارے اوپر ہمارے دسترخوان آسمان کی طرف سے فرمایا ڈرو تم اللہ سے اگر ہو تم ایمان والے

آسمان سے ایک خوان اتارے کہا اللہ سے ڈرو اگر ایمان رکھتے ہو

www.alahazratnetwork.org

قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَىٕنَّ قُلُوْبُنَا وَنَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا

انہوں نے کہا ہم ارادہ کرتے ہیں یہ کہ کھائیں ہم اس سے اور مطمئن ہو جاویں دل ہمارے اور جان لیں ہم یہ کہ سچ کہا تھا آپ

بولے ہم چاہتے ہیں کہ اس میں سے کھائیں اور ہمارے دل ٹھہریں اور ہم آنکھوں سے دیکھ لیں کہ آپ نے ہم

وَنَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ

نے ہم سے اور ہو جاویں ہم اوپر اس کے گواہوں میں سے

سے سچ فرمایا اور ہم اس پر گواہ ہو جائیں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان خاص معجزات کا ذکر ہوا جن کا تعلق زمین سے تھا۔ اب آپ کے اس خصوصی معجزے کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق آسمان سے ہے یعنی آسمان سے غیبی دسترخوان کا آنا اور لوگوں کا اسے اترتے ہوئے دیکھنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اپنے معجزات کا ذکر تھا اب آپ کے ایسے معجزے کا ذکر ہے جس کا تعلق آپ کے خدام یعنی حواریوں سے بھی ہے یعنی ان کی خواہش پر آسمانی دسترخوان آنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار بنی اسرائیل نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرتے ہوئے انہیں جادو کہا اب اس کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ غیبی دسترخوان اپنی آنکھوں سے اترتے دیکھا پھر بھی ایمان نہ لائے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس میں کچھ تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت جبریل علیہ السلام کو جناب عیسیٰ علیہ السلام کا ساتھی بنایا گیا ان کی خدمت میں انہیں رکھا گیا اب ارشاد ہے کہ جناب مسیح کو بہترین لوگ یعنی حواری عطا فرمائے گویا فرشتے کی ہمراہی کے بعد اچھے انسانوں کی ہمراہی بیان ہوئی اچھے ساتھی اللہ کی رحمت ہیں۔

تفسیر: **واذ اوحیت الی الحواریین۔** ظاہر ہے کہ یہ جملہ پچھلے جملوں پر معطوف ہے اور اس میں قیامت کے ان ہی سوالات کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ فرمائے گا لہٰذا یہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ عبارت معطوف ہے **واذ ایدتک** الخ پر اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور ابتدائیہ اور **اذ** سے پہلے **اذکر** یا **اذکرو** پوشیدہ ہو اور اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو یا مسلمانوں سے **اوحیت** بنا ہے وحی سے یہاں وحی سے مراد نبوت و رسالت کی وحی نہیں کہ وہ تو صرف انبیاء کرام پر ہی آتی ہے اور حواری نبی نہ تھے بلکہ وحی بمعنی دل میں ڈالنا الہام کرنا ہے جیسے **واوحینا الی ام موسی** اور **واوحی ربک الی النحل** میں وحی سے مراد دل میں ڈالنا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وحی بمعنی **امر و حکم** ہو۔ عربی میں امر و حکم کو بھی وحی کہا جاتا ہے چنانچہ عرب کا شاعر کہتا ہے۔

الحمد للہ الذی استقلت باذنہ السماء واطمانت

اوحی لہا القرار فاستقرت

www.alahazratnetwork.org

حواریین جمع ہے حواری کی جو بنا ہے حور سے بمعنی خالص سفیدی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص صحابہ کو حواری کہا جاتا ہے کہ ان کے دل صاف نیتیں پاک تھیں ان میں بعض مچھیرے تھے۔ بعض دھوبی بعض رنگ ریز ان کی تعداد اور زیادہ تحقیق پہلے کی جاچکی ہے۔ اب خالص مخلص دوست کو حواری کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ میرے حواری زبیر ہیں یعنی اے محبوب یا اے مسلمانوں وہ وقت یاد کرو یا یاد رکھو یا رب تعالیٰ قیامت میں عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ وہ وقت بھی یاد کرو جبکہ ہم نے کچھ لوگوں کے دل میں ڈالا ان لوگوں کو حواری فرما کر اشارۃً دو بتائی۔ ایک یہ کہ وہ لوگ غربا و مساکین تھے لوگوں کے کپڑے صاف کرنے والے ہمیشہ حضرات انبیاء کی طرف پہلے غربا و مساکین ہی آئے ہیں بعد میں امیر لوگ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان لانے والے اکثر غربا و مساکین ہیں آج بھی غریبوں سے ہی دین قائم ہے مسجدیں آباد ہیں غریبوں سے اور علماء حفاظ قاری غازی شہید اکثر غریب ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ وہ لوگ صفائی دل والے تھے۔ ایمان گندے دلوں میں نہیں جاتا جیسے سلطان گندے گھر میں نہیں آتا۔ **ان امنوا بی وبرسولی**۔ یہ عبارت **اوحیت** کا مفعول ہے ایمان کے معنی اس کے اقسام و احکام شروع پارہ **الم** میں عرض کئے جاچکے ہیں۔ چونکہ اللہ پر ایمان اصل مقصود ہے اور نبی پر ایمان اس کا ذریعہ اس لئے رب پر ایمان کا ذکر پہلے ہوا۔ رسول پر ایمان کا ذکر بعد میں اللہ کو جاننا پہچاننا ماننا ذریعہ نجات نہیں بلکہ اللہ پر ایمان لانا ذریعہ نجات ہے اس لئے **اعلموا** یا **اعرفوا** یا **اقبلوا** نہ فرمایا بلکہ **امنوا** فرمایا۔ خدا تعالیٰ کو دلیلوں سے جاننا اس کی مصنوعات سے پہچاننا علم ہے اور نبی کے ذریعہ سے جاننا ماننا ایمان ہے۔ مطلب یہ ہے مجھے حضرت عیسیٰ کے ذریعہ سے مانو۔ درخت کے پتے شاخیں جب ہی سرسبز رہیں گی۔ جب انہیں پانی کھاد ہوا دھوپ جڑ کے ذریعہ سے ملے جڑ سے کٹ جائیں تو لاکھ پانی پائیں سرسبز نہ رہیں گی۔ یہاں رسول سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام مسیح بھی ہیں کلمۃ اللہ بھی روح اللہ بھی نبی اللہ بھی مگر چونکہ ایمان رسالت پر لانا معتبر ہے اسی لئے ہم کلمہ میں محمد رسول اللہ کہتے ہیں نبی اللہ یا شفیع المذنبین نہیں کہتے نیز رب تعالیٰ نے جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا میلاد شریف بیان کیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول فرمایا **لقد جاء کم**۔ **اذ بعث فیھم رسولا** حضرت ابراہیم نے دعا میں جناب مسیح نے بشارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ہی کہا **ربنا وابعث فیھم رسولا** اور **مبشرا برسول** رسول کے معنی ہیں پیغام رساں 'فیضان رساں' رسول وہ برزخ کبریٰ ہیں جو رب سے لیتے ہیں مخلوق کو دیتے ہیں ان کا ایک ہاتھ رب تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے لینے والا دوسرا ہاتھ دوسرا ہاتھ مخلوق کی طرف ہوتا ہے دینے والا کان رب کی طرف ہوتے ہیں سننے کے لئے۔ زبان مخلوق کی طرف ہے رسول فرما کر یہ بتایا کہ نہ وہ تم جیسے بشر ہیں نہ خدا کے بیٹے ہیں آپ صرف بنی اسرائیل کے رسول تھے۔ غرضیکہ لفظ رسول میں ہم کو تین چیزیں معلوم ہوتی ہیں اپنی محتاجی رب تعالیٰ سے دوری۔ رب تعالیٰ کی بے نیازی اس کی اونچی شان۔ نبی کا دونوں طرف تعلق **قالوا امنا** یہ عبارت حواریوں کا جواب ہے جس میں **قالوا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان لوگوں نے صرف دل سے ہی ایمان قبول نہ کیا بلکہ اس کا اظہار زبان سے بھی کردیا۔ یا تو ان لوگوں نے بیک وقت ایمان قبول کر کے یہ کہا یا آگے پیچھے ایمان قبول کرتے گئے اور یہ اعلان کرتے گئے **امنا** کا متعلق پوشیدہ ہے کیونکہ اس کا ذکر ابھی ہوچکا یعنی اللہ تعالیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت ربوبیت وغیرہ تمام صفات پر ایمان ہے اور رسول کی نبوت رسالت وغیرہ تمام صفات پر ایمان ہے **امنا** میں بطور اجمال تمام چیزوں کا ذکر ہے **واشھد باننا مسلمون** یہ جملہ **امنا** پر معطوف ہے **اشھد** میں خطاب

www.alahazratnetwork.org

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ہے اس سے مراد یا گواہ بن جانا ہے آج اور یا قیامت میں گواہی دینا ہے مسلمون یا بمعنی مخلصون ہے یا بمعنی مطیعون چونکہ ایمان دل کی صفت ہے اسلام یعنی اطاعت جسم کی صفت دل جسم سے اعلیٰ ہے نیز ایمان تمام اطاعات و عبادات سے پہلے ہے اس لئے ان حضرات نے ایمان کا ذکر پہلے کیا اسلام کا ذکر بعد میں (کبیر) مسلمون کہہ کر ان لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان اپنے عبادات اپنے معاملات غرضیکہ سارے اسلامی ارکان کا گواہ بنالیا کہ مسلم ان سب چیزوں کا جامع ہوتا ہے **اذ قال الحواريون يعيسى ابن مريم هل يستطيع ربك** ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام مستقل اور علیحدہ جملہ ہے اور **اذ** ظرف ہے **اذكر** فعل پوشیدہ کا چونکہ بتانا یہ تھا کہ ان حضرات کے یہ مطالبے اس لئے قبول کئے گئے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خاص خدام اور حواری تھے اس لئے یہاں **الحواريون** فرمایا گیا **قالوا** فرماکر ضمیر نہ لائی گئی الحواریون سے مراد وہی حواری ہیں جن کا ذکر ابھی گزرا توی یہ ہے کہ حواریوں کی یہ عرض و معروض ان کے ابتدائی اسلام کے وقت کی ہے جب کہ وہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ابھی دربار نبوت اور بارگاہ الٰہی کے آداب سے واقف نہ تھے۔ اس لئے جناب مسیح کو نام لیکر اور انہیں ان کی والدہ ماجدہ کی طرف نسبت کرکے پکارتے کہتے یا نبی اللہ یا روح اللہ یا کلمۃ اللہ تو اتقوں پر ایسی باتوں کی پکڑ نہیں ہوتی چونکہ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کا دروازہ رحمت ہوتے ہیں اور ہر چیز دروازے پر ہی مانگی جاتی ہے۔ اس لئے حواریون نے رب کا مائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر انہیں پکار کر مانگا۔ ہماری قراءت میں **يستطيع** ی سے ہے دوسری قراءت میں **تستطيع** ت سے اور **ربك** کے فتحہ سے اس صورت میں **ربك** سے پہلے سوال پوشیدہ ہے یعنی کیا آپ کا رب یہ کرسکتا ہے یا آپ اپنے رب سے یہ دعا کرسکتے ہیں۔ بعض شارحین نے فرمایا کہ یہاں **استطاعة** سے مراد عیسیٰ علیہ السلام کی بات ماننا آپ کی دعا قبول کرنا ہے یعنی کیا آپ کا رب آپ کی یہ دعا قبول کرے گا اور آپ کی یہ بات مان لے گا جیسے کہ ایک بار ابو طالب بیمار ہوئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی صحت کی دعا کی فوراً شفا ہو گئی تو تعجب سے بولے **ارى ربك يطيعك** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **لو اطعته لكان يطيعك** الخ (روح المعانی) یعنی اے اللہ کے حبیب اللہ تعالیٰ آپ کی بات مانتا ہے فرمایا اگر تم اس کی بات ماننے لگو تو وہ تمہاری مانے یہاں اطاعت بمعنی ماننا ہے اور ہو سکتا ہے کہ استطاعت سے مراد قدرت ہو تو یہ سوال شک کے لئے نہیں کیونکہ وہ لوگ مومن تو پہلے ہی ہو چکے تھے پھر اللہ کی قدرت میں شک کیسے کرتے بلکہ اپنے دلی اطمینان کے لئے ہے یا یہ مطلب ہے کہ کیا غیبی دسترخوان کا اترنا ممکن ہے رب تعالیٰ اس پر قادر ہے یا یہ نزول حکمت کے موافق ہے۔ پروردگار ایسا کردے گا (تفسیر کبیر وغیرہ) **ربك** عرض کیا ربنا نہ کہا کہ اس وقت وہ حضرات رب تعالیٰ کی رحمت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت ہی مانگ رہے تھے نیز رب تعالیٰ کو اس کے افضل بندوں افضل مخلوق کی طرف نسبت کرنے میں اس کی تعظیم ہے کہا جاتا ہے رب البیت یا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم **ان ينزل علينا مائدة من السماء** یہ عبارت **يستطيع** کا مفعول ہے چونکہ غیبی دسترخوان کی ضرورت ان حواریوں کو تھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نہ ضرورت تھی نہ خواہش اسی لئے **عليك** نہ کہا بلکہ علینا عرض کیا مائدہ بنا ہے مید سے بمعنی حرکت کرنا گھومنا اسی لئے سمندر کے مسافر کو جو گھی آتی ہے اس کا سر چکراتا ہے اسے مید کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **ان تميد بكم** دسترخوان کو مید اس لئے کہتے ہیں کہ اس پر کھانے کے برتن گھمائے جاتے ہیں۔ خیال رہے کپڑے کا دسترخوان مائدہ ہے چمڑے وغیرہ کا دسترخوان سفرہ کہلاتا ہے۔ کھانے کی میز جو لکڑی وغیرہ کی ہو زمین سے اونچی رہے اسے خوان کہتے ہیں۔ اسی لئے کہا جاتا ہے کہ خوان پر کھانا سلاطین کا فعل

www.alahazratnetwork.org

ہے سفرہ پر کھانا عجمیوں کا عمل اور مائدہ پر کھانا عرب کا کام ہے یہاں مائدہ سے مراد کھانے سے بھرا ہوا غیبی دسترخوان ہے اسی لئے آگے فرمایا **من السماء** (تفسیر صاوی) ایک شاعر کہتا ہے۔

ومئدۃ کثیرۃ الالوان تصنع للجیران والاخوان

(معانی)

قال اتقوا اللہ ان کنتم مومنین یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ان حواریوں کو جواب ہے یہاں تقوے سے مراد ڈرانا ہے نہ کہ بچنا **مومنین** سے مراد ہے کامل ایمان یعنی اے حواریو اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرو اور ایسے مطالبے نہ کرو کیونکہ جو معجزات مطالبہ کرکے حاصل کئے جاویں اگر ان پر ایمان نہ لایا جاوے تو عذاب الٰہی آجاتا ہے یا مقصد یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کے لئے معجزات اللہ تعالیٰ مقرر فرماتا ہے کہ کس نبی کو کیا معجزہ دیا جاوے بندوں کو چاہئے کہ اس ربانی مقرر کردہ معجزہ پر قناعت کریں ان کا خود اپنی طرف سے مقرر کرنا سخت بے ادبی اور تقرر الٰہی میں دخل دینا ہے اسی لئے اس سوال سے باز آجاؤ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ یہاں بھی **ان** فرمانا شک کے لئے نہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حواریوں کے ایمان پر اعتماد تھا بلکہ ترغیب کے لئے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری نافرمانی نہ کر **قالوا نرید ان ناکل منہا** یہ ان حواریوں کا جواب ہے اس عرض و معروض کے چند مقصد ہیں ایک یہ کہ ہم صرف دسترخوان خالی نہیں مانگتے بلکہ نعمتوں سے بھرا ہوا چاہتے ہیں۔ جنہیں کھایا جاسکے۔ دوسرے یہ کہ ہم دسترخوان صرف دیکھنا نہیں چاہتے کہ اترتا ہوا دیکھیں اور وہ غائب ہو جاوے بلکہ اس میں سے کھانا بھی چاہتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اے روح اللہ ہمارا یہ سوال اللہ تعالیٰ کی قدرت یا آپ کی نبوت میں شک و تردد کی بنا پر نہیں ہم کو ان سب کو پورا یقین ہے اس عرض و معروض کے چار مقصد ہیں ایک یہ کہ دسترخوان مع طعام آوے ہم لوگ وہ غیبی غذائیں کھائیں۔ کھانا چند طرح کا ہوتا ہے غذاء کھانا' شفا" دواء کھانا۔ لذت کے لئے کھانا' برکت کے لئے کھانا' روٹی غذاء' دوائیں شفاء کھائی جاتی ہے' پھل فروٹ لذت کے لئے بزرگوں کے تبرکات برکت کے لئے کھائے جاتے ہیں اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کونسا کھانا مراد ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضرور تمندی اور احتیاج کا کھانا مراد ہے کیونکہ اس زمانہ میں سخت قحط تھا لوگ بھوکے مر رہے تھے ان کا مقصد تھا کہ ہم قحط کی زد سے بچ جاویں بے فکری سے کھا کر رب کی عبادت کریں۔ مگر فقیر کے نزدیک یہ قوی نہیں ورنہ وہ آسمان سے دسترخوان آنے کی قیدیں کیوں لگاتے بلکہ بارش اور برکت مانگتے نیز دسترخوان آنے سے قحط تو ختم نہیں ہو جاتا یہ لوگ دسترخوان کا کھانا ایک دو وقت کھاسکتے قحط مہینوں کا ہوتا ہے بلکہ تبرک کا کھانا مراد ہے۔ یعنی ہم وہ کھانا برکت کے لئے کھاویں جس سے ہمارے بیمار تندرست اور تندرست قوی ہو جاویں اس سے دلوں میں نور روح کو سرور حاصل ہو ہم فقیر ہیں اس کی برکت سے غنی ہو جاویں **وتطمئن قلوبنا** یہ اس سوال کا دوسرا مقصد ہے اطمینان سے مراد حق الیقین یا عین الیقین کا اطمینان ہے نہ وہ اطمینان جو ایمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ تو ان حضرات کو پہلے سے ہی حاصل تھا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مردے زندے فرمانے کی دعا کی اور عرض کیا **ولکن لیطمئن قلبی**۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے آپ کے معجزے جس قدر دیکھے وہ زمینی ہیں ہم چاہتے ہیں کہ آسمانی معجزہ دیکھ کر اللہ کی قدرت آپ کی نبوت پر حق الیقین حاصل کرلیں (تفسیر کبیر) اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس غیبی کھانے کی برکت سے ہم کو دائمی دل کا چین نصیب ہو جاوے کہ آئندہ ہمارے دل دنیا کے رنج و غم عیش و طیش امیری و فقیری کا اثر نہ لیا کریں دل کا چین اللہ کی بڑی نعمت ہے جو کسی کسی کو

www.alahazratnetwork.org

نصیب ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔ چونکہ اس غیبی کھانے کو کسی انسان کا ہاتھ نہ لگا ہو گا اور آوے گا آپ کی معرفت سے اس لئے اس میں بے چینی دل کا علاج ہو گا اس صورت میں یہ کلام نہایت ہی عارفانہ ہو گا۔ دل کا چین یا اللہ کے ذکر سے نصیب ہو گا۔ دل کا چین یا اللہ کے ذکر سے نصیب ہوتا ہے یا اللہ والوں کی نظر و فیض سے **ونعلم ان قد صدقتنا** یہ اس عرض کے تیسرے مقصد کا بیان ہے یہاں بھی علم سے مراد علم الیقین نہیں کہ وہ تو انہیں پہلے سے حاصل تھا بلکہ عین الیقین والا علم مراد ہے یعنی اب تک تو ہم نے دلائل سے آپ کی حقانیت جانی پھر ہم مشاہدہ سے آپ کی سچائی جان لیں گے کہ آپ نے جو فرمایا کہ اے حواریو تم مقبول الدعاء ہو۔ رب تعالیٰ تمہاری دعائیں قبول فرماتا ہے تمہاری ضدیں پوری کرتا ہے وہ واقعی سچ تھا (روح المعانی) اور اگر توحید و رسالت کی خبر میں سچائی مراد ہو تب بھی اعتراض نہیں کہ یہاں عین الیقین مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ہم نے آپ کے زمینی معجزے دیکھے اب آسمانی معجزے دیکھ کر ہم کو آپ کی تمام باتوں کی سچائی کا عین الیقین ہو جاوے کیونکہ جادو کبھی آسمان پر نہیں چلتا۔ **ونکون علیھا من الشھدین**۔ یہ اس عرض و معروض کے چوتھے مقصد کا بیان ہے۔ **شاھدین** کے معنی ہیں۔ مشاہدہ کرنے والے یا لوگوں کے سامنے عینی گواہی دینے والے یعنی ہم اس معجزے کو آنکھوں دیکھ لیں یا وہ نبی اسرائیل جو یہاں سے غائب ہیں ہم ان کے سامنے آپ کی سچائی کی عینی گواہی دیں ہم آپ کے مبلغ اعظم بن جاویں یا آئندہ نسلوں کے لئے یا تاقیامت لوگوں کے لئے ہمارا یہ عمل آپ کی حقانیت کا گواہ ہو جاوے لوگوں کو اس وجہ سے ایمان نصیب ہو۔ ہماری اس گواہی سے تاقیامت لوگوں کو فائدہ پہنچے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ زمانہ بھی لوگوں کو یاد دلاؤ جب کہ ہم نے حضرت عیسیٰ کے خاص صحابہ حواریوں کے دل میں ایمان کی رغبت پیدا کی اور انہیں اللہ رسول پر ایمان لانے کی توفیق بخشی تو وہ لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہو کر علانیہ اپنے ایمان کا اقرار کرتے ہوئے بولے کہ ہم ایمان لائے اور اے کلمۃ اللہ آپ یہاں گواہ بن جاویں یا قیامت میں گواہی دیں کہ ہم آپ کے اور آپ کے رب کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ پھر وہ زمانہ بھی یاد دلائیں جبکہ ان ہی حواریوں نے جناب عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ کیا آپ کا رب آپ کی دعا سے یہ کرم نوازی فرمادیگا کہ ہم پر آسمان سے غیبی دسترخوان نعمتوں سے بھرا ہوا اتارے اس پر جناب مسیح نے فرمایا کہ ایسے سوالات نہ کرو اللہ سے ڈرو منہ مانگے معجزات نہ مانگو اگر تم مومن ہو تو اس سے باز آجاؤ انہوں نے جوابا" عرض کیا کہ حضور والا ہمارا یہ معروضہ آپ کی نبوت یا رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں کسی شک و شبہ کی بنا پر نہیں بلکہ اس کے چار مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ ہم وہ غیبی کھانا کھائیں برکت حاصل کریں۔ اس سے ہمارے دل منور ہو جاویں۔ ہم کو قرب خدا اور زیادہ حاصل ہو جاوے دوسرے یہ کہ آپ نے جو ہم سے وعدہ فرمایا ہے کہ تم لوگ مقبول الدعا ہو رب تعالیٰ تمہاری مانتا ہے اس کا ہم کو عین الیقین حاصل ہو جاوے دل ہمارے مطمئن ہو جاویں ہم کو اپنے کامل الایمان ہونے پر اطمینان ہو جاوے۔ تیسرے یہ کہ ہم کو آپ کی صداقت عین الیقین سے معلوم ہو جاوے چوتھے یہ کہ ہم اس آسمانی معجزے کا مشاہدہ کرلیں اور دوسرے کے لئے ہم عینی گواہ بن جاویں نیز تاقیامت لوگوں کے لئے ہمارا یہ واقعہ کمال ایمان کا باعث بنے ہم آپ کے زندہ جاوید گواہ بن جاویں۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان و تقویٰ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہی نصیب ہوتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

محض اپنی کوشش سے نہیں یہ فائدہ **واذ اوحیت** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہذا کوئی شخص ایمان وغیرہ پر فخر نہ کرے شکر کرے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ رسول پر ایمان تمام ایمانیات کی اصل ہے کہ اس سے ملائکہ' قیامت' دوزخ' جنت وغیرہ سب پر ایمان نصیب ہو جاتا ہے یہ فائدہ **امنوابی وبرسولی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کو رسول ماننے سے ایمان میسر ہوتا ہے صرف بشر ماننے یا اپنا جیسا ماننے سے ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **وبرسولی** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے اس موقعہ پر جناب عیسیٰ کو رسول فرمایا ہم بھی کلمہ طیبہ میں محمد رسول اللہ کہتے ہیں۔ محمد بشر' **مثلنا** نہیں کہتے جو کہے کہ رسول کچھ نہیں دیتے ہم سب کچھ اللہ سے لیں وہ حضرات انبیاء کی رسالت کا انکار کرتے ہیں اگر ہم سب کچھ اللہ سے لے سکتے تو رسول کی تشریف آوری کی ضرورت کیا تھی رسول کے معنی ہیں۔ پیغام رساں فیضان رساں' فرمان رساں اور واسطہ کی ضرورت جب ہوتی ہے جب بلاواسطہ نہ لیا جاسکے۔ **چوتھا فائدہ:** اپنا اسلام وایمان چھپانے کی چیز نہیں اپنے قول' عمل سے اس کا اظہار کرنا چاہئے اس میں تقیہ کیسا یہ فائدہ **قالوا امنا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اپنے ایمان واعمال پر اللہ کے مقبول بندوں کو گواہ بنانا چاہئے کہ یہ رب کے گواہ ہیں یہ فائدہ **واشهد بانا مسلمون** سے حاصل ہوا اب بھی حجاج جب روضہ انور پر مدینہ منورہ میں حاضری دیتے ہیں تو سلام کے بعد عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں آپ نے فریضہ تبلیغ اعلیٰ وجہ الکمال ادا فرمایا حضور بھی گواہ رہیں کہ میں حضور کا امتی ہوں مسلمان ہوں بہت درد ناک الفاظ ادا کرتے ہیں اگر عربی کے ترجمہ سے واقفیت ہو تو آنکھوں سے جھڑی لگ جاتی ہے اس عرض ومعروض کی دلیل اس کی اصل یہی آیت کریمہ ہے کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے ایمان واسلام کا گواہ بنالیا۔ **چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام قیامت میں گواہی دیں کہ ہم مسلم ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **من کل امة بشهيد وجئنا بك على هولاء شهيدا**۔ ان حضرات کی یہ گواہی اپنی ساری امت کے لئے ہوگی خواہ ان کے زمانہ میں ہو یا بعد میں۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی مسلم ومومن ایک ہی معنی میں آتا ہے اور کبھی ان دونوں میں فرق کیا جاتا ہے کہ ایمان دلی عقیدوں کا نام ہے اور اسلام اطاعت وفرمان برداری کو کہتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل لم تومنوا ولكن قولوا اسلمنا** اور فرماتا ہے **فلما اسلما وتله للجبين** یہ فائدہ ایمان کو مقدم فرمانے اور مسلمون کو موخر لانے سے حاصل ہوا اپنے ایمان واعمال کا مخلوق کو خصوصاً" انسانوں کو خصوصاً" مسلمانوں کو خصوصاً" اولیاء وانبیاء کو گواہ بنانا بڑی پرانی سنت ہے یہ فائدہ **واشهد** سے حاصل ہوا مسلمان اگر جنگل میں بھی نماز پڑھے تو اذان کہہ لے تاکہ اس جنگل کے گھاس تنکے کنکر اس کے ایمان کے گواہ ہو جاویں۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام خالق ومخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ وسیلہ عظمیٰ ہیں لہذا ہم لوگوں کو ان سے دعا کرانا بہت ہی بہتر ہے دیکھو حواریوں نے خود ہی نزول مائدہ کی دعا نہ کی بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے دعا کرنے کی درخواست کی۔ حضرات صحابہ کرام تو اپنے صدقات وخیرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں تقسیم کراتے تھے کہ اگر ہمارے صدقہ قابل قبول نہ بھی ہوں تو اس ہاتھ کی برکت سے قبول ہو جاویں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **خذ من اموالهم صدقة تطهرهم وتزكيهم بها** اے محبوب اپنے صحابہ کے صدقہ قبول فرمالیا کرو ان کے ذریعہ انہیں پاک وصاف فرمادیا کرو اب مسلمان فاتحہ وختم میں کہتے ہیں نذر اللہ نیاز رسول اللہ پھر دوسروں کو ایصال ثواب کرتے ہیں اس کا ماخذ یہ آیت اور ان جیسی آیات ہیں۔ **نواں فائدہ:** اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ذرہ کا رب ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کی نسبت بزرگ بندوں کی طرف کی جاوے یہ فائدہ **ربک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ

www.alahazratnetwork.org

حواریوں نے رب تعالیٰ کو جناب عیسیٰ روح اللہ کی طرف نسبت کیا اللہ تعالیٰ کی ربوبیت تین قسم کی ہے ربوبیت عامہ ' ربوبیت خاصہ ' ربوبیت خاص الخاصہ ' ربوبیت عامہ کے لحاظ سے فرمایا جاتا ہے۔ رب العالمین ربوبیت خاصہ کے لحاظ سے ربکم ربوبیت خاص الخاصہ کے لحاظ سے ربک ہے جیسے سورج کا طلوع روشنی کے لحاظ عام زمین پر ہے دانہ پھل پکانے کے لحاظ سے کھیتوں باغوں پر لعل بنانے کے لحاظ سے بدخشاں کے پہاڑوں پر۔ دسواں فائدہ: ان حواریوں نے غیبی دسترخوان اترنے کی درخواست کی تھی نہ کہ بارش وغیرہ کی یہ فائدہ من السماء سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری: مولوی محمد علی لاہوری قادیانی نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اپنی کتاب بیان القرآن میں لکھا کہ یہاں دسترخوان سے مراد علم ہے جو روحانی غذا ہے اس کا مقصد ہے حضرت روح اللہ کے اس معجزے کا انکار خیال تو کرو کہ ان لوگوں پر علم تو پہلے ہی آچکا تھا عیسیٰ علیہ السلام پہنچا چکے تھے پھر کونسے علم کا مطالبہ کر رہے تھے نیز پھر من السماء کہنے کی کیا وجہ ہے نیز پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس سوال سے روکا کیوں۔ علم مانگنا تو اچھی چیز ہے نیز پھر رب نے کیوں فرمایا کہ جو انکار کرے گا اسے بے مثال عذاب دیا جاوے گا غرضیکہ یہ تفسیر نہیں تحریف ہے۔ گیارھواں فائدہ: دعا میں صرف مانگنا ہی ضروری نہیں دعا کے بہت اچھے طریقے ہوتے ہیں۔ دیکھو حواریوں نے یہ نہ کہا کہ آپ نزول مائدہ کی دعا فرمادو بلکہ عرض کیا کہ کیا ایسا ہو سکے گا کہ رب تعالیٰ دسترخوان نازل فرمادے یہ ضمنی دعا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود شریف پڑھنا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا بھی دعا ہے غنی کے دروازے پر اس کی سخاوت کے گیت گانا اس کے دوستوں بال بچوں کو دعا دینا سب ہی بھیک مانگنے کے طریقے ہیں۔ بارھواں فائدہ: اللہ کی ظاہری نعمتیں اپنے لئے مانگنا چاہئیں باطنی رحمتیں نبیوں ولیوں کے لئے دیکھو حواریوں نے عرض کیا ینزل علینا مائدۃ من السماء یہاں علینا کہا علیک نہ کہا جس میں اشارۃً بتایا کہ اس دسترخوان کی ضرورت ہم کو ہے۔ اے عیسیٰ روح اللہ آپ کو نہیں یہ بھی نبی کا ادب ہے۔ تیرھواں فائدہ: جو کھانا بزرگوں کی طرف نسبت کر دیا جاوے اسے "تبرکاً" کھانا اس سے برکات حاصل کرنا 'شفا' غنا' نور قلبی حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ اس میں بہت فیوض ہوتے ہیں یہ فائدہ ان ناکل منہا سے حاصل ہوا کہ حواریوں نے اس دسترخوان سے "تبرکاً" کھانے کی خواہش کی تھی۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے پیدا شدہ پانی اندرونی بیرونی بیماریوں کی شفاء تھی ارکض برجلک۔ حضرت مریم کے ہاتھ کی برکت سے خشک ڈنڈا ہرا ہوا اس میں پھل لگے وہ پھل دردزہ کے لئے مفید تھا وھزی الیک بجذع النخلۃ الخ حضرت خضر علیہ السلام جہاں رہتے ہیں وہاں کے پانی سے مردہ مچھلی زندہ ہو گئی واتخذ سبیلہ فی البحر سربا۔ چودھواں فائدہ یقین ایمان کے بہت درجے ہیں علم الیقین 'عین الیقین' حق الیقین ان درجات کے مختلف اثرات ہیں ان میں ترقی کرنے کی کوشش کرنا بزرگوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ وتطمئن قلوبنا اور نعلم ان قد صدقتنا سے حاصل ہوا۔ پندرھواں فائدہ: گواہی سن کر بھی ہوتی ہے دیکھ کر بھی مگر سنی گواہی سے عینی اور مشاہدہ کی گواہی اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ ونکون علیہا من الشاھدین سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔

پہلا اعتراض: عیسیٰ علیہ السلام کے حواری نبی نہ تھے پھر ان پر وحی کیوں آئی وحی تو صرف حضرات انبیاء کرام پر آتی ہے۔
نوٹ: بعض لوگوں نے حواریوں کو نبی مانا ہے اور اس ہی لفظ اوحیت سے دھوکا کھایا ہے یہ اعتراض ان ہی کا ہے (تفسیر کبیر)

www.alahazratnetwork.org

جواب: ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ وحی کے لغوی معنی الہام یا دل میں ڈالنا یا حکم کرنا ہے۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ شرعی وحی مراد نہیں یہ لفظ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ بلکہ شہد کی مکھیوں کے لئے بھی قرآن مجید میں ارشاد ہوا ہے حق یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سے پہلے بیک وقت بہت سے نبی ہوتے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون، ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ حضرت لوط اور سلیمان علیہ السلام کے ساتھ ایک ہزار نبی ہوئے مگر عیسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ کوئی نبی نہیں کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے خاتم الانبیاء ہیں خاتم وہ جو سب کے بعد ہو اس کے ساتھ یا اس کے بعد کوئی نبی نہ ہو۔ دیکھو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں تو نہ آپ کے زمانہ میں کوئی نبی تھا نہ بعد میں حضرت خضر، الیاس علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے۔ مگر ان کی نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے منسوخ ہو گئی تھی اور وہ امتی ہو کر رہے عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت آئیں گے مگر امتی ہو کر نہ کہ نبی ہو کر۔ **دوسرا اعتراض:** حواری تو ایمان لا چکے تھے پھر انہیں اللہ رسول پر ایمان لانے کا حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حکم ان کے حواری بننے مومن بننے سے پہلے کا ہے۔ چونکہ وہ حضرات آگے چل کر مومن و حواری بننے والے تھے لہذا انہیں حواری فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ **امنوا** سے مراد ہے ایمان پر قائم ہو۔ تیسرے یہ کہ یہاں ایمان سے مراد شہودی ایمان ہے جو سمعی ایمان سے افضل ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** پیغمبر کو نام لیکر پکارنا بے ادبی ہے اور نبی کی بے ادبی کفر ہے تو حواریوں نے یا عیسیٰ ابن مریم کیوں کہا کیا وہ مسلمان رہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ ادب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے گزشتہ انبیاء کرام کو ان کی قومیں نام سے پکارتی تھیں ان کے عرف میں نام سے پکارنا بے ادبی نہ تھا۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح سندھیاں را اصطلاح سندھ مدح

دوسرے یہ کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب حواری نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ابھی ان کو نبی کے آداب معلوم نہ تھے احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ بعض بدوی نو مسلم ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے تھے یا محمد کہ وہ ناواقف تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) تیسرے یہ کہ ان کا یہ پکارنا انتہائی ناز کے طور پر تھا نہ کہ بے ادبی کے لئے ناز کے آداب نیاز کے آداب سے جداگانہ ہوتے ہیں۔ جیسے ہم اللہ تعالیٰ کو کہہ دیتے ہیں تو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے ہیں میرے آقا تیرے قربان اس تو اور تیرے میں جو رنگ آتا ہے وہ آپ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہنے میں نہیں آتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان و رواناں دیگر اند

غرضیکہ انسان کے حالات مختلف ہوتے ہیں۔ شوق، ذوق، خوف، ناز، نیاز، بے خودی اور نارمل حال۔ اس نارمل حال میں ادب احترام وغیرہ سب لازم ہوتے دیگر حالات میں بعض وقت معافی ہو گی ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں سورہ کافرون کے ہر جگہ لا چھوڑ دیئے مگر ان پر حکم کفر نہ دیا گیا یہ حواری اس وقت شوق و ذوق کے نشے بیخودی میں تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حواریوں کو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں شک تھا کہ وہ پوچھ رہے ہیں **ھل یستطیع ربک** کیا تمہارا رب یہ کر سکتا ہے اور اس کی قدرت میں شک کرنا کفر ہے۔ **جواب:** اس کی قدرت میں شک نہ تھا بلکہ اپنی اس عرض کی قبولیت میں شک تھا کہ نہ معلوم ہماری یہ دعا قابل قبول ہے یا نہیں اور دسترخوان کا اتارنا حکمت الٰہی کے موافق ہے یا نہیں گویا اس کے معنی یہ ہوئے کہ کیا ایسا ہو سکے گا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعاء استخارہ میں یہ الفاظ تعلیم فرمائے **اللھم ان**

www.alahazratnetwork.org

کنت تعلم ان هذا الامر خیر لی فی دینی و معاشی۔ خدایا اگر تو جانتا ہو کہ یہ کام میرے لئے بہتر ہے تو کر دے۔ یہاں بھی خدا کے علم کے ہونے میں شک نہیں بلکہ اس کام کے خیر ہونے میں شک ہے۔ جیسے ایک فقیر کسی امیر کبیر سے کہے کہ کیا آپ دس روپیہ سے میری مدد کریں گے اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ فقیر کو دولت مندی کی دولت میں شک ہے۔ مطلب یہی ہے کہ اسے دس روپیہ ملنے میں شک ہے امیر کے پاس ہونا اور چیز ہے اور فقیر کو اس میں سے ملنا کچھ اور۔

پانچواں اعتراض: حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی تک حواریوں کو عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت پر یقین نہ تھا۔ نبی پر یقین کئے بغیر وہ مومن کیسے ہوئے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں علم سے مراد ظہور کا علم ہے یعنی ہم آپ کی سچائی آنکھوں سے دیکھ لیں اور سچائی سے مراد اس خبر میں سچائی ہے کہ حواری حضرات مقبول بارگاہ الٰہی ہیں ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت تو ان کے بہت سے معجزات وہ لوگ آنکھوں سے دیکھ چکے تھے یہ ایسا ہی ہے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیعلم اللہ** تاکہ اللہ تعالیٰ جان لے بہرحال آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں جن میں سے ایک اعلیٰ نعمت اچھے ساتھی ہیں ساتھی تین قسم کے ہیں شیطانی ساتھی نفسانی ساتھی رحمانی و ربانی ساتھی جو انسان کو اچھائی سے روک کر برائی پر لگا دیں۔ وہ شیطانی ساتھی ہیں جو فقط مالی و جسمانی ساتھ دیں وہ نفسانی ساتھی ہیں مگر جو انسان کو برائی سے روک کر اچھائی پر لگا دیں یا اچھائیوں میں تعاون و مدد کریں وہ رحمانی ساتھی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا ایک بڑا فضل یہ ہوا کہ انہیں ساتھی اچھے دیئے حواری ان حواریوں پر اللہ کا یہ کرم تھا کہ ان کی ایسی ضد رب نے پوری فرمائی جو دنیا میں بہت مشکل تھی یعنی آسمانی دسترخوان کا اترنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کا یہ انعام بھی ہے کہ آپ کو حضرت صدیق و فاروق جیسے ساتھی عائشہ صدیقہ خدیجۃ الکبریٰ جیسی بیویاں فاطمہ حسن حسین جیسی اولاد عطا فرمائی یہاں اس نعمت کا ذکر ہے **واذ اوحیت الی الحواریین** الخ صوفیاء فرماتے ہیں کہ علم چند قسم کے ہیں علم شریعت جسے علم ابدان کہتے ہیں۔ علم طریقت جسے علم قلوب کہا جاتا ہے۔ علم حقیقت المعارف جسے علم ارواح کہہ سکتے ہیں علم شریعت تو سورج کی روشنی یا ہوا کی طرح عام ہے ہر مومن کو بقدر ضرورت حاصل کرنا ضروری ہے مگر علم طریقت اور علم حقیقت المعارف خاص نعمت ہیں جو صرف اس کے اہل کو عطا ہوتا ہے جیسے دنیا میں سلطنت وغیرہ ان لوگوں نے اہلیت سے پہلے ہی علوم حقیقیہ کا مطالبہ کیا جو علم ارواح ہے اپنی طاقت سے بالاتر چیز کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ اگر تم بہ ایمان کامل مومن ہو چکے ہو تو اب تقویٰ و طہارت حاصل کرو تاکہ اس تقویٰ و طہارت کی وجہ سے تم ان علوم کے اہل اور ان معارف کے قابل ہو سکو دل کو نقش دنیا سے دھو کر صاف کر لو تاکہ اس تختی پر یار کے نقوش جلوہ گر ہوں مسجد کا داخلہ غسل بدن کے بعد چاہئے اور مسجد قرب میں داخلہ دل کے غسل کے بعد ہو سکتا ہے (از روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن تین قسم کے ہیں بعض وہ جو نبی کو معجزات سے مانیں۔ بعض وہ جو نبی سے معجزات کو جانیں بعض وہ جو نبی کو خود نبی سے ہی جانیں مانیں یعنی نبی ہی دعویٰ ہوں نبی ہی دلیل آفتاب آمد دلیل آفتاب یہ مومن کی آخری منزل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکثر صحابہ اسی درجہ کے مومن تھے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا مانا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگا یہ حواری پہلی منزل میں تھے کہ کہہ رہے ہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ ہم کو آپ دستر خوان منگا کر دکھائیں تاکہ ہم آپ کے گواہ ہو جاویں۔

قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ

عرض کیا عیسیٰ ابن مریم نے اے اللہ اے پالنے والے ہمارے اتار تو اوپر ہمارے دستر خوان آسمان سے ہو جاوے

عیسیٰ ابن مریم نے عرض کیا اے اللہ اے رب ہمارے ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار کہ وہ ہمارے لئے عید

لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾

وہ واسطے ہمارے عید واسطے اگلوں کے ہمارے اور واسطے پچھلوں کے اور نشانی تیری طرف سے اور روزی

ہو ہمارے اگلوں پچھلوں کی اور تیری طرف سے نشانی اور ہمیں رزق دے اور تو سب سے بہتر

قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ

دے ہم کو تو تمام روزی والوں کے اچھا روزی دینے والا ہے فرمایا اللہ نے تحقیق میں اتارنے والا ہوں اسے اوپر تمہارے

روزی دینے والا ہے اللہ نے فرمایا کہ میں اسے تم پر اتارتا ہوں پھر اب جو تم میں کفر کرے گا تو بیشک میں اسے وہ عذاب

عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

پھر جو کفر کرے گا اس کے بعد تم میں سے تو میں سزا دوں گا اس کو وہ سزا جو نہ سزا دوں گا کسی کو جہانوں میں سے

دوں گا کہ سارے جہان میں کسی پر نہ کروں گا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے غیبی دستر خوان اترنے کی درخواست کی تھی اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں اس کی درخواست کی گویا امت کا نبی سے عرض و معروض کرنا پہلے مذکور ہوا اور نبی کا رب تعالیٰ سے عرض کرنا اب مذکور ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کو دستر خوان کے مطالبہ سے روکا اب ارشاد ہے کہ آپ نے ان کی گذارشات سن کر قبول فرمالیں گویا تردید کا ذکر پہلے تھا قبولیت کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں حواریوں کی عرض و معروض کا ذکر تھا اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عرض اور رب تعالیٰ کی قبولیت کا تذکرہ ہے چونکہ حضرت مسیح نے ہم سے یہ دعا کی اس لئے ہم نے اسے منظور فرمالیا۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں نزول دستر خوان کے وہ فوائد ذکر ہوئے جو حواریوں نے عرض کئے اس سے کھا کر دلوں کا اطمینان۔ آپ کی سچائی آنکھوں دیکھنا وغیرہ اب اس نزول مائدہ کے وہ فوائد بیان ہو رہے ہیں جو عیسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کئے اس کے نزول کے دن کا سب کے لئے عید بن جانا رب کی نشانی عالم میں ظاہر ہو جانا وغیرہ۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **قال عیسی ابن مریم** ۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہے اور یہ مستقبل نہ
یہ جملہ کسی پوشیدہ شرط کی جزاء ہو سکتی ہے [illegible] حضرت عیسیٰ علیہ السلام [illegible] معلوم فرمایا تو عرض کیا قال
کے معنی ہیں کہا۔ عرض کیا اگر برابر والے سے کلام ہو [illegible] عرض
معروض ہے تو معنی عرض کیا یہاں تیسرے معنی میں ہے کہ رب تعالیٰ سے عرض ہے۔ قال فرما کر بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ
السلام سے حواریوں نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اس کی جناب تک [illegible] ان سے کہا وہ کہتے ہیں
کہ میری تجھ سے تیری رب سے اس کلام کی آیت ہے نیز جناب مسیح نے [illegible] فرمایا کہ تم نے مجھ سے جو کچھ کہا وہ میں نے تم
سے جو کچھ کہا رب نے سن لیا بلکہ وہ ہماری حاجات جانتا [illegible] بلکہ فوراً دعا کی کیونکہ عبدیت کا اظہار
مانگنے سے ہی ہوتا ہے۔ جناب خلیل نے آگ میں جاتے وقت دعا نہ کی کیونکہ وہ امتحان تھا اس وقت [illegible] کرنا ضروری تھا
نیز صرف دل سے ہی دعا نہ کی بلکہ زبان سے یہ الفاظ ادا کئے دیگر ذکر اذکار کی طرح دعا بھی ایک عبادت ہے زبان سے مانگی جاوے
جب کوئی شخص کسی سے دعا کرائے تو وہ رد نہ کرے فوراً دعا کردے کہ زبان اور الفاظ کی تاثیریں جداگانہ ہیں پھر آپ نے یہ نہ کہا
کہ خدایا اگر تو چاہے تو دسترخوان اتار دے بلکہ جزم سے کہا کہ اتار ہی دے کہ دعا کا طریقہ یہی ہے یہ نہ کہے کہ مولیٰ اگر تو چاہے تو
دیدے کہ اس میں بے رغبتی ظاہر ہوتی ہے۔ غرضیکہ **قال** میں بڑی حکمتیں ہیں۔ رب تعالیٰ نے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام
کا نام لیا ضمیر پر کفایت نہ فرمائی تاکہ صراحۃً معلوم ہو کہ رب تعالیٰ سے عرض کرنے والے صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں
اس دعا میں کوئی حواری شامل نہیں حواریوں نے تو ان جناب سے ہی عرض کیا تھا **اللھم ربنا انزل علینا مائدۃ من
السماء** یہ عبارت **قال** کا مقولہ ہے جس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کے الفاظ رب نے نقل فرمائے **اللھم** کی تحقیق
تیسرے پارے میں **قل اللھم مالک الملک** کی تفسیر میں عرض کی گئی کہ یہ اصل میں یا اللہ تھا یا دور کرکے اس کے عوض
مشدد میم آخر میں لگا دی گئی معنی وہی رہے یہ ندا کے لئے میم صرف لفظ اللہ میں ہی آتی ہے اس میم میں اللہ تعالیٰ کے ان تمام
ناموں کی طرف اشارہ ہو جاتا ہے جن کے اول میں میم ہے جیسے منان، ملک، مقتدر وغیرہ جس نے **اللھم** کہا گویا اس نے اللہ
تعالیٰ کو اس کے ستر میم والے ناموں سے پکارا اسی لئے دعا میں اکثر **اللھم** کہا جاتا ہے۔ اگرچہ عبرانی زبان میں اللہ کو الوہیم ایل
ہے مگر آپ نے اللہ کو عربی نام سے پکارا تاکہ یہ دعا زیادہ قبول ہو کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کو اسی نام سے پکارا کریں گے
ربنا میں دوسری نداء چونکہ آپ کو اس دعا کی قبولیت کا بہت شوق تھا اس لئے رب تعالیٰ کو اس کے ذاتی و صفاتی دونوں ناموں
سے دوبارہ پکارا **انزل** فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ چاہتے ہیں فوراً بغیر تاخیر بھی دسترخوان اترے اگرچہ دسترخوان حواریوں
نے مانگا تھا مگر آپ نے علیھم نہ فرمایا بلکہ اپنے کو بھی ان میں شامل کرنے کے لئے **علینا** فرمایا کہ نبی کی شرکت سے دعا بہت جلد
قبول ہو یا اس معجزے کا فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی ہوگا یعنی ظہور معجزہ اور تبلیغ اور حواریوں وغیرہ کو بھی یعنی ان کے
دلوں کو سکون و اطمینان وغیرہ اس لئے **علینا** فرمایا **مائدہ** سے مراد نعمتوں سے بھرا ہوا دسترخوان ہے صرف خالی دسترخوان
نہیں۔ مائدہ، خوان، سفرہ وغیرہ کا فرق ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا **من السماء** یا **انزل** کے متعلق ہے یا کسی
پوشیدہ لفظ کے متعلق ہو کر مائدہ کی صفت سماء سے مراد آسمان ہی ہے نہ کہ کوئی اونچی جگہ خیال رہے کہ آپ نے **من
الجنۃ** نہ فرمایا۔ کیونکہ جنت میں پھل فروٹ میں گوشت، مچھلی، روٹیاں، گھی وغیرہ نہیں اس لئے وہاں سے یہ دسترخوان نہیں

www.alahazratnetwork.org

آسمانی مقصود ہے [illegible] تکون لنا عیدا لاولنا
وآخرنا اس عبارت میں دسترخوان سے [illegible] تکون [illegible] تکن ہوتا
بلکہ مائدہ کی صفت ہے تکون کا اسم پوشیدہ ہے [illegible] عید تکون کی
[illegible]
[illegible] غرضیکہ خوشی تین قسم کی ہوتی ہے وقتی خوشی دائمی خوشی یادگاری خوشی آخری قسم
یعنی یادگاری خوشی کو عید کہا جاتا ہے پھر خوشی منانے کی تین قسمیں ہیں حرام طریقے سے خوشی منانا [illegible] حلال طریقہ خوشی منانا
[illegible] خوشی منانا [illegible] کرکے شکر ادا کرکے یہاں آخری دو
قسمیں مراد ہیں اولنا سے مراد ہیں اس وقت کے موجودہ حواری اور آخرنا سے مراد ہیں بعد میں آنے والے عیسائی بعض
مفسرین نے اس عبارت کے کچھ اور معنی بھی کئے ہیں [illegible] اے میرے رب اس
دسترخوان کے [illegible] ہم [illegible] خوشیاں منایا کریں گے اور
تیری عبادات کیا کریں گے [illegible] (خازن، معانی
روح وغیرہ) وآیۃ منک یہ عبارت [illegible] سے مراد آسمانی معجزہ ہے
ورنہ حضرت مسیح علیہ السلام کے زمینی معجزے تو بہت ظاہر ہو چکے تھے [illegible] یہ بھی دسترخوان تیری طرف سے میرا آسمانی معجزہ ہو گا
یہ معجزہ بھی اگلے پچھلوں کے لئے ہو گا [illegible] معجزے تین قسم کے
ہیں دائمی معجزہ جیسے حسن یوسف [illegible] زندہ کر دینا اور
کو اچھا کرنا [illegible] حضور صلی
اللہ علیہ وسلم کا [illegible] آخری قسم [illegible] والے معجزے تو ہمیں
دکھا رہا ہوں [illegible] فرما کر اشارۃً بتایا کہ
ان چند روٹیوں مچھلی کے چند ٹکڑوں کی آمد کی تاریخ کو عید منانا اس لئے ہے کہ وہ تیری قدرت کی نشانی ہے اور میرا معجزہ ورنہ
روٹی مچھلی تیری دی ہوئی دنیا میں بہت ہے۔ جس چیز کو بڑوں سے نسبت ہو جاوے وہ بڑی بن جاتی ہے حضرت اسمٰعیل علیہ
السلام کے فدیہ دنبہ کے متعلق فرمایا وفدینٰہ بذبح عظیم وارزقنا وانت خیر الرازقین یہ عبارت یا تو اسی دعا کی
تاکید ہے یا نئی دعا ہے رزق کے معنی روزی ہے خواہ جسمانی ہو یا روحانی یا ایمانی یہاں یا تو اس سے مراد وہی دسترخوان اور اس کی
نعمتیں ہیں تب تو یہ پہلی دعا کی تاکید ہے یا اس سے مراد شکر کی توفیق دینا اور روحانی روزی ہے تو یہ دوسری دعا ہے (معانی) اور ہو
سکتا ہے کہ یہاں رزق سے مراد وہ نورانیت ہو جو اس دسترخوان کی روٹیوں میں تھی یعنی خدایا ہم کو صرف روٹی ظاہری نہ دے
بلکہ اس کا نور اس کا سرور بھی عطا فرما جس سے ہمارے دل روشن آنکھیں ٹھنڈی ہو جاویں۔ رازق کے معنی ہیں رزق پیدا کرنے
والا بھی اور رزق دینے والا بھی اور رزق پہنچانے والا بھی یہاں دوسرے یا تیسرے معنی میں ہے اس لئے صیغہ جمع ارشاد ہوا
کیونکہ پہلے معنی سے رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے دوسرے دو معنی سے بندے بھی رازق ہیں یعنی رزق پہنچانے والے رزق مہیا کرنے
والے (تفسیر صاوی وغیرہ) اللہ تعالیٰ کے رزق دو قسم کے ہیں ایک وہ جو بلاواسطہ بندوں کو ملتے ہیں جیسے ہوا دھوپ آسمان کا سایہ

www.alahazratnetwork.org

زمین ' دوسرے وہ جو واسطے سے ملتے ہیں۔ جیسے کنوئیں کا پانی روٹی دوا وغیرہ پہلی قسم کا رازق ہر معنی سے رب ہی ہے مگر دوسری قسم کے رزق کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر روزی رساں بندے بھی ہیں اس لئے ہم وہ رزق بندوں سے خریدتے یا مانگتے ہیں۔ روحانی رزق بھی دو قسم کے ہیں فطری ایمان بلاواسطہ رزق ہے۔ شرعی ایمان ' عرفان ' قرآن عبادات واسطہ والے رزق ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام کے ذریعہ نصیب ہوتے ہیں یہ رزق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بلکہ اولیاء سے علماء سے مانگے جاسکتے ہیں جیسے دوا ' روٹی بندوں سے مانگنا شرک نہیں ایسے ہی ایمان عرفان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانگنا شرک نہیں اس دوسرے قسم کے رزق کے لحاظ سے رازقین جمع ارشاد ہوئی یعنی خدایا تو ہم کو خوان کے بعد اس کے شکریہ کی توفیق دے جو روحانی رزق ہے یا یہ خوان والا رزق ضرور ہی دے دے تو تمام رزق مہیا کرنیوالوں تمام اسباب رزق والوں سے بہتر رازق ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں حضرات انبیاء کرام کی دو قسم کی دعائیں منقول ہیں بعض وہ جو ہم نہیں مانگ سکتے ہیں جیسے **توفنی مسلما والحقنی بالصلحین** وغیرہ ان دونوں قسم کی دعائیں قرآن مجید میں نقل فرمانے کے مقصد بہت ہیں جن میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ ہم لوگوں کو دعا مانگنی آجاوے کہ نبیوں نے اس طرح دعائیں مانگی ہیں چنانچہ اس دعا میں مانگنے سے پہلے رب کی ذاتی و صفاتی ناموں سے پکارنا اس کی مہربانی حاصل کرنے کے لئے۔ اول آخر رب تعالیٰ کی حمد ہو نا بیچ میں اپنے مقصد کا اظہار جیسی دعا ہو ویسے ہی صفتی نام سے پکارنا۔ دعا صرف اپنے لئے نہ مانگنا بلکہ سب کے لئے مانگنا دعا کے ساتھ اپنے شکریہ کا ذکر کرنا کہ مولیٰ اگر ہمارا کام ہو گیا تو ہم بہت ہی شکر گزاری کریں گے وغیرہ وغیرہ یہ دعا مانگنے کے آداب ہیں یعنی اے مسلمانوں تم اگرچہ ایسی دعا نہ مانگو مگر اس طرح دعا مانگا کرو **قال اللہ انی منزلھا علیکم** اس عبارت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ جس میں بتایا گیا کہ رب تعالیٰ نے حضرت مسیح کی طلب سے زیادہ عطا کی چند وجہوں سے ایک یہ کہ جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کی دعا کے بعد فوراً دسترخوان اترنے کی خبر دیدی ان کا مانگنا تھا کہ قبولیت کی بشارت آگئی۔ دوسرے یہ کہ آپ نے صرف نزول مائدہ کی دعا کی تھی مگر رب کی طرف سے اس کی بشارت بھی دی گئی اور دسترخوان بھی عطا ہوا یعنی رب نے صرف خوان اتارا ہی نہیں بلکہ پہلے خبر دی پھر اتارا۔ تیسرے یہ کہ حضرت مسیح نے عرض کیا تھا انزل ایک بار اتار ارشاد ہوا **انی منزلھا** تم تو ایک بار خوان مانگتے ہو ہم مسلسل بہت روز تک اتارتے رہیں گے اس لئے حضرت مسیح نے باب افعال عرض کیا مگر جواب میں باب تفعیل ارشاد ہوا۔ (روح المعانی) **انی** فرما کر اشارۃ" بتایا گیا کہ خوان کوئی فرشتہ نہ لائے گا بلکہ جیسے خوان قدرتی ہو گا نہ دنیا کا نہ جنت کا ویسے ہی اس کا آنا بھی قدرتی ہو گا۔ **علیکم** میں خطاب حواریوں یا نبی اسرائیل سے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی معرفت کیا گیا اس خطاب میں حضرت مسیح علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ اگلے عتاب میں بھی آپ داخل نہیں ہیں **فمن یکفر بعد منکم** اس عبارت میں ان پر عتاب ہے جو خوان جیسی نعمت کی قدر نہ کریں **من** سے مراد نبی اسرائیل ہیں بعض نے فرمایا کہ اس میں حواری بھی داخل ہیں بعض نے فرمایا کہ حواری داخل نہیں **یکفر کفر** سے بنا بمعنی انکار یہاں انکار یا تو خوان کے معجزہ کا انکار مراد ہے یا اس خوان کے متعلق جو پابندیاں لازم کی جائیں گی ان کا توڑنا مراد ہے بعد کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے نزول دسترخوان یا دسترخوان یعنی خوان یا خوان کے نزول کے بعد جو تم نبی اسرائیل میں سے اس کا کفر کرے گا کہ اسے حضرت مسیح کا جادو کہے گا یا اس کی پابندیوں کو توڑے گا **فانی اعذبہ عذابا لا اعذبہ احدا من العلمین**۔ یہ جملہ **من یکفر** کی جزا ہے یہاں عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہے اور ہو سکتا ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

دنیاوی اور اخروی دونوں عذاب مراد ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ دوزخ میں سب سے زیادہ سخت عذاب تو ابلیس کو ہو گا۔ عالمین سے مراد تاقیامت جہان والے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس زمانہ کے جہان والے مراد ہیں مگر پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ سور بنا کر مارنا پھر انہیں اس طرح رسوا کرنا صرف انہی لوگوں کے لئے ہوا یعنی یہ خوان ہے تو تمہاری نعمت مگر جو اس نعمت کا شکر نہ کرے گا کفران کرے گا تو اس کے لئے یہ بجائے نعمت کے رحمت، نقمت ہو گا اسے وہ سزا دی جاوے گی کہ جو جن و انس میں کسی کو نہ دی جاوے۔

خلاصہء تفسیر: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے حواریوں کی نیت ان کا اخلاص ان کا ارادہ معلوم کر لیا تو بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کی اے ہمارے معبود اے ہمارے پالنے والے ہماری اس جماعت پر غیبی خوان نعمتوں سے بھرا ہوا اتار دے ہم اس نعمت کے دائمی شکر گزار ہوں گے کہ اس اترنے کے دن کو اگلے پچھلے عیسائیوں کی عید بنالیں گے کہ اس دن تیری عبادت کیا کریں گے نیز خوشیاں منایا کریں گے یہ خوان تیری قدرت، تیری رحمت میری نبوت میری محبوبیت کی دلیل ہو گا کہ موجودہ لوگ خوان دیکھ کر آئندہ لوگ یہ واقعہ سن کر تیری قدرت میری نبوت پر ایمان لائیں گے ہم کو ظاہری باطنی رزق دے تو تمام رزق رسانوں سے بہتر روزی رساں ہے یہ دعا مانگتے ہی رب تعالیٰ نے فوراً بشارت دی کہ اے عیسیٰ تمہاری دعا مع اضافہ کے قبول ہے تم نے صرف ایک بار خوان کا نزول مانگا ہم لگاتار بہت روز تک نازل فرماتے رہیں گے مگر خیال رکھنا کہ یہ معجزہ دیکھنے کے لئے جو اسرائیلی اس کا انکار یا اس کی ناشکری کرے گا اسے دنیا میں ایسی سخت سزا دیں گے جو کسی اور کو نہ دیں گے یہ خوان ماننے والوں کے لئے رحمت ہے۔ منکرین کے لئے زحمت۔

نزول دسترخوان کا واقعہ

حضرت سلمان فارسی و عبد اللہ ابن عباس و جمہور مفسرین کا قول یہ ہے کہ جب حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ہر طرح کا اطمینان دلایا کہ ہم یہ خوان محض شوق یا تفریح کے لئے نہیں مانگتے بلکہ اس میں ہمارے دینی مقاصد ہیں تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ٹاٹ کا لباس پہنا اور رو رو کر وہ دعا کی جو یہاں مذکور ہے چنانچہ سرخ رنگ کا دسترخوان بادلوں میں ڈھکا ہوا آیا یہ تمام لوگ اسے اترتے ہوئے دیکھ رہے تھے یہ دسترخوان مع بادلوں کے آہستہ آہستہ نیچے اترا یہاں تک کہ لوگوں کے درمیان رکھ گیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس دسترخوان کو دیکھ کر بہت روئے اور دعا کی مولیٰ مجھے شاکرین سے بنا الٰہی اسے ان حواریوں کے لئے رحمت بنا عذاب نہ بنا۔ حواریوں نے اس سے ایسی خوشبو محسوس کی جو اس سے پہلے کبھی نہ کی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حواری سجدہ شکر میں گر گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اسے کون کھولے گا یہ خوان سرخ غلاف سے ڈھکا ہوا تھا تمام نے عرض کیا حضور آپ ہی کھولیں چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دوبارہ تازہ وضو کیا نوافل پڑھے دیر تک دعائیں مانگیں پھر دسترخوان سے غلاف ہٹایا اس میں حسب ذیل چیزیں تھیں۔ سات مچھلیاں' سات روٹیاں' ان مچھلیوں پر سفنے نہ تھے اندر کانٹا نہ تھا اس سے روغن ٹپک رہا تھا ان کے سروں کے آگے سرکہ دم کی طرف نمک آس پاس سبزیاں بعض روایات میں ہے کہ پانچ روٹیاں تھیں ایک روٹی پر زیتون' دوسرے پر شہد' تیسری پر گھی' چوتھی پر پنیر' پانچویں پر بھنا گوشت شمعون حواری نے پوچھا کہ اے روح اللہ یہ کھانا جنت کا ہے یا زمین کا فرمایا نہ زمین کا نہ جنت کا یہ محض قدرتی ہے۔ چنانچہ اولاً "بیمار فقر فاقہ

www.alahazratnetwork.org

مست، برص و جذام والے لولے لنگڑے بلائے گئے آپ نے فرمایا بسم اللہ کر کے کھاؤ تمہارے لئے مبارک ہے منکرین کے لئے بلا پھر دوسرے لوگوں سے یہی فرمایا چنانچہ پہلے دن سات ہزار تین سو آدمیوں نے کھایا پھر وہ خوان اٹھا لوگ دیکھتے رہے اڑتا ہوا ان کی نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ تمام بیمار مصیبت زدہ اچھے تندرست ہو گئے فقراء غنی ہو گئے پھر یہ خوان چالیس دن تک مسلسل یا ایک دن کے ایک دن آتا رہا لوگ کھاتے رہے پھر حضرت روح اللہ پر وحی آئی کہ اب اس سے صرف فقراء کھائیں کوئی غنی نہ کھائے جب یہ اعلان ہوا تو اغنیاء ناراض ہو گئے اور بولے کہ یہ محض جادو ہے یہ منکرین (لوگ) تین سو تیس آدمی تھے یہ لوگ شب کو اپنے بال بچوں میں بخیریت سوئے مگر صبح کو اٹھے تو سور تھے راستوں میں بھاگتے پھرتے تھے گندگی پاخانہ کھاتے تھے جب لوگوں نے ان کا حال یہ دیکھا تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس بھاگے آئے بہت روئے یہ سور بھی آپ کے گرد جمع ہو گئے روتے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام انہیں نام بنام پکارتے تھے یہ جواب میں سر ہلاتے تھے مگر کچھ کہہ نہ سکتے تھے تین دن نہایت ذلت و خواری سے جیئے چوتھے دن ہلاک ہو گئے ان میں کوئی عورت یا بچہ نہ تھا سب مرد تھے۔ جتنی قومیں دنیا میں مسخ کی گئیں وہ ہلاک کر دی گئیں ان کی نسل نہ چلی یہ قانون قدرت ہے (تفسیر خازن 'روح المعانی' مدارک 'کبیر وغیرہ) ترمذی شریف کی حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان لوگوں کو تاکید کی گئی تھی کہ اس خوان میں سے کل کے لئے بچا کر چھپا کر نہ رکھیں بعض لوگوں نے کل کے لئے بچایا وہ سور بنا دیئے گئے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں سخت عذاب 'دسترخوان والے عیسائیوں فرعونی لوگوں اور منافقوں کو ہو گا (روح المعانی) بعض لوگوں نے کہا کہ یہ دسترخوان نہیں اترا کیونکہ حواریوں نے وعید سن کر اس دعا سے توبہ کر لی مگر یہ بہت ہی ضعیف ہے احادیث شریفہ بلکہ خود اس آیت کے خلاف ہے یہاں یہاں ارشاد ہوا انی منزلها علیکم۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دعا کے وقت اللہ تعالیٰ کو پکارنا صرف اللھم کہنا یا ساتھ میں ربنا بھی کہنا سنت انبیاء ہے یہ پکارنا رحمت چاہنے اپنی عاجزی کے اظہار کے لئے ہوتا ہے یہ فائدہ اللھم ربنا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** بندہ جیسی دعا مانگے رب تعالیٰ کو ویسے ہی نام سے پکارے بیمار کہے یا شافی الامراض 'گنہگار کہے یا ستار یا غفار کافر قوم پر بددعا کرنی ہو تو کہے یا قہار یا جبار یہ فائدہ ربنا سے حاصل ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے روزی مانگی تو اسے ربنا کہہ کر پکارا کہ پالنے والا روزی دیتا ہے۔ **خیال رہے:** کہ اللہ اسم ذات ہے ہر دعا میں یہ نام پکارے باقی اسماء صفاتی ہیں وہ حسب موقعہ لئے جاویں اس لئے آپ نے اللھم کے ساتھ ربنا بھی عرض کیا۔ **تیسرا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ دعا میں جمع کے صیغے عرض کئے جاویں یہ فائدہ **انزل علینا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مقبول بندوں کی دعائیں قبول ہوتی ہیں تو انہیں پہلے سے مطلع کر دیا جاتا ہے اس میں ان کی عزت افزائی ہوتی ہے ہماری دعائیں اگر قبول بھی ہوں تو ہم کو اطلاع نہیں دی جاتی یہ فائدہ **انی منزلها** سے حاصل ہوا۔ زکریا علیہ السلام نے فرزند کی دعا مانگی تو فوراً اطلاع دیدی گئی کہ تمہارے صالح نبی بیٹا پیدا ہو گا پھر آپ نے یہ بھی پوچھا کہ کیسے ہو گا میں بوڑھا بیوی بانجھ ہے اس کا جواب بھی دیا گیا۔ پھر بیوی کے حمل کی نشانی پوچھی وہ بھی بتا دی گئی یہ سب باتیں محبوبانہ ادائیں ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبدیلی قبلہ کی دعا نہ مانگی۔ صرف شوق میں آسمان کو دیکھا تو یہ ادا بیان فرما کر تبدیلی قبلہ کر دی گئی یوں ہی اگر مقبول بندے کی کوئی دعا قبول نہ ہو تو ان کو بھی اطلاع دے دی جاتی ہے بلکہ

انہیں اس دعا سے روک دیا جاتا ہے تاکہ ان کی زبان خالی نہ جاوے وحی سے یا الہام کے ذریعہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم لوط کے بارے میں دعا کرنی چاہی تو فرما دیا گیا یا **ابراھیم اعرض عن ھذا**۔ پانچواں فائدہ: کبھی رب تعالیٰ اپنے مقبولوں کی دعا سے زیادہ عطا فرماتا ہے یہ فائدہ **انی منزلھا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار خوان کے نزول کی دعا کی تھی۔ مگر چالیس روز تک نزول ہوتا رہا یہ ہے طلب سے زیادہ عطا۔ چھٹا فائدہ: جس دن یا جس تاریخ میں اللہ تعالیٰ کی کوئی خاص نعمت بندوں کو ملی ہو اس دن یا اس تاریخ کو عید بنانا ہمیشہ اس دن یا اس تاریخ کو عبادات کرنا خوشیاں منانا سنت انبیاء ہے۔ یہ فائدہ **تکون لنا عیدا لاولنا واخرنا** سے حاصل ہوا دیکھو خوان تو آیا ایک بار مگر جناب عیسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ کے لئے اس دن کو عید قرار دیا۔ قرآن مجید ایک بار ماہ رمضان میں اترا ایک بار شب قدر میں قرآن کریم آیا مگر تاقیامت یہ ماہ یہ رات تاریخی بن گئی کہ اس میں عبادات کئے جاتے ہیں لہٰذا عید میلاد یا عید معراج منانا سنت سے ثابت ہے۔ ساتواں فائدہ: جو کسی کو رزق پہنچائے اس کا رزق مہیا کرے اسے رازق کہنا جائز ہے رزاق اسماء الٰہیہ سے ہے یہ فائدہ **خیر الرازقین** سے حاصل ہوا یوں ہی خالق بمعنی پیدا فرمانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر خالق بمعنی شکل بنانے والا بندے بھی ہیں اس لئے قرآن کریم میں ارشاد ہوا **فتبارک اللہ احسن الخالقین** یہ ہے عربی کی اصطلاح اردو میں کسی بندے کو رازق یا خالق ہرگز نہ کہا جاوے کہ اردو میں یہ لفظ صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہی آتا ہے۔ جیسے لفظ رب قرآن مجید میں بمعنی مربی بھی آیا ہے اور بندوں کو رب کہا گیا ہے **ارجع الی ربک** مگر اردو میں لفظ رب صرف خدا تعالیٰ ہی کو کہا جاوے گا۔ جیسی اصطلاح ویسا استعمال دیکھو لفظ مہتر لکھنؤ میں بھنگی کو کہتے ہیں مگر چترال و قلات میں بادشاہ یا سلطان کو کہا جاتا ہے آٹھواں فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خاندان بہت ہی اعلیٰ ہے اس پر رب تعالیٰ کا بڑا کرم ہے دیکھو آپ کی والدہ جناب مریم کے لئے دنیا میں جنتی میوے آئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجد عندھا رزقا** اور آپ کی برکت سے لوگوں کے لئے غیب سے آسمانی خوان اترا والدہ کی کرامت آپ کا معجزہ ہم شکل ہیں۔ نواں فائدہ: حضرت انبیاء کے معجزے مومنوں کے لئے رحمت ہوتے ہیں کفار و سرکش قسم کے لئے عذاب کا باعث دیکھو یہ نبی خوان جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا وہ مومنوں کے لئے رحمت ہوا اور منکرین کے لئے سخت عذاب کا باعث بنا کہ ان پر بے مثال عذاب آیا۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں سے کبھی براہ راست بغیر واسطہ فرشتہ بھی کلام فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **قال اللہ انی منزلھا** سے حاصل ہوا اگر یہ کلام بذریعہ فرشتے کے ہوتا تو فرشتے کا ذکر ہوتا جیسے ذکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا **فنادتہ الملئکۃ وھو قائم** الخ اگر خواب میں کلام ہوتا تو خواب کا ذکر ہوتا جیسے حضرت ابراہیم نے فرمایا **انی اری فی المنام** اگر صرف دل میں القا ہوتا تو اس کے لئے الفاظ دوسرے ہوتے جیسے **واوحینا الی ام موسیٰ** الخ لہٰذا رب نے بلاواسطہ جناب مسیح کی بیداری میں وہ کلام کیا جو کان نے سنا مگر یہ کلام مفصل نہ تھا کان کی آواز تھی اس لئے آپ کا لقب کلیم اللہ نہیں۔

پہلا اعتراض: حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے خوان کے اترنے کے دن کو اگلوں پچھلوں کے لئے عید کیوں قرار دیا۔ جسے نعمت ملے وہی اس کی خوشی کرے بعد والے کیوں کریں۔ جواب: خوان کا اترنا سارے اگلے پچھلے عیسائیوں کے لئے نعمت تھا کہ یہ ان کے نبی کا آسمانی معجزہ تھا نبی پر کرم ساری امت پر مہربانی ہوتی ہے اور نعمت کی خوشی منانا اس نعمت کا شکریہ ہے شکریہ سے رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ راضی ہوتا ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج صرف صحابہ کے لئے نعمت نہیں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کے لئے نعمت ہے سب ہی اس کی خوشی منائیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہ غیبی خوان جنتی خوان تھا مگر جنت میں گوشت، گھی، مچھلی وغیرہ نہیں وہاں تو پھل فروٹ وغیرہ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **فیھا فاکھۃ ونخل ورمان۔** پھر اس خوان میں یہ غذائیں کہاں سے آگئیں غذا بھوک دفع کرنے پیٹ بھرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ میوے لذت کے لئے جب جنت میں بھوک نہیں تو وہاں بھوک دفع کرنے کی غذائیں کیسی۔ **جواب:** یہ خوان جنت سے نہیں آیا بلکہ آسمان سے یا آسمان کی طرف یعنی فضا سے آیا تھا۔ اسی لئے یہاں **من السماء** فرمایا گیا **من الجنۃ** نہیں کہا گیا مچھلی روٹی وغیرہ امرالٰہی سے بنی امر سے ہی پختہ ہوئی۔ جیسے بنی اسرائیل پر من و سلویٰ جنت سے نہیں بلکہ آسمان کی طرف سے آتا تھا۔ اب بھی بارش، اولا، شبنم وغیرہ ہوا میں بن کر برستے ہیں اس کی قدرت کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ خیال رہے کہ جنت میں درخت گندم کا ہونا یقینی نہیں اولاً تو اس میں اختلاف ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جنت میں کیا چیز کھائی تھی بعض کہتے ہیں گندم بعض فرماتے ہیں انجیر بعض کوئی اور پھل اور اگر مان لیا جاوے کہ درخت گندم ہی وہاں تھا اور وہی آپ نے کھایا تو یہ اس وقت تھا حضرت آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے پھر نہ وہاں گندم رہا نہ ہوگا۔ جیسے شیطان پہلے جنت میں تھا مگر پھر وہاں رہا نہ رہے گا۔ جنت میں تبدیلی وغیرہ ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جنت کا بہت سا علاقہ خالی ہے۔ وہاں مسلمانوں کے نیک اعمال سے باغ لگائے جائیں گے یعنی ان کے اعمال درختوں کی شکل میں ہوں گے اور فرماتے ہیں کہ جو مسجد بنائے گا اس کے لئے اللہ تعالیٰ جنت میں ایک گھر بنائے گا **من بنی مسجدا للہ بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ۔** **تیسرا اعتراض:** غیبی خوان آنے سے سب نے اس معجزے کا انکار نہ کیا بعض نے کیا تو ان منکرین پر عذاب کیوں آیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار مکہ نے شق القمر وغیرہ کا مطالبہ کیا معجزات دکھانے پر بہت لوگ ایمان نہ لائے ان پر عذاب کیوں نہ آیا۔ **جواب:** یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ فرمالیا تھا **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا حالانکہ ان میں آپ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے غضب کے قوانین کا دورہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر رحم و کرم کے قوانین جاری ہو گئے رات میں اندھیرے کا دورہ ہوتا ہے سورج نکلتے ہی نوری قانون جاری ہو جاتے ہیں گرمی میں لو، دھوپ، تپش، پیاس کے قوانین کا رواج ہوتا ہے بارش ہوتے ہی ٹھنڈک، سکون، ہوا میں خنکی کا رواج ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج یا رحمت کا بادل ہیں یہی قیامت میں ہوگا کہ اولاً حضرات انبیاء کرام بھی کسی کی شفاعت نہ کریں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ ہوتے ہی بچے بھی شفاعت کرنے لگیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام انقلاب آور ہے گنہگاروں کو چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے توسل سے دعا کیا کریں کہ ان کے نام کی برکت سے غضب رحم میں، قہر مہر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

بخشی گئیں تقصیریں جب نام نبی آیا — لاچاری میں کام اپنے کی مدنی آیا

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دہل جائیگا

اوڑھ کر کالا کمبل وہ آ جائیں گے حشر کا سارا نقشہ بدل جائیگا

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: وہ غیبی دسترخوان آیا صرف عیسیٰ علیہ السلام اور حواریوں پر مگراس کے شکریہ میں عید منائی سب نے اس کی کیا وجہ ہے جنہوں نے اس میں سے کھایا تھا وہ ہی عید مناتے **انزل علینا** اور **تکون لنا عیدا الاولنا واخرنا** کے طرز بیان میں بڑا فرق ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** وجہ یہ ہے کہ اپنے پر احسان اور اپنے بزرگوں پر احسان اپنے بال بچوں' نوکر چاکروں پر احسان یہ سب خود اپنے پر ہی احسان ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج ہم سب مسلمانوں پر اللہ کا احسان ہے یوں ہی حضرت عیسیٰ عیسائیوں کے نبی اور حواری اولیاء تھے ان پر خوان آنا سب عیسائیوں پر اللہ کا احسان تھا۔ اس لئے سب ہی عید منائیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس غیبی دسترخوان کی چند روٹیوں اور مچھلی کے چند ٹکڑوں کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی کہ اس کے نزول کا دن عید قرار دیا گیا دنیا میں اس سے زیادہ مقدار میں کھانے پکتے رہتے ہیں۔ **جواب:** اس لئے کہ ان روٹیوں وغیرہ کی نسبت بہت قوی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیت اور جناب مسیح کا معجزہ تھے اس نسبت کی وجہ سے ان کی عظمت بڑھ گئی۔ صفا مروہ پہاڑ شعائر اللہ ہونے اور حضرت اسماعیل کا فدیہ ذبح عظیم ہوا کیوں نسبت کی وجہ سے۔

تفسیر صوفیانہ: حواریوں نے غیبی خوان کے متعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے مگر ان دونوں عرض و گذارش میں چند طرح فرق ہے ان حواریوں نے تردد و شک سے مطالبہ کیا آپ نے حق الیقین رکھتے ہوئے اس کی دعا کی کہ حواریوں نے کہا **هل یستطیع ربک** اور آپ نے عرض کیا **ربنا انزل علینا** دوسرے یہ کہ حواریوں نے کھانے کا ذکر پہلے کیا جو نفسانی کام ہے اور یقین وغیرہ کا ذکر بعد میں مگر جناب مسیح نے دینی مقصد کا ذکر پہلے کیا اور کھانے کا ذکر آخر میں کہ **وانت خیر الرازقین**۔ تیسرے یہ کہ حواریوں نے رزق سے رازق کو پہنچاننے کی کوشش کی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے رازق سے رزق کو کہ عرض کیا **انت خیر الرازقین** یعنی اس رزق کو ہم اس لئے چاہتے ہیں کہ وہ تیرا عطیہ ہے چوتھے یہ کہ حواریوں نے اپنا مقصد ہی عرض کیا۔ حضرت مسیح نے اول آخر حمد الٰہی کی بیچ میں اپنے مقصد کا ذکر فرمایا کہ **اللهم ربنا** پہلے کہا اور **انت خیر الرازقین** آخر میں فرمایا نفسانی و روحانی لوگوں میں فرق ہمیشہ ہی رہیں گے (تفسیر کبیر) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ شدہ قوموں کی شکلوں پر ان کے نفسانی صفات و عیوب ظاہر ہوئے جنہیں بندر کر دیا گیا ان کے نفوس میں بندر کے عیوب تھے جنہیں سور کیا گیا ان کے نفوس میں سور ہی کے عیوب تھے یوں ہی آخرت میں لوگ اپنی نفسانی اندرونی صفات پر اٹھیں گے سیاہ دل والے سیاہ رو ہوں گے چمکیلے دل والے نورانی شکل ہوں گے **یوم تبیض وجوه وتسود وجوه** مولانا فرماتے ہیں۔

ہر خیالے کو کندور دل وطن — روز محشر صورتے خواہد شدن!
زانکہ حشر حاسداں روزے گزند — بیگماں برصورتے گرگاں کند!
حشر برحرص و خس و مردار خوار — صورتے خوکے شود روز شمار!
زانیا نرا گندہ اندام نہاں — خمر خواراں راہمہ گندہ دہاں
سیرت کاندر وجودت غالبست — ہم براں تصویر حشرت واجب است

یعنی جو خیال دل میں وطن کے لئے وہ حشر میں ایک صورت اختیار کرے گا۔ چنانچہ حاسد لوگ بھیڑیے کی شکل میں حریص و حرام خور لوگ سور کی شکل میں زانی لوگ ننگے اور خراب بدن شرابی لوگ گندہ دہن ہو کر اٹھیں گے اللہ تعالیٰ نے اپنے چار بندوں کے لئے چار عیدیں مقرر فرمائیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عید بت شکنی کا دن کہ کفار اپنی عید منانے گئے تھے آپ نے یہاں اپنی عید منائی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عید جادوگروں سے مقابلہ کا دن رب فرماتا ہے **موعدکم یوم الزینۃ** فرعونیوں نے اپنی عید منانی چاہی مگر عید منائی موسیٰ علیہ السلام اور مومن مسافروں نے۔ تیسری عید عیسیٰ علیہ السلام کی جس کا ذکر یہاں ہے۔ چوتھی عید حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کی عید یہ عید تین ہیں دو عیدیں سال بھر کی یعنی فطر اور اضحیٰ ایک عید ہر ہفتہ کی یعنی جمعہ۔ مومن جنت میں یہ ہفتہ والی عید منایا کریں گے کہ ہفتہ میں ایک بار رب کا دیدار ہوا کرے گا اور انشاء اللہ خاتمہ ایمان پر نصیب ہو تو مومن کی موت بھی عید ہے مگر یہ عید یار کی دید کی عید ہے کہ قبر میں جاتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہوگا وہ حقیقی عید ہوگی اور دائمی لازوال عید زندگی میں ہم مدینہ جاتے ہیں مرنے کے بعد انشاء اللہ مدینہ ہماری قبر میں ہوگا۔ حضرت صحابہ کرام کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہر گھڑی ہر ساعت عید تھی۔

خوشا وہ وقت کہ دیدار عام تھا اس کا　　　خوشا وہ وقت کہ طیبہ مقام تھا اس کا

وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَاُمِّيَ

اور جب فرمائے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم کے کیا تم نے کہا تھا واسطے لوگوں کے کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو خدا

اور جب اللہ فرمائے گا اے مریم کے بیٹے عیسیٰ کیا تو نے لوگوں سے کہہ دیا تھا کہ مجھے اور میری ماں

اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ

اللہ کے سوا عرض کریں گے پاک ہے تو نہیں ممکن تھا واسطے میرے یہ کہ کہوں جو نہیں ہے میرا

کو دو خدا بنا لو اللہ کے سوا عرض کرے گا پاکی ہے تجھے مجھے روا نہیں کہ وہ بات کہوں جو مجھے نہیں

بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَاۤ اَعْلَمُ

حق اگر کہا ہو میں نے یہ تو بے شک جان لیا ہوگا تو نے جانتا ہے تو وہ جو میرے دل میں ہے اور نہیں

پہنچتی اگر میں نے ایسا کہا ہو تو ضرور تجھے معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں

مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۱۶﴾

جانتا ہوں میں جو تیری ذات میں ہے بے شک تو ہی جاننے والا ہے تمام چھپوں کا

جانتا جو تیرے علم میں ہے بیشک تو ہی ہے سب غیبوں کا جاننے والا۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان خصوصی نعمتوں کا ذکر تھا جو رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کے وسیلہ سے حواریوں کو عطا فرمائیں اب آپ کے دامن پاک سے ان دھبوں کو دھویا جارہا ہے جو عیسائیوں نے لگائے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہم کو اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم دیا نعوذ باللہ یعنی وجودی نعمت کے بعد سلبی نعمت کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ناشکروں کی سزا کا ذکر ہوا کہ جو عیسیٰ خوان کی ناشکری کرے گا اسے سخت سزا ملے گی اب حضرت عیسیٰ علیہ اسلام سے ناشکری کا الزام دفع فرمایا جارہا ہے کہ انہوں نے خوان آنے کے بعد لوگوں کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کے شکریہ میں رب کی عبادت کا حکم دیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان نعمتوں کا ذکر تھا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں عطا ہوئیں بغیر باپ پیدا ہونا۔ رب القدس سے ان کی تائید ہونا۔ بچپن میں کلام فرمانا وغیرہ وغیرہ اب اس خاص کرم کا ذکر ہے جو آخرت میں آپ پر ہوگا۔ یعنی آپ کی صفائی لوگوں پر ظاہر فرمانا۔

تفسیر: **واذ قال اللہ یعیسی ابن مریم** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اور یہ عبارت کسی پچھلی عبارت پر معطوف نہیں **اذ** ظرف ہے اس سے پہلے **اذکر** یا **اذکروا** فعل پوشیدہ ہے **اذکر** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور اگر **اذکروا** ہو تو سارے مسلمانوں سے یا سارے اہل کتاب سے یا سارے انسانوں سے خطاب ہے **قال** ماضی ہے بمعنی مستقبل اور یہاں اس سوال و جواب کا ذکر ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ فرمائیگا اور آپ جواباً کچھ عرض کریں گے اور یہ سوال و جواب تمام محشر والوں خصوصاً عیسائیوں کے سامنے ہوگا انہیں شرمندہ کرنے کے لئے یہ گفتگو عالم برزخ میں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھاتے وقت نہیں ہو چکی جیسا کہ بعض عقلمندوں نے سمجھا کیونکہ اگر یہ گفتگو ان وقتوں میں خفیہ طور پر ہو چکی ہو تو اس کا مقصدی فوت ہو گیا یعنی نصاریٰ کو شرمندہ کرنا نیز آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم** جس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سوال و جواب قیامت میں ہے (تفسیر کبیر) نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں کسی نے نہ تو آپ کو خدا کا بیٹا وغیرہ کہا نہ آپ کی والدہ کو خدا یا خدا کی بیوی کہا یہ ساری بدعقیدگیاں آپ کے آسمان پر جانے کے بعد پیدا ہوئیں پھر دنیا میں آپ سے یہ سوال کیونکہ ہو سکتا ہے بلکہ جب آپ دوبارہ زمین پر تشریف لائیں گے تب بھی آپ کو کوئی خدا نہ کہے گا سب ہی عبداللہ کہیں گے رب فرماتا ہے **وان من اھل الکتاب الا لیومنن بہ قبل موتہ** لہذا یہ سوال و جواب آخرت میں ہی ہوگا چونکہ یہ سوال و جواب یقیناً ہونے والا ہے اس لئے اسے ماضی سے فرمایا گیا جیسے **ونفخ فی الصور**۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اس وقت ابن مریم فرمانے میں عیسائیوں کی بھی تردید ہو گی جو انہیں ابن اللہ کہتے تھے اور یہود کو بھی جو ان کے نسب شریف پر طعن کرتے تھے اور بے دینوں کی بھی جو انہیں کسی باپ کا ریوسف نجار کا بیٹا مانتے تھے۔ **ء انت قلت للناس اتخذونی وامی الھین من دون اللہ** یہ عبارت **قال** کا مفعول یا مقولہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ سوال استفہام انکاری کے طور پر ہے یعنی تم نے یہ نہ کہا تھا اور اس سے مقصود ہے۔ عیسائیوں کو شرمندہ کرنا ورنہ رب تعالیٰ جانتا ہے کہ جناب مسیح یہ کہہ سکتے ہی نہ تھے الناس میں الف لام عہدی ہے جس سے صرف عیسائی انسان مراد ہے جنات نے حضرت مسیح کی الوہیت کا عقیدہ کبھی نہ رکھا۔ خیال رہے: کہ یہاں **وامی** فرمانے کی چند وجہیں ہیں ایک یہ کہ بعض عیسائیوں نے حضرت مریم کو بھی **الہ** یا معبود مانا ہے وہ کہتے ہیں الٰہ تین ہیں باپ بیٹا

www.alahazratnetwork.org

اور ہاں وہ روح القدس کو خدا نہیں مانتے۔ دوسرے یہ کہ جب عام عیسائیوں نے حضرت مسیح کو الٰہ مان لیا تو اس سے حضرت مریم کا الٰہ ہونا لازم آگیا کہ بیٹا ماں باپ کی جنس سے ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ عیسائی حضرت مریم کی تعظیم و توقیر الٰہ جیسی کرتے ہیں قرآن کریم نے عیسائیوں کے متعلق فرمایا کہ یہ اپنے پوپ پادریوں کو ارباب مانتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ان کے معجزات کا خالق مانتے ہیں اور حضرت مریم کو ان کے کرامات کا خالق مانتے ہیں۔ اور ظاہر یہ ہے کہ خالق الٰہ ہی ہوتا ہے ان وجوہ سے یہاں **وامی** فرمایا گیا (تفسیر خازن' کبیر وغیرہ) ورنہ عام عیسائی جناب مریم کو الٰہ نہیں مانتے۔ **دون** بہت معنی میں آتا ہے۔ دور' علیحدہ' مقابل' سوا' نہ کہ 'غیر' یہاں بمعنی سواء ہے کیونکہ کوئی عیسائی یہ نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ الٰہ نہیں صرف حضرت عیسیٰ و مریم الٰہ ہیں لہٰذا آیت بالکل صاف ہے یعنی اے مریم کے فرزند عیسیٰ کیا ان عیسائی انسانوں سے تم نے کہا تھا کہ اللہ کے سواء مجھے اور میری ماں کو بھی الٰہ مان لینا۔ **قال سبحنک ما یکون لی ان اقول ما لیس لی بحق۔** یہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ جواب ہے جو آپ رب تعالیٰ سے عرض کریں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ سوال ربانی سن کر ہیبت الٰہی سے کانپ اٹھیں گے۔ پانچ سو سال تک خاموش رہیں گے پھر یہ جواب عرض کریں گے (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہ)۔ **سبحانک** کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں **سبحانک لا علم لنا** آیت کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ شاہی دربار کا یہ ادب ہے کہ وہاں کچھ عرض کرنے سے پہلے سلطان کی تعریف کی جاوے بعد میں کچھ عرض کیا جاوے اسی لئے دعا مانگتے وقت پہلے حمد الٰہی بعد میں درود شریف کی تلاوت پھر اپنے گناہوں کا اقرار پھر عرض مدعا اس لئے آپ نے اولاً عرض کیا **سبحنک**۔ نیز اللہ کی حمد وہ کی جاوے جو اپنی عرض کے موافق ہو چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کے اولاد' بیوی' شریک سے پاک ہونے کا ذکر ہے لہٰذا **سبحنک** عرض کیا۔ اس کے معنی ہیں تو پاک ہے۔ یہاں پاکی سے مراد ہے شریک سے باپ بیٹا ہونے سے بیوی اختیار کرنے سے بلکہ نااہلوں کو نبی بنانے سے پاک ہونا ہے۔ جو لوگوں کو بجائے توحید و ایمان کے شرک کی دعوت دی تو مقصد یہ ہے کہ میرے مولیٰ ان بدنصیبوں کا یہ کچھ کہنا صرف مجھ پر اعتراض نہیں بلکہ تجھ پر بھی اعتراض ہے کہ تو نے نبوت کے لئے ایسے شخص کو منتخب کیا جس نے بجائے نبوت کے اپنی الوہیت کا اعلان کر دیا۔ یہ کلمہ اظہار تعجب' اظہار عظمت وغیرہ کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ خیال رہے: کہ **ما یکون لی** الخ پوشیدہ عبارت کی علت ہے وہ پوشیدہ عبارت ہی فرمان الٰہی کا جواب ہے میں نے یہ نہ کہا تھا کیونکہ مجھے یہ کہنے کا حق نہیں پہنچتا نہ دنیا میں مرتے وقت نہ آخرت میں **یکون** مضارع فرمانا ہمیشگی کے اظہار کے لئے ہے اس عبارت کے دو تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ مجھے مناسب نہیں کہ وہ بات کہوں جس کا میں مستحق نہیں ہوں جب میں نے اپنے کو صفی اللہ' کلیم اللہ' نجی اللہ نہ کہا تو میں اپنے کو الٰہ یا ابن اللہ کیسے کہہ سکتا ہوں میری زبان پر غیر موزوں لفظ کیسے آسکتا ہے دوسرے یہ کہ میرے لئے ممکن نہیں کہ میں وہ بات کہوں جو حق نہ ہو محض باطل ہو کیونکہ تو نے مجھے نبی بنایا ہے نبی کی زبان پر ناحق بات نہیں آسکتی جیسے آم کے درخت میں سنترہ نہیں لگ سکتا لہٰذا یہ جملہ نبی کی شان بیان فرما رہا ہے۔ یعنی اے میرے مولیٰ تو شریک سے اولاد سے نااہلوں کو نبی بنانے سے پاک ہے میں نے یہ ان سے نہ کہا کیونکہ یہ کہنے کا مجھے نہ کبھی استحقاق تھا نہ ہے **ان کنت قلتہ فقد علمتہ** یہ اپنی اس عرض و معروض کی نہایت قوی دلیل بیان فرمائی اگر مگر کبھی تو شک کے لئے بولا جاتا ہے جیسے اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا تو رب مجھے بخش دے گا۔ کبھی ترغیب کے لئے جیسے اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر کبھی عنایت و کرم چاہنے یا بیان استحقاق کے لئے یہاں آخری دو مقصدوں کے لئے استعمال ہوا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ میرے خلاف مجھ پر الزام

www.alahazratnetwork.org

لگانے والے تو لاکھوں یہ انسان ہیں ان کے مقابل میں اکیلا تجھ سے اپنی براءت ظاہر کر رہا ہوں تیرا علم میرے دعوے کی دلیل ہے یعنی مجھے یہ کہنے کی ہمت و جرات و استحقاق نہیں نہ میں نے یہ کہا اس کی دلیل خود تیرا اپنا علم ہے کہ تو علام الغیوب ہے اگر میں نے یہ کہا ہوتا تو تجھے ضرور اس کا علم ہوتا مگر مولیٰ تو تو جانتی ہے کہ میں نے یہ نہیں کہا سبحان اللہ کیسی پیاری دلیل ہے کہ خود تو اور تیرا علم میرے اس نہ کہنے کی دلیل ہے میرے مولیٰ تیرا علم میرا گواہ ہے۔ خود تو میری اور میری امت کا گواہ ہے۔ **تعلم ما فی نفسی ولا اعلم ما فی نفسک** یہ جملہ نیا ہے جو **فقد علمته** کی علت ہے **تعلم** سے دوام علم مراد ہے ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننا **ما** سے مراد علوم یا معلومات ہیں نفس کے گیارہ معنی ہیں۔ ذات روح دل خون ارادہ عین علم حقیقت و ماہیت غیب سر **نفس** معنی ذات رب تعالیٰ پر بولا جاتا ہے باقی دوسرے معانی سے اس ذات کریم پر نہیں بولا جاتا کہ وہ روح خون وغیرہ سے پاک ہے یہاں پہلے **نفس** سے ذات یا دل مراد ہے اور دوسرے **نفسک** سے صرف ذات یا علم مراد ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں **نفس** معنی ذات بہت جگہ رب تعالیٰ کے لئے ارشاد ہوا ہے **کتب ربکم علی نفسه الرحمة** اور **واصطنعتک لنفسی** اور **یحذرکم الله نفسه** وغیرہ مگر **فی نفسی** میں **فی** ظرفیہ ہے کہ انسان کے علوم اس کی ذات یا اس کے دل میں ہوتے ہیں اور **فی نفسک** میں **فی** ظرفیہ نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ اپنے علوم کا ظرف نہیں اس کا علم یا عین ذات ہے یا **لا عین ولا غیر** جیسا کہ منطق اور علم کلام جاننے والے پر ظاہر ہے صرف مشاکلت کی وجہ سے **فی** ارشاد ہوا اور **فی نفسک** سے اشارۃ" فرمایا گیا کہ اپنے جو علوم تو نے ہم پر ظاہر نہیں فرمائے وہ میں نہیں جانتا اور جو اپنے علوم مجھ پر ظاہر فرما دیئے وہ میں تیری عطا سے ضرور جانتا ہوں اس جملہ کی تفسیر وہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمائی کہ **تعلم ما اعلم ولا اعلم ما تعلم** کہ جو میں جانتا ہوں وہ تو جانتا ہے کہ تیرے بتانے سے تو میں نے جانا ہے مگر جو تو جانتا ہے وہ میں نہیں جانتا (تفسیر روح المعانی و خازن) **تعلم ما نفسی** الخ کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک کہ ہر قول و فعل کا ارادہ دل میں پیدا ہوتا ہے پھر اس کا خیال دماغ میں پھر اس کا قول یا عمل زبان یا اعضاء میں۔ مولیٰ تو جانتا ہے کہ میرے دل میں اس قول کا ارادہ ہی نہیں پیدا ہوا تو اس کا خیال یا قول کیسے ہو سکتا ہے جب کنوئیں میں ہی پانی نہ ہو تو گھڑے لوٹے اور گلاس میں کہاں سے آئے۔ دوسرے یہ کہ میرے مولیٰ تو نے اپنے بندوں کے دلوں میں مختلف تخم بوئے ہیں۔ کسی دل میں نبوت کا تخم ہے کسی میں ولایت کا کسی میں ایمان کا کسی میں طغیان کا جب تو نے میرے دل میں کفر و شرک کا تخم بویا نہیں اس میں تو نبوت و رسالت کا تخم بویا ہے تو اس سے کفر کا درخت کیسے پیدا ہو سکتا ہے **تعلم ما فی نفسی** نفسی زمین ہے۔ نبوت تخم سبحان اللہ کیا پیاری عرض و معروض ہے یعنی میرے دل کی چھپی باتیں جو میں نے ظاہر نہ کیں تو جانتا ہے مگر تیرے علوم جو تو نے ظاہر نہ فرمائے وہ میں نہیں جانتا کیونکہ **انک انت علام الغیوب** یہ عبارت **تعلم ما فی نفسی** کی دلیل ہے یعنی تو **علام الغیوب** ہے میں **علام الغیوب** نہیں۔ خیال رہے کہ علام الغیوب حق تعالیٰ کے ان ناموں میں سے ایک نام ہے جو کسی بندے پر نہیں بولا جاتا کیونکہ الغیوب میں الف لام استغراق ہے اور علام مبالغہ کا صیغہ تو اس کے معنی ہوئے سارے غیبوں کا بہت ہی جاننے والا ہمیشہ سے جاننے والا ظاہر ہے کہ یہ صفت کسی بندے کی نہیں ہو سکتی اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض مقبولوں کو علم غیب دیا مگر ان کا علم رب تعالیٰ کے علم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے پھر ان کا علم حادث و فانی ہے۔ رب کا علم دائمی اور باقی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کا وہ وقت بھی یاد کرو یا لوگوں سے اس کا تذکرہ فرماؤ۔ جب اللہ تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

تمام انسانوں خصوصاً عیسائیوں کے سامنے انہیں شرمندہ فرمانے کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے۔ سوال فرمائے گا کہ جناب مریم کے فرزند عیسیٰ کیا ان لوگوں (عیسائیوں) سے دنیا میں تم نے کہا تھا کہ تم مجھے اور میری ماں مریم کو اللہ کے سوا لائق عبادت (معبود) مان لو یا آئندہ مان لینا حضرت عیسیٰ علیہ السلام جواب میں تین باتیں عرض کریں گے اولاً اللہ تعالیٰ کی حمد پھر اپنا۔ دوسرا دعویٰ جس سے نبی کا مقام اور نبی کی شان ظاہر ہو جاوے کہ نبی کوئی ناحق بات کہہ سکتے ہی نہیں ان کی زبان پر کوئی ناحق بات آسکتی ہی نہیں پھر اپنے جواب کے ثبوت میں رب تعالیٰ کے علم کی گواہی کہ تو خود ہی علام الغیوب ہے تیرا علم میرا گواہ ہے چنانچہ کہیں گے کہ میرے مولیٰ تو شریک عیب اور بے علمی وغیرہ سے پاک ہے۔ جو اللہ کے متعلق یہ عقیدہ رکھے وہ لوگوں سے یہ بری باتیں کیسے کہہ سکتا ہے۔ میرے لائق یا میرا حق یہ کبھی ہوا ہی نہیں کہ میں لوگوں سے وہ بات کہوں۔ جس کا مجھے استحقاق نہیں۔ اے میرے مولیٰ میں جو کچھ عرض کر رہا ہوں سچ عرض کر رہا ہوں میرا گواہ تیرا علم محیط ہے اگر میں نے یہ کہا ہو گا تو تجھے معلوم ہی ہو گا۔ میرے دل و جان کی باتیں تو جانتا ہے تیرے علوم پر بغیر تیرے بتائے میں مطلع نہیں کیونکہ تو ہی علام الغیوب ہے تیرے سوا کوئی علام الغیوب نہیں اور تو جانتا ہے کہ یہ کچھ بھی میں نے نہیں کہا تو میں سچا ہوں کہ واقعی میں نے نہیں کہا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قیامت کے دن پچھلی امتیں اپنے نبیوں کی تعلیم کا ان کی تبلیغ کا انکار بھی کریں گی اور ان کی طرف غلط تعلیم کی نسبت بھی کر دے گی۔ دیکھو عیسائی وہاں بھی کہہ دیں گے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے ہم سے خود فرمایا تھا کہ مجھے خدا یا خدا کا بیٹا مانو ان کی تردید کے لئے رب تعالیٰ ان کے ہاتھ پاؤں سے بھی گواہی لے گا یا خدا دوسرے ذریعوں سے بھی یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ کوئی کافر بے دین نہ تو آپ کی تبلیغ کا انکار کر سکے گا نہ کوئی غلط تعلیم آپ کی طرف نسبت کر سکے گا تاکہ یہ نوبت پیش آئے خود فرماتا ہے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کیونکہ آپ سارے نبیوں کے گواہ ہیں اگر آپ کے خلاف کوئی قوم یہ حرکت کرے تو آپ کا گواہ کون ہو اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ چلتا ہے بلکہ جو مشرکین اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر یا شاعر یا دیوانہ کہتے تھے۔ جب قبروں میں ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق سوال ہو گا کہ تم انہیں کیا کہتے تھے تو وہاں یہ کچھ نہ کہہ سکیں گے بلکہ کہیں گے **ھا ھا لا ادری** ہائے ہائے مجھے خبر نہیں تاکہ قبر میں بھی کوئی آپ کے دامن پر کوئی داغ نہ لگا سکے۔ دوسرا فائدہ: حاکم اتمام حجت کے لئے ضابطہ کی کارروائی کر سکتا ہے۔ اگرچہ وہ خود حقیقت حال سے خبردار ہو دیکھو رب تعالیٰ علام الغیوب ہے سب کچھ جانتا ہے مگر پھر بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جواب دعویٰ مانگے گا یہ تحقیق حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی تہمت کے موقعہ پر جو تحقیقات فرمائی اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی ثابت نہیں ہو سکتی وہ ہم کو تعلیم دینے کے لئے ضابطہ کی کارروائی تھی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضور عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی فرمایا کہ اگر تم سے کوئی قصور ہو گیا ہے تو توبہ کر لو یہ بھی ضابطہ کی کارروائی ہے تفتیش کے بغیر مقدمہ کا فیصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یہ سوال کہ اے عائشہ اگر تم نے کوئی گناہ کیا ہے تو توبہ کرو اگر یہ سوال آپ کی بے علمی کی دلیل ہے تو یہی سوال رب تعالیٰ عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ کیا تم نے لوگوں سے یہ کہا تھا۔ بات یہ ہے کہ عدل اسی کا نام ہے عدالت کا یہی کام ہے یہ فائدہ **انت قلت للناس** سے حاصل۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کو جھوٹے الزام لگانا وہ جرم ہے جو کافر انسان کے سواء کوئی

www.alahazratnetwork.org

مخلوق نہیں کرتی نہ جن نہ کوئی اور یہ فائدہ للناس فرمانے سے حاصل ہوا اگر انسان سیدھا رہے تو فرشتوں سے بڑھ کر کام کرلیتا ہے اگر ٹیڑھا چلے تو شیطان سے بدتر حرکت کرلیتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** : بارگاہ الٰہی میں کچھ عرض و معروض کرنے سے پہلے اس کی حمد و ثناء کرناسنت انبیاء ہے یہ فائدہ سبحنک فرمانے سے حاصل ہوا حمد بھی ایسی کرنی چاہیے جو اپنے مدعا کے موافق ہو لہذا دعا سے پہلے خدا تعالیٰ کی حمد ضرور کرنی چاہیے۔ **پانچواں فائدہ** : نبی کی زبان سے ناحق بات نہیں نکل سکتی ورنہ اسلام و ایمان کا نظام درہم برہم ہو جاوے گا وہ ہمیشہ حق ہی بولتے ہیں وہ خود حق ہوتے ہیں ان کا ہر قول و فعل برحق ہوتا ہے۔ جیسے آم کے درخت سے سنگترہ نہیں پیدا ہو سکتا یوں ہی نبی سے باطل قول سرزد نہیں ہوتا یہ فائدہ **مایکون لی ان اقول** الخ سے حاصل ہوا۔ لہذا یہ بات یقینی ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان شریف سے کبھی بتوں کی تعریف نہیں نکلی سورہ نجم میں جو واقعہ مذکورہ ہے وہ شیطان کا تھا کہ اس نے بتوں کی تعریف کی تھی رب فرماتا ہے **القی الشیطان فی امنیتہ** **چھٹا فائدہ** : خدا تعالیٰ کے سوائے کوئی مخلوق علام الغیوب نہیں یعنی ہمیشہ سے سارے غیب جاننے والا صرف رب تعالیٰ ہے یہ فائدہ **انک انت علام الغیوب** سے حاصل ہوا۔ حضرات انبیاء کرام کے علوم غیبیہ علم الٰہی کے سمندر کا قطرہ ہیں اور تمام جہان کے علوم نبی کے علم کے سمندر کا قطرہ اور تمام نبیوں کے علوم ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے سمندر کا قطرہ ہیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

معدن اسرار علام الغیوب برزخ بحرین امکان و وجوب

ساتواں فائدہ : قیامت میں سوال و جواب عوام سے تو ان کے اعمال کے متعلق ہوں گے اور حضرت انبیاء کرام سے ان کی امت کے متعلق یہ فائدہ **انت قلت** سے حاصل ہوا دوسری جگہ فرمان باری تعالیٰ ہے کہ حضرات انبیاء سے سوال ہوگا **ما اذا اجبتم** اس سے پتہ لگا کہ قیامت کے حساب میں بھی فرق ہے حضرات انبیاء کرام و دیگر لوگوں میں بعض علماء فرماتے ہیں کہ حساب قبر حضرات انبیاء کرام سے بھی ہوگا مگر ان کا اپنا نہیں بلکہ ان کی امت کا کہ آپ سے انہوں نے کیا معاملہ کیا۔ **آٹھواں فائدہ** : اللہ تعالیٰ کے منتخب بندوں میں عیب نکالنا در حقیقت اللہ تعالیٰ کو عیب لگانا ہے کہ اس نے ایسے شخص کو منتخب فرمایا جو اس کا اہل نہیں یہ فائدہ سبحنک کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہذا آج جو کوئی حضرت جبریل یا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہ کو کسی قسم کا عیب لگائے وہ در پردہ رب تعالیٰ کے علم اس کی حکمت کا انکار کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل کو قرآن لانے کے لئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن لینے کے لئے حضرات صحابہ کو قرآن پہنچانے کے لئے منتخب فرمایا اگر ان میں سے کسی میں کوئی عیب ہوتا تو یہ حضرات رب کے انتخاب میں نہ آتے۔

پہلا اعتراض : جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ غلط تعلیم کسی کو دی ہی نہیں تو قیامت میں ان سے یہ سوال کیوں فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ علیم ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام بے قصور ہیں پھر انہیں مدعیان کے مقابل بلانا ان سے یہ سوال فرمانا کیوں ہوا۔
جواب : اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ اس سوال کا مقصد صرف عیسائیوں کو شرمندہ اور لاجواب کرنا ہے جو کہتے تھے کہ ہم کو تثلیث پرستی کی تعلیم حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دی اس کا مقصد نعوذ باللہ حضرت عیسیٰ پر عتاب یا شرمندہ کرنا نہیں ہے آج بھی بعض رعایا کے لوگ بڑے سے بڑے حاکم کے خلاف اگر دعویٰ کردیں تو وہ جواب دعویٰ دیتے ہیں اس میں ان کی توہین نہیں بلکہ مدعی کی شرمندگی میں اضافہ ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** : کوئی عیسائی حضرت مریم کو نہ تو خدا مانتا

www.alahazratnetwork.org

ہے نہ ان کی پرستش کرتا ہے۔ ٹرنٹی والے عیسائی بھی باپ۔ بیٹا روح القدس کی الوہیت کے قائل ہیں۔ پھر یہ سوال کیونکر درست ہوا کہ قوا می الھین دون اللہ۔ جواب : عیسائیوں کے بہت فرقے ہیں ان میں ایک فرقہ جناب مریم کو خدا مانتا ہے۔ جیسا کہ ہم ابھی تفسیر روح المعانی وغیرہ کے حوالہ سے تفسیر میں عرض کر چکے باقی عیسائی فرقے عملاً انہیں خدا بھی مانتے ہیں ان کی پرستش بھی کرتے ہیں ہم نے خود گرجا میں جاکر دیکھا ہے کہ سامنے والی دیوار میں حضرت مسیح کی تصویر کے ساتھ قد آدم تصویر مریم بھی ہوتی ہے اور یہ لوگ دعا کے وقت جھکتے ہیں نیز جب انہوں نے جناب مریم کو خدا کی ماں مان لیا تو بدرجہ اولیٰ انہیں خدا مان لیا کہ خدا کی ماں خدا ہی ہونی چاہیے نیز جب حضرت مریم کو ان کی کرامات کا خالق مان لیا تو انہیں خدا مان لیا للذا یہ سوال بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض : یہاں فی نفسک میں اگر نفس سے مراد ذات بھی ہو تب بھی معنی درست نہیں ہوتے کیونکہ فی ظرفیہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات ظرف یا مظروف ہونے سے پاک ہے۔ جواب : عام مفسرین نے یہاں نفس کو معنی ذات لیا ہے وہ حضرات فی کو ظرفیہ نہیں مانتے وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ ابھی فی نفسی میں فی آچکا ہے اس کی مناسبت سے یہاں بھی فی ارشاد ہوا جسے اصطلاح میں تشاکل کہا جاتا ہے جیسے جزاء سیئۃ سیئۃ میں برائی کی سزا کو برائی کہا گیا یا جیسے مکروا ومکر اللہ یا جیسے یخادعون اللہ وھو خادعھم میں بعض لوگ فرماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہاں نفس کا ترجمہ علم فرمایا اس ترجمہ پر کوئی اعتراض نہیں نفس کے گیارہ معنی ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کیے ایک معنی علم بھی ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے بھی اس کے معنی علم فرمائے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ ہی صدہا اعتراضات کو اٹھا دیتا ہے ترجمہ کیا ہے کرامت ہے غرضیکہ نفسی میں نفس سے مراد دل ہے اور نفسک میں نفس سے مراد علم ہے۔ آیات مذکورہ مکروا ومکر اللہ وغیرہ میں بھی یہ ہی توجیہ قوی ہے ہر چیز کے معنی منسوب الیہ کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ آنکھ بیٹھ گئی دیوار بیٹھ گئی کوئی نشانہ پر بیٹھ گئی۔ دکان بیٹھ گئی۔ ان سب میں بیٹھنے کے معنی جداگانہ ہیں یہ فائدہ خوب یاد رکھو۔

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں سچوں کو ان کا صدق کام دے گا اور مخلصوں کو ان کا اخلاص جھوٹوں اور ریاکاروں کو جھوٹ و ریاکاری نقصان ہی دے گی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سچے ہیں ان کی تمام گفتگو سچی ان کا سچ ان کی محبوبیت کے ظہور کا ذریعہ بنے گا کفار عیسائی جھوٹے ان کے کلام و کام سب جھوٹے ان لوگوں کو اس سے اور زیادہ روسیاہی نصیب ہوگی۔ رب تعالیٰ کا عیسیٰ علیہ السلام سے یہ سوال سچ و جھوٹ کی کسوٹی کے طور پر ہوگا اس لئے انسان کو چاہیے کہ ہمیشہ کام۔ کلام۔ قلب و قالب کا سچا رہے سچا جئے سچا ہو کر مرے سچا ہو کر سچوں کی جماعت میں اٹھے۔ حضرات صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قیامت میں گنہگاروں کو بھی خوف ہوگا اور حضرت انبیاء کرام سے ان کی امت کا کہ انہوں نے ان حضرات کے ساتھ برتاؤ کیا مگر ایک قول میں ہے حضرات اولیاء اللہ کو نہ خوف جہان نہ ان سے اپنا حساب نہ دوسروں کا اس لئے ارشاد ہوا الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون اس آیت میں اولیاء ارشاد ہوا انبیاء اللہ نہ فرمایا گیا یہ ہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میری امت کے اولیاء پر بنی اسرائیل کے انبیاء رشک کریں گے یہ رشک اسی بے خوفی اور آزادی کا ہوگا جیسے بادشاہ کسی بے فکر غریب کی زندگی پر رشک کرے دیکھو حضرت مسیح روح اللہ کلمۃ اللہ جیسی ہستی سے ان کی امت کے متعلق یہ سوال وجواب ہی بن گئے مگر اولیاء اللہ سے یہ کچھ نہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے عالم اجسام میں لاکھوں آفتیں ہیں اور ہر قسم کی آفت

www.alahazratnetwork.org

کے لئے علیحدہ پناہ ہے۔ دھوپ سے پناہ چھتری یا درخت کا سایہ بارش سے بچاؤ چھت یا چھتری بھوک سے پناہ روٹی کی دوکان پیاس سے پناہ کنواں بیماری سے پناہ طبیب کی دوکان۔ ظلم سے پناہ حاکم کا دربار اسی طرح عالم ارواح میں صدہا آفتیں ہیں ہمارے جرم و قصور۔ دنیاوی آفات جو دل کو بے چین کردیں۔ سب آفتیں ہیں ان کی پناہ اللہ کا ذکر۔ اللہ کی رحمت اللہ کے محبوب کا دامن کرم ہے فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** اور فرماتا ہے **ففروا الی اللہ** اور فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء وک** اس دن حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عیسائی آفت میں ڈالنا چاہیں گے تو حضرت مسیح اللہ کے علم کی پناہ لیں گے کہ عرض کریں گے **ان کنت قلتہ فقد علمتہ** اس آیت نے ہم کو پناہ لینے کا طریقہ سکھایا ہے سب چیزیں انسان دنیا میں آکر سیکھتا ہے مگر پناہ لینے کا طریقہ ماں کے پیٹ سے سیکھ کر آتا ہے کہ ہر مصیبت میں رو رو کر ماں پکارتا ہے۔ روتا ہے ہم کو چاہئے کہ جوان ہو کر سبق نہ بھول جائیں ہروقت رو رو کر رب کی پناہ میں آجایا کریں۔

مَا قُلْتُ لَهُمْ اِلَّا مَآ اَمَرْتَنِیْ بِهٖٓ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبَّكُمْ
نہ کہا میں نے واسطے انکے مگر وہ جو حکم دیا تو نے مجھے اس کا یہ کہ پوجو اللہ کو میرے اور اپنے رب کو
میں نے تو ان سے نہ کہا مگر وہی جو تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کو پوجو جو میرا رب بھی ہے اور تمہارا
وَكُنْتُ عَلَیْهِمْ شَهِیْدًا مَّا دُمْتُ فِیْهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّیْتَنِیْ كُنْتَ اَنْتَ الرَّقِیْبَ
اور تھا میں اوپر انکے ذمہ دار جب تک رہا میں نیچ ان کے پھر جب تو نے پورا لے لیا مجھ کو تو تھا تو ہی
بھی رب اور میں ان پر مطلع تھا جب تک ان میں رہا پھر جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان پر نگاہ
عَلَیْهِمْ وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۱۱۷﴾ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ
نگران اوپران کے اور تو اوپر ہر چیز کے گواہ ہے اگر عذاب دے تو انہیں تو بے شک وہ بندے ہیں
رکھتا تھا اور ہر چیز تیرے سامنے حاضر ہے اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے بندے
وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ﴿۱۱۸﴾
تیرے اور اگر بخش دے تو ان کو تو بے شک تو غالب ہے حکمت والا ہے۔
ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی ہے غالب حکمت والا

تعلق: ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ بیان نقل فرمایا جو آپ اپنی برأت میں دیں گے۔ اب آپ کے اس بیان کا ذکر ہو رہا ہے جو آپ عیسائیوں کے دعوے کے جواب میں دیں گے گویا الزام کی تردید کے بعد آپ کے جواب دعویٰ کا ذکر ہے کہ میں نے ان لوگوں کو وہ نہ کہا تھا یہ کہا

www.alahazratnetwork.org

تھا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی برأت کی ایک دلیل کا ذکر تھا یعنی اللہ تعالٰی کا علم اب آپ کی برأت کی دوسری دلیل ہے اللہ کا مرتعنی میں نے ان سے وہ سب نہ کہا کیونکہ تو خود جانتا ہے اور میں نے ان سے وہ نہ کہا کیونکہ تو نے مجھے اس کہنے کا حکم نہیں دیا تھا بلکہ اس کے خلاف حکم دیا تھا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی برأت کا ذکر تھا اب ان کی ذمہ داری ختم ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں جناب مسیح کی برأت کا ذکر تھا اب آپ کی بیزاری کا ذکر ہے جو آپ اپنی اس قوم سے فرمائیں گے ان تعذ بھم الخ۔

تفسیر: ما قلت لھم الا ما امرتنی بہ یہ جملہ نیا ہے اور یہاں حصر اضافی ہے یعنی میں نے ان لوگوں کو شرک کا حکم نہیں دیا بلکہ صرف توحید و ایمان ہی کی ہدایت کی یہ مطلب نہیں کہ سوا اس قول کے ان سے اور کوئی کلام ہی نہیں کیا آپ نے ہر قسم کی تبلیغ زبانی ایمان کی بھی اعمال کی بھی قول سے مراد بعد ظہور نبوت کے فرمان ہیں کیونکہ نبی تبلیغ فرماتے ہیں بعد نبوت ماں کی گود میں جو آپ نے کلام فرمایا وہ تبلیغی کلام نہ تھا بلکہ اپنی شان اپنی والدہ کی برأت بیان فرمانے کے لئے تھا۔ خیال رہے کہ آپ نے اپنے لئے قول فرمایا اور رب تعالٰی کے لئے امر اس میں انتہائی ادب کا اظہار ہے تاکہ بندہ اور رب کے لئے ایک سا لفظ استعمال نہ ہو ورنہ آپ نے اپنی قوم کو سخت تاکیدی حکم دیا تھا۔ اس طرح کا ادب بزرگوں سے بہت ثابت ہے۔ حضرت عباس نے ایک شخص کو جواب دیا کہ انا اسن وھو اکبر بڑے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ عمر میری زیادہ ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا واذا مرضت فھو یشفین جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ حضرت خضر نے فرمایا فاردت ان اعیبھا میں نے چاہا کہ میں کشتی کو عیب دار کر دوں غرضیکہ معمولی چیزوں کو اپنی طرف نسبت کرنا بڑی چیز کو رب کی طرف نسبت کرنا سنت انبیاء کرام ہے۔ یہاں ما سے مراد قول ہے یعنی میں نے ان لوگوں سے صرف وہی کہا جس کے کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا۔ اللہ تعالٰی نے عیسٰی علیہ السلام اور سارے نبیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کا حکم تو میثاق کے دن دیا تھا واذ اخذ اللہ میثاق النبیین الخ اور خود ان کو عبادت کرنے کا حکم ان کے دنیا میں آتے ہی دیا گیا کہ جناب مسیح نے ماں کی گود میں فرمایا واوصانی بالصلوۃ والزکوۃ الخ حضرت ابراہیم نے ہوش سنبھالتے ہی توحید کے دلائل قائم کئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بچپن سے ہی عبادات کیں مگر تبلیغ کا حکم ظہور نبوت کے بعد دیا۔ یہاں یہ تیسرا حکم مراد ہے جو ظہور نبوت کے بعد دیا گیا۔ ان اعبدوا اللہ ربی و ربکم یہ عبارت بہ کی ضمیر کی تفسیر پہلی صورت میں یہ فرمان الٰہی ہو گا جو عیسٰی علیہ السلام کو دیا گیا کہ تم یہ کہو دوسری صورت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا فرمان جو آپ نے اپنی قوم سے کیا۔ آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر دین میں عبادت کا حکم رہا کیونکہ عبادت انسان کی زندگی کا مقصد ہے اس کے بغیر انسان کی زندگی بیکار ہے مگر ہر دین میں عبادت کے طریقے مختلف رہے جیسے انسان بچپن سے مرنے تک رزق کا حاجتمند ہے مگر بچپن میں ماں کا دودھ رزق ہے۔ جوانی میں روٹی چاول بیماری میں غذا اور ہے تندرستی میں اور دین عیسوی میں ترک دنیا بڑی عبادت تھی ہمارے دین میں دنیا کو دین بنا لینا بڑی عبادت ہے لہذا یہ فرمان بالکل صحیح ہے عبادت صرف اللہ کی ہوتی ہے۔ اتباع صرف رسول کی اطاعت اللہ کی بھی رسول کی بھی اسی لئے یہاں صرف اللہ کا ذکر ہے۔ یہاں عبادت سے مراد یا تو دلی واعتقادی عبادت ہے یعنی ایمان قبول کرنا یا بدنی عبادت اطاعت احکام مراد ہے پہلی صورت میں یہ کفار نصرانیوں سے خطاب

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ دوسری صورت میں مومن عیسائیوں سے اور ہو سکتا ہے کہ کفار ہی سے خطاب ہو اور معنی یہ ہوں کہ ایمان لاکر عبادت کرو جیسے بے وضو سے کہا جاوے کہ نماز پڑھ یعنی وضو کر کے نماز پڑھ لہذا آیت واضح ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ عبادت سے مراد ہر قسم کی عبادت ہو دلی عبادت یعنی درستی عقائد بدنی عبادت مالی عبادت تو یہ فرمان بہت جامع ہے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے میری امت تم ہر حال ہر کام میں عبادت ہی کرو یعنی ایسی زندگی گزارو کہ تمہارا کھانا پینا چلنا پھرنا سب کچھ عبادت ہی ہو اپنی عادات کو بھی عبادات بنالو تو یہ فرمان نہایت ہی عارفانہ ہوگا۔ **ربی** فرما کر اشارۃً بتایا کہ تمہارا رب میں نہیں ہوں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کا پروردہ بندہ ہوں چونکہ ربوبیت الٰہی کے مظہر اتم آپ ہیں اس لئے **ربی** پہلے فرمایا اور **وربکم** بعد میں آپ ربوبیت الٰہی کے وسیلہ عظمیٰ ہیں کہ رب کی ربوبیت آپ کے ذریعہ بندوں پر ظاہر ہوتی ہے کہ ایمان تقویٰ پیغمبر کے ذریعہ بندوں کو ملتے ہیں یعنی میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم سب اس رب کی عبادت کرو یا اس کی الوہیت پر ایمان لاؤ جو میرا رب ہے اور تمہارا رب ہے۔ اللہ کے ساتھ **ربی و ربکم** فرمانے میں چند باتیں ظاہر فرمائی گئیں۔ (1) میں اللہ یا اللہ کا بیٹا یا اللہ کا شریک نہیں خالص پروردہ بندہ ہوں (2) اللہ کی ربوبیت کا پہلا فیض مجھ کو ملا میرے واسطہ سے تم کو ملا میں رب اور تمہارے درمیان واسطہ عظمیٰ ہوں (3) رب تعالیٰ کو میری معرفت جانو اللہ وہ ہے جو عیسیٰ علیہ السلام کا رب ہے تو تم مومن ہوگے اگر میرا انکار کر کے تم نے اور ذریعوں سے رب کو مانا تو کافر رہو گے۔ (4) حقیقی پالنے والا اللہ تعالیٰ ہے جو سب کو ہمیشہ بغیر لالچ کے پالتا ہے۔ بعض بندے بعض کے مربی ہوتے ہیں مگر چند روزہ مربی وہ بھی کسی غرض سے **وکنت علیهم شهیدا ما دمت فیهم** اس کلام کا مقصد اپنے بری الذمہ ہونے کا اظہار ہے کیونکہ کسی عیسائی نے آپ کو آسمان پر جانے پر پہلے نہ خدا کہا نہ خدا کا بیٹا نہ آپ کی عبادت کی۔ یہ ساری حرکتیں آپ کے رفع آسمانی کے بعد ہوئیں۔ جب کہ آپ کی ذمہ داری ختم ہو چکی تھی اگر آپ کی موجودگی میں لوگ آپ کو یہ کچھ کہتے اور آپ منع نہ فرماتے۔ تب آپ پر الزام آتا یہاں **شهید** بمعنی نگران محافظ و ذمہ دار ہے۔ اس لئے **علی** ارشاد ہوا بمعنی گواہ نہیں ہو سکتا **ما دمت فیهم** فرمایا **ما کنت حیا** نہ فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ ان کی یہ بدعقیدگیاں میری حیات میں ہی ہوئیں مگر جب کہ میں ان میں مقیم نہ تھا میرا قیام آسمان پر تھا یہ نکتہ خیال رہے آپ کے نزول آسمان کے بعد وفات سے پہلے کوئی عیسائی دنیا میں رہے گا ہی نہیں یا مسلمان ہو جائیں گے یا قتل یعنی جب تک میں زمین پر ان لوگوں میں مقیم رہا۔ میں نے ان کے حالات عقائد اعمال کی خبر رکھی ان کی نگرانی کرتا رہا اور انہیں بگڑنے نہ دیا میری موجودگی میں صلیب پرستی تثلیث وغیرہ کچھ نہ کر سکے **فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیهم** اس فرمان کا مقصد رفع آسمانی کے بعد اپنی ذمہ داری ختم ہو جانے کا ظاہر فرمانا ہے۔ یہاں **توفی** سے مراد موت نہیں بلکہ لے لینا اٹھا لینا ہے۔ جیسے قرض ادا کرنے کو وفاء دین اور وعدہ اور وعدہ پورا کرنے کو وفاء عہد کہا جاتا ہے **رقیب** کے معنی نگران محافظ ہیں اور یہ جملہ حصر کے لئے ہے یعنی جب تو نے مجھے پورا پورا لے لیا آسمان پر اٹھا لیا تو پھر میں نگران نہ رہا صرف تو ہی ان کے اعمال و احوال کا نگران رہا میری ذمہ داری ختم ہو چکی آیت کے معنی یہ نہیں کہ میرے بعد تو حافظ و نگران ہوا میری موجودگی میں تو حافظ نہ تھا۔ لہذا آیت صاف ہے شہید اور رقیب قریباً ہم معنی ہیں نگران میں بھی فرق یہ کیا جاتا ہے کہ **شهید** وہ جو لوگوں کو دیکھے اور لوگ اسے دیکھیں مگر رقیب وہ کہ وہ تو لوگوں کو دیکھے مگر لوگ اسے نہ دیکھیں اللہ تعالیٰ کاتبین فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **ما یلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید** چونکہ اس زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام ظاہر تھے کہ لوگ انہیں دیکھتے تھے۔ رب تعالیٰ سب کو دیکھتا ہے مگر اسے کوئی

www.alahazratnetwork.org

نہیں دیکھتا اس لئے حضرت مسیح کو شہید اور رب تعالیٰ کو رقیب کہنا بہت ہی موزوں ہے یہ فرق دائمی نہیں کبھی اس کے خلاف بھی آتا ہے اللہ تعالیٰ کو شاہد و شہید کہتے ہیں **وانت علی کل شیء شھید** یہ عبارت تتمہ ہے **کنت انت الرقیب** کا ہم نے پانچویں پارہ میں عرض کیا ہے کہ شہید یا ہے شہادت بمعنی گواہی سے یا ہے شہود بمعنی حضور سے یا ہے مشاہدہ سے یہاں شہود بمعنی حضور سے ہے لہذا شہید کے معنی ہوئے حاضر معنی یہ ہوئے کہ اے مولیٰ تو ہر چیز پر حاضر ہے اللہ تعالیٰ حاضر و غائب ہونے سے پاک ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ ہر چیز تیرے حضور حاضر رہیں انقلاب میرے حضور میں ہے نہ کہ تیرے حضور میں **ان تعذبھم فانھم عبادک** جناب مسیح اپنی معذرت کے بعد ان شکایت کرنے والے عیسائیوں کا معاملہ رب تعالیٰ کے سپرد فرما رہے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو ان لوگوں کو مجھ پر بہتان باندھنے یا دوسرے جرموں کی سزا دے تو نہ تجھ پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے نہ کوئی انہیں تجھ سے جبراً چھوڑا سکتا ہے کیونکہ یہ تیرے بندے ہیں تو مالک مطلق ہے لہذا **ان تعذبھم** کی جزا پوشیدہ ہے اور **فانھم** الخ اس پوشیدہ جزاء کی علت ہے لہذا **ف** تعلیلیہ ہے **وان تغفر لھم فانک انت العزیز الحکیم** اس جملہ میں بھی **ان** شرطیہ کی جزاء پوشیدہ ہے اور **فانک** اس پوشیدہ جزا کی علت ہے۔ **ف** تعلیلیہ ہے **تغفر غفر** سے بنا ہے بمعنی چھپانا یہاں بمعنی بخش دینا ہے اور بخشنے نہ کہ کفر و شرک بخشنا کافر کا کفر ناقابل معافی جرم ہے۔ دوسرے جرموں کی بخشش ہو سکتی ہے۔ جس سے اس کا عذاب ہلکا ہو جاوے چنانچہ بعض کفار کا عذاب اس لئے ہلکا ہو گا کہ انہوں نے دنیا میں نیک اعمال کئے تھے جیسے نوشیروان یا حاتم طائی یا روئے سخن مومن عیسائیوں کی طرف ہے کہ اگر تو ان مومن عیسائیوں کے گناہ بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کہ تو غالب بھی ہے۔ جو چاہے کرے حکمت والا بھی ہے کہ تیرے ہر کام میں حکمت ہے غرضیکہ اس عرض و معروض کا مقصد کفار کی شفاعت فرمانا ان کا کفر بخشوانا نہیں اور ہو سکتا ہے کہ کفار عیسائیوں کے کفر کی بخشش ہی مراد ہو اور مقصد یہ ہو کہ اگر تو ان کافروں مشرکوں کو بھی بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا۔ اسی صورت میں یہ عرض و معروض شفاعت نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی بڑائی بیان کرنا ہے جیسے حضرت عبداللہ ابن عمر کا فرمان ہے کہ اگر رب تعالیٰ سب کو دوزخ میں بھیج دے تو اس کا عدل ہے اگر سارے بندوں کو جنت دیدے تو اس کا رحم ہے وہاں بھی رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے نہ کہ مقبولوں کے عذاب یا مردودوں کے ثواب کا امکان بیان فرمانا۔

نوٹ: اس جملہ کو مفسرین نے مشکل ترین سمجھا ہے کیونکہ بظاہر اس میں کفار کی شفاعت فرمانے کا شبہ ہوتا ہے حالانکہ کفار کے کفر کی بخشش نہیں ہو گی ان کی شفاعت ممنوع ہے پھر حضرت مسیح نے شفاعت کیوں فرمائی اس لئے اس کی بہت توجیہیں کی ہیں۔ فقیر نے جو توجیہ کی ہے اس سے آیت کریمہ واضح ہو جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ رب تعالیٰ کا یہ سوال و جواب حضرت مسیح کے آسمان پر اٹھائے جانے پر ہو چکا اور اس کلام کا مقصد یہ ہے کہ اگر تو اب ان عیسائیوں کو توفیق ایمان دے کر انہیں مومن بنا دے انہیں بخش دے تو تیری مہربانی ہے مگر یہ توجیہ بہت ہی ضعیف ہے اگلی آیت کے بالکل خلاف ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: حضرت عیسیٰ علیہ السلام رب تعالیٰ کے سوال کا جواب دیکر اپنی معذرت پیش فرما کر عرض کریں گے کہ میرے مولیٰ میں نے ان لوگوں سے صرف وہی کہا تھا جو کہنے کا تو نے مجھے حکم دیا تھا کہ اللہ کے بندو اللہ پر ایمان لاؤ اس کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی رب میں رب نہیں بلکہ اللہ کا پروردہ بندہ ہوں اے مولیٰ جب تک میں ان لوگوں میں رہا تب تک تو

www.alahazratnetwork.org

ان کے عقائد ان کے اعمال کی نگرانی کرتا رہا انہیں بگڑنے سے حتی الامکان بچاتا رہا میری موجودگی میں نے یہ لوگ مجھے الٰہ کہہ سکے نہ میری عبادت کرسکے جب تو نے مجھے آسمان پر اٹھالیا پھر میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ پھر وہ تیرے حوالہ ہوئے ان کے افعال اعمال عقائد کا حافظ نگران تو رہا تو ہر چیز پر ہمیشہ سے نگران ہے میری موجودگی میں اور میری پس پشت ہر چیز تیرے حضور حاضر ہے اے میرے مولیٰ جن لوگوں نے مجھے غلط تبلیغ کا الزام لگایا اگر تو انہیں اس جرم یا دیگر برے اعمال کی سزا دے تو یہ تیرے بندے ہیں تجھ پر کوئی اعتراض نہیں کرسکتا تجھ سے ان کو کوئی چھڑا نہیں سکتا اور اگر تو ان کا یہ جرم اور دوسرے برے اعمال بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ تو سب پر غالب ہے اور تیرے ہر کام میں حکمت ہے تجھ پر اعتراض کرنے کی کس میں جرات ہے اب ان کا معاملہ تیرے حوالے ہے۔

روایت: مسلم شریف اور ابن ابی الدنیا نے باب حسن الظن میں اور بیہقی نے باب الاسماء والصفات میں حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کریمہ رب انھن اضللن کثیرا اور یہی آیت ان تعذبھم تلاوت کی تو اپنے ہاتھ شریف دعا کے لئے اٹھائے اور بہت رو رو کر عرض کیا اللھم امتی امتی۔ جبریل امین حاضر ہوئے اور پیغام الٰہی پہنچایا کہ اے محبوب ہم تمہاری امت کے متعلق تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کردیں گے تم کو غمگین نہ ہونے دیں گے۔ احمد نسائی بیہقی نے بروایت ابوذر غفاری روایت کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شب نماز پڑھی اس میں یہی آیت ان تعذبھم الخ بار بار پڑھتے رہے حتی کہ سویرا ہو گیا صبح کو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آج حضور نے صبح تک یہ آیت کیوں تلاوت کی فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے لئے شفاعت کی اجازت لے لی مجھے اجازت مل گئی انشاءاللہ میری شفاعت ہر امتی کو پہنچے گی جو کفر نہ کرے (روح المعانی)۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پیغمبر کا قول و فعل رب تعالٰی کی طرف سے اس کے حکم سے ہوتا ہے ان کی تبلیغ رب تعالٰی کے حکم سے ہے ہم لوگوں کی تبلیغ پیغمبر کے حکم سے اس لئے وہ حضرات رسول ہیں۔ دوسرے لوگ رسول نہیں اگرچہ وہ بھی تبلیغ کرتے ہیں اور سارے وہی کام کرتے ہیں جو رسول نے کئے یہ فائدہ الا ما امرتنی بہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: پیغمبر کی تبلیغ میں غلطی نہیں ہوسکتی کہ وہ رب تعالٰی کے حکم سے ہوتی ہے ہماری تبلیغ میں غلطی ہوسکتی ہے ہمارے فیصلے ہمارے فتوے غلط ہوسکتے ہیں کہ وہ رب تعالٰی کے حکم سے نہیں ان کے ذمہ دار ہم خود ہیں نبی کی تبلیغ کا ذمہ خود رب تعالٰی کے کرم پر ہے یہ فائدہ بھی الا ما امرتنی بہ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: ربوبیت کا مظہر اتم حضرات انبیاء کرام ہیں ہم لوگوں کو رب تعالٰی کی ربوبیت روحانی کا فیض بواسطہ پیغمبر پہنچتا ہے کہ رب کی نعمتیں ان کے ہاتھوں ان کے وسیلہ سے ملتی ہیں یہ فائدہ ربی پہلے فرمانے سے حاصل ہوا کہ فرمایا ربی و ربکم جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ چوتھا فائدہ: حضرات انبیاء کرام اپنی امت کے سارے اعمال' افعال' احوال' اقوال پر مطلع و خبردار ہوتے ہیں ان کے نگران ہوتے ہیں یہ فائدہ کنت علیھم شھیدا سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ جناب مسیح فرماتے ہیں وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم جو کچھ تم اپنے گھروں کی کوٹھڑیوں میں کھاتے بچاتے ہو میں تم کو اس کی خبر دے سکتا ہوں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر قیام فرما کر فرمایا کہ یہ چغل خور تھا اور یہ لوٹ کے

www.alahazratnetwork.org

پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرتا تھا اس لئے ان دونوں پر عذاب قبر ہو رہا ہے 'فرمایا حضرت عمر کی نیکیاں آسمان کے تاروں جتنی ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** گزشتہ انبیاء کرام کی قومیں ان کے پردہ فرمانے کے بعد بگڑیں ان کے زمانہ میں نہ ان حضرات کو خدا یا خدا کا بیٹا کہہ سکیں نہ ان کے عبادت کر سکیں یہ فائدہ بھی **کنت علیهم شهیدا** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ لہذا وہ حضرات معبودین باطلہ میں داخل نہیں اور جو آیات جھوٹے معبودوں کے برائیوں میں آئی ہیں وہ حضرات انبیاء کرام پر چسپاں نہیں ہو سکتیں اس سے موجودہ وہابی عبرت پکڑیں جو ان حضرات کو بتوں کی برابر کر دیتے ہیں پناہ بخدا۔ **چھٹا فائدہ** انبیاء کرام کے پردہ فرمانے کے بعد ان کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اگر ان کی ساری قوم گمراہ ہو جاوے تو وہ ذمہ دار نہیں یہ فائدہ **فلما توفیتنی** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت ہی حلیم الطبع جمالی رسول ہیں جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام دیکھو جناب خلیل فرماتے ہیں کہ جو میری پیروی کرے وہ تو میرا ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو غفور رحیم ہے یعنی نافرمانوں کے لئے بھی بددعا نہیں فرماتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی نافرمان عیسائیوں کے لئے بددعا نہیں فرماتے۔ حضرت نوح و موسیٰ علیہ السلام جلال والے پیغمبر ہیں کہ نوح علیہ السلام نے دعا کی۔ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا**۔ خدایا کسی کافر گھر والے کو نہ چھوڑ سب کو فنا کر دے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے متعلق فرمایا کہ **واشدد علی قلوبهم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم**۔ خدایا ان کے دل سخت کر دے کہ بغیر دردناک عذاب دیکھے ایمان ہی نہ لائیں عذاب دیکھ کر ایمان لاویں جو قبول نہ ہو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات ذوالجلال ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** کفار کے لئے نہ مغفرت کی دعا کرنا جائز ہے نہ ان کی سفارش و شفاعت درست نہ انہیں مغفور کہنا جائز نہ انہیں ثواب بخشنا درست یہ فائدہ **وان تغفرلهم** الخ سے حاصل ہوا کہ جناب مسیح نے ان کی بخشش کی دعا نہ کی بلکہ انہیں رب تعالیٰ کے حوالہ کیا اسی لئے آخر میں غفور رحیم نہ کہا بلکہ العزیز الحکیم کہا (تفسیر کبیر)۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام اس دنیا سے پردہ فرما جانے پر اس جہان سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں انہیں کسی کے متعلق کسی چیز کی خبر نہیں ہوتی دیکھو جناب مسیح نے فرمایا **وکنت علیهم شهیدا مادمت فیهم** مگر تمہارا عقیدہ یہ ہے کہ نبی بعد وفات بھی امت کے حالات سے خبردار رہتے ہیں۔ اصحاب کہف جو اولیاء اللہ ہیں انہیں سوتے ہوئے پتہ نہ لگا کہ ہم تین سو سال سوئے رہے کہا کہ ہم شاید دن بھر سوئے حضرت عزیر علیہ السلام کو سو برس بعد زندہ ہونے پر پتہ نہ چلا کہ ہم سو برس وفات یافتہ رہے۔ بلکہ فرمایا **قال لبثت یوما او بعض یوم** معلوم ہوا کہ نبی سوتے ہیں اور یہاں سے پردہ فرما جانے پر اور وفات کے بعد اس دنیا سے بالکل بے خبر ہو جاتے ہیں (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی مدلل جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں مطالعہ کرو یہاں اتنا سمجھ لو کہ الحمد للہ معترض نے یہ تو مان لیا کہ حضرات انبیاء کرام اپنی زندگی میں لوگ کے حالات سے خبردار ہوتے ہیں یہ بھی ان کے عقیدے کے خلاف ہے ان کا عقیدہ تو یہ ہے کہ نبی کو اپنی زندگی میں دیوار کے پیچھے کی خبر نہیں ہوتی۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں **شهید** بمعنی مطلع و خبردار یا گواہ نہیں ورنہ علیم کے خلاف ہو گا بلکہ بمعنی ذمہ دار و نگراں ہے۔ یہاں علم نبی کا ذکر نہیں نبی کی ذمہ داری کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق ہم بہت کچھ پارہ **سیقول ویکون الرسول علیکم شهیدا** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ حضرت عزیر و اصحاب کہف کے متعلق ہم تیسرے پارہ کی تفسیر میں زیر آیت **لبثت یوما او بعض یوم** کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ رب تعالیٰ نے ان

www.alahazratnetwork.org

حضرات کو اس عالم سے بے خبر کر دیا تھا تا کہ ان کے معجزات و کرامات کا ظہور ہو جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعریس کی رات اس طرف سے بے توجہ کر دیا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز فجر قضا ہو گئی اگرچہ حضرات بعد پردہ فرمانے کے اس طرف سے بے خبر ہو جاتے ہیں تو شب معراج میں سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے بیت المقدس میں کیوں جمع ہو گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری حج حجۃ الوداع میں حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام حج کرنے کیسے تشریف لے آئے انہوں نے احرام کیسے باندھ لئے انہیں کیا خبر کہ آج معراج کی رات ہے یا حجۃ الوداع کا دن ہے۔ قرآن کریم سے معلوم ہو رہا ہے کہ وفات یافتہ نبی ولی زندہ مقبول بندوں سے ملاقات کرتے ان سے سلام و کلام کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واسئل من ارسلنا من قبلک من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهۃ یعبدون** اے محبوب اپنے سے پہلے والے نبیوں سے پوچھ لو کہ کیا ہم نے اللہ کے سواء اور معبود بنائے جن کی عبادت کی جائے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد حافظ و رقیب ہوا تو کیا ان کی موجودگی میں رب تعالیٰ نہ رقیب تھا نہ حافظ اس کی صفات ازلی ابدی ہیں دیکھو۔ یہاں فرمایا گیا **تو فیتنی کنت انت الرقیب علیھم**۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس عرض و معروض کا مقصد یہ ہے کہ میرے اٹھ جانے کے بعد میری ذمہ داری ختم ہو گئی۔ صرف تیری ذمہ داری رہ گئی اس لئے **کنت انت الرقیب** حصر کے ساتھ فرمایا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی شفاعت جائز ہے کہ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے کفار عیسائیوں کے متعلق فرمایا **وان تغفر لھم** الخ۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس عرض و معروض کا مقصد شفاعت کفار نہیں۔ اس کے مقصد تین ہو سکتے ہیں۔ دیکھو تفسیر۔ **چوتھا اعتراض:** اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا یہ کلام ان کفار کی شفاعت کے لئے ہو تو سوال یہ ہے کہ آپ کی یہ عرض قبول ہوئی یا نہیں اگر قبول ہوئی تو کفار کی بخشش ماننی پڑے گی اور اگر قبول نہیں ہوئی تو نبی مقبول الدعا نہ رہے۔ **جواب:** آپ کا یہ کلام اگر شفاعت کے لئے ہے تو آپ کی شفاعت رد نہ ہوئی بلکہ ان کفار کو مفید نہ ہوئی۔ ان کا کوئی گناہ معاف نہ ہوا کیونکہ آگے فرمایا جا رہا ہے **ھذا یوم ینفع الصادقین صدقھم** یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا اور اے عیسیٰ یہ مردود ہیں جھوٹے ہیں ایسے جھوٹے کہ دنیا میں رہے تو جھوٹے ہو کر اور آج میری بارگاہ میں تمہارے سامنے جھوٹ بولے لہٰذا آپ کی اس سفارش سے انہیں نفع نہیں ہو گا۔ ان کا کوئی گناہ معاف نہیں ہو گا۔ یہاں تو مقدمہ کا ذکر ہے فیصلہ تو آگے سنایا جا رہا ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ جملہ عزیز حکیم پر کیوں ختم فرمایا چاہئے تھا کہ غفور رحیم پر ختم فرماتے کیونکہ مغفرت کے ذکر کے بعد غفور رحیم کہنا بہتر تھا جیسی دعا ویسا رب کا نام۔ **جواب:** اس کا جواب بھی ابھی بحوالہ تفسیر کبیر گزر گیا کہ چونکہ آپ ان کفار کی بخشش کی شفاعت نہیں فرما رہے ہیں بلکہ رب تعالیٰ کے کمال قدرت و حکمت کا ذکر کر کے اس کی حمد کر رہے ہیں کہ اگر تو انہیں بخش دے تو تجھے کوئی روک نہیں سکتا کیونکہ تو سب سے غالب ہے اور حکمت والا ہے مغلوب کو کوئی غالب روک سکتا ہے بذریعہ طاقت اور بے علم کو کوئی عالم روک سکتا ہے سمجھا بجھا کر اس کے فائدہ حکمت دکھا کر جو رب غالب بھی ہو حکیم بھی ہو وہاں روکنے کا سوال ہی نہیں لہٰذا یہاں عزیز حکیم فرمانا نہایت موزوں اور مناسب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ظاہر بھی رکھا ہے جو محسوس ہوتا ہے اور باطن بھی جو محسوس نہیں ہوتا عقل یا نقل سے معلوم ہوتا ہے۔ دیکھو ہمارا جسم ظاہر ہے مگر روح باطن درخت کی شاخیں پھل پھول ظاہر ہے جڑ کا وہ اندرونی رس جو ہر چیز کو پہنچتا ہے وہ باطن ظاہری زمین جو محسوس ہوتی ہے وہ ظاہر ہے اس کے اندر جو تیل کے چشمے سونے چاندی کی کانیں ہیں وہ باطن یوں ہی عالم روحانیات میں ہر شی کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اس باطن پر مدار ایمان ہوتا ہے نماز کے ارکان شرعیہ اس کا ظاہر ہے جس سے نماز ہوتی ہے اس کا خشوع و خضوع اخلاص وغیرہ باطن ہے۔ جس سے نماز قبول ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کا بھی ایک ظاہر ہے ایک باطن ان کی بشریت عبدیت یہ ان کا ظاہر ہے مگر ان کی رسالت نبوت محبوبیت قرب الٰہی یہ باطن ہے اس آیت کریمہ میں حضرت مسیح علیہ السلام نے اپنے ظاہر کا بھی ذکر فرمایا ہے اور اپنے باطن کا بھی ان اعبد وا اللہ میں اپنے ظاہر کی طرف اشارہ ہے کہ میں رب کی طرف سے مبلغ ہوں اور ربی و ربکم میں اپنے باطن کا ذکر فرمایا کہ میرا وہ درجہ ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا حصہ میرے واسطہ سے ملا وہ میرا رب ہے پھر میرے واسطے سے تمہارا رب کہ تمہاری روحانی میرے ذریعے سے فرماتا ہے تم کو ایمان ایقان انجیل شریف وغیرہ میرے ذریعہ ملی جیسے درخت کی جڑ ہر وقت درخت کو فیض دیتی ہے۔ یوں ہی نبی کا فیض ہر وقت امت کو پہنچتا ہے۔ پتے شاخیں وغیرہ جڑ سے بے نیاز ہو کر کھاد ہوا پانی دھوپ وغیرہ سے زندہ نہیں رہ سکتے۔ یوں ہی امت نبی سے مستغنی ہو کر اعمال وغیرہ سے روحانی زندگی حاصل نہیں کر سکتی اس لئے فرمایا کنت شھیدا الخ۔ جب تک میں ان کے دل و جان و ایمان میں جلوہ گر رہا یہ مومن رہے جب انہوں نے مجھے اپنے دلوں اپنے ایمانوں سے نکال دیا اور وہ محض تیرے بندے رہے میرے امتی نہ رہے گمراہ ہو گئے اللہ کا بندہ اس کی مخلوق ہونا کمال نہیں اللہ کا بندہ تو ابلیس بھی ہے۔ نبی کا امتی ہونا کمال ہے اس سے ایمان عرفان وغیرہ سب کچھ نصیب ہوتے ہیں۔ جب تک عیسائی حضرت مسیح کے سچے امتی رہے تو ان میں اولیاء صالحین رہے جب اپنی بد عقیدگیوں کی وجہ سے ان کے امتی نہ رہے تو نرے مشرک و کافر ہو گئے۔ حضرت مسیح علیہ الصلوۃ والسلام ایسے رحمت والے جمال والے رسول ہیں کہ اپنی شکایت کرنے والوں کی بھی شکایت نہیں فرماتے بلکہ تا حد جواز شفاعت ہی فرماتے ہیں یہ آیت کریمہ ہم مسلمانوں کے لئے بہت نصیحت کا ذخیرہ ہے۔ اس میں شریعت طریقت حقیقت معرفت کے بہت سبق موجود ہیں۔ خیال رہے: کہ جناب مسیح علیہ الصلوۃ والسلام کی اس ضمنی شفاعت سے وہ عیسائی بالکل فائدہ نہ اٹھائیں گے جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے کہ فرما دیا جاوے گا کہ آج سچوں کو سچ نفع دیگا یہ جھوٹے ہیں انہیں نفع نہیں ہو گا لہذا وہ سب دوزخ میں ٹھونس دیئے جاویں گے اس کی وجہ یہ نہیں کہ حضرت مسیح کی شفاعت فائدہ مند نہیں بلکہ وہ عیسائی اس سے فائدہ اٹھانے کے قابل نہیں اعلیٰ درجہ کی غذا اور مردے کے منہ میں ڈالو تو کچھ فائدہ نہ دے گی اس لئے نہیں کہ دوا بیکار ہے بلکہ اس لئے کہ جس کے منہ میں دوا ڈالی گئی وہ بیکار محض ہے جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر آپ کا لعاب دہن عبداللہ ابن ابی کے لئے غیر مفید ہوا کہ وہ منافق تھا۔

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ
فرمائے گا اللہ یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو سچ ان کا واسطے ان کے باغات ہیں کہ بہتے
اللہ نے فرمایا کہ یہ ہے وہ دن جس میں سچوں کو ان کا سچ کام آئے گا ان کے لئے باغ ہیں جن کے نیچے

www.alahazratnetwork.org

مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

بہتی ہیں نہریں رہیں گے ان میں ہمیشہ راضی ہوگا ان سے اللہ اور راضی ہوں

نہریں رواں ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی

عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (۱۱۹) لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

گے وہ اللہ سے یہ کامیابی ہے بڑی اللہ ہی کا ملک آسمانوں اور زمین کا اور وہ جو ہے

یہ ہے بڑی کامیابی اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ

فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ (۱۲۰)

ان میں اور وہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے۔

ان میں ہے سب کی سلطنت اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں ایک مقدمہ کا ذکر تھا جو بارگاہ الٰہی میں کفار عیسائیوں پر قیامت میں چلے گا اب ان آیات میں حاکم حقیقی جل مجدہ کے فیصلہ کا ذکر ہے جو وہاں دیا جاوے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر تھا اب ان آیات میں اس تبلیغ کو قبول کرنے والوں کے نتیجہ کا ذکر ہے جو قیامت میں ملے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی پوری ملکیت اس کی شان غفاری کا ذکر تھا اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس غفاری سے فائدہ اٹھائیں گے گویا کریم کی دین کا ذکر پہلے ہوا فقیروں کے لینے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سچائی کا ذکر فرمایا تھا **ما قلت لهم الا ما امرتنى** اب ان آیات میں سچ کے ثواب کا ذکر ہے گویا عمل نیک کے بعد جزاء عمل کا بیان ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ضمنی شفاعت کا ذکر تھا جو وہ ان کفار عیسائیوں کی کریں گے اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ یہ شفاعت ان مردودوں کو کام نہ دے گی کیونکہ وہ سچے نہ تھے گویا مفید دوا کا ذکر پہلے ہوا اور لا علاج بیماروں کے فائدہ نہ لینے کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **قال الله هذا يوم ينفع الصادقين صدقهم** ظاہر یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ فرمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عرض و معروض کے جواب میں قیامت کے دن ارشاد ہوگا کہ انہوں نے عرض کیا تھا کہ اگر تو انہیں بخش دے تو تو عزت والا حکمت والا ہے۔ جواب کا مقصد یہ ہے کہ ہماری بخشش سچوں کو پہنچے گی یا اے عیسیٰ تم سچے ہو تم پر ہمارا کرم ہوگا لہذا **قال** بمعنی مستقبل ہے چونکہ یہ فرمان یقیناً ہوگا لہذا اسے ماضی سے ارشاد فرمایا اور ہو سکتا ہے کہ **قال** ماضی کے ہی معنی میں ہو مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ قانون نافذ کر چکا یہ فرمان دے چکا لوح محفوظ میں اور تمام نبیوں کی کتابوں میں کہ دنیا میں تو جھوٹ فریب سے بھی کام چل جاتا ہے مگر قیامت میں صرف سچ ہی کام آوے گا وہاں جھوٹ و فریب نقصان ہی کریں گے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ تمام مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ **هذا يوم** سے قیامت کا دن مراد ہے **يوم** چونکہ خبر ہے **هذا** کی لہذا اس پر پیش آیا اور چونکہ یہ مضاف ہے **ينفع** کی طرف لہذا اس پر تنوین نہیں آئی **ينفع** بمعنی مصدری ہے نفع میں بہت گنجائش ہے اپنے سچے

www.alahazratnetwork.org

عقائد کا نفع اپنے اچھے اعمال کا نفع نبی کی شفاعت کا نفع اپنے بچوں کے نیک اعمال کا نفع بلکہ مسلمانوں کی دعاؤں کا نفع جو تا قیامت ہوتی رہیں گی۔ قیامت میں مومنوں کو یہ سارے نفعے نصیب ہوں گے کافران میں سے کوئی نفع حاصل نہ کر سکے گا اس لئے سزا و جزاء قیامت پر موقوف ہے تاکہ ساری دعائیں پہنچ جائیں پھر سب ملا کر نفع دیا جاوے گناہوں کی معافی بلندی درجات سب کچھ عطا ہو گی۔ صادقین سے مراد حضرات انبیاء کرام اور مومنین ہیں صدق یعنی سچائی چند قسم کی ہے عقیدے کی سچائی یعنی درست عقیدے رکھنا عمل کی سچائی یعنی نیک کام کرنا۔ زبان کی سچائی کہ بات سچی کرنا یہ تمام سچائیاں دنیا میں ہوں تو مفید ہیں آخرت بلکہ مرتے وقت ہی فرشتوں کو دیکھ کر ہر شخص اچھا عقیدہ اختیار کر لیتا ہے کہ اسلام سچا تھا اس کے فرمان سچے تھے فرعون ڈوبتے وقت پکار اٹھا کہ آمنت انه لا اله الا الذی بها امنت به بنو اسرائیل مگر وہ ایمان معتبر نہ ہوا اور قیامت کے دن آخر کار کفار بلکہ ابلیس بھی سچ بول دے گا وعدتکم فاخلفتکم لہٰذا دنیا کی سچائی مفید ہے۔ یوں ہی دنیا کی سچائی بھی مومن کے لئے مفید ہے کفار کی سچائی بخشش کا ذریعہ نہیں یعنی قول عمل، سچائی شاخیں ہیں عقیدے کی سچائی جڑ ہے جب جڑ قائم ہو تو شاخیں ہری ہوتی ہیں یعنی رب تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا گا کہ اے عیسیٰ تم سچے ہو یہ الزام لگانے والے تم پر بہتان باندھنے والے عیسائی جھوٹے ہیں آج روز قیامت ہے یہ وہ دن ہے جب ان سچوں کو ان کا سچ کام آوے گا۔ جو دنیا میں سچے رہے کہ مومن متقی پرہیزگار ہے ان کی معافی بھی ہے ان کے لئے عطاء انعام بھی۔ لہٰذا آپ نہ تو ان کی شفاعت کرو نہ ان کے عذاب پانے پر مغموم ہو کہ تمہاری شفاعت برحق ہے مگر یہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے لهم جنت تجری من تحتها الانهار یہ مذکورہ نفع کی تفصیل ہے کہ سچوں کو سچ کا نفع یہ ملے گا۔ لهم میں لام ملکیت کا ہے یا خصوصیت کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بھی ہمارے لئے بنائی ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا اور جنت بھی ہمارے لئے لهم جنات تجری الخ مگر ان دونوں میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ دنیا کی ملکیت عارضی ہے جنت کی ملکیت مستقل اور دائمی۔ دنیا کا کبھی کوئی مالک کبھی کوئی، جنت کا جو مالک ہو گا وہ دائمی ہو گا۔ دوسرے ہم یہ دنیا کی ملکیت ناقص ہے۔ جنت کی ملکیت کامل بارہا دنیا کے ہم مالک ہوتے ہیں مگر نفع نہیں اٹھا سکتے مکان ہمارا ہے مگر دوسرے نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے ہم نہیں نکال سکتے چیز ہماری ہے مگر نہیں کھا پی سکتے کہ نقصان دیتی ہے مگر جنت میں یہ نہیں ہاں جنتی لوگ جنت کے مالک تو آج ہی سے ہیں مگر انہیں دکھائی جائے گی قبر میں عطا کی جائے گی بعد قیامت یہ سب باتیں لهم فرمانے سے حاصل ہوئیں انسان کے جنتی ہونے کی دو علامتیں ہیں ایک یہ کہ اسے نیک عمل آسان ہوں گناہ بھاری ہوں دوسری یہ کہ اس کے دل کا رجحان اچھوں کی طرف ہو بروں سے نفرت ہو انسان کے یہ حالات لهم جنات کی تفسیر ہے۔ جنات کے معنی اس کی قسمیں اور یہ کہ ایک مومن کو کتنی جنتیں عطا ہوں گی۔ سب کچھ بارہا بیان ہو چکا۔ حائط بستان، روضہ، جنت سب کے معنی باغ ہیں مگر جنت وہ گھنا باغ جس کی زمین سبزہ سے چھپی ہو تجری فرما کر بتایا کہ وہاں پانی، دودھ، شہد، شراب طہور کے تالاب نہ ہوں گے بلکہ بہتی ہوئی نہریں ہوں گی ان کا بہاؤ بھی تیز اور خطرناک نہ ہو گا جو کسی کو بہا لے جائے جسے سیل کہتے ہیں بلکہ آہستہ روانی ہو گی۔ پھر وہاں بحر یعنی دریا نہ ہوں گے بلکہ نہریں ہوں گی جو حسین اور غیر مضر ہوتی ہیں پھر وہ نہریں جنتوں سے دور نہ ہوں گی بلکہ ان کے باغات کے نیچے ہی رواں ہوں گی پھر ایک نہر پانی کی نہ ہو گی بلکہ چند نہریں ہوں گی پانی کی، دودھ کی، شہد کی، شراب طہور کی یہ تمام باتیں اس ایک مختصر سے جملہ میں بیان فرما دیں خالدین فیها ابدا اس عبارت میں جنت کی وہ نعمت بیان فرمائی جو تمام مذکورہ نعمتوں کی جان ہے یعنی وہاں

www.alahazratnetwork.org

موت نہ آتا وہاں سے نکالا نہ جاتا وہاں خزاں یا پھلوں کی بہار ختم نہ ہوتا وہ باغات بھی دائمی ان کی بہار بھی دائمی ان کے پھل پھول بھی دائمی وہاں کے باشندے بھی دائمی باشندوں کا ان سے نفع اٹھانا بھی دائمی ہو گا کہ نہ انہیں موت آئے نہ بیماری جس میں کسی پھل سے پرہیز کرنا پڑے سبحان اللہ ایک خالدین فیہا میں یہ سارے دوام ساری ہمیشگیاں بیان فرما دیں۔ خیال رہے: کہ خلود کے معنی ہمیشگی بھی ہے اور دراز قیام بھی مگر جب اس کے ساتھ ابدا ارشاد ہو جاوے تو معنی ہمیشگی ہوتا ہے۔ لہٰذا یہاں معنی ہمیشگی ہے رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی جنت کی نعمت ہی کا ذکر ہے لہٰذا رضی اور رضو معنی مستقبل ہیں مالک کی رضا بڑی نعمت ہے جو تمام نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر نعمت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان سے ہمیشہ راضی رہے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ سے ہمیشہ خوش و راضی رہیں گے اس کی نعمتوں پر خوشیاں منائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ان مومنوں کی دنیاوی حالت و کرامت کا ذکر ہو یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ ان کی تھوڑی عبادات پر ان سے راضی رہے گا اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے تھوڑے رزق پر بلکہ اس کی بھیجی ہوئی تکالیف پر اس سے راضی رہے کہ کبھی انہوں نے رب کی ناشکری نہ کی وہ سمجھے کہ یار کے پاس سے جو آئے وہ تحفہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناخوش تو خوش بود در جان من — جاں فدائے یار دل رنجان من

تمہارے ہاتھ کے کنکر بھی اچھے — مرے مولیٰ تیرے پتھر بھی اچھے

رگ دل میں تیرے نشتر بھی اچھے!

جب یہ لوگ ایسے راضی بہ رضا ہو جاتے ہیں تو ان کے گناہ سے بھی رب تعالیٰ ان پر ناراض نہیں ہوتا بخش دیتا ہے ذلک الفوز العظیم ذالک سے اشارہ یا تو ان تمام مذکورہ نعمتوں کی طرف ہے۔ جنت نہریں ہمیشگی وغیرہ یا رضاء الٰہی کی طرف یعنی جنت اور وہاں کی یہ نعمتیں پالینا بڑی ہی کامیابی ہے یا دنیا میں رب کو منا لینا اسے راضی کر لینا بڑی ہی کامیابی ہے وہ ہی کامیاب ہے جو یار کو منا کر یہاں سے رخصت ہو للہ ملک السموت والارض و ما فیھن یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں یا تو عیسائیوں کی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور حضرت مریم رب کی بیوی فرمایا گیا کہ آسمان و زمین اور ان کی ہر چیز ہماری مملوک مقبوض اور ہمارا بندہ ہے حضرت مسیح اور ان کی والدہ بھی زمین پر رہنے والی مخلوق ہیں لہٰذا وہ بھی ابن اللہ نہیں بلکہ عبد اللہ ہیں۔ للہ میں لام ملکیت کا ہے۔ اسے مقدم فرمانے سے فائدہ حصر کا ہوا یہاں ملک معنی ملکیت ہے ملک ملک اور ملکوت کے بہت سے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں چونکہ آسمان سات ہیں اور ان کی حقیقتیں مختلف ہیں زمین یا تو ایک ہے اس کے سات حصے ہیں یا سات طبقہ ہیں مگر حقیقت سب کی ایک یعنی مٹی اس لئے سموت کو جمع اور ارض کو واحد فرمایا جاتا ہے ما سے مراد ہر عقل والی اور بے عقل چیزیں ہیں یعنی سارے آسمان، زمین ان میں کی چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں یا یہ ایک پوشیدہ سوال کا جواب ہے کہ کہنے والا کہتا کہ اتنی بڑی جزاء اتنا عظیم ثواب کون دے گا فرمایا وہ دے گا جو ان سب چیزوں کا سچا مالک ہے (تفسیر خازن) وھو علی کل شیء قدیر اس جملہ میں بھی یا تو عیسائیوں کی تردید ہے کہ ابن اللہ یا الٰہ وہ ہوتا ہے جو ہر چیز پر قادر ہو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ ایسے نہیں وہ تو اللہ تعالیٰ کے مقدور بندے ہیں لہٰذا عیسائی جھوٹے ہیں یا اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت کا ذکر ہے کہ رب تعالیٰ ان چیزوں کا صرف مالک ہی نہیں بلکہ ان کا قابض بھی ہے ان پر قادر بھی دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ بعض مالک قابض نہیں ہوتے۔ بعض مالک و قابض قادر نہیں ہوتے رب تعالیٰ ان عیوب سے

www.alahazratnetwork.org

پاک ہے شئی کے معنی اس کے اقسام قدر کے معنی اس کی صورتیں مع تمام سوال و جواب کے ہم پہلے پارہ میں **ان اللہ علی کل شئی قدیر** کی تفسیر میں عرض کر چکے وہاں دیکھو۔

خلاصہ ء تفسیر: اب تک حضرت عیسیٰ اور بے دین عیسائیوں کے مقدمہ کا ذکر ہوا کفار نے دعویٰ کیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جواب دعویٰ پیش کر کے اشارۃً شفاعت فرمائی اب مقدمہ کے فیصلے کا ذکر ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی اس شفاعت سے وہ عیسائی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے نہ ان کی بخشش و معافی ہو چنانچہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ عرض و معروض پر اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یہ قیامت کا دن وہ ہے کہ آج کسی کو دولت عزت وغیرہ کام نہ آوے گی آج سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا کہ جو دنیا میں سچے مومن بن کر رہے سچے اعمال سچے اقوال کئے ان کو ہر طرح کا نفع ہو گا کہ ان کی نیکیاں قبول ہوں گی۔ گناہ معاف ہوں گے ان کی اولاد کی نیکیاں انہیں فائدہ دیں گی ان کے صدقات جاریہ بعد موت بھی ان کو پہنچتے رہے اور نبیوں ولیوں کی شفاعت مفید ہو گی۔ اس کی جزاء میں انہیں ایسے گھنے باغات عطا ہوں گے جن کے نیچے دودھ، شہد، پانی، شراب طہور کی نہریں رواں ہیں خوبی یہ ہے کہ وہ ان باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ مریں نہ وہاں سے نکالے جاویں نہ وہ باغات اجڑیں نہ کبھی ان کے پھل ختم ہوں ان سب پر طرہ یہ کہ رب تعالیٰ ان سے راضی وہ رب تعالیٰ سے خوش سب سے بڑی کامیابی یہ ہی ہے اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہئے کوئی سننے والا اس جزا پر حیرت نہ کرے اللہ تعالیٰ ہی کی ہے زمین آسمان ان کی تمام چیزیں اس شان کا ایسا مالک الملک جو چاہے عطا فرماوے وہ خزانوں کا مالک بھی ہے اور ہر طرح قادر و مقتدر بھی اس کی پکڑ ہے تو بہت سخت عطا ہے تو بہت وسیع و فراواں لہٰذا دنیا میں سچے بنو سچے رہو رب کی نعمتیں حاصل کرو۔ چونکہ یہ عیسائی ایسے جھوٹے ہیں کہ دنیا میں رہے تو جھوٹ بولتے رہے اور آج قیامت میں ہمارے دربار میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے نہایت بے حیائی سے جھوٹ بولے ایسے لوگ نہ اپنے اعمال صالحہ سے فائدہ اٹھائیں نہ نبی کے توسل سے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** جو دنیا میں سچے عقیدے سچے اعمال اختیار کرے گا وہی قیامت میں نفع میں رہے گا۔ جھوٹے، بے دین کی بخشش نہیں اگرچہ بزرگوں کی اولاد ہو یہ فائدہ **ینفع الصادقین** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا وہ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس شفاعت سے فائدہ نہ اٹھا سکیں گے۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا جو بوئے گا وہی کاٹے گا یہ فائدہ بھی **ینفع الصادقین** الخ سے حاصل ہوا اس سے وہ بھنگی چرسی بے نماز بے روزہ فقیر عبرت پکڑیں جو مولیٰ علی یا غوث پاک کے ملنگ کہلاتے ہیں اپنے کو شرعی احکام سے بے نیاز جان کر جنت کے ٹھیکیدار ہونے کے مدعی ہیں جب حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کو اعمال کی ضرورت تھی تو ان کے ملنگ کیسے بے نیاز ہو گئے۔ **تیسرا فائدہ:** جنت اہل جنت کی اپنی ملکیت ہو گی یہ فائدہ **لهم** جنت کے لام سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** انشاء اللہ ایک جنتی کو بہت سی جنتیں عطا ہوں گی وہ کریم ہر قسم کے عمل کی الگ جنت عطا فرمائیگا یہ فائدہ **جنات** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ہر جنتی کے باغوں میں ایک نہر نہ ہو گی بلکہ بہت سی نہریں ہوں گی دودھ کی، شہد کی، پانی کی وغیرہ یہ فائدہ **الانهار** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جنت کے پھل نہ کبھی ختم ہوں نہ وہاں خزاں وغیرہ آئے نہ جنت کے لئے فنا ہے نہ جنتیوں کو موت نہ وہاں سے نکلنا یہ فائدہ **خالدین فیها** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکیں بلکہ ہر جنتی کے نامزد ہو چکیں آدم علیہ السلام وہاں رہ کر

www.alahazratnetwork.org

آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں وہاں سیر کر کے آئے حضرت مریم نے وہاں کے پھل کھائے یہ فائدہ بھی **لھم جنات** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ہر سچے متقی مومن کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں یہ لفظ صرف صحابہ کرام سے خاص نہیں لہذا اولیاء اللہ علماء دین صالحین کو رضی اللہ عنہ کہنا جائز ہے یہ فائدہ **رضی اللہ عنھم** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذالک لمن خشی ربہ**۔ جس کے دل میں خوف خدا ہو اس سے رب تعالیٰ راضی ہے۔ نواں فائدہ: اگر بندہ رب تعالیٰ کے تھوڑے رزق پر راضی رہے تو رب تعالیٰ بھی اس کے تھوڑے اعمال سے راضی ہوتا ہے بلکہ اگر بندہ رب کی بھیجی مصیبت میں راضی بہ رضا رہے صبر سے کام لے تو بندے کے گناہ پر رب تعالیٰ اس سے ناراض نہیں ہوجاتا بلکہ اسے دنیا میں ہی توبہ کی توفیق دے دیتا ہے آخرت میں بخشش فرماتا ہے یہ فائدہ بھی **رضی اللہ عنھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: دنیا میں بادشاہ بن جانا بڑا امیر دولتمند بن جانا کامیابی نہیں رب کو منالینا بڑی کامیابی ہے جسے اللہ توفیق دیدے یہ فائدہ **ذالک الفوز العظیم** سے حاصل ہوا۔ نیک بندہ بن جانا انسانیت کا کمال ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ہر کہ سیمائے راستاں دارد ‌ ‌ ‌ سر خدمت بر آستاں دارد

گیارھواں فائدہ: اللہ کا ملک یعنی ظاہری ملکیت حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مجازاً بہ عطاء الٰہی بندوں کو بھی حاصل ہے دیکھو یہاں **سموات وارض** کی ملکیت اللہ تعالیٰ کے لئے منحصر فرمائی گئی مگر دوسری جگہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے **واتیناہ ملکا عظیما** اور فرمایا گیا **وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ** اور فرماتا ہے **تؤتی الملک من تشاء وتنزع الملک ممن تشاء** بلکہ پورا مالک وہی ہے جو مالک کر دینے پر قادر ہو پورا عالم وہ ہے جو عالم بنا دینے پر قادر ہو ناقص مالک ناقص عالم دوسرے کو مالک یا عالم نہیں بنا سکتا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن سچوں کا سچ انہیں نفع دے گا تو قیامت میں آخر کار سب ہی سچ بول دیں گے کہ ہم کافر و مشرک ظالم تھے۔ چاہئے کہ ان کی بھی بخشش ہو جاوے۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ صادقین سے مراد دنیا میں سچے رہنے والے ہیں ہر دانہ بونے کا ایک وقت ہوتا ہے۔ بے وقت بویا جاوے تو پھل نہیں دیتا سچ بولنے نیک اعمال کرنے کا بھی ایک وقت ہے۔ بے معنی زندگی کا زمانہ اس کے بعد ہر نیکی بے کار ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سچوں کا سچ کام آوے گا دنیا میں بہت مسلمان جھوٹے ہوتے ہیں اور بہت سے کافر سچے آج ولایت کے عیسائی تجارت معاملات میں بہت سچے ہیں تو چاہئے کہ وہاں ان کفار کی بخشش ہو اور جھوٹے مسلمانوں کی گرفتاری ہو۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں سچ سے مراد عقیدے کی سچائی ہے اس کے بغیر صرف زبانی یا معاملات کی سچائی بیکار ہے جڑ درست ہو تو شاخیں درست رہتی ہیں کافر خواہ زبان یا معاملات کا کتنا ہی سچا ہو مگر جھوٹا ہے کہ اس کے عقیدے جھوٹے ہیں ہاں یہ ممکن ہے کہ سچے کافر کا عذاب جھوٹے کافر سے ہلکا ہو جیسے نوشیرواں کا عذاب اس کے عدل کی وجہ سے یا حاتم طائی کا عذاب اس کی سخاوت کی وجہ سے ہلکا ہوگا۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتیں اہل جنت کی ملکیت ہونگی مگر قرآن کریم دوسرے مقام پر فرماتا ہے **نزلا من غفور رحیم** جس سے معلوم ہوا کہ جنت مہمان خانہ ہے وہاں کی نعمتیں مہمانی ہیں۔ مہمان گھر کا مالک نہیں ہوتا لہذا آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: وہاں جنتیوں کی خاطر تواضع مہمانوں کی سی ہوگی مگر وہ ہونگے

www.alahazratnetwork.org

جنتوں کے مالک قاعدہ ہے کہ مالک کی تواضع خاطر اپنے گھر میں نہیں کی جاتی مہمان کی تواضع خاطر بہت ہوتی ہے وہاں خاطر تواضع کے لحاظ سے مہمان خانہ فرمایا گیا یعنی جنتی ہونگے۔ اپنی جنتوں کے مالک مگر ہمیشہ ان کی خاطر تواضع مہمانوں کی سی کی جاوے گی اور تواضع خاطر کرنے والا کون ہو گا۔ غفور رحیم۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف سچوں کو ملیں گی تو جو ناسمجھ بچے یا دیوانے بچپن میں دیوانگی میں فوت ہو گئے وہ جنتی نہ ہونے چاہئیں تو کیا مسلمانوں کے بچے دوزخی ہونگے۔ جواب: اس آیت کریمہ میں اولاً تو حصر ہے نہیں اگر ہو بھی تو حصر اضافی ہو گا۔ جھوٹوں' چالاکوں' چالبازوں کے مقابلہ میں یعنی جنت فریب چالاکیوں چالبازیوں سے نہیں ملے گی۔ سچائی سے ملے گی اگر ان کے علاوہ دوسروں کو بھی مل جاوے جو سچ کا موقع نہ پائیں تو اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ دوزخ صرف کفر یا بد عملی کی وجہ سے دی جاوے گی مگر جنت ملنے کے تین ذریعہ ہیں لہٰذا جنت کسبی بھی ہے یعنی اپنے عمل سے وہبی بھی ہے دوسرے نیک بندوں کے طفیل عطائی بھی محض رب تعالیٰ کے کرم سے مسلمانوں کے چھوٹے بچوں کو جنت وہبی ملے گی۔ کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچوں کو یا جو مخلوق جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی انہیں جنت عطائی ملے گی لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ ان سے راضی وہ اللہ سے راضی تو کیا جنتیوں کے علاوہ دوسرے لوگ اللہ سے ناراض ہوں گے کوئی بھی اللہ سے ناراض ہو سکتا ہی نہیں ناراض ہو کر اس کا کیا کرے گا۔ جواب: یہاں رضا بمعنی خوشی ہے ناراضی کا مقابل مراد نہیں مومن بندہ دنیا میں اللہ سے بہرحال خوش رہتا ہے آرام سے رہے یا تکلیف سے اللہ اس سے بہرحال خوش رہتا ہے اس پر غضب نہیں کرتا وہ تھوڑے عمل کرے یا زیادہ نیکی کرے یا گناہ اپنے دروازے سے اسے نکالتا نہیں کفار تو خدا تعالیٰ کو گالیاں تک دیتے نظے گئے ہیں نیز آخرت میں اللہ جنتیوں سے خوش ہو گا جنتی اس کے فضل و کرم پر خوشیاں منائیں گے کفار پر رب کا غضب رہے گا وہ اللہ کی پکڑ پر ہمیشہ مغموم رہیں گے۔ چھٹا اعتراض: **للہ ملک السموت** الخ سے معلوم ہوا کہ تمام چیزوں کا صرف اللہ تعالیٰ ہی مالک و قابض ہے اور تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان جہان کے مالک ہیں تمہارا یہ عقیدہ شرکیہ ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ دائمی حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے عارضی مجازی مالک اللہ نے اپنے بعض بندوں کو بنایا ہے۔ آپ اپنے گھر کے اور بادشاہ ملک کا مالک ہے۔

تفسیر صوفیانہ: سچ تمام نیکیوں کی جڑ ہے ایمان' احسان' توبہ' تقویٰ' دیانت' امانت وغیرہ سب کچھ سچ کی ہی قسمیں ہیں جیسے مکان کا اجیالا قلعی چونہ سے ہے دل کا دماغ کا اعضاء ظاہری کا اجیالا سچ سے سچ کی برکت سے کبھی کافر کو ایمان بلکہ عرفان مل جاتا ہے۔ جھوٹ کی نحوست سے کبھی مسلمان کافر فاسق ہو جاتا ہے سچا بندہ دنیا میں بھی رحمت کے باغوں کرامت کی نہروں میں رہ کر عزت و عظمت وصل کے پھل کھاتا ہے آخرت میں بھی کھائے گا۔ سچ وہ سدا بہار باغ ہے جس میں کبھی خزاں نہیں آتی سچے سے رب اس کا رسول سارے بندے راضی سچا ہمیشہ خوش و خرم رہتا ہے سچے کو سب سلام کرتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں۔

سلام علی السادات من کل صادق	سلام علی ذی الوجد من کل عاشق
سلام علی ذی انصحوبن سکر غفلت	سلام علی الناجین من کل کلفتہ
سلام علی من مات من قبل موتہ	سلام علی من فات من قبل فوتہ

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے سچے بندے مظہر ذات وصفات الٰہی ہو جاتے ہیں اللہ کی صفت ہے مالک الملک والملکوت ظاہری باطنی ملکوں کا مالک سچا بندہ اللہ کی عطا سے ملک وملکوت دونوں میں تصرف کرتا ہے۔ حضرت مسیح وعزیز خرقیل وابراہیم علیہم السلام کی پکار پر گلی ہڈیاں جسم بنتی تھیں یہ ان کا ملک میں تصرف تھا پھر عالم برزخ میں گئی ہوئی روح وہاں سے واپس ہو کر ان جسموں کو زندہ کرتی تھی یہ ان کا ملکوت میں تصرف تھا۔ حضرت مسیح کے تصرف سے اندھے کوڑھے پل بھر میں شفا پاتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہوائیں چلتی اور بدلتی تھیں یہ ہے ملک السموات والارض کی ملکیت کا ان بندوں پر ظہور سچا بندہ جو کہہ دے اللہ اس کی بات سچی کر دیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے **لو اقسم علی اللہ لابرہ** اگر سچا بندہ اللہ پر قسم کھا لے اللہ اس کی قسم پوری فرماوے تاکہ اس کی زبان خالی نہ جاوے اس کی بات جھوٹی نہ ہو جاوے اللہ تعالیٰ اپنے سچوں کے طفیل ہم کو بھی سچا بنائے۔ الحمد اللہ کہ سورہ مائدہ شریف کی تفسیر آج بروز اتوار 15 رجب 1386ھ 30 اکتوبر 1966ء بعد نماز ظہر مکمل ہوئی۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائے اور بقیہ قرآن مجید کی تفسیر کی توفیق دے۔

وصلے اللہ علی حبیبہ محمد و الہ و اصحبہ اجمعین

امین۔ برحمتہ وھو ارحم الراحمین

سورۃ الانعام مکیۃ	اٰیاتہا ۱۶۵ رکوعاتہا ۲۰

سورہ انعام مکیہ ہے اس میں بیس رکوع ایک سو پینسٹھ آیات تین ہزار ایک سو کلمات اور بارہ ہزار نو سو تیس حروف ہیں

سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ پوری سورت مکہ معظمہ میں ایک ہی شب میں نازل ہوئی اس کے ساتھ ستر ہزار فرشتے تسبیح کرتے آئے جن سے آسمانوں کے کنارے بھر گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سبحان ربی العظیم کہتے ہوئے سجدہ میں گر گئے۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ توریت میں سب سے پہلی آیت وہی ہے جو سورۃ انعام کی پہلی آیت ہے (خزائن عرفان)۔ خیال رہے کہ اس پوری سورت کا نزول ایک دم ایک ہی شب میں بھی ہوا اور اس کی آیات کا نزول مختلف موقعوں پر مختلف حالات میں بھی ہوا لہذا اس کی آیات کے شان نزول جو بیان ہوں گے وہ حضرت ابن عباس کے اس فرمان کے خلاف نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ساری سورۃ انعام مکیہ ہے مگر اس کی تین آیات **قل تعالوا** الخ مدنیہ ہیں اور بھی اس میں بہت قول ہیں۔ خیال رہے کہ سورتوں یا آیتوں کا مکی مدنی ہونا اس لئے نہیں کہ قرآن کا بھیجنے والا اللہ تعالیٰ مکی مدنی ہے یا قرآن لانے والے جبریل مکی مدنی ہیں یا لوح محفوظ جہاں سے قرآن آ رہا ہے وہ مکی مدنی ہے بلکہ صرف وجہ یہ ہے کہ قرآن لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مکی مدنی ہیں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی رہے قرآن کی سورتیں آیتیں مکی بنتی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہو گئے تو قرآن مدنی ہوا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال وہ قرآن کریم کی صفت

www.alahazratnetwork.org

بلکہ قرآن عربی زبان میں اس لئے آیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان عربی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو کوئی صبح کے وقت سورۂ انعام کی تین آیات تکسبون تک پڑھے تو رب تعالیٰ اس کی حفاظت کے لئے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے۔ جو دوسری صبح تک اس کی حفاظت کرتے ہیں (بغوی' خازن' روح البیان) اس سورت کریمہ میں توحید کے دلائل' عدل' انصاف' نبوت' معاش' معاد' بے دینوں کے دلائل کے جوابات ملحدین کی تردید سب سے زیادہ اس سورت میں ہے یہ چیزیں علم عقائد کی اصل اصول ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ اس سورۃ کی آیت کریمہ **وعنده مفاتح الغیب** الخ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ چالیس فرشتے آئے (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ پچھلی چار سورتیں سب مدنیہ تھیں یہ سورت مکیہ ہے جو ان سورتوں سے کہیں پہلے آچکی تھی۔ گزشتہ سورتوں میں اصلاح اعمال پر زیادہ زور تھا۔ اس سورت میں اصلاح عقیدہ پر زیادہ زور ہے۔ اگرچہ اصلاح عقیدہ اصلاح عمل سے پہلے ہے مگر عقائد کی دلیلوں کا اصلاح اعمال کے بعد بیان ہونا مناسب ہے۔ سورۂ مائدہ میں وعدہ پورے کرنے پر بہت زور تھا اور مسلمان اسلام لانے پر رب تعالیٰ اور اس کے نبی سے بہت سے وعدہ کرتا ہے اس لئے اس سورۃ کے بعد سورۂ انعام رکھی گئی تاکہ بتایا جاوے کہ اے مسلمانوں رب تعالیٰ اور اس کے نبی سے کئے ہوئے وعدہ پورے کر نیز سورۂ مائدہ میں کھانوں خصوصاً جنتی کھانے کا ذکر تھا۔ سورۂ انعام میں حلال جانوروں کا ذکر ہو گیا یہ بھی کھانوں کی ہی قسم سے ہیں۔ ان مناسبتوں سے سورۂ مائدہ کے بعد سورۂ انعام رکھی گئی سورۃ کے معنی اس کے اقسام سورۃ' آیت' منزل' رکوع کی تعریفیں ان کے فرق ہم سورۂ فاتحہ اور سورۂ بقرہ کے اول میں بیان کر چکے ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضَ وَ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَ النُّوۡرَ ؕ

تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمین کو اور بنائیں اندھیریاں اور روشنی

سب خوبیاں اللہ کو جس نے آسمان اور زمین بنائے اور اندھیریاں اور روشنی پیدا کی

ثُمَّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا بِرَبِّہِمۡ یَعۡدِلُوۡنَ ① ہُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ طِیۡنٍ ثُمَّ

پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کے ساتھ برابری کرتے ہیں۔ وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر

اس پر کافر لوگ اپنے رب کے برابر ٹھہراتے ہیں وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا پھر ایک میعاد

قَضٰۤی اَجَلًا ؕ وَ اَجَلٌ مُّسَمًّی عِنۡدَہٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ②

حکم دیا وقت مقرر کا اور وقت مقرر ہے نزدیک اس کے پھر تم شک کرتے ہو۔

کا حکم رکھا اور ایک مقررہ وعدہ اس کے یہاں ہے پھر تم لوگ شک کرتے ہو۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: سورۂ مائدہ کی آخرت آیت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت تامہ کا ذکر ہوا کہ وہ آسمان زمین وغیرہ کا مالک ہے اس آیت کریمہ میں اس کی خلق کا ذکر ہے کہ وہ ان سب کا خالق ہے گویا یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کی ملکیت کی نوعیت بتا رہی ہے کہ وہ خالق ہونے کی بنا پر مالک ہے ایسی ملکیت کسی اور کو حاصل نہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت کا ذکر تھا اب بندوں کو حمد الٰہی اور اس کا شکر بجالانے کا اشارۃً حکم دیا جا رہا ہے کہ جس کی چیزیں تم برتتے ہو اس کا شکر بھی کرو۔ تیسرا تعلق: سورۂ مائدہ کی آخری آیات میں اللہ تعالیٰ کے سچے فیصلے کا ذکر تھا جو قیامت میں ہوگا۔ اب رب تعالیٰ کی محمودیت عامہ کا ذکر ہے کہ یہ دونوں آپس میں لازم و ملزوم ہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے **وقضی بینھم بالحق و قیل الحمد للہ رب العالمین۔** چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ملکیت کا اجمالی ذکر تھا اب اس اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے جیسا کہ ان آیات کریمہ کی روش سے معلوم ہو رہا ہے اور ترتیب خلق کا بھی ذکر ہے کہ پہلے آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہوا پھر ان میں تاریکیوں، روشنی کی پیدائش کا پھر انسان کی پیدائش کا۔

تفسیر: **الحمد للہ الذی خلق السموت والارض۔** ہم حمد کے معنی اور حمد و مدح و شکر میں فرق لفظ اللہ کی تحقیق سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں تفصیل سے عرض کر چکے ہیں یہاں دو باتیں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ قرآن مجید کی پانچ سورتوں کے اول میں الحمد للہ ہے (1) سورۂ فاتحہ میں وہاں فرمایا گیا **الحمد للہ رب العالمین** (2) اس سورۂ انعام میں کہ ارشاد ہوا **الحمد للہ الذین خلق السموت والارض** (3) سورۂ کہف میں کہ وہاں ارشاد ہوا **الحمد للہ الذی انزل علی عبدہ الکتاب** (4) سورۂ سبا میں کہ وہاں ارشاد ہوا **الحمد للہ الذی لہ ما فی السموات والارض** (5) سورۂ فاطر میں کہ وہاں ارشاد ہوا **الحمد للہ فاطر السموت والارض** ان پانچوں میں سورۂ فاتحہ کی حمد بہت ہی جامع ہے کہ وہاں **رب العالمین** ارشاد ہوا ان سورتوں میں آسمان زمین وغیرہ کا یہ سب چیزیں العالمین میں آجاتی ہیں نیز خلق سے ربوبیت زیادہ اہم ہے کہ خلق تو آنی چیز ہے جو ایک بار ہو چکی مگر ربوبیت یعنی پرورش دائمی چیز ہے۔ جس کا تعلق بندے سے ہمیشہ رہتا ہے ربوبیت کا فیض ہر وقت بندے کو پہنچتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے کہ سورۂ فاتحہ بہت جامع سورت ہے۔ دوسرے یہ کہ الحمد للہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ الحمد میں الف لام استغراقی ہو اور یہاں حمد واقعی کا ذکر ہو یعنی جو واقع ہیں۔ ساری حمدیں اللہ کی ہیں خواہ بلاواسطہ ہوں یا بالواسطہ دوسرے یہ کہ الحمد میں الف لام عہدی ہو اور حمد سے مراد حمد مقبول ہو اور معنی یہ ہوں کہ بارگاہ الٰہی میں وہ حمد مقبول ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل حمد وہ ہے جو ان کے رب نے ان کی ان کی مخلوق خواہ کتنی ہی حمد کرے وہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا کرشمہ بھی بیان نہیں کر سکتی اس لئے رب کا نام ہے حامد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کامل حمد وہ ہے جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی غرضیکہ اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں تین تفسیروں میں اللہ تعالیٰ محمود ہے دوسرے لوگ اس کے حامد ایک تفسیر میں اللہ تعالیٰ حامد ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم محمود حمد مصدر معروف ہے یا مصدر مجہول۔ خیال رہے کہ **الحمد للہ** دعویٰ ہے اور **الذی خلق** الخ کی اس کی دلیل ہے۔ کسی کی تعریف یا اس کے کمال کی بنا پر کی جاتی ہے یا اس کے احسان کی وجہ سے **الذی خلق** میں کمال الٰہی کا بھی ذکر ہے اور رحمت الٰہی کا بھی۔ قوی یہ ہے کہ یہ جملہ خبریہ ہے۔ جس میں اشارۃً حمد الٰہی کا حکم دیا گیا ہے خلق اور کسب کا فرق

ہم بارہا بیان کر چکے ہیں اگرچہ زمین و آسمان دونوں ہی سات سات ہیں مگر اکثر قرآن مجید میں **سموت** جمع اور **ارض** واحد لایا جاتا ہے اس کی وجہ بارہا عرض کی جا چکی ہے یہاں **سموت** سے مراد سارے آسمان ان کی تمام چیزیں ہیں۔ جیسے چاند' سورج' تارے وغیرہ اور زمین سے مراد زمین اور اس کی تمام مخلوق دریا' خشکی' پہاڑ' درخت وغیرہ چونکہ آسمان میں قوت فاعلیت ہے زمین میں قوت مفعولیت یعنی آسمان موثر ہے زمین اثر قبول کرنے والی نیز آسمان اور آسمانی چیزیں غیب ہیں کہ ان آنکھوں سے نہ آسمان نظر آتا ہے نہ آسمانی مخلوق فرشتے وغیرہ صرف نبی کے فرمان سے ان کا ثبوت ہے آج سائنس والے آسمان کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ زمین اور زمینی چیزیں شہادت ہیں اس لئے آسمان اور وہاں کی مخلوق کو ماننا ایمان کا رکن ہے کہ ان کا انکار کفر ہے نیز زمین والوں کی روزی آسمانوں میں ہے **وفی السماء رزقکم وما توعدون** ان وجوہ سے آسمان کا ذکر پہلے ہوا زمین کا بعد میں ورنہ زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور زمین آسمانوں سے افضل بھی ہے کہ زمین ہی سے حضرات انبیاء و اولیاء پیدا ہوئے اور زمین ہی میں ان کا مدفن ہے **خیال رہے** کہ زمین کا بہترین طبقہ جو عرش و کرسی' کعبہ معظمہ سے بھی افضل ہے وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کا وہ حصہ ہے جو جسم اطہر سے ملا ہوا ہے کہ اسی جگہ سے جسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم بنا ہے۔ پھر زمین حرم کعبہ معظمہ پھر زمین بیت المقدس فلسطین پھر زمین شام پھر زمین کوفہ و بغداد مقدس (روح البیان) اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ نے اپنے کمال کا ذکر بھی فرمایا ہے اور اپنی رحمت کا بھی آسمانوں زمین کی پیدائش رب تعالیٰ کی بڑی قدرت کا ظہور ہے کہ بغیر میٹریل بغیر اوزار صرف کن سے ایسی بڑی مخلوق پیدا فرما دی پھر ایسی مضبوط کہ نہ کبھی گھسے نہ خراب ہو اور اس میں رب کی رحمت بھی ہے کہ ہماری زندگی زمین و آسمان سے وابستہ ہے رب تعالیٰ نے پہلے یہ سامان بنائے پھر ہم کو پیدا فرمایا۔ **وجعل الظلمت والنور** یہ عبارت خلق الخ پر معطوف ہے **جعل** بمعنی **خلق** بھی ہوتا ہے تب ایک مفعول چاہتا ہے اور بمعنی صیر بھی تب دو مفعول چاہتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں بمعنی **خلق** اس لئے ایک مفعول آیا اگر بمعنی **خلق** ہو تب **خلق** اور **جعل** میں فرق یہ ہوتا ہے کہ **خلق** تکوین کو کہا جاتا ہے اور **جعل** تکوین کو بھی کہتے ہیں اور تشریع کو بھی رب فرماتا ہے **ما جعل اللہ من بحیرۃ** یہاں بمعنی شرع ہے نیز لفظ **خلق** اندازہ لگانے کے معنی میں بھی آتا ہے اور جواہر کی پیدائش پر بولا جاتا ہے اور **جعل** عام ہے چونکہ آسمان و زمین بذات خود موجود ہیں کسی سے قائم نہیں اس لئے وہاں **خلق** فرمایا اور اندھیرا اجیالا دوسرے سے قائم ہے اس لئے یہاں **جعل** ارشاد ہوا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اندھیرے اجیالے ہیں اندھیریاں بہت قسم کی ہیں رات کی اندھیری' تہ خانہ کی اندھیری' قبر کی اندھیری' دریا کے تہ کی اندھیری' ماں کے پیٹ کی اندھیری' نور ایک ہے اس لئے ظلمات جمع اور نور واحد ارشاد ہوا سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ظلمات سے مراد کفر و نفاق ہے۔ نور سے مراد ایمان و اخلاص' ظلمات سے مراد جہالت ہے نور سے مراد علم' ظلمات سے مراد دوزخ ہے' نور سے مراد جنت' ظلمات سے مراد گمراہی ہے نور سے مراد ہدایت۔ **خیال رہے** کہ نور' ضوء' شعاع' بریق سب میں روشنی کے معنی ہیں مگر ان میں قدرے تفاوت ہے جو ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں حق یہ ہے کہ ظلمت بھی نور کی طرح ایک وجودی چیز ہے لہٰذا یہ بھی مخلوق ہے۔ نور کی نفی کا نام ظلمت نہیں۔ **ثم الذین کفروا بربھم یعدلون۔** یہ عبارت **الحمد للہ** الخ پر معطوف ہے **ثم** فرمانا کفر کی بعد اور تعجب ناک ہونے کی بنا پر ہے یعنی ان دلائل کے باوجود کفار شرک کرتے ہیں یہاں **کفروا** بمعنی اشرکوا ہے۔ **یعدلون** یا تو بنا ہے عدول سے بمعنی علیحدگی دوری تب **بربھم** کی ب بمعنی **عن** ہے یا بنا ہے عدل سے بمعنی برابری سے اگر

www.alahazratnetwork.org

بنا ہے عدل سے بمعنی برابر و مساوات تو اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی مشرکین بعض مخلوق کو رب تعالیٰ سے علیحدہ ہوتے علیحدہ رہتے ہیں۔ اس کے دین کی طرف نہیں آتے اس صورت میں **کفروا** سے مراد سارے ہی کافر ہیں مشرک ہوں یا دوسرے کفار (تفسیر خازن، روح المعانی وغیرہ)۔ خیال رہے کہ کفار کا اپنے بتوں اپنے پوپ پادریوں کی تعریفیں کرنا اللہ تعالیٰ سے ہٹ جانا ہے کہ وہ کھاتے ہیں رب کا اور گاتے ہیں اوروں کا مگر مسلمان کا نبیوں ولیوں کی تعریفیں کرنا ان کی مدح و ثنا کرنا اللہ سے عدول کرنا نہیں کہ اللہ کے دھڑے کی تعریف اللہ کی تعریف ہے شیطان کے دھڑے کی تعریف شیطان کی تعریف ہے لہذا یہ فرمان برحق ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **کفروا** بنا ہے کفران سے بمعنی ناشکری اور معنی یہ ہیں کہ ان نعمتوں کے باوجود ناشکرے بندے رب تعالیٰ کی حمد سے علیحدہ رہتے ہیں (روح المعانی) یعنی اللہ کی نعمتیں پا کر اس کی حمد و شکر نہیں کرتے بلکہ اپنی تعریف کرتے ہیں کہ ہمارے فلاں کمال کی وجہ سے ہم کو یہ ملا حالانکہ جب وہ نا سمجھ بچے تھے۔ بے کمال تھے تب بھی ہم ان پر نعمتیں برسا رہے تھے اور بارہا ایک ہی آدمی کبھی امیر پھر فقیر ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ ناشکری کے تین درجے ہیں اول یہ کہ راحتوں کو اپنا کمال جانے مصیبتوں کو محض اسباب ظاہری سے سمجھے دوسرے یہ کہ نعمتوں کو اپنے کمال سے مصیبتوں کو اتفاقاً جانے تیسرے یہ کہ مصیبتوں کو خدا کا ظلم سمجھے یہ درجہ کفر ہے **ھو الذی خلقکم من طین** یہ نیا جملہ ہے جس میں منکرین قیامت کی پر زور تردید ہے یہاں **خلق** کے معنی ہیں ابتداء پیدائش تراب کہتے ہیں خشک مٹی کو طین کہتے ہیں۔ تر مٹی یعنی گارے کو یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت و شان والا ہے جس نے تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی اس طرح کی مٹی یعنی گارے کو یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت و شان والا ہے جس نے تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے کی اس طرح کہ مٹی سے غذا بنائی غذا سے خون پھر خون سے نطفہ پھر نطفہ سے تمہارے اجسام یا اس طرح کہ تمہارے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا فرمایا تم ان کی اولاد میں ہو تو گویا تمہاری پیدائش کی ابتداء مٹی سے فرمائی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے آسمان و زمین اندھیریوں نور کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو کسی مادہ سے نہیں بنے اب انسان کی پیدائش کا ذکر فرمایا جو مادہ سے بنا تاکہ بتایا جاوے کہ رب تعالیٰ بڑی شان والا ہے اس نے مادہ سے بھی مخلوق پیدا کی اور بغیر مادہ کے بھی پھر اس کی شان دیکھو کہ تمام عناصر میں عاجز عنصر مٹی ہے نیز طین اور تراب دونوں بے قدری چیزیں ہیں ان بے قدر حقیر عاجز عنصر سے ہر قسم کے انسان بنائے سونا چاندی ہیرے موتی سے نہ انسان بنا نہ انسان کی غذا و پھل پھول **ثم قضی اجلا** یہ عبارت **خلقکم** پر معطوف ہے قضا سے مراد اگر لکھنا ہے تو **ثم** زمانی تاخیر کے لئے ہے کیونکہ جب بچہ ماں کے پیٹ میں بن جاتا ہے تب اس کی تقدیر موت وغیرہ لکھی جاتی ہے یہ زمانہ ارواح کی پیدائش سے بہت بعد ہے اور اگر قضا سے مراد ہے فیصلہ فرمانا تو **ثم** بیانی تاخیر کے لئے ہے کیونکہ تمام کی موت و زندگی کا فیصلہ ربانی ان کی پیدائش سے پہلے ہو چکا ہے **اجل** کے معنی ہیں زمانہ کی مقررہ حد یہاں اس سے مراد ہے موت کیونکہ ہر چیز کی موت اس کی زندگی کی حد ہے یعنی تمہاری پیدائش کے بعد تمہارے لئے موت تمہاری تقدیروں میں لکھی جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں لکھی گئی یا پھر یہ بھی سمجھ لو کہ تمہاری پیدائش سے پہلے ہی تمہاری موت کا فیصلہ رب تعالیٰ نے فرما دیا تھا کہ کون کتنا جیئے گا **واجل مسمی عندہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے **اجل** مبتداء ہے اور **مسمی** اس کی خبر یہاں **اجل** سے مراد قیامت میں اٹھنے کا وقت ہے اور **مسمی** کے معنی مقرر معین ہے چونکہ قیامت ہماری برزخی زندگی کی حد ہے اس لئے اسے **اجل** فرمایا اگرچہ قیامت اخروی زندگی کی ابتداء ہے (روح البیان) **عندہ** کا تعلق **مسمی** سے ہے چونکہ انسان کو اپنی موت کا پتہ بڑھاپے اور

www.alahazratnetwork.org

دیگر نشانات سے لگ جاتا ہے۔ مگر قیامت وہ چیز ہے جس کا پتہ کسی نشانی علامت سے نہیں چلتا اس لئے قیامت کے متعلق عندہ فرمایا اور موت کے متعلق عندہ ارشاد نہ ہوا یعنی ایک معیاد اور بھی ہے جو اللہ کے نزدیک مقرر ہے وہ ہے قیامت کا دن۔ بعض نے فرمایا کہ پہلی **اجل** سے مراد ہے نیند اور دوسری اجل سے مراد ہے موت' بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلی **اجل** سے مراد ہے ہماری گزشتہ عمر اور دوسری **اجل** سے مراد ہے ہماری بقیہ عمر اس کے متعلق اور بہت قول ہیں (تفسیر کبیر و روح المعانی) بعض کے نزدیک پہلی **اجل** سے مراد ہے حادثات سے موت، دوسری **اجل** سے مراد ہے طبعی موت (روح البیان) مفسرین کی اصطلاح میں حادثات کی موت کو **اجل** اخترامی کہتے ہیں۔ دوسری موت کو **اجل** طبعی یہ دو قسم کی موت، ہمارے لحاظ سے ہے رب تعالیٰ کے ہاں ہر شخص کی ایک ہی موت ہے، جو باذن الٰہی ہے۔ یہ بھی احتمال ہے کہ پہلی **اجل** سے مراد ہے انسان کی ہر حالت کی حد اور دوسری **اجل** سے مراد ہے موت یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے بچپن' جوانی' بڑھاپے' بے شعوری' شعور و عقل' فقیری امیری' تندرستی' بیماری' غفلت و ہوشیاری سب کی معیادوں کا فیصلہ فرمادیا کہ تم فلاں وقت تک ایسے رہو گے فلاں وقت تک ویسے موت کی میعاد اللہ تعالیٰ کے ہاں مقرر ہے۔ **ثم انتم تمترون۔** یہ عبارت پچھلی ساری عبارت پر معطوف ہے **ثم** فرمایا صرف تعجب دلانے کے لئے ہے تاخیر کے لئے نہیں **انتم** میں خطاب ان کفار سے ہے جو قیامت کے انکاری تھے **تمترون** یا تو مریۃ سے بنا ہے بمعنی شک یا **مراء** سے بمعنی جھگڑا یعنی اے منکرین قیامت تم ہماری ان قدرتوں کو جان کر پھر قیامت میں شک کرتے ہو یا قیامت کے متعلق مسلمانوں سے جھگڑتے ہو تمہارا یہ شک یا یہ جھگڑا بڑے ہی تعجب کی بات ہے۔ جب ہم تم کو ایکبار کر سکتے ہیں تو دوبارہ اٹھا بھی سکتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کے تین جز ہیں **الحمد للہ** جس میں دعویٰ ہے کہ **الذی خلق** الخ جس میں اس دعوے کی دلیل ہے **ثم الذین کفروا** جس میں نافرمان ناشکرے بندوں کی شکایت ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا کہ تمام تعریفیں واقعہ میں ہی کی ہیں خواہ براہ راست اس کی تعریف کی جاوے یا اس کی کسی مخلوق کی تعریف کی جاوے واقعہ میں تمام تعریفیں اس کی ہیں کہ مصنوع کی تعریف صانع کی تعریف ہوتی ہے یا وہ حمد رب کے ہاں قبول ہے جو مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ہو اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے جس نے سارے آسمانوں و زمین کو پیدا فرمایا ان کے علاوہ قسم قسم کی جسمانی یا روحانی تاریکیاں بھی پیدا فرمائیں اور جسمانی و روحانی روشنی بھی ایسے شان والے رب کے برابر کون ہو سکتا ہے ان تمام باتوں کے باوجود مشرکین میرے بعض بندوں کو میرے برابر کردیتے ہیں کہ میرے سوا ان کی بھی پرستش کرتے ہیں یا انہیں بلند کر کے مجھ تک یا مجھے گھٹا کر ان بندوں تک پہنچادیتے ہیں یا پھر بھی ناشکرے بندے اپنے رب سے ہٹ کر اپنے کمالات پر فخر کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ تو وہ قدرت والا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا فرمایا اس طرح کہ تم سب کی اصل حضرت آدم کو مٹی سے بنایا لہذا تمہاری اصل مٹی ہے یا اس طرح کہ تم کو نطفہ سے نطفہ کو خون سے خون کو غذا سے غذا کو مٹی سے بنایا بہرحال تمہاری اصل مٹی ہی ہے پھر تمہاری موت کے لئے ایک میعاد مقرر فرمائی۔ جس کا پتہ کسی قدر کبھی تم کو بھی دے دیتا ہے کہ تم بعض بیماریوں یا بڑھاپے یا کوئی خاص علامت سے موت کا وقت جان لیتے ہو اور تمہاری ایک میعاد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہے تمہیں پتہ نہیں یعنی قیامت کا دن کہ تم قیامت تک عالم برزخ میں رہو گے اے قیامت کے منکر کافرو ان تمام باتوں کے باوجود قیامت میں شک کرتے ہو مسلمانوں سے اس کے متعلق جھگڑے ہو اتنا نہیں سمجھتے کہ جو ایکبار پر قادر ہے وہ دوبارہ بنانے پر بھی قادر ہے جب ہم نے تم کو پہلی بار بنادیا تو

www.alahazratnetwork.org

دوبارہ بنانا کیا مشکل ہے ان چیزوں میں غور کرو اور قیامت پر ایمان لاؤ۔ عرب میں بہت قسم کے کفار تھے دہریے یعنی اللہ کی ہستی کے منکر۔ مشرکین چند الہ ماننے والے۔ قیامت کے منکر' نبوت اور کتاب کے منکر' ختم نبوت کے منکر ہو سکتا ہے کہ **تمترون** میں ان تمام کفار سے خطاب ہو ہر کافر انسان کی پیدائش میں غور کرکے ان تمام شکوک سے توبہ کرے کوئی چیز بغیر فاعل کے نہیں ہوتی تو تمہاری پیدائش بغیر رب کے کیسے ہو گئی تم خود دلیل فاعل ہو جب تم تلوار دیکھ کر لوہار کو مکان دیکھ کر معمار کو مان لیتے ہو تو اپنے کو دیکھ کر خالق جبار کو مان لو کوئی ملک دو بادشاہوں کا متحمل نہیں ہو تا ملک کا نظام چاہتا ہے کہ بادشاہ یا صدر ایک ہو ماتحت عملہ بہت تمہاری پیدائش چاہتی ہے کہ دل ایک ہو باقی اعضاء چند اپنے میں غور کرو اللہ کو ایک مان لو اللہ نے تمہاری طفولیت جوانی بڑھاپے' بلکہ جاگنے سونے کی حدیں رکھیں ان کو دیکھو اور قیامت کو مانو ایک وقت تمہارے سونے کا دوسرا وقت جاگنے کا ایسے ہی ایک وقت مرنے کا ہے اور دوسرا اٹھنے کا۔ **وجل مسمی عندہ** تم خود دلیل قیامت ہو۔ اللہ نے تم کو پیدا کرکے یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ تمہاری بقا کے لئے ہوا غذا' دوائیں وغیرہ پیدا کیں تو کیسے ہو سکتا ہے کہ عالم روحانیت میں انہیں آوارہ چھوڑ دے اس نے تمہاری روحانی بقا کے لئے نبی' کتابیں' احکام بھیجے **خلقکم من طین** میں غور کرو اور نبوت کو مان لو پھر ہر چیز اپنے کمال پر یا اپنے اصل پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے جوانی بڑھاپا تمہارے جسموں کی پیدائش حد سے پہلے ترقی کرتی رہتی ہے حد پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے یونہی نبوت کمال یا اپنی اصل پر پہنچنے سے پہلے برابر جاری رہی اپنے کمال پر پہنچ کر ختم ہو گئی **الیوم اکملت لکم دینکم** دریا سمندر پر پہنچنے سے پہلے رواں رہتے ہیں وہاں پہنچ کر ٹھہر جاتے ہیں اب پڑھو **واجل مسمی عندہ ثم انتم تمترون** میں خطاب سارے کفار سے ہے اور ہماری پیدائش **اجل مسمی** توحید' قیامت' نبوت' ختم نبوت سب کی دلیل ہے ہم ان تمام دلائل کے دفتر ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مخلوق کی خصوصاً حضرات انبیاء و اولیاء کی تعریفیں کرنا شرعاً منع نہیں بلکہ اگر نیت خیر سے ہوں تو عبادت ہے کہ یہ تمام تعریفیں بالواسطہ اللہ تعالیٰ کی ہی تعریفیں ہیں کہ جو بندہ جو بھی بنا رب کے بنانے سے بنا۔ صنعت کی تعریف سے صانع خوش ہوتا ہے۔ کتاب کی تعریف سے مصنف خوش ہوتا ہے۔ خط کی تعریف سے لکھنے والا خوش ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا ان کے صحابہ و اہل بیت و اولیاء اللہ کی تعریف سے خدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے کہ اسی نے ان کو قابل تعریف بنایا ہے یہ فائدہ **الحمد للہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حمد الہٰی بہترین عبادت ہے مگر جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے ماتحت ہو اپنی رائے اپنی عقل سے تعریف نہ عبادت ہے نہ مقبول یہ فائدہ **الحمد اللہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ تمام عبادات کا یہی حال ہے کہ حضرت کی تعلیم کے مطابق ہوں تو عبادت ہیں ورنہ بیکار بلکہ مضر و نقصان رساں۔ تیسرا فائدہ: جسمانی و روحانی اندھیریں بہت زیادہ ہیں اور روشنی صرف ایک یہ فائدہ **الظلمات** کو جمع فرمانے اور نور کو واحد فرمانے سے حاصل ہوا کفر و شرک بہت ہیں ایمان صرف ایک فسق بہت ہیں تقویٰ و پرہیزگاری صرف ایک ہی یہ حال جسمانی روشنی و تاریکی کا ہے ماں کے پیٹ میں اندھیرا اور قسم کا تھا رات کا اندھیرا اور قسم کا دریا کی تہ میں اندھیرا اور طرح کا تہ خانہ یا قبر میں اندھیرا اور قسم کا ہے مگر روشنی ایک ہی ہے خواہ چراغ سے حاصل ہو یا چاند سورج وغیرہ سے۔ چوتھا فائدہ: شرک کے لئے یہ ضروری ہے کہ کسی بندے کو رب تعالیٰ کے برابر مانا جاوے خواہ بندے کا مرتبہ اتنا اونچا سمجھا جاوے کہ وہ خدا کی برابر ہو جاوے' یا رب تعالیٰ کا درجہ اتنا ہی نیچا سمجھا جاوے کہ وہ بندے کے برابر ہو جاوے۔ مشرکین

www.alahazratnetwork.org

عرب فرشتوں کو عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی اولاد مانتے ہیں یہ عقیدہ شرک ہے کہ اس میں بندہ کو رب تک پہنچادیا بعض مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے معبودوں کا حاجت مند جانتے ہیں یہ شرک ہے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کو نعوذ باللہ نیچا کرکے بندوں کے برابر کردیا اگر برابری کا عقیدہ نہ ہو تو شرک نہیں یہ فائدہ **بربهم يعدلون** سے حاصل ہوا لہذا حضرات انبیاء و اولیاء کو باذن الٰہی حاجت روا یا مشکل کشا ماننا شرک نہیں اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو بعض بندے بعض کے حاجت روا ہوتے ہیں حکام رعایا کے حکیم بیمار کے امیر غریبوں کی حاجتیں پوری کرتے رہتے ہیں دوسری جگہ قرآن کریم مشرکین کا ایک قول نقل فرماتا ہے جو وہ قیامت میں اپنے معبودان باطلہ سے کریں گے **اذ نسويكم برب العلمين** ہم سے بڑی غلطی ہوئی کہ ہم تم کو رب العالمین کے برابر سمجھتے تھے ان آیات سے وہ حضرات عبرت پکڑیں جو بات بات پر مسلمانوں کو مشرک کہتے رہتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: انسان کی اصل مٹی ہے لہذا مٹی باقی تمام عناصر سے افضل ہے کہ اسی سے حضرات انبیاء و اولیاء کی پیدائش ہے اور بعد وفات اسی میں دفن ہوتا ہے۔ بلکہ سب کی غذا بھی مٹی ہی سے ہے یہ فائدہ **خلقكم من طين** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: قرآن کریم کی دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے آسمان بعد میں پیدا ہوئے تو یہاں **خلق السموات والارض** کیوں فرمایا آسمانوں کا ذکر زمین سے پہلے کیوں فرمایا زمین آسمان سے اشرف و افضل بھی ہے اور پیدائش میں پہلے بھی جواب: آسمان فاعل ہیں زمین مفعول آسمان فیض رساں ہیں زمین فیض یاب دھوپ، بارش، چاندنی، تاروں کی روشنیاں آسمان سے زمین پر آتی ہیں اس لئے فاعل کو مفعول سے پہلے بیان فرمایا گیا۔

مسئلہ: بعض لوگوں نے کہا ہے کہ آسمان زمین سے افضل ہے اس لئے کہ آسمان کا ذکر زمین سے پہلے قرآن مجید میں ہوتا ہے نیز آسمان پر گناہ نہیں ہوتے زمین پر کفر و شرک گناہ سب کچھ ہوتے ہیں نیز آسمان پر گندگی نہیں زمین پر ہر جگہ گندگی کے ڈھیر ہیں مگر محققین علماء کا قول یہ ہے کہ زمین آسمانوں سے افضل ہے کیونکہ آسمان فرشتوں کا مسکن ہے تو زمین حضرت انبیاء خصوصاً حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مسکن بھی ہے مدفن بھی۔ آسمان پر صرف نماز ہوتی ہے کہ فرشتے قیام، رکوع، سجود میں ہیں۔ مگر زمین پر نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، جہاد وغیرہ ساری عبادات ہوتی ہیں نیز زمین منشاء کائنات ہے کہ انسان جو مقصود عالم ہے وہ زمین پر ہی رہتا ہے۔ کسی شاعر نے زمین و آسمان کا مکالمہ یوں نقل کیا۔

فلک بولا کہ مجھ میں چاند اور مہر انور ہے — زمین بولی کہ مسجد میں مری اللہ اکبر ہے
فلک بولا کہ تاروں سے منور میرا سینہ ہے — زمین بولی کہ مجھ میں طور ہے مکہ مدینہ ہے

آسمان نے زمین کو طعنہ دیا کہ۔

فرعون تجھ سے نکلا ہامان تجھ سے نکلا!

زمین نے جواب دیا کہ۔

ان سب کا پیرو مرشد شیطان تجھ سے نکلا!

مگر چونکہ آسمان کو حضرات انبیاء سے مناسبت ہے اور زمین کو امت سے اس لئے آسمان کا ذکر پہلے ہوتا ہے زمین کا بعد میں آسمان

www.alahazratnetwork.org

سایہ فگن ہے۔ زمین آسمان کے زیر سایہ ہے یوں ہی آسمان فیض رساں ہے زمین فیضیاب۔ **دوسرا اعتراض:** ظلمت کو جمع نور کو واحد کیوں فرمایا گیایا دونوں کو واحد فرمایا جاتایا دونوں کو جمع۔ **جواب:** اس لئے کہ تاریکی کے اسباب بلکہ تاریکی کی قسمیں نوعیں بہت ہیں روشنی کی نوعیت ایک ہے اگرچہ نور کے صفات مختلف ہیں کہ کوئی روشنی تیز ہے کوئی ہلکی مگر حقیقت نور ایک ہی ہے یعنی دافع ظلمت اس وجہ سے ظلمت جمع اور نور واحد ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** مشرکین اپنے باطل معبودوں کو رب تعالیٰ کے برابر نہیں جانتے وہ مانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے یہ سب مخلوق ہیں پھر **بربهم يعدلون** فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** مشرکین اپنے معبودوں کو بندہ مان کر ان میں بعض صفات ایسی مانتے ہیں جس سے رب تعالیٰ کے ساتھ برابری ہو جاوے جیسے انہیں رب کی اولاد یا بیوی ماننا یا رب کی طرح انہیں ازلی ابدی ماننا یا رب تعالیٰ کو ان کا حاجتمند ماننا یا انہیں بعض چیزوں کا خالق ماننا وغیرہ وغیرہ ایک صفت میں برابر کر دینا شرک کے لئے کافی ہے بندہ کسی صفت میں رب کی برابر نہیں ہو سکتا رب رب ہے بندہ بندہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** مشرکین اپنے معبودوں کو بہ عطاء الٰہی خالق مانتے ہیں۔ فلاسفہ بہ عطاء الٰہی عالم یا دس عقلوں کو ازلی (قدیم) مانتے ہیں۔ آریہ بہ عطاء الٰہی روح و مادہ کو عنادی یعنی قدیم مانتے ہیں انہیں مشرک کیوں کہا جاتا ہے۔ تم بھی اللہ کے بعض بندوں کو سمیع علیم، عالم غیب یا جنت وہاں کی نعمتوں اور جنتیوں کو ابدی مانتے ہو یہ اذن الٰہی اسلام کے ان عقیدوں اور مشرکین یا فلاسفہ کے عقیدوں میں کیا فرق ہے تم بھی بندوں کو خدا کے برابر مانتے ہو۔ **بربهم يعدلون** تم پر بھی صادق ہے (دیوبندی) **جواب:** سمع، بصر، علم وغیرہ عطائی ہو سکتے ہیں مگر خالقیت عطائی نہیں ہو سکی۔ خالقیت بغیر غنا ناممکن ہے اور غنا الوہیت کا مدار ہے معبود وہ جو غنی ہے بندہ اور عابد وہ ہے جو محتاج ہے بندہ کاسب ہے خالق نہیں ہو سکتا۔ کسی چیز کو ازلی ماننا باذن الٰہی۔ شرک نہیں کفر ہے یعنی فلاسفہ جن کا مذکورہ عقیدہ ہے وہ شرعاً کافر ہیں کہ ایک عقیدہ قرآنیہ کے منکر ہیں مگر مشرک نہیں کہ انہوں نے کسی کو رب کے برابر نہیں مانا اس کے متعلق ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحوں کا مطالعہ کرو۔ کفر شرک میں فرق ہے کفر عام مطلق ہے شرک خاص مطلق ہے **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ موت کا وقت مقرر ہے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کیسے کرتے تھے وہ مردے اپنی عمر پوری کر کے مر چکے تھے یوں ہی حضرت خلیل اللہ کی پکار پر ذبح شدہ جانور اور حضرت حزقیل علیہ السلام کی دعا سے فوت شدہ بستی والے حضرت عزیر علیہ السلام کے سامنے مرا ہوا گدھا یہ تمام زندہ کیونکر ہوئے حالانکہ ان سب کا ثبوت قرآن مجید سے ہے۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہے ان واقعات میں اس رب کی قدرت کا ظہور اللہ تعالیٰ نے ان نبیوں کی دعا یا معجزے سے ان مردوں کو دوبارہ عمر بخشی وہ رب بجھے چراغ میں دوبارہ عمر کا تیل بتی ڈال سکتا ہے ہاں کوئی شخص رب کا مقابلہ کر کے کسی مردے کو زندہ نہیں کر سکتا۔ اس کی مفصل بحث تیسرے پارہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے مقبولوں کی دعا سے تقدیریں بدل جاتی ہیں مگر بدلتا ہے رب تعالیٰ ہی خود فرماتا ہے **يمحوا الله ما يشاء ويثبت وعنده ام الكتاب** - **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو اجل کا ذکر کیوں ہے اجل یعنی موت تو ایک بار ہی آوے گی۔ **قضى اجلا** اور پھر فرمایا **واجل مسمى عنده** - **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ پہلی اجل سے مراد انسان کی موت ہے دوسری اجل سے مراد قیام قیامت ہے یعنی دنیاوی زندگی اور برزخی زندگی دونوں کی انتہاء کا ذکر ہے وغیرہ۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قیامت کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں کہ فرمایا گیا **واجل مسمى عنده** جب قیامت رب کے نزدیک مقرر ہے پھر دوسرے

www.alahazratnetwork.org

کو اس کا علم کیسے ہو سکتا ہے۔ دوسرے جگہ فرماتا ہے **وعندہ علمہ الساعتہ** پھر تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم کیوں مانتے ہو یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** حق یہ ہی ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قیامت عطا فرمایا اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو ان آیات میں یہ تو ارشاد ہے کہ علم قیامت رب تعالیٰ کو ہی ہے مگر عطاء علم کی نفی نہیں اس نے اپنے بعض محبوب بندوں کو یہ علم بھی بخشا ہے جس پر بہت دلائل قائم ہیں۔ حصر علم عطاء علم کے خلاف نہیں پورا عالم ہو تاہی وہ ہے جو دوسرے کو علم سکھا بھی سکے اللہ تعالیٰ کا علم کامل ہے وہ عالم بھی ہے اور علیم بھی یعنی علم دینے والا بھی۔

تفسیر صوفیانہ: اے لوگو! اس اللہ کی حمد کرو جس نے اپنے بندوں میں حضرات انبیاء و اولیاء پیدا فرمائے جو اس کی مخلوق پر آسمانوں کی طرح سایہ فگن ہیں اور ان بندوں میں دوسرے لوگ بنائے جو زمین کی طرح نبوت و ولایت کے سایوں میں ہیں وہ حضرات فیض دیتے ہیں یہ لوگ فیض لیتے ہیں۔ اس زمین پر نفوس کی اندھیریاں اور دل کے نور ڈالے چنانچہ نفس کے عیوب حیوانی، شیطانی، بہیمی، درندگی، حسد، غصہ، کینہ وغیرہ ہیں جو اندھیریاں ہیں دل کے وصف روحانی ملکی ہے۔ جس پر نفس کے عیوب غالب آگئے اس کا دوست شیطان بن گیا۔ جس پر دل کے صفات کا غلبہ ہو گیا وہ رحمان کی حمایت میں آگیا فرماتا ہے **اللہ ولی الذین امنوا یخرجہم من الظلمت الی النور** پھر ان ظلماتی لوگوں نے اپنی اندھیریوں کی وجہ سے شیطان کو رحمانی کے برابر کر دیا کہ اس کی پرستش کرنے لگے یعنی رب کے بندے کے بندے بن گئے۔

لطیفہ: حضرت ابو الغیث ابن جمیل نے بعض لوگوں سے کہا کہ اے میرے بندے کے بندو ان لوگوں نے یہ شکایت حضرت شیخ اسماعیل سے کی انہوں نے کہا کہ حق فرمایا تم ہوا کے بندہ ہو اور ابو الغیث خدا کا بندہ ہے۔ جس کی وجہ سے ہوا ان کا بندہ بن گئی (یعنی نفسانی خواہش) کے تم بندے ہو اور ہوا ان کا بندہ رب تعالیٰ نے روح کے لئے ایام فراق کے لئے میعاد مقرر فرمائی۔ جس میعاد میں وہ بارگاہ الٰہی سے دوری میں رہیں گے۔ اس کے نزدیک وصال کے لئے ایک وقت مقرر ہے اس فصل کے بعد وصل ہے۔ جس دل پر یہ آفتاب طلوع ہو جائے تو پھر کبھی غروب نہیں ہوتا مگر تم اے جلد بازو اس وصال میں شک کرتے ہو اس لئے وقت سے پہلے وصال چاہتے ہو (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی کے چار درجے ہیں۔ پہلا درجہ دنیا کی چیزوں سے اسے پہچاننا دوسرا درجہ خود اپنے ذریعہ سے اسے پہچاننا ہم خود اس کی معرفت کی دلیل بلکہ اس کی کتاب ہیں تیسرا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رب کو پہچاننا۔ چوتھا درجہ ہے خود رب سے رب کو پہچاننا یہاں پہلی آیت میں معرفت کا پہلا درجہ بتایا گیا یعنی اس کی مخلوق کے ذریعہ اسے پہچاننا دوسری آیت میں معرفت کا دوسرا درجہ بیان ہوا یعنی خود اپنے ذریعہ رب کو پہچاننا۔ **ھو الذی خلقکم** مگر اپنے ذریعہ رب کو وہ پہچانے گا جو پہلے اپنے کو پہچانے **وفی انفسکم افلا تبصرون** اور خود اپنے کو پہچاننا شیخ کامل کی نگاہ سے ہی ہو سکتا ہے ہم اپنی جسمانی بیماریاں تندرستی خود نہیں جانتے طبیب بتاتا ہے یوں ہی اپنے روحانی جنانی کیفیات خود نہیں سمجھ سکتے کوئی بتائے تو جانیں مکھن دودھ میں ہی ہوتا ہے مگر نکلتا ہے کسی کامل کی کوشش سے اس کی رئی (مدھانی) کے ذریعہ سے یہ دوسری آیت بڑی معرفت کی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کو مٹی سے پیدا فرمانے سے بہت حکمتیں ہیں ایک یہ کہ مٹی ارذل مخلوق ہے اور انسان اشرف مخلوق اللہ کی شان ہے کہ ارذل سے اشرف بنایا مٹی بہت ہی ناپاک جس سے غسل واجب ہوتا ہے انسان اعلیٰ درجہ کا پاک شان والا ہے وہ رب ہے جس نے ایسی ناپاک چیز سے ایسا پاک انسان

www.alahazratnetwork.org

بنایا بعض مٹی قیمتی ہوتی ہے۔ جیسے سیل کرو گیرو سفید مٹی مگر انسان بے قیمتی، بے قدری مٹی یعنی تراب سے بنایا یوں ہی جس انسان میں عجز و انکسار بے قدری ہے اسی سے بہت کچھ حاصل ہوتا ہے نیز فرماتے ہیں کہ خدا کے سوا ازلی یعنی ہمیشہ سے کوئی چیز نہیں ہر چیز نیست سے ہست ہوئی مگر اللہ تعالیٰ کے بعد بندے للہ کے حکم سے ابدی ہیں یعنی ہمیشہ رہنے والے جنت وہاں کی نعمتیں اور جنتی لوگ ابدی ہیں۔ **خالدین فیہا ابدا** لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص غلام غیر فانی لازوال ابدی ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **بالحق لما جاء ھم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لازوال ابدی فرمایا۔ آیت کریمہ **کل شی ھالک الا وجھہ** اور **کل من علیھا فان** میں ہلاکت اور فنا معنی موت ہے یا وہاں معنی یہ ہیں کہ ہر چیز بذات خود قابل فنا قابل ہلاکت ہے جسے رب چاہے وہ ابدی ہوتا ہے۔

وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ

اور وہی معبود ہے آسمانوں میں اور زمین میں جانتا ہے تمہارے چھپے حالات کو تمہارے ظاہر حالات کو اور جانتا

اور وہ اللہ ہے آسمانوں اور زمین کا اسے تمہارا چھپا اور ظاہر سب معلوم ہے اور تمہارے

مَا تَكْسِبُوْنَ ۝۳ وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا

ہے جو تم کماتے ہو اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی نشانیوں میں سے ان کے رب کی مگر ہوتے ہیں وہ اس

کام جانتا ہے اور ان کے پاس کوئی بھی نشانی اپنے رب کی نشانیوں میں سے نہیں آتی مگر اس سے منہ پھیر

مُعْرِضِيْنَ ۝۴ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا

سے منہ پھیرنے والے پس بے شک جھوٹا کہا انہوں نے حق کو جبکہ آیا وہ ان کے پاس میں عنقریب آئیں

لیتے ہیں تو بے شک انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا تو اب خبر ہوا چاہتی ہے اس چیز کی

مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۵

گی ان کے پاس خبریں اس کی جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے

جس پر ہنس رہے تھے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی صفت خالقیت کا ذکر تھا اب اس کی صفت علم کا تذکرہ ہے کہ خلق بغیر علم نہیں ہو سکتا۔ **دوسرا تعلق:** بعض منکرین قیامت کہتے تھے کہ عالم کا کوئی خالق مختار نہیں سب کچھ تو دو بخود بن گیا ہے اس لئے حشر نہیں۔ بعض کہتے تھے کہ عالم کا خالق مختار تو ہے مگر اسے جزئیات کا علم نہیں اور جو عالم نہ ہو وہ سزا جزا نہیں دے سکتا۔ دیکھو جج مقدمہ میں تفتیش و تحقیق پہلے کرتا ہے فیصلہ بعد میں یہ تفتیش جج کے علم کے لئے ہوتی ہے تاکہ وہ سزا و جزا درست طرح دے سکے بے خبر حاکم سزا دے گا تو غلط۔ لہذا قیامت، جنت، دوزخ وغیرہ کچھ نہیں پچھلی آیات میں پہلے گروہ کا رد ہوا اب دوسرے گروہ کی تردید ہے۔ **تیسرا تعلق:** ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ کی قدرت و علم وغیرہ کے دلائل دیئے گئے پھر منکرین کی وجہ انکار کا بیان ہوا کہ وہ لوگ ان میں غور

www.alahazratnetwork.org

نہیں کرتے لہذا وہ سزا کے مستحق ہیں کہ جو سمجھانے سے نہیں مانتا وہ گوشمالی چاہتا ہے۔

تفسیر: **وهو الله في السموت وفي الارض۔** یہ نیا جملہ ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے **هو** کا مرجع ذات رب العالمین ہے۔ چونکہ وہ سب کو معلوم ہے اس لئے بغیر ذکر کئے ہوئے بھی اس کی طرف ضمیر پھر سکتی ہے یا الحمد للہ میں اس کا ذکر ہو چکا ہے لفظ اللہ اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی معبود' مالک' مدبر امر' خالق یا اللہ علم ذات ہے مگر چونکہ وہ ان صفات میں مشہور و معلوم ہے اس لئے اس سے وہ صفات مراد ہیں لہذا **في السموت والارض** لفظ اللہ کے متعلق ہے جیسے کہا جاتا ہے **هو حاتم في طي يا هو نوشروان في قومه** وہ اپنی قوم میں نوشیرواں ہے۔ یعنی عادل ہے وہ بنی طے میں حاتم یعنی سخی ہے تو معنی یہ ہوئے کہ وہ رب تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں معبود ہے کہ ہر جگہ اس کی عبادت ہو رہی ہے یا اس کی ما لکیت خالقیت آسمانوں اور زمین میں ہے ایک احتمال یہ ہے کہ **في السموت والارض** متعلق مقدم ہو **يعلم** کا اور **هو الله** علیحدہ جملہ ہو اور **في السموت** سے **جهركم** تک دوسرا جملہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ وہ رب کریم اللہ ہے۔ وہ تمام مخلوق ان کے کھلے چھپے اعمال کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی فرشتے آسمانوں میں اور جن وانس وغیرہ زمین میں جو کھلے چھپے اعمال کو جانتا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہیں یعنی فرشتے آسمانوں میں اور جن وانس وغیرہ زمین میں جو کھلے چھپے اعمال کرتے ہیں وہ جانتا ہے یہ بھی احتمال ہے کہ **في السموت** ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہو' معلوم' مشہور' معبود وغیرہ یعنی آسمانوں زمین میں وہ جانا پہچانا ہوا ہے اسے سب جانتے ہیں لہذا اس عبارت کی تین تفسیریں ہیں (تفسیر خازن' کبیر' روح البیان و معانی وغیرہ) تیسری تفسیر نہایت لذیذ ہے اس کا مقصد انسان کی جہالت پر تعجب دلانا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو آسمان و زمین کی ہر چیز جانے مگر نہ جانے تو کون وہ جو اشرف المخلوق ہے جس پر ہماری نعمتیں بہت ہیں جو عالم کا مقصود۔ جس کی خاطر سارا عالم بنا یعنی انسان اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ بہت ہی شاندار ہے۔ جس میں بتایا کہ یہاں **في** اضافت کا ہے لفظ اللہ مضاف ہے۔ **سماوات وارض** کی طرف یعنی آسمانوں اور زمین کا اللہ ہے **يعلم سركم وجهركم۔** یہ عبارت یا تو **هو** کی دوسری خبر ہے یا **في السموات** کا متعلق جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا **يعلم** دوام اور استمرار کے لئے ہے سر سے مراد بندوں کے چھپے اعمال ہیں دلی ہوں یا ظاہری اعضاء کے اور جہر سے مراد کھلے عمل ہیں یا سر سے مراد ہے نیت و اخلاص سوا وغیرہ جہر سے مراد ہیں اعمال یا سر سے مراد ہیں ہماری چھپی ضرورتیں جن کی ہمیں بھی خبر نہیں جہر سے مراد ہیں ہماری کھلی ضرورتیں جن کی ہمیں خبر ہے یا سر سے مراد ہمارے چھپے حالات ہیں اور جہر سے مراد ہمارے ظاہری حالات غرضیکہ سر اور جہر میں چار احتمالات ہیں اور اس جملہ کی چار تفسیریں یعنی وہ رب تعالیٰ ہمیشہ سے تمہارے خفیہ وہ علانیہ اعمال یا تمہاری نیت' اخلاص' عقائد وغیرہ اور تمہارے حالات ہمیشہ سے جانتا ہے **ويعلم ما تكسبون** یہ عبارت پہلے **يعلم** پر معطوف ہے لہذا جو اس کی ترکیب ہے وہی اس کی **ما تكسبون** سے مراد دلی اور بدنی اعمال کی سزا و جزا ہے۔ جو ہمارے کسب کا نتیجہ ہے جسے ہم بذریعہ اعمال کماتے ہیں کیونکہ اعمال تو **سركم وجهركم** میں آ چکے تھے گویا کسب سے مراد ہے **مكتسب** جیسے کہا جاتا ہے یہ مال فلاں کی کمائی ہے یعنی کمائی ہوئی چیز یا کمائی کا نتیجہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے کمائے ہوئے ثواب و عذاب کو بھی جانتا ہے کہ تم کس سزا و جزا کے مستحق ہو۔ غرضیکہ تمہارے اعمال اور نتیجہ اعمال سے خبردار ہے اس سے کوئی چیز چھپی نہیں تم میں سے بعض وہ ہیں جو تھوڑے عمل کر کے زیادہ ثواب کما لیتے ہیں جیسے حضرت ربیعہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرا کر جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی حاصل کر لی یا حضرت طلحہ نے جنگ میں حضور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کی حفاظت کر کے جنت خرید لی بعض وہ ہیں جو زیادہ عمل کریں مگر ثواب تھوڑا پائیں۔ بعض وہ ہیں جو عمل بہت کریں رائیگاں جائیں بلکہ وبال جان بن جائیں۔ جیسے ابلیس کے اعمال بہت ہیں مگر بیکار بلکہ وبال ہم سب کو جانتے ہیں **وما تاتیھم من ایۃ من ایات ربھم** یہ علیحدہ اور مستقل جملہ ہے جس میں کفار کی غفلت بلکہ ہٹ دھرمی کا ذکر ہے گویا رب کو جاننے کے بعد اس کے ماننے کا ذکر ہے، کہ مجھے جانتے سب ہیں **ھو اللہ فی السموات وفی الارض** مگر مجھے مانتے صرف مومن ہیں کفار مانتے نہیں اور بغیر مانے جانے جاننا مفید نہیں۔ **ھم** کا مرجع کفار عرب ہیں یا تمام دنیا کے کفار آیت سے مراد یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں یا قرآن کریم کی آیات کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بھی تاقیامت سب کے پاس پہنچے سب نے آنکھوں دیکھے کے تمام نبیوں کے معجزات کے قصے رہ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت معجزات بعینہ باقی ہیں جیسے قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت چرچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین علماء' اولیاء اور اولیاء اللہ کی کرامات یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں اور قرآنی آیات بھی ہر ایک کے پاس پہنچیں۔ **الا کانوا عنھا معرضین** **کانوا** کا مرجع وہی کفار ہیں **عنھا** کا مرجع آیات الہیہ **اعراض** سے مراد ہے چھوڑنا یا جھٹلانا یا ان میں غور و فکر نہ کرنا یعنی کفار عرب یا سارے کفار کا یہ حال ہے کہ ان کے پاس آپ کا جو معجزہ یا جو قرآنی آیت بھی پہنچتی وہ اس کا انکار کر دیتے ہیں یا اس سے منہ پھیر لیتے ہیں اس میں غور و تامل نہیں کرتے یا یہ مطلب ہے کہ ان کے پاس دلائل قدرت دلائل وحدانیت میں جو دلیل پہنچتی ہے وہ اس میں غور نہیں کرتے یا اس کا انکار کر دیتے ہیں۔ حالانکہ دنیا کا ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ اس کے بنانے والے کی توحید کی دلیل ہے کسی شاعر نے کیا خوب فرمایا۔

ففی کل شئی لہ ایۃ — تدل علی انہ واحد!

ہر گیا ہے کہ از زمین روید — وحدہٗ لا شریک لہ گوید!

فقد کذبوا بالحق لما جاء ھم ظاہر یہ ہے کہ **فقد** کی **ف** تعلیلیہ ہے اور اس جملہ میں ان کے کفر و تکذیب کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر حال ہر عمل و فعل حق ہے یعنی آیات الہیہ کے انکار کی وجہ یہ ہے کہ وہ لوگ اس مجسم حق صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر چکے ہیں جن کا ہر حال حق ہے جو خود حق ہیں۔ جہاں دولہا نہ ہو وہاں بارات کیسی جہاں نور نہ ہو وہاں روشنی کیسی جہاں ان محبوب کی غلامی نہ ہو۔ وہاں تصدیق یا ایمان کیسے۔ حق کے تین معنی ہیں۔ ثابت یعنی ناقابل زوال باطل قابل زوال' سچ جس میں جھوٹ کا شائبہ نہ ہو' باطل جھوٹا' حکمت والی چیز' باطل لغو و بیہودہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات' افعال' اعمال' احوال ان تینوں معنوں سے حق ہیں۔ آپ کی نبوت آپ کی کتاب آپ کا دین آپ کے احکام بلکہ آپ کا نام آپ کی عزت آپ کی محبوبیت لازوال ہے۔ جب آپ لازوال ہیں تو آپ کی ہر چیز لازوال' یوں ہی آپ کے کلام' کام افعال' احوال سچے ہیں نیز آپ کی ذات آپ کا کلام آپ کی ہر ادا میں لاکھوں حکمتیں ہیں۔ خیال رہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا جانتے نہ تھے آپ کو سچا جانتے مانتے ہیں نہ جھوٹا کرتے تھے بلکہ جھوٹا کہتے تھے لہذا **کذبوا** کے معنی ہیں کہ انہوں نے جھوٹا کہا یہ معنی نہیں کہ آپ کو جھوٹا کیا یا جھوٹا جانا۔ **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم لما جاء ھم** فرما کر یہ بتایا کہ وہ کفار آپ کی تشریف آوری سے پہلے آپ کو نہیں جھٹلاتے تھے اور قیامت بلکہ اپنی موت کے وقت بھی نہیں جھٹلائیں گے یہ جھٹلانا ان کا اس

www.alahazratnetwork.org

دنیا میں عارضی ہے۔ **فسوف یاتیہم انباء ما کانوا بہ یستھزء ون** یہ **ف** جزائیہ ہے اور اس جملہ میں کفار کی تکذیب وغیرہ کی جزا اس کے نتیجہ کا ذکر ہے **انباء** سے مراد وہ سزا اور عذاب ہے جس سے انہیں اسلام کی حقانیت کی خبر لگ جاوے گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق ہونے کا پتہ چل جاوے گا اگرچہ وہ عذاب قیامت میں ہو گا مگر چونکہ قیامت صغریٰ یعنی ان کی موت بھی قریب ہے اور قیامت کبریٰ بھی قریب کہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے **سوف** ارشاد ہوا بمعنی عنقریب یعنی ان تک وہ عذاب پہنچ جاوے گا جو انہیں ان تمام چیزوں کی حقانیت کی خبر دے دے گا اور وہ ان کو حق مان لیں گے مگر اس وقت ماننا کام نہ آوے گا آج ہم ان کو مناتے ہیں اور نہیں مانتے۔ کل وہ ہم کو منائیں گے ہم نہ مانیں گے۔

آج لے ان کی پناہ آج حیا کر ان سے — کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

خلاصہ ء تفسیر: یہاں پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے منکر انسانوں کی شکایت فرمائی کہ میں ہر ذرہ میں ظاہر مجھے ہر چیز جانے مانے پہچانے میری عبادت کرے ابلیس تک مجھے مانتا ہے ہر جگہ میری عبادت ہو رہی ہے۔ مجھ سے غافل ہوا تو کون اشرف خلق انسان چنانچہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ سارے آسمانوں اور ساری زمین میں ہر جگہ اس کی عبادت ہو رہی ہے وہی آسمانوں اور زمین کا معبود ہے اس کی معبودیت کی تو یہ شان ہے اس کے علم و خبر کی یہ شان ہے کہ اے لوگو وہ تمہارے کھلے چھپے حالات اعمال' احوال' تمہاری نیتیں وغیرہ بھی جانتا ہے اور تمہارے اعمال کے انجام سے بھی خبردار ہے۔ اس کی شان تو یہ ہے مگر کفار کا حال یہ ہے کہ ان کے پاس اس کی جو نشانی قدرت یا جو آیت قرآنی پہنچتی ہے وہ اس سے منہ پھیر لیتے ہیں کہ یا تو اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی ہے ہی نہیں۔ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنالیا ہے یا اس میں غور نہیں کرتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اس ذات کریم کا انکار کر چکے ہیں جو کہ سراپا حق ہے۔ جن کا ہر کلام و کلام حق ہے۔ جب وہ حق ان کے پاس تشریف لایا تو انہوں نے انکار کر دیا جس دل میں وہ حق یعنی محمد مصطفیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر نہ ہوں وہاں آیات الٰیہ کی روشنی کیسے پہنچے اب عنقریب انہیں اس انکار کا نتیجہ مل جاوے گا یہ اس کا انجام آنکھوں دیکھ لیں گے ابھی موقعہ ہے اسے غنیمت جانیں ایمان قبول کر لیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بعض جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر و مشرک و نافرمان نہیں سب رب تعالیٰ کے عابد اس کے مطیع ہیں یہ فائدہ **اللہ فی السموات و الارض** سے حاصل ہوا یہ رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے کہ بے عقل چیزوں کو اپنی معرفت بخشی اس معرفت سے محروم رہا تو کون عاقل منکر انسان' انسانوں میں بڑے عاقل ابوجہل' ابولہب امیہ ابن خلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ پہچان سکے۔ پہچانا کس نے سیدھے سادھے حضرت بلال نے۔

نہ میرے قلب و جگر میں نہ دیدہ تر میں — کرم کرے وہ نشان قدم تو پتھر میں

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر ذرہ ہر قطرے کا جاننے والا ہے اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہیں یہ فائدہ **یعلم** کے اطلاق اور **ما تکسبون** کے عموم سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں عمل تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر عمل کا پورا ثواب کوئی حاصل کرتا ہے ثواب بقدر عقل ملے گا یہ فائدہ **ویعلم ما تکسبون** سے حاصل ہوا۔ ایک شخص فرض نماز یا جماعت کی پابندی نہیں کرتا۔ مگر رات بھر نفل پڑھتا ہے اس کا ثواب کم دوسرا شخص نفل تھوڑے پڑھتا ہے مگر فجر و عشاء کی جماعت تکبیر

www.alahazratnetwork.org

تحریر. پاتا ہے اسے تمام رات نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے ایک شخص وہاں مسجد بناتا ہے جہاں پہلے ہی مسجدیں بہت ہیں یہ مسجد ویران پڑی رہتی ہے اس کا بالکل ثواب نہیں یا بہت کم دوسرا آدمی دینی مدرسہ بناتا ہے۔ جس سے علماء پیدا ہوتے ہیں یقیناً اس مدرسہ والے کا ثواب زیادہ ہے۔ ایک شخص نوافل پڑھتا ہے دوسرا شخص عالم ہے۔ جو اپنی تصنیف فتووں سے مخلوق کو فائدے پہنچاتا ہے یقیناً اس عالم کا ثواب اس عابد سے زیادہ ہے عمل کرو مگر عقل کے ساتھ۔ **چوتھا فائدہ:** جب تک توفیق الٰہی دستگیری نہ کرے تب تک انسان کو کوئی چیز ہدایت نہیں دے سکتی اور اگر اس کریم کی توفیق شامل حال ہو تو دنیا کی ہر چیز بلکہ خود اپنے حالات ہدایت کا ذریعہ بن جاتے ہیں یہ فائدہ **وما تاتیھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں غور نہ کرنا طریقہ کفار ہے مومن کو چاہئے کہ ہر چیز میں قدرت کے نشانات دیکھے اور ان کے خالق کی حمد و ثنا شکر کرے۔ یہ فائدہ **معرضین** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ علماء فرماتے ہیں کہ ایک ساعت کی فکر ہزار برس کے ذکر سے افضل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تہجد کو اٹھتے تو اٹھتے ہی یہ آیت کریمہ تلاوت کرتے تھے۔ **ان فی خلق السموات والارض** الخ اور اکثر فرمایا کرتے تھے کہ افسوس ہے اس پر جو یہ آیت کریمہ پڑھے اور چاند تاروں وغیرہ میں غور نہ کرے۔ مگر خیال رہے کہ ان مصنوعات الٰہیہ میں وہی غور مفید ہے جو معرفت الٰہی کا ذریعہ بن جاوے۔ جو غور و خوض بے دینی والحاد پیدا کر دے وہ تو کفر ہے آج بعض سائنسی محققین راکٹوں اور سائنسی آلات کے ذریعہ فضاء خلا' چاند وغیرہ کی تحقیقات میں مصروف ہو کر آسمان بلکہ خود اللہ تعالیٰ کے منکر ہو گئے ہیں۔ یہ غور بے دینی ہے۔ مصنوع میں نہ پھنس جاؤ اس کے ذریعہ صانع کا پتہ لگاؤ۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا حق ہیں آپ کی ہر ادا ہر حال ہر کام ہر کلام حق ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حق بھی ہے یہ فائدہ **فقد کذبوا بالحق** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جس نے نہ مانا وہ روحانیت کی کوئی چیز نہیں مان سکتا یہ فائدہ **فقد کذبوا بالحق** کی تحلیلیہ **ف** سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا ہیں ساری ایمانیات بارات حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارش ہیں ساری ایمانیات اس بارش کی بہاریں جیسے ایک بارش ہزاروں دانے پھل پھول اگا دیتی ہے ایسے ہی ایک تعلق رسول ایمان و عرفان ولایت غوثیت و قطبیت کے پھل پھول پیدا فرما دیتی ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں سکونت مدینہ منورہ میں ہوئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری جلوہ گری تاقیامت ہر جگہ ہر دل میں ہوئی یہ فائدہ **جاءھم** سے حاصل ہوا اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **لقد جاءکم رسول۔ بعث فیھم رسولا** ۔ سورج رہتا ہے آسمان پر مگر طلوع ہوتا ہے سارے جہان پر۔ **نواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت۔ ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہو گئے کہ اب کوئی صحابی نہیں بنتا آنکھوں سے وہ جلوہ نظر نہیں آتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ختم نہ ہوئی وہ دنیا میں ایسے آئے کہ پھر نہ گئے۔ یہ فائدہ بھی **جاءھم** سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا تاقیامت تمام کفار کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ سورج ڈوب کر فنا نہیں ہو جاتا بلکہ ہماری نگاہوں سے چھپ جاتا ہے۔

تو زندہ ہے و اللہ تو زندہ ہے اللہ ۔۔۔ مرے چشم ظاہر ہے چھپ جانیوالے

مگر یہ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کافروں کے پاس بھی ہے مومنوں کے پاس بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کافروں کی عقل یا آنکھوں میں آئے مگر مومنوں کے دل میں ایمان میں جاتے میں آئے اس لئے یہاں **جاءھم**

www.alahazratnetwork.org

فرمایا اور سورۂ توبہ میں جاء کم فرمایا مومنوں کو عرفان بخشنے آئے کافروں کا طغیان بڑھانے آئے جیسے سورج چمگادڑ کی آنکھ اندھی کرنے آتا ہے۔ دوسروں کی آنکھیں روشن کرنے۔ دسواں فائدہ: جو کوئی دلائل قدرت سے ایمان نہ لائے اور رب کا مطیع نہ بنے وہ اس وقت توبہ کرے گا جب توبہ کرنا کام نہ آوے گا۔ یہ فائدہ فسوف یاتیھم الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں رہتا ہے حالانکہ رب تعالیٰ جگہ میں رہنے سے پاک ہے اگر وہ آسمان و زمین میں رہتا ہے تو بتاؤ کہ آسمان و زمین کے بننے سے پہلے کہاں رہتا تھا وہ قدیم ہے اور آسمان و زمین حادث و نوپید (آریہ) جواب: یہ اعتراض اس وجہ سے ہے کہ معترض نے فی السموات سے پہلے موجود یا ساکن پوشیدہ مانا ہے یہ غلط ہے یا تو اس سے پہلے معبود پوشیدہ ہے یا فی السموت خود لفظ اللہ کے متعلق ہے کیونکہ اللہ بنا ہے الٰہ سے بمعنی معبود اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے فی السماء الٰہ وفی الارض الٰہ یا لفظ اللہ سے اس کی وہ صفات مراد ہیں جن میں وہ مشہور و معروف ہے جیسے حاتم سے مراد ہو سخی نوشیرواں سے مراد ہے انصاف والا یوں ہی اللہ سے اس کی رحمت و قدرت اس کا علم و حکمت مراد ہے لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ دوسرا اعتراض: انسانوں کے سارے اعمال تو سرکم و جھرکم میں آگئے پھر ما تکسبون فرمانا غیر ضروری ہے اس کے بعد ما تکسبون کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس کا جواب تفسیر میں گذر گیا کہ جہر و سر میں مراد ہے علانیہ و خفیہ اعمال کرنا اور ما تکسبون سے مراد ہے اعمال کی سزا و جزا لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں پہلے ارشاد ہوا کہ ان کے پاس جو آیت آتی ہے یہ اس سے منہ موڑ لیتے ہیں پھر آگے ارشاد ہوا فقد کذبوا بالحق کہ انہوں نے حق کو جھٹلایا وہ آیات ہی تو حق تھیں۔ جن کے جھٹلانے کا ذکر پہلے ہوا۔ پھر اسے دوبارہ کیوں بیان فرمایا۔ جواب: اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حق سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے اور مقصد یہ ہے کہ چونکہ یہ لوگ ان محبوب کے انکاری ہوگئے اس لئے آیات الٰہیہ کا بھی انکار کر گئے۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ان کے پاس ان کے مذاق کی خبریں عنقریب آجائیں گی خبریں تو اب بھی آچکیں پھر آئندہ آنے کے کیا معنی۔ جواب: یہاں خبروں سے مراد عملی خبریں ہیں یعنی سزا و جزاء انسان قولی خبریں نہیں مانتا عملی خبر مان لیتا ہے نتیجہ بتاتا ہے کہ تو نے کیا کیا تھا۔ پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ ہلاکت غضب کی موت ہے۔ حالانکہ رب فرماتا ہے کل شئی ھالک الا وجھہ اور یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرماتا ہے فلما ھلک۔ جواب: ان آیات میں ہلاکت بمعنی فنا ہے شہادت کے مقابل مراد نہیں۔ نیز ہلاکت عام معنی میں آتا ہے مگر اہلاک غضب کی موت کے لئے ارشاد ہوتا ہے۔ یہاں اس آیت میں اہلاک ہی ارشاد ہوا ہے باب افعال سے۔

تفسیر صوفیانہ: وہ اللہ تعالیٰ آسمان وجود اور زمین نفوس میں معبود و مقصود ہے وہ رب تعالیٰ انسانوں کے خفیہ ملکی صفات کو بھی جانتا ہے اس لئے اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اس کے ظاہری حیوانی نفسانی حالات کو بھی جانتا ہے اور تم ملکی قوتوں سے جو نیکیاں کرتے رہتے ہو انہیں بھی جانتا ہے اور جو حیوانی نفسانی ظاہری صفات سے برائیاں کر لیتے ہو انہیں بھی جانتا ہے انسان نیکیوں میں فرشتوں سے بڑھ جاتا ہے اور گناہوں میں جانوروں بلکہ ابلیس سے آگے نکل جاتا ہے انسان دو رخ والا آئینہ ہے اس کے ایک رخ میں ربوبیت کے خصوصیات ہیں دوسرے رخ میں عبودیت کے اثرات اس لئے فرمایا گیا کہ ہم تمہارے ملکی صفات کو غیب اور حیوانی صفات کو شہادت میں جانتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

حیف باشد کہ عمر انسانی　　چوں بہائم بخواب و خور گذرد
آدمی می تواند از کوشش!　　کز مقام فرشتہ درگذرد

اس لیے آگے ارشاد ہوا کہ ان انسان نما جانوروں یعنی کفار کا یہ حال ہے کہ جب بھی ان کے پاس آیات الیہ آتی ہیں تو ان کا انکار کرکے اور کفر بڑھا لیتے ہیں کیونکہ وہ اے محبوب آپ کے منکر ہیں آیات تکوینیہ میں تو غور ہی نہیں کرتے آیات تشریعیہ کا انکار کرتے رہتے ہیں انہوں نے اپنی ملکی صفات کھو دیئے حیوانی احوال ان پر چھا گئے لہٰذا یہ لوگ اپنا انجام آگے چل کر دیکھ لیں گے۔ بہتر ہے کہ انسان یہ دیکھنے سے پہلے سنبھل جاوے نسان میں مان عیاں میں ماننے سے بہتر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ظاہری اعضاء کی نیکیاں بھی مختلف ہیں ان کے گناہ بھی جدا گانہ ہیں ایسے ہی دل کی نیکیاں و گناہ مختلف ہیں اور دماغ کے گناہ و نیکیاں بھی جدا گانہ دل کا کام ہے چاہنا پسند کرنا محبت کرنا یا نفرت کرنا اگر دل اللہ رسول اس کے پیاروں کو چاہے کفر و کفار سے نفرت کرے تو بندہ مومن ہے اس کے برعکس ہو تو بندہ کافر یوں ہی دماغ کا کام ہے غور کرنا۔ سوچنا بعض غور عبادات ہیں بعض غفلت بعض غور ایمان ہیں بعض کفر اپنے گناہ سوچنا اللہ کی نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتیں سوچنا قرآن مجید و احادیث میں غور کرنا عبادات ہیں۔ اللہ رسول میں عیب سوچنا اپنی بڑائی سوچنا کفر ہے۔ اسی غلط غور سے ابلیس مردود ہوا۔ جب فلسفی سائنس والی غور و سوچ سے ہوا جہاز اور ہر قسم کی مشین بنا لیتا ہے تو اللہ والی اسی غور سے ایمان و عرفان بھی بنا سکتا ہے نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق فرمایا **فقد کذبوا بالحق** حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں یعنی ناقابل زوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے زوال یا فنا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں فنا ہو جانے والے فنا نہیں ہوتے موت اور چیز ہے فنا کچھ اور چیز اللہ کے محبوب موت سے فنا نہیں ہوتے جیسے سورج غروب ہو کر فنا نہیں ہوتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچ ہیں کہ آپ کے ہر قول فعل عمل سچے ہیں وہاں باطل یعنی جھوٹ کی پہنچ نہیں کیونکہ ان کا عمل ہر حرکت ہر سکون رب کی طرف سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق یعنی پر حکمت ہیں کہ آپ کا کوئی عمل حکمت سے خالی نہیں حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اگر نماز قضا ہو تو اس میں بھی حکمت ہے۔ انبیاء کرام کی خطائیں بھی حکمت سے پر ہوتی ہیں۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ

کیا نہ دیکھا انہوں نے کتنی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے قومیں قدرت دی ہم نے اُن کو زمین میں وہ جو

کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں انہیں ہم نے زمین میں وہ جماؤ دیا

نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن

نہ قدرت دی ہم نے تم کو اور بھیجی ہم نے ان پر بارش بہنے والی اور بنائیں ہم نے نہریں کہ بہتی تھیں ان کے نیچے

جو تمہیں نہ دیا اور ان پر موسلا دھار پانی بھیجا اور ان کے نیچے نہریں بہیں تو انہیں ہم نے گناہوں

www.alahazratnetwork.org

تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

ہے پس ہلاک کر دیا ہم نے ان کو ان کے گناہوں سے اور پیدا کیں ہم نے ان کے بعد دوسری قومیں

کے سبب ہلاک کیا اور ان کے بعد اور سنگت اٹھائی۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں موجودہ کفار کے آیات الہیہ سے منہ پھیرنے ان سے عبرت نہ پکڑنے کا ذکر ہوا اب منہ پھیرنے اعراض کرنے والوں کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ بیماری گزشتہ قوموں میں بھی تھی ان کا انجام ہلاکت ہوا تاکہ یہ موجودہ لوگ عبرت پکڑیں (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موجودہ کفار کے آیات الہیہ سے منہ موڑنے ان میں غور نہ کرنے کا دعویٰ فرمایا گیا آیات خواہ تکوینیہ ہوں یعنی عالم کی چیزیں یا تشریعیہ قرآن مجید کی آیات یا عذاب الٰہی جو پچھلی قوموں پر آئے اب اس کے ثبوت اور دلیل کا بیان ہے کہ یہ لوگ گزشتہ قوموں کی ہلاکت اور ہلاکت کے اسباب سے خبردار ہیں مگر عبرت نہیں پکڑتے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کی دلیل۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے کھلے چھپے حالات جانتا ہے اب اس علم الٰہی کے ثبوت میں گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات کا اجمالی ذکر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر ہم بندوں کے حالات سے بے خبر ہوتے تو گزشتہ قوموں کو عذاب کیسے دیتے وہی حاکم مجرم کو سزا دے سکتا ہے جو علم و قدرت دونوں رکھتا ہو اگر ہمارے علم و قدرت کا نظارہ کرنا ہو تو ان تاریخی واقعات میں غور کرو۔

تفسیر: الم یروا کم اھلکنا ۔ یہ نیا جملہ ہے اس کا ہمزہ انکاری سوال کے لئے ہے **یروا** بنا ہے رویت سے بمعنی دیکھنا خواہ آنکھ کا دیکھنا ہو یا دل کا دیکھنا یعنی غور کرنا اگر آنکھ کا دیکھنا مراد ہے تو ان ہلاک شدہ قوموں کے اجڑے ہوئے علاقے مکانات کے کھنڈروں کا دیکھنا مراد ہوگا جو مکہ والے اپنے سفروں میں دیکھا کرتے تھے بلکہ اصحاب فیل کی ہلاکت کے آثار خود **مکہ معظمہ** میں موجود تھے اور اگر دل کا دیکھنا مراد ہو تو عاد و ثمود و لوط مراد ہوں گی۔ جن کے واقعات عرب میں خصوصاً **مکہ معظمہ** میں بہت ہی مشہور تھے۔ **یروا** کا فاعل یہی مکہ والے ہیں **کم** خواہ استفہامیہ ہو بمعنی کتنے یا خبریہ ہو بمعنی بہت سے۔ بہرحال **یروا** کا مفعول ہے **اھلکنا** سے مراد ہے دنیا میں عذاب بھیج کر ان کو فنا کر دینا۔ صرف موت کے معنی میں نہیں ہے لہذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔ موت ہر زندہ کو آتی ہے مگر موت کی نوعیت میں فرق ہے کسی کو وصال کی موت آتی ہے جسے وصال کہا جاتا ہے کسی کو طبعی موت آتی ہے جسے وفات کہتے ہیں کسی کو کرامت و عزت کی موت آتی ہے جسے شہادت کہتے ہیں کسی کو ہلاکت و خواری کی موت آتی ہے جسے ہلاکت کہا جاتا ہے عشاق کی موت وصال ہے مطیعین کی موت شہادت ہے دنیادار کی موت طبعی ہے غضب و قہر کی موت ہلاکت چونکہ یہاں کفار مردودین کی موت کا ذکر ہے لہذا **اھلکنا** فرمایا گیا۔ جیسے سفر بھی طبعی ہوتا ہے جیسے عام سفر بھی رحمت کا ہوتا ہے۔ جیسے حج و زیارت کا سفر بھی عذاب کا ہوتا ہے جیسے مجرم پھانسی والے کا سفر جو کسی جگہ لے جا کر پھانسی دیا جاوے **من قبلھم من قرن** پہلا **من** تو **اھلکنا** کے متعلق ہے اور **من قبل کم** کا بیان ہے۔ **قرن** کے معنی ہیں ملنا اسی سے ہے **اقتران** اصطلاح میں کئی معنی میں استعمال ہوتا ہے زمانہ 'جماعت' ہم زمانہ لوگ 'قوم یہاں یا تو بمعنی زمانہ

www.alahazratnetwork.org

ہے تو قرن سے پہلے اصحاب پوشیدہ ہے یا بمعنی جماعت یا قوم ہے اس میں اختلاف ہے کہ کتنے زمانہ کو قرن کہتے ہیں بعض کے نزدیک ساٹھ سال بعض کے خیال میں ستر (70) یا اسی (80) سال مگر قوی یہ ہے کہ **قرن** سو برس کا ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ ابن بشر مازنی سے فرمایا تھا کہ تم ایک قرن جیو گے تو وہ پورے ایک سو سال جیئے۔ (خازن) وہ جو حدیث شریف میں ہے **خیر القرون قرنی ثم الذین یلونہم ثم الذین یلونہم** وہاں قرن سے مراد جماعت یا گروہ یا ہم زمانہ لوگ ہیں پہلے قرن سے مراد ہے حضرات صحابہ دوسرے سے تابعین تیسرے سے تبع تابعین (روح البیان) یعنی کیا مکہ والوں نے یہ نہ دیکھا یا یہ غور نہ کیا کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی قومیں ہلاک فرمادیں ان قوموں کی کیفیت یہ تھی کہ ہم نے ان کو تین نعمتیں وہ دی تھیں جو دوسروں کو نہیں ملتی پہلی نعمت یہ کہ **مکنہم فی الارض مالم نمکن لکم مکنا** بنا ہے تمکین سے جس کا مادہ یا تو مکان ہے بمعنی جگہ یا مکانت بمعنی قدرت وقوت یا بمعنی درازی عمر یا جسم کا پھیلاؤ رزق میں فراخی (خازن) یہ جملہ قرن کی صفت ہے **ہم** کا مرجع وہی قرن ہے۔ کیونکہ وہ معنی جمع ہے کہ اس سے مراد پوری جماعت و قوم ہے **الارض** سے مراد ان کی اپنی زمین ہے۔ جہاں وہ رہتے بستے تھے۔ **ما** اسم موصول ہے اپنے صلہ سے مل کر تمکینا پوشیدہ کی صفت ہے اور تمکین مفعول مطلق ہے۔ مکنا کا لفظ اسطلب واضح ہے **لکم** میں خطاب مکہ والوں سے ہے یعنی ان قوموں کو ہم نے وہ قوت، رزق میں برکت، جسم میں پھیلاؤ درازی عمر عطا فرمائی تھی کہ اے مکہ والو ان کا عشر عشیر بھی نہیں عطا ہوئی ان پر دوسری مہربانی یہ تھی **وارسلنا السماء علیہم مدرارا**۔ یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے جو ان مذکورہ قوموں کو عطا ہوئی تھیں۔ یہاں سماء سے مراد بارش ہے یعنی آسمان کی طرف سے آنے والا پانی **مدرارا** بطور تمیز ہے یہ بروزن مفعال مبالغہ کا صیغہ ہے در کے لغوی معنی ہیں بہنا کثرت سے دودھ یا زیادہ آنسوؤں کو مدرار کہا جاتا ہے تیز بارش کو بھی مدرار کہتے ہیں۔ جو زمین پر خوب بہے اور اس سے پرنالے بہنے لگیں۔ پھر اچھے یا برے عمل کو جس کا نفع نقصان جاری رہے کہا جاتا ہے **اللہ درہ** یہاں بمعنی خرانے کی بارش ہے یعنی ہم نے ان لوگوں پر حسب موقع تیز شرائے کی بارشیں بھیجیں۔ خیال رہے کہ سماں ایک بار بھیجنا مراد نہیں۔ **وجعلنا الانہار تجری من تحتہم**۔ یہ تیسری نعمت کا ذکر ہے جو انہیں دنیا میں عطا ہوئی۔ **جعلنا** کے دو مفعول ہیں ایک **الانہار** دوسرا **تجری من تحتہم انہار** سے پانی کی نہریں مراد ہیں۔ چونکہ ان کے شہروں میں بہت سی نہریں تھیں بلکہ ایک ایک شہر میں چند نہریں اس لئے انہار جمع ارشاد ہوا نہر یا دریا سے نکلتی ہے یا کسی خاص چشمہ سے ان کے شہروں میں دونوں قسم کی نہریں تھیں۔ **تحتہم** سے مراد تحت مساکنہم یا تحت بساتینہم ہے مقصد یہ ہے کہ موسم ربیع میں ان پر بارشیں ہر وقت ہوتی تھیں اور موسم خزاں میں ان کے محلوں ان کے باغات کے نیچے پانی کی نہریں رواں رہتی تھیں ان پر پانی کی کبھی کمی نہیں ہوئی تھی اور جہاں پانی کی فراوانی ہو گی ظاہر ہے کہ وہاں کھیتوں باغات پھلوں پھولوں غلہ کی بھی بہتات ہو گی۔ غرض کہ وہ ہر طرح عیش میں تھے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان کے گھر دولت سے بھرے تھے اور ان کے بازار غلے اور پھلوں سے بھرے پڑے تھے۔ جب گھر میں دولت بھی ہو بازار میں رزق بھی ہو تو سمجھ لو کہ اس قوم کی عیش و عشرت کی کیا حالت ہو گی **فاہلکنا ہم بذنوبہم** یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے **فکفروا یا فعصوا**۔ لہذا **ف** جزائیہ ہے **اہلاک** سے مراد طبعی موت دنیا نہیں بلکہ دنیا میں غیبی عذاب سے انہیں تباہ و برباد کر دینا ہے **ذنوب** سے مراد ان کے جانی و جسمانی دونوں قسم کے گناہ ہیں۔ کفر اور نافرمانی انبیاء یعنی انہوں نے ہماری نعمتوں کی قدر نہ کی کفر و نافرمانی میں مشغول ہو گئے تو ہم نے

www.alahazratnetwork.org

ان کے برے عقائد بد اعمال کی وجہ سے ان پر عذاب بھیج کر ہلاک کر دیا کہ اب ان کے قصے رہ گئے۔ غرضیکہ **ذنوب** جمع فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ انہوں نے ایک قسم کے دو ایک گناہ نہ کئے بلکہ جانی، جسمانی، مالی گناہ صدہا قسم کے کئے انہوں نے ایک دو دن گناہ نہ کئے بلکہ عرصہ دراز تک گناہ کرتے رہے۔ تب ہم نے پکڑا اور ہو سکتا ہے کہ **ذنوب** سے مراد اپنے نبی کی مخالفت ہو چونکہ یہ گناہ تمام گناہوں کی جڑ ہے اس لئے اس ایک گناہ کو ذنوب فرمایا پیغمبر کی مخالفت سے عذاب آتا ہے۔ **وانشانا من بعد هم قرنا اخرین** یہ جملہ معطوف ہے **فاهلکنا هم** پر انشانا کے معنی ہیں خلقنا ہم نے پیدا فرمادیں اور وہاں بسادیں قرن کے معنی ابھی عرض کئے جاچکے کیونکہ یہ معنی جمع ہے لہذا اس کی صفت **اخرین** جمع ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ قوم فرعون وغیرہ کی ہلاکت کے بعد مصر میں بنی اسرائیل بسادیئے گئے۔ شہر ویران نہ رہا مگر قوم عاد و ثمود و قوم لوط کی ہلاکت کے بعد وہ بستیاں اجڑی ہی رہیں وہاں آبادی آج تک نہ ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں جانے رہنے ٹھہرنے سے بھی منع فرمادیا لہذا یہ آیت کریمہ دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ بعض ہلاک شدہ قوموں کی بستی میں ہی دوسری قومیں بسادی گئیں اور بعض قوموں کی ہلاکت کے بعد وہاں تو کوئی قوم نہ آئی مگر دنیا آباد رہی اور قوموں نے دنیا بسادی اس میں فرمایا گیا کہ ہم کسی قوم کے حاجت مند نہیں۔ ۔۔ ی دنیا آباد رہے گی۔ خواہ کوئی خاص قوم رہے یا نہ رہے ایسے ہی کفار عرب کی ہلاکت کے بعد دوسری قومیں عرب کو آباد کر ۔۔ ی ان حالات سے عبرت پکڑو۔

خلاصہ تفسیر: کفار عرب جو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی میں ڈوبے ہوئے ہیں کیا انہوں نے گزشتہ کفار کی اجڑی ہوئی بستیاں ان کے ویران کھنڈرات اپنے سفروں میں نہ دیکھے یا کیا انہوں نے ان کفار کے حالات نہ جانے ضرور دیکھے ہیں ضرور جانے ہیں جو ان سے پہلے گزرے جیسے نوح، شعیب، لوط، صالح، ہود علیہم السلام کی کافر قومیں جنہیں ہم نے بدنی قوت، مالی طاقت، ظاہری ساز و سامان ان کفار عرب سے کہیں زیادہ دیا تھا ان پر یہ کرم فرمایا تھا کہ ہم ان پر موسم بہار میں ہر وقت خوب کافی بارش بھیجتے تھے اور موسم خزاں میں دریاؤں، قدرتی چشموں سے ان کے محلوں، باغات کے نیچے نہریں بہا کرتی تھیں ان پر کبھی پانی کی تنگی نہ ہوتی تھی جب پانی کی ایسی فراوانی تھی تو ظاہر ہے کہ ان پر دانہ پھل پھول کی بھی بہتات تھی۔ غرضیکہ وہ ہر طرح عیش و آرام میں تھے مگر وہ اس کرم فرمائی سے فائدہ نہ اٹھاسکے انہوں نے ہمارے انبیاء کی مخالفت ہی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر دنیاوی عذاب بھیج کر انہیں تباہ کر دیا ہلاک کر دیا۔ پھر ان کی ہلاکت سے ہمارے شہر خالی نہیں رہ گئے ہم نے ان ہی بستیوں میں دوسری قومیں بسادیں یا دنیا میں قومیں آباد کر دیں یہ ہی انجام ان کفار کا ہوگا کہ یہ نہ رہیں گے ان کی بدنامی رہے گی۔

نماند ستمگار بد روزگار بماند برو لعنت پائیدار

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تباہ شدہ قوموں کے واقعات معلوم کرنا ان کے اجڑے ہوئے نشانات ویران بستیاں دیکھنا عبرت پکڑنے کے لئے اور اللہ کا خوف دل میں پیدا کرنے کے لئے یہ سب کچھ عبادت ہے۔ جس پر ثواب ملتا ہے یہ فائدہ **الم یروا** کی دونوں تفسیروں سے حاصل ہوا۔ لہذا مقبول بارگاہ بندوں کے حالات پڑھنا ان کی قبروں پر اللہ کی رحمتیں رونق میلے لگے ہوئے دیکھنا رب کی رحمت دیکھنے اس سے امید رکھنے کے لئے یہ بھی عبادت ہے خوف خدا کے لئے مردودین کے حالات دیکھو امید کے لئے مقبولین کے حالات کا مطالعہ کرو۔ **دوسرا فائدہ:** تاریخ و جغرافیہ اچھے علم ہیں ان کا سیکھنا ثواب ہے جبکہ ان سے اپنے ایمان میں پختگی پیدا کی جاوے یہ فائدہ **مکنا هم فی الارض** الخ سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی نعمتوں کی ناشکری نعمتیں چھن جانے بلکہ عذاب آجانے کا ذریعہ ہے دیکھو گزشتہ قوموں نے دنیاوی نعمتوں کی قدر نہ کی تباہ کر دی گئیں۔ یہ فائدہ فاھلکنٰھم بذنوبھم سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** تاریخ واقعات جغرافیائی حالات اگر قرآن و حدیث کے خلاف نہ ہوں تو معتبر ہیں دیکھو اہل عرب ہلاک شدہ قوموں کے حالات ان کی بستیوں کے نشانات کسی آیت یا حدیث سے نہیں بلکہ شہرت سے جانتے تھے اس کا اعتبار کیا گیا اور اس آیت میں ان کا حوالہ دیا گیا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تاریخی حالات ولادت پاک رضاعت شریف وغیرہ کی کیفیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تبرکات وغیرہ کی تاریخی روایات محض شہرت سے معتبر ہیں ان کے لئے آیت قرآنی یا حدیث صحیح کی ضرورت نہیں۔ کفار مکہ نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان رکھتے تھے نہ ان کفار کی ہلاکت کے وقت موجود تھے مگر صرف شہرت سے انہیں مانتے تھے۔ اس ماننے کا اعتبار کیا گیا (تفسیر کبیر)۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی دنیاوی طاقت کوئی قوت انسان کو اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتی اس کے عذاب سے بچنے کی صرف ایک صورت ہے وہ ہے اس کی عبادت اس کے نبی کی اطاعت و فرمانبرداری۔

پہلا اعتراض: کفار مکہ نے ان گزشتہ قوموں کو ہلاک ہوتے نہ دیکھا تھا پھر الم یروا کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** یہاں رویت سے مراد دل کی رویت یعنی علم ہے۔ عرب میں ان کے واقعات بہت مشہور تھے۔ کفار عرب کو معلوم تھے اور اگر اس سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہو تو ان قوموں کے نشانات ان کی اجڑی بستیاں دیکھنا مراد ہے علامات کا دیکھنا گویا ان چیزوں کا ہی دیکھنا ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر کفار کی ہلاکت ان کے کفر و عناد کی وجہ سے تھی تو ان پر مذکورہ نعمتیں ان کی کونسی عبادت و ریاضت سے برسائی گئی تھیں۔ **جواب:** وہ رب کریم نعمت و آرام اپنے فضل سے دیتا ہے نہ کہ ہمارے استحقاق سے مگر عذاب بغیر جرم نہیں دیتا تم نے ماں کے پیٹ سے آتے ہی ماں کا دودھ اور ہزارہا قسم کی نعمتیں پائیں یہ تمہاری کس عبادت کا نتیجہ تھیں۔ محض اس کریم کی عطا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ما کہ بودیم و دعا ماچہ بود   فضل تو دل دادے رب ودود

تیسرا اعتراض: دوسری آیات اور احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن بستیوں پر عذاب آئے وہ کبھی آباد نہ ہوئیں مگر یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے ان قوموں کے بعد دوسری قومیں پیدا فرما دیں آیات میں بھی تعارض ہے اور آیت و حدیث میں بھی تعارض ان کی موافقت کیونکر ہو۔ **جواب:** قوموں کی ہلاکت دو طرح ہوئی ہے ایک اس طرح کہ ان کی بستیوں میں ہی عذاب آ گئے جیسے قوم عاد و ثمود یا قوم لوط دوسرے اس طرح کہ ان قوموں کو بستیوں سے نکال کر انہیں ہلاک کیا گیا۔ جیسے قوم فرعون کہ مصر سے نکال کر انہیں ہلاک کیا گیا پہلی صورت میں وہ بستیاں کبھی آباد نہ ہوئیں وہ اجڑی ہی رہیں مگر دوسری قسم کے عذاب میں بستیاں آباد رہیں جیسے مصر۔ یہاں انشاء نا کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان ہی بستیوں میں دوسری قومیں آباد کر دی گئیں۔ تب دوسری قسم کا عذاب مراد ہو گا۔ دوسرے یہ کہ دنیا میں ہم نے دوسری قومیں پیدا فرما دیں۔ تب پہلی قسم کا عذاب مراد ہے۔ لہذا آیات و احادیث موافق ہیں ان میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جن بستیوں پر عذاب الٰہی آیا وہاں رہنا بسنا بلکہ وہاں ٹھہرنا بھی ممنوع ہے تو نوح علیہ السلام کے زمانہ میں ساری روئے زمین پر طوفان آیا جو عذاب الٰہی تھا تو چاہئے کہ زمین کے کسی حصے میں رہنا جائز نہ ہو۔ **جواب:** طوفان نوحی کفار کے لئے عذاب تھا مگر حضرت نوح

www.alahazratnetwork.org

اور ان کی کشتی میں سوار مومنوں کے لئے رحمت وہ طوفان ہر جہت سے عذاب نہ تھا اس لئے حضرت نوح علیہ السلام زمین پر رہے اور طوفان آگیا اگر ہر طرح عذاب ہوتا تو حضرت نوح علیہ السلام اور مومنوں کو وہاں سے پہلے نکالا جاتا پھر عذاب آتا کیونکہ عذاب والی جگہ سے پہلے مومنین کو نکالا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واخرجنا من کان فیھا من المومنین**۔ دیکھو غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ میں ہوا کا طوفان آیا جس سے کفار بھگا دیئے گئے مگر یہ طوفان کفار کے لئے عذاب تھا اور مومنین کے لئے رحمت لہٰذا مدینہ منورہ میں رہ کر درست رہا۔

تفسیر صوفیانہ: قانون الٰہی رہا ہے کہ اولاً بندوں کو نعمتوں سے نوازتا ہے پھر جب سارے بندے ناشکرے ہو جاتے ہیں تو وہ نعمتیں چھین لیتا ہے اگر اس پر درست ہو گئے تو خیر اور اگر پھر بھی نہ سمجھے تو ان پر عذاب آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہ عذاب آنا بند ہو گئے اب کبھی کوئی بستی اللہ کے بندوں سے خالی نہیں ہوتی۔ ان صالحین کی برکت سے عذاب سے حفاظت رہتی ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ کچھ اللہ کے بندے ابدال رہیں گے جن کے سینے صاف، نیت اچھی، مسلمانوں پر رحیم و کریم اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے لئے چن لیا ہے یہ حضرات چالیس ہیں جو قیامت تک رہیں گے۔ جب ان میں کسی کی وفات ہو جاتی ہے تو ان کی جگہ دوسرے مسلمان کو قائم کر دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ گنتی پوری رہتی ہے یہ لوگ قلب ابراہیمی پر ہوتے ہیں کسی کو برا نہیں کہتے اپنے ماتحتوں کو حقیر نہیں جانتے۔ طبیعت کے نرم دل کے سخی ہوتے ہیں۔ ان کی ذات ہدایت کا چراغ ہے یہ اللہ کا نمونہ ہیں اور حزب اللہ ھم الغالبون۔ مگر عذاب معنوی تا قیامت ناشکرے مسلمانوں پر بھی آتا رہے گا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

شکر نعمت نعمت افزوں کند کفر نعمت از کفت بیروں کند

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسخ صوری ختم ہو چکا مگر مسخ دل تا قیامت باقی ہے کہ بے ادب ناشکرے کا دل مسخ ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ قابل اصلاح نہیں رہتا (روح البیان)۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اور اگر ہم اتارتے اوپر آپ کے تحریر کاغذ میں پس چھوتے وہ اسے اپنے ہاتھوں سے تو کہتے وہ جنہوں نے کفر کیا

اور اگر ہم تم پر کاغذ میں کچھ لکھا ہوا اتارتے کہ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوتے جب بھی کافر کہتے کہ یہ نہیں

اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا

کہ نہیں ہے یہ مگر جادو کھلا ہوا اور کہا انہوں نے کیوں نہیں اتارا گیا اوپر ان کے کوئی فرشتہ

مگر جادو کھلا اور بولے ان پر کوئی فرشتہ کیوں نہ اتارا گیا اور اگر ہم فرشتہ

لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا

اور اگر اتارتے ہم فرشتہ تو فیصلہ کر دیا جاتا معاملہ کا پھر نہ مہلت دیئے جاتے وہ اور اگر ہم بناتے اسے فرشتہ

اتارتے تو کام تمام ہو گیا ہوتا پھر انہیں مہلت نہ دی جاتی اور اگر ہم نبی فرشتہ کرتے جب بھی اسے

www.alahazratnetwork.org

عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝

تو بناتے اسے مرد اور ضرور شبہ ڈالتے ہم ان پر وہ جو دھوکا کھاتے

مرد ہی بناتے اور ان پر وہی شبہ رکھتے جس میں اب پڑے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان لوگوں کو تبلیغ اسلام کی گئی تھی جو محبت دنیا میں گرفتار ہونے کی وجہ سے اسلام قبول نہیں کرتے تھے انہیں فرمایا گیا کہ دنیا آنی فانی ہے منٹوں میں فنا ہو جاتی ہے اس کی محبت میں آخرت کی لازوال نعمتیں چھوڑنا بیوقوفی ہے اب ان لوگوں کو دعوت ایمان دی جا رہی ہے جو نبی پر اعتقاد نہیں کرتے۔ ان کے معجزوں کو جادو کہہ کر ایمان نہیں لاتے جادو اور معجزہ میں فرق نہیں کرتے۔ گویا ایک جماعت کی فہمائش کے بعد دوسرے منکر جماعت کی فہمائش کی جا رہی ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں گزشتہ قوموں کی خبریں دی گئی۔ جن سے اس زمانہ کی تواریخ خاموش تھیں یہ خبریں دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل تھیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اس خبر کو جادو ہی کہیں گے۔ آپ کی نبوت کے قائل نہ ہونگے۔ گویا پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علمی معجزے کا ذکر تھا۔ اب ان بدنصیبوں کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ چونکہ یہ لوگ حق یعنی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لائے۔ اس لئے آیات رب پر بھی ایمان نہیں لاتے۔ اب ان بہانوں حیلوں کا ذکر ہے جس کی آڑ میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ گویا کفر پر اصرار کا ذکر پہلے ہوا اور وجہ اصرار بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار مکہ کی ڈھٹائی کا ذکر فرمایا کہ وہ پچھلے عذابوں کو سن کر ان کی علامات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اب ارشاد ہے کہ یہ کفر میں ایسے پکے ہیں کہ آپ کے موجودہ معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لاتے بلکہ اگر ان کے منہ مانگے معجزات بھی دکھا دیئے جاویں۔ جب بھی ایمان نہ لائیں گویا ایک قسم کی پختگی کفر ارشاد فرما کر دوسری قسم کی ڈھٹائی بیان فرمائی جا رہی ہے۔

شان نزول: ایک بار نضر ابن حارث، عبداللہ ابن امیہ، نوفل ابن خویلد وغیرہ نے کہا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس اللہ کی کتاب تحریری شکل میں نہ لائیں اور اس کے ساتھ کم از کم چار فرشتے آئیں جو منہ در منہ ہم سے کہیں کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور یہ کتاب کے پاس سے آئی ہے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن، روح المعانی، روح البیان وغیرہ) اس میں یہ بتایا کہ ان لوگوں کو یہ بہانہ بازیاں ہیں اگر یہ معجزات ان کو دکھا بھی دیئے جائیں جب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لانے کے اس لئے آپ ان کی اس بات پر دھیان نہ دیں اگر یہ ایمان لانیوالے ہوتے تو آپ کے ہاتھ پر چاند پھٹتے سورج لوٹتے کنکروں پتھروں کو کلمہ پڑھتے دیکھ کر ایمان لے آتے۔ خیال رہے کہ کفار مکہ کے قرآن کریم کے متعلق تین مطالبے تھے جن کی آڑ لے کر وہ اسلام قبول نہ کرنے کے بہانے کرتے تھے۔ ایک وہ جو ابھی عرض کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دینے کے لئے کوئی فرشتہ کیوں نہیں اترا جو اپنی اصلی شکل میں آکر آپ کی نبوت کا اعلان کرے۔ تیسرے یہ کہ انسان نبی نہیں ہونا چاہئے نبوت کا

www.alahazratnetwork.org

بوجھ انسان نہیں اٹھا سکتا بلکہ فرشتہ نبی ہوتا جو ہم میں تبلیغ کرتا یہاں ان تین آیتوں میں ان کے تین مطالبوں کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

تفسیر: **ولو نزلنا علیک کتا بافی قرطاس** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کے اس غلط مطالبہ کا جواب نہایت نفیس طریقہ سے دیا گیا ہے۔ کتاب سے مراد یا تو قرآن مجید ہے یعنی یہ اسم ہے۔ جیسے امام یا اس سے مراد ہے کوئی لکھی ہوئی تحریر یعنی یہ مصدر ہے بمعنی مکتوب قرطاس ق کے کسرہ سے بھی آتا ہے۔ فتحہ سے بھی اور پیش سے بھی قرطس بھی آتا ہے وزن درھم اور قرطس بھی بروزن جعفر اس کے معنی ہیں ہر وہ چیز جس میں کچھ لکھا جاوے خواہ ورق ہو یا پٹھا یا کوئی اور چیز یہاں یا تو یہ معنی مراد ہیں یا بمعنی ورق و کاغذ ہے پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں (تفسیر صاوی) یعنی اگر ہم یہ قرآن مجید یا کوئی سی تحریر کاغذ یہ کسی اور چیز میں لکھ کر آسمان سے اتارتے اور اسے یہ اترتے ہوئے دیکھ بھی لیتے۔ خیال رہے کہ یہاں **انزلنا** نہ فرمایا بلکہ **نزلنا** ارشاد ہوا یعنی اگر ہم آہستہ آہستہ کتاب اتاریں یا اس طرح کہ روزانہ ایک دو سورت یا دو چار آیات آپ پر لکھی ہوئی اترتی رہے یا اس طرح کہ وہ کتاب لوہے تانبے کی طرح ایک دم فوراً نہ گرے بلکہ کٹی ہوئی پتنگ کی طرح آہستہ آہستہ اترے جسے یہ سب لوگ جمع ہو کر آسانی سے دیکھ لیں پھر صرف دیکھیں ہی نہیں بلکہ **فلمسوہ بایدیھم** ف عطف تعقیبی کے لئے ہے **لمس** کے معنی ہاتھ سے چھونا بھی ہے جسم کے کسی حصہ سے مس کرنا بھی مجازاً" تحقیق و تلاش کرنے کو بھی **لمس** کہہ دیتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے **انا لمسنا السماء** ہم نے آسمان کی تلاش کری۔ یہاں پہلے معنی میں ہے اس لئے **بایدیھم** فرمایا گیا تاکہ دوسرے تیسرے معنی کا احتمال نہ رہے۔ دیکھو تفسیر روح البیان چونکہ آنکھ سے دیکھنے میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے کہ شاید نظر غلطی کر جاوے مگر ہاتھ سے چھو لینے میں یقین ہو جاتا ہے اس لئے اس طرح ارشاد فرمایا گیا یعنی وہ لوگ اس کتاب یا اس کاغذ کو اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے ٹٹول ڈالتے چونکہ سب لوگوں کا چھونا مراد ہے اس لئے **ایدیھم** جمع ارشاد ہوا یعنی ایک دو آدمی نہیں بلکہ سارے آدمی اپنے ہاتھوں سے وہ کاغذ چھو لیتے **لقال الذین کفروا ان ھذا الا سحر مبین**۔ یہ عبارت **لو** کی جزا ہے۔ بجائے ضمیر کے **الذین کفروا** فرمایا گیا یہ بتانے کے لئے کہ اس موقعہ پر بعض تو ایمان لے آویں گے مگر بعض وہ جو تقدیر الٰہی میں کافر ہو چکے جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا وہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے بلکہ یہی کہیں گے کہ یہ کاغذ یہ تحریر جسے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں معجزہ نہیں قبول نہیں کرتے بلکہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہے جادو ہے۔ جس کی حقیقت کچھ نہیں ہم احساس میں غلطی کر رہے ہیں یہاں تک تو ان کے ایک مطالبہ کا جواب دیا گیا یعنی قرآن مجید کا کتابی شکل میں آنے کا مطالبہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اور آسمانی تحریر کا مطالبہ دوسرے مطالبہ کے متعلق ارشاد ہوا **وقالوا لولا انزل علیہ ملک** ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور لولا ابتدائیہ ہے اس میں ان کے دوسرے مطالبہ کا جواب ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ یہ جملہ **لقال الذین** پر معطوف ہے اور **لو** کی دوسری جزاء (روح المعانی) مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے **قالوا** کا فاعل یا تو وہ ہی کفار ہیں جو غیبی تحریر کا مطالبہ کرتے تھے یا دوسرے کفار کہ بعض کفار تو غیبی تحریر کا مطالبہ کرتے تھے اور بعض کفار نزول فرشتہ کا۔ اس سوال کا مقصد یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتہ اپنی اصل شکل میں ظاہر ظہور کیوں نہیں اترتا جسے ہم اس کی شکل میں دیکھیں اور وہ ہم سے کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فرشتے نازل ہوتے تھیں جنہیں حضرات صحابہ بلکہ بعض کفار نے شکل انسانی میں دیکھا اس کی تفسیر وہ آیات کریمہ میں **لولا انزل علیہ**

www.alahazratnetwork.org

ملكا فيكون معه نذيرا۔ ملک کے معنی اس کی قسمیں ہم پہلے پارے میں بیان کر چکے ہیں ان کے اس مطالبہ کے رب تعالیٰ نے دو جواب دیئے ایک یہ کہ **ولو انزلنا ملكا لقضى الامر۔** یہاں فرشتہ اتارنے کا وہی مطلب ہے جس کا انہوں نے مطالبہ کیا تھا یعنی فرشتہ کا اپنی اصل شکل میں لوگوں کے سامنے اتارنا قضا سے مراد ہے۔ پورا کرنا امر سے مراد ہے ان کفار کی ہلاکت کا معاملہ یعنی اگر ہم اس طرح فرشتہ اتار دیں۔ جس طرح یہ مطالبہ کرتے ہیں تو ان بد نصیبوں کا کام ہی تمام ہو جاوے کہ یہ سارے مر جاویں۔ اس لئے کہ کسی انسان میں فرشتہ کو اس کی اصل شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں اگر دیکھے تو مر جاوے انسانی آنکھ تو جن کو اس کی شکل میں نہیں دیکھ سکتی یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کسی نبی نے فرشتہ کو اس کی اصلی شکل میں کبھی نہ دیکھا۔ جس نے دیکھا شکل انسانی میں دیکھا۔ حضرت مریم کے پاس جناب جبریل گئے تو شکل بشری میں حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت داؤد علیہم السلام کے پاس فرشتے شکل انسانی میں گئے اس لئے حضرت ابراہیم ان کے لئے گوشت لائے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے ان کی حفاظت کا انتظام کیا وغیرہ وغیرہ جیسا کہ قرآن کریم میں مذکور ہے صرف ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبار حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔ فقیر کہتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی حقانی شکل کو کوئی انسان نہیں دیکھ سکتا۔ بشری شکل سب نے دیکھی اسی لئے معراج رات میں لوگوں سے چھپا کر کرائی گئی کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شکل نوری میں تھے یوسف علیہ السلام کے جمال خاص کی تاب مصری عورتیں نہ لا سکیں بے خود ہو گئیں۔ اپنے ہاتھ کاٹ بیٹھیں کیونکہ اس دن حضرت یوسف نے اپنا جمال خاص دکھایا تھا۔

حسن یوسف سے کہیں بڑھ کر تھا حسن مصطفیٰ
بات یہ تھی اس کا کوئی دیکھنے والا نہ تھا!

حسن یوسف کی مختلف تجلیاں ہیں جب بھائیوں نے کنعانی کنوئیں پر انہیں فروخت کیا تو تجلی کی اور نوعیت تھی کہ نو درہم میں فروخت کر دیا۔ جب مصر میں پہنچے تو اور تجلی تھی کہ لاکھوں روپیہ صرف انہیں دیکھنے زیارت کرنے کے لئے لوگوں نے دیدیئے جب مصری عورتوں نے دیکھا تو اور نوعیت تھی کہ ہاتھ کٹ گئے۔ جب قحط کا زور ہوا تو حسن یوسفی کی تجلی اور شان کی تھی۔ بھوکے مصری ایک جھلک دیکھ کر دو دو ماہ تک بھوک و پیاس محسوس نہ کر سکے سورج طلوع کے وقت اور قسم کے جلوہ دکھاتا ہے دوپہر میں اور نوعیت کا غروب کے وقت اور طرح کا آسمان صاف ہے تو سورج کی تجلی اور طرح کی ہوتی ہے۔ ہلکا بادل ہو تو اور قسم کی گہرا بادل ہو تو اور طرح کی یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرش پر جلوہ گر ہوں تو ان کی تجلی اور طرح کی ہے کہ مومن و کافر چھوٹے بڑے سارے انسان دیکھیں مگر جب معراج کو چلیں تو اور تجلی کہ صرف فرشتے دیکھیں سدرہ سے آگے بڑھیں تو اور قسم کی نورانیت کہ صرف رب جلیل دیکھے ہم جب خوشی میں ہوں تو چہرے کا رنگ اور ہوتا ہے جب رنج یا غصہ میں ہوں تو رنگ و روپ اور بچپن، جوانی، بڑھاپے میں شکل رنگ مختلف قسم کے ہوتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس ہلاکت کی وجہ یہ ہوتی کہ جب کوئی قوم معجزہ طلب کرکے ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دی جاتی ہے مگر فقیر کے نزدیک پہلی وجہ قوی ہے کیونکہ ابو جہل وغیرہ نے بارہا منہ مانگے معجزے دیکھے ایمان نہ لائے مگر ہلاک نہ ہوئے یا اس لئے کہ ان میں بعض کافر ایمان لے آئے یا اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں **ثم لا ينظرون۔** یہ عبارت **لقضى الامر** پر معطوف ہے **ينظرون** بنا ہے نظر سے بمعنی تاخیر، دیر، مہلت، قرآن کریم فرماتا ہے **فنظرة الى ميسرة** یعنی یہ تو کہتے ہیں کہ فرشتہ ہم سے کلام کرے یہ تو فرشتہ کو دیکھتے

www.alahazratnetwork.org

ہی بلا مہلت ہلاک ہو جاویں گے پھر اس کا کلام سنے گا کون اس جملہ کے اور دو تین مطلب بھی بیان کئے گئے ہیں مگر یہ مطلب فقیر کے نزدیک بہت ہی قوی ہے۔ **دوسرا جواب:** یہ دیا کہ **ولو جعلنہ ملکا لجعلناہ رجلا** یہ ان کے تیسرے مطالبہ کا جواب ہے کہ فرشتہ نبی چاہئے۔ خیال رہے کہ جیسے دنیا میں قانون بنتے ہیں اسمبلی میں قانون لاتا ہے ڈاک کا محکمہ پبلک میں جاری کرتا ہے متعلقہ آفیسر جو کہے کہ متعلقہ آفیسر کی ضرورت نہیں ڈاکیا ہم کو قانون پہنچا دیا کرے تو وہ غلط کہتا ہے یوں ہی قانون اسلامی بنتے ہیں رب کے ہاں لاتا ہے فرشتہ، مخلوق پر جاری کرتے ہیں نبی لہٰذا نبی کا واسطہ ضروری ہے پھر نبی چونکہ مبلغ اور قانون جاری کرنے والے ہوتے ہیں اس لئے نبی انسان ہونے چاہئیں جو قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کر سکے فرشتہ نماز روزہ جہاد وغیرہ نہیں کر سکتا۔ بیوی بچے نہیں پال سکتا۔ دوسری وجہ وہ ہے جو یہاں ارشاد ہوئی۔ اس جملہ کے دو معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ **جعلناہ** کی ضمیر وہ مانگا ہوا فرشتہ ہے۔ جس کا یہ مطالبہ کر رہے ہیں آتا تو شکل انسانی میں مرد بن کر آتا جیسا کہ حضرت مریم و ابراہیم و لوط علیہم السلام کی خدمت میں آیا دوسرے یہ کہ پہلی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے دوسری فلک کی طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے اسی کو اختیار فرمایا جیسا کہ ترجمہ سے ظاہر ہے اب مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرشتہ بنا کر بھیجتے پھر بھی آپ شکل انسانی میں مرد کی شکل بن کر ہی آتے اس صورت میں ان کی مصیبت یہ تھی کہ **وللبسنا علیھم ما یلبسون** کہ پھر بھی ان پر مشتبہ ہو جاتا۔ خیال رہے: کہ نبی کے لئے وحی لانے والا فرشتہ مشکوک نہیں ہونا چاہئے ورنہ وحی مشکوک ہو گی اور مخلوق کے لئے نبی مشکوک نہیں ہونا چاہئے ورنہ توحید، کتاب بلکہ سارا دین مشکوک ہو جاوے گا۔ نبی فطری طور پر فرشتہ کو جانتے ہیں اور مخلوق کو بذریعہ معجزہ نبی کی پہچان کرائی جاتی ہے۔ بعض مفسرین نے اس جملہ کو

پوشیدہ **لو** کو جزا مانا ہے کیونکہ اس پر لام تاکید ہے جو **لو** کے جواب پر آتا ہے اس کے معطوف پر نہیں آتا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ **لجعلناہ** پر معطوف ہے اور یہ قاعدہ غلط ہے بلکہ معطوف پر بھی لام آ سکتا ہے۔ **لبس** کے لغوی معنی ہیں ڈھانکنا اسی سے ہے لباس کہ وہ جسم کو ڈھانک لیتا ہے مشتبہ کر دینے شبہ ڈال دینے کو بھی **لبس** کہہ دیتے ہیں کہ اس سے اصل حقیقت دبک جاتی ہے۔ پہلے **لبس** کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی ہے **یلبسون** میں وجہ شبہ مراد ہے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں اب کر رہے ہیں یعنی اگر فرشتہ شکل انسانی میں آتا ہے تو جو شبہات اب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت میں کر رہے ہیں کہ نبی بشر نہیں ہونا چاہئے فرشتہ چاہئے یا آپ کی گواہی کے لئے فرشتہ کیوں نہیں آیا یہی شکوک پھر بھی کرتے کہ وہ اسے بشری سمجھتے لہٰذا ان کا یہ مطالبہ بالکل ناجائز ہے اور ہٹ دھرمی پر مبنی ہے۔

خلاصۂ تفسیر: قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھا ہوا اترا جن نبیوں کو کتاب لکھی ہوئی ملی انہیں بھی سب لوگوں کے سامنے نہ دی گئی کہ لوگو دیکھو ہم آج تمہارے نبی کو کتاب دے رہے ہیں بلکہ انہیں تنہائی میں سب کی نگاہوں سے اوجھل دی گئی دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا فرمائی تو کوہ طور پر اکیلے بلا کر چالیس دن کا چلہ کرا کر عطا فرمائی تاکہ لوگ نبی سے کتاب کو مانیں لہٰذا کتاب کا ماننا ایمان بنے کتاب سے نبی کو نہ مانیں اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دیا گیا تو پڑھا ہوا وہ بھی کسی نے آتے اترتے نہ دیکھا تاکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اعتماد کر کے قرآن مانا جاوے کہ یہ کتاب اللہ ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے زبان و ہونٹ ایک ہیں مگر اس ایک ہی کان سے سونا چاندی لعل جواہرات نکل

www.alahazratnetwork.org

رہے ہیں اس زبان سے قرآن حدیث احکام' فرمان' مشورے صادر ہو رہے ہیں ان کفار کا یہ مطالبہ غلط تھا کہ ہم قرآن اترتے دیکھ کر قرآن سے آپ کو مانیں گے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو آپ سے نئے نئے مطالبے کرتے رہتے ہیں یہ بہانہ باز ہیں نیک نیت آدمی کے ایمان قبول کرنے کے لئے آپ کے دکھائے ہوئے معجزات بہت کافی ہیں بہانہ خوروں کا اطمینان کبھی نہیں ہو سکتا یہ جو کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آپ کی نبوت کی لکھی ہوئی کتاب اور اپنی اصلی شکل میں فرشتے آویں اگر بہ فرض محال ہم ان کا یہ مطالبہ پورا کر دیں ان کی رائے کے مطابق کاغذ وغیرہ میں تحریر بھی بھیج دیں یہ اسے اترتے ہوئے دیکھ بھی لیں بلکہ اپنے ہاتھوں سے وہ کاغذ بھی ٹٹول کر اطمینان کر لیں۔ تب بھی جن کے دلوں پر کفر کی مہر لگ چکی ہے یہ یہی کہیں گے کہ یہ سب کچھ نرا جادو ہے اور آپ جادوگر ہیں تب بھی آپ کو نبی نہیں مانیں گے رہا فرشتے کے نزول کا مطالبہ اس کے متعلق خود غور کریں کہ یہ کیسا واہیات مطالبہ ہے اگر فرشتہ اپنی اصل شکل میں ان کے پاس آوے تو نہ یہ زندہ بچیں نہ ان کے مطالبے باقی رہیں یہ تو بغیر مہلت فوراً ہی فنا ہو جاویں اور اگر ہم بہ شکل انسانی اسے بھیجیں تو جو وہم آپ کے متعلق کر رہے ہیں وہی اس فرشتے کے متعلق کریں کہ یہ تو انسان بول رہا ہے آدمی گواہی دے رہا ہے ہم تو فرشتے کی گواہی چاہتے ہیں یا اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بنا کر بھیجتے تو شکل انسانی میں ہی بھیجتے تاکہ یہ لوگ اسے دیکھ سکیں اس کی سن سکیں تو پھر ان پر وہی شبہ پڑتا جو آج پڑ رہا ہے یا اگر ہم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو جنس ملائکہ سے بناتے تب بھی شکل انسانی میں بناتے پھر ان بے دینوں کو وہی شبہ ہوتا جو اب ہو رہا ہے۔ بہر حال یہ اس شبہ میں گرفتار رہتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدہ حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض معجزات دکھائے جاتے ہیں بعض سنائے اور بتائے جاتے ہیں' چاند کا چرنا سورج کا لوٹنا' کنکروں کا کلمہ پڑھنا' انگلیوں سے پانی نکلنا وہ معجزات ہیں جو دکھائے گئے مگر معراج وہ معجزہ ہے جو دکھایا نہ گیا بتایا اور سنایا گیا اسی طرح نزول وحی نزول کتاب وہ معجزہ ہے جو دکھایا نہیں جاتا سنایا جاتا ہے تاکہ لوگ کتاب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانیں۔ دوسرا فائدہ: زیادہ قیل و قال میں گرفتار رہنے والا ہدایت نہیں پاتا ہر چیز ہر حکم کی وجہ کے پیچھے نہ پڑو۔ بغیر وجہ پوچھے اطاعت کرو۔

قال را بگذار مرد حال شو! زیر پائے کاملے پامال شو

تیسرا فائدہ: ماننے والے کے لئے ایک معجزہ بھی کافی ہوتا ہے اس سے وہ ایمان قبول کر لیتا ہے نہ ماننے والے کے لئے ہزارہا معجزات بھی کافی نہیں یہ فائدہ **لقال الذین کفروا** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: کوئی شخص فرشتے کو اس کی اصلی شکل میں نہیں دیکھ سکتا اگر دیکھے تو ہلاک ہو جاوے یہ فائدہ **لقضی الامر** سے حاصل ہوا جیسا کہ تفسیر میں کہا گیا۔ یوں ہی کوئی شخص فرشتے کی جھڑک نہیں سن سکتا بعض قوموں پر اس چیخ و جھڑک کا عذاب آیا جس سے وہ ہلاک کئے گئے رب فرماتا ہے **ومنھم من اخذتہ الصیحۃ**۔ پانچواں فائدہ: فرشتے شکل انسانی میں آسکتے ہیں فرشتہ کہتے ہی اس مخلوق کو ہیں جو نوری ہیں اور مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں جنات وہ ناری مخلوق ہے جو مختلف شکل اختیار کر سکتی ہے یہ فائدہ **لجعلناہ رجلا** الخ سے حاصل ہوا۔ چنانچہ بہت سے رسولوں کی خدمت میں فرشتے مہمانوں کی شکل میں پہنچے ہیں۔ چھٹا فائدہ: فرشتے اگر شکل انسانی میں آئیں تو مرد کی شکل میں آتے ہیں عورت کی شکل میں نہیں آتے یہ اشارہ بھی **لجعلناہ رجلا** سے حاصل ہوا اہل لوط علیہم السلام کے ہاں لڑکوں کی شکل میں گئے تھے۔ ساتواں فائدہ: جب پیغمبر کے پاس فرشتہ تبلیغی حکم لاتا ہے تو وہ حضرات

www.alahazratnetwork.org

اسے ضرور پہنچاتے ہیں یہ ناممکن ہے کہ اس وقت وہ اسے نہ پہچانیں ورنہ ان کے لئے وحی مشکوک ہو جاوے گی اور وحی تبلیغی میں شک کفر ہے یہ فائدہ **للبسنا علیھم** الخ سے حاصل ہوا ہاں جب غیر تبلیغی کلام کریں گے تو اشتباہ ہو سکتا ہے۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمانوں کی شکل میں آئے تو وہ نہ پہچان سکے کہ اس وقت ان کی حاضری کسی تبلیغی حکم کی وحی کے لئے نہ تھی یہ فائدہ بھی **للبسنا علیھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نبوت انسانوں سے خاص ہے سوا انسان کوئی مخلوق نبی نہیں بن سکتی یہ فائدہ بھی **لجعلناہ رجلا** سے حاصل ہوا کہ **رجل** انسان مرد کو ہی کہتے ہیں۔ دوسری مخلوق کے نر و مادہ کو رجل یا امراۃ نہیں کہا جاتا جنات کو رجال فرمایا گیا مگر قید کے ساتھ **برجال من الجن** ۔ مطلقاً رجل انسان کو کہتے ہیں۔ **نواں فائدہ:** نبی صرف مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورت کبھی نبی نہ ہوئی یہ فائدہ بھی **رجلا** سے حاصل ہوا قرآن کریم فرماتا ہے **وما ارسلنا من قبلک الا رجلا نوحی الیھم**۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں کتاب کے بعد **فی قرطاس** کیوں فرمایا کتاب تو کاغذ ہی میں لکھی جاتی ہے یہ عبارت زائد ہے۔ **جواب:** جن کے رد میں یہ آیت آئی ہے انہوں نے یہی مطالبہ کیا تھا کہ ہم کو قرطاس میں کتاب لاکر بلکہ اترتے ہوئے دکھاؤ ان کے سوال کی مطابقت کے لئے یہ ارشاد ہوا نیز آگے آرہا ہے **فلمسوہ** وہ اسے چھوتے اور چھونا قرطاس کا ہی ہوتا ہے اس لئے **فی قرطاس** فرمانا نہایت موزوں ہے۔ **دوسرا اعتراض:** چھونا یا ٹٹولنا تو ہاتھوں سے ہی ہوتا ہے پھر **لمسوہ** کے بعد **بایدیھم** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** ہاتھوں کا ذکر تاکید کے لئے ہے جیسے کہا جاتا ہے میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا یا اپنے کانوں سے سنا نیز مطلقاً چھونا پاؤں وغیرہ سے بھی ہو جاتا ہے مگر ہاتھوں سے چھونا کامل ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے فرشتے ہی نبی کیوں نہ بنا دیئے تاکہ لوگ ایمان جلد قبول کر لیتے انہیں یہ کہنے کا موقعہ ہی نہ ملتا۔ **جواب:** اس میں چند حکمتیں ہیں ایک یہ کہ فرشتوں سے تبلیغ کا فریضہ پورا ادا نہ ہو سکتا تبلیغ وہ کرے جو قوم سے بات چیت کر سکے اس کے دکھ درد سے خبردار ہو قولی تبلیغ کے ساتھ عملی تبلیغ بھی کر سکے کھا پی کر نکاح کر کے بچے پرورش کر کے بیمار ہو کر جی کر مر کر لوگوں کو دکھا سکے تاکہ یہ افعال سنت بن جاویں فرشتہ یہ کام کسی طرح نہیں کر سکتا لہذا فرشتہ انسان ہی چاہیئے کہ انسان کی تبلیغ اصلی مقصود ہے۔ دوسری مخلوق انسان کے تابع ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے کفار کا یہ مطالبہ پورا کیوں نہ کر دیا وہ قادر تھا کہ قرآن کتابی شکل میں سب کے سامنے بھیج دیتا۔ دیکھو قوم عیسوی کے مطالبہ پر غیبی دستر خوان آیا تھا یہ بھی آجاتا۔ **جواب:** یہ مطالبہ پورا نہ کرنے کی بہت سی وجہیں ہیں ایک وجہ تو قرآن مجید میں یہاں ہی ارشاد فرما دی گئی کہ یہ لوگ یہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ دوسری وجہ وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دی کہ ان کفار کا یہ مطالبہ قانون قدرت بلکہ قانون فطرت کے خلاف ہے جیسے بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم کو رب دکھاوے کیونکہ نبی پر نزول قرآن ان معجزات میں سے ہے۔ جن کا چھپانا ضروری ہے تاکہ کتاب کو نبی کے ذریعہ مانا جاوے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات صفات جنت دوزخ قیامت فرشتے ان سب کو نبی کی زبان سے مانو ان کے دیکھنے کا مطالبہ نہ کرو کہ ان کا نبی کی معرفت جاننا ایمان ہے۔ غرضیکہ غیب کو شہادت بنانے کی کوشش نہ کرو۔ خیال رہے کہ نبی کی ذات شہادت ہے مگر نبی کی نبوت غیب ہے انہیں بشر عبداللہ اپنے والدین کا فرزند مان لینا کافی نہیں کہ یہ چیزیں شہادت ہیں انہیں رسول نبی ماننا ضروری ہے کہ یہ چیزیں غیب ہیں یوں ہی قرآن مجید کا کاغذ اس کے الفاظ شہادت ہیں اس کا کلام الٰہی ہونا نبی پر نازل ہونا غیب ہے اس پر ایمان لاؤ **پانچواں اعتراض:** آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا

www.alahazratnetwork.org

کہ نبی پر جب فرشتہ تبلیغی وحی لے کر آوے گا تو انہیں شبہ بالکل نہ ہو گا حالانکہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حراء میں پہلی وحی نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبریل کو نہ پہچانا۔ جب کچھ دیر کے بعد ورقہ بن نوفل نے بتایا کہ یہ وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر آتا تھا تو آپ کو پتہ لگا جیسا کہ بخاری شریف وغیرہ کی احادیث معلوم ہوتا ہے۔ تمہاری یہ تفسیر اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس حدیث میں ایسی کوئی عبارت نہیں جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب جبریل امین کو نہ پہچانا اگر ایسا ہوتا تو آپ ان سے پوچھتے کہ تم کون ہو کہاں سے آئے مجھے کیا پڑھانا چاہتے ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ نہ پوچھا نیز اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں نہ پہچانتے ورقہ ابن نوفل کے بتانے سے پہچانتے تو اتنی دیر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ آیت **اقراء باسم ربک الذی خلق** مشکوک رہتی کہ نہ معلوم یہ کس کا کلام ہے اور قرآنی آیت میں شک کفر ہے نیز پھر لازم آتا کہ حضرت ورقہ کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہو جاوے یعنی علم وحی میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ جاویں یہ ناممکن لہذا حق یہی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اول بار میں ہی پہچان لیا۔ حضرت ورقہ سے صرف اس کی تائید کرائی تاکہ عام مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کریں کہ مکہ والے ورقہ کو بہت مانتے تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے کلام الٰہی کی ہیبت تھی یا اس خاص فیضان الٰہی کی ہیبت تھی جو حضرت جبریل نے سینہ سے لگا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو القا کیا۔ اب بھی تحریک ہے کہ فیضان کے القا کے وقت ہیبت طاری ہو جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دل والے نبی سے سب کچھ جانتے پہچانتے ہیں نبی کو کسی اور چیز سے نہیں پہچانتے یعنی سورج سے ہر چیز کو دیکھتے ہیں۔ سورج کو کسی چیز سے نہیں دیکھتے آنکھ سے سب کچھ محسوس کرتے ہیں اور کسی چیز کے ذریعہ آنکھ کو دیکھنے کی کوشش نہیں کرتے وہی بہت کامیاب رہتے ہیں۔ اسی معرفت کی وجہ سے وہ حضرات صدیق، فاروق، عارف، کامل بن گئے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کو اس لئے بھیجا کہ ان کے توحید و معجزات و کتاب کو پہچانا جاوے۔ مقصد نبوت انہوں نے ہی پورا کیا مگر دلیل کی دلدل میں پھنسے رہنے والے نبی کو اور چیزوں سے پہچاننا چاہتے ہیں اس لئے وہ کبھی کہتے تھے کہ آپ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لائیں اس سے ہم آپ کو پہچانیں گے کبھی کہتے تھے کہ فرشتے آئیں وہ کہیں کہ آپ نبی ہیں تو ہم ان کے ذریعہ سے آپ کو پہچانیں گے اس لئے وہ اگر مگر کے چکر میں پھنسے رہے کبھی منزل پر نہ پہنچ سکے اور رب تعالیٰ نے بھی فرمایا کہ یہ لوگ آسمانی تحریر اور فرشتوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے کہ یہ اوندھے چل رہے ہیں۔ خیال رہے کہ نبی کا معجزہ صرف تنبیہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ جس سے مخلوق کی غفلت دور ہو جاوے ورنہ مدار ایمان معجزہ نہیں ہے کفار مکہ نے معجزے دیکھے ایمان نہ لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے سے بعد تاقیامت مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کو پہچانتے ہیں بلکہ عشاق کہتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پہچانا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رب کو جانا پہچانا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرماتے کہ رب کون ہے کیسا ہے تو ہم اس کی ذات و صفات سے بے خبر رہتے بلکہ اپنے کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہچانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ آئینہ حقیقت نما ہیں جن سے ہر شخص کو اپنی اور دوسرے کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جس نے اپنے کو اپنی عقل سے جانا غلط جانا۔ جس نے اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا درست جانا اگر تندرست یا بیمار اپنے کو اپنی رائے سے جانے غلط جانے گا اپنے کو طبیب کے ذریعہ جانو مانو اس لئے رب تعالیٰ نے تمام

www.alahazratnetwork.org

ایمانیات توحید کتاب وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو عطا فرمائے اور ساتھ ہی فرمایا **ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** اندھیرے گھر میں شمع روشن ہو تو گھر کی ہر چیز شمع سے دیکھی جاتی ہے مگر شمع کو کسی اور دوسری شمع سے نہیں دیکھتے بلکہ شمع کو خود شمع سے ہی دیکھتے ہیں دنیا اندھیرا گھر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس گھر کی روشن شمع ہیں۔ سب چیزوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی اور چیز سے نہ دیکھو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دیکھو صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں نور سے سب کچھ دیکھو۔ نور کو کسی اور چیز سے نہ دیکھو۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا

اور بیشک مذاق کیا گیا ان رسولوں سے جو آپ سے پہلے تھے پس نازل ہوا ان پر جنہوں نے مذاق کیا

اور ضرور اے محبوب تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بھی ٹھٹھا کیا گیا تو وہ جو ان سے ہنستے تھے

كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۰﴾ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ

ان سے وہ جو تھے ساتھ اس کے مذاق کرتے فرمادو سیر کرو زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام

ان کی ہنسی انہیں کو لے بیٹھی تم فرمادو زمین میں سیر کرو پھر دیکھو جھٹلانے والوں

كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۱﴾

جھٹلانے والوں کا

کا کیا انجام ہوتا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے سوالات کے نہایت مدلل جوابات دیئے گئے جو ان لوگوں کے لئے کافی تھے جو دلائل سے بات سمجھنا چاہتے ہیں اب ان آیات میں ان ضدی لوگوں کے ایسے مطالبات کرنے والوں کے انجام و نتیجہ کا ذکر ہے یعنی عذاب الٰہی میں گرفتاری تاکہ وہ لوگ ایمان قبول کرلیں جو دلائل سے نہیں مانتے اور ڈرانے سے مانتے ہیں گویا ایک قسم کے لوگوں کو پہلے دعوت ایمان دی گئی۔ دوسرے قسم کے لوگوں کو اب دعوت ایمان دی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ناجائز مطالبوں کا ذکر تھا۔ جن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کو صدمہ پہنچا تھا۔ اب اس صدمہ کو دفعہ فرمانے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تسکین دینے کے لئے گذشتہ قوموں کے حالات سنائے جارہے ہیں کہ کفار کا یہ سلوک صرف آپ سے ہی نہیں ہے بلکہ گزشتہ انبیاء کرام سے بھی ہوتا رہا ہے۔ جس کی پاداش میں ان پر عذاب آتے رہے ہیں تاکہ ان کے حالات سن کر قلب پاک کو تسلی ہو۔ گویا زخموں کا ذکر پہلے تھا مرہم کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ناجائز مطالبوں کا ذکر تھا اب ان مطالبوں کی نوعیت کا تذکرہ ہے کہ ان کا مقصد صرف مذاق اڑانا دل لگی کرنا ہے۔ اس کا علاج عذاب الٰہی آجاتا ہے جیسا کہ پہلے

www.alahazratnetwork.org

سے ہوتا چلا آرہا ہے۔

شان نزول: ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم کعبہ میں تشریف فرما تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد حضرت بلال حبشی' صہیب رومی عمار ابن یاسر جیسے فقراء مسلمین تھے ادھر سے ابو جہل' ولید بن مغیرہ امیہ ابن خلف وغیرہم سرداران قریش گذرے ان حضرات کو دیکھ کر ابو جہل ان اپنے ساتھوں سے بولا کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جنت کا بادشاہ کہتے ہیں ذرا ان بادشاہوں کو تو دیکھو یہ حالت اور بادشاہی اس بکواس کے موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر روح البیان)۔

تفسیر: **ولقد استھزی ء برسل من قبلک۔** اگرچہ کفار نے اس موقعہ پر حضرت بلال۔ عمار وغیرہم کا مذاق اڑایا تھا مگر غیور شہنشاہ اپنے غلاموں کی اہانت اپنی توہین سمجھتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق سے بڑے غیور ہیں اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوا اس لئے رب العالمین نے ان کفار کی بکواس کو اپنے رسول کی توہین قرار دے کر یوں ارشاد فرمایا ورنہ بظاہر ان بدنصیبوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی نہیں کی تھی ان واقعات کو جو یہاں مذکور ہیں کفار مکہ جانتے مانتے تو تھے کہ پہلے عذاب الٰہی نازل ہوئے ہیں مگر وہ یہ مانتے تھے کہ حضرات انبیاء کرام کو جھٹلانے کی وجہ سے ہوئے ہیں وہ انہیں اتفاقیات زمانہ سے سمجھتے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس مضمون کو لام اور قد کی تاکید سے شروع فرمایا یہ تاکید منکرین کے مقابلہ میں بولی جاتی ہے **استھزی** بنا ہے **استھزاء** سے جس کا مادہ ہے **ھزء یا ھمرو** بمعنی دل لگی و مذاق یا کسی کو ہلکا بنانا باب استفعال میں آکر اس میں مبالغہ و زیادتی کے معنی پیدا ہوئے رسل کی تنوین تعظیم کی ہے اور اس کی جمع تکثیری جس کے معنی ہوئے بہت سے رسول بہت شاندار رسول **من قبلک** ایک پوشیدہ لفظ کے متعلق ہے۔ صفت گزرے اور ہو سکتا ہے کہ یہ **استھزء** کے متعلق ہو یعنی جو شاندار بہت سے رسول آپ سے پہلے گزرے ان سے بھی دل لگی اور مذاق کئے گئے یا حضرات انبیاء کرام سے آپ سے پہلے بھی مذاق کئے گئے **فحاق بالذین سخروا منھم۔** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ گزشتہ جملہ پر معطوف ہے اور **ف** عاطفہ ہے ہو سکتا ہے کہ **ف** جزائیہ ہو اور یہ جملہ کسی پوشیدہ شرط کی جزا ہو (**لما استمروا علیہ**) یہاں **ف** ارشاد فرما کر یہ بتایا کہ گذشتہ کفار پر عذاب آنے کی وجہ ان کا پیغمبروں کی توہین کرنا ان کا مذاق اڑانا ہے آیات قرآنیہ اور واقعات عذاب گواہ ہیں کہ کسی قوم پر صرف ان کی بدعملی سے عذاب نہیں آئے بلکہ جب پیغمبروں کو تکلیف دکھ پہنچے تب عذاب آئے ان حضرات کی بددعا سے۔ **حاق** بنا ہے **حیق** سے اور **حیق۔ حیوق۔ حیقان** کے معنی ہیں نازل ہونا واقع ہونا گھیر لینا لوٹنا مگر یہ کلمہ شر یا مصیبت نازل ہونے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ شاعر کہتا ہے۔

فاو طاجرد الخیل عقر دیار ھم   و حاق بھم من باس ضربتہ حائق

رب فرماتا ہے **ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ۔** چونکہ پہلے دل لگی کرنے والوں کا ذکر صراحۃً نہیں ہوا تھا اس لئے **بھم** نہ فرمایا بلکہ **بالذین** الخ ارشاد ہوا۔ **الذین** سے مراد کفار ہیں **سخروا** بنا ہے **سخریہ** سے **سخریہ** اور **استھزاء** دونوں قریباً ہم معنی ہیں **سخریہ** اور **استھزاء** دونوں ہی مسلمانوں سے حرام ہیں نبی یا احکام اسلام سے کئے جاویں تو کفر ہیں مگر مزاح یعنی خوش طبعی اچھی چیز ہے کسی سے مذاق اور کسی کا مذاق اڑانا ان دونوں میں فرق ہے حضور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم نے بھی صحابہ کرام اور صحابہ کرام نے بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مزاح کیا ہے یعنی دل خوش کر دینے والی بات۔ **سخروا** ماضی فرما کر بتایا گیا کہ جن لوگوں نے ایک بار بھی انبیاء کرام صلی اللہ علیہ وسلم سے دل لگی کی وہ بھی ہلاک ہو گئے۔ جب کہ اس سے توبہ نہ کی **منہم** کا مرجع وہی رسل ہیں جو پہلے مذکور ہوئے اس صورت میں **من** صلہ کا ہے ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع کفار ہوں اور **من** تبعیضیہ ہو۔ لہٰذا اس عبارت کے دو معنی ہیں (۱) جنہوں نے ان نبیوں سے مذاق کیا۔ (۲) کفار میں سے جنہوں نے مذاق کیا پہلے معنی قوی ہیں۔ خیال رہے کہ **استہزاء** کا صلہ ب بھی آجاتی ہے **سخریہ** کا صلہ **من** آتا ہے۔ عذاب الٰہی تین طرح کے ہیں ایک وہ جو نیک کاروں کی برکت سے بدکاروں سے بھی دفع ہو جاتا ہے رب فرماتا ہے **لو تزیلوا لعذ بنا الذ ین کفروا** دوسرا وہ جو بدکاروں پر آتا ہے نیک کار وہاں سے نکال دیئے جاتے ہیں **فاخرجنا من کان فیہ من المومنین۔** تیسرا وہ جو نیک و بد سب پر آجاتا ہے مگر یہ عذاب نیکوں کے لئے رحمت بن جاتا ہے کہ انہیں آخرت میں اس کا اچھا بدلہ دے دیا جاتا ہے یہاں یا تو دوسرا عذاب مراد ہے یا تیسرا عذاب **ما کانوا بہ یستہزءون** یہ عبارت **حاق** کا فاعل ہے **ما** موصولہ ہے تو **ما** سے پہلے عذاب پوشیدہ یا **ما** سے مراد ہی عذاب ہے **بہ** کا مرجع ما ہے وہ کفار اس عذاب کا بھی مذاق اڑاتے تھے۔ جس سے حضرات انبیاء کرام ڈراتے تھے کفار کہتے تھے کہ وہ عذاب کب آوے گا جس سے ہم کو ڈرایا جاتا ہے یعنی ان پر اس مذاق اڑانے کا عذاب نازل ہو گیا یا ان پر عذاب مسلط ہو گیا اور اس عذاب نے انہیں گھیر لیا۔ جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے انہیں اس عذاب سے کوئی چیز بچا نہ سکی۔ خیال رہے کہ یہ عذاب مذاق اڑانے والوں پر بھی آیا اور ان پر بھی جو ان کے مددگار ان کے موافق تھے اس عذاب کے موقعہ پر حضرات انبیاء کرام اور مومنین وہاں سے باہر نکال دیئے جاتے تھے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے **قل سیروا فی الارض۔** یہ جملہ نیا ہے جس میں گزشتہ جملہ کے دعوے کا ثبوت ہے کہ پچھلے جملہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نبیوں کا مذاق اڑانے والے کفار پر عذاب الٰہی آیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ خبر بالکل حق ہے اگر تم کو اعتبار نہ ہو تو عذاب کے مقامات پر جا کر اپنی آنکھوں سے دیکھ آؤ ظاہر یہ ہے کہ **قل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور **سیروا** میں خطاب کفار مکہ سے ہو۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے **قل** فرمانے کے چند مقصود ہوتے ہیں کہیں یہ کہ اے محبوب آپ اپنی زبان سے یہ الفاظ ادا کریں جیسے **قل اعوذ برب الفلق۔** کہیں یہ کہ ہم سے یہ فرماؤ جیسے **قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء** کہیں یہ کہ آپ مسلمانوں سے یہ فرما دیں۔ جیسے **قل للمومنین یغضوا من ابصارھم** کہیں یہ کہ آپ کفار سے یہ فرما دیں مسلمانوں سے فرمانے کا منشاء یہ ہوتا ہے حکم ہمارا ہو زبان تمہاری ہو تا کہ مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے سے دو گنا ثواب ملے۔ ہماری عبادت کا تمہاری اطاعت کا بعض چیزیں فرض بھی ہیں سنت بھی جیسے نماز، روزہ وغیرہ اور بعض چیزیں فرض تو ہیں مگر سنت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کبھی نہ کیں جیسے زکوٰۃ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مال میں زکوٰۃ نہ تھی انبیاء کرام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔ کفار سے کہلوانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ان مردوں سے ہم براہ راست خطاب نہیں کرتے۔ آپ فرما دو آپ انہیں تبلیغ کر دو یہاں یہ آخری قسم کا **قل** ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **قل** میں خطاب تمام صحابہ سے ہو اور **سیروا** میں خطاب کفار عرب سے ممکن کہ **قل** میں خطاب تا قیامت ہر مسلمان سے ہو اور **سیروا** میں خطاب دنیا کے ہر کافر سے قرآن کریم نے بعض ایسی چیزوں کی خبر دی ہے جو لوگوں کی نگاہ سے بالکل اوجھل کر دی گئی ہیں جیسے اصحاب کہف اور یاجوج ماجوج اور ان کی دنیا جو سد سکندری کے پیچھے ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

یہ چیزیں نظر نہیں آتیں لوگوں کی نگاہوں سے غائب کر دی گئی ہیں جیسے ہوا اور پانی کے باریک کیڑے جو موجود ہیں مگر ہماری نگاہ سے غائب ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ توریت و انجیل والوں سے پوچھو ان کی کتابوں میں بھی ان کا ذکر ہے۔ بعض وہ چیزیں ہیں جن کے آثار و نشانات باقی رکھے گئے ہیں جیسے پچھلی عذاب والی قوموں کی اجڑی بستیاں ان کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ زمین میں سیر کرو جا کر خود دیکھ لو یہاں یہ آخری صورت ہے۔ **سیروا** بنا ہے **سیر** سے معنی مطلقاً چلنا دن میں ہو یا رات میں سفر میں ہو یا وطن میں ضرورۃً ہو یا تفریحاً مگر **سری** کے معنی ہیں رات میں چلنا چلانا اسی سے ہے **اسراء** رات میں لے جانا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اسری بعبدہ** راتوں رات لے گیا اپنے بندہ کو **سیروا** میں امر مشورہ کا ہے نہ کہ شرعی وجوب کا کیونکہ کفار پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے ارض سے مراد زمین کفار ہے۔ جہاں عذاب الٰہی آئے۔ خواہ مکہ معظمہ میں وہ جگہ ہوں جیسے اصحاب فیل کی ہلاکت کی جگہ جو مکہ معظمہ سے صرف ایک یا دو میل ہے یا دوسرے ممالک میں ظاہر یہ ہے کہ سیر سے مراد قدموں سے چلنا ہے۔ ممکن ہے کہ سیر سے مراد تاریخی سیر ہو یعنی ان قوموں کے حالات بغور سننا تفسیر خازن نے دوسرے احتمال کو ترجیح دی باقی تمام مفسرین نے پہلی صورت کو اختیار فرمایا کہ قدموں سے جانا مراد ہے۔ **ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین** یہ عبارت **سیروا** پر معطوف ہے اگر سیر سے مراد قدموں سے جانا تھا تو **انظروا** سے مراد ہو گا۔ آنکھوں سے دیکھنا۔ چونکہ یہاں سیر سے مراد ہے اپنے کاروبار کے لئے جانا جو کہ محض جائز ہے اور ان مقامات کو دیکھنا ایمان حاصل کرنے کے لئے واجب ہے اس لئے **ثم** ارشاد ہوا تاکہ دونوں امروں میں فرق ظاہر ہو کہ وہ امر مشورہ کا ہے اور یہ امر **انظروا** وجوب کا (تفسیر کبیر، روح المعانی، بیان وغیرہ) اور اگر **سیروا** میں سیر سے مراد تھی علمی سیر یعنی ان کے حالات معلوم کرنا تو **انظروا** سے مراد ہو گا۔ عبرت حاصل کرنا۔ چونکہ کسی چیز کو ایک بار معلوم کر کے بار بار اس میں غور کرنا ہوتا ہے یعنی علم ایک بار اور غور و تفکر بالاستمرار (دائمی) اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ **کیف کان الخ انظروا** کا مفعول بہ ہے **مکذبین** سے مراد وہی مذاق اڑانے والے کفار ہیں کہ دل لگی مذاق جھٹلانے ہی کی وجہ سے تو تھا یعنی پھر غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیا ہوا وہ کس بری طرح پامال کر دیئے گئے۔ انہیں کوئی طاقت عذاب الٰہی سے نہ بچا سکی۔ یہی حال تمہارا ہوتا ہے اگر تم باز نہ آئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار کے مذاق اڑانے دل لگی کرنے پر ملول نہ ہوں آپ سے پہلے بہت سے شاندار رسولوں کا مذاق اڑایا گیا ان حضرات نے صبر کیا انجام یہ ہوا کہ ان کی دل لگی ان پر ہی پڑی انہیں سخت عذاب نے گھیر لیا۔ جس کا مذاق اڑاتے تھے آپ ان کفار مکہ سے فرما دیں کہ تم اپنی دولت و تندرستی شان و شوکت پر مغرور نہ ہو یہ عارضی چیزیں ہیں دشمنوں کو بھی دے دی جاتی ہیں بلکہ کفار کا انجام دیکھو کہ مال و دولت ان کے پاس تم سے زیادہ تھا مگر ہلاک ہو گئے ہم نے یہ خبریں بالکل سچی دی ہیں اگر تم کو اعتبار نہ آئے تو زمین عذاب میں چلو پھر وہاں جاؤ پھر ان کی بستیاں ان کے نشانات دیکھو اور عبرت پکڑو تاکہ تم اپنی حرکتوں سے باز آؤ ورنہ تم بھی عذاب پاؤ گے اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا اور کفار مکہ پر عذاب الٰہی آیا کہ وہ بدر و حنین وغیرہ میں ہلاک کر دیئے گئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر زمانہ میں حضرت انبیاء کرام کے دشمن رہے ہیں قانون قدرت ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مخالفین کی مخالفت کے ذریعہ عروج دیتا ہے بلکہ دنیا میں مخالفین پہلے آتے ہیں۔ شیطان

www.alahazratnetwork.org

پہلے پیدا ہوا بعد میں حضرت آدم علیہ السلام۔ نمرود پہلے پیدا ہوا بعد میں حضرت ابراہیم۔ ابو جہل پہلے اور حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم بعد میں۔ یہ فائدہ **ولقد استهزء** الخ سے حاصل ہوا لہذا مخالفین کی مخالفت پر صبر کرنا سنت انبیاء ہے۔ **دوسرا فائدہ:** قدرت نے ہر چیز کو دو صورتیں بخشی ہیں اصلی صورت اور عارضی صورت اگر کالا آدمی پوڈر سرخی مل کر گورا بن جاوے تو یہ سفیدی اس کی عارضی ہے۔ سیاہی اصلی صورت ہے گورا آدمی اپنے منہ پر سیاہی مل لے تو سیاہی اس کی عارضی ہے۔ حسن اصلی صورت ہے دنیا میں چیزیں عارضی صورت میں آتی ہیں قیامت میں اصلی صورت میں نمودار ہوں گی لوگوں کی آنکھیں ظاہر بین ہیں۔ بعض حقیقت بین ہیں ابو جہل وغیرہ نے حضرت بلال کو ظاہری آنکھوں سے دیکھا تو یہ بکواس بکی۔ جس کی تردید اللہ تعالیٰ نے کر دی۔ حضرت صدیق نے جناب بلال کو حقیقت بین آنکھوں سے دیکھا تو بڑی بھاری قیمت دے کر خریدا اور آزاد کیا حسن ازلی دیکھنے کے لئے آنکھ بھی حقیقت بین چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** علم تاریخ بہترین علم ہے۔ اس سے بہت دینی سبق حاصل ہوتے ہیں یہ فائدہ بھی اسی **ولقد استهزی** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو تسکین دینے کے لئے گزشتہ انبیاء کرام کے تاریخی واقعات سنائے۔ **چوتھا فائدہ:** زمین میں سفر کرنا مباح ہے بلکہ سفر کا حکم مقصد کے حکم سے وابستہ ہے۔ حرام کام کے لئے سفر حرام ہے فرضی کام کے لئے سفر فرض 'سنت کام کے لئے سفر سنت ہے چوری ڈکیتی کے لئے سفر حرام ہے۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض ہے۔ زیارت قبور کے لئے سفر سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے سفر فرما کر مقام ابواء میں اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لے گئے۔ یہ فائدہ **سيروا فى الارض** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا قہر دیکھنے کے لئے اس کا خوف دل میں پیدا کرنے کے لئے عذاب والی جگہوں پر سفر کر کے جانا بہتر ہے۔ جہاں کفار کے اجڑے گھروں کے نشانات ہیں۔ اسی طرح رب کی رحمت دیکھنے اس سے امید باندھنے کے لئے بزرگوں' مقبولوں کے آستانوں پر حاضری دینا بھی بہتر ہے کہ وہاں کی حاضری سے ایمان میں قوت اطاعت الٰہی کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **سيروا فى الارض** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں غور کرنا کفار کے کفر و عذاب میں غور کرنا بڑی عبادت ہے اس غور سے ایمان کو قوت ملتی ہے یہ فائدہ **ثم انظروا كيف كان عاقبة الذين** سے حاصل ہوا۔ لہذا اپنے گناہوں میں غور کرنا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان کے درجات میں غور کرنا بھی عبادت ہے اللہ تعالیٰ یہ تصور پکارے۔

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا　　　تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں!

اس ہی تصور یار کا امتحان قبر میں ہے بلکہ اسی تصور پر وہاں کی کامیابی موقوف ہے کہ آخری سوال یہی ہے کہ تم ان محبوب کو کیا کہتے تھے۔ **ساتواں فائدہ:** بزرگوں سے دل لگی مذاق کرنے والے ان کا ٹھٹھا کرنے والے کچھ روز اپنا دل بہلا لیں۔ آخر کار مار بہت کھاتے ہیں خود ہی اپنے کئے میں مبتلا ہوتے ہیں۔ عرب کا مقولہ ہے کہ **من حفر لاخيه و تعرفه** جو کسی کے لئے گڑھا کھودتا ہے۔ خود ہی اس میں گرتا ہے۔ یہ فائدہ **فاحاق بالذين سخروا** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں رب تعالیٰ نے عذاب کی جگہوں پر جانے کا حکم دیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مسجدوں کے سواء اور کسی جگہ سفر کر کے جانے سے منع فرمایا۔ مسجد حرام مسجد نبوی مسجد اقصیٰ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ سواء ان تین مسجدوں کے کسی اور مسجد میں سفر کر کے نہ جاؤ یہ سمجھ کر کہ وہاں نماز کا ثواب زیادہ

www.alahazratnetwork.org

ہے جو ثواب گجرات کی مسجدوں میں ہے وہی ثواب لاہور کی شاہی مسجد کی نماز کا ہے ورنہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد تجارت وغیرہ کے لئے سفر کیا ہے اس کی نفیس تحقیق ہمارے کتاب جاء الحق حصہ اول میں مطالعہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** کفار پر سواء ایمان لانے کے اور کوئی حکم شرعی جاری نہیں ہوتا تمام احکام شرعیہ بعد ایمان جاری ہوتے ہیں تو انہیں سفر کرنے نظر کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب:** یہاں سفر کا حکم ترغیب کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں کفار کو نیکیوں کی رغبت دینا اچھا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تو کیا نظر و غور کا انہیں امر دینا بھی ترغیب کے لئے ہے۔ **جواب:** نہیں یہ حکم وجوبی ہے کفار پر ایمان لانا بھی واجب ہے اور لانے کے لئے ایمان کے ذریعے اختیار کرنا بھی واجب ہے اس لئے قرآن کریم میں جگہ جگہ کفار کو حکم دیا ہے کہ تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں غور کرو۔ **ثم تتفكروا ما بصاحبكم من جنة** کفار اسلامی عبادات کے مکلف نہیں 'ایمانیات' سیاسی احکام ان پر بھی جاری ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں سیر اور نظر کے درمیان **ثم** ارشاد ہوا **ثم انظروا كيف كان**۔ دوسری آیات میں ارشاد ہے **قل سيروا فى الارض فانظروا** یعنی وہاں **ف** فرمائی گئی اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت میں سفر سے مراد سفر تجارت وغیرہ ہے۔ مقصد یہ ہے کہ جب تم تجارت وغیرہ کے لئے ان زمینوں میں گزرو تو غور بھی کرو اس فرق کو دکھانے کے لئے یہاں **ثم** ارشاد ہوا اور وہاں ان آیات میں اس مقصد کے لئے سفر کرنا مراد ہے کہ یہی حالات دیکھنے کے لئے ان زمینوں میں جاؤ اور دیکھو اس لئے وہاں **ف** ارشاد ہوئی (تفسیر کبیر 'خازن' مدارک بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر صوفیانہ: بعض انسان وہ ہیں جو صورت میں ناس (انسان) ہیں مگر سیرت میں نسناس (بن مانس) وہ گویا یاجوج ماجوج ہیں کہ شکل میں آدمی عادت میں بلا اور آفت ایسے لوگوں کو اللہ والوں سے قطعاً انس و محبت نہیں یہ لوگ اگرچہ جسم میں بزرگوں کے پاس رہیں مگر طبیعت اور دل سے بزرگوں سے دور رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایسے بدکاروں کے جسم اگر کسی مقدس مقام پر دفن بھی ہو جاویں تب بھی وہ ان جگہوں سے دور پھینک دیئے جاتے ہیں اور جو اچھے مقامات کے لائق ہیں اگرچہ کسی اور جگہ دفن ہو جاویں مگر وہ اچھے مقامات پر پہنچا دیئے جاتے ہیں سرکش لوگوں کا طریقہ ہے کہ وہ ہمیشہ خوش بخت لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں کہ انہیں ان حضرات سے انس و الفت نہیں اس آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے (روح البیان) حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض اللہ والے ہمیشہ سفر میں رہتے ہیں ایک جگہ ٹھہرتے نہیں ان کے اس عمل کا ماخذ یہی آیت ہے کہ زمین میں پھرنا آیات الٰہیہ میں غور کرنا کہ یہ بھی وصول الی اللہ کا ایک طریقہ ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا **سيروا فى الارض ثم انظروا** الخ تا جسمانی سیر و نظر روحانی سیر کا ذریعہ ہے (تفسیر صاوی)۔

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلْ لِّلّٰهِ كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ
فرماؤ کس کی ملک ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں فرماؤ اللہ کی ملک ہیں لکھ لیا ہے اپنی ذات
تم فرماؤ کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے تم فرماؤ اللہ کا ہے اس نے اپنے کرم کے ذمہ پر رحمت

www.alahazratnetwork.org

لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا

پر رحم وکرم البتہ ضرور جمع کرے گا تم کو قیامت کے دن نہیں ہے کوئی شک اس میں وہ لوگ کہ خسارہ میں ڈالا

کھول ہے بیشک ضرور قیامت کے دن جمع کرے گا اس میں کچھ شک نہیں وہ جنہوں نے اپنی جان نقصان میں

يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٢﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِى الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾

انہوں نے جانوں اپنی کو پس وہ نہیں ایمان لائیں گے اور اسی کی ملک ہیں وہ چیزیں جو رات اور دن میں ہیں اور وہ سننے والا جاننے والا ہے

ڈالی ایمان نہیں لاتے اور اس کا ہے جو بستا ہے رات اور دن میں اور وہ ہی سنتا جانتا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ان اعتراضات کے جواب دیئے گئے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کرتے تھے اب ان آیات میں ان کے ان اعتراضات کے جوابات دیئے جا رہے ہیں جو وہ توحید الٰہی کے متعلق کرتے تھے ایمان کے رکن دو ہیں توحید اور رسالت ایک رکن کی تحقیق فرما کر دوسرے رکن کی تحقیق فرمائی جارہی ہیں چونکہ رسالت کی معرفت توحید کی معرفت سے پہلے ہے۔ یعنی پہلے انسان نبی کو مانے پھر ان کی تعلیم سے رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو مانے اس لئے نبوت کا ذکر پہلے ہوا توحید کا ذکر بعد میں وضو پہلے کرو نماز بعد میں پڑھو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دنیاوی عذابوں سے ڈرا کر کفار کو اسلام کی طرف مائل کیا گیا تھا کہ گزشتہ قوموں کی سزائیں ان کے ہلاکتیں دیکھو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ۔ اب رحمت الٰہی کی امید دلا کر انہیں تبلیغ فرمائی جارہی ہے۔ **کتب علی نفسہ الرحمۃ۔** **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ورسالت سے اعتراضات اٹھائے گئے تھے اب رب تعالیٰ اپنی ملکیت عامہ کا ذکر فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ماننے کا حکم دے رہا ہے کہ چونکہ ہم تمہارے مالک' خالق' رب ہیں تم پر ہمارا حق ہے ہماری مانو کہ ہماری نبی پر ایمان لے آؤ۔

شان نزول: ایک بار کفار مکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے کہ ہم جانتے ہیں کہ آپ کو دنیاوی ضروریات اور تنگدستی نے اس دعویٰ نبوت اور نیا دین قائم کرنے پر مجبور کیا ہے تو ہم سارے قبیلے مل کر آپ کے لئے اتنا مال جمع کئے دیتے ہیں کہ آپ سارے عرب میں امیر ترین ہو جاویں گے آپ تبلیغ بند فرما دیں اس پر آیت کریمہ **ولہ ما سکن** الخ نازل ہوئی جس میں ارشاد ہوا کہ ساری مخلوق جس پر دن رات گزرے اللہ ہی کی ہے وہ اپنے حبیب کو غنی سے غنی تر بنانے پر قادر ہے (روح البیان) ان لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا نہیں دولت کے بھوکے مالدار جب ہو جاتے ہیں تو ان کا مکان خوراک لباس بلکہ یار دوست سب بدل جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شان ہے کہ سارے حجاز کے بادشاہ بن جانے پر بھی نہ مکان بدلا نہ غذا لباس' دوست احباب جو لوگ کہتے ہیں کہ اصحاب ثلثہ نے خلافت غصب کر لی انہوں نے یہ نہ سوچا کہ انہوں نے خلافت سے کیا کمایا کیا دولت جمع کی۔

تفسیر: **قل لمن ما فی السموت والارض۔** **قل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کے بعد **لھم** پوشیدہ ہے یعنی ان کفار سے فرمایئے جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے۔ **قل** کا روئے سخن کبھی کفار کی طرف ہوتا ہے

www.alahazratnetwork.org

کبھی مومنوں کی طرف کبھی تمام انسانوں کی طرف۔ کبھی تمام مخلوق کی جانب اللہ تعالیٰ اکثر توحید کا مضمون توحید کے دلائل اپنے محبوب سے بیان کراتا ہے اور نبوت کا مضمون نبوت کے دلائل خود بیان فرماتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید کے گواہ ہیں اور اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا گواہ چونکہ یہاں توحید کا مضمون ہے لہذا **قل** ارشاد ہوا گواہ دو طرح کے ہوتے ہیں وقتی گواہ اور دائمی گواہ قولی گواہی وقتی ہے۔ تحریری یا دلائل کی یا علامات کی گواہی دائمی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور رب تعالیٰ کی یہ گواہیاں دائمی ہیں۔ قیامت تک لوگ یہ گواہیاں دیتے رہیں گے بلکہ قیامت اور جنت میں ہی ہمیشہ گواہیاں دیں گے یہ گواہیاں در حقیقت اللہ رسول ہی کی گواہیاں ہیں کہ سب نے ان سے سیکھ کر گواہیاں دی ہیں۔

سیکھا ہے سکھلایا ترا! جانا ہے بتلایا ترا

لہذا **قل** میں دوامی قول مراد ہے **لمن** کلام ملکیت یا خلقت کا ہے نفع کا نہیں اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا خالق اور حقیقی مالک ہے مگر ان سے نفع نہیں حاصل فرماتا نفع تو ہم اٹھاتے ہیں **لمن** خبر مقدم ہے اور **ما فی السموات** الخ مبتدا موخر آسمان کی چیزوں سے مراد وہاں کے چاند تارے سورج بروج وغیرہ ہیں اور زمین کی چیزوں سے مراد بیرون زمین کی مخلوق انسان جانور، درخت، پتھر وغیرہ اور اندرونی چیزیں پانی کے چشمے معدنیات وغیرہ ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کفار و منکرین سے پوچھیں کہ آسمانوں زمین کی تمام چیزیں کس کی مخلوق، مملوک ہیں ان کا خالق و مالک کون ہے۔ خیال رہے کہ کفار سے یہ سوال ان سے اقرار کرانے کے لئے ہے سوال و جواب کے طریقہ سے تبلیغ بہت اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے **قل للہ** یہ عبارت یا اس سوال کے جواب کی تعلیم ہے یا تعلیم کے لئے خود جواب دیتا ہے۔ پہلی صورت میں **للہ** سے پہلے **قولوا** پوشیدہ ہے۔ دوسری صورت میں یہ پوشیدہ نہیں **للہ** سے پہلے یا اس کے بعد **الکل** پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب آپ ان کو جواب کی تلقین کرو ان سے کہو کہ کہہ دو کہ ساری چیزیں اللہ کی مخلوق و مملوک ہیں یا آپ ہی ان سے فرمادو کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم فرمادو کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہے پھر آپ کی تعلیم سے یہ لوگ یہ کہیں تب وہ مومن ہونگے بغیر آپ کی تعلیم کے وہ یہ سب کچھ مان لیں مومن نہ ہوں گے کہ مومن وہ ہے جو ذات الٰہی اس کے صفات کو نبی کی تعلیم ان کے بتانے سے مانے غرضیکہ اس عبارت کی تین تفسیریں ہیں۔ خیال رہے کہ خطاب تین طرح کے ہوتے ہیں۔ خطاب فوری جو صرف ایک موقعہ کے لئے ہو جیسے چلو تبوک کے غزوہ کو خطاب وقتی جو ایک خاص مدت تک کے لئے ہو جیسے نبی کے گھر دعوت میں کھانے کے وقت سے پہلے نہ پہنچ جاؤ۔ خطاب دائمی جو ابد الآباد کے لئے ہو جیسے نماز پڑھو یہاں **قل** میں خطاب ہمیشگی کے لئے ہے کہ یہ عقیدہ ہر شخص کو ہمیشہ رکھنا چاہئے۔ حضرت خلیل نے ایک بار فرمادیا کہ حج کے لئے آؤ تاقیامت اس کے جواب میں لبیک کہا جاوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حج وداع کے موقعہ پر پوچھا کہ تم رب سے میرے متعلق کیا کہو گے اب تاقیامت مسلمان کہتے ہیں یا رسول اللہ آپ نے تبلیغ کردی **کتب علی نفسہ الرحمۃ** یہ نیا جملہ ہے جو **قل** کے تحت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یعنی آپ یہ بھی فرمادو کہ **کتب** الخ خیال رہے: کہ **کتب** ماضی ہے کتابت کا معنی لکھنا اصطلاح میں واجب کرلینے کو بھی کتابت کہا جاتا ہے۔ جیسے **کتب علیکم الصیام** یہاں یا تو لغوی معنی میں ہے اور اس کی تفسیر وہ حدیث ہے جو مسلم بخاری نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً نقل فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق

www.alahazratnetwork.org

پیدا فرمانے کا فیصلہ فرمالیا تو ایک تحریر اپنے دست قدرت سے لکھ کر اپنے پاس عرش کے اوپر رکھ لی **ان رحمتی سبقت غضبی**۔ میری رحمت میرے غضب سے زیادہ ہے یا غالب ہے ترمذی شریف کی روایت میں یوں ہے **رحمتی تغلب غضبی** ابن مردویہ کی روایت میں ہے **رحمتی سبقت غضبی** (روح المعانی) اس صورت میں یہ آیت کریمہ ظاہر ہے یا معنی واجب کرلیتا ہے۔ تب اس سے مراد تاکید وعدہ فرمالینا ہے اور حضرات انبیاء کرام کی معرفت بندوں کو بتادینا (تفسیر مدارک) چونکہ یہ وعدہ یا لازم فرمالینا بہت پہلے ہوچکا ہے لہذا ماضی کا صیغہ ارشاد ہوا نفس سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ دل یا نفس لمارہ یا جان مراد نہیں کہ رب تعالیٰ ان چیزوں سے پاک ہے۔ رحمت سے مراد دنیا میں رحمت عامہ ہے۔ بندوں کو رزق دینا‘ نافرمانوں کے عذاب میں جلدی نہ کرنا۔ ان کی ہدایت کے لئے حضرات انبیاء کو بھیجنا اور آخرت میں رحمت خاصہ صرف مسلمانوں کے لئے انہیں بخشنا ان پر انعام و اکرام کی بارش کرنا مگر بہتر یہ ہے کہ رحمت میں کوئی قید نہ لگائی جاوے اللہ تعالیٰ نے ان گنت رحمتیں اپنے ان گنت بندوں کو بخشیں جیسا بندہ ویسی رحمت ‘بعض لوگ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے جو کچھ ہم کو دیا اس کی رحمت ہے اب اگر کسی چیز کو ہم اپنے لئے عذاب بنالیں تو ہماری مرضی۔ اللہ کی جو چیز حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے ذریعہ ملے رحمت ہے جو ہم ان کے بغیر لیں وہ عذاب بن جاتی ہے بجلی پاور تار کے ذریعہ آئے رحمت ہے بلاواسطہ اس پر ہاتھ لگاؤ تو جان لے لیتا ہے وغیرہ یعنی اے محبوب ان لوگوں سے یہ بھی فرمادو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کریم پر رحمت لازم فرمالی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس رحمت سے مراد امت مصطفوی پر خاص رحمت فرمانا ہے کہ ان پر دنیا میں عذاب نہ آئے (روح المعانی) حق تعالیٰ کی ملکیت کے بعد رحمت کے ذکر فرمانے میں اشارۃً بتایا گیا کہ ملکیت تین قسم کی ہوتی ہے قہر والی جیسے قصائی ذبح کے لئے جانور خرید کر اس کا مالک بنے اور رحمت والی جیسے کسی مظلوم غلام کو خرید کر مالک اس کی پرورش کرے جیسے حضرت صدیق نے جناب بلال کو خریدا۔ تیسری ملکیت غرض والی جیسے ہم دودھ کا جانور خرید کر اس کی خدمت کریں دودھ کے لئے اللہ تعالیٰ تمام جہان کا خالق و مالک ہے مگر رحمت والا بے غرض والا مالک ہے اس لئے اس نے نبی ولی پیدا فرمائے ہیں یہ رحمت کا ظہور ہے غذائیں بنائیں یہ جسمانی رحمت کا ظہور ہے اب اگر کوئی ان رحمتوں کی مخالفت کرکے دوزخ میں جائے تو اس کی اپنی مرضی وہ حضرات تو رحمت کے لئے آئے جیسے کوئی بجلی کے پاور سے اپنے کو ہلاک کرے یا ریل تلے سر دیکر خودکشی کرے کہ یہ اس کے استعمال کی غلطی ہے **لیجمعنکم الی یوم القیمۃ**۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے پوشیدہ قسم کا جواب یا رحمت کا بیان ‘جمع فرمانے سے مراد ساری مخلوق کو ایک جگہ ایک وقت میں مجتمع کردینا ہے لفظ الی یا تو زائدہ ہے یا صلہ کا تو یوما لقیامتہ اس فعل **لیجمعن** کا ظرف ہے یا معنی فی ہے یا عبارت یوں ہے **لیجمعنکم الی المحشر فی یوم القیمۃ** یا **لیجمعن** کے بعد فی الدنیا پوشیدہ ہے مطلب یہ ہے کہ تم کو قیامت تک دنیا میں جمع فرماتا رہے گا (تفسیر کبیر) یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ لوگوں کے میلے لگاتا اور ختم کرتا رہے گا۔ دیکھ لو ابراہیمی ‘موسوی۔ عیسوی میلے لگتے رہے مگر کہاں گئے۔ تخت سلیمانی سلطنت داؤدی کے قصے رہ گئے یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اے مسلمانوں اللہ تعالیٰ تم کو رشتہ اسلامی کی وجہ سے قیامت تک جمع فرماتا رہے گا تمہارے تمام رشتے ٹوٹ جائیں گے مگر رشتہ اسلامی تاقیامت رہے گا مرے بعد کوئی کسی کا بھائی ہے نہ بیٹا مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا امتی اور مسلمان ہے مگر پہلے معنی قوی ہیں کہ تم کو قیامت کے دن یا قیامت کے دن میں جمع کرے گا **لا ریب فیہ** اس عبارت کا تعلق **لیجمعنکم** سے ہے **فیہ** کی ضمیر یا تو یوم قیامت کی طرف ہے یا جمع کی طرف یعنی اس قیامت میں یا اس جمع فرمانے میں کوئی تردد و شک کی

www.alahazratnetwork.org

گنجائش نہیں وہ ضرور آنے والی ہے کیونکہ تمام انبیاء کرام نے اس کی خبردی اور عقلی دلائل اس پر بہت موجود ہیں یہ عبارت "جمعا" کی صفت ہے یا اس کی تاکید (روح المعانی) **الذین خسروا انفسھم**۔ اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ یہ مبتداء بمعنی شرط ہے اور **فھم لا یومنون** اس کی خبر بمعنی جزاء **الذین** سے مراد یا تو زمانہ نبوی کے کفار ہیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے یا سارے کفار مراد۔ خسارہ اس نقصان کو کہتے ہیں۔ جس میں اصلی مال بھی نہ رہے۔ نفع کا تو ذکر ہی کیا **انفس** جمع ہے نفس کی بمعنی ذات یا جان یعنی جن کفار نے اپنی جانوں یا اپنی ذاتوں کو پورے ٹوٹا میں ڈال دیا اس طرح کہ ایمان ہی اختیار نہ کیا جس سے وہ اللہ کی کسی رحمت کے مستحق نہ رہے اگر مومن ہو کر گناہ کر لیتے تو رحمت سے بالکل محروم نہ ہو جاتے **فھم لا یومنون** یہ عبارت **الذین** کی خبر بمعنی جزاء ہے۔ یعنی جن لوگوں نے علم الٰہی میں اپنے کو خسارہ میں ڈالا ہے کہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کے علم میں آگیا کہ یہ خسارہ میں رہیں گے وہ اے محبوب ہرگز ایمان نہ لائیں گے (تفسیر کبیر' خازن وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ یہاں خسران سے مراد ہے علم الٰہی میں ان کا خسارہ میں ہونا اور **لا یومنون** سے مراد ہے ان کا دنیا میں ایمان قبول نہ کرنا لہٰذا آیت واضح ہے کسی تاویل یا توجیہ کی ضرورت نہیں **ولہ ما سکن فی الیل والنھار** یہ عبارت **للہ** پر معطوف ہے اور **قل** کا مقولہ ہے یعنی اے محبوب آپ اپنے رب کی یہ صفت بھی ان لوگوں سے بیان کر دو یہاں بھی لام ملکیت کا ہے ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے **ما** سے مراد تمام عاقل و غیر عاقل جاندار اور غیر جاندار چیزیں ہیں آسمانی ہوں یہ خلائی چیزیں زمینی ہوں یا دریائی زمین کے اوپر کی ہوں یا زیر زمین لہٰذا یہ فرمان عالی **فی السموات والارض** کی تفسیر ہے یا اس کی تاکید **سکن** بنا ہے سکون سے یہاں سکون حرکت کا مقابل نہیں تاکہ اس سے حرکت کرنے والی (متحرک چیزیں) نکل جاویں بلکہ اس سے مراد مطلقاً رہنا ہے خواہ جنبش کرتے رہنا خواہ ٹھہرا رہنا خواہ پہلے رہ چکی ہوں یا اب ہو یا آئندہ رہنے والی ہوں لہٰذا ماضی دوامی ہے اس لئے تفسیر جلالین نے سکن کے معنی کئے ہیں حل صاوی نے معنی کئے وجد اس کی اور بہت سی تفسیریں ہیں مگر آسان اور قوی تفسیر یہی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ سکن یا بنا ہے سکون سے بمعنی ٹھہرنا یا سکونت سے بمعنی رہنا یا سکن سے بمعنی دل کا چین رب فرماتا ہے **ان صلوتک سکن لھم** پہلے معنی یہاں نہیں بن سکتے لہٰذا یا دوسرے معنی مراد ہیں یا تیسرے معنی یعنی اللہ کی مملوک و مخلوق ہیں وہ تمام چیزیں جو رات و دن میں رہتی ہیں یا اللہ کے محبوب ہیں وہ بندے جو رات و دن میں چین ہی کرتے ہیں دنیاوی تفکرات و پریشانیاں ان کے دل پر اثر نہیں کرتیں کہ ان کے دل اللہ رسول کی محبت سے لبریز ہیں وہاں غم و فکر کے رہنے کی جگہ ہی نہیں۔ لیل و نہار سے مراد یہ دونوں وقت ہیں جن میں شام سویرا بھی داخل ہے۔ یعنی ساری موجودات جو کبھی بھی وجود میں آئیں جن پر رات دن گذریں وہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت حقیقیہ ہیں ان میں سے ایک ذرہ کا مالک حقیقی کوئی نہیں سواء رب کے اتنی بڑی سلطنت و ملکیت کے باوجود **وھو السمیع العلیم**۔ وہ سب کی سنتا بھی ہے سب کو جانتا بھی ہے پھر اس کا سنتا جاننا کسی وقت کسی جگہ سے خاص نہیں بلکہ وہ ہر جگہ سے ہمیشہ سنتا جانتا ہے چیونٹی بھی اس کے علم و سمع میں ہے ہاتھی بھی پہاڑ کی بھی خبر رکھتا ہے ذرہ بے مقدار کی بھی۔

خلاصہ ء تفسیر: ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت اللہ تعالیٰ نے اپنی تین صفات بیان فرمائیں اس کی ملکیت' خالقیت' قابضیت' دوسرے اس کی رحمت تیسرا اس کا سب بندوں کو قیامت میں جمع فرمانا ترتیب یہ رکھی کہ پہلے ملکیت کا ذکر فرمایا۔ پھر رحمت کا تاکہ معلوم ہو کہ اس کی ملکیت قہری یا غرض کی نہیں رحمت کی ہے آخر میں قیامت کا ذکر فرمایا جو رحمت کے

www.alahazratnetwork.org

ظہور کا دن ہو گا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میری ذات وصفات کے گواہ ہیں لہذا میرے منکروں کو میری ذات وصفات اس طرح منوائیں کہ ان پر میرے متعلق خود ہی سوال قائم کریں پھر خود ہی اپنے سوال کا جواب انہیں سنائیں کہ اس طرح کی گفتگو دلنشیں ہوتی ہے آپ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ تو آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق کس کی مملوک ہے ان کا خالق ان کا حقیقی مالک کون ہے اور پھر خود ہی جواب دیں کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی مخلوق و مملوک ہیں وہ خالق و مالک ہونے کے باوجود ایسا رحیم و کریم بھی ہے کہ اس نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت عامہ دنیا میں اور رحمت خاصہ آخرت میں لازم فرمائی کہ دنیا میں ہر چیز کو اس کی رحمت گھیرے ہوئے ہے آخرت میں ہر مومن پر اس کی رحمت کے دروازے کھلے ہوں گے۔ خیال رکھو کہ وہ تم سب کو قیامت کے دن ایک جگہ ایک قوت میں جمع فرمائے گا کہ تم سب زمین شام میں اکٹھے ہو گے نہ اس قیامت میں شک کی گنجائش ہے نہ جمع فرمانے میں کیونکہ ان پر نقلی و عقلی دلائل قائم ہیں جو اللہ کے علم میں خسارہ و نقصان والے ہو گئے کہ کبھی ایمان نہیں لائیں گے لہذا ان کے کافر رہنے سے اے محبوب آپ ملول نہ ہوں۔ خیال رکھو کہ جن چیزوں پر رات دن گزرتے ہیں جو ان وقتوں میں داخل ہوں یعنی ساری چیزیں وہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق و مملوک ہیں اتنی بڑی سلطنت ملکیت کے باوجود وہ سب کی خبر رکھتا ہے ہر چیز کے ہر حال کو جانتا ہے سب کی سنتا ہے یہ اس کی قدرت ہے کہ ذرہ کی بھی خبر رکھے پہاڑ کی بھی چیونٹی کی بھی ہاتھی کی بھی۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار بخششیں ہیں مگر اس کی نعمتوں رحمتوں کے دروازے مختلف ہیں۔ کنواں پانی کا دروازہ ہے۔ کھیت غذا کا حکیم کی دوکان شفا کا اللہ کی رحمت لینے کے لئے ان دروازوں پر جانا پڑتا ہے یوں ہی ایمان، عرفان، قرآن اللہ کی رحمتیں ہیں مگر ان کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ رحمت دینے والا رب تعالیٰ ہے بانٹنے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بانٹنے والا جتنا قوی ہوتا ہے اتنا ہی بڑا حصہ ملتا ہے کنوئیں کا پانی ایک ہے مگر ڈول چرسا، رہٹ، ٹیوب ویل وغیرہ کے ذریعہ سے مختلف طور سے ملتا ہے پھر دریا یا دل کے ذریعہ جو پانی ملتا ہے وہ تو دنیا کو سیراب کر دیتا ہے اور نبیوں کے ذریعہ جو عبادات لوگوں کو ملیں ان کا ثواب اور تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ جو عبادات ملیں ان کا ثواب کچھ اور ہی ہے کیونکہ تقسیم فرمانے والا رحمۃ للعالمین ہے۔

حدیث: حدیث مسلم و بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے مرفوعاً روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے ننانوے حصے اپنے پاس رکھے جن کا ظہور قیامت میں ہو گا ایک حصہ دنیا میں تقسیم فرمایا اسی سے ماں بچوں پر باپ اولاد پر دوست عزیز اپنے قریبیوں پر رحمت کرتے ہیں جن و انس حتی کہ وحشی جانور اس رحمت سے اپنے بچوں پر مہربان ہیں مسلم شریف میں ہے اگر اللہ کی رحمت کو کماحقہ کافر جان لیں تو وہ اس سے مایوس نہ ہوں اگر اس کے عذاب کو کماحقہ مسلمان جان لیں تو وہ اس سے بے خوف نہ ہوں۔ فقیر کہتا ہے کہ اے مولا جب تیرے بندے یوسف علیہ السلام نے اپنے ایسے قصور وار بھائیوں کو بخش دیا۔ جب تیرے بندے محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت وحشی ہندہ، عکرمہ، ابوسفیان جیسے قصور والوں کو معافی دے دی تو تو ارحم الراحمین ہے نہ معلوم تو جو ارحم الراحمین ہے کیسی معافیاں دے گا اے رحیم و کریم رب تو ہم گنہگاروں سیہ کاروں، بدکاروں سے فرمادے **لا تثریب علیکم الیوم**۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کے گواہ

www.alahazratnetwork.org

ہیں یہ فائدہ پہلے **قل** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنی ملکیت تامہ کا اظہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت فرمایا رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا**۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جاننا ایمان ہے بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل کے ان سب کو ماننا محض بے کار ہے یہ فائدہ دوسرے **قل** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** تبلیغ کا بہترین طریقہ یہ بھی ہے کہ اسلامی عقائد کے متعلق منکرین سے خود سوال کرو اور خود ہی جواب دے دو۔ اس طریقہ سے بات خوب ذہن نشین ہو جاتی ہے یہ فائدہ ان دونوں **قل** سے حاصل ہوا جو چیز انتظار کے بعد ملتی ہے اس میں لذت بھی آتی ہے اور اس کی قدر بھی ہوتی ہے ہم کو رب نے منتظر بنا دیا کہ قبر میں تم کو اپنے حبیب کا دیدار کرائیں گے تو عشاق موت کے ایسے منتظر ہو گئے۔ جیسے دولہا برات کا اور دیدار میں جو لذت ہو گی وہ بیان سے باہر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی شخص ایک ذرہ کا نہ خالق ہے نہ حقیقی مالک یہ فائدہ **لله** سے حاصل ہوا جو کسی اور کو ادنیٰ چیز کا بھی خالق یا حقیقی مالک مانے وہ مشرک ہے ہر ادنیٰ اعلیٰ چیز اس کی مخلوق ہے اس کی حقیقی مملوک۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے کوئی بندہ ایسا نہیں جسے اس رحیم و کریم کی بندہ نوازی رحمت خسروانہ سے حصہ نہ ملا ہو یہ فائدہ **کتب** لخ سے اور ان احادیث سے حاصل ہوا جو ابھی تفسیر میں پیش کی گئیں۔ ہاں آخرت میں اس کی رحمت کے حقدار صرف مومن ہیں اس لئے ان کا نام رحمان بھی ہے یعنی دنیا میں سب پر رحم فرمانے والا اور رحیم بھی یعنی آخرت میں صرف مومنوں پر رحمت کرنے والا۔ **چھٹا فائدہ:** کافر دو قسم کے ہیں ایک وہ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا دوسرے وہ جو آخر کار مومن ہو جائیں گے۔ خسارہ میں پہلی قسم کے کفار ہیں یہ فائدہ **الذین خسروا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں لوگوں کے مجمعے میلے لگتے ہی رہیں گے کوئی میلہ چند دن کا کوئی چند ماہ کا کوئی چند سال کا مگر آخر کار بچھڑنا اور فنا ہونا ہے یہ فائدہ **لیجمعنکم الی یوم القیامۃ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا نبیوں ولیوں کے اچھے میلے کفار و مشرکین کے برے میلے ان سب کا ذکر قرآن کریم میں ہے کہاں گئے نمرودی فرعونی میلے ان کے قصے ہی رہ گئے۔ **آٹھواں فائدہ:** بچھڑے ہوئے متفرق انسانوں کو جمع کرنے والی بہت چیزیں ہیں مگر محض عارضی اور محدود ہیں۔ رشتہ اسلامی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا کیا وہ دائمی ہے اور عالمگیر ہے یہ فائدہ **الی یوم القیمۃ** کی ایک اور تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے خود ہی سوال کی تلقین فرمائی۔ خود ہی جواب کی کہ خود ہی سوال کرو خود ہی جواب دو۔ چاہئے یہ کہ سوال کرنے والا اور شخص ہو جواب دینے والا دوسرا شخص یہ آیت کریمہ اس قاعدے کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں سوال و جواب پوچھنے کے لئے نہ ہیں بلکہ کفار کو سمجھانے کے لئے ہے کہ اس طرح سے سمجھانا بہت مفید ہوتا ہے ایسے سوال و جواب ایک شخص ہی کر سکتا ہے لائق و شفیق استاد شاگردوں کو سمجھانے کے لئے پہلے ان سے خود ہی علمی سوال کرتا ہے۔ پھر خود ہی جواب دیتا ہے تاکہ بچے آسانی سے سمجھ لیں۔ **دوسرا اعتراض:** جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم فرمائی ہے تو دنیا میں بیماریاں، آفات، تکالیف و مصیبتیں اور آخرت کے متعلق شیطان نفس امارہ برے ساتھیوں کو کیوں پیدا فرمایا اور وہ بندوں پر غضب و قہر کیوں فرماتا ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں قہر و غضب کی نفی نہیں۔ رحمت کا ثبوت ہے وہ رحیم بھی ہے قہار جبار بھی چونکہ اس کی رحمت زیادہ ہے اس لئے رحمت کا ذکر فرمایا۔ دوسرے یہ کہ تمہاری پیش کردہ چیزیں بھی در حقیقت رحمت ہی ہیں اگر ہم غلط استعمال سے انہیں غضب بنا

www.alahazratnetwork.org

لیں تو غلطی ہماری اپنی ہے مصیبتوں میں صبر ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ شیطان سے بچنے کی کوشش رحمتوں کا ذریعہ ہے مہربان حکیم کا نشتر بھی رحمت ہی ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** **لله** سے معلوم ہوا کہ جیسے کوئی شخص کسی چیز کا خالق نہیں ایسے ہی کوئی چیز کا مالک بھی نہیں پھر تم حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کا مالک کیوں مانتے ہو تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ جیسے کوئی مجازی خالق نہیں ہو سکتا ایسے مجازی مالک بھی نہیں ہو سکتا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی اپنے گھربار' سازو سامان اور زمین و باغ کے مالک نہیں پھر آپ یہ چیزیں فروخت کر کے ان کی قیمت کیوں لیتے ہیں اور پھر آپ پر زکوٰۃ و فطرہ' قربانی کیوں واجب ہے زکوٰۃ تو مالک نصاب پر ہوتی ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کوئی خالق مجازی نہیں ہو سکتا خالقیت ایک ایسا وصف ہے جو حقیقی ہی ہے مجازی نہیں۔ خالق وہ ہے جو نیست کو ہست کرے نابود کو بود کرے اس میں مجاز کی گنجائش نہیں مگر ملکیت حقیقی ازلی دائمی بھی ہوتی ہے اور مجازی' حارث عارضی بھی حقیقی دائمی ازلی ابدی مالک صرف رب تعالیٰ ہے۔ مجازی عارضی مالک ہم تم سب ہیں جیسے حقیقی زندہ حقیقی سمیع و بصیر صرف رب تعالیٰ ہے۔ مجازی زندہ اور سمیع و بصیر ہم ہیں۔ لفظ (کا) بہت طرح استعمال ہوتا ہے۔ مالک' قابض' مستحق اور نفع والا سب ہی کے لئے (لفظ) بولا جاتا ہے۔ یہ مکان زید کا ہے یعنی وہ اس کا مالک ہے یہ مکان زید کے بیٹے کا ہے یعنی وہ اس کا مستحق ہے وارث ہے۔ زید کے قرض خواہ کا ہے یعنی اس کا مستحق ہے وارث ہے۔ زید کے قرض خواہ کا ہے یعنی وہ اس کا قابض ہے اس کے پاس گروی رکھا ہوا ہے۔ یہ مکان بکر کا ہے یعنی وہ اس میں کرایہ پر رہتا ہے اس سے نفع اٹھاتا ہے یہ سارا جہاں اللہ کا ہے یعنی وہ اس کا مالک حقیقی ہے یہ جہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یعنی اس کے کار مختار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **انا اعطینک الکوثر** اور **الله المعطی و انا قاسم**۔ سارا جہاں ہم سب کا ہے یعنی ہم سب اس سے نفع اٹھاتے ہیں۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** اس "کا" کے بہت معنی ہیں یہاں پہلی قسم کا "کا" ہے۔ لہٰذا اس سے لازم یہ نہیں کہ اسے کسی اور کی طرف نسبت نہ کر سکیں۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز واجب نہیں اس کا کوئی حاکم نہیں وہ فاعل مختار ہے۔ پھر **کتب علی نفسه** کیسے درست ہوا۔ **جواب:** کسی اور کے واجب کرنے سے رب تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں۔ لیکن اگر وہ کریم خود اپنے کرم سے اپنے ذمہ کچھ لازم فرمالے تو وہ اس کا کرم و مہربانی ہے۔ اگر داتا کسی فقیر سے کچھ دینے کا وعدہ کرے تو وہ خود ہی اپنے ذمہ واجب کر رہا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **لیجمعنکم الی یوم القیامة** کیونکر درست ہوا الیٰ انتہاء کے لئے آتا ہے جمع انتہاء نہیں چاہتی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **الی** بمعنی **فی** ہے اور اگر اپنے معنی میں ہے تو پوشیدہ عبارت کے متعلق ہے نہ کہ **لیجمعنکم** کے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **خسروا** شرط ہے۔ اور **لا یومنون** جزا حالانکہ واقعہ اس کے برعکس ہے کہ **لا یومنون** شرط ہے اور **خسروا** جزا۔ جو ایمان نہیں لاتا وہ خسارہ میں ہوتا ہے یہ نہیں ہوتا کہ جو خسارہ میں ہو وہ ایمان نہیں لاتا تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں خسارہ سے مراد رب تعالیٰ کے علم میں خسارہ ہے اور ایمان نہ لانے سے مراد ہے دنیا میں ایمان نہ لانا مطلب یہ ہے کہ جو علم الٰہی میں خسارہ میں رہا وہ دنیا میں ایمان نہ لائے گا لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جو دن و رات میں رہتے ہیں وہ اللہ کی ملک ہیں تو کیا جو چیزیں دن و رات میں نہیں رہتیں۔ ان پر نہ دن گزرتا ہے نہ رات نہ ان کی عمر جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں' عرش' لوح' قلم یہ چیزیں خدا کی ملک نہیں اس کی ملکیت کو دن رات گزرنے یا دن رات میں رہنے سے

www.alahazratnetwork.org

مقید کیوں فرمایا گیا۔ جواب: بیشک ہر چیز خدا تعالیٰ کی ملک ہے مگر جو دن رات وقت و زمانہ سے وراء ہیں وہ ہمارے دیکھنے میں نہیں آتیں ہماری نظر دن رات والی چیزوں تک محدود ہے یہ قید ہماری نظر کے لحاظ سے ہے یعنی جو کچھ تم دیکھ رہے ہو سب خدا کا ہے جیسے **لہ ما فی السموت والارض** کا مطلب یہ نہیں کہ آسمانی زمینی چیزیں تو رب تعالیٰ کی ہوں جو آسمان و زمین سے خارج ہیں وہ کسی اور کی ہوں وہاں بھی یہ ہی مطلب ہے کہ یہ تمام دیکھی بھالی چیزیں اللہ کی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سارا قلعہ بادشاہ کا ہوتا ہے مگر اس قلعہ میں کمرے مختلف رنگ کے ہوتے ہیں۔ جیسا کمرہ ویسا اس کا سامان بھینس خانہ 'پاخانہ' باورچی خانہ 'ملازم خانہ پھر بادشاہ کا جلوت خانہ 'خلوت خانہ یہ سب بادشاہ کے ہیں مگر ان کمروں کے منشاء مختلف ہیں بھینس خانہ میں صوفہ سیٹ میز و کرسی نہیں ہوتی۔ ان میں سے خاص اس کی آرامگاہ وہاں کے خاص کمرہ ہوتا ہے یا سارا ملک بادشاہ کا ہے مگر خاص دارالخلافہ اس کی خاص تجلی گاہ ہوتا ہے۔ جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں انعام و اکرام تقسیم ہوتے ہیں۔ سارا جہان اللہ کا ہے مگر عشاق کے دل اس کی خاص تجلی گاہ ہیں۔ جہاں سے تکوینی احکام تشریعی ارکان خسروانہ انعام شاہانہ اکرام عالم میں تقسیم ہوتے ہیں۔ طور' مکہ معظمہ' مدینہ منورہ' بیت المقدس سب ہی اللہ تعالیٰ کی مملوک و مخلوق ہیں مگر ان کے درجات مختلف ہیں یوں ہی انسان کی آنکھ' کان' ناک و دماغ دل وغیرہ سب اللہ کی مخلوق ہیں مگر دل خاص تجلی گاہ یار کا خلوت خانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض رحمتیں بندوں کو ان کے اعمال یا دعا سے عطا فرماتا ہے۔ یہ رحمت عامہ ہیں مگر رحمت خاصہ وہ ہیں جو اس نے ہم کو بغیر طلب بخشیں انہیں کے متعلق یہاں ارشاد ہے۔ **کتب علی نفسہ الرحمۃ**۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در عدم ما مستحقاں کے بدیم　　کہ بریں جاں و بریں دانش زدیم!
مانہ بودیم و تقاضہ' مانبود　　لطف تو ناگفتہ مای شنود!

جب سارے رحمت والے چھوڑ دیتے ہیں تب وہ رحیم یاد رکھتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی یہ مناجات پڑھتے تھے۔

اللھم ارحمنا اذا عرق الجبین' وکثر الانین' وبکی علینا الحبیب' وینس منا الطبیب۔
اللھم ارحمنا اذا وارنا التراب' ودعنا الاحباب' وفارقنا النعیم' وانقطع النسیم۔
اللھما ارحمنا اذا نسی اسمنا' وبلی جسمنا' واندرس قبرنا' وانطوی ذکرنا۔
اللھم ارحمنا یوم تبلی السرائر' وتبدی الضمائر' وتنشر الدواوین وتحسر الموازین۔
اللھم یا حی یا قیوم' یا رحمن یا رحیم' برحمتک نستعین۔

یعنی اے اللہ ہم پر اس وقت رحم فرما جبکہ پیشانی پر پسینہ آجائے رونے والے کی پکار اٹھے ہم پر پیارے رو چکیں حکیم جواب دے چکے الٰہی ہم پر اس وقت رحم کر جبکہ ہم مٹی میں چھپ جاویں دوست احباب چھوڑ جاویں دنیاوی نعمتیں ختم ہو جاویں ہوا ہم پر بند ہو جاوے اے اللہ ہم پر اس وقت رحم کر جبکہ ہمارا نام بھولا جاچکے ہمارے جسم گل سڑ جاویں ہماری قبریں مٹ جاویں ہمارا چرچہ ختم ہو جاوے اے اللہ ہم پر اس وقت رحم فرما۔ جبکہ چھپی باتیں کھلیں دل کے بھید ظاہر ہوں۔ دفتر اعمال پھیلے ہوں وزن ہو رہا ہو اے ہمارے قیوم ہم ان اوقات میں تیری مدد مانگتے ہیں (روح البیان) غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک جو رحمت رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالی وہ رحمت مطلقہ ہے جو ہماری طلب سے وراء ہے دنیا جمع تفریق وجدائی کی جگہ ہے آخرت جگہ اجتماع کی ہے یہاں' جسم' روح' قلب' قالب میں فاصلہ ہے۔ مگر قیامت میں یہ سب ایسے مجتمع ہوں گے کہ ان میں کوئی کسی کے خلاف

www.alahazratnetwork.org

نہ ہوگا۔ دنیا کی ہر چیز آسمان زمین وغیرہ گول ہیں دائرہ کی شکل میں اور دائرہ مرکز پر کھینچا جاتا ہے۔ دنیا کے دائرہ کا مرکز حقیقت محمدیہ ہے کہ سارا دائرہ اس مرکز پر کھچا اور اس سے وابستہ ہے ہدایت کا بھی ایک دائرہ ہے۔ جس کا مرکز حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں انسان تین قسم کے ہیں بعض مرکز ہدایت سے وابستہ بعض مرکز سے دور مگر دائرہ کے اندر اور بعض دائرہ ہدایت سے خارج جب رب تعالیٰ نے ارواح پیدا فرمائیں تو بعض دائرہ ہدایت کے اندر رہے بعض اس دائرہ سے باہر اندر والوں میں بعض مرکز ہدایت سے وابستہ رہے مرکز سے وابستہ ہونے والے حضرات صحابہ و اولیاء خاص ہیں جو ہدایت پر ہیں ہدایت گیر ہیں کہ ان کے افعال و اعمال۔ اقوال ہدایت ہیں جو اس دائرہ سے خارج رہے وہ پورے خسارہ میں ہیں جو کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ ہر انسان تاجر ہے اس کی زندگی گھڑیاں بلکہ اس کی ہر سانس اصل رقم ہے۔ جسے خرچ کرکے وہ نیک یا بد اعمال کے سودے خرید تا ہے ہر شخص کی زندگی کی دوکان صبح کھلتی ہے رات کو بند ہو جاتی ہے مرنے پر یہ دوکان ختم ہو جاتی ہے اگرچہ بعض بندے ایسے خوش نصیب ہوتے ہیں جن کی دوکان نہ رات کو سوتے میں بند ہو نہ مرنے پر ختم ہو۔ ہمیشہ کھلی رہتی ہے تجارات چار قسم کی ہیں ربح یعنی نفع کی۔ تولید یعنی برابر نہ نفع نہ نقصان۔ نقصان کی اور خسران کی گھاٹے والی تجارت نقصان کی ہے۔ اگر اصلی پونجی بھی ختم ہو جاوے وہ خسران کی۔ جہاں انا ہے وہاں نقصان یا خسارہ ہے اور جہاں فنا ہے وہاں نفع ہے۔ یہاں انا والی تجارت کا ذکر ہے کہ وہ نری خسران کی ہے۔ نفع والی تجارت حضرت صدیق و فاروق صحابہ کرام و اولیاء اللہ کرتے رہے کہ سب کچھ کیا۔ مگر کہتے رہے کہ ہم نے کچھ نہ کیا جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے عرض کیا کہ **جئنا ببضاعۃ مزجات** ہم کھوٹی پونجی لائے ہیں۔ تب ہی ساری مشکلیں حل ہو گئیں۔ بھائی کو بھائی مل گئے اور باپ کو فرزند مل گئے۔ یہ ہے فنا کی لذت۔ اللہ کے بندے دو قسم کے ہیں۔ بعض خلوت پسند جنہیں رات کی تاریکی میں سکون ملتا ہے۔ بعض وہ جلوت پسند جن کو دن کی روشنی بھاتی ہے۔ یہ دونوں اللہ کے مقبول ہیں۔ چونکہ خلوت پسند رات میں سکون لینے والے افضل ہیں نیز رات دن سے افضل کہ یہ محبین کی انسیت کا وقت ہے۔ محبوبین کی آنکھ کی ٹھنڈک کی ساعت ہے روزانہ قبولیت کی ساعتیں رات کے آخری حصے میں آتی ہیں۔ شب قدر جو ہزار ماہ سے افضل ہے رات ہی ہے معراج کے لئے رات ہی منتخب ہوئی بہرحال رات دن سے افضل ہے اس لئے رات کا ذکر پہلے ہوا دن کا ذکر بعد میں لہذا رات کے سکون والے دن کے سکون والوں سے زیادہ قرب والے ہیں وہ سنتا سب کی ہے جانتا سب کو ہے

وھو السمیع العلیم (از روح البیان مع اضافہ) صوفیاء کرام کے مشرب ہیں **ولہ ما سکن فی الیل والنہار** کے چند معنی ہیں ایک تو یہ جو ابھی عرض کئے گئے دوسرے یہ کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو دن رات چین و سکون سے رہتے ہیں۔ کبھی دنیاوی بے چینی بے قراری ان کے پاس نہیں آتی تیسرے یہ کہ مقبول بندے وہ ہیں جو غموں کی رات میں اور خوشی کے دن میں اللہ کے دروازے پر ٹھہرے رہتے ہیں کبھی وہ دروازہ نہیں چھوڑتے۔ چوتھے یہ کہ اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو ہمیشہ عجز و مسکنت میں رہتے ہیں۔ دن رات ان میں عجز و انکسار ہوتا ہے کبھی غرور و تکبر نہیں کرتے غرضیکہ سکن کے چار معنی ہیں اور لیل و نہار کے تین معنی اس لئے اس کی تفسیر صوفیانہ بہت سی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا

فرما دو کیا اللہ کے سوا اور کو بناؤں ولی وارث پیدا فرمانے والا آسمانوں اور زمین کا اور وہ کھلاتا ہے

تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا کسی اور کو والی بناؤں وہ اللہ جس نے آسمان و زمین پیدا کئے اور وہ کھلاتا ہے

يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ

اور نہیں کھلایا جاتا فرما دو بیشک میں حکم دیا گیا یہ کہ ہوؤں میں پہلا وہ جو اسلام لایا اور ہرگز نہ ہوؤ تم

اور کھانے سے پاک ہے تم فرماؤ مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے گردن رکھوں اور ہرگز شرک والوں میں سے نہ

الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾ قُلْ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ

شرک کرنے والوں میں سے تم فرماؤ کہ بیشک میں ڈرتا ہوں کہ اگر نافرمانی کروں میں رب اپنے کے عذاب

ہونا تم فرماؤ کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب

عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾

سے بڑے دن کے وہ شخص کہ پھیرا جائے اس سے ان دن تو بیشک رحم کیا اس پر اور یہ کامیابی ہے ظاہر

کا ڈر ہے اس دن جس سے عذاب پھیر دیا جائے اس پر اللہ کی مہر ہوئی اور یہی کھلی کامیابی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں یہ بیان فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مکان و مکانیات' زمان و زمانیات کا خالق و مالک ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ پھر اس کی عبادت بھی کرو اس کے سواء کسی اور کو معبود نہ بناؤ گویا یہ آیات گزشتہ آیات کا نتیجہ ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت مالکیت کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا کہ وہ فریادی کی فریادیں سننے والا ہے ہر دکھی سکھی کے حال سے خبردار ہے اب ارشاد ہے کہ چونکہ وہ مختار علیم سمیع و بصیر ہے لہٰذا اس کی ہی فرمانبرداری و اطاعت کرو گویا اس آیت میں ان کی تردید ہے۔ جو رب تعالیٰ کو عالم کا خالق و مالک مانتے تو ہیں مگر غیر مختار مان کر وہ کہتے ہیں کہ اس سے عالم ایسا صادر ہو رہا ہے۔ جیسے سورج سے روشنی یا گرمی جس میں سورج کا اختیار سزا و جزا کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر تھا کہ وہ کیسا ہے۔ اب ان آیات میں بندوں کی صفات کا ذکر ہے کہ ہم کو کیسا ہونا چاہئے یعنی پہلے ارشاد تھا کہ وہ خالق' مالک' سمیع' علیم ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم کو چاہئے اس کے عابد' مطیع' فرمانبردار رہوں تا کہ اس کی عطاء اور ثواب کے مستحق بنیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر تھا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے ان کے خاص خدام کا اس عقیدے سے اور رب تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ ہونا بالکل ناممکن ہے یہ عقیدہ اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسے لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی اور آگ کے لئے گرمی کیوں نہ ہوں کہ وہ تو خاص سانچہ میں ڈھالے ہوئے ہیں۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

خدا نے ان کو اپنے حسن کے سانچہ میں ڈھالا ہے ۔۔۔ وہ آئے اس جہاں میں سب حسینوں میں حسین ہو کر
عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت ۔۔۔ وہ آئے لیکن آئے رحمۃ للعالمیں ہو کر!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دل کی کشتیوں کا لنگر ہیں زمین نفس کا پہاڑ اگر لنگر ہی ہچکولے کھانے لگے تو کشتی کیسے ٹھہرے گویا توحید کے بعد رسالت کا ذکر ہے۔

شان نزول: مقاتل فرماتے ہیں کہ ایک بار کفار مکہ مل کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ آپ ہم کو ایک نئے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اب ہم آپ کو اس پرانے دین کی طرف دعوت دیتے ہیں جو ہم لوگوں کا اور ہمارے باپ دادوں کا پرانا دین ہے آپ وہی دین اختیار کیجئے جو عرب میں قدیم سے چلا آرہا ہے۔ اس موقعہ پر ان کفار کی تردید کے لئے یہ آیات نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر: **قل اغیر اللہ اتخذ ولیا** کفار نے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شرک کی دعوت دی یہ سمجھ کر دی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام چھوڑ سکتے ہیں یہ عقیدہ رب تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ اس نے نبوت کے لئے ایسی ذات کو منتخب کیا جو اسلام پر پختہ نہیں ہے پھسل سکتی ہے اس لئے اس آیت کو قل سے شروع فرمایا کہ اے محبوب چونکہ ان کفار کی یہ حرکت مجھ پر اعتراض ہے اور تم میری ذات و صفات کے گواہ ہو۔ لہذا تم یہ جواب دو۔ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار مکہ سے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے آبائی دین کی دعوت دینے آئے تھے۔ جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا اس قل کا تعلق مسلمانوں یا رب تعالیٰ یا کسی اور سے نہیں جیسا کہ مضمون آیت سے ظاہر ہے **اغیر اللہ** میں ہمزہ سوال واستفہام کے لئے ہے اور سوال انکاری یا تعجب کے اظہار کے لئے تعجب یا تو کفر و شرک کی اہمیت کی بنا پر ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کی بنا پر کہ کفر و شرک جیسی بدترین چیز اختیار کرلوں تعجب ہے کہ تم مجھے کیسا مشورہ دے رہے ہو یا اے بے وقوفو کیا میں شرک کر سکتا ہوں۔ جسے رب تعالیٰ نے گناہوں سے بھی معصوم و محفوظ کیا ہے۔ خیال رہے کہ بعض اولیاء اللہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں مگر سارے نبی گناہوں سے معصوم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارادہ گناہ سے بھی معصوم ہیں۔ آپ نے کبھی گناہ کا خیال بھی نہیں کیا محفوظ وہ جو گناہ نہ کرے معصوم وہ جو گناہ نہ کر سکے چڑیا کے پر ہوں مگر پنجرے میں ہو وہ اڑنے سے محفوظ ہے۔ مگر جب پر ہی کاٹ دیئے جاویں تو وہ اڑنے سے گویا معصوم ہے۔ اولیاء اللہ شریعت طریقت کے پنجرے میں ہونے کی وجہ سے گناہ نہیں کرتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم شریعت آنے سے پہلے گناہ سے معصوم تھے۔ یہاں غیر اللہ سے مراد ہر ماسوای اللہ ہے کوئی بھی ہو کیونکہ عبادت کسی ماسوای اللہ کی جائز نہیں۔ **غیر' دون' الا** وغیرہ کے تین معنی ہوتے ہیں۔ سوا یا علاوہ اجنبی بے تعلق' دشمن' عبادت اور الوہیت کے موقعہ پر **غیر دون الا**۔ بمعنی سواء ہوتا ہے۔ دوستی و محبت کے موقعہ پر غیر بمعنی دشمن ہوتا ہے اللہ کے غیر کو دوست نہ بناؤ یعنی دشمن خدا کو مدد وغیرہ کے موقعہ پر بمعنی اجنبی ہوتا ہے۔ **اتخاذ** کے معنی اس کے اقسام ہم پہلے پارہ میں **ثم اتخذتم العجل** کی تفسیر میں عرض کر چکے یہاں ولی کے معنی ہیں معبود کیونکہ جن لوگوں کے رد میں یہ آیت کریمہ آئی ہے انہوں نے بتوں کی عبادت ہی کی دعوت دی تھی (تفسیر بیضاوی و جلالین' صاوی) ولی کے بہت معنی ہیں۔ معبود' قریب صاحب (ساتھی) اللہ کی عبادت میں بہت ہی مشغول (صاوی) دوست'

www.alahazratnetwork.org

مددگار' دیکھو **فاللہ ھو الولی**۔ یہاں ولی معنی معبود ہے اور **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** یہاں ولی معنی مددگار ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں دیکھو یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بدباطن کفار جو آپ کو اپنے دین کی طرف دعوت دے رہے ہیں ان سے فرمادو کہ اے بے وقوفو میں سید الانبیاء ہو کر ماسوی اللہ کو معبود بنالوں تو تم مجھے دیکھو اپنا منہ دیکھو اور یہ اپنی ہمت دیکھو۔ **فاطر السموت والارض**۔ **فاطر** کسرہ سے ہے لفظ اللہ کی صفت ہے۔ چونکہ معنی ماضی ہے۔ لہٰذا اس کی اضافت سماوات کی طرف اضافت لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے لہٰذا یہ معرفہ ہے اور اللہ کی صفت بن سکتا ہے۔ خیال رکھو باریک بات ہے فاطر بنا ہے فطر سے معنی چیرنا اس لئے پھٹن' شگاف کو فطور کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ھل تری من فطور**۔ اور فرماتا ہے **اذا السماء انفطرت**۔ مگر اصطلاح میں پیدا کرنے بلکہ ایجاد کرنے کو فطرت کہا جاتا ہے کہ مخلوق گویا عدم کا پردہ پھاڑ کر موجود کی جاتی ہے۔ لطیفہ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ مجھے فاطر کے معنی کا پتہ نہ تھا ایک بار میرے پاس دو بدوی ایک کنوئیں کا جھگڑا لائے ان میں سے ایک بولا **انا فطرتھا**۔ حضور اس کنوئیں کی ابتداء میں نے کی ہے تب مجھے پتہ لگا کہ فاطر کے معنی ہیں ابتداء فرمانے والا (تفسیر کبیر' خازن' بیضاوی وغیرہ) چونکہ آسمان و زمین کو رب تعالیٰ نے ایجاد فرمایا ہے۔ اس سے پہلے ان کی کوئی مثال قائم نہ تھی اس لئے فرمایا گیا۔ **فاطر السموات والارض** یہ فرمان عالی صرف اللہ تعالیٰ کی معبودیت کی پہلی دلیل ہے کہ لائق عبادت وہ ہے۔ جو آسمان اور زمین کا موجد ہے **وھو یطعمہ ولا یطعم**۔ یہ عبارت یا تو پہلی دلیل کا تتمہ ہے۔ اس صورت میں واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ فاطر کا حال یعنی اس نے زمین و آسمان پیدا کرکے یوں ہی نہ چھوڑ دیئے بلکہ ان میں کھانے والی مخلوق بنائی پھر انہیں برابر روزی رزق دے رہا ہے۔ لہٰذا وہ خالق بھی ہے اور رازق بھی یا یہ علیحدہ جملہ ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کی دوسری صفت کا ذکر ہے اور توحید کی دوسری دلیل' اس صورت میں واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ نیا ہے **یطعم** بنا ہے اطعام سے معنی طعام یعنی کھانا دینا مگر مراد ہے مطلقاً روزی دینا' کھانا ہو یا پانی یا لباس یا دھوپ و ہوا وغیرہ چونکہ کھانے کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے اور کھانے کی وجہ سے بندہ بہت ہی حاجت مند ہے اس لئے طعام ارشاد ہوا اس عبارت کی تین قراتیں ہیں **یطعم ولا یطعم**۔ یعنی پہلا تو باب افعال کا مضارع معروف دوسرا مجہول یعنی وہ کھلاتا ہے کھلایا جاتا نہیں یہ ہماری قرات ہے۔ دوسری **یطعم' ولا یطعم**۔ پہلا باب افعال کا مضارع معروف دوسرا مجرد کا مضارع معروف یعنی وہ اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے خود کھاتا نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں ھو کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ تیسری **یطعمہ ولا یطعم** پہلا مضارع مجہول دوسرا معروف اس صورت میں **ھو** کا مرجع اللہ نہیں بلکہ غیر اللہ ہے یعنی غیر اللہ کا حال یہ ہے کہ وہ کھلائے جاتے ہیں کسی کو کھلاتے نہیں روزی دیتے نہیں (تفسیر کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) **قل انی امرت ان اکون اول من اسلم**۔ اس قل میں بھی خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور اس قل میں روئے سخن یا تو انہیں کفار سے ہے جن کی تردید میں یہ آیت آئی یا سارے کفار سے یا سارے انسانوں سے یا ساری جن وانس سے یا ساری مخلوق سے جیسا کہ مضمون عبارت سے ظاہر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں امر سے مراد اللہ تعالیٰ کا وہ حکم ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہاں دنیا میں تشریف لانے پر دیا گیا اور اول سے مراد اضافی اول ہے اور معنی یہ ہیں کہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے کہ میں اپنی امت میں سے سب سے پہلا مسلم مومن اللہ کا مطیع ہوں اور لوگ مجھے دیکھ کر مسلم مومن مطیع بنیں عام مفسرین نے یہ ہی معنی کئے ہیں اس صورت میں امر سے مراد حکم قرآنی نہیں بلکہ وہ حکم الٰہی مراد ہے۔ جو حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں بچپن ہی میں القاء کیا گیا کیونکہ قرآن کریم کی کسی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایمان لانے کا حکم نہیں دیا گیا۔ نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو نزول قرآن سے پہلے ہی مومن عارف باللہ ہیں ظہور نبوت سے پہلے شجرو حجر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتے تھے۔ قرآن کریم کی پہلی آیت غار حرا میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھ ماہ سے عبادت و ریاضت کر رہے تھے نازل ہوئی۔ لہذا یہ حکم وہ ہے جس کا القاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب میں کیا گیا۔ فقیر کے نزدیک امر سے مراد وہ امر ہے جو ساری مخلوق کی پیدائش سے پہلے نور محمدی کو دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اول مخلوقات ہے۔ اول ما خلق اللہ نوری اس نور نے ہزارہا سال رب کی عبادت کی اس عرصہ میں ایک ہی عابد تھا۔ نور محمدی ایک ہی معبود۔ یا امر سے وہ امر ہے جو میثاق کے دن روح محمدی کو دیا گیا کہ رب نے فرمایا۔ الست بربکم سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روح نے بلی کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر اور روحوں نے بلی کہا ان دونوں صورتوں میں اولیت سے مراد اولیت حقیقیہ ہے۔ غرضیکہ یہاں امرت میں چار احتمال ہیں (1) مجھے قرآن میں حکم دیا گیا (2) مجھے دنیا میں آتے ہی حکم دیا گیا بطور الہام (3) مجھے عالم ارواح میں حکم دیا گیا میثاق کے دن (4) مجھے تمام مخلوق سے پہلے حکم دیا گیا۔ اور اولیت میں بھی تین احتمال ہیں (1) اس زمانہ میں اپنی امت سے پہلے (2) میثاق کے دن تمام ارواح انسانی سے پہلے (3) حقیقتہ "ساری مخلوق سے پہلے جب صرف میں ہی عابد تھا کروڑوں سال صرف میں نے یہ حکم الہی عبادت کی یہ آخری تفسیر قوی ہے۔ یعنی مجھے رب تعالیٰ نے بلا واسطہ اس وقت حکم دیا تھا کہ میں ساری مخلوق میں پہلا مومن پہلا مسلم پہلا مطیع ہوں۔ تمام مخلوق فرشتے انبیاء و اولیاء مجھے دیکھ کر مجھ سے سیکھ کر مومن و مسلم بنے یہ تفسیر بہت لذیذ ہے۔ ولا تکونن من المشرکین یہ دوسرا حکم ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ و[illegible] اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سب کو دیا گیا یہ عبارت یا تو ان اکون پر معطوف ہے اور امرت کا مفعول تو یہ رب تعالیٰ کا مقولہ ہے یا اغیر اللہ پر معطوف ہے اور قل کا مقولہ اس صورت یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے یعنی آپ اپنے مخاطب سے یہ بھی کہہ دو کہ اغیر اللہ اتخذ الخ یہ بھی فرما دو کہ اے مخاطب تو مشرکوں میں سے نہ ہو (روح المعانی) یہ توجیہ قوی ہے اس لئے کہ لا تکونن نہی ہے امر نہیں اس کو امر کا مفعول بنانا یہ تکلف ہی ہو گا۔ مشرکین سے مراد مطلقاً کفار ہیں۔ خواہ مشرک ہوں یا موحد یا دہریئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ شرک و کفر نہ کرو بلکہ فرمایا کہ مشرکین و کفار میں سے ہو بھی نہیں اس جماعت اس قبیلہ سے ہی الگ رہو۔ قل انی اخاف ان عصیت ربی۔ اس فرمان عالی میں ان کفار کو دوسرا جواب دینے کی تعلیم ہے پہلے جواب میں دلائل کے ذریعہ کفار کو تبلیغ کی گئی تھی اس جواب میں خوف کے ذریعہ تبلیغ ہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں بعض لالچ سے مگر اکثر ڈر کر مانتے ہیں۔ اس میں فرمایا گیا کہ تم تو مجھے کفر و شرک کی طرف بلا رہے ہو میرا یہ حال ہے کہ میرا دل خوف سے بھرا ہوا ہے۔ خیال رہے کہ خوف خدا کئی قسم اور کئی طرح کا ہے اس کی ذات سے ہیبت اس کے جلال سے دل کا بھرا ہونا یہ خوف حضرات انبیاء و اولیاء و صالحین و غیرہم سب کو ہوتا ہے بلکہ جس قدر قرب زیادہ اسی قدر یہ خوف زیادہ۔ خوف عذاب اس خوف سے حضرات انبیاء اور خاص اولیاء خصوصاً "عشرہ مبشرہ صحابہ کرام محفوظ ہیں لا خوف علیھم میں اسی خوف کی نفی ہے۔ یہ خوف دراصل اپنی حرکتوں اپنے گناہوں کی وجہ سے ہے ان بزرگوں کے پاس جب گناہ نہیں تو انہیں خوف عذاب کیسا۔ تیسرا خوف خدا کی وعدہ خلافی اس کے ظلم کا خوف یہ خوف کفر ہے یہاں خوف عذاب کا ذکر ہے اور بتانا یہ ہے کہ جب میرا یہ حال ہے تو تم کس شمار میں ہو کوئی شخص اپنے کو اطاعت سے بے نیاز نہ

www.alahazratnetwork.org

جانے اس کے عذاب سے خوف کرے۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں **ان عصیت ربی** شرط ہے جس میں ہر نافرمانی مراد ہے اعتقادی ہو یا عملی اور **انی اخاف** اس کی جزا پھر **خاف** فعل ہے اور **عذاب یوم عظیم** اس کا مفعول **یوم عظیم** سے مراد قیامت کا دن ہے۔ چونکہ وہ دن بہت دراز ہے اس دن کی ہیبت بہت سخت ہے لہٰذا اسے **یوم عظیم** فرمایا گیا۔ یعنی اگر میں رب تعالیٰ کی کسی قسم کی نافرمانی کروں تو مجھے قیامت کے دن کے عذاب کا خطرہ ہے یہ شرط و جزاء ایسی ہے جیسے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین**۔ اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو پہلے میں اس کی عبادت کروں یا جیسے اگر پانچ کا عدد شفع ہو تو اس کی تقسیم برابر ہوگی (تفسیر کبیر) یعنی ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر گناہ سے معصوم ہیں آپ سے گناہ سرزد ہونا ناممکن ہے لہٰذا خوف سزا بھی ناممکن ہے اللہ کا خوف اور ہے سزا کا خوف کچھ اور (روح المعانی کبیر وغیرہ) اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام خوف سزا سے محفوظ ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے **لا خوف علیہم ولا ہم یحزنون** اور جس دل میں خوف خدا پورا پورا ہو وہاں کسی بہکانے والے کا اثر نہیں پہنچ سکتا۔ **من یصرف عنہ یومئذ فقد رحمہ**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت جملہ نیا ہے اور حق تعالیٰ کا مقولہ اور ہو سکتا ہے کہ یہ بھی **قل** کے تحت ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہو اور جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہو **من** سے مراد انسان اور جن ہیں کہ فرشتوں وغیرہ کے لئے عذاب ہے ہی نہیں پھر ان سے عذاب پھیرنے کے کیا معنی فرشتے دوزخ میں بھی ہوں گے اور جنت میں بھی مگر عذاب و ثواب پانے کے لئے نہیں بلکہ عذاب و ثواب دینے کے لئے فرشتوں کی سرشت ہی ایسی ہے کہ انہیں نہ دوزخ میں تکلیف محسوس ہو نہ جنت میں دوست۔ جیسے خوشبودار پھول صاف دماغ والے کو راحت دیتا ہے بدبو تکلیف مگر جس کی ناک بند ہوا سے نہ خوشبو کا احساس نہ بدبو کا۔ ثواب و جزا کا احساس انسانوں کو ہی ہے۔ انسان میں بھی خصوصاً "وہ انسان مراد ہیں جو عذاب کے قابل ہیں **یصرف** بنا ہے صرف سے معنی پھیرنا یہاں مراد ہے بچانا اس تک نہ آنے دینا ہماری قرأت میں **یصرف** مجہول ہے اس کا نائب فاعل **ھو** ہے جس کا مرجع یا عذاب ہے یا **من** اس طرح **عنہ** ضمیر کا مرجع یا عذاب ہے یا من یعنی وہ شخص جس سے عذاب پھیر لیا جاوے یا جو عذاب سے پھیر لیا جاوے۔ بعض قراتوں میں **یصرف** معروف ہے تو اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے یعنی جس سے عذاب پھیر دے اسے عذاب سے بچائے (تفسیر بیضاوی) بعض قراتوں میں **من یصرف اللہ** ہے۔ بہرحال یہ عبارت شرط ہے اور **فقد رحمہ** اس کی جزاء **یصرف** فرما کر اشارۃً" یہ بتایا گیا کہ عذاب کی جگہ یعنی پل صراط سے سب کو گزرنا ہے جو وہاں پھسل گیا یا پکڑا گیا۔ وہ عذاب میں مبتلا ہو گیا جو خیریت سے نکل گیا وہ بچ گیا لہٰذا صرف کے معنی بالکل درست ہیں۔ یہاں رحم و مراد رحم کی تکمیل ہے رحمت الٰہی کی ابتداء سے عذاب دور ہوگا اور رحمت کی انتہاء دور ہونے پر ہوگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں رحمت سے مراد جنت دینا ہے اور معنی یہ ہیں کہ جو عذاب سے بچایا جاوے گا۔ اللہ تعالیٰ اسے ضرور جنت دے گا کہ جنت و دوزخ کے درمیان کوئی اور جگہ مستقل نہیں انسان یا جنتی ہے یا دوزخی (تفسیر خازن وغیرہ) **وذالک الفوز المبین** یہ مستقل جملہ ہے **ذالک** سے اشارہ صرف عذاب اور رحمت کے حاصل ہونے کی طرف ہے یعنی دنیا میں امیر کبیر بن جانا کامیابی نہیں کھلی کامیابی تو یہ ہے کہ انسان قیامت میں عذاب الٰہی سے بچ جاوے اور اللہ تعالیٰ اسے جنت عطا فرماوے۔ اللہ تعالیٰ یہ کامیابی ہم سب کو عطا فرماوے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کو بے دینی کی طرف بلا رہے ہیں۔ ان سے فرمادیں کہ اے بے وقوفو! کیا میں سید الانبیاء شفیع المذنبین ہو کر اللہ کے سواء کسی کو معبود بنا سکتا ہوں کیا تم کو مجھ سے یہ توقع ہے اللہ تعالٰی آسمانوں زمین کا ایجاد فرمانے والا ہے اس کی شان یہ ہے کہ وہ بے نیاز ہے غنی ہے تمام اس کے حاجت مند ہیں اور وہ سب کو روزی دیتا ہے اسے کوئی روزی نہیں دیتا جس کی یہ شان ہو وہ ہی لائق عبادت ہے آپ ان سے یہ بھی فرمادو کہ مجھے روز اول یا روز میثاق میں یا دنیا میں آمد پر حکم دیا گیا ہے کہ میں ساری مخلوق میں سب سے پہلا مومن مسلم رب کا مطیع ہوں تمام مخلوق میری اقتداء میں مومن و مسلم ہے یا اپنی امت میں سب سے پہلا مومن مسلم میں ہوؤں اسب میری تعلیم سے مومن مسلم بنیں اور فرمایا گیا ہے کہ تم کفر و شرک کرنا تو کیا معنی کفار و مشرکین کے دھڑے میں سے بھی نہ ہوؤ فرمادو کہ اگر بفرض محال میں رب تعالٰی کی کسی قسم کی نافرمانی کروں عقیدہ کی عمل کی قول کی تو مجھے بڑے دن یعنی قیامت کے عذاب کا خطرہ ہے اس فرمان کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اس فرمان میں ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے مگر سنانا دوسروں کو ہے کہ جب میں سید الانبیاء ہونے کے باوجود رب تعالٰی کی نافرمانی نہیں کر سکتا اگر بفرض محال کروں تو عذاب الٰہی کا خطرہ ہے تو تم کس شمار میں ہو کوئی شخص اللہ کی معصیت پر دلیر نہ ہو ورنہ سمجھ لے کہ عذاب الٰہی سخت ہے۔ دوسرے یہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقام کا ذکر ہے کہ میرا اول خوف خدا سے پر ہے پھر وہاں گناہ کی گنجائش کیسے ہو۔ شیطان کی ہتھیار سے مار نہیں کھاتا نہ تلوار و تیر سے نہ ایٹم بم و راکٹ سے اس کے مارنے کے دو ہی ہتھیار ہیں اللہ کا خوف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق جس دل میں یہ ہتھیار ہوں۔ شیطان وہاں شکست ہی کھاتا ہے۔ چور اس گھر میں جاتا ہے جہاں ہو وقت غفلت ظلمت ہو اللہ کا خوف بیداری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق نور ہے جب دل میں بیداری بھی ہو نور بھی پھر شیطان پر وہاں کیسے کامیاب ہو سکتا ہے لوگو خیال رکھو کہ دنیاوی عیش و عشرت حاصل ہو جانا کامیابی نہیں جو قیامت کے دن عذاب سے بچالیا جاوے وہی رحمت الٰہی میں آوے گا عذاب سے بچ جانا اس کی رحمت میں آجانا ہی کھلی کامیابی ہے۔ اس کے حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ یہاں کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر وہاں کی کامرانی کو نہ بھول جاؤ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی شخص اپنے کو شیطان اور برے ساتھیوں سے محفوظ نہ سمجھے بری صحبت سے دور رہے یہ بہکانے سے باز نہیں آتے دیکھو کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھی کفر کی ترغیب کی ہمت و جرات کر لیتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** جو کافر تم کو کفر کی رغبت دے اسے نرم جواب نہ دو ورنہ وہ پھر دلیر ہو کر تمہارے پیچھے پڑے گا بلکہ اسے ایسا مدلل اور ٹھوس جواب دو کہ آئندہ ایسی جرات نہ کر سکے یہ فائدہ **قل اغیر اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راہ حق سے ہٹ جانا غلط راستہ پر چلنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دوسرا خدا ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم معصوم اعلٰی ہیں یہ فائدہ **اغیر اللہ** ہمزہ تعجب سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے اچھے انجام کی خبر ہے بلکہ ہر شخص کے اچھے برے انجام کی بھی خبر ہے یہ فائدہ **اتخذ** کے سوال سے حاصل ہوا قرآن کریم میں ہے **لا اعبد ما تعبدون ولا انتم عابدون ما اعبد** میں تمہارے بتوں کی عبادت نہ کروں گا تم میرے رب کی عبادت نہ کرو گے۔ اپنی خبر بھی دے دی ان کفار کی خبر بھی دے دی جو کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے

www.alahazratnetwork.org

انجام کی خبر نہیں وہ بے دین ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض صحابہ کو نام لے کر جنت کی خوشخبری دے دی۔ **پانچواں فائدہ:** ربوبیت اور عبدیت میں فرق غنا اور محتاجی کا ہے رب وہ ہے جو غنی ہے۔ بندہ وہ ہے جو اس کا حاجت مند ہے یہ فائدہ **یطعم ولا یطعم** سے حاصل ہوا۔ چاند سورج بت وغیرہ کفار کے جھوٹے معبود اگرچہ کھاتے نہیں مگر کھلاتے بھی نہیں آسمان و زمین کے خالق بھی نہیں لہذا وہ الہ معبود نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن مجید ہی کی وحی نہیں ہوئی بلکہ اس کے علاوہ اور بہت وحی ہوئیں جن میں احکام الٰہیہ ہیں یہ فائدہ **انی امرت** الخ سے حاصل ہوا کہ یہاں جس حکم کی خبر دی گئی۔ وہ قرآن مجید میں موجود نہیں کسی وحی خاص میں ہے۔ **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں پہلے مومن و مسلم رب کے مطیع ہیں باقی سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مومن و مسلم بنے۔ یہ فائدہ **اول من اسلم** کی آخری دو تفسیروں سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسلام میں اول حقیقی ہیں۔ قرآن کریم میں ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔** اگر رب کے اولاد ہوتی تو اس کی عبادت پہلے میں ہی کرتا کہ اللہ کا پہلا عابد تو میں ہی ہوں۔ **آٹھواں فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ صورت' سیرت' افعال' اعمال سب میں کفار سے جدا اور ممتاز رہے اسلامی شکل اسلامی اعمال کردار اختیار کرے۔ یہ فائدہ **ولا تکونن من المشرکین** سے حاصل ہوا کہ اس میں فرمایا گیا کہ مشرکین میں سے نہ ہووٗ۔ **نواں فائدہ:** خوف خدا ہر بندہ کو ہے معصوم ہوں یا غیر معصوم یہ خوف رکن ایمان ہے۔ بلکہ حضرات انبیاء کو خوف خدا دوسروں سے زیادہ ہے۔ مگر خوف عذاب محفوظ اور معصوم حضرات کو اور ان کو جن سے مغفرت کا وعدہ ہو چکا ہرگز نہیں کہ یہ خوف اس وجہ سے ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اس خوف کے معنی یہ ہوں گے کہ انہیں رب تعالیٰ کے وعدہ پر بھروسہ نہیں یہ خوف تو کفر ہے یہ فائدہ **اخاف** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو ابھی اس آیت کی گزشتہ تفسیر۔ **دسواں فائدہ:** قیامت میں عذاب سے بچنا اللہ تعالیٰ کے رحم و کرم سے ہو گا۔ ہمارے اعمال اس کے لئے ذریعہ تو ہیں مگر مستقل نہیں یہ فائدہ **فقد رحمہ** الخ سے حاصل ہوا۔ اعمال کرو مگر رب سے ڈرو۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے سواء کوئی ولی اور مددگار نہیں۔ پھر تم نے بہت سے بندوں کو ولی کیوں بنا لیا تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے (وہابی)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں ولی بمعنی معبود والہ ہے نہ کہ بمعنی دوست یا مددگار واقعی خدا کے سوا کوئی معبود نہیں دوسرے مقام پر قرآن کریم میں ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** تمہارا ولی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کے رسول اور متقی مومنین وہاں ولی بمعنی مددگار اور دوست ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ تو ہر قسم کی روزیاں دیتا ہے اور خود روزی پانے سے پاک ہے پھر یہاں صرف کھانا دینے کا ذکر کیوں ہوا کپڑا وغیرہ کوئی اور دیتا ہے (آریہ)۔ **جواب:** یہاں یا تو طعام سے مراد مطلقاً روزی ہے کھانا ہو یا پانی یا ہوا یا روشنی وغیرہ یا کھانا ہی مراد ہے چونکہ کھانے کی ضرورت بندے کو بہت رہتی ہے نیز کھانے کی وجہ سے بندہ بہت طرح حاجتمند ہو جاتا ہے اس لئے خصوصیت سے کھانے کا ذکر فرمایا لہذا آیت صاف ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے مسلم و مطیع نہ تھے۔ جب قرآن کریم آیا اس میں آپ کو اسلام کا حکم دیا گیا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم ہوئے اگر پہلے ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم تھے تو حکم دینے کے کیا معنی حکم اس کا دیا جاتا ہے جو پہلے سے موجود نہ ہو۔ **جواب:** یہاں امر سے مراد قرآنی حکم نہیں ہے بلکہ وہ حکم مراد ہے جو حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم کو بطریق القاء پہلے سے ہی دیا گیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آن کے لئے بھی اسلام سے الگ نہیں رہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول مسلمین ہیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کرام اور اس کی امتیں مسلم ہی تھے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں اولیت سے مراد یا تو اضافی اولیت ہے یعنی اپنی امت میں سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسلم تمام امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا اولیت حقیقی مراد ہے تو اس کا تعلق عالم ارواح سے ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت میں پہلے مسلم ہوئے کہ اول عابد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نور ہے اول حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی الست **بربکم** کے جواب میں **بلی** کہا سارے انبیاء اور دوسرے لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر بلی کہا۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے **اغیر اللہ اتخذ** الخ کی تفسیر میں کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بد عقیدگی یا گناہ سرزد ہو سکتے ہی نہیں مگر رب تعالیٰ فرماتا ہے **لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر** تاکہ اللہ آپ کے اگلے پچھلے گناہ بخشے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہ کر سکتے ہی نہیں تو بخشش کس چیز کی ہے۔ **جواب:** ہم نے اس جیسے اعتراضات کے تفصیلی جوابات اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ **من ذنبک** میں **ذنب** کی اضافت فاعل کی طرف نہیں بلکہ مفعول کی طرف ہے یعنی ہم نے فتح مکہ آپ کو اس لئے دی کہ کفار مکہ نے جو آپ کے گناہ کیے تھے آپ کو دکھ دیئے تھے وہ رب تعالیٰ آپ کے وسیلے سے بخش دے اس طرح کہ فتح مکہ سے وہ کفار مسلمان ہو کر آپ سے معافی مانگیں آپ انہیں معافی دے کر دعا مغفرت کریں اور ہم بخش دیں ورنہ اسے فتح [illegible] سے کیا تعلق ہوگا اور ایسا ہی ہوا کہ سارے کفار مکہ مسلمان ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معافی لے کر بخشے گئے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ تم مشرکین میں سے نہ ہو تو کیا دوسرے کفار میں سے ہونا جائز ہے۔ صرف مشرکین کا ذکر کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں اور ان جیسی آیات میں مشرکین سے مراد کفار ہوتے ہیں۔ چونکہ عرب کے عام کفار مشرکین ہی تھے اس لئے اکثر کفار کو مشرکین فرمایا اور کفر کو شرک فرمایا گیا مثلاً **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء۔** اللہ شرک نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے گا بخش دے گا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کفر بخش دیا جاوے گا کیونکہ کوئی کفر قابل بخشش نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جس سے عذاب پھیر آگیا اس پر اللہ نے رحم فرمایا حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ جس پر اللہ رحم فرمائے گا اسے عذاب سے بچالیا جاوے گا رحم کا نتیجہ عذاب سے بچ جانا ہے۔ تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** اس کے چند جوابات ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے گئے۔ جن میں سے ایک جواب یہ ہے کہ یہاں رحمت سے مراد جنت کا داخلہ ہے اور معنی یہ ہیں۔ جس انسان کو عذاب دوزخ سے بچالیا جاوے گا اسے جنت میں ضرور داخل کیا جاوے گا یہ ناممکن ہے کہ انسان دوزخ سے بچ کر جنت میں نہ داخل ہو کہ جنت دوزخ کے سواء کوئی اور درجہ دائمی نہیں اعراف عارضی مقام ہے مومن جنات جانور وغیرہ فنا کر دیئے جاویں گے انسان کے لئے دو ہی جگہ ہیں یا دوزخ یا جنت۔

تفسیر صوفیانہ: ہم لوگوں کے گناہوں کی وجہ یہ ہے کہ ہمارا دل بادشاہ ہے جسم رعایا نفس امارہ دل کا وزیر ہے جو دل کو برے مشورے دیتا ہے۔ اور نفس مطمئنہ اچھا وزیر جو دل کو اچھے مشورے دیتا رہے۔ شیطان قرین نفس امارہ کا خارجی مشیر ہے اور فرشتہ نفس مطمئنہ کا خارجی مشیر دل اگر نفس امارہ کا مشورہ مانتا ہے تو برے کام جسم سے کراتا ہے اور اگر نفس مطمئنہ کا مشورہ مانتا

www.alahazratnetwork.org

ہے تو اچھے کام جسم سے کراتا ہے۔ اسی لئے ہمارے کام مخلوط ہوتے ہیں حضرات انبیاء خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس امارہ نہیں، مطمئنہ ہی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرین شیطان مسلمان ہو گیا۔ ابلیس ان حضرات سے مایوس ہے **الا عبادک منہم المخلصین** اللہ تعالیٰ کی ان پر نظر کرم ہے **فانک باعیننا** ۔ جب ان کی عصمت کے ایسے انتظامات ہیں تو اس سے گناہ سرزد نہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا اس لئے ارشاد ہوا **اغیر اللہ اتخذ ولیا** ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ غلام کا کام ہے ہر وقت اپنے مالک کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا اپنے کو اس کے ہاتھ میں ایسا دے دینا جیسے مردہ غسال کے ہاتھ میں کہ مالک جو کھلائے غلام وہ کھائے وہ جو پہنائے وہی پہنے جب سلائے تب سوئے جب اٹھائے تب اٹھے جہاں سلائے جگائے وہاں سوئے جاگے اور مالک کا کام ہے اپنے بندے کی تمام ضروریات پوری کرتے رہنا اسے تمام فکروں سے آزاد کر دینا اس کی حفاظت کرنا ہم بندے ہیں رب ہمارا مالک اس نے اپنا کام اپنے کرم سے کر دیا ہم کو ہر طرح کی نعمتیں بخشیں ظاہری باطنی نعمتیں ہم پر بہا دیں وہ ہمیں کھلاتا ہے کھاتا نہیں پلاتا ہے خود پیتا نہیں سلاتا ہے خود سوتا نہیں۔ عالم کی ہر آسمانی زمینی چیز ہمارے لئے بنائی **خلق لکم مافی الارض جمیعا** اب ہمارا فرض ہے کہ اسے راضی کرنے کی کوشش کریں ہماری عقل یہ معلوم کرنے میں ناکافی ہے کہ رب تعالیٰ کس چیز کس عمل سے راضی ہے۔ بندوں کو ضرورت تھی۔ کسی ایسے نمونہ کی جس کی ہر ادا رضاء رب کے حصول کے ذریعہ ہو جس کی ہر جنبش و سکون رب تعالیٰ کی طرف سے ہو رب کو وہ دیکھے سب اس کو دیکھیں رب کی وہ سنے سب اسی کی سنیں اسی برزخ کبریٰ کا نام محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ہے انہیں کے متعلق ارشاد ہوا کہ مجھے رب نے اول من اسلم ہونے کا حکم دیا اس اولیت کا سہرا ان کے سر باندھا گیا وہ لوگوں کی اصلاح کے لئے بہت سی باتیں اپنی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ یہاں یہ فرمانا کہ میں رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہوں اگر اس کی نافرمانی کروں اس اولیت کا ظہور ہے ہماری تعلیم کا یہ ایک طریقہ ہے ان اول حقیقی کی اطاعت رب کی رحمت ہے اور رب تعالیٰ کی رحمت کھلی کامیابی اس کے قدم چومتی ہے جو دنیا میں گناہوں سے پھیر دیا۔ جب مالک والا باگ والا گھوڑا سفر کرتا ہے تو راستہ میں دو طرفہ ہرے بھرے کھیت پر اس کا دل للچاتا ہے۔ چاہتا ہے کہ رہ سے ہٹ کر کھیتوں میں منہ مارے مگر اس کی باگ دوسرے کے ہاتھ میں ہوتی ہے ادھر ادھر نہیں ہو سکتا۔ منزل پر پہنچ کر وہ روکنے والا مالک اسے گھاس دانہ پانی سب کچھ دیتا ہے اس کی ملائی دلائی سب کچھ کرتا ہے۔ باغی گھوڑا ہر ایک کھیت میں گھستا ہے اور سب کی مار کھاتا ہے آخر پھاٹک میں جاتا ہے۔ دنیا ایک راستہ ہے ہمارے نفس کا گھوڑا یہ راستہ طے کر رہا ہے یہاں ہر طرف گناہوں کا سبزہ ہے مگر اس کے منہ میں شریعت کی لگام ہے اور یہ لگام حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ہے جو اسے ادھر ادھر نہیں جانے دیتے۔ جب وہ گھوڑا منزل پر پہنچے گا اور بخریت خاتمہ نصیب ہو گا تو ہر طرح اس کی خاطر ہو گی **انتم وازواجکم تحبرون** ۔ اب پڑھو **من یصرف عنہ یومئذ فقد رحمہ** ۔

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَؕ وَاِنْ یَّمْسَسْكَ بِخَیْرٍ
اور اگر تم کو پہنچائے اللہ کوئی برائی تو نہیں ہے کھولنے والا اس کا مگر وہ ہی اور اگر پہنچائے تم کو کوئی
اگر تجھے اللہ کوئی برائی پہنچائے تو اس کے سوا اس کا کوئی دور کرنے والا نہیں اور اگر تجھے بھلائی

www.alahazratnetwork.org

فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۝ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَهُوَ
بھلائی بھی وہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے۔ اور وہ غالب ہے اوپر بندوں کے اپنے اور وہ
پہنچائے تو وہ سب کچھ کر سکتا ہے اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور وہ ہی ہے
الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝
حکمت والا خبر والا ہے
حکمت والا خبر والا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت دلیلوں یا اس کی نعمتوں سے ثابت کی گئی اب رب کی الوہیت کو اس کی قدرت کاملہ سے ثابت کیا جارہا ہے تاکہ اس میں غور کرکے وہ لوگ ایمان قبول کرلیں جو قدرتوں پر ایمان لاتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے آخروی عذاب کا ذکر فرما کر لوگوں کو ڈرایا گیا تھا تاکہ لوگ آئندہ کے خوف سے ایمان لے آویں۔ اب اس رب قدیر کی دنیاوی پکڑ کا ذکر ہے کہ جسے وہ پکڑے تو کوئی چھوڑا نہیں سکتا تاکہ وہ لوگ ڈر کر ایمان قبول کرلیں جو ادھار کو نہیں نقد کو مانتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں آخروی کامیاب اور ناکام لوگوں کا ذکر ہوا کہ جو اس دن عذاب سے بچ جاوے وہ کامیاب ہے اب دنیاوی کامیاب و ناکام لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ جسے اس کی رحمت پہنچ جاوے وہ کامیاب ہے۔

تفسیر : **وان یمسسک اللہ بضر۔** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کے غضب و کرم قدرت کاملہ کا ذکر ہے **یمسس** بنا ہے **مس** سے بمعنی چھو جانا یا چھو دینا (چھلا دینا) پہلے معنی میں ایک مفعول چاہتا ہے جیسے **لم یمسسہم سوء۔** دوسرے معنی میں دو مفعول چاہتا ہے اور دوسرے مفعول پر ب آتی ہے۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے اس کا پہلا مفعول تو ک خطاب ہے اور دوسرا مفعول **بضر** ہے اس کے لفظی معنی ہیں چھلائے محاورہ کے معنی ہیں پہنچائے چونکہ آخرت کی بھلائی کے مقابلے میں دنیا کی برائی نہایت حقیر ہے اس لئے دونوں کے لئے **یمسسکم** ارشاد ہوا مصیبت کا چھونا اور ہے مصیبت میں پھنسنا کچھ اور سمندر کے کنارے بیٹھ کر سطح آب پر ہاتھ رکھ دینا یہ ہوا سمندر کا چھونا اور سمندر میں ڈوب جانا یہ ہے پھنسنا مکھی شہد کے کنارے بیٹھ کر چوس لے یہ ہے چھو لینا اور شہد میں گر جائے کہ اس کے پر پیر سر وغیرہ میں شہد بھر جائے یہ ہے پھنس جانا چھو جانے کو مس بولا جاتا ہے یا ذوق پھنس جانے کو ادراک یا اصابت کہا جاتا ہے مگر یہ کلیہ قاعدہ نہیں اکثریہ ہے یہاں مس فرما کر بتایا کہ اگر انسان کو مصیبت چھو بھی جاوے **ضر** سے مراد دنیاوی تکلیف دہ چیزیں ہیں۔ جیسے بیماری' قحط سالی' یہاں کے حاجات وغیرہ چونکہ دنیا میں تکالیف زیادہ ہیں راحتیں تھوڑی اس لئے **ضر** کا ذکر پہلے ہوا۔ بعض کے نزدیک خاص مصیبت کو ضر کہتے ہیں۔ عام مصیبت کو شر' شخصی مصیبت کو ضر کہتے ہیں ملکی یا قومی مصیبت کو شر' وقتی مصیبت کو ضر کہتے ہیں۔ دائمی مصیبت کو شر چھوٹی مصیبت کو ضر کہتے ہیں بڑی مصیبت کو شر' ضر کا متقابل نفع ہے۔ شر کا مقابلہ خیر چونکہ دنیاوی مصیبتیں وقتی ہیں۔ اخروی مصیبتیں دائمی دنیاوی مصیبتیں چھوٹی ہیں اخروی مصیبتیں بڑی' دنیاوی مصیبتیں کچھ اپنی تدبیروں سے دفع ہو جاتی ہیں مگر اخروی مصیبتیں کسی

www.alahazratnetwork.org

تدبیر سے دفع نہیں ہوتیں۔ ان وجوہ سے انہیں ضر فرمایا **فلا کاشف لہ الا ھو** یہ عبارت مذکورہ شرط کی جزا ہے کشف کے لغوی معنی ہیں کھولنا ظاہر کرنا جیسے کپڑے کامنہ سے اٹھانا غم و تکلیف کے دور کرنے کو کشف کہتے ہیں کہ غم دل پر چھاجاتا ہے اس کے دور ہونے سے دل گویا اس غلاف سے کھل جاتا ہے یہاں کشف سے مراد اللہ تعالی کے مرضی کے بغیر غم و تکلیف دفع کرنا ہے اس کے ارادہ اس کی مرضی سے بارہا مخلوق کے ذریعہ تکالیف دور ہوتی رہتی ہے دواؤں سے بیماریاں دفع ہوتی ہیں۔ حاکموں کے ذریعہ ظالموں کے ظلم دفع ہوتے ہیں مگر رب تعالی کے ارادے اس کے چاہنے سے یعنی اگر رب تعالی تمہیں کوئی دنیاوی تکلیف مس بھی کردے (چھلادے) تو اس کے سوا کوئی نہیں جو اسے ارادہ کے بغیر وہ تکلیف دفع کردے **وان یمسسک بخیر فھو علی کل شیء قدیر** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی خیر سے مراد دنیاوی خیر ہے۔ جیسے تندرستی' غنا ارزانی دل کی خوشی و چین وغیرہ۔ خیال رہے: کہ خیر مقدم ہے شر کا نہ کہ ضر کا کیونکہ ضر کا مقابلہ نفع ہے۔ کیونکہ ضر خاص ہے اور شر عام' اور نفع خاص ہے خیر عام چونکہ رب تعالی کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے اس کریم نے تکلیف دہ چیز کے لئے خاص لفظ ارشاد فرمایا اور راحت و خوشی کے لئے عام لفظ فرمایا مصیبت کو دفع کرنا بھی خیر ہے راحت کی عطا بھی خیر مگر نفع صرف راحت کی عطا کو کہا جاتا ہے یہ بھی خیال رہے کہ ان دونوں جملوں میں جزائیں مختلف بیان ہوئیں پہلے جملہ میں ارشاد ہوا۔ **فلا کاشف لہ الا ھو۔** دوسرے جملہ میں ارشاد ہوا **فھو علی کل شیء قدیر** جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی اپنے بندوں کے لئے خیر کے موقعہ پر اس کے دفع کرنیکا نہیں فرمایا (تفسیر کبیر) یعنی اگر اللہ تعالی تم کو دنیا میں خیر پہنچائے تو اس پہنچانے پر بھی قادر ہے۔ اس کے باقی رکھنے پر بھی قادر کیونکہ خیر بھی ایک شیئی ہے اور رب تعالی ہر شیئی پر قادر ہے۔ **وھو القاھر فوق عبادہ** ۔ اب تک تو رب تعالی کے نفع نقصان کے مالک ہونے کا ذکر ہوا اب اس کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے **قاھر** بنا ہے قہر سے قہر کے چند معنی ہیں۔ غلبہ یعنی وہ قدرت جس میں سامنے والے کے عجز و انکسار کا ظہور ہو۔ دوسرے کو ذلیل کرنا۔ رب تعالی فرعون کا قول نقل کرتے ہوئے فرماتا ہے **وانا فوقھم قاھرون** ۔ ظلم و تعدی۔ رب فرماتا ہے **واما الیتیم فلا تقھر۔** یعنی یتیم پر سختی و ظلم نہ کرو۔ یہاں پہلے معنی میں ہے خیال رہے کہ یہاں **فوق** سے مراد مکان بلندی و اونچائی نہیں کہ رب تعالی مکان اور مکانی بلندی و پستی سے پاک ہے بلکہ فوقیت درجہ کی عظمت مراد ہے یعنی اللہ تعالی غالب ہے اپنے تمام بندوں پر فوقیت والا عظمت والا ہے جو اس کے سواء ہے اس کا بندہ ہے جو اس کا بندہ ہے وہ اس کا ماتحت اور زیر فرمان ہے اس کے باوجود کہ اس کا غلبہ اور قہر بندوں پر ہے **وھو الحکیم الخبیر** وہ حکمت والا بھی ہے کہ اس کے ہر کام میں لاکھوں مصلحتیں ہیں اور خبر والا بھی کہ ہر ذرہ کی خبر رکھتا ہے پہاڑ سے بھی قطرہ سے بھی خبردار ہے۔ سمندر سے بھی اس کا علم اس کی خبر سب کو محیط ہے۔

خلاصہ تفسیر : اے بندو لائق عبادت وہی رب تعالی ہے۔ جس کی شان یہ ہے کہ اگر وہ تمہیں کوئی دنیاوی تکلیف پہنچائے تو وہی دور کرے تو دور ہو کوئی نہیں جو اس کے ارادے کے بغیر وہ تکلیف دور کرسکے اس کے برعکس اگر وہ اپنے کسی بندے کو کوئی دنیاوی بھلائی عطا فرمادے تو وہ ہر چیز پر قادر مطلق ہے۔ وہی خیر پہنچاتا ہے وہی اسے باقی رکھتا ہے وہ اپنے بندوں پر غالب ہے۔ تمام بندے اس کے زیر فرمان اس کے حاجتمند وہ حکمت والا ہے کہ اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں وہ علم و خبر والا بھی ہے کہ ہر ذرہ و قطرہ کی خبر رکھتا ہے۔ خیال رہے کہ انسان دو بازوؤں کے ذریعے راہ طے کرکے حق تعالی تک پہنچ سکتا ہے ایک بازو ہے۔

www.alahazratnetwork.org

صبر کلو سرا بازو شکر کا مصیبت میں انسان صبر کرے، راحت میں شکر کرے، مصیبت صبر کے لئے آتی ہے نعمت شکر کے لئے ہر نعمت کا شکر علیحدہ ہے صحت کا شکر کچھ اور دولت کا شکر کچھ اور جسے اللہ یہ دونوں نعمتیں عطا فرمائے وہ کامل ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ تکوینی احکام میں اپنے بندوں پر ایسا غالب ہے کہ اس کے سامنے تمام بندے محض مجبور و عاجز ہیں جسے جو بنا دیا وہی بن گیا کالا گورا سفید مشتی بنانے والا وہی ہے۔ مگر شرعیہ احکام میں وہ بندوں پر اس طرح غالب ہے کہ بندوں کو بھی اعمال کا اختیار دیا مگر بندوں کا اختیار رب تعالیٰ کے اختیار کے ماتحت ہے۔ غرضیکہ تکوینی احکام میں بندہ بالکل مجبور ہے رب تعالیٰ ہی قادر و مختار ہے شرعی احکام میں بندہ عطاء رب سے قادر بھی ہے مختار بھی اسی قدرت و اختیار پر ثواب و عذاب ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی راحت یا مصیبت کوئی نہیں دفع کر سکتا کسی میں طاقت ہے کہ اس جبار و قہار کا مقابلہ کرے۔ یہ فائدہ **فلا کاشف لہ** الخ سے حاصل ہوا۔

حدیث: سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک خچر پر سوار تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آگے تھے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے متصل پیچھے (ردیف) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اللہ کے احکام کی حفاظت کرو۔ اللہ تمہاری حفاظت فرمائے گا اللہ کے فرمانوں کی حفاظت کرو تم اسے اپنے ساتھ پاؤ گے تم فراخی میں اسے یاد رکھو وہ تنگی میں تمہیں یاد فرمائے گا۔ جو مانگو اللہ سے مانگو جب مدد مانگو اللہ سے مانگو جو کچھ ہونے والا ہے اسے لکھ کر قلم خشک ہو چکا اگر ساری دنیا تمہیں نفع پہنچانا چاہے۔ مگر رب نہ چاہے تو تم کو ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتے تمام دنیا تمہیں نقصان دینا چاہے مگر رب نہ چاہے تو تمہیں وہ نقصان نہیں دے سکتے اگر تم صبر و یقین کا دامن نہ چھوڑو تو بہت اچھا ہے ناپسندیدہ چیزوں پر صبر کرنے میں بہت ہی بھلائی ہے۔ **خیال رکھو** کہ اللہ کی مدد صبر کے ساتھ ہے۔ کشادگی تنگی کے بعد ہے (تفسیر روح البیان و معانی و خازن و کبیر وغیرہ بحوالہ ترمذی، زرین، مسند احمد ابن حنبل)۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی دنیاوی راحتیں اور مصیبتیں آخرت کے مقابلہ میں بہت ہی تھوڑی ہیں اصل خیر و شر تو آخرت کی ہے یہ فائدہ **یمسسک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ مس کے معنی ہیں چھو جانا چھلا دینا لہٰذا انسان کو چاہئے کہ دنیاوی راحت و غم میں پھنس کر آخرت سے غافل نہ ہو جائے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے دیکھو یہاں ضر یعنی تکلیف کے لئے ارشاد ہوا **فلا کاشف لہ** اور خیر کے متعلق ارشاد ہوا **فھو علی کل شیء قدیر** (تفسیر کبیر)۔ **چوتھا فائدہ:** ملک و ملکوت کی ساری مخلوق اللہ کی مملوک اس کے زیر فرمان ہے کوئی اس کی ملکیت سے باہر نہیں یہ فائدہ **وھو القاھر** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ساری خیر و شر رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اس کی بھیجی مصیبت کو کوئی دفع نہیں کر سکتا تو تم رب کی بھیجی ہوئی مصیبتوں میں اولیاء اللہ کے پاس کیوں جاتے ہو یہ صریح شرک ہے (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم بھی خدا کی بھیجی ہوئی بیماریوں میں حکیموں کے پاس پنساریوں کے پاس جاتے دوائیں استعمال کرتے ہو یہ بھی شرک ہوا صرف دعا ہی مانگا کرو نیز ہزارہا آفتوں مصیبتوں میں حکومت سے فریاد کرتے ہو۔ حکام کی دستگیری چاہتے ہو سیلاب تباہی مچا دے تو حکومت سے فریاد گھر میں آگ لگے تو محلہ والوں سے دہائی کرتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں مقابلہ کی نفی ہے یعنی اگر رب تعالیٰ مصیبت بھیجے تو کوئی رب کا مقابلہ کر کے دفع

www.alahazratnetwork.org

نہیں کر سکتا اس کے فضل و کرم اس کے ارادہ سے اس کے بندے بلکہ اس کی پیدا کی ہوئی جڑی بوٹیاں مصیبت بیماری دفع کرتی ہیں یوں ہی حضرات انبیاء و اولیاء کی مدد رب تعالیٰ کے اذن سے ہے (روح البیان) حضرت حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

گر رنج پیشت آید و گر راحت اے حکیم — نسبت مکن بغیر کہ ایں ہا خدا کند!

بیماری آتی ہے تو اللہ کے ارادہ سے دوا نفع دیتی بیماری دفع کر دیتی ہے تو اللہ کے ارادہ سے دونوں اللہ کے ارادہ سے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ نے اپنے کو یہاں قاہر فرمایا قاہر ہونا تو رب کی شان کے خلاف ہے قاہر ظالم کو کہتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** پھر اسے قاہر کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قاہر کے بہت معنی ہیں قاہر بمعنی غالب۔ قاہر بمعنی ظالم، قاہر بمعنی دوسروں کو ذلیل کرنے والا۔ یہاں قاہر بمعنی غالب ہے۔ جو سب سے غنی اور سب اس کے محتاج قرآن کریم میں ایک لفظ بہت سے معنی میں آتا ہے ہر جگہ ہر لفظ کے ایک ہی معنی نہ کرو رب فرماتا ہے **یخادعون اللہ وھو خادعھم** دیکھو بندوں کا خداع اور ہے یعنی دھوکہ دینا رب کا خداع اور ہے یعنی دھوکہ کی سزا دینا ایک ہی آیت میں خداع دو دفعہ استعمال ہوا۔ مگر دو معنی میں جو کوئی ہر جگہ ایک ہی معنی کرے وہ گمراہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب رب تعالیٰ قاہر ہے سب بندے مقہور ہیں تو پھر بندے کو تو ثواب و جزا کیسا مجبور تو معذور ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ تکوینی احکام پر رب ایسا قاہر ہے کہ بندے بالکل مجبور ہیں ان پر ثواب و عذاب نہیں۔ مگر شرعی احکام میں تو وہ قاہر ہے مگر اس نے اپنے بندوں کو بھی قدرت و اختیار دیئے ہیں۔ مگر ان کے اختیار پر رب کا اختیار غالب ہے۔ **چوتھا اعتراض:** جیسے تم بادشاہوں حاکموں کو با اختیار مانتے ہو۔ **جواب:** جیسے تم بادشاہوں، حاکموں کو با اختیار مانتے ہو۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کی ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے یہاں کا ہر کام اللہ کے ارادہ سے ہے مگر رب تعالیٰ نے بعض مخلوق کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے کہ ان پر رب کی صفات کا ظہور ہوتا ہے عالم کے سیاہ سفید ان سے وابستہ ہوتے ہیں دیکھو دن رات، صبح شام، دوپہر سردی گرمی سب رب کی مخلوق ہیں مگر یہ سب سورج سے وابستہ ہیں بلکہ سورج کے حالات ہیں یوں ہی دیتا ہے۔ خیر و شر غلبہ و عزت بعض مخلوق سے وابستہ ہے۔ شر کا مظہر شیطان ہے تو خیر کا مظہر انبیاء کرام ہیں شیطان میں یہ طاقت رکھی گئی کہ وہ انسان کو دیوانہ کر دے رب فرماتا ہے۔ **کالذی یتخبطہ الشیطان من المس** - تو اللہ نے مقبولوں کو یہ قوت عطا کی کہ وہ دیوانوں کی دیوانگی دور فرما دیں وہ حضرات باذن پروردگار بندوں پر غالب بھی ہوتے ہیں بندوں کے دکھ درد بھی دور کرتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ اپنے بندوں کے نفوس پر بھی غالب ہے ان کے قلوب پر بھی اگر اس کی تجلی قہاری ہمارے نفس امارہ پر پڑ جاوے تو نفس کی کیا طاقت ہے کہ ہم کو بہکا سکے اور اگر اس کی تجلی قہاری کسی دل پر گر جاوے تو ناممکن ہے کہ وہ دل سیدھے راہ پر آ سکے خدا تعالیٰ ہمارے نفوس کو ہمیشہ مقہور و مغلوب رکھے ع اور غ دونوں کی شکل یکساں ہے صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اگر غیریت کے غ کا نقطہ مٹ جاوے تو انشاء اللہ عینیت کے چشمہ میں غوطے لگیں یہ نقطہ کسی کامل کے ہاتھ سے ہی مٹ سکتا ہے۔ سائیں بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عین اور غین کی ایک ہی صورت — ایک نقطہ نے شور مچایا ہے
اس نقطہ ہی کا سارا جھگڑا — یہ نقطہ پیر مٹایا ہے!

www.alahazratnetwork.org

ملے شاہ دی ذات نہ کوئی شاہ عنایت دا اس تے سایہ ہے
ایک نقطہ شاہ سمجھایا ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مصیبتیں غافل کو جگانے کے لئے آتی ہیں عاقل کے درجے بڑھانے کے لئے واصل کو یار تک پہنچانے کے لئے کافر کو اس کی حرکتوں کا مزہ چکھانے کے لئے جیسے بھٹی میں گندا لوہا جاتا ہے۔ صاف ہونے کے لئے۔ صاف لوہا جاتا ہے پرزہ بن کر قیمتی ہو جانے کے لئے سونا جاتا ہے زیور بن کر محبوب کے گلے میں جانے کے لئے مگر کوئلہ جاتا ہے وہاں ہی رہنے اور راکھ بننے کے لئے۔ مصیبتوں میں صبر وہ تیز سواری ہے جس کے ذریعہ بندہ بہت جلد رب تک پہنچ جاتا ہے۔ کربلا میں چار دن صبر کر کے حضرت حسین رضی اللہ عنہ وہاں پہنچ گئے جہاں ہم چار سو سال عبادت ریاضت کر کے نہیں پہنچ سکتے عبادت ریاضت، شب بیداری وغیرہ تمام چیزیں یار تک پہنچانے والی سواریاں ہیں مگر مصیبتیں نہایت تیز رو سواری ہیں۔

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ

کہو کہ کون چیز بڑی ہے گواہی میں فرماؤ اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا میری طرف

تم فرماؤ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے تم فرماؤ کہ اللہ گواہ ہے مجھ میں اور تم میں اور میری

هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ

یہ قرآن تاکہ ڈراؤں میں تم کو اور اس کو جسے پہنچے کیا بے شک تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ

طرف اس قرآن کی وحی ہوئی کہ میں اس سے تمہیں ڈراؤں اور جن جن کو پہنچے تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو

اٰلِهَةً اُخْرٰی قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا

معبود ہیں دوسرے فرماؤ میں نہیں گواہی دیتا ہوں۔ اس کے سوا نہیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور بے شک میں

کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار

تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

بری ہوں اس سے جو تم شرک کرتے ہو۔ وہ لوگ کہ دی ہم نے انہیں کتاب پہچانتے ہیں وہ اسے اس طرح کہ پہچانتے

ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔ جن کو اللہ نے کتاب دی اس نبی کو پہچانتے ہیں جیسا اپنے

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾

ہیں بیٹوں کو اپنے وہ لوگ جنہوں نے گھاٹے میں ڈالا جانوں کو اپنی وہ نہیں ایمان لائیں گے

بیٹے کو پہچانتے ہیں جنہوں نے اپنی جان نقصان میں ڈالی وہ ایمان نہیں لاتے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اس کی قہاریت، علم و حکمت کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت آپ کی کتاب قرآن مجید کی صفات کا ذکر ہے یعنی توحید کا ذکر پہلے ہوا رسالت کا ذکر اب ہے ایمان کے دو ہی رکن اعلیٰ ہیں توحید، رسالت۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قہاریت اس کے علم اس کی حکمت کا ذکر ہوا اب اس کی گواہی کا ذکر ہے کہ جیسے رب کی قہاریت وغیرہ کامل ہے ایسے ہی رب کی گواہی بھی نہایت ہی کامل تو وہ جس کی گواہی دیدے وہ چیز بھی کامل ہے گویا صفات ذاتیہ کے ذکر کے بعد رب تعالیٰ کے صفات اضافیہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی گزشتہ آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کامیاب وہ ہے جو رب کے عذاب سے بچ جاوے ناکام نامراد وہ ہے جو عذاب میں گرفتار ہو جاوے اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں اس کامیابی ملنے کی جگہ کہاں ہے اور یہ سودا کس دوکان سے ملتا ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے یہ نعمت نصیب ہوتی ہے۔

شان نزول: ایک بار سرداران قریش روساء مکہ معظمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے بولے کہ کیا اللہ تعالیٰ کو نبوت کے لئے آپ کے سوا اور کوئی نہ ملا ان کا مقصد تھا کہ نبوت کے لئے یہود و نصاریٰ کے پوپ پادریوں سے آپ کے متعلق پوچھا ان سب نے یہی کہا کہ توریت و انجیل میں آپ کا آپ کی نبوت کا کوئی ذکر نہیں ہم آپ کو کس کی گواہی سے نبی مانیں آپ اپنا گواہ پیش فرمادیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (از تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی، روح البیان وغیرہ) ان بے وقوفوں نے دو باتیں کہیں اور دونوں غلط ایک یہ کہ نبوت کسی بڑے مالدار جتھے والے شان و شوکت والے بادشاہ یا سردار کو ملنی چاہئے تھی نہ کہ آپ جیسے مسکین کو حالانکہ سواء تین پیغمبروں کے سارے نبی مساکین گزرے اور ان تین بادشاہ نبیوں کے دین نہیں نہ دین سلیمانی چلا نہ دین یوسفی نیز اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بادشاہ امیر ہوتے تو لوگ کہہ سکتے تھے کہ اسلام میں ذاتی خوبی کوئی نہیں یہ تو طاقت کے بل بوتے پر چلایا گیا نیز طاقت سے منوائی ہوئی بات قائم نہیں رہتی۔ جب طاقت ختم ہو تو بات بھی ختم۔ جب ظاہر سامان نہ ہو اور پھر دین پھیلے تو پتہ لگتا ہے کہ دین میں کوئی قوت ہے دوسری بات اس لئے غلط تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تو پتھروں درختوں جانوروں نے دی تھی اور یہود و عیسائی پوپ پادری عمر بھر تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دیتے رہے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے پر حسد سے انکاری ہو گئے دشمن بن گئے اور دشمن حاسد کی بات کا اعتبار نہیں ہوتا۔

تفسیر: **قل ای شئی اکبر شھادۃ** ۔ یہاں قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن یا تو انہیں کفار سے ہے جن کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی یا سارے منکرین نبوت کافروں سے یہاں **شئی** سے مراد ہر موجود ہے جس میں اللہ تعالیٰ بھی داخل ہے جیسا کہ جواب سے معلوم ہو رہا ہے۔ **شئی** کے بہت معنی ہیں۔ مفہوم، موجود، ممکن، معلوم وغیرہ یہاں معنی موجود ہے شہادت یعنی گواہی سے مراد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی کیونکہ جن کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ہی گواہی مانگی تھی یعنی اے محبوب آپ ان سائل کفار سے پوچھئے کہ بتاؤ سب سے بڑی کس کی گواہی ہے گواہ بہت ہیں مگر سب سے بڑا گواہ کون ہے **قل اللہ شھید بینی و بینکم** ۔ اس عبارت میں **ای شئی** کا جواب ہے سبحان اللہ کیا راز کی باتیں ہیں کہ رب تعالیٰ نے خود اپنے محبوب سے سوال

www.alahazratnetwork.org

کرایا کہ ان سے یہ پوچھو اور پھر خود ہی اس کا جواب دلوایا کہ آپ اپنے سوال کا جواب خود ہی نہیں دو یہاں بھی قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **اللہ شھید** کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ لفظ اللہ مبتدا ہے اور شھید اس کی خبر یعنی اللہ گواہ ہے۔ دوسرے یہ کہ لفظ اللہ کی خبر پوشیدہ ہے اکبر شہادۃ" اور شہید پوشیدہ مبتدا **ھو** کی خبر لہٰذا یہ دو جملے ہیں یعنی اللہ سب سے بڑا گواہ ہے کہ اس کی گواہی قطعی یقینی ہے۔ دوسروں کی گواہی ظنی نیز بندوں کی گواہی ظاہر پر ہے رب کی گواہی حقیقت پر۔ نیز بندوں کی گواہی عارضی اور وقتی ہے رب تعالیٰ کی گواہی دائمی نیز بندوں کی گواہی پر دوستی دشمنی اثر انداز ہو سکتی ہے کہ دوست کی ہر بات انہیں اچھی لگتی ہے۔ دشمن کی ہر بات بری رب تعالیٰ کی گواہی ان اثروں سے پاک ہے نیز رب کی گواہی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سب گواہی دینے لگتے ہیں غرضیکہ رب تعالیٰ کی گواہی تمام مخلوق کی گواہی سے بڑی ہے اور وہی میری نبوت و رسالت کا گواہ ہے شاہد اور شہید کا فرق بارہا بیان ہو چکا کہ یہ دونوں کبھی تو ہم معنی ہوتے ہیں مگر کبھی ان میں فرق ہوتا ہے شاہد وہ جو ایک بار گواہی دے شہید وہ جو گواہی دیتا رہتا ہو۔ شاہد وہ جو سن کر یا دیکھ کر یا علامات سے گواہی دے شہید وہ جو عینی گواہ ہو۔ شاہد وہ جو صرف واقعہ کی گواہی دے۔ شہید وہ جو واقعہ کی گواہی بھی دے اور مدعی 'مدعی علیہ کے حالات کی بھی گواہی دے کہ گواہ صفائی بھی شاہد وہ جو صرف زبانی گواہی دے۔ شہید وہ جو زبانی 'جنانی' ارکانی 'عملی ہر طرح کی گواہی دے اس لئے راہ خدا میں مارے جانے والوں کو شاہد نہیں بلکہ شہید کہتے ہیں کہ اس کے خون کے قطرے بھی توحید و رسالت کی گواہی دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ کی تمام صفات تمام حالات کی گواہی ہمیشہ سے ہر طرح دی اور دے رہا ہے اور دیتا رہے گا اس لئے یہاں شہید فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہ فرشتوں سے درود پڑھوانا تمام نبیوں سے آپ کا اعلان کرانا آپ پر بے شمار معجزات کا ظاہر فرما دینا انہیں اعتراض کرنے والے کفار عرب کو اسلام کی توفیق دے کر ان سے گواہی دلوا دینا تا قیامت آپ کے چرچے ہر جگہ رہنا آپ کی امت بے شمار ہونا یہ سب رب تعالیٰ کی گواہیاں ہیں چونکہ یہاں شہادت میں فیصلہ کے معنی بھی ملحوظ ہیں یعنی فیصلہ کن گواہی یا گواہی بھی دینا اور فیصلہ بھی کرنا اس لئے اس کے بعد **بینی و بینکم** ارشاد ہوا یعنی آپ ان سے خود ہی فرما دو کہ میرے تمہارے درمیان فیصلہ کن گواہ اللہ تعالیٰ ہے اس سے معلوم کر لو کہ میں کون ہوں اور تم کون ہو **واوحی الی ھذا القراٰن**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ نئی عبارت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دوسری گواہی کا ذکر ہے یعنی میرا دوسرا گواہ یہ قرآن مجید ہے جو مجھ پر وحی کیا گیا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بھی ہے اور اللہ کا کلام بھی پچھلی کتابیں کلام اللہ تھیں مگر ان نبیوں کا معجزہ نہ تھیں قرآن کریم معجزہ ہونے کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے گواہ ہیں یہ گواہی دو طرفہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ اللہ شہید کا بیان ہو یعنی اللہ تعالیٰ میرا گواہ ہے اس کی گواہی یہ ہے کہ اس نے مجھ پر یہ قرآن اتارا اگر میں نبی نہ ہوتا تو اس کی کتاب مجھ پر کیسے آتی وحی کے معانی اس کی قسمیں بارہا بیان ہو چکی یہاں وحی جلی مراد ہے جو بذریعہ فرشتہ کے ہوتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ مطلق وحی مراد ہو جلی اور خفی دونوں کیونکہ الفاظ قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر بذریعہ وحی جلی ہوا اور مضامین قرآن 'اسرار قرآن' رموز قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دماغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر بذریعہ وحی خفی ہوا دیکھو لفظ **اقیموا الصلوٰۃ** کا نزول بذریعہ جبریل امین بعد معراج ہوا مگر صلوٰۃ کے معنی اس کے احکام اس کے اسرار کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر ظہور نبوت

www.alahazratnetwork.org

سے پہلے ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اول سے ہی نماز پڑھتے تھے۔ پہلی وحی غار حرا میں بحالت اعتکاف آئی۔ وحی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوا مگر نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی ہوا مسلمانوں کی طرف بھی کفار کی طرف بھی سارے عالم کی طرف بھی۔ اسی لئے کہیں **انزل الیک** فرمایا جاتا ہے کہیں **انزل الیکم** کیونکہ تبلیغ کے لئے قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہدایت ایمان کے لئے کفار کی طرف ہدایت اعمال کے لئے مومنین کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے آسمان کا سورج ہیں قرآن مجید آپ کی شعاعیں ان شعاعوں کا ایک کنارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے دوسرا کنارہ مخلوق کی طرف وحی اور نزول کا یہ فرق خیال میں رہے **لانذرکم بہ ومن بلغ** یہ عبارت **اوحی** کے متعلق ہے اس میں نزول قرآن کی حکمت بیان فرمائی گئی۔ چونکہ قرآن کریم کے ذریعہ ڈرانا سب کو ہے مومن ہوں یا کافر پرہیزگار ہوں یا فاجر مگر بشارت خاص مومنوں کو اس لئے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا نیز ڈرانا پہلے ہے بشارت بعد میں چونکہ براہ راست قرآن کریم کسی کو نہ تو ڈرا سکتا ہے نہ بشارت دے سکتا ہے۔ نہ ہدایت بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر بھی ہیں بشیر بھی ہادی بھی قرآن کریم ذریعہ ہے ان چیزوں کا اس لئے یہاں **انذر** کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا گیا اور قرآن کریم کو ڈر کا ذریعہ بنایا گیا چونکہ اس زمانہ کے موجودین کو نذارت و بشارت پہلے ہوئی دوسروں کو بعد میں چونکہ قرآن مجید کا نزول اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذارت، ہدایت کسی خاص قوم سے محدود نہیں بلکہ سارے جہان کے لئے ہے اس لئے **من بلغ** عام فرمایا گیا۔ چونکہ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہدایت و نذارت بشارت نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں اس لئے یہاں **کم** اور **من بلغ** فرمایا گیا اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر ہیں، بشیر ہیں، ہادی ہیں، باقی لوگ منذرین مبشرین، مہدیین ہیں۔ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت کے لئے نہیں آیا اس لئے اس نے کہیں فرمایا **ھدی للمتقین** کہیں فرمایا **ھدی للناس** یہ کہیں نہ فرمایا۔ **ھدی لک** خیال رہے کہ ضمیر **کم** اور **من بلغ** میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ **کم** سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جو اس وقت حاضر بارگاہ تھے یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز، اقربا اور **من بلغ** سے مراد دوسرے مکہ والے یا عرب والے اپنے عزیزوں کو ڈرانا پہلے دوسروں کو بعد میں۔ دوسرے یہ کہ **کم** سے مراد تمام وہ لوگ ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں کبھی نہ کبھی حاضری دے لی اور **من بلغ** سے مراد وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ لوگ ہیں جو دیدار سے محروم رہے یعنی **کم** سے وہ لوگ مراد ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک قرآن تک پہنچے اور **من بلغ** میں وہ لوگ مراد ہیں جن تک قرآن اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان پہنچے تیسرے یہ کہ **کم** میں خطاب سارے ہم زمانہ لوگوں سے ہے اور **من بلغ** سے مراد قیامت تک کے لوگ ہیں یہ تیسری تفسیر زیادہ قوی ہے اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **واخرین منھم لما یلحقوبھم** درخت اسلام کے لئے قرآن کریم گویا پانی اور دھوپ کی طرح بیرونی فیض ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ جڑ کے اس کی طرح اندرونی فیض اگر یہ اندرونی فیض جو سینہ بہ سینہ مسلمانوں کو پہنچ رہا ہے بند ہو جاوے تو قرآن کریم اسے فائدہ نہیں دے سکتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ قرآن مجھ پر اس لئے وحی کیا گیا کہ اس کے ذریعہ میں اے اہل مکہ تم کو اور سارے جہان کے جن و انس کو ڈراؤں جن تک یہ قرآن پہنچے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تبلیغ تو ولادت پاک سے ہی شروع ہو گئی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری اچھی باتیں اختیار کیں ہر برائی سے پرہیز کیا مگر قولی تبلیغ نزول قرآن مجید سے شروع ہوئی یہاں اسی

www.alahazratnetwork.org

تبلیغ قولی کا ذکر ہے **انکم لتشھدون ان مع اللہ الھۃ اخری**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ بھی **قل** کے تحت ہے اس کا مفعول ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ یعنی آپ ان سے یہ بھی کہو یہ بھی پوچھو اور ہو سکتا ہے کہ یہ نیا کلام رب تعالیٰ کا مقولہ ہو یہ سوال اظہار تعجب کے لئے ہے کہ تم انسان عاقل بالغ ہو کر پھر میرا زمانہ پاکر مجھے دیکھ کر بھی ایسی حماقت یا ایسی جرات کرتے ہو یا تعجب اس پر ہے کہ تم لوگ میری نبوت کے لئے گواہیاں مانگتے ہو مگر لات و عزیٰ وغیرہ کو بغیر کسی گواہی کے خدا مان بیٹھے ہو نبوت کے لئے ایسی کج بحثی اور الوہیت کے لئے ایسی آسانی کہ بغیر گواہی پتھروں کو خدا کہہ رہے ہو حیرت ہے **لتشھدون** شہادت سے بنا بمعنی گواہی یہاں بھی گواہی سے عام گواہی مراد ہے زبانی ہو یا عملی یا اعتقادی کفار زبان سے کہہ دیتے تھے کہ معبود چند ہیں اعتقاد بھی رکھتے تھے اور دوسروں کے آگے سر بھی جھکاتے ان کی عبادت بھی کرتے تھے یہ ان کی گواہیاں تھیں **مع اللہ** میں درجہ کی ہمراہی مراد ہے یعنی الوہیت میں اللہ کے برابر اس کے ساتھ **الھۃ** جمع ہے **الہ** کی مگر یہ جمع بے عقلوں کے لئے آتی ہے چونکہ ان کے زیادہ معبود بے عقل بلکہ بے جان چیزیں تھیں پتھر' لکڑی' سورج' چاند تارے وغیرہ اس لئے یہ جمع لائی گئی دیکھو تفسیر روح المعانی وغیرہ **قل لا اشھد** ان کفار کو سوال کے جواب کا موقعہ بھی نہیں دیا گیا بلکہ شرک کو باطل کرنے کے لئے فرمایا گیا کہ تم کہو میں ان معبودان باطلہ کی معبودیت کی اور شرک کی گواہی نہیں دیتا میں گواہ الوہیت ہوں میری گواہی سے رب تعالیٰ کی الوہیت کا اعلیٰ ثبوت ہے۔ جب ان معبودوں کی گواہی نہیں دیتا تو ان کی معبودیت ثابت کیسے ہو سکتی ہے۔ میری زبان جھوٹی گواہی جھوٹی بات کے لئے نہیں بنی گواہی تین طرح کی ہوتی ہے عینی گواہی یعنی دیکھ کر سمعی گواہی یعنی دیکھنے والے سے سن کر علامات سے گواہی ان سب میں اعلیٰ گواہی عینی ہے مقصد یہ ہے کہ میں رب تعالیٰ کا عینی گواہ کہ میں نے کروڑوں سال اس کی اس طرح عبادت کی ہے کہ رب ایک معبود تھا میں ایک عابد اول **ما خلق اللہ نوری** پھر معراج کی رات میں نے اسے اپنی ان آنکھوں سے دیکھا جانا پہچانا جب میں عینی گواہ توحید کی گواہی دے رہا ہوں تو تم شرک کی گواہی کس بنا پر دے رہے ہو میری گواہی کے ہوتے تمہاری گواہی قابل اعتبار نہیں **قل انما ھو الہ واحد** - چونکہ یہاں توحید الٰہی کا ذکر ہے اور توحید کے گواہ اعظم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے بار بار **قل** ارشاد ہوا اس سے پہلے بتوں کی معبودیت اور شرک کی تردید کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ میں اس کا گواہ نہیں اب اللہ تعالیٰ کی توحید کے لئے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ میں گواہی دیتا ہوں اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت ہے اس کا کوئی ساجھی و شرک نہیں **ھو** مبتداء ہے اس کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے اور **الہ واحد** دونوں مل کر **ھو** کی خبر ہے یعنی تم فرماؤ گواہی دو کہ ایک اللہ تعالیٰ ہی لائق عبادت اور معبود برحق ہے **واننی بریٔ مما تشرکون** یہ عبارت **انما ھو** الخ پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور یہ بھی **قل** کا مفعول **بریٔ** بنا ہے **براۃ** سے بمعنی دوری یا بیزاری **مما تشرکون** میں **ما** یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ یعنی تمہارے شرک سے میں بیزار ہوں یا تمہارے ان معبودوں سے میں بیزار ہوں جن کو تم خدا تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بچپن شریف سے ہی شرک بلکہ گناہوں سے بیزار رہے یہاں اس کا ذکر ہے کہ تم نے میری زندگی دیکھ لی میں تم میں رہ کر تمہاری بد عقیدگیوں سے دور رہا تمہارے جھوٹے معبودوں سے بیزار رہا تم پر اپنی بیزاری ظاہر فرماتا رہا اب تک تو ان مشرکین مکہ سے گفتگو تھی۔ جن کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اب ان اہل کتاب کا حال بیان ہو رہا ہے جن کے متعلق مشرکین مکہ کہتے تھے کہ وہ آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **الذین اتینا ھم الکتاب یعرفونہ** یہاں **الذ**

www.alahazratnetwork.org

ین سے مراد یہود اور عیسائی دونوں ہیں **اتینا** سے مراد علم کتاب عطا فرمانا ہے لہذا اس میں ان کے پوپ پادری داخل ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہی جانتے پہچانتے تھے عام عیسائی یہودی توریت و انجیل سے ہی ناواقف تھے **الکتاب** سے مراد مطلق آسمانی کتاب ہے توریت ہو یا انجیل علم اور معرفت یعنی جاننے پہچاننے کا فرق ہم پہلے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ علم عام ہے معرفت خاص علم تو کلی اجمالی علم کو بھی کہا جا سکتا ہے مگر معرفت تفصیلی و شخصی جاننے کو ہی کہتے ہیں ہ کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی وہ اہل کتاب جن کے متعلق یہ مشرکین کہہ رہے ہیں کہ انہوں نے آپ کی نبوت کی گواہی نہیں دی وہ تو ان محبوب کو صرف جانتے ہی نہیں بلکہ انہیں بالتفصیل پہچانتے ہیں مگر مانتے نہیں اب کفار عرب سے ان کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی نہیں محض جھوٹ اور ڈھٹائی ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ اہل کتاب مکہ معظمہ میں رہتے نہ تھے مگر مکہ والے اہل کتاب سے اپنے سفروں میں ملاقات کرتے رہتے تھے حضرت ابن نوفل جو پہلے یہودی تھے بعد میں عیسائی بن گئے تھے مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اور اول ہی میں آپ کی نبوت کی گواہی دے چکے تھے ابوذر غفاری جو کتب آسمانی سے واقف تھے مکہ مکرمہ آکر آپ کی گواہی دے گئے تھے بحیرہ راہب کی گواہی مکہ مکرمہ میں مشہور ہو چکی تھی اور حضور کی ہجرت کے بعد ابوسفیان شاہ روم ہرقل کی گواہی سن چکے تھے۔ عمرو ابن عاص نجاشی شاہ حبشہ سے آپ کی نبوت کی گواہی سن چکے تھے بہرحال اہل مکہ اہل کتاب کی گواہیوں ان کی معرفت سے خبردار تھے۔ لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے **کما یعرفون ابناء ھم** یہ عبارت متعلق ہے **یعرفونہ** کے اس کا مقصود ہے معرفت کا کمال بیان کرنا یعنی یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور کی نبوت و رسالت کو آپ کے خاتم النبیین شفیع المذنبین ہونے کو اس کامل یقین سے جانتے پہچانتے ہیں جس سے وہ اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں۔ خیال رہے کہ بیٹا اپنے باپ کو یقین سے جانتا پہچانتا ہے مگر صرف لوگوں سے سن کر کسی اور دلیل سے نہیں دوسرے عزیزوں کو بھی جانتا ہے وہ بھی قرینوں علامتوں سے بھی پھر باپ کو دنیا میں آنے ہوش سنبھالنے کے بعد جانتا ہے مگر باپ اپنے بیٹے کو اس کی ولادت سے پہلے ہی جانتا ہے اور دلائل سے جانتا ہے پھر اگرچہ باپ اپنی لڑکیوں کو بھی جانتا ہے مگر اس کی شہرت نہیں کرتا مگر اپنے بیٹے کی شہرت کرتا ہے کہ فلاں میرا بیٹا ہے اہل کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے دلائل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانتے پہچانتے تھے لوگوں سے کہتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے دعائیں کرتے تھے اس لئے اس معرفت کو بیٹوں کی معرفت سے تشبیہ دی باپ یا دوسرے عزیزوں یا بیٹیوں کی معرفت سے تشبیہ نہ دی اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے والد ہیں۔ **الذین خسروا انفسھم فھم لا یومنون۔** یہ آیت نیا جملہ ہے اس میں اہل کتاب کے کافر رہنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرنے کی وجہ بتائی گئی **الذین** سے مراد یا تو سارے وہ کافر ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الہی میں آچکا یا یہی پوپ پادری مراد ہیں جو لوگوں کو بجائے ایمان کی رغبت دینے کے الٹا اس سے روکتے تھے۔ خسارہ وہ نقصان ہے جس میں اصل پونجی بھی برباد ہو جائے۔ خسارہ مال کا بھی ہوتا ہے۔ جان کا بھی مگر خسارہ مال سے خسارہ جان بدتر ہے۔ تجارت پانچ طرح کی ہوتی ہے۔ مرابحہ (نفع کی) تولید (برابر برابر) نہ نفع نہ نقصان۔ نقصان کی جس میں کچھ مال کم ہو جائے۔ خسارہ مال کی جس میں لگایا ہوا سارا مال برباد ہو جائے۔ خسارہ جان کی کہ جس میں لگایا ہوا مال برباد ہو جاوے اور اپنا گھربار بھی بک جاوے اور تاجر مقروض ہو کر آفت میں پڑ جاوے اردو میں اسے گھاٹے ٹوٹا دیوالیہ کہا جاتا ہے۔ **خسروا انفسھم** فرما کر بتایا کہ ان پوپ پادریوں کی تجارت آخری پانچویں قسم کی ہے یہاں خسارہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر

www.alahazratnetwork.org

حسد کرتا ہے کہ نبوت بنی اسرائیل سے منتقل ہو کر بنی اسماعیل میں کیوں پہنچ گئی یعنی جن لوگوں پادریوں نے ان محبوب پر حسد کرکے اپنی جانوں کو گھاٹے میں ڈال دیا کہ اطاعت کے عوض نافرمانی الفت و محبت کے عوض نفرت و حسد کیا ان کے ایمان سے آپ مایوس ہو جاویں وہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ جو آپ سے آپ کی نبوت پر گواہ مانگتے ہیں ان سے پوچھو تو کہ رب تعالیٰ کی گواہی سے بڑھ کر کس کی گواہی ہو سکتی ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق و مالک اس کے ہر حال سے خبردار ہے وہ جس چیز کی گواہی دے گا بالکل حق دے گا پھر تم خود ہی جواب دو کہ سب سے بڑا گواہ اللہ تعالیٰ ہے وہ میری نبوت تمہاری بے دینی کا گواہ ہے اس نے میری گواہی ہزار ہا طریقہ سے دی ان میں سے بڑی گواہی یہ ہے کہ اس نے مجھ پر اپنی کتاب یعنی قرآن مجید اتارا۔ ایسی شاندار کتاب کے نزول کے لئے مجھے منتخب فرمایا اور اس لئے اتارا کہ میں قرآن مجید کے ذریعہ تم کو بھی اللہ کے عذاب سے ڈراؤں اور تا قیامت ان تمام جن وانس کو بھی جن تک قرآن پہنچے میرا ڈرانا کسی قوم کسی ملک کسی وقت سے خاص نہیں۔ اے بیوقوفو اتنی بڑی ربانی گواہی کے ہوتے پھر بھی تم یہی کہے جاؤ گے کہ رب تعالیٰ کے سوا اور بھی معبود ہیں اس کی ذات و صفات کا عینی گواہ تو میں ہوں۔ میں نے اسے ان آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میں تو اس شرک کی گواہی نہیں دیتا میں آنکھوں سے دیکھ کر کہتا ہوں کے معبود ایک ہی ہے اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں میں تمہارے شرک و کفر سے ہمیشہ سے بیزار ہوں یہ تو تھا گواہی ربانی اور گواہی نبی کا ذکر ہے کہ رب میرا گواہ ہے رب کا گواہ' رہے اس زمانہ کے عیسائیوں یہودیوں کے پوپ و پادری وہ تو ان محبوب کو ان کی نبوت کو ان کی رسالت کو ان کی صفات عالیہ کو ایسے یقین سے جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو جانتے پہچانتے ہیں کہ آپ کی ولادت سے پہلے دلائل عقلیہ و نقلیہ سے آپ کو جانتے تھے اور آپ کا لوگوں میں چرچا کرتے تھے آپ کی توسل سے دعائیں مانگتے تھے۔ انہیں حسد کی آگ نے جلا دیا ایسے حاسد لوگ جنہوں نے اپنی جان کو خسارہ میں ڈال دیا ایسے لوگ ایمان لانے والے نہیں ان کے ایمان قبول نہ کرنے سے آپ آپ ملول نہ ہوں۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے اور حضرت عبداللہ ابن سلام جیسے عالم یہود ایمان سے مشرف ہوئے تو ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن سلام سے پوچھا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا جانتے پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو اے عبداللہ تم تو عالم یہود تھے۔ بتاؤ یہ معرفت کیسی ہے۔ حضرت عبداللہ ابن سلام نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کی قسم کھائی جاتی ہے کہ ہم حضور کو اپنے بیٹوں سے زیادہ یقین سے جانتے ہیں کیوں کہ اپنے بیٹے کے متعلق تو گمان ہو سکتا ہے کہ اس کی ماں نے خیانت کی ہو مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو کسی شبہ کی گنجائش ہی نہیں (صاوی' کبیر' خازن' مدارک' بیضاوی' روح البیان' معانی وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا گواہ اعظم ہے یہ فائدہ **اللہ شهيد بيني وبينكم** سے حاصل ہوا۔ اس گواہی الٰہیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا پتہ لگاؤ کہ جس کا گواہ ایسا عظیم الشان ہو وہ گواہ والا کیسا ہو گا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وكفى بالله شهيدا محمد رسول الله**۔

دوسرا فائدہ: حضرت عائشہ صدیقہ بڑی درجہ والی بڑی عظمت والی ہیں کہ جناب مریم اور حضرت یوسف علیہ السلام کو تہمت

www.alahazratnetwork.org

لگی تو بچوں سے گواہی دلوادی گئی مگر جب اس سورہ نور والی ہماری نورانی ماں کو تہمت لگی تو بلاواسطہ رب تعالیٰ نے گواہی دی۔

یعنی ہے سورۂ نور جن کی گواہ ان کی پر نور صورت پہ لاکھوں سلام

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ اعظم ہیں کہ سب نے اس کی ذات و صفات کی گواہی سن کر دی حضور نے دیکھ کر یہ فائدہ **قل لا اشھد** اور **قل انی** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** گواہی توحید سنت رسول اللہ ہے اور گواہی رسالت سنت الٰہیہ لہٰذا کلمہ شہادت میں یہ دونوں سنتیں جمع ہیں پہلے جز میں سنت رسول اللہ دوسرے جز میں سنت الٰہیہ۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو شی کہا جا سکتا ہے اگرچہ حق تعالیٰ کا نام شی نہیں یہ فائدہ **قل ای شئی** الخ سے حاصل ہوا اگر یہاں شی معنی موجود ہے نہ کہ معنی ممکن دیکھو رب تعالیٰ نے خود ہی یہاں فرمایا کہ کون شی بڑی گواہی والی ہے اور پھر خود ہی فرمایا کہ اللہ بڑی گواہی والا ہے (تفسیر کبیر)۔

مسئلہ: فرقہ جہمیہ کہتا ہے کہ رب تعالیٰ کو شی نہیں کہہ سکتے کہ شی یا مخلوق کو کہتے ہیں یا ممکن کو رب تعالیٰ فرماتا ہے **خالق کل شئی** مگر جمہور علماء اسلام فرماتے ہیں کہ اسے شی کہہ سکتے ہیں کہ معنی موجود بھی آتا ہے معنی معلوم بھی رب تعالیٰ موجود بھی ہے اور مخلوق اسے جانتی بھی ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی)۔

مسئلہ: قرآن کریم میں لفظ شی بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ (1) ممکن موجود **خالق کل شئی**۔ دوسری جگہ فرمایا گیا **خلقتک ولم تک شیای**" (2) وہ ممکن معدوم جو عنقریب ہونے والا ہو۔ فرماتا ہے **ولا تقولن لشاء انی فاعل ذلک غدا**۔ دیکھو اس کام کو شی فرمایا گیا جو ابھی کیا نہیں گیا۔ بلکہ کیا جانے والا ہے فی الحال معدوم (غیر موجود) (3) معلوم خواہ ممکن ہو یا نا ممکن یا واجب۔ فرماتا ہے **وھو بکل شی علیم**۔ (4) موجود خواہ ممکن ہو یا واجب فرماتا ہے **قل ای شی اکبر شھادۃ**۔ رب تعالیٰ کا نام شی نہیں مگر اسے قرآن کریم میں شی فرمایا گیا اس مسئلہ کی نہایت نفیس تحقیق تفسیر کبیر و روح المعانی میں یہاں اسی آیت کی تفسیر میں دیکھو۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بلکہ مخلوق کا آپ کی نبوت کی گواہیاں دینا رب تعالیٰ ہی کی گواہی ہے جو اس نے اپنے حبیب کی ذات و صفات کی دی یہ فائدہ **واوحی الی** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت تمام جن و انس و ملائکہ کے نبی ہیں اور قرآن کریم سارے جن و انس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کسی زمانہ کسی قوم سے خاص نہیں یہ فائدہ **ومن بلغ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جس کو اسلام و قرآن کی تعلیم کی خبر ہی نہ پہنچے اس کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ یہ فائدہ بھی **من بلغ** سے حاصل ہوا لہٰذا فترت والے موحد لوگ جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین جنتی ہیں۔ **نواں فائدہ:** قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشارت دینے یا ڈرانے کے لئے نہیں آیا بلکہ دوسروں کے لئے ہدایت و بشارت و نذارت ہے یہ فائدہ بھی **لانذرکم** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **ھدی للمتقین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن سے پہلے ہی ہدایت پر تھے تقویٰ و پرہیزگاری عبادات الٰہیہ پر پہلے ہی سے کاربند تھے۔ **دسواں فائدہ:** قرآن کریم بذات خود بشیر و نذیر و ہادی نہیں ہادی بشیر نذیر حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن ذریعہ ہدایت و بشارت ہے یہ فائدہ بھی لانذرکم سے حاصل ہوا پانی، صابن خود گندے کپڑے کو پاک و صاف نہیں کرتا وہ تو صفائی کا ذریعہ ہے پاک و صاف تو کسی کا ہاتھ کرتا ہے یوں ہی قرآن مجید خود حاکم نہیں حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حکم قرآن سے فرماتا ہے لتحکم بین الناس یا رسول اللہ ہم نے آپ پر قرآن مجید اس لئے اتارا کہ اس کے ذریعہ آپ لوگوں میں فیصلے کریں۔ **گیارھواں فائدہ:** مومن کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ایمان کا اعلان کردے تمام بے دینوں سے دور رہے کفرو شرک سے بیزار رہے۔ تقیہ کرکے کفار میں کھلا ملانہ رہے اپنے قول اپنی صورت اپنی سیرت سے اپنے ایمان کا اعلان کرے یہ فائدہ اننی بری الخ سے حاصل ہوا۔ حضرات اہل بیت خصوصاً حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی تقیہ نہیں کرسکتے تھے وہ کھلے علانیہ مومن بلکہ مومن گر تھے۔ **بارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جاننا پہچاننا ایمان نہیں بلکہ انہیں ماننا ایمان ہے یہ فائدہ یعرفونہ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوجہل بھی جانتا تھا کہ سچے نبی ہیں اسے ایمان نصیب نہیں ہوا یہ فائدہ فھم لا یومنون سے حاصل ہو۔ شیطان کو حضرت آدم سے حسد ہوا اس سے وہ کافر ہوا دیکھو سارے نبیوں کو دیکھتا رہا ایمان نہ لایا حسد وہ آگ ہے جو دل کی قوت ہدایت کو جلا ڈالتی ہے۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ کو تو کسی نے دیکھا نہیں اس کا کلام بلاواسطہ ہم نے سنا نہیں پھر اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی کیسے دے دی گواہی کے لئے گواہ کا سامنے ہونا اس کا کلام سننا ضروری ہے تو اللہ شھید بینی و بینکم کیسے درست ہوا۔ **جواب:** یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ گواہ کا سامنے ہونا اس کا کلام سننا ضروری ہے۔ گواہی قولی بھی ہوتی ہے تحریری بھی۔ علامات و دلائل کی بھی سرٹیفکیٹ، تمغہ، پیٹی، وردی حکومت کی طرف سے عہدوں کی گواہی ہے۔ افسر کا تمغہ وردی دیکھ کر اس کے افسر ہونے کا یقین ہوجاتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قرآن کریم کا نزول وغیرہ تمام خلق کی گواہی رب تعالیٰ کی گواہی ہے جو اس نے اپنے محبوب کی ذات و صفات کی دی اس کی مفصل بحث پہلے پارہ کی تفسیر میں گزر گئی۔ **دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ کو شئی کہنا جائز نہیں کیونکہ شئی خدا تعالیٰ کا نام نہیں آج تک کسی مسلمان کا نام عبدالشئی نہیں ہوا نیز قرآن مجید میں معدوم کو بھی شئی کہا گیا ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ خالق کل شئی اگر خدا تعالیٰ بھی شئی ہو تو لازم آوے گا کہ وہ اپنا بھی خالق ہو نیز بری چیز کو بھی شئی کہا جاتا ہے۔ چونکہ شئی ہر اچھی بری چیز پر صادق آتا ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ نہ شئی ہے نہ اسے شئی کہنا درست ہے۔ **نوٹ:** فرقہ جہمیہ رب تعالیٰ کو شئی کہنے سے منع کرتا ہے۔ باقی تمام اسلامی فرقے جائز مانتے ہیں یہ اعتراض اس فرقہ جہمیہ کا ہے اسے تفسیر کبیر و روح المعانی نے بہت تفصیل سے بیان کیا۔ **جواب:** لفظ شئی کے بہت معنی ہیں بعض معنی ایسے ہیں جو رب تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں۔ شئی کے معنی ذات بھی ہیں حقیقت بھی ہیں رب تعالیٰ کو اس معنی سے اس آیت کریمہ میں شئی کہا گیا ہے اور اسی معنی سے اسے شئی کہنا جائز ہے۔ خالق کل شئی وغیرہ آیات میں شئی بمعنی ممکن ہے اس معنی سے رب تعالیٰ کو شئی کہنا حرام بلکہ کفر ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ کو نفس بمعنی ذات قرآن کریم میں کہا گیا ہے ولا اعلم ما فی نفسک نفس کے اور کئی معنی ہیں ان معنی سے اسے نفس نہیں کہہ سکتے ہیں نہ رب تعالیٰ کا نام نفس ہے اور نہ آج تک کسی بندے کا نام عبدالنفس ہوا (تفسیر کبیر و روح المعانی)۔ **تیسرا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر بھی ہیں بشیر بھی پھر یہاں صرف ڈرانے کا ذکر کیوں ہوا لانذرکم الخ **جواب:** اس لئے کہ یہاں روئے سخن کفار سے ہے انہیں کے سوال کا جواب دیا جارہا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف نذیر ہیں (تفسیر صاوی) نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا عام ہے۔

www.alahazratnetwork.org

بشارت خاص ہے صرف مسلمانوں کے لئے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت عامہ کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جسے قرآن پہنچے ہیں اس کے لئے نذیر ہوں قرآن کریم تو قیامت تک لوگوں کے پاس پہنچتا رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے تو آپ قیامت تک نذیر کیسے ہوئے اور یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر یعنی علماء، اولیاء اللہ تاقیامت تبلیغ کرتے رہیں گے لوگوں کو ڈراتے رہیں گے ان حضرات کا ڈرانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ڈرانا ہے شاہی خدام بحکم سلطان جو کام کرتے ہیں وہ سلطان کا ہی کام ہوتا ہے دوسرے یہ کہ قرآن کریم کا ڈرانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ڈرانا ہے۔ حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ جس کو قرآن پہنچ گیا اس نے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہی قول ہے۔ محمد ابن کعب قرظی کا (تفسیر روح البیان، خازن، کبیر، روح المعانی وغیرہ) تیسرے یہ کہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا کر ہم سے چھپ گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان بند نہ ہوا سورج غروب ہو کر بھی چاند تارے چمکاتا ہے یہ فیض تاقیامت مسلمانوں کو ایسے پہنچتا رہے گا جیسے جڑ کا خفیہ فیض درخت کے ہر شاخ ہر پاہر و پھل پھول کو پہنچتا ہے۔ لہذا تاقیامت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نذیر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈرانے سے ہی ہم لوگ ایمان لاتے ہیں۔ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے قرآن تو ایمان کی آبیاری کرتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں کے لئے باپ کی مثل ہیں حتیٰ کہ ان کی ازواج پاک مسلمانوں کی مائیں ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان کو بیٹے کی پہچان سے کیوں تشبیہ دی **کما یعرفون ابناء هم** نیز صرف بیٹوں کی پہچان سے تشبیہ کیوں دی بیٹیوں کا ذکر کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** اس کا نہایت مفصل جواب پہلے پارے کی تفسیر میں اسی آیت کے ماتحت دیا گیا اور ابھی یہاں بھی تفسیر میں اور فوائد میں عرض کیا گیا کہ انسان اپنے باپ کو صرف سن سنا کر پہچانتا ہے وہ بھی ہوش سنبھالنے کے بعد مگر باپ اپنے بیٹے کو دلائل سے اور اس کی پیدائش سے پہلے سے ہی جانتا ہے وغیرہ۔ لہذا بیٹے کی پہچان باپ کی پہچان سے قوی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جنہوں نے اپنے آپ کو خسارہ ڈالا وہ ایمان نہ لائیں گے سارے ہی کافر خسارہ میں مگر ان میں سے بہت سے ایمان لا چکے ہیں اور لاتے رہتے ہیں پھر یہ فرمان عالی کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں خسارہ سے مراد مطلقاً کفر نہیں بلکہ حسد کا کفر مراد ہے یعنی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا حاسد ہو کر اسلام کا منکر ہوا اسے ایمان نصیب نہیں ہوتا جیسا کہ یہود و نصاریٰ کے عام پوپ پادریوں کا حال تھا۔ دیکھو شیطان حضرت آدم علیہ السلام سے حسد کی بنا پر کافر ہوا آج تک کافر ہے اور کافر ہی رہے گا۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کے حسد سے بچائے۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کی ہر چیز شی ہے مگر بمعنی مشی یعنی رب کی چاہی ہوئی کہ اس کریم نے چاہا تو یہ ہو گئی لیکن اللہ تعالیٰ شی ہے مگر بمعنی شائی یعنی چاہنے والا کہ جسے رب تعالیٰ نے جو چاہا وہ وہ ہی بن گیا۔ شی مصدر ہے جو فاعل مفعول دونوں معنی میں آ سکتا ہے۔ ہمارا امتی ہونا شی ہے کہ رب نے ہمارے لئے یہ چاہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا شفیع المذنبین ہونا کروڑوں صفات سے موصوف ہونا شی ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہی چاہا ہم شی ہیں اور معنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شی ہیں دوسرے معانی سے اب کوئی دعویٰ نبوت کرے تو اس کی نبوت شی نہیں کیونکہ رب نے وہ چاہی نہیں۔ جب رب تعالیٰ ہر چیز کا شائی ہے۔ تو ظاہر ہے کہ شائی کی گواہی بڑی ہی قوی ہے کہ ہر چیز اس کی بنائی ہوئی ہے۔ جب سامع

www.alahazratnetwork.org

کے مقابلہ میں رائی (دیکھنے والے) کی گواہی اعلیٰ ہے تو شائی تو رائی سے کہیں افضل ہے لہذا بالکل برحق ہے کہ رب کی شاہی گواہی اعلیٰ ہے وہ شائی یعنی چاہنے والے کی گواہی ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی گواہی ازل سے دی ہے زمین و آسمان کی پیدائش بلکہ تمام مخلوق کی پیدائش سے پہلے نور محمدی رب کی ربوبیت کی گواہی کروڑوں سال دیتا رہا اور رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دیتا رہا حتیٰ کہ میثاق کے دن سارے نبیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی دلوائی انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ بنایا اور خود کو گواہوں میں داخل فرمایا کہ ارشاد ہوا **قال فاشهدوا وانا معكم من الشاهدين** دعویٰ کی آن بان اور مدعی کی شان گواہی اور گواہی کی شان سے معلوم ہوتی ہے۔ غور کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کس درجہ کی ہے کہ سارے انبیاء اولیاء بلکہ عالم کا ہر ذرہ آسمان کا ہر تارہ خود رب ہمارا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن شمع کا نور ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس نور کا فانوس یا حفاظتی رنگین چمنی جہاں شمع کا نور پہنچتا ہے وہاں چمنی کا رنگ بھی پہنچتا ہے۔ جہاں قرآن پہنچتا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی پہنچتے ہیں اس لئے فرمایا **ومن بلغ** یعنی میں اسے ڈرانے والا ہوں جسے قرآن پہنچے ناممکن ہے کہ کسی دل میں قرآن ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوں۔ اطاعت تین وجہ سے ہوتی ہے۔ خوف سے یعنی ڈر سے لالچ سے محبت و عشق سے شوق و ذوق سے عبادت کرنے والے تھوڑے ہیں۔ خوف سے اطاعت کرنے والے بہت ہیں خوف پہلی سیڑھی ہے جس کے بعد شوق پھر ذوق پیدا ہوتا ہے ابتداً ڈرا کر اطاعت کرائی جاتی ہے ان وجوہ سے یہاں صرف نذارت یعنی ڈرانے کا ذکر ہوا وظیفہ شیخ کے بغیر مفید نہیں کاریگر کے بغیر ہتھیار بے فائدہ ہاتھ کے بغیر صابن پانی بیکار معلم کے بغیر کتاب غیر مفید ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر قرآن سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اسی لئے **انذر** میں نذارت کا فاعل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیا۔ قرآن کو ذریعہ ہدایت بتایا پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان عوام تک صحابہ کے ذریعہ سے پہنچتا ہے اس لئے **کم** ضمیر پہلے آئی اور **من بلغ** بعد میں۔ سارے مشرکین گواہ ہیں کہ معبود بہت ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم گواہ ہیں کہ رب ایک ہے ان سب کی گواہی رد ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی مقبول ہے کہ یہ گواہی دیکھنے والے کی ہے۔ اس لئے فرمایا **قل لا اشهد** جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہو جاویں اس سے رب تعالیٰ بھی بیزار ہے۔ اس لئے یہاں فرمایا کہ میں تمہارے شرک سے بری یہ نہ فرمایا کہ تم سے بری ہوں تم ابھی ایمان قبول کر لو ہم تم کو اپنے دامن کرم میں لے لیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں اور نور کو ہر آنکھ جانتی پہچانتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل کتاب بلکہ بعض مشرکین بھی پہچانتے ہیں اگرچہ اپنی ہٹ دھرمی سے قبول نہ کریں جیسے بے وضو بے غسل والا نماز کے لائق نہیں ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جسے الفت نہ ہو بلکہ حسد ہو وہ ایمان کے لائق نہیں۔ جب ایمان کسی دل میں آنے لگتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت وہاں پہلے پہنچتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ

اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتوں کو اللہ کی تحقیق نہیں کامیاب
اور اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے بے شک ظالم

www.alahazratnetwork.org

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا

ہوتے ظالم لوگ اور جس دن جمع کریں گے ہم ان کو سب کو پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنہوں نے

فلاح نہ پائیں گے اور جس دن ہم سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے

اَيْنَ شُرَكَآؤُكُمُ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ

شرک کیا کہاں ہیں شریک تمہارے تھے تم گمان کرتے پھر نہ ہوا فتنہ ان کا

وہ شریک جن کا تم دعویٰ کرتے تھے پھر ان کی کچھ بناوٹ نہ رہی مگر یہ کہ وہ بولے

اِلَّآ اَنْ قَالُوْا وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ ﴿۲۳﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوْا عَلٰٓى

مگر یہ کہ کہا انہوں نے قسم اللہ کی رب ہمارے کی نہیں تھے ہم شرک کرنے والے دیکھو کیسا جھوٹ بولے

ہمیں اپنے رب اللہ کی قسم کہ ہم مشرک نہ تھے دیکھو کیسا جھوٹ باندھا خود اپنے اوپر

اَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

وہ اوپر جانوں کے اپنی اور غائب ہو گئے ان سے وہ جو تھے وہ گھڑتے

اور گم ہو گئیں ان سے جو باتیں بناتے تھے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آخری آیت میں خسارہ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حسد کا دنیاوی انجام بتایا گیا۔ ان کا ایمان نہ لانا اب ان آیات میں اسی حسد کا اخروی انجام ارشاد ہو رہا ہے۔ ان کا ظالموں میں شمار ہونا کوئی مددگار نہ ہونا وغیرہ۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ یہود و نصاریٰ کے پوپ پادری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے صفات عالیہ ایسے یقین سے جانتے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو مگر کرتے انکار ہیں اب اس جان پہچان کے بعد انکار کرنے کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ لوگ اپنی کتابوں' اپنے دین اپنے نبیوں بلکہ اپنے رب پر تہمت باندھتے ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا ذکر نہ کیا یا یہ کہ آپ کی ذات والا میں نبی آخر الزمان کے اوصاف و علامات نہیں ہیں اس جھوٹ باندھنے کی سزا نہایت سخت ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کی بدعقیدگیوں کا ذکر تھا کہ وہ شرک پر گواہی دیتے ہیں اب ان کی اس گواہی کی بے بنیادی اور کمزوریوں کا ذکر ہے کہ وہ آخرت میں یہ سب کچھ بھول جائیں گے بلکہ ان سے انکاری ہو جائیں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں یہود کی ان خیانتوں کا ذکر ہے جو وہ اپنی کتاب' اپنے دین' اپنے نبی کے فرمانوں میں کرتے تھے تاکہ معلوم ہو کہ جو قوم اپنی کتاب اپنے نبی کی تعلیم میں خیانت کرنے سے باز نہیں آتی اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرنے میں خیانت کرے تو اس سے کیا بعید ہے۔

تفسیر: ومن اظلم ممن افترى على الله كذبا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ من میں تعجب دلانے کا استفہام و سوال ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ سوال انکاری ہے اظلم بنا ہے ظلم سے معنی اندھیرا اسی سے ہے ظلمت اصطلاح میں کسی چیز کو بے

www.alahazratnetwork.org

موقع استعمال کرنے کو بھی ظلم کہتے ہیں اور کسی کا حق مارنے کو بھی اور کسی کو بے قصور سزا دینے کو بھی آیت کریمہ **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** میں ظلم اسی تیسرے معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ قرآن کریم نے شرک و کفر کو ظلم فرمایا ہے کہ کافر کفر کرکے اپنے نفس اپنے اعضاء کا حق مارتا ہے کہ انہیں دوزخ میں لے جاتا ہے۔ یہاں معنی کفر و شرک ہے یعنی اس سے بڑا مشرک و کافر کون ہے **ممن** کا **من** صلہ کا ہے اور **من** سے مراد ہر کافر جن وانس ہے **افتراء** کی تحقیق بارہا کی جاچکی ہے کہ یہ بنا ہے **فرو** سے معنی چیرنا چھیلنا اصطلاح میں کسی پر جھوٹ گھڑنے کو افترا کہا جاتا ہے۔ افترا کے تین درجے ہیں ایک یہ کہ کسی کی بات میں زیادتی کرکے لوگوں تک پہنچانا۔ دوسرے بالکل ان کہی بات اس کی طرح نسبت کردینا۔ تیسرے اس کے فرمان کے الٹ لوگوں تک پہنچانا۔ یہاں یہی تیسرے درجہ کا افترا مراد ہے۔ یہود اسی کے مرتکب تھے۔ **کذب** سے مراد یہاں خدا کا شریک ماننا۔ فرشتوں کو رب تعالیٰ کی بیٹیاں ماننا۔ بعض نبیوں کو خدا کا بیٹا ماننا ہے یہ کہنا کہ توریت اور انجیل میں نبی آخر الزمان کے اوصاف مذکور نہیں۔ یا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں نبی آخر الزمان کے اوصاف موجود نہیں وغیرہ غرضیکہ سارے مشرکین اور یہود و نصاریٰ سب ہی اس میں داخل ہیں یعنی اس سے بڑا کافر کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گڑھے کہ اپنی طرف سے کچھ عقیدے ایجاد کرے اور کہہ دے کہ یہ رب تعالیٰ کے بتائے ہوئے عقیدے ہیں۔ **او کذب بایاتہ**۔ یہ عبارت **افتری** پر معطوف ہے **کذب** بنا ہے تکذیب سے معنی جھوٹا کرنا یا کسی کو جھوٹا کہنا یا جھوٹا سمجھنا۔ یہاں آخری دو معنی ہوسکتے ہیں۔ اللہ کی آیات سے مراد یا قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا توریت و انجیل کی آیتیں اور ہو سکتا ہے کہ آیات الٰہیہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات اس کی صفات کی ایک دلیل و نشانی نہیں بلکہ دلائل و نشانات کا مجموعہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر جنبش آیت الٰہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سرتاپا اللہ کی شان ہیں۔ حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی قدس سرہ فرماتے ہیں ؎

اس صورت نوں میں جان آکھاں جانان کہ جان جہان آکھاں!
سچ آکھاں تے رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں!

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے آیات اللہ ہیں کہ جس پر ہاتھ رکھ دیں وہ آیت اللہ بن جاوے گویا آیت ہیں اور آیت گر ہیں لہٰذا اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں۔ یہود و نصاریٰ آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے دل سے زبان سے منکر تھے۔ درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے توریت و انجیل کی آیات کے بھی منکر ہو گئے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیہ آیات جو توریت و انجیل میں موجود تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے ان سب کی تکذیب ہوگئی نیز توریت و انجیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر دی تھی اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے نہ ہوں تو وہ آیات سچی کیونکر ہو سکتی ہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام کتابوں نبیوں کے معجزات کے گواہ ہیں **یایھا النبی انا ارسلناک شاھدا** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا نہ مانا جاوے تو وہ کتابیں اور نبی سچے کیونکر ہو سکتے ہیں۔ اگر مدعی خود ہی اپنے گواہ کو جھٹلائے تو وہ اپنا مقدمہ کیسے جیتے گا لہٰذا **کذب بایاتہ** بالکل درست ہے **انہ لا یفلح الظلمون** یہ نیا جملہ ہے جس میں ظلم کے انجام کا بیان ہے۔ چونکہ ظلم بہت قسم کا ہوتا ہے اس لئے **ظالمون** جمع ارشاد ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

فلاح کے معنی ہیں کامیابی اس کی دو صورتیں ہیں مکروہات سے بچنا۔ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر لینا **لا یفلح** میں دونوں قسم کی کامیابی کی نفی ہے یعنی کافر ظالم خواہ کیسا ہی ہو کسی درجہ کا ہو کامیاب نہیں ہوتا اس فرمان عالی کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سارے ظالم مشرکین یہود نصاریٰ وغیرہ سب مل کر تمہارے دین تمہارے احکام مٹانا چاہ رہے ہیں اور چاہتے رہیں گے مگر کامیاب نہ ہوں گے۔ سورج تمہارا ہی چمکے گا نام تمہارا ہی روشن ہو گا۔ دین تمہارا ہی قائم رہے گا یہ ظالمین یا فنا ہو گئے یا تمہارے دامن میں پناہ لیں گے رب نے یہ وعدہ پورا فرما دیا۔ دوسرے یہ کہ تاقیامت کسی قسم کے ظالم خواہ جانی ظالم ہوں خواہ مالی کبھی پھلیں پھولیں گے نہیں۔ یہ خائب خاسر رہیں گے یہ خبر بھی بالکل درست ہے جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے **ویوم نحشرھم جمیعا** یہ جملہ نیا ہے **یوم** یا تو ظرف مقدم ہے **نحشرھم** کا یا مفعول بہ ہے **اذکر** پوشیدہ کا یا **ذکرھم** کا یا **اذکروا** کا۔ لہٰذا اس کی چار تفسیریں ہیں۔ چونکہ انسان جرم و قصور کرتا ہے اپنی موت کو اور قیامت کو بھول کر اگر یہ چیزیں یاد رہیں تو گناہ کرنے کی ہمت نہ ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکر ہیں۔ بھولی باتیں یاد دلانے والے اس لئے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ یہ دونوں چیزیں یاد دلاتا ہے۔ **نحشر** بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا خواہ ایک زمانہ میں جمع کرنا ہو یا ایک زمین میں یا دونوں میں یہاں آخری جمع فرمانا مراد ہے کہ قیامت کے دن ان سب کا اجتماع ایک وقت اور ایک جگہ میں ہو گا **ھم** کا مرجع یا تو مشرکین ہیں یا دوسرے کفار یا سارے ہی یا بت پرست اور ان کے جھوٹے معبود **جمیعا**" تاکید ہے **ھم** کی **جمیعا**" فرما کر یہ بتایا کہ تمام کفار کو جمع کریں گے کسی کو چھوڑیں گے نہیں اگرچہ مومنین بھی اس دن اٹھائے جائیں گے مگر ان کی جگہ دوسری ہو گی اس لئے **ھم** فرما کر مومنوں کو علیحدہ کر دیا یعنی اے محبوب انہیں یاد دلاؤ یا یاد کرو یا اے لوگوں وہ وقت وہ دن بھی یاد کرو۔ جب ہم سارے کفار کو ایک وقت ایک جگہ جمع کریں گے۔ قیامت کا دن جمع کرنے والا بھی ہے اس لئے اسے حشر کہتے ہیں اور یہ دن کفار و مومنین کو الگ کرنے والا بھی اس لئے اسے یوم الفصل کہتے ہیں جیسے قرآن مجید کا نام قرآن بھی ہے یعنی سب مسلمانوں کو جمع فرمانے والی کتاب اور اس کا نام فرقان بھی ہے یعنی کافر و مومن منافق و مخلص کو الگ کر دینے والا۔ **ثم نقول للذین اشرکوا**۔ چونکہ کفار کا جمع فرمانا پہلے ہو گا اور یہ کلام فرمانا صدہا سال کی خاموشی کے بعد ہو گا اس لئے یہاں **ثم** ارشاد ہوا یہ فرمان یا تو رب تعالیٰ ہی کا ہو گا ان پر عتاب فرماتے ہوئے یا فرشتوں کا ہو گا بحکم الٰہی۔ لہٰذا **نقول** فرمانا ہر حال درست ہے **الذین اشرکوا** سے مراد یا تو صرف بت پرست مشرکین ہیں دوسرے کفار کی موجودگی میں ان سے ہی یہ کلام ہو گا انہیں ذلیل کرنے کے لئے یا سارے کفار مراد ہیں حتی کہ اہل کتاب بھی کہ انہوں نے اپنے پوپ پادریوں کو حرام و حلال کا مالک مان کر انہیں گویا خدا کا شریک مان لیا پہلی توجیہ قوی ہے **این شرکاء کم الذین کنتم تزعمون** یہ عبارت **نقول** کا مفعول ہے **این** مکانی استفہام (پوچھ گچھ) کے لئے آتا ہے یہ سوال انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہو گا **شرکاء کم** سے مراد وہ بت یا پوپ پادری ہیں۔ جنہیں ان کفار نے شریک الٰہی مانا تھا یعنی تمہارے مانے ہوئے خدا کے شریک **تزعمون** بنا ہے **زعم** سے بمعنی گمان و خیال خواہ صحیح ہو یا غلط مگر قرآن کریم میں زعم جھوٹے گمان اور غلط خیال کو فرمایا جاتا ہے یہی حضرت عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے۔ حدیث شریف میں سچے گمان و خیال کو بھی زعم فرمایا گیا ہے جیسے زعم جبریل یا جیسے ضمام ابن ثعلبہ کی روایت میں ہے **تزعمونھم شرکاء**۔ خیال رہے کہ قیامت میں اولاً بت پرست اور بت یوں ہی ان کے پاپ پادری اور ماتحت سب یکجا ہوں گے پھر کچھ عرصہ بعد بتوں کو بت پرستوں سے اور معبودوں کو عابدوں سے ماتحتوں کو سرداروں سے علیحدہ کر دیا جائے گا۔ اس

www.alahazratnetwork.org

علیحدگی کے بعد ان سے یہ سوال ہو گا کہ بتاؤ تمہارے وہ شرکاء جن کی مدد کی تمہیں آس تھی آج کہاں گئے پھر حساب و کتاب کے بعد دوزخ میں اکٹھے کر دیئے جائیں گے۔ لہذا آیت واضح ہے یا اس سوال کے وقت معبودین ان کے ساتھ ہی ہوں گے مگر بے بس لاچار مجبور ہوں گے تب یہ ارشاد ہو گا یعنی تمہارے بتوں کی مدد کہاں ہے **ثم لم تکن فتنتھم** چونکہ کفار یہ فرمان عالی سن کر سینکڑوں سال کی مدت تک حیران خاموش رہیں گے ان کے ہوش اڑ جائیں گے بہت عرصہ خاموش رہنے کے بعد یہ عرض کریں گے اس لئے یہاں **ثم** ارشاد ہوا فتنہ کے لغوی معنی ہیں سونے کو آگ میں تپانا تاکہ کھرا کھوٹا معلوم ہو جاوے۔ اصطلاح میں اس کے سات معانی ہیں۔ عذاب' آزمائش' بلاو مصیبت' کفرو شرک' گناہ' گمراہی اور معذرت و عذر خواہی (تفسیر روح المعانی بحوالہ امام راغب) یہاں یا تو بمعنی معذرت ہے تب مطلب واضح ہے یا بمعنی کفرو شرک ہے تو اس سے پہلے عاقبت پوشیدہ ہے اس کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں مگر یہ دونوں توجیہیں بہت واضح ہیں یعنی ان کی معذرت یا ان کے شرک کا انجام اس کے سواء اور کچھ نہ ہوا **الا ان قالوا** یہاں **الا** حصر کے لئے ہے اور حصر بھی اضافی ہے حقیقی نہیں یعنی اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت میں مشرکین اس کے سواء اور کوئی کلام نہیں کریں گے یہ کلام تو بہت طرح کے کریں گے۔ ہاں اس سوال کے جواب میں اس کے سواء اور کچھ نہ کہیں گے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے مختلف مقامات پر مشرکین کے مختلف کلام نقل فرمائے جو قیامت کے مختلف حالات میں ہوں گے کسی وقت وہ اپنے کفرو شرک کا انکار کریں گے پھر دوسرے وقت اقرار کریں گے لہذا ساری آیات درست ہیں ان میں تعارض نہیں **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** یہ عبارت **قالوا** کا مفعول بہ ہے ان کا یہ کہنا کسی غلطی یا بھول کی بنا پر نہ ہو گا بلکہ دیدہ دانستہ ہو گا جب اللہ تعالیٰ مومنین کی بخشش کرے گا تو یہ لوگ آپس میں مشورہ کر کے مومنوں کے ساتھ رل مل جانے کی کوشش کریں گے کہ شاید ان کے ساتھ ہماری بخشش بھی ہو جاوے جب ان کو روکا جاوے گا تو یہ کہیں گے کہ ہم بھی مومن ہیں۔ مشرکین نہیں (خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) غالباً" یہ گفتگو فرشتوں سے کریں گے اس لئے **واللہ ربنا** کہیں گے یہ کہ اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے ہم دنیا میں کافر نہ تھے مومن تھے ہم کو ان کے پاس جانے دو **انظر کیف کذبوا علی انفسھم۔** یہ نیا جملہ ہے **انظر** میں خطاب یا تو عام قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے تو نظر بمعنی غور کرنا ہے تب مقصد یہ ہے کہ اے مسلمان غور کرو کہ کفار اس جھوٹ سے الٹے خود پھنسیں گے تو جب بھی ہماری بارگاہ میں آئے تو اپنے قصور و گناہ کا اقرار کرنے کے سواء کچھ نہ کرنا یہاں کوئی جھوٹ و فریب کے ذریعہ عذاب سے نہیں بچ سکتا یہاں صرف عجز و نیاز سے بچ سکتے ہیں یا خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تب **نظر** بمعنی دیکھنا ہے یعنی دیکھو تو اے محبوب یہ بے وقوف کیسے جھوٹ بولے جو خود ان کے لئے مضر ہے چونکہ نبی کی نظر گذشتہ اور آئندہ چیزوں کو دیکھتی ہے اس لئے **انظر** فرمانا بالکل درست ہے آج سائنس ریڈیو ٹیلیفون کے ذریعہ ہزارہا میل کی آواز سنائی دیتی ہے۔ دوربین کے ذریعے صدہا میل کی چیز دکھائی دیتی ہے' بذریعہ ہوائی جہاز ہزارہا میل گھنٹوں میں پہنچا دیتا ہے بلکہ اب سائنس کوشش کر رہی ہے کہ گذشتہ لوگوں کی آوازیں ان کی باتیں سنا دیتیں قوت نبوت سائنس کی قوت سے قوی ہے۔ **کذبوا** سے مراد ان کا یہی کہنا ہے کہ ہم مشرک نہ تھے **انفس** جمع ہے نفس کی بمعنی جان یا ذات یہ **علی** یا تو لزوم کے لئے ہے یا نقصان کے لئے کیونکہ ان کا یہ جھوٹ ان کے لئے اور بھی وبال جان ہو جاوے گا اس کا اثر خود ان کی اپنی جانوں پر پڑے گا کہ حاکم کے سامنے عدالت میں جھوٹ بولنا اسے دھوکا دینے کی کوشش کرنا بھی جرم ہے اگر یہ لوگ اپنا قصور مان لیتے تو ممکن تھا کہ عذاب ہلکا ہو جاتا اب دھوکا ہی

www.alahazratnetwork.org

کی کوشش کرنے سے عذاب اور سخت ہو یعنی اے محبوب آپ نظر تو فرماؤ کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر کیسا جھوٹ بولیں گے یا یہ کیسا جرم کریں گے کہ جس کا وبال اور نقصان ان کی جانوں پر پڑے گا۔ یہاں **کیف** تعجب دلانے کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ مشرکین کا یہ کہنا ہے کہ ہم مشرک نہ تھے درپردہ اپنے مومن ہونے کا دعویٰ ہے یعنی ہم مشرک نہ تھے موحد مومن تھے۔ یہاں شرک سے مراد کفر ہے کفر و ایمان کے درمیان کوئی اور چیز نہیں ہو سکتا ہے کہ شرک اپنے ہی معنی میں ہو چونکہ یہ گفتگو مشرکین کی ہے اس لئے انہیں نے اپنے سے شرک کی نفی کی ہو سکتا ہے کہ یہ لوگ یہ کہنا چاہتے ہوں کہ ہم مشرک نہ تھے ایک حد یوں بول پائیں گے کہ فرشتے انہیں جھڑک کر خاموش کر دیں گے کہ خاموش رہو **وضل عنهم ما كانوا يفترون**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے جس میں وقت کی حالت کا ذکر ہے **ضلال** سے مراد ہے بھک جانا **ما كانوا** سے مراد ان کے اپنے شرکیہ عقیدے ہیں یعنی انہیں اپنے دنیاوی شرکیہ عقیدے ظاہر کرنے کی جرات نہ ہوگی وہ سب عقیدے یا بھول جائیں گے یا چھپائیں گے یہ تفسیر عام مفسرین نے کی ہے اور اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ بھی یہی بتا رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ **ضل** سے مراد ہو غائب ہو جانا **ما كانوا** الخ سے مراد ہوں ان کے بت اور پوپ پادری وغیرہ یعنی جن معبودوں کے متعلق انہوں نے **افترا** الٰہ ہونے کا عقیدہ اختیار کیا تھا وہ سب ان سے آج غائب ہو جائیں گے یا اس طرح کہ ان کے پاس رہیں گے ہی نہیں یا اس طرح کے وہ ان کی مدد نہ کر سکیں گے ان کی مدد ان سے غائب ہو جاوے گی۔ پہلی تفسیر قوی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ غور تو فرماویں کہ اس سے بڑھ کر یا اس کی برابر کافر و مشرکین دنیا میں کون ہو گا جو دیدہ دانستہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے کہ رب ایک ہے وحدہ لا شریک ہے وہ چند رب مانے نیز رب تعالیٰ ولادت سے پاک ہے وہ اس کے لئے اولاد مانے بت مردود ازلی ہیں وہ انہیں اپنا شفیع مانے آپ کی صفات کا انکار کرے یا پچھلی آسمانی کتابوں میں تبدیل و ترمیم کرے یہ لوگ بڑے ہی ظالم ہیں اور ظالم لوگ کبھی کامیاب نہیں ہوتے کہ نہ تو وہ آفات سے بچ سکتے ہیں نہ مراد پا سکتے ہیں آپ ان لوگوں کو وہ دن بھی یاد دلادو۔ جس دن ہم ایک جگہ میں تمام کفار اور ان کے باطل معبودوں کو جمع فرمائیں گے۔ پھر بہت دراز سکوت کے بعد ان کے معبودوں کو ان سے الگ کر دیں گے پھر ان کفار سے پوچھیں گے کہ بتاؤ تمہارے وہ شرکاء کہاں گئے جن کو تم خدا تعالیٰ کا شریک اور ساجھی سمجھتے تھے یو وہ تمہارے مددگار کہاں ہیں اس سوال پر اولاً تو عرصہ تک ان پر خاموشی چھائی رہے گی ہیبت الٰہی کی وجہ سے کچھ نہ کہہ سکیں گے پھر کہیں گے اللہ کی قسم ہمارے رب کی قسم ہم دنیا میں مشرکین و کافر نہ تھے۔ ہم تو مومن موحد تھے۔ محبوب غور تو فرماؤ کہ کیسے یہ لوگ خود اپنے پر جھوٹ باندھیں گے کہ تھے مشرک مگر کہیں گے ہم تو موحد تھے اور تھے کافر اور کہیں گے ہم مومن تھے اس وقت ان کی یہ تمام کفریہ باتیں مشرکانہ باتیں تھیں بھول جائیں گی۔ جو وہ دنیا میں گڑھا کرتے تھے۔ ان کی یہ باتیں صرف اس وقت تک ہیں جب تک ان کی حاکم کی بارگاہ میں پیشی نہیں ہوئی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو رب نے نہ فرمایا ہو اسے رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا کفر ہے اور اس ذات کریم پر بہتان یہ فائدہ **افترى على الله كذبا** الخ سے حاصل ہوا اس میں وہ علماء سوء بھی داخل ہیں جو قرآن مجید کی دیدہ دانستہ غلط تاویلیں خلاف اسلام تحریفیں کریں کہ وہ جھوٹی بات کو کہتے ہیں کہ یہ رب کا فرمان ہے اسی طرح اس میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو غلط حدیثیں گھڑیں یا ان کی غلط خلاف اسلام تاویلیں کریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

پر جھوٹ گڑھنا در اصل رب تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ **دوسرا فائدہ:** قیامت میں کفار کفار کے ساتھ ہوں گے مومن مومن کے ساتھ بلکہ کفار کے ساتھ ان کے جھوٹے معبود بھی جمع کر دیئے جاویں گے۔ انشاء اللہ مومنین حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ہونگے یہ فائدہ **نحشرھم جمیعا** سے حاصل ہوا قیامت میں ہمراہی اور سنگت ایمان سے ہوگی نہ کہ جسمانی قرابت سے ' قرآن کریم فرماتا ہے **احشروا والذین ظلموا و ازواجھم وما کانوا یعبدون** جس سے پتہ لگا کہ سارے کفار ان کے سرداران کے معبودین ایک جگہ ہونگے اور فرماتا ہے کہ **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون**۔ **تیسرا فائدہ:** حاکم کا ملزم سے کچھ پوچھنا کبھی اس کو شرمندہ کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے یہ سوال حاکم کی بے علمی کی دلیل نہیں یہ فائدہ **این شرکاء کم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی کسی کو غلط نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے اسے شرمندہ کرنے کے لئے جیسے کسی جاہل کو مولوی صاحب کہہ کر پکاریں یہ فائدہ بھی **این شرکاء کم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بتوں کو شرکاء فرمایا جیسے دوزخی کفار سے کہا جاوے گا **ذق انک انت العزیز الکریم** دیکھو ذلیل دوزخی کافر کو عزیز کریم فرمایا اسے شرمندہ کرنے کو اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم حوض کوثر پر آتے ہوئے مرتدین کو فرمائیں گے **اصحابی** یہ میرے صحابی ہیں کیوں صرف ذلیل کرنے کو نہ کہ بے خبری سے۔ **پانچواں فائدہ:** کفار و مشرکین کی زبان وہاں بارگاہ الٰہی میں بھی جھوٹ بولنے سے باز نہ آوے گی یہ ہے ان کی انتہائی بے حیائی ورنہ انہیں اپنے دین اپنے اعمال کی خبر ہوگی یہ فائدہ **ما کنا مشرکین** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم یتذکر الانسان ما سعی** اس لئے یہاں ارشاد ہوا **کذبوا علی انفسھم**۔ **چھٹا فائدہ:** قیامت میں پیشواؤں کا کام نہ آنا کفار کے لئے ہوگا کہ ان کے بت ان کے پوپ پادری ان کے کام بالکل نہ آئیں گے یہ فائدہ **ما کانوا یفترون** سے حاصل ہوا انشاء اللہ مسلمانوں کی حضرات انبیاء اولیاء علماء بلکہ ان کے چھوٹے بچے بلکہ قرآن مجید رمضان مبارک شفاعت کریں گے قرآن کریم فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوا لا المتقین**۔ اللہ تعالیٰ کفار کے عذاب سے مسلمانوں کو محفوظ رکھے کا بے یار بے مددگار ہونا بھی کفار پر عذاب الٰہی ہوگا۔ رب تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔ **ساتواں فائدہ:** قیامت میں اللہ کا کرم ہوگا تو بندہ کو درست جواب بن پڑے گا ورنہ بندہ الٹی باتیں کر کے زیادہ پھنسے گا یہ فائدہ **وما کنا مشرکین** سے حاصل ہوا گناہ گار مسلمان عرض کرتے ہیں خداوندا ہم ظالم و جاہل ہیں ہم سے سواء ظلم و جہالت کے لئے کیا ہو سکتا ہے کیکر کے درخت میں پھل کیسے آویں تو غفور ہے رحیم ہے۔ جس لائق ہم تھے ہم نے کر لیا جو تیری شان کے لائق ہے تو کر۔ شاید اس عرض و معروض پر دریا رحمت جوش میں آجاوے۔

پہلا اعتراض: عربی زبان میں **ثم** آتا ہے دیر کے لئے تو یہاں **ثم نقول** کیوں ارشاد ہوا قیامت کے دن اٹھتے ہی سوال و جواب شروع ہو جاویں گے۔ **جواب:** یہ تو حساب و کتاب سوال و جواب بہت عرصہ کے بعد شروع ہوگا۔ صدہا سال خاموشی رہے گی پھر صدہا سال تلاش شفیع میں گزریں گے پھر کبھی سوال و جواب کی نوبت آوے گی لہذا **ثم نقول** فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ کے سوال کے بعد فوراً ہی مشرکین جواب دیں گے پھر **ثم لم تکن فتنتھم** کیوں فرمایا **ثم** تو دیر کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ **جواب:** نہیں وہ لوگ فوراً جواب عرض نہ کریں گے بلکہ ہیبت الٰہی سے خاموش رہیں گے پھر حواس ٹھکانہ آنے پر جواب دیں گے اس لئے **ثم** ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** جب کفار و مشرکین اور سرداران کے

www.alahazratnetwork.org

جھوٹے معبود ایک ہی جگہ ہوں گے پھر فرمانا کہ این شرکاء کم تمہارے معبود کہاں ہیں کیونکر درست ہوا وہ تو وہاں ہی موجود ہیں۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ قیامت میں پہلے تو یہ عابدین و معبودین ایک جگہ ہوں گے پھر ان میں فاصلہ کر دیا جاوے گا۔ پھر دوزخ میں جمع کر دیئے جاویں گے یہ سوال اس وقت ہو گا جب فاصلہ اور دوری ہو چکی ہو گی۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سوال کے وقت معبودین ہوں گے وہاں ہی مگر بے بس ولاچار لہٰذا ان کی موجودگی ان عابدوں کے لئے محض بے کار ہوگی اس صورت میں این شرکاء کم فرمانے کے معنی یہ ہیں کہ ان کی مدد کہاں گئی دیکھو وہ تمہارے ساتھ موجود ہیں۔ مگر تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ **چوتھا اعتراض:** یہی حال ان مسلمانوں کا ہو گا جو نبیوں ولیوں کو اپنا سفارشی شفیع اور مددگار مانتے ہیں ان کے متعلق ارشاد ہو گا بتاؤ کہ تمہارے نبی ولی کہاں گئے (نوٹ) یہ سوال موجودہ دور کے بعض وہابی مولویوں کا ہے یہ آیت حضرات انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرتے ہیں۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب تیسرے پارے میں شفاعت کی بحث میں گزر چکا یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ اور اس جیسی دوسری آیات کافروں اور ان کے جھوٹے معبودوں سرداروں کے متعلق ہیں انہیں مسلمان اور حضرات انبیاء کرام پر چسپاں کرنا محض بے دینی ہے۔ حضرات انبیاء اولیاء کی شفاعت ان کی مدد دنیا و آخرت میں برحق ہے اس کے متعلق بہت سی آیات ہیں دیکھو ہمارے کتاب فہرست القرآن۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے **لا تنفع الشفاعۃ الا من اذن لہ الرحمن و رضی لہ قولا** اور فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاءوک** الخ اور فرماتا ہے **النبی اولی بالمؤمنین من انفسہم وازواجہ امہاتہم** نبی مسلمانوں سے ان کی جانوں سے زیادہ قریب ہیں کہ جان نکل کر جسم کو چھوڑ دیتی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو مرے بعد بھی نہیں چھوڑتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری شفاعت گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہوگی رب کے مقابلہ کی مدد اور ہے اس کے اذن سے اس کے محبوبوں کی مدد کچھ۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ قیامت میں مشرکین اپنے شرک و کفر کا انکار کریں گے مگر دوسری آیات میں ہے کہ وہ ان جرموں کا اقرار کریں گے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** قیامت کے حالات مختلف ہیں بعض حال اور بعض وقت میں وہ انکاری ہوں گے دوسرے وقت میں اقراری آیات قرآنیہ میں مختلف حالات کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہ کفار یہ کیوں کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے یہ کیوں نہ کہیں گے کہ ہم مومن تھے۔ **جواب:** ان کے عذاب کی وجہ ان کا شرک و کفر ہے اسی کا وہ انکار کریں گے۔ خیال رہے کہ دائمی عذاب کی وجہ صرف کفر ہے مگر جنت کے حصول کی وجہ بہت ہیں جن تک نبی کی تبلیغ پہنچی ان کے لئے ایمان۔ جن کو تبلیغ نہ پہنچی ان کے لئے صرف عقیدہ توحید اور بعض لوگ وہ بھی ہیں جو صرف جنت پر کرنے کے لئے پیدا کئے جائیں گے وہ محض عطاء الٰہی سے بغیر کسی عمل کے جنتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ظلم ایک جرم ہے اس کی بہت سی قسمیں ہیں بعض ہلکی بعض بھاری جیسا ظلم ویسی اس کی نوعیت پھر جیسا مظلوم ویسا ظلم۔ کسی پر آبرو کا ظلم، مال کا ظلم جان کا ظلم پھر کسی اجنبی پر ظلم اپنے عزیز پر ظلم خود اپنی ذات پر ظلم یہ سب ظلم ہی ہیں مگر ظاہر ہے کہ ان میں سے بعض ہلکے ہیں بعض بھاری ان تمام ظلموں میں بدتر ظلم یہ ہے کہ انسان اپنے عقیدے بگاڑ کر اپنے کو دائمی دوزخی بنا لے کہ اس میں اپنے پر ظلم ہے اور ظلم بھی اخروی ایسا ظالم نہ دنیا میں کامیاب ہو نہ آخرت میں صوفیاء کرام

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد ہے مگر اس کے آثار بے شمار ہیں یہ آثار کی کثرت اس وحدت کے خلاف نہیں جیسے تخم ایک ہے مگر اس کے آثار بہت کہ درخت کا پتہ پتہ اسی ایک تخم کے آثار ہیں یہ آثار اس کی توحید کی دلائل ہیں یہی آیات الٰہیہ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان تمام آثار بلکہ خود خالق جبار کے آئینہ ہیں۔ جیسے آئینہ میں گھر کی ہر چیز بلکہ خود گھر والا نظر آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں سارا عالم بلکہ خالق عالم کا مشاہدہ ہوتا ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت اللہ ہیں جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلایا اس نے ساری آیات کو جھٹلایا اس لئے ارشاد ہوا **او کذب بآیاتہ**۔ دیکھو تخم کے درخت کا پتہ پتہ ڈالی ڈالی اپنے تخم کا پتہ بتاتے ہیں درخت کی ہر چیز تخم کے ایک وصف کو ظاہر کرتی ہے مگر اس کا پھل تخم کی قسم اس کی رنگت لذت بو سب کچھ بتا دیتی ہے کہ اس کا تخم لنگڑے آم کا ہے یا بمبئی آم کا کھٹے کا ہے یا میٹھے کا سرخ رنگ کا ہے یا سیندوری رنگ کا وغیرہ وغیرہ دنیا گویا درخت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس درخت کا گویا پھل اس کا خلاصہ جو ہر چیز کا پتہ دیتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جھٹلانے والے رب کی ہر صفت کے انکاری ہیں یہ جھٹلانے والے جن مردودوں کے پھندوں میں پھنس کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی توڑ بیٹھے ہیں قیامت میں وہ سب انہیں چھوڑ بیٹھیں گے اس توڑنے کا انجام وہ چھوڑنا ہو گا اس لئے رب تعالیٰ فرمائے گا۔ بلاؤ اپنے خیالی مددگاروں کو جن کی وجہ سے تم نے حقیقی محبوبوں سے منہ موڑا تھا۔ اس وقت یہی کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے مگر اس وقت کے یہ بہانے اور جھوٹ زیادہ عذاب کا باعث بنیں گے لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے انجام کو نہ بگاڑے دوست و دشمن میں فرق کرے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

تادم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال خامہ توحید کش بر ورق این و آں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ

اور ان میں سے وہ ہیں جو بغور سنتے ہیں آپ کی طرف اور کر دیئے ہم نے ان کے دلوں پر پردے

اور ان میں کوئی وہ ہے جو تمہاری طرف کان لگاتا ہے اور ہم نے ان کے دلوں پر غلاف کر دیئے

اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِ

یہ کہ سمجھیں اسے اور ان کے کانوں میں بوجھ اور اگر دیکھیں وہ ہر نشانی نہ ایمان لائیں وہ اس پر یہاں تک

ہیں کہ اسے نہ سمجھیں اور ان کے کان میں ٹینٹ اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک

لُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ وَهُمْ

کہ جب آتے ہیں آپ کے پاس تو جھگڑتے ہیں آپ سے کہتے ہیں وہ جو کافر ہوئے نہیں ہے یہ مگر گھڑی ہوئی کہانیاں

کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں اور وہ اس

يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا

اگلوں کی اور وہ منع کرتے ہیں اس سے اور دور رہتے ہیں اس سے اور نہیں ہلاک کرتے وہ مگر جانوں کو اپنی اور نہیں

سے روکتے اور اس سے دور بھاگتے ہیں اور ہلاک نہیں کرتے مگر اپنی جانیں اور انہیں

www.alahazratnetwork.org

يَشْعُرُوْنَ ([illegible])
شعور رکھتے
شعور نہیں

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کفار کے اخروی انجام کا ذکر تھا آخرت میں سب پر دو مددگار رہ جانا رب کا غضب ہونا وغیرہ اب ان کے دنیاوی انجام کا ذکر ہے دلوں پر مہر لگ جانا کانوں پر پردے پڑ جانا وغیرہ گویا کفر کے دو انجاموں میں سے ایک انجام کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کفار کے اخروی انجام کا ذکر تھا۔ اب اس انجام کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ وہ دنیا میں اندھے بن کر جیئے اس لئے ٹھوکریں کھا کر دوزخ میں گریں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کفار کے اس جھوٹ کا ذکر تھا جو وہ قیامت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بولیں گے اب ان کے اس جھوٹ کا ذکر ہے جو وہ دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بولتے ہیں کہ وہاں تو اپنے متعلق کہیں گے کہ ہم مشرک نہ تھے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہتے ہیں کہ آپ نبی نہیں اور قرآن کریم کتاب اللہ نہیں۔

شان نزول: ایک بار صخر ابن حرب یعنی ابوسفیان' ابوجہل بن ہشام' ولید ابن مغیرہ' نضر ابن حارث' ربیعہ کے دو بیٹے عتبہ' شیبہ اور خلف کے دو بیٹے امیہ' ابی' حارث ابن عامر کسی جگہ جمع تھے ان کے قریب میں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن حکیم کی تلاوت فرمارہے تھے کہ ان کے کانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز پہنچی ان کے کان کھڑے ہوگئے۔ بہت غور سے کچھ دیر سنتے رہے ان لوگوں نے نضر ابن حارث سے کہا کہ بتاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیا پڑھ رہے ہیں وہ بولا کچھ نہیں یوں ہی زبان ہلا رہے ہیں اور میری طرح قصے کہانیاں کہہ رہے ہیں یہ مردود بڑا قصہ گو تھا اس پر ابوسفیان بولے کہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بعض باتیں سچی معلوم ہوتی ہیں۔ اس پر ابوجہل بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو سچا کہنے سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم کو موت آجاوے ان کے متعلق یہ پہلی آیت **ومنھم** الخ نازل ہوئی۔ (2) ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دل و جان سے خدمت کرتے تھے۔ مشرکین مکہ اور دیگر کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے روکتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت اپنی جان کی طرح کرتے تھے مگر خود ایمان قبول نہ کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کے خطبے پڑھتے تھے اسلام کی خوبیوں کا اعتراف کرتے تھے مگر اسلام میں داخل نہ ہوتے تھے ان کے متعلق دوسری آیت **وھم ینھون عنہ** الخ نازل ہوئی (تفسیر خازن' روح المعانی' کبیر' روح البیان' صاوی وغیرہ) تفسیر صاوی نے ابوطالب کے یہ اشعار نقل کئے۔

ولقد علمت بان دین محمد — من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃ او حذاری سبۃ — لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

فاصدع بامرک ما علیک غضاضۃ — حتی اوسد فی التراب دفینا

اور تفسیر خازن نے اسی جگہ ابوطالب کے حسب ذیل اشعار نقل فرمائے۔

www.alahazratnetwork.org

والله لن يصلوا اليك بجمعهم ۔ حتی اوسد فی التراب دفينا

فاصدع بامرك ما عليك غضاضة ۔ وابشر بذاك وقر منها عيونا

ودعوتني وعرفت انك ناصحي ۔ ولقد صدقت وكنت ثم امينا

ولقد علمت بان دين محمد ۔ من خير اديان البرية دينا

لولا الملامة او حذار مسبة ۔ لوجدتني سمحا بذاك مبينا

یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد (مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین سارے دینوں سے بہتر ہے اگر مجھے ملامت اور قوم کے طعن کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں یہ دین ضرور قبول کر لیتا اے محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اپنا کام خوب اچھی طرح کرو جب تک کہ میں قبر میں دفن نہ ہو جاؤں تب تک آپ کا کفار کچھ نہیں بگاڑ سکتے آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی ہے مجھے یقین ہے کہ آپ میرے خیر خواہ ہیں اور مجھے اچھی چیز کی طرف بلا رہے ہیں مگر ملامت کے خوف سے اسلام قبول نہیں کر سکتا۔

تفسیر: **منهم من يستمع اليك** جیسے قرآن مجید کا دیکھنا' چھونا' پڑھنا' سمجھنا سب ہی عبادت ہے جو قرآن دیکھ کر سمجھ کر چھو کر پڑھے وہ بیک وقت چار عبادتیں کرتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا آپ کی گفتار سننا۔ مجلس پاک میں بیٹھنا سب ہی عبادت بلکہ اعلیٰ عبادات ہیں جن سے انسان صحابی بن جاتا ہے مگر اس شرط سے کہ دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اخلاص والفت ہو اس آیت کریمہ میں ان کفار کی ان تینوں نعمتوں سے محرومی کا ذکر ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار سنتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے ہیں۔ صحبت پاک میں حاضر ہوتے ہیں مگر بغیر الفت **منهم** میں سے اس جملہ میں ان کے حضور کی گفتار سننے کا ذکر ہے۔ یہ جملہ مستقل ہے اور نیا ہے **منهم** کی ضمیر کفار قریش کی طرف ہے چونکہ یہ کام سارے قریش نے نہیں کیا تھا بلکہ ان کے بعض نے اس لئے **من** تبعیضیہ ارشاد ہوا۔ **من** سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **يستمع** بنا ہے۔ **استماع** سے بمعنی کان لگانا اور بغور سننا چونکہ اس میں **اصغاء** کے معنی ملحوظ ہیں بمعنی توجہ کرنا اس لئے اس کے بعد الیٰ آیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الیٰ کے بعد قراۃ یا تلاوت پوشیدہ ہے مگر حق یہ ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں جو کسی کی بات یا تلاوت بغور سننا چاہتا ہے وہ خود اس کی طرف متوجہ ہوتا ہے اس کی طرف کان لگاتا ہے اس لئے **اليك** فرمانا بالکل درست (از روح المعانی) یعنی بعض کفار وہ بھی ہیں جو آپ کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ کان لگاتے ہیں آپ کی تلاوت بغور سنتے ہیں چونکہ **من** لفظاً واحد ہے اس لئے **يستمع** واحد ارشاد ہوا اگرچہ یہ کان لگانے والے بہت سے آدمی تھے **وجعلنا على قلوبهم اكنة** اس عبارت میں ان کان لگانے والوں کے دل کی حالت کا بیان ہے اس میں **جعل** بمعنی خلق ہے **قلوبهم** میں **هم** کا مرجع وہی کان لگانے والے کفار ہیں جن کے متعلق فرمایا گیا تھا۔ **من يستمع اليك** چونکہ من معنی جمع تھا اس لئے یہاں **هم** ضمیر جمع ارشاد ہوئی **اكنة** جمع ہے کنان کی جیسے عطا کی جمع ہے اغطیہ خباء کی جمع اخبیہ۔ کنان کا مادہ ہے کن بمعنی آڑ پردہ اسی لئے بارش سے بچانے والے خس پوش چھپر کو کن کہتے ہیں چونکہ ان کفار کے دلوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے بہت سے پردے تھے کفر کا پردہ حسد کا پردہ کینہ کا پردہ اس لئے **اكنة** جمع ارشاد ہوا۔ **ان يفقهوه** یہ جعلنا کا مفعول لہ ہے اس سے پہلے **كراهة** پوشیدہ ہے **يفقهو** بنا ہے فقہ سے فقہ حاضر چیز کا جاننا غائب کے علم کے لئے لفظ فقہ خاص ہے علم عام اسی سے ہے تفقہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ليتفقهوا فى الدين**۔ اصطلاح میں شریعت کے احکام

www.alahazratnetwork.org

کا علم فقہ کہلاتا ہے یہاں فقہ سے مراد دین کی سمجھ قرآن کریم کی فہم ہے یعنی ہم نے ان سننے والوں کے دلوں پر کفر۔ نبی سے حسد و بغض کے پردے پیدا کردیئے ہیں تا کہ وہ قرآن کریم نہ سمجھیں **وفی اذانهم وقرا** یہ عبارت معطوف ہے **علی قلوبهم اکنة** پر چنانچہ **فی اذانهم** تو معطوف ہے **علی قلوبهم** پر اور **وقرا** معطوف ہے **اکنة** پر **وقر** کے معنی ہیں بوجھ، سکون، قرار اسی سے ہے وقار معنی تحمل و برداشت یہاں کان کا بوجھ مراد ہے جسے ثقل سماعت کہتے ہیں یعنی ہم نے ان کے کان میں بوجھ ڈال دیا جس سے الفاظ قرآن ان کے دماغ تک نہیں پہنچتے **وان یروا کل ایة لا یومنوا بها** اس جملہ شریف میں دل کے پردوں کان کے بوجھ کے انجام کا ذکر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ رویت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے نہ کہ دل کا دیکھنا اسی لئے اس کا ایک مفعول آیا۔ آیت میں چار احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد گزشتہ آسمانی کتابوں کی ساری وہ آیات مراد ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد قرآن کریم کی ساری آیات مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات مراد ہیں قرآنی آیات یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بعض ہجرت سے پہلے آئے بعض ہجرت کے بعد مدینہ منورہ وغیرہ میں۔ چوتھے یہ کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات آپ کے تمام صفات و احوال ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مثل سمندر کے ہیں جس کا ظاہری پانی ہر ایک کو نظر آتا ہے مگر اندرونی کیفیات خاص خاص شناوروں کو ہی دکھائی دیتی ہیں اندرونی موتی، عنبر ہر ایک کو نظر نہیں آتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت عام لوگوں نے دیکھی نبوت خاص خاص نے اور محبوبیت کے نظارے حضرت صدیق جیسے آنکھ والوں نے کئے **بها** میں ب یا صلہ کی ہے یا سببیہ لہٰذا اس کے چار معنی ہیں یعنی اگر یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات یا قرآن کریم کی ساری آیات دیکھ لیں یا ساری کتاب آسمانی کی ساری آیات دیکھ لیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری صفات دیکھ لیں تب بھی ان آیات کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یا خود ان آیات پر ایمان نہ لائیں گے۔ **حتی اذا جاءوک یجادلونک** ۔ خیال رہے کہ یہ حتی ابتدائیہ ہے جو نئے جملہ پر داخل ہوتا ہے۔ حتی انتہاء مفرد پر آتا ہے (روح المعانی) **اذا** شرطیہ ہے۔ **جاءوک** شرط ہے اور **یجادلونک جاءوک** کے فاعل سے حال **یجادلون** بنا ہے جدال سے معنی بہت سخت جھگڑا **یجادلون** فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان کا آپ کی بارگاہ میں آنا ایمان لانے برکت لینے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ ہٹ دھرمی سے جھگڑنے کے لئے ہوتا ہے **یقول الذین کفروا ان هذا الا اساطیر الاولین** یہ عبارت **اذا جاءوک** کی جزا ہے چونکہ ان کی اس بکواس کی وجہ ان کا کفر و عناد ہے اس لئے یقول کا فاعل ضمیر نہ لائی گئی بلکہ **الذین کفروا** فرمایا **اساطیر** جمع ہے اسطورہ کی جیسے **اعاجیب** جمع ہے **اعجوبه** کی اعالیق جمع ہے اعلوقہ کی اضاحیک جمع اضحوکہ کی اسطورہ کی اصل سطر ہے معنی لکھت۔ رب فرماتا ہے **والقلم وما یسطرون**۔ فرماتا ہے **وکتاب مسطور**۔ فرماتا ہے **کان ذالک فی الکتاب مسطورا** اصطلاح میں اسطورہ وہ جھوٹ ہے جو گھڑ کر لکھ لیا جاوے **اولین** سے مراد گزشتہ انبیاء کرام یا اولیاء اللہ نہیں بلکہ اگلی قومیں ہیں جن کی جھوٹی داستانیں قصے کہانی کے طور پر عام لوگوں کی زبان زد تھیں جیسے آج قصے ناول وغیرہ ہیں یعنی یہ لوگ جب آپ کے پاس زیارت کے لئے نہیں ایمان لانے کے لئے بلکہ جھگڑنے کے لئے آتے ہیں تو کفار قرآن کریم کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ کلام الٰہی نہیں بلکہ اگلوں کے جھوٹے گھڑے ہوئے قصے کہانیاں ہیں اور قرآن مجید نعوذ باللہ ایک ناول ہے **وهم ینهون عنه وینئون عنه** اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں اگر

www.alahazratnetwork.org

یہ آیت انہیں ابوجہل وغیرہ کے متعلق نازل ہوئی ہے جن کا ذکر کیا گیا تو دونوں جگہ **عنہ** کی ضمیر قرآن کریم کی ہے اور اگر ابوطالب کے متعلق ہے تو دونوں **عنہ** کی ضمیریں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہیں **ینھون** بنا ہے **نھی** سے معنی دوسروں کو منع کرنا روکنا اور **ینئون** بنا ہے **نئی** سے معنی دور رہنا الگ رہنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **اعرض ونا بجانبہ** غرضیکہ دوسروں کو روکنا نہی ہے۔ خود رکنا دور رہنا نئی ہے یعنی یہ ابوجہل وغیرہ دوسروں کو بھی قرآن اسلام سے روکتے اور دور رکھتے ہیں اور خود بھی رکتے اور دور رہتے ہیں کہ اسلام و قرآن قبول نہیں کرتے یا یہ ابوطالب وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کفار کو روکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذاء سے انہیں منع کرتے ہیں اس کے باوجود خود محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ رہتے ہیں اسلام قبول کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں نہیں آتے ابن ابی حاتم نے حضرت سعید ابن ہلال سے روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دس یا گیارہ چچے تھے جن میں سے اکثر کا حال یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار کے مقابلہ میں بڑی حمایت کرتے ہیں ان کے شر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بچاتے تھے مگر خود اسلام قبول نہ کرتے تھے (روح المعانی) حضرت حمزہ، عباس کے سوا باقی چچا ایمان نہ لائے۔ جن میں ابولہب خبیث ترین کافر تھا اور ابوطالب آپ کے بڑے ہی خدمت گزار تھے **وان یھلکون الا انفسھم وما یشعرون۔** اس عبارت شریف میں کفار کے اس عمل کے نتیجہ کا ذکر ہے واؤ ابتدائیہ ہے ان نافیہ ہے **یھلکون** بنا ہے ہلاکت سے معنی بربادی خواہ دنیا کی بربادی ہو یا آخرت کی یا دونوں کی **انفس** جمع ہے نفس کی معنی جان **یشعرون** بنا ہے شعور سے معنی حواس ظاہری یا باطنی سے جاننا علم عام ہے۔ شعور خاص یہ لوگ اپنے ان اعمال سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن یا اسلام کو نقصان پہنچا سکتے خود اپنے ہی کو اپنی ذات کو ہی دنیا و آخرت میں ہلاک کر رہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔

خلاصہء تفسیر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چند نعمتیں اپنے ساتھ ہی لے گئے باقی نعمتیں دنیا کو دے گئے اپنا دیدار، اپنی گفتار، اپنی صحبت پاک اپنے ساتھ لے گئے لوگ ان نعمتوں سے صحابی بن جاتے تھے اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ یہ محرومِ ازلی ان تینوں نعمتوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔ **یستمعون** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتار کا ذکر ہے **وان یروا** میں دیدار شریف کا ذکر ہے اور **واذا جاءوک** میں صحبت پاک کا ذکر ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض کفار آپ کی تلاوت قرآن کے وقت آپ کی طرف کان لگاتے آپ کی تلاوت بغور سنتے ہیں مگر چونکہ ان کا یہ سننا بدنیتی سے ہوتا ہے آپ کی ذات اور قرآن کریم میں عیب نکالنے کی نیت سے اس وجہ سے ہم نے ان کے دلوں پر تو کفر، حسد، عناد، بدنیتی کے پردے ڈال دیئے۔ لہٰذا وہ سمجھتے نہیں اور ہم نے ان کے کانوں میں ثقل (بوجھ) کر دیا لہٰذا ان کے کانوں میں قبول کے سننے کی طاقت نہ رہی اب ان کا حال یہ ہو چکا ہے کہ اگر آپ کے سارے معجزات اور قرآنی آیات کا نزول اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے ان کا حال یہ ہے کہ جب یہ آپ کی خدمت میں آپ سے لڑنے جھگڑنے کے لئے آتے ہیں تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ قرآن تو دوسرے قصے کہانیوں والی کتابوں کی طرح ہے جس میں گذشتہ قوموں کے قصے کہانیاں دلچسپ طریقے سے بیان کئے گئے ہیں۔ یہ ناول سے بڑھ کر نہیں ان کی حالت یہ ہے کہ یہ دوسروں کو بھی اسلام و قرآن سے روکتے ہیں خود بھی رکتے ہیں یا بعض وہ ہیں جو دوسروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے روکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کرتے ان کی حفاظت کرتے ہیں مگر خود ایمان نہیں لاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہتے ہیں یہ لوگ اپنے ان اعمال سے اسلام

لوگ مومن نہیں ہو سکتے کیونکہ ایمان تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات صفات قیامت جنت دوزخ کو نبی کی معرفت سے مانا جاوے اپنی عقل اپنی آنکھوں کے ذریعہ ماننا ایمان نہیں یعنی ایمان بالغیب چاہئے ایمان بالشہادۃ معتبر نہیں اب یہ چیزیں ان لوگوں کو ظاہر ہو گئیں جنہیں انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اب یہ مومن کیسے بن سکتے ہیں ایمان کا مدار ہے نبوت پر اور نبوت کو ماننا اس کا نام ہے کہ نبی پر اعتماد ہو نہ کہ اپنی آنکھوں اپنی عقل پر لہٰذا ان کفار کا یہ کہنا کہ اگر ہم کو دنیا میں واپس کر دیا گیا تو ہم مومن ہو جائیں گے غلط ہے یہ توجیہ **بدا لهم** کے بالکل مناسب ہے **بدا** بنا ہے **بدو** سے بمعنی ظاہر ہونا **بدا یبدو بادٍ**۔ **ما** سے مراد کفر ہے قبل سے مراد اس سے پہلے قیامت میں اپنا کفر چھپاتا ہے یعنی اولاً تو یہ کہتے تھے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** اللہ کی قسم ہم مشرک و کافر نہ تھے پھر ان کے اعضاء کی گواہی سے ان کا کفر ظاہر ہو گیا تو یہ کہہ رہے ہیں (جلالین صاوی کبیر خازن وغیرہ) بعض نے فرمایا کہ قبل سے مراد دنیا ہے اور چھپانے سے مراد انکار کرنا ہے اور ما سے مراد عذاب ہے یعنی وہ عذاب ظاہر ہو گیا جن کا وہ دنیا میں جا ئیں گے نہ اب انہیں وہ تبلیغ کریں گے نہ یہ اس تبلیغ سے ایمان لائیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن منافقین کی طرف سے لہٰذا ما سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمہ ہیں جنہیں وہ دنیا میں لوگوں سے چھپاتے ہیں وہاں آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ **ولو ردوا لعادوا لما نهوا عنه**۔ یہ نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے لو تمنا کا نہیں بلکہ شرط بمعنی نفی کا ہے رد اور عود دونوں میں سے لوٹنا مگر یہاں رد سے مراد ہے پہلی حالت کی طرف واپسی لہٰذا دونوں میں فرق ہے ما سے مراد وہی بد عقیدگیاں بد عملیاں ہیں جن میں وہ پہلے گرفتار تھے یعنی اگر بفرض محال یہ لوگ پھر دنیا میں واپس کر دیئے جائیں جاویں تو پھر انہیں عقیدوں اور بد عملیوں کی طرف لوٹ جاویں گے جن میں پہلے مبتلا تھے یہ عذاب دیکھنا دوزخ پر کھڑا ہونا ان کے لئے بالکل مفید نہ ہو گا کیونکہ یہ شیطان کی طرح عادی مجرم ہیں وہ بھی سب کچھ دیکھ کر کافر رہے (روح المعانی) نیز یہ دنیا میں جا کر یہ چیزیں جو یہاں دیکھ چکے ہیں بھول جائیں گے۔ جیسے میثاق کے دن کے عہد و پیمان بھول گئے تھے اس وقت تو حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں نے انہیں وہ وعدے یاد دلائے تھے مگر اب دنیا میں نہ تو انبیاء کرام جائیں گے نہ اولیاء اللہ نہ صالحین مومنین پھر انہیں یہ چیزیں یاد کون دلائے گا لہٰذا پھر وہی کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں **وانهم لكاذبون**۔ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں اس فرمان میں **لعادوا** کی دلیل ہے اور وجہ بیان فرمائی گئی اگر **لا نكذب** اور **نكون** خبر تھے تب تو ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے اور اگر وہ بھی تمنا تھے تو چونکہ اس تمنا میں وعدہ تھا اس لئے انہیں جھوٹا کہا گیا بہر حال تمنا کو نہیں جھٹلایا کہ تمنا انشاء ہے۔ انشا جھوٹی سچی نہیں ہوتی بلکہ اس انشا میں جو خبر ہے اسے جھٹلایا گیا ہے جیسے کوئی کہے کاش کہ میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں تیری مدد کرتا تم کہو تو جھوٹا ہے تو میری مدد ہرگز نہ کرتا چونکہ اس تمنا میں مدد کا وعدہ پایا جاتا ہے اس لئے اسے جھوٹا کہا گیا (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار جو اب کہہ رہے ہیں کہ ہم دنیا میں دوبارہ جا کر مومن صالح بن جاویں گے بالکل جھوٹ بول رہے ہیں ان کے دل میں یہ ہے کہ کسی صورت میں یہاں سے بچ نکلو دنیا میں اپنے گھروں میں پہنچ جاؤ پھر کون ایمان لاتا ہے اور کون نیک عمل کرتا ہے لہٰذا یہ اس قول میں جھوٹے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی آنکھوں سے اس وقت کا ظاہری نظارہ کرتے تو عجیب نظر دیکھتے جبکہ یہ کفار اور ضدی منافقین کنارہ دوزخ پر یا دوزخ کے اندر آگ میں ٹھہرائے جائیں گے تو گھبرا کر کہیں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں

www.alahazratnetwork.org

جبکہ دیکھیں گے بخشش میں کچھ دیر ہے   ان کا دامن پکڑ کر مچل جائیں گے

ایک پنجابی شاعر نے کیسی ایمان افروز بات کہی۔

وقت اخیری بھل آجا توں نیڑے نیڑے!   دکھڑے میں کہنوں وساں جھگڑے نے تیرے میرے!

چھٹا فائدہ: خود ایمان سے رکنا بھی کفر ہے۔دوسرے کو ایمان سے روکنا بھی کفر ہے روکنے والا ڈبل کافر ہے یہ فائدہ **ینہون** اور **ینئون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا اگر یہ آیت ابوجہل وغیرہ کے متعلق ہو۔یوں ہی ایمان لانا بھی ثواب ہے اور دوسرے کو مومن بنانا بھی ثواب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے فضائل میں سے ایک بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ آپ کی تبلیغ پر ایمان لائے۔**ساتواں فائدہ:** شرعی ایمان قبول کئے بغیر نیکیاں قبول نہیں ایمان جڑ ہے اور نیکیاں پھل یہ فائدہ اسی **ینہون** اور **ینئون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اگر یہ آیت ابوطالب کے متعلق ہو دیکھو ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شاندار خدمات انجام دیں کہ سبحان اللہ مگر ظاہر طور پر ایمان قبول نہ کیا تو فائدہ نہ اٹھایا نہ ابوطالب صحابی بنے۔

نوٹ ضروری: ابوطالب کے ایمان میں بہت اختلاف ہے یہ آیت ان حضرات کی دلیل ہے جو ان کے ایمان کے قائل نہیں ان کے ایمان کی مفصل بحث انشاء اللہ اپنے مقام پر ہوگی۔(تفسیر روح المعانی) مگر خیال رہے کہ ان کا ذکر احترام سے کیا جاوے کہ ان کی بے ادبی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناراضی کا اندیشہ ہے کہ ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی مثل ہیں چچا بھی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پرورش کرنے والے بھی اور آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا یعنی حضرت علی شیر خدا کی والدہ ماجدہ حضور کی والدہ کی مثل ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی آغوش میں پرورش پائی ابوطالب کا معاملہ رب کے سپرد کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن اپنا ہی بگاڑتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نقصان نہیں کرتے نہ کسی کے ایمان و تقوے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نفع ہے نہ کسی کے کفر و فسق سے ان سرکار کا کچھ بگڑتا ہے یہ فائدہ **وان یہلکون الا انفسہم** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** بندہ پر اللہ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ وہ اللہ کے محبوبوں سے دور ہو جاوے اور سب سے بڑی رحمت یہ ہے کہ اس کے مقبول بندوں کا قرب نصیب ہو جاوے یہ فائدہ **ینئون عنہ** سے حاصل ہوا جو یہ جاننا چاہے کہ میں رب تعالیٰ سے قریب ہوں یا دور وہ اپنے متعلق غور کرے کہ میں اللہ کے مقبولوں سے قریب ہوں یا دور یہ قرب اور دوری دل کی معتبر ہے اگر دلی قرب کے ساتھ جسمی قرب بھی نصیب ہو جاوے تو زہے نصیب۔

پہلا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ نے ان کفار کے دلوں پر پردے ڈال دیئے اور کان بہرے کر دیئے تو پھر کفر و عناد میں ان کا کیا قصور ہے انہیں عذاب کیوں ہوگا۔ **جواب:** اس قسم کے اعتراضات کے جواب بار بار دیئے جا چکے ہیں کہ ان افعال کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی ہے ان کا سبب بندہ ہے اسے اپنے کسب کی سزا ملے گی جیسے قاتل کسی کے گلے پر چھری پھیرے جس سے وہ مرجاوے تو اس کی موت دینے والا رب تعالیٰ ہے مگر اسباب موت کے کسب کا مجرم قاتل ہے اسے اسی کسب پر دنیاوی آخرت میں سزا ملتی ہے ان کفار نے دلوں پر پردے پڑجانے کان بہرے ہو جانے کے اسباب جمع کئے رب تعالیٰ نے ان اسباب کی

www.alahazratnetwork.org

وجہ سے پردے ڈال دیئے۔ **دوسرا اعتراض:** کفار عرب صاحب زبان تھے قرآن کریم ان کی زبان عربی میں آیا پھر وہ اسے ضرور سمجھتے تھے رب تعالیٰ نے ان کے سمجھنے کی نفی کیوں فرمادی کہ فرمایا **ان یفقھوہ**۔ **جواب:** یہاں رب العالمین نے ان کے فہم قرآن کی نفی نہیں فرمائی بلکہ فقہ قرآن کی نفی کی فقط معانی سمجھ جانا فہم ہے اور حقیقت سمجھ جانا جس سے دین مل جاوے یہ فقہ ہے اللہ تعالیٰ فقہ قرآن نصیب فرماوے آمین۔ **تیسرا اعتراض:** اگر یہ آیت کریمہ **وھم ینھون عنہ** الخ ابوطالب کے متعلق ہے اور **ینھون** کے معنی ہیں کفار کو حضور سے دور رکھنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی شر سے بچانا تو یہ ابوطالب کا کمال ہے اور بہت بڑی نیکی پھر رب تعالیٰ نے اسے عیوب میں کیوں گنایا۔ **جواب:** صرف **ینھون** پر انہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کر کے کفار کے شر سے بچا کر خود ایمان قبول نہ کرنے پر عتاب ہے جیسے کوئی کسی بے عمل عالم سے کہے کہ تو عالم ہو کر عمل نہیں کرتا تو اس کے علم پر اعتراض نہیں بلکہ علم کے بعد عمل نہ کرنے پر اعتراض ہے۔ (روح المعانی) **چوتھا اعتراض:** اگر یہ آیت **وھم ینھون** الخ ابوجہل وغیرہ کے متعلق ہے اور **ینھون** کے معنی ہیں لوگوں کو اسلام سے روکنا نہی یعنی روکنے کا ذکر پہلے اور نئی یعنی خود رکنے کا ذکر بعد میں کیوں ہے انسان پہلے کسی چیز سے خود رکتا ہے پھر دوسرے کو روکتا ہے یہاں ترتیب ذکری الٹی کیوں ہے۔ **جواب:** کبھی خود رکنا دوسروں کو روکنے کی تاکید و تائید کے لئے ہوتا ہے ایسی صورت میں رکنا روکنے کا تتمہ ہوتا ہے کہ انسان قولاً و عملاً دوسروں کو روکتا ہے یہاں بھی ایسا ہی تھا کہ وہ سرداران کفر دوسروں کو اسلام سے زبانی طور پر بھی روکتے تھے اور خود کافر رہ کر دکھاتے تھے کہ دیکھو ہم بھی اسلام قبول نہیں کرتے اس لئے یہ ترتیب نہایت ہی موزوں ہے (روح البیان) یعنی ان کا اسلام سے رکنا بھی دوسروں کو روکنے کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ: کان دماغ کا بھی دروازہ ہیں اور دل کا بھی دروازہ۔ دروازہ کے ذریعہ گھر میں پہنچنا جب ہی ہوتا ہے کہ دروازہ بھی کھلا ہو اور درمیان آڑ بھی نہ ہو اگر آگے روک ہے تو دروازہ کھلنا بیکار ہے کفار کے دلوں پر کفر، عناد، حسد کے پردے تھے ان کے دماغوں پر ضد کی آڑ تھی اسی وجہ سے وہ لوگ قرآن مجید کی آواز صرف کانوں سے سن لیتے تھے مگر قرآن ان کے دماغ یا دل تک نہیں پہنچتا تھا۔ اس لئے ان کا سننا بیکار تھا بلکہ اور نقصان دہ تھا اسی وجہ سے ان کے دلوں تک قرآن کے انوار نہیں پہنچتے تھے اس کی لذت سے ناآشنا اس کی حقیقت سے بے خبر رہے۔ مولانا جامی فرماتے ہیں۔

عجب نبود کہ از قرآن نصیبت نیست جز حرفے   کہ از خورشید جز گرمی نہ بیند چشم نابینا

یعنی اندھا سورج کی صرف گرمی پاتا ہے روشنی نہیں پاتا یوں ہی بے دین قرآن سے صرف حرف سنتا ہے اور کچھ حاصل نہیں کرتا اسی محرومی کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قرآن کریم کو سحر شعر اور نہ معلوم کیا کیا کہتے تھے۔ چونکہ وہ اس کی لذت سے بے خبر تھے اس لئے خود بھی قرآن سے بھاگتے تھے۔ دوسروں کو بھی بھگاتے تھے۔ جیسے صفراوی بخار والا حلوہ کو کڑوا محسوس کر کے اسے تھوکتا ہے۔ دوسروں کو بھی کہتا ہے کہ اسے مت کھاؤ بڑا کڑوا ہے اس میں ان کا اپنا قصور تھا قرآن مجید رب تعالیٰ کی طرف سے روحانی بجلی کا تار ہے جس میں ایمانی، عرفانی بجلی کا پاور بھرا ہوا ہے اس پاور سے نور وہی حاصل کر سکے گا جس کے پاس عشق مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا بلب یا ٹیوب ہو انسان کے دل اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے خالی ہیں تو وہ فیوز شدہ بلب ہیں ان میں روشنی کیسے آئے ان کفار کے دل ایسے ہی بیکار بلب تھے۔ اندھیرے میں رہے رب تعالیٰ کسی کے دل کے بلب کا فیوز نہ اڑاوے خدا کرے فیوز درست رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کو کاٹنے کے لئے الگ اوزار ہوتے ہیں اینٹ توڑتے ہیں بسولی سے لکڑی

www.alahazratnetwork.org

کاٹتے ہیں آری سے لوہا کاٹتے ہیں چھینی سے کپڑا کاٹتے ہیں قینچی سے۔ بعض چیزیں کٹتی ہیں چاقو سے اسی طرح دل پر جو حسد بغض کینہ کے پردے ہیں یہ کٹتے ہیں عشق رسول کی قینچی سے اس قینچی کی دھار لگتی ہے آستانہ اولیاء سے ان کفار کے پاس یہ قینچی نہ تھی اس لئے ان کے یہ پردے کٹے نہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤی اِذْ وُقِفُوْا عَلَی النَّارِ فَقَالُوْا یٰلَیْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُکَذِّبَ بِاٰیٰتِ

اور اگر دیکھو تم جب ٹھیرائے جائیں گے وہ آگ پر تو کہیں گے ہائے کاش ہم لوٹا دیئے جاتے اور نہ جھٹلاتے

اور کبھی تم دیکھو جب وہ آگ پر کھڑے کئے جائیں گے تو کہیں گے کاش کسی طرح ہم واپس بھیجے جائیں اور اپنے

رَبِّنَا وَنَکُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا کَانُوْا یُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ

ہم آیتیں اپنے رب کی اور ہوتے ہم مسلمان بلکہ ظاہر ہو جاوے گا ان کے واسطے وہ جو تھے چھپاتے

رب کی آیتیں نہ جھٹلائیں اور ہوتے ہم مومنوں سے بلکہ ان پر کھل گیا جو پہلے چھپاتے تھے

وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَکٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾

وہ پہلے سے اور اگر لوٹا دیئے جاتے وہ تو لوٹتے وہ طرف اسکے کہ منع کئے گئے تھے جس سے اور بیشک البتہ وہ جھوٹے ہیں

اور اگر واپس بھیجے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے منع کئے گئے تھے اور بے شک وہ ضرور جھوٹے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کفار کے دلوں پر پردے اور کانوں میں بوجھ کا ذکر ہوا جن کی وجہ سے وہ ایمان لاتے اب فرمایا جارہا ہے کہ قیامت میں یہ پردے بھی اٹھ جائیں گے اور کانوں کا بوجھ بھی جاتا رہے گا مگر اس وقت اس سے کچھ فائدہ نہ ہوگا گویا پچھلی آیات میں پردوں کا ذکر تھا ان آیات میں یہ پردے اٹھنے کے وقت کا تذکرہ ہے مبارک ہے وہ۔ جس کے پردے دنیا میں ہی اٹھ جاویں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ یہ کفار دنیا میں کسی آیت یا معجزہ پر ایمان نہ لائیں گے اب فرمایا جارہا ہے کہ ہاں دوزخ کا عذاب دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ جو قبول نہ ہو گا یعنی آج انہیں ہم منا رہے ہیں وہ نہیں مانتے کل قیامت میں یہ ہم کو منائیں گے ہم نہ مانیں گے۔

آج لے ان کی پناہ آج حیا کر ان سے　　　کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار خود بھی ایمان سے دور رہنے والے اوروں کو روکنے والے ہیں اپنے کو ہلاک کر رہے ہیں اب اس ہلاکت کی تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل بلکہ تفسیر ہے۔

تفسیر: **ولوتری اذ وقفوا علی النار۔** یہ جملہ نیا ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے **لو** شرطیہ ہے بمعنی **ان** تمنا یا آرزو کا نہیں تری الخ اس کی شرط ہے اور جزا آگے آرہی ہے **تری** بنا ہے۔ رویت سے یہاں رویت سے آنکھ کا دیکھنا مراد ہے لہٰذا یہ ایک ہی مفعول چاہتا ہے اس کا مفعول یا تو پوشیدہ ہے یعنی **هم** یا **حالهم اذ وقفوا** ظرف ہے اور ہو سکتا ہے کہ خود **اذ وقفوا** ہی مفعول ہو **وقفوا** یا تو بنا ہے **وقف** بمعنی ٹھہرانے سے یا **وقوف** بمعنی اطلاع دینے سے بعض مفسرین نے فرمایا کہ **علی**

www.alahazratnetwork.org

النار میں **علی** بمعنی **فی** ہے جیسے **علی ملک سلیمان** میں **علی** بمعنی **فی** ہے (خازن) بعض نے فرمایا کہ **علی** اپنے ہی معنی میں ہے لہٰذا اس جملہ کی کئی تفسیریں ہیں حق یہ ہے کہ **تری** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ ان کفار کا وہ حال دیکھیں جب انہیں دوزخ کی آگ میں کھڑا کیا جاوے گا وہاں داخل کرکے یا جب انہیں دوزخ میں داخلہ سے پہلے پلصراط یا کنارہ دوزخ پر کھڑا کیا جاوے گا اور انہیں اپنے داخلہ کا یقین نہ ہو جاوے گا یا جب انہیں دوزخ کی آگ پر مطلع کر دیا جاوے گا کہ وہ اس میں جھانک کر دیکھ لیں گے اس وقت آگ کا انکار نہ کر سکیں گے یہ انکار لو رہا اس وقت تک ہے جب تک کہ آگ دیکھی نہیں ہے **فقالوا یلیتنا نرد ولا نکذب بایات ربنا** یہ عبارت جواب ہے **اذ وقفوا** کا چونکہ **اذ** ظرفیہ میں شرط کے معنی بھی تھے اس لئے **فقالوا** پر **ف** جزائیہ آئی اگرچہ کفار کا آگ پر روکا جانا اور ان کا یہ سب کہنا تمنا کرنا بعد قیامت ہو گا مگر چونکہ یقیناً ہو گا اس لئے اسے ماضی سے ارشاد فرمایا یقینی ہونے والی چیز کو ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں **قالوا** سے زبانی قول مراد ہے یعنی وہ کفار آپس میں ایک دوسرے سے کہیں گے **لیت** پر جو **یا** آتا ہے وہ یا تو نداء اور پکارنے کے لئے ہوتا ہے اور اس کا منادی قوم پوشیدہ ہوتا ہے اور یا تنبیہ کا ہوتا ہے یعنی اے قوم کاش ایسا ہوتا جیسے **یا لیتنی کنت ترابا** **رد** سے مراد ہے پھر دنیا کی طرف واپس کیا جانا اور اچھے عقائد اچھے اعمال کا موقعہ مل جانا کیونکہ عمل کی جگہ دنیا ہے آخرت نہیں **ولا نکذب** یا تو معطوف ہے **نرد** پر تب واؤ عاطفہ ہے اور یہ بھی تمنا ہی کا جز ہے مگر چونکہ اس تمنا میں وعدہ بھی شامل ہے لہٰذا انہیں جھوٹا قرار دیا گیا یا یہ علیحدہ عبارت ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں **ایات رب** سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے معجزات مراد ہیں کہ یہ سب آیات رب ہیں یعنی کاش ہم دنیا میں لوٹا دیئے جاتے اور وہاں جا کر اب آیات الٰہیہ نہ جھٹلائیں گے۔ دونوں احتمال درست ہیں (تفسیر کبیر) **ونکون من المومنین**۔ اس پوری عبارت میں تین فعل ہیں **نرد۔ لا نکذب۔ نکون** تمام قاری اس پر متفق ہیں کہ **نرد** مرفوع ہے مگر **لا نکذب** اور **نکون** کی چند قرائتیں ہیں دونوں کو پیش دونوں کو فتحہ **لا نکذب** کو پیش اور **نکون** کو فتحہ ہماری قرات میں دونوں فعلوں کو فتح ہے ان کو فتحہ ہونے میں بہت ہی گفتگو ہے ہم اس کی صرف دو میں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ **ولا نکذب** اور **نکون** کے **واؤ** **ف** کی جگہ آگئے ہیں یہ دونوں جملے تمنا کا جواب ہیں اور تمنا کے جواب میں **ف** کے بعد فعل کو فتحہ ہوتا ہے جیسے **لو ان لی کرۃ فاکون من المحسنین**۔ کیونکہ اس **ف** کے بعد **ان** پوشیدہ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ یہ دونوں جملے بمعنی حال ہیں اور دونوں واؤ حالیہ ہیں جیسے **لا تاکل السمک وتشرب اللبن** میں **تشرب** کو فتحہ ہے تفسیر کبیر نے یہی دو وجہیں بیان کیں روح المعانی نے بہت وجوہ بیان فرمائیں لہٰذا معنی یہ ہوئے کہ ہائے کاش ہم لوٹا دیئے جاتے تاکہ ہم آیات الٰہیہ نہ جھٹلاتے اور ہم مومنوں میں سے ہو جاتے یا ہم اس طرح لوٹائے جاتے کہ اپنے رب کی آیتیں نہ جھٹلاتے اور مومنوں میں سے ہو جاتے لہٰذا یہ تینوں فعل تمنا میں داخل ہیں۔ جنہوں نے انہیں علیحدہ جملے مانا ہے وہ تینوں فعلوں کو پیش پڑھتے ہیں **بل بدالھم ما کانوا یخفون من قبل**۔ یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے ان کفار کے کلام کی تردید کے لئے اسی واسطے اسے **بل** سے شروع فرمایا گیا **بل** ایک چیز کی نفی دوسری چیز کے ثبوت کے لئے آتا ہے مطلب یہ ہے کہ ان کفار کا واپسی کی تمنا کرنا ایمان و تقویٰ قبول کے لئے نہیں ہے بلکہ اس دیکھے ہوئے عذاب سے بچنے کے لئے ہے ایمان وہ قبول ہے جو رضاء الٰہی کے لئے ہو وہ قبول نہیں جو صرف دوزخ سے بچنے کے لئے ہو (تفسیر کبیر و روح المعانی) یا یہ مطلب ہے کہ اب یہ

لوگ مومن نہیں ہو سکتے کیونکہ ایمان تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ذات صفات قیامت جنت دوزخ کو نبی کی معرفت سے مانا جاوے اپنی عقل اپنی آنکھوں کے ذریعہ ماننا ایمان نہیں یعنی ایمان بالغیب چاہئے ایمان بالشھادۃ معتبر نہیں اب یہ چیزیں ان لوگوں کو ظاہر ہو گئیں جنہیں انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا ہے اب یہ مومن کیسے بن سکتے ہیں ایمان کا مدار ہے نبوت پر اور نبوت کو ماننا اس کا نام ہے کہ نبی پر اعتماد ہو نہ کہ اپنی آنکھوں اپنی عقل پر لہذا ان کفار کا یہ کہنا کہ اگر ہم کو دنیا میں واپس کر دیا گیا تو ہم مومن ہو جائیں گے غلط ہے یہ توجیہ بدا لھم کے بالکل مناسب ہے بدا بنا ہے بدو سے بمعنی ظاہر ہونا بدا یبدو بداء ما سے مراد کفر ہے قبل سے مراد اس سے پہلے قیامت میں اپنا کفر چھپانا ہے یعنی اولاً تو یہ کہتے تھے واللہ ربنا ما کنا مشرکین اللہ کی قسم ہم مشرک و کافر نہ تھے پھر ان کے اعضاء کی گواہی سے ان کا کفر ظاہر ہو گیا تو یہ کہہ رہے ہیں (جلالین صاوی کبیر خازن وغیرہ) بعض نے فرمایا کہ قبل سے مراد دنیا ہے اور چھپانے سے مراد انکار کرنا ہے اور ما سے مراد عذاب ہے یعنی وہ عذاب ظاہر ہو گیا جن کا وہ دنیا میں جانیں گے نہ اب انہیں وہ تبلیغ کریں گے نہ یہ اس تبلیغ سے ایمان لائیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں روئے سخن منافقین کی طرف سے لہذا ما سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کریمہ ہیں جنہیں وہ دنیا میں لوگوں سے چھپاتے ہیں وہاں آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ۔ یہ نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے لو تمنا کا نہیں بلکہ شرط بمعنی نفی کا ہے رد اور عود دونوں میں سے لوٹنا مگر یہاں عود سے مراد ہے پہلی حالت کی طرف واپسی لہذا دونوں میں فرق ہے ما سے مراد وہی بد عقیدگیاں بد عملیاں ہیں جن میں وہ پہلے گرفتار تھے یعنی اگر بفرض محال یہ لوگ پھر دنیا میں واپس کر دیئے جائیں جاویں تو پھر انہیں عقیدوں اور بد عملیوں کی طرف لوٹ جاویں گے جن میں پہلے مبتلا تھے یہ عذاب دیکھنا دوزخ پر کھڑا ہونا ان کے لئے بالکل مفید نہ ہو گا کیونکہ یہ شیطان کی طرح عادی مجرم ہیں وہ بھی سب کچھ دیکھ کر کافر رہے (روح المعانی) نیز یہ دنیا میں جا کر یہ چیزیں جو یہاں دیکھ چکے ہیں بھول جائیں گے۔ جیسے میثاق کے دن کے عہد و پیمان بھول گئے تھے اس وقت تو حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں نے انہیں وہ دعوے یاد دلائے تھے مگر اب دنیا میں نہ تو انبیاء کرام جائیں گے نہ اولیاء اللہ نہ صالحین مومنین پھر انہیں یہ چیزیں یاد کون دلائے گا لہذا پھر وہی کریں گے جو پہلے کرتے رہے ہیں وانھم لکاذبون۔ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں اس فرمان میں لعادوا کی دلیل ہے اور وجہ بیان فرمائی گئی اگر لا نکذب اور نکون خبر تھے تب تو ان کا جھوٹا ہونا ظاہر ہے اور اگر وہ بھی تمنا تھے تو چونکہ اس تمنا میں وعدہ تھا اس لئے انہیں جھوٹا کہا گیا بہر حال تمنا کو نہیں جھٹلایا کہ تمنا انشاء ہے۔ انشا جھوٹی سچی نہیں ہوتی بلکہ اس انشا میں جو خبر ہے اسے جھٹلایا گیا ہے جیسے کوئی کہے کاش کہ میرے پاس روپیہ ہوتا تو میں تیری مدد کرتا تم کہو تو جھوٹا ہے تو میری مدد ہرگز نہ کرتا چونکہ اس تمنا میں مدد کا وعدہ پایا جاتا ہے اس لئے اسے جھوٹا کہا گیا (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ یہ کفار جو اب کہہ رہے ہیں کہ ہم دنیا میں دوبارہ جا کر مومن صالح بن جاویں گے بالکل جھوٹ بول رہے ہیں ان کے دل میں یہ ہے کہ کسی صورت میں یہاں سے بچ نکلو دنیا میں اپنے گھروں میں پہنچ جاؤ پھر کون ایمان لاتا ہے اور کون نیک عمل کرتا ہے لہذا یہ اس قول میں جھوٹے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنی آنکھوں سے اس وقت کا ظاہری نظارہ کرتے تو عجیب نظر دیکھتے جبکہ یہ کفار اور ضدی منافقین کنارہ دوزخ پر یا دوزخ کے اندر آگ میں ٹھہرائے جائیں گے تو گھبرا کر کہیں گے کہ کاش ہم پھر دنیا میں

www.alahazratnetwork.org

واپس لوٹا دیئے جائیں ہم اب وعدہ کرتے ہیں کہ اب کی بار جاکر اپنے رب کی آیات یعنی قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات نہیں جھٹلائیں گے اور ہم نرے کھرے مومن ہو جائیں گے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ جھوٹے ہیں یہ دنیا میں واپسی کی تمنا ایمان لانے کے لئے نہیں کر رہے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن چیزوں کا دنیا میں انکار کرتے تھے وہ ان کے سامنے آگئیں اس لئے یہاں سے بھاگنے کے عذاب سے بچ جانے کی آرزو کر رہے ہیں یہ ایسے ضدی بے ایمان ہیں کہ اگر بفرض محال انہیں دنیا میں واپس کر بھی دیا جاوے تب بھی یہ انہیں عقائد اور بدکاریوں کی طرف لوٹ جائیں گے جن سے انہیں منع کیا گیا ہے یہ کافر وبت پرست ہی رہیں گے یہ حرام خوری میں ہی زندگی گذاریں گے یہ عادی مجرم ہیں جب چھوٹیں گے جرم ہی کریں گے یہ ان وعدوں میں جھوٹے ہیں ایسے عادی مجرموں کی سزا دائمی دوزخ ہی ہے۔

نوٹ: اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں ہم نے ان میں سے **ایک تفسیر** عرض کی باقی کچھ تفسیریں ابھی تفسیر میں عرض کر دیں۔ خیال رہے کہ کفار کو یوں تو ہر وقت ہی ندامت رہے گی مگر چار موقعوں پر خاص طور پر شرمندگی وندامت ہوگی ایک تو مرتے وقت عذاب کے فرشتے دیکھ کر۔ دوسرے قبر میں امتحان میں فیل ہو کر تیسرے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے۔ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عالی دیکھ کر۔ چوتھے اس موقعہ پر جو یہاں مذکور ہے مگر پہلے تین موقعوں پر ہر ایک کافر دل میں شرمندہ ہوگا کسی پر اپنی شرمندگی ظاہر نہ کرے گا۔ اس موقعہ پر اس شرمندگی کا اظہار کرے گا گویا پہلی ندامتیں شخصی نوعیت کی تھیں یہ ندامت جماعتی وقومی ہوگی۔ اس کے برعکس **مسلمانوں** کو ان ہی چار موقعوں پر بڑی ہی خوشی ہوگی حتی کہ مومن کی موت عرس کہی جاتی ہے وہ ہر موقعہ پر اپنا خوشی ظاہر کرنے کی تمنا کرے گا نامہ اعمال ہاتھ میں لے کر لوگوں کو دکھاتا پھرے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کو دوزخ میں پھینکنے سے پہلے دوزخ کے کنارہ پر کچھ وقت کے لئے کھڑا کیا جاوے گا۔ یہاں ان سب کا اجتماع ہوگا اور آپس میں بھی ان کی بہت بات چیت ہوگی۔ رب تعالیٰ سے بھی بہت عرض معروض پھر اپنے اپنے دوزخی ٹھکانوں میں دھکیلے جائیں گے یہ فائدہ **اذ وقفوا علی النار** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دوزخ میں کفار کبھی کبھی جمع کیا جائیں گے اور اس اجتماع میں وہ اپنی گزشتہ سرکشیوں پر حسرت بھی کیا کریں گے اور دوبارہ دنیا میں جانے کی آرزو بھی کیا کریں گے پھر اپنی اپنی کال کوٹھڑیوں میں بند کر دیئے جایا کریں گے۔ یہ فائدہ **اذ وقفوا علی النار** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **علی** بمعنی فی ہو غرضیکہ ان کا جمع ہونا اور الگ الگ ہونا مختلف وقتوں میں ہوا کرے گا۔ **تیسرا فائدہ:** عمل کی جگہ دنیا ہے آخرت جزا کی جگہ ہے نہ کہ عمل کی یہ فائدہ **یلیتنا نرد** سے حاصل ہوا کہ کفار دنیا میں لوٹ کر اعمال کرنے کی آرزو کریں گے یہ نہ کہیں گے کہ مولیٰ اب ہم ایمان لاتے ہیں اور یہاں ہی نمازیں وغیرہ ادا کئے لیتے ہیں انہیں بھی پتہ ہے کہ اس جگہ کے کسی عمل پر ثواب نہیں بلکہ دوزخ کے اعمال کی بھی جزا نہیں۔ لہذا وہ حدیث بھی صحیح ہے کہ بعض قبروالے قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں تلاوت قرآن کرتے ہیں اور وہ حدیث بھی درست ہے کہ بعض قبروالے قبروں میں نمازیں پڑھتے ہیں تلاوت قرآن کرتے ہیں اور وہ حدیث بھی درست ہے کہ مردے اپنے زندوں سے ثواب بخشنے کی آرزو کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کی اس نماز وتلاوت کا ثواب کوئی نہیں ثواب دنیا کی نماز تلاوت وغیرہ پر

www.alahazratnetwork.org

ہے دیکھو قبر میں سب مردے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرتے ہیں مگر صحابی کوئی نہیں بنتا کیونکہ صحابی' نمازی' غازی بننے کی جگہ دنیا ہے دنیا کی زندگی کو غنیمت جانو جو کرنا ہے کرلو۔

اس دنیا کا ایک ہی پھیرا مڑ نہیں آنا دوجی وار
جو کرنا ہے کر لے یار توبہ کر لے ایک ہی بار

چوتھا فائدہ: مرنے کے بعد اس دنیا میں آنے کی آرزو کوئی مسلمان نہیں کرے گا جسے خدا تعالیٰ بخش دے دنیا میں لوٹنے کی تمنا کرنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ بھی **نرد** سے حاصل ہوا ہاں حضرات شہداء تمنا کرتے ہیں کہ ہم پھر دنیا میں جا کر جہاد کریں مگر ان دونوں تمناؤں میں بڑا فرق ہے۔ **پانچواں فائدہ:** عادی مجرم کی سزا دنیا میں عمر قید ہے اور آخرت میں دائمی دوزخ یہاں دنیا کی عمر موت پر ختم ہو جاتی ہے مگر آخرت کی عمر کبھی ختم نہ ہوگی مجرم عادی وہ ہے جو جب چھوٹے تب جرم کرے یہ فائدہ **لعادوا لما نهوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** عیش و غم' رنج و راحت بد نصیب کی آنکھیں نہیں کھول سکتے وہ بد نصیب ہی رہتا ہے یہ فائدہ بھی **لعادوا** الخ سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ کفار اگر دوزخ دیکھ کر بھی واپس کئے جاویں تب بھی وہی پرانی حرکتیں کریں گے دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ مصیبت میں پھنس کر ہائے وائے کرتے ہیں مگر مصیبت جاتے ہی پھر وہی اعمال کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تین فعل ہیں **نرد' لا نكذب' نكون' نرد** کو پیش ہے اور **لا نكذب** کو اور **نكون** کو فتحہ اس کی وجہ کیا ہے معطوف کا حال معطوف علیہ کا سا ہوتا ہے یہاں اختلاف کیوں ہے۔ **جواب:** تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں دونوں واؤ ف کے معنی میں ہیں اور تمنا کے بعد جو ف آتی ہے اس کے بعد ان ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے لہذا ان دونوں فعلوں کو فتحہ ہوا اس کے جوابات اور بھی ہیں مگر یہ جواب آسان تر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر یہ دونوں واؤ معنی ف ہیں عاطفہ نہیں تو مطلب یہ ہوا کہ کفار وہاں تین تمنائیں کریں گے۔ دنیا میں لوٹ وہاں جا کر آیات الٰہیہ کو نہ جھٹلانا۔ وہاں مومنوں میں سے ہونا اور تمنا انشاء کی قسم ہے۔ جس میں سچ جھوٹ کی گنجائش نہیں کہ سچ جھوٹ تو خبر میں ہوتا ہے۔ پھر قرآن مجید میں انہیں جھوٹا کیوں کہا کہ **وانهم لكاذبون**۔ یہ کلام درست کیسے ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے بھی بہت جواب ہیں آسان تر جواب جو تفسیر کبیر نے دیا وہ یہ ہے کہ اس تمنا میں وعدہ شامل ہے کہ اگر ہم اب دنیا میں پہنچ گئے تو مولیٰ تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ نہ آیات جھٹلائیں گے نہ کافروں میں سے ہوں گے۔ اس ضمنی وعدے کو جھوٹا کہا گیا جس کی مثال ابھی تفسیر میں عرض کی گئی۔ **تیسرا اعتراض:** کفار کے دنیا میں آنے کی تمنا رد کیوں کر دی گئی۔ اگر وہ واپس کر دیئے جاتے اور یہاں آ کر ایمان لے آتے تو اچھا ہی تھا۔ **جواب:** اب ان کے ایمان لانے کی کوئی صورت نہ رہی تھی ایمان کی حقیقت تو یہ ہے کہ نبی تبلیغ فرمائیں ان کی تبلیغ کے ذریعہ لوگ ایمان بالغیب قبول کریں اب یہ چیزیں ان کے لئے غیب نہ رہی تھی۔ شہادت بن چکی تھیں نیز ان کے ایمان کے لئے حضرات انبیاء کرام بھی دنیا میں بھیجے جانے چاہئیں تھے تاکہ وہ تبلیغ کریں یہ ایسا مطالبہ ہے جو بالکل انقلاب کا باعث ہے کیونکہ یہ دنیا اس وقت ختم کی جا چکی ہوگی اب اگر انہیں دوبارہ وہاں بھیجا جاوے تو ان کے لئے آسمان زمین' چاند' سورج بلکہ غذائیں' دوائیں' بارشیں دوبارہ بنائی جاویں تاکہ یہ وہاں زندہ رہ سکیں تو گویا ان کی خاطر ختم شدہ دنیا پھر از سر نو آباد کی جاوے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** رب تعالیٰ نے یہاں ان کفار کے متعلق فرمایا **ما كانوا يخفون**

www.alahazratnetwork.org

کہ ان کی چھپائی ہوئی چیزیں ظاہر ہو گئیں وہ تو اپنا کفر دنیا میں ظاہر کرتے تھے کھلے کافر تھے۔ پھر آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے بھی بہت جواب دیئے ہیں ان میں سے آسان جواب یہ ہے کہ **یخفون** بمعنی **یکذبون** ہے یعنی جن چیزوں کا وہ دنیا میں انکار کرتے تھے وہ چیزیں سامنے آ گئیں انکار کو چھپانے سے تعبیر کیا جاتا ہے حتی کہ انکار کو کفر کہا جاتا ہے کفر کے معنی ہیں چھپانا لہذا آیت واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کفار دوزخ کو دیکھ کر وہاں گرمی وغیرہ کا مشاہدہ کر کے بھی دنیا میں آ کر کافر رہیں۔ **جواب:** انسان بہت جلد بھولنے والا ہے کافر انسان تو ضدی بھی ہے ضدی آدمی سب کچھ دیکھ کر بھی ضد کرتا ہے۔ دیکھو ابلیس نے دوزخ کا عذاب باتفصیل دیکھا ہے اسے یاد بھی ہے مگر کرتا ہے بدمعاشیاں تو جس میں ضد بھی ہو بھول بھی اس کا کیا پوچھنا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ اگلی پچھلی چیزیں نہیں دیکھتیں۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **ولو تری** اگر آپ دیکھتے یا اگر آپ دیکھیں لہذا تمہارا یہ خیال کہ نگاہ انبیاء کرام پر کوئی اگلی پچھلی کھلی چھپی چیز پوشیدہ نہیں غلط ہے (وہابی)۔ **جواب:** اس قسم کے اعتراضات کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں کہ یہاں ظہور علم یا علم ظہور مراد ہے رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے **ولما یعلم اللہ** ہم نے اب تک یہ نہ جانا حالانکہ وہ علیم و خبیر ہے یعنی علم ظہور سے نہ جانا وہ شئی موجود کر کے نہ جانا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسعت علم کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق جلد اول کا مطالعہ فرماؤ۔ وہاں مکمل بحث کر دی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مبارک بندہ وہ ہے جو ہر کام وقت پر کرے وقت ٹل جانے کے بعد کف افسوس ملنا اور الٹی سیدھی آرزوئیں کرنا اپنے کو دھوکہ دینا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے — اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں۔

جو کل کرنا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کرے — جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہوے کیا ہووت ہے

اس آیت سے ہم لوگوں کو عبرت لینی چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں اللہ کی عبادت میں اپنی غرض کو شامل نہ کرو۔ محض رضاء الٰہی کے لئے کرو۔ جنت کے لئے یا دوزخ سے بچنے کے لئے عبادت کرنا بھی خود غرضی ہے۔ دیکھو شہید دنیا میں واپس آنے کی تمنا کرتے ہیں کہ محبوب ہیں یہ کفار اس کی تمنا کریں گے اور زیادہ مردود ہوں گے اس لئے کہ شہداء یہاں واپس آنا چاہتے ہیں اطاعت الٰہی کے لئے کفار یہ آرزو کریں گے۔ محض جنت کمانے کے لئے۔ جب تک رحمت الٰہی دستگیری نہ کرے تب تک کوئی چیز انسان کو راہ راست پر نہیں لا سکتی۔ دیکھو کفار نے وہاں دوزخ کے عذاب اب حضرات انبیاء کرام بلکہ اللہ تعالیٰ کے مومنوں پر انعام و اکرام سب کچھ دیکھ لئے مگر پھر فرمایا گیا کہ اگر لوگ اب بھی دنیا میں جائیں تو کریں گے وہی جو پہلے کرتے تھے کیونکہ رحمت الٰہی نے ان کی دستگیری نہ کی۔ یار کی لقاء کی تمنا نہ کرو۔ اس کے رضا کے آرزو کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آں ندامت از نتائج بود — نہ زعقل روشنی چوں گنج بود

چونکہ شد رنج آومیت شد عدم! — می نیرزد خاک آں توبہ ندم!

می کند او تو بہ پیر خرد! — بانگ والوردو لعاد و میزند

یعنی ان کفار کی یہ شرمندگی و ندامت توبہ کے لئے نہیں بلکہ موجودہ آفت و بلا رنج و غم دیکھ کر ہے اس رنج کی وجہ سے یہ ندامت کا

www.alahazratnetwork.org

عدم ہوگی اس ندامت کی بارگاہ الٰہی میں کوئی قیمت نہیں۔ چونکہ یہ توبہ غرض کی ہے اس لئے اس کا جواب ملا **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ** خلاصہ یہ ہے کہ بارگاہ الٰہی میں اخلاص کی قیمت ہے۔ اخلاص سے خالی کسی عمل کی کوئی قدر و قیمت نہیں اللہ تعالٰی اخلاص نصیب کرے تو یہ وہ آری ہے جو گناہ کی سلیں کاٹ ڈالتی ہے مگر اس آری کے دانتے دل کا اخلاص آنکھوں کا پانی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات نیک نیت والے کے لئے ایمان ہے بدنیت کے لئے کفر۔ ایک ہی کام نیک نیت کے لئے ذریعہ بخشش ہے بدنیت کے لئے ذریعہ عذاب۔ جبر ع ابن ضمیرہ کفری بات منہ سے نکالیں تو مومن ہی تو ہیں **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** اور منافقین کلمہ شہادت پڑھیں تو کافر ہیں مومن نہیں **ان المنافقین لکذبون** موسیٰ علیہ السلام دیدار الٰہی کی درخواست کریں **رب ارنی** تو ان کی محبوبیت میں اور ترقی ہو جاتی ہے بنی اسرائیل یہ ہی تمنا کریں۔ **حتی نری اللہ جھرۃ** تو ان پر قہر آجاتا ہے یہ ہے نیتوں کا فرق۔ حضرات شہداء دنیا میں واپس آنے کی آرزو کریں ان کی آرزو محبوب اور کفار یہی آرزو کریں تو ان کی آرزو مردود ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

درحق او شہد درحق تو سم　　درحق او مدح درحق تو ذم

وَقَالُوْٓا اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُ
اور کہا انہوں نے نہیں ہے وہ مگر ہماری زندگی دنیاوی اور نہیں ہیں ہم اٹھائے جانے والے اور اگر دیکھیں آپ
اور وہ بولیں گے وہ تو نہیں مگر یہ ہی ہماری دنیا زندگی ہے اور ہمیں اٹھنا نہیں اور کبھی تم دیکھو جب
قِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا قَالَ فَذُوْقُوا
جبکہ ٹھہرائے جائیں گے وہ اپنے رب فرمائے گا کیا نہیں ہے یہ حق کہیں گے ہاں قسم ہمارے رب کی فرمائے گا پس
اپنے رب کے حضور کھڑے کیے جائیں گے فرمائے گا کیا یہ حق نہیں کہیں گے کیوں نہیں ہمیں اپنے رب
الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾
چکھو تم عذاب اس وجہ سے کہ تھے تم کفر کرتے
کی قسم فرمائے گا تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ لوگ جس چیز کا دنیا میں انکار کرتے تھے آج قیامت میں وہ ظاہر ہو گئیں اب اس چیز کی تفصیل دی جارہی ہے کہ وہ دنیا میں اس اخروی زندگی کے منکر تھے آج آنکھوں دیکھ لی گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کریمہ کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر یہ دنیا میں لوٹا دیئے جائیں تو پھر وہی کریں جس سے انہیں منع کیا گیا اب اسی کی شرح ہو رہی ہے کہ پھر بھی یہ ہی کہیں گے کہ اخروی زندگی کوئی چیز نہیں زندگی صرف دنیاوی ہے یعنی اس اخروی زندگی کو دیکھ کر جائیں پھر بھی انکار کریں گے۔ دنیا میں دوبارہ پہنچ کر یہی کہیں گے کہ قیامت وغیرہ کچھ نہیں جو کچھ ہم نے دیکھا وہ نظر بندی تھی چاہیے جو ہم پر کیا گیا تھا۔ جیسے یہ لوگ

www.alahazratnetwork.org

آپ کے معجزات کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ معجزے نہیں جادو اور نظربندی ہے ہم نے جو کچھ قیامت وغیرہ میں دیکھا وہ ایک خواب و خیال تھا۔ قیامت وغیرہ کے لئے گویا **لما نھوا** کی شرح یہ آیت فرمارہی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ وہ کفار جھوٹے ہیں اب ان کا جھوٹ بتایا جارہا ہے کہ ان کے عقیدے بھی جھوٹے ان کے کلام بھی جھوٹے غرضیکہ یہ آیات اس آیت کی تفصیل ہیں۔

تفسیر: **وقالوا ان ھی الا حیاتنا الدنیا۔** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے یا یہ معطوف ہے **لعادوا** پر اور واؤ عاطفہ ہے لہٰذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں۔ قول سے مراد یا تو منہ سے بولنا ہے یا دل سے اعتقاد رکھنا اعتقاد کو قرآن کریم نے بہت جگہ قول فرمایا ہے اس کا فاعل وہ کفار ہیں جو قیامت کے منکر ہیں بہت کفار قیامت کے قائل ہیں وہ یہاں مراد نہیں۔ **ان** شرطیہ نہیں بلکہ نافیہ ہے بمعنی نفی ہے **ھی** کا مرجع حیات ہے جو **حیاتنا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ عربی میں ضمیر ادھر لوٹائی جا سکتی ہے جو عنقریب معلوم ہو رہا ہے مرجع کا مذکور ہونا ضروری نہیں معلوم ہونا ضروری ہے۔ خواہ پہلے سے معلوم ہو یا ابھی معلوم ہو رہا ہے۔ بعض مفسرین نے **ھی** کو ضمیر قصہ مانا مگر یہ درست نہیں کیونکہ ضمیر قصہ یا ضمیر شان کے بعد جملہ ہونا ضروری ہے جیسے **قل ھو اللہ احد** میں ہے (روح المعانی) یہ تحقیق خیال میں رہے دنیاوی زندگی وہ ہے جو ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان ہو اس زندگی کے دو حصے ہیں ایک تکلیفی دوسرا غیر تکلیفی بچپن نیند' بے ہوشی غیر تکلیفی زندگی ہے 'عقل بلوغ بیداری کی زندگی تکلیفی زندگی ہے جس میں انسانی شرعی احکام کا مکلف ہوتا ہے دنیاوی زندگی محسوس ہے اخروی زندگی غیب ہے۔ اس پر ایمان لانا ضروری ہے اس کا انکار کفر ہے یہاں کفار کے اس کفر کا ذکر ہے **وما نحن بمبعوثین** یہ جملہ مستقبل ہے جو پہلے جملہ کی تفسیر کر رہا ہے۔ **مبعوث** بنا ہے **بعث** سے بمعنی اٹھنا اس اٹھنے سے مراد قبر سے اور قیامت میں اٹھنا ہے یعنی مرنے کے بعد ہم حساب و کتاب کے لئے نہیں اٹھائے جائیں گے **نحن** سے مراد ساری نوع انسان ہے نہ کہ صرف کفار **ولو تری اذ وقفوا علی ربھم۔** اس جملہ میں کفار کی مذکورہ بدعقیدگی کے انجام کا ذکر ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ **تری** میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور رویت سے مراد آنکھ کا دیکھنا ہے **وقفو** بنا ہے یا تو وقف سے بمعنی ٹھہرانا کھڑا کرنا یا وقوف سے بنا بمعنی اطلاع دینا اسی سے ہے۔ واقفیت پہلی صورت میں **علی ربھم** سے **علی حضور ربھم** مراد ہے۔ دوسری صورت میں کچھ پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں یعنی اگر تم وہ وقوع دیکھو جب یہ کفار اپنے رب کی حضور پیش کئے جائیں گے یعنی بخوشی پیش نہ ہوں گے بلکہ پھانسی کے ملزم کی طرح بذریعہ ملائکہ کے ہم پیش کئے جائیں گے مومنین بخوشی حاضر ہوں گے یا اپنے رب پر مطلع کئے جائیں گے انہیں رب کی قدرت کا مشاہدہ ہوگا (کبیر و روح المعانی) اس صورت میں مطلب یہ ہے کہ کفار دنیا میں رب تعالیٰ کو صحیح طور پر نہ جان سکے تھے کیونکہ انہوں نے رب کو اپنی عقل سے جانا تھا اس کی ذات و صفات عقل سے وراء ہیں مومنین نے چونکہ رب تعالیٰ کو نبی کی معرفت سے جانا مانا تھا اس لئے وہ پہلے ہی سے رب تعالیٰ سے واقف تھے کفار آج واقف کئے گئے۔ رب تعالیٰ رب العالمین بھی ہے رب انبیاء کرام بھی رب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور رب المومنین بھی ہے رب کافرین بھی اپنے دشمنوں کو ان کی دشمنی و نافرمانی کے باوجود پرورش فرماتا ہے انہیں روزی دیتا ہے دنیا میں کوئی اپنے دشمن کو نہیں پالتا اس آخری معنی کے لحاظ سے یہاں **ربھم** فرمایا یعنی ان کافروں کا رب جس نے انہیں کفر و نافرمانی کے باوجود پالا۔ **قال الیس ھذا بالحق** پچھلے جملہ کا **وقفوا** اور اس جملہ کا **قال** اگرچہ ماضی ہیں مگر بمعنی مستقبل ہیں **قال**

www.alahazratnetwork.org

کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا بلا واسطہ ان سے یہ کلام فرمائے گا یا فرشتوں کے ذریعہ یہ سوال اظہار غضب کے لئے ہوگا۔ **ھذا** سے مراد روز قیامت' حساب و کتاب اخروی زندگی ہے جس کے یہ کفار دنیا میں منکر تھے اور ہو سکتا ہے کہ **ھذا** سے اشارہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو مقام محمود کے نظارے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان سب کو دکھا کر فرمایا جاوے گا کہ بولو یہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں یا نہیں۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا ہر کلم ہر فعل برحق ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق فرمایا گیا۔ قرآن کریم نے بارہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کہا ہے یعنی رب تعالیٰ بطور عتاب ان سے پوچھے گا کہ بولو یہ چیزیں جن کے تم منکر تھے ہیں یا نہیں۔ یا بتاؤ کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم برحق ہیں یا نہیں **قالوا بلی وربنا** یہ ان کا جواب ہے جس میں قسمیہ اقرار ہے کہ یہ سب کچھ حق ہے یعنی عرض کریں گے کہ ہمارے رب تیری قسم یہ سب کچھ حق ہے ہم پہلے غلطی پر تھے **قال فذوقوا العذاب** یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے جس میں ان کی سزا سنائی گئی ہے۔ **فذوقوا** میں **ف** نصیحیہ ہے **ذوقو** بنا ہے **ذوق** سے بمعنی چکھنا برداشت کرنا۔ چونکہ کفار کو ہمیشہ وہی تکلیف محسوس ہوتی رہے گی جو اولاً محسوس ہوئی یہ نہ ہوگا کہ عذاب کی تکلیف پہلے تو زیادہ محسوس ہو بعد میں عادت پڑ جانے پر آسان ہو جاوے اس لئے اسے ذوق یعنی چکھنا فرمایا چکھو یعنی برداشت کرو عذاب سے مراد دائمی عذاب ہے۔ جو کفار سے خاص ہے یا ذلت و خواری کا عذاب یا سخت عذاب۔ بہرحال یہ عذاب اور نوعیت کا ہے گنہگار مسلمان کو عذاب اور نوعیت کا ہوگا اسی لئے ارشاد ہوا **بما کنتم تکفرون** اس عبارت میں فرد جرم کا ذکر ہے اس میں **ب** سببیہ ہے اور **ما** مصدریہ یعنی اپنے کفر کرنے کی بنا پر یہ سزا پاؤ چونکہ کفر کرنے کی جگہ دنیا تھی آخرت میں یہ سب لوگ ہر چیز مان لیں گے اور سزا کی جگہ آخرت نیز کفار نے بہت سی قسم کے کفر کئے تھے اور کفر پر مرتے دم تک قائم رہے تھے اس لئے **کنتم تکفرون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ اس طرح فرمانے میں بھی سخت عتاب کا اظہار ہے۔

خلاصہء تفسیر: یہ لوگ عذاب قیامت دیکھ کر جو کہہ رہے ہیں کہ ہم کو دنیا میں واپس لوٹا دیا جاوے تو ہم اب آیات الٰہیہ نہ جھٹلائیں اور ہم مومنین میں سے ہو جائیں گے یہ جھوٹے ہیں۔ اگر اب بھی یہ دنیا میں بفرض محال لوٹا دیئے جاویں تو کفر ہی کریں اور قیامت حالات قیامت دوزخ وغیرہ کو دیکھنے کے بعد بھی یہ ہی کہیں گے کہ ہماری صرف ایک ہی زندگی ہے وہ ہے زندگی دنیاوی اس کے سوا اور کوئی زندگی نہیں نہ تو برزخی زندگی جب یہ ہے تو ایمان کیوں لائیں اور نیک اعمال کیوں کریں یہ بڑے ڈھیٹ ہیں سب کچھ دیکھ کر بھی انکار کر دیں گے اور کہیں گے کہ جو کچھ ہم نے قیامت وہاں کا حساب کتاب وغیرہ دیکھا وہ خواب تھا جس کی حقیقت کچھ نہیں تھی۔ آپ بھی وہ نظارہ دیکھیں جب یہ لوگ اپنے رب کے حضور کھڑے کئے جائیں (کی ذات و صفات پر واقف و مطلع کئے جائیں گے اس وقت رب تعالیٰ عتاب و غضب فرماتے ہوئے فرمائے گا کہ بولو کیا (اخروی زندگی یہاں کے ثواب و عذاب برحق نہیں یا یہ رسول برحق نہیں جن کی شان تم نے اپنی آنکھوں سے مقام (لی۔ تو کہیں گے کہ رب کی قسم ہاں ہاں بالکل برحق ہے۔ اب ہم مان گئے تب رب تعالیٰ فرمائیگا کہ اب ماننے سے کیا (زخ میں اپنے کفر و بد عملیوں کی سزا بھگتو اور اس سزا کا مزہ خوب اچھی طرح چکھو۔

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ضدی دیکھ کر بھی نہیں مانتا انکار ہی کئے جاتا ہے اپنی بات

www.alahazratnetwork.org

تا یہ فائدہ **وقالوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ **لعادوا** پر معطوف ہو اللہ تعالیٰ ضد سے بچائے۔
ئدہ: انسان کی تین زندگیاں ہیں دنیاوی زندگی جو ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان ہے۔ برزخی زندگی جو موت سے
رے نفخہء صور تک ہے۔ اخروی زندگی جو صور کے دوسرے نفخہ سے ابدالابد تک ہے۔ منکرین قیامت صرف
مانتے ہیں۔ یعنی دنیاوی باقی دو زندگیوں کے منکر ہیں یہ انکار کفر ہے یہ فائدہ **وقالوا ان ھی** کی دوسری تفسیر سے
جب کہ یہ نیا جملہ ہو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ ہم سے اعمال کرائے اور ان کا اجر و ثواب نہ دے کریم کسی کی
نہیں مارتے۔

وری: ہندوستان کے موجودہ مشرکین اعمال کی سزا و جزا کے تو قائل ہیں مگر دنیا ہی میں اس طرح کے مجرم لوگ
بعد کتا بلا وغیرہ بن کر آتے ہیں اور یہاں دھکے کھاتے ہیں موجودہ تمام جانور پہلے انسان ہی تھے جو اپنی بد اعمالیوں کی وجہ
ں کے روپ میں آئے ہیں مگر یہ عقیدہ عقلاً اہر طرح باطل ہے۔ یہ ماننا کفر ہے
دنیا دار العمل ہے آخرت دار الجزا ہے فیصلہ کے لئے قیامت اور سزا و جزا کے لئے دوزخ و جنت ہی ہو سکتے ہیں دنیا نہ
جگہ ہے نہ سزا و جزا کیونکہ قیامت میں سارے انسانوں کی زندگیاں بھی ختم ہو چکی ہوں گی اور ان کے سارے اعمال بھی
ں کے سب اعمال کا فیصلہ اس دن ہونا چاہئے نیز دنیا میں کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں خالص نیک کاروں کو جزا دی جاوے
ں کا ہر آرام تکلیف سے مخلوط ہے نیز دنیا کے موجودہ جانوروں کو نہ تو یہ خبر ہے کہ ہم پہلے انسان تھے نہ یہ خبر ہے کہ
یہ آرام تھے اب یہ تکالیف ہیں تو پھر انہیں سزا کیا ہوئی لہٰذا مشرکین ہند کا تناسخ کا عقیدہ غلط ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کسی چیز
ئل کی بے علمی کی دلیل نہیں کبھی سوال اظہار غضب یا مجرم سے اقرار کرانے کے لئے ہوتا ہے یہ فائدہ **الیس ھذا**
صل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اچھے عقیدے اچھے اعمال اگر دنیا میں اختیار کئے جاویں تب ان کا ثواب ہے آخرت بلکہ
علامات موت دیکھ کر سب کچھ اختیار کرنا بالکل بے کار ہے کیونکہ نبی پر یقین کرکے یہ کام کرو تو مفید ہیں اپنی آنکھ سے
سب کچھ ماننا تو بے کار ہے یہ فائدہ **قال فذوقوا العذاب** سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ قیامت وغیرہ کا اس وقت اقرار
کر جائیں گے دوزخ میں۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کے نا سمجھ بچے جو بچپن میں فوت ہو گئے وہ دوزخ میں نہ جائیں گے
بما کنتم تکفرون سے حاصل ہوا۔ دوزخ بد عقیدگی یا بد عملی کی سزا ہے وہ نہ بد عقیدہ تھے نہ بد عمل انہیں نہ
وقت ملا نہ عمل کا۔

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ کفار رب تعالیٰ پر پیش کئے جاویں گے مگر دوسری آیت میں ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے حجاب میں
رہیں گے دیدار الٰہی ان کو میسر نہ ہوگا **کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔
جواب: یہاں اس آیت میں رب تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے کا ذکر ہے۔ یہ پیشی بے حجابانہ نہ ہوگی بلکہ حجاب میں رہ کر لہٰذا یہ
آیت اس آیت کے خلاف نہیں رب تعالیٰ کا دیدار تو جنت کی نعمت ہے دنیا میں بھی بہت دفعہ مجرم حاکم کے سامنے پیش ہوتے
ہیں مگر سامنے نہیں لائے جاتے اور اگر یہاں **وقفو** وقوف بمعنی اطلاع سے ہو پھر تو اس سوال کی گنجائش ہی نہیں اور ہو سکتا
ہے کہ انہیں رب کا دیدار ہو مگر رحمت و کرم کے ساتھ نہیں بلکہ قہر و غضب کے ساتھ مشکوٰۃ شریف باب الحساب والقصاص کی
پہلی فصل میں جو حدیث بروایت مسلم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قیامت کے دن کفار سے بھی رب تعالیٰ ملاقات فرمائیگا۔

www.alahazratnetwork.org

قال تلقی العبد فیقول اے فلاں اس صورت میں آیت کریمہ **انهم عن ربهم لمحجوبون** کا مطلب یہ ہو گا کہ وہ دوزخ میں رب کے دیدار سے محروم ہوں گے یا قیامت میں رحم و کرم والے دیدار سے محروم ہوں گے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کفار سے کلام فرمائیگا مگر دوسری آیت میں ہے **ولا یکلمهم** الخ رب تعالیٰ ان سے کلام نہ کرے گا۔ ان آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیت میں کلام سے مراد رحم و کرم اور محبت کا کلام ہے وہاں اس کی نفی کی گئی ہے اور یہاں اس آیت میں غضب و قہر کے کلام کی ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں رب تعالیٰ ان سے محبت و کرم کا کلام نہ کرے گا قہر و غضب کا کلام کرے گا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف کفر پر ہو گا کہ فرمایا گیا **بما کنتم تکفرون** تو کیا مسلمان کیسا ہی گناہ کریں ان سے کچھ نہ کہا جاوے گا انہیں ہر جرم کی اجازت ہے (آریہ)۔ **جواب:** یہاں عذاب سے مراد سخت تر اور دائمی ہمیشہ کا عذاب ہے وہ صرف کفر پر ہی ہو گا۔ **العذاب** میں الف لام عہدی ہے مسلمان گنہگاروں کو عذاب ہوا تو عارضی اور ہلکا ہو گا لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کو صرف کفر کا عذاب ہو گا تو انہیں اور گناہوں پر عذاب نہ ہو گا چاہئے تو یہ کہ انہیں کفر و گناہ دونوں پر عذاب ہو۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تیسرے اعتراض کے جواب میں گزر گیا کہ یہاں دائمی عذاب اور سخت عذاب کا ذکر ہے جو کفر پر ہو گا اس کے گناہوں کے عذاب کا ذکر دوسری آیات میں ہے **لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین** بہر حال آیات درست ہیں کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جو بدنصیب رب کے ہاں سے محروم ہے وہ ایمانی چیزوں کو آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں مانتا اس کی آنکھیں اس کے نوشتہ تقدیر کو نہیں بدل سکتیں ابلیس نے سارا کارخانہ غیب لاکھوں سال تک آنکھوں سے دیکھا مگر کافر ہے۔ اور کافر رہے گا اسی کا ذکر یہاں ہے کہ اگر یہ شقی ازلی قیامت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر دنیا میں واپس جائیں تب بھی وہاں جا کر یہی کہیں کہ نہ قیامت ہے نہ وہاں اٹھنا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی ربوبیت سب کو پہنچتی ہے مگر اس کی معرفت ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی یہ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے آخرت میں ظاہری معرفت سب کو ہو جاوے گی مگر وہ معرفت کام نہ آوے گی معرفت الٰہی وہ مفید ہے جو دنیا میں ہو اسی لئے ارشاد ہوا **اذ وقفوا علی ربهم** وہ کفار اپنے رب پر واقف و مطلع کر دیئے جائیں گے اور پھر کہا جاوے گا کہ چکھو عذاب صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کفار بھی پیش ہوں گے۔ مومنین بھی، گنہگار بھی صالحین بھی اولیاء اللہ بھی حضرات انبیاء کرام بھی مگر ان کی حیثیوں میں بہت فرق ہو گا۔ کچہری میں حاکم کے سامنے مدعی بھی پیش ہوتا ہے ملزم بھی گواہ بھی اور وکیل و بیرسٹر بھی کچہری ایک ہے حاکم ایک ہے پیشی کی جگہ کٹہرا ایک ہے مگر پیش ہونے والوں کی حیثیتیں مختلف ہیں کفار ایسے پیش کئے جائیں گے جیسے پھانسی کے ملزم کو پولیس پیش کرتی ہے۔ مومنین ایسے پیش ہوں گے جیسے یار اپنے محبوب کے سامنے پیش ہو۔ ملاقات کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے۔ **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جهنم وردا** یہاں **وقفوا** فرما کر یہ بتایا کہ وہ بخوشی حاضر نہ ہوں گے انہیں فرشتے جبراً ہانکتے ہوئے پیش کریں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **الیس هذا بالحق** میں ہذا سے اشارہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے یعنی بتاؤ یہ محبوب برحق ہیں یا نہیں اس صورت میں حق یا مقابل باطل کا ہے۔ جھوٹ باطل ہے سچ حق ہے یا

www.alahazratnetwork.org

مقابل ہے زائل کافانی چیز زائل ہے باقی چیز حق ہے یا حق رب تعالیٰ کا نام ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل ہر ادا سچ ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق ہیں ہمارے اعمال افعال مخلوط ہیں لہٰذا ہم حق نہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام و کلام بلکہ کسی ادا کو زمانہ مٹانہ سکے نہ مٹا سکے گا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق نیز جیسے دوسرے مکانات پر لوگ اپنی ملکیت کا دعویٰ بھی کرتے ہیں اور ان میں مختلف کاموں کے لئے بناتے ہیں۔ مگر مسجد پر نہ کسی کا دعویٰ نہ کسی کے دنیاوی کام کے لئے کوئی کمرہ وہاں بنے ایسے ہی دوسرے بندوں پر شیطان یا نفس کا دعویٰ ہے ان کے اعضاء مختلف کاموں کے لئے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وہ ہے جسے حق تعالیٰ نے اپنے لئے خاص کر لیا۔ آپ کا ہر عضو اللہ کے لئے ہے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بر حق ہیں حق والے ہیں اس لئے آپ کا نام ہے مصطفیٰ یعنی رب کے چنے ہوئے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا یٰحَسْرَتَنَا

یقیناً نقصان میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ سے ملنے کو حتیٰ کہ جب آئے گی انکے پاس قیامت اچانک کہیں

بیشک ہار میں رہے وہ جنہوں نے اپنے رب سے ملنے کا انکار کیا یہاں تک کہ جب ان پر قیامت اچانک آگئی بولے ہائے

عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْهَا وَ هُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُوْرِهِمْ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾

گے ہائے حسرت ہماری اوپر اسکے جو کوتاہی کی ہم نے اس میں اور وہ اٹھائیں گے بوجھ اپنے اوپر پیٹھوں کے اپنی خبردار

افسوس ہمارا اس پر کہ اس کے ماننے میں ہم نے تقصیر کی اور وہ اپنے بوجھ اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہیں ارے

وَ مَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ وَ لَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ

برا ہے وہ جو اٹھاتے ہیں اور نہیں ہے زندگی دنیاوی مگر کھیل اور کود اور البتہ آخری گھر بہتر ہے واسطے ان لوگوں کے

کتنا برا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں اور دنیا کی زندگی نہیں مگر کھیل کود اور بیشک پچھلا گھر بھلا ان

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

جو ڈرتے ہیں تو کیا نہیں عقل رکھتے وہ لوگ

کے لئے جو ڈرتے ہیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے کفار کی ڈھٹائی کا ذکر کیا وہ اگر قیامت دیکھ کر بھی دنیا میں آئیں پھر بھی اس کا انکار کریں اب ان کی اس ڈھٹائی کے انجام کا ذکر ہے کہ یہ لوگ بڑے خسارہ میں ہیں کفر پر پختگی بربادی کا باعث ہے ایمان پر پختگی رحمت الٰہی کا ذریعہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں کفار کی رب کی بارگاہ میں پیشی اور اس وقت ان کی حسرت کا ذکر تھا اب ان کے عذاب کا ذکر ہے۔ حسرت و ندامت دلی عذاب ہے اور گناہوں کا بوجھ اٹھانا جسمانی عذاب ہے دلی عذاب کے بعد جسمانی عذاب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں کفار کی اخروی زندگی کی بربادی کا ذکر تھا اب ان کی دنیاوی زندگی کی بربادی کا ذکر ہے کہ انہوں نے اس زندگی کو کھیل کود بنا دیا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **قد خسر الذین کذبوا بلقاء اللہ** چونکہ کفار اپنے کفروبد عقیدگی کو اپنی کامیابی سمجھتے تھے ایمان کو ناکامی جانتے تھے اور واقعہ میں معاملہ برعکس ہے۔ اس لئے اس مضمون کو قد سے شروع فرمایا کہ وہ لوگ اس مضمون کے منکر تھے۔ **خسر** بنا ہے **خسران** سے خسران وہ نقصان ہے جس میں اصل پونجی بھی برباد ہو جاوے کافر کفر کرکے اپنی زندگی کو بالکل ہی برباد کرلیتا ہے۔ اس لئے وہ خسارہ میں ہیں ہر انسان تاجر ہے۔ زندگی کے عوض اعمال کما رہا ہے۔ ہر دن زندگی گھٹتی ہے۔ برے یا اچھے عمل بڑھتے ہیں اس لئے خسارہ ارشاد فرماتا ہے۔ بہت موزوں ہے اگرچہ پچھلی آیت میں کفار کا ذکر ہو چکا ہے اس لئے یہاں ضمیر ہی کافی تھی مگر چونکہ خسارہ و نقصان کی وجہ بتانا مقصود ہے اس لئے بجائے ضمیر کے اسم موصول **الذین** الخ ارشاد ہوا کہ پتہ لگے کہ ان کے خسارہ کی وجہ ان کا جھٹلانا ہے۔ **کذبوا** بنا ہے **تکذیب** سے تکذیب یا تو مبالغہ کے لئے ہے یا ہمیشگی بتانے کے لئے یعنی ہر طرح جھٹلایا عقیدے سے قول سے عمل سے یا مرتے وقت تک جھٹلاتے رہے **لقاء اللہ** سے مراد قیامت میں اٹھ کر اس کی بارگاہ میں پیش کرنا ہے نہ کہ عزت و احترام سے ملاقات کرنا کفار کو یہ عزت کہاں نصیب سلطان سے اس کا خاص وفادار ملازم بھی ملتا ہے مگر عزت کے ساتھ مجرم باغی بھی پیش ہوتا ہے مگر ذلت و خواری کے ساتھ بعض مفسرین نے عذاب یا قہر پوشیدہ مانا ہے بلقاء عذاب اللہ یا بلقاء قہر اللہ۔ مگر پہلی بات بہت قوی ہے یعنی پورے پورے نقصان میں رہے۔ وہ جنھوں نے قیامت کے دن بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کا انکار خوب اچھی طرح کیا یا مرتے وقت تک انکار کرتے رہے اسی انکار پر مرگئے **حتی اذا جاء تھم الساعۃ بغتۃ**۔ یہاں حتی انتہاء کے لئے ہے اور انتہاء جھٹلانے کی مراد ہے نہ کہ نقصان و خسارہ کی ساعت سے مراد قیامت صغریٰ ہے یعنی ان کی موت چونکہ موت کی حقیقت ہے سانس کا بند ہو جانا روح کا جسم سے نکل جانا یہ "آنا" فانا" ہو گا۔ بیماریاں وغیرہ اسباب موت ہیں نہ کہ موت اس لئے موت کو ساعت فرمایا گیا اس صورت میں مطلب بالکل واضح ہے کہ کفار قیامت وغیرہ کا انکار موت سے پہلے پہلے کرتے ہیں موت آتے ہی سب کچھ مان لیتے ہیں مگر یہ ماننا معتبر نہیں ہو سکتا ہے کہ **حتی** ان کے خسارہ کے انتہاء بیان کرنے کے لئے ہو کہ کمائی کا زمانہ زندگی ہے۔ انسان زندگی میں اچھے برے جیسے اعمال چاہے کمائے مرتے ہی کمائی ختم ہو گئی اب اس کے نتیجہ دیکھنے کا وقت آ گیا تب بھی معنی ظاہر ہیں ممکن ہے کہ **حتی** نقصان کی انتہاء بیان کرنے کے لئے ہو اور ساعت سے مراد قیامت ہو کہ قیامت تک نقصان میں رہے کہ زندگی میں نیک اعمال نہ کئے بعد مرے کسی نے انہیں ایصال ثواب نہ کیا قیامت میں خسارہ کا انجام دیکھا لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا **ان علیک لعنتی الی یوم الدین** قیامت کا دن ابلیس کی ایک لعنت کی انتہاء ہے اور دوسری لعنت کی ابتداء یوں ہی کفار کا نقصان ہے مومن کے تینوں حال کفار سے جداگانہ ہیں مومن زندگی میں ہر موقعہ سے فائدہ اٹھاتا ہے ہر موسم میں اپنی زندگی کے کھیت کے الگ الگ پھل توڑتا ہے تندرستی کے موسم میں وہ عابد ہوتا ہے بیماری کے موسم میں تائب ہوتا ہے امیری کے زمانہ میں وہ سخی ہوتا ہے شاکر ہوتا ہے غریبی کے موسم میں وہ قانع ہوتا ہے مصیبتوں میں صابر ہوتا ہے غرضکہ جیسے اعلیٰ زمین ہر موسم میں الگ پھول پھل دیتی ہے ایسے ہی مومن کی زندگی پر مختلف موسم آتے ہیں وہ ہر موسم سے فائدہ اٹھاتا ہے اور محنت مختلف قسم کے پھل کھاتا ہے۔ امام حسین نے کربلا کے میدان میں اپنی کھیتی سے صبرو رضا کے کیسے اعلیٰ پھل لئے اور مومن بعد مرے بھی رحمت سے مرحوم نہیں رہتا اس کی اولاد قرابت دار مومن اسے نیک اعمال کا ثواب بھیجتے رہے ہیں وہ قیامت تک نفع میں ہی رہتا ہے کافر ان سب باتوں سے محروم ہے غرضیکہ جیسے اچھی زمین سردی گرمی بہار خزاں کے موسموں میں مختلف پھل

www.alahazratnetwork.org

دیتی ہے ایسے ہی مومن کا باغ امیری، غریبی وغیرہ موسموں کے مختلف پھل دیتا ہے پھر مومن کھجور کے درخت کے طرح خزاں سے محفوظ اس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اس کا پھل ہمیشہ رہتا ہے (حدیث) مومن کے کلمہ کی جڑ زمین میں شاخیں آسمان میں پھل ہمیشہ (قرآن)۔ خیال رہے کہ قیامت کے بہت نام ہیں ان میں سے ایک نام ساعت بھی ہے بمعنی گھڑی چونکہ قیامت کی ابتداء معمولی سی گھڑی میں ہوگی یا اس دن حساب و کتاب ساری خلقت کا صرف گھڑی بھر میں ہوگا **ان اللہ سریع الحساب** یا اتنا دراز دن اللہ کے مقبول بندوں کو گھڑی بھر کا محسوس ہوگا ان وجوہ سے اسے ساعت کہا جاتا ہے اگرچہ علامات قیامت صدیوں پہلے سے ظاہر ہوں گی مگر قیامت کی آمد اچانک ہوگی جبکہ خلق بالکل بے خبر اپنے کام کاج میں مشغول ہوگی اس لئے ارشاد ہوا **بغتۃ**۔ خیال رہے کہ بغتۃ مصدر ہے۔ بغت۔ یبغت کا۔ بغتہ کے لغوی معنی ہیں کسی چیز کا اچانک آجانا جہاں سے اس کی آمد کا گمان نہ ہو یہاں **بغتۃ** یا تو **مجیئا** پوشیدہ مصدر کی صفت ہے تو مفعول مطلق ہے یا حال ہے (روح المعانی وغیرہ) **قالوا یحسرتنا** یہ عبارت اذا کی جزا ہے **قول** سے مراد زبانی قول ہے اس کا فاعل وہی خسارے والے کفار ہیں کسی اچھے کام کے نہ کرنے پر یا برے کام کے کر لینے پر جو انتہاء درجہ کی ندامت و شرمندگی ہوتی ہے اسے حسرت کہا جاتا ہے اس شرمندگی و ندامت کو پکارنا اظہار حسرت کے لئے ہوتا ہے یعنی اور تو کوئی ہمارا مددگار ہے نہیں اے شرمندگی تو ہی آجا کہ تیرے سواء ہمارا کوئی نہیں یا یہ پکارنا نہیں بلکہ ندبہ ہے جیسے ہائے مصیبت ہائے غم۔ **علی ما فرطنا فیھا**۔ **علی** کا تعلق حسرت سے ہے **ما** مصدریہ ہے **فرطنا** بنا ہے تفریط سے جس کا مادہ فرط ہے بمعنی ارادۃ "آگے بڑھنا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **انا فرطکم علی الحوض** ہم بچوں کی نماز جنازہ میں پڑھتے ہیں **اللھم اجعلہ لنا فرطا** افراط کے معنی ہیں حد سے آگے بڑھ جانا تفریط کے معنی ہیں آگے بڑھنے میں کوتاہی کی یا جنت کے حاصل کرنے میں کوتاہی کی یا قیامت کی تیاری میں کوتاہی کی۔ بعض نے فرمایا کہ **ما** سے مراد ہیں نیک اعمال اور **ما** موصولہ ہے **فیھا** کی ضمیر اس **ما** کی طرف ہے یعنی ہائے شرمندگی ان نیک اعمال پر جن میں میں نے کوتاہی کی مجھے موقعہ ملا اور میں نے وہ اعمال نہ کئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان لوگوں کو یا صدمہ اس چیز کا ہوگا کہ ہم نے اپنی عمر کے ترکش کے تیر سے عقاب کا شکار نہ کیا یعنی آخرت نہ کمائی بلکہ عقاب کے سایہ پر تیر چلا کر برباد کر دیئے وہ سایہ بھی ہاتھ نہ آیا (یعنی دنیا کمانے میں عمر صرف کی) وہ بھی ہاتھ نہ آئی منٹ بھر میں چھوٹ گئی یا صدمہ اس چیز کا ہوگا۔ دوسرے اعضاء جلوت خانہ تھے دل رب کا خلوت خانہ ہم نے اس دل کو جلوت خانہ بنا کر غیروں کو بسا لیا اب کیا کریں **وھم یحملون اوزارھم علی ظھورھم** یہ عبارت **قالوا** کے فاعل سے حال ہے۔ لہذا واو حالیہ ہے یہاں حمل اور **اوزار** اور ظہور سب اپنے ظاہری معنی پر ہیں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ حمل کے معنی اٹھانا لادنا ہیں **اوزار** جمع ہے وزر کی بمعنی بھاری بوجھ۔ رب فرماتا ہے **لا تزر وازرۃ وزر اخری**۔ کوئی بوجھل نفس دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا اسی سے ہے **اوزار** بمعنی بھاری ہتھیار رب فرماتا ہے **حتی تضع الحرب اوزارھا**۔ اسی سے ہے وزیر یعنی ملک و سلطنت کا بوجھ اٹھانے والا **اوزار** سے مراد گناہوں کا بوجھ ہے قیامت میں گناہوں کی شکل بھی ہوگی ان میں وزن اور بوجھ بھی ہوگا۔ نیک اعمال پر مومن سوار ہوں گے اور بد اعمال گنہگار پر سوار ہوں گے۔ **ظھور** جمع ہے ظہر کی بمعنی پیٹھ ہلکا بوجھ ہاتھ سے اٹھایا جاتا ہے قدرے وزنی بوجھ سر پر بڑا بھاری بوجھ پیٹھ پر لادا جاتا ہے۔ زیادہ وزن ظاہر کرنے کے لئے ظہور فرمایا یعنی کفار یہ اس وقت کہیں گے جب وہ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی پیٹھوں پر لادے ہوئے ہوں گے بوجھ سے پریشان ہوں گے۔ کافروں کی پیٹھ اور گردن اتنی

www.alahazratnetwork.org

لمبی کردی جاوے گی کہ اس پر سارے اعمال سوار ہو جائیں حتی کہ ان کے خزانے بھی ان پر لدے ہوں گے خیال رہے کہ مومن کے نیک اعمال کا وزن میزان میں بہت ہو گا۔ کفار کی نیکیوں کا وزن کچھ نہ ہو گا۔ یوں ہی مومن کے گناہ ہلکے ہوں گے۔ کافر کے گناہ بہت ہی بھاری **الا ساء ما یزرون**۔ یہ گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے ما یا تو موصولہ ہے یا مصدر یہ لہٰذا اس عبارت کے دو معنی ہیں کفار کے وہ گناہ بہت ہی برے ہیں جو وہ اٹھائیں گے یا ان کا اٹھانا بہت ہی برا ہے **وما الحیوۃ الدنیا الا لعب ولہو**۔ کفار کی اخروی زندگی کی خرابی دکھانے کے بعد ان کی دنیاوی زندگی کی خرابی دکھائی جارہی ہے دنیاوی زندگی۔ دنیا کی زندگی اور دنیا میں زندگی ان تینوں میں فرق ہے دنیاوی زندگی وہ ہے جو خواہشات نفسانی میں گزرے جیسے غافلوں کی زندگی اور دنیا کی زندگی وہ ہے جو شیطان کی اطاعت اور گناہوں میں گزرے جیسے کفار کی زندگی دنیا میں زندگی وہ ہے جو دنیا میں ہو مگر اس کے ذریعہ کام آخرت کے لئے کئے جاویں جیسے حضرات انبیاء کرام یا خاص ان کے خدام کی زندگی ہے دنیاوی یا دنیا کی زندگی نہیں۔ دنیا یا تو دنو سے بنا ہے بمعنی قریب الفنا چیز یا **د ناءۃ** سے بمعنی حقیر و ذلیل چیز اس کا ذکر اوفی ہے یہ اس کا مونث ہے ناجائز چیزوں سے خوشی حاصل کرنا لعب ہے۔ بے فائدہ چیز میں مشغول ہو کر فائدہ مند چیز سے محرومی لہو ہے۔ جس کا ترجمہ اردو میں کھیل کود ہے جس کا ظاہر خوش کن ہے حقیقتہً کچھ نہیں نادان بچے دن بھر ریت کے گھروندے بناتے ہیں اس سے دل بہلاتے ہیں پھر خود ہی بگاڑ کر اپنے گھر آجاتے ہیں یہ ہے لعب اور لہو غافل اور کافر کی دنیا ایسی ہی بیکار چیز ہے۔ جس کی زندگی حیوۃ دنیا میں اس کا ہر کام دنیا ہے کھانا پینا نماز روزہ حتی کہ مرنا جینا سب ہی دنیا ہے اور دنیا کے لئے فنا ہے تو اس کی ہر چیز کو فنا ہے اللہ والے کی یہ کوئی چیز دنیا نہیں اس کی چیز دین ہے **وللدار الاخرۃ خیر للذین یتقون**۔ ہماری قرات میں خرۃ کو پیش ہے بعض قراءتوں میں **لدار الاخرۃ** ہے اخرۃ کو کسرہ آخری گھر وہ ہے جہاں دوسری یا تیسری زندگی گزارنی ہے دوسری زندگی برزخی ہے۔ تیسری زندگی اخروی دوسری زندگی ہزار ہا سال کی تیسری زندگی ابد الآباد کی یہاں تیسری زندگی کا گھر مراد ہے۔ جہاں قیامت سے لے کر ہمیشہ تک رہنا ہے **یتقون** کا مفعول پوشیدہ ہے **المعاصی والکفر** وغیرہ یعنی آخری گھر جہاں ان سب کو ہمیشہ کے لئے رہنا سہنا ہے وہ ان لوگوں کے لئے اچھا ہے جو بدعقیدگیوں بدعملیوں سے بچتے ہیں۔ اللہ کی اطاعت میں یہ زندگی گزارتے ہیں **افلا تعقلون**۔ اس میں خطاب انہیں کفار سے ہے۔ جن کا ذکر اب تک ہوا یعنی اے کافرو تم اتنی ظاہری بات کو سمجھتے کیوں نہیں کہ فانی سے باقی اعلیٰ ہے۔ مخلوط سے خالص بہتر یہ زندگی دنیوی فانی ہے اور مصیبتوں تکلیف سے مخلوط ہے وہ زندگی باقی ہے اور وہاں خالص راحت و عیش ہے تم اس زندگی میں پھنس کر اس زندگی کو خراب کیوں کئے لیتے ہو۔

خلاصہء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو تاجر قرار دیا ہے اس کی زندگی کی ساعات اس کی اصل رقم ہے اور طاعات یا کفارات اس کی کمائی ہے۔ ساعات کم ہو رہی ہیں طاعات و کفارات بڑھ رہی ہیں یہ ہے نفع کی تجارت غافل و کافر کی ساعات خرچ ہو رہی ہے اور معاصی یعنی گناہ بڑھ رہے ہیں یہ ہے خسران کی تجارت اس آیت کریمہ میں کفار کی تین قسم کے خساروں کا ذکر ہے زندگی میں خسارہ ہر وقت خسارہ یہ بلقاء اللہ تک ارشاد ہوا موت کے وقت اور اس کے بعد خسارہ یہ **فی اذا جاءتھم** سے لے کر **علی ما فرطنا فیھا** تک بیان ہوا قیامت اور اس کے بعد خسارہ یہ **وھم یحملون** سے آخر تک بیان ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وہ لوگ پورے نقصان میں رہے جنہوں نے قیامت میں اٹھنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونے کو جھٹلایا اس کا انکار کیا

www.alahazratnetwork.org

کیونکہ جب وہ قیامت کی پیشی کے ہی منکر ہو گئے تو نیک اعمال کیوں کریں اور گناہوں سے بچیں کہ یہ دونوں کام تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حساب دینے کے خوف سے کئے جاتے ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ بندوں کو اتنی نعمتیں دے اور ان کا حساب نہ لے ان کا یہ بھلانا اسی وقت تک ہے جب کہ انہیں موت نہیں آتی یا جب تک انہوں نے قیامت نہیں دیکھی ہے جب اچانک انہیں موت یا قیامت آئے گی تو یہ سب بھول جائیں گے پھر تو کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے اس قیامت کے متعلق بڑی کوتاہی کی کہ اس کی تیاری کے بجائے اس کا انکار کرتے ہوئے اس انکار میں قیمتی عمر کی ساعتیں گزار دیں۔ ان کا حال یہ ہوگا کہ اپنی پیٹھوں پر اپنے گناہوں کا بوجھ لادے ہوں گے۔ ان کا بوجھ لادنا بہت ہی تکلیف دہ ہوگا کہ محشر کی سخت دھوپ تانبے کی زمین سایہ کہیں نہیں اور پیٹھ پر اتنا بھاری بوجھ خدا کی پناہ مال ہوں یا اعمال اگر ان کی ابتداء ابقاء اور انتہاء اچھی ہے تو انشاء اللہ وہ عامل کے لئے سواری ہے۔ ورنہ عامل پر وہ سوار ہے۔ مال حلال راستے سے آئے یعنی جائز ذریعوں سے حاصل کیا جاوے۔ حلال طریقہ سے رہے کہ اس کی زکوٰۃ صدقہ نکلتا رہے۔ حلال جگہ یا عبادات و رضاء الٰہی کے مقامات پر خرچ ہو جاوے تو انشاء اللہ دین دنیا میں منافع ہے ورنہ نرا وبال ہے بات، عمل وغیرہ سب کا یہی حال ہے۔ کفار کے اعمال کا یہی حال لہٰذا وہ کفار پر سوار ہوں گے۔ خیال رہے کہ دنیاوی زندگی یعنی غفلت کی زندگی نفسانی زندگی محض کھیل کود ہے۔ جس کا ظاہر بڑا اچھا حقیقت کچھ نہیں آخرت کا گھر جہاں انہیں ہمیشہ رہنا ہے وہ پرہیزگاروں کے لئے بہت اچھا ہے کہ وہاں کے عیش و آرام خالص ہیں کوئی تکلیف نہیں اور اسے فنا نہیں یہ لوگ اتنی بات سمجھتے کیوں نہیں اور اس دائمی عیش کو حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے۔ امام سعدی فرماتے ہیں کہ جب مومن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کے سامنے ایک خوبصورت خوشبودار چیز حاضر ہو گی اور مومن سے کہے گی کہ تو مجھے پہچانتا ہے مومن کہے گا نہیں وہ کہے گی میں تیرے نیک عمل ہوں دنیا میں تو میں تجھ پر سوار تھا آج تو مجھ پر سوار ہو رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا۔** یعنی ہم پرہیزگاروں کو سوار کر کے حشر کرائیں گے کافر جب اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کے سامنے نہایت بدشکل سخت بدبودار چیز آوے گی اور کہے گی کیا تو مجھے پہچانتا ہے وہ کہے گا نہیں تو یہ کہے گی کہ میں تیرے برے عمل ہوں دنیا میں تو مجھ پر سوار رہا آج میں تجھ پر سوار ہونگا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھم یحملون اوزارھم** (ابن جریر۔ ابن ابی حاتم) تفسیر روح المعانی کبیر بیان وغیرہ)۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں ہر انسان تاجر ہے زندگی اس کی دوکان ہے ہر گھڑی جو گزر رہی ہے اس کی اپنی اصلی پونجی ہے ہر عمل جو روزانہ بڑھ رہے ہیں یہ اس کی قیمت ہے جن کے عوض وہ زندگی کی گھڑیاں فروخت کر رہا ہے نیک اعمال کرنے والا نفع کما رہا ہے گنہگار مسلمان نقصان کی تجارت کر رہا ہے کافر خسران کا بیوپار کر رہا ہے یہ فائدہ **قد خسر** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** گنہگار مومن اگرچہ نقصان میں ہے مگر خسران میں نہیں کہ اس کی اصل پونجی برباد نہیں ہوتی اس کے عقائد درست رہتے ہیں کافر خسران میں ہے کہ اس کی اپنی اصلی پونجی ہی برباد ہے یہ فائدہ **الذین کذبوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جو موت کی تیاری نہ کرے اس کے لئے موت کا آنا گویا اچانک ہی آنا ہے اگرچہ کتنی ہی بیماریاں آچکی ہوں یہ فائدہ **جاء تھم الساعۃ بغتۃ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ ساعت سے مراد موت ہو یہ غافل بیماری مرتے دم تک دواؤں حکیموں کی طرف بھاگتا ہے **احکم الحاکمین** کی طرف رجوع نہیں کرتا اسی طرح عاقل مومن صالح کی موت اگرچہ ہارٹ فیل سے ہو مگر اچانک نہیں کہ وہ تو پہلے ہی جانے کو تیار ہے وہ جو حدیث شریف میں ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ موت **فجاءت** یعنی اچانک موت غضب کی پکڑ ہے وہاں بھی اچانک موت سے یہی غفلت کی موت مراد ہے ورنہ حضرت موسیٰ و سلیمان علیہما السلام کی وفات بغیر بیماری اچانک ہی ہوئی تھی۔ **چوتھا فائدہ:** اگرچہ علامات قیامت صدہا سال پہلے سے قائم ہو جائیں گی مگر قیامت کی آمد اچانک ہوگی جبکہ دنیا والے بالکل غافل ہوں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ایک شخص منہ میں لقمہ دے رہا ہوگا دے نہ سکے گا کہ قیامت آجاوے گی یہ فائدہ **جاءتهم الساعة** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ساعۃ سے مراد قیامت ہو۔ **پانچواں فائدہ:** کافر پر اس کے اعمال سوار ہوں گے مگر مومن اپنے اعمال پر سوار ہوگا۔ دیکھو قربانی کے جانور پر سوار ہو کر مومن پل صراط سے گزرے گا مومن کی نیکی وزنی ہوگی کافر کے گناہ وزنی ہوں گے یہ فائدہ **یحملون اوزارهم** سے حاصل ہوا۔ معدہ اچھا ہو تو کھانا ہلکا ہو کر سواری بن جاتا ہے اگر معدہ خراب ہو تو کھانا بھاری ہو کر انسان پر سوار ہو جاتا ہے زندہ اور تندرست گھوڑا ہمارے ہمارے سامان کا بوجھ اٹھاتا ہے زندہ مگر بیمار گھوڑا ہمارا بوجھ نہیں اٹھا سکتا مگر مردہ گھوڑا ہینگر والی سائیکل ہم پر سوار ہوتے ہیں کہ ہم انہیں اٹھا کر دوسری جگہ لے جاتے ہیں روحانی مال و اعمال ہمارے بوجھ اٹھائیں گے ہم کو اپنے پر سوار کریں گے نفسانی اعمال نہ ہمیں اٹھائیں نہ ہم انہیں اٹھائیں مگر شیطانی مال و اعمال ہینگر والی سائیکل مردہ گھوڑے کی طرح ہم پر سوار ہوں گے کفار کے مال اعمال اقوام احوال سب مردہ گھوڑے کی طرح ان پر سوار ہونگے مومن کا بے زکوٰۃ والا مال جانور اس پر سوار ہوگا۔ **چھٹا فائدہ:** قیامت میں نیک و بد اعمال بلکہ کفر و ایمان جسمانی شکل میں ہوں گے ان میں بوجھ بھی ہوگا کفار کی پیٹھیں اور گردنیں اس قدر دراز کر دی جائیں گی کہ ان کے خزانے اور سارے اعمال ان پر سوار ہو جائیں گے یہ فائدہ بھی **یحملون اوزارهم** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مبارک ہے وہ جو دنیا میں رہے منحوس ہے وہ بندہ جس میں دنیا رہے۔ تم دنیا میں رہو تم میں دنیا نہ ہو بلکہ دل میں اللہ رسول کا نور ہو یہ فائدہ **الا لعب و لهو** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** قیامت اور اس کے بعد کا زمانہ پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے بدکاروں کے لئے آفت یہ فائدہ **خير للذين يتقون** سے حاصل ہوا دنیا بونے کی جگہ ہے آخرت کاٹنے کی جگہ۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ جنہوں نے قیامت کا انکار کیا وہ خسارہ میں رہے تو کیا جن کفار نے قیامت کا انکار نہ کیا وہ خسارہ میں نہیں جیسے عیسائی یہودی۔ **جواب:** سارے کفار ہی خسارہ میں ہوں گے مگر جو قیامت کے منکر ہیں وہ زیادہ خسارہ میں ہوں گے کہ وہ دنیا میں کسی قسم کی نیکی نہیں کرتے قیامت کو ماننے والے کفار کچھ نہ کچھ صدقہ و خیرات جھوٹ سے پرہیز، سچ بولنا، پورا تولنا وغیرہ ضرور کرتے ہیں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے پیش ہونا ہے۔ لہٰذا ان کا عذاب قدرے ہلکا ہوگا۔
دوسرا اعتراض: دیکھا گیا ہے کہ مشرکین ہند یعنی ہندو آریہ قیامت کے انکاری ہیں مگر صدقہ خیرات بہت کرتے ہیں تو یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ منکرین قیامت نیکیاں نہیں کرتے۔ **جواب:** ہاں کرتے ہیں مگر آخرت کے ثواب کے لئے نہیں کہ وہ نہ آخرت کے قائل ہیں نہ وہاں کے ثواب کے بلکہ اپنی ناموری اور شہرت کے لئے خدمت دین کے لئے نہیں خدمت ملک خدمت قوم کے لئے لہٰذا ان کا یہ سب کچھ کرنا کچھ بھی نہ کرنا ہے کرنا وہ مقبول ہے جو رب کو راضی کرنے کے لئے کیا جاوے۔
تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ قیامت اچانک آوے گی۔ حالانکہ اس کی علامات صدہا سال پہلے سے قائم ہو چکیں گی اب بھی بہت سی علامات موجود ہیں۔ پھر اچانک اور بے خبری میں ہی ہوگا۔ **جواب** اگرچہ آثار و علامات بہت پہلے سے موجود ہوں سورج نکلتا ہے۔ اچانک اگرچہ اس کی علامات بہت پہلے سے موجود ہوتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ چونکہ وہ لوگ بالکل غافل ہوں

www.alahazratnetwork.org

گے انہوں نے قیامت کی تیاری بالکل نہ کی ہوگی اس لئے ان کے واسطے قیامت اچانک ہی آوے گی اس لئے یہاں فرمایا **جاء تھم الساعۃ بغتۃ** ان کے پاس قیامت اچانک آوے گی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ کفار کا خسارہ قیامت تک ہو گا حتی انتہاء کے لئے ہے تو کیا قیامت کے بعد ان کا خسارہ ختم ہو جاویگا۔ **جواب:** ہاں یہ خسارہ یعنی اعمال و ایمان سے محروم رہنے کا خسارہ ختم ہو جاوے گا پھر دوسرا خسارہ عذاب و قہر کا شروع ہو گا جیسے ابلیس سے فرمایا گیا **ان علیک لعنتی الی یوم الدین۔** اس کا مطلب یہ نہیں کہ قیامت کے بعد ابلیس پر لعنت ختم ہو جاوے گی بلکہ دنیاوی لعنت قیامت تک ہے اور دوسری قسم کی لعنت قیامت اور اس کے بعد ہے۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں دنیا کو کبھی دار نہیں کہا گیا۔ آخرت یا برزخ ہی کو دار کہا جاتا ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ قرآن مجید دنیا کو انسان کا اریعنی گھر نہیں مانتا یہ تو مسافر کی منزل یا ریل کی سیٹ کی طرح عارضی قیام گاہ ہے۔ برزخ اس کا ایسا عارضی گھر ہے جیسے پردیس میں کرایہ کا لیا ریت کا گھر اور آخرت یعنی بعد قیامت جنت یا دوزخ اس کا اپنا اصلی گھر ہے جہاں ہمیشہ رہنا ہے اس لئے دنیاوی جسم نہایت کمزور بنایا گیا کہ اس میں ایک کانٹا بلکہ پھانسی کی برداشت نہیں ہزارہا بیماریوں کا مرکز جیسے مسافر کا چند روزہ خیمہ نہایت کمزور ہوتا ہے برزخ اور آخرت میں جو جسم ملے گا وہ مضبوط اور ان بیماریوں وغیرہ سے محفوظ ہو گا۔ **چھٹا اعتراض:** کفار قیامت میں اپنے گناہ اٹھائے ہوں گے یا گناہوں کے دفتر گناہ تو عرض ہیں جن میں کوئی بوجھ نہیں اس کے اٹھانے کے کیا معنی۔ **جواب:** وہاں سارے اعمال اور سارے اعراض جوہر ہوں گے۔ جن کی شکل بھی ہوگی ان میں بوجھ بھی وزن بھی گناہوں کا وزن کفر سے بڑھے گا۔ نیکیوں کا وزن ایمان و اخلاص سے زیادہ ہو گا سنداحق یہی ہے کہ وہ گناہ ہی اٹھائے ہوں گے اور مسلمانوں کی نیکیاں مسلمانوں کو اٹھائیں گی ان کی سواریاں بنیں گی۔ **ساتواں اعتراض:** بوجھ تو پیٹھ پر اٹھایا جاتا ہے پھر **علی ظھورھم** کیوں فرمایا یہ کلمہ زائد ہے۔ **جواب:** ہلکا بوجھ ہاتھ میں لٹکایا جاتا ہے کچھ وزنی ہو تو کندھے پر رکھا جاتا ہے مگر بہت بھاری بوجھ پیٹھ پر لادا جاتا ہے **علی ظھورھم** فرما کر بتایا کہ ان کا بوجھ بہت زیادہ ہو گا گنہگار مسلمان اپنے بے زکوۃ والے مال اپنے کندھوں پر لادے ہوں گے معلوم ہوا کہ کفار کے بوجھ سے ان کا بوجھ ہلکا ہو گا کہ وہ زکوۃ کے منکر نہ تھے۔ **آٹھواں اعتراض:** دنیا کی زندگی کو کھیل کود کیوں فرمایا گیا وہ تو آخرت کے لئے اعمال جمع کرنے کا ذریعہ ہے اس کے تو بڑے فائدے ہیں **جواب:** جو زندگی کھیل کود میں میں گزرے وہ زندگی بھی خود کھیل کود ہے اسی کا نام دنیاوی زندگی ہے اور جو کام رب سے غافل کرے وہ کھیل کود ہے حیاۃ الدنیا اور ہے۔ **الحیوۃ الدنیا** کچھ اور **الحیوۃ الدنیا** وہ زندگی ہے جو خود دنیا بن جاوے یہاں **الحیوۃ الدنیا** صفت موصوف ہے اس میں اسی طرف اشارہ ہے۔ **نواں اعتراض:** اگر اخروی گھر صرف پرہیزگاروں کے لئے اچھا ہے تو گنہگار و بدعمل مسلمان اور بے عمل مسلمان یعنی مسلمانوں کے شیرخوار بچے کہاں ہوں گے وہ تو متقی و پرہیزگار تھے نہیں کیا آخرت ان کے لئے اچھی نہیں۔ **جواب:** فاسق گنہگار مسلمان بھی ایک معنی سے متقی ہے کہ وہ کفر سے بچا رہتا ہے اور مسلمانوں کے فوت شدہ بچے اپنے متقی ماں باپ کے تابع ہو کر متقی ہیں لہذا ان کے لئے بھی آخرت انشاء اللہ اچھی جگہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آخرت میں اللہ تعالی سے لقاء اس سے ملاقات صرف انہیں میسر ہوگی۔ جنہیں دنیا میں لقاء اولیاء اللہ اور لقاء اولیاء اللہ کے ذریعہ لقاء حضور محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نصیب ہوئی جو اللہ کے بندوں کی ملاقات سے محروم رہے وہ اللہ کی ملاقات سے محروم رہیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات قرب جسمانی سے نہیں بلکہ قرب روحانی سے میسر ہوتی

www.alahazratnetwork.org

ہے ابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات سے محروم رہا اور تاقیامت مسلمان خصوصاً عشاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لقاء سے مشرف ہیں یہاں بزرگوں کی ملاقات رب تعالیٰ کی ملاقات ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کو خواہد ہمنشینی با خدا　　او نشیند در حضور اولیاء!!
چوں شدی دور از حضورؐ اولیاء　　آں چناں داں دور گشتی از خدا!

فرمایا جارہا ہے کہ نقصان میں وہ رہے جو اللہ تعالیٰ کی دنیاوی ملاقات یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کے انکاری رہے اس محرومی کا پتہ قیامت میں چلے گا **یوم یعض الظالم علی یدیہ یقول یالیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** اس وقت یہ محرومین کہیں گے کہ ہائے افسوس ہم نے کیسی کوتاہی کی کہ دنیا میں اللہ کی لقاء کا موقعہ ملا مگر ہم نے حاصل نہ کی نبیوں ولیوں سے دور رہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ان کے سارے گناہوں کا بوجھ ان کی اپنی پیٹھوں پر ہوگا کیونکہ انہوں نے دنیا میں ان مجلسوں میں حاضر ہوکر اپنے گناہ معاف نہ کرالئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ قیامت کو ساعۃ اس لئے کہتے ہیں کہ یہ بنا ہے سعی سے بمعنی دوڑنا قیامت کفار کی طرف دوڑتی ہوئی آرہی ہے لہٰذا ساعۃ ہے (روح البیان) خیال رہے کہ قیامت کفار کی طرف دوڑ رہی ہے۔ اور مومن شوق و ذوق میں قیامت کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ غافلوں کو موت ڈھونڈتی ہے اور عشاق موت کو ڈھونڈتے ہیں کہ موت یار سے ملاقات کا ذریعہ ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

جان تو جاتے ہی جائے گی قیامت یہ ہے　　کہ یہاں مرنے پہ ٹھہرا ہے نظارا تیرا!!

حضرت آسی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی　　جسکے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

اس لئے ارشاد ہوا **اذا جاءتھم الساعۃ** ان کفار کے پاس قیامت آوے گی بعض بزرگوں کو دیکھا گیا کہ وہ مرتے وقت موت کو دیکھ کر بستر مرگ سے اٹھ کر موت کو آغوش میں لینے دوڑے یہ کہتے ہوئے تو کجائی تو کجائی تو کجا۔ حضرت غازی عبدالرشید دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو جب شردھانند مردود کے قتل کی سزا میں پھانسی دینے لگے تو وہ پھانسی کے پھندے کو چوم کر بولے اے یار سے ملانے والے تو نے اتنی دیر کیوں لگائی غرضیکہ مومن کے لئے موت تحفہ ہے کہ یار سے ملنے کا ذریعہ کافر کے لئے عذاب کہ اس کی دنیا چھوٹتی ہے کافر کو موت آتی ہے مومن موت کو پاتا ہے آنا اور ہے پانا کچھ اور ناگوار تکلیف وہ چیز آتی ہے محبوب کو انتظار کے بعد پایا جاتا ہے۔ کفار کی زندگی حیوۃ دنیا ہے کہ اس زندگی میں دنیا رہتی ہے لہٰذا یہ زندگی کھیل بھی ہے کود بھی۔ جس کا نتیجہ سواء افسوس کے اور کچھ نہیں مومن کی زندگی دنیا میں ہوتی ہے اس کی زندگی میں دنیا نہیں ہوتی لہٰذا مومن کی زندگی آخرت کی کاشت کرنے کی زندگی ہے اس لئے آخرت مومن کے لئے اچھی ہے کہ اس کے کھیت کٹنے کا دن ہے کافر کے لئے مصیبت کہ اس کی بربادی کے ظہور کا دن۔

نہ عمر خضر بماند نہ ملک اسکندر!　　نزاع بر سر دنیاء دوں مکن درویش!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو چیز رب سے غافل کردے وہ دنیا ہے جو رب تک پہنچادے وہ دین ہے اگر کسی کی ریا کی نماز اسے رب سے غافل کردے تو وہ نماز اس کے لئے دنیا ہے اور اگر کسی کی نیند رب سے غافل نہ کرے۔ نماز تہجد کا ذریعہ بن جاوے تو وہ نیند اس کے لئے دنیا نہیں عین دین ہے شہید کی موت بھی حیات ہے۔ **بل احیاء ولکن لا تشعرون** اور کافر کی زندگی بھی موت

www.alahazratnetwork.org

ہے فرماتا ہے اموات غیر احیاء کہ کافر جیتے جی رب سے غافل ہے۔ شہید مر کر بھی اس سے واصل ہے۔ جو حرص و ہوس کے ساتھ استعمال ہو وہ کافر یا غافل کی دنیا جو اس کی ہلاکت کا سبب ہے جیسے جو مکھی شہد میں گر جاوے وہ ہلاک ہو جاتی ہے۔ جو کنارے سے کھاوے وہ مزے میں رہتی ہے۔ جو دنیا دین سے خالی ہو وہ کافر یا غافل کی دنیا ہے وہ اکیلے صفر کی طرح بالکل خالی ہے۔ جو دنیا دین کے ساتھ واصل ہو وہ نبیوں کی ولیوں کی دنیا ہے وہ دنیا دین کو دس گنا کر دیتی ہے جیسے صفر عدد سے مل کر اسے دس گنا کر دیتا ہے غرضیکہ انبیاء کرام کی دنیا اور ہے مومنوں کی دنیا اور اولیاء اللہ کی دنیا اور ہے کافروں کی دنیا اور صوفیاء فرماتے ہیں مومن کے لئے برزخ اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اس لئے کہ دنیا میں اللہ رسول فرشتے جنت دوزخ نہاں ہیں وہاں عیاں یہاں غیب ہیں وہاں شہادت یہاں قال ہیں وہاں حال۔ دنیا جگہ ہے فراق کی وہ مقامات جگہ وصل کی مرتے ہی رب کی آواز سنی جاوے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار ہو گا یہ جگہ تردد کی ہے وہاں اطمینان و ایقان ہے کہ یہاں خبر نہیں کہ ہمارے اعمال قبول ہیں یا نہیں وہاں قبولیت کا ظہور غرضیکہ جیسے دولہا کو بعض خوشیاں دولہا بننے سے پہلے ہوتی ہیں بعض دولہا بنتے وقت بعض خوشیاں بارات کے ساتھ راستہ میں بعض دلہن کے گھر پہنچ کر بعض خوشیاں وہاں سے رخصت ہوتے وقت بعض اپنے گھر دلہن لا کر بعض ولیمہ کی دعوت میں یونہی مومن کو بعض خوشیاں مرتے وقت بعض قبر میں بعض حشر میں اور بے شمار خوشیاں جنت میں پہنچ کر۔

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ وَلَٰكِنَّ

بے شک جانتے ہیں ہم کہ غمگین کرتی ہے تم کو وہ بات جو کفار کہتے ہیں بس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے تم کو اور لیکن

ہمیں معلوم ہے کہ تمہیں رنج دیتی ہے وہ بات جو یہ کہہ رہے ہیں تو وہ تمہیں نہیں جھٹلاتے بلکہ ظالم اللہ کی

الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ (33) وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّن قَبْلِكَ

ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کے انکاری ہیں اور بے شک جھٹلائے گئے بہت سے پیغمبر

آیتوں سے انکار کرتے ہیں اور تم سے پہلے رسول جھٹلائے گئے تو انہوں نے

فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ

آپ سے پہلے پس صبر کیا انہوں نے اوپر اس کے کہ جھٹلائے گئے اور ستائے گئے وہ یہاں تک کہ آئی ان پر

صبر کیا اس جھٹلانے پر اور ایذائیں پانے پر یہاں تک کہ انہیں ہماری مدد آئی اور اللہ کی باتیں بدلنے

اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِن نَّبَإِ الْمُرْسَلِينَ (34)

مدد ہماری اور نہیں ہے کوئی بدلنے والا فرمان اللہ کے اور بیشک آئی آپ کے پاس خبر رسولوں کی

والا کوئی نہیں اور تمہارے پاس رسولوں کی خبریں آ ہی چکی ہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار کی بدعملیاں ان کا کفران کا قیامت کو جھٹلانا قیامت میں ان کے لئے بھاری بوجھ ہو گا' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب کفار کی یہ حرکات آپ کے دل پر بوجھ بن جائیں آپ ان سے غم نہ کریں گویا پہلے ان کے لئے بوجھ ہونے کا ذکر تھا اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بوجھ نہ ہونے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار کی زندگی کھیل کود ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان دیوانوں کے کھیل کود کا اثر آپ نہ لیں گویا پہلے کفار کی زندگی ان کے اعمال کی حقیقت بیان ہوئی۔ اب اس کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ ان دیوانوں کے کھیل کود کا اثر آپ نہ لیں گویا پہلے کفار کی زندگی ان کے اعمال کی حقیقت بیان ہوئی۔ اب اس کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کفار کی تردید تھی جو حشر و نشر کا اس لئے انکار کرتے تھے کہ یہ ہونا غیر ممکن ہے مرے بعد زندگی کو خلاف عقل جانتے تھے ان کی بھی تردید ہوئی جو بشری نبوت کو ناممکن سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ نبی صرف فرشتہ ہو سکتا ہے اب ان کافر کی تردید ہو رہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخی کرتے تھے گویا کفار کے کفر چند قسم کے تھے بعض کی تردید پچھلی آیات میں تھی بعض کی ان آیات میں۔ (تفسیر کبیر) **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے اعمال اقوال کے بوجھ کا ذکر تھا اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی دریا دلی وسعت قلبی کا ذکر ہے جو ان بوجھوں کی پرواہ نہیں کرتا جیسے سمندر بھاری لکڑی کے بوجھ کی پرواہ نہیں کرتا اسے ترا دیتا ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کی زندگی حیوۃ دنیا ہے اور حیوۃ دنیا کھیل کود ہے۔ جس سے پتہ لگا تھا کہ کفار کے اقوال اعمال' احوال سب کھیل کود ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ محبوب ان کے اقوال کی پرواہ نہ کریں یہ سب کچھ کھیل کود محض بکواس ہے نا سمجھ بچوں کے پیشاب پاخانہ کی پروا نہیں کی جاتی۔

شان نزول : ان آیات کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (1) ابوجہل کا دوست اخنس ابن قیس ایک بار اسے تنہائی میں لے گیا بولا ابوجہل سچ بتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں یا نہیں۔ سچ بول دے میں کسی سے نہ کہوں گا ابوجہل بولا وہ بالکل سچے ہیں ان کی زبان سے جھوٹ کبھی نہیں نکلا' میں اس لئے انہیں نہیں مانتا کہ اس کے خاندان یعنی قصی ابن کلاب میں پہلے ہی سے بہت **عظمتیں** جمع ہیں' اگر نبوت بھی ان میں پہنچ جائے تو دوسرے قریشیوں کے لئے کیا بچے گا اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی' تفسیر کبیر) (2) حارث ابن عامر ابن نوفل ابن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دشمن تھا علانیہ آپ کی تکذیب کرتا تھا مگر جب اپنے گھر پہنچتا تو گھر والوں سے کہتا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جھوٹ بولنے والوں میں سے نہیں وہ بالکل سچے ہیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (روح المعانی) (3) ترمذی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ابوجہل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کرتا تھا کہ ہم آپ کو نہیں جھٹلاتے آپ بالکل سچے ہیں ہم تو اسے جھٹلاتے ہیں جو آپ بیان کرتے ہیں (روح المعانی) اس کے نزول کے متعلق اور بہت روایات ہیں۔

تفسیر : **قد نعلم انہ لیحزنک** یہاں **قد** تفصیل یعنی کمی بیان کرنے کے لئے نہیں لہذا اس کے یہ معنی نہیں کہ ہم کبھی کبھی جان لیتے ہیں کبھی نہیں بلکہ یا تو **قد** زائدہ ہے جس کے کوئی معنی نہیں جیسا کہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے ظاہر ہے یا تحقیق کے لئے ہے معنی یقیناً بے شک جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا یا تکثیر کے لئے ہے یعنی ہم خوب جانتے ہیں علم سے مراد مشاہدہ کا

www.alahazratnetwork.org

جانتا ہے جسے علم ظہور کہتے ہیں' جاننے' دیکھنے' سننے کی بہت نوعتیں ہیں' بیٹے کی آمد جان کر خوش ہوتے ہیں حاجی کی آمد جان کر ہار پھول گجرے لے کر استقبال کے لئے جاتے ہیں چور کی آمد جان کر لاٹھی سے اس کا انتظام کرتے ہیں غنیم کی چڑھائی جان کر فوج اس کے مقابل بھیجتے ہیں' غرضیکہ محبوب کو جاننے کی نوعیت اور ہے دشمن کو جاننے کی نوعیت اور دوست کو جاننے کی نوعیت کچھ اور اللہ تعالیٰ ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کو جانتا ہے مگر محبوب کی ہر ادا کو نہایت ہی کرم سے جانتا ہے اس لئے یہاں نعلم خصوصیت سے فرمایا گزشتہ واقعہ پر جو رنج ہو اسے حسرت یعنی غم کہا جاتا ہے' غم بہت قسم کے ہیں اپنی ذات کا غم' قوم کا غم' ملک کا غم' دین کا غم' قرآن کا غم' اولاد کا غم' مال کا غم' رسول کا غم' اللہ کا غم' ذات کا غم دو طرح کا ہے دنیا کا غم دین کا غم اس غموں میں بعض غم حرام ہیں بعض غم عبث ہیں بعض غم عبادت ہیں بعض غم ایمان ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غم مختلف قسم کے تھے۔ امت کا غم' قرآن مجید کا غم' اللہ تعالیٰ کا غم' یہ غم عین عبادت ہیں یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دو غم مراد ہیں اس فرمان عالی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک کی حالت کا ذکر فرمایا **الذی یقولون** یہ عبارت **یحزن** کا فاعل ہے چونکہ **یحزن** لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی غمگین ہونا اور غمگین کرنا' یہاں متعدی ہے اس لئے اس کا معفول بھی آیا فاعل بھی اس قول سے مراد کفار کا یہ کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ پر جھوٹ گھڑ لیا یا قرآن مجید اگلوں کے جھوٹے سچے قصے کہانیاں ہیں یا آپ کے معجزات جادو ہیں یا آپ دیوانے ہیں' ان کی اس بکواس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت صدمہ ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم غلط کرنے قلب پاک کو تسکین دینے کے لئے دو باتیں ارشاد فرمائیں ایک یہ کہ **فانہم لا یکذ بونک** اس عبارت میں **ف** جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ **لا تحزن** پوشیدہ کی علت ہے **ھم** کا مرجع وہی بکواس کرنے والے کفار ہیں ہماری قراۃ میں **یکذبون** ذال کے شد سے باب تفعیل کا مضارع ایک قراۃ میں **یکذبون** ذال کی تخفیف سے ہے باب افعال کا مضارع دونوں کے معنی ایک ہی ہیں یعنی جھوٹا سمجھنا یا جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یعنی یہ لوگ درحقیقت آپ کو جھوٹا نہیں کہتے جھوٹا نہیں جانتے نہیں مانتے آپ کو تو دل سے صادق اور امین سمجھتے ہیں' ظہور نبوت سے پہلے انہوں نے ہی آپ کو صادق الوعد اور امین کے خطابات دیئے تھے یہ آپ کی ہر بات ہر ادا سچی سمجھتے ہیں **ولکن الظالمین بایات اللہ یجحدون** لکن آتا ہے وہم یا شبہ دور کرنے کے لئے چونکہ گزشتہ فرمان سے شبہ ہوتا تھا کہ جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے نہیں تو آپ کی مخالفت کیوں کرتے ہیں اسلام قبول کیوں نہیں کرتے اس شبہ کو دفع فرمانے کے لئے یہ کلام لکن سے شروع فرمایا گیا' اگرچہ بجائے **ظالمین** کے **لکنہم** کہنا بھی کافی تھا مگر یہ بتانے کے لئے کہ اللہ کی آیتوں کا انکار کفر ہے' بجائے ضمیر کے صاف طور پر **ظالمین** ارشاد ہوا' **ظالمین** سے مراد کافرین مشرکین ہیں کہ کفر و شرک بڑا ظلم ہے بندہ کا حق مارنا چھوٹا ظلم ہے اللہ کا حق مارنا یعنی کفر کرنا بڑا ظلم **ایات اللہ** سے مراد یا تو قرآن کریم کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بھی' قوی یہ ہے کہ آیات اللہ سے مراد قرآن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات مراد ہے کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پہچانی جاتی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود آیات اللہ ہیں **یجحدون** بنا ہے **جحد** یا جحود سے دل سے مان کر زبان سے انکار کرنے کو جحود کہا جاتا ہے لہذا انکار عام ہیں جحود خاص یعنی لیکن کفار آیات قرآنیہ کا انکار کرتے ہیں وہ بھی صرف زبان سے ورنہ دل ان کے بھی مانتے ہیں کہ قرآن کریم حق ہے اور آپ سچے ہیں کیوں نہ مانیں کہ انہوں نے پتھروں

www.alahazratnetwork.org

لکڑیوں کو کلمہ پڑھتے سنا شجرو حجر کو آپ پر سلام کرتے دیکھا یہ صرف ڈھٹائی سے صرف زبانی انکار کرتے ہیں' خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب تم رنج کیوں کرتے ہو یہ ظالم نہیں جھٹلاتے تمہیں تو صادق امین کہتے ہیں یہ تو مجھے جھٹلاتے ہیں کہ میرے کلام کا انکار کرتے ہیں یہ تسلی کی ایک نوعیت تھی دوسری طرح یوں تسلی دی کہ فرمایا **ولقد کذبت رسل من قبلک** اس آیت کریمہ کی تفسیر بارہا ہو چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رسل سے مراد سارے انبیاء کرام ہیں از آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی پیغمبر دنیا میں ایسا نہیں آیا جس کو سب نے مان لیا ہو سب کے انکاری بھی رہے بلکہ بعض نبی ایسے تشریف لائے کہ انہیں کسی نے نہیں مانا۔ سب نے انکار ہی کیا بعض کو صرف ایک دو نے بعض کو چند نے بعض کو بڑی جماعت نے مانا باقی نے انکار کر دیا **من قبلک** یا تو **کذبت** سے یا پوشیدہ **جاءوا** کے متعلق ہو کر رسل کی صفت ہے یعنی آپ سے پہلے سارے رسولوں کا انکار کیا گیا یا آپ سے پہلے جتنے رسول تشریف لائے سب ہی کو جھٹلایا گیا یہ بڑی پرانی رسم ہے' چنانچہ حضرت آدم کو جو پہلے نبی ابو البشر ہیں شیطان نے بلکہ خود آپ کے بیٹے قابیل بنی '1 قلیمہ نے ان دونوں کی اولاد نے نہ مانا۔ حضرت سلیمان کو سب نے بادشاہ تو مان لیا مگر سب نے نبی نہ مانا بست سے جن وانس کافر رہے یہی سب نبیوں کا حال ہے **فصبروا علی ما کذبوا۔ ف** تعقیب ہے اور یہ جملہ **کذبت** پر معطوف **ما** مصدریہ ہے یعنی ان تمام حضرات نے جھٹلائے جانے پر صبر ہی کیا رنج و غم نہیں کیا نہ تبلیغ میں کمی کی آپ بھی صبر فرمائیں رنج و غم نہ کریں **واوذوا حتی اتاهم نصرنا** واؤ عاطفہ ہے اور **اوذوا** معطوف ہے **کذبوا** پر لہذا معنی یہ ہوئے کہ ان حضرات نے جھٹلائے جانے اور ستائے جانے پر صبر ہی فرمایا' حتیٰ کا تعلق یا تو **کذبت** سے ہے یا **صبروا** سے یا **اوذوا** سے نصرت سے مراد کفار کی ہلاکت یا حضرات انبیاء کرام کا جہاد میں غلبہ ہے یعنی ان حضرات کو یہاں تک جھٹلایا گیا یا ان حضرات نے اس وقت تک صبر فرمایا جب تک کہ ہماری مدد ان تک پہنچی کہ انہیں جہادوں میں غلبہ عطا فرمایا کفار کو شکست دی یا کفار کو ہلاک فرما دیا اسی طرح آپ کی مدد بھی ہوگی آپ کا چاند چڑھے گا کفار یا مغلوب ہوں گے یا مسلمان ہو جائیں گے۔ **خیال** رہے کہ کسی کو تکلیف پہنچانے کی چند صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ جرم کرے اس کے عوض اسے تکلیف دی جائے جیسے زانی کو رجم یا چور کے ہاتھ کاٹنا اسے سزا یا تعزیر کہتے ہیں' دوسرے یہ کہ بے قصور کو تکلیف دی جائے بلاوجہ اسے **ایذاء ظلم** کہتے ہیں تیسرے یہ کہ وہ تو ہم پر احسان کرے اور ہم اسے ستائیں یہ اول درجہ کی ایذاء ہے' یہاں اسی قسم کی ایذاء مراد ہے کیونکہ حضرات انبیاء کرام خلق کے محسن اعلیٰ ہادی ماں باپ سے بڑھ کر خیر خواہ ہوتے ہیں کہ ماں باپ احسان عارضی اور لالچ سے ہیں ان کے احسانات دائمی اور بغیر لالچ کے ان کو ستانا انتہائی ظلم ہے **ولا مبدل لکلمت اللہ** یہ گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے کلمات اللہ سے مراد وہ آیات ہیں جن میں حضرات انبیاء کرام کی فتح و نصرت کا وعدہ کیا گیا ہے۔ خواہ توریت شریف کی آیات ہوں یا انجیل شریف کی یا قرآن مجید کی جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی** اور فرماتا ہے **انهم لهم المنصورون وان جندنا لهم الغلبون** اور فرماتا ہے **ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین** اور ممکن ہے کہ کلمات اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے ہوں کہ رب تعالیٰ کے وعدوں میں تبدیلی ناممکن بالذات ہے تبدیل اور تغیر کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ اصل چیز کا بدلنا تبدیلی ہے اس کے وصف کا بدلنا تغیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو بدلنے والا کوئی نہیں ہم نے گزشتہ نبیوں سے بھی نصرت و مدد کا وعدہ کیا تھا آپ سے بھی یہ وعدہ کیا ہے کہ آپ کی فتح و نصرت ہوگی کفار کا یہ ظاہری غلبہ محض عارضی ہے **ولقد جاءک من نباء المرسلین** یہ گزشتہ مضمون کی دلیل ہے نبأ قصہ اور خبر یا تو ہم معنی ہیں یا نبأ شاندار قصہ اور خبر کو

www.alahazratnetwork.org

کہتے ہیں قصہ 'خبر' ہر قصہ کو نباء کی جمع ہے انباء اسی سے ہے نبی غیبی شاندار خبریں دینے والے مرسلین سے مراد مطلقاً انبیاء کرام ہیں خواہ رسول یا مرسل بھی ہوں یا نہ ہوں نبی رسول مرسل کا فرق بیان ہو چکا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ تک نبیوں کی خبریں آچکی ہیں جن سے آپ کو معلوم ہو چکا کہ رب تعالیٰ کے وعدوں کو کوئی بدل نہیں سکتا سارے انبیاء کرام نے اولاً کفار سے تکلیفیں پائیں پھر فتح ان کی ہی ہوئی۔

خلاصہ ء تفسیر : دنیا آخرت کا نمونہ ہے دنیاوی حکومتیں اپنے ان ملازمت کے دل و دماغ کو آسودہ رکھنے کے لئے بہت کوشش کرتی ہیں 'جن پر بہت ذمہ داری ہو جن سے انتظام ملک وابستہ ہے دیکھو انجن کا ڈرائیور نیند نشہ بے خودی میں ڈیوٹی پر نہیں بھیجا جاتا کہ اس سے ساری ریل کے مسافروں کی جانیں وابستہ ہیں کہ اس کی ذرا سی پریشانی سے سینکڑوں جانیں تباہ ہوں گی اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے سارا عالم ایمان وابستہ کیا لوگوں کے ایمان 'عرفان 'نمازیں 'عبادات قرآن' فرمان احکام سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہیں دنیا کے سورج سے عالم اجسام کا انتظام قائم ہے 'دن رات موسم پھل پھول اس سے ہیں 'آسمانی نبوت کے اس سورج سے سارا عالم ایمان وابستہ ہے اسی لئے رب چاہتا ہے کہ محبوب کا دل غمگین نہ ہو آپ کو پریشانی نہ ہو 'جب کفار کی بکواس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دلی تکلیف ہوتی تو رب تعالیٰ کئی طرح آپ کی تسکین فرماتا ہے کبھی ان کا جواب دے کر جیسے تبت یدا ابی لہب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے فضائل سنا کر کبھی ان کفار کے الزامات کی تردید کر کے کبھی گزشتہ نبیوں کے صبر و تحمل کے واقعات سنا کر وغیرہ مگر یہاں نرالے طریقے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی کہ ارشاد فرمایا: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم خوب جانتے ہیں کہ کفار و مشرکین کی باتوں سے آپ کو بہت رنج و غم ہوتا ہے آپ کے دل کو بہت صدمہ پہنچتا ہے مگر آپ یہ تو سوچیں کہ یہ لوگ آپ کو ہرگز نہیں جھٹلاتے یہ تو شروع سے ہی آپ کو صادق الوعد 'امین کے لقب سے یاد کرتے ہیں آپ کی دیانت داری 'سچائی کے ڈھنڈورے پیٹتے ہیں یہ تو درحقیقت مجھے جھٹلا رہے ہیں کیونکہ میری آیتوں کا انکار کر رہے ہیں یا آپ میرے رسول ہیں میرے حکم سے میرے بندوں کو میرا کلام پہنچاتے ہیں آپ کو جھٹلانا مجھے جھٹلانا ہے جب میں ان کے جھٹلانے کی پرواہ نہیں کرتا تو تم میری ذات و صفات کے مظہر اتم ہو آپ بھی اس کی پرواہ نہ کریں یہ بھی آپ سوچیں کہ شروع سے ہی جو نبی تشریف لائے ان کو ضرور جھٹلایا گیا انہیں ستایا گیا انہیں جانی 'مالی 'بدنی ایذائیں دی گئیں مگر ان سب نے صبر ہی کیا حتیٰ کہ ان تک اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت پہنچی اور غالب وہی رہے' خیال رہے کہ صبر کی تین قسمیں ہیں گناہوں سے صبر یعنی نفس کو گناہوں سے روکنا نیکیوں پر صبر یعنی نفس کو نیک کاموں پر روکے رکھنا ہٹنے نہ دینا مصیبتوں میں صبر یعنی قدرتی آفتوں 'انسانی تکالیف میں گھبرانے سے اپنے نفس کو روکنا ہر قسم کا صبر سنت انبیاء ہے صبر کے معنی ہیں روکنا اور روکنے کی یہ تین نوعتیں ہیں اور اے محبوب آپ کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کو بدلنے والا پلٹنے والا کوئی نہیں اور آپ کو گزشتہ انبیاء کرام ان کی قوموں کی خبریں معلوم ہو چکی ہیں کہ اولاً ان کی قوموں نے شور مچائے زور دکھائے مگر آخر کار تمام کے زور ٹوٹ گئے نبیوں کا چاند چڑھا یہی انجام آپ کے دشمنوں کا ہو گا یہ جھٹلانا وغیرہ عارضی ہے آپ بھی صبر سے کام لیں کہ آپ تو تمام خلق کے دائمی نبی ہیں وہ حضرات خاص خاص قوموں کے وقتی انبیاء کرام تھے ان دونوں باتوں میں غور کرو اور دل میں رنج و غم کو جگہ نہ دیں 'ہماری مدد کبھی دیر سے آتی ہے مگر آتی ضرور ہے یہ ناممکن ہے کہ ہم اپنے خاص بندوں کو دشمنوں میں چھوڑ دیں۔

www.alahazratnetwork.org

محال است چوں دوست دارد ترا!　　　کہ در دست دشمن گذارد ترا

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک دل کو میلا نہیں ہونے دیتا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رنج و غم سمجھا بجھا کر گزشتہ انبیاء کرام کے واقعات یاد دلا کر دور فرماتا ہے کیوں نہ فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم روح کائنات اصل کائنات جان ایمان ہیں حضور ہی سے سارا نظام دین قائم ہے۔

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات　　　قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا دل میلا ہو جائے تو سارا نظام درہم برہم ہو جائے یہ فائدہ **قدنعلم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کی طعن و تشنیع پر غیر اختیاری رنج و غم برا نہیں بلکہ اسی رنج و غم کی برداشت پر ثواب عظیم ہے یہ برداشت بھی سنت رسول اللہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ **لیحزنک** الخ سے حاصل ہوا یوں ہی مومنین صادقین کی اطاعت ہر خوشی بھی ثواب ہے کہ یہ بھی سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی دیانت راست بازی کمالات کے کفار بھی قائل تھے جو کلمہ پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں عیب ڈھونڈھے وہ ان کافر سے بھی بدتر ہے یہ فائدہ **لا یکذبونک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار در حقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کی آیتوں کا انکار ہے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا اقرار و اعتراف در حقیقت رب تعالیٰ کی عظمت و عزت کا اقرار ہے یہ فائدہ **ولکن الظلمین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ کہے کہ جو میرے وزیر کا انکار کرے اسے جھوٹا کہے وہ اسے جھوٹا نہیں کہتا مجھے جھوٹا کہتا ہے اللہ کے کمال ماننے کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا ماننا بہت ضروری ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قانون قدرت ہے کہ اچھوں کے دشمن ضرور ہوتے ہیں بلکہ رب تعالیٰ جب کسی بندے کو عروج دینا چاہتا ہے تو اس کے مخالف پیدا فرماتا ہے۔ **ولقد کذبت رسل** الخ سے حاصل ہوا۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب　　　یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

جب تک مدمقابل سامنے نہ ہو تب تک قوت و طاقت کا پتہ نہیں چلتا نیز حضرات انبیاء کرام لوگوں کے لئے نمونہ اور مثال ہوتے ہیں لوگ ان کے صبر کو دیکھ کر صبر کرنا سیکھیں گے اگر ان پر مصیبتیں نہ آتیں اور وہ صبر کا موقعہ نہ پاتے تو دوسرے کو مصیبت کا پہاڑ سمجھتے اور صبر نہ کر سکتے، نیز رب تعالیٰ کے ہاں کچھ درجات شاکرین کے ہیں کچھ صابرین کے بلکہ صابرین کے درجے زیادہ ہیں رب چاہتا ہے کہ ان حضرات کو یہ دونوں درجے عطا ہوں لہذا انہیں صبر کا موقعہ پھر اس کی توفیق دی جاتی ہے بہر حال حضرات انبیاء کرام کی تکالیف ان کے صبر میں بہت حکمتیں ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** دنیا کی مصیبتوں مخالفوں کی مخالفتوں پر دل تنگ نہ ہونا چاہئے۔ جلد گھبرا جانا بہادری کے خلاف ہے صبر تمام مشکلات کا حل ہے یہ سنت انبیاء کرام ہے سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ فائدہ **فصبروا علی ما کذبوا** سے حاصل ہوا مگر صبر کے یہ معنی نہیں کہ ان کے مقابلہ اور ان کے دفعیہ کی تدبیریں نہ کی جائیں تدبیر خلاف توکل نہیں ہم صبر کے معنی اس کی قسمیں اور صبر کی قسموں کے احکام کہ بعض صبر کفر ہے بعض حرام بعض جائز بعض فرض بعض ایمان کا رکن ہیں گناہوں سے صبر مصیبت میں صبر عبادات پر صبر ان سب کا تفصیلی ذکر دوسرے پارہ **وبشر الصابرین** میں عرض کر چکے ہیں، **ساتواں فائدہ:** کبھی اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت دیر میں آتی ہے اس دیر سے مایوس نہ ہو جانا چاہئے۔ اس کی رحمت کا انتظار کرنا چاہئے یہ فائدہ **حتی اتاھم نصرنا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ کا جھوٹ بولنا محال بالذات اور بالکل ناممکن ہے جھوٹ منافی الوہیت ہے یہ فائدہ **لا مبدل لکلمات اللہ** سے حاصل ہوا اللہ سچا اس کے وعدے سچے اس کے رسول سچے۔ **نواں فائدہ:** قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کمال اس کی محنت و مشقت کے بعد دیتا ہے دانہ ملتا ہے مگر بونے کھیت کی حفاظت کرنے کاٹنے وغیرہ کی تکالیف کے بعد انسان افسر یا حاکم بنتا ہے بی اے پاس کرنے کالج و سکول کی پابندیاں اٹھانے محنت کرنے کے بعد ماں گود میں چاند سا بچہ لیتی ہے مگر حمل اور جننے کی مصیبتوں کے بعد سونا زیور بنتا ہے مگر سنار کی بھٹی اس کی ہتھوڑی کی تکالیف اٹھا کر یوں ہی انسان رب کو پاتا ہے مگر عبادات ریاضات، مجاہدات کی مشقت کے بعد یہ فائدہ بھی **لا مبدل لکلمات اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اللہ کے اس قانون کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں پیغمبروں کے سارے حالات پر مطلع فرمایا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نبی کو کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں، یہ فائدہ **ولقد جاء ک من نباء المرسلین** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکلا نقص علیک من انباء الرسل** یہاں کلا فرما کر تمام نبیوں کے متعلق فیصلہ فرمادیا وہ جو قرآن مجید میں ہے **منہم من لم نقصصہم علیک** وہاں قرآن مجید میں قصہ بیان نہ فرمانے کا ذکر ہے واقعی قرآن کریم میں بعض رسولوں کی خبریں ہیں، بعض کی نہیں۔ **گیارھواں فائدہ:** تاریخی واقعات کا معلوم ہونا ان سے سبق لینا بہت ہی بہتر ہے اس سے بہت کچھ فائدے حاصل ہوتے ہیں قرآن کریم نے قوموں کے جغرافیائی حالات تاریخی حالات جگہ جگہ بیان فرمائے اس سے علم جغرافیہ علم تاریخ کی اہمیت معلوم ہوتی ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلاتے ہیں، جب وہ آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سناتے ہیں اور کافر انہیں جھٹلاتے ہیں تو انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلادیا کسی کی بات کو جھوٹا کہنا خود بات کرنے والے کو جھوٹا کہنا ہے کلام سچ تو متکلم سچا کلام جھوٹا تو متکلم جھوٹا مثلاً کفار کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نہیں اتاریں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود آیتیں بنا کر انہیں اللہ کی آیتیں بتاتے ہیں اس میں انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو جھٹلایا۔ **جواب:** علماء کرام نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ وہ کفار علانیہ آپ کو جھٹلاتے ہیں مگر اپنی خفیہ مجلسوں میں آپ کی تصدیق کرتے آپ کو سچا کہتے ہیں، دوسرے یہ کہ یہ ظاہری تمہاری تکذیب کرتے ہیں مگر در حقیقت آیات قرآنیہ کو جھٹلاتے ہیں یہ جواب تفسیر کبیر وغیرہ نے دیئے مگر ان سے اصلی اعتراض نہیں اٹھتا فقیر کے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ بات کا سچا جھوٹا ہونا کچھ اور ہے اور بولنے والے کا سچا جھوٹا ہونا کچھ اور جھوٹی بات وہ ہے جو واقعہ کے خلاف ہو مگر جھوٹا آدمی وہ ہے جو جھوٹی خبر دینے کا ارادہ کرکے جھوٹی بات منہ سے نکالے اگر وہ جھوٹ کا ارادہ نہیں کرتا تو جھوٹا نہیں لہذا سونے والا، نشہ والا، دیوانہ بیہوش جو غفلت میں جھوٹی بات بولے تو بات جھوٹی ہے مگر وہ شخص جھوٹا نہیں بعض سیانے کہتے ہیں دیکھو وہ آسمان پھٹ گیا، دیکھو زمین ٹوٹ گئی مگر انہیں جھوٹا نہیں کہا جاسکتا کفار کہتے تھے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں وہ تو جھوٹ ہے (نعوذ باللہ) مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹے نہیں وہ سچے ہیں کسی نے ان پر جادو کردیا ہے یا دیوانگی طاری ہوگئی ہے اس وجہ سے وہ بہکی بہکی باتیں کرتے ہیں جیسا کہ دوسری آیات میں اس کا صراحۃً ذکر ہے اس قاعدے سے قرآن کریم یہاں فرماتا ہے کہ وہ تم کو جھوٹا نہیں کہتے میری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں غرضیکہ کلام کا جھوٹا ہونا کچھ اور ہے دیکھو رب تعالیٰ منافقین کے متعلق فرماتا ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ہم بھی جانتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

آپ اللہ کے رسول ہیں مگر ہم گواہی دیتے ہیں کہ منافقین جھوٹے ہیں ایک جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ کفار آپ کے متعلق کہتے ہیں افترى على الله كذبا ام به جنة" یا تو یہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں یا انہیں دیوانگی ہے فقیر کے نزدیک یہ جواب بہت قوی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** جب کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہی نہ تھے تو رب تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کی مثال کیوں پیش کی کہ فرمایا **ولقد كذبت رسل من قبلك** یہ مثال کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** وہاں بھی مطلب یہی ہے کہ گذشتہ نبیوں کی باتوں کو جھوٹا کہا گیا یا یہ مطلب ہے کہ یہ کفار تم کو سچا مانتے ہیں تم سے پچھلے نبیوں کو تو صاف جھوٹا کہتے تھے' جب وہ صبر فرماتے رہے تو آپ کو بھی صبر چاہئے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے **بايات الله يجحدون** کیوں فرمایا **ينكرون** فرمانا زیادہ مناسب تھا۔ **جواب:** انکار اور جحد کا فرق ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جحود خاص ہے انکار عام۔ **چوتھا اعتراض:** قانون قدرت یہ کیوں مقرر ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کے انکاری اور جھٹلانے والے پیدا کئے گئے جس سے انہیں صدمے بھی پہنچے ایذائیں بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کنکروں پتھروں کو کلمہ پڑھا سکتے ہیں تو ابوجہل ابولہب کو کلمہ کیوں نہ پڑھلیا۔ **جواب:** اس میں بہت سی حکمتیں ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معجزانہ طریقے سے کفار کو مسلمان کر لیتے تو آئندہ علماء و اولیاء کی تبلیغ کے لئے مثال قائم نہ ہوتی وہ لوگ کہہ سکتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب معجزات تھے معجزانہ طریقہ پر لوگوں کو مسلمان کر لیا ہمارے پاس معجزہ نہیں ہم تبلیغ کیسے کریں نیز اس صورت میں ان مسلمانوں کو اسلام قبول کرنے کا ثواب نہ ملتا اختیاری ایمان پر ثواب ہوتا ہے نہ کہ مجبوری ایمان پر نیز اس صورت میں حضرات انبیاء کرام کو تبلیغ اور صبر کا ثواب نہ ملتا وغیرہ وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **ولقد جاءك من نباى المرسلين** جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام نبیوں کی ساری خبریں پہنچ گئیں دوسری جگہ فرماتا ہے **وكلا نقص عليك من انباء الرسل ما نثبت به فوادك** مگر دوسری جگہ قرآن مجید فرماتا ہے۔ **منهم من قصصنا عليك و منهم من لم نقصص عليك** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے بعض نبیوں کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی ہے بعض کی نہیں دی آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیت **منهم من لم نقصص عليك** میں قرآن مجید میں صراحۃً" قصے بیان فرمانے کی نفی ہے یعنی قرآن مجید میں بعض رسولوں کے قصے صراحۃً" بیان نہیں فرمائے گئے یہاں کی اس آیت میں اور **كلا نقص** کی آیت میں اور طریقوں سے سارے نبیوں کی خبر دینا مراد ہے بطور کشف و الہام' معراج کی رات تمام نبیوں کی ملاقات ان سے کلام' لامکان میں پہنچ کر معراج کی شب وحی خاص **فاوحى الى عبده ما اوحى** ان ذریعوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے نبیوں کے سارے تفصیلی حالات بتائے گئے بلکہ دکھائے گئے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں اس لئے یہاں جاءک ارشاد ہوا وحی قرآن کا ذکر نہیں ہوا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ دشمنوں کو بھی جانتا ہے دوستوں کو بھی مگر دشمنوں کو جانتا ہے قہر و غضب کے ساتھ دوستوں کو جانتا ہے کرم و مہر کے ساتھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی حالات کو خاص کرم کے ساتھ جانتا ہے اس خصوصی کرم کے اظہار کے لئے فرمایا **نعلم انه ليحزنك** ساری مخلوق رب تعالیٰ کی معلوم ہے مگر معلومیت محبوبین اور معلومیت مردودین میں بڑا فرق ہے' چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فنافی الذات کا درجہ حاصل ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننا رب تعالیٰ کو ماننا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے' یہاں یہ فرمانا کہ

www.alahazratnetwork.org

وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ آیات اللہ کو جھٹلاتے ہیں ایسا ہی ہے جیسے فرمایا گیا کہ آپ نے کنکر نہ پھینکے ہم نے پھینکے **ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی** اس آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام عالی بتایا گیا' حضرات انبیاء سورج و چاند ہیں کفار ظلمت و تاریکی جیسے نور تاریکی میں کبھی اتفاق نہیں ہو سکتا یوں ہی ان حضرات سے راضی نہیں ہو سکتے اس ناراضگی پر صبر و تحمل کرنا اور زیادہ قرب الٰہی کا ذریعہ ہے اس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادتی قرب الٰہی کی تعلیم دی گئی صوفیاء فرماتے ہیں کہ **لیحزنک الذی یقولون** قیامت تک کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر کافر و مومن کے ہر قول و عمل سے خبردار ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہماری برائیوں گناہوں سے غم ہوتا ہے ہماری نیکیوں سے خوشی ہم کو چاہیے کہ گناہوں سے اس لئے بچیں کہ ہماری ان حرکتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ ہوتا ہے۔ **عزیز علیہ ما عنتم** اور نیکیاں اس لئے کریں کہ ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خوشی ہوتی ہے خوش نصیب ہے وہ اولاد' شاگرد' مرید' امتی جو اپنے والدین' استاد' پیر' نبی کو خوش رکھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ صبر اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور بندہ کی بھی اس کے لفظی معنی ہیں روکنا اگر رب کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں گنہگاروں سے اپنا عذاب روکنا ان کے گناہوں پر جلد پکڑ نہ فرمانا' اس لئے اس کا نام صبار بھی ہے صبور بھی دیکھو ہم کیسے کیسے گناہ کرتے رہتے ہیں مگر ہم کو عیش' روزی' ہر قسم کی نعمت ملتی رہتی ہے یہ ہے اس کی شان صباری پھر اگر کوئی عمر بھر جرم و گناہ کرتا ہے ایک بار سچی توبہ دل سے کرے تو معاف فرما دیتا ہے یہ ہے اس کی شان صبوری اسی صباری اور صبوری کا ظہور تھا کہ فرعونی جادوگر جو عمر بھر کفر و گناہ کرتے رہے ایک مقبول سجدہ کی برکت سے مومن صالح کلیم اللہ کے صحابی صابر اور شہید سب کچھ ہو گئے۔

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي

اور اگر بھاری ہوتا ہے آپ پر ان کا منہ موڑنا بس اگر طاقت رکھو تم پس کر ڈھونڈ لو تہ خانہ زمین

اور اگر ان کا منہ پھیرنا تم پر شاق گزرا ہے تو اگر تم سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ

الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى

میں یا سیڑھی آسمان میں پھر لاؤ تم ان کے پاس کوئی نشانی۔ اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کر دیتا ان

تلاش کر لو یا آسمان میں زینہ پھر ان کے لئے نشانی لے آؤ اور اللہ چاہتا تو انہیں ہدایت پر اکٹھا

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى

کو اوپر ہدایت کے پس ہرگز نہ ہو تم نادانوں سے قبول کرتے ہیں وہ ہی لوگ جو سنتے ہیں اور مردے

کر دیتا تو اے سننے والے تو ہرگز نادان نہ بن مانتے تو وہی ہیں جو سنتے ہیں اور مردہ دلوں

يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

اٹھائے گا انہیں اللہ پھر اس کی طرف لوٹائے جائیں گے

کو اللہ اٹھائے گا پھر اس کی طرف ہانکے جائیں گے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ہٹ دھرمی پر دو طرح تسکین دی گئی ایک اس طرح کہ یہ آپ کو نہیں جھٹلاتے بلکہ مجھے جھٹلاتے ہیں' دوسرے اس طرح کہ گزشتہ نبیوں کو جھٹلایا گیا یہ کوئی نئی بات نہیں اب تیسری طرح تسلی دی جاری ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدبختوں کے ایمان سے مایوس کیا جارہا ہے مایوسی بھی ایک قسم کی تسلی و راحت ہوتی ہے یعنی وہ ایمان نہیں لائیں گے' آپ اس سے رنجیدہ نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ گزشتہ نبیوں نے قوم کے جھٹلانے پر یہاں تک صبر کیا کہ ان حضرات کو اللہ کی مدد پہنچ گئی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قوم ایمان نہ لائی بلکہ مغلوب یا ہلاک کردی گئی اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ معاملہ آپ کے ساتھ ہوگا کہ یہ سب لوگ ایمان نہ لائیں گے۔ بلکہ آپ کو ان پر غلبہ دیا جائے گا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی باتیں بدلنے والا کوئی نہیں جو اس کا ارادہ ہوتا ہے وہ ہو کر رہتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ ان بدبختوں کے متعلق بھی ارادہ الٰہی یہی ہو چکا ہے کہ انہیں ایمان کی توفیق نہ ملے پھر آپ ان کے ضد ہٹ دھرمی پر ملول کیوں ہوتے ہیں گویا قانون الٰہی بیان فرمانے کے بعد اس کے ایک نتیجہ کا ذکر کیا جارہا ہے۔

شان نزول : ایک بار حارث ابن عامر نوفل ابن عبد مناف جماعت قریش کو لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور بولا یا رسول اللہ آپ کوئی ایسا معجزہ ہم کو دکھائیں جو معجزہ گذشتہ انبیاء کرام دکھاتے تھے (یعنی یا تو ہمارا منہ مانگا معجزہ جیسے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادینا وغیرہ یا جیسے صالح علیہ السلام کی اونٹنی عصا موسوی وغیرہ) تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ مطالبہ منظور نہ فرمایا اس پر وہ شور مچایا مذاق اڑایا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر بہت ہی صدمہ ہوا تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین خاطر کے لئے یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں (تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن' تفسیر صاوی وغیرہ) بعض مومنین کی بھی تمنا تھی کہ یہ معجزہ دکھا دیا جائے' شاید یہ لوگ اس ذریعہ سے ہی ایمان لائیں اور ان کے ایمان لانے سے اسلام کی اشاعت میں مدد ملے گی۔

تفسیر : **وان کان کبر علیک اعراضھم** یہاں **ان** شرطیہ **کان** پر لایا گیا نہ کہ **کبر** پر یعنی **وان کبر** نہ فرمایا گیا کیونکہ **ان** ماضی کو مستقبل بنادیتا ہے سوا **کان** کے کہ **کان** کو **ان** بمعنی مستقبل نہیں کرسکتا۔ مقصود تھا اسے ماضی رکھنا (روح المعانی) **کان** کا اسم یعنی ضمیر شان پوشیدہ ہے اور **کبر** اس کی خبر ہے معنی یہ ہوئے کہ اگر واقعہ یہ ہے کہ آپ کو ان کا منہ پھیرنا شاق گزرا ہے' یہاں **ان** بیان شک کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے وہ تو علیم و خبیر ہے بلکہ محض تعلق کرنے کے لئے ہے **کبر** بنا ہے **کبر** سے بمعنی بڑا ہونا یا بھاری ہونا یہاں بمعنی بھاری ہوتا ہے یعنی شاق گذرنا چونکہ حارث اور اس کے ساتھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر چل دیئے تھے یہ حالت بیان فرمانے کے لئے **اعراضھم** ارشاد ہوا **کفرھم** یا **عنادھم** نہ فرمایا گیا اعراض کے معنی ہیں منہ پھیرنا' یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید پر ایمان لانے سے منہ پھیرنا مراد ہے یعنی ایمان قبول نہ کرنا **فان استطعت ان تبتغی نفقا فی الارض** یہاں **ف** جزائیہ ہے اور اس کے بعد والا پورا جملہ شرطیہ پہلے **ان** کی جزا ہے **استطعت** بنا ہے طوع سے بمعنی قدرت و طاقت یہ طوع بمعنی خوشی نہیں نفق زمین میں تہ خانہ جس کے دو منہ ہوں ایک داخل ہونے کا دوسرا نکلنے کا اسی لئے گوہ کے سوراخ کو **نافقاء** کہا جاتا ہے اس کے تین دروازے ہوتے ہیں **'نافقاء' 'قاصعاء' 'رامیا'**

www.alahazratnetwork.org

ایک دروازہ ظاہر ہوتا ہے باقی دو چھپے ہوئے جن پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی ہے جب شکاری اس کے ظاہری دروازہ پر جاتا ہے تو وہ دوسرے چھپے دروازہ سے نکل جاتی ہے اس سے ہے منافق جس کی زبان و دل ایک نہ ہوں اسی سے ہے نفقہ بمعنی خرچہ کہ جمع شدہ رقم متفرق جگہ خرچ کر دی جاتی ہے (تفسیر صاوی وغیرہ) **نفقا** " مفعول ہے **تبتغی** کا **وسلما فی السماء** یہ عبارت معطوف ہے ' نفقاء پر اور **تبتغی** کا مفعول **سلم** بنا ہے سلامت سے بمعنی چھڑنا **سلم** بمعنی اسم آلہ ہے 'سلم چڑھنے کا آلہ یعنی مرقاۃ (سیڑھی زینہ) **فی السماء** عالما کے متعلق ہو کر سلم کے صفت ہے یعنی ایسی سیڑھی جو آسمان میں پہنچا دے **فتاتیهم بایة** یہ عبارت **تبتغی** پر معطوف ہے ان کے تحت ہے اس لئے اس پر فتحہ آیا **هم** کا مرجع وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں **اٰیة** سے مراد ان کفار کا منہ مانگا معجزہ ہے خیال رہے کہ **ان استطعت** کی جزا پوشیدہ ہے **فافعلها** یعنی اگر آپ پر ان بدبختوں کا ایمان سے منہ پھیرنا گراں ہے اگر تو آپ زمین کے اندر تہہ خانہ سے یا آسمان سے بذریعہ سیڑھی کے ان کے منہ مانگے معجزے لا سکیں تو لے آئیں ان کا مطالبہ پورا کر دیں ہم تو ان کے لئے ایسے واہیات مطالبے پورے نہیں کریں گے ان کی ہر ضد نہیں مانیں گے اگر انہیں ایمان لانا ہے تو آپ نے بے شمار معجزے دکھا دیئے **ولو شاء الله لجمعهم على الهدى** یہ فرمان گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے جس میں بتایا گیا کہ ان بدنصیبوں کا ایمان نہ لانا اتفاقا" نہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے مطابق ہے کہ کچھ لوگ ایمان لائیں کچھ کافر رہیں تا کہ جنت و دوزخ دونوں بھرے جائیں 'صفت غفاری و قہاری دونوں ظاہری ہوں خیال رہے کہ یہاں **شاء** بمعنی ارادہ ہے نہ کہ بمعنی پسندیدگی اللہ تعالیٰ سب کے ایمان کو پسند تو فرماتا ہے مگر اس کا ارادہ نہیں فرماتا **هم** کا مرجع یا تو وہی کفار ہیں یا سارے جن و انس **هدى** سے مراد ہے اسلام و ایمان یعنی اگر اللہ تعالیٰ ارادہ نہ فرماتا تو سارے بندوں کو ایمان و اسلام پر جمع فرما دیا کہ سب مسلمان ہو جاتے کوئی کافر نہ رہتا مگر اس نے یہ چاہا نہیں لہذا اب بندے ایمان نہ لائیں گے آپ اس سے غم نہ کریں **فلا تكونن من الجاهلين** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **لما كان كذالك** ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عتاب کے اظہار کے لئے ہے اور اس میں خطاب عام قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیونکہ دوسرے مقام پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حرص ایمان کی تعریف فرمائی ہے۔ **حریص علیکم** یہ آرزو کہ سب مسلمان ہو جائیں اچھی آرزو ہے اس پر عتاب کیسا اور ایک عبارت میں چند ضمیروں کا مختلف طرف لوٹنا جائز ہے جب کہ اس سے کچھ فائدہ ہو رب تعالیٰ فرماتا ہے **یوسف اعرض عن هذا واستغفري لذنبک** دیکھو **اعرض** کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف ہے اور **استغفري** کی زلیخا کی طرف اسی صورت میں **جاهلین** سے مراد ہے معترضین یعنی اے مسلمان تو اللہ پر اعتراض کرنے والوں میں سے نہ ہو یہ نہ کہہ کہ سب کو ہدایت کیوں نہ دے دی اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہو تو بھی خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور سنانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ہے 'جیسے **یا ایها النبی اذا طلقتم النساء** اور اگر سنانا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہو تو یہ عتاب نہیں بلکہ اظہار کرم ہے بغیر تشبیہ یوں سمجھو کہ کسی مہربان استاذ کا بہت شوقین محنتی لائق فائق شاگرد طاقت سے زیادہ محنت کرتا ہو استاذ عتابانہ لہجہ میں کہے کہ تجھ سے ہو سکے تو ایک دن میں ہی عالم فاضل بن جا تو نادان کیوں ہو گیا زیادہ محنت سے تیری صحت خراب ہو جائے گی ظاہر ہے کہ اس شفیق استاذ کا یہ فرمان عتاب کے لباس میں شفقت و رحمت ہے کیونکہ وہ شاگرد عتاب والا کام نہیں کر رہا ہے اب تک ارشاد ہوا کہ معجزات وغیرہ ان کفار کو مفید نہیں اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ معجزات آیات قرآنیہ اسے فائدہ دے سکتے ہیں جو آپ کی بات سنے تو یا جو

www.alahazratnetwork.org

زندہ تو ہو یہ تو آپ کے کلام سے بہرے اور مردے ہیں پھر انہیں فائدہ کیسا چنانچہ ارشاد ہے **انما یستجیب الذین یسمعون** یہ نیا جملہ ہے جس میں اور طریقہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی ہے اور آپ کا رنج و غم دور فرمایا گیا **انما** حصر کے لئے ہے **یستجیب** بمعنی **یجیب** ہے۔ **استجابۃ** ست دفعہ بمعنی اجابت آتا ہے بمعنی قبول کرنا یہاں سننے سے مراد قبولیت کا سننا ہے کہ کان کی پڑی آوازوں میں اتر جائے اور دل سے مان لے یعنی وہی لوگ آپ کی بات قبول کرتے ہیں جو آپ کا فرمان سنتے ہوں یہاں مختصری عبارت پوشیدہ ہے **دون الموتی** نہ کہ مردے مطلب یہ ہے کہ یہ مردے ہیں آپ کی بات کیسے سنیں' خیال رہے کہ دل کے تین دروازے بیرونی ہیں دو اندر جانے کے اور ایک اندر سے باہر نکلنے کا کان اور آنکھیں وہ دروازے ہیں جن سے باہر کی چیزیں اندر جاتی ہیں انسان دیکھ کر سن کر دل سے اقرار یا انکار کرتا ہے اور زبان وہ دروازہ ہے جس سے دل کی بات باہر آتی ہے' پھر ایک دروازہ ہے دل میں اندرونی جس کے ذریعہ یہ چیزیں دل میں اترتی ہیں دل انہیں قبول کرتا ہے یہاں فرمایا یہ گیا کہ یہ لوگ آپ کے معجزات یا کلام سے مسلمان کیسے ہوں ان کے دل کا اندرونی دروازہ بند ہے جن کے دل کے دروازے کھلے ہوئے ہیں وہ تو ایک معجزہ دیکھ کر آپ کی ایک بات سن کر ایمان لے آتے ہیں۔ **یستجیب** میں دل کے اندرونی دروازہ کا ذکر ہے **یسمعون** میں بیرونی کا **والموتی یبعثہم اللہ** موتی جمع ہے میت کی اس سے مراد دل کے مردے یعنی کفار ہیں جو ایمان قبول نہ کریں گے جن کے نصیب میں ایمان ہے وہ اگرچہ ابھی کافر ہوں مگر میت نہیں **بعث** سے مراد قیامت میں سزا کے لئے قبروں سے اٹھانا ہے۔ لہذا آیت واضح ہے۔ یعنی ان مردہ دل کافروں کو رب تعالیٰ قیامت میں سزا کے لئے ان کی قبروں سے اٹھائے گا جس سے معلوم ہوا کہ یہ مرتے وقت تک کافر ہی رہیں گے خیال رہے کہ جسم کی زندگی جان سے ہے اور دل کی زندگی ایمان سے جان کے بغیر جسم کی کوئی قیمت نہیں اور ایمان کے بغیر دل کی کوئی قدر نہیں نیز جسم میں جان ہے تو سارے اعضاء کام کرتے ہیں جان نکلتے ہی سب بیکار یوں ہی دل میں ایمان ہے تو سارے اعمال کام کے ہیں ایمان گیا تو سب گیا' جسمانی زندگی کے لئے غذا اور ہوا ہے دلی زندگی کے لئے ہیبت خدا اور غیرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ دونوں چیزیں زندہ دلوں کی صحبت سے میسر ہوتی ہیں روشن چراغ سے اپنا گل شدہ چراغ لگاؤ تا کہ وہ بھی روشن ہو جائے۔

چراغ زندہ می خواہی در شب زندہ داراں زن
کہ بیداری بخت از بخت بیداری شود حاصل

اللہ تعالیٰ کے ہاں زندہ دلوں کی قدر ہے' ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

تن بے جان سے بیزار ہے حق!
خداء زندہ زندوں کا خدا ہے

اس موت سے جسم مردہ ہو جاتا ہے مگر زندہ دل ابد الاباد تک زندہ رہتا ہے' اسے فنا نہیں۔ **بل احیاء ولکن لا تشعرون**' **ثم الیہ یرجعون** چونکہ قبروں سے اٹھنے اور بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے میں دراز فاصلہ ہوگا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا نیز اس دن رب تعالیٰ کے سوا کسی بادشاہ یا حاکم کی کچہری نہ ہوگی اس لئے حصر کے لئے **الیہ** کو **یرجعون** سے پہلے فرمایا گیا نیز اس دن کفار بخوشی پیش نہ ہوں گے وہ تو چھپنے کی کوشش کریں گے فرشتے جبراً انہیں پیش کریں گے اس لئے **یرجعون** مجہول ارشاد ہوا نیز تمام بندے وہاں سے ہی اسی دنیا میں آئے اور پھر وہاں ہی جائیں گے اس لئے **یذھبون** نہ کہا بلکہ **یرجعون** ارشاد ہوا۔ یعنی یہ مردے کفار رب کے دربار میں پیش ہوں گے تب آپ کی باتیں سنیں گے مگر اس وقت سننا کام نہ آئے گا۔ سننے اور قبول کرنے ایمان لانے عمل کرنے کی جگہ یہ دنیا ہے۔ یہاں عمل ہے حساب نہیں وہاں حساب ہوگا' عمل نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ **ان کان کبر علیک** سے **فلا تکونن من الجاھلین** تک کے سارے خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہوں۔ دوسرے یہ کہ اگلے سارے خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوں اگر مسلمانوں سے خطاب ہے تو عتاب مقصود ہے اور اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے تو عنایت بے غایت کرم بے نہایت ہے ہم خلاصہ ء تفسیر میں آخری تیسری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں ۔ ارشاد باری ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر ان کافر کا آپ کی تبلیغ سے منہ پھیرنا آپ کی بات نہ ماننا گراں گزرا ہو تو اگر آپ سے ہو سکے کہ زمین کے تہ خانہ میں کوئی زمین دوز سرنگ تلاش کریں یا آسمان پر پہنچنے کے لئے کوئی سیڑھی تلاش کر کے آسمان پر پہنچ جائیں اور زمین میں سے یا آسمان پر سے ان کے منہ مانگے معجزات انہیں دکھائیں تو ایسا کر لیں ہم تو ان کے منہ مانگے معجزے نہیں دکھائیں گے آپ نے صدہا معجزات دکھا دیئے ثبوت نبوت کے لئے وہ کافی ہیں ضدی آدمی کسی چیز سے بھی نہیں مانتا آپ یہ خیال فرمالیں کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی کمی یا نقصان نہیں ان بدنصیبوں کا قبول نہ کرنا اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت پر آنے کا ارادہ نہ فرمایا۔ اب یہ ہدایت پر کیسے آئیں اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع فرما دیتا کہ ایک بھی کافر نہ رہتا۔ مگر یہ ہماری حکمت کے خلاف ہے باغ میں نرے پھول ہی نہیں ہوتے وہاں گھاس بھی ہوتی ہے اے قرآن سننے پڑھنے والے مسلمان تو بھی یہ بات دھیان میں رکھنا نادان نہ بن یا اے محبوب آپ نادان نہ بنیں اپنے کو ان کی فکر میں پریشان نہ کریں آپ کی پریشانی ہم کو پسند نہیں یہ بھی خیال رکھیں کہ آپ کی تبلیغ وہی سن سکیں گے جو سننے کی صلاحیت رکھتے ہوں یہ تو مردے ہیں ان میں سننے کی صلاحیت کہاں ان مردوں کو اللہ تعالیٰ جب ان کی قبروں سے اٹھائے گا پھر بہت عرصہ محشر میں سرگرداں رہنے کے بعد اپنے رب کی طرف سزا کا فیصلہ سننے کے لئے لوٹائے جائیں گے تب سنیں گے اور دنیا میں لوٹ جانے کی تمنا کریں گے مگر اس وقت سننا کام نہ دے گا کہ سننے کا وقت نکل چکا ہو گا۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخلوق کی ہدایت کی بہت ہی حرص ہے یہ حرص رب تعالیٰ کو بڑی پیاری ہے اسی حرص کی تعریف رب نے فرمائی کہ فرمایا **حریص علیکم** اس حرص عظیم کی وجہ سے لوگوں کی ضد و عناد سے بہت صدمہ ہوتا تھا۔ جسے رب تعالیٰ جگہ جگہ رفع فرماتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین میں جانے یا آسمان پر پہنچنے وہاں سے ان کے منہ مانگے معجزات لانے کی اجازت دے دی جاتی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی کر لیتے صرف ان کی ایمان کی خواہش میں یہ فائدہ **ان تبتغی نفقا** الخ سے روح المعانی وغیرہ نے اخذ کیا۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی نبی خلاف ارادہ الٰہی کوئی معجزہ نہیں دکھاتے وہ حضرات جو کچھ دکھاتے ہیں اللہ کے ارادہ اس کی اجازت سے یہ فائدہ بھی **فان استطعت** سے حاصل ہوا۔ وہ حضرات اپنے خداداد اختیارات رب تعالیٰ کی اجازت سے استعمال کرتے ہیں ایک متقی آدمی ناجائز چیز کو دیکھتا یا سنتا نہیں یا ممنوع جگہ جاتا نہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ دیکھنے سننے کی طاقت نہیں رکھتا بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ اپنی ان طاقتوں کو بغیر حکم الٰہی استعمال نہیں کرتا اس پر وہ بڑا ثواب پاتا ہے۔

مسئلہ : معجزات انبیاء تین قسم کے ہیں ایک وہ جو نبی کی ذات کے ساتھ لازم ہوتے ہیں۔ کبھی ان سے جدا نہیں ہوتے جیسے

www.alahazratnetwork.org

حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن یا داؤد علیہ السلام کی خوش آوازی یا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم شریف کا بے سایہ اور خوشبودار ہونا دوسرے وہ جو انبیاء کرام کے اختیار میں ہوتے ہیں جب چاہیں دکھائیں جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا جو آپ کے پھینکنے پر سانپ بنتا تھا ید بیضا جو بغل میں ہاتھ دینے پر چمکتا تھا یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہر بار رب سے پوچھتے نہ تھے کہ کیا عصا پھینکوں یہ سانپ بنے گا یا نہیں بلکہ جب چاہتے سانپ بناتے۔ تیسرے وہ جن میں نبی کے اختیار کو دخل نہیں رب جب چاہے ظاہر فرمادے ہاں ان کی دعا سے یہ معجزے ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے ذریعہ سے لہٰذا یہ ان کے معجزے ہوتے ہیں جیسے حضرت مسیح کی دعا سے دسترخوان آسمان سے آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بعض آیات آئیں۔ جیسے آیات قرآنیہ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمانی دسترخوان مگر یہ سب معجزے رب تعالیٰ کے ارادے سے ہوتے ہیں اس کے بغیر چاہے کوئی کچھ نہیں کر سکتا بلکہ کوئی کچھ نہیں چاہ سکتا۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش بھی باعث ثواب تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خواہش کہ ان کفار کے منہ مانگے معجزے دکھادیئے جائیں شاید یہ ایمان قبول کرلیں۔ رب تعالیٰ کی طرف سے تھی اہو ہدایت دینے کی تھی اچھی چیز کی تمنا بھی اچھی ہے۔ جس پر ثواب ملتا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بدبختوں کے ایمان سے مایوس تو کیا مگر اس آرزو سے نہ منع فرمایا نہ انہیں تبلیغ فرمانے سے روکا۔ **پانچواں فائدہ:** جن کفار کے ایمان سے مایوسی ہے انہیں بھی تبلیغ کرنے کا حکم ہے اور اس تبلیغ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر و ثواب ہے۔ مہربان طبیب لاعلاج بیمار کا بھی علاج کرتا ہے اس پر فیس اور دواؤں کی قیمت کا حقدار ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یومنون** یہاں **علیهم** فرمایا **علیک** نہ فرمایا یعنی ایسے کافروں کو تبلیغ کرنا ان کے لئے برابر ہے آپ کے لئے برابر نہیں آپ کو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ **چھٹا فائدہ:** تمام انسان ایمان نہ لائیں گے بعض کفار ضرور رہیں گے یہ فائدہ **ولو شاء اللہ** سے حاصل ہوا اس میں رب تعالیٰ کی بڑی حکمتیں ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ راضی بہ رضا رہے قدرت کا مقابلہ کرنے کی جرات نہ کرے نہ رب کی شکایت کرے اگر ہم اپنی کسی کوشش میں کامیاب نہ ہوں تو حوالہ بہ خدا کریں سمجھیں کہ اس میں اس کی حکمت ہے۔

گر زمین را بہ آسماں دوزی نہ دہندت زیادہ از روزی

یہ فائدہ بھی **فان استطاعت ان تبتغی** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ تھی کہ سارے ہی لوگ ایمان لے آئیں۔ سب کو اللہ تعالیٰ کے دروازے پر جھکا دیا جائے۔ رب تعالیٰ نے کس نفیس طریقہ سے اپنے محبوب کو سمجھایا۔ **آٹھواں فائدہ:** جو کان حق نہ سنیں وہ بہرے ہیں جو زبان حق نہ بولے وہ گونگی ہے۔ جو زندہ حق تک نہ پہنچے وہ مردہ ہے غرضیکہ جو شے اپنا مقصد پورا نہ کرے وہ گویا ہے ہی نہیں، دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں سننے والے کافروں کو بہرہ فرمایا اور زندہ مشرکین کو موتی قرار دیا کہ انہوں نے اپنے قوت سماعت اور زندگی کا مقصد پورا نہ کیا اور وفات یافتہ شہدا کو زندہ کہا۔ **نواں فائدہ:** سب کو جانا ہے بارگاہ الٰہی میں ہی مگر کوئی پیش ہوگا انعام پانے کے لئے اور کوئی پیش ہوگا سزا پانے کے لئے سب کا رجوع ادھر ہی ہے مگر رجوع کی نوعیت میں فرق ہے یہ فائدہ **الیه یرجعون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام انسانوں کے ایمان کی حرص فرمانا تو بڑا ہی اعلیٰ عمل ہے جس کی تعریف خود

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ نے فرمائی ہے کہ فرمایا **حریص علیکم** پھر یہاں اس حرص شریف کی وجہ سے عتاب کیوں فرمایا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں تفصیل سے عرض کر دیا گیا کہ یہاں روئے سخن اگر ان مسلمانوں کی طرف ہے جو سب کو مسلمان کرنا چاہئیں اور سب کے مسلمان نہ ہونے سے رب تعالیٰ پر اعتراض کریں کہ سب کو ہدایت کیوں نہیں دی تو ان سے فرمایا گیا کہ جاہل نہ بنو اس میں ہماری حکمت ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اس ہی طرف اشارہ کر رہا ہے تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے تو یہ عتاب نہیں انتہائی کرم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے جس کی نفیس مثال تفسیر میں دے دی گئی عتاب ہوتا ہے فرض منصبی میں کوتاہی کرنے پر نہ کہ فرض سے زیادہ کام کرنے پر' رب تعالیٰ کے اس کریمانہ کا ظہور ان آیات سے ہو رہا ہے **طٰہٰ ما انزلنا علیک القران لتشقی** اے محبوب ہم پر یہ قرآن اس لئے نہ اتارا کہ آپ مشقت میں پڑ جائیں **لعلک باخع نفسک الا یکونوا مومنین** شاید آپ اپنی جان پر کھیل جائیں گے اس لئے کہ وہ مومن نہیں بنتے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** دوزخیوں کے متعلق آپ سے کوئی سوال نہ ہوگا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ تھی کہ کون ہدایت پائے گا' اور کون نہیں نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ہدایت کی کوشش نہ فرماتے اور یہ آیت اتارنے کی نوبت نہ آتی پھر تم کیسے کہتے ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کلی علم غیب اور ہر ایک کے انجام کی خبر عطا ہوئی۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کے انجام کی خبر ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے محبوب ان کفر پر مرنے والے کفار سے کہہ دو **ولا انتم عابدون ما اعبد** تم میرے معبود حقیقی کی کبھی عبادت کرنے والے نہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رحمت اللعالمین اس رحمت کا تقاضا تھا کہ سب کا بھلا چاہیں سب کو رب کے دروازے کی طرف بلائیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر بھی ملتا۔ مہربان طبیب لاعلاج مریض سے مایوس ہو کر بھی اس کا علاج کئے جاتا ہے' سورج ہر چیز پر چمکتا ہے بادل ہر زمین پر برستا ہے خواہ زمین اچھی ہو یا بیکار' نالی' کھورا ہو یا اور' یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک پر کرم کرتے ہیں' کوئی کرم سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو! تم ایسے رحمت للعالمین ہو!

اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے روزی سب کو دیتا ہے خواہ کوئی روزی کھا کر اس کی عبادت کرے یا اس کی نافرمانی' دوستو! خیال رکھو ہم جرم کرنے کی عادت نہیں چھوڑتے حضور کرم پروری بندہ نوازی شفاعت سفارش بخشوانے کی عادت نہیں چھوڑتے گناہ کرنا ہمیں آتا ہے' بخشوانا نہیں آتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

قدرت کی تحریریں جانے امی اور تقریریں جانے' بخشش کی تدبیریں جانے
وہ ہے سب کا پیارا جن کا نام ہے محمد ان سے دو جگ ہے اجیالا!

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ سارے انسان کبھی ہدایت پر جمع نہ ہوں گے گمراہ اور کافر ضرور رہیں گے مگر حدیث شریف میں آتا ہے کہ قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ظہور پر ساری دنیا میں مومن ہی ہوں گے کافر کوئی نہ رہے گا تو گویا عیسیٰ علیہ السلام کی شان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ہدایت نہ دی' وہ سب کو ہدایت دے دیں گے (مرزائی)۔ **جواب:** اس زمانہ میں سب کو ہدایت نہ ملے گی بلکہ کفار اور وہ جو دجال کو خدا مان چکے تھے ہلاک کر

www.alahazratnetwork.org

دیئے جائیں گے، صرف مومن باقی رکھے جائیں گے جیسے نوح علیہ السلام کے زمانہ شریف میں سارے کفار غرق کر دیئے گئے۔ صرف وہی مومن رہے جو کشتی میں سوار تھے نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں یا اسلام یا قتل ہوگا کسی کافر کو جزیہ دے کر رہنے کی اجازت نہ ہوگی "کفار کو ہلاک کر دیتا اور بے ہدایت دے دیتا" کچھ اور یہ فرق خیال میں رہے۔

چوتھا اعتراض: آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ دنیا میں کفار ضرور رہیں اگر سارے انسان مسلمان ہو جائیں تو بہت ہی اچھا ہو کہ زمین اللہ کی اطاعت سے بھر جائے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ آخر اس میں کیا حکمت ہے کہ باغ میں پھول بھی ہوں کانٹے بھی زمین میں دودھ والے جانور بھی ہوں زہریلے سانپ بچھو بھی ہم میں بھوک پیاس بیماریاں بھی ہوں اور تندرستی وغیرہ بھی اگر سارے ہی پھول ہوتے سارے اچھی چیزیں ہی ہوتیں تو کتنا اچھا ہوتا جواب تحقیقی وہ ہے جو ہم پہلے پارہ میں شیطان کے پیدا کرنے کی حکمتیں بیان کر چکے ہیں کہ مسلمانوں کی بہت سی عبادات کفار کی وجہ سے ہیں۔ جہاد، شہادت، تبلیغ کفار کی ایذا پر صبر یہ سب عبادتیں ہیں جو کفار کی وجہ سے ادا ہو سکتی ہیں نیز روشنی کی قدر اندھیرے سے تندرستی کی قدر بیماری سے ٹھنڈے پانی اچھی غذا کی قدر پیاس اور بھوک سے معلوم ہوتی ہے ایمان تقویٰ ہدایت کی قدر بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ان کفار وغیرہ سے معلوم ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ اختیار نہیں دیکھو حارث پہاڑوں کو سونا بنانے کا مطالبہ کرتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی خواہش بھی کرتے ہیں۔ مگر رب تعالیٰ منظور نہیں فرماتا تو آپ کچھ نہیں کر سکتے پھر تم حضور کو کیوں مختار و مالک مانتے ہو۔ **جواب:** ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مختار مالک مانا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے مقابلہ میں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اعتبار سے باذن پروردگار مالک و مختار ہیں جیسے گورنر پبلک کے لحاظ سے بادشاہ کے بنانے سے بااختیار ہوتا ہے مگر بادشاہ کے مقابل اور بغیر مرضی کچھ نہیں کر سکتا ہم اپنی زندگی موت بلکہ ہر حرکت و سکون میں رب تعالیٰ کے محتاج ہیں مگر پھر اختیار والے بھی ہیں اسی اختیار پر سزا و جزا ہے۔ چونکہ یہاں ارادہ الٰہی نہ تھا کہ پہاڑ سونا بنے نہ بن سکے اللہ کے ارادہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں نے پتھر کو سونا بنایا ہے۔ حضرت خواجہ فرید گنج شکر نے سورہ اخلاص دم کر کے مرغی کے انڈے کو سونا بنا دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں (حدیث) فرماتے ہیں کہ زمین کے خزانوں کی کنجیاں مجھے عطا کی گئیں (حدیث) غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے اختیارات دیئے ہیں مگر وہ اختیارات بغیر حکم الٰہی استعمال نہیں فرماتے۔ **چھٹا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرمانا لا تكونن من الجاهلين اس میں آپ کی بے ادبی ہے کیا ہم بھی یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہہ سکتے ہیں کیونکہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ **جواب:** مختلف الفاظ کے لئے مختلف زبانیں بنی ہیں ہر لفظ اسی زبان پر سجتا ہے جو اس کے لائق ہو بادشاہ کو اس کے ماں باپ بیٹا کہیں تو اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر نوکر یہ کہے تو سزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے یہ کلمہ نہایت محبت و پیار کا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا ہماری امانت کو انسان نے اٹھا لیا وہ بڑا ظالم و جاہل ہے۔ کیا امانت الٰہی اٹھانے کا یہ بدلہ ملا کہ ظالم و جاہل فرمایا گیا۔ یہ الفاظ نہایت ناز و انداز کے ہیں نہ کہ عتاب یا عذاب کے یہ تمام گفتگو جب ہے جبکہ روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور اگر مسلمانوں سے خطاب ہو تو کوئی اعتراض نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم کو نیک بخت بد بخت کی نہ پہچان ہے نہ خبر ورنہ آپ بد بختوں کو تبلیغ کیوں فرماتے اور ان کے ایمان نہ لانے پر غم کیوں کرتے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گذرا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مبلغ اعظم ہیں ہر ایک کو تبلیغ فرمانا آپ کا منصب ہے۔ جس پر آپ کو ثواب ملتا ہے' جیسے مایوس مریض کے علاج پر طبیب کو فیس اور دوا کی قیمت ملتی ہے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر ایک کی فطرت علیحدہ بنائی ہے وہ اپنی فطرت کے مطابق ضرور عمل کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ہے شفاعت۔ رحمت' کرم نوازی' بندہ پروری ہر ایک کی غمخواری اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر سعید و شقی کی خبر ہے مگر فطری کرم کی بنا پر بے دینوں پر غم ہوتا ہے۔ ماں لاعلاج بچے کے علاج کی بھی کوشش کرتی ہے اس پر آنسو بہاتی ہے بے خبری اور چیز ہے کرم نوازی کچھ اور۔

تفسیر صوفیانہ : انسان چار قسم کے ہیں (۱) سعید سعادت کے لباس میں جیسے حضرات انبیاء اولیاء اور ان کے متبعین' شقی لباس شقاوت میں جیسے کفار جو کافر جئے کافر مرے' شقی بد بخت' سعادت کے لباس میں جیسے بلعم باعورا' برصیصا' ابلیس وغیرہ کہ اولاً ست عابد زاہد تھے مگر آخر میں خراب ہوگئے۔ سعید مگر شقاوت کے لباس میں جیسے وہ کفار جو مومن ہو کر مرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت کا بادل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم رحمت کی بارش ہے بارش بوئے ہوئے تخم کو اگا سکتی ہے مگر بدل نہیں سکتی بارش کی وجہ سے ببول کا تخم آم نہیں اگا سکتے یوں ہی جس کے دل میں شقاوت کا تخم ہے وہ سعید نہیں بن سکتا اس آیت کریمہ میں یہی فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کے بیجا سوالوں اور کفر پر ضد کرنے کی وجہ سے ملول نہ ہوں یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں خواہ کیسے ہی معجزات دیکھیں۔ جب ان کے دلوں میں ایمان کا تخم ہی نہیں تو معجزات دیکھ کر ایمان کیسے لاویں ان کے بد بخت رہنے کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے وجہ یہ ہے کہ یہ خود ہی بد بخت ہیں ان مختلف قسم کے تخم بونے میں ہماری صدہا حکمتیں ہیں اگر ہم چاہتے تو سب کو مومن بنا دیتے مگر پھر دنیا میں اور جنت میں فرق کیا ہوتا۔ جہاں سارے مومن ہی رہیں وہ تو جنت ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ ارادہ الٰہی اور چیز ہے محبت الٰہی کچھ اور اللہ تعالیٰ پسند تو یہ ہی فرماتا ہے کہ سارے بندے ایمان قبول کرلیں مگر اس کا ارادہ نہیں فرماتا یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کچھ اور ہے محبت کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ درحقیقت ارادہ الٰہیہ میں گم ہے یہ ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاف ارادہ الٰہیہ کچھ ارادہ فرماویں ایسے کفار کے ایمان کا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ارادہ نہیں فرماتے۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا **انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء** دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق **احببت** فرمایا **اردت** نہیں فرمایا۔ اپنے متعلق **یشاء** فرمایا **یحب** نہیں فرمایا یہ ناممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ایمان کا ارادہ فرمالیں اور وہ مومن نہ ہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ مظہر ارادہ الٰہیہ ہے ناممکن ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم جیسے گنہگاروں کی بخشش کا ارادہ فرمالیں اور پھر بخشش نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ ارادہ کرتے ہیں جو رب تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کی دھلیں کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

کفار کے ایمان نہ لانے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رنج و غم محبت کی بنا پر تھا نہ کہ ارادہ کی بنا پر مضمون نہایت باریک ہے۔ اسے

www.alahazratnetwork.org

غور سے سمجھو صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان استطعت ان تبتغی سے دھوکہ نہ کھاؤ یہاں حسی طاقت یعنی قدرت کی نفی نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں آسمانوں سے اوپر پہنچے اور یہ اذن الٰہی آیات دیکھ کر آئے آیات لائے سورہ بقرہ کی آخری آیتیں بلکہ طاقت شرعی یعنی اجازت کی نفی ہے روزہ دار روزے میں کھانے پینے صحبت پر شرعاً قدرت نہیں رکھتا حاجی احرام میں سلے کپڑے نہیں پہن سکتا صحبت نہیں کر سکتا اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس میں کھانے پینے صحبت کی حسی طاقت نہیں طاقت تو ہے اجازت نہیں وہ شرعاً یہ کام نہیں کر سکتا سوار اپنی سواری دائیں ہاتھ نہیں چلا سکتا یعنی اسے اجازت قانونی نہیں ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ

اور کہا انہوں نے کیوں اتاری گئی ان پر نشانی ان کے رب کی طرف سے فرمائیے کہ بیشک اللہ قدرت والا ہے

اور بولے ان پر نشانی کیوں نہیں اتری ان کے رب کی طرف سے تم فرماؤ کہ اللہ قادر ہے کہ کوئی نشانی

يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ

اور پر اس کے کہ اتارے نشانی اور لیکن بہت سے ان میں سے نہیں جانتے اور نہیں ہے کوئی چلنے والا

اتارے لیکن ان میں سے بہت نرے جاہل ہیں اور نہیں کوئی زمین میں چلنے والا

وَلَا طٰۤئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّاۤ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ

زمین میں اور نہ کوئی اڑنے والا جو اڑے اپنے بازوؤں سے مگر امتیں ہیں تمہاری طرح نہیں چھوڑی ہم نے

اور نہ کوئی پرند کہ اپنے پروں پر اڑتا ہو مگر تم جیسی امتیں ہم نے اس کتاب میں کچھ نہ اٹھا

شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اس کتاب میں کوئی چیز پھر اپنے رب ہی کی طرف جمع کیے جائیں گے

رکھا پھر اپنے رب کی طرف اٹھائے جائیں گے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار بہرے بلکہ مردے ہیں اس لئے آپ کی تبلیغ سے فائدہ نہیں اٹھاتے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھئے آپ نے ایسے شاندار بے مثال معجزے دکھائے مگر یہ یہی کہے جا رہے ہیں کہ کوئی معجزہ کیوں نہیں آتا جو آپ کی نبوت کو ثابت کرے اگر یہ اندھے بہرے مردے نہ ہوتے تو یہ کیوں کہتے گویا پہلے ایک دعویٰ کیا گیا تھا اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اگر رب چاہتا تو ان سب کو ہدایت دے دیتا جس سے معلوم ہوا کہ سب کی ہدایت نہ ملے گی اس میں حکمت الٰہی ہے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ تمام مخلوق کا خالق و مالک ہے مگر ہر مخلوق کو اس کی استعداد کے مطابق نعمتیں

دیتا ہے یوں ہی انسانوں کا حال ہے کہ جو جسے دیا گیا ٹھیک دیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں چند طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دی گئی تھی کہ آپ کفار کے اعتراضات پر ملول نہ ہوں اب ایک اور طرح تسکین دی جارہی ہے کہ کفار آپ پر یہ اعتراض کرتے ہیں آپ اس کا یہ جواب دے دیں۔ بہر حال اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تسکین ہی ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی سرکشی بے دینی کا ذکر تھا اب ان کو فہمائش فرمائیں جارہی ہے کہ تم دوسرے جانوروں سے افضل نہیں ہوا اپنے حالات اور جانوروں کے حالات میں موازنہ کرو تو تم کو پتہ لگے گا کہ تم میں ان پر کوئی برتری کی وجہ نہیں ہے بلکہ اگر تم ایمان قبول نہ کرو تو ان سے بدتر ہو گویا پہلے کفار کی سرکشی کا ذکر تھا اب اس کا علاج ارشاد ہو رہا ہے۔

تفسیر: **وقالوا لو لا نزل علیہ ایۃ من ربہ** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے **قالوا** کا فاعل سرداران قریش ہیں جو کفار قریش کے سرغنہ تھے۔ ظاہر یہ ہے کہ سرداران قریش یہ گفتگو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے ساتھی کفار سے کرتے تھے تاکہ وہ کفر پر جمے رہیں اسی لئے **علیہ** ارشاد ہوا۔ **علیک** نہ فرمایا گیا۔ قرآن کریم میں **قالوا** فرما کر کہیں تو حضرات انبیاء اولیاء صالحین کے قول نقل فرمائے جاتے ہیں اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اے مسلمانوں تم ان ارشادات سے فیض لو ان کے کلاموں میں تاقیامت فیض بھرا ہے اور کہیں **قالوا** سے ان کی دعائیں نقل فرمائیں جاتی ہیں اس کا منشاء ہوتا ہے کہ تم بھی ہماری بارگاہ میں یہ دعائیں مانگا کرو کیونکہ ان میں الفاظ کی تاثیر ہے اور ان زبانوں کی بھی اور ہمارے نقل فرمانے کی بھی اور کبھی **قالوا** سے کفار کے کلام ان کی بیہودگیاں نقل فرمائیں جاتی ہیں۔ اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ اے مسلمانو تم ایسی بات بھی نہ کہنا اس پر ہمارا غضب آچکا ہے اگر تم نے بھی ایسی باتیں کہیں تو تمہارے لئے خطرہ ہوگا' یہاں تیسری قسم کا **قالوا** ہے کہ اس کا فاعل کفار ہیں مطلب یہ ہے کہ تم یہ نہ کہنا کہ نبی کے پاس کچھ نہیں انہیں رب نے کچھ دیا ہی نہیں ان پر کچھ اترا ہی نہیں' چونکہ آیات قرآنیہ اور نبیوں کے معجزات رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں اور اس کی سلطنت و کبریائی کا مرکز آسمان ہے کہ وہاں سے رزق' آسمانی کتابیں' چاند تاروں کی روشنی وغیرہ اترتی ہیں۔ اسی لئے نزول کہا گیا نزول کہتے ہیں اوپر سے نیچے آنے کو (اترنا) نیچے سے اوپر جانے کو صعود (چڑھنا) کہا جاتا ہے۔ علیہ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے آیت سے مراد یا تو آیت قرآنیہ ہے یا مطلقاً معجزہ گویا ان اندھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور اتری ہوئی آیات قرآنیہ کو آیت مانا ہی نہیں وہ کہتے تھے کہ یہ جو کچھ دکھایا جارہا ہے جادو ہے اور جو کچھ سنایا جارہا ہے پچھلوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیت لاویں جسے ہم آیت مان لیں اور ہو سکتا ہے کہ آیت سے مراد گزشتہ انبیاء کرام کے معجزے ہوں جیسے حسن یوسف لحن داؤدی' ناقہ صالح علیہ السلام' عصاء موسوی اور ید بیضا آسمان سے عیسیٰ دسترخوان آنا وغیرہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ معجزے نہیں مانتے ہم تو وہ معجزے چاہتے ہیں جو گزشتہ نبیوں نے دکھائے' حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے مذکورہ معجزات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں' امام برعی فرماتے ہیں۔

وان قابلت لفظۃ لن ترانی ۔۔۔ بما کذب الفواد فھمت معنی

وان یک خاطب الاموات عیسی ۔۔۔ فان الجذع حن لہ وانی

یعنی جناب موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا **لن ترانی** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کا ذکر ہوا **ما کذب الفواد و ما**

www.alahazratnetwork.org

طفیلی ان دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ حضرت کلیم دیدار الٰہی نہیں کر سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیدار کیا تو پلک بھی نہ جھپکی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوکھی لکڑیوں میں جان ڈال کر کلمہ پڑھوا لیا یا آیت سے مراد ہے ان کے منہ مانگے معجزات جیسے مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دینا سونے کے پہاڑ آپ کے ساتھ چلنا یا زمین مکہ کو اور جگہ منتقل کر دینا اور قابل کاشت زمین مکہ میں لے آنا وغیرہ' ہو سکتا ہے کہ آیت سے یہ ساری چیزیں مراد ہوں کیونکہ بعض کافر تو کہتے تھے کہ ہماری منہ مانگی ہماری منشا کے مطابق قرآن مجید کی آیات کیوں نہیں آئیں اور بعض کہتے تھے کہ گزشتہ انبیاء کرام کے معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیوں نہیں دکھاتے بعض کہتے تھے کہ ہمارے منہ مانگے معجزے کیوں نہیں دکھاتے اس ایک فرمان عالی میں ان سب کے جوابات دے دیئے' یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ آئندہ جواب سے ظاہر ہے یعنی کفار قریش کے سردار اپنے عوام سے کہتے ہیں کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں تو ان پر ہمارے منہ مانگے معجزات کیوں نہیں اتارے گئے **قل ان اللہ قادر علی ان ینزل ایۃ** سبحان اللہ عجیب جواب ہے ان کفار نے اللہ کی قدرت کا انکار نہیں کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کیا تھا مگر جواب میں رب کی قدرت کا ذکر ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار در حقیقت رب کی قدرت کا انکار ہے اور نبوت کا اقرار رب کی قدرت کا اقرار ہے۔ دیکھو لوگوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کے وقت حضرت مریم کی عصمت پر اعتراض کیا تھا مگر حضرت مسیح نے جواب میں اپنے فضائل بیان فرمائے اپنی والدہ کی پاک دامنی کا ذکر نہیں فرمایا مقصد یہ تھا کہ پھل کو دیکھ کر درخت کا پتہ لگاؤ مجھ جیسے بیٹے کی ماں کس شان کی مالک ہوگی خود سوچ لو۔ یہاں اس کے برعکس رب نے اپنی قدرت کا ذکر فرما کر اپنے محبوب کی عظمت ظاہر فرمائی کہ وہ میرے نمونہ اکمل ہیں میری شان میں غور کر لو اور میرے محبوب کی شان معلوم کر لو لہٰذا یہ جواب بالکل درست ہے پھر **قل** فرما کر جواب کو اور شاندار بنا دیا کہ ہم تو ان مردودوں سے کلام نہیں کرتے آپ ہماری طرف سے فرما دو قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے **قل** تین مقصدوں کے لئے آتا ہے۔ کبھی اس کا مقصد ہوتا ہے تم ہم سے کہو جیسے **قل اعوذ برب الفلق** یا **قل اعوذ برب الناس** تم ہم سے مانگو ہم تم کو عطا فرمادیں اور تمہارے طفیل دوسروں کو تمہارا لب ہلانا ہماری عطا کے دروازے کی کنجی ہے یا آپ مسلمانوں سے فرما دو تمہارا کلام مومنوں کے دلوں کا چین ہے **ان صلوتک سکن لھم** پہلے قل میں عرض ہے۔ طلب ہے دوسرے قل سے کرم ہے تیسرے قل میں غضب ہے جیسے **قل یعبادی الذین اسرفوا** الخ یا کفار سے فرما دو جیسے **قل یا ایھا الکافرون** وغیرہ یہ تو حکمت عام ہے حکمت خاصہ ان معجزات کے نہ اتارنے میں یہ ہے کہ جو معجزے گزشتہ انبیاء کرام کو دیئے گئے وہ ان کی خصوصیت تھے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہ دکھادیں تو خصوصیت جاتی رہے گی جیسے ناطق ہونا انسان کے لئے خاص ہے اور ناہق ہونا گدھے کے لئے اب جو مطالبہ کرے کہ اللہ تعالیٰ گدھے کو ناطق کر دے یا انسان کو ناہق بنادے وہ غلطی کرتا ہے۔ خاصہ کا خاصہ رہنا قانون قدرت ہے اور حضرت خلیل اللہ نے وادی مکہ کو وادی غیر ذی زرع فرمایا۔ یعنی بغیر کھیتی باڑی کی زمین اب اگر ہم کے کہنے سے اسے چمن بنادیں تو میرے خلیل کی زبان غلط ہو جائے گی ہاں اپنے حبیب کے وطن آخری مدینہ کو چمن بنادیں گے اور مکہ مکرمہ خالص عبادت کی جگہ ہے اگر یہاں کے پہاڑ سونے کے کر دیئے گئے تو یہاں خالص دنیا ہو جائے گی اور یہ جگہ جھگڑے فسادوں کا مرکز بن کر رہ جائے گی' اگر ان کے منشاء کے مطابق قرآنی آیات آئیں تو یہ شرک کفر بدکاریوں کے جائز ہونے کی آیات مانگیں گے پھر قرآن کلام الٰہی نہ رہے گا' یہاں محبوب کی خواہش پر آیات

www.alahazratnetwork.org

آئیں گی یہاں قل میں روئے سخن کفار کی طرف ہے یعنی آپ ان منکر کافروں سے فرمادو جیسا کہ شان نزول اور کلام کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے **قادر** اور **قدیر** کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے یہاں قادر فرمانا ہی زیادہ مناسب ہے آیت سے مراد یا گزشتہ نبیوں کے معجزات ہیں یا ان ضدی کفار کے منہ مانگے معجزات جیسا کہ شان نزول میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ نزول آیت کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اور اظہار معجزہ کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ نبی کا معجزہ نازل تو ہوتا ہے رب تعالیٰ کی طرف سے مگر ظاہر ہوتا ہے نبی کے ہاتھ پر تو مقصد یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے منہ مانگے معجزات اتارنے پر قادر ہے اور میں اس کے دکھانے پر قادر ہوں نہ وہ اتارنے سے عاجز نہ میں دکھانے سے عاجز ایسے معجزات کا نزول اور ظہور غیر ممکن نہیں غیر واقع ہے اس میں رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں۔ **ولکن اکثرھم لا یعلمون** ن وھم کو رفع کرنے کے لئے آتا ہے۔ یہاں گذشتہ مضمون سے وھم ہوتا تھا کہ ان معجزات کا نہ اتارنا بلاوجہ ہے اس میں کوئی حکمت نہیں یہ وھم اس عبارت سے دور کیا گیا لہٰذا اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ **فی عدم انزالہ حکمۃ** ان کے مطالبے پورے نہ کرنے ان معجزات کے نہ اتارنے میں ہماری حکمت ہے لیکن بہت سے کفار وہ حکمت جانتے نہیں چونکہ بعض کفار کو حکمت معلوم تھی مگر صرف عناد یا ضد کے طور پر یہ مطالبے کرتے تھے اور بہت کفار کو معلوم نہ تھی اس لئے **اکثرھم** فرمایا گیا **لا یعلمون** کا مفعول پوشیدہ عبارت ہے یعنی لیکن بہت سے کفار اس حکمت کو جانتے نہیں۔ وہ حکمت یہ ہے کہ قانون الٰہی ہے کہ اگر نبی کفار کا منہ مانگا معجزہ مانگیں اور وہ دکھا دیا جائے پھر وہ ایمان نہ لائیں تو عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیئے جاتے ہیں اور رب تعالیٰ یہ پسند نہیں فرماتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور نبوت میں عذاب الٰہی دنیا میں آئے اس لئے وہ ایسے معجزات نہیں اتارتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہیں دکھاتے دیکھو فرعون نے عصاء موسوی ید بیضاء کا انکار کیا ہلاک نہ ہوا بہت عرصہ کے بعد غرق ہوا اور قوم صالح علیہ السلام نے غیبی اونٹنی کا انکار کیا ہلاک کر دی گئی کیونکہ عصاء اور ید بیضاء کا مطالبہ فرعون نے نہ کیا تھا مگر قوم صالح علیہ السلام نے اسی غیبی اونٹنی کا مطالبہ کیا تھا **وما من دابۃ فی الارض** اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت عامہ کا ذکر ہے اور اس کا مقصد ہے گزشتہ فرمان کی تائید مطلب یہ ہے کہ چرند و پرند تمہاری طرح ہماری مخلوق ہیں ہم سب کو ان کی حیثیت کے لائق روزی دیتے ہیں غیر ضروری چیز نہیں عطا فرماتے بقدر ضرورت تمہیں معجزات دکھا دیئے گئے غیر ضروری مطالبے پورے نہیں فرمائیں گے **دا بۃ** بنا ہے **دبیب** سے معنی آہستہ آہستہ چلنا دابہ ہر چلنے والی جاندار چیز ہے اس میں دریائی اور خشکی کے سارے جاندار شامل ہیں کیونکہ دریائی جانور تیر کر پانی کی تہ والی زمین طے کرتے ہیں' دیکھو جہاز چلتا ہے پانی میں مگر طے کرتا ہے زمینی فاصلہ اسی حساب سے کرایہ لیا جاتا ہے کہ جدہ کراچی سے اتنے میل ہے فی میل اتنا کرایہ کل اتنا کہہ دیا' اس عبارت میں دریائی جانور داخل ہیں۔ **ولا طائر یطیر بجناحیہ** یہ دوسری جاندار مخلوق کا ذکر ہے یعنی ہوا میں اڑنے والے یا ہوا میں ہی رہنے والے چھوٹے بڑے پرندے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں دابہ اور طائر دونوں اسم جنس ہیں جس میں ایک اور سارے سب ہی داخل ہیں چونکہ عربی میں طائر تیز رفتار چیز کو بھی کہا جاتا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

قوم اذا الشر ابدی ناجذیہ لھم طاروا الیہ زرافات و وحدانا!

اس شعر میں **طاروا** کے معنی ہیں بھاگ کر جانا اور قرآن مجید میں ہے **وکل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ** اس آیت میں طائر سے مراد انسان کے اعمال یا اعمال کا بدلہ ہے اس لئے یہاں طائر کے ساتھ **یطیر** فرمایا گیا تا کہ معلوم ہو کہ یہاں طائر سے مراد

www.alahazratnetwork.org

پرندہ ہے (روح المعانی و کبیر) جناح بازو کو کہتے ہیں پروں کو بھی یہاں بمعنی پر ہے اس کی اصل جنح ہے بمعنی جھکنا مائل ہونا وان جنحوللسلم فا جنح لہا چونکہ پرندے کسی طرف پروں سے ہی جھکتے ہیں اور انسان بازوؤں سے کسی طرف جھکتا یا مڑتا ہے اس لئے پرندوں از و بازوؤں کو جناح کہتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے وا خفض لہا جنا ح الذل من الرحمۃ خیال رہے کہ سواء چگادڑ کے سارے پرندے پروں سے ہی اڑتے ہیں اس لئے یہاں پروں سے اڑنے کا ذکر ہوا لہٰذا اس سے چگادڑ خارج نہیں چونکہ ہم کو یہ ہی مخلوق نظر آتی ہے۔ فرشتے جنات نظر نہیں آتے ان کے وجود پر ایمان ہے بغیر دیکھے اس لئے ان ہی محسوس چیزوں کا ذکر ہوا چونکہ یہ محسوس پرندے دو پروں سے ہی اڑتے ہیں زیادہ کم سے نہیں اس لئے جنا حیہ شیے ارشاد ہوا فرشتوں کے پرو سے زیادہ بھی ہیں رب فرماتا ہے جا عل الملا نکتہ رسلا اولی جنحتہ مثنی و ثلث و رباع لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ الا امم مثا لکم یہ عبارت مذکورہ مائی جز ہے الا کے اضافہ سے الا فرمانا حصر حالات کے لئے ہے امم جمع ہے امتہ کی امت اور امام بنا ہے ام بمعنی قصد سے اس کے معنی پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض ہو چکے یہاں بمعنی جماعت جمع کثرت ارشاد ہوا اس میں گفتگو ہے کہ یہاں کسی چیز میں مشابہت یا مماثلت مراد ہے اس میں بہت قول ہیں (1) زندگی اور موت میں جسمانی اعضاء اور غذا (2) دھوپ و ہوا کے محتاج ہونے میں (3) سمجھ و شعور رکھنے میں (4) رب تعالیٰ کی معرفت میں (5) اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان ہونے میں (6) اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے حصہ پانے میں (7) رب تعالیٰ کی حمد تسبیح و تہلیل و عبادت کرنے میں (8) قیامت کے دن اٹھنے حساب لئے جانے سزا پانے میں (9) عقل و دانش رکھنے میں (10) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے حصہ پانے میں فرماتا ہے وما ارسلنا ک الا رحمتہ للعالمین (11) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر فرمان ہونے آپ کی اطاعت کرنے میں (12) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے میں رب فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا۔ آخری چار قول صوفیاء کے ہیں۔ باقی آٹھ قول علماء کے۔ خیال رہے کہ جن و انس کے سوا کسی مخلوق میں کافر مشرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن نہیں، ان دو جماعتوں کے سواء تمام مخلوق موحد اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبردار رب کی حمد و تسبیح کرنے والی ہے جس پر قرآن مجید اور احادیث شریفہ شاہد ہیں پرندوں، پتھروں لکڑیوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ شریف سنا گیا ہے۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق ابھی تفسیر صوفیانہ میں کی جائے گی ما فرطنا فی الکتاب من شئی پچھلی عبارت میں رب تعالیٰ کی ربوبیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا عموم بیان ہوا اب اللہ تعالیٰ کی کمال تعلیم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کمال علم کا ذکر ہے ہر چیز ہماری مخلوق، مرزوق، اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہے اور ہر چیز ہمارے علم میں ہے اور ہمارے بتانے سے ہمارے محبوب کے علم میں خیال رہے کہ فرطنا بنا ہے تفریط سے۔ جس کا مادہ فرط بمعنی حصہ ہے۔ اصطلاح میں زیادتی کرنے کو افراط کمی کرنے کو تفریط کہا جاتا ہے یہاں بمعنی ترک یا اغفال ہے دیکھو روح المعانی وغیرہ لہٰذا اس کے معنی ہوئے نہیں چھوڑی ہم نے نہیں اغفار کھی ہم نے اس کا صلہ فی آتا ہے الکتاب سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا قرآن مجید اکثر مفسرین کا قول ہے کہ قرآن مجید مراد ہے دیکھو تفسیر کبیر، روح المعانی، تفسیر خازن وغیرہ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ جب کسی اسم پر الف لام آتا ہے تو اس سے وہ فرد مراد ہوتی ہے جو پہلے سے معلوم ہو اس سے پہلے قرآن کریم کا ہی ذکر ہے لوح محفوظ کا ذکر یہاں کہیں نہیں لہٰذا واجب ہے کہ اس سے مراد قرآن کریم ہو (تفسیر کبیر) بہرحال قوی یہی ہے کہ الکتاب سے مراد قرآن مجید ہے ورنہ آیات قرآنیہ میں سخت بے ربطی ہو گی من شئی میں من استغراقیہ ہے جس کے معنی ہیں کوئی بھی شے سے مراد صرف دینی احکام نہیں

www.alahazratnetwork.org

بلکہ دینی و دنیاوی ہر چیز ہے ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ کیونکہ ابھی چرندوں پرندوں وغیرہ کا ذکر ہوا وہ یہاں بھی مراد ہیں (روح المعانی و خازن) یعنی اس کتاب قرآن مجید میں ہم نے دین و دنیا کی کوئی چیز نہیں چھوڑی سب بیان کر دی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** وہ آیت کریمہ اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے **ثم الی ربھم یحشرون** : **ثم** عطف تراخی کے لئے ہے چونکہ مرنے کے بہت عرصہ بعد الحشر ہو گا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا **ربھم** کا مرجع وہی مذکورہ دابہ اور طائر ہیں چونکہ ان میں بعض اہل عقل بھی ہیں اور عقل والے ہی اشرف ہیں اس لئے **یحشرون** جمع مذکر ارشاد ہوا یعنی پھر تمام مخلوق چرند پرند جن و انس قیامت میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف جمع کی جائے گی 'وہاں سب کا انصاف ہو گا' حتی کہ جس سینگ والی بکری نے بے سینگ (منڈی) بکری کو دنیا میں سینگ گھونپا ہو گا۔ وہاں اس بے سینگ کو سینگ عطا ہوں گے وہ مظلومہ بکری ظالمہ بکری سے اپنا بدلہ لے گی۔ پھر جانور اس بدلہ کے بعد مٹی بنا دیئے جائیں گے دوزخ کی سزا صرف مجرم جن و انس کو ہو گی اور جنت کا ثواب صرف مومن انسانوں کو جانوروں کا یہ انجام دیکھ کر ہی کفار تمنا کریں گے۔ **و یقول الکافر یالیتنی کنت ترابا** کاش کہ ہم بھی مٹی بن جاتے دوزخ میں نہ جاتے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کی جامعیت کا ذکر فرما کر سب کے حشر کا ذکر فرمانا عجیب حکمت سے ہے کوئی کہہ سکتا تھا کہ قرآن کریم بہت مختصر سی کتاب ہے اس میں سارے علوم ساری چیزوں کا ذکر کیونکر ممکن اور **ما فرطنا فی الکتاب من شئی** کیونکر درست ہے جواباً" فرمایا کہ حشر کا نظارہ کرو جواب مل جائے گا کہ از ابتداء آفرینش تا قیامت ساری مخلوق ایک چھوٹے سے علاقہ فلسطین میں بیک وقت جمع کر دی جائے گی جو اب اتنی بڑی مخلوق اتنے چھوٹے علاقہ میں جمع کر سکتا ہے وہ ساری چیزوں کا ذکر مختصر سی کتاب میں بھی فرما سکتا ہے۔ ہماری قوت حافظہ میں جو کچھ دماغ کے ایک انچ حصہ میں ہے سارا قرآن مجید ہزاروں باتیں لاکھوں احادیث 'سینکڑوں اشعار جمع ہو جاتے ہیں نطفہ کی ایک بوند میں سارا جسم مضمر ہوتا ہے۔ درخت کے بیج میں سارا درخت جڑ' تنا' شاخیں' پتے' پھل پھول وغیرہ سب ہوتے ہیں' ایسا قادر مطلق قرآن مجید میں سب کچھ ذکر فرما سکتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : ضدی 'عنادی کفار اپنے ماتحت کافروں سے کہتے ہیں کہ اگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے نبی ہیں تو ان پر وہ معجزات رب تعالیٰ کی طرف سے کیوں نہیں اترتے جن کا ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ سونے کے پہاڑ ان کے ساتھ چلیں زمین مکہ منتقل کر کے یہاں دوسری سبزہ زار زمین رکھ دی جائے یا ان پر وہ معجزات کیوں نہ اترے جو گزشتہ نبیوں پر اترے تھے' جیسے ید بیضا عصاء آسمانی دسترخوان وغیرہ یا قرآن میں وہ آیتیں کیوں نہیں اتریں جو ہم چاہتے ہیں۔ نزول قرآن ہماری مرضی کے مطابق کیوں نہیں ہوتا۔ آپ فرما دو کہ تمہارے ان مطالبات کے پورے نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کے اتارنے پر اور میں ان کے دکھانے پر قادر نہیں وہ رب کریم قادر ہے کہ یہ سارے معجزات نازل فرما دے اور میں قادر ہوں کہ اس کے نازل کئے ہوئے معجزات تم کو دکھا دوں اس نہ اتارنے میں رب تعالیٰ کی حکمت ہے مگر ان میں کہ بہت سے معترضین یہ حکمت نہیں جانتے یہ مطالبے پورے نہ فرمانا بھی اللہ رسول کی رحمت ہے کہ مانگے معجزات پر اگر لوگ ایمان نہ لائیں تو عذاب الٰہی سے ہلاک کر دیئے جاتے تم لوگ ایمان لاؤ گے نہیں تو یقیناً مارے جاؤ گے یا ان مطالبوں کے پورا نہ کرنے میں اور وہ خصوصی حکمتیں ہیں جو ابھی تفسیر میں ذکر کی گئیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت آپ کی نبوت ایسی عام ہے کہ تمام زمین کے چرندے پروں سے اڑنے والے پرندے اے کافرو یا اے انسانو تم جیسی امتیں ہیں وہ سب میری مخلوق مملوک مرزوق ہیں ان نبی کے مطیع و فرمانبردار

www.alahazratnetwork.org

ہیں وہ تمہاری طرح سمجھ بوجھ '' معرفت الٰہی ' اللہ تعالیٰ کی عبادت ' تسبیح و تہلیل ' اطاعت رسول اپنے میں رکھتے ہیں بلکہ تم نے بہت سے کام جانوروں سے سیکھے ہیں قابیل نے دفن کا طریقہ کوے سے سیکھا ' ہدہد نے حضرت خلیل کی آگ بجھانے کی کوشش کی بہت دوائیں تم نے جانوروں سے معلوم کیں ' ان تمام کا ذکر ہم نے اس کتاب قرآن میں کردیا ہے ان میں سے کوئی چیز بغیر ذکر چھوڑی نہیں تاکہ محبوب اپنی ان تمام امتوں سے خبردار رہیں پھر یہ ساری مخلوق رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انصاف کے لئے حاضر کی جائے گی۔

علوم قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم غیبیہ

حضرات صحابہ سے لے کر آج تک قریبا" تمام مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا اور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام آسمانی کتابوں پر قرآن کریم کو بہت وجہ سے فوقیت دی ان میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ قرآن کریم میں تمام دینی اور دنیاوی علوم جمع فرمادیئے ازازل تاابد ہر چیز کا اس میں ذکر فرمادیا اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے **ما کان** اور **ما یکون** کا عالم بنادیا۔ اس مضمون کو سمجھنے سے پہلے ایک بات سمجھ لو کہ ایک ہے فعل اور ایک ہے صفت کان فعل اللہ تعالیٰ کی ہر صفت قدیم ہے اس کے فعل ہر وقت وہ دیکھتا ہے تو ہر وقت سنتا ہے تو ہر وقت جانتا ہے تو ہر وقت مگر مخلوق کی صفات کے فعل دائمی نہیں ہوتے دیکھو جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارے اندر دیکھنے ' سننے ' سونگھنے ' بولنے کی صفات تو رہتی ہیں ہم اس وقت اندھے بہرے نہیں ہو جاتے مگر ان صفات کے کام بند ہو جاتے ہیں کہ سونے میں نہ کچھ دیکھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں صفات ہیں افعال نہیں یوں ہی ہماری صفت علم کا حال ہے ' حضرات انبیاء کرام کی صفت علم عطا ہوتی ہے مگر بعض وقت فعل علم نہیں ہوتا شیخ سعدی نے حضرت یعقوب علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔

بگفت احوال ما برق جہانست   دمے پیدا و دیگر دم نہانست

اسی کو صوفیاء قبض و بسط کہتے ہیں اگر کسی وقت نبی کو کسی چیز کی خبر نہ ہو تو اس کی وجہ بے علمی نہیں بلکہ وجہ وہ ہے جو ہم نے عرض کی ' چنانچہ قرآنی علوم کے متعلق بہت جگہ اعلان فرمایا **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** ہم نے آپ پر یہ قرآن ساری چیزوں کا روشن بیان فرمانے کے لئے نازل فرمایا۔ یہاں فرمایا **ما فرطنا فی الکتاب من شئی** ہم نے اس کتاب قرآن مجید میں کوئی دینی و دنیاوی چیز چھوڑی نہیں کہیں فرمایا **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین** نہیں ہے کوئی تر و خشک چیز مگر اس روشن کتاب میں ہے وغیرہ وغیرہ بلکہ قرآن کو قرآن اسی لئے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام آسمانی کتابوں سارے اولین و آخرین کے علوم کا جامع ہے یہ بنا ہے قرن سے جس کے معنی ملانا جمع کرنا یہ تمام علوم کا جامع ہے پھر یہ بھی فرمادیا **الرحمن علم القران** اپنے محبوب کو رحمان نے سارا قرآن خوب اچھی طرح سکھادیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز کا علم قرآن مجید میں ہے اور قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں نتیجہ نکلا کہ ہر چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے اس کے متعلق اہل اسلام کے عقیدے سنو۔ (۱) ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ قرآن مجید میں سارے

www.alahazratnetwork.org

علوم ہیں اور اس میں ساری چیز بیان کر دی گئی ہیں۔ ہمارے علوم میں کوتاہی ہے کہ اس سے ہر شے نکال نہیں سکتے۔ (2) ابوالشیخ نے کتاب **العظمۃ** میں بروایت حضرت ابو ہریرہ مرفوعاً فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی چیز قرآن مجید میں چھوڑی جاتی تو یہ ہوتی۔ مچھر رائی کا ذکر نہ ہوتا کہ یہ بہت حقیر چیزیں ہیں مگر ان کا بھی ذکر قرآن مجید میں ہے (3) حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر میرے اونٹ کی رسی گم ہو جائے تو میں قرآن مجید سے اس کی جگہ معلوم کر سکتا ہوں۔ (4) امام موسیٰ فرماتے ہے کہ اولین و آخرین کے سارے علوم قرآن مجید میں ہیں مگر انہیں اللہ تعالیٰ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں (5) بعض صحابہ غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ انہام الرجال

سارے علوم قرآن مجید میں ہیں مگر لوگوں کی سمجھ کم ہے۔ حضرت شیخ الاکبر محی الدین ابن عربی ایک بار اپنی سواری سے گر گئے۔ لوگوں نے اٹھانا چاہا فرمایا ٹھہر جاؤ پھر فرمایا اچھا مجھے اب اٹھاؤ آپ کا پاؤں سوج چکا تھا۔ لوگوں نے روکنے کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ قرآن مجید کی طرف رجوع کیا اس میں میرا یہ واقعہ سواری سے گرنا پاؤں سوج جانا موجود ہے' سورہ فاتحہ میں یہ پورا واقعہ مذکور ہے (7) بعض علماء نے آل عثمان کے بادشاہوں کے نام ان کی مدت حکومت ان کے حالات سورہ فاتحہ سے نکالے ہیں۔ (8) ایک بار امام شافعی نے مکہ **معظمہ** میں فرمایا کہ ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے جس کی طرف قرآن کریم رہبری نہ کرتا ہو کسی نے پوچھا کہ فرمایئے حاجی کو بحالت احرام تتیوڑی (بھڑ) مارنا جائز ہے یا نہیں فرمایا قتل کر سکتا ہے' قرآن کریم فرماتا ہے کہ تمہیں جو کچھ رسول دیں لے لو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم میری اور میرے خلفاء راشدین کی سنت اختیار کرو اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں **للمحرم قتل الزنبور** محرم کو تتیوڑی مارنا جائز ہے لہٰذا یہ قرآنی مسئلہ ہوا۔ نوٹ: یہ تمام حوالہ تفسیر روح المعانی اور تفسیر کبیر وغیرہ میں ملاحظہ کرو (9) ایک جگہ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کسی نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے امام مہدی کے ظہور کی تاریخ دریافت کی آپ نے فرمایا کہ ان کی تاریخ پیدائش **بسم اللہ الرحمن الرحیم** کے مبسوطی عدد ہیں ان کی پیدائش کے پانچ سو سال بعد قیامت آئے گی لہٰذا بسم اللہ سے قیامت کا پتہ چلتا ہے پھر فوراً زبان شریف روک لی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن صبح سے شام تک وعظ فرمایا جس میں از اول پیدائش تا روز قیامت ہر ذرہ ہر قطرہ تک کا ذکر فرما دیا' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ آپ کے کسی امتی کی نیکیاں آسمان کے تاروں کی برابر ہیں فرمایا عمر ابن خطاب کی معلوم ہوا کہ آسمانوں کے ہر تارے سے خبردار ہیں زمین کے ہر شخص کے اعمال پر مطلع ہیں ازواج پاک نے پوچھا کہ حضور ہم میں سب سے پہلے آپ سے کون ملے گا۔ فرمایا لمبے ہاتھ والی یعنی سخی معلوم ہوا کہ ہر ایک کے وقت موت کیفیت موت آخرت کے مقام سے خبردار ہیں۔ (10) یہاں تفسیر ابن کثیر نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کا فرمان نقل فرمایا کہ جو بھی فضا میں جو پرندہ پر مارے گا ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا علم بھی دے دیا' ان وجوہ سے روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں **من شیء** میں کسی قید لگانے کی ضرورت نہیں ہر خشک و تر چیز قرآن کریم میں ہے۔

لطیفہ: میرے مرشد برحق ولی نعمت حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین صاحب قدس سرہ ۔عفنہ تعالیٰ جامع کمالات تھے۔ علوم نقلیہ و عقلیہ کے علاوہ بہت سے فنون میں پوری مہارت تھی جیسے خوشنویسی علم طب وغیرہ چنانچہ آپ لاٹھی گھمانے لاٹھی چلانے کے بھی استاذ تھے۔ جسے اہل فن بانا اور نبوٹ کہتے ہیں ایک بار حضرت کی مجلس میں اسی آیت کریمہ کی تحقیق ہو رہی

www.alahazratnetwork.org

تھی کسی نے پوچھا حضور کیا قرآن مجید میں اس فن (نبوٹ) کا بھی ذکر ہے۔ فرمایا اس کا مکمل بیان موجود ہے چنانچہ ارشاد باری ہے **فاضربوا فوق الاعناق واضربوا منھم کل بنان** یعنی کافروں کی گردنوں سے اوپر مارو ان کے ہر جوڑ پر چوٹ لگاؤ فرمایا جب دشمن کو جان سے مارنا ہو تو نبوٹ والا گردن کے اوپر یعنی کھوپڑی پر مارتا ہے اگر کوئی عضو بیکار کرنا ہو تو اس کے جوڑ پر چوٹ مارتا ہے اور ضرب حیدری میں ایسی چوٹ ماری جاتی ہے کہ سارے جوڑ بیکار ہو جاتے ہیں اس آیت کریمہ میں اس کا مکمل بیان ہے۔ کسی نے پوچھا حضور قرآن مجید میں علم طب بھی ہے فرمایا ہاں علم طب بہت آیات میں مذکور ہے۔ چنانچہ ایک آیت کریمہ تو بہت ہی جامع ہے **کلوا واشربوا ولا تسرفوا** کھاؤ پیو اور زیادتی نہ کرو۔ یعنی کھانے پینے میں زیادتی نہ کرو۔ اسی فیصد بیماریاں معدے سے پیدا ہوتی ہیں اور معدہ زیادہ کھانے پینے سے خراب ہوتا ہے' کسی نے پوچھا حضور قرآن مجید میں قمری مہینوں کا ذکر تو ہے کہیں شمسی مہینوں کا بھی ذکر ہے فرمایا ہاں رب فرماتا ہے **ولبثوا فی کھفھم ثلث مائۃ سنین وازداد وتسعا** اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو سال رہے اور نو زیادہ بڑھائے یعنی شمسی مہینوں سے تین سو سال اور قمری سے تین سو نو سال کسی نے پوچھا حضور قرآن مجید میں علم جغرافیہ بھی ہے فرمایا ہاں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وجدھا تغرب فی عین حمئۃ** سکندر ذوالقرنین نے سورج کو دلدل میں ڈوبتا ہوا پایا معلوم ہوا سمت مغرب میں اتنی برف ہے کہ وہاں سمندر برف کا دلدل بنا ہوا ہے اور سورج اس میں ڈوبتا معلوم ہوتا ہے' علم تاریخ تو قرآن کریم کا حصہ ہے یہ تو اس آستانہ عالیہ کے ذروں کا علم ہے علوم کے سمندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے علوم قرآنیہ کس قدر عطا فرمائے یہ دینے والا جانے یا لینے والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اب پڑھو **ما فرطنا فی الکتاب من شئی** غرضیکہ قرآن مجید علوم کا جامع ہے اگر کتاب سے مراد لوح محفوظ بھی ہو تو مقصود وہی ہے کہ ساری چیزیں لوح محفوظ میں ہیں اور لوح محفوظ قرآن مجید میں اور قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں بلکہ خود لوح محفوظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے منگتے لوح محفوظ پر نظر رکھتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء ۔۔۔ ازچہ محفوظ اند محفوظ از خطاء

بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود لوح محفوظ ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانی یار ۔۔۔ راز پنہاں مے شود زآں شکار

بلکہ حضور وہ آئینہ حق نما ہیں کہ سارا عالم بلکہ خود خالق عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا' دیکھا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ

گرفت من آئینہ مستقول دوست ۔۔۔ ترکی و ہندی بہ بیند آنچہ اوست

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: جو اللہ تعالیٰ کو مجبور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معذور مانے وہ بے دین ہے یہ فائدہ **ان اللہ قادر علی ان ینزل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس کی تفسیر اگر کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے محروم ہے تو یہ وجہ نہیں کہ خزانہ خالی ہے بلکہ یہ وجہ ہے کہ اس کے مقدر میں ہی محرومی ہے' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

بخدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر ۔۔۔ جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت حضور کی شان اللہ کی قدرت و شان کا نمونہ ہے پروردگار ایسا قدیر ہے جس نے اپنے کرم سے اپنے حبیب کو ایسی قدرتیں و قوتیں بخشیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت کا یہ حال ہے تو رب کی قدرت کا کیا کہنا۔ دوسرا فائدہ: اگر کوئی مطالبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پورا نہ فرمائیں تو اس میں رب تعالیٰ کی لاکھوں حکمتیں ہیں یہ فائدہ **اکثرھم لا یعلمون** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ تیسرا فائدہ: معجزات اتارنے دکھانے کا مقصد صرف نبی کی نبوت ثابت فرمانا ہوتی ہے کہ معجزات سے ان کا سچا نبی ہونا جانا جائے لوگوں کو ایمان لانے پر مجبور کرنا۔ مقصود نہیں ہوتا۔ دیکھو عصا موسوی سانپ بن جاتا تھا مگر اس نے کبھی نہ تو کسی فرعونی کو کاٹا نہ کسی کو نگلا صرف جادوگروں کے بانس رسے جو سانپ بنا کر دکھائے گئے تھے نگل لئے **تلقف ما یافکون** یہ فائدہ بھی **اکثرھم لا یعلمون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ بہت سے کفار معجزات کا مقصد نہیں جانتے۔ نبی کی نبوت ایک معجزہ سے بھی معلوم ہو جاتی ہے پھر اپنے منہ مانگے معجزے حاصل کرنا حماقت و بے علمی ہے۔ چوتھا فائدہ: ہر جن و انس تمام جانور بلکہ ہر خشک و تر شجر و حجر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رعایا ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت کے نبی ہیں سب کے شہنشاہ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ **الا امم امثالکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: جانوروں میں سمجھ بوجھ بلکہ عقل و شعور ہے منطقی انہیں بے عقل مانتے ہیں اور انہیں حیوان غیر ناطق کہتے ہیں' قرآن کریم ان میں عقل و شعور مانتا ہے یہ فائدہ **امم امثالکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اس پر چند دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

(1) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی قصوا ہجرت کے دن سوا حضرت ابو ایوب انصاری کے مکان کے اور کسی دروازے پر نہ بیٹھی۔ حضور انور نے فرمایا کہ اس کی مہار چھوڑ دو یہ مامور ہے ظاہر ہے کہ عقل و شعور کے بغیر امر الٰہی کیسا۔ (2) یہی ناقہ صلح حدیبیہ کے موقعہ پر راستہ میں اڑ کر بیٹھ گئی مار پیٹ پر بھی نہ اٹھی وہاں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسے روک لیا جس نے مکہ سے ہاتھی روک لئے تھے۔ معلوم ہوا کہ شعور رکھتی ہے (3) حضرت سلیمان علیہ السلام کی چیونٹی کی عقل و دانائی تو قرآن مجید میں مذکور ہے کہ اس نے دوسری چیونٹیوں کو سوراخوں میں داخل ہونے کا حکم دیا یہ کہہ کر **لا یحطمنکم سلیمان و جنودہ وھم لا یشعرون** تمہیں بے خبری میں لشکر سلیمان کچل نہ دے' اس میں یہ عقیدہ بیان کیا کہ نبی اور نبی کے صحابی عمداً چیونٹی کو بھی نہیں ستاتے تم ان کی بے خبری ہی میں کچلی جاؤگی یہ ہے چیونٹی کی عقل اور اس کا عقیدہ۔ (4) حضرت سلیمان علیہ السلام کے ہدہد کا واقعہ تو قرآن مجید میں بہت تفصیل سے مذکور ہے کہ اس کے ذریعہ ملک بلقیس بلکہ سارے یمن والوں کو ایمان نصیب ہوا اس نے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارگاہ میں ایمان افروز تقریر کی ہے کہ اس پر سارے منطقی اور متکلمین کے علوم نثار ہو جائیں دیکھو سورۂ سبا شریف بلکہ اس کے ایک قول پر آج بھی سجدہ واجب ہوتا ہے۔ (5) آج شہد کی مکھیوں کا چھتہ دیکھو' مکڑی کا جالا دیکھو کہ وہ کس طرح بنتی ہے۔ بیا کا گھر دیکھو کہ وہ ایک گھونسلہ میں کس طرح کمرے بناتا ہے یہ ہے ان جانوروں کی دانائی۔ (6) چیونٹی گرمی کے موسم میں سردی کے لئے کس طرح دانے جمع کرتی ہے اور گندم کو خراب ہو جانے سے بچانے کے لئے بیچ میں سے ایسا کاٹتی ہے کہ کسی آری سے نہ کٹ سکے۔ (7) پالتو شیر چیتا اپنے خادم پر حملہ نہیں کرتا بلکہ اس کے آگے دم ہلاتا ہے' شکاری کس تدبیر سے شکار کرتا ہے اور مالک کے لئے کس خوبی سے شکار محفوظ رکھتا ہے۔ سبحان اللہ بلکہ کنکر' پتھر حمد الٰہی کرتے سنے گئے اس کی تحقیق اسی جگہ تفسیر روح المعانی میں دیکھو۔ چھٹا فائدہ: قرآن مجید میں سارے دینی

www.alahazratnetwork.org

دنیاوی علوم ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اولین و آخرین کے علوم کا جامع بنایا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے

معدن اسرار علام الغیوب　　برزخ بحرین امکان و وجوب

یہ فائدہ **مافرطنا فی الکتاب** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شخص اپنی مثل نہیں کہہ سکتا جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی مثل کہتے ہیں اور **انما انا بشر مثلکم** سے دلیل پکڑتے ہیں انہیں چاہئے کہ وہ اپنے آپ کو تمام جانوروں کی مثل کہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے تمام چرند و پرند کے متعلق فرمایا **امم امثالکم** اب اگر ہا لحق کی وجہ سے ہم تمام جانوروں سے ممتاز ہو گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی وجہ سے تمام انسانوں سے ممتاز ہو گئے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ زمین پر چلنے والا ہر جانور اور ہوا میں اڑنے والے پرندے تم جیسی امتیں ہیں تو کیا باقی جانور اور جنات و فرشتے امتیں نہیں یہ قیدیں کیوں لگائی گئیں۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ جن و فرشتے ہم کو نظر نہیں آتے اس لئے ان کا ذکر نہ ہوا مچھلی وغیرہ بھی بالواسطہ زمین پر ہی چلتی ہے کہ وہ پانی میں تیر کر زمین طے کرتی ہے جیسے پانی کے جہاز لہٰذا اس آیت میں وہ بھی داخل ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے نہ کہ قرآن مجید اگر قرآن مجید ہی مراد ہے تو شیئی سے مراد دینی مسئلے ہیں نہ کہ دنیاوی علوم لہٰذا قرآن مجید میں سارے علوم نہیں اور رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم نہ بخشے (وہابی دیوبندی) **جواب**: ان دونوں احتمالوں کو خود یہ آیت کریمہ ہی رد کر رہی ہے کہ اس مقام پر نہ تو لوح محفوظ کا ذکر ہے نہ علوم دینیہ کا تذکرہ پہلے قرآن مجید کی آیات اور چرند و پرند وغیرہ کا ذکر ہے جس سے پتہ لگا کہ قرآن کریم میں سارے علوم موجود ہیں' تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ کے حوالہ ابھی تفسیر میں گزر گئے اگر بالفرض یہاں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہی ہو تب بھی وہ تمام غیبی علوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہیں کہ لوح محفوظ میں ساری چیزیں ہیں اور لوح محفوظ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام بعض فرشتوں اور بعض اولیاء کے علم میں ہے اس لئے اسے کتاب مبین کہا جاتا ہے یعنی ظاہر کرنے والی کتاب اگر لوح محفوظ پر کسی کی نظر نہیں تو وہ مبین کیسے ہوئی نیز رب تعالیٰ نے اس میں تمام چیزیں لکھیں کیوں کیا اسے بھول جانے کا خطرہ تھا نہیں بلکہ بعض بندوں کو بتانا مقصود تھا۔ **تیسرا اعتراض**: اگر مان لیا جائے کہ قرآن کریم میں سارے علوم ہیں تو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ علوم حاصل ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ قرآن میں سب کچھ ہے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سب کچھ نہ بتایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتانا کہاں ثابت ہے دیکھو قرآن مجید کے متشابہات قرآن مجید میں ہیں مگر ان کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما یعلم تاویلہ الا اللہ** (وہابی دیوبندی) **جواب**: دوسری آیات صاف بتا رہی ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم کا کامل علم دیا گیا رب فرماتا ہے **نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** اور فرماتا ہے **وعلمک مالم تکن تعلم** اور فرماتا ہے۔ **الرحمن علم القرآن** وغیرہ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو متشابہات کا علم نہیں تو ان کا نازل فرمانا بیکار ہو گا ان چیزوں کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق پہلا حصہ کا مطالعہ کرو۔ **چوتھا اعتراض**: **دابۃ** اور **طیر** دونوں واحد ہیں جس کے معنی ہیں ایک پرندہ اور ایک چرندہ تو انہیں **امم** یعنی فرمایا ایک جانور تو امت نہیں۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا

www.alahazratnetwork.org

کہ دا بہ اور طہور دونوں اسم جنس ہیں جو ایک اور تمام افراد پر بولا جاتا ہے نیز بطہر بعنا حیہ صفت عامہ ہے جس نے اسے عام کر دیا۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی معجزہ کوئی آیت نازل نہیں ہوئی ورنہ کفار یہ کیوں کہتے **لولا نزل علیہ ایۃ** اگر انہوں نے مانگی بھی تھا تو اس کے جواب میں یہ کیوں نہ کہا گیا کہ فلاں فلاں معجزہ دکھایا گیا تم غلط مطالبہ کیوں کرتے ہو (بعض بے دین)۔ جواب: اس اعتراض کے علماء نے تین جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ آیت سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات تھے۔ جیسے سونے کے پہاڑ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سونے کا مکان ہونا زمین مکہ میں نہریں چشمے جاری ہونا وغیرہ یا گزشتہ نبیوں کے معجزے ید بیضا وغیرہ ہیں یا وہ معجزات جو کفار کو ایمان لانے پر مجبور کر دیں کہ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں کو کلمہ پڑھا دیا ایسے ہی ابو جہل وغیرہ کو کلمہ کیوں نہ پڑھایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکار کرے وہ نرا اندھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تو آج بھی دیکھے جا رہے ہیں قرآن کریم کی ہر آیت معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے اولیاء ان کی کرامات سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زندہ جاوید معجزات ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بہت سے معجزات ہیں جو اب تک دیکھے جا رہے ہیں (از تفسیر کبیر مع اضافہ)۔ چھٹا اعتراض: جب سارے جانور ادراک' معرفت' عبادت میں ہم جیسے ہیں تو پھر انسان اشرف الخلق کیسے ہوا' رب فرماتا ہے **ولقد کرمنا بنی ادم** جواب: اس اشرفیت کی بہت وجہیں ہیں رب کی امانت کا حامل ہونا' شرعی احکام پر عامل ہونا چنانچہ عالم' صوفی' غازی' شہید انسان ہی ہے' عشق الٰہی کا مرکز ہونا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نوع بشریت میں جلوہ گر ہونا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کی بے نیازی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کے جانور بھی قائل ہو گئے مگر انکاری ہو تو کون اپنے کو عاقل و ہوشیار کہنے والا انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا انکاری ہوا اگر انسان سیدھا رہے تو فرشتوں سے اعلیٰ ہو جائے اگر ٹیڑھا چلے تو جانور سے بدتر ہو جائے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کی ظاہری صفات آنکھ' ناک' کان وغیرہ گویا چرندے ہیں جو بشریت کی زمین میں حرکت کرتے ہیں۔ اور نفس اور اس کے صفات دل اور روح اور اس کے صفات گویا پرندے ہیں جو شریعت و طریقت کے بازوؤں سے فضا میں پرواز کرتی ہیں یہ تم جیسی امتیں ہیں جنہیں تمہاری طرح قیامت میں جمع کیا جائے گا اور ان سے حساب و کتاب لیا جائے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا** حشر عام ہے جہاں سب جمع ہوں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذا الوحوش حشرت** حضرات صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہر حیوان' نبات' جماد میں زندگی ہے بلکہ شعور ہے بعض مقبول بندے ان کی حیات و شعور کو محسوس کرتے ہیں' مولانا فرماتے ہیں۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل   ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است   از حواس اولیاء بے گانہ است

چوں سلیماں سوئے مرغان سبا   یک صفیرے کرد بست آں جملہ را

جز مگر مرغے کہ بد بے جان و پر   یا چو ماہی گنگ بد از اصل کر

www.alahazratnetwork.org

نے غلط گفتم کہ کرکر سہند		پیش وی کبریا یا مختش دہد

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور اور پیشانی اللہ کی وہ کتاب ہے جس سے ہر چیز ظاہر ہوتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور بھی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی کتاب بھی رب فرماتا ہے **قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین** مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیشانی یار		راز پنہاں می شود زاں آشکار

یہاں ارشاد ہوا ہے کہ اپنی اس کتاب محبوب میں کوئی چیز اٹھا نہیں رکھی سب کچھ اس میں ہے دیکھنے والا چاہئے نیز فرماتے ہیں کفار مکہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چند مطالبے کئے تھے ایک یہ کہ زمین مکہ بدل دی جائے' دوسرے یہ کہ آیات قرآنیہ ہماری خواہش کے مطابق آئیں۔ تیسرے یہ کہ گذشتہ نبیوں کے معجزے آپ دکھائیں۔ مردے زندہ کرنا وغیرہ ان کے مطالبے پورے نہ کئے گئے مگر یہ ساری باتیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کر کے دکھادیں' دیکھو مدینہ منورہ کی ہوا' پانی' زمین سب ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم کی اور دعا کی برکت سے بدل دی گئیں کہ وہ زمین وباوالی تھی۔ وہ خاک شفا بن گئی۔ نیز قرآن کریم کی بہت آیتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی منشاء کے مطابق آئیں' جیسے تبدیلی قبلہ کی آیات بلکہ بہت سی آیات حضرت عمر کی منشاء کے مطابق آئیں جیسے شراب کی حرمت' پردہ' مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کی آیات حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عصاء' ید بیضا' دم عیسیٰ سب ہی دکھائے مگر اور نوعیت سے لاٹھی سے لاٹھی کو بیٹری بنادیا اپنے دانت شریف کی روشنی سے گم شدہ سوئی تلاش کرادی کنکروں' پتھروں سے کلمہ پڑھوادیا' حضرت صدیق اکبر کی خبر مالک ابن منان شہید ہونے کے بعد زندہ کئے گئے وغیرہ وغیرہ' اس آیت کی تفسیر 22 شعبان 1387ھ' 25 نومبر 1967ء کو دن میں ختم ہوئی رات کو مجھے حضور غوث پاک کی زیارت ہوئی' غوث پاک نے میرے دل پر اپنی انگلی سے کلمہ طیبہ لکھا اور فرمایا انشاء اللہ تمہارا خاتمہ ایمان پر ہو گا یہ خواب رات کو دو بجکر دس منٹ پر دیکھا گیا۔

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ

اور وہ لوگ جنھوں نے جھوٹا یا ہماری آیتوں کو وہ بہرے اور گونگے ہیں تاریکیوں میں وہ جس کو چاہے اللہ گمراہ

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں بہرے اور گونگے ہیں اندھیریوں میں اللہ جسے چاہے گمراہ

يُضْلِلْهُ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ

کرے اسے اور وہ کہ چاہے اللہ کر دے اسے اوپر راستے سیدھے کے فرما دو بتاؤ تو تم اگر

کرے اور جسے چاہے سیدھے راستہ پر ڈال دے تم فرماؤ بھلا بتاؤ

اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ

آئے تمہارے پاس عذاب اللہ کا یا آئے تمہارے پاس قیامت تو کیا خدا کے سوا کس کو پکارو گے اگر ہو تم

اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے یا قیامت قائم ہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر

صٰدِقِیْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِیَّاهُ تَدْعُوْنَ فَیَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْهِ اِنْ شَآءَ

سچے | بلکہ اسی کو پکارو گے تو بس کھول دے وہ کو پکارتے ہو تم جس کی طرف

سچے ہو | بلکہ اسی کو پکارو گے تو اگر وہ چاہے جس پر اُسے پکارتے ہو اسے اٹھالے

وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾

اگر چاہے اور بھول جاتے ہو تم ان کو جنہیں شریک بناتے ہو

اور شریکوں کو بھول جاؤ گے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار بہرے ہیں مردے ہیں' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ اندھے اور گونگے بھی ہیں پھر ہدایت پر کیسے آئیں گے گویا ان کی بعض دلی بیماریوں کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور دوسری بعض بیماریوں کا ذکر ان آیات میں ہے **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کا ایک قول نقل فرمایا گیا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی آیت یا معجزہ کیوں نہیں اتار آگیا۔ اب ان کے اس قول کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اے محبوب آپ پر آیات معجزات تو بہت نازل ہوئے یہ تو بہرے گونگے ہیں کہ انہیں نہ تو کچھ سوجھے نہ کچھ سنیں۔ اس وجہ سے ایسے مطالبے کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کی کج بحثیوں کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ کج بحثیاں اور یہ زوردار اعتراضات اس ہی وقت تک ہیں جب تک کہ یہ آرام میں ہیں' جب عذاب الٰہی یا قیامت دیکھیں گے تو سواء اللہ کی پناہ لینے کے اور کچھ نہ کریں گے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں رب تعالیٰ کی ربوبیت عام اور قرآن کریم کے جامع کتاب ہونے کا ذکر ہوا' اب۔ ارشاد ہو رہا ہے کہ بہرے گونگے لوگ قرآن کی جامعیت کا ہی انکار کئے جائیں گے کہ اس میں کچھ نہیں اس انکار کی وجہ ان کا اپنا بہرہ گونگا اندھا ہونا ہے نہ کہ قرآن مجید کا ناقص ہونا اندھا آدمی اگر خطرہ کی چیز نہ دیکھے تو دیکھنے والے کی سن کر مان لیتا ہے مگر جو اندھا بھی ہو بہرا بھی وہ نہ تو خود کچھ دیکھے نہ پکار کرتانے والے کی سنے اللہ تعالیٰ کے مقبول اور آنکھ والے بندے پکار رہے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ ہے اور اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے علوم عطا فرمائے ہیں مگر اندھے بہرے کفار یہی کہے جائیں گے کہ اس میں کچھ نہیں نہ تو خود اتنا علم رکھتے ہیں کہ قرآن مجید سے سب کچھ معلوم کرلیں نہ عالموں کی بات مانتے ہیں۔

تفسیر : **والذین کذبوا بایتنا** یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ **الذین** سے مراد سارے کافر ہیں خواہ موحد ہوں یا مشرک کیونکہ کافر عام ہے مشرک خاص **کذبوا** بنا ہے **تکذیب** سے بمعنی جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یا جھٹلانا یعنی جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کرنا خیال رہے کہ سارے کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا قرآن کو جھوٹا کہتے کہلواتے تو تھے مگر سب جھوٹا سمجھتے نہ تھے ان کے دل کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں **یعرفونہ کما یعرفون ابناء هم** یہ بھی خیال رہے کہ اگرچہ جنات میں بھی کفار ہیں مگر جتنا نقصان انسانی کفار پہنچاتے رہے اور پہنچاتے رہیں اتنا نقصان جنات کفار نہیں پہنچاتے قتل انبیاء کفار انسانوں نے کیا وغیرہ اس لئے یہاں **الذین** سے مراد کفار انسان ہیں' آیات۔ سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا حضور صلی اللہ

www.alahazratnetwork.org

علیہ وسلم کے معجزات کیونکہ ہر آیت قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معجزہ معرفت الٰہی کی نشانی اور دلیل ہے یا آیات سے مراد خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہے (تفسیر کبیر خازن) کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم از سرتا قدم شریف اللہ تعالیٰ کی نشانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو شریف ہر وصف ہر ادا آیت الٰہیہ ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا کہ ارشاد ہوا۔ **قد جاء کم برهان من ربکم** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا خدا کی شان ہیں۔

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کی شان کے صدقے — میں ہر ہر آن یا رب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

اعلیٰ حضرت گولڑوی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں جانان کہ جان جہان آکھاں
سچ آکھاں تے ربدی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

یہ تیسری تفسیر بہت قوی بھی ہے اور لذیذ بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار ہر چیز کا انکار ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار سارے ایمانیات کا اقرار ہے نیز اور چیزیں اللہ تعالیٰ کی ایک ایک صفت کی نشانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی تمام صفات بلکہ ذات کی نشانی ہیں اور خاموش نشانی نہیں بلکہ بولتی ہوئی نشانی اس لئے لوگ دوسری نشانیوں کو خدا مان بیٹھے مگر حضور کے ذریعہ کوئی نہیں بہکا' بلا تشبیہ آئینہ آئینہ دار کے ظاہر کو پورا پورا ظاہر کرتا ہے اور ایکسرے آئینہ دار کے اندرونی اعضاء ظاہر کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری صفات اللہ تعالیٰ کی ظاہری صفات کو ظاہر کرتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باطنی صفات عالم علم لدنی ہونا جود وسخا نورانیت اللہ تعالیٰ کی مخفی صفات کو اجاگر کرتی ہیں اس لئے آپ صرف آیت اللہ نہیں بلکہ آیات اللہ ہیں۔ **صم وبکم فی الظلمات** یہ عبارت **والذین کذبوا** کی خبر ہے **صم** جمع ہے **اصم** کی **اصم** بنا ہے **صمم** سے بمعنی بوجھ **اصم** وہ جس کے کان میں بوجھ ہو۔ جس سے وہ سن نہ سکے **بکم** جمع ہے **ابکم** کی بمعنی گونگا جو بول نہ سکے **فی الظلمات** یا تو **الذین** کی دوسری خبر ہے یا کسی پوشیدہ خبر کے متعلق ہو کر **صم وبکم** کا حال یا ان کی صفت ہے **ظلمات** جمع ہے **ظلمة** کی بمعنی تاریکی' نور کی مقابل کفار 'جہالت' کفر 'عناد' اندھی تقلید' ضد وغیرہ میں گرفتار تھے ان میں سے ہر چیز اندھیرا ہے جس میں انسان کو کچھ نظر نہیں آتا اس لئے یہاں **الظلمت** جمع ارشاد ہوا اگر بہرا گونگا آدمی اندھیریوں میں پھنس جائے تو اس کی ہدایت کا کوئی ذریعہ نہیں کہ وہ نہ تو راستہ دیکھ سکے نہ کسی سے پوچھ سکے نہ کسی رہبر کی رہبری کو سن سکے اب ہدایت پائے تو کیسے **من یشاء اللہ یضللہ** اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور ان کفار کے دلوں پر مہر لگ جانے کا ذکر **من** سے مراد جن و انس ہیں کہ ان دونوں کے سوا کسی مخلوق میں گمراہی نہیں مشیت سے مراد ارادہ ہے نہ کہ محبت کہ اللہ تعالیٰ بندوں کے کفر کا ارادہ تو کرتا ہے مگر اس سے راضی نہیں **ان تکفروا لم یرضہ لکم** **یضلل** بنا ہے **اضلال** سے بمعنی گمراہ کرنا یا گمراہی پیدا فرمانا یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ضلال ہے۔ ضلال کی نسبت اس کی طرف خلق کی ہے بندہ میں گمراہی پیدا فرمانے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ بندہ گمراہی کا کسب کرتا ہے رب تعالیٰ اس کسب سے گمراہی پیدا فرماتا ہے جیسے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ مقتول میں موت پیدا فرماتا ہے۔ محیت یعنی موت دینے والا قاتل نہیں رب تعالیٰ ہے مگر اسباب موت جمع کرنے والا قاتل ہے اس کسب قتل کا قاتل مجرم ہے۔ **ومن یشاء یجعلہ علی صراط مستقیم** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی **یجعلہ**

www.alahazratnetwork.org

وہی معنی ہیں جو ہضلہ میں عرض کئے گئے کہ ہدایت، کا سبب بندہ ہوتا ہے اور خالق رب تعالیٰ ہے کسب ہدایت کا بندہ کو اجرو ثواب ملتا ہے صراط مستقیم کی تفسیر اس کے اقسام سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں کہ سیدھی راہ عقائد' عبادات معاملات' شریعت' طریقت سب ہی میں ہے صراط مستقیم وہ دین وملت ہے جس میں حضرات اولیاء اللہ ہوں جو فرقہ ولایت سے خالی ہو وہ ہی ٹیڑھا راستہ ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین** اور فرماتا ہے **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم** اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کا یہ بھرا گوناگان پن اس وقت ختم ہوجاتے ہیں جب ان پر کوئی دنیاوی آفت آجائے ان مصائب آجانے پر ان کی یہ اندھیریاں چھٹ جاتی ہیں اور ایک اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **قل ارءیتکم** قوی یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ اس مضمون کا تعلق توحید الٰہی سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گواہ ہیں لہٰذا قل ارشاد ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی توحید کے گواہ ہیں اور خدا تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا گواہ ہو سکتا ہے کہ قل میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہو **ارءیت** میں ہمزہ تو استفہامیہ ہے اور **رءیت** صیغہ واحد مخاطب ہے کم زائد ہے۔ جوت خطاب کی تاکید کے لئے ہے یہ کسی اعراب کے محل میں نہیں جیسے **ایاک** میں کاف خطاب زائدہ **رءیت** کی ت تو ایک ہی حال میں رہتی ہے اور کم میں تبدیل ہوتی رہتی ہے **ارءیتک ارءیتکما ارءیتکم** اس کے لفظی معنی ہوئے کیا دیکھا تم نے اب اصطلاح میں اس کے معنی ہوئے بتاؤ تو خبر تو دو اقرار کرانے کے لئے استعمال ہوتا ہے (تفسیر کبیر' روح المعانی) یہاں یہی معنی ہیں۔ **ان اتاکم عذاب اللہ** یہاں **عذاب اللہ** سے مراد دنیاوی غیبی عذاب ہے جیسے گذشتہ قوموں پر آئے **او اتتکم الساعۃ** یہ عبارت پہلے جملہ **اتاکم** الخ پر معطوف ہے اور اپنے معطوف علیہ سے مل کر شرط ہے یعنی اگر تم پر عذاب الٰہی آجائے یا تم پر قیامت قائم ہوجائے قیامت سے مراد یا تو ان کی اپنی قیامت ہے یعنی موت یا وہی قیامت جس میں دنیا ختم ہوجائے گی' خیال رہے کہ غیبی عذاب عمومی طور پر آنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بند ہوگئے مگر خصوصی طور پر آسکتے ہیں بلکہ قریب قیامت آئیں گے اور کفار عرب عموماً قیامت کے قائل تھے اس لئے یہ دونوں چیزیں بیان فرمانا درست ہوا اور ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد علوی عذاب ہوں قحط سالی وبائی بیماری وغیرہ۔ **اغیر اللہ تدعون ان کنتم صادقین** یہ جملہ **ارءیتکم** کا مفعول ہے **غیر اللہ** سے مراد کفار کے وہ بت ہیں جنہیں وہ مصیبت کے موقعوں پر مدد کے لئے پکارتے تھے اور ان کا خیال تھا کہ یہ بت خدا کی بھیجی مصیبت ٹال دیتے ہیں یہ خدا کے برابر ہیں یہی تو ان کا شرک تھا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ثم الذین کفروا بربھم یعدلون**۔ خیال رہے کہ لفظ **غیر اللہ** کبھی **ماسوی اللہ** کے معنی میں آتا ہے کبھی خدا کے مقابل کے معنی میں کبھی خدا کے دشمن کے معنی میں اللہ کے مقبول بندے پہلے معنی سے تو غیر اللہ ہیں دوسرے دو معنی سے غیر اللہ نہیں وہ تو اللہ کے اپنے ہیں غیر نہیں جب لفظ **غیر اللہ** یا **دون** عبادت یا الوہیت کے ساتھ آئے گا تو معنی سوا یا علاوہ ہوگا اس وقت اس میں نبی' سلطان' حکام سب ہی داخل ہوں گے جیسے **قل افغیر اللہ تامرونی اعبد ایھا الجاھلون** اور اگر لفظ **غیر اللہ** یا **دون اللہ** مدد پکارنے یا حاکم بنانے کے ساتھ استعمال ہوگا تو اس کے معنی ہوں گے خدا کے اجنبی' خدا کے غیر یا خدا کے دشمن جیسے **قل اغیر اللہ ابتغی حکما فاطر السموات والارض**۔ یہاں چونکہ پکارنے کے ساتھ غیر اللہ ارشاد ہوا ہے۔ لہٰذا معنی دشمن خدا ہے یا خدا سے اجنبی یہ قاعدہ خیال میں رہے دیکھو قرآن مجید میں غیر اللہ کو حکم و حاکم بنانے سے منع فرمایا گیا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

www.alahazratnetwork.org

سعد ابن معاذ کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت علی و معاویہ رضی اللہ عنہما نے عمرو ابن عاص اور ابو موسیٰ کو حکم پنچ بنایا۔ کیونکہ آیت میں **غیر اللہ** سے مراد اللہ کے دشمن ہیں۔ **تدعون** بنا ہے دعاء سے معنی پکارنا بلانا یہاں آئے ہوئے عذاب آئی ہوئی قیامت کو ٹالنے کے لئے اللہ کے مقابل مدد کرنے کے لئے بلانا مراد ہے۔ خیال رہے کہ **ان کنتم صدقین** شرط موخر ہے اس کی جزاء ہے **ارا یتکم** الخ صادقین کا مفعول بہ ایک پوشیدہ عبارت ہے **اصنا مکم الهتہ یا عبا دتہا نا فعتہ** (روح المعانی) یعنی اگر تم اس عقیدہ میں سچے ہو کہ بت سچے معبود ہیں یا ان بتوں کی عبادت فائدہ مند ہے تو بتاؤ کہ اگر اللہ کا عذاب یا قیامت تم پر آجائے تو کیا اللہ کے مقابلہ میں عذاب یا قیامت دفع کرنے کے لئے بتوں کو بلاؤ گے۔ یہ نہایت نفیس الزام ہے کیونکہ کفار عرب مصیبتوں میں بتوں کی عبادت بھول جاتے تھے صرف رب تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے اس سے دعائیں کرتے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر کہتا **لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک ولنرسلن معک بنی اسرائیل**۔ اے موسیٰ اگر آپ نے اس بار عذاب دفع کر دیا تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام دعا کرتے رب تعالیٰ عذاب دفع کر دیتا تھا فرماتا ہے **فلما کشفنا** الخ **بل ایاہ تدعون** اس عبارت میں ان کے عمل کا بیان ہے جو وہ مصیبت میں کرتے تھے بل سے پہلے **لا تدعون** پوشیدہ ہے یعنی اس وقت تم بتوں کو نہیں بلاؤ گے بلکہ ایک اللہ کو ہی پکارو گے یا بلاواسطہ یا اس کے کسی مقبول بندے کے واسطہ وسیلہ سے' چنانچہ قیامت میں سارے مومن و کفار پہلے حضرات انبیاء کرام کے پاس ہوتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس آئیں گے اور شفاعت کی درخواست کریں گے۔ تب حساب و کتاب شروع ہوگا۔ **فیکشف ما تدعون الیہ ان شاء** یہ عبارت **ایاہ تدعون** پر معطوف ہے **یکشف** کا فاعل رب تعالیٰ ہے کشف کے معنی ہیں کھولنا یہاں مراد ہے دور فرمادینا **ما** سے مراد عذاب ہے یا قیامت کی مصیبتیں کیونکہ قیامت کسی کی دعا سے نہ رک سکتی ہے نہ ٹل سکتی ہے۔ **تدعون** کا مفعول **ہ** پوشیدہ ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے **الیہ** سے مراد ہے **الی کشفہ ان شاء** شرط موخر ہے اور **فیکشف** جزاء مقدم ہے معنی یہ ہیں کہ عذاب یا قیامت آجانے کی صورت میں تم اپنے بتوں کو مدد کے لئے نہیں پکارتے' بلکہ اللہ تعالیٰ سے ہی دعا مانگتے ہو اور مانگو گے رب تعالیٰ اگر چاہے تو عذاب یا قیامت کی مصیبت دور فرمادے۔ **وتنسون ما تشرکون** یہ جملہ بھی **تدعون** پر معطوف ہے **تنسون** بنا ہے **نسیان** سے جس کے معنی ہیں بھول جانا **فیکشف** کی **ف** سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی کافر کی دعا سے اس کی مصیبت فوراً دور ہو جاتی ہے تا کہ وہ جلد ہی بھاگ جائے اگر کبھی مسلمان کی دعا دیر میں قبول ہو تو اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمان کی دعا اس کی آہ و زاری رب کو پسند ہے وہ چاہتا ہے کہ اسی ذریعہ مسلمان دربار پر حاضر رہے' مولانا فرماتے ہیں ۔

خوش ہمی باید نالہء شبہائے تو ذوق ہا دارم بہ یار بہائے تو

نسیان کے حقیقی معنی ہیں بھول جانا مجازی معنی ہیں چھوڑ دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں کیونکہ کفار عذاب آنے پر خصوصاً قیامت میں بدحواس ہو کر اپنے تمام بتوں کو بھول جاتے ہیں قیامت میں ان سے متنفر ہو جائیں گے' **ما** سے مراد بت میں **تشرکون** کا مفعول **ہ** پوشیدہ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام گفتگو مشرکین سے ہے اور ان تمام چیزوں میں بت مراد ہیں کہ مشرکین اور کفار بتوں کو بھول جاتے ہیں مومنین تو مصیبت میں اللہ کے مقبولوں کی طرف رجوع کرتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم جاء و ک** قیامت میں مومنین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے غافل نہ ہوں گے بلکہ سب

www.alahazratnetwork.org

سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے دلوری کریں گے نیز مومنین مقبولان خدا کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے۔

خلاصہ ء تفسیر : پہلی آیت کریمہ کے تین حصے ہیں' پہلے حصہ میں اس تخم کا ذکر ہے جو کفار نے اپنے دلوں میں بو لیا **کذبوا بایٰتنا** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت و تکذیب دوسرے جز میں ان تین شاخوں کا ذکر ہے' جو اس تخم سے پیدا ہوئیں دو ذاتی جن میں سے ایک کفار کے کانوں کی طرف نکلی' **صم** دوسری ان کی زبان کی طرف پھوٹی **بکم** تیسری شاخ عارضی **فی ظلمات** ثلث ببول کے تخم سے۔ جو درخت پیدا ہوتا ہے اس کے کانٹے یکساں پھل بدبودار ہوتے ہیں' چنانچہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ ہماری آیات قرآنیہ یا ہمارے محبوب کے معجزات یا خود ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو خود آیات الٰہیہ ہیں انہیں جھوٹا جانتے ہیں وہ ہم کو ہماری صفات کو نہیں پہچان سکتے کیونکہ وہ تو ایسے بہرے گونگے ہیں جو ان قوتوں کے بیکار ہونے کے ساتھ کفر و عناد حسد کی اندھیریوں میں پھنسے ہیں انہیں راہ حق کیسے نصیب ہو کہ یہ نہ خود راستہ جانتے ہیں کہ اندھیروں میں پھنسے ہیں نہ کسی سے پوچھ سکتے ہیں کہ گونگے ہیں نہ کسی کی رہبری سے فائدہ حاصل کر سکتے ہیں کہ بہرے بھی ہیں کسی کی سنتے نہیں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے جس بندے میں چاہے گمراہی پیدا فرما دے جسے چاہے سیدھے راہ پر لگا دے سخی سے بھیک مانگنے کا ذریعہ یہ ہے کہ اس کے دروازے پر کھڑے ہو کر اس کی تعریف اس کے جان مال کو دعائیں دے کر عرض مدعا کرو جو بھکاری داتا کے دروازے پر کھڑے ہو کر داتا کی برائیاں کرے اس کے بال بچوں کو کوسے وہ بھیک نہ پائے گا۔ مار کھائے گا یہ کفار رب کا انکار اس کی آیات کا انکار اس کے محبوب کی عداوت کر کے رب سے انعام نہیں پائیں گے بلکہ بہرے گونگے ظلمات وغیرہ کی سزائیں ہی پائیں گے۔ یہ مشرکین جو آپ سے منہ موڑ کر بتوں کو اپنا مددگار سمجھے بیٹھے ہیں ان سے آپ اتنا تو پوچھیں کہ اگر دنیا میں تم پر غیبی عذاب آ جائے یا اگر قیامت قائم ہو جائے تو کیا تم ان اللہ کے دشمنوں یعنی بتوں کو یہ عذاب رفع کرنے کے یا قیامت میں مدد کرنے کے لئے بلاؤ گے۔ اگر اپنے اس عقیدے میں سچے ہو کہ بت خدا کے شریک ہیں خدا کے عذاب کو دفع کر سکتے ہیں تو اس کا جواب دو اے بے وقوفو تم ایسے موقعوں پر کسی بت وغیرہ کو مدد کے لئے نہیں بلاتے بلکہ ایسی آفت میں اللہ تعالیٰ ہی کو پکارو گے اس سے دعا کرو گے پھر وہی اگر چاہے تو غیبی عذاب یا قیامت کی مصیبت کو تم سے دفع فرما دے تم تو ایسے موقعوں پر اپنے معبودوں کو بالکل بھول جاتے ہو جب تمہیں آخر کار رب تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے اور پڑے گا تو اب آرام و سکون میں بھی اسی کی عبادت کرو کسی کو اس ذات کریم کا شریک نہ ٹھہراؤ۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نبی کا حاسد ان کا دشمن کبھی ہدایت نہیں پا سکتا اسے کوئی ہدایت نہیں دے سکتا یہ فائدہ بایٰتنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ آیات سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو دیکھو رب تعالیٰ نے انہیں بہرا گونگا بھی فرمایا اور اندھیریوں میں گرفتار بھی جو نہ خود ہدایت پائے نہ کسی سے ہدایت حاصل کرے۔ دیکھو ابلیس عنادی حسد پیغمبر کا مارا ہوا ہے تو باوجودیکہ وہ جنت دوزخ فرشتے وغیرہ سارے عالم غیب کو دیکھ چکا اور از حضرت آدم تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کو ان کے معجزات کو دیکھ چکا ان کے وعظ سن چکا مگر ہدایت نہیں آ تا یہ ہے نبی کے عنادی پر اللہ کی مار۔ **دوسرا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی آیات ہیں یعنی دوسری تو ایک ایک آیت و نشان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا نشانیاں اس طرح کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہر عضو ہر حال ہر

www.alahazratnetwork.org

آیت اللہ ہے اور حضور اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی تمام صفات کی نشانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر رب پہچانا جاتا ہے یہ فائدہ بھی ہاہا تنا کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: جو شخص قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا دانستہ انکار کرے اس کی ہدایت بہت مشکل ہے یہ فائدہ ہاہا تنا کی دوسری تفسیروں سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: گمراہی اور ہدایت دونوں کا خالق رب تعالیٰ ہے اس سے ہر چیز ملتی ہے یہ فائدہ من یشاء اللہ الخ سے حاصل ہوا۔ مگر ادب یہ ہے کہ بندہ گمراہی بلکہ ہر برائی کو اپنی طرف نسبت کرے کہ مولیٰ یہ حرکت میں نے کی اور ہدایت بلکہ ہر بھلائی کو رب کی طرف سے سمجھے کہ خدایا تیری توفیق تیرے کرم سے ہم مسلمان اور نمازی وغیرہ بن گئے اگر ہم کچھ تجھ سے مانگ بھی لیتے ہیں وہ مانگ بھی تیری مہربانی سے ہی ہوتی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ماکہ بودیم و دعا ماچہ بود! لطف تو دل داد اے رب وددود

ذرۂ بر روئے خاک افتادہ بود آفتابے آمد و روشن نمود!

مولانا فرماتے ہیں۔

ما زحرص و آز خود را سوختیم ایں دعا را ہم زتو آموختیم

حرمت آں کہ دعا آموختی اندریں ظلمت چراغ افروختی

دستگیرم درچنیں بیچارگی شاد گر دانم دریں غم خوارگی

پانچواں فائدہ: انسان آرام میں عموماً رب تعالیٰ کو بھول جاتا ہے تکلیف و مصیبت میں خدا کو یاد کرتا ہے' یہ فائدہ بل ایاہ تدعون الخ سے حاصل ہوا۔ غفلتیں' گناہ' سرکشیاں آرام و راحت کا نتیجہ ہیں فرعون بھی ڈوبتے وقت بندہ بن گیا تھا آرام میں خدا بنا رہا۔ چھٹا فائدہ: جو مصیبت میں بھی خدا تعالیٰ کو یاد نہ کرے وہ مشرکین سے بھی زیادہ سخت دل ہے یہ فائدہ بھی بل ایاہ تدعون الخ سے حاصل ہوا۔ ہندوستان کے مشرک بیماریوں میں نمازیوں سے دم کراتے ہیں بزرگوں کے مزارات پر حاضری دیتے ہیں۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں محض قبولیت دعا محبوبیت کی علامت نہیں' شیطان نے دراز ئی عمر کی دعا مانگی جو کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہو جاتی ہیں۔ یہ فائدہ فیکشف ما تدعون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین بھی مصیبت میں پھنس کر غیر اللہ کو پکارنا چھوڑ دیتے ہیں اس وقت صرف خدا تعالیٰ ہی کو مدد کے لئے پکارتے ہیں افسوس کہ مسلمان مصیبتوں میں بھی یا رسول اللہ' یا غوث' یا پیر کہنا نہیں چھوڑتے یہ مسلمان ان مشرکین سے بدتر ہیں۔ جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں' دو الزامی تیسرا تحقیقی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ تمہارے علماء و مشائخ بھی مصیبت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدد کے لئے پکارتے ہیں' چنانچہ تم سب کے شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کر دیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یا رسول اللہ

اور مولانا محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند فرماتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سواء نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

www.alahazratnetwork.org

دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ آپ حضرات بھی مصیبتوں میں بجائے رب تعالٰی کے دروازے پر جانے کے حاکموں، حکیموں، امیروں کے دروازوں پر جا کر ان کی دہائی دیتے ہو اپنے پیروں کو پکارتے ہو۔ تمہارے شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب کا شعر ہے مرثیہ رشید احمد صاحب گنگوہی میں۔

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں اب یارب   گیا وہ قبلۂ حاجات ایمانی و ایمانی

بلکہ حضرات انبیاء و اولیاء نے بھی اللہ کے بندوں سے مدد مانگی ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو جب یہود کی طرف سے سخت خطرہ ہوا تو فرمایا **من انصاری الی اللہ** جواب میں حواریوں نے کہا **نحن انصار اللہ** حضرت ذوالقرنین نے فرمایا **اعینونی بقوۃ** ۔رب فرماتا ہے **وتعاونوا علی البر والتقوی** مشکوٰۃ باب الشفاعۃ میں حضرت انس کی روایت سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دوزخی لوگ دوزخ میں جاتے وقت جنتیوں کی راہ میں کھڑے ہوں گے ایک دوزخی کسی جنتی کو جاتے دیکھ کر کہے گا کہ میں نے تجھے دنیا میں پانی پلایا تھا آج میری شفاعت کر وہ شفاعت کرے گا رب اسے بخش دے گا وہ اس دوزخی کو لے کر جنت میں جائے گا یہ سب اللہ کے بندوں کی مدد ہی تو ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن اللہ کے غیر یعنی بت ہیں اس لئے آگے ارشاد ہوا **وتنسون ما تشرکون** اور اس میں خطاب مشرکین سے ہے نہ کہ مومنین سے وہی مصیبتوں میں بتوں کو بھول جاتے تھے۔ مصیبتوں میں اللہ کے مقبول بندوں سے دعا کرانی ان کے توسل سے دعا کرنی بلکہ ان سے فریاد کرنے کا حکم خود رب تعالٰی نے دیا ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ محبوبین اور مردودین میں فرق کرو کعبہ کی طرف سجدہ ایمان کا رکن ہے بتوں کی طرف سجدہ شرک ہے گنگا کے پانی کی تعظیم شرک آب زمزم کی تعظیم حق ہے۔ ہولی دیوالی کے دنوں کی تعظیم شرک ہے عید بقر عید کے دنوں کی تعظیم رکن ایمان غرضیکہ دنیا میں دو دھڑے ہیں۔ شیطانی دھڑا حزب الشیطان اور رحمانی دھڑا حزب اللہ ان میں فرق کرنا ضروری ہے اللہ کے دشمنوں سے مدد لینا شرک ہے۔ اللہ کے مقبولوں سے مدد لینا ایمان ہے ہم تو انشاء اللہ قیامت میں مصیبت پر پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی پکاریں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے رب کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے بلکہ تم بھی انہیں کو پکارو گے۔ اعلٰی حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے۔

ہم بھی محشر میں سیر دیکھیں گے   نجدی آج ان سے التجا نہ کرے

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں عذاب اللہ اور قیامت کے دنوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ **فیکشف ما تدعون** قیامت تو کسی کی دعا سے نہیں ٹلے گی پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں قیامت کی مصیبتیں مراد ہیں وہاں کی بعض مصیبتیں کفار کی دعا چیخ پکار سے بار لوٹ الٰہی ہلکی ہو جانے کی امید ہے کفار کے کچھ نیک اعمال صدقہ خیرات عدل و انصاف وغیرہ کی وجہ سے ان کے عذاب ہلکے ہو سکتے ہیں ابو لہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کی خوشی منائی تو اسے سوموار کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے جس کے اشارہ سے اس نے اس خوشی میں ثویبہ لونڈی (رضی اللہ عنہا) کو آزاد کیا تھا۔ (بخاری شریف شروع کتاب الرضاع) **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما دعاء الکفرین الا فی ضلال** کفار کی دعا پکار سب برباد ہے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت کریمہ میں دوزخی کفار مراد

www.alahazratnetwork.org

ہیں اور ان کی دعا سے مراد دوزخ میں شور و پکار ہے۔ کبھی مالک (داروغہ دوزخ) سے فریادیں کرنا کبھی رب تعالیٰ سے۔ وہ سب بیکار ہوگا یہاں اس آیت کریمہ میں کفار کی دنیاوی دعائیں یا میدان محشر کی بعض دعائیں مراد ہیں لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

چوتھا اعتراض: جب گمراہی اللہ کے چاہنے سے انسان کو ملتی ہے تو کفار یا گنہگاروں کو عذاب کیوں ہوتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا وہ اس نے کرلیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی یہ ہے کہ جب ہدایت اللہ کے چاہنے سے انسان کو ملتی ہے تو نیک کاروں کو ثواب کیوں ملتا ہے۔ جو اللہ نے چاہا وہ اس نیک کار نے کرلیا۔ جواب تحقیقی ابھی تفسیر میں اور تیسرے پارے کی تفسیر میں گزر گیا کہ رب تعالیٰ کے اس چاہنے سے بندہ مجبور نہیں ہو جاتا کہ بغیر اپنے چاہے کفر یا ایمان اختیار کرے بلکہ اللہ نے اس کے کفر و ایمان کو بھی چاہا اور اس کے چاہنے کو بھی چاہا بندے کو اس چاہنے پر ہی سزا و جزا ہے۔ جیسے قتل پر قاتل کو سزا ملتی ہے حالانکہ وہ قتل بھی اللہ کے چاہنے سے ہوا اور اس مقتول کو اللہ نے ہی موت دی۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ اگر رب چاہے تو تمہاری مصیبت دور کردے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **ادعونی استجب لکم** تم ہم سے دعا کرو ہم قبول کریں گے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں کفار کی دعاؤں کا ذکر ہے اور وہاں تمہاری پیش کردہ آیت میں مسلمانوں کی دعاؤں کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں بندوں کے منہ مانگی چیز دے دینے کا ذکر ہے وہاں اس آیت کریمہ میں پکار کے جواب دینے کا ذکر ہے یعنی تم مجھے پکارو یا رب میں تم کو جواب دوں گا یا عبدی تیسرے یہ کہ وہاں قبول کرنے کے معنی ہیں دعا بے کار نہ جائے اس کا فائدہ ضرور ہوگا یا اس طرح کہ منہ مانگی مراد مل جائے یا اس طرح کہ دعا کی برکت سے کوئی آفت ٹل جائے یا اس طرح کہ دعا مانگنے کا ثواب آخرت میں مل جائے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سرکاری ملازموں کو تنخواہ، بھتہ، کوٹھی، موٹر، خادم نوکر سب کچھ حکومت کی طرف سے ملتا ہے مگر کیوں، کار سرکار کے لئے اس کار سرکار کے طفیل وہ اپنا کام عیش و آرام بھی کرلیتے ہیں یعنی کار سرکار اصل مقصود ہے۔ دوسرے کام تابع اگر وہ ڈیوٹی نہ دیں اور دوسرے اپنے کاموں میں یہ چیزیں صرف کریں تو مجرم ہیں یوں ہی رب تعالیٰ نے ہم کو اعضاء صحت، دولت ہر قسم کی نعمتیں عطا فرمائیں۔ اپنی عبادت کے لئے عبادات کے ساتھ ہم ان سے اپنے دنیاوی کام بھی لے لیں تو بالکل درست ہے مگر جو رب کی عبادات تو نہ کرے ان نعمتوں کو دنیاوی عیش و آرام میں صرف کرے، وہ مجرم ہے اور وہ آنکھیں ہوتے ہوئے اندھا ہے کان ہوتے ہوئے بہرا زبان ہوتے ہوئے گونگا ہے کہ ان نعمتوں کا مقصد پورا نہیں کرتا اس آیت کریمہ میں اسی وجہ سے آیات الہیہ کے منکرین کو بہرا گونگا اندھا فرمایا گیا کہ جن چیزوں کو دیکھنے کے لئے یہ طاقتیں ملی تھیں انہوں نے وہ چیزیں دیکھی نہیں۔ بولی نہیں جیسے عالم اجسام میں اندھیریاں بہت قسم کی ہوتی ہیں رات کی اندھیری، بادلوں کی اندھیری گھر کے تہ خانہ کی یا سمندر کی تہ کی اندھیری اگر آدمی اندھا ہے تو آنکھ کی اندھیری جن میں سے بعض اندھیریوں کو آسمان کا سورج دور کر دیتا ہے یوں ہی دل کی اندھیریاں بہت قسم کی ہیں جنہیں آسمان نبوت کا چمکتا ہوا سورج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم دور کرتے ہیں جو ان سے نور نہ لے وہ دل کی اندھیریوں میں رہے گا۔ اسی بنا پر رب تعالیٰ نے انہیں **فی الظلمات** فرمایا اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے دروازہ پاک مصطفوی تک پہنچا دیتا ہے اور جسے گمراہ رکھنا چاہتا ہے اسے وہ دروازہ نہیں ملتا دور

www.alahazratnetwork.org

والے مومن وہ دروازے پالیتے ہیں مگر نزدیک والے کفار وہاں نہیں پہنچتے کفار اللہ کا انکار کرکے کافر ہوتے ہیں مومنین بتوں کا انکار اللہ تعالیٰ کا اس کے رسولوں کا اقرار کرکے بتوں کے کافر (منکر) للہ کے مومن ہوتے ہیں **فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ** مگر مومن کا یہ کفر مضبوط ہے کافر کا کفر باللہ کمزور اس لئے کافر مصیبتوں میں اپنے بتوں کو بھول جاتے ہیں مگر مومن آرام و مصیبت میں نہ رب کا دروازہ چھوڑے نہ نبی کا آستانہ۔

ہوا جب کفر ثابت ہے یہ تمغائے مسلمانی!

کفار کے کفر کی یہی کمزوری یہاں بیان ہوئی کہ ارشاد ہوا **بل ایاہ تدعون** اور فرمایا گیا **و تنسون ما تشرکون** اللہ تعالیٰ کفر ثابت یعنی ایمان باللہ اور ایمان بالرسول پر دائم قائم رکھے۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ بڑی بے نیاز ہے کبھی مسلمانوں کی دعائیں جلد قبول نہیں ہوتیں تاکہ وہ دروازہ پر حاضر رہیں اور کبھی کفار کی دعائیں بہت ہی جلد قبول ہو جاتی ہیں تاکہ وہ جلد دروازے سے بھاگ جائیں ان کی وہ قبولیت محبوبیت کے لئے نہیں بلکہ مردودیت کے لئے ہے کہ جلد جائیں مسلمانوں کی یہ عدم قبولیت محبوبیت کے لئے ہے کہ اس بہانہ سے وہ دروازہ پر حاضر رہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ

اور البتہ تحقیق بھیجے ہم نے رسول ان امتوں کی طرف جو پہلے سے ہیں آپ کے پس پکڑ لیا ہم نے انہیں سختی

اور بے شک ہم نے تم سے پہلی امتوں کی طرف رسول بھیجے تو انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑا کہ وہ

يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ

سے اور نقصان سے تاکہ وہ عاجزی کریں پس کیوں نہیں ہوا جب آیا ان کے پاس عذاب ہمارا تو عاجزی کرتے

کسی طرح گڑگڑائیں تو کیوں نہ ہوا کہ جب ان پر ہمارا عذاب آیا تو گڑگڑاتے ہوتے لیکن ان کے

قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

وہ اور لیکن سخت ہو گئے دل ان کے اور آراستہ کر دیا شیطان نے ان کاموں کو جو وہ کرتے تھے

تو دل سخت ہو گئے اور شیطان نے ان کے کام ان کی نگاہ میں بھلے کر دکھائے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار مصیبتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتے ہیں اس کی بارگاہ میں عاجزی زاری دعائیں کرتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کا یہ حال دائمی نہیں کبھی یہ لوگ مصیبت میں بھی رجوع الی اللہ نہیں کرتے اپنے کفر پر قائم رہتے ہیں گویا کفار کے ایک حال کا ذکر پہلے ہوا دوسرے حال کا ذکر اب ہو رہا ہے (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موجودہ کفار کے پلپلے پن کا ذکر تھا کہ وہ مصیبتوں میں رب کی طرف دوڑتے ہیں اب ان آیات میں گزشتہ زمانہ کے کفار کی سختی اور کفر پر مضبوطی کا ذکر ہے کہ وہ تو مصیبتوں میں بھی رب کو یاد نہیں کرتے تھے۔ جب وہ اللہ کے عذاب سے نہ بچ سکے مخالفت انبیاء سے وہ ہلاک ہو گئے تو یہ حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرتے ہوئے رب کے عذاب سے کیسے بچیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ ہدایت و گمراہی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے جسے چاہے ہدایت دے جسے چاہے گمراہ کرے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ موجودہ کفار مصیبتوں میں رب کی طرف رجوع کرتے ہیں گذشتہ کفار مصیبتوں میں بھی رجوع الی اللہ نہ کرتے تھے یہ بھی رب تعالیٰ کے ارادے سے ہے وہ بھی اس کے ارادے سے تھا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار تنزیلی آیات عذاب دیکھ کر ایمان نہیں لاتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کفار تو آیات عذاب یعنی دنیاوی مصیبتیں تکالیف دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے یعنی ان کی ضد کی ایک نوعیت کا ذکر فرمانے کے بعد اس ضد کی دوسری نوعیت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے (تفسیر روح المعانی)

تفسیر: ولقد ارسلنا الی امم چونکہ مشرکین نبوت اور انبیاء کرام کی تشریف آوری کے منکر تھے اور اہل کتاب اگرچہ حضرات انبیاء کی تشریف آوری کے تو اقراری تھے مگر اپنی ان نافرمانیوں' بدکرداریوں کے منکر تھے۔ جن کا یہاں ذکر ہے اور عام لوگ اس کے منکر تھے کہ دنیاوی تکالیف ہمارے گناہوں نافرمانیوں سے آتی ہیں بلکہ ان کا خیال تھا کہ یہ آرام و تکالیف محض اتفاقی یا بائی چانس ہوتی ہیں غرضیکہ اس مضمون کی تین جماعتیں انکاری تھیں ان وجوہ سے اس مضمون کو لام اور قد سے شروع فرمایا گیا۔ چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کے اول واو ابتدائیہ لایا گیا دنیا میں ہماری آمد کو خلق یا خلقت کہا جاتا ہے مگر حضرات انبیاء کرام کی آمد کو **ارسال** یا **بعثت** یا **جاء** سے تعبیر کیا جاتا ہے کیونکہ ہماری آمد اور ان حضرات کی آمد میں چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ ہم یہاں سیکھنے کچھ بننے آتے ہیں وہ حضرات سیکھے ہوئے بنے ہوئے ہم کو بنانے سکھانے آتے ہیں وہ ولادت کے وقت ہی سب کو اور سب کچھ جانتے پہچانتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے شیر خوارگی میں ہی اپنی ماں یوحائز کے سوا کسی دائی کا دودھ قبول نہ کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حلیمہ کا بایاں پستان نہ چوسا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی اپنی نبوت' کتاب' نماز' زکوۃ' ماں کی خدمت وغیرہ تمام ذمہ داریوں کا اعلان فرمایا۔ دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں اپنی ذمہ داری پر آتے ہیں رسول رب تعالیٰ کی ذمہ داری پر' تیسرے یہ کہ ہم دنیا میں اپنا کام کرنے آتے ہیں رسول رب تعالیٰ کا کام کرنے آتے ہیں' جیسے کچہری میں حاکم بھی آتا ہے اور مقدمے والے بھی یا اسکول میں طلباء بھی حاضر ہوتے ہیں۔ حضرات مدرسین بھی تشریف لاتے ہیں یعنی **رسلا امم** جمع ہے امۃ کی امت کے لغوی معنی اور امت کے اقسام پہلے بیان ہو چکے **امم** کی تنوین تعظیم کی نہیں کثرت و زیادتی کی ہے۔ خیال رہے کہ کبھی ایک امت کی طرف ایک رسول بھیجے جاتے تھے اور کبھی ایک امت کی طرف چند رسول جیسے موسیٰ و ہارون علیہم السلام کہ یہ دونوں حضرات قبطیوں اور سبطیوں کی طرف بھیجے گئے حضرت سلیمان علیہ السلام جب تخت پر اڑتے تھے تو آپ کے ساتھ ایک ہزار نبی ہوتے تھے **الی امم** اس سب کو شامل ہے **من قبلک** یہ عبارت یا تو **ارسلنا** کے متعلق ہے یا **کا ئنتہ** کے متعلق ہو کر **امم** کی صفت یا حال ہے' مومنین کی چند امتیں ہونا یا انبیاء کرام کا تشریف لانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور سے پہلے تو تھا ظہور سے لے کر قیامت تک نہ کوئی نبی پیدا ہو گا نہ مسلمانوں کی چند امتیں ہوں گی کیونکہ امت بنتی ہے نبی سے دین بدلتے ہیں نبی کے بدلنے سے اب تا قیامت سب کی دائمی نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں لہٰذا اب امت صرف ایک ہے یعنی مسلمان دین صرف ایک ہے یعنی اسلام زبان ملک وغیرہ سے دنیاوی قومیں بن سکتی ہیں امت صرف نبی سے ہے **من** یا تو زائدہ ہے کہ **من** اثبات میں زائدہ ہو کر آ سکتا ہے یا بمعنی فی ہے جیسے **اذا نودی للصلواۃ**

www.alahazratnetwork.org

من یوم الجمعۃ میں من بمعنی فی ہے (معانی، بیان) یا ابتدائیہ ہے جیسے نمت من اول اللیل میں یا جیسے صمت من اول الشہر قبلک سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظہور سے پہلے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ نبوت اور ہے زمانہ ظہور کچھ اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظہور اور زمانہ نبوت میں کوئی نبی نہیں بھیجا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے پانچ سال پہلے سے لے کر تاقیامت کسی اور نبی کی آمد ختم کردی گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبیین کا تاج پہنایا گیا۔ اس وجہ سے من قبلک فرمایا گیا۔ فاخذنھم بالباساء والضراء میں ف نصیحہ ہے یعنی پوشیدہ عبارت کی جزا ئیہ ف کذبوا رسلھم۔ اخذ سے مراد غضب و عذاب کی پکڑ ہے ھم کا مرجع امم کے نافرمان لوگ ہاساء بنا ہے بوس سے بمعنی سختی و شدت، جیسے قحط، بھوک، ظالم بادشاہ اور ضراء بنا ہے ضرر سے بمعنی تکلیف و نقصان خواہ جانی ہو یا مالی جیسے بیماری، جانی یا مالی نقصان خیال رہے کہ باساء اور ضراء دونوں ایسے مونث ہیں جن کا کوئی مذکر نہیں دیکھو احمر کا مونث حمراء ہے مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بئس اور اضر کا مونث باساء اور ضراء ہے (معانی، بیان و کبیر) یعنی ان امتوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا ان کی نافرمانیاں کیں تو ہم نے انہیں سختی اور تکلیف سے پکڑ لیا لعلھم یتضرعون اس عبارت میں مذکورہ پکڑ کی حکمت کا بیان ہے کلام الٰہی میں لعل شک کے لئے نہیں آتا کہ رب تعالیٰ شک و تردد سے پاک ہے بلکہ بمعنی کے (تاکہ) ہوتا ہے تضرع کے معنی ہیں عجز کا اظہار یہاں مراد عاجزی و زاری سے توبہ کرکے رفع عذاب کی دعا کرنا یعنی یہ سختیاں تکالیف انہیں ہلاک کرنے کے لئے نہ تھیں بلکہ انہیں تادیبی کارروائی کے طور پر توبہ، عاجزی، زاری کی طرف بلانے کے لئے تھیں مگر وہ اس طرف نہ آئے چنانچہ ارشاد ہے فلولا اذ جاءھم باسنا تضرعوا عربی میں لولا وہاں بولا جاتا ہے جہاں یہ بتایا جائے کہ اس کام کا باعث تو موجود تھا مانع کوئی نہ تھا مگر پھر بھی یہ کام نہ ہوا اس سے شرط یا نفی مراد نہیں ہوتی اس لئے ڈانٹ ڈپٹ یا ندامت و شرمندگی کے موقعہ پر بولا جاتا ہے اور اس کے بعد لیکن یا لکن وغیرہ آسکتا ہے (معانی) یہاں لولا کا تعلق تضرعوا سے ہے نہ کہ جاءھم سے کیونکہ ان پر تکالیف تو آئیں مگر انہوں نے عاجزی و زاری نہ کی بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں لولا ترغیب کے لئے ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ترغیب کا لولا صرف مضارع پر ہی آتا ہے ماضی پر نہیں آتا اور یہاں ماضی پر ہے (معانی) یعنی جب ان پر ہماری پکڑ آئی تو انہوں نے عاجزی زاری کیوں نہ کرلی ہم ان کو معاف فرمادیتے ہم رحیم و کریم ہیں جو گڑگڑاتا ہوا ہمارے دروازہ پر گرے ہم اسے ہٹاتے نہیں یہ ہمارا دستور نہیں۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی   مگر ایں پنج روز دریابی!

خیال رہے کہ یہاں ہلس سے مراد عذاب نہیں جو ہلاک کرنے کے لئے آتا ہے کیونکہ اس وقت تو یہ عاجزی وغیرہ بیکار ہوتی ہے وہ عذاب نہیں ہٹتا بلکہ وہی جھڑک کر پکڑ مراد ہے جو ابھی عرض کی گئی لطف یہ ہے کہ گذشتہ کفار کی شکایت رب تعالیٰ اپنے محبوب سے کر رہا ہے لولا فرماکر فرمان عالی میں عجیب لطف پیدا فرمادیا گیا یعنی وہ لوگ ہمارے دروازہ پر گڑگڑاتے ہوئے کیوں نہ گرے کیا انہیں ہماری رحمت کی ضرورت نہیں کیا ہم نے اپنا دروازہ ان کے لئے بند فرمادیا تھا ان کو تو ہماری ہر وقت ہر گھڑی ضرورت ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی ہمارا دروازہ کبھی کسی کے لئے بند نہیں کیا ہمارے دروازے پر چوکی پہرہ ہے جو انہیں آنے سے روکتا ہے کیا انہیں ہمارے در پر آنے میں کچھ خرچ کرنا پڑتا ہے ان چاروں باتوں میں سے کچھ نہیں پھر یہ لوگ کیوں نہ گرے ہمارے دروازے پر کیوں نہیں آئے سبحان اللہ کیسا کریمانہ سوال ہے ولکن قست قلوبھم اس عبارت کا تعلق ایک

www.alahazratnetwork.org

پوشیدہ عبارت سے ہے **فما لانت قلوبھم** لہٰذا **لکن** نے ان کفار کے نرمی دل کی نفی کی اور سختی دل کا ثبوت دیا یعنی **لکن** کا عمل ہے پہلے کی نفی بعد کا ثبوت اور ہو سکتا ہے کہ **لولا اذ جاءھم** سے جو چند باتیں معلوم ہوتی تھیں ان کی **لکن** سے نفی کی ہو اور سختی دل کا ثبوت دیا یعنی ان کفار کا زاری نہ کرنا اس وجہ سے نہ تھا کہ ہم نے انہیں اپنے دروازہ پر آنے سے روک دیا یا توبہ کا دروازہ بند کر دیا یا ہم نے ان سے مال مانگا اور وہ غریب تھے یا انہیں ہمارے کرم کی ضرورت نہ تھی بلکہ اس کی وجہ صرف سختی دل تھی۔ **قست** بنا ہے **قسوۃ** سے بمعنی سختی اس کا مقابل ہے لین بمعنی نرمی یا یہ مطلب ہے کہ ان عذابوں کو دیکھ کر بھی ان بد نصیبوں کے دل نرم نہ ہوئے لیکن اور زیادہ سخت ہو گئے انہوں نے اس سے الٹا اثر لیا **وزین لھم الشیطان ما کانو یعملون** یہ عبارت معطوف ہے **قست قلوبھم** پر واؤ عاطفہ ہے زین بنا ہے **تزیین** سے جس کا مادہ زینت ہے تزیین کے چند معنی ہیں اچھائی کے ساتھ ایجاد کرنا جیسے **زینا السماء الدنیا** کسی چیز میں عمدگی وخوبی دے دینا جیسے **تزیین** عروس دلہن کو زینت دینا' آراستہ کرنا' کسی بری چیز کو اچھا کر کے دکھانا یا تیسرے معنی پھر دو قسم کے ہیں ایک تو دل میں اس بری چیز کی طرف میلان پیدا کر دینا یہ برا نہیں جیسے **کذالک زینا لکل امۃ عملھم** دوسرے دھوکہ وسوسہ سے اسے اچھا بنا اچھا دکھانا۔ جیسے **زین لکثیر من المشرکین قتل اولادھم شرکاءھم** پہلی صورت محمود ہے دوسری صورت بری۔ یہاں یہ آخری صورت مراد ہے اس لئے اسے شیطان کی طرف نسبت کیا گیا شیطان سے مراد یا تو ابلیس ہے یا قرین جو انسان کے ساتھ ہر وقت رہتا ہے ملے مراد ان کفار کی بد عملیاں بلکہ بد عقیدگیاں بھی ہیں یعنی ابلیس یا قرین نے ان کفار کو ان کے برے کام اور برے عقیدے اچھے کر کے دکھائے جس سے وہ لوگ ان عذابوں کو دیکھ کر اور بھی زیادہ بد عمل اور بد عقیدہ بن گئے۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے آپ کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے مختلف امتوں کی طرف بہت سے رسول بھیجے خواہ ایک امت کی طرف ایک رسول یا ایک امت کی طرف چند رسول ان کی امتوں نے اپنے رسولوں کی نافرمانی کی تو ہم نے ان کی ہلاکت سے پہلے انہیں قحط' بھوک' بیماریوں' ظالم بادشاہوں کی گرفت وغیرہ مصیبتوں میں گرفتار کر دیا تاکہ وہ ان مصیبتوں کی وجہ سے ہمارے دروازہ پر آئیں ہماری بارگاہ میں گڑگڑائیں اور ہمارے رسولوں کی فرمانبرداری کریں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا وہ نہ تو رسولوں کے فرمانبردار بنے نہ ان مصیبتوں سے ان کی آنکھیں کھلیں ان کے تو دل سخت ہو گئے تھے وہ سمجھتے تھے کہ یہ آفات اتفاقیہ طور پر آئیں' ابلیس یا ان کے ساتھ شیطان (قرین) نے ان کی نظروں میں ان کے اعمال اچھے کر کے دکھا دیئے وہ یہ سمجھے کہ ہمارا کفر ہماری نافرمانیاں بہت اچھی چیزیں ہیں جن سے ہماری شان ظاہر ہوتی ہے۔ جب بندہ اپنی برائیوں کو بھلائی سمجھنے لگے تو اسے ہدایت کیسے ملے۔ اے محبوب اگر کفار عرب آپ کی اطاعت نہ کریں تو آپ ملول نہ ہوں کہ یہ تو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ خیال رہے کہ دل کی سختی اور چیز ہے اور دل کی پختگی یعنی ثابت قدمی کچھ اور دل کی سختی عذاب ہے دل کی پختگی اللہ کی رحمت ہے دل کی پختگی یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں رب کے دروازہ پر ہے دنیا کی نرمی گرمی اسے اس دروازہ سے ہٹا نہ سکے قرآن کریم ہم کو دعا تعلیم فرماتا ہے **وثبت اقدامنا** ۔دل کی نرمی عطائی۔ وہبی' کسبی' تین طرح کی ہوتی ہے۔ پیدائشی دل نرم ہو یہ عطائی ہے جو حضرات انبیاء کرام خاص اولیاء اللہ کو ملتی ہے۔ کسی مقبول کی نظر سے دل نرم ہو جائے یہ وہبی ہے اعمال صالحہ سے میسر ہو یہ کسبی ہے' عیش و راحت غفلت' غافلوں' کی صحبت دل کی سختی کا سبب ہیں' تکالیف آخرت کی تیاری' مقبولوں کی صحبت خواہ زندوں کی یا قبر والوں کی یا ان کی تصنیفات کا مطالعہ دل کی نرمی کا ذریعہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: پچھلے انبیاء کرام خاص خاص امتوں کی طرف بھیجے جاتے تھے کسی پیغمبر کی نبوت سارے انسانوں یا ساری خلقت کے لئے نہ تھی یہ فائدہ الی امم فرمانے سے حاصل ہوا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں کے رسول رب فرماتا ہے۔ کافۃ للناس بشیرا و نذیرا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خلقت کے رسول ہیں۔ رب فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا اور فرماتا ہے رحمۃ للعالمین۔ اب تاقیامت دین بھی ایک ہے یعنی اسلام امت بھی ایک ہے یعنی مسلمان کیونکہ نبی ایک ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں اور آپ کے بعد کوئی رسول نہیں تشریف لائے جتنے رسول آئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے آگئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تمام دینوں کی ناسخ ہے یہ فائدہ من قبلک سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ظہور میں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی مانے وہ اس آیت کا منکر ہے اس کا بہت خیال رکھا جائے۔ تیسرا فائدہ: دین اور امت توحید یا جنت و دوزخ' قیامت حشر و نشر وغیرہ سے نہیں بنتے بلکہ صرف نبی اور نبوت سے بنتے ہیں تمام آسمانی دینوں میں توحید اور تمام عقائد ایک تھے مگر وہ امتیں مختلف مانی گئیں اور دین علیحدہ علیحدہ شمار ہوئے کیونکہ ان کے نبی علیحدہ علیحدہ تھے۔ یہ فائدہ الی امم سے حاصل ہوا لہذا دین کا مدار نبوت پر ہے نہ کہ توحید یا دوسرے عقائد پر۔ چوتھا فائدہ: دنیاوی مصیبتیں تکلیفیں عاقل کے لئے اللہ کی رحمت ہیں کہ بندوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں اور صالحین کے درجے بلند کرتی ہیں یہ فائدہ فاخذنا ہم بالباساء سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: کبھی گناہوں کی وجہ سے دنیا میں بھی پکڑ ہو جاتی ہے اس لئے ہر مصیبت پر انسان کو گناہوں سے توبہ کی طرف رجوع کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ لعلہم یتضرعون سے حاصل ہوا۔ خوش نصیب ہے وہ جو راحت میں شاکر اور مصیبت میں صابر' ذاکر' تائب بنے۔ چھٹا فائدہ: چھوٹے عذاب دیکھ کر بلکہ بڑے عذاب کی علامات دیکھ کر ایمان قبول کر لینا توبہ کر لینا عذاب دفع ہو جانے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ فلولا اذ جاء ہم الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت یونس علیہ السلام کی قوم نے علامات عذاب دیکھ کر توبہ کر لی۔ بچ گئی ہاں خود عذاب دیکھ کر ایمان لانا بیکار ہے۔ دیکھو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر نہ بچ سکا۔ ساتواں فائدہ: دل کی سختی کہ نبی کی تعلیم سے دل اثر نہ لے اللہ تعالیٰ کا دنیاوی عذاب ہے بلکہ سخت تر عذاب ہے یہ فائدہ قست قلوبہم الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: شیطان کا بڑا داؤ جو وہ انسان پر مارتا ہے یہ ہے کہ وہ برے کام اس کی نگاہ میں اچھے کر دکھاتا ہے۔ جو شخص ہمارے گناہوں پر ہمیں شاباش دے وہ شکل انسانی میں شیطان ہے ہمارا خیر خواہ وہ ہے جو ہم کو ہماری برائیوں پر مطلع کر دے یہ فائدہ وزین لہم الشیطان سے حاصل ہوا بلکہ ہم کو چاہئے کہ خود اپنے اعمال کی نگرانی کرتے رہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی رسول نہ تھے جتنے تھے سب سے پہلے گزر چکے تھے دیکھو من قبلک مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی چار رسول زندہ تھے اور اب بھی زندہ ہیں۔ دو نبی زمین پر حضرت خضر و الیاس اور دو نبی آسمان پر حضرت ادریس و عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ (لاہوری مرزائی) جواب: اس آیت کریمہ میں حضرات انبیاء کرام کی زندگی یا وفات کا ذکر نہیں یہاں ان کی رسالت و نبوت کا ذکر ہے کوئی نبی بہ شان رسالت ان وقتوں میں موجود نہیں کہ لوگوں کو تبلیغ کریں اور لوگ ان کے امتی بنیں یہ چار حضرات زندہ ہیں مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

www.alahazratnetwork.org

امتی ہو کر سورج کی موجودگی میں چاند تارے فنا نہیں ہو جاتے ہاں ان کے نور کا ظہور نہیں ہوتا دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب خضر علیہ السلام کے پاس تشریف لے گئے مگر شان رسالت سے نہیں بلکہ شان اتباع سے اس لئے آپ نے فرمایا **فلا اعصی لک امرا** اور نہ نبی پر کسی کا حکم کیسا اور ان کی نافرمانی کرنے کے کیا معنی جب موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت کے زمانہ میں کچھ روز کے لئے حضرت خضر علیہ السلام کے تابع فرمان ہو سکتے ہیں تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں گذشتہ انبیاء کرام کا جن کا دور نبوت ختم بھی ہو چکا اس تابعداری سے موجود رہنا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کبھی اللہ تعالیٰ کا ارادہ پورا نہیں ہوتا دیکھو رب تعالیٰ نے گزشتہ قوموں پر بھوک وغیرہ اس لئے بھیجیں کہ وہ رجوع الی اللہ کریں مگر انہوں نے ایسا نہ کیا بلکہ جو شیطان نے چاہا وہ تو ہو گیا جو رب نے چاہا وہ نہ ہوا۔ (آریہ سناتن دھرم) **جواب:** یہاں ارادہ الٰہی کا ذکر نہیں حکمت الٰہی کا ذکر ہے کہ ان مصیبتوں کے بھیجنے میں حکمت یہ تھی رب تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہونا ناممکن ہے۔ امر' ارادہ' پسند' محبت ان میں زمین و آسمان کا فرق ہے ایمان و تقویٰ کا اللہ نے امر کیا اللہ کو یہ چیزیں پسند ہیں۔ اللہ ان سے محبت کرتا ہے مگر کفار کے ایمان کا رب نے ارادہ نہیں کیا ورنہ سب مسلمان متقی ہو جاتے اس ارادہ نہ کرنے میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرزند کے ذبح کا حکم دیا گیا مگر نہ رب نے اس کا ارادہ فرمایا نہ یہ رب کو پسند تھا۔ اسی لئے ذبح واقعہ نہ ہوا اللہ تعالیٰ بارش' دھوپ زمین کی سرسبزی کے لئے بھیجتا ہے مگر بعض زمین پر سبزہ نہیں آتا تو اس سے یہ لازم نہیں کہ رب تعالیٰ کا ارادہ پورا نہیں ہوا بارش کی تاثیر سے سبزہ اگرچہ کسی جگہ کسی وجہ سے سبزہ نہ اگے یوں ہی دنیاوی تکالیف بندوں کو توبہ کی طرف لانے کا ذریعہ ہیں اگرچہ بعض بندے ایسے نہ ہوں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ عذاب الٰہی آنے پر بھی توبہ عاجزی' زاری مفید ہے' اس سے عذاب ٹل جاتا ہے مگر دوسری جگہ فرمایا گیا کہ عذاب آجانے پر بھی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ ارشاد باری ہے **الئن و قد عصیت قبل** آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** عذاب دو قسم کے آتے ہیں' عذاب تنبیہ اور عذاب استیصال یعنی ہلاکت کا عذاب پہلی قسم کے عذاب آنے پر توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ دوسرے پر نہیں یہاں عذاب تنبیہ کا ذکر ہے تمہاری پیش کردہ آیت میں عذاب ہلاکت کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں عذاب ہلاکت کا حال بھی یہ ہے کہ اگر اس کی علامات دیکھ کر نزول عذاب سے پہلے توبہ کر لی جائے تو عذاب ٹل جاتا ہے توبہ قبول ہو جاتی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بد عملیوں کو آراستہ کرنا شیطان کا کام ہے کہ زین کا فاعل شیطان کو قرار دیا گیا۔ مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کام اللہ تعالیٰ کا ہے فرماتا ہے **زینا لکل امۃ عملھم** وہاں فاعل رب تعالیٰ ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ تزیین کے بہت معنی ہیں' خوشنما دکھانا' خوشنما بنانا پہلے دو معنی سے تزین کا فاعل رب تعالیٰ ہے کہ اس نے بعض چیزیں خوشنما بنائی ہیں **زینا السماء الدنیا بمصابیح** اور بعض چیزیں حقیقتہً بری ہیں مگر بظاہر اچھی معلوم ہوتی ہیں جیسے سینما' حرام کی آمدنیاں' کھیل تماشے گناہ وغیرہ کہ یہ چیزیں اچھی شکل میں ہیں مگر حقیقتہً بری ہیں یہ رب کی طرف سے امتحان ہے **زینا لکل امۃ** الخ میں یہی معنی مراد ہیں' خوشنما دکھانا مگر ساتھ ہی حضرات انبیاء کرام آسمانی کتابوں واعظین کے ذریعہ اعلان ہو رہا ہے کہ یہ چیزیں بری ہیں ان کے قریب نہ جانا سرسبز زمین میں اعلیٰ درجہ کی سبزیاں بھی ہیں اور زہریلی سبزیاں بھی ہیں جیسے دودک وغیرہ جنہیں کھانے سے آدمی' جانور مر جاتے ہیں۔ شیطان ان چیزوں کو خوشنما اور اچھا بتاتا ہے کہ اس میں فلاں فلاں فائدہ ہے کر لے اس معنی سے اس کا فاعل شیطان

www.alahazratnetwork.org

ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے جنت بہار دار ہے مگر اس کا راستہ خاردار ہے۔ دوزخ کا معاملہ اس کے برعکس ہے اگر خدا تعالیٰ دل کی آنکھ کھول دے اور اشیاء کی حقیقتیں نظر آجائیں تو معلوم ہو کہ دینی مشقتیں یقینی اچھی ہیں نفسانی راحتیں بری ہیں' روزہ' جہاد' حج' نماز وغیرہ کڑوی دوائیں ہیں کہ جن میں شفا بھری ہے' حرام کام لڈوؤں میں زہر ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام سے تین قسم کے فیضان جاری ہوتے ہیں اور ان کے آستانہ سے لوگوں کو تین طرح کی نعمتیں ملتی ہیں۔ خوف' شوق' ذوق وہ حضرات کسی کو خوف کے راستے سے رب تک پہنچاتے ہیں' کسی کو لالچ و شوق کے دروازے سے وہاں حاضر کر دیتے ہیں کسی کو عشق و محبت کے ذریعہ وہاں پہنچاتے ہیں۔ بعض لوگ ترتیب وار ان سڑھیوں پر چڑھتے ہیں کہ انہیں اول رب کا خوف ہوتا ہے پھر شوق' آخر میں ذوق کی نعمت ملتی ہے۔ بعض کو اول ہی سے ذوق و محبت کی عطا مل جاتی ہے۔ خوف و شوق سست رفتار سواریاں ہیں جن میں یہ سفر بہت دیر سے طے ہوتا ہے مگر ذوق و محبت وہ تیز رفتار سواری ہے جس کے ذریعہ مہینوں کا سفر منٹوں میں طے ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خوف دلانے کے لئے دنیاوی آخروی عذاب پیدا کئے ان کا جگہ جگہ ذکر فرمایا شوق دلانے کے لئے دنیاوی اخروی نعمتیں پیدا فرمائیں مگر ذوق کے لئے اپنا اور اپنے محبوبوں کا تذکرہ بہت شاندار طریقوں سے کیا جن امتوں کا یہاں ذکر ہے وہ پہلی منزل پر ہی تھک کر رہ گئیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں خوف دلانے کے لئے یہ تکالیف بھیجیں یہ تکالیف نہ تھیں بلکہ در حقیقت رب تک پہنچنے کا ذریعہ تھیں اگر شیطان ان کی راہ نہ مار دیتا تو وہ یقیناً کامیاب ہو جاتے اس راہ میں راہ مار بہت ہیں۔ جب خدا تعالیٰ ہماری مدد کرنا چاہتا ہے تو ہم کو دو نعمتیں دیتا ہے دل کی نرمی آنکھ کے آنسو جسے یہ نعمتیں مل جائیں وہ کامیاب ہے دل کی نرمی سے انسان کو اپنی اور اپنے اعمال کی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے رب تعالیٰ کو پہچان لیا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہیں زمانہ وجود' زمانہ ظہور' زمانہ نبوت' زمانہ وجود کے لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی چیز ہو سکتی ہے نہ بعد میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول بھی ہیں آخر بھی' باطن بھی ہیں ظاہر بھی' اول مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **اول ما خلق اللہ نوری** زمانہ ظہور کے لحاظ سے بعض چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اول ہیں بعض آخر کیونکہ یہ زمانہ ولادت شریف سے شروع ہوتا ہے وفات پاک پر ختم ہو جاتا ہے۔ زمانہ نبوت کے لحاظ سے بعض مخلوق اول تو ہے مگر کوئی مخلوق حضور سے آخر نہیں ہو سکتی کہ زمانہ نبوت تاقیامت بلکہ ابد الآباد تک ہے' یہاں **من قبلک** میں زمانہ نبوت کے لحاظ سے قبلیت مراد ہے خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کے زمانہ وجود میں تین قسم کے فیض جاری ہوئے ظہور سے پہلے نبوت آپ کے ہاتھوں تقسیم ہوئی زمانہ ظہور میں وہاں سے صحابیت ملی اور بعد وفات تاقیامت وہاں سے ولایت تقسیم ہو رہی ہیں شفاعت مل رہی ہے' سورج رات میں تارے چمکاتا دن میں ذرے رات میں نماز مغرب و عشاء و فجر پڑھواتا ہے دن میں اشراق چاشت ظہر عصر وغیرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض کا یہی حال ہے لہذا **من قبلک** کے معنی میں **من قبل ظہورک** خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہیں۔ زمانہ وجود' زمانہ نمود' زمانہ جود یعنی کرم و سخاوت کا زمانہ ظہور نبوت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے والا صحابی نہیں کہ ابھی زمانہ جود شروع نہیں ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا

پس جب بھول گئے وہ لوگ وہ کہ نصیحت کئے گئے جس سے تو کھول دیئے ہم نے اوپران کے دروازے ہر چیز کے حتیٰ کہ جب

پھر جب انہوں نے بھلا دیا جو نصیحتیں ان کو کی گئی تھیں ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک

بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ

خوش ہو گئے وہ اس سے جو دیئے گئے تو پکڑ لیا ہم نے ان کو یکدم پس اچانک وہ ناامید تھے، پس کاٹ دی

کہ جب خوش ہوئے اس پر جو انہیں ملا تو ہم نے اچانک انہیں پکڑ لیا اب وہ آس ٹوٹے رہ گئے

ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

گُدّی (جڑ) اس قوم کی جنہوں نے ظلم کیا اور تمام تعریفیں ہیں اللہ کی پالنے والا تمام جہانوں کا

تو جڑ کاٹ دی گئی ظالموں کی اور سب خوبیاں سراہا رب سارے جہان کا

تعلق : ان آیات کریمہ کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں منکرین انبیاء کرام پر دنیاوی سختیاں بھیجنے کا ذکر تھا ان آیات کریمہ میں ان پر دنیاوی نعمتیں بھیجنے کا تذکرہ ہے گویا ظاہر عذاب کے بعد باطنی عذاب کا تذکرہ ہے کہ نافرمانوں کو نعمتیں دے دینا سخت ترین عذاب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان منکرین انبیاء و دشمنان رسل پر ہلکے عذاب بھیجنے کا ذکر ہوا جو بیدار کرنے توبہ کرانے کے لئے بھیجے گئے اب سخت عذاب کا ذکر ہے جو ان کی ہلاکت کا پیش خیمہ بنا یعنی دنیاوی نعمتوں کے ذریعہ انہیں غافل کر دینا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان کفار کی سختی دل کا ذکر تھا اب اس سختی کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ وہ ان نعمتوں سے بھی بیدار نہ ہوئے نرم دل والے کبھی گرم علاج سے درست ہو جاتے ہیں کبھی ٹھنڈے علاج سے مگر یہ کسی علاج سے صحت یاب نہ ہوئے۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ شیطان نے ان کو ان کی بدعملیاں اچھی کر کے دکھا دیں اب شیطان کے دوسرے داؤں کا ذکر ہے کہ جب انہیں نعمتیں ملیں تو یہ سمجھا دیا کہ اگر تمہاری ان حرکتوں سے رب تعالیٰ راضی نہ ہوتا تو تم کو یہ نعمتیں کیوں دیتا اللہ تعالیٰ تمہارے ان اعمال سے بہت ہی راضی ہے یہ کام اور زیادہ کرو خوب مزے میں رہو گے۔

تفسیر : **فلما نسوا ما ذکروا به** یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے **انهمکوا فیه** لہٰذا ف عاطفہ ہے اور یہاں ف بمعنی فوراً نہیں کہ یہ نعمتوں کا عذاب ان پر بہت عرصہ کے بعد آیا صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے لما خواہ ظرف کا حرف ہو یا ظرف کا اسم اس میں شرط کے معنی ہیں اس لئے اس کے بعد شرط و جزا آتی ہے (معانی) نسو بنا ہے نسیان سے جس کے معنی ہیں بھول جانا کبھی بمعنی چھوڑ دینا بھی آتا ہے یہاں بمعنی چھوڑ دینا ہے۔ یعنی چھوڑ کر ایسا غافل ہو جانا کہ اس کا خیال بھی نہ رہے ما سے مراد حضرات انبیاء کرام کی تعلیم اور وعدے وعید ان حضرات کی بشارتیں اور نذراتیں ہیں یعنی وہ کفار اپنی بد عملیوں بد عقیدگیوں مخالفت انبیاء کرام میں مشغول ہی رہے پھر جب وہ حضرات انبیاء کرام کی تعلیم وغیرہ کو بھولی بسری بنا

www.alahazratnetwork.org

چکے اس طرح کہ جتنے لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لا چکے بقیہ کے ایمان لانے احکام انبیاء کو یاد کرنے کی کوئی امید نہ رہی اور ہو سکتا ہے نسیان سے مراد بھلا دینا ہی ہو اور **ما ذکروا** سے مراد وہ مختلف عذاب ہوں جو ان پر وقتاً "فوقتاً" آ چکے تھے یعنی انہوں نے ہماری وہ پکڑیں یاد ہی نہ رکھیں بھول جانے اور بھلا دینے میں بڑا فرق ہے بھلا دینا سخت جرم ہے **فتحنا علیھم ابواب کل شیء** یہ عبارت لما کی جزا ہے **ابواب** جمع ہے باب کی بمعنی دروازہ چونکہ انسانوں کے لئے مصیبت و راحت رزق وغیرہ کے دروازے مقرر ہیں جن کے ذریعہ انسانوں کو یہ چیزیں ملتی ہیں ہر انسان کے رزق کا اور عمل جانے کا دروازہ علیحدہ ہے کبھی کسی کے لئے نعمت کا دروازہ کھل جاتا ہے مصیبت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کبھی اس کے برعکس لہٰذا یہاں دروازے کھولنا بالکل درست ہے صادق ہے باتوں میں سے ہر شخص کے لئے ایک دروازہ کھولا گیا یا ہر شخص کے لئے ہر نعمت کا الگ دروازہ کھولا گیا یعنی ایک شخص کے لئے بہت دروازے کھلے لہٰذا ابواب فرمانا بالکل درست ہے کل شیء سے مراد ہر قسم کی اندرونی بیرونی نعمتیں ہیں جیسے تندرستی دل کی خوشی، ارزانی، دولت، مال وغیرہ یعنی ہم نے ان لوگوں پر ہر قسم کی نعمتوں کی بہتات کر دی ہر نعمت کا دروازہ کھول دیا **حتی اذا فرحوا بما اوتوا** اس عبارت میں دروازے کھلے رہنے کی انتہاء کا ذکر ہے اور حتی انتہا کے لئے ہے فرحت سے مراد ہے فخر و تکبر کی خوشی یہ سمجھ کر خوش ہونا کہ ہم ان ہی نعمتوں کے مستحق ہیں ہمارا کفر و عناد عداوت انبیاء اچھا عمل ہے یا ناجائز طریقوں سے خوشی منانا مراد ہے جو حرام ہے۔ شادی میں ولیمہ کے ذریعہ خوشی کرنا ثواب ہے۔ گانے بجانے سے خوشی منانا حرام ہے **ما اوتوا** سے مراد وہی نعمتیں ہیں جو ابھی ذکر کی گئیں یعنی ان نعمتوں کے دروازے ان پر یہاں تک کھلے رہے کہ وہ خوب غافل ہو گئے۔ ان نعمتوں پر فخر کرنے اکڑنے لگے اور سمجھنے لگے کہ ہماری یہ بدعملیاں رب کو بڑی ہی پیاری ہیں تب ہی تو وہ ہم کو ان پر ایسی نعمتیں دے رہا ہے **اخذنا ھم بغتۃ** یہ عبارت اذا کی جزا ہے **اخذ** سے مراد ہے مہلک عذاب میں گرفتار کر دینا انہیں پکڑ لینا اگرچہ یہ گرفتاری اور پکڑ فرشتوں نے کی تھی مگر چونکہ بحکم رب العالمین تھی نیز ملائکہ اللہ کے مقبول بندے ہیں ان کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے اس لئے **اخذنا** ارشاد ہوا **بغتۃ** فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ انہیں مصیبتوں کے زمانہ میں ہلاک نہ کیا گیا بلکہ راحتوں کے زمانہ میں ہلاک فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ ہلاکت سے پہلے ان کے مذکورہ نعمتیں کم یا زائل نہ کی گئیں بلکہ آخر وقت تک ان کے پاس یہ نعمتیں رہیں اسی حالت میں وہ ہلاک کئے گئے تاکہ انہیں یکدم ان نعمتوں کے چھوٹ جانے کا بہت صدمہ بھی ہو۔ خیال رہے کہ مومن اگرچہ اچانک ہارٹ فیل ہو کر مرے تب بھی اس کی موت بغتۃ نہیں بلکہ وہ ہر وقت موت کے لئے تیار ہے جب مرتا ہے تیاری پر مرتا ہے اور کافر اگرچہ برسوں بیمار رہ کر مرے اس کی موت اچانک ہے کہ وہ غافل ہو کر ہی مرتا ہے یہاں بغتۃ فرما کر اشارۃ" بتایا کہ انہیں گزشتہ عذاب بیدار نہ کر سکے وہ مرے اچانک ہی کہ مرتے وقت تک غافل رہے **فاذا ھم مبلسون** یہ عبارت ان کا انجام بیان کرنے کے لئے ہے **اذا مفاجاتیہ** ہے بمعنی اچانک **مبلسون** بنا ہے۔ ابلاس سے جس کا مادہ ہے بلس، بلس کے تین معنی ہیں سخت غم، حسرت، ناامیدی، کبھی صورت مسخ کرنے کو بھی ابلاس کہتے ہیں اسی سے ہے ابلیس یعنی اللہ کی رحمت سے ناامید صورت مسخ شدہ یعنی جب ان پر ہمارا مہلک عذاب آیا تو وہ ہر رحمت اور اپنے چھٹکارے سے قطعی ناامید ہو گئے اس میں یہ بتایا کہ مومن جیتے مرتے بلکہ قبر و حشر میں بھی اللہ سے مایوس نہیں ہوتا اپنے گناہوں پر نادم اور اللہ کی رحمت کا امیدوار رہتا ہے وہ ندامت میں غوطے کھاتا ہے رحمت الٰہی کی امید میں مرتا ہے کافر کی زندگی موت سب میں یاس ہی یاس ناامیدی ہی ناامیدی ہے **فقطع دابر القوم الذ**

www.alahazratnetwork.org

ین ظلموا یہ عبارت **اخذنا هم** پر معطوف ہے لہذا المظنہ ہے دابر بنا ہے دبر سے بمعنی پیٹھ یا پچھلا حصہ اب اصطلاح میں **دابر** بمعنی آخر بھی آتا ہے اور بمعنی جڑ بھی چنانچہ امیہ ابن صلت کہتا ہے۔

باستوصلو لعذ اب حص د ابر هم　　فما استطاعوالہ صرفا" ولا انتصرا

یہاں ہر معنی درست ہیں عموماً" انسان مرنے کے بعد کچھ ایسی چیزیں چھوڑ جاتا ہے جس سے کچھ دن اس کا نام رہتا ہے جیسے اولاد' مکان' کنواں' باغ وغیرہ اس لئے ان سب چیزوں کو بھی **دابر** کہہ دیتے ہیں یعنی انسان کے پیچھے رہنے والی چیزیں جن سے ان کا نام یاد آئے' خیال رہے کہ بجائے **هم** کے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی **القوم الذین ظلموا** تاکہ معلوم ہو کہ ان پر یہ عذاب ان کے اپنے ظلم کی وجہ سے تھا' ظلم سے مراد یا بد عقیدگیاں ہیں یا بد عملیاں اور بد تمیوں سے مراد یا عبادات یا معاملات خراب کرنا بہترین ہے کہ سارے معنی مراد ہیں یعنی اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ دی گئی کہ نہ وہ رہے نہ ان کے مکانات نہ ان کے نشانات یا ان کے تمام لوگ ہلاک کر دیئے گئے کہ ان کا بچہ بچہ ان کے جانور وغیرہ سب ہی ہلاک کر دیئے گئے اگر قرآن مجید ان کے حالات بیان نہ فرماتا تو کسی کو ان کا پتہ بھی نہ چلتا بہرحال یا **دابر** سے مراد ہے ان کی بستیاں قلعے محل مکانات یا ان کے نسل و اولاد اگر نسل

مراد ہے تب تو آیت عموم پر ہے کہ ہلاک شدہ کسی قوم کی نسل نہیں چلی اور اگر **دابر** سے مراد بستیاں و شہر ہیں تو اس قاعدے سے فرعون اور اس کی قوم علیحدہ ہے کہ وہ مصر سے دور لے جا کر بحر قلزم میں ڈبو دیئے گئے ان کی نسل نہ بچی مگر ان کا شہر یعنی مصر اب تک محفوظ ہے کیونکہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کی قبریں ہیں اللہ والے بھی عذاب الٰہی سے امان میں ہیں اور ان کی قبور بھی **والحمد للہ رب العالمین** چونکہ ان بے ایمانوں کی ہلاکت حضرات انبیاء کرام کی اور ان پر ایمان لانے والوں کو غیبی فتح و نصرت تھی نیز ان کی ہلاکت سے مومنین کی نجات تھی اللہ کی زمین کو ان کے وجود نامسعود سے پاک کر دینا تھا اس لئے اس عذاب کے ذکر کے بعد حمد الٰہی کی گئی یعنی رب العالمین کی ہی ساری حمدیں ہیں' چونکہ وہ تمام جہانوں کا رب ہے اس لئے عالمین کی پرورش کے لئے ایسے مردودوں کو ہلاک فرماتا ہے جیسے کھیت کا مالک فصل کی پرورش کے لئے کھیت میں سے گھاس تنکے وغیرہ نکال پھینکتا ہے لہذا رب تعالیٰ کا یہ کام لائق حمد ہے۔ حمد کے معنی حمد' مدح' ثنا اور شکر میں فرق رب کے معنی عالمین کی تحقیق سورۂ فاتحہ کے شروع میں کی جا چکی ہے وہاں ہی مطالعہ فرماؤ۔

خلاصہء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم گزشتہ دشمن انبیاء کفار کو راہ راست پر لانے کے لئے پہلے تو ہم نے ان پر دنیاوی تکالیف بھیجیں مگر جب وہ ان نصیحتوں' ہدایتوں' بشارتوں' نذراتوں کو بالکل ہی چھوڑ بیٹھے گویا سب کچھ بھول ہی گئے ان کے راہ راست پر آنے کی امید ہی نہ رہی تو ہم نے ان پر دنیاوی نعمتوں کا عذاب بھیجا جو سخت خطرناک ہے۔ چنانچہ ہم نے اول ان پر صحت' اولاد' مال ارزانی' رزق کی وسعت' قوت و توانائی کے دروازے کھول دیئے انہیں یہ نعمتیں بہت ہی زیادہ عطا فرمائیں حتی کہ جب وہ ان نعمتوں میں پھنس کر خوب پھول گئے اپنا انجام بھول گئے اور وہ سمجھے کہ ہم سے رب تعالیٰ بہت ہی خوش ہے۔ حضرات انبیاء کرام اور ان کے متبعین مومنین سے سخت ناراض ہے اس لئے ہم آرام و عیش میں ہیں مسلمان تکالیف میں اور سمجھے کہ ہمارے اعمال خدا تعالیٰ کو بہت ہی پیارے واقعی ہم انہیں نعمتوں کے مستحق ہیں تب ہم نے انہیں اچانک ایسا پکڑ لیا کہ انہیں کچھ بولنے کی مہلت بھی نہ دی یہ عذاب دیکھ کر ان کے ہوش اڑ گئے ہم نے اس ظالم قوم کی جڑ کاٹ کر رکھ دی کہ ان کا

ایک بچہ کوئی جانور بھی نہ بچا ان کی بستیاں عمارتیں کھیت باغات سب ہی تباہ کر دیئے الحمد للہ کہ ان کے وجود نامسعود سے دنیا پاک ہو گئی ہم رب العالمین ہیں ہماری ربوبیت کا تقاضا یہ ہے کہ ایسی فسادی قوم سے دنیا پاک و صاف کر دی جائے جن کا وجود صالحین کے لئے خطرہ ہو۔ خیال رہے کہ مومن کی موت کے تین نام ہیں ایک وفات یعنی اپنے کام پورا کر لینے کا وقت آگے برزخ کے آرام قیامت کے انعام کا وقت آرہا ہے۔ تیسرے شہادت یعنی اللہ کی راہ میں قتل ہوتے ہی رب کی بارگاہ میں حاضری کا ذریعہ کافر کی موت کے بھی تین نام ہیں ایک تدمیر یعنی کیا کترا برباد جانے کا وقت **فدمرنا هم تدميرا** دوسرے ہلاکت یعنی اس کی فنا کا ذریعہ تیسرے اخذ یعنی رب کی پکڑ کا ذریعہ مومن مر کر اپنے اعمال نیک ساتھ لے جاتا ہے کافر مر کر سب برباد کر جاتا ہے مومن مر کر نہیں کا فرمٹ جاتا ہے مومن موت کو پکڑتا ہے اس کا انتظار کرتا ہے کافر کو موت پکڑتی ہے مومن رب کے پاس جاتا ہے کافر پکڑا جاتا ہے دونوں برابر نہیں۔ یوں ہی مومن کی زندگی کا نام ہے حیوۃ طیبہ پاکیزہ ستھری زندگی کہ یار کو منانے میں گزرتی ہے آرام چین قناعت رضا بالقضاء کے ساتھ کافر کی زندگی کا نام ہے **معيشة ضنكا** یعنی تنگ زندگی کی حرص و ہوس اور غفلت میں گذرتی ہے مومن فقیر ہو جب بھی اس کی زندگی حیوۃ طیبہ ہے اس کے دل کو چین ہے کافر لاکھوں کا مالک ہو تب بھی اس کی زندگی تنگ ہے اسے حرص و ہوس چین نہیں لینے دیتے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: گناہ و نافرمانی کے باوجود دنیا کی نعمتیں راحتیں ملنا اللہ تعالیٰ کا غضب اور سخت عذاب ہے کہ اس سے انسان زیادہ غافل ہو جاتا ہے اور اپنے کفر کو ایمان اور بدکاریوں کو نیکیاں سمجھنے لگتا ہے اور کفر و گناہ پر زیادہ دلیر ہو جاتا ہے جو چیز رب تعالیٰ سے غافل کرے وہ عذاب ہے۔

حدیث : ابن ابی حاتم نے بروایت حضرت عبادہ ابن صامت سے مرفوعاً روایت کیا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کی بقا و ترقی چاہتا ہے تو انہیں درمیانی روزی اور پاکدامنی نیک اعمال کی توفیق عطا فرماتا ہے اور جب کسی قوم کی بربادی کا ارادہ فرماتا ہے تو ان پر رزق اور گناہوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر) احمد، طبرانی، بیہقی و شعب الایمان نے بروایت عقبہ ابن عامر رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم بندے کو دیکھو کہ وہ گناہوں پر اڑا ہوا ہے پھر بھی اسے نعمتیں مل رہی ہیں تو سمجھ لو کہ اسے اللہ تعالیٰ نے ڈھیل دی ہے اسے سخت عذاب ہوگا۔ پھر یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی (روح المعانی) حضرت امام حسن نے یہ آیت سنی تو فرمایا **مكر بالقوم و رب الكعبة** قسم رب کعبہ کی یہ نعمتیں رب کی خفیہ تدبیریں ہیں جو بندے کے خلاف ہیں (خازن، بیضاوی وغیرہ)۔ دوسرا فائدہ: نیک کار بندے پر دنیاوی تکالیف آنا اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے جس سے اس کے درجات بلند ہوتے ہیں کربلا کی تکالیف حضرت حسین کے لئے اللہ کی رحمتیں تھیں، یزیدیوں کی ظاہری کامیابی اللہ کا عذاب تھا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

تیسرا فائدہ: احکام الٰہیہ، تعلیم انبیاء کرام بھلا دینا عذاب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ **فلما نسوا** سے اور **فتحنا عليهم** سے حاصل ہوئے۔ چوتھا فائدہ: غافل کے لئے اچانک موت اللہ کا عذاب ہے کہ اسے توبہ کرنے اپنی اصلاح کر لینے کی مہلت نہیں ملتی،

www.alahazratnetwork.org

موت سے پہلے بیماریاں تکالیف اللہ کی رحمت ہیں کہ اس سے انسان آخرت کی تیاری کرلیتا ہے یہ فائدہ **اخذ نا ھم بغتۃ** سے حاصل ہوا۔ عاقل متقی صالح کے لئے اچانک موت اللہ کی رحمت ہے کہ وہ بیماریوں کی تکالیف سے بچ جاتا ہے۔ دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات اچانک ہوئی کہ آپ نماز پڑھتے کھڑے ہوئے اسی حالت میں جان پرواز کرگئی یوں ہی حضرت موسیٰ و عزیر علیہم السلام کی وفات اچانک یعنی بغیر بیماریاں آئے ہوئے واقع ہوئی یہ اچانک موتیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی تھیں فقیر کی اپنے لئے یہ دعا ہے کہ رب کریم مرتے وقت تک میرے رات کے نوافل اور پنجگانہ فرائض کی تکبیر تحریمہ نہ چھوٹے آمین یارب العالمین۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کی رحمت سے ناامیدی طریقہ کفار ہے یہ بھی رب تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **مبلسون** سے حاصل ہوا مومن اپنے گناہوں کو دیکھ کر ندامت و خوف کے دریا میں ڈوب جاتا ہے پھر اللہ کی رحمت اس کی وسعت کرم، بندہ نوازی کی شان دیکھ کر امید کی موجوں میں تیرنے لگتا ہے ہم ظالموں و جاہل ہیں ہم سے ظالم و جہالت ہی کے کام ہوتے ہیں وہ کریم و رحیم ہے رحم و کرم ہی فرماتا ہے ببول کا درخت خاردار ہی ہوتا ہے آم کا درخت باردار ہم ببول کے درخت ہیں ہمارے پاس سوا گناہوں کے خار کے اور کیا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

اے کہ من زشت و خصام جملہ زشت — کے شوم گل چوں من آں خار کشت

نو بہار و حسن گل و خار را — زینت طاؤس را ایں مار را

چھٹا فائدہ: رب تعالیٰ کی نعمتوں پر خوش ہونا اگر فخر و تکبر کے طور پر ہو تو برا ہے طریقہ کفار ہے اور باعث عذاب نار ہے یہ فائدہ **حتی اذا فرحوا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جس قوم پر عذاب الٰہی آتا ہے اس کی نسل نہیں چلتی ان کی جڑ ہی کاٹ دی جاتی ہے یہ فائدہ **فقطع دابر القوم** سے حاصل ہوا لہٰذا موجودہ بندر، کتے، سور اصلی مخلوق ہیں کسی مسخ شدہ قوم کی نسل سے نہیں جیسا کہ لوگوں میں مشہور ہے **آٹھواں فائدہ:** الحمد للہ رب العالمین کبھی کلام اور کام کے اول میں آتا ہے اور کبھی ان کے آخر میں اول میں کہو تاکہ برکت ہو آخر میں کہو شکر کے لئے یہ فائدہ آخر میں الحمد للہ رب العالمین فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **واخر دعواھم ان الحمد للہ رب العالمین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے اول میں بھی یہ کہتے تھے اور کھانے پینے کے آخر میں بھی۔ **نواں فائدہ:** جس بستی پر عذاب الٰہی ہلاکت والا آتا ہے وہ بستی پھر کبھی آباد نہیں ہوتی اس کے کھنڈر لوگوں کے لئے باعث عبرت ہوتے ہیں یہ فائدہ **فقطع دابر القوم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا اسی لئے فرعون کو مصر سے باہر نکال کر ڈبویا گیا تاکہ مصر کا آباد رکھنا منظور تھا کیونکہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام کی آرام گاہ تھا۔ **دسواں فائدہ:** کفار کی ہلاکت اللہ کی نعمت ہے مسلمانوں کو اس پر شکر کرنا چاہئے ابوجہل کے قتل پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ شکر کیا عاشورہ کے دن کے روزے کا حکم فرمایا کہ وہ فرعون کو ڈوبنے کی تاریخ ہے لہٰذا مومن کے مرنے پر انا للہ پڑھے اور کافر بے دین کے مرنے پر الحمد للہ کہے یہ فائدہ و الحمد للہ سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** مومنوں کی بقاء اور کافروں کی ہلاکت سے دنیا کی آبادی ہے کفار کی ہلاکت للہ تعالیٰ کی شان ربوبیت کا ظہور ہے کھیت کی نلائی یعنی گوڑی کھیت کی پرورش کا ذریعہ ہے یہ فائدہ الحمد للہ کے بعد رب العالمین فرمانے سے حاصل ہوا رب تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے۔ **بارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بفضلہ تعالیٰ حیات ہیں اور ہم مسلمانوں میں ہیں کیونکہ ہم لوگ گذشتہ ہلاک شدہ قوموں سے زیادہ گناہ کررہے ہیں مگر ہم پر عذاب نہیں آتے کیوں اس لئے کہ رب نے وعدہ فرمالیا ہے کہ **وما کان للہ لیعذبھم وانت فیھم**

www.alahazratnetwork.org

اللہ انہیں عذاب نہیں دے گا جبکہ ان میں آپ ہوں عذاب نہ دینے کی دو شرطیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہونا اور ہم میں ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے دلوں میں جانوں میں ایمانوں میں بستے ہیں اس لئے ہم نماز میں پڑھتے ہیں **السلام علیک ایھا النبی** حضور رحمۃ للعالمین ہیں رحمت مرحومین ہی میں چاہئے ان سے جدا نہیں چاہئے۔

پہلا اعتراض : بھول چوک تو معاف ہے پھر ان کافر کو بھول پر کیوں پکڑا گیا کہ ارشاد ہوا **فلما نسوما ذکروا بہ**۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں بھولنے سے مراد احکام الہیہ کو چھوڑ بیٹھنا ہے جیسے کہ تفسیر میں عرض کیا گیا دوسرے یہ کہ اتفاقاً" بھول جانا معاف ہے مگر بے پرواہی سے بھلا دینا معاف نہیں یہاں بھلا دینا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ بھول چوک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے معاف ہے، پہلے یہ قانون نہ تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **رفع عن امتی الخطاء والنسیان**۔ دوسرا اعتراض: کفار کو بد عملیوں پر نعمتیں دے کر بھلا دینا تو دھوکہ دہی ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کفار کو دھوکہ کیوں دیا۔ جواب: اسے دھوکہ تب کہا جاسکتا تھا۔ جب رب تعالیٰ نے انہیں اس کی خبر نہ دی ہوتی جب سب کچھ انہیں پہلے بتا دیا گیا تھا کہ دیکھو اب تم پر نعمتیں آئیں گی جو رب کا عذاب ہوں گی پھر یہ دھوکہ نہ رہا بلکہ خالص عذاب ہوا۔ تیسرا اعتراض: ان کفار کو رب تعالیٰ نے اس مصیبت کے زمانہ میں کیوں نہ مارا، راحتوں نعمتوں کے زمانہ میں کیوں ہلاک کیا نیز ہلاکت سے پہلے ان کی نعمتیں چھین کیوں نہ لیں۔ جواب: تاکہ ان پر عذاب سخت ہو مالداری کی حالت میں ہلاکت ڈبل تکلیف کا باعث ہے اس میں مرنے کا غم بھی ہوتا ہے اور ان نعمتوں کے چھوٹنے کا غم غافل مالدار کی موت بھی اس کے لئے اللہ کا عذاب ہوتی ہے سو من مال دار مال میں دل ہی نہیں لگاتا پھر اسے چھوٹنے کا غم کیوں ہو اسے تو یار سے ملنے کی خوشی ہوتی ہے۔ چوتھا اعتراض: ان کفار کے بچوں جانوروں نے کیا قصور کیا تھا انہیں کیوں ہلاک کیا گیا بے ضرر کو تکلیف دینا تو ظلم ہے۔ (آریہ) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں، ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اب بھی بچوں کو بیماریاں اور موت کیوں آتی ہیں انہوں نے کیا قصور کیا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قانون قدرت یہ ہے کہ جب کسی قوم کو تباہ کیا جاتا ہے تو ان کے بڑے چھوٹے قصوروار اور بے قصور سب کو ہی ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ جب قوم نوح غرق کی گئی تو ان کے بچے بوڑھے جانور سب ہلاک کر دیئے گئے اب بھی جب باغی غدار قوم پر بمباری کی جاتی ہے تو قصور مند اور بے قصور سب ہلاک ہوتے ہیں گندم کے ساتھ گھن وغیرہ بھی پس جاتے ہیں مگر یہ ہلاکت قصور والوں کے لئے عذاب ہوتی ہے، بے قصوروں کے لئے رحمت کہ اس سے ان کے درجے بڑھا دیئے جاتے ہیں یا کسی اور طرح اس کا عوض دے دیا جاتا ہے جیسا کہ ہم نے بارہا اس کے متعلق عرض کیا ہے۔ پانچواں اعتراض: خوشی کی خبر پر الحمد للہ کہا جاتا ہے غم و افسوس کی خبر پر انا للہ کہا جاتا ہے، یہاں رب تعالیٰ نے کفار کی ہلاکت کی خبر دی مگر فرمایا الحمد للہ دشمن کی موت پر خوش نہ ہونا چاہئے۔

اگر بمرد عدو جا شادمانی نیست   کہ زندگانی مانیز جاودانی نیست

یہاں الحمد للہ فرمانا بے موقعہ ہے۔ جواب: اپنے ذاتی دشمن کی موت پر خوشی نہ چاہئے مگر قومی، ایمانی، روحانی دشمن کی موت پر خوشی کرنا بہت ہی اچھا ہے وہ کفار ایمانی دشمن تھے ان کی ہلاکت حضرات انبیاء کرام اور مومنوں کے لئے اللہ کی رحمت تھی، دیکھو ہمارا عرض کیا ہوا انوار ...... چھٹا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ وہ کفار ہماری نعمتوں پر خوش ہو گئے تو ہم نے انہیں پکڑ لیا۔ اللہ کی نعمتوں پر خوش ہونا اچھا ہے رب نے اس کا حکم دیا ہے **قل بفضل اللہ و برحمتہ فبذ لک فلیفرحوا** پھر اس پر

www.alahazratnetwork.org

عذاب کیوں آیا۔ **جواب:** خوشی دو قسم کی ہوتی ہے فخری اور شکری' شکری خوشی عبادت ہے' فخری خوشی عذاب کا باعث رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** ان کفار نے فخری خوشی کی تھی عذاب میں گرفتار ہو گئے یا یوں کہو کہ جائز طریقوں سے خوشی منانا اچھا ہے حرام طریقوں سے خوشی منانا حرام ہے' عید کی خوشی نماز عید غسل خوشبو عمدہ لباس سے منانا ثواب ہے مگر عید کی خوشی میں سینما کے چار شو کرنا دیکھنا حرام ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے ماں باپ سے زیادہ مہربان ہے ماں باپ اپنی اولاد کی اصلاح نرمی و گرمی دونوں سے کرتے ہیں وہ ارحم الراحمین ہم کو گرمی و نرمی دونوں طرح سے اپنی طرف بلاتا ہے یہاں **باسا** اور **ضرا** کا بھی ذکر ہے اور **فتحنا علیھم ابواب کل شئی** کا بھی تذکرہ ہے وہ علاج گرم تھا یہ علاج نرم اگر دل میں بیداری ہو تو انسان کسی نہ کسی طرح رب کی طرف مائل ہو جاتا ہے اگر دل مردہ ہے تو کسی علاج سے فائدہ نہیں اٹھاتا ان آیات میں کفار کا ذکر ہے مگر مسلمانوں کو بھی اس سے عبرت پکڑنی چاہئے رحمت الٰہی ہر وقت سب کو اپنی آغوش میں لینے کو تیار ہے اگر انسان مرتے مرتے بھی توبہ کرے وہ کریم بخش دیتا ہے۔

حکایت : ایک بدکار عورت نے مرتے وقت اپنے عزیزوں کو وصیت کی کہ میری قبر پر یہ رباعی لکھ دینا۔

برائے خدا اے عزیزان من تو سید برگور من ایں سخن

زن فاحشہ در تہ خاک شد ہماں بہ کہ خس کم جہاں پاک شد

یعنی ایک بدکار عورت اللہ کی زمین کو گندہ کر رہی تھی آج زیر خاک دفن ہو گئی اچھا ہوا کہ اللہ کی زمین پاک ہو گئی۔ کچھ عرصہ بعد کسی نے اسے خواب میں دیکھا کہ بڑے آرام سے ہے وجہ پوچھی بولی کہ میرا وہی شعر قبول ہو گیا اور میرے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کا شکر نعمتوں کی قید ہے کفران نعمتوں کا دفعیہ ہے کسی نے کیا خوب کہا۔

الشکر قید للنعم مستلزم دفع النقم وھو علی ثلثۃ قلب بفا علم ولم

اللہ تعالیٰ دل شاکر زبان ذاکر عطا فرمائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چند چیزوں کا بھول جانا گناہ ہے اور بعض چیزوں کا بھول جانا کفر بعض چیزوں کا بھول جانا ثواب ہے۔ اپنی حقیقت کو' اپنے گناہوں کو' ان تکالیف کو جو ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر آئے کسی کے احسانات کو بھول جانا گناہ ہے اللہ رسول کو ان کے احسانات کو بھول جانا کفر ہے **ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ** اللہ رسول کی یاد ان کے احسانات کا احساس ہی تو روح ایمان ہے اپنی نیکیوں کو جو برائی ہمارے ساتھ کسی نے کی ہو معاملہ صاف ہو جانے کے بعد بھول جانا ثواب ہے۔ یہاں **فلما نسوا** میں پہلے اور دوسرے قسم کا بھول جانا مراد ہے جو گناہ اور کفر تھا نیز بھول جانے اور بھلا دینے میں بڑا فرق ہے نیز یاد آ جانے یاد کرنے یاد رکھنے میں بہت اہم فرق ہے یہ آیت کریمہ طریقت کے مسائل کی سرچشمہ ہے ہمارا شعر ہے۔

تری یاد آبادی خانہ دل دلوں کی تمنا تری آرزو ہے

www.alahazratnetwork.org

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ
فرما دو خبر تو دو اگر لے لے اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے اوپر دلوں کے
تم فرما دو بھلا بتاؤ تو اللہ تمہارے کان آنکھ لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے
اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿۴۶﴾
تمہارے کون معبود ہے اللہ کے سوا کہ لائے تمہارے پاس وہ غور فرماؤ کیسے پھیرتے ہیں ہم نشانیاں پھر وہ پھر
تو اللہ کے سوا کون خدا ہے کہ تمہیں یہ چیزیں لا دے دیکھو ہم کس کس رنگ سے آیتیں بیان
قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ
جاتے ہیں۔ فرماؤ خبر تو دو اگر آئے تمہارے پاس عذاب اللہ کا اچانک یا ظاہر طور پر نہیں
کرتے ہیں پھر وہ منہ پھیر لیتے ہیں تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر تم پر اللہ کا عذاب آئے اچانک یا
اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۴۷﴾
ہلاک کیے جاتے مگر ظالم قوم
کھلم کھلا تو کون تباہ ہوگا ظالموں کے سوا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں گذشتہ کفار پر عذاب آنے کا ذکر ہوا اب موجودہ کفار پر عذاب الٰہی آجانے سے ڈرایا جا رہا ہے گویا پہلے کہا گیا تھا کہ پچھلی امتوں پر مخالفت انبیاء سے یہ عذاب آئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کرو گے تو تم پر بھی عذاب آسکتا ہے۔ ڈرو اور ایمان لاؤ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالٰی کی قدرت اس کی جباری قہاری کا ذکر ہوا اب انسان کی بے بسی کا تذکرہ ہے کہ اس کا بھیجا ہوا عذاب کوئی دفع نہیں کر سکتا رب کی قدرت اور اپنی بے بسی دیکھو اور رب کے نبی پر ایمان لاؤ۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ آیات میں ایسے عذابوں کا ذکر ہوا جو اب سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد بند ہو گئے یعنی عذاب جو قوموں کو ہلاک کر دیں کہ رب تعالٰی نے فرمایا **وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔ اب ان آیات میں ان عذابوں کا ذکر ہے جو اب بھی آسکتے ہیں اور قیامت تک آسکیں گے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ہمارے رحمت والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت سے دھوکہ نہ کھاؤ اس سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ بندے بن جاؤ کہ وہاں اکڑ سے کام نہیں چلتا' وہاں عجز و نیاز سے ہی بچاؤ ہے۔

تفسیر : **قل اراء یتم** ظاہر یہ ہے کہ یہاں قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن کافر انسانوں کی طرف ہے خواہ زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہوں یا تاقیامت کبھی بھی یہ فرمانا ڈرانے دھمکانے یا ان پر اتمام حجت کے لئے ہے یہ فرمان ہے تو رب کا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو واسطہ درمیان میں رکھا گیا ہے کیوں اس لئے کہ۔

قل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے ترے سنی
اتنی ہے گفتگو تری اللہ کو پسند!!

www.alahazratnetwork.org

قل کے مختلف مقاصد ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ قل میں روئے سخن کبھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے یعنی اے محبوب تم ہم سے یہ کہو جیسے **قل اعوذ برب الناس** کیونکہ تمہاری زبان سے الفاظ ہم کو پیارے معلوم ہوتے ہیں ہم بتاتے ہیں تم ہم سے یہ کہو۔ کبھی روئے سخن مومن بندوں کی طرف ہوتا ہے۔ جیسے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** تاکہ بتایا جائے کہ تم ہمارے اور ہمارے بندوں کے درمیان برزخ کبریٰ ہو ہم بندوں سے تمہاری معرفت کلام کرتے ہیں تو بندے بھی ہم سے تمہاری معرفت کلام و پیام کریں۔ کبھی روئے سخن کفار کی طرف ہوتا ہے تاکہ بتایا جائے کہ کفار تم سے سن کر ہماری طرف آئیں تو ان کا آنا قبول ہو گا ورنہ نہیں یہاں قل کا تیسرا استعمال ہے یعنی روئے سخن کفار سے ہے اکثر دیکھا گیا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر ہو وہاں قرآن مجید میں قل ہوتا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے گواہ ہیں اور جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا ذکر ہو وہاں قل نہیں ہوتا کیونکہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے چونکہ یہاں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اس کے قبضہ عامہ کا ذکر ہے لہذا قل فرمایا گیا **ارء یتم** اور **ارء یتکم** کی تحقیق ابھی کچھ پہلے **قل ارءیتکم** کی تفسیر میں کی جا چکی ہے اس کے اصطلاحی معنی ہیں بتاؤ مگر مقصد یہ ہے سوچو غور کرو کہ ایسی باتوں میں غور کرنا بھی اچھا ہے ایمان و عرفان کا ذریعہ ہے۔ بعض غور و فکر کفر ہیں بعض جائز بعض واجب و فرض بعض ممنوع **ان اخذ اللہ سمعکم و ابصارکم** یہ عبارت ترکیب میں **ارءیتم** کا مفعول ہے مگر در حقیقت قل کا مقولہ ہے ظاہر یہ ہے کہ سمع سے مراد سننے کی طاقت ہے اور ابصار سے مراد دیکھنے کی قوت لے لینے سے مراد ہے ان قوتوں کا سلب کر دینا زائل کر دینا کہ پھر علاج کا بھی امکان نہ رہے اور ہو سکتا ہے کہ سمع سے مراد کان ہو ابصار سے مراد آنکھیں چونکہ بہرے پن سے زیادہ تکلیف اندھے پن میں ہوتی ہے کہ اندھا آدمی بالکل بیکار اور دوسروں کا محتاج ہو جاتا ہے اس لئے سمع واحد اور ابصار جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ سمع سے مراد جنس ہو اور ابصار سے مراد فرد لہذا سمع واحد ابصار جمع لائی گئی یعنی اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کانوں سے سننے کی قوت تمہاری آنکھوں سے دیکھنے کی طاقت دور کر دے اور تمہیں بالکل بہرا اندھا بنا دے یا اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان و آنکھ ہی زائل کر دے کہ چہرے کا اگلا حصہ پچھلے حصہ کی طرح صاف سپاٹ ہو جائے اللہ کی پناہ **وختم علی قلوبکم** یہ عبارت **اخذ اللہ** پر معطوف ہے ختم کے معنی ختم اور رین میں فرق ختم کے اسباب ہم شروع سورۂ بقر **ختم اللہ علی قلوبہم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ ختم قرآن مجید میں تین معنی میں استعمال ہوتا ہے مہر کر دینا جس سے دل میں ایمان نہ پہنچ سکے جیسے **ختم اللہ علیٰ قلوبہم** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی **واشدد علی قلوبہم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** دل سے عقل نکال دینا جس سے انسان پاگل ہو جائے۔ جیسے یہاں دل پر حفاظت کی مہر لگا دینا جس سے دل کے اسرار زبان پر نہ آسکیں جیسے **ان یشاء اللہ یختم علی قلبک** یہاں ختم سے مراد دلوں کا عقل و سمجھ سے خالی ہو جانا ہے پاگل پاگل پن اور دیوانگی یہ عذاب اندھے بہرے پن سے زیادہ سخت ہے دیکھو اندھے بہرے پر ایمان اور شرعی اعمال فرض ہیں مگر دیوانہ پر کچھ فرض نہیں کہ وہ بالکل ہی بے کار ہے نیز اندھا بہرا پن ظاہری بیماریاں مگر دیوانگی باطنی بیماری ان وجوہ سے اس مہر لگنے کا ذکر بعد میں ہوا اور اگر معاذ اللہ یہ تینوں عذاب جمع کر دیئے جائیں کہ بندہ بہرا، اندھا، دیوانہ سب کچھ ہی ہو جائے پھر تو اس کی زندگی وبال بن جاتی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان تین چیزوں پر دھیان رکھے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ قوی ہے قادر ہے دوسرے یہ کہ میں مجبور معذور کمزور ہوں تیسرے یہ کہ میں اور میری تمام صفات ساری قوتیں ہر وقت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جب چاہے مجھ سے چھین لے اگر ان تین باتوں پر

www.alahazratnetwork.org

دھیان رہے تو بندہ گناہ نہ کرے بلکہ اس کا حال اس بچہ کا سا ہو جائے جو اپنی ماں کے حوالہ اپنے کو کر دیتا ہے اگر کوئی مارے تو ماں کو پکارتا ہے اگر خود ماں مارے تو اس سے لپٹتا ہے معرفت الٰہی کی یہی اصل ہے من الہ غیر اللہ اس عبارت میں اشارۃً فرمایا گیا کہ ان بیماریوں عذابوں کو بندہ تو دور کر سکتا ہی نہیں طبیبوں حکیموں کی حکمتیں ختم ہو جاتی ہیں کوئی دوسرا خالق ہی ہوتا انہیں دفع کرے اور اللہ کے سوا کوئی خالق تو ہے ہی نہیں لہٰذا یہ عذاب دفع بھی نہیں ہو سکتے لہٰذا اللہ سے ڈرو یاتیکم بہ خیال رہے کہ من تو مبتدا ہے الہ خبر اور غیر اللہ الہ کی پہلی صفت ہے یاتیکم بہ دوسری صفت بہ میں مرجع المذکور ہے اس لئے یہ ضمیر واحد لائی گئی یعنی دوسرا خدا کون ہے جو یہ مذکورہ بالا چیزیں تمہیں دوبارہ دے یعنی کوئی نہیں دے سکتا بزرگوں کی دعائیں حکیموں کی دوائیں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہی فائدہ دیتی ہیں تو یہ اسباب ہیں شافی امراض وہی ہے یہاں خدا تعالیٰ کے مقابلہ کا ذکر ہے کہ یہ طاقت کسی میں نہیں کہ خدا تعالیٰ کی چھینی ہوئی بصارت، سماعت ہوش و عقل اس سے مقابلہ کر کے تمہیں دے دے اس میں حضرات انبیاء اولیاء کی دعائیوں اور طبیب ڈاکٹر کی دواؤں کا انکار نہیں اسی لئے الہ کے ساتھ غیر اللہ ارشاد ہوا انظر کیف نصرف الایات ظاہر یہ ہے کہ انظر میں بھی خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور سنانا انہیں کفار کو ہے نظر سے مراد آنکھوں دیکھنا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ازل تا ابد ہر شخص کے ہر حال کو آنکھوں سے مشاہدہ فرماتے ہیں یعنی تاقیامت کفار کے پھر جانے کو اپنی آنکھوں دیکھو ملاحظہ فرماؤ نصرف بنا ہے تصریف سے بمعنی گھمانا پھرانا یہاں مختلف طریقوں سے بیان کرنا مراد ہے آیات سے مراد آیات قرآنیہ ہیں یا تو سارے قرآن کی آیتیں یا سورہ انعام کے شروع سے یہاں تک کی آیتیں ظاہر یہ ہے کہ ان آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی قدرت کاملہ بندوں کے عجز کی آیتیں ہیں جو کفار کو ایمان ملنے کا ذریعہ ہیں ثم ھم یصدفون یہ عبارت نصرف پر معطوف ہے اور کیف کے ماتحت ہے ھم کا مرجع وہی ضدی کافر ہیں جو ان باتوں میں غور نہیں کرتے یصدفون بنا ہے صدف سے بمعنی منہ پھیرنا چنانچہ ابو سفیان ابن حارث کہتے ہیں۔

عجبت لحکم اللہ فینا وقد بدا　　لہ صدفنا عن کل حق منزل

بعض نے فرمایا کہ صدف کے معنی ہیں ایک طرف جھک جانا اسی لئے گراؤ دیوار کو صدف کہا جاتا ہے یعنی اے محبوب غور تو فرماؤ کہ ہم ان کے سمجھانے کے لئے آیات قرآنیہ کس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہر طرح انہیں سمجھاتے ہیں پھر یہ بھی دیکھو کہ یہ بد نصیب کس طرح منہ پھرتے ہیں کسی حکم کو سنتے ہی نہیں ان چیزوں میں فکر کرتے ہی نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو بتانے سمجھانے کے لئے کبھی دلائل کبھی عذاب کبھی اپنی رحمتوں کبھی گذشتہ قوموں کی سزاؤں کبھی گذشتہ مطیع لوگوں پر عطاؤں کا ذکر فرماتا ہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں بعض ڈر کر بعض لالچ سے یہ ہے پھیر پھیر کر آیتیں بیان فرمانا اور کفار ہیں کہ کسی چیز پر دھیان نہیں دیتے یہ ہے ان کا منہ پھیرنا اسی کی شکایت رب تعالیٰ اپنے محبوب سے فرما رہا ہے اس میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا اظہار ہے کہ اغیار کی شکایت اپنے یار سے کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ انظر میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہو اور نظر سے مراد ہو غور کرنا یعنی اے مسلمان غور تو کر یہ کفار ہماری قرآنی آیات دیکھتے پڑھتے سنتے ہیں مگر وہ ایمان سے پھر جاتے ہیں غور تو کرو کہ یہ قرآنی آیات ان کفار کے دل میں اثر کیوں نہیں کرتیں جناب صدیق کے دل میں کیوں اتر گئیں کفار کے دل میں کیوں نہیں اترتیں یہ کیوں پھرے جاتے ہیں قل ارء یتکم یہ کفار کو دوسری سرزنش بلکہ دوسری وارننگ ہے جس میں غیبی عذاب آنے کی دھمکی دی گئی ہے چونکہ یہ مضمون مستقل ہے کہ پہلے ظاہری عذاب سے

www.alahazratnetwork.org

ڈرایا گیا تھا اب غیبی عذاب سے ڈرایا جارہا ہے اس لئے اس کے لئے علیحدہ قل فرمایا گیا ا رءیتکم فرماکر خود ان کفار سے ہی اقرار کرایا جارہا ہے اس لفظ کی تحقیق پچھلی آیت میں ہو چکی۔ ان اتاکم عذاب اللہ بغتۃ اوجھرۃ ظاہر یہ ہے کہ یہاں عذاب سے مراد عام عذاب ہے جیسے صورتیں مسخ ہو جانا' آسمان سے پتھر برسنا' زمین میں کفار کا دھنس جانا وغیرہ جو قوم کو تباہ کر دیتا ہے اور پچھلی آیت میں خاص عذاب مذکور تھا جو اشخاص پر آتا ہے بغتۃ سے مراد یا تو خفیہ ہے یعنی رات کے وقت بے خبری میں عذاب آجانا اور جھرۃ سے مراد ظاہر ظہور ہے۔ یعنی دن میں آنا جب کہ لوگ جاگ رہے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ بغتۃ سے مراد اچانک عذاب ہو جس کی علامت پہلے سے کوئی ظاہر نہ ہو تو جھرۃ سے مراد وہ عذاب جس کی علامات پہلے سے ظاہر کر دی جائیں لہٰذا بغتۃ اور جھرۃ کا مقابلہ بالکل درست ہے پہلے معنی کی تائید قرآن مجید کی وہ آیت کریمہ ہے افامن اھل القری ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون اوامن اھل القری ان یاتیھم باسنا ضحی وھم یلعبون وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔ ھل یھلک الا القوم الظلمون یہ عبارت گذشتہ شرط ان اتاکم کی جزا نہیں ہے اس کی جزا تو پوشیدہ ہم ہے ماذا یکون حالکم (روح البیان) یہ عبارت قانون الٰہی بیان کرنے کے لئے ہے ھل استفہام انکاری کے لئے ہلاکت سے مراد فنا اور تباہی ہے۔ ظالمون سے مراد کافرین و مشرکین ہیں یعنی شخصی باطنی عذاب اندھا بہرا گونگا ہو جانا یا قتل و قحط تو گناہوں سے بھی آجاتے ہیں مگر ظاہری اور ہلاکت والے عذاب صرف کفر و مخالفت انبیاء سے ہی آتے ہیں اور ان عذابوں سے صرف کافر قوم ہی ہلاک ہوتی ہے رہے ان کے بچے جانور وغیرہ ان کی فنا بطور سزا نہیں ہوتی ان کفار کی شامت سے ہی ہوتی ہے لہٰذا آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ کے عذاب دو قسم کے ہوتے ہیں شخصی اور قومی پھر ان دونوں عذابوں کی دو قسمیں ہیں ظاہری و باطنی' باطنی عذاب کبھی گنہگار مسلمانوں پر بھی آجاتے ہیں خواہ شخصی ہوں یا قومی جیسے گناہوں سے کسی شخص کی روزی تنگ ہو جانا یا کسی کی بددعا سے اندھا بہرا ہو جانا وغیرہ یونہی زکوۃ بند کر دینے سے قحط سالی آجانا زنا کی کثرت سے بلاؤں کا نزول مگر ظاہری عذاب خواہ شخصی ہوں یا قومی صرف کفر و بے دینی سے آتے ہیں اس آیت کریمہ میں ظاہری عذابوں کا ذکر ہے پہلی آیت میں ظاہری شخصی عذاب کا دوسری آیت میں باطنی قومی عذاب کا چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب ان بے دینوں کو ہم خطاب نہیں فرماتے آپ بطور عتاب بطریق سوال انکاری ان سے خود پوچھیں کہ اے کمزور مگر بے باک کافرو ذرا بتاؤ تو کہ تم جو میری مخالفت کرتے رہتے ہو اگر اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تم پر پکڑ فرمائے کہ تمہارے اشخاص کو بہرا گونگا' دیوانہ پاگل کر دے تو یہ تم بھی مانتے ہو کہ کوئی انسان تمہیں یہ نعمتیں واپس نہیں دے سکتا بتاؤ تمہارے عقیدے میں بھی کوئی دوسرا خدا ہے جو تمہیں یہ چھنی ہوئی نعمتیں واپس دے دے تم خود مانتے ہو کہ تمہارے ان باطل معبودوں میں یہ طاقت نہیں پھر کیوں رب تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہو اے محبوب غور تو فرماؤ کہ کس طرح پھیر پھیر کر مختلف طریقوں سے انہیں اپنی آیات سناتے ہیں کبھی ڈرا کر کبھی لالچ دے کر' کبھی دلائل سے سمجھا کر انہیں دعوت اسلام دیتے ہیں مگر وہ ہیں کہ بالکل منہ پھیرتے رہتے ہیں کسی طرف دھیان نہیں دیتے پھر انہیں ظاہری قومی عذاب سے ڈراتے ہوئے ان سے پوچھو کہ اگر تم پر تباہ کن غیبی عذاب عام زلزلہ یا صورتوں کی تبدیلی یا زمین کا دھنسنا رات میں جب کہ تم غافل سو رہے ہو یا دن میں جبکہ تم جاگ رہے ہو آجائے تو تمہارا کیا حال ہو خیال رکھنا کہ یہ مہلک عام عذاب صرف کفار یا نابکاروں پر ہی آتے ہیں لہٰذا اللہ سے توبہ کرو ایمان قبول کر لو۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی مہربان ہے اسی لئے ہر طرح ڈرا دھمکا کر لالچ دے کر دلائل سنا کر انہیں اپنی طرف بلاتا ہے اور ان چیزوں میں غور کرنے کی بندوں کو دعوت دیتا ہے یہ فائدہ **ا رء یتم اور ا رء یتکم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان تاقیامت باقی ہیں لوگوں تک پہنچ رہے ہیں لوگوں پر ان کی اطاعت لازم ہے یہ فائدہ قل کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ مکہ مدینہ یا حجاز یا عرب کے لوگوں سے یا اس زمانہ کے لوگوں سے آپ یہ فرمادو بلکہ ہر زمانہ کے ہر زمین کے ہر ملک کے لوگوں سے فرمادو یہی حال ہے ان تمام قل کا جس میں روئے سخن مسلمانوں یا کافروں یا عام انسانوں سے ہے کہ اس میں مخاطب سارے جہان کے لوگ ہر زمانہ کے لوگ ہیں متکلم نے پردہ فرمالیا مگر کلام تاابد گونجتا رہے گا اور ہر دل و کان میں پہنچتا رہے گا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی بھیجی ہوئی مصیبت کوئی نہیں ٹال سکتا حاکم، حکیم، قوت یا علاج سے حضرات اولیاء اللہ انبیاء کرام دعا سے اس رب کریم کی مرضی سے آفات دفع کرتے ہیں یہ چیزیں صرف سبب ہیں دفع وہی کرتا ہے یہ فائدہ **من الہ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہم اور ہماری ساری قوتیں ہر وقت اللہ کے قبضہ میں ہیں جب چاہے جس طرح چاہے ختم فرمادے لہٰذا اپنی کسی قوت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے ہمیشہ خدا سے ڈرنا چاہئے یہ فائدہ **ان اخذ اللہ سمعکم الخ** سے حاصل ہوا جو دے سکتا ہے وہ لے بھی سکتا ہے جو سی سکتا ہے وہ ادھیڑ بھی سکتا ہے۔

ہر کہ داند دوخت او داند درید!

ہم ہمیشہ دعا کیا کریں کہ الٰہی آنکھ، کان، دل، ایمان توفیق تو نے محض اپنے کرم سے بغیر ہمارے استحقاق کے ہم کو عطا فرمائیں امید ہے کہ کریم دے کر چھینتے نہیں، انہیں حضرت قدس سرہ نے کیا خوب عرض کیا ہے۔

تو نے اسلام دیا تو نے جماعت میں لیا　　　تو کریم اب کوئی پھرتا ہے عطیہ تیرا

چوتھا فائدہ: اب بھی رب تعالیٰ کے عذاب آسکتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے غیبی عذاب عام جو قوم کو تباہ کرڈالیں وہ بند ہوئے ہیں۔ قریب قیامت مسخ اور زلزلے آئیں گے جیسا کہ احادیث شریف میں وارد ہے یہ فائدہ **ا ن ا تا کم** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** باطنی عام عذاب صرف کفار پر ہی آتا ہے گنہگار مسلمانوں پر نہیں آتا یہ فائدہ **ھل یھلک الا القوم الظلمون** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** یہ عذاب صرف نافرمانی کفار پر ہی آتے ہیں اگر اس عذاب سے جانور یا کفار کے چھوٹے بچے ہلاک ہو جائیں تو وہ ہلاکت ان کے لئے عذاب نہیں یہ فائدہ بھی **الا القوم الظلمون** سے حاصل ہوا۔ **الا** حصر کے لئے ہے۔

پہلا اعتراض : تم نے کہا کہ قل میں خطاب تاقیامت ہر جگہ کے لوگوں سے ہے یہ درست نہیں۔ خطاب اور کلام کے لئے دو شرطیں ہیں ایک متکلم کے زمانہ میں مخاطب کا موجود ہونا دوسرے اس کے سامنے ہونا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ متکلم وفات پا جائے اور کلام موجود رہے۔ لہٰذا قل میں خطاب صرف مکہ مکرمہ کے ان لوگوں سے ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تھے۔

جواب: یہ دونوں شرطیں اس کلام کے لئے ہیں جو محدود اور فانی ہو لا محدود اور غیر فانی کلام کے لئے ان میں سے کوئی شرط نہیں دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنا کر ایک دفعہ پکار دیا کہ اللہ کے بندو، بیت اللہ کی طرف آؤ۔ آج تک بلکہ قیامت تک اس کے جواب میں لبیک کا شور مچا رہے گا معلوم ہوا کہ وہ ندا تاقیامت باقی ہے آج ریڈیو اور فون نے بتادیا کہ دور والے سے بھی

www.alahazratnetwork.org

کلام ہوتا ہے۔ ٹیپ ریکارڈ نے بتادیا کہ متکلم کے فنا ہونے سے کلام فنا نہیں ہوتا سارا جہاں ٹیپ ریکارڈ ہے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام محفوظ ہیں جنہیں لوگوں کے دل اللہ والوں کے کان سن رہے ہیں ٹیلی ویژن کے ذریعہ ایک شخص بیک وقت ہر جگہ موجود ہے ہر مومن کا دل اور ہر شخص کی قبر ٹیلی ویژن کی پیٹی ہے۔ جس میں جلوہ محبوب نظر آرہا ہے۔ جب تار کی قوت کا یہ حال ہے تو نور کی قوت تو اس سے کہیں زیادہ ہے۔ آصف برخیا ہے کی قوت تاری جن سے زیادہ تھی کہ ایک آن میں تخت بلقیس یمن سے فلسطین لے آئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے کنعان بیٹھے ہوئے اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کو مصر کے سات تالوں میں مقفل گھر میں زلیخا سے بچالیا۔ لہٰذا قل میں خطاب سب لوگوں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ہر جگہ ہر وقت اپنا کام کر رہا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اندھا بہرا گونگا دیوانہ ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ عذاب صرف کفار پر ہی آتا ہے تو مسلمانوں بلکہ بعض نیک لوگ ان بیماریوں میں کیوں مبتلا ہوتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ ظاہری تکالیف کفار کے لئے عذاب ہیں ہم جیسے گناہ گار مسلمانوں کے لئے عتاب جن سے ہمارے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ نیک کاروں کے لئے رب کی طرف سے آزمائش و امتحان جس کے ذریعہ ان کے درجات بڑھ جاتے ہیں۔ دیکھو اسلامی جہاد میں کافر مارا جائے تو یہ قتل اس کے لئے عذاب ہے، مومن کے لئے یہی قتل شہادت ہے، مومن قتل ہو کر زندہ جاوید ہو جاتا ہے حتیٰ کہ بعد قیامت کفار کا دوزخ میں جانا عذاب ہے گنہگاروں کا جانا گناہوں سے صاف ہونے کے لئے ہے جیسے بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے مگر جلنے کو سونا بھی جاتا ہے مگر صاف ہو کر زیور بننے کو۔ **تیسرا اعتراض:** جب خدا کی بھیجی مصیبت کوئی نہیں ٹال سکتا تو تم نبیوں ولیوں کے دروازہ پر کیوں جا کر فریادیں کرتے ہو تمہارا یہ عمل اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی، جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی مصیبتوں میں حاکموں حکیموں کے پاس کیوں جاتے ہو۔ تمہارا یہ عمل بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں مقابلہ کا ذکر ہے کہ کوئی بھی اللہ کا مقابلہ کر کے اس کی بھیجی مصیبت نہیں ٹال سکتا ہمارا بزرگوں کے دروازوں پر جانا دعا کرانے کے لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی دعا کی برکت سے یہ مصیبت ٹال دے یہ آستانے رب تعالیٰ کی عطا کے دروازے ہیں رب تعالیٰ ان دروازوں سے دیتا ہے کسی کے دروازے پر جانا اس کے پاس جانا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح نے فرمایا تھا **ابری الاکمہ والابرص واحی الموتی باذن اللہ** دیکھو جناب مسیح مادرزاد اندھے کوڑھے کو بحکم پروردگار شفا دیتے ہیں، یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میری قمیص لے جاؤ اسے والد ماجد کی آنکھوں سے لگا دو۔ بینائی واپس آجائے گی اور ایسا ہی ہوا، ایوب علیہ السلام کے پاؤں کے دھوون کے چشموں سے ساری بیماریوں سے شفا ہوئی یہ سارے واقعات قرآن کریم میں مذکور ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لعاب سے دکھتی آنکھوں کو شفا ٹوٹے پاؤں کو آرام ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** پہلی آیت میں کان آنکھ لے لینے والوں پر صرف فرمادینے کا ذکر فرمایا گیا پھر دوسری آیت میں عذاب آنے کا ذکر فرمایا اندھا بہرا کر دینا بھی تو عذاب ہے پھر دوسری جگہ عذاب کا ذکر علیحدہ کیوں فرمایا آیتوں میں تکرار ہے۔ **جواب:** یہ تکرار چند وجہ سے فرمائی گئی ایک یہ کہ پہلی آیت میں ظاہری عذاب مراد ہے دوسری آیت میں غیبی عذاب مراد ہے جیسے آسمان سے پتھر برسنا، صورتیں مسخ ہونا وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ پہلی آیت میں شخصی عذاب مراد ہیں دوسری آیت میں ملک و قومی عذاب مراد تیسرے یہ کہ پہلی آیت میں جو عذاب مذکور ہیں وہ بطور آزمائش مسلمانوں پر بھی آسکتے ہیں مسلمان بلکہ مقبول بندے بھی نابینا وغیرہ ہو سکتے مگر آخری آیت کے

www.alahazratnetwork.org

عذاب کبھی مسلمانوں پر نہیں آسکتے لہذا آیتوں میں تکرار نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ وعدہ فرماچکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف کے بعد عذاب نہیں بھیجے گا پھر یہاں کیوں فرمایا **ان اتاکم عذاب اللہ** بغتۃ اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں خلاف ناممکن ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب پارہ الم زیر آیت **ان اللہ علی کل شئی قدیر** دیا جاچکا ہے' یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے غیبی عام عذاب آنا بند ہو گئے جسے کہتے ہیں عذاب استیصال' کسی کافر قوم کو جڑ سے اکھاڑ دینے والے عذاب' خاص لوگوں پر غیبی عذاب آسکتے ہیں بلکہ قریب قیامت آئیں گے وعدہ ربانی پہلی قسم کے عذاب کے لئے ہے۔ لہذا آیت کریمہ بالکل برحق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** کیا اللہ تعالیٰ ان موعودہ وعدے والے عذابوں کے نازل فرمانے پر قادر رہی نہ رہا اس کی قدرت سلب ہو گئی۔ **جواب:** اس کے بہت اور تفصیلی جوابات وہاں پہلے پارہ ہی میں عرض کئے جاچکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ جو عذاب بھیجنا چاہے ان کے متعلق نہ بھیجنے کی خبر دینے پر قادر نہیں کہ یہ خبر جھوٹ ہے اور جھوٹ عیب اللہ تعالیٰ عیوب سے پاک ہے مثلاً صحابہ عشرہ مبشرہ کو اگر عذاب دینا ہو تو رب تعالیٰ اس کے متعلق یہ خبر دینے پر قادر نہیں کہ ہم نے انہیں بخش دیا یہ دوزخ سے دور رہیں گے یہ جنتی ہو چکے ہم ان سے راضی ہو چکے اور جن عذابوں کو کفار پر نازل فرمانا ہو ان کے متعلق یہ فرمانے پر قادر نہیں کہ ہم کفار پر عذاب نہ بھیجیں گے یہ فرق بہت غور سے سمجھو اس کے اور جوابات تفسیر جلد اول میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: کسی شخص نے کسی بزرگ سے پوچھا کہ اگر کوئی **شخص** آسمانوں اور زمین کو کمان بنالے اور تمام بلاؤں کو تیر بنالے اور اس کمان سے وہ تیر کسی پر چلادے تو کہاں پناہ ملے اور یہ مردود **شخص** کہاں چھپے ان بزرگ نے فرمایا کہ تیر مارنے والے کے قدموں سے لپٹ جائے کہ تیر و تفنگ بلکہ سارے ہتھیار دور والے پر وار کرسکتے ہیں قرب والے کو نقصان نہیں پہنچاسکتے اس حالت میں اس کے قدموں کے سوا کہیں پناہ نہیں وہ بولا کہ جب مارنے والا قدم وغیرہ اعضاء سے پاک ہو تو پھر کہاں چھپا جائے اور کہاں پناہ لی جائے بزرگ نے جواب دیا کہ اس کے محبوب بندوں کا دامن ان کے قدم رب تعالیٰ ہی کا دامن کرم ہے' صرف یہاں ہی پناہ ہے اور جگہ پناہ نہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود!

یہ حکایت ان آیتوں کو گویا تفسیر ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کفار سے تخاطب فرمایا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن پاک میں بھاگے پھرتے ہیں کہ بتاؤ تم نے میری پناہ تو چھوڑ دی اب اگر تم ہماری ظاہری یا باطنی پکڑ میں آجاؤ تو کہاں جاؤ تم کو چھوڑانے والے نہ تو تمہارے یہ جھوٹے معبود ہیں نہ کوئی اور لہذا کیوں بھاگے پھرتے ہو مرجاؤ گے ہمارے دامن کرم میں چھپو جب بچے کو کوئی اور مارتا ہے تو بچہ ماں کو پکارتا ہے' اری اماں مجھے بچا مگر جب ماں ہی مارتی ہے تو پھر کسی اور جگہ نہیں بھاگتا بلکہ ماں کی گود میں ہو کر تا ہے' حضرات انبیاء کرام کے قدم اللہ کی رحمت کی آغوش ہے' ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ تمہاری پناہ کے لئے کوئی دروازہ نہیں صرف یہ دروازہ ہے ادھر آؤ بچ جاؤ گے۔ ورنہ پیس دیئے جاؤ گے اس مضمون کو اگلی آیات میں واضح فرمایا جارہا ہے غرضیکہ رب کریم نے نہایت ہی کریمانہ انداز میں لوگوں کو حضور کی طرف بلایا ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا **من غیر اللہ یاتیکم بہ** الہ کے ساتھ غیر اللہ کی قید اس لئے لگائی تاکہ معلوم ہو کہ جن نبیوں ولیوں کو لوگوں

www.alahazratnetwork.org

نے الہ مان کران کی پرستش شروع کردی جیسے حضرت عیسیٰ و مریم اور عزیر علیہم السلام اگرچہ انہیں لوگوں نے الہ تو مان لیا مگر وہ غیر اللہ نہیں بلکہ وہ اللہ کے اپنے ہیں **اولئک حزب اللہ** ان کی برکت اور دعاؤں سے اللہ تعالیٰ گئی ہوئی آنکھیں گئی ہوئی سماعت، دیوانگی دور فرمادیتا ہے وہ اور ان کے تبرکات۔ بفضلہ تعالیٰ دافع البلاء ہیں شافعی الامراض ہیں جیسا کہ ہم نے ابھی اعتراض و جواب میں عرض کیا صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار کے دل میں قرآنی آیات اس لئے نہیں اتریں کہ ان کے دلوں میں نور خدا یعنی حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پہنچے۔ دل میں پہلے نور آتا ہے پھر قرآن پہنچتا ہے۔ گھر میں سب کچھ ہو روشنی نہ ہو تو کسی چیز سے فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا قرآن نعمتوں سے بھرا ہوا گھر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا نور ہیں **قد جاء کم من اللہ نور و کتب مبین** اب پڑھو **انظر کیف نصرف الا یات** لفظ قرآن کے لئے جسم کو شریعت کے پانی سے پاک کرو معنی قرآن کے لئے دماغ کو طریقت کے پانی سے پاک کرو۔ مضامین قرآن کے لئے دل کو حقیقت کے پانی سے پاک کرو اسرار قرآن کے لئے روح کو معرفت کے پانی سے پاک کرو اور نجس نعمتیں نفس امارہ کو عشق مصطفیٰ کی آگ میں جلا کر راکھ کرو پھر قرآن پڑھو دیکھو اس میں سب کچھ ملے گا۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنْذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ وَ

اور نہیں بھیجا کرتے ہم پیغمبروں کو مگر خوشخبریاں دینے والے اور ڈرانے والے پس جو ایمان قبول

اور ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشی اور ڈر سناتے تو جو ایمان لائے اور

أَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

کرے اور اپنی درستی کرے پس نہیں ہے ڈر اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور وہ لوگ جنہوں نے

سنورے ان کو نہ کچھ اندیشہ اور نہ کچھ غم اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٤٩﴾

جھٹلایا ہماری آیتوں کو پہنچے گا انہیں عذاب اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے

انہیں عذاب پہنچے گا ان کی بے حکمی کا

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ کے عذاب سے کہیں پناہ نہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ ہاں ایک پناہ ہے یعنی حضرات انبیاء کرام کا دامن گویا پچھلی آیات میں مایوس کیا گیا تھا ان آیات میں آس بندھائی گئی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ رب کے عذاب سے بچنا ہے تو ادھر ادھر نہ بھاگو اس سے منہ نہ موڑو اب ارشاد ہے کہ عذاب سے بچنا ہے تو ایمان و تقویٰ اختیار کرو گویا حضرات انبیاء کرام جائے امن ہیں اور ایمان و تقویٰ اس پناہ میں آجانا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے بارش کی پناہ کے لئے چھتیں، دھوپ سے پناہ کے لئے سایہ دار درخت پیاس سے بچنے کے لئے کنوئیں کی پناہ بیماری سے پناہ کے لئے حکیم ظلم کی پناہ کے لئے حاکم بنائے ایسے ہی رب تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

اللہ کے عذاب سے پناہ کے لئے حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ کے دامن جاء امن بنائے جو ان کی پناہ میں نہ آئے وہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتا لہذا غرضیکہ عذاب کے بعد پناہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی گزشتہ آیات میں کفار کا یہ قول نقل فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے منہ مانگے معجزے کیوں نہیں دکھاتے اب ان آیات میں ان کا جواب دیا گیا کہ حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کا مقصد صرف معجزات دکھانا نہیں وہ تو ان کی نبوت کے ثبوت کے لئے ہوتے ہیں ان کی بعثت کا مقصد بشارت' نذارت' دعوت الی اللہ ہے جو ان سے معجزات ہی مانگتا رہے گا ایمان نہ لائے گا وہ مارا جائے گا اور جو ان کی تشریف کا منشاء پورا کرے گا وہ دین و دنیا کے رنج و غم سے آزاد ہو گا گویا پہلے سوال کا ذکر ہوا اب جواب کا ذکر ہے (کبیر)

تفسیر: **وما نرسل المرسلین** یہ جملہ نیا ہے لہذا واؤ ابتدائیہ ہے نرسل بنا ہے ارسال سے بمعنی بھیجنا یہاں امتوں کی طرف نبی بنا کر بھیجنا مراد ہے بعض انبیاء کرام کو کسی اور جگہ سے دوسری جگہ نبی بنا کر بھیجا گیا جیسے موسیٰ علیہ السلام کہ نبی بنائے گئے مدین و مصر کے درمیان طور شریف کے وادی میں اور حکم ہوا **اذھب الی فرعون** یا جیسے حضرت ابراہیم ولوط علیہ السلام کہ نبی بنائے گئے عراق یعنی اطراف کوفہ میں اور بھیجے گئے شام و فلسطین کی طرف بعض انبیاء کرام وہ ہیں جو ایک ہی مقام میں پیدا ہوئے وہاں ہی نبی ہوئے وہاں ہی رہے۔ لہذا یہاں بھیجنے سے مراد صرف مکانی بھیجنا یعنی کسی جگہ سے کسی جگہ پہنچانا نہیں بلکہ انہیں نبی بنانا ان کے ذمہ تبلیغ لازم فرمانا ہے ارسال بعثت میں یہی معنی ملحوظ ہوتے ہیں مگر تحقیق یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں ارسال یعنی بھیجنے سے مراد مکانی بھیجنا ہے۔ عالم ارواح میں خدا تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو سب کچھ بتا سکھا تا ہے وہاں انہیں مکمل فرما کر پھر دنیا میں بھیجتا ہے بلکہ سارے انبیاء کرام عالم ارواح میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ کر فیض لے کر یہاں فیض دینے آتے ہیں۔ لہذا ان کی ولادت کو ارسال فرمانا بالکل درست ہے ان کی دنیا میں تشریف آوری ایسی ہوتی ہے جیسے سورج کا طلوع کہ سورج طلوع سے پہلے موجود تھا مگر نظروں سے اوجھل تھا طلوع ہوا سامنے آ گیا۔ یوں ہی ان کی وفات ایسی ہوتی ہے جیسے سورج کا غروب کہ سورج غروب سے فنا نہیں ہو جاتا ہم سے چھپ جاتا ہے ان کی ولادت و وفات ظہور اور غروب ہے ہماری ولادت اور موت ہستی اور نیستی ہے وہ حضرات نیستی سے محفوظ ہیں بلکہ ان سے وابستہ ہو جانے والے لوگ بھی فنا سے محفوظ ہو جاتے ہیں جیسے شہداء کہ انہیں قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ زندہ ہیں یہاں مرسلین سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں خواہ وہ رسول بھی ہوں یا نہیں اور خواہ وہ مرسل بھی ہوں یا نہیں۔ اس سے مراد خاص درجہ والے مرسلین نہیں لہذا آیات کریمہ واضح ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں رسول تین سو تیرہ اور مرسلین چار' یہاں مراد ایک لاکھ چوبیس ہزار نبی ہیں جیسے حضرات صحابہ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں ان میں سے بدر والے تین سو تیرہ ان میں سے خلفاء راشدین چار پھر جیسے چار مرسلین ہیں چمکتے سورج جناب مصطفیٰ ایک ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ایسے ہی ان چاند خلفاء میں چمکتے چاند حضرت ابو بکر صدیق ایک۔ نرسل دوام و استمرار کے لئے ہے اس میں رب تعالیٰ نے اپنی عادت کریمہ بیان فرمائیں جو ہمیشہ سے حضرات انبیاء کرام کے متعلق رہی ہے لہذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور آپ کے بعد بھی انبیاء تشریف لاویں **ما نرسل** کے معنی ہیں نہیں بھیجتے یا نہیں بھیجا کرتے۔ یہ معنی نہیں کہ نہیں بھیجتے ہیں اور نہیں بھیجیں گے لہذا آیت کریمہ بالکل صاف ہے۔ خیال رہے کہ نبوت رسالت مرسلیت' بشارت' نذارت' دعوت یہ صفات ان حضرات کی عمومی صفات ہیں مگر صفی اللہ' نجی اللہ' خلیل اللہ' کلیم اللہ' روح اللہ' حبیب اللہ' مصطفیٰ ہونا یہ ان حضرات کی صفات

www.alahazratnetwork.org

خصوصی ہیں جو خاص طور پر ایک ایک نبی کو عطا ہوئیں یہاں صفت عمومی کا بیان ہے **الا مبشرین و منذرین** یہ عبارت **المرسلین** کا حال ہے **الا** حصر کے لئے ہے اور یہ حصر اضافی ہے۔ حقیقی نہیں جیسے **وما محمد الا رسول** میں حصر اضافی ہے بشارت کے معنی ہیں خوشخبری دینا اگر اس کے ساتھ تصدیق کا ذکر ہو یا کسی رسول کا تو اس کے معنی ہوتے ہیں آئندہ کسی نبی کی تشریف کی خوشخبری دینا' جیسے **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** اور اگر اس کے ساتھ اللہ کی نعمتوں کا یا نذرات کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اللہ کے ثواب کے بشیر ہیں کسی نبی کے بشیر یا مبشر نہیں کیونکہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آدم علیہ السلام کسی نبی کے مصدق نہیں کیونکہ ان سے پہلے کوئی نبی نہیں ہاں بشیر و نذیر سارے نبی ہیں گذشتہ نبیوں کی بشارت' نذرات' دعوت سن کر تھی کہ ان حضرات نے جنت دوزخ ذات الٰہی کو دیکھا نہ تھا سنا تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات دیکھ کر ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں جنت دوزخ بلکہ ذات الٰہیہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا نیز ان انبیاء کرام کی بشارت و نذارت مخصوص تھیں اور وقتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشارت و نذارت عالمگیر ہے اور دائمی مثلاً موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وقت میں اپنی قوم سے کہا کہ میرے احکام کا تو میری توریت پر عمل کرو میری نماز پڑھو بخشے جاؤ گے ورنہ عذاب پاؤ گے مگر نہ آ خضر علیہ السلام سے وہ یہ فرما سکے نہ اب کسی سے فرما سکتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اب بھی یہ اعلان ہے اور تاقیامت رہے گا کہ میری اطاعت کرو بخشے جاؤ گے' یہاں بشارت اور نذارت بہت ہی عام ہیں' مومنوں کو جنت کی بشارت کافروں کو دوزخ کی نذارت' متقیوں کو رضاء الٰہی کی بشارت مومن فاسقوں بدکاروں کو اللہ تعالٰی کی ناراضی کی نذارت واصلین کو لقاء یار کی بشارت غافلین کو ہجران و جدائی کی نذارت غرضیکہ جیسا شخص ویسی اس کے لئے بشارت و نذارت یعنی ہماری عادت کریمہ یہ ہے کہ ہم نبیوں کو صرف معجزات دکھانے اور لوگوں کے مطالبے پورے کرنے نہیں بھیجا کرتے بلکہ انہیں صرف بشارت اور نذارت کے لئے بھیجتے ہیں **فمن امن و اصلح** بھی دینے والے نبیوں کی دین کا ذکر ہوا اب فیض لینے والے امتیوں کا ذکر ہے۔ **ف** تفصیلیہ ہے **من** سے مراد انسان ہیں دل کی اصلاح کا ذکر **امن** میں ہے اور بدن کی اصلاح کا ذکر **اصلح** میں ہے لہذا ایمان میں سارے عقائد کا ماننا داخل ہے اور **اصلح** میں سارے نیک کام کرنے اور سارے گناہوں سے بچنا شامل ہے یعنی ان کی امتوں میں جو انسان ان پر ان کے سارے فرمانوں پر ایمان لایا اور اس نے تقوٰی اختیار کیا اور ہو سکتا ہے کہ اصلاح سے مراد ہو کفر یا غفلت کے زمانہ کی بد عملیوں کوتاہیوں کا کفارہ ادا کرنا جیسے حضرت وحشی نے زمانہ کفر کے قتل حمزہ کا کفارہ قتل مسیلمہ کذاب سے کیا یا جناب ہندہ نے زمانہ کفر میں جنگ احد کی بد عملیوں کا کفارہ جنگ یرموک و قادسیہ میں ادا کیا جس میں سات لاکھ عیسائی تھے۔ چالیس ہزار مسلمان ان جیسی عورتوں کی ہمت سے مسلمان نے یہ معرکہ فتح کیا غرضیکہ **اصلح** کی تین تفسیریں ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اصلاح سے مراد ایمان پر قائم رہنا اس پر مرنا ہے (تفسیر مدارک) خیال رہے کہ انسانی دل کے دو عیب ہیں اور دو ان کے علاج عیب تو ہیں شرک و کفر' علاج ہیں توحید و ایمان شرک کے معنی ہیں کسی بندے کو اونچا کر کے رب سے ملا دینا یا رب کی شان گھٹا کر اسے بندے سے ملا دینا کفر کے معنی ہیں کسی اسلامی عقیدے کا انکار کر دینا توحید کے معنی ہیں اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کو ماننا ایمان کے معنی ہیں اللہ تعالٰی کی ذات و صفات کو نبی کی معرفت سے جاننا ماننا چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے اس لئے **امن** پہلے اور **اصلح** بعد میں ارشاد ہوا **فلا خوف علیهم ولا هم یحزنون** یہ عبارت **من** کی خبر بمعنی جزا ہے لہذا **ف** جزائیہ اور **لا** نافیہ زائدہ ہے۔ **خوف** مبتدا **علیهم** اس کی خبر آئندہ کے خطرہ کو خوف کہتے ہیں اور گذشتہ پر رنج و غم کو حزن' ان دونوں کا

www.alahazratnetwork.org

تعلق آخرت سے ہے یعنی قیامت میں انہیں دوزخ وغیرہ کا ڈر نہ ہوگا دنیا کی کوتاہیوں پر غم نہ ہوگا یا اس کا تعلق دنیا و آخرت دونوں سے ہے تب خوف و غم سے مراد نقصان دہ خوف و غم ہے اللہ سے خوف اپنے اعمال کو کم سمجھ کر غم یہ مفید خوف و غم ہے اور دونوں عبادتوں میں فرق کہ خوف کے لئے فرمایا **لا خوف علیهم** اور غم کے لئے فرمایا **ولا هم یحزنون** نہ تو یہ فرمایا **لا هم یخافون** اور نہ یہ کہ **ولا حزن علیهم** اس انداز بیان میں بہت ہی لطف ہے **لا خوف علیهم** فرما کر مطلقاً خوف کی دائمی نفی فرما دی گئی اور **ولا هم یحزنون** فرما کر مختلف قسم کے رنج و غم آتے رہنے کی نفی ہے۔ حزن یعنی رنج و غم مختلف قسم کے آتے رہتے ہیں ان سب کی نفی کے لئے **یحزنون** مضارع کو ھم کی خبر بنا کر اس کی نفی کرنا بہت ہی مناسب ہے **والذین کذبوا بایٰتنا** اس عبارت شریفہ میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے ظاہر یہ ہے کہ **الذین** سے مراد کفار جنات و انسان ہیں **کذبوا** باب تفعیل سے لایا گیا۔ اس کا مصدر ہے **تکذیب** بمعنی جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یا جھوٹا کہلوانا یہاں تینوں معنی درست ہیں نیز باب تفعیل میں مبالغہ کے معنی ہیں تکذیب تین قسم کی ہے جنانی 'لسانی' ارکانی' یعنی عملی تکذیب اس عملی تکذیب میں آج ہم مسلمان بھی گرفتار ہیں' اس کے معنی یا یہ ہیں کہ خوب جھٹلائیں یا یہ کہ وہ لوگ مرتے وقت تک جھٹلاتے رہے کبھی ایمان نہ لائے اسی پر مرگئے **الذین** کو مطلق رکھ کر ؟؟؟ ۔عذاب دیا جائے گا جو بجلی کے پاور پر ہاتھ ڈالے گا مرے گا۔ بادشاہ ہو یا فقیر یا خدا دیوانہ باش با مصطفیٰ ہوشیار باش آیات سے مراد یا تو گذشتہ انبیاء کرام کے معجزات ہیں یا ان کی تعلیمات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اگر یہ ساری چیزیں ہی مراد ہوں تو بہت بہتر ہے۔ خیال رہے کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے اس لئے **ایٰتنا** فرمانا بہت ہی مناسب ہے اور آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں **یمسهم العذاب** یہ عبارت **والذین** کی خبر ہے یہاں مس بمعنی چھو جانا نہیں بلکہ بمعنی پہنچنا یا پکڑنا ہے مس فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان کا یہ عذاب عارضی نہ ہوگا' جس سے وہ مر کر یا بچ کر چھوٹ جائیں بلکہ دائمی ہوگا (روح المعانی) عذاب سے مراد برزخ و محشر بعد محشر دوزخ کے عذاب ہیں **بما کانوا یفسقون** یہ عبارت متعلق ہے یمس کے اس میں ب سببیہ ہے اور ما مصدریہ فسق سے مراد کفر ہے یعنی کسی دینی خبر کا انکار یعنی جن لوگوں نے ہماری آیات قرآنیہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات یا گذشتہ انبیاء کرام کے معجزات یا تعلیمات کا پرزور انکار کیا کہ انہیں حق نہ مانا مرتے وقت تک منکر رہے انہیں دائمی عذاب پہنچے گا ان کے اس کفر و فسق کی وجہ سے۔

خلاصہ ء تفسیر : ان کفار کا ہمیشہ معجزات کے مطالبے کئے جانا' کسی بات کو نہ ماننا ان کی جہالت ہے انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد معجزات دکھانا اور کفار کے مطالبے پورے کرتے رہنا نہیں ان کی تشریف آوری کا مقصد لوگوں کو اللہ کے ثوابوں کی خوشخبریاں دینا اور اس کے عذابوں سے ڈرانا ہے کہ اگر رب تعالیٰ کی فرمانبرداری کرو گے تو یہ پھل پاؤ گے نافرمانی کرو گے تو ایسے عذاب بھگتو گے لوگ دو قسم کے ہوتے ہیں بعض تو حضرات انبیاء سے نفع حاصل کرتے ہیں بعض نقصان جو ایمان و تقویٰ اختیار کرلیں وہ دنیا و آخرت میں ڈر اور رنج و غم سے آزاد ہو جاتے ہیں اور جو بدنصیب ہماری آیتوں یعنی حضرات انبیاء کرام کی تعلیمات و معجزات کا انکار کر دیتے ہیں انہیں ان کے کفر و بدکاری کی وجہ سے برزخ و قیامت و بعد قیامت میں دائمی عذاب پہنچے گا۔ لہٰذا لوگوں کو پیغمبر کی اطاعت میں کوشش کرنی چاہئے۔ معجزات کے مطالبوں میں وقت برباد نہ کرنا چاہئے خیال رہے کہ سلطنت الٰہیہ کے بہت سے محکمے ہیں' جن میں سے بعض داخلی ہیں بعض خارجی مگر ایک محکمہ مواصلات ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ملکوں کو آپس میں ملاتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جس سے عالم انوار عالم اجسام سے وابستہ ہو جاتا ہے بلکہ خود رب کا تعلق بندوں سے اور بندوں کا تعلق رب سے قائم ہے اس محکمہ مواصلات کا نام محکمہ نبوت ہے اس محکمہ میں پچھلے انبیاء کرام خاص حلقوں اور خاص وقتوں کے نبی تھے اس لئے بیک وقت بہت سے نبی تشریف فرما ہوتے تھے اور نبیوں کے بعد اور انبیاء کرام تشریف لاتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری خدائی کے دائمی نبی ہیں اس لئے نہ آپ کے زمانہ میں کوئی نبی تھا نہ بعد میں اسی محکمہ مواصلات کا تعلق عالم انوار سے بھی ہوتا ہے اور عالم اجسام سے بھی بلکہ رب تعالیٰ سے بھی ہوتا ہے اور بندوں سے بھی۔ رب سے تعلق ہے لینے کا بندوں سے تعلق ہے دینے کا اس آیت کریمہ میں اسی محکمہ کا ذکر ہے اس کے درجات اس کے فرائض کا تذکرہ ہے۔ چند الفاظ میں یہ ساری باتیں ارشاد فرما دی گئی ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ میں چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام کے لئے تبلیغ لازم ہے کوئی نبی ایسا نہیں جس پر تبلیغ نہ ہو۔ ان کے لئے کتاب آسمانی یا صحیفے اور معجزات لازم نہیں یہ فائدہ **الا مبشرین** کے حصر سے حاصل ہوا۔ چنانچہ جو انبیاء کرام دوسرے نبیوں کے وزیر تھے۔ ان کے پاس معجزات ہونا ثابت نہیں۔ حضرت ہارون، حضرت لوط وغیرہم علیہم السلام کے معجزے نہ قرآن کریم سے ثابت ہیں نہ حدیث پاک سے نہ معتبر تواریخ سے دیکھو ولی کے لئے ایمان و تقویٰ ضروری ہے کرامات ضروری نہیں، رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین امنوا وکانوا یتقون**۔ **دوسرا فائدہ**: ہر پیغمبر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بشارت و نذارت دونوں کرے یعنی اللہ کے ثواب و عذاب کی خبریں دے آئندہ نبی کی بشارت یا گذشتہ نبی کی تفصیلی تصدیق لازم نہیں یہ فائدہ بھی **الا مبشرین** کے حصر سے حاصل ہوا حضرت آدم علیہ السلام کسی نبی کے صدق نہیں تھے کہ آپ سے پہلے کوئی نبی نہیں اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کے مبشر نہیں کہ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں درمیان کے انبیاء کرام نے اجمالی تصدیق و بشارت ضرور کیں مگر تفصیلی تصدیق و بشارت بعض نے کی بعض نے نہ کی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا مانگی **ربنا وابعث فیھم رسولا** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت نام لے کر دی **ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد**۔ **تیسرا فائدہ**: ہر متقی مسلمان ایک درجہ کا ولی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے جو عظمت حضرات اولیاء اللہ کی بیان کی وہی عظمت ہر مومن صالح کی وہاں فرمایا **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** اور یہاں فرمایا **فمن امن واصلح فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ایمان و تقویٰ کے چار درجے ہیں اس لئے ولایت کے بھی چار درجے ہیں دیکھو اس کی تفصیل ہماری کتاب شان حبیب الرحمان کے ضمیمہ میں جہاں ولایت اور شہادت پر مکمل بحث کی گئی ہے۔ **چوتھا فائدہ**: کافر بے دین یوں ہی فاسق و بدکار مسلمان کبھی ولی نہیں ہو سکتے اگرچہ ہوا میں اڑیں جال بڑے کرشمے دکھائے گا مردے زندہ کرے گلبار شمیں برسائے گا مگر ولی نہیں ہو گا یہ فائدہ بھی **فمن امن** سے حاصل ہوا آج عوام دیوانہ مجنون کو مجذوب ہر بھنگی چرسی بے نماز بے روزہ کو ولی سمجھتے ہیں سخت غلطی کرتے ہیں ولایت یعنی قرب الٰہی تو چیز اور ہے یہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے ملتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: متقی مومن بندوں کو اللہ تعالیٰ خوف و غم سے آزاد فرماتا ہے وہ خوف و غم جو نقصان دہ ہو یہ فائدہ **ولا خوف علیھم** سے حاصل ہوا یہ آزادی انہیں . مفقد تعالیٰ دنیا میں بھی ہوتی ہے مرتے وقت بھی قبر میں بھی حشر میں بھی اسی لئے **لا خوف** بھی جملہ اسمیہ ارشاد ہوا اور **ولا ھم یحزنون** بھی۔ **چھٹا فائدہ**: آخرت کا دائمی عذاب صرف کفار کو ہو گا مومن کتنا ہی گنہگار ہو

www.alahazratnetwork.org

اگر خاتمہ ایمان پر نصیب ہو تو اسے ہمیشگی کا عذاب نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **والذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کفار کے فوت شدہ ناسمجھ بچے آخرت کے عذاب سے محفوظ رہیں گے ان کے لئے دوزخ کا عذاب نہیں یہ فائدہ **بما کانوا یفسقون** سے حاصل ہوا کہ یہاں عذاب کی وجہ کفار کا کفر آیات الہیہ کا انکار کو قرار دیا اور ان بچوں سے یہ جرم سرزد نہیں ہوا۔ خیال رہے کہ بغیر نیکیوں کے جنت عطا فرما دینا کرم ہے مگر بغیر جرم دوزخ میں ڈال دینا صورتاً "ظلم ہے اللہ تعالیٰ ظلم اور صورتاً" ظلم دونوں سے پاک ہے اس کے متعلق احادیث مختلف ہیں اس کی بحث ہم پہلے بھی کر چکے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبوت کا دروازہ بند نہیں ہوا حضرات انبیاء کرام تاقیامت آتے رہیں گے کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **وما نرسل المرسلین** ہم رسول نہیں بھیجتے **ما نرسل** دوام و استمرار کے لئے ہے اگر صرف گذشتہ زمانہ ہی میں نبی آئے ہوتے آئندہ آنے والے نہ ہوتے تو فرمایا جاتا **وما ارسلنا المرسلین** (مرزائی)۔ **جواب:** یہاں حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کا دوام نہیں بتایا جا رہا بلکہ ان حضرات کے متعلق عادت الٰہی کے دوام کا ذکر ہے یعنی ہم ہمیشہ انبیاء کرام کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجتے رہے ہیں اگر ارسال کی ہمیشگی مراد ہو تو یہ آیت کریمہ بہت سی آیات کے خلاف ہوگی اور بہت سی احادیث کے مخالف رب تعالیٰ فرماتا ہے **الیوم اکملت لکم دینکم** اور فرماتا ہے **ولکن رسول اللہ وخاتم النبین** اور فرماتا ہے **مصدقا لما معکم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **انا خاتم النبین لا نبی بعدی**۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام صرف بشارت دینے اور ڈرانے کے لئے آتے ہیں انہیں اور کسی چیز کا اختیار نہیں ہوتا لہٰذا ان سے شفاعت کی امید رکھنا ان سے حاجتیں مانگنا شرک ہے وہ اس کام کے لئے آئے ہی نہیں **الا مبشرین** حصر کے لئے ہے حضرات انبیاء کرام کی شان ایسی ہے۔ جیسے ڈاکیہ یا تار بانٹنے والا کہ وہ خوشی کی خبریں بھی پہنچاتا ہے اور موت و غم کو تار بھی اوس خوشخبری و غم خبری میں اس کا کوئی دخل نہیں یہ تو تار بھیجنے والا جانے دیکھو **ما نافیہ** اور **الا** حصر کے لئے ہی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہاتھ کچھ بھی نہیں۔ (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی '

جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اللہ تعالیٰ کے پاس بھی سوا الوہیت اور وحدانیت کے کچھ نہیں دیکھو رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے **انما الھکم الہ واحد** یہاں بھی **انما** حصر کے لئے ہے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی صرف دو صفتیں ہیں یعنی معبود اور واحد ہونا یعنی ایک اس کے سوا اس کی کوئی صفت نہیں نعوذ باللہ 'جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اور ان جیسی تمام آیات میں حصر حقیقی نہیں اضافی ہے۔ جس چیز کا کفار مطالبہ کرتے تھے اس کے مقابلہ میں حصر ہے یعنی وہ حضرات معجزات دکھانے اور کفار کے منہ مانگے معجزات ظاہر کرنے نہیں آتے ان کی بعثت کا مقصد صرف بشارت و نذارت ہے ' معجزہ تو نبوت ثابت کرنے کے لئے ہوتا ہے 'دوسری آیات میں حضرات انبیاء کرام کے اختیارات صراحتہً "مذکور ہیں رب تعالیٰ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ **سخرنا لہ الریح تجری بامرہ** ہم نے ہوا حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع فرمان کر دی جو آپ کے حکم سے چلتی تھی شفاعت وغیرہ کی بہت آیات میں ہم یہ بحث تیسرے پارہ میں **من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ مومن متقی کو نہ خوف ہو نہ غم حالانکہ حضرات انبیاء اولیاء کو بھی خوف و غم رہے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا **اننا نخاف ان یفرط علینا او ان**

www.alahazratnetwork.org

بطفیل خدایا ہم کو فرعون سے ڈر لگتا ہے کہ وہ ہم پر ظلم کرے گا نیز آپ وادی مقدسہ میں اپنی لاٹھی کو سانپ بنتے دیکھ کر ڈر گئے یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف ہے نیز قیامت میں سوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے انبیاء کرام خوف الٰہی کے سبب مخلوق کی شفاعت کی ہمت نہ کریں گے جیسا کہ احادیث میں ہے لہٰذا یہ آیت ان احادیث کے بھی خلاف ہے۔ **جواب:** انشاء اللہ اس اعتراض کا مکمل جواب ہم گیارھویں پارہ کی تفسیر میں **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم** کے بیان میں دیں گے نیز ہم نے اس کے بہت جوابات اپنی کتاب شان حبیب الرحمان میں دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ خوف وہم بہت سی قسم کے ہوتے ہیں۔ خوف اطاعت' خوف نفرت' خوف ہیبت وغیرہ ان میں سے بعض خوف انسان کے لئے مضر ہیں' بعض خوف مفید یہاں نقصان دہ خوف کی نفی ہے 'اللہ کا خوف تو رکن ایمان ہے وہ تو حضرات انبیاء اولیاء کو کامل طور پر حاصل ہوتا ہے قیامت میں حضرات انبیاء کرام کو خوف ہیبت ہو گا' یہاں خوف مضر کی نفی ہے ان آیات یا احادیث میں غیر مضر خوف کا ثبوت ہے لہٰذا یہ آیت ان کے خلاف نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا انہیں عذاب پہنچے گا تو کیا ایک آیت کے منکر کو عذاب نہ ہو گا آیات جمع کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے جیسے ایک نبی کا انکار سارے نبیوں کا انکار ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام گویا رحمت کے بادل ہدایت کے سورج ہوتے ہیں بادل سے بعض زمین صرف گھاس کا سبزہ لیتی ہیں بعض دانہ کا بعض پھل پھول حاصل کرتی ہیں سمندر کی سیپ اس بادل سے موتی لے لیتی ہیں کوئی معمولی چھوٹے موتی کوئی در یتیم بعض منحوس زمینیں کچھ بھی حاصل نہیں کرتیں جیسے زمین شورہ (کلر) سورج سے بعض چیزیں صرف روشنی حاصل کرتی ہیں بعض پھل پھول کی بہار بعض جگہ اس شعاعوں سے لعل و یاقوت بن جاتے ہیں مگر چمگادڑ کو اس سے تکلیف ہی ہوتی ہے اسی طرح ان حضرات سے بعض لوگ صرف ایمان کی دولت حاصل کر لیتے ہیں۔ بعض ایمان و عرفان کی بعض ولایت و **قطبیت** غوثیت کی دولت کما لیتے ہیں مگر بدنصیب اور زیادہ کفر و ضلال کماتے ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی
نہیں اس کے جلوہ میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے

یہاں پہلی آیت میں ان خوش نصیبوں کا ذکر ہے جو ان حضرات کی اطاعت کر کے خوف و غم سے آزاد جنت میں آباد ہو گئے اور دوسری آیت میں ان بدبختوں کا ذکر ہے جو ان حضرات کی مخالفت کر کے اور زیادہ برباد ہو گئے مگر خیال رہے کہ یہ آبادی و بربادی خاتمہ پر موقوف ہے۔ روح البیان نے یہاں عجیب عجیب باتیں بیان فرمائیں فرمایا اے انسان جب تک کہ پل صراط سے بخیریت نہ گزر جائے تب تک مطمئن نہ ہو انسان ہمیشہ توبہ کرتا رہے زندگی کے دن غنیمت جان جو ہو سکے کر لے۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بسے — شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی
کارواں رفت و تو در خواب و بیاباں در پیش — کے روی رہ نہ کہ پرسی چہ کنی چوں باشی

یہ دونوں آیتیں رغبت و خوف کی اعلیٰ درجہ کی ہیں' صوفیاء کی اصطلاح میں ایمان کا نام ہے فنا کہ انسان فنافی الرسول ہو کر باقی باللہ ہو جائے اصلاح کی حقیقت ہے اعمال میں لذت قبول پیدا کرنا اور لذت ہمیشہ نسبت سے پیدا ہوتی ہے بے نسبت والا عمل

www.alahazratnetwork.org

بے نمک والا کھانا ہے دیکھو چاند ایک ہے مگر جب اسے رمضان سے نسبت ہو جائے تو اسی چاند کا رنگ کچھ اور ہوتا ہے اور جب اسے بقر عید سے نسبت ہو تو اس میں لطف ہی اور ہوتا ہے یوں ہی قرآن نماز روزہ وغیرہ ایک ہی چیز ہیں مگر ان کی جیسی نسبت ویسی ان میں لذت و لطف حضور غوث پاک کی زبان سے ادا کیا ہوا قرآن و نماز و حج وغیرہ میں بہار ہی کچھ اور ہے لہٰذا لطف کے معنی یہ ہیں

خود کو ایسا مٹا کہ تو نہ رہے　　　تجھ میں اپنی خودی کی بو نہ رہے

اور **اصلح** کے معنی ہیں اپنے اعمال میں نسبت پیدا کرے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبوت ایک نورانی بجلی کا کرنٹ یا پاور ہے جسے یہ تاری پاور روشنی، سردی، گرمی، مشین چلانا وغیرہ ہر قسم کے کام دیتا ہے کہ بلب سے لگاؤ روشنی ملے گی ہیٹر سے وابستہ کرو گرمی دے گا فرج سے لگاؤ سردی دے گا مگر جو اس پر ہاتھ ڈال دے وہ ہلاک ہو جاتا ہے خواہ امیر بادشاہ ہاتھ ڈالے یا فقیر گدا ایسے ہی نبوت کا نوری پاور ایسا مبارک ہے کہ کافر اس سے وابستہ ہوا اسے ایمان ملتا ہے مومن وابستہ ہو تقویٰ پاتا ہے متقی وابستہ ہو جائے عرفان پاتا ہے۔ عارف وابستہ ہو وہ وصال یار پاتا ہے۔ ایمان عرفان ایقان بلکہ خود رحمان اسی کے ذریعہ ملتا ہے فرماتا ہے **لوجدوا اللہ توابا رحیما** اور فرماتا ہے **واذا سالک عبادی عنی فانی قریب** مگر جو نبوت پر ہاتھ ڈالے نبی کی عزت و عظمت کو ہاتھ لگائے وہ ایمان تقویٰ سے سب کچھ کھو بیٹھتا ہے ہلاک ہو جاتا ہے فرعون، نمرود، قارون کا حال ہمارے سامنے ہے رب فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** اس آیت میں غور کرو ایمان لانے والے دونوں جہان میں خوف و غم سے آزاد ہو گئے۔ جھٹلانے والے عذاب میں گرفتار ہوئے دریا کا مقابلہ نہ کرو تباہ ہو جاؤ گے اس سے نہریں آبپاشی کا کام لو ہزارہا فائدے اٹھاؤ گے۔

قُلْ لَّاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىٕنُ اللّٰهِ وَ لَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَ لَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ

فرمادو نہیں کہتا ہوں میں واسطے تمہارے کہ پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہ یہ کہ جانتا ہوں میں

تم فرمادو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہوں کہ میں آپ غیب جان لیتا ہوں اور نہ تم

اِنِّیْ مَلَكٌۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰۤى اِلَیَّؕ قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰى وَ الْبَصِیْرُؕ

غیب کو اور نہیں کہتا ہوں میں واسطے تمہارے کہ بیشک میں فرشتہ ہوں نہیں پیروی کرتا ہوں میں مگر اسکی جو

سے یہ کہوں کہ میں فرشتہ ہوں، میں تو اسی کا تابع ہوں جو مجھے وحی آتی ہے تم فرماؤ کیا برابر ہو جائیں گے

ع ۵

اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۠ (۵۰)

وحی کی جاتی ہے طرف میرے فرماؤ کیا برابر ہیں اندھے اور دیکھنے والے تو بس کیوں غور نہیں کرتے تم

اندھے اور انکھیارے تو کیا تم غور نہیں کرتے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ آیت کریمہ پچھلی آیات گویا تتمہ ہے کہ پچھلی آیات میں نبی کا منصب بیان فرمایا گیا اور نبوت کے مقصد کا ذکر ہوا بشارتیں دینا ڈرانا اور بندوں کو اللہ کی طرف بلانا اب اس قانون کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر منطبق کیا جا رہا ہے کہ ہم نبوت کے مدعی ہیں لہذا ہمارا منصب صرف معجزات دکھانا غیب کی خبریں دینا لوگوں کو مالا مال کر دینا نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نبی کی ذات سے لوگوں کا اخروی نفع و نقصان وابستہ ہے کہ ان کی اتباع سے خوف و غم سے آزادی ہے ان کی مخالفت سے دوزخ کی آگ کا استحقاق اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان حضرات سے محض دنیاوی نفع وابستہ نہیں کہ انہیں ماننے والے امیر ہو جائیں۔ منکرین فقیر بن جائیں گویا ان کی ایک شان کا ذکر پہلے ہوا۔ دوسری شان کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں کفار کے ایک اعتراض کا ذکر تھا کہ **لولا نزل علیہ ایات من ربہ** ہمارے منہ مانگے معجزات ان پر کیوں نہیں اترتے اس اعتراض کا ایک جواب وہاں ہی دے دیا گیا۔ دوسرا جواب اب دیا جا رہا ہے بہر حال یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات سے بے تعلق نہیں (تفسیر کبیر)۔

شان نزول : کفار عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین مطالبے کیا کرتے تھے ایک یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم کو مالا مال کر دیں کہ ہمارے علاقہ کے پہاڑوں کو سونا بنا دیجئے۔ دوسرے یہ کہ ہمیں غیبی خبریں دیجئے۔ چیزوں کے بھاؤ بتایئے کہ آئندہ کون سی چیزیں سستی ہوں گی کونسی مہنگی تاکہ ہم پہلے سے ہی تجارتی کاروبار کا انتظام کر لیں۔ تیسرے یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو آپ کھاتے پیتے نکاح کیوں کرتے ہیں نبی کو دنیا سے کیا تعلق وہ تو تارک الدنیا ہونے چاہیں ان واہیات مطالبوں کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان اعتراضات کا نہایت نفیس جواب ارشاد ہوا۔ (تفسیر کبیر، خزائن و خازن وغیرہ)

تفسیر : **قل لا اقول لکم** جن آیات قرآنیہ میں قل ہوتا ہے اس کے چند مقصد ہوتے ہیں، کبھی یہ کہ آپ یہ بات مخلوق سے کہیں اور آپ سے سن کر مخلوق بھی یہ کہے تاکہ مخلوق کا بھلا ہو جائے۔ جیسے **قل ہو اللہ احد** کہ آپ لوگوں سے ہماری صفات کا بیان کریں لوگ آپ کی معرفت ہم کو جانیں تو مومن ہوں گے اگر آپ کو چھوڑ کر ہم کو جانیں مانیں موحد بن جائیں گے مومن نہ بنیں گے۔ کبھی یہ کہ کلام ہمارا ہو زبان تمہاری ہو تاکہ کلام اور زبان دونوں کے اجتماع سے یہ فیض جاری ہو جیسے **قل اعوذ برب الفلق** کہ ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم جادو دفع کرنے کی دعا بتائی گئی ساتھ ہی قل ارشاد ہوا کہ تمہاری زبان سے یہ دعا ادا ہو تو یہ تاثیر ہوگی یا جسے تم اجازت دو بغیر تمہارے وسیلہ کے اس دعا میں یہ تاثیر نہ ہوگی کارتوس جب ہی اثر کرتا ہے جب اچھی طرح رائفل سے استعمال ہو' تیسرے یہ کہ یہ بات صرف تم فرما دو کسی اور کو یہ کہنے کی اجازت نہ ہوگی یہ کلام صرف تمہاری زبان کے لئے بنا ہے اور صرف تمہاری زبان اس کلام کے لئے جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** بشر اور مثل کہنا صرف تمہارے لئے تواضعاً" درست ہے نہ ہم تم کو بشر کہہ کر پکاریں گے نہ کسی کو اس کی اجازت دیں گے **لا تجعلوا دعاء الرسول** الخ یہاں لفظ قل اسی تیسرے مقصد کے لئے ارشاد ہوا کہ تم تواضع و انکسار کے لئے یہ فرما دو کسی اور کو یہ حق نہیں کہ آپ کے متعلق کہتا پھرے کہ ان کے پاس کچھ نہیں وہ کچھ نہیں جانتے چنانچہ تفسیر خازن' خزائن کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی تواضع و انکسار کے لئے ہے یہاں لا داخل ہوا ہے **اقوال** پر جس سے قول کی نفی ہوئی نہ کہ مقولہ یعنی کہی ہوئی بات کی یعنی میں ان چیزوں کا دعویٰ نہیں کرتا کہتا نہیں ان چیزوں کے ہونے نہ ہونے کا یہاں ذکر نہیں **لکم** میں خطاب کفار سے ہے جو

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مطالبے کیا کرتے تھے مسلمانوں سے خطاب نہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے تو فرمایا ہے **اوتیت مفاتیح خزائن الارض** مجھے زمینی خزانوں کی چابیاں عطا فرمائیں گئیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا **انا عطینا ک الکوثر** لہٰذا یہ آیت اس حدیث اور قرآنی آیت کے خلاف نہیں یعنی اے محبوب ان کفار سے فرمادو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ **عندی خزائن اللہ** یہ عبارت **اقول** کا مقولہ ہے عند قرب مکانی کے لئے ہے **عندی** کے معنی ہوئے میرے ہاتھ میں میرے پاس خیال رہے کہ خزانہ کا مالک ہوتا اور ہے اور خزانہ اپنے پاس اپنے قبضہ میں ہونا کچھ اور بادشاہ اپنے خزانہ کا مالک ہے مگر خزانہ اس کی چابیاں اپنے گھر اپنے ہاتھ میں نہیں رکھتا اور خزانچی کے پاس خزانہ ہوتا ہے وہ خزانہ میں رہتا ہے چابیاں اپنے پاس رکھتا ہے مگر اس کا مالک نہیں ہوتا غرضیکہ خزانہ مالک کی زبان و قلم میں ہوتا ہے۔ خزانچی کے قبضہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ تملیک الٰہی خزائن الٰہیہ کے مالک ہیں اگرچہ اپنے پاس نہ رکھیں' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں ۔۔۔ دو جہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

اس ملکیت کا ظہور حضرات صحابہ نے اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ قیامت تک دیکھا جائے گا حضرت ابو طلحہ کو اولاد کی دعا دے دی تو ان کا گھر اولاد سے بھر گیا ان کی وفات کے وقت ان کی اولاد اور اولاد کی اولاد سو سے زیادہ تھی۔ جمیل کو ایک بکری عطا فرمادی تو وہ دولت کی چابی ثابت ہوئی۔ بحالت ہجرت سراقہ کو شاہ فارس کے کنگن عطا فرمادیئے جو عہد فاروقی میں انہیں دیئے گئے اب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے محکمہ قائم ہیں ہر محکمہ میں نوکر چاکر کام کر رہے ہیں سب کو تنخواہیں مل رہی ہیں' علماء' اولیاء' صوفیاء' اس آستانہ عالیہ سے پل رہے ہیں اور تاقیامت پلتے رہیں گے یہ محکمے قائم رہیں گے' اعلیٰ حضرت کا یہ شعر اس جملہ کی تفسیر ہے' خزائن جمع ہے خزانۃ یا خزینہ کی خزانہ ظرف مکان ہے۔ خزن کا معنی حفاظت خزانہ وہ جگہ جہاں چیز کی حفاظت کی جائے (روح البیان' معانی' کبیر وغیرہ) خزینہ بمعنی مخزونہ ہے یعنی محفوظ کی ہوئی چیز یہاں دونوں معنی نہیں بن سکتے اللہ کی مخزون چیزیں وہ ہیں جو اس کی قدرت میں داخل ہیں۔ جن کے پیدا کرنے پر وہ قادر ہے' خواہ اس نے پیدا کی ہوں یا نہ کی ہوں (روح البیان وغیرہ) یہ کفار کے پہلے مطالبہ کا جواب ہے کہ وہ کہتے تھے اگر آپ سچے نبی ہیں تو عرب کے پہاڑ سونے کے بنادیجئے کہ ہم غنی ہو جائیں **ولا اعلم الغیب** یہ عبارت معطوف ہے **عندی خزائن اللہ** پر لہٰذا یہ بھی **لا اقول** کا معقول ہے یا لا کے بعد اقول پوشیدہ ہے (تفسیر ابن کبیر و معانی خازن' بیان' مدارک' بیضاوی وغیرہ) لہٰذا یہاں بھی علم غیب کے دعوے کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی لہٰذا یہ آیت کریمہ نہ تو آیت **وعلمک مالم تکن تعلم** کے خلاف ہے نہ اس کے **فلا یظہر علی غیبہ احد الا من ارتضی من الرسول** وغیرہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان عالی کے خلاف **اتیت علم الاولین والاخرین** نہ اس کے خلاف کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ دن بھر وعظ فرمایا اور اول خلق سے قیامت تک کے واقعات کی من و عن خبر دے دی (بخاری شریف و مسلم وغیرہ) حتی کہ تاقیامت جو پرندہ پر مارے گا جو قطرہ یا ذرہ حرکت کرے گا اس کی خبر بھی دے دی (کتب احادیث) یا علم سے مراد ہے علم ذاتی بطور خود جاننا بغیر عطاء الٰہی یا علم سے مراد ہے دلائل اور علامتوں و قرینوں سے جان لینا علم با وحی علم بہ تعلیم الٰہی کی نفی نہیں جب بھی یہ جملہ واضح ہے غیب کے معنی غیب کی قسمیں غیب اور غائب میں فرق اور علم غیب علم بالغیب میں فرق یہ سب کچھ سورۂ بقر کے اول میں **یومنون بالغیب** کی تفسیر میں عرض کیا جاچکا ہے' بعض غیب وہ ہیں جن کے جاننے ماننے پر ایمان موقوف ہے جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات' فرشتے' قیامت' جنت دوزخ وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

کہ یہ سب چیزیں غیب ہیں مگر انہیں جان کر مان کر ہم مومن بنتے ہیں۔ بعض غیب وہ ہیں جو حضرات اولیاء کو بھی عطا ہوتے ہیں' بعض غیب وہ جو حضرات انبیاء کرام کو عطا ہوئے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی چھپایا نہ گیا' اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا — جب نہ خدا ہی چھپا تم پر کروڑوں درود

ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

اے فروغت صبح آثار و دھور — چشم تو بینندہ مافی الصدور

ولا اقول لکم انی ملک یہ عبارت پہلے **لا اقول** پر معطوف ہے چونکہ فرشتہ ہونا وہ چیز ہے جس کا دعویٰ بھی نہیں اور واقعہ بھی نہیں یعنی نہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں نہ واقع میں آپ فرشتہ ہیں اس لئے یہاں **لا اقول** علیحدہ ارشاد ہوا۔

نکتہ: اس آیت کریمہ میں مقولہ (باتیں) تین ہیں مگر اقول دو ہیں پہلے **لا اقول** کے ساتھ خزانہ الٰہی پاس ہونے اور علم غیب کا ذکر ہے۔ دوسرے **لا اقول** کے ساتھ فرشتہ ہونے کا ذکر کیونکہ پہلی دو چیزیں وہ ہیں جہاں دعویٰ نہیں مگر واقعہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ تملیک الٰہی خزانہ الٰہیہ کے مالک بھی ہیں اور بہ تعلیم الٰہی علوم غیبیہ کے عالم بھی ہیں مگر ان دونوں کے مدعی نہیں وہ بھی کفار کے روبرو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ فرشتہ ہیں نہ فرشتہ ہونے کے مدعی اس لئے اس کے واسطے علیحدہ **لا اقول** ارشاد ہوا۔ **ملک** کے معنی اور اس کی قسمیں اس کے درجات اعمال سب کچھ پہلے پارہ میں **واذ قال ربک للملئکۃ** کی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رہے کہ یہاں جنس فرشتہ ہونے کی نفی ہے رہے فرشتوں کے صفات معصومیت' نورانیت' قرب الٰہی وغیرہ وہ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے عطا ہوئے کہ تمام فرشتوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل و اعلیٰ ہیں لہٰذا یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ **ما ھذا بشرا ان ھذا الا ملک کریم** رب تعالیٰ نے مصری عورتوں کا یہ قول بغیر تردید نقل فرمایا۔ جس میں کہا گیا کہ یوسف علیہ السلام بشر نہیں۔ فرشتہ ہیں یعنی بشری نقصانات سے پاک ہیں فرشتہ کی صفات سے موصوف ہیں وہاں صفات کا ثبوت ہے۔ یہاں جنس فرشتہ ہونے کی نفی ہے۔ دونوں آیتیں برحق ہیں ان حضرات پر کبھی بشریت کا ظہور ہوتا ہے کبھی ملکیت کی جلوہ گری۔ عیسیٰ علیہ السلام دو ہزار برس سے اس جگہ ہیں۔ جہاں کھانا پینا ہوا وغیرہ کچھ نہیں مگر زندہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں وہاں تشریف لے گئے جہاں کھانا پینا ہوا تو کیا مکان مکین زمان و زمین بھی نہ تھا یہ ہے ان بزرگوں کی ملکیت' اصحاب کہف ہزاروں سال سے بغیر کھائے پئے زندہ ہیں یہ ہے ان مقبولوں کی ملکیت بہرحال وہ حضرات صورتاً بشر ہیں۔ سیرتاً ملک سے افضل یہاں صورت کا ذکر ہے اور **قد جاء کم من اللہ نور** ہیں۔ سیرت پاک حقیقت محمدیہ کا جلوہ دکھایا گیا ہے **ان اتبع الا ما یوحی الی۔** اس عبارت نے پچھلے مضمون کو بالکل ظاہر کر دیا یعنی میں ان چیزوں کا مدعی نہیں۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ میرے پاس یہ چیزیں ہیں بھی نہیں یہ عطاء الٰہی خزانہ الٰہیہ علوم غیبیہ سب کچھ ہیں مگر میں تم کو وہ ہی دوں گا اور تمہیں وہی بتاؤں گا۔ جس کے بتانے یا دینے کی مجھے بذریعہ وحی اجازت دی جاوے گی۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں حضرات صحابہ کو قیامت تک کے سارے حالات بتادیئے رب فرماتا ہے۔ **ویعلمکم ما لم تکونوا تعلمون** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو غنی فرمادیا۔ رب فرماتا ہے **اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ** انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور فرماتا ہے **ووجدک عائلا فاغنی**

www.alahazratnetwork.org

ہم نے تم کو اے محبوب بڑا عیال والا پایا کہ تمہارے در سے پلنے والے اربوں شخص ہیں تو تم کو غنی کر دیا ایسا غنی کر دیا کہ تم ایسے لاکھوں جہانوں کو پال لو عائل عیلہ معنی فقیری سے نہیں بلکہ عول معنی پرورش سے ہے دیکھو بخاری شریف کتاب التفسیر سورۃ والضحیٰ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کر دیا ان کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

جس طرف اٹھ گئی دم میں دم آ گیا اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

اس جملہ کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم لوگ کبھی شیطان کی اتباع کرتے ہو کبھی نفس امارہ کی کبھی حکم الٰہی کی مگر مخلوق الٰہی میں ایک میں ہوں کو سر سے قدم تک اتباع وحی کا پیکر ہوں میں صرف وحی الٰہی کی اتباع ہی کرتا ہوں میرا بولنا خاموش رہنا کھانا پینا سونا جاگنا غرضیکہ ہر ادا وحی الٰہی ہے **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** ادھر رب کی وحی ہوتی ہے ادھر میری جنبش و حرکت یا سکون ہوتا ہے جیسے آئینہ کا عکس آئینہ دار کی شکل و صورت لباس حرکت و سکون کی حکایت ہوتی ہے رب پردہ غیب میں ہے مجھے اس نے اپنا مظہر بنایا ہے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی چار قسم کی ہے بذریعہ فرشتہ الفاظ کی وحی تبلیغ کے لئے یہ ہے۔ قرآن جس کے نزول کی ابتداء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چالیس سال کی عمر شریف سے ہوئی اور وفات سے کچھ پہلے تک رہی۔ 23 سال دوسرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابیں۔ تیسرے معراج میں بغیر واسطہ فرشتہ' چوتھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کے خیالات و ارادے بلکہ ہر حرکت و سکون حتیٰ کہ حضرات صحابہ کی خوابیں جس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تصدیق فرما دیں وحی کی ایک قسم ہے جیسے نماز کی اذان غرضیکہ ہمارے خیالات یا الہام ہوتے ہیں یا وہم وسوسہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خیالات ارادات سب وحی الٰہی ہیں۔ اس لئے نزول قرآن سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے ہر حکم پر عامل تھے۔ **اللھم صل وسلم و بارک علی حبیبک محمد مالک الکون والمکان صاحب الجود والعطاء فی کل حین وان وعلی الہ واصحابہ الکرام۔ قل ھل یستوی الاعمی والبصیر** اس عبارت میں گزشتہ سارے مضمون کا خلاصہ بیان فرمایا گیا۔ **ھل** میں استفہام انکاری ہے **اعمی** سے مراد دل کے اندھے یعنی کافر ہیں جن کی نظر نبی کے صرف ظاہر پر ہے جو کہتے ہیں کہ ان کے پاس کچھ نہیں وہ بالکل بے خبر ہیں اس لئے ایسے واہیات مطالبے کرتے ہیں۔ اور **بصیر** سے مراد دل کی بصارت رکھنے والے مومنین ہیں جو جانتے مانتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست کرم اور نظر میں سب کچھ ہے اور کہتے ہیں۔

خدا مطلع ساخت بر جملہ غیب! علی کل شئی خبیر آمدی!!

ابن مالک کو زد بشارت زد! اے مرے غیب داں ترے صدقے

یعنی فرما دو محبوب کہ کیا دل کے اندھے کافر اور دل کے انکھیارے مومن برابر ہیں ہرگز نہیں **افلا تتفکرون** یہاں سوال ترغیب کے لئے ہے فکر کے معنی ہیں سوچنا غور کرنا یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات میں غور کرنا مراد ہے کیونکہ اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی صفات کا ذکر ہے نیز اس آیت کا نزول بھی کفار کے ان مطالبوں کے جواب میں ہے جن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات سے تعلق تھا میری ذات و صفات میں غور کیوں نہیں کرتے تاکہ تمہیں ایمان نصیب ہو جائے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں کفار عرب کے تین مطالبوں کا نہایت نفیس جواب دیا گیا ان کا پہلا مطالبہ یہ تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو عرب کے پہاڑ سونے کے بنا دیں یہاں کی بنجر زمین کو قابل کاشت بنا دیں یہاں پانی کی نہریں دریا جاری فرمادیں۔ دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ آپ ہم کو منڈیوں کے آئندہ بھاؤ بتا دیا کریں کہ فلاں چیز سستی ہونے والی ہے۔ فلاں چیز مہنگی تا کہ ہم اس کے مطابق تجارت کر کے خوب نفع کمایا کریں۔ تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو کھاتے پیتے شادی بیاہ کیوں کرتے ہیں۔ بچے کیوں پرورش کرتے ہیں یہ کام نبوت کی شان کے خلاف ہیں نبی کو دنیاداری سے کیا تعلق نبی تارک الدنیا چاہیے اس آیت کریمہ میں ان تین مطالبوں کے نہایت نفس جواب دیئے گئے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب ان کے جواب میں بطور تواضع آپ یہ فرمادیں یہ باتیں اپنے متعلق صرف آپ کی زبان سے جچتی ہیں کہ ہم نے نہ تو یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہمارے پاس اللہ کے خزانے ہیں آؤ لے جاؤ اور نہ ہمارا یہ دعویٰ ہے کہ ہم غیب جانتے ہیں نہ ہمارا کام منڈیوں کے آئندہ بھاؤ بتاتے رہنا اور لوگوں کو امیر بناتے رہنا ہے نہ ہم نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ہم فرشتہ کی جنس سے ہیں کہ نہ ہم کو کھانے پینے کی حاجت ہے نہ ہم شادی بیاہ کریں نہ بچوں کی پرورش ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ ہم اللہ کے سچے نبی ہیں نبی کا کام اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلانا ہے اور اللہ کے احکام کی تبلیغ فرمانا ہم سے اس کے متعلق مطالبے کرو ہم اللہ کی وحی کے تابع ہیں جسے جو دیتے ہیں تو رب کے حکم سے اور جسے جو بتاتے ہیں وہ رب تعالیٰ کے اذن سے فرمادو کہ تم دل کے اندھے ہو کہ نبی کا مرتبہ نہیں جانتے اس کا مقام نہیں پہچانتے مومن بصیرت والے دل کے انکھیارے ہیں اندھے انکھیارے برابر نہیں لہذا کافر مومن برابر نہیں تم ہماری ذات و صفات میں غور کیوں نہیں کرتے تا کہ تم ہماری شان ہمارا مقام جانو پہچانو یہ غور و فکر تمہیں ہدایت دے گا۔ خیال رہے کہ آیات قرآنیہ مضمون کے لحاظ سے تین قسم کی ہیں۔ بعض آیات بالکل صاف ہیں اور واضح مطلب والی جیسے **قل ھو اللہ احد** انہیں کہتے ہیں محکمات' بعض آیات گہرے مطلب والی جنہیں علماء ہی سمجھا سکتے ہیں یا جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح فرمائیں جیسے **اقیموا الصلوۃ واتو الزکوۃ** اگر صلوۃ و زکوۃ کا مطلب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ سمجھاتے تو کوئی نہ سمجھ سکتا انہیں کہتے ہیں آیات مشکلات بعض مغلق مطلب والی آیتیں جن کا مضمون ناقابل فہم ہے انہیں کہتے ہیں آیات متشابہات یہ اللہ رسول کے درمیان راز و نیاز ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **منہ ایت محکمات ھن ام الکتاب واخر متشابھات** آیتیں پھر دو قسم کی ہیں۔ مقطعات جن کے معنی ہی سمجھ میں نہ آویں جیسے **الم** وغیرہ دوسری آیات صفات جن کے معنی تو سمجھ آویں مطلب سمجھ سے وراء ہو جیسے **فثم وجہ اللہ** یا جیسے **ید اللہ فوق ایدیھم** یہ آیت کریمہ آیات مشکلات سے ہے جسے علماء غور کر کے سمجھائیں گے اس آیت کی تین تفسیریں ہیں ایک تفسیر جاہلانہ دوسری تفسیر عالمانہ' تیسری تفسیر عاشقانہ' تفسیر عالمانہ تو ہم نے عرض کر دی۔ تفسیر جاہلانہ اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔ تفسیر عاشقانہ انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جاوے گی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا لوگوں کو اپنے متعلق بتانا یا اپنا جمال لوگوں کو دکھانا اپنا فیض عطا فرمانا مختلف ہے جیسا دیکھنے والا' سمجھنے والا ویسا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے متعلق اسے بتایا سمجھایا اور دکھایا کسی سے فرمایا **انما انا بشر مثلکم** کسی سے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں کسی سے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم برہان ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ ہیں مگر مخاطب کی فہم کے مطابق بتاتے ہیں دکھاتے ہیں **ان اتبع الا ما یوحی الی** اپنے بتانے دکھانے میں وحی الٰہی اجازت الٰہی کی پیروی کرتا ہوں۔

www.alahazratnetwork.org

صدیق سے محبوب چھپائے نہیں جاتے ۔۔۔ بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے!

غرضیکہ حسن ایک ہے جلوے مختلف ہیں سورج کا جلوہ طلوع کے وقت اور ہے دوپہری میں اور۔ صاف آسمان ہو تو جلوہ اور ہے بادل میں اور حسن یوسفی ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کی نظر میں اور تھا دوسروں کی نظر میں کچھ اور لائق عالم بچے کو الف ب پڑھاتا ہے منتہی طالب علم کو دقیق مسائل بتاتا ہے اس کے پاس سب کچھ ہوتا ہے مگر سیکھنے والے کی عقل و سمجھ کے مطابق تعلیم دیتا ہے اس آیت کریمہ میں اجنبیوں سے خطاب ہے۔ جو ابھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانوس نہ تھے اسی لئے فرمایا گیا کہ اندھے اور آنکھ والے برابر نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تواضع اور انکسار کے الفاظ بولنا ہمارے واسطے جائز نہیں یہ الفاظ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرما سکتے ہیں انہی کی زبان ان الفاظ کے لئے بھی ہے یہ فائدہ **قل** فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا دیکھو اللہ تعالیٰ نے اپنے متعلق ارشاد فرمایا **وھو خادعھم** اور فرمایا **و مکر اللہ** ہم اللہ تعالیٰ کے لئے یہ الفاظ استعمال نہیں کر سکتے جو اسے مکار یا خادع کہے وہ کافر ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا۔ **انی کنت من الظالمین** حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **فعلتھا اذا وانا من الضالین** حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **ربنا ظلمنا انفسنا** ۔ لیکن اگر ہم ان حضرات کو ظالم یا ضال کہیں کافر ہو جاویں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا عالی ظرف بنایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سب کچھ اور تمام خوبیوں کے مالک مگر ضبط کا یہ عالم ہے کہ ان چیزوں پر فخر نہیں کرتے ان کا دعویٰ نہیں مولانا فرماتے ہیں۔

بر دہانش قفل در دل راز ہا! ۔۔۔ بند لبہا دل پر از آواز ہا!

قیمتی خزانہ پر مضبوط قفل ہوتا ہے یہ فائدہ **لا اقول** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اسرار ہمیشہ اغیار پر ظاہر نہیں کئے جاتے جن سے پیار ہو انہیں کو بتائے جاتے ہیں یہ فائدہ **لکم** سے حاصل ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار سے یہ فرمایا جو یہاں مذکور ہے مسلمانوں سے اپنے رازدانوں سے فرمایا کہ ہم کو زمین کے خزانوں کی چابیاں عطا فرمائی گئیں اور فرمایا کہ اگر ہم چاہیں تو سونے کے پہاڑ ہمارے ساتھ چلیں دیکھو کفار کے مطالبہ پر زمین سے پانی کے چشمے نہ بہائے مگر مسلمانوں کی عرض پر انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے چاند تو ڑ کر جوڑ دیا ڈوبا ہوا سورج واپس بلا لیا صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعطائے الٰہی اللہ کے خزانوں کے مالک ہیں جو جسے چاہیں باذن پروردگار عطا فرمادیں یہ فائدہ **لا اقول لکم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ خزانہ الٰہیہ کی ملکیت کی نفی نہیں فرمائی ملکیت کے دعویٰ کی نفی کی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انا اعطینک الکوثر** سیدنا عبد اللہ ابن عباس نے کوثر کے معنی فرمائے خیر کثیر کسی نے پوچھا کہ لوگ کوثر کے معنی کرتے ہیں حوض کوثر' فرمایا وہ بھی خیر کثیر میں داخل ہے۔ (بخاری شریف کتاب التفسیر) اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک جگہ کوثر کے معنی کے عالم کثرت یعنی ہر ماسوی اللہ فرماتے ہیں۔

انا اعطینک الکوثر ۔۔۔ ساری کثرت پاتے یہ ہیں

www.alahazratnetwork.org

اس لیے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابہ کرام نے جنت مانگی جو عطا فرمائی گئی دین و دنیا کی نعمتیں مانگیں اور منہ مانگی مرادیں پائیں اس کی تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیوب پر مطلع کیے گئے یہ فائدہ **لا اعلم الغیب** سے حاصل ہوا کہ یہاں بھی علم غیب کے دعویٰ کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی بلکہ نبی کے معنی ہیں خبر دینے والا یا خبر رکھنے والا کونسی خبریں غیب کی خبریں اگر شہادت کی خبر مراد ہو تو سارے اخبار اور بی بی سی کا محکمہ بھی نبی ہو جاوے گا نعوذ باللہ نبوت کے لیے علم غیب لازم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حضرات صحابہ کو غیبی چیزوں پر مطلع کیا دیکھو ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول۔ چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کا انسانیت پر احسان ہے کہ حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو جنس انسانی میں پیدا فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرشتوں یا جنات کی جنس سے نہیں یہ فائدہ **لا اقول لکم انی ملک** سے حاصل ہوا۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے — بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر
اقبال تیری دید بھی اب عید ہو گئی — میں نے سنا ہے یار لباس بشر میں ہے

ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن مجید کی ہی وحی نہیں ہوئی بلکہ اور بہت چیزوں کی وحی ہوئی بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل ہر حرکت ہر سکون وحی الٰہی سے ہے یہ فائدہ **ان اتبع الا ما یوحی الی** سے حاصل ہوا۔ یہاں یہ نہ فرمایا **ان اتبع الا القران** حتی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اجتہادات بھی وحی الٰہی ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**۔ آٹھواں فائدہ: جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جانے نہ مانے وہ اندھا ہے۔ اگرچہ سر کی آنکھیں رکھتا ہو جو انہیں جانے مانے پہچانے وہ انکھیارا ہے اگرچہ بظاہر نابینا ہو دیکھو یہاں آنکھ والے کافروں کو اندھا فرمایا گیا اور حضرات صحابہ کو بصیر یعنی آنکھ والا اگرچہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم صحابی نابینا تھے۔ مگر دل کے بینا تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا ہی خوب فرمایا۔

وہ ہے آنکھ ان کا جو منہ تکے وہ ہے لب جو محو ہوں نعت کے
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ان پہ نثار ہے

نواں فائدہ: مومن کافر یوں ہی متقی فاسق یوں ہی جنتی دوزخی برابر نہیں ہو سکتے یہ فائدہ **ھل یستوی** الخ سے حاصل ہوا تو نبی اور امتی کیسے برابر ہو سکتے ہیں دینے والا سورج و بادل اور لینے والی زمین برابر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینے والے داتا ہم سب بھیک لینے والے سائل ہیں پھر برابری کیسی۔ دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات میں غور و فکر کرنا مومن کا کام ہے اور عبادت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں غور نہ کرنا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ **افلا تتفکرون** سے حاصل ہوا اور دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **ثم تتفکرو وا ما بصاحبکم من جنۃ** دعا ہے کہ جو سانسیں باقی ہیں اللہ تعالیٰ ان کے فضائل سوچنے ان کی شان بیان کرنے میں گزار دے ساری عبادات مرتے ہی ختم ہو جائیں گی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ثنا انشاء اللہ قبر میں بھی ہوں گی اور حشر میں بھی بلکہ حشر کا آغاز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے اظہار سے ہو گا اور حشر کا سارا دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی میں صرف ہو گا ورنہ خلقت کا حساب و کتاب و فیصلہ تو چند گھنٹوں میں ہو جاوے گا۔ **ان اللہ سریع الحساب**۔ گیارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے فرمان

www.alahazratnetwork.org

اور احکام اسی وقت لائق اطاعت اور قابل اتباع ہوتے ہیں جب وہ وحی بن کر نبی پر نازل ہو جاویں خواہ وحی جلی ہو یا وحی خفی یہ فائدہ **ان اتبع الا مایوحی الی** سے حاصل ہوا بغیر وحی اور بغیر واسطہ نبی کسی حکم پر عمل نہیں ہو سکتا دیکھو بارہا جماعت صحابہ کے سامنے حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر خود حضرات صحابہ سے نہیں کہہ دیا کہ میں جبریل ہوں یہ حکم لایا ہوں تم لوگ عمل کرو بلکہ سائل بن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جواب صحابہ کرام کو سنوایا نبی اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیات احکام اترنے سے برسوں پہلے ان پر عمل کیا اور کرایا یہ وحی خفی تھی آپ بچپن شریف سے امین، عادل، متقی، عارف تھے۔ چھ سات سال پہلے نماز کا حکم آیا بعد میں حکم وضو کی آیت سورۂ مائدہ میں آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وضو سے نماز پڑھتے پڑھواتے رہے۔ **بارھواں فائدہ:** قرآن کریم اور حدیث شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق مختلف باتیں ارشاد ہوئی ہیں کہیں بشر کہیں نور کہیں برہان کہیں یہ کہ میں نہیں کہتا کہ میرے پاس خزانے ہیں کہیں یہ کہ مجھے زمینی خزانوں کی کنجیاں دے دی گئیں۔ یہ مختلف باتیں مختلف سننے والوں کے لحاظ سے ہیں۔ مبتدیوں سے گفتگو اور ہے۔ منتہیوں سے گفتگو اور جیسا عقل و آنکھ والا ویسا اس سے خطاب حقیقت محمدیہ بجز پروردگار کسی نے کما حقہٗ نہ جانی یہ فائدہ **هل يستوى الاعمى والبصير** سے حاصل ہوا کسی نے کیا خوب کہا۔

رخ تو بے پردہ تھا لیکن حسن بے پردہ نہ تھا	جز خدا بندوں نے حسن مصطفیٰ دیکھا نہ تھا
حسن یوسف سے کہیں بڑھ کر تھا حسن مصطفیٰ	بات یہ تھی اس کا کوئی دیکھنے والا نہ تھا

جمال یوسفی مصر میں پہچانا گیا جمال محمدی قبر و حشر میں پہچانا جائے گا کہ کفار بھی کف افسوس ملیں گے **يا ليتنى اتخذت مع الرسول سبيلا۔**

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کے مالک و مختار نہیں جو کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مالک مانے وہ اس آیت کریمہ کے خلاف عقیدہ رکھتا ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں دیئے گئے ایک یہ کہ یہاں ان دونوں کے دعویٰ کی نفی ہے نہ کہ ان دونوں چیزوں کی فرمایا گیا **لا اقول** ورنہ **اقول** بے کار ہو گا۔ دوسرے یہ کہ یہاں کفار سے کہنے کی نفی ہے نہ کہ مسلمانوں سے کہنے کی اسی لئے **لكم** ارشاد ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے فرمایا کہ مجھے زمینی خزانوں کی چابیاں دی گئیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے تم کو کوثر دے دیا۔ فرمایا کہ انہیں اللہ و رسول نے غنی کر دیا فرمایا کہ رب نے آپ کو غنی کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ تیسرے یہ کہ یہاں خزانے پاس ہونے کی نفی ہے نہ کہ ملکیت کی اسی لئے **عندى** فرمایا **لا املك ما تى** نہ فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہاں خزائن اللہ کی نفی ہے نہ کہ خزائن دنیا کی خزائن اللہ سے تکوینی چیزوں پر قدرت مراد ہے۔ (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ)۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم غیب نہیں جانتے اب اس آیت کے ہوتے ہوئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا دعویٰ کرے وہ نرا مشرک ہے دوسری جگہ رب تعالیٰ نے فرمایا **قل لا يعلم من فى السموت والارض الغيب الا الله** آسمان و زمین میں غیب کوئی نہیں جانتا اللہ کے سوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک الزامی باقی تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ آیت تمہارے بھی خلاف

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ تم بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض غیب کا علم مانتے ہو مگر یہاں مطلقاً علم غیب کی نفی ہے علم غیب پر تو ایمان موقوف ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یومنون بالغیب** دوسرے یہ کہ یہاں علم غیب کے دعوی کی نفی ہے نہ کہ علم غیب کی جیسا کہ ابھی تفسیر میں بہت تفاسیر کے حوالہ سے عرض کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ یہاں ذاتی طور پر غیب جاننے کی نفی ہے اللہ کے بتانے سے جاننے کی نفی نہیں۔ چوتھے یہ کہ دلائل 'اندازہ' تخمینہ سے غیب جاننے کی نفی ہے بذریعہ وحی جاننے کی نفی نہیں۔ اسی لئے آگے ارشاد ہے **ان اتبع الا ما یوحی الی**۔ اگر یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو یہ آیت کریمہ بہت سی آیات واحادیث کے مخالف ہوگی۔ رب فرماتا ہے کہ ہر چھوٹی بڑی خشک و تر چیز لوح محفوظ میں ہے ملک الموت اور دوسرے مدبر امر فرشتوں کو علوم غیب دیئے گئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **وعلمناہ من لدنا علما**۔ یہ دونوں اعتراض درحقیقت اس آیت کی تفسیر جاہلانہ ہے جو دوسری آیات قرآنیہ کے سراسر خلاف ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **وانبئکم بما تاکلون و ما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ تم اپنے گھروں میں کیا کھاتے کیا بچاتے ہو۔ حضرت خضر نے فرمایا تھا **ان یرھقھما طغیانا وکفرا** یہ لڑکا کافر تھا اگر جیتا رہتا تو اپنے ماں باپ کو بھی کافر کرتا ہے یہ نبی کا علم غیب۔ جناب مسیح نے فرمایا **ابری الا کمہ والا برص و احی الموتی باذن اللہ** یہ میں نے کی ملکیت واختیارات غرضیکہ یہ تفسیر نری جاہلانہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں مقولہ تین ہیں مگر **لا اقول** دو ہیں اس کی کیا وجہ ہے یا تو **لا اقول** تین ہوتے یا ایک۔ **جواب:** اس کی حکمت ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ پہلے **لا اقول** کے ساتھ وہ دو چیزیں ذکر کی گئیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا دعویٰ نہیں کیا خزانہ الٰہی کی اور علم غیب کی عطاء اور دوسرے **لا اقول** کے ساتھ وہ چیز بیان ہوئی۔ جس کا دعویٰ بھی نہیں اور اس کی عطا بھی نہیں یعنی جنس فرشتہ سے ہونا۔ **چوتھا اعتراض:** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ الٰہیہ کے مالک بنائے گئے ہیں تو خود ان کی اپنی بیویوں کے اولاد کیوں نہ ہوئی۔ سوا حضرت خدیجہ کے ساری بیویاں اولاد کے لئے ترستی رہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے ایک لڑکا پیدا نہ ہوا۔ لڑکیوں کو کنوئیں پر بھیجتے تھے بکریوں کو پانی پلانے کے لئے وہ لڑکے کو ترستے رہے نہ ملا۔ **جواب:** ترستے رہنا تم نے کہاں سے نکالا ان بزرگوں نے اولاد کی خواہش یا دعا کی ہی نہیں اولاد نہ ہوئی اگر کرتے ضرور اولاد ہوتی۔ حضرت زکریا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بیٹے کی دعائیں کیں تو انہیں اللہ نے ایسی حالت میں بیٹے بخشے جبکہ وہ خود بھی بوڑھے تھے ان کی بیویاں بھی بوڑھی تھیں بلکہ بانجھ تھی اگر بادشاہ روزے میں کچھ کھائے پئے نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ دانہ پانی کا مالک نہیں بلکہ رضاء الٰہی کے لئے کھاتا پیتا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و فاقہ وغیرہ میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن کریم کی اتباع چاہئے حدیث کوئی چیز نہیں دیکھو فرمایا گیا **ان اتبع الا ما یوحی الی**۔ (چکڑالوی)۔ **جواب:** قرآن کی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے فرق اتنا ہے کہ قرآن وحی متلو ہے۔ جس کی تلاوت نماز میں ہوتی ہے۔ حدیث کی تلاوت نماز میں نہیں ہوتی۔ وہاں حدیث پر عمل نماز' روزہ' حج و زکوٰۃ بلکہ سارے ارکان اسلام میں ہوتا ہے اس لئے یہاں القرآن نہ فرمایا گیا بلکہ دراز عبارت **ما یوحی الی** ارشاد ہوئی نبی کی خواب بھی وحی ہوتی ہے یوں ہی ان کا قول۔ ان کا الہام سب وحی ہے ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھنے پر چھری پھیر دی اگرچہ رب نے بچا لیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** بلکہ بعض اولیاء اللہ کی خواب رب کی طرف سے ہوتی ہے نماز پنجگانہ کی اذان حضرات صحابہ کی

www.alahazratnetwork.org

خواب سے اسلام میں جاری ہوئی پھر قرآن کریم نے اسی اذان کی تائید فرمائی **اذا نودی للصلوۃ من یوم الجمعۃ** اور فرمایا **و اذا نادیتم الی الصلوۃ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ عطاء الٰہی مخلوق کے حاکم اعلیٰ علی الاطلاق ہیں **فلا و ربک لا یومنون حتی یحکموک** حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم علی الاطلاق ہیں **ویعلمھم الکتاب و الحکمۃ**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو ظاہری باطنی پاکیزگی عطا فرمانے والے ہیں۔ **تطھر کم و تزکیھم بھا** لہذا یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری کی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فنافی اللہ ہونے کی ہے۔ بہت دفعہ آیات قرآنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب مکی تھے تو قرآنی آیات مکی ہوئیں اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہوئے تو آیات قرآنیہ مدنی ہوئیں غرضیکہ بہت باتوں میں قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرتا ہے **ما یوحی** اور قرآن میں فرق ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھی قیاس یا اجتہاد نہیں فرماتے تھے۔ لہذا ہم مسلمانوں کو بھی صرف قرآن و حدیث پر عمل چاہئے اجتہاد و قیاس نہ کرنا چاہئے۔ دیکھو ارشاد ہوا **ان اتبع الا ما یوحی الی** (اہل حدیث)۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اجتہاد و قیاس بھی وحی الٰہی ہے۔ اور مجتہدین اماموں کا قیاس مستقل حکم نہیں بلکہ حکم تو قرآن و حدیث کا ہی ہے قیاس کے ذریعہ دوسری جگہ اسے جاری کیا جاتا ہے مثلاً" حکم قرآن ہے کہ سود نہ کھاؤ اور حکم حدیث ہے کہ ان چیزوں میں سود نہ لو" سونا' چاندی' نمک' گندم' جو' کھجور وغیرہ مجتہد امام نے فرمایا کے جوار' باجرہ' مکئی میں بھی سود حرام ہے تو امام نے قرآن و حدیث کی بتائی ہوئی حرمت جوار' باجرہ' چاول وغیرہ میں جاری کی علت مشترکہ کی وجہ سے لہذا یہ بھی وحی الٰہی کی اتباع ہی ہے اس کی مفصل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہر چیز کے دیکھنے کے لئے علیحدہ آلات پیدا فرمائے ہیں۔ باریک چیزیں خوردبین سے دیکھی جاتی ہیں دور کی چیزیں دوربین سے فضائی چیزیں سیربین سے۔ آسمانی چیزیں رصد کے ذریعہ ان سب چیزوں کو آنکھ ہی دیکھتی ہے مگر ان آلات کی مدد سے اسی طرح عقل کی آنکھ مختلف عینکوں سے مختلف چیزیں معلوم کر سکتی ہیں۔ بعض چیزوں کو صرف دلائل کے چشمہ سے بعض کو علامات سے بعض کو اسباب سے مگر نبی کی شان کو عشق کی عینک کے ذریعہ دیکھا جا سکتا ہے بغیر اس چشمے کے نبوت کی جھلک ہرگز معلوم نہیں ہوتی کفار صرف ہرے چشمے یعنی دلائل سے نبی کی پہچان کرنا چاہتے تھے محروم رہے۔ دیکھو نبوت کے لئے ہزار شرطیں لگاتے تھے کہ نبی وہ جو غیب کی خبریں ہم کو بتائے۔ ہمارے منہ مانگے مطالبے پورے کرے سونے کے پہاڑ بنائے۔ فرشتوں کی سی زندگی گذارے کہ نہ کھائے نہ پئے نہ نکاح کرے مگر الوہیت کے لئے کوئی شرط نہ لگاتے تھے حتی کہ چاند سورج تاروں بلکہ لکڑی پتھروں کو خدا مان لیتے تھے بولو ان چیزوں میں انہوں نے کونسا کمال دیکھا تھا یہ ہے خالص عقل کی کرشمہ سازی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے شاندار محبوب کو نبی نہیں مانتے مگر پتھروں کو خدا مان لیتے ہیں چونکہ ان کے یہ مطالبے محض عقلی تھے ٹھکرا دیئے گئے حضرات صحابہ کرام نے عشق میں ڈوب کر جو بھی مطالبہ کیا اس سے بڑھ کر معجزہ دکھا دیا۔ انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیئے پتھروں سے کلمہ پڑھوا دیا چاند چیر دیا' سورج واپس لوٹا لیا وغیرہ وغیرہ کیونکہ ان مطالبوں کی بنا محض عقل پر نہ تھی عشق پر تھی مالک کو اپنا کر لو سارا گھر تمہارا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام کا بعض وقت

www.alahazratnetwork.org

مطلوبہ معجزہ دکھانے سے معذرت فرمانا حضور پر رحم و کرم کی بنا پر ہے نہ کہ اپنی مجبوری پر جیسے کوئی کمزور بیمار بچہ کسی بڑے نامی پہلوان کو کشتی کی دعوت دے اکھاڑے میں کھڑے ہو کر خم ٹھونک کر کہے کہ اگر تجھ میں طاقت ہے تو آ جا میرے مقابلہ میں پہلوان نرمی سے کہے کہ بابیٹا جا میں نے تجھ سے کب کہا ہے کہ میں پہلوان ہوں جا آرام کر۔ ظاہر ہے کہ یہ کہنا پہلوان کی کمزوری کی دلیل نہیں بلکہ اس کے رحم و کرم کی دلیل ہے وہ بچہ پہلوان کے ایک طمانچہ کا بھی نہیں جن قوموں نے نبی کا زور آزمایا ان کا کیا انجام ہوا دیکھو فرعون ہامان قوم عاد ثمود کے انجام حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں۔ اگر کفار کا چیلنج قبول کر کے یہ معجزات دکھا دیتے وہ پھر بھی ایمان نہ لاتے اور سارے ہلاک ہو جاتے۔ لہذا **لا اقول لکم** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ظہور ہے نہ کہ آپ کی مجبوری و معذوری کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صورتاً بشر ہیں سیرۃً فرشتہ ظاہر خاکی باطن نوری **انما انا بشر مثلکم** میں ظاہر کا ذکر ہے اور **من اللہ نور و کتاب** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطن کا ذکر ہے یونہی کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بشریت کا غلبہ ہوتا تھا کبھی نورانیت کا اگر عادۃً کھانا نہ کھائیں تو بشریت کا ظہور ہوتا تھا کہ بھوک کے آثار نمودار ہوتے تھے اور اگر عبادۃً نہ کھائیں روزہ وصال رکھیں تو کوئی تکلیف نہ ہوتی وہ بشریت تھی یہ نورانیت' یہاں' زہر' آگ' تکلیف پہنچاتی تھی یہ تھی بشریت معراج میں آگ' زمہریر سے گزرے کوئی اثر نہ لیا یہ ہے نورانیت۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ایمان کا مدار نفی اور اثبات پر ہے لاالہ نفی اور الا اللہ اثبات ایسے ہی عرفان کا مدار نفی و اثبات پر ہے عارف پر کبھی نفی یعنی فنا کا ظہور ہوتا ہے اور کبھی اثبات یعنی بقا کی جلوہ گری فنا کے وقت کہتے ہیں ہم کچھ نہیں' بقا کا جب ظہور ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہم کو اللہ نے سب کچھ دیا یہ مقام بہت گہرا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس قسم کی آیات میں کفار پر عتاب ہے جیسے ایک نالائق شاگرد یا منحوس نالائق شاگرد جو ہمیشہ پیر یا استاد کی برائیاں لوگوں سے کرتا پھرے اس سے شیخ یا استاد کہے کہ میں نے تجھ سے کب کہا ہے کہ میں بڑا عالم یا بڑا کامل ہوں یہ کلام عتاب ہے اس مردود پر ایسے ہی یہ ہے مگر لائق مرید و شاگرد جو ہر جگہ اپنے آقا کے کمالات کے گیت گاتا پھرے اسے ایسے علمی نکات بتاتا ہے کہ سبحان اللہ ان جیسی آیات میں روئے سخن کفار سے ہے اور نعت کی آیات میں روئے سخن مومنین یا صحابہ کرام سے ہے۔

وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِیْنَ یَخَافُوْنَ اَنْ یُّحْشَرُوْۤا اِلٰى رَبِّهِمْ لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ
اور ڈراؤ اس کے ذریعہ ان لوگوں کو جو ڈرتے ہیں اس سے کہ جمع کئے جائیں طرف رب اپنے کے اس حال میں
اور اس قرآن سے انہیں ڈراؤ جنہیں خوف ہو کہ اپنے رب کی طرف یوں اٹھائے جائیں کہ اللہ کے سوا نہ ان کا کوئی حمایتی
وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ لَّعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾
کہ نہ ہو واسطے ان کے اس کے سوا کوئی مددگار اور نہ سفارش کرنے والا تاکہ وہ ڈریں
نہ کوئی سفارشی اس امید پر کہ وہ پرہیزگار ہوں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے تین مطالبات رد کیے گئے تھے اب حکم ہو رہا ہے کہ محبوب آپ اپنا وہ کام کیے جاویں جس کے لئے آپ بھیجے گئے ہیں یعنی تبلیغ گویا خلاف منصب مطالبات کی تردید کے بعد منصب نبوت کے فرائض پورا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان لوگوں کو جواب دیئے گئے جن کے دل میں خوف خدا نہیں رب سے بے خوف ہو کر نبی سے ناجائز مطالبات کرتے ہیں۔ اب ان لوگوں کو تبلیغ فرمانے کا حکم ہے جن کے دلوں میں خوف خدا ہے گویا بے خوف لوگوں کے ذکر کے بعد خوف خشیت والوں کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ ہم صرف وحی الہی کی پیروی کرتے ہیں اب اس وحی کا ذکر ہے کہ آپ پر وحی یہ ہوئی کہ لوگوں کو ڈرائیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ دنیا میں بعض دل کے اندھے ہیں بعض دل کے انکھیارے یہ دونوں برابر نہیں۔ اب دل کے انکھیاروں کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپ انہیں تبلیغ فرما دیں آپ کی تبلیغ انہیں مفید ہوگی۔ **پانچواں تعلق:** کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ ہم حضرات انبیاء کو بشارت اور نذارت کے لئے بھیجتے ہیں اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے کہ چونکہ آپ نبی ہیں لہٰذا آپ مخلوق کو ڈرائیں گویا نبوت کے متعلق قانون ربانی کا ذکر پہلے ہوا تھا اب اس کے اجراء کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: وانذر بہ یہ نیا جملہ ہے جس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کیونکہ اصل بشیر و نذیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو مامور من اللہ ہیں باقی تاقیامت علماء اولیاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے بشیر و نذیر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم حق تعالیٰ کے نائب اعظم ہیں اور یہ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب علماء کی تبلیغ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبلیغ ہے لہٰذا یہ حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور دوامی حکم ہے۔ یعنی ہمیشہ ڈرایئے **بہ** میں **ہ** کا مرجع یا تو قرآن مجید ہے یا وحی الٰہی **لنذاب سبب** ہے **بہ** فرما کر بتایا گیا کہ قرآن مجید بشیر و نذیر نہیں وہ تو بشارت و نذارت ہے۔ بشیر و نذیر آپ ہیں قرآن ہدایت ہے۔ ہادی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن علم ہے۔ معلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن حکم ہیں حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن فیصلہ ہے اور فیصلہ کن حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں' قرآن ظاہری باطنی پاکی کا ذریعہ ہے پاکی بخشنے والے مزکی مطہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے پانی صابن پاکی و صفائی کا ذریعہ ہے پاک کرنے والا کسی کا ہاتھ ہے ان سب کی آیات موجود ہیں **لتحکم بین الناس۔ انک لتھدی الی صراط مستقیم۔ تطھرھم و تزکیھم** اور **ویعلمھم الکتاب والحکمۃ** اور اگر رب تعالیٰ مرجع ہے تو **ب** بمعنی **من** ہے یعنی قرآن یا وحی کے ذریعہ ڈرایئے یا اللہ سے ڈرایئے۔ اللہ سے صحیح ڈر اور صحیح امید جس سے ایمان مل جاوے وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو۔ ورنہ شیطان بھی خدا سے ڈرتا ہے وہ کہتا ہے **انی اخاف اللہ** مگر مومن نہیں پکا کافر ہے کہ اسے یہ ڈر نبی کی معرفت حاصل نہیں ہوا۔ پانی کھاد درخت کی شاخوں کو جب ہی ہرا بھرا رکھ سکتے ہیں۔ جب جڑ کے ذریعہ ان تک پہنچیں کٹی ہوئی شاخ کو کھاد' پانی ہوا' دھوپ سرسبز نہیں رکھ سکتیں۔ خدا کرے ہمارے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سے خوف و امید کا درخت بویا جاوے تاکہ معرفت کے پھل لگیں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے ڈرایئے یعنی ہم چاہتے ہیں کہ بندے ہم سے ڈریں لیکن اگر ہم براہ راست ان کو ڈرائیں تو وہ فنا ہو جائیں۔ روئی تو ے کی معرفت آگ کی

www.alahazratnetwork.org

گری حاصل کرتی ہے بندے تمہاری معرفت میرا خوف حاصل کریں اس کی تین تفسیریں ہوئیں چونکہ بشارت خاص بندوں کو ہوتی ہے مگر ڈرانا سب کو مومن و کافر و منافق سب ہی کو ڈرایا جاتا ہے۔ نیز ڈرانا پہلے ہے بشارت بعد میں اسی لئے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ہ** مرجع عذاب ہے تب بھی **ب** بمعنی من ہے **الذین یخافون** یہ عبارت **انذر** کا مفعول ہے **الذین** سے مراد یا تو سارے انسان ہیں مومن ہوں یا کافر یا صرف کفار یا صرف مومنین فقیر کے نزدیک تیسرا احتمال قوی ہے لہذا خوف سے مراد اندیشہ و فکر ہے۔ مسلمان ہر مومن کو خاتمہ خراب ہو جانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اسی خوف پر ایمان کی بنیاد قائم ہے وہ ہی اندیشہ یہاں مراد ہے یہ خوف ہر گنہگار، پرہیزگار بلکہ ابرار و اخیار کو مرتے تک رہتا ہے جب کہ حضرت یوسف و موسیٰ علیہم الصلوۃ والسلام دعا فرماتے ہیں۔ **توفنی مسلما والحقنی بالصالحین** تو اور کسی کا کیا ذکر ہے خوف کے معنی خشیت ہیں۔ فرق، خوف کی قسمیں اور قسموں کے احکام کہ کون خوف ایمان ہے کونسا خوف کفر، کونسا خوف تقویٰ کی اصل ہم بارہا بیان کر چکے ہیں اور یہ کہ حضرات انبیاء کرام کو کس قسم کا خوف ہوتا ہے حضرات اولیاء کس خوف سے آزاد ہیں انشاء اللہ یہ ہم اس آیت کی تفسیر میں عرض کریں گے **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ ان یحشروا الی ربھم** یہ عبارت **یخافون** کا مفعول ہے حشر کے معنی ہیں جمع ہونا، جمع کرنا یہاں دوسرے معنی میں ہے چونکہ یہ اجتماع میدان محشر میں جا کر ہوگا۔ لہذا اس میں جانے کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے بعد میں الیٰ لایا گیا۔ چونکہ محشر میں کسی حاکم کی حکومت نہ ہوگی صرف رب تعالیٰ سے بندوں کا سروکار ہوگا وہاں کوئی دنیاوی کام نہ ہوگا اس لئے وہاں جانے کو رب کی طرف جانا فرمایا گیا چونکہ اس حساب و کتاب کی وجہ حق تعالیٰ کی ربوبیت ہے کہ اس کی روزی کھائی ہے تو اسے حساب دینا ہے اس لئے **الی اللہ** نہ فرمایا **الی ربھم** فرمایا **لیس لھم من دونہ ولی ولا شفیع** یہ عبارت **یحشروا** کی ضمیر **ھم** سے حال ہے۔ **لھم لیس** کی خبر مقدم ہے اور **ولی** اس کا اسم موخر **من دونہ** ثابت کے متعلق ہو کر ولی کی صفت ہے یہی چیز ان مومنوں کے خوف کا سبب ہے **دون، غیر، سوی، الا حاشا** ان سب کے معنی ہیں سواء مگر پھر ان کا آپس میں نہایت نفیس فرق ہے۔ کلمہ طیبہ ہے **لا الہ الا اللہ** یہاں اگر بجائے الا اللہ کے دون اللہ پڑھا جاوے تو غلط ہے اور یہاں **من دونہ** ہے۔ اگر یہاں **غیرہ** وغیرہ پڑھا جاوے تو غلط ہے انشاء اللہ یہ فرق تفصیل کے ساتھ ہم سورۂ کہف کے آخر میں عرض کریں گے اور ہم نے اپنی کتاب علم القرآن میں بھی بہت کچھ عرض کر دیا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ **دون** کے لغوی معنی ہیں مقابل کٹا ہوا۔ علیحدہ بے تعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **ووجد من دونھم امراتین تذودان۔** خواہ واقع میں الگ اور مقابل ہو خواہ کسی کے عقیدے میں لہذا **دون** اکثر اس غیر یا علاوہ کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقابل یا غیر ہو۔ کبھی مطلقاً سواء علاوہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ یہاں اگر **الذین** سے مراد کفار ہیں تو **من دونہ** سے مراد اللہ کے مقبول بندے ہیں جن کی شفاعت برحق ہے اور **دون** بمعنی سواء ہے۔ یہ بات خیال میں رکھو۔ ولی بمعنی دوست یا مددگار ہوتا ہے **شفیع** بمعنی سفارش کرنے والا شفاعت کر کے بخشوانے والا **ولی** عام ہے **شفیع** خاص ہم شفاعت کے معنی شفاعت کی قسمیں شفاعت کرنے والے اور مستحقین شفاعت کس کو کس قسم کی شفاعت پہنچے گی۔ یہ مکمل بحث تیسرے پارہ آیت الکرسی **من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ** کی تفسیر میں کر چکے ہیں وہ مسلمان جو ہمیشہ اس سے ڈرتے ہیں کہ مبادا ہمارا خاتمہ کفر پر ہو جاوے اور ہم بارگاہ الٰہی میں اس طرح قیامت کے دن پیش ہوں کہ ہمارا کوئی دوست اور سفارشی نہ ہو اسی بیکسی کا دھڑکا انہیں لگا ہوا ہے انہیں آپ ڈرایئے وہ ہی اس سے فائدہ حاصل کریں

www.alahazratnetwork.org

گے **لعلھم یتقون** یہ عبارت **انذر بہ** کی علت ہے اگر **الذین یخافون** سے مراد مومنین ہیں تو تقویٰ سے مراد ہے گناہ سے بچنا نیک کام کرنا یا تقویٰ و پرہیزگاری پر قائم رہنا یعنی آپ ان مسلمانوں کو اس لئے تبلیغ کریں کہ وہ متقی بن جاویں یا متقی رہیں۔

خلاصہء تفسیر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مبلغ اور داعی الی اللہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ و دعوت چار طرح سے ہے ڈرا دھمکا کر امید لالچ دے کر دلائل کے ذریعہ اور محبت و عشق کے ذریعہ ڈرانے والی تبلیغ عام ہے اور پہلی سیڑھی باقی چیزیں بعد میں ہیں۔ یہاں اس عام اور پہلی تبلیغ کا ذکر ہے اس لئے فرمایا گیا **انذر** بشارت یا دلائل عشق کا ذکر نہیں ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ڈرانا بست قسم کا ہے جن میں سے ایک ڈرانا کفار کے لئے ہے دوسرا مومن کے تیسرا متقین کے لئے۔ چوتھا غافلین کے لئے پانچواں واصلین کے لئے یہاں کون سا ڈرانا مراد ہے۔ اس کے متعلق ہم نے تفسیر میں اشارۃ" عرض کیا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں۔ جن میں سے ایک تفسیر بہت قوی ہے ہم اسی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بد نصیب کفار تو اسی طرح بحث و حجت میں ہی لگے رہیں گے۔ آپ سے فیض حاصل نہ کریں گے آپ اس قرآن مجید کے ذریعہ ان مسلمانوں کو اللہ کے عذاب اس کی ناراضگی سے ڈراتے رہیں۔ جنہیں ہر وقت یہ دھڑکا لگا ہوا ہے کہ کہیں ہم سے دولت ایمان چھن نہ جائے اور ہمارا خاتمہ خراب نہ ہو جائے اگر خدا نہ کرے ایسا ہو گیا تو پھر ہم قیامت کے دن رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی بیکسی، بے بسی کی حالت میں اکیلے پیش ہوں گے کہ نہ تو کوئی ہمارا اس دن دوست ہو گا۔ جس سے ہماری ڈھارس بندھے اور نہ کوئی ہمارا سفارشی ہو گا۔ جو بارگاہ الٰہی میں ہماری شفاعت کر کے ہمارے گناہ بخشوا دے ہم کو سزا سے بچائے ایسے بے قرار دھڑکے والے مسلمان آپ کے ڈرانے سے فائدہ اٹھائیں گے آپ انہیں ہمیشہ عذاب الٰہی سے ڈراتے رہیں تاکہ وہ متقی بنیں یا متقی رہیں ایمان کے ذریعہ اللہ کے مقبولوں سے رشتہ غلامی قائم ہوتا ہے۔ تقویٰ کے ذریعہ ان حضرات سے تعلق غلامی قائم رہتا ہے رشتہ اور تعلق کا فرق ہم ابھی تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے انشاءاللہ۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا میں محبت کی چار وجہیں ہیں نسب، حسن، اخلاق، احسان مگر آخرت میں محبت کا ذریعہ صرف ایک ہے نسبت جو رشتہ ایمانی سے میسر ہوتی ہے باقی تمام محبتیں قیامت میں عداوتوں میں تبدیل ہو جائیں گی۔ **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** اور یہی محبت ایمانی وہاں کی ہمراہی اور سنگت کا ذریعہ ہو گی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **انت مع من احببت** تم جس سے محبت کرو گے اس کے ساتھ رہو گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی طرف سے بشیر بھی ہیں نذیر بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذارت عام ہے بشارت خاص چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشارت صرف مسلمانوں کو دیتے ہیں مگر ڈراتے سب کو ہیں خواہ کافر ہوں یا مسلمان، متقی ہو یا گنہگار۔ یہ فائدہ **انذر** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قرآن مجید بشارت، نذارت، علم، ہدایت، طہارت، فیصلہ ہے مگر بشیر، نذیر، ہادی، معلم، مزکی، مظہر نہیں ہادی اور معلم صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ فائدہ **انذر بہ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا بغیر معلم کتاب فائدہ نہیں دیتی بغیر طبیب کے سارے دواخانہ کی دوائیں بیکار ہیں۔ یوں ہی بغیر حضور کے واسطے کے قرآن مجید کا فیض نہیں ملتا۔ **تیسرا فائدہ:** وحی خوف و

www.alahazratnetwork.org

امید ایمان کارکن ہے جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت حاصل ہو ورنہ بیکار ہے یہ فائدہ **انذر بہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا آپ اللہ سے ڈرائیے۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی شخص بلاواسطہ رب سے کوئی فیض نہیں لے سکتا جو کچھ ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ملے گا یہ فائدہ **انذر بہ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ آپ اللہ کی طرف سے ڈرائیے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت و نذارت تاقیامت جاری ہے۔ حیات ظاہری کے زمانہ میں بلاواسطہ تھی پردہ فرمانے کے بعد علماء اولیاء اللہ کے ذریعہ سے ہے یہ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ فرض انجام دیتے ہیں یہ فائدہ **الذین یخافون** کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جس کے دل میں خوف خدا کا جذبہ ہو اس کو ہی ڈرانا مفید ہوتا ہے۔ غافل یا مردہ دل کو ڈرانا اسے مفید نہیں ہوتا اگرچہ ڈرانے والے کو ثواب مل جاتا ہے یہ فائدہ **یخافون** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** قیامت میں اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب ہوگا کہ انسان وہاں بے کس ہو اس کا کوئی دوست اور شفاعت کرنے والا کوئی نہ ہو یہ عذاب کفار کو ہوگا۔ یہ فائدہ **لیس لهم من دونه ولی** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** انشاء اللہ قیامت میں مسلمان اکیلا نہ ہوگا اس کے دوست بھی ہوں گے اور شفاعت کرنے والے بھی شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہوگا۔ اس کے بعد بہت شفیع ہوں گے یہ فائدہ بھی **لیس لهم** الخ سے حاصل ہوا۔ مومن و کافر بارگاہ الٰہی میں مختلف طرح حاضر ہوں گے مومن اپنے دوستوں کے ساتھ وفد کی شکل میں رب تعالیٰ سے ایسے ملیں گے جیسے پیارا پیارے سے یا باوفا غلام مہربان آقا سے ملتے ہیں کافر اکیلا رب کے سامنے ایسے پیش ہوگا۔ جیسے پھانسی کا ملزم ناراض حاکم کے روبرو قرآن کریم فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جهنم وردا اللهم ارزقنا شفاعة حبیبک صلی الله علیه وسلم** جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ مل گیا وہ چھٹکارا پا گیا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے کیا خوب فرمایا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو ۔۔۔ کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

اچھوں کے ساتھ سے بروں کے عیب ڈھک جاتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اچھوں سے اچھے ہیں ان کے ساتھ ہی انشاء اللہ ہم بے ڈھنگوں کی پردہ پوشی ہو جاوے گی۔ **نواں فائدہ:** بڑے سے بڑے متقی پرہیزگار کو بھی خوف چاہئے کوئی شخص اپنے علم، زہد، تقویٰ پر نازنہ کرے کہ ذرا سی گرم ہوا سے ہرے بھرے کھیت جل جاتے ہیں۔

احمد یارا احمق ہو یوں علم و دھیرا پڑھ کے ۔۔۔ پڑھے لکھے پر مان نہ کرنا پھٹ جاندا دودھ کڑھ کے

یہ فائدہ **لعلهم یتقون** سے حاصل ہوا۔ جس قدر ایمان قوی اسی قدر خوف زیادہ اللہ تعالیٰ اپنا خوف اپنے نبی کا عشق نصیب کرے۔ خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ اللہ کی بڑی نعمت ہے۔

پہلا اعتراض: تمہاری بیان کردہ تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسلمانوں کو ڈراتے ہیں کفار کو نہیں۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت و نذارت سے فائدہ صرف مسلمان اٹھاتے ہیں، مفید ڈرانا مسلمانوں ہی کے لئے ہے یہاں اسی ڈرانے کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **انذر** کے بعد فرمایا گیا۔ **یخافون** جو پہلے ہی سے ڈر رہا ہے اسے ڈرانے سے کیا فائدہ **جواب:** بہت فائدہ ہے اس ڈرنے کی برکت سے وہ ڈر پر قائم رہے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **یا ایها الذین امنوا امنوا** اے ایمان والو ایمان لاؤ

www.alahazratnetwork.org

یعنی ایمان پر قائم رہو ہمیں ایمان، خوف خدا ملا بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے اور اس کا بقا بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے ہے گلشن ایمان کی بہار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم قدم سے ہے۔

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار　　　کہ گر خار و گر گل ہمہ پروردہ تست

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں بعض لوگ بعض کے ولی ہوں گے۔ بعض شفیع۔ مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** وہاں کوئی کسی کا نہ ولی ہے نہ مددگار آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں کفار کا ذکر ہے واقعی کافروں کا نہ کوئی مددگار ہوگا نہ شفیع اور یہاں مومنوں کا ذکر ہے مومنوں کے لئے سب ہوں گے رب فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ** ۔ اور فرماتا ہے **واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من لدنک نصیرا** کفار کے لئے فرماتا ہے۔ **و من یضلل فلن تجد لھم ولیا مرشدا** ۔ اور فرماتا ہے **و من یلعن فلن تجد لہ نصیرا** اور فرماتا ہے **وما للظلمین من انصار**۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں پہلے ذکر ہوا انذر کا پھر خوف کا آخر میں تقویٰ کا کہ فرمایا گیا **لعلھم یتقون** جو پہلے ہی متقی ہوں وہ پھر متقی کیسے بنیں گے تحصیل حاصل ناممکن ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے جواب گزشتہ مضمون سے معلوم ہو گیا کہ اگر **الذین یخافون** سے مراد کفار ہیں تو یہاں تقوے سے مراد ہے ایمان قبول کر لینا اور اگر مراد گنہگار مسلمان ہیں تو یہاں تقوے سے مراد ہے پرہیزگار بن جانا اور اگر وہاں متقی مسلمان مراد ہیں تو یہاں تقویٰ سے مراد ہے تقویٰ پر قائم رہنا یا تقویٰ کے ادنیٰ درجے سے ترقی کر کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ جانا۔

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمت کا عالمگیر بادل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم عالمگیر بارش حضرات علماء اولیاء اس بارش سے بنے ہوئے دریا ہیں یا بڑے تالاب۔ ہم سب لوگ وہ زمین ہیں، جو ہر وقت بادل کی محتاج کفار بنجر زمین ہیں مومن زرخیز زمین۔ زمین خواہ کیسی ہی اعلیٰ ہو اس میں تخم کتنا ہی اچھا بویا گیا ہو مگر وہ کسی وقت بھی بادل سے بے نیاز نہیں ہو سکتی بلاواسطہ یا بالواسطہ ہمیشہ بارش کی محتاج رہتی ہے یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب وہ مسلمان جن کے دلوں میں خوف الٰہی کا تخم تم نے بو دیا تم ان سے بے توجہ نہ ہو جاؤ ان پر ہمیشہ نذرات کا مینہ برسائے جاؤ یہ لوگ تمہاری حیات شریف میں بلاواسطہ تم سے اور تمہارے پردہ فرمانے کے بعد تمہارے بنائے ہوئے دریاؤں تالابوں سے پانی لئے جاویں تاکہ ان کھیتوں میں تقویٰ کے پھل پھول لگیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں ولی سے مراد حضرت اولیاء اللہ ہیں اور شفیع سے مراد انبیاء کرام جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ رہتے ہوئے مرتے ہیں انہیں قیامت میں ولایت و شفاعت سب کچھ میسر ہو گی جو ان سے ناآشنا ہو گئے۔ وہ سب سے محروم رہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو　　　قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا!!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی رشتے جان سے قائم ہیں جان گئی جہان گیا اب رشتے ٹوٹے اور رشتوں سے فائدہ تعلقات سے حاصل رشتہ داروں سے ملتے جلتے رہنا ایک دوسرے کو ہدیے دینا ان کا ذکر چرچا رکھنا اجنبیت پیدا نہیں ہونے دیتا یوں ہی نبی ولی، پیر مرشد، استاذ متقیوں سے رشتہ روحانی ہے جو ایمان کے ذریعہ قائم رہتا ہے ایمان گیا یہ سارے رشتے گئے پھر ان حضرات سے تعلق قائم رکھنا ضروری ہے ان کا چرچا کرنا انہیں ثواب کے ہدیئے بھیجتے رہنا درود شریف کی کثرت سنتوں کی اتباع اس تعلق کے

www.alahazratnetwork.org

قائم رہنے کے ذریعہ ہے۔ جس کو ایمان و تقویٰ سچا نصیب ہو جاوے وہ دنیا میں مرتے وقت قبر میں، محشر میں اور بارگاہ الٰہی میں پیشی کے وقت اکیلا نہیں ہوتا ہر جگہ اپنے شفیع اپنے نبی اپنے ولیوں مددگاروں کے ساتھ رہتا ہے رب کی بارگاہ میں اکیلا پیش ہونا رب کا عذاب ہے کہ وہ جبار و قہار کی مار کھا جاوے گا۔ اپنے مددگاروں شفیعوں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پیش ہونا رب کی رحمت ہے۔ اس کی برکت سے جلال جمال میں۔ قہر مہر میں، غضب رحم میں، انتقام عفو میں تبدیل ہو جاتا ہے تمام رحمتوں کی جڑ اچھوں کا ساتھ ہے **یوم ندعو کل اناس بامامهم** دنیا میں اکیلے نہ رہو۔ بے کسی کی موت نہ مرو بے یارومددگار قیامت میں نہ اٹھو ورنہ مارے جاؤ گے کسی دامن سے وابستہ ہو کر رب کے سامنے جاؤ حضرت ابوسفیان فتح مکہ کے دن حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے دامن میں چھپ کر بارگاہ رسالت میں پیش ہوئے تو جان بھی بچی امان بھی پائی ایمان بھی ملا عرفان و قرب رحمان سب کچھ نصیب ہوا۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَ الْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ

اور نہ نکالو ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں رب کو اپنے صبح میں اور شام میں ارادہ کرتے ہیں اس

اور دور نہ کرو انہیں جو اپنے رب کو پکارتے ہیں صبح اور شام اور اس کی رضا چاہتے

وَجْهَهٗ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ

کی رضا کا نہیں ہے او پر تمہارے ان کے حساب سے کوئی چیز اور نہیں تمہارے حساب سے اوپر ان کے کوئی

ہیں تم پر ان کے حساب سے کچھ نہیں اور ان پر تمہارے حساب سے کچھ نہیں پھر انہیں تم

شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

چیز کو تم نکال دو انہیں پس ہو جاؤ تم نا انصافی والوں میں سے

دور کرو تو یہ کام انصاف سے بعید ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں خوف خدا رکھنے والے مسلمانوں کو ڈرانے کا حکم دیا گیا تا کہ وہ ایمان و تقویٰ پر قائم رہیں اب انہیں اپنی مجلس پاک میں رکھنے کا انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹانے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ یہ بھی تقویٰ پر قائم رکھنے کا ایک ذریعہ ہے گویا قولی تبلیغ کے حکم کے بعد عملی تبلیغ کا حکم ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو ایمان و تقویٰ پر قائم رکھنے کا ایک طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا یعنی انہیں ڈراتے رہنا وعظ فرماتے رہنا اب دوسرا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ یعنی اپنے پاس اپنی صحبت میں رکھنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود خوف خدا پیدا ہوتا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو فرمایا گیا تھا کہ ہماری بارگاہ میں اکیلے حاضر نہ ہوں اپنے مددگاروں شفاعت والوں کے ساتھ آئیں اب اس اکیلے نہ رہنے کا ذریعہ بتایا جا رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے

www.alahazratnetwork.org

سے نکالے نہ جائیں یہ سودا اسی دوکان سے ملتا ہے اور نکالے نہ جانے کا ذریعہ ہے۔ صبح و شام اللہ کا ذکر اور تقویٰ۔

ٹھوکریں کھاتے پھروگے ان کے در پہ پڑ رہو   قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا!

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ مسلمانوں کو ڈراتے رہئے اب فرمایا جارہا ہے کہ مسلمانوں کو عملی بشارت دیتے رہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ان حضرات کے لئے عملی بشارتوں کا مجموعہ تھی کہ انہیں رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی صحبت کے لئے چن لیا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی گزشتہ آیت میں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا کہ ان ازلی محروم کفار سے فرمادیجئے کہ ہم نے خدائی خزانوں کے مالک ہونے کا غیب جاننے کا دعویٰ نہیں کیا ہم سے اس کے متعلق مطالبات نہ کرو اب فرمایا جارہا ہے کہ اپنے نیاز مندوں کو اپنے پاس بٹھا کر اپنی صحبت میں رکھ کر غیبی خزانے بھی بخش دو انہیں غیبی خبریں بھی سناؤ یعنی محرومین کو محروم رکھنے کا حکم دینے کے بعد مرحومین کو سب کچھ دے دینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا محرومین کی محرومیت کے بعد خوش نصیبوں پر رحمت کا ذکر ہے۔ **چھٹا تعلق:** تبلیغ کے چار طریقے ہوتے ہیں' ڈرانا' امید دلانا' دلائل' عشق و محبت پیدا کردینا ڈرانے والی تبلیغ کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ عشق و محبت والی یا دلائل والی تبلیغ کا ذکر اب ہے کہ محبوب انہیں اپنے سے جدا نہ کرو تا کہ انہیں عشق و محبت کی نعمت ملے یہ بھی ایک قسم کی تبلیغ ہے گویا ابتدائی تبلیغ کے بعد انتہائی درجہ کی تبلیغ کا ذکر ہے۔

شان نزول: احمد۔ طبرانی نے حضرت ابن مسعود سے ابن جریر و بیہقی نے حضرت خباب سے روایت کی۔ رضی اللہ عنہم کہ ایک بار اقرع ابن حابس تمیمی اور عینیہ ابن حصن فزاری وغیرہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت بلال' صہیب' عمار و خباب وغیرہم فقراء صحابہ کے پاس بیٹھا ہوا ان سے باتیں کرتا پایا (رضی اللہ عنہم اجمعین) ان کی مفلسی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے اکثر کے جسموں پر صرف ایک کمبل تھا ان لوگوں نے ان حضرات صحابہ کو نظر حقارت سے دیکھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم لوگوں کو ان فقراء کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے۔ لوگ ہم کو ان کے ساتھ بیٹھا دیکھیں گے تو ہمیں کیا کہیں گے آپ ان کو اپنے پاس سے نکال دیں تو ہم آپ کے پاس بیٹھا کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ درخواست رد کردی۔ تب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ بعض روایات میں ہے کہ اس پر وہ کفار بولے کہ اچھا آپ ان کو نکالیں نہیں بلکہ ایک خاص وقت ہمارے لئے مخصوص فرمادیں۔ جس میں صرف ہم لوگ آپ کے پاس بیٹھ کر آپ کا وعظ سنا کریں کوئی فقیر غریب اس وقت یہاں نہ ہوا کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اصرار سے عرض کیا کہ حضور اس میں حرج نہیں ابھی ان میں غرور نخوت ہے ممکن ہے کہ حضور کی صحبت سے یہ ایمان قبول کرلیں اور بعد میں ان کے دل سے یہ غرور نکل جاوے تبلیغ دین کے لئے یہ منظور فرمانے میں حرج نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا یہ کفار بولے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اس وعدے کی تحریر دے دی جاوے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کاغذ و قلم دوات لے کر لکھنے کے لئے حاضر ہوئے۔ اس آیت کے نزول سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ کاغذ وغیرہ پھنکوادیئے اور حضرت عمر فرماتے ہیں کہ میں نے اس اصرار سے توبہ کی پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور یہی رہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب تک باہر رہتے ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل

www.alahazratnetwork.org

قریب بیٹھتے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم فقراء سے فرمایا کرتے کہ میری زندگی و موت تمہارے ساتھ ہے اس کے نزول کے متعلق اور بہت سی روایات ہیں (تفسیر خازن' روح المعانی' تفسیر کبیر' روح البیان' خزائن عرفان' تفسیر مدارک وغیرہ) بعض مفسرین نے ان فقراء صحابہ میں حضرت سلمان فارسی کو بھی شمار کیا ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ سورۂ انعام مکیہ ہے اور حضرت سلمان فارسی بعد ہجرت مدینہ منورہ میں ایمان لائے واللہ ورسولہ اعلم اس کی تحقیق اس جگہ تفسیر خازن میں دیکھو ان کفار نے فقراء مسلمین کے اخلاص و ایمان پر بھی طعن کیا کہ بولے یہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے ہیں دل سے ایمان نہیں لائے بلکہ فقر و فاقہ کی وجہ سے کلمہ پڑھ کر آپ کے گرد جمع ہو گئے ہیں تا کہ اس بہانہ انہیں کچھ کھانے پینے کو مل جایا کرے (کبیر' معانی' بیان وغیرہ)۔

تفسیر: **ولا تطرد الذین یدعون ربھم۔** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واو ابتدائیہ ہے **لا تطرد** میں خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے **تطرد** بنا ہے **طرد** سے بمعنی بالجبر نکالنا اخراج' مطلقاً نکالنے کو کہا جاتا ہے۔ خواہ جبراً ہو یا بخوشی جیسے کوئی شخص آپ کے پاس سے جانا چاہے تو آپ اس کے لئے دروازہ کھول دیں اور کہیں کہ نکل جایئے یہ خوشی کا نکالنا ہے صد کے معنی ہوتے ہیں روکنا آنے نہ دینا غرضیکہ' طرد' اخراج' صد میں فرق ہے۔ **لا تطرد** فرمانے میں جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا ذکر ہے وہاں آپ کی شان بے نیازی کا ذکر ہے۔ بندہ نوازی اور بے نیازی دونوں کی جھلک اس ایک لفظ میں ہے یعنی جو آپ کے پاس آنا چاہے اسے دور نہ رکھو جو آپ کے پاس سے جانا نہ چاہے اسے دور نہ کرو مگر جو آنا نہ چاہے یا آیا ہوا خود بھاگنا چاہے تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ وہ آپ کا حاجت مند نہیں ہے آپ اس کے حاجتمند نہیں ان حکمتوں سے **لا تخرج** یا **لا تصد** نہیں فرمایا **لا تطرد** فرمایا۔ خیال رہے کہ ان کفار نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان فقراء کو پہلے تو نکال دینے ہی کا مطالبہ کیا تھا جو رد کر دیا گیا تھا۔ پھر بعض خاص مجلسوں سے روک دینے کا مطالبہ کیا اس لئے یہاں **لا تطرد** فرمایا گیا اور ہو سکتا ہے کہ یہاں طرد بمعنی روکنا ہو اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ نہایت نفیس ہے دور کرنا جس میں نکالنا روکنا دونوں داخل ہیں نکالنے کا مطالبہ کفار نے کیا تھا۔ بعض خاص مجلسوں سے روکنے کا ارادہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ خیال رہے کہ دور کرنا یا دور رکھنا دو طرح کا ہے۔ جسمانی دوری' جنانی یا روحانی دوری۔ اگر یہاں جسمانی دوری مراد ہے تو **الذین** سے وہ ہی صحابہ مراد ہوں گے جن کے متعلق یہ آیت آئی اور اگر جنانی یا روحانی دوری مراد ہے تو **الذین** سے تاقیامت ذاکرین مومنین مراد ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کسی مسلمان کو اپنے سے دور نہیں کرتے ہر مومن کے دل دماغ جان ایمان میں رہتے ہیں۔ لہٰذا **لا تطرد** بالکل درست ہے۔ **الذین** سے مراد وہ ہی فقراء مومنین ہیں جن کی علیحدگی کا کفار نے مطالبہ کیا تھا **یدعون** بنا ہے دعوت سے بمعنی پکارنا بلانا اصطلاح قرآن میں اکثر بمعنی عبادت آتا ہے یہاں دونوں احتمال ہیں بمعنی پکارنا ہو یا بمعنی عبادت کرنا چونکہ بندہ دعا میں اکثر اللہ تعالیٰ کو ربنا کہہ کر پکارتا ہے اللہ تعالیٰ کو بھی یہ پسند ہے کہ بندے ربنا کہہ کر پکارے یعنی اے ہمارے پالنے والے اس لئے یہاں **ربھم** ارشاد ہوا اللہ یا رحمٰن نہ فرمایا۔ چونکہ رب تعالیٰ کو فقراء مسلمین بڑے پیارے ہیں اس لئے اپنی ربوبیت کی نسبت انہیں کی طرف فرمائی رب العلمین یا رب الناس نہ فرمایا اس میں ان فقراء کی بہت ہی عزت افزائی ہے **بالغداوۃ والعشی** اس کا تعلق **یدعون** سے ہے۔ **غداوۃ** اصل میں **غداو** تھا۔ اسی سے ہے **غدۃ** اور **غداوۃ** بمعنی صبح سویرا۔ رب فرماتا ہے۔ **بالغدو والاصال** او تڑکے سے آفتاب نکلنے تک کو

www.alahazratnetwork.org

غدو کہا جاتا ہے اور طلوع آفتاب سے دوپہر تک کو بُکرہ کہا جاتا ہے۔ **عشی** بنا ہے **عشوی** سے واو کو ی کرکے ی میں ادغام کر دیا گیا اس کی جمع عشیہ عشایات آتی ہے۔ دوپہر سے شام تک کو عشا کہا جاتا ہے اس لئے دوپہر تک کے کھانے کو غدا کہا جاتا ہے دوپہر کے بعد کے کھانے کو عشاء حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ساتھی سے فرمایا **اتنا غداونا** ہمارا ناشتہ لاؤ۔ آخری رات کے کھانے کو سحور۔ اسی سے ہے سحری۔ (از روح المعانی وغیرہ) یہاں صبح شام سے مراد یا تو ہمیشگی ہے یعنی ہمیشہ اللہ کی عبادت کرتے ہیں یا اس سے دعائیں مانگتے اسے پکارا کرتے ہیں یا اس سے مراد فجر و مغرب کی نمازیں ہیں یا صبح شام کے وظیفے اور ذکر اللہ غرضیکہ اس جملہ کے کل چھ معنی یا چھ تفسیریں ہیں۔ صبح شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں ہر وقت اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ صبح شام اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں ہر وقت اپنے رب سے دعائیں مانگتے ہیں۔ صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں ہر وقت اپنے رب کو پکارتے ہیں جیسے بلبل ہر جگہ سے آس توڑ کر رب کو پکارے یہاں تک تو ان فقراء مسلمین کے قالب کا حال بیان ہوا ان کے قلب کی حالت یوں بیان ہوئی **یریدون وجهه** یہ عبارت **یدعون** کے فاعل سے حال ہے جس میں ان کے دلی اخلاص کا ذکر ہے۔ رب تعالیٰ نے ان کے اخلاص و خشوع و خضوع کی گواہی دی یہاں ارادہ بمعنی نیت ہے اس کا فاعل وہ ہی فقراء ہیں **وجهه** بمعنی ذات ہے یا بمعنی رضا یا بمعنی توجہ کرم ہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ جس کا ذکر **ربهم** میں ہوا یعنی وہ حضرات اس پکار یا اس عبادت میں نہ تو دنیاوی نفع کی نیت کرتے ہیں نہ دوزخ سے چھٹکارے کی نہ جنت حاصل کرنے کی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات یا اس کی رضا یا توجہ کرم کے طالب ہیں طالب مولیٰ ہو کر عبادات کرتے ہیں اس فرمان عالی میں ان حضرات کی ایسی منقبت ارشاد ہوئی جو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ دیکھو **یدعون ربهم** میں شریعت کا ذکر ہوا اور **یریدون** الخ میں طریقت، حقیقت، معرفت کا وہ حضرات، شریعت طریقت، حقیقت، معرفت کے جامع بلکہ ان کے سرچشمہ ہیں۔

ما علیک من حسابهم من شئی اس ارشاد عالی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **حسابهم** میں **هم** کا مرجع وہ مطالبہ کرنے والے کفار ہوں۔ دوسرے یہ کہ اس کا مرجع وہ ہی فقراء مسلمین ہوں پہلی صورت میں مقصد یہ ہے کہ آپ ان کفار کے ایمان کی امید میں ان مومنوں کو اپنی مجلس پاک سے دور نہ کریں اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ان کا حساب آپ سے نہ ہوگا۔ کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے لہٰذا ان کے ایمان کے لئے ایسی کوشش نہ فرماویں ہزار بار ان کی غرض ہو تو ایمان لا کر ان ہی فقراء کے ساتھ انہیں میں بیٹھیں ورنہ دوزخ میں جائیں اسی طرح آپ کا حساب ان سے نہ ہوگا کہ دوسری کافر امتوں کی طرح یہ آپ کی تبلیغ کا انکار کریں اور ان کے انکار پر آپ سے باز پرس ہو جاوے ہم نے اعلان کر دیا ہے کہ **ولا تسئل عن اصحاب الجحيم** دوسری صورت میں مطلب یہ ہو گا کہ یہ کفار جو ان فقراء کی نیت ان کے اخلاص پر اعتراض کرتے ہیں۔ آپ ان کی بکواس پر دھیان نہ دیں ان حضرات کی نیتوں و اخلاص کے متعلق آپ سے حساب نہ لیا جاوے گا۔ آپ ان کی نیت پر شبہ نہ کریں اس میں بظاہر خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر مقصود ہے تمام مسلمانوں کو سنانا۔ خیال رہے کہ اس عبارت میں ما شبہ لیس ہے من تبعیضیہ ہے جس سے شئی کا عموم اور زیادہ کیا اور **من حسابهم** حال مقدم ہے **من شئی** کا یہ سب مل کر ما کا اسم ہے علیک خبر **وما من حسابک علیهم من شئی** یہ عبارت گزشتہ ما علیک الخ پر معطوف ہے۔ تقابل کے لئے یہ ارشاد ہوا اس عبارت کی ترکیب بھی وہ ہی ہے جو ابھی عرض کی گئی یعنی آپ کا حساب ان سے نہ لیا ہوے گا۔ یہ فرمان عالی تقابل اور فہمائش کے لئے ہے ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حساب دوسروں سے کیا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی نہ یا

www.alahazratnetwork.org

جاوے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے خاص غلام بے حساب جنت میں جاویں گے رب تعالیٰ فرماتا ہے **یدخلون الجنۃ ویرزقون فیھا بغیر حساب** حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضور کے خاص غلام قیامت کے حساب وزن اعمال وغیرہ سب سے مستثنیٰ ہیں **فتطردھم** یہ عبارت گزشتہ نفی **ما علیک من حسابھم** الخ کا جواب ہے اس لئے **ف** کے بعد ان پوشیدہ ہے اور **تطرد** منصوب ہے **ھم** کا مرجع وہ فقراء مومنین ہیں یعنی ان فقراء کی نیت وارادہ وغیرہ کا حساب آپ کے ذمہ نہیں تا کہ آپ انہیں اپنے پاس حاضری سے روکیں کہ چونکہ تمہاری نیت درست نہیں لہذا تم ہمارے پاس نہ آؤ۔ **فتکون من الظالمین** - یہ عبارت گزشتہ نہی کا جواب ہے اس لئے یہاں بھی **ف** کے بعد **ان** پوشیدہ ہے اور **تکون** کو نصب ہے وہ نہی **لا تطرد الذین یدعون** الخ ہے یعنی آپ ان فقراء کی اپنی مجلس پاک سے نہ روکیں کہ یہ ظلم یا ناانصافی ہوگی۔ ظلم کے تین معنی ہیں کسی کی ملکیت میں اس کی رضا کے بغیر تصرف کرنا یعنی کسی کا حق مارنا کسی کو بغیر جرم سزا دے دینا۔ کسی چیز کو بے محل استعمال کرنا' حدیث شریف میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو دوزخ میں بھیج دے تو وہ ظالم نہیں وہاں ظلم سے پہلے معنی مراد ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتے وہاں ظلم کے دوسرے معنی مراد ہیں بغیر جرم سزا۔ یہاں ظالمین کے تیسرے معنی مراد ہیں کسی چیز کا بے محل استعمال۔ وہ حضرات صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضر رہنے کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عزت و عظمت پانے کے مستحق ہیں اگر ان کو مجلس پاک سے نکال دیا گیا یا روک دیا گیا تو جس اکرام کے وہ مستحق تھے وہ ان پر استعمال نہ ہوا لہذا یہ ظلم یعنی ان کے ساتھ بے انصافی ہوئی یہ بے انصافی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کریمانہ سے بعید ہے یہ ہی معنی تفسیر خازن اور تفسیر روح المعانی وغیرہ نے کئے اور فرمایا کہ اس فرمان عالی میں اخلاق کریمانہ کی طرف توجہ دلاتا ہے اور یہ بتاتا ہے کہ یہ روک دینا بہتر نہیں۔

خلاصہء تفسیر: اس آیت کریمہ کا مقصد حضرات صحابہ کرام کی انتہائی عظمت و احترام کا اظہار ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے ان حضرات کی پرزور حمایت فرمانا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل شریف یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادہ کی برائی فرمانا مقصود نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وہ فقراء مہاجرین کی عبدیت و عبودیت کا یہ حال ہے کہ ہر وقت ہمیشہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادات کرتے ہیں یا صبح و شام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں یا صبح شام اپنے رب سے دعائیں کرتے ہیں یا ہر وقت دعائیں کرتے ہیں یا صبح شام اپنے رب کو پکارتے ہیں ان کے جسم کا حال تو یہ ہے اور ان کے دلی اخلاص حسن نیت کا یہ حال ہے کہ وہ دکھلاوے یا نام و نمود کے لئے کسی غرض کے لئے نہیں صرف رضاء الٰہی کی تلاش اس کی توجہ کرم حاصل کرنے کے ہے۔ ایسے **مخلصین** عابدین کو اے محبوب آپ کسی مجلس میں اپنے پاس حاضر ہونے سے نہ روکیں یہ لوگ تو آپ کی مجلس کی زینت تا قیامت دنیا کے لئے ہدایت کے تارے ہیں انہیں تو اسلام کی خدمت کے لئے منتخب کیا گیا کفار کی اس بکواس پر آپ دھیان نہ دیں کہ یہ لوگ مخلص نہیں ریاکار ہیں دنیاوی لالچ میں آپ کے پاس آتے ہیں ان کا یہ حساب آپ کے ذمہ نہیں تا کہ آپ اس احتمال سے انہیں آنے سے روک دیں یا ان کفار کا حساب قیامت کے دن آپ سے نہ ہوگا کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہ لائے اور آپ کا حساب ان کفار سے نہ ہوگا کہ وہ آپ کی تبلیغ کا انکار کر دیں اور آپ اپنی صفائی میں گواہیاں پیش فرمائیں آپ تو ہماری صفت بے نیازی کے مظہر ہیں تمام مخلوق کو آپ کی حاجت ہے آپ کو سواء ہمارے کسی کی حاجت نہیں۔ جب کیفیت یہ ہے تو اگر آپ نے ان لوگوں کو اپنی مجلس سے روکا یا نکالا تو یہ عمل بے محل ہوگا کہ جو آپ کے ہاں حاضری کے آپ کے ہاں اعزاز و اکرام کے مستحق تھے

www.alahazratnetwork.org

انہیں ان کا یہ حق نہ ملے گا یہ ناانصافی ہے آپ کے اخلاق کریمانہ سے یہ ناانصافی بہت ہی بعید ہے۔

نوٹ: اس آیت کے نزول کے بعد جب تک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف رکھتے تھے ان حضرات کو اپنے سے اس قدر قریب بٹھا لیتے کہ ان کے زانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زانو شریف سے مس کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ تمہارے ساتھ ہماری زندگی و موت ہے (خازن بیان معنی کبیر وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: تاقیامت مومنین و صالحین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ سے دھتکارے نہ جائیں گے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب چاہے وہ رب تعالٰی کی یاد دن رات کیا کرے یہ فائدہ **لا تطرد الذین یدعون** الخ سے حاصل ہوا کہ اگرچہ شان نزول حاصل ہے مگر آیت کریمہ کے الفاظ عام ہیں جو بھی شام سویرے یعنی ہمیشہ رب کو یاد کرے انہیں نہ نکالو۔ دوسرا فائدہ: لفظ مرید اس آیت سے لیا گیا **یریدون وجهه** جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے کسی شیخ کی بیعت کرے وہ مرید ہے یعنی اللہ کی رضا کا ارادہ کرنے والا۔ تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام اللہ کے بڑے پیارے بندے ہیں کہ اللہ تعالٰی نے ان کی خاطر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے کام سے روک دیا جو بالکل حق تھا بلکہ تبلیغ کا ایک طریقہ تھا یعنی خاص مجلس میں سرداران کفار کو خاص تبلیغ فرمانا اور حکم دے دیا کہ یہ کفار ایمان لائیں یا نہ لائیں آپ ان مقبولین کو اپنے پاس سے نہ ہٹائیں۔ چوتھا فائدہ: ہر وقت خصوصاً صبح شام اللہ کا ذکر کرنا یوں ہی نماز فجر و عصر کی پابندی کرنا اللہ کو بہت پسند ہے یہ فائدہ **یدعون ربهم بالغداوة والعشی** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: حضرات صحابہ کرام نام و نمود ریاکاری سے پاک و صاف ہیں ان کا ہر کام رضاء الٰہی کے لئے نہایت ہی اخلاص سے ہے یہ فائدہ **یریدون وجهه** سے حاصل ہوا اللہ تعالٰی نے ان کے دلی اخلاص کی گواہی دی جو انہیں ریاکار کہے وہ اس آیت کریمہ کا انکاری ہے۔ چھٹا فائدہ: مسلمان کو چاہیے کہ نیک اعمال صرف رضاء الٰہی کے لئے کرے اپنے نفع اپنی غرض کو اس میں دخل نہ دے عشاق کہتے ہیں کہ دوزخ سے بچنے جنت حاصل کرنے کی بھی نیت نہ کرے مالک راضی ہو جاوے تو سب کچھ اپنا ہے یہ فائدہ بھی **یریدون وجهه** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اگر بدباطن لوگ صالحین مقبولین پر زبان طعنہ دراز کریں تو اس کا بالکل اعتبار نہ کرنا چاہیے اس میں ان معترضین کا نقصان ہے مقبولین کے تو اور درجے بڑھتے ہیں۔ یہ فائدہ **ما علیک من حسابهم من شیء** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان کفار نے غرباء صحابہ پر زبان طعن درازی تو ان صحابہ کی تعریف و توصیف قرآن کریم میں نازل ہوئی جس سے معترضین کے منہ کالے ہو گئے اور ان فقراء کے درجات عزت و عظمت کو اور چار چاند لگ گئے کہ حشر تک ان کے یہ فضائل دنیا میں بیان ہوں گے۔ آٹھواں فائدہ: جیسے رب تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی دوسری صفات کا مظہر بنایا اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی بے نیازی کا مظہر بھی بنایا ہے آپ اور آپ کا دین دنیا والوں سے بے نیاز ہیں یہ فائدہ **ما علیک من حسابهم من شیء** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: جس کے ذمہ کسی کی ہدایت نہ ہو اس سے اس کا حساب نہ ہو گا یوں ہی جو کوئی ہدایت میں کوتاہی نہ کرے مگر دوسرا آدمی قبول نہ کرے اس کا بھی اس کے متعلق حساب نہ ہو گا۔ مسئلہ: قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ حساب ہو گا نہ وزن اعمال بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض خدام بغیر حساب جنت میں جائیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری

www.alahazratnetwork.org

امت میں ستر ہزار (بے شمار لوگ) ایسے ہیں جن کا حساب و کتاب نہیں وہ بے حساب جنتی ہیں۔ حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا حضور دعا فرمادیں کہ میں بھی ان میں سے ہوں فرمایا تم ان میں سے ہو۔ **مسئلہ:** قرآن کریم میں لفظ **ظلم** بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ شرک' کفر' گناہ کبیرہ' گناہ صغیرہ' جوں چوک' خطا' خلاف اخلاق۔ ان معانی کی آیت موجود ہیں۔ یہاں **ظلم** معنی خلاف اخلاق یا بے مروتی ہے اس کے علاوہ اور معنی مراد لئے جاویں تو آیت کریمہ پر سخت اعتراضات وارد ہوں گے اس کا بہت خیال رہے۔

پہلا اعتراض: یہ آیت کریمہ مکیہ ہے جب روزہ زکوٰۃ حج وجہاد وغیرہ کوئی عبادت نہ آئی تھی اگر معراج سے پہلے کی ہے تو نماز بھی نہ آئی تھی اور اگر معراج کے بعد کی ہے تب بھی نمازیں صرف پانچ تھیں تو یہ معنی کیونکر درست ہوئے کہ ہر وقت عبادت کرتے ہیں۔ **جواب:** اس زمانہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتے رہنا عبادت تھی جو ساری عبادات سے **افضل** ہے جس سے انسان صحابی بن جاتا ہے وہ یہاں مراد ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر اس سے نماز پنجگانہ مراد ہے تو صرف صبح شام کا ذکر کیوں ہوا کیا وہ اور وقت نمازیں نہ پڑھتے تھے۔ **جواب:** اس لئے کہ نماز فجر و عصر رب تعالیٰ کو بڑی ہی پیاری ہیں کہ اس وقت دن و رات کے فرشتے جمع ہوتے ہیں اور یہ ہی دو نمازیں جنت میں دیدار الٰہی کا وسیلہ بنیں گی انہیں کی زیادہ تاکید قرآن مجید میں ہے **ان قران الفجر کان مشہودا** اور **حافظوا علی الصلوت والصلوۃ الوسطی** اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم **رحمۃ للعالمین** ہیں تو آپ نے کفار کی دوسری درخواست کیوں منظور فرمائی کہ ان کے لئے خاص مجلس مقرر فرمانے کا ارادہ فرمایا رب تعالیٰ جو جبار و قہار بھی ہے اس نے آپ کو روکا۔ **جواب:** تاکہ ان صحابہ کرام کی شان میں یہ آیات نازل ہوں جن سے ان کی شان قیامت تک ظاہر ہوتی رہے ان کے اوصاف حمیدہ خود رب تعالیٰ بیان فرمائے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور مریم کے گواہ بچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ اور صحابہ کا گواہ رب تعالیٰ اگر آپ پہلے ہی سے ان کی درخواست بالکل رد کردیتے تو یہ آیتیں کیسے آتیں۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ اعضاء یعنی ہاتھ پاؤں چہرہ وغیرہ سے پاک ہے پھر اس کے لئے **وجہہ** یعنی چہرہ کیونکر ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کا مکمل جواب ہم دوسرے پارے میں **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** کیا حضرات صحابہ صرف صبح شام ہی اللہ کا ذکر کرتے تھے باقی وقت غافل رہتے تھے اللہ کا ذکر تو ہر وقت چاہئے پھر یہاں صبح شام کا ذکر کیوں ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو صبح شام سے مراد ہر وقت ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ میں دن رات فکر کرتا ہوں یعنی ہر وقت یا صبح شام کا ذکر رب تعالیٰ کو بہت پسند ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا ورنہ وہ حضرات ہر وقت ہی اللہ کے ذاکر تھے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم نہیں دیکھو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فقراء صحابہ کو مجلس پاک سے نکال دینے یا روک دینے کا حکم دے دیا اور اسے رب تعالیٰ نے ظلم فرمایا ظلم یقیناً گناہ ہے۔ (حشویہ)۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان حضرات کو نہ تو مجلس پاک سے نکالا اور نہ روکا' روکنے کا ارادہ فرمایا کسی کو اپنی مجلس سے روکنا نہ جرم ہے نہ گناہ ہم اپنے گھر میں اپنی خاص مشورہ کی مجلس میں بعض لوگوں کو شرکت کی اجازت نہیں دیتے یہ گناہ نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو یہ ارادہ تبلیغ کی نیت سے کیا تھا کہ یہ حضرات تو ایمان لا ہی چکے ہیں اگر یہ کفار بھی ہمارے پاس حاضر رہیں تو شاید ایمان قبول کرلیں ایمان لانے کے بعد ان کے دلوں سے یہ غرور و

www.alahazratnetwork.org

تکبر نکل جاوے گا کتنا پاکیزہ خیال ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس تبلیغ کے لئے تو دنیا میں بھیجے گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنا فرض بجالا رہے ہیں۔ یہاں ظلم سے مراد نہ تو کفر ہے نہ کسی کو ستانا نہ گناہ نہ خطا بلکہ اس سے مراد خلاف مروت خلاف اخلاق ہے وہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہوا بلکہ اس کا ارادہ فرمایا۔ اگر ہم آج خصوصی مجلسیں قائم کریں جن سے بعض لوگوں کو روک دیں تو گناہ نہیں۔

لطیفہ: ایک گستاخ نے ہم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیر معونہ والے کفار کے لئے بددعا کی تو رب نے فرمایا **لیس لک من الامر شئی** اس بددعا کا آپ کو بالکل حق نہیں دیکھو یہ بددعا گناہ تھی جو حضور انور سے صادر ہوئی ہم نے جواب دیا کہ اگر کفار کو بددعا کرنا گناہ ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون بلکہ سارے قبطیوں کو بددعا دی۔ حضرت نوح علیہ السلام نے سارے جہان کے کفار کو بددعا سے غرق کرادیا دیکھو۔ **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** کیا وہ حضرات گنہگار ہوئے تمہارے پیش کردہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار پر بددعا کرنا آپ کے شان کریمی کے لائق نہیں آپ رحمتہ اللعالمین ہیں وہ جلال والے پیغمبر تھا جو بددعائیں فرما گئے اس پر خاموش ہو گیا۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ یہاں ظلم سے مراد گناہ یا ستانا نہیں جیسا کہ ہم نے عرض کیا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سورج ساری زمین پر چمکتا ہے روشنی دینے کے لئے مکانوں پر چمکتا ہے پھل پکانے کو کھیت پر چمکتا ہے دانہ پکانے کو چمن پر چمکتا ہے پھول کھلانے کو اچھی زمین پر چمکتا ہے سبزہ گھاس اگانے کو بدخشاں کے پہاڑوں پر چمکتا ہے لعل بنانے کو ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کے سورج ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہاں پر چمکے اللہ کی طرف بلانے کو مسلمانوں کے دلوں پر چمکے ایمان دینے کو عارفین پر چمکے عرفان بخشنے کو علماء' اولیاء' شہداء' صالحین پر چمکے انہیں مختلف رحمتیں دینے کو حضرات صحابہ کرام پر چمکے انہیں صحابی بنانے کو یعنی بعد انبیاء سب سے افضل و اشرف بنانے کو حضرات صحابہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے یہ فیض ملا کہ ان کے قلب و قالب بلکہ رونگٹے رونگٹے میں عشق و محبت رچ گئی وہ لوگ اللہ رسول کے ہو چکے اور اللہ رسول ان کے ہو گئے کفار نے ان واصلین اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان آڑ بننا چاہا رب تعالیٰ نے اس آڑ کو پھاڑتے ہوئے فرمایا کہ محبوب انہیں کسی وقت بھی اپنی بارگاہ میں آنے سے نہ روکو ان کی زبانیں میرے ذکر میں تر ہیں ان کے سینے نور کے گنجینے اخلاص و محبت سے معمور ہیں یہ میری رضا چاہتے ہیں میں ان کی رضا چاہتا ہوں انہیں مجھ سے آپ سے الگ ہونا گراں ہے تو مجھے ان سے الگ ہونا پسند نہیں ایسے لوگوں کا حساب نہیں حساب اطاعت کا ہوتا ہے عشق کا نہیں ہوتا آپ ان کی محبت وار فتگی کا حساب نہ لیں جیسے یہ آپ کے مراتب و درجات کا حساب نہیں کرتے ایسے لوگوں کو اپنے سے جدا کر دینا انصاف سے بعید ہے انہیں ہر دم اپنے قدموں سے لگے رہنے دو۔ سبحان اللہ لطف تو دیکھو کہ رب تعالیٰ ان فانی فی اللہ لوگوں کی سفارش اپنے محبوب سے فرما رہا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے مطالبے تین بار ہوئے ایک بار تو یہ جو مکہ معظمہ میں کفار کی طرف سے ہوا اور دوسرا مطالبہ مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کو علیحدہ کرنے کا جس کے متعلق **عبس و تولی** آیت کریمہ اتری۔ تیسرا مطالبہ حضرت بلال کو اذان سے علیحدہ کرنے کا یہ تیسرا مطالبہ وقتی طور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور کر لیا تھا کسی اور نے اذان کہی نہایت خوش الحانی سے لوگ بڑے خوش ہوئے مگر بعد نماز وحی آئی۔ مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

گفت ہاتف بردر خیر الوریٰ ۔۔۔ چہ سبب بے بانگ شد بیت خدا

لوگوں نے عرض کیا کہ آج اذان بہت شاندار ہوئی تو۔

گفت ہاتف بازاز بانگ بلال ۔۔۔ خوش شدے برعرش رب ذوالجلال

ایک لفظ ہوتا ہے مگر مختلف زبانوں میں اثر مختلف ہوتے ہیں **نشهد انک لرسول الله** منافقوں نے کہا تو جھوٹے ہوئے یہ ہی کلمہ مخلص نے کہا مومن بنا یہ کلمہ حضرت صدیق نے کہا صدیق اکبر بنے۔ سید عبدالقادر جیلانی نے پڑھا غوث اعظم بنے اور مومن اگر کفر بھی کہے تو مومن ہی رہتا ہے **الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان** سانپ دودھ پئے تو زہر بنے شہد کی مکھی پئے تو شہد بنے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گرد قدم کو نہیں پاسکتا کیونکہ حضرات صحابہ کی عبادات اور ان کے اخلاص ان کی دیانت ان کی مقبولیت کی قرآن نے گواہی دی اور کسی کو یہ شرف کیسے حاصل ہو گا نیز وہ حضرات احکام قرآن کے نزول کا باعث ہیں کہ ان کے پیش آمدہ واقعات پر بہت سے احکام قرآنیہ آئے وہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت قرآن مجید کے جمع کرنے اسلام کے پھیلانے کے لئے منتخب کئے گئے ان کی قبولیت کی آیات قرآن میں نازل ہوئیں وہ حضرات دین کا مرکز ہیں سارے اولیاء دائرہ ہیں ان کی نیت ان کے اخلاص پر اعتراض کرنے والے کفار مکہ کے زمرہ میں داخل ہوتے ہیں کہ یہ طریقہ کفار مکہ ہی کا تھا۔

وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ
اور اسی طرح آزمائش بنایا ہم نے ان کے بعض کو واسطے بعض کے تاکہ کہیں یہ لوگ کہ کیا یہ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے
اور یوں ہی ہم نے ان میں ایک کو دوسرے کے لئے فتنہ بنادیا کہ مالدار کافر مسلمانوں کو دیکھ کر کہیں کیا
بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾
اوپر انکے درمیان سے ہمارے کیا نہیں ہے اللہ بہت جاننے والا شکر گزاروں کو
یہ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا ہم میں سے کیا اللہ خوب نہیں جانتا حق ماننے والوں کو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ سے معلوم ہوا تھا کہ فقراء مومنین کی وجہ سے رؤساء کفار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری سے کتراتے تھے۔ اب اس کترانے کی اصل وجہ بیان فرمائی جارہی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امیر کافروں کی سخت آزمائش اور اس آزمائش میں ان بد نصیبوں کا فیل ہو جانا گویا ان کفار کی بیان کی ہوئی غلط وجہ کے بعد اس دوری کی اصل وجہ بیان فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ کفار ظاہر یہ کرتے ہیں کہ ہم کو فقراء مومنین کے ساتھ بیٹھتے شرم آتی ہے اس اس لئے ہم اسلام قبول نہیں کرتے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس دوری کی وجہ ان کی شرم نہیں وہ تو گھروں، بازاروں، میلوں، سفروں میں فقراء کے ساتھ رہتے ہیں اس کی اصل وجہ ان بد نصیبوں کا حسد ہے کہ فقراء ہم سے پہلے مومن ہو کر ہم سے علم و عمل میں کیوں بڑھ گئے

www.alahazratnetwork.org

گویا غلط بہانوں کے ذکر کے بعد اصل صحیح وجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار قریش کی اس نفرت کا ذکر تھا جو انہیں فقراء مومنین سے تھی اب اس نفرت کے انجام کا ذکر ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب کے دربار سے دور رہوئے اور خود رب تعالیٰ پر اعتراض کرنے لگے کہ اس نے فقراء کو ہدایت کیوں دے دی گویا اولیاء اللہ کی عداوت کا ذکر پہلے ہوا انجام کا ذکر اب ہے۔ ولی سے عداوت نبی سے دور کرتی ہے اور نبی سے دوری خدا سے باغی بناتی ہے۔

چوں شدی دور از حضور اولیاء آں چناں داں دور گشتی از خدا
ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او شیند در حضور اولیاء

زینے سے نفرت کر کے چھت تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

شان نزول: سرداران قریش جیسے عینیہ ابن حصن فزاری، عتبہ، شیبہ ابن ربیعہ، امیہ ابن خلف جمحی ولید ابن مغیرہ مخزومی ابو جہل ابن ہشام، سہیل ابن عمرو وغیرہم کے بعض غلام اور بعض آزاد کردہ غلام مسلمان ہو کر صحابی اور عالم دین بن گئے چنانچہ حضرت بلال ابن رباح رضی اللہ عنہ جو امیہ ابن خلف کے غلام تھے ان کے مراتب سے تو دنیا واقف ہے اس پر یہ سرداران کفر جل کر خاک سیاہ ہو گئے کہ ان غلاموں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سینہ سے کیوں لگا لیا چنانچہ عتبہ، شیبہ، مطعم ابن عدی وغیرہم ابو طالب کے پاس آئے اور بولے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کیسے لائیں انہوں نے ہمارے موالی (آزاد کردہ غلاموں) کو ایسی عزت دیدی کہ اپنے برابر بٹھالیا۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہماری طرف سے عرض کردیں کہ ان لوگوں کو اپنے ہاں سے نکال دیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت ان کے دین کی عظمت ہمارے دلوں میں پیدا ہوگی ممکن ہے کہ ہم مسلمان ہو جائیں ان میں سے بعض بولے کہ اگر اسلام حق ہوتا تو اس کی توفیق پہلے ہم کو ملتی کہ ہم پر خدا بہت خوش ہے اس نے ہم کو زمین حرم میں سکونت کعبہ کی خدمت حجاج کی خدمت آب زمزم کا انتظام دولت، سرداری اولاد غرضیکہ دینی و دنیاوی نعمتیں بخشی ہیں۔ ان غلاموں کے مسلمان ہو جانے سے ہم کو اسلام کی حقانیت میں شک ہے کہ اگر اسلام اللہ کی نعمت ہوتی تو مذکورہ بالا نعمتوں کی طرح یہ بھی ہم کو ہی ملتی۔ پہلے ہم ہی کو اسلام کی توفیق نصیب ہوتی اس کے مستحق ہم ہی ہوتے۔ ابو طالب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کیا ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر ابن کثیر، تفسیر ابن عباس، تنویر المقباس) ابن کثیر نے ان غلاموں کے نام یہ گنائے۔ بلال، عمار، سالم، صبیح، مقداد ابن عمرو، مسعود ابن قاری، واقد، عمرو ابن عمرو، ذوالشمالین وغیرہم۔

تفسیر: **وکذلک فتنا۔** قوی یہ ہے کہ کذلک میں کاف تشبیہ کا ہے ذالک اسم اشارہ اپنے ہی معنی میں ہے یہ لفظ اس مضمون کو گزشتہ مضمون سے تشبیہ دینے کے لئے ہے۔ **فتنا** بنا ہے **فتنۃ** سے فتنہ کے معنی ہیں سونے کو آگ میں تپانا جس سے کھرا کھوٹا جدا ہو جاوے اصطلاح میں آزمائش کو فتنہ کہا جاتا ہے کہ آزمائش کی آگ سے بھی مخلص اور منافق دیندار اور بے دین چھٹ جاتے ہیں یعنی جیسے آپ کی ذات و صفات حضرات صحابہ کے حالات و درجات ان کفار کے لئے آزمائش بن گئے کہ وہ آپ کے متعلق سوچنے لگے کہ آپ نبی ہیں تو نکاح کیوں کرتے ہیں کھاتے پیتے کیوں ہیں اگر اسلام سچا ہے تو یہ لوگ ایمان کیوں لائے ایسے ہی حضرات صحابہ کی غریبی مسکینی ان بد نصیبوں کے لئے آزمائش بلکہ آڑ بن گئی ہم نے اس کے ذریعہ

www.alahazratnetwork.org

سرداران قریش کو آزمایا۔ **بعضهم ببعض** یہاں پہلے بعض سے سرداران کفر مراد ہیں دوسرے بعض سے فقراء مومنین مراد یعنی ہم نے بعض لوگوں (کفار قریش) کو بعض لوگوں (فقراء مومنین) کی وجہ سے آزمائش میں ڈال دیا کہ وہ امیران فقراء کی وجہ سے اسلام کی حقانیت میں ہی شک کرنے لگے یا ان فقراء کی وجہ سے اسلام سے متنفر ہو گئے۔ بعض مفسرین نے یہاں دو طرفہ آزمائش سمجھی یعنی کفار مسلمانوں کی فقیری سے دھوکہ کھاگئے کہ اگر اسلام حق ہے تو یہ مسلمان فقیر کیوں ہیں اور مسلمان کفار کی امیری سے دھوکہ کھاگئے کہ اگر کفر باطل ہے تو کافر امیر کیوں ہیں مگر یہ تفسیر کچھ ضعیف ہے کیونکہ کسی فقیر صحابی کے دل میں اس کا خدشہ بھی نہ گزرا نہ انہیں کفار کی امیری سے اسلام کی حقانیت کفر کے باطل ہونے میں کچھ تردد ہوا وہ حضرات تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کو دولت کونین سمجھتے تھے ان کا تو یہ حال تھا۔

پروانہ کو شمع ہے تو بلبل کو پھول بس　　صدیق کے لئے خدا کا رسول بس

نیز خود اس آیت کا اگلا حصہ اس تفسیر کے خلاف ہے کہ آگے صرف کفار کا قول بیان فرمایا جارہا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **ليقولوا اهؤلاء من الله عليهم** یہ اسی آزمائش کا بیان ہے **ليقولوا** لام علت کا نہیں کہ اللہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے کام علت و غرض سے پاک ہیں بلکہ لام حکمت کے بیان کا ہے علت و حکمت میں فرق بارہا بیان ہو چکا ہے کہ علت میں فاعل کو فائدہ ہوتا ہے حکمت میں دوسروں کا نفع قول سے مراد یا تو زبان سے کہنا ہے خواہ مسلمانوں سے کہتا ہو یا آپس میں اپنی ہم قوم کفار سے یا دل کا قول یعنی سوچنا غور کرنا ہے اس کا فاعل وہی سرداران کفر ہیں **اهؤلاء** میں ہمزہ انکاری سوال کا ہے **هؤلاء** سے اشارہ ان ہی فقراء مومنین کی طرف ہے یہ اشارہ حقارت کا ہے **من** سے مراد اسلام و ایمان کی توفیق دینا ہے اور رب تعالیٰ کا مقبول بندہ بن جانا **عليهم** کا تعلق **من** سے ہے اور **هم** کا مرجع وہی فقراء مومنین یعنی اس میں حکمت یہ ہے کہ بد نصیب لوگ ان فقراء کو نظر حقارت سے دیکھتے ہوئے مسلمانوں سے کہیں یا آپس میں کہیں یا دل میں سوچ بچار کریں کہ یہی فقراء جنہیں تن کا کپڑا پیٹ کا ٹکڑا میسر نہیں وہ ہیں جنہیں اللہ نے یہ احسان خصوصی فرمایا کہ اسلام کی توفیق دے دی اور اپنا مقبول بندہ بنالیا اور پھر رہے فقیر کے فقیر **من بيننا** یہاں تفسیر روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ **بين** بمعنی **دون** ہے اور **دون** کے معنی ہیں بغیر یا نہ کرنا سے مراد امیر کفار ہیں یعنی ان پر یہ احسان کیا نہ کہ ہم پر یا بغیر ہمارے اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ کا ترجمہ نہایت اعلیٰ ہے کہ ہماری جماعت کے درمیان یہی فقراء اس احسان کے لائق رہ گئے ان کا مقصد یہ تھا کہ اسلام حق ہے ہی نہیں اور یہ فقراء اللہ کے پیارے بندے ہیں ہی نہیں اگر اسلام حق ہوتا تو اس کے قبول کرنے کی توفیق ہم کو ملتی نہ کہ انہیں کیونکہ ہم ہی خدا کے پیارے بندے ہیں دیکھ لو سرداری، دولت، عزت، اولاد ہم ہی کو ملی ہے انہیں نہیں ملی اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لو كان خيرا ما سبقونا اليه**۔ یہ بد نصیب ان فقراء کی غریبی کو اسلام کے باطل ہونے کی دلیل قرار دیتے تھے کہ چونکہ اسے عموماً فقراء نے قبول کیا ہے لہذا یہ حق نہیں ہے یہ ہے اللہ کی آزمائش اللہ کی پناہ **اليس الله باعلم بالشاكرين**۔ یہ فرمان رب تعالیٰ کا اپنا ارشاد عالی ہے جس میں ان کفار کی پر زور تردید ہے **اليس** میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے **باعلم** کی ب زائدہ ہے جو لیس کی خبر میں آجاتی ہے جیسے **وكفى بالله شهيدا** میں **بالله** کی ب زائدہ ہے جو کفی کے فاعل پر آگئی اور **بالشاكرين** کی ب **اعلم** کے متعلق ہے۔ چونکہ یہاں علم سے مراد علم محیط ہے لہذا اس کے بعد ب ارشاد ہوئی۔ جیسے کہا جاتا ہے **علم به** یا **علم بكذا** اور نہ علم خود ہی متعدی ہے ب کی ضرورت نہیں **علمه** اور **علم به** کا یہ فرق خیال رکھنا چاہئے (از روح المعانی) **شاكرين** سے

www.alahazratnetwork.org

مراد ہی مومنین ہیں جنہیں اسلام و قرب الٰہی کی توفیق دی گئی یعنی کیا یہ بات صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے شکر گزار نعمتوں کا حق جاننے والے بندوں کو خوب جانتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مال و دولت تو شاکر و کافر سب کو دے دی جاتی ہے۔ مگر ایمان' عرفان' مقبولیت کی دولت صرف شاکرین کو دی جاتی ہے تم لوگ ہندگان شاکر نہیں اس لئے اس نعمت سے محروم رہے۔ یہ غرباء فقراء اگرچہ ہیں مسکین و غریب مگر ہیں ہمارے شکر گزار اس لئے انہیں یہ نعمت عطا ہوئی۔ ان کی غریبی اپنی امیری سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے آپ کا لباس بشری میں ہونا آپ کا کھانا پینا نکاح و اولاد اختیار فرمانا سب میں رہنا بسنا ان کفار کے لئے اللہ کی طرف سے آزمائش بن گیا کہ انہوں نے آپ کے ان حالات طیبہ کو دیکھ کر آپ کی نبوت کا ہی انکار کر دیا اسی طرح آپ کے اصحاب کرام کا عموماً" مسکین و غریب ہونا ان کے لئے آزمائش بن گیا اس فقیری کو دیکھ کر انہوں نے اپنا بیڑہ غرق کر لیا۔ بعض لوگ بعض کے لئے یعنی یہ فقراء ان امیروں کے لئے امتحان ربانی بن گئے۔ یہ اس لئے ہوا کہ یہ امیر دھوکہ کھا کر ان فقراء سے یا آپس میں کہنے لگے کہ اگر اسلام سچا دین ہے تو کیا ہمارے ہوتے ہوئے ان فقراء کو ہی اس کے قبول کرنے کی توفیق ملی خدا تعالیٰ کے منعم بندے تو ہم ہیں اس نے ہم کو دنیاوی نعمتوں سے نوازا ہے امیر ہیں تو ہم' عزت والے ہیں تو ہم' جتھہ والے ہیں تو ہم اگر اسلام بھی اللہ کی نعمت ہوتی تو اسلام والے ہوتے تو ہم ان فقراء کے مومن ہونے سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام نعمت نہیں ہے یہ باطل دین ہے۔ اے محبوب کیا ان بے وقوفوں کو یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالیٰ شاکر بندوں اور کافر بندوں کو خوب جانتا ہے دنیاوی نعمتیں ہر شاکر و کافر کو مل جاتی ہیں مگر اخروی نعمتیں صرف شاکرین کو ملتی ہیں مسلمان کی فقیری سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ یہ گدڑیوں میں لعل ہیں بھی خشک زمین کی تہ میں سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اولیاء اللہ کو نظر حقارت سے دیکھنے والا نبی کے دروازے تک نہیں پہنچ سکتا اور جو نبی کے دروازے سے دور ہو وہ رب کے دروازے سے دھتکارا جاتا ہے۔ ولایت نبوت کا اور نبوت بارگاہ الٰہی کا زینہ ہے یہ فائدہ **فتنا بعضهم ببعض** سے حاصل ہوا ایسے ہی اس کے برعکس ہے کہ ولی کا مقبول نبی کا مقبول اور نبی کا مقبول خدا کا مقبول ہے۔ **دوسرا فائدہ**: سردار خواہ دینی ہو یا دنیاوی اگر اس کے ساتھ انکساری ہے تو وہ سرداری رحمت باری ہے اور اگر اس کے ساتھ غرور تکبر اللہ والوں کی تحقیر ہو تو وہ ذلت و خواری ہے انکساری وہ چورن ہے جس سے سرداری جیسی ثقیل غذا بھی ہضم ہو جاتی ہے اور اس سے قرب سرکاری نصیب ہوتا ہے۔ کفار مکہ نے اپنی جس قدر دینی دنیاوی سرداری کا ذکر کیا وہ سب درست تھی واقعی وہ ابراہیمی تھے مکی تھے کعبہ کے نگران و خدام تھے دولت مند تھے۔ جتھہ والے تھے مگر چونکہ اس سرداری کے ساتھ ان میں انکساری نہ تھی تو دیکھ لو بدر وغیرہ میں کس ذلت و خواری سے مارے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجز و انکسار کس سے چھپا ہے۔ دیکھ لو آج ان کے نام کے ڈنکے کیسے بج رہے ہیں کسی شاعر نے کیا خوب کہا۔

اپنے کپڑے خود دھولینا خاک کے بستر پہ سو لینا ۔۔۔ سیدھی سادی نیک طبیعت صلی اللہ علیہ وسلم!

تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام پر نکتہ چینی کرنے والا بھی خیر کی توفیق نہیں پا سکتا سرداران کفر کے حالات سے عبرت پکڑو کسی صحابی بلکہ کسی متقی مومن کو نظر حقارت سے نہ دیکھو۔

خاکساران جہاں را بہ حقارت منگر! ۔۔۔ تو چہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: اپنے کمالات اور بزرگوں میں کوتاہیاں سوچنا طریقہ کفار ہے اور کفر کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **لیقولوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا اپنے گناہ سوچنا مقبولوں کے کمالات سوچنا عبادت ہے بلکہ عبادات کی جڑ ہے۔ پانچواں فائدہ: ایک ہی چیز کسی کے لئے ہدایت کا باعث ہوتی ہے کسی کے لئے گمراہی کا ذریعہ دیکھو فقراء مومنین کی فقیری کو دیکھ کر کفار مکہ اور زیادہ کفر میں سخت ہو گئے مگر بادشاہ روم ہرقل نے ان حضرات کی غریبی کو اسلام کی صداقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی دلیل بنایا کہ اس نے ابوسفیان سے پوچھا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع امراء کرتے ہیں یا عموما" فقراء ابوسفیان نے کہا کہ عموما" فقراء وہ بولا کہ ہمیشہ حضرات انبیاء کی اتباع غربا مساکین ہی نے کی ہے وہ سچے نبی ہیں ایک چیز ہے مگر دیکھنے والوں کی نگاہیں مختلف ہیں۔ چھٹا فائدہ: دنیاوی مال و دولت پر ایمان و تقویٰ کو قیاس نہ کرنا چاہئے کہ جسے دولت ملی اسے ہی ہدایت ملتی ہے اکثر اس کے خلاف بھی ہوتا ہے ہدایت و ایمان سے ملتے ہیں جس میں شکر کا مادہ ہو یہ فائدہ **الیس اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ اس دھوکہ میں بہت لوگ مارے گئے عقل یہاں ہی ٹھوکر کھاتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن اللہ کا خاص فضل ہے وہاں گھمنڈ و غرور کی جگہ ہی نہیں۔

جسے چاہا در پہ بلا لیا جسے چاہا اپنا بنا لیا یہ بڑے کرم کے ہیں فیصلے یہ بڑے نصیب کی بات ہے
وہ بھٹک کے راہ میں رہ گئی یہ مچل کے در سے لپٹ گئی وہ کسی امیر کی شان تھی یہ کسی غریب کی بات ہے

حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کو اپنے قدموں میں جگہ دے کر عرش بریں سے اونچا کر دیا آپ کے مولی امیہ ابن خلف جیسے امیر کو دور کر دیا وہ اسفل السافلین میں پہنچ گیا یہ آستانہ بے نیاز رب کے بے نیاز محبوب کا ہے یہاں کسی کا ناز نہیں چلتا یہاں تو نیاز مندی کام آتی ہے۔ ساتواں فائدہ: جو شخص کسی کی وجہ سے دین اور دینی نعمت سے محروم رہے وہ کفار مکہ کی طرح بے عقل ہے آج بعض لوگ مسجد کی حاضری جماعت کی نماز سے اس لئے محروم رہتے ہیں کہ وہاں فلاح شخص امام ہے ہم اس مسجد میں نہ جائیں گے نہ نماز جماعت سے پڑھیں گے۔ اس وجہ سے وہ اکیلے اپنے گھر میں نماز پڑھ لیتے ہیں یہ شیطان کا دھوکہ ہے۔ جب تم اور وہ ایک کنوئیں سے پانی پیتے ہو ایک محلہ میں رہتے ہو ایک دوکان سے سودا لیتے ہو تو ایک مسجد میں نماز کیوں نہیں پڑھتے حضرات صحابہ کرام نے حجاج ابن یوسف اور مروان ابن حکم جیسے ظالموں کے پیچھے نمازیں پڑھی ہیں۔ ظالم بادشاہوں کے ساتھ جہاد کئے ہیں۔ حتی کہ 52ھ میں جب قسطنطنیہ پر پہلا حملہ ہوا تو اس کا جرنیل یزید ابن معاویہ تھا اور حضرت ابو ایوب انصاری' عبداللہ ابن عمر' عبداللہ ابن عباس جیسے صحابی اس میں مجاہدانہ شان سے شریک تھے کسی کی وجہ سے جماعت نماز اور جماعت جہاد نہ چھوڑو۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فقراء مومنین کفار کے لئے فتنہ بنے انہیں ان کے ایمان سے ان کی فقیری نے روکا تو ان کی فقیری بری چیز ہوئی کہ ایمان سے روکنے والی چیز اچھی کیسے ہو سکتی ہے۔ جواب: یہ حضرات تو سارے انسانوں کے لئے ہادی ہیں۔ آسمان ہدایت کے تارے ہیں وہ تو ہدایت ہی دیتے ہیں جو ان سے ہدایت نہ لے یہ اس کی اپنی عقل کا فتور ہے اس کا اپنا قصور ہے سورج نور ہی دیتا ہے۔ اگر چمگادڑ کی آنکھ اس سے اندھی ہو جاوے تو اس میں سورج کا قصور نہیں بلکہ اس کی آنکھ کا قصور ہے ہم نے ابھی فوائد میں عرض کیا کہ ہرقل شاہ روم نے ان حضرات کی فقیری کو اسلام کی حقانیت کی دلیل بنایا۔ دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری طور پر خزانے کیوں نہ دے دیئے اور حضرات صحابہ کو امیر

www.alahazratnetwork.org

کبیر کیوں نہ بنادیا کہ یہ امیری ان لوگوں کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی۔ **جواب:** اس صورت میں اسلام کی حقانیت ظاہر نہ ہوتی لوگ مال وزر کے لئے اسلام قبول کرتے حضرت سلیمان علیہ السلام دنیا بھر کے بادشاہ تھے مگر دولت سے اپنا دین نہ پھیلایا بلکہ ان کا دین چلا ہی نہیں جب مسلمانوں کے پاس یہ ظاہری سامان نہ تھا پھر اسلام پھیلایا تو پتہ لگا کہ اسلام میں خود اپنی کشش ہے۔ جس سے لوگ ادھر کھنچے جاتے ہیں مقناطیس خود لوہے کو کھینچتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے افعال غرض وغایت کے ماتحت ہوتے ہیں۔ دیکھو فرمایا گیا **لیقولوا اھٰولاء** الخ معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کی فقیری کی غرض یہ تھی حالانکہ عقائد والے کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے افعال غرض وغایت سے پاک ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ہم نے اسی تفسیر میں بارہا دیا ہے اور ابھی اسی آیت کی تفسیر میں بھی اشارۃً عرض کردیا کہ رب کے کام حکمت سے خالی نہیں غرض سے پاک ہیں۔ غرض وہ جو فاعل کی اپنی ضرورت ہو حکمت وہ ہے۔ جس میں کوئی فائدہ ہو اس فقیری سے کھرے کھوٹے کی چھانٹ ہوئی اس چھانٹ میں رب تعالیٰ کا فائدہ نہیں۔ خود بندوں کا اپنا ہی فائدہ ہے لہٰذا یہ حکمت ہے غرض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں فاضل و مفضول کا فرق رکھا ہے یکسانیت نہ رکھی ساری مخلوق میں یہ قانون جاری ہے فاضل مفضول کے لئے اور مفضول فاضل کے لئے امتحان ہیں فاضل مفضول کو دیکھ کر شکر کریں اور مفضول فاضل کو دیکھ کر صبر کریں وہ شاکر نہیں یہ لوگ صابر' اگر فاضل شکر نہ کرے تو اس کا کمال زوال کے کنارے پر ہے اور اگر مفضول صبر کرے تو عنقریب فاضل بننے والا ہے۔ صابر مفضول شاکر فاضل کا درجہ پالیتا ہے۔ حضرت سلیمان کے شکر نے اور حضرت ایوب علیہ السلام کے صبر نے ان حضرات کو عبودیت میں برابر کردیا کہ ان دونوں حضرات کے متعلق ارشاد ہوا نعم العبد اس کے برعکس اگر فاضل اپنے فضل پر غرور کرے مفضول کو حقیر جانے تو مفضول اس کے لئے فتنہ ہے اور اگر مفضول فاضل پر حسد کرے تو فاضل اس کے لئے آزمائش ہے۔ فقراء مومنین حسد سے پاک تھے صابر راضی برضا تھے وہ قریب میں تخت و تاج کے مالک بنا دیئے گئے امراء کفار متکبر تھے خاک میں ملادیئے گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مرید تین قسم کے ہیں مرید دنیا ان کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی زیادتی دین کی کمی سے راضی ہوتے ہیں فقراء مساکین سے متنفر دوسرے مرید آخرت ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ دنیا کی کمی دین میں کمال سے راضی ہوتے ہیں۔ فقراء مساکین سے محبت کرتے ہیں۔ تیسرے مرید ذات ان کی پہچان یہ ہے کہ وہ خلق بلکہ اپنے سے آزاد ہو کر کونین پر راج کرتے ہیں لوگ اللہ سے مانگتے ہیں یہ اللہ کو مانگتے ہیں کسی صوفی نے کیا خوب کہا۔

وکل له سئول و دین و مذهب　　　و اسئلکو هولي و دیني رضا کمو

یعنی ہر شخص کا کوئی سوال کوئی دین کوئی مذہب ہوتا ہے میرا دین تیرا وصال ہے میرا مذہب تیری رضا ہے امیر خسرو فرماتے ہیں۔

ہر قوم راست دینے راہے و قبلہ گاہے　　　من قبلہ راست کردم سمت کج کلاہے!

اس آیت نے فقراء مومنین کے ڈنکے بجادیئے فقراء سے محبت جنت کی چابی ہے ان سے نفرت دوزخ کی کنجی۔

حب درویشاں کلید جنت است　　　دشمن ایشاں سزائے لعنت است

(از روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ اس بارگاہ میں جس نے ناز کیا مار آگیا جو نیاز لایا کامیاب ہوا۔

شکلاں والی ناز دکھاویں پکڑ نکالی جاویں　　　او گنہاری عجز کماویں قرب حضوری پاویں

www.alahazratnetwork.org

وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلۡ سَلٰمٌ عَلَیۡكُمۡ كَتَبَ رَبُّكُمۡ عَلٰی

اور جب کبھی آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو یمان رکھتے ہیں آیتوں پر ہماری تو فرماؤ سلام ہو اوپر تمہارے

اور جب تمہارے حضور وہ حاضر ہوں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں ان سے فرماؤ تم پر سلام تمہارے رب

نَفۡسِهِ الرَّحۡمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنۡ عَمِلَ مِنۡكُمۡ سُوۡٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنۡۢ بَعۡدِهٖ وَ

لکھ لیا رب نے تمہارے اوپر ذات اپنی کے رحمت کو بیشک جو عمل کر بیٹھے تم میں سے برا بوجہ نادانی کے پھر

نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت لازم کر لی ہے کہ تم میں جو کوئی نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے پھر اس

اَصۡلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ

توبہ کرے پیچھے اس کے اور درست کرے پس بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور اسی طرح تفصیل سے بیان

کے بعد توبہ کرے اور سنور جائے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور اسی طرح ہم آیتوں کو مفصل

وَلِتَسۡتَبِیۡنَ سَبِیۡلُ الۡمُجۡرِمِیۡنَ ﴿۵۵﴾

کرتے ہیں ہم آیتیں اور تاکہ ظاہر ہو رستہ جرم والوں کا

بیان فرماتے ہیں اور اس لئے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جاوے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالٰی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا تھا کہ ان فقراء مومنین کو اپنی مجلس پاک سے نہ ہٹاؤ یا نہ دو کو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ بلکہ جب یہ فقراء آپ کے پاس حاضر ہوا کریں تو ان کا عملاً اور قولاً ہر طرح احترام فرماؤ گویا پہلے رنج دو چیز سے منع فرمایا گیا اور اب خوش کن چیز کا حکم دیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فقراء مومنین کی بارگاہ نبوت میں عزت و عظمت کا ذکر تھا۔ اب بارگاہ الٰہی میں ان کی حرمت و عظمت کا ذکر ہے کہ ان کی بارگاہ نبوت میں یہ عزت ہے کہ ان کے خلاف کفار کا مطالبہ پورا نہ کیا اور بارگاہ الٰہی میں ان کی یہ عزت ہے کہ ان کی خطائیں معاف ہیں رب کی رحمتیں ان کے لئے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان فقراء مومنین کے شکر و صبر کا ذکر ہوا۔ اب ان کے صبر و شکر کی دنیاوی اخروی جزاؤں کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ان فقراء مومنین کے نیک اعمال کا ذکر ہے۔ یدعون ربہم الخ اب ان کے اچھے عقیدوں کا تذکرہ ہے۔ یومنون بایاتنا۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں (1) یہ آیات بھی انہیں حضرات کے متعلق نازل ہوئیں جن کے متعلق پچھلی آیات نازل ہوئی تھیں اور یہ انہی آیتوں کا تتمہ ہیں (2) یہ آیتیں حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، علی، بلال، سالم ابن ابی عبیدہ، مصعب ابن عمیر، حمزہ، جعفر، عثمان ابن مظعون، عمار ابن یاسر، ارقم ابن ارقم، ابو سلمہ ابن الاسد رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق نازل ہوئیں (3) جب مشرکین مکہ نے فقراء مہاجرین کو کسی خاص مجلس وعظ سے الگ رکھنے کی

www.alahazratnetwork.org

درخواست کی تھی۔ تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخواست کی قبولیت کی رائے دی تھی تا کہ اس ذریعہ وہ مشرکین ایمان قبول کرلیں۔ جب گزشتہ آیات نازل ہوئیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ معذرت کرنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے تب ان کے متعلق یہ آیتیں اتریں (4) یہ آیتیں تاقیامت تمام مومنین کے متعلق نازل ہوئیں جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں جسمانی یا قلبی طور پر حاضر ہوں۔ جسمانی حاضری مدینہ میں نصیب ہوتی ہے۔ جنانی حاضری ہر مومن کے سینہ میں۔ (تفسیر خازن)۔

دل کے آئینہ میں ہے تصویر یار جب ذرا گردن جھکائی دیکھ لی

(5) یہ آیت کریمہ اصحاب صفہ کے متعلق نازل ہوئیں جو مساکین تھے اور انہوں نے اپنے کو علم دین سیکھنے کے لئے وقف کردیا تھا (تفسیر کبیر) (6) کچھ لوگ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر بولے یا رسول اللہ ہم نے بڑے گناہ کئے ہیں۔ اب اس کا بدلہ کیا کریں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی قریب تھا کہ وہ مایوس ہو کر لوٹ جاویں کہ یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)۔

تفسیر: **واذا جاء ک** یہ جملہ نیا ہے لہذا اس میں واؤ ابتدائیہ ہے۔ **اذا** ظرفیہ بمعنی شرط ہے اور یہ ظرف و شرط دوامی ہے نہ کہ محض وقتی لہذا اس کے معنی ہوں گے۔ جب بھی جیسے کہا جاتا ہے **اذا طلعت الشمس وجد النهار** جب بھی سورج نکلے دن نکل آتا ہے دیکھو **اذا جاء نصر الله** میں بھی **اذا** ہے مگر وقتی ہے جو ایک وقت اور ایک واقعہ کا ذکر کر رہا ہے اور **اذا جاء ک المنافقون** میں بھی **اذا** ہے مگر دوامی ہے جو ایک دائمی قانون بتا رہا ہے جب اور جب بھی میں فرق ہے یہاں **اذا** بمعنی جب بھی ہے۔ **جاء** کے معنی ہیں آئیں یا آیا کریں۔ آپ کے پاس آنے کی چند صورتیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری۔ ہم جہاں بھی ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہاں سے متوجہ ہو جاویں اس آخری حاضری کے لئے جسمانی سفر سواری کی ضرورت نہیں فقیر کے نزدیک یہی آخری معنی قوی ہیں کہ شان نزول اگرچہ خاص ہے مگر عبارت عام ہے مگر خیال رہے کہ یہاں آنے سے مراد نیاز مندی کے ساتھ حاضر ہونا ہے منافقوں کافروں کی طرح سرکشی کے ساتھ حاضری مراد نہیں۔ غرضیکہ لفظ **جاء** یا لفظ آنا ایک ہے مگر اس کی نوعیتیں بہت ہیں۔ امیر کے گھر چور بھی آتا ہے جو پکڑا جاتا ہے سانپ بھی آتا ہے جو مارا جاتا ہے۔ بھکاری بھی آتا ہے جو بھیک پاتا ہے ملنے کے لئے طالب دیدار مخلص دوست بھی آتا ہے جو قرب پاتا ہے غرضیکہ آنا لفظ ایک ہے اس کی نوعیتیں مختلف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے پر منافقین آئے **اذا جاء ک المنافقون** یہ چور تھے پکڑے گئے ہم بھکاری بھی آئے جنہیں بھیک ملی حضرت صدیق فاروق بھی آئے جنہیں قرب نصیب ہوا نیز جانا تین طرح کا ہوتا ہے چڑھ کر، چل کر، اتر کر گر کر ڈول کنوئیں کے پانی کے پاس جاتا ہے گر کر یا اتر کر پھر بھرنے والے کے پاس آتا ہے چڑھ کر اگر بلانے والا اونچا ہے تو وہاں چڑھ کر جانا ہو گا اسی لئے قرآن مجید میں کہیں ارشاد ہوتا ہے **تعالوا** چڑھ آؤ پھر چل کر جانے کی بہت سی نوعیتیں ہیں اڑ کر جانا دوڑ کر جانا آہستہ جانا' یہاں نیاز مندی کی حاضری مراد ہے اس لئے آگے ارشاد ہے۔ **الذين يومنون باياتنا** یہ **جاء ک** کا فاعل ہے **الذين** سے مراد یا تو وہی حضرات صحابہ ہیں جن کے متعلق اس آیت کا نزول ہوا یا تاقیامت مدینہ منورہ حاضری دینے والے مسلمان یا تاقیامت ہر جگہ کے مسلمان چونکہ اخلاص کے ساتھ ضروری کا وہ نتیجہ ہے جو یہاں مذکور ہے نیز ہر مومن کے

www.alahazratnetwork.org

لئے یہ بشارت ہے اس لئے یہاں ضمیر سے کام نہ لیا گیا **جاء واک** نہ کہہ دیا گیا بلکہ **الذین** ارشاد ہوا۔ **یومنون** کے معنی ہیں ایمان رکھتے ہیں ایمان لانا عارضی چیز ہے مگر ایمان رکھنا دوامی چیز خیال رہے کہ ماسوای اللہ ہر چیز اللہ کی ذات وصفات کی آیت ہے لہذا آیات الہیہ لاانتہائی ہیں ان پر اجمالی ایمان ممکن ہے ان کی تفصیل کی تو کسی کو خبری نہیں (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ بھاری تین طرح کے ہوتے ہیں بعض وہ جو سخی سے اپنی حاجات صاف صاف عرض کر دیتے ہیں بعض وہ جو اس کے جان ومال اولاد کی خیری مانگتے دعائیں ہی دیتے ہیں بس مگر بعض بھکاری ایسے بھی ہوتے ہیں جو سخی کے سامنے آکھڑے ہوتے ہیں۔ منہ سے کچھ بھی نہیں بولتے وہ سمجھتے ہیں کہ میری صورت ہی سوال ہے۔ صورت بہ بیں حالت میرس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ عالیہ پر ان تینوں قسم کے بھکاریوں کی بھیڑ تاقیامت لگی رہتی ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دین ودنیا شفاعت جنت قرب الہی سبھی کچھ ملتا ہے اس لئے اس کے متعلق تین قسم کی آیات قرآن مجید میں آئیں۔ **جاء واک فاستغفروا اللہ** پہلی قسم کے بھکاریوں کے لئے ہے اور **صلوا علیہ وسلموا تسلیما** دوسرے قسم یعنی دعا گو بھکاریوں کے لئے اور یہ آیت صرف آکھڑے ہونے والے بھکاریوں کے لئے ہے اس لئے یہاں صرف آجانے کا ذکر ہے کچھ عرض معروض کرنے کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری آیات الہیہ کا مجموعہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان ساری آیات پر ایمان ہے لہذا یہاں آیات الہیہ سے مراد یا مخلوقات ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات یا قرآن مجید کی آیتیں قوی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہو کہ ایمان کا دارومدار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں بہت لوگ بحالت جنگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاکر وہاں ہی شہید ہو گئے انہیں قرآن کریم کی خبر بھی نہ ہوئی وہ بھی آیات الہیہ پر ایمان لے آئے۔ **فقل سلام علیکم** یہ عبارت جزا ہے **واذا جاءک** الخ کی یہاں سلام سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا سلام ان حاضرین کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ سلام پہنچانے والے ہیں تب تو کوئی اشکال نہیں اور اگر خود حضور انور کا اپنا سلام مراد ہے تو تحقیق یہ ہے کہ سلام بہت قسم کا ہوتا ہے۔ (1) سلام استیذان (اجازت لینے کا سلام) (2) سلام تحیت (ملاقات کا سلام) (3) سلام وداع (رخصت ہونے کا سلام) (4) سلام اخلاص جیسے نمازی التحیات میں عرض کرتا ہے **السلام علیک ایھا النبی** (5) سلام بیزاری جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر سے کہا **قال سلام علیک ساستغفرلک ربی**۔ (6) سلام بشارت جیسے جنتی مسلمانوں کے جنت میں داخل ہوتے وقت فرشتے عرض کریں گے **سلام علیکم فادخلوھا خالدین** (7) سلام اکرام اطاعت جیسے ہمارا درود شریف میں **الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ** عرض کرنا یہ اقسام تو اپنے سلام کی ہیں کسی دوسرے کا سلام پہنچانا ان سب قسموں کے علاوہ ہے پہلے تین سلاموں میں آنے والے سلام کرے مگر آخری تین سلاموں میں بیٹھا ہو آنے والے کو سلام کر سکتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ یہاں سلام بشارت مراد ہے لہذا ان غلاموں کی حاضری کے وقت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام فرمانا بالکل درست ہے اور اگر لام تحیۃ مراد ہے تو یا تو سلام سے مراد ہے سلام کا جواب یا یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات سے ہے لہذا آیت واضح ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ سلام کے چار معنی ہیں سلامتی کی دعا، اسماء الہیہ میں سے رب تعالیٰ کا ایک نام، جنت کا ایک درخت ہے سلام۔ مضبوط پتھر یہاں یا معنی دعاء سلامتی ہے۔ یا اللہ کا نام ہے اگر اللہ کا نام ہے تو اس سے پہلے رحمت پوشیدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں سلام سے مراد اللہ تعالیٰ کا سلام ہو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان حاضرین بارگاہ تک پہنچایا گیا ہے اس صورت میں **قل** فرمانا ان حاضرین

www.alahazratnetwork.org

بارگاہ کی عزت افزائی کے لئے ہے۔ یعنی اے محبوب سلام میرا ہو زبان تمہاری ہو اس میں ان کی عزت افزائی ہے تمغہ یا سرٹیفکیٹ بادشاہ دے مگر وزیر اعظم یا حاکم اعلیٰ جلسہ کرکے اس کے سینہ پر تمغہ لگائے تو اس میں اس نوکر کی عزت افزائی ہے **کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت قل کا دوسرا مقولہ ہے۔ چونکہ آفات سے سلامتی رحمتوں کی عطا مستقل نعمتیں مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اس لئے درمیان میں واؤ عاطفہ نہ آیا بلکہ اسے مستقل دوسرا مقولہ بنایا گیا۔ **کتب** کا مصدر ہے **کتاب** بمعنی لکھنا یا بمعنی لازم فرمانا یہاں دونوں معنی درست ہیں لوح محفوظ میں رب تعالیٰ نے لکھ دیا یا اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالیا چونکہ اس رحمت کا تعلق اللہ تعالیٰ کی ربوبیت سے ہے اسی لئے **کتب اللہ** نہ فرمایا بلکہ **کتب ربکم** ارشاد ہوا نفس کے چند معنی ہیں۔ حقیقت' دل' جسم' خون' ذات عین یہاں نفس بمعنی ذات ہے کیونکہ رب تعالیٰ جسم و خون وغیرہ سے پاک ہے رحمت سے مراد وہ خصوصی رحمت ہے جو بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہونے والے مومنین **مخلصین** کے لئے خاص کردی گئی ہے اس رحمت کی وسعت ہمارے وہم و گمان و اندازے سے وراء ہے یہ رحمت رزق' ایمان' عرفان وغیرہ کے علاوہ کوئی اور رحمت ہے جو ان حاضرین کے لئے مخصوص ہے **الرحمۃ** کے بعد **لکم** پوشیدہ ہے یعنی تمہارے رب نے تمہارے لئے خاص رحمت اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمالی۔ رحمت سے مراد دنیاوی رحمتیں نہیں خواہ خاص ہوں یا عام کیونکہ وہ فانی ہیں نیز وہ رحمتیں بھی ہیں مگر کبھی زحمتیں اور عذاب بھی بن جاتی ہیں اور ہر کافر و مومن سب کو مل جاتی ہیں نہ روحانی عام نعمتیں مراد ہیں جیسے ایمان' تقویٰ وغیرہ کیونکہ یہ نعمتیں تو ان حاضرین کو پہلے ہی مل چکی ہیں کہ فرمایا گیا **الذین یومنون بایاتنا** بلکہ اس رحمت سے مراد روحانی خاص رحمت ظاہر یہ ہے کہ وہ خاص رحمت اللہ تعالیٰ کا خصوصی قرب خاص نگاہ کرم ہے جس نظر سے وہ اپنے حبیب کو دیکھتا ہے تم کو بھی دیکھ لے گا۔ جہاں پھول پہنچتا ہے وہاں گلدستہ کی گھاس بھی پہنچ جاتی ہے۔ جو پھولوں کے ساتھ بندھی ہے یا کتب کے معنی ہیں لوح محفوظ میں لکھ لیا اور رحمت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں یعنی رب نے تم کو اس رحمت عالمین کی بارگاہ میں حاضری کے لئے منتخب کرلیا یہ رحمت تم کو دی۔ خیال رہے کہ رحم جڑ ہے کرم اس کی شاخیں جب ہمارے دل میں کسی پر رحم اور ترس آتا ہے تو اس پر مہربانی کرتے ہیں مالی مہربانی یا جانی اللہ کی ساری نعمتیں دینی ہوں یا دنیاوی اس کا کرم ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اس کا رحم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وجہ سے یہ سب کرم ہوتے ہیں۔ **انہ من عمل منکم سوء بجھالۃ**۔ یہ عبارت تو **الرحمۃ** کا بدل ہے یا **کتب** کا مفعول یہ ہے اور **الرحمۃ** مفعول لہ تھا (روح المعانی) **سوء** سے مراد کفر و شرک و بدعقیدگی کے علاوہ اور گناہ ہیں خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے کھلے ہوں یا چھپے نئے ہوں یا پرانے ہمیں یاد ہوں یا بھولے ہوئے ایک ہوں یا لاکھوں کروڑوں اس سے کفر و شرک اس لئے خارج ہیں کہ یہ خطاب مومنین حاضرین **مخلصین** سے ہے۔ جہالت سے مراد غلطی یا خطاء نہیں کہ غلطی خطا میں تو یہ لازم نہیں نہ بے علمی مراد ہے بلکہ مراد یا نادانی ہے یا بے وقوفی یا جاہلوں کا سا کام حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ خود دنیا جہالت ہے (ابن ابی حاتم' تفسیر ابن کثیر' روح المعانی کبیر وغیرہ) لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **ثم تاب من بعدہ واصلح** یہ عبارت معطوف ہے عمل پر چونکہ توبہ کا وقت ساری عمر ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا کہ اگر کوئی نادان گناہ کے بعد فوراً توبہ نہ کرے تو وہ بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو توبہ کے معنی اس کے اقسام اس کے ارکان اس کی شرائط اور شرائط قبول بارہا بیان ہوچکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسا گناہ ویسی توبہ نیز توبہ کی حقیقت ہے اپنی بری حرکت پر ندام

www.alahazratnetwork.org

ہوتا اس کی معافی چاہنا آئندہ کے لئے نہ کرنے کا عہد کرلینا۔ زبان کے الفاظ آنکھ کے آنسو کفارہ گناہ وغیرہ بھی ساتھ ہوں تو سبحان اللہ۔ **اصلح** میں بڑی وسعت ہے گزشتہ گناہ کی تلافی کر دینا۔ آئندہ اپنے اعمال درست رکھنا اخلاص وغیرہ سب ہی اس میں شامل ہیں۔ **فانہ غفور رحیم** یہ عبارت کسی پوشیدہ مبتداء کی خبر ہے **امرہ یا شانہ** اور یہ جملہ یعنی مبتداء خبر **من عمل منکم** میں من کی خبر اس لئے یہاں **انہ** فتحہ سے ہے (معانی۔ بیان وغیرہ) تفسیر کبیر نے فرمایا کہ **انہ من عمل منکم** تو بدل ہے **الرحمۃ** کا اور یہ **فانہ غفور رحیم** بدل ہے **انہ من عمل** کا لہذا دونوں جگہ **ان** فتحہ سے ہے ہماری یہ ہی قراۃ ہے دونوں جگہ **ان** فتحہ سے بعض قراتوں میں دونوں جگہ **ان** کسرہ سے ہے۔ اور بعض قراتوں میں **انہ من عمل** میں ان فتحہ سے ہے اور **فانہ غفور رحیم** میں **ان** کسرہ سے ہے (تفسیر کبیر) یعنی جو گناہ کے بعد توبہ کرے تو اس شخص کا حال یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی اسے بخش بھی دیگا اس پر مہربانی بھی کرے گا۔ بخشنے سے مراد ہے گناہ معاف کر دینا سزا نہ دینا مہربانی سے مراد ہے اس کو جنت کی نعمتیں عطا فرما دینا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کبھی گنہگار بندے کو بغیر توبہ بھی بخش دیتا ہے وہ کریم ہے مگر وہاں بخشش لازم ہو ضروری نہیں مگر درست توبہ کرنے پر ضرور بخش دیتا ہے اس نے یہ اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمایا ہے لہذا یہاں **ف** ارشاد فرمانا بالکل درست ہے گناہ کی بخشش اور ہے اور بخشش کا لازم و ضروری ہونا کچھ اور اسی لئے یہاں **کتب ربکم** ارشاد ہوا **و کذلک نفصل الایات** یہ جملہ نیا ہے لہذا واؤ ابتدائیہ ہے۔ **ذالک** میں اشارہ گزشتہ مضامین کی طرف ہے توحید۔ رسالت۔ شرک و کفر کی تردید وغیرہ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں یعنی جیسے ہم نے توحید نبوت کے دلائل شرک و کفر کی تردید وغیرہ تفصیل وار بیان فرمائی ہے۔ اسی طرح ہم قرآن مجید کی تمام آیات تمام مضامین تفصیل وار صاف صاف کھول کر بیان فرماتے ہیں۔ قرآن کریم میں بعض احکام و فرمان وہ ہیں جن پر قیامت تک عمل ہوگا جیسے نماز' روزہ وغیرہ کی آیات اور بعض احکام و فرمان وہ ہیں جو صرف زمانہ نبوی میں عمل میں آگئے پھر ان پر عمل ناممکن ہو گیا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں دعوت کھانے آپ کے ساتھ راستہ چلنے کے احکام کی آیات مگر یہ دونوں قسم کی آیات قرآن میں رکھی گئیں ہیں تا کہ اس سے **مخلصین مجرمین** کے راستے واضح ہو جاویں ارشاد ہوا **و کذلک نفصل** الخ **ولتستبین سبیل المجرمین** قوی یہ ہے کہ یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے۔ اور واؤ عاطفہ ہے اصل عبارت یوں ہے **لیظھر الحق ولتستبین** الخ **تستبین** واحد مخاطب ہے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے **سبیل** اس کا مفعول **مجرمین** سے مراد کفار و مشرکین ہیں۔ یعنی ہم آیات قرآنیہ تفصیل وار اس لئے بیان فرماتے ہیں تا کہ حق و باطل ظاہر ہو جاوے اور تا کہ کفار و مشرکین کا راستہ بالکل ظاہر ہو جاوے لوگ کفار کے طریقے سے بچیں حق راستہ اختیار کریں توبہ کرنا ہمارے محبوب کے آستانہ پر حاضر ہو جانا حق راستہ ہے اسے اختیار کریں توبہ نہ کرنا ہمارے محبوب سے اکڑ جانا طریقہ کفار ہے۔

خلاصہ تفسیر : اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار تو آپ سے عرض کرتے ہیں کہ فقراء صحابہ کو اپنی مجلس سے نکال دو یا روک دو مگر ہم فرماتے ہیں کہ انہیں ہرگز نہ روکو وہ تمہارے ہیں تم ان کے انہیں ہر وقت اپنے ساتھ رکھو ہر وقت آنے کی اجازت دو اور ان کی عزت افزائی اس طرح کرو کہ جب بھی وہ آپ کی خدمت میں حاضری دیں جو ہماری آیات پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ انہیں ہمارا اسلام پہنچاؤ۔ خیال رہے کہ جیسے گھڑی کی مشین تو ایک ہوتی ہے مگر اس سے چار سوئیاں چار طرح کی حرکت کرتی

www.alahazratnetwork.org

ہیں سیکنڈ کی سوئی ایک منٹ میں بارہ پر پہنچ جاتی ہے منٹ کی سوئی ایک گھنٹہ میں گھنٹہ کی سوئی بارہ گھنٹہ میں اور تاریخ کی سوئی ایک مہینہ میں اسی طرح ایمان کی مشین ایک ہے جو سب کو اپنے مرکز یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ پر پہنچاتی ہے مگر کوئی وہاں بہت جلد پہنچ جاتا ہے کوئی کچھ دیر سے کوئی دیر سے حضرت صدیق اکبر علی مرتضیٰ خدیجۃ الکبریٰ بہت جلد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پہنچ گئے۔ حضرت عمر کچھ دیر سے ابو سفیان بہت دیر سے اب بھی کوئی تو بچپن ہی میں حاضر بارگاہ ہو جاتا ہے کوئی جوانی میں کوئی بڑھاپے میں بہرحال کسی وقت آئیں آپ کے دروازہ پر آجائیں تو ان کے لئے یہ سلام بھی ہے اور یہ پیام بھی اے محبوب آپ انہیں سلام بھی پہنچاؤ اور یہ بھی فرمادو کہ رب تعالیٰ تم کو سلام فرماتا ہے اور اس نے اپنے ذمہ کرم پر

تمہارے لئے رحمت لازم فرمائی اور قانون بتادیا کہ تم میں سے جو شخص نادانی سے کبھی سے کسی قسم کے کتنے ہی گناہ کرے پھر مرنے سے پہلے پہلے کبھی بھی سچے دل سے توبہ کرے اپنا حال سنبھال لے تو اس مجرم کا حال یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اس کے سارے گناہ بخش بھی دے گا اور اسے جنت کا داخلہ نصیب فرمائے گا' خیال رہے کہ پنسل کی تحریر ربڑ سے مٹ جاتی ہے کچی روشنائی کی تحریر پانی سے اور پکی روشنائی کی تحریر اور چھاپ کے حروف کاغذ پھٹ جانے سے مٹ جاتے ہیں مگر لوہے پتھل کے تختہ پر لوہے کے قلم کی تحریر کبھی نہیں مٹتی ہمارے گناہ جو فرشتے ہمارے نامہ اعمال میں لکھتے ہیں وہ اس پنسل کی کچی تحریر ہے جس کے دوسرے کنارہ پر ربڑ ہے کہ بندہ توبہ کرے تو اس توبہ کی ربڑ سے تحریر مٹ جائے گی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے جو تحریر لوح محفوظ میں ان کے لئے کردی ہے وہ لوہے کی تحریر ہے جو مٹ نہ سکے یہ بندے تو مقربین کی تختہ فہرست کی پختہ تحریر میں آچکے ہیں کفار ان فقراء کو ذلیل سمجھتے ہیں مگر ہمارے ہاں ان کی یہ عزت ہے اور جیسے ہم اپنی توحید تمہاری نبوت اسلام کی حقانیت کفر کی تردید تفصیل وار بیان فرماتے ہیں ایسے ہی ہم تمہارے غلاموں کی عزت و عظمت ان کے مقبول بارگاہ ہونے کی آیات بھی ہم تفصیل وار بیان فرماتے ہیں تاکہ اس سے حق ظاہر ہو جائے اور بروں کا راستہ بھی کھل کر سامنے آجائے لوگ تمہارے صحابہ کے نقش قدم پر چلیں اور کفار کے طریقوں سے بچیں۔ حضرات صحابہ تمہاری بارگاہ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور تم ہماری بارگاہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں حاضر ہوئے بغیر اللہ کی کوئی رحمت نہیں ملتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رحمتوں کا دروازہ ہیں گھر کا دروازہ مالک کی دین اور فقیروں کے لینے کی جگہ ہوتی ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی دین ہم فقیروں کے لینے کا مقام ہیں یہ فائدہ **اذا جاء ک** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ سے یہ تقسیم تاقیامت جاری ہے اور تاقیامت مسلمان یہ بھیکیں لیتے رہیں گے ان کا دروازہ ہر سائل کے لئے ہر وقت کھلا ہے یہ فائدہ **الذین یومنون** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مومن خواہ کسی درجہ کا ہو گنہگار ہو یا نیک کار فقیر ہو یا سلطان غوث ہو یا قطب ایک آن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہر وقت ہر شاہ و گدا ان کا محتاج ہے انکا منہ تکنے والا ہے۔ ان کے ہاتھوں کی طرف دیکھنے والا ہے۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو　　جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

www.alahazratnetwork.org

ان کا ایک دروازہ ہے اور تمام دنیا اس دروازے کی بھکاری ادھر رب کی طرف سے حکم ہے **واما السائل فلا تنھر** کسی بھکاری کو جھڑکو مت اس کی جھولی بھر کر دو۔

جھولیاں کھول کے یونہی نہیں دوڑے آئے ہم کو معلوم ہے دولت تری عادت تیری

جیسے کوئی شخص ہوا دھوپ پانی غذا سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ایسے ہی کوئی شخص ان کے دست کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ مذکورہ بالا چیزوں سے ہم بعد مرے بے نیاز ہو جاتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں بعد مرے قیامت و جنت میں بھی ان کے حاجت مند رہیں گے۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید مان لینے اس پر عمل کر لینے کے بعد بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت سب کو ہے یہ فائدہ بھی **الذین یومنون** سے حاصل ہوا کہ قرآن مجید پر ایمان رکھنے والوں کے متعلق ارشاد ہوا **اذا جاء ک** جب یہ تمہارے پاس آویں۔ **پانچواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کے لئے مدینہ منورہ پہنچنا شرط نہیں اگر وہ نصیب ہو جائے تو زہے نصیب اگر نصیب نہ ہو تو بھی ان کی بارگاہ میں حاضری ہوتی چاہئے یہ فائدہ **اذا جاء ک** کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہاں **الی المدینۃ** کی قید نہیں لگائی گئی۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رہ کر ہم سب کے پاس آ گئے **لقد جاء کم رسول** ایسے ہی ہم اپنے جھونپڑوں میں رہ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو سکتے ہیں سورج چوتھے آسمان پر رہ کر ہم سب کے پاس پہنچ جاتا ہے ہم آڑ سے نکل کر دھوپ میں آ جائیں اگر ہم خود آڑ میں رہیں تو قصور ہمارا ہے۔ ہماری غفلتیں بری حرکتیں ہماری شیخی اور برائیاں یہ آڑیں رب اس آڑ کو پھاڑے تو حضور کا آستانہ دور نہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی پہلی دو بار میں دربار یوسفی میں جا کر بھی وہاں نہ پہنچے اسی لئے انہیں شاہ مصر کہتے رہے اور بنیامین کو قیدی سمجھتے رہے یہ نہ سمجھ سکے کہ پیارا پیارے سے مل گیا ہے۔ مگر جب عرض کیا کہ ہم اور ہمارے گھر والے بھوکے ہیں اور ہم کھوٹی پونجی لائے ہیں یہ ہی لے لو ہم پر صدقہ و مہربانی کرو یہ کہنا تھا کہ آڑ ہٹ گئی اور یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچ گئے کہ آپ نے فرمایا **انا یوسف و ھذا اخی** اور فرمایا **لا تثریب علیکم الیوم** اور دربار محمدی میں حاضر ہونا ہے تو غفلت نخوت کی آڑ پھاڑ دو اپنے کو خالی کر کے حاضر ہو اور اس آیت کریمہ کی بشارتیں پاؤ۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی آپ کے آستانہ پاک کی حاضری سے اللہ کی رحمتیں اس کی برکتیں گناہوں کی معافیاں سب کچھ نصیب ہو جاتی ہیں دیکھو یہاں حاضری دینے پر تین چیزوں کا وعدہ ہے سلامتی۔ رحمت مغفرت مگر یہ تینوں وعدے ہیں اس شرط پر کہ **واذا جاء** تمہارے حضور حاضر ہو۔ آمین اللہ یہ حاضری نصیب کرے اس دروازے پر مومن صرف پہنچ جائے تب بھی بھیک مل جاتی ہے اگرچہ زبان سے کچھ نہ کہے اس لئے یہاں صرف حاضری کا ذکر ہے کچھ عرض کرنے کا ذکر نہیں مگر شرط یہ ہے کہ چالاکی چوری بد معاشی کے لئے نہ پہنچے منافقوں کی طرح بلکہ اخلاص و نیاز مندی کے لئے حاضر ہو۔ **ساتواں فائدہ:** بشارت کے سلام میں یا کسی کا سلام پہنچانے میں یہ ضروری نہیں کہ آنے والا ہی سلام کرے بلکہ بیٹھا ہوا بھی آنے والے کو کر سکتا ہے اجازت اور ملاقات کے سلام میں یہ ہے کہ آنے والا کرے یہ فائدہ **فقل سلام علیکم** سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا محبوب آپ ان آنے والوں کو سلام فرماؤ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ سلام ملاقات کا نہیں بشارت کا ہے یا رب کا سلام پہنچانے کا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یہ سلام اور یہ بشارتیں اپنے حاضرین بارگاہ کو تا قیامت جاری ہیں برابر ہی جاری ہیں بعض قوت قدسیہ والے اولیاء اللہ سے ان کا سننا بھی ثابت ہے ہم جیسے گنہگار لوگ بغیر سنے ہی اس پر ایمان

www.alahazratnetwork.org

رکھیں۔ نواں فائدہ: اللہ تعالٰی پر کوئی چیز لازم اور واجب نہیں لیکن اگر وہ کریم خود اپنے کرم سے اپنے ذمہ لازم فرمالے تو اس کی بندہ نوازی کرم پروری ہے یہ فائدہ **کتب ربکم علی نفسہ** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: ساری نیکیوں سے اعلٰی اور افضل نیکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری دینا ہے دیکھو رب تعالٰی نے قرآن مجید میں کسی نیکی کا اجر یہ بیان نہ فرمایا کہ **کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** رب نے تمہارے لئے اپنی ذات پر رحمت لازم فرمادی، لکھ دی مگر یہاں حاضری دینے والوں کو یہ بھی بشارت دی اور مغفرت گناہ کی بشارت بھی دی ایسی شاندار بشارتیں صرف اس نیکی کے لئے ارشاد ہوئیں۔

گیارھواں فائدہ: ہر گناہ کرنے والا جہالت و نادانی سے گناہ کرتا ہے اگرچہ کتنا ہی بڑا عالم و عاقل ہو یہ فائدہ **سوا بجہالۃ** سے حاصل ہوا یہ جہالت علیم کے مقابل نہیں بلکہ دانائی کے مقابل ہے جو جہالت سے نہیں ڈھٹائی سے اچھا سمجھ کر گناہ کرے وہ کافر ہے کہ اب وہ شریعت کا منکر ہے مثلاً ایک شخص نماز کو فرض مانتے ہوئے پڑھتا نہیں وہ جہالت سے نماز چھوڑ رہا ہے یہ جرم قابل معافی ہے ایک شخص نماز فرض ہی نہیں مانتا یا اسے برا سمجھتے ہوئے نہیں پڑھتا۔ وہ جہالت سے نہیں بلکہ ڈھیٹ پن سے نہیں پڑھتا یہ کفر ہے یہ جرم ناقابل بخشش ہے جب تک مسلمان نہ بنے گا۔ بارھواں فائدہ: ہر گناہ قابل بخشش ہے چھوٹا ہو یا بڑا ایک ہو یا لاکھوں چھپا ہو یا علانیہ یہ فائدہ **سوء** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہاں حقوق العباد ایسا قابل بخشش نہیں جب تک کہ حق دار معاف نہ کرے یہ فائدہ بھی **سوء** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **سوء** فرمایا حقانہ فرمایا مرقات باب الظلم میں ہے کہ حقوق العباد کی نہ شفاعت ہوگی نہ رب تعالٰی کی طرف سے معافی یہ تو صاحب حق کے معاف کرنے سے ہی معاف ہو سکتے ہیں'

تیرھواں فائدہ: اگرچہ گناہ سے توبہ بہت جلد کرلنی چاہئے لیکن اگر کچھ دیر سے بھی کی گئی تب بھی درست ہے یہ فائدہ **ثم تاب** اور **من بعدہ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **ثم** تاخیر کے لئے آتا ہے۔ چودھواں فائدہ: توبہ کے لئے گذشتہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ آئندہ اپنی اصلاح کرنی بھی ضروری ہے بلکہ اگر ہو سکے تو گناہ کا کفارہ بھی ادا کردے یہ فائدہ **اصلح** فرمانے سے معلوم ہوا ایک جگہ قرآن مجید میں ہے **الا من تاب و امن و عمل عملا صالحا فاولئک یبدل اللہ سیاتہم حسنات** وہاں بھی توبہ کے بعد آئندہ نیک اعمال کرنے کا ذکر ہے گویا توبہ کے دو رکن ہیں ایک رکن کا بیان **تاب** میں ہے دوسرے رکن کا بیان **و اصلح** میں۔ پندرھواں فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ ایمانیات کے ساتھ کفریات نیکیوں کے ساتھ گناہوں کا بھی علم رکھے ایمانیات اور نیکیاں تو کرنے کے لئے سیکھے اور کفریات و گناہ بچنے کے لئے یہ فائدہ **ولتستبین سبیل المجرمین** سے حاصل ہوا اس لئے رب تعالٰی نے قرآن مجید میں صالحین کے اعمال کا بھی ذکر فرمایا اور کفار کے اعمال کا بھی بلکہ کفار کے کفریات بھی قرآن مجید میں بیان فرمائے دیکھو ارشاد فرمایا **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** یا فرمایا **وقالت الیھود عزیر ابن اللہ**۔ سولھواں فائدہ: اللہ رسول کی بارگاہ ناز دکھانے کی نہیں نیاز مندی کی ہے سرداران کفار نے اگر مگر کرکے شرطیں لگائیں کہ اگر مساکین کو آپ نکال دیں تو ہم آپ کے پاس آئیں مگر آپ نے انہیں نکالا نہیں لہٰذا ہم آئے نہیں وہ تو مردود کردیئے غلامان بارگاہ بے عذر بغیر شرط بندہ بارگاہ بن گئے انہوں نے منہ سے نہیں کہا کہ ہم کو آپ نہ نکالیں وہ ایسے محبوب ہوئے کہ سبحان اللہ یہ فائدہ **لتستبین سبیل المجرمین** سے حاصل ہوا تاقیامت یہ دونوں مثالیں قائم فرمادی گئیں ان واقعات سے معلوم کرلو کہ ایمان کا اصل وقار یہی ہے جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار ہے اس دل میں قرآن، ایمان، اسلام رحمان کا وقار ہے اور جس دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وقار نہیں اس میں کسی کا وقار

www.alahazratnetwork.org

نہیں اس لئے مذکورہ واقعات کفار مومنین کے بیان فرمائے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مومن کو سلام یا مذکورہ بشارتیں اسی پر موقوف ہیں کہ وہاں مسلمان حاضر ہو دیکھو **اذا جاء** شرط ہے اور فقل **سلام علیکم** جزاء شرط کے بغیر جزا نہیں ہوتی تو یہ شرف صرف امیر مسلمانوں کو حاصل ہو گا جو مدینہ منورہ میں حاضری دیں وہ بھی عمر میں صرف ایک دوبار۔ **جواب:** یہاں آنے سے مراد صرف مدینہ منورہ میں حاضر ہو جانا نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی قلبی بھی شامل ہے مسلمان جہاں بھی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا دکھ درد کے گناہوں پر شرمندگی کرے اور عرض کرے۔

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ۔۔۔ ہچو کاہے آدم کو بے گنہ آوردہ ام

انشاءاللہ اسے یہ سلام و بشارتیں ملیں گی ہم نے عرض کیا ہے۔

جسم ہندی ہے مرا روح ہے میری مدنی ۔۔۔ یاخدا دور کسی طرح ہو بعد بدنی

خیال رہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بہت لمبے ہیں ان کا دامن بڑا وسیع ہے سورج کی کرنیں بیک وقت آدھی زمین پر پڑتی ہے وہ بھی صرف دن میں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلیات ساری زمین پر بلکہ مسلمانوں کی قبروں میں ہر وقت پڑتی ہیں' دیکھو نماز درست ہونے کے لئے کعبہ کی طرف رخ ہونا ضروری ہے۔ مگر اس کے لئے مکہ **معظمہ** پہنچنا ضروری نہیں جہاں بھی ہو منہ ادھر کر لو نماز درست ہے۔ یوں ہی جہاں بھی ہو دل کا رخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کر لو سب کچھ مل جائے گا۔ **دوسرا اعتراض:** جب آنے میں اتنی وسعت ہے تو اس آیت میں آنے کی قید کیوں لگائی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر مسلمان کو سلام اور یہ بشارتیں دے رہے ہیں۔ **جواب:** اس لئے تاکہ کوئی مسلمان اپنے علم و عمل پر غرور کر کے اپنے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ سمجھ لے تم خواہ کچھ بھی ہو مگر یہ نعمتیں ان کے دروازہ پر حاضری سے ملیں گی۔ بھیک ملنے کا یہ دروازہ ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہم تن کرم بنایا ۔۔۔ ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

تجھے حمد ہے خدایا!

جیسے دنیا کا کوئی غوث و قطب عالم فاضل ہوا' دھوپ' غذا' پانی سے بے نیاز نہیں ہو سکتا یوں ہی کوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ **تیسرا اعتراض:** سنت یہ ہے کہ آنے والا بیٹھے ہوئے کو سلام کرے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے مگر یہاں ارشاد ہے کہ جب مومنین آپ کے پاس آئیں تو آپ انہیں سلام فرماؤ یہ آیت اس حدیث پاک کے خلاف ہے۔ **جواب :** اس کے تین جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے ایک یہ کہ اس سلام سے مراد رب تعالیٰ کا سلام ہے' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کو پہنچاتے ہیں' دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام مراد ہے مگر یہ سلام تحیۃ و ملاقات کا نہیں بلکہ سلام بشارت ہے۔ حدیث شریف میں سلام ملاقات کے لئے یہ قید ہے کہ آنے والا کرے' تیسرے یہ کہ یہ شرعی سلام نہیں بلکہ سلامتی کی خبر ہے کہ اے مومنو جب تم میرے دروازہ پر آگئے تو تم نے ہر طرح کی سلامتی پائی تمہارا دین اعمال' تقویٰ' پرہیزگاری انشاءاللہ بخیرت منزل مقصود پر پہنچیں گے۔ تم شیطان نفس امارہ اور تمام گمراہ کن چیزوں سے محفوظ رہو گے۔

www.alahazratnetwork.org

دل پر کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم — الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا!

لہذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں سلام کی قسمیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کرچکے۔ **چھوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جو جہالت وبے علمی سے گناہ کرے وہ بخشا جائے گا تو جو کوئی دانستہ گناہ کرے وہ نہ بخشا جائے گا مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے۔ **ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء** کفر و شرک کے سوا سارے گناہ قابل بخشش ہیں یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا ہے کہ جہالت سے مراد علم یا عمد کے مقابلہ کی جہالت نہیں بلکہ بمعنی نادانی وحماقت ہے مقصد یہ ہے کہ آدمی اپنے کو گنہگار سمجھتے ہوئے گناہ کرے تو بخشا جاوے گا جو گناہ کو اچھا جان کر کرے وہ نہ بخشا جاوے گا کہ وہ تو ایمان سے نکل چکا غرضیکہ گنہگاری خطاکاری کا جرم کچھ اور ہے غداری وبغاوت کا جرم کچھ اور پہلا گناہ قابل معافی ہے مگر غداری وبغاوت کا گناہ قابل معافی نہیں خیال رہے: کہ بڑے سے بڑا عقلمند گناہ کرے تو بے وقوف ہے سیدھا سادھا مسلمان نیکی کرے وہ عقلمند ہے دنیا کی عقل مشین اور آلات بناتی ہے۔ آخرت کی عقل ایمان وعرفان و تقویٰ بناتی ہے یہاں آخرت کی بے عقلی نادانی بیوقوفی مراد ہے لہذا **بجھالة** فرمانا بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں بخشش اور رحمت کے لئے توبہ اور اصلاح کی شرط لگائی گئی تو کیا جو گناہگار توبہ اور اصلاح نہ کرے وہ ہرگز نہ بخشا جاوے گا اگر ایسا ہی ہے تو یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے **ویغفر ما دون ذالک لمن یشاء** نیز بہت سے گنہگار بغیر توبہ مرجاتے ہیں بہت سوں کو توبہ کا موقعہ نہیں ملتا کیا وہ سب ناقابل بخشش ہیں۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں یہ دونوں قیدیں بخشش ورحمت کے لئے نہیں بلکہ بخشش ورحمت لازم و ضروری ہونے کے لئے ہیں دیکھو یہاں فرمایا **کتب ربکم علی نفسه الرحمة** یعنی توبہ کرنے اصلاح کرنے والے کی ضرور بالضرور بخشش ہوگی دوسروں کی بخشش کا حتمی وعدہ نہیں چاہے سزا دے چاہے بخش دے اس لئے تمہاری پیش کردہ آیت میں ہے **لمن یشاء** لہذا آیتیں دونوں برحق ہیں تعارض نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اگر یہاں رحمت کے معنی کئے جائیں تقریب خاص نظر خاص جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئے وہ حاضرین بارگاہ کو بھی عطا ہوں گے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حاضرین بارگاہ میں فرق کیا دونوں برابر ہوگئے کہ سب کو یکساں قرب و نظر عطا ہوئے۔ **جواب:** اگر گلدستہ میں گھاس پھول کے ساتھ بندھ جانے کی وجہ سے بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جائے تو گھاس پھول کی شان برابر نہیں ہو جاتی اگر باراتیوں کو دولہا کے ساتھ بٹھا کر یکساں کھانا کھلا دیا جائے تو باراتی اور دولہا برابر نہیں ہو جاتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دولہا یا پھول ہیں حاضرین طفیلی ہیں۔ باراتی ہیں یا گلدستے کی گھاس کی طرح۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں حاضرین بارگاہ کے لئے آیتوں پر ایمان لانے کا ذکر کیوں ہوا۔ صرف **جاؤک** فرمانا کافی تھا **الذین یومنون بایاتنا** اتنی دراز عبارت کی کیا ضرورت تھی۔ **جواب:** اگر **جاؤک** فرمایا جاتا تو شبہ ہوتا کہ یہ فرمان عالی صرف فقراء صحابہ کے لئے ہی ہے **الذین یومنون** فرما کر یہ بتا دیا کہ یہ بشارت عظمیٰ تاقیامت سارے مسلمانوں کے لئے ہے اور حاضری سے مراد صرف مدینہ منورہ میں حاضر ہونا نہیں بلکہ جہاں بھی ہوں وہاں سے ہی حاضر ہو جائیں نیز یہ بتایا گیا کہ کوئی کسی درجہ کا مومن ہو ولی ہو غوث ہو قطب ہو یہ سلام اور بشارتیں جب پائے گا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوگا کوئی اپنے کو ان سے مستغنی نہ سمجھے۔ **آٹھواں اعتراض:** ہماری قراۃ میں **انه من عمل** اور یوں ہی **فانه غفور رحیم** دونوں جگہ **ان** کو فتحہ ہے مگر نحوی قاعدہ سے دونوں جگہ کسرہ ہونا چاہئے کیونکہ شروع کلام میں **ان** کسرہ سے ہوتا۔ **جواب:** اس کا

www.alahazratnetwork.org

جواب تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ یہ دونوں عبارتیں نیا کلام نہیں بلکہ پہلا ان یعنی **انہ من عمل الرحمۃ** کا بیان ہے یعنی یہ رحمت اپنے ذمہ کرم پر لازم فرمائی کہ **انہ من عمل** اور دوسرا ان یعنی **فانہ غفور رحیم** پہلے **انہ من عمل** کا بیان ہے اس کی مثال ان دو آیتوں میں ہے **ایعدکم انکم اذا متم و کنتم ترابا وعظاما انکم مخرجون** اور فرماتا ہے **کتب علیہ انہ من تولاہ فانہ یضلہ** اور فرماتا ہے **الم یعلموا انہ من یحادد اللہ و رسولہ فان لہ نار جہنم** ان ساری آیتوں میں ان اسی وجہ سے مفتوح ہے۔ (کبیر)

تفسیر صوفیانہ : جیسے کعبہ معظمہ کے بعض فیوض مکہ معظمہ پہنچ کر ملتے ہیں دور سے نہیں مل سکتے چنانچہ طواف حج عمرہ سنگ اسود کو بوسے وہاں پہنچ کر ہی مل سکتے ہیں اور بعض فیوض ہر جگہ رہ کر مل جاتے ہیں' چنانچہ نماز پڑھتے وقت قربانی کرتے وقت دعا مانگتے وقت بلکہ جان نکلتے وقت کعبہ کی طرف منہ کرنا کافی ہوتا ہے مسلمان جہاں بھی ہو وہاں سے ہی کعبہ کو منہ کرکے یہ عبادات کرے رب فرماتا ہے **وانما کنتم فولوا وجوھکم شطرہ** غرضیکہ کعبہ معظمہ مسلمانوں کو حاجی بناتا ہے اپنے پاس لاکر مگر نمازی بناتا ہے ہر جگہ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہ ایمان' قبلہ ارواح' قبلہ قلوب' قبلہ عرفان ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی سے بعض فیوض وہاں جسمانی حاضری دینے والوں کو ملتے ہیں بعض فیوض ہر جگہ مل جاتے ہیں' چنانچہ صحابیت' بدریت' وغیرہ صرف ان خوش نصیبوں کو میسر ہوئی جو اس زمانہ میں مجلس پاک کی ظاہری حاضری سے مشرف ہوئے اور ایمان' رب تعالیٰ کا سلام' یہاں کی مذکورہ بشارتیں' عرفان' ولایت' تاقیامت ہر جگہ پہنچتی رہیں گی' ان آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ان دوسرے فیوض کا ہی ذکر ہے کہ فرمایا گیا اے محبوب جو ماسلمین اپنے کو آپ کی ذات میں فنا ہو کرا مٹے کر چکے انہیں نہ تو فراق چکھاؤ نہ انہیں فراق سے ڈراؤ بلکہ انہیں اپنے پاس بلاؤ۔ اور انہیں ہمارا اسلام پہنچاؤ انہیں ہماری بشارتیں سناؤ کہ تم نے اپنے کو ہمارے محبوب میں فنا کر دیا اور اپنا دل ان پر فدا کر دیا تو جو رحمتیں محبوب پر برس رہی ہیں تم پر بھی ان کا چھینٹا پڑ جاوے گا ان کے صدقہ تم ہم سے قریب حضوری پاؤ گے کہ اچھوں کے ساتھی وہاں ہی پہنچتے ہیں جہاں اچھے پہنچتے ہیں جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عرش پر گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بلکہ ان کے نعلین پاک بھی عرش پر پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں جلوہ گری فرمادی تو وہ یثرب تھا اسے طیبہ کر دیا وہاں کی مٹی خاک وبا تھا اس خاک شفا کر دیا جہاں آج مسجد نبوی ہے وہاں مشرکین و یہود کی قبریں بھی تھیں اور شہر کی گھوری (روڑی) بھی یعنی اس کے اندر آگ تھی قبور کفار میں اور پر گندگی اس قدم پاک سے وہ جگہ مسجد نبوی دنیا بھر کی سجدہ گاہ بن گئی۔ اس میں ریاض الجنۃ بن گئی تو کیسے ہو سکتا ہے کہ تمہارے قدم سے انسان وابستہ ہوں اور محروم رہیں لہذا جو تمہارے پاس آجائیں ان سے فرمادو کہ تم کو ہر ناپسند چیز سے سلامتی نصیب ہے اور ہر پسندیدہ چیز کی عطا میسر ہے۔ شریعت میں آنے والا سلام کرتا ہے مگر عشق و محبت کی مجلس میں آنے والے کو رب تعالیٰ اس کے فرشتے سلام کرتے ہیں دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں جب قرب خاص میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے سلام فرمایا **السلام علیک ایھا النبی** جنتی جب جنت میں داخل ہونے لگیں گے تو فرمائے گا **سلام قولا من رب رحیم** اور فرشتے عرض کریں گے **سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین** ایسے حاضرین کے لئے بجز ظلمانی مرکز جسمانی آفات روحانی سے سلامتی ہے باقیات صالحات اور عالم انوار کی عطا ہے ایسے لوگوں سے اگر خطائیں سرزد ہو بھی جائیں تو انہیں رحمت و مغفرت کی عطائیں ملتی ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی دو تحریریں ہیں ایک

www.alahazratnetwork.org

ازلی ہے دوسری وقتی' وقتی تحریر ازلی تحریر کو نہ بدل سکتی ہے نہ مٹا سکتی ہے کتب رحکم میں اس ازلی تحریر کا بیان ہے کہ اے میرے محبوب کے عاشقو اگر تم سے گناہ سرزد ہوئے اور کاتب اعمال فرشتے نے تمہارے گناہ لکھ لئے تو گھبراؤ نہیں یہ تحریر وقتی ہے میں تمہارے لئے تحریر ازلی میں رحمت لکھ چکا ہوں اس آیت کا مضمون بیماران گناہ کے لئے شفا ہے اسی میں دوا اور پرہیز دونوں کا مکمل بیان ہے

درد مندان گنہ را روز و شب — شیرنی بہتر ز استغفار نیست

آرزو مندان وصال یار را — چارہ غیر از نالہائے زار نیست

غرضیکہ محبوب کا دروازہ ہر جگہ کھلا ہوا ہے" آؤ رب کی رحمتیں پاؤ مغفرت لے جاؤ وہاں قرب و بعد کوئی چیز نہیں ہے

نہ کسی سے دور ہیں منزلیں نہ کسی قریب کی بات ہے

جسے چاہیں اس کو نواز لیں یہ در حبیب کی بات ہے

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ

فرمادو بیشک میں منع کیا گیا ہوں اس سے کہ پوجوں میں ان کو کہ پوجتے تم ہو اللہ کے مقابل فرمادو کہ نہیں پیروی

تم فرماؤ مجھے منع کیا گیا ہے کہ انہیں پوجوں جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو تم فرماؤ میں تمہاری خواہش پر

اَهْوَآءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾

کرتا میں خواہشوں کی تمہاری بیشک بہک جاؤں گا میں تب تو اور نہ رہوں گا میں ہدایت دیئے ہوؤں سے

نہیں چلتا ہوں یوں ہو تو میں بہک جاؤں اور راہ پر نہ ہوؤں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ کریمانہ رحیمانہ کلام بتایا گیا جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے نیازمندوں کو خطاب فرمادیں اب وہ غضب و قہر کا کلام بتایا جارہا ہے۔ جس سے مردودوں کو خطاب فرمادیں گویا محبوبوں کی محبوبیت ظاہر فرماکر مردودوں کی مردودیت ظاہر فرمائی جا رہی ہے۔ کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں مشرکین عرب کا وہ مطالبہ ٹھکرا دیا گیا کہ آپ فقراء مومنین کو اپنے آستانہ سے الگ کردیں ہماری خاطر اب خود ان مشرکین کو ٹھکرایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ہم نے مجرمین اور مخلصین کی راہ ظاہر فرمادی۔ اب اس ظہور کا ایک ذریعہ بتایا جارہا ہے کہ جس راہ سے ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو نفرت ہے۔ وہ مجرمین کا راہ ہے اور جس راہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو محبت ہے وہ متقین کا راہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ نشان ہدایت ہیں جن سے کفر و ایمان کے فرق ظاہر ہوتے ہیں گویا ایک چیز کا اجمالی ذکر فرمانے کے بعد اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ان فقراء صحابہ کو اپنے ساتھ رکھنے کا حکم دیا گیا۔ جو **هوی** کے پیروکار ہیں اور اپنے رب کے عابد اب ان انبیاء کفار سے علیحدگی کا حکم ہے جو اپنی

www.alahazratnetwork.org

هوی کے پیرو کار ہیں اور بتوں کے پجاری گویا بارگاہ عالیہ کے لائق حضرات کے ذکر کے بعد ان نااہلوں کا ذکر ہے جو اس آستانہ کے لائق نہیں ہیں۔

تفسیر: **قل انی نهیت** چونکہ اس آیت میں توحید کا ذکر ہے اس لئے قل سے شروع فرمایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توحید کے گواہ توحید کی دلیل توحید کے نشان اعظم ہیں اور اکثر جگہ نبوت کا مضمون بغیر قل کے ارشاد ہوا ہے کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا گواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب فرماتا ہے **انا ارسلنک شاهدا** اور اپنے متعلق فرماتا ہے **وکفی بالله شهیدا محمد رسول الله** نیز قل فرما کر اشارۃً بتایا گیا کہ یہ توحید کا مضمون ایمان جب بنے گا جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے ماتحت ہو گا کہ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمانے سے ماسوی اللہ کی عبادت سے باز آ جائے **نهیت** بنا ہے نہی سے بمعنی منع کرنا روک دینا **نهیت** ہے ماضی مطلق یعنی میں رب تعالیٰ کی طرف سے پہلے سے ہی منع کر دیا گیا ہوں روک دیا گیا ہوں اپنے بچپن شریف میں فطری طور پر پختہ عمر ہونے پر دلائل عقل کے ذریعہ اور نزول قرآن ظہور نبوت کے بعد آیات قرآنیہ کے ذریعے **مجھے** رب نے تمام بد عقیدگیوں ساری بد عملیوں سے روک دیا ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بت پرستوں میں رہ کر کبھی بت پرستی نہ کی کبھی بتوں کے نام پر ذبح کئے جانور کا گوشت نہ کھایا عرب جیسے ملک میں رہ کر کبھی جھوٹ' شراب وغیرہ کسی بری بات کے قریب نہیں گئے یہ معنی ہیں **نهیت** کے شیر کا ایک دن کا بچہ گھاس نہیں کھاتا بکری کا ایک دن کا بچہ گوشت نہیں کھاتا یہ ہے فطری ہدایت کہ رب العالمین نے ان دونوں کو کھانے نہ کھانے کی چیزوں کی ہدایت دیکر بھیجا اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو کرنے نہ کرنے کے کاموں کی ہدایت دے کر بھیجا۔ **ان اعبدا الذین** یہ عبارت **نهیت** کا دوسرا مفعول ہے **اعبد** بنا ہے **عبادة** سے عبادت کے معنی ہیں اپنی عبدیت کا اظہار یعنی اپنے کو کسی کا بندہ مان کر اس کے سامنے عجز و نیاز۔ اطاعت کے معنی ہیں اپنے سے بڑے کی فرمانبرداری اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا اس کی نقل کرنا لہذا عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے۔ اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور اپنے بزرگوں کی بھی اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ہو گی۔ عبادت اطاعت' اتباع کا فرق ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر **ایاک نعبد** کے تحت بیان کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ عبادت بہت قسم کی ہوتی ہے بدنی' مالی اور دونوں کا مجموعہ' **اعبد** میں یہ تینوں شامل ہیں **الذین** اگرچہ عقل والوں کے لئے آتا ہے مگر یہاں مشرکین کے بت' چاند' سورج' درخت پتھر انسان حیوان سارے معبودین داخل ہیں کیونکہ وہ اپنے ان سب معبودوں میں عقل مانتے تھے انہیں عاقل و ہوشیار سمجھتے تھے (روح المعانی) **تدعون من دون الله۔** **تدعون** بنا ہے **دعاء** سے دعا کے دو معنی ہیں کسی کو پکارنا کسی کو اپنے پاس بلانہ کہا جاتا ہے دعوت ضیفی للضیافۃ میں نے اپنے مہمان کو دعوت کے لئے اپنے گھر بلایا اصطلاح میں دعاء بمعنی عبادت و پرستش آیا ہے قرآن و حدیث میں دعا چار معنی میں آیا ہے پکارنا جیسے **الا دعاء ونداء** بلانا جیسے **وادعو شهدا کم من دون الله** دعا مانگنا جیسے **ربنا و تقبل دعاء** عبادت کرنا جیسے **لا تدعوا من دون الله** حدیث شریف میں ہے **الدعا مخ العبادة** دعا عبادت کا مغز ہے وہاں دعا سے مراد دعا مانگنا ہے یہاں بمعنی عبادت ہے اس لئے پہلے ارشاد ہوا **ان اعبد** پھر ارشاد ہوا۔ **تدعون** ایسے موقعہ پر قرآن کریم میں دعاء بمعنی پوجنا پرستش کرنا ہی ہوتا ہے۔ وہی معنی یہاں مراد ہیں کیونکہ مشرک اگر بت کو کبھی نہ پکارے مگر اس کو سجدہ کرے یا اس کے نام پر جانور ذبح کرے اس کی بھینٹ کی نیت سے یا اس پر پانی چڑھائے۔ جب بھی

www.alahazratnetwork.org

مشرک ہے **لا تدعون من دون اللہ** کے معنی یہ نہیں کہ اللہ کے سواء کسی کو پکارو نہیں اور جو چاہو کر لو اس پر پانی چڑھاؤ اسے سجدہ کر لو۔ نہیں بلکہ معنی یہی ہیں کہ ماسوی اللہ کو پوجو مت **دون** کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں اور **الا' سوی' غیر' حاشا' دون** کے فرق بھی بتا چکے ہیں یہاں دون یا بمعنی سواء ہے یا بمعنی مقابل۔ **قل لا اتبع اهواء کم۔** چونکہ پہلے رب تعالیٰ کی ممانعت کا ذکر تھا اور اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنی جہت سے اپنے حال کا ذکر ہے اس لئے یہاں قل دوبارہ ارشاد ہوا **اهواء** جمع ہے **هوی** کی بمعنی گرنا خالی ہونا رب تعالیٰ فرماتا ہے **وافئد تهم هواء** نفسانی خواہش کو ھوا اس لئے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو دوزخ میں گراتی ہے اور فائدہ سے خالی ہوتی ہے اس لئے اسے ھوا کہتے ہیں۔ یعنی آپ فرما دو کہ مجھے بتوں کی عبادت سے رب تعالیٰ نے بچپن شریف سے ہی منع فرما دیا ہے اور میں بذات خود تمہاری خواہشوں کی پیروی نہیں کرتا ہوں میں فطرتاً تمہاری خواہشات سے بیزار ہوں۔ (از روح المعانی) اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم محض اپنی خواہشات کی پیروی کرتے ہو تمہارے پاس وحی الٰہی اور نور نبوت نہیں اور دین کے لئے اسی کی ضرورت ہے ھویٰ سے ہدیٰ نہیں ملتی اور بغیر ہدیٰ خدا نہیں ملتا دین کا مقصد خدا رسی ہے۔ **قد ضللت اذا** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کفار خواہشات کی پیروی کا انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ **ضلال** کے معانی اور اس کی قسمیں اور ان اقسام کے نتیجے ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر **ولا الضالين** کے ماتحت بیان کر چکے ہیں یہاں **ضللت** بمعنی ماضی نہیں بلکہ بمعنی مستقبل ہے۔ چونکہ کفار کی خواہشات کی پیروی کی صورت میں گمراہی یقینی ہے اس لئے یہاں مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا یہاں ضلال سے مراد عقیدے کی انتہائی گمراہی کفر و شرک ہے یعنی اگر میں تمہاری خواہشات کی پیروی کروں تو تمہاری طرح گمراہ یعنی مشرک و کافر ہو جاؤں گا۔ **وما انا من المهتدين** یہ جملہ **قد ضللت** پر معطوف ہے اور اس سے گمراہی کا انتہائی درجہ بیان فرمانا مقصود ہے یعنی اس صورت میں ایسا گمراہ ہو جاؤں گا کہ ہدایت کے کسی شعبہ میں نہ رہوں گا بعض گمراہیاں حد کفر تک نہیں پہنچتی۔ ان میں کچھ نہ کچھ ہدایت کا شائبہ رہتا ہے مگر جو گمراہی شرک و کفر تک پہنچ جاوے اس میں ہدایت کا کوئی شائبہ نہیں رہتا اس عبارت میں اشارۃً فرمایا گیا کہ اے بدنصیبو تم گمراہی کے آخری درجہ میں ہو جس میں ہدایت کا نور مطلقاً نہیں خیال رہے کہ اس عبارت میں ناممکن کو ناممکن پر معلق فرمایا گیا ہے یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کی پیروی کریں اور یہ بھی ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آن کے لئے ہدایت سے علیحدہ ہو جاویں جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدين۔** اگر خدا تعالیٰ کے بیٹا ہو تو پہلے میں اس کی عبادت کروں ایسے ہی یہ بھی ناممکن کو ناممکن پر معلق فرماتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مایوس کر دیا جاوے وہ اس خوش فہمی میں نہ رہیں کہ آگے چل کر کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے مذہباً مل جاویں گے ہمارا دین اختیار فرمائیں گے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ علانیہ طور پر مشرکین عرب سے فرما دیں کہ مجھے رب تعالیٰ نے عالم غیب سے اس چیز سے منع فرما کر بھیجا ہے کہ میں کبھی کسی حال میں تمہارے کسی جھوٹے معبود کی کسی قسم کی بدنی یا مالی یا کوئی اور عبادت کروں اس لئے میں نے بچپن شریف میں بھی تم میں رہ کر کبھی بت پرستی نہ کی میں تم لوگوں میں ماحول سے بدلنے نہیں آیا بلکہ ماحول کو بدلنے آیا ہوں یہ بھی فرما دو کہ تم نہ تو وحی کے متبع ہو نہ کسی آسمانی کتاب کے نہ الہام نبی کے نہ تم تک نور نبوت پہنچا تم صرف اپنی نفسانی خواہش کے پیروکار ہو اور ظاہر ہے کہ نفس کی پیروی خدا تک نہیں پہنچا سکتی "ترکستان جانے والا راستہ عربستان

www.alahazratnetwork.org

نہیں پہنچاسکتا اس صورت میں اگر بفرض محال میں بھی تمہاری خواہش نفسانی کی پیروی کروں تو تمہاری طرح میں بھی ہدایت سے بہت دور ہو جاؤں گا۔ زا گمراہ کیونکہ۔

ترسم نرسی بہ کعبہ اے اعرابی　　کایں رہ کہ تو میروی بہ ترکستان است

خیال رہے کہ ہم صرف اللہ تعالیٰ کے عابد ہیں اور اللہ تعالیٰ اس کے رسول اور اپنے پیشواؤں کی اطاعت کرتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبع ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرتے رہے اور صرف رب ہی کے مطیع ہیں آپ نے کسی اور کی اطاعت نہیں کی اور اتباع کسی کی بھی نہ کی کیونکہ اطاعت اپنے سے بڑے کی ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برابر مخلوق میں کوئی نہیں حتیٰ کہ حضرت عباس حمزہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہیں وہ بھی حضور کی اطاعت کرتے رہے اگر والدین کریمین زندہ رہتے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے۔ کیونکہ وہ سب امتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سب کے نبی اس لئے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** میں خطاب ہم لوگوں سے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں اور عبادت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خطاب ہے **واعبد ربک حتی یاتیک الیقین** یہ بھی خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتوں کی عبادت تو بالکل بند فرمادی اسے عرب سے نکال ہی دیا مگر کفار مکہ جو خدا کی عبادت کرتے تھے اسے بند نہ کیا بلکہ اس کی اصلاح فرما کر اسے باقی رکھا کعبہ کا طواف بند نہ کیا طواف میں ننگا ہونا بند کیا حج بند نہ کیا بلکہ سرداروں کو عرفات تک جانے کا حکم دیا کعبہ نہیں گرایا بلکہ کعبہ سے بت نکال دیئے اس لئے **لا اعبد** کے بعد **الذین تدعون من دون اللہ** ارشاد ہوا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: ہر مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے دین وایمان کا اعلان کرے دین چھپانے کی چیز نہیں اس میں تقیہ بازی منافقت ہے یہ فائدہ قل سے حاصل ہوا بلکہ مسلمان کا دین اس کی صورت' سیرت' لباس' وضع قطع ہر چیز سے ظاہر ہو اگر دین میں تقیہ کرنا درست ہوتا تو اسلام کیسے پھیلتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے خوف سے تقیہ کر کے اپنے کو چھپائے رکھتے خدا کا نور چھپنے کو نہیں آیا تھا۔ بلکہ چمکنے اور چمکانے کو تشریف لایا تھا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے مگر ایسے آئے کہ طیب و طاہر صاف ستھرے ہر برائی سے دور ہر صفت سے موصوف ہو کر آئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کوئی بد عقیدگی بلکہ بد عملی کسی وقت بھی اختیار نہ کی۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

خلقت مبراء من کل عیب　　کانک قد خلقت کما تشاء!

اے محبوب تم ہر عیب و برائی سے پاک وصاف پیدا کئے گئے ہو گویا رب تعالیٰ نے تم کو تمہاری مرضی کے مطابق پیدا فرمایا۔

عرب کے واسطے رحمت عجم کے واسطے رحمت　　وہ آئے لیکن آئے رحمتہ للعالمین ہو کر

یہ فائدہ نہیت کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہاں نہی سے مراد پیدائشی جبلی ممانعت ہے۔ اس کی تفسیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بچپن شریف کی زندگی مبارک ہے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک آن کے لئے نہ بہکے نہ کفار کی رائے پر چلے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ان کی کسی نفسانی خواہش کی پیروی کی یہ فائدہ **قد ضللت اذا** الخ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما ضل صاحبکم وما غوی**۔ چوتھا فائدہ: ہدایت یافتہ بندوں کی جماعت میں رہنا اللہ کی بڑی نعمت ہے

www.alahazratnetwork.org

خدا تعالیٰ ہم کو نیک بھی بنائے اور نیکوں کے زمرہ میں رکھے۔ یہ فائدہ **وما انا من المھتدین** سے حاصل ہوا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے دعا کی تھی **واد خلنی برحمتک فی عبادک الصالحین**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء مرسلین کی جماعت سے ہیں یہ فائدہ **وما انا من المھتدین** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کی جماعت میں رکھے اگر ایمان پر خاتمہ نصیب ہو جاوے تو ہم بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا قدم شریف پکڑ کر یہ عرض کر سکیں۔

جس گلستان کے ہو گل زنم خار اس بوستاں کے ہم بھی ہیں

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے غیر اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ جب قرآن کریم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے منع فرمایا تب یہ چیز چھوڑی دیکھو فرمایا گیا **انی نھیت** منع اس عمل سے کیا جاتا ہے جو انسان پہلے سے کرتا ہو۔ دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے **ووجدک ضالا فھدی**۔ وہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ رب تعالیٰ نے نزول قرآن سے پہلے حضور کو فطری طور بت پرستی سے منع فرمایا اور نزول قرآن پر شرعی طور پر منع فرمایا نہیت عام ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر جب پہلی وحی آئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی بت خانہ میں یا خراب جگہ پر نہ تھے بلکہ غار حرا میں نماز سجدہ تجود عبادت الٰہی فرمارہے تھے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی نازیبا کام عمر شریف کے کسی حصہ میں ہوا ہوتا تو مشرکین عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرور طعنہ دیتے کہ کل تک آپ یہ کام کرتے تھے آج ہمیں اس سے منع کر رہے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں پہلے اپنے متعلق پوچھا **کیف انا فیکم** تم نے میرے شب و روز دیکھے زندگی کا ہر شعبہ دیکھا بتاؤ ہم کو کیسا پایا تمام کفار نے بہ یک زبان یہی کہا کہ جیسا تمہیں پایا ایسا کسی کو نہ پایا کفار تو کیا پاتے ان جیسا تو جبریل نے بھی نہ پایا۔

معراج میں جبریل سے کہنے لگے شاہ امم تم نے تو دیکھے ہیں بتلاؤ تو کیسے ہیں ہم
روح الامین کہنے لگے اے مہ جبین تیری قسم آفاق ہا گردیدہ ام مہرتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت ابو بکر صدیق پیدائشی مومن ہیں آپ نے کبھی بت پرستی نہیں کی کبھی شراب نہیں پی۔ حضور غوث پاک نے بچپن میں کبھی رمضان کے دن میں ماں کا دودھ نہ پیا۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں ضال بمعنی گمراہ نہیں بلکہ بمعنی نشان ہدایت ہے اسی لئے **فھدی** فرمایا گیا **فھداک** نہ فرمایا۔ یعنی رب تعالیٰ نے تم کو نشان ہدایت پایا جو عالم ہر جگہ سے نظر آئے تو تمہارے ذریعہ سب کو ہدایت دی ورنہ اس آیت کے خلاف ہوگی **ما ضل صاحبکم وما غوی** اگر اللہ نے زندگی و توفیق دی تو انشاء اللہ **ووجدک ضالا** کی تفسیر میں اس کی تفسیر عرض کر کے اپنے نبی کی فضائل عرض کروں گا اور اپنے دل کے ارمان نکالوں گا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے دیکھو کفار سے فرمایا گیا **تدعون من دون اللہ** جنہیں تم خدا کے سوا پکارتے ہو لہذا یا رسول اللہ یا غوث یا علی کہنا شرک ہے صرف خدا کو پکارنا چاہیے (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے جوابات بارہا دیئے جا چکے ہیں یہاں بطور اختصار صرف اتنا سمجھ لو کہ اس اعتراض کے دو جواب ہیں

www.alahazratnetwork.org

ایک الزامی دوسرا تحقیقی الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر کسی بندے کو پکارنا شرک ہے تو ہر نمازی مشرک ہوا کہ وہ کہتا ہے **السلام علیک ایھا النبی**۔ بلکہ رب تعالیٰ نے نبیوں ولیوں' مومنوں بلکہ کفار کو پکارا ہے **نعوذ باللہ**۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں پکارنے سے مراد پوجنا ہوتا ہے اور اگر پکارنا مراد ہو تو کسی کو الٰہ کہہ کر پکارنا مراد ہوتا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یدع مع اللہ الٰھا اخر**۔

تفسیر صوفیانہ: بعض لوگ گناہ کے پاس جاتے ہیں اور بعض لوگوں کے پاس گناہ آتے ہیں حضرت انبیاء کرام خصوصاً حضور سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم وہ حضرات ہیں کہ نہ وہ گناہ کے قریب جاویں نہ گناہ ان کے قریب آویں اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ پر انوار کو اس شمع سے تشبیہ دی گئی ہے جس کو چمنی سے محفوظ کر دیا گیا ہو کہ نہ وہ شمع ہوا تک پہنچے نہ ہوا اس تک چنانچہ فرمایا گیا **مثل نورہ کمشکوۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ** یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب اپنے درجہ اپنے مقام کو لوگوں کو خبر دے دو کہ فرمادو مجھے پہلے سے ہی بت پرستی اور رہواء پرستی سے محفوظ فرمادیا گیا ہے نہ میں ان برائیوں تک پہنچوں نہ یہ برائیاں مجھے تک پہنچ سکیں اس دعوے کی دلیل میری زندگی اور میرا ماحول ہے اگر ان دونوں چیزوں میں سے کوئی بات ممکن ہوتی تو میں عرب کے گندے ماحول میں رہ کر تمہاری طرح گمراہ ہوتا۔ ایسی ہدایت تامہ پر نہ ہوتا جس پر تم مجھے دیکھ رہے ہو میں اور میری زندگی میرے اعمال و افعال خود میرے دعوے کی دلیل ہیں۔ جیسے سورج خود اپنی دلیل ہے اس کو اس سے ثابت کیا جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

آفتاب، آمد دلیل آفتاب　　گر بجوید حجت دیگر متاب

اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کمالات کی آپ ہی دلیل ہیں **انی نھیت** الخ اور **لا اتبع** الخ دونوں دعوے ہیں اور **قد ضللت** الخ ان دونوں دعووں کی مضبوط دلیلیں ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق بلکہ خالق کی برہان ہیں رب فرماتا ہے۔ **قد جاء کم برھان من ربکم** ہمارے لئے ربانی امرونہی کی اور نوعیت ہے۔ حضرات اولیاء کے لئے دوسری نوعیت اور حضرات انبیاء کرام کے لئے تیسری نوعیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کی چوتھی نوعیت ہے اس امرونہی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ قرآن کریم کا نزول ہمارے حق میں اس لئے ہے کہ ہم عبادات و ریاضات کی مشقتیں جھیلیں رب تک پہنچیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس لئے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مشقتوں سے بچایا جاوے فرماتا ہے۔ **ما انزلنا علیک القران لتشقی**۔

قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا
فرمادو کہ بیشک میں کھلی دلیل پر ہوں طرف سے اپنے رب کے اور جھٹلایا تم نے اسے نہیں ہے پاس میرے
تم فرمادو میں تو اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلاتے ہو میرے پاس نہیں جس کی تم

تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِؕ يَقُصُّ الْحَقَّ وَ هُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾

وہ جو جلدی مانگتے ہو تم جسے نہیں ہے حکم مگر اللہ کا بیان فرماتا ہے وہ ٹھیک اور وہ اچھا ہے فیصلہ کرنیوالوں سے

جلدی مچا رہے ہو حکم نہیں ہے مگر اللہ کا وہ حق فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَ بَيْنَكُمْؕ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ

زیادہ اگر تحقیق پاس میرے ہوتی وہ چیز جلدی کرتے ہو تم جس کی تو یقیناً فیصلہ کر دیا جاتا یہ کام درمیان میرے

تم فرماؤ اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو مجھ میں تم میں کام ختم ہو چکا

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾

اور درمیان تمہارے اور اللہ بہت جاننے والا ہے ظالموں کو

ہوتا اور اللہ خوب جانتا ہے ستمگاروں کو۔

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا تھا کہ نہ تو میں کبھی تمہارے معبودوں کی عبادت کروں گا نہ تمہاری خواہشات کی پیروی اب اس کی نہایت قوی دلیل دی جارہی ہے کہ میں نور و روشنی پر ہوں تم تاریکی و ظلمت میں نورانی مخلوق ظلمانی مخلوق کی پیروی کیسے کر سکتی ہے۔ نور و ظلمت جمع نہیں ہو سکتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت محفوظیت کی ایک وجہ بیان کی گئی تھی **انی نہیت** اب اس معصومیت کی دوسری وجہ بیان کی جارہی ہے۔ **انی علی بینۃ** گویا ایک دعوے کی دو دلیلیں دی گئیں ایک دلیل پچھلی آیت کریمہ میں دوسری دلیل اب۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتی حفاظت کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیرونی حفاظت کا ذکر ہے **انی نہیت** میں ذاتی نورانیت کا اعلان ہوا اور **انی علی بینۃ** میں دوسری نورانیت کا گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم **نور علی نور** ہیں خود قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **نور علی نور** فرمایا گیا ایک نہایت تیز بلب خود بھی روشن ہو پھر اس پر دوسرا بست تیز بلب بھی روشنی ڈال رہا ہو تو ظاہر ہے کہ پھر اس بلب کی روشنی کا کیا حال ہوگا **انی نہیت** نے ایک نور کا ذکر کیا **انی علی بینۃ** نے دوسرے نور کا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کا ذکر تھا جس سے آپ گناہ تک نہ پہنچ سکیں **قل انی نہیت** الخ اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظیت کا ذکر ہے جس سے گناہ آپ تک نہ پہنچ سکیں۔ گویا بتایا گیا تھا کہ اے کافرو میں تم تک تمہارے ٹھکانوں تک تمہاری حرکتوں تک نہیں جا سکتا کہ معصوم ہوں اب ارشاد ہے کہ تمہاری باتیں میرے دل تک نہیں پہونچتیں کہ محفوظ ہوں اس شمع کو رب تعالیٰ نے مضبوط چمنی سے گھیرا ہوا ہے کوئی اسے بجھا نہیں سکتی پرندے کے پر کاٹ دیئے معصوم ہوگیا کہ وہ بلی تک نہیں پہنچتا اسے محفوظ پنجرے میں رکھ دیا محفوظ ہوگیا کہ بلی اس تک نہیں پہنچ سکتی۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار قریش کو دعوت اسلام دی اور اسلام قبول نہ کرنے پر عذاب الٰہی سے ڈرایا تو ان کے بعض سرداروں نے بطور تمسخر کہا کہ وہ عذاب جلد لایئے ہم کو اس کا انتظار ہے حتیٰ کہ وہ کہا کرتے تھے **فامطر علینا حجارۃ من السماء اوئتنا بعذاب الیم** اور کہا کرتے تھے **ائتنا بما تعدنا ان کنت من الصادقین** اگر آپ سچے ہیں تو اپنے وعدہ کئے ہوئے عذاب لے آیئے ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی بیان وغیرہ)۔ (2) بعض کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معجزات کا مطالبہ کرتے تھے کہ مکہ کے پہاڑوں کو سونا بنادیجئے زمین مکہ کو قابل کاشت بنا کر یہاں نہریں ندیاں جاری فرمادیجئے پھر کہتے کہ جلدی یہ معجزات دکھایئے اگر آپ نے فوراً نہ دکھائے تو آپ سچے رسول نہیں ان کے جواب میں یہ آیتیں نازل ہوئیں (خازن)۔

تفسیر: **قل انی علٰی بینۃ من ربی** چونکہ اس مضمون کا تعلق بھی توحید الٰہی سے ہے کہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خدائی قدرتوں ربانی طاقتوں اور خدائی کاموں کا مطالبہ کرتے تھے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعویٰ نبوت کیا تھا نہ کہ دعویٰ خدائی اس لئے **قل** سے شروع فرمایا۔ نیز اس آیت میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کا ذکر ہے کہ محفوظ و مامون ہوں۔ مگر در پردہ رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے کہ رب کا قانون یہ ہے کہ انسان میں ہدایت و گمراہی دونوں کی طاقت پیدا کرے **وھدینا والنجدین** مگر اس کی قدرت یہ ہے کہ اس نے مجھے گمراہ ہونے گناہ کرنے کی طاقت نہیں دی دوسرے لوگ قانونی بندے ہیں میں قدرت الٰہی کا کرشمہ ہوں بچہ کا ماں باپ سے پیدا کرنا قانون ہے اور حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے اور جناب آدم و حوا کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمانا قدرت ہے۔ لہٰذا یہ حمد الٰہی ہے اس لئے بھی اسے **قل** سے شروع فرمایا یہاں **قل** میں روئے سخن کفار سے ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے واہیات مطالبے کرتے تھے۔ **انی علٰی بینۃ** جملہ اسمیہ فرماکر یہ بتایا کہ میرا اس روشنی پر ہونا عارضی ہے کہ میں دنیا میں آکر روشنی پر ہوں بلکہ دائمی ہے میں پہلے ہی سے روشنی پر ہوں اسی لئے کافروں میں پیدا ہو کر صاحب ایمان ہوں بروں میں پیدا ہو کر اچھا ہوں بت پرستوں میں پیدا ہو کر خدا پرست ہوں۔ **بینۃ** یا تو **بیان** سے بنا ہے بیان عجمی ظہور سے یا **بین** سے بنا ہے **بون** بمعنی دوری سے پہلی صورت میں **بینۃ** سے مراد روشن ظاہر واضح دلائل دوسری صورت میں اس سے مراد ہے حق و باطل میں فاصلہ کرنے والی دلیل اسی سے ہے **بینونۃ** اور طلاق بائنہ جو زوجین میں دوری واقع کردے پہلا احتمال زیادہ قوی ہے (روح المعانی) **من ربی** متعلق ہے کائنۃ کے اور صفت ہے **بینۃ** کی یعنی اس روشن دلیل پر ہوں جو میرے رب من سے مجھے عطا ہوئی اس روشن دلیل سے مراد یا تو قرآن مجید ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت آخری احتمال زیادہ قوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن اور ظہور معجزات سے پہلے سے ہی اس نور پر تھے اس لئے آپ سے کبھی کوئی گناہ صادر نہ ہوا صادر ہونا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی گناہ کا ارادہ وہم بھی نہ کیا اس کی تحقیق ہماری کتاب عصمت انبیاء میں دیکھو یہاں **علٰی** لزوم کے لئے ہے جیسے **اولئک علٰی ھدی من ربھم** یا جیسے کہا جاتا ہے **علیہ دین** کیونکہ یہ نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی اور آگ کے لئے گرمی۔ نیز **علٰی** فرماکر بتایا گیا کہ عارضی اور کچا رنگ آگ یا پانی سے جل جاتا ہے یا دھل جاتا ہے مگر پکا رنگ سرد و گرم قدم کسی تدبیر سے نہیں چھوٹتا جسے میں رنگ دوں وہ بھی پختہ ہو جاوے میں تم کو رنگوں گا تم سے نہ رنگوں گا۔ اس جملہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حال کریم بیان ہوا **وکذبتم بہ** اس عبارت میں کفار کی حالت کا

www.alahazratnetwork.org

بیان ہے بہ کا مرجع بینتہ ہے یہ عبارت یا تو یا جملہ ہے بینتہ کا حال ہے اور قد پوشیدہ ہے (روح المعانی) مطلب یہ ہے کہ میرا حال تو یہ ہے کہ میں اپنے رب کی روشن واضح دلیل پر ہوں اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم اس کے بالکل انکاری ہو تم میں مجھ میں بہت دوری ہے۔ **ما عندی ما تستعجلون بہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کے مطالبوں کا جواب ہے پہلا **ما** نافیہ ہے دوسرا **ما** موصولہ اس موصولہ **ما** سے یا تو ان کا منہ مانگا عذاب مراد ہے یا ان کے مطلوبہ معجزات جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا خیال رہے کہ یہاں ان عذابوں کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہونے مستقل قبضہ میں ہونے کی نفی ہے کہ رب نے عذاب آنے کا جو وقت مقرر فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے آگے پیچھے کردیں رب تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بھی عذاب نہیں آسکتا حضرات انبیاء سیف زبان ہوتے ہیں جو ان کی زبان سے نکل جاتا ہے رب تعالیٰ وہی کرتا ہے۔ چنانچہ نوح علیہ السلام نے دعا کی **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** خدایا روئے زمین پر کوئی کافر نہ چھوڑ ایسا ہی ہوا کہ سارے کافر غرق کردیئے گئے۔ ان کی قوم نے بھی ان سے عذاب ہی مانگا تھا **فاتنا بما تعدنا** آپ نے دو لفظوں میں بددعا کی سارے ہی ڈوب گئے دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کو چند بددعائیں دیں جن میں سے ایک یہ تھی **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** یہ لوگ عذاب دیکھے بغیر ایمان نہ لائیں ایسا ہی ہوا کہ وہ ڈوبتے وقت بولا **امنت بہ بنو اسرائیل۔** اور غرق کردیا گیا انہیں حضرت کلیم اللہ نے سامری سے فرمایا **ان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس** تو ویران جاوے گا کہ جو تجھے چھوئے گا وہ بھی بیمار ہو جاوے گا کہ جو تجھے چھوئے گا وہ بھی بیمار ہو جاوے گا اور تو بھی اس لئے تو کہتا پھرے گا کہ مجھے نہ چھوؤ ایسا ہی ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے ایک قیدی سے فرمایا تجھے سولی ہوگی وہ بولا میں نے خواب جھوٹی گھڑی تھی فرمایا **قضی الامر الذی فیہ تستفتیان** تم سچے ہو یا جھوٹے جو میں نے کہہ دیا اس کا فیصلہ ہوگیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک الٹے ہاتھ سے کھانا شروع کیا فرمایا سیدھے ہاتھ سے کھا وہ بولا میرا سیدھا ہاتھ منہ تک نہیں آتا فرمایا اب تک تو آتا تھا اب نہ آئیگا ایسا ہی ہوا ایک بے دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دل لگی میں لنگڑا کر منہ بنائے ہاتھ ناک پر رکھے چل رہا تھا منہ پھیر کر فرمایا **کن کذالک** تو ایسا ہی ہو جا وہ بالکل ویسا ہی ہوگیا۔ بعض مشرکین نے حضور پر بحالت سجدہ اونٹ کی اوجھری رکھ دی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ سے اٹھنے کے بعد چند قریشی سرداروں کے لئے بددعا کی وہ تمام کے تمام بدر میں مارے گئے ایسے واقعات سینکڑوں ہیں۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ذاتی دشمن کے لئے بھی بددعا نہ کی دینی دشمن کے لئے کی نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبی عذاب کے لئے جو پوری قوم پر نازل ہو جائے کبھی بددعا نہ فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بعض اللہ کے بندے وہ ہیں کہ اگر رب تعالیٰ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری کردے فرماتے ہیں کہ میں نے ابو طالب کو دوزخ کے سخت ترین طبقہ میں پایا تو انہیں ہلکے طبقہ میں کردیا وغیرہ وغیرہ لہذا اس آیت کا وہی مطلب ہے جو ہم نے عرض کیا۔ یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ میرے پاس تمہارے منہ مانگے عذاب نہیں میرے پاس تو رحمت ہی رحمت ہے۔ مجھ سے رحمت مانگو میرے دامن میں آؤ دیکھو تم پر رب کی رحمت کے دروازے کھلتے ہیں یا نہیں رب تعالیٰ نے فرمایا **ولو انہم اذ ظلموا انفسہم** الخ جو کوئی آم کے درخت میں ببول کے کانٹے ڈھونڈھے وہ احمق ہے اور جو کانٹے نہ ملنے پر کہے کہ آم کے پاس کچھ نہیں وہ نرا پاگل ہے اس کے پاس کانٹے نہیں پھل ہیں سارے قرآن میں ایسی ایک آیت نہیں نہ کسی حدیث میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے رحمت مانگی ہو اور

www.alahazratnetwork.org

اسے یہ کہہ دیا گیا ہو کہ میرے پاس نہیں۔ جنت مانگی عطا فرمادی آنکھیں مانگیں بخش دیں۔ **ان الحکم الا اللہ۔** یہ جملہ نیا ہے اس میں **ما عندی** الخ کی دلیل بیان فرمائی گئی **ان** نافیہ ہے کیونکہ اس کے آگے **الا** آرہا ہے **ان** نافیہ کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد **الا** ہوتا ہے **الحکم** مبتداء ہے اور **للہ** خبر **الا** سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **حکم** سے مراد یا تو عذاب میں دیر ہونے کا حکم و فیصلہ ہے یا سارے تکوینی احکام یا سارے تشریعی احکام خیال رہے کہ یہاں حکم سے مراد حقیقی حکم ہے یہ صرف رب تعالیٰ ہی کا ہے حقیقی حاکم وہی ہے دنیاوی بادشاہ حکام۔ یوں ہی حضرات اولیاء انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں مگر رب تعالیٰ کے بنانے سے مجازی حاکم لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے اور دوسری آیات و احادیث کے خلاف نہیں قرآن کریم نے بندوں کو حاکم و حکم فرمایا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے **و تدلوا بها الی الحکام** اور ارشاد ہے **فابعثوا حکما من اهله وحکما من اهلها** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا **لتحکم بین الناس بالحق** مسلمانوں کو خطاب ہے **ان تحکموا بالعدل** وہ آیات اس آیت کے خلاف نہیں۔ خیال رہے کہ امر تو تشریعی حکم میں کہا جاتا ہے مگر حکم تکوینی و تشریعی حکم کو بھی کہا جاتا ہے اور فیصلہ کو بھی یہاں یہ سارے معانی درست ہیں لہٰذا اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ **یقص الحق** ہماری قراۃ میں **یقص** ہے قاف اور صاد سے امام کسائی وغیرہم کی قراۃ میں **یقضی الحق** ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ آگے آرہا ہے۔ **وهو خیر الفاصلین** اور فیصلہ قضاء کا ہوتا ہے نہ کہ قصہ کا۔ لہٰذا **یقضی** کی قراۃ قوی ہے مگر قرآن کریم میں قضاء کے علاوہ اور چیزوں کے لئے بھی فیصلہ ارشاد ہوا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے **انه لقول فصل** اور فرماتا ہے **کتاب احکمت ایاته ثم فصلت** اور فرماتا ہے **فصلت ایاته** (روح المعانی) بہر حال ہماری قراۃ **یقص** ہے۔ جو بنا ہے **قص** سے معنی بیان کرنا یا تابع ہونا رب فرماتا ہے **فارتدا علی اثارهما قصصا** یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی رب تعالیٰ بیان فرماتا ہے **حق** یا اللہ کا حکم حق و حکمت کے تابع اس کے ساتھ ہوتا ہے (روح المعانی' روح البیان' کبیر وغیرہ) لہٰذا تم پر عذاب نہ آنا یا عذاب میں دیر لگنا بڑی حکمت سے ہے۔ **وهو خیر الفاصلین** یہ بھی جملہ علیحدہ ہے **فاصلین** بنا ہے **فصل** سے معنی جدا کرنا یہاں مراد ہے فیصلہ فرمانا صحیح فیصلہ بھی حق و باطل کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے اس لئے اسے فیصلہ کہا جاتا ہے۔ یعنی فیصلہ کرنے والے بہت ہیں بادشاہ حکام وغیرہم رب تعالیٰ ان سب سے اچھا فیصلہ فرمانے والا ہے کہ ان لوگوں کے فیصلے غلط بھی ہو سکتے ہیں مگر رب تعالیٰ کا فیصلہ ہمیشہ برحق ہی ہوتا ہے۔ **فاصلین** جمع فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ حکم اور فیصلے بندوں کے بھی ہوتے ہیں مگر وہ مجازی ہیں رب کا فیصلہ حقیقی اور برحق ہے اس فرمان عالی کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف شانوں کے رسول بھیجے گئے کبھی جلالی کبھی جمالی آخر میں رحمۃ للعالمین مبعوث ہوئے جن کی نبوت دائمی اور عالمگیر ہے۔ جس کی بڑی حکمتیں ہیں ایک سال میں چار موسم ہوتے ہیں۔ گرمی سردی' خزاں' بہار ایک موسم نہیں ہوتا ورنہ دنیا فنا ہو جاوے اسی طرح جس جگہ جس وقت جیسے رسول کا بھیجنا مناسب تھا ویسے رسول بھیجے گئے فرعون کے لئے موسیٰ علیہ السلام ہی کی نبوت موزوں تھی۔ **قل لو ان عندی ما تستعجلون به** یہ جملہ نیا ہے جس میں پہلے مضمون کا ثبوت ہے **ما** سے مراد ان کفار کا مطلوبہ عذاب ہے **تستعجلون** میں ان کی جلد بازی کا ذکر ہے۔ **عندی** کی تحقیق ابھی **ما عندی ما تستعجلون** کی تفسیر میں بھی ہو چکی اللہ کا عذاب اس کے محبوب بندوں کے پاس ان کے قبضہ میں نہیں ہوتا ان کی دعا سے وابستہ ضرور ہوتا ہے۔ یعنی اے کافرو جو عذاب تم جلد مانگ رہے ہو اگر میرے پاس میرے قبضہ میں ہوتا اور میں رب کے فیصلہ کے خلاف وہ عذاب لا سکتا

www.alahazratnetwork.org

ہوتا تو یا جیسے پچھلے نبیوں کے واقعات ہوئے کہ وہ حضرات جلالی رسول تھے اگر میں بھی ایسا ہی رسول جلال والا ہوتا تو **لقضی الامر بینی و بینکم** یہاں قضا بمعنی فیصلہ نہیں بلکہ بمعنی ختم ہو جانا ہے امر سے مراد عذاب الٰہی اور کفار کی ہلاکت ہے جس کے متعلق کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے تھے اس لئے یہاں **بینی وبینکم** ارشاد ہوا یعنی تب تو میرے اور تمہارے درمیان یہ کام اب تک ختم ہو چکا ہوتا کہ تم اللہ کے دشمن ہو تمہارے مطالبہ پر میں تم پر عذاب بھیج دیتا اور تم ہلاک ہو جاتے اللہ کی زمین تمہارے وجود سے پاک ہو چکی ہوتی۔ خیال رہے کہ جلوے مختلف اور حالات گوناگوں ہیں کبھی ایسا ہوتا ہے کہ خداوند تعالیٰ کے دشمنوں پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ آتا ہے تو رب تعالیٰ یہ فرمان نازل فرماتا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں پر غضب الٰہی کا دریا جوش میں آتا ہے اور عذاب آنے ہی کو ہوتا ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما کر غضب کی آگ ٹھنڈی فرماتے ہیں۔ چنانچہ **مسلم بخاری** میں بروایت عائشہ صدیقہ مرفوعاً روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف والوں کو تبلیغ فرمائی تو وہاں کے سردار ابن عبد یا لیل ابن عبد کلال نے بہت گستاخی کی تو جبریل امین مع ملک الجبال اسماعیل کے حاضر ہو کر عرض گذار ہوئے کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ نے اس فرشتے کو بھیجا ہے آپ حکم دیں اخشوین پہاڑ ملا دیئے جاویں جس سے یہ لوگ دانوں کی طرح پس کر رہ جاویں تو فرمایا کہ نہیں یہ لوگ زندہ رکھے جاویں اگر یہ ایمان نہ بھی لائے تو ان کی اولاد ایمان لے آوے گی۔ (تفسیر ابن کثیر بخاری، مسلم وغیرہ)۔

الٰہی پھول برسا پتھروں والی زمینوں پر ۔۔۔ الہ العالمین کر رحم طائف کے مکینوں پر

نہ یہاں مجبوری بے بسی ہے نہ وہاں یہ محبت و کرم نوازیوں اور راز کی باتیں ہیں کہ اگر رب کا غضب گرم ہو تو رحمت عالم نرم اگر اللہ کے محبوب **اشداء علی الکفار** کا مظہر بنیں تو رحمت الٰہی نرم ہو۔ شعر۔

صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم ۔۔۔ یا رب تو کریمی و رسول تو کریم

واللہ اعلم بالظلمین۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تم پر عذاب نہ آیا یا دیر میں آنا اس لئے نہیں کہ رب تعالیٰ تم سے بے خبر ہے یا وہ مجبور ہے یا ہم سچے نہیں رب ہماری مانتا نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ وہ علیم و خبیر ہے تم میں سے بعض لوگ آگے چل کر ایمان قبول کریں گے اسلام کی خدمتیں کریں گے جیسے حضرت خالد اور عکرمہ ابن ابی جہل، عمرو ابن عاص وغیرہ بعض خود تو کافر مریں گے مگر ان کی اولاد مومن صالح صحابی بنے گی۔ جیسے ولید ابن عقبہ، ابوجہل اور عاص ابن وائل وغیرہ۔ بہرحال تاخیر عذاب میں بہت حکمتیں ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے فرما دو جو آپ سے عذاب الٰہی اور اپنی موت اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں یا آس لگائے بیٹھے ہیں کہ کبھی آپ ان کی طرف مائل ہو جائیں گے کہ اے بیوقوفو میں تمہاری پیروی کبھی نہیں کر سکتا کیونکہ میں اپنے رب کی طرف سے نور نبوت ہدایت، قرآن کی روشنی میں ہوں تم ان سب چیزوں کے انکاری ہو تم ظلمت میں ہو نور بلکہ **نور علی نور** پھر تم میں مجھ میں موافقت کیسی، جس کی آنکھوں میں روشنی ہو اسے کوئی کنویں یا آگ کی طرف بلائے اور کہے کہ چلو آؤ راستہ صاف ہے وہ اپنی نور نظری وجہ سے اس کے دھوکے میں نہیں آسکتا تو جسے رب تعالیٰ نے دل کی روشنی اور بصیرت عطا کی ہو وہ کفر شرک یا گناہ کے راستہ کو کیسے اختیار کر سکتا ہے میں نور پر ہوں بلکہ نور ہوں بلکہ نور بخش دینے والا ہوں پھر تمہارے کہنے میں کیسے آسکتا ہوں۔ ہاں جو عذاب تم مجھ سے مانگ رہے ہو وہ میری قدرت میرے قبضہ میں نہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

میں رب تعالیٰ کے فیصلے کے خلاف تم پر عذاب لے آؤں۔ حقیقی حکم رب تعالیٰ ہی کا ہے وہ ہمیشہ حق فرماتا ہے اس کے فیصلے حکمت سے ہوتے ہیں وہ تمام لوگوں سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کہ دنیا والوں کے فیصلے صحیح بھی ہوتے ہیں غلط بھی اس کے فیصلے برحق ہی ہوتے ہیں یہ بھی فرمادو۔ وہ عذاب جس میں تم جلدی کر رہے ہو میرے قبضے و اختیار میں ہوتا تو اب تک میرا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہوتا تمہارا کام ختم ہو چکا ہوتا اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ تم ظالم مشرک و کافر ہو۔ پھر عذاب نہ آنا یا عذاب کی دیر لگنا صد ہا رحمتوں سے ہے۔ خیال رہے کہ نہ تو اس آیت کریمہ میں یہ ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے بھی ان کفار پر عذاب نہیں آسکتا آپ کی یہ دعا قبول ہی نہیں نہ یہ مقصد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم محض مجبور و معذور ہیں آپ کچھ کر سکتے ہی نہیں اگر یہ مقصد ہو تو یہ آیت کریمہ ان کفار کی تائید ہو جاوے گی کہ وہی تو کہتے تھے کہ آپ نبی نہیں کیونکہ آپ محض مجبور و معذور ہیں اگر آپ میں کچھ ہے تو عذاب الٰہی ہم پر لے آیئے آیت میں بھی وہی کہہ دیا کہ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کوئی طاقت نہیں جو کفار نے کہا تھا وہ آیت نے مان لیا۔ بلکہ آیت کا مقصود وہی ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اے کافرو تم مجھ سے عذاب مانگتے ہو۔ میرے پاس عذاب نہیں میرے پاس اللہ کی رحمت ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** اگر میرے پاس گزشتہ جلالی پیغمبروں کی طرح عذاب ہوتا تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا عذاب تو اللہ جبار و قہار کے قبضہ میں ہے ہم سے تو رحمت ہی بٹ گئی شعر۔

جناب رحمۃ اللعالمین نے ہنس کے فرمایا ۔۔۔۔۔ کہ میں اس دہر میں قہر و غضب بنکر نہیں آیا

رب نے فرمایا **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو دافع عذاب ہیں نہ کہ باعث عذاب یہ بھی یاد رکھو کہ حکم تین قسم کے ہوتے ہیں۔ حکم تکوینی، حکم تشریعی، حکم انتظامی یا ملکی حکم تکوینی سنائے نہیں جاتے۔ ان میں بندوں کو اختیار نہیں ہوتا ان پر سزا جزا نہیں ہوتی وہ تو دکھائے جاتے ہیں بندے ان پر بے اختیار چلتے ہیں جیسے موت، زندگی، تندرستی بیماری سعادت اور بد نصیبی اولاد ملنا یا نہ ملنا، فقر و غنی، حکم تشریعی سنائے جاتے ہیں بندوں کو اس میں اختیار دیا جاتا ہے ان پر سزا و جزا ہوتی ہے۔ جیسے روزہ نماز حج زکوٰۃ وغیرہ کے احکام یہ دونوں حکم رب کی طرف سے ہوتے ہیں بادشاہ دنیاوی حکام کو ان سے کوئی تعلق نہیں ہوتا حضرات انبیاء و اولیاء جو اس میں تصرف کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے مگر حکم ملکی انہیں بادشاہ حکام بناتے اور جاری کرتے ہیں جیسے موجودہ فوج پولیس ٹریفک یا ڈاک خانہ وغیرہ کے احکام یہاں تکوینی حکم مراد ہے۔ یعنی میرا رحمۃ للعالمین ہونا نرم دل نرم طبیعت ہونا گزشتہ نبیوں کی طرح جلالی نہ ہونا اللہ کے حکم سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت وقتی نہیں دائمی ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بھی جلالی ہوتی نبوت موسوی یا نبوت نوحی کی طرح تو آج ہم سب پر عذاب آجاتا اللہ کا حکم تکوینی یہی تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت جمالی ہو رحمت والی ہوتا کہ تاقیامت عام غیبی عذاب نہ آویں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء سے ہی نور ہدایت پر ہیں ایک ساعت کے لئے تاریکی یا ضلالت میں نہ رہے یہ فائدہ **انی علی بینۃ** سے حاصل ہوا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن نازل ہوا تو نور علی نور ہوئے کیونکہ یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ قرآن کے ذریعے میں نور اور بینہ پر ہوا پہلے نہ تھا۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو براہ راست رب تعالیٰ نے نور و ہدایت عطا فرمائی کسی بندہ نے نہ دی یہ فائدہ **من ربی**

www.alahazratnetwork.org

فرمانے سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو ہدایت نور ایمان و عرفان دیا کسی سے لیا نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دلیل نور ہدایت ایسی لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی کہ آپ کبھی ان سے الگ نہیں ہو سکتے نہ وہ چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ ہو سکتیں ہیں یہ فائدہ **علی بینة** میں **علی** فرمانے سے حاصل ہوا علی لزوم کے لئے ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کفار کی طرف مائل نہ ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں سب کو رب کی بارگاہ میں جھکانے کے لئے تشریف لائے کسی کے آگے جھکنے کے لئے نہ آئے یہ فائدہ **انی علی بینة** کے بعد **و کذبتم به** فرمانے سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ میں اور تم گویا ضدین ہیں اور دو ضدوں کا جمع ہونا ناممکن ہوتا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت والے پیغمبر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اللہ کی نعمتیں رحمتیں ہیں عذاب نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب مانگنا ایسا ہی ہے جیسے آم کے درخت میں ببول کے کانٹے تلاش کرنا یہ فائدہ **ما عندی ما تستعجلون** اور **لو ان عندی ما تستعجلون** سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے تو عذاب آنا بند ہوئے ہیں۔ دیکھو کفار مکہ نے کعبہ معظمہ میں کھڑے ہو کر دعا کی کہ الٰہی اگر قرآن سچا ہے اور ہم نے انکار کیا ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا۔ جواب میں پتھر نہ آئے بلکہ یہ آیت کریمہ آئی **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دیگا کہ آپ ان میں ہیں۔ سبحان اللہ۔ **چھٹا فائدہ:** حقیقی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے وہی حاکم حقیقی ہے اس کے بعض بندے بادشاہ، حکام، حضرات اولیاء و انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی اجازت سے مجازی حاکم ہیں یہ فائدہ **الحکم الا للہ** سے حاصل ہوا جیسے حقیقی حی سمیع بصیر علیم قدیر صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کی عطا سے بندے بھی عارضی سمیع بصیر وغیرہ ہیں اگر اللہ کے بندے مجازی حاکم نہ ہوتے تو **وھو خیر الفاصلین** میں **الفاصلین** جمع فرمایا جاتا۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے سارے فیصلے تکوینی تشریعی احکام میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں اس میں اس کا کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں ہو سکتا یہ فائدہ **یقص الحق** سے حاصل ہوا دیکھو اس کی تفسیر۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اگر ظالم کو ڈھیل دے یا اسے اور بھی زیادہ نعمتیں دیدے تو اس کی وجہ اس رب کریم کی بے علمی یا مجبوری نہیں بلکہ اس میں کوئی خاص حکمت ہے یہ فائدہ **واللہ اعلم بالظلمین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندہ مجبور ہیں انہیں کوئی اختیار نہیں۔ دیکھو کفار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب مانگا تو فرمایا گیا **ما عندی ما تستعجلون** پھر تم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مختار کیوں مانتے ہو۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار پر عذاب نہیں لا سکتے تو مسلمان پر رحمت بھی نہیں لا سکتے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا قبول ہے نہ دعا وہابی اعتراض۔ وہابی یہ آیت پڑھ کر شان اقدس میں بہت گستاخیاں کرتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ تو رب تعالیٰ کے پاس بھی عذاب ختم ہو گیا اب وہ بھی عذاب بھیجنے پر قادر نہ رہا کیونکہ کفار مکہ نے ایک بار رب سے بھی عذاب بھیجنے کا مطالبہ کیا تھا کہ کہا تھا **اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء** اور یہ دعا بھی بیت اللہ میں مانگی مگر عذاب نہ آیا بلکہ فرمایا گیا **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ ان کو عذاب نہ دے گا کہ آپ ان میں ہیں تو کیا رب تعالیٰ کو بھی مجبور مانو گے نیز قرآن مجید میں ہے **و یستعجلونک بالعذاب ولولا اجل مسمی**۔ یعنی لوگ آپ سے عذاب جلدی سے مانگ رہے ہیں اگر عذاب کا وقت

www.alahazratnetwork.org

مقرر نہ ہو چکا ہوتا تو عذاب آجاتا تو کیا کہو گے کہ ابھی اللہ تعالیٰ عذاب بھیجنے پر قادر نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے عذاب آسمانی بند ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عالم ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری کی دلیل یہ آیت تو نعت رسول کی آیت ہے **ما عندی** کے معنی ابھی ہم نے عرض کر دیئے کہ میرے پاس عذاب نہیں میرے پاس تو رحمت ہے تم ایک مثال دکھاؤ کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مسلمان کے لئے کوئی رحمت مانگی ہو اور وہ قبول نہ ہوئی ہو ایسے واقعات صدہا ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس کو جو دعا دی وہ قبول ہو گئی بلکہ جو دے دیا اسے وہ مل گیا۔ حضرت طلحٰہ کو برکت مال و اولاد کی دعا دے دی تو ان کا گھر دولت اور اولاد سے بھر گیا فرمایا عثمان نے کوثر مجھ سے خرید لیا۔ عثمان جنتی ہیں۔ حسن و حسین جوانان جنت کے سردار ہیں فاطمہ جنتی بیبیوں کی سردار ہیں وغیرہ وہ حضرات ایسے ہی ہوئے ہم نے عرض کیا ہے شعر۔

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دین تو کعبہ سے پوچھو کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بتوں سے پاک ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے اسلام کا قبلہ بنا۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض کفار کو بد دعائیں دیں تو وہ قبول نہ ہوئیں بلکہ فرمادیا گیا **لیس لک من الامر شیء او یتوب علیھم او یعذبھم** آپ کو بد دعا کا کوئی حق نہیں اللہ تعالیٰ خواہ انہیں عذاب دے یا توبہ کی توفیق (وہابی)۔ **جواب:** اس کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار پر بد دعا کرنے کا حق نہیں۔ تو حضرت نوح و شعیب و صالح، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کفار پر بد دعا کرنے کا حق کیوں تھا کہ انہوں نے کفار پر بد دعائیں کیں اور وہ قومیں ہلاک ہو گئیں آج ہم کو بھی بد دعا کرنے کا حق ہے اگر ہم کفار پر دعا کریں بلکہ قنوت نازلہ پڑھیں تو گنہگار نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ اے محبوب یہ بد دعائیں تمہاری شان کے لائق نہیں تم رحمت والے رسول ہو وہ حضرات جلال والے پیغمبر تھے ان کی دعائے غضب سے قومیں ہلاک کر دی گئیں تم بنانے والے بسانے والے رحمت والے رسول ہو وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کا ظہور ہے رب کا مقصد یہ تھا کہ وہ مجرمین بجائے ہلاک ہونے کے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں گریں مسلمان ہو کر دین کی خدمات انجام دیں کافروں کو ہلاک کرنے سے انہیں مسلمان کر دینا بہتر ہے چنانچہ وہی لوگ مومن عادل متقی پرہیزگار بنے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار مکہ پر عذاب آجانے کی تمنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھی مگر رب نے پوری نہیں کی جس پر آپ کو بہت حسرت و افسوس تھا مگر کچھ نہ کر سکتے تھے۔ دیکھو فرمایا گیا **لو ان عندی ما تستعجلون بہ لقضی الامر** کتنا حسرت آمیز کلام ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں دو تو الزامی اور ایک جواب تحقیقی پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس طرح کا مضمون قرآن مجید میں رب تعالیٰ کے لئے بھی آیا ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا** اگر مومنین مکہ مکرمہ سے نکل جاتے تو ہم کفار مکہ کو عذاب دیتے وہاں بھی کہو گے کہ رب تعالیٰ عذاب پر قادر نہ رہا اس پر افسوس کر رہا ہے **نعوذ باللہ** ۔ دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ اس صورت میں یہ آیت کفار مکہ کی تائید میں ہو گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف کفار یہی کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی طاقت نہیں اگر ہوتی تو ہم پر عذاب لے آتے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **قل لو ان عندی الخ** کا منشاء یہ ہے کہ اے کفار

کہ تم جو عذاب الٰہی سے بچے ہوئے ہو اس قدر نافرمانیوں کے باوجود اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ حرم میں عذاب نہیں آسکتا۔ دیکھو اصحاب فیل پر حرم میں ہی عذاب آگیا تھا۔ ان پر کعبہ معظمہ کے بالکل قریب پتھر برسے تھے۔ نیز عذاب سے بچنے کی یہ وجہ بھی نہیں کہ رب تعالیٰ تمہاری بت پرستی و بدکاریوں سے راضی ہے کیونکہ انہیں حرکتوں سے گذشتہ قوموں پر عذاب آئے بلکہ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ میں نبی رحمت ہوں میرے پاس عذاب نہیں رحمت ہے غرضیکہ یہ آیت مجبوری معذوری کے لئے نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعت رحمت بیان کرنے کے لئے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے خدا کے سواء کوئی حاکم نہیں نہ نبی نہ ولی نہ کوئی اور لہٰذا سوا قرآن کے کسی کو نہ ماننا چاہیے۔ (چکڑالوی۔وہابی)۔

نوٹ ضروری: یہ وہ اعتراض ہے جو خلافت حیدر کے دور میں خوارج نے حضرت علی پر کیا کیونکہ حضرت حیدر کرار نے حضرت امیر معاویہ سے صلح کرنے کے لئے ابو موسیٰ اشعری کو حکم مان لیا تھا خوارج بولے کہ علی اور معاویہ دونوں مشرک ہوگئے کہ انہوں نے ماسوی اللہ کو حاکم مان لیا۔ اس کا جواب وہی ہے۔ جو حضرت ابن عباس نے ان خوارج کو دیا جس سے پانچ ہزار خارجی توبہ کر گئے باقی پانچ ہزار جو اڑے رہے حیدری ذوالفقار سے فی النار ہوئے آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر زوجین میں نااتفاقی ہو جاوے تو **فابعثوا حكما من اهله وحكما من اهلها** ایک پنچ خاوند کی طرف سے بھجوادو ایک حکم بیوی کی طرف سے بس یہ آیت سن کر پانچ ہزار تائب ہوگئے۔ ہم بھی ابھی تفسیر میں اس کا جواب عرض کر چکے۔ مزہ جب ہے کہ کوئی ماں کا لال وہابی یا چکڑالوی یہ آیت پڑھ کر آج حکومت کا قانون ٹھکرادے۔ دیکھو وہ لطف آویگا کہ اپنی سات پشت کو وصیت کر جاویگا کہ کوئی قانون کا انکار نہ کرنا تم تو تھانیدار تک کا حکم مانتے رہتے ہو وہاں یہ آیت کیوں نہیں پیش کرتے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا کہ اگر میرے پاس عذاب ہوتا تو تمہاری ہلاکت کا فیصلہ کر دیا جاتا تم ہلاک ہو چکے ہوتے مگر طائف میں اللہ تعالیٰ نے عذاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں دیدیا کہ فرشتہ عذاب آپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ مگر کفار ہلاک نہ ہوئے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** یہ اعتراض تفسیر ابن کثیر اور تفسیر صاوی وغیرہ نے قائم کیا اور اس کی مختلف جوابات دیئے ہیں بہترین جواب یہ دیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عذاب آنیکی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ عذاب آپ کے قبضہ میں ہو دوسرے یہ کہ آپ کے قلب پاک میں بدلہ لینے کفار کو سزا دینے کا جوش بھی ہو جو کہ تقاضاء بشریت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں عذاب تو تھا مگر قلب پاک میں ہی بجائے جوش انتقام کے رافت و رحمت تھی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عذاب دفع ہونے کی ہی دعا فرمائی (صاوی) دیکھو دربار یوسفی میں مجرم بھائی حاضر ہوئے تو حضرت یوسف علیہ السلام کے قبضہ میں قید بند، موت سولی وغیرہ سب کچھ تھی مگر دل میں بدلہ لینے کا جوش نہ تھا۔ معافی، کرم، عنایت خسروانہ سے دل لبریز تھا۔ تو فرمایا **لا تثريب عليكم اليوم يغفر الله لكم** سبحان اللہ اس سے وہ یہ ثابت ہوا جو ابھی ہم نے عرض کیا کہ میرے پاس عذاب نہیں رحمت ہی رحمت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کہ **ما عندي ما تستعجلون به** صرف مختصر لفظ کیوں نہیں فرمادیا کہ **ما عندي العذاب**۔ **جواب:** عذاب الٰہی بہت سی قسم کے ہیں شخصی عذاب، قومی عذاب، عادی عذاب، غیبی عذاب، دنیاوی عذاب، اخروی عذاب، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ عذاب بند ہو گیا جو ملکی یا قومی ہو غیبی ہو دنیاوی

www.alahazratnetwork.org

ہو مخصوص عذاب بیماری وغیرہ یوں ہی ملکی عذاب قحط سالی وبائیں یوں ہی اخروی عذاب ختم نہیں ہوئے وہ تو آتے رہے اور اب تک آرہے ہیں آئندہ بھی آتے رہیں گے اگر لفظ عذاب فرما دیا جاتا تو ان سب عذابوں کی نفی ہو جاتی کفار مکہ عالمگیری غیبی دنیوی عذاب مانگتے تھے جیسے پتھر برسانا یا صورتیں بگڑنا یا زمین کا تختہ الٹ دیا جانا وغیرہ یہاں اس ہی نفی کے لئے ایک کلمہ **تستعجلون به** فرما دیا گیا۔ **ساتواں اعتراض:** اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عذاب نہیں تو آپ نے کفار سے جہاد کیوں کئے انہیں قتل و قید کرنا بھی تو عذاب ہے۔ **جواب:** دو صورتاً عذاب میں حقیقتاً رحمت ہیں بچے کو سختی سے تعلیم دینا اس کی حرکتوں پر سزا دینا اس کی اصلاح ہے۔ گلے عضو کو کاٹ دینا باقی اعضاء کی اصلاح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کی ہدایت کی بہت کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے اور ابو طالب ایمان نہ لائے رب تعالیٰ نے فرمایا **انک لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشا** آپ جس سے محبت کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے اللہ جسے چاہے ہدایت دے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ ہدایت ہے نہ گمراہی نہ عذاب ہے نہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چاہے کچھ نہیں ہوتا آپ کے پاس نہ عذاب ہے نہ ثواب وہابی دیوبندی کا وہ اعتراض ہے جسے بہت سے اسلامی راہبیاں بڑی بدتمیزی سے بیان کرتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی تحقیقی اور عالمانہ دوسرا تفصیلی تدقیقی اور عاشقانہ' اجمالی جواب تو یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ جس سے آپ محبت کریں اسے آپ ہدایت نہیں دے سکتے بلکہ جو آپ سے محبت کرے تو اسے آپ ضرور ہدایت دے سکتے ہیں اگر ابو طالب آپ سے صحیح محبت کرتے تو آپ کی بات بھی مانتے ضرور ہدایت حاصل کر لیتے یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دین کی نفی نہیں بلکہ ابو طالب کے ہدایت لینے کی نفی ہے جیسے کہا جاوے کہ سورج چمگادڑ کی آنکھ کو نہیں چمکا سکتا۔ بارش بنجر کھاری زمین کو سبزہ زار نہیں بنا سکتی تو سورج اور بارش کے دین کی نفی نہیں بلکہ ان دونوں یعنی چمگادڑ اور زمین شورہ کے فیض لینے کی نفی ہے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ محبت یعنی پسند کرنا اور امر (حکم) اور مشیت (ارادہ کرنا) ان تینوں میں بڑا فرق ہے لوگوں کو ہدایت نہ تو اللہ کی محبت سے ملے نہ اس کے حکم و امر سے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ملے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی کے ایمان تقویٰ کو پسند کرتے ہیں سب کو ایمان و تقویٰ کا حکم دیتے ہیں۔ مگر بہت لوگ حکم نہیں مانتے کافر و فاسق رہتے ہیں ہدایت و ایمان اللہ تعالیٰ کے مشیت و ارادے سے ملتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کے ارادے کے ضمن میں ہوتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ارادہ الٰہی کے خلاف ارادہ نہیں کرتے اسی لئے اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے محبت کا ذکر ہوا اللہ کے لئے مشیت کا ذکر دونوں جگہ نہ محبت کا ذکر ہے نہ مشیت کا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جس کے ایمان کو تم بلکہ خود ہی بھی پسند کریں اسے ایمان و ہدایت نہیں ملتے ہدایت تو اسے ملتی ہے جس کو ہدایت کا ہم اور ہمارے ضمن میں تم ارادہ کرو۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کیا کہ کعبہ قبلہ بن جاوے۔ بن گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہوا کہ کعبہ بتوں سے پاک ہو جاوے ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ فرمایا کہ حضرت ربیعہ کو جنت مل جاوے عشرہ مبشرہ صحابہ جنتی ہو جاویں ایسا ہی ہو گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ اللہ کے ارادے کے تابع ہے۔ محبت' ارادہ اور مشیت کا فرق ضرور خیال رکھیں۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں۔

تو جو چاہے تو ابھی میل میرے دل کی دھلیں　　　　که خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

www.alahazratnetwork.org

ناممکن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی چیز کو چاہیں کسی چیز کا ارادہ کریں اور وہ کام رب نہ کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو طالب کو ایمان کا حکم دیا ان کا ایمان پسند کیا وہ ایمان نہ لائے اگر ان کے ایمان کا ارادہ فرما لیتے تو لاکھوں ابو طالب جنتی ہو جاتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ رب تعالیٰ کے ارادے کا مظہر ہوتا ہے۔

تیری ادا ادائے رب تیری قضا قضائے رب　　وحی خدا تیرا کلام تجھ پہ درود اور سلام

دیکھو ابو طالب ایمان نہ لائے اور تھے کفار کے سرداران کی جگہ دوزخ کا سخت ترین طبقہ تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ کر لیا تو انہیں دوزخ سے نکال کر آگ کے چھیرے میں رکھ دیا یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ۔ **نواں اعتراض:** تم نے **وھو خیر الفاصلین** سے ثابت کیا کہ حکم والے فیصلہ والے بہت ہیں کہ **فاصلین** جمع ہے تو رب تعالیٰ فرماتا ہے **وھو خیر الرازقین** اور فرماتا ہے **تبارک اللہ احسن الخالقین** ان آیتوں میں بھی **رازقین۔ خالقین** جمع ہے تو چاہیئے کہ خالق، رازق بہت ہوں۔ **جواب:** ان آیات میں رازقین سے مراد خالق رازق نہیں بلکہ رزق رسائی کے ذریعے اس کے اسباب مراد ہیں یوں ہی خالقین سے مراد معدوم کو موجود کرنے والے نہیں بلکہ شکل گھڑنے والے مراد ہیں رب فرماتا ہے **وتخلقون افکا** اور واقعی یہ لوگ بہت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہمیشہ سے ہوتا آ رہا ہے کہ ایک جمال کو چند نگاہیں دیکھتی ہیں محسن کی اور مخالفین کی محسن کو جمال میں کمال نظر آتا ہے۔ مخالفین کو عیوب دکھائی دیتے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد　　عیب نماید ہنرش در نظر

ہم نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا ہے۔ شعر۔

نہیں جلوہ میں ان کے یکرای کوئی آقا کے کوئی بھائی　　مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کرم وعنایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف آوری سے عذاب الٰہی آنا بند ہو گئے مومن نے کہا۔ حضور رحمۃ للعالمین نعمت رب العالمین ہیں۔ منت اکرم الاکرمین ہیں مگر حاسدوں بے دینوں نے اس امان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کا بہانہ بنایا کہ اگر وہ سچے نبی ہوتے یا اگر ان میں کوئی کمال ہوتا تو ان کے مخالفین پر دنیا میں عذاب کیوں نہ آ جاتے معلوم ہوا کہ ان میں کوئی کمال نہیں وہ ہماری طرح کمالات سے یکدم خالی ہیں اس آیت میں انہیں اندھوں سے خطاب ہے فرمایا کہ اے کافرو میرا تمہارا اجتماع ناممکن ہے میں نور والا تم بے نور ہے تم نور کو جھٹلانے والے تم اپنی موت اپنے منہ مانگ رہے ہو تمہارے امان میں رہنے کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے کہ میرے پاس جلالی رسولوں کی طرح عذاب نہیں رحمت ہی رحمت ہے مومنوں کے لئے رحمت خاصہ کفار کے لئے رحمت عامہ یعنی دنیاوی امن و امان اگر میری طبیعت میں جوش انتقام ہوتا تو میرا تمہارا فیصلہ ہو چکا ہوتا گزشتہ کفار کے ہلاکت کے بعد ان کے قصے رہ گئے تمہارے قصے بھی نہ رہتے کہ قرآن کے بعد اور کوئی کتاب آنے والی نہیں مگر اس ڈھیل سے دھوکہ نہ کھاؤ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے اس کی پکڑ بہت سخت ہے۔ **ان الحکم الا للہ** کی تین تفسیریں ہیں ایک جاہلانہ کہ خدا کے سوا حکم کسی کا نہیں نبی محض مجبور ہوتے ہیں دوسری تفسیر عالمانہ کہ یہاں حکم تکوینی مراد ہے یعنی میرا اپنی رحمت ہوتا میرے پاس رحمت ہی رحمت ہوتا۔ عذاب

www.alahazratnetwork.org

نہ ہونا اللہ کے حکم سے ہے تیسری تفسیر صوفیانہ یا عاشقانہ وہ یہ ہے کہ جس قدر احکام میری زبان سے جاری ہوتے ہیں۔ ان میں لب و زبان میری ہوتی ہے مگر کلام اور حکم اللہ تعالیٰ کا جو حکم میں تم سے کہتا ہوں کہ میرے پاس عذاب نہیں یہ بول میں رہا ہوں کلام رب کا ہے۔ اولیاء اللہ حضرات انبیاء کی صفات کے مظہر ہیں اور انبیاء صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں رب کی صفات تو مختلف ہیں اس لئے حضرات انبیاء کرام اور اولیاء کی شانیں مختلف ہیں کوئی جلالی ہے کوئی جمالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہیہ ہیں۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ
اور اسکے نزدیک ہیں غیب کے خزانے نہیں جانتا انہیں مگر وہ ہی اور جانتا ہے وہ جو خشکی اور دریا میں ہے
اور اس کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے
وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا
اور نہیں گرتا کوئی پتا مگر جانتا ہے وہ اسے اور نہیں ہے کوئی دانہ تاریکیوں میں زمین کی اور نہیں ہے
اور جو پتا گرتا ہے اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی
رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾
کوئی گیلی اور نہ سوکھی مگر وہ ظاہر کرنیوالی کتاب میں ہے
تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے اب اس علم کی دلیل دی جا رہی ہے کہ اس کے پاس تو غیب کے خزانے ہیں اس پر یہ ظالم لوگ کیسے چھپ سکتے ہیں گویا پہلے دعوے کا ذکر تھا اب دلیل کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ذاتی علم کا ذکر تھا اب اس کے عطاء علم کا تذکرہ ہے کہ رب کے پاس علوم غیبیہ کی چابیاں ہیں جسے چاہے ان چابیوں سے کھول کر عطا فرما دے گویا ذاتی علم غیب کا ذکر فرمانے کے بعد عطاء علم غیب کا ذکر ہے۔ حمد الٰہی کے بعد نعت مصطفوی کا بیان ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے اب ارشاد ہے کہ وہ فیصلے فرما چکا جو اس کے علم میں ہیں ان کا اجرا اپنے وقت پر ہو گا۔ گویا فیصلے کا ذکر فرمانے کے بعد اس کے اجرا کے علم کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت عامہ کا ذکر تھا کہ **ما عندی ما تستعجلون بہ** اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم انور کے علم تام کا ذکر ہے۔ کیونکہ مرحمت عامہ کے لئے ضروری ہے کہ رحیم کو مرحوم کا بھی علم ہو اس کی حاجتوں کا بھی پتہ ہو لہٰذا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کا تتمہ ہے۔ خیال رہے کہ رحم کے لئے چار چیزیں ضروری ہیں۔ رحیم کو مرحوم اور اس کی حاجات کا

www.alahazratnetwork.org

علم ہو رحیم کے پاس حاجت روائی کا سامان موجود ہو رحیم کا دل نرم ہو کہ مرحوم کی بیکسی پر ترس کھائے اس کا دست کرم مرحوم تک پہنچ سکے کہ وہ مرحوم کو دے سکے اور اسے آفت سے چھڑا سکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں رؤف رحیم ہیں اللہ نے یہ چاروں صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بخشیں۔

تفسیر: **وعنده مفاتح الغيب**۔ یہ عبارت مستقل جملہ ہے جس میں **عنده** تو خبر مقدم ہے اور **مفاتح الغيب** مبتداء موخر اور خبر کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی غیب کی کنجیاں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں اس کے علم میں اس کے قبضہ میں ہیں۔ **مفاتح** جمع **مفتاح** کی نہیں ہے اس کی جمع **مفاتيح** آتی ہے جیسا کہ علم صرف جاننے والوں پر ظاہر ہے بلکہ یہ جمع ہے **مفتح** کی اور **مفتح** اگر میم کے فتحہ سے ہو تو یہ ظرف ہوتا ہے بمعنی خزانہ اور اگر میم کے کسرہ سے ہو تو آلہ ہوتا ہے بمعنی کھولنے کا آلہ یعنی کنجی چابی یہاں دونوں احتمال ہیں یعنی غیب کے خزانے صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ اس کے علم میں ہیں وہی جسے چاہے اس خزانوں سے عطاء فرمادے۔ جتنا چاہے عطا فرمادے۔ جیسے نوٹ چھپتا ہے بنتا ہے، ٹکسال میں جمع رہتا ہے۔ خزانوں میں استعمال ہوتا ہے گھروں میں دوکانوں میں اسی طرح کنوئیں دریا سمندر پانی کے خزانے ہیں جہاں پانی رہتا ہے پانی یہاں بنتا نہیں دانے پھل وغیرہ کھیت و باغ میں بنتے نہیں بلکہ یہاں رہتے ہیں ان تمام کی ٹکسال آسمانوں میں ہے **وفي السماء رزقكم وما توعدون** - فرماتا ہے **وانزلنا الحديد** حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ سدرہ کے قریب ایک جگہ سے چار نہریں جاری تھیں جن میں سے دو تو نیل و فرات ہیں اور دو کوثر تسنیم انہیں ٹکسالوں کو خزائن غیب یا مفاتح الغیب کہا جاتا ہے اس کی تفسیر وہ ہے **وان من شيء الا عندنا خزائنه**۔ یا یہ معنی ہیں کہ غیب کی چابیاں صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور علم میں ہیں جسے چاہے کھول کر دے، پہلے معنی کی تفسیر وہ آیت ہے، **وان من شيء الا عندنا خزائنه** اور یہ آیت **ما ان مفاتحه لتنوء بالعصبة** یعنی قارون کے خزانے جماعتوں پر بھاری تھے اس میں گفتگو ہے کہ **مفاتح الغيب** ہیں کیا یہ چیزیں آیت حدیث شریف میں ہیں کہ **مفاتح الغيب** پانچ ہیں جنہیں صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

جن کا ذکر اس میں ہے **ان الله عنده علم الساعة وينزل الغيث** الخ قیامت کب ہوگی، بارش کب آوے گی، کون کب کیا کام کرے گا، کون کہاں مرے گا، ماں کے پیٹ میں بچی ہے یا بچہ (بخاری بروایت حضرت ابن عمر) چونکہ یہ پانچ چیزیں بہت سے علوم غیبیہ حاصل ہونے کا ذریعہ ہیں اس لئے انہیں غیب کی کنجیاں فرمایا گیا۔ مفردات راغب میں ہے کہ غیب کی کنجیاں وہ اسباب ہیں جن کے ذریعہ اس غیب تک پہنچا جاتا ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **فلا يظهر على غيبه احدا الا من ارتضى من رسول**۔ (سورۂ جن) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ **مفاتح الغيب** آسمانوں زمین کے خزانے ہیں تقدیریں روزیاں وغیرہ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ مفاتح الغیب ممکنات کی پیدا کرنے پر قدرت کاملہ ہے۔ یعنی قدرت علی الخلق (تفسیر خازن، کبیر، وغیرہ) سیدنا عبداللہ ابن مسعود فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز دی گئی۔ سوا مفاتح الغیب کے (خازن) اس سے مراد آخری معنی ہیں یعنی خلق پر قدرت امام ضحاک اور مقاتل فرماتے ہیں کہ مفاتح الغیب زمین کے خزانے نزول عذاب کا وقت ہے عطا فرماتے ہیں کہ وہ ثواب و عذاب عمروں کا ختم ہونا سعادت شقاوت لوگوں کے انجام ہیں (دیکھو تفسیر خازن) **لا يعلمها الا هو** یہ عبارت مفاتح الغیب کی صفت یا حال ہے۔ **ها** کا مرجع وہ مفاتح ہیں یعنی غیب کے خزانے یا

www.alahazratnetwork.org

غیب یا غیب کی کنجیاں صرف اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں انہیں خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بندہ نہیں جانتا کوئی کسی ذریعہ یعنی حساب۔ اندازہ عقلی علوم کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا اس کا ذریعہ صرف وحی الٰہی یا الہام و کشف الٰہی ہے۔ خیال رہے کہ اگر مفاتح بمعنی چابیاں ہوں تو اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ رب تعالیٰ اپنے علوم غیبیہ اپنے بعض بندوں کو دیتا ہے کہ چابی اور قفل میں وہی چیز رکھی جاتی ہے جسے کھولا اور بند کیا جاتا ہو خزانہ بند کرنا کسی کو دینے ہی کے لئے ہو گا نہ کہ ہوا لگانے کے لئے۔ **ویعلم ما فی البروالبحر** یہ جملہ نیا ہے اس میں رب تعالیٰ کی دوسری شان کا ذکر ہے۔ یہاں **یعلم** دوام و استمرار کے لئے ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا ہے بر کے معنی ہیں خشکی یعنی زمین۔ اور **بحر** کے معنی ہیں دریا خواہ سمندر ہوں یا دوسرے بہنے والے دریا۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ بر سے مراد جنگل اور ویرانے ہیں **بحر** سے مراد گاؤں و شہر و آبادیاں ہیں۔ جمہور مفسرین نے پہلے معنی بیان کئے۔ (تفسیر خازن) خیال رہے کہ **مفاتح الغیب** میں وہ چیزیں مراد تھیں جو ہماری عقلوں خیالات سے وراء اور یہاں محسوس مشاہدہ کی چیزیں مراد ہیں یہ دونوں عبارتیں بہت ہی جامع ہیں جن میں بے انتہا چیزیں داخل ہیں۔ خشکی بھی دو طرح کی ہے آباد اور جنگل ویران جنہیں عربی میں کہتے ہیں عمران اور خراب دریا بھی دو طرح کے۔ بحر روان یعنی بہنے والے دریا اور بحر ساکن یعنی سمندر رکو بہتا نہیں۔ بر یعنی خشکی میں انقلاب ہے کہ جنگل آبادی بن جاتے ہیں آباد بستیاں جنگل اور بحر روان میں اضطراب ہے وہ ٹھہرتا نہیں اس میں روانی طغیانی رہتی ہے۔ مگر سمندر میں نہ انقلاب ہے نہ اضطراب قابل فیض بندے بر یعنی خشکی ہیں جن میں سے کفار جنگل ہیں مومنین آباد زمین حضرات اولیاء بحر رواں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سمندر بے کراں اللہ تعالیٰ ان سب کو بھی جانتا ہے ان کی تاثیرات و اثرات کو بھی وہ بڑا علیم و خبیر ہے **وما تسقط من ورقۃ الا یعلمھا** یہ رب تعالیٰ کی تیسری شان کا بیان ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ ہم ہر پتہ ہر ذرہ کی حرکتوں ان کے حالات سے خبردار ہیں ہمیشہ سے دنیا میں بے شمار درخت و پودے بیل بوٹے ہیں پھر ہر درخت میں بے شمار پتے پھر ہر پتے کے بے شمار حالات رب تعالیٰ کی وسعت علم کا یہ حال ہے کہ وہ پتے پتے کے ہر حال کم سے خبردار ہے تو اب کون چیز ہے جو اس کے علم سے باہر ہو جب اسے پتے گرنے اڑنے کی خبر ہے تو پتوں کے شاخوں میں لگے رہنے کی بھی خبر ہے۔ **ولا حبۃ فی ظلمات الارض** یہ عبارت اگر نیا جملہ ہے تو حبۃ سے پہلے **من** استغراقیہ پوشیدہ ہے۔ یعنی **لا من حبۃ** یہ مبتداء ہے اور **الا فی کتاب مبین** اس کی خبر اور اگر **ورقۃ** پر معطوف ہے تو اس **من** کی وجہ سے اس پر جر آگیا۔ اس صورت میں یہ **ما تسقط** کا فاعل ہے۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے **حبۃ** سے مراد دانہ ہے اور **ظلمات ارض** سے مراد اس کا زمین میں بویا ہوا ہونا ہے کہ اس وقت وہ دانہ کسی انسان و جانور کو نظر نہیں آتا۔ خیال رہے کہ بویا ہوا دانہ اگنے سے پہلے حبۃ ہے اور اگ جانے پر بذر کہلاتا ہے۔ چونکہ دانہ اگ جانے کے بعد کسی نہ کسی طرح انسانوں کو معلوم ہو جاتا ہے اس کی سبزی پتہ دیدیتی ہے مگر اگنے سے پہلے کسی کو معلوم نہیں ہوتا اس لئے یہاں **حبۃ** فرمایا گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ساتویں زمین کے نیچے پتھر کی چٹان ہے اس چٹان کے پیٹ میں ایک دانہ ہے یہاں وہ دانہ مراد ہے اسی لئے **ظلمات الارض** جمع ارشاد ہوا۔ (تفسیر خازن) **ولا رطب ولا یابس**۔ یہ عبارت معطوف ہے حبہ پر جیسے وہاں دو احتمال تھے ویسے ہی یہاں دو احتمال ہیں۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ **رطب** یعنی تری پانی ہے اور **یابس** یعنی خشکی زمین ہے عطا فرماتے ہیں۔ جو دانہ اگ جاوے وہ رطب ہے اور جو نہ اگے وہ **یابس** ہے بعض نے فرمایا کہ ہر زندہ رطب ہے ہر مردہ **یابس** بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد عالم کی ہر چیز ہے چھوٹی بڑی کھلی چھپی۔ موجود اور جو فنا ہو چکی یا

www.alahazratnetwork.org

آئندہ موجود ہوگی۔ یہی آخری قول زیادہ قوی ہے (از تفسیر خازن) دل والوں کے نزدیک عشق تری ہے۔ عقل محض خشکی ہے۔ جو دل محبت رسول سے خالی ہے وہ خشک ہے محبت والا دل تر ہے۔ تری کے بغیر کوئی چیز کچھ نہیں بنتی آٹا بغیر پانی کے روٹی پراٹھا حلوہ شیرمال نہیں بن سکتا بلکہ دانہ پیدا ہو تو تری کی مدد سے روٹی بنے تو پانی کی تری سے کھایا جاوے تو پانی کی تری کی روسے اسی طرح جس دل میں عشق کی تری نہیں تو اس کی عبادات ریاضیات خشک آٹے کی طرح ہیں تری والے صحابہ سورہ فاتحہ دم کر دیں تو سانپ کاٹے کو شفا ہو جاتی ہے تو بجری کا زہر نہیں اترتا فرمایا گیا۔ ہر عشق والا تر اور خشکی والا خشک کتاب مبین میں تحریر ہے۔ **الا فی کتاب مبین** یہاں **کتاب مبین** سے مراد یا تو علم الٰہی ہے چونکہ وہ لوح محفوظ میں لکھا جا چکا ہے اس لئے اسے کتاب فرمایا اور چونکہ وہ اللہ کے بعض مقبولوں پر ظاہر ہے اس لئے اسے مبین فرمایا یا **کتاب مبین** سے خود لوح محفوظ ہی مراد ہے چونکہ اس میں علم الٰہی لکھا جا چکا ہے۔ اس لئے وہ کتاب ہے اور چونکہ وہ اللہ کے مقبول بندوں فرشتوں انبیاء کرام خاص اولیاء اللہ کے سامنے ہے ان کی نظر اس پر ہے۔ اس لئے **مبین** فرمایا گیا اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیئی** قرآن مجید میں ہر تر و خشک چیز کا علم ہے یہ علوم اسی کا جامع ہے۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شعر

جمیع العلم فی القران لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

خلاصہ ء تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں غیب کی کنجیاں یعنی علوم کلیہ جو جزئیات علوم کا ذریعہ ہیں صرف اللہ تعالیٰ ہی کے قبضہ میں ہیں جنہیں رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا دنیاوی علوم انسان عقل قیاس اٹکل اندازہ سے بھی حاصل کر لیتا ہے مگر یہ غیب کی کنجیاں اللہ کے بغیر بتائے کسی ذریعہ کسی کو حاصل نہیں ہوتیں چنانچہ کوئی اپنی عقل یا عقلی علوم کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا کہ قیامت کب ہوگی۔ کسی کا انجام کیا ہوگا۔ اچھا یا برا عورت کے لڑکا ہوگا یا لڑکی وغیرہ اس علیم و خبیر کے وسعت علم کی یہ کیفیت ہے کہ جو کچھ خشکی و تری یعنی بحر و بر میں ہے بڑی سے بڑی چھوٹی سے چھوٹی چیز اللہ اسے جانتا ہے پہاڑ سے ذرہ تک ہاتھی سے چیونٹی تک کی خبر رکھتا ہے۔ درخت کا جو پتہ گرتا ہے وہ اللہ کے علم میں ہے۔ پھر اس نے اپنے علوم پر اپنے خاص بندوں کو مطلع فرمانے کا یہ انتظام فرمایا کہ زمین کی اندھیریوں میں جو باریک دانہ دفن ہو اور کوئی خشک و تر چیز ہو وہ تمام لوح محفوظ یا قرآن مجید میں موجود ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ اعلیٰ سے اعلیٰ چیز وہاں تحریر ایسی کوئی چیز نہیں جو اس میں موجود نہ ہو پھر وہ لوح محفوظ ہمارے محبوب بندوں پر ظاہر ہے۔ اس لئے اسے کتاب مبین کہا جاتا ہے خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں چار چیزیں مذکور ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ عالم کلیات ہے **عندہ مفاتح الغیب**۔ (2) اللہ تعالیٰ عالم جزئیات ہے **ویعلم ما فی البر** الخ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص علوم پر اپنے خاص بندوں کو مطلع کرنے کے لئے سب کچھ لوح میں لکھ دیا۔ (3) وہ لوح محفوظ بالکل چھپائی نہ گئی۔ بلکہ اپنے مقبولوں پر ظاہر فرما دی گئی **الا فی کتاب مبین**۔ چونکہ ہم خشکی کی چیزوں سے زیادہ خبردار ہیں سمندری چیزوں سے کم اس لئے بر یعنی خشکی کا ذکر پہلے فرمایا۔ **بحر** سمندر کا ذکر بعد میں کلیات کا علم جزئیات کے علم پر مقدم ہے اس لئے **مفاتح الغیب** کا ذکر پہلے فرمایا۔ دوسرے علوم کا ذکر بعد میں۔ سوچنا یہ ہے کہ اس آیت کا اور ان جیسی آیت کا منشا کیا ہے بغیر شیعوں سمجھو کہ ایک بڑا عالم محدث مفسر کبھی تو اپنے کامل علم کا اظہار کرے اور کبھی اپنی کسی کامل کتاب کی تعریف کرے کہ میں نے اپنے علوم اس کتاب میں

www.alahazratnetwork.org

جمع کردیئے اور کبھی اپنے ایک خاص پیارے شاگرد کے ذہن عقل حافظہ دانائی سمجھ کی تعریف کرے اور کبھی کہے کہ میں نے اسے یہ اپنی جامع کتاب سکھادی ہے اور سب کچھ سکھادیا ہے تو ان تمام باتوں کو سننے والا اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ شاگرد بہت ہی اعلیٰ قابلیت والا ہے یہاں تو رب نے اپنے علم اور اپنی کتاب کی جامعیت کا ذکر فرمایا دوسری جگہ فرماتا ہے **نزلنا علیک الکتاب تبیانا کل شی** کہیں فرمایا **وعلمک مالم تکن تعلم** کہیں فرماتا ہے **الرحمن علم القران** کہیں فرماتا ہے **ما زاغ البصر وما طغی** جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و دانائی ہمت کی تعریف کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل و دانائی ہمت کی تعریف کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم سکھانے کی تعریف کی ان تمام سے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے بڑا عالم بنایا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے تمام کلیات و جزئیات کو بالتفصیل جانتا ہے جیسے اس کی ذات قدیم ہے ویسے اس کے صفات علم و قدرت وغیرہ قدیم ازلی ہیں۔ جو کہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف کلیات کا علم ہے جزئیات کا نہیں یا اللہ تعالیٰ کا علم ازلی ابدی ہے۔ جب بندہ کچھ کرلیتا ہے تو رب تعالیٰ کو خبر ہوتی ہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ یہ فائدہ **عندہ مفاتح الغیب** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: علم غیب سوائے رب تعالیٰ کے بتائے کسی ذریعہ سے حاصل نہیں ہوسکتا اس کا علم ذاتی ہے۔ بندوں کا علم عطائی یہ فائدہ **لا یعلمها الا هو** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: خلق پر قدرت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اس کے سوا کوئی خالق نہیں جو کسی کو خالق مانے وہ اسلام سے خارج ہے یہ فائدہ **مفاتح الغیب** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ وجوب خالق، ازلی ہونا، معبود ہونا، خاص اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کسی مخلوق میں یہ صفات نہیں نہ ذاتی نہ عطائی، علم، قدرت، حیوۃ، سمع، بصر اللہ کی وہ صفتیں ہیں جن کی تجلی اس کے بندوں پر ڈالی گئی ہے انہیں علیم، قادر، سمیع و بصیر وغیرہ بنایا گیا حق تعالیٰ ذاتی ازلی ابدلی علیم و قدیر، سمیع بصیر ہے اس کے بندے عطائی اور حادث طور پر۔ چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے بعض علوم غیبیہ اپنے خاص بندوں کو عطا فرمائے یہ فائدہ **مفاتح الغیب** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں علوم غیبیہ کو خزانوں سے تشبیہ دی گئی اور ان کے لئے کنجی ثابت کی گئی اور ظاہر ہے خزانوں میں قفل میں وہی چیز رکھی جاتی ہے جو کسی کو دینا ہو اگر کسی کو دینا ہو کبھی نکالنا نہ ہو وہ زمین میں دفن کردی جاتی ہے مفاتح سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ خزانے کھولے جاتے ہیں اور کسی کو ان میں سے کچھ دیا جاتا ہے رب تعالیٰ نے کسی کے لئے یہ خزانے کھولے ہیں یا نہیں اس کا جواب قرآن مجید میں ہی ہے فرماتا ہے **انا فتحنا لک فتحا مبینا** اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہم نے آپ کے لئے علوم غیبیہ کے خزانے کھول دیئے ظاہر ظہور انشاء اللہ اس کی تفسیریں سورۂ فتح شریف کی تفسیر میں عرض کی جائیں گی۔ اگر رب تعالیٰ نے توفیق دی۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے علوم غیبیہ لوح محفوظ میں لکھے ہیں پھر اس لوح محفوظ پر اپنے خاص بندوں کو مطلع بھی فرمایا ہے یہ فائدہ **الا فی کتاب مبین** سے حاصل ہوا کیونکہ یہ تحریر اس لئے نہیں کہ رب تعالیٰ کے بھول جانے کا خطرہ تھا۔ لہٰذا لکھ لئے بلکہ اس لئے ہے تاکہ اپنے خاص بندوں کو ان پر مطلع کیا جاوے۔ اگر لوح محفوظ بالکل چھپائی جاتی تو مبین نہ ہوتی۔ لہٰذا جن بندوں کی نظر لوح محفوظ پر ہے ان کو عالم کے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کی خبر ہے کہ یہ سارے علوم لوح محفوظ ان کے علم میں، لہٰذا یہ سارے غیوب ان کے علم میں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

لوح محفوظ است پیش اولیاء ازچہ محفوظ اند محفوظ از خطا

حضرت امام بوصیری قدس سرہٗ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔ شعر۔

فان من جودک الدنیا و ضرتہا ومن علومک علم اللوح والقلم

غرضیکہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا بھی ذکر ہے اور وسعت عطا کا بھی۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن مجید میں سارے علوم ہیں ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا علم اس میں موجود ہے یہ فائدہ **الا فی کتاب مبین** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہو اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شیء**۔ پھر یہ بھی قرآن مجید ہی فرمارہا ہے کہ رب تعالیٰ نے سارا قرآن اپنے حبیب کو سکھایا فرماتا ہے **الرحمن علم القران**۔

پہلا اعتراض: جب پہلے ہی فرمایا گیا کہ **عندہ مفاتح الغیب** رب تعالیٰ کے پاس غیب کی کنجیاں ہیں تو پھر بعد میں اگلا مضمون کیوں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ خشکی و تری کی تمام چیزیں جانتا ہے یہ سب تو اس عبارت میں بیان ہو گیا۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ **عندہ مفاتح الغیب** میں اجمال ہے۔ اور **یعلم ما فی البر الخ** میں تفصیل گویا یہ عبارت **مفاتح الغیب** کا بیان ہے دوسرے یہ کہ **مفاتح الغیب** سے کلی علوم مراد ہیں اور **ما فی البر الخ** سے جزئیات کا علم مراد ہے بعض لوگ جزئیات کے علم کا انکار کرتے تھے۔ جیسے فلاسفہ ان کی تردید کے لئے یہ ارشاد ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** مذکورہ پانچ علوم کو غیب کی چابیاں کیوں فرمایا یعنی قیامت' بارش' رحم کے بچہ' لوگوں کے انجام' کل کی بات کو کہ ارشاد فرمایا۔ **عندہ مفاتح الغیب**۔ **جواب:** اس لئے کہ وہ پانچ علوم کلی ہیں اور کلی علم جزئیات کے علم کا ذریعہ ہوتے ہیں جسے کل کا علم ہو گیا اسے تمام جزئیات کا علم ہو گیا۔ جب ہم کو معلوم ہو گیا کہ ہر انسان ناطق ہے۔ یا ہر صحابی جنتی ہے تو پتہ لگ گیا کہ زید عمرو بکر وغیرہ سب ہی ناطق ہیں کہ یہ انسان ہیں اور حضرات خلفاء راشدین جناب امیر معاویہ وغیرہ سب جنتی ہیں کہ یہ صحابی ہیں کلی علم جزئیات کے علم کی گویا چابی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی صفت ہے کہ فرمایا گیا **لا یعلمہا الا ھو** جو کسی نبی ولی کو علم غیب مانے وہ خدا کی صفت میں انہیں شریک مانتا ہے لہٰذا مشرک ہے (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں دو الزامی تیسرا تحقیقی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر آپ بھی مشرک ہوئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بعض علم غیب آپ بھی مانتے ہیں کلی علم اور جزئی علم میں اختلاف ہے تو جو آپ جواب دیں گے وہی ہمارا جواب ہے۔ دوسرا جواب الزامی یہ ہے کہ علم غیب بھی خدا تعالیٰ کی صفت ہے اور علم شہادۃ بھی' رب تعالیٰ فرماتا ہے **عالم الغیب والشہادۃ** تو چاہئے کہ کسی کو نہ حاضر چیزوں کا علم ہو نہ غائب کا جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض ہوا کہ ذاتی' ازلی' ابدی محیط علم خدا تعالیٰ کی صفت ہے۔ عطائی حادث غیر محیط بعض بندوں کو عطا ہوا۔ جیسے زندگی' سننا' دیکھنا' قوت و قدرت وغیرہ کہ یہ رب تعالیٰ کی صفات ہیں ذاتی بندوں کی بھی صفات ہیں عطائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا علم خود یوں بیان فرمایا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون**۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک بچہ کے متعلق فرمایا کہ یہ کافر ازلی ہے اگر جیتا رہتا تو اپنے ماں باپ کو کافر کر لیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اپنے صحابہ کے متعلق قیامت کے واقعات کی خبر دی کہ حمد کا جھنڈا ہمارے ہاتھ ہوگا۔ فلاں فلاں جنتی ہیں۔ فلاں جنتیوں کا سردار ہے۔ خیال رہے کہ علم اور علمیت دو طرح کی ہیں کامل اور ناقص کامل وہ ہے کہ دوسرے کو دے بھی سکے ناقص وہ جو دوسرے کو

www.alahazratnetwork.org

دے سکے۔ جو عالم دوسرے کو عالم نہیں بنا سکتا وہ ناقص عالم ہے اور جو دوسرے کو بھی عالم بنا سکے وہ کامل عالم ہے اگر رب تعالیٰ کسی کو علم دے نہیں سکتا تو وہ خود بھی ناقص عالم ہے یوں ہی اگر وہ مالک تو ہے مگر کسی کو مالک کر نہیں سکتا تو خود بھی ناقص مالک ہوا۔ پاکستان میں مہاجرین جب تک محض الاٹی رہے تو وہ کسی کو اپنا مکان و دکان بیچ دے نہیں سکتے تھے کہ ناقص مالک تھے مگر جب انہیں پکا کاغذ مل گیا تو ہبہ و فروخت کا انہیں اختیار ہو گیا کہ اب مکمل مالک ہوئے اللہ تعالیٰ عالم بھی ہے تو کامل مالک بھی ہے تو کامل۔ یہ نکتہ ضرور یاد رہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر تم علم غیب میں ذاتی اور عطائی کا فرق کر کے بندوں کو عطائی علم غیب مانتے ہو تو تم کو چاہیے کہ خلق۔ ازلی ہونا معبود ہونا ان میں بھی ذاتی عطائی کا فرق کر کے بعض بندوں کو عطائی خالق' ازلی معبود مان لو کہ وہ چیزیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور علم غیب بھی رب کی صفت۔ نوٹ: یہ دیوبندیوں کا انتہائی اعتراض ہے۔ **جواب:** بعض صفات قابل عطا ہوتی ہیں بعض ناقابل عطا دیکھو ہم علم' حکمت' بہادری دوسروں کو دے سکتے ہیں۔ مگر انسانیت' باپ ہونا بیٹا ہونا کسی کو نہیں دے سکتے یوں ہی خدا تعالیٰ کی ذاتی صفات خالق' ازلی ہونا وغیرہ ایسی صفات ہیں جو عطا کے قابل نہیں علم وغیرہ قابل عطا ہیں۔ حضرت مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا خوب فرمایا۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے لائق — خدا بن کے آتا وہ بندہ خدا کا!

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر خشک و تر پتہ پتہ ذرہ ذرہ کا علم لوح محفوظ میں ہے اگر کسی بندے کو لوح محفوظ کا علم ہو تو اس بندے کا علم رب تعالیٰ کے علم کے برابر ہو جاوے یہ تمہارے بھی خلاف ہے۔ **جواب:** لوح محفوظ میں اس دنیا کی اول پیدائش سے قیامت تک کی چیزوں کی تحریر ہے یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کے علم سمندر کا قطرہ ہیں۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ پتے پتے دانہ دانہ کا علم کتاب مبین میں ہے اور ظاہر ہے کہ پتے اور دانے اس عالم اجسام کی چیزیں ہیں رہے عالم انوار' عالم ارواح' عالم امر وغیرہ ان کا ذکر لوح محفوظ میں نہیں۔ مگر وہ سب رب تعالیٰ کے علم میں ہیں لہٰذا برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ **چھٹا اعتراض:** تم نے کہا کہ پورا مالک وہ ہے جو دوسرے کو مالک کر سکے رب تعالیٰ چونکہ کامل مالک ہے لہٰذا وہ اپنی مخلوق کا مالک اپنے خاص بندوں کو کر سکتا ہے تو اگر رب تعالیٰ کسی بندے کو اپنی مخلوق کا مالک کر دے تو وہ خود مالک نہ رہے گا ہم کسی کو اپنا مکان دے دیں تو ہم مالک نہیں رہتے تو کیا رب تعالیٰ اب مالک نہیں۔ **جواب:** اگر آقا اپنے غلام کو اپنی کسی چیز کا مالک کر دے تو وہ چیز آقا کی ملکیت سے نکل نہیں جاتی بلکہ آقا اصلی مالک رہتا ہے اور غلام عارضی مالک یوں ہی اگر رب تعالیٰ اپنے کسی خاص پیارے بندے کو مالک کر دے تو وہ چیز رب کی ملکیت سے نکل نہیں جاتی رب فرماتا ہے **انا اعطینک الکوثر** ہم نے آپ کو اے محبوب کوثر دیدی تو کیا رب تعالیٰ کوثر کا مالک نہیں رہا ضرور رہا۔ حضرت سلیمان کو تمام دنیا کا مالک بنا دیا بلکہ ہوا پر ان کا راج قائم کر دیا۔ **فسخرنا له الریح تجری بامره** آج دنیاوی بادشاہ ملک کے مالک ہوتے ہیں تو کیا رب تعالیٰ ان چیزوں کا مالک نہیں **مالک الملک تؤتی الملک من تشاء** سارے بندے اور بندوں کی ساری مملوک چیزیں اللہ تعالیٰ کی مملوک ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کی مخلوق کی بعض چیزیں شہادت ہیں جو اس چیز کے لائق ہیں۔ بعض چیزیں غیب جس کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اس غیب کی چابیاں رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں جن سے ان غیوب کے دروازے کھلتے ہیں ان چابیوں کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسے نقاش و مصور کی کھینچی ہوئی تصویریں ان تصویروں کی ہیئت شہادۃ ہے ان تصویروں کے بنانے کا علم یہ

www.alahazratnetwork.org

غیب ہے اور تصویریں بنانے کا قلم اس غیب کی چابی ہے جس سے نقاش یہ تصویریں بناتا ہے وہ صرف نقاش کے قبضہ میں ہے سارا عالم تصویریں ہیں رب تعالیٰ کی تکوین ان کا غیب اور ان کا پیدا فرمانا یہ چابی ہے اس قلم تکوین کا نام ملکوت ہے فرماتا ہے بیدہ **ملکوت کل شیء**۔ چونکہ مخلوق مختلف رنگ ڈھنگ کی ہے اس لئے اس کی چابیاں مختلف ہیں عالم شہادت **بر** یعنی خشکی ہے عالم غیب **بحر** یعنی سمندر رب ان دونوں عالموں میں جو پتا حرکت کرتا ہے وہ رب کے علم میں ہے۔ یا یوں کہو کہ اسلام ایک درخت ہے اس کی جڑ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شاخیں اولیاء اللہ ہیں اور اس کے پتے عوام مسلمین ہیں۔ جو پتہ اس درخت سے وابستہ رہے گا یعنی مرتے دم تک مسلمان رہے گا اسے بھی رب جانتا ہے اور جو پتہ اس درخت سے گر جاتا ہے یا گر جائے گا وہاں سے نکالا جائے گا۔ رب اسے بھی جانتا ہے کامل وہی جو اس درخت سے وابستہ ہے۔ شعر

ملت سے اپنے رشتہ کو تو استوار رکھ — وابستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

نفسانی زمین کی اندھیریوں میں روح کا دانہ رب نے ڈالا وہ اس دانہ کو اور اس کے ہر حال کو جانتا ہے کیونکہ یہ دانہ ڈالنے والا تو وہی ہے۔ ہر تر و خشک یعنی ہر موجود تر ہے ہر ممکن معدوم جو آئندہ ہونے والا ہے وہ خشک ہے روحانی چیزیں تر ہیں بے روح جمادات خشک مومن تر ہے کافر خشک عالم تر ہے جاہل خشک عارف تر ہے زاہد خشک اہل محبت تر ہیں اہل اطاعت خشک شہود والے تر ہیں وجود والے خشک باقی باللہ تر ہیں باقی بنفسہ خشک یہ سب ام الکتاب لوح محفوظ میں موجود محفوظ ہیں۔ (روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں رب نے فرمایا **مفاتح الغیب** دوسری جگہ ہے **لہ مقالید السموت والارض** مفاتح اور مقالید دونوں کے معنی ہیں چابیاں لیکن اگر مفاتح کا پہلا اور آخری حرف میم "ح" اور مقالید کا پہلا پچھلا اور آخری حرف م "د" تو بنتا ہے **محمد** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے غیب کی آسمان و زمین کی کنجیاں بنایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے ان سب کو پیدا کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو اپنی رحمت کی کنجی بنایا۔ حتیٰ کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت بلکہ قیامت کا کاروبار کھلنے کی کنجی ہوگا اس کی لذیذ و نفیس شرح ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن اور جاء الحق حصہ اول میں دیکھو، غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم داتا تو ہیں ایک مگر آپ کو مفاتح جمع فرمایا گیا یعنی چابیاں کہ آپ کا نور عالم خلق کی چابی ہے کہ آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو الخلق۔

تم سے کھلا باب جود تم سے جہان کا وجود — تم سے بنا جو بنا تم پہ کروڑوں درود

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ایمان، قرآن، نماز، روزہ، حج، جہاد وغیرہ کی یوں ہی ولایت، قطبیت، غوثیت کی چابی ہے کہ کافر یہ کوئی نعمت نہیں پا سکتا آپ کا کلمہ پڑھتے ہی اس پر ان سب کے دروازے کھل جاتے ہیں قبر میں آپ کی پہچان دروازہ جنت کھلنے کی چابی محشر میں آپ کا سجدہ دروازہ شفاعت کی چابی ہے آپکا دروازہ جنت پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹانا جنت کھلنے کی چابی ہے جیسے ایک سورج دن کی رات کی موسموں کی عمروں کی دانے و پھل پکنے کی چابی ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی تمام مخلوق پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جود و عطاء و سخا سارے عالم پر ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے پاس ہیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقت ذات محبوبیت رب کے پاس ہے کیونکہ دست طلب رب کی طرف ہے دست عطا مخلوق کی طرف اس لئے **عندہ** ارشاد ہوا۔ شعر

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجاست — ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

www.alahazratnetwork.org

یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم سب کی طرف ہے شرف رب کے پاس ہے نیز عندہ، کہہ کر بتایا کہ تمام دنیا انہیں نقصان نہیں پہنچا سکتی ان کا کچھ بگاڑ نہیں سکتی کیونکہ وہ تو رب کے پاس ہیں خیال رہے کہ چابی دروازہ کھول بھی دیتی ہے اور بند بھی کر دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو جہل کے لئے دروازہ رحمت بند کر دیا تو کھل نہ سکا صدیق اکبر کے لئے دروازہ کھول دیا تو بند نہ ہو سکا کعبہ کے لئے مدینہ کی زمین کے لئے دروازہ کھول دیا۔ تو کعبہ بتوں سے پاک ہو گیا۔ مدینہ یثرب تھا طیبہ بن گیا۔ اونی زمین مسجد نبوی بن گئی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مخلوق جانتی پہچانتی ہے۔ مگر جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقتہ" ہیں ویسا **لا لعلمها الا هو** سورج سب پر ظاہر ہے۔ مگر جیسا وہ ہے ایسا آج تک کسی نے نہیں دیکھا سورج کے سامنے چمگادڑ کی آنکھ بے کار ہے اور حقیقت محمدیہ کے سامنے عقل کی نظر بے کار ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر تمام چیزیں لوح محفوظ میں لکھیں کہ لوح محفوظ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کنٹرول ہے سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان و دہان سے علوم لیتے ہیں۔ بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی **کتاب مبین** یعنی لوح محفوظ ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

لوح محفوظ است پیشانی یار — راز پنہاں میں شود زاں آشکار

ہم نے قرآن رب کے فرمان نیک و بد اعمال کی تفصیل شریعت و طریقت حقیقت و معرفت سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانے پہچانے ہماری لوح محفوظ **کتاب مبین** حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ **صلی اللہ علیہ وسلم**۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيهِ

اور وہ اللہ وہ ہے جو وفات دیتا ہے تم کو رات میں اور جانتا ہے جو کرتے ہو تم دن میں پھر تم کو بیدار کرتا ہے اس دن میں

اور وہی ہے جو رات کو تمہاری روحیں قبض کرتا ہے اور جانتا ہے جو کچھ دن میں کماؤ پھر تمہیں اٹھاتا ہے

لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦٠﴾

تاکہ پوری کی جاوے مدت مقرر شدہ پھر اس کی طرف لوٹنا ہے تمہارا پھر خبر دیگا وہ تم کو اس کی جو تم تھے کرتے

کہ ٹھہرائی ہوئی میعاد پوری ہو پھر اس کی طرف پھرنا ہے پھر وہ بتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی وسعت علم کا ذکر تھا اب اس کی وسعت قدرت کا ذکر ہے پورا مالک وہی ہے جس کو علم بھی ہو اور قدرت بھی کہ اپنے مملوک سے ہر طرح خبردار ہو ہر طرح اس پر قادر ہو۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے وسیع اور دائمی علم کا ذکر تھا اب انسان کے علم کا نقصان بیان ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ ہر وقت علیم و خبیر ہے مگر انسان کتنا ہی بڑا عالم ہو سو جانے پر سب کچھ بھول جاتا ہے۔ حتیٰ کہ اسے اپنی بھی خبر نہیں رہتی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ ذرہ ذرہ پتے پتے قطرہ قطرہ کی ہر وقت خبر رکھتا ہے اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ ایسا علیم و خبیر تمہاری اس وقت بھی خبر رکھتا ہے جب تمہیں خود اپنی خبر نہیں ہوتی یعنی سونے کی حالت میں اور تمہاری اس وقت بھی خبر رکھتا ہے۔ جب تم اپنے ہوش و حواس میں ہوتے ہیں۔ یعنی تمہارے

www.alahazratnetwork.org

جاگنے کی حالت میں سوتے ہیں تمہارے اعمال کا حساب نہیں جاگنے کے اعمال کا حساب ہے گویا رب تعالیٰ کے کلی علم کے بعد اس کے جزئی علم کا ذکر ہے۔

تفسیر: **وھو الذی یتوفکم باللیل۔** اس عبارت میں **ھو** مبتداء ہے اور **الذی** اس کی خبر **ھو** اور **الذی** دونوں سے مراد رب تعالیٰ ہے **ھو** میں اس کی ذات اور **الذی** میں اس کی شان کی طرف اشارہ ہے یعنی وہ اللہ ایسی شان والا ہے۔ **یتوفی** باب تفعل ہے مگر متعدی ہے لازم نہیں یعنی یہاں **توفی** کے معنی وفات پانا نہیں بلکہ وفات دینا ہے اس لئے اس کے بعد کم مفعول بہ آیا **توفی** بنا ہے وفات سے یا **وفی** سے بمعنی پورا کرنا' پورا دینا' پورا لینا' رب فرماتا ہے **وابراھیم الذی وفی۔** پورا قرض وصول کر لینے کو **توفی** کہتے ہیں وعدہ پورا کرنے کو وفاء عہد کہا جاتا ہے موت کو وفات کہتے ہیں کہ اس سے زندگی کے دن پورے ہو جاتے ہیں یہاں وفات سے مراد نیند ہے۔ خیال رہے کہ نیند کو موت کہنے کی چند وجہ بیان کی گئی ہیں۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ موت کی حقیقت ہے روح کا بدن سے نکل جانا اور نیند میں بھی روح بدن سے نکل جاتی ہے اس کی شعاع بدن میں رہتی ہے روح نکل کر عالم کی چیزیں حالت دیکھتی ہے اس کو خواب کہا جاتا ہے اور موت میں روح بھی جسم سے نکل جاتی ہے اس کی شعاع بھی چونکہ نیند میں روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ اس لئے اسے وفات فرمایا گیا (تفسیر روح البیان) اس کی مثل حضرت ابن عباس سے مرفوعاً" منقول ہے (تفسیر ابن کثیر) بعض علماء نے فرمایا کہ انسان کے جتنے اعضاء ہیں کان' ناک' آنکھیں' زبان وغیرہ ان سب کی الگ الگ روحیں ہیں جو سوتے وقت سب کی سب قبض کر لی جاتی ہیں۔ جاگنے پر لوٹا دی جاتی ہیں دل کی روح مرتے وقت نکالی جاتی ہے اس لئے نیند کی حالت میں دل کی حرکت باقی رہتی ہے مگر حواس اپنا کام چھوڑ دیتے ہیں چونکہ نیند میں قبض روح ہوتا ہے۔ لہذا اسے وفات کہتے ہیں (تفسیر مدارک) بعض علماء فرماتے ہیں کہ انسان میں دو روحیں ہیں ایک وہ جس سے زندگی قائم ہے دوسری وہ جس سے ہوش و حواس قائم ہیں۔ پہلی روح کو روح حیوانی کہتے ہیں دوسری روح کو روح سلطانی پہلی روح موت کے وقت نکلتی ہے۔ دوسری روح سوتے میں نکل جاتی ہے۔ (تفسیر صاوی) بعض نے فرمایا کہ روح تو ایک ہی ہے مگر موت کے وقت نکال لی جاتی ہے اور سوتے وقت باطن میں بند کر دی جاتی ہے جس کی وجہ سے شعور و احساس جاتا رہتا ہے چونکہ نیند کی حالت موت سے مشابہ ہے اس لئے یہاں نیند کو وفات فرمادیا (تفسیر کبیر) بعض نے فرمایا کہ لفظ وفات مشترک ہے وفات صغریٰ نیند ہے اور وفات کبریٰ موت یہاں وفات صغریٰ یعنی نیند کے معنی مراد ہیں ظاہر یہ ہے کہ **کم** میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر کہ نیند سب ہی کو آتی ہے۔ مگر سیدنا عبداللہ ابن عباس و قتادہ سے روایت ہے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے کہ کافر نیند میں یکدم غافل ہو جاتا ہے مومن سوتے میں بھی عبادت کرتا ہے اس کا سونا بھی عبادت ہے کہ وہ جاگ کر عبادت کرنے کے لئے سوتا ہے اس یہاں **یمیتکم** نہ فرمایا **یتوفاکم** فرما کر مومن و کافر کی نیند میں فرق کر دیا۔ چونکہ عموماً" انسان رات کو سوتے ہیں اس لئے **باللیل** ارشاد ہوا اگرچہ کبھی دوپہری میں بھی سویا جاتا ہے **ویعلم ماجرحتم بالنھار۔** قوی یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے **یتوفا کم** پر اور واؤ عاطفہ ہے **یعلم** کو مضارع اس لئے فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ ہر وقت علیم و خبیر ہے وہ کسی وقت بھی بے علم و بے خبر نہیں ہوتا اس کا علم دائمی ہے مگر ہمارے اعمال دائمی نہیں سو گئے جاگ اٹھے تو پھر شروع کر دیئے اعمال روزانہ کھلتے بند ہوتے رہتے ہیں اس لئے اسے ماضی فرمایا بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت **یتوفا کم** کے فاعل سے حال ہے اور **نھار** سے مراد گزشتہ دن ہے اور اس میں بھی خطاب کفار سے ہے یعنی وہ رب ایسا کریم ہے کہ تمہارے

www.alahazratnetwork.org

کفر و گناہ کو جو تم دن میں کر چکے جانتا ہے پھر بھی تم کو رات میں چین کی نیند سلاتا ہے (معانی) **جرحتم** بنا ہے **جرح** سے **جرح** کے تین معنی ہیں۔ زخم زخمی کرنا ظاہری اعضاء کے کام چلنا پھرنا بولنا دیکھنا وغیرہ یہاں تیسرے معنی مراد ہیں اس لئے ظاہری اعضاء کو جوارح کہتے ہیں۔ شکاری جانوروں کو جوارح کہا جاتا ہے بمعنی زخمی کرنے والے رب فرماتا ہے **علمتم من الجوارح**۔ گناہ کرنے کو اجتراح کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ام حسب الذین اجترحوا السیات**۔ چونکہ جاگنے کی حالت کے اعمال پر سزا و جزاء ہے اس لئے یہاں **یعلم** فرمایا ورنہ رب تعالیٰ ہمارے سونے جاگنے کی ہر حالت سے خبردار ہے حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں بھی خطاب کفار سے ہے انہیں شکاری جانور قرار دیا گیا جسے سوا ایذا رسانی اور اپنا پیٹ پالنے کے اور کوئی فکر نہیں اس لئے **جرحتم** فرمایا کسبتم نہ فرمایا۔ (معانی) **ثم یبعثکم فیہ** یہاں **ثم** فرمایا کہ باوجود یہ کہ تم سوتے ہیں گویا مر جاتے ہو مگر وہ قوی قادر تمہیں پھر بھی جگا دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ **ثم** زمانی دیر کے لئے ہو کہ انسان رات بھر سوتا رہتا ہے۔ سویرا ہونے پر جاگتا ہے۔ **بعث** سے امر جگانا ہے **فیہ** کی ضمیر **نہار** کی طرف ہے یعنی پھر رب تعالیٰ تم کو دن میں جگا دیتا ہے بے شعوری کے بعد شعور غفلت کے بعد بیداری بخش دیتا ہے۔ **لیقضی اجل مسمی**۔ یہ عبارت **متعلق** ہے **یبعث** کے لام بمعنی کے ' ہے اس میں بندوں کو جگا دینے کی حکمت بتائی گئی۔ **یقضی** بنا ہے **قضاء** سے بمعنی پورا کرنا۔ **اجل** بمعنی مدت **مسمی** بمعنی طے شدہ مقرر شدہ اس مقرر شدہ مدت سے مراد ہماری زندگی کا زمانہ ہے یعنی تمہارا سلانا جگانا اس لئے ہے تاکہ تمہاری زندگی کی طے شدہ مدت پوری کر دی جاوے ورنہ ہم اس پر قادر تھے کہ تم کو جگاتے ہی نہیں سوتے ہی تم کو موت دے دیتے یا تم کو اصحاب کہف کی طرح سویا ہوا ہی رکھتے یا حضرت عزیر علیہ السلام کی طرح ایک دراز مدت تک مردہ رکھ کر پھر زندہ کرتے چونکہ یہ دونوں کام تمہارے **متعلق** حکمت کے خلاف تھے اسی لئے تم کو روزانہ سلاتے جگاتے رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کی وفات اختیاری ہوتی ہے انہیں وفات کے وقت اختیار دیا جاتا ہے کہ چاہیں تو آئیں چاہیں دنیا ہی میں رہیں۔ جو وہ چاہیں ویسا ہی کیا جاتا ہے وہ جو چاہتے ہیں ان کے لئے وہی **اجل مسمی** ہوتی ہے۔ لہذا یہ فرمان اپنے عموم پر ہے **ثم الیہ مرجعکم** یہ عبارت معطوف ہے **یبعثکم** پر چونکہ مرنا اور مرنے کے بعد قیامت میں اٹھنا کچھ عرصہ کے بعد ہی ہوگا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا **الیہ** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ کا ہوا ہ ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے مرجع مصدر میمی ہے بمعنی لوٹنا کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر مخلص ہوں یا منافق متقی ہوں یا فاسق کفار کی وہاں حاضری غضب و قہر کے ساتھ ہوگی مومنین صالحین کی حاضری رحمت و کرم کے ساتھ چونکہ تمام لوگ رب تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں آئے ہیں اس لئے دنیا سے جانے کو لوٹنا فرمایا جاتا ہے یعنی یہ تمہارا سونا جاگنا ہمیشہ نہ رہے گا آخر تم ایک دن ایسی نیند سوؤ گے کہ پھر نہ جاگو گے وہاں ہی جاؤ گے جہاں سے دنیا میں آئے تھے یعنی مرو گے پھر قیامت میں اٹھو گے۔ یہاں دو باتیں یاد رکھنی چاہئیں ایک یہ کہ وطن سے منتقل ہونا **ذہاب** یا **مضی** کہلاتا ہے اور وطن میں آنا **ایاب** یا رجوع کہلاتا ہے دنیا ہمارے جسم کا وطن ہے مگر روح کا پردیس ہے اور اصل چیز ہے روح جو باقی ہے روح کا وطن وہی ہے جہاں سے یہ آئی ہے لہذا مرنے کو یا قیامت میں اٹھنے کو **ایاب** رجوع یا مرجع کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **ان الینا ایابھم**۔ وہاں جانے کی تین نوعیتیں ہیں جو مزدور اپنا کام پورا کر کے جائے وہ تو اپنی مزدوری لینے کے لئے جاتا ہے۔ جو دنیا میں رہ کر یار کا ہو وہ یار سے ملنے وصال کے لئے جاتا ہے جو حرام خوری کر کے جیادہ سزا پانے جاتا ہے لہذا یہاں **مرجعکم** میں تین احتمال ہیں اور ہر احتمال میں الگ معنی ہیں۔ رجوع الی اللہ دو قسم کا ہے اختیاری غیر اختیاری ان میں سے

www.alahazratnetwork.org

غیر اختیاری رجوع موت یا حشر ہو گا اختیاری رجوع موت یا حشر پر ہو گا اختیاری رجوع روزانہ پانچ بار مسلمان کو میسر ہوتا ہے۔ خدا یہ رجوع الی اللہ نصیب کرے تو وہ غیر اختیاری رجوع آسان ہو گا۔ **ثم ینبئکم بما کنتم تعملون**۔ یہ عبارت معطوف ہے **الیہ مرجعکم** پر اگر **مرجعکم** سے مراد تھی انسان کی موت تب تو **ثم** فرمانا بالکل ظاہر ہے کہ موت کے بہت عرصہ بعد یہ حساب ہو گا۔ یہاں قبر کا حساب مراد نہیں کیونکہ قبر میں صرف ایمان کا حساب ہے اعمال کا حساب قطعاً نہیں اور یہاں اعمال کے حساب کا ذکر ہے تو قیامت ہی کا حساب مراد ہے کہ اعمال کا حساب قیامت ہی میں ہے اور اگر **مرجعکم** میں قیامت کا اٹھنا مراد ہے تو چونکہ قیامت کا حساب و کتاب سزا و جزا ہمارے اٹھنے کے بہت عرصہ بعد ہو گا۔ اس لئے **ثم** فرمایا گیا۔ خبر دینے سے مراد ہے عملی خبر دینا یعنی سزا و جزا دینا عمل سے مراد ہے دنیاوی عمل جو بالغ ہونے یا ہوش سنبھالنے کے بعد کئے کیونکہ نابالغی نادانی کے اعمال کے سزا نہیں یعنی پھر عرصہ کے بعد رب تعالیٰ تم کو ان اعمال کی سزا و جزا دے گا جو تم دنیا میں کرتے تھے چونکہ رب تعالیٰ کے فیصلے خبر دینے کے بعد ہوں گے پہلے بتایا جاوے گا کہ تو نے یہ جرم یا یہ نیکیاں کیں تھیں لہٰذا تجھے یہ سزا یا یہ جزا دی جاتی ہے۔ اس لئے قرآن کریم ہر جگہ خبر دینا فرماتا ہے یا خبر دینے سے مراد نیک و بد اعمال پر خبردار کرنا ان پر سزا و جزاء دینا۔ خیال رہے کہ **ینبئکم** میں خطاب یا تو مومنین سے ہے یا کفار سے یہاں خطاب حضرات انبیاء کرام یا خاص اولیاء اللہ سے نہیں کیونکہ ان حضرات کا نہ حساب ہے نہ وزن اعمال مومنین کا حساب یا تو بخشش کے لئے ہے یا عتاب کے لئے یا عارضی سزا کے لئے وہ بھی اس طرح کہ ان کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہو گا گناہوں کا حساب خفیہ اور کفار کا حساب عتاب اور دائمی سزا کے لئے اس طرح کہ ان کے کفر و گناہوں کا حساب علانیہ ہو گا ان کی نیکیاں دنیاوی نعمتوں راحتوں کی عوض کٹ جائیں گی۔ لہٰذا **ثم ینبئکم** بالکل حق ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : قرآن کریم نے یہاں ہمارے حالات بیان فرماتے وقت بھی فرمایا **هو الذی** اور دوسری جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بیان فرماتے ہوئے بھی **هو الذی** ارشاد فرمایا **هو الذی ارسل رسوله** مگر ان دونوں مقامات میں **هو الذی** کے معنی میں فرق ہے۔ یہاں **هو الذی** کے معنی ہیں وہ اللہ قدرت والا ہے۔ وہ کمال والا ہے وہ شان والا ہے جو تم کو رات میں وفات دے دیتا ہے مگر وہاں معنی یہ ہیں کہ وہ اللہ وہ شانوں والا ہے وہ کمالات والا ہے وہ قدرتوں والا ہے۔ جس نے اپنے ان رسول کو ان شانوں سے بھیجا۔ کیونکہ ساری مخلوق رب تعالیٰ کی بعض شانوں کی مظہر ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی تمام صفات تمام شانوں تمام کمالات بلکہ خود اس کی ذات کے مظہر اتم ہیں رب کی جو صفت جاننا دیکھنا ہو تو اس کے محبوب کو دیکھو اس قاعدہ سے یہاں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تم رب تعالیٰ کی وسعت علم تو معلوم کر چکے اب اس قوی و قادر کی وسعت قدرت جانو پہچانو کہ وہ ایسا قدرت والا ہے کہ تم سب ہر وقت اس کے قبضہ میں ہو وہ تم کو رات کے وقت سلا دیتا ہے۔ یعنی چھوٹی موت دے دیتا ہے کہ تم آنکھ لگتے ہی بے علم، بے خبر بے ہوش و خرد بن جاتے ہو تم کو اپنی بھی خبر نہیں رہتی پھر وہی قدرت والا تمہیں جگا دیتا ہے کہ تم جاگتے ہی سب کچھ بن جاتے ہو۔ پھر بھی تم اس کی نگرانی میں رہتے ہو۔ جو کچھ چھوٹے بڑے اچھے برے کھلے چھپے کام کرتے ہو وہ ہر ایک کام جانتا ہے تمہیں دن میں اٹھاتا ہے کام کرنے کے لئے تمہارا یہ سو کر جاگنا ہمیشہ نہ ہو گا اس وقت تک ہی ہے۔ جب تک تمہاری زندگی کے دن پورے نہیں ہوئے یہ معیاد پوری ہو جانے پر تم ایسے سو گے کہ پھر نہ جاگو گے موت آنے پر رب تعالیٰ ہی کی طرف ہو گے۔ تمہارے سارے ساتھی خویش و اقربا ساتھ چھوڑ جائیں گے۔ پھر تم کو

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ تمہارے نیک و بد سارے اعمال کی خبر دے گا خبر دیکر بنا کر تم سے ہر چیز کا اقرار کرا کر تم کو سزا یا جزا دے گا لہٰذا وہ بے کسی کلوقت بھی یاد کرو اور نیک اعمال میں جلدی کرو۔ قرآن کریم نے تم کو وارننگ دیدی ہے۔ ہوشیار ہونا تمہارا کام ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** رب تعالیٰ کی پہچان کے لئے بندہ اپنے حالات اور واردات کو دیکھے جو اپنے کو پہچان لے گا وہ رب کو بھی پہچان لے گا۔ ہماری گنہگاری رب کی غفاری ہماری کمزوری اس کی قدرت کی پہچان کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **ھو الذی** سے حاصل ہوا۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔** **دوسرا فائدہ:** اگرچہ نیند سب انسانوں کو آتی ہے مگر مومن کافر، نبی، ولی مقبول و مردود کی نیندوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے نبی کی نیند ایک قسم کی معراج ہے مومن کی نیند قرب الٰہی کا ذریعہ ولی کی نیند وصال یار کا ذریعہ کافر کی نیند غفلت و حجاب کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **یتوفٰکم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **ینفکم** یا **یمیتکم** نہ فرمایا۔ وفات کے تین معنی میں ہے بعض مومنوں پر چسپاں بعض کفار پر بعض اولیاء و انبیاء پر۔ **تیسرا فائدہ:** نیند چھوٹی موت ہے دنیا میں ہمارا سونا جاگنا آئندہ مرنے اور مرے بعد اٹھنے کی دلیل ہے۔ جسے مرنے یا مرنے کے بعد اٹھنے میں شک ہو وہ اپنے سونے جاگنے میں غور کرے یہ فائدہ **یتوفٰکم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے نیند کو وفات فرمایا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید میں نیند کو بھی وفات فرمایا گیا ہے حدیث شریف نے تو نیند کو **اخوالموت** فرمایا کہ ارشاد ہوا **النوم اخوالموت۔** لہٰذا آیت کریمہ **یاعیسٰی انی متوفیک ورافعک الی** سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مرچکنا ثابت نہیں ہو سکتا جیسا کہ مرزائی کہتے ہیں وہاں یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے عیسیٰ میں تم کو سلا کر اپنی طرف اٹھانے والا ہوں یہ فائدہ بھی **یتوفٰکم** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قدرت نے رات سونے کے لئے بنائی ہے دن کام کاج کے لئے رات میں کچھ جاگنا دن میں کچھ سونا عارضی ہے یہ فائدہ **باللیل** اور **بالنہار** فرمانے سے حاصل ہوا جو لوگ رات کو بلا وجہ جاگتے ہیں دن کو سوئے رہتے ہیں وہ قانون فطرت کے خلاف کرتے ہیں اول رات میں نماز عشاء پڑھ کر سو جانا آخر رات میں تہجد کے لئے جاگ جانا پھر دوپہری میں کھانا کھا کر سو لینا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس سے وہ لوگ سبق لیں جو رات کھیل تماشوں سنیما میں گزارتے ہیں دن بستر پر۔ **چھٹا فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ دن کام کاج میں گزارے خالی نہ پھرے بیکاری کی زندگی اچھی نہیں ہوتی یہ فائدہ اشارۃً **ما جرحتم** سے حاصل ہوا مگر اچھے کاموں میں گزارے برے کاموں میں نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** انسان ہر وقت یہ خیال رکھے کہ رب تعالیٰ مجھے دیکھ رہا ہے میرے ہر کام سے خبردار ہے اگر یہ خیال پک جاوے تو انشاء اللہ گناہ کرنے کی ہمت نہ پڑے گی یہ فائدہ **ویعلم ما جرحتم** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** بیہوشی، بدحواسی، سونے کی حالت میں جو اعمال صادر ہوں ان پر سزا و جزا نہیں ان ہی اعمال کا حساب ہے جو بیداری اور ہوش میں کئے جاویں یہ فائدہ **ویعلم ما جرحتم بالنہار** سے حاصل ہوا کہ یہاں علم سے مراد سزا و جزا کے لئے جاننا ہے۔ **نواں فائدہ:** دل کے وسوسوں برے خیالات پر پکڑ نہیں ظاہری اعمال پر پکڑ ہے یہ فائدہ **جرحتم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ جرح کہتے ہیں اعضاء ظاہری کے کاموں کو۔ اس لئے یہاں **عملتم** نہ فرمایا۔ **دسواں فائدہ:** دنیا عمل کی جگہ ہے یہاں حساب نہیں آخرت حساب کی جگہ ہے وہاں عمل نہیں یہ فائدہ **ثم ینبئکم** الخ سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے دنیا میں ہم کو اچھے برے اعمال بتا دیئے۔ **وھدینا والنجدین** مگر ان کا حساب ان پر سزا و جزا آخرت ہی میں ہو گی۔ قبر میں ایمان کا حساب ہے حشر میں اعمال کا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اللہ تعالیٰ ہم کو سوتے جاگتے ہر وقت ہر حالت میں جانتا ہے۔ پھر اس آیت کریمہ میں علم کا ذکر ہمارے دن کے اعمال کے ساتھ کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا **ویعلم ما جرحتم بالنھار**۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فائدوں میں معلوم ہو گیا کہ یہاں علم سے مراد سزا و جزا کے لئے جاننا ہے۔ چونکہ سونے کی حالت میں جو اعمال سرزد ہو جاویں ان پر نہ سزا ہے نہ پکڑ حتی کہ خواب میں احتلام ہو جاوے اس پر کوئی پکڑ نہیں اس لئے **یعلم** کا ذکر جاگنے کے اعمال کے ساتھ کیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** حدیث پاک میں ہے کہ مومن کو سونے پر بھی ثواب ملتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ عالم کی نیند بھی عبادت ہے یہ آیت اس فرمان کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ سونے پر ثواب دینا کرم خسروانہ عنایت شاہانہ ہے نہ کہ قانونی ثواب دوسرے یہ کہ مومن تہجد یا نماز فجر کے لئے جاگنے کا ارادہ کرکے جلد سو جاوے تو اس ارادہ کا ثواب ملتا ہے اور ارادہ جاگتے میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اس پر ثواب ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں رب تعالیٰ نے **جرحتم** کیوں فرمایا **عملتم** کیوں نہ فرمایا **جرح** اور **عمل** میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** عمل عام ہے اور جرح خاص عمل ہر کام کو کہتے ہیں خواہ دل و دماغ کا ہو یا ظاہری اعضاء کا مگر جرح صرف ہاتھ پاؤں آنکھ کان زبان کے عمل کو ہی کہتے ہیں چونکہ سزا جزا صرف ظاہری اعمال کے لئے یہاں **جرحتم** ارشاد ہوا اس کی تحقیق سورۂ بقر کے آخر میں **وان تبدوا مافی انفسکم او تخفوہ** الخ کی تفسیر میں گذر گئی۔ **چوتھا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ ارادہ عمل پر سزا و جزا ہے حالانکہ ارادہ دل کا کام ہے وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** پوری حدیث یہ ہے کہ جب دو شخص لڑیں ایک دوسرے کو قتل کر دے تو قاتل مقتول دونوں دوزخی ہیں قاتل قتل کر دینے کی وجہ سے مقتول اس لئے کہ وہ بھی قتل ہی کے ارادہ سے آیا اتفاقاً اس کا وار خالی گیا۔ لہٰذا حدیث شریف بالکل صاف ہے کہ وہاں ارادہ کے ساتھ کسب بھی ہے چور گھر سے چوری کے ارادہ سے نکلا مگر موقعہ نہ بنا اس ارادہ کا گنہگار ہو گیا۔ **خیال** رہے کہ کفر و شرک اگرچہ دلی عقیدہ ہے مگر یہ بد ترین گناہ ہے یہاں ذکر اعمال کا ہے ارادہ کفر رضا با لکفر بھی کفر ہے۔ یہاں عملی گناہوں کا ذکر ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **یتوفاکم** اس کی بجائے **ینیمکم یا یمیتکم** کیوں نہ فرمایا موت، نیند اور وفات میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** بمقابلہ نیند یا موت کے وفات میں بڑی گنجائش ہے وفات بنا ہے وفی سے معنی پورا۔ اس پورے میں تین احتمال ہیں پورا دینا، پورا کرنا، اللہ تعالیٰ مومنوں کو سوتے میں اعمال کا پورا پورا ثواب دیتا ہے۔ لہٰذا اس کی نیند وفات ہے اولیاء انبیاء کو نیند میں پورا لیتا ہے کہ ان کو بالکل اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے۔ لہٰذا ان کی نیند اس معنی سے وفات ہے۔ عام کفار وغیرہم کی زندگی اس سونے جاگنے سے پوری کرتا ہے کہ وہ اپنی مقررہ نیندیں مقررہ بیداریں پوری کرکے مریں لہٰذا اس معنی سے ان کی نیند وفات ہے موت یا نیند فرمانے میں یہ خوبیاں حاصل نہ ہوتیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے زندگی طے شدہ ہے مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کی موت اختیاری ہوتی ہے وہ احادیث یہاں کے **اجل مسمی** کے خلاف ہے۔ **جواب:** ان حضرات کے لئے جو وہ چاہیں وہی **اجل مسمی** ہے رب جانتا ہے کہ وہ کتنی زندگی چاہیں گے ہمارے لئے مقرر اور قسم کا ہے ان کے لئے دوسری قسم کا۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے مومن، کافر، عاقل، غافل، محبوب، مردود بندوں کی زندگیوں اور موت میں فرق ہے کہ مومن کی زندگی حیات طیبہ ہے کافر کی زندگی **معیشۃ ضنکہ** مومن کی موت وفات یا انتقال یا وصال ہے کافر کی موت اخذ یا بطش یعنی رب کی پکڑ ہے ایسے ہی مومن و کافر یار و اغیار کی نیندوں میں بھی فرق ہے۔ مومن کی نیند ہے وفات یعنی پورا

www.alahazratnetwork.org

دینا کہ رب تعالیٰ مومن کو کام و آرام دونوں حالتوں میں انعام برابر دیتا ہے کہ مومن سوتا ہے تو اگلی عبادت کی تیاری کے لئے اور عبادت کی تیاری عبادت ہے اس کی نیند وفات ہے یعنی پورا انعام دینا۔ مقبولین کی نیند وفات یعنی پورا لینا ہے کہ وہ حضرات دن میں خلق کے ساتھ بھی تعلق رکھتے ہیں۔ نیند میں رب انہیں پورا لے لیتا ہے کہ وہ اس حال میں صرف اللہ کے ہوتے ہیں انہیں بیداری میں بواسطہ جبریل کلام الٰہی پہونچتے ہیں مگر نیند میں بلاواسطہ ان سے رب کلام کرتا ہے اس لئے ان کی خواب وحی ہوتی ہے۔ عام مخلوق کے لئے نیند وفات ہے یعنی پورا کر دینا۔ جسم کے لیل و نہار یہ ہی دن و رات ہیں۔ مگر دل کے لیل و نہار قبض و بسط ہے۔ جب دل پر غفلت طاری ہو جاوے تو وہ دل کی رات ہے اگرچہ ظاہری دن ہو اور جب دل اللہ کی طرف راغب ہو جاوے تو وہ دل کا دن ہے۔ اگرچہ ظاہری رات ہو بعض خوش نصیب بندے رات کے وقت بھی دن میں رہتے ہیں کہ رات کو غافل نہیں ہوتے بعض غافل دن کے وقت بھی رات میں ہی ہوتے ہیں یہ قبض و بسط لوگوں پر آتا ہی رہتا ہے **واللہ یقبض ویبسط** تا کہ بندہ ہر وقت رب تعالیٰ کا حاجتمند رہے فرمایا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ تمہارے دلوں کی دنیا میں تم کو قبض کی رات میں غفلت کی موت دے دیتا ہے اور بسط کے دن میں تم جو کچھ ترقی اور طے منازل کرتے ہو اللہ اس سے خبردار ہے ان دن و رات کی آمد و رفت یہ سلسلہ ایک وقت مقررہ تک ہے۔ جب وصال یار سے تم مشرف ہو جاؤ گے اس وقت یہ سلسلہ ختم ہو گا۔ آخر تم کو جانا اسی کے پاس ہے خوشی خوشی وہاں جاؤ اپنے آپ جاؤ ہمیشہ خوش رہو گے۔ شعر۔

یا جی کے سواری پر جائیں یا مر کے پکھیرو بن جائیں
جانا ہے انہیں کے قدموں میں چاہے اس جائیں چاہے بس جائیں

جسمانی حاضری کے لئے سواری وغیرہ کی ہزار قیدیں ہیں مگر دل کی حاضری کے لئے صرف اخلاص کی سواری کافی ہے۔ جب وہ بلاتا ہے تو اخلاص بھی نصیب کر دیتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان شکاری ہے۔ دنیا کے اعمال شکار ہیں ہماری عمر گویا کمان ہے۔ ہمارے ظاہری اعضاء تیر ہیں۔ بعض شکاری حلال شکار کرتے ہیں ہرن وغیرہ بعض شکاری حرام شکار کرتے ہیں جیسے جنگلی سور ریچھ وغیرہ بعض شکاری اپنے تیر ضائع کر کے آتے ہیں کچھ شکار نہیں کرتے تیر نشانہ پر نہیں لگتے دیندار مومن حلال شکار کرتا ہے یعنی نیک اعمال کا کافر اسی تیر و کمان سے کفر و گناہ کا حرام شکار کرتا ہے۔ دنیادار اپنی زندگی دنیا کمانے میں صرف کر کے اپنی عمر ضائع ہی کرتا ہے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ **ویعلم ما جرحتم بالنهار**۔ ہمارے تین دشمن بہت قوی ہے۔ نفس، شیطان دنیا نفس امارہ شریعت کی اتباع اور مخالفت نفس کے تیر سے مرتا ہے۔ دنیا کو دین کے ساتھ تراو۔ لوہا اکیلا ہو تو ڈوب جاتا ہے لکڑی کے ساتھ تر جاتا ہے۔ دنیا دین کے ساتھ ترتی ہے۔ شیطان کتا ہے۔ اگر تمہارے قابو میں نہ آئے تو اس کے مالک سے عرض کرو کہ مولیٰ اسے باندھ دے ہم پر حملہ نہ کرے۔

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ

اور وہ غالب ہے اوپر	بندوں اپنے کے	اور بھیجتا ہے اوپر تمہارے محافظین کو	یہاں تک کہ جب آتی	

اور وہ ہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کی

www.alahazratnetwork.org

أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ۝ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى

ہے ایک کو تم میں سے موت تو موت دیتے ہیں اس کو قاصد ہمارے اور وہ نہیں کوتاہی کرتے پھر لوٹائے جاتے ہیں

موت آتی ہے ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے پھر پھیرے جاتے ہیں اپنے

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ ۚ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحٰسِبِينَ ۝ ۶۲

وہ طرف اللہ کے مولیٰ اپنے کے سچا خبردار ہو کر واسطے اس کے ہے حکم اور وہ حساب لینے والوں میں بہت جلد حساب لینے والا ہے

سچے مولا اللہ کی طرف سنتا ہے اسی کا حکم ہے اور وہ سب سے جلد حساب کرنے والا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے محیط علم کا ذکر تھا کہ اس کا علم ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کو گھیرے ہوئے ہے اب اس کی محیط قدرت کا ذکر ہے کہ اے انسانوں تم ہر وقت اس کی قدرت اس کے قبضہ میں ہو تمہاری زندگی و موت اتفاقی نہیں بلکہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی عطاء علم کا ذکر ہوا کہ اس نے اپنے علوم بذریعہ لوح محفوظ اپنے بعض بندوں کو بخشے اب اس کی عطاء قبضہ عطاء قدرت کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے بعض فرشتوں کو وہ قبضہ وہ قدرت بخشی کہ وہ انسانوں کو زندہ بھی رکھتے ہیں اور بحکم الٰہی موت بھی دیتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ تم سب کو رب کی طرف لوٹنا اس کے سامنے پیش ہونا ہے اب ارشاد ہے کہ یہ رجوع اور پیشی بلاواسطہ بغیر توسل نہ ہوگی جیسے تم دنیا میں ماں باپ کے وسیلہ سے گئے ہو ایسے ہی وہاں سے ہماری بارگاہ میں فرشتوں کے توسل سے لوٹو گے یوں ہی تمہارے اعمال کا حساب و کتاب فرشتوں کے واسطہ سے ہوگا گویا رب کی طرف رجوع اعمال کے حساب کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اب طریقہ رجوع اور طریقہ حساب کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ ہی رات میں تم کو سلاتا ہے وہ تمہارے دن کے اعمال کو جانتا ہے اب ارشاد ہے کہ یہ سلانا جگانا اعمال کی تحریر وغیرہ فرشتوں کے واسطے سے ہے اس کا قانون یہ ہے کہ اس کے ہر کام اس کے خاص خدام کے ذریعہ سے ہو قدرت اور ہے قانون کچھ اور۔

تفسیر: **وهو القاهر فوق عباده** ۔ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **هو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ قرآن کریم میں ذات الٰہی کو کبھی اس کے نام پاک سے بیان کیا جاتا ہے۔ کبھی **هو** سے کبھی **انت** سے چونکہ ذات باری ہمارے گمان، قیاس، وہم سے وراء ہے اس لئے اسے **هو** سے تعبیر کر دیا جاتا ہے چونکہ اس کی رحمت کرم۔ بندہ نوازی سب بندوں سے بہت قریب ہے اس لئے انت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ یہاں پہلی صورت کے اعتبار سے **هو** فرمایا گیا۔ **قاهر** بنا ہے **قهر** سے قہر کے معنی ظلم نہیں کہ رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے بلکہ اس کے معنی ہیں غلبہ، قبضہ، تصرف جس کی بنا پر ساری مخلوق اس کے سامنے بے بس یا قابو ہو کسی میں اس کے مقابلہ کی جرأت نہ ہو سب اس کے حضور عاجز ہوں یہ رب تعالیٰ کی صفت کمال ہے غلبہ مطلقاً برتری کو کہتے ہیں اصلی ہو یا عارضی، وقتی ہو یا دائمی۔ ایک طرح سے ہو یا ہر طرح سے اسی لئے غالب کبھی بندے کو بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ مگر قہر وہ غلبہ ہے جو دائمی ہو اور ہر طرح سے ہو اس لئے لفظ قاہر ہر ایک کے لئے نہیں بولا جاتا۔ **فوق** کے معنی ہیں اوپر یا بلند مگر یہاں مکانی

www.alahazratnetwork.org

یا جگہ کی بلندی مراد نہیں کہ رب تعالیٰ جگہ و مکان سے پاک ہے، وہ نہ اوپر ہے نہ نیچے نہ دائیں نہ بائیں اس کا علم و قدرت ہر جگہ ہے بلکہ قہر و قدرت و غلبہ کی بلندی مراد ہے، جیسے **ید اللہ فوق ایدیھم** یا جیسے **فوق کل ذی علم علیم**۔ **عباد** سے مراد سارے بندے ہیں۔ انسان یا جن یا فرشتے یا دیگر مخلوق کوئی اس قہار کے غلبہ و قدرت و قبضہ سے باہر نہیں اس کی قہاریت کے جلوے مختلف ہیں۔ وہ نیستی کو ہستی سے اور ہماری ہستی کو نیستی سے فنا کرتا ہے۔ پھر ہماری نیستی کو اخروی ہستی سے ختم فرمائے گا۔ پھر اس نے ہم کو ضدوں میں گھیرا ہوا ہے ہم پر کبھی تندرستی کبھی بیماری کبھی روشنی کبھی تاریکی کبھی جہالت کبھی علم کبھی امیری کبھی غریبی، کبھی ذلت کبھی عزت کو مسلط فرماتا ہے۔ ہم سب اس کے قبضہ میں ہیں جو چاہے کرتا ہے یہ ہے اس کی قہاریت کی جلوہ گری۔ نیز اس نے ہماری نورانی روح کو ظلماتی جسم میں قید کر دیا ہے۔ پھر جسم میں چار دشمن عناصر کو جمع فرما دیا ہے آگ پانی مٹی ہوا۔ یہ سب مل کر جسم کو آباد کئے ہوئے ہیں یہ سب اس کی قہاریت کا ظہور ہے۔ جنات فرشتوں میں اور طریقہ سے قہاریت کو ظاہر فرمایا ہے (کبیر) **ویرسل علیکم حفظۃ** یہ بھی اس کی قہاریت کا ظہور ہے کہ ہم پر فرشتوں کی ڈیوٹی لگا دی نہ تو وہ کچھ معذرت کرتے ہیں نہ چھٹی لیتے ہیں نہ ہم کچھ کہہ سکتے ہیں کہ خدایا یہ پہرا ہم پر سے ہٹا دے ہم اپنی جگہ معذور ہیں فرشتے اپنی جگہ مامور کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ چونکہ حافظین فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں۔ اس لئے یہاں **یرسل** مضارع فرمایا یعنی بھیجتا رہتا ہے یا بھیجا کرتا ہے۔ چونکہ **کاتبین** اعمال فرشتے صرف انسانوں پر ہی مقرر ہیں دوسری مخلوق پر نہیں یا محافظ فرشتے بھی صرف انسانوں پر مقرر ہیں دوسری مخلوق پر نہیں اس لئے یہاں **عبادہ** یا **علیھم** نہ فرمایا۔ بلکہ صرف انسانوں سے خطاب فرمایا **علیکم حفظۃ** جمع ہے **حافظۃ** کی۔ حافظ بنا ہے **حفظ** سے بمعنی نگہبانی یا نگرانی، حفاظت یا محافظت میں تین چیزیں ہوتی ہیں حفاظت کرنے والا حافظ یا محافظ، جس کی حفاظت کی جاوے یعنی محفوظ، جس سے حفاظت کی جاوے بلاو آفات چور وغیرہ یعنی محفوظ عنہ یہاں حفاظت سے مراد یا تو حفاظت جان ہے یا حفاظت اعمال۔ ان سے مراد یا **کاتبین** اعمال فرشتے ہیں جن کی تعداد دو ہے ایک نیکیاں لکھنے والا جو ہمارے دائیں طرف رہتا ہے۔ دوسرا ہمارے گناہ لکھنے والا جو ہمارے بائیں طرف رہتا ہے۔ چونکہ ہر شخص کے ساتھ دو فرشتے ہیں نیز ان دو کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں اس لئے **حفظۃ** جمع فرمایا۔ خیال رہے کہ اعمال لکھنے والے فرشتے ہم پر بالغ ہونے کے وقت سے موت تک رہتے ہیں دیوانگی، بیہوشی، سونے کی حالت میں علیحدہ رہتے ہیں کہ ان اوقات میں اعمال پر سزا جزا نہیں نیکی فوراً لکھی جاتی ہے مگر بدی کرنے پر داہنا فرشتہ بائیں سے کہتا ہے کہ ابھی نہ لکھ شاید یہ توبہ کر لے اگر بندہ توبہ نہیں کرتا تب لکھی جاتی ہے۔ پھر بھی فرشتہ اسے مٹانے کے لئے تیار رہتا ہے کہ اب توبہ کر لے تو مٹا دوں۔ اس میں گفتگو ہے کہ آیا بندے کے نیک و بد اعمال ہی لکھے جاتے ہیں یا سارے اعمال مباح۔ مستحب مکروہ وغیرہ سب قرآن کریم کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر لفظ ہر حرکت ہر عمل لکھا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ما یلفظ من قول الا لدیہ رقیب عتید** یہ بھی خیال رہے کہ صرف ظاہری اعمال اور زبانی گفتگو کی تحریر ہوتی ہے نیت دل کے ارادے۔ خیالات عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوف خدا ان کی تحریر نہیں ہوتی یہ چیزیں فرشتوں کی تحریر سے خارج ہیں ان کا تعلق براہ راست اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بلکہ ان فرشتوں کو دل کے ان صفات و حالات پر مطلع بھی نہیں کیا جاتا رب فرماتا ہے **وان علیکم لحافظین کراما کاتبین یعلمون ما تفعلون** یہاں فعل کا ذکر ہو تو یہاں قول کا معلوم ہوا کہ قول و فعل کے علاوہ چیزیں تحریر سے بلکہ ان فرشتوں کے علم سے باہر ہیں (کبیر)

www.alahazratnetwork.org

میان عاشق و معشوق رمزیست کراماً کاتبین راہم خبر نیست

یا حافظین فرشتوں سے مراد ہماری نگہبانی کرنے والے فرشتے ہیں جن کی تعداد آٹھ یا تریسٹھ ہے ایک فرشتہ اندرون کی حفاظت کرتا ہے باقی بیرون کی ان کی بھی ڈیوٹی بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے یرسل مضارع ارشاد فرمانا بالکل درست و مناسب ہے یہ حفاظت کرنے والے فرشتے کسی وقت انسان سے جدا نہیں ہوتے۔ جب نطفہ ماں کے پیٹ میں رہتا ہے اس وقت سے ایک فرشتہ اس کی نگرانی کرتا ہے وہ بچہ بناتا بھی اور اس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔ نطفہ گویا مٹی ہے۔ رحم گویا چاک ہے وہ فرشتہ گویا بنانے والا استری ہے جو پہلے بناتا ہے پھر ولادت تک اسے ٹوٹ پھوٹ سے بچاتا ہے۔ بچہ صحیح سلامت پیدا ہوتا ہے۔ پیدا ہوتے ہی دوسرے فرشتے اسے اپنی حفاظت میں لے لیتے ہیں اور یہ حفاظت مرتے وقت تک رہتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ حفظہ سے مراد محافظین ایمان ہوں۔ تب علیکم میں خطاب مومنین سے ہو گا اور حفاظت کرنے والے حفظہ حضرات اولیاء انبیاء ہیں اس لئے حفاظت کے لئے لفظ حفظہ ارشاد ہوا رسل یعنی ملائکہ نہ فرمایا گیا اور موت دینے والوں کے لفظ رسل ارشاد ہوا کیونکہ جان نکالنے والے صرف فرشتے ہیں اور حفاظت کرنے والے فرشتے بھی ہیں اولیاء انبیاء بھی حتی اذا جاء احد کم الموت۔ اس عبارت میں حتی انتہاء کے لئے ہے اس کا تعلق یرسل سے ہے احدکم میں خطاب بھی انسانوں ہی سے ہے موت سے مراد وقت موت ہے یا علامات موت یعنی نگرانی یا نگہبانی کرنیوالے فرشتوں کا تم پر بھیجا جانا اس وقت تک جاری رہتا ہے۔ جب تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آجاوے موت آنے پر یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ چونکہ موت آنے پر حافظین کی حفاظت کاتبین کی کتابت ختم ہو جانا۔ رحمت یا جنت کے فرشتوں کا جان نکالنے روح کو لینے کے لئے حاضر ہونا انسانوں سے ہی خاص ہے۔ جنات جانوروں کا یہ حال نہیں اس لئے یہاں احد کم ارشاد ہوا توفتہ رسلنا یہ عبارت اذا جاء کی جزا ہے توفت بنا ہے توفی سے جس کا مادہ وفی ہے اسی سے ہے وفات وفی اور وفات کے معنی اس کی قسمیں ابھی کچھ پہلے عرض کی گئیں۔ یہاں معنی موت ہے توفی کے معنی موت دینا رسل جمع ہے رسول کی معنی ایلچان رساں فرمان رساں یہاں رسل سے مراد موت دینے والے فرشتوں کی جماعت ہے ظاہر یہ ہے محافظین فرشتے اور ہیں موت دینے والے فرشتے اور ہیں جنہیں کروبین کہا جاتا ہے یعنی کرب و تکلیف پہنچانے والے حفاظت کرنے والے فرشتے اور ہیں جنہیں روحانین کہا جاتا ہے کہ وہ روح کو راحت دیتے ہیں (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) چونکہ موت دینے والے جان نکالنے والے فرشتے چودہ ہیں سات رحمت کے جو مومن کی جان نکالتے ہیں سات عذاب کے جو کافر کی جان نکالتے ہیں ان کے سردار حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں (تفسیر روح البیان) یہ کل پندرہ فرشتے ہیں اس لئے انہیں رسل جمع فرمایا گیا غرضیکہ حفظہ فرشتے اور ہیں جن کا کام انسان کی موت پر ختم ہو جاتا ہے اور رسل موت اور ہیں۔ یہ سات فرشتے قدم سے حلقوم تک جان نکالتے ہیں جب حلقوم میں دم آجاتا ہے تو حضرت ملک الموت عزرائیل علیہ السلام نکال لیتے ہیں۔ پھر یہ نکلی ہوئی جان ان رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کر دیتے ہیں جو اس روح کو لینے کے لئے آئے ہوتے ہیں جو میت کی حد نظر تک موجود ہوتے ہیں۔ نوٹ: تمام روئے زمین حضرت ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جیسے ہمارے سامنے طشت وہ جہاں سے چاہیں روح نکال لیں انہیں تمام عالم کی بیک وقت روح نکالنے میں کوئی تکلیف نہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر' روح المعانی' خازن روح البیان وغیرہ حضرت ملک الموت ہر گھر میں روزانہ دو بار جاتے ہیں (خازن) ہماری اس تحقیق سے معلوم ہو گیا کہ جان نکالنے والے فرشتے اور ہیں نکلی ہوئی جان کو لے

www.alahazratnetwork.org

جانے والے فرشتے اور قبر میں سوال و جواب کرنے والے فرشتے اور۔ خیال رہے کہ بعض لوگوں کی جان براہ راست خدا تعالیٰ نکالتا ہے بلاواسطہ فرشتہ ان کے متعلق ارشاد ہوا **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا**۔ بعض کی جان نکالنے والے صرف حضرت عزرائیل ہیں بغیر مددگار فرشتوں کے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ **قل یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم** عام طور پر ملک الموت اپنے ماتحت فرشتوں کی مدد سے جان نکالتے ہیں ان کے متعلق یہ آیت کریمہ ہے **توفتہ رسلنا** (تفسیر روح المعانی) چنانچہ حضرت فاطمہ زہرا کی جان براہ راست رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے نکالی کوئی فرشتہ ان کے پاس اس لئے نہ بھیجا گیا (روح البیان یہی مقام)۔

تنبیہہ : جان نکالنے والے فرشتوں کا یہ فرق کے بعض کے پاس رحمت کے فرشتے آتے ہیں۔ بعض کے پاس عذاب کے بالغ مکلف انسانوں کے لئے ہے۔ جانوروں کے جان نکالنے کی نوعیت اور ہے۔ جنات کی جان نکالنے کی نوعیت اور حتی کہ جب فرشتوں کی موت آوے گی تو وہ صرف صور کی آواز سے وفات پائیں گے ان کے لئے فرشتے مقرر نہیں یہی حال ملک الموت کی موت کا ہے ان شاء اللہ اس کی تحقیق **کل نفس ذائقۃ الموت** اور **کل من علیھا فان** میں کی جاوے گی **وھم لا یفرطون**۔ اس عبارت میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ **ھم** ضمیر لوٹے **حفظۃ** کی طرف تب یہ ایک اعتراض کا جواب ہو گی گویا کوئی کہتا تھا کہ جب ہر شخص پر ساتھ فرشتے حفاظت کے لئے مقرر ہیں تو پھر انسان کو آفات بلائیں کیوں پہنچ جاتی ہیں یا تو محافظ فرشتے سو جاتے ہیں یا غافل ہو کر کوتاہی کرتے ہیں۔ جواب دیا گیا کہ وہ کوتاہی نہیں کرتے بلکہ بلاؤں وغیرہ کا پہنچنا ہمارے حکم ہمارے ارادہ سے ہوتا ہے۔ جب بلا آفت پہنچنے کا ہمارا حکم ہوتا ہے تو فرشتے اسے نہیں روکتے دوسرے یہ کہ **ھم** کا مرجع **رسلنا** ہوں یعنی جان نکالنے والے فرشتے موت کے وقت موت کی جگہ میں کوتاہی نہیں کرتے جس کی جس جگہ جس وقت جان نکالنی ہے اس جگہ اس وقت جان نکالتے ہیں۔ نیز یہ بھی نہیں کرتے کہ ابھی مرنے والے کی کوئی سانس یا اس کے حصہ کا کوئی پانی کا قطرہ یا روزی کا دانہ باقی ہو اور وہ موت دیدیں اس سے فرشتوں کا علم ان کا حاضر ناظر ہونا سارے عالم پر ان کی قدرت سب ہی معلوم ہو گئے۔ تیسرے یہ کہ **ھم** ضمیر دونوں فرشتوں کی طرف لوٹے حافظین کی طرف بھی اور موت دینے والوں کی طرف بھی تب تفریط کے یہ دونوں معنی ہوں گے۔ **یفرطون** بنا ہے **تفریط** سے بمعنی کوتاہی یا کمی کرنا دیر لگانا یعنی یہ جان نکالنے والے یا حافظین فرشتے جان نکالنے وغیرہ میں قطعاً کوتاہی نہیں کرتے نہ دیر لگاتے ہیں۔ ہر کام نہایت پابندی سے حکم الٰہی کے ماتحت کرتے ہیں ایک سیکنڈ آگے پیچھے کوئی کام نہیں ہوتا اس کی تائید اس آیت سے ہوئی ہے **اذا جاء اجلھم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون ثم ردوا الی اللہ مولٰھم الحق**۔ یہ عبارت گذشتہ پورے جملہ پر معطوف ہے۔ چونکہ سب لوگوں کا بارگاہ الٰہی میں حساب کے لئے پیش ہونا زندگی دنیاوی اور موت کے بہت عرصہ کے بعد ہو گا اس لئے یہاں **ثم** فرمایا گیا چونکہ محشر کی طرف لوگ خود نہ جائیں گے بلکہ فرشتے لے جائیں گے اس لئے **ردو** فرمایا گیا چونکہ یہ واقعہ یقیناً ہونے والا ہے اس لئے ماضی ارشاد ہوا۔ سارے انسان آخر کار رب کی بارگاہ میں پیش کئے جائیں گے مگر بعض کو عذاب کے فرشتے پیش کریں گے۔ بعض کو رحمت کے فرشتے نیز بعض کو اللہ کے مقبول بندے پیش کریں گے بعض کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیش فرمائیں گے۔ غرضیکہ **ردو** لفظ تو ہے ایک مگر اس لوٹے پیش ہونے کی نوعیتیں مختلف ہیں مولیٰ کے تین معنی ہیں۔ مالک ' والی وارث ' دوست و محبوب۔ اللہ تعالیٰ مالک تو سارے بندوں کا ہے مومن ہوں یا کافر والی وارث متولی امور مومنوں کا ہے اور محبوب ہے

www.alahazratnetwork.org

اپنے ولیوں نبیوں کا کفار قیامت میں مالک کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ مومن اپنے والی اپنے حامی و مددگار کے سامنے محبوب بندے ہماری بارگاہ میں غرضیکہ رب تعالیٰ کی تین شانیں' تین قسم کے بندوں کے لئے ظاہر ہوں گی یہ ایک لفظ بھی ان سب کو شامل ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہاں حق اسماء الٰہیہ میں سے ہے **واللہ اعلم** اگر خدا تعالیٰ کا نام ہے تو حق بمعنی واجب' قدیم یا موجود حقیقی یا ہمیشہ قائم رہنے والا ہے۔ (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ حق اللہ تعالیٰ کی صفت ہو تو حق کے تین معنی ہیں دائمی جس کا مقابل ہے زائل' سچا جس کا مقابل ہے باطل' قوی مضبوط' جس کا مقابل ہے۔ ضعیف تو تین معنی ہوئے مولیٰ کے اور تین معنی ہوئے حق کے لہذا **مولٰھم الحق** کی نو تفسیریں ہوئیں وہ رب دائمی والی دائمی دوست دائمی مالک ہے دوسرے کی یہ صفتیں فانی زائل ہیں یا وہ سچا دوست سچا والی سچا مالک دوسروں کی دوستیاں جھوٹی ہیں کہ وہ غرض پر مبنی ہیں اللہ کی دوستی بے غرض ہے وہ قوی والی دوست ہے **الا لہ الحکم** یہ جملہ نیا ہے جس میں لہ خبر ہے اور **الحکم** مبتدا موخر لہذا یہ حصر کے لئے ہے۔ حکم سے مراد ہے فیصلہ خواہ دنیا بنانے سے پہلے والا فیصلہ ہو یا دنیا میں فیصلہ یا قیامت کا فیصلہ سارے حقیقی فیصلے صرف رب تعالیٰ کے ہیں۔ دنیا میں حکام کے فیصلے عارضی اور مجازی ہیں حقیقی فیصلے احکم الحاکمین کے ہیں امر' حکم اور قضاء کتاب یہ سب قریب المعنی ہیں ان کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں حکم اور حکم کے فرق بھی بیان ہو چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس فرمان کے دو معنی ہیں دنیا میں حقیقی حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے یہاں کے حکام مجازی عارضی ہیں۔ آخرت میں حکم صرف رب تعالیٰ کا ہے وہاں کوئی عارضی حاکم بھی نہ ہو گا اسی لئے اسے **مالک یوم الدین** کہا جاتا ہے۔ **وھو اسرع الحاسبین** یہ جملہ علیحدہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی ایک اور صفت کا ذکر ہے **اسرع** بنا ہے **سرعۃ** سے بمعنی بہت جلد چونکہ دنیا میں حساب و کتاب کرنے والے اللہ کے بہت بندے بھی ہیں اس لئے **حاسبین** جمع ارشاد ہوا یعنی رب تعالیٰ سارے حساب لینے والوں سے بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ یہاں حساب سے مراد قیامت میں سارے بندوں کے سارے حساب ہیں۔ تفسیر جلالین میں فرمایا کہ ساری مخلوق کی ایک ایک سانس ہر ایک حرکت و سکون ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب دنیا کے چھوٹے سے چھوٹے ان کے آدھے کی بقدر ہو جاوے گا۔ یعنی چار گھنٹہ میں مگر تفسیر بیضاوی مدارک' روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ جتنی دیر میں بکری دوھی ہو جاتی ہے اتنی دیر میں سارا حساب ہو جاوے گا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **سریع الحساب** ۔خیال رہے کہ قیامت زمین فلسطین میں قائم ہو گی مگر اس دن وہ زمین یہ نہ ہو گی بلکہ سفید چاندی کی سی ہو گی **یوم تبدل الارض غیر الارض**۔ اور روشنی تجلی الٰہی کی ہو گی نہ کہ چاند و سورج کی **واشرقت الارض بنور ربھا**۔ سارے بندوں کا حساب نہ ہو گا۔ بعضے بندے بغیر حساب ہی بخشے جائیں گے۔ جن کا حساب ہو گا انہیں کے اعمال کا وزن بھی ہو گا جن کا حساب نہیں ان کے اعمال کا وزن بھی نہیں۔ حساب اعمال کا وزن بھی نہیں۔ حساب اعمال کے اندازے کے لئے ہو گا وزن اعمال کی مقدار بتانے کے لئے پہلے حساب ہو گا۔ پھر وزن (روح البیان) مثلاً حساب سے یہ ظاہر ہو گا کہ نیکیاں کتنی اور گناہ کتنے میزان سے یہ ظاہر ہو گا کہ ہر عمل کا وزن کتنا اللہ تعالیٰ اس دن ہماری لاج رکھے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔ شعر۔

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب — بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے

حساب دو قسم کا ہو گا۔ حساب یسیر یعنی اعمال دکھا کر بخش دینا' دوسرا حساب مناقشہ کہ اعمال دکھا کر یہ پوچھنا کہ تو نے یہ گناہ کیوں کئے تھے۔ جس سے یہ سوال ہو گیا وہ ہلاک ہو جاوے گا جس سے حساب یسیر ہوا وہ نجات پا جائے گا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **فسوف**

www.alahazratnetwork.org

يحاسب حسابا يسيرا ۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں چند چیزیں بیان ہوئیں ۔ اللہ تعالیٰ کا غلبہ و قبضہ، نگہبان یا نگران فرشتوں کی ہم لوگوں پر ڈیوٹی ۔ فرشتوں کا ہماری جان نکالنا روح قبض کرنا گویا ہم پر روحانی اور کروبی فرشتے مسلط ہیں ۔ فرشتوں کا معصوم ہونا ۔ ہماری بارگاہ الٰہی میں حاضری ۔ رب تعالیٰ کا احکم الحاکمین ہونا ۔ بہت جلد حساب ہونا چنانچہ ارشاد ہوا اے لوگو جان لو کہ اللہ تعالیٰ اپنے سارے بندوں پر خواہ انسان ہوں یا جن یا فرشتے یا درخت یا پتھر وغیرہ پورا قابض و غالب ہے ہر مخلوق ہر وقت اس کے قبضہ و قدرت میں ہے ہر بندہ ہر وقت اس کے زیر فرمان اس کی قہاریت کی قوی دلیل ہے خود ہم ہیں کہ رب تعالیٰ کی قدرت ہے کہ ہم دشمنوں میں ہیں اور دشمن ہم میں ہیں ۔ آگ پانی ہوا مٹی سب ہی ہمارے خارجی دشمن ہیں ہوا سے پانی سے قومیں ہلاک ہوئیں آگ ہم کو جلا ڈالتی ہے مٹی کا ڈھیلا ہم کو زخمی کر دیتا ہے ۔ پھر ہزاروں جانور کیڑے مکوڑے ہمارے دشمن ہیں یوں ہی چار دشمن عناصر ہم میں جمع کر کے ان کا باہم مزاج رکھا اتنے دشمنوں کے باوجود ہمارا زندہ رہنا تندرست رہنا اس کی قہاریت کی کھلی دلیل ہے ان سب خارجی داخلی دشمنوں سے حفاظت براہ راست رب تعالیٰ کر سکتا ہے مگر اے انسانوں قانون یہ ہے کہ ہمارے کام ہمارے خدام کریں ۔ چنانچہ تم سب انسانوں پر ہماری طرف سے تمہاری زندگی تمہاری حفاظت تمہارے اعمال کی نگرانی کرنے فرشتے تم پر برابر بھیجے جاتے رہتے ہیں جن کی ڈیوٹی تبدیل ہوتی رہتی ہے ان کی یہ نگہبانی اور نگرانی تمہاری موت آنے تک رہی ہے جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو تم فرشتوں کی دوسری کروبی جماعت کے سپرد کئے جاتے ہو ۔ چنانچہ حضرت عزرائیل اور ان کے معاون فرشتے سات اسے موت دیتے ہیں یہ دونوں قسم کے فرشتے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے انہیں جو حکم ہوتا ہے وہ اس ہی پر عمل کرتے ہیں ۔ پھر تم سب اپنی زندگی و موت کی منزلوں سے گذر کر اپنے سچے مالک حقیقی والی وارث اللہ تعالیٰ کی طرف وٹائے جاؤ گے کہ تم کو صور پھونک کر زندہ کیا جاوے گا ملائکہ تم کو ہماری بارگاہ میں پیش کریں گے اس دن اسی کا حکم ہو گا اس کے سوا کوئی حاکم نہ ہو گا یا حقیقی حکم اللہ تعالیٰ ہی کا ہے محشر کا اتنا بڑا حساب بہت جلد لے لیگا ۔ کیونکہ وہ تمام حساب لینے والوں سے جلد حساب لینے والا ہے ۔ خیال رہے کہ قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **في يوم كان مقداره خمسين الف سنة** مگر حساب منٹوں یا گھنٹوں میں ہو گا تو باقی دن میں کیا ہو گا اس کا جواب حضرت مولانا حسن رضا خان بریلوی قدس سرہ نے ایک شعر میں دے دیا ہے شعر ۔

فقط اتنا سبب ہے انعقاد بزم محشر کا کہ ان کی شان محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

تلاش شفیع پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک رسائی قریباً" ایک ہزار سال ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت بہت عرصہ ' پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقام محمود پر جلوہ گری اور تمام انبیاء' اولیا' مومنین ' کفار کی نعت خوانی بلکہ آخر میں خود رب تعالیٰ کا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ارشاد فرمانا اس میں یہ دن صرف ہو گا رب تعالیٰ فرماتا ہے **عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا ۔** انشاء اللہ یہ سب بہاریں دیکھنے میں آئیں گی اس دن کفار بھی انگلیاں چبائیں گے کہ ہم نے محبوب کی اطاعت کیوں نہ کی **يوم يعض الظالم على يديه يقول ياليتني اتخذت مع الرسول سبيلا ۔** نکتے: اس آیت میں چند نکات ہیں ایک یہ کہ یہاں کافر و مومن سب کی موت کو وفات کہا **توفته رسلنا** کیونکہ وفات کے معنی ہیں پورا کرنا کافر کی موت اس کی مہلت اور ڈھیل کی گھڑیاں پوری کر دیتی ہے مومن کی موت اس کے انتظار کی گھڑیاں پوری کر دیتی ہے حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ ہے کہ ہم مومن کی قبر میں آئیں گے فرشتے قبر میں کہتے ہیں۔ تم ان سامنے والے محبوب کے متعلق کیا کہتے تھے گویا مومن کو نعت خوانی کا موقع دیتے ہیں کہ اب موقع ہے تو نعت پڑھ لو ھر اشارے کرکے اور ہم کو سنا انشاء اللہ مومن تو عمر بھر کے ارمان نکالتا ہے خوب نعت پڑھتا ہے۔ پھر اسے انتظار کیوں نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ جان نکالنے اور جان لے جانے کے لئے ایک فرشتہ کافی تھا تھے بہت سے فرشتے اس لئے آتے ہیں کہ مومن کی بارات کا جلوس نکالیں اور کافر کی پکڑ کا جلوس نکلے۔ تیسرے یہ کہ ان فرشتوں کو ہر ایک کے انجام کی خبر ہے اس لئے مرنے والا جیسا ہوتا ہے اسی قسم کے فرشتے ملک الموت اپنے ساتھ لاتے ہیں ایمان پر مرنے والے کے لئے رحمت کے فرشتے اور کفر پر مرنے والے کے لئے عذاب کے فرشتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے۔ ہر چیز اس کے قبضہ میں ہے مگر قانون یہ ہے کہ اس کے کام اس کے خدام بندے کریں یہ فائدہ **القاهر فوق عباده** کے بعد **ويرسل عليكم حفظة** اور **توفته رسلنا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ بندوں کو موت فرشتوں سے دلوائی گئی نیز ان کی حفاظت حافظین بندوں کے ذریعہ کرائی گئی حالانکہ وہ خود حافظ ہے **فالله خير حافظا** نیز اس کا نام حفیظ ہے اس کے باوجود بندوں کے جان اعمال' ایمان وغیرہ کی حفاظت ذریعوں سے کرائی جیسے دنیا کے ظاہری انتظامات بادشاہوں' حکام کے سپرد ہیں۔ اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کے سپرد دنیا کے انتظامات ہیں ان میں کوئی غوث ہے کوئی قطب ہے کوئی ابدال' ان کو رب کی طرف سے خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ اسی لئے ان حضرات سے اللہ کی رحمتیں مانگی جاتی ہیں۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت میں حضور کی ہمراہی مانگی یہ عمل شرک یا کفر نہیں اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ فرماؤ۔ دوسرا فائدہ: یہ کہنا کہ اللہ رسول کی حفاظت میں رہے غوث پاک کی امان میں رہے پانچ پیروں کے سایہ میں رہے یہ سب کچھ جائز ہے یہ فائدہ **ويرسل عليكم حفظة** سے حاصل ہوا اللہ کے مقبول بندے ہمارے حافظ و ناصر بنائے گئے ہیں اللہ نے انہیں ہمارا حافظ بنایا ہے۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔ شعر۔

احل امته فى حرز ملته — كالليث يحل بالاشبال فى الاجم

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنی ملت کے قلعہ میں ایسا محفوظ رکھا ہے جیسے شیر اپنے بچوں کو کچھار میں محفوظ رکھتا ہے۔ تیسرا فائدہ: فرشتے دو قسم کے ہیں ایک وہ جس کا کام صرف عبادت الٰہی کرنا ہے۔ جنہیں مقربین کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جن کے ذمہ دنیا کے انتظامات ہیں جنہیں مدبرات امر کہتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **المدبرات امرا** یہ مدبرات امر دو قسم کے ہیں ایک وہ جو اللہ کی رحمتیں لاتے ہیں۔ جنہیں روحانیں کہا جاتا ہے دوسرے وہ جو اللہ کا عذاب تکالیف دنیا پر لاتے ہیں انہیں کروبین کہا جاتا ہے یہ فائدہ **حفظة** اور **رسلنا** فرمانے سے حاصل ہوا اس کی تحقیق پہلے پارہ میں **فسجد الملائكة** کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ چوتھا فائدہ: ان مدبرات امر فرشتوں کو رب تعالیٰ کی طرف سے وسیع علم دیا جاتا ہے۔ چنانچہ موت دینے والے فرشتوں کو ہر شخص کی موت کا وقت معلوم ہے اور حفاظت کرنے والے فرشتوں کو بھی انسان کی موت اور اپنی ڈیوٹی ختم ہونے کا وقت معلوم ہے اور ہمارے اعمال لکھنے والے فرشتوں کو ہمارے ہر عمل ہر حالت بلکہ ہر ارادے کی خبر ہے ان کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **ويعلمون ما تفعلون** یہ فائدہ **وهم لا يفرطون** سے حاصل ہوا اگر وہ فرشتے ہماری موت کے وقت سے بے خبر ہوتے تو ہم کو آگے پیچھے موت دیدیتے۔ پانچواں فائدہ: جان نکالنے والے فرشتے عالم کے

www.alahazratnetwork.org

ہر ذرہ میں حاضر ناظر ہیں ہر جگہ ان کا ہاتھ پہنچتا ہے یہ فائدہ **توفتہ رسلنا** سے حاصل ہوا کہ اگر ایک وقت ہزار جگہ لوگ مریں تو ان سب کو حضرت ملک الموت اور ان کے مددگار فرشتے موت دیتے ہیں۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ ساری دنیا حضرت ملک الموت کے دو گھٹنوں کے درمیان ہے اسی طرح حساب قبر لینے والے فرشتوں کی ہر وقت ہر جگہ پہنچ ہے۔ جب شیطان کو اتنا علم اتنی قوت دی گئی کہ وہ ہر وقت ہر جگہ کی خبر رکھتا ہے ہر شخص کو دیکھتا اس کے خیالات سے خبردار ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **انہ یرا کم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم**۔ تو فرشتے تو نورانی ہیں اور جب ان ناری اور نوری مخلوق کے علم و وقوف کا یہ عالم ہے تو حضرت سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کا کیا پوچھنا جو تمام مخلوق سے بڑے عالم بڑے کمالات کے جامع ہیں۔ چھٹا فائدہ: فرشتے معصوم ہیں وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کرتے یہ فائدہ **وھم لا یفرطون** سے حاصل ہوا ان کے متعلق رب فرماتا ہے **لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون ما یو مرون**۔ جب فرشتوں کی معصومیت کا یہ حال ہے تو حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے معصومیت کا کیا پوچھنا جو سید المعصومین ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ساتواں فائدہ: قیامت کا دن صرف حساب کے لئے نہیں اس دن اور کام بھی ہوں گے یہ فائدہ **اسرع الحاسبین** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **وھو سریع الحساب** تمام بندوں کا حساب بہت تھوڑے وقت میں ہو جاوے گا۔ چار گھنٹہ یا اس سے بھی کم وقت میں اور دن ہے پچاس ہزار سال کا باقی وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار ہو گا۔ جیسا کہ ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کیا۔

پہلا اعتراض: جب اللہ تعالیٰ قاہر ہے غالب ہے ہر چیز پر قادر ہے تو اس نے موت دینے کے لئے فرشتے کیوں مقرر فرمائے کیا وہ خود جان نہیں نکال سکتا یہاں پہلے تو فرمایا **ھو القاھر** اور پھر فوراً ہی فرمایا **یرسل علیکم حفظہ**۔ جواب: اللہ تعالیٰ کی قدرت پر بھی ایمان چاہئے اور اس کے قانون پر بھی قانون قدرت یہ ہے کہ تمام کام وسیلوں سے ہوں رب تعالیٰ قادر ہے کہ آسمان سے گندم برسادے مگر برساتا نہیں زمین کسان، تخم پانی وغیرہ کو واسطہ درمیان میں رکھا گیا ہے۔ **ھو القاھر** میں اس کی قدرت کا ذکر ہے اور **یرسل** میں اس کے قانون کا تذکرہ ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حفاظت کے لئے لفظ **حفظہ** ارشاد ہوا اور موت دینے کے لئے لفظ رسل فرمایا گیا اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ جواب: اس لئے کہ موت صرف فرشتے دیتے ہیں کوئی انسان نہیں دیتا۔ مگر جان، اعمال بلکہ مال ایمان کی حفاظت فرشتے بھی کرتے ہیں اور رب کے مقبول انسان بھی **حفظہ** ان سب کو شامل ہے۔ تیسرا اعتراض: کسی بندے کو حافظ ماننا شرک ہے حافظ صرف اللہ تعالیٰ ہے فرماتا ہے **فاللہ خیر حافظا** اور فرماتا ہے **حفیظ حکیم**۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر گھر میں قفل لگانا چوکیدار رکھنا رات کو پولیس کا پہرا دینا سب ہی شرک ہے۔ اللہ حافظ ہے تحقیقی جواب یہ ہے کہ حقیقی **حافظ حفیظ** رب تعالیٰ ہی ہے باقی اس کے بندے اس کے حکم سے مجازی حافظ بنائے گئے ہیں یہ ساری حفاظتیں اس کی ہیں۔ چوتھا اعتراض: قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے **یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم**۔ جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہی فرشتہ موت دیتا ہے تیسری جگہ ارشاد ہے **توفتہ رسلنا** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت سے فرشتے موت دیتے ہیں ان آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کا ایک جواب تو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ بعض مقبول بندوں کو براہ راست رب تعالیٰ ہی موت دیتا ہے۔ بغیر فرشتے کے ذریعہ جیسے حضرت فاطمہ زہرا بعض مقبول بندوں کو صرف ایک

www.alahazratnetwork.org

فرشتہ ملک الموت ہی وفات دیتا ہے۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں قبض روح شریف کے لئے صرف ملک الموت حاضر ہوئے باقی فرشتے استقبال کے لئے حاضر ہوئے۔ عوام کو بہت سے فرشتے وفات دیتے ہیں جیسے ہم لوگ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ موت کا فیصلہ موت کا حکم اللہ تعالیٰ دیتا ہے اس کا ذکر پہلی آیت میں ہے **اللہ یتوفی الانفس** اور جان نکالنے والی جماعت کے سردار ایک فرشتہ حضرت ملک الموت ہے اس کے لئے دوسری آیت **یتوفا کم ملک الموت** ہے اور اس ایک فرشتے کے خدام مددگار بہت سے فرشتے ہیں۔ جن کا ذکر اس آیت میں ہے **توفتہ رسلنا** حاکم نے ملزم پکڑنے کا حکم دیا۔ تھانیدار سپاہیوں کو لیکر آیا۔ پکڑ کرلے گیا۔ کہا جاسکتا ہے کہ حاکم نے پکڑا تھانیدار نے پکڑا سپاہیوں نے پکڑا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی قہاریت کے ساتھ تو فرمایا گیا **عبادہ** اور **محافظین** کے ساتھ ارشاد ہوا **ویرسل علیکم** اس فرق کی وجہ کیا ہے یا تو دونوں جگہ **کم** ضمیر فرمائی جاتی یا دونوں جگہ **عبادہ** ارشاد ہوتا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض ہوچکا کہ اللہ تعالیٰ کی قہاریت اس کی ساری مخلوق پر ہے انس ہوں یا جن یا فرشتے یا دوسرے حیوان و جمادات مگر محافظین یعنی نگرانی و نگہبانی کرنے والے فرشتوں کا تقرر صرف انسانوں پر ہے جنات یا فرشتوں دوسری مخلوق پر نہیں۔ کیونکہ نگہبانی کرنے والے فرشتے انسانوں کو جنات وغیرہ ہی سے تو محفوظ رکھتے ہیں۔ نیز نگرانی کرنے والے فرشتے صرف انسانوں کے اچھے برے اعمال کی نگرانی کرتے ہیں کہ جنت دوزخ صرف انسانوں کے لئے ہے کفار اور بدکار جنات کے لئے دوزخ تو ہے مگران کے نیک کاروں کے لئے جنت نہیں جیسا کہ سورۂ احقاف اور سورۂ جن میں مذکور ہے لہذا صرف انسانوں ہی کے اعمال کی ہر قسم کی تحریک ہوتی ہے۔ فرق میں یہ حکمت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اعمال لکھنے والے فرشتے دو کیوں ہیں حفاظت کرنے والے قریبا" ساٹھ کیوں ہیں صرف ایک فرشتہ ہی یہ کام کرسکتا ہے۔ **جواب:** اعمال لکھنے والے فرشتے کاتب بھی ہیں اور ان اعمال پر گواہ بھی گواہی کم از کم دو کی چاہیے قیامت میں یہ دونوں اس کی گواہی بھی دیں گے اور محافظین فرشتوں کی کثرت انسان کے احترام کے لئے ہے کہ ایک آدمی کے ساتھ فرشتوں کی جماعت رہے۔ دیکھو جنگ بدر میں اللہ تعالیٰ نے پانچ ہزار فرشتوں سے مدد بھیجی حالانکہ کفار کو ہلاک کرنے مسلمانوں کی مدد کے لئے ایک فرشتہ بھی کافی تھا۔ کیوں ان حضرات کی عظمت و توقیر کے لئے۔ **ساتواں اعتراض:** جب حضرت ملک الموت کی قوت و علم کا یہ حال ہے کہ ساری روئے زمین پر ان کی نظر ان کا ہاتھ ہے تو جان نکالنے کے لئے بہت سے فرشتے کیوں مقرر ہوئے کہ فرمایا گیا **توفتہ رسلنا**۔ **جواب:** حضرت ملک الموت کی عظمت ظاہر فرمانے کے لئے۔ نیز تاکہ مومن کی روح جلوس کی شکل میں عزت کے ساتھ جائے اور کافر کی روح ان فرشتوں کے گھیرے میں بدمعاش مجرم کی صورت میں۔ **آٹھواں اعتراض:** تمام جہان کی روح نکالنے کے لئے ایک فرشتہ نہیں بلکہ فرشتوں کی بہت بڑی جماعت ہے جن کے حلقے بٹے ہوئے ہیں دیکھو یہاں فرمایا **توفتہ رسلنا**۔

نوٹ: زمانہ موجود کے وہابی کہتے ہیں کہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہونا رب تعالیٰ کی ہی صفت ہے کسی بندے کو ایسا ماننا شرک ہے جب ان سے ملک الموت کے متعلق کہا گیا کہ دیکھو وہ اکیلے تمام کی روح نکالتے ہیں وہ ہر جگہ ناظر بھی ہیں۔ حاضر بھی تب انہوں نے اس آیت کی یوں تحریف کی اس سے پہلے کسی کو یہ نہ سوجھا تھا۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے **یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم** وہاں ملک واحد ہے۔ جمع نہیں تم پر یہ

www.alahazratnetwork.org

مصیبت آگئی دوسرے یہ کہ اچھا اگر ایک حلقے میں بیک وقت چند موتیں چند جگہ ہوں تو یہ حلقے والے فرشتے بیک وقت چند جگہ پہنچ کر جان نکال لیتے ہیں مثلاً ان فرشتوں کی وہ جماعت جو راولپنڈی کے حلقے کے لئے تعینات ہے اگر راولپنڈی کے حلقے میں ٹھیک بارہ بجے دن کوئی مرے گجرات میں کوئی جہلم میں کوئی گوجر خان میں کوئی اور جگہ تو یہ فرشتے ایک ہی وقت ان جگہوں میں کیسے پہنچتے ہیں اور کیسے ان سب کی جان نکالتے ہیں۔ پھر ماں کے پیٹ میں بچہ بنانے والا فرشتہ' قبر میں حساب لینے والے بلکہ مردود ابلیس صرف ایک ہی ہے مگر دنیا بھر کا کنٹرول کرتا ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بندوں کو سزا کیوں دے گا۔ **جواب:** بندے اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں واقعی محض مجبور ہیں کہ اس کے خلاف اس کے مقابل کوئی دم نہیں مار سکتا مگر اس قادر نے ہم کو اپنے کاموں کو اختیار دیا ہے ہم اپنے ارادے سے اچھے برے کام کرتے ہیں اسی لئے سزا جزا کے مستحق ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ جب ہم کو سلا کر ہمارے سارے اختیارات سلب کر لیتا ہے تو اس وقت ہمارے کاموں پر سزا بھی نہیں دیتا اس وقت شاہ و گدا سب کو برابر کر دیتا ہے مگر جب جگا دیتا ہے تو ہم کو پھر اختیار دے دیتا ہے جاگتے ہیں کوئی بادشاہ ہو جاتا ہے کوئی وزیر کوئی امیر کوئی فقیر تب ان اختیاری افعال پر سزا جزا ہوتی ہے۔ **دسواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قاہر اللہ ہے باقی سارے بندے محض مقہور و مجبور ہیں پھر تم نبیوں ولیوں کو مختار کیوں مانتے ہو انہیں مختار ماننا اس آیت کے خلاف ہے **فوق عبادہ:** میں لفظ عباد سب کو شامل ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جیسے **فوق عبادہ۔ عبادہ** میں نبی ولی سب بندے داخل ہیں ایسے ہی اس میں بادشاہ وزیر حکام امیر حکیم سب داخل ہیں تو تمہارا بیماریوں آفتوں میں ان سے مدد لینا بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی ساتویں اعتراض کے جواب میں عرض کیا گیا کہ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے مقابل بندوں کی مجبوری مقہوری کی نفی ہے وہ کریم خود اپنے بندوں کو اختیار دے تو اس کی مہربانی ہے جیسے اس نے بادشاہوں حکام کو ہم پر با اختیار کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ہوا تک پر اختیار دیا کہ ان کے حکم سے چلتی تھی فرماتا ہے۔ **سخرنا له الريح تجري بامره** الخ ویسے ہی اس نے نبیوں ولیوں کو بند گان با اختیار بنایا حقیقی مختار وہی ہے جو دوسروں کو بھی مختار بنا سکے۔ ان بزرگوں کو مختاری رب تعالیٰ کی مختاری کی دلیل ہے۔ **گیارھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ **له الحكم** صرف اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہے تم حضرات انبیاء و اولیاء کو حاکم کیسے مانتے ہو یہ شرک ہے۔ **جواب:** جیسے تم بادشاہوں حاکموں کو حاکم مانتے ہو اس کا تحقیقی جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ حقیقی حکم دائمی حکم' ذاتی حکم' تکوینی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے باقی مجازی عارضی حکم بندوں کو عطا فرمائے گئے۔ **بارھواں اعتراض:** یہاں اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتے ہیں حکم الٰہی میں کوتاہی نہیں کرتے وقت پر ہر ایک کی جان نکال لیتے ہیں۔ **وهم لا يفرطون** مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ بزرگوں کی دعا نیک اعمال سے عمریں بڑھ جاتی ہیں یہ عقیدہ اس آیت کے بھی خلاف ہے اور اس آیت کے بھی **اذا جاء اجلهم لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون** رب کا وعدہ کم نہ زیادہ (یہ اعتراض منکرین حدیث کا ہے)۔ **جواب:** عمروں کی کمی بیشی نہ تو فرشتوں کی کوتاہی سے ہوتی ہے نہ ہمارے اپنے ذاتی اختیار سے بلکہ اللہ تعالیٰ نیک دعاؤں نیک اعمال کی بنا پر خود اپنے کرم سے زیادتی فرما دیتا ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے **يمحو الله ما يشاء ويثبت** اس کی تحقیق اسی تفسیر کے تیسرے پارہ میں مسئلہ تقدیر میں کی جا چکی **ولو شاء الله ما اقتتلوا** کی تفسیر میں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں ایک دعویٰ ہے باقی چار اس کی دلیلیں ہیں دعویٰ ہے **ھو القاھر فوق عبادہ** اللہ اپنے بندوں پر غالب و قابض ہے اس کا پہلا ثبوت محافظین فرشتوں کا تم پر مقرر ہوتا رہتا ہے۔ دوسرا ثبوت موت کے فرشتوں کا تم پر مسلط ہونا۔ تیسرا ثبوت تمہارا رب کی بارگاہ میں پیش ہونا گویا نہ اپنے اختیار سے تم دنیا میں آئے ہو نہ اپنے اختیار سے جاؤ گے۔ جب اس نے بھیج دیا آگئے جب بلا لیا چلے گئے شعر۔

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے — اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

اس کا حاکم حقیقی ہونا۔ اس کا حکم ساری مخلوق پر جاری ہو تاکہ اس کے خلاف کسی کو دم مارنے کی گنجائش نہیں۔ بہت جلد تمہارا حساب لے لینا۔ غرض کہ تم اپنی کمزوری کو دیکھو رب تعالیٰ کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ پھر اس کے نورانی بندوں فرشتوں کا زور و طاقت ان کا علم دیکھو رب تعالیٰ کی قدرت علم معلوم کر لو کہ جس نے اپنے بعض بندوں کو ایسی قوت بخشی ہے وہ خود کیسی قوت والا ہے غرضیکہ ہماری کمزوری رب کی معرفت کا ذریعہ ہے اس کے مقبولوں کی شہ زوری اس کی معرفت کے لئے ایک تنبیہ ہیں جیسے قیامت میں ہماری بیکسی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی تک رسائی یہ دونوں رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیلیں ہیں ہم کو چاہیے کہ اپنی اس کمزوری پر نظر رکھیں اور دنیا میں پھنس کر آخرت سے غافل نہ ہو جائیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر۔

تو غافل در اندیشہ سود و مال — کہ سرمایہ عمر شد پائمال

جو اپنے کو قادر مطلق جانے وہ بھی خدا تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا اور جو فرشتوں نبیوں ولیوں کو اپنی طرح مجبور محض مانے وہ بھی حق تعالیٰ کو نہیں پہچان سکتا اونٹ پہاڑ کو دیکھ کر اپنی پستی قبول کرتا ہے ہم ان مقبولوں کو دیکھ کر اپنی نیستی قبول کر لیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ہم جسمانی دشمنوں میں گھرے ہیں تو رب نے ہماری حفاظت کے لئے فرشتے مقرر فرمائے ایسے ہی ہم ایمانی دشمنوں میں گھرے ہیں۔ شیطان، برے ساتھی، دنیاوی پھنساوے ہمارے بیرونی دشمن ہیں نفس امارہ برے خیالات ہمارے اندرونی دشمن ہیں ان سے حفاظت کے لئے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام، اولیاء اللہ، علماء ربانی مقرر فرمائے اولیاء علماء کا یہ سلسلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کا سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا اس لئے ارشاد ہوا **ویرسل علیکم حفظة** یہ حضرات ہمارے ایمان کے حافظ و محاسب ہیں۔ پھر جیسے یہ دشمنان ایمان ہر وقت ہمارے ساتھ رہتے ہیں۔ ہمارے حالات سے خبردار رہتے ہیں ہم کو ہر وقت دیکھتے ہیں **انہ یراکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم** اسی طرح ضروری ہے کہ وہ محافظ ایمان اولیاء اللہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم ہر وقت ہمارے ساتھ ہوں ہم سے خبردار رہیں کمزور دوا قوی مرض کو دفع نہیں کر سکتی **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** جیسے رب نے ہمارے فانی جسم کی حفاظت کے لئے فرشتے مقرر کئے ہیں ایسے ہی اس نے ہمارے باقی ایمان کے لئے بھی ضرور محافظین مقرر فرمائے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ گھر کی حفاظت عامہ بھی ہوتی ہے۔ اور خاصہ بھی دروازے پر قفل سارے گھر کی حفاظت عامہ ہے خاص کوٹھڑی میں قفل حفاظت خاصہ ہے بکس میں قفل، زیور روپیہ کے سیف میں قفل حفاظت خاصہ ہے سپاہیوں کی گشت شہر کی حفاظت عامہ ہے مگر خزانہ پر مخصوص پہرہ حفاظت خاصہ یوں ہی مومنوں کے ایمان کی حفاظت یہ ہے حفاظت عامہ اور عارفوں کے عرفان اولیاء کی ولایت کی حفاظت یہ ہے حفاظت خاصہ جو نبی کے ذریعہ ہوتی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ

فرماؤ کون نجات دیتا ہے تم کو اندھیریوں سے خشکی اور دریا کی دعا کرتے ہو تم اس سے عاجزی کرتے ہوئے

تم فرماؤ وہ کون ہے جو تمہیں نجات دیتا ہے جنگل اور دریا کی آفتوں سے جسے پکارتے ہو گڑگڑا کر اور آہستہ

لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا

اور چھپا کر البتہ اگر وہ نجات دیدے ہم کو اس سے تو البتہ ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں میں سے فرماؤ اللہ نجات دیتا

کہ اگر ہمیں اس سے بچادے تو ہم ضرور احسان مانیں گے تم فرماؤ اللہ تمہیں نجات دیتا ہے

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾

ہے تم کو ان سے اور ہر تکلیف سے پھر تم شرک کرتے ہو۔

اس سے اور ہر بے چینی سے پھر تم شریک ٹھہراتے ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کا ذکر تھا جن کا کفار انکار کر سکتے تھے فرشتوں کا مقرر ہونا' قیامت میں رب تعالیٰ کے حضور پیشی اکثر کفار ان چیزوں کو نہیں مانتے اب اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کا ذکر ہے۔ جنہیں کفار بھی مانتے ہیں۔ دہریوں کے سوا تمام کفار ان چیزوں کے قائل ان پر عامل ہیں۔ دہریئے تو خدا تعالیٰ کی ہستی کے ہی انکاری ہیں گویا غیبی قدرتوں کے بعد عینی قدرتوں کا ذکر ہے۔ جو دن رات دیکھی جاتی ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی غیبی رحمتوں کا ذکر ہے جو دیکھی جاتی ہیں یعنی پھنسے ہوئے مصیبت زدہ کو آفات سے نجات دینا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں عمومی دائمی نعمتوں کا ذکر تھا اب اس کریم کی مخصوصی نعمتوں کا ذکر ہے یعنی جنگل یا سمندر میں پھنسے ہوؤں کو نجات دینا۔ **چوتھا تعلق:** اللہ تعالیٰ نے بعض چیزیں غیبی پیدا کی ہیں بعض چیزیں حضوری یا شہودی اور شہودی چیزیں غیبی چیزوں کی دلیلیں ہوتی ہیں۔ جو غیبی چیز یعنی غائب ہے شاخیں شہودی ہیں جن سے جڑ کا پتہ لگتا ہے دل دماغ غیبی چیزیں ہیں۔ چہرہ نبض شہودی یہ چہرہ نبض قارورہ وغیرہ ان غیبی چیزوں کی دلیلیں ہیں۔ فرشتوں کا حفاظت کے لئے مقرر ہونا غیبی حفاظت تھی اور لوگوں کا بہت دفعہ آفات سے بچ جانا شہودی حفاظت تھی یہ شہودی حفاظت اس غیبی حفاظتوں کی دلیل ہے پچھلی آیت میں غیبی حفاظتوں کا ذکر تھا اب اس کی دلیل یعنی شہودی حفاظت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **قل من ینجیکم من ظلمات البروالبحر۔** ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ چونکہ ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں رحمتوں 'نعمتوں' برکتوں کا مشرکین سے منوانا ہے اس لئے اس قل سے شروع فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قل میں خطاب تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے مگر روئے سخن میں پانچ احتمال ہوتے ہیں اس کے معنی یا تو ہوتے ہیں ہم سے کہو جیسے **قل اللھم مالک الملک** یا اپنے صحابہ سے کہو۔ یا سارے مسلمانوں سے کہو یا سارے انسانوں سے کہو یا سارے کافروں سے کہو اس کا پتہ اگلے مضمون سے لگتا ہے یہاں روئے سخن کفار سے ہے جیسا کہ آگے **ثم انتم تشرکون** سے معلوم ہو رہا ہے اس میں ہر جگہ اور ہر وقت کے

www.alahazratnetwork.org

کفار داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سوال تاقیامت سارے کفار و مشرکین سے ہے جیسے اسلام و اعمال کے خطاب تاقیامت سارے مسلمانوں سے ہیں یہ خطاب انکاری سوال کے لئے ہے کفار و مشرکین ایسی آفتوں مصیبتوں میں **خاص اللہ** تعالٰی ہی کو پکارتے اس سے دعائیں مانگتے تھے اپنے بتوں کو بھول جاتے تھے۔ اس لئے ان سے سوال بالکل درست ہے۔ ہماری قرات میں **ینجیکم** جیم کے شد سے ہے بعض قراتوں میں **ینجیکم** ہے نون کے جزم جیم کے کسرہ سے ہماری قرات کے معنی یہ ہوئے کہ کون تم کو ہمیشہ نجات دیا کرتا ہے باب تفعیل آہستگی اور ہمیشگی کے لئے ہے۔ **ینجی** بنا ہے نجات سے جس کا مادہ ہے **نجو** بمعنی علیحدگی۔ اس لئے تنہائی علیحدگی میں سرگوشی کرنے کو مناجات کہتے ہیں غرضیکہ نجو سے بنے ہیں نجات' تنجی' مناجات' تنجا وغیرہ **ظلمات بر و بحر** سے یا تو زمین اور دریا کی تکالیف مراد ہیں عربی بلکہ اردو میں بھی سخت تکلیف کو اندھیری یا دن میں تارے نظر آجانا کہا جاتا ہے عربی کا شاعر کہتا ہے شعر۔

ان تنولہ فقد تمنعہ و تریہ النجم یجری بالظہر

بنی اسعد تعلمون بلانا اذا کان یوم ذوکواکب الشہب

مطلب یہ ہے کہ تم زمین اور دریا کی مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہو اللہ کے سوا کون ہے جو تم کو ان مصیبتوں سے بچاتا ہے اور یا ظلمات سے مراد اندھیریاں ہی ہیں مسافر جنگل میں کبھی رات کی یا بادل وغیرہ کی اندھیریوں میں پھنس جاتا ہے کبھی دریا کا مسافر پانی کی موج' رات' بادل وغیرہ کی اندھیریوں میں بری طرح پھنس جاتا ہے کہ راستہ نہیں نظر آتا رب تعالٰی ہی بچاتا ہے۔ **تدعونہ تضرعا وخفیۃ** یہ عبارت **ینجیکم** سے ذروخوف یعنی تم ایسی آفتوں میں پھنس کر اللہ تعالٰی ہی کو پکارتے ہو یا اسی سے ہی دعا کرتے ہو کبھی زبان سے کبھی دل سے کبھی علانیہ کبھی پوشیدہ یا عاجزی کرتے ہوئے ڈرتے ہوئے (کبیر معانی وغیرہ) اس آفت میں تم نہ تو اپنے بتوں کو پکارتے ہو نہ کسی اور مددگار معاون کو اس وقت ان سب کو بھول جاتے ہو۔ **لئن انجنا من ہذہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ فعل **تقولون** کا مفعول بہ ہے پورا جملہ **تدعون** کے فاعل سے حال ہے ہماری قرات میں ہے **انجانا** بعض قراتوں میں ہے **انجیتنا** مخاطب کے صیغہ سے **ہذہ** سے ارشارہ ہے ظلمات کی طرف **لنکونن من الشاکرین**۔ یہ عبارت لئن الخ کی جزا ہے شاکرین سے مراد یا موحدین ہے یا مومنین یا صالحین و شکر گزاری یعنی اس موقعہ پر تم کہتے ہو کہ اگر اس دفعہ رب تعالٰی نے ہم کو ان آفات سے نجات دے دی تو ہم شرک چھوڑ کر موحد بن جاویں گے یا ہم وطن پہنچ کر ایمان و اسلام قبول کرلیں گے یا آئندہ اس شکریہ میں گناہ کرنا چھوڑ دیں گے ہمیشہ نیک کام کیا کریں گے۔ **قل اللہ ینجیکم منہا ومن کل کرب**۔ چونکہ مذکورہ سوال امتحان کے لئے نہ تھا بلکہ انہیں جواب بتانے سکھانے تبلیغ کرنے کے لئے تھا۔ اس لئے قل فرما کر ارشاد ہوا کہ آپ ہی نے کفار سے یہ سوال کیا ہے آپ ہی انہیں یہ جواب بتادیں تاکہ انہیں اس عقیدے کی تبلیغ ہو۔ اس عبارت میں من **ینجیکم** کا جواب دیا گیا ہے۔ یہاں بھی قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے یعنی کفار سے آپ ہی یہ سوال کریں اولاً تو وہ خود ہی یہ جواب دیں گے اگر بالفرض وہ خاموش ہو جاویں تو آپ ہی انہیں یہ جواب سنا دو قل فرمانے کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نجات دینے والا تو رب تعالٰی ہی ہے ہر مصیبت سے وہی نجات دیتا ہے مگر اس نے دامن محبوب کو دنیا کے لئے نجات گاہ بنایا ہے۔ جسے نجات چاہئے۔ وہ اس دامن عاطفت میں آجاوے **منہا** کا مرجع **ظلمات** ہے **کرب** سے مراد ہمیشہ کی تکالیف ہیں۔ بیماریاں' عداوتیں' قحط سالیاں وغیرہ کرب ہر وہ تکلیف ہے جو انسان کو بے چین کردے۔ جس

www.alahazratnetwork.org

سے رات کی نیند دن کا آرام جاتا رہے۔ دل کی بے چینی تو پوری مصیبت ہے یعنی ان تاریکیوں اندھیریوں اور ان کے علاوہ اور ساری مصیبتوں بے چینیوں سے اللہ تعالیٰ ہی نجات دیتا ہے۔ یا منہا سے مراد تو وہ مذکورہ بالا آفتیں ہیں جن کے دفع کرنے میں انسان بالکل مجبور لاچار رہے جیسے سمندر میں کشتی کو ناموافق ہوا کا سامنا ضرورت پر بارش کا نہ آنا بے وقت بارش ہونا وغیرہ اور **من کل کرب** میں یہ تکالیف مراد ہیں۔ جو انسانی اسباب کے ذریعہ دفع کی جاتی ہیں جیسے بیماری دوا سے۔ بھوک غذا سے پیاس پانی سے کسی کا ظلم حاکم کی مدد سے ان دونوں قسم کی آفتوں کا ٹالنے والا صرف رب تعالیٰ ہی ہے تو اے بندو تم کو چاہئے کہ ہمیشہ اس کے دروازہ پر جھکے رہو۔ اپنے کئے ہوئے وہ وعدے پورے کرو جو تم اندھیریوں میں پھنس کر کر لیتے ہو مگر تمہارا حال یہ ہے کہ **ثم انتم تشرکون** یہاں ثم زمانی تاخیر کے لئے نہیں بلکہ درجہ و رتبہ کی دوری بیان کرنے کے لئے یعنی تمہاری ضد اور ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ جب رب تعالیٰ تم کو ان آفات سے نجات دیتا ہے۔ خواہ تمہاری دعاء قبول فرما کر یا اپنی کسی حکمت کی وجہ سے تو تم اپنے وعدے پورے نہیں کرتے۔ پھر پہلے کی طرح شرک و کفر میں مشغول ہو جاتے ہو تم بدکار بھی ہو کافر و مشرک بھی اور وعدہ خلاف بھی۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار و مشرکین سے اتنا تو پوچھئے کہ تم کو زمین اور دریا کی تکالیف مثلاً مسخ، زمین میں دھنسنے زلزلہ، سمندر کی موجوں تھپیڑوں سے یا بحالت سفر جنگل و دریا کی تکالیف سے کون نجات دیتا ہے اس وقت تمہارا یہ حال ہوتا ہے کہ تم زبان سے دل سے علانیہ چیخ چیخ کر اور خفیہ طور پر رب تعالیٰ ہی سے دعائیں مانگتے ہو کسی بت یا دوسرے مددگاروں کو یاد نہیں کرتے تم اس وقت کہتے ہو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس آفت سے اب کی بار نجات دے دی تو ہم کفر و شرک اور گناہوں سے توبہ کر کے پکے موحد مومن نیک و صالح بن جائیں گے ہماری توبہ ہے خدایا اس بار ہم کو نجات دے ہماری سچی پکی توبہ ہم زندگی بھر شکریہ ادا کریں گے پوچھو تو تم یہ کہتے ہو یا نہیں۔ تو تمہارے اس پوچھنے کا مقصد صرف ان کا امتحان نہیں امتحان تو قبر یا حشر میں ہوگا بلکہ اس سوال کا مقصد انہیں رب کی طرف بلانا ہے اس لئے بطور تبلیغ آپ انہیں یہ فرما دو کہ تم کو اللہ تعالیٰ اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ان ناگہانی آفتوں سے بھی اور ساری دنیا میں پیش آنے والی آفتوں سے نجات دیتا ہے مگر تمہارا یہ حال ہے کہ تم آرام پاتے ہی پھر وہی کفر و گناہ کرنے لگتے ہو اپنے سارے وعدے بھول جاتے ہو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مصیبت میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا آرام و راحت میں بھول جانا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن کو چاہئے کہ ہر حال میں اپنے مولیٰ کو یاد کرے کہ اس کے سوا کوئی سہارا نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے بندہ جو بھی وعدہ کرے اسے پورا کرے وعدہ خلافی بندوں سے بھی شرافت کے خلاف ہے چہ جائیکہ اللہ رسول سے وعدہ خلافی کرنا یہ حرکت طریقہ کفار ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کفر، شرک بد عقیدگی بہرحال بری چیز ہے مگر ایمان کا وعدہ کرنے کے بعد کفر کرنا سخت جرم ہے کہ وہ کفر بھی ہے اور بد عہدی وعدہ خلافی بھی۔ **چوتھا فائدہ:** کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں دیکھو کفار مصیبتوں میں پھنس کر نجات کی دعا کرتے تھے رب تعالیٰ انہیں نجات دے دیتا تھا۔ شیطان نے اپنی درازی عمر کی دعا کی جو کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہوئی۔ **پانچواں فائدہ:** غم، تکلیف، مصیبت بڑے بڑوں کو سیدھا کر دیتی ہے۔ دیکھو ضدی کفار آفتوں میں پھنس کر اپنا شرک و کفر و گناہ سب بھول جاتے تھے۔ انہیں گڑگڑاتے عاجزی کرتے ہی بنتی تھی دنیاوی تکالیف رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ کا وارنٹ ہیں' جو مجرموں پر جاری ہوتے ہیں۔ بہتر ہے کہ بندہ ہر وقت ہی حاضر رہے تا کہ اس کی گرفتاری کی نوبت نہ آئے۔ **چھٹا فائدہ:** جو شخص آرام میں تکلیف کو بھول جاوے اور تکلیف کے وقت رب سے کئے ہوئے وعدے فراموش کر دے وہ بڑا ہی بدنصیب ہے۔ جس رب کو تکلیف مٹانا آتا ہے اسے پھر دوبارہ بھیجنا بھی آتا ہے اگر انسان راحت میں رب کو یاد رکھے تو تکلیف کیوں آئے ایک ہندی شاعر کہتا ہے شعر۔

دکھ میں رب کو ہر بجے سکھ میں بجے نہ کوئے — جو کوئی سکھ میں رب بجے تو دکھ کا ہے کو ہوئے

یعنی تکلیف میں خدا کو سب ہی یاد کرتے ہیں آرام میں بھول جاتے ہیں اگر آرام میں اسے یاد رکھیں تو تکلیف کیوں آئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما یفعل اللہ بعذا بکم ان شکر تم** اگر شکر کرو تو ہم تمہیں عذاب دے کر کیا کریں گے۔ **ساتواں فائدہ:** وہ تکلیف جو رب کے دروازے پر پہنچاوے۔ وہ اس آرام سے اچھی ہے۔ جو خدا تعالیٰ سے غافل کر دے۔ جو گناہ رونے دھونے توبہ کرنے کا ذریعہ بن جاوے وہ اس نیکی سے افضل ہے۔ جو دل میں غرور پیدا کر دے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی خطا یعنی گندم کھانا ابلیس کی لاکھوں سال کی عبادات سے افضل ہے کہ جناب آدم علیہ السلام اس خطا کی بنا پر سالہا سال روئے تو یہ زاری فرماتے رہے حتیٰ کہ خلیفتہ اللہ اور حضرات انبیاء کرام کے جد امجد بن گئے شیطان اپنی عبادات علم کی وجہ سے اکڑ گیا اب تک لعنتی و پھٹکار ا مارا پھر رہا ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** دعا میں بہتر یہ ہے کہ عاجزی زاری سے مانگی جاوے اور خفیہ مانگی جاوے یہ فائدہ **تضرعا وخفیه** سے حاصل ہوا۔ دوسرے مقام پر رب تعالیٰ فرماتا ہے **ادعو ربکم تضرعا وخفیه** علانیہ دعا و عبادات میں ریا کا اندیشہ ہے۔ **نواں فائدہ:** اگر کافر زمانہ کفر میں ایمان لانے یا کسی اور نیکی کرنے کی منت مانے تو اسے پوری کرے کہ ایمان قبول کرلے اور بعد ایمان وہ مانی ہوئی منت ادا کرے دیکھو کفار مصیبت میں پھنس جانے پر شاکر بننے کی منت مانتے تھے جسے پورا نہ کرتے تھے اس پر عتاب فرمایا گیا ایک کافر نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ میں نے زمانہ کفر میں عمرہ کرنے کی منت مانی ہوئی تھی۔ اب میں مسلمان ہو چکا ہوں فرمایا اپنی نذر پوری کرو۔ **دسواں فائدہ:** دنیا میں اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی نجات دے دیتا ہے کہ دنیا رحمانیت کے ظہور کی جگہ ہے مگر آخرت میں نجات صرف مومنوں کو ملے گی کہ وہاں رحیمیت کی جلوہ گری ہوگی یہاں بعض کفار کو ان کی نیکیوں کی وجہ سے عذاب ہلکا کر دیا جاوے گا۔ جیسے حاتم طائی یا نوشیرواں یا ابو طالب۔ حتیٰ کہ ابو لہب کو بھی دوشنبہ کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ دیکھو بخاری شریف غرضیکہ اخروی نجات ایمان پر موقوف ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار بھی صرف رب تعالیٰ کو ہی دافع البلاء سمجھتے تھے کہ زمینی' دریائی آفتوں میں پھنس کر اسے ہی پکارتے تھے۔ مگر آج کل کے بعض مسلمان کہلانے والے نبیوں ولیوں کو اپنا حاجت روا' دافع البلاء سمجھتے ہیں درود تاج میں پڑھتے ہیں **دافع البلاء والوباء والقحط والمرض والالم** یہ مسلمان ان مشرکوں سے بدتر ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس شرک میں آپ بھی گرفتار ہیں۔ آپ بھی بعض جڑی بوٹیوں بعض شربتوں کو دافع زکام و دافع بخار حب قبض کشا۔ حتیٰ کہ ایک شربت کو شربت فریادرس کہتے ہیں اور آفتوں میں حاکموں' حکیموں کے پاس دوڑے جاتے ہیں۔ مسجد آکر اللہ اللہ نہیں کرتے شعر۔

تیری ا ٹکے تو وکیلوں سے کرے استمداد — یا محمد سے بگڑتی ہے طبیعت تیری

www.alahazratnetwork.org

جواب تحقیقی یہ ہے کہ واقعی بعض چیزیں اور اللہ کے بعض بندے بہ حکم پروردگار فریاد رس بھی ہیں دافع البلاء بھی بلکہ بزرگوں کے تبرکات بھی دافع البلاء ہوتے ہیں حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیض نابینا پن کی دافع تھی۔ (قرآن کریم) حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں کا پانی شفاء امراض تھا۔ (قرآن کریم) حضرت مسیح عیسیٰ علیہ السلام کا دم مردوں کو زندگی بخشتا تھا۔ (قرآن کریم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بال شریف' ناخن مبارک بیماریوں کی شفاء تھا۔ (حدیث شریف) کفار کا طریقہ یہ تھا کہ عیش میں بتوں کو پوجتے تھے۔ مصیبت میں رب تعالیٰ سے فریادیں کرتے تھے اس پر یہاں عتاب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** مصیبت میں مشرکین عرب بھی بتوں کو چھوڑ دیتے تھے صرف اللہ کو پکارتے تھے مگر یہ نام نہاد مسلمان مصیبت و آفات میں بھی نبیوں ولیوں کو نہیں چھوڑتے یہ جب بھی یہ کہتے ہیں یارسول اللہ' یاغوث المدد وغیرہ۔ (وہابی) **جواب:** بتوں کو چھوڑنا ایمان ہے نبیوں ولیوں کو چھوڑنا کفر ہے اس چھوڑنے کا مزہ ابلیس سے پوچھو کفار مصیبتوں میں پتھروں کو چھوڑ دیتے تھے مگر تم لوگ مصیبتوں میں کعبہ کو قرآن کو نہیں چھوڑتے اسی طرف سجدے کرتے ہو۔ بتوں اور نبیوں میں فرق ہے نبیوں ولیوں کو پکارنے ان سے حاجات مانگنے سے رب تعالیٰ راضی ہے کہ یہ حضرات محبوب ہیں بت مردود رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولوانهم اذ ظلموا انفسهم جاء واک** الخ گنگا کے پانی کی تعظیم کفر ہے زمزم کے پانی کی تعظیم رکن ایمان ہیں دونوں پانی مگر گنگا کا پانی اللہ کے دشمنوں کی طرف نسبت رکھتا ہے زمزم کا پانی اللہ کے نبی کی طرف اس قسم کے بہت سے اعتراضات کے جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے کفار کے دو کاموں پر عتاب فرمایا ایک تو مصیبت میں رب تعالیٰ سے دعائیں کرنا اسے پکارنا دوسرا آفتوں سے چھوٹ کر پھر کفر کرنا پہلا کام تو اچھا تھا اس پر عتاب کیوں فرمایا۔ **جواب:** یہاں عتاب ان کی بے وفائی وعدہ خلافی پر ہے نہ کہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنے پر۔ وہ لوگ رب کے پجاری نہ تھے بلکہ اپنی نفسانی خواہشات کے پجاری تھے کہ اللہ کو یاد بھی کرتے تھے تو صرف نفس سے مصیبت دفع کرنے کے لئے مومن اگر مصیبت میں رب تعالیٰ کو پکارتا ہے تو اس لئے کہ یہ بھی اللہ کا حکم ہے ان دونوں پکاروں میں بڑا فرق ہے بندہ کو چاہیے کہ رنج و خوشی راحت و تکلیف ہر حال میں رب سے دعائیں مانگا کرے کہ اس میں اظہار بندگی ہے۔ کریم کے دروازے کی رونق بھکاریوں کی بھیڑ سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عالم ظاہر میں دل کی بات ظاہر کرنے کے بہت طریقے ہیں الفاظ سے کہنا اشارہ سے بتانا۔ لکھ کر دینا' تار' وائرلیس کے ذریعہ ظاہر کرنا اسی طرح اللہ والے کبھی اپنے دل کی بات زبان سے کہتے ہیں کبھی نظر سے کبھی توجہ سے کبھی فیضان سے قرآن مجید میں جہاں قل کہہ کر حکم ہوتا ہے کہ تم لوگوں سے فرمادو وہاں یہ چاروں صورتیں داخل ہوتی ہیں زبانی کلامی میں وقت جگہ اور فاصلہ کی قیدیں ہوتی ہیں۔ مگر فیضانی فرمان میں یہ کوئی قید نہیں مشرق میں استاذ ہو مغرب میں شاگرد ہزار سال پہلے استاذ گزرا ہو ہزار سال بعد شاگرد آیا فیضان یا نظر والا قول اس سے ہو سکتا ہے ابراہیم علیہ السلام نے زبانی قول تو ایک بار فرمادیا کہ اے اللہ کے بندوں اللہ کے گھر کی طرف آؤ مگر جنانی اور فیضانی قول تاقیامت سناجاتا رہے گا اس لئے حاجی لبیک کہتے ہوئے جاتے ہیں یعنی حاضر جناب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول تاقیامت سنے جاتے رہیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ جیسے بلغمی مزاج کا آدمی جو کچھ کھائے پیئے وہ بلغم بنتا ہے سوداوی مزاج کا آدمی جو کھائے پیئے وہ سودا بنتا ہے تندرست آدمی جو کھائے پیئے وہ خون بنتا ہے غذا یکساں ہے مگر کھانے والوں کے مزاجوں میں فرق ہے یونہی ایمان والا جو کرے وہ ایمان ہے کافر جو کرے وہ کفر ہے

www.alahazratnetwork.org

مومن کے گناہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کا ذریعہ ہیں کافر کی نیکیاں بھی اللہ تعالیٰ کی پھٹکار کا باعث ہیں مولانا فرماتے ہیں شعر۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　　کفر گیرد ملتی ملت شود

منافقوں کا کلمہ پڑھنا بھی بے ایمانی تھی۔ حضرت جندہ ابن ضمیرہ کا اپنے منہ سے کفر بول دینا بھی کفر نہ تھا ان کے متعلق رب نے فرمایا **الا من اکرہ قلبہ مطمئن بالا یمان**۔ دیکھو ان کفار کا مصیبتوں میں پھنس کر رب تعالیٰ کو پکارنا اس سے مناجاتیں کرنا بھی عتاب کا باعث ہو (کفار کا رجوع الی اللہ ایک عارضی چیز ہے جو آرام یا راحت کے پانی سے دھل جاتی ہے۔ مومن کا گناہ و بدعملی عارضی ہے۔ جو عنقریب توبہ آنسو پشیمانی کے پانیوں سے دھل جاتی ہے۔ دیکھو مشرکین عرب مصیبت میں پھنس کر توبہ استغفار شکر گزاری کے وعدے سے کچھ کر لیتے تھے یہ سب کچھ عارضی ہوتا تھا۔ پھر جب آرام و راحت پاتے وہی شرک و کفر بدعملیاں ان کا وطیرہ ہو جاتا تھا۔ اللہ توفیق دے تو گھڑی گھڑی توبہ گھڑی گھڑی توڑنا کیا ایک بار ہی توبہ کرنے اس پر قائم رہے۔ سائیں بلھے شاہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں شعر۔

نت نت کیسی استغفار　　　توبہ کر لے ایک ہی بار
اس دنیا کا ایک ہی پھیرا　　　مڑ نہیں آنا دوجی وار
جو کرنا ہے کر لے یار　　　توبہ کر لے ایک ہی بار

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ

فرمادو وہ رب قدرت والا ہے اور پر اس کے کہ بھیجے اوپر تمہارے عذاب اوپر سے تمہارے نیچے سے پاؤں

تم فرماؤ وہ قادر ہے کہ تم پر عذاب بھیجے تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے

تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ

کے تمہارے یا کتھا دے تم کو فرقوں میں اور چکھائے تمہارے بعض کو سختی بعض کی

تلے سے یا تمہیں بھڑا دے مختلف گروہ کر کے اور ایک کو دوسرے کی سختی چکھا دے دیکھو ہم کیونکر

اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ

غور کرو ہم کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں آیتیں تاکہ وہ سمجھیں اور جھٹلایا اس کو قوم نے تمہاری حالانکہ

طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں کہ کہیں ان کو سمجھ ہو اور اسے جھٹلایا تمہاری قوم نے اور یہی

الْحَقُّ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٧﴾

وہ حق ہے فرمادو نہیں ہوں میں اوپر تمہارے ذمہ دار واسطے ہر چیز کے وقت مقرر ہے اور عنقریب جانو گے تم

حق ہے تم فرماؤ میں تم پر کچھ کڑوڑا نہیں ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب جان جاؤ گے

www.alahazratnetwork.org

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت کا ذکر تھا۔ یعنی پھنسے ہوؤں کو بلا سے نجات دینا اب اس کے خاص عذاب کا ذکر ہے۔ یعنی بدکاروں پر عذاب بھیجنے کا چونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے نجات کا ذکر پہلے ہوا عذاب کا ذکر بعد میں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بدعہدی کا ذکر تھا کہ وہ اندھیروں میں پھنس کر ہم سے مختلف قسم کے عہد کرتے ہیں۔ پھر نجات پانے پر ان کئے ہوئے عہدوں سے پھر جاتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کی بدعہدی انہیں مفید نہیں وہ اللہ تعالیٰ انہیں ان گھروں میں بھی پکڑ سکتا ہے اس کی پکڑ سے بچنا ہے تو اس کی اطاعت کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے حسی میں گھر جانے کا ذکر تھا کبھی زمینی اندھیروں کبھی سمندر کی اندھیروں میں اب ان کے معنوی گھرے ہوئے ہونے کا ذکر ہے کہ وہ ہر وقت ہر طرح اللہ کی پکڑ اس کی قدرتوں کے گھیرے میں ہیں گویا خاص گھیرے کے بعد عام گھیرے کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ رب تعالیٰ پھنسے کافروں کو نجات دے دیتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کی یہ نجات صرف ظاہری و حسی ہے وہ اپنے کفر و عناد کی وجہ سے اب نجات پاکر بھی اس کی پکڑ میں ہیں بلکہ یہ پکڑ اس پکڑ سے سخت تر ہے کافر آرام میں ہو تو بھی پکڑ میں ہیں۔ مومن دنیاوی تکلیف میں بھی ہو تو بھی رحمت میں ہے۔

تفسیر: **قل هو القادر۔** میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ چونکہ یہاں بھی اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ کا ذکر ہے اس لئے اسے **قل** سے شروع فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ذات الٰہی صفات الٰہی کے گواہ ہیں مدعی اپنی بات اپنے وکیل سے کہلواتا ہے اور اپنا دعویٰ گواہ سے ثابت کرتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے محکمے سونپے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے وکیل بھی ہیں اللہ کے رسول بھی اللہ کے گواہ بھی اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم بارگاہ الٰہی میں مخلوق کے وکیل بھی ہیں مخلوق کے گواہ بھی وکیل اور رسول کا فرق ظاہر ہے نیز اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ماننا ایمان جب ہی ہے جب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے ہو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر مانے اللہ کی ذات و صفات کو ماننا ایمان نہیں یہاں بھی روئے سخن انہیں بدعہد کافروں سے ہے جن کا ذکر ابھی پچھلی آیت میں ہوا **هو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے **قادر** کے معنی کامل دائمی قدرت والا ایسی قدرت خدا تعالیٰ کے سوا کسی میں نہیں بندوں کو جو قدرت رب کی طرف سے ملتی ہے وہ عارضی و ناقص ہے قادر قدیر' عالم علیم' سامع سمیع' ضارب ضریب کے فرق آپ کو یاد ہی ہوں گے۔ سامع وہ جو کسی کی بات سن رہا ہو سمیع وہ جس میں سننے کی صفت موجود ہو خواہ اس وقت وہ کسی کی سن رہا ہو یا نہیں۔ لہٰذا انسان سوتے میں سامع نہیں سمیع ہے۔ قادر وہ جو کسی کو اپنی قدرت میں لئے ہو قدیر وہ جس میں یہ صفت ہو اور ہو سکتا ہے کہ قادر بمعنی قدیر ہو۔ **علی ان یبعث علیکم۔** اس کا تعلق **القادر** سے ہے بعث اور ارسال میں فرق بارہا بیان کیا جاچکا ہے کہ ارسال خاص ہے بعث عام کبھی دونوں بالکل ہم معنی بھی ہوتے ہیں **علیکم** میں خطاب کفار سے ہے چونکہ عذاب و عتاب کفار پر ہوتا ہے۔ عتاب مومن پر بھی اس لئے **علیکم** کو پہلے بیان فرمایا تاکہ حصر کا فائدہ حاصل ہو۔ عذاب' عتاب۔ عتاب کا فرق بارہا بیان ہوچکا **بعث** فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ ہمارے پاس ہر قسم کے عذاب ہر وقت تیار ہیں صرف بھیجنے کی دیر ہے ہم کو ہر وقت عذاب بنانے نہیں پڑتے بلکہ وہ ہوا پانی دھوپ جانور جو تمہارے خدمت گار ہیں وہ سب ہمارے لشکر ہیں جس ذریعہ سے چاہیں تم کو ہلاک کردیں ایک مچھر

www.alahazratnetwork.org

سے نمرود کو مار دیا دوسرے یہ کہ کبھی مجرم عذاب کے پاس جاتا ہے جیسے فرعون اور اس کی قوم اور کبھی عذاب مجرم کے گھر میں پہنچ جاتا ہے جیسے قوم عاد و ثمود یا قوم لوط وغیرہ ہم اس پر قادر ہیں کہ تمہارے گھروں بازاروں ہی میں تم پر عذاب بھیج دیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فرمایا گیا۔ **اذ بعث فیھم رسولا** کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ایسی رحمت ہیں جو سورج یا بارش کی طرح ہمارے گھروں ہمارے دلوں میں پہنچیں۔ **عذابا من فوقکم او من تحت ارجلکم۔ عذابا** مفعول بہ ہے **یبعث** کا اور **من فوقکم یبعث** کے متعلق ہے اس عبارت کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ عذاب سے مراد غیبی عذاب ہے (اوپری عذاب) قوم صالح علیہ السلام کی طرح غیبی چیخ آنا قوم لوط علیہ السلام کی طرح غیبی پتھر برسنا، قوم نوح علیہ السلام کی طرح سخت بارش آنا۔ قوم عاد کی طرح سخت آندھیاں آنا وغیرہ نیچے سے عذاب آنا جیسے قوم شعیب علیہ السلام کی طرح زلزلے آنا قارون کی طرح زمین میں دھنسنا وغیرہ یہی معنی ظاہر ہیں۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اوپر سے عذاب ظاہر بادشاہ ظالم حکام کا ظلم ہے نیچے سے عذاب نالائق نوکروں بدمعاش غلاموں کی تکلیف ہے ضحاک فرماتے ہیں کہ اوپر کا عذاب بڑوں کی طرف سے تکالیف ہیں نیچے کا عذاب اپنے چھوٹوں کی طرف سے تکالیف ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر کبیر، خازن، معانی وغیرہ) دوسری تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں مگر پہلی تفسیر پر اعتراض ہے۔ جو مع جواب سوال و جواب میں عرض کیا جاوے گا۔ **او یلبسکم شیعا۔** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے **یبعث** پر وہاں غیبی اور سخت عذابوں کا ذکر تھا یہاں ظاہر ہلکے عذاب کا ذکر ہے **یلبس** بنا ہے لبس سے خیال رہے کہ لبس لام کے فتحہ سے بمعنی رلا ملا دینا غلط ملط کر دینا ہے یہ باب سمع یسمع سے ہے اسی سے ہے **التباس** بمعنی دھوکہ لگ جانا مشابہ ہو جانا اور لبس لام کے پیش سے بمعنی پہننا ہے باب ضرب۔ یضرب سے اسی سے ہے لباس بمعنی کپڑا یہاں پہلے معنی مراد ہیں شیع جمع ہے **شیعۃ** کی یہ بنا ہے تشیع سے بمعنی اتباع شیعہ وہ جماعت جو کسی کی فرماں بردار و متبع ہو اس کی جمع اشیاع بھی ہے اور شیع بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمن عتیا** یعنی رب تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ تمہیں مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور ایک دوسرے سے بھڑا دے لڑا دے۔ **و یذیق بعضکم باس بعض** یہ عبارت یلبس پر معطوف ہے اور عطف تفسیری ہے۔ **یذیق** بنا ہے ذوق سے بمعنی چکھانا یہاں زبان سے چکھانا مراد نہیں بلکہ تکلیف پہنچانا مراد ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ذق انک انت العزیز الکریم۔ باس** کے معنی ہیں سختی، آنچ، جنگ یہاں بھی خطاب کفار سے ہے۔ یعنی تم کو مختلف گروہوں میں بانٹ دے اور تمہیں آپس میں لڑا دے۔ جس سے تمہارے جان، مال، عزت و آبرو وغیر محفوظ ہو جاویں۔ **انظر کیف نصرف الایات۔** یہاں بھی **انظر** میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے **نظر** سے مراد دل کا دیکھنا یعنی غور کرنا ہے۔ **نصرف** بنا ہے تصریف سے بمعنی پھرنا گردش دینا آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ غور تو کرو کہ ہم کس شان کریمی و رحیمی سے ان کفار کو آیات قرآنیہ پھیر پھیر کر آپ کی معرفت سناتے ہیں کبھی اپنے قہر و غضب کا ذکر کرتے ہیں کبھی اپنے رحم و کرم کا کبھی دلائل کا کبھی اپنی قدرت کاملہ کا۔ **لعلھم یفقھون۔** اس جملہ میں **نصرف** کی حکمت کا ذکر ہے یعنی یہ سب کچھ ان کی اصلاح کے لئے آیا ہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں بعض ڈر سے بعض امید سے قرآن مجید سب کی فہمائش کے لئے آیا ہے اس لئے سب کا لحاظ فرمایا گیا ہے کہ جس قسم کا آدمی ہو اسی طرح مان لے لعل بندوں کے لئے بمعنی شاید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کے لئے بمعنی تا کہ خیال رہے کہ فقہ ہر سمجھ کو نہیں کہتے بلکہ دینی سمجھ کو

www.alahazratnetwork.org

کہتے ہیں اسی لئے عالم مجتہد کو فقیہ کہا جاتا ہے جسے دلائل سے مسائل نکالنے کی سمجھ ہو اب تک رب تعالیٰ کی کرم نوازیوں کا ذکر ہوا کہ وہ عذاب رحمت دلائل کی آیت کے ذریعہ بندوں کو اپنی طرف بلاتا ہے اب بندوں کی بے وفائیوں کا ذکر ہے کہ وہ ان کے باوجود اللہ کی کتاب اس کے رسول کو جھٹلاتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ **و کذب بہ قومک** یہ جملہ نیا ہے **کذب** بنا ہے **تکذیب** سے معنی جھوٹا سمجھنا۔ جھوٹا کہنا جھوٹا کرنے کی کوشش کرنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں کفار عرب قرآنی خبروں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور یہ کہ قرآن کی مثال کوئی نہیں بنا سکتا ان باتوں کو جھٹلانے کی بہت کوشش کرتے تھے **بہ** کا مرجع یا تو قرآن مجید ہے یا آیات کا پھیرنا اور اس کی حکمت یا وہ عذاب جس کا ذکر ابھی ہوا قوم سے مراد یا تو نسبی قوم ہے یعنی قریش یا ملکی وطنی قوم یعنی عرب دینی قوم مراد نہیں کیونکہ اس سے مراد کفار و منکرین ہیں لہٰذا وہ مومنین خصوصاً" نبی کی قوم نہیں ہو سکتے (روح المعانی) **قومک** فرمانے میں ان کفار پر سخت ناراضی و عتاب کا اظہار ہے یعنی جو نبی کی قوم ہو کر ایمان اختیار نہ کرے وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔ دوسری جگہ مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کہا گیا ہے **و انہ لذکر لک و لقومک** نبی کی قوم نبی کی اولاد ہونا مومن کے لئے اللہ کی بڑی رحمت ہے اور کافر کے لئے اللہ کا بڑا عذاب ہے۔ یوں ہی علم' دولت' عزت اگر ایمان و تقویٰ کے ساتھ ہے تو اللہ کی رحمت ہے اگر کفر و عصیان کے ساتھ ہے تو اللہ کا عذاب **وھو الحق** جتنے احتمال **بہ** کی ضمیر میں تھے وہی احتمال یہاں **ھو** میں ہیں یعنی وہ قرآن یا وہ آیات کا پھیر پھیر کر بیان فرمانا عذاب الٰہی اگر اس سے قرآن مجید مراد ہے تو حق کے معنی ہیں سچا غیر زائل کلام اگر اس سے تصریف آیات مراد ہے تو حق کے معنی ہیں حکمت والا اور اگر عذاب مراد ہے تو حق کے معنی ہیں یقیناً آنے والا نہ ٹلنے والا یہ عبارت یا تو **بہ** کی ضمیر سے حال ہے اور واؤ حالیہ یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اس میں ان پر دوسرا عتاب ہے کہ یہ لوگ آپ کی قوم ہو کر ایسی حق بات کا انکار کرتے ہیں جس کی حقانیت عقل و نقل سے ثابت ہے بالکل ظاہر و باہر ہے۔ **قل لست علیکم بوکیل** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی اور مخلوق کی نیاز مندی کا ذکر ہے یہاں **وکیل** بمعنی محافظ یا ذمہ دار ہے اس لئے اس کے ساتھ **علیکم** ارشاد ہوا **علیکم** کو مقدم فرمانے سے اشارۃً" کہا گیا کہ میں تم کفار کا ہی محافظ نہیں ہوں رہے مومنین وہ تو تاقیامت میری نگرانی و حفاظت میں ہیں رب فرماتا ہے **شاھدا علیکم** اور فرماتا ہے **بالمومنین رؤف رحیم** اور فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم** یعنی میں تمہارا ذمہ دار نہیں ہوں تم ہدایت پر آؤ یا نہ آؤ تمہاری باز پرس مجھ سے نہ ہوگی خیال رہے کہ اللہ کی بعض نعمتوں کے دروازے بہت ہیں جیسے پانی کہ وہ بادل' دریا' کنوؤں وغیرہا سے مل جاتا ہے بعض نعمتوں کا دروازہ صرف ایک ہے جیسے دھوپ کہ اس کا ذریعہ صرف سورج ہے۔ پہلی قسم کی نعمتوں کا اگر دروازہ بند ہو جاوے تو پرواہ نہیں ہوتی ایک نل خراب ہو جائے تو اور جگہ سے لے لو مگر دوسری قسم کی نعمت کا دروازہ بند ہو جاوے تو ہلاکت ہے اللہ کی رحمت' ایمان' ہدایت شفاعت ان تمام نعمتوں کا دروازہ صرف ایک ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی فرمادیں کہ **لست علیکم بوکیل** تو پھر یہ نعمتیں کہیں سے نہیں مل سکتیں ایمان وغیرہ کے سارے دروازے بند ہو چکے ہیں آج کسی نبی کا کلمہ پڑھو کسی کی کتاب پڑھو ایمان تقویٰ نہیں ملے گا یہ مقصد اس حدیث کا ہے کہ زکوٰۃ دو ورنہ میں تمہاری شفاعت نہ کروں گا **لکل نبا مستقر** یہ نیا جملہ ہے جس میں کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ اگر عذاب حق ہے تو آتا کیوں نہیں **نبا** سے مراد یا تو عذاب کی خبر ہے یا قرآن کریم کی مطلق خبریں خواہ عذاب کی ہوں یا ثواب کی یا اسلامی فتوحات اور کفار کی شکست کی **مستقر** یا اسم ظرف ہے بمعنی وقت وقوع یا مصدر ہے بمعنی

www.alahazratnetwork.org

واقع ہوتا کیونکہ ثلاثی مجرد کے علاوہ دوسرے بابوں کا اسم ظرف اور مصدر دونوں اسم مفعول کے وزن پر آتے ہیں جیسے مدخل اور مخرج (تفسیر کبیر) **وسوف تعلمون** اس عبارت میں **تعلمون** میں خطاب کفار سے ہے۔ علم سے مراد مشاہدہ و نظارہ کا علم ہے۔ چونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے اس لئے سوف ارشاد ہوا یعنی ہر کام کا ہمارے ہاں وقت مقرر ہے عنقریب قرآن مجید کے موعودہ عذاب تم اپنی آنکھوں دیکھ لوگے مان لوگے مگر اس وقت کا ماننا جاننا کام نہ آوے گا ابھی ہم مناتے ہیں تم نہیں مانتے' پھر تم مناؤگے ہم نہ مانیں گے۔ لہذا بہتر ہے کہ اس وقت سے پہلے ایمان قبول کرلو۔

خلاصہء تفسیر: یہ کفار دنیاوی مصیبتوں میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے ایمان پرہیزگاری وغیرہ ہر چیز کے وعدے کر لیتے ہیں مگر نجات پاتے ہی پھر وہی کفر و شرک کرتے ہیں جس پر وہ پہلے تھے کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اپنے گھر پہنچ کر ہمارے قابو ہماری قدرت سے باہر ہو جاتے ہیں آپ ان سے فرمادو کہ اس دھوکے میں نہ رہیں اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے کہ تم پر آسمانی عذاب نازل فرمادے یا زمینی عذاب مسلط فرمادے جیسے گذشتہ قوموں پر آئے یا تم کو متفرق جماعتوں میں بکھیر دے تم میں عداوتیں بغض ڈال دے کہ تم آپس میں لڑلڑ کر تباہ ہو جاؤ ابھی وقت ہے سنبھل جاؤ اے محبوب صلی اللہ علیہ و سلم غور تو فرماؤ کہ ہم کس طرح آیات قرآنیہ انہیں پھر پھر کر سناتے ہیں کبھی دلائل کبھی عذاب کبھی اپنی رحمتوں کا ذکر فرماتے ہیں کہ کسی طرح یہ لوگ سمجھ جائیں یہ لوگ آپ کی نسبی ملکی قوم ہیں انہیں چاہئے تھا کہ پہلے یہ ایمان لاتے پھر دوسروں کو ایمان کی تبلیغ کرتے مگر پہلے انہوں نے ہی قرآن کریم کو جھٹلایا حالانکہ یہ قرآن مجید برحق ہے ثابت رہنے والا ہے اس کی ایک آیت بھی منسوخ نہیں ہو سکتی فرمادو اے محبوب کہ تم لوگ کافر رہ کر میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے میں تمہارے ایمان و اعمال کا ذمہ دار نہیں میرے ذمہ تمہیں ہدایت دے دینا نہیں میرے ذمہ احکام الٰہیہ پہنچا دینا تھا۔ جو میں پہنچا چکا۔ خیال رکھو کہ عذاب الٰہی آنے میں دیر کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کریم کی خبریں غلط ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہر چیز کا اللہ کے ہاں ایک وقت ہے وہ چیز اپنے وقت پر ہوتی ہے۔ تمہارے عذاب کا بھی وقت ہے جب عذاب آوے گا۔ تب تم خود دیکھ لوگے جان لوگے۔

حدیث شریف: میں ہے کہ جب **عذابا من فوقکم** نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا خدایا تیری پناہ جب جبریل امین نے عرض کیا **او من تحت ارجلکم** فرمایا خدایا تیری پناہ جب ارشاد باری ہوا **او یلبسکم** الخ فرمایا یہ آسان ہے (عام تفاسیر) خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ اس آیت کے پہلے دو عذاب کفار و مشرکین کے لئے ہیں آخری عذاب یعنی آپس کی نااتفاقی جنگ و جدال مسلمانوں کے لئے ہیں دوسری حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے اپنی امت کے لئے تین دعائیں فرمائیں۔ (1) میری امت کو دوسری قوم فنا نہ کرسکے۔ (2) میری امت قحط سالی وغیرہ سے ہلاک نہ کی جاوے (3) میری امت میں جنگ و جدال آپس میں نہ ہوں پہلی دو دعائیں قبول ہو گئیں تیسری کے بارے میں ارشاد ہوا کہ یہ تو ہوگا (روح المعانی) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے پردہ فرمانے سے پچیس سال کے بعد میں مسلمانوں کا آپس میں اختلاف جنگ و جدال شروع ہو گیا یعنی خلافت حیدری میں وہ اب تک برابر چلا آرہا ہے (خازن) سیدنا ابی ابن کعب فرماتے ہیں کہ آسمانی اور زمینی عذاب بھی قیامت کے قریب نازل ہوں گے۔ صورتوں کی تبدیلی زمین میں دھنسنا ہوگا (خازن)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ سفر و حضر گھر اور باہر ہر جگہ میں

www.alahazratnetwork.org

اپنے کو رب تعالیٰ کے قبضہ میں سمجھے سارے بندے اس کی قدرت میں ایسے گھرے ہوئے ہیں جیسے پانی میں مچھلی کوئی شخص کسی وقت کسی طرح اس کی قدرت سے باہر نہیں ہو سکتا اگر یہ خیال پک جاوے تو انشاء اللہ گناہ کرنے کی ہمت نہ کر سکے گا۔ یہ فائدہ **قل هو القادر** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے غیبی عام عذاب آنا بند ہو گئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم**۔ مگر علاوی عذاب اور غیبی خاص عذاب اب بھی آسکتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قریب قیامت بعض قوموں کی صورتوں کی تبدیلی بعض کا زمین میں دھنسنا ہو گا۔ قحط سالی، وبائی امراض، زلزلے پانی کے طوفان اب بھی کہیں کہیں آتے رہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں ہر تیس سال میں طوفان نوحی کا ظہور کہیں کہیں ہوتا رہے گا مگر ہلکا (روح البیان) یہ فائدہ بھی **ھو القادر** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کسی قوم میں فرقہ بازیاں آپس کی جنگ و جدال خدا تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **او یلبسکم شیعا** سے حاصل ہوا۔ افسوس کہ مسلمان آج اس عذاب میں بری طرح گرفتار ہیں۔ ہم نے فلسطین میں دیکھا کہ وہاں ہر چار طرف دور دور تک اسلامی سلطنتیں ہیں بیچ میں یہود کی ریاست ہے اگر یہ اسلامی سلطنتیں متفق ہو جاویں تو یہود کو فنا کر سکتی ہیں مگر ان کی آپس کی دھول جوتی کی وجہ سے یہود شیر ہو رہے ہیں یہ ہے ہماری بد عملیوں کا انجام۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن کریم کی آیات میں غور کرنا بہترین عبادت ہے قرآن شریف کو دیکھنا عبادت اسے پڑھنا عبادت اسے سمجھنا عبادت اس میں غور کرنا عبادت ہے یہ فائدہ **انظر کیف نصرف** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن کریم کی بعض سمجھ تو وہ ہے جس سے کافر مومن بن جاتے ہیں۔ بعض سمجھ وہ ہیں جس سے گنہگار پرہیزگار بن جاتے ہیں۔ بعض سمجھ وہ ہے جس سے جاہل عارف بن جاتے جیسی سمجھ اور جیسا سمجھدار ویسا اس کا فائدہ یہ فائدہ **لعلھم یفقھون** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جب اللہ تعالیٰ کا کرم نہ ہو تو پیغمبر زادگی، پیغمبر کی ہم قوم ہونا کچھ مفید نہیں ہوتا یہ چیز بیشک بہت مفید ہیں مگر جبکہ رب تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو یہ فائدہ **وکذب به قومک** سے حاصل ہوا۔ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوۃ والسلام بھی نبی زادے ہیں، اور کنعان، و قابیل بھی پیغمبر کے بیٹے تھے مگر جناب اسماعیل علیہ السلام پر اللہ کا فضل تھا اور ان دونوں پر اللہ کا قہر تھا۔ ہر نعمت کا یہی حال ہے مال، علم وغیرہ کہ اللہ کا فضل شامل حال ہو تو وہ رحمت ہے ورنہ زحمت بلکہ اگر نبی زادہ نبی کا ہم قوم کافر ہو بے دین ہو تو اس کے لئے یہ چیزیں زیادہ سخت عذاب کا باعث ہیں مکہ مکرمہ میں رہنا مومن کے لئے بڑا مفید ہے کہ ایک نیکی کا ثواب وہاں ایک لاکھ ہے تو کافر کے لئے بڑا مضر کہ وہاں ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ کا ہے انسان اشرف الخلق ہے **ولقد کرمنا بنی ادم** اگر نیکیاں کرے مومن ہو تو جنت اس کے لئے ہے لیکن اگر کفر و بدکاری کرے تو دوزخ کی سزا بھی اس کے لئے ہے اور پھر وہ بدترین خلق ہے **اولئک ھم شر البریہ** جتنی شرافت زیادہ اتنی ہی ذمہ داری بہت۔

لطیفہ: ایک مراثی کسی سید صاحب سے بطور خوشامد کہہ رہا تھا کہ شاہ جی تمہاری کیا بات ہے تم لولاک کے مالک ہو تم سمندر ہو تمہیں کوئی گناہ مضر نہیں سمندر نجاست سے ناپاک نہیں ہوتا سید کفر کرے گناہ کرے وہ گنہگار نہیں ہوتا سید صاحب نے جواب دیا کہ کیوں ہمارا بیڑا غرق کرنا چاہتا ہے سید گناہ کرے تو ڈبل مجرم ہے اسلام کا مجرم پھر نسب رسول کا مجرم ہے ہاں سید کو سمندر کی طرح فراخدل ہونا چاہئے کہ اس پر کوئی زیادتی کرے وہ سمندر کی طرح بددل نہ ہو۔ معاف کر دے۔ خیال رہے کہ بعض مسلمان کہتے ہیں کہ اولاد رسول ہونا محض بے کار ہے بعض کہتے ہیں کہ اولاد رسول ہونا ایسی نعمت ہے کہ سید کو نیک اعمال

www.alahazratnetwork.org

کی بھی ضرورت نہیں اعمال امت کے لئے ہیں اولاد کے لئے نہیں دونوں جھوٹے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہونا بڑی عزت و فخر کی بات ہے مگر بشرط ایمان و کفر و عناد کے ہوتے غیر مفید بلکہ زیادہ عذاب کا باعث حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ زہرا سے فرمایا تھا کہ ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن دوسرے لوگ ایمان لاویں اور تم زا نسب۔ **ساتواں فائدہ:** سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذمہ دار نہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی فیض نہ لے تو اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نقصان نہیں سورج خلق سے بے نیاز ہے آسمان نبوت کا سورج ہم سب سے بے نیاز یہ فائدہ **لست علیکم بوکیل** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر گناہ کی سزا میں دیر لگے تو اس سے انسان دھوکہ نہ کھائے کبھی یہ دیر بھی کسی بڑے عذاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے ہر چیز کا ایک وقت ہے یہ فائدہ **لکل نبا مستقر** سے حاصل ہوا۔ شعر

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے　　　دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

یہی حال دعاؤں کی قبولیت کا ہے کہ اگر اس میں دیر ہو تو دل تنگ نہ ہونا چاہئے۔ ہمیشہ رب کی رحمت کا انتظار کرنا چاہئے اس کی رحمت کا انتظار بھی عبادت ہے شعر

میری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں　　　میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور بعد میں بھی عذاب الٰہی آسکتے ہیں **یبعث علیکم عذابا** الخ میں مگر دوسری جگہ قرآن کریم میں ہے کہ **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** اللہ تعالیٰ انہیں عذاب نہ دے گا کہ آپ ان میں جلوہ گر ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک جواب جاہلانہ دوسرا عالمانہ تیسرا عاشقانہ جواب جاہلانہ وہ ہے جو وہابی دیا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے اپنا وعدہ توڑ سکتا ہے وہاں اس آیت میں عذاب نہ بھیجنے کا ذکر ہے۔ یہاں عذاب بھیجنے پر قدرت کا ذکر ہے۔ یعنی ہم قادر ہیں کہ اپنا وہ وعدہ توڑ دیں اور تم پر عذاب بھیج دیں مگر یہ جواب باطل محض بلکہ ان کے مذہب کے بھی خلاف ہوئے۔ کیونکہ یہاں عذاب سے ڈرایا جا رہا ہے اور ڈرانا جب ہی درست ہو سکتا ہے کہ جب وہ عذاب آسکے اس کا آنا بالکل ممکن ہے کسی طرح غیر ممکن نہ ہو آیا کہ آیا اور اللہ تعالیٰ کی وعدہ خلافی ان کے ہاں بھی غیر ممکن ہے اگرچہ محال بالغیر ہی سہی۔ محال بالغیر سے ڈرانا محض غلط ہے۔ لہٰذا یہاں وہ عذاب مراد نہیں۔ جس کے متعلق وہاں دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم**

جواب عالمانہ: یہ ہے کہ وہاں اس آیت میں غیبی۔ عام عذاب مراد ہے۔ جیسے ساری قوم پر آسمان سے پتھر برسنا صورتیں تبدیل ہو جانا زمین میں ساری قوم کا دھنس جانا غیبی چیخ غیبی آگ سے ساری قوم کو ہلاک کر دینا وہ عذاب اب قطعاً نہیں آسکتے اور یہاں اس آیت کریمہ میں ظاہری عذاب یا غیبی مخصوص عذاب مراد ہے۔ جیسے قحط سالی وبائی بیماری وغیرہ یا کسی خاص جماعت کی صورتیں تبدیل ہو جانا یہ عذاب آتے رہتے ہیں اور آئندہ بھی آئیں گے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ　　　واز زنا افتد وبا اندر جہات

جواب عاشقانہ: یہ ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ رب تعالیٰ سے غافل ہو جائے اسے دروازے سے نکال دیا جاوے۔ نکالا جانا اوپری عذاب ہے۔ دل کی غفلت نیچے والا عذاب بعض کافر اس عذاب سے محفوظ رہتے ہیں آخر

www.alahazratnetwork.org

کار مسلمان ہو کر توبہ کرکے مرتے ہیں بعض کلمہ گو اسی عذاب میں گرفتار ہو جاتے ہیں کہ کافر و بدکار ہو کر مرتے ہیں۔ دیکھو جب شیطان عذاب میں گرفتار ہوا تو ارشاد ہوا فاخرج منها فانك رجيم و ان عليكم لعنتي الى يوم الدين اسے اندھا بہرا گونگا یا فقیر نہ کیا گیا بلکہ دروازے سے پھٹکار کر نکال دیا گیا۔ لہٰذا اس آیت کریمہ ما كان الله ليعذبهم الخ اور اس آیت کریمہ میں کوئی تعارض نہیں۔ ان جوابوں میں خوب غور کر لو یہاں بہت عقلمند پھسل گئے ہیں ایک جواب اور بھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اوپری عذاب سے ظالم حکام ظالم بادشاہوں کا ظلم مراد ہے اور نیچے والے عذاب سے اپنے نوکروں اپنی اولاد کا نالائق ہونا مراد اگر اپنے بیوی بچے نالائق نافرمان ہوں تو گھر دوزخ بن جاتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

زن بد در سرائے مرد نکو ہم دریں عالم است دوزخ او

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں کے مذکورہ تینوں عذاب کفار کے لئے ہیں مگر دیکھا جا رہا ہے کہ تیسرا عذاب یعنی فرقوں میں قوم کا بٹ جانا پھر ان میں جنگ و جدال ہونا مسلمانوں بلکہ حضرات صحابہ کرام پر بھی آیا آج جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں اور جیسا دھول جوتا ان کا آپس میں ہے دوسری قوموں میں نہیں تو کیا حضرات صحابہ پر یہ عذاب آیا۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہیں آسان اور مختصر جواب یہ ہے کہ کفار کے آپس کی نااتفاقی عذاب ہے مومنوں کے لئے صورتاً "عذاب حقیقتاً" طاعون بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھی لیکن مسلمانوں کے لئے شہادت کی موت ہے۔ بلکہ دنیاوی تمام تکالیف' پریشانیوں' مصیبتوں کا یہی حال ہے کہ ان کے ذریعہ مومن کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم کیوں فرمایا گیا۔ کافر مومن کا ہم قوم نہیں ہو سکتا۔ جب کفر و اسلام کے فرق سے باپ بیٹے کا رشتہ ختم ہو جاتا ہے تو قومیت کا رشتہ کیسے قائم رہا پھر کیوں ارشاد ہوا و كذب به قومك۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ قومیت بہت قسم کی ہے ملکی قومیت نسبی قومیت' پیشہ کی قومیت' زبان کی قومیت' دین کی قومیت کافر و مسلمان دینی لحاظ سے ہم قوم نہیں۔ مگر نسبی ملکی قومیت ان میں ہوتی ہے۔ چنانچہ کافر بیٹے کا مسلمان باپ سے نسب ثابت ہو سکتا ہے یہاں میراث نہیں مل سکتی۔ انه ليس من اهلك کا منشا اور ہے یہاں قومک فرمانے کا منشا کچھ اور۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے وکیل نہیں پھر انہیں شفیع رسول کیوں کہا جاتا ہے۔ رسول وکیل شفیع میں کیا فرق ہے۔ **جواب** یہاں روئے سخن کفار سے ہے اور فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ تمہاری ہدایت میرے ذمہ نہیں تمہارے کافر رہنے کا سوال مجھ سے نہ ہو گا رب تعالیٰ فرماتا ہے ولا تسئل عن اصحاب الجحيم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف رسول ہیں کہ انہیں فرمان الٰہی پہنچا دیں مگر مومنوں کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم باذن الٰہی وکیل بھی ہیں شفیع بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم مومنوں کے رسول و نبی' شفیع وکیل' فریاد رس' مشکل کشا' دافع البلاء سب کچھ ہیں اس کے لئے ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ کا بغور مطالعہ کرو۔ ان سب صفات کی آیات موجود ہیں۔ رب فرماتا ہے ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة۔ اور فرماتا ہے۔ خذ من اموالهم صدقة تطهرهم و تزكيهم بها وصل عليهم الخ اور فرماتا ہے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم اور فرماتا ہے عزيز عليه ما عنتم اور فرماتا ہے۔ رسولا شاهدا عليكم اور فرماتا ہے بالمومنين رء وف رحيم۔ خیال رہے کہ رسالت کے متعلق ارشاد ہوا يا ايها الناس اني رسول الله اليكم جميعا اور رافت رحمت کرم کے متعلق فرمایا بالمومنين رءوف رحيم یہ فرق ہے رسالت اور کرم و

www.alahazratnetwork.org

رافت ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت سب کے لئے ہیں مگر روف ورحیم صرف مسلمانوں کے لئے احادیث تو بے شمار ہیں یہاں موقعہ نہیں ورنہ ان پیش کردہ آیات کی وہ تفسیر کی جاتی جس سے مومنوں کے ایمان تازہ ہو جاتے انشاء اللہ ان آیات کے ماتحت ان کی تفسیر عرض کی جاوے گی۔ رب تعالیٰ مجھے موقعہ دے کہ ان آیات میں اپنے نبی کی شان بیان کروں اپنے ارمان نکالوں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے بجلی کا پاور ایک ہے لیکن بلب کے ذریعے روشنی دیتا ہے۔ برقی پنکھے کے ذریعہ ہوا۔ ہیٹر کے ذریعہ سخت گرمی اور فرج کے ذریعہ سخت ٹھنڈک۔ غرضیکہ جیسا ذریعہ ویسا اس کا ظہور اگر بغیر وسیلہ پاور ہاتھ میں آجائے تو ہلاک کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی ایک صفت ہے اگر ہم اس قدرت سے بواسطہ نبی تعلق رکھیں تو رحمت کرم عنایت بخشش بندہ نوازی سے اس کا ظہور ہوتا ہے اللہ قادر ہے کہ مسلمانوں کو بخش دے انہیں جنت دیدے انہیں اپنا دیدار عطا فرماوے مگر کیسے بواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیکن اگر یہ واسطہ درمیان میں نہ ہو تو ان قدرت کا ظہور عذاب قہر جباریت سے ہوتا ہے۔ خدا قادر ہے کہ کافروں کو جہنم میں ٹھونس دے ان پر دنیا میں غضب و قہر نازل فرمادے انہیں زمین میں دھنسا دے وغیرہ وغیرہ یہاں بغیر وسیلہء نبوت۔ قدرت الہٰی کا ذکر ہے دوسری جگہ وہی قادر مطلق ارشاد فرماتا ہے **قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** فرمادو اے محبوب کہ اے میرے بندو وہ جو اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہوں اللہ سارے گناہ بخش دے گا دیکھو وہی قدرت جو کافروں کے لئے قہر و غضب کی شکل میں تھی وہ مسلمانوں کے لئے رحمت و مغفرت کی شکل میں ظاہر ہے کیوں اس لئے کہ مسلمانوں تک یہ قدرت بواسطہ رحمۃ للعالمین پہنچ رہی ہے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی قادر ہے۔ ولیوں پر بھی قادر ہے۔ گنہگاروں پر بھی قادر ہے نیک کاروں پر بھی قادر۔ کافروں پر قادر بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان تک بلائے اپنا دیدار دکھائے اپنا محبوب بنائے سارے عالم کے لئے رحمت بنا کر بھیجے وہ قادر ہے کہ اپنے ولیوں کو اپنا قرب بخشے وہ قادر ہے کہ ہم گنہگاروں کو بخش دے وہ قادر ہے کہ کفار کو دوزخ میں ڈال دے رب تعالیٰ کی حمد اس طرح نہ کرو جس میں اس کے بندوں کی بے ادبی ہو بلکہ اس طرح کرو کہ اس کے مقبولوں کی عظمت کا اظہار ہو جو یوں کہے کہ رب قادر ہے کہ ولیوں کو دوزخ میں ڈال دے وہ قادر ہے کہ ابو جہل کو جنت میں بھیج دے وہ رب کی حمد نہیں کر رہا ہے بلکہ کفر بک رہا ہے۔ جس توحید میں اللہ کے بندوں کی توہین ہو وہ توحید شیطانی ہے دوزخ کا راستہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ شعر

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتوں میں تعدد ہے جیسے تارے یا اولاد بیویاں بھائی دوست یا جسم کے اعضاء اور بعض نعمتوں میں تعدد نہیں۔ وہ صرف ایک ہی ہو سکتی ہیں جیسے ماں باپ یا جسم میں دل یا آسمان کا چاند ایسے ہی عالم روحانیات میں ولی، عالم صحابی بہت ہو سکتے ہیں۔ مگر مصطفیٰ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دوسرا نہیں ہو سکتا اللہ اپنی الوہیت میں وحدہ لا شریک لہ ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی عبدیت میں وحدہ لا شریک لہ ہیں۔ نہ دوسرا خدا ہو سکتا نہ دوسرا مصطفیٰ جب یہ معاملہ ہے تو جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر جائیں تو اس کا ٹھکانہ کہیں نہیں یہی مقصد ہے اس فرمان کا کہ **لست علیکم بوکیل**۔ اسی لئے قیامت میں بارگاہ رب العالمین میں حساب و کتاب کے لئے پیش ہونے سے پہلے ساری خلقت

www.alahazratnetwork.org

تلاش کرتی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوگی بہرحال یہ آیت کریمہ طریقت کے بیش بہا مسائل بتا رہی ہے۔

وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْۤ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰی یَخُوْضُوْا
اور جب دیکھو تم ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں میں گھسے ہوئے ہیں تو منہ پھیر لو ان سے یہاں تک کہ مشغول ہو
اور اے سننے والے جب تو انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں میں پڑتے ہیں تو ان سے منہ پھیرے جب تک اور بات میں
فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ ؕ وَاِمَّا یُنْسِیَنَّكَ الشَّیْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰی
جاویں کسی بات میں اس کے علاوہ اور اگر کبھی بھلا دے تم کو شیطان پس نہ بیٹھو تم بعد یاد آنے کے
نہ پڑیں اور جو کہیں تجھے شیطان بھلا دے تو یاد آنے پر ظالموں کے پاس
مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۞ ۶۸ وَمَا عَلَی الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ
ساتھ ظالم قوم کے اور نہیں ہے اوپر ان لوگوں کے جو پرہیزگاری کرتے ہیں ان کے حساب میں
نہ بیٹھو اور پرہیزگاروں پر ان کے حساب میں کچھ نہیں ہاں
وَّلٰكِنْ ذِكْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۞ ۶۹
سے کوئی چیز اور لیکن نصیحت شاید وہ پرہیزگار بن جائیں
نصیحت دینا شاید وہ باز آجاویں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار کا ایک خصوصی عیب بیان ہوا تھا۔ یعنی قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلانا اب مسلمانوں کو ان جھٹلانے والوں کے ساتھ نشست و برخاست کرنے سے منع فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی کفر کرنے والوں کی برائی کے ذکر کے بعد ان کے ساتھ بیٹھنے والوں کی برائی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کو عذاب الٰہی سے ڈرایا گیا تھا کہ ان پر اوپر نیچے سے عذاب آسکتا ہے اب ان کے ساتھ میل جول رکھنے والوں کو ڈرایا جا رہا ہے کہ تم ان کے ہم پیالہ ہم نوالہ رہے اور ان پر عذاب آیا تو تم بھی عذاب میں گرفتار ہو جاؤ گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں بروں کا ذکر ہوا اب بروں کی صحبت سے اچھوں کو روکا جا رہا ہے کہ کفر و بے دینی اڑ کر لگنے والی بیماری ہے۔ اس سے ایسے ہی بچو جیسے طاعون کی بیماری والوں سے بچتے ہو۔

شان نزول : (۱) کفار مکہ جب مسلمانوں کو دیکھتے تو انہیں جلانے ستانے کے لئے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ حضرت جبرئیل بلکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں بکواس بکنے لگتے اور ہجرت سے پہلے مسلمانوں میں انہیں روکنے کی طاقت نہ تھی۔ تب پہلی آیت کریمہ واذا رایت الخ نازل ہوئی۔ (خازن وغیرہ) (۲) جب پہلی آیت واذا رایت الذین الخ نازل ہوئی تو

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر ہم کو کفار کے پاس بیٹھنا حرام ہے تو ہم کوئی دینی و دنیاوی کام نہیں کر سکتے۔ کیونکہ کفار تو ہر جگہ حتی کہ مسجد حرام شریف میں بھی موجود رہتے ہیں تو ہم حرم شریف میں نماز کعبتہ اللہ شریف کا طواف کیسے کریں تب دوسری آیت **وما علی الذین یتقون** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر و معانی' مدارک وغیرہ)۔

تفسیر: **واذا رایت** یہاں **اذا** عموم ظرف کے لئے ہے یعنی جب بھی **رایت** رویت سے بنا ہے معنی دیکھنا اور دیکھنا آنکھ سے بھی ہوتا ہے دل سے بھی پہلی صورت میں یہ ایک مفعول چاہتا ہے۔ دوسری صورت میں دو مفعول یہاں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔ کیونکہ یہاں ایک مفعول آیا ہے آنکھ سے دیکھنا حقیقی بھی ہوتا ہے جیسے بینا آدمی کسی کو دیکھے اور حکمی بھی ہوتا ہے جیسے نابینا آدمی کسی کو دیکھے یعنی محسوس کرنا کہ اسے آنکھ سے تو نظر نہ آئے مگر محسوس ہو جائے یہاں مطلقاً دیکھنا مراد ہے خواہ بینا آدمی اپنی آنکھوں سے ایسے بے دینوں کو دیکھے یا نابینا آدمی ایسے لوگوں کو محسوس کرے دونوں کو وہاں سے ہٹ جانے کا حکم ہے حقیقی اور حکمی دیکھنے کا فرق حضرات صحابہ میں اس طرح ہے کہ جناب صدیق و فاروق وغیرہم صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقتہ" دیکھا اور حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکما" دیکھا اور دونوں صحابی ہیں۔ نہایت قوی بات یہ ہے کہ **رایت** میں خطاب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں بلکہ مسلمان سے ہے کیونکہ اگلا مضمون یہی بتا رہا ہے یعنی اے مسلمان' اے قرآن پڑھنے والے جب بھی تو دیکھے یا پائے۔ **الذین یخوضون فی ایاتنا** یہ عبارت **رایت** کا مفعول بہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ **الذین** سے مراد مشرکین ہیں کہ آیت کا نزول انہیں کے متعلق ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد یہود و نصاریٰ اہل کتاب کفار ہیں مگر حق یہ ہے کہ سارے فرقے ہی مراد ہیں خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب یا کلمہ گو بے دین بظاہر مسلمان در حقیقت دشمنان دین **یخوضون** بنا ہے **خوض** سے معنی پانی میں گھسنا اصطلاح میں کسی بات یا کسی کام میں مشغول ہو جانے کو خوض کیا جانے لگا اب بطور دل لگی مذاق کسی بات میں مشغول ہونے کو خوض کہتے ہیں۔ کیونکہ پانی میں گھسنا ہلاکت کا ذریعہ ہے ایسے ہی اللہ کی آیتوں کا مذاق اڑانا بربادی و ہلاکت کا ذریعہ ہے۔ (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ جیسے سمندر میں جانا چند طرح کا ہوتا ہے۔ مچھلی لینے کو موتی لینے کو عنبر لینے کو سمندر عبور کرنے کو اور جان دینے کو کہ ڈوب کر جان دے دی جاوے پہلے تین داخلے مفید ہیں آخری چوتھا داخلہ مضر یوں ہی قرآن کریم میں سوچ بچار چار قسم کے ہیں۔ تفکر' تدبر' غور اور خوض ظاہری خوبیاں سوچنا تفکر ہے۔ قرآن کی اندرونی خوبیاں سوچنا اس کے اسرار نکالنا تدبر ہے اس کے احکام میں سوچ بچار غور ہے اور قرآن مجید میں عیب نکالنے اسے بگاڑنے کے لئے سوچ بچار خوض کرنا کفر ہے کفار کا کام ہے یہاں آخری قسم کا سوچ بچار یعنی خوض کا ذکر ہے۔ آیات سے مراد آیات قرآنیہ احادیث نبویہ۔ اسلامی احکام شرعی قوانین سب ہی ہیں کہ یہ سب آیات اللہ ہیں اور ہو سکتا ہے کہ آیات سے مراد حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بذات خود آیات الہیہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل ہر ادا آیت الہی ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے کی بھی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھنا' تکنا' نظارہ کرنا' زیارت کرنا' تاکنا' گھورنا انسان وہ چہرہ دیکھنے سے صحابی مومن بنتا ہے وہ چہرہ تکنے سے مغفور بلکہ محفوظ بنتا ہے۔ مگر گھورنے سے سخت کافر بن جاتا ہے۔ محبت سے دیکھنا دیدار ہے بخشش کی امید گناہوں کی معافی کے لئے اس طرح دیکھنا جیسے فقیر بھکاری سخی کا منہ یا مجرم سیہ کار مہربان کریم حاکم کا منہ

www.alahazratnetwork.org

ٹکٹکی باندھ کر دیکھتے ہیں یہ تکنا کہلاتا ہے اور عداوت بغض سے دیکھنا جیسے دشمن دشمن کو تاکتا ہے کہ کہاں چوٹ ماروں یہ ہے گھورنا اس سے کفر میں اور سختی پیدا ہوتی ہے اس تاکنے گھورنے کا یہاں ذکر ہے۔ غرضیکہ تاکنے اور تکنے میں بڑا فرق ہے چونکہ **ایاتہ** میں اتنی وسعت ہے اس لئے یہاں **فی القرن** نہ فرمایا بلکہ **فی ایاتنا** ارشاد ہوا دنیا کی ہر چیز اللہ تعالٰی کی ایک صفت کی نشانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات اور ساری صفات کی آیت ہیں۔ **فاعرض عنھم** یہ عبارت جزا ہے **اذا رایت** کی اس میں بھی خطاب ہر مسلمان سے ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تعلق نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے **اعرض** بنا ہے **اعراض** سے جس کا مادہ **عرض** معنی چوڑائی ہے چونکہ کسی طرف سے منہ پھیرتے ہیں منہ کی چوڑائی اس طرف ہو جاتی ہے۔ کان کنپٹی رخسارہ اس لئے منہ پھیرنے کو اعراض کہا جاتا ہے یہاں منہ پھیرنے سے اس مجلس سے اٹھ جانا ان لوگوں سے دور ہو جانا ان کی باتیں نہ سننا مراد ہے۔ اگر روکنے کی طاقت نہ ہو تو یہ کرے اگر طاقت ہو تو ان کو ہاتھ سے زبان سے روک دے یہ روکنا بھی اعراض کی ہی ایک قسم ہے اس معنی سے یہ آیت منسوخ نہیں۔ تفسیر صاوی نے اسے آیات جہاد سے منسوخ مانا ہے ان کے نزدیک اعراض کے معنی ہیں نہ انہیں منع کرنا نہ ان کی بات سننا صرف وہاں سے ہٹ جانا ہے کہ اس معنی سے یہ آیت منسوخ ہی ہوگی۔ **حتی یخوضوا فی حدیث غیرہ** یہ اعراض کی انتہاء کا ذکر ہے۔ حتی انتہاء کے لئے ہے **یخوضوا** کا فاعل وہی دل لگی مذاق کرنے والے کفار ہیں حدیث سے مراد عام بات چیت ہے **غیرہ** حدیث کی صفت ہے ہ کا مرجع وہی **ایاتنا** ہے چونکہ آیات بھی حدیث ہیں معنی بات چیت اس لئے ہ واحد مذکر ارشاد ہوا اور اگر **ایاتنا** سے قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوں تو **غیرہ** فرمانا بالکل واضح ہے (روح المعانی و بیان کبیر وغیرہ) **واما ینسینک الشیطان** یہ مسئلہ کی دوسری صورت کا بیان ہے **اما** دراصل **ان ما** تھا **ان** شرطیہ **ما** زائدہ عموم کے لئے یعنی اگر کبھی **ینسین** ہماری قرأۃ میں پہلے نون کے سکون سین کے کسرہ سے ہے باب افعال سے دوسری قرأۃ میں **ینسین** پہلے نون کے فتحہ سین کے شد سے ہے باب تفعیل سے دونوں کے معنی ایک ہیں اگر بھلاوے کاف میں خطاب مسلمان سے ہے نہ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کا قرین شیطان بفضلہ تعالٰی مسلمان ہو چکا ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ اچھی بات بھلائے نہ اس سے روکے رہا ابلیس اس کا داؤ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر چلتا نہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول رب تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہے تاکہ لوگوں کو بھول چوک خطاء کے مسائل معلوم ہو جاویں شیطان کی طرف سے نہیں ہوتی تفسیر روح المعانی نے یہ سارے خطابات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مانے ہیں انہوں نے یہاں بڑے غوطے کھائے ہیں اور کہا ہے کہ یہ فرضی صورت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بھول کر ان کفار کی ایسی ذلیل مجلسوں میں شریک نہ ہوئے آخر میں اسی کو ترجیح دی کہ یہ خطابات مسلمان سے ہے۔ پھر بھول کی بہت قسمیں کیں اور تحقیق کی کہ کون سی قسم کی بھول حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہو سکتی ہے کون سی نہیں یہ مفصل گفتگو وہاں ہی دیکھو فقیر کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول رب تعالٰی کی طرف سے ہوتی ہے نفسانی بھول شیطانی بھول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ ہیں رب تعالٰی فرماتا ہے **سنقرئک فلا تنسی الا ما شاء اللہ** اس کی تحقیق انشاء اللہ اسی آیت کی تفسیر میں ہوگی۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز فجر کے وقت سوتا رہنا نماز قضا یا تنگ ہو جانا غفلت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ رب تعالٰی سے ہمکلامی میں مشغولیت کی بنا پر تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیند میں غفلت نہیں ہوتی اس لئے نیند سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں جاتا۔

www.alahazratnetwork.org

(حدیث) مولانا فرماتے ہیں شعر ؎

گوچہ ہر غیبے خدا مارا نمود دل دریں لحظہ بحق مشغول بود

فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین۔ یہ عبارت **واما ینسینک** کی جزاء ہے یہاں بھی **لا تقعد** میں خطاب مسلمان سے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حق یہ ہے کہ قعود' جلوس دونوں ہم معنی ہیں بمعنی بیٹھنا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کھڑے سے بیٹھنا قعود ہے لیٹے سے اٹھ کر بیٹھنا جلوس اسی لئے قبر میں مردے کو بٹھا لینے کے لئے حدیث شریف میں **یجلسانہ** فرمایا گیا **واللہ اعلم** یہاں **لا تقعد** کے معنی ہیں نہ بیٹھو اور نہ بیٹھے رہو۔ **ذکری** مصدر ہے بمعنی ذکر جس کے معنی ہیں یاد آجا اس کے سوا کوئی مصدر بروزن **فعلی** نہیں آیا (روح البیان) ذکر کے آٹھ معانی ہم دوسرے پارے میں عرض کر چکے ہیں یاد' تذکرہ' نصیحت' عزت' چرچا' بڑائی وغیرہ یہاں بمعنی یاد آجانا ہے چونکہ آیات الٰہیہ کا مذاق اڑانا کفر و شرک و ظلم ہے اور مذاق اڑانے والے لوگ ظالم ہیں اس لئے یہاں **معھم** نہ فرمایا بلکہ **مع القوم الظالمین** ارشاد ہوا مع ظرف ہے **لا تقعد** کا چونکہ بھول خطا شریعت میں معاف ہے اس لئے یہاں **بعد الذکری** کی قید لگائی **وما علی الذین یتقون** یہ جملہ نیا ہے جس میں حضرات صحابہ کی اس معذرت کا جواب دیا گیا ہے جو شان نزول میں عرض کی گئی واؤ ابتدائیہ ہے اور **ما** بمعنی **لیس یتقون** میں تقویٰ سے مراد کفر و شرک سے بچنا ہے۔ لہٰذا اس سے سارے مسلمان مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تقویٰ سے ان کفار کی محبت' تائید' حمایت دل کے میلان سے بچنا مراد ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ تقوے کے دو معنی ہیں ڈرنا اور بچنا اگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو بمعنی ڈرنا ہوتا ہے جیسے **اتقوا اللہ** اور اگر اس کے بعد آگ کا ذکر ہو تو بمعنی بچنا ہوتا ہے جیسے **واتقوا النار** چونکہ یہاں کوئی ذکر نہیں تو یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی بچتے ہیں وہ بد عقیدگی سے یا بچتے ہیں محبت کفار سے یا بچتے ہیں ان کے بکواس میں رغبت کرنے سے یا بچتے ہیں دل کی حاضری سے کہ مجبوراً ان کے جسم تو کفار کے ساتھ ہو جاتے ہیں مگر ان کے دل ان کے پاس نہیں ہوتے دل تو دلدار کے پاس ہوتے ہیں۔ غرضیکہ **یتقون** میں بہت سے احتمالات ہیں اور اگر تقویٰ بمعنی ڈرنا ہے تو یا تو اپنے ایمان کے جاتے رہنے سے ڈرنا مراد ہے یا اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے ڈرنا مراد یعنی وہ ان لوگوں میں جائیں ضرورۃً ان کے پاس بیٹھیں مگر اپنے ایمان سلب ہو جانے کا دھڑکا ان کے دل میں لگا ہو یا خوف خدا ان کے دل میں ہو تو وہ صحبت نہ انہیں نقصان دے گی نہ ان پر پکڑ ہو گی بجلی کے پاور کو ہاتھ لگ جاوے تو ہلاک کر دیتا ہے لیکن اگر ہاتھوں پر ربڑ کا تھیلہ چڑھا ہو تو پاور نقصان نہیں دیتا کفار کی صحبت ایمان ضائع کرنے والا پاور ہے لیکن اگر دل پر تقوے اور خوف خدا کا تھیلا چڑھا ہو تو پھر مضر نہیں ہوتی غرضیکہ **یتقون** کے پانچ معنی ہیں۔ **من حسابھم من شیء**۔ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **من شیء** اسم ہے **ما** کا اور رفعی حالت میں ہے اور **من حسابھم** حال مقدم ہے **من شیء** کا **من شیء** کا من زائدہ ہے۔ استغراق کے لئے اور **من حسابھم** میں من تبعیضیہ ہے اس صورت میں آیت کے معنی بالکل ظاہر ہیں یعنی متقی مسلمانوں پر کفار کے دل لگی مذاق کے حساب میں سے کچھ نہیں اگر وہ کسی ضرورت سے وہاں جائیں یا بیٹھیں جہاں یہ دل لگی مذاق ہو رہا ہے تو یہ مجبور مسلمان گنہگار نہیں **ولکن ذکری لعلھم یتقون** یہ عبارت پچھلی عبارت سے ایک وہم دور کر رہی ہے اس لئے یہاں **لکن** ارشاد ہوا جو وہم دور کرنے کو آتا ہے **ذکری** بنا ہے ذکر سے بمعنی نصیحت ہے یا بمعنی برائی کرنا **ذکری** سے پہلے یا تو **علیھم** پوشیدہ ہے تو **ذکری** تو مبتدا ہونے کی وجہ سے پیش ہے یا **واذکروا** پوشیدہ ہے تو **ذکری** مفعول

www.alahazratnetwork.org

مطلق ہونے کی وجہ سے نصب کی حالت میں ہے یہاں ذکری سے مراد منہ سے نصیحت کرنا یا ان کے اس برے کام کی برائی کر دینا ہے یا اپنے چہرہ اپنی حرکات سے ناپسندیدگی ظاہر کر دینا ہے یا بقدر طاقت انہیں اسلام کی تبلیغ کرنا اور ہو سکتا ہے کہ **ذکری** بمعنی یاد دلانا ہو یعنی انہیں یاد دلا دو کہ تم کون ہو اور رب تعالیٰ کون ہے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کون اگر یہ تین باتیں یاد رہیں تو بندہ گناہ نہ کر سکے یہ یاد دلانا یا زبان سے ہو یا اپنے عمل سے یا اپنی نظر سے جیسے جنید بغدادی نے شرابیوں کو یہ یاد دلا کر انہیں نمازی بنا دیا بایزید بسطامی نے یہ یاد دلا کر ایک زانیہ عورت کو اللہ ولی بنا دیا **ذکری** پہلے ہے تقویٰ بعد میں تخم کی کاشت پہلے ہوتی ہے پیداوار بعد میں جب تخم کی کاشت ہو تو بارش مفید ہوتی ہے یہاں لعل یا تو شک کے لئے ہے یا امید کے لئے اور یہ شک و امید ان مسلمان ناصحین کے لحاظ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ شک یا امید سے پاک ہے **لعلھم** میں **ھم** کا مرجع وہی دل لگی مذاق کرنے والے کفار ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا یتقون بنا ہے تقویٰ سے بمعنی ڈرنا یا بچنا یا پرہیزگار بننا یعنی اگر مسلمان ان بد نصیب کفار کے پاس بیٹھنے پر مجبور ہو جائیں تو مجرم نہیں مگر ان پر لازم ہے کہ قولی یا دلی یا عملی نصیحت انہیں ضرور کریں ان کی حرکت کی برائی ان پر ظاہر کر دیں اس امید سے کہ شاید یہ لوگ مسلمان ہو جاویں یا شاید اس حرکت سے بچ جاویں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمان جب تو ایسے لوگوں کو دیکھے جو آیات قرآنیہ یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا حضور کی ذات گرامی (جامع آیات) کا مذاق اڑانے دل لگی کرنے میں مشغول ہیں تو تو ان کے پاس نہ تو بیٹھ نہ ان کی اس حرکت میں کسی طرح شرکت کر نہ ان کی اس گفتگو کو رغبت سے سن بلکہ یا انہیں اس حرکت سے روک دے یا وہاں سے چلا جا جب تک کہ وہ یہ ذکر چھوڑ کر دوسری بات شروع نہ کر دیں تب تک ان سے دور رہ اگر کبھی تجھے شیطان ہمارا یہ حکم بھلا دے اور تو بھول کر وہاں بیٹھ جائے تو ہماری یہ ممانعت یاد آ جانے پر فوراً وہاں سے ہٹ جا ایک آن کے لئے اب وہاں نہ بیٹھ کہ وہ قوم ظالم ہے ان کے ساتھ نشست برخاست کرنے والا بھی ظالم ہے ہاں جو مسلمان کسی وجہ سے وہاں بیٹھنے وہاں جانے پر مجبور ہوں تو ان کفار کا حساب ان مجبوروں سے نہ لیا جاوے گا اور یہ مجبور مسلمان گنہگار نہ ہونگے مگر خیال رکھنا کہ مجبوری کا بہانہ بنا کر دل سے ان کی طرف رغبت نہ کرنا بلکہ ایسی مجبوری میں بھی بقدر طاقت انہیں نصیحت کرنا ان کے اس عمل کی برائی ظاہر کرنا اس امید پر کہ شاید یہ لوگ ان حرکتوں سے باز آ جاویں خدا توفیق دے تو مسلمان ہو جاویں اس صورت میں تجھے اجر و ثواب ملے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ کفار کی صحبت کی چند صورتیں ہیں اور ان کے الگ الگ احکام رغبت کے ساتھ یہ کفر ہے لاپرواہی کی وجہ سے صحبت یہ حرام ہے۔ نفرت کے ساتھ صحبت نہ جائز ہے بشرطیکہ "ضرورۃ" ہو۔ انہیں تبلیغ کرنے کے لئے صحبت یہ ثواب ہے۔ یہاں دونوں آیتوں میں ان تمام قسموں کا ذکر ہے۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بے دینوں کی مجلسوں ان کے جلسوں جلوسوں میں مسلمان کو جانا ان میں شریک ہونا ان کی تقریریں سننا سب حرام ہے۔ ان کی تائید کرنا کفر ہے یہ فائدہ **فاعرض** سے حاصل ہوا اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو ماتم، مرثیوں، تعزیوں، علم وغیرہ روافض کے جلوسوں جلسوں بے دھڑک شرکت کرتے ہیں ان کی رونق بڑھاتے ہیں وہاں تماشہ دیکھنے کے لئے جانا بھی حرام ہے ہم نے دیکھا کہ ہندوؤں کے رام لیلوں و دسہرہ تک میں مسلمان جانے سے نہیں رکتے۔ دوسرا فائدہ: اگر کسی جگہ مسلمان بیٹھا ہو اور وہاں بے دین آ کر کام شروع کر دیں تو ان کو طاقت سے روک دے یہ فائدہ **فاعرض عنھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ان کو بھگا دے خود نہ بھاگے ایسے بد باطنوں کے

www.alahazratnetwork.org

لئے میدان چھوڑ دینا خود وہاں سے بھاگ جانا سخت غلطی ہے اس لئے یہاں **فاعرض** فرمایا یہ نہ فرمایا کہ وہاں سے بھاگ جاؤ انہیں وہاں سے ہٹا دینا بھی **اعراض** کی ایک قسم ہے۔ **تیسرا فائدہ:** ایسی جگہ سے اگر کفار کو ہٹانا انہیں روکنا ممکن نہ ہو تو مسلمان خود وہاں سے ہٹ جاوے یہ فائدہ **اعرض** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** دنیاوی بات چیت دنیاوی کاروبار کے لئے کفار کے پاس مسلمان کا بیٹھنا ان سے باتیں کرنا بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ **حتی یخوضوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بدمذہبوں بے دینوں کی کتابیں پڑھنا ان کا مطالعہ کرنا حرام ہے کہ اس میں اپنے پھسل جانے کا خطرہ ہے یہ فائدہ بھی **فاعرض عنھم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر کبھی مسلمان بھولے چوکے غلطی سے کفار اور بدمذہبوں کے جلسوں' جلوسوں' تقریروں میں چلا جاوے تو خیال آجانے پر فوراً وہاں سے ہٹ جاوے ورنہ اب گنہگار ہو گا یہ فائدہ **لا تقعد بعد الذکری** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اگر مسلمان کو کفار کے جلسوں جلوسوں میں ضرورۃً جانا پڑ جاوے دل سے ناراض ہو تو گنہگار نہیں جیسے کوئی مسلمان سپاہی انتظام کے لئے بجلی والا لاؤڈ سپیکر والا مسلمان وہاں اپنی ڈیوٹی دینے وہاں جائے تو گنہگار نہیں یہ فائدہ **وما علی الذین یتقون** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کفار کے جلسوں میں تردید یا تبلیغ کے لئے جانا جائز بلکہ ثواب ہے رغبت کے لئے جانا ضرورۃً جانا۔ تردید کے لئے جانا تبلیغ کے لئے جانا ان سب میں بڑا فرق ہے ان کے احکام جداگانہ ہیں یہ فائدہ **ولکن ذکری** الخ سے حاصل ہوا اللہ تعالٰی نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون و فرعونیوں کے دربار میں بھیجا کہ فرمایا **اذھب الی فرعون انہ طغی** یہ بھیجنا فرعونیوں کو تبلیغ دین فرمانے کے لئے تھا۔ لہٰذا وہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔

پہلا اعتراض: اگر بدمذہبوں بے دینوں کافروں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا حرام ہے تو موسیٰ علیہ السلام فرعون کے گھر میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو طالب کے گھر میں کیوں رہے تھے وہ حضرات تو برسوں کفار کے گھروں میں رہے۔ **جواب:** ان ہستیوں کا ان لوگوں کا وہاں رہنا بستا اس حکم کے آنے سے پہلے تھا نیز اب بھی کفار کے پاس رہنا سہنا ان کے پاس اٹھنا بیٹھنا دنیاوی ضرورت کے لئے جائز ہے یہاں تو یہ ارشاد ہے کہ جب وہ دین کا مذاق اڑا رہے ہوں کفر بک رہے ہوں تب ان کے پاس نہ بیٹھو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق تو رب تعالٰی نے اپنی شان دکھا دی کہ جس بچہ کی روک کے لئے فرعون نے بنی اسرائیل کے اسی ہزار بچے ذبح کر دیئے اس فرزند کو اسی کی گود میں پرورش کرا دیا پھر موسیٰ علیہ السلام نے کبھی فرعون کی تائید نہ کی بچپن شریف میں اس کی ڈاڑھی پکڑ کر اس کے طمانچہ مار دیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار جہاں کفر بک رہے ہوں وہاں سے مسلمان بھاگ جاویں اس میں تو انہیں اور بھی کفر کا موقعہ دینا ہے کفار کو بھگانا کمال ہے بھاگ جانا کمال نہیں یہ تعلیم درست نہیں (آریہ)۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ مسلمان کو اعراض کا حکم دیا گیا نہ کہ وہاں سے بھاگ جانے کا اعراض یعنی ان سے متنفر ہو جانے کی صورتیں تین ہیں۔ کفار کو وہاں سے ہٹا دینا۔ انہیں اس بکواس سے روک دینا طاقت سے یا تبلیغ سے اگر یہ دونوں باتیں نہ ہو سکیں تو خود وہاں سے ہٹ جانا بعض صورتوں میں ہٹ جانا بھی حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی اس ہجرت میں ہزارہا راز تھے جو بعد میں کھلے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ظالم قوم کے ساتھ بیٹھنا حرام ہے پھر انہیں تبلیغ و ہدایت کیسے کی جاوے گی۔ قریب رہ کر تبلیغ اعلیٰ ہے دور کی تبلیغ سے۔ **جواب:** یہاں محبت و الفت سے کفار کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے منع فرمایا گیا ہے خصوصاً" جب کہ وہ

www.alahazratnetwork.org

اسلام کے خلاف بکواس بک رہے ہوں تبلیغ کے لئے ان کے پاس آنا جانا ان سے الفت کرنا تا کہ نرمی و اخلاق سے وہ مائل بہ اسلام ہو جاویں یہ تو عبادت ہے۔ جیسا کہ آیت کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں سارے خطابات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کو بھول چوک ہو سکتی ہے شیطان انہیں بہکا سکتا ہے۔ بھلا سکتا ہے۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کو قتل کرا دیا آپ نے خود فرمایا **هذا من عمل الشيطان**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بارہا بھول چوک ہوئی۔ **جواب:** ہم نے ان جیسے سوالات کے جوابات اپنی کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں دیئے ہیں وہاں مطالعہ کرو یہاں بطور اختصار اتنا سمجھ لو کہ شیطان کسی نبی سے گناہ نہیں کرا سکا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بعض نبیوں کو اس نے دھوکہ دیا جس سے انہیں خطا یا نسیان ہوا گناہ نہیں گناہ اور خطا میں بڑا فرق ہے۔ آدم علیہ السلام کے وہم میں بھی یہ بات نہ تھی کہ میرا گندم کھا لینا گناہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو فرمایا **من عمل الشيطان** اس کے معنی ہیں کہ قبطی کا اس اسرائیلی پر ظلم کرنا شیطانی کام ہے نہ کہ اس قبطی کو مار دینا قتل موذی قتل کافر تو عبادت ہے پھر اس میں بھی گفتگو ہے کہ ان حضرات کو شیطان نے یہ دھوکے ان کے نبی بننے سے پہلے دیئے یہ سب گفتگو دیگر انبیاء کرام میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان مطلقاً دھوکہ نہ دے سکا آپ نے کبھی گناہ کا ارادہ بھی اس کا خیال بھی نہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھول یا نماز کے وقت سو تا رہ جانا رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس پر صد ہا شرعی مسائل مبنی تھے۔ یہاں خود آیت کریمہ اعلان فرما رہی ہے کہ اس جگہ عام مومن سے خطاب ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ یہاں ہی ارشاد ہے۔ **وما على الذين يتقون من حسابهم من شيء**۔ معلوم ہوا کہ سارے خطاب متقی مومنوں سے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بعض لوگ قرآن کریم میں خائضین ہیں۔ یعنی غوطے کھا کر جان گمانے والے اور بعض اس قرآنی سمندر میں خائضین ہیں یعنی قرآن میں سے موتی عنبر نکالنے والے سمندر کا خائض جان گنوا تا ہے اور سمندر کا غواص موتی لاتا ہے۔ جو کسی کشتی میں کسی کی نگرانی میں سمندر میں قدم رکھے وہ موتی وغیرہ لاتا ہے جو خود چھلانگ لگا دے وہ جاگھتا ہے۔ یوں قرآن کے سمندر میں سنت مصطفوی کی کشتی میں سوار ہو جس کے کپتان آئمہ مجتہدین ہیں غواص بنے غواض نہ بنے یہاں ہم کو خائضین کے پاس بیٹھنے سے منع کیا گیا ہے۔ غواص کی صحبت کا حکم ہے جیسے انسان اپنی جان کی حفاظت کے لئے زہریلے جانوروں سے بھاگتا ہے مال کی حفاظت کے لئے چور ڈاکوؤں ٹھگوں سے دور رہتا ہے اپنی صحت و تندرستی کی حفاظت کے لئے نقصان دہ غذاؤں سردی گرمی سے بچتا ہے یوں ہی مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان کی حفاظت کے لئے بے ایمانوں کی الفت بے دینوں کی صحبت سے دور رہے ورنہ اپنی دولت ایمان کھو بیٹھے گا۔ طبیعت انسانی صحبت کا اثر لیتی ہے کسی نے کیا خوب فرمایا شعر۔

نفس از ہم نفس گیرد خوئے   بر حذر باش ارلقاء خبیث
باد چوں برفضاء بدگذرد   بوئے بد گیرد از ہوائے خبیث

جیسے ہوا گندگی پر گذر کر گندی ہو جاتی ہے انسان گندوں کی صحبت میں گندہ ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

تاتوانی دور شو از یار بد   یار بد بدتر بود از مار بد
مار بد تنہا ہمیں بر جاں زند   یار بد بر دین و بر ایماں زند

www.alahazratnetwork.org

برا سانپ جان لیتا ہے برا یار ایمان برباد کرتا ہے۔ اس لئے اس آیت کریمہ میں بروں کی صحبت سے سخت ممانعت فرمائی گئی۔ ہاں وہ متقی پرہیزگار جو تبلیغ دین کے لئے ان کفار کے پاس جبیٹھیں وہ انشاء اللہ انہیں اپنے رنگ میں رنگ دیں گے ان کے رنگ میں خود نہ رنگے جائیں گے کیونکہ وہ تو آفتاب نبوت کی دھوپ ہیں یا سمندر رسالت کی موج دھوپ گندی زمین کو خشک کرکے پاک کردیتی ہے مگر خود ناپاک نہیں ہوتی سمندر کی لہر صد ہا گندگیوں کو بہا کر سمندر تک پہنچا دیتی ہے نہ لہر و موج ناپاک ہو نہ سمندر بلکہ وہ گندی چیز پاک ہو جاتی ہے۔ حضرات اولیاء علماء گندوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا کر انہیں ستھرا کردیتے ہیں نہ ان کی ولایت ان گندوں کا اثر لے نہ علماء کا علم نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت' صوفیاء فرماتے ہیں کہ پانی ہر چیز کو پاک کرتا ہے۔ لیکن اگر پانی خود ناپاک ہو جاوے تو اس کو پاک کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ کثیر پانی میں فنا ہو جاوے دوسرے یہ کہ بہتے پانی کے ساتھ رواں ہو جاوے' فنا اور رواں ہونا اسے پاک کرتا ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا **وما علی الذین من حسابھم من شی۔** مگر خیال رہے کہ ہر شخص لہر یا موج نہیں لہٰذا ہر شخص اس کی جرأت نہ کرے کنواں گندگی سے ناپاک ہو جاتا ہے آب رواں اور بڑا تالاب سمندر گندگی کو پاک کردیتا ہے یہ آیت کریمہ شریعت و طریقت کی جامع ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ زمین پر سورج دن نکالتا ہے زمین دنیا کے دن رات سورج کے طلوع و غروب سے ہیں اوروں کی دنیا کا دن نبوت کے سورج کی تجلی سے ہے اس سورج نے صحابہ کرام اہل بیت اولیاء اللہ صالحین' مومنین کے دلوں پر طلوع کیا دن نکال دیا۔ خود سورج میں کبھی رات نہیں آسکتی وہ تو خود رات دور کرنے والا ہے اس کی رات کون دور کرے یونہی عصیان' شیطان' نسیان' نافرمانی رحمان وغیرہ ہم سے سرزد ہو سکتے ہیں کہ ہمارے دلوں میں رات آسکتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صادر نہیں ہو سکتے کہ وہاں رات کا امکان ہی نہیں۔ آپ نے انہیں سراج منیر بنایا۔ لہٰذا **واما ینسینک الشیطان** ہم جیسے گنہگاروں کے لئے ہے۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ
اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جنہوں نے بنا لیا اپنا دین کھیل کود اور دھوکے میں ڈال دیا ان کو زندگی دنیاوی نے اور
اور چھوڑ دے ان کو جنہوں نے اپنا دین ہنسی کھیل بنا لیا اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور قرآن
بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ
نصیحت کرو اس سے یہ کہ پکڑا جاوے نفس اس سے جو اس نے کمایا نہیں ہے واسطے اس کے اللہ کے مقابل مددگار
سے نصیحت دو کہ کہیں کوئی جان اپنے کئے پر پکڑی نہ جائے اللہ کے سوا کوئی نہ اس کا کوئی حمایتی ہو نہ سفارشی
وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ
نہ شفاعت کرنے والا اور اگر فدیہ دیدے ہر قسم کا فدیہ نہ لیا جاوے اس سے یہ لوگ وہ ہیں جو پکڑے گئے اس وجہ سے
اور اگر اپنے عوض سارے فدیے دے تو اس سے نہ لئے جائیں یہ ہیں وہ جو اپنے کئے پر پکڑے گئے۔

www.alahazratnetwork.org

لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ وَّ عَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ

جو کمایا انہوں نے واسطے ان کے پینا ہے تیز گرم پانی سے اور سزا ہے دردناک اس وجہ سے جو وہ کفر کرتے تھے

انہیں پینے کو کھولتا پانی اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا تھا اب انہیں مسلمانوں کو کفار سے دوسرے تعلق رکھنے سے منع فرمایا جارہا ہے گویا خاص حکم کے بعد عام حکم دیا جارہا ہے کہ ان کے ساتھ کسی قسم کی دوستی نہ رکھو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ کفار اسلام کا مذاق اڑاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ تو اپنے دین کو کھیل کود دل لگی مذاق بناتے ہیں اگر اسلام کا مذاق بنائیں تو ان سے کیا تعجب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مسلمانوں کفار کے یار نہ بنو اب ارشاد ہے کہ آخرت میں ان کا کوئی بھی یار نہ ہوگا نہ مسلمان نہ ان کے ہم قوم کفار۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ مسلمان ضرورۃ" کفار کے ساتھ مل جل سکتے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ ملنا جلنا صرف ظاہری ہو دل سے ان کے ساتھ الفت نہ ہو گویا جسمانی ملنے کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا۔ روحانی علیحدگی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تفسیر : **وذر الذین اتخذوا دینهم لعبا ولهوا** ۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے ذر میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے **ذر وفال** سے ایسا فعل ہے جس کا مصدر کوئی نہیں اور صرف مضارع اور امری استعمال ہوتا ہے ماضی نہی' اسم فاعل وغیرہ نہیں آتے لہذا افعل غیر متصرفہ ہے یہاں چھوڑنے سے ان کی پرواہ نہ کرنا ان کے مسلمان نہ ہونے پر رنج و غم نہ کرنا مراد ہے لہذا آیت محکم ہے منسوخ نہیں ہے اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو ان پر جہاد نہ کرو تو منسوخ ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے آیت منسوخ نہیں **الذین** سے مراد وہی مشرکین و کفار ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت میں گزرا **اتخذوا** دو مفعول چاہتا ہے چنانچہ اس کا پہلا مفعول **دینهم** ہے دوسرا مفعول **لعبا ولهوا** ہے اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں (1) دین سے مراد اسلام ہے۔ جس کا اختیار کرنا ان پر لازم تھا اور لعب و لہو بمعنی اسم مفعول ہے یعنی جو دین انہیں اختیار کرنا چاہئے تھا اس کا مذاق اڑاتے ہیں (2) دینهم سے مراد ہے ان کے گھڑے ہوئے مسئلے جیسے بحیرہ سائبہ جانوروں کو حرام جاننا لہو و لعب سے مراد ہے اپنے جاہل باپ دادوں کی اندھی تقلید یعنی انہوں نے باپ دادوں کی اندھا دھند پیروی کو اپنا دین بنالیا۔ (4) دین سے مراد ہے عید لعب ولہو سے مراد ہے کھیل تماشے یعنی ان لوگوں نے اپنی عید کا زمانہ کھیل کود اختیار کئے۔ صرف اسلام ہی وہ دین ہے۔ جس کی عید بھی نماز' قربانی' فطرو خیرات سے منائی جاتی ہے یعنی مومن کی خوشی بھی عبادت سے ادا ہوتی ہے۔ ہندو ہولی' دیوالی میں جوا' رنگ پھینکنا' عیسائی بڑے دن کی خوشی رات بھر گئنے ناچنے جوئے سے مناتے ہیں یہ ہی حال تھا کفار عرب کا۔ (5) دین سے مراد ہے مذہب و ملت لعب و لہو سے مراد ہے دنیا کی مال و دولت عزت و آبرو یعنی ان لوگوں نے دنیا کو اپنا دین بنالیا جس ذریعہ سے انہیں دنیا مل جاوے وہ ہی ان کا دین ہے۔ (تفسیر کبیر' خازن' معانی) خیال رہے کہ نفع بخش چیزوں سے رک جانا لعب ہے بیکار چیز میں وقت صرف کرنا لہو یہ دونوں لفظ قریب المعنی ہیں کھیل کود (روح البیان) **وغرتهم الحیوة الدنیا** ۔ یہ کفار کا دوسرا عیب ہے یہ عبارت **اتخذوا** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ غرت بنا

www.alahazratnetwork.org

غرور سے بمعنی دھوکا فریب بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے **غور** سے بمعنی منہ پھیر جانا۔ کافر سات طرح دھوکہ کھاتا ہے ایک یہ کہ کافر دنیا کو اپنا مقصود سمجھتا ہے مومن اسے صرف راستہ کی منزل جانتا ہے۔ مقصود تو آگے ہے دوسرا یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ میں دنیا کے لئے پیدا ہوا مومن سمجھتا ہے کہ دنیا میرے لئے بنائی گئی ہے اور میں اللہ کے لئے پیدا کیا گیا **ان صلوتی ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین**۔ تیسرے یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ دنیا کی ہر حرام و حلال چیز لینے اور برتنے کے لئے ہے لہٰذا وہ حرام و حلال میں فرق نہیں کرتا جو سامنے آجائے کھالیتا ہے۔ برت لیتا ہے۔ مومن سمجھتا ہے کہ حلال چیزیں میرے برتنے کے لئے ہیں حرام چیزیں چھوڑنے اور پرہیز کرنے کے لئے بلکہ جو چیز رب سے غافل کردے وہ چھوڑنے کے لئے ہے چوتھے یہ کہ کافر بھوسہ دانہ میں فرق نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے یہ سب میری غذا ہے مومن یقین رکھتا ہے کہ دانہ میرے لئے ہے بھوسہ دوسروں کے لئے لہٰذا وہ اپنی حلال کمائی سے زکوٰۃ صدقات نکالتا رہتا ہے یعنی کافر یہاں بوتا یہاں ہی کاٹتا ہے کہ نام و نمود کے لئے خرچ کرتا ہے مومن بوتا ہے دنیا میں کاٹتا ہے آخرت میں کام یہاں کرتا ہے اجر بعد موت پاتا ہے۔ چھٹے یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ دنیا میری ہے یہ مجھ سے جدا نہ ہوگی مومن سمجھتا ہے کہ دنیا میری نہیں اسی لئے کافر دنیا سے روتا ہوا جاتا ہے مومن ہنستا ہوا جاتا ہے کوئی مسافر ریل سے اترتے ہوئے روتا نہیں کہ اس نے پہلے ہی سمجھ لیا تھا ریل میری نہیں ساتویں یہ کہ کافر سمجھتا ہے کہ دنیا آرام کی جگہ ہے جو ہوسکے عیش کرلو مومن سمجھتا ہے کہ دنیا کام کی جگہ ہے برزخ آرام کی جگہ ہے آخرت انعام کا مقام۔ حیوۃ دنیا کے معنی ہیں دنیا کی زندگی ہم نے بارہا عرض کیا ہے کہ دنیا کی زندگی دنیا کے لئے زندگی، دنیا میں زندگی ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرات انبیاء، اولیاء، صالح مومنین کی زندگی دنیا میں زندگی ہوتی ہے دنیا کی زندگی نہیں ہوتی۔ دنیا زندگی میں آجاوے تو ہلاکت ہے اور زندگی دنیا میں رہے تو نجات ہے کشتی میں دریا آجائے تو ڈوب جائے گی اور اگر کشتی دریا میں رہے تو ترے گی شعر

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است

یعنی ان کی دنیاوی زندگی نے دھوکہ دیا کہ وہ سمجھے کہ بس دنیا ہی میں جینا ہے اس کے بعد دوسری زندگی کوئی نہیں جو عیش کرنا ہے یہاں ہی کرلو۔ یا دنیاوی کاروبار میں ایسے مشغول ہیں کہ انہیں آخرت کا کبھی خیال بھی نہیں آتا جو مکھی شہد میں غوطہ لگائے وہ ہلاک ہو جاتی ہے اور جو مکھی کنارے سے شہد پی لے وہ آرام سے رہتی ہے۔ غرضیکہ زندگی چند قسم کی ہے نفسانی زندگی جو غفلت میں گذرے شیطانی زندگی جو گناہوں میں گذرے ایمانی زندگی جو نیکیوں میں گذرے۔ رحمانی زندگی جو فنافی الرحمٰن ہو اس کے لئے کبھی فنا نہیں پہلی دو زندگیاں کفار کی ہیں انہیں کو **الحیوۃ الدنیا** یعنی حقیر زندگی کہا گیا۔ تیسری زندگی عام مومنین کی چوتھی زندگی صالحین کی **وذکربہ** یہ عبارت معطوف ہے **ذر** پر اس میں بھی خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر مسلمان سے **ذکر** بنا ہے **تذکیر** سے بمعنی نصیحت کرنا، یاد دلانا، ڈرانا یہاں ہر معنی درست ہیں **بہ** سے مراد قرآن مجید ہے یا اسلام دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **ذکر بالقرآن من یخاف وعید** وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے اس کا مفعول وہ ہی کفار ہیں یعنی اس قرآن سے ان کفار کو ڈراتے رہو وہ ایمان لائیں یا نہ لائیں تم اپنا کام کئے جاؤ یا اس قرآن کے ذریعہ انہیں وہ عہد و پیمان یاد دلاؤ جو وہ ہم سے کرگئے ہیں۔ ہماری اطاعت، فرمانبرداری کا یا اس قرآن کے ذریعہ انہیں ان کا انجام اور ان کا مبدا یاد دلاؤ کہ پہلے وہ قطرہ ناپاک تھے آئندہ ذرہ خاک بن جائیں گے یا انہیں اس قرآن کے ذریعہ عزت دو **وانہ لذکر لک ولقومک**۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نصیحت عزت پاکی حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت کرنے والے عزت

www.alahazratnetwork.org

دینے والے پاک کرنے والے اور حاکم ہیں اس لئے ذکر میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور قرآن کریم کے لئے ارشاد ہوا بہ یعنی آپ نصیحت کرو بذریعہ قرآن مجید۔ **ان تبسل نفس بما کسبت**۔ یہ عبارت ذکر کا مفعول لہ ہے ان کے بعد لا پوشیدہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا دوسرا مفعول ہو۔ **تبسل** بنا ہے **بسل** سے بمعنی روکنا محروم کر دینا پکڑ لینا اس لئے پہلوان کو باسل کہتے ہیں۔ نفس سے مراد کافر آدمی ہے **ما کسبت** سے مراد ہے ان کا کفر و شرک کرنا یعنی ان کفار کو قرآن کے ذریعہ اس سے ڈراؤ کہ قیامت کے دن انسان اپنے کفر و شرک وغیرہ کی وجہ سے پکڑ لیا جائے دوزخ میں قید کر دیا جاوے آخرت کی نعمتوں سے محروم کر دیا جاوے۔ **لیس لھا من دون اللہ ولی ولا شفیع**۔ یہ کافر کی دوسری سزا کا بیان ہے یہ عبارت یا تو **تبسل** سے حال ہے یا اس پر معطوف **لھا** سے مراد وہی کافر نفس ہے جس کا ذکر ان آیات میں ہو رہا ہے۔ **دون** کے بہت معنی ہیں۔ سوا، مقابل، علیحدہ، دور، منقطع جب لفظ **دون** الوہیت یا عبادت کے ساتھ آوے تو بمعنی سوا ہوتا ہے کیونکہ اللہ کے سوا نہ کوئی الہ ہے نہ کوئی معبود مگر جب مدد یا ولایت یا شفاعت کے ساتھ آوے تو بمعنی مقابل ہوتا ہے کیونکہ مومنوں کے مددگار اللہ تعالیٰ بھی ہے اور اس کے مقرر کردہ بندے بھی اور کافروں کا مددگار اللہ تعالیٰ بھی نہیں اور کوئی بندہ بھی نہیں وہاں سوا کے معنی بن سکتے ہی نہیں، یہاں ولی اور **شفیع** کے ساتھ **دون** آیا ہے۔ لہٰذا بمعنی مقابل ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ کافروں کا حامی اللہ تعالیٰ تو ہے اس کے سوا کوئی نہیں نعوذ باللہ بلکہ اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو پکڑے گا تو کسی بت وغیرہ میں یہ طاقت نہیں کہ اسے اللہ کا مقابلہ کرکے چھوڑا دے ولایت مدد شفاعت کا فرق بارہا بیان ہو چکا چونکہ مومنوں کے ولی اور شفیع قیامت میں اللہ کے حکم اس کی رضا سے ہوں گے۔ لہٰذا وہ **من دون اللہ** نہ ہوں گے خود رب تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے ہوں گے کافروں کے لئے ولی شفیع مقرر نہیں کئے گئے اب اگر ان کی کوئی حمایت یا شفاعت کرے تو رب تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہی کرے گا لہٰذا وہ **من دون اللہ** اور یہ ناممکن ہے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے ولی اللہ اور **ولی من دون اللہ** کا فرق ہماری کتاب علم القرآن اور حاشیۃ القرآن میں دیکھو۔ **وان تعدل کل عدل لا یوخذ منھا**۔ یہ کافر کی تیسری سزا کا بیان ہے یہاں ایک ناممکن چیز کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ قیامت میں کفار کے پاس فدیہ ہوگا ہی نہیں وہ پیش کیا کریں اگر فدیہ ہو بھی اور وہ پیش بھی کریں تو قبول نہ ہو **تعدل** بنا ہے عدل سے بمعنی برابری انصاف کو اس لئے عدل کہتے ہیں کہ اس سے فریقین میں صحیح برابری کی جاتی ہے۔ اونٹ کی پیٹھ کا دو طرفہ بوجھ عدل کہلاتا ہے کہ وہ برابر ہوتا ہے یہاں عدل سے مراد فدیہ ہے یعنی خون بہا فدیہ چند قسم کا ہوتا ہے جانی فدیہ مالی فدیہ وغیرہ **کل عدل** سے مراد یا تو ہر قسم کا فدیہ ہے جانی ہو یا مالی یا مراد ہے کامل پورا پورا فدیہ جیسے کہا جاتا ہے **ھو رجل کل رجل** یعنی وہ کامل مرد ہے۔ (روح المعانی) اور **لا یوخذ منھا جزاء** ہے **یوخذ** کا نائب فاعل **منھا** ہے نہ کہ عدل کیونکہ یہاں عدل مصدر ہے مصدر لینے دینے کے قابل نہیں اور آیت کریمہ **لا یوخذ منھا عدل** میں **عدل** بمعنی مفعول ہے۔ (روح المعانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں عدل سے مراد اپنے شرک و کفر اور گناہوں کے کفارات ہیں۔ یعنی اگر کافر اس دن مومن بن کر رب کی اطاعت کرکے اپنے تمام گناہوں کا کفارہ کرنا چاہے تو اس کی یہ بات منظور نہ کی جاوے گی (معانی) **اولئک الذین ابسلوا بما کسبوا**۔ یہ ان مذکورہ تین سزاؤں کی علت ہے۔ یہاں بھی **ابسلوا** کے وہ تمام معانی ہو سکتے ہیں جو ابھی **ان تبسل نفس** کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ **ما** سے مراد یا تو تمام کفر و شرک اور گناہ ہیں یا صرف جسمانی گناہ یعنی ان کفار کی ان تین سزاؤں کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آچکے اس کی رحمت سے دور ہو چکے عمل کا

www.alahazratnetwork.org

وقت ختم ہو چکے اب فدیہ کیسا اور ولایت و شفاعت کیسی **لھم شراب من حمیم**۔ اس عبارت میں یا توان کی چوتھی سزا کا ذکر ہے جو قیامت کے بعد دوزخ میں ملے گی وہ تین سزائیں قیامت میں تھیں۔ یا اس پکڑ کا بیان ہے۔ جو ابھی مذکور ہوئی **ماء** ہر پانی کو کہتے ہیں۔ مگر شراب پینے کی ہر چیز کو یہاں مراد پینے کا پانی ہے۔ **حمیم** بنا ہے **حمم** سے بمعنی کھولتا سخت گرم ہونا **حمیم** سخت گرم پانی اسی سے ہے حمام وہ غسل خانہ جہاں گرم پانی کا خاص اہتمام ہو **حمیم** گہرا دوست۔ جو دوست کی وجہ سے سخت غصہ ہو جاوے۔ دوست کے مخالف پر گرم ہو جاوے **حمی** بخار کہ اس میں بھی گرمی ہوتی ہے اس پانی کی گرمی کا یہ حال ہو گا کہ پیٹ میں پہنچ کر آنتیں کاٹ ڈالے گا۔ مگر سخت پیاس کی وجہ سے پئیں گے۔ خیال رہے کہ کفار کو دوزخ میں گرم پانی بھی پلایا جاوے گا اور دوزخیوں کا خون و پیپ بھی جسے غساق کہتے ہیں۔ لہذا یہ آیت کریمہ غساق والی آیت کے خلاف نہیں۔ **لھم عذاب الیم**۔ اس عبارت میں خاص عذاب کے بعد عام عذاب کا ذکر ہوا **الیم** بنا ہے **الم** سے بمعنی تکلیف و رنج اس میں بھوک، پیاس، آگ، زہریلے جانور، لوگوں کی طعن و تشنیع، دوزخیوں کی آپس کی لڑائی جھگڑے رسوائی وغیرہ صدہا عذاب داخل ہیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے دونوں جگہ **لھم** کو مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں سزائیں صرف کفار کے لئے خاص ہیں اس لئے ارشاد ہوا **بما کانوا یکفرون**۔ اس عبارت کا تعلق گذشتہ پانچوں سزاؤں سے ہے کفر سے مراد ساری بد عقیدگیاں ہیں جو اسلام کے خلاف ہوں اس میں شرک بھی داخل ہے یعنی یہ پانچوں سزائیں ان کے کفر کی وجہ سے ہیں ان کی بد عقیدگیوں کا نتیجہ ہیں لہذا کفار کو چاہئے کہ ابھی کچھ نہیں بگڑا ہے۔ اب بھی سنبھل جائیں ورنہ پھر پچھتانے کچھ نہ بنے گا شعر۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے   اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں چند چیزیں ارشاد ہوئیں مسلمانوں کو کفار سے علیحدہ رہنے کا حکم۔ کفار کے دو عیب مسلمانوں کو حکم کہ کفار کو تبلیغ کرو۔ کفار کے پانچ اخروی عذاب۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار نے کھیل تماشوں کو اپنا دین بنالیا کہ انہوں نے واہیات مشغلوں کو رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا اور دنیاوی زندگی نے انہیں فریب دے دیا کہ یہاں کی ٹیپ ٹاپ میں پھنس کر اپنی آخرت سے غافل ہو گئے آپ انہیں چھوڑیئے ان کے کفر و شرک بد عملیوں پر غم نہ کیجئے ہاں اس قرآن کے ذریعے انہیں ڈرایئے ضرور اس سے ڈرایئے کہ کل قیامت کا فر نفس اپنی بد عقیدگیوں بد عملیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گا اللہ کے مقابل نہ اس کا کوئی دوست ہو گا نہ سفارشی جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے اس دن اگر کوئی کافر ہر قسم کا فدیہ خون بہا کفارہ پیش کر کے اپنے کو عذاب سے بچانا چاہے تو نہ اس کا فدیہ قبول ہو نہ اسے عذاب سے رہائی ملے کیونکہ وہ تو اس وقت اللہ کی پکڑ میں آچکا ہو گا پکڑ کے بعد فدیہ کفارہ کیسا۔ ان کی حالت یہ ہو گی کہ انہیں پینے کے لئے کھولتا پانی ملے گا اور انہیں ہر طرح کا درد ناک عذاب ہو گا ان کی یہ تمام سزائیں ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوں گی بہتر یہ ہے کہ ابھی موقعہ ہے۔ ہمارے دروازے پر آ جائیں اپنے حالات سنبھال لیں پھر پچھتانا بیکار ہو گا۔ خیال رہے کہ دوزخی کفار پر بھوک و پیاس کا عذاب مسلط کیا جاوے گا تھوہر کا پھل کھانے کو دیا جاوے گا جس کے کانٹوں سے ان کا پیٹ چھل جاوے گا پھر یہ تھوہر نگلتے وقت گلے میں پھنسے گا۔ پھر یہ لوگ یہ پھنسا لقمہ اتارنے اور اپنی پیاس بجھانے کے لئے تڑپ کر پانی مانگیں گے۔ تب انہیں یہ کھولتا ہوا پانی دیا جاوے گا۔ جس کا یہاں ذکر ہے۔ خیال رہے کہ کافروں کی بھی گرفتاری ہو گی اور گنہگار مسلمانوں کی بھی مگر ان گرفتاریوں میں فرق ہو گا۔ گنہگار مسلمان کی گرفتاری کچھ مدت کے لئے ہو گی کفار کی گرفتاری ہمیشہ کے لئے جیسے ہوئے چور کی گرفتاری چند ماہ یا چند سال کی قید کے

www.alahazratnetwork.org

لئے ہوتی ہے مگر ڈاکو وں کی گرفتاری ہمیشہ کے لئے اور قاتل کی گرفتاری پھانسی کے لئے ایسا ہی وہاں ہے یہ بھی یاد رکھو کے مسلمانوں کا گناہوں کے فدیہ چند چیزیں ہوں گی۔ ان کی نیکیاں رب فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیات**۔ دنیاوی تکلیفیں مصیبتیں، بیماریاں وغیرہ، کفار، جو مومنوں کا فدیہ بنیں گے کہ مومن کی دوزخ والی جگہ بھی لیں گے جیسے مومن کفار کی جنت والی جگہ لیں گے ان میں سے کوئی چیز کفار کا فدیہ نہ بنے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بے دینوں کے کفر و عناد سے کبھی مسلمان کو رنج و ملال نہیں کرنا چاہئے حتی الامکان انہیں راہ راست پر لانے کی کوشش کی جاوے یہ فائدہ **و ذر الذین اتخذوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ چھوڑنے سے مراد ان پر افسوس و غم کا چھوڑ دینا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بے دینوں سے دنیاوی تعلقات رشتہ داریاں، بیاہ شادی وغیرہ توڑ لینے ضروری ہیں یہ فائدہ **و ذر الذین اتخذوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ چھوڑ دینے سے مراد ہو ان سے تعلقات توڑ لینا۔ **مسئلہ:** بدعمل فاسق مسلمانوں سے بلاوجہ تعلقات نہ توڑے جاویں انہیں نصیحت ضرور کی جاوے ہاں اگر ترک تعلق سے ان کی اصلاح ہوتی ہو تو عارضی ترک تعلق کر لیا جاوے جیسے نافرمان اولاد بدمزاج بیوی سے کچھ روز کے لئے بول چال چھوڑ دی جاوے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واترکوھن فی المضاجع**۔ **تیسرا فائدہ:** اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے مسلمانوں کو کھیل تماشوں سے دور رکھا۔ مسلمانوں کو رنج و خوشی میں اللہ کی عبادت کا حکم دیا اسلامی تہواروں میں عبادات ہوتی ہیں۔ جیسے عید و بقر عید دوسرے دینوں میں کھیل تماشے عبادت ہیں یہ فائدہ **دینھم لعبا ولھوا** سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے **وما کان صلوتھم عند البیت الا مکاء و تصدیۃ**۔ کفار کی نمازیں بیت اللہ شریف کے پاس تالیاں اور سیٹیاں ہیں۔ افسوس کہ آج بعض مسلمانوں نے کھیل کود ناچ گانے کو دین سمجھ لیا۔ قوالی، طبلہ، سارنگی کو خدارسی کا ذریعہ بنا لیا نماز و روزہ سے یکسر غافل ہو گئے (تفسیر صاوی) بعض بے دین فقیروں کو دیکھا گیا کہ وہ اپنے مریدوں کو نماز و روزے سے روکتے ہیں بھنگ چرس حقہ نوشی میں مبتلا کر دیتے ہیں یہ لوگ مجسم شیطان ہیں۔ خیال رکھو کہ خدارسی کا صرف ایک ذریعہ ہے وہ ہے اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ**۔ **چوتھا فائدہ:** دنیا میں پھنس کر آخرت سے غافل ہو جانا کفار کا طریقہ ہے مسلمان کو چاہئے کہ دین و دنیا دونوں کمائے بلکہ دنیا کو آخرت کا ذریعہ بنائے یہ فائدہ **غرتھم الحیوۃ الدنیا** سے حاصل ہوا مسلمان کو اس مرغابی کی طرح ہونا چاہئے جو تالاب میں اتر کر تیرندہ اور ہوا میں اڑ کر پرندہ بن جاتی ہے مسلمان دوکان پر پہنچ کر دنیا دار ہو مسجد میں آ کر پکا دیندار بشریت و ملکیت دونوں کا جامع ہو۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کو تبلیغ کرتے رہو اگرچہ بعض کے ایمان سے مایوسی ہو یہ فائدہ **و ذکر بہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** وکیل اور شفیع نہ ہونا کفار کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لئے ولی بھی مقرر فرما دیئے ہیں اور شفیع بھی یہ فائدہ **لیس لھا من دون اللہ** الخ سے حاصل ہوا کہ **لھا** کا مرجع وہی نفس کافرہ ہے جس کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے مومنوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔ **ساتواں فائدہ:** کفار کے جو بچے ناسمجھ شیر خوارگی میں فوت ہو جاویں وہ دوزخ میں نہیں جائیں گے یہ فائدہ **بما کسبت** سے حاصل ہوا کہ پکڑ کو کسب پر موقوف رکھا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** قیامت میں فدیہ قبول نہ ہونا کفار کے لئے ہے ان شاء اللہ مومنین کے لئے کفار فدیہ بنیں گے بلکہ مومن کے نیک اعمال قربانی وغیرہ اس کے گناہوں کا فدیہ ہوں گی یہ فائدہ **لا یوخذ منھا** کے **ھا** ضمیر سے حاصل ہوا

www.alahazratnetwork.org

مومنوں کے لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیات**۔ **نواں فائدہ:** دوزخ میں کھولتا پانی یا خون و پیپ پینا صرف کفار کے لئے ہوگا اللہ تعالیٰ گنہگار مومن کو اس تکلیف سے دور رکھے گا۔ یہ فائدہ **لھم شراب** میں **لھم** کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس سے حصر معلوم ہو رہا ہے۔ **دسواں فائدہ:** دردناک عذاب یعنی ہمیشہ کا عذاب ذلت و خواری کا عذاب دل و دماغ پر آگ پہنچ جانے کا عذاب صرف کفار کو ہوگا۔ مومن اگرچہ کتنا ہی گنہگار ہو اس کا عذاب انشاء اللہ ہلکا ہوگا حدیث شریف میں ہے کہ مومن کے سجدہ کے سات عضووں کو آگ نہ جلائے گی یہ فائدہ **لھم عذاب الیم** میں **لھم** کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** کافروں کو یہ سارے عذاب جب ہوں گے۔ جبکہ وہ کفر پر ہی مرجاویں اگر مرنے سے پہلے مسلمان ہوگئے انہیں خاتمہ ایمان پر نصیب ہوگیا تو ان کے لئے یہ مذکورہ عذاب نہیں یہ فائدہ اشارۃً **کانو ایکفرون** ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار سے بے تعلق ہو جانا چاہئے انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دینا چاہئے کہ فرمایا گیا **وذر الذین اتخذوا** الخ یہ آیت تبلیغ کی آیات کے خلاف ہے۔ قرآنی آیات میں تعارض کیسا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ انہیں تبلیغ نہ کی جاوے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ان کے ہدایت قبول نہ کرنے پر غم و افسوس نہ کیا جاوے۔ اس آیت میں آگے چل کر ہے **وذکر بہ** انہیں ڈراؤ نصیحت کرو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار نے کھیل کود تماشوں کو اپنا دین بنالیا حالانکہ بعض کفار بڑے ہی مہذب ہیں کہ وہ کھیل کود کے قریب بھی نہیں جاتے یہ آیت واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں اسی عبارت کے تین معنی اور تین تفسیریں عرض کی گئیں اگر یہ ہی معنی کئے جاویں کہ انہوں نے کھیل تماشوں کو اپنا دین بنالیا تب بھی بالکل درست ہیں کافر خواہ کتنے ہی مہذب تعلیم یافتہ ہوں مگر دینی معاملے میں جانوروں سے بدتر کام کرتے ہیں بڑے مہذب ہندو ہولی میں ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ شیطان بھی دم دبا جاوے بڑے بڑے مہذب سکھ اپنے بڑے دنوں میں ڈھولکی کے آگے ناچتے دیکھے جاتے ہیں۔ عیسائیوں کا حال ان سب سے بدتر ہے یہ خوبی صرف اسلام میں ہے کہ اس کا رنج و غم بھی اللہ کی یاد سے ہوتا ہے اور خوشی و شادی بھی اسی کے عبادت سے منائی جاتی ہے۔ جس کا ظہور حج عید الفطر بقرعید وغیرہ میں ہوتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** مسلمان بھی عاشورہ شب برات وغیرہ میں پاگل ہو جاتے ہیں۔ ان موقعوں پر ایسی حرکتیں کرتے ہیں کہ کفار بھی شرما جائیں وہ بھی اس آیت میں داخل ہونے چاہئیں۔ **جواب:** عاشورہ شب برات کی یہ بیہودہ رسمیں اسلامی عبادات نہیں بلکہ مسلمانوں نے کفار کی صحبت میں رہ کر یہ حرکتیں سیکھیں نیز ان حرکتوں کو مسلمان دین نہیں سمجھتے ایک شغل سمجھتے ہیں جیسے اور ناجائز حرکتیں اگر انہیں دین سمجھنے لگیں تو پھر وہ مسلمان نہیں ذکر تو مسلمانوں کا ہے شب برات میں اسلامی رسمیں دن کو روزہ رات کو نوافل قبور کی زیارت صدقہ و خیرات میں نہ کہ آتش بازی وغیرہ عاشورہ کی اسلامی رسمیں دن میں روزہ رات کو نوافل شربت کھانے کی خیرات وغیرہ ہیں نہ کہ یہ پٹاکوٹی کودنا ناچنا یزیدیوں کی نقل کرنا ہمیشہ علماء اس سے منع فرماتے ہیں دینی حکم اور چیز ہے بیوقوفوں کا عمل کچھ اور۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قیامت میں کوئی کسی کا ولی مددگار سفارشی نہیں مسلمان جو نبیوں ولیوں کو شفیع ولی مانتے ہیں وہ اس آیت کے انکاری ہیں۔ **جواب:** جی ہاں کفار کا کوئی ولی شفیع نہیں یہاں کفار ہی کا ذکر ہے انہیں کے متعلق یہ ارشاد ہے مسلمانوں کے متعلق دوسری آیات ہیں مسئلہ شفاعت کے لئے تیسرے پارہ میں آیت الکرسی کی

www.alahazratnetwork.org

تفسیر کا مطالعہ کرو ہم نے وہاں اس کی مکمل بحث کی ہے۔ خیال رکھو کہ مدد اور شفاعت وغیرہ کے ساتھ اگر **من دون اللہ** آئے تو اس کے معنی سوا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مسلمان کے مددگار اللہ تعالیٰ بھی ہے اور اس کے مقرر کردہ بندے بھی کفار کے مددگار نہ اللہ تعالیٰ ہے نہ کوئی اور پھر سوا کے معنی کیسے درست ہوں۔ **پانچواں اعتراض:** اچھا اگر قیامت میں مومنوں کے ولی بھی ہوں اور شفیع بھی تو چاہئے کہ بڑے سے بڑے گنہگار مومن کو مطلقاً سزا و عذاب نہ ہو کیونکہ اس کے حامی اور شفاعت کرنے والے وہاں موجود ہیں رب ان کی سفارش مانتا ہے پھر تو مسلمان گناہوں پر بڑے دلیر ہو جائیں گے۔ **جواب:** جن گنہگاروں کو رب سزا دینا چاہے گا ان کی اطلاع اولیاء شفعا کو اولاً نہ ہوگی اور یہ لوگ سزا دیئے جائیں گے۔ جب ان کی سزا کی مدت پوری ہو گی تب ولی شفیع کو ان کا خیال آوے گا۔ وہ شفاعت کریں گے۔ رب فرمائے گا دوزخ میں جا کر ہر اس شخص کو نکال لاؤ جس کے دل میں دینار برابر پھر آدھے دینار برابر حتیٰ کہ آخر میں ارشاد ہو گا رائی کے دانہ برابر ایمان ہو اسے نکال لاؤ جیسا کہ حدیث شفاعت میں ہے جیسے دنیا میں ہر مرض کی دوا ہے لیکن اگر ابھی شفاء کا وقت نہیں آتا تو وہ دوا خیال ہی میں نہیں آتی۔ جب شفا کا وقت آتا ہے۔ تب اس دوا کی طرف حکیم کا دھیان جاتا ہے تو جیسے دوا یہاں برحق ہے ویسے ہی شفاعت وہاں برحق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو کھولتا پانی پلایا جایا کرے گا۔ پھر وہ زندہ کیسے رہیں گے کھولتا پانی پیٹ میں پہنچ کر ہلاک کر دیتا ہے پھر کفار کے لئے دوزخ میں ہمیشگی کیونکر ہوگی۔ **جواب:** موت خدا تعالیٰ کے حکم سے آتی ہے نہ کہ ان اسباب سے وہاں موت کے تمام اسباب جمع ہوں گے مگر موت نہ آئے گی رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویاتیہ الموت من کل مکان** دنیا میں دیکھا گیا ہے کہ بعض دفعہ زہر اور سانپ کاٹنے سے موت نہیں آتی کیوں اس لئے کہ ابھی موت کا حکم نہیں تو وہاں بھی موت کا حکم نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں نفسانی، شیطانی، رحمانی جن کی زندگی نفس پرستی غفلت عیش و عشرت میں گذرے وہ نفسانی ہیں جن کی زندگی گناہوں، اللہ رسول کی مخالف دین کے مقابلہ میں گذرے وہ لوگ شیطانی ہیں جن کی زندگی یار کو منانے میں گذرے اس طرح کہ ان کے دلوں پر قبضہ اللہ رسول کا ہو جو کام اللہ رسول چاہیں وہی یہ کریں جسم ان کا ہو اس پر حکومت اللہ رسول کی ہو وہ لوگ رحمانی ہیں پھر ان تین قسموں کا اجتماع ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دن رات کا جمع ہونا غیر ممکن جیسے بعض بندے ملنے محبت کرنے کے لئے ہیں بعض بندے نفرت و عداوت کے لئے ہیں بھینس بھی اللہ کا بندہ و مخلوق ہے سانپ بھی مگر بھینس الفت کرنے پالنے کے لئے ہے سانپ بچنے کے لئے اور مارنے کے لئے کیونکہ بھینس کے پاس دودھ ہے سانپ کے منہ میں زہر ہے ایسے ہی مومنین بندے ملنے کے لئے ہیں کہ ان کے پاس ایمان عرفان کا دودھ ہے کفار بچنے نفرت کرنے کے لئے ہیں کہ ان میں کفر کا زہر ہے کفار ایمان برباد کریں گے ابرار عرفان بخشیں گے لہٰذا اگر رحمانی لوگ اپنے اس حال پر قائم رہنا چاہتے ہیں تو ان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ نفسانی شیطانی لوگوں سے یکدم پرہیز کریں اس آیت کریمہ میں ان ہی رحمانی لوگوں سے فرمایا گیا کہ ان دونوں جماعتوں سے الگ رہو انہیں چھوڑ دو **اتخذوا دینہم** میں شیطانی لوگ مراد ہیں اور **غرتہم** الخ میں نفسانی جماعت مراد ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کے عذاب کو روکنے والی چیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی ہے۔ یہاں ارشاد ہے کہ اے محبوب آپ ان کفار سے الگ تو ہو جاؤ پھر دیکھو ان پر عذاب آتا ہے یا نہیں تمہارا لحاظ ہے کہ یہ کفر شرک سب کچھ کریں اور پھر عذاب نہ آوے دوسری جگہ فرماتا ہے **ذرنی و المکذبین اولی النعمۃ** اور جگہ فرماتا ہے **لوتزیلوا لعذ**

www.alahazratnetwork.org

بنا الذین کفروا اگر مسلمان ان کفار میں سے نکل جائیں تو ہم کفار کو عذاب دے دیں اس معنی سے آیت میں لطف آگیا اے محبوب ان دونوں مردود جماعتوں کا یہ حال ہے کہ دنیا میں اگرچہ ان کے دوست بہت ہوں گے مگر آخرت میں ان کا کوئی دوست نہ ہوگا۔ ان کی دوستیاں عداوت میں تبدیل ہو جائیں گی اس وقت یہ مردودین تمنا کریں گے کہ کوئی فدیہ دے کر ہم چھوٹ جاتے مگر یہ تمنا بے سود ہوگی۔ ان کے لئے اندرونی عذاب بھی سخت ہوگا شراب حمیم اور بیرونی عذاب بھی بہت دردناک صوفیاء فرماتے ہیں کہ زندگی تین قسم کی ہے دنیاوی زندگی دنیا کی زندگی اور دنیا میں زندگی۔ نفسانی لوگوں کی زندگی دنیاوی ہے ان کا کھانا پینا چلنا پھرنا سب دنیا ہے شیطانی لوگوں کی زندگی اور دنیا میں زندگی۔ نفسانی لوگوں کی زندگی دنیاوی ہے ان کا کھانا پینا چلنا پھرنا سب دنیا ہے شیطانی لوگوں کی زندگی دنیا کی زندگی ہے کہ دنیا کے لئے ہے ان کی ہر چیز زہر ہے۔ جیسے سانپ بچھو جو کھائیں اس سے زہر بنتا ہے ایسے یہ لوگ جو کھائیں پئیں اس سے کفر و بے ایمانی اللہ رسول کی مخالفت و عداوت بنتی ہے۔ مگر رحمانی لوگ دنیا میں رہتے ہیں دنیا ان میں نہیں رہتی ان میں دین اللہ کا خوف نبی کی شرم جلوہ گر ہوتی ہے وہ جو کھائیں پئیں اس سے نور الٰہی بنتا ہے جیسے شہد کی مکھی جو کھائے اس سے شہد بنتا ہے مولانا فرماتے ہیں شعر۔

ایں خورد گردد پلیدی زیں جدا   آں خورد گردد ہمہ نور خدا

کشتی دریا میں رہتی ہے مگر کشتی میں دریا نہیں رہتا بلکہ اس میں مالک کے دوست احباب بیٹھتے ہیں رحمانی لوگوں کے دلوں میں دنیا نہیں رہتی اللہ رسول کا نور رہتا ہے اگر رب سے ملنا ہو تو ان کے دلوں کو ٹٹولو یہاں ہی رب ملے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در دل مومن بگنجم اے عجب   گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

اس آیت کریمہ نے ان تین جماعتوں کی نفیس چھانٹ فرمادی۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰۤى اَعْقَابِنَا

تم کہو کیا ہم عبادت کریں ان کی جو نہ تو ہمیں فائدہ دیں نہ نقصان اور لوٹا دیئے جائیں ہم بعد

تم فرماؤ کیا ہم اللہ کے سوا اس کو پوجیں جو ہمارا بھلا نہ کرے نہ بُرا اور الٹے پاؤں پلٹا دیئے جائیں بعد اس کے

بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِی اسْتَهْوَتْهُ الشَّیٰطِیْنُ فِی الْاَرْضِ حَیْرَانَ لَهٗۤ

ایڑیوں اپنی کے پیچھے اسکے کہ ہدایت دی ہم کو اللہ نے اس کی مثل جسے بہکا دیا شیطانوں نے زمین میں سرگرداں

کہ اللہ نے ہمیں راہ دکھائی اس کی طرح جسے شیطان نے زمین میں راہ بھلا دی حیران ہے اس کے

اَصْحٰبٌ یَّدْعُوْنَهٗۤ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى

اس کے ساتھی ہیں جو بلاتے ہیں اس کو طرف ہدایت کے کہ آ ہمارے پاس تم کہو کہ بیشک رہبری اللہ کی وہ ہی ہدایت

رفیق اسے راہ کی طرف بلا رہے ہیں کہ ادھر آ تم فرماؤ کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے اور ہمیں حکم ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ وَهُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾

ہے اور حکم دیئے گئے ہم اطاعت کریں جہانوں کے رب کی اور یہ کہ قائم رکھو تم نماز کو اور اس سے ڈرو اور وہ وہ ہے کہ اسکی طرف جمع کیے جاؤ گے تم

سکے لئے گردن رکھ دیں جو رب ہے سارے جہانوں کا اور یہ کہ نماز قائم رکھو اور اسی سے ڈرو اور وہی ہے جسکی طرف تمہیں اٹھنا ہے۔

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار سے الگ ہو جاؤ ان سے تعلق چھوڑ دو رشتے توڑ دو اب ارشاد ہو رہا ہے کہ چپ چاپ ہی ان سے الگ نہ ہو بلکہ یہ کہہ کر یہ جتا کر الگ ہو تا کہ تمہاری علیحدگی بھی ان کے لئے تبلیغ اسلام ہو گویا پہلے کفار سے علیحدگی کا حکم تھا اب علیحدگی کی نوعیت و کیفیت کا بیان ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں کفار سے علیحدگی کا حکم تھا اب اس کی وجہ کا ذکر ہے کہ یہ کہہ کر ان سے علیحدہ ہو کہ ہماری تمہاری علیحدگی کسی دنیا کی وجہ سے نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ تم بت پرست ہو ہم خدا پرست تمہارا ہمارا ساتھ کیسا اگر دنیاوی وجہ سے علیحدگی ہوتی تو وہ ختم ہو سکتی تھی کہ دنیا کو فنا ہے اس کی ہر چیز کو فنا ہماری تمہاری دوری اللہ کی وجہ سے ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتی اب تم سے ہمارا ملنا صرف اسی صورت سے ہو سکتا ہے کہ تم بھی ہماری طرح خدا پرست بن جاؤ گویا علیحدگی دوری کی علت اس آیت میں مذکور ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حکم دیا گیا تھا کہ کفار سے علیحدہ تو رہو مگر انہیں تبلیغ کئے جاؤ تبلیغ کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں ایک قولی دوسری عملی قولی تبلیغ زبان سے ہوتی ہے۔ عملی تبلیغ اپنا طور طریقہ دکھا کر تا کر اس آیت کریمہ میں ارشاد ہے کہ انہیں عملی تبلیغ کرو کہ انہیں اپنی خدا پرستی دکھا دو بتا دو۔ دوسرے کے اعمال کی خرابیاں بیان کرنا بھی تبلیغ اپنے اچھے اعمال کی خوبیاں ظاہر کرنا بھی تبلیغ ہے گویا تبلیغ کے حکم کے بعد طریقہ تبلیغ کا حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قولی تبلیغ چالیس سال کی عمر شریف سے شروع فرمائی مگر عملی تبلیغ بچپن شریف سے ہی شروع فرما دی تھی آپ کا کھانا پینا چلنا پھرنا سب تبلیغ ہی تو تھی۔

شان نزول: ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بیٹے عبد الرحمن نے اپنے والد حضرت صدیق کو بت پرستی و شرک کی دعوت دی جس وقت کہ عبد الرحمن مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس میں حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جناب صدیق اکبر یا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب بتایا (تفسیر صاوی 'معانی 'مدارک 'بیضاوی وغیرہ) (2) ایک بار کفار مکہ کے سردار عیینہ اور اس کے ساتھیوں نے فقراء مسلمین کو اسلام چھوڑ دینے بت پرستی اختیار کر لینے کی رغبت دی اور اس پر بہت لالچ دی ان کفار کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی 'ابن جریر 'ابن ابی حاتم 'تفسیر ابن کثیر 'تفسیر تنویر المقباس وغیرہ)۔

تفسیر: **قل۔** قل میں خطاب یا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن حضرت ابو بکر صدیق سے ہے۔ یعنی اے محبوب آپ جناب ابو بکر سے فرما دو کہ وہ عبد الرحمن کو یہ جواب دے دیں اس میں جناب صدیق کی انتہائی عزت افزائی ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کی معرفت جناب صدیق کو یہ پیغام بھیجا۔ یا فقراء مساکین سے یا عام مسلمانوں سے یعنی اے محبوب آپ ابو بکر صدیق سے یا ان فقراء مساکین سے یا عام مسلمانوں سے فرما دیں کہ وہ ان کفار کو یہ جواب دے دیں۔ یا روئے سخن مشرکین سے ہی ہے۔ یعنی اے محبوب آپ ان دعوت دینے والے کفار کو فرما دیں۔ یا قل میں خطاب حضرت ابو بکر صدیق سے

www.alahazratnetwork.org

ہے یعنی اے ابو بکر تم عبدالرحمن سے یہ کہہ دو انہیں یہ جواب دے دو تب حضرت صدیق کی بڑی عزت افزائی ہے کہ ان سے شخصی طور پر براہ راست رب نے قرآن مجید میں خطاب اور کلام فرمایا دوسروں سے رب کا خطاب دوسری دنیا یعنی برزخ یا قیامت میں ہوگا جناب صدیق وہ خوش نصیب مومن ہیں جن سے خطاب رب نے اس دنیا میں کیا وہ بھی قرآن مجید میں ظاہر یہ ہے کہ یہ خطاب جناب ابو بکر صدیق سے ہے کیونکہ ان کے فرزند عبدالرحمن نے انہیں کو دعوت کفر دی تھی۔ **اندعوا** یہاں ہمزہ انکاری سوال کا ہے۔ یا یہ سوال اظہار حیرت کے لئے ہے یعنی حیرت ہے کہ تم نے اے عبدالرحمن مجھے دعوت کفر دینے کی کیسے ہمت کی کیا ہم بت پرستی کر سکتے ہیں جس کے دل میں ایمان کا درخت رب نے بویا ہوا سے نگاہ مصطفوی نے سینچا پرورش کیا ہو کیا وہ درخت تمہارے لوگوں کے تمہارے کاٹنے سے کٹ سکتا ہے ہرگز نہیں جناب صدیق نے اپنی والدہ کے شکم میں رہ کر بھی انہیں بت کو سجدہ نہ کرنے دیا تو وہ خود کیسے بت کو سجدہ کرتے **دعو** بنا ہے **دعاء** سے۔ جیسے قرآن مجید میں لفظ صلوٰۃ چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ نماز **اقیموا الصلوٰۃ**۔ دعا **وصل علیهم** درود شریف صلوا علیہ و سلموا۔ نماز جنازہ۔ **لا تصل علی احد منهم** ایسے ہی لفظ دعا چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ پکارنا **ثم ادعهن یاتینک** بلانا **ادعواهم لاٰباءهم** دعا مانگنا **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال**۔ پوجنا **لا تدعوا مع الله احدا** یہاں آخری معنی میں ہے۔ کیونکہ مشرکین یا عبدالرحمن نے ان مومنین کو بتوں کو پوجنے کی دعوت دی تھی نہ کہ صرف پکار لینے کی نیز جانوروں پتھروں کو محض پکارنا تو شرک نہیں انہیں پوجنا شرک ہے رب تعالیٰ نے پہاڑوں کو پکارا **یا جبال اوبی معه** زمین و آسمان کو پکارا **یا ارض ابلعی ماءک ویا سماء اقلعی**۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ ذبح کئے ہوئے جانوروں کو پکاریں **ثم ادعهن یاتینک سعیا**۔ لہٰذا یہاں دعاء بمعنی پوجنا ہے یہی شرک ہے۔ **من دون الله** یہ عبارت بیان مقدم ہے **ما لا ینفعنا** کا ابھی کچھ پہلے ہم عرض کر چکے کہ **دون** کے بہت معنی ہیں۔ سوا، الگ، دور، مقابل، کٹ جانا وغیرہ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یعنی سوا کیونکہ خدا کے سوا اور کسی کی عبادت شرک ہے اور **ولی من دون الله** میں دون بمعنی مقابل ہے کیونکہ اللہ کے مقرر کردہ ولی بہت ہیں مگر اللہ کے مقابل ولی کوئی نہیں یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا اے ابو بکر صدیق یا اے فقراء مسلمین یا اے مسلمانو ان کفار سے کہہ دو کہ کیا ہم اللہ کے سوا کسی اور کو پوجیں نعوذ باللہ۔ **ما لا ینفعنا ولا یضرنا** یہ عبارت **ندعو** کا مفعول ہے **ما** سے مراد وہ بے عقل و بے جان چیزیں ہیں۔ جنہیں مشرکین عرب پوجتے تھے اس میں حضرات انبیاء و اولیاء داخل نہیں کیونکہ وہ حضرات صاحب عقل ہیں اور **ما** آتا ہے بے عقل چیزوں کے لئے نیز اس موقعہ پر مسلمانوں کو دعوت دینے والے مشرکین مکہ تھے وہ پتھروں درختوں چاند سورج وغیرہ کو ہی پوجتے تھے انہیں کی پرستش کی مسلمانوں کو دعوت دیتے تھے۔ خیال رہے کہ عیسائی حضرت مسیح کو اور یہودی حضرت عزیر کو نہیں پوجتے بلکہ ان کے نام کے بتوں یا صلیب کو پوجتے ہیں لہٰذا وہ حضرات یعنی حضرت مسیح و عزیر علیہم السلام معبودان باطلہ نہیں بلکہ ان کے نام کے بت معبودان باطلہ ہیں جیسے کوئی خدا کے نام کا پتھر گھڑ کر اسے سجدے کرے تو وہ پتھر معبود باطل ہے لہٰذا وہ آیت بالکل حق ہے کہ **انکم وما تعبدون من دون الله حصب جهنم** تم اور تمہارے جھوٹے معبود سب دوزخ کے ایندھن ہیں۔ **لا ینفع** اور **لا یضر** میں الوہیت کے نفع اور الوہیت کے نقصان کی نفی ہے کہ ان کا پوجنا آخرت میں نجات کا ذریعہ ہو نہ پوجنا اخروی پکڑ کا ذریعہ ورنہ پتھر، درخت، جانور نفع نقصان تو دیتے ہیں مشرکین گائے کو پوجتے ہیں گائے بڑا مفید جانور ہے

www.alahazratnetwork.org

سانپ کو پوجتے ہیں سانپ بڑا ضرر رساں جانور ہے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **ونرد علی اعقابنا** یہ عبارت معطوف ہے **ندعو** پر اور اسی انکاری سوال کے ماتحت ہے نرد بنا ہے رد سے بمعنی پہلی حالت یا پہلی جگہ کی طرف واپس کر دینا چونکہ انسان بذات خود بے علم ہے کسی کی مہربانی رب کے کرم سے اسے علم ملتا ہے اس لئے علم کے بعد بے علم بن جانا ایمان کے بعد کفر اختیار کرنا اس کی اپنی پہلی حالت کی طرف لوٹ جانا ہے اس لئے یہاں نرد فرمایا گیا (تفسیر کبیر) رب تعالیٰ فرماتا ہے **واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شیئا رجع القہقری۔ رجع علی عقبہ رجع علی خلقہ** یہ سب کلمات اسی کے لئے بولے جاتے ہیں۔ چونکہ انسان کو بہکا کر کافر بنانے والا شیطان ہے اس لئے **نرد** مجہول ارشاد ہوا اس عبارت کی بنا پر بہت سے مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت ابوبکر صدیق کے لئے نہیں ہے کہ وہ حضرات پیدائشی ہادی مہدی ہیں وہاں رد کے معنی درست نہیں بلکہ عام مومنین کے لحاظ سے ہے (از روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ **نرد** چونکہ جمع ہے اس میں سارے مسلمانوں کا ذکر ہے اس لحاظ سے **نرد** فرمایا گیا۔ یہ بات خوب خیال میں رکھی جائے **اعقاب** جمع عقب کی ہے بمعنی ایڑی چونکہ انسان آگے چلے تو دیکھ بھال کر احتیاط سے چلتا ہے الٹے پاؤں چلے تو بغیر دیکھے بھالے غلط چلتا ہے اس لئے کفر کو ایڑی کے بل لوٹایا جانا فرمانا بہت ہی موزوں ہے **بعد اذ ھدانا اللہ** اس فرمان عالی کے چند نشاء ہیں ایک یہ کہ ہم کو اللہ نے ہدایت کی نعمت بخشی جس سے تم محروم ہو اب اگر ہم کافر بن جاویں تو ہم اس نعمت کے ناشکرے ہوں گے تو بمقابلہ تمہارے ہم زیادہ سزا کے مستحق ہوں گے کہ اصلی کافر سے مرتد کی سزا سخت تر ہے دوسرے یہ کہ ہم نے ہدایت کی لذت چکھ لی یہ ایسی لذیذ چیز ہے کہ جو اسے چکھ لے وہ چھوڑ نہیں سکتا اس کی لذت حضرت بلال، صہیب رومی اور امام حسین سے پوچھو جیسے کھانوں میں مختلف لذتیں ہیں جنہیں زبان محسوس کرتی ہے ایسے ہی ہدایت و نیک اعمال میں عجیب لذتیں ہیں جنہیں دل محسوس کرتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ہم کو اللہ نے ہدایت دی ہے جسے وہ ہدایت دے اسے تم نہیں چھین سکتے۔ جو درخت بادشاہ اپنے ہاتھ سے لگائے اسے کوئی کلہاڑی کاٹ نہیں سکتی۔ چوتھے یہ کہ ہمارا اسلام صاف سیدھا راستہ ہے۔ ہمارے پاس عقل کی آنکھ بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی روشنی بھی جسے یہ تین چیزیں مل جاویں وہ ضرور منزل مقصود پر پہنچتا ہے۔ تم ہم کو گمراہ نہیں کر سکتے یہ عبارت ظرف ہے۔ نرد کا ہدایت سے مراد ہے اسلام و ایمان کی ہدایت چونکہ ایمان و ہدایت محض اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ملتے ہیں۔ کفر و گمراہی ہماری حماقت شیطان کے بہکانے سے پیدا ہوتے ہیں اس لئے یہاں **اھتدینا** نہ فرمایا بلکہ **ھدانا اللہ** ارشاد ہوا یعنی اللہ تعالیٰ نے تو ہم پر یہ کرم کیا کہ اس نے ہمیں ایمان، اسلام کی ہدایت کی اور ہم پر غضب کریں کہ ہم پھر کفر کی طرف اندھے ہو کر لوٹ جائیں **کالذی استھوتہ الشیطین فی الارض۔** یہ عبارت یا تو نرد کے متعلق ہے یا نرد کے نائب فاعل سے حال مستبین کے متعلق **الذی** سے مراد کافر انسان ہے یہاں اس کافر کے تین عیب بیان ہوئے پہلا عیب تو یہی ہے یعنی شیطان کے بہکانے پر بہک جانا **استھوت** بنا ہوی سے بمعنی نیچے گرنا رب تعالیٰ فرماتا ہے **تھوی بہ الریح فی مکان سحیق** چونکہ ایمان میں ترقی ہے اور کفر میں تنزل اس لئے کفر کو گرنا فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء** چونکہ انسان کے پیچھے بہت سے شیطان پڑے ہیں ابلیس، قرین اور خاص شیاطین اس لئے یہاں **شیطین** جمع فرمایا کہ کوئی شیطان اسے اور جگہ گراتا ہے۔ دوسرا شیطان دوسری جگہ جیسے لہلہاتے کھیت کے بہت دشمن ہیں چوہے دیمک چیونٹے نیچے کے اندرونی دشمن طوطا چڑیا وغیرہ اوپر کے دشمن

www.alahazratnetwork.org

خشک سالی اور بے موسمی بارشیں اولے وغیرہ ایسے ہی ایمان کی کھیتی کے بہت دشمن ہیں ابلیس اس کی ذریت ہمارے برے دوست عزیز دنیاوی الجھنیں جو ہم کو راہ خدا سے روکتی ہیں اس لئے شیاطین جمع ارشاد ہوا **فی الارض** متعلق ہے استہوتہ کا یہ کافر کا دوسرا عیب ہے **حیران** یہ لفظ بنا ہے حار یحار حیرۃ " سے **حیرۃ** کے معنی ہیں پریشانی تردد کسی چیز پر دل نہ جمنا اسی سے ہے حیرانی۔ یہ غیر منصرف ہے اس کا مونث ہے **حیری۔** چونکہ اوپر سے نیچے گرنے والا حیرت میں ہوتا ہے اسے سمجھ نہیں آتی کہ کیا کرے اس لئے اسے حیران فرمانا نہایت ہی درست ہے کفار کا یہی حال ہے کہ انہیں اپنے مذہب پر پختگی نہیں ہوتی حیرانی ہی رہتی ہے۔ مشرکین کو تو یہ بھی خبر نہیں کہ خالق دو ہیں یا تین سو ساٹھ جب انہیں خالق کے متعلق ہی تردد ہے تو دوسری چیزوں کے متعلق کیا پوچھنا۔ دیکھو مشرکین عرب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی شاعر کہتے یعنی نہایت ہی عقلمند اور کبھی ساحر جادوگر کہتے دوسروں کو حیران کر دینے والا اور کبھی مسحور یا مجنون و دیوانہ کہتے جو نہایت ہی بے عقل ہوتا ہے کفار کی حیرانی **لہ اصحاب یدعونہ الی الھدی ائتنا** یہ کفار کا تیسرا عیب ہے لہ کا مرجع وہی کافر ہے۔ **اصحاب** سے مراد ہیں اس کے مومن ساتھی ماں باپ قرابت دار دوست آشنا جیسے عبدالرحمن کے لئے ان کے والد حضرت ابوبکر صدیق **یدعونہ** سے مراد ہے دعوت اسلام ہدایت سے مراد ہے ایمان و اسلام اور آنے سے مراد ہے کفر سے ہٹ کر ایمان و اسلام میں داخل ہو جانا یعنی اس اسلام ہدایت سے مراد ہے ایمان و اسلام اور آنے سے مراد ہے کفر سے ہٹ کر ایمان و اسلام میں داخل ہو جانا یعنی اس کافر کے مومن ساتھی مومن عزیز و اقارب اسے بار بار دعوت اسلام دے رہے ہیں کہ بے وقوف اس گمراہی کے غار سے نکل کر ہمارے پاس آجا ہم تیرے دنیاوی اخروی ساتھی ہوں گے جیسے کھیت کے دشمنوں سے بچاؤ کی بہت دوائیں مختلف ڈاکٹر ہیں ایسے ہی ان شیاطین سے محفوظ رکھنے والے اللہ کے بہت بندے ہیں اس لئے اصحاب جمع ارشاد ہوا۔ پھر جیسے اللہ کی دنیاوی نعمتوں کے لئے مختلف ڈپو ہیں جنہیں حاصل کرنے کے لئے ہم کو وہاں جانا پڑتا ہے۔ پیاس میں کنویں پر بھوک میں روٹی کی دوکان پر مرض میں شفاخانہ پر یوں ہی ایمان ہدایت رحمت مغفرت کے مختلف ڈپو ہیں اولیاء اللہ انبیاء کرام کے آستانے ان نعمتوں کے ملنے کے ٹھکانے ہیں اس لئے یہاں **ائتنا** ارشاد ہوا۔ یعنی ہمارے پاس آؤ **ائت اللہ** نہیں فرمایا کہ خدا کے پاس جاؤ **قل ان ھدی اللہ ھو الھدی۔** اس قل میں وہی احتمالات ہیں جو پہلے **قل اندعو** میں تھے کہ اس میں خطاب یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا حضرت ابوبکر صدیق سے یا ہر مسلمان سے **ھدی اللہ** سے مراد اسلام و ایمان ہے جو اول ہی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام کو عطا ہوا **الھدی** سے مراد حقیقی ہدایت ہے یعنی ہدایت وہ نہیں جو کفار کو شیطان نے دی وہ تو عین گمراہی ہے ہدایت صرف وہی ایمان و اسلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو بخشی تم بھی ادھر آجاؤ ہدایت تین قسم کی ہے ہدایت فطری جو قدرتی طور پر انسان بلکہ جانوروں تک کو حاصل ہوتی ہے گئے گھاس نہیں کھاتے بکری گوشت کو منہ نہیں لگاتی کہ ہادی مطلق نے فطری طور پر انہیں اپنی اپنی غذاؤں کی ہدایت دے دی ہے۔ دوسری ہدایت عقل جس سے انسان دنیاوی ساز و سامان بناتا ہے راکٹ ہوائی جہاز وغیرہ اسی ہدایت عقلی کے ذریعہ بنائے تیسری ہدایت شرعی جو حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ عطا ہوتی ہے کفار ہدایت شرعی اپنے باپ دادوں یا اپنی عقل کے ذریعے حاصل کرتے ہیں اس لئے کافر ہوتے ہیں دنیاوی کاموں میں ویسی ہی ہدایت یعنی عقلی ہدایت چاہئے مگر اخروی چیزوں کے لئے ولایتی ہدایت یعنی ہدایت ربانی درکار ہے پچھلی دو ہدایتوں پر ثواب و عذاب نہیں ان کا فائدہ صرف دنیا میں ہے مگر اس شرعی ہدایت پر سزا و جزا ہے۔ فطری ہدایت بغیر وسیلہ عطا ہوتی ہے۔ عقلی

www.alahazratnetwork.org

ہدایت دنیاوی وسیلوں سے مگر شرعی ہدایت کا دودھ اللہ نے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اقدس میں رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ان کے خاص خدام کے سینوں میں جیسے ظاہری دودھ ماں کے سینہ میں ہے بچہ صرف ماں کو گود میں چین پاتا ہے باپ لاکھ نعمتیں دکھائے مطمئن نہیں ہوتا کیونکہ دودھ ماں کے سینہ ہی میں ہے یوں ہی مومن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چین ملتا ہے کہ ہدایت کا دودھ اس سینہ میں ہے اس ہدایت کی دو قسمیں ہیں ہدایت قلبی اور ہدایت عملی ان دونوں ہدایتوں کو دو عبارتوں میں بیان فرمایا پہلی ہدایت کے متعلق ارشاد ہوا **وامرنا لنسلم لرب العلمین۔** یعنی ہدایت روحانی قلبی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ہم کو اپنی اطاعت کا حکم دیا اسلام کے معنی ہیں سر بجود نماران رب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمانبرداری کے لئے سر جھکا دینا۔ گردن رکھ دینا رب العالمین فرما کر یہ بتایا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے اس لئے اسلام اور سجود بندگی اس کی چاہئے وہی اس کا مستحق ہے تمہارے بت وغیرہ خود اپنے پالنے والے بھی نہیں تو ان کے سامنے سجدہ کیسا دوسری ہدایت ہدایت جسمانی کے متعلق ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ شریعت میں اسلام نام ہے فرمانبرداری کا مومن کھاتا پیتا سوتا جاگتا ہے۔ مگر اللہ کے لئے اللہ تعالیٰ اس کا مقصود ہے کافر کھاتا پیتا ہے اپنے لئے مومن و کافر کے مقصود میں فرق ہے باراتیوں کا مقصود ہے کھانا مگر دولہا کا مقصود ہے دلہن طریقت میں اسلام نام ہے اپنے کو رب کے سپرد کر دینے کا اس کے حوالہ کر دینے کا جیسے شیر خوار بچہ اپنے کو ماں کے حوالہ کر دیتا ہے یا پالتو جانور اپنے کو مالک کے سپرد کر دیتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچہ کی ساری فکریں ماں کو گائے بھینس کی ساری فکریں مالک کو **امرنا لنسلم** میں ان دونوں کی طرف اشارہ ہے اس طریقت کے اسلام کی تفسیر حضرت ابراہیم کا فرزند کو ذبح کرنا ہے اور حضرت اسماعیل کا باپ کے ہاتھوں ذبح ہونا ہے وہاں ارشاد ہے **فلما اسلما وتلہ للجبین** یہ ہے حقیقت اسلام اللہ نصیب کرے **وان اقیموا الصلوۃ** یہ عبارت معطوف ہے لنسلم پر اور اس کا تعلق **امرنا** سے ہے یعنی ہم کو اسلام کا بھی حکم دیا گیا اور نماز قائم کرنے کا بھی چونکہ مالی عبادات سے بدنی عبادات افضل ہیں اور بدنی عبادات میں نماز افضل اس لئے اسلام کے بعد نماز کا ذکر ہوا نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے میں فرق ہم پہلے پارہ **ویقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں نماز پڑھنا کمال نہیں قائم کرنا کمال ہے اس لئے قرآن مجید میں ہر جگہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا گیا رب تعالیٰ نماز قائم کرنے کی توفیق دے۔ **واتقوہ** اس فرمان عالی میں سارے گناہوں سے بچنے اور بقدر طاقت ساری نیکیاں کرنے کا حکم ہے۔ چونکہ نماز تقوے کی اصل اور تقوے کا ذریعہ ہے اس لئے پہلے نماز کا ذکر ہوا پھر تقوے کا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر** یعنی رب تعالیٰ نے ہم کو یہ بھی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرو اس کی نافرمانی سے بچو **وھو الذی الیہ تحشرون۔** اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ تمہارا اسلام قبول کرنا نماز قائم کرنا تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرنا اپنے نام و نمود ریاکاری کے لئے نہ ہو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو کیونکہ تم کو اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔ وہی ان کاموں کی جزا دے گا تو چاہئے کہ اسی کے لئے سب کچھ ہو یعنی ہم سے ہمارے رب نے فرمایا ہے کہ تم یہ دھیان رکھو کہ تمہیں رب کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے اس لئے اپنی زندگی میں اسے راضی کر لو تا کہ آئندہ وہ تم کو خوش کرے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کے پہلے جملہ **قل اندعو** الخ کی تین تفسیریں ہیں تفسیر جاہلانہ' عالمانہ' عاشقانہ' تفسیر جاہلانہ تو یہ ہے جو آج عام لوگ کرتے پھرتے ہیں کہ کیا ہم پکار سکتے ہیں اللہ کے سوا ان تینوں ولیوں کو جو نہ ہم کو نفع دیں نہ نقصان یہ تفسیر

www.alahazratnetwork.org

نہیں تحریف ہے جس سے بہت سے اعتراض وارد ہیں۔ تفسیر عالمانہ یہ ہے اے ابو بکر صدیق یا اے مسلمان ان بہکانے والے کفار کو یہ جواب دو یا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جناب صدیق اکبر اور دیگر مسلمانوں کو سکھاؤ اور ان سے فرمادو کہ وہ بہکانے والے کفار کو یہ کہہ دیں کہ اے بد نصیبو کیا ہم بھی تمہاری طرح یہ حماقت کریں کہ پتھروں لکڑیوں چاند تاروں سورج کو پوجیں جن کے پوجنے سے کوئی فائدہ نہیں نہ پوجنے سے کوئی نقصان بلکہ پوجنے میں نقصان ہے نہ پوجنے میں فائدہ یعنی یہاں دعا بمعنی پکارنا یا بلانا یا دعا مانگنا نہیں بلکہ بمعنی پوجنا ہے اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں۔ تفسیر صوفیانہ ہے کہ جس چیز کی اطاعت کی جاوے اللہ کے مقابل وہی اس کا نفسانی معبود ہے حتیٰ کہ اگر دوکانداری کے لئے نماز چھوڑ دی گئی تو دوکان اس کی معبود ہے آگے ارشاد ہے کہ کیا تم ہم کو یہ مشورے دیتے ہو کہ ہم پر تو اللہ نے یہ کرم فرمایا کہ ہم کو ایمان و اسلام و تقوے کی ہدایت دے دی اور ہم یہ غضب کریں کہ الٹے پاؤں پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں اور ہمارا حال اس شخص کا سا ہو جاوے جسے شیاطین جن اور شیاطین انس نے زمین میں راہ بھلادی اب وہ حیرات و پریشانی ہے کہ کدھر جاوے اسے کچھ نہیں سوجھتا کہ کیا کرے اس کے ساتھی اسے آوازیں دے رہے ہیں کہ اے اللہ کے بندے ادھر آ ہدایت و رہبری ہمارے پاس ہے۔ مگر وہ ایسا حیران ہے کہ ان کی پکار پر دھیان نہیں دیتا ساتھ ہی ان بہکانے والوں سے بھی کہہ دو کہ سچی ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے جسے وہ نصیب کرے۔ الحمد للہ کہ اس نے ہم کو اپنے محبوب کے ذریعہ ہدایت دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت تین حکم دیئے ایک یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار رہیں دوسری یہ کہ ہم نماز قائم رکھیں کہ ہمیشہ پڑھیں صحیح پڑھیں اور صحیح وقت پر پڑھیں تیسرے یہ کہ ہم اپنے رب سے ڈریں گناہوں سے دور رہیں نیک اعمال اختیار کریں کیونکہ ہم سب کو آخر اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے۔ یہ دنیا عارضی چیز ہے ان ہدایتوں کے ہوتے ہوئے ہم تم بد نصیبوں گمراہوں کی بات کیسے مان سکتے ہیں۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شیاطین اور کفار مسلمانوں کو بہکانے سے باز نہیں رہتے مسلمان کو چاہئے کہ ہر دم احتیاط سے رہے جب شیطان حضرت آدم کو دھوکہ دینے سے باز نہ رہا اور کفار عرب حضرات صحابہ کرام کو بہکانے کی کوشش میں لگے رہے تو ہم کس شمار میں ہیں کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے یہ فائدہ اس آیت کریمہ کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ شیطان اور شیطانی لوگ مکھیوں یا غبار کی طرح ہیں۔ جیسے مکھیاں غبار برابر فقیر شاہ گدا کے پاس ہر وقت پہنچتے رہتے ہیں وہ کسی کی رعایت نہیں کرتے ایسے ہی شیاطین ہر وقت ہر جگہ پہنچتے رہتے ہیں انہیں ہاتھ ہلا ہلا کر دفع کرتے رہو۔ **دوسرا فائدہ:** بہکانے والے کفار کو ایسا مایوس کن جواب دینا چاہئے کہ وہ دوبارہ ہم کو بہکانے کی ہمت نہ کریں نرم و چلپلی بات ان سے ہرگز نہ کی جاوے یہ فائدہ قل اندعو الخ فرمانے سے حاصل ہوا جس میں کفار کے کفر کی برائیاں اور اسلام کی خوبیاں سب کچھ ہی بیان کی گئیں۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام خصوصاً حضرت ابو بکر صدیق اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے ہی مقبول بندے ہیں کہ کفار نے انہیں دھوکہ دینے کی کوشش کی تو رب تعالیٰ نے انہیں جواب سکھائے یہ فائدہ قل کی دو تفسیروں سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید میں دعا بمعنی پوجنا بھی آتا ہے یعنی جز سے کل مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

اور **لا یضرنا** سے حاصل ہوا اطاعت کا نفع نافرمانی کا نقصان حضرت انبیاء اولیاء بلکہ حکام کے پاس بھی ہے حاکم نافرمان غداروں کو گولی مار سکتا ہے فرمانبرداروں کو دولت، حکومت دے سکتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مرتد ہونا سخت جرم ہے اور جاہل کے گناہ سے واقف، کار عالم کا گناہ بدتر ہے اس لئے اصلی کافر سے جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ مگر مرتد کے لئے صرف قتل یا دوبارہ اسلام قبول کرنا ہے یہ فائدہ **بعد اذ ھدانا اللہ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہم کو بہکانے والے گمراہ رشتہ دار ہمارے راہمار شیطان ہیں ہمارے ساتھی نہیں نیک و صالح مسلمان اگرچہ ہمارے اجنبی ہوں مگر ہمارے روحانی ایمانی ساتھی ہیں ایسے ایک اجنبی مسلمان پر ہزاروں گمراہ رشتہ دار قربان ہو جائیں دیکھو یہاں بہکانے والوں کو **شیاطین** فرمایا اور ہدایت کی طرف بلانے والوں کو **لہ اصحاب** فرمایا شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا شعر۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد   فدائے یک تن بیگانہ کا شنا باشد

آٹھواں فائدہ: ہدایت کے لئے ضروری ہے کہ انسان گمراہوں سے کٹ کر الگ ہو جاوے نیکوں کی صحبت اختیار کرے یہ فائدہ **ائتنا** سے حاصل ہوا کہ اچھے ساتھی اسے بلا رہے ہیں کہ ہمارے پاس آجا ہدایت یہاں ملے گی ہر سودے کی دوکان الگ ہے۔ **نواں فائدہ:** دل کا قرار و سکون اللہ تعالیٰ کی فرمان برداری سے ہی میسر ہوتا ہے اگر انسان رب سے دور ہو جاوے تو لکھ پتی یا بادشاہ ہو کر بھی بے قرار ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ **حیران** سے حاصل ہوا دیکھا گیا ہے کہ کفار کو اپنے دین پر بھی اطمینان نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔ **دسواں فائدہ:** ایمان و اسلام پہلے ہے نماز روزہ وغیرہ نیک اعمال بعد میں پہلے مسلمان ہو پھر نمازی، حاجی، غازی، قاضی وغیرہ ہو یہ فائدہ **وامرنا لنسلم** الخ سے حاصل ہوا کہ پہلے اسلام کا ذکر ہوا پھر نماز وغیرہ کا۔ **گیارھواں فائدہ:** نماز پڑھنا کمال نہیں بلکہ نماز قائم کرنا کمال یہ فائدہ **وان اقیموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا نماز قائم کرنے کے معنی ہم پہلے پارہ کے شروع میں عرض کر چکے ہیں شریعت میں نماز قائم کرنا یہ ہے ہمیشہ نماز پڑھے یعنی ہوش سنبھالنے سے نماز شروع ہو اور جب ختم ہو کہ موت ہوش بگاڑ دے اور صحیح وقت پڑھے صحیح طریقہ سے پڑھے۔ جماعت سے ادا کیا کرے۔ طریقت میں نماز قائم کرنا یہ ہے کہ مضبوط نماز پڑھے جس کی بنیادوں پر ہو صرف قالب کی نماز نہ پڑھے بلکہ قلب و قالب دونوں کی نماز پڑھے جسے حدیث پاک میں احسان کہا گیا ہے۔ بنیادوں سے دیوار مضبوط ہوتی ہے۔ جڑ والا درخت پھل دیتا ہے اور سیدھے رخ والی نماز پڑھے بلکہ محض اللہ رسول کی رضا کے لئے پڑھے۔ **بارھواں فائدہ:** ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ مگر ملتی ہے اچھے بندوں کے پاس سے کوئی شخص براہ راست رب تعالیٰ سے ہدایت نہیں لے سکتا یہ فائدہ **الی الھدی ائتنا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو یہاں **ائتنا** فرما کر ہدایت کی دوکان کا پتہ دیا گیا اور **ھدی اللہ ھو الھدی** فرما کر خالق ہدایت کا نشان دیا گیا۔ جب اللہ کا پانی کنویں سے اور اللہ کا رزق دوکانوں سے ہی ملتا ہے تو ہدایت راستہ میں پڑی ہوئی کیسے مل سکتی ہے۔ وہ بھی کسی ڈپو سے ہی ملے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور سے پہلے ہم کو نہ قرآن مل سکا نہ اسلام و ایمان حالانکہ قرآن مجید اور اس کے احکام سب کچھ لوح محفوظ میں تھے۔ **تیرھواں فائدہ:** نیک اعمال اخلاص سے کرنے چاہیں ریا کو بالکل دخل نہ ہو یہ فائدہ **وھو الذی الیہ تحشرون** سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چودھواں فائدہ:** صحابہ کرام خصوصاً جناب ابو بکر صدیق کا ایمان قطعی ہے یقینی ہے۔ خدا تعالیٰ وہ کسی کے بہکانے سے بہک نہیں سکتے یہ فائدہ **اندعو** میں ہمزہ استفہام سے حاصل ہوا۔ خود درخت کو جو چاہے توڑے مگر کسی کے اوگائے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

درخت کو توڑنا مشکل ہے سرکاری باغ کے کسی درخت کو ہاتھ لگانا جیل جانے کا ذریعہ ہے ان حضرات کے دلوں میں رب نے ایمان کا باغ لگایا ہے اسے کون کاٹے چھانٹے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہے تم یارسول اللہ یا غوث کہہ کر نبی ولی کو پکارتے ہو شرک ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا **اندعو من دون اللہ** الخ (دیوبندی) **جواب:** اس اعتراض کا نہایت تفصیل سے جواب ہم تفسیر کے پہلے پارہ میں **وادعو شھداء کم من دون اللہ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں اور ان جیسی آیات میں دعا بمعنی عبادت ہے قرآن کریم میں دعا بمعنی عبادت فرمایا گیا ہے **وکانوا بعبادتھم کافرین۔** اگر خدا کے سوا کسی کو پکارنا شرک ہو تو ہر نمازی مشرک ہو گا کہ **السلام علیک ایھا النبی** کہہ کر نماز ختم کرتا ہے اس کا تفصیلی جواب ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور علم القرآن وغیرہ میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بندہ نہ نفع پہنچا سکے نہ نقصان پھر تم نبیوں ولیوں کو نفع و نقصان پہنچانے والا مانتے ہو یہ عقیدہ شرک ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا **مالا ینفعنا ولا یضرنا** (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اس کی مخلوق نفع و نقصان پہنچا سکتی ہے زہر ہلاک کر دیتا ہے سانپ فنا کر ڈالتا ہے۔ تریاق زہر کو دفع کر دیتا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو بینائی بخشی۔ (قرآن مجید) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف سو برس کے کافر کو مسلمان کر دیتا ہے۔ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت ہم جیسے کروڑوں گنہگاروں کا بیڑا پار کر دے گا۔ (حدیث) کیا یہ چیزیں ماننا شرک ہے اور جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں عبادت کا نفع اور عبادت نہ کرنے کا نقصان مراد ہے یعنی ان بتوں کو پوجا سے نجات نہیں ہوتی ان کی پرستش نہ کرنے سے پکڑ نہیں ہوتی لہذا آیت کریمہ واضح ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **استھوتہ الشیاطین** معلوم ہوا کہ شیاطین انسان کو بہکا دیتے ہیں۔ غرضیکہ اللہ کی مخلوق نافع بھی ہے ضار بھی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے اس کے سوا کوئی ہادی نہیں دیکھو فرمایا گیا۔ **ھدانا اللہ** اور فرمایا گیا **ان ھدی اللہ ھو الھدی۔** تم لوگ نبیوں ولیوں کو ہادی مانتے ہو مشرک ہو۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ کے حکم اس کے اذن سے قرآن کریم بھی ہادی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رب فرماتا ہے **ان ھذا القرآن یھدی للتی ھی اقوم** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا ہے۔ **انک لتھدی الی صراط مستقیم** یہاں بھی ارشاد ہوا **لہ اصحاب یدعونہ الی الھدی۔** حقیقی ہادی اللہ تعالیٰ ہے مجازی ہادی اس کے حکم سے ہادی کے بنائے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں نماز اور تقوے کا حکم دیا گیا نماز کو پہلے بیان کیا گیا تقویٰ کو بعد میں اس کی کیا وجہ ہے تقویٰ میں نماز بھی آجاتی ہے۔ پھر اس کا ذکر علیحدہ اور پہلے کیوں ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ تقویٰ کے سارے ارکان میں نماز اعلیٰ واشرف رکن ہے اس لئے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا نیز نماز تقویٰ کا ذریعہ ہے کہ نماز کی برکت سے باقی نیکیوں کی توفیق مل جاتی ہے اس لئے نماز کا ذکر پہلے ہوا اس کی تحقیق پہلے پارہ میں **ویقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں ایک حضرت ابوبکر صدیق کی ایمانی پختگی کہ ان کا ایمان کسی خوف و

www.alahazratnetwork.org

طاقت سے زائل نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کے دل میں یہ ایمان کا درخت اللہ نے لگایا ہے۔ جیسے مضبوط اور گہری جڑوں والا درخت دریا کے سیلاب سے بہتا نہیں بلکہ زمین کو کٹاؤ سے مٹی کو بہنے سے روک دیتا ہے اور کھوکھلا جڑوں والا درخت بہہ جاتا ہے اسی طرح کمزور ایمان والے لوگ دنیا کی راحت یا تکلیف دولت یا غریبی کسی کے بہکانے یا صحبت سے اس رو میں بہہ جاتے ہیں مگر حضرت صدیق اور خاص صحابہ کرام وہ مضبوط درخت ہیں جو نہ خود ایمان سے ہٹیں نہ خود کسی سیلاب میں بہیں نہ اس کو بہنے دیں جس پر نظر فرمادیں دوسری بات یہ کہ اس آیت کریمہ میں گمراہ آدمی کی مثال اس مسافر سے دی گئی ہے جو اپنے ساتھیوں کے ساتھ سفر میں جائے۔ جنگل میں پہنچ کر شیطان اسے بہکادیں یہ بے وقوف مسافر اپنے ساتھیوں کو چھوڑ کر شیطان کے ساتھ ہو جاوے اور شیطان اسے غلط راستہ پر لگادیں اس کے ساتھی اسے پکارتے ہوں کہ ارے نادان ادھر آ ہدایت ہمارے ساتھ ہے۔ مگر یہ بے وقوف ان پرانے ساتھیوں کی نہ مانے جو وطن سے اس کے ساتھ آئے تھے شیاطین کی مانے اور گمراہ ہو جاوے گمراہ انسان پر یہ مثال نہایت اعلیٰ درجہ سے چسپاں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اللہ کے مقبول بندے عالم ارواح سے ہمارے ساتھ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہمارا رشتہ روحانی رکھا ہے۔ انسان دین فطرت یعنی اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ پھر دنیا میں آکر اس کے گمراہ ماں باپ کافر عزیز و اقارب اسے کفر و شرک کی راہ پر سمجھ گیا اور اسی غلط فہمی میں مبتلا ہو کر اللہ رسول اس کے نیک بندوں کی نہیں سنتا ان گمراہوں کی سنتا ہے حالانکہ اس کے سچے دوست سچے ساتھی یہ ہی مقبول لوگ ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ** اور فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔ وہ لوگ نفسانی ساتھی ہیں جن کے منہ میں کفر کا زہر ہے وہ روحانی سانپ ہیں یہ حضرات روحانی ساتھی ہیں جن کے منہ میں ایمان کا شہد ہے یہ شہد چھوڑ کر زہر پیتا ہے اور اپنے کو ہلاک کر دیتا ہے یہ حضرات ایمان ہدایت۔ خدا رسی کا ذریعہ عظمیٰ اور وسیلہ علیا ہیں ابھی اسے سمجھ نہیں آئی اسے سمجھ جب آوے گی۔ جب کچھ کام نہ آوے گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ کی بڑی نعمت اچھوں کا ساتھ ہے۔ جو اس نعمت سے محروم ہے وہ اللہ کے فضل و کرم محروم ہے یہ ہمراہی زمانہ اور جگہ سے آزاد ہے ابوجہل وغیرہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ رہے۔ حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے شہر میں تھے۔ حضور غوث الثقلین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے اگرچہ وہ جگہ اور وقت میں دور رہے۔ **ولہ اصحاب** نے طریقت کے بہت سے مسائل حل کر دیئے پھر یہ خیال نہ کرو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں رہتے ہیں ہم دوسرے ملک میں پھر ہمراہی اور ساتھ کیسا سورج چوتھے آسمان پر رہتا ہے ہم زمین پر مگر ہم جہاں بھی جائیں سورج ہمارے ساتھ رہتا ہے اس کی کرنیں دھوپ اور دوسرے فیضان کبھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتے یہ سب کچھ سورج ہم کو دیتا رہتا ہے۔ بلکہ نظر بھی آتا رہتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہر جگہ ہمارے ساتھ رہتے ہیں اس لئے ہر جگہ سے التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا جاتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کے لئے ہادی مطلق ہیں کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار سے ہدایت ملی کسی کو دیدار سے کسی کو گفتار سے کسی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار سے کسی کو صرف نام پاک سے جیسے ہم دور افتادگاں کہ صرف نام سے ہدایت پاگئے دینے والا ایک ہے مگر اس کی عطا کے دروازے مختلف صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت کا اسلام ہے **لا مقصود الا ھو**۔ طریقت کا اسلام ہے **لا موجود الا ھو** اپنے کو فنا کر کے بقا کا پیالہ پی لینا کیوں یوں کیسے جیسے ویسے سب کو ترک کر کے صرف کیا کا بندہ بن جانا اسلام ہے کہ یہ پوچھو کہ رب نے کیا

www.alahazratnetwork.org

کہا یہ نہ پوچھو کہ کیوں کہا جناب ابراہیم و اسماعیل نے ذبح کا اشارہ پاکر یہ نہ کہا کہ رب نے یہ کیوں اشارہ کیا بلکہ جناب اسماعیل نے زبان حال سے یہ کہا کہ ابا جان تم ذبح کر کے امتحان دو میں ذبح ہو کر امتحان دوں گا رونا تم نہیں تڑپوں گا میں نہیں آنسو تم نہ بہانا چھری کے نیچے اعضاء میں نہ ہلاؤں گا یہ ہے صوفیاء کا اسلام بندہ کہتا ہے کہ مولیٰ میں تیرا ہوں تو پھر رب بھی کہتا ہے کہ اے بندے میں تیرا ہوں اب پڑھو **وامرنا لنسلم لرب العلمین** صوفیاء فرماتے ہیں کہ نماز ہمیشہ پڑھنا شریعت میں نماز قائم کرنا ہے اور نماز میں ہمیشہ رہنا کہ کھاتے پیتے سوتے جاگتے نماز کا خیال رکھے طریقت میں نماز قائم کرنا ہے یونہی جن کاموں سے رب ناراض ہو ان سے بچنا شریعت کا تقویٰ ہے اور جو چیز رب سے غافل کرے اس سے بچنا طریقت کا تقویٰ ہے اگر علم و عبادت رب سے غافل کر دے تو وہ تقویٰ نہیں اگر گناہ سے توبہ رب تک پہنچادے تو وہ تقویٰ ہے۔ نیز فرماتے ہیں کہ غیر خدا سے بچنا حتی کہ اپنی ہستی کو فنا فی اللہ کرنا معرفت و حقیقت کا تقویٰ ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ؕ
اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حکمت کے ساتھ اور جس دن فرمائے گا ہو جا تو وہ ہو جائے گی
اور وہی ہے جس نے آسمانوں و زمین ٹھیک بنائے اور جس دن فنا ہوئی ہر چیز کو کہے گا ہو جا وہ
قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ
فرمان اس کا حق ہے اور اسی کا ملک ہے جس روز پھونکا جاوے گا صور میں جاننے والا ہے چھپی کھلی چیزوں کو
فوراً ہو جاوے گی اس کی بات سچی ہے اور اسی کی سلطنت ہے جس دن صور پھونکا جاوے گا ہر چھپے اور
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾
اور وہ حکمت والا خبر والا ہے
ظاہر کا جاننے والا اور وہی ہے حکمت والا خبردار

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بتوں کی مجبوری و مقہوری بیان فرمائی گئی تا کہ معلوم ہو کہ بت عبادت کے قابل نہیں۔ اب اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ وہ خالق و مالک ہے۔ حی و قیوم تا کہ پتہ لگے کہ وہی عبادت و بندگی کے لائق ہے گویا لا الٰہ کا ذکر پہلے اور الا اللہ کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اس نفی و اثبات پر ایمان کا دارومدار ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شرک و بت پرستی کے باطل ہونے پر دلائل قائم کئے گئے تھے تا کہ دلائل سے ماننے والے انصاف والے لوگ اس سے نفرت کریں۔ اب اللہ تعالیٰ کی جباریت و قہاریت کا ذکر ہے تا کہ لوگ ہیبت و خوف سے رب تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کریں "کوئی دلیل سے مانتا ہے" کوئی خوف و ڈر سے۔ دلیل والوں کا انتظام پہلے کیا گیا اور ڈر والوں کا انتظام اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ تم سب کو اس کی بارگاہ

www.alahazratnetwork.org

میں حاضر ہوتا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ صرف تم ہی نہیں بلکہ ساری خلقت کی انتہاء اس پر ہے وہی مبداء فیاض ہے اس کی طرف سب کا رجوع ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار وبت پرست حیران ہیں انہیں اطمینان نہیں جس سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ مومنین کو سکون قلبی بھی نصیب ہے اور اطمینان بھی۔ اب اس سکون واطمینان کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے خالق ومالک ہے۔ جس کا سہارا قوی ہو وہ چیز خود بھی قوی ہوتی ہے۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت کریمہ کے آخر میں سب کو تقویٰ کا حکم دیا گیا کہ اللہ سے ڈرو کسی سے ڈرنے کی دو شرطیں ہوتی ہیں۔ ایک اس کی قوت وقدرت کا اعتراف دوسرے اپنی بے بسی، کمزوری، کمتری کا احساس اس آیت کریمہ میں اللہ کی قدرت وعلم کا ذکر ہے تا کہ ہم لوگ اس کی عظمت مان کر اس سے ڈریں۔ ہماری کمزوری کمتری کا احساس اس آیت کریمہ میں اللہ کی قدرت وعلم کا ذکر ہے تا کہ ہم لوگ اس کی عظمت مان کر اس سے ڈریں۔ ہماری کمزوری کمتری بے بسی کے لئے آیات قرآنیہ بھی آئی ہیں۔ **خلق الانسان ضعیفا**"۔ ہم پر حادثات، مصیبتیں بھی آتی ہیں اور ہم کو گذشتہ قوموں کی تباہی بھی سنائی گئی ہے۔

تفسیر: **وھو الذی خلق السموت والارض**۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت کبھی انسانوں کی اپنی ذات سے کرائی کہ لوگو اپنے کو دیکھو ہم کو جان لو **و فی انفسکم افلا تبصرون** کبھی احوال عالم کے ذریعہ سے یہاں کے انقلابات سے **و تصریف الریاح والسحاب المسخر بین السماء والارض** الخ کبھی کسی بڑی مخلوق کے ذریعہ سے یعنی آسمان، زمین، لوح، عرش وغیرہ کے ذریعہ۔ کبھی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے **ھو الذی ارسل رسولہ** الخ یہاں نمبر تین والی معرفت ہے یعنی آسمان وزمین کے ذریعہ رب کی پہچان چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کے اول میں ابتداء کا واؤ لایا گیا۔ **ھو** سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی ذات **الذی** سے مراد ہے رب تعالیٰ کی شان۔ اس کی صفت خلق میں ذکر اس کریم کے افعال کا ہے۔ **خلق** کے کئی معنی ہیں۔ پیدا کرنا یعنی نیست کو ہست کر دینا، بنانا، گھڑنا یہاں پہلے معنی میں ہے چونکہ سات آسمان الگ الگ حقیقت رکھتے ہیں اور سات زمینوں کی حقیقت ایک ہی مٹی ہے اس لئے **سموات** کو جمع اور **ارض** کو واحد فرمایا جاتا ہے زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے مگر اس کا پھیلاؤ آسمانوں کے بعد اس لئے آسمانوں کا ذکر پہلے ہوتا ہے زمین کا بعد میں۔ اس کی تفصیل پہلے پارہ میں عرض کی جا چکی ہے چونکہ آسمان وزمین اللہ کی وہ مخلوق ہیں جن کی حقیقت بندوں کو نہیں معلوم، کسی کو یہ خبر نہیں کہ مٹی کس چیز سے بنی ہے یا آسمان وغیرہ کس چیز سے بنے۔ نیز ان کی پیدائش کا کسی کو پتہ نہیں ان پر مخلوق کی عقل دنگ رہ جاتی ہے اس لئے ان کی عظمت دکھا کر رب نے اپنی عظمت جتائی۔ **خلق** کے معنی ہیں نیست کو ہست کر دینا جو کچھ نہ ہو اسے سب کر دینا۔ **بالحق** اس کلمہ کی تین ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق خلق سے ہے دوسرے یہ کہ یہ صفت ہے **سموات والارض** کی۔ تیسرے یہ کہ حال ہے **خلق** کے فاعل **ھو** سے مگر آسان ترکیب یہی ہے کہ **خلق** کے متعلق ہے۔ **حق** کے چند معنی ہیں۔ ناقابل فنا (واجب) باطل وہ جو قابل فنا ہو، حق حکمت ومصلحت والا، باطل محض عبث اور حکمتوں سے خالی، حق سچ باطل جھوٹ، حق بمعنی انصاف باطل بمعنی ظلم، حق بمعنی درست وٹھیک باطل بمعنی غلط۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں یعنی رب تعالیٰ نے آسمان وزمین کو ہزارہا حکمتوں سے بھرا ہوا یا عبث وبیکار نہ بنایا اور ہو سکتا ہے کہ حق بمعنی درست اور ٹھیک ہو اس کا مقابل باطل بمعنی غلط اور نادرست ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے آسمان وزمین حکمتوں سے بھرے پیدا فرمائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **سموات** سے مراد آسمان اور آسمانی چیزیں ہیں (علویات) اور زمین سے مراد زمین اور زمینی

www.alahazratnetwork.org

چیزیں ہیں (سفلیات) اس عبارت میں آسمانی اور زمینی چیزوں کی پہلی پیدائش کا ذکر تھا جو بہت آہستگی سے ہے۔ دوسری پیدائش یعنی قیامت کے دن والی کا ذکر اب ہو رہا ہے جو اچانک ہو گی کہ ارشاد ہے **و یوم یقول کن فیکون** یہ نیا جملہ ہے اس میں **یوم** بمعنی وقت ہے نہ کہ بمعنی دن کیونکہ قیامت میں نہ دن ہو گا نہ رات کہ وہاں سورج' چاند تارے وغیرہ طلوع غروب نہ کریں گے۔ تجلی نور الٰہی کی ہو گی۔ قول سے مراد کہنا نہیں بلکہ چاہنا ہے یونہی کن سے مراد کاف نون اور امر کا صیغہ نہیں بلکہ ارادہ کا تعلق مراد ہے۔ **یکون** میں تمام فنا شدہ چیزوں کا اچانک پیدا ہو جانا ہے یہ واقعہ دوسری یا تیسری بار صور پھونکنے پر ہو گا جو چیزیں پہلے **نفخہ** پر نہیں ہوئیں جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں ان کا یہاں ذکر نہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ترجمہ میں فرمایا فنا ہوئی ہر چیز۔ تفسیر جلالین نے فرمایا کہ **یوم** سے پہلے **اذکر** پوشیدہ ہے یعنی وہ وقت بھی یاد کرو یا یاد دلاؤ یا یاد رکھو۔ جبکہ اللہ تعالیٰ ہر فنا چیز سے فرمائے گا ہو جا وہ فوراً ہو جائے گی آسمان و زمین اسی طرح آسمانی و زمینی چیزیں یکدم پیدا ہوں گی پہلے کی طرح ان کی پیدائش میں آہستگی نہ ہو گی۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں رب تعالیٰ کا قانون جاری ہے یعنی ہر چیز کا آہستگی سے پیدا فرمانا اس کا ذکر ہوا **خلق السموات والارض** میں اور قیامت میں رب کی قدرت کا ظہور ہو گا یعنی ہر چیز کا اچانک بن جانا اس کے لئے ارشاد ہوا۔ **یوم یقول کن فیکون قولہ الحق**۔ اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے جس میں **قولہ** مبتداء ہے **الحق** خبر قول سے مراد قیامت کے دن کے فیصلے ہیں حق سے مراد ہے حقیقت پر مبنی ہوں گے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سارے فرمان سچے ہیں یہاں حق سے مراد ہے برحق' سچے' درست۔ اس دوسری تفسیر کی بہت تفصیل ہے اللہ تعالیٰ کے تکوینی فرمان جو بذریعہ فرشتوں کے مخلوق پر جاری ہوتے ہیں وہ اٹل ہیں' انہیں کوئی ٹال نہیں سکتا' زندگی' موت' بیماری' تندرستی' فقیری' امیری وغیرہ ٹل نہیں سکتے۔ دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سارے تشریعی قول فرمان بالکل درست ہیں۔ **لا یاتیہ الباطل** اس تشریعی احکام کی بہت صورتیں ہیں۔ آسمانی کتابوں کے ذریعہ جو لوگوں تک پہنچے وہ سب حق ہیں یا نبی کی زبان سے جو لوگوں نے رب سے سنے وہ سب حق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے قول و عمل برحق ہیں' ان میں باطل ہونے کا احتمال نہیں۔ اس کی تفسیر ابو داؤد کی وہ حدیث ہے **اکتب فانہ لا یخرج منہ الا الحق** آم کے پیڑ میں ببول کے کانٹے نہیں ہوتے **و لہ الملک یوم ینفخ فی الصور** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے **لہ** سے پہلے **استقر** یا **ثبت** پوشیدہ ہے **الملک** یا تو اس **ثبت** کا فاعل ہے یا موخر مبتداء **لہ** کے مقدم ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا **الملک** سے مراد ہے باطنی اور ظاہری مملکت **یوم** اس **ثبت** کا ظرف ہے اگرچہ دنیا میں سارے زمین آسمان وغیرہ اللہ تعالیٰ ہی کا ملک ہے ان میں اسی کی سلطنت ہے مگر ظاہری طور پر دنیا والے سلاطین بھی کہتے ہیں کہ یہ ملک ہمارا ہے' یہ ملک اس کا ہے' قیامت میں کوئی یہ کہنے والا بھی ہو نہ ہو گا۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی سلطنت ہو گی دنیاوی ساری بادشاہتیں فنا ہو چکی ہوں گی لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **یوم** سے مراد وقت ہے نہ کہ ہمارا مشہور دن کیونکہ قیامت میں نہ دن ہو گا نہ رات۔ **ینفخ** سے بنا ہے **نفخ** سے بمعنی پھونکنا پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ جیسا کہ احادیث میں ہے **صور** بمعنی زبان میں بگل (نرسنگا) کو کہتے ہیں جو سینگ کا ہوتا ہے۔ حضرت اسرافیل اور ان کا صور (بگل) پیدا ہو چکا ہے وہ اسے منہ میں لئے حکم کے منتظر کھڑے ہیں نگاہ عرش اعظم کی طرف ہے کہ کب حکم ملے اور میں پھونکوں جیسا کہ احادیث میں ہے۔ خیال رہے کہ قیامت میں صور تین بار پھونکا جائے گا۔ پہلی بار میں تمام مخلوق گھبرا جائے گی' انہیں اپنی موت کا یقین ہو جائے گا۔ دوسری بار میں زندہ ہو گی یعنی پہلی بار کا

www.alahazratnetwork.org

نفخہ بہت دراز ہو گا (عام تفسیر)۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **یوم ترجف الراجفۃ تتبعہا الرادفۃ۔ قلوب یومئذ واجفۃ**۔ یہاں نفخ صور سے دوسری نفخہ مراد ہے۔ جس پر سب مخلوق زندہ ہو جاوے گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ثم نفخ فیہ اخری فاذا ہم قیام ینظرون**۔ ان دونوں نفخوں میں چالیس سال کا فاصلہ ہو گا۔ جب سب کچھ فنا ہو چکا ہو گا تو تب رب تعالیٰ فرمائے گا۔ **لمن الملک الیوم** آج کس کا ملک ہے' کوئی جواب دینے والا نہ ہو گا۔ پھر خود ہی فرمائے گا **للہ الواحد القہار**۔ یہ بھی خیال رہے کہ صور کے پہلے نفخہ پر ساری زندہ مخلوق اور زمین آسمان وغیرہ فنا ہو جائیں گے' جو لوگ پہلے مر چکے تھے وہ بیہوش ہو جائیں گے۔ سوا عرش اور عرش کے اٹھانے والے فرشتوں اور حضرت جبرئیل و میکائیل کے علیہم الصلوٰۃ والسلام یہ رب تعالیٰ کے موتو فرمانے سے فنا ہوں گے اولاً جبرائیل' پھر میکائیل' پھر عرش اور حاملین عرش۔ پھر اسرافیل اور خود ان کا صور پھر اللہ کے حکم سے اولاً اسرافیل و صور پیدا ہوں گے۔ پھر حضرت جبرئیل اور حاملین عرش فرشتے پھر صور پھونکنے پر ساری مخلوق۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و نفخ فی الصور فصعق من فی السموات و من فی الارض الا من شاء اللہ**۔ یہ حضرات الا ماشاء اللہ میں داخل ہیں۔ (ابن کثیر وغیرہ) انشاء اللہ اس کی تحقیق انہی آیات میں ہو گی یعنی جس دن دوسری بار صور پھونکا جائے گا اس دن ملک صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہو گا۔ یہ بھی خیال رہے کہ انسان کے چار مقامات ہیں۔ عالم ارواح' دنیا' برزخ و محشر' جنت و دوزخ۔ ان چاروں زندگیوں میں زندگی نمبر2 یعنی دنیاوی زندگی اعمال کمانے کی ہے۔ بقیہ تین زندگیوں میں اعمال نہیں۔ لہٰذا اس زندگی میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین کا ظاہری ملک بھی بخشا اور ملک بھی بخشی تا کہ یہ اس کے ذریعہ اعمال بنیں' صور پھونکنے پر کسی کا ملک نہ ہو گا۔ صرف اللہ کا ہو گا کیونکہ وہ جگہ اعمال کی نہیں اپنا فیصلہ سننے کی جگہ ہے۔ جنت میں ہر جنتی کو بڑا وسیع ملک دیا جائے گا مگر وہ کام کے لئے نہیں بلکہ آرام و انعام کے لئے۔ اس لئے وہاں دائمی عطا ہو گی اور کوئی تکلیف نہ ہو گی یہ بھی خیال رہے کہ دنیا میں حضرات انبیاء کرام کو ملکوت کا تصرف بھی عطا فرمایا جاتا ہے کیونکہ وہ حضرات کام کرنے بھی آتے ہیں اور لوگوں کو ایمان دے کر ان سے کام کرانے بھی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے فرماتا ہے۔ **و اتینا ہم ملکا عظیما** پھر فرماتا ہے۔ **و سخرنا لہ الریح** ہوا کا مسخر ہونا یہ ملکوت میں تصرف ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردے زندہ کرنا یعنی گئی ہوئی روح کو دوبارہ جسم میں داخل کرنا' ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سورج واپس لوٹانا' چاند چیرنا' کنکروں' پتھروں سے کلمہ پڑھوانا۔ یہ سب کچھ ملکوت میں تصرف ہی تو ہے۔ **عالم الغیب والشہادۃ** یہ عبارت علیحدہ جملہ ہے اور پوشیدہ **ھو** کی خبر ہے۔ غیب اور شہادت سے ساری چھپی اور کھلی چیزیں مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ تمام چھپی کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے ہمیشہ سے جانتا ہے' ہمیشہ تک جانتا ہے **وھو الحکیم الخبیر** یہ بھی نیا جملہ ہے **حکیم** سے مراد ہے حکمت والا کہ اس کے ہر کام میں حکمت ہے کوئی کام عبث نہیں۔ خبیر سے مراد ہے اپنے بندوں کے ہر کام پر مطلع عالم الغیب میں علم قدیم جسے علم فعلی کہتے ہیں وہ مراد ہے اور یہاں **الخبیر** میں علم حادث جسے علم انفعالی یا علم ظہور کہتے ہیں وہ مراد ہے لہٰذا آیت میں تکرار نہیں یا یوں کہو کہ خبیر کے معنی ہیں خبر والا یعنی سب کو خبر ہر وقت رکھنے والا یعنی مخبر چنانچہ متعلقہ فرشتوں کو اس نے خبریں دی ہوئی ہیں۔ ولیوں' نبیوں کو خصوصاً حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز کی خبر دی ہے وہ ذرہ ذرہ اور قطرہ قطرہ سے خبردار ہیں۔ یہ تعلیم الٰہی ہے لہٰذا **عالم الغیب والشہادۃ** حمد الٰہی ہے اور **وھو الحکیم الخبیر** نعت مصطفوی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر ہے۔ خالق ہونا' قادر ہونا' مالک ہونا' عالم ہونا' حکیم و

www.alahazratnetwork.org

حاکم ہونا ثبیر ہونا چنانچہ ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے جس نے سارے آسمانوں، ساری زمین کو اور آسمانوں اور زمین کی ساری مخلوق کو اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرمایا۔ مگر آہستگی سے کہ پہلے زمین پیدا کی، پھر آسمان، پھر زمین کو پھیلایا، پھر ان کی مخلوق کو پیدا فرمایا۔ کیونکہ یہاں رب تعالیٰ کے قانون کی جلوہ گری ہے، یہ دنیا قانونی مقام ہے۔ یہاں کے لئے آہستگی ہی مناسب ہے حتیٰ کہ بچہ آہستگی سے ترقی کرکے جواں ہوتا ہے کھیت میں نہایت آہستگی سے دانہ دپھل لگتے ہیں کیونکہ یہ جگہ پیدا ہونے فنا ہونے کی ہے وہ دن بھی یاد کرو جب قیامت میں صرف کن کہہ کر ساری فناشدہ مخلوق کو یکدم پیدا فرماوے گا اس دن اس کے سارے فیصلے ہوں گے اور درست ہوں گے یا اس کے فیصلے اٹل ہوں گے، ناقابل اپیل۔ یا دنیا میں اس کے تکوینی احکام جو فرشتوں کے ذریعہ تم پر جاری کئے جاتے ہیں اور تم کو بتائے نہیں جاتے وہ بالکل درست بھی ہیں اور اٹل بھی۔ یا رب کے دنیا میں تشریعی احکام جو نبیوں کے ذریعہ تم کو بتائے جاتے ہیں بالکل درست واٹل ہیں، یا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے ہوئے فرمان جو ہمارے قول ہیں وہ بالکل درست ہیں غرضیکہ قولہ **الحق** کی پانچ تفسیریں ہیں۔ دو کا تعلق قیامت سے ہے۔ تین تفسیروں کا تعلق دنیا سے جس دن فناشدہ مخلوق کو زندہ کرنے کے لئے صور پھونکا جائے گا اس دن اللہ واحد قہار ہی کا ملک ہوگا وہی ہے کھلی چھپی چیزوں کا جاننے والا، وہی حکمت والا بھی ہے۔ تمہارے ہر کھلے چھپے تمہاری ہر حالت پر مطلع بھی کہ اس کے علم سے کوئی ذرہ، کوئی قطرہ باہر نہیں۔ خیال رہے کہ رب نے جہاں اپنی معرفت دوسری مخلوق کے ذریعہ کرائی ہے۔ وہاں فرمایا **خلق السموت والارض**۔ مگر جہاں اپنی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کرائی ہے وہاں خلق نہیں فرمایا بلکہ ارسل یا بعث فرمایا **هو الذی ارسل رسوله** یا **بعث فی الامین رسولا** اس فرق کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ دیگر مخلوق دنیا میں آنے سے پہلے کچھ نہ تھی یہاں آکر سب کچھ بنی لہذا وہ دنیا کی مخلوق ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لانے سے پہلے سب کچھ تھے۔ **کنت نبیا و ادم بین الماء والطین**۔ آپ کا یہاں آنا گویا دفتر سے دوسرے دفتر میں آنا ہے اس لئے آپ یہاں کے سانچہ میں نہیں ڈھلے بلکہ دنیا کو اپنے سانچہ میں ڈھالا۔ دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی مخلوق ماننا ایمان نہیں صرف توحید ہے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کا رسول ماننا ایمان ہے وہاں چونکہ ایمان کی تعلیم ہے لہذا ارسل اور بعث ارشاد ہوا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کسی اور کو ایک ذرہ ایک قطرہ کا خالق مانے وہ مشرک ہے۔ یہ فائدہ **خلق السموات والارض** الخ سے حاصل ہوا۔ خالق، معبود، قدیم (ازلی) واجب الوجود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ کا کوئی کام اس کی کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں۔ ہم پر جو واردات گزرتی ہیں ان سب میں اس کی حکمت ہے۔ لہذا اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **بالحق** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں چیزوں اور لوگوں کی پیدائش آہستگی سے ہوئی۔ کبھی زمین، کبھی آسمان، کبھی کوئی چیز پیدا ہوئی، کبھی کوئی اور چیز۔ ہم پہلے بچے تھے، پھر جوان اور بوڑھے ہوئے۔ کچھ لوگ پہلے چلے گئے، کچھ آئندہ آئیں گے، لیکن قیامت میں صرف کن سے تمام مخلوق پیدا ہو جائے گی یہ فائدہ **کن فیکون** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** **مالک۔** قادر بعض بندے بھی ہیں مگر رب تعالیٰ کے مالک بنانے سے عارضی طور پر۔ خلق اور ملک میں بڑا فرق ہے۔ قیامت کے دن کوئی شخص کسی چیز کا عارضی مالک بھی نہ ہوگا۔ یہ فائدہ **له الملک یوم ینفخ فی الصور** سے حاصل ہوا۔ دیکھو عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہے۔ مگر اطاعت اللہ

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ ہی بھی ہوتی ہے اس کے رسول کی بھی اس کے قائم کردہ بادشاہوں اور علماء کی بھی۔ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**۔ یونہی ازلی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر اللہ کے حکم سے جنت دوزخ اور وہاں کے باشندے' وہاں کے ثواب و عذاب ابدی ہیں ازلی اور ابدی میں بڑا فرق ہے۔ **پانچواں فائدہ:** صور پھونکا جانا اس سے پہلی بار سب کا مرجانا دوسرے پھونکنے پر سب کا جی جانا بالکل حق ہے اس میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں یہ فائدہ **ینفخ فی الصور** سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف نے بتایا کہ صور پھونکنے والے حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں آج بجلی کی گرج بم کے دھماکے ایٹم بم سے شہر کے شہر فنا ہو جاتے ہیں وہ تو صور کا نفخہ ہے۔ لاہوری قادیانیوں نے صور پھونکنے کا بھی انکار کیا ہے اور اس آیت کی نہایت بیہودہ تاویل کی ہے کہ صور کوئی چیز نہیں بلکہ صور جمع ہے صورت کی بمعنی جسم۔ اس میں روح پھونک دینا نفخ صور ہے۔ دیکھو ان کی تفسیر بیان القرآن مصنفہ مولوی محمد علی لاہوری مرزائی یہ ہی مقام مگر ان عقل مندوں سے کوئی پوچھے کہ دوسرے مقام پر فرمایا گیا۔ پہلی بار صور پھونکے جانے پر سب فنا ہو جائیں گے وہاں نفخ روح کے معنی کیسے درست ہوئے نیز قیامت کے دن تک لوگوں کے جسم تو گل سڑ کر مٹی ہو چکے ہوں گے پھر روح کس میں پھونکی جائے گی وہ گلے سڑے جسم کس چیز سے بنیں گے۔ بہر حال یہ تفسیر نہیں بلکہ قرآن کریم کی تحریف ہے۔ آج سانپ کی پھونک سے آدمی مرجاتا ہے۔ ماں کے پیٹ میں فرشتہ کی پھونک سے بچہ زندہ ہو جاتا ہے۔ بزرگوں کی پھونک سے بیمار اچھے ہو جاتے ہیں۔ پھونک میں بڑی تاثیریں ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں سب کا زندہ ہونا کن فرمانے سے ہوگا اور اسی قرآن مجید میں ہے کہ صور پھونکنے سے ہوگا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ زندگی کن سے ملے یا صور پھونکنے سے۔ **جواب:** ہر زبان میں کچھ خاص محاورے ہوتے ہیں۔ ان محاوروں سے کلام سمجھا جاتا ہے جیسے ہماری اردو میں کہا جاتا ہے کہ یہ کام چٹکی بجاتے کروں گا تو وہاں چٹکی بجانا مراد نہیں ہوتا بلکہ آسانی اور پھرتی سے کرنا مراد ہوتا ہے۔ یونہی عربی محاورہ میں کن سے آسانی سے اور جلدی کرنا مراد ہے۔ چنانچہ یہاں کن فرمانے سے لفظ کاف نون بولنا مراد نہیں بلکہ کسی چیز کا چاہنا اس کا ارادہ فرمانا مراد ہے۔ ہر چیز کی موت و زندگی اللہ کے ارادے سے ہے۔ صور پھونکنا اس کا ظاہر سبب ہوگا۔ لہذا رب کا ارادہ ہر چیز کی علت ہے اور صور وغیرہ ظاہری سبب دیکھو۔ دنیا میں ہماری پیدائش اللہ کے ارادہ سے ہے مگر ماں باپ اس کا ذریعہ اور سبب ہیں۔ موت اللہ کے ارادہ سے ہے مگر زہر بیماری اس کا سبب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ جب رب نے اپنی معرفت آسمان و زمین وغیرہ کے ذریعہ سے کرائی تو خلق ارشاد فرمایا اور جب اپنی معرفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے کرائی تو یا ارسل فرمایا یا بعث یہاں خلق کیوں نہیں ارشاد ہوا۔ چنانچہ کہیں ارشاد فرمایا **ھو الذی ارسل رسولہ** کہیں فرمایا **ھو الذی بعث فی الامیین رسولا** اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے؟ **جواب:** اللہ تعالیٰ کی معرفت دو طرح کی ہے ایک وہ معرفت جس سے توحید نصیب ہو دوسری وہ معرفت جس سے ایمان میسر ہو۔ دیگر مخلوقات کے ذریعہ جو معرفت الٰہی نصیب ہوتی ہے وہ توحید ہے ایمان نہیں اسی طرح حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف عبدیت' مخلوقیت' بشریت وغیرہ کے ذریعہ رب کو ماننا توحید ہے ایمان نہیں کہ شیطان نے بھی کہا تھا **لم اکن لا سجد لبشر** اور کہا تھا **خلقتہ من طین**۔ پتہ لگا کہ وہ بھی حضرت آدم کی بشریت' مخلوقیت مانتا ہے مگر مومن نہیں اور رب کو حضور کی رسالت کے ذریعہ پہچاننا ایمان ہے اس لئے کلمہ میں پڑھا جاتا ہے۔ محمد رسول اللہ یہ نہیں کہا جاتا محمد مخلوق اللہ یا محمد بشر وغیرہ یہاں رب نے توحید سکھائی ہے وہاں ایمان سکھایا۔ **تیسرا اعتراض:** دنیا میں ہم

www.alahazratnetwork.org

لوگ آہستگی سے کیوں آئے' کوئی کبھی 'کوئی کبھی اور وہاں یکدم کیوں زندہ ہو جائیں گے اس میں حکمت کیا ہے۔ **جواب:** اس فرق میں صدہا حکمتیں ہیں دنیا کی زندگی محدود فانی ہے۔ مگر دنیا کو قیامت تک باقی رکھنا ہے اگر سب آدمی یکدم پیدا کر دیئے جاتے اور سو برس کے بعد فنا کر دیئے جاتے تو دنیا قیامت تک باقی کیسے رہتی اس زندگی کے لئے فنا نہیں سب یکدم پیدا ہو کر ابدالآباد تک زندہ رہیں گے لہذا وہاں یکدم پیدا فرما دینا حکمت کے خلاف نہیں نیز یہ زمین محدود ہے یہاں انسانوں' جانوروں کو بھی رکھنا ہے۔ اور اسی زمین سے ان کی غذائیں بھی پیدا کرنا ہیں اگر سب لوگ یکدم پیدا کر دیئے جاتے تو زمین میں انسانوں کی ہی گنجائش نہ ہوتی کھیتی باڑی کہاں ہوتی۔ وہ زمین نہایت ہی وسیع ہے اور وہاں میدان قیامت میں کھیتی باڑی بھی نہیں کرنا ہے۔ لہذا وہاں یکدم پیدا فرما دینا خلاف حکمت نہیں نیز دنیا عمل کی جگہ ہے اللہ تعالٰی نے مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعے مختلف اعمال لوگوں سے کرانے تھے پہلے نبوت کے آسمان پر تارے کھلانے تھے پھر آخر میں نبوت کا سورج چمکانا تھا۔ اگر سب لوگ یکدم پیدا کر دیئے جاتے تو تارے اور سورج کے چمکنے کی کیا صورت ہوتی۔ وہاں عمل ہے ہی نہیں' وہاں تو سزا و جزا کا حکم سنانا ہے۔ اس کے لئے یکدم سب کا زندہ ہو جانا خلاف حکمت نہیں اور بھی صدہا حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے **قوله الحق** کی پانچ تفسیریں کیں جن میں سے ایک تفسیر یہ کی کہ قیامت میں اللہ کے فیصلے اٹل اور ناقابل اپیل ہیں۔ مگر احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں رب کے احکام کی اپیل ہو گی۔ بعض لوگوں کو دوزخ میں لے جانے کا حکم ہو جائے گا مگر بعد میں شفاعت سے معافی ہو جائے گی وہ احادیث اس فرمان الٰہی کے خلاف ہیں۔ **جواب:** وہ شفاعتیں اپیل نہ ہوں گی بلکہ رحم کی درخواستیں جو خود بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گی۔ پہلا فیصلہ عدل الٰہی کا ہو گا۔ دوسرا فیصلہ شفاعت کی برکت سے اس کریم کے فضل کا ہو گا جو وہ خود ہی صادر فرمائے گا گویا نوعیت فیصلہ میں فرق ہو گا عدل اور فضل کا۔ اپیل تو یہ ہے کہ اوپر والا حاکم نیچے والے حاکم کا فیصلہ رد کر دے (نعوذ باللہ) یہ وہاں ناممکن ہے جیسے ہم بیمار ہوئے اور دوا کی برکت سے شفایاب ہو گئے تو دوا نے رب کا حکم بدل نہیں دیا بلکہ رب نے ہی دوا کے ذریعہ فضل کر دیا شفاعت روحانی دوا ہے لہذا اس آیت میں اور احادیث میں تعارض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** صور کی پہلی پھونک سے اگر ہر چیز فنا ہو گی تو جو پہلے فنا ہو چکے ہیں وہ کیسے فنا ہوں گے نیز کیا اس سے خود صور اور صور پھونکنے والے فرشتے کی بھی فنا ہو گی یہ تو ناممکن ہے۔ **جواب:** جو لوگ اس وقت زندہ ہوں گے وہ اس سے مر جائیں گے جو چیزیں اس وقت موجود ہوں گی وہ فنا ہو جائیں گی۔ پہلے مرے ہوئے لوگ اس وقت بیہوش ہو جائیں۔ رب فرماتا ہے **و نفخ فی الصور و فصعق من فی السموات و من فی الارض۔** صعق بیہوشی کو کہتے ہیں۔ نیز خود صور اور حضرت اسرافیل۔ حاملین عرش فرشتے صور سے نہ فنا ہوں گے بلکہ ان سے رب فرمائے گا فنا ہو جاؤ تو فنا ہوں گے اس لئے اس آیت کے آخر میں ہے۔ الا ما شاء اللہ' یہ چیزیں الا ما شاء اللہ میں داخل ہیں مگر چونکہ حکم ربی ہے **کل من علیھا فان** اور فرمان الٰہی ہے **کل نفس ذائقة الموت** لہذا ان سب کا بھی فنا ہونا ضروری ہے۔ **چھٹا فائدہ:** دوسرے نفخہ سے سب زندہ ہوں گے تو خود صور اور حضرت اسرافیل جو فنا ہو چکے ہیں وہ کس چیز سے زندہ ہوں گے۔ **نوٹ:** اس قسم کے واہیات اعتراضات دیانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کے چودھویں باب میں کئے ہیں اور کہا ہے کہ ان کا جواب مسلمان سات جنم تک نہیں دے سکتے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جو چیزیں صور سے فنا یا بیہوش ہوں گی وہی چیزیں صور سے اٹھیں گی اور جو چیزیں حکم الٰہی سے فنا ہوں گی وہ حکم الٰہی سے ہی اٹھیں گی۔ یہاں جو فرمایا **و یوم کن فیکون** اس میں اسی جانب اشارہ ہے کہ بعض چیزوں کا

www.alahazratnetwork.org

زندہ ہونا کن سے ہے۔ باقی کا صور سے پنڈت جی کا یہ اعتراض تنکوں کی طرح اڑ گیا۔ پنڈت جی اپنے لواگون (تناسخ) کی خیر منائیں کہ وہ کسی طرح درست نہیں ہو تا دیکھو اسی تفسیر کا پہلا پارہ اسلامی قوانین نہایت ہی پختہ ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جس دن صور پھونکا جائے گا اس دن اللہ تعالٰی کا ملک ہو گا تو آج ملک کس کا ہے ' آج بھی وہ مالک الملک ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ آج بظاہر لوگوں کا ملک ہے۔ اگرچہ مجازی ہی سہی کہا جاتا ہے پاکستان ہمارا ملک ہے ہندوستان ہندوؤں کا' یہ ہمارا گھر ہے یہ تمہارا' یہ ہماری چیز ہے وہ تمہاری مگر اس دن ہمارا ختم ہو چکا ہو گا۔ اللہ کے سواء کسی کا کچھ نہ ہو گا لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس دن کوئی کسی چیز کا مالک نہ ہو گا مگر جنتی لوگ اپنے رقبہ کے مالک دائمی ہوں گے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** یہاں قیامت کا ذکر ہے جنت کا مالک ہونا وہاں کے داخلہ کے بعد ہو گا جو قیامت کے بہت عرصہ بعد ہو گا لہذا آیت کریمہ بالکل درست ہے قیامت کے اول وقت تو کسی کے جسم پر کپڑا بھی نہ ہو گا یہ بھی بعد میں ملے گا۔ رب تعالٰی فرماتا ہے **کما بدانا اول خلق نعیدہ** جیسے تمہیں پہلے پیدا کیا تھا ویسے ہی پھر اٹھائیں گے۔ **نواں اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ صور کے پہلے پھونکنے پر دنیا فنا ہو گی اور دوسری پھونک پر جسموں میں روح پھونکی جائے گی تو فنا شدہ بلکہ ریزہ ریزہ شدہ جسم کس طرح بنیں گے ان کے لئے کون سا نفخہ ہو گا (آریہ)۔ **جواب:** جیسے صور کا پہلا نفخہ بہت دیر تک رہے گا اولاً اس کی آواز سے گھبراہٹ ہو گی پھر جانداروں کی موت' پھر پہاڑ' بلکہ زمین و آسمان تہ و بالا ہو جائیں گے۔ پھر سب کچھ فنا ہو جائے گا حتی کہ بعض لوگوں نے اس ایک نفخہ کو دو مانا ہے' ایک بیہوش کر دینے والا دوسرا فنا کرنے والا مگر وہ ہے ایک ہی۔ اسی طرح دوسرا نفخہ بہت دیر تک رہے گا۔ اولاً اس کی آواز سے زمین و آسمان کی پیدائش ہے۔ پھر جانداروں کے جسموں کے ریزوں کی چھانٹ کہ کسی دوزخی کا ریزہ جنتی کے جسم میں نہ آنے پائے گا اور جنتی کا دوزخی کے جسم میں بلکہ کسی جسم کا ریزہ دوسرے جسم میں شامل نہ ہو گا۔ پھر ان ذروں کے جمع ہو چکنے پر جسم کے اپنی حالات میں تبدیلی' پھر جان پھونکنا سب کچھ ایک ہی نفخہ سے ہو گا۔ رب تعالٰی کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہیں۔ آج ڈاک خانہ والے ڈاک جمع کر کے ان کی چھانٹ اس قدر جلد کرتے ہیں کہ حیرت ہو جاتی ہے۔ ہر خط اپنے ٹھکانہ پر پہنچتا ہے۔ جب جانے والی' آنے والی ڈاک کی چھانٹ بندے اتنی جلدی کر لیتے ہیں تو وہاں تو رب تعالٰی کی قدرت سے چھانٹ ہے اس کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چڑیوں اور حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کو دوبارہ زندہ کرنے پر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالٰی نے ان دونوں نبیوں کو یہ چھانٹ کر کے اجسام بنا کر زندہ کر کے دکھا دیا اس پر اعتراض در حقیقت رب تعالٰی کی قدرت کا انکار ہے۔ آج کھیت میں بوئے ہوئے مختلف بیج پیٹ میں گئی ہوئی غذا کی چھانٹ حیرت میں ڈال دیتی ہے۔ یہ ہے اس علیم و قدیر و خبیر کی چھانٹ۔ **دسواں اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ نے لوگوں کو ملک بھی بخشا اور ملک بھی بخشی مگر برزخ اور محشر میں کسی کی ملک کوئی چیز نہ ہو گی۔ **جواب:** وجہ یہ ہے کہ عالم ارواح' برزخ' قیامت میں انسانوں کو نہ تو کھانے پینے کی حاجت ہے نہ یہ مقام اعمال کرنے کے ہیں لہذا انہیں یہاں کچھ ملک اور ملک نہیں دیئے گئے مگر دنیا کی زندگی میں کھانا پینا بھی ہے اعمال کمانا بھی کھیتی میں کاشت کرنا بھی اس لئے رب نے یہاں ملک بھی بخشے اور ملک بھی مگر عارضی اور محدود تاکہ ان کے ذریعہ لوگ اعمال کر سکیں۔ جیسے جب آقا اپنے غلام سے کاشتکاری کرائے تو اسے ہل بیل' پانی کھینچنے کے آلے اور زمین ضرور دے گا۔ ورنہ وہ کاشت نہیں کر سکتا چونکہ اعمال صرف ظاہری ملک کے ذریعہ کئے جا سکتے ہیں۔ باطنی ملک کی ضرورت نہیں اس

www.alahazratnetwork.org

لئے یہاں ہم کو ملک دیا گیا ملکوت نہیں عطا ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: رب کی ذات وصفات کا ماننا ایمان کا پہلا رکن ہے۔ مگر وہ ایسا نادیدہ ہے کہ کوئی دیدہ (آنکھ) اسے دیکھ نہیں سکتی **لا تدرکہ الابصار** اب اس کے ماننے کی یہی سبیل ہے کہ اس کی عظمت والی مخلوق کو ان کی عظمتوں کو جانا جائے پھر یہ مانا جائے کہ ان عظیم الشان چیزوں کا خالق اللہ ہے۔ جس کی مخلوق ایسی عظیم الشان ہے تو بتاؤ کہ خالق کیسی شان والا ہوگا۔ عالم اجسام میں آسمان وزمین بڑی شان والی مخلوق ہیں ان کے ذریعہ خدا کی پہچان کرائی گئی۔ جیسے سجدہ کرنا تھا خدا کو مگر سجدے میں مسجود کا سامنے ہونا ضروری ہے کہ سجدہ کے معنی ہیں کسی کے آگے سر زمین پر رکھنا۔ رب تعالیٰ ہمارے سامنے آنے سے پاک ہے تو اس نے کعبہ معظمہ کو جو اس کی شاندار مخلوق ہے۔ ہمارے آگے کر دیا کہ اس کی طرف سجدہ کر لینا ہم کو سجدہ ہو جائے گا۔ یونہی ایمان کے لئے رب کا ماننا ضروری تھا مگر وہ ہماری نگاہ ونظر سے وراء ہے تو اس نے اپنے مقبول بندے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیج کر فرمایا کہ ان کی اطاعت کر لو۔ ہماری اطاعت ہو جائے گی **من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** کعبہ قبلہء سر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہء دل کعبہ قبلہء اسلام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قبلہء ایمان اس قاعدے سے یہاں یوں سمجھو کہ اللہ کے بعض بندے فیض دینے والے ہیں۔ جیسے حضرات انبیاء واولیاء اور بعض بندے فیض لینے والے جیسے ہم لوگ۔ فیض رساں بندے گویا آسمان ہیں اور فیض لینے والے بندے گویا زمین ہیں اللہ تعالیٰ ان سب کا خالق ہے اس نے جسے جو کچھ بنایا اپنے علم سے بنایا کن سے بنایا جسے فرما دیا کن ولیا وہ ولی ہو گیا جسے فرمایا **کن نبیا** وہ نبی ہو گیا جسے فرمایا **کن مومنا** وہ مومن ہو گیا۔ جیسے صور پھونکنے پر سارے مردے زندہ ہو جائیں گے اسی طرح حضرات انبیاء اولیاء کے دم یا نظر گویا صور اسرافیل ہیں جس سے مردہ دل زندہ ہو جاتے ہیں بلکہ حضرت ابراہیم کی آواز سے تو مردہ جانور زندہ ہوئے۔ حضرت عزیر کی پکار پر مردہ گدھے کی سفید ہڈیاں زندہ ہو گئیں اسی طرح ان کی آواز ان کے فیضان سے عرصہ کے مردہ دل زندہ ہوتے ہیں۔ فرعونی جادوگر فیضان موسوی سے دم کی دم میں مومن صحابی صابر شہید بن گئے۔ پھر جس دل کو حضرات اولیاء کا دم زندہ کر دے اس پر شیطان یا نفس امارہ کی حکومت نہیں رہتی وہ اللہ واحد قہار کا ملک بن جاتا ہے اس دل میں اللہ کی حکومت جناب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہوتا ہے یہ ہیں معنی **و لہ الملک یوم ینفخ فی الصور** کے اللہ کرے ہمارے مردہ دلوں پر کسی ولی کا دم پہنچ جائے جس دل کو ولی کی نگاہ زندہ کر دے وہ کبھی مردہ نہیں ہوتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ساز و اسرافیل روزے نامہ را	جاں دہد بوسیدۂ صد سالہ را
اولیاء را در دروں ہم نغمہا است	طالباں رازاں حیات بے بہا است
نشنود آں نغمہا را گوش حس	کز ستمہا گوش حس باشد نجس
ہیں کہ اسرافیل وقت اند اولیاء	مردہ را زیشان حیاتست و نما
نغمہائے اندرون اولیاء	اولا گوید کہ اے اجزاء لا
ہیں زلائے نفی سرہا برزنید	این خیال و وہم یکسو افگنید
اے ہم بوسیدہ در کون و فساد	جاں باقیاں نروئید و نزاد

www.alahazratnetwork.org

سبحان اللہ ان اشعار نے پردے اٹھا دیئے۔ یعنی اولیاء زمانہ وقت کے اسرافیل ہیں جو صدیوں کے مردوں کو جان بخشتے ہیں۔ اولیاء کے یہ نغمے برابر عالم میں جاری ہیں مگر ان کے سامنے والے کوئی کوئی کان سنتے ہیں۔ جو سن لیتے ہیں وہ ہمیشہ کے لئے زندہ ہو جاتے ہیں۔ یہ حضرات پہلے تو لا الٰہ کی تلوار سے وہم و خیال و وسوسوں کے سر قلم کر دیتے ہیں پھر الا اللہ سے قلب و قالب کو دائمی زندگی بخش دیتے ہیں وہ زندگی جسے کبھی فنا نہیں اللہ اس قال کو حال کر دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شریعت بھی خدا رسی کا ذریعہ ہے اور طریقت بھی مگر شریعت میں قانونی طور پر راستہ طے ہوتا ہے یعنی نہایت آہستگی سے کیونکہ اس میں اپنے قدم سے چل کر جانا ہوتا ہے مگر طریقت میں یہ راستہ آن کی آن میں طے ہو جاتا ہے کہ اس میں رب کی طرف سے بلانا ہوتا ہے۔ اس میں قدرت خداوندی کا ظہور ہوتا ہے وہاں **کن فیکون** کی جلوہ گری ہوتی ہے یہ آیت شریعت و طریقت دونوں کی جامع ہے **یوم یقول** الخ میں طریقت کی جانب اشارہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **قولہ الحق** میں اللہ کے قول سے مراد وہ قول کلام ہے۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ شریف سے نکلتا ہے وہ بالکل یعنی درست بھی ہے اور حق یعنی اٹل بھی ہے جسے کوئی شے مٹا نہیں سکتی۔

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّيْٓ اَرٰىكَ وَقَوْمَكَ

اور جب فرمایا ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آزر سے کیا بناتے ہو تم بتوں کو معبود بیشک دیکھتا ہوں تم کو اور تمہاری

اور یاد کرو جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا کیا تم بتوں کو خدا بناتے ہو بیشک میں تمہیں اور تمہاری

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۞ وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

قوم کو ظاہر گمراہی میں اور یوں ہی دکھاتے ہیں ہم ابراہیم کو سلطنت آسمانوں اور زمین کی

قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں اور اسی طرح ہم ابراہیم کو دکھاتے ہیں ساری بادشاہی آسمانوں اور

وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۞

اور تاکہ ہو جاویں وہ یقین والوں میں سے

زمین کی اور اس لئے کہ وہ عین الیقین والوں میں ہو جاوے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بت پرستی کی برائی عقلی دلائل سے بیان ہوئی اب یہی دونوں چیزیں حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوات والتسلیمات کے ارشادات آپ کی تعلیمات سے بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب، یہود و نصاریٰ سب ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا احترام کرتے تھے اور اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے۔ بلکہ اپنے ابراہیمی ہونے پر فخر کرتے تھے۔ گویا توحید کے عقلی دلائل بیان فرمانے کے بعد اس کے نقلی دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ بت پرست مشرکین جنگل میں گم شدہ حیران آدمی کی طرح ہیں جس سے معلوم ہوا تھا کہ مومن کو اطمینان میسر ہے اب اس دعویٰ کی دلیل بتائی جا رہی ہے کہ مشرکین کے ہاتھ میں ثبوت کا دامن نہیں اس لئے وہ حیران ہیں مومنین کے ہاتھوں میں حضرات انبیاء خصوصاً جناب

www.alahazratnetwork.org

ابراہیم علیہ السلام کا دامن ہے لہذا انہیں اطمینان میسر ہے۔ گویا پچھلی آیات میں کفار کی حیرانی پریشانی کا دعویٰ تھا اب اس کی وجہ اس کی دلیل کا بیان ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی صفات کے ذریعہ کرائی گئی تھی کہ وہ خالق ہے ' وہ مالک ہے ' وہ عالم ہے ' وہ حکیم ہے ' وہ خبیر ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے اپنی معرفت ' اپنے نبی جناب ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ کرائی۔ گویا توحید کا ذکر پہلے تھا۔ ایمان کا ذکر اب ہے اللہ تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ پہچاننا ایمان ہے اور ایمان ہی نجات کا ذریعہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** ابھی اس آیت سے متصل فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے خبیر بھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی تعلیم اس کی عطا سے اس کے بعض بندے حکیم بھی ہیں اور خبیر بھی۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام کیسے گندے ماحول میں پیدا ہوئے کہ ہر طرف سے کفر میں گھرے ہوئے تھے۔ مگر آپ کے دامن پر کفر و شرک کا دھبہ تک نہ لگ سکا۔ اول سے ہی آپ نے بت پرستی کی تردید ہی فرمائی کیونکہ ہم نے انہیں حکیم بھی بنایا تھا خبیر بھی۔ گویا حمد الٰہی کے بعد نعت خلیلی کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ نعت رسول حمد الٰہی کا تکملہ ہوتی ہے۔ جیسے نمک کے بغیر چاول گوشت گھی وغیرہ سب بیکار ہے ایسے ہی نعت نبی کے بغیر سارے ذکر بیکار ہیں۔

تفسیر: **واذ قال ابراهيم** یہ عبارت یا تو معطوف ہے **اندعوا من دون الله** پر اور قل کا مفعول بہ ہے۔ تو یہ واؤ عاطفہ ہے یعنی اے محبوب آپ مشرکین سے وہ بات بھی کہو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بھی کہو یا یہ نیا جملہ ہے اور یہاں **اذكروا** یا **اذكر** پوشیدہ ہے اس صورت میں واؤ ابتدائیہ ہے یعنی اے محبوب یہ بات ان مشرکین کو یاد دلاؤ۔ جب جناب خلیل نے یہ کہا تھا یا اے مشرکو وہ واقعہ یاد کرو۔ خیال رہے کہ مومنوں کو حکم ہے کہ ماضی میں انبیاء ' اولیاء ' مومنین کے کام ان کے انعامات یاد رکھیں تاکہ انہیں عبادات کا شوق ہو۔ یونہی ماضی کے کفار ' ان کے کام ' ان کے عذاب یاد رکھیں تاکہ دلوں میں رب کا خوف پیدا ہو۔ زمانہ حال کی نعمتیں جو بارش کی طرح برس رہی ہیں یاد رکھیں تاکہ شکر کا شوق ہو۔ آئندہ موت ' قبر ' حشر کو یاد رکھیں غرضیکہ تینوں زمانوں کی باتیں یاد رکھیں یہاں گزشتہ زمانہ کے ایک جلیل القدر پیغمبر کے واقعات یاد رکھنے کا حکم ہو رہا ہے۔ یاد رکھنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ یاد قولی ' یاد عملی۔ یاد قولی زبان سے چرچا کرنا۔ یاد عملی ان کے سے اعمال کر کے ان کی یاد تازہ رکھنا۔ ارکان حج حضرت ابراہیم و دیگر نبیوں کی عملی یاد ہے اور یاد فعلی کوئی ایسی نشانی قائم کرنا ہے۔ جس سے ان کی یاد تازہ رہے۔ جیسے چاہ زمزم یا مقام ابراہیم کا قائم رکھنا۔ یاد فعلی ہے میلاد شریف ' عرس بزرگان۔ یہ سب یاد منانے کا ذریعہ ہیں۔ قول سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ تبلیغی فرمان ہے۔ جو آپ نے اپنے عزیزوں سے اور ان کی معرفت ساری قوم سے کیا۔ ابراہیم کے لفظی معنی اور آپ کے تاریخی حالات آپ کی ازواج و اولاد وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کرو **ولابيه ازر** اس عبارت کا تعلق قال سے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطاب تو آزر سے کیا مگر سنایا ساری قوم کو۔ آزر تمام مشرکوں کا سردار تھا اس کے درست ہو جانے سے دوسروں کے درست ہو جانے کی امید تھی اس لئے بھی نیز پہلے اپنے گھر سے تبلیغ شروع کی جائے پھر دوسروں کے درست ہو جانے کی امید تھی اس لئے بھی۔ نیز پہلے اپنے گھر سے تبلیغ شروع کی جائے پھر دوسروں کو اس وجہ سے آپ نے آزر سے خطاب کیا۔ خیال رہے کہ عربی میں اب اور والد دونوں کے معنی ہیں۔ باپ ' مگر اب عام ہے کہ سگے باپ کو بھی اب کہتے ہیں اور سوتیلے باپ ' دادا ' چچا ' بلکہ سارے اصول خاندان کو بلکہ استاد کو ' بلکہ شیخ کو ' بلکہ مربی کو بھی اب کہہ دیتے ہیں۔ دیکھو **لا تنكحوا ما نكح اباء كم** یہاں اباء سے مراد سارے اصول

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ باپ دادا' پردادا کہ ان سب کی منکوحہ بیویاں ہم پر حرام ہیں اور اباءک ابراہیم و اسماعیل و اسحق یہاں اباء میں چچا بھی داخل ہیں۔ حضرت اسماعیل جناب یعقوب کے چچا تھے۔ **ما وجدنا علیه اباءنا** میں اباء سے مراد استاد بھی ہیں۔ سرکار نے فرمایا ردوا علی ابی میرے باپ عباس کو میرے پاس لاؤ۔ یہاں اب سے مراد چچا ہے۔ بہر حال اب بہت عام ہے۔ مگر والد اکثر سگے باپ کو کہتے ہیں۔ **و بالوالدین احسانا**۔ یونہی لفظ ام عام ہے سگی ماں' سوتیلی ماں' دودھ کی ماں۔ دادی' نانی' چچی' ساس سب کو ام کہہ دیتے ہیں۔ دیکھو **امھاتکم التی ارضعنکم** میں دائی دودھ پلانے والی کو ام فرمایا۔ **حرمت علیکم امھاتکم** میں سگی ماں' سوتیلی' ماں' دادی' نانی کو ام فرمایا۔ مگر والدہ عموماً" سگی ماں کو کہتے ہیں۔ **والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین** یا جیسے **و برا و بالوالدین** جب یہ سمجھ لیا تو سمجھو کہ قرآن کریم نے ہر جگہ آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اب فرمایا ہے کہیں والد نہیں فرمایا۔ معلوم ہوا کہ وہ آپ کا سگا باپ نہ تھا' کون تھا' اس میں گفتگو ہے۔ امام جلال الدین سیوطی نے مسالک الحنفی میں۔ مفردات امام راغب نے تفسیر کبیر نے' تفسیر روح المعانی وغیرہ نے فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم کا چچا تھا۔ آزر بت پرست تھا۔ آپ کے والد کا نام تارح ہے۔ جو مومن موحد تھے۔ تفسیر ابن کثیر نے بھی یہی کہا۔ بعض نے فرمایا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی اور خاندانی بزرگ تھا۔ حضرت ابراہیم کے والد کا نام تارح ہے۔ ماں کا نام روح المعانی نے فرمایا کہ متلی ہے۔ تفسیر ابن کثیر نے کہا کہ شانی ہے۔ مقام پیدائش کوثی ہے۔ (کوفہ کے پاس ایک بستی)۔

اس کے دلائل : علماء محققین نے اس دعوی پر چند دلیلیں بیان فرمائیں۔ (1) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کی جو قبول ہوئی رد نہ ہوئی۔ رب تعالیٰ نے ان کی دعائیں نقل فرمائی۔ **ربنا اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب** خیال رہے کہ یہاں والدی ہے ابی یا ام نہیں ہے اور اس کی تردید کا ذکر نہیں۔ معلوم ہوا کہ دعا قبول ہوئی' ان کی بخشش ہو گئی۔ آزر کے متعلق ارشاد ہے۔ **و اغفرلابی انه کان من الضالین**۔ یہاں یہ دعا آزر چچا کے لئے ہے۔ یہاں اب ارشاد ہوا اس دعا کی تردید دوسری جگہ قرآن کریم میں یوں ہے۔ **وما کان استغفار ابراھیم لابیه الا عن موعدة وعدھا ایاہ فلما تبین له انه عدو لله تبرا منه**۔ یعنی حضرت ابراہیم کا اپنے چچا آزر کے لئے دعاء مغفرت کرنا اس لئے تھا کہ آزر نے آپ سے ایمان لانے کا وعدہ کیا تھا۔ مگر جب وہ کفر پر مر گیا تو آپ اس سے بیزار ہو گئے۔ دیکھو یہاں لفظ اب ہے بمعنی چچا۔ (2) آزر کی موت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت سے پہلے ہوئی۔ چنانچہ ابن منذر نے بسند صحیح حضرت سلیمان ابن صرد سے روایت کی کہ جب نمرود کی آگ حضرت خلیل پر گلزار ہوئی تو آزر بولا یہ میری برکت سے گلزار ہوئی۔ اس کا یہ کہنا تھا کہ ایک شعلہ اس پر پڑا اور وہ وہاں ہی راکھ کا ڈھیر ہو گیا (روح المعانی)۔ اور حضرت ابراہیم کے والدین کے لئے دعاء مغفرت بعد ہجرت فلسطین پہنچ کر بلکہ اسماعیل علیہ السلام کی پیدائش کے بعد ہوئی۔ دیکھو سورہ ابراہیم چھٹا رکوع وہاں ارشاد ہے کہ جب آپ حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو بیت اللہ کے پاس چھوڑ کر چلے تب چند دعائیں مانگیں۔ جن میں ایک یہ تھی۔ **ربنا اغفرلی ولوالدی**۔ معلوم ہوا کہ یہ دعا آزر کی موت سے بہت بعد ہے۔ لہٰذا یہ دعا آزر کے لئے نہیں بلکہ تارح کے لئے ہے۔ (3) قرآن کریم فرماتا ہے۔ **لقد جاءکم رسول من انفسکم**۔ بعض قراۃ میں انفس ف کے فتحہ سے ہے۔ یعنی یہ رسول نفیس ترین جماعت سے پیدا ہوئے۔ معلوم ہوا کہ از آدم تا حضرت عبداللہ سارے لوگ نفیس تھے کوئی خسیس نہ تھا اگر آزر جناب ابراہیم علیہ السلام کا باپ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں شامل ہو گا اور کافر خسیس

www.alahazratnetwork.org

ہے 'خبیث ہے' نجس ہے۔ وہ اس سید الطاہرین امام المجوبین کے طیب و طاہر نسب میں کیسے آسکتا ہے۔ (4) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **لم ازل انقل من اصلاب الاطاہرین الی ارحام الطاہرات**۔ میں ہمیشہ پاک پشتوں سے پاک رحموں کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں معلوم ہوا کہ از آدم تا حضرت عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے دادے 'دادیاں' نانے 'نانیاں پاک ہیں اور مشرک نجس ہوتا ہے۔ **انما المشرکون نجس** پھر آزر کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں کیسے جگہ مل سکتی ہے (روح المعانی)۔ (5) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و تقلبک فی السجدین** اس آیت کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور عابدین 'ساجدین میں منتقل ہوتا ہوا دیکھ رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے دادے 'دادیاں مومنین ساجدین ہیں۔ انہی سے کسی نے بت کو سجدہ نہ کیا۔ (6) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ سخت گفتگو بتا رہی ہے کہ آزر آپ کا باپ نہیں کیونکہ ماں باپ اگرچہ کافر ہوں مگر ان سے گفتگو نرم اور تبلیغ نرمی سے کرنی چاہئے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلا تقل لھما اف ولا تنھرھما و قل لھما قولا کریما** (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب شریف کفر' شرک اور زنا سے پاک ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کل اکیاون حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب میں آتے ہیں جن میں سے تیس میں اختلاف ہے باقی اکیس میں اتفاق۔ ان میں چھ حضرات نبی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نسب نامہ جو تفسیر روح البیان میں ہے وہ یوں ہے۔

نسب الرسول : حضرات آدم علیہ السلام۔ (2) شیث۔ (3) انوش۔ (4) قینان۔ (5) مہلائیل۔ (6) یرد۔ (7) ادریس علیہ السلام۔ (8) متوشلخ۔ (9) لمک۔ (10) نوح علیہ السلام۔ (11) سام۔ (12) ارفخشد۔ (13) شالخ۔ (14) عابر۔ (15) فالخ۔ (16) ارغو۔ (17) شاروخ۔ (18) ناخور۔ (19) تارخ والد حضرت ابراہیم۔ (20) ابراہیم علیہ السلام۔ (21) اسماعیل علیہ السلام۔ (22) قیدار۔ (23) حمل۔ (24) بنت۔ (25) سلامان۔ (26) ہمیسع۔ (27) یعرب۔ (28) ثجب۔ (29) یسع۔ (30) اُدد۔ ان حضرات میں قدرے اختلاف ہے۔ متفق علیہ نام یہاں سے شروع ہوتے ہیں۔ (1) عدنان۔ (2) معد۔ (3) نزار۔ (4) مضر۔ (5) یاس۔ (6) مدرکہ۔ (7) خزیمہ۔ (8) کنانہ۔ (9) نضر۔ (10) مالک۔ (11) فہر۔ (12) غالب۔ (13) لوی۔ (14) کعب۔ (15) مرہ۔ (16) کلاب۔ (17) قصی۔ (18) عبد المناف۔ (19) ہاشم۔ (20) عبد المطلب۔ (21) عبد اللہ۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کل اکیاون نام ہیں جن میں سے کوئی مشرک 'کافر' زانی نہیں۔ سب مومن موحد متقی ہیں۔ ان میں کل چھ نبی ہیں۔ حضرت آدم' شیث' ادریس' نوح' ابراہیم' اسماعیل علیہم السلام (روح البیان یہی مقام) باقی سارے نورانی لوگ ہیں۔ آزر یا تو عجمی نام ہے تو عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے یا عربی وصف ہے تو وزن فعل اور وصف کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔ تب آزر بنا ہے۔ ازر یا وزر سے بمعنی عیب۔ گناہ' ٹیڑھا پن چونکہ آزر بت پرست بھی تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دشمن بھی اس لئے اسے آزر کہتے ہیں۔ یعنی عیبی' ٹیڑھا دیکھو تفسیر صاوی اور کبیر۔ روح المعانی وغیرہ قدرت نے ابراہیم اور آزر کے نام ہی ایسے رکھوائے جن سے ان کے کاموں کا پتہ لگ گیا۔ آزر ٹیڑھا رہا اور جناب ابراہیم اب رحیم یعنی سب کے مہربان باپ ہوئے' سارے نبیوں کے والد تو ان کی امتوں کے بھی والد۔ مہربان ایسے کہ کفار کو بھی بددعا نہ دی بلکہ فرمایا **و من عصانی فانک غفور الرحیم**۔ نام کا اثر نام والے میں ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام محمد ہے دیکھ لو دنیا ان کی حمد کر رہی ہے والدہ پاک

www.alahazratnetwork.org

کا نام آمنہ ہے تو وہ ایمان 'امان 'امانت کا مرکز ہیں۔ **اتتخذ اصناما الهة** ۔ یہ عبارت **قال** کا مقولہ ہے اس میں یہ سوال انکار یا تعجب یا حقارت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ **اتتخذ** میں الف سوال و استفہام کا ہے اور سوال تعجب کا ہے یعنی تعجب ہے کہ تو نے میری شکل دیکھی 'میرا کلام سنا 'میرے اطوار اعمال دیکھے 'پھر بھی تو بت تراش رہا۔ نبی کا نام کام سب ہادی ہوتے ہیں یہ حضرات ہدایت کا مرکز ہوتے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ تعجب ہے کہ تو میرا عزیز ترین رشتہ دار ہو کر رہا بت تراش۔ نبی کے عزیز و اقارب کو چاہئے کہ پہلے وہی ایمان لائیں 'لوگوں کو ایمان دیں 'آج بھی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم نبی کی اولاد ہیں 'ہم کو ایمان و اعمال کی ضرورت نہیں۔ غلط ہے انہیں زیادہ ضرورت ہے **اتخاذ** کے معنی ہیں بنانا 'گھڑنا۔ اس کا پہلا مفعول **اصنام** ہے دوسرا مفعول **الهة**۔ اصنام جمع ہے صنم کی 'صنم اور وثن کسی جاندار کے مجسمہ کو کہتے ہیں 'فوٹو کو صنم یا وثن نہیں کہتے یعنی اے آزر کیا تو میرے پاس رہتے ہوئے میری تعلیم دیکھتے ہوئے بھی بتوں کو اپنا معبود سمجھتا ہے۔ افسوس بھی ہے اور تعجب بھی یعنی تو بناتا ہے اور یہ بت بنتے ہیں۔ تعجب ہے کہ تو بنانے والا تو بندہ ہو گیا اور یہ بننے والے بت معبود یا رب بن جائیں تجھے اتنی سمجھ نہیں۔ سبحان اللہ کیسی پیاری دلیل ہے۔ پھر بچپن شریف میں۔ **انی اراک و قومک فی ضلال مبین**۔ **اری** بنا ہے رویت سے 'معنی دیکھنا خواہ آنکھ کا دیکھنا ہو یا دل کا دیکھنا یعنی سمجھنا یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں سمجھتا ہوں تو بڈھا ہو کر ہدایت و گمراہی میں فرق نہیں کرتا میں کمسن ہو کر یہ فرق کر رہا ہوں۔ حضرات انبیاء ہمارے قلب و روح کا ایکسرے کر کے ہم کو ہماری حقیقت دکھا دیتے ہیں۔ **قوم** سے مراد ہے دینی قوم 'نسبی یا ملکی یا پیشہ کی قوم مراد نہیں۔ **ضلال** سے مراد ہے کفر و شرک **مبین** سے مراد ظاہر ظہور یعنی میں تجھے اور تیرے ہم مذہب سارے بت پرستوں کو ایسی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں جو بالکل ظاہر ظہور گمراہی ہے اس میں کوئی تردد نہیں۔ **و کذالک نری ابراهیم** ۔ یہ نیا جملہ ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے **کما ارینٰه ذالک**۔ **نری** میں رویت سے مراد ہے آنکھ سے دکھانا یعنی جیسے ہم نے حضرت ابراہیم کو ان بدعقیدگیوں کا کفر و شرک ہونا بتا دیا ایسے ہی ہم نے انہیں یہ آنکھوں سے دکھا دیا۔ **ملکوت السموات والارض** یہ **نری** کا دوسرا مفعول ہے۔ **ملکوت** مصدر ہے جیسے رغبوت اور رہبوت اس میں ت زائدہ ہے مبالغہ کے لئے اس کے معنی ہیں پوری ملکیت 'پورا قبضہ ظاہری چیزوں کی ملکیت ملک ہے۔ باطنی چیزوں کی ملکیت ملکوت (صاوی) جسم پر حکومت ملک ہے' روح پر حکومت ملکوت ظاہری 'زمین پر حکومت ملک ہے 'زمین و آسمان کے اندرون پر حکومت ملکوت ہے چنانچہ آپ کو ایک چٹان پر کھڑا کیا گیا اور فرمایا گیا اوپر کو دیکھو تو عرش و کرسی 'لوح و قلم۔ وہاں کی ساری مخلوق نظر آ گئی۔ حکم ہوا نیچے کو دیکھو تو تحت الثریٰ تک کا ذرہ ذرہ دیکھ لیا اس میں یہی بات فرمائی گئی ہے۔ **و لیکون من الموقنین**۔ یہاں بھی ایک بات پوشیدہ ہے **لیدل بها علی و حدانیتنا موقنین** میں یقین سے مراد عین الیقین ہے۔ یعنی آنکھوں دیکھا یقین ہم نے یہ ملکوت اس لئے انہیں دکھائے تاکہ وہ اپنی قوم کے سامنے ان چیزوں کو ہماری وحدانیت پر دلیل بنائیں۔ اور خود انہیں عین الیقین حاصل ہو جائے اور ہماری الوہیت کے عینی گواہ بن جائیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ **و اذ قال** میں ابراہیم علیہ السلام کی عالی ہمت و جرات مطلقہ کا بھی ذکر ہوا کہ آپ نے ان برائیوں کی برملا تردید کی جو قوم میں سرایت کر گئی تھی اور شاہی قانون بن چکی تھی۔ ایسی برائیوں کی تردید کرنا بڑی ہمت اور جرات کا کام ہے اور انتہائی دانشمندی کا بھی ذکر ہے کہ آپ نے پہلے اپنے قرابت دار اور قوم کے سردار آزر کو تبلیغ کی 'آپ کی یہ

www.alahazratnetwork.org

دلیری اور دانشمندی تاقیامت مبلغین کے لیے مثال ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ اہل عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں اور اپنے کو دین ابراہیمی کا پیرو کار بتاتے ہیں مگر کرتے ہیں بت پرستی۔ آپ نے توحید کے دلائل تو سنا دیئے ذرا انہیں ان کے جد امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی یاد دلا دیں جبکہ انہوں نے اپنے بت پرست چچا آزر سے بغیر رو رعایت فرمادیا تھا کہ اے آزر کیا تو میرے پاس رہتے ہوئے میرا کلام سنتے ہوئے بھی بت پرستی کرتا ہے' بتوں کو اپنا معبود مانتا ہے تو تجھے بھی اور تیری ساری کافر و بت پرست قوم کو بھی کھلی گمراہی کفر و شرک میں مبتلا سمجھ رہا ہوں۔ اے محبوب جیسے ہم نے جناب خلیل کو ایسی بصیرت بخشی کہ کفر و شرک کے ماحول میں رہتے ہوئے انہوں نے ایسی فصیح و بلیغ تبلیغ فرمائی۔ ایسے ہی ہم نے ان کو ایسی بصارت بخشی کہ انہیں آسمانوں' زمینوں کی تمام خفیہ چیزیں وہاں کی اعلیٰ درجہ کی نشانیاں آنکھوں سے دکھا دیں۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان چیزوں کو دیکھ کر قوم کو اعلیٰ درجہ کی تبلیغ کر سکیں اور خود بھی یقین سے ترقی کر کے حق الیقین کا درجہ حاصل کر لیں۔ چنانچہ انہوں نے عرش و فرش لوح و قلم وغیرہ ساری مخلوق کا ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ خیال رہے کہ بعض لوگ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین جناب آمنہ و عبداللہ کو بھی مشرک کہتے ہیں۔ ان کی مکمل تردید ہم پہلے پارہ میں **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ غضب تو دیکھو کہ آمنہ کا نام ہی ان کے ایمان کی دلیل ہے۔ الف سے اللہ' میم سے محمد' ن سے نورہ سے ہدایت کی طرف اشارہ ہے۔ کہ اللہ و محمد ان میں عیاں ہیں اور نور و ہدایت ان میں نہاں ہیں یا آمنہ بنا ہے۔ امن سے 'یا ایمان سے 'یا امانت سے اور بعض لوگ ان دونوں بزرگوں کو تو مومن مانتے ہیں مگر باقی آباؤ اجداد کو مومن نہیں مانتے ان کی دلیل یہ آیت ہے جس میں آزر کو حضرت ابراہیم کا باپ کہا گیا ہم نے اس کا ذکر ابھی تفسیر میں کر دیا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گذشتہ بزرگوں کے تاریخی واقعات ان کے ارشادات ان کی تعلیمات یاد رکھنا' یاد کرانا بہت ہی مفید ہے۔ یہ فائدہ **و اذ قال ابراھیم الخ** سے حاصل ہوا۔ مسلمانوں کی تاریخ بہت ہی شاندار ہے اسے یاد رکھیں اس کا چرچا کریں۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اپنی زندگی کے کسی لمحہ میں کفر و شرک نہیں کر سکتے وہ بدعقیدگیوں بلکہ بدعملیوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام باوجودیکہ نہایت گندے ماحول میں تھے مگر ہر برائی سے محفوظ و معصوم رہے۔ یہ فائدہ **اتتخذ اصناما الخ** سے حاصل ہوا۔ وہ حضرات دنیا کو بدل دیتے ہیں دنیا سے خود نہیں بدلتے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عرب جیسے بگڑے ہوئے ملک کو سنبھال دیا' خود وہاں کا اثر نہ لیا۔ **تیسرا فائدہ:** دینی تبلیغ میں کسی اپنے پرائے چھوٹے بڑے کا لحاظ نہیں۔ صاف بات کہہ دینی چاہئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا کو صاف صاف کہہ دیا کہ تو اور تیری قوم گمراہ ہے۔ یہی ہے اسلامی اخلاق دین میں پلپلا پن خطرناک ہے۔ **چوتھا فائدہ:** دین کا چھپانا تقیہ کرنا سنت انبیاء کے خلاف ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود جیسے جابر بادشاہ کے ملک میں رہتے ہوئے اپنے چچا کے پاس بستے ہوئے اپنا ایمان آزر کا کفر صاف صاف بیان فرمادیا۔ حضرت امام حسین نے یزید جیسے جابر حاکم کی پرواہ کئے بغیر حق کا اعلان فرمادیا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر اور بے دینوں کو نبی کی رشتہ داری کام نہ آئے گی دیکھو آزر حضرت خلیل اللہ کا چچا تھا مگر دوزخی ہوا۔ کیونکہ کافر تھا کفار مکہ کو یہی سنایا جا رہا ہے کہ تم مشرک ہو اور اولاد ابراہیم علیہ السلام ہونے پر فخر کرتے ہو۔ تمہارا یہ فخر غلط ہے۔ کنعان اور قابیل اولاد نبی تھے مگر ہلاک ہوئے کہ بے دین تھے۔ **چھٹا فائدہ:**

www.alahazratnetwork.org

نبی اور غیر نبی کی عقل میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ غیر نبی کی عقل ناقص ہوتی ہے۔ صرف دنیا میں کام آتی ہے۔ نبی کی عقل کامل ہوتی ہے جو دین میں بھی کام آتی ہے۔ دوسرے یہ کہ اوروں کو عقل ملتی ہے ہوش سنبھالنے پر اور چھوڑ جاتی ہے موت سے بہت پہلے کہ انسان بڑھاپے میں بے عقل ہو جاتا ہے مگر نبی کو ولادت سے لے کر وفات تک عقل عطا ہوتی ہے وہ کبھی ان کا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ دیکھو حضرت ابراہیم کا یہ عاقلانہ کلام بچپن شریف میں اور دیکھو عیسیٰ علیہ السلام کا عاقلانہ کلام ماں کی گود میں۔ **انی عبداللہ** الخ۔ تیسرے یہ کہ ہماری عقل بغیر تعلیم کے بیکار ہے۔ جیسے ہماری آنکھ بغیر خارجی روشنی کے بیکار ہے۔ مگر نبی کی عقل کو کسی انسانی تعلیم کی ضرورت نہیں وہ رب کے سکھائے ہوئے پیدا ہوتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم غیب بخشا کہ آسمانوں، زمینوں کے ملکوت آنکھوں دکھا دیئے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر چیز دکھائی بھی گئی اور آسمانوں، زمینوں، جنت، دوزخ، عرش و کرسی وغیرہ کی سیر بھی کرائی گئی۔ جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نگاہ پہنچی وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود پہنچے یعنی آسمانوں میں بلکہ وہاں سے وراء جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہنچے وہاں نہ وہاں تھا نہ کہاں۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی اور امت کے ایمان میں فرق ہے نبی کا ایمان عین الیقین کے درجہ کا ہوتا ہے۔ امت کا ایمان علم الیقین کے درجے کا سن کر یقین علم الیقین ہے دیکھ کر یقین عین الیقین اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان حق الیقین کے درجے کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم غیب میں خود پہنچے۔ **نواں فائدہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصارت بھی بے مثال تھی اور بصیرت بھی بے مثال آپ نے بصیرت سے کفر و ایمان، ہدایت و گمراہی دیکھ لی اور بصارت سے آسمانوں و زمین ملاحظہ فرمائے یہ فائدہ **و لیکون من الموقنین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر ہے۔ اور وہ مشرک و بت پرست تھا۔ لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نسب پاک شرک و کفر سے محفوظ نہیں کیونکہ اس صورت میں آزر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل شریف میں داخل ہے اور وہ ہے مشرک بت پرست۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں بہت مدلل طریقہ سے عرض کر دیا گیا کہ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا ہے نہ کہ باپ عربی میں اب سب کو کہہ سکتے ہیں باپ، چچا، دادا، مربی وغیرہ۔ یہاں چچا کو اب کہا گیا ہے آپ کے والد تارح ہیں جو مومن موحد تھے۔ چنانچہ حضرت خلیل نے دعا بخشش ان کے لئے یوں کی ہے۔ **ربنا اغفرلی ولوالدی و للمومنین یوم یقوم الحساب** - **والدین** سے مراد ماں باپ ہیں۔ اس کی تحقیق ابھی کر دی گئی۔ تفسیر ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **ملکوت السموات والارض** کیوں ارشاد ہوا **ملک السموات** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** ملک اور ملکوت میں چند طرح فرق ہے ان فرقوں کی وجہ سے ملک تو بندوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ مگر ملکوت صرف رب تعالیٰ کا۔ (1) ذاتی ملکیت ملکوت ہے عارضی ملکیت کو ملک بھی کہہ سکتے ہیں یعنی ملک عام ہے ملکوت خاص۔ (2) صرف مالک ہونا ملک ہے اور مالک اور رب ہونا ملکوت یعنی ملکوت کے لئے مالکیت، ربوبیت دونوں ہونا ضروری ہے (روح المعانی)۔ (3) ملک عظیم ملکوت ہے اور مطلق ملک بڑا ہو یا چھوٹا ملک ہے۔ (4) زمین کا ظاہر ملک ہے اور زمین کا باطن آسمان کا ظاہر و باطن ملکوت۔ (5) ظاہر پر حکومت ملک ہے اور باطن پر حکومت و سلطنت ملکوت بادشاہ اپنے ملک کے انسانوں پر راج کرتا ہے ملک والا ہے۔ مگر وہاں کی ہوا پانی دھوپ وغیرہ پر راج نہیں کر سکتا یہ اس کے قبضہ میں نہیں یہ ملکوت ہے نیز بادشاہ انسانوں کے ظاہر پر راج کرتا ہے یعنی ان کے بدن اور مال پر مگر ان کی روح و نفس و دل پر راج نہیں کر سکتا یہ ہے ملکوت۔ ان وجوہ

www.alahazratnetwork.org

سے ملکوت صرف رب تعالیٰ کا ہے ملک اس کی عطا سے عارضی طور پر بندوں کا بھی ہو سکتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اباؤ اجداد کو مومن ماننا شیعوں کا مذہب ہے۔ اہلسنت کا نہیں چنانچہ انہوں نے اس جگہ ان کے ایمان کی بہت پر زور تردید کی ہے۔ **جواب:** اس جگہ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ امام رازی نے یہاں سخت غلطی کی ہے ان کی تلاش میں کمی ہے کہ وہ یہ مسئلہ شیعہ عقائد کا بتا گئے۔ محققین اہلسنت کا یہی مسلک ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اباؤ اجداد مومن و موحد تھے۔ امام رازی کی غلطی مان لینا آسان ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کو مشرک ماننا بہت سخت ہے۔ امام رازی نے غلطی کی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد نے کفر نہیں کیا۔ **چوتھا اعتراض:** جناب خلیل نے آسمانوں زمینوں کے مشاہدہ کی دعا کیوں کی اور انہیں یہ سب کچھ کیوں دکھایا گیا۔ **جواب:** سارے نبی ایمانیات کے گواہ ہیں رب تعالیٰ کا منشا یہ تھا کہ دوسرے پیغمبروں کی یہ گواہیاں سنی ہوئی ہوں اور جناب خلیل کی یہ گواہی دیکھ کر ہوتا کہ آپ کی گواہی کامل تر ہو۔ اپنے محبوب کو شاہد بنا کر بھیجا تو جو کچھ خلیل کو دکھایا تھا وہاں اپنے حبیب کو پہنچایا تاکہ آپ کی گواہی واردات پر پہنچ کر مشاہدہ کی ہوئی ہو۔ اسی لئے آپ پر دور نبوت ختم فرمادیا گیا کہ عینی گواہ پر سمعی گواہیاں ختم ہو جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی شہودی ہے۔ سمعی اور عینی شہودی گواہیوں میں فرق ہے۔ جہاں حضرت خلیل کی نظر پہنچی تھی وہاں محبوب کے قدم پہنچ گئے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرات انبیاء کرام یا اولیاء اللہ سے جو دعائیں منقول ہوں انہیں دعاء ماثورہ کہتے ہیں وہ دعائیں بہت ہی پر تاثیر ہوتی ہیں ان دعاؤں کا مانگنا بہتر ہے تو کیا ہم بھی یہ دعائیں مانگا کریں کہ خدایا ہم کو مردے زندہ کر کے دکھایا یا ہم کو اپنا دیدار دے یا ہم کو اپنے ملکوت دکھا کہ یہ دعائیں حضرات انبیاء کی ہیں۔ **جواب:** جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام سنت رسول ہیں اور دوسرے نبیوں کے کام سنت انبیاء ہیں مگر کب جبکہ وہ کام ہمارے عمل کے لائق ہوں ان حضرات کی خصوصیات سے نہ ہوں ایسے ہی ان بزرگوں کی دعائیں ہمارے لئے دعاء ماثورہ جب بنیں گی جبکہ وہ دعائیں ہمارے لئے ہماری حیثیت کے لئے لائق ہوں لہٰذا ہم نہ تو اپنے فرزند کو ذبح کر سکتے ہیں۔ نہ انہیں بے آب و دانہ جنگل میں ڈال سکتے ہیں نہ اپنے کو آگ میں ڈال سکتے ہیں کہ یہ چیز حضرت ابراہیم کے اعمال تو ہیں مگر ان کی خصوصیتیں ہیں اسی طرح ہم نہ رب کے دیدار کی دعا کر سکتے ہیں نہ مردہ زندہ کر کے دیکھنے کی نہ آسمان سے غیبی دسترخوان اتارنے کی نہ ملکوت الہٰی دیکھنے کی یہ دعائیں حضرات انبیاء کرام کی تو ہیں مگر انہیں دعاء ماثورہ نہیں کہہ سکتے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **و لیکون من الموقنین** تاکہ حضرت ابراہیم یقین والوں میں سے ہو جائیں تو کیا پہلے وہ یقین والوں میں سے نہ تھے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں یقین سے مراد عین الیقین ہے جو دیکھ کر حاصل ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو علم الیقین تو پہلے سے ہی حاصل تھا مگر عین الیقین کا درجہ عطا فرمانے کے لئے ان چیزوں کا مشاہدہ کرایا گیا اس کی تفسیر وہ آیت ہے کہ حضرت خلیل نے عرض کیا کہ مولیٰ مجھے دکھا دے کہ تو مردے کیسے زندہ کرے گا۔ فرمایا **او لم تومن** کیا تم اس پر ایمان نہیں لائے۔ عرض کیا **بلی و لکن لیطمئن قلبی** ایمان تو لا چکا ہوں دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ کون سا اطمینان عین الیقین والا بہرحال یہاں یقین کا درجہ اعلیٰ مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے امتحانات بہت سخت لئے جان، مال، اولاد سب ہی سے امتحان لیا۔ جناب خلیل ہر امتحان میں اول نمبر رہے تو ان پر عطاء و جود و نوال بہت ہی فرمائے۔ انہیں بصیرت بھی اعلیٰ بخشی بصارت بھی

www.alahazratnetwork.org

کامل آپ نے بصیرت سے ایمان کی حقانیت کفر کا بطلان محسوس فرمالیا۔ فرمایا **انی اراک و قومک فی ضلال مبین**۔ یہ ہے آپ کی بصیرت اور بصارت کا یہ کمال عنایت کیا کہ آپ نے آنکھوں سے ملکوت الٰہی دیکھ لیا حالانکہ ملکوت ان آنکھوں سے نظر آنے والی چیز نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم کی ہر چیز کا ایک ظاہر ہے ایک باطن ظاہر کو جسمانی 'دنیا' صورت 'شہادت اور ملک کہتے ہیں۔ باطن کو روحانی آخرت 'معنی' غیب اور ملکوت کہا جاتا ہے ظاہر گویا صورت ہے۔ باطنی گویا اصل 'ملکوت سے ملک قائم ہے اور اللہ کی قدرت سے ملکوت قائم 'ملکوت وہ چیزیں ہیں جو فقط کن سے پیدا ہوئیں ملک وہ جو کسی چیز سے بنیں جسم ملک ہے کہ وہ خاک یا نطفہ وغیرہ سے بنا روح ملکوت ہے کہ وہ صرف امر کن سے بنی اس لئے ملک کو خلق فرمایا گیا ہے کہ ارشاد ہے **او لم ینظروا فی ملکوت السموات والارض وما خلق اللہ من شیء** دیکھو یہاں ملکوت اور خلق کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا۔ دوسری جگہ ہے **الا لہ الخلق والامر** دیکھو خلق ملک ہے 'امر ملکوت' ملک عقول سے اور ملکوت قلوب سے محسوس ہوتا ہے کہ عقل کا ادراک ناقص ہے دل کا ادراک کامل دلی علم کا نام کشف ہے۔ کشف مجاہدہ والوں کو میسر ہوتا ہے۔ ملک بیان سے بتایا جاتا ہے۔ ملکوت عیاں سے دکھایا جاتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے علم عیاں کا ذکر فرمایا (روح البیان)۔ مولانا فرماتے ہیں شعر۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اولیاء بیگانہ است

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی بنائی ہوئی چیز کی ہم تعظیم تو کر سکتے ہیں مگر اس کی عبادت نہیں کر سکتے۔ عبادت اس کی کریں جو ہمیں بنائے۔ مسجد 'قرآن مجید' بلکہ کعبہ معظمہ کی عمارت انسان ہی بناتے ہیں کہ مسجد کی اینٹ 'گارا' لوہا 'سیمنٹ' چوکھٹ 'کواڑ وغیرہ۔ یونہی قرآن مجید کا کاغذ 'روشنائی' چھپائی 'لکھائی وغیرہ ہماری اپنی صنعت ہے۔ مگر چونکہ ان کی نسبت رب تعالیٰ یا اس کے محبوب بندوں سے ہے لہذا ان کی تعظیم ہے۔ مگر عبادت خدا کے سوا کسی کی نہیں **اتتخذ اصناما الھۃ** صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے عقائد و اعمال میں لذت 'رنگت بو سب کچھ ہے ایمان لذیذ خوشبودار نورانی ہے کفر و بد عملیاں بد مزہ بدبودار ظلمانی ہیں مگر ان کی یہ صفات ہمارے ان حواس سے محسوس نہیں ہوتے ہاں اگر ان حواس پر نبوت کا فیض ہو تو یہ سب چیزیں ہم کو محسوس ہونے لگیں 'دوربین' خوردبین 'ہماری آنکھوں کو دور کی اور باریک چیزیں دکھا دیتی ہے تو خدا بین نظر مخلوق کو ہر چیز دکھا دیتی ہے ہمارے ادراک حواس اور عقل ناقص ہیں نبی کے ادراکات عقل حواس کامل ہیں کہ انہیں نبوت کا نور حاصل ہے۔ خیال رہے کہ ہم لوگوں کو رب تعالیٰ شرعی احکام قانون کے مطابق دیتا ہے۔ نماز 'روزہ وغیرہ تو ہماری دعاؤں کے لئے بھی قید ہے کہ قانون کے مطابق دعا مانگو' خلاف قانون چیز کی دعا نہ کرو مگر انبیاء کرام خصوصاً" حضرت خلیل کو رب نے قانون سے وراء دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ پوری فرماتا ہے جناب خلیل نے ایک بار دعا کی کہ مجھے دکھا تو مردے کیسے زندہ کرے گا وہ دکھا دیا گیا۔ ایک بار دعا کی کہ مولیٰ مجھے اپنا سارا ملک و ملکوت دکھا وہ دکھا دیا گیا۔ جس کا یہاں ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مجھے اپنا دیدار دے اس سے بھی منع نہیں کیا گیا۔ غرضیکہ قانون سے وراء احکام پر عمل کرتے ہیں تو قانون سے وراء دعائیں منظور کرا لیتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ

بس جب تاریک ہو گئی اوپر ان کے رات تو دیکھا تارا فرمایا کہ یہ ہے رب میرا پھر جب غائب ہو گیا تو فرمایا میں پسند نہیں کرتا

پھر جب ان پر رات کا اندھیرا آیا ایک تارا دیکھا بولے اسے میرا رب ٹھہراتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا بولے خوش

الْاٰفِلِیْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ

غائب ہونے والوں کو پھر جب دیکھا چاند کو چمکتا دھمکتا تو فرمایا کہا یہ ہے رب میرا پھر جب غائب ہو گیا تو فرمایا البتہ

نہیں آتے ڈوبنے والے پھر جب چاند چمکتا دیکھا بولے اسے میرا رب بتاتے ہو پھر جب وہ ڈوب گیا کہا اگر

یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۤلِّیْنَ ۝ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً

اگر نہ ہدایت دے گا مجھ کو میرا رب تو ہو جاؤں گا میں قوم بھٹکی ہوئی سے پھر جب دیکھا سورج کو چمکتا دمکتا

مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں بھی انہیں گمراہوں میں ہوتا پھر جب سورج چمکتا دیکھا

قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

تو فرمایا کہا یہ ہے رب میرا یہ تو بڑا ہے پھر جب چھپ گیا وہ تو فرمایا اے قوم میری بیشک میں دور ہوا اس چیز سے جس کو تم شریک ٹھہراتے ہو

بولے اسے میرا رب کہتے ہو یہ تو ان سب سے بڑا ہے پھر جب ڈوب گیا کہا اے قوم میں بیزار ہوں ان چیزوں سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس تبلیغ کا ذکر تھا جو آپ نے اپنے چچا آزر کو کی اب آپ کی اس تبلیغ کا ذکر ہے جو آپ نے اپنی ساری مشرک قوم کو فرمائی گویا خاص تبلیغ کے بعد عام تبلیغ کا ذکر ہے چونکہ اپنے گھر والوں کی اصلاح پہلے ہونی چاہئے۔ دوسروں کی بعد میں اس لئے حضرت خلیل نے پہلے اپنے چچا کو تبلیغ فرمائی پھر دوسروں کو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے حکم ہوا تھا کہ **انذر عشیرتک الاقربین** اپنے قرابت دار کنبہ والوں کو ڈراؤ پھر حکم ہوا **بلغ ما انزل الیک**۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان دلائل کا ذکر تھا جو جناب خلیل نے بتوں کی الوہیت کے انکار پر قائم فرمائے یعنی ان کا انسانوں کے ہاتھوں گھڑا جانا انسانوں کے ہاتھوں کا محتاج ہونا کہ بغیر انسان کے ہاتھ لگے نہ وہ مل جل سکیں نہ اپنے سے مکھی مچھر کتے وغیرہ کو دفع کر سکیں۔ اب حضرت خلیل کی ان دلیلوں کا ذکر ہے جو آپ نے چاند تاروں سورج کی الوہیت کے انکار پر قائم فرمائیں یعنی نکلنا ڈوبنا اولنا بدلنا گویا قریبی معبودوں کے انکار کے بعد دور والے آسمانی معبودوں کا انکار فرمایا۔ چونکہ آزر اور اس کی قوم نمرود کے نام پر بنائے ہوئے بتوں کو بھی پوجتی تھی اور چاند تاروں، سورج کو بھی اس لئے آپ نے دونوں ہی کی تردید کی۔ **تیسرا تعلق:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود مردود کی الوہیت کی تردید دو طریقے سے کی، ایک اس کا حاجت مند محتاج ہونا کہ بغیر کھائے پیئے بغیر ہوا دھوپ کے وہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ دوسرے اس کے حالات کا ادل بدل ہوتا رہنا بیماری، تندرستی، سونا جاگنا، بچپن، جوانی، بڑھاپا وغیرہ ان میں سے ایک قسم کی تردید پچھلی آیات میں مذکور ہوئی۔ بتوں کی محتاجی دکھا کر کیونکہ محتاج ہونے میں۔ نمرود اور اس کے نام کے بت دونوں یکساں ہیں اور دوسری قسم کی تردید کا اب ذکر ہو رہا ہے کہ اولنے بدلنے میں نمرود اور آسمانی مخلوق یکساں ہیں جب چاند

www.alahazratnetwork.org

سورج خدا نہیں تو نمرود خدا کیسے ہو گیا۔

تفسیر : **فلما جن علیه اللیل رای کوکبا** - یہ عبارت یا تو **و اذ قال ابراهیم** پر معطوف ہے یا **و کذالک نری** پر **فلما** کی **ف** سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ واقعہ آزر کو مذکورہ تبلیغ فرمانے کے بعد ہوا یا آسمان و زمین کے ملکوت دیکھنے کے بھی بعد بہر حال یہ واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تبلیغی سلسلہ کی ایک کڑی ہے **جن** سے بنا ہے **جن** بمعنی چھپا ہی ہے اور چھپانا بھی اسی سے ہے۔ جنون (دیوانگی)، جنین (پیٹ کا بچہ)، جنات (ناری مخلوق)، جنت (آنکھوں سے چھپا ہوا باغ)، **جنه** (ڈھال)، **مجنه** (ڈھال)، **مجن** (دفن کیا ہوا مردہ) وغیرہ یہاں یا بمعنی چھپنا ہے یعنی جب رات چھائی اندھیری ہو گئی یا بمعنی چھپانا یعنی رات نے اپنی تاریکی سے ہر چیز کو چھپا لیا چونکہ آپ پندرہ یا سترہ برس تک ایک غار یا تہ خانہ میں رہے تھے کسی وقت باہر نہ آئے تھے جیسا کہ ہم انشاء اللہ خلاصہء تفسیر میں عرض کریں گے اس لئے اب تک آپ کو نہ تو قوم سے ملنے کا موقعہ ملا تھا نہ رات میں چاند تاروں وغیرہ کا نظارہ کرنے کا۔ اس لئے **علیه** ارشاد ہوا۔ چونکہ آج پہلی بار آپ کو سر شام سورج ڈوبے باہر نکالا گیا تھا۔ اس لئے پہلے رات ہی آپ نے دیکھی چونکہ رات اندھیری تھی اور چاند کچھ دیر کر نکلتا تھا اس لئے آپ نے پہلے تارا دیکھا بعد میں چاند۔ لہذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے تارے سے مراد یا زہرہ تارا ہے یا مشتری کہ یہ دونوں زیادہ چمکیلے ہوتے ہیں ممکن ہے کہ سارے تارے مراد ہوں کوکب جنس ہے مگر پہلے دو احتمال زیادہ قوی ہیں۔ یعنی جب آپ شام کے وقت غار سے باہر نکالے گئے اور پھر رات کی تاریکی چھائی تو آپ نے ایک روشن تارہ دیکھا۔ خیال رہے کہ **قال هذا ربی**۔ **قال** میں قوم سے خطاب ہے جو اس وقت آپ کے پاس موجود تھی اور تاروں چاند وغیرہ کو پوجتی تھی اور **هذا ربی**۔ **هذا** میں اشارہ اس تارے کی طرف ہے اور رب سے مراد حقیقی رب یعنی رب العالمین اللہ تعالیٰ ہے آپ نے یہ کلام سوال کے لہجے میں ارشاد فرمایا نہ کہ خبر کے لہجہ میں بعض نے فرمایا کہ تعجب کے لہجہ میں فرمایا۔ اپنی قوم کی حماقت پر تعجب فرماتے ہوئے مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے یہاں **ربی** فرمایا ربکم نہ فرمایا یہ بھی تبلیغ کا اعلیٰ طریقہ ہے کہ اپنا ذکر کر کے دوسروں کو سمجھانا فقیر کی اس ساری تفسیر کی دلیل یہ ہے کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے **مما تشرکون** اس ایک کلمہ نے یہ سب کچھ بتا دیا۔ یعنی اے قوم بتاؤ کیا یہ ہے میرا رب سبحان اللہ کیسا پیارا خطاب ہے۔ قوم یہ سن کر خاموش رہی۔ **فلما افل قال لا احب الافلین**۔ یہ عبارت معطوف ہے **قال هذا ربی** پر۔ **ف** سے معلوم ہوتا ہے کہ اس فرمان عالی کے کچھ بعد ہی وہ تارا زہرہ یا مشتری ڈوب گیا۔ بعض تارے شام کے گھنٹہ آدھ گھنٹہ کے بعد ہی ڈوب جاتے ہیں۔ بعض صبح کے قریب چھپتے ہیں **افل** بنا ہے **افول** سے جس کے معنی ہیں نورانی چیز کا غائب ہو جانا اس لئے آگ بجھ جانے کو افول النار کہا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

مصابیح لیست باللواتی یقودها ... نجوم ولا بالافلات الزوائل

لا احب میں الوہیت کی محبت کی نفی ہے۔ یعنی جو محبت بندے کو رب سے عابد کو معبود سے چاہئے وہ محبت مجھے اس سے نہیں ورنہ چاند تارے اللہ کی نعمتیں ہیں اور نعمت اپنے سے محبت ہوتی ہی ہے۔ **افلین** فرمانے میں **لا احب** کی وجہ کا ذکر ہے بعض مفسرین نے یہاں **احب** بمعنی **اعبد** کہا۔ بعض نے **الافلین** سے پہلے عبادۃ پوشیدہ مانی **لا احب عبادة الافلین** (معانی) یعنی طلوع غروب ہونے والوں سے میں الوہیت کی محبت نہیں کرتا یا ان کی عبادت پسند نہیں کرتا۔ خیال رہے کہ یہاں محبت نہ کرنے سے مراد نفرت کرنا ہے۔ یعنی میں ایسوں کی عبادت سے نفرت کرتا ہوں نفرت بھی ایمان نفرت کیونکہ ان میں عبدیت کی

www.alahazratnetwork.org

علامات موجود ہیں۔ قوم یہ دلیل سن کر بھی خاموش رہی کچھ دیر بعد چاند نکل آیا۔ **فلما راء القمر بازغا** یہ عبارت **قال لا احب** الخ پر معطوف ہے **ف** سے معلوم ہوتا ہے کہ تارے کے ڈوبنے کے فوراً بعد چاند نکل آیا غالباً "پندرہویں" سولہویں شب تھی۔ چاند قریباً "پورا تھا اور چمکدار قمر مطلقاً چاند کو کہتے ہیں۔ ہلال پہلی تاریخ کے چاند کو بدر چودھویں کے چاند کو محقق آخری تاریخوں کے چاند کو بازغا" بنا ہے۔ بزغ سے بمعنی چیرنا طلوع کو بزغ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے اندھیری چر جاتی ہے' روشنی پھیل جاتی ہے' اہل عرب کہتے ہیں۔ بزغ الناس بچے کا دانت چمک گیا' بزغ الدم' بزغ البیطار الدابۃ ان سب میں بزغ بمعنی شق ہے۔ (معانی) یعنی تھوڑی ہی دیر بعد آپ نے چاند کو طلوع ہوتے چمکتے دیکھا تو **قال ھذا ربی**۔ اس عبارت کے وہی معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ آپ نے یہ کلام سوال کے لہجے سے پوچھا جس سے انکار یا تعجب ظاہر فرمایا **ربی** فرمانے رہک نہ فرمانے میں وہی حکمت ہے جو ابھی اوپر عرض کی گئی **فلما افل قال لئن لم یھدنی ربی لا کونن من القوم الضالین**۔ یعنی چاند بھی رب نہیں ہو سکتا کہ عبدیت کی جو دلیل تارے میں موجود تھی ڈوب جانا وہ اس میں بھی موجود ہے۔ خیال رہے کہ اس فرمان میں کچھ شدت ہے کہ پہلے فرمایا میں ڈوبنے والے کو پسند نہیں کرتا یہاں فرمایا کہ میں ڈوبنے والی چیز کے پجاریوں کو گمراہ سمجھتا ہوں کیونکہ قوم نے پہلی دلیل سے نصیحت حاصل نہ کی ایمان نہ لائی **لئن لم یھدنی** الخ کے چند معنی ہو سکتے ہیں۔ (1) اگر میرا رب مجھے ہدایت نہ کرتا تو میں بھی اس گمراہ قوم میں سے ایک ہو جاتا اس صورت میں گذشتہ حالت کا ذکر ہے۔ (2) اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت پر قائم نہ رکھے تو میں بھی گمراہوں میں سے ہو جاؤں اس صورت میں آئندہ کا ذکر ہے یہ مطلب نہیں کہ اگر رب مجھے آئندہ ہدایت نہ دے تو میں گمراہوں میں ہو جاؤں کیونکہ آپ اول ہی سے ہدایت پر ہیں ایک آن کے لئے ہدایت سے ہٹے نہیں۔ اس میں اشارۃً" فرمایا کہ اے قوم تم گمراہ ہو۔ **فلما را الشمس بازغۃ** حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ سورج طلوع ہونے کے بعد کا ہے۔ چونکہ چاند ڈوبتے ہی سورج نکل آیا تھا اس لئے **ف** فرمانا نہایت ہی درست ہے۔ شمس مونث لفظی بھی ہے' مونث سماعی بھی اس لئے یہاں **بازغۃ** "مونث کا صیغہ ارشاد ہوا۔ قمر مذکر ہے۔ اس لئے وہاں **بازغا** مذکر صیغہ ارشاد فرمایا۔ یعنی چاند چھپتے ہی سورج چمکتا دمکتا طلوع کرتا ملاحظہ فرمایا تو **قال ھذا ربی ھذا اکبر**۔ **ھذا ربی** کی تو وہی تحقیق ہے جو اوپر کی گئی کہ یہ فرمان بطور سوال انکاری ہے اور **ھذا اکبر** فرمانے میں ان کفار کے ایک دھوکے کی طرف اشارہ ہے کہ تم اسے رب کہتے ہو اس لئے کہ یہ تاروں اور چاند سے بڑا ہے جسامت میں بھی اور نورانیت میں بھی' جسامت میں تو اس لئے کہ چاند زمین کے برابر ہے اور سورج زمین سے ایک سو چھیاسٹھ گنا بڑا ہے نورانیت میں اس لئے کہ چاند تارے سب سورج سے ہی چمکتے ہیں۔ سورج ہی کی شعاعیں انہیں روشن کرتی ہیں۔ نیز چاند تاروں سے رات منور تو ہو جاتی ہے مگر دن نہیں نکلتا۔ سورج ہی وہ ہے جو رات کو ختم کر کے دن نکال دیتا ہے۔ نیز سورج کے طلوع ہوتے ہی چاند تارے سب بے نور ہو جاتے ہیں۔ نیز سورج سے ہی دنیا کا نظام قائم ہے کہ دن رات' مہینے' سال' صدیاں اس سے بنتی ہیں۔ دانے اس سے پکتے ہیں' عمریں اس سے ختم ہوتی ہیں' موسم اس سے بدلتے ہیں' مخلوق کا سونا جاگنا اسی سورج سے وابستہ ہے' بلکہ بہت سی عبادات خصوصاً" اسلامی نمازیں سورج کی رفتار سے وابستہ ہیں کہ دو نمازیں ظہر و عصر سورج کے ظہور سے پڑھی جاتی ہیں اور تین نمازیں مغرب' عشاء' فجر' سورج کے چھپنے سے اسلام نے سورج کی اکثریت قائم رکھی بلکہ اور زیادہ کر دی بہرحال آپ نے فرمایا کہ کیا تم ان منافع' ان فائدوں' اس کی جسامت کو دیکھ کر کہتے ہو کہ یہ میرا رب ہے۔ خیال رہے کہ سورج کے لئے

www.alahazratnetwork.org

بازغۃ مونث کا صیغہ ارشاد ہوا اور **ھذا** مذکر اسم اشارہ فرمایا گیا۔ کیونکہ لفظ رب کا احترام اسی میں ہے کہ اس کے لئے **ھذہ** مونث نہ فرمایا جائے۔ خیال رہے کہ اکبر اللہ تعالیٰ کی صفت بھی ہے ہم دن رات کہتے ہیں کہ اللہ اکبر۔ اور یہاں جناب خلیل اللہ نے سورج کو اکبر فرمایا ہم لوگ بڑی عمر والے بڑے عہدے والے انسان کو بھی اکبر کہہ دیتے ہیں۔ لفظ اکبر ایک ہے مگر جب یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بولا جائے تو معنی ہوتے ہیں کبریائی والا اور جب مخلوق کے لئے بولا جائے تو معنی ہوتے ہیں بڑائی والا جو سب سے بڑا ہو کہ نہ اس کے برابر کوئی ہو نہ اس سے بڑا۔ وہ کبریائی والا یعنی اللہ ہے جو بعض سے بڑا ہو بعض بندوں سے یا رب سے چھوٹا ہو وہ بڑائی والا ہے نیز جس کی بڑائی ذاتی ہو وہ کبریائی والا ہے۔ جس کی بڑائی عطائی ہو دوسرے کے قبضہ میں وہ بڑائی والا ہے اللہ کا بندہ ہے خالق و مخلوق میں بے نیازی اور نیازمندی کا فرق ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

مراد را رسد کبریاء و منی   کہ ملکش قدیم است ذاتش غنی

ایک ہندو شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات   قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

فلما افلت قال یقوم انی بریئ مما تشرکون۔ یہ عبارت معطوف ہے **قال ھذا ربی** پر یہاں **ف** یا تو مطلق عطف کے لئے ہے فوراً ہونے کا اس میں لحاظ نہیں یا **ف** معنی ثم ہے کیونکہ سورج کے نکلنے اور ڈوبنے میں دن بھر کا فاصلہ ہوتا ہے تو **ف** فوراً کے لئے کیونکر ہو سکتی ہے یا قوم میں ساری ستارہ پرست قوم سے خطاب ہے چونکہ یہ کفار آپ کے ہم وطن بھی تھے ہم نسب بھی اس لئے انہیں یا قوم کہہ کر خطاب فرمایا۔ یہاں قوم سے مذہبی قوم مراد نہیں کہ آپ مومن موحد ہیں اور وہ لوگ مشرک ستارہ پرست پھر ہم مذہب کیسے ہو سکتے ہیں۔ **انی بریئ** کے معنی یہ ہیں کہ میں پہلے سے ہی تمہارے شرک سے بیزار ہوں اور دور ہوں یہ مطلب نہیں کہ اب تک تو میں بھی تمہاری طرح چاند تاروں سورج کو رب سمجھتا تھا اب اس عقیدے سے توبہ کرتا ہوں یہ لفظ توبہ کے لئے نہیں بلکہ گذشتہ دلیل کا نتیجہ ہے اور اپنے دائمی عقیدے کا اظہار **ما تشرکون** میں **ما** یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ یعنی ان چیزوں کی الوہیت سے بیزار ہوں جنہیں تم خدا تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہو یا تمہارے اس شرکیہ عقیدے سے بیزار ہوں **تشرکون** فرما کر یہ بتایا کہ تم لوگ شرک کر رہے ہو میں نے کبھی شرک نہ کیا نہ کر رہا ہوں اگر نعوذ باللہ آپ نے بھی ان چیزوں کو رب مان لیا ہوتا تو آپ یا تو **اشرکت** فرماتے یا **اشرک** یہ کچھ نہ فرمایا بلکہ **تشرکون** فرمایا اسی کلام کی رب تعالیٰ نے تعریف فرمائی کہ **تلک حجتنا اتینھا ابراھیم علی قومہ**۔ جس سے معلوم ہوا کہ آپ کی یہ ساری گفتگو رب تعالیٰ کی بتائی ہوئی حجت و دلیل تھی۔ جو آپ نے اپنی قوم کے خلاف قائم فرمائی نیز آگے آپ خود فرما رہے ہیں **وما انا من المشرکین**۔

ابراہیم علیہ السلام کی ولادت اور پرورش : نمرود ابن کنعان ساری دنیا کا بادشاہ تھا۔ اس کا پایہ تخت شہر بابل تھا جو بغداد شریف اور کوفہ کے درمیان واقع ہے۔ اب اسے بابلین کہتے ہیں اب ویران ہو چکا ہے۔ یہ پہلا وہ بادشاہ ہے جس نے تاج پہنا اور لوگوں کو اپنی عبادت کی دعوت دی۔ اس کے دربار میں بہت کاہن و نجومی رہتے تھے۔ ایک رات نمرود نے خواب دیکھی کہ آسمان پر ایک تارہ چمکا جس سے سورج کی روشنی ماند پڑ گئی۔ یہ اس خواب سے گھبرا گیا کاہنوں سے تعبیر پوچھی۔ انہوں نے کہا کہ تیرے شہر میں اس سال ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری ہلاکت اور تیرے ملک کی بربادی کا باعث ہوگا۔ نمرود نے یہ سنتے ہی کہا کہ اس

www.alahazratnetwork.org

بچہ کو رہنے ہی نہ دوں گا۔ چنانچہ نے اس حکم دیا کہ میرے علاقہ میں جس قدر عورتیں حاملہ ہیں ان پر سخت نگرانی کی جائے اگر لڑکی پیدا ہو تو خیر۔ لڑکا ہو تو فوراً قتل کر دیا جائے اور آج سے ایک سال تک ہمارے علاقہ میں کوئی شخص اپنی بیوی کے پاس نہ جائے۔ غرضیکہ مردوں کو ان کی بیویوں سے الگ کر دیا جائے اس معاملہ کو اپنی پولیس کے سپرد کیا کہ خوب اچھی طرح نگرانی کریں یا تو اس حکم کے وقت آپ کی والدہ متلی یا اوفی بنت نمر حاملہ تھیں اور نمرود کی مقرر کردہ دائیوں نے جب آپ کی تفتیش کی تو انہیں حمل شریف کا پتہ نہ چلا کیونکہ آپ بہت کم عمر تھیں اور آخر وقت تک قدرت الٰہی سے آپ کا حمل ظاہر نہ ہو سکا یا اتفاقاً کسی تدبیر سے تارح ان کے پاس پہنچے اور وہ حاملہ ہو گئیں۔ جب وقت ولادت قریب آیا تو آپ پہاڑوں کے درمیان ایک غار میں تشریف لے گئیں وہاں حضرت خلیل کی پیدائش ہوئی۔ آپ اس غار کے منہ پر پتھر رکھ کر فرزند کو خدا کے حوالہ کر کے چلی آئیں۔ دوسرے دن جا کر دیکھا تو آپ اپنی انگلیاں چوس رہے ہیں جن سے دودھ' شہد نکل رہا ہے۔ بہت خوش ہوئیں' پھر روزانہ اسی طرح جاتیں اور اپنے بچہ کو دیکھ بھال آتیں۔ آپ ایک ماہ میں اتنا بڑھتے تھے جتنا دوسرے بچے ایک سال میں۔ آپ پندرہ مہینے کے ہوئے تو پندرہ سالہ معلوم ہوتے تھے۔ آپ نے اس عمر شریف میں اپنی والدہ سے پوچھا کہ میرا رب (مربی) کون ہے؟ والدہ نے کہا "میں" پوچھا میری طرح تم بھی کھانے پینے کی حاجت مند ہو؟ انسانی ضروریات رکھتی ہو؟ تمہارا رب کون ہے؟ فرمایا! تمہارے والد۔ آپ نے پوچھا کہ ابا جان بھی حاجت مند ہیں' انہیں بھی مربی چاہئے' ان کا رب کون ہے؟ کہا نمرود (تارح نمرود کے ہاں سے تنخواہ پاتے تھے)۔ پوچھا نمرود بھی تو ہم لوگوں کی طرح ہزارہا حاجتیں رکھنے والا انسان ہی ہے اس کا رب کون ہے؟ تو والدہ نے کہا چپ رہو۔ پھر تارح سے کہا کہ جس فرزند کا خوف نمرود کو ہے وہ تمہارا یہ فرزند ہے۔ اس نے آج مجھ سے ایسا حکیمانہ سوال کیا ہے کہ میں تو کیا ہماری ساری قوم جواب نہیں دے سکتی۔ تارح بہت ہی خوش ہوئے' آپ کئی سال اس غار میں چھپے ہوئے پرورش پاتے رہے۔ سات سال کی عمر شریف میں شام کے وقت غار سے باہر آئے تب اپنی قوم کو جمع کر کے ان سے وہ گفتگو فرمائی جو ان آیات شریفہ میں مذکور ہے۔ (تفسیر صاوی و روح البیان و خزائن وغیرہ)۔

خلاصہء تفسیر : جب جناب ابراہیم غار سے باہر تشریف لائے تو شام کا وقت تھا۔ اپنی قوم کو دیکھا کہ وہ زمینی بتوں اور آسمانی چاند سورج تاروں کی پوجا کرتی ہے۔ آپ نے چاند تاروں' سورج کی ربوبیت کی تردید میں نہایت ہی حکیمانہ کلام اس قوم سے فرمایا کہ جب رات اندھیری ہو گئی اور زہرہ یا مشتری تارہ چمکنے لگا آپ نے اس قوم سے پوچھا کہ کیا یہ میرا رب ہے۔ قوم نے یا تو کہا ہاں۔ یا رہی چپ تھوڑی دیر میں جب یہ تارہ ڈوب گیا تو پوچھا کہ وہ رب کہاں گیا جو حرکت کرے جس پر انقلاب آویں وہ لوٹے بدلے جو اپنے پجاریوں کو چھوڑ کر غائب ہو جائے' میں اس کی عبادت سے سخت متنفر ہوں وہ رب کیسے ہو سکتا ہے۔ قوم اب بالکل خاموش رہی۔ رات تھی پندرہویں یا سولہویں چاند کی۔ تھوڑی ہی دیر میں قریباً" پورا چاند نکل آیا۔ آپ نے اس قوم سے پھر پوچھا کہ کیا میرا رب یہ ہے؟ اب قوم خاموش رہی کہ اس کے پاس آپ کی حکیمانہ گفتگو کا کوئی جواب نہ تھا۔ جب چاند بھی ڈوب گیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر مجھ پر اللہ کا فضل نہ ہوا ہوتا اور اس نے مجھے ہدایت ایمان نہ کر دی ہوتی تو میں بھی گمراہ قوم میں سے ہو جاتا اور تمہاری طرح میں بھی اس کی روشنی سے دھوکہ کھا کر اسے خدا مان لیتا کہ میرا ماحول ہی ایسا گندہ ہے۔ مگر میرے رب نے میری دستگیری فرمائی اس لئے میں اس دلدل میں نہ پھنسا۔ پھر جب صبح کو آب و تاب کے ساتھ چمکتا دمکتا سورج نکلا تو پھر اسی قوم سے آپ نے خطاب فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ نورانی بھی ہے اور چاند تاروں سے بڑا بھی' مگر جب شام کو سورج بھی

www.alahazratnetwork.org

قلابازی کھاتا ہوا ڈوب گیا تو آپ نے اعلان فرمایا کہ اے قوم والو گواہ رہنا کہ میں تمہارے شرک کفر سے اور تمہارے ان معبودوں سے بری و بیزار ہوں تھا اور رہوں گا میں دنیا میں دھوکہ کھانے نہیں آیا۔ بلکہ دھوکہ سے لوگوں کو نکالنے آیا ہوں۔ اے قوم والو ان چیزوں کی جگمگاہٹ سے دھوکہ نہ کھاؤ۔ بلکہ یہ دیکھو کہ یہ کسی اور کے قبضہ و قدرت میں ہیں ان پر مختلف حالات وارد ہو رہے ہیں۔ یہ ان سب کی عبدیت کی دلیل ہیں رب وہ ہے جس کے قبضہ میں یہ سب ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** جو خدا تعالیٰ چاہے وہ ہو کے رہتا ہے۔ اس کے ارادہ کو کوئی نہیں روک سکتا نہ کوئی بدل سکتا ہے۔ دیکھو نمرود نے حضرت خلیل کی تشریف آوری کو بہت روکنا چاہا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری روکنے کے لئے بہت زور لگایا مگر ناکام رہے۔ جناب خلیل اللہ بھی دنیا میں آگئے اپنا کام کر گئے اور موسیٰ علیہ السلام بھی۔ یہ فائدہ آپ کے واقعہ ولادت سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی کہ نمرود اور فرعون نے جن کی تشریف آوری روکنے کے لئے بہت سے بچے ذبح کرا دیئے وہ دونوں حضرات انہی مردودوں کے گھر پلے' بڑھے' نمرود کے مصاحب خاص کے گھر میں حضرت خلیل کی پرورش کی اور فرعون کے گھر بلکہ اس کی گود میں جناب کلیم اللہ کی پرورش فرمائی۔ یہ ہے اس قدرت والے کی قدرت۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو علم لدنی بخشا کہ آپ نے بچپن شریف میں فصیح و بلیغ' منطقی و فلسفی گفتگو فرمائی کہ تمام اہل علم کی منطق اس پر قربان ہو۔ دیکھو آپ نے چاند سورج' تاروں کی عبدیت' ان کا مخلوق ہونا' ان کے اولنے بدلنے' ڈوبنے' نکلنے سے ثابت کی۔ اسی کو منطقی لوگ اس طرح بیان کرتے ہیں **العالم متغیر۔ و کل متغیر حادث۔ فالعالم حادث۔** پھر کہتے ہیں کہ **العالم حادث۔ و کل حادث محتاج الی محدث۔ فالعالم محتاج الی محدث۔** یعنی دنیا اور دنیا کی چیزیں اولنے بدلنے والی ہیں۔ اور ہر بدلنے والی چیز نو پید ہے کہ پہلے نہ تھی بعد میں ہوئی لہذا دنیا نو پید ہے اور ہر نو پید کسی کی مخلوق ہے۔ لہذا دنیا کسی کی مخلوق ہے اسے خالق کی ضرورت ہے۔ سبحان اللہ وہ آپ کا لڑکپن اور یہ دانائی و علم۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کسی کے شاگرد نہیں ہوتے۔ خصوصاً علوم الٰہیہ میں وہ کسی کے بغیر سکھائے پڑھائے عالم ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ اس پوری دلیل سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کسی ساعت' کسی وقت گمراہ نہیں ہوتے وہ ہدایت یافتہ پیدا ہوتے ہیں اور ہدایت یافتہ ہی رہتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کے ہادی ہوتے ہیں کہ جو ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے وہ ہدایت پا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **لئن لم یهدنی ربی** الخ اور **انی بریء مما تشرکون** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بعض الفاظ اللہ تعالیٰ کے لئے بھی بولے جاتے ہیں اور مخلوق کے لئے بھی مگر مختلف معنی سے دیکھو اکبر اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے۔ یہاں سورج کے لئے بولا گیا۔ مگر معنی مختلف ہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا علی رب تعالیٰ کا نام بھی ہے اور حضرت علی شیر خدا کا بھی نام ہے۔ **ساتواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام بڑے دلیر و جری ہوتے ہیں ان کے دل پر کسی کی ہیبت نہیں آتی۔ سارا جہاں ایک طرف ہو یہ اکیلے ایک طرف مگر ان کے دل میں کسی کا خوف نہیں ہوتا۔ دیکھو حضرت خلیل نمرود جیسے جابر بادشاہ کے ملک میں ہیں سارا ماحول کفار کا ہے خود اپنے عزیز و اقارب اسی شرک کی بیماری میں مبتلا ہیں۔ مگر کیسی دلیرانہ گفتگو فرما رہے ہیں نہ کسی سے جھجک ہے' نہ کسی کا ڈر ہے۔ نبی کی ہمت و دلیری۔ مرزا قادیانی کو شاہ افغانستان نے اپنے ملک [illegible] کہ یہاں آکر تبلیغ کرو مگر جان کے خوف سے وہاں نہ جا سکے بلکہ وہ تو ڈر کے مارے حج نہ کر سکے کہ مجھے کوئی مار دے گا۔ نبوت میں بڑی دلیری ہے۔

www.alahazratnetwork.org

آٹھواں فائدہ: نبی بلکہ نبی کے غلام کبھی تقیہ نہیں کرتے اپنا دین سب پر خوب واضح کر دیتے ہیں۔ خواہ کیسی ہی حالت ہو دیکھو جناب خلیل نے ایسے نازک موقعہ پر سب کے سامنے کہہ دیا کہ **انی بریٴ مما تشرکون** میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں جو شخص حضرات اہل بیت اطہار خصوصاً" شیر خدا علی مرتضیٰ کو تقیہ باز کہے وہ ان کے مرتبہ عالیہ سے واقف نہیں۔
نواں فائدہ: کوئی نبی کسی کافر کے ملک میں اس کا رعایا بن کر نہ رہا' اس کی ماتحتی قبول نہ کی' یا اس کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے' یا وہاں سے ہجرت کر گئے' یا ان کا مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔ دیکھو اگر جناب خلیل کو نمرود کی رعایا بن کر رہنا سہنا ہوتا تو اس دلیری سے اس کے خلاف گفتگو نہ فرماتے۔ مرزائے قادیانی عیسائیوں کی سلطنت میں پیدا ہوئے' انہیں کی سلطنت میں رہے' انہیں کی سلطنت میں مرے' انہیں کے ملک میں دفن ہوئے بلکہ مسٹر ڈوئی کلکٹر گورداسپور کی ایک ڈانٹ پر مولوی محمد حسین کے خلاف آپ پر وحی آنا بند ہو گئی۔ یہ فرق ہے سچے جھوٹے نبی میں۔ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نبی ایسا نہیں جو کفار کے ماتحت بن کر رہا ہو۔ ہاں بعض انبیاء کرام کو کفار بادشاہوں کی طرف سے بہت ستایا گیا۔ دیکھو جناب خلیل اللہ کو نمرود نے آگ میں ڈالا' حضرت مسیح کو یہود نے سولی دینے کی کوشش کی مگر ان کے پائے استقلال میں لغزش نہ آئی۔ دسواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام پر ظاہری وحی تو ظہور نبوت کے بعد آتی ہے مگر باطنی وحی یعنی ولی الہام بچپن سے ہی شروع ہو جاتی ہے۔ دیکھو جناب خلیل اللہ نے بچپن شریف میں یہ گفتگو فرمائی ہے حالانکہ ابھی آپ کی نبوت کا ظہور نہیں ہوا' ابھی کسی کو اپنی نبوت ماننے کی دعوت نہیں دی' اس گفتگو شریف کے لئے رب العلمین نے فرمایا **و تلک حجتنا اتینها ابراهیم علی قومه**۔ گیارہواں فائدہ: ہر شخص' ہر قوم سے اس کی عقل کے مطابق گفتگو کرنا طریقہ انبیاء ہے اس طریقہ سے ہدایت جلد ملتی ہے۔ دیکھو حضرت خلیل اللہ نے چاند سورج کے طلوع ہونے سے ان کی مخلوقیت ثابت نہ کی بلکہ ان کے ڈوبنے سے کہ طلوع میں ترقی ہے اور ڈوبنے میں تنزل جیسا کہ مشرکین کا عقیدہ ہے تنزل سے عبدیت اور بندگی کا ثبوت بہت اچھی طرح ہو جاتا ہے۔ کم عقل بھی سمجھ جاتا ہے۔

پہلا اعتراض: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے چاند تاروں' سورج کو فرمایا **هذا ربی** یہ میرا رب ہے' یہی شرک ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ پہلے مشرک تھے بعد میں مومن بنے۔ (نوٹ) موجودہ زمانہ میں اچھے خاصے پڑھے لکھوں نے یہ ٹھوکر کھائی ہے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ **هذا ربی** جملہ خبریہ ہے جس میں آپ نے اپنے عقیدے کی خبر دی ہے کہ میرے عقیدے میں یہ میرا رب ہے۔ یہاں سوال کے معنی نہیں نکل سکتے۔ کیونکہ اس میں **هل** وغیرہ حرف استفہام نہیں ہے۔ نیز **ربی** فرمایا **ربکم** نہ فرمایا۔ نیز آگے ارشاد ہوا **لئن لم یهدنی ربی لاکونن من القوم الضالین** جس سے صاف معلوم ہوا کہ ابھی آپ کو توحید کی ہدایت نہیں ملی تھی۔ ان وجوہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت آپ بھی مشرک تھے بعد میں توبہ کر کے موحد بن گئے۔ (بعض بے دین)۔ جواب: **هذا ربی** جملہ خبریہ نہیں ہے بلکہ انکاری سوال ہے۔ ایک ہی عبارت میں لہجے اور طریقہ ادا بدلنے سے سوال' تعجب' امر' استمرار کے معانی پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہاں یہ فرمان عالی یا سوال انکاری کے لئے ہے یا اظہار حیرت کے لئے' اس کی چند وجہیں ہیں۔ (1) اگر آپ نے چاند تاروں کو رب مانا ہوتا تو بعد میں آپ توبہ کرتے' کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے مگر ایسا نہ کیا بلکہ فرمایا **انی بریٴ مما تشرکون** تمہارے شرک سے میں بیزار ہوں یعنی تم مشرک ہو میں نہ مشرک تھا نہ ہوں نہ ہوں گا۔ (2) اگر یہ فرمان شرک ہوتا تو اللہ تعالیٰ اسے **حجتنا** نہ فرماتا کہ یہ ہماری سمجھائی' بتائی ہوئی دلیل ہے۔ جو ہم

www.alahazratnetwork.org

نے ابراہیم کو سکھائی۔ (3) خود حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی گفتگو کو ہدایت قرار دیا کہ فرمایا **و قد ھدان** جس سے پتہ لگا کہ یہ کلام عین ہدایت ہے نیز آپ کا **ھذا ربی** فرمانا **ربکم** نہ فرمانا تبلیغ کا شاندار طریقہ ہے ایک نمازی پرہیزگار عالم بے نمازیوں' فاسقوں سے کہے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے ہم فسق کرتے ہیں۔ یہ طریقہ نرمی سے تبلیغ کا ہے اپنے بے نمازی ہونے فاسق ہونے کا اعلان نہیں ہے۔ ایسے ہی یہاں ہے اور **لئن لم یھدنی** کے معنی بالکل ظاہر ہیں کہ اگر مجھے رب نے ہدایت یافتہ پیدا نہ کیا ہوتا تو میں بھی تمہاری طرح گمراہوں سے ہوتا۔ چونکہ اس نے مجھے فطری ہدایت بخشی ہے اس لئے میں گندے ماحول میں رہتے ہوئے بھی ستھرا پاک ہوں یا اگر آئندہ مجھے رب ہدایت پر نہ رکھے تو میں گمراہوں میں سے ہو جاؤں۔ یا یہاں بھی ذکر اپنا فرمایا اور مراد لی قوم یعنی اگر تم کو رب ہدایت نہ دے تو تم گمراہ رہو' ہدایت اس کے کرم سے ملتی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود فرمایا **لئن لم یھدنی ربی لاکونن من القوم الضالین**۔ اگر مجھے اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دے تو میں گمراہوں سے ہو جاؤں۔ معلوم ہوا کہ اس وقت آپ ہدایت پر نہیں' آئندہ ہدایت پائیں گے ورنہ اگر مگر کے کیا معنی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب تفسیر میں گزر گئے کہ **لم یھدنی** یا بمعنی ماضی ہے تو معنی یہ ہیں کہ اگر رب تعالیٰ مجھے ہدایت نہ دیتا تو میں گمراہ ہو جاتا۔ یعنی اس نے مجھے ہدایت دیدی ہے لہٰذا گمراہ نہیں ہوں یا بمعنی مستقبل ہے یعنی اگر رب تعالیٰ مجھے ہدایت پر قائم نہ رکھے تو میں گمراہ ہو جاؤں۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ نبی کبھی گمراہ نہیں ہوتے مگر رب تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتا ہے **و وجدک ضالا فھدی** ہم نے آپ کو گمراہ پایا تو ہدایت دیدی۔ تمہارا یہ کلام اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں ضال کے معنی گمراہ نہیں ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ما ضل صاحبکم وما غوی** تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے ضال کے معانی ہیں وارفتہ محبت۔ نشان ہدایت گمراہوں میں پھنسا ہوا خود گمراہ۔ وہاں ضال سے مراد ہیں گمراہ کے علاوہ دوسرے معانی' گمراہ مراد نہیں ورنہ اس آیت سے تعارض ہو گا کہ **ما ضل صاحبکم وما غوی**۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کا علم لدنی ہوتا ہے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے مگر قرآن کریم سے ثابت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر علیہ السلام کے پاس شاگردی کرنے بھیجا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا **ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا**۔ پھر تمہارا یہ قول کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وہاں ہرگز نہیں بھیجا ورنہ حضرت خضر علیہ السلام آپ سے پہلے معذرت نہ کرتے اور بعد میں بغیر کچھ سکھائے واپس نہ کرتے۔ موسیٰ علیہ السلام خود اپنے شوق سے وہاں تشریف لے گئے۔ نیز آپ علم عقائد' علم شریعت سیکھنے نہ گئے تھے کہ یہ علوم تو انہیں توریت کے ذریعہ سکھا دیئے گئے پھر آپ نے ان سے کچھ بھی نہیں سیکھا۔ چند حیرت کی باتیں دیکھ کر واپس آ گئے وہ باتیں بھی آپ نے صرف دیکھ لیں' سیکھی نہیں ورنہ آپ بھی واپس آ کر کشتی توڑا کرتے' بچوں کو جان سے مارا کرتے' گرتی دیواریں بنایا کرتے' لہٰذا حق یہ ہے کہ آپ حضرت خضر کے شاگرد ہرگز نہ تھے کیونکہ علم تو عمل کے لئے ہوتا ہے۔ لہٰذا بالکل صحیح ہے کہ نبی کسی کے شاگرد نہیں ہوتے براہ راست سب کچھ رب تعالیٰ سے سیکھتے ہیں۔ شعر۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا　　　شاگرد رشید حق تعالیٰ

بتاؤ حضرت خلیل نے یہ دلائل کس سے سیکھے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کے دل میں کسی بندے کا خوف نہیں ہوتا۔ مگر قرآن کریم فرما رہا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے خوف ہوا کہ انہوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض

www.alahazratnetwork.org

کیا **قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی**۔ تمہارا یہ قول قرآن کریم کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہیں۔ خوف کی کتنی قسمیں ہیں اور کون سا خوف انہیں نہیں ہوتا۔ یہ مکمل بحث ہے آسان جواب یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا یہ خوف ظہور نبوت سے پہلے تھا۔ نبوت کے بعد آپ اکیلے فرعون کے پاس گئے اور بے دھڑک اسے تبلیغ کی بلکہ آپ کے فیضان سے فرعونی جادوگر ایمان لانے کے بعد فرعون سے بے خوف ہو گئے۔ صاف کہہ دیا **فاقض ما انت قاض** تو تجھے فیصلہ کرنا ہے کر جو تجھ سے ہو سکے کر لے ہم ایمان سے نہیں پھر سکتے۔ **چھٹا فائدہ:** حضرت ابراہیم نے سورج کو رب بھی کہا اور اکبر بھی اکبر تو خدا تعالیٰ کی صفت ہے آپ کا یہ قول شرک ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اکبر بمعنی بڑائی والا ہے نہ کہ بمعنی کبریائی والا۔ بڑائی اور کبریائی میں فرق ابھی تفسیر میں بیان ہوا۔ ریل کے ڈبے اور انجن دونوں ایک لائن پر ایک ہی طرف ایک ہی وقت ایک ہی رفتار سے دوڑتے ہیں۔ مگر ڈبہ ڈبہ ہے انجن انجن ہے۔ سورج اور سورج کی طرف رخ کیا ہوا شیشہ دونوں جھلک رہے ہیں، چمک رہے ہیں مگر سورج سورج ہے اور شیشہ شیشہ ہے۔ کفار یہ فرق نہیں کرتے تھے۔ **ساتواں اعتراض:** حضرت خلیل اللہ نے چاند تاروں، سورج کے ڈوبنے کو ان کی عبدیت کی دلیل کیوں بنایا، طلوع ہونے کو دلیل کیوں نہ بنایا، طلوع ہونا بھی تو عبدیت کی دلیل ہو سکتی ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ وہ قوم محض جاہل تھی۔ چاند تارے، سورج طلوع کے وقت ترقی میں ہوتے ہیں اور ڈوبتے وقت تنزل میں۔ یہی ان لوگوں کا عقیدہ تھا۔ جناب خلیل اللہ نے ان چیزوں کا تنزل دکھا کر ان کی الوہیت کی نفی فرمائی کہ جو گھٹے، جو بجھے، جو بے نور ہو جائے وہ خدا نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے ہمارا معدہ مکھی وغیرہ قبول نہیں کرتا اگر کوئی مکھی نگل جائے تو فوراً قے ہو جاتی ہے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کا نفس برے عقیدے، برے خیالات قبول نہیں کرتے، صاف آئینہ ہر چیز کی صورت دکھاتا ہے، صاف دل ہر چیز کی حقیقت بتا دیتا ہے، دھندلا آئینہ صورت نہیں دکھاتا، میلا دل حقیقت نہیں بتاتا۔ اس قوم کے دل دھندلے بلکہ سیاہ تھے وہ چاند تاروں کی حقیقت معلوم نہ کر سکے، وہ یہ نہ جان سکے کہ یہ چیزیں ہماری خدمت کے لئے ہیں، ہماری خدام ہیں، وہ خدام کو خدا سمجھ بیٹھے۔ جناب خلیل اللہ کے صاف دل نے فوراً بتا دیا بلکہ لوگوں کو سمجھا دیا کہ خدا خدا ہے، بندہ بندہ۔ دنیا کی ہر چیز کے کمال سے پتہ لگاؤ قدرت ذوالجلال کا ان چیزوں کو خدا نہ سمجھو اسی لئے حضرت خلیل اللہ نے سورج کو اکبر کہا اور سورج کی اسی بڑائی کو رب تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا کہ جس نے ایسے چمکتے چاند تارے، ایسا بڑا سورج کو اکبر کہا اور سورج کی اس بڑائی کو رب تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ قرار دیا کہ جس نے ایسے چمکتے چاند تارے، ایسا بڑا سورج پیدا کیا وہ خود کیسا ہے۔ پتنگ اونچی اڑ رہی ہو تو اپنے اڑانے والے کا پتہ دیتی ہے جس کے ہاتھ میں اس کی ڈور ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

آفتاب از امر حق طباخ ما است ۔۔۔ ابلہی باشد کہ گوئیم او خدا است
آفتابت گر بگیرد چوں کنی! ۔۔۔ آں سیاہی زو تو چوں بیروں کنی
نے بدرگاہ خدا آری صداع ۔۔۔ کہ سیاہی را بِبَر وِردہ شعاع
گر کشندت نیم شب خورشید کو ۔۔۔ تا بنالی یا اماں خواہی ازو
حادثات اغلب بہ شب واقع شود ۔۔۔ واں زماں معبود تو غائب شود

www.alahazratnetwork.org

سوئے حق گر راستانہ خم شوی وا رہی از اختراں محرم شوی

سورج بحکم خدا ہمالیا ور پی ہے کہ دانے اور پھل پکاتا ہے اگر ہم اس کو خدا سمجھ لیں تو بڑے بیوقوف ہیں۔ جب سورج کو گرہن لگ جاتا ہے تو تم رب کو پکارتے ہو کہ مولیٰ اسے صاف کر دے اگر سورج خدا ہے تو غور کرو کہ رات میں تمہاری حفاظت کون کرتا ہے۔ اکثر عذاب رات میں آتے ہیں جب سورج غائب ہوتا ہے اگر تم اللہ کے دروازے پر جھکے رہو تو چاند تاروں کے پھندے سے آزاد ہو کر محرم راز بن جاؤ۔ جناب خلیل اللہ نے یہی فرمایا کہ لوگو ان نورانی چیزوں کو معرفت الٰہی کا ذریعہ بناؤ انہیں جال بنا کر ان میں نہ پھنس جاؤ ان چیزوں کو نہ دیکھو بلکہ ان چیزوں سے دیکھو۔ صوفیاء فرماتے ہیں مشرکین ہر طاقتور بڑی چیز کو دیکھ کر اسے خدا کہہ دیتے ہیں۔ وہ اصل اور ظل یعنی سایہ دار اور سایہ میں فرق نہیں کرتے۔ آج بعض توحید کے مدعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بڑائی ہر تعظیم کو شرک کہہ دیتے ہیں یہ بھی اسی چکر میں ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے تھے بیماروں کو شفا بخشتے تھے مگر تھے بندے۔ یوسف علیہ السلام کی قمیض سے نابینا آنکھ بینا ہوتی تھی۔ مگر آپ بھی تھے بندے۔ فرق وہ اصل اور ظل کا ہے اسی چکر میں نمرود اور نمرودی لوگ پھنسے تھے۔

إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا وَمَا
بیشک میں نے متوجہ کر دیا چہرہ اپنا واسطے اس کے جس نے پیدا فرمائے آسمان و زمین ہر برائی سے دور
میں نے اپنا منہ اس کی طرف کیا جس نے آسمان و زمین بنائے ایک اسی کا ہو کر اور
أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿٧٩﴾
ہوں اور نہیں ہوں میں مشرکوں سے۔
میں مشرکوں میں نہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: چاند تاروں کی معبودیت کی پرزور تردید تھی۔ اب سچے معبود اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا اقرار اور اعلان ہے۔ گویا لا الٰہ کا ذکر پچھلی آیات میں تھا الا اللہ کا ثبوت اس آیت میں ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایمان نام ہے نفی اور اثبات کا نفی کے ذکر کے بعد اثبات کا ذکر ہے۔ (لطیفہ) ایک شخص نے پوچھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس چرواہے کو بات تو اچھی بتائی تھی جو کہہ رہا تھا کہ خدایا مجھے اپنا گھر دکھا دے میں تجھے دودھ پلایا کروں گا۔ تیرے پھٹے کپڑے سیا کروں گا اگر تو بیمار ہو جائے تو تیری دوا کیا کروں گا۔ آپ نے فرمایا۔ شعر۔

گر نہ بندی زیں سخن تو حلق را آتشے آید بسوزد خلق را

مگر رب نے آپ پر عتاب فرمایا کہ تم نے ہمارے بندے کو جدا کر دیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

وحی آمد سوئے موسیٰ از خدا بندۂ مارا زما کر دی جدا

تعجب ہے کہ آپ اپنا فرض منصبی یعنی تبلیغ ادا کریں اور اللہ تعالیٰ عتاب فرمادے ہم نے کہا کہ عتاب اس بات پر تھا کہ اسے یہ نہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کیا ہے۔ نفی بتائی ثبوت نہ بتایا تبلیغ مکمل نہ کی وہ رب کا ذکر چھوڑ ہی بیٹھا۔ آج بعض لوگ ہمیشہ حضور

www.alahazratnetwork.org

انور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق نفی ہی بیان کرتے ہیں۔ کبھی یہ نہیں کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے کیسے اور ان کی شان ہے کیا وہ بھی گمراہی کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں زمینی' آسمانی چیزوں کی تبدیلی سے ان کی بندگی ثابت کی گئی تھی اب اس آیت میں خود زمین و آسمان کے خالق یعنی رب تعالیٰ کی الوہیت' اس رب کی خالقیت و مالکیت سے اس کی معبودیت کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ چونکہ وہ آسمان و زمین کا خالق و مالک ہے لہذا وہی سچا رب' سچا معبود ہے گویا بندگی کے دلائل کے بعد الوہیت کے دلائل کا بیان ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کے مشرک ہونے کا اعلان فرمایا گیا تھا اب خلیل نے اپنے موحد مومن اللہ کا عابد ہونے کا اعلان فرمایا ہے۔ یعنی پہلے کہا گیا کہ تم کون ہو۔ اب بتایا گیا کہ میں کون ہوں تاکہ لوگ آئندہ مومن بننا اپنے ایمان کا اعلان کرنا سیکھ لیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ زمینی بت جو مٹی' پتھر' لکڑی سے تم نے بنائے' آسمانی چاند سورج' تارے جو کسی کے حکم پر دوڑے پھر رہے ہیں عبادت کے لائق نہیں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ عبادت کے لائق وہ ہے جو زمین و آسمان کا خالق ہے یعنی بت زمین کا جز ہیں' زمین سے بنے ہیں۔ چاند تارے' آسمان کا حصہ آسمان میں رہنے والی چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ تو خود زمین و آسمان کا خالق ہے تو ان کا بھی خالق ہے۔ لہذا وہی عبادت کے لائق ہے۔

تفسیر: **انی وجھت وجھی۔** یہ کلام بھی اس وقت از کہن شریف میں جناب خلیل اللہ نے اس قوم سے فرمایا جن سے اب تک گفتگو کی اس جگہ چند چیزیں خیال میں رہیں۔ ایک یہ کہ آپ معرفت کرا رہے ہیں رب کی مگر صفات بیان فرما رہے ہیں اپنے یا اس لئے کہ نبی کی پہچان پہلے ہے۔ خدا کی پہچان بعد میں کیونکہ نبی کی معرفت ذریعہ ہے۔ خدا کی معرفت مقصود وضو پہلے ہے نماز بعد میں اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنے متعلق کفار سے پوچھا کہ تم نے مجھے کیسا پایا اس لئے کہ نبی کی پہچان خدا کی پہچان ہے۔ پھل سے درخت کو پہچانو جیسے عیسیٰ علیہ السلام نے جناب مریم سے تہمت رفع کرنے کے لئے اپنے فضائل بیان کئے۔ دوسرے یہ کہ اس آیت میں پانچ صفات کا ذکر ہے۔ پہلے جناب خلیل کی ایک صفت پیچھے آپ کی دو صفتیں' بیچ میں ہیں رب تعالیٰ کی دو صفتیں تاکہ معلوم ہو کہ توحید وہی قبول ہے جو نبوت کے دامن سے لپٹی ہوئی ہو' نبوت عقیدۂ توحید کا پتہ ہے' پتہ کے بغیر خط منزل پر نہیں پہنچتا اس لئے کہ ہماری دعائیں اور سارے اعمال عقیدۂ توحید قابل قبول نہیں۔ نبوت کے ذکر سے قبول ہونے کی امید ہے اس لئے اول آخر درود شریف پڑھتے ہیں بیچ میں دعا مانگتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس آیت کو ان سے شروع فرمایا جو شک و وہم دفع کرنے یا یقین کے اظہار کے لئے آتا ہے یا یہ بتانے کے لئے کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یقین سے کہہ رہا ہوں تم جو چاند' سورج کو خدا کہہ رہے ہو۔ تمہیں اس پر خود یقین نہیں یا اس لئے کہ تم لوگ میری بات پر یقین کرو کیونکہ میں یقینی الہام سے کہہ رہا ہوں' تم لوگوں سے سنی سنائی کہتے ہو۔ چوتھے یہ کہ **وجھت** ماضی فرمایا توجہ مستقبل یا حال نہ فرمایا کہ پتہ چلے کہ میں دنیا میں آ کر متوجہ الی اللہ نہیں ہوا ہوں بلکہ پہلے سے ہی ادھر متوجہ ہوں۔ دوسرے لوگ یہاں آ کر کسی کی تعلیم سے متوجہ الی اللہ ہوتے ہیں میں متوجہ الی اللہ ہو کر دنیا میں آیا ہوں۔ **وجھت** بنا ہے توجیہ سے جس کا مادہ وجہ ہے۔ بمعنی چہرہ توجیہ کے معنی ہیں چہرہ پھیر دینا' متوجہ ہو جانا۔ دل' چہرہ' توجہ' عبادت' ذات یہاں یا بمعنی ذات ہے یا بمعنی عبادت اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی چہرہ ہو کسی کی اطاعت کرنے اس کا حکم مانتے وقت انسان اس کی طرف منہ کر لیتا ہے۔ یہ محاورہ یہاں استعمال فرمایا گیا ہو۔ تفسیر کبیر نے یہی آخری معنی کئے باقی دیگر مفسرین نے دوسرے معانی کئے یعنی میں نے اپنی عبادت' اس کی طرف پھیری یا اپنا دل' اپنا چہرہ یا اپنی ذات اس کے لئے اس کی طرف پھیرا' اس میں عقائد' عبادات' معاملات سب کی

www.alahazratnetwork.org

طرف اشارہ ہے۔ **للذی فطر السموات والارض** یہ عبارت متعلق ہے وجہت کے لام بمعنی الی ہے چونکہ الی جہت و سمت چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان سے پاک ہے۔ لہذا الی نہ فرمایا (تفسیر کبیر) الذی سے مراد ہے ذات باری تعالیٰ فطر کے لفظی معنی ہیں چیرنا کہا جاتا ہے۔ **تفطر الشجر بالورق** درخت پتوں کی وجہ سے چر گیا (کبیر) اصطلاح میں ایجاد کرنے کو فطر کہا جاتا ہے یعنی بغیر نمونہ دیکھے' پیدا کرنا سماء اور ارض کے معنی آسمانوں کو جمع زمین کو واحد لانے کی وجہ ہم پہلے پارہ میں بیان کر چکے ہیں یعنی میں نے اپنا منہ اس ذات کی طرف کر لیا یا اپنی عبادت اس ذات کے لئے خالص کر دی جس نے آسمانوں اور زمین اور آسمانی اور زمینی چیزوں کو پیدا فرمایا۔ **حنیفا** یہ لفظ **وجہت** کے فاعل ت سے حال ہے۔ اس کا مادہ حنف ہے بمعنی ہر برائی سے پھر کر اچھائی کی طرف ہو جانا اور ایسا ہو جانا کہ پھر برائی کی طرف نہ لوٹنا جنف جیم سے بمعنی گناہ کی طرف جھکنا حنف ح سے بمعنی ہٹنا حنیف کے معنی ہیں ہٹا ہوا یعنی دور اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ہر برائی سے دور دوسرے یہ کہ سارے بروں سے دور اور پھر بھی ایسا نہ کہ پہلے کبھی ان سے قریب تھا نہ آئندہ قریب ہوں گا۔ بچپن' جوانی' بڑھاپہ غرضیکہ زندگی کے ہر دور میں برائیوں اور بروں سے دور رہا ہوں گا۔ پھر ماحول گندہ اور میں ستھرا جیسے جانور کے پیٹ میں دودھ جو خون' گوبر' پیشاب کے ماحول میں رہتا ہے مگر صاف پاک رہتا ہے۔ **وما انا من المشرکین** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا حنیفا پر معطوف ہو کر **وجہت** کے فاعل سے حال ہے۔ خیال رہے کہ آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں شرک سے توبہ کرتا ہوں نہ یہ فرمایا کہ میں اب مشرک نہ رہا بلکہ جملہ اسمیہ سے شرک کی نفی کی جس کا مطلب یہ ہوا کہ میں تو پہلے ہی سے مشرکوں میں نہیں۔ ایک آن کے لئے میں نے شرک و کفر نہیں کیا بلکہ میں نے مشرکین کی کبھی تائید و حمایت بھی نہیں کی میں مشرکین کی جماعت سے نہیں' میں تو مومنین بلکہ نبیوں مرسلین کی جماعت سے ہوں یا میں مشرکوں سے نہیں پیدا ہوا ہوں۔ میرے ماں باپ بلکہ ساری نسل موحد مومن ہیں اور کیوں نہ ہوں کہ میں جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہوں اچھا پھول اچھے درخت پر لگتا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت حکیمانہ' عارفانہ گفتگو فرمانے کے بعد اپنی قوم کے سامنے اپنی پوزیشن ظاہر فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے میری قوم تم نے اپنا شرک و کفر اور اپنے معبودوں کی حقیقت تو معلوم کر لی۔ اب میرا مقام معلوم کرو۔ میں نے تو پہلے ہی سے اول آفرینش سے ہی اپنی ذات اپنے دل کو یا اپنی عبادت کو اس ذات کریم کے لئے متوجہ کر رکھا ہے۔ جس نے بغیر نمونہ کے آسمان و زمین بنایا انہیں مختلف مخلوق سے سجایا۔ پہلے ہی سے ہر قسم کی بد عقیدگی سے یکسر دور رہوں میں کبھی بھی مشرکین میں سے نہ تھا' نہ ہوں' نہ ہوں گا۔ خیال رہے کہ حضرت خلیل اللہ نے اس تمام گفتگو میں اپنا ذکر فرمایا کہ پہلے فرمایا کہ کیا چاند سورج میرے رب ہیں۔ اب فرمایا کہ میں نے اپنے کو رب کی طرف متوجہ کیا مگر مقصود ہے قوم کو ہدایت دینا' ان کو بتانا کہ تم بھی میری طرح ہو جاؤ' شرک و کفر سے بیزار ایک رب کے پجاری تبلیغ کا یہ طریقہ نہایت ہی دلنشین اور موثر ہوتا ہے ایک عالم فاسقوں سے خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ہم کو نمازی بننا چاہئے گناہوں سے توبہ کرنی چاہئے یا کہتا ہے کہ میں تو رب کے فضل سے نماز پڑھتا ہوں' گناہوں سے دور رہتا ہوں' نام لیتا ہے اپنا مگر سمجھاتا ہے اس قوم کو کہ تم کو ایسا ہونا چاہئے وہ عالم تو پہلے ہی سے نمازی اور متقی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو لقب ہیں خلیل' حنیف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی خصوصی دو لقب ہیں۔ مصطفیٰ' مجتبیٰ حضرت خلیل درخت ہیں۔ جس میں ہزارہا نبوت کے پھول کھلے ہیں۔ ہزاروں نبی آپ کی اولاد ہیں ان تمام پھولوں میں سے ایک پھول رب نے اپنے لئے منتخب فرما لیا۔ اس پھول کا نام رکھا

www.alahazratnetwork.org

مصطفیٰ یعنی چنا ہوا۔ منتخب شدہ پھول درخت کی یہ تمام تعریفیں اس پھول کی تعریفوں کی تمہید ہیں کہ جب درخت تمام عیبوں سے دور ہو تو اس کے پھول بھی اعلیٰ ہوں گے۔ شعر۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لاجواب — نام ہوا مصطفیٰ تم پہ کروڑوں درود!
آقا کہوں کہ مالک و مولیٰ کہوں تجھے — باغ خلیل کا گل زیبا کہوں تجھے

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان' اپنے دین کا اعلان کرے۔ اپنا دین و ایمان چھپانے کی چیز نہیں دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنا دین و ایمان اپنی قوم کے سامنے علانیہ بیان کیا تقیہ نہیں کیا۔ **دوسرا فائدہ**: مومن کی ذات' مومن کی صفات' مومن کے سارے اعمال و افعال اللہ تعالیٰ کے لئے چاہئیں۔ یہ فائدہ **انی وجہت وجھی** سے حاصل ہوا اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین**۔ **تیسرا فائدہ**: مومن کامل وہی ہے جو سارے جھوٹے دینوں برے عقیدوں سے دور رہے اس میں کسی بے دینی کی ملاوٹ نہ ہو یہ فائدہ **حنیفا** سے حاصل ہوا۔ خالص سونا' خالص عطر اچھا ہے اگرچہ تھوڑا ہو ملاوٹی سونا' ملاوٹی عطر برا ہے اگرچہ زیادہ ہو۔ ہمارے اسلام کو دین حنیفی کہا جاتا ہے اس کے یہی معنی ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کبھی ایک آن کے لئے کفر و شرک نہیں کیا۔ آپ پیدائشی عارف باللہ اور حنیف تھے۔ یہ فائدہ **وما انا من المشرکین** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کو اپنے پیاروں خصوصاً" جناب خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ بڑے ہی پیارے ہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے خلیل کا وہ کلام قرآن میں نقل فرمایا جو آپ نے اپنی کافر قوم سے کیا۔ اس کلام کو قرآن مجید میں محفوظ کیا بلکہ ہر مسلمان کو حکم دیا کہ نماز شروع کرتے وقت یہ الفاظ **انی وجہت** الخ پڑھا کرتے پھر نماز شروع کیا کرتے۔ چنانچہ آج تک ہر نمازی نماز شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہتا ہے اور مسلمانوں کے بچے بچے کو یاد ہوتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ کے شکر اور دوسروں کو تبلیغ کرنے کے لئے اپنے فضائل بیان کرنا جائز بلکہ سنت انبیاء ہے یہ فائدہ **حنیفا** وغیرہ سے حاصل ہوا کہ آپ نے اپنے یہ صفات فخر کے طور پر فرمائے بلکہ رب کا شکر ادا کرنے اور لوگوں کو تبلیغ کرنے کے لئے فرمائے تھے کہ تم بھی ایسے ہو۔ خیال رہے کہ **ما انا من المشرکین** کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں مشرک نہیں ہوں دوسرے یہ کہ میں مشرک قوم سے نہیں ہوں' مومن مشرک کا ہم قوم نہیں ہوتا اگرچہ ہم نسب' ہم وطن ہے۔ مذہبی قومیت مسلمان کی مسلمان سے ہو سکتی ہے۔ تیسرے یہ کہ میں مشرکوں سے نہیں پیدا ہوا' مومنوں سے پیدا ہوں' میرے والدین بلکہ سارے باپ دادے مومن موحد تھے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اب تک مومن نہ تھے آج مومن بن رہے ہیں۔ اس لئے فرماتے ہیں **انی وجہت وجھی** میں نے اب اپنے کو اللہ کی طرف متوجہ کر دیا۔ یعنی اب سے پہلے کسی اور کی طرف متوجہ تھا۔ **جواب**: تم نے یہ ترجمہ غلط کیا کہ میں نے اب متوجہ کر دیا **وجہت** ماضی مطلق ہے۔ جس میں پچھلا واقعہ بیان فرمایا جاتا ہے معنی یہ ہیں کہ میں تو پہلے سے ہی اپنے کو رب کی طرف متوجہ کر چکا ہوں اب تو اس کا اظہار ہو رہا ہے۔ آج ہر نمازی نماز شروع کرنے سے پہلے یہ پڑھتا ہے تو کیا وہ پہلے کافر ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اس عبارت میں **وجھی** کیوں فرمایا گیا۔ **وجہ** کے معنی ہیں چہرہ کیا آپ کا چہرہ تو رب کی طرف تھا دل دماغ کسی اور کی طرف۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی

www.alahazratnetwork.org

تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **وجه** بمعنی ذات ہے نہ فقط چہرہ **وجهہ** کے بہت معنی ہیں۔ رب فرماتا ہے **فاينما تولوا فثم وجه الله**۔ اور اگر بمعنی چہرہ ہو تب بھی درست ہے کہ ظاہری جسم میں چہرہ ہی اشرف عضو ہے۔ جب وہی رب کی طرف ہو گیا تو سب کچھ ادھر ہو گیا۔ ہم نماز کی نیت میں کہتے ہیں "منہ میرا کعبہ شریف کی طرف" تو اس کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ منہ تو کعبہ کی طرف ہے اور دل کسی اور طرف۔ **تیسرا اعتراض:** جناب خلیل نے ارشاد فرمایا کہ میں مشرکوں میں سے نہیں تو کیا آپ دوسرے کافروں میں سے تھے۔ مشرکین کیوں فرمایا۔ **جواب:** قرآن کریم میں اکثر مشرک بمعنی کافر آتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے اس لئے آپ نے **حنیفا** فرمایا یعنی ہر بے دین سے دور چونکہ آپ کی قوم مشرک ہی تھی اس لئے یہاں مشرکین ارشاد فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی مومن 'عارف ہوتے ہیں۔ وہاں سے ہی سب کچھ سیکھ کر آتے ہیں۔ اسی کا یہاں اظہار ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں دنیا میں تشریف لانے سے پہلے ہی اپنے کو اپنے رب کی طرف متوجہ کر چکا ہوں 'سب کچھ سیکھ سکھا کر دنیا میں تشریف لایا ہوں۔ میرا رب وہ اللہ ہے جس نے فیض دینے والے آسمانوں یعنی انبیاء کرام کو بھی پیدا فرمایا اور فیض لینے والی زمین یعنی عام لوگوں کو بھی پیدا کیا۔ یہ فیض دینے والے ان فیض لینے والے بندے ہی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیلیں ہیں ہم اس رب کو خدا مانتے ہیں جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرما کر انہیں ساری خلقت کا مرجع بنایا۔ شعر۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے مشرب میں وجہ سے مراد ہے دل کا رخ اور اسے رب کی طرف متوجہ کرنے کا مطلب ہے کہ اس دل میں رب کے سوا اور کوئی نہیں۔ دل خلوت خانہ یار ہے اس میں کسی دنیا کی چیز یہاں کے رنج و غم یہاں کی شادی و خوشی کی جگہ ہی نہیں اس کی تفسیر فرمائی **حنیفا** سے کیونکہ **حنیف** کے معنی ہیں کہ مومن کے دل میں یار کے سوا کوئی اور نہ ہو جس گھر میں اغیار ہوں وہاں پردہ کر کے آنا ہوتا ہے۔ جہاں یار اور یار کا سامان یار کے اپنے خدام وغیرہ ہوں وہاں یار بے پردہ آتا ہے۔ شعر

بے محابانہ درآ اندریں کاشانہ ما کہ بجز درد تو کس نیست دریں خانہ ما

اے محبوب میرے دل میں بے پردہ آجاؤ کہ اس دل میں تمہارے درد کے سوا اور کچھ نہیں مشرک وہی ہے جو اپنے دل کو مشترکہ منزل بنادے کہ وہاں دنیا بھی بسائے اور دین کو بسانے کی بھی کوشش کرے 'دل میں دوئی کی جگہ نہیں۔ صوفیاء کے نزدیک ہر چیز کا قبلہ جداگانہ ہے مگر دل کا قبلہ رضاذ الجلال ہے۔

وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ قَالَ اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ وَلَآ اَخَافُ مَا
اور حجت بازی کی ان سے قوم نے انکی فرمایا کیا کج بحثی کرتے ہو تم مجھ سے اللہ کے بارے میں حالانکہ ہدایت دی اس نے مجھے اور
اور انکی قوم ان سے جھگڑنے لگی کہا کیا اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑتے ہو وہ تو مجھے راہ بتا چکا اور مجھے ان کا ڈر نہیں

www.alahazratnetwork.org

تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ شَيْـًٔا ؕ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۰﴾

نہیں ڈرتا میں اس سے جسکو تم شریک بناتے ہو مگر یہ کہ چاہے میرا رب کوئی چیز گھیرے ہوئے ہے رب میرا ہر چیز کو علم سے کیا پس نہیں نصیحت پکڑتے تم۔

جنہیں تم شریک بناتے ہو ہاں جو میرا ہی رب کوئی بات چاہے میرے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کے ان دلائل توحید کا ذکر ہوا جو آپ نے اپنی قوم کے سامنے پیش فرمائے۔ اب ان دلائل پر قوم کے ساتھ مناظرہ کا ذکر ہے۔ مناظرہ میں ترتیب یہی ہوتی ہے کہ پہلے دعویٰ' پھر دلیل' پھر دلیل پر جرح وقدح ہے' پھر ان کے جوابات وہی ترتیب یہاں ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوت دلیل کا ذکر تھا اب آپ کی قوت دل کا ذکر ہے کہ آپ اکیلے تھے مگر آپ کے دل میں مخالفین کی جماعت ان کی دولت' ان کی حکومت سے بالکل خوف و ہراس نہ آیا۔ دلیل کی قوت جب ہی کام آتی ہے' جب دل کی قوت ساتھ ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت خلیل اللہ کی قوت دلائل کا ذکر تھا۔ اب یہ بتایا جارہا ہے کہ دلائل انہیں ملے کہاں سے' ان کے رب کی طرف سے **و قد ھدان** اور ظاہر ہے کہ رب کا عطیہ بہت ہی پختہ ومضبوط ہوتا ہے' اسی لئے اس آیت میں رب تعالیٰ کی صفات کا بھی ذکر ہے۔ **وسع ربی الخ۔**

تفسیر : **و حاجہ قومہ۔** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ حاج بنا ہے **محاجتہ** سے جس کا مادہ ہے **حجتہ** معنی دلیل یا معنی مناظرہ۔ یہ کلمہ اکثر ضد کی حجت بازی کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے۔ یعنی کج بحثی حجت بازی کی ہ کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں **قومہ** سے مراد وہی قوم کفار ہے۔ جن کے مقابل آپ نے مذکورہ دلائل پیش فرمائے یعنی ان کی قوم نے ان سے حجت بازی' جھگڑا' کج بحثی کی ان لوگوں نے چار باتیں کہیں ایک یہ کہ آپ کمسن' کم عقل ہیں۔ دوسرے یہ کہ آپ غریب ہیں' آپ کے مقابل لوگ امیر۔ تیسرے یہ کہ آپ اکیلے ہیں آپ کے مقابل جماعت ان وجوہ سے آپ کی بات قابل قبول نہیں۔ آپ کے مقابلین کی بات لائق قبول ہے۔ چوتھے یہ کہ ہمارے پاس فوج پولیس قانون حکومت سب کچھ ہے اگر آپ نے اپنی تبلیغ بند نہ کی تو ہم آپ کو ایذا دیں گے۔ نیز وہ بولے کہ ان بتوں کو ہمارے باپ دادے پوجتے آئے ہیں کیا تم ان سے زیادہ عقل مند ہو۔ اس لئے جو انکار کرتے ہوا تنے بڑے جہان کو اکیلا خدا چلا نہیں سکتا۔ ان بتوں کی مدد کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ اور یہ بت مل ملا کر دنیا کو سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس لئے یہ سب ہی عبادت کے لائق ہیں اور اے ابراہیم اگر تم نے ہمارے بتوں کی پوجا نہ کی' انہیں برا کہا تو یہ بت تم کو نقصان پہنچادیں گے' تم کو بیمار یا دیوانہ کردیں گے' اپنے پر رحم کرو' ان کی پرستش شروع کردو (از خازن ومعانی وکبیر وغیرہ)۔ **قال اتحاجونی فی اللہ و قد ھدان۔** یہ آپ کا جواب ہے۔ اس میں الف سوال کا ہے اور سوال تعجب کا۔ ہماری قراۃ میں **تحاجونی** نون کے شد سے ہے اصل میں **تحاجوننی** تھا۔ دونوں نون کا

www.alahazratnetwork.org

ادغام کر دیا گیا ہے۔ بعض قراتوں میں تحاجونی بغیر شد کے ہے یعنی ایک نون گرا کر فی اللہ سے مراد ہے۔ فی ذات اللہ یا فی صفات اللہ وقد میں واؤ حالیہ ہے یہ عبارت تحاجونی کے ی سے حال ہے۔ ھدا کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اس ھدان میں تین باتیں فرمائیں ایک یہ کہ مجھے ایمان و عرفان کی ہدایت فطری طور پر ملی ہے میں دنیا میں آنے سے پہلے ہدایت یافتہ تھا۔ دوسرے یہ کہ مجھے ہدایت بلاواسطہ رب نے دی ہے کسی اور کے ذریعہ نہیں ملی لہٰذا یہ ہدایت مجھ سے سلب نہیں ہو سکتی خوف امید اسے چھین نہیں سکتی' چاند' سورج کی روشنی کوئی نہیں دور کر سکتا کہ انہیں رب نے روشن کیا ہے۔ چراغ بندہ روشن کرتا ہے' بندہ بجھا بھی دیتا ہے۔ تیسرے یہ کہ رب تعالیٰ نے مجھے ہر قسم کی ہدایت دی ہے' ایمان کی بھی عرفان کی بھی' نیک اعمال کی بھی۔ رب کی طرف سے مطلقاً ہدایت یافتہ ہوں تمہارے لئے میری ہر ادا ہادی ہے۔ نیز رب نے مجھے ہدایت دی ہے یعنی ایصال مطلوب تمہیں میرے ذریعہ سے ہدایت ملے گی بمعنی اراۃ طریق یعنی راہ دکھانا غرضیکہ ایک لفظ قد ھدان میں آپ نے ان کی تمام باتوں کا جواب دے دیا کہ زیادتی عمر' زیادتی مال' زیادتی جتھہ' عقل باتوں میں دیکھی جاتی ہے۔ میں وحی الٰہی سے کہہ رہا ہوں وحی سب پر حاوی ہے اس میں عمر' مال' وغیرہ نہیں دیکھا جاتا۔ یعنی اے قوم والو تعجب ہے کہ تم مجھ سے کج بحثی کرتے ہو یعنی تم مجھ سے فیض لیتے نہیں مجھے ایذا دیتے ہو تم مجھ سے دودھ نہیں پیتے میرا خون پیتے ہو' ہمیشہ سے چلا آیا ہے کہ قریبی اور قرابت داریوں سے فیض نہیں لیتے انہیں ستاتے ہیں۔ دوسرے دور کے لوگ ان سے سب کچھ لے لیتے ہیں ان کی بکواس کا جواب یہ دیا کہ جو کچھ میں نے تم سے کہا ہے اپنی طرف سے نہ کہا بلکہ مجھے میرے رب نے ایمان' عرفان' ان دلائل کی ہدایت دی تو کہا ہے۔ خیال رہے کہ ھدا ماضی مطلق ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ مجھے میرے رب نے اول ہی سے ہدایت دی ہے میں ہدایت لے کر دنیا میں آیا ہوں' میری عمر دیکھو اور میرے کلام میں غور کرو یہ کلام ہی اس ہدایت کا پتہ دے رہا ہے۔ **ولا اخاف ما تشرکون بہ** یہ عبارت یا تو نئی ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا ھدان پر معطوف ہے تو واؤ عاطفہ ہے اس عبارت میں آپ نے اپنے دل کی قوت اطمینان اور بے خوفی کا ذکر فرمایا ما سے مراد ان کے سارے جھوٹے معبود ہیں خواہ چاند تارے' سورج ہوں خواہ زمینی بت خواہ ساری دنیا کا بادشاہ نمرود ہو جس کے ملک میں آپ رہتے تھے۔ یعنی میں تمہارے کسی بت سے ذرا برابر خوف نہیں کرتا۔ تمہار نمرود کی پولیس' فوج' اس کی دولت' وحکومت میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ **تشرکون** بنا ہے اشراک سے بمعنی خدا کا شریک بنانا یا شریک ماننا بہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **الا ان یشاء ربی شیئا** یہ عبارت **لا اخاف** سے منقطع مستثنیٰ ہے۔ ان یشاء الخ مبتداء بمعنی شرط ہے اس کی خبر بمعنی جزاء ہے کان شیئ سے مراد تکلیف و نقصان ہے۔ یعنی اگر میرا رب ہی مجھے بیمار کرنا یا اور کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو وہ ہو جائے گا اس میں تمہارے بتوں کا کوئی تعلق نہیں۔ **وسع ربی کل شیء علما** یہ عبارت گویا یشاء ربی کی دلیل ہے۔ **وسع** بنا ہے **وسع** سے بمعنی گھیرنا یا گنجائش رکھنا۔ کل شیء سے مراد ہر چیز ہے ممکن ہو یا واجب یا ناممکن موجود ہو یا غیر موجود۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا علم ان چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ **علما** تمیز ہے ربی کی یعنی میرے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اس کے علم سے کوئی چیز نہیں نکل سکتی' میری بیماری تندرستی' میرا آرام و تکلیف اس کے علم میں ہے۔ اس کے مطابق یہ چیزیں مجھ کو پہنچتی ہیں نہ کہ تمہارے بتوں کی ناراضی سے۔ اس فرمان عالی کے دو منشاء ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ رب تعالیٰ کی طرف سے مجھے جو تکلیف یا مصیبت یا راحت پہنچے گی وہ اس کے علم و حکمت کے ماتحت پہنچے گی میری بلندی درجات کا باعث ہوگی' وہ علیم و خبیر اپنے بندوں کو کبھی راحت کے ذریعہ اپنے تک بلاتا ہے' کبھی مصیبت کے راستے سے'

www.alahazratnetwork.org

یہ سب اس کے راستے ہیں۔ مستری لوہے کو گرم کرکے کوٹ کر قیمتی بنا تا ہے۔ دوسرے یہ کہ تم نمرود کے پجاری میں للہ واحد قہار کا عابد تمہارا رب ایسا بے خبر ہے کہ اسے تمہاری میری اس گفتگو کی بھی خبر نہیں۔ اس نے چاہا تھا کہ میں دنیا میں نہ آؤں مگر دیکھ لو اسے خبر بھی نہ ہوئی اور میں آگیا۔ تمہارے سامنے کھڑا ہوں۔ میرا رب ایسا علیم و خبیر ہے کہ اسے ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کی خبر ہے' اس خبیر کی خبر دینے سے مجھے ہر چیز کی خبر ہے لہٰذا عبادت کے لائق وہی ہے نہ کہ نمرود وغیرہ۔ **افلا تتذکرون** اس عبارت میں اس قوم کی جہالت کا ذکر ہے کہ اتنی ظاہریات بھی نہیں سمجھتے **افلا** کا سوال بھی یا تو تعجب کے لئے ہے یا اظہار افسوس کے لئے **تذکر** بنا ہے ذکر سے' معنی نصیحت یعنی تم میرے اس کلام شریف سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے تمہارے دماغ دنیاوی کاموں میں تو خوب چلتے ہیں دین کی باتوں میں کیوں نہیں چلتے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا آزر بت ساز بھی تھا اور بت فروش بھی۔ بت بنا کر فروخت کیا کرتا تھا۔ جناب خلیل اللہ نے ایک بار اس کے بت کو ہاتھ میں لے کر بازار میں اعلان کیا کہ کون خریدتا ہے وہ چیز جو صرف نقصان ہی دیتی ہے۔ نفع بالکل نہیں دیتی اگر کسی کو اپنی دنیا و دین دونوں برباد کرنے ہوں تو یہ خرید لو۔ اس اعلان پر کسی نے نہ خریدا۔ آپ ان بتوں کو لے کر ایک نہر پر تشریف لے گئے' ان کے منہ پانی میں ڈبو کر بولے کہ بتو پانی پی لو یہ سب کام قوم کے سامنے کئے۔ اس پر آزر اور آپ کی قوم جل گئے کہنے لگے کہ ابراہیم اگر تم ان حرکتوں سے باز نہ آئے تو یہ بت تم کو بہت نقصان پہنچائیں گے۔ تم ان کی طاقت سے بے خبر ہو یہ بت ہمارے باپ دادوں کے معبود ہیں اور ان کی مدد سے دنیا قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا اس آیت کریمہ میں اس حجت بازی کا ذکر ہے (خازن معانی وغیرہ) جب آپ سے آپ کی قوم نے مذکورہ حجت بازی کی تو آپ نے جواب دیا کہ تم کو شرم نہیں آتی کہ تم مجھ سے اس اللہ تعالیٰ کے متعلق کج بحثی کر رہے ہو جو مجھے اول سے ہی ہدایت دے چکا ہے میں تمہاری ان باتوں میں آنے کا نہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ میں تمہارے بتوں' تمہارے نمرود' تمہاری قوت و طاقت سے بالکل نہیں ڈرتا تم سب مل کر جو چاہو میرا بگاڑ لو اگر اللہ تعالیٰ ہی مجھے کوئی نقصان پہنچانا چاہے تو پہنچ سکتا ہے ورنہ نہیں میرے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ اے میری قوم تم میری ایسی اعلیٰ گفتگو سے نصیحت کیوں نہیں پکڑتے۔ خیال رہے کہ دنیاوی تکالیف' بیماریاں وغیرہ کفار کے لئے اللہ کا عذاب ہیں کہ رب انہیں تنبیہہ فرماتا ہے وہ راستہ پر نہیں آتے۔ کل قیامت میں وہ کوئی بہانہ نہیں بنا سکیں گے کہ ہم کو تیری قدرت اور پکڑ کی خبر نہ تھی یہ تکالیف انہیں رب کی پکڑ' اس کی قدرت پر مطلع کرتی ہیں۔ مومنوں کے لئے رحمت ہیں کہ مومن ان تکالیف میں گناہوں سے توبہ کرکے پاک و صاف ہو جاتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے لئے ذریعہ تبلیغ کہ ان کی تکالیف سارے عالم کے لئے ذریعہ صبر ہوتی ہیں یونہی راحتیں نعمتیں کافر کے لئے عذاب ہیں کہ وہ اور بھی مغرور و غافل ہو جاتا ہے۔ مومن کے لئے ذریعہ شکر ہیں۔ حضرات انبیاء کرام کے لئے تبلیغ یہاں جناب خلیل کا یہی مقصد ہے کہ مجھ پر جو تکالیف آئیں گی میرے رب کی طرف سے آئیں گی اور وہ علیم ہے کسی کو تکالیف عذاب بنا کر دیتا ہے کسی کو رحمت بنا کر۔ سبحان اللہ کیسا پیارا کلام ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مناظرہ میں باطل پرست فریق اللہ کے نزدیک جھگڑالو اور فسادی ہوتا ہے حق پرست شخص مصلح ہے یہ فائدہ **حاجہ قومہ** سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خلیل اللہ کی قوم کو حاج کا فاعل قرار دیا۔ خیال رہے کہ خلیل اللہ سے یہ جھگڑا آپ کی قوم نے کیا تھا دوسرا جھگڑا نمرود بادشاہ نے۔ چنانچہ

www.alahazratnetwork.org

ارشاد باری ہے **الم تر الی الذی حاج ابراھیم فی ربه** وہاں بھی حق تعالیٰ نے نمرود کو جھگڑالو فرمایا۔ **دوسرا فائدہ:** جو قوم اپنے جاہل و کافر باپ داداؤں کی جھوٹی رسموں میں جکڑی ہوئی ہو اسے نبی سے بھی ہدایت ملنا مشکل ہے۔ یہ فائدہ بھی **حاجه قومه** سے حاصل ہوا۔ پیغمبر کے مقابل دوسروں کی تقلید تحقیق کا دروازہ بند کر دیتی ہے۔ نبی کے فرمان پر اپنی عقل' رسم و رواج سب چھوڑ دینے چاہئیں۔ **تیسرا فائدہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام ہدایت یافتہ پیدا ہوئے۔ آپ کی یہ مذکورہ ساری گفتگو قوم کو الزام دینے کے لئے تھی نہ اس لئے کہ آپ کو کچھ تردد تھا۔ یہ فائدہ **قد هدان** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو براہ راست ہدایت دیتا ہے اور دوسروں کو نبی کی معرفت سے یہ فائدہ بھی **و قد هدان** سے حاصل ہوا کہ آپ نے فرمایا مجھے میرے رب نے ہدایت دی ہے' سورج کو رب تعالیٰ نے براہ راست روشنی دی اور زمین کو سورج کے ذریعہ سے منور فرمایا۔ **پانچواں فائدہ:** ہماری ہدایت اور نبی کی ہدایت میں چند طرح فرق ہے ہم کو ہدایت کیسی ہوتی ہے' ان کو ہدایت فطری' ہم کو ہدایت ملتی ہے یعنی راہ دکھانا ان کو ہدایت ملتی ہے یعنی منزل پر پہنچا دینا لہٰذا ہماری گمراہی ممکن ان کی گمراہی ناممکن ہے۔ ہم یہاں راستہ پر چلتے ہیں وہ ہم کو راہ پر چلاتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **و قد هدان** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو بڑی دلیری' جرات' ہمت عطا فرماتا ہے ان کے دل میں کسی کا خوف نہیں آتا۔ یہ فائدہ **ولا اخاف ما تشركون** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت خلیل اس وقت دشمنوں میں گھرے ہوئے تھے۔ قوم دشمن' بادشاہ دشمن' بادشاہ کی پولیس' فوج دشمن مگر اللہ اکبر کس ہمت و جرات سے فرمایا کہ مجھے تمہارے جھوٹے معبودوں سے کوئی خوف نہیں جو ہو سکتا ہے کر لو۔ **ساتواں فائدہ:** دنیاوی مصیبتیں اور تکلیفیں اللہ کے مقبول بندوں کی ناراضی کی علامت نہیں یہ فائدہ **الا ان يشاء ربى** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** بتوں کی مجبوری مقہوری نفع نقصان کا مالک نہ ہونا ان کی بندگی کی دلیل ہے اس دلیل میں غور کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **افلا تتذكرون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کبھی مخلوق سے بھی نفع نقصان پہنچ جاتا ہے مگر وہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اس سے وہ مخلوق رب نہیں بن جاتی۔ سانپ کاٹنے سے موت واقع ہو جاتی ہے' تریاق سے زہر اتر جاتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہ فائدہ بھی **الا ان يشاء ربى** سے حاصل ہوا۔ فاعل حقیقی رب ہے' مخلوق سبب ہے۔ **دسواں فائدہ:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسے خطرناک موقعہ پر بھی تقیہ نہیں کیا بلکہ اپنے ایمان کا اعلان فرمایا۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قوم نے توحید پر یہ اعتراض بھی کیا کہ اکیلا رب اتنے بڑے جہان کا انتظام نہیں کر سکتا۔ حضرت خلیل اللہ نے اس کا جواب کیوں نہیں دیا صرف عتاب ہی فرمایا' معترضین کا اعتراض تو باقی ہی رہا۔ **جواب:** واہیات اعتراض کا جواب نہ دینا معترض کو در کار دینا سنت الٰہیہ ہے دیکھو ابلیس نے حکم سجدہ سے سرتابی کرتے ہوئے بڑے دلائل قائم کئے **خلقتنى من نار** وغیرہ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے بجائے جواب کے عتاب ہی آیا کیونکہ اس کی دلیل ظاہر ظہور غلط تھی۔ جب وہ قوم یہ تو مانتی تھی کہ سارے جہان کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو اسے مدبر امر ماننے سے انکار کیوں کرتی تھی۔ پیدا کرنا مشکل ہے' انتظام کرنا اتنا مشکل نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کو ہدایت ملتی ہے یعنی منزل پر پہنچا دینا' راہ چلنا ہمارا کام ہے' راہ چلانا ان کا کام مگر قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے **انك لمن المرسلين على صراط مستقيم** جس سے معلوم ہوا کہ حضور سرکار بھی راستہ میں چلتے ہیں ہم میں ان میں کوئی فرق نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ **الزامی جواب:** تو یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہے **ان**

www.alahazratnetwork.org

ربی علی صراط مستقیم میرا رب سیدھے راہ پر ہے کیا رب تعالیٰ بھی راستہ چل رہا ہے۔ **تحقیقی جواب:** یہ ہے کہ اس آیت کے یہ معنی نہیں کہ آپ سیدھی راہ پر چلتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ سیدھی راہ پر ملتے ہیں۔ جیسے کہا جائے کہ لائلپور (موجودہ فیصل آباد) سیدھی سڑک پر ہے یعنی سیدھی سڑک چلنے پر مل جاتا ہے۔ خیال رہے کہ دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بھی سیدھی راہ پر ملتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی سیدھی راہ پر ملتے ہیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملتا ہے اس کے ملنے کا ٹھکانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** ابراہیم علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ میرے رب کا علم ہر چیز کو گھیرے ہے اس کی قدرت بھی تو ہر چیز کو گھیرے ہے قدرت کا ذکر کیوں نہ کیا۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت زیادہ ہے 'قدرت کی وسعت سے کیونکہ اس کا علم ممکنات ناممکنات واجب' سب ہی کو گھیرے ہے 'مگر قدرت صرف ممکنات کو گھیرے ہے ناممکن چیزیں یونہی واجب قدرت کے گھیرے سے باہر ہیں مقصد یہ ہے کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے۔ وہ رب تعالیٰ کے علم میں ہے۔ مجھ پر راحتوں 'مصیبتوں کا آنا اس کے علم' اس کی حکمتوں سے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت خلیل نے فرمایا **لا اخاف ما تشرکون** مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **اننا نخاف ان یفرط علینا** خدایا ہم ڈرتے ہیں کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ وہ بھی تو نبی تھے وہاں فرعون سے ڈر کیوں ہوا۔ یہاں نمرود سے کیوں نہ ہوا۔ **جواب:** خوف تین قسم کا ہوتا ہے 'خوف ایذا جیسے سانپ سے ڈر خوف ہیبت جیسے حاکم کی کچہری سے ہیبت۔ خوف اطاعت نبیوں کو خوف ایذا ہو سکتا ہے کسی سے خوف ہیبت یا خوف اطاعت نہیں ہو سکتا۔ مگر جناب خلیل بڑی شان کے مالک ہیں۔ آپ کو نمرود سے خوف ایذا بھی نہ ہوا یہ آپ کی خصوصی شان ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بندے دو قسم کے ہیں محبوبین اور محجوبین محجوب بندوں کے پاس الفاظ کی فراوانی قال کی بھرمار حجت بازی' مناظروں کی کثرت ہے۔ محبوبین ان تمام جھگڑوں سے وراء ہیں دیکھو اس کافر قوم کو جو کج بحثی سوجھی حضرت ابراہیم علیہ السلام اس سے کہیں دور تھے۔ اس لئے رب نے فرمایا **و حاجہ قومہ** تمام حجت بازیاں اسی حجاب کا نتیجہ تھیں۔ جناب خلیل اللہ کا ایک ہی جواب تھا کہ **قد ھدان** مجھے رب نے ہدایت دے دی ہے۔ جسے وہ ہدایت دیدے اسے یہ حیلے بہانے نہیں سوجھتے اللہ تعالیٰ نے ہدایت عامہ تو سب ہی کو دی مگر ہدایت خاصہ یعنی پردے اٹھا دینا خاص بندوں ہی کو عطا فرمائی جسے یہ ہدایت مل جاتی ہے وہ عقلی ڈھکوسلوں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد — شمس آمد شمع خود بیچارہ شد

عقل شمع و چراغ ہے 'عشق الٰہی سورج جس دل پر عشق الٰہی کی جلوہ گری ہے وہاں عقل کا داؤ نہیں چلتا اللہ تعالیٰ کا علم محیط ہے وہ جانتا ہے کہ کون کس نعمت کے لائق ہے عقل و عشق اس نے اپنے علم کے مطابق تقسیم فرمائے۔

وَكَيْفَ اَخَافُ مَاۤ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا

اور کیسے ڈروں میں ان چیزوں سے کہ شریک بنایا تم نے حالانکہ نہیں ڈرتے ہو تم کہ تحقیق تم نے شریک ٹھہرایا

اور میں تمہارے شریکوں سے کیوں ڈروں اور تم نہیں ڈرتے اس کہ تم نے اللہ کا شریک اسے ٹھہرایا

www.alahazratnetwork.org

لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ

ساتھ اللہ کے ایسے کو نہیں اتاری اس کی تم پر کوئی دلیل تو کون دو فریقوں میں سے زیادہ حق دار ہے امن کا اگر ہو

جس کی تم پر اس نے کوئی سند نہ اتاری تو دونوں گروہوں میں امان کا زیادہ سزاوار کون ہے

كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۘ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ

وقف لازم

تم جانتے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہ ملایا انہوں نے اپنے ایمان کو ساتھ ظلم کے یہ ہی لوگ ہیں

اگر تم جانتے ہو وہ جو ایمان لائے اور اپنے ایمان میں کسی ناحق کی آمیزش نہ کی انہیں

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝

کہ واسطے ان کے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں

کے لیے امان ہے اور وہی راہ پر ہیں۔

تعلق: ان آیتوں کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان کامل کا اعلان فرمایا۔ اب آپ نے اس ایمان کے دینی و دنیاوی فائدوں کا ذکر کیا یعنی دونوں جہاں میں امن و امان تا کہ ان کو ایمان کی طرف رغبت ہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی واقعی بے خوفی کا ذکر فرمایا تھا **ولا اخاف ما تشرکون**۔ اب ان مشرکین کے عقیدے کے اعتبار سے اپنی بے خوفی کا ذکر فرمایا کہ تمہارے عقیدے میں بھی یہی چاہئے کہ مجھے بے خوفی ہو تم کو خوف ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کا وفادار بندہ ہوں تم غدار۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بے خوفی کا ذکر فرمایا تھا اب ان مشرکین کے واقعی خوف کا ذکر ہے کہ واقعہ میں خطرناک کام تم کر رہے ہو تم کو خوف کرنا چاہئے۔ گویا ایمان کے فائدوں کے ذکر کے بعد کفر و شرک کے نقصانات کا ذکر ہے۔

تفسیر: **وکیف اخاف ما اشرکتم**۔ قوی بات یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے۔ **کیف** عربی زبان میں کیفیت پوچھنے کے لئے آتا ہے۔ جیسے **کیف حالک** یہاں سوال انکاری ہے۔ جس سے خوف کی ساری کیفیتوں کی نفی مقصود ہے یعنی میرے ڈرنے کی کوئی وجہ نہیں میں نمرود وغیرہ سے کیوں ڈروں ڈرے وہ۔ جو لاوارث ہو **ما** سے مراد اس کے سارے جھوٹے معبود ہیں خواہ آسمانی چاند سورج ہوں یا زمینی بت یا نمرود چونکہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے منکر یعنی دہریئے نہ تھے بلکہ اسے دنیا کا خالق مان کر بتوں کو اس کا شریک مانتے تھے اس لئے **اشرکتم** فرمانا بالکل درست ہوا۔ نمرود بھی اپنے کو خدا تعالیٰ کی مثل اس کی برابر سمجھتا تھا خدا کی ذات کا منکر نہ تھا یعنی میں تمہارے مانے ہوئے فرضی شریکوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں جیسے اپنی دولت بنک میں رکھ دی جائے یا بیمہ کرا دی جائے تو اس کے ضائع ہونے کا خوف نہیں رہتا وہاں چور نہیں پڑتا۔ حضرات انبیاء کرام کی عزت عظمت' ان کا دین و ایمان گویا بیمہ شدہ دولت ہے۔ ہر خطرے سے محفوظ بلکہ جو ان کے قدموں سے وابستہ ہو جائے وہ بھی ہر خطرہ سے باہر ہو جاتا ہے وہ تو خطرہ دور کرنے والے ہیں انہیں خطرہ اور ڈر کس کا ہو اس لئے فرمایا **لا اخاف ما اشرکتم**۔ **ولا تخافون انکم اشرکتم باللہ** یہ عبارت **اخاف** کے فاعل **انا** کا حال ہے لہٰذا واؤ حالیہ ہے۔ **لا تخافون** میں قوم اور نمرود

www.alahazratnetwork.org

سب ہی سے خطاب ہے **لا تخافون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اللہ اور **انکم** مفعول لہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ **انکم اشرکتم** ہی مفعول بہ ہو چونکہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتے تھے۔ اس لئے **اشرکتم باللہ** فرمانا بالکل درست ہوا۔ **ما لم ینزل بہ علیکم سلطانا** یہ عبارت **اشرکتم** کا مفعول بہ ہے ما سے مراد ہر غیر خدا ہے۔ **سلطان** سے مراد قوی دلیل ہے خواہ وحی الہی ہو یا قول رسول سلطان کے لغوی معنی ہیں غلبہ چونکہ قوی دلیل بھی مدعی کے غلبہ کا ذریعہ ہوتی ہے اس لئے اسے سلطان کہا جاتا ہے۔ یعنی تم نے اللہ کا شریک ان چیزوں کو مان لیا جن کے شریک ہونے پر نہ کوئی آسمانی کتاب گواہ ہے نہ کسی رسول کا قول نہ کسی رسول کی وحی۔ دینی چیزوں کے لئے نقلی دلائل کی ضرورت ہے تمہارے پاس موجود نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے واحد قہار لا شریک لہ ہونے پر آسمانی کتابیں' نبیوں کے فرمان' آسمانی وحی' سب ہی گواہ ہیں۔ اتنا فرما کر انہیں ڈرانے کے لئے ان سے نہایت نفیس سوال فرمایا۔ خیال رہے کہ جو چیز محسوس نہ ہو اسے دلیل سے معلوم کرتے ہیں۔ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے' دلیل عقلی' دلیل نقلی۔ دلیل عقلی اجمالی علم دیتی ہے۔ دلیل نقلی تفصیلی علم بخشتی ہے' ریل کی حرکت انجن کے ثبوت کی اجمالی عقلی دلیل ہے۔ جس سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ واقعی اسے انجن چلا رہا ہے مگر انجن کے کل پرزے وہ بتائے گا جو اس میں رہتا ہوا سے جانتا ہو' آسمان و زمین کی چیزیں رب تعالیٰ کی ہستی کی اجمالی عقلی دلیلیں ہیں کہ ان کا کوئی خالق ہے مگر خالق کے صفات اس کے احکام نبی بتائیں گے جو اس کی ذات و صفات کے عارف ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ نمرود وغیرہ کی خدائی پر نہ تو عقلی دلیل ہے کہ وہ خود کھاتا پیتا سوتا جاگتا ہے پھر وہ رب کیسا اور نہ کسی نبی نے' نہ کسی کتاب نے اس کی الوہیت کا اعلان کیا پھر وہ خدا کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کی جیتی جاگتی' بولتی ہوئی تفصیلی دلیلیں ہیں۔ **فای الفریقین احق بالامن**۔ خیال رہے کہ فریق پورے گروہ کو کہا جاتا ہے۔ صرف ایک شخص کو فریق یعنی گروہ نہیں کہتے۔ چونکہ اس وقت آپ بھی مومن تھے' آپ کے والد حضرت تارخ' آپ کی والدہ حضرت متلی' آپ کے بھتیجے حضرت لوط اور ہاران کی بیٹی حضرت سارہ وغیرہم بھی۔ لہٰذا اس وقت مومنوں کا بھی فریق موجود تھا۔ مشرکین سے تو وہ سارا علاقہ بھرا ہوا تھا لہٰذا **الفریقین** فرمانا بالکل درست ہے۔ **احق** اسم تفضیل ہے **حقیق** کا معنی لائق' سزاوار' مستحق' **امن** سے مراد آخرت کے دائمی عذاب سے محفوظ رہنا ہے۔ لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں یعنی تم خود ہی سوچ لو کہ اس وقت عراق میں دو گروہ موجود ہیں۔ ایک مومنوں کا دوسرا مشرکوں کا۔ مومن بندے وفادار ہیں اور مشرکین غدار ہیں تو ان دونوں گروہوں میں عذاب دائمی سے امن میں رہنے کا مستحق کون ہے تمہارا نمرود بھی وفادار نوکروں کو امان تنخواہ سب کچھ دیتا ہے۔ غداروں کو سزا دیتا ہے' دنیا آخرت کا نمونہ ہے تم اپنے اور ہمارے متعلق خود فیصلہ کر لو **ان کنتم تعلمون** اس شرط کا تعلق **فای الفریقین** الخ سے ہے۔ اس کی جزاء پوشیدہ ہے علم سے مراد عقل سمجھ بوجھ اور تجربہ کا علم ہے یعنی اگر تم جانتے ہو تو فیصلہ کر دو یا مجھے جواب دو تم نے دنیا کے بادشاہوں کا کیا طریقہ دیکھا ہے اس تجربہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میرے سوال کا جواب دو اور اپنے میرے متعلق فیصلہ کرو۔ **الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم** قوم نے آپ کے سوال کا جواب نہ دیا تو آپ نے خود ہی ان کو یہ جواب دیا یعنی خود ہی سوال قائم فرمایا اور خود ہی جواب دیا۔ حق یہ ہے کہ یہ کلام شریف بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہی ہے اس عبارت میں ایمان سے مراد ہے لغوی ایمان یعنی اللہ کی ذات کو ماننا ظاہر یہ نہ ہوتا ظلم سے مراد شرک ہے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **ان الشرک لظلم عظیم**۔ خیال رہے کہ یہاں ظلم کی تنوین بیان عظمت کے لئے ہے اور ظلم سے مراد ظلم عظیم یعنی بڑا ہی ظلم ہے جس کی معافی نہ ہو سکے وہ کفر و شرک ہی ہے۔ گناہ' خطا کو ظلم

www.alahazratnetwork.org

کہا گیا ہے مگر وہ چھوٹے اور قابل معافی ظلم ہیں' ظلم کے معنی اس کے اقسام ان اقسام کے دینی و دنیاوی احکام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں یعنی جو لوگ اللہ تعالٰی کو خالق و مالک مانیں پھر اس عقیدے میں کفر و شرک کی آمیزش بھی نہ کریں تو ان کی جزاء یہ ہے کہ **اولئک لھم الامن و ھم مھتدون** یہ عبارت خبر ہے الذین امنوا الخ کی اس عبارت میں مخلص مومنوں کی دو جزائیں بیان ہوئیں۔ ان جزاؤں میں چار احتمال ہیں ایک یہ کہ ہدایت اور امن دونوں سے دنیاوی امن و ہدایت مراد ہے۔ یا دونوں سے اخروی امن و ہدایت مراد ہے یا امن سے مراد ہے دنیاوی امن اور ہدایت سے مراد ہے اخروی ہدایت یا اس کے برعکس کہ امن سے مراد ہے اخروی امن ہدایت سے مراد دنیاوی ہدایت یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان دونوں سے مراد ہوں۔ دونوں جہان کی امن و ہدایت یہ پانچواں احتمال قوی ہے کیونکہ آیت میں کوئی قید نہیں لہٰذا اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں امن سے مراد قبر میں حشر میں پل صراط پر امن ہے کہ یہ لوگ قبر کے امتحان میں کامیاب ہوں گے۔ قیامت کے حساب میں کامیاب ہوں گے' پل صراط سے بخیریت گزر جائیں گے دنیا میں وہ اچھے عقائد' اچھے اعمال' اچھے احوال کی ہدایت پائیں گے' چونکہ آخرت کی امن اعلٰی اور اصل مقصود ہے۔ دنیا کی ہدایت اس امن کا ذریعہ ہے اس لئے اخروی امن کا ذکر پہلے کیا دنیاوی ہدایت کا ذکر بعد میں یا یہ مطلب ہے کہ وہ دنیا میں شیطان نفس امارہ برے ساتھیوں بہت سی مصیبتوں سے بھی امن میں رہیں گے اور ہدایت پر بھی رہیں گے۔

خلاصہء تفسیر : حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بصیرت افروز گفتگو سن کر پہلے تو قوم نے الٹے سیدھے جواب دیئے کہ یہ ہمارے باپ دادا کا دین ہے ہم تمہارے کہنے سے اسے کیسے چھوڑ دیں وغیرہ۔ اس کا جواب آپ نے وہ دیا جو ابھی پچھلی آیت میں گزرا۔ پھر آپ کو اپنے بتوں' نمرود کی قوت و سلطنت' اپنی جماعت سے ڈرانے دھمکانے لگے کہ ہمارے بت تم کو دیوانہ کر دیں گے' ہم تم کو پتھراؤ کریں گے۔ نمرود آپ کو قتل کراوے گا وغیرہ۔ ان دھمکیوں کا آپ نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے کہ اے قوم میں تمہارے شرک و بتوں سے کیسے ڈر سکتا ہوں ان سے کیوں ڈروں میں تو اللہ تعالٰی کی حفظ و امن میں ہوں ڈرنا تو تمہیں چاہیے کہ تم نے ان چیزوں کو اللہ کا شریک بنا رکھا ہے جن کی شرکت پر اللہ نے کوئی کتاب' کوئی آیت نہ اتاری کسی نبی' کسی رسول نے ان کی الوہیت کی دعوت نہ دی تم خود ہی سوچ لو کہ اس وقت عراق میں دو ٹولے ہیں۔ ایک مومنوں کا جیسے میں اور میری جماعت دوسرے مشرکوں کا جیسے تم اور تمہاری جماعت غور کرو کہ دین اور دنیا میں امن و امان عذاب الٰہی سے محفوظ رہنے کا حقدار کون سا گروہ ہے اگر تم میں کچھ علم و عقل و شعور ہو تو سوچ لو کہ بندے وفادار امن کے حقدار ہیں یا بے وفا غدار لوگ۔ اس سوال کا جواب ان لوگوں سے نہ بن پڑا تو آپ نے خود فرمایا کہ جو اللہ تعالٰی کو مانیں' اس کی الوہیت کا اقرار کریں اور اس اقرار کے ساتھ شرکیہ کفریہ عقیدے کو مخلوط نہ کریں۔ یقینی بات ہے کہ وہی لوگ آخرت میں امن و امان میں ہوں گے اور دنیا میں ہدایت پر یا دنیا و آخرت میں عذاب الٰہی سے امن اور اچھائیوں کی ہدایت ان ہی کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ آخری آیت کے دو جز ہیں۔ پہلے جز میں دو کاموں کا ذکر ہے ایمان لانا' اور ایمان کو ظلم سے مخلوط نہ کرنا' اور ان کاموں کے دو انجاموں کا امن میں رہنا' ہدایت پر ہونا۔ پہلے جز کی چار تفسیریں ہیں۔ ایک تو معتزلہ خوارج کی' دوسری موجودہ زمانہ کے توحیدیہ فرقہ یعنی وہابیوں کی۔ تیسری علماء ربانی کی۔ چوتھی صوفیاء حقانی کی معتزلہ و خوارج کہتے ہیں کہ جو سارے ایمانیات کو مانے اور ایمان کو گناہ سے مخلوط نہ کرے وہ امن و ہدایت پائے گا ان کے ہاں فاسق کافر ہے یا ایمان سے خارج ہے۔ یہ تفسیر باطل ہے کہ اس میں مغفرت' بخشش' شفاعت' سب کی نفی ہے۔ قرآنی آیات و احادیث کے خلاف ہے موجودہ توحیدیے کہتے ہیں کہ جو ساری ایمانی چیزوں کو مانے اور

www.alahazratnetwork.org

اپنے ایمان کو ظلم یعنی شرک سے مخلوط نہ کرے کہ غیر خدا سے حاجتیں نہ مانگے' کسی کو نہ پکارے' یا رسول اللہ' یا غوث وغیرہ نہ کہے۔ اس کے لئے امن و ہدایت ہے' یہ تفسیر بھی باطل ہے۔ آیات قرآنیہ اور احادیث کے خلاف ہے۔ علماء ربانی وہ فرماتے ہیں جو ابھی تفسیر اور خلاصہ میں عرض کیا گیا۔ صوفیاء کرام نے جو اس کی تفسیر کی وہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جائے گی۔ انشاء اللہ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اللہ کے معاملہ میں لوگوں کے جتھے' ان کی دولت و قوت سے خوف نہ کرے۔ یہ عارضی بادل ہیں جو انشاء اللہ عنقریب چھٹ جائیں گے یہ فائدہ **و کیف اخاف** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: جس کے دل میں اللہ کا خوف نہ ہو گا۔ اس کے دل میں مخلوق کے بہت قسم کے خوف و ہراس ہوں گے تمام خوف و ڈر کا علاج صرف ایک ہے وہ یہ کہ اللہ سے ڈرو رب سے ڈرو سب سے ڈر کا علاج ہے۔ یہ فائدہ **ولا تخافون انکم** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو اکیلے حضرت خلیل کو ان میں سے کسی سے خوف نہ ہوا اور ان لوگوں کو بہت سوں سے بہت خوف تھے۔ فرعونی جادوگر کفر کے زمانہ میں فرعون ہامان وغیرھم سے بہت ڈرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی سب سے بے خوف ہو گئے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی دلیل آسمانی کتابوں کی آیات حضرات انبیاء کرام اور ان کے اقوال ہیں۔ اس معاملہ میں عقلی ڈھکوسلے بالکل بیکار ہیں۔ یہ فائدہ **مالم ینزل بہ علیکم سلطانا** سے حاصل ہوا کہ یہاں سلطان سے مراد حضرات انبیاء کرام کی تعلیم' ان کے ارشادات آسمانی کتابوں کی آیات ہیں۔ باقی رہیں عالم اور عالم کی چیزیں وہ رب تعالیٰ کی خاموش اور اجمالی دلیلیں ہیں۔ یہ حضرات بولتی ہوئی تفصیلی دلیلیں ہیں جن سے رب کی ذات وصفات و احکام بالتفصیل معلوم ہوتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ دین و دنیا میں امن و امان دیتا ہے اس پر مصیبتیں آتی ہیں مگر عارضی اور ان آفتوں میں بھی اس کے دل میں امان و چین ہوتے ہیں۔ دل میں بے قراری نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ **اولئک لھم الامن** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ان اللہ یدافع عن الذین امنوا** اللہ تعالیٰ مومنوں سے مصیبتیں دفع فرماتا رہے گا۔ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** حضرت سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

محال است چوں دوست دارد ترا　　　　کہ در دست دشمن گذارد ترا

پانچواں فائدہ: نیک اعمال کی ہدایت صرف مومنوں ہی کو ملتی ہے مشرک و کافر کا دماغ اوندھا ہی چلتا ہے۔ انسان کی عقل' ایمان کی روشنی میں صحیح راہ پر چل سکتی ہے۔ بغیر ایمان کی روشنی کے عقل غار یا نار میں پھینکتی ہے یہ فائدہ **وھم مھتدون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بعد موت منکر نکیر کے سوالات کے صحیح جوابات بارگاہ الہٰی میں عجز و انکسار' جنت میں اپنے گھر تک پہنچ جانے' ہدایت صرف مومن کو میسر ہوں گے۔ یہ فائدہ **وھم مھتدون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: سب سے بڑی نعمت امن اور ہدایت ہے کہ یہ ہزارہا نعمتوں کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **ھم الامن** سے حاصل ہوا اس کی ضرورت زندگی نزع قبر حشر ہر جگہ ہے مگر ہر جگہ کی امن و ہدایت مختلف ہے۔

پہلا اعتراض : ایمان و کفر دونوں ضد ہیں یہ دونوں کبھی جمع ہو سکتے ہی نہیں جیسے اندھیرا اور روشنی' سردی گرمی علم و جہالت پھر یہاں یہ کیوں فرمایا کہ جو ایمان لائیں اور اپنے ایمان کو کفر سے نہ ملائیں یہ دونوں چیزیں مل سکتی ہی نہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے۔ یعنی خدا کو خالق و مالک ماننا' کفار اللہ تعالیٰ کو خالق

www.alahazratnetwork.org

مالک معبود مانتے تھے یہ تھا ان کا لغوی ایمان۔ پھر کہتے تھے کہ ہمارے بت خدا تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کی حاجت ہے' ان کی یہ بکواس شرک تھی۔ یہاں اس کا بیان ہے شرعی ایمان واقعی کفر کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ دوسرا اعتراض: کلمہ' قرآن' پڑھنا ایمان ہے۔ پھر نبیوں' ولیوں کو ماننا انہیں حاجت روا' مشکل کشا' غیب دان' حاضر و ناظر جاننا شرک ہے آج جو مسلمان یہ عقیدے رکھتے ہیں وہی اس آیت میں مراد ہیں۔ (وہابی)۔ جواب: اس کے تین جواب ہیں۔ دو الزامی اور ایک تحقیقی۔ پہلا جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہ کلام حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی کافر قوم سے کر رہے ہیں وہ کفار تو نبیوں' ولیوں کو مانتے ہی نہ تھے نہ ان کے علم غیب وغیرہ کے قائل تھے۔ ان سے یہ گفتگو محض بیکار ہوتی لہذا یہاں ظلم سے مراد بت پرستی ہی ہے۔ دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ اس صورت میں آج کوئی بھی مخلص مومن نہ رہے گا سب ہی اس آیت کی زد میں آجائیں گے کیونکہ آپ لوگ بھی کلمہ' قرآن' حدیث پڑھ کر حکام' سلطان' حکیم وغیرہم کو حاجت روا مشکل کشا جانتے مانتے ہیں۔ اپنے ہر دینی کام کے لئے چندہ لینے لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہیں آپ بھی اس زد میں آگئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ہر چیز میں اس کے مناسب آمیزش اس کو اچھا بنا دیتی ہے نامناسب آمیزش اسے خراب کر دیتی ہے دودھ میں شکر ملاؤ اعلیٰ ہو جائے گا زہر ملاؤ قاتل بن جائے گا کہ شکر و شہد دودھ کے مناسب ہے زہر دودھ کے نامناسب عقیدہ توحید کے ساتھ نبوت' ولایت کی آمیزش اسے ایمان بنا دے گی کفر و بت پرستی کی آمیزش اسے شرک کر دے گی کلمہ طیبہ میں لا الہ الا اللہ کے ساتھ محمد رسول اللہ کی آمیزش ہوئی تو یہ کلمہ ایمان بنا فرضوں کے ساتھ سنتوں کی آمیزش ہوئی تو عبادت بنی مگر بے دین شیطان انہیں آمیزشوں میں فرق نہ کر سکا اس لئے یہاں بظلم کے ساتھ ارشاد ہوا بنبوۃ نہ فرمایا گیا۔ تیسرا اعتراض: آخر بتوں اور نبیوں' ولیوں میں فرق کیا ہے کہ بتوں کو ماننا شرک ظلم ہے' نبیوں' ولیوں کو ماننا ایمان کا رکن۔ بت بھی غیر اللہ ہیں اور اللہ کے بندے ہیں نبی ولی بھی غیر اللہ اور اللہ کے بندے ہیں۔ جواب: ان دونوں میں دو طرح فرق ہے ایک تو ماننے میں دوسرے خود ان کی ذات میں ہیں۔ ماننے میں فرق یہ ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کو اللہ کا ساجھی' شریک' اس کا ہمسر مانتے ہیں کہ بتوں کی مدد سے اللہ کی دنیا قائم ہے۔ مومن' نبیوں' ولیوں کو اللہ کا بندہ اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان اس کا محبوب مانتے ہیں۔ ہمسری و برابری کا وہم بھی نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ نبی ولی اللہ کے محبوب ہیں۔ بت اللہ کے دشمن بادشاہ کو سلطان ماننے کے لئے اس کے حکام وزراء کو ماننا ضروری ہو جاتا ہے مگر اس کے دشمن باغیوں کو ماننا بغاوت قرار پاتا ہے۔ آب زمزم کی تعظیم ایمان ہے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ رکن ایمان ہے مگر گنگا کی تعظیم بت کی طرف سجدہ شرک ہے۔ حالانکہ یہ دونوں پانی اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور بت بھی پتھر کا ہے۔ کعبہ معظمہ بھی پتھروں کی ہی عمارت ہے اس فرق کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ چوتھا اعتراض: یہاں ظلم سے مراد گناہ ہے اور آیت کریمہ کا مطلب یہ ہے کہ جو مومن گناہ نہ کرے وہ امن میں ہے لہذا فاسق گنہگار' مسلمان کے لئے نہ امان ہے نہ بخشش (معتزلہ و خوارج)۔ (نوٹ) خارجیوں کے عقیدے میں گنہگار مومن کافر ہے اور معتزلہ کے نزدیک نہ مومن ہے نہ کافر ان کے ہاں گناہ کی نہ شفاعت ہے نہ بخشش یہ اعتراض انہیں دونوں کا ہے۔ (از تفسیر کبیر)۔ جواب: یہ محض غلط ہے اور قرآن مجید کے بھی خلاف ہے حدیث پاک کے بھی۔ گنہگار مومن نہ ہوتا ہے اور نہ ایمان سے جاتا ہے وہ مومن ہی رہتا ہے۔ ہر گناہ قابل بخشش بھی ہے اسے دائمی عذاب سے امان ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسہم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا**۔ دیکھو

www.alahazratnetwork.org

گنہگار مومنوں کو عبادی بھی فرمایا گیا اور انہیں بخشش کی امید بھی دلائی گئی اور فرماتا ہے **و ان طائفتان من المومنین اقتتلوا** دیکھو یہاں آپس میں جدال و قتال کرنے والوں کو مومنین فرمایا گیا اور مسلم و بخاری میں بروایت حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ ہے کہ جب یہ آیت **و لم یلبسوا ایمانھم بظلم** نازل ہوئی۔ حضرات صحابہ نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کون ہے کہ جس نے کوئی ظلم یعنی گناہ نہ کیا ہو پھر تو ہم میں سے کوئی بھی امن میں نہیں ہوگا فرمایا کہ یہاں ظلم سے مراد شرک ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ آیت کریمہ تلاوت کی **ان الشرک لظلم عظیم** (خازن، کبیر، معانی، ابن کثیر وغیرہ) ایمان کو شرک سے ملانے کے معنی ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں یہاں تو مومنین سے امن کا وعدہ فرمایا۔ دوسری جگہ اطمینان کا **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** تیسری جگہ بے خوفی، بے غمی کا **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ان میں فرق کیا ہے کیا یہ تینوں چیزیں ایک ہی ہیں۔ **جواب:** حضرات صوفیاء نے فرمایا ہے کہ امان اور اطمینان جڑ ہیں اور بے خوفی، بے غمی شاخیں یا پھول پھل امان اور اطمینان میں فرق یہ ہے کہ اطمینان میں دل پر مصیبت آتی ہے مگر دل اس کا اثر نہیں لیتا امان یہ ہے کہ دل کا ماحول ہی ایسا کر دیا جائے کہ وہاں رنج و غم راحت و خوشی کی گرمی سردی نہ پہنچ سکے۔ دل کا اریا ہی بدل جائے جیسے گرمی دفع کرنے کے لئے بجلی کا پنکھا اور گرمی سردی دونوں دور رکھنے کے لئے ایر کنڈیشنر کہ پنکھے والے کمرے میں گرمی تو آتی ہے مگر اس میں گرمی کا احساس نہیں ہوتا' کبھی گرمی غالب آکر پنکھے کی ہوا کو گرم کر دیتی ہے۔ امان میں مومن کے دل کا اریا ایئر کنڈیشنر بن جاتا ہے امان اعلیٰ ہے اطمینان سے نیز اطمینان اپنی کوشش سے ہوتا ہے۔ امان سکینہ فرشتے کے نزول سے رب فرماتا ہے۔ **انزل السکینۃ علیھم**۔ **چھٹا اعتراض:** اگر **لھم الامن** میں امن سے مراد دنیاوی امان ہے تو یہ کیونکر درست ہوا۔ مومنوں پر دنیاوی مصیبتیں بمقابلہ کفار کے زیادہ آتی ہیں پھر انہیں امان کیسے ہوئی۔ **جواب:** دنیاوی تکلیفیں کفار کے لئے مصیبتیں ہیں، مومن کے لئے یار تک پہنچنے کا زینہ ہیں، بھٹی کوئلے کے لئے مصیبت و آفت ہے کہ وہ وہاں ہی جل کر راکھ بنے گا۔ سونے کے لئے صفائی اور ترقی کا ذریعہ ہے کہ وہ بھٹی کے واسطہ سے ہی زیور بن کر محبوب کا وصال پاتا ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں امن کے ساتھ ہدایت کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا گیا **و ھم مھتدون**۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ امان اور ہدایت میں چند احتمال ہیں۔ امن سے مراد آخرت میں دائمی عذاب سے امان ہدایت سے مراد ہے قبر کے سوالات کے جوابات قیامت میں بارگاہ الٰہی میں صحیح معذرت پیش کرنے کی توفیق جنت میں اپنے گھر تک پہنچ جانے کی ہدایت کہ بغیر کسی سے پوچھے وہاں پہنچے اخروی امان اخروی ہدایت میں چولی دامن کا ساتھ ہے یا امن سے مراد ہے اخروی امان ہدایت سے مراد ہے دنیا میں اعمال صالحہ کی ہدایت تب امان ہدایت کا نتیجہ ہے اور بھی احتمالات ہیں۔ دیکھو تفسیر۔

تفسیر صوفیانہ: سارے انسان صورت میں یکساں ہیں مگر سیرت میں جداگانہ بعض لوگ حزب اللہ ہیں بعض حزب الشیطان، بعض نوری ہیں۔ بعض ناری ہر دھڑے کو اپنے ہی دھڑے سے تعلق ہے انہیں سے محبت ہے انہیں سے خوف و ڈر حضرت ابراہیم علیہ السلام حزب اللہ یعنی اللہ کے گروہ کے بندے تھے اور باقی قوم شیطان کے دھڑے والی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے یہی فرمایا کہ جب تم میرے رب سے نہیں ڈرتے دھڑے سے شرک و کفر کرتے ہو اور مجھے اپنے بتوں' اپنے نمرود سے ڈراتے ہو تو میں تمہارے بتوں اور نمرود وغیرہم سے کیوں ڈروں، تمہیں اپنوں سے امید و خوف ہے مجھے اپنے

www.alahazratnetwork.org

رب سے امید و خوف ہے۔ فرق یہ ہے کہ تمہارے بتوں کی معبودیت کی کوئی دلیل نہیں۔ میرے رب کی معبودیت کی بہت دلیلیں ہیں بلکہ میں خود اس کی دلیل ہوں سورج کی دلیل اس کی نورانیت ' اس کی شعاعیں ' اس کی دھوپ ہے اللہ کی دلیل ' اس کے نبی ' اس کے ولی اس کے مومن بندے ہیں۔ دنیا میں جدھر چاہو اپنا رخ کرلو مگر آخرت میں سب کو اللہ تعالیٰ ہی سے تعلق ہو گا ' پکڑ ہوگی تو اس کی امان ہوگی تو اس کی طرف سے۔ جو ربانی دھڑے کا ہو گا وہ امان و ہدایت سب کچھ پائے گا۔ جو شیطانی دھڑے کا ہو گا اس کے لئے نہ امان ہے نہ ہدایت۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے مشرب میں ایمان کی حقیقت ہے انا کو فنا کر دینا فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ بن جانا ایمان میں اپنی انا کو ملانا یہ ہے ایمان میں ظلم کی آمیزش کہ یہ سمجھے کہ خدا بھی ہے ' ہم بھی ہیں ' یہ ایمان ہے مخلوط ظلم کے ساتھ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کے ساتھ اس کی مناسب چیز ملائی جائے تو اسے کامل کر دیتی ہے غیر مناسب چیز کی آمیزش اسے خراب کرتی ہے۔ شوربے میں شکر نہ ملاؤ ' دودھ اور شربت میں نمک مرچ نہ ملاؤ ورنہ خرابی ہوگی۔ یونہی ایمان کے ساتھ بد عملیوں اپنے نفس کی آمیزش نہ کرو نیک اعمال کی آمیزش کرو پھر نیک اعمال کے ساتھ ریاکاری نام نمود کی آمیزش نہ کرو بلکہ اخلاص کی آمیزش کرو بلکہ نیکیوں کے ساتھ جنت حاصل کرنے ' دوزخ سے بچنے کی بھی نیت نہ کرو کہ یہ خود غرضی ہے محض رب کی رضا کی نیت کرو وہاں تجارت کے لئے نہ آؤ بھیک کے لئے آؤ ہاں ایمان کے ساتھ عشق رسول اطاعت رسول کی آمیزش کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ بہت وسیع ہے امنوا سے اشارہ ہے۔ ایمان کی طرف ظلم سے اشارہ ہے ' بد عملیوں کی طرف یا ایمان سے اشارہ ہے نیک اعمال کی طرف اور ظلم سے اشارہ ہے ریاکاری نام نمود یا رضائے یار کے علاوہ اور نیت کی طرف جو ایمان کے ساتھ بد عملیوں کی طرف یا ایمان سے اشارہ ہے نیک اعمال کی طرف اور ظلم سے اشارہ ہے۔ ریاکاری نام نمود یا رضائے یار کے علاوہ اور نیت کی طرف۔ جو ایمان کے ساتھ بد عملیوں اعمال کے ساتھ ریا وغیرہ کی آمیزش نہ کریں ان کے لئے امن بھی ہے ' ہدایت بھی۔ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ صوفیاء کے ہاں امن اور ہدایت میں بڑی ہی گنجائش ہے۔ نیز جیسے بعض دوائیں مقوی دل دماغ ہوتی ہیں۔ بعض دوائیں مقوی باہ ' بعض دوائیں مقوی معدہ۔ یونہی خوف خدا ' عشق پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مقوی دل ہے ' مقوی دماغ ہے ' مقوی عقل ہے ' مقوی ایمان ہے ' جسے یہ دو چیزیں نصیب ہو جائیں اسے کسی کا خوف نہیں رہتا۔ دیکھو حضرت ابراہیم اکیلے تھے۔ مگر ان کے دل میں نہ نمرود کا خوف آیا نہ قوم کے جتھہ کا نہ ان کی دولت کا نہ کسی دنیاوی طاقت کا۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ؕ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ؕ
اور یہ ہی ہمارے دلائل جو دیئے ہم نے ابراہیم کو اوپر قوم اس کی کے اونچے کرتے ہیں ہم درجے اس کے جسے
اور یہ ہماری دلیل ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس کی قوم پر عطا فرمائی ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں
اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾
ہم چاہیں بیشک رب آپ کا حکمت والا علم والا ہے۔
بے شک تمہارا رب علم و حکمت والا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گذشتہ آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس مناظرہ کا ذکر ہوا جو آپ نے اکیلے اپنی ساری قوم سے کیا اور ساری قوم آپ کے جواب سے عاجز رہی۔ اب ان دلائل کے مرکز ان کے ماخذ کا ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سینہ اور زبان شریف پر یہ دلائل کہاں سے آرہے تھے۔ انہوں نے کس مدرسہ سے یہ سیکھے تھے؟ ارشاد ہوا کہ زبان جناب خلیل کی تھی کلام رب جلیل کا تھا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت خلیل کے مناظرہ کا ڈھانچہ بیان ہوا تھا۔ یعنی نہایت قابلانہ "فاضلانہ" گفتگو اب اس مناظرہ کی روح کا ذکر ہے۔ یعنی اس کا اللہ تعالٰی کی طرف سے ہونا گویا ڈھانچہ کے بعد اصل روح کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت خلیل اللہ کی قابلیت کا ذکر تھا اب ان سرکار کی اور ان کی گفتگو کی قبولیت کا تذکرہ ہے۔ قابلیت بغیر قبولیت محض بیکار ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک خاص عبادت یعنی قوم کو تبلیغ کا ذکر تھا اب اس کے اجر و ثواب کا تذکرہ ہے۔ **نرفع درجات** الخ۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے حضرت خلیل کو بڑے گندے ماحول میں پیدا فرمایا گویا گدڑیوں میں سے لعل نکالا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہمارے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں **ان ربک حکیم**۔ اکثر انبیاء کرام گندے ماحول میں بھیجے گئے۔ سورج اندھیریوں میں چمک کر دن نکالتا ہے۔ **چھٹا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت خلیل کا یہ کلام **هذا ربی** نقل فرمایا گیا۔ شاید کوئی کہتا کہ آپ نے شرک کیا کہ چاند سورج کو اپنا رب فرمایا۔ اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا کہ یہ کلام شرکیہ نہ تھا بلکہ قوم کے مقابل ہماری سکھائی ہوئی دلیل تھی۔ جس سے قوم کو خاموش کرنا سمجھانا مقصود تھا۔

تفسیر: **و تلک حجتنا** یہ جملہ نیا ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **تلک** سے اشارہ تمام گزشتہ کلام کی طرف ہے۔ **فلما جن علیه اللیل** سے لے کر **و هم مهتدون** تک چونکہ یہ فرمان بہت سی دلیلوں پر شامل ہے۔ ان میں سے ہر دلیل بہت ہی عظیم الشان ہے جو عقل انسان کو حیران کردے اور قیامت تک ہر مومن کو کام آئے۔ لہذا بجائے **هذا** یا **ذالک** کے **تلک** ارشاد ہوا یعنی یہ ساری گفتگو جیسے **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** وہاں بھی **تلک** ارشاد ہوا کہ جماعت انبیاء کی طرف اشارہ ہے۔ حجت کہتے ہیں مضبوط اور قوی دلیل کو اگر دلیل واقعی قوی ہو اور اس سے صحیح بات ثابت کی جائے تو وہ حجت ربانی ہے اس کو برہان کہا جاتا ہے اور اگر واقعہ میں تو قوی دلیل نہ ہو اسے انسان قوی سمجھے اور اس سے جھوٹا دعویٰ ثابت کرے تو وہ حجت نفسانی ہے بمعنی کج بحثی رب تعالٰی فرماتا ہے **و حاجه قومه** اور فرماتا ہے **الم تر الی الذی حاج ابراهیم**۔ ان دونوں آیتوں میں حجت سے مراد جھگڑنا کج بحثی کرنا ہے یہاں **حجتنا** فرما کر یہ بتایا کہ جناب خلیل کے یہ دلائل برہان تھے خلاصہ یہ ہے کہ حجت و دلیل تین قسم کی ہے۔ حجت شیطانی جس سے حرام کو حلال کفر کو ایمان بری چیزوں کو اچھا ثابت کیا جائے۔ دوسری حجت نفسانی جس سے بیکار چیز کو مفید ثابت کیا جائے۔ تیسری حجت رحمانی جس کا یہاں ذکر ہے۔ جس سے اللہ کی ذات و صفات اس کے احکام وغیرہ۔ حضرات انبیاء کرام کے فضائل و مراتب ثابت کئے جائیں۔ خیال رہے کہ حجت اسم جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب پر بولی جاتی ہے۔ یہاں حجت سے مراد یہ ساری مذکورہ دلیلیں ہیں۔ **اتینها ابراهیم علی قومه** یہ عبارت یا تو **حجتنا** کا حال ہے یا **تلک** کی دوسری خبر یا **حجتنا** کا بدل ہے۔ غرضیکہ **حجتنا** کی صفت نہیں کیونکہ معرفہ کی صفت جملہ نہیں آتی۔ (معانی وغیرہ)۔ یہاں دینے سے مراد دل میں ڈالنا ہے جسے الہام یا القاء کہا جاتا ہے وحی نبوت مراد نہیں کیونکہ ابھی یہ وحی

www.alahazratnetwork.org

شروع نہیں ہوئی۔ حضرات انبیاء کرام کے چند حالات ہوتے ہیں' بچپن شریف' جوانی عطاء نبوت سے پہلے عطاء نبوت کے وقت' عطاء نبوت کے بعد۔ وحی تبلیغی عطاء نبوت کے وقت سے شروع ہوتی ہے مگر الہام القاء اول ہی سے شروع ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا بچپن میں کسی اور دائی کا دودھ نہ پینا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بچپن شریف میں کلام فرمانا اسی الہام و القاء کا نتیجہ تھے۔ یہاں **اوحینا** یا **القینا** یا **الھمنا** نہیں فرمایا گیا بلکہ **اتینا** ارشاد ہوا۔ اس کی حکمتیں انشاء اللہ سوال و جواب میں عرض ہوں گی اور تفسیر صوفیانہ میں۔ حجت کے بعد علی ضرر کے لئے ہوتا ہے' لام نفع کے لئے **القران حجۃ لک او علیک** قرآن مجید یا تمہاری دلیل ہے یا تم پر یعنی تمہارے خلاف دلیل **علی قومہ** فرما کر بتایا گیا کہ یہ دلائل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے خلاف ان کے مقابل تھے۔ حضرت ابراہیم کے حق میں ان کا دعویٰ ثابت کرنے والے لیکن تھے ہماری طرف سے لہذا ان دلائل کو رب تعالیٰ سے بھی نسبت تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی اور قوم سے بھی اللہ کے دیئے ہوئے دلائل حضرت ابراہیم کی تائید میں' قوم کی تردید ہیں۔ **نرفع درجات من نشاء** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے ہو سکتا ہے کہ **اتینا** کے فاعل سے حال ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے **من نشاء** مفعول بہ ہے **نرفع** کا اور **درجات** یا **نرفع** کا ظرف ہے یا اصل میں **الی درجات** تھا الی دور کر دیا گیا اور ہو سکتا ہے کہ تمیز ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے اسی کی طرف اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اشارہ کر رہا ہے۔ درجات جمع ہے درجت کی درجہ کے معنی اس کی اقسام تیسرے پارہ کے اول میں **و رفع بعضھم درجات** کی تفسیر میں عرض کئے گئے یہاں درجے سے علم' عقل' فضیلت کے مرتبے مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہم جسے چاہتے ہیں درجوں اونچا کر دیتے ہیں کہ ان کی بلندی لوگوں کے خیال و وہم و گمان سے وراء ہوتی ہے۔ انہیں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں کہ انہیں یہ بلندی کسی دنیاوی ذریعہ سے نہ ملی بلکہ ہماری عطا سے ملی۔ خلاصہ یہ ہے کہ نعمتیں تین طرح کی ہیں۔ کسبی جو اپنی کمائی سے حاصل ہو۔ عطائی جو کسی بندے کی دین سے ملے۔ وہبی جو محض ربانی عطیہ ہو۔ کسبی عطائی نعمتیں انہیں زوال ہے مگر وہبی نعمتیں لازوالی ہیں۔ بجلی چراغ وغیرہ پر ہزارہا آفتیں آتی ہیں۔ آج فیوز اڑ گیا' کل بلب فیل ہو گیا۔ مگر سورج چاند کی روشنی پر کوئی آفت نہیں کہ وہ کسبی ہیں یہ وہبی اس طرح بلندی' عزت' مرتبہ اگر کسب یا کسی بندے کے ذریعہ ملے وہ قابل زوال ہے مگر جو رب کی عطا سے ملے وہ ناقابل زوال ہے۔ **نرفع** فرما کر یہی بتایا کہ جس کو ہم اونچا کر دیں اسے نیچا کرنے والا کوئی نہیں۔ دیکھ لو جناب خلیل کو پردہ فرمائے ہزارہا سال ہوئے مگر ان کا چاند اسی طرح چڑھا ہوا ہے چمک رہا ہے۔ **من نشاء** فرما کر اشارۃً بتایا کہ جب ہم کسی کو اونچا کرنا چاہیں تو اسباب یا قابلیت نہیں دیکھتے ہم ہی مسبب الاسباب ہیں' ہم ہی اس میں قابلیت پیدا فرما دیتے ہیں۔ **ان ربک علیم حکیم** یہ عبارت **نرفع** الخ کی علت' اس کی وجہ ہے یعنی ہم علم والے بھی ہیں' حکمت والے بھی' جسے جو دیتے ہیں جان کر حکمت سے دیتے ہیں جو جس کا اہل ہوتا ہے۔ وہی اسے دیا جاتا ہے نمرود کو عقل و علم ایمان سے بھی دور رکھا۔ حضرت خلیل علیہ الصلوۃ والسلام کو بچپن شریف میں یہ سب کچھ عطا فرما دیا یہ جان کر کیا "اتفاقاً" نہ کیا وہ جناب ان صفات کے لائق تھے۔ اس آیت کریمہ کو رب نے اپنے علم و حکمت کے ذکر پر ختم فرمایا اس میں بہت حکمتیں ہیں۔ (1) یہ کہ جناب ابراہیم کو ہم نے یہ علم و حکمت دی جسے ہم علیم و حکیم علم و حکمت عطا فرمادیں' سمجھ لو کہ ان کی علم و حکمت کس پایہ کی ہو گی وہ تو تمہارے خیال و وہم سے وراء ہو گی۔ (2) یہ کہ اے لوگو تم جناب ابراہیم کا یہ کامل علم و عرفان دیکھو اور پتہ لگا لو کہ رب کیسا علیم و حکیم ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے علم و حکمت رب تعالیٰ کی صفات کے مظہر ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم حضرات ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو کچھ کہا جسے ہم نے اس پورے رکوع میں بیان فرمایا فلما جن الخ سے لے کر وھم مھتدون تک یہ سب ہمارے بتائے ہوئے ہمارے سکھائے ہوئے توحید کے دلائل تھے جو ہم نے حضرت ابراہیم کے دل میں بطور الہام ڈالے۔ ایسے قوی دلائل جس کا جواب دنیا بھر کے لوگوں سے نہ بن پڑے۔ یہ دلائل اس لئے دیئے تا کہ وہ جناب اپنی کافر قوم کے مقابل ان کے خلاف قائم فرمائیں۔ ہماری شان یہ ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہیں اسے درجوں اونچا کردیں کہ دنیا میں اسے علم، حکمت، نبوت، ولایت، صفائی قلب عطا کریں اور آخرت میں اپنا قرب خاص، جنت کا اونچا مقام نیک اعمال کی قبولیت بخشیں۔ ہم علم والے بھی ہیں، حکمت والے بھی، جسے جو دیتے ہیں جان کر دیتے ہیں۔ اس عطا میں ہماری ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت ابراہیم نے چند طریقوں سے شرک کی تردید کی اور توحید و ایمان کا ثبوت دیا۔ (1) چاند سورج، تارے اولتے بدلتے ہیں ان پر تبدیلیاں وارد ہوتی ہیں جو تبدیلی قبول کرے نکلے ڈوبے وہ خدا نہیں ہو سکتا اگرچہ کتنا ہی بڑا ہو اور کیسا ہی نافع ہو (لا احب الا فلین) ۔(2) جو خدا تعالیٰ کو بھی رب مانے اور بتوں کو بھی وہ مومن موحد نہیں مشرک و کافر ہے وہاں دوئی کی گنجائش نہیں (حنیفا " وما انا من المشرکین) ۔(3) اللہ تعالیٰ کے مقابل کوئی ڈرنے کے لائق نہیں۔ جو خدا تعالیٰ سے بھی ڈرے اور بتوں سے بھی وہ مومن نہیں مشرک ہے۔ الوہیت کا خوف صرف خدا کا چاہیے۔(4) اللہ تعالیٰ کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس کے علم سے کوئی چیز دور نہیں' اس کے سوا کسی کا علم اتنا وسیع نہیں جو خدا کا سا علم کسی بندے کو مانے وہ مشرک ہے۔ (وسع ربی کل شیء علما) ۔(5) معبود وہ ہے جس کی معبودیت آسمانی کتابوں' پیغمبر کے فرمان سے ثابت ہو' حضرات انبیاء اللہ تعالیٰ کی دلیلیں ہیں اس کا پتہ ہیں جو رب کو محض بغیر واسطہ پیغمبر الہ مانے وہ مومن نہیں اگرچہ موحد ہو جائے۔ (ما لم ینزل به علیکم سلطانا ") ۔ اے مشرکو تم نے خدا کو محض اپنی عقل سے پہچانا لہذا دھوکہ کھا گئے مشرک ہو گئے۔(6) دین و دنیا میں صرف مومن ہی امان کے مستحق ہیں۔ ایمان ذریعہ امان ہے جو بتوں وغیرہ سے امان چاہے رب کے مقابل انہیں امان دینے والا جانے وہ مشرک ہے۔ (فای الفریقین احق بالامن) ۔ (7) ایمان کے ساتھ وہ چیزیں ملاؤ جو ایمان کے لائق ہیں۔ یعنی عبادت اخلاص اتباع رسول عشق نبی وغیرہ ایمان ہیں' ان چیزوں کی آمیزش اور ملاوٹ نہ کرو جو ایمان کے خلاف ہیں ورنہ سزا کے مستحق ہوگے۔ (ولم یلبسوا ایمانهم بظلم) الخ ان دلائل کو رب تعالیٰ نے فرمایا وتلک حجتنا کہ یہ عمر شریف اور ایسا بلیغ و فصیح و مدلل کلام یہ گفتگو دیکھو اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مرتبہ پہچانو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چاند تاروں سورج کو ھذا ربی فرمانا شرک و کفر نہ تھا بلکہ کفر توڑ۔ قوی دلیل و برہان تھا یہ فائدہ تلک حجتنا سے حاصل ہوا جو انہیں ایک آن کے لئے مشرک مانے یا ان کے اس کلام کو شرک کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء کا علم لدنی ہوتا ہے وہ کسی کے شاگرد نہیں ہوتے وہ ماحول کا اثر نہیں لیتے بلکہ ماحول کو بدل دیتے ہیں۔ یہ فائدہ اتینا ھا ابراھیم الخ سے حاصل ہوا۔ اس کی بحث ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی۔ رب تعالیٰ نے زرہ سازی حضرت داؤد کو ملک رانی حضرت سلیمان و یوسف کو تمام چیزوں کے نام کا علم حضرت آدم کو علیہم الصلوۃ والسلام براہ راست بخشا بغیر کسی کی شاگردی کے۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کے دل میں ماسوی اللہ کا خوف نہیں آتا ولا خوف علیهم ولا هم یحزنون۔ مرزا قادیانی لوگوں کے خوف سے حج کو

www.alahazratnetwork.org

نہ گیا یہ بھی ابھی پچھلی آیت میں گزر چکا۔ **چوتھا فائدہ:** عزت و عظمت درجوں کی بلندی نہ قابلیت پر موقوف ہے نہ اپنے علم و عمل پر یہ محض فضل ربانی ہے جس پر ہو جائے یہ فائدہ **نرفع درجات من نشاء** سے حاصل ہوا۔ دیکھو لاکھوں برس کے عابد و زاہد فرشتوں کو ان آدم علیہ السلام کے آگے جھکا دیا جنہوں نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ شعر۔

داد حق را قابلیت شرط نیست   بلکہ شرط قابلیت داد اوست

پانچواں فائدہ: نبی ساری مخلوق سے اعلیٰ و افضل ہوتے ہیں۔ کوئی ان کی مثل نہیں ہو سکتا یہ فائدہ بھی **نرفع درجات من نشاء** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے جسے جو دیا اتفاقاً یونہی نہ دیدیا بلکہ اپنے علم و حکمت سے دیا لہٰذا اس کی عطا پر اعتراض نہ کرو یہ فائدہ **حکیم علیم** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ساری دنیا مل کر بھی نبی کی شان گھٹا نہیں سکتی کیونکہ انہیں عزت و عظمت اللہ تعالیٰ عطا فرماتا ہے رب کی دی ہوئی عزت کوئی نہیں چھین سکتا۔ سورج کوئی پھونکوں سے نہیں بجھا سکتا کیونکہ اس کا نور قدرتی ہے یہ فائدہ بھی **نرفع درجات من نشاء** سے حاصل ہوا بلکہ جن مقبول بندوں 'اولیاء' 'علماء' مومنین کو نبی سے نسبت ہو جائے ان کی عزت بھی دائمی ہوتی ہے۔ کیونکہ انہیں نبی سے وابستگی ہوتی ہے۔ گھڑے مٹکے کا پانی ختم ہو سکتا ہے مگر نلکے کا پانی ختم نہیں ہوتا کیونکہ اسے پانی کے مرکز سے وابستگی ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** کفار سے مناظرہ ان کو تبلیغ کرنا بہت اہم عبادت ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کو ساری عبادتیں تو بہت عرصہ بعد عطا ہوئیں مگر تبلیغ و مناظرہ کی عبادت بچپن شریف سے عطا ہوئی کہ فرمایا **و تلک حجتنا اتیناها ابراهیم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز روزے وغیرہ کا حکم بہت عرصہ بعد دیا گیا۔ تبلیغ کا حکم شروع نبوت سے ہی دیا گیا کہ فرمایا **و انذر عشیرتک الاقربین**۔ **نواں فائدہ:** اللہ اپنی رحمتیں عام بندوں کو براہ راست عطا نہیں فرماتا بلکہ خاص بندوں 'خاص مخلوق کے ذریعہ عطا کرتا ہے دنیاوی نعمتوں کا بھی یہی حال ہے اور اخروی نعمتوں کا بھی منشاء الٰہی یہ ہے کہ ہم ان خاص بندوں کو دیں پھر وہ بندے عام بندوں کو بخشیں۔ یہ فائدہ **اتیناها ابراهیم علی قومه** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ دلائل قویہ اپنی ذات و صفات کی معرفت حضرت خلیل اللہ کو عطا فرمائے اور جناب خلیل کی معرفت بندوں کو عطا فرمائے۔ **دسواں فائدہ:** زہد و عبادت سے علم دین افضل ہے اور زاہد و عابد سے عالم کا درجہ زیادہ ہے کہ عبادت و زہد میں انسان اپنی اصلاح کرتا ہے اور علم دین کے ذریعہ مخلوق کی اصلاح یہ فائدہ بھی **نرفع درجات** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حجت کی عطا کے ساتھ بلندی درجات کا ذکر کیا۔

پہلا اعتراض: حضرت ابراہیم علیہ السلام اس وقت نبی نہ تھے پھر انہیں رب تعالیٰ نے یہ حجت کیسے عطا فرما دی۔ وحی کی ابتدا تو نبوت کے بعد سے ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ یہ عطا حجت الہام اور القاء کے طریقہ سے تھی نہ کہ وحی کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام کو القاء 'الہام' سچی خواب نبوت سے پہلے بھی عطاء فرماتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے چاند سورج کے سجدہ کی خواب بچپن شریف میں ہی دیکھی تھی۔ نبوت عرصہ کے بعد ملی۔ یوں سمجھو کہ وحی آپ پر چالیس سال کی عمر شریف میں آئی م نیز وحی میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا واسطہ تھا یہ دلائل آپ کو بچپن شریف میں بغیر واسطہ جبرئیل عطا ہوئے۔ ان وجوہ سے یہاں او حینا نہیں فرمایا بلکہ اتینا فرمایا۔ **دوسرا اعتراض:** پھر یہاں القینا یا الهمنا کیوں ارشاد نہیں ہوا۔ اتینا کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** مدرسوں میں تعلیم ماسٹر دیتے ہیں مگر بی اے وغیرہ کا امتحان ماسٹروں کے علاوہ اور لوگ لیتے ہیں اور سند یونیورسٹی کا محکمہ دیتا ہے۔ گویا مدرس اور ممتحن اور سند دینے والے علیحدہ لوگ ہیں کہ سارے مدرسین ممتحن لوگ

www.alahazratnetwork.org

یونیورسٹی کے ہی لوگ ہوتے ہیں۔ انہیں کا نصاب پڑھاتے ہیں۔ عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ میں سارے نبیوں نے فیض حاصل کیا۔ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا فرماتے ہیں **کنت نبیا و ادم بین الماء والطین**۔ نبی وہ جو تعلیم دے۔ جناب آدم کی پیدائش سے پہلے روح محمدی ارواح انبیاء کو تعلیم دے رہی تھی سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چمکایا' سراج منیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب ہے۔ حضرت خلیل نے یہ دلائل روح محمدی سے عالم ارواح میں سیکھے۔ رب نے سند دی۔ **اتیناھا**۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **درجات من نشاء** ہے یعنی درجات پر تنوین ہے مگر نحوی قاعدے سے درجات پر تنوین نہ چاہیئے کہ یہ مضاف ہے من نشاء کی طرف آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم جس کے چاہیں درجے بڑھائیں۔ پھر یہاں تنوین کیوں آئی؟ **جواب:** معترض نے آیت کریمہ کے معنی ہی غلط کئے **نرفع** کا مفعول درجات نہیں ہے بلکہ **من نشاء** ہے **درجات** ظرف ہے معنی یہ ہیں کہ ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں کسی کے درجے بلند کرنا' کسی کو درجوں میں بلند کرنا' ان میں بڑا فرق ہے۔ کسی کو درجوں بلند کرنا بڑا ہی کرم ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **علی قومہ** کیوں فرمایا گیا **علی ابیہ** یا **علی والدیہ** کیوں ارشاد نہ ہوا تاکہ معلوم ہو کہ آپ نے اپنے ماں باپ سے مناظرہ فرمایا۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ آپ کے والدین مومن موحد تھے آپ کا یہ مناظرہ ان سے نہ تھا بلکہ قوم سے تھا اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت مناظرے ہوئے ہیں۔ یہ مناظرہ اپنی قوم سے تھا اور دوسرا مناظرہ خاص نمرود سے۔ جس کا ذکر تیسرے پارے میں **الم تر الی الذی حاج ابراھیم** الخ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ مناظرہ قوم سے تھا نہ تو ماں باپ سے تھا نہ بادشاہ سے۔

تفسیر صوفیانہ: معرفت الٰہی کی ابتدائی منزل دلیل ہے۔ انتہائی منزل دل یعنی انسان ابتداء میں تو اللہ تعالٰی کو دلیل سے جانتا مانتا پہچانتا ہے مگر آخر میں دل سے مانتا ہے' دل سے ماننا قوی ہے کہ دلیل ٹوٹ سکتی ہے۔ دلیل پر جرح قدح ہو سکتی ہے۔ دل ان سب سے بالا ہے۔ یہ ترتیب ہم لوگوں کے لئے ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی ابتدا وہاں سے جہاں دوسروں کی انتہاء ہے۔ یعنی وہ پہلے سے ہی رب تعالٰی کو دل سے پہچانتے جانتے مانتے ہیں۔ انہیں اللہ تعالٰی دلائل سکھاتا جاتا ہے۔ مگر ان کے اپنے لئے نہیں بلکہ دوسروں کے لئے کہ وہ ان دلائل کے ذریعہ دوسروں کو دعوت توحید دیں اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے یہ دلیلیں حضرت ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابل سکھائیں تاکہ آپ اس ذریعہ سے قوم کو تبلیغ کریں۔ خود ان کا اپنا یہ حال تھا کہ **نرفع درجات من نشاء** جسے ہم چاہتے ہیں بہت اونچا کرتے ہیں۔ ان کا فہم و علم دلائل سے بالا ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوسروں کے لئے دلائل توحید دو قسم کے ہیں' کچے اور پکے۔ مصنوعات الٰہیہ چاند سورج وغیرہ کچے دلائل ہیں مگر خود نبی کی ذات والا صفات پختہ دلیل توحید ہے جنہوں نے رب تعالٰی کو دنیا کی چیزوں سے مانا وہ اکثر ٹھوکر کھا گئے مگر جنہوں نے اس ذات کو بذریعہ نبوت مانا وہ پار لگ گئے۔ عوام کہتے ہیں کہ خدا وہ ہے جس نے چاند تارے سورج اور سارے عالم کی چیزیں بنائیں مگر خواص کہتے ہیں کہ خدا تعالٰی وہ ہے جس نے محمد رسول اللہ کو نبی بنایا' یار رسول بنایا' شفیع بنایا یہ لوگ کبھی ٹھوکر نہیں کھاتے۔ مولانا حسن رضا خاں صاحب نے کیا خوب کہا۔

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر　　کونین کی خاطر انہیں سرکار بنایا
بے یارو مددگار جسے کوئی نہ پوچھے　　ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بجلی بذریعہ تار و پاور ہاؤس سے بھی حاصل کی جاتی ہے مگر اس میں بہت پابندی ہوتی ہے اور بذریعہ سیل بیٹری بھی بجلی ہی حاصل ہوتی ہے۔ اس میں کنکشن وغیرہ کی پابندی نہیں ہوتی۔ سیل والا ریڈیو بغل میں بائے پھرو برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی پشت میں اس وقت نور محمدی تھا کیونکہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد ہیں یہ نور بجلی کی سیل بیٹری کا کام دے رہا تھا۔ وہاں سے یہ فیض آ رہا تھا کہ آپ کی زبان پر یہ قوی دلائل جاری ہوئے۔ آپ کو یہ جرأت و حوصلہ میسر ہوا اس لئے یہاں القیناہا فہمناہا کی بجائے اتینہا ارشاد ہوا۔ نار نمرود کا گلزار ہونا' جناب اسماعیل پر چھری کا کارگر نہ ہونا' اسی سیل بیٹری کی برکات تھیں۔ یہ نورانی بجلی ہمیشہ کام کرتی رہی ہے اور کرتی رہے گی۔ شعر۔

زبان حال سے کہتے تھے آدم جسے سجدہ ہوا ہے میں نہیں ہوں!

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ

اور بخشے ہم نے انہیں اسحٰق اور یعقوب ہر ایک کو ہدایت دی ہم نے اور نوح کو ہدایت دی ہم نے پہلے سے اور ان کی

اور ہم نے انہیں اسحٰق و یعقوب عطا کئے ان سب کو ہم نے راہ دکھائی اور ان سے پہلے نوح کو راہ دکھائی اور

ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ

اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح

اس کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور ہم ایسا ہی

نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝

بدلہ دیتے ہیں ہم اچھوں کو اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ تمام لوگ نیک کاروں میں

بدلہ دیتے ہیں نیک کاروں کو اور زکریا اور یحیٰی اور عیسیٰ اور الیاس کو یہ سب ہمارے قرب کے لائق

وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور سب کو بزرگی دی ہم نے جہانوں پر

ہیں اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو اور ہم نے ہر ایک کو اس وقت میں سب پر فضیلت دی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے لئے اپنی ساری قوم کو چھوڑ دیا' ان سے مقابلہ کیا اور ان سے کٹ کر اکیلے رہ گئے حتیٰ کہ آپ کو اپنے وطن سے ہجرت بھی کرنا پڑی تو رب تعالیٰ نے ان کو بہترین کنبہ اور بہت سی نیک اولاد عطا فرمائی۔ پچھلی آیت کریمہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اکیلے رہ جانے کا ذکر تھا اب آپ کے بڑے کنبہ والے ہونے کا ذکر ہے گویا قربانی کا ذکر پہلے تھا اس کی جزاء کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر قربانی کا انعام اس کی جنس سے دیتا ہے اور اپنی شان کے لائق دیتا ہے کسان جس دانہ جس تخم کی قربانی کر کے اسے زمین میں دفن کرتا ہے۔ رب تعالیٰ اسے اسی طرح کا انعام دیتا ہے گندم سے گندم' جو سے جو' آم سے آم' کھجور سے کھجور دیتا ہے۔ پھر ایک دانہ کے ہزار ہا دانہ' ایک گٹھلی سے ہزار ہا من پھل دیتا ہے۔ آپ نے کافر کنبہ کی قربانی دی تو رب نے آپ کو مومن بلکہ نبیوں

www.alahazratnetwork.org

والا کنبہ عطا فرمایا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا کہ ہم نے جناب ابراہیم کو اعلیٰ صفات عطا فرمائیں۔ امن ہدایت' بے خوفی' بے مثال دلائل وغیرہ۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے انہیں اعلیٰ درجہ کی اولاد و ذریت بخشی گویا عطاء صفات کے بعد عطاء اولاد کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ ہم نے جناب ابراہیم کو درجوں بلند کیا (**نرفع درجات من نشاء**) اب اس بلندی کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم نے ان کو نبیوں کا والد بنایا۔ نبوت ان کی اولاد ان کے خاندان سے خاص فرمادی۔ گویا پچھلی آیت میں اجمال اب اس اجمال کی تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعلان کا ذکر تھا کہ میں نے اپنے کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کر دیا تمام بروں اور برائیوں سے علیحدہ ہو گیا۔ اب اس کی جزاء کا ذکر ہے کہ وہ بروں اور برائیوں سے الگ ہوئے تو ہم نے ان کو اچھی اولاد اور اچھے صفات بخشے گویا پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم کے کٹنے ٹوٹ جانے کا ذکر ہوا اب ان کے جڑنے اور مل جانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **و وھبنا لہ اسحق و یعقوب** یہ عبارت نیا جملہ ہے لہذا واؤ ابتدائیہ ہے ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت **و تلک حجتنا اتینا ھا** پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو **وھبنا** بنا ہے **ھبۃ** سے بمعنی بغیر استحقاق اور بغیر امید یا خلاف امید دینا۔ عطا تین طرح کی ہوتی ہے استحقاق کی عطا جیسے مزدور کو مزدوری دینا امید کی عطا جیسے بھکاری سائل کو کچھ دینا کہ وہ کریم کے کرم سے امید رکھ کر سوال کرتا ہے بغیر استحقاق اور بغیر امید عطاء جیسے غیر سائل کو بلا کر کچھ دینا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنی عمر کے لحاظ سے بھی اب اولاد کی امید نہ تھی۔ آپ نے اس بچے کی دعا بھی نہ کی تھی کہ رب کی یہ عطا ہوئی لہذا اسے ہبہ فرمایا گیا۔ چنانچہ اسحق علیہ السلام کی پیدائش اس وقت ہوئی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت بوڑھے تھے' اولاد سے مایوس ہو چکے تھے۔ ایک سو بیس سال کی عمر شریف تھی اور آپ کی بیوی صاحبہ بوڑھی ہونے کے علاوہ بانجھ بھی تھیں' دو طرفہ اولاد سے مایوسی تھی۔ اس کے باوجود آپ پیدا ہوئے اس لئے **وھبنا** ارشاد ہوا نیز **وھبنا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ یہ اولاد ہمارا عطیہ تھی۔ لہذا نہایت طیبہ و طاہرہ تھی۔ غرضیکہ بجائے **ولد** کے **وھبنا** فرمانا بہت موزوں ہے یہ حضرات تحفہ ربانی ہیں۔ رب جلیل تحفہ دینے والے جناب خلیل تحفہ لینے والے تو سمجھ لو کہ خود تحفہ کیسا شاندار ہو گا۔ تحفہ کی شان ہبہ کی عظمت واہب اور موہوب لہ یعنی دینے والے لینے والے کی شان سے معلوم کر و لہذا **وھبنا** بھی ان حضرات کی نعت ہے اور **لہ** بھی۔ اسحاق عبرانی زبان کا نام ہے۔ جس کے معنی ہیں عربی میں ضحاک یعنی ہنس مکھ' شاداں' خوش و خرم۔ بعض انبیاء کرام پر خوف الٰہی کا قبضہ تھا ان کی آنکھیں نم رہتی تھیں۔ جیسے حضرت یحییٰ علیہ السلام اور بعض پر امید کا غلبہ تھا ان کا چہرہ ہشاش رہتا تھا۔ جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام' حضرت اسحق علیہ السلام دوسری قسم میں سے تھے۔ آپ کی عمر ایک سو اسی سال ہوئی (تفسیر روح المعانی) یعقوب بنا ہے عقب سے بمعنی پیچھے آنے والا یا بہت سی اولاد پیچھے چھوڑنے والا۔ چونکہ آپ اپنے بھائی عیص کے ساتھ پیدا ہوئے پہلے عیص پیچھے آپ نیز آپ کی ذریت بے شمار ہوئی۔ لہذا آپ کا لقب یعقوب ہوا آپ کا نام اسرائیل ہے۔ لقب یعقوب چونکہ بہت بڑھاپے کی اولاد نہایت کمزور ہوتی ہے اس کی نسل عموماً نہیں چلتی اس لئے **وھبنا** کے ماتحت یعقوب کا ذکر فرمایا کہ حضرت اسحاق باوجودیکہ بڑھاپے کی اولاد تھے مگر ہم نے انہیں بہت قوی کیا صاحب اولاد بنایا نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف میں اتنی برکت دی کہ آپ نے اپنے پوتے یعقوب کو بھی دیکھ لیا لہذا **وھبنا** کے ماتحت یعقوب کا نام شریف نہایت موزوں ہے۔ خیال رہے کہ حضرت یعقوب کی عمر شریف ایک سو سینتالیس سال ہوئی (معانی) **کلاً ھدینا** یہاں **کلاً** مفعول مقدم ہے۔ **ھدینا** کا **ھدایت** سے مراد نبوت کی ہدایت

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ ایک مقصود کے بہت راستے ہوتے ہیں خداری کے بھی بہت راستے ہیں ایمان 'عرفان 'ایقان 'نبوت 'رسالت عام مومنوں کو ایمان کی ہدایت عطا ہوئی۔ اولیاء اللہ کو عرفان کی کسی کو ایقان کی مگر حضرات انبیاء کرام کو نبوت کی ہدایت دی۔ لفظ ہدایت ایک ہے مگر اس کے مصداق مختلف یہاں یہی آخری ہدایت مراد ہے پھر اس ہدایت کو رب نے اپنی طرف نسبت فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ ہدایت کسبی یا کسی کی وہب سے نہیں بلکہ محض ہماری طرف سے لدنی طور پر ہے۔ جو کسی طرح ان سے الگ نہیں ہو سکتی جیسے سورج کا نور اور **هدينا** ماضی فرما کر یہ بتایا کہ ان کو دنیا میں آکر ہدایت نہیں ملی بلکہ وہ دنیا میں آنے سے پہلے ہی ہدایت یافتہ تھے۔ دوسرے لوگ دنیا میں ہدایت لینے آئے مگر وہ حضرات ہدایت لے کر آئے 'دوسروں کو دینے آئے۔ حق یہ ہے کہ **كلا**" سے مراد حضرت اسحٰق و یعقوب ہیں اس میں ابراہیم علیہ السلام داخل نہیں کیونکہ آپ کی ہدایت نبوت کا ذکر تو پہلے ہو چکا یعنی ہم نے ان دونوں کو نبی بنایا اور انہیں ہدایت یافتہ دوسروں کا ہادی بنایا **و نوحا**" **هدينا من قبل** یہ عبارت معطوف ہے۔ **كلا هدينا** پر اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد بھی انبیاء ہوئی اور آپ کے باپ دادے نوح علیہ السلام وغیرہم بھی انبیاء تھے۔ **نوحا** "مفعول بہ ہے **هدينا** کا نوح علیہ السلام کا نام عبد الغفار ابن لمک ابن متوشلخ ابن ادریس علیہ السلام ہے۔ نوح علیہ السلام کی ولادت آدم علیہ السلام کے سے گیارہ سو برس بعد ہے۔ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ساڑھے نو سو برس تبلیغ کی (صاوی)۔ طوفان کے بعد آپ ساٹھ سال زندہ رہے۔ آپ کے اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان قریبا" ایک ہزار سال کا فاصلہ ہے۔ حضرت ابراہیم آدم علیہ السلام سے اکیس سو برس بعد پیدا ہوئے (صاوی)۔ اس لئے یہاں من قبل ارشاد ہوا۔ **و من ذريته داود و سليمان** یہ عبارت معطوف ہے **كلا هدينا** پر اسی لئے داؤد وغیرہ کو نصب (زبر ہے) ذریتہ کے معنی اس کی پوری تحقیق پہلے پارے میں کی جا چکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ذریت بنا ہے ذرے معنی پھیلی ہوئی چھوٹی چیونٹیاں اصطلاح میں نسل کو ذریت کہتے ہیں کہ یہ زمین میں پھیلی ہوتی ہے۔ اپنی صلبی اولاد کے بعد کو ذریت بولا جاتا ہے۔ اس میں گفتگو ہے کہ **ذريته** کی ضمیر کدھر لوٹتی ہے۔ نوح علیہ السلام کی طرف 'ابراہیم کی طرف۔ فقیر کے نزدیک ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ بہت دور سے آپ کا ہی ذکر چلا آ رہا ہے۔ خیال رہے کہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہیں۔ آپ کی نسل نہیں "تغلیبا" آپ کو اولاد ابراہیمی میں شمار کر لیا گیا جیسے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو یعقوب علیہ السلام کے داداؤں میں شمار کیا گیا (ابن کثیر)۔ یہ سارے نبی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے پڑپوتے ہیں سوا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے نواسے ہیں۔ **ذريته** پوتے نواسے سب کو کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت یونس علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم کی اولاد سے نہیں مگر حق یہ ہے کہ آپ ان کی اولاد سے ہی ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے۔ داؤد ابن ایشا ابن عوید ابن سلمون ابن نحشون ابن عمی ابن بارب ابن رام ابن حضرموت ابن فارض ابن یہودا ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہم السلام (معانی) آپ کی عمر سو برس ہوئی۔ چالیس سال بادشاہت کی۔ آپ کے بارہ بیٹے تھے 'آپ بہت خوبصورت 'بڑے ہی خوش آواز تھے۔ (معانی) حضرت سلیمان علیہ السلام آپ کے بیٹے تھے **و ايوب و يوسف** یہ عبارت معطوف ہے داؤد پر۔ حضرت ایوب علیہ السلام کا نسب نامہ یہ ہے ایوب ابن روم ابن عیص ابن اسحاق ابن ابراہیم علیہ السلام۔ آپ کی والدہ لوط علیہ السلام کی اولاد سے ہیں آپ کی عمر ترانوے سال ہے۔ آپ کے نسب نامہ کے متعلق اور بہت قول ہیں (معانی و خازن) یوسف علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ ان ناموں کی ترتیب ان شاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں عرض کی جائے گی۔ **و**

www.alahazratnetwork.org

موسی و ھارون یہ عبارت معطوف ہے یوسف پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا نسب نامہ۔ موسیٰ ابن عمران ابن **یصھر** ابن ماھیس ابن لاوی ابن یعقوب علیہ السلام ہے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ چونکہ آپ کی کشتی دریا سے نکالی گئی تھی اس لئے آپ کا نام موسیٰ رکھا گیا۔ مو کے معنی ہیں پانی کی کے معنی ہیں۔ سا کے معنی ہیں درخت یعنی پانی کی لکڑی۔ حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے اخیافی یا حقیقی بھائی ہیں۔ آپ سے ایک سال بڑے ہیں۔ (معانی و خازن وغیرہ) **و کذالک نجزی المحسنین** یہ جملہ مستقل ہے **ذالک** میں اشارہ ان حضرات کی ہدایت کی طرف ہے یا ان حضرات کے جناب ابراہیم علیہ السلام کے اولاد ہونے کی طرف یعنی ہم نیک کاروں کو ایسے ہی دنیاوی ثواب اجر عطا فرماتے ہیں کہ ان کی اولاد کو بھی نیک کر دیتے ہیں۔ حضرت ابراہیم نے بڑی قربانیاں دیں تو انہیں ابوالانبیاء یعنی نبیوں کا جد امجد بنا دیا۔ **محسن** کے چار معنی ہیں تین عالمانہ اور ایک عاشقانہ لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنا احسان ہے اور سلوک کرنے والا محسن۔ حضرات انبیاء کرام مخلوق پر ان کے ماں باپ سے زیادہ محسن ہیں کہ ماں باپ سے بدن ملتا ہے ان سے ایمان نیک کام۔ برائیوں سے دور رہنا احسان ہے اور ایسا کرنے والا محسن۔ حضرات انبیاء کرام اس میں اول درجہ پر ہوتے ہیں۔ عبادات میں اخلاص حضور قلبی احسان ہے اور ایسا کرنے والا محسن رب کو ایسے پوجو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو یا کم از کم یہ سمجھو کہ وہ تمہیں دیکھ رہا ہے (حدیث) عشاق کہتے ہیں احسان یہ ہے کہ اللہ کی نعمتوں کے ساتھ غفلت نخوت دل میں نہ جانے دینا احسان ہے اور ایسا آدمی محسن ہے جیسے **مچھلی** پانی میں رہتی ہے جو اچھال کر سانس لیتی ہے پانی اور مٹی کو اندر نہیں جانے دیتی۔ زندہ رہتی ہے خشکی کے جانوروں کے پاس یہ مچھلی نہیں پانی بھی ان کے پیٹ میں چلا جاتا ہے وہ مر جاتے ہیں یہی حال دنیاوی نعمتوں کا ہے۔ **و زکریا و یحیی و عیسی و الیاس** یہ عبارت معطوف ہے موسیٰ و ہارون پر اور نصب کی حالت میں ہے کہ **ھدینا** کا مفعول بہ ہے۔ حضرت زکریا والد ہیں یحییٰ علیہ السلام کے آپ کا نام شریف زکریا ابن اذن ابن برکیا ہے۔ آپ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اولاد سے ہیں آپ اور آپ کے فرزند حضرت یحییٰ علیہ السلام دونوں شہید کئے گئے۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام ایک دن پہلے اور زکریا علیہ السلام ایک دن بعد آپ نے ہی حضرت مریم کی پرورش کی۔ یحییٰ آپ کے فرزند ہیں جب آپ کی ولادت کی خبر حضرت زکریا علیہ السلام کو دی گئی اس وقت زکریا علیہ السلام کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ عیسیٰ علیہ السلام حضرت مریم کے فرزند ہیں۔ حق یہ ہے کہ الیاس علیہ السلام حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں ہیں۔ آپ الیاس ابن سنان ابن **فنحاص** ابن عزار ابن ہارون ابن عمران ہیں **علیہم** الصلوٰۃ والسلام۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الیاس حضرت ادریس علیہ السلام کا نام ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قرآن کریم نے آپ کو حضرت ابراہیم و نوح علیہ السلام کی ذریت میں شمار فرمایا ہے۔ اور ادریس علیہ السلام نوح علیہ السلام کے باپ داداؤں میں ہیں (خازن، معانی وغیرہ) **کل من الصالحین** یہ عبارت ان چار نبیوں کے متعلق ہے جن کے نام ابھی ارشاد ہوئے۔ زکریا، یحییٰ، عیسیٰ، الیاس اور ہو سکتا ہے کہ تمام مذکورین انبیاء کے متعلق ہو یعنی یہ تمام حضرات اول درجے کے نیک و صالح کامل صلاحیتوں والے تھے۔ **صالح** یا تو بنا ہے صلاح سے بمعنی نیکی و تقویٰ صالحین بمعنی متقی اور نیک لوگ اس تقویٰ و صلاح کے دو رکن ہیں گناہوں سے بچنا، نیک اعمال کرنا، بچنے کے تین درجے ہیں۔ تقویٰ عام یعنی حرام چیزوں سے بچنا، تقویٰ خاص یعنی مشتبہات سے بچنا، تقویٰ خاص اولیاء اللہ و علماء کو میسر ہوتا ہے۔ تقویٰ خاص الخاص یعنی جو رب سے آڑ بن جائے اسے پھاڑ دینا اگرچہ وہ شے حلال ہی ہو۔ یہاں صالحین کے تیسرے درجے کے متقی صالح مراد ہیں یا صالح بنا ہے صلاحیت سے صالح وہ جو رب کے آستانہ عالیہ اور قرب خاص کی صلاحیت و قابلیت رکھے یہاں

www.alahazratnetwork.org

یہ معنی بھی بن سکتے ہیں۔ **و اسمٰعیل والیسع و یونس و لوطا** " یہ عبارت معطوف ہے زکریا پر یعنی ہم نے ان بزرگوں کو بھی ہدایت دی۔ حضرت اسمٰعیل جناب ابراہیم علیہ السلام کے بڑے فرزند ارجمند ہیں آپ ہی کی اولاد میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ ہی سے ملک عرب آباد ہوا۔ اسمٰعیل کے معنی آپ کے حالات زندگی پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ حضرت یسع علیہ السلام کے حالات زندگی اور جائے پیدائش آپ کا زمانہ معلوم نہ ہو سکا صرف اتنا معلوم ہو سکا ہے کہ آپ یسع ابن اخطوب ابن عجوز ہیں حق یہ ہے کہ یسع عجمی نام ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یوشع سے یسع بنا بعض نے فرمایا کہ یسع فعل مضارع سے بنا مگر قوی بات پہلی ہی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام بھی ان نبیوں میں سے ہیں جن کا نسب اور زمانہ اور پورے حالات زندگی معلوم نہ ہو سکے صرف اتنا معلوم ہے کہ آپ یونس علیہ السلام ابن متی ہیں۔ متی آپ کے والد کا نام ہے یا والدہ کا مچھلی کے پیٹ میں آپ ہی رہے۔ بعض نے فرمایا کہ آپ شعیب علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں موصل کے علاقے نینوا بستی کے نبی تھے اولاد یعقوب سے ہیں (روح البیان)۔ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہیں آپ لوط ابن ہاران ابن آزر ہیں۔ آزر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا۔ آپ حضرت ابراہیم و سارہ کے ساتھ شام کی طرف ہجرت کر گئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے آپ مقام سدوم کے نبی بنائے گئے۔ آپ کی قوم سے لواطت جیسی بے حیائی کی ابتدا ہوئی۔ اگرچہ لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم کی نسل سے نہیں مگر آپ کو اس سلسلہ میں بیان کر دیا گیا کہ بھتیجا گویا بیٹا ہوتا ہے اور چچا گویا والد یا "تغلیبا" آپ کا نام اسی سلسلہ میں ذکر کیا گیا۔ **و کلا فضلنا علی العلمین** یہ جملہ معترضہ ہے کلا" سے مراد یا تو آخری چار نبی ہیں یا یہ تمام مذکورین پیغمبر عالمین سے مراد اس زمانہ کے دنیا والے ہیں خواہ انسان ہوں یا جن و فرشتے اور دیگر مخلوق لہذا اس فرمان عالی سے لازم نہیں کہ یہ حضرات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ اقدس ان تمام لوگوں کے بہت بعد ہے یعنی ہم نے ان تمام حضرات کو اس زمانہ کے تمام جہانوں سے افضل و اکمل فرمایا (روح المعانی' خازن)۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے حضرت مریم کے متعلق فرمایا **و فضلک علی نساء العالمین**۔ اور نبی اسرائیل کے متعلق فرمایا **و انی فضلتکم علی العالمین** یہاں ان حضرات انبیاء کرام کے متعلق فرمایا **و کلا فضلنا علی العالمین** ان تینوں بزرگوں میں بڑا فرق ہے۔ جناب مریم کی بزرگی اس زمانہ کی عورتوں پر تھی مگر دائمی بنی اسرائیل کی بزرگی اس زمانہ کے لوگوں پر تھی مگر عارضی اب وہی بنی اسرائیل بد ترین مخلوق ہیں مگر حضرات انبیاء کرام کی بزرگی سارے جہان پر دائمی تھی اور رہے جہان سے مراد انبیاء کرام کے علاوہ ہے مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اللہ کی ساری مخلوق پر حتی کہ عرش اعظم کعبہ معظمہ بلکہ قرآن مجید کتاب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : ان آیات کریمہ میں اٹھارہ پیغمبروں کا ذکر ہے جن میں ترتیب نہ تو زمانی ہے نہ رتبہ کی بلکہ ترتیب کی وجہ کچھ اور ہی ہے۔ ارشاد ہوا کہ ہم نے ابراہیم کو دنیا میں بڑی بڑی نعمتوں سے نوازا ان نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ ان کی ذریت' ان کی اولاد میں بہت سے پیغمبر بھیجے۔ چنانچہ انہیں بڑھاپے میں حضرت اسحاق جیسا نورانی فرزند بخشا بلکہ پوتا یعقوب بھی انہیں دکھایا ان تمام حضرات کو ہم نے نبوت تقویٰ وغیرہ کی ہدایت بخشی بلکہ حضرت ابراہیم کے آباؤ اجداد میں حضرت نوح کو تو نبوت پہلے ہی دے چکے تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم دو طرفہ خاندانی اشرف ہیں۔ باپ دادے بھی اولاد بھی آپ کی اولاد میں داؤد و سلیمان ایوب' یوسف' موسیٰ' ہارون جیسے نامور پیغمبر پیدا کئے ہم نیک کاروں کو ایسی ہی جزا دیتے ہیں نیز ان کی اولاد میں زکریا'

www.alahazratnetwork.org

یحیٰ' عیسیٰ' الیاس' جیسے رسول پیدا فرمائے جو تمام کے تمام کامل درجہ کے نیک اعلیٰ صلاحیتوں والے تھے۔ نیز حضرت ابراہیم کی اولاد میں اسمٰعیل' یسع' یونس اور لوط جیسے چمکتے چاند تارے پیدا فرمائے۔ ان میں سے سب کو اس زمانہ میں تمام جہانوں سے افضل کیا کہ وہ حضرات انس و جن فرشتوں سب سے افضل تھے۔ خیال رہے کہ اس سلسلہ میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں ہوا حالانکہ آپ بھی حضرت خلیل اللہ کی اولاد ہیں اور ان سب حضرات سے بڑے درجے والے' اس کی چند وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ ان آیات میں حضرت خلیل کی گذشتہ اولاد کا ذکر ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی موجودہ اولاد تھے۔ دوسرے یہ کہ ان آیات میں ان نبیوں کا ذکر ہے جن کا زمانہ آیا اور گزر گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو آپ کی ایسی اولاد ہیں جن کا زمانہ آیا تو مگر گزرا نہیں گیا ابد الآباد تک رہے گا۔ آپ کا ذکر علیحدہ دوسرے مقامات پر کیا گیا۔ تیسرے یہ کہ ان آیات میں ان انبیاء کرام کے ذکر ہے جو آسمان نبوت پر تاروں کی طرح چمکے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو اس آسمان کے سورج ہیں۔ جیسے تاروں والے آسمانوں میں سورج نہیں اس کا آسمان علیحدہ ہے ایسے ہی دوسرے نبیوں کی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمان علیحدہ ہے۔

نکتہ عجیبہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ان انبیاء کرام کو چار سلسلوں میں بیان فرمایا۔ پہلے سلسلے میں حضرت ابراہیم' نوح' اسحاق' یعقوب علیہم السلام کو اس لئے کہ یہ حضرات اصول انبیاء ہیں کہ سارے نبیوں کے نسب ان سے چلتے ہیں۔ دوسرے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا جنہیں نبوت کے ساتھ اور شاندار نعمتوں سے نوازا گیا۔ چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان کو نبوت کے ساتھ سلطنت دی۔ حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو انقلاب کی نعمت بخشی کہ ان کے ہاتھوں فرعون و قارون ہلاک کئے گئے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو کامل درجہ کا صبر اور یوسف علیہ السلام کو اولاً صبر پھر سلطنت عطا ہوئی۔ اس لئے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم محسنین کو ایسے ہی اجر دیتے ہیں۔ تیسرے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا گیا جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ زہد قناعت ترک دنیا کی نعمت بخشی۔ اس سلسلہ میں حضرت زکریا' یحیٰ' عیسیٰ' الیاس علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا۔ اسی لئے ان کو صالحین فرمایا۔ **کل من الصالحین**۔ چوتھے سلسلہ میں ان نبیوں کا ذکر فرمایا جن کا دنیا میں نہ کوئی تبع رہا نہ ان کی شریعت باقی رہی۔ اس سلسلہ میں حضرت اسمٰعیل' یسع' یونس اور لوط علیہم السلام کا ذکر فرمایا (تفسیر خازن)۔ یہاں تفسیر کبیر نے اس ترتیب کی اور بھی حکمتیں بیان فرمائیں غرضیکہ یہ ترتیب زمانی نہیں بلکہ اور وجہ سے ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام صفات الٰہی اور اس کی شانوں کے مظہر ہیں اس لئے ان کے رنگ مختلف صفت جلالہ کے مظہر جلالی ہوتے ہیں جیسے موسیٰ و نوح علیہم السلام صفات جمالی کے مظہر جمالی ہوتے ہیں۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام صفت باسط کے مظہر امیر بادشاہ ہوئے۔ جیسے حضرت داؤد و سلیمان علیہم السلام صفت قابض کے مظہر تارک الدنیا ہوتے ہیں۔ جیسے حضرت عیسیٰ و یحیٰ علیہم السلام حضرات اولیاء اللہ تاقیامت ان انبیاء کرام کے مظہر ان کے قدم پر ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی شانیں مختلف ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی ہیں۔ آپ میں تمام صفات موجود ہیں۔ جلالی' جمالی' سلطنت ترک دنیا وغیرہ۔ حضور غوث اعظم قدس سرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر آپ کے نقش قدم پر ہیں یہی مطلب ہے اس شعر کا۔

و کل ولی لہ قدم و انی   علی قدم النبی بدر الکمال

مصطفیٰ آئینہ روئے خدا است   منعکس دروے ہمہ خوئے خدا است

www.alahazratnetwork.org

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نیک اولاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جس پر رب تعالیٰ کا خاص کرم ہوتا ہے اسے اچھی اولاد عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **و وھبنا لہ اسحاق** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خصوصی نعمتوں میں اس کا ذکر فرمایا کہ انہیں اسحاق و یعقوب وغیرہم جیسی اولاد بخشی علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ دوسرا فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام ابو الانبیاء ہیں کہ آپ کے بعد سارے نبی آپ ہی کی اولاد میں ہوئے۔ یہ فائدہ **و من ذریتہ داؤد و سلیمان** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ربانی ہے کہ **و جعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب** الخ۔ مرزا قادیانی نبی ہوتا تو ضرور اولاد ابراہیم علیہ السلام سے ہوتا۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام پیدائشی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں کہ وہ پیدائش سے پہلے ہی رب تعالیٰ کی ذات و صفات نیز ازلی صفات سے خبردار ہوتے ہیں یہ فائدہ **کلا ھدینا** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ اس کا رسول ہوں۔ برکت والا ہوں الخ (سورہ مریم) ہمارے حضور پرنور نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کر امت کی شفاعت فرمائی۔ یہ ہے ہدایت ربانی۔ چوتھا فائدہ: حضرات انبیاء کرام سارے عالم سے افضل ہوتے ہیں ان کی مثل کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **و کلا فضلنا علی العلمین** سے حاصل ہوا۔ جو کوئی کسی غیر نبی کو نبی کی مثل یا ان سے افضل مانے وہ اس آیت کا منکر ہے بلکہ نبی کی مومن اولاد دوسروں سے افضل ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا **و انی فضلتکم علی العالمین** جب انبیاء کرام کی مومن متقی اولاد سب سے افضل ہو تو خود نبی کی فضیلت کا کیا پوچھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج پاک کے متعلق فرمایا **یا نساء النبی لستن کاحد من النساء** الخ۔ پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام فرشتوں سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ بھی **فضلنا علی العلمین** سے حاصل ہوا کہ فرشتے بھی عالمین میں داخل ہیں۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق الٰہی میں سب سے افضل ہیں حتیٰ کہ کعبہ معظمہ و عرش معلیٰ بلکہ قرآن مجید سے بھی **و رفع بعضھم درجات**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی ہیں تو قرآن بھی عربی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو قرآنی آیات مکی بنیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہو گئے تو آیات قرآنیہ بھی مدنی ہو گئیں۔ جتنا قرآن پڑھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں رکوع کیا تو اس حصہ کا نام رکوع ہو گیا۔ جس جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رک کر سانس لے لی وہ جگہ آیت بن گئی۔ جس جگہ بغیر سانس توڑے ٹھہرے وہ جگہ سکتہ کہلائی۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا آئینہ دار ہے۔ **اللھم صل وسلم و بارک علیہ**۔ چھٹا فائدہ: اپنی بیٹی کی اولاد اپنی ذریت میں داخل ہے۔ یہ فائدہ و عیسیٰ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جناب خلیل اللہ کی ذریت میں داخل فرمایا حالانکہ آپ اپنی ماں مریم کی طرف سے اولاد ابراہیم ہیں۔

لطیفہ: حجاج ابن یوسف نے حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ حضرات حسنین کریمین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذریت اور آل رسول کیوں مانتے ہیں؟ نسل تو بیٹے سے ہوتی ہے نہ کہ بیٹی سے۔ آپ نے فرمایا کہ بیٹی کی اولاد بھی اپنی نسل ہوتی ہے۔ اور یہی آیت کریمہ تلاوت کر کے فرمایا کہ عیسیٰ علیہ السلام حضرت ابراہیم کی ذریت ہیں۔ حالانکہ جناب مریم سے آپ کو نسبت حاصل ہے اسی طرح ہارون رشید نے حضرت امام جعفر صادق سے یہی سوال کیا تو آپ نے اس آیت سے بھی استدلال کیا اور مباہلہ کی آیت سے بھی کہ وہاں ارشاد ہے۔ **ابناء نا و ابناء کم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات حسنین کو مباہلہ کے لئے لے گئے۔ معلوم ہوا کہ وہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے فرزند ہیں۔ (معانی وغیرہ) نکتہ: قرآن

www.alahazratnetwork.org

مجید میں پچیس نبیوں کے نام آئے ہیں۔ اٹھارہ تو یہاں اور سات حضرات کا نام دوسری آیات میں آدم' ادریس' صالح' ہود' شعیب' ذوالکفل علیہم الصلوۃ والسلام اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان حضرات پر تفصیلاً ایمان لانا فرض ہے باقی پر اجمالاً۔ چار ایسے حضرات کا ذکر ہے جن کی نبوت میں اختلاف ہے۔ لقمان' ذوالقرنین' عزیر' خضر' جو ان حضرات کے وجود کا منکر ہے وہ کافر ہے۔ جو ان کی نبوت کا منکر ہے وہ کافر نہیں (دیکھو تفسیر صاوی شریف)۔ **ساتواں فائدہ:** سارے نبی ولی قرآن کریم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چمکے جنہیں جتنا چمکایا قرآن یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چمکایا دیکھو۔ مسیح علیہ السلام کا صرف نام آیا۔ آپ کے حالات نہ قرآن میں آئے نہ حدیث میں تو دنیا ان کے صرف نام سے ہی واقف ہے۔ ان کے کسی حال سے خبردار نہیں۔ اگر حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کا ذکر قرآن و حدیث میں نہ ہوتا تو ان کے نام' کام حالات دنیا سے غائب ہو جاتے۔ شعر

چمک تجھ سے پاتے ہیں سب پانے والے   مرا دل بھی چمکا دے چمکانے والے!
کیا خبر کتنے تارے کھلے چھپ گئے   پر نہ ڈوبے نہ ڈوبا ہمارا نبی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراج منیر ہیں کہ چمکتے بھی ہیں چمکاتے بھی ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضرت لوط علیہ السلام کو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد فرمایا گیا۔ حالانکہ آپ حضرت ابراہیم کی اولاد نہیں ہیں۔ آپ تو جناب خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں کیونکہ آپ ہاران ابن آزر کے بیٹے ہیں تو ہاران جناب ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد بھائی ہیں' پھر **من ذریتہ** فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ **و من ذریتہ** میں ہ ضمیر حضرت نوح علیہ السلام کی طرف ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان تمام انبیاء کرام کو نوح علیہ السلام کی ذریت فرمایا ہے۔ لوط علیہ السلام بھی ان کی اولاد ہیں مگر جیسا کہ ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہ جواب ضعیف ہے یہاں ہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف ہی ہے اور ان انبیاء کرام کو جناب ابراہیم کی ذریت فرمایا گیا ہے۔ چونکہ بھتیجا بھی مثل اولاد کے ہوتا ہے نیز لوط علیہ السلام کو نبوت ابراہیم علیہ السلام کی دعا سے ملی۔ اس لئے روحانی طور پر بھی آپ حضرت خلیل کی نسل سے ہوئے یا یہ کہو کہ اس آیت کریمہ میں سولہ نبیوں کو حضرت خلیل کی ذریت کہا گیا جن میں سے پندرہ تو آپ کی ذریت ہیں۔ صرف لوط علیہ السلام اس سے علیحدہ ہیں تو تغلیباً" ان کو ذریت میں داخل فرمایا گیا۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں چھ نبیوں کے متعلق فرمایا گیا۔ **کذالک نجزی المحسنین** اور چار نبیوں کے بارے میں ارشاد ہوا۔ **کل من الصالحین**۔ اور چار نبیوں کے متعلق ارشاد ہوا۔ **و کلا" فضلنا علی العلمین**۔ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ ان تمام حضرات کی ایک ہی مدح و ثنا کیوں بیان نہ ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب اشارۃ" ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضرت داؤد و سلیمان وغیرھم چھ حضرات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت کے ساتھ اور خاص نعمت بھی بخشی۔ چنانچہ حضرت داؤد و سلیمان کو سلطنت حضرت یوسف کی اولاً مصیبتوں پر صبر پھر بادشاہت۔ حضرت موسیٰ و ہارون کو انقلابی شان بہت سے معجزات' حضرت ایوب کو اولاً صبر پھر بے شمار دولت بخشی۔ اس لئے ان حضرات کے لئے **نجزی المحسنین** فرمایا گیا۔ یہاں جزاء سے یہی خصوصی فضل و کرم مراد ہیں۔ باقی چار پیغمبروں یعنی حضرت زکریا و یحییٰ وغیرہم کو صرف نبوت سے نوازا گیا۔ سلطنت وغیرہ نہیں دی گئی اس لئے وہاں جزاء کا ذکر نہیں ہوا۔ **کل من الصالحین** فرمایا۔ رہا یہ فرمان **و کلا فضلنا علی العلمین** یہ ان تمام

www.alahazratnetwork.org

اٹھارہ نبیوں کے متعلق ہے جن کا یہاں ذکر ہے کہ سارے نبی سارے جہانوں سے افضل ہیں۔ جس میں بتایا گیا کہ نبی ساری مخلوق سے افضل ہوتے ہیں۔ اس لئے یہاں **و کلا** "واؤ کے ساتھ ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں نبوت کے متعلق ارشاد ہوا کہ **ذالک هدی الله** یہ اللہ کی دی ہوئی ہدایت ہے تو ساری ہدایتیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ خواہ ہدایت فطری ہو یا ہدایت عقلی یا ہدایت شرعی۔ ایمان کی ہدایت ہو یا اعمال کی یا عرفان کی یا نبوت کی پھر خصوصیت سے نبوت کی ہدایت کو **ہدی اللہ** کیوں فرمایا۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ ہدایت سے بندے دنیاوی کام بھی کرتے ہیں سارے کاروبار اسی ہدایت سے چلتے ہیں۔ مگر حضرات انبیاء کرام نبوت کی ہدایت سے صرف اللہ کا کام ہی کرتے ہیں جیسے مسجد کو بیت اللہ کہتے ہیں کہ وہاں صرف اللہ کے کام ہی ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دیگر ہدایات بندوں کے ذریعہ ملتی ہیں مگر ہدایت نبوت براہ راست رب کا عطیہ ہوتی ہے۔ کسی بندے کو یا اپنے کسب کو اس میں دخل نہیں ہوتا۔ جیسے ہوا یا سورج کی روشنی۔ تیسرے یہ کہ دیگر ہدایتیں فنا ہو سکتی ہیں۔ مومن کافر ہو سکتے ہیں مگر نبوت کی ہدایت چھن نہیں سکتی۔ ان وجوہ سے اسے **ہدی اللہ** فرمایا۔ **چوتھا اعتراض:** اگر **کلا فضلنا** الخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی ساری خلق سے افضل ہوتے ہیں حتی کہ فرشتوں، حوروں، غلمانوں سے بھی تو قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے متعلق یہی ارشاد ہوا۔ **فضلتکم علی العالمین**۔ تو چاہئے کہ ہر اسرائیلی خواہ مومن ہو یا کافر فرشتوں سے بھی افضل ہو حالانکہ یہ غلط ہے۔ **جواب:** وہاں بنی اسرائیل کے لئے **کلا** نہیں فرمایا گیا۔ یہاں حضرات انبیاء کرام کے لئے **کلا** ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہر فرد نبی ساری مخلوق سے افضل ہیں، رہے بنی اسرائیل وہ **من حیث القوم** واقعی تمام مخلوق سے ایک زمانہ میں افضل رہے۔ کیونکہ ان میں حضرات انبیاء کرام کثرت سے رہے جو ساری مخلوق سے افضل تھے۔ ان حضرات کی افضلیت سے **من حیث القوم** بنی اسرائیل افضل ہوئے وہاں یہ مطلب نہیں کہ بنی اسرائیل کا ہر فرد ساری مخلوق سے افضل ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے بعض فرد ساری مخلوق سے افضل ہیں۔ یعنی انبیاء کرام لہذا **من حیث القوم** وہ افضل جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **و جعلکم ملوکا** "اے اسرائیلیو ہم نے تم کو سلاطین بنایا تو یہ مطلب نہیں کہ ہر اسرائیلی سلطان تھا بلکہ ان میں نبی بادشاہ و سلطان تھے۔ لہذا قوم اسرائیل میں سلطنت تھی ایسے ہی قوم اسرائیل میں افضلیت تھی یہ جواب اچھی طرح سمجھ لو یہ فرق بہت باریک ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہ اٹھارہ نبی تمام جہانوں سے افضل ہیں تو کیا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل ہیں اور کیا خود اپنے سے بھی افضل ہیں۔ عالمین میں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہیں اور خود وہ حضرات بھی۔ **جواب:** آیت کریمہ کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ عالمین سے مراد غیر نبی ہیں یعنی حضرات انبیاء غیر نبی عالمین سے افضل ہیں۔ ان میں بعض بعض سے افضل ہیں۔ یہ مسئلہ دوسرا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **تلک الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے نبیوں سے افضل یہ مسئلہ علیحدہ ہے۔ رب فرماتا ہے **و رفع بعضهم درجات** لہذا یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف نہیں جو کسی نبی سے غیر نبی کو افضل مانے وہ گمراہ ہے۔ ان آیات کا منکر ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا **و کذالک نجزی المحسنین** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبوت اور نبی کے کمالات نیک اعمال کا نتیجہ ہیں حالانکہ نبوت کسبی چیز نہیں محض عطائے الٰہی ہے ورنہ جو نیک اعمال کرے وہ نبی ہو جائے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ آسان جواب یہ ہے کہ یہاں **کذالک** میں نبوت کی طرف اشارہ نہیں بلکہ نیک اولاد کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام کو ہم نے نہایت ہی پاکیزہ اولاد بخشی ہم نیک کاروں کو ایسی ہی جزاء دیتے ہیں کہ انہیں نیک اولاد بخشتے ہیں۔ ساتواں اعتراض: اگر اللہ تعالیٰ نیک کاروں کو نیک اولاد بخشتا ہے تو نوح و آدم علیہم السلام کو کنعان اور قابیل جیسے خبیث بیٹے کیوں بخشے۔ جواب: اس فرمان عالی کا یہ مطلب نہیں کہ انہیں صرف نیک اولاد ہی بخشی جاتی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ انہیں نیک اولاد بھی بخشی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم و نوح علیہما السلام کو اچھی نیک اولاد بھی بخشی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے ماسویٰ جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی مخلوق ہے۔ مصرع۔

جو تیرے سوا ہے وہ بندہ ترا ہے

مگر بعض مخلوق مفیض و مفید ہے یعنی فیض دینے والی فائدہ پہنچانے والی اور بعض دوسری مستفیض اور مستفید ہے۔ یعنی فیض و فائدہ لینے والی بادل اور سورج بھی اللہ کی مخلوق ہے اور زمین' باغات' کھیتیاں بھی اللہ کی مخلوق مگر سورج و بادل فیض رساں مخلوق ہیں اور زمین و باغ فیض یاب۔ یہ دو قسم کی مخلوق برابر نہیں ہو سکتی نہ فیض رساں فیض دینے والے اور دوسرے لوگ بھی اللہ کے بندے ہی ہیں۔ مگر فیض لینے والے یہ دونوں بندے یکساں نہیں۔ شعر۔

شکر فیض تو چمن چوں کند اے ابر بہار — کہ اگر خار و گر گل ہمہ پروردۂ تست

باغ کا پتہ پتہ شگوفے اور پھول پھل سارے کے سارے ابر بہار کے شکر گزار ہیں کہ یہ سب اس کے پروردہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں انہیں فیض رساں بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد کیا **و کلا فضلنا علی العلمین** ہم نے ان سب کو تمام جہانوں پر بزرگی دی کیوں نہ ہو کہ وہ فیض رساں ہیں پھر جیسے بعض بارشیں وقتی طور پر فیض دیتی ہیں۔ بعض بارشیں دائمی فیض بخشتی ہیں فصل کی آخری بارش جس سے فصل تیار ہو جائے وہ دائمی فیض رساں ہے اس کے بعد اور بارش نقصان دہ ہے اب کسی بارش کی ضرورت نہیں یونہی سارے نبی وقتی بارش تھے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری اور دائمی بارش ہیں۔ جس کے بعد اور کسی نبی کی ضرورت نہیں اس بارش پر دین کی کھیتی مکمل ہو کر پک گئی **الیوم اکملت لکم دینکم** لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ **ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین**۔ پھر جیسے بارش بعض جگہ پھول پیدا کرتی ہے بعض جگہ اس سے کانٹے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض جگہ پھل بنتی ہے۔ بعض جگہ سچے موتی یونہی نبوت کی بارش سے کہیں ایمان و عرفان کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ کہیں صد یقیت فاروقیت کے سچے موتی کہیں ولایت و غوثیت کی بہار کہیں نرے کانٹے و خار۔ شعر۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام ہی صالح ہیں یعنی قرب الٰہی کی صلاحیت رکھنے والے حاضرین بارگاہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے لائق تو وہی حضرات ہیں جو ان کے قدم سے وابستہ ہو جائے وہ بھی ان شاء اللہ وہاں پہنچے گا اور وہاں سے نکالا نہ جائے گا۔ پھولوں کے ساتھ دھاگہ بھی بادشاہ کے گلے میں ہار بن کر پڑ جاتا ہے۔ پھولوں کے ساتھ گھاس بھی گلدستہ بن کر بادشاہ کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے اس لئے رب تعالیٰ نے جب معراج میں لامکان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر فرمایا **السلام علیک ایها النبی** تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں **السلام علینا** جمع کی ضمیر کے ساتھ فرمایا۔ یعنی اے میرے مولیٰ میں اکیلا نہیں میرے ساتھ میرے حاشیہ بردار میرے دامن سے وابستہ گنہگاران امت بھی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى

اور کچھ باپ دادوں بیٹوں اور ان کی اولاد میں سے اور ان کے بھائیوں میں سے اور چن لیا ہم نے ان کو اور ہدایت دی ہم

اور کچھ ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بعض کو اور ہم نے انہیں چن لیا اور سیدھی راہ دکھائی

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۞ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ

نے انکو طرف راستے سیدھے کے یہ ہدایت ہے اللہ کی ہدایت دیتا رہا ہے ساتھ اس کے اس کو جسے چاہتا

یہ اللہ کی ہدایت ہے کہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دے

عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۞

رہا ہے اپنے بندوں میں سے اور اگر شرک کرتے وہ لوگ تو چھن جاتے ان سے جو عمل کرتے تھے وہ

اور اگر وہ شرک کرتے تو ضرور ان کا کیا اکارت جاتا

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں حضرات ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں جو نبی ہوئے ان کی تفصیل کا نام بنام ذکر تھا۔ اب ان کے علاوہ دوسرے نبیوں کا اجمالی ذکر ہے تا کہ معلوم ہو کہ اولاد ابراہیمی میں صرف یہی نبی نہیں بلکہ اور بھی بہت نبی ہیں۔ جن پر اجمالی ایمان لانا ضروری ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اٹھارہ نبیوں کے نام ان کے فضائل بیان ہوئے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ حضرات صرف بذات خود ہی کامل نہ تھے بلکہ ان کے بعض باپ دادے، اولاد، بھائی برادر بھی کامل تھے۔ گویا پچھلی آیت میں ان کے ذاتی کمال کا ذکر تھا اب ان کے نسلی اور نسبی کمال کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں تفصیلی ایمان کے لئے بعض انبیاء کرام کی تفصیل ارشاد ہوئی۔ اب اجمالی ایمان کے لئے دوسرے نبیوں کا اجمالی ذکر ہوا گویا اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایک قسم کے ایمان کے بعد دوسری قسم کے ایمان کی تعلیم دی تا کہ معلوم ہو کہ ایمان تفصیلی بھی ضروری ہے اجمالی بھی ضروری۔ خیال رہے کہ ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت میں حضرات انبیاء کرام کی ہدایت کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اس ہدایت کی تفصیل کہ انہیں صرف ہدایت عامہ نہیں دی جو ہر مومن یا ہر ولی یا ہر عارف کو مل جاتی ہے۔ بلکہ انہیں ہدایت خاصہ عطا فرمائی جو صرف رسولوں نبیوں کو ہی عطا ہوتی ہے۔ نیز پہلی آیت میں حضرات انبیاء کرام کے فضائل کا بیان ہے۔ دوسری میں ان کے متعلق مشرکین و کفار کے اعتراضات کی تردید ہے کہ **ولو اشرکوا** لہذا یہ دونوں آیتیں بھی آپس میں تعلق رکھتی ہیں مشرکین ان حضرات کو مشرک کہتے تھے اور اپنے شرک کو ان کی طرف منسوب کرتے تھے۔ رب نے ان کی تردید فرمائی۔

تفسیر : **و من اباء هم و ذرياتهم و اخوانهم** اس عبارت کی بہت ترکیبیں اور بہت تفسیریں ہیں۔ آسان ترکیب و تفسیر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے **و كلا فضلنا على العلمين** پر یا معطوف ہے **كلا هدينا** پر اور من تبعیضیہ کا یہاں ایک فعل اور اس کا مفعول پوشیدہ ہے اصل عبارت یوں ہے۔ **و فضلنا** یا **و هدينا كثيرا من اباء هم**۔ یعنی ہم نے ان انبیاء کرام کے بہت سے باپ دادوں ان کی بہت سی اولاد ان کے بہت سے بھائی برادروں کو بھی تمام جہانوں پر بزرگی دی یا انہیں

www.alahazratnetwork.org

نبوت کی ہدایت دی۔ خیال رہے کہ یہاں منھیت کا من فرمانا دو حکمتوں سے ہے ایک یہ کہ ان مذکورہ نبیوں میں بعض وہ ہیں جن کے باپ دادے ہیں ہی نہیں۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام بعض وہ ہیں جن کے اولاد نہیں جیسے حضرت عیسیٰ اور یحییٰ علیہم السلام کہ ان بزرگوں نے نہ شادی کی نہ ان کی اولاد ہوئی۔ بعض وہ ہیں جن کے باپ دادے تو ہیں مگر نبی نہیں' اولاد تو ہے مگر مومن نہیں۔ بھائی برادر تو ہیں مگر نبی یا مومن نہیں ان وجوہ سے من ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ اپنی امانت خبیث پیٹ میں نہیں رکھتا اور حق یہ ہے کہ کسی نبی کے والد بھی کافر نہیں ہاں بعض نبیوں کی اولاد یا بھائی برادر کافر ہوئے۔ جیسے حضرت آدم کا بیٹا قابیل' نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر ہوئے یونہی بعض نبیوں کی بیویاں کافرہ ہوئیں جیسے حضرت نوح و لوط علیہ السلام کی بیویاں کافرہ تھیں مگر کسی نبی کی بیوی زانیہ نہیں ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الخبیثات للخبیثین**۔ نبیوں کے بھائی برادر کافر بھی ہوئے ہیں' مومن بھی' متقی بھی ہوئے ہیں' فاسق و فاجر بھی۔ حق یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام کے سارے بھائی مومن تھے اور آخر کار سارے متقی پرہیزگار ہوئے۔ مگر نبی نہ تھے اس کی کچھ تفصیل ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء میں ملاحظہ فرماؤ۔ **و اجتبینا ھم و ھد ینا ھم الی صراط مستقیم**۔ یہ عبارت معطوف ہے اس **فضلنا یا ھد ینا** پر جو **من ابا ء ھم** میں پوشیدہ ہے **اجتبینا** بنا ہے جبی سے جبی اور صفو دونوں کے معنی ہیں چن لینا' چھانٹ لینا اسی سے ہے **مجتبیٰ اور مصطفیٰ** یہ دونوں لفظ نبوت کے لئے خاص ہیں۔ مصطفیٰ اور مجتبیٰ صرف نبی کو ہی کہا جاتا ہے غیر نبی کو نہیں اس **اجتبینا** سے معلوم ہوا کہ یہاں نبوت کا چناؤ مراد ہے۔ خیال رہے کہ جیسے بادشاہ کا مسافر خانہ بادشاہ کے نوکروں چاکروں کے مکانات اس کے کرایہ کے مکانات اگرچہ بادشاہ کی ملک ہیں مگر شاہی محل صرف بادشاہ کا ہے جسے کوئی استعمال نہیں کر سکتا۔ پھر اس کے محل میں بعض چیزیں مہمانوں کے لئے جیسے بستر' چارپائیاں' صوفے سیٹ۔ بعض چیزیں اس کے صرف بال بچوں کے لئے ہیں مگر اس کی جیبی یا دستی گھڑی وغیرہ خاص بادشاہ کے استعمال کے لئے اسی طرح سارے انسان اللہ کے بندے ہیں۔ مگر بعض بندے شیطان کے استعمال کے لئے جیسے مشرکین و کفار' بعض بندے دنیاوی کاروبار کے لئے جیسے غافل' دنیا دار۔ مگر بعض بندے خالص رب تعالیٰ کے لئے کہ وہ جو کرتے ہیں۔ اللہ کے لئے کرتے ہیں وہاں شیطان' نفس امارہ' دنیاوی غفلتوں کو دخل نہیں ہوتا۔ جیسے حضرات انبیاء کرام یہ ہیں رب کے مجتبیٰ بندے درخت کے گلے سڑے پھل پھینکنے کے لئے پختہ پھل فروخت کے لئے مگر چھنے ہوئے اعلیٰ پھل مالک کے اپنے لئے یہ پھل چناؤ میں آگئے۔ شعر

جب باغ جہاں کے مالک نے کی دیکھا بھالی پھولوں کی — اک پھول ان میں سے چھانٹ لیا تھی جتنی ڈالی پھولوں کی
اس گل کا محمد نام ہوا تازہ جس سے اسلام ہوا — اس گل نے کھل کر گلشن میں اک شان نکالی پھولوں کی

لہذا **اھد ینا ھم** میں ہدایت سے مراد نبوت کی ہدایت ہے اور **صراط مستقیم** سے مراد تبلیغ نبوت وغیرہ ہے۔ لہذا واضح ہے یعنی ان مذکورہ نبیوں میں سے بعض نبیوں کے باپ دادوں' ان کی اولاد' ان کے بھائی برادروں کو بھی نبوت دی جو سارے اولاد ابراہیم تھے۔ لہذا جناب خلیل کی اولاد میں بہت نبی ہوئے **ذالک ھدی اللہ** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں **ذالک** مبتدا ہے **ھدی اللہ** سے مراد نبوت و رسالت کی ہدایت ہے ذالک سے اشارہ نضیلت۔ **اجتباء** کی طرف ہے یعنی یہ عالم پر بزرگی نبوت کے چناؤ اللہ کی خاص ہدایت ہے۔ **یھدی بہ من یشاء من عبادہ**۔ یہ جملہ **ھدی اللہ** کی صفت ہے **بہ** کا مرجع ہدایت ہے یعنی ہدایت نبوت عباد سے صرف مراد انسان مراد ہیں۔ عورتیں' جنات' فرشتے اس سے خارج ہیں کیونکہ نبوت صرف مرد انسانوں ہی کو عطا

www.alahazratnetwork.org

ہوئی رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** دہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے یہ بھی خیال رہے کہ یہاں **یھدی** دوام استمراری کے لئے نہیں کیونکہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی اب کسی کو نبوت نہیں مل سکتی۔ یعنی نبوت اللہ تعالیٰ کی وہ خاص ہدایت ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دیتا رہا ہے۔ خیال رہے کہ ہدایت تین قسم کی ہے ایک ہدایت فطری جیسے بچہ کو رونے کی ہدایت کہ اپنا ہر درد دکھ رو کر بتائے۔ مچھلی کے بچوں کو تیرنے کی' چڑیوں کے بچوں کو کھانے کی ہدایت۔ دوسری ہدایت عقلی جو انسان کو ہوش سنبھالنے پر ملتی ہے جس سے وہ دنیا کی ہر تدبیر کرتا ہے۔ ایجادات اور سائنسی آلات اس ہدایت عقلی سے بنے۔ تیسری ہدایت شرعی اس ہدایت کی بہت قسمیں ہیں۔ ہدایت ایمان' ہدایت اعمال' ہدایت عرفان' ہدایت نبوت و رسالت۔ یہاں یہی آخری ہدایت مراد ہے اس کو ہدایت اللہ کہا گیا ہے یہ صرف حضرات انبیاء کرام کو ملتی ہے۔ جیسے ہدایت ایمان کو صبغۃ اللہ فرمایا گیا ہے۔ **ولو اشرکوا لحبط عنھم ما کانوا یعملون۔** یہ نیا جملہ ہے جس میں مشرکین مکہ کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ حضرات ابراہیم و اسماعیل وغیرہم انبیاء و مشرک تھے۔ چنانچہ وہ لوگ اپنے شرکیہ عقیدوں کے متعلق کہتے تھے کہ یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یا عیسائی یہودی کہتے ہیں کہ صلیب پرستی' نبی پرستی' حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام کی تعلیم ہے۔ نعوذ باللہ **اشرکوا** کا فاعل وہی انبیاء کرام ہیں جن کا تفصیلی و اجمالی ذکر ابھی ہوا۔ شرک کے معنی اس کی حقیقت بارہا بیان ہو چکی کہ کسی بندے کو اللہ کی برابر سمجھنا یا اللہ تعالیٰ کی شان گھٹا کر کسی بندے کے برابر کر دینا شرک ہے۔ حبط بنا ہے حبوط سے بمعنی باطل ہو جانا' ضبط ہو جانا' چھن جانا' برباد و اکارت ہو جانا۔ عمل سے مراد سارے نیک اعمال ہیں خواہ بدنی ہوں یا مالی یا بدنی مالی کا مجموعہ یعنی اے مشرکو کافرو ان انبیاء میں سے کسی نے کبھی کسی قسم کا شرک نہیں کیا اگر انہوں نے شرک کیا ہوتا تو نبوت تو بہت بڑی چیز ہے۔ ان کی کوئی نیکی باقی نہ رہتی سب کی سب ضبط ہو جاتی۔ مگر ان کے اعمال تو باقی ہیں۔ ضبط اعمال خشک شاخ کی طرح ہیں جس میں پھل پھول سبزہ کچھ نہیں ہوتا ایسے ہی نامقبول اور ضبط شدہ اعمال میں نہ لذت ہو نہ کیف نہ ان کا آئندہ بقا ہو مگر حضرت ابراہیم کا کعبہ' زمزم' صفا مروہ' منیٰ' عرفات سب قائم ہیں ان کی سنتیں باقی ہیں۔ گزشتہ انبیاء کرام کے چرچے ان کی مانگی ہوئی دعائیں قائم ہیں معلوم ہوا کہ ان کے اعمال ضبط یا غیر مقبول نہیں۔ بلکہ مقبول ہیں لہٰذا وہ پکے مومن اللہ کے مقبول بندے تھے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جن پیغمبروں کے حالات ان کے فضائل و کمالات ہم نے آپ کو سنائے ہم نے ان نبیوں کے باپ دادوں' ان کی اولاد' ان کے بھائی برادروں میں سے بعض کو بھی بزرگی بخشی۔ گویا وہ حضرات خود بھی افضل و اکمل تھے ان کے بعض باپ' دادے' اولاد و برادران بھی افضل اکمل۔ ہم نے ان کو نبوت کے لئے چن لیا اور انہیں تبلیغ و رسالت کے سیدھے راہ کی طرف ہدایت دی یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی خاص ہدایت ہے۔ یہ ہدایت اسی بندے کو ملتی ہے جسے رب دینا چاہے کفار مکہ ان انبیاء کرام کو مشرک مانتے ہیں کہ شرکیہ عقائد و اعمال کو ان کی طرف نسبت کرتے ہیں یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں وہ حضرات بد عقیدگیوں' بد عملیوں سے بالکل محفوظ تھے۔ سچے پکے مخلص موحد مومن تھے اگر وہ شرک کرتے تو ان کی ساری نیکیاں ضبط ہو جاتیں۔ نبوت تو بہت اعلیٰ چیز ہے وہ تو انہیں مل سکتی ہی نہ تھی لہٰذا ان کے دامن پر شرک کا دھبہ لگانا محض غلط ہے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے کہیں تو انسان کو تاجر و دکاندار فرمایا ہے کہیں اسے مسافر فرمایا مسافر کو سفر میں توشہ' راستہ' رہبر سب ہی کی ضرورت ہے دنیا راستوں اور سواریوں کا جنکشن ہے جہاں سے بہت راستے دوزخ کی طرف جاتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں اور ایک راستہ جنت کی طرف۔ اس راستہ کی رہبری کے لئے حضرات انبیاء کرام کی ضرورت ہے۔ اس راستہ کی کئی صورتیں ہیں۔ ظاہری راستہ شریعت ہے باطنی راستہ طریقت مکہ معظمہ کے بہت راستے ہیں۔ خشکی کا سمندری اور ہوائی۔ ان میں سے بعض جلد طے ہوتے ہیں بعض دیر میں ان دونوں راستوں کے رہبر ہیں یہاں صراط مستقیم سے یہ تمام راستے مراد ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کسی کے باپ داداؤں یا اولاد یا قرابت داروں کا نبی یا ولی یا عالم دین یا متقی ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ ان کی نسبت سے اسے بھی بزرگی مل جاتی ہے نبی کی مومن اولاد مومن ماں باپ قرابت دار دوسرے مومنوں سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ **و من اباءھم و ذریاتھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اگر خدا تعالیٰ کسی پر یہ کرم کرے کہ اسے بھی نبوت بخشے اس کے ماں باپ اولاد کو بھی تو یہ اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی فضل ہے شخصی بزرگی سے خاندانی بزرگی اعلیٰ ہے یہ فائدہ بھی **و من اباءھم** الخ سے حاصل ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ الکریم ابن الکریم ابن الکریم ابن الکریم۔ یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم۔ معلوم ہوا حضرت یوسف علیہ السلام کی چار پشت میں نبوت ہونا ان کی عظمت کا سبب ہے لہذا جماعت صحابہ میں حضرت ابو بکر صدیق کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ خود بھی عظیم الشان صحابی ہیں۔ آپ کے ماں باپ بھی صحابی' آپ کی ساری اولاد صحابی' آپ کے پوتی پوتے' نواسی نواسے بھی صحابی۔ یہ اللہ کا بڑا فضل ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نبوت صرف انسانوں کو ہی عطا ہوئی' کوئی جن' فرشتہ' نبی نہیں یہ فائدہ بھی **و من اباءھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** نبوت مردوں کو ہی عطا ہوئی' کوئی عورت نبی نہیں ہوئی یہ فائدہ بھی **من اباءھم** الخ سے حاصل ہوا کہ رب العالمین نے باپ داداوں اور بھائیوں کا تو ذکر فرمایا۔ ماں' نانی' بہنوں کا ذکر نہ فرمایا (تفسیر کبیر)۔ **پانچواں فائدہ:** کوئی نبی بد عقیدہ یا بد عمل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **و اجتبینٰھم** اور **و ھدینٰھم** سے حاصل ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو نبوت کے لئے چن لیتا ہے اور براہ راست انہیں ہدایت دیتا ہے تو ان کا ہدایت پر نہ ہونا غیر ممکن ہے۔ **چھٹا فائدہ:** نبی کو ابلیس یا کوئی اور گمراہ نہیں کر سکتا۔ ہدایت ان کے لئے لازم ہے کہ کبھی ان سے جدا نہیں ہو سکتی یہ فائدہ بھی **ھدینا** اور **اجتبینا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت کوئی نہیں چھین سکتا۔ سورج کو نور اللہ نے دیا تو اسے بے نور کوئی نہیں کر سکتا۔ لہذا ان حضرات پر نہ شیطان کا داؤ چلے نہ کسی طاغوت کا۔ رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** میرے خاص بندوں پر تیرا قابو نہیں۔ **ساتواں فائدہ:** نبوت عطائی چیز ہے کسبی نہیں۔ کوئی شخص اپنی عبادت و ریاضت سے نبی نہیں بن سکتا یہ تو اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ جس پر ہو جائے یہ فائدہ **یھدی بہ من یشاء** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** کسی نبی نے ایک آن کے لئے شرک و کفر نہیں کیا جو کوئی حضرت آدم یا حضرت ابراہیم یا کسی اور نبی کو ایک آن کے لئے کافر یا مشرک کہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ دیکھو رب نے فرمایا **ولو اشرکوا لحبط**۔ اشرکو ماضی مطلق ہے جو ایک آن کے شرک و کفر کو بھی شامل ہے یہ مسئلہ ہماری کتاب عصمت انبیاء میں دیکھو۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ پر جو اعتراضات کفار کی طرف سے ہوتے ہیں انہیں نبی دور کرتے ہیں اور نبی کی ذات پر جو اعتراض ہوتے ہیں انہیں رب تعالیٰ دفع فرماتا ہے۔ حمد الٰہی سنت رسول ہے اور نعت رسول سنت الٰہیہ ہے۔ یہ فائدہ **ولو اشرکوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** حضرات صحابہ کرام اللہ کے مقبول بندے تھے ان سے کبھی کفر سرزد نہیں ہوا۔ ورنہ ان کے اعمال کا بیکار ہو کر ضبط ہو جاتے۔ حضرت صدیق

www.alahazratnetwork.org

اکبر کی مسجد نبوی حضرت عثمان غنی کا اس مسجد میں اضافہ' حضرت عمر کی تراویح اور فتوحات اسلامیہ حضرت صدیق و عثمان کا جمع کردہ قرآن باقی نہ رہتے۔ سب ضبط ہوچکے ہوتے مگر یہ تو دائم قائم ہیں لہذا وہ حضرات مومن بلکہ مومن گر ہیں۔ یہ فائدہ **لو اشرکوا لحبط عنہم ما کانوا یعملون** سے حاصل ہوا۔ عمل مقبول عامل کے دل میں اثر کرتا ہے کہ اس سے دل کی نرمی' آنکھ کی تری' سوز و گداز پیدا ہوتے ہیں اور آئندہ لوگوں میں ان سے کام نام فیضان باقی رہتے ہیں۔ ضبط شدہ عمل میں یہ باتیں شیطان کی عبادات ضبط شدہ ہیں۔ دیکھ لو ان کا نام تک نہیں۔

پہلا اعتراض : تم نے کہا کہ نبی کے ماں باپ مشرک نہیں ہوتے۔ حالانکہ حضرت لوط علیہ السلام کا دادا آزر مشرک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ مشرک تھے یہ قاعدہ غلط ہوا۔ **جواب**: ہم نے یہ قاعدہ نبی کے صرف والد کے لئے عرض کیا ہے کہ نبی کی ماں ان کے باپ مشرک نہیں۔ لوط علیہ السلام کے والد ہاران موحد مومن تھے۔ آزر مشرک ہو تو ہو یہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ آپ کی نسل شریف میں کوئی عورت و مرد مشرک و کافر نہ ہوئے سب مومن موحد تھے۔ جو حضرت عبداللہ یا حضرت آمنہ کو مشرک یا کافر کہے وہ بہت سی آیتوں' بے شمار احادیث کا انکاری ہے اور اللہ نے اس کی عقل ماری ہے۔ ہم یہ مسئلہ نہایت تحقیق سے پہلے پارہ **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبوت اللہ کی خاص ہدایت ہے۔ جسے چاہے دے پھر تم یہ کیوں کہتے ہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں بن سکتا کیا اللہ تعالیٰ کے پاس ہدایت ختم ہوگئی یا اب وہ بخیل ہوگیا۔ (مرزائی)۔ **جواب**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لے آنے سے اب کسی اور نبوت کی دنیا کو ضرورت نہ رہی سورج چمک جانے پر چاند تاروں چراغوں کی ضرورت نہ رہی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کے نہ ڈوبنے والے سورج ہیں۔ اب کسی چراغ کی کیا ضرورت ہے ہم اس کی کچھ تحقیق تیسرے پارہ کی تفسیر میں کرچکے ہیں اور ان شاء اللہ **و خاتم النبین** کی تفسیر میں عرض کریں گے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھی سیدھے راستہ کی ہدایت کی ہے کہ فرمایا **و ھدینا ھم الی صراط مستقیم** تو ہم میں ان میں فرق ہی کیا ہے وہ بھی راستہ میں ہیں ہم بھی راستہ میں خدا تک کوئی نہیں پہنچا ہم کو بھی رب نے ہدایت کی ان کو بھی۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو براہ راست رب نے ہدایت دی اور ہم کو بواسطہ انبیاء کرام۔ دوسرے یہ کہ ہم کو دنیا میں آنے کے بعد ہدایت دی' ان کو ہدایت دے کر بھیجا۔ تیسرے یہ کہ ہماری ہدایت کسبی ہے' ان کی ہدایت عطائی اور وہبی ہم گمراہ ہوسکتے ہیں وہ نہیں ہوسکتے۔ لہذا ہماری اور ان کی ہدایتوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ **جواب عاشقانہ**: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو تو سیدھے راستہ کی ہدایت کی آنے کے لئے اس راہ پر چلنے کے لئے ان کو ہدایت دی لانے کے لئے مخلوق کو چلانے کے لئے ریلوے کا سگنل انجن کو ہدایت اور اجازت دیتا ہے لانے کی ورنہ انجن تو وہاں آتا جاتا ہی رہتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے نبیوں کو چن لیتا ہے تو پھر ان کی نبوت منسوخ کیوں ہو جاتی ہے۔ کیا رب تعالیٰ کا چناؤ بھی ختم ہو سکتا ہے۔ **جواب**: نسخ نبوت سے ان کے قرب الٰہی' ان کی مقبولیت میں کوئی فرق نہیں آتا' ہاں ان کا تعلق مخلوق سے ختم ہو جاتا ہے کہ اب ان کی اطاعت' ان کا کلمہ پڑھنا لوگوں پر نہیں رہتا۔ وہ جس چناؤ میں آچکے وہ ہمیشہ باقی ہے ہاں یہ خصوصیت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے کہ نہ ان کی مقبولیت میں

www.alahazratnetwork.org

فرق آیا نہ اطاعت میں کیونکہ آپ کی نبوت غیر منسوخ ہے۔ قیامت کے دن سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھیں گے معراج کی رات سب نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز محمدی پڑھی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک سے نیک اعمال ضبط ہوتے ہیں تو کیا کفر سے ضبط نہیں ہوتے اگر کوئی مسلمان دہریہ یا عیسائی وغیرہ بن جائے اس کے اعمال برقرار رہتے ہیں۔ **جواب:** ان جیسی آیات میں شرک سے مراد مطلق کفر ہوتا ہے۔ یہاں بھی کفر ہی مراد ہے۔ رب فرماتا ہے **ولا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا** وہاں بھی مشرکین سے مراد کفار ہیں خواہ کسی قسم کے کافر ہوں یہ قاعدہ خوب یاد رکھو چونکہ مشرکین عرب حضرات انبیاء پر شرک کی ہی تہمت لگاتے تھے اس لئے اسی کی تردید فرمائی گئی اور لفظ شرک ارشاد ہوا۔ **چھٹا اعتراض:** قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شرک کیا کہ اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فلما اتاھما صالحا جعلا لہ شرکاء** ہم نے جب آدم و حوا کو اچھا بیٹا بخشا تو انہوں نے شرک کرلیا پھر تمہارا یہ قاعدہ کیونکر درست ہوا کہ نبی بدعقیدہ نہیں ہوتے اور اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہوا۔ **جواب:** وہاں اس آیت کریمہ میں حضرت آدم و حوا مراد نہیں بلکہ قریش کا کوئی مورث اعلیٰ مراد ہے اس نے شرک کیا تھا اس کی نفیس تحقیق ہم نے اپنے رسالہ عصمت انبیاء میں کردی ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں حضرات انبیاء کرام کے لئے ارشاد ہوا کہ اگر وہ شرک کرتے تو ان کے اعمال ضبط ہو جاتے جس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کا شرک کرنا اور ان کے اعمال ضبط ہو جانا بالکل ممکن ہے ورنہ اس اگر مگر کے کیا معنی۔ **جواب:** یہ قاعدہ ہی سرے سے غلط ہے کہ یہ جملہ شرطیہ ہے جس کا مقصد ہوتا ہے۔ بہت کا بیان کرنا یعنی شرط سبب ہے جزاء کی اس کا ذکر نہیں ہوتا کہ یہ دونوں واقع یا ممکن ہیں بالکل ناممکن چیز کو ناممکن پر معلق کر دیا جاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین** اگر خدا تعالیٰ کے بیٹا ہوتا تو اس کی عبادت پہلے میں کرتا۔ اور فرماتا ہے **لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا**۔ اگر آسمان و زمین میں چند معبود ہوتے تو یہ دونوں بگڑ جاتے حالانکہ نہ اللہ تعالیٰ کے اولاد ہونا ممکن ہے نہ چند معبود ہونا ممکن ہے ایسے ہی یہ جملہ شرطیہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اے مشرکو تمہارے سارے اعمال ضبط ہو چکے کیونکہ تم نے شرک کیا شرک ایسا وبال ہے جو اعمال ضبط کر دیتا ہے تمہاری تو حقیقت ہی کیا ہے اگر حضرات انبیاء کرام بھی شرک کرتے تو ان کے اعمال بھی ضبط ہو جاتے یا یہ مقصد ہے کہ تم کہتے ہو کہ گزشتہ نبی مشرک تھے یا مشرک گر وہ ہی ہم کو شرک کی تعلیم دے گئے ہیں۔ یہ محض غلط ہے اگر انہوں نے شرک کیا ہوتا تو ان کے اعمال ضبط ہو گئے ہوتے نبوت کا تو پوچھنا ہی کیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے ایک طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہو رہا ہے۔ یونہی اتفاقاً" نہیں ہوتا۔ حضرات انبیاء کرام کی نبوت' ان کے درجات و فضائل' ان میں سے بعض کا خاندانی نبی ہونا' بعض کی اولاد کا نبی ہونا' بعض کی اولاد کا کافر ہونا سب پہلے ہی سے طے شدہ ہے۔ یونہی ان حضرات کا چناؤ اور نبوت کے لئے انتخاب' ان کی خاص ہدایت عالم ارواح میں ہی ہو چکا۔ دنیا میں تو اس کا ظہور ہوا۔ یہاں **واجتبینا و ھدینا** میں اس انتخاب و ہدایت کا ذکر ہے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرات انبیاء دنیا میں آکر نبی بنے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ حضرات سب کچھ بن کر یہاں آئے اس کا ظہور اپنے وقت پر ہوا یہ اشارہ اس فرمان میں بھی ہے۔ **ولو اشرکوا** الخ کہ اگر عالم ارواح میں وہ مشرکین کے زمرہ میں ہوتے تو یہاں ان کی نبوت ظاہر نہ ہوتی بلکہ ان کا حال یہ ہوتا کہ اعمال کرتے جاتے وہ ضبط ہوتے جاتے مگر ہوا یہ کہ وہ خود مقبول ہیں۔ ان کے اعمال مقبول بلکہ

www.alahazratnetwork.org

جو ان کے قدم سے وابستہ ہو جائے وہ مقبول ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چناؤ اور خاص ہدایت ان سب میں اصل حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور باقی انبیاء کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ان نعمتوں سے سرفراز ہوئے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر یہاں دوسری اولاد ابراہیم کے ساتھ نہ فرمایا کیونکہ وہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے ان کا وجود' ان کی ہدایت' حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وجود و ہدایت کے تابع کر کے بیان نہ کی۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

آنچہ اول شد پدید از جیب غیب بود نور جان او بے ہیچ و ریب
بعد ازاں آں نور مطلق رو علم گشت عرش و کرسی و لوح و قلم
یک علم از نور پاش علم اوست یک علم ذریت آدم از و است

(از روح البیان)

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندے کے چناؤ کی چند علامتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ اس بندے کا ہر کام رب کے لئے ہوتا ہے۔ **ان صلوتی و نسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین**۔ دوسرے یہ کہ اس بندے کی ہر ادا' ہر چیز رب کو پسند ہوتی ہے۔ **لا اقسم بھذا البلد**۔ تیسرے یہ کہ یہ چنا ہوا بندہ جسے منتخب کرے وہ بھی رب کے چناؤ میں آجاتا ہے۔ حضرت بلال ان کی اذان بھی رب کے چناؤ میں آگئے تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتخاب میں آگئے تھے۔ مسجد خدا کی ہے تو وہاں کی چٹائیاں ڈول رسی بلکہ وہاں کی اینٹ گارا سب وقف للہ ہو گئے۔ مسجد کی ہر چیز خدا کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز' ہر غلام نوکر خدا کے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ میثاق کے دن تین چناؤ ہوئے تھے مومنین کا' اولیاء کاملین کا' نبیین و مرسلین کا۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسانوں کی روحیں چیونٹیوں کی شکل میں آدم علیہ السلام پر پیش کی گئیں ان پر نور کر چھینٹا مار آگیا۔ بعض پر پڑا' بعض محروم رہے جن پر پڑا ان میں سے بعض پر کم پڑا بعض پر زیادہ۔ اس چھانٹ کا ظہور دنیا میں آکر ہوتا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کی نبوت اگرچہ منسوخ ہو جائے مگر قرب الٰہی' مقبولیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ وہ خدائی انتخاب اور رب کے چناؤ میں آچکے ہیں کہ ارشاد ہوا **و اجتبینا ھم**۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دو چیزیں نیکیاں ضبط کرا دیتی ہیں کفر اور مقبول بندوں کی بے ادبی۔ رب فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون** شیطان کی ایک بے ادبی نے اس کی ساری نیکیاں برباد کر دیں اور چند چیزیں گناہ معاف کرا دیتی ہیں۔ اسلام قبول کرنا' توبہ کرنا' مقبولوں کی صحبت' حج' جمعہ' مسجدوں میں حاضری دینا وغیرہ۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَآءِ

یہ وہ ہیں کہ دی ہم نے ان کو	کتاب	اور	حکم	اور	پیغمبری	پس اگر کفر کریں ان کا یہ لوگ
یہ ہیں جن کو ہم نے	کتاب	اور	حکم	اور	نبوت عطا کی	تو اگر یہ لوگ اس سے منکر ہوں

www.alahazratnetwork.org

فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿٨٩﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

پس بے شک مقرر کی ہم نے اس پر وہ قوم جو نہیں ہیں اسکے انکاری ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ہدایت دی انہیں اللہ

تو ہم نے اس کے لیے ایک ایسی قوم لگا رکھی ہے جو انکار والی نہیں ۔ یہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی تو تم انہیں

فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى

نے پس ہدایت انکی اختیار کرو فرما دو کہ میں نہیں مانگتا تم سے اوپر اس کے کوئی مزدوری نہیں ہے وہ مگر نصیحت

کی راہ چلو تم فرماؤ میں قرآن پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا وہ تو نہیں مگر نصیحت

لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٠﴾

جہانوں کے لیے

سارے جہان کو

تعلق : ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مذکورین اٹھارہ نبیوں کو حفاظت' ہدایت 'فضیلت' خاص چناؤ کی عطا کا ذکر تھا جن کا تعلق ان کی ذاتوں سے تھا۔ اب انہیں حضرات کو آسمانی کتاب' حکمت وغیرہ کی عطا کا ذکر ہے جن کا تعلق مخلوق سے ہے گویا لازم نعمتوں کی عطا کے بعد متعدی نعمتوں کی عطا کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان انبیاء کرام کے کمالات کا ذکر تھا اب ان کے کمالات کے منکرین پر عتاب کا اظہار ہے۔ **فان یکفر بها هولاء** الخ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مذکورین نبیوں کے کمالات کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کمالات ہونے کا تذکرہ ہے۔ **فبهدهم اقتده** کہ جو صفات دیگر نبیوں کو علیحدہ علیحدہ دی گئیں وہ تمام حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں جمع کر دی گئیں۔ شعر۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری   آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں حضرات انبیاء کرام کے دامن سے کفار کے اتہام و بہتان کے داغ دور کیے گئے تھے کہ وہ ہمارے ہدایت یافتہ' چنے ہوئے منتخب تھے۔ اب دوسری طرح ان کے دامن سے یہ دھبہ دور فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حضرات وہ ہیں جن کو ہم نے کتاب' حکم' نبوت سب کچھ دی۔ اعلیٰ چیز اعلیٰ برتن میں رکھی جاتی ہے۔ ہر برتن میں سونا موتی' یا دودھ نہیں رکھے جاتے تو جن کو رب نے نبوت کے لیے منتخب فرمایا سمجھ لو کہ وہ کیسے ہوں گے۔ مال ہر ایک کو مل جاتا ہے مگر قرب الٰہی اور کتاب خاص مقبول بندوں کو ملتے ہیں۔ پھلواڑ بکھیر ا ہر ایک کو مل جاتی ہے۔ مگر جوڑے دولہن خاص کو ہی ملتے ہیں۔

تفسیر : **اولئک الذین اتینهم الکتب والحکم والنبوة** ۔ پچھلی آیات میں اٹھارہ نبیوں کا ذکر نام بنام تفصیل سے ہوا۔ باقی تمام نبیوں کا ذکر اجمالاً بغیر نام لیے **و من اباء هم و ذریا تهم** الخ اولئک میں اشارہ یا تو ان اٹھارہ حضرات کی طرف ہے یا تمام انبیاء کرام کی طرف۔ دوسرا احتمال زیادہ قوی ہے کتاب سے مراد آسمانی کتاب ہے خواہ صحیفہ ہو یا مکمل کتاب خواہ باواسطہ ہو یا بلاواسطہ قرآن کریم میں کتاب صحیفہ اور خط ان سب کو کتاب کہا گیا ہے **القی الی کتاب کریم انه من**

www.alahazratnetwork.org

سلیمان۔ دیکھو حضرت سلیمان نے بلقیس کو خط بھیجا تھا جسے کتاب کہا گیا۔ سارے نبی کسی آسمانی کتاب یا صحیفہ کے ضرور عامل تھے۔ خواہ ان کی اپنی کتاب ہوتی یا دوسرے نبی کی مثلاً توریت اتری موسیٰ علیہ السلام پر مگر داؤد علیہ السلام تک سارے نبی اس پر عامل رہے۔ رب تعالیٰ اس کے متعلق فرماتا ہے۔ **یحکم بھا النبیون الذین اسلموا** یا کتاب دینے سے مراد ہے آسمانی کتاب و صحیفہ کا علم اس کی درست سمجھ عطا فرمانا۔ لہٰذا آیت واضح ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ ہم نے ہر نبی کو نئی کتاب عطا فرمائی۔ دیکھو بنی اسرائیل کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **الذین اتینا ھم الکتاب یعرفونہ** وہاں بھی یہ مطلب نہیں کہ ہر اسرائیلی کو الگ آسمانی کتاب دی گئی۔ **اتینا** فرما کر بتایا گیا کہ ہم نے کتاب نبیوں کو دی پھر نبیوں نے کتاب لوگوں کو دی۔ ہم نے کسی امتی کو بغیر واسطہ نبی کتاب نہ دی **الکتاب** فرما کر بتایا گیا کہ کتاب کے الفاظ اس کے مضامین اس کے معانی' اس کے اسرار' اس کے انوار' سب کچھ ہم نے انہیں عطا فرمائے۔ انہوں نے کسی اور سے نہیں سیکھے اب جس کو جو ملا نبیوں کے ذریعہ ملا۔ الفاظ انوار' اسرار' احکام سب نبیوں سے مل سکتا ہے **والحکم** میں **حکم** سے مراد یا تو حکومت باطنی ہے یا حکمت یعنی علم اسرار یا لوگوں کے درمیان سچے فیصلے اور **النبوۃ** سے مراد ہے رسالت چونکہ کتاب اور حکمت نبوت کی دلیلیں ہوتی ہیں۔ جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے اس لئے کتاب و حکمت کا ذکر پہلے ہوا اور نبوت کا بعد میں ورنہ نبوت واقعہ میں پہلے ہوتی ہے۔ جس سے نبوت ثابت ہوتی ہے اس لئے کتاب و حکم بعد میں یعنی یہ تمام انبیاء کرام وہ حضرات ہیں جن کو ہم نے اپنے فضل و کرم سے تین خصوصی نعمتیں بخشیں۔ کتاب آسمانی کا علم اور حکمت اور نبوت کوئی نبی ان تین چیزوں سے خالی نہ ہوئے۔ **فان یکفربھا ھوء لاء** یہاں کفر بمعنی انکار ہے **بھا** کا مرجع وہی کتاب و حکم و نبوت ہے **ھو لاء** سے اشارہ مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ یا سارے کفار کی طرف ہے۔ اس شرط کی جزاء پوشیدہ ہے **لا تحزن یا لا یضرھم** یعنی اگر مشرکین عرب یا یہود و نصاریٰ یا تمام کفار ان حضرات انبیاء کے ان کمالات کا انکار کریں تو اے محبوب آپ غم نہ کریں یا ان کا انکار کچھ مضر نہیں کیونکہ **فقد و کلنا بھا قوما'' لیسوا بھا بکفرین**۔ اس عبارت میں **ف تعلیلیہ** ہے اور یہ عبارت اسی پوشیدہ کی وجہ ہے **و کلنا** بنا ہے توکیل سے۔ جس کا مادہ وکل ہے۔ بمعنی سپرد کر دینا' ذمہ دار بنا دینا' اسی سے ہے وکیل' **و کلنا بھا** الخ میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ان نبیوں کی شان ظاہر کرنے' ان کے نام کے ڈنکے بجانے کے لئے ہم نے قوم مسلم یعنی تمہاری امت مقرر کر دی ہے۔ جو سب نبیوں پر ایمان لائے گی اور ان کے نام کے خطبے پڑھے گی۔ دوسرے یہ کہ اس دین اسلام کی بقاء' اس کی خدمت کرنے کے لئے' آپ کی امت میں ہم نے ایک قوم مقرر کر دی ہے۔ جو اسے قائم رکھے گی۔ وہ قوم اس زمانہ میں انصار تھی پھر تا قیامت مسلمانوں میں علماء' اولیاء' حفاظ' قاری لوگ ہیں۔ جو دین کے محافظ مقرر کئے گئے ہیں لہٰذا **بھا** کا مرجع وہ کتاب و حکمت اور نبوت ہے۔ قوم سے مراد یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں یا اہل بیت یا تا قیامت سارے مسلمان۔ یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے یعنی ہم نے آپ کی امت کو ان نبیوں کی نبوت و حکمت' ان کی عزت و عظمت' ان کے ذکر و چرچ کا ذمہ دار کر دیا ہے' ان کے ذمہ یہ خدمت کر دی ہے کہ وہ تمام نبیوں کی عزت و عظمت وغیرہ کے چرچے کیا کریں۔ آپ کی امت کے ذریعہ ان تمام حضرات کی عزت و عظمت کے ڈنکے بجتے رہیں گے کوئی منکر ان کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ **اولئک الذین ھدی اللہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں انہیں حضرات انبیاء کرام کی ایک اور خصوصی صفت کا ذکر ہے۔ **اولئک** سے انہیں تمام نبیوں کی طرف اشارہ ہے جن کا ذکر تفصیلا'' و اجمالاً ابھی ہوا **ھدی** میں ہدایت سے مراد ہے خصوصی کمالات' خصوصی بزرگیاں جو الگ الگ ان حضرات کو عطا ہوئیں کسی کو اول درجے کا شکر' کسی کو اول درجے کا صبر'

www.alahazratnetwork.org

کسی کو اولوں درجے کا حسن' کسی کو بیضا وغیرہ یہاں ہدایت سے کتاب و حکمت کی ہدایت مراد نہیں کہ ان کا ذکر تو ابھی ہو چکا یہاں ہدایت کے ساتھ اپنا نام یا هدے الله تا کہ معلوم ہو کہ ان بزرگوں کو یہ بزرگیاں کسی مخلوق کے واسطے سے نہیں ملیں۔ بلاواسطہ رب تعالیٰ نے عطا فرمائیں اور رب کا عطیہ کوئی چھین نہیں سکتا۔ **فبهد هم اقتده** یہ مستقل جملہ ہے جس میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا جامع کمالات ہونا' آپ کا تمام نبیوں سے افضل و اعلیٰ ہونا بیان کیا گیا ہے۔ یہاں **هدی** سے مراد ان نبیوں کے شرعی احکام نہیں کہ وہ تو منسوخ ہو چکے نیز وہ احکام ایسے مختلف تھے کہ ان سب پر عمل ناممکن ہے۔ مثلاً حضرت آدم علیہ السلام کے دین میں بہن سے نکاح درست تھا۔ دوسرے دینوں میں حرام' دین عیسوی میں شراب حلال تھی اور دینوں میں حرام ان سب پر یکدم کیسے عمل ہو سکتا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی نبی کی شریعت کے تبع نہیں' آپ تو ان کے تابع ہیں نہ اس سے مراد ان نبیوں کے عقیدے ہیں کہ وہ تمام حضرات عقائد میں بالکل یکساں تھے۔ توحید' نبوت' فرشتے' قیامت' جنت' دوزخ سب کو تمام نبی مانتے تھے تو اسے **هداهم** فرمانا کیونکر درست ہو گیا یہاں **هدی** سے ان حضرات انبیاء کے خصوصی فضائل' خصوصی کمالات مراد ہیں۔ صبر' شکر' حکومت' علم' معجزات' وغیرہ انشاء اللہ اس کی کچھ تفصیل ابھی خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جائے گی۔ **اقتده** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس میں ہ ضمیر نہیں بلکہ وقف کی ہ ہے دراصل **اقتد** ہے۔ خیال رہے کہ **اقتداء** کے معنی بھی ہیں پیروی اور اتباع کے معنی بھی ہیں پیروی مگر اطاعت والی پیروی کو اتباع کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاتبعوني يحببكم الله** **اقتداء** کے معنی ہیں پہلے انسان کے چلے ہوئے نمونہ پر چلنا' کسی کے صفات سے' کسی کے سے اخلاق اپنے میں حاصل کرنا کہ یہ دوسرا شخص پہلے شخص کا نمونہ بن جائے وہی یہاں مراد ہے اس لئے رب تعالیٰ نے **اقتدبهم** نہ فرمایا کہ ان نبیوں کی اقتدا کرو بلکہ فرمایا **فبهد هم اقتده** ان کی ہدایتوں' ان کے اخلاق و کمالات کی اقتدا کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو ان نبیوں کی کتابوں پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا کہ وہ کتابیں منسوخ بلکہ فنا کر دی گئیں۔ نہ ان کے احکام پر عمل کا حکم دیا گیا۔ وہ احکام اب ہدایت نہ رہے بلکہ ان کے صفات و کمالات کے جامع ہونے کا حکم دیا یہ حضور کی اعلیٰ درجہ کی نعت ہے۔ **قل لا اسئلكم عليه اجرا** یہ جملہ اسی اجمال کی تفصیل ہے کہ جیسے گذشتہ انبیاء کرام نے بھی تبلیغ پر اجرت نہ لی' کسی سے کوئی معاوضہ اس پر طلب نہ فرمایا۔ آپ بھی یہ اعلان فرما دیں **عليه** کا مرجع یا قرآن کریم ہے' یا دین' یا تبلیغ **اجر** سے مراد مطلقاً معاوضہ ہے۔ خواہ مالی معاوضہ ہو یا کسی اور قسم کا یعنی ان تمام لوگوں سے فرما دو کہ میں اس تبلیغ وغیرہ پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا میں نبوت کو گزر اوقات کا ذریعہ نہیں بناتا۔ **ان هو الا ذكرى للعلمين** یہ فرمان گویا پچھلے مضمون کی وجہ اس کی علت ہے۔ یعنی قرآن مجید میری کتاب ہے جو مجھ پر نازل ہوئی اس کا مقصود ہے نصیحت فرمانا۔ جو نصیحت غرض سے خالی ہو وہ بہت مفید ہوتی ہے۔ قرآن مجید ہے نصیحت میں ہوں ناصح بے غرض لہٰذا میری نصیحت بہت مفید ہو گی۔ شعر

نصیحت کہ خالی بود از غرض چو داروے تلخ است دفع مرض

یہاں **ان** نافیہ ہے **هو** کا مرجع قرآن مجید ہے **ذكرى** سے مراد ہے نصیحت و خیر خواہی یا بھولی باتوں کا یاد دلانا یا تمام گذشتہ نبیوں' ولیوں کا چرچا **عالمين** فرما کر بتایا کہ قرآن مجید کسی خاص جگہ' خاص وقت' خاص قوم کے لئے نہیں آیا بلکہ عالمین کے لئے آیا جس کا اللہ رب ہے اس پر قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے۔ قرآن کریم حکم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں فرماتا ہے **فاحكم بينهم بما انزل الله** قرآن کریم سکہ رائج الوقت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سلطان

www.alahazratnetwork.org

ہیں' قانون وہاں تک جاری ہوتا ہے جہاں تک حاکم کی حکومت ہو' سکہ وہاں تک چلتا ہے جہاں تک بادشاہ کی سلطنت ہو چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالمین کے حاکم اور سلطان ہیں اس لئے عالمین میں قرآنی قانون جاری ہے اور وہاں تک قرآنی سکہ چلتا ہے یہ جز بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے مگر بواسطہ قرآن مجید۔ خیال رہے کہ **ذکری** کے چند معنی ہو سکتے ہیں۔ قرآن کریم نصیحت ہے' قرآن چرچا اور تذکرہ ہے کس کا اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا کہ قرآن نہ ہوتا تو دنیا خدا کو نہ پہچانتی' تذکرہ ہے نبیوں کا گذشتہ ولیوں کا یہ تذکرہ ہے۔ عزت کے ساتھ قرآن تذکرہ ہے' ابلیس' قارون' فرعون' ہامان کا ذلت و رسوائی کے ساتھ یا قرآن گزشتہ باتوں کا عہد و پیمان کا جو رب نے بندوں سے لئے ہیں یاد دلانے والا ہے یا قرآن آئندہ واقعات قیامت وغیرہ کا یاد دلانے والا ہے یا قرآن غفلت دور کر کے رب کی یاد دلانے والا ہے۔ خیال رہے کہ یہ حصر اضافی ہے حقیقی نہیں۔ قرآن مجید میں ذکر کے ساتھ اور بہت کمالات ہیں یہ شفاء بھی ہے۔ **و ننزل من القران ما ھو شفا و رحمۃ للمومنین** قرآن ہدایت بھی ہے اس میں لاکھوں کمالات ہیں۔ یعنی قرآن مجید تمام جہانوں کے لئے نصیحت یا تذکرہ بھی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : یہ انبیاء کرام جن کا تفصیلی و اجمالی ذکر کیا گیا جیسے اللہ نے انہیں مذکورہ بالا صفتیں بخشیں' ہدایت' بزرگی' صلاحیت وغیرہ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو آسمانی کتاب بخشی' خواہ صحیفہ ہو یا مستقل کتاب' خواہ خود انہیں بلاواسطہ عطا فرمائی ہو یا بالواسطہ۔ نیز ان تمام حضرات کو حکمت یعنی کتاب کا علم' دین کی سمجھ' مصلحتوں سے بھری ہوئی تقریر و تبلیغ بھی بخشی' نبوت بھی عطا کی اس کے باوجود اگر کفار قریش یا کفار اہل کتاب یا عام کفار ان نبیوں کل یا ان کے کمالات کا انکار کریں تو آپ پرواہ نہ کریں ہم نے ان بزرگوں کی عزت و عظمت کمالات کی حفاظت کے لئے ایک قوم یعنی تاقیامت آپ کی امت کو مقرر فرما دیا۔ یہ کام ان کے سپرد کر دیا ہے وہ کبھی ان بزرگوں کا انکار نہ کریں گے۔ ان کے ذریعہ ان حضرات کے کمالات ان کے چرچے ہمیشہ قائم رہیں گے یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب تعالیٰ نے ان کمالات کی خاص ہدایت بخشی۔ آپ ان سب کی راہ اختیار کرو ان کے چرچے ہمیشہ قائم رہیں گے۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب تعالیٰ نے ان کمالات کی خاص ہدایت بخشی۔ آپ ان سب کی راہ اختیار کرو ان کے کمالات کے جامع بن جاؤ۔ چنانچہ آپ اعلان فرما دو کہ میں اس قرآن' اس کی تبلیغ پر تم لوگوں سے کوئی اجرت یا معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ یہ قرآن کریم تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **ھداھم** سے نہ تو گذشتہ انبیاء کرام کی کتابیں مراد ہیں نہ ان کے شرعی احکام' نہ ان کے خصوصی معجزات مراد بلکہ ان کے خصوصی صفات و کمالات مراد ہیں۔ فرمایا گیا کہ اے محبوب آپ ان تمام بزرگوں کے تمام کمالات کے جامع بن جائیں۔ چنانچہ نوح علیہ السلام اول درجہ کے صابر کہ آپ نے ساڑھے نو سو برس قوم کی اذیتیں برداشت کیں۔ ابراہیم علیہ السلام اول درجہ کے سخی اللہ کی راہ میں قربانیاں دینے والے حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السلام اول درجہ کی مصیبتوں پر صابر۔ حضرت داؤد و سلیمان اول درجہ کے شاکر یوسف علیہ السلام صبر و شکر کے جامع ایوب علیہ السلام بلاؤں' بیماریوں پر اعلیٰ درجہ کے صابر' موسیٰ علیہ السلام شریعت والے بڑے معجزات والے زکریا یحییٰ' عیسیٰ علیہم السلام اول درجہ کے زاہد تارک الدنیا۔ اسمٰعیل علیہ السلام اول درجہ کے صدق سچے وعدے والے۔ یونس علیہ السلام بارگاہ الٰہی میں اعلیٰ درجہ کے عاجزی و زاری کرنے والے ہیں۔ ان سب کا ذکر فرمانے کے بعد ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا **فبھدٰھم اقتدہ** آپ ان تمام حضرات کے تمام صفات کے جامع ہو جائے کہ جو کمالات ان میں ایک ایک دو دو تھے وہ سب آپ میں جمع ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی پاک اس آیت کی جیتی جاگتی بولتی تفسیر ہے۔ (کبیر' خازن')

www.alahazratnetwork.org ,

معانی وغیرہ) خیال رہے کہ **ذکری للعلمین** میں دو باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ قرآن کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت تمام جہان پر ہے عالمین بغیر قید ہے۔ دوسرے یہ کہ جب تک جہان قائم ہے تب تک قرآن کے احکام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاکمیت قائم ہے لہٰذا تاقیامت بلکہ بعد قیامت سب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہو گا۔ قرآن کے احکام یا یوں کہو کہ جب سے عالمین بنے تب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہوا۔ قرآنی احکام جاری ہوئے۔ حتی کہ سارے نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض لوگوں کو دیتے رہے اور دوسری کتابوں میں قرآن مجید کے احکام تھے۔ فرماتا ہے **وانہ لفی زبر الاولین** فرماتے ہیں۔ **کنت نبیا وادم بین الماء والطین**۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کوئی پیغمبر آسمانی کتاب یا صحیفہ کے بغیر نہ آئے ہاں کسی رسول کو خود انہیں ہی صحیفہ یا کتاب ملے کسی نے پرانی کتاب یا صحیفے پر لوگوں سے عمل کرایا چنانچہ آدم علیہ السلام کے صحیفوں پر آپ کے بعد والے بہت رسولوں نے عمل کیے توریت شریف پر داؤد علیہ السلام تک سارے نبیوں نے عمل کیا یہ فائدہ **اتیناھم الکتاب** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے تمام نبیوں کو علم و حکمت بخشی۔ کسی نبی نے علم یا حکمت کسی بندے سے حاصل نہ کیا کوئی نبی کسی کا شاگرد نہ ہوا یہ فائدہ **والحکم** سے حاصل ہوا کہ وہ حضرات نہ تو کتاب میں کسی کے شاگرد ہوئے نہ علم و حکمت میں۔ تیسرا فائدہ: سارے نبی مستقل نبی ہیں۔ کوئی کسی نبی کے تابع ہو کر ظلی بروزی نبی نہیں یہ فائدہ **والنبوۃ** کو الگ فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: کتاب کے الفاظ کتاب کے معانی کتاب کے مضامین کتاب کے اسرار اور احکام کتاب سب نبیوں کو رب تعالیٰ سے بغیر واسطہ عطا ہوتے ہیں اور دوسروں کو نبیوں کے واسطے سے لہٰذا کسی کا علم نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ بھی **اتیناھم الکتاب** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: سارے نبیوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان ہے کہ آپ کے ذریعہ تمام کے کمالات دنیا پر ظاہر ہوئے۔ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ کو عیب لگائے۔ سلیمان علیہ السلام کو جادوگر کہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے فضائل بیان کئے دیکھو ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں۔ یہ فائدہ **فقد وکلنا بھا قوما** الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء صالحین اللہ کی رحمت ہیں ان پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ ان حضرات کو ان نبیوں کا وکیل بنایا گیا۔ یہ فائدہ بھی **فقد وکلنا** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے علماء' اولیاء' وغیرہم بفضلہ تعالیٰ سرکاری نوکر ہیں۔ ان کے ذمہ دینی و دنیاوی بڑی خدمتیں مقرر کی گئی ہیں یہ لوگ دنیا میں حضرات انبیاء کرام کے نعت خواں نعت گو اور ان کے درجات ان کی شانوں کے محافظ ہیں اور قیامت میں ان شاء اللہ ان حضرات کے گواہ کہ ان کی گواہی سے حضرت انبیاء کرام کی ڈگری ان کی قوموں کی شکست ہو گی **لتکونوا شھداء علی الناس** الخ لہٰذا ان کی تنخواہ ان کی عزت و آبرو کا رب تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ذمہ دار ہیں۔ نیز ان کے ذمہ دین اسلام کی حفاظت بھی کی گئی ہے۔ اب تک اور تاقیامت اسلام انہی بزرگوں سے قائم ہے۔ ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین قیامت تک قائم رہے گا کیونکہ اس دین سے تمام نبیوں' رسولوں کی عزت و عظمت برقرار ہے یہ فائدہ بھی **وقد وکلنا بھا قوما** الخ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جامع صفات بنایا کہ تمام نبیوں کے صفات و کمالات آپ میں جمع ہیں۔ یہ فائدہ **فبھداھم اقتدہ** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سید المرسلین اشرف النبیین ہیں چنانچہ حضرت آدم کو سجود

www.alahazratnetwork.org

ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر درود ہوا۔ سجود آدم سے درود مصطفیٰ افضل ہے کہ سجود ایک وقت ہوا اور درود ہمیشہ سجدہ صرف فرشتوں نے کیا۔ درود رب تعالیٰ اس کے فرشتے بلکہ ساری مخلوق بھیجتی ہے۔ حضرت آدم ابوالبشر ہیں' حضور پر نور ابوالارواح بلکہ اصل عالم ہیں **انا نور من نور اللہ و جمیع الخلق من نوری** اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہیں کہ رب کی مرضی مانتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ ہیں کہ رب ان کی مرضی مانتا ہے۔ نمرود کی آگ ان پر گلزار ہوئی اور معراج میں آسمان کے نیچے کرہ ناری آگ آپ پر ٹھنڈی ہوئی' کعبہ بنایا انہوں نے بسایا آباد کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام حجاب میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بے حجاب' کلام موسوی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیا۔ دیکھو سورہ طہٰ کلام محمدی کسی کو نہ بتایا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** عصا موسوی کے ذریعے پتھر سے پانی کے چشمے ابلے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیوں سے پانی کے چشمے ابلے۔ حضرت سلیمان کی حکومت ہوا پر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت بادلوں پر کہ اشارے سے آئیں برسیں اشارہ سے جائیں۔ چاند پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کہ اشارہ پر پھٹ گیا' سورج پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج کہ اشارے پر واپس ہوا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کر کے ان سے اپنا کلمہ پڑھوایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کنکروں' پتھروں' جانوروں سے کلمہ پڑھوایا۔ تخت سلیمانی سے براق محمدی کہیں بڑھ کر ہے کہ تخت ہوا میں اڑتا تھا۔ براق ہوا کیا آسمانوں سے بھی اوپر اڑا۔ حسن یوسفی سے حسن محمدی کہیں افضل ہے اگر اس پر غلاف نہ ہوتا تو اسے کوئی نہ دیکھ سکتا اس لئے معراج رات میں انسانوں سے چھپا کر کرائی گئی۔ کیونکہ اس رات حسن مصطفوی ظاہر ہوا تھا کوئی انسانی طاقت دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اسباط یعقوب علیہ السلام سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبطین افضل ہیں کہ تاقیامت ان کی اولاد میں اولیاء اللہ ہوتے رہیں گے۔ تمام حسینوں کے حسن کے لئے کوئی بازار تھا حسن محمدی وہ ہے جو ہر بازار میں ہر طرح چمکا۔ **نواں فائدہ:** دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے لینے نہیں آئے سب کو دینے آئے یہ فائدہ **لا اسئلکم** الخ سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ بڑوں کو بڑے ہی اجرت دے سکتے ہیں وزیر اعظم کو تنخواہ بادشاہ ہی دے سکتا ہے۔ کوئی چپڑاسی یا مزدور نہیں دے سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ ہی اجر دے گا۔ **ان اجری الا علی اللہ۔** **دسواں فائدہ:** کسی نبی نے نبوت کو گذر اوقات کا ذریعہ نہ بنایا' اپنے گزارے کے لئے قوم سے چندہ نہ لیا' خود اپنے کسب سے کھایا۔ یہ فائدہ بھی **لا اسئلکم علیہ اجرا** سے حاصل ہوا۔ مرزائے قادیانی نے نبوت کے بہانہ نوابوں جیسی زندگی گزاری اور قبر میں بیچ کرائی اور اپنی اولاد کی پرورش کا انتظام کیا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ قرآن مجید ساری مخلوق کے لئے ہدایت ہے' انسان ہو' یا فرشتے' یا جن' یا درخت و پتھر' آسمان' زمین وغیرہ۔ جس کا اللہ رب ہے' اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی ہیں اس کے لئے قرآن نصیحت ہے یہ فائدہ **ذکری للعلمین** سے حاصل ہوا۔ جس قدر بادشاہ کی سلطنت وسیع اسی قدر اس کے سکہ کا چلن وسیع۔ **بارھواں فائدہ:** قرآن مجید ناقابل نسخ کتاب ہے یہ کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی یہ فائدہ بھی **ذکری للعلمین** سے حاصل ہوا بلکہ جنت میں بھی قرآن کریم کی تلاوت ہو گی کسی اور کتاب کی نہ ہو گی قیامت و جنت میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ ہو گا کسی اور نبی کا نہ ہو گا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کو مستقل آسمانی کتاب ملی لہٰذا یہ کہنا غلط ہے کہ کتابیں کل چار اتریں جیسے نبوت و حکمت ہر نبی کو مستقل طور پر ملی یونہی کتاب مستقل ملی۔ کوئی نبی کسی نبی کی کتاب میں تابع نہیں تھا۔ دیکھو رب فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے **اتینا ھم الکتاب** الخ۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں کتاب سے مراد آسمانی نوشتہ ہے۔ خواہ کتاب ہو یا صحیفہ اور خواہ بلاواسطہ ملے یا باواسطہ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے توریت کے متعلق **یحکم بھا النبیون** جس سے معلوم ہوا کہ توریت پر بہت سے نبیوں نے فیصلے فرمائے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے وزیر تھے۔ **وزیرا من اھلی ھارون اخی اشدد بہ ازری** یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان نبیوں کو کتاب الٰہی کا علم دیا جیسے رب فرماتا ہے **الذین اتینا ھم الکتب یتلونہ حق تلاوتہ** یا جیسے **الذین اتینا ھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام گزشتہ نبیوں کے مقتدی ہیں اور وہ سب حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشوا کو فرمایا کہ **فبھداھم اقتدہ** آپ ان کے دین اور ان کی کتب یا ان کی پیروی کریں اور ظاہر ہے کہ مقتدی سے پیشوا کا درجہ زیادہ ہوتا ہے پھر تم کیسے کہتے ہو کہ حضور سید المرسلین ہیں۔ **جواب:** یہی آیت اس کی دلیل ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم افضل المرسلین اشرف النبیین ہیں کیونکہ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ آپ ان نبیوں کی اقتدا کریں بلکہ فرمایا گیا کہ ان کی ہدایت کی اقتدا کریں اور ان کی ہدایت سے مراد نہ تو ان کی شریعتیں ہیں نہ ان کی کتابیں کہ یہ دونوں چیزیں ختم ہو چکیں۔ دنیا میں نہ توریت و انجیل رہی نہ ان کی شریعتیں۔ نیز اس سے مراد ان نبیوں کے معجزات بھی نہیں بلکہ ان کی ہدایت سے مراد ہے ان کے کمالات ان کی خصوصی صفات کیونکہ ابھی پچھلی آیتوں میں انہیں کا ذکر ہوا ہے کہ وہ محسنین صالحین تھے تمام عالمین سے افضل تھے۔ رب تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے تھے۔ انہیں سیدھی راہ کی ہدایت دی گئی تھی انہیں کتاب حکمت نبوت عطا ہوئی تھی۔ اے محبوب آپ ان کی تمام صفات کے جامع بنئے۔ یہاں **اقتدا** کے لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی معنی یعنی آپ ان سب کے کمالات کا نمونہ بنئے بہت جگہ لغوی معنی مراد لینا کفر ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ید اللہ فوق ایدیھم** یا **فاینما تولوا فثم وجہ اللہ** یا **یخادعون اللہ وھو خادعھم** وغیرہ ان آیات میں ہاتھ، چہرہ، خداع کے لغوی معنی مراد لینا کفر ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف نصیحت ہے تم لوگ قرآن کو شفا بھی مانتے ہو اس سے دم جھاڑ پھونک بھی کرتے ہو اس کی آیات کے تعویذ گلے میں ڈالتے ہو تمہارے یہ عمل اس آیت کے خلاف ہیں۔ **ان ھو الا ذکری۔ ان** اور **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ حصر اضافی ہے یعنی اس آیت کا منشا یہ نہیں کہ قرآن کریم میں نصیحت کے سوا اور کوئی وصف نہیں نہ وہ ہدایت ہے نہ نور ہے نہ شفا ہے صرف نصیحت ہے بلکہ آیت کا منشا یہ ہے کہ قرآن کریم لغو بیکار چیز نہیں وہ تو نصیحت ہی ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **انہ لقول فصل وما ھو بالھزل** قرآن مجید کھیل کود نہیں وہ تو فیصلہ کن کلام ہی ہے ورنہ خود قرآن کریم میں ہے **و ننزل من القران ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین** اور اسی میں ہے **وہ انزلنا الیکم نورا مبینا** اور اسی میں ہے **ھدی للمتقین** اسی میں ہے **یس والقران الحکیم** وغیرہ ان آیات سے پتہ لگا کہ قرآن کریم شفا ہے نور ہے ہدایت ہے حکمت وغیرہ وغیرہ بلکہ یہ قرآن بھی ہے یعنی تمام بچھڑوں کو ملانے والا۔ فرقان بھی ہے یعنی کھرے کھوٹے میں فرق کرنے والا۔ جیسے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق ارشاد ہوا۔ **انما انا بشر مثلکم** میں تم جیسا بشر ہی ہوں وہاں بھی حصر حقیقی نہیں یہ معنی نہیں کہ مجھ میں بشریت کے سوا کوئی وصف نہیں نہ میں نبی ہوں نہ رسول ہوں نہ شفیع ہوں نہ رحمت ہوں بلکہ مطلب یہ ہے کہ نہ میں خدا ہوں نہ خدا کا جز

www.alahazratnetwork.org

ہوں' نہ خدا کا بیٹا وغیرہ بلکہ تمہاری طرح خالص بشر ہوں جس میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید عالمین کے لئے نصیحت ہے عالمین میں تو بے جان' بے عقل چیزیں بھی ہیں ان کے لئے نصیحت کیسے ہے قرآن مجید کنکروں پتھروں کو نصیحت کیسے کرتا ہے۔ **جواب:** قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہر چیز میں شعور ہے' ہر چیز اللہ کا ذکر کرتی ہے۔ **و ان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم**۔ جب ہر چیز ذاکر شاغل تسبیح خواں ہے یقیناً ہر چیز نے یہ ذکر تسبیح قرآن کریم سے حاصل کی ہے۔ بعض بزرگوں کی تلاوت سے جانور روئے درو دیوار کو وجد آگئے یہ چیزیں ہمارے لئے غیب ہیں مگر ہیں برحق۔ نیز جیسا بندہ ویسا اس پر حکم ناپاک عورت ناسمجھ نابالغ پر نماز فرض نہیں۔ غریب پر زکوٰۃ نہیں نادار پر حج نہیں اسی طرح از عرش تا فرش پر مخلوق پر قرآنی احکام ان کی شان کے لائق جاری۔ فرشتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں بغیر اجازت نہیں آتے **لا تدخلوا بیوت النبی** پر عمل ہے۔ چاند اشارہ سے پھٹ گیا۔ سورج حکم سے لوٹا' بادل اشارہ سے آیا برسا اشارہ سے واپس گیا یہ سب **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** پر عمل ہے آج بھی جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روضہ کا ادب کرتے ہیں۔ کتے اس طرف پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے یہ سب **و تعزروہ و توقروہ** پر عمل ہے فرشتے صحابہ کی مدد کے لئے غزوات میں شریک ہوئے۔ یہ ہے **توقروہ** پر عمل۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

؎ گیا ہے کہ از مین روید وحدہٗ لا شریک لہ گوید

کل قیامت میں موذن کے ایمان کی گواہی ہر وہ ذرہ دے گا جو اس کی اذان سنا کرتا تھا۔ لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کیوں کرایا گیا کہ ہم اس تبلیغ پر تم سے اجرت نہیں مانگتے کیا تبلیغ پر اجرت بری ہے اگر بری ہے تو خلفاء راشدین نے خلافت پر تنخواہیں کیوں لیں اور تا قیامت علماء تبلیغ تدریس اور وعظ پر تنخواہیں کیوں لیتے ہیں۔ **جواب:** تبلیغ پر اجرت لینا برا نہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اس سے وراء ہے چند وجوں سے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مظہر ذات الٰہی ہیں اور رب تعالیٰ اپنی ربوبیت پر ہم سے اجرت نہیں مانگتا۔ تمام نعمتیں بغیر معاوضہ دیتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی نبوت پر اجرت نہیں مانگتے۔ تمام رحمتیں بغیر معاوضہ عطا فرماتے ہیں وہ رب العالمین ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین ہیں۔ دوسرے یہ کہ مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت نہیں دے سکتے ہیں ہم بھکاری انہیں اجرت کیا دے سکتے ہیں ان کا نام ہمارے سارے کاموں سے بھاری ہے کہ ان کا ایک نام ہمارے کروڑوں گناہوں پر غالب آ گیا تو ان کے کاموں کا کیا پوچھنا۔ تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں دینے آئے لینے نہ آئے۔ دینے والا لینے والے سے اجرت کیا مانگے۔ سورج' بادل' زمین سے اپنا حق فیض نہیں مانگتے کہ وہ دینے کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امت سے اجرت نہیں طلب فرماتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینے کے لئے ہیں۔ ہمارے پاس ہاتھ ہیں دست سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہاتھ ہے دست عطا ہمارے ہاتھ پھیلنے کے لئے ہیں حضور کے ہاتھ بھرنے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان ظاہری باطنی نعمتوں کا ذکر فرمایا جو اس نے حضرات انبیاء کرام کو بخشیں کہ وہ حضرات محسنین بھی ہیں۔ صالحین بھی ہیں' عالمین سے افضل بھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے بھی ہیں۔ سیدھی راہ کے ہدایت یافتہ یعنی واصل باللہ بھی کہ جو ان کے نقش قدم پر چلے خدا رسیدہ جائے انہیں رب نے کتاب' حکمت' نبوت' سب

www.alahazratnetwork.org

کچھ عطا فرمائی ان کی عزت و عظمت مسلمانوں کے ذریعہ تاقیامت قائم رکھی۔ غرضیکہ ان پر رحمتوں کی بارش ہے پھر ارشاد ہوا کہ **اولئک الذین ھدی اللہ** یہ وہ حضرات ہیں جنہیں رب تعالٰی نے اپنی صفات کے ذریعہ اپنی ذات کی ہدایت دی وہ اللہ کی راہ کے سوا کسی اور راستہ پر نہ چلے ان میں سے ہر ایک اپنی اپنی منزل پر ٹھہر گئے اے محبوب تم ان کی تمام منزلیں طے فرماتے ہوئے خاص مجھ تک پہنچو۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں نے آسمان دنیا میں آدم کو دوسرے آسمان میں یحیٰ و عیسٰی کو تیسرے آسمان میں یوسف کو چوتھے آسمان میں ادریس کو پانچویں میں ہارون کو چھٹے میں موسٰی کو دیکھا ساتویں میں۔ حضرت ابراہیم سے ملاقات کی علیھم الصلوۃ والسلام شب معراج میں حضور ان سب سے ملاقات کرتے ان سب کی منزلیں طے کرتے ہوئے سدرۃ المنتھی پہنچے جہاں فرشتوں کی منزلیں ختم ہو جاتی ہیں پھر وہاں سے قرانا بھر اتو وہاں پہنچے جہاں کسی کا درجہ تو کیا کسی درجہ والے کا خیال و گمان بھی نہ پہنچے جہاں کہ یہاں وہاں کی بھی رسائی نہیں بلکہ اپنی ذات سے گزر کر فنافی اللہ کے مقام پر پہنچ گئے۔ **فکان قاب قوسین او ادنی** معراج کی رات اس آیت کریمہ کا ظہور ہوا۔ **فبھدا ھم اقتدہ** مصرع۔

بہا میکہ رسیدی نہ رسد ہیچ نبی

غرضیکہ سارے نبی منزلیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقصود (از روح البیان مع زیادتی) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے تو کون ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اجرت دے سکے ان کا اجر خود ذات ذوالجلال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے ہیں اور رب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہو جائے رب اس کا ہو جاتا ہے۔ فرماتا ہے **وکان فضل اللہ علیک عظیما** ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر۔

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے　　　　بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

نیز رب فرماتا ہے **وان لک لاجرا غیر ممنون** اے پیارے تمہارے لئے وہ اجر ہے جو کبھی بند نہ ہو ختم نہ ہو۔ ہر مومن کا ہر عمل اس کا ثواب جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچتا ہے تو کروڑوں گنا ہو کر پہنچتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی الوہیت نور ہے **اللہ نور السموات والارض** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس نور کی چمنی کا رنگ ہے جہاں تک لیمپ کی روشنی پہنچتی ہے وہاں تک چمنی کا رنگ پہنچتا ہے۔ چنانچہ رب تعالٰی رب العالمین ہے اور حضور رحمت العالمین ہیں قرآن ذکریٰ للعالمین ہے یعنی قرآن ذکریٰ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مذکر ہیں قرآن حکم ہے، حضور حاکم، قرآن مجید سکہ ہے۔ حضور سلطان عالمین۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ
اور نہ قدر کی انہوں نے اللہ کی اس کی قدر کا حق جبکہ کہا انہوں نے کہ نہیں اتاری اللہ نے اوپر کسی آدمی کے کوئی چیز
اور یہود نے اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی جب بولے اللہ نے کسی آدمی پر کچھ نہ اتارا
قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ
فرما دو کس نے اتاری تھی وہ کتاب کہ لائے تھے جسے موسٰی روشنی اور رہبری واسطے لوگوں کے
تم فرماؤ کس نے اتاری وہ کتاب جو موسٰی لائے تھے روشنی اور لوگوں کے لئے ہدایت جس کے تم نے

www.alahazratnetwork.org

تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا

بناتے ہو تم اسے کاغذ کے پرزے کر ظاہر کرتے ہو تم اسے اور چھپاتے ہو بہت کو اور سکھائے گئے تم وہ جو نہ

الگ الگ کاغذ بنا رکھے ظاہر کرتے ہو اور بہت سا چھپا لیتے ہو اور تمہیں وہ سکھایا جاتا ہے جو تم کو معلوم

اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ۝

جانا تم نے اور نہ تمہارے باپ دادوں نے فرما دو اللہ نے پھر چھوڑ دو انہیں کہ اپنی مشغولیت میں کھیلتے رہیں

نہ تھا نہ تمہارے باپ دادا کو اللہ کہو پھر انہیں چھوڑ دو ان کی بیہودگی میں انہیں کھیلتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا گذشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلائل فرمائے گئے تھے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر دلائل قائم کئے جارہے ہیں گویا ایمان کے دو رکن ہیں توحید و رسالت ایک رکن کا ذکر پچھلی آیات میں تھا۔ دوسرے رکن کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** ابھی کچھ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جامع کمالات ہونے کا ذکر تھا اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے متعلق کفار کے شبہات کا جواب دیا جارہا ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی تائید کے بعد مخالفین کی تردید کی جارہی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گواہ ہے **و کفی باللہ شھیدا** اس لئے آپ کی نبوت پر شبہات و اعتراضات کے جواب رب دیتا ہے اور چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے گواہ ہیں۔ **یا ایھا النبی انا ارسلنک شاھدا** اس لئے توحید کے شبہات و اعتراضات کے جواب اکثر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دلوائے جاتے ہیں۔ شہید و شاہد کے بہت سے فرق ہم کئی جگہ بیان کر چکے ہیں۔ شاہد جو وقت خاص میں گواہی دے شہید جو ہمیشہ گواہی دے شاہد جو اپنے قول سے گواہی دے شہید جو قول و فعل و عمل سے گواہی دے وغیرہ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کی توحید حضرات انبیاء کرام کے فضائل کا ذکر تھا۔ اب آسمانی کتابوں خصوصاً قرآن مجید کی حقانیت کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ کتاب آسمانی وہ نعمت ہے جو بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی کی معرفت دی جاتی ہے۔ ساری آسمانی کتب میں رب کو قرآن بڑا پیارا ہے کیونکہ یہ پیارے محبوب پر اتارا گیا ہے اس لئے رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قرآن کی قسم سے بیان فرمائی۔ **والقران الحکیم انک لمن المرسلین** کیوں نہ ہو رب نے شہر مکہ کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی قبروں کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم غازیوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی قسمیں قرآن مجید میں ارشاد فرمائی ہیں کہ گھوڑا غازی کا غازی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے یونہی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اجمالی ذکر تھا کہ ہم نے نبیوں کو آسمانی کتابیں عطا کیں۔ اب انہیں کتابوں کے متعلق معترضین کے اعتراضات کے جواب دیئے جارہے ہیں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق بہت روایت ہیں اور ہر روایات پر بہت اعتراض ہم اللہ تعالیٰ کے فضل سے تحقیقی قول جس پر کوئی اعتراض نہ پڑے عرض کرتے ہیں۔ ہجرت سے پہلے کفار قریش نے یہود عرب کو جن میں مالک ابن صیف بھی تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے کے لئے بلایا مالک ابن صیف یہود کا بڑا عالم تھا کفار قریش کا

www.alahazratnetwork.org

مقصد تھا کہ لوگوں کے سامنے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے علمی یا علماء یہود کے مقابلہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے بسی لوگوں پر ظاہر ہو اور لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں۔ جب مالک مناظرہ کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہوا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ اے مالک ابن صیف کیا تو توریت جانتا ہے وہ بولا اس وقت عرب میں مجھ سے بڑا عالم توریت کوئی نہیں فرمایا تجھے قسم ہے اس رب کی جس نے موسیٰ علیہ السلام پر توریت اتاری کیا توریت میں یہ آیت ہے کہ **ان اللہ یبغض الحبر السمین** اللہ تعالیٰ موٹے پادری کو ناپسندیدہ فرماتا ہے۔ وہ بولا کہ ہاں۔ فرمایا تو بہت پلا ہوا موٹا ہوا ہے (مالک ابن صیف بہت موٹا تازہ تھا) تو مجھ سے مناظرہ بعد میں کرنا پہلے بحکم توریت اپنا ایمان ثابت کر اس فرمان عالی پر مالک گھبرا گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی طرف منہ کر کے بولا **ما انزل اللہ علی بشر من شیء** "اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہ اتارا (نہ وحی نہ کتاب) اس کی اس بکواس پر خود یہود اسے لعنت ملامت کرنے لگے اور بولے کہ تو نے تو توریت شریف کے نزول کا ہی انکار کر دیا۔ وہ بولا کہ مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غصہ دلا دیا جس سے میں بے آپے ہو کر یہ کہہ بیٹھا۔ یہود بولے کہ پھر تو ہماری سرداری کے قابل نہیں کہ تو غصہ میں ہمارے مذہب ہی کا خاتمہ کر ڈالتا ہے' اسے ریاست سے معزول کر کے اس کی جگہ کعب ابن اشرف کو اپنا پوپ پادری' امیر مقرر کر لیا۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مالک ابن صیف کی پر زور تردید فرمائی گئی (از تفسیر خازن' خزائن' کبیر' مدارک وغیرہ)۔ ہمارے اس بیان سے ظاہر ہوا کہ یہ مناظرہ یہود سے ہوا تھا اور ہجرت سے پہلے کفار قریش کی کوشش سے ہوا تھا۔ لہٰذا آیت کریمہ پر یہ اعتراض نہیں کہ سورہ انعام مکیہ ہے اور یہود سے مناظرے بعد ہجرت ہوئے ہیں یا یہ کہ مکی آیتوں میں اہل کتاب سے خطاب نہیں ہوتا یہ قاعدہ غلط ہے کہ مکی سورتوں میں اہل کتاب سے خطاب نہیں ہوا کرتا۔ دیکھو سورہ اسرائیل مکیہ ہے مگر اس میں یہود سے بہت خطاب ہیں۔ سورہ مریم مکیہ ہے مگر اس میں عیسائیوں سے بہت خطابات ہیں۔ بعض مفسرین نے یہاں بہت دشواری محسوس کی ہے مگر اس توجیہ پر کچھ دشواری نہیں کفار مکہ نے بہت دفعہ قرآن کریم کے مقابلہ کے لئے یہود پادریوں کو مکہ معظمہ بلایا اور ان سب سے منہ کی کھائی ہے۔

تفسیر: **وما قدروا اللہ حق قدرہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں واؤ ابتدائیہ ہے **قدروا** بنا ہے **قدر** سے قدر کے بہت معنی ہیں تنگی' اندازہ' مقدار' قدر دانی' تعظیم و توقیر کسی کی ذات و صفات جاننا پہچاننا یہاں آخری معنی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ تعظیم و توقیر یا قدر دانی مراد ہو **قدروا** کا فاعل وہی یہود ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی **حق قدرہ** مفعول مطلق ہے **قدروا** کا اس کی نحوی ترکیب نحوی کتابوں سے معلوم ہے کہ اصل میں **قدرا** حقا تھا۔ **حق قدر** کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ جیسی اللہ کی شان واقعہ میں ہے ویسی جاننا اس معنی سے کسی مخلوق نے اسے نہ جانا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے **ما عرفناک حق معرفتک** ہماری معرفت محدود ہے اس کی ذات و صفات غیر محدود۔ دیکھو ہم سمندر کو دیکھ لیتے ہیں مگر اس کی تہ کو نہیں معلوم کر سکتے' سورج کو دیکھتے ہیں مگر اس کا احاطہ نہیں کر سکتے ہوا کو محسوس کرتے ہیں مگر اس کی حقیقت بلکہ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب اس کی مخلوق کا یہ حال ہے تو اللہ تعالیٰ بلکہ اس کے رسول کی حقیقت ان کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے جب جنت میں رب کا دیدار ہوگا۔ تب بھی اسے دیکھا جائے گا' اس کا احاطہ نہیں ہو سکے گا' اس لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **لا تدرکہ الابصار** آنکھیں رب کو پا نہیں سکتیں۔ دیکھنا اور ہے اسے پا لینا کچھ اور۔ دوسرے یہ کہ **حق قدر** سے مراد ہے جیسی اس کی معرفت

www.alahazratnetwork.org

کے لئے ضروری ہے اور جس طرح اسے جاننا ضروری ہے اس طرح نہ جاننا یہی معنی یہاں مراد ہیں۔ اسی لئے ان پر اظہار عتاب فرمایا جارہا ہے۔ اللہ تعالٰی کی معرفت ایمان کے لئے ضروری ہے وہ بے جو نبی کے ذریعہ سے ہو کہ اللہ وہ ہے جس نے حضرات انبیاء کو بھیجا، جس نے ان پر کتابیں اتاریں۔ خدا تعالٰی ہی کی ذات کیا ہر چیز کی معرفت نبی کے ذریعہ سے ہوتی ہے ہم کو خود اپنی ذات و صفات اپنے اعمال و افعال نبی کے ذریعہ معلوم ہوئے کہ ہمارے کون سے حال افعال اعمال رضائے الٰہی کا ذریعہ ہیں اور کون سے غضب الٰہی کا باعث، کون چیز حلال ہے کون حرام غرضیکہ خالق و مخلوق عابد و معبود کی معرفت نبی کے ذریعہ ہوتی ہے۔ خود فرماتا ہے **ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق۔ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیء۔** ظاہر یہ ہے کہ یہاں **اذ** تعلیلیہ ہے اور یہ جملہ **ما قدروا اللہ** کی دلیل ہے **قالوا** کا فاعل وہی یہود ہیں مالک ابن صیف اور اس کے ہم نوا جنہوں نے غصہ میں یہ بکواس بکی تھی بشر سے مراد حضرات انبیاء کرام ہیں اور **من شیء** میں **من** استغراقیہ ہے اور یہ جار مجرور **انزل** کا فاعل ہے۔ **شیء** سے مراد کتاب صحیفے یعنی ان لوگوں نے اللہ تعالٰی کی قدر و شان نہ جانی کیونکہ انہوں نے یہ کہہ دیا کہ اللہ نے نہ کسی بشر کو نبی بنایا نہ کسی پر کوئی کتاب یا وحی اتاری۔ نبی اور کتاب کا انکار رب تعالٰی کی شان و قدرت کا انکار ہے۔ **قل من انزل الکتاب الذی جاء بہ موسی۔** اس عبارت میں ان یہود کی نفیس تردید ہے **قل** میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ یہ **قل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ جواب اسے دے چکے تھے۔ قرآن مجید کے بہت سے احکام و فرمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید کے لئے ہیں دیکھو وضو کی آیات نماز کی آیات سے پانچ چھ سال بعد نازل ہوئیں۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہلے ہی سے وضو کرا کے نمازیں پڑھوائی تھیں۔ کتاب سے مراد توریت شریف ہے کہ وہی موسیٰ علیہ السلام پر اتری اور ہو سکتا ہے کہ کتاب سے مراد توریت اور موسوی صحیفے سب ہی ہوں مگر پہلا احتمال زیادہ قوی ہے اگرچہ یہاں توریت فرمانا ہی کافی تھی مگر اس صورت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت، ان پر کتاب اترنے کا ذکر صراحۃً نہ ہوتا ان تینوں باتوں کو صاف صاف بیان فرمانے کے لئے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ چونکہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے توریت شریف لائے تھے اس لئے **جاء بہ موسی** ارشاد ہوا۔ قوم کے سامنے توریت آپ پر نہ اتری تھی یہ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صحابہ کے سامنے آیات قرآنیہ آئیں اور صحابہ کرام کے واقعات اکثر آیات کا شان نزول بنے کہ ان کے واقعات یا ان کے سوالات پر آیات اتریں۔ خیال رہے کہ طالب جاتا ہے مطلوب کے پاس، عاشق جاتا ہے معشوق کے پاس، مرید جاتا ہے مراد کے پاس، حبیب جاتا ہے محبوب کے پاس، حاجت مند جاتا ہے حاجت روا کے پاس۔ موسیٰ علیہ السلام طالب تھے توریت مطلوب تھی اس لئے آپ توریت لینے طور پر گئے مگر ہمارے حضور مطلوب تھے، قرآن طالب اس لئے قرآن مجید آپ کے پاس آیا گھر میں آیا، سفر میں آیا، بستر میں آیا، میدان جہاد میں آیا، کھاتے پیتے آیا، چلتے پھرتے آیا، بات چیت کرتے آیا۔ **نورا و ھدی للناس۔** یہاں نور اور **ھدی** الکتاب کا حال ہیں نور کے معنی ہیں خود ظاہر دوسری چیزوں کو ظاہر کرنے والی چونکہ توریت شریف کا کتاب اللہ ہونا ظاہر تھا اور اس سے شریعت کے احکام، موسیٰ علیہ السلام کی نبوت ظاہر ہوتی تھی لہٰذا وہ نور تھی۔ ہدایت سے مراد ہے حق و باطل میں فرق کر کے راہ خدا کی طرف رہبری کرنے والی۔ یوں سمجھو کہ نور وہ جو دکھائے ہدایت وہ جو چلائے ہدایت توریت شریف عقائد کے لئے نور تھی، شرعی احکام کے لئے ہدایت تھی یا طریقت کے لئے نور تھی، شریعت کے لئے ہدایت یا بعض لوگوں کے لئے نور

www.alahazratnetwork.org

تھی۔ جنہوں نے توریت سے موسیٰ علیہ السلام کو مانا اور بعض کے لئے ہدایت تھی۔ جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ توریت کو مانا۔ **الناس** میں الف لام عہدی ہے جس سے مراد ہیں زمانہ موسوی کے بنی اسرائیل 'جن کی رہبری کے لئے توریت آئی تھی۔ توریت اس وقت بھی تمام لوگوں کے لئے ہدایت نہ تھی اور منسوخ ہونے کے بعد تو کسی کے لئے ہدایت نہ رہی یہ صفت تو قرآن مجید کی ہے کہ وہ **ذکری للعلمین** ہے اپنے نزول کے وقت سے لے کر تاقیامت بلکہ بعد قیامت تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے کیونکہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ یاد رکھو کہ توریت شریف صرف نور اور ہدایت تھی مگر قرآن کریم نور بھی ہے 'ہدایت بھی ہے 'شفاء بھی ہے 'مخلوق کو مکمل کرنے والا بھی اور قرآن مجید میں درد دل بھی ہے 'سوز و گداز بھی کہ بغیر سمجھے ہوئے بھی لوگ اسے سن کر تڑپ جاتے ہیں 'رونے لگتے ہیں۔ **تری اعینهم تفیض من الدمع** اور **تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم** قرآن میں نورانیت ہدایت وغیرہ تو پہلے ہی موجود تھی۔ جب وہ لوح محفوظ میں تھا مگر اس میں سوز و گداز 'درد وغیرہ جب آئے جبکہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جاری ہوا جیسے بیٹری میں پاور جب آتا ہے جب اسے کوئی مشین چارج کر دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوز و گداز کا مرکز ہیں 'درد دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے در سے ملتا ہے اس لئے آپ کے فراق میں لکڑیاں روئیں 'کنکروں نے کلمے پڑھے 'ہرنی 'اونٹ نے فریادیں کیں۔ اب جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر کرم کرتے ہیں اس پر رقت 'خوف و خشیت الٰہی طاری ہو جاتی ہے۔ **تجعلونه قراطیس** اس عبارت میں یہود کے اس معاملہ کا ذکر ہے جو انہوں نے توریت شریف کے ساتھ کیا۔ **قراطیس** جمع ہے **قرطاس** کی معنی کاغذ **قراطیس** معنی کاغذات یعنی تم لوگوں نے توریت شریف کے ٹکڑے اڑا دیئے 'اسے کاغذات بنا ڈالا 'اس کے پرزے بکھیر دیئے کہ کچھ توریت باقی رکھی 'کچھ چھپالی 'کچھ بدل ڈالی 'کچھ حصے کے ظاہری معنی کرتے ہو 'کچھ حصہ کی جھوٹی تاویلیں کر کے اس کی تحریف معنوی کرتے ہو۔ **تبدونها و تخفون کثیرا** یہ عبارت **قراطیس** کی صفت ہے **تبدون** بنا ہے **ابداء** سے معنی ظاہر کرنا **تخفون** بنا ہے **اخفاء** سے معنی چھپانا یعنی توریت کے جو احکام تمہاری مرضی کے موافق ہیں انہیں تو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تمہاری منشاء کے خلاف ہیں انہیں تم اس طرح چھپاتے ہو کہ کسی کو ان کی خبر نہ ہو جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت کی آیتیں یا زانی کو سنگسار کرنے کی آیات۔ خیال رہے کہ توریت شریف صرف پادریوں کے قبضہ میں تھی قرآن مجید کی طرح عام لوگوں کے پاس نہ تھی اس لئے ان پادریوں کے یہ داؤ چل جاتے تھے۔ قرآن مجید کا تو بچہ بچہ حافظ ہے ہر مسلمان کو کچھ نہ کچھ یاد ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں بدلنے یا چھپانے کی کوئی صورت ہی نہیں 'احادیث صحیحہ نے قرآن کے مقصد مطالب واضح کر دیئے اس لئے آیات قرآنیہ میں تحریف معنوی یعنی غلط تاویلوں کی گنجائش نہیں۔ الفاظ قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ معانی قرآن کی حفاظت اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ جس کتاب کے حافظ و محافظ ایسے ہوں اسے کون بدل سکے۔ صوم صلوٰۃ 'زکوٰۃ وغیرہ کی تفسیر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کر دی کہ ان میں کسی تحریف کی گنجائش نہ رہی **و علمتم ما لم تعلموا انتم ولا اباء کم** یہ عبارت **تجعلونه** پر معطوف ہے 'حق یہ ہے کہ اس میں بھی خطاب انہیں یہود سے ہے اور اس میں اس نعمت کا ذکر ہے جو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ علوم عطا ہوئے جو نہ تمہیں ملے تھے 'نہ تمہارے گذشتہ باپ داداؤں کو 'بعض علوم قرآن کریم کے ذریعہ اور بعض علوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ بہرحال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ان علوم کا سرچشمہ ہیں 'بعض مفسرین نے فرمایا کہ

www.alahazratnetwork.org

اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے' بعض نے کہا کہ مشرکین سے ہے' بعض نے کہا کہ سارے انسانوں سے ہے مگر پہلی بات زیادہ قوی ہے کہ انہیں یہود سے خطاب ہے جن سے اب تک خطاب ہو رہا تھا۔ علم سے عقلی علوم' سائنس' ریاضی' حساب' جغرافیہ وغیرہ مراد نہیں کہ یہ علوم اس وقت نہ موجود تھے' نہ ان کی تعلیم کے لئے نبی بھیجے گئے بلکہ علم سے مراد علوم نقلیہ ہیں' عقائد' شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت وغیرہ سکھانے والا کون ہے اس میں چار احتمال ہیں اللہ تعالیٰ ہے یا جبرئیل یا قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ پہلے دو احتمال درست نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ یا حضرت جبرئیل نے براہ راست بلاواسطہ رسول کسی کو کچھ نہ سکھایا نہ بتایا نیز رب تعالیٰ یا حضرت جبرئیل اگر براہ راست مخلوق سے کہہ دیں کہ میں تمہارا رب یا جبرئیل ہوں' میرا یہ حکم مانو کسی پر ماننا لازم نہ ہو ہر حکم ربانی اس وقت لوگوں کے لئے لازم عمل ہوتا ہے۔ جب نبی کی زبان سے ادا ہو جائے۔ دیکھو توریت کی جو تختیاں حضرت موسیٰ کے گرانے سے اٹھالی گئیں ان کے احکام کسی کے لئے واجب العمل نہ ہوئے۔ وہ پچاس وقت کی نمازیں جو معراج میں فرض ہو کر معاف ہو گئیں وہ کسی نے نہ پڑھیں کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں تک نہ پہنچائیں لہذا یا تو سکھانے والا قرآن ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم مگر قرآن معلم یا استاد نہیں کتاب ذریعہ علم ہے استاد نہیں لہذا حق یہی ہے کہ علم دینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پیدا ہوتے ہی عملی تعلیم شروع فرما دی' آپ کا ہر کام' ہر حال تعلیم ہے تاقیامت قرآن مجید کا نزول تو چالیس سال کے بعد شروع ہوا مگر تعلیم نبی اول دن سے شروع ہو گی۔ نیز اگر احکام قرآن سکھاتا ہے تو قرآن کون سکھاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آخر بات وحی ہوئی فرماتا ہے **و یعلمھم الکتاب والحکمۃ**۔ خیال رہے کہ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم دینے کا ذکر ہے اور یہود کے علم لینے کا ذکر نہیں اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے علم نہ لیں' نرے جاہل رہیں تو اس میں ان کا اپنا قصور ہے۔ جیسے کہا جائے کہ سورج سے عالم روشن کر دیا گیا اگر چمگادڑ کی آنکھ اندھی ہو جائے یا تہ خانوں میں روشنی نہ پہنچے تو اس سے سورج کے نور دینے میں کمی نہیں ہوتی۔ **قل اللہ** یہ عبارت **من انزل الکتب** کا جواب ہے لفظ اللہ انزل پوشیدہ کا فاعل ہے **قل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے روئے سخن انہیں یہود سے ہے۔ جن سے ابھی سوال ہوا تھا یعنی آپ یہود سے یہ سوال فرما کر ان سے خود ہی فرما دو کہ ایسی نورانی اور ہادی کتاب توریت اللہ تعالیٰ نے ہی تو اتاری تھی۔ لہذا اگر اب وہی رب قرآن مجید اپنے محبوب پر اتار دے تو تم کو دکھ کیوں ہو۔ **ثم ذرھم فی خوضھم یلعبون** یہ عبارت معطوف ہے **قل اللہ** پر ہم عرض کر چکے ہیں کہ لفظ **ذر** امر ہے مگر ایسا امر ہے کہ نہ اس کا کوئی مصدر ہے نہ پوری گردان اسم فاعل و مفعول وغیرہ **ذر** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور **ھم** کا مرجع وہی یہود یہاں چھوڑنے سے مراد تبلیغ بند کر دینا نہیں بلکہ ان کے سوالات کے جوابات نہ دینا' ان کی طرف دھیان نہ کرنا' ان کے کفر پر افسوس نہ کرنا مراد ہے لہذا آیت منسوخ نہیں محکم ہے (معانی' کبیر وغیرہ) **خوض** کے لفظی معنی ہیں پانی میں گھس جانا' اصطلاح میں مشغولیت اور کسی کام میں گھس جانے کو **خوض** کہتے ہیں یہاں لغویات باطل اعتراض و جواب میں مشغول رہنا مراد ہے۔ **یلعبون** بنا ہے **لعب** سے بمعنی کھیل کود بیکار مشغلہ لہو اور لعب میں فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے یعنی ان یہود کو ایسے بلیغ و مسکت جواب دے کر آپ انہیں چھوڑ دیں کہ وہ اپنی بیہودگیوں میں مشغول رہے۔ آپ اس پر رنج و غم نہ کریں کہ آپ کا کام پہنچانا ہے نہ کہ منوانا' اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان علیک الا البلاغ** خیال رکھو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی کو اپنی نظر میں رکھنا اللہ کی بڑی نعمت ہے اور کسی کو چھوڑ دینا اللہ کا عذاب ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے

www.alahazratnetwork.org

چھوڑ دیا اسے خدا نے چھوڑ دیا اب وہ شیطان کا شکار ہے۔ دنیا ایک جنگل ہے جس میں شیطان اس کی ذریت نفس امارہ شکاری جانور ہیں ہم لوگ گویا بکریاں ہیں شریعت ایک مضبوط قلعہ ہے جس کی نگرانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں اور اس کی حفاظت علماء اولیاء کررہے ہیں جو اس قلعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں رہا شکار ہونے سے بچ گیا۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گر اہار آگیا ان بدنصیب کفار کے لئے ارشاد ہوا **ذرھم** انہیں چھوڑ دو مگر مسلمانوں کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا **لا تعد عیناک عنھم** آپ کی نگاہیں ان مومنین سے نہ ہٹیں اور ارشاد ہے **فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** اور ارشاد ہے **واخفض جناحک للمومنین**۔ اے محبوب اپنے رحمت کے پردوں میں مسلمانوں کو لے لو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسلمان سے آنکھیں نہیں پھیرتے تب ہی مسلمان رہتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : انسان کی زندگی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے کہ اس کے بغیر انسان کی کوئی قدروقیمت نہیں جیسے گھڑی وقت نہ دے تو پھینک دی جاتی ہے گائے بھینس دودھ کے قابل نہ رہے تو ذبح کردی جاتی ہے ایسے ہی انسان رب کی عبادت نہ کرے تو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور عبادت موقوف ہے رب تعالیٰ کی شان جاننے پر کسی کی اطاعت 'اس کی شان کے لائق کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی شان صرف عقلی ہے نظر نہیں آتی جب تک کہ عقل کی آنکھ پر نبوت کا چشمہ نہ لگا ہو جنہوں نے اس چشمہ کے بغیر رب کی شان دیکھنی چاہی وہ ٹھوکریں کھاتے رہے۔ اس لئے ارشاد ہوا "اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان یہود نے اللہ تعالیٰ کی شان جانی نہیں 'اس کی قدر جیسی چاہیے تھی پہچانی نہیں" کیونکہ انہوں نے آسمانی کتاب اور نبوت کا یکدم انکار کردیا کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بندے پر کوئی وحی 'کوئی کتاب نہیں اتاری 'نبوت کا انکار درپردہ رب تعالیٰ کی الوہیت وربوبیت کا انکار ہے آپ ان بے وقوفوں سے پوچھئے کہ بتاؤ تو وہ کتاب اور وحی جو موسیٰ علیہ السلام کوہ طور سے لائے تھے جس میں اس زمانہ کے بنی اسرائیل کے لئے روشنی بھی تھی اور ہدایت بھی۔ جس کے تم نے پرزے اڑادیئے 'ورق ورق کرڈالے کہ اس کا کچھ حصہ بدل دیا بہت سا حصہ چھپالیا اور اب بھی چھپا رہے ہو۔ بتاؤ وہ کتاب کس نے اتاری تھی۔ جب تم خود مانتے ہو کہ وہ کتاب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر اتاری تھی تو تم خود اپنے عقیدے سے اس قول میں جھوٹے ہوگئے کہ اللہ نے انسان پر کچھ نہ اتارا پھر اس اللہ نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دنیا میں وہ علوم بھیجے جو نہ تم کو ملے 'نہ تمہارے باپ داداؤں کو اتنا کچھ فرمانے کے بعد آپ انہیں خود ہی جواب دو اور فرماؤ کہ ہم سے سنو وہ شاندار توریت اللہ تعالیٰ نے اتاری تھی اتنا کچھ فرماکر آپ ان کی بکواس کی طرف توجہ نہ کرو انہیں چھوڑ دو کہ اپنی بیہودگیوں میں کھیلتے رہیں جسے تم چھوڑ دو گے اسے ہم بھی چھوڑ دیں گے اپنی رحمت سے دور کردیں گے۔ خیال رہے کہ انبیاء کرام کی تشریف آوری اور آسمانی کتب کے نزول کا انکار درپردہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت 'الوہیت 'رحمت کا انکار ہے کیونکہ اب تک باپ وہ ہے جو کچھ عرصہ اپنے بیٹے کی عارضی جسمانی پرورش کرے وہ بھی اسی لالچ سے کہ پھر بیٹا بڑھاپے میں میری خدمت کرے گا مگر رب وہ ہے جو اپنے بندوں کی جسمانی روحانی ہمیشہ پرورش فرمادے اور بغیر لالچ بغیر غرض کے پرورش فرمادے اس کریم ورحیم نے بندوں کی جسمانی پرورش کے لئے چاند 'تارے 'سورج 'غذا 'پانی ' دوائیں پیدا فرمائیں حالانکہ بندوں کے جسم قریب الفنا ہیں تو کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ رحیم وکریم بندوں کی روحانی پرورش کا کوئی انتظام ہی نہ کرے انہیں یونہی بے یارومددگار چھوڑدے۔ حالانکہ روح باقی ہے غیر فانی ہے تو جو کہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء نہیں بھیجے 'کتابیں نہیں اتاریں۔ وہ یہ کہتا ہے کہ اس نے ہماری روحانی پرورش بالکل نہیں کی لہذا وہ رب نہیں بلکہ وہ الہ نہیں کہ اس

www.alahazratnetwork.org

نے ہم کو اپنی عبارت کا نہ حکم دیا نہ طریقہ بتایا بلکہ وہ رحیم و کریم نہیں کہ اس نے ہم کو اس دنیا میں بے یارو مددگار چھوڑ دیا۔ لہٰذا یہ آیت بالکل حق و درست ہے۔ نزول توریت اور نزول قرآن میں چھ طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ توریت لینے موسیٰ علیہ السلام طور پر گئے۔ قرآن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں آیا۔ دوسرے یہ کہ توریت یکدم آئی جس سے بنی اسرائیل گھبرا گئے۔ قرآن مجید آہستہ آہستہ آیا جس سے نہایت آسانی سے اس پر عمل ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ توریت لکھی ہوئی آئی۔ قرآن پڑھا ہوا پڑھنے میں طرز ادا سے بہت معنی پیدا ہو جاتے ہیں جو لکھنے میں نہیں ہوتے۔ چوتھے یہ کہ آیات توریت کا شان نزول کوئی نہ تھا آیات قرآنیہ کے شان نزول اکثر صحابہ کرام ہیں تا کہ تمام دنیا پر صحابہ کا احسان رہے جن کی برکت سے مسلمانوں کو آیت اور احکام ملے۔ پانچویں یہ کہ توریت کا جامع کوئی نہ تھا مگر جامع قرآن حضرت عثمان ہیں۔ جن کے ہاتھ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ہاتھ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ خدا کا ہاتھ۔ گویا کلام اللہ کو ید اللہ نے جمع کیا۔ چھٹے یہ کہ توریت کی حفاظت رب نے اپنے ذمہ نہ لی مگر قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لے لی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: بندے پر فرض یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات جانے پہچانے اسے مانے کہ یہی بندے کی زندگی کا مقصد ہے۔ یہ فائدہ **وما قدروا اللہ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: بندہ پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کو درست طرح مانے جیسا کہ اسے ماننا چاہئے کہ یہی ایمان کا مدار ہے۔ یہ فائدہ **حق قدرہ** سے حاصل ہوا۔ مشرکین و کفار خدا کو مجبور، معذور، صاحب اولاد مانتے ہیں یہ ہوا غلط ماننا، یہ ماننا کفر ہے اس کی صحیح معرفت نبوت کے ذریعہ سے ہی ہو سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ**: نبی اور نبی کے کمالات کا انکار اللہ تعالیٰ کی صفات بلکہ اس کی ذات کا انکار ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی الوہیت، اس کی قدرت کا ظہور نبی سے ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **اذ قالوا ما انزل اللہ الخ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو مالک ابن صیف نے نبی اور کتاب کا انکار کیا تو اس کے متعلق فرمایا گیا کہ اس نے اللہ کی شان نہ جانی۔ بعض بزرگ پڑھتے ہیں۔ شعر۔

میرا ولیوں والا اللہ ھو   میرا نبیوں والا اللہ ھو
میرا قطبوں والا اللہ ھو   میرا غوثاں والا اللہ ھو

بالکل درست پڑھتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے علوم لدنی بخشے۔ دیکھو مناظرہ بھی ایک مستقل علم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس نفیس طریقہ سے مالک ابن صیف سے مناظرہ فرمایا کہ وہ اتنا بڑا عالم حیران رہ گیا۔ **پانچواں فائدہ**: رشوت خوار موٹے تازے، موٹے پادری اللہ کی بارگاہ میں مردود ہیں زیادہ عیش اور عیش پسندی بری چیز ہے۔ یہ فائدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توریت کی یہ آیت پیش فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم ربانی سے گذشتہ آسمانی کتب کے ماہر ہیں اگرچہ اس کا اظہار نہیں فرماتے۔ دیکھو توریت کی یہ آیت کہ اللہ موٹے پادری کو ناپسند کرتا ہے ایسی چھپی ہوئی آیت تھی جو یہود کے پادری کسی کو نہ بتاتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں تھی یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم انسان کے برے بھلے ہر عمل سے خبردار ہیں جس پر بہت سے دلائل قائم ہیں۔ فرمایا عمر کی نیکیاں آسمان کے تاروں کی برابر ہیں۔ فرمایا کہ یہ قبر والا چغل خور تھا اور یہ قبر والا اونٹ کے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا لہٰذا ان دونوں پر عذاب ہو رہا ہے یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم۔ **ساتواں فائدہ**: قرآن کریم میں حقیقی عموم بھی ہیں

www.alahazratnetwork.org

دیکھو مالک ابن صیف کا یہ کہنا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہ اتارا یہ سالبہ کلیہ ہے۔ قرآن کریم کا اس کی تردید میں فرمانا کہ موسیٰ علیہ السلام پر توریت کس نے اتاری یہ ہے موجبہ اور منطقی قاعدے سے موجبہ جزئیہ سالبہ کلیہ کی نقیض ہوتی ہے جس کے ثبوت سے سالبہ کلیہ ٹوٹ جاتا ہے یہ منطق کے بہت سے قاعدوں کا مجموعہ ہے جو قرآن کریم کی ایک آیت نے بیان فرمادیا۔ **آٹھواں فائدہ:** توریت شریف صرف انسانوں بلکہ صرف بنی اسرائیل کے لئے نور اور ہدایت تھی دوسری مخلوق بلکہ بنی اسرائیل کے علاوہ دوسرے لوگوں کے لئے نہ ہدایت تھی نہ نور یہ فائدہ **هدى للناس** کی تفسیر سے حاصل ہوا اور اب وہ کسی کے لئے نور نہ رہی اب جو کوئی توریت کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کی معرفت اللہ تعالیٰ کو مانے وہ مومن نہیں۔ سورج کے ہوتے چاند تارے۔ چراغ روشنی نہیں دیتے۔ قرآن مجید ساری مخلوق کے لئے ہے اور ہمیشہ کے لئے ہے کہ اس کے متعلق ارشاد ہوا **ذکر للعلمین**۔ **نواں فائدہ:** پچھلی کتابیں لوگوں نے چھپا بھی لیں اور بدل بھی ڈالیں مگر قرآن مجید کسی کے چھپائے چھپ نہ سکا' کسی کے بدلے بدل نہ سکا۔ یہ فائدہ **تخفون کثیرا** سے حاصل ہوا۔ الفاظ قرآن حافظوں اور قاریوں کے ذریعہ معانی اور احکام قرآن علماء کے ذریعہ اسرار قرآن اولیاء اللہ کے ذریعہ اس طرح محفوظ کر دیئے گئے کہ کوئی شخص اس کا ایک نقطہ نہ چھپا سکے نہ بدل سکے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔ **دسواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو وہ علوم عطا کئے جو اور نبی عطا نہ کر سکے۔ شعر۔

ای و دقیقہ دان عالم — بے سایہء کو سائبان عالم

یہ فائدہ **و علمتم ما لم تعلموا** الخ سے حاصل ہوا۔ جو شخص خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو بے علم مانے وہ اس آیت کریمہ کا انکاری ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** کافروں کو جبراً مسلمان نہ بنایا جائے انہیں مذہبی آزادی ہے یہ فائدہ **ثم ذرهم** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **لا اکراه فی الدین** جہاد کفر کا زور توڑنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ کافروں کو جبراً مسلمان بنانے کے لئے۔ خیال رہے کہ قرآن کریم نے توریت شریف کی چند صفات بیان فرمائی ہیں۔ نور' ہدایت' رحمت' تبیان لکل شیئی اور قرآن کے بتیس نام قرآن میں آئے۔ قرآن' فرقان' نور' ہدایت' ذکر' مثانی' کریم وغیرہ اور ہر نام کے بہت سے معنی ہیں جیسے قرآن کے معنی ہیں سب کو جمع کرنے والا حتی کہ مردوں کو زندوں سے جمع کرنے والا ہو کہ سوا قرآن کے زندوں کا کوئی پارسل' منی آرڈر نہیں پہنچتا۔ قرآن پڑھا جانے والا' قرآن ہی زندگی و موت میں ساتھ رہنے والا' غرضیکہ قرآن کی بے شمار صفات ہیں۔ پھر قرآن جیسا رب کے پاس سے آیا ویسا ہی امت تک پہنچا اور ویسا ہی امت کے پاس رہا گویا توریت جیسی آئی تھی ویسی امت کے پاس پہنچی نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جب توریت لے کر واپس ہوئے تو قوم کو بچھڑا پرستی کرتے دیکھ کر غصہ میں اپنے بھائی حضرت ہارون کی داڑھی پکڑ کر کھینچا اور تختیاں توریت کی زمین پر پٹخ دیں جس سے بہت سی تختیاں ٹوٹ گئیں اور بہت سا حصہ اٹھا لیا گیا اور توریت **تبیان لکل شیء** نہ رہی۔ رب فرماتا ہے **لما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختها هدی و رحمة للذین هم لربهم یرهبون** پھر جیسی امت کو پہنچی ویسی باقی نہ رہی۔ لوگوں نے اس میں ترمیم' تنسیخ کر کے بگاڑ دی۔ یہ فرق ہے قرآن کے تبیان ہونے میں اور توریت کے تبیان ہونے میں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہود کا عیب یہ بیان ہوا کہ انہوں نے اللہ کی قدر و منزلت' اس کی شان نہ جانی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ما عرفناک حق معرفتک** اے مولا ہم نے تجھے پہچاننے کا جو حق تھا نہ پہچانا اگر یہ برا ہے تو

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی کا کیا مطلب ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حق معرفت یا حق قدر کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ جتنی اس کی شان و قدر ہے اتنا جان لینا یہ ناممکن ہے کہ اس کی شان ہمارے خیال و گمان سے ورا ہے۔

اے برتر از خیال و گمان و قیاس و وہم | و از ہرچہ گفتہ اند و شنیدم و خواندہ ایم

رب تعالیٰ کی تو بڑی شان ہے کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کما حقہ نہیں جان سکتا۔ شعر

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجا است | ایں قدر ہست کہ بانگے جرسے می آید

لا یمکن الثنا کما کان حقہ | بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہاں جتنی اتنی کتنی کی گنجائش نہیں ہے۔ سمندر کا پانی دیکھا جاتا ہے ہوا محسوس کی جاتی ہے سورج نظر آتا ہے مگر ان کی پیمائش کوئی نہیں کر سکتا۔ حق معرفت انہیں کوئی نہیں جانتا یہ تو اس کی مخلوق کا حال ہے تو خالق کی شان کا کیا پوچھنا۔ دوسرے یہ کہ بندوں پر جس طرح اس کا جاننا پہچاننا لازم ہے اسی طرح جاننا پہچاننا یہ معرفت ہر بندے پر ضروری ہے۔ حدیث شریف میں پہلے معنی مراد ہیں اور یہاں دوسرے معنی مراد ہیں لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں جس نے رب تعالیٰ کے لئے شریک یا اولاد مانی اس نے اس کی معرفت کا حق ادا نہ کیا جس نے اسے شریک و اولاد وغیرہ سے پاک مانا نبیوں والا ولیوں والا مانا اس نے اسے ویسے ہی مانا جیسے ماننا چاہئے تھا۔ دوسرا اعتراض: یہاں جاء بہ موسی کیوں فرمایا انزل علی موسی کیوں نہ فرمایا؟ جواب: اس فرمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار ہے کہ موسیٰ علیہ السلام طور پر جا کر توریت ایک بار لائے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قرآن مسلسل آتا رہا یعنی موسیٰ علیہ السلام طالب کتاب ہیں کہ اسے لینے طور پر جاتے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مطلوب قرآن ہیں کہ خود قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر مدینہ منورہ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر شریف پر آتا ہے۔

کلام لینے کو جاتے تھے طور پہ موسیٰ | تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

تیسرا اعتراض: یہاں توریت شریف کی دو صفتیں بیان ہوئیں۔ نور اور ہدایت۔ مگر دوسری آیت میں توریت کی صفت تبیانا لکل شیء بھی بیان ہوئی۔ یعنی ہر چیز کا پورا پورا بیان اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ توریت شریف تبیان تھی یا نہیں۔ جواب: جب توریت تھی تو تبیانا لکل شیء بھی تھی مگر جب موسیٰ علیہ السلام سے گر گئی تو نور اور ہدایت تو رہ گئی مگر تبیانا نہ رہی اس کا تبیان ہونا اٹھا لیا گیا۔ چنانچہ اس آیت میں قرآن کریم فرماتا ہے لما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختھا ھدی و رحمۃ جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ نے تختیاں اٹھالیں۔ اس وقت اس میں ہدایت اور رحمت تھی یعنی تبیان نہ رہا تھا مگر قرآن مجید تبیان ہو کر آیا اور تبیان رہا۔ فرماتا ہے و نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: جب توریت شریف نور بھی ہے اور ہدایت بھی تو قرآن مجید کو ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ (یہودی) جواب: جب موسیٰ علیہ السلام وہ کتاب لائے تھے تب نور بھی تھی اور ہدایت بھی۔ مگر جب منسوخ ہو گئی تو نہ نور رہی نہ ہدایت۔ یہاں نورا و ھدی حال ہے اور جلہ اس کا عامل۔ حال عامل کے لئے قید ہوتا ہے اگر میں کہوں کہ چار سال زید میرے پاس سوار ہو کر آیا تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ اب بھی سوار ہے بلکہ آتے

www.alahazratnetwork.org

وقت سوا رتھا اس وقت کے متعلق ارشاد ہے **و من یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین** رات میں چاند تارے نور بھی ہوتے ہیں اور ہدایت بھی۔ سورج نکل آنے پر کچھ بھی نہیں رہتے ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر۔

یہ انبیاء و مرسلین تارے ہیں تم مہر مبیں سب جگمگائے رات بھر چمکے جو تم کوئی نہیں

پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ توریت موسیٰ علیہ السلام طور سے لائے اور قرآن خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا مگر احادیث سے ثابت ہے کہ سورۂ بقر کا آخری رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کی شب لامکان میں عطا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو قرآن مجید کی بعض آیات لائے پھر تمہارا یہ قول کیسے درست ہوا؟ **جواب:** موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں گئے نہیں بلکہ بلائے گئے۔ جانے بلانے میں بڑا فرق ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن دینے کے لئے بلایا نہیں گیا' بلایا گیا ملاقات خصوصی کے لئے یہ آیات بطور تحفہ شاہانہ عطا ہوئیں 'دینے کے لئے بلانا اور ملاقات کے لئے بلانا پھر چلتے وقت تحفہ دینا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ توریت بھی نور اور ہدایت دوسری آیت میں ہے کہ توریت **تبیان لکل شیء** تھی' رحمت بھی تھی' پھر قرآن اور توریت میں کیا فرق رہا؟ **جواب:** چند طرح فرق ہے ایک یہ کہ توریت وقتی طور پر نور ہدایت وغیرہ تھی۔ قرآن دائمی دوسرے یہ کہ توریت قابل زوال نور و ہدایت تھی اس لئے منسوخ ہو گئی۔ قرآن ناقابل زوال غیر منسوخ جیسے چاند یا چراغ اور سورج تیسرے یہ کہ توریت جیسی آئی تھی ویسی قوم کو ملی نہیں اس کا بہت سا حصہ اٹھایا گیا جیسی آئی تھی ملی نہیں پھر جیسی ملی ویسی رہی نہیں قرآن مجید جیسا آیا تھا ویسا ہی دنیا کو ملا اور جیسا ملا تھا ویسا ہی رہا لہٰذا بڑا فرق ہے۔ **ساتواں اعتراض:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ثم ذرھم** الخ منسوخ ہے کیا یہ درست ہے۔ **جواب:** انہوں نے **ذرھم** کے معنی یہ کئے کہ انہیں چھوڑ دو ان پر جہاد نہ کرو وہ اسے جہاد کی آیت سے منسوخ مانتے ہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ انہیں ان کے دین پر رہنے دو انہیں جبراً مسلمان نہ بناؤ اور یہ حکم محکم ہے۔ منسوخ نہیں یا یہ مطلب کہ ان کی ڈھٹائی پر رنج و غم نہ کرو لاکل منانا آپ کا کام ہے 'منوانا آپ کا کام نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **علیک البلاغ و علینا الحساب** لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہ آیت کریمہ مشرکین مکہ کے متعلق نازل ہوئی نہ کہ علماء یہود کے متعلق لہٰذا **ما قدروا** اور **قالوا** کا فاعل وہی مشرکین ہیں چونکہ یہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت کا نزول جانتے مانتے تھے کہ کہا کرتے تھے **لوانا انزل علینا الکتاب لکنا اھدی منھم** کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم بمقابلہ یہود زیادہ ہدایت والے ہوتے اس لئے انہیں توریت کے نزول سے الزام دیا گیا۔ لہٰذا تمہارا یہ کہنا درست نہیں کہ یہود کے متعلق اس آیت کا نزول ہے۔ مکہ معظمہ میں یہود کہاں سے آئے اور یہ آیت مکی ہے۔ (از تفسیر معانی' خازن' کبیر وغیرہ)۔ (نوٹ) اس آیت کریمہ کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت مدنیہ ہے اگرچہ سورہ انعام مکیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے جواب میں آئی۔ انہوں نے ہی کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کچھ نہ اتارا۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت مکیہ ہے اور یہود کی تردید میں آئی ہے۔ ہم نے یہ تیسرا احتمال ہی اختیار کیا ہے۔ یہ اعتراض دوسرے حضرات کا ہے۔ **جواب:** حق یہ ہے کہ آیت کریمہ ہے تو مکیہ مگر اتری ہے یہود کی تردید میں کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرانے علماء یہود کو لایا کرتے تھے ان سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مناظرہ ہوتا

www.alahazratnetwork.org

تھا یہ واقعہ بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ سورۂ انعام پوری کی پوری مکیہ ہے اس کی کوئی آیت مدنیہ نہیں اور اگر یہ آیت مشرکین مکہ کی تردید میں ہوتی تو **تجعلونہ قراطیس** الخ درست نہ ہوتا کیونکہ توریت کے ٹکڑے پرزے کرو یتا اس کے بعض حصہ کو چھپانا' بعض کو ظاہر کرنا مشرکین مکہ کا کام نہ تھا یہ کام صرف علماء یہود کا تھا۔ لہذا یہ الزام کفار مکہ پر درست نہیں ہو سکتا۔ نیز **علمتم ما لم تعلموا** فرمانا مناسب نہ ہوتا کیونکہ مشرکین مکہ یا ان کے باپ داداؤں کو توریت کے ذریعہ علم نہیں دیا گیا تھا تا کہ یہ فرمایا جائے کہ تمہیں قرآن کے ذریعہ وہ علوم دیئے گئے۔ جو بذریعہ توریت تم کو اور تمہارے باپ داداؤں کو نہ دیئے گئے تھے۔ **واللہ و رسولہ اعلم۔**

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کو مخلوق نہیں جان سکتی مگر کسی آلہ کے ذریعہ سے آلات معرفت دو طرح کے ہیں۔ آلہ مخلوق اور آلہ قدیم جو اسے مخلوق آلہ یعنی محض عقل یا زمین و آسمان کو ذریعہ جانے گا وہ عارف نہیں اور جو اسے آلہ قدیم یعنی اس کی کلام وغیرہ کے ذریعہ جانے گا وہ عارف ہے۔ یہاں انہیں کی تردید میں فرمایا گیا **ما قدروا اللہ حق قدرہ** کہ انہوں نے آلہ قدیم چھوڑ کر آلہ مخلوق سے رب کو جاننا چاہا۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں۔ **عرفت ربی بربی** میں نے رب کو رب سے پہچانا لہذا اگر خدا کی معرفت چاہیے تو نبوت اور کلام الٰہی کے ذریعہ سے حاصل کرو۔ یہود نے کتاب الٰہی کو تو ضائع کر دیا۔ دوسرے ذریعوں سے اسے پہچاننے کی کوشش کرنے لگے بے دین ہو گئے۔ شعر

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا ۔۔۔ پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

موٹاپا تین قسم کا ہے ایک وہ جو حرام خوری کے ذریعہ حاصل کیا جائے حرام خوری سے انسان بہت جلد موٹا ہو جاتا ہے مگر اس موٹاپے سے جسم میں طاقت' چہرہ پر نورانیت عبادات میں لذت روزی میں برکت نہیں ہوتی۔ ایسے گوشت کو دوزخ کی آگ بہت جلد پکڑے گی۔ جیسے پیٹرول میں بھیگی ہوئی لکڑی کو آگ' دوسرے موٹاپا عیش و عشرت کا یہ بھی اچھا نہیں انسان پر تکالیف آتی رہنی چاہیے تا کہ نفس قابو سے باہر نہ ہو جائے تیسرا وہ موٹاپا جو دنیا کی بے نیازی' بے فکری کی وجہ سے خود بخود حاصل ہو جائے وہ برا نہیں۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ موٹاپا برا ہے سوائے امام محمد کے موٹاپے کے پوچھا گیا کیا مطلب فرمایا امام محمد نے دنیا کی فکریں چھوڑ دیں اپنے کام اللہ کے سپرد فرما دیئے اس بے فکری سے موٹے ہو گئے یہ موٹاپا اللہ کی نعمت ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لوگ چند قسم کے ہیں۔ بعض وہ جو کتاب کے ذریعہ نبی کو مانتے ہیں جیسے حضرت عمر فاروق اور وہ حضرات جو قرآن سن کر ایمان لائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے' قرآن نے انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیا۔ بعض وہ جو نبی کے ذریعہ کتاب کو مانتے ہیں کہ نبی کو نبی کے ذریعہ جانا پھر نبی کے ذریعہ کتاب کو مانا جیسے حضرت ابوبکر صدیق کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جانا جیسے سورج کو سورج سے جانا مانا جاتا ہے۔ پھر قرآن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے پہچانا کہ یہ برحق ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے بلکہ کمال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دوزخ جنت سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے جانے مانے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مانے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو مانگے کسی صوفی نے کیا خوب کہا۔ شعر

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دونوں جہاں کی خیر ۔۔۔ مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں

www.alahazratnetwork.org

کمال ایمان یہی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک آیت کریمہ قل اللہ ثم ذرھم بڑی معرفت کی آیت ہے اس کا مطلب ہے اللہ بس باقی ہوس۔ جو چیز اللہ سے غافل کرے وہ لہو و لعب ہے اس سے منہ موڑو تو رب کے وصل کے لائق ہو گے۔

چوں تفرقہ دل ست حاصل زہمہ دل را بہ یکے سپار و بگسل زہمہ

از تفسیر روح البیان مع زیادہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت و کتاب ایک ساتھ عطا ہوئیں کہ غار حرا میں پہلی آیت اقرا باسم ربک آئی اس وقت سے نبوت کی عطا کا ظہور ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کو نبوت پہلے سے ملی اور فرعون کے ڈوبنے کے بہت عرصہ بعد توریت عطا ہوئی جو لوگ عطائے توریت سے پہلے فوت ہو گئے وہ بھی کامل مومن تھے نیز فرعون کو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی نبوت کے ماننے کی دعوت دی توریت کے ماننے کی نہ دی کیونکہ اس وقت توریت آئی ہی نہ تھی۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى

اور یہ کتاب ہے جو اتاری ہم نے برکت والی سچا کرنے والی اسے جو اس کے سامنے ہیں اور تاکہ ڈراؤ میں آپ بستیوں

اور یہ برکت والی کتاب ہے کہ ہم نے اتاری تصدیق فرمائی ان کتابوں کی جو آگے تھیں اور اس لئے کہ تم ڈر

وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى

کی اصل بستی کو اور ان کو جو آس پاس ہیں اس کے اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں آخرت پر وہ ایمان

سناؤ سب بستیوں کے سردار کو اور جو کوئی سارے جہان میں اس کے گرد ہیں اور جو آخرت پر

صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿٩٢﴾

لاتے ہیں اس پر اور وہ اپنی نمازوں پر حفاظت کرتے ہیں

ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان یہود کی تردید کی گئی تھی جنہوں نے کہا تھا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہ اتاری نزول توریت سے ان کی تردید پہلے کر دی گئی تھی۔ اب انہیں یہود کی تردید نزول قرآن کے ذریعہ کی جا رہی ہے گویا ان کی تردید دو طرح سے کی پہلے نزول توریت سے اور اب نزول قرآن کریم سے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جو آسمانی کتب کے نزول کا انکاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت بلکہ اس کی دوبیت کا انکاری ہے۔ اب ارشاد ہے کہ جو نزول قرآن کا انکاری ہے وہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا منکر ہے کہ رب تعالیٰ نے رات کے لئے چراغ و تارے پیدا کئے اور عام روشنی کے لئے سورج بنایا۔ یونہی رب تعالیٰ نے خاص قوموں کے لئے دوسری کتابیں اتاریں اور ساری خلقت کے لئے قرآن کریم اتارا گویا چراغوں کا ذکر پہلے ہوا سورج کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں توریت کا ذکر تھا کہ یہود نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اب اس کا ذکر ہے جس میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا گویا قابل زوال حج کتاب کے بعد ناقابل زوال صحیح کتاب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم کو وہ علوم سکھے گئے جو اس سے پہلے کسی کو نہ دیئے گئے۔ اب قرآن کریم کا ذکر ہے جس کے ذریعہ وہ علوم دیئے گئے گویا

www.alahazratnetwork.org

عطائے علم کا ذکر تھا اب نزول قرآن کا ذکر ہے جس کے ذریعہ توریت بلکہ ساری آسمانی کتب کا چرچا دنیا میں ہے اور رہے گا۔ قرآن اور صاحب قرآن ہی کے ذریعہ تمام کتابوں نبیوں کا چرچا ہے جیسے حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر دوسری کتب کے ذکر کا نمک ہے تو گویا غذا روحانی کا ذکر پہلے ہوا اور اس غذا کے نمک یعنی ذکر قرآن اب ہو رہا ہے۔

تفسیر: وهذا كتاب هذا سے اشارہ قرآن کریم کی طرف ہے یہاں **هذا** اشارہ قریب کے لئے ہے۔ چونکہ درجہ مرتبہ کے لحاظ سے قرآن کریم ہم سے بہت دور ہے اس لئے سورہ بقر کے شروع میں ارشاد ہوا **ذالك الكتاب** اور رحمت و برکت کے لحاظ سے قرآن کریم سب سے قریب ہے اس لئے یہاں **هذا** ارشاد ہوا غرضیکہ علماء کرام کے نزدیک قرآن کریم کی صفات تین قسم کی ہیں۔ کچھ صفات گذشتہ جیسے لوح محفوظ میں ہونا فرشتوں کی حفاظت میں ہونا وغیرہ کچھ صفات موجودہ اور کچھ صفات جو آئندہ ہوں گی جیسے قبر میں ہر مسلمان کے ساتھ رہنا قیامت میں شفاعت کرنا وغیرہ کو **ذالك** فرمایا گیا ہے گذشتہ صفت کے لحاظ سے جب قرآن عرشی تھا انسان فرشی وہ عرشی والی کتاب پھر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عرشی نعمت کو فرشتوں کے پاس پہنچا دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرشی بھی ہیں تب ایسے **هذا** کہا گیا۔ صوفیاء کے نزدیک قرآن مجید اسی وقت دور بھی ہے۔ قریب بھی یعنی **ذالك** بھی ہے اور **هذا** بھی۔ یہی کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا ہے کہ وہ شرف و عظمت کے لحاظ سے ہم سے بہت دور رحمت و کرم کے لحاظ سے ہم سے بہت قریب۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے عرض کیا۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم دور تو ایسے ہیں کہ حضرت جبرئیل و میکائیل کا وہم و گمان آپ کے مقام تک نہیں پہنچتا اور قریب ایسے کہ ہر گنہگار سیاہ کار کے دل میں رہتے ہیں اس لئے ہر مسلمان التحیات میں سلام عرض کرتا ہے قبر میں ہر شخص کو دکھا کر سوال ہوتا ہے **في حق هذا الرجل** وہاں بھی **هذا** ہے۔ قرآن کریم کے بتیس نام ہیں جن میں سے ایک نام ہے کتاب اس کے معانی ہم **ذالك الكتاب** میں عرض کر چکے ہیں۔ کتاب کی تنوین عظمت کی ہے یعنی عظیم الشان کتاب۔ جو پہلے لوح محفوظ میں لکھی گئی دنیا میں آ کر مومنوں کے سینوں میں اور کاغذ پر اس قدر لکھی گئی کہ اتنی اور کوئی کتاب نہ لکھی گئی جو بغیر سمجھے بھی پڑھی جاتی ہے جو بغیر سمجھے بھی لذت دیتی ہے جو بار بار پڑھنے سے پرانی نہیں ہوتی غرضیکہ بے مثال کتاب ہے اس کی لذیذ تفسیر پہلے پارے کے شروع میں دیکھو۔ خیال رہے کہ پارہ الم میں ارشاد ہوا **ذالك الكتاب** الف لام کے ساتھ اور یہاں فرمایا **هذا كتاب** بغیر الف لام کے وہاں معنی یہ تھے کہ یہ وہی کتاب ہے جس کا چرچا حضرات آدم تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں نے ان کی امتوں نے کیا۔ قرآن کریم اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں ہستیوں کا چرچا ہمیشہ رہے گا اور یہاں اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب بڑی شان والی بڑی نفع والی ہے کہ ایسی شان کی کتاب میں نے نہیں اتاری۔ حافظ اسی کتاب کے ہیں بہت تفسیریں اسی کتاب کی ہیں۔ **انزلنا** یہ عبارت یا تو کتاب کی صفت ہے یا **هذا** کی دوسری خبر چونکہ نزول قرآن کئی بار ہوا کبھی یکدم اور کبھی آہستہ اس لئے اس کے متعلق **انزلناه** بھی فرمایا جاتا ہے اور **نزلناه** بھی اس کی تحقیق بھی پہلے پارہ میں ہو چکی ہے۔ یا یوں کہو کہ الفاظ قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان پر آہستگی سے تیس سال میں ہوا اس کے لئے **نزلنا** فرمایا گیا۔ اور مضامین کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یکبارگی ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے قرآن پر عامل تھے کہ جو چیزیں آگے

www.alahazratnetwork.org

چل کر قرآن میں حرام ہونے والی تھیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی استعمال نہ کیں جو چیزیں آگے چل کر قرآنی احکام بننے والی تھیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے اس پر عمل فرمایا اس کے لحاظ سے **انزلنا** فرمایا **انزلنا** فرما کر یہ بتایا کہ نہ تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے نہ حضرت جبرئیل نے بلکہ ہماری اتاری ہوئی کتاب ہے **انزلناہ** کے بعد علیٰ محمد پوشیدہ ہے یا علیکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن کے منتہیٰ ہیں اور تبلیغ قرآن کے مبداء اس لئے کہیں **الیک** آتا ہے کہیں **علیک** مخلوق کے لئے قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک آیا پھر وہاں سے مخلوق کے پاس پہنچا۔ **مبارک** یہ لفظ یا تو کتاب کی دوسری صفت ہے یا **ھذا** کی تیسری خبر **مبارک** بنا ہے **برک** سے معنی بیٹھ جانا اسی لئے اونٹ کے اصطبل کو مبارک الابل کہتے اصطلاح میں بھلائی کا لازم ہو جانا برکت ہے کہ بھلائی یوں آئے کہ پھر نہ جائے۔ بڑھنا' زیادہ ہونا' ثابت ہونا بھی برکت کہلاتا ہے یعنی یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس میں دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں۔ بلکہ اس سے وابستہ ہیں۔ تجربہ ہے کہ قرآن کریم کی خدمت کرنے والا دنیا میں عزت' دولت' آخرت کی سعادت پاتا ہے۔ روح المعانی میں فرمایا کہ دنیا کی بھلائی تو میں نے تفسیر کی برکت سے پائی آخرت کی سعادت کی امید ہے۔ امام محمد ابن عمر یعنی فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے عقلی' نقلی علوم کی خدمت کی مگر جیسی برکت تفسیر قرآن لکھنے سے نصیب ہوئی ویسی کبھی میسر نہ ہوئی۔ فقیر احمد یار خان کا بھی تجربہ ہے میں نے بھی جب سے تفسیر لکھنا شروع کی ہے دنیا کی برکتیں بے شمار دیکھ رہا ہوں آخرت کی سعادت بھی اللہ نصیب فرمائے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ دنیا کی بقا سبزوں کی پیداوار آسمانی بارشوں کا نزول قرآن کریم کی برکت سے ہے جب قرآن اٹھا لیا جاوے گا تو دنیا سے خیر بھی اٹھ جاوے گی اور قریب ہی قیامت آجاوے گی۔ جس چیز پر قرآن کریم پڑھ دیا جاوے وہ برکت والی ہو جاتی ہے اسی لئے مسلمان کھاتے پیتے' سوتے جاگتے' جیتے مرنے پر قرآنی آیات پڑھتے ہیں ختم فاتحہ وغیرہ میں قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہیں تاکہ وہ سب برکت والی ہو جائیں مسلمانوں کے یہ اعمال ختم ختمات وغیرہ کا ماخذ یہ فرمان عالی ہے۔ **مصدق الذی بین یدیہ** یہ عبارت کتاب کی تیسری صفت ہے **مصدق** کے تین معنی ہو سکتے ہیں سچا کرنے والی' سچا کہنے والی' سچا کہلوانے والی۔ **الذی** سے مراد یا توریت شریف ہے کہ ابھی پچھلی آیت میں اس کا ذکر ہوا اور گفتگو بھی یہود سے ہی ہو رہی ہے یا ساری آسمانی کتابیں ہیں مگر بہتر یہ ہے کہ اس سے مراد ساری آسمانی کتابیں ہیں' سارے انبیاء کرام' سارے معجزات بلکہ ان حضرات کی ساری تعلیمات مراد ہیں بلکہ پچھلے دینوں کے اولیاء اللہ ان کی کرامات سب کی تصدیق قرآن کریم نے کی چنانچہ حضرت مریم' اصحاب کہف' آصف برخیا وغیرہ۔ اولیاء اللہ ان کی کرامات کا قرآن کریم نے چرچا کیا۔ چونکہ یہ سب چیزیں قرآن مجید سے پہلے گزر چکیں ہیں اس لئے **بین یدی** یعنی سامنے والی فرمایا گیا اور چونکہ قرآن مجید کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا ہے' نہ کوئی آسمانی کتاب' نہ کسی نبی کی تعلیمات۔ اس لئے قرآن مجید کو صرف **مصدق** فرمایا ساتھ ہی **مبشر** نہ فرمایا کہ تصدیق گذشتہ کی ہوتی ہے اور بشارت آئندہ کی یعنی قرآن مجید کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ اپنے سے پہلے والی کتابوں' نبیوں' ان کے معجزات' ان کی تعلیمات کو سچا کرتی ہے' سچا کہتی ہے اور دنیا سے سچا کہلواتی ہے۔ **ولتنذر ام القریٰ** یہ عبارت مبارک مصدق کے مقصد پر معطوف ہے گویا ارشاد ہوا کہ قرآن مجید برکت کے لئے' تصدیق کے لئے اتارا اور اس لئے اتارا کہ آپ ڈرائیں' اس قسم کا عطف بالکل درست ہے۔ (جلالین' صاوی وغیرہ) تنذر مخاطب کا صیغہ ہے اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ یہ آیت مکی ہے وہاں روئے سخن کفار سے ہی تھا اور کفار کو صرف ڈرانا ہوتا ہے بشارت نہیں ہوتی نیز نذارت پہلے ہوتی

www.alahazratnetwork.org

ہے اور بشارت بعد میں نیز بشارت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے مگر ڈرانا کافر انسانوں ' جنات وغیرہ سب کے لئے ان وجوہ سے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے حکم ہوا **وانذر عشیرتک الاقربین** اپنے عزیزوں ' رشتہ داروں کو ڈرایئے پھر یہاں یہ حکم ہوا کہ مکہ والوں وغیرہم کو ڈرایئے۔ پھر حکم ہوا کہ تمام عالمین کو ڈرایئے جس کا میں رب ہوں آپ اس کے نبی بشیر و نذیر ہیں چنانچہ فرمایا گیا **لیکون للعالمین نذیرا** تاقیامت مبلغین اور مصلحین کو چاہئے کہ اسی ترتیب سے تبلیغ و اصلاح کریں پہلے اپنی اصلاح پھر اپنے عزیزوں ' قریبوں کی پھر اپنے شہر والوں کی پھر دوسروں کی۔ خیال رہے کہ دل میں خوف و ڈر پیدا ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر یہ نعمت نہ تو قرآن سے ملتی ہے نہ کسی اور ذریعہ سے یہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے ملتی ہے اس لئے لتنذر مخاطب کا صیغہ ارشاد ہوا۔ ام کے معنی ہیں اصل ماں کو ام اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ بچہ کی اصل ہوتی ہے۔ سورہ فاتحہ کو **ام الکتاب** کہا جاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی اصل ہے۔ **قری** جمع ہے قریہ کی جس کی اصل **قری** ہے بمعنی اجتماع اس لئے عام مہمانوں کے کھانوں کو **قری** کہا جاتا ہے کہ اس پر لوگ جمع ہوتے ہیں اصطلاح میں ہر چھوٹی بڑی بستی کو کہا جاتا ہے کہ بستی میں لوگ جمع ہوتے ہیں **ام القری** مکہ معظمہ کا نام ہے کیونکہ یہاں سے زمین پھیلی ' سب سے پہلے یہی بستی آباد ہوئی۔ تاقیامت لوگ ہر سال حج و عمرہ کے لئے وہاں ایسے جمع ہوتے ہیں اور اس کی طرف ایسے رجوع کرتے ہیں جیسے بچے ماں کی طرف۔ ان وجوہ سے اسے **ام القری** کہا جاتا ہے نیز ہر جگہ سے مسلمان اسی کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں ' اس کی تعظیم ماں کی سی کرتے ہیں۔ چونکہ مکہ والوں کے ایمان لے آنے سے دوسروں کے ایمان کی قوی امید تھی نیز یہاں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہے۔ یہاں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز و اقارب رہتے تھے اس لئے خصوصیت سے ام القری یعنی مکہ معظمہ کا ذکر فرمایا۔ ام القری سے پہلے اہل پوشیدہ ہے۔ خیال رہے کہ ایمان و عبادات کی تین کیفیتیں ہیں۔ خوف سے عبادت شوق سے عبادت ذوق سے عبادت دوزخ و عذاب کے خوف سے عبادت یہ انسان کی تیسری منزل ہے۔ یہاں پہلی منزل کا ذکر ہے کہ اے محبوب لوگوں کو ڈرا کر دھمکا کر عذاب سے خوف دلا کر ایمان و عبادات کی نعمتوں سے مالا مال کیجئے ' شوق و ذوق کا ذکر دوسری آیات میں ہے۔ **ومن حولها** یہ عبارت معطوف ہے ام القری پر **من** سے مراد سارے انسان ہیں اور ممکن ہے کہ اس سے مراد سارے جن و انس ہوں **حول** کے معنی ہیں اردگرد ھا کا مرجع ہے ام القری یعنی ان کو بھی آپ ڈرائیں جو مکہ معظمہ کے اردگرد رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ اردگرد سے مراد مشرق و مغرب یعنی تمام دنیا کے باشندے ہیں کیونکہ مکہ معظمہ پرانی دنیا کے بیچ میں واقع ہے اور نئی دنیا مکہ کے نیچے آباد ہے اس لئے دنیا ہی مراد ہے صرف عرب والے مراد نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لیکون للعلمین نذیرا**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے نذیر نبی ہیں اور تاقیامت نبی ہیں کہ قیامت تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت میں تبلیغ کرتے رہیں گے یہ بالواسطہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی تبلیغ ہے۔ **والذین یومنون بالاخرۃ یومنون بہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے الذین الخ مبتدا ہے اور یومنون بہ اور خبر ہے الذین کی صلوتہم سے مراد یا پنجگانہ نماز ہے یا نماز جمعہ و عیدین وغیرہ کی ساری نمازیں مگر قوی یہ ہے کہ پنجگانہ نمازیں مراد ہیں کیونکہ یہ سورت مکیہ ہے اور نماز جمعہ و عیدین بعد ہجرت مدینہ منورہ میں آئیں چونکہ اس سے پہلے زکوٰۃ ' روزے ' حج وغیرہ کچھ بھی فرض نہ ہوا تھا اس لئے ان عبادات کا ذکر نہیں فرمایا۔ نیز جو شخص نماز کی حفاظت کرے وہ باقی عبادات پر خود بخود قائم ہو جاتا ہے۔ بری باتیں چھوڑ دیتا ہے۔ ان

www.alahazratnetwork.org

الصلوۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر ان وجوہ سے صرف نماز کی حفاظت کا ذکر فرمایا **صلوتھم** فرما کر یہ بتایا کہ جو نمازیں ان پر لازم ہیں ان کی حفاظت کرتے ہیں۔ نماز کی حفاظت' نماز قائم کرنا اس کے معنی ہم شروع سورۃ بقرہ **و یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ ہمیشہ نماز پڑھنا' صحیح نماز پڑھنا' صحیح وقت پر پڑھنا' دل لگا کر پڑھنا' نماز کی حفاظت ہے۔ اللہ تعالیٰ نماز کی حفاظت کی توفیق بخشے یعنی آخرت پر ایمان لانے والوں کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ نماز کی پابندی کرتے ہیں جیسے جسمانی بیماریاں بعض کھلی ہوتی ہیں جو لوگوں کو محسوس ہو جاتی ہیں جیسے زخم' پھوڑا وغیرہ۔ بعض چھپی ہوئیں جو محسوس نہیں ہوتیں۔ قدرت نے چھپی بیماریوں کے لئے علامات مقرر فرما دی ہیں جن سے وہ معلوم ہوتی ہیں' چہرہ کی نوعیت' نبض' پیشاب کا رنگ' ان کا پتہ دیتا ہے یونہی روحانی بیماریوں بعض کھلی ہیں جیسے کفر' بت پرستی' بعض چھپی ہوئی جیسے منافقت وغیرہ۔ قرآن کریم نے یہاں اس چھپے کفر کی دو علامات بیان فرمائیں ایک تو قرآن مجید پر صحیح ایمان نہ لانا دوسرے نماز کی حفاظت نہ کرنا فرمایا۔ مومن کی علامت یہ ہے کہ قرآن مجید پر ایمان رکھے۔ نماز کی حفاظت کرے۔ خیال رہے کہ حفاظت نماز بڑی مشکل چیز ہے جیسے آپ ڈربے سے مرغی کی حفاظت کرتے ہیں کہ نہ تو مرغی نکل کر بلی کے پاس پہنچ سکے اور نہ بلی ڈربہ میں پہنچ کر نقصان پہنچا سکے ایسے ہی نماز کی حفاظت کرو کہ نہ تو نماز میں ریا' نام' نمود' تکبر شامل ہو کر نماز کو برباد کر سکیں اور نہ کوئی ایسی حرکت کرو جس سے پڑھی ہوئی نمازیں برباد ہو جائیں۔ نہ نماز میں کوئی برائی آئے اور نہ نماز ہمارے پاس سے جائے۔ اخلاص' عجز و نیاز چیزیں نماز کی محافظ ہیں۔ نماز قائم کرنا' حفاظت کرنا' نماز میں دائم رہنا ان تینوں میں فرق ہے۔ برکت والا ہے۔ جس مہینہ میں یہ آیا وہ مہینہ برکت والا ہے' جس رات میں یہ آیا وہ رات برکت والی ہے' جس ذات پر آیا وہ ذات مبارک جو اس کی خدمت کرے وہ مبارک ہے یہ قرآن اپنے سے پہلی والی کتب پچھلے نبیوں' ان کے معجزات' ان کی تعلیمات کو سچا کرتی' سچا کہتی' سچا کہلواتی ہے یہ اس لئے اتری تاکہ آپ مکہ والوں اور اس کے آس پاس کے باشندوں یعنی تمام دنیا والوں کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں یہ کتاب سارے جہان کے لئے ہے آپ نبی سارے جہان کے ہیں گذشتہ کتابوں کے فیوض بند ہو گئے مگر اس کے فیوض ہمیشہ جاری ہیں جو لوگ صحیح معنوں میں قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ پر ایمان رکھتے ہیں وہ ضرور قرآن پاک پر ایمان لاتے ہیں اور اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ قرآن پاک کا منکر آخرت کا مومن ہو سکتا ہی نہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قرآن مجید کا نزول کئی بار ہوا۔ ایک بار تو آہستہ آہستہ تیئس سال میں اور باقی بار یکدم چنانچہ شب قدر میں سارا قرآن لوح محفوظ سے پہلے آسمان کی طرف ایک دم اترا ہر ماہ رمضان میں سارا قرآن مجید حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر یکدم اترتا تھا کہ حضرت جبرئیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس سارے کا دور فرماتے تھے یہ فائدہ انزلناہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: قرآن مجید بڑی مبارک کتاب ہے دین و دنیا کی برکتیں اس سے وابستہ ہیں جس رات میں' جس مہینہ میں قرآن کریم اترا وہ رات' وہ مہینہ مبارک۔ **انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ** ماہ رمضان کو رمضان مبارک کہا جاتا ہے کہ یہ نزول قرآن کا مہینہ ہے یہ فائدہ مبارک سے حاصل ہوا۔ جس ملک میں قرآن آیا وہ ملک مبارک ہے' جس ذات پر قرآن اترا وہ ذات کریم مبارک' جن سینوں میں قرآن رہے وہ سینے مبارک' جو لوگ اس قرآن کی خدمت کریں وہ لوگ مبارک' جس کھانے پر قرآن پڑھ دیا جائے وہ کھانا مبارک' جو زندگی قرآن کے سایہ میں گزرے وہ زندگی مبارک' جو موت قرآن پڑھتے پڑھتے آئے وہ موت مبارک غرضیکہ برکت قرآن سے وابستہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اے قسمائے محشر نہ اٹھا سکیں گے ہرگز تراہم لیتے لیتے جسے نیند آ گئی ہے

تیسرا فائدہ: ایصال ثواب کے لئے کھانے پر ختم قرآن کرنا برکت کا باعث اس سے کھانا حرام نہیں ہو جاتا بلکہ برکت والا ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا۔ جب بعض بندے مبارک ہوتے ہیں کہ جہاں ان کا قدم پڑ جائے وہاں برکت ہو جائے تو قرآن مجید اللہ کا کلام ہے یہ مبارک کیوں نہ ہو؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ و جعلنی مبارکا اینما کنت۔ چوتھا فائدہ: برکت' رحمت اللہ کی ایسی نعمت ہے جو نسبت کے ذریعہ دور تک پہنچ جاتی ہے جیسے بجلی کا کرنٹ اگر ایک شخص میں آ جائے تو جو اس سے چھو جائے اس میں کرنٹ پہنچ جاتی ہے اسی طرح اگر یہاں سے مکہ معظمہ تک لوگ لائن باندھ لیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ لگ جائیں سب میں کرنٹ پہنچے گا جب تار کے کرنٹ کا یہ عالم ہے تو نور کی کرنٹ کا کیا حال ہو گا۔ یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا کہ قرآن برکت والا تو جس چیز کو اس سے نسبت ہو جائے وہ برکت والی ہے حتیٰ کہ جس کھانے پر پڑھ دیا جائے وہ برکت والا ہے اس لئے اسے تبرک کہتے ہیں بعض لوگ بزرگوں کا پس خوردہ کھانا پینا تبرک سمجھ کر کھاتے پیتے ہیں ان سب کی اصل یہ آیت ہے کہ قرآن مبارک ہے۔ جس منہ میں قرآن رہا وہ منہ مبارک ہو گیا پھر جو چیز اس منہ سے لگی وہ تبرک بن گئی۔ پانچواں فائدہ: کسی مبارک چیز سے ایک بار تعلق ہو جانا تاقیامت اسے مبارک کر دیتا ہے۔ دیکھو قرآن مجید ایک دفعہ رمضان' شب قدر میں آچکا مگر تاقیامت یہ مہینہ' یہ رات برکت والی ہے۔ اللہ فرماتا ہے انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ ایسے ہی شب میلاد' شب معراج وغیرہ تاقیامت مبارک ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے نزول مائدہ کی تاریخ کو تاقیامت عید بنا دیا۔ تکون لنا عید الاولنا و اخرنا۔ چھٹا فائدہ: قیامت کو ماننا ایمان و اعمال کی اصل ہے کیونکہ قیامت حساب اور سزا جزاء کا دن ہے۔ طلبا امتحان کے ڈر سے محنت سے پڑھتے ہیں' چور' بدمعاش سزا کے خوف سے چوری سے بچتا ہے۔ یونہی بندہ قیامت کے حساب اور سزا کے ڈر سے' اچھے عقیدے' اچھے اعمال اختیار کرتا ہے مگر قیامت ماننے کی دو علامتیں یہاں بیان ہوئیں۔ ایک تو صحیح طور پر قرآن مجید پر ایمان لانا دوسرے نماز کی حفاظت قرآن مجید وہ تھرما میٹر ہے جو ہمارے قلب کے حالات بتا دیتا ہے قرآن وہ آئینہ ہے۔ جو ہم کو ہمارے دل کے خدوخال' داغ دھبے دکھاتا ہے اگر اپنے قلب کا حال دیکھنا ہے تو قرآن کے آئینہ میں دیکھو۔ ساتواں فائدہ: قرآن مجید کے بعد نہ کوئی آسمانی کتاب آسکتی ہے' نہ کوئی نبی آسکتا ہے۔ یہ آخری کتاب ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی۔ یہ فائدہ مصدق الذی بین یدیہ سے حاصل ہوا۔ ہمیشہ تصدیق بعد میں ہوتی ہے۔ آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کوئی نبی نہ تھا نہ کوئی آسمانی کتاب اتری یہ فائدہ بھی مصدق الذی سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کا ڈرانا عام ہے۔ بشارت خاص ڈرانا پہلے ہے بشارت بعد میں۔ یہ فائدہ لتنذر سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: مکہ معظمہ تمام بستیوں کی اصل ہے اور سب بستیوں سے اعلیٰ و اشرف۔ یہ فائدہ ام القری سے حاصل ہوا مگر امام مالک قدس سرہ کے نزدیک مدینہ منورہ کی بستی مکہ معظمہ کی بستی سے اعلیٰ ہے۔ ان کے دلائل اپنے مقام پر مذکور ہیں مگر فیصلہ وہ ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے!

ڈاکٹر اقبال نے کہا۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشتر است اے خنک شہرے کہ در وے دلبر است

www.alahazratnetwork.org

یہ گفتگو بستیوں میں ہے۔ قبرانور کی وہ جگہ جو جسم شریف سے متصل ہے۔ عرش فرش لوح و قلم ساری جگہ سے افضل ہے۔ گیارہواں فائدہ: تبلیغ کی ترتیب یوں چاہئے کہ پہلے اپنے قریبیوں کو کی جائے پھر دور والوں کو یہ فائدہ ام القرے سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق کے نبی ہیں اور قرآن ان سب کی کتاب۔ یہ فائدہ بھی و من حولها سے حاصل ہوا کہ اس میں سارا عالم داخل ہے۔ تیرہواں فائدہ: مکہ معظمہ آباد دنیا کے بیچ میں ہے باقی دنیا اس کے اردگرد یہ فائدہ بھی و من حولها سے حاصل ہوا۔ چودھواں فائدہ: آخرت پر وہی ایمان رکھتا ہے جو قرآن کریم کو مانتا ہے۔ قرآن کا انکاری آخرت کا اقراری' کبھی نہیں ہو سکتا یہ فائدہ والذین یومنون بالاخرۃ الخ سے حاصل ہوا۔ پندرہواں فائدہ: ساری عبادات میں نماز افضل ہے اس کا پابند انشاء اللہ ایمان پر مرے گا یہ فائدہ علی صلوتہم یحافظون سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مومن کے لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔ سولہواں فائدہ: لوگوں کے لئے نذیر و بشیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ قرآن کریم نذارت و بشارت ہے۔ یہ فائدہ لتنذر صیغہ مخاطب سے حاصل ہوا۔ قرآن حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاکم ہیں' قرآن علم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم' قرآن معرفت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عارف ہیں' قرآن ذریعہ ایمان ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان بخشنے والے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو قرآن مجید سے ایمان نہیں ملتا۔ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے اسی لئے کلمہ طیبہ میں اللہ کی توحید کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ذکر ہے۔ قرآن مجید کا ذکر نہیں۔

پہلا اعتراض: قرآن کریم تو تیئس سال میں تھوڑا تھوڑا اترا پھر یہاں انزلناہ کے معنی ہیں یکدم اتار دیا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جو نزول احکام جاری کرنے کے لئے ہوا وہ آہستگی سے ہوا اس کے علاوہ دو سرے نزول یکدم ہوئے یہاں ان دو سرے نزولوں کے لحاظ سے انزلناہ فرمایا گیا ہے یا تجرید کے طور پر اس کے معنی ہیں صرف اتارنا' یکدم ہو یا آہستگی سے۔ دو سرا اعتراض: قریب قیامت حضرت عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں تشریف لائیں گے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ رہے اور قرآن آخری کتاب نہ رہی تو مصدق الذی الخ کیونکر درست ہوا۔ جواب: آخری نبی وہ ہے جن کے بعد کوئی نبی پیدا نہ ہو عیسیٰ علیہ السلام پہلے کے نبی ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی ہونے کی حیثیت سے قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے آئیں گے۔ آخری بیٹا وہ جس کے بعد کوئی بیٹا پیدا نہ ہو۔ یہ ضروری نہیں کہ پہلے والے بیٹے سب مر چکے ہوں۔ لہذا مصدق الذی الخ بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف عرب کے نبی ہیں سارے جہان کے نبی نہیں کہ فرمایا گیا لتنذر ام القری و من حولها مکہ کا آس پاس کا علاقہ تو صرف عرب ہی ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ساری آباد دنیا خانہ کعبہ و مکہ معظمہ کے اردگرد ہے لہذا حولها سے مراد ساری آباد دنیا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا۔ چوتھا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم بشیر بھی ہیں' نذیر بھی' پھر یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف نذیر کیوں فرمایا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اس وقت مکہ مکرمہ کے کفار ہی کو تبلیغ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے لئے صرف نذیر ہیں مسلمانوں کے لئے نذیر بھی ہیں' بشیر بھی' اس کے اور بھی چند جواب ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ پانچواں اعتراض: قرآن کریم نے گذشتہ نبیوں' ولیوں' وغیرہم کی تصدیق کیوں کی اس کی کیا ضرورت تھی؟

جواب: اس میں چند حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کی تصدیق سے ان حضرات کے چرچے دنیا میں ہوئے۔ دوسرے یہ کہ ان سب پر قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان تاقیامت ہو گیا یہودی عیسائی وغیرہ اس احسان کو مانیں اور مسلمان ہو جائیں۔ تیسرے یہ کہ اس سے پتہ لگے کہ دین کے برحق ہونے کی علامت ولایت ہے۔ جس دین میں اولیاء اللہ وہ حق ہے جس میں اولیاء نہیں وہ باطل ہے۔ یہودیوں عیسائیوں کے دین جب تک منسوخ نہیں ہوئے تھے ان میں اولیاء تھے جب وہ دین منسوخ ہو گئے ان میں ولایت ختم ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ : جیسے قرآن مجید کی چند چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اعضاء شریفہ پر نازل ہوئیں۔ الفاظ قرآن کان شریف پر مضامین‘ قرآن دماغ مبارک پر احکام‘ قرآن قلب پاک پر اسرار‘ قرآن روح انور پر اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان چاروں چیزوں کی تبلیغ مخلوق کے چار اعضاء پر فرمائی۔ انسان عالم کا مجموعہ ہے انسانی دل گویا ام القرے ہے باقی اعضاء اس ام القرے کا ماحول ہیں۔ ناک‘ کان‘ زبان‘ ہاتھ‘ پاؤں وغیرہ دل کے تابع ہیں اگر دل درست ہے سب ٹھیک ہیں۔ دل بگڑا سب خراب ہوئے۔ ارشاد باری ہے کہ ہم نے آپ پر یہ قرآن مجید برکت والا‘ تصدیق کرنے والا اتارا تاکہ آپ لوگوں کے ام القرے یعنی دلوں کو ڈرائیں‘ دلوں میں خوف الہی پیدا کریں‘ دل کے ذریعہ اس کی آس پاس کی آبادیوں‘ ناک‘ کان‘ ہاتھ‘ پاؤں‘ دماغ‘ وغیرہ کو ڈرائیں۔ اگر انسان کا دل ڈر جائے تو وہ قرآن پر بھی ایمان قبول کرے گا اور نماز پر پابند بھی ہو جائے گا۔ نماز میں سر سے لے کر پاؤں تک کر تمام اعضاء کام کرتے ہیں مگر ہیں سب دل کے پابند۔ اگر دل میں عجز و انکسار ہو تو نماز اعلیٰ درجہ مقبول ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دلی تبلیغ بذریعہ اولیاء ہے اور ماحول یعنی دوسرے اعضاء کو تبلیغ بذریعہ علماء کرام تاقیامت ہوتی رہے گی لہذا اس آیت کریمہ پر عمل دائمی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایک زمانہ تھا جب کہ رب تعالیٰ کو ماننا بذریعہ توریت و انجیل یا بذریعہ موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام ایمان تھا۔ معرفت الہی تھا جنت ملنے کا ذریعہ مگر اب خدا رسی کا صرف ایک ہی راستہ ہے یعنی قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اب جو توریت و انجیل یا موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے ذریعہ رب کو مانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مانے وہ نہ مومن ہے‘ نہ عارف‘ نہ اس ماننے سے جنت ملے۔ جیسے دریا پر نیا سرکاری پل بن جانے سے پرانے پل سے گزرنا ممنوع ہو جاتا ہے کیونکہ حکومت نے وہ راستہ بند کر دیا۔ ملک کا بند شدہ سکہ نہ بازار میں چلے‘ نہ اس سے سودا ملے‘ نہ اسے خزانہ قبول کرے کہ اگرچہ وہ سکہ سرکاری ہی ہے مگر خود حکومت نے اسے بند کر دیا ہے۔ ایسے ہی گزشتہ نبیوں کی شریعتیں ان کے کلمے بند شدہ راستہ یا بند شدہ سکہ ہیں جن سے بازار قیامت میں کوئی سودا نہیں ملے گا اس لئے ارشاد ہوا کہ جو قرآن پر ایمان لائے وہ قیامت کا ماننے والا ہے۔ یہودی‘ عیسائی اگرچہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کو قیامت کو مانتے ہیں مگر جھوٹے ہیں وہ ان میں سے کسی کو نہیں مانتے کیونکہ وہ انہیں قرآن کے ذریعہ نہیں مانتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ

اور کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے جھوٹ یا کہے کہ وحی کی گئی طرف میرے حالانکہ نہ وحی کی

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا کہے مجھے وحی آئی ہے اور اسے کچھ وحی

www.alahazratnetwork.org

شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ

گئی طرف اس کے کوئی چیز اور وہ جو کہے کہ اتارتا ہوں میں مثل اس کے جو اتارا اللہ نے اور اگر دیکھو تم اس وقت

نہ ہوئی اور وہ جو کہے میں اتارتا ہوں ایسا جیسا اللہ نے اتارا اور کبھی تم دیکھو جس وقت

غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَلْيَوْمَ

کہ جب ظالم لوگ سختیوں میں موت کی ہوں گے اور فرشتے پھیلائے ہوں گے ہاتھ اپنے نکالو جانوں کو اپنی

ظالم موت کی سختیوں میں ہیں اور فرشتے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہیں کہ نکالو اپنی جانیں آج تمہیں

تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ

آج بدلہ دیئے جاؤ گے تم ذلت کا عذاب اس لئے کہ تم کہتے تھے اللہ پر ناحق بات اور تھے تم اس کی

خواری کا عذاب دیا جاوے گا بدلہ اس کا کہ اللہ پر جھوٹ لگاتے تھے اور اس کی

عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾

آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

آیتوں سے تکبر کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں سچے نبیوں' ان کی سچی کتابوں' سچی تعلیم کے درجات اور فضائل کا ذکر ہوا اب جھوٹے مدعیان نبوت اور ان کی جھوٹی گھڑی ہوئی وحیوں کی برائیوں کا ذکر ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ سچے نبیوں کی صحیح قدر و منزلت' ان بے دینوں کے ذکر سے حاصل ہوگی۔ جیسے لائق طبیب اپنے مریض کو کھانے والی دوائیں' غذائیں بھی بتاتا ہے اور نہ کھانے والے' بچنے والے پرہیز بھی سمجھاتا ہے' ان دو چیزوں سے علاج مکمل ہوتا ہے۔ قرآن مجید طب روحانی کی جامع کتاب ہے وہ بھی اچھی چیزوں اور اچھے بندوں کے ذکر کے ساتھ بری چیزوں' برے بندوں کا ذکر بھی فرماتا ہے گویا دوا کا ذکر پہلے ہوا پرہیز کا ذکر اب ہے۔ دنیا میں ہر جگہ کھرے کھوٹے' سچے جھوٹے' اصلی نقلی' رلے ملے رہتے ہیں۔ گھی اصلی نقلی' سونا اصلی نقلی' غرضیکہ اصلی نقلی یونہی عالم روحانیت میں ہے کہ عالم' سچے جھوٹے' پیر' مشائخ سچے جھوٹے' بلکہ نبی سچے' بلکہ خدا سچا اور بعض بندے جھوٹے خدا اور جھوٹے نبی بن گئے اس کا جواب ہے کہ بندہ سچوں سے تعلق رکھے جھوٹوں سے بچے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید مکہ معظمہ اور تمام دنیا والوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس سے وہ لوگ فائدہ نہیں اٹھائیں گے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑیں' جھوٹے صاحب وحی بنیں' گویا پچھلی آیت میں قرآن مجید کے فیض کا ذکر تھا اب اس فیض سے محروم رہنے والے بدنصیبوں کا تذکرہ ہے جیسے عالم اجسام میں بڑی سے بڑی فائدہ مند چیز سے ہر کوئی نفع نہیں اٹھاتا' بعض محروم ہوتے ہیں' بعض محروم سورج سے چمگادڑ' بارش سے شورہ زمین فائدہ نہیں اٹھاتی یوں ہی ولی' نبی' قرآن وغیرہ سے سارے لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے۔ صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کچھ لیا' ابوجہل محروم رہا۔ پچھلی آیات میں مومنین کے فیض لینے کا ذکر تھا اب محرومین

www.alahazratnetwork.org

کے محروم رہنے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں مومنین کی علامت بیان ہوئیں کہ مومن وہ ہیں جو قرآن کریم پر ایمان رکھیں' نماز کے پابند ہوں' اب ان کے مقابل کفار و منکرین کا ذکر ہے کہ ظالم منکر وہ ہیں جو جھوٹے نبی بنیں' جھوٹی وحی گڑھیں یا جو ان کی اطاعت کریں۔ خیال رہے کہ قرآن کعبہ' مکہ' عبادات سے فیض پانے کی ایک شرط ہے الفت رسول کا دل میں ہونا اور ان سب سے محروم رہنے کی ایک وجہ ہے عداوت رسول۔ اس لئے کلمہ طیبہ میں ایمانیات کی آیات اطاعت کی آیات میں رسول فرمایا گیا۔ نبی یا شفیع نہیں فرمایا گیا۔ **امنوا باللہ و رسولہ۔ اطیعوا اللہ و رسولہ** کلمہ میں محمد رسول اللہ ہے نبی اللہ نہیں کیونکہ جیسے ماں کا نام محبت کا سرچشمہ ہے کیونکہ وہ سینے سے دودھ بچہ کو پلاتی ہے ایسے ہی رسول کے نام سے عشق و محبت جوش مارتا ہے کہ رسول اپنے سینے سے فیضان دیتے ہیں نبی کے معنی ہیں خبر رساں رسول کے معنی ہیں فیض رساں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کا پہلا جز **او قال اوحی الی** الخ مسیلمہ بن ثمامہ کذاب یمنی حنفی اور اسود عنسی یمنی کے متعلق نازل ہوا جن دونوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ حیات شریف میں دعویٰ نبوت کیا اسود عنسی کا نام عبہلہ ابن کعب ہے لقب ذوالحمار یمن کا رہنے والا تھا مقام صنعا میں رہائش پذیر تھا۔ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آخرت زمانہ میں دعویٰ نبوت کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی وفات سے دو دن پہلے خبر دی کہ اسے فیروز دیلمی نے قتل کر دیا اور فرمایا کہ فیروز کامیاب ہوا۔ مسیلمہ کذاب یمنی قبیلہ بنی حنیفہ کا ایک امیر آدمی تھا وہ کہتا تھا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے نبی ہیں اور میں بنی حنیفہ کا نبی ہوں یہ بہت سی جھوٹی آیتیں گڑھ گڑھ کر لوگوں کو سناتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ کلام رب کی طرف سے مجھ پر اترا ہے۔ یہ مردود حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں غزوہ یمامہ میں حضرت وحشی رضی اللہ عنہ کے ہاتھوں مارا گیا۔ اس صدیقی غزوہ کی خبر قرآن مجید میں یوں دی گئی ہے **ستدعون الی قوم اولی باس شدید** الخ اس غزوہ یمامہ میں قبیلہ بنی حنیفہ کی ایک عورت خولہ بنت جعفر حنیفہ گرفتار ہو کر آئیں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نکاح میں دی گئیں ان کے بطن سے محمد ابن حنیفہ پیدا ہوئے۔ ان کی اولاد علوی کہلاتی ہے۔ جنگ یمامہ خلافت صدیقی کا عظیم الشان کارنامہ ہے اور دوسرا حصہ **و من قال سانزل مثل ما انزل اللہ** کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حصہ نضر ابن حارث کے متعلق نازل ہوا جو کہتا تھا کہ قرآن مجید جیسا کلام میں بھی بنا سکتا ہوں اور بہت سی جھوٹی عبارتیں بنا کر لوگوں کو سنایا کرتا تھا۔ دوسرے یہ کہ یہ حصہ عبداللہ ابن سعد ابی سرح کے متعلق نازل ہوا جو پہلے مسلمان ہوا۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اٹھارویں پارہ کی آیت کریمہ **و لقد خلقنا الانسان من سلالۃ من طین** الخ نازل ہوئی تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے یہ آیت لکھوائی۔ اس کے مضمون سے یہ شخص بہت ہی متعجب ہوا اور اس کے منہ سے نکلا۔ **فتبارک اللہ احسن الخالقین**۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس آیت کا آخری حصہ یہی ہے اسے لکھ لے' اس پر وہ مرتد ہو گیا۔ مکہ معظمہ بھاگ گیا اور کفار مکہ سے کہنے لگا کہ اگر محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سچے نبی ہیں تو میں بھی سچا نبی ہوں کہ مجھ پر بھی اس آیت کا آخری جز نازل ہوا ہے۔ پھر یہ شخص فتح مکہ سے کچھ پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا جبکہ مقام الظہران میں تشریف فرما تھے اور توبہ کر کے مسلمان ہو گیا۔ (تفسیر خازن' خزائن' کبیر' معانی' بیان وغیرہ) مرقات شرح مشکوٰۃ میں فرمایا کہ یہ شخص کافر ہی مرا اس کی نعش زمین نے باہر نکال پھینکی۔ بعض نے کہا کہ وہ مسلمان ہو گیا **واللہ و رسولہ**

www.alahazratnetwork.org

اعلم بحقیقۃ الحال۔ خیال رہے کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیتیں مدنیہ ہیں کیونکہ یہ واقعات بعد ہجرت پیش آئے جن کا ان آیتوں میں ذکر ہے۔ ہجرت سے پہلے نہ مسیلمہ کا واقعہ پیش آیا نہ اسود عنسی کا اور نہ عبداللہ ابن سرح کا مگر محققین مفسرین کا قول ہے کہ یہ آیت مکیہ ہے اس میں آئندہ پیش آنے والے واقعات کی غیبی خبر دی گئی۔ قول قوی ہے کہ انعام پوری مکیہ ہے (تفسیر خازن)۔

تفسیر : **و من اظلم ممن افترى على الله كذبا**۔ اس عبارت میں **من** استفہامیہ ہے اور استفہام انکاری ہے یعنی اس سے بڑا ظالم کوئی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ استفہام پوچھنے کے لئے ہی ہو یہ پوچھنا شکایت کے لئے ہو کہ رب تعالیٰ نے کفار کی شکایت اپنے محبوب سے کی' رب کا کفار سے سوال فرمانا اظہار غضب کے لئے ہے ہم گنہگاروں سے سوال فرمانا پوچھنا ہم کو اپنی طرف بلانے کے لئے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے پوچھنا **وما تلك بيمينك** ان کا دل لگانے اور خاص معجزہ عطا فرمانے کے لئے ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہاں یہ پوچھنا کفار کی شکایت کے لئے ہے شکایت خاص محبوب سے ہی کی جاتی ہے۔ **عبس و تولى ان جاءه الاعمى** میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکایت محبوبانہ کی گئی اسی لئے وہاں صیغہ غائب ارشاد ہوا۔ **اظلم** **ظلم** کا اسم تفضیل ہے یہاں **ظلم** بمعنی کفر ہے یا اپنے معنی ہی میں ہے (ستانا حق مارنا) **افترى** بنا ہے **فرى** سے بمعنی کسی پر بہتان باندھنا وہ بھی دیدہ دانستہ کذب سے ہر وہ جھوٹا عقیدہ مراد ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کر دیا جائے لہذا اس کا شریک ماننا اس کے لئے اولاد و بیوی ماننا یا یہ کہنا کہ اس نے کسی بشر پر کوئی کتاب نہ اتاری وغیرہ یہ سب اس میں داخل ہیں' اسی طرح جھوٹا دعویٰ نبوت کرنا اور کہنا کہ مجھے اللہ نے نبی بنایا۔ جھوٹے مسئلے قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا' قرآن کریم کی جھوٹی تاویلیں' تحریفیں کرنا بھی اسی میں داخل ہے۔ غرضیکہ اس آیت لفظ میں بہت ہی وسعت ہے۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ گھڑنا' جھوٹی احادیث بنانا یا صحیح احادیث کی غلط تاویلیں کرنا بھی در پردہ اللہ تعالیٰ پر ہی جھوٹ گھڑنا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول رب تعالیٰ ہی کا فرمان ہے لہذا وہ بھی اس میں داخل ہے۔ غرضیکہ جھوٹی آیتیں بتانا یہود و نصاریٰ کی طرح یا آیات قرآنیہ کی غلط تفسیر کرنا جو منشاء الٰہی کے خلاف ہو۔ جھوٹی احادیث گھڑنا' احادیث کی غلط شرح کرنا' جھوٹے مسئلے گھڑ کر بیان کرنا یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا ہے کہ سننے والے سمجھتے ہیں کہ یہ جو کچھ کہہ رہا ہے رب کا فرمان ہے' شریعت کا حکم ہے' اللہ تعالیٰ ان چاروں جھوٹوں سے بچائے۔ **او قال اوحى الى** یہ عبارت معطوف ہے **افترى** پر اس میں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے یہاں **وحى** سے مراد نبوت کی وحی ہے۔ جو صرف نبی پر ہوتی ہے ان کے سوا کسی پر نہیں ہوتی وحی بمعنی الہام یا بمعنی دل میں ڈال دینا عام ہے۔ رب فرماتا ہے **او حينا الى ام موسى** اور فرماتا ہے **و اوحى ربك الى النحل** وہ یہاں مراد نہیں **و لم يوح اليه شىء** یہ عبارت قال کے فاعل کا حال ہے۔ **شىء** سے مراد ہے کوئی سی وحی خواہ کتابی شکل میں ہو یا صحیفہ کی شکل میں یا اور کوئی تبلیغی وحی یعنی اس کی طرف وحی تو کچھ بھی نہ کی گئی ہو مگر وہ لوگوں سے کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے یہ بڑا کافر بڑا ستمگار ہے بلکہ جھوٹے الہام گھڑنا' جھوٹے خواب بنا کر لوگوں کو سنانا اولیائی کا جھوٹا دعویٰ کرنا سب ہی جرم ہے۔ اپنے کو ولی کہتے پھرنا' دعویٰ نبوت جھوٹا کرنا یہ سب قابل عذاب جرم ہیں۔ یونہی نبوت کی ہمسری کا دعویٰ کرنا کہ جو نبی کر سکتے ہیں میں بھی کر سکتا ہوں بے دینی ہے جس کا ذکر آگے ہے۔ **و من قال سانزل مثل ما انزل الله** یہ عبارت یا تو **قال اوحى** الخ پر معطوف ہے یا **افترى على الله** پر **سانزل** سے مراد ہے آیات

www.alahazratnetwork.org

ایسی کی آیتیں بنانے پر قادر ہوتا(روح المعانی) **ما انزل اللہ** رب تعالیٰ کا فرمان ہے نہ کہ اس مردود کا وہ تو قرآن کریم کو خدا کا کلام مانتا ہی نہ تھا یعنی بڑا ظالم وہ بھی ہے جو قرآنی آیات کے متعلق کہے کہ ایسا کلام میں بھی بنا سکتا ہوں۔ سانزل بھی انزال سے یہی مراد ہے۔ چنانچہ نضر ابن حارث عربی عبارتیں بنا کر لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ دیکھ لو کہ یہ قرآن جیسی آیت ہے اس نے سورۂ **والعادیات ضبحا**" کے مقابل میں کہا تھا **والطاخات طخنا فالعا جنات عجنا" فالخابرات خبزا"** (مدارک)۔ **والسماء ذات البروج** کے مقابل کہتا تھا۔ **والنساء ذات الفروج** وغیرہ نیز عبداللہ ابن سرح نے کہا تھا کہ یہ حصہ میرا بنایا ہوا ہے۔ **فتبارک اللہ احسن الخالقین**۔ لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے **ولو تری اذ الظلمون فی غمرات الموت** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں ان جیسے کافروں' ظالموں کا دنیاوی انجام بیان فرمایا گیا ہے۔ یعنی ان کی نزع کی شدت **تری** میں خطاب یا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے اگر خطاب مومن سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ دنیا اور موت کے وقت کے عذاب عوام کو دکھائے نہیں گئے بلکہ سنائے اور بتائے گئے تاکہ ان چیزوں پر ایمان بالغیب رہے یہ چیزیں شہادت نہ بن جائیں اور اگر خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو دیکھنے سے مراد ہے توجہ کا دیکھنا' دل سوزی کا دیکھنا وہ دیکھنا جس پر دل دکھے تکلیف ہو۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ ہر موجود' معدوم' دور قریب اندھیرے اجیالے پس پردہ اور بیرون پردہ ہر چیز کو دیکھتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ کے قبر کے اندر کے عذاب دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن کی موت خواہ وہ کہیں ہو توجہ سے کرم نوازی سے دیکھتے ہیں بلکہ بعض مومنوں کی موت کے وقت ان کے پاس تشریف فرما ہوتے ہیں' کافر کی موت بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہے مگر نہ اس پر توجہ ہے' نہ کرم' نہ دل سوزی **تری** میں رویت سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا **اذ** ظرفیہ ہے اور یہ پورا جملہ **تری** کا مفعول بہ ہے' ظالموں سے مراد یا تو سارے کافر ہیں یا وہی کافر جن کا ذکر ابھی ہوا یعنی جھوٹے مدعی نبوت **غمرات** جمع ہے **غمرۃ** کی بمعنی گہرائی یا گہرے پانی میں غوطہ لگانا اصطلاح میں جہالت کو بھی غمرہ کہتے ہیں۔ **فذرھم فی غمرتھم**۔ اور جیسے **الذین ھم فی غمرۃ ساھون**۔ اور موت کی سخت تکلیف کو بھی چونکہ کافر کو موت کے وقت بہت قسم کی تکلیف ہوتی ہیں اس سے لئے **غمرات** جمع ارشاد ہوا۔ جان کنی کی تکلیف' دنیا چھوٹنے کی تکلیف' عذاب کے فرشتوں کو دیکھنے کی تکلیف' ان فرشتوں سے اپنی آئندہ تکالیف کی خبر کی تکلیف غرضیکہ اس پر تکالیف کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ مومن کے لئے وہ وقت بہت سی خوشیوں کا ہوتا ہے۔ دنیا کے غم و تکالیف سے چھوٹنے کی خوشی' دیدار مصطفوی کی خوشی یعنی وصال یار کی عید۔ اپنے گذشتہ مومنوں' عزیزوں' قرابت داروں سے دائمی ملاقات کی خوشی۔ رحمت کے فرشتوں کی دید کی خوشی' ان کی زبانی رحمت' ربانی ملنے کی بشارت' اس کی خوشی اسی لئے مومن کی موت کو وصال اور اس کی موت کے دن کو یوم عرس کہتے ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہوا **اذ الظالمون** الخ جبکہ ظالم یعنی کفار موت کی تکالیف میں گرفتار ہوں گے۔ کہتا ہے۔ ے

و تسعد نی فی غمرۃ بعد غمرۃ **سبوح لھا منھا علیھا شواھد**

خیال رہے کہ نزع کی شدت اور چیز ہے اور موت کی غمرات و سکرات کچھ اور چیز نزع کی شدت سب کو ہے مگر موت کی غمرات کفار کو ہے۔ **والملائکۃ باسطوا ایدیھم** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **الظالمون** کا حال ملائکہ سے مراد وہ عذاب کے ڈراؤنی شکل والے فرشتے ہیں جو کافر کی جان نکالتے ہیں۔ جناب ملک الموت کی مدد کرتے ہیں' فرشتوں کے ہاتھ ہیں

www.alahazratnetwork.org

مگر نورانی ہاتھ اور ایسے ہاتھ جو ان کی شان کے لائق ہیں یا یوں کہو کہ فرشتے مردے کے پاس شکل انسانی میں آتے ہیں' مومن کے پاس خوبصورت انسان کی شکل میں کافر مردے کے پاس نہایت ہیبت ناک انسان کی شکل میں لہذا اس کے ہاتھ پاؤں وغیرہ سب کچھ ہوتے ہیں جیسے حضرت جبرئیل شکل انسانی میں حضرت مریم کے پاس پہنچے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے رہتے تھے تو ان کے تمام انسانی اعضاء ہوتے تھے حتی کہ ان کے بال سخت سیاہ کپڑے بہت سفید ہوتے تھے۔ ہاتھ پھیلانے سے مراد ان کی روح قبض کرنے انہیں پکڑنے کے لئے ان کی طرف ہاتھ پھیلانا ہے یا انہیں آتشی ہتھوڑوں سے مارنے کے لئے ہاتھ اٹھانا مراد ہے۔ ہاتھ پھیلانے کی بہت صورتیں ہوتی ہیں۔ مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھانا' پھیلانا کچھ دینے کے لئے یا کچھ لینے کے لئے ہاتھ بڑھانا کسی کو سختی سے پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھانا پھیلانا ان سب کی نوعیتیں صورتیں الگ ہوتی ہیں یہاں آخری صورت مراد ہے یعنی انہیں پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلانا جیسے شیر بکرے کی طرف ہاتھ پھیلاتا ہے اسے شکار کرنے کے لئے۔ مرتے وقت تین قسم کے فرشتے آتے ہیں۔ حضرت ملک الموت جان نکالنے کے لئے۔ سات فرشتے ان کا تعاون کرنے کے لئے باقی تاحد نظر فرشتے بشارت یا ڈرانے کے لئے نہ ہاتھ پھیلانا ان تعاون کرنے والے فرشتوں کا کام ہے یہ فرشتے سات ہیں جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔ (صاوی)۔ **اخرجوا انفسکم** یہاں اخرجوا سے پہلے **یقولون** پوشیدہ ہے **اخرجوا** میں خطاب انہیں مرنے والے کافروں سے ہے جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ فرشتے نبیوں' ولیوں سے ان کے وفات کے وقت ایسا کلام کرتے ہیں جیسا دعوت دینے میں کلام کیا جاتا ہے۔ عام مومنین سے کلام کرتے ہیں **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک** الخ کفار سے وہ کلام کرتے ہیں جو یہاں منقول ہے غرضیکہ دعوت نام و سمن اور وارنٹ ہیں ان کی طرز گفتگو میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ **انفس** جمع ہے **نفس** کی بمعنی روح یا بمعنی ذات اس عبارت کے بہت معنی ہو سکتے ہیں۔ (1) اپنی ذات کو اس عذاب سے نکالو اس مصیبت سے بچاؤ جو تم پر اب ہو رہی ہے بلا لو اپنے یار و مددگار کو۔ (2) اپنے کو اپنے گھر بار عزیزوں دوستوں بلکہ دنیا سے نکالو اور چلو دوسرے جہان کی طرف جہاں تم جانا نہیں چاہتے تھے۔ (3) اپنی جانوں کو اپنے جسموں سے نکال کر ہمارے حوالہ کرو (معانی) پہلی دو تفسیروں میں **انفس** بمعنی ذات ہے اور تیسری تفسیر میں نفس بمعنی جان' فرشتوں کا یہ کہنا ان پر غضب و غصہ ظاہر کرنے کے لئے ہو گا ورنہ ان کی کفار کو اب یہاں سے نہ چلنے یا جان جان آفرین کے سپرد کرنے نہ کرنے کا کوئی اختیار نہ ہو گا۔ خیال رہے کہ اخراج یعنی نکالنے اور رجوع یعنی لوٹنے میں بڑا فرق ہے انسان جہاں جانا نہ چاہے اسے جبراً وہاں لے جانا اخراج اور جہاں سے آیا تھا وہاں بخوشی واپس جانے کو رجوع کہا جاتا ہے۔ ملزم کو گھر سے جیل میں لے جایا جانا اخراج ہے اور جیل سے چھوٹ کر گھر واپس آنا رجوع ہے دنیا کافر کا گھر ہے' مومن کا قید خانہ۔ **الدنیا سجن المومن و جنۃ الکافر** لہذا کافر کی موت اخراج ہے' مومن کی موت رجوع' مومن نور یعنی عالم ارواح سے رب کے پاس سے آیا ہے مر کر بخوشی وہاں ہی جاتا ہے۔ یعنی نور خانہ سے آیا نور خانہ میں جاتا ہے" کافر آیا تھا نور خانہ سے مگر جاتا ہے نار خانہ یعنی دوزخ میں۔ مرتے وقت کفار سے کہا جائے گا۔ **اخرجوا انفسکم** اور مومنوں سے کہا جائے گا۔ **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** مومن مر کر رب کی طرف ایسے جاتا ہے جیسے یار یار سے ملاقات کرنے یا دولہا اپنی بارات لے کر محبوب کے ہاں جاتا ہے۔ ہنستا ہوا' مسکراتا ہوا' خوش ہوتا ہوا اور کافر ایسے جاتا ہے جیسے پھانسی کا ملزم پھانسی گھر میں یا ذبح کے وقت جانور مذبح میں جاتا ہے۔ جبراً" ڈرتا گھبراتا" کافر کی روح اس کے جسم میں چھپتی پھرتی ہے جسے سختی سے پکڑ کر نکالا جاتا ہے۔ مومن کی روح یہ

www.alahazratnetwork.org

نغمہ دل نواز سن کر خود لبیک کہتی ہوئی نکل آتی ہے۔ کیونکہ۔

آج پھولے نہ سمائیں گے کفن میں آسی جس کے جویاں تھے ہے اس گل کی ملاقات کی رات

الیوم تجزون عذاب الھون۔ یہ عبارت **اخرجوا** الخ کی علت ہے **الیوم** کے معنی ہیں۔ اب بعض نے فرمایا کہ **الیوم** سے مراد ہے آج موت کا دن عذاب' عقاب اور عتاب میں فرق اور عذاب کے اقسام بارہا بیان ہو چکے۔ **ھون** کے معنی ہیں **ھوان** یعنی ذلت' خواری' رسوائی۔ خیال رہے کہ بعض گنہگار مومنوں کو بھی عارضی عذاب ہو گا مگر وہ عذاب طہارت صفائی کے لئے ہو گا۔ کافر کو عذاب رسوائی کے لئے اس لئے مومن کو عذاب کے بعد معافی اور رہائی ملے گی کفار کو نہ ملے گی۔ جیسے بھٹی میں کوئلہ بھی جاتا ہے اور میلا سونا' لوہا بھی مگر کوئلہ جلنے کے لئے جاتا ہے' سونا صاف ہونے کے لئے نیز مومن کو عذاب خفیہ دیا جائے گا تاکہ اس کی رسوائی نہ ہو' کافر کو علانیہ (از تفسیر صاوی شریف) اس لئے یہاں **عذاب الھون** ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ معافی دے عذاب نہ دے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

صدقہ پیارے کی حیا کا کہ نہ لے میرا حساب بخش بے پوچھے لجائے کو لجانا کیا ہے!

بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق۔ یہ عبارت **تجزون** کی علت ہے اس عبارت میں تمام کفار کے ہر قسم کا کفر مراد ہے۔ چند خالق و معبود ماننا یہ کہنا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی وحی نہ اتاری یا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہوئے کہنا کہ میں نبی ہوں مجھ پر وحی آتی ہے غرضیکہ ہر کفر کا ذکر اس کلمہ میں فرمادیا۔ **تقولون** میں قول سے مراد یا تو زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ یعنی عذاب تمہارے اعمال کا نہیں بلکہ تمہارے برے عقیدوں کا ہے' بد عملیوں کا عذاب اس کے علاوہ ہے اور نیک اعمال برباد ہو چکے ہیں یا ان کا معاوضہ تم دنیا میں پاچکے ہو۔ **و کنتم عن ایاتہ تستکبرون** یہ ان کے عذاب کی دوسری وجہ کا بیان ہے۔ یہ عبارت **کنتم تقولون** پر معطوف ہے۔ آیات اللہ سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیتیں ہیں گویا گذشتہ آسمانی کتابوں کی آیتیں یا حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کہ ان کا ہر قول و فعل' ہر حرکت و سکون اللہ کی آیت اس کی قدرت کی نشانی ہے یعنی تم لوگ ان مذکورہ آیتوں کو ماننے' ان میں غور کرنے میں اپنی توہین سمجھتے تھے اپنے کو نبی سے بہتر جانتے تھے' ان کی غلامی سے عار کرتے تھے' اس تکبر کا نتیجہ ذلت و خواری ہے چکھو ذلت کا عذاب۔

خلاصہ ء تفسیر: ہر قسم کا کفر ظلم ہے مگر سب سے بڑا ظلم یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے' مخلوق پر جھوٹ باندھنا' نبی پر جھوٹ باندھنا۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ سب ہی ظلم ہیں مگر یہ آخری ظلم بدترین ہے۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرماؤ کہ اس سے بڑا مشرک و کافر کون ہو گا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے کہ کہے اللہ نے نبی نہیں بھیجے ان پر کتب نہیں اتاریں' یا جو کہے کہ میں بھی نبی ہوں' مجھ پر بھی نبوت کی وحی آتی ہے حالانکہ وہ نبی نہ ہو جھوٹا نبی بنتا ہو یونہی بڑا ظالم وہ ہے جو کہے کہ میں بھی قرآن جیسی آیات بنا سکتا ہوں۔ یہ تینوں مجرم مخلوق الٰہی میں بڑے ہی ظالم ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ حرکتیں اس وقت تک ہیں جب تک یہ موت کے عذاب میں گرفتار نہیں ہوئے زندگی میں عیش کر رہے ہیں وہ نظارہ قابل دید ہے جبکہ جان نکالنے والے فرشتے انہیں گھیرے ہوتے ہیں۔ اور یہ لوگ موت کی کشمکش موت کی بے شمار سختیوں میں گرفتار ہوتے ہیں اور فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ اپنی جان ہمارے حوالہ کرو اور ان کی روح جسم کے رگ و ریشہ میں چھپتی پھرتی ہے۔ فرشتے اس روح کو پکڑنے کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آج تم کو ذلت و خواری کا عذاب دیا جائے گا یہ سخت عذاب

www.alahazratnetwork.org

تمہاری ان دو بدعقیدگیوں کی وجہ سے ہو گا ایک تو تمہارا اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا' اس کی طرف غلط باتوں کی نسبت کرنا' دوسرے تم اللہ کی آیتوں یعنی حضرات انبیاء' ان کے معجزات' ان کی کتابوں کے ماننے سے تکبر کرتے تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے ہم کو دو قوتیں دی ہیں۔ ایک زور' دوسرا زاری۔ دونوں قوتیں کار آمد ہیں۔ کفار کے مقابل زور دکھاؤ وہاں زاری نہ کرو ورنہ شکست کھاجاؤ گے۔ نبی' ولی' شیخ' دینی استاد کے دروازوں پر زور نہ دکھاؤ۔ زاری کرو ورنہ بے ایمان ہو جاؤ گے۔ وہاں تدبیر' تقریر کی جگہ نہیں وہاں عجزو انکسار میں تاثیر ہے۔ حضرت علی محراب میں آتے تو زاری کرتے تھے۔ میدان جنگ میں جاتے تو زور دکھاتے تھے۔

هو البكاء في المحراب ليلا ۔۔۔ هو الضحاك في يوم الضراب

بچہ اپنی ماں سے زاری کر کے دودھ مانگتا ہے دیکھو نضر ابن حارث وغیرہم۔ کفار نے نبی کے دروازے پر زور تدبیر دکھایا تو آج تک ان پر پھٹکار پڑ رہی ہے۔ شیطان نے آدم علیہ السلام کے مقابل زور علم دکھایا تو آج تک لعنت پڑ رہی ہے۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: تمام گناہوں سے بڑا گناہ جھوٹ ہے کہ جھوٹ کبھی کفرو شرک بھی ہو جاتا ہے اور تمام جھوٹوں سے بڑا بھاری اور بدترین جھوٹا وہ ہے جو نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرے۔ اسی لئے قانون قدرت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا جھوٹ ظاہر فرمادیتا ہے۔ دیکھو غلام احمد قادیانی نے جو بھی دعویٰ کیا اس میں جھوٹا پڑا۔ محمدی بیگم کے نکاح کا دعویٰ کیا مگر وہ اس کے نکاح میں نہ آئی۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری اس کی زندگی میں نہ مرے بلکہ وہ خود مولوی ثناء اللہ کی زندگی میں ذلیل و خوار ہو کر ہلاک ہوا۔ یہ فائدہ **او قال اوحي الي** الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: کافر کو موت کی سختی بہت زیادہ ہوتی ہے کہ اسے نزع کی شدت کے ساتھ دنیا چھوٹنے عذاب کے فرشتے دیکھنے آئندہ عذاب کی خبر کی وحشت کا عذاب بھی ہوتا ہے۔ مومن انشاء اللہ ان تکالیف سے محفوظ رہتا ہے۔ یہ فائدہ **في غمرات الموت** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کافر کو عذاب مرتے وقت ہی شروع ہو جاتا ہے کہ اس کی موت بھی عذاب ہے' اسے قبر میں بھی عذاب اور حشر میں دائمی عذاب۔ مومن اس سے محفوظ ہے' اسے قبر میں عذاب بھی عارضی ہوتا ہے جو زندوں کے صدقات و خیرات' اچھوں کی دعا کی برکت سے ختم ہو جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں پر تر شاخیں گاڑ دیں اور فرمایا کہ اس سبزہ کی تسبیح کی برکت سے ان کا عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ کافر کی قبر پر اگر پورا درخت بھی لگادو اور وہاں بیٹھ کر سارا قرآن بھی پڑھ دو مگر اس کا عذاب قبر نہ ختم ہو' نہ ہلکا کہ وہ عذاب دائمی مستقل ہے۔ یہ فائدہ **اليوم تجزون** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: کافر کے مرتے وقت موت کے فرشتے اس سے سخت کلام کرتے ہیں اور اس کی پکڑ کے لئے غضب کا ہاتھ بھی بڑھاتے ہیں۔ جس سے اس میت کی تکلیف اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **والملائكة باسطوا ايديهم** الخ سے حاصل ہوا۔ مومن میت سے فرشتے دوستانہ بلکہ محبوبانہ کلام بھی کرتے ہیں' اسے جنت اور رضاء الٰہی کی بشارتیں بھی دیتے ہیں جس سے اس کی تکلیف اور بھی کم ہو جاتی ہے۔ **چھٹا فائدہ**: مومن کیسا ہی گنہگار ہو اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار نہ کرے گا اگر اسے عذاب بھی دیا گیا تو خفیہ دیا جائے گا ذلت و خواری کفار کے لئے ہے۔ یہ فائدہ **عذاب الهون** سے حاصل ہوا۔ مومن پر یہ کرم محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کی لاج کے طور پر ہو گا۔ **ساتواں فائدہ**: تکبر بڑی بری بیماری ہے یہ صدہا گناہوں کی جڑ ہے۔ یہ فائدہ **تستكبرون** سے حاصل ہوا۔ ابو جہل' ابولہب بلکہ شیطان اسی تکبر کی وجہ سے ہلاک ہوئے۔ تکبر کا انجام ذلت و خواری ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: عبداللہ ابن سرح نے اور نضر ابن حارث نے آیات اتارنے کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ آیات بنانے کا دعویٰ کیا تھا تو ان کے متعلق **سانزل مثل ما انزل اللہ** فرمانا کیونکر درست ہوا؟ اور یہ آیت ان پر کیونکر چسپاں ہوئی؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اتارنے سے مراد گھڑ لینا ہے وہ کہتے تھے کہ آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بنا لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم پر یہ آیات اتریں یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں اگر ان کا کلام اترتا ہے تو میں بھی اتار سکتا ہوں ان کا یہ کلام بطور تمسخر تھا۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ غمرات موت صرف کافر کو ہوتے ہیں مگر حدیث پاک میں ہے کہ سکرات موت مومن کو بھی ہوتے ہیں۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نزع کی بہت شدت ہوئی آپ اس حالت میں فرماتے تھے **ان للموت سکرات** آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ جواب: غمرات اور سکرات میں فرق ہے۔ سکرات موت تو مومن کو بھی ہو جاتے ہیں مگر غمرات موت صرف کفار کو ہوتے ہیں سکرات موت جان نکلنے کی شدت کو کہا جاتا ہے بدن کی رگ رگ سے روح کا نکلنا آسان نہیں غمرات موت وہ تکالیف ہیں جو عذاب اور عذاب کے فرشتے۔ دنیا کا نمونہ دکھانا وغیرہ ان کی وجہ سے ہوں لہذا احادیث و آیت میں تعارض نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو موت کی شدت اس لئے محسوس ہوئی تاکہ تاقیامت آپ کی امت کے لئے آسانی ہو کہ ہر مردہ مرتے وقت تکلیف پا کر خیال کرے کہ یہ تکلیف بھی سنت رسول ہے اس خیال سے اس کے لئے یہ تکلیف راحت بن جائے۔ رب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غلاموں کو سکرات موت نہیں ہوتی نہایت آسانی سے جان نکلتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ شہید کی جان کنی ایسی ہوتی ہے جیسے چیونٹی کا کاٹنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیاوی تکالیف فقر و فاقہ امت کے نمونہ بننے کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے امتی حضور کے صدقہ سے بڑے آرام سے زندگی گزارتے ہیں۔۔

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسری زیر پائے امتش

ہم جیسے غلام ان کے نام پر عیش کر رہے ہیں مگر شہنشاہ کھجوروں کے ستو جو کی روٹی پر گزارہ کر رہے ہیں۔۔

وہ آقا جو کہ خود کھائے کھجوریں اور غلاموں کو کھلائے نعمتیں دنیا کی کب ایسا کہیں دیکھا

تیسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ کافر سے موت کے فرشتے کہتے ہیں **اخرجوا انفسکم** اپنی جانیں نکالو۔ یہ کہنا کیا ہے کافر اپنی جان نکالنے پر قادر نہیں۔ جان نکالنا تو فرشتوں کا کام ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **قل یتوفکم ملک الموت الذی وکل بکم** آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ فرشتوں کا یہ کلام اظہار غضب کے لئے ہو گا جیسے حاکم کا سپاہی مجرم چور کا گریبان پکڑ کر کہے نکال جو کچھ تو نے چرایا ہے حالانکہ اس سے مال برآمد کر لینا سپاہی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ فرشتوں کے اس کلام کے دو معنی ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے آپ کو اس مصیبت سے نکال لو اگر نکال سکتے ہو۔ دوسرے یہ کہ اپنی جانیں نکالو بہر حال یہاں غضب کا اظہار ہے اس آیت میں واقعہ کا ذکر ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا آج تم کو ذلت کا عذاب دیا جائے گا یہ کیونکر درست ہوا۔ عذاب تو قیامت میں ہو گا۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کافر کی موت بھی عذاب ہے اسے قبر میں بھی عذاب اسے حشر میں بھی عذاب یہاں پہلے عذاب کا ذکر ہے یعنی موت کا عذاب جیسے مجرم کو پولیس کا پکڑنا بھی عذاب ہے۔ حوالات میں رکھنا بھی عذاب اور فیصلہ کے بعد جیل میں رہنا بھی عذاب دوسرے یہ کہ **الیوم** سے مراد آج موت کا دن نہیں بلکہ اس سے مراد ہے مطلقا

www.alahazratnetwork.org

وقت جس تو دنیا میں عیش میں رہا اب عذاب دیا جائے گا۔ لہٰذا وقت موت، زمانہ قبر اور قیامت و دوزخ کا زمانہ سب ہی الیوم میں داخل ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کو یہ عذاب اس کے کفر و تکبر کی وجہ سے ہوں گے کہ فرمایا گیا **بما کنتم تقولون** الخ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے عذاب اس کی بد عملیوں کی وجہ سے ہوں گے۔ فرماتا ہے **انما تجزون ما کنتم تعملون** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ آیات کا انکار کرنا اور غرور و تکبر کرنا بھی عمل ہی ہے لہٰذا اس پر عمل ہی کی سزا ہے۔ دوسرے یہ کہ کافروں کو کفر کی بھی سزا ملے گی اور ان کی بد عملیوں کی بھی یہاں کفر کی سزا کا ذکر ہے وہاں بد عملیوں کی سزا کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ کفار کو جھوٹ بولنے، شراب پینے، جوا کھیلنے، نماز نہ پڑھنے، روزہ نہ رکھنے، زکوٰۃ نہ دینے کی بھی سزا ہوگی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ دوزخی کفار اپنی سزا کی وجہ یوں بیان کریں گے **لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین** جیسے مومن کو ایمان کا ثواب بھی ملے گا اور نیک اعمال کا بھی۔ خیال رہے کہ اسلامی عبادات شرعاً" کافر پر فرض نہیں اس لئے کافر جب مسلمان ہو جائے تو وہ زمانہ کفر کی نمازیں، روزے قضا نہیں کرتا مگر سزاء" اس پر یہ چیزیں فرض ہیں کہ قیامت میں اسے کفر کے ساتھ ان بد عملیوں کی بھی سزا ملے گی۔

تفسیر صوفیانہ: مومن دنیا میں رہتا ہے مگر دنیا اس میں نہیں رہتی اس میں خالص دین رہتا ہے۔ جیسے کشتی دریا میں رہتی ہے مگر دریا کشتی میں نہیں رہتا بلکہ کشتی میں سواریاں، ان کا سامان مال متاع رہتا ہے۔ چونکہ کافر میں دنیا رہتی ہے لہٰذا اس کے دل و زبان پر جھوٹ، افتراء، شرک و طغیان سب ہی کچھ رہتا ہے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جس کے دل و زبان میں اس قسم کے کفر و طغیان، جھوٹ و فریب ہوں" کافر جب مرتا ہے تو اس کے جسم میں سے روح نکلتی ہے اور دل میں سے دنیا نکالی جاتی ہے۔ اسے روح کے نکلنے کے ساتھ دنیا نکلنے کا بھی صدمہ ہوتا ہے اس کے لئے موت بڑی مصیبت بن جاتی ہے۔ مومن جب مرنے لگتا ہے تو روح تو اس کے جسم سے نکلتی ہے مگر اس کے دل میں سے دنیا نہیں نکلتی کہ دنیا وہاں تھی ہی نہیں بلکہ وہ دنیا سے اور یہاں کی آفتوں سے نکلتا ہے اس لئے اسے جان نکلنے کا صدمہ ہوتا ہے مگر اسکے ساتھ ہی دنیا کے جنجال سے چھوٹنے اور اپنے محبوبوں سے ملنے کی خوشی پر خوشی ہوتی ہے۔ اس لئے کافر سے موت کے فرشتے یہ بھی کہتے ہیں کہ اپنی جان ہمارے حوالہ کرو اور اسے پکڑتے، دبوچتے بھی ہیں، مومن کی جان تو اتراتی ہوئی خوشی مناتی ہوئی خود ہی نکل کر فرشتوں کے پاس پہنچ جاتی ہے، جان کنی کے صدمہ کا انتظام یہ فرمایا جاتا ہے کہ مومن کے لئے مرتے وقت مدینہ منورہ تک حجابات اٹھا دیئے جاتے ہیں اور وہ جمال محمدی کا نظارہ کرتا ہے اس نظارہ میں اسے شدت جان کنی محسوس نہیں ہوتی اس وقت اس کے ہر رونگٹے سے کلمہ طیبہ درود شریف جاری ہوتا ہے۔ آس پاس کے مسلمان سامنے والے فرشتے اور خود یہ اللہ کے ذکر میں مشغول ہوتے ہیں اور یہ دولہا کی طرح روانہ ہوتا ہے۔ ہم نے عرض کیا ہے۔

شدت جانکنی ہو جب نزع کی جب ہو کشاکش   ورد زبان ہو یا خدا صلی علیٰ محمد

اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنائے ایسی ہی موت نصیب کرے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی زندگی اور اس کا عیش و آرام کھانا پینا وغیرہ بھی اللہ کا عذاب ہے اور اس کی بیماری موت قبر و حشر بھی اللہ کا عذاب مومن کے لئے یہ تمام چیزیں اللہ کی رحمت ہیں۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ کافر یہ سب کچھ اپنے نفس کے لئے کرتا ہے مومن یہ سب کچھ رب کے لئے کرتا ہے۔ جو چیز رب کے لئے ہو

www.alahazratnetwork.org

وہ رحمت ہے۔ جو نفس کے لئے ہو وہ عذاب ہے دوسرے یہ کہ کافر کے یہ تمام کام انجام غفلت ہوتے ہیں کہ وہ ان نعمتوں میں مشغول ہو کر غافل ہو جاتا ہے مومن کی تمام نعمتوں کا انجام دیسیلت یعنی خدا رسی ہوتا ہے۔ مہمان کو اچھے کھانے کھلانا اس کی عزت افزائی اور محبت ہے۔ پھانسی کے ملزم کو بھی اچھے کھانے دیئے جاتے ہیں مگر وہ اس کے لئے سزا کی ابتدا ہے۔ مگر مرتے سے اس کی ذلت کے عذاب کی ابتدا ہوتی ہے۔ اس لئے فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ آج تجھے ذلت کا عذاب دیا جائے گا۔

وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِ

اور البتہ تحقیق آئے تم ہمارے پاس اکیلے اسی طرح کہ پیدا کیا ہم نے تم کو اول بار اور چھوڑ دیا تم نے وہ جو عطا کیا ہم نے

اور بے شک تم ہمارے پاس اکیلے آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تھا اور پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے جو مال متاع

كُمْ وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا لَقَدْ

تم کو پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور نہیں دیکھتے ہم تمہاری شفاعت کرنے والوں کو وہ کہ گمان کیا تم نے کہ بیشک

ہم نے تمہیں دیا تھا اور ہم تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو نہیں دیکھتے جن کو تم اپنے میں ساجھی بتاتے

تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ۠ ع

وہ تم میں شریک ہیں البتہ تحقیق ٹوٹ گئے تمہارے آپس کے رشتے اور غائب ہو گئے تم سے وہ کہ تم گمان کرتے تھے

تھے بیشک تمہارے آپس کی ڈور کٹ گئی اور تم سے گئے جو دعوٰی کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی اس بے کسی بے بسی کا ذکر ہوا جو انہیں موت کے وقت ہوگی۔ اب ان کی قیامت کے دن کی بے کسی بے بسی کا ذکر ہے گویا قیامت صغریٰ کی آفات کے بعد قیامت کبریٰ کی مصیبتوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے دنیا سے جانے یعنی ان کی جان کنی کا ذکر ہوا۔ اب ان کے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونے کا ذکر ہے گویا ان کے دنیا سے نکلنے کا ذکر فرمانے کے بعد اس جہاں میں داخلہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار پر موت کے فرشتے بہت سختی کریں گے ان کے ساتھ برتاؤ دشمنی کا کریں گے۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے دنیاوی دوست بھی ان کا ساتھ چھوڑ جائیں گے بلکہ ان کے دشمن ہو جائیں گے۔

شان نزول : کفار مکہ اپنے مال و دولت اور فقراء مسلمین کے فقر و فاقہ کو دیکھ کر فخریہ کہا کرتے تھے کہ جیسے ہم دنیا میں ان مسلمانوں سے اچھے ہیں ان کے مقابل آرام سے ہیں ایسے ہی آخرت میں ہم ان سے اعلیٰ و افضل ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہے ان لوگوں سے ناراض ہے اسی لئے اس نے ہم کو امیر انہیں فقیر بنایا ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی

(روح البیان) ابن جریر اور ابن منذر نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ نضر ابن حارث کہتا تھا میرے لات و عزیٰ اور دوسرے بت قیامت میں میری شفاعت کریں گے۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں کفار کی بے کسی 'بے بسی کا نقشہ کھینچا گیا۔ (روح المعانی)۔

تفسیر : **و لقد جئتمونا فرادی** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے جو قیامت میں بطور عتاب کفار سے ہو گا اگرچہ یہ واقعہ آئندہ ہو گا مگر چونکہ اس کا ہونا یقینی ہے۔ اس لئے **جئتمونا** ماضی ارشاد ہوا" آنے سے مراد ہے۔ دنیا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہونا جیسے پکڑا ہوا ملزم گھر بار چھوڑ کر کچہری حوالات وغیرہ میں حاضر ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ پہلے تم ہم سے دور یا غائب تھے اب آئے ہو حاضر ہوئے ہو۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہر وقت ہر بندے کے ساتھ ہے **وهو معكم اينما كنتم** وہ آنا تو جانے کے مقابل ہوتا ہے یہ آنا معنی پانا ہے۔ خیال رہے کہ قیامت میں سب ہی بارگاہ الٰہی میں پہنچیں گے مگر اللہ کے مقبول بندے تو احترام عزت سے بلائے جائیں گے۔ ہم جیسے گنہگار بخوشی جائیں گے۔ کفار اور دشمنان دین پکڑ کر لائے جائیں گے بلانا 'جانا' لانا ان میں بڑا فرق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری وہاں عجیب ہی نوعیت سے ہو گی۔ قیامت کا قریبا" سارا دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی 'مدح گوئی میں صرف ہو گا۔ رب فرماتا ہے **عسى ان يبعثك ربك مقاما محمودا**۔ **فرادى** یا تو جمع ہے فردان کی جیسے سکران کی جمع سکاریٰ اور کسلان کی جمع کسالیٰ یا جمع ہے فرید کی جیسے اسیر کی جمع اساریٰ بعض نے فرمایا کہ یہ جمع ہے فرد کی خلاف قیاس۔ بہر حال یہ بنا ہے فرد سے معنی اکیلا ہونا سب سے الگ ہونا اسی لئے طاق عدد کو فرد کہا جاتا ہے کہ اس میں جوڑے نہیں ہوتے یہاں اکیلے سے مراد ہے اپنے دوست احباب 'بال' بچوں 'نوکروں' خادموں سے اکیلے کہ وہ سب تم کو تنہا چھوڑ گئے۔ اب وہ تمہارے دشمن اور تمہارے خلاف گواہ بن گئے یا مراد ہے اپنے نیک اعمال صدقہ خیرات وغیرہ سے اکیلے کہ وہ تمام برباد ہو گئے اور تم اکیلے رہ گئے یا مراد ہے ان کا کفر و شرک اور بد عملیاں یعنی تم کو ان اعمال نے کوئی فائدہ نہ دیا بلکہ نقصان پہنچایا۔ یا مطلب یہ ہے کہ تمہارے پنڈت پوپ پادری تمہارے بت ان سب نے تم کو اکیلا چھوڑ دیا۔ کوئی تمہارے کام نہ آیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ کلام موت کے فرشتوں یا عذاب کے فرشتوں کا ہے اور یہ جملہ معطوف ہے۔ **اخرجوا انفسكم** پر اس صورت میں آنے سے مراد ہے فرشتوں کے سامنے پیش ہو جانا اکیلا رہ جانا یعنی فرشتے موت دیتے وقت ان سے کہیں گے کہ بولو اب تمہارے سارے عزیز و اقارب تمہیں چھوڑ چکے۔ اب تمہارا واسطہ ہم سے ہی ہے مگر پہلی تفسیر قوی ہے کیونکہ آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ **كما خلقنا كم اول مرة** وہ کلام رب تعالیٰ کا ہی ہے کہ خالق وہی ہے (از روح المعانی) اس جملہ کی اور بھی تفسیریں ہیں **كما خلقنا كم اول مرة**۔ یہ عبارت فرادی کا بدل ہے کاف معنی مثل ہے خلق سے مراد ان کفار کی ولادت ہے اس لئے اول مرۃ ارشاد ہوا یعنی جیسے تم اپنی ولادت و پیدائش کے وقت اکیلے گئے تھے کہ اس وقت تمہارا کوئی دوست یار نہ تھا ایسے ہی اب یہاں آئے یا جیسے تم دنیا میں گئے تھے ننگے بدن 'ننگے سر' بے ختنہ 'بڑے بڑے بال ایسے ہی تم ہمارے ہاں ننگے' بے ختنہ آئے ہماری بارگاہ میں پیش ہوئے۔ خیال رہے کہ قیامت کے دن سارے انسان اپنی قبروں سے کفن میں ملبوس اٹھیں گے 'پھر ننگے بدن' ننگے پاؤں 'بے ختنہ' میدان حشر یعنی شام کی زمین تک جائیں گے مگر اس دن ہیبت الٰہی کا یہ حال ہو گا کہ کوئی کسی کی طرف نہ دیکھ سکے گا سب کی نظریں آسمان کی طرف لگی ہوں گی۔ گویا ہیبت الٰہی لوگوں کا پردہ ہو گی مگر مومنوں کی یہ عریانی (ننگا پن) عارضی ہو گی۔ محشر میں پہنچ کر ان کے جسموں پر

www.alahazratnetwork.org

قدرتی طور پر لباس آجائیں گے۔ کفار دوزخ میں بعض تو ننگے ہوں گے' بعض کو آگ کا لباس پہنایا جائے گا۔ یونہی مسلمانوں کا بے یار و مددگار ہونا محض عارضی ہو گا کہ اول وقت ماں بیٹی سے' باپ بیٹے سے' بھائی بھائی سے بھاگے گا۔ **یوم یفر المرء من اخیہ و امہ و ابیہ** الخ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر شفاعت کبریٰ کا دروازہ کھلتے ہی سارے مسلمان ایک دوسرے کے مددگار و یار بن جائیں گے ایک دوسرے کی شفاعت کریں گے مگر کفار وہاں ہمیشہ ہی بے یار و مددگار رہیں گے۔ لہٰذا یہ فرمان کفار کے لئے نہایت موزوں ہو گا۔ **و ترکتم ما خولنا کم وراء ظھورکم۔** یہ جملہ معطوف ہے۔ **جئتمونا** پر یہ یا تو اس میں **فرادی** کا بیان ہے یا کفار کا۔ دوسرا حال ہے یہاں چھوڑنے سے مراد ہے دنیاوی مال و متاع اولاد و اقارب کا اس وقت ان کے ساتھ نہ ہونا' ان کے کام نہ آنا' اگرچہ ان کی اولاد' ان کا مال گنجے سانپ کی شکل میں محشر میں موجود تو ہوں گے مگر ان کے دشمن ہو کر لہٰذا **ترکتم** فرمانا نہایت ہی موزوں ہے مسلمانوں کے بچے مال وغیرہ وہاں ان کے کام آئیں گے لہٰذا وہ چھوٹیں گے نہیں۔ دشمنوں میں گھرا ہوا آدمی کہتا ہے کہ میں اکیلا ہوں یعنی میرا حمایتی کوئی نہیں ایسے ہی وہاں ہو گا۔ کفار کی اولاد وغیرہ شکایت کرنے کے لئے جائے گی اور مومنوں کی اولاد وغیرہ شفاعت کرنے کے لئے شکایت و شفاعت کا فرق ہو گا۔ **ما** سے مراد ہے دنیاوی سامان' اولاد' غلام' نوکر چاکر وغیرہ۔ **خولنا** بنا ہے **تخویل** سے جس کا مادہ ہے **خول** بمعنی بغیر معاوضہ عطیہ اسی لئے نوکر چاکر خدام و غلام کو **خول** کہتے ہیں جس کا واحد ہے **خائل** پیٹھ پیچھے چھوڑنے کا مطلب ہوتا ہے' چھوڑ کر بہت دور ہو جانا کیونکہ سفر میں پیٹھ پیچھے چھوڑی ہوئی چیز بہت دور رہ جاتی ہے۔ وہی محاورہ یہاں استعمال ہوا یعنی دنیا کی تمام نعمتیں جو ہم نے تم کو بلا معاوضہ عطا کی تھیں تم اپنے پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے کہ آج ان میں سے کوئی چیز تمہارے لئے مفید نہیں ہوئی۔ کافر کا جمع کیا ہوا اور خرچ کیا ہوا مال ایسا ہوتا ہے جیسے چوراہے میں رکھی ہوئی چیز یعنی بالکل برباد اور مومن کا کھایا ہوا' خرچ کیا ہوا' چھوڑا ہوا مال ایسا ہوتا ہے جیسے بنک میں جمع کیا ہوا مال کہ وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ کیونکہ کافر یہ سب کچھ نفس کے لئے کرتا ہے۔ مومن اللہ کے لئے لہٰذا کافر سب چھوڑ کر جاتا ہے' مومن سب کچھ لے کر جاتا ہے۔ **وما نری معکم شفعاء کم۔** یہ جملہ معطوف ہے **و ترکتم** الخ پر اس میں ان کی ایک اور بے کسی کا ذکر ہے **معکم** میں ہمراہی سے مراد مدد و تعاون کی ہمراہی ہے کیونکہ کفار و مشرکین کے بت انہیں سزا دینے کے لئے ان پر مسلط تو ہوں گے جیسا کہ ہم **وقودھا الناس والحجارۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **شفعاء** جمع ہے **شفیع** کی جس کا مادہ **شفع** ہے بمعنی جوڑا سفارشی' حمایتی کو **شفیع** کہا جاتا ہے اور سفارش کو شفاعت کیونکہ سفارشی اسے اکیلا نہیں چھوڑتا اس کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ یہاں **شفعاء** سے مراد کفار کے خیالی وہمی' فرضی' سفارشی ہیں جنہیں وہ دنیا میں اپنا شفیع سمجھتے تھے۔ یعنی ان کے بت' پوپ' پادری' پنڈت وغیرہ **الذین زعمتم انھم فیکم شرکاء۔** یہ عبارت **شفعاء کم** کی صفت ہے **زعم** سے مراد ہے ان کفار کی دنیا میں عقیدت قرآن مجید میں زعم اچھے عقیدے کو بھی فرمایا گیا ہے اور برے عقیدے غلط خیال کو بھی یہاں غلط عقیدے کے معنی میں ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔۔۔

نقول ھلکنا ان ھلکت و انما　　　علی اللہ ارزاق العباد کم زعم!

اس شعر میں زعم بمعنی صحیح خیال ہے۔ **فیکم** سے مراد ہے **فی عبادتکم یا فی ربوبیتکم۔ شرکاء** جمع ہے **شریک** کی جیسے **رحماء** جمع **رحیم** کی یعنی آج تمہارے ساتھ' تمہارے وہ سفارشی نظر نہیں آتے جن کے متعلق دنیا میں تمہارا عقیدہ یہ تھا کہ وہ تمہاری عبادات' تمہاری ربوبیت میں اللہ کے شریک ہیں۔ خیال رہے کہ اسلامی شفاعت میں چار شرطیں ہیں ان کے ماتحت

شفاعت برحق ہے ان کے علاوہ شفاعت ماننا کفر و بے دینی ہے۔ (1) شفیع حاکم کا زماتحت ہو نہ اس کے برابر ہو نہ اس سے بڑا۔ (2) شفیع حاکم کا اجنبی یا دشمن نہ ہو بلکہ حاکم کے ہاں اس کی عزت ہو یا محبت۔ (3) وہ جرم جس کی معافی کی شفاعت ہو وہ قابل بخشش ہو۔ (4) شفاعت قانون کے ماتحت نہ ہو کہ وہ تو وکالت ہے بلکہ قانون کے علاوہ عفو و کرم کی درخواست کے طور پر ہو وکالت اور شفاعت کو رب کی برابر جان کر ان کی دھونس کی شفاعت کے قائل تھے یہ کفر تھا نیز وہ اللہ کے دشمنوں کی شفاعت کے قائل تھے۔ نیز وہ لوگ اپنے شرک و کفر کی معافی کے لئے شفاعت کے قائل تھے۔ ان وجوہ سے ان کے عقیدہ شفاعت کی تردید کی جاتی ہے اور اسلامی شفاعت کی تصدیق۔ خیال رہے کہ مجرم کو حاکم کی سزا سے بطور عدل بچانا وکالت ہے اور اسے بطور فضل بچانا شفاعت ہے۔ شفاعت یہ ہے کہ خدایا واقعی یہ مجرم قانونی طور پر سزا کا مستحق ہے مگر تو غفور رحیم ہے اس پر رحم کر معاف دیدے **لقد تقطع بینکم** یہ عبارت **و ماندی** کی دلیل ہے اور وجہ ہے ہماری قراءت میں بین کا فتحہ ہے یا اس لئے کہ تقطع کا فاعل او صل یا الامر ہے۔ بین اس کا ظرف ہے یا اس لئے کہ خود بین ہی تقطع کا فاعل ہے۔ چونکہ بین پر فتحہ لازم ہے ہے اس لئے مفتوح ہوا۔ بعض قراءتوں میں **بینکم** پیش سے ہے اس میں بین یقیناً فاعل ہی ہے یعنی تمہارے ساتھ تمہارے ہمراہ اس لئے نظر نہیں آتے کہ تمہارے ان کے درمیان جو رشتے تھے وہ آج ٹوٹ گئے کیونکہ نفسانی رشتے نفس کے فنا ہوتے ہی فنا ہو جاتے ہیں۔ روحانی ایمانی رشتے باقی ہیں۔ انہیں فنا نہیں **و ضل عنکم ما کنتم تزعمون** یہ عبارت معطوف ہے۔ لقد تقطع پر یہاں **ضلال** سے مراد چلا جانا غائب ہو جانا باطل ہو جانا ہے ما سے مراد کفار کے بت ہیں یا ان کے برے عقیدے غلط خیالات یہاں بھی زعم بمعنی غلط خیال ہے یعنی آج تمہارے جھوٹے سفارشی تم سے غائب ہو گئے جن کی تم کو آس تھی یا آج تمہارے جھوٹے عقیدے باطل ہو گئے جنہیں تم نے دنیا میں اختیار کیا ہوا تھا۔ آج صحیح و غلط کا تم کو پتہ لگ گیا یا تمہارے دنیاوی نیک اعمال برباد ہو گئے غرضیکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ (1) تمہارے پوپ پادری پنڈت تم سے غائب ہو گئے کہ تمہارے کام نہ آئے کیونکہ وہ خود اپنی مصیبت میں گرفتار ہیں۔ (2) جن نبیوں ولیوں کی شفاعت کی تم نے آس لگائی تھی جیسے یہود نے حضرت موسیٰ و عزیر کی شفاعت کی یا عیسائیوں نے جناب مریم و حضرت عیسیٰ کی شفاعت کی ان کی شفاعت تم سے غائب ہو گئی کہ تم ان کی شفاعت کے لائق نہیں۔ علاج کے لئے ضروری ہے کہ طبیب لائق ہو اور مریض قابل علاج ہو۔ (3) تمہارے نیک اعمال صدقے وغیرہ برباد ہو گئے یا اس لئے کہ تمہارے دل کا رخ نبی کی طرف نہ تھا جیسے نماز کے جواز کے لئے منہ کعبہ کو چاہئے ورنہ سب بیکار ایسے ہی قبول اعمال کے لئے دل کا رخ کعبہ ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ ارواح ہیں یا اس لئے کہ تمام اعمال گویا مضمون ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا پتہ ہیں پتہ کے بغیر مضمون مکتوب الیہ تک نہیں پہنچتا ہے دیکھو خدا کو سجدہ کرنا ہو تو کعبہ کی طرف جھکو اور بغیر رب کی اطاعت کرنا ہو تو جناب مصطفیٰ کی اطاعت کرو **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ** لاپتہ والے کو خط بھیجنا ہو تو کسی پتہ والے کی معرفت سے بھیجو خدا لاپتہ ہے مکان سے پاک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت درکار۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں کفار کی چھ قسم کی بے کسی بے بسی بیان فرمائی گئیں جو انہیں قیامت میں ہوں گی۔ ان کا بارگاہ الٰہی میں اکیلا حاضر ہونا، دنیا میں جیسے گئے تھے ویسے ہی پیش ہونا، اپنے مال و متاع دنیا میں چھوڑ جانا، خالی ہاتھ پیش ہونا، ان کے ساتھ کسی شفاعت کرنے والے کا نہ ہونا یعنی ان کا بے یارو مددگار ہو کر پیش ہونا، ان کے دنیاوی رشتے ناطے ٹوٹ جانا، ان کے

www.alahazratnetwork.org

اعمال کا برباد ہو جانا چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو کفار کی موت کا حال اس وقت کی ان کی بے کسی فرشتوں کی ان پر سرزنش تم سن چکے اب ان کی محشر کی بے کسی بارگاہ الٰہی میں پیشی کا حال بھی سن لو اللہ تعالیٰ ان سے بطور عتاب و قہر فرمائے گا کہ تم جیسے دنیا میں گئے تھے ویسے ہی ہمارے پاس آئے کہ نہ تمہارے ساتھ تمہارا کوئی ساتھی ہے' نہ دوست و احباب نہ قرابت دار' نہ بیوی بچے' نہ کوئی اور بالکل تنہا آئے ہو نیز ہم نے جو کچھ مال و دولت عزت و آبرو تم کو بخشی تھی وہ بھی تم وہاں دنیا میں ہی چھوڑ آئے اور وہاں تم جن بتوں' پنڈتوں' پادریوں' پوپوں کو اپنا قیامت کا شفیع و سفارشی سمجھتے تھے اور تم نے ان کے متعلق یہ خیال کر رکھا تھا کہ وہ تمہاری عبادات وغیرہ میں حصہ دار ہیں وہ آج تمہارے ساتھ تمہاری امداد کے لئے نظر نہیں آتے بتاؤ وہ کہاں گئے۔ بات یہ ہے کہ آج تمہارے سارے آپس کے رشتے ٹوٹ گئے' اب آج نہ تمہارا کوئی بیٹا ہے نہ بھائی' نہ دوست' نہ یار' نہ مددگار اور جن شیاطین نے تم سے وعدے کئے تھے کہ ہم تم کو بخشوائیں گے اور تم بھی ان کی شفاعت پر پھول گئے تھے وہ تمہارے سارے منت و سردار تم سے غائب ہو گئے' تم کو اکیلا چھوڑ گئے اس فرمان عالی سے کفار کی ہمت اور ٹوٹ جائے گی کہ آس کے بعد یاس بہت تکلیف دہ ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں شر کاء کم فرما کر یہ بتایا کہ وہ شفاعت والے لوگ تمہارے بنائے ہوئے تھے' ہمارے مقرر کئے ہوئے نہ تھے' ہمارے مقرر کئے ہوئے شفیع حضرات انبیاء' اولیاء' مومنوں کے چھوٹے بچے' قرآن رمضان وغیرہ ہیں نہ کہ تمہارے فرضی خیالی جھوٹے معبود اور بت اور انھم فیکم شر کلٰہ فرما کر یہ بتایا گیا کہ تم نے ان شفیعوں کو صرف شفیع نہ مانا بلکہ ہمارا شریک مانا کہ تم نے کسی دن ہماری عبادات کی کسی دن ان کی کوئی عبادت ہماری کی کوئی ان فرضی سفارشیوں کی تم نے کہا کہ ہم مخلوق تو اللہ کی ہیں مگر مرزوق فلاں کے خدا ہم کو پیدا کر کے' ہم سے بے تعلق ہو گیا۔ اب زندگی' موت' بیماری' تندرستی فلاں فلاں بت کے قبضہ میں ہیں۔ ہم مشرک بندے ہیں یہ عقیدے کفریہ تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اس آیت کریمہ میں جو بے کسی و بے بسی ارشاد ہوئی وہ صرف کفار کو ہو گی' مسلمان بفضلہ تعالیٰ وہاں نہ بے کس ہو گا' نہ بے بس' نہ اکیلا۔ یہ فائدہ لقد جئتمونا الخ سے حاصل ہوا کہ یہ خطاب کفار کو ہے۔ مومنوں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے انما ولیکم اللہ و رسولہ والذین امنوا اور دوسری جگہ فرماتا ہے والحقنا بھم ذریتھم۔ یعنی ہم مسلمانوں کی اولاد کو ان کے ساتھ رکھیں گے اور فرماتا ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا اس دن ہم پرہیزگاروں کو وفد بنا کر محشر میں لائیں گے۔ غرضیکہ مومن وہاں اکیلا نہ ہو گا۔ دوسرا فائدہ: کافر کی نیکیاں برباد اور ان کے گناہ لازم ہوں گے۔ مومن کا یہ حال نہیں' مومن کی نیکیاں انشاء اللہ قبول اور گناہ کے متعلق امید ہے کہ معاف ہو جائیں اگر ان پر سزا ملی تو عارضی ہو گی مومن کے صدقات و خیرات' نماز و روزہ وغیرہ سارا سامان مومن کے ساتھ ہی ہو گا۔ یہ فائدہ و ترکتم ما خولنا کم الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: مومن کے شفاعتی' سفارشی قیامت میں مومن کے ساتھ ہوں گے حتیٰ کہ قرآن مجید۔ ان کے چھوٹے بچے' ماہ رمضان' خانہ کعبہ وغیرہ تمام کی شفاعتیں مومن کو پہنچیں گی یہ فائدہ وما نری معکم شفعاء کم الخ سے حاصل ہوا کہ شفیع کا ساتھ نہ ہونا کفار کے لئے اللہ کا عذاب ہو گا کفار کے بت وغیرہ ان کے دشمن بن جائیں گے۔ مسلمانوں کے نبی ولی ان کے مددگار ہوں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین اس دن دوست دشمن بن جائیں گے سواء پرہیزگاروں کے کہ ان کی دوستیاں قائم رہیں گی۔ چوتھا فائدہ: کوئی مسلمان اپنی عبادات' اپنے عقائد میں کسی کو خدا کا شریک نہیں مانتا۔

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ اپنی ذات' اپنی صفات میں وحدہ لا شریک ہے۔ جو جسے ملا اس کے کرم سے ملا خواہ بلاواسطہ خواہ بالواسطہ کفار کا عقیدہ تھا کہ ہمارا خالق تو رب ہے مگر رب کے مددگار یہ بت ہیں کہ اگر ان بتوں کی مدد شامل نہ ہو تو خدا تعالیٰ دنیا کا انتظام قائم نہیں رکھ سکتا' اس لئے وہ بعض عبادتیں اللہ کے لئے کرتے تھے اور بعض عبادتیں اپنے ان معبودوں کے لئے کسی مومن کا یہ عقیدہ ہے نہ ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ زعمتم انہم فیکم شرکاء سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: مومنوں کی ڈوریں ان کے رشتہ انشاء اللہ قیامت بلکہ جنت میں قائم رہیں گے' ان کی رشتہ داریاں' محبتیں کام آئیں گی۔ یہ فائدہ لقد تقطع بینکم سے حاصل ہوا کہ رشتہ داریوں کا ٹوٹ جانا کفار کے لئے بطور عذاب ہو گا۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ قیامت میں مومن اکیلا اور بے یار و مددگار نہ ہو گا۔ یہ دونوں چیزیں کفار کے لئے عذاب ہوں گی مگر قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے یوم یفر المرء من اخیہ وامہ و ابیہ لخ اس دن انسان اپنے بھائی' ماں' باپ وغیرہ سب سے بھاگے گا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

بھائی کو بھائی چھوڑ دے' بیٹی کو مائی چھوڑ دے ۔۔۔ شوہر لگائی چھوڑ دے ایسی پڑے کھل بل بم

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں مومن و کافر سب ہی بے کس و بے بس ہوں گے۔ پھر تم نے کفار کی قید کہاں سے لگائی۔

جواب: قیامت کے حالات مختلف ہیں اول وقت نہایت افراتفری کا ہے اس وقت واقعی سب کا یہی حال ہو گا۔ مومن ہو یا کافر ہاں خاص مقبول بندے اس وقت بھی گھبراہٹ سے محفوظ ہوں گے' رب فرماتا ہے لا یحزنہم الفزع الاکبر و تتلقاہم الملائکۃ مگر اس وقت یہ سوال و جواب نہ ہوں گے پھر شفاعت کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر کھل جانے پر سوال و جواب حساب و کتاب شروع ہوں گے جیسے دنیا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے یہاں کا نقشہ بدل گیا انقلاب آ گیا عذاب الٰہی آنا بند ہو گئے ایسے ہی قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ مقبول سجدہ یعنی سجدہ شفاعت قیامت کا نقشہ بدل دے گا کہ اس سجدہ سے پہلے عدل کا ظہور ہو گا کہ حضرات انبیاء بھی رب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حاضری سے معذرت کریں گے مگر یہ سجدہ ہوتے ہی فضل کا ظہور ہو جائے گا کہ چھوٹے بچے اور ماہ رمضان وغیرہ بھی شفاعت کے لئے حاضر بارگاہ ہونے کی ہمت کریں گے۔ ایک سجدہ قیامت میں انقلاب بپا کر دے گا۔ اس وقت مومن کے شفیع و مددگار اس کے ساتھ ہوں گے۔ کافر اب بھی اکیلا ہو گا۔ یہاں ذکر اس سوال و جواب کے وقت کا ہے۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ ان مختلف آیات میں مختلف اوقات کا ذکر ہے وہاں عشاق کا حال یہ ہو گا۔

ہر نظر کانپ اٹھے گی محشر کے دن خوف سے ہر کلیجہ دھل جائے گا
اوڑھ کر کالا کمبل وہ آ جائیں گے حشر کا سارا نقشہ بدل جائے گا!

اے قضائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز ۔۔۔ ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آ گئی ہے

اور انشاء اللہ ہم گنہگاروں کا حال یہ ہو گا۔

بے یار و مددگار جسے کوئی نہ پوچھے ۔۔۔ ایسوں کا تمہیں یار و مددگار بنایا
کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر ۔۔۔ کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

www.alahazratnetwork.org

غرضیکہ کفار کو محشر میں آخر وقت بھی بے بسی ہو گی یہاں اس کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **لقد جئتمونا** تم ہمارے پاس آئے' اس کے پاس آیا جاتا ہے جس سے دور یا غائب رہے۔ رب تعالیٰ سے نہ کوئی دور ہے نہ غائب **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** کوئی غائب **وھو معکم اینما کنتم** پھر **جئتمونا** فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہاں وہ آنا مراد نہیں جو جانے یا غائب ہونے کا مقابل ہوتا ہے بلکہ یہاں آنے سے مراد ہے حاضر ہونا' پانا' دنیا میں ہر شخص رب کے حضور ہے مگر رب کو پاتا نہیں' اس سے کلام نہیں کر سکتا' وہاں حاضری بارگاہ ایسی ہو گی کہ سوال و جواب بھی ہوں گے اور اس بارگاہ عالی کو پا بھی جائے گا۔ ریل کی لائن پر کبھی جنگل میں بیٹھ جاؤ تو آنا تو ہو گا کہ ریل وہاں آئے گی مگر پانا نہ ہو گا۔ ریل ملے گی نہیں لیکن اسٹیشن پر آجاؤ تو آنا بھی ہو گا پانا بھی یہاں وہ آنا یعنی حاضر ہونا مراد ہے۔ دنیا میں رب تو ہمارے پاس ہے مگر ہم اس سے دور ہیں اللہ یہ دوری دور کرے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں کفار سے کلام فرمائے گا مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لا یکلمھم اللہ ولا ینظر الیھم** اللہ تعالیٰ نہ ان سے کلام کرے گا نہ ان کی طرف نظر فرمائے گا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں محبت کے کلام اور رحمت کی نظر کی نفی ہے۔ اور یہاں غضب کے کلام اور قہر کی نظر کا ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے محبت کا کلام نہ کرے گا' غضب کا کلام کرے گا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں پیر' فقیر' نبی' ولی کوئی بھی کام نہ آئیں گے۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی مددگار ہو گا فرماتا ہے **وما نری معکم شفعاء کم** الخ لہٰذا پیروں' نبیوں' ولیوں کی شفاعت کی آس لگانا بالکل غلط ہے۔ ہر شخص وہاں بارگاہ الٰہی میں اکیلا پیش ہو گا' اپنی کرنی اپنی بھرنی۔ (نوٹ) یہ آیت کریمہ وہ ہے جسے منکرین شفاعت وہابی بڑے اہتمام سے پیش کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ آیت کریمہ کفار اور کفار کے متعلق ہے جیسا کہ اوپر کی آیات سے معلوم ہو رہا ہے۔ ان کی یہ بے کسی بے بسی تنہائی عذاب الٰہی ہو گا۔ ابھی آپ پڑھ چکے کہ فرمایا گیا **الیوم تجزون عذاب الھون بما کنتم تقولون علی اللہ غیر الحق** الخ مسلمان نہ اکیلا ہو گا نہ بے یار و مددگار۔ مسلمان کے متعلق یہ آیات ہیں۔ **اولئک مع الذین انعم اللہ علیھم من النبین والصدیقین والشھداء والصالحین وحسن اولئک رفیقا** یہ مومن لوگ اللہ کے انعام والے بندوں کے ساتھ ہوں گے۔ صدیقوں' شہیدوں کے ساتھ یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں۔ پتہ لگا کہ قیامت میں مسلمان ان مقبولوں کے ساتھ ہوں گے اور فرماتا ہے۔ **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا** ہم قیامت میں پرہیزگاروں کو رب کی بارگاہ میں وفد بنا کر جمع کریں گے۔ ظاہر ہے کہ اکیلا آدمی وفد نہیں ہوتا اس کے متعلق اور آیات ابھی تفسیر میں پیش کی گئیں۔ مومنوں کے صدقات خیرات وغیرہ ان کے ساتھ ہوں گے۔ مسلمان اپنا مال اپنے ساتھ لے لیتا ہے دنیا میں چھوڑ کر نہیں جاتا۔ مال چھوڑ جانا بھی اللہ کا عذاب ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار اکیلے بارگاہ الٰہی میں پیش ہوں گے' ان کے اعمال بھی ان کے ساتھ ہوں گے مگر دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنے بتوں' شیاطین' وغیرہم کے ساتھ ہوں گے ان کے مال گنجے سانپ کی شکل میں ان پر سوار ہوں گے۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** ان لوگوں کا کفار کے ہمراہ ہونا محبت یا مدد کے لئے نہ ہو گا۔ بلکہ دشمنی عداوت اور لعن طعن اور عذاب دینے کے لئے ہو گا اس لحاظ سے یہ لوگ ان کے ساتھ رہتے ہوئے بھی اکیلے ہوں گے ان کے مال' ان کے لئے وبال ہو چکے ہوں گے۔ مسلمان اپنے مال پر سوار ہوں گے اور کفار پر ان کے مال سوار ہوں گے لہٰذا یہ آیت کریمہ ان آیات کے

www.alahazratnetwork.org

خلاف نہیں جو شخص دشمنوں میں گھرا ہو وہ اکیلا ہی ہوتا ہے اگرچہ چو طرفہ اس کے آدمی ہی ہوں مومن اپنے دوست احباب کے ساتھ ان کے تعاون کے ساتھ ہوگا لہٰذا اکیلا نہ ہوگا۔ **چھٹا اعتراض:** تم نے کہا کہ اللہ کے مقبول بندوں کو قیامت کے اول وقت بھی گھبراہٹ نہ ہوگی۔ **لا یحزنھم الفزع الاکبر** تو حضرات انبیاء شفاعت کی ہمت کیوں نہ کریں گے اور کیوں کہیں گے کہ ہم یہ کام نہیں کر سکتے۔ **جواب:** ان حضرات کا اس وقت شفاعت نہ فرمانا قیامت کی گھبراہٹ کی وجہ سے نہیں رب تعالیٰ کی ہیبت کی وجہ سے ہوگا کہ وہ وقت عدل الٰہی کے ظہور کا ہوگا اور ان کا یہ فرمانا کہ **لست ھنا کم** اس میں اپنے منصب کا ذکر ہوگا کہ شفاعت کبریٰ کرنا ہمارا منصب نہیں یہ سہرا تو کسی اور ہی کے ماتھے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کافر کے چار دشمن ہیں۔ مال' اہل' اولاد' دوست۔ یہ سب چیزیں اسے مرتے ہی چھوڑ دیتی ہیں۔ اور مومن کے چار دوست ہیں۔ کلمہ شہادت' نماز' روزہ' ذکر اللہ۔ یہ چیزیں مومن کے ساتھ قبر و حشر میں رہتی ہیں' شفاعت کریں گی لہٰذا کافر وہاں فرید' وحید ہوگا۔ مومن وہاں دوستوں کے ساتھ ہوگا۔ بعض مسلمانوں کو قبر میں قرآن مجید پڑھتے سنا گیا۔ لہٰذا انسان اس کی کوشش کرے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

غم و شادمانی نماند و لیک | جزاء عمل ماند و نام نیک
مکن تکیہ بر ملک و جاہ و حشم | کہ پیش از تو بودہ است بعد از تو ہم

صوفیائے فرماتے ہیں کہ رب کی بارگاہ میں حاضری اولاً "تجرید" سے ہوتی ہے پھر تفرید سے پھر توحید سے تجرید کے معنی ہیں دنیا اور دنیا کے متعلقات سے علیحدہ ہو جانا۔ تفرید کے معنی ہیں دنیا اور آخرت دونوں سے بے تعلق ہو کر محض خالق کا ہو جانا توحید کے معنی ہیں بندہ کا خود اپنے سے علیحدہ ہو کر فنافی الذات ہو جانا اس مقام پر پہنچ کر بندہ ہوتا ہے مگر نہیں ہوتا۔ دیوار کا سایہ ہے مگر خود کچھ نہیں' دیوار سے قائم ہے لیکن اگر سورج دیوار کے اوپر آجائے اور اس کے ہر طرف نور ڈال دے تو پھر سایہ ختم ہو جاتا ہے۔ پھر بندہ جوش میں یوں پکارتا ہے۔

تجھ میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں | مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے
کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے | تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی تو ہو جائے

کفار نے دنیا کو آڑ بنا کر استعمال کیا تو فرید نہ ہوئے **فرادی** ہوئے۔ مومن نے اسے یار سے ملنے کا ذریعہ بنایا تو فرید۔ (در یتیم) وحید مجرد ہوا۔ اس مقام پر پہنچ کر مومن کی زبان پر رب بولتا ہے۔ (از روح البیان)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں رب کے پاس آجاؤ یہ آنا کام آئے گا۔ **ففروا الی اللہ** یہاں رب کے پاس آنے کی چند صورتیں ہیں۔ (1) اللہ کے بندوں کے پاس آنا جہاں رب تعالیٰ رہتا ہے۔ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وک**۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا | او نشیند در حضور اولیاء

(2) اس جگہ آنا جہاں اللہ تعالیٰ (یعنی اس کا کرم) آتا رہتا ہے۔ جیسے کعبہ **معظمہ** مسجد میں' ذکر کے حلقے' وہاں آنا جہاں یار سے خلوت ہو اس کی یاد کی آزادی ہو۔ **و قال انی ذاھب الی ربی سیھدین**۔ جس کو دنیا میں بارگاہ الٰہی میں آنا نصیب ہو جائے اسے قیامت میں آنا آسان ہوگا۔ رب کے پاس آنا دو قسم کا ہے رحم و کرم میں آنا۔ غضب و قہر میں آنا مومن کفار رب کے پاس اس کے غضب و قہر میں آئیں گے۔ مومن اس کے رحم و کرم میں آئیں گے۔ **لقد جئتمونا فرادی**۔

www.alahazratnetwork.org

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ

یقیناً اللہ چیرنے والا ہے دانہ اور گٹھلی کو نکالتا ہے جاندار کو بے جان سے اور نکالنے والا ہے بے جان

بیشک اللہ دانہ اور گٹھلی کو چیرنے والا ہے زندہ کو مردے سے نکالے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا

مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا

کو زندہ سے یہ اللہ ہے پس کہاں پھیرے جاتے ہو چیرنے والا ہے صبح کا اور بنایا رات کو سکون

یہ ہے اللہ تم کہاں اوندھے جاتے ہو تاریکی چاک کرکے صبح نکالنے والا اور اس نے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾

وقرار اور سورج کو اور چاند کو حساب یہ ہے اندازہ غالب جاننے والے کا

رات کو چین بنایا اور سورج اور چاند کو حساب یہ اندازہ وہ ہے زبردست جاننے والے کا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے جھوٹے معبودوں کی بے بسی، بے کسی، بے وفائی کا ذکر تھا اب اس سچے معبود حقیقی کی قدرتوں کا ذکر ہے جس کی عبادت باعث نجات ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں توحید و رسالت کا مکمل ذکر ہوا اب اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی ذات و صفات کی پہچان کرائی جارہی ہے کہ یہی اصل مقصود ہے (تفسیر کبیر)۔ تیسرا تعلق: اللہ کی ذات اس کی صفات سے پہچانی جاتی ہے اور اس کی صفات اس کے افعال سے پچھلی آیتوں میں ذات و صفات کا ذکر ہوا اب اس رب کریم کے افعال اور بے مثال کاموں کا تذکرہ ہے گویا پہلے کہا گیا تھا کہ رب کو مانو۔ اب ارشاد ہے کہ اس کے ان کاموں سے مانو۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر تھا اب اس کی دلیلیں بیان ہو رہی ہیں کہ جو ایسے بے مثال کام کرنے پر قادر ہو وہ یقیناً بے پرواہ، بے نیاز ہے۔ جو رب کو حاجت مند مان کر اس کا کوئی ولی اور حاجت روا مانے وہ مشرک ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و لم یکن لہ ولی من الذل** پانچواں تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی بے بسی، بتوں کی بے وفائی کے ضمن میں اشارۃً نبوت کا ذکر ہوا تھا کہ کفار کے اعمال کی مردودیت، ان کی بے بسی کی وجہ یہ ہوگی کہ نبوت کا دامن انہوں نے نہیں پکڑا اب اس کے متعلق نفیس قانون بیان ہو رہا ہے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ جس کو جو دیں کسی ذریعہ، کسی وسیلہ سے دیں کام ہم کرتے ہیں مگر اس کا ظہور کسی بندے کے ذریعہ ہوتا ہے دانہ سے کھیت، گٹھلی سے باغ ہم لگاتے ہیں مگر کسان اور باغبان کے ذریعہ اور لوگ ہماری اس عطا میں ان وسیلوں کے محتاج ہوتے ہیں اسی طرح ایمان، عرفان، تقویٰ، اعمال سب نبی بلکہ ولی کے وسیلہ سے ہیں گویا دنیاوی کھیت و باغ کسان و باغبان کے ذریعہ لگتے ہیں مومن کے قلب میں باغ ایمان کھیت عرفان نبی، ولی کی معرفت لگتے ہیں۔

تفسیر: **ان اللہ فالق الحب والنوی** یہ نیا جملہ ہے چونکہ اس مضمون سے اکثر لوگ بے خبر ہیں اور بعض لوگ اس کے منکر ہیں جو کہتے ہیں کہ یہ مذکورہ کام خود بخود ہو رہے ہیں ان میں کسی خالق مختار کی قدرت کو دخل نہیں۔ اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ فالق بنا ہے **فلق** سے فلق کے دو معنی ہیں۔ پیدا کرنا، چیرنا پھاڑنا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

فالق بمعنی خالق ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دانے بھی پیدا فرمائے جس سے کھیت میں تمہاری غذائیں پیدا ہوتی ہیں جیسے گندم' جو' مٹر' دالیں وغیرہ اور گٹھلیاں بھی پیدا فرمائیں۔ جن سے باغوں میں تمہارے لئے پھل پیدا ہوتے ہیں۔ جیسے آم' کھجور' وغیرہ چونکہ دانے غلہ کی اور گٹھلیاں پھلوں کی اصل ہیں اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا ورنہ رب تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ فرماتا ہے **خالق کل شیء**۔ چونکہ دانہ گٹھلی سے افضل ہے کہ دانہ کھیت میں اور گٹھلی باغ میں بوئے جاتے ہیں نیز دانہ سے گندم وغیرہ پیدا ہوتے ہیں۔ جن سے انسان بلکہ حیوان کی بقاء ہے اور گٹھلی کے باغ کی ایسی نگرانی نہیں ہوتی ان وجوہ سے دانہ گٹھلی سے افضل لہذا اس کا ذکر پہلے ہوا گٹھلی کا ذکر بعد میں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **فالق** بمعنی چیرنا ہے اس صورت میں اس جملہ کے چند معنی ہوں گے۔ (1) اللہ تعالیٰ بالی چیر کر اس میں دانے بھرتا ہے اور پھل چیر کر اس میں گٹھلی بھرتا ہے سوچو تو سہی کہ کھجور کے اندر گٹھلی یونہی آم وغیرہ میں گٹھلی کس نے بھر دی یہ اس کی قدرت ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ دانوں اور گٹھلی کے دو حصے فرمانے والا ہے دیکھ لو کہ گندم جو وغیرہ کے بیچ میں ایک لکیر سی ہے جس سے ان کے دو حصے محسوس ہوتے ہیں۔ یونہی کھجور بیچ میں سے چیری ہوتی ہے۔ کس آری سے ان کو چیرا؟ کیسے چیرا؟ اس میں عقل حیران ہے۔ (3) جب دانہ اور گٹھلی تر زمین میں بودی جاتی ہے تو کچھ دن بعد رب کے حکم سے دو طرفہ چرتی ہے اوپر کی طرف چراؤ سے پورے درخت بنتے ہیں جو زمین کو پھاڑ کر اوپر نکلتے ہیں' پھر اس میں تنہ' گدھے' شاخیں' پتے' پھول' پھل وغیرہ نکلتے ہیں جن کے رنگ و مزے' تاثیریں مختلف ہیں اور نیچے والے چراؤ سے درخت کی جڑیں' جڑ کی رگیں' زمین کے نیچے کی طرف چلتی اور دور دور تک پھیل جاتی ہیں۔ اب ان دونوں حصوں میں وہ شاندار تعلق ہوتا ہے کہ سبحان اللہ جڑ زمین سے کھاد' پانی چوس کر شاخوں کو فیض دیتی ہے' اور شاخیں ہوا' دھوپ' چاندنی وغیرہ حاصل کر کے جڑ کو پہنچاتی ہیں۔ ان چیزوں میں غور کرو ان کے بنانے والے کے نام کی تسبیح پڑھو اسے سجدے کرو' پھر پتوں کی رگیں ایک پھل کے مختلف مزے دیکھو تو حیران رہ جاؤ۔ خیال رہے کہ حب یعنی دانہ وہ ہے جس میں گٹھلی نہ ہو۔ جیسے گندم' چاول' جو وغیرہ۔ نوی جمع نواۃ کی ہے۔ نواۃ وہ جو مقصود بالذات نہ ہو جیسے آم' کھجور وغیرہ کی گٹھلیاں (تفسیر خازن)۔ **یخرج الحی من المیت**۔ یہ عبارت **فالق الحب والنوی** کا بیان ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ **حی** صفت مشبہ ہے **حیوۃ** کا اور میت صفت مشبہ ہے۔ موت کا **حی** کے معنی ہیں زندگی والا اور میت کے معنی ہیں بے جان۔ اس عبارت کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ بے جان' خشک دانہ اور گٹھلی سے تر جاندار درخت و پودے نکالتا ہے۔ (2) اللہ تعالیٰ جاندار جانور کو بے جان نطفے سے پیدا فرماتا ہے۔ یونہی جاندار چوزوں کو بے جان انڈوں سے نکالتا ہے۔ (3) جاندار مومن کو بے جان کافر سے پیدا فرماتا ہے کہ ماں باپ کافر بیٹا مومن' ایمان زندگی ہے کفر موت۔ (4) جاندار مطیع و عابد کو بے جان عاصی و غافل سے پیدا فرماتا ہے کہ ماں باپ غافل گنہگار' بیٹا عاقل و پرہیزگار۔ لہذا یہ فرمان عالی **فالق الحب والنوی** کی گویا تفسیر ہے۔ دانہ' گٹھلی بے جان چیزیں ہیں۔ پودے' درخت ایک طرح کے جاندار ہیں **و مخرج المیت من الحی**۔ یہ عبارت معطوف ہے **فالق الحب والنوی** پر نہ کہ **یخرج الحی** پر لہذا آیت واضح ہے اس پر کوئی نحوی اعتراض نہیں جتنے احتمالات ابھی **حی** و **میت** میں عرض کئے گئے۔ وہ سارے احتمالات یہاں بھی ہیں کہ رب تعالیٰ جاندار بوٹے و درخت سے بے جان دانہ گٹھلی پیدا فرماتا ہے۔ جاندار جانور سے بے جان نطفہ پیدا فرماتا ہے۔ بے جان' و مردہ کافر سے جاندار مومن پیدا فرماتا ہے۔ بے جان عاصی و غافل سے جاندار عابد و متقی پیدا فرماتا ہے۔ بہرحال اس عبارت میں بھی

www.alahazratnetwork.org

بہت گنجائش ہے چونکہ زندہ مردہ سے افضل ہے نیز زندہ ہر وقت پرورش کا محتاج ہے اس پر ہر آن رحمت ربانی کا نزول ہے اور توجہ کرم ہے اس لئے اس کے لئے یخرج مضارع ارشاد ہوا جس میں تجدد ہے اور میت کے متعلق مخرج فرمایا جس میں ہمیشگی تو ہے مگر تجدد نہیں۔ یخرج اور مخرج کے فرق کی یہ وجہ ہے (تفسیر کبیر)۔ فرماتا ہے۔ یحی الارض بعد موتھا۔ اور فرماتا ہے یرزقکم من السماء اللہ تعالیٰ زمین کو زندہ فرماتا رہتا ہے اور تم کو آسمان سے روزی دیتا رہتا ہے۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو پیدا فرما کر یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ تمہاری بقاء کے لئے غذائیں' دوائیں' پھل' قروٹ پیدا فرماتا رہتا ہے۔ بعض کو ماں باپ سے' جانوروں کو صرف ماں سے' مچھلی کے بچوں کو براہ راست رب ہی پرورش کرتا ہے۔ ماں باپ کی پرورش عارضی ہوتی ہے۔ جب وہ تمہاری ایسی خبر رکھتا ہے تو تم بھی اسے یاد رکھو۔

رحم کر اپنے نہ آئین کرم کو بھول جا ہم تو بھولے ہیں تجھے پر تو نہ ہم کو بھول جا

ذالکم اللہ چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات مخلوق کے خیال و وہم سے بالا ہے۔ اس لئے ذالک بعید کا اشارہ ارشاد ہوا۔ چونکہ یہاں رب تعالیٰ کی بہت سی صفات کا ذکر ہوا۔ اس لئے ذالکم جمع ارشاد ہوا۔ عربی میں تعظیم کے لئے واحد کو جمع فرمادیا جاتا ہے جیسے انا انزلنا فی لیلۃ القدر و یعنی وہ مدبر صانع ان چیزوں کا خالق اللہ ہے لائق عبادت ہے۔ فانی تؤفکون اس میں خطاب کفار و مشرکین سے ہے یہاں انی بمعنی کیف ہے نہ کہ بمعنی من این اور یہ سوال تعجب دلانے کے لئے ہے۔ تؤفکون بنا ہے افک سے بمعنی اصل حالت سے پھرنا' پھیر دینا۔ قرآن کریم میں ہے لتافکنا عن الھتنا۔ کہ جھوٹ کو افک کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے ان الذین جاء و بالافک عاوی جھوٹے کو افاک کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے افاک اثیم کیونکہ جھوٹا اپنے اصلی حال ہی پھر جاتا ہے سچے انسان کی اصلی صفت ہے۔ یعنی اسی قدرتوں کو دیکھتے ہوئے تم حق سے باطل کی طرف' ایمان سے کفر کی طرف کیسے پھرے جاتے ہو یا کیسے پھیر دیئے جاتے ہو کہ شیطان تمہاری آنکھوں پر پردے ڈال کر تمہیں برائیوں کی طرف پھیر دیتا ہے۔ اب تک تو دانہ اور گٹھلی کے زمین کو چیرنے کا ذکر تھا جسے انسان کھیت یا باغ میں جاکر دیکھتا ہے اور جس میں انسانی کسب کو دخل ہے کسان اور باغبان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ کھیت و باغ میری محنت سے تیار ہوا۔ بلکہ اس پر دعویٰ ملکیت کر سکتا ہے اب صبح کے نور کے رات کے اندھیرے کو چیرنے کا ذکر ہے جسے انسان اپنے بستر سے دیکھ سکتا ہے اب صبح کے نور کے رات کے اندھیرے کو چیرنے کا ذکر ہے۔ جسے انسان اپنے بستر سے دیکھ سکتا ہے اور جس میں کسی کو دخل نہیں۔ کسی کا دعویٰ ملکیت نہیں۔ غرضیکہ اس سے بڑی عجیب کا ذکر ہو رہا ہے۔ چنانچہ فرمایا جارہا ہے کہ فالق الاصباح یہ عبارت یا تو پوشیدہ ہے ہو کی خبر ہے تب یہ نیا جملہ ہے یا ان کی دوسری خبر ہے۔ پہلی خبر فالق الحب والنوی تھی۔ دوسری خبر فالق الاصباح تو یہ اوپر سے مل کر ایک ہی جملہ ہے فالق کی تحقیق ابھی ہو چکی اگر یہ فالق بمعنی خالق ہے تو معنی ظاہر ہیں یعنی رب تعالیٰ نورانی صبح کا پیدا فرمانے والا ہے۔ اصباح اور صبح کے ایک ہی معنی ہیں امرء القیس کہتا ہے۔

الا ایھا اللیل الطویل الا انجلی بصبح وما الاصباح عنک بامثل

دیکھو اس شعر میں صبح اور صباح ایک معنی میں ہیں۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔

افنی رباحا" وبنی رباحا" تناسخ الامساء والاصباح

یہاں امساء سے بمعنی مساء ہے اور اصباح بمعنی صبح۔ اور اگر فالق کے معنی ہے۔ چیرنے والا تو یا تو صبح سے مراد ہے صبح کاذب

www.alahazratnetwork.org

جو رات کے اخیری حصہ میں شرقاً غرباً چمک کر غائب ہو جاتی ہے۔ معنی یہ ہیں کہ صبح صادق کی ہلکی نورانیت کو سورج کی روشنی سے چیرتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ صبح کے ذریعہ رات کے اندھیرے کو چیرتا ہے کہ صبح کے وقت مشرق کی طرف روشنی دھاگے کی طرح نمودار ہوتی ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دھاگے نے رات کی اندھیری چیر دی۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے یہی معنی اختیار کئے بہر حال صبح صادق سے اندھیرا چھٹتا ہے وہ خود اندھیرے سے نہیں چرتی ہماری ان تفسیروں سے یہ معمہ حل ہو گیا۔ اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تم لوگ رات چراغ' گیس' بجلی کے ذریعہ روشن تو کر سکتے ہو مگر سویرا نہیں نکال سکتے۔ سویرا کرنا ہمارا ہی کام ہے۔ خیال رہے کہ اس سورج کے ذریعہ عالم اجسام کا سویرا ہوتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ عالم ارواح میں سویرا ہوا۔ سارے نبی چاند تارے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نور لے کر دنیا میں روشنی کرتے تھے مگر ان سے سویرا نہ ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں کہ جنہوں نے سویرا نکال کر اندھیرا دور کر دیا پھر جیسے سورج نکلنے سے پہلے سویرا ہو جاتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے انوار کے آثار نمودار ہو گئے۔ **و جعل اللیل سکنا** " بعض قراءتوں میں ہے۔ **و جاعل اللیل سکنا** " اور یہ عبارت معطوف ہے **فالق الاصباح** پر ہماری قراءت میں **جعل اللیل** ہے چونکہ **فالق الاصباح** میں فالق بمعنی **فلق** ہے۔ لہٰذا جعل کا اس پر عطف درست ہے **سکن** مصدر ہے بمعنی سکون اگر **جعل** بمعنی خلق ہے تو **سکنا** مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو سکون و چین کے لئے پیدا فرمایا اور اگر **جعل** بمعنی **صیر** ہے تو **سکن** اس کا دوسرا مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے رات کو مخلوق کے لئے راحت و سکون بنایا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دوسرے معنی اختیار فرمائے یعنی سکون و چین کا وقت بنایا (معانی) اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لتسکنوا فیہ** اس فرمان عالی کے تین معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ رب نے رات تمہارے جسم کے سکون و آرام کے لئے بنائی کہ تم سو کر بیداری کے سب غم و رنج بھول کر مشقت کی تکالیف سے آرام پا کر تازہ دم ہو جاؤ۔ دوسرے یہ کہ رات تمہارے دل کے چین و سکون کے لئے بنائی کہ تم نماز تہجد نہایت چین و سکون سے ادا کرو کہ تم اس وقت سکون و امن سے مجھ سے باتیں کرو کہ تہجد کے وقت وہ سکون نصیب ہوتا ہے جو دوسرے وقت میسر نہیں ہوتا۔ تیسرے یہ کہ **لیل** یعنی قبض کو تمہارے لئے سکون کا ذریعہ بنایا اگر ہر وقت تم پر بسط رہے اور تم بالکل متوجہ الی اللہ رہو تو دنیا آباد نہ رہے۔ **والشمس والقمر حسبنا** ۔ اس عبارت میں **الشمس والقمر** معطوف ہیں **اللیل** پر اور **حسبانا** معطوف ہے **سکنا** پر اگر **جعل** بمعنی **خلق** تھا تو **حسبانا** مفعول لہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج و چاند کو دنیا کے حساب کے لئے پیدا کیا اور اگر بمعنی **صیر** ہے تو **حسبانا** مصدر ہے بمعنی اسم الہ یعنی اللہ تعالیٰ نے سورج و چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا کہ چاند سے قمری مہینے بنتے ہیں اور سورج سے شمسی مہینے' چاند سے زکوٰۃ' حج' روزے' وابستہ ہیں سورج سے اسلامی نمازیں وابستہ۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ خود سورج و چاند کی رفتار' ان کا طلوع و غروب حساب سے رکھے کہ ان میں سے کوئی رب تعالیٰ کے مقرر کردہ حد سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ قادر مطلق ہے وہ جس کے قبضہ و قدرت میں ساری چیزیں ہیں نیز سورج و چاند کی روشنی کی تقسیم حساب سے رکھی جیسا ملک پھر جیسا زمانہ ویسے ان کی گرمی و روشنی کی تقسیم غرضیکہ یہ ایک جملہ شریعت و طریقت کا جامع ہے۔ **ذالک تقدیر العزیز العلیم** یہ نیا جملہ ہے **ذالک** سے اشارہ ان تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے **تقدیر** بنا ہے **قدر** سے بمعنی اندازہ **عزیز** بمعنی غالب **علیم** بمعنی علم والا یعنی یہ جو کچھ بیان ہوا اس ذات کریم کا مقرر کیا ہوا اندازہ ہے جو غالب بھی ہے' حکمت والا بھی لہٰذا اس اندازہ میں ہزارہا حکمتیں ہیں۔ خیال رہے کہ سورج

www.alahazratnetwork.org

کے پاس شعاعیں ہیں اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نگاہیں ہیں۔ سورج کی شعاعیں زمین پر دن نکالتی ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دلوں پر دن نکالتی ہیں۔ مگر سورج کی شعاعیں رات میں اور تہ خانوں میں زمین پر نہیں پہنچتیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہیں دن رات ہر جگہ، ہر حال میں پہنچتی ہیں۔ **الشمس والقمر حسبانا** میں اس طرف اشارہ ہے۔

خلاصہء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو آسان بھی ہے اور ظاہر بھی اے لوگو یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت والا ہے کہ وہ کھیت کی زمین میں دانہ چیر کر اس سے پودے نکالتا ہے اور باغوں میں بوئی ہوئی گٹھلی چیر کر درخت پیدا فرماتا ہے۔ دانہ سے تمہاری بقاء ہے پھلوں سے تم کو لذتیں ملتی ہیں اس کی اس قدرت میں غور کرو اور ایمان لاؤ۔ خیال کرو کہ اس پودے کہ جڑ اس کا تنہ پتے پھول پھل سب ہی پیدا ہوتے ہیں یہ تمام ایک دانے میں اجمالاً موجود ہیں۔ وہی قدرت والا بے جان نطفے اور انڈے سے جاندار انسان و جانور نکالتا ہے ایک قطرہ میں پنہاں تھے وہی ایسی قدرت والا ہے۔ جاندار انسان اور جانور سے بے جان نطفہ و انڈا نکالتا ہے یہ قدرتوں والا رب ہی تو لائق عبادت ہے وہی تو اللہ ہے بیوقوف منکرو تم کہاں بہکے جا رہے ہو ایسے رب کو چھوڑ کر مجبور بتوں کی پرستش کیوں کرتے ہو تم نے زمین میں تو اس کی یہ قدرتیں دیکھیں ذرا آسمان کی طرف توجہ کرو وہی رب رات کی تاریکی چاک کرکے اس میں سویرے کا دھاگہ نکالتا ہے اس نے رات بنائی جس میں تم سکون و چین کرکے دن کی تھکن دور کرتے ہو اس رب نے سورج و چاند بنائے جس سے تمہارے حساب درست ہوتے ہیں بعض حساب سورج سے وابستہ بعض چاند و سورج دونوں کے لئے اندازے مقرر فرمائے۔ یہ اندازہ اس رب کا ہے جو غالب بھی ہے علم والا بھی لہٰذا اس کے اندازوں میں صدہا حکمتیں ہیں۔

خیال رہے کہ اس دنیا میں ایک اندھیرا ہے اور ایک سویرا مگر دل کی دنیا میں بہت سے اندھیرے ہیں اور ہر اندھیرے کا الگ سویرا ہے۔ کفر ایک اندھیرا جس کا سویرا ایمان ہے۔ فسق اندھیرا تقویٰ سویرا۔ غفلت اندھیرا ہے بیداری سویرا۔ جہالت اندھیرا ہے علم سویرا۔ تکبر و نخوت اندھیرا ہے عجز و انکسار سویرا یہ سارے سویرے ایک سورج کے دم قدم سے وابستہ ہیں اس سورج کا نام ہے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی طرح دماغ و عقل پر مختلف اندھیرے آتے ہیں جن کے سویرے بھی مختلف ہیں۔ کعبہ معظمہ میں بتوں کا اندھیرا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں توحید کا سویرا کر دیا۔ مدینہ منورہ میں خصوصاً مسجد نبوی کی زمین میں بہت سے اندھیرے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سویرے کر دیئے وہاں یہود کی قبریں اور گھوڑا اصطبل وہاں ہی روضہء اطہر ریاض الجنۃ منیر ہو گئے۔ مومن کی قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائیں گے تو وہ قبر نہ رہے گی بلکہ روضہ جنت یعنی جنت کا باغ بن جائے گی۔ وہاں بھی سویرا اسی سورج سے ہوگا۔ **فالق الاصباح** میں ان سب کی طرف اشارہ ہے۔ نیز جب دل پر رنج و غم و تکالیف کا اندھیرا چھا جائے تو وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خوشی کا سویرا نکالتے ہیں کہ ہر چیز اپنے کمال پر پہنچ کر مائل بہ زوال ہو جاتی ہے۔ نیز آگے قبر میں اندھیرا آنے والا ہے۔ وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے سے سویرا ہو گا۔ قبر کا اندھیرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرا اس کا سویرا۔ پھر پل صراط پر اندھیرا ہو گا وہاں پیشانی کا داغ سجدہ سویرا کر دے گا۔ غرضیکہ **فالق الاصباح** میں بہت وسعت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا کی چیزوں میں غور کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ معرفت الٰہی اطاعت الٰہی کا ذریعہ ہے' عالم کا ہر ذرہ معرفت الٰہی کا دفتر ہے۔ شعر

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

یہ فائدہ **فالق الحب** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دانہ کھیت کے لئے گٹھلی باغ کے لئے محض سبب ہے علت نہیں۔ ان کی علت ارادہ الٰہی ہے وہ چاہے تو ان سے کھیت و باغ پیدا ہوں' چاہے تو کچھ نہ ہو۔ یہ فائدہ بھی **فالق الحب** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت دفعہ دانہ و گٹھلی سے کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا خواہ کتنی ہی کوشش کی جائے۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی نیک شخص یہ یقین کرے کہ میری اولاد بھی نیک ہی ہوگی اس کی دعا بھی کرے عالم کی اولاد جاہل' پرہیزگار کی اولاد نابجار' مومن کی اولاد کافر' صالح کی اولاد طالح بھی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **یخرج المیت من الحی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان کافر ہوا۔ رب بڑی قدرتوں والا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** نطفہ اور انڈا بچہ کی علت نہیں محض سبب ہے۔ رب چاہے تو اس سے بچہ بنے' نہ چاہے تو نہ بنے' اس لئے دیکھا گیا کہ بارہا صحبت ہوتی ہے مگر بچہ پیدا نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ **یخرج الحی من المیت** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص کسی حال میں رب تعالیٰ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کی ذات و صفات کا منکر جانوروں سے بدتر ہے کہ جانور اپنے مالک کو جانتا مانتا ہے اور یہ انسان ہو کر اپنے مالک کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ **فانی تؤفکون** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** زمین اور زمان دونوں چیزیں اللہ کی قدرتوں کے نشان ہیں۔ ان دونوں سے انسان کو سبق لینا چاہئے بلکہ زمان کی نشانیاں' زمین کی نشانیوں سے اعلیٰ و افضل ہیں۔ دیکھو رب نے دانہ و گٹھلی کے بعد سویرے کے اندھیرے کو چیرنے کا ذکر فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے دن کام کاج کے لئے بنایا ہے اور رات آرام کے لئے لہذا اچھا ہے یہ کہ انسان دوپہری میں آرام کرے مگر عارضی طور پر اور رات میں کچھ کام کرے تو عارضی طور پر رات کو جلد سو جائے اور صبح کو جلد اٹھے۔ یہ فائدہ **جعل اللیل سکنا** سے حاصل ہوا۔ جو لوگ بلاوجہ رات کو جاگیں اور دن کو سویا کریں وہ قدرتی نظام کے خلاف کرتے ہیں۔ اس میں کامیاب نہ ہوں گے۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **" و جعلنا اللیل لباسا " و جعلنا النہار معاشا "** قدرتی نظام میں بڑی حکمتیں ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** چاند کے مہینے محرم صفر وغیرہ بھی حق ہیں اور سورج کے مہینے جنوری' فروری وغیرہ بھی حق دونوں اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں کسی انسان کے مقرر کئے ہوئے نہیں اور دونوں ہی کار آمد ہیں۔ چاند سے بہت سی اسلامی عبادتیں قائم ہیں۔ جیسے حج' رمضان' عیدین' عورتوں کی عدت' زکوٰۃ کا سال وغیرہ سورج سے موسموں وغیرہ کا حساب لگتا ہے غرضیکہ ان دونوں میں عجیب کرشمے ہیں یہ فائدہ **والشمس والقمر حسبانا "** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ان دونوں مہینوں کا ذکر قرآن مجید میں دوسری جگہ یوں ہے۔ **ولبثوا فی کہفہم ثلث مائۃ سنین و ازدادو تسعا۔** **نواں فائدہ:** علم ریاضی' علم اوقات' اعلیٰ علوم میں سے ہیں کہ ان سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ظاہر ہوتی ہے اور اس سے نماز روزے کے اوقات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ فائدہ **ذالک تقدیر العزیز العلیم** سے حاصل ہوا۔ اسلامی جنتریاں' پنجگانہ نمازوں' سحر و افطاری کے اوقات انہیں علوم سے بنائے جاتے ہیں۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے علوم غیبیہ بخشے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم

www.alahazratnetwork.org

دنیا میں اللہ کی نعمتوں کے قاسم ہیں۔ اللہ المعطی وانا قاسم اور تقسیم جب ہی درست ہو سکتی ہے۔ جبکہ قاسم حصوں کو بھی جانتا ہو اور حصے والوں کو بھی پہچانتا ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع ہیں۔ شفاعت علم کے بغیر ناممکن ہے ضروری ہے کہ شفیع ہر شخص کو جانے کہ کون شفاعت کے لائق ہے اور کون نہیں اور کون کس شفاعت کے لائق ہے۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے ایمان واعمال کی خبر نہ ہو تو ہم کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے شفاعت کی درخواست کر سکتے ہیں۔ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمادیں کہ مجھے خبر نہیں کہ تو مومن ہے یا کافر تو ہم اپنا ایمان کس طرح ثابت کر سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **والشمس والقمر** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ شمس سے مراد ہوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حسبانا" سے مراد ہو حساب سے دینے والے۔

پہلا اعتراض : **یخرج الحی** الخ جملہ فعلیہ ہے اور **مخرج المیت** جملہ اسمیہ یا مرکب غیر مفید ہے۔ جملہ ہے ہی نہیں پھر اس کا عطف **یخرج الحی** پر نحوی قاعدے سے کیونکر درست ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف یکساں چاہئیں۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ **مخرج المیت** معطوف ہے۔ **فالق الحب** پر نہ کہ **یخرج الحی** پر لہذا اس میں کوئی اشکال نہیں۔ **یخرج الحی** حال ہے۔ **فالق الحب** سے۔ دوسرا اعتراض: زندہ کو مردے سے نکالنے کے لئے **یخرج** مضارع ارشاد ہوا اور مردے کو زندہ سے نکالنے کے لئے **مخرج المیت** اسم فاعل فرمایا گیا اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ زندہ مردے سے افضل ہے نیز زندہ اپنے زندہ رہنے میں ہر وقت اللہ کے کرم کا حاجت مند ہے' ہر وقت اللہ کی رحمت اس کی پرورش فرماتی ہے۔ ان وجوہ سے یہاں **یخرج** فرمایا جس میں دوام بھی ہے تجدد بھی۔ **تیسرا اعتراض:** صبح صادق سے رات کا اندھیرا چرتا ہے' رات کے اندھیرے سے صبح صادق نہیں چرتی تو **فالق الاصباح** فرمانا کیونکر درست ہوا؟ (**ضروری نوٹ**) مفسرین نے اس اعتراض کو مشکل ترین سمجھا ہے۔ جواب: اس اعتراض کے بہت سے جواب ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ اس آیت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صبح کو رات کے اندھیرے سے چیرتا ہے بلکہ اس کے معنی ہیں صبح کے تڑکے کو سورج کی روشنی سے چیرتا ہے یا صبح کاذب کو صبح صادق سے چیرتا ہے اور اگر **فالق** معنی **خالق** ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ صبح کا خالق ہے۔ چوتھا اعتراض: اسلامی تاریخیں اور اسلامی حساب تو چاند سے بنتے ہیں پھر سورج و چاند دونوں کو حسبان کیوں فرمایا؟ جواب: اس کے جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے کہ اسلام میں روزے' عیدین' حج' زکوٰۃ وغیرہ کے حساب تو چاند سے لگتے ہیں مگر نماز کے اوقات کے حساب سورج سے نیز دینی حساب اکثر چاند سے لگتے ہیں مگر دنیاوی حسابات' موسم' کھیتی باڑی' باغوں کے پھل وغیرہ کے حساب سورج سے لہذا یہ دونوں ہی حساب کا ذریعہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا دل گویا زمین ہے اور کلمہ طیبہ گویا دانہ ہے۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوف خدا گویا گٹھلی ہے کلمہ طیبہ سے ایمان کا کھیت پیدا ہوتا ہے۔ جس کی جڑیں قلب میں طریقت بن کر پھیلتی ہیں اور اس کی شاخیں اعضاء ظاہری کی طرف شریعت بن کر پھیلتی ہیں۔ مرد کامل کی نگاہ گویا مرید کے دل میں اس تخم کی کاشت کرتی ہے اس کلمہ طیبہ سے ایمان کا درخت پیدا ہوتا ہے۔ جس میں عرفان' ایقان کے پھل لگتے ہیں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کلمہ طیبہ کے ذریعہ تمہارے دلوں میں ایمان کے باغ لگاتا ہے اس میں معرفت الٰہی کے پھل پھول لگاتا ہے۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہے۔ بعض کے دلوں میں صرف ایمان کا

www.alahazratnetwork.org

کھیت لگتا ہے اور بعض لوگوں کے دلوں میں ایمان کا کھیت بھی ہوتا ہے اور عشق کا باغ بھی۔ پھر بعض لوگ اپنے اس کھیت و باغ سے خود ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض لوگوں کے ان کھیتوں' باغوں سے دوسرے لوگ بھی فائدے اٹھاتے ہیں جیسا کھیت و باغ ویسے ہی اس کے فائدے پھر وہ اپنی شان یوں دکھاتا ہے کہ عارف باللہ مومن سے کافر زندیق اولاد پیدا فرماتا ہے۔ جیسے نوح علیہ السلام سے کنعان "کافر" اور کافر و زندیق سے عارف پیدا فرماتا ہے۔ پتھروں میں لعل اور سیپ میں موتی پیدا کرتا ہے۔ نیز کبھی زندہ دل والے کو بے دین مردہ دل بنادیتا ہے اور کبھی بے دین و کافر کو زندہ دل' صاحب عرفان کر دیتا ہے۔ حضرات صدیق و فاروق آسمان سے نہیں آئے تھے۔ انہیں پتھروں میں سے لعل و جواہر بنے تھے یہ ہے اس کی شان ایسی شان والا اللہ ہی لائق عبادت ہے۔ وہی رب وہ ہے جو دل کی دنیا میں اندھیریوں میں نور کی کرن چمکاتا ہے یا اس میں آس غفلت میں بیداری' ناشکری میں شکر گزاری کا سویرا نکالتا ہے۔ وہی ہمارے اندھیرے دلوں پر نبوت کے سورج کے تجلی ولایت کے چاند کی روشنی ڈالتا ہے مگر حساب سے جو دل جس تجلی کے لائق ہے اسے وہی تجلی عطا فرماتا ہے۔ وہی رب ہے جو کبھی ہمارے دلوں پر سکون کبھی عشق کی بے چینی طاری فرماتا ہے اگر ہمارا یکساں حال رہے تو ہم فنا ہو جائیں۔۔

اگر درویش برحالے بماندے ۔۔۔ دو دست از جملہ عالم برفشاندے

یہ غالب حکمت والے رب کے مقرر فرمائے ہوئے اندازے ہیں ان اندازوں میں صدہا حکمتیں ہیں۔ تمہاری عقلیں ان تک پہنچیں یا نہ پہنچیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سارے کھیت باغ تخم درخت پھل' پھول سب تیرے اندر ہیں تو دیکھتا کیوں نہیں **و فی انفسکم افلا تبصرون** مگر یہ چیزیں اگرچہ ہم میں ہیں مگر خود نہیں دیکھ سکتے' کوئی دکھانے والا دکھائے تو نظر آتی ہیں۔ ہم اپنی صورت آئینہ میں شکل دیکھتے ہیں' شکل ہماری ہوتی ہے دکھاتا آئینہ ہے۔ یونہی ہماری صحت اور بیماری طبیب بتاتا ہے' ہماری اندرونی اعضاء کی کیفیت ایکسرے دکھاتا ہے یہ چیزیں ہوتی ہے ہم میں مگر بتانے دکھانے والا کوئی اور ہوتا ہے یونہی ہمارے قلب اور روح کی کیفیات کو قرآنی آئینہ دکھاتا ہے نبی اور ولی بتاتے ہیں ہم خود اپنے حالات نہیں جانتے جس نے اپنے کو جان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔ **و من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ خیال رہے کہ سورج میں نور' شعاعیں گرمی وغیرہ بے شمار ہے مگر ان چیزوں کی تقسیم ہر زمان اور ہر زمین میں مختلف ہے ایک سورج کی گرمی جولائی میں اور ہے دسمبر میں کچھ اور یونہی ایک وقت میں سورج کی گرمی' پنجاب میں اور ہے' بنگال میں کچھ اور' کوہ مری میں اور طرح کی ہے' ایشیا اور فرانس یورپ میں اور طرح کی غرضیکہ ان چیزوں کی تقسیم حساب سے ہے۔ اسی طرح نبوت کے سورج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور ان کے خدام اولیاء اللہ کی عطائیں مختلف ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق کو کچھ اور ہی عطا فرمایا' جناب فاروق کو کچھ اور ہی دیا۔ یونہی صحابہ پر کرم اور قسم کا ہے اولیاء اللہ پر اور قسم کہ ہم جیسے گنہگاروں پر اور ہی طرح کا ہے۔ غرضیکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت بے شمار ہے مگر عطائیں مختلف یہ ہے **والشمس والقمر بحسبان**۔

جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

www.alahazratnetwork.org

وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا

اور وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا تمہارے واسطے تاروں کو تاکہ ہدایت پاؤ ان سے خشکی اور دریا کی تاریکیوں میں بیشک تفصیل وار

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے تارے بنائے کہ ان سے راہ پاؤ خشکی اور تری کے اندھیروں میں ہم

الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَ

بیان کر دیں ہم نے آیتیں اس قوم کے لیے جو جانتے ہیں اور وہ ہے جس نے پیدا کیا تم کو ایک ذات سے پس کہیں

نے نشانیاں مفصل بیان کر دیں علم والوں کے لئے اور وہی ہے جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا پھر

مُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾

قرار ہے اور کہیں امانت بیشک تفصیل وار بیان کر دیں ہم نے آیتیں ان لوگوں کیلئے جو جانتے ہیں

کہیں ٹھہرنا ہے اور کہیں امانت رہنا بیشک ہم نے مفصل آیتیں بیان کر دیں سمجھ والوں کے لئے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ان قدرتوں کا ذکر ہوا جن کا تعلق زمین و آسمان سے ہے اب اس رب کی ان قدرتوں کا ذکر ہے جن کا تعلق آسمان کے تاروں سے ہے گویا آسمانی نشانیوں کے بعد آسمانی چیزوں کی نشانیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں سورج و چاند کے نفعوں کا ذکر تھا۔ اب تاروں کے منافع کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ گویا بڑے تاروں کے بعد چھوٹے تاروں کے منافع ارشاد ہو رہے ہیں کہ سورج و چاند کے بعد اندھیرے میں ہدایت دینے والے تاروں کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خارجی نعمتوں کا ذکر ہوا اب اگلی آیت میں رب تعالیٰ کی داخلی نعمتوں کا ذکر ہے یعنی ہمارا ایک ذات سے پیدا ہونا اور پھر دنیا میں عارضی یا دائمی قیام تاکہ ہم اپنے میں غور کر کے رب تعالیٰ کو پہچان لیں۔

تفسیر: **وھو الذی** یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ رحمت عامہ اور اس کی حکمت پر تیسری قسم کی دلیل دی گئی ھو سے بھی مراد اللہ تعالیٰ ہی ہے اور **الذی** سے بھی مراد وہی ہے مگر ھو سے ذات الٰہ اور **الذی** سے صفات الٰہ کی طرف اشارہ ہے لہٰذا **ھو** کا مبتدا ہونا اور **الذی** کا خبر ہونا درست ہوا یعنی وہ اللہ 'وہ شان والا وہ قدرت والا ہے۔ خیال رہے کہ یہ فرمان کہ میں وہ ہوں یا وہ 'وہ ہے عتاب کے لئے بھی ہوتا ہے اور کرم نوازی کے لئے بھی مجرم سے حاکم کہتا ہے کہ میں وہ ہوں کہ تجھے دس سال سزا دے سکتا ہوں یہ لفظ وہ عتاب کے لئے ہے۔ ماں باپ اپنے بیٹے سے کہتے ہیں کہ میں وہ ہوں کہ جس نے تجھے پالا' پرورش کیا' یہاں وہ لفظ کرم نوازی کے لئے ہے۔ یہاں **ھو الذی** ارشاد انتہائی کرم نوازی کے لئے ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ مومنوں سے رحمت کے لئے ہو اور کفار سے غضب کے اظہار کے لئے۔ خیال رہے کہ **ھو الذی** کبھی تو رب تعالیٰ کی قدرت کے اظہار کے لئے ہوتا ہے کبھی اس کی رحمت بتانے کو کبھی اس چیز کی عظمت ظاہر کرنے کو جس کا وہاں تذکرہ ہے یہاں **ھو الذی** رب کی رحمت و قدرت کے اظہار کے لئے ہے اور **ھو الذی ارسل رسولہ** میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے بھی ہے۔ **جعل لکم النجوم** یہ عبارت **الذی** کا صلہ ہے یہاں **جعل** بمعنی خلق ہے اس لئے اس کا ایک

www.alahazratnetwork.org

مفعول آیا لکم میں لام نفع کا ہے اور کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے۔ چونکہ سفر میں رہبری صرف انسانوں کے لئے ہوتی ہے۔ جنات' فرشتے' جانور وغیرہ یہ نفع حاصل نہیں کرتے اس لئے لکم میں صرف انسانوں سے خطاب ہوا **النجوم** جمع ہے **نجم** کی۔ لغت میں نجم وہ ہے جو فلکی اور روشن ہو' اس لئے **چاند** سورج بھی نجم ہیں مگر یہاں اس میں **چاند** سورج داخل نہیں کیونکہ رات کی اندھیریوں میں صرف تاروں سے رہبری ہوتی ہے۔ ستارے دو قسم کے ہیں۔ ثوابت اٹھے ہوئے سیارہ رلت (حرکت کرنے والے) سیارہ تارے کل سات ہیں۔ ثوابت تارے بے شمار ہیں۔ مسافر بعض تاروں کو اپنے سامنے رکھتا ہے' بعض کو پیچھے' بعض کو داہنے' بعض کو بائیں' پھر ان کے حساب سے سفر کرتا ہے اس لئے یہاں **النجوم** جمع ارشاد ہوا۔ ہدایت میں سارے تاروں کو دخل ہے **لتهدوا بها فی ظلمات البر والبحر** یہ عبارت **جعل** کے متعلق ہے اس میں ستاروں کی پیدائش کی ایک حکمت کا تذکرہ ہے دوسری دو حکمتوں کا ذکر دوسری آیت میں ہے۔ **و زینا السماء الدنیا بمصابیح و حفظا** " اور جگہ ہے **و جعلنا ها رجوما** " **للشیاطین**۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو ان ستاروں میں ان تین کے سوا اور صفات مانے وہ خطا کار ہے یہ آسمان کی زینت ہیں۔ شیاطین کے لئے رجم (سنگساری) ہیں اور ان سے جنگل و دریا کی اندھیریوں میں ہدایت حاصل کی جاتی ہے لہٰذا ان تاروں سے نہ تو اچھی بری فال لینی چاہئے نہ ان سے غیبی خبریں اور آئندہ کے حالات معلوم کرنے درست ہیں کہ فلاں تارہ فلاں برج میں گیا لہٰذا بارش ہوگی یا ارزانی و گرانی ہوگی یا فلاں تارے کی وجہ سے قوموں پر گردشیں آتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب ممنوع ہیں چونکہ اور دریا بہت سے ہیں اور بہت سی قسم کے ہیں اور ہر جنگل' ہر دریا کی اندھیریاں مختلف ہیں اس لئے **ظلمات** جمع فرمایا گیا نیز کبھی کبھی ایک ہی جنگل' ایک ہی دریا میں بہت قسم کی اندھیریاں جمع ہو جاتی ہیں' اس لئے بھی **ظلمات** جمع فرمانا مناسب ہوا۔ یہاں **لتهتدوا** میں خطاب صرف انسانوں سے ہے ہدایت سے مراد ہے سمت کی ہدایت یا وقت کی ہدایت **ظلمات** کے بعد **الیل** پوشیدہ ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **فی ظلمات الیل فی البر والبحر** ۔یعنی اللہ نے یہ تارے اس لئے پیدا فرمائے کہ تم جنگلوں اور سمندروں میں جب سفر کر رہے ہو اور رات کی اندھیریاں آجائیں تو ان تاروں سے وقت معلوم کرو کہ رات کتنی گزری' کتنی باقی ہے۔ نماز عشاء کا وقت آیا یا نہیں' گزر گیا یا نہیں اور انہیں سے تم سمت معلوم کر کے بہ آسانی سفر کرو۔ خیال رہے کہ گھڑیاں اور قطب نما ستاروں ہی کے حساب سے بنائے گئے ہیں لہٰذا آج کل ان سے ہدایت حاصل کرنا در اصل ستاروں سے ہی ہدایت لینا ہے لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے۔ بہرحال ستاروں کی پیدائش میں صدہا حکمتیں ہیں اور ہزارہا نفع **قد فصلنا الایات لقوم یعلمون** یہ عبارت پہلے جملہ کی تفصیل ہے آیات سے مراد آیات قرآنیہ ہیں' علم سے مراد وہ علم ہے جو اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ بنے جو اس سے غافل کر دے وہ علم نہیں بلکہ جہالت ہے۔

سعدی بشوے لوح دل از ذکر غیر حق — علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

یعنی ہم نے یہ آیات علم والی قوم کے لئے تفصیل وار بیان فرما دی ہیں۔ چونکہ علم والے ہی ان سے نفع حاصل کرتے ہیں لہٰذا انہیں کا ذکر فرمایا۔ اب تک رب تعالیٰ نے اپنی قدرتوں' رحمتوں کے چھوٹے آئینوں کا ذکر فرمایا' یعنی کھیت' باغ' سورج' چاند' تارے وغیرہ کا کہ یہ سب چیزیں صفات الٰہیہ میں سے ایک ایک دو دو صفات کے آئینہ ہیں۔ اب انسان کو خود اس کے آئینہ میں اپنا جمال دکھایا جا رہا ہے۔ انسان رب کی ذات و صفات کا بہت بڑا اور شفاف آئینہ ہے چنانچہ ارشاد ہوا۔ **و هو الذی انشا کم من**

www.alahazratnetwork.org

نفس واحدۃ یہ جملہ نیا ہے' اس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ' رحمت عامہ کی چوتھی دلیل بیان فرمائی گئی۔ اس دلیل کا تعلق خود انسان کہ اپنی ذات سے ہے پچھلے دلائل کا تعلق زمینی اور آسمانی چیزوں سے تھا **ھو** اور **الذی** کی وہی تحقیق ہے جو ابھی کی گئی کہ **ھو** سے ذات رب العالمین مراد ہے اور **الذی** سے اس کی شان یا اس کی قدرت یا اس کی رحمت مراد یعنی اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے اے انسانو تم سب کو ایک ذات سے بنایا مگر تم ایک نہ ہوئے' تمہاری زبان' غذا طریق' زندگی' قلبی حالات جداگانہ ہیں' درخت ایک مگر پھل مختلف یا وہ اللہ' وہ رحمت والا ہے جس نے تم سب کو ایک ذات سے بنایا تاکہ تم سارے انسان ایک دوسرے کے حق ادا کرو سمجھو کہ ہم ایک باپ ایک ماں کی اولاد ہیں۔ **انشا** بنا ہے **انشان** سے جس کا مادہ **نشو** ہے۔ بمعنی پیدائش کہا جاتا نشوونما یعنی پیدا ہونا' بڑھنا۔ **انشاء** کے معنی ہیں پیدا کرنا' منشی پیدا کرنے والا۔ امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔۔

الحمد للہ منشی لخلق من عدم ۔۔۔ ثم الصلوۃ علی المختار کلہم

کم میں خطاب صرف انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر اس خطاب میں جنات اور فرشتے داخل نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے نفس کے بہت معانی ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہاں جان یا بمعنی ذات ہے **نفس واحدۃ** سے حضرت ابوالبشر آدم علیہ السلام مراد ہیں کہ تمام انسان انہیں کی اولاد ہیں۔ خیال رہے کہ حضرت حواء کی پیدائش بھی آدم علیہ السلام سے ہے کہ ان کی ایک پسلی سے آپ پیدا کی گئیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ اسلام بھی جناب مریم' حضرت آدم کی اولاد لہذا ان کی پیدائش بھی' حضرت آدم سے ہے اس لئے یہ آیت بالکل واضح ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرت حواء کی ولادت آدم علیہ السلام سے نہیں نہ آپ ان کی بیٹی ہیں بلکہ ان کی پیدائش آدم علیہ اسلام سے ہے پیدائش اور ولادت میں بڑا فرق ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام تمام مردوں کے والد ہیں' تمام عورتوں کے والد نہیں۔ کیونکہ حضرت حواء کے والد نہیں بلکہ ان کے خاوند ہیں۔ تمام انسانوں کا ایک ذات سے پیدا فرمانا اللہ کی قدرت کی بھی دلیل ہے کہ ایک ذات سے اتنی بڑی مخلوق پیدا کر دی۔ نیز ایک درخت میں ایک ہی قسم کے پھل لگتے ہیں۔ آم کے درخت میں کیلا نہیں لگتا۔ ہر شاخ' ہر گدے میں آم ہی ہوتے ہیں مگر انسان میں رب نے یہ کمال دکھایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام ایک ہیں مگر ان کی اولاد مومن بھی ہے' کافر بھی' مشرک بھی' منافق' پھر مومنوں میں' اولیاء بھی ہیں' انبیاء بھی۔ حضور محمد مصطفیٰ بھی (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ گویا ایک درخت میں ایسے مختلف پھل لگا دینا کہ اسی میں فرعون ہے' اسی میں موسیٰ علیہ اسلام' اسی میں ابوجہل ہے' اسی میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ کمال قدرت ہے اور اس کی رحمت کی بھی دلیل ہے کہ سارے انسان اس رشتہ سے بھائی بھائی ہیں۔ ان میں بھائیوں والی الفت و محبت ہونی چاہئے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔۔

بنی آدم اعضاء یک دیگر اند ۔۔۔ کہ در آفرینش زیک جوہر اند
چو عضوے بدرد آورد روزگار ۔۔۔ دگر عضوہا را نماند قرار!
تو کز محنت دیگراں بے غمی ۔۔۔ نہ شاید کہ نامت نہند آدمی!

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں جسم کی پیدائش کا ذکر ہے تمام انسانوں کے جسم حضرت آدم سے ہیں۔ روح انسانی کی اصل آدم علیہ السلام نہیں' آدم علیہ اسلام ابوالبشر ہیں اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ابوالارواح جیسا کہ تفسیر صوفیانہ میں انشاء اللہ عرض کیا

www.alahazratnetwork.org

جائے گا۔ **فمستقر و مستودع** اس عبارت کی دو قراءتیں ہیں۔ **مستقر** قاف کے کسرہ سے اور **مستودع** دال کے کسرہ سے اسم فاعل کا صیغہ دوسری قراءۃ **مستقر** قاف کے فتحہ سے **مستودع** دال کے فتحہ سے ہماری قراءت یہی ہے **مستقر** بنا ہے قرار سے بمعنی ٹھہرنا اور **مستودع** بنا ہے **ودیعتہ** سے بمعنی سپرد کرنا' امانت رکھنا اس عبارت کے بہت معنی ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دونوں مصدر میمی ہیں' مبتداء ہیں اور ان کی خبر **لکم** پوشیدہ ہے یعنی تمہارے لئے ٹھہرنا ہے اور امانت رہنا اور ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں اسم مفعول بمعنی ظرف ہوں یعنی ایک مقام تمہارا جاء قرار ہے اور دوسرا مقام تمہارا جاء امانت' باپ کی پشت انسان کی جاء قرار و ٹھکانہ ہے۔ نطفہ وہاں ہی بنتا ہے رہتا ہے اور ماں کا رحم جاء امانت ہے کہ باپ کا نطفہ رحم میں بطور امانت رہتا ہے یا اس کے برعکس کہ ماں کا رحم جاء قرار ہے کہ وہاں بچہ بہت عرصہ رہتا ہے اور باپ کی پیٹھ جاء امانت کو وہاں نطفہ تھوڑی دیر رہتا ہے یا زندگی میں روئے زمین انسان کا جاء قرار ہے اور بعد موت قبر انسان کے لئے جاء امانت ہے یا دنیا جاء امانت ہے کہ یہاں کچھ روز رہنا ہے وہ بھی اس طرح کہ کہیں پرورش پاتا ہے' کہیں مرتا ہے' کہیں دفن ہوتا ہے اور آخرت جاء قرار کہ وہاں ہمیشہ ٹھہرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

وما المال و الاهلون الا ودیعتہ ولا بد یوما" ان تود ا الود ائع

بعض نے فرمایا کہ قبر میں انسان امانت کے طور پر رہے گا اور جنت یا دوزخ میں ہمیشہ قرار پکڑے گا۔ ان تفاسیر کی دلیل وہ آیات ہیں **و نقد فی الارحام ما نشاء** اور فرماتا ہے۔ **و لکم فی الارض مستقر و متاع الی حین** وغیرہ غرضیکہ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ دوسری قراءۃ **مستقر** اور **مستودع** قاف اور دال کے کسرہ سے اس کے معنی یہ ہیں کہ تم لوگ بعض جگہ بطور قرار ہو گئے اور بعض جگہ بطور امانت مطلب ایک ہی ہے۔ **قد فصلنا الایات لقوم یفقهون** اس جملہ کی تفسیر ابھی عرض کی گئی یہاں اتنا سمجھ لو کہ ستاروں کے متعلق فرمایا گیا **القوم یعلمون** اور یہاں ارشاد ہوا **القوم یفقهون**۔ کیونکہ علم عام ہے بمعنی جاننا' اور فقہ خاص ہے بمعنی سمجھنا' استنباط کرنا' کسی چیز کی باریکی معلوم کرنا چونکہ ستارے وغیرہ ظاہری دلیلیں ہیں جن سے ہر شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت و رحمت معلوم کر سکتا ہے اس لئے وہاں **یعلمون** ارشاد ہوا۔ مگر اپنے یہ حالات اور ان سے استدلال بہت دقیق و باریک ہے کہ بہت غور و تامل سے حاصل ہوتا ہے اس لئے یہاں **یفقهون** ارشاد ہوا اس لئے حضرات صوفیاء فرماتے ہیں۔ **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ**۔ جس نے اپنے کو پہچان لیا اس نے رب کو پہچان لیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و فی انفسکم افلا تبصرون**۔ دلائل قدرت تمہاری ذاتوں میں موجود ہیں تم دیکھتے کیوں نہیں' نکتہ' فقہ' قاف کے کسرہ سے بمعنی مطلقاً سمجھ بوجھ اور فقہ قاف کے پیش سے عالم اور فقیہ اعظم ہو جانا (روح المعانی) خلاصہ یہ ہے کہ کسی چیز کا جاننا اور ہے اس کا سمجھنا کچھ اور ہے۔ انجن کو دیکھ کر اسے جان لیا جاتا ہے مگر اسے سمجھا نہیں جاتا۔ سمجھتا وہی ہے جو اس کا مستری' ڈرائیور ہو' سمندر کو دیکھ کر جان لیا جاتا ہے مگر اس کی تہہ تک کو سمجھنا صرف جہاز کے کپتان یا غواصی کا کام ہی ہے۔ دوسروں کو جاننا آسان ہے' اپنے کو جاننا بہت مشکل۔ آج سائنس داں سورج و چاند تک پہنچنے کی کوشش میں ہیں مگر اپنے تک نہیں پہنچ سکے ورنہ کافر نہ رہتے آنکھ دوسروں کو دیکھ لیتی ہے' اپنے کو بغیر آئینہ کے نہیں دیکھ سکتی ایسے ہی انسان اپنے کو بغیر نور نبوت نہیں دیکھ سکتا۔ لہٰذا **یفقهون** فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔

خلاصہء تفسیر : انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی معرفت ضروری ہے۔ یہ معرفت دو طرح کی ہے۔ ایک کا نام توحید ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسری معرفت کا نام ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ کو باغوں' کھیتوں' چاند' سورج' تاروں کے ذریعہ سے جاننا پہچاننا توحید ہے اور اسے حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جاننا ماننا ایمان ہے۔ یہ آیات توحید کی ہیں۔ ایمان والی وہ آیت ہے **هو الذی ارسل رسوله بالهدی و دین الحق** مخلوق کے ذریعہ خالق کو بہت سے کفار بلکہ ابلیس کو بھی جانتے مانتے ہیں مگر نبی کے ذریعہ اسے صرف مومنین ہی جانتے' مانتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے ہمارے بندو تم نے ہماری مذکورہ قدرتیں' رحمتیں تو معلوم کرلیں اب سمجھو کہ ہم ایسے رحیم و قادر ہیں کہ ہم نے تمہارے فائدہ کے لئے آسمانوں میں تارے روشن کئے جن کے ذریعہ تم رات کی اندھیری میں جنگل و دریا میں راستہ بھی معلوم کرلیتے ہو اور وقت بھی کہ مشرق و مغرب ادھر ہے' جنوب و شمال اس طرف ہم کو کس سمت چلنا چاہئے اور یہ کہ اب رات اتنی گزر گئی' اتنی باقی ہے گویا تارے تمہارے لئے زمین و زمان سب کچھ معلوم کرنے کا اعلیٰ ذریعہ ہیں۔ ہم نے اپنی قدرت و رحمت کی آیات تفصیل وار بتادیں تاکہ علم والے لوگ ان سے فائدہ اٹھائیں اور سمجھو ہم وہ قدرت و رحمت والے ہیں کہ ہم نے تم سارے انسانوں کو ایک ذات آدم علیہ السلام سے بنایا' تم کو اس رشتہ سے آپس میں بھائی بھائی بنایا۔ پھر تمہارے لئے دو مقام رکھے۔ ایک میں تم ٹھہرتے ہو' دوسرے میں بطور امانت رہتے ہو۔ چنانچہ تم باپ کی پیٹھ میں ٹھہرتے ہو' ماں کے رحم میں بطور امانت رہتے ہو۔ زمین پر ٹھہرتے ہو' قبر میں بطور امانت رہتے ہو یا قبر میں بطور امانت ہوگے اور جنت یا دوزخ میں بطور قرار دائمی رہو گے یا تم دنیا میں بطور امانت عارضی طور پر رہو گے۔ آخرت میں بطور قرار دائمی رہو گے۔ دنیا دار الفرار ہے یعنی بھاگ جانے کی جگہ آخرت دار القرار یعنی ٹھکانہ دائمی ان باتوں میں غور کرو اور ہماری قدرت کے قائل ہو کر ایمان قبول کرو ہم نے یہ آیتیں صاف صاف کھول کر بیان فرما دیں مگر اس قوم کے لئے جس میں سمجھ کا مادہ ہو۔ علماء فرماتے ہیں کہ دنیا میں مستقل مکان' مضبوط و قوی ہوتے ہیں۔ ایک جگہ ہی رہتے ہیں مگر عارضی خیمہ کمزور ہوتے ہیں۔ جگہ جگہ منتقل ہوتے رہتے ہیں' خیموں کی ساخت ہی بتادیتی ہے کہ یہ عارضی گھر ہیں۔ ایسے ہی ہمارے جسموں کی کمزوریاں کہ ایک پھانس کی تاب نہ لاسکیں۔ سردی' گرمی' بھوک' پیاس برداشت نہ کرسکیں ہمارا ایک جگہ قرار نہ ہونا ہی بتارہا ہے کہ یہ جسم عارضی خیموں کی طرح چند روزہ ہیں۔ دائمی جسم وہ ہوگا جو آخرت میں ملے گا۔ جنت یا دوزخ میں۔ جس پر بیماری' کمزوری تبدیلی وغیرہ کا کوئی اثر نہ ہوگا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** چاند' سورج' تارے وغیرہ ساری کائنات انسانوں کے لئے بنائی گئی۔ جنات اور دوسری مخلوق انسان کے طفیل ان سے فائدے اٹھاتے ہیں۔ یہ فائدہ **جعل لکم** کے لام اور کم ضمیر سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ان تمام کا خالق' مالک قابض اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر ان سے نفع اٹھانے والے ہم انسان' اللہ تعالیٰ نفع لینے سے پاک ہے جب رب نے یہ سب کچھ ہمارے لئے کیا تو ہم کو بھی چاہئے کہ ہم سب کچھ رب تعالیٰ کے لئے کریں۔ شیخ سعدی نے کیا خوب کہا۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کار اند — تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری!
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار! — شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

دوسرا فائدہ: علم ہیئت یعنی ستاروں سے نماز' روزے کے اوقات افطار و سحری۔ یونہی ان سے سمت قبلہ وغیرہ معلوم کرنا حق ہے۔ بلکہ ضروری ہے علم توقیت سیکھنا' فرض کفایہ ہے۔ علماء اسلام نے اس کے متعلق بڑی بڑی کتابیں لکھی ہیں۔ یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

لتھدوا بھا الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرے مقام پر رب فرماتا ہے۔ **علامات و بالنجم ھم یھتدون** ۔ **تیسرا فائدہ:** اس کے سواء ستاروں سے اور باتیں معلوم کرنا ممنوع ہے۔ جیسے سعادت و نحوست بارش کے اوقات اسی علم نجوم کی حدیث شریف میں ممانعت آئی۔ چنانچہ ابوداؤد' ابن ابی شیبہ' ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس مرفوعاً" روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے علم نجوم سیکھا اس نے گویا جادو کا ایک حصہ سیکھا (روح المعانی)۔ یہ فائدہ بھی **لتھدوا بھا** سے حاصل ہوا کہ یہ چیزیں معلوم کرنا ہدایت نہیں ضلالت و گمراہی ہیں۔ **مسئلہ:** ستاروں کو موثر ماننا حرام بلکہ کبھی کفر ہے کہ یہ ستارہ پرستی کا ذریعہ ہے نیز ان سے غیبی خبریں معلوم کرنا اور ان پر یقین کرنا حرام ہے۔ مگر ان کو کسی چیز کی علامت ماننا' جیسے بادل بارش کی علامت ہے مگر ان پر یقین نہ کرنا جائز ہے۔ علم ہیئت بالکل یقینی ہے' علم نجوم وہمی یا مشکوک علم ہیئت والے جس تاریخ میں' جس وقت کا سورج کا طلوع غروب نماز کے اوقات بتاتے ہیں بالکل درست ہوتا ہے۔ حضرت عبداللہ ابن حفص فرماتے ہیں کہ اہل عرب کہانت' قیافہ' عیافہ' نجوم' حساب میں بڑے ماہر تھے۔ اسلام نے کہانت باطل کر دی۔ باقی چیزیں باقی رکھیں (روح المعانی)۔ یہ فرق خیال رہے۔ **چوتھا فائدہ:** علم اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے مگر وہی علم جو معرفت الٰہی کا ذریعہ ہو۔ یہ فائدہ **لقوم یعلمون** سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید نے علماء کے بڑے بڑے فضائل بیان فرمائے۔ فرمایا **انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء** اللہ تعالیٰ سے صرف علماء ہی ڈرتے ہیں اور فرمایا **و قل رب زدنی علما** ۔ اے محبوب کہو کہ الٰہی میرا علم اور زیادہ فرما۔ **پانچواں فائدہ:** حضرت حواء' حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد نہیں مگر پیدا انہیں سے ہوئی ہیں۔ ان کی اصل بھی حضرت آدم علیہ السلام ہی ہیں یہ فائدہ **انشاکم من نفس واحدۃ** سے حاصل ہوا' انسانوں کی اصل حضرت آدم علیہ السلام ہیں مگر جسمانیت کی اصل ہیں نہ کہ روحانیت کی۔ **چھٹا فائدہ:** عورت سے مرد افضل ہے کہ وہ عورت کی اصل ہے بلکہ انسان کی اصل اصول ہے' اسی لئے قرآن مجید میں اکثر احکام میں مردوں سے خطاب ہے کہ وہ عورتیں ان کے تابع ہو کر ان احکام میں داخل ہیں جیسے **اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ** ۔ یہ فائدہ بھی **انشاکم من نفس واحدۃ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جنت کی حوریں اور غلمان انسان نہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد سے نہیں یہ فائدہ بھی **انشاکم من نفس واحدۃ** سے حاصل ہوا یونہی وہ مخلوق جو جنت پر کرنے کے لئے پیدا کی جائے گی وہ آدمی یعنی اولاد آدم نہ ہوگی۔ جنتی انسانوں کا نکاح حوروں سے یہ اس جہان کے احکام ہیں دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان سے ہی ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت آدم علیہ السلام جب جنت میں رہے تو انہیں صرف وہاں کی نعمتیں کھانے' پینے کی اجازت تھی۔ **فکلا منھا حیث شئتما** وہاں کی حوریں استعمال کرنے کی اجازت نہ تھی۔ اسی لئے حضرت حواء پیدا فرمائی گئیں۔ خیال رہے کہ حوریں اگرچہ انسان نہیں مگر شکل انسانی میں ہیں۔ جیسے بہت دفعہ حضرت جبرائیل شکل انسانی میں آتے تھے کہ ان کی حقیقت نور تھی' لباس و شکل انسانی' یونہی حوریں نوری مخلوق ہیں' بشری شکل میں اس لئے ان پر انسانی احکام جاری ہوں گے نکاح وغیرہ۔ **آٹھواں فائدہ:** انسان خواہ مومن ہو یا کافر سب آدمی ہیں۔ یعنی جناب آدم کی اولاد لہٰذا چاہئے یہ کہ ایک دوسرے کا غم خوار غم گسار ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان پر کافر پڑوسی کے حق معین فرمائے' مکہ معظمہ میں ایک بار قحط پڑ گیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے اناج غلہ بھیجا کہ مکہ کا قحط دور ہو گیا۔ حضرت عمر سے فرمایا کہ تم یہ ریشمی جوڑا اپنے مشرک بھائی کو مکہ معظمہ بھیج دو۔ حضرت بایزید بسطامی نے اپنے پڑوسی یہودی کے گھر روزانہ چراغ جلا کر بھیجا جبکہ اس کا بچہ اندھیرے سے روتا تھا۔

www.alahazratnetwork.org

اسلام نے تو جانوروں کے حقوق مقرر فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اونٹ والے سے فرمایا کہ اس سے کام کم لے' چارہ زیادہ دے۔ فرمایا وہ عورت دوزخ میں گئی جس نے بلی کو بھوکا مار دیا۔ یہ فائدہ جمن من نفس واحدة سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہمارا دنیا میں رہنا عارضی ہے جیسے سرائے میں مسافر کا قیام' ہمارا اصل مقام آخرت ہے۔ یہ فائدہ **مستقر اور مستودع** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دنیا کو اپنے لئے جائے قرار سمجھ بیٹھنا بڑی ہی غلطی ہے۔ **دسواں فائدہ:** فقہ یعنی دینی سمجھ کہ انسان دنیا کے ذریعہ آخرت بلکہ رب تعالیٰ کو پہچان لے یہ اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے جسے یہ نعمت ملی اس پر اللہ کا بڑا ہی فضل و کرم ہوا۔ یہ فائدہ **لقوم یفقہون** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** اگرچہ قرآن آیا ہے سارے جہان کے لئے مگر اس سے فائدہ صرف علماء فقہاء اٹھاتے ہیں اور ان کے ذریعہ دوسرے لوگ۔ جو عام آدمی علماء فقہاء کا دامن چھوڑ دے وہ قرآن مجید سے ہرگز ہرگز فائدہ نہیں اٹھا سکتے جیسے بارش سے موتی صرف سیپ لیتی ہے۔ سورج سے لعل صرف بدخشاں کے پہاڑ لیتے ہیں' ان کے ذریعہ لوگوں کو موتی اور لعل ملتے ہیں۔ احکام شرعیہ قرآنی موتی اور لعل ہیں۔ جو علماء کے سینے سے ہم کو ملتے ہیں۔ یہ فائدہ **لقوم یفقہون** اور **لقوم یفقہون** سے اشارۃً حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خشکی اور دریا کے ہی سفروں میں ستاروں سے ہدایت ملتی ہے۔ حالانکہ ہم اپنے گھروں میں رہ کر بھی ان سے ہدایت لیتے ہیں۔ پھر یہاں **ظلمات البر والبحر** کی قید کیوں لگائی گئی؟ **جواب:** اس لئے کہ ان تاروں سے ہدایت کی زیادہ ضرورت ان دونوں سفروں میں ہی پڑتی ہے۔ گھر میں انسان اپنے راستوں سے بھی واقف ہوتا ہے اور وقت کا بھی اندازہ لگا لیتا ہے۔ ستاروں کے زیادہ محتاج مسافر ہی ہوتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اب تو تاروں کی قطعاً ضرورت نہ رہی کیونکہ سمت معلوم کرنے کے لئے قطب نما اور وقت پہچاننے کے لئے گھڑیاں بن گئیں پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** قطب نما اور گھڑیاں بھی تاروں ہی کے حساب سے بنائی گئی ہیں۔ قطب نما قطب ستارہ کی سمت بتاتا ہے اور گھڑیاں سورج کی رفتار کا پتہ دیتی ہیں۔ چنانچہ تمام گھڑیاں' ریڈیو سے درست کی جاتی ہیں اور ریڈیو آفتاب سے وقت لیتا ہے۔ سورج کی گھڑی وہ قدرتی گھڑی ہے جس میں کبھی فرق نہیں ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** سمت صرف قطب تارے سے معلوم ہوتی ہے اور وقت ضرور سورج سے تو یہاں **النجوم** جمع کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** یہ غلط ہے دن میں سمت سورج سے معلوم ہوتی ہے مشرق و مغرب سورج ہی بتاتا ہے۔ رات میں قطب تارہ صرف ایک سمت یعنی شمال بتاتا ہے' باقی سمتیں دوسرے تاروں کی رفتار بتاتی ہے۔ یونہی قطب تارہ وقت بالکل نہیں بتاتا یہ دوسرے تارے ہی بتاتے ہیں لہٰذا **النجوم** فرمانا بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ظلمات جمع کیوں ارشاد ہوا' تاریکی تو ایک ہی ہے جنگل میں اور سمندر میں۔ **جواب:** دنیا میں جنگل اور دریا مختلف ہیں اور ہر جنگل و دریا کی اندھیری علیحدہ ہے نیز ایک ہی رات میں شام کو اندھیری اور قسم کی ہوتی ہے آدھی رات کو اندھیری اور نوعیت کی ہوتی ہے۔ قریب صبح اور قسم کی پھر آسمان صاف ہو تو اندھیری اور قسم کی ہوتی ہے۔ بادلوں میں اور طرح کی غرضیکہ اندھیریوں کے افراد بھی بہت ہیں' اقسام بھی بہت۔ اس لئے ظلمات جمع فرمانا بالکل درست ہے۔ اگر تاروں سے مراد صحابہ کرام ہوں تو انسان پر جوانی' دولت' غریبی' سلطنت' حکومت' عیش' تکلیف کی مختلف اندھیریاں آتی رہتی ہیں۔ ان سب اندھیریوں میں صحابہ کرام کی زندگی رہبری کرتی ہے جوانی و طاقت میں علی شیر خدا دولت کی اندھیری میں حضرت عثمان غنی فقیری کی اندھیری میں حضرت ابوذر غفاری وغیرہم حکومت و سلطنت کی اندھیری میں حضرت عمر

www.alahazratnetwork.org

کی زندگیاں انسان کے لئے رہبر ہیں۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید سے صرف علماء، فقہاء نفع اٹھاتے ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے ھدی "للمتقین" اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ ھدی للناس۔ یعنی قرآن مجید سارے متقیوں بلکہ سارے انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: قرآن مجید و حدیث سے بلاواسطہ فیض علما لیتے ہیں اور علماء کے واسطے سے عوام یا یوں کہو کہ قرآن مجید کی ہدایت عامہ سارے انسانوں کے لئے ہے اور ہدایت خاصہ صرف علماء کے لئے جیسے سورج کی روشنی سارے جہان کے لئے مگر دانے کھیت کے لئے، اور پھل پھول چمن کے لئے، لعل بدخشاں کے پہاڑ کے لئے لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ چھٹا اعتراض: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق قرآن مجید فرمارہا ہے کہ وہ کلمہ کن یا حضرت جبرائیل کے دم سے پیدا ہوئے تو وہ حضرت آدم کی اولاد کیسے ہوئے اور یہ آیت کریمہ کیسے درست ہوئی کہ تم سب کو ایک جان سے بنایا۔ جواب: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ابتداء آفرینش کلمہ کن سے ہے مگر انتہاء آفرینش حضرت مریم کے شکم سے۔ اور جناب مریم اولاد آدم سے ہیں لہذا آپ بھی جناب آدم کی اولاد سے ہیں جیسے ہماری ابتداء آفرینش مٹی سے ہے اور انتہا ماں باپ سے۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش جناب مریم کے نطفہ سے نہیں مگر آپ کی شکمی پرورش، جناب مریم کے خون سے ضروری ہے پھر ان کے دودھ سے۔ ساتواں اعتراض: حضرت حوا اگر آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں تو وہ ان کی بیٹی ہوئیں اور بیٹی سے نکاح حرام ہے پھر وہ آپ کی بیوی کیسے بنیں اور اگر وہ آدم علیہ السلام سے پیدا نہیں ہوئیں تو یہ آیت درست کیسے ہوئی۔ انشاء کم من نفس واحدۃ حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام سے پیدا نہ ہوئیں۔ جواب: ولادت اور چیز ہے پیدائش (انشاء) کچھ اور چیز ولادت یہ ہے کہ مرد کے نطفہ سے اس کا شکل بنے یا ماں کے پیٹ سے اس کا ہم شکل خارج ہو۔ حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام کے جسم سے بنائی گئیں مگر آپ کے نطفہ سے پیدا نہ ہوئیں لہذا حضرت آدم، حضرت حوا کی اصل ہیں والد نہیں۔ اسی لئے یہاں انشاء کم فرمایا و لد کم نہ فرمایا۔ قرآن کریم کے ایک ایک لفظ میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ آٹھواں اعتراض: تمام لوگ حضرت آدم و حضرت حوا سے پیدا ہوئے تو یہ فرمانا کیونکر درست ہوا کہ انشاء کم من نفس واحدۃ سب کے والد حضرت آدم علیہ السلام اور والدہ حضرت حوا۔ جواب: یہاں انشاء کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے۔ جن میں جناب حواء بھی داخل ہیں اس معنی سے سب ایک ہی ذات آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئے۔ نیز سب لوگ حضرت آدم و حواء سے پیدا ہوئے اور حضرت حواء، آدم علیہ السلام سے لہذا اصل اصول سب کے آدم علیہ السلام ہی ہوئے اور من نفس واحدۃ فرمانا بالکل درست ہوا۔ نواں اعتراض: اگر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ سارے انسانوں حتی کہ کافروں کا بھی غم خوار ہو تو کفار کو جہاد وغیرہ سے فنا کیوں کیا جاتا ہے، یہ تو غم خواری نہیں۔ جواب: جہاد بھی کفار کی غم خواری ہے جہاد کفار کو ہلاک کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ کفر کا زور توڑنے مسلمانوں کو آزادی سے اپنے اسلام پر قائم رہنے کے لئے ہو تا جب کفار ہمارے ذمی بن جائیں تو ان کے وہی حقوق ہوتے ہیں جو مسلمانوں کے حتی کہ ذمی کافر کے مسلم قاتل کو قتل مسلم چور کا قطع ہو گا یہ جہاد ایسا ہے جیسے گلے عضو کو کاٹ دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان دنیا میں مسافر ہے۔ خدا رسی کے لئے اسے شریعت کے جنگل طریقت کے دریا طے کرنا ہیں۔ ان راستوں میں نفسانی، شیطانی، طغیانی اندھیریاں ہیں بہت ہی خطرہ ہے کہ انسان ان اندھیریوں میں پھنس کر راہ بھول جائے تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو تاروں کی طرح چمکا دیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے صحابہ تارے

www.alahazratnetwork.org

ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے جو انسان حضرات صحابہ کے نقش قدم پر چلا۔ ہدایت پر رہا جو ان سے الگ ہوا بہک گیا۔ **فان امنوا بمثل ما امنتم به فقد اهتدوا** کیونکہ حضرات صحابہ اسلام کی صف اول میں ہیں جنہوں نے امام الانبیاء کو دیکھا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام سنے ہیں۔ ہم لوگوں کو یہ نعمتیں میسر نہیں ہوئیں ہماری درستی ان کی نقش قدم پر چلنے میں ہے۔ جیسے آخری صف کے نمازیوں کی نمازیں صف اول والے نمازیوں کی تکبیروں پر درست ہوتی ہیں یا جیسے ریل کے دوسرے ڈبے اگرچہ چلتے انجن کی طاقت سے ہیں مگر پہلا ڈبہ بلاواسطہ انجن سے وابستہ ہوتا ہے دوسرے ڈبے پہلے ڈبہ کے ذریعے سے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ ایسی رحمتوں والا ہے جس نے آسمان نبوت پر صحابہ کرام کے تارے کھلائے تاکہ تم شریعت و طریقت کے راہ میں ہدایت پاؤ اگر تم اب بھی نہ سمجھو تو تمہاری مرضی۔ ہم نے کھول کر آیتیں بیان فرمادیں۔ اس رب نے سارے انسانوں بلکہ سارے جہان کو ایک ذات محمدیہ سے پیدا فرمایا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **اول ما خلق الله روحی** پھر تمام روحیں اس روح پاک سے ایسے پیدا فرمائیں جیسے سورج سے سارے تارے کھلتے ہیں یا سارے آئینے منور ہوتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ابو الارواح ہیں جسموں کے والد آدم علیہ السلام ہیں مگر روحوں کے والد حتی کہ حضرت آدم کی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

بزم میں میرے نخل حقیقت میں میری اصل　　اس گل کی یاد میں یہ صدا ابو البشر کی ہے!

سارے مسلمان اس جہان میں بطور امانت چند روزہ مقیم ہیں عارضی طور پر مگر سب کا اصل ٹھکانہ پاک مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ جیتے جی ہم لوگ مختلف مقامات میں آباد ہیں مختلف بولیاں بولتے ہیں مگر مرتے ہی انشاء اللہ طائر روح انہیں کے قدموں میں پہنچے گا انہیں کی بولی بولے گا۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے　　قفس جس وقت ٹوٹے طائر روح مقید کا

جب تک طائر روح جسمانی قفس کی قید میں ہے۔ تب تک وہ مدینہ منورہ پہنچنے میں پاسپورٹ ویزا سواریوں کا محتاج ہے۔ جس دن یہ پنچھی اس پنجرے سے نکلا تو دیکھنا انشاء اللہ ایک قدم میں مدینہ پہنچے گا۔

یا جیتے جی چلیں پاؤں سے یا مر کے پکھیرو بن جائیں
جانا ہے انہیں کے قدموں میں چاہے آ جائیں چاہے بس جائیں

یہ مقصد ہے اس آیت کریمہ کا **فمستقر و مستودع** جسمانی وطن بہت ہیں مگر سب مسلمانوں کا روحانی وطن ایک ہی ہے اور وہ ہے مدینہ پاک کی گلیاں۔ حضرت محدث اعظم سید محمد صاحب کچھوچھوی قدس سرہ جب حج کو روانہ ہوئے تو میرے مرشد برحق صدر الافاضل مولانا محمد نعیم الدین صاحب قدس سرہ سخت بیمار تھے مرض الموت میں تھے۔ اٹھارہ ذی الحجہ کو محدث صاحب بعد نماز فجر روضہ اطہر پر سلام پڑھ رہے ہیں دیکھا کہ سامنے صدر الافاضل کھڑے سلام عرض کر رہے ہیں۔ محدث صاحب فرماتے تھے کہ مجھے خیال ہی نہ رہا کہ میں تو صدر الافاضل کو جاں بلب چھوڑ آیا ہوں۔ میں نے خیال کیا کہ بعد اسلام کے پوچھوں گا کہ آپ کب اور کون سے جہاز سے آئے اور یہاں کہاں ٹھہرے ہیں۔ پلک جھپکا تو صدر الافاضل اوجھل ہو چکے تھے۔ ڈیرہ پر جا کر تار ملا کہ حضرت صدر الافاضل کا انتقال ہو گیا۔ معلوم ہوا کہ روح نے جسم عنصری سے نکلتے ہی ایک قدم بڑھایا اور مدینہ منورہ پہنچی۔ یہ ہے **فمستقر و مستودع** اللہ تعالیٰ ہم گنہگاروں کو اس سرکار کے قدموں میں قرار عطا فرمائے۔ آمین۔

www.alahazratnetwork.org

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَیْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ

اور وہ وہ ہے کہ اتارا اس نے آسمان سے پانی پس نکالا ہم نے اس سے اگنے والی ہر چیز کا پس نکالا ہم نے اس سے

اور وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا تو ہم نے اس سے ہر اگنے والی چیز نکالی تو ہم نے اس سے

خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًاۚ وَ مِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِیَةٌ وَّ

سبزہ نکالتے ہیں ہم اس سے دانے اوپر تلے سوار اور درخت کھجور کے گابھے سے خوشے قریب اور

نکالی سبزی جس میں سے دانے نکالتے ہیں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے اور کھجور کے گابھے سے

جَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍؕ اُنْظُرُوْۤا

باغات انگور کے اور زیتون کے اور انار کے ہم شکل اور غیر ہم شکل دیکھو تم طرف اس

پاس پاس گچھے اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ اس کا پھل دیکھو

اِلٰی ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ یَنْعِهٖؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكُمْ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ (۹۹)

کے پھل کے جب کہ پھل دے اور اس کے پکنے کی طرف بیشک اس میں نشانیاں ہیں اس قوم کے لیے جو ایمان رکھتی ہے

جب پھلے اور اس کا پکنا بے شک اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ستاروں کے فوائد کا ذکر تھا جو ہمیشہ چمکتے ہیں۔ اب بارش کے فوائد کا ذکر ہے جو کبھی کبھی ہوتی ہے گویا دائمی نعمت کے بعد وقتی نعمت کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں انسان کی ایجاد کا ذکر تھا۔ اب اس کی بقاء کے ذریعہ کا بیان ہے۔ یعنی بارش اور کھیتی باڑی۔ چونکہ بقاء ایجاد کے بعد ہے۔ اس لئے یہ آیت کریمہ اس کے بعد آئی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی یہ شان بیان ہوئی کہ اس نے ایک ذات سے رنگ برنگے انسان بنائے کافر مومن فاسق متقی کالے گورے۔ اب اس کی یہ شان بیان ہو رہی ہے کہ وہ ایک بارش سے رنگ برنگے پھل پھول گھاس بھوسہ وغیرہ پیدا فرماتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ کا منشا تھا کہ ہم نے انسان کو پیدا فرمایا ہم خالق ہیں انسان مخلوق۔ اس آیت کریمہ کا منشا یہ ہے کہ ہم نے انسان کو پیدا کرکے بے یارومددگار نہ چھوڑ دیا بلکہ اس کی خبر گیری فرماتے رہے تاکہ معلوم ہو کہ رب تعالیٰ نے ہم کو ایمان دیا پھر ایمان دے کر ہم کو بے سہارا نہ چھوڑ دیا بلکہ علم و عرفان کی بارشوں سے ایمان کے باغ کو سرسبز فرمایا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں آسمانی چیزوں کا ذکر تھا یا زمینی چیزوں کا۔ اس آیت کریمہ میں اس کا ذکر ہے جو آسمانی بھی ہے زمینی بھی۔ یعنی بارش کہ یہ آسمان سے آتی ہے زمین پر بلکہ زمین میں پہنچتی ہے نیز یہ زمین کا پانی ہے جو آسمان کی طرف سے آتا ہے گویا یہ چیز مشترک ہے جیسے عالم غیب اور بے عالم شہادت کچھ اور مگر نبوت ان دونوں میں مشترک ہے گویا یہ محکمہ مواصلات ہے جو داخلی خارجی محکموں کو ملاتا ہے۔

تفسیر: وهو الذی انزل من السماء ماء۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نئی قدرت نئی رحمت کا ذکر ہے هو اور الذی کا فرق ابھی پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ هو ذات کو بتا رہا ہے اور الذی رب کی شان کو یعنی وہ اللہ وہ شان والا وہ

www.alahazratnetwork.org

قدرت والا' وہ رحمت والا۔ چونکہ کنویں' تالاب' دریا کے پانی کے متعلق انسان کہہ سکتا ہے کہ میں نے یہ کیا ہے دریا سے نہر نکالی' میں نے کنویں پر ٹیوب ویل لگایا مگر بارش کا پانی وہ ہے جہاں کسی کی میں کو دخل نہیں محض قدرتی ہے۔ اس لئے ھوالذی فرمانا نہایت موزوں ہے یعنی وہ اللہ' وہ قدرت والا ہے نیز بارش کا پانی وہ ہے جو ہمارے گھروں میں ہم تک پہنچ جاتا ہے یعنی کنواں' دریا بلا کر پانی دیتے ہیں مگر بادل آکر پانی دیتا ہے جس سے وہ درخت بھی سیراب ہوتے ہیں جو نہ کہیں جا سکیں' نہ کچھ کہہ سکیں لہٰذا ھوالذی فرمانا درست ہوا کہ وہ اللہ' وہ رحمت ہے یا رب تعالیٰ نے تم کو زندہ کر کے رکھا' زندہ رہنے کے لئے سامان مہیا فرمائے۔ یونہی چھوڑ نہیں دیا' ہم ایسے رحمت والے ہیں۔ انزل میں ایک بار بارش برسانے کا ذکر ہے ایک بار کی بارش سے تمام بارشوں کو قیاس کر لو یا انزل سے بروقت بارش مراد ہے جو کھیتوں' باغوں کو نفع دے۔ بے وقت کی بارش ان سب کو فنا کر دیتی ہے یا انزل سے بقدر ضرورت بارش مراد ہے۔ ضرورت سے زیادہ بارش کھیتوں' باغوں بلکہ بستیوں کو فنا اور تباہ کر دیتی ہے اس سے سیلاب آ جاتے ہیں۔ بہرحال بجائے ینزل کے انزل فرمانے میں بہت حکمتیں ہیں۔ ماء سے مراد یا بادل ہے یا آسمان چونکہ ماء سے مراد بارش کا پانی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اگرچہ کنوؤں میں پانی بھی بارشوں کی وجہ سے ہوتا ہے بارش نہ ہو تو کنویں خشک ہو جاتے ہیں مگر یہاں وہ پانی مراد نہیں چونکہ بارش بادل سے آتی ہے اور بادل آسمان کے اسباب سے بنتے ہیں کہ سورج کی گرمی سے سمندر کا پانی بھاپ بن کر اوپر چڑھتا ہے پھر اوپر ٹھنڈک پا کر جم جاتا ہے' پھر وہی جمع ہوا پانی قطروں کی شکل میں بارش ہو کر برستا ہے لہٰذا من السماء فرمانا بالکل درست ہے یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ لغت میں سماء ہر اونچی چیز کو کہتے ہیں چنانچہ چھت کو سماء البیت کہتے ہیں لہٰذا یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ ہم نے اوپر سے بارش برسائی تاکہ درختوں کو غسل بھی ہو جائے اگر زمین میں سے پانی پھوٹ جایا کرتا تو جڑیں تر ہوتیں' غسل نہ ہوا کرتا اس تفسیر سے آیت بالکل صاف ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ فاخرجنا بہ نبات کل شیء یہ عبارت انزل پر معطوف ہے یہاں ف مطلقاً عطف تعقیبی کے لئے ہے کیونکہ بعض گھاسیں بارش ہوتے ہی اگ پڑتی ہیں' بعض کچھ دیر سے یہاں روشن کلام ... ہوئی ہے کہ پہلے ھو اور انزل غائب کے طور پر ارشاد ہوا۔ یہاں انزلنا جمع متکلم کے طریقہ پر اسے عربی میں التفات کہتے ہیں۔ اس سے کلام کا لطف بڑھ جاتا ہے اور مضمون کی اہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ چونکہ زمینی پیداوار پر جانداروں کی بقا موقوف ہے اس لئے اخرجنا فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ یہ پیداوار اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ قرآن کریم میں جہاں اللہ تعالیٰ کے لئے فا ارشاد ہوتا ہے وہاں فا جمعیت کے لئے نہیں تعظیم کے لئے ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واحد حقیقی ہے وہاں جمعیت کیسی (روح البیان)۔ بہ کا مرجع وہی بارش ہے جو ابھی مذکور ہوئی۔ نبات مصدر ہے بمعنی اگنا یہاں مراد اگنے والی چیز جب درخت یا پیڑ زمین سے سر نکالتا ہے اسے اردو میں کونپل پنجابی میں انگوری کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے کل شیء سے مراد ہر اگنے والی چیزیں ہیں جنہیں نباتات کہا جاتا ہے۔ جانور' پتھر وغیرہ اس میں داخل نہیں' چونکہ بارش سے کھیت میں بھی کونپلیں اگ پڑتی ہیں۔ باغ میں بھی کھیت کی کونپلیں باغ کی کونپل سے افضل ہیں اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ فاخرجنا منہ خضرا " یہ عبارت پہلے فاخرجنا پر معطوف ہے یہاں بھی ف صرف تعقیب کے لئے ہے کیونکہ کونپلوں سے سبزہ عرصہ کے بعد بنتا ہے۔ پانی کونپلوں (انگوری) کا سبب ہے اس لئے وہاں بہ ارشاد ہوا مگر کونپل سبزہ' پتے وغیرہ کا سبب نہیں بلکہ مبداء ہے اس لئے یہاں منہ ارشاد ہوا کہ کونپل ہی کچھ دنوں میں بڑھ کر سبزی بن جاتی ہے۔ خضر سے مراد ہری ڈالیاں' ہرے پتے ہیں۔ خضر بمعنی اخضر ہے جیسے عور بمعنی اعور اخضر اصلی سبز

www.alahazratnetwork.org

کو کہتے ہیں جو بذات خود سبز ہو جس پر ہرا رنگ چڑھا دیا جائے اسے اخضر نہیں کہا جاتا۔ (معانی)۔ **نخرج منه حبا متراكبا** " یہ عبارت خضرا کی صفت ہے منہ کا مرجع وہی ہے خضر ہے حب دانہ کو کہتے ہیں اس کی جمع حبوب ہے یہاں غذائی دانے مراد ہیں جیسے گندم، جو، دھان وغیرہ چونکہ یہ دانے ایک دوسرے پر ایسے چنے ہوتے ہیں جیسے کسی نے لڑی میں موتی چن دیئے یہ بالیاں قدرت کا نمونہ ہیں اس لئے متراکبا" ارشاد ہوا یعنی بارش کے ذریعہ پہلے ہر نبات کی کونپلیں زمین سے نکالتے ہیں پھر وہ کونپلیں بڑھ کر کہیں سبز شاخیں، پتے بن جاتی ہیں پھر انہی پتوں میں سے اوپر تلے چنے ہوئے دانے نکلتے ہیں یہ تو کھیت کا حال ہوا۔ اب میوہ باغ کے حالات دیں۔ **النخل من طلعها قنوان دانية** یہ جملہ نیا ہے اس میں **من النخل** خبر مقدم ہے اور **من طلعها** اس کا بدل بعض اور **قنوان دانية** مبتداء موخر اس میں **من** ابتدائیہ ہے۔ **نخل** واحد بھی آتا ہے، جمع بھی، کھجور کے درخت کو نخل کہا جاتا ہے۔ چونکہ تمام میووں میں کھجور افضل ہے کہ اس میں لذت بھی ہے غذائیت بھی۔ حضرت مریم نے جناب مسیح کی ولادت کے وقت کھجوریں ہی کھائی تھیں نیز درخت کھجور حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کی کھرچن سے بنا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ملک کھجوروں سے آباد ہے۔ غرضیکہ درخت کھجور کو تین نبیوں سے نسبت ہے۔ حضرت آدم، حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نیز یہ درخت خدمت نہیں لیتا، کھاد، پانی کا محتاج نہیں ہوتا۔ نیز اس کی عمر بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ کے لگائے ہوئے کھجور کے درخت اب چودہ سو برس بعد دیکھے ہیں نیز یہ درخت ہر بلا آفت کو جھیل جاتا ہے۔ خزاں وغیرہ کا اثر نہیں لیتا نیز یہ درخت ہمیشہ فائدہ دیتا ہے یعنی کٹ جانے کے بعد بھی جیسے مرد مومن سوتے، جاگتے، جیتے، مرتے فائدہ مند ہے ایسے ہی درخت کھجور کٹنے کے بعد مفید ہے ان وجوہ سے پہلے کھجور کا ذکر کیا گیا۔ جب کھجور میں پھل آنے کا وقت آتا ہے تو اس کے سرے پر پہلے دو جڑے ہوئے جوتوں کی طرح پٹھا نکلتا ہے اسے طلع کہتے ہیں پھر اس پٹھے میں کھچھے لگتے ہیں اسے قنو کہتے ہیں۔ قنوان قنو کا شنیہ بھی ہے اس کی جمع بھی اس شنیہ و جمع میں چند طرح فرق کیا جاتا ہے۔ (1) شنیہ کا نون ہمیشہ کسرہ والا بغیر تنوین کے ہوتا ہے۔ جمع کے نون پر تینوں اعراب مع تنوین آتے ہیں جیسے یہاں پیش آیا ہے۔ (2) شنیہ کا نون اضافت کے وقت گر جاتا ہے۔ جمع کا نون نہیں گرتا۔ چنانچہ شنیہ میں قنواک کہا جاتا ہے جمع قنوانک۔ (3) شنیہ کو جب واحد کی طرف مضاف کریں گے تو واحد کر کے مضاف کریں گے۔ جیسے قنوی اور جمع کو ایسے ہی رکھیں گے جیسے قنوانی (تفسیر صاوی) یہاں جمع ہے **دانية** بنا ہے **دنو** سے بمعنی قرب دانیہ بمعنی قریب ہوں۔ جنہیں انسان بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر منہ سے پکڑ لے ہم نے مدینہ منورہ میں ایسی کھجوریں دیکھی ہیں جن کے پھل زمین سے لگے ہوتے ہیں یہ بعض کھجوروں کا حال ہے بعض کھجوروں کے پھل بہت اونچے ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود بہت لمبی ہوتی ہیں وہ کھجوریں زمین پر پھیلی ہوتی ہیں لمبی نہیں ہوتیں۔ چونکہ ان کھجوروں کا نظارہ نہایت خوبصورت، خوشنما ہوتا ہے اور بہت آرام دہ اس لئے ان کا ہی ذکر فرمایا۔ اونچی، لمبی کھجوروں کو خود معلوم کر لو۔ **وجنات من اعناب** یہ عبارت معطوف ہے یا نبات پر یا خضر پر یا حبا" پر اس لئے **اخرجنا** کا مفعول ہے اور نصبی حالت میں ہے۔ **جنات** جمع ہے جنت کی یعنی گھنا باغ جس کے نیچے کی زمین نظر نہ آئے چونکہ کھجور کا ایک درخت بھی فائدہ دے دیتا ہے مگر انگور کا ایک دو درخت فائدہ نہیں دیتا۔ اس کا تو باغ ہی فائدہ مند ہے اس لئے کھجور کے لئے باغات کا ذکر نہ فرمایا انگور کے لئے باغات کا ذکر ہوا۔ **اعناب** جمع ہے عنب کی بمعنی انگور یعنی ہم بارش کے ذریعہ انگوروں کے باغ اگاتے ہیں جو تمہارا بہترین میوہ ہے۔ **والزيتون والرمان**

www.alahazratnetwork.org

مشتبھا "**و غیر متشابہ** یہ عبارت معطوف ہے نبات پر اور اخرجنا کا مفعول ہے ہے زیتون کے درخت اور پھل کو زیتون کہتے ہیں اس کے تیل کو زیت۔ **مشتبھا** اور **غیر متشابہ** دونوں زیتون اور رمان سے حال ہیں یعنی زیتون اور انار کے درخت ان کے پتے تو ہم شکل ہوتے ہیں مگر پھل ہم شکل نہیں ہوتے ہم نے زیتون کے درخت فلسطین میں دیکھے تو انہیں انار کے درخت سمجھے۔ ہم کو بتایا گیا کہ یہ زیتون کے درخت ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **مشتبھا** اور **غیر متشابھا** ان تمام پھلوں کا حال ہو اور مطلب یہ ہو کہ انگور' انار' کھجوریں ان کے پھل دیکھنے میں آپس میں یکساں ہوتے ہیں مگر مزے میں مختلف بعض انگور کھٹے ہوتے ہیں بعض میٹھے' بعض کسیلے یہی انار کا حال ہے کہ بعض میٹھے' بعض کھٹے ہر پھل کا یہی حال ہے آم میں تو کمال ہی ہے کہ ایک ہی آم کچا ہو تو سخت کھٹا پک جائے تو نہایت ہی میٹھا غرضیکہ قدرت کے کمالات ہیں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ایک پھل بہت سی قسم کا ہوتا ہے ہر قسم دوسرے سے شکل میں مشابہ مگر ان کے مزے مختلف۔ چنانچہ کھجوریں قریباً"اسی قسم کی ہیں سب کو کھجور ہی کہا جاتا ہے۔ شکل میں مشابہ مگر ان کے مزے مختلف۔ یہی حال انگور' انار کا ہے نیز ان قسموں کے درخت یکساں ہے۔ مگر پھل مختلف غرضیکہ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں **انظروا الی ثمرہ اذا اثمر** یہ علیحدہ جملہ اس میں خطاب سارے انسانوں سے خصوصاً" کفار سے ہے نظر سے مراد نظر عبرت ہے بمعنی غور کرنا ہے **ثمرہ** میں **ہ** ضمیر سارے مذکورہ درختوں کی طرف راجع ہے ایسے ہی **اثمر** کا فاعل وہی ہیں یعنی جب یہ مذکورہ درخت پھل دیں تو ان پھلوں میں **غور کرو** کہ کیسے چھوٹے بدمزہ **کسیلے** ہوتے ہیں جن سے نفع حاصل نہ کیا جا سکے **و ینعہ** یہ معطوف ہے **ثمرہ** پر ظاہر یہ ہے کہ **ینع** مصدر ہے جس کا ماضی مضارع **ینع ینیع** ہے بمعنی **پھل** کا پکنا تیار ہو جانا بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ینع** جمع ہے یانع کی جیسے **تجر** جمع **تاجر** کی بعض قراءتوں میں یانعہ ہے (معانی)۔ مگر پہلی بات قوی ہے یعنی ان پھلوں کا پکنا دیکھو ایک وقت کا پکنا دیکھو یا پختہ **پھل** دیکھو کہ وہ کیسے خوشنا بڑے اور موٹے خوشبودار' مزے دار ہو جاتے ہیں ایک ہی پھل' ایک وقت میں کچھ ہے دوسرے وقت میں کچھ اور ان میں غور کرو اور رب تعالیٰ کی قدرت پر ایمان لاؤ۔ **ان فی ذالکم لایات لقوم یومنون** یہ نیا جملہ ہے **ذالکم** میں اشارہ ساری مذکورہ چیزوں کی **طرف** ہے اس لئے **ذالکم** جمع ارشاد ہوا آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی قدرت یعنی ان مذکورہ چیزوں میں ایک نہیں دو نہیں **بلکہ بہت سی** نشانیاں ہیں **مگر مومنوں** کے لئے وہ ان چیزوں کو دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ جو رب یہ کام کر سکتا ہے وہ قیامت میں مردے زندہ بھی کر سکتا ہے اور ان سے حساب و کتاب بھی لے سکتا ہے بارش کا پانی مردہ زمین میں زندگی بخش سکتا ہے تو صور کی آواز مردہ جسموں میں جان بھی ڈال سکتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو تم اپنی ابتداء' انتہا تو سن چکے اب ذرا اپنی بقا کا حال بھی سنو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو پیدا فرما کر یونہی بیکار نہ چھوڑ دیا بلکہ تمہیں زندہ رکھنے کے لئے تمہارے نفع کے واسطے مختلف دانے بھی پیدا کئے اور قسم قسم کے پھل بھی ذرا ان دانوں اور پھلوں کی پیدائش میں غور تو کرو کہ کسان دانہ بو کر بے خبر ہو جاتا ہے۔ ہم بادل سے پانی برساتے ہیں اس پانی سے زمین میں ہر قسم کی کونپلیں (انگوریاں) نکالتے ہیں جو نہایت نرم و نازک ہوتی ہیں پھر اس نرم و نازک کونپلوں سے سبز تنے ہرے بھرے پتے بناتے ہیں پھر اسی سبزی میں بالیاں نکالتے ہیں جن میں دانے اوپر تلے ایسے چنے ہوتے ہیں جیسے کسی کاریگر نے موتی چن دیئے ہیں یہ دانے تمہاری غذا ہیں جن سے تمہاری بقا ہے۔ اب ذرا پھلوں میں غور کرو ہم اس بارش کی برکت سے کھجور میں گابھے (گچھے) پیدا کرتے ہیں پھنوں میں کھجور کے گچھے لگاتے ہیں یہ خوشے بعض کھجوروں میں زمین سے بہت ہی قریب ہوتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

آدمی زمین پر بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر منہ سے توڑے اس بارش سے ہم انگور' زیتون اور انار کے باغات لگاتے ہیں زیتون و انار کے درخت ان کی شاخیں پتے دیکھنے میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر ان کے پھل یکساں نہیں ہوتے۔ ان درختوں میں جب پھل نمودار ہوں تو ان میں غور کرو کہ کیسے چھوٹے بدمزہ سے ہوتے ہیں اور جب یہ پھل پک جائیں تو غور کرو کہ اس وقت یہ پھل کیسے حسین' کیسے موٹے تازے' کیسے خوشبودار' کیسے مزے دار ہوتے ہیں۔ ان درختوں اور ان کے پھلوں میں ایک دو نہیں بلکہ ہزاروں نشان موجود ہیں مگر ایمان والوں کے لئے کہ ان کے ایمان ان چیزوں سے تازہ ہو جاتے ہیں۔

برگ درختان سبزہ در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

خیال رہے کہ اس آیت میں رب تعالیٰ نے پانچ چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ایک تو مجملاً "مختلف قسم کے کھیتوں اور ان کی پیداوار' دانوں کا اور چار پھلوں کا کھجور' انگور' زیتون' انار اور ان میں ترتیب یہ رکھی کہ دانوں کا ذکر پہلے پھر کھجور کا' پھر انگور کا' پھر زیتون کا' پھر انار کا ذکر کیا۔ اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دانوں پر انسان بلکہ بہت سے جانوروں کی زندگی موقوف ہے یہ چاروں پھل اپنے میں بہت ہی نشان قدرت رکھتے ہیں۔ امام رازی نے یہاں فرمایا کہ اگر ان چاروں پھلوں کی تفصیل کی جائے تو دفتر بھر جائیں۔ کھجور کے درخت کی پیدائش حضرت آدم علیہ السلام کی بقیہ مٹی سے ہے اس درخت کو جاندار مخلوق سے بہت مشابہت ہے اس کا پھل غذا اور مزہ دونوں چیزیں اپنے میں رکھتا ہے اہل عرب مہینوں صرف کھجوریں کھا کر رہتے ہیں کھجور کی گٹھلی میں وہ فوائد ہیں کہ سبحان اللہ انسانوں کے لئے یہ قوت باہ زیادہ کرتی ہے اس کا آٹا بنا کر معجون تیار کرتے ہیں' بکریوں کو کتر کر کھلائیں تو مکھن بہت زیادہ ہوتا ہے۔ انگور سبز کھاؤ تو اور تاثیر ہے اگر اس کی کشمش منقی کھاؤ تو اور تاثیر۔ اس سے سرکہ نہایت اعلیٰ بنتا ہے جو مرضوں میں مفید ہے۔ زیتون کے پھل اور تیل کے منافع تو بیان سے باہر ہیں حتی کہ رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی۔ انار میں وہ کرشمے ہیں کہ سبحان اللہ اس میں چار چیزیں ہوتی ہیں۔ چھلکا' چربی' دانہ' دانوں کا پانی۔ ان میں سے تین چیزوں کی اور تاثیر اور دانوں کے پانی کی ان کے خلاف تاثیر ہے۔ انار کا پانی' انار کا شربت بہت مرضوں میں مفید ہے یہ محض اجمالی ذکر ہے اس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئیں۔ پاک ہے وہ رب جس نے ہمیں ایسی نعمتیں بخشیں۔ (تفسیر کبیر)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کھیت اور اس کے دانے باغات اور ان کے پھل معرفت الٰہی کے دفتر ہیں بشرطیکہ ان میں غور کیا جائے۔ یہ فائدہ **وھو الذی** الخ سے حاصل ہوا۔ ان میں غور کرنا بھی عبادت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کھیتیاں باغات سے اور دانے پھلوں سے افضل ہیں یونہی کاشتکاری' باغبانی سے بہتر ہے کہ دانوں سے انسان کی زندگی قائم ہے۔ اور پھلوں سے لذت۔ یہ فائدہ ترتیب بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں پہلے کھیتوں' دانوں کا ذکر فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** پھلوں میں کھجور افضل اور بہترین پھل ہے۔ یونہی درختوں میں درخت کھجور بہت اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ نخل کو دوسرے درختوں سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ کھجور کی برکت تو اسی سے ظاہر ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت ان کی والدہ جناب مریم کے لئے یہی پھل غذا کے لئے منتخب ہوا اور حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جس ملک میں بھیجے گئے وہاں کا یہی پھل ہے۔ کھجور کی دیگر خوبیاں ابھی تفسیر میں گزر چکیں۔ **چوتھا فائدہ:** جس چیز کو اللہ کے مقبول بندوں سے نسبت ہو جائے وہ افضل و اعلیٰ ہے دیکھو درخت کھجور اس لئے محترم ہے کہ اسے تین نبیوں اور کچھ ولیوں سے نسبت ہے۔ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے یعنی کھرچن سے بنایا گیا۔ (روح البیان)۔ عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے وقت،

www.alahazratnetwork.org

کام آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ کو اس سے خاص تعلق رہا۔ جناب مریم نے اسے دردِ زہ کے وقت استعمال کیا۔ دیکھو کدو دوسری سبزیوں سے اس لئے افضل ہے کہ اس کے درخت کے نیچے حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر آنے پر رکھا گیا۔ **وانبتنا علیہ شجرۃ من یقطین**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت مرغوب تھا۔ یہ فائدہ **النخل** کو دوسرے درختوں پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** ظاہری شکل و شباہت سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے ہر چیز کو حقیقت بینی نگاہ سے دیکھنا چاہئے۔ یہ فائدہ **مشتبھا** اور **غیر متشابہا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو زیتون اور انار کے درخت یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر پھل بالکل مختلف نیم اور بکائن (دھریک) بظاہر یکساں ہیں مگر حقیقت میں فرق ہے۔ سونا اور پیتل شکل و صورت میں یکساں ہیں مگر حقیقت میں فرق ہے۔ یونہی مومن و کافر نبی اور غیر نبی صورت بشری میں یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر اندرون میں بہت فرق ہے **انما انا بشر مثلکم** کا مقصد یہی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** دنیا کی ہر چیز معرفت الٰہی کا دفتر ہے مگر اس سے فائدہ کوئی کوئی حاصل کرتا ہے۔ جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی ہے اس کے لئے ہر چیز سبق آموز ہے ورنہ بیکار یہ فائدہ **لایات لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ بارش آسمان سے اتاری حالانکہ بارش آسمان سے نہیں آتی۔ وہ بادل سے آتی ہے اور بادل سمندر کے پانی سے بنتے ہیں پھر یہ فرمان کیسے درست ہوا۔ **جواب:** اس کے چند جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے نیز ہم اس کی تحقیق پہلے پارہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ سماء سے مراد یا بلندی ہے یا بادل یا مقصد یہ ہے کہ آسمان کی طرف سے بارش برسائی لہٰذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** سارے پانی اللہ کی نعمت ہیں' خواہ کنویں کا ہو یا دریا کا یا تالاب و سمندر کا پھر خصوصیت سے بارش کے پانی کا ذکر کیوں ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ بارش کا پانی دوسرے پانیوں کا اصل ہے اگر بارش نہ ہو تو نہ کنوؤں میں پانی رہے' نہ دریاؤں' نہروں میں نیز دوسرے پانیوں میں آدمی کے کسب کو دخل ہے کہ آدمی کنواں کھودتا ہے' دریا سے نہر نکالتا ہے مگر بارش کے پانی میں کسی کو کسی طرح کا دخل نہیں۔ دوسرے پانی فروخت ہو سکتے ہیں مگر بارش کا پانی فروخت نہیں ہوتا۔ **تیسرا اعتراض:** اگر کھیتی اعلیٰ چیز ہے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھیتی کے آلات دیکھ کر یہ کیوں فرمایا کہ جس گھر میں یہ ہوں گے وہاں ذلت و خواری ہو گی۔ **جواب:** وہ ہنگامی حالات کا حکم تھا یعنی آج کل یعنی کل جہادوں کی سخت ضرورت ہے مسلمان دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں اگر اس وقت جہاد چھوڑ کر تم لوگ کھیتی باڑی میں لگ گئے تو دشمنوں کے ہاتھوں ذلیل و خوار ہو جاؤ گے۔ اب بھی ہنگامی حالات میں رات کو روشنی کرنا جرم ہو جاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے تفسیر میں کہا کہ دانے پھلوں سے افضل ہیں اور کھیتی باڑی' باغبانی سے بہتر ہے حالانکہ جنت میں باغات اور پھل تو ہوں گے مگر کھیت اور دانے نہ ہوں گے اگر دانہ افضل ہیں تو جنت میں کیوں نہ رکھے گئے۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ جنت میں نہ بھوک ہو گی' نہ غذا کی ضرورت ہو گی لہٰذا وہاں دانے بھی نہ ہوں گے' دنیا میں بھوک بھی ہے اور غذا کی ضرورت بھی بلکہ یہاں کی زندگی کا بقا دانوں پر ہے۔ اس لئے یہاں دانے رکھے گئے۔ دنیا میں دانہ پھل سے افضل ہے جیسے جنت میں نہ دوائیں ہوں گی نہ طبیب کیونکہ وہاں بیماری نہیں مگر دنیا میں طبابت اعلیٰ پیشہ ہے کہ اس سے انسان کی بڑی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** کھجور کے پھل تو بہت اونچے ہوتے ہیں کہ سیڑھی وغیرہ سے چڑھ کر توڑے جاتے ہیں۔ پھر اس آیت کریمہ میں اس کے پھل کو قریب کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ **قنوان دانیۃ**۔ **جواب:** ہاں ہمارے ملک کی کھجوروں

کے پھل واقعی اونچے ہوتے ہیں مگر عرب شریف خصوصاً مدینہ منورہ میں ایسی کھجوریں بھی ہیں جو لمبی نہیں ہوتیں کچھ اونچی ہو کر ہی پھیل جاتی ہیں اور ان میں خوشے لگ جاتے ہیں۔ آدمی ان کے نیچے بیٹھ کر بلکہ لیٹ کر منہ سے پھل توڑ سکتا ہے میں نے وہ کھجوریں مدینہ منورہ میں خود دیکھی ہیں ایسی کھجوریں بہت ہی خوشنما ہوتی ہیں۔ ان کا حسن بیان سے باہر ہے یہاں انہیں کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب کھجوریں نیچی بھی ہوتی ہیں اور اونچی بھی تو صرف ایک قسم کا ہی ذکر کیوں ہوا۔ دوسری قسم کا ذکر بھی چاہئے تھا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر و تفسیر روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اس نے اونچی کھجور کا بھی پتہ لگ جاتا ہے۔ قرآن کریم کبھی کسی چیز کے بعض نفعے بیان فرماتا ہے تاکہ دوسرے نفعے خود ہی سمجھ میں آ جائیں جیسے لباس کے متعلق فرماتا ہے۔ **و سرا ء ہل تقیکم الحر** حالانکہ لباس گرمی سے بھی بچاتا ہے اور سردی سے بھی مگر ایک کا ذکر فرما کر دوسرے کا پتہ دے دیا۔ چونکہ نیچی کھجور بہت خوشنما بھی ہوتی ہے اس لئے اس کا ذکر فرمایا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں **دانیہ** سے مراد ہے آسانی سے حاصل ہو جانے والے پھل کہ کھجور میں وہ محنت نہیں کرنی پڑتی جو دوسرے پھلوں میں کرنی پڑتی ہے مگر پہلا جواب قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ آسمانی عنایت سے بارش ہدایت نازل فرماتا ہے جو مومنوں کے قلب پر برستی ہے۔ جس سے قسم قسم کے عارف و اسرار کے پھل پیدا ہوتے ہیں جیسا زہد و تقویٰ اور جس درجہ کا عشق و تقویٰ اس قسم کا پھل انسان کا دل گویا باغ ہے اس میں وہی پھل پیدا ہوتے ہیں جس کے تخم بوئے گئے ہوں۔ نبات تراب کا پتہ دیتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ورزمیں گر نے شکر ور خوردنی است ترجمان ہر زمین بنت وے است

خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا آسمان ہیں۔ قرآن مجید اس نبوت کے آسمان کا پانی انسانوں کے دل مختلف زمینیں ہیں جن میں قدرت نے مختلف قسم کے تخم بوئے ہیں اس بارش قرآنی سے ہر سعید کے دل میں ایمان کا کھیت آتا ہے مگر خاص مقبولوں کے دلوں میں شریعت کے نخل طریقت کے انگور۔ حقیقت کے زیتون معرفت کے انار کے باغات لگتے ہیں یہ حضرات صورت میں یکساں ہوتے ہیں مگر سیرت مختلف **مشتبھا و غیر متشابہ** مومن لوگ تو اختلاف سیرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ کفار ہی کہتے ہیں کہ ہم اور نبی ولی یکساں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دانہ و تخم بغیر پانی اگ نہیں سکتے خواہ زمین کیسی ہی اعلیٰ ہو ایسے ہی ہمارے اعمال بغیر کسی مقبول بندے کی نظر عنایت کے بارگاہ الٰہی میں قبول نہیں ہو سکتے۔ شیطان کے پاس اعمال کا تخم بہت تھا مگر اسے نبوت کا پانی نہ لگا لہٰذا ان میں قبولیت کا پھل نہ لگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے رب تعالیٰ نے قالب کی پرورش کے لئے غذائیں اور پھل پیدا فرمائے غذائیں زندگی کے لئے اور پھل لذت کے لئے ایسے ہی قلب کی پرورش کے لئے شریعت و طریقت بنائی۔ شریعت روحانی زندگی کی غذا ہے طریقت لذیذ پھل ایسے ہی عبادات میں فرائض غذائیں ہیں اور نوافل لذیذ پھل **حبا " متراکبا "** میں اسی غذا کی طرف اشارہ ہے اور من النخل الخ میں انہیں پھلوں کی طرف اشارہ ہے جیسے جسمانی غذاؤں کے مرکز کھیت ہیں، پھلوں کے مرکز باغات ہیں، ضرورت مند کو وہاں جانا پڑتا ہے یا ان دکانوں پر پہنچنا ضروری ہوتا ہے۔ جن دکانوں میں ان کھیتوں سے دانے باغوں سے پھل آئیں۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ان سب کا مرکز ہے۔ حضرت اولیاء اللہ کے آستانے یہ دانے اور پھل ملنے کی دکانیں ہیں جہاں سے یہ دانے، یہ پھل ملتے ہیں وہاں حاضری ضروری

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے انار اور زیتون کے درخت اور پتے یکساں معلوم ہوتے ہیں مگر پھلوں میں بڑا فرق ہے ایسے ہی مومن 'کافر' پرہیزگار 'بدکار' نبی وغیرنبی 'مقبول و مردود صورت میں یکساں مگر سیرت و اعمال میں بڑا فرق ہے یہ تو جانور بلکہ لکڑی' پتھر' چاند' سورج بھی جانتے ہیں کہ ابوجہل پتھروں جانوروں کو سجدے کرتا تھا۔ مگر کعبہ کے بت جانور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدے کرتے تھے۔۔۔

گر بصورت آدمی انساں بدے   احمد و بوجہل ہم یکساں بدے

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ

اور بنائے ان لوگوں نے واسطے اللہ کے شریک جن حالانکہ پیدا فرمایا رب نے ان کو اور گھڑ لیں ان لوگوں نے واسطے

اور اللہ کا شریک ٹھہرایا جنوں کو حالانکہ اس نے ان کو بنایا اور اس کے لئے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیں۔ جہالت سے

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ (۱۰۰)

اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر کسی علم کے پاک ہے وہ اور برتر ہے اس سے جو بیان کرتے ہیں

پاکی اور برتری ہے اس کو ان کی باتوں سے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت اس کی قدرت و رحمت پر زمین و آسمانی پانچ دلائل بیان فرمائے گئے۔ اب کفار کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہے کہ وہ ان دلائل کے ہوتے ہوئے اللہ کے شریک 'اللہ کے لئے اولاد مانتے ہیں گویا پچھلی آیات میں ہادی چیزوں کا ذکر تھا۔ اب بدنصیب 'ہٹ دھرموں کے ہدایت نہ لینے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ ان درختوں کے پھل اور ان پھلوں کی پختگی دیکھو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اس نظر سے نہ دیکھو جس سے کفار دیکھتے ہیں کہ وہ مخلوق کو ہی خدا مان لیتے ہیں بلکہ اس نظر سے دیکھو جس سے ایمان و عرفان نصیب ہو جائے۔ گویا نظر کرنے دیکھنے کا حکم پہلے دیا گیا اور نظر کی نوعیت کا بیان اب ہو رہا ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تفصیل ہے غرضیکہ پچھلی آیت میں قدرت کی نشانیاں دیکھنے کا حکم تھا۔ اس آیت کریمہ میں اس عینک و چشمہ کا ذکر ہے جو عقل کی آنکھ پر لگا کر دیکھا جائے۔ دوربین کے ذریعہ دور کی چیز اور خوردبین کے ذریعہ چھوٹی چیز دیکھی جاتی ہے۔ یونہی خدائی کے ذریعہ اللہ کی قدرتوں کو دیکھا جاتا ہے یعنی نبوت کے چشمہ سے آنکھ کا ذکر پہلے تھا۔ چشمہ کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ ان چیزوں میں مومنین کے لئے نشانیاں ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کفار کی نظر ان عجائبات میں ہی پھنس کر رہ جاتی ہے۔ اس سے آگے خالق کی طرف نہیں جاتی۔ وہ آئینہ میں پھنس کر آئینہ دار سے غافل ہو جاتے ہیں۔

شان نزول: کفار عرب کے بہت فرقے تھے۔ جن میں سے ایک فرقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اور ابلیس آپس میں بھائی بھائی

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ انسان بے ضرر جانور اور اچھی چیزیں تو اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں اور سانپ' بچھو' درندے' برائیاں ابلیس نے پیدا کیں۔ اللہ تعالیٰ کو یزداں اور ابلیس کو اہرمن کہتے تھے۔ اس فرقہ کا نام ثانویہ زندی اور مجوسی تھا۔ عربی میں ان کا نام زندیق ہوا۔ جمع زنادقہ کیونکہ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ ہمارا نبی زرتشت ہے اس پر جو آسمانی کتاب اتری' اس کا نام زند ہے لہٰذا وہ زندی کہلاتے تھے یعنی زند کتاب کو ماننے والے جب یہ لفظ عربی بنایا گیا تو بجائے زندی کے انہیں زندیق کہا گیا۔ اب ہر منکر الوہیت بلکہ ہر بے دین کو زندیق کہہ دیتے ہیں ہر فرقہ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد ثابت کرتا تھا بعض کہتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ بعض کہتے تھے کہ حضرت مسیح یا حضرت عزیر اللہ کے بیٹے ہیں۔ ان تمام کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان' خازن' تفسیر کبیر' روح المعانی وغیرہ)۔

تفسیر: **و جعلوا اللہ شرکاء الجن** - یہ جملہ نیا ہے۔ اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ یہاں جعل کے معنی ہیں۔ اپنے عقیدے میں بنانا انہیں ایسا ماننا' اس کا فاعل وہی مجوسی ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ للہ کا تعلق شرکاء سے ہے۔ جن مفعول اول ہے۔ **جعلوا** کا اور شرکاء دوسرا مفعول اصل عبارت یوں تھی۔ **و جعلوا الجن شرکاء للہ** یا **للہ جعلوا** کا دوسرا مفعول ہے اور شرکاء پہلا مفعول اور **الجن** یا تو شرکاء کا بدل ہے یا عطف بیان۔ ان دونوں صورتوں میں **الجن** پر فتحہ ہے۔ بعض قراءتوں میں **الجن** پیش سے ہے کیونکہ یہ **ھو** پوشیدہ کی خبر ہے۔ بعض قراءتوں میں **الجن** کسرہ سے ہے کہ وہ **شرکاء** کا مضاف الیہ ہے اور اضافت بیانیہ ہے غرضیکہ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں ہر ترکیب سے علیحدہ معنی اور ہر معنی میں علیحدہ لطف ہے یعنی ان مجوسیوں نے **جن** یعنی ابلیس کو اللہ کا شریک مانا چونکہ ابلیس جنات کی اصل ہے اس لئے وہ اسے اللہ کا مستقل شریک مانتے تھے اور ابلیس کی ذریت کو اس کا لشکر فرشتے اللہ کا لشکر فرشتے لوگوں کے دلوں میں اچھے خیالات ڈالتے ہیں۔ جنات و شیاطین برے وسوسے اس لئے یہاں **شرکاء** جمع ارشاد ہوا (کبیر) کہ انہوں نے ابلیس کو بڑا شریک اور اس کی ذریت کو چھوٹے شریک مانا۔ نعوذ باللہ یا یہ کہو کہ جب انہوں نے ابلیس کو اللہ تعالیٰ کا بھائی مان لیا تو یقیناً اس کی ذریت کو اللہ کے بھتیجے بھتیجیاں مانیں گے جیسے بھائی شریک ہوتا ہے۔ جنس' نوع' صنف' بلکہ ماں باپ خاندان میں ایسے ہی بھتیجے ان چیزوں میں شریک ہوتے ہیں لہٰذا **شرکاء** جمع فرمانا بالکل مناسب ہے۔ **و خلقھم** یہ عبارت **جعلو** کے فاعل سے حال ہے۔ واؤ حالیہ **خلق** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **ھم** کا مرجع یا **شرکاء** ہے یا **جن** یا وہ مجوسی جن کے ایسے گندے عقیدے تھے یہ عبارت ہے تو حال مگر ہے ان کی پوری تردید یعنی ان زندیقوں نے ابلیس اور اس کی ذریت کو اللہ کا بھائی' اس کا شریک مان لیا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ابلیس اور اس کی ذریت کا خالق ہے۔ ان مجوسیوں میں سے اکثر کا یہی عقیدہ ہے کہ ابلیس قدیم (ازلی) نہیں اللہ کا پیدا کیا ہوا ہے اس کا بندہ ہے ان بے وقوفوں نے یہ نہ سوچا کہ مخلوق خالق کا بندہ ہے۔ رب کا بھائی یا شریک نہیں ہو سکتا یا یہ مطلب ہے کہ مجوسیوں نے جنات کو رب کا بھائی اس کا شریک مان لیا حالانکہ مجوسی کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس نے انہیں پیدا کیا وہی ان کو روزی دیتا ہے۔ بڑے تعجب و افسوس کی بات ہے کہ کھائیں خدا کا اور گائیں ابلیس کا۔ **و خرقوا لہ بنین و بنات بغیر علم** یہ عبارت معطوف ہے **جعلوا** پر اس میں دوسرے کفار کی تردید ہے۔ جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں' بعض نبیوں کو خدا کے بیٹے مانتے تھے۔ **خرقوا** بنا ہے **خرق** سے جس کے معنی ہیں بگاڑنے کے لئے کسی چیز کو بغیر سوچے سمجھے توڑنا' پھاڑنا' درزی کپڑا کاٹتا ہے۔ اصلاح کے لئے' بچے کپڑے پھاڑتے ہیں' بگاڑ دینے کے لئے۔ رب فرماتا ہے۔ **اخرقتھا اھلھا** بعض نے کہا کہ **خرق** ضد ہے **خلق** کی بعض

www.alahazratnetwork.org

نے کہا کہ خلق، خرق، اختلاق، اختراق، ہم معنی ہیں۔ بڑا جھوٹ، مشہور جھوٹ، سفید جھوٹ۔ عقل کے خلاف جھوٹ بولنے کو خرق یا اختراق کہتے ہیں۔ یہاں یہی معنی ہیں یعنی اس فرقے نے اللہ تعالٰی کے لئے بیٹیاں گھڑلیں۔ ایسا جھوٹ بولا جو کسی کی عقل میں نہ آسکے۔ انہوں نے یہ حرکت بغیر علم کی انہیں اتنا نہ سوجھا کہ باپ اور اولاد ایک جنس بلکہ ایک نوع بلکہ ایک صنف کی دو فردیں ہوتی ہیں انسان کا بیٹا انسان، شیر کا بچہ شیر، سانپ کا بچہ سانپ ہی ہوتا ہے نیز باپ اپنے بچہ کا خالق نہیں ہوتا اور بچہ باپ کی مخلوق اور رب کا بچہ مخلوق و عابد کیونکر ہوسکتا ہے نیز باپ اپنے بچہ کا خالق نہیں ہوتا اور بچہ باپ کی مخلوق و بندہ نہیں ہوتا، پھر فرشتے انبیاء کرام اللہ کے بندے اس کی مخلوق ہیں تو اس کی اولاد کیسے ہوگئے۔ اس لئے فرمایا **سبحانہ** غرضیکہ بغیر علم کے چھ معنی ہیں دو تو یہ مذکورہ معنی، تیسرے یہ کہ اولاد کے لئے بیوی، شہوت، نطفہ، جسمانیات ضروری ہیں، رب ان سے پاک ہے۔ بھائی بہن کے لئے، ماں باپ ضروری ہیں۔ ازلی قدیم غنی کے لئے ماں باپ کیسے چوتھے یہ کہ اولاد موت کے خطرہ کی وجہ سے اختیار کی جاتی ہے کہ ہمارے بعد وہ ہماری جائیداد سنبھالے۔ جسے موت نہیں جو ابدی ہے اسے اولاد کی کیا ضرورت۔ پانچویں یہ کہ اولاد یا بھائی اپنی کمزوری کی وجہ سے اختیار کئے جاتے ہیں کہ دشمنوں کے مقابلہ میں وہ ہمارے قوت بازو ہوں، قوی و قادر کو ان کی کیا ضرورت۔ چھٹے یہ کہ ان کے پاس جو علوم عقلیہ ہیں وہ سب فرشی ہیں اور معرفت الٰہی کے لئے عرشی علم چاہئے جو نبی کے ذریعہ ملتا ہے۔ **سبحانہ و تعالٰی عما یصفون**۔ سبحان کے معنی اس کی نحوی ترکیب بارہا بیان ہوچکی ہے کہ یہ اصل میں **سبح اللہ سبحانا** تھا اس سے **سبحانہ** بنا سبوحیت سے، سبوحیت کے معنی ہیں بہت ہی پاک منزلہ ہونا ہر عیب سے بری ہونا، جو چیزیں مخلوق کے لئے کمال ہوں مگر رب تعالٰی کے لئے عیب ہوں ان سے بھی پاک ہونا، جیسے بیوی بچے وغیرہ۔ غرضیکہ **سبحان** بہت جامع لفظ ہے غرضیکہ طاہر، طیب، سبحان۔ سب کے معنی ہیں پاک مگر ظاہری نجاست سے پاکی طہارت ہے اندرونی خباثت سے پاکی طیب ہے اور جو چیز نجس خبیث نہ ہو اچھی ہو مگر اللہ کی شان کے لائق نہ ہو اس سے پاک ہونا سبوحیت ہے۔ اس لئے اللہ تعالٰی کو طیب یا طاہر نہیں کہتے سبحان کہتے ہیں اور بندے کو سبحان نہیں کہتے طیب یا طاہر کہتے ہیں۔ **تعالٰی** **سبحانہ** پر معطوف ہے چونکہ سبحانہ بظاہر ایک لفظ ہے مگر حقیقتہ ”پورا جملہ“ اس لئے **تعالٰی** کا اس پر عطف بلا تکلف درست ہے۔ **تعالٰی** بنا ہے تعالی سے جس کا مادہ علو ہے بمعنی بلندی، اونچائی یہاں مکانی بلندی مراد نہیں کہ رب تعالٰی جگہ اور مکان سے پاک ہے تو مکانی اونچائی نیچائی سے بھی پاک ہے بلکہ مرتبہ و درجے کی بلندی مراد ہے **یصفون** کا فاعل وہ کفار ہیں جن کا ذکر یہاں ہو رہا ہے یعنی مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ جو اللہ تعالٰی کے لئے بیوی بچے یا شریک ساجھی مانتے ہیں کہ اللہ تعالٰی ہر عیب سے پاک ہے اور اس کی شان عالی ان چیزوں سے بلند و بالا ہے جنہیں مشرکین رب کے لئے ثابت کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ اعتقادی پاکی کو **سبحان** سے بیان فرمایا اور واقعی پاکی کو تعالی سے یعنی سوا بعض جن و انس کے تمام مخلوق اسے عیوب سے پاک مانتی ہے اور واقعی وہ عیوب سے پاک ہے **سبحان** اور **تعالی** کا یہ فرق خیال میں رہے۔ (روح المعانی) اللہ کے لئے تعالٰی کہا جاتا ہے ترفع نہیں کہا جاتا اگرچہ اس میں بھی بلندی کے معنی ہیں کیونکہ ترفع مکانی بلندی کے لئے خاص ہے۔ تعالٰی ہر بلندی کو عام (روح البیان)۔

خلاصہ تفسیر : ان مشرکین و کفار کی حماقت تو دیکھو کہ یہ لوگ جنات جیسی مخلوق کو اللہ تعالٰی کا ساجھی اس کا ہمسر مانتے ہیں جو کہ فرشتوں اور انسانوں سے نیچے ہیں انسان **اشرف الخلق** ہے اس کے بعد فرشتے انہوں نے جنوں کو رب کا شریک مان کر ان

www.alahazratnetwork.org

کی پرستش شروع کردی۔ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جنات کا خالق ہے جنات اس کی مخلوق اور مخلوق خالق کی شریک کیسے ہو سکتی ہے یا ان کفار کا خالق رب ہے نہ کہ جنات' پھر جنات ان کی عبادت کے مستحق کیسے ہو گئے۔ ان کی دوسری حماقت دیکھو' انہوں نے اللہ کے لئے بیٹے' بیٹیاں مانیں۔ ان بے وقوفوں نے یہ نہ سمجھا کہ بیٹے' بیٹیاں اپنے باپ کی ہم جنس ہوتی ہیں مخلوق کی ہم جنس کیسے ہو سکتے ہے۔ خالق تو جنس و نوع سے پاک ہے نیز اولاد بقائے نسل کے لئے ہوتی ہے جو دائم باقی ہے اسے نسل کی کیا ضرورت یہ دینوی فہم و سمجھ رکھتے ہوئے دین میں ایسے اندھے' بے عقل ہو گئے وہ اللہ تعالیٰ ان کے گھڑے ہوئے عیوب سے پاک و برتر ہے ان کے سوا ساری مخلوق مجھے ان عیوب سے پاک جانتی مانتی ہے اور واقعہ میں وہ ان کی بدتمیزیوں سے بلند و بالا ہے۔ لفظ سبحان کبھی اظہار تعجب کے لئے بولا جاتا ہے۔ کبھی تعجب دلانے کے لئے' کبھی کفار کی بد عقیدگیوں کی تردید کے لئے یہاں تو تعجب دلانے کے لئے ہے کہ ساری مخلوق میں انسان افضل بھی ہے' اشرف بھی اس پر روحانی' جسمانی تکلیفیں بہت زیادہ ہیں۔ نبوت خلافت' ولایت نیز شریعت و طریقت کے سلسلہ انسان ہی کو دیئے گئے نیز ساری مخلوق انسان ہی کے لئے پیدا کی گئی۔ **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** مگر اس کے باوجود انسان وہ عقیدے' وہ اعمال اختیار کرتا ہے جو شیطان بھی نہیں کرتا' شیطان نہ تو اپنے کو رب کا بھائی کہتا ہے نہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں سمجھتا ہے نہ اس نے کبھی دعویٰ خدائی کیا' نہ وہ کبھی جھوٹا بنا۔ یہ سب حرکات انسان ہی کی ہیں یا یہ فرمان کفار کی تردید کے لئے ہے کہ بد نصیبو تم اس کے لئے اولاد' بھائی وغیرہ مانتے ہو اس کی صفت یہ ہے کہ وہ اس قسم کی تمام عیوب سے پاک ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان اگر درست رہے تو ملائکہ سے افضل ہے اگر اندھا ہو تو گدھے' کتوں سے بدتر ہے۔ دیکھو مشرکین عرب انسان تھے خدا کے لئے بیٹے بیٹیاں مان بیٹھے ابلیس جیسی بدترین مخلوق کو رب کا شریک مان بیٹھے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو نہ جانوروں کا ہے نہ اینٹ پتھروں بلکہ ابلیس بھی اپنے کو خدا کا بندہ ہی کہتا ہے' خدا کا شریک نہیں کہتا۔ یہ فائدہ **جعلوا اللہ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے **جعلوا** کا فاعل ان مذکورہ انسانوں کو قرار دیا۔ **دوسرا فائدہ:** معبود اور الٰہ وہ ہے جو خالق ہو کسی کی مخلوق نہ ہو۔ یہ فائدہ **وخلقھم** سے حاصل ہوا اس کی مفصل بحث ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ کرو۔ **تیسرا فائدہ:** بیٹا بیٹی اپنے ماں باپ کی ہم جنس ہوتے ہیں' انسان کا بیٹا شیر نہیں ہو سکتا کہ اس کی ہم جنس نہیں۔ اللہ تعالیٰ جنس و نوع سے پاک ہے کوئی مخلوق اس کی ہم جنس نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ **بغیر علم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اولاد اس کے ہوتی ہے جس کے لئے بقا نہ ہو' باقی غیر اولاد سے پاک کیوں نہ ہو۔ یہ فائدہ **سبحانہ' و تعالٰی الخ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جو علم اللہ تعالیٰ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت کا ذریعہ نہ بنے وہ جہالت ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ علوم و عقول سے مقصود اصلی خدا رسی ہے۔ یہ فائدہ **بغیر علم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ لوگ دنیاوی لحاظ سے بڑے علم و عقل والے تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں جاہل کہا۔ یونہی جو عالم قرآنی آیات اور احادیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کرے' ان کی شان گھٹائے وہ ان کفار کی طرح جاہل ہے۔ اس کا یہ علم اس کے لئے عذاب ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر اس کے نام بہت ہیں کیونکہ مخلوق کی حاجات بہت ہیں۔ ہر محتاج اپنی حاجت کے مطابق رب کو اس کے نام سے پکارے مگر سبحان اور رب اس کے بڑے پیارے نام ہیں۔ دیکھو کفار کی مکمل تردید کے موقعہ پر سبحانہ' فرمایا گیا۔ نماز شروع ہوتی ہے **سبحانک اللھم** سے' رکوع میں کہتے ہیں **سبحان ربی العظیم'** سجدہ میں **سبحان ربی**

www.alahazratnetwork.org

الاعلیٰ۔ جو رب تعالیٰ کو اس نام سے پکارے وہ انشاء اللہ بامراد رہے گا۔

پہلا اعتراض: لفظ **جن** تو واحد ہے۔ پھر اس کے لئے شرکاء جمع کیوں ارشاد ہوا؟ شریک فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب**: مفسرین نے اس اعتراض کے چند جواب دیے۔ ایک یہ کہ یہاں جن اسم جنس ہے اور اس سے مراد فرشتے ہیں کیونکہ جن کے معنی ہیں چھپی ہوئی مخلوق۔ فرشتے بھی ہم سے چھپے ہیں لہذا وہ جن ہیں چونکہ فرشتے بہت ہیں اس لئے انہیں شرکاء فرمایا۔ رب فرماتا ہے۔ **فلما جن علیه الليل**۔ یہ امام سدی اور قتادہ کا قول ہے۔ دوسرے یہ کہ **جن** سے مراد تمام شیاطین ہیں انہیں شریک بنانے سے مراد ان کی اطاعت کرنا خواجہ حسن بصری کا یہی قول ہے تیسرے یہ کہ جن سے مراد ابلیس ہے اور اس میں مجوسی کے عقیدے کا ذکر ہے۔ یہ قول سیدنا عبداللہ ابن عباس کا ہے چونکہ ابلیس جنات کا مورث اعلیٰ ہے۔ جب مجوسیوں نے اس کو رب کا شریک مان لیا تو اس کے واسطے سے اس کی اولاد باقی جنات کو بھی شریک مان لیا کہ شریک کی اولاد شریک ہی ہوتی ہے۔ یہی تیسرا قول زیادہ قوی ہے کیونکہ یہ آیت کریمہ مجوس کی تردید میں آئی ہے مجوسی فرشتوں کو خدا کا شریک نہیں مانتے تھے بلکہ مشرکین انہیں رب کی اولاد مانتے تھے ان کی تردید میں فرمایا گیا۔ **و خرقوا له بنين و بنات** الخ اگر **شركاء الجن** میں بھی انہیں کی تردید ہو تو مضمون میں ایک ہی جگہ تکرار ہوگی۔ **دوسرا اعتراض**: نحوی قاعدہ سے یہ عبارت یوں چاہئے تھی۔ **و جعلوا الجن شركاء لله** انہوں نے جن کو اللہ کا شریک بنا دیا۔ اس آسان ترکیب کو چھوڑ کر ایسی پیچیدہ ترکیب کیوں اختیار کی گئی۔ **جواب** تفسیر کبیر نے اس کا جواب یہ دیا کہ ہر زبان خصوصاً عربی میں یہ قاعدہ ہے کہ اہم چیز کا ذکر خصوصیت سے پیچھے کرتے ہیں۔ اردو میں کہتے ہیں کہ تم میرے پاس آنا کل' جہاں کل آنے پر زور دینا مقصود یہاں **جن** کا ذکر فرمانا ان کی حماقت کے اظہار کے لئے ہے کہ یہ خود تو انسان ہیں۔ اشرف المخلوق یعنی اپنے سے ادنیٰ مخلوق جنات کو خدا تعالیٰ کا شریک مان بیٹھے بلکہ ابلیس جیسی خبیث مخلوق کو خدا کا شریک مان کر اس کے بندے بن گئے کیسے احمق ہیں اس لئے **جن** کو آخر میں بیان فرمایا۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں شرکاء کے متعلق یہ نہ فرمایا گیا کہ مجوس نے ابلیس کو کس چیز میں اللہ کا شریک مانا لفظ **شركاء** تو بہت وسیع ہے بعض لوگ ہمارے گھر میں شریک ہوتے ہیں' بعض باغ و کھیت میں' بعض کاروبار میں یونہی رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ماننے میں بہت احتمال ہیں۔ علم میں قدرت میں' خلق میں معبودیت میں کس چیز میں شریک مانا۔ **جواب**: چونکہ عرب میں مجوس کا عقیدہ مشہور و معروف تھا کہ وہ ابلیس کو معبودیت خالقیت میں اللہ کا شریک و ساجھی مانتے تھے اس لئے صرف اتنا فرمانا کافی تھا وہ کہتے تھے کہ خالق خیر یزدان ہے اس کا نام نور ہے اور خالق شر اہرمن ہے اس کا نام ابلیس یا **ظلمت** ہے۔ **چوتھا اعتراض**: جیسے مشرکین اللہ کے بندے ہو کر شیاطین وغیرہ کی پرستش کرکے مشرک ہوئے تم لوگ بھی کھاؤ اللہ کا روزی پاؤ اس کی اور جھکتے ہو نبیوں ولیوں کے سامنے تم بھی انہیں کی طرح مشرک ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ ماں باپ' حاکم' سلطان کے سامنے جھکتے ہو' کھاتے ہو اللہ کا' جھکتے ہو ان کے سامنے تم بھی مشرک ہوئے۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ کسی بندے کو خدا کا شریک مان کر اس کے سامنے جھکنا اور ہے مگر اسے رب کا بندہ مان کر ان کی تعظیم و اطاعت کرنا کچھ اور۔ **پانچواں اعتراض**: کفار کے متعلق یہ کیوں فرمایا گیا کہ بغیر **علم** کفار تو بڑے علوم والے ہوتے ہیں بے **علم** نہیں ہوتے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ رب کے نزدیک **علم** وہ ہے جو رب تک پہنچا دے جو وہاں تک رہبری نہ کرے وہ جہالت ہے کفار' یہود و نصاریٰ کے سائنس وغیرہ کے علوم انہیں چونکہ

www.alahazratnetwork.org

رب تک نہ پہنچا سکے لہٰذا یہ سب جہالتیں ہیں دوسرے یہ کہ یہاں علم سے مراد ہے عرشی علم' جو نبی کے ذریعہ ملے جو خدا رسی کے لئے ضروری ہے وہاں عقل اور عقلی علوم بیکار ہیں۔ لہٰذا بغیر علم فرمانا بالکل درست ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب خدا تعالیٰ اولاد' بھائی برادروں سے اس لئے پاک ہے کہ یہ لوگ کمزوری کی وجہ سے اختیار کئے جاتے ہیں تو اس لئے نبی' ولی' فرشتے وغیرہ کیوں پیدا کئے۔ ان کے ذمے عالم کے انتظام کیوں رکھے کیا وہ یہ کام خود نہیں کر سکتا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا۔ **ولم یتخذ ولیا من الذل** اللہ نے اپنی کمزوری کی وجہ سے ولی نہیں بنائے بلکہ اپنی شان کے اظہار کے لئے ولی بنائے غرضیکہ ملازمین اظہار شان کے لئے بھی ہوتے ہیں' وہاں یہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: شرک بہت قسم کے ہیں مگر ان سب کی اصل خود فراموشی ہے جس نے اپنے کو نہ پہچانا یا تو اپنے کو بہت اونچا کرکے دعویٰ خدائی کرے گا جیسے فرعون و نمرود یا اپنے کو بہت نیچا کرکے ابلیس' چاند' سورج بلکہ درختوں و پتھروں کا بندہ بنے گا۔ ان کی عبادت کرے گا' فرعون' نمرود بھی خود فریبی کا شکار تھے اور مجوسی و مشرکین عرب بھی خود فراموشی کے شکار ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید نے دنیا میں تشریف لا کر ہم کو پہلی بات یہ سمجھائی کہ تم اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہو' نبی کے امتی ہو' اولیاء' علماء کے مطیع ہو۔ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم** یہاں تم جھکو کہ یہ مقامات اکڑنے کے لئے نہیں جھکنے کے لئے ہیں اور ساری مخلوق فرشتے ہوں یا جن سب تمہاری خاطر پیدا ہوئے' تم ان سب سے افضل ہو۔ رب کے سامنے اکڑنا مت' کسی مخلوق کے سامنے جھکنا مت' ان کی عبادت نہ کرنا اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان کفار نے اپنے کو نہ جانا بغیر علم سے مراد انہیں اپنا مقام کا اپنے درجہ کا علم نہیں جب اس علم سے محروم رہے تو ابلیس کو خدا تعالیٰ کا بھائی فرشتوں کو اس کی اولاد کہنے لگے اگر انہیں اپنا علم ہوتا تو ایسی باتیں نہ کرتے اس لئے اے انسان پہلے تو اپنے کو جان کر اپنے رب کو جانے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو اونچا کیا مگر انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہو گئے۔ چاند و سورج تاروں وغیرہ کو نیچا کیا کہ فرمایا یہ تم لوگوں کے لئے پیدا ہوئے۔ یہ خدا نہیں تمہارے بعد درجہ والے بندے ہیں وہ حضور کے دشمن نہ بنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خدام رہے فرمایا کہ سورج اشارہ سے واپس لوٹا' چاند اشارہ سے پھٹا' درختوں' پتھروں نے کلمہ پڑھا' انسان کیسا بے وقوف ہے کہ اپنے محسن کا دشمن ہے۔

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَ

ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا کیسے ہو سکتا ہے اس کے بچہ حالانکہ نہیں ہے اس کی بیوی اور

بے کسی نمونہ کے آسمانوں اور زمین کا بنانے والا اس کے بچہ کہاں سے ہو حالانکہ اس کی عورت نہیں اور اس نے

خَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا

پیدا فرمایا ہر چیز کو جاننے والا یہ اللہ ہے رب تم سب کا نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پیدا کرنے والا

ہر چیز پیدا کی اور وہ سب کچھ جانتا ہے یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا

www.alahazratnetwork.org

هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (١٠٢)

ہر چیز کا بس عبادت کرو اس کی اور وہ او پر ہر چیز کے نگران ہے۔

بنانے والا تو اسے پوجو وہ ہر چیز پر نگہبان ہے۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے شریک سے پاک ہونے کے دلائل بیان ہوئے۔ اب اس کے اولاد سے پاک ہونے کے قوی دلائل کا ذکر ہے غرضیکہ ایک قسم کے عیبوں سے پاکی کا ذکر فرمانے کے بعد دوسرے قسم کے عیبوں سے پاکی کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں دعویٰ فرمایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں۔ وہ نرے جاہل ہیں بغیر علم اب اس جہالت کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ اولاد سے پہلے ماں کا ہونا ضروری ہے۔ ماں وہ ہے جو باپ کی بیوی ہو جب اللہ تعالیٰ بیوی سے ہی پاک ہے تو اس کے اولاد کیسی صرف باپ سے اولاد ناممکن ہے کہ باپ تو ہو ماں نہ ہو۔ خیال رہے کہ مشرکین اور یہود و نصاریٰ یہ تو کہتے تھے کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں یا عیسیٰ علیہ السلام یا عزیر علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں مگر ان میں سے یہ کوئی نہ کہتا تھا کہ فلاں عورت اللہ تعالیٰ کی بیوی ہے اس لئے یہ الزام نہایت ہی ور ۔ ت ہے کہ خدا کے لئے بیوی تم بھی نہیں مانتے تو اس کے لئے اولاد کیوں مانتے ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کا مثال' شریک اولاد وغیرہ سے پاک ہونا بیان ہوا تو اب دوسری آیت میں اس کا نتیجہ بیان ہوا کہ سوا اس کی عبادت کے لائق کوئی نہیں کہ فرمایا **فاعبدوا** ۔

تفسیر: **بدیع السموت والارض۔** **بدیع** بنا ہے **بدع** سے بمعنی کیا ہوتا' بے مثال ہونا اسی سے ہے بدعت وہ عقیدے یا نام جو نئے ہوں جن کی مثال سلف میں نہ ملے۔ (تفسیر ابن کثیر)۔ رب فرماتا ہے **قل ما کنت بدعا من الرسل۔** فرماؤ میں کوئی نیا نبی نہیں یعنی بے مثل تو ہوں بے مثال نہیں مجھ سے پہلے اور نبی آچکے ہیں۔ اصطلاح میں بغیر مثال' بغیر نمونہ' بغیر آلہ' بغیر مادہ' بغیر زمان' بغیر مکان کسی چیز کو بنانا **بدع** ہے (امام راغب و روح المعانی) **بدیع** بمعنی اسم فاعل بھی آتا ہے اور بمعنی اسم مفعول بھی یعنی بے مثال پیدا کرنے والا یا بے مثال پیدا کیا ہوا۔ جیسے شہر بمعنی مشہور بھی ہے یہاں **بدیع** کی اضافت یا تو فاعل کی طرف ہے یا مفعول کی طرف یا ظرف کی طرف۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کو بے مثال بنانے والا ہے یا بغیر نمونہ اور بغیر مادہ' بغیر ہتھیار و اوزار کے اس نے یہ چیزیں بنائیں یا اللہ تعالیٰ بے مثال آسمانوں بے مثال زمین والا ہے یا اللہ تعالیٰ آسمانوں و زمینوں میں بے مثال ہے۔ یعنی جہان میں اس کی مثال کوئی نہیں۔ **لیس کمثلہ شی۔** تمام قراتوں میں بدیع کو پیش ہے مگر پیش کی تین وجہیں ہیں۔ (1) یہ **ھو** پوشیدہ کی خبر ہے۔ (2) یہ تعالیٰ فعل پوشیدہ کا فاعل ہے۔ (3) یہ مبتدا ہے اور **انی یکون** اس کی خبر غرض اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں (روح المعانی)۔ **انی یکون لہ ولد** یہ عبارت یا تو مستقل جملہ ہے یا **بدیع السموات** کی خبر ہم **فاتوا حرثکم انی شئتم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ انی یا بمعنی کیف ہوتا ہے یا بمعنی این اگر بمعنی این ہو تو اس سے پہلے من پوشیدہ ہوتا ہے یعنی کیسے یا کہاں سے اس عبارت میں اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد کے محال ہونے کی دلیل ارشاد ہوئی **ولم تکن لہ صاحبتہ** یہ عبارت گذشتہ عبارت **انی یکون** کا حال ہے **لم یکن** میں ان کفار کے عقیدے کی طرف اشارہ ہے یعنی تمہارا بھی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کوئی بیوی نہیں **لہ** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ صاحبہ کے لغوی معنی ہیں ساتھن صاحب بمعنی

www.alahazratnetwork.org

ساتھی کا مونث مگر اصطلاح میں صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک موقعہ پر حضرت عائشہ و حفصہ سے فرمایا تھا **انکن لانتن صواحب یوسف** ۔ تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی (زلیخا) کی طرح ہو' چونکہ وہ کفار بھی کسی عورت یا کسی مخلوق کو اللہ تعالیٰ کی بیوی نہیں کہتے تھے اس لئے یہ الزام نہایت ہی درست ہوا یعنی تم عجیب بے وقوف ہو کہ جب تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی بیوی' کوئی نہیں یہ بھی مانتے ہو کہ بغیر بیوی صرف باپ سے اولاد نہیں ہو سکتی' پھر تم خدا تعالیٰ کے لئے بغیر بیوی اولاد کیونکر مان لیتے ہو۔ سبحان اللہ خیال رہے کہ صرف ماں سے بغیر باپ اولاد ہو سکتی ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام صرف مریم سے پیدا ہوئے بغیر باپ مگر بغیر ماں صرف باپ سے اولاد ہونا غیر ممکن ہے۔ چنانچہ حضرت حوا جناب آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں اور نہ آدم علیہ السلام ان کے باپ ہیں ورنہ پھر وہ ان کی بیوی کیسے بنتیں اور حضرت آدم خاوند کیسے ہوتے کیونکہ اگرچہ حوا حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں مگر آپ کے نطفے سے پیدا نہیں ہوئیں آدم علیہ السلام نہ ماں کے بیٹے ہیں نہ باپ کہ ان کی پیدائش مٹی سے **و خلق کل شیء** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے یا **لم یکن لہ** الخ پر معطوف ہے اور **ان یکون** الخ کا دوسرا حال بہرحال اس فرمان میں اولاد کے محال ہونے کی دوسری وجہ ارشاد ہوئی کہ اس نے ہر چیز کو پیدا کیا یعنی فرشتوں کو بھی اور حضرت عیسیٰ و عزیر کو بھی۔ پھر وہ ان کا باپ کیسے ہوا۔ باپ اپنے بیٹے کا خالق نہیں ہوتا ہے۔ تفسیر کبیر نے یہاں عجیب بات فرمائی کہ اگر ولد کے معنی وہ لوگ یہ کریں کہ بغیر نطفہ ہی پیدا ہوئی ہیں اور اگر اولاد سے مراد وہی ہے جو حیوانات و انسان کے ہوتی ہے تو ہو بغیر بیوی ناممکن ہی پیدا ہوئی ہیں اور اگر اولاد سے مراد وہی ہے جو حیوانات و انسان کے ہوتی ہے تو وہ بغیر بیوی ناممکن ہے لہذا **لم تکن لہ صاحبہ** میں ایک معنی تردید ہے اور **خلق کل شیء** میں دوسرے معنی کی بہرحال کسی معنی سے رب کے لئے اولاد ناممکن ہے **وھو بکل شیء علیم** یہاں بھی وہی دو احتمال ہیں جو ابھی عرض کئے گئے گویا یہ نیا جملہ ہے یا **ولم یکن لہ صاحبہ** پر معطوف ہے اور تیسرا حال اس فرمان عالی میں تیسری دلیل سے اولاد سے پاک ہیں۔ حضرت عیسیٰ وغیرہ ہم ہماری مخلوق ہیں۔ ہمارے بندے ہیں ہماری اولاد نہیں تو تم کیسے کہتے ہو کہ رب کی اولاد ہے کیا تم ہم سے زیادہ ہم کو اور ہماری مخلوق کو جانتے ہو ہم تو اپنی ذات صفات اپنی مخلوقات سب کو ہمیشہ سے جانتے ہیں۔ خیال رہے کہ شیئی کے تین معنی ہیں ممکن' موجود' معلوم۔ جب قدرت کے ساتھ شیئی آئے گا تو بمعنی ممکن ہو گا۔ **ان اللہ علی کل شیء قدیر**۔ اور جب خلق کے ساتھ ہو گا تو بمعنی موجود ہو گا۔ **خالق کل شیء** یا جیسے **خلق کل شیء**۔ اور جب علم کے ساتھ ہو گا تو بمعنی معلوم جس میں واجب اور ناممکن سب داخل ہوں گے۔ اس کی تحقیق ہم پارہ الم میں **ان اللہ علی کل شیء قدیر** کی تفسیر میں کر چکے۔ **ذالکم اللہ ربکم** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ جس میں ذالکم مبتداء ہے اور اللہ ربکم خبریں ہیں یا اللہ موصوف ربکم صفت مل کر خبر یا **ذالکم اللہ** مبتداء ہے اور ربکم خبر ذالکم سے اشارہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کی مذکورہ صفات کی طرف۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی شان اس کی ذات بندوں سے بہت دور ہے۔ خیال و گمان و وہم سے وراء ہے اور اس کی رحمت اس کا کرم اس کی بندہ نوازی ہم سے بہت ہی قریب ہے **نحن اقرب الیہ منکم** اور **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** چونکہ ذات اور شان کا ذکر ہے کہ رب نے اپنی شان کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی' لہذا **ذالکم** اشارہ بعید ارشاد ہوا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم شرف و عظمت ہیں۔ ہمارے خیال سے وراء ہیں اور کرم نوازی میں ہم سے بہت ہی قریب **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں سلام کیا جاتا ہے سلام قریب والے ہی کو ہوتا ہے اس لئے ہمارے ہر دکھ درد کی

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہے **عزیز علیہ ما عنتم** جیسے ہر عضو کے درد کی جان کو خبر ہے۔ اس آیت میں خطاب یا مشرکین و کفار سے ہے یا سارے انسانوں سے یعنی ان صفتوں والا اللہ تمہارا رب ہے جو اولاد و شریک والا ہو وہ نہ اللہ ہے نہ تمہارا رب وہ تو صرف تمہاری ایک خیالی چیز ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالٰی کی معرفت دو قسم کی ہے معرفت توحید اور معرفت ایمان آسمان و زمین وغیرہ کے ذریعہ رب کی معرفت توحید ہے جو بعض کفار بلکہ ابلیس کو بھی حاصل ہے اور نبی کے ذریعہ خدا کی پہچان معرفت ایمان ہے اسی معرفت کا ذکر اس آیت میں ہے **ھو الذی ارسل رسولہ** اور **نعبد الٰھک و الٰہ اباء ک ابراھیم قالوا امنا برب العلمین رب موسٰی و ھارون۔ رب العالمین** میں معرفت توحید ہے اور **رب موسٰی و ھارون** میں معرفت ایمان ہے یہاں معرفت توحید عطا فرمائی گئی ہے جو بندوں کا ابتدائی سبق ہے اور معرفت ایمان ان کا انتہائی سبق ہے رب اللہ تعالٰی کے ان ناموں میں سے ہے جو بندوں پر بھی بولا گیا ہے **کما ربیانی صغیرا** اور **ارجع الی ربک** مگر رب تعالٰی سب کو پالنے والے اور وقتی طور پر پالنے والے ہیں ہم کو بچپن میں اور طرح پالتا ہے' جوانی میں اور طرح پالتا ہے' سردی میں گرمی میں اور طرح' کچھ جسمانی" ماں باپ کے ذریعہ روحانی طور سے اولیاء انبیاء خصوصاً" محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پالتا ہے' غریبوں کو اور طرح پالے' امیروں کو اور طرح۔ یونہی مومنوں' عارفوں' نبیوں کو مختلف طرح پالے۔ **لا الٰہ الا ھو خالق کل شیء** ۔ یہ عبارت لفظ اللہ کی خبریں ہیں یعنی یہ صفات والا اللہ تعالٰی تمہارا رب ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہی ہر چیز کا پیدا فرمانے والا ہے اس کے سوا نہ کوئی رب ہے' نہ کوئی خالق یہاں الٰہ سے مراد سچا معبود ہے کیونکہ جھوٹے معبود تو بہت تھے جنہیں کفار پوجتے تھے مگر کافر بھی جھوٹے ان کی عبادت بھی جھوٹی۔ خلق کے معنی ہیں نیست کو ہست کردینا اس جملہ کی اور بہت ترکیبیں کی گئی ہیں۔ **فاعبدوہ** یہاں ف ترتیب کی ہے اور یہ جملہ پچھلے جملوں پر مرتب ہے یعنی چونکہ اللہ تعالٰی تمہارا رب خالق ہے' مالک ہے تو تم بھی اسی کی عبادت کرو' عبادت کے معنی اس کے اقسام و احکام ہم **ایاک نعبد** کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ عبادت کے معنی ہیں انتہائی عجز و انکسار کا اظہار یعنی بندہ اپنی ایسی عاجزی ظاہر کرے جیسی کسی کے سامنے ظاہر نہ کرے' لہٰذا نہ دو معبود ہوسکتے ہیں اور نہ دو کی عبادت کیونکہ اگر دو کی عبادت ہوگی تو ان دونوں معبودوں کے سامنے برابر کی انکساری عاجزی کرنا پڑے گی۔ جب عجز میں برابری آگئی تو انتہائی عاجزی نہ رہی لہٰذا چند معبودوں کا عابد کسی کا عابد نہیں۔ تفسیر روح المعانی نے اس جگہ یہاں اس پر زور دیا **فاعبدوہ** میں حصر ہے کہ اس ایک کی عبادت کرو لفظ عبادت بھی حصر چاہتا ہے خواہ الفاظ حصر کے ہوں یا نہ ہوں جیسے **ایاک نعبد** اور **لا تعبدوا الا ایاہ** اور یہاں **فاعبدوہ** اس میں حصر ہے دنیاوی رشتوں سے بیٹا ہونا' خاوند ہونا ایک ہی میں محدود ہے کہ ایک بیٹے کے دو باپ' ایک بیوی کے بیک وقت دو خاوند نہیں ہوسکتے اسی طرح خالقیت' معبودیت محدود ہے کہ بندے کے دو خالق' دو معبود ہو ہی نہیں سکتے اگر دو ہوں تو وہ خالق نہیں کاسب ہوں گے معبود نہیں مطاع ہوں گے یعنی ان کی عبادت نہ ہوگی اطاعت و فرمانبرداری ہوگی۔ **وھو علی کل شیء وکیل**۔ یہ عبارت معطوف ہے **لا الٰہ الا ھو** پر اور خبر ہے اللہ ھو کی ضمیر اللہ تعالٰی کی طرف ہے شیء سے مراد ہر موجود و مخلوق چیز ہے وکیل بنا ہے وکل سے بمعنی سپرد کرنا یا کسی کا والی وارث متولی ہونا چونکہ یہاں وکیل میں رقیب کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے ساتھ علی فرمانا بالکل درست ہے بلکہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں رقیب و حفیظ ہی ہے جیسے **علی کل شیء شھید** میں شہید بمعنی رقیب و حفیظ ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی نے مخلوق کو پیدا فرماکر یونہی بے یار و مددگار نہ

www.alahazratnetwork.org

چھوڑ دیا بلکہ وہ ذرہ ذرہ قطرہ قطرہ کا حافظ اس کا متولی اس کی نگرانی فرمانے والا ہے کہ ہر وقت ہر چیز اور اس کی ہر ضرورت کی خبر رکھتا ہے (روح المعانی و خازن وغیرہ) ہم اسے بھول جائیں مگر وہ ہم کو نہ بھولتا ہے نہ چھوڑتا ہے۔ خیال رہے کہ حقیقی نگہبان صرف رب تعالیٰ ہے۔ مجازی نگران بہت سے بندے ہیں۔ چنانچہ فوج ملک کی نگہبان پولیس شہر کی نگہبان فرشتے ہمارے نگہبان **و یرسل علیکم حفظة** یہاں حقیقی نگہبانی مراد ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: اس آیت کریمہ کے چار جزو ہیں۔ آسمان و زمین کا بدیع ہونا اللہ تعالیٰ کا بیوی سے پاک ہونا۔ تیسرے **خلق کل شیء** چوتھا جزو **وهو بكل شيء عليم** دوسری آیت کے پانچ جز ہیں اس کا رب ہونا۔ **لا شریک** ہونا معبود ہونا ہر چیز پر وکیل ہونا ان آیتوں کی یہ شان ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی نمونہ کے بغیر کسی اوزار ہتھیار کے بغیر کسی مادہ کے بغیر کسی جگہ کے بغیر کسی زمانہ کے ایجاد فرمادیا۔ ہر چیز اس کی مخلوق ہے یہ بھی غور کرو کہ اس کے اولاد کیسے ہو سکتی ہے تم بھی مانتے ہو کہ اس کی کوئی بیوی نہیں اور بغیر بیوی صرف باپ سے اولاد ہو ہی نہیں سکتی پھر اس کی اولاد کیسی نیز وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ خالق والد نہیں ہو سکتا اور والد خالق نہیں بن سکتا لہذا وہ کسی کا باپ نہیں نیز وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے جب وہی فرما رہا ہے کہ کوئی چیز ہماری اولاد نہیں ہر چیز ہماری مخلوق پھر تم کیسے کہتے ہو کہ فلاں اللہ کی اولاد ہے کیا تم رب تعالیٰ سے زیادہ علم و خبر رکھتے ہو۔ دیکھو اور غور کرو کہ ان صفات سے موصوف ہی اللہ ہے وہی تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ نہ بیٹے کے دو باپ ہو سکتے ہیں نہ بندے کے دو معبود معبودیت ایک ہی کے لائق ہے وہ ہر چیز کا خالق ہے لہذا تم سب اسی کی عبادت کرو۔ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اس کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ تمہارا صرف خالق نہیں اس نے تم کو پیدا فرما کر یونہی آوارہ بے یار بے مددگار نہیں چھوڑ دیا بلکہ وہ ہر وقت اس کے عابد و ساجد رہو۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا مثل ناممکن ہے' نہ خدا دو ہو سکتے ہیں' نہ مصطفیٰ دو ہو سکتے ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری مخلوق میں اول ہیں۔ **اول ما خلق الله نوری** سارے نبیوں سے پیچھے ہیں خاتم النبیین' . سے عالم کے لئے رحمت ہیں' سارے انسانوں کے شفیع ہیں کہ بعض شفاعتیں نبیوں کے لئے ہیں اور بعض شفاعتوں سے کفار بھی فائدہ اٹھائیں گے' سارے عالم کی اصل ہیں یہ اوصاف تعدد کے لائق نہیں ہم نے عرض کیا ہے۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبتدا ہو نہیں دوسرے کی یاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

خیال رکھو: کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ ہر ماسوی اس کا بندہ ہے مگر بندے بندے میں فرق ہے ہم لوگ ایسے بندے ہیں کہ ہم کو اس پر ناز ہے کہ اللہ ہمارا رب ہے مگر حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم رب کے ایسے بندے ہیں کہ دست قدرت کو ان کی بندگی پر ناز ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میرے بندے ہیں۔

عبد دیگر عبدہ چیزے دگر او سراپا انتظار آں منتظر

یہ بھی خیال رہے کہ اس آیت میں **اعبدو** مطلق بھی ہے اور عام بھی یعنی اے مشرکو کافرو عبادت کرو کہ ایمان لاؤ' اے مومنو عبادت کرو کہ پرہیزگار بن جاؤ' اے پرہیزگارو عبادت کرو کہ اخلاص اختیار کرو' اے مخلصو عبادت کرو کہ قرب الہی میں ترقی کرو۔ اے غریبو عبادت کرو کہ مزدوری روزی پابندی کرو' اے امیرو عبادت کرو کہ حج و زکوۃ دو' اے بندو عبودیت کرو کہ میری رضا پر صابر و شاکر رہو کبھی میری شکایت نہ کرو غرضیکہ **اعبدو** یہ عبادت سے ہے یا عبودیت سے خیال رہے کہ عبادت ہو یا عبودیت

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جسمانی اداؤں کا نام ہے عبادت قلبی اداؤں کا نام ہے عبودیت۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ عالم اجسام میں آسمانوں' زمین' عرش' کرسی' لوح و قلم وغیرہ کا بدیع ہے باقی تمام چیزوں کا خالق ہے یعنی آسمان و زمین کو تو بغیر مادہ' بغیر نمونہ کے بنایا نہ کسی وقت میں باقی دوسرے اجسام کو کسی مادہ سے کسی وقت میں' کسی جگہ میں بنایا۔ یہ فائدہ **بدیع السموت** اور **خلق کل شیء** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ ہمارا خالق ہے بدیع نہیں خیال رہے کہ بغیر نمونہ بنانا ایجاد ہے اور بغیر نمونہ' بغیر مادہ وغیرہ کے بنانا بدع لہذا اللہ تعالیٰ آسمانوں زمین وغیرہ کا بدیع ہے حضرت آدم علیہ السلام کا موجد یہ فرق خیال میں رہے۔ دوسرا فائدہ: بغیر باپ صرف ماں سے اولاد نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ **و لم تکن لہ صاحبۃ** سے حاصل ہوا۔ لہذا حضرت حوا آدم علیہ السلام کی بیٹی نہیں (لطیفہ) کسی شخص نے حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ عنہا سے مردوں کی افضلیت اور عورتوں کی ماتحتی بیان کی اس کے دلائل دیئے آپ نے تبسم فرما کر فرمایا عورت کو برا نہ کہو یہ نبیوں ولیوں کی کان ہے بغیر باپ صرف عورت سے نبی پیدا ہوئے مگر بغیر عورت صرف باپ سے کوئی نبی ولی پیدا نہ ہوئے واقعی حضرات انبیاء موتی ہے مگر عورتیں بھی ان موتیوں کی سیپ ہیں۔ حضرات انبیاء لعل ہیں تو عورتیں ان لعلوں کی کان ہیں۔ تیسرا فائدہ: باپ کی اولاد وہ ہے جو بذریعہ بیوی کے اپنے نطفہ سے پیدا ہو ان دو شرطوں کے بغیر اولاد نہیں۔ یہ فائدہ بھی **ولم تکن لہ صاحبۃ** سے حاصل ہوا' ماں کی اولاد وہ ہے جو اس کے پیٹ سے ہو اس کی جنس ہو' نطفہ کی وہاں قید نہیں' لہذا حضرت عیسیٰ تو ابن مریم ہیں مگر حضرت حوا بنت آدم نہیں۔ چوتھا فائدہ: حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آئیں' ان کی زوجہ بنیں۔ یہ فائدہ بھی **ولم تکن لہ صاحبۃ** سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم نے بیوی کو صاحبہ فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زلیخا کو حضرت یوسف علیہ السلام کی صاحبہ فرمایا **انکن انتن صواحب یوسف** جو ان کو زوجیت کا انکار کرتا ہے۔ وہ یا تو اس آیت کا انکار کرتا ہے یا بخاری کی اس حدیث کا۔ پانچواں فائدہ: بعض اوصاف تعدد کے متحمل ہو سکتے ہیں مگر بعض چیزوں میں تعدد نہیں ہو سکتا۔ ہمارے جسم میں سارے اعضاء متعدد ہیں مگر دل ایک گھر میں اولاد بھائی بہن متعدد ہیں مگر باپ ماں ایک درخت میں شاخیں پتے متعدد ہیں مگر جڑ ایک مسجد میں مقتدی متعدد مگر امام ایک ملک میں وزراء امراء متعدد مگر صدر یا بادشاہ ایک یونہی مخلوق متعدد ہو سکتی ہے مگر خالق ایک نبی متعدد ہو سکتے ہیں مگر مصطفیٰ ایک جب ہم چند کے نطفوں سے نہیں بن سکتے تو ہم چند کے نور سے کیسے بن سکتے ہیں' مخلوق تو حضور کے نور سے پیدا ہو چکی۔ پھر اب دوسرا ان کی مثل کیسے ہو جس کے نور سے اب یہ جہان بنے یہ فائدہ اشارۃ" **و لم تکن لہ صاحبۃ** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بری چیزوں کا پیدا فرمانا برا نہیں' چیز بری ہو مگر اس کی خلق بری نہیں شیطان برا ہے اگر شیطان کو پیدا فرمانا برا نہیں۔ یہ فائدہ بھی **خلق کل شیء** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر ادنیٰ و اعلیٰ چیز کا خالق و رب ہے مگر ادب یہ ہے کہ اس کو اعلیٰ بندوں کی نسبت سے یاد کیا جائے' یہ کہ یا رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ کہو کہ یا رب الشیطان کہ اس میں سخت بے ادبی ہے۔ ساتواں فائدہ: اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حافظ و وکیل ہے مگر اس کے باوجود ہم کو بھی اپنی حفاظت وغیرہ کا حکم ہے۔ چنانچہ ہم کو حکم ہے **خذوا حذرکم** کفار سے بچاؤ کے اسباب اختیار کرو لہذا مصیبت کے وقت حاکم یا حکیم کے پاس جانا یونہی ضرورت و حاجت کے وقت حضرات انبیاء و اولیاء کے آستانہ پر حاضری دینا **علی کل شیء وکیل** کے خلاف نہیں حضرات انبیاء و اولیاء ولایت الٰہی کے مظہر ہیں ان کی مدد در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ہی مدد ہے خلاف توکل

www.alahazratnetwork.org

نہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں آسمان وزمین کے واسطے بدیع فرمایا گیا اور باقی چیزوں کے لئے خلق یا خالق ارشاد ہوا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ جواب: اس کا جواب ہم ابھی تفسیر اور فائدوں میں عرض کر چکے۔ بدع ایجاد اور خلق میں بڑا فرق ہے۔ آسمان وزمین نہ کسی مادہ سے بنے مٹی ہم سب کا مادہ ہے مگر مٹی کا مادہ کچھ نہیں۔ یونہی آسمان وزمین کسی وقت یا کسی جگہ میں نہ بنے کہ جب یہ پیدا فرمائے گئے تو نہ جگہ تھی نہ وقت لہذا ان کے لئے بدیع فرمانا نہایت درست ہے۔ دوسری مخلوق کے لئے یہ کیسے فرمایا جاتا۔ خلاصہ یہ ہے کہ خلق' ایجاد اور بداعت میں فرق ہے بداعت میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ کیسے بنا' کب بنا' کہاں بنا۔ ایجاد میں بغیر مثال پیدائش ہوتی ہے۔ خلق ان دونوں سے عام نہیں لہذا رب تعالیٰ آسمان وزمین کا خالق بھی ہے' موجد بھی اور بدیع بھی ہمارا خالق ہے' موجد یا بدیع نہیں آدم علیہ السلام کا خالق بھی ہے موجد بھی۔ دوسرا اعتراض: اگر کفار اللہ تعالیٰ کے لئے بیوی بھی مان لیں۔ مثلاً عیسائی کہہ دیں کہ حضرت مریم خدا تعالیٰ کی بیوی ہیں تو یہ فرمان ان کے مقابل کیونکر درست ہوگا۔ **و لم تکن صاحبہ** جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کریمہ میں روئے سخن مشرکین مکہ سے ہے۔ جو فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں مانتے تھے۔ مگر فرشتوں کی ماں نہیں مانتے تھے' نہ کسی کو رب کی بیوی کہتے تھے اور اگر عیسائیوں' یہودیوں سے بھی ہو تو وہ بھی حضرت مریم کو خدا کی بیوی یا عزیر علیہ السلام کی ماں کو خدا کی زوجہ نہیں کہتے تھے لہذا انہیں الزاما" فرمایا گیا کہ جب تمہارے عقیدہ میں بھی خدا کی بیوی کوئی نہیں تو تم ان مخلوق کو خدا کا بیٹا کیسے کہتے ہو۔ دوسرے یہ کہ کوئی پاگل بھی کسی کو خدا تعالیٰ کی بیوی نہیں کہہ سکتا کہ بیوی اور پھر بیوی سے صحبت' پھر صحبت کے نتیجہ میں بچہ کی پیدائش کا رب تعالیٰ کے لئے وہم بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے کوئی پاگل بھی نہیں کہہ سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا بیٹا ہے لہذا ایسے لغو احتمال کی تردید کرنا اس تردید پر دلائل قائم کرنا غیر ضروری ہے۔ تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ناممکن ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا **جسمک جسمی' لحمک لحمی دمک دمی انت مثلی** کہ تمہارا خون تمہارا جسم میرا جسم تمہاری ہڈیاں میری ہڈیاں تم بالکل میری مثل ہو معلوم ہوا کہ حضرت علی کا نکاح فاطمہ زہرا سے درست نہ ہو تا یہ عقل کے بھی خلاف ہے۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ناممکن ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے۔ **قل انما انا بشر مثلکم** تمہارا یہ قول قرآن مجید کے خلاف ہے۔ جواب: یہاں آیت میں جسمانی ظاہری مثلیت مراد ہے روح محمدی اور حقیقت محمدی بے مثال ہے وہ نہ کسی کی اولاد ہے نہ کسی کی قرابت دار جسم محمدی بظاہر دوسرے انسانوں کے مثل ہے اس میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ خدا ہیں' نہ خدا کے بیٹے بلکہ خاص بندے ہیں۔ ہم نے حقیقت محمدیہ کا ذکر کیا ہے۔ پانچواں اعتراض: یہاں **لم تکن لہ صاحبہ** کیوں فرمایا۔ زوجہ کیوں نہ فرمایا' زوجہ اور صاحبہ میں کیا فرق ہے؟ جواب: اس کی طرف کسی مفسر نے توجہ نہ فرمائی غالباً" زوجہ اور صاحبہ میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ زوجہ ہر منکوحہ بیوی کو کہتے ہیں اس سے خلوت ہو یا نہ ہو۔ مگر صاحبہ وہ جس سے خلوت ہو' صاحبہ صحبت سے بنا' بچہ کی پیدائش بغیر مصاحبت سے ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ صاحبہ عام ہے' بیوی ہو یا لونڈی ہو مصاحبت والی مگر زوجہ صرف منکوحہ بیوی ہے۔ اولاد بیوی اور لونڈی دونوں سے ہو سکتی ہے' صاحبہ کی نفی فرما کر اولاد کی مطلقاً نفی فرما دی اگر زوجہ کی نفی کی جاتی تو لونڈی کا احتمال باقی رہتا۔ **واللہ اعلم و رسولہ اعلم و انہم**۔ چھٹا اعتراض: یہاں پہلی

www.alahazratnetwork.org

آیت میں ارشاد ہوا۔ **و خلق کل شیء** ۔ اور دوسری آیت میں ہے **خالق کل شیء** اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے خلق اور خالق میں کیا فرق ہے۔ جواب: **خلق کل شیء** میں پیدا شدہ چیزیں بھی داخل ہیں اور آئندہ پیدا ہونے والی بھی کہ خالق اسم فاعل لہذا پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ تمام پیدا شدہ چیزوں کو اللہ تعالٰی نے ہی پیدا کیا اور **خالق کل شیء** کے معنی یہ ہوئے کہ آئندہ جو چیزیں پیدا ہوں گی ان کا خالق بھی رب تعالٰی ہی ہے لہذا فرق ظاہر ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں **فاعبدوہ** فرمانا مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے کیونکہ مشرکین اہل کتاب سب ہی اول اللہ کی عبادت کرتے تھے ان میں سے کوئی بھی اللہ کی عبادت کا منکر نہ تھا لہذا حصر فرمانا چاہیے تھا کہ اس اللہ تعالٰی ہی کی عبادت کرو دوسروں کی نہ کرو۔ جواب: اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ عبادت صرف ایک ہی کی ہو سکتی ہے۔ چند کی عبادت 'عبادت' ہے ہی نہیں جب یہ کفار اللہ تعالٰی اور اپنے جھوٹے معبودوں سب کی عبادت کرتے تھے تو وہ حقیقتہ" کسی کی عبادت نہ کرتے تھے عبادت کے معنی ہیں انتہائی عجز و انکسار 'انکسار کی انتہا اور ابتداء صرف ایک ہی پر ہو سکتی لہذا اگر عبادت کے ساتھ حصر کا کلمہ نہ بھی ہو جب حصر حاصل ہے عبادت شرکت کے منافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالٰی نے عالم روحانیات میں مختلف درجوں والے انبیاء و اولیاء پیدا فرمائے جو آسمانوں کی طرح مختلف فیض دیتے ہیں اور مختلف کیفیت والے دل پیدا کئے جو زمین کی طرح ان حضرات کے حاجت مند ہیں۔ پھر بعض دل ان کے فیوض سے خود فائدے اٹھاتے ہیں۔ وہ عمدہ زمین کی طرح ہیں اور بعض فائدے نہیں اٹھاتے وہ گویا بے خیر زمین ہیں اس عالم میں فیض دینے والے اور فیض لینے والے سب ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ اس کے بندے ہیں لہذا وہ بیوی اور اولاد سے پاک ہے کیونکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے خالق والد نہیں ہو سکتا جب جانور انسان کی اولاد نہیں ہو سکتے تو مخلوق خالق کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے۔ چنانچہ رب تعالٰی کی یہ صفت ہے کہ وہ ہر چیز کا خالق ہے' ہر چیز کا رب ہے حقیقی معبود ہے۔ ہر چیز پر نگہبان ہے سب اس کے دروازے کے منگتا ہیں تو کوئی اس کی بیوی یا اس کی اولاد کیسے ہو سکتے ہیں ان میں یہ صفات کہاں جو وہ رب کے ہمسر ہوں۔ لہذا اسے خالق مانو والد نہ مانو بعض بندوں کی محبوبیت 'مقربیت سے دھوکہ نہ کھاؤ' وہاں محبوبیت عبدیت کے ساتھ ہے نہ کہ ولادت کے ساتھ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالٰی نے آسمانوں و زمین کی پیدائش میں اپنی شان بدیعی دکھائی ہے کہ وہاں یہ سوالات نہیں ہو سکتے کہ یہ چیزیں کاہے سے بنیں کیسے بنیں بھٹی میں گرم کر کے یا ویسے ہی ہتھوڑوں سے کوٹ کر کب بنیں کیونکہ وقت نام ہے سورج کا رفتار کا جب سورج ہی نہ تھا تو وقت کیا اور کہاں نہیں کیونکہ جگہ نام ہے زمین کے یا خلا کے حصوں کا جب نہ زمین نہ خلا تھا تو کہاں کا سوال غلط ہے۔ دوسری مخلوق میں رب نے اپنی شان خالقیت ظاہر فرمائی ہے کہ وہاں یہ چاروں سوالات ہو سکتے ہیں مگر اپنے محبوب محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ دونوں شانیں جمع فرمادیں۔ اللہ تعالٰی جسم محمدی کا خالق ہے کہ وہ مکہ معظمہ میں 561ھ عیسوی میں حضرات آمنہ خاتون کے شکم پاک سے جناب عبداللہ کے گھر سے پیدا ہوا مگر نور محمدی میں رب نے اپنی شان بدیعی کا اظہار فرمایا ہے کہ وہاں یہ سوالات نہیں ہو سکتے جب نور محمدی کو پیدا فرمایا تو نہ وہاں تھا نہ یہاں نہ جب تھا نہ کب اللہ تعالٰی نور محمدی کا بدیع ہے جسم محمدی کا خالق ہے پھر جسم محمدی جب فرش پر رہا تو رب کی شان خلق کو ظاہر فرمارہا تھا مگر جب عرش پر گیا تو رب کی شان بدیعی ظاہر فرمائی کہ معراج میں عرش پر پہنچ کر یہ جسم پاک جہاں 'کہاں' کب' کیسے اور کاہے سے کے سوالات سے وراء ہو گیا لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی خلق اور بدیع دونوں کے مظہر اتم ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کارخانوں

www.alahazratnetwork.org

میں تین طرح کا مال تیار ہوتا ہے چالو مال' فرمائشی مال اور نمونہ صنعت چالو مال اچھا بھی ہوتا ہے برا بھی۔ مگر فرمائشی مال برا نہیں ہوتا اور نمونہ کے مال میں کاریگر کے سارے کمالات جمع ہوتے ہیں۔ یونہی ہم گنہگار کارخانہ قدرت کے گویا چالو مال ہیں اچھے بھی برے بھی اور حضرات اولیاء اللہ گویا فرمائشی مال ہیں۔ اچھے ہی اچھے ہیں مگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کارخانہ قدرت کے اعلیٰ درجہ کی صفت کے مظہر ہیں۔ **ھو الذی ارسل رسولہ** جن میں قدرت کے سارے کمالات جمع ہیں۔ جو نمونہ کی تعریف کرے اس سے کاریگر خوش ہوتا ہے۔ جو نمونہ میں عیب نکالے اس سے صانع ناراض ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریفیں کرو' رب کو راضی کرلو' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کچھ طاقت' کچھ عجیب بات' کچھ فائدہ یا کچھ نقصان ہوا۔ وہ گائے کو' سانپ کو' دریا کو' سورج و چاند کو خدا مان بیٹھے مگر اسلامی اللہ وہ ہے جس کے قبضہ میں یہ سب کچھ ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾
نہیں پا سکتیں اسے آنکھیں اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو اور وہ لطف والا خبر والا ہے ۔
آنکھیں اسے احاطہ نہیں کرتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہی ہے نہایت باطن پورا خبردار

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی صفات کمالیہ کا ذکر تھا' بدیع وکیل ہے وغیرہ وغیرہ اب ان عیوب کا ذکر ہے جن سے اللہ تعالیٰ پاک ہے' منزہ ہے کسی کے احاطہ نظر میں آجانا وغیرہ گویا کمالات کے ثبوت کے بعد عیبوں کی نفی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہر طرح جانتا ہے۔ **و ھو بکل شیء علیم** اب ارشاد ہے کہ کوئی اسے ہر طرح نہیں جان سکتا مخلوق کا اسے جاننا محدود ہے گویا اللہ تعالیٰ اس کی سالمیت مطلقہ کے بعد اس کے معلوم ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا نگہبان ہے **علی کل شیء وکیل**۔ اب ارشاد ہے کہ وہ ایسا نگہبان و نگران ہے کہ وہ سب کو دیکھتا ہے اسے کوئی نہیں دیکھتا لہٰذا اس سے ہر وقت ڈرتے رہو گویا اس کی نگرانی کا ذکر پہلے ہوا اور نگہبانی و نگرانی کی نوعیت کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **لا تدرکہ الابصار** یہ جملہ یا تو وکیل کی صفت ہے یا نیا ہے۔ دوسرا احتمال قوی ہے **لا تدرک** بنا ہے ادراک سے جس کا مادہ ہے درک' معنی پانا' گھیرنا' کسی تک پہنچ جانا ہے۔ درج بھی اس کا ہم معنی ہے بھی تہ تک پہنچ جانے کو درک کہتے ہیں اور چوٹی تک پہنچنے کو درج۔ غرضیکہ اس کے معنی صرف دیکھنا نہیں قرآن کریم میں ہے۔ **لا تخاف درکا ولا تخشی** اور ارشاد ہے **حتی اذا ادرکہ الغرق** اور ارشاد ہے۔ **قال اصحاب موسی انا لمدرکون۔ قال کلا** اور ارشاد ہے **لو لا ان تدرکہ نعمت من ربہ** اور ارشاد ہے **حتی اذا اداركوا فیھا**۔ اور ارشاد ہے **بل ادارک علمھم فی الاخرۃ**۔ ان جیسی آیت میں درک ہے مگر اس کے معنی پانا' گھیرنا' پکڑنا ہیں۔ دیکھنا نہیں وہی معنی یہاں ہیں اسی لئے یہاں **لا تبصر** یا **لا تنظر** نہیں فرمایا۔ اس کا خیال رہے ہ کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے **الابصار** جمع **بصر** کی ہے جیسے **بصائر** جمع ہے بصیرت کی۔ آنکھوں کی روشنی کو بصر کہتے ہیں۔ دل کی روشنی کو بصیرت کبھی خود آنکھ کو بصر کہہ دیتے ہیں کہ وہ بصر کی جگہ ہے **الابصار** میں الف لام استغراقی ہے ہو سکتا ہے کہ جنسی ہو یعنی اللہ تعالیٰ کو یہ شان ہے کہ اسے کوئی آنکھ یا کسی آنکھ کی روشنی احاطہ نہیں کرسکتی گھیر نہیں سکتی کہ احاطہ محدود چیز کا ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ حد سے پاک ہے۔ جیسے آنکھ کسی

www.alahazratnetwork.org

جسم کو دیکھ کر معلوم کر لیتی ہے کہ اس کی لمبائی یہاں سے شروع ہے' یہاں ختم' چوڑائی کی یہ حدود ہیں' موٹائی کی یہ حدود اس قسم کا دیکھنا رب تعالیٰ کے لئے ناممکن ہے اس تفسیر سے **الابصار** عام ہے کسی نبی' ولی' مومن' جن' انس' فرشتہ وغیرہ کی نظر کبھی بھی رب کو احاطہ کر کے نہیں پا سکتی' نہ دنیا میں' نہ آخرت میں' نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں رب کو احاطہ کر کے دیکھا کہ یہ ناممکن ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ادراک بصر سے مراد ہو' صرف دیکھنا جیسا کہ معتزلہ کہتے ہیں تو **الابصار** کی تحقیق کرنا ہوگی اب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ آنکھیں دنیا والی نہیں دیکھ سکتیں۔ یہ ساری آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں' یا دنیا میں اسے آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں رب کو دیکھا تو دنیا والی آنکھ سے نہ دیکھا وہ آنکھ اور تھی' اس آنکھ کی روشنی اور تھی بلکہ یوں کہو کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اور رنگ میں تھے۔ مومنین جنت میں رب کو دیکھیں گے تو ان کی آنکھ اور آنکھ کی روشنی اور ہی ہوگی۔ انشاء اللہ لہٰذا یہ آیت ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن میں دیدار الٰہی کا ثبوت ہے جو انشاء اللہ ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ **وھو یدرک الابصار** یہ عبارت یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا **لا تدرکہ** الخ پر معطوف ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی دوسری صفت ہے **ھو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے' یہاں بھی **یدرک** کے معنی ہیں احاطہ فرمالیتا ہے' گھیر لیتا ہے اور یہاں بھی **ابصار بصر** کی جمع ہے بمعنی آنکھ کی روشنی یعنی اللہ تعالیٰ کی شان یہ کہ تمام مخلوق کی آنکھ کی روشنی کو احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔ حالانکہ روشنی آنکھ کی ایسی لطیف ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی' کوئی شخص نہ اپنی نگاہ کو دیکھ سکتا ہے نہ دوسرے کی نگاہ سب کو دیکھتی ہے مگر نگاہ کو کوئی نہیں دیکھتا' نہ کوئی نگاہ کی حقیقت سے خبردار ہے کہ نگاہ چیز کیا ہے اور اس کی کیا حقیقت ہے مگر اللہ تعالیٰ اس کو بھی احاطہ فرمائے گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ سارے بندوں کی نگاہیں' ان کی ادائیں ہر وقت دیکھتا ہے مگر کفار کی ادائیں' نگاہیں' ادائیں اور نظر سے دیکھتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کے لئے رب تعالیٰ کی نظر ہی خاص ہے جیسے وہ بے مثال ہیں ایسے ہی ان کو دیکھنے کی نظر بھی خاص فرماتا ہے۔ **قد نری تقلب وجھک فی السماء** اور فرماتا ہے۔ **الذی یراک حین تقوم و تقلبک فی الساجدین**۔ اور فرماتا ہے **فانک باعیننا** ۔ غرضیکہ **یدرک الابصار** ایک فرمان ہے مگر اس کی نوعیتیں بہت ہیں۔ تمہاری روح' تمہاری نگاہ' تمہارے اعمال اور اعمال کا نور سب کچھ اس کے احاطہ علمی میں ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ **وھو اللطیف الخبیر** یہ جملہ نیا ہے لطیف یا بنا ہے لطف سے بمعنی کرم و مہربانی یا لطف سے بمعنی حجاب میں ہونا یا نرمی کرنا' کسی تک نرمی سے پہنچنا' لطف و رحم قریباً ہم معنی ہیں' کبھی ان دونوں میں فرق یوں کیا جاتا ہے کہ مانگنے والے پر کرم فرمانا رحم ہے جسے مانگنا نہ آتا ہو اس پر کرم فرمانا لطف ہے۔ ہم مانگتے ہیں وہ دیتا ہے کیونکہ وہ رحیم ہے' جب ہم ماں کے پیٹ میں تھے یا شیر خوار تھے' مانگنا نہ جانتے تھے تب بھی وہ کرم فرماتا تھا کیونکہ وہ لطیف ہے۔ اللہ نے یہ صفت اپنے محبوب کو بھی عطا فرمائی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منگتوں کو بھی دیتے ہیں کیونکہ رحیم ہیں' بے زبان جانوروں پر رحم فرماتے ہیں کیونکہ لطیف ہیں یا بنا ہے لطافت سے بمعنی صفائی و شفافی۔ جس کا مقابل ہے کثافت لطیف وہ ہے جسے حواس نہ پا سکیں کثیف وہ جو حواس سے محسوس ہو جائے۔ ہمارے سامنے کے درودیوار ہم کو نظر آتے ہیں کیونکہ کثیف ہیں مگر ہوا نظر نہیں آتی کیونکہ لطیف ہے بلکہ جان ہمارے جسم میں ہے' سارے کام وہی کرتی ہے مگر نظر نہیں آتی کیونکہ لطیف ہے اللہ نے یہ صفت بھی اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمائی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری جانوں سے زیادہ ہم سے قریب ہیں۔ **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** مگر ان آنکھوں سے

www.alahazratnetwork.org

نظر نہیں آتے کیونکہ یہ عطائے رب لطیف ہیں یعنی وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے' ان پر نرمی فرمانے والا ہے یا کسی کی نظر میں نہ آنے والا ہے۔ تمام کی خبر رکھنے والا ہے کہ چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی چیز اس کے علم و خبر سے باہر نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کو صاف شفاف نہیں کہا جاسکتا کہ شفاف اور کثیف ہونا جسم کی صفت ہے اس لئے اس کا نہایت نفیس ترجمہ وہ ہے جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا۔ یعنی نہایت باطن اس ترجمہ کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے **هو الاول و الاخرة والظاهر والباطن وهو بكل شيء عليم**۔ خیال رہے کہ چونکہ رب تعالیٰ رب ہے اور ربوبیت بغیر علم و خبر ناممکن جس کی خبر نہ ہو اس کی پرورش کیسے کی جاسکتی ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قاسم بھی بنایا کہ اللہ کی نعمتیں اس کی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقسیم فرماتے ہیں۔ **الله المعطي و انا قاسم** نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم شفیع ہیں' شفاعت سات قسم کی فرمائیں گے اور تقسیم بھی خبر کے بغیر ناممکن ہے شفاعت بھی۔ فرشتے اللہ کے حکم سے موت' حیات' بارش وغیرہ تقسیم کرتے ہیں تو انہیں اس کی خبر بھی ہے کہ کس کا کتنا حصہ ہے اور وہ کہاں رہتا ہے۔ لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہ عطائے الٰہی خبیر بھی ہیں۔

خلاصہء تفسیر : اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی چار صفتوں کا ذکر ہوا۔ ان میں سے پہلی دو صفتیں گویا دعویٰ ہیں اور آخری دو صفتیں اس دعویٰ کی دلیل اور اس کا ثبوت ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ وہ شان والا ہے کہ کوئی آنکھ یا کوئی نظر کسی وقت' کسی جگہ کبھی بھی اس کا ادراک اس کا احاطہ نہیں کرسکتی' وہ کسی نظر کے گھیرے میں نہیں آسکتا یا دنیا میں کوئی نظر اسے دیکھ نہیں سکتی۔ محبوب نے معراج میں تو دیکھا تو وہ نظر اور تھی' وہ عالم دوسرا تھا یا آخرت میں اسے ساری نظریں دیکھ نہیں سکیں گی صرف مومنوں کو دیدار ہو گا کفار اس سے محروم رہیں گے۔ اس کی دوسری شان یہ ہے وہ نظروں تمام کی نگاہوں کو گھیرے ہوئے ہے کسی نے آج تک نظر کو نہیں دیکھا' یہ رب کی شان ہے کہ وہ سب کی نظر کو دیکھ رہا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ لطیف ہے یا باطن ہے' مخفی الذات ہے' باطن کسی کو نظر نہیں آسکتا اس کے ساتھ ہی وہ خبر والا ہے' سب کی خبر رکھتا ہے۔ سب کو دیکھتا ہے۔ لہٰذا وہ دیکھتا ہے دیکھا جاتا نہیں۔ مولانا نے کیا خوب فرمایا۔ شعر

یا خفی الذات محسوس العطاء — انت کالماء و نحن کالرحی
انت کالریح و نحن کالغبار — یختفی الریح و غبراۃ جھار

یعنی اے مولیٰ تیری ذات چھپی ہوئی ہے' تیری عطا دن رات دیکھی ہوئی' تیری قدرت پانی کی طرح ہے' ہم پن چکی کی طرح' تیرا کرم ہوا کی طرح ہم غبار کی طرح' ہوا نظر نہیں آتی مگر غبار دکھائی دیتا ہے جس سے ہوا کا پتہ لگتا ہے۔

دیدار الٰہی

سوا معتزلہ' خوارج اور بعض مرجیہ فرقوں کے تمام اسلامی فرقے اس پر متفق ہیں کہ قیامت میں مومنوں کو دیدار الٰہی ہو گا بلکہ جنت میں دیدار ہوا کرے گا۔ اس پر آیات قرآنیہ' احادیث نبویہ اور عقلی دلائل گواہ ہیں۔

آیات قرآنیہ : رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة** بعض چہرے اس دن ترو تازہ ہوں

www.alahazratnetwork.org

گے۔ اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ **کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون۔**
کفار اس دن اپنے رب سے حجاب میں ہوں گے یعنی انہیں دیدار الٰہی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ مومنوں کو دیدار ہوگا۔ نیز فرماتا ہے **للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ** ۔ نیک کاروں کے لیے جنت کی نعمتیں بھی ہیں اور کچھ زیادتی بھی وہ زیادتی کیا ہے دیدار الٰہی۔

احادیث : بخاری و مسلم اور ابو داؤد ترمذی نے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کی کہ کچھ لوگوں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم قیامت میں اپنے رب کو دیکھیں گے۔ فرمایا کیا تم چودھویں شب میں جبکہ آسمان صاف ہو چاند کے دیکھنے میں کچھ شک و شبہ کرتے ہو عرض کیا نہیں۔ فرمایا اسی طرح تم اپنے رب کو قیامت میں بلاشک و شبہ ظاہر ظہور دیکھو گے۔ نیز ابو داؤد نے بروایت ابو رزین عقیلی رضی اللہ عنہ روایت کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم میں سے ہر شخص اپنے رب کو خلوت میں دیکھے گا۔ فرمایا ہاں۔ عرض کیا کہ اس کی مثال کیسی ہے کہ ایک وقت میں خلوت و جلوت دونوں ہوں۔ فرمایا کیا تم سب لوگ بیک وقت خلوت میں خلیت میں چاند کو دیکھتے ہو یا نہیں۔ عرض کیا ہاں۔ فرمایا اللہ کی شان تو کہیں ارفع و اعلیٰ ہے۔ اس کے متعلق اور بہت احادیث ہیں۔

عقلی دلیل : یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ **رب ارنی انظر الیک** خدایا تو مجھے اپنا جمال دکھا دے میں تجھے دیکھوں گا اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کی دعا نہ کرتے۔ کیونکہ ناممکن چیز کی دعا کرنا ممنوع ہے۔ نبی ممنوع کام نہیں کرتے نیز رب تعالیٰ نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ ہمارا دیدار ناممکن ہے بلکہ فرمایا کہ پہاڑ کو دیکھو۔ اگر یہ ٹھہرا رہے تو تم بھی دیکھ لو گے پہاڑ کا ٹھہرنا ایک ناممکن چیز ہے اور جو چیز ممکن پر موقوف کی جائے وہ بھی ممکن ہوتی ہے لہٰذا دیدار الٰہی ممکن ہوا (دیکھو تفسیر خازن و تفسیر کبیر)۔

دیدار معراج : حق یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات عرش سے گزر کر قاب قوسین میں پہنچ کر بچشم سر رب تعالیٰ کا دیدار فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ سے وہ قرب میسر ہوا جو کسی کو نہ ہوا تھا نہ ہوگا۔ قرآن کریم دیدار معراج کے متعلق فرماتا ہے۔ **ما کذب الفواد ما رای** محبوب نے اپنے رب کو دیکھا تو دل نے اسے جھوٹ نہ کہا یعنی آنکھ نے رب کو دیکھا دل نے اس کی تصدیق کی اگر دل کا دیکھنا مراد ہوتا تو دل کی تصدیق کرنے کے کیا معنی ہوتے اور فرماتا ہے۔ **ولقد راٰہ نزلۃ اخری عند سدرۃ المنتہی** محبوب نے رب تعالیٰ کو دوسری بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس سے دیکھا قرب الٰہی کے متعلق فرماتا ہے۔ **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی** ان آیتوں میں اللہ کے دیدار اور اللہ تعالیٰ سے قرب کا ذکر ہے نہ کہ حضرت جبریل کا دیدار اور حضرت جبریل سے قرب۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** اللہ نے اپنے بندے کو خاص وحی فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبریل کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ **رایت ربی و احسن صورۃ** میں نے اپنے رب کو اپنی اچھی صورت میں دیکھا۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں **رای محمد صلی اللہ علیہ وسلم ربہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سر کی آنکھ سے

www.alahazratnetwork.org

رب کو دیکھا۔ امام احمد ابن حنبل نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا۔ رب کو دیکھا یہاں تک فرمایا کہ آپ کی سانس بند ہو گئی۔ اس کی تحقیق انشاء اللہ سورۃ **والنجم** میں کی جائے گی۔ خیال رہے کہ سدرۃ المنتہی یا عرش معلی یا **دنی فتدلی** جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب کا دیدار ہوا یہ مقامات رب تعالیٰ کے نہیں۔ وہ تو جگہ سے پاک ہے بلکہ یہ مقامات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو یہاں بلا کر دیدار دیا۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

وہی لامکاں کے مکیں ہوئے سرِ عرش تخت نشیں ہوئے

وہ نبی ہیں جن کے ہیں یہ مکاں وہ خدا ہے جس کا مکاں نہیں

جیسے جناب کلیم کو طور پر بلا کر کلام فرمایا تو طور رب تعالیٰ کی جگہ نہ تھی۔ جناب موسیٰ کی جگہ تھی وہاں انہیں کلام سے مشرف فرمایا۔ کسی کو ہلال زمین سے دکھایا جاتا ہے کسی کو چھت سے کسی کو پہاڑ سے کسی کو ہوائی جہاز سے۔ تو یہ مقامات چاند کے نہیں بلکہ چاند دیکھنے والے کے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: دنیا میں ان آنکھوں سے کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ یہ فائدہ **لا تدرکہ الابصار** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا بلکہ بہت سے مقبولوں کو ہوا ہے۔ **دوسرا فائدہ**: کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو کسی سمت یا کسی جہت میں یا اسے گھیر کر نہیں دیکھ سکتا کہ نظر اس کا احاطہ کرے وہ کسی کے گھیرے میں آنے سے پاک ہے۔ یہ فائدہ **لا تدرکہ الابصار** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کو اپنے علمی احاطہ میں بھی نہیں لا سکتا۔ کسی کا علم اسے گھیر نہیں سکتا۔ یہ فائدہ **الابصار** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ **ابصار** میں بصارت اور بصیرت دونوں داخل ہوں۔ اللہ تعالیٰ کو جاننا کچھ اور ہے اسے پورے کر جاننا یا اس کو پورا پورا جاننا کچھ اور ہے۔ اسے جاننا پہچاننا ماننا ضروری ہے۔ اسے پورا پورا جاننا ناممکن ہے۔ **چوتھا فائدہ**: قیامت میں کفار رب تعالیٰ کے دیدار سے محروم ہوں گے وہاں دیدار صرف مسلمانوں کو نصیب ہو گا۔ یہ فائدہ **الابصار** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **الابصار** میں الف لام استغراقی ہو۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کثیف لطیف تمام چیزوں کو دیکھتا ہے اور پورے احاطہ سے دیکھتا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ ہر چیز کی ہمیشہ سے خبر رکھتا ہے اور ہمیشہ تک خبر رکھے گا۔ یہ فائدہ **الخبیر** سے حاصل ہوا۔ جیسے اس کی اور صفتیں قدیم ازلی ابدی ہیں ایسے ہی ہر چیز کی خبر رکھنا بھی ازلی ابدی ہے اس کی خبر کسی واسطہ یا وسیلہ پر موقوف نہیں۔

پہلا اعتراض : اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے نہ دنیا میں کوئی اسے دیکھ سکتا ہے نہ جنت میں کوئی دیکھے گا۔ دیکھو ارشاد فرمایا گیا **لا تدرکہ الابصار** (معتزلہ خوارج)۔ **جواب**: اس اعتراض کے کئی جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ (1) یہاں رب کو دیکھنے کی نفی نہیں اس کے ادراک کی نفی ہے یعنی اسے گھیر کر دیکھنا کہ آنکھیں اس کا احاطہ کر لیں یہ ناممکن ہے۔ اسی لئے یہاں **لا تنظرہ** نہیں فرمایا بلکہ **لا تدرکہ** ارشاد ہوا۔ دوسری جگہ فرمایا **الی ربہا ناظرۃ** دیکھنا۔ ہم چاند، سورج، آسمان، زمین، سمندر کو دیکھتے ہیں۔ مگر اس کا احاطہ نہیں کر سکتے کہ یہ اتنا بڑا ہے ان چیزوں کو دیکھنے میں ان کا ادراک و احاطہ نہیں کر سکتے یہ مثالیں صرف سمجھانے کے لئے ہیں ورنہ اس کے دیدار کی کیفیت انشاء اللہ دیدار کے وقت ہی معلوم ہو گی۔ (2) **الابصار** میں الف لام استغراقی ہی ہے۔ یعنی ساری نظریں اسے نہیں دیکھ سکتیں بعض نظریں یعنی مومنین کی نظریں اسے دیکھیں گی۔ (3)

www.alahazratnetwork.org

دنیا میں کوئی نظر اسے نہیں دیکھ سکتی آخرت میں مومنوں کی نظریں نور ہوں گی' آنکھیں کچھ اور۔(4) کوئی نظر کسی سمت اور کسی جہت میں اسے نہیں دیکھ سکتی' اس کا دیدار بغیر جہت' بغیر سمت کے ہو گا۔ **دوسرا اعتراض:** آنکھ صرف رنگت دیکھ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ رنگ و روپ سے پاک ہے لہٰذا اس کا دیدار ناممکن ہے' دیکھو ہم صاف شفاف چیزیں' روح' نظر کو نہیں دیکھ سکتے۔ کیونکہ یہ چیزیں رنگت سے وراء ہیں' لہٰذا ہم اللہ تعالیٰ کو بھی نہیں دیکھ سکتے کہ وہ رنگ سے وراء ہے۔ **جواب:** یہ کمزوری دنیاوالی اس آنکھ میں ہے کہ وہ رنگ روپ' سمت' روشنی' قریب ہونے کی محتاج ہے۔ جس آنکھ سے رب کا دیدار ہو گا انشاء اللہ وہ آنکھ ان میں سے کسی چیز کی حاجت مند نہ ہو گی۔ جنت کو قوتوں کو دنیا کی قوتوں پر قیاس نہ کرو۔ جب قرآن کریم فرما رہا ہے کہ مومنوں کو رب کا دیدار ہو گا تو عقل کو اس میں کیا دخل۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ جب مومنوں کو دیدار الٰہی ہو گا تو رداء کبریائی درمیان میں ہو گی اور ظاہر ہے کہ چادر جب آڑے ہو تو دیدار نہیں ہو سکتا۔ اس حدیث نے ہی دیدار بے حجاب کی نفی کر دی۔ **جواب:** وہ حجاب ہی تو دیدار کا ذریعہ ہو گا۔ اگر وہ حجاب درمیان میں نہ ہو تو دیدار ناممکن ہو جیسے سورج جب ہلکے بادل یا بخارات کی چادر ہو تو نظر آتا ہے اگر یہ حجاب نہ ہوں تو اس کا دیدار ناممکن ہوتا ہے وہ حجاب دیدار کرانے کے لئے ہو گا۔ چنانچہ مسلم شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ وہ حجاب اٹھا دے **لا حرقت سبحت وجهه ما انتهى اليه بصره** اس کی تجلیاں تمام عالم کو جلا کر خاک سیاہ کر ڈالیں۔ **چوتھا اعتراض:** آخر اس میں حکمت کیا ہے کہ دنیا میں رب کا دیدار نہ ہو آخرت یعنی جنت میں ہو جب اس نے دیدار دینا ہی تھا تو دنیا میں بھی دیدیا ہوتا۔ **جواب:** وجہ یہ ہے کہ دنیا میں ایمان بالغیب ضروری اور ذات رب ایمان کا پہلا رکن ہے **امنت بالله و ملئكته** اگر یہاں ہی دیدار ہو تا تو ایمان بالغیب نہ رہتا۔ یہاں شرط ہے کہ ہر ایمانی چیز نبی کی زبان سے مانو۔ یونہی رب تعالیٰ کو نبی کے ذریعہ مانو' حسن پروردگار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رخسار میں دیکھو تاکہ یہ ماننا ایمان ہو جنت ایمان کی جزا کی جگہ ہے وہاں دیدار ہو گا۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جو کہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا ہے اس نے بڑا بہتان باندھا۔ معلوم ہوا کہ معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ **جواب:** اس کے بہت سے جوابات دیئے گئے ہیں بہترین جواب وہ ہے جو تفسیر روح المعانی نے یہاں دیا کہ رب تعالیٰ کے دیدار کو دو صورتیں ہیں۔ ایک جلالی' دوسری جمالی۔ جلالی دیدار وہ ہے جو اسے ایسے نور سے دیکھا جائے جو عالم کو جلا کر خاکستر کر دے۔ دوسرا جمالی دیدار وہ ہے جو کہ اسے ایسے نور سے دیکھا جائے۔ جس میں یہ تابش نہ ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے نور سے نہ دیکھا بلکہ دوسرے نور سے دیکھا اس لئے ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاری نے حضور سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے رب کو دیکھا تو فرمایا **نوراني اراه** وہ نور ہے میں اسے کیسے دیکھتا۔ دوسرے شخص نے یہی سوال کیا تو فرمایا **رايت نورا** میں نے دیکھا پہلی حدیث میں پہلے قسم کے نور دیکھنے کی نفی ہے۔ دوسری حدیث میں دوسرا نور دیکھنے کا ثبوت غرضیکہ رب کا ایک نور وہ جو **يذهب بالابصار** جو دیکھنے والے اور اس کی آنکھ اور دیکھنے سب کو فنا کر دے۔ دوسرا جمالی نور جہاں یہ تابش نہیں لہٰذا حدیث بالکل درست ہے (روح المعانی) سورج کو دوپہر کے وقت نہیں دیکھ سکتے جب آسمان صاف ہو مگر یہی سورج جب قریب غروب ہو تو نظر آتا ہے سورج ایک ہے مگر اس کی تجلی دو قسم کی ہے اس دیدار کی مثال دنیا میں ہی قائم ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **رايت ربي في احسن صورة** میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا۔ **چھٹا اعتراض:** حدیث **رايت ربي في احسن صورة**

کے متعلق ہے نہ کہ معراج والے دیدار کے متعلق لہٰذا اس حدیث سے دلیل پکڑنا غلط ہے۔ **جواب:** یہ حدیث مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔ اس کی شرح میں ملا علی قاری مرقات میں فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں بہ چشم سر رب تعالیٰ کا دیدار کیا' اس کی کوئی دلیل نہیں کہ خواب کا دیدار مراد ہے۔ حدیث شریف میں خواب کا ذکر نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** حدیث **رایت ربی فی احسن صورة** ۔ اگر صحیح ہو تو لازم آئے گا کہ رب تعالیٰ کی کوئی شکل و صورت ہو۔ رب تعالیٰ تو شکل و صورت سے پاک ہے۔ **جواب:** اس حدیث کے معنی یہ نہیں ہیں کہ میں نے رب تعالیٰ کو اس کی اچھی صورت میں دیکھا بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں نے رب تعالیٰ کو اپنی اچھی صورت میں دیکھا۔ جب اسے دیکھا تو اس وقت میری صورت بہت اچھی تھی۔ میں نے لباس بشری اتارا ہوا تھا۔ لباس نوری زیب تن کیا ہوا تھا۔ جیسے میں کہوں کہ میں نے اچھے لباس میں دربار دیکھا تو لباس میرا ہے نہ کہ دربار کا۔ اللہ تعالیٰ اپنے اور اپنے محبوب کے کلام کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت کریمہ کو لطیف و خبیر پر کیوں ختم فرمایا۔ رب تعالیٰ کے دوسرے ناموں پر ختم کیوں نہ کیا۔ **جواب:** اس لئے کہ یہ دو صفتیں مذکورہ' دو دعوؤں کی دلیلیں ہیں۔ فرمایا کہ رب تعالیٰ کو آنکھیں نہیں پا سکتیں کیونکہ وہ لطیف ہے لطافت والی ذات کو دنیاوی آنکھیں کیسے دیکھ سکتی ہیں۔ اور وہ رب تعالیٰ تمام آنکھوں' نظروں کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ کیونکہ وہ خبیر ہے اور خبیر وہ جو ہر وقت ہر شئی کی خبر رکھے' نظریں بھی تو شئے ہیں وہ ان کی بھی خبر رکھتا ہے اس آیت کریمہ میں دعویٰ مع دلائل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں **ابصار** کو احاطہ ذات باری سے مجبور و معذور فرمایا گیا۔ **ابصار** جمع ہے بصر کی انسان کے تمام حواس ظاہر ہوں یا باطن اللہ تعالیٰ کی ذات کا ادراک اور احاطہ نہیں کر سکتے' حتیٰ کہ انسان کی فہم' عقل' علم سب اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ بصارت اور بصیرت دونوں کی اس کے ادراک تک رسائی نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **ولا یحیطون به علما** بلکہ اس کی صفات مخلوق کے ادراک سے وراء ہیں۔ خود فرماتا ہے۔ **ولا یحیطون بشئی من علمه الا بما شاء** اس کی تجلی بصارت یا بصیرت پر نہیں پڑتی مومن کے دل پر پڑتی ہے۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا — پہچان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

ہاں اگر اس کے دیدار کی تمنا ہے تو فنا والی بصارت حاصل کرو۔ **فانی اللہ** ہو کر باقی باللہ بنو تو سب کچھ نظارہ کر لو۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج جس آنکھ سے دیکھا وہ آنکھ ہی دوسری تھی۔ بلکہ وہ ذات ہی دوسری تھی اس رات آپ کی روح بلکہ آپ کا سر جسم بن چکا تھا۔ آپ سراپا بصارت تھے' عالم طبیعت سے عالم ارواح کی طرف پھر عالم ارواح سے عالم امر کی طرف منتقل ہو گئے۔ اپنے رب کو اپنے کل سے دیکھا۔

وہی ہے اول' وہی ہے آخر' وہی باطن' وہی ظاہر
اسی کے جلوے' اسی سے ملنے' اسی سے اس کی طرف گئے تھے

تجلی نے تجلی سے تجلی کو دیکھا' کوئی بتائے تو کیا بتائے' کوئی سمجھائے تو کیا سمجھائے یہ مقام بتانے سمجھانے سے وراء ہے جب تمہاری انا فنا ہو جائے تو سیر ہو کر اس کا مشاہدہ کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی معرفت سے اس کا دیدار مزیدار ہے اسی لئے تو موسیٰ علیہ السلام نے معرفت یار کے بعد دیدار کی تمنا کی۔ **رب ارنی انظر الیک** غرضیکہ اگر دیدار کی آرزو ہے، تو فنا اختیار کرو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چوں تجلی کرد اوصاف قدیم پس بسوزد وصف حادث را کلیم
بند فعلی خلق را جذاب تر کہ رسد در جان ہر گوش کر

رب تعالیٰ کی یہ شان ہے کہ وہ ہم کو ہماری ابصار' ہماری ارواح' ہمارے سر کو محیط ہے' وہ لطیف ہے' وہ خبیر ہے۔ صوفیاء کی اصطلاح میں لطیف وہ ہے جو سب کو دیکھے مگر اسے کوئی نہ دیکھے۔ لطیف وہ ہے جو خود نظر نہ آئے اس کا لطف' اسی کی مہربانیاں' ہر وقت' ہر طرح محسوس ہوں۔ خبیر وہ ہے جو ہر ایک کی خبر بھی رکھے اور خبرات بھی رکھے۔ ظاہر چیزوں کے علم کو خبر اور باطن و اندرونی چیزوں کے علم کو خبرت کہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے اللہ تعالیٰ کی ذات باطن ہے اس کی صفات ظاہر ذات غیب ہے۔ صفات شہادت جنت میں ذات پاک بھی شہادت ہو گی یونہی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا رخ انور رخسار تو شہادت ہے جو کفار نے بھی دیکھا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا حسن مصطفیٰ کچھ ظاہر ہوا۔ اس لئے کسی انسان کو نہیں دکھایا' رات ورات معراج کرائی مگر جنت میں یہ غیب شہادت ہو گا کہ حسن مصطفیٰ وہاں دیکھا جاوے گا۔

رخ تو بے پردہ تھا لیکن حسن بے پردہ نہ تھا جز خدا بندوں نے حسن مصطفیٰ دیکھا نہ تھا

نیز ذات باری اگر غور کیا جائے تو یہاں بھی ظاہر ہے مگر ایک آئینہ کے ذریعہ وہ آئینہ ہے' رخسار پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و سلم آئینہ حسن پرودگار ہیں۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

خود تو پردہ میں رہے آئینہ حسن خاص کا بھیج کر بیگانوں سے کی رلہ داری واہ واہ

من رانی فقد رای الحق جیسے اللہ کی ذات باطن ہے کہ اسے کوئی نہیں پا سکتا اس کی جود و عطا ظاہر کہ ہر شخص پاتا ہے ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی حقیقت باطن ہے جسے بجز پروردگار کوئی نہیں جانتا۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی کرم نوازی ظاہر ہے کہ مخلوق کا ذرہ ذرہ جانتا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید کا ایک ظاہر ہے جسے ہر شخص پاتا ہے۔ ایک باطن جسے اللہ و رسول کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسے متشابہات' پھر جیسے جنت میں رب کا دیدار حجاب کبریائی کے ذریعہ ہو گا ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا دیدار حجابات بشریت کے ذریعہ کرایا گیا۔ رب تعالیٰ کی صفت ہے۔ **وھو یدرک الابصار** وہ سب کی نگاہیں' سب کی ادائیں دیکھتا ہے۔ اس نے یہ صفت اور اس صفت کی تجلی اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہے کہ اس کے مقبول بندے ہماری نگاہوں' ہماری کھلی چھپی اداؤں' ہمارے دل کے ارادوں سے خبردار ہیں۔ سب کو دیکھتے سنتے ہیں۔ حضرت عثمان غنی نے جناب انس سے فرمایا کہ بعض لوگ ہماری مجلس میں آتے ہیں حالانکہ ان کی آنکھوں میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ دیکھو بد نظری کی خبر دیدی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے۔ **و تبسم ضاحکا من قولھا** کہ آپ نے میلوں فاصلے سے چیونٹی کی آواز سنی اور تبسم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ نبی کے کان چیونٹی کی آواز سن لیتے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم بھی ہماری آہ و زاری' ہماری فریادیں' آوازیں مدینہ منورہ سے سن لیتے ہیں۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْهَا

بیشک آئیں تمہارے پاس بصیرتیں طرف سے رب تمہارے کے پس وہ جس نے دیکھا پس اپنی ذات کے لئے اور	
تمہارے پاس آنکھیں کھولنے والی دلیلیں آئیں تمہارے رب کی طرف سے تو جس نے دیکھا تو اپنے بھلے کو دیکھا اور جو	

www.alahazratnetwork.org

وَمَآ اَنَا عَلَیۡکُمۡ بِحَفِیۡظٍ ۝ وَکَذٰلِکَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ وَلِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَ

جو اندھا ہوا پس اوپر اسکے اور نہیں ہوں میں اوپر تمہارے محافظ اور اسی طرح پھیرتے ہیں ہم آیتوں کو اور

اندھا ہوا اپنے برے کو اور میں تم پر نگہبان نہیں اور ہم اسی طرح آیتیں طرح طرح سے بیان کرتے

لِنُبَیِّنَہٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ۝۱۰۵

تاکہ کہیں کہ تم نے پڑھا اور تاکہ خوب کھول دیں ہم اس کو واسطے اس قوم کے جو جانتی ہے

ہیں اور اس لیے کہ کافر بول اٹھیں کہ تم تو پڑھتے ہو اور اس لئے کہ اسے علم والوں پر واضح کر دیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی توحید اس کی قدرتوں کا ذکر ہوا۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت، قرآن کریم کی حقانیت کا تذکرہ ہے یعنی ایمان کے ایک رکن (توحید) کے بعد دوسرے رکن (رسالت) کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے نہیں دیکھا جاسکتا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اسے نبی ان کے معجزات قرآنی آیات کے ذریعہ سے جانا جاسکتا ہے گویا بصارت کی نفی کے بعد بصیرت کا ثبوت ہے۔ اسے دیکھو مت اسے ان ذریعوں سے مانو پہچانو۔ **تیسرا تعلق**: پہلے ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ تم بھی اسے جانو بھی مانو بھی مگر راہ راست نہیں بلکہ اس کی آیات کے ذریعہ گویا رب تعالیٰ کی عالمیت کا ذکر پہلے ہوا۔ اب مخلوق کے ذریعہ علم کا تذکرہ ہورہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی شان مختلف طریقوں سے بیان ہوئی اب اس بیان کی حکمتوں کا ذکر ہے۔ **لیقولو درست** یعنی ہم جو اپنی شان ہر طرح بیان فرماتے ہیں ان میں حکمتیں ہیں۔

تفسیر: **قد جاء کم** یہ نیا جملہ ہے اس میں خطاب یا کفار مکہ سے ہے یا مسلمانوں سے یا سارے انسانوں سے۔ تیسرا احتمال قوی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم سارے انسانوں کے لئے آیا ہے۔ چونکہ نزول قرآن آسمان سے ہوا اس لئے کبھی انزلنا فرمایا جاتا ہے کبھی **جاء** جیسے کبھی کہا جاتا ہے بارش نازل ہوئی اور کبھی کہا جاتا ہے بارش آئی یا یوں کہو کہ اوپر سے قرآن کریم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی لب و زبان سے ہم کو ملا پہلی تشریف آوری کے لحاظ سے نزول کہا جاتا ہے۔ دوسری آمد کے لحاظ سے **جاء** اسی طرح حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے قرآن مجید میں انزل بھی آیا۔ **وانزلنا الیکم ذکرا رسولا** اور کبھی آیا **لقد جاء کم رسول** کہ جسم پاک مصطفوی ہمارے پاس مکہ یا مدینہ منورہ سے تشریف لایا مگر نور مصطفوی رسالت و نبوت محمدی عرش سے فرشیوں تک پہنچی۔ پہلے لحاظ سے **جاء** فرمایا جاتا ہے۔ دوسرے لحاظ سے انزل۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تشریف آوری کی چند نوعیتیں ہیں۔ عام تشریف آوری جن و انس بلکہ سارے جہانوں کے لئے ہے' اس کے لئے ارشاد ہے۔ **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** یا فرمایا گیا **لیکون للعالمین نذیرا** یہ رحمت والی تشریف آوری ہے۔ دوسری سارے انسانوں کے لئے آمد اس کے لئے ارشاد ہوا **ھدی للناس** یا ارشاد ہوا **کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** یہ ہدایت والی بشارت' والی نذارت والی تشریف آوری ہے۔ تیسری آمد صرف مومنوں کے لئے۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا **لقد جاء کم رسول** یا ارشاد ہوا **ھدی**

www.alahazratnetwork.org

للمتقین یہ فائدہ مند تشریف آوری ہے جس سے مومنوں نے فائدہ اٹھایا۔ چوتھی تشریف آوری صرف کافروں کے لئے کہ ان پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے جس سے کفار نے نقصان اٹھایا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوا۔ **قد جاء کم بصائر من ربکم** یا ارشاد ہوا **فقد کذبوا بالحق لما جاء ھم** جیسے سورج کا چمکنا ایک عام ہے۔ روشنی دینے کے لئے اور ایک خاص ہے باغوں میں پھل کھیتوں میں دانہ پکانے کے لئے یہی سورج چمکتا ہے۔ بدخشاں کے پہاڑوں پر لعل بنانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم صدیق اکبر کے سینہ پر چمکے لعل عرفان بخشنے کے لئے ایک خاص مضر چمگادڑ کی آنکھیں اندھی کر دینے کے لئے یونہی نور محمدی ابوجہل' ابولہب پر چمکا' اسے خیرہ کر دینے کے لئے یہی حال بارش کا ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و درشورہ بوم خس

یہاں اگر کم میں صرف مسلمانوں سے خطاب ہے تو تیسری آمد مراد ہے اور اگر صرف کفار سے خطاب ہے تو چوتھی آمد مراد اور اگر سارے انسانوں سے خطاب ہے تو دوسری آمد مراد ہے غرضیکہ **جاء کم** کی چند تفسیریں ہیں۔ **بصائر من ربکم۔ بصائر** فاعل ہے **جاء** کا یہ جمع بصیرت کی بمعنی دل کی روشنی جس سے چیزوں کا اندرون جانا جائے جیسے بصارت آنکھوں کی روشنی جس سے چیزوں کا ظاہر نظر آئے' اس کی جمع **ابصار** ہے **من ربکم** یا تو **بصائر** کی صفت ہے یا **جاء** کے متعلق **بصائر** سے مراد ہے اور بیرونی روشنی سورج چراغ وغیرہ کی بھی ضرورت ہے ایسے ہی دل کے لئے ایک اندرونی نور کی بھی ضرورت ہے کہ انسان دیوانہ بیہوش نہ ہو اسے عقل و ہوش عطا ہو اور بیرونی نور یعنی نبوت کی روشنی کی بھی ضرورت ہے کہ خواہ بلاواسطہ ملے یا ولی اور عالم کے واسطے سے ہے یہاں دونوں نور مراد ہو سکتے ہیں جیسے آنکھ کی روشنی کے لئے موتیا بند پھولا' جالا وغیرہ مضر ہیں۔ حاذق طبیب دواؤں یا اپریشن کے ذریعہ اسے صاف کرتا ہے ایسے ہی دل پر بھی غفلت' شیطانی اثر سے دل کا موتیا جالا دھند چھا جاتا ہے ان کا اپریشن اس حکیم مطلق سرکار مدینہ کے ذریعہ ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نشتر سے آنکھ کا اپریشن کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر کریمانہ سے سارے عالم کے دلوں کا اپریشن فرما کر انہیں منور کر دیتے ہیں مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے تمام جہاں کے دل روشن فرما دیتے ہیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کے سورج ہیں' روشنی دیتے ہیں۔ **بصائر** سے مراد یا ذات پاک حضور پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا' ہر حالت' ہر گفتگو دل میں روشنی پیدا کرنے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ان تمام روشنیوں کا ذریعہ یا اس سے مراد توحید و نبوت' قیامت' دوزخ و جنت کے دلیلیں ہیں۔ پہلے دو احتمال زیادہ قوی ہیں غرضیکہ بصائر میں چار احتمال ہیں اس سے مراد ہیں دلائل یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات یا قرآن کریم کی آیات یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات **من ربکم** فرما کر یہ بتایا گیا کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہارا رب ہے اس کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ جسمانی غذاؤں کے ساتھ روحانی غذائیں' دوائیں بھی تم کو عطا فرمائے نیز یہ بتاتا ہے کہ جسے اللہ یہ نور عطا فرماوے اسے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ **واللہ متم نورہ ولو کرہ المشرکون** اللہ تعالیٰ وہ نور ہم سب کو عطا فرما دے آمین۔ **فمن ابصر فلنفسہ** اس فرمان عالی میں بصائر کے نتیجہ کا ذکر ہے من سے مراد سارے جن و انس ہیں۔ **ابصر** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی **ابصر الحق لنفسہ** میں لام نفع کا نفس سے مراد ذات ہے ہو سکتا ہے کہ **ابصر** کا مفعول۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات یا قرآن کی تعلیمات ہوں یعنی جو کوئی ان روشن کرنے والی چیزوں کے ذریعہ حق کو یا میرے محبوب کی صفات کو یا قرآن مجید کی حقانیت کو یا دلائل توحید کو دیکھ لے تو اپنے ہی نفع کے لئے دیکھے گا اس کا

www.alahazratnetwork.org

نفع خود اس کی ذات ہی کو ملے گا۔ سبحان اللہ کیا لطف کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی بصیرت ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مبصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو اسی روشنی سے دیکھو جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بخشی ہے تمام چیزوں کو شمع سے دیکھا جاتا ہے پھر خود شمع کو بھی شمع سے ہی دیکھو اس کے لئے دوسری شمع کی ضرورت نہیں وہ اپنے کو بھی ظاہر کرتی ہے۔ دوسروں کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی شمع نورانی ہیں۔ **و من عمی فعلیھا** - اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے پہلے جز میں فرمایا گیا تھا کہ دل کے سورج سے جسم کی روشنی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کی روشنی سورج سے جسم کو ایک روشنی ملتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دل کو ہزارہا قسم کی روشنیاں ملتی ہیں۔ سورج سے جسم کو روشنی کبھی ملتی ہے کبھی نہیں۔ چنانچہ سورج رات میں روشنی نہیں دیتا اور گرہن لگنے پر بھی نہیں دیتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ روشنی روحانی عطا فرماتے ہیں سورج سے کہیں روشنی ہوتی ہے کہیں نہیں' چنانچہ تہ خانوں میں اس کا نور نہیں پہنچتا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور ہر جگہ پہنچتا ہے قبر میں 'حشر میں' سورج کا نور نہیں پہنچتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور وہاں بھی پہنچتا ہے **قد جاء کم بصائر من ربکم** اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بے نیازی کا ذکر ہے کہ جیسے سورج لوگوں سے بے نیاز ہے اگر کوئی بھی اس سے نور نہ لے تو اس کے نور میں کمی نہیں ایسے ہی نبوت کا سورج لوگوں سے بے نیاز ہے۔ اگر کوئی بھی ایمان نہ لائے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کوئی کمی نہیں ایسے ہی نبوت کا رب تعالیٰ خدائی میں بے نیاز ہے اور جناب مصطفیٰ شان مصطفائی میں بے نیاز ہیں۔ یہاں من سے وہی جن وانس مراد ہیں **عمی** فرما کر یہ بتایا گیا کہ اس شمع نورانی سے وہی فائدہ نہیں اٹھائے گا جو دل کا بالکل اندھا ہو جیسے سورج سے صرف اندھے یا چمگادڑ فائدہ نہیں اٹھاتے' کمزور نظر والے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا ہی لیتے ہیں **عمی** کا متعلق پوشیدہ ہے اور **علیھا** میں **علی** نقصان کے لئے ہیں یعنی اس کا وبال خود اس پر پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ خیال رہے کہ من مذکر ہے اور نفس مونث' اس لئے **عمی** مذکر لایا گیا اور **علیھا** کی ضمیر مونث کہ **عمی** کا فاعل من ہے اور **علیھا** کا مرجع نفس **وما انا علیکم بحفیظ** - یہ نیا جملہ ہے جس میں گزشتہ مضمون کی علت بیان فرمائی گئی۔ **حفیظ** سے مراد محافظ یا نگران یا ذمہ دار ہے یعنی مجھ پر تبلیغ احکام واجب ہے جو میں نے کردی میں تمہارے قبول کرانے عمل کرانے کا ذمہ دار نہیں اگر تم سارے کے سارے کافر رہو تو اس سے میرا کچھ نہیں بگڑتا غرضیکہ تم میرے محتاج ہو میں تمہارا حاجت مند نہیں۔ **و کذالک نصرف الایات** یہ نیا جملہ ہے۔ **ذالک** سے گزشتہ تمام آیات ان کے طرز بیان کی طرف اشارہ ہے **نصرف** بنا ہے تصریف سے بمعنی پھیرنا مختلف طریقہ سے بیان فرمانا۔ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں چونکہ دنیا میں مختلف قسم کے لوگ ہیں بعض دلائل سے مانتے' بعض ڈر سے' بعض لالچ سے' بعض محبت وعشق سے اس لئے رب تعالیٰ نے دلائل' عذاب' رحمت' عشق ومحبت' سب ہی کا ذکر فرمایا ہے۔ اس رکوع میں دیکھ لو کہ اس میں دلائل بیان فرمائے گئے۔ **بدیع السموات** الخ پھر رحمت **فمن ابصر فلنفسہ** پھر عذاب **و من عمی فعلیھا** یہ ہے پھیر پھیر کر بیان فرمانا یعنی جیسے ہم نے یہاں ایک مضمون مختلف طریقوں سے بیان فرمایا ایسے ہی ہم نے تمام مضامین کی آیتیں ہر طرح پھیر پھیر کر بیان فرمائی ہیں۔ **و لیقولوا درست** اس جملہ کی نحوی ترکیب مشکل ہے اس کی بہت ترکیبیں ہیں' ہم نہایت آسان سی دو ترکیبیں اور دو معنی عرض کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ نیا جملہ ہے جس میں واؤ ابتدائیہ ہے اور **درست** کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے۔ **تفعل ما تفعل** لام انجام کا ہے یعنی ہم مختلف طریقوں سے آیات

www.alahazratnetwork.org

بیان ہی کرتے ہیں جس کا انجام یہ ہے کہ لوگ آپ پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ آپ کسی سے سیکھ کر آیتیں ہم کو سناتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ جملہ ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے۔ **لیعتبروا و لیقولوا** ۔ **لیعتبروا** کا فاعل مومنین ہیں اور **یقولوا** کا فاعل کفار یعنی اس طرح آیات کا بیان فرمانے کا نتیجہ یہ ہے کہ مومن تو اس سے عبرت پکڑتے ہیں اور کفار یہ کہتے ہیں **یقولوا** کا فاعل یا کفار مکہ ہیں یا سارے کفار درست بنا ہے درس سے معنی سبق پڑھنا سیکھنا۔ خیال رہے کہ مکہ معظمہ میں قریش کے دو رومی غلام تھے یسار اور جبیر یہ گزشتہ قوموں کے قصے کہانیاں بہت جانتے اور لوگوں کو سنایا کرتے تھے' کفار قریش کہتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں غلاموں سے قصے سن کر سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس فرمان عالی میں اس طرف اشارہ ہے (روح البیان)۔ یعنی کفار یہی کہتے رہیں گے کہ آپ نے یہ تمام آیات ان دو رومی غلاموں سے پڑھی ہیں اور ہم کو کلام الٰہی بنا کر سناتے ہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان ھذا الا افک افترہ و اعانہ علیہ قوم اخرون** نیز وہ آیت ہے **انما یعلمہ بشر** لہٰذا آیت واضح ہے۔ بعض قراءتوں میں **دارست** ہے الف کے ساتھ بعض میں **درست** ہے ت کے سکون سے اس صورت میں اس کا مطلب ہی کچھ نہیں پڑھا ان کا علم لدنی ہوتا ہے۔ حضرت آدم کے لئے رب نے فرمایا **و علم ادم الاسماء کلھا** ۔ حضرت نوح کو کشتی سازی رب نے سکھائی۔ **واصنع الفلک با عیننا** ۔ حضرت داؤد کو زرہ سازی رب نے سکھائی۔ **و علمناہ صنعۃ لبوس** حضرت سلیمان کو جانوروں کو بولیاں رب نے سکھائی۔ **علمنا منطق الطیر** حضرت یوسف کو ملک رانی' کاشتکاری' غلہ سنبھالنا سب کو کھلا دینا' رب نے سکھایا۔ **انی حفیظ علیم**۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کسی سے کچھ نہ سیکھا حتیٰ کہ حضرت حلیمہ سعدیہ اور تمام جہان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سکھایا لہٰذا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ کہے کہ فلاں شخص سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سیکھا وہ بے دین ہے اس لئے یہاں قوم کفار کا یہ قول نقل فرمایا کہ **درست**۔ یونہی کوئی نبی کبھی کافر کی رعایا اس کے ماتحت بن کر نہ رہے یا وہاں سے ہجرت فرما گئے جیسے حضرت ابراہیم یا اس کی سلطنت درہم برہم فرما دی جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام۔ یونہی کسی نبی نے نبوت کو اپنے گزارہ کا ذریعہ نہیں بنایا۔ **و لنبینہ لقوم یعلمون**۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ **لیقولوا** پر واؤ عاطفہ اور لام حکمت کے لئے ہے اس میں نزول قرآن اور تصریف آیات کی دوسری حکمت کا ذکر ہے یعنی اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہے کہ ہم یہ آیتیں علم و عقل و ایمان والی قوم کے لئے بیان فرماتے ہیں۔ وہ ان سے فائدے حاصل کریں گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات کے نتیجے دو ہیں۔ کفار کے کفر میں زیادتی اور ان کا آپ پر بہتان تراشی کرنا اور مومنوں کو ہدایت ملنا۔ **نبین** بنا ہے **تبیین** سے معنی خوب ظاہر کرنا اچھی طرح واضح کرنا۔ یاد رکھو کہ آیات قرآنیہ علم و معرفت کا سمندر ہیں اس سمندر سے موتی نکالنے والے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے علماء دین' اولیاء اللہ کے آستانے ان موتیوں کے ملنے کی دکانیں ہیں۔ جہاں سے یہ موتی ہم لوگوں کو ملتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا۔ **لقوم یعلمون**۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو یا اے انسانو یا اے کفار یا اے تمام جن و انس تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دل کی آنکھیں کھول دینے والی دلیلیں اور روشنیاں آ گئیں۔ کون ہیں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی ہر ادا' ہر حالت' ہر کیفیت رب کی دلیل ہے یا آیات قرآنیہ جو دل کی آنکھیں کھولنے والی ہیں' جو تمہارے زنگ آلود دلوں کے لئے صیقل فرما کر انہیں پاک و صاف کرتے ہیں۔ **وعظ کہیں** اور سورج کی طرح تمہارے دلوں پر چمک کر انہیں نور و روشنی بیرونی بھی

www.alahazratnetwork.org

بخشتے ہیں۔ یہ نعمتیں تمہارے پاس آچکیں' اب جو کوئی بصیرت حاصل کرکے اپنے دل کو منور کرے وہ اپنی ہی ذات کے لئے بصیرت حاصل کرے گا' اس کا نفع اس کو ہو گا اور جو اب بھی اندھا رہے گا اور ان محبوب یا اس قرآن کے ذریعہ اپنے دل کی آنکھیں روشن نہ کرے گا۔ اس کا وبال اس کی ذات پر پڑے گا اے محبوب فرمادو کہ اے لوگو میں تم پر محافظ یا نگرانی کرنے والا ذمہ دار نہیں ہوں' تمہارے متعلق سوال مجھ سے نہ ہو گا اگر تم سارے کے سارے گمراہ رہو تو اس کا مجھ پر کوئی اثر نہیں۔ اے محبوب جیسے ہم نے یہاں توحید رب تعالیٰ کی ذات و صفات' قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ کی آیتیں ہر طرح گھما پھیر کر بیان فرمائیں اسی طرح ہم اپنی آیات پھیر پھیر کر بیان فرماتے رہتے ہیں تاکہ سعید لوگ تو ان پر ایمان لے آئیں اور شقی و بدنصیب یہی کہتے رہیں کہ اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیتیں آپ نے لوگوں سے پڑھیں ہیں اور ان سے پڑھ کر ہم سے کہتے ہیں کہ یہ رب کا کلام ہے اور تاکہ ہم علم والی قوم کے لئے خوب ظاہر فرمادیں کیونکہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں۔ بعض ڈر سے' بعض لالچ و امید سے قرآن مجید میں سب کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ہر طرح کی آیتیں اتاری ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات با برکات آپ کی صفات' آپ کے حالات' آپ کے اعمال' آپ کے افعال کریمہ' دلوں کی روشنیاں ہیں جن سے دل کی آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ یہ فائدہ بصائر کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری شریف آپ کے سیرت طیبہ کا مطالعہ کیا کرے کہ اس سے دل روشن ہوتا ہے۔ دوسرا فائدہ: قرآن کریم کی آیات دل کی آنکھوں کا سرمہ ہیں' یونانی طبیبوں کے سرمے نور بصیرت کہلاتے ہیں مگر آیات قرآنیہ نور بصیرت ہیں۔ یہ فائدہ بصائر کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا بلکہ آیات قرآنیہ بھی نور ہیں۔ ہر ظاہری' باطنی' جسمانی' روحانی بیماریوں کی شفاء ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و ننزل من القران ما هو شفاء و رحمة للمومنين** ۔

کلام اللہ بھی نام خدا کیا راحت جان ہے   عصاء پیرے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید سے سارے انسان فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ نصف سے زیادہ اندھے ہو جاتے ہیں ان ہستیوں کا انکار کرکے دوزخ خرید لیتے ہیں۔ یہ فائدہ **فمن ابصر** اور **و من عمي** الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذمہ دار نہیں اور نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کافر کے متعلق یہ سوال ہو کہ وہ ایمان کیوں نہ لایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بے نیاز ہیں۔ ہم سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نیاز مند ہیں اگر سورج سے کوئی نور نہ لے تو اس کا کچھ بگڑتا نہیں اگر سارے ہی اس سے نور لے لیں تو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ حضور سورج ہیں ہم لوگ نور حاصل کرنے والے۔ یہ فائدہ **ما انا عليكم بحفيظ** سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: قرآن کریم میں مختلف پہلوؤں سے توحید رسالت' قیامت وغیرہ کو بیان کیا گیا ہے' دلائل سے عذاب کا خوف دلا کر رحمت کی امید دلا کر کیونکہ لوگوں کی طبیعتیں مختلف ہیں اور قرآن مجید سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔ یہ فائدہ **نصرف الايات** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: قرآن مجید کسی کی حقیقت کو نہیں بدلتا بلکہ جو تخم سینہ میں قدرت نے بویا ہے اس کو اگا دیتا ہے' بارش بوئے ہوئے تخم کو اگاتی ہے اسے بدلتی نہیں۔ یہ فائدہ **و ليقولوا درست** سے حاصل ہوا یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض کا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے حضرت ابوبکر صدیق اکبر بن گئے مگر ابو جہل شقی ازلی ہم نے عرض کیا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

نہیں جلوے میں ان کے یکراہی کوئی آقا کے کوئی بھائی مومن سمجھا بندہ پرور اندھوں نے محض بندہ پایا!

ساتواں فائدہ: جیسے رب تعالیٰ کی ذات ایک ہے۔ صفات و شانیں بے شمار ہیں کل یوم ھو فی شان ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ایک ہے' آپ کی صفات' شانیں' احوال' اعمال' افعال بے شمار ہیں۔ اور ہر شان عمل' ہر حال مسلمانوں کے لئے روشنی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسکین بھی ہیں۔ بادشاہ بھی' تارک الدنیا بھی ہیں' دنیانواز بھی' بہادر بھی ہیں' سخی بندہ نواز بھی' غرضیکہ بے شمار صفات سے موصوف ہیں۔ یہ فائدہ بصائر کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ بصائر سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو۔ آٹھواں فائدہ: نزول قرآن کا مقصد کافروں کا کفر ظاہر کر دینا بھی ہے' بارش بعض درختوں کو سکھانے کے لئے اور سورج چمگادڑ کی آنکھوں کو اندھا کرنے کے لئے بھی آتا ہے۔ لہٰذا معتزلہ کا یہ قول درست نہیں کہ اللہ تعالیٰ پر ہر وہ کام واجب ہے جو بندوں کے لئے مفید ہو۔ نواں فائدہ: انسان اگر بگڑے تو جانوروں سے بدتر ہو جاتا ہے اگر سنبھلے تو فرشتوں سے افضل ہو جاتا ہے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب' جن و انس کے سوا کسی اور مخلوق نے نہ کی' جانور انہیں سجدے کرتے تھے مگر سرکش انسان ان سے اکڑ تا تھا۔ اللہ تعالیٰ راہ راست پر رکھے۔ آمین۔ دسواں فائدہ: عوام مسلمانوں کو قرآن کریم سے فائدہ بذریعہ علماء کے ملے گا۔ جو علماء سے برگشتہ رہے گا وہ قرآنی فیض حاصل نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ و لنبینہ لقوم یعلمون سے حاصل ہوا۔ سمندر کے موتی غواص کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اور جوہریوں کی دکان سے ملتے ہیں' علماء جوہری ہیں۔

پہلا اعتراض: پچھلی آیت کریمہ میں ابصار ارشاد ہوا تھا لا تدرکہ الابصار اور یہاں بصائر فرمایا قد جاء کم بصائر ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ دونوں جگہ ایک لفظ ہی کیوں نہ ارشاد ہوا۔ جواب: ابصار جمع ہے بصارت کی معنی آنکھ کی روشنی اور بصائر جمع بصیرت کی معنی دل کی روشنی وہاں اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو آنکھ کی روشنی سے نہیں دیکھ سکتے۔ دل کی روشنی سے اسے جانتے پہچانتے مانتے ہیں۔ یہاں اس آیت کا مقصد یہ ہے تمہارے پاس وہ رسول یا وہ قرآن تشریف لائے جو دل کی روشنی کے ذریعہ ہیں لہٰذا وہاں ابصار فرمانا ہی مناسب تھا۔ یہاں بصائر فرمانا مناسب ہے واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید سے دل دماغ روح روشن ہوئے اور ہو رہے ہیں تاقیامت ہوتے رہیں گے۔ دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ما انا علیکم بحفیظ میں تمہارا نگہبان نہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا و یکون الرسول علیکم شھیدا وہاں بھی شہید معنی نگہبان ہے یہاں نگہبانی کی نفی ہے۔ وہاں نگہبانی کا ثبوت آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہاں مسلمانوں سے خطاب ہے یہاں کفار سے خطاب ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے غلاموں کے ضرور نگران بھی ہیں' حافظ بھی۔ کفار کے نہ نگران ہیں' نہ حافظ۔ پالتو کتے کا مالک نگران ہوتا ہے' آوارہ کتوں کا کوئی نہ نگران' نہ حافظ۔ شکاری جانور کی طرح جس کا جی چاہے اسے مار دے مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہیں۔ بفضلہ تعالیٰ نفس و شیطان سے محفوظ ہیں۔ ان عبادی لیس لک علیھم سلطان لہٰذا آیات میں تعارض نہیں رہا یہ کہو کہ یہاں حفیظ بمعنی ذمہ دار ہے۔ جس کی ذمہ داری کا سوال قیامت میں ہو اس معنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے ذمہ دار نہیں کہ کسی کے کفر یا گناہ کا سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو کہ فلاں کیوں مومن نہ بنا۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا و لیقولوا درست یہ عبارت معطوف ہے۔ نصرف الایات پر مگر معطوف اور معطوف

www.alahazratnetwork.org

علیہ میں مناسبت بالکل نہیں۔ جواب: یہ غلط ہے۔ **لیقولوا** ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ دونوں عبارتیں **نصرف** کی حکمت بیان فرما رہی ہیں یعنی آیات کا پھیر پھیر کر بیان فرمانا دو حکمتوں سے ہے ایک یہ کہ مسلمان تو ان سے عبرت پکڑیں اور کفار یہ کہتے رہیں لہذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نزول قرآن علم والوں کے لئے ہوا۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **و لنبینہ لقوم یعلمون** مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ھدی للناس** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ قرآن مجید صرف عالموں کے لئے ہے یا تمام لوگوں کے لئے۔ جواب: قرآن کریم ہدایت تو سارے لوگوں کے لئے ہے مگر بیان صرف علماء کے لئے اور تبیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے **و نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**۔ عوام بذریعہ علماء کے اور علماء بذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن کریم کا بیان سمجھیں۔ **پانچواں اعتراض:** اگر **بصائر** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہوں اور **جاء کم** میں خطاب سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں سے ہو تو یہ آیت کیونکر درست ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد معجزات تو ختم ہو گئے ہم تک نہیں پہنچے۔ جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدہا معجزات تاقیامت باقی ہیں۔ قرآن کی ہر آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا ہر ولی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کثیر کہ ہر جگہ، ہر وقت ان کا چرچا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر معجزہ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بن دیکھے محبوبیت لوگوں کا ان کے نام پر جانیں فدا کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے **و رفعنا لک ذکرک** بلکہ اب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کا بے کم و کاست باقی رہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے۔ یہ معجزات تاقیامت قائم ہیں **جاء کم** درست ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اگر بصائر سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی ہے تو **جاء کم** میں خطاب سارے مسلمانوں سے کیونکر درست ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک وقت خاص میں مکہ مدینہ میں جلوہ گر رہے۔ جواب: اس کا جواب گذر گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی سکونت مدینہ منورہ میں رہی یہ دونوں چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہو گئیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سارے جہاں میں ہوئی، سورج کی طرح وفات شریف سے تشریف آوری ختم نہ ہوئی جیسے سورج غروب ہو جائے تو اس کا طلوع و ظہور ختم ہو جاتا ہے اس کی ذات اور اس کے فیضان ختم نہیں ہوتے۔

جلوہ دکھا کے چھپ گئے ہیں ۔۔۔ دیوانے بنا کے چھپ گئے ہیں
ڈھونڈوں میں ان کو عالم عالم ۔۔۔ وہ دل میں سما کے چھپ گئے ہیں
حیرت ہے یہ مجھ کو اے عزیزو ۔۔۔ وہ سامنے آ کے چھپ گئے ہیں

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے بالکل بے خبر ہیں، ہمارے کسی حال کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہیں۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **ما انا علیکم بحفیظ** میں تمہارا نگران نہیں یعنی خبردار نہیں۔ جواب: یہاں حفیظ کے معنی خبردار نہیں بلکہ ذمہ دار ہیں یعنی اے کافرو بدکارو میں تمہارا ذمہ دار نہیں، مجھ سے تمہارے بارے میں سوال نہ ہوگا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید اپنی ہزارہا صفات اور لاکھوں برکات کے ساتھ دنیا میں ہر شخص کے پاس پہنچے آئے' عرب میں پہنچے' سب کے پاس جیسے سورج رہتا ہے' آسمان پر مگر پہنچتا ہے' ذرہ ذرہ میں پھر تشریف لائے تو اس شان سے کہ تمام کے دلوں کی آنکھیں روشن کر دیں' دل کی روشنی بہت قسم کی ہے کسی روشنی سے انسان اپنے کو دیکھتا ہے' کسی روشنی سے حضرات اولیاء اللہ کو' کسی روشنی سے عالم کے ذرہ ذرہ کو' کسی روشنی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو' کسی روشنی سے رب تعالیٰ کو جانتا' مانتا' پہچانتا ہے۔ اس لئے یہاں **بصائر** جمع ارشاد ہوا۔ یہ تمام روشنیاں ملتی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ سے ان روشنیوں سے خوش نصیب لوگ فائدہ اٹھا لیتے ہیں' بعض محروم رہتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ جو ان بصیرتوں سے فائدہ اٹھائے گا تو اپنے لئے نہ اٹھائے گا تو اپنے پر ہی وبال لے گا۔ ہم دینے کے ذمہ دار ہیں تمہارے لینے کے ذمہ دار نہیں۔ بادل بارش دینے کا ذمہ دار ہے اس سے فائدہ اٹھانا کاشتکار کی کوشش پر موقوف ہے۔ جیسا بوئے گا ویسا کاٹے گا۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

یا یہ کہو کہ جیسے رات میں چاند' مریخ' زحل' مشتری' عطارد وغیرہ سارے تارے آسمانوں پر مختلف رنگوں میں چمکتے ہیں' کوئی سرخ' کوئی سبز' کوئی پیلا' مگر ان سب میں روشنی ایک' سورج سے ہی آرہی ہے یونہی شافعی' حنفی' مالکی' حنبلی شریعت کے سلسلوں والے نیز قادری' چشتی' نقشبندی' سہروردی طریقت کے سلسلوں والے' نیز رنگ برنگے صحابہ کرام کہ حضرت صدیق جمالی رنگ میں حضرت فاروق شان جلال میں حضرت عثمان شان غنا میں' حیدر کرار شان فقر میں چمک رہے ہیں مگر ان سب کو چمکانے والے ایک ذات کریم حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو **بصائر** یعنی روشنیاں کہا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں مگر جلوے مختلف ہیں' جیسے درندوں کے جنگل میں وہ بکری ہی محفوظ رہ سکتی ہے کو مالک کے قلعہ اور اس کے نوکروں کے پہرہ میں رہے۔ جو ان دو چیزوں سے دور ہوئی وہ کسی شکاری جانور کا شکار بنی ایسے ہی دنیا درندوں کا جنگل ہے۔ جس میں شیطان نفس امارہ وغیرہ بھیڑیئے ہمارے پیچھے پڑے ہیں' اسلام اور شریعت محمدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مضبوط اور حفاظتی قلعہ ہے۔ اولیائے اللہ علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر اس امت کے نگہبان ہیں جو اس قلعہ میں ان بزرگوں کی حفاظت میں رہا۔ شکار ہو جانے سے محفوظ رہا جو ان سے دور ہوا شکار ہوا۔ فرمایا گیا **وما انا علیکم بحفیظ** اگر تم کافر رہے تو میں تمہاری حفاظت نہ کروں گا تم مارے جاؤ گے۔ قرآنی آیات مختلف طرح سے بیان فرمائی جاتی ہیں مگر یہ ہے انہی کے لئے جو علم والے' دل والے' عقل والے ہیں۔ پند و نصیحت سے یہی فائدے اٹھاتے ہیں۔ میاں محمد صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔

مورکھ نوں کی پند نصیحت پتھرنوں کی پالا کمبل نوں لکھ صابن ملئے پھر کالے دا کالا

یعنی بے وقوف کو نصیحت مفید نہیں جیسے پتھر کو بارش مفید نہیں اسے سرسبز نہیں کر سکتی' کالا کمبل ہزار بار صابن سے دھو ور ہے گا کالا ہی۔ اللہ تعالیٰ اپنا علم اپنی معرفت عطا کرے' اپنی عبادت اپنے حبیب کی اطاعت کی توفیق دے۔

www.alahazratnetwork.org

اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾

پیروی کرو اس کی جو وحی کی گئی طرف آپ کے رب سے آپ کے نہیں ہے کوئی لائق عبادت سوا اس کے اور

اس پر چلو جو تمہیں تمہارے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور مشرکوں سے منہ پھیر لو

وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ

بے توجہ ہو جاؤ مشرکوں سے اور اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے وہ لوگ اور نہیں بنایا ہم نے آپکو اوپر انکے نگہبان

اور اللہ چاہتا تو وہ شرک نہ کرتے اور ہم نے انہیں تم پر نگہبان نہیں کیا اور تم ان پر

عَلَیۡهِمۡ بِوَكِیۡلٍ ﴿۱۰۷﴾

اور نہیں ہیں آپ اوپر انکے ذمہ دار

کڑوڑے نہیں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں اس بہتان کا ذکر تھا جو کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو لگاتے تھے یعنی یہ کہ آپ لوگوں سے سیکھ کر قرآن بھی سناتے ہیں اور یہ قرآن کریم اللہ کا کلام نہیں بناوٹی چیز ہے اب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہے کہ آپ ان بہتانوں سے دل تنگ نہ ہوں' اپنا کام کئے جائیں گویا بندوں کی طرف سے زخم کا ذکر پہلے ہوا اور مرہم اب بتایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ قرآن مجید علم والوں کے لئے بیان کیا گیا۔ اب ارشاد ہے کہ اے محبوب آپ اس قرآن پر عمل کرکے لوگوں کو دکھا دیں تاکہ وہ بھی اس پر عمل کر سکیں گویا اللہ کے قانون کا ذکر پہلے تھا اور اس قانون پر عمل کا ذریعہ اب بتایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ جو دیکھے گا وہ اپنے بھلے کو دیکھے گا' جو اندھا رہے وہ اپنے برے کو اندھا ہو گا' اب اس دیکھنے کے ذریعہ کا ذکر ہے۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن پر عمل کرکے لوگوں کو دکھانا تاکہ لوگ یہ عمل دیکھ کر بصیرت حاصل کریں گویا بصیرت کا ذکر پہلے ہوا اور بصیرت پیدا کرنے والے سرمہ کا ذکر اب ہے کہ کسی کو قرآن کی بصیرت خود بخود نہیں مل جاتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اس بصیرت کا ذریعہ ہے۔

تفسیر : **اتبع ما اوحی الیک من ربک** اس فرمان عالی میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ **اتبع** بنا ہے اتباع سے جس کا مادہ تبع ہے معنی پیچھے ہونا اگر اتبع کا مفعول انسان ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس کے نقش قدم پر چلنا اس کی نقل کرنا' اسے جو کرتے ہوئے دیکھنا وہی کرنا۔ جیسے **فاتبعونی** اور اگر انسان کے علاوہ کوئی اور چیز ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس کے دکھائے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا جیسے **لا تتبع الھوی** یا **اتبعوا اھواء ھم** یہاں اتباع کے دوسرے معنی مراد ہیں یعنی بتائے ہوئے دکھائے ہوئے راہ پر چلنا۔ اطاعت کے معنی ہیں کسی کا حکم ماننا' فرمانبرداری کرنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وحی الٰہی کے متبع ہیں مگر اس کے مطیع نہیں' ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متبع بھی ہے اور مطیع بھی۔ اس لئے یہاں اطاعت وحی کا حکم نہیں دیا بلکہ اتباع وحی کا حکم دیا اتبع کے معنی ہیں یونہی اتباع کئے جاؤ' اتباع پر قائم رہو کیونکہ حضور صلی

اللہ علیہ وسلم اس آیت سے پہلے بھی اتباع کر رہے تھے۔ حتی کہ بی بی حلیمہ کا داہنا پستان شریف چوسنا' بایاں نہ چوسنا' حلیمہ کے بال بچوں کے ساتھ کھیلنے سے انکار فرما دینا۔ پانچ چھ سال کی عمر شریف میں بتوں کے نام کے ذبیحہ کا گوشت نہ کھانا' حلیمہ کے بچوں کے ساتھ بکریاں چرانے جانا اور یہ فرمانا کہ جب ہم کھانے میں برابری کرتے ہیں تو کھانے اور کام میں بھی برابری کریں گے یہ سب **اتبع ما اوحی الیک** پر عمل تھا وحی الٰہی اس زمانہ سے بلکہ اس سے پہلے سے شروع ہو چکی تھی۔ **ما اوحی** سے مراد صرف قرآن مجید نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری وحی مراد ہے۔ خواہ وہ قرآن ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں القاء یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ اطلاع جو صحابہ کرام کی خواب کے ذریعہ سے ہو جیسے نماز کی اذان جو صحابہ کرام کے خواب کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتائی گئی بہرحال یہ فرمان عالی بہت ہی جامع ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر وحی کی اتباع کرتے ہیں نہ کہ صرف قرآن کی بہت سے احکام وہ ہیں جو قرآن کریم کے نزول سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جاری فرما دیئے جیسے حکم وضو یا حکم غسل کہ قرآن کریم نے وضو اور غسل کا حکم نماز کی فرضیت کے برسوں بعد آیا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمل پہلے ہی کیا اور کرایا۔ بہرحال **ما اوحی** میں ظاہری وحی' قرآن اور باطنی وحی حدیث سب ہی داخل ہیں۔ **من ربک** یا تو متعلق ہے **اوحی** کے یا "ثابتا" پوشیدہ کے متعلق ہو کر ما کی صفت ہے لہٰذا اس جملہ کے دو معنی اور دو تفسیریں ہیں۔ یعنی اے محبوب آپ اس طرح ساری وحی الٰہی کی خواہ قرآن ہو' خواہ حدیث اتباع کئے جائیں۔ **لا الہ الا ھو** ہر عبارت یا تو ربک کا حال مؤکدہ ہے یا معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان میں جملہ معترضہ ہے **اتبع** معطوف علیہ ہے اور **اعرض عن المشرکین** معطوف' درمیان میں یہ جملہ معترضہ ہے' لطیف یہ کہ یہ فرمان عالی **اتبع** کی علت ہو یعنی وحی الٰہی کی اس لئے اتباع کیجئے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا اس کی یہ علت اس کی وحی کی اتباع ضروری ہے اس جملہ کی تفسیر ہم آیت الکرسی کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ شریعت والے اس کے معنی کرتے ہیں۔ **لا معبود الا ھو** طریقت والے کہتے ہیں **لا مقصود الا ھو** حقیقت والے کہتے ہیں **لا موجود الا ھو**۔ ہمہ نیست از آنچہ ہستی توئی۔ **و اعرض عن المشرکین** یہ عبارت **اتبع ما اوحی** الخ پر معطوف ہے **اعرض** بنا اعراض سے۔ جس کے لغوی معنی ہیں منہ کی چوڑائی کسی طرف کر دینا اس کا مطلب ہوتا ہے منہ پھیر لینا کیونکہ جس کی طرف سے منہ پھیرا جاتا ہے تو منہ کا چوڑا حصہ اس طرف ہو جاتا ہے اور جس کی طرف منہ کیا جاتا ہے تو منہ کا لمبا حصہ اس کی طرف ہو جاتا ہے۔ منہ پھیرنے سے مراد ہے ان مردودوں کی باتوں ان کے کفر ان کی بکواس کی پروا نہ کرنا اپنا کام کئے جانا لہٰذا یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں۔ بعض لوگوں نے اس کے معنی کئے ہیں کفار پر جہاد نہ کرنا ان کی طرف کسی طرح توجہ نہ کرنا' ان کے نزدیک یہ حکم جہاد کی آیات سے منسوخ ہے۔ غرضیکہ اس فرمان عالی کے تین معنی ہیں۔ (1) آپ کفار کی ایذاء رسانی پر توجہ نہ فرمائیں۔ صبر و تحمل عفو و درگذر سے کام لیں تب یہ منسوخ ہے۔ (2) آپ کفار کے کفر پر رنج و ملال نہ فرمائیں اور توجہ نہ کریں۔ (3) آپ ان کفار کو اپنی توجہ کرم سے نکال دیں ادھر سے بے توجہ ہو جائیں اپنی امت پر نظر کرم فرما دیں ان دو معنی سے یہ آیت منسوخ نہیں محکم ہے۔ مشرکین سے مراد سارے کفار ہیں خواہ مشرک ہوں یا عیسائی' یہودی یا دہریئے وغیرہم چونکہ عرب خصوصاً" مکہ معظمہ میں مشرکین ہی زیادہ تھے اس لئے قرآن مجید میں بہت جگہ مشرکین فرمایا جاتا ہے۔ لہٰذا آیات کریمہ کا مقصد یہ نہیں کہ صرف مشرکوں سے تو الگ رہو باقی سارے کفار سے گھلے ملے رہو کہ یہ مقصد قرآن کے خلاف ہے یہاں بھی

اعرض کے معنی بھی یہی ہیں کہ اسی طرح کفار سے منہ پھیرے رہو کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی سے مشرکین سے الگ ان سے متنفر تھے۔ خیال رہے کہ مشرکین و کفار کے عقائد ان کے اعمال ان کے طور و اطوار ان کی محبت والفت ان کی قومیت سب سے الگ رہنا ضروری ہے۔ اعرض میں یہ ساری علیحدگیاں مراد ہیں۔ **و لو شاء اللہ ما اشرکوا**۔ اس فرمان عالی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا مقصود ہے کہ کفار کا کفر مشرکین کا شرک رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے اس لئے نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کوتاہی ہے آپ کی ذات' آپ کے فیض سے لاکھوں مومن عارف بن گئے وہ بھی ہمارے ارادے سے بنے بعض یونہی کافر رہے وہ بھی ہمارے ارادہ سے رہے لہٰذا ان کے کفر پر آپ غمگین نہ ہوں' ارادہ' مشیت' رضا' حکم ان سب کا فرق ہم تیسرے پارے میں **ولو شاء اللہ ما قتتلوا** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' کافر کا کفر اللہ کی رضا اللہ کے حکم سے نہیں ہاں اس کے ارادہ' اس کی مشیت سے ہے۔ **وما جعلناک علیھم حفیظا** اس عبارت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا منصب بیان فرمایا گیا اس میں **علیھم** متعلق ہے **حفیظ** کے معنی ہیں نگران یا ذمہ دار یعنی ہم نے آپ کو ان کا نبی' ان کا مبلغ' ان پر جلوہ فرمانے والا مقرر فرمایا ہے اس کے عقائد و اعمال کا نگران' ان کا ذمہ دار نہ بنایا' ہماری طرف سے آپ پر یہ بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ **وما انت علیھم بوکیل** اس میں دوسرا رخ بیان ہوا یہاں بھی **علیھم** متعلق ہے **وکیل** کے معنی یعنی آپ ان کے ذمہ دار نہیں آپ ان سب کے رسول' نبی تو ہیں وکیل نہیں ان دونوں عبارتوں میں دو طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ پہلی عبارت کا مقصد یہ تھا کہ ہماری طرف سے آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ دوسری عبارت کا مقصد یہ ہے کہ آپ خود ان کفار کے مقرر کردہ ذمہ دار نہیں اس لئے پہلے ارشاد ہوا۔ **وما جعلنا** اور یہاں ارشاد ہوا۔ **وما انت** الخ۔ دوسرے یہ کہ حفیظ وہ جس کے ذمہ برائیوں سے حفاظت ہو' وکیل وہ جس کے ذمہ پہنچانا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ نہ تو آپ انہیں کفر سے بچانے' دوزخ سے محفوظ رکھنے کے ذمہ دار ہیں نہ انہیں ایمان دینے' جنت میں پہنچانے کے ذمہ دار' حافظ وہ جو عارضی ظاہری حفاظت کرے' حفیظ وہ جو دائمی' ہر طرح کی حفاظت کرے۔ دونوں جگہ **علیھم** کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا جس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف کفار کے حفیظ اور وکیل نہیں' اپنی امت مرحومہ کے حفیظ بفضلہٖ تعالیٰ حفیظ بھی ہیں' وکیل بھی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و یکون الرسول علیکم شھیدا** یہاں شہید بمعنی نگران و محافظ ہے **و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ** اور فرماتا ہے۔ **بالمومنین رءوف رحیم** حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنوں کے شفیع' مزکی' معلم' شہید' حفیظ وکیل وغیرہ سب کچھ ہی ہیں۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی حفاظت سے ہم نفس و شیطان سے بچے رہتے ہیں کفار کو شیطان شکار کر لیتا ہے پالتو جانور مالک کی پناہ اس کی حفاظت اس کی ذمہ داری میں ہوتا ہے۔ شکاری جانور کا نہ کوئی حافظ ہے نہ کوئی پناہ جس کا جی چاہے شکار کرے۔

خلاصہء تفسیر: اس آیت کریمہ کے تین جز ہیں پہلے جز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی تعریف ہے۔ دوسرے جز **لا الہ الا ھو** میں حمد الٰہی ہے۔ تیسرے جز **و اعرض عن المشرکین** میں کفار و مشرکین پر اظہار غضب ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار کا غم مشرکین کی فکر چھوڑ دیجئے' آپ اسی طرح اس پر چلتے جایئے اس کی اتباع کرتے رہئے جو آپ کے رب کی طرف سے آپ کی طرف وحی کیا گیا خواہ قرآنی شکل میں ہو یا آپ پر الہام' خواب کی شکل میں کیونکہ رب تعالیٰ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں۔ جب وہ آپ کا رب آپ کو پالنے والا بھی

www.alahazratnetwork.org

ہے اور سچا معبود بھی تو آپ اس کی وحی کی اتباع کئے جائیں اور کفار و مشرکین سے منہ پھیر لیں ان کی پرواہ نہ کریں 'ان کے کفرو شرک و بد عملی 'گستاخیوں پر رنج و غم نہ فرمائیں 'آپ یقین رکھیں کہ دنیا میں ہی جو کچھ ہو رہا ہے رب تعالٰی کے ارادے 'اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ رب نے ان بے دینوں کی بے دینی کا ارادہ کیا ہے تو یہ بے دین ہیں 'اگر وہ چاہتا تو یہ کفر نہ کرتے اس ارادہ میں رب تعالٰی کی لاکھوں حکمتیں ہیں ان کے کفر کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کوئی نقص یا کمی ہے۔ آپ یہ بھی خیال رکھیں کہ نہ تو ہم نے آپ کو ان کفار کا محافظ و نگران بنایا کہ آپ ضرور انہیں کفر سے روکیں 'دوزخ سے بچائیں نہ ان کفار کی طرف سے آپ ان کے وکیل و ذمہ دار ہیں کہ انہیں ایمان دے دیں اور جنت میں پہنچادیں 'جب یہ دونوں باتیں نہیں ہیں تو آپ ان کے کفر کا غم کیوں کرتے ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں رب تعالٰی نے اپنے کو کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب فرمایا جیسے یہاں کہیں مومنوں کا رب جیسے **ادعوا ربکم تضرعا** کہیں سارے انسانوں کا رب جیسے **برب الناس** کہیں سارے جہانوں کا رب جیسے **رب العالمین** کیونکہ اس کی ربوبیت کو نوعیتیں مختلف ہیں حتی کہ کہیں اپنے کو کفار کا رب فرمایا **ربکم و رب ابائکم** کیونکہ خدا تعالٰی کفار و مشرکین کا رب ہے قہر کے ساتھ جیسے پھانسی کے ملزم کو حکومت اچھا کھانا دیتی ہے۔ فرماتا ہے۔ **کلوا و تمتعوا قلیلا انکم مجرمون** اور ایمان و عرفان سے مومنوں کا رب ہے۔ نبوت و ہدایت سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ربوبیت فرماتا ہے محبوبیت سے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے کہیں فرمایا۔ **رحمۃ للعالمین**۔ کہیں فرماتا ہے۔ **بالمومنین رء وف رحیم**۔ کہیں فرماتا ہے۔ **کافۃ للناس بشیرا و نذیرا**۔ غرضیکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک رحمت عالمین کے لئے ہے ایک رحمت مومنین کے لئے ایک رحمت صحابہ کرام کے لئے رب کی ربوبیت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت کے رنگ مختلف ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی بندے جن وانس و فرشتہ کی نہ اطاعت واجب ہے نہ اتباع بلکہ سب پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بھی واجب ہے۔ اور اتباع بھی اور اللہ تعالٰی کی اطاعت لازم۔ یہ فائدہ **اتبع ما اوحی الیک** سے حاصل ہوا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین طیبین طاہرین جناب آمنہ و عبداللہ رضی اللہ عنہما حیات رہتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے تو ان پر بھی بلکہ اگر دوسرے انبیاء کرام از آدم تا اسماعیل علیہم السلام میں سے کوئی نبی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرتے **لو کان موسی حیا** " **ما وسعہ الا اتباعی** ہمارے متعلق رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول** اور فرماتا ہے۔ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی**۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام جناب خضر کے پاس گئے تو ان سے کہا **ھل اتبعک علی ان تعلمنی مما علمت رشدا** آپ نے حضرت خضر کی اتباع کی خواہش کی پھر جناب خضر نے شریعت موسوی کی اتباع نہیں کی بلکہ بے قصور بچہ کو قتل کیا وغیرہ مگر وہی خضر علیہ السلام آج زندہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے متبع ہیں حتی کہ بیعت الرضوان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کی معراج کی رات سارے نبیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں محمدی نمازیں پڑھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نرالی ہے۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید کی اتباع نہیں فرماتے تھے بلکہ ہر وحی الٰہی کی خواہ وہ قرآن مجید ہو یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا الہام۔ خواب وغیرہ۔ یہ فائدہ **ما اوحی الیک** سے حاصل کہ یہاں قرآن

www.alahazratnetwork.org

نہ فرمایا گیا بلکہ اتنی دراز عبارت **ما اوحی الیک** الخ ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ بعض اسلامی احکام حضرات صحابہ کرام کے خواب سے ہم لوگوں کو ملے۔ جیسے نماز کی اذان وغیرہ مگر وہ خوابیں بھی اس لئے ہمارے لئے واجب عمل ہوئیں کہ بارگاہ نبوت سے ان کی تصدیق و تائید ہو گئی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ خوابیں رب کی طرف سے ہیں یونہی اذان دیا کرو لہٰذا یہ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی وحی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رب ہے اور مسلمانوں کا بھی اور سارے انسانوں کا بھی اور ساری مخلوق کا بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی ربوبیت خاص الخاص سے فیض پاتے ہیں' مومنین خاص ربوبیت سے یہ فائدہ **من ربک** میں ربوبیت کو حضور کی طرف نسبت فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ہم سے ارشاد ہے۔ ربکم ایک جگہ ارشاد ہے۔ **رب العالمین** ربوبیت کی پوری بحث ہم سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **چوتھا فائدہ** کافر کا کفر' مشرکین کا شرک' گنہگاروں کے گناہ اللہ تعالیٰ کے ارادہ اس کی مشیت سے ہیں' دنیا کا کوئی کام اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا' اس کے ارادہ کے بغیر ذرہ جنبش نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ **ولو شاء اللہ ما اشرکوا** الخ سے حاصل ہوا۔ ہاں اللہ تعالیٰ کفر و شرک و گناہ سے راضی نہیں نہ ان چیزوں کا اس نے حکم دیا۔ ارادہ' مشیت' رضا' حکم میں بڑا فرق ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم میں آجائے کہ جو ان کی نگاہ کرم میں آگیا وہ اللہ کی نظر رحمت میں آگیا' پھر وہ دنیا سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ دنیا اس کی نیاز مند ہو جاتی ہے۔ اور اللہ کا بڑا غضب یہ ہے کہ بندہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گر جائے جو ان کی نظر سے گر اوہ دنیا میں بھی اٹھ نہ سکا۔ یہ فائدہ **واعرض عن المشرکین** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔۔

تیرے در کے ٹکڑے ہیں اور میں غریب مجھ کو روزی کا ٹھکانا مل گیا

چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین و کفار کے نہ حفیظ ہیں نہ وکیل کفار آوارہ کتے یا شکاری آوارہ جانور ہیں' جو چاہے انہیں مار دے مگر اپنی امت کے شفیع بھی' حفیظ بھی' وکیل بھی' کفیل بھی' شہید بھی ہیں' رقیب بھی' پالتو جانور کا کھانا پینا' علاج معالجہ' حفاظت سب کچھ جانور کا مالک کرتا ہے' جانور ان فکروں سے آزاد ہوتا ہے۔ اسے تو ایک ہی فکر چاہیے' مالک کی اطاعت اسے راضی رکھنا یہ فائدہ **علیہم** کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔۔

احل امتہ فی حرز لملتہ کاللیث احل بالاشبال فی الاجم

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو اپنے دین کے قلعہ میں محفوظ کر دیا ہے جیسے شیر اپنے بچوں کو کچھار میں محفوظ کر دیتا ہے۔ خود فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** میری شفاعت' میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے بھی ہے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ان کی اطاعت کر کے انہیں اور ان کے رب کو راضی رکھیں۔ باقی ہماری عزت و آبرو' روزی وغیرہ کی انہیں فکر ہے ہم کو کیا فکر ہو ہم تو ان کے پروردے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** بندے پر رب تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھیر لیں۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منہ پھیر لیا اس سے خدائی بھی پھر گئی' خدا بھی پھر گیا' اس کا ٹھکانہ جہنم ہی ہوا۔ یہ فائدہ **اعرض عن المشرکین** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا ان کفار سے منہ پھیر لو تاکہ میں ان سے اپنے سارے کرم' ساری رحمتیں پھیر لوں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔۔

www.alahazratnetwork.org

ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا　　ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی

آٹھواں فائدہ: مومن اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو انشاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے منہ نہیں پھیرتے بلکہ انہیں بلاتے ہیں کہ توبہ کرلے میرے دامن کرم میں آجائے۔ یہ فائدہ بھی **واعرض عن المشرکین** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور کو کفار سے منہ پھیرنے کا حکم دیا مگر مسلمانوں کے متعلق فرمادیا **واخفض جناحک لمن اتبعک من المومنین**۔ مومن کے لئے اپنے رحمت کے پر جھکائے رکھو اور فرمایا **واذا جاءک الذین یومنون بایاتنا فقل سلام علیکم کتب ربکم علی نفسہ الرحمۃ** جب تمہارے پاس مومنین آئیں تو ان سے فرمادو کہ تم پر سلامتی ہے۔ رب نے تمہارے لئے اپنے کرم پر رحمت لازم فرمائی۔ **نواں فائدہ:** مومن کہیں ہو، کسی وقت ہو، کسی حال میں ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اپنی نظر نہیں ہٹاتے یہ فائدہ بھی **اعرض عن المشرکین** سے حاصل ہوا۔ مکہ مدینہ کا رہنے والا کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عنایت سے دور ہے۔ پنجاب و بنگال وغیرہ کا رہنے والا مومن ان کی نظر کرم میں رہتا ہے۔ ہم نے روضہ اطہر سے وداع کے وقت عرض کیا تھا۔

اے دلوں کے چین، اے پیارے نبی　　لو غلاموں کا سلام آخری
دور سے آئے تھے پردیسی غلام　　عرض کرنے کو غلامانہ سلام
آستانہ سے وداع ہوتے ہیں اب　　یہ تو فرماؤ کہ بلواؤ گے کب
چشم رحمت سے نہ تم کرنا جدا　　رکھیو اپنے سایہ میں ہم کو سدا

انہیں کی نگاہ عنایت ہم بے سہاروں کا سہارا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔

جس طرف اٹھ گئیں دم میں آگیا　　اس نگاہ عنایت پہ لاکھوں سلام

اللھم صل علی سیدنا محمد والہ واصحابہ وبارک وسلم۔

پہلا اعتراض: یہاں اتبع کیوں ارشاد ہوا۔ اطع کیوں نہ فرمایا گیا اطاعت اور اتباع میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** اطاعت صرف حاکم کی ہوتی ہے۔ اتباع حاکم کی بھی۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حاکم نہیں حاکم تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ قرآن مجید اور وحی الٰہی حکم ہے لہذا یہاں اتبع فرمانا ہی موزوں تھا۔ رب فرماتا ہے **لتحکم بین الناس بما اراک اللہ** نیز اطاعت میں حکم دینا ضروری ہے اتباع میں حکم لازم نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب کو ایمان کی توفیق کیوں نہ دیدی تا کہ نور خانہ بن جاتی، مشرکین و کفار کیوں رکھے گئے۔ **جواب:** اس کی حکمتیں ہم پہلے پارے میں شیطان کی پیدائش کی حکمت کے ماتحت بیان کرچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جیسے عالم اجسام کا نظام توڑ پھوڑ سے قائم ہے کہ اندھیرا نور سے، رات دن سے، بھوک غذا سے، پیاس پانی سے، بیماری دوا سے توڑتے رہو، دنیا کا نظام قائم رہے گا۔ اسی طرح عالم روحانیات میں گناہ کو توبہ سے، فسق کو تقویٰ سے، کفر کو ایمان سے، کفار کو غازیوں کی تلوار سے توڑتے رہو نظام قائم رہے گا ورنہ محض عبادت تو فرشتے بھی کر رہے تھے۔ خلافت انسانی سے کیا فائدہ تھا۔ بغیر نبی کی طاقت کفار کی شکست سے معلوم ہوتی ہے، فرعون کی غرقابی، قارون کی تباہی، ہامان کی ہلاکت سے شان کلیم اللہ ظاہر ہوتی ہے۔ یونہی ابوجہل کی ہلاکت ابولہب کی بربادی سارے کفار کی شکست سے طاقت محمدی ظاہر ہوتی ہے۔ نیز کفار کی بناء پر اسلام کی بہت سی عبادتیں ہوتی ہیں۔ ہجرت جہاد غازیوں کی فتح،

www.alahazratnetwork.org

شہیدوں کی شہادت کفار کے ذریعہ ہوا کرتی ہے۔ اس لئے آسمان سے زمین افضل ہے کہ وہاں صرف نمازیں ہوتی ہیں مگر زمین پر بہت سی عبادتیں ہوتی ہیں۔ نیز کفار و مشرکین مسلمانوں کے ایمان و عبادات کے لئے رکاوٹ ہیں اور رکاوٹ کے ہوتے ہوئے عبادات کا ثواب زیادہ ہوتا ہے اس لئے مسلمان کا ایک سجدہ فرشتوں کی بہت رکعتوں سے بہتر ہے بہرحال دنیا میں مشرکین و کفار کا رہنا اس میں اللہ کی بڑی حکمتیں ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اتباع صرف قرآن کریم کی چاہئے۔ حدیث کی کوئی ضرورت نہیں۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا **اتبع ما اوحی الیک** حدیث کا نام تک نہیں لیا گیا۔ (چکڑالوی)۔ **جواب:** یہی آیت بتا رہی ہے کہ صرف قرآن مجید کی اتباع واجب نہیں۔ حدیث کی بھی اتباع چاہئے کہ یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ **ما انزل اللہ** ارشاد ہوا۔ **ما انزل اللہ** میں قرآن و حدیث سب داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وحی الٰہی ہے۔ **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی** ہم نے عرض کیا ہے۔

ہے جس کی ساری گفتگو وحی خدا یہ ہی تو ہیں رب جن کے چہرے سے عیاں وہ حق نما یہ ہی تو ہیں

لہٰذا اتباع قرآن و حدیث دونوں کی چاہئے۔ **چوتھا اعتراض:** **اتبع** فرمانے سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی حکم شرعی کے مالک اور مختار نہیں بلکہ ہماری طرح حکم الٰہی کے تبع ہیں جو رب تعالیٰ کہتا ہے وہ کرتے ہیں۔

مصطفیٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل جبرئیل ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل بندہ مجبور ہیں۔ (وہابی)۔ **جواب:** اس کا نہایت مفصل جواب ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و فعل اختیاری یا غیر اختیاری وحی الٰہی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اختیار خداداد سے جو کسی کو حکم دے دیں وہ وحی اور **ما اوحی الیک** میں داخل ہے۔ مثلاً ایک شخص کو تین نمازیں معاف فرما دیں اس پر دو ہی نمازیں فرض رہیں دیکھو (مسند امام احمد ابن حنبل) حضرت خزیمہ کی ایک گواہی دو کے برابر کر دی دیکھو (بخاری شریف) اگر ہم ابھی ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا (بخاری شریف)۔ حضرت عباس نے عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرم شریف کی اذخر گھاس توڑنے کی اجازت دے دیجئے۔ فرمایا اچھا **الا الاذخر** (بخاری شریف)۔ یہ جو کچھ اس معدن وحی سے نکل رہا ہے سب وحی الٰہی ہے اسلام کے نوے فیصد احکام قرآن مجید میں نہیں ہیں یا ہیں تو بہت مجمل۔ حدیث شریف نے ان کا بیان با تفصیل فرمایا حتیٰ کہ نماز و روضہ زکوٰۃ کی تفصیل حدیث نے کی۔ نماز کے لئے وضو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کرایا۔ آٹھ برس کے بعد وضو کی آیت آئی۔ یہ جو کچھ ہو رہا ہے وحی الٰہی سے ہو رہا ہے۔ غرضیکہ **ما اوحی الیک** بہت جامع فرمان ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے راہ راست پر نہ تھے وحی کے تبع نہ تھے اگر آپ پہلے سے ہی تبع وحی ہوتے تو آپ کو اتباع کا حکم کیوں دیا جاتا۔ جو شخص پہلے سے کوئی کام نہ کر رہا ہو اسے کام کا حکم دیا جاتا ہے (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہے۔ ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ جو کوئی پہلے سے کام کر رہا ہے اسے حکم دینے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ یہ کام کرو ہم کو حکم دیا **اتقوا اللہ** یا **اقیموا الصلوۃ** معنی یہ ہوئے کہ تم نماز پڑھو اللہ سے ڈرو مگر حضور انور کو حکم دیا **یا ایھا النبی اتق اللہ** یا فرمایا **اقم الصلوۃ لدلوک الشمس** وہاں معنی یہ ہوئے کہ اے محبوب اسی طرح اللہ سے ڈرے جاؤ' نمازیں پڑھے جاؤ' آپ بالکل ٹھیک کر رہے ہیں جیسا فاعل ویسے ہی فعل کے معنی۔ **عاشقانہ جواب** یہ ہے کہ ہمارے لئے ان

www.alahazratnetwork.org

احکام کے معنی یہ ہیں کہ اے محبوب اپنے غلاموں کی نمازیں، تقویٰ، خوف خدا ان کے دلوں میں قائم کرو کعبہ سر کے سجدہ کو درست کرتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دل کے سجدوں کو سیدھا اور درست کرتے ہیں۔ سجدے ہم کر لیتے ہیں انہیں قائم حضور صلی اللہ علیہ وسلم رکھتے ہیں کہ برباد نہیں ہونے دیتے۔ یونہی ہم کو اتباع کا حکم دیا، بایں معنی کو تم لوگ اتباع کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا بایں معنی کہ لوگوں کو متبع بنادو کہ تم اتباع کرو اور لوگ تم کو دیکھ کر اتباع کریں۔ ہم اتباع کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتباع کراتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ مشرکوں سے منہ پھیر لو تو کیا کفار سے منہ نہ پھیرا جائے، ان سے محبت میل جول رکھا جائے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ ان جیسی آیتوں میں مشرک بمعنی کافر اور شرک بمعنی کفر ہوتا ہے۔ لہذا معنی یہ ہوئے کہ کفار سے منہ پھیر لو۔ ارشاد باری ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک نہ بخشے گا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے گا۔ یہاں بھی شرک بمعنی کفر ہے۔ کوئی کفر قابل بخشش نہیں فرماتا ہے کہ اپنی بیٹیوں کا نکاح مشرکین سے نہ کرو۔ یہاں مشرکین بمعنی کفار ہیں کسی کافر سے مسلمہ عورت کا نکاح درست نہیں ایسے ہی یہ یہاں ہے۔

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شرک و کفر اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے۔ فرمایا **ولو شاء اللہ ما اشرکوا**۔ حالانکہ جیسے شرک و کفر کرنا گناہ ہے ویسے ہی شرک کا ارادہ کرنا بھی برا ہے۔ لہذا اللہ تعالیٰ ہر برائی سے پاک ہے وہ شرک کا ارادہ کیسے کر سکتا ہے۔ (معتزلہ) (نوٹ) معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ نے ہر شخص کے ایمان کا ارادہ کیا ہے مگر بعض لوگ رب کے ارادہ کے خلاف شیطان و نفس کے بہکانے سے کافر ہوئے نہ کہ اللہ کے ارادہ سے۔ یہ اعتراض ان کے مذہب کی بناء پر ہے۔ **جواب:** یہ خیال ہی درست نہیں کہ کسی کے کفر کا ارادہ برا ہے یہ تو ایسا ہی ہے جیسے مجوسی کہتے ہیں کہ بری چیزوں کا پیدا کرنا برا ہے۔ لہذا برائیوں کا خالق کوئی اور ہے رب تعالیٰ نہیں، کفر کا حکم دینا، کفر پسند کرنا، کفر سے محبت کرنا راضی ہونا برا ہے۔ کفر کا ارادہ برا نہیں ورنہ پھر بندے سے بڑھ جائیں گے کیونکہ رب کا ارادہ تھا کہ ابوجہل ایمان لائے مگر شیطان کا ارادہ ہوا کہ کافر ہے، اللہ کا ارادہ نہ چلا شیطان کا ارادہ چلا تو شیطان غالب ہوا۔ اللہ تعالیٰ مغلوب نعوذ باللہ۔ لہذا دنیا میں جو ہو رہا ہے رب تعالیٰ کے ارادے سے ہو رہا ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** جب مشرکین و کفار کا شرک و کفر اور تمام بد عملیاں اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہیں تو پھر کسی کو سزا نہ ملنی چاہئے کہ رب کے ارادے کے ماتحت یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ہم تیسرے پارے میں **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں دے چکے ہیں کہ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ **جواب الزامی** تو یہ ہے کہ پھر تو کسی نیک کار کو ثواب بھی نہیں ملنا چاہئے کہ اس نے جو کچھ کیا اللہ کے ارادے سے کیا، چلو چھٹی ہوئی ثواب و عذاب سب ختم، جنت و دوزخ کی پیدائش بیکار۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارادے سے بندہ مجبور نہیں ہو گیا بلکہ مختار رہا۔ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ ہوا کہ فلاں بندہ اپنے اختیار و ارادے سے کفر کرے، بندہ کا یہ اختیار و ارادہ اس کے سزا و جزا کا باعث ہے۔ مجبور بندے کو سزا رب نہیں دیتا مختار کو دیتا ہے۔ **نواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کسی کے حفیظ ہیں نہ وکیل، پھر تم لوگ حضور کی شفاعت و وکالت پر بلاوجہ آس لگائے بیٹھے ہو۔ **جواب:** واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے نہ حفیظ ہیں نہ وکیل، انشاء اللہ مومنوں کے وکیل بھی ہیں حفیظ بھی شفیع کفار کے لئے تو رب تعالیٰ غفور رحیم بھی نہیں تو کیا مسلمان بھی اس کی رحمت و مغفرت سے مایوس ہو جائیں۔ اسی لئے دونوں جگہ **علیھم** پہلے ارشاد ہوا۔ جب اللہ تعالیٰ نے فانی جسم و جان و مال کی حفاظت کے لئے قفل، دروازے، پولیس، چوکی وغیرہ پیدا فرمائے تو کیسے ممکن ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ ایمان جیسی باقی نعمت کے لئے کوئی حفیظ پیدا فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میری امت میں چالیس ابدال اور اقطاب رقبا غوث وقطب واولیاء پیدا نہ فرمائے جو ہمیشہ رہیں گے ان کی برکت سے بارشیں وغیرہ ہوں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و یرسل علیکم حفظة** حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا **انی حفیظ علیم**۔ رب فرماتا ہے **و ان علیکم لحافظین کراما کاتبین**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کی آنکھ' عبداللہ ابن عتیک کی پنڈلی' معاذ بن عفراء کے کٹے ہوئے ہاتھ میں لعاب دہن لگایا تو عمر بھر ان اعضاء کی حفاظت ہوگئی۔ آج تک قرآن' کعبہ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت' نمازیں بلکہ سارا دین اسلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی **لحافظون** اس لئے گذشتہ نبیوں کے دین' کتابیں مٹ گئیں مگر اسلام ویسے ہی قائم ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت میں ہے یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری دیکھنی ہو تو دیکھو کہ حضرت طلحہ کے لئے جنت کی ذمہ داری کرلی۔ حضرت عثمان کے ہاتھ بیر رومہ کے عوض حوض کوثر فروخت کردیا۔ یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داری۔

تفسیر صوفیانہ : قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں عجیب تعلق ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو قرآن کے تبع ہیں اور قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت فرماتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عربی تھے تو قرآن مجید بھی عربی میں آیا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکی تھے تو قرآنی آیات وسورتیں مکیہ ہوئیں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدنی ہوگئے تو قرآن کی آیتیں سورتیں مدنیہ ہوگئیں۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سانس توڑا وہ قرآن کی آیت بنی۔ جہاں سانس روکا وہاں سکتہ ہوا۔ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا وہ جگہ رکوع کہلائی' جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے وہ جگہ وقف بنی۔ دیکھو مکی مدنی ہونا' سانس توڑنا اور رکنا یونہی رکوع کرنا' نہ رب تعالیٰ کی صفات وافعال ہیں' نہ حضرت جبرئیل کی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہیں۔ یونہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ہمارا قبلہ کعبہ بنے تو قرآن نے فرمایا کہ **فلنولینک قبلة ترضاها** جس قبلہ سے تم راضی ہو ہم اس طرف آپ کو پھیرے دیتے ہیں۔

حکم رب قرآن ہے حکم پیمبر ہے حدیث — لفظ ہی کا فرق ہے تقریر ہے دونوں کی ایک

صوفیاء فرماتے ہیں کہ شقی انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے دور کردیے جاتے ہیں شقاوت کی چار علامتیں ہیں۔ آنکھوں کی خشکی' دل کی سختی' حب دنیا' دراز امیدیں۔ سعادت کی بھی چار علامتیں ہیں' نیکوں سے محبت اور ان سے قرب' تلاوت' قرآن مجید' راتوں کی بیداری اور شب خیزی' ذکر خدا کے لئے' علماء کی صحبت' دل کی نرمی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی مبلغ سب کے ہیں مگر حفیظ' شفیع' وکیل صرف مومنوں کے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم عوام کو توحید کی طرف خواص کو وحدانیت کی طرف' خواص الخاص کو وحدت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ **لا معبود الا اللہ** توحید ہے' **لا مقصود الا اللہ** وحدانیت ہے اور **لا موجود الا اللہ** وحدت پھر اس کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت ہے۔ لا محبوب الا امر غرضیکہ لامعبود الاھو توحید ہے اور **یعقوب الاھو** ایمان ہے۔

ابن یعقوب کو اللہ نے صورت بخشی — ید بیضاء کی کلیم اللہ کو نعت بخشی
اور سلیمان کو دنیا کی حکومت بخشی — اپنے محبوب کو بے پردہ زیارت بخشی

www.alahazratnetwork.org

کلمہ توحید سے کافر مومن بنتا ہے اور اس کی تکرار سے مومن مخلص بن جاتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم سے جب یہ کلمہ دل میں اتر جائے تو مخلص عارف بن جاتا ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا کہ **اعرض عن المشرکین** اور ارشاد ہوا۔ **وما انت علیھم بوکیل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقیقت کے لحاظ سے مشرکین سے **اعراض** کا حکم تھا۔ مگر ظاہر کے اعتبار سے ان کی طرف اقبال کا حکم **بلغ ما انزل الیک** ہدیٰ والوں پر سلام ہے اور ھویٰ والوں پر سلام ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

چہ شکرہاست دریں شہر کہ قانع شدہ اند ۔۔۔ شاہبازان طریقت بمقام مگس (روح)

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ
اور نہ گالیاں دو انہیں جن کو وہ پوجتے ہیں اللہ کے سواہ ورنہ وہ گستاخی کریں گے اللہ کی حد سے بڑھتے
اور انہیں گالی نہ دو جن کو وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں کہ وہ اللہ کی شان میں بے ادبی کریں گے زیادتی
كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِم مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُم
ہوئے اور بغیر جانے اسی طرح آراستہ کردیئے ہم نے ہر جماعت کے لئے ان کے کام پھر ان کے رب کیطرف
اور جہالت سے یونہی ہم نے ہر امت کی نگاہ میں اس کے عمل بھلے کر دیئے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی
بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾
ہی لوٹنا ہے ان کا بس خبر دے گا ان کو اس کی جو وہ کام کرتے تھے۔
طرف پھرنا ہے اور وہ انہیں بتا دے گا جو کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں توحید کی حقانیت اور شرک وکفر کی برائیوں پر نہایت قوی دلائل ارشاد ہوئے۔ اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ دلائل سے تو کفار کی تردید کرو کہ اس میں اصلاح ہے مگر مشرکین یا ان کے معبودوں کو برا بھلا نہ کہو' ان کا مذاق نہ اڑاؤ کہ اس میں فساد کا اندیشہ ہے گویا صحیح تبلیغ سے غلط اور خطرناک تبلیغ کو روکا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ آپ مشرکین سے منہ پھیرلو **اعرض عن المشرکین**۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ منہ پھیرنے کے معنی یہ نہیں کہ انہیں تبلیغ نہ کرو بلکہ مقصد یہ ہے کہ انہیں ان کے معبودوں کو برا نہ کہو کہ اس میں فساد کا اندیشہ ہے۔ گویا یہ آیت کریمہ اس حکم کی تفسیر یا تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ تم کفار کے حفیظ اور وکیل نہیں اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ جب آپ ان کے ذمہ دار نہیں تو انہیں یا ان کے معبودوں کو برا بھی نہ کہیں کہ آپ کے ذمہ صرف تبلیغ ہے نہ کہ انہیں مجبور کرکے مسلمان کرنا' برا بھلا کہنا بھی ایک قسم کا جبر ہے گویا یہ آیت کریمہ پچھلے مضمون کا نتیجہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی بد خلقیوں کا ذکر تھا ان کی بد خلقیوں پر مسلمانوں کو صبر کا حکم دیا تھا۔ اب مسلمانوں کو اخلاق محمدیہ کی تعلیم ہے گویا پچھے والے بد اخلاق کا ذکر فرمانے کے بعد

www.alahazratnetwork.org

اختیار کرنے والے اچھے اخلاق کا ذکر ہے گویا علاج کا ایک رکن پہلے ارشاد ہوا تھا۔ دوسرے رکن کا اب ذکر ہے۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق بہت روایات ہیں۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ پہلے مسلمان کفار اور ان کے معبودوں کو برا کہتے اور ان کا مذاق اڑاتے تھے۔ جس کے جواب میں وہ مسلمانوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ اللہ تعالیٰ کو برا کہتے تھے۔ مسلمانوں میں انہیں اس حرکت سے روکنے کی طاقت نہ تھی۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ تم انہیں برا کہو نہ ان سے برا سنو (خازن' روح المعانی' ابن کثیر) خیال رہے کہ اہل عرب صدیوں سے بتوں کے پجاری تھے۔ اللہ تعالیٰ کے راستے سے دور تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک کے فیض سے انہیں اللہ تعالیٰ سے اس کے فرشتوں سے' قرآن مجید' کلمہ طیبہ تمام ارکان اسلام سے محبت ہوگئی اور بتوں سے۔ بتوں کے پجاریوں سے بت پرستی اور تمام بد عقیدگیوں سے انتہائی نفرت یعنی ایمان کے یہ دونوں رکن انہیں اس صحبت پاک سے میسر ہوگئے تو اب مسلمان بتوں بت پرستوں کو برملا برا کہنے لگے۔ (2) امام سدی فرماتے ہیں کہ جب ابو طالب کا انتقال ہونے لگا تو سرداران قریش ابو سفیان' ابو جہل' نضر ابن حارث اور خلف کے دونوں بیٹے امیہ اور ابی' عقبہ ابن ابی معیط' عمرو ابن عاص' اسود ابن بختری وغیرہم ان کے پاس گئے اور بولے کہ آپ اپنے برادر زادہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو وصیت فرمادیں کہ وہ ہمارے معبودوں اور ہم سے الگ اور بے تعلق ہو جائیں' ہم ان سے بے تعلق ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ ہم انہیں تمہارے بعد قتل کر دیں اور لوگ کہیں کہ ابو طالب کے مرتے ہی قریش نے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔ چنانچہ ابو طالب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بلا کر یہ کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری ایک بات یہ مان لیں تو میں ان کی ہر بات مان لوں گا۔ ابو جہل بولا ہم آپ کی دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ فرمایا کہ کلمہ طیبہ پڑھ لو جھگڑا ہی ختم ہو جائے وہ لوگ اس پر راضی نہ ہوئے یہ لوگ بولے کہ اچھا اگر آپ ہمارے معبودوں کو برا کہیں گے تو ہم بھی آپ کے رب کو برا کہیں گے۔ اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' معانی' خازن وغیرہ)۔

تفسیر : **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ** خیال رہے کہ ان جیسی آیات میں خطاب صرف مسلمانوں سے ہوتا ہے جیسے **ولا تمش فی الارض مرحا** یا **وبالوالدین احسانا** وغیرہ کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اللہ نے ایسے سانچہ میں ڈھال کر بھیجا تھا کہ بچپن شریف سے وفات شریف تک اس زبان پاک پر کبھی جھوٹ' گالی' ناجائز غیبت نہ آئی کبھی کھلکھلا کر ہنسے نہیں' کبھی بچپن میں کھیلے نہیں' کبھی کسی چیز پر ضد نہیں فرمائی' اگر کبھی اصرار فرمایا تو اس میں صدہا حکمتیں ہوتی تھیں جیسے جناب حلیمہ کے ہاں اصرار فرمایا کہ ہم جنگل میں بکریاں چرانے جائیں گے جس کا نتیجہ شق الصدر ہوا اور حلیمہ بلکہ سارے بنی سعد کے ایمان کا ذریعہ بنا یا جیسے ابو طالب سے ایک سفر میں ساتھ جانے کے لئے اصرار فرمایا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بحیرہ راہب کو ایمان ملا لہذا اس میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ یہ عبارت نئی ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ لاتسبو بنا ہے سب سے قوی یہ ہے کہ سب کے معنی گالی اور فحش کلامی نہیں۔ عربی میں گالی کو شتم کہتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام نے کبھی بتوں کو گالی نہیں دی' وہ حضرات فحش گو نہ تھے۔ جب نماز ہر مسلمان کو فحش سے بچا لیتی ہے۔ **ان الصلوۃ تنہی عن الفحشاء والمنکر** تو وہ حضرات تو بڑے مہذب تھے بلکہ سب کے معنی ہیں برا کہنا' ان کا مذاق اڑانا' ان کی دل لگی کرنا' یہ بات بہت خیال میں رہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں سب کے معنی گالی ہو تو یہ آیت محکم ہے

www.alahazratnetwork.org

منسوخ نہیں۔ دوسرے یہ کہ اس کے معنی ہوں' بتوں کے عیب بیان کرنا۔ تیسرے یہ کہ اس کے معنی ہوں ان کی خرابیاں بتانا کہ بت پرستی میں یہ خرابیاں ہیں۔ ان دونوں معنی سے یہ آیت منسوخ ہے۔ **الذین** سے پہلے **الہ** پوشیدہ ہے یا **یدعون** کے بعد ہاضمیر پوشیدہ چونکہ کفار اپنے بے جان بتوں یعنی پتھروں' درختوں' چاند و سورج' تاروں کو عقل والا سمجھتے تھے نیز ان کے بعض معبود انسان تھے جیسے اساف' نائلہ وغیرہ اس لئے **الذین** ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لئے بولا جاتا ہے **التی یا الاتی** نہ فرمایا گیا **یدعون** بنا ہے دعوے جس کے لغوی معنی ہیں بلانا' شرعی معنی ہیں پوجنا' قرآن مجید میں ان جیسے موقعوں پر یہی معنی مراد ہوتے ہیں یعنی پرستش کرنا' پوجنا' **دون** بمعنی سوا بھی آتا ہے اور بمعنی مقابل بھی اور بمعنی دور بھی بمعنی منقطع کٹا ہوا بھی یہاں سارے معنی بن سکتے ہیں۔ دعاء اور دون کے معنی کی تحقیق ہم نے اپنی کتاب علم القرآن میں کردی ہے وہاں مطالعہ فرماؤ یعنی اول مشرکوں کو برا نہ کہو جو ماسوی اللہ کی پوجا کرتے ہیں یا ان مشرکین کے بتوں کو برا نہ کہو جن کی یہ پوجا کرتے ہیں یعنی بتوں کو مشرکین کے سامنے برا نہ کہو۔ **فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم** اس فرمان عالی میں گذشتہ حکم کی حکمت ارشاد فرمائی گئی۔ لہذا ف تعلیل یا تعقیب کی ہے۔ چونکہ **لیسبوا اللہ** گذشتہ نہی **لا تسبو** کے جواب میں ارشاد ہوا لہذا جزم کی حالت میں ہوا اور اس کا نون گر گیا' اس کا فاعل وہی مشرکین و کفار ہیں **عدوا** کے معنی ہیں حد سے بڑھنا یہ **فیسبوا** کا مفعول لہ ہے یا حال ہے اس صورت میں بمعنی اسم فاعل ہے۔ **بغیر علم** کا تعلق **فیسبوا** سے ہے یہاں اللہ کو برا کہنے سے مراد یا تو اللہ کے رسول کو برا کہنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم رب کی تعظیم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اللہ تعالٰی کی توہین ہے یا مسلمانوں کو برا کہنا ہے یا براہ راست خود رب تعالٰی کی شان اقدس میں بکواس بکنا ہے کہ اگرچہ مشرکین اللہ تعالٰی کی عبادت کرتے' اسے اپنا خالق مانتے تھے مگر تھے جاہل وہ جوش انتقام میں آکر رب تعالٰی ہی کی شان میں بے ادبی کر دیتے تھے' محض مسلمانوں کو دکھ دینے کے لئے جیسے بعض جاہل مسلمان عیسائیوں کے جواب میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور شیعوں کے جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں گستاخی کر دیتے ہیں' وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم انہیں جواب دے رہے ہیں یہ نہیں سمجھتے کہ ان حضرات کی گستاخی کر رہے ہیں۔ اسی لئے یہاں **بغیر علم** ارشاد ہوا۔ حق یہ ہے کہ یہ ممانعت آیات جہاد سے منسوخ ہے چونکہ مکہ کی زندگی میں مسلمانوں میں یہ قوت نہ تھی کہ کفار کی زبان بندی کر سکتے اس لئے اس وقت نہ جہاد کا حکم تھا نہ بتوں اور بت پرستوں کی برائی کرنے کی اجازت تھی' جب بعد ہجرت مسلمانوں کو اللہ نے قوت و طاقت دی تو جہاد کا بھی حکم ہو گیا اور برائی کی بھی اجازت دیدی گئی یا **سب** سے مراد ہے فحش گالیاں دینا اور تا قیامت مسلمانوں سے خطاب ہے یا سب سے مراد اس طرح ان کے معبودوں کو برا کہنا جو فساد' لڑائی' قتل و خونریزی کا ذریعہ بنے تو یہ حکم تا قیامت جاری ہے۔ لہذا یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف نہیں جن میں بتوں' بت پرستوں کی بہت برائی کی گئی ہے۔ جیسے **انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جہنم** یونہی ان احادیث اور اقوال صحابہ و اعمال صحابہ کے مخالف بھی نہیں جن میں بتوں کی برائیاں ہیں ہم تو شیطان کو برائی کرکے پھر تلاوت قرآن کرتے ہیں کہ اولاً" پڑھتے ہی **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** میں مردود شیطان سے اللہ کی پناہ لیتا ہوں۔ حالانکہ بہت سی قومیں خصوصاً" مجوسی شیطان کو اللہ تعالٰی کا چھوٹا بھائی کہتے ہیں اسے بری چیزوں کا خالق مانتے ہیں اس کی پرستش ہیں۔ ابن انباری کا یہی قول ہے (از تفسیر خازن) بعض مفسرین نے اس کو محکم مانا ہے ان کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار کے معبودوں کو اس طرح برا نہ کہے کہ وہ جوش میں آکر تمہارے رب کی گستاخی کرنے لگیں یا جب اس سے فساد کا

www.alahazratnetwork.org

دروازہ کھلتا ہو تب برا نہ کہو وغیرہ کہ اس صورت میں ہم کو در حقیقت اللہ تعالیٰ کی گستاخی سے ان کو روکنا مقصود ہے کہ ہمارا یہ عمل ان کی اس گستاخی کا سبب ہے (خازن)۔ **کذالک زینا لکل امۃ عملھم** یہ عبارت گذشتہ حکم کی گویا دلیل ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی **کما زینا لھولاء عملھم** کل امت سے مراد یا تو ساری کافر جماعتیں ہیں یا کافرو مومن دونوں جماعتیں پہلی صورت میں عمل سے مراد کفار کی بد عقیدگیاں' بد عملیاں ہیں۔ دوسری صورت میں نیکیاں برائیاں سب کچھ یعنی جیسے کفار مکہ کے لئے ہم نے ان کے عقائد و اعمال' ان کی نگاہ میں اچھے بنا دیئے ایسے ہی ساری کافر جماعتوں کے لئے ان کے عقیدے و اعمال ان کی نگاہ میں پسندیدہ کر دیئے۔ خیال رہے کہ یہاں زینت دینے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی نسبت ہے۔ اور **زین لھم الشیطان** میں زینت کی نسبت شیطان کی طرف رغبت دینے کی ہے لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ اس زینت دینے کا مقصد یہ ہے کہ لوگ نبی کی زبان پر اعتماد کریں اور انہیں ایمان بالغیب نصیب ہو' طبیب کی دکان میں میٹھی کڑوی ہر قسم کی دوائیں ہیں۔ گھر میں گوشت وغیرہ ہر چیز پکتی ہے' عقل اور آنکھ ان مزیدار چیزوں کو پسند کرتی ہے مگر طبیب کڑوی دوائیں اور سابودانہ مریض کے لئے تجویز کرتا ہے تو عاقل کا کام یہ ہے اپنی آنکھ اور عقل کی نہ مانے طبیب کی مانے۔ دنیا ایک دکان ہے ہم لوگ مریض حضور صلی اللہ علیہ وسلم حکیم مطلق ہیں لہٰذا اچھائی برائی میں اپنی عقل سے فیصلہ نہ کرو بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ مانو۔ **ثم الی ربھم مرجعھم** یہ عبارت پہلے جملہ پر معطوف ہے چونکہ سب بندوں کا رب کی طرف لوٹنا قیامت میں ہوگا۔ اور قیامت دنیاوی زندگی سے بہت دور ہے اس لئے یہاں **ثم** ارشاد ہوا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع کرنا' لوٹنا **ھم** سے مراد یا کفار ہیں۔ یا سارے انسان خواہ کافر ہوں یا مسلمان مگر خیال رہے کہ کافر غافل پکڑ کر لائے جائیں گے' مومن عاقل عزت سے بلائے جائیں گے۔ حضرات انبیاء کرام وہاں پہنچائے جائیں گے' موت اور قیامت میں کافر کی حاضری وارنٹ کے ذریعہ مومن کی حاضری سمن کے ذریعہ ہے مگر محبوبوں کی حاضری دعوت نامے کے ذریعہ **مرجعھم** کی بہت صورتیں ہیں۔ قرآن کریم نے اس کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔ **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جھنم وردا** اسی لئے کافر کی موت کا نام ہلاکت ہے مومن کی موت وفات کہ اس نے مزدوری پوری کر دی' اب اجرت و انعام ملنے کا وقت ہے محبوبوں کی موت کا نام ہے وصال **فینبئھم بما کانوا یعملون**۔ یہ عبارت پچھلے جملہ **الی ربھم** پر معطوف ہے یہاں خبر دینے سے مراد فیصلہ کی خبر دینا ہے یعنی دنیا میں ہر شخص کو اپنے عقیدے اپنے اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں کیونکہ یہاں پردہ ہے یا اندھیرا ہے قیامت میں سویرا ہو جائے گا پردہ اٹھ جائے گا۔ رب تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہو جائے گا کہ فلاں عقیدہ و عمل اچھا تھا اور فلاں فلاں عقیدے و اعمال برے تھے لہٰذا اچھے عقیدے و اعمال والے جنت میں جائیں اور برے عقیدے' برے اعمال والے دوزخ میں جھونک دیئے جائیں۔ تب ہر ایک کو اصلیت کا پتہ چلے گا۔ خیال رہے کہ اچھے برے عقیدوں اور اعمال کا قول فیصلہ تو دنیا میں بھی رب نے فرما دیا ہے۔ حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتابوں کے ذریعہ مگر عملی فیصلہ قیامت میں ہوگا۔ لہٰذا یہ فرمان اس آیت کے خلاف نہیں کہ **انہ لقول فصل**۔ خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں نیک و بد اعمال کی اچھائی برائی صرف بتائی گئی ہے۔ وہ بھی صرف قول سے عمل سے نہیں بارہا بدکار مالدار ہوتے ہیں نیک کار فقیر اور تکالیف میں مبتلا مگر بعد موت اور حشر میں یہ اچھائی برائی دکھائی جائے گی کہ نیک اعمال کی صورتیں اچھی ہوں گی' برے اعمال کی صورتیں بری۔ نیز نیک اعمال والوں کے منہ اجیالے ہاتھ کھلے داہنے ہاتھوں میں نامہ اعمال' نیز اس دن حضور انور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کی شان ہر ایک کو دکھائی جائے گی جس سے آپ کے فرمانوں کی شان ظاہر ہو گی پھر یہ بدکار کفار ایسے پچھتائیں گے جیسے مالک ابن ذعر حضرت یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر کے ہاتھ فروخت کر کے پھر آپ کا جمال دیکھ کر پچھتایا تھا لہذا یہاں فینبئھم فرمانا بالکل درست ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانوں تم کفار کے سامنے ان کو یا ان کے جھوٹے معبودوں کو برا نہ کہو ان کا مذاق نہ اڑاؤ کہ اس میں اندیشہ ہے کہ اس کے جواب میں وہ اپنی جہالت، اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا تمہارے دین یا تمہاری کتاب کی شان میں گستاخی کریں گے کہ اگرچہ وہ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں۔ مگر تمہاری مخالفت میں اس کی پرواہ نہ کریں گے جیسے ہم نے ان کفار مکہ کی نظروں میں ان کے برے عقیدے برے اعمال اچھے بنا دیئے کہ وہ اپنے کفر و شرک کو بہترین نیکی اور رب پرستی کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں یونہی ہر کافر قوم کی نظروں میں اس کے عقیدے و اعمال اچھے بنا دیئے کہ خواہ ان کے عمل کیسے ہی برے ہوں مگر وہ انہیں بھلا سمجھتے ہیں ان پر فخر کرتے ہیں، یہ خود فریبی صرف دنیا میں ہے یہاں ثواب و جزا نہیں آخرت میں ان سب کو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں لوٹ کر جانا ہے۔ جب وہاں اپنے اعمال کی سزا کا فیصلہ سنیں گے تب انہیں پتہ لگ جائے گا کہ ہم کیا تھے تب کف افسوس ملیں گے اور کہیں گے **یا لیتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** اور سوچیں گے۔ مصرع۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

مگر پھر

پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگر غیر ضروری عبادت سے ایسا فساد پیدا ہوتا ہو جو ہم سے مٹ نہ سکے تو اس عبادت کو چھوڑ دو یہ فائدہ **لا تسبوا** الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو بت پرستوں اور بتوں کی برائی کرنا انہیں برا سمجھنا عبادت ہے مگر جب اس کا نتیجہ یہ ہو کہ وہ رب تعالیٰ کی بے ادبی کریں اور ہم انہیں روک نہ سکیں تو کفار کے سامنے انہیں برا نہ کہو۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تو فرمایا کہ کعبہ **معظمہ** ابراہیمی بنیادوں پر مکمل نہیں اس کی تعمیر ناقص بھی ہے اور بدلی ہوئی بھی مگر آپ نے کعبہ **معظمہ** کو بدلا نہیں بلکہ فرمایا کہ قوم ابھی نو مسلم ہے کعبہ کی ترمیم سے فساد کر بیٹھے گی۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی واعظ و عالم اس طریقہ سے وعظ نہ کہے جس سے لوگوں میں عناد و ضد پیدا ہو جائے اور فساد برپا ہو جائے دلیل نہایت مضبوط الفاظ نہایت شیریں ہوں شہد کی ایک بوند سے بہت سی مکھیاں پکڑی جا سکتی ہیں مگر سرکا ایک گھڑا ایک مکھی نہیں پکڑ سکتا۔ **تیسرا فائدہ:** اگر کسی شخص کے متعلق یہ قوی اندیشہ ہے کہ اسے نصیحت کرنا اور بھی زیادہ خرابی کا باعث ہو گا تو اسے نصیحت نہ کرے۔ **چوتھا فائدہ:** انسان کبھی ضد سے اپنا دین بھی کھو بیٹھتا ہے۔ دیکھو کفار مکہ اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد میں اس کی شان میں بھی گستاخی کر دیتے تھے۔ سب کو شیطان نے گمراہ کیا مگر شیطان کو حسد اور ضد نے گمراہ کیا۔ **پانچواں فائدہ:** ہر خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے بندہ کاسب ہے اور اسی کسب کا مجرم ہے۔ یہ فائدہ **زینا لکل امۃ عملھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفار کا اپنے برے عقیدوں، برے اعمال کو اچھا سمجھنا بڑی ہی بری بات ہے۔ مگر رب نے فرمایا **زینا** ہم نے ان کی نگاہ میں یہ برائیاں بھلی بنا دیں یعنی اس بھلائی کے خالق ہم ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** ہر ایک کو بارگاہ الٰہی میں

www.alahazratnetwork.org

پیش ہوتا ہے اور حق و باطل کا فیصلہ قیامت ہی میں ہوگا۔ دنیا میں اس کا قولی فیصلہ ہوا ہے۔ یہ فائدہ **فینبئهم** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ **کانوا یعملون** میں ان کے عقیدے و اعمال سب ہی داخل ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام بت گالیاں دیا کرتے تھے اور گالیاں دینا عقل شرع سب کے ہی خلاف ہے کوئی مہذب انسان گالی دینا پسند نہیں کرے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں فرمایا **ولا تسبوا الذین یدعون** ان کے بتوں کو گالیاں نہ دو صحابہ کرام گالیوں کے عادی تھے (روافض)۔ **جواب:** ہم نے تفسیر میں اس کا جواب دیدیا کہ عربی میں **سب** کے معنی گالی نہیں گالی کو شتم کہتے ہیں۔ **سب** کے معنی ہیں برا کہنا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

وما کان ذنب بنی مالک　　بان سب منهم غلام نسب

بابیض ذی شطب قاطع　　یقد العظام و یبری العصب

اس شعر میں **سب** بمعنی برا کہنا ہے بلکہ کبھی شتم بھی بمعنی برا کہنا آتا ہے۔ یا عملاً برائی کا اظہار ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ **و نفسهم بالا فعال لا بالتکلم** (روح المعانی)۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت ابوبکر صدیق نے صلح حدیبیہ کی تحریر کے موقعہ پر کفار مکہ کے نمائندے سے کہا **امصص بظر اللات** دیکھو آپ نے ان کے بت لات کو کیسی موٹی اور فحش گالی دی۔ آپ کا یہ عمل اس آیت کے بھی خلاف ہے اور تہذیب کے بھی بلکہ نہایت ہی فحش گالی ہی۔ **جواب:** اس وقت حضرت صدیق اکبر اس کافر نمائندے کی بارگاہ نبوت میں گستاخی سخت بے ادبی سن کر جوش غیرت سے ہوش میں نہ رہے اور غیرت بھی ایمانی تھی بے ساختہ آپ کے منہ سے یہ لفظ نکلا ایسی حالت میں شرعی گرفت نہیں ہوتی دیکھو موسیٰ علیہ السلام توریت لے کر جب اپنی قوم کے پاس آئے انہیں بچھڑا پوجتے دیکھا تو غیرت ایمانی سے بے خود ہو گئے اسی حالت میں توریت کی تختیاں بھی ڈال دیں اور اپنے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر کھینچے۔ یہ دونوں کام ٹھیک نہ تھے، خلاف اسلام تھے مگر چونکہ غیرت ایمانی کے جوش میں یہ کام صادر ہوئے لہذا ان پر کوئی گرفت نہ ہوئی ایسے ہی یہ ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** خود رب تعالیٰ نے ولید ابن مغیرہ کے دس عیب بیان فرمائے جن میں سے ایک یہ کہ وہ زنیم یعنی حرامی ہے۔ وہ آیت اس حکم کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہاں رب تعالیٰ نے اس کے واقعی عیوب گنائے ہیں اسے گالی نہیں کہتے اور لوگوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ ستار عیوب ہے مگر جو کوئی اس کے محبوب کی عزت پر ہاتھ ڈالے تو اس کے خفیہ عیوب بیان فرما دیتا ہے "اسے تاقیامت بدنام کر دیتا ہے۔ چوتھا اعتراض: اگر **سب** بمعنی برا کہنا ہے تو چاہیے کہ بتوں اور بت پرستوں کو برا ہی نہ کہا جائے حالانکہ قرآن مجید حدیث شریف میں بہت جگہ بتوں اور بت پرستوں کو برا کہا گیا ہے۔ قرآن کریم نے ولید ابن مغیرہ کے دس عیب بیان فرمائے حتیٰ کہ آخر میں فرمایا **عتل بعد ذالک زنیم** ولید حرام کا بچہ ہے حضرت ابوبکر صدیق نے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر ایک کافر سے فرمایا **امصص بظر اللات** ۔ لات بت کی فرج چوس لے یہ آیت کریمہ ان تمام کے خلاف ہے۔ **جواب:** ابن انباری نے اس آیت کو آیات جہاد سے منسوخ فرمایا ہے لہذا بتوں اور بت پرستوں کو برا کہنا عبادت ہے حرام نہیں۔ رب تعالیٰ حضرات صحابہ کی تعریف فرماتا ہے۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینهم** ان کی برائی بیان کرنا بھی کفار پر سختی ہی کی قسم ہے جن لوگوں نے اسے منسوخ نہیں مانا وہ فرماتے ہیں کہ اس طرح ان کی برائی بیان کرنا جس سے فساد ہو اور اگر وہ جواب میں اللہ تعالیٰ کی گستاخی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کریں تو ہم انہیں روک نہ سکیں ممنوع ہے اس کی تفسیر وہ حدیث ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

کسی کے باپ کو برا نہ کہو تاکہ وہ تمہارے باپ کو برا نہ کہے ورنہ گویا تم نے خود اپنے باپ کو برا کہا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے یونس علیہ السلام پر بزرگی مت دو یعنی اس طرح کی بزرگی جس سے جھگڑے پیدا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں **انا سید ولد ادم** **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ نے کفر کی نگاہ میں ان کے اعمال اچھے کر دکھائے مگر دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ **و زینا لہم الشیطان اعمالہم** ابلیس نے ان کے اعمال کو آراستہ کر دکھایا۔ آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں خلق کا ذکر ہے۔ ان آیات میں کسب کا ذکر ہے جیسے کہا جائے کہ فلاں شخص نے فلاں کو مار ڈالا اور پھر کہتے ہیں کہ اسے اللہ نے موت دی یعنی کسب موت قاتل نے کیا خلق موت اللہ تعالٰی نے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالٰی ان کے اعمال کی قیامت میں انہیں خبر دے گا یہ کیونکر درست ہوا۔ رب تعالٰی نے تو قرآن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث میں ان کے اعمال کی خبر دیدی ہے۔ **جواب:** یہاں خبر دینے سے مراد ان کی سزا کا فیصلہ فرما کر انہیں دوزخ میں داخل فرمانا ہے۔ واقعی یہ فیصلہ قیامت میں ہی ہو گا۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں اللہ تعالٰی کی شان میں گستاخی کرنے والوں کے متعلق یہ دو باتیں کیوں ارشاد ہوئیں۔ **عدوا** یعنی حد سے بڑھتے ہوئے اور بغیر علم ان دو قیدوں سے کیا فائدہ مراد ہے۔ **جواب:** انسان شان نبوت یا شان الوہیت میں گستاخی جب ہی کرتا ہے جب اپنی حد سے نکل جاتا ہے اگر بندہ اپنی حد کو جانے' اپنی حد میں رہے تو کبھی ایسی جرات نہ کرے۔ ہر چیز حد میں رہ کر مفید ہے حد سے نکل جائے تو مضر بلکہ مہلک ہے پانی حد سے بڑھے تو سیلاب کی تباہی پھیل جائے اگر آگ حد سے بڑھے تو محلہ جلا کر خاک کر دے ایسے ہی انسان کی سر سے پاؤں تک ہر عضو کی حدود ہیں اگر انسان اپنی حدود میں رہے تو ولی ہو جائے اور اگر حدود سے بڑھے تو شیطان سے بدتر ہو جائے۔ اس لئے ارشاد ہوا **عدوا** نیز جاہل آدمی اپنی جہالت سے کفر کو ایمان اور طغیان کو عرفان سمجھ لیتا ہے وہ کفار رب تعالٰی کی شان میں گستاخی کرتے تھے یہ سمجھ کر کہ ہم مسلمانوں کو جواب دے رہے ہیں مگر حقیقت میں اپنے دین و مذہب کو جواب دے رہے تھے۔ **آٹھواں اعتراض:** اللہ تعالٰی نے دنیا میں برے اعمال اچھی شکل میں اور اچھے اعمال بری شکل میں کیوں پیدا کئے یہ تو دھوکہ دینا ہے رب دھوکے سے پاک ہے۔ **جواب:** دھوکہ جب ہوتا ہے جبکہ ان کی برائی بھلائی بتائی نہ جاتی اس طرح بنانے کا مقصد لوگوں کو ایمان دینا ہے ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی عقل و آنکھ پر اعتماد نہ ہو نبی کے فرمان پر اعتماد ہو' عقل کہتی ہے کہ سود میں نفع ہے' زکوۃ میں نقصان مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ نہیں بلکہ سود میں نقصان ہے زکوۃ میں نفع **یمحق اللہ الربو و یربی الصدقات** ایمان یہ ہے کہ رب کی مانے مغفل کی نہ مانے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن اللہ کے فضل سے حقیقت بین ہے کافر ظاہر بین' قیامت میں ہر چیز اپنے اصل رنگ و روپ میں نظر آئے گی کافر اپنے برے اعمال سے بھاگے گا مومن اپنے اچھے اعمال سے خوش ہو گا۔ یہاں حضرت بلال سیاہ فام نظر آئے' ابو جہل گورا چٹا' کل قیامت میں حضرت بلال کا رنگ روپ دیکھنا ہزاروں حسینوں سے بڑھ کر حسین ہوں گے وہ ان کی اصل صورت ہو گی۔ یہاں فرمایا گیا کہ اے حقیقت بین مسلمانوں ان ظاہر بین کافروں کے سامنے ان کے عقیدوں اعمال کی برائی اس طرح بیان نہ کرو کہ یہ بھڑک جائیں کیونکہ ابھی یہ لوگ ظاہر میں پھنسے ہوئے ہیں اس لئے حقیقت سے بے خبر ہیں ممکن ہے کہ اس بے خبری میں تمہارے رب کی شان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ادبی کر ڈالیں پہلے ان کی آنکھوں میں آستانہ محبوب کی خاک کا سرمہ لگاؤ جب یہ لوگ حقیقت بین ہو جائیں گے تب خود ہی اپنی ان چیزوں کو برا کہنے لگیں گے قیامت میں تو ہر

www.alahazratnetwork.org

شخص ہر چیز کی حقیقت کو دیکھ ہی لے گا۔ بعض مقبولوں کو خواب یا کشف میں حقیقت دکھاوی جاتی ہے۔

حکایت : ایک جوان عبادت گذار شب بیدار تھا۔ ایک رات غفلت میں گرفتار ہو گیا عشاء و فجر کی نمازیں بھی قضا کر دیں۔ اس نے خواب میں دیکھا کہ مسجد کی محراب سے ایسی حسین لڑکیاں نکل کر اس کے سامنے آ رہی ہیں جیسی اس نے کبھی نہ دیکھیں آخر میں ایک لڑکی نہایت ہی بد شکل نمودار ہوئی یہ بولا تم لوگ کون ہو وہ بولیں ہم تیری وہ راتیں ہیں جو تو نے اللہ کے ذکر عبادت میں گذاریں مگر بد صورت لڑکی بولی میں تیری وہ رات ہوں جسے تو نے غفلت کی وجہ سے مجھے بد شکل بنادیا۔ حسین لڑکیوں نے کہا

نحن الليالی اللواتی کنت تسهرها تتلوا القران بترجيع و رنات

ہم تیری وہ راتیں ہیں جنہیں تو نے جاگ کر تلاوت قرآن کے ساتھ گذار دیں یہ حسن تیرے اعمال کا ہے۔ بد صورت نے کہا۔

اسئلی لمولات و اردونی الی حالی فانت قبحتنی من بين اشکالی
و قد اردت بخير اذ و عظمت بنا البشر فانت من المولی علی حال

تو نے مجھے اپنی غفلت سے بد شکل کر دیا اب توبہ کے صابن آنسوؤں کے پانی سے مجھے دھو کر صاف کر اور مجھے اصلی شکل پر لا

غرضیکہ آنکھیں خود بین ہیں بعض خدا بین' بعض ظاہر بین' بعض حقیقت بین۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنے نفس کے عیوب پر مطلع ہونا عالم ملکوت پر مطلع ہونے سے افضل ہے کہ اپنے عیوب پر اطلاع اپنی اصلاح کا ذریعہ ہے (از روح البیان)۔

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۚ قُلْ

اور قسم کھائی انہوں نے اللہ کی پوری مشقت اپنی قسموں کی البتہ اگر آئے گی ان کے پاس کوئی آیت تو

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنی حلف میں پوری کوشش سے کہ اگر ان کے پاس کوئی نشانی آئی تو ضرور اس پر ایمان

إِنَّمَا الْآيَاتُ عِندَ اللَّهِ ۖ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٠٩﴾

ایمان لائیں گے بوجہ اسکے فرمادو کہ آیتیں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور کون چیز بتاتی ہے تم کو کہ تحقیق وہ آیات جب

لائیں گے تم فرمادو کہ نشانیاں تو اللہ کے پاس ہیں اور تمہیں کیا خبر کہ جب وہ آئیں تو یہ ایمان نہ لائیں

وَنُقَلِّبُ أَفْئِدَتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُمْ

آئیں گی تو نہیں ایمان لائیں گے یہ لوگ اور پھیر دیں ہم دل انکے اور آنکھیں انکی جیسے کہ نہیں ایمان لائے وہ ساتھ

اور ہم پھیر دیتے ہیں ان کے دلوں اور آنکھوں کو جیسا وہ پہلی بار اس پر ایمان نہ لائے تھے اور انہیں

فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١١٠﴾

اس کے پہلی دفعہ اور چھوڑ دیں گے ہم ان کو ان کی سرکشی میں کہ ٹامک ٹوئیاں مارتے ہیں

چھوڑ دیتے ہیں کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں کفار کے ان شبہات کا ذکر تھا اور ان کا جواب دیا گیا تھا جس کا تعلق قرآن مجید سے ہے **و لیقولوا درست** اب کفار کے اس شبہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے جس کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے ہے یعنی ان کے مانگے معجزات نہ دکھانا گویا قرآن مجید کی صفائی بیان فرمانے کے بعد صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صفائی دی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے محبوب کفار سے منہ پھیر لو یعنی ان کی باتوں پر دھیان نہ دو اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ کفار صرف زبان کے بلاور ہیں ایمان یا عمل ان کے نصیب میں نہیں ایسے بد نصیبوں کی طرف دھیان دینا اپنے ہی کو پریشان کرنا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ان کفار کے دل میں اللہ تعالیٰ کا بھی ادب نہیں۔ یہ تمہاری ضد میں اللہ تعالیٰ کی شان میں بھی گستاخی کرنے سے نہیں چوکتے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ جب ان کے دلوں میں رب تعالیٰ کا احترام نہیں تو اس کے نام کی کھائی ہوئی قسموں کا کیا احترام ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی قسموں کا اعتبار نہ کرو۔ خیال رہے کہ ایمان کا رکن چند چیزیں ہیں ایمانیات کی عظمت ان کی ہیبت ان سے محبت اللہ تعالیٰ قرآن مجید ملائکہ وغیرہ سے یہ تین چیزیں چاہئیں۔ مگر یہ تینوں سودے مدینہ منورہ کے بازار سے ملتے ہیں جس کے دل میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہیبت ان سرکار سے محبت ہے اس کے دل میں اللہ تعالیٰ قرآن کریم وغیرہ سب کی عظمت ہیبت محبت ہوگی جو دل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عظمت و ہیبت سے خالی ہے اس دل میں اللہ تعالیٰ قرآن کی عظمت و ہیبت بھی نہیں ہو سکتی چونکہ کفار کے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت نہ تھی لہٰذا ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و ہیبت بھی نہیں آسکتی تھی اس لئے وہ ایسی جرات کر لیتے تھے۔

شان نزول : (1) جب آیت کریمہ **ان نشا ننزل علیھم من السماء آیۃ فظلت اعنا قھم لھا خا ضعین** آئی کہ اگر ہم چاہیں تو ان پر آسمانی نشانی اتار دیں جس سے ان کی گردنیں اس کے سامنے جھک جائیں تب مشرکین نے قسم کھا کر کہا کہ اگر آپ آسمانی نشانی جو ہم مانگیں وہ دکھا دیں تو ہم ضرور ایمان قبول کر لیں گے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر) (2) ایک بار سرداران قریش حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ بولے کہ آپ فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ عصا تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ اور اندھے کوڑھے اچھے کرتے تھے اور صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی تھی اگر آپ بھی اس قسم کے معجزے ہم کو دکھائیں تو ہم ضرور آپ پر ایمان لائیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کون سا معجزہ چاہتے ہو وہ بولے کہ صفا پہاڑ سونے کا کر دیجئے اور ہمارے مرے ہوئے رشتہ داروں کو زندہ فرما دیجئے جن سے ہم آپ کے متعلق پوچھ لیں کہ آپ سچے نبی ہیں یا نہیں۔ اور فرشتوں کو ہمارے پاس بلا دیجئے جو ہم کو خبر دے دیں کہ آپ سچے ہیں تو ہم خدا کی قسم ابھی ایمان قبول کر لیں۔ بعض مومنین نے بھی خواہش کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ معجزات انہیں ضرور دکھا دیئے جائیں یہ لوگ اگر ایمان لے آئے تو دین کو بڑی قوت ہوگی یہ گفتگو جاری تھی کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور عرض کیا کہ یا حبیب اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ دعا فرما دیں تو یہ کام کل صبح سے پہلے ہو جائیں گے مگر یہ ایمان نہ لائیں گے اور سب ہلاک کر دیئے جائیں گے اور اگر آپ نے یہ معجزات نہ دکھائے اور یہ اسی وقت ایمان نہ لائے تو آئندہ ان میں سے بہت کے ایمان لانے کی امید ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ان معجزات کا اظہار اور ان کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ اس پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن، کبیر، روح المعانی و بیان، تفسیر صاوی و تفسیر ابن کثیر وغیرہ کتب کثیرہ)۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر : **واقسموا باللہ جھد ایمانھم** قسم چار طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم' متقی مومنوں کی قسم' فساق و کفار کی قسم' اللہ تعالیٰ کی قسم کا مقصد یا تو **مقسم بہ** کی عظمت کا اظہار ہے یا مقسوم علیہ' جس پر قسم فرمائی جائے' اس کی عظمت کا اظہار دیکھو۔ انجیر زیتون' طور سینا **مکہ معظمہ** کی قسمیں۔ رب نے ارشاد فرمائیں' دوسرے پھلوں' پہاڑوں' شہروں کی قسمیں نہ فرمائیں کیونکہ ان کو اللہ کے محبوبوں سے نسبت ہے کہ انجیر زیتون کو حضرت خلیل کے ملک فلسطین سے نسبت ہے کہ یہ پھل وہاں کے ہیں طور کو جناب کلیم سے **مکہ معظمہ** کو' جناب حبیب سے نسبت ہے۔ اور رب نے فرمایا۔ **یس والقران الحکیم انک لمن المرسلین** اے رسولوں کے سردار قرآن کی قسم تم سچے رسولوں میں سے ہو وغیرہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قسمیں ناز کی بناء پر' متقی مسلمانوں کی قسمیں سچ بولنے کے لئے ہوتی ہیں۔ کفار و فساق کی قسمیں دھوکہ دینے' جھوٹ بولنے کے لئے یہاں کفار کی یہ قسم چوتھی قسم کی تھی اس کا ذکر ہے **واقسموا باللہ** نیا مضمون ہے جس میں **اقسموا** کا فاعل وہی کفار ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ قسم حلف یمین تینوں ہم معنی ہیں مگر ان مختلف ناموں کی وجہیں مختلف ہیں۔۔ چونکہ حلف کے ذریعہ انسان اپنی بات کو قوت دیتا ہے' اپنا کلام لوگوں سے منواتا ہے اس لئے اسے یمین کہتے ہیں۔ یمین بمعنی قوت و قوی اسی لئے داہنے ہاتھ کو یمین کہتے ہیں کہ اس میں قوت زیادہ ہوتی ہے اور چونکہ انسان کی خبر سن کر لوگوں کی دو قسمیں دو گروہ ہو جاتے ہیں بعض ماننے والے بعض منکر ہیں یہ شخص حلف کے ذریعہ اس قسم کے لوگوں کی حمایت کرتا ہے جو اس کو سچا سمجھتے ہیں اس لئے اسے قسم کہتے ہیں یعنی ایک قسم کے لوگوں کی تائید کرنے والی چیز (کبیر) اگرچہ کفار اپنے بتوں کی اولاد کی جان و مال کی قسمیں بھی کھاتے تھے مگر چونکہ وہ اپنی اس قسم سے مسلمانوں بلکہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان دلانا چاہتے تھے اس لئے وہ اللہ کی قسمیں کھاتے تھے **جھد ایمان** بمعنی پوری کوشش کی قسم یہ تھی کہ انہوں نے کعبہ **معظمہ** میں بعد نماز عصر قسمیں کھائیں یا اپنی قسم میں اللہ تعالیٰ کی ذات کا بھی ذکر کیا اس کی صفات کا بھی کہ اس اللہ کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں جو ہم کو روزی اور زندگی و موت دیتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ ہے قسم میں کوشش یا قسم کی کوشش قسم کا اہتمام ہے اور قسم میں اہتمام جب ہوتا ہے جب اللہ کی قسم ہو مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت جیسے یہ کہا جائے رب محمد کی قسم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے رب کی قسم۔ رب تعالیٰ نے بھی اپنی قسم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ارشاد فرمائی کہ فرمایا **فلا وربک لا یومنون** جس چیز میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام آجائے وہ شاندار ہو جاتی ہے شاید کفار نے یہ کہا ہو گا آپ کے رب کی قسم **لئن جاءتھم ایۃ لیومنن بھا** یہ ہے قسم کا جواب جس پر وہ قسم کھاتے تھے آیت سے مراد ان کی مطلوبہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی ہے یا صفا پہاڑ کا سونا ہو جانا یا مردے زندہ ہو کر آجانا یا فرشتے آنا **بھا** میں **ب** یا صلہ کی ہے یا سببیہ یعنی ہم اس آیت پر ایمان لے آئیں گے یا اس نشانی کی وجہ سے آپ پر آپ کے قرآن مجید پر ایمان لے آئیں گے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے احتمال پر ہے' ہمارا ترجمہ دوسرے احتمال پر۔ ان بد نصیبوں نے یہاں ٹھوکر کھائی' ایمان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لیا **لیومنن بک** نہ کہا بلکہ **لیومنن بھا** کہا گویا وہ راستے میں پھنس کر رہ گئے اس لئے ایمان نہ لائے **قل انما الایات عند اللہ** اس جملہ کا ظاہری ترجمہ ان کفار کے سوال کا جواب نہیں بنتا اس کے ظاہری معنی یہ کئے جاتے ہیں کہ معجزات میں مجھے کوئی دخل نہیں میں تو بندہ مجبور ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان پر قادر ہے وہ چاہے تو ظاہر فرمادے اگر یہ مطلب ہو تو اس جملہ میں کفار کی تائید ہو گئی وہ یہی تو کہتے تھے کہ آپ ہیں محض مجبور ہماری مطلوبہ چیزیں

www.alahazratnetwork.org

آپ نہیں دکھا سکتے لہذا آپ نہ نبی ہیں نہ رسول۔ نبی تو ہوتا ہی وہ ہے۔ جس کو رب تعالیٰ نے اختیار دیا ہو جو عالم میں تصرف کر سکے نبی کے خصوصی اختیارات ان کے معجزے ہوتے ہیں۔ لہذا اس فرمان عالی میں الآیات میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد ان کے مطلوبہ معجزات ہیں۔ عند اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مجھے ان کے دکھانے کی اجازت نہیں۔ رب تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس ہی رکھا ہے اب معنی ظاہر ہو گئے کہ یہ معجزات جو تم مجھ سے مانگتے ہو مجھے ان کے دکھانے کی اجازت نہیں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں تو ہر چیز ہے مگر ان میں سے بعض کے ظاہر کرنے کی مجھے اجازت ہے' بعض کے اظہار کی اجازت نہیں ورنہ صفا پہاڑ کے پتھروں کا سونا کر دینا آسان ہے مگر انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دینا اور پیالہ بھر دودھ سے ستر (70) صحابہ کرام کو سیر کر دینا مشکل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں۔ **لو شئت لسارت معی جبال الذهب** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غلاموں نے مٹی کے ڈھیلے کو سونا بنایا۔ حضرت خواجہ فرید گنج شکر نے مرغی کے انڈے پر سورۂ اخلاص دم کی تو وہ سونے کا ہو گیا۔ ایک بزرگ ننگے پاؤں تھے 'مردی کا موسم تھا کسی چیز سے ٹھوکر لگی فرمایا یہ سونا ہے' کہ چاندی ہے' کہ لوہا ہے' کہ پیتل ہے' کہ لکڑی ہے کہ پتھر ہے' کہ نہ معلوم کیا ہے؟ جو ان کے منہ سے نکلا گیا وہ ہی بنتا گیا۔ اس کی زیارت احمد آباد (گجرات) میں کرائی جاتی ہے یہ تو اس آستانہ کے خدام کا حال ہے۔ مردوں کو زندہ کر کے اپنی گواہی دلوا دینا آسان ہے کہ پہلے ان میں جان تھی مگر بے جان کنکروں پتھروں سے کلمہ پڑھوا کر ان سے اپنی گواہی دلوا دینا مشکل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کام کر کے دکھائے' فرشتوں سے گواہی دلوانا آسان ہے مگر خدا تعالیٰ سے اپنی گواہی دلوانا بہت مشکل ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی گواہی اپنے رب سے دلوا دی۔ **و کفی باللہ شهیدا** لہذا یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری' معذوری ظاہر کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ **وما یشعرکم انها اذا جاءت لا یومنون** یہ جملہ نیا ہے۔ **یشعرکم** میں خطاب ان مسلمانوں سے ہے جنہوں نے بارگاہ رسالت میں سفارش کی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ معجزات دکھا دیئے جاویں تاکہ یہ لوگ ایمان لے آویں **انها** میں **ها** سے مراد وہی کفار کے منہ مانگے معجزات ہیں **جاءت** سے مراد ہے ظہرت اور **لا یومنون** کا فاعل وہی مطالبات کرنے والے کفار ہیں۔ بعض مفسرین نے **انها** میں **ان** کو بمعنی لعل مانا ہے اور کہا ہے کہ کبھی **ان** بمعنی لعل آتا ہے۔ دیکھو امراء القیس کہتا ہے۔

عرجوا علی الطلل المحیل لاننا نبکی الدیار کما بکی ابن خذام

مگر ہماری اس تفسیر میں اس توجیہ کی ضرورت نہیں **ان** اپنے ہی معنی میں ہے۔ یعنی اے مسلمانو تم کو خبر نہیں حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ معجزات ظاہر بھی کر دیئے جاویں جب بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ہلاک کر دیئے جائیں گے اور ان کی ہلاکت منظور نہیں۔ شاید کوئی شبہ کرتا کہ اپنے منہ سے مانگے ہوئے معجزے دیکھ کر اور ایمان کا وعدہ کر کے پھر وہ ایمان کیوں نہیں لاتے اس کا جواب آگے دیا جا رہا ہے کہ معجزہ جب ایمان کی رہبری کرتا ہے جب دیکھنے والے کے دل میں غور کرنے کی اس کے آنکھ میں عبرت کی نگاہ کرنے کی صلاحیت ہو سورج کا نور بہت ہی تیز ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ نہیں دیکھتی۔ ان کے دلوں آنکھوں میں یہ دونوں صلاحیتیں نہیں تو یہ ایمان کیسے لائیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **و نقلب افئدتهم و ابصارهم** یہ عبارت معطوف ہے **لا یومنون** پر اور **ما یشعرکم** کے ماتحت ہے یعنی تم کو نہیں معلوم کہ ان معجزات کے اظہار پر بھی ہم ان کے دلوں کو سمجھنے سے آنکھوں کو دیکھنے سے پھیر دیں کہ ان معجزات کو دیکھ کر ایمان نہ لائیں انہیں ایمان کی توفیق نہ ملے لہذا

www.alahazratnetwork.org

تم ان کے ایمان کی آس نہ لگاؤ **كما لم يومنوا به اول مرة** یہ فرمان عالی ہے **لا يومنون** کی یا نقلب کی دلیل ہے **لم يومنوا** کا فاعل وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں **به** کا مرجع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا قرآن مجید یا گزشتہ دکھائے ہوئے معجزے۔ (روح المعانی) یعنی جیسے کہ یہ لوگ اگلی باروں میں ہزار شاندار معجزات دیکھ کر ایمان نہ لائیں ان معجزات کو جادو ہی بتاتے رہے ایسے ہی ان مطلوبہ معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے انہیں جادو ہی کہیں گے۔ اول مرة سے مراد وہ وقت ہے جب انہیں عظیم الشان معجزے دکھائے گئے تھے۔ **و نذرهم في طغيانهم يعمهون** یہ عبارت معطوف ہے **و نقلب** الخ پر **نذر** کے متعلق عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ غیر متصرف فعل ہے اس کا صرف مضارع اور امر ہی آتا ہے نہ ان کا کوئی مصدر ہے نہ اور کوئی گردان **هم** کا مرجع وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں **طغيان** کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا یہاں مراد سرکشی اور کفر ہے۔ **يعمهون** بنا ہے **عمه** سے آنکھوں کا اندھا پن عمی ہے اور دل کا اندھا پن **عمه** ہے حیرانی' سرگردانی' پریشانی یعنی تم کو کیا خبر کہ ہم ان معجزات کے ظاہر ہو جانے پر بھی انہیں یونہی سرکشی میں حیران و سرگردان چھوڑ دیں کہ انہیں پتہ ہی نہ چلے کہ اب ہم کیا کریں' آنکھ والا آنکھوں سے دیکھ کر راستہ چلتا ہے مگر اندھا لاٹھی سے پتہ لگا کر لاٹھی والا اندھا سرگردان رہتا ہے۔ آنکھ والے کو اطمینان یونہی رہا ایمان عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ سے طے ہوتا ہے۔ عقل کی لاٹھی سے طے نہیں ہوتا ان کے پاس صرف عقل کی لاٹھی تھی۔ الفت رسول کی آنکھ نہیں۔ لہٰذا ان کی حیرانی لازم ہے **في طغيانهم يعمهون** بالکل حق و درست ہے۔

خلاصۂ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ ضدی کفار ہزارہا معجزات دیکھنے کے باوجود ایمان نہیں لائے ہمیشہ بہانہ ہی بناتے رہے اب ایک نئی چال یہ چلے ہیں کہ آپ کی بارگاہ میں آئے ہیں لوگوں کے سامنے نہایت مضبوط اور پختہ قسمیں کھائیں کہ اس دفعہ جو معجزات ہم مانگ رہے ہیں اگر ان میں سے کوئی معجزہ نمودار ہو جائے تو اسے دیکھ کر ہم ضرور ایمان لے آئیں گے فرمادو اے محبوب کہ یہ معجزات اللہ تعالیٰ کے خزانہ مکنون میں ہیں جن کے دکھانے کی مجھے اجازت نہیں دی گئی ہم اس کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ ظاہر نہیں فرماتے اجازت اس کی ہوتی ہے تصرف ہمارا ہوتا ہے پھر معجزہ ظاہر ہوتا ہے اور اے وہ مسلمانوں جو ان کفار کے مطالبے پورا کرنے کی سفارش کر رہے ہو' تم کو خبر نہیں اگر یہ معجزے انہیں دکھا بھی دیئے گئے جب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے ہم ان کے دلوں کو سوچنے سے ان کی آنکھوں کو دیکھنے سے یونہی پھیر دیتے ہیں جیسے پہلے پھیر دیا تھا کہ ہزارہا معجزات دیکھ کر ایمان نہیں لائے ہم نے ان کے دلوں' آنکھوں کو سمجھنے اور دیکھنے کی توفیق نہیں دی ہم ان کو یونہی سرکشی اور حیرانی و پریشانی میں ٹکریں مارتا ہوا چھوڑ دیتے ہیں اور اگر اس مطالبہ پر یہ ایمان نہ لائے تو ہلاک کر دیئے جائیں گے ان کی ہلاکت ابھی ہم کو منظور نہیں جو ہلاک ہوں گے وہ جنگ بدر و حنین میں تمہارے ہاتھوں ہلاک ہوں گے' جن کے نصیب میں ایمان ہوگا وہ اپنے وقت پر ایمان لے آئیں گے لہٰذا اس وقت ان کے مطالبے پورے کرنا ہماری حکمت کے خلاف ہے۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام کے معجزات تین قسم کے ہیں' بعض لازم جیسے حسن یوسف علیہ السلام۔ بعض غیر لازم اختیاری جیسے عصاء موسوی بعض غیر اختیاری جن میں دعا کرنی پڑے جیسے حضرت صالح کی اونٹنی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مائدہ تیسرے معجزات کے انکار پر عذاب آتا ہے جبکہ وہ طلب کر کے دیکھے جائیں کفار مکہ کا مطالبہ انہیں تیسرے قسم کے معجزات کا تھا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کو زندہ کر کے کلمہ پڑھایا صحابی بنایا اور بہت سے مردے زندہ کیے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** زیادہ قسمیں کھانا کفار اور جھوٹوں کا شیوہ ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کو قسم کھا کر ہی دھوکہ دیا تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و قاسمھما انی لکما لمن الناصحین**۔ یہ قسمیں محض دھوکہ فریب ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **و اقسموا باللہ** الخ سے حاصل ہوا، مخلص مومن قسمیں نہیں کھاتا زیادہ کلام نہیں کرتا، وہ کام کرتا ہے آج بھی بعض لوگ منبر پر کھڑے ہو کر قرآن مجید اٹھا کر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم وہابی نہیں ہم پختہ سنی ہیں، مسلمان ان قسموں سے دھوکہ نہ کھایا کریں۔ **دوسرا فائدہ:** کفار کی قسموں کا اعتبار نہیں اگرچہ وہ کیسی ہی مضبوط و پختہ قسمیں کھائیں، قرآن کریم فرماتا ہے۔ **لا ایمان لھم** یہ فائدہ **لا یومنون** سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ یہ اپنے منہ مانگے معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کے تمام معجزات خواہ اختیاری ہوں، جیسے عصا موسوی یا ید بیضا یا غیر اختیاری لازم ہوں جیسے حسن یوسفی یا غیر اختیاری غیر لازم جیسے نزول آیات غرضیکہ ہر قسم کے معجزات اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اسی طرح حضرات اولیاء اللہ کے کرامات کوئی نبی، کوئی ولی۔ رب تعالیٰ کی اجازت کے بغیر اس کی خلاف مرضی معجزہ یا کرامات نہیں دکھا سکتا یہ فائدہ **الایات عند اللہ** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما کان لرسول ان یاتی بایت الا باذن اللہ** جو شخص کسی نبی، کسی ولی کو معجزات یا کرامات کا مستقل مالک یا خالق جانے وہ ان آیات کا انکاری ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ہمارے تمام صفات، تمام افعال تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ کے قبضہ اور اس کے ارادے کے ماتحت ہیں حتیٰ کہ ہم اس کے خلاف ارادہ کچھ چاہ بھی نہیں سکتے۔ یہ فائدہ بھی **انما الایات عند اللہ** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما تشاءون الا ان یشاء اللہ رب العالمین**۔ بادشاہوں حاکموں کے اور خود ہمارے اپنے اختیارات رب تعالیٰ کی عطاء سے اس کے ارادے سے ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

از خدا داں خلاف دشمن و دوست ۔۔۔ کہ دل ہر دو در تصرف اوست!
گرچہ تیر از کمال ہمیں گزرد ۔۔۔ از کماندار بیند اہل خرد

پانچواں فائدہ: انسان کا دل اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے وہی اچھی طرف پھیرتا ہے تو پھرتا ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے کسی کمال پر شیخی نہ مارے بلکہ اس کی توفیق پر شکر کرے یہ فائدہ **و نقلب افئدتھم** الخ سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ انسان کا دل اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں کے درمیان ہے۔ **چھٹا فائدہ:** انسان کو گذشتہ تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہیے جس سے بار بار دھوکہ ہو چکا ہو اس کی چکنی چپڑی باتوں میں نہیں آنا چاہیے۔ یہ فائدہ **کما لم یومنوا بہ اول مرۃ** سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ یہ مطالبے کرنے والے کفار صرف مطالبے ہی کرنے کے ہیں، ایمان لانے کے نہیں، جیسا کہ تم کو پہلے تجربہ ہو چکا کہ انہوں نے بڑے سے بڑا معجزہ دیکھا مگر ایمان نہ لائے لہٰذا تم لوگ اس تجربہ سے فائدہ اٹھاؤ۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام پر بڑا ہی مہربان ہے ہر طرح ان کی تسلی فرماتا ہے دیکھو اس موقعہ پر حضرات صحابہ نے بھی سفارش کی تھی کہ یہ معجزات دکھا دیئے جائیں مگر ان حضرات پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں کئی طریقوں سے سمجھایا، دلائل سے اور گذشتہ واقعات یاد دلا کر کیوں نہ ہو کہ وہ حضرات محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے منظور نظر ہیں۔ یہ فائدہ **وما یشعرکم انھا اذا جاءت** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھنے کے لئے صرف دماغ کی آنکھ کافی نہیں وہاں دل کی آنکھ یعنی بصیرت کی ضرورت ہے بعض وہ بد نصیب تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ

www.alahazratnetwork.org

وسلم کو دیکھا اور ایمان نہ لائے کروڑوں وہ خوش نصیب ہیں۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ دیکھا اور ایمان لے آئے۔ یہ فائدہ بھی **و نقلب افئدتہم** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی معجزہ نہیں دکھایا' آپ کے معجزات کے قصے سب گھڑے ہوئے ہیں' دیکھو کفار کہتے ہیں کہ ہم کوئی معجزہ تو دکھا دیجئے' ہم ایمان لے آئیں گے مگر نہیں دکھایا گیا۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے۔ **وما منعنا ان نرسل بالایات الا ان کذب بہا الاولون** ہم کو معجزات اتارنے سے یہ بات روکتی ہے کہ گذشتہ لوگوں نے معجزات کا انکار کیا تھا (آریہ 'چکڑالوی)۔ جواب: معترض نے اس آیت کا اور اپنی پیش کردہ آیت کا ترجمہ غلط کیا یہاں آیت سے اور وہاں **الایات** سے مراد ان کفار کے مطلوبہ منہ مانگے معجزات ہیں نہ کہ مطلقاً معجزات ورنہ بہت سی قرآنی آیات کے خلاف ہو گا خود قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زندہ جاوید معجزہ ہے۔ پھر شق القمر وغیرہ بہت سے معجزات کا ثبوت خود قرآن مجید سے ہے' احادیث اور تاریخی واقعات تو بہت ہی زیادہ اس کے متعلق موجود ہیں' ان کا انکار گویا چمکتے ہوئے سورج کا انکار ہے۔ دوسرا اعتراض: آخر وجہ کیا تھی کہ سرداران قریش ایسے عظیم الشان معجزے دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ جواب: قاعدہ ہے کہ جب کسی سے محبت والفت ہو تو اس کی باتیں اس کے حالات' اس کے تعلق والے سب سے محبت ہوتی ہے اس کے ہنر بھی عیب معلوم ہوتے ہیں' شریعت طریقت حقیقت معرفت بلکہ قرآن مجید اور تمام معجزات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہیں جب ان کفار کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نفرت تھی تو ان سب کو نفرت کی نظر سے دیکھتے تھے پھر ایمان کیسے لاتے' خیال رہے کہ جیسے سویرا' دوپہر' شام اور رات' سورج کے حالات' اس کے مقامات کا نام ہے ایسے ہی شریعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے حالات ہیں' طریقت دل کے حالات حقیقت روح کے حالات معرفت سر کے حالات بلکہ اسلام و ایمان قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کا نام ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ وہ کفار ایمان لانے والے نہ تھے مگر ان میں سے بہت سے کافر بعد میں ایمان لے آئے' پھر **لایومنون** کیونکر درست ہوا۔ جواب: اس فرمان عالی کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان مطلوبہ معجزات کے ذریعہ ایمان نہیں لائیں گے اس وقت ایمان نہ لائیں گے ان کے ایمان کا وقت' اس کے معجزات' دوسرے ہیں۔ دیکھو حضرت خالد چاند پھٹتا' کنکروں' پتھروں کو کلمہ پڑھتا دیکھ کر ایمان نہ لائے بلکہ اپنی شکست' جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں پسپا ہوتا دیکھ کر ایمان لائے جیسے فرعونی جادوگر اپنی شکست دیکھ کر ایمان لائے جیسے ایک بخار مختلف دواؤں سے جاتا ہے کسی کا کونین سے کسی کا بنفشہ سے اسی طرح کفر کا بخار کسی کا کسی معجزہ سے جاتا ہے' کسی کا کسی اور چیز سے' شفا کے لئے وقت اور دوا بلکہ جگہ مقرر ہے' موت کے لئے' مرض جگہ وقت مقرر ہے ایسے ہی ایمان کے لئے جگہ وقت اور ذریعہ مقرر ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جب وہ چاہتا ہے نبی کے ہاتھ پر کوئی معجزہ ظاہر فرما دیتا ہے' نبی محض مجبور اور بے اختیار ہوتے ہیں دیکھو یہاں ارشاد ہوا۔ **انما الایات عند اللہ** - دوسری جگہ ارشاد ہے **وما کان لرسول ان یاتی بایۃ الا باذن اللہ** تم نبیوں کو بااختیار مان کر ان آیات کا انکار کرتے ہو (وہابی) جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی۔ جواب الزامی ایک تو یہ ہے کہ پھر تم سارے انسانوں' بادشاہوں' حاکموں اور دوسرے لوگوں کو پتھر کی طرح محض مجبور اور بے اختیار مانو کہ یہ ارشاد دوسرے لوگوں کے متعلق بھی ہے کہ تم اللہ کے بغیر چاہے کچھ نہیں چاہ سکتے۔ اللہ ہی حاکم ہے تمہارے ہاتھ میں کچھ

www.alahazratnetwork.org

نہیں اللہ جو چاہے کرے اور جب ہم بالکل مجبور ہوئے تو ہم کو ثواب و سزا کیسی اور پھر بادشاہ حکام سے خوف کیسا ان کی اطاعت کیسی مشہور مقولہ ہے۔ **لا تتحرک ذرة الا باذن اللہ**۔ اللہ کے حکم کے بغیر ذرہ نہیں ہل سکتا۔ دوسرے یہ کہ اگر یہ آیت کریمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجبوری و معذوری بتانے کے لئے ہے تو ان کفار کی تائید اور ان کی تصدیق کے لئے ہو گی کہ وہ کفار یہی تو کہتے تھے کہ چونکہ آپ بالکل مجبور و معذور ہیں۔ کسی معجزہ پر قادر نہیں اس لئے آپ نبی نہیں نبی تو وہی ہوتا ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے اختیار والا ہو' معجزات دکھا سکتا ہو یہی اس آیت نے فرمادیا تو یقیناً ان کفار کی تصدیق ہی ہوئی' آیت کریمہ کا مقصد ہی فوت ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ اگر حضرات انبیاء و اولیاء معجزات و کرامات میں بالکل مجبور ہیں تو وہ حضرات یہ کیسے کہہ دیتے ہیں کہ میں یہ کرتا ہوں' حضرت آصف ابن برخیا ولی نے حضرت سلیمان سے عرض کیا۔ **انا اٰتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** میں تخت بلقیس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں حاضر کردوں گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وابرئ الاکمہ والابرص واحی الموتیٰ باذن اللہ** میں اللہ کے حکم سے اندھوں کوڑھوں کو اچھا اور مردوں کو زندہ کرتا ہوں یہ میں کیسی معلوم ہوا کہ **اذن باذن اللہ** میں اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے تصرف نبی و ولی کا۔ چوتھے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **لو شئت لسارت معی جبال من الذھب** ہم اگر چاہیں تو ہمارے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں' معلوم ہوا کہ صفا تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت سے پہاڑوں کو سونا بنا سکتے ہیں' انبیاء کرام کے تصرف سے حقیقت بدل جاتی ہے' ان کی بددعا سے کفار بندر سور بنے۔ لاٹھی' سانپ بن جایا کرتی تھی یہ ہے انقلاب حقیقت تو پتھروں کو سونا بنا دینا کیسی آسان تھا۔ **جواب تحقیقی** یہ ہے کہ یہاں **الاٰیات** میں لام عہدی ہے اور اس سے وہ معجزات مراد ہیں جو کفار نے مانگے تھے اور **عند اللہ** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے قبضہ میں ہیں مجھے ان کے اظہار کی اجازت نہیں اور اس اجازت نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ تمہاری ہلاکت کا باعث ہو گا' اس کو ظاہر فرمانے کے لئے ارشاد ہوا کہ **انہا اذا جاءت لا یومنون** کہ یہ لوگ ان معجزات کے آنے پر ایمان لائیں گے' اللہ کے قبضہ میں ہونا اور بات ہے اور نبی کا اس پر قادر ہونا دوسری بات اللہ کے قبضہ سے یہ لازم نہیں کہ نبی کو اس پر اختیار نہ ہو' ہمارا چلنا پھرنا' جاگنا' سونا اللہ کے قبضہ میں ہے مگر ان کا ہم کو بھی اختیار ہے دیکھو حضرت خلیل اللہ کو آگ نے جلایا نہیں حضرت اسمٰعیل کو چھری نے ذبح نہیں کیا۔ کیوں؟ اس لئے نہیں کہ آگ میں جلانے کی' چھری میں ذبح کرنے کی طاقت نہ تھی بلکہ صرف اس لئے کہ انہیں اجازت نہ تھی قدرت اور اجازت میں فرق کرنا ضروری ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم کفار کے دلوں اور آنکھوں کو پھیر دیتے ہیں جس سے پتہ لگا کہ رب تعالیٰ انہیں ایمان و ہدایت کی طرف نہیں آنے دیتا' یہ کام تو ابلیس کا ہے خدا تعالیٰ کا نہیں ہو سکتا' مسلمانوں کا خدا وہی کام کرتا ہے جو شیطان کرتا ہے۔ (آریہ' ہندو)۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ابھی پچھلی آیت میں **زینا لکل امة عملھم** کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ابلیس کا کام برائیوں کی رغبت دینا' انہیں اچھائیوں سے منع کرنا ہے۔ رب تعالیٰ کا کام ہے کہ جب بندہ ارادے برے کرے اچھی باتوں کی طرف نہ آئے تو کفر و عناد کو اس میں پیدا کر دینا خلق اور کسب میں بڑا فرق ہے' مقتول پر تلوار چلانا' قاتل کا کام ہے اور تلوار چلنے پر موت پیدا فرمانا رب کا کام' ان جیسی تمام آیات میں یہی خلق مراد ہوتا ہے' واقعی رب تعالیٰ ہادی بھی ہے اور مضل بھی۔ یعنی ہدایت و گمراہی کا بندے میں پیدا فرمانے والا انبیاء کرام ہادی ہیں' ابلیس مضل ہے یعنی اچھی باتوں کی رغبت دینے والے اور شیطان بری باتوں کا مشورہ دینے والا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے ہر مقصد کے دروازے اور راستے جداگانہ بنائے ہیں' ہر شخص ان راستوں کے ذریعہ دروازہ پر پہنچتا ہے اور دروازے کے ذریعہ مقصد تک۔ جو کوئی راستہ غلط چلے یا دروازہ چھوڑ کر اور ذریعہ سے داخل ہونا چاہے وہ بے عقل ہے خدا کی رسی کا راستہ نبی کی تصدیق ہے' ہدایت کا دروازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ مگر خیال رہے کہ راستہ پر ٹھہرا نہیں جاتا اور دروازہ چھوڑا نہیں جاتا' معجزات میں بخصوصیت نبی کو چھوڑو مت' معجزات تو نبی رسی کے لئے ہے کہ اس کے ذریعہ سے بندہ نبی کو پہچان لیتا ہے کہ واقعی یہ نبی ہیں جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے الگ رہ کر صرف معجزات کے ذریعہ ہدایت پانا رب تک پہنچنا چاہے وہ کبھی کامیاب نہ ہو گا۔ یہ مطالبے کرنے والے کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے درکارے ہوئے تھے۔ معجزات کی آڑ پکڑتے تھے کہ ہم فلاں معجزہ دیکھ کر ہدایت پائیں گے آخر ناکام رہے فرمادیا گیا کہ یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے' خواہ کوئی معجزہ دیکھیں کیونکہ یہ اللہ کے دروازے ہدایت کے راستے سے ٹوٹے ہوئے ہیں پھر خدا کو کیسے پائیں۔ ہدایت کیسے حاصل کریں اس کا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے بہت معجزے دیکھے' مگر رہے بے ایمان' ان کو معجزات دکھانا محض بیکار بلکہ مضر ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جیسے سر کی ظاہری آنکھوں پر مختلف بیماریاں آتی ہیں اور ہر بیماری کا علاج علیحدہ ہے۔ یونہی دل کی باطنی آنکھ پر مختلف بیماریاں آتی ہیں' ظاہری آنکھوں کا سرمہ اور ہے دل کی آنکھ کا سرمہ خاک پائے اولیاء اللہ پھر خاک پاک کوچہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہے ان مطالبے والوں کو یہ سرمہ نصیب نہیں ہوا اس لئے وہ بہانے بناتے رہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ **و نقلب افئدتهم و ابصارهم** جیسے ان آنکھوں کا اندھا اس زمین میں حیران پھرتا ہے کہ کدھر جائے ایسے ہی دل کی آنکھوں کا اندھا راہ ہدایت میں حیران ہی پھرتا ہے رب تعالیٰ ہر مسلمان کو اور سب کے صدقہ میں مجھے فقیر گنہگار کو دل کی روشنی نصیب کرے' تقویٰ کی زندگی ایمان پر موت میسر فرمادے۔ آمین یا رب العالمین۔ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ہے کہ تفسیر نعیمی کا ساتواں پارہ دو (2) صفر 1386ھ تیئس (23) مئی 1966ء عیسوی بروز دوشنبہ بعد نماز ظہر شروع ہوا اور آج سترہ (17) جمادی اول 1387ھ چوبیس (24) اگست 1967ء بروز پنجشنبہ بعد نماز ظہر بخیر و خوبی ختم ہوا۔ یعنی ایک سال تین ماہ میں ختم ہوا۔

اللہ تعالیٰ اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے سے اسے اور فقیر کی تمام تصنیفات کو قبول فرمائے۔ صدقہ جاریہ اور کفارہ بنائے بقیہ تفسیر کی تکمیل کی توفیق دے۔ آمین۔ **بجاه حبيبه الكريم الرءوف الرحيم عليه و على اله اصحابه افضل الصلوة و اكمل التسليم و صلى الله تعالى على حبيبه و زينة عرشه سيدنا محمد و اله و اصحابه اجمعين برحمته وهو ارحم الرحمين۔**

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

مہتمم مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات پاکستان

17 جمادی الاول 1387 ہجری یوم پنجشنبہ

نام کتاب	ـــــــــ	تفسیر نعیمی (پارہ ہشتم)
مصنف	ـــــــــ	حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد صفحات	ـــــــــ	592
کمپوزنگ	ـــــــــ	لیزر کمپوزنگ ان' سٹار سائنس مارکیٹ' تکیہ املی والا' آبکاری روڈ' نیو انارکلی' لاہور
پرنٹر	ـــــــــ	پیر بھائی پرنٹرز
ناشر	ـــــــــ	مکتبہ اسلامیہ' 40 اردو بازار' لاہور-
قیمت	ـــــــــ	

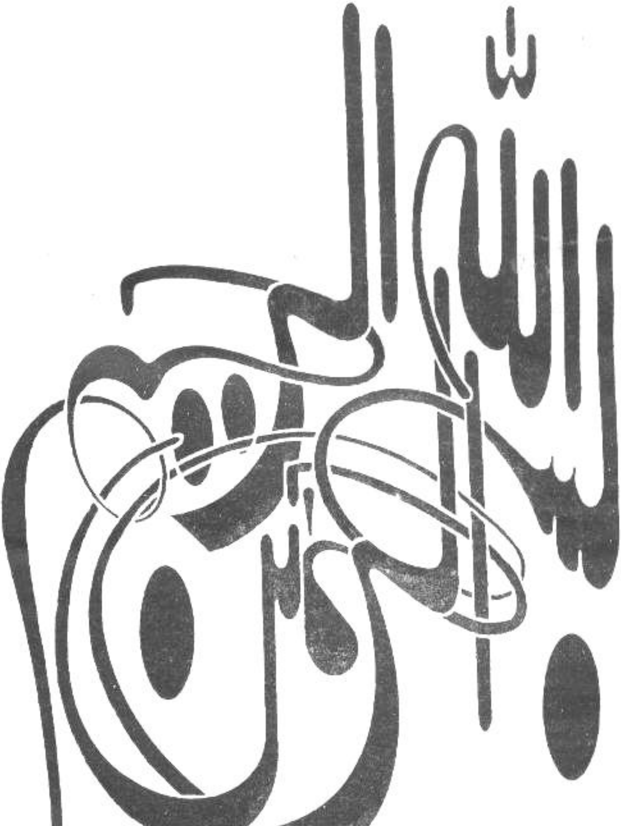
بسم الله الرحمن الرحيم

الصلوٰۃ والسلام علیک

یارسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم

فہرست مضامین "تفسیر نعیمی" پارہ ہشتم

مضمون	صفحہ
ولو اننا نزلنا الیھم	17
کبھی لو اور ان ظرفیہ بھی ہوتے ہیں اس کا قاعدہ۔	19
کسب کفر اور خلق کفر کے ارادوں میں فرق۔	20
وسیلوں کی قسمیں کون وسیلہ اٹھ سکتا ہے کون نہیں۔	22
حضرت جبریل اور نبی کے وسیلہ میں فرق۔	22
و کذلک جعلنا لکل نبی عدوا۔	22
جسمانی اور روحانی عالم توڑ پھوڑ سے قائم ہے۔	23
شیاطین جن وانس کی نفیس تحقیق شیطانی انسان جن شیطانی سے بدترین۔	24
تاقیامت حضور کی طرف سے دستگیر رہبر ہوتے رہیں گے۔	25
ابلیس کا توڑ شیطان کا جال عورتوں سے عشق ہے۔	26
اولیاء کا جال خوف خدا اور عشق رسول ہے۔	26
قلب اور فواد میں فرق کافر کے دل میں شیطان اور مومن کے دل میں اللہ رسول رہتے ہیں میلان اور رضا میں فرق۔	26
کسب اور قرف میں فرق مومن گناہ کا کسب کرتا ہے۔	27
نیکی کا قرف کافر اس کے برعکس۔	27
قرآن کو انسان چومتے ہیں اللہ کے پیاروں کے دل وزبان کو فرشتے۔	28
جب رمضان میں شیاطین قید ہو جاتے ہیں تو گناہ کون کراتا ہے۔ ہم حضرت آدم کو زمین پر لائے نہ کہ آدم ہم کو۔	29

مضمون	صفحہ
عدو پہاڑ کی دشمنی کا کیا مطلب ہے۔	30
افغیر اللہ ابتغی حکما	32
حاکم اور حکم میں بہت سے فرق کس کو حکم بنائیں کس کو نہیں کی نفیس تحقیق۔	34
حضور قرآن کلمنتہاء بھی ہیں اور مبداء بھی۔	34
حضور کے معجزے تین طرح کے ہیں۔ آنی' باقی' دائمی۔	35
جہاں قرآن ہے وہاں حقانیت نفیس تحقیق۔	36
قرآن لازوال لامحدود ہے حضور لازوال لامحدود ہیں۔ اس لئے قرآن صرف آپ پر آیا۔	36
نظام میں تبدیلی ہوتی ہے مگر جس سے نظام کا قیام ہو اس میں تبدیلی نہیں سارا عالم نظام ہے حضور سے اس نظام کا قیام ہے۔ لہذا حضور میں تبدیلی نہیں۔	38
لا تبدیل لکلمات اللہ	38
خدا بھی حق ہے حضور بھی حق اور قرآن بھی حق ہے۔	39
حضور کے ظاہری صفات رب کے ظاہری صفات کو ظاہر کرتے ہیں آئینہ کی طرح اور باطنی صفات کو ظاہر کرتے ہیں جیسے ایکسرے۔ حاکم چار قسم کے ہیں حضور انور خدائی کے حاکم مطلق ہیں۔	43
حضور کے تین زمانے ہیں زمانہ ءجود' زمانہ عوجود' زمانہ ءنبوت ان کی وسعت۔	44
و ان تطع اکثر من فی الارض۔	44

مضمون	صفحہ
ظن اور حرص کا فرق۔	44
اسلامی جمہوریت اور شیطانی جمہوریت میں فرق۔	48
ظن کے تین معنی اور کون ظن اچھا ہے کون برا۔	50
حضور للارض اور فی العرش ہیں۔	51
فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ	51
غذائیں تین قسم کی ہیں۔ نباتات 'جمادات' حیوانات ان میں حرام و حلال کی پہچان۔	55
جانور چار طرح کے ہیں۔ حرام بعینہ لغیرہ مع غیرہ اور حلال ان کی علامات۔	55
حلال غذا کھانا نماز و زکوۃ سے بڑھ کے عبادت ہے بھوک ہڑتال سے موت خودکشی ہے حضور کے نام پر ذبح حرام کیوں ہے۔	56
اضطرار کی تین صورتیں ہیں۔ دو صورتوں میں حرام کھالینا واجب ہے ایک میں جائز۔	57
رب تعالیٰ خود اپنا کمال حضور میں دیکھتا ہے جیسے ہم اپنی شکل آئینہ میں یا کاریگر اپنا کمال اپنی مصنوع یا مصنف اپنا علم اپنی کتاب میں دیکھتا ہے۔	58
کسی چیز کے حرام ہونے اور اس کے استعمال کے حرام ہونے میں فرق۔	59
نفسانی 'شیطانی' روحانی غذا میں فرق۔ بزرگوں کا کھانا قوت روحانی کا باعث ہے۔	59
ظاہری و باطنی گناہ کی تفصیل اور گناہ چھوڑنے کی تین صورتیں ہیں اس کی نفیس تحقیق۔	62
گناہ کی سزا کے لئے چار شرطیں ہیں مگر نیکی کے ثواب کے لئے کوئی شرط نہیں۔	63
ذبح پر اللہ کا نام چھوڑنے کی چار صورتیں۔	63

مضمون	صفحہ
جانور کے جو اجزاء کھائے جاتے ہیں مردار کے وہ اجزاء مطلقاً حرام ہیں کہ انکی قیمت بھی حرام انہیں اور کسی کام میں لانا بھی حرام اور جو اجزاء کھائے نہیں جاتے مردار کے وہ اجزاء قابل فروخت ہیں جیسے کھال سینگ وغیرہ۔	64
بھول کر غیر خدا کے نام پر ذبح سے جانور حرام ہے۔	66
قانون بندہ کو چھوڑ دے اور بندہ قانون کو چھوڑ دے ان میں فرق۔	66
امام اعظم کی ذبیحہ کے مسئلہ پر سات آیات شاہد ہیں۔	68
حضور اسم اللہ ہیں ان کے بغیر ہر چیز زہر ہے۔	69
او من کان میتا فاحییناہ	69
سونا کشتہ ہو کر دوا بن جاتا ہے مومن عشق کی آگ میں کشتہ ہو کر معالج ہو جاتا ہے۔	71
وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا۔	77
نزول آیت کی نسبت کبھی حضور کی طرف ہوتی ہے۔ کبھی مومنوں کی طرف اور کبھی کفار کی طرف اس کی وجہ حضور کو رسل جمع کیوں فرمایا جاتا ہے۔	82
نبی کی زبان پر اعتبار ایمان ہے نہ کہ حضرت جبرئیل کی زبان پر اعتبار۔	82
قرآن مجید میں اللہ 'اللہ مکرر بغیر فاصلہ کے صرف ایک جگہ ہے 'یہاں دعا اکثر قبول ہے۔	83
فمن یرد اللہ ان یھدیہ یشرح صدرہ للاسلام۔	85
ہدایت کی تین قسمیں فطری 'عقلی' شرعی اور	

مضمون	صفحہ
ہدایت شرعی کے اقسام۔	87
شرح اور فتح میں عجیب فرق۔	87
صدر کبد اور قلب میں فرق شرح صدر اور تنگی دل کی اقسام اور ان کے اسباب و علامات۔	89
ہمارے شرح صدر اور حضور کے شرح صدر میں فرق ہمارا سینہ لینے کو حضور کا سینہ دینے کو کھلا ہے۔	89
و ھذا صراط ربک مستقیما۔	92
مومن بھی سیدھے راستے پر ہیں۔ حضور انور بھی اور رب تعالیٰ بھی مگر مومنین راہگیر ہو کر حضور انور رہبر ہو کر رب تعالیٰ مقصود ہو کر۔	94
دارالاسلام کے نفیس معانی۔	94
نسب، نسبت اور خدمت کی محبت۔	95
جنت میں چھ شرعی چیزیں ہوں گی۔ قرآن حکم ہے حضور حاکم۔ نفیس تحقیق۔	96
ویوم یحشرھم جمیعا یا معشر الجن الخ۔	100
جن کے معنی اور جنات نبی، قطب الاقطاب بلکہ صحابی نہیں ہو سکتے نہ ان سے روایت حدیث معتبر ہو نہ جنات سے شریعت و طریقت کے سلسلے جاری ہوں۔	102
متاع، ربح، فوز، فلاح میں فرق۔	103
کیا کفار دوزخ سے نکلیں گے۔	104
قیامت کے گیارہ نام نفیس تحقیق۔	105
اطاعت کا پانی بہت جگہ ملتا ہے مگر عشق کی آگ ہر دل میں ودیعت ہے کسی تیلی لگانے والے کی ضرورت ہے بغیر آگ کھانا نہیں پکتا بغیر عشق کی آگ عبادات طعام روح نہیں بنتا۔	105
یا معشر الجن والانس الم یاتکم	

مضمون	صفحہ
رسل منکم۔	108
رسول کے معانی اور شرعی رسول صرف انسان ہوئے۔ رسول صرف انسان ہیں نفیس تحقیق۔	110
عورتیں، کھسرے، دیوانے، گونگے، ذلیل لوگ نبی نہیں ہوتے۔	113
جن صحابی اور حضرت خضر کو دیکھنے والا تابعی نہیں۔	114
جنات طلباء مدرسوں میں پڑھ جاتے ہیں۔	114
و لکل درجات مما عملوا۔	117
درجات اور درکات میں عجیب فرق۔	117
جیسے ربوبیت بغیر علم و قدرت ناممکن ہے ویسے ہی قاسمیت، رحمت ان کے بغیر ناممکن۔ ربک۔	
ربکم۔ رب العالمین میں فرق۔	117
ثواب اور درجے میں فرق۔ حضرت صدیق کی شہادت کا درجہ بڑا ہے۔	120
مومن جن جنتی نہیں قوی دلائل۔	122
گناہ نفسانی۔ شیطانی اور ایمانی میں فرق۔	124
حضور رحمت اعلیٰ ہیں رب رحمت والا۔	124
ان ما توعدون لات وما انتم بمعجزین۔	125
قل کے روئے سخن میں چار احتمال نفیس بحث۔	126
اعمال کے ثواب مومن کے پاس آرہے ہیں مومن اللہ رسول کی طرف دوڑ رہا ہے۔	129
و جعلوا اللہ مما ذراء من الحرث۔	130
کفار کے اوقاف ان کی خیرات کے احکام۔	134
بتوں کے چڑھاوے حلال ہیں ان کے بتوں کے نام کی سبیلیں ہسپتالوں سے فائدہ اٹھانا ان کے ہدیئے دعوتیں سب حلال ہیں۔	134
کافر مسجد کی مرمت کر سکتا ہے۔	134

مضمون	صفحہ
اپنی آمدنی کا کچھ حصہ گیارہویں شریف پیر کے	
نذرانہ کے لئے وقف کرنا بالکل جائز ہے۔	134
و کذلک زین لکثیر من المشرکین قتل	
اولادہم۔	136
حضرت عبداللہ کے ذبح کی منت عجیب واقعہ۔	
حضور نے فرمایا میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔	137
ایک شخص کا اپنی جوان لڑکی کو کنویں میں ڈال کر	
ہلاک کرنا دردناک واقعہ۔ کلمہ طیبہ دل	
میں شجاعت نرمی اور قناعت پیدا کرتا ہے۔	140
و قالوا ھذہ انعام و حرث حجر الخ۔	143
قول کے چار معنی اور ان کے موقع۔	144
گیارہویں' کونڈے' امام حسین کے نام کا گھوڑا	
وغیرہ کے احکام۔	146
و قالوا ما فی بطون ھذہ الانعام	
خالصۃ لذکورنا الخ۔	148
عورت کا حمل گرانے کا شرعی حکم۔ مذبوحہ جانور	
کے پیٹ کے بچہ کا حکم۔	153
ذبح اسماعیل اور کفار کے دفن اولاد میں فرق۔	154
وھو الذی انشاء جنات معروشات	155
کھجور کی عجیب خصوصیات یہ بہت تسبیح کرتی ہے۔	156
کھیت و باغ کی پیداوار پکنے اور زکوۃ دینے سے	
پہلے کھا سکتے ہیں مگر فروخت نہیں کر سکتے۔	157
اصراف' اسراف اور تبذیر میں فرق۔	158
اونچے درختوں پر چھوٹے پھل کمزور درختوں پر	
بڑے پھل کیوں لگتے ہیں۔	159
گھر یا بنگلہ کی سبزیوں میں زکوۃ نہیں پیداوار کی	

مضمون	صفحہ
زکوۃ اور دوسری زکوتوں میں سات طرح کا فرق۔	161
گھاس' لکڑی' بانس اور گھر کی سبزی میں زکوۃ	
کیوں نہیں نفیس وجہ۔	161
پیداوار کی زکوۃ میں کوئی رعایت کیوں نہیں دی گئی۔	162
ومن الانعام حمولۃ وفرشا کلوا مما	
رزقکم اللہ	163
حمولۃ اور فرشا کی چند تفسیریں۔	165
جمادات' نباتات' حیوانات میں حرام و حلال کی پہچان۔	167
اچھوں کی نسبت سے بری چیز اچھی ہو جاتی ہے۔	
اس کے عیب چھپ جاتے ہیں۔ وہابیوں کے	
اندھے قانون کے نمونے۔	167
و من الابل اثنین و من البقر اثنین۔	168
کس جانور کو کس نبی سے نسبت ہے قرآن مجید	
میں آٹھ جانوروں کی عزت ہے خصوصاً ہدہد کی۔	172
فاتحہ کی چیزوں میں پابندیاں لگانا جہالت ہے۔	174
بزرگوں کے جنگلوں کا شکار نہ کرنا' لکڑی نہ توڑنا'	
اس کی اصل حضرت صالح کی اونٹنی کا واقعہ ہے۔	175
قل لا اجد فیما اوحی الی محرما۔	176
نبی کی زبان وہ سیپ ہے جو وحی کے قطروں کو ایمانی	
موتی بنا دیتی ہے قل کفار کے لئے عتاب کا مومن	
کے لئے خطاب کا ہے۔	177
حرمت نفیرہ اور رمع اور رمع غیرہ کی جتنیں ذبح	
اختیاری اور غیر اختیاری۔	178
ہمارے نہ جاننے اور حضور کے نہ جاننے بلکہ رب	
کے نہ جاننے میں فرق حلال اور محرم کے لفظوں کا	
عجیب نکتہ۔	179

مضمون	صفحہ
چیز کاحرام ہونااور اس کے استعمال کاحرام ہونااس میں فرق اہل اور ردئی میں فرق۔ نبی کو وحی بچپن میں اور جوانی میں تمل نبوت بھی ہوتی ہے۔	181
جمادات نباتات کے کھانے میں آزادی کیوں ہے۔ حیوانات میں پابندی کیوں؟	182
مستثنی منقطع حصر کامفید نہیں۔	183
احلال صرف چارپکاروں کو کہاجاتا ہے۔	183
و علی الذین ھادو حرمنا کل ذی ظفر۔	184
شعم کے معنی اور چربی کے اقسام۔	186
رحمت واسعہ صرف حضور ہیں ربوبیت تین طرح کی ہے قہروالی' مہروالی اور محبت والی۔	187
مذہبی اور قومی یہودیوں میں فرق۔	188
اللہ رسول کو ایک ضمیر' ایک صیغہ میں جمع کرنا جائز ہے۔	189
سیقول الذین اشرکوا لوشاء اللہ ما اشرکنا۔	191
قرآن مجید میں ظن کتنے معنی میں آیا۔	193
حجۃ اللہ البالغہ کے نفیس معانی سارے نبی حجۃ اللہ تھے۔ حضور حجۃ اللہ البالغہ ہیں بالغہ کے عجیب معانی۔	194
جھوٹے نبی سے معجزہ مانگنا اسے ذلیل کرنے کے لئے جائز ہے مناظرہ میں فریقین کا برابر ہونا ضروری نہیں۔	196
اللہ کے ہزاروں دعووں کی دلیل ایک حضور انور ہیں۔	196
قل ھلم شھداء کم الذین یشھدون الخ۔ لفظ ھلم کی نفیس تحقیق۔	198
شرک کی حقیقت کسی کے رب کی برابر کرنا ہے۔	

مضمون	صفحہ
نفیس تحقیق۔	202
جسمانی غذائیں کم کھانا اچھا ہے روحانی غذائیں زیادہ کھانا۔	203
ھوی والے ھدی والے اور خدا والے میں فرق۔	204
قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم۔	204
شرک کی تین تفسیریں جلیلانہ' عالمانہ' عاشقانہ۔	206
رزق کسبی اور عطائی کا ذکر۔	207
جواز قتل کے پانچ اسباب ہیں۔	207
ہم پر تین وقت گزرے ان میں ہماری پرورش کیسے ہوئی۔	208
حمل گرانے اور مانع حمل دوا استعمال کرنے کا حکم۔	209
تلاوت کے معنی اور تلاوت کس چیز کی ہوتی ہے کفار قرآنی عقائد و معاملات کے مکلف نہیں۔ حضور نے اپنے والدین سے اچھا سلوک کیسے کیا؟	211
کیا ماں باپ کے کہنے پر بیوی کو طلاق دینا واجب ہے۔ اور حضرت ابراہیم اور حضرت عمر نے اپنے بیٹوں سے طلاق کیوں دلوائی۔	211
سفر حج میں تین سو میل گیارہ دن میں طے فرمایا مگر سفر معراج میں کروڑوں میل ایک آن میں۔ یہود کے خطوط کے ترجمے کے لئے حضرت زید مقرر مگر لکڑیوں اونٹوں کی زبان بغیرہ ترجمہ سمجھ لیتے تھے یہ ہے بشریت اور نورانیت **ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن۔**	213
سور کتا بھی حرام ہے اور پرایا مال بھی حرام اور یتیم کا مال بھی مگر ان تینوں میں نفیس فرق ہے۔ یہ توبہ اور معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا اس	

مضمون	صفحہ
لئے سور کتے کے لئے لا تاکلوا ہے اور مال	
یتیم کے لئے لا تقربوا۔	214
یتیم کے مال سے اس کا ولیمہ یا مرحوم کی فاتحہ	
نہیں کرسکتے نہ اسے کھاسکتے ہیں یتیم کا ہدیہ	
نہیں لے سکتے۔	217
خریدتے وقت جبراً بیچا تلوانا حرام ہے۔	217
بوقت نکاح کلمہ پڑھانے کی اصل یہ آیت ہے نماز	
میں دل لگنا نہ شرعاً فرض ہے نہ واجب۔	218
صلوا کما رایتمونی میں نفیس نکتہ۔	218
قرآنی تین حکم بے مثال ہیں۔	219
درود، ذکر اللہ اور حلال رزق۔	219
و ان هذا صراطی مستقیما۔	220
نزول قرآن اور عطاء توریت میں بہت سے	
نفیس فرق۔	222
جسم کے اعمال شریعت کے ہیں دل کے احوال	224
طریقت ہر عبادت میں یہ دونوں چیزیں ہیں	
توریت میں۔	226
ہدایت توریت تفصیل کل شئی نہ رہی روح المعانی۔	226
اتباع نبی اور اتباع دین میں نفیس فرق۔	226
و هذا کتاب انزلناہ مبارک۔	228
قرآن مجید کو ہذا اور ذالک فرمانے کی وجوہ۔	
کتاب اور الکتاب میں فرق۔ انزلنا اور نزلنا	
کے کئی فرق۔	228
قرآن کے مبارک ہونے کے دلائل نفیس بحث۔	228
کھانے پر قرآن پڑھ کر خیرات کرنا برکت کا باعث ہے۔	232
حضور پر سارے قرآن کی اتباع واجب نہیں۔	232

مضمون	صفحہ
تمام دنیا عرب کی محتاج ہے۔	233
مجددین پر اتباع قرآن واجب کیوں نہیں۔	
قرآن عرب میں کیوں آیا۔	234
حضور انور مبارک بالذات ہیں۔ قرآن مجید حضور	
کی وجہ سے بھی مبارک۔	235
او تقولوا لو انا انزل علینا	
الکتاب لکنا اهدی منهم۔	235
حضور انور اور قرآن مجید کیلئے جاء کیوں ارشاد	
ہوتا ہے۔	237
حضور کا ہمارے پاس آنا اور ہمارا حضور کے پاس	
آنا ان میں فرق۔	242
هل ینظرون الا ان تاتیهم الملائکة	
او یاتی ربک۔	242
جان صرف عزرائیل علیہ السلام نکالتے ہیں اور	
سات فرشتے رحمت یا عذاب کے باقی فرشتے	
ڈرانے بشارت دینے کے لئے۔	243
قیامت کی دس بڑی علامتیں اور ان کی ترتیب۔	244
نزع کی مدہوشی کا کفر معتبر نہیں لہذا ایسے شخص پر	
نماز پڑھی جائے دفن کیا جائے۔	245
نزع کے وقت کلمہ کیوں پڑھایا جاتا ہے۔	246
ان الذین فرقوا دینهم و کانوا شیعا۔	246
لفظ شیعا کے معنی اور اس کی تحقیق اعلیٰ بحث۔	249
رب کی بارگاہ میں حضور انور کے توسط سے پیشی	
رحمت ہوگی۔ براہ راست یا فرشتوں کے ذریعہ	
پیشی عذاب۔	249
پولیس مجرم کو حاکم کے سامنے سزا کے لئے پیش	

مضمون	صفحہ
کرتی ہے وکیل چھوڑانے کے لئے۔	250
عمل کرنا اور عمل لے کر رب تک پہنچانا اس میں فرق۔	251
توحید و ایمان میں فرق۔ توحید کے اقسام اور شرک کی بھرمار بے دینی ہے۔	252
حضور کی بیزاری رب کا عذاب ہے اور طرفداری اس کی رحمت۔	252
شریعت و طریقت کے سلسلے ایک ہی فرقہ ہیں اور سب جنتی حضرت ابراہیم نافرمان کافر قوم میں پیدا ہوئے۔	254
نیکیاں برباد ہونے اور گناہ معاف ہونے کے اسباب۔	254
نیکی کے ثواب میں زیادتی کس چیز سے ہوتی ہے۔	254
نفل کا ثواب فرض سے بڑھ سکتا ہے قرب نہیں بڑھ سکتا اور ابین کا ثواب بارہ برس کی نیکیوں کا ہے فرض نماز کا یہ ثواب نہیں۔	256
حضور کو ہدایت رب نے بلاواسطہ دنیا میں آنے سے پہلے دی اور ہر چیز کی ہدایت دی۔ لہذا یہ ہدایت فنا نہیں ہو سکتی۔	257
مہدی اور حنیف میں نفیس فرق۔	259
اللہ والا ہو جانے کے فوائد حضور اول مسلمین ہیں نفیس تحقیق۔	260
حضور اول مسلمین کیونکر ہیں اول زمانی یا اول ذاتی۔	261
ہم سیدھے راستہ پر ہیں چلنے کے لئے حضور بھی وہاں ہیں مگر چلانے کے لئے۔	264
صرف اسلام ہی دین ابراہیمی کیوں ہے۔	265
یہاں نماز کو قربانی سے ملایا نہ کہ زکوۃ سے کیوں	
حضور پر زکوۃ فرض نہ تھی۔ عید الفطر کو چھوٹی عید اور بقر کو بڑی عید کیوں کہتے ہیں۔	266
قل اغیر اللہ ابغی ربا وھو رب کل شی ولا تکسب الخ۔	267
ثواب بخشا جا سکتا ہے نہ کہ عذاب۔	270
مقبول بندے بھاری بندوں کو کما کریں گے بوجھ اٹھالینا اور اٹھا دینے میں فرق۔	270
توکل و توحید کی عجیب حکایت اور کھیعص کے صوفیانہ معنی۔	272
وھو الذی جعلکم خلائف الارض۔	273
ھو الذی کے چار مقصد ہوتے ہیں بے نشان سے ملو تو کسی نشان والے کے ذریعہ سے ملو ورنہ محروم رہو گے۔	273
امتحان کے چار مقصد ہوتے ہیں اس کی تفصیل مغفرت و رحمت میں عجیب بہت سے فرق۔	275
سورہ اعراف	
سورتوں کی وجہ تسمیہ اور مکی مدنی ہونے کی وجہ۔	279
المص کتب انزل الیک فلا یکن فی صدرک۔	280
قرآن کریم بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا احسان مند ہے۔	285
اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم۔	288
حدیث بھی مثل قرآن قابل عمل ہے۔	292
ماحول لوگوں کو بدلتا ہے میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ماحول کو بدلا۔	294
وکم من قریۃ اھلکنا ھا فجاءھا باسنا الخ۔	294

مضمون	صفحہ
دعا کی صورتیں۔	297
قیاس کی تعریف۔	299
کون سا سوچنا عبادت ہے۔	299
نبی کریم کا دشمن مر کر بھی نہیں بچ سکتا۔	299
حساب قبر و حشر میں فرق۔	301
ہر نبی کو اپنے ہر امتی کے افعال کی خبر ہے۔	302
والوزن یومئذن الحق فمن ثقلت۔	304
ولقد مکنا کم فی الارض و جعلنا لکم	311
نماز کا مقام زمین کی فضاء ہے۔	312
مقدس زمین میں پیدا ہونا بھی افضل ہے۔	314
ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم۔	317
کوئی شخص انبیاء سے افضل نہیں جو یہ عقیدہ رکھے وہ کافر ہے۔	320
سجدۂ تعظیمی حرام ہے۔	323
قال فاھبط منھا فما یکون لک ان تتکبر	325
بزرگوں کی دعا سے عمریں لمبی ہوتی ہیں۔	328
قال فبما اغویتنی لا قعدن لھم	331
شیطان کے آنے کے راستے۔ من اور عن کا فرق۔	333
قال اخرج منھا مذء وما " مدحورا " ۔	338
فوسوس لھما الشیطان۔	343
حضرت آدم نوعیت حکم کو بھولے۔	345
شیطان نے کس طرح جنت میں آدم و حوا کو وسوسہ ڈالا حضرت آدم کیا بھولے۔	345
فدلھما بغرور فلما ذاقا۔	350
ہرنی میں مشک پیدا ہونے کی وجہ۔	353
ہر شخص کو دوست دشمن کی پہچان لازم ہے۔	354
قالا ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم۔	356
کافر و مومن کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں ہو سکتے۔	360
یا بنی ادم قد انزلنا علیکم لباسا " یواری	362
لباس بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔	366
عورتوں کو باریک لباس پہننا حرام ہے۔	366
یبنی ادم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج۔	369
فتنے کے معانی۔	370
شیطانوں کی قسمیں اور نام۔	371
شیطان کے چار کمال۔	372
بے پردگی اور باریک لباس شیطان کا داؤ ہے۔	373
انبیاء و اولیاء کی طاقت و قوت ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔	375
ابلیس کی پیدائش کا مقصد۔	375
شیطان کن کا دوست اور کن سے ڈرتا ہے۔	376
واذا فعلوا فاحشۃ " قالوا وجدنا علیھا	376
نبی کے کان و زبان کا فرق۔	377
کون سی تقلید اچھی کون سی بری ہے۔	380
قل امر ربی بالقسط و اقیموا۔	381
قسط کے معنی۔	383
کتنی جگہ مساوات نہیں ہو سکتی۔	385
یا بنی ادم خذوا زینتکم۔	388
زینت کے کتنے معنی ہیں۔	390
منع اور حرام میں فرق۔	391
مسجد کے معنی۔	392
تقویٰ کے معنی۔	392

مضمون	صفحہ
حدیث و قرآن کا فائدہ۔	394
طیب روزی کی شرطیں۔	396
قل انما حرم ربی الفواحش	397
فاحشہ کیا چیز ہے۔	398
گناہ کی قسمیں۔	399
حق العبد معاف نہیں ہوتے۔	401
یا بنی ادم اما یاتینکم رسل	403
تقویٰ کی قسمیں۔	405
خوف کی قسمیں۔	405
ہر نبی کے لئے کتاب یا معجزہ ضروری نہیں۔	406
قرآن مجید میں کتنے عہد لئے گئے۔	406
تکبر کے درجات۔	406
فمن اظلم ممن افتری علی اللہ	410
کتاب اور لوح سے کیا مراد ہے۔	411
موت دینے والے فرشتے کتنے ہیں۔	412
نبی اور رسول میں فرق۔	412
تدعون کے معنی۔	412
دون اور تدعون کے معنی۔	412
قال ادخلوا فی امم قد خلت	415
جنوں کی تعداد انسان سے زیادہ ہے۔	418
ہر کافر کافر گر ہے۔	421
پاگل اور نا سمجھ بچوں کو عذاب نہیں۔	421
ان الذین کذبوا بایاتنا	422
سب سے بڑی نعمت اور سب سے بڑا عذاب کیا ہے۔	426
کفار کو مرحوم کہنا حرام ہے۔	426
کفار کے بچے اور دیوانوں کا حکم۔	426

مضمون	صفحہ
ظلم اور کفر میں فرق۔	427
اعمال کی قسمیں۔	429
ون سا ایمان معتبر ہے اور کون سا نہیں۔	432
جنت کی قسمیں اور جنت عملی کتنی طرح کی ہے۔	432
و نزعنا ما فی صدورھم	433
انبیاء کرام کا ہر کام حق ہوتا ہے۔	436
تمام صحابہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر خواہ اور جنت اور دنیا میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔	437
مسلمانوں کی آپس کی لڑائیاں جنتیوں کی نشانی ہے۔	438
ہر شخص کو ہمیشہ حضور نبی کریم کی حاجت ہے۔	438
جنت ملنے کی علت اور سبب کیا ہے۔	438
و نادی اصحاب الجنۃ اصحاب النار	440
بعد قیامت کوئی اندھا، بہرا، گونگا نہیں ہوگا۔	444
انبیاء کی آنکھ بیک وقت سارے عالم کو دیکھتی ہے۔	444
دور کی آواز سننا شرک نہیں۔	444
و بینھما حجاب و علی الاعراف	446
اعراف میں کون لوگ ہیں اس کی تحقیق۔	447
نبی کریم ہمیشہ سے ہر شخص جنتی دوزخی کو پہچانتے ہیں۔	450
حضور پر سلام کرنا پڑھنا بہت بہتر ہے۔	450
حجاب اور اعراف کیا ہے۔	450
حجاب کی قسمیں۔	450
و نادی اصحب الاعراف	452
مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی شان میں فرق۔	456
نجدی، دیوبندی، وہابی قرن الشیطان کیوں ہیں۔	457
و نادی اصحب النار اصحب الجنۃ	457
افاضہ اور اراقہ کے معنی میں فرق۔	458

مضمون	صفحہ
لہو اور لعب میں فرق۔	458
دنیا میں عجز و انکسار آخرت کی عزت کا ذریعہ ہے۔	460
قاری احمد حسین رحمتہ اللہ کا عجیب مکالمہ۔	461
گانا، ڈھول، سارنگی، طبلہ سب کھیل کود اور جہنم کا سامان ہے۔	461
استاد کا اپنے شاگرد کو ڈھیل دینا شاگرد کی تباہی ہے۔	461
ولقد جئناهم بكتاب فصلناه	463
قرآن مجید میں نو قسم کے مضمون ہیں۔	464
نبی کریم کے حالات و صفات قرآن مجید کی تفصیل ہیں۔	464
قرآن مجید کس کے لئے آیا۔	466
هل ينظرون الا تاويله۔	467
حق سے کیا مراد ہے۔	468
ایمان کی ہدایت صرف نبی پاک سے ملتی ہے۔	470
ایمان کفر علیحدہ علیحدہ عمل ہیں۔	470
رجاء اور امنیہ میں فرق۔	471
غم تین قسم کے ہیں۔	471
ان ربكم الله الذي	472
آسمان اور زمین کی تعریف۔	473
سدس اور ستہ کی تحقیق۔	474
کس دن اور کس وقت کیا کام ہوا۔	474
دنوں کے نام رکھنے کی وجہ۔	474
استویٰ سے کیا مراد ہے۔	474
امر اور خلق کے معنی۔	475
کتنے کاموں میں جلدی کرنا ثواب ہے۔	476
ادعوا ربكم تضرعا" وخفية	477
رحمت اور محسنین سے کیا مراد ہے۔	481
لاؤڈ سپیکر پر نماز ٹھیک نہیں۔	483
تضرع اور خفیہ کا فرق صوفیانہ۔	485
وهو الذي يرسل الريح	486
ہوائیں کتنی قسم کی ہیں۔	487
بشرا" کے معنی۔	487
بارش کیوں رحمت ہے۔	488
قیاس برحق ہے۔	489
پانی اور ہوا کے بوجھ کی تحقیق۔	490
والبلد الطيب يخرج	491
نکد کے معنی۔	492
بے ادب گستاخ کو خبیث کہنا جائز ہے۔	493
کافر، مومن، عالم کے دل اور سینے میں فرق۔	495
انسان کا دل مثل زمین کے ہے۔	495
لقد ارسلنا نوحا" الى قومه۔	495
نوح علیہ السلام کا اسم گرامی اور آپ کا نسب نامہ۔	496
قوم کے معنی۔	496
الہ کے معنی۔	497
خوف پانچ طرح کا ہے۔	497
نبی گمراہ اور گنہگار نہیں ہو سکتے۔	500
تعجب کے درجے۔	504
انبیاء کائنات کا فخر ہوتے ہیں۔	507
فكذبوه فانجيناه	508
حضرت نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام۔	510
آنکھ اور دل کے اندھے میں فرق۔	511
والى عاد اخاهم هودا"	512

مضمون	صفحہ
قوم عاد کی تحقیق۔	513
قرآن میں اخ کتنے مضمون میں آتا ہے۔	513
حضرت ہود کا نسب نامہ۔	513
حضرت ہود اور حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ میں فرق۔	513
انی اخاف علیکم اور افلا تتقون میں فرق۔	517
ضلال اور سفاھتہ میں فرق۔	517
امت ایک ہی نبی کی ہوتی ہے چاہے اس زمانے میں اور بھی نبی ہوں۔	518
گزشتہ نبیوں اور ہمارے حضور کی تبلیغ میں فرق۔	518
ابلغکم رسالات ربی۔	519
قوم ہود کے قد کی لمبائی اور جسامت۔	522
ذکر کے تین معنی' آلاء کی تحقیق۔	522
امام محمد اور اعلیٰ حضرت کی آخری تبلیغ۔	523
شیطان ابو جہل اور نئی زمانہ کے گستاخوں میں کوئی فرق نہیں۔	523
کون سا موٹاپا عذاب اور کون سا موٹاپا نعمت۔	525
قالوا اجئتنا لنعبد اللہ	526
قول کے چند معنی۔	527
نبی کے مقابل جمہوریت ناقابل قبول ہے۔	527
رجس کے معنی۔	528
غضب اور رجس میں فرق۔	528
نبی کو بے بس ماننا کافروں کا طریقہ ہے۔	529
ہندوؤں کے خود ساختہ معبود فرضی ہیں۔	530
فانجینہ والذین	532
قوم عاد کی ہلاکت۔	533

مضمون	صفحہ
زمزم اور رکن کے درمیان انبیاء کے مزارات۔	535
علماء اور اولیاء کا ساتھ خدا کا قرب ہے۔	536
والی ثمود اخاھم صالحا" ۔	537
لفظ ثمود کی تحقیق۔	538
اتباع' عبادت' اطاعت میں فرق۔	539
صالح علیہ السلام کی اونٹنی آیت اللہ کیوں ہے۔	540
سب سے بڑی نعمت اللہ کی عبادت ہے۔	541
نبی کریم کا نام پاک معجزہ ہے۔ جس کا ظہور آج بھی ہو رہا ہے۔	541
نبی کو بھائی کہنا بے دینی ہے۔ اور بھائی کون ہوتا ہے۔	542
واذکروا اذ جعلکم	544
قوم ثمود اور قوم عاد کا وطن۔	545
قوم ثمود کے حالات۔	545
تعثوا کے معنی۔	545
میلاد پاک کرنا بہت ضروری ہے۔	546
کون کون سی چیز اسراف نہیں۔	546
مینار پاکستان بنانا جائز ہے۔	546
صحابہ کے زمانہ میں دیوبندی' وہابی نہیں تھے۔ سب اہلسنت تھے۔	547
تکبر کی قسمیں۔	549
کس کفر سے عذاب آتا ہے۔	551
انبیاء کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے۔	551
علم تاریخ پڑھنا بہت اچھا ہے۔	552
لعقروا الناقۃ وعتوا عن امر	554
عقر سے کیا مراد ہے۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو ذبح کرنے والے کا نام۔	554

مضمون	صفحہ
صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا بچہ قیامت کا دابتہ الارض ہے۔	554
اونٹنی کے ذبح کا واقعہ۔	555
انبیاء کا مقابلہ اللہ کا مقابلہ ہے۔	556
کام اور ارادۂ کام میں فرق۔	557
فاخذتهم الرجفته	558
بعد وفات ہر شخص زندوں کا کلام سنتا ہے مومن ہو یا کافر۔	560
قوم ثمود کی ہلاکت اس زمانہ میں دنوں کے نام۔	561
حضور کا علم غیب۔	561
حضرت صالح علیہ السلام پر کتنے لوگ ایمان لائے؟ کتنی عمر پائی، آپ کی وفات اور قبر شریف، کتنے سال تبلیغ فرمائی؟	561
انبیاء و اولیاء کو بعد وفات دور سے پکارنا جائز ہے۔	563
انبیاء و اولیاء سے کون سی محبت ذریعہ ایمان ہے۔	563
ولوطا اذ قال لقومه	564
لوط کے لفظی معنی۔	565
حضرت لوط کتنی بستیوں کے نبی تھے۔	566
بعثت نبی کی قسمیں۔	566
بعض نام انجام کو ظاہر کرتے ہیں۔	568
لواطت کی ابتداء۔	568
عالمین کتنے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔	570
فانجیناه واهله	572
پچھلی امتوں پر عذاب آنے کی صورتیں۔	572
اہل کے معنی۔	573
اہل بیت کون ہیں۔	573
حضور نبوت کے سورج ہیں۔	574
بیوی اہل بیت ہے۔	576
بہائی مذہب کا مبلغ کون ہے۔	576
بری صحبت ہلاکت ہے۔	576
والی مدین اخاهم شعیبا۔	577
لفظ مدین اور لفظ شعیب کی تحقیق۔	578
اسماء انبیاء کی تصغیر ناجائز ہے۔	578
کملی والا کہنا منع ہے۔	578
شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ۔	578
کسی نبی کو نفرت والا مرض نہیں لگتا۔	578
دلیل انی اور دلیل لمی کا فرق۔	581
ولا تقعدوا بکل صراط	583
ایمان کے کتنے شعبے ہیں۔	583
دین عقل سے نہیں بلکہ نبی کے کرم سے حاصل ہوتا ہے۔	585
خاندانی منصوبہ بندی کا کیا حکم ہے۔	585
کثرت تعداد اللہ کی نعمت ہے۔	586
وان کان طائفته	588

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

وَلَوۡ اَنَّنَا نَزَّلۡنَاۤ اِلَيۡهِمُ الۡمَلٰۤٮِٕكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الۡمَوۡتٰى وَحَشَرۡنَا عَلَيۡهِمۡ

اور اگر تحقیق ہم اتاریں طرف ان کے فرشتے اور کلام کریں ان سے مردے اور جمع کردیں ہم ان پر

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز

كُلَّ شَىۡءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوۡا لِيُؤۡمِنُوۡۤا اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَهُمۡ

ان کی ہر چیز آمنے سامنے تو نہیں ہیں وہ کہ ایمان لاویں مگر یہ کہ چاہے اللہ اور لیکن بہت سے ان

ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا لیکن ان میں

يَجۡهَلُوۡنَ ﴿۱۱۱﴾

میں کے جہالت کرتے ہیں

بہت نرے جاہل ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اجمالاً ارشاد ہوا تھا کہ ان مطالبہ کرنے والے کفار کے پاس اگر نشانیاں آجائیں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے کہ ارشاد تھا **انها اذا جاءت لا یومنون**۔ اب اسی اجمال کی تفصیل ہے کہ اگر ان کے پاس فرشتے آجائیں' ان کے مردے زندہ ہو کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دے دیں' بلکہ ہر چیز ان کے سامنے آجائے۔ یہ ایمان لانے والے نہیں۔ گویا یہ آیت اس آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ان کی آنکھیں' ان کے دل پھیر دیئے۔ اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ چونکہ یہ کفار بصارت اور بصیرت دونوں سے محروم ہیں' اسی لئے انہیں کوئی نشانی دکھانا مفید نہیں۔ گویا پہلے ان کی بیماری کا ذکر تھا۔ اب اس بیماری کے انجام کا۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار اپنے کفر کے جنگل میں حیران و پریشان پھر رہے ہیں' انہیں کسی بات پر یقین نہیں **فی طغیانهم یعمهون** اب ارشاد ہے کہ ان کی یہ پریشانی لاعلاج ہے۔ کوئی نشانی ان کی پریشانی کا علاج نہیں بن سکتی' گویا مرض کا ذکر پچھلی آیت میں تھا اور اس کے لاعلاج ہونے کا ذکر اس آیت میں ہے۔

شان نزول: ایک دفعہ پانچ سرداران قریش ولید ابن مغیرہ مخزومی' عاص ابن وائل سہمی' اسود ابن عبد یغوث زہری' اسود

ابن مطلب ' حارث ابن حنظلہ اپنے ساتھ بہت سے کفار قریش کو لے کربارگاہ رسالت میں حاضر ہوئے 'بولے کہ ہماری قوم میں قصی ابن کلاب اور جدعان ابن عمرو بڑے سچے اور بزرگ گزرے ہیں۔ سارے قریش ان کی بات مانتے تھے۔ انہیں مرے ہوئے کافی عرصہ ہوچکا ہے اگر آپ ان دونوں کو زندہ کردیں اور وہ ہمارے سامنے آکر آپ کی حقانیت اور اسلام کی سچائی کی گواہی دے دیں تو ہم لوگ اسلام قبول کرلیں گے۔ ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر ' خازن ' روح البیان ' خزائن العرفان)۔ نوٹ : ان کفار کے یہ مطالبے محض شغل اور دل لگی کے لئے تھے۔ ورنہ چاند پھٹنا ' سورج لوٹنا ' کنکروں ' پتھروں کا کلمہ پڑھنا ' ان کے ان مطلوبہ معجزہ سے کہیں زیادہ حیرت ناک تھے ' جب وہ ان معجزات کو جادو کہہ کر ٹال جاتے تھے تو وہ ان معجزات پر ایمان کیالاتے۔

تفسیر : **ولو اننا نزلنا الیھم الملئکۃ۔** **لو** حرف شرط ہے۔ **ان۔ لو۔ اذا** وغیرہ کے فرق بارہا بیان کرچکے ہیں کہ **لو** وہاں بولا جاتا ہے جہاں شرط و جزاء دونوں معدوم ہوں مگر معلق ہوکر۔ یعنی جزاء اس لئے معدوم ہو کہ شرط معدوم ہو۔ جیسے اگر تم آتے تو انعام پاتے۔ یعنی تم کو انعام نہ ملا اس لئے کہ تم آئے نہیں مگر یہاں اس معنی میں نہیں یہاں بمعنی ان ہے کیونکہ یہ کلام معلق کرنے کے لئے ہے ہی نہیں۔ بلکہ کفار کی ڈھٹائی دکھانے کے لئے ہے کہ اگر ہم فرضاً" یہ نشانیاں دکھادیں جب بھی یہ کفار ایمان نہ لائیں ' یہ مطلب نہیں کہ ان کا ایمان نہ لانا ہمارے ان نشانیاں دکھانے پر موقوف ہے۔ **نزلنا** ز کے شد سے ارشاد فرماکر یہ بتایا کہ اگر ان پر فرشتے یکے بعد دیگرے ہم اتارتے رہتے یا اتارتے رہیں کہ دو چار آج ان کے پاس آجائیں دو چار کل ' یہ سلسلہ برابر جاری رہے۔ اتارنے سے مراد ہے اس طرح اتارنا جسے وہ دیکھیں ' ورنہ ہر انسان کے ساتھ اعمال لکھنے والے حفاظت کرنے والے فرشتے رہتے ہیں جن کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں مگر وہ انہیں نظر نہیں آتے یا **ملا نکہ** سے مراد مطلقاً فرشتے ہیں جو خود اپنی شکل میں ان کے پاس آئیں ورنہ حضرات صحابہ نے بلکہ ان کفار نے انسانی شکل میں فرشتے بارہا دیکھے تھے۔ **و کلمھم الموتی** یہ عبارت **اننا نزلنا** الخ پر معطوف ہے اور **لو** کے تحت ہے۔ **کلم** فرماکر بتایا کہ اگر بار بار صراحۃ" مردے ان سے صاف صاف گفتگو کریں۔ **ھم** کا مرجع وہی مطالبہ کرنے والے کفار ہیں **الموتی** جمع ہے میت کی۔ اس سے مراد یا تو وہی قصی ابن کلاب اور جدعان ابن عمرو ہیں جن کو زندہ کرنے اور ان سے گواہی دلوانے کا ان لوگوں نے مطالبہ کیا تھا یا اس سے عام مردوں کی جماعت مراد ہے یعنی ان لوگوں سے وہ مردے یا عام مردے زندہ ہو کر حقانیت اسلام کے متعلق صاف صاف گفتگو کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی پر زور گواہی دیں کہ بیداری کی حالت میں مردے ان سے کلام کریں ' خواب کا کلام مراد نہیں بعض مقبولین بارگاہ بیداری میں مردوں سے کلام کرلیتے ہیں۔ ویسے عام حالات میں بھی مردے زندوں سے کلام کرتے ہیں جو زندے سنتے نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دے دی ہے۔ جیسے جمعرات کے دن مردوں کا اپنے زندہ عزیزوں کے گھر آنا ' ان سے ثواب کی درخواست کرنا یا جو قبرستان سے گزرے ان سے مردوں کا درخواست دعا کرنا۔ لہذا یہ احادیث اس آیت کے خلاف نہیں **و حشرنا علیھم کل شئی" قبلا"** یہ عبارت معطوف ہے **و کلمھم الموتی** پر۔ اس میں ان کے مطالبوں سے زیادہ چیز کا ذکر ہے۔ **حشرنا** بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا۔ اس لئے قیامت کو حشر اور میدان قیامت کو محشر کہتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ذالک حشر علینا یسیر۔** **علیھم** میں **علی** یا بمعنی عند ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے **کل شئی** سے مراد فرشتوں اور مردوں کے علاوہ دوسری چیزیں ہیں۔ جانور ' اینٹ ' پتھر ' لکڑیاں وغیرہ جو کفار

کے سامنے جمع ہو کر اسلام کی حقانیت کی گواہی دیں بلکہ اگر سارا عالم غیب فرشتے جنت دوزخ وغیرہ بھی ان کے سامنے کر دی جائیں تب بھی یہ ایمان نہ لائیں۔ **قبلا** ” ہماری قرات میں ق اور ب کے پیش سے ہے ' مصدر ہے بمعنی مقابلہ و معاینہ یعنی سامنے ہونا یہ **حشرنا** کا ظرف ہے یعنی ہم ساری چیزیں ان کے سامنے جمع کر دیں۔ ہو سکتا ہے کہ **قبلا**" قابل کی جمع ہو بمعنی مقابل۔ تب یہ کل شی سے حال ہو گا یہ بھی ممکن ہے کہ قبیل کی جمع ہو بمعنی کفیل و ذمہ دار جیسے رغیف کی جمع رغف اور قضیب کی جمع قضب یا یہ جمع ہے قبیلہ کی بمعنی جماعت لہٰذا اس لفظ کے بہت معنی ہو سکتے ہیں مگر پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔ بعض قراتوں میں **قبلا**" ق کے کسرہ ب کے فتحہ سے ہے (تفسیر کبیر و معانی) **ما کانوا لیومنوا** یہ عبارت لو کی جزا ہے **ما امنوا** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی **ما کانوا لیومنوا** تاکہ معلوم ہو کہ ان کا ایمان لانا قریبا" ناممکن ہے۔ نہیں ہیں وہ کہ ایمان قبول کرلیں۔ اس لئے مفسرین نے اس عبارت کے معنی کئے ناصح اور ما استقام اور **ما امکن ایمانہم**۔ دیکھو عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کر کے ان سے کلام کرا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ستر اسرائیلیوں کو کوہ طور پر لے جا کر رب کے کلام کا نظارہ کرا دیا مگر جن کے مقدر میں ایمان نہ تھا وہ ایمان نہ لائے **الا ان یشاء اللہ** یہ عبارت **لیومنوا** کا ظرف ہے اصل عبارت یوں تھی۔ **لیومنوا فی حالۃ من الحالات الا ان یشاء اللہ** یعنی وہ بغیر اللہ تعالیٰ کے چاہے کسی صورت سے ایمان نہیں لا سکتے۔ **ولکن اکثرھم یجھلون** اس عبارت میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو ان مطالبہ کرنے والوں کی سفارش کرتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں یہ مطلوبہ معجزات دکھا دیئے جائیں شاید یہ لوگ اسی ذریعہ سے ایمان قبول کرلیں۔ جہالت سے مراد اصل حقیقت سے بے خبری ہے۔ یعنی ان سفارشی لوگوں میں بہت سے لوگ جاہل ہیں جو عقیدے کے اس مسئلہ سے خبردار نہیں کہ بغیر ارادہ الٰہی ذرہ جنبش نہیں کر سکتا انہیں چاہئے کہ ان کے ان مطالبوں کے پورا نہ ہونے پر دل تنگ نہ ہوں اگر ان کے مطالبہ کرنے اور ادھر سے مطالبات پورا کرنے کا یہی سلسلہ رہا تو نبوت کا مقصد تبلیغ وغیرہ بالکل فوت ہو جائے گا یہ مطالبے کرتے رہیں گے اور ہم ان کے مطالبے پورے کرتے رہیں گے۔ سب وقت اسی میں ضائع ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے مسلمانوں ان مطالبات والے کفار کے مطالبوں پر نہ دھیان دو' نہ ان کے پورا کرنے کی بارگاہ نبوت میں سفارش کرو' یقین کرو کہ اگر ایک دو دفعہ نہیں بلکہ بار بار فرشتے اپنی اصل شکل و صورت میں ان کے پاس آئیں اور یہ انہیں ان کی اصل شکل میں دیکھ بھی لیں اور وہ فرشتے ان سے اسلام اور صاحب اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیں گور اگر ہم ان کے بتائے ہوئے یا عام مردے زندہ کر کے ان کے سامنے کھڑے کر دیں اور وہ ان سے بار بار کلام کریں۔ قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی گواہی دیں بلکہ اگر ہم دنیا کی ہر خشک و تر شجر و حجر بحر و بر ان کے سامنے لا کھڑی کریں وہ سب اسلام کی حقانیت ' کفر کی برائی بیان کریں۔ یہ سب کچھ ہو جائے یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ پھر بھی یہ سب لوگ وہی کہیں گے اور دوسرے مطالبے کرتے ہی رہیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ فرشتوں اور مردوں کا کلام سن کر یہ کہیں گے کہ اب ہم کو نبی کے ماننے کی کیا ضرورت ہے 'ہم تو ان فرشتوں یا مردوں کے کلام کے ذریعہ خدا کو اور اس کی توحید وغیرہ کو مانتے ہیں پھر بھی کافر ہی رہیں گے۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ ہی انہیں ہدایت دیتا تو یہ اسلام قبول کر سکتے۔ اس حقیقت کے ہوتے ہوئے بھی بہت سے لوگ بے علمی کی باتیں کرتے ہیں 'ان کے مطالبے پورے کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔ اے مسلمانو تم کفار کی فکر میں مبتلا

نہ رہواپنی فکر کرو۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ رب تعالیٰ کی دکان ہے۔ جس میں ایمان 'عرفان' تقویٰ ولایت شریعت و طریقت ہر طرح کے سودے ہیں مگر وہاں سے خیر وہی لے سکتا ہے۔ جس کے پاس عقیدت 'محبت 'اخلاص کی نقدی ہو پھر جتنا اخلاص وغیرہ زیادہ اتنا ہی اسے سوداا علیٰ ملے گا۔ ان کفار کے دل کی جیب اس نقد سے خالی تھی تو انہیں ایمان وغیرہ کیسے ملتے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: فرشتوں کا انسانوں کے پاس آنا ان سے کلام کرنا' انسانوں کا انہیں دیکھنا' ان کی سننا یہ سب کچھ ممکن ہے 'محال نہیں۔ انہیں شکل انسانی میں دیکھنا تو واقعہ میں ہو چکا ہے۔ حضرت مریم نے جناب جبرئیل کو شکل انسانی میں دیکھا' ان سے کلام و گفتگو کی' انہیں ان کی اصل شکل میں دیکھنا بھی ممکن ہے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دفعہ حضرت جبرئیل کو ان کی اصلی شکل میں دیکھا یہ فائدہ **لو اننا نزلنا الخ** سے اشارۃ" حاصل ہے۔ **دوسرا فائدہ**: اس دنیا میں مردوں کا زندوں سے ملاقات کرنا ان سے گفتگو کرنا ان کی سننا یہ سب کچھ ممکن ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کر کے 'زندوں کی ان سے ملاقات بھی کرادی 'ان سے گفتگو بھی۔ یہ فائدہ اشارۃ" و **کلمھم الموتی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: ہر خشک و تر چیز کا ہمارے سامنے آجانا 'ہم سے کلام کرنا ممکن ہے اگر چہ واقع نہیں۔ یہ فائدہ **و حشرنا علیھم الخ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: قرآن 'معجزات' تبلیغ و وعظ مستقل ہادی نہیں بلکہ یہ ہدایت کا ذریعہ 'ہدایت تو رب کے کرم سے ملتی ہے جیسے دوائیں شافی الامراض نہیں بلکہ شفا کا ذریعہ ہیں۔ شافی تو رب تعالیٰ ہے یہ فائدہ **الا ان یشاء اللہ الخ** سے حاصل ہوا جو مومن ہوا وہ اللہ کے ارادے سے ہوا جو کافر ہوا وہ اللہ کے ارادے سے ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: ارادہ 'مشیت' رضا' حکم ان سب میں بہت فرق ہے اللہ تعالیٰ نے کسی کو کفر کا حکم نہیں دیا نہ کفر سے راضی ہے 'ہاں کفار کا کفر اس کے ارادے سے ہے کوئی کام اس کے ارادہ کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ ورنہ وہ خدا نہیں۔

لطیفہ : ایک معتزلی فرقہ والے نے ایک یہودی سے کہا کہ تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتا وہ بولا اس لئے کہ اللہ نے میرے ایمان کا ارادہ نہیں کیا اگر وہ ارادہ کرتا تو میں مسلمان ہو جاتا۔ معتزلی بولا کہ اللہ تعالیٰ نے تو تیرے ایمان کا ارادہ کیا ہے مگر شیطان تجھے ایمان سے روکے ہوئے ہے۔ یہودی بولا کہ پھر تو میں شیطان کے ساتھ رہنا ہی پسند کرتا ہوں کہ وہ خدا پر غالب ہے کہ خدا کے چاہے میں مومن نہ بنا مگر شیطان کے چاہے میں کافر بن گیا۔ مغلوب خدا کے ساتھ رہنا نقصان دہ ہے۔ معتزلی حیران رہ گیا (شرح عقائد)۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے اس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ حتیٰ کہ شیطان 'کفار' کفر اور بری چیزوں کو رب نے پیدا فرمایا تو اس پیدا فرمانے میں اس کی لاکھوں حکمتیں ہیں مگر ان حکمتوں کا پالینا' انہیں سمجھ جانا ہر ایک کا کام نہیں یہ فائدہ **ولکن اکثرھم یجھلون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : نحوی قاعدے سے یہاں **ولو اننا** فرمانا درست نہیں کیونکہ **لو جزاء** کی نفی کو شرط کی نفی پر معلق کرنے آتا ہے جیسے ان جزاء کے ثبوت کو شرط کے ثبوت پر معلق کرنے کے لئے ہوتا ہے مگر یہاں یہ تعلق درست نہیں کیونکہ کفار کا ایمان لانا' فرشتوں کے اترنے پر موقوف نہیں لہذا یہاں **لو** درست نہیں۔ **جواب**: معترض نے یہاں **لو** کو شرطیہ سمجھا ہے اس لئے یہ اعتراض کیا یہ درست نہیں یہاں **لو** ظرفیہ ہے جیسے کبھی ان ظرفیہ ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان تستغفرلھم سبعین مرۃ فلن یغفر اللہ لھم** اس آیت میں ان ظرفیہ ہے نیز جب ان یا لو کے ساتھ واؤ وصلیہ آجائے تو یہ دونوں حرف

ظرفیہ ہو جاتے ہیں لہٰذا اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ اگر ہم فرشتے اتار دیتے تو یہ ایمان نہ لاتے یا اگر ہم فرشتے اتار دیں تو یہ ایمان نہ لائیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ اگر فرشتے اتار دیں تو اس وقت بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے اور کسی وقت لانے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا' لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ لو ظرفیہ بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کا ایمان نہ چاہا لہٰذا وہ ایمان نہ لائے۔ جس سے لازم آیا کہ رب نے ان کا کفر چاہا لہٰذا وہ کافر رہے۔ حالانکہ کفر بری چیز ہے بری چیز کا چاہنا بھی برا ہے۔ اگر کوئی شخص کافر ہو جانے کا ارادہ کر لے تو کافر ہو جاتا ہے کیونکہ ارادۂ کفر بھی کفر ہے تو اللہ تعالیٰ نے اس بری چیز کو کیوں چاہا اس کا ارادہ کیوں کیا؟ **جواب:** کسب کفر کا ارادہ کرنا برا ہے یعنی خود کافر ہو جانے کا ارادہ برا ہے مگر خلق کفر کا ارادہ بلکہ خود خلق کفر برا نہیں اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔ بندہ کسب کفر کا ارادہ کرتا ہے یہ بالکل درست ہے لیکن اگر بندہ کسی کو قتل کرے یا قتل میں مدد دے یا قتل کا ارادہ کرے تو گنہگار ہے خلق اور کسب کا یہ فرق ضرور خیال میں رہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب کافر کا کفر اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہے تو کافر مجرم کیوں' وہی کر رہا ہے جو اللہ کا ارادہ ہے بلکہ وہ تو اس کفر میں معذور ہے؟ **جواب:** اس کا جرم یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کر رہا ہے۔ رب نے فرمایا ہے **امنوا باللہ و رسولہ** حکم کی خلاف ورزی جرم ہے اور چونکہ کفر میں کافر کا اپنا ارادہ بھی شامل ہوتا ہے یعنی رب کے ارادہ اور کافر کے کفر کے درمیان اس کا ارادہ کسب ہے اس لئے وہ مجرم ہے جیسے قاتل قتل کا مجرم ہے اگرچہ مقتول کی موت اللہ کے ارادہ سے ہے۔ غرضیکہ ہمارے غیر اختیاری کاموں پر سزا و جزا نہیں مگر اختیاری کاموں پر سزا بھی ہے جزاء بھی۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **اکثرھم یجھلون** ان میں سے بہت نرے جاہل ہیں حالانکہ کفار تو سارے ہی جاہل ہیں پھر **اکثرھم** کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** **اکثرھم** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **ھم** سے مراد وہ مسلمان ہیں جو ان کے مطالبات پورے فرمادینے کی سفارش کرتے تھے۔ تب مطلب یہ ہے کہ ان سفارش کرنے والوں میں سے اکثر وہ حضرات ہیں جنہیں یہ خبر نہیں کہ یہ لوگ ان مطالبوں کے پورے ہونے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ ان کی یہ قسمیں جھوٹی ہیں۔ چونکہ بہت سے مسلمان اس سے واقف تھے' لہٰذا **اکثرھم** فرمایا۔ دوسرے یہ کہ **ھم** سے مراد مطالبہ کرنے والے کفار ہوں تب مطلب یہ ہے کہ ان مطالبہ کرنے والوں میں سے اکثر تو نرے جاہل ہیں کبھی ایمان نہ لائیں گے اور بعض وہ بھی ہیں جو آگے چل کر ایمان قبول کر لیں گے۔ ابو جہل کافر مراد وہ نرا جاہل تھا' ابو سفیان آخر کار ایمان لے آئے۔ بہر حال **اکثرھم** فرمانا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض کفار کا کفر عارضی اور ہلکا ہے کہ ان کا مومن ہو جانا ارادۂ الٰہی میں آ چکا ہے ان کے لئے معمولی اشارہ کوئی سا معجزہ' کوئی سی نشانی کافی ہے۔ یہ لوگ اس سونے والے کی طرح ہیں جو معمولی سی حرکت دینے سے جاگ جائے بعض کفار کا کفر ہے تو عارضی مگر ہے سخت۔ ان کے ایمان کے لئے زیادہ کوشش ضروری ہے وہ کسی بڑی نشانی' بڑے معجزے کے منتظر ہیں۔ جیسے بیہوش آدمی اگرچہ ہوش میں آ سکتا ہے مگر لخلخہ سونگھانے اور بہت کوشش کرنے پر مگر تیسرے قسم کے کفار وہ ہیں جن کا کفر اصلی ہے ان کے ایمان کی کوئی صورت نہیں اور انہیں کوئی معجزہ مفید نہیں حتیٰ کہ اگر یہ لوگ قیامت اور وہاں کے سارے حالات بھی آنکھوں دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں۔ انہی کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ** اگر یہ قیامت کے بعد بھی دنیا میں واپس کر دیئے جائیں تب بھی کفر ہی کریں گے یہ لوگ اس مردہ کی طرح ہیں جنہیں کوئی تدبیر جگا نہیں سکتی۔ کپڑے پر غبار لگ گیا ہو تو جھاڑ دینے سے صاف ہو جاتا ہے' اگر سخت کالا ہو گیا ہو تو پانی صابن سے دھونے پر سفید

ہو جاتا ہے، لیکن اگر کپڑا پختہ کالے سوت سے ہی بنا گیا ہو تو کسی تدبیر سے سفید نہیں ہو سکتا انسان کے دل کے یہی حالات ہیں یہاں **ولو اننا** الخ میں اس آخری تیسری قسم کے کفار کا ذکر ہے اور **الا ان یشاء اللہ** میں ان پہلی دو قسم کی طرف اشارہ ہے کہ اصلی کافر نہ فرشتے دیکھ کر ایمان لائیں نہ مردوں سے گواہی سن کر نہ تمام معجزات دیکھ کر۔ ہاں جن کا ایمان مشیت الٰہی میں آچکا ہے وہ ابھی یا بدیر ایمان قبول کر لیں گے لہٰذا ان کے ہر مطالبے پورے کرنے کی کوشش نہ کرو اور ان کے کفر سے ملول نہ ہو۔ حضرت عمر کی آنکھیں ایک اشارہ سے کھل گئیں۔ حضرت ابو سفیان بہت جھنجھوڑنے پر ایمان لائے مگر ابو جہل جیسا تھا ویسا ہی گیا یہ رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے عالم اجسام میں رب تعالیٰ کی ہر نعمت واسطوں وسیلوں سے ملتی ہے۔ ماں کے وسیلہ سے رزق وغیرہ' ایسے ہی عالم ایمانیات میں نبی کو احکام وغیرہ حضرت جبرئیل کے واسطے سے ملتے ہیں اور کو نبی کے واسطے وسیلہ سے۔ پھر اللہ تعالیٰ دوسرے وسیلہ کبھی اٹھا بھی دیتا ہے مگر نبی کا واسطہ کبھی نہیں اٹھاتا۔ دیکھو حضرت عیسیٰ بغیر باپ کے وسیلہ کے پیدا کئے گئے۔ حضرت آدم و حوا بغیر ماں باپ کے وسیلہ کے پیدا کئے گئے۔ بنی اسرائیل کو بغیر وسیلہ ء کسان و باورچی من و سلویٰ کی روزی دی گئی۔ مائدہ والوں کو بغیر وسیلہ غیبی دستر خوان دیا گیا بلکہ خود نبی کو بغیر وسیلہ جبرئیل کلام عطا ہوا۔ موسیٰ کلیم اللہ طور پر بغیر وسیلہ رب سے کلام کرتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر وسیلہ جبرئیل معراج میں رب سے کلام کیا مگر ایسی مثال نہیں ملے گی کہ بغیر وسیلہ نبی کسی کو ایمان یا احکام دیئے ہوں۔ امت کو جو ملے گا نبی کے وسیلہ سے ملے گا۔ ابلیس نے بغیر وسیلہ نبی فرشتوں وغیرہ کے ذریعہ مومن ہونا چاہا' مردود کر دیا گیا تو جو لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرشتوں کو اتر تا دیکھنا یا مردوں کا کلام سننا مانگتے تھے اگر وہ ان وسیلوں واسطوں سے اللہ کی توحید وغیرہ مان بھی لیتے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو کر تب بھی مومن نہ بنتے۔ ہاں اگر پھر بھی ان کے ذریعہ نبی کو مانتے اور نبی کے ذریعہ خدا کو پہچانتے پھر مومن بنتے' یہ مطلب ہے **الا ان یشاء اللہ** کا۔ مگر اکثر لوگ ان واسطوں دلیلوں میں فرق نہیں کرتے وہ نرے جاہل ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ
اور یوں ہی بنائے ہم نے واسطے ہر نبی کے دشمن شیطان انسانوں اور جنات کے
اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمی اور جنوں میں کے شیطان
يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ
کہ اشارے کرتے ہیں بعض ان کے طرف بعض کے چکنی باتیں دھوکے کے لئے اور اگر
کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو اور تمہارا رب
رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۝ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِ
چاہتا رب آپ کا تو نہ کرتے وہ یہ حرکتیں پس چھوڑ دو ابھی انہیں اور اسے جو گھڑتے ہیں اور تاکہ مائل ہوں طرف
چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں ان کی بناوٹوں پر چھوڑ دو اور اس لئے کہ اس طرف ان کے دل

يۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ وَلِيَرۡضَوۡهُ وَلِيَقۡتَرِفُوۡا مَا هُمۡ مُّقۡتَرِفُوۡنَ ﴿۱۱۳﴾

انکے دل ان لوگوں کے جو نہیں ایمان رکھتے ساتھ آخرت کے اور تاکہ پسند کریں اسکو اور تاکہ کمائیں وہ جو وہ کمانیوالے ہیں۔

جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو انہیں کمانا ہے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مطالبے کرنے والے کفار بڑے سے بڑا معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہیں جس دل میں رسول کی دشمنی ہو اس میں ایمان کیسے آئے۔ گویا پچھلی آیت میں ان کفار کی بیماری کا ذکر تھا اب اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں مطالبہ کرنے والے کفار کی بیماری کا ذکر تھا اب ارشاد ہے کہ ایسے مطالبے گذشتہ انبیاء کرام سے بھی ان کے دشمنوں کی طرف سے ہوتے رہے ہیں لہٰذا آپ غم نہ کریں۔ گویا پچھلی آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو غمگین کرنے والی چیز کا ذکر تھا اب اس غم کا ازالہ فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ ہم کفار کے دل اور آنکھیں پھیر دیتے ہیں کہ وہ نہ تو حق کو سمجھتے ہیں نہ اسے دیکھتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ حالات آج کے نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہوتے آئے ہیں کہ نبیوں کی باتیں سب نے نہیں مانیں بعض نے مانیں کہ نظام عالم اسی سے قائم ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ بعض لوگ غور نہیں کرتے بلکہ اپنا وقت مطالبات میں ضائع کرتے ہیں اب ان آیات میں ارشاد ہے کہ بعض دوسرے لوگ ان مطالبہ والوں کی ہاں میں ہاں ملاتے ہیں گویا مطالبے کرنے والوں کا ذکر پہلے تھا اور ان کی حمایت کرنے والوں کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **و کذالک جعلنا لکل نبی عدوا** " یہ عبارت یا تو معطوف ہے۔ **و کذالک زینا لکل امۃ** الخ پر۔ اس صورت میں واؤ عاطفہ ہے اور اس جملہ کی وہی ترکیب ہے جو اس جملہ کی تھی اور یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے تب اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے **کما جعلنا ھوء لاء عدوا لک۔ کذالک جعلنا** الخ اگر اس میں روئے سخن نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو اس کا مقصد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ نبیوں کے اجمالی واقعات سنا کر تسکین دینا تاکہ کفار مکہ کی مخالفت سے قلب پاک پر میل نہ آئے کہ ان کے دم سے اسلام کی بہار ہے' ان کا دل پریشان ہو گیا تو یہ کام کیسے چلے گا یا تا قیامت سارے علماء اولیاء سے خطاب ہے' تو مقصد یہ ہے کہ تم لوگ مخالفین سے گھبرا نہ جانا۔ مخالفت پر صبر کرنا' سنت انبیاء ہے اس پر بڑا اجر ہے۔ ہم کو چاہئے کہ کھانا پینا سونا جاگنا جینا مرنا سب میں سنت کی نیت کریں کہ ثواب ہے۔ **جعلنا** یا تو بمعنی **خلقنا** ہے تو ایک مفعول کو چاہے گا اور وہ ہے **عدو** اور اگر **صیرنا** کے معنی میں ہے تو دو مفعول چاہے گا۔ پہلا مفعول عدوا ہے اور دوسرا مفعول شیاطین ہے۔ **جعلنا** فرما کر یہ بتایا کہ مخالفین کا ہونا' ان کی مخالفتیں شاہی انتظام ہے کہ جیسے عالم اجسام توڑ پھوڑ سے قائم ہے' بھوک کو غذا سے' پیاس کو پانی سے' بیماری کو دوا سے' تاریکی کو نور سے توڑتے رہو دنیا قائم رہے گی۔ ایسے ہی عالم ارواح میں توڑ پھوڑ رہنی چاہئے۔ طغیان کو ایمان سے' گناہوں کو توبہ سے' کفار کو غازیوں سے' غفلت کو بیداری سے توڑتے رہو۔ ایمان کے باغ میں بہار رہے گی' اگر شیاطین نہ ہوتے تو یہ توڑ پھوڑ کیسے قائم رہتی۔ نبی' رسول' مرسل ان کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے

ہیں۔ حضرات انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ جن میں تین سو تیرہ رسول بھی ہیں اور چار مرسل بھی۔ نبی فرما کر یہ بتایا کہ صرف رسولوں یا مرسلوں کے ہی دشمن نہیں ہوتے بلکہ ہر نبی کے دشمن رہے۔ نبی فرما کر یہ بتایا کہ فرشتوں' حوروں' غلمان کے دشمن کوئی نہیں۔ صرف انسانوں کے دشمن رہے کہ نبی انسان ہی ہوئے کیونکہ حور و غلمان کو' فرشتوں کو نہ تو مراتب ملتا ہے نہ انہیں دوسروں کے لئے مثال بنانا ہے۔ حضرات انبیاء کرام کے درجے بلند کرنا ہیں ان کی تکالیف کو لوگوں کے لئے مثال بنانا ہے۔ ان وجوہ سے دشمن انہیں انبیاء کے ہوئے۔ **عدوا** کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے یہ لفظ ایک اور جماعت سب پر بولا جاتا ہے۔ یہاں جمع کے معنی میں ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا انا لم انفع صدیقی لوده فان عدوی لم یضرهم بغضی!

اس شعر میں عدو جمع ہے۔ یعنی اے محبوب جیسے آپ کے دنیا میں بہت دشمن ہیں ایسے ہی تمام نبیوں کے دشمن رہے ہیں اور یہ انتظام ہماری طرف سے ہے۔ اس میں صدہا حکمتیں ہیں آپ اس سے ملول نہ ہوں۔ خیال رہے کہ جیسے حضرات انبیاء کرام کے دشمن کفار و شیاطین رہے ایسے ہی ان کے نائبین یعنی علماء' اولیاء' صالحین کے دشمن رہے بھی اور ہیں بھی اور رہوں گے بھی۔ یہ بھی وراثت انبیاء ہے **العلماء ورثة الانبیاء** - خیال رہے کہ سواء ان دو مخلوقوں یعنی انس و جن کے کسی مخلوق میں نبی کے دشمن نہیں۔ مخلوق آسمانی ہو یا زمینی وہ سب کی سب انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع فرمان اور ان سے عشق رکھنے والی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فراق میں لکڑیاں روئیں' احد پہاڑ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پڑنے سے وجد آگیا۔ اونٹوں' چڑیوں نے فریادیں کیں۔ حضرت یوشع کے اشارہ پر سورج ٹھہرا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اشارہ پر ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹا۔ یہ ہے ان کی محبوبیت و سرکاریت۔ **شیاطین الانس والجن**۔ یہ عبارت یا تو **جعلنا** کا دوسرا مفعول ہے یا **عدوا** کا بدل۔ شیاطین جمع ہے شیطان کی۔ اس لفظ کے معنی اور اس کی لفظی تحقیق پہلے پارہ کے شروع میں ہو چکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ شیطان لقب ہے ابلیس کا مگر پھر ہر گمراہ کن کو شیطان کہا جانے لگا۔ نیز شیاطین کی بہت قسمیں ہیں اور ان کی مختلف ڈیوٹیاں ہیں۔ کوئی ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے کوئی کسی خاص مقام پر رہتا ہے ان وجوہ سے یہ جمع بھی ارشاد ہوتا ہے اس کی اضافت انس و جن کی طرف یا من والی ہے یا لام والی۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے۔ یعنی شیطان دو قسم کے ہیں جنات' شیطان اور انسان شیطان۔ جیسے عام گمراہ کن کفار یہ دونوں ہی نبیوں کے دشمن رہے ہیں۔ حسن' قتادہ' مجاہد کا یہی قول ہے مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ابلیس نے اپنی ذریت کے دو حصے کئے ہیں۔ ایک حصہ انسانوں کو بہکانے کے لئے' انہیں شیاطین الانس کہا جاتا ہے یعنی انسانوں کو گمراہ کرنے والے۔ دوسرا گروہ جنات کو بہکانے' ورغلانے کے لئے انہیں شیاطین جن کہا جاتا ہے۔ یعنی جنات کو بہکانے والے۔ وہی یہاں مراد ہے (تفسیر کبیر و خازن' معانی وغیرہ) یا کہو کہ شیاطین کبھی تو ہم سے چھپے رہتے ہیں تب وہ جن ہیں یعنی چھپی مخلوق اور کبھی انسانی شکل میں بلکہ مولویوں کی پیروں کی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ بلکہ نبی بلکہ خدا بن کر سامنے آجاتے ہیں اس صورت میں وہ شیاطین انس یعنی انسانوں کو نظر آنے والے ہوتے ہیں۔ حضور غوث پاک کی بارگاہ میں خدا بن کر آگیا تھا جبکہ آپ تہجد پڑھ رہے تھے۔ مگر پہلا قول قوی ہے کہ بعض انسان بھی شیطان ہوتے ہیں بلکہ جنی شیطان سے سخت تر۔ (1) حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ ابلیس جب جناتی شیطان کے ذریعہ کسی کو بہکانے سے عاجز ہو جاتا ہے تو انسانی شیاطین سے مدد لیتا ہے۔ (2) جناتی شیطان چھپے رہتے ہیں مگر انسانی شیطان ہمارے سامنے ہمارے دوست و

احباب بن کر آتے ہیں اور بہکاتے ہیں۔ (3) لاحول سے جناتی شیطان بھاگ جاتے ہیں مگر انسانی شیطان نہیں بھاگتے۔ (4) حضرت ابوذر غفاری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں عرض کیا یا رسول اللہ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں۔ فرمایا ہاں اور یہ شیطان جنات شیطان سے بدتر ہیں۔ بغوی' مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ انسانی شیطان بدتر اور سخت تر ہیں جن شیطانوں سے کہ جن شیطانوں سے پناہ مل سکتی ہے۔ لاحول کے ذریعے۔ مگر انسانی شیطانوں سے پناہ کہیں نہیں۔ ان وجوہ سے یہاں شیاطین انس کا ذکر پہلے ہوا اور شیاطین جن کا ذکر بعد میں (خازن' معانی' کبیر' ابن کثیر وغیرہ)۔ **یوحی بعضھم الی بعض** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا شیاطین کا حال یا عدوا کی صفت۔ چونکہ یہاں **عدوا** جمع ہے اس لئے **بعضھم** میں ضمیر جمع لائی گئی۔ **یوحی** بنا ہے وحی سے جس کے لغوی معنی ہیں مخفی اشارہ اچھا ہو یا برا لہٰذا وسوسہ' الہام اور وحی الٰہی سب پر بولا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **و اوحی ربک الی النحل**۔ اور فرماتا ہے **و اوحینا الی ام موسی**۔ ان دونوں آیتوں میں وحی بمعنی دل میں ڈالنا ہے اور فرماتا ہے۔ **انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح** مگر وحی سے مراد وحی نبوت ہے اور یہاں وحی بمعنی وسوسہ ہے۔ یعنی جناتی شیطان انسانی شیطانوں کے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ پھر یہ انسانی شیطان لوگوں کو انہی وسوسوں سے گمراہ کرتے ہیں۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے محبوب بندوں کی دستگیری ہوتی ہے انہیں اچھی راہ پر لگایا جاتا ہے۔ بروں کے دلوں میں برے وسوسے شیطان کی طرف سے پڑتے ہیں اچھوں کے دلوں میں اچھے الہامات اللہ و رسول کی طرف سے ہوتے ہیں۔ پھر جیسے ابلیس اپنے نمائندے انسانوں میں سے چھانٹتا ہے' ان کے ذریعہ عوام کو بہکاتا ہے کہ اپنے نمائندوں کے دلوں میں وسوسہ وہ ڈالتا ہے پھر یہ نمائندے لوگوں کو بہکاتے ہیں۔ اسی طرح روحانیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ان کے کارندے چھانٹے جاتے ہیں۔ جن کو اولیاء علماء دین کہا جاتا ہے کہ ان کا ہاتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اور ساری خلقت کی دستگیری وہ کرتے ہیں۔ **زخرف القول** یہ عبارت یوحی کا مفعول بہ ہے **زخرف** کے لفظی معنی ہیں وہ دھوکے کی زینت جو ملمع یا نقش و نگار سے حاصل ہو۔ اصطلاح میں **زخرف** وہ ادنیٰ یا بری چیز ہے جو ملمع سازی کرکے اچھی بنادی گئی ہو جیسے ملمع کی ہوئی پیتل جو سونا معلوم ہو لوگ اسے دھوکا کھاجائیں **زخرف** صفت ہے قول موصوف۔ یہاں صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے یعنی جھوٹی اور باطل بات جو بھلی اور سچی کرکے دکھائی جائے۔ خیال رہے کہ شیطان مختلف لوگوں کے پاس مختلف شکلوں میں جاتا ہے۔ نفسانی شکل میں اور بدعملیوں پر خوبصورت رنگ کی پالش کرتا ہے گانا' ناچنا' کھیل تماشے وغیرہ کی پالش نفسانی لوگوں کے لئے کرتا ہے مگر روحانی لوگوں کے پاس روحانی لباس پہن کر پہنچتا ہے گمراہ کن مولوی' بے دین پیر بن کر آتا ہے۔ بدعملیاں' بدعقیدگیاں آیات قرآنی سے ثابت کرتا ہے۔ ہم نے بعض بے دین مولویوں کو دیکھا کہ منبر پر کھڑے ہو کر قرآن ہاتھ میں لے کر قسمیں کھاتے ہیں کہ ہم وہابی نہیں ہم تو بڑے پختہ سنی ہیں یہ سب **زخرف القول** میں داخل ہیں۔ نوافل اتنے پڑھوا دیتا ہے کہ فرائض سے انسان معذور ہو جائے یہ بھی اسی مردود کا حیلہ ہے۔ **زخرف القول** سب کو شامل ہے **غرورا**" یہ **یوحی** کا مفعول لہ ہے یا بمعنی غارین ہو کر **بعضھم** کا حال یا غیرون پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے۔ **غرور** کے معنی بارہا بیان ہو چکے کہ دھوکہ' فریب کو غرور کہتے ہیں اسی لئے تکبر و شیخی کو غرور کہتے ہیں اور متکبر کو مغرور کہ وہ اپنے متعلق دھوکہ میں ہے کہ ہے کچھ نہیں مگر اپنے کو سمجھتا ہے سب کچھ۔ یعنی شیاطین وسوسے کیوں ڈالتے ہیں محض دھوکہ کے لئے یا دھوکا دیتے ہوئے یا وہ پورا پورا دھوکہ دیتے ہیں۔ غرضیکہ **غرورا** کی تین تفسیریں ہیں۔ خیال رہے کہ

جیسے شیطان نے لوگوں کے لئے مختلف جال بنا رکھے ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو پھانستا ہے ' عورتیں اس کا بد ترین جال ہیں - وہ شکاری اس جال سے بہت شکار کرتا ہے اللہ کے مقبول بندوں کے پاس خوف خدا و عشق جناب مصطفیٰ کے ایسے مضبوط جال ہیں جن سے وہ لوگوں کو دریاء ظلمات سے نکالتے ہیں ان کے ہاتھ میں ہاتھ دینے سے دل میں اللہ کا خوف حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی محبت پیدا ہوتی ہے - بندہ بندہ بن جاتا ہے **ولو شاء ربک ما فعلوہ** یہ جملہ نیا ہے اس میں بھی حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو دوسری طرح تسکین دی گئی ہے - شاء کا مفعول پوشیدہ ہے عدم العداوۃ یا عدم الوحی فعلوہ میں ہ ضمیر یا تو اس عداوت کی طرف ہے جو کفار مکہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم سے رکھتے تھے یا اس عداوت کی طرف ہے جو گذشتہ کفار اپنے نبیوں سے رکھتے تھے یا وحی کی طرف - لہٰذا اس جملہ کی بھی تین تفسیریں ہیں یعنی اگر رب تعالیٰ چاہتا کہ یہ لوگ آپ سے دشمنی نہ کریں یا گزشتہ قومیں اپنے نبیوں سے دشمنی نہ کریں یا یہ شیاطین بعض بعض کو وسوسہ نہ دیں تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے - اس ارادہ میں صدہا حکمتیں ہیں اس سے آپ کے اور ان انبیاء کرام کے درجے بڑھتے ہیں ' عروج ہوتا ہے اور صدہا حکمتیں ہیں **فذرھم وما یفترون** یہ عبارت گذشتہ مضمون پر مبنی ہے ذر کی تحقیق ہم بارہا کر چکے ہیں - **وما یفترون** میں واؤ یا تو عاطفہ ہے یا بمعنی مع اور ما مصدریہ ہے - افتراء کے معنی ہیں گھڑنا ' بناوٹ کرنا - اس سے مراد یا تو ان کفار کا کفر بے دینی ہے یا ان کے ایک دوسرے کو وسوسے - یعنی جب واقعہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہو رہا ہے تو آپ ان کو ان کے کفر و عداوت کے ساتھ ہی چھوڑ دیں - اس کی پرواہ نہ کریں ان پر غم نہ کریں - لہٰذا یہ حکم منسوخ نہیں محکم ہے - مومن کو چاہئے کہ کفار اور ان کی حرکتوں کی پرواہ نہ کرے ہاں اپنی احتیاط ضرور کرے ' اپنے بچاؤ کا سامان رکھے - غرضیکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے پروگرام طے شدہ کے مطابق ہو رہا ہے - یہ تو اسی طرح ہوتا رہے گا - اس فرمان کا مقصد یہ نہیں ہے کہ آپ ان کی تردید نہ کریں ' لوگوں میں تبلیغ نہ فرمائیں بلکہ منشاء یہ ہے کہ ان چیزوں کی پرواہ نہ کریں - **و لتصغی الیہ** یہ فرمان عالی یا تو علیحدہ مستقل جملہ ہے واؤ ابتدائیہ ہے - یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے **فعلنا ذالک یا اردنا شئنا ذالک** یا یہ عبارت معطوف ہے **غرورا** پر اور **یوحی** کا دوسرا مفعول لہ لتصغی میں لام بمعنی کے ہے اور تصغی بنا ہے **صغو** سے بمعنی میل یا جھکنا الیہ میں ضمیر کا مرجع وہی وسوسہ ہے جس کا ذکر پہلے ہوا - **افئدۃ الذین لا یومنون بالاخرۃ** - **افئدہ** جمع ہے **فواد** کی بمعنی دل - خیال رہے کہ یہاں عقل ' یا نفس ' یا قلب نہیں فرمایا بلکہ فواد فرمایا - کیونکہ نفس امارہ اور عقل انسانی تو کبھی شیطان سے دھوکہ کھا جاتے ہیں ' نیک لوگوں کی عقل وغیرہ کبھی ان سے اثر لے لیتی ہے مگر مومن کا فواد کبھی ادھر متوجہ نہیں ہوتا ہے - قلب اور فواد دونوں قریباً " ہم معنی ہیں دونوں کے معنی ہیں دل مگر کبھی فواد دل کے اندرونی سطح کو کہتے ہیں - خصوصاً " دل کا اندرونی سیاہ دانہ جسے حب سوداء کہا جاتا ہے - الحمد للہ کہ مومن کے اندرونی دل میں اللہ تعالیٰ کا نور اس کے حبیب کی الفت رہتی ہے مگر کافر کے دلوں کے اندرون میں شیطان رہتا ہے - اس لئے ان کا دلی میلان اس کی طرف ہوتا ہے - **الذین** الخ سے مراد سارے کفار ہیں مشرکین ہوں یا دوسرے - آخرت سے مراد قیامت اور جنت دوزخ وغیرہ ہیں یعنی ان شیاطین کے وسوسوں کی دوسری حکمت یہ ہے کہ یہ حق و باطل کے درمیان فرق ہیں کہ کفار انہیں پسند کرتے ہیں اور مومنین ان سے نفرت کرتے ہیں یہ میلان اور نفرت خود ان کے اپنے کفر و ایمان کی علامت ہے **ولیرضوہ** یہ عبارت معطوف ہے **لتصغی** پر اور اس کی تیسری حکمت کا بیان ہے - ہ ضمیر اسی وحی کی طرف ہے جس کا ذکر ابھی ہوا یعنی ان وسوسوں کی ڈھیل دینے میں تیسری حکمت یہ ہے کہ کفار ان وسوسوں کو

اپنے لئے پسند کرتے ہیں ان سے راضی ہوتے ہیں ان کی تعریف کرتے ہیں میلان دلی اور چیز ہے اور پسند کرنا خوش ہونا دوسری چیز۔ میلان پہلے ہوتا ہے رضا بعد میں اس لئے یہاں پہلے میلان کا ذکر ہوا پھر رضا کا **و لیقترفوا ما ھم مقترفون** یہ اس وسوسہ وغیرہ کی چوتھی حکمت کا بیان ہے۔ یہ عبارت معطوف ہے لیرضوہ پر۔ اقتراف بنا ہے قرف سے۔ قرف کے معنی ہیں درخت کی چھال یا زخم کی کھال الگ کرنا اب اصطلاح میں کسب کرنے 'کمانے' ظاہری عمل کرنے کو اقتراف کہتے ہیں مگر اس کا "استعمال عموماً" برے کام کرنے کے لئے ہوتا ہے کہا جاتا ہے۔ قرفت فلانا میں نے فلاں کو عیب لگایا (روح المعانی) یعنی ان وسوسوں کا چوتھا نتیجہ یا چوتھی حکمت یہ ہے کہ ان وسوسوں کو کفار مشرکین قبول کرکے ان پر عمل کرتے ہیں اور پھر بد سے بدتر اعمال کرتے ہیں۔ مومنین ان پر لاحول پڑھ کر الگ ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ وسوسے بظاہر بھلے حقیقتہ "برے ہوتے ہیں کیونکہ ان کے دلوں میں شمع ایمانی منور ہے۔ اس شمع پر رحمت خداوندی کی صاف و شفاف چمنی چڑھی ہے۔ جس کی وجہ سے نہ ان کے دل دنیا کی طرف جاتے ہیں نہ دنیا ان کے دلوں میں آسکتی ہے۔ خیال رہے کہ کبھی تو انسان برائی کی طرف جاتا ہے اور کبھی برائی اس کے پاس پہنچتی ہے۔ چوری کرنے چور نکلا یہ گناہ کے پاس گیا۔ رشوت کا پیسہ گھر بیٹھے آیا یہ گناہ اس کے پاس آیا۔ رب تعالیٰ دونوں سے بچائے۔ نہ بکری 'بھڑیئے کے پاس جائے نہ بھیڑیا بکری کے پاس آئے۔ جنت دشواریوں سے گھیری گئی ہے۔ دوزخ ظاہری ٹیپ ٹاپ سے۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمت ہے اس سے ملول نہ ہونا چاہئے۔ خیال رہے کہ کسب اور قرف دونوں کے معنی ہیں کمانا مگر کبھی ان میں فرق یہ کیا جاتا ہے کہ اعمال کے کنارہ پر رہ کر عمل کرنا کسب ہے اس میں گھس کر عمل کرنا اقتراف ہے۔ مکھی شہد کے کنارہ رہ کر شہد کھائے تو محفوظ رہتی ہے شہد میں گھس جائے تو ہلاک ہو جاتی ہے۔ مومن گناہ کر لیتا ہے مگر اس سے کنارہ پر رہ کر گناہ اس کے دل میں نہیں آتا مگر نیکی کرتا ہے 'اس میں گھس کر کہ نماز 'روزہ اس کے قلب و قالب دل دماغ اعضاء سب میں سرایت کر جاتے ہیں گویا گناہ کا کسب کرتا ہے۔ نیکی کا اقتراف کافر منافق اس کا عکس ہے کہ وہ اگر نیکی کرتا ہے تو جسم سے نہ کہ دل سے۔ گویا نیکی کا ظاہری کسب کرتا ہے اقتراف نہیں کرتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے کفار مکہ وغیرہ آپ کے سخت تر دشمن ہیں ایسے ہی از آدم علیہ السلام تا عیسٰی علیہ السلام جتنے نبی' رسول' مرسل دنیا میں آئے ہم نے ان کے مقابل دشمن پیدا کئے۔ یہ دشمن انسانی 'شیطانی اور جناتی شیطان تھے۔ یہ سارے شیاطین حضرات انبیاء کی عداوت میں برابر کے شریک اور ایک دوسرے کے مددگار تھے۔ چنانچہ بعض انسانی شیطان دوسرے انسانی شیطانوں کو یونہی بعض جنی شیطان دوسرے جنی اور انسانی شیطانوں کو بطور وسوسہ بری باتیں' برے ہتھکنڈے ملمع کرکے اچھے بنا کر بتاتے سکھاتے ہیں کہ لوگوں کو نبی کی اطاعت سے اس طرح روکو اس تدبیر سے پھیرو ان پالیسیوں میں وہ سب آپس میں متفق ہیں یہ سب کچھ اتفاقا" نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ اگر رب تعالیٰ یہ نہ چاہتا تو ہرگز نہ ہوتا لہٰذا آپ ان کی مخالفتوں پر ملول و غمگین نہ ہوں۔ انہیں چھوڑیئے 'ان سے منہ موڑیئے 'انہیں جھوٹ و افترا کرنے دیجئے۔ آپ اپنا کام کئے جایئے ان مخالفتوں میں ہزار ہا راز ہیں۔ (1) جو کوئی دنیا میں چمکتا اور اونچا ہوتا ہے وہ مخالفین کی مخالفت سے ہی اونچا ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام کی شان نظر آئی تو ابلیس کی مخالفت سے حضرت ابراہیم 'موسیٰ علیہم السلام کی تجلی نمرود اور فرعون کے مقابلہ سے لوگوں نے دیکھی۔ (2) یہ مخالفتیں اور دشمنیاں کھرے کھوٹوں میں فرق کا ذریعہ ہیں کہ کھوٹے لوگ ان مردود جماعت کی طرف مائل ہوتے ہیں 'کھرے لوگ ان سے متنفر۔ (3) ان مخالفتوں'

دشمنیوں کی وجہ سے رحمت والے اور لعنت والے دلوں کی چھانٹ ہوتی ہے کہ رحمت والے دل ان دشمنیوں سے سخت ناراض ہوتے ہیں لعنتی دل ان سے راضی ہوتے ہیں۔(4) انہیں مخالفین کی وجہ سے سعید و شقی ایک دوسرے سے ممتاز ہوتے ہیں کہ سعید لوگ ان مخالفین کی سرگرمیوں کے باوجود ہمیشہ نیک کام کرتے ہیں اور بدنصیب لوگ وہی کرتے ہیں جو یہ دشمن ان سے کراتے ہیں۔ جب ہمارا ہی ارادہ یہ ہے کہ دنیا میں دونوں قوتیں ہمیشہ زور آزما رہیں تو آپ ان کی پرواہ کیوں کرتے ہیں آپ بے دھڑک تبلیغ و عبادات میں مشغول رہیں۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میلا نہیں ہونے دیتا گزشتہ نبیوں کے واقعات سنا کر اپنی حکمتیں بتا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم غلط فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **و کذالک** الخ اور **و لتصغی** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: تمام نبیوں' ولیوں' علماء' صالحین کے دشمن ہمیشہ رہے ہیں اور رہیں گے۔ جس عالم کا کوئی بے دین دشمن نہ ہو وہ عالم خود بے دین ہے کہ اپنے پلپلے پن سے تمام بے دینوں کو راضی رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔ بے دینوں کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو رب کو راضی کرو۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا اچھا کہا۔

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید! ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

یہ فائدہ **لکل نبی** سے حاصل ہوا۔ سانپ انسان کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا۔ یونہی کافر مومن کا کبھی یار نہیں ہو سکتا۔ ان دشمنوں کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو ان سے محفوظ رہنے کی کوشش کرو۔ تیسرا فائدہ: جس کے دل میں نبی سے عداوت ہو وہ بحکم قرآن شیطان ہے اگرچہ عالم کی شکل میں ہو یا پیر مرشد کی صورت میں اور اس کی مجلس شیطانی ہے۔ یہ فائدہ **شیاطین الانس** سے حاصل ہوا اس کے برعکس جس دل میں نبی کی الفت و محبت ہو وہ محبوب رحمان ہے اگرچہ گدڑیوں میں ہو اس کی مجلس رحمانی ہے اس کا کلام اس کے کام سب رحمانی جس کاغذ میں قرآن لکھ دیا جائے اسے انسان چومتے ہیں جس دل میں حب نبی' الفت رسول نقش ہو اسے فرشتے بوسے دیتے ہیں۔ جن لبوں زبانوں سے ان کی داستان بیان ہو وہ بوسہ گاہ ملائکہ ہیں دشمن رسول کی زبان پر شیطان بولتا ہے خادم رسولوں کی زبان پر رحمان کلام فرماتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفتہ او گفتہ اللہ بود گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

چوتھا فائدہ: ابلیس اور اس کی ذریت سارے انسانوں کے دل و دماغ پر تصرف کر سکتے ہیں۔ کہ لوگوں کے دلوں میں وسوسے ڈالیں۔ ان کو سارے انسانوں کی خبر بھی ہے' ہر ایک پر نظر بھی' ہر ایک کا مقام و درجہ بھی معلوم کہ کون میرے بہکانے میں آئے گا کون نہیں۔ یہ فائدہ **یوحی بعضھم الی بعض** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **انہ یرا کم ھوو قبیلہ من حیث لا ترونھم** شیاطین تم سب انسانوں کو وہاں سے دیکھتے ہیں جہاں تم انہیں نہیں دیکھتے لہٰذا اللہ کے مقبول بندے خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر حضور کا تصرف بھی سب پر ہے ورنہ پھر بیماری علاج سے قوی ہو جائے گی۔ شیطان کی نظر فرش پر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر فرش پر بھی ہے عرش پر بھی ہے۔ فرماتا ہے **النبی اولی بالمئومنین من انفسھم** اور فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمتہ للعلمین** رحمت قریب ہی چاہئے۔ فرماتا ہے **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین**

-**پانچواں فائدہ:** جن وانس کے سوا ساری مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مطیع و فرمانبردار ہے' کوئی مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن نہیں۔ یہ فائدہ **شیاطین الانس والجن** سے حاصل ہوا۔ صرف انسان و جن وہ مخلوق ہیں جن میں نبیوں' ولیوں کے دشمن ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** شیطان صرف جنات ہی میں نہیں بلکہ بعض انسان بھی شیطان ہیں۔ یہ فائدہ بھی **شیاطین الانس والجن** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** شیطان جن سے شیطان انس زیادہ خطرناک ہے کہ جن شیطان لاحول سے بھاگ جاتا ہے مگر یہ خبیث لاحول کیا کسی وظیفہ سے نہیں بھاگتے۔ یہ فائدہ **شیاطین الانس** کو پہلے فرمانے اور **والجن** کو بعد میں فرمانے سے حاصل ہوا۔ انسانی شیاطین سے بچنے کا صرف ایک ذریعہ ہے ڈنڈا اور ان سے نفرت وبیزاری۔

لطیفہ : ایک شخص نے کسی عالم سے پوچھا کہ حدیث شریف میں ہے کہ ماہ رمضان میں شیاطین قید کردیئے جاتے ہیں۔ پھر اس مہینہ میں لوگ گناہ کیوں کرتے ہیں؟ ان سے گناہ کون کراتا ہے؟ معلوم ہوا حدیث جھوٹی ہے۔ ان عالم نے فوراً جواب دیا تم جیسے شیاطین جب آزاد پھر رہے ہیں تو دنیا میں گناہ کیوں نہ ہوں۔ جناتی' شیاطین رمضان میں قید ہوتے ہیں نہ کہ انسانی شیاطین وہ حدیث بالکل درست ہے۔

دوسرا لطیفہ : کسی بے دین نے کہا کہ آدم علیہ السلام ہم کو جنت سے زمین پر لے آئے۔ باپ کی خطاء اولاد بھگت رہی ہے۔ دوسرے نے جواب دیا یہ غلط ہے بلکہ تم جیسے خبیث آدم علیہ السلام کو زمین پر لائے۔ رب جانتا تھا کہ ان کی پشت میں شیاطین انس موجود ہیں اگر آدم علیہ السلام جنت میں رہے تو یہ شیاطین یہاں ہی پیدا ہو جائیں گے۔ فرمایا اے آدم زمین پر جاؤ ان شیاطین کو اپنی پشت سے نکال آؤ پھر تم یہاں ہی آنا۔ **آٹھواں فائدہ:** جو شخص کسی کو خلاف شرع بات کی رغبت دے وہ شیطان ہے خواہ وہ ہمارا عزیز ہو' یا مولوی' یا پیر ہو یا کوئی اور۔ ایسے لوگ ہمارے دشمن ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ان من ازواجکم و اولادکم عدوا لکم فاحذروھم**۔ تمہاری بعض بیویاں' بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں ان سے احتیاط کرو۔ **نواں فائدہ:** جیسے بعض انسان صورۃً انسان ہیں سیرۃً شیطان ان کی صحبت سراپا نقصان ایسے ہی بعض انسان صورۃً انسان ہیں سیرۃً فرشتے ہیں' سراپا نور ہیں۔ ان کی صحبت اکسیر ہے جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام غرضیکہ بعض انسان ناری ہیں بعض نوری۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عکس نور حق ہمہ نوری بود　　عکس دور از حق ہمہ دوری بود

دسواں فائدہ: کسی کو اپنے انجام کی خبر نہیں کہ خاتمہ ایمان پر ہوگا یا کفر پر مگر اس کی علامت ضرور موجود ہے۔ دل کا کفار کی طرف میلان' ان کی بے دینی کی باتوں پر دھیان خراب خاتمہ کی علامت ہے۔ یونہی دل کا اچھوں کی طرف جھکاؤ' بروں سے نفرت' اچھی باتوں کا قبول کرنا ان شاء اللہ اچھے خاتمہ کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **ولتصغی الیہ افئدۃ الخ** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ:** شیطان اور شیطانی لوگ برے ہیں مگر رب تعالیٰ کا انہیں پیدا فرمانا برا نہیں ان کی پیدائش میں صدہا حکمتیں ہیں۔ یہ فائدہ **ولتصغی** اور **ولیرضوہ** اور **ولیقترفوا الخ** سے حاصل ہوا اہم شیطان کی پیدائش کی حکمتیں پہلے سیپارہ کے شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ اس سے دنیاوی دینی نظام قائم ہے۔ **بارہواں فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ ظاہری اعضاء کو دنیا میں لگائے مگر گوشہ دل میں دنیا کو نہ آنے دے کہ یہ صرف اللہ و رسول کی منزل ہے۔ بروں کی طرف دل کا جھکاؤ خرابی خاتمہ کی

علامت ہے۔ یہ فائدہ **و لتصغی الیہ افئدۃ الذین** الخ سے حاصل ہوا کہ یہاں عقل یا نفس یا قلب ارشاد نہ ہوا۔ **افئدۃ** فرمایا گیا۔ **تیرہواں فائدہ:** گنہگار مومن گناہ کا کسب کر لیتا ہے مگر اس کا اقتراف نہیں کرتا۔ بفضلہ تعالیٰ نیکی کا اقتراف کرتا ہے کہ دل و جان سے اسے اچھا سمجھ کر کرتا ہے کافر نیکی کا کسب کرتا ہے گناہ کا اقتراف۔ کسب اور اقتراف کا فرق ابھی تفسیر میں گزر چکا۔ یونہی گنہگار مومن اگرچہ گناہ کر لیتا ہے اس کا نفس اس پر خوش بھی ہو جاتا ہے مگر گناہ سے راضی نہیں ہوتا۔ کافر گناہ سے راضی بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **ولیرضوہ** اور **لیقترفوا** سے حاصل ہوا۔ رضا اور خوشی میں بڑا فرق ہے۔ **چودھواں فائدہ:** گناہ کی حمایت کرنا گناہ ہے۔

پہلا اعتراض : تم نے فوائد میں کہا کہ جن و انس کے سوا کوئی مخلوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمن نہیں۔ سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مطیع و فرمانبردار ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ عیر پہاڑ ہم سے دشمنی رکھتا ہے۔ دیکھو عیر پہاڑ جو پتھر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن پھر تمہارا یہ کلام کیسے درست ہوا؟ **جواب:** اس حدیث میں عیر پہاڑ کے پتھر مراد نہیں بلکہ وہاں کے باشندے یہودی مراد ہیں۔ محققین محدثین کا یہی قول ہے اور یہودی انسان تھے لہذا ہمارا قول بفضلہ تعالیٰ درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کی تین علامتیں ہیں اس کا دل بروں کی طرف مائل ہوتا ہے، وہ برائیوں سے راضی ہوتا ہے، وہ برے کام کرتا ہے۔ یہ تینوں باتیں بہت سے فاسق مسلمانوں میں موجود ہیں تو کیا وہ سب کافر ہیں۔ **جواب:** یہاں فولو اور اقتراف فرمایا گیا ہے یعنی کافر کے اندرونی دل میں شیطان کی طرف جھکاؤ ہوتا ہے مومن کے دل میں یہ بات نہیں ہوتی وہ برائی کرتا ہے تو شرمندہ بھی ہوتا ہے۔ نیز وہ گناہ کا کسب کر لیتا ہے اس کا اقتراف نہیں کرتا۔ دل سے اسے برا جانتا ہے جو مکھی شہد میں اس طرح گرے کہ اس کے پر پاؤں سب شہد میں لتھڑ جائیں مر جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اقتراف گناہ سے بچائے کہ گناہ قلب و قالب میں سما جائے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ دل کے اندرون میں خدا کے سوا کوئی نہ رہے تو کیا وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی نہ رہیں۔ **جواب:** جیسے بلب یا ٹیوب سے روشنی قائم ہے سورج سے شعاعیں وابستہ ہیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے خوف خدا، ایمان، عرفان، قائم ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے غیر نہیں اگر دل میں وہ نہ ہوں تو نور خدا بھی نہ ہو۔ **چوتھا اعتراض:** حضرات انبیاء کرام تو اللہ کے محبوب بندے ہیں پھر ان کے لئے دشمن کیوں پیدا کئے اور انہیں دشمنوں میں کیوں رکھا یہ بات تو محبت کے خلاف ہے۔ **جواب:** ان کے دشمنوں کا پیدا فرمانا ان حضرات کی محبوبیت و نورانیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔ تاریکی کے بغیر روشنی کی، رات کے بغیر دن کی، بھوک کے بغیر سیری کی، پیاس کے بغیر پانی کی قدر معلوم نہیں ہوتی یونہی مردودوں کے بغیر محبوبوں کی پہچان کیسے ہو۔ نیز ان کے بغیر اپنے غیروں، مخلص و منافق کی پہچان کیسے ہو۔ نیز یہ دشمن ہی ان حضرات کے ترقی درجات کا ذریعے ہوتے ہیں۔ ہاں رب تعالیٰ محبوبوں کو دشمنوں میں رکھتا نہیں ان پر غالب فرماتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

محال است چوں دوست دارد ترا — کہ در دست دشمن گزارد ترا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زور اس طرح معلوم ہوا کہ سارے عرب والے آخر کار ایمان لا کر قدموں میں گرے۔ ایک ذات نے دنیا میں رنگ جما دیا۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

تندیٔ باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب — یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کے لئے

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کے دشمن ہیں۔ مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کوئی دشمن نہیں۔ مسلمان، عیسائی، یہود سبھی آپ کو مانتے اور اپنے کو ابراہیمی کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ ہندو بھی آپ کو کرشن کہہ کر آپ کا احترام کرتے ہیں۔ **جواب:** آپ کی یہ مقبولیت، محبوبیت آپ کے بعد ظاہر ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے دعا کی تھی **واجعل لی لسان صدق فی الاخرین**۔ اس دعا کا یہ ظہور ہے مگر آپ کی زندگی شریف میں تو خود گھر والے اور نمرود اس کی ساری پولیس و فوج آپ کی دشمن رہی۔ اگر یہ لوگ دشمن نہ ہوتے تو آپ کو آگ میں کون ڈالتا اور آپ ہجرت کیوں کرتے بلکہ اب بھی بعض بدباطنوں نے آپ کے خلاف کتابیں لکھی ہیں لہذا یہ آیت بالکل درست ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں زخرف القول کیوں ارشاد ہوا باطل قول کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** زخرف کے معنی ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ والا پالش یا ملمع کیا ہوا کلام کہ جو ہو تو برا مگر بظاہر اچھا معلوم ہو۔ شیاطین کی ہر بات بلکہ ہر کام ایسا ہی ہے کہ لڈو میں زہر ہے۔ بظاہر بہت بھلا، حقیقت میں بہت برا ان کی زبانیں نہایت میٹھی، دل نہایت کڑوے۔ یہ بات باطل کہنے سے حاصل نہ ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا کا نظام اس طرح قائم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں ضدین بلکہ اضداد چیزیں پیدا فرمائی ہیں اور ہم کو حکم دیا ہے کہ بعض ضدوں کو بعض سے توڑو بلکہ قدرتی طور پر بھی بعض، بعض سے ٹوٹتی ہیں اسی توڑ سے یہ نظام قائم ہے دیکھو قدرت رات کو دن سے، اندھیرے کو اجیالے سے، گرمی کو سردی سے، خشکی کو سردی سے توڑتی ہے۔ ہم کو حکم ہے کہ بھوک کو غذا سے، پیاس کو پانی سے، مرض کو علاج سے توڑتے رہو قائم رہو گے۔ اسی طرح عالم روحانیت میں گناہوں کو توبہ سے کفر کو ایمان سے غفلت کو بیداری سے، جفا کو وفا سے، ریا کو اخلاص سے توڑتے رہو سلامت رہو گے۔ غرضیکہ متقابل چیزوں سے نظام عالم قائم فرمایا ہے تو سمجھ لو کہ نبوت کی ضد ہے شیطنت نبی کے مقابل رہتے ہیں شیطان۔ شیطان کبھی نور نبوت والوں سے راضی ہو سکتا ہی نہیں۔ پھر جس قدر نبی شاندار اس قدر اسی کے مقابل شیاطین سخت ترین ہوتے ہیں اگر رب چاہتا تو ایسا نہ ہوتا مگر چونکہ اس نے عالم روحانیات کا نظام قائم رکھنا تھا اسی لئے یہ نظام قائم کیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا رسی کے لئے بہت سی سواریاں ہیں۔ عبادات، ریاضات، درستی معاملات سب اس راستے کی سواریاں ہیں مگر آفات، بلیات پر صبر دشمنوں کا مقابلہ بہت ہی تیز سواری ہے جو طالب کو مولیٰ تک بہت جلد پہنچاتی ہے۔ حضرت حسین میدان کربلا میں تین دن میں بلاؤں کی سواری پر سوار ہو کر وہاں پہنچے جہاں برسوں کی عبادات، ریاضات سے نہ پہنچ سکتے تھے۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ شیاطین انس ہمارے نفس امارہ ہیں یہ تمام دشمنوں سے سخت تر دشمن ہیں ان کے مقابل شیطان جن اور اس کے فریب بہت ہلکے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ان کید الشیطان کان ضعیفا** اور فرماتا ہے **ان کید کن عظیم** دیکھو شیطان کے مکر کو ضعیف فرمایا اور شیطانی عورتوں کے مکر کو عظیم کہا۔ حضرات اولیاء اللہ کے دشمن جس قدر سخت دشمنی کرتے ہیں اسی قدر ان کا ایمان قوی ہوتا ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

وفا کنیم ملامت کشیم و خوش باشیم — کہ در طریقت ما کافری است رنجیدن

خیال رہے کہ بری نظر، حرام کلام، حرام طعام، لوگوں کے ساتھ زیادہ خلط ملط سے شیطان انسان پر غلبہ کرتا ہے اور آنکھوں کے آنسو ول میں خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ وہ ہتھیار ہیں جن سے ابلیس شکست فاش پاتا ہے۔ خلوت، خاموشی، حلال نظر، حلال غذا شیطان سے حفاظت کا مضبوط قلعہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلب کی شکل صنوبری ہے جیسے گلاب کی کلی اس کے اندرونی

حصہ میں ایک سیاہ دانہ ہے جیسے حبہ سوداء کہتے ہیں اس دانہ اور اندرونی حصہ کو فواد کہا جاتا ہے اگر کسی شے کی محبت اوپری دل سے ہو تو وہ فنا ہو سکتی ہے مگر جس کی محبت فواد یعنی حبہ سودا میں اتر جائے وہ کسی چیز سے نہیں نکلتی۔ مومن کے ہاتھ پاؤں' آنکھ' کان بلکہ کبھی قلب کا اوپری حصہ گنہگار ہو سکتا ہے مگر مومن کے فواد میں برے عقیدے' بروں کی محبت داخل نہیں ہوتی کہ وہاں تو اللہ و رسول رہتے ہیں۔ جہاں گھر والا ہو وہاں کوڑا کچرا نہیں رہتا۔ اسی لئے یہاں افئدۃ ارشاد ہوا کہ کفار کے اندرونی دل شیطان کی طرف مائل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر میں رب کے سوا کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا **لا تخذت ابا بکر خلیلا**"۔ یہاں بھی خلت سے مراد وہ فولو والی محبت ہے۔ خدا کرے فواد میں یار ہی رہے۔ انسان کو تین نفس عطا ہوئے ہیں۔ نفس امارہ جو مست گھوڑے کی طرح ہے اس کے منہ میں شریعت کی لگام دو۔ دوسرا نفس لوامہ جو گناہ پر ملامت کرتا ہے۔ تیسرا نفس مطمئنہ۔ مومن نفس امارہ کو اپنے قابو میں رکھتا ہے اور نفس مطمئنہ کے قابو میں خود رہتا ہے۔ کافر اس کے برعکس۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا

کیا پس غیر خدا کو تلاش کروں میں پنچ اور وہ وہ ہے جس نے اتاری طرف تمہارے یہ کتاب تفصیل کی ہوئی

تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہ وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری

وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِنْ رَبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا

اور وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب جانتے ہیں کہ بیشک وہ اتارا ہوا ہے طرف سے رب تمہارے کے حق کے

اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تیرے رب کی طرف سے سچ اترا ہے تو اے سننے والے

تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَا

کے ساتھ پس ہرگز نہ ہوؤ تم تو دکر نیوالوں میں سے اور پورا ہو گیا تمہارے رب کا کلمہ سچائی اور انصاف میں نہیں

تو ہرگز شک لانے والوں میں سے نہ ہو اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں

مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾

ہے بدلنے والا کوئی اس کے کلموں کو اور وہ سننے والا جاننے والا ہے

اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار ضد و ہٹ دھرمی سے اپنے منہ مانگے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں' ان کے یہ مطالبے قابل قبول نہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار اپنے پیش کردہ لوگوں سے حقانیت اسلام پر فیصلہ کرانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ فلاں سے کہلوا دو کہ اسلام حق ہے ان کا یہ مطالبہ بھی

قابل قبول نہیں۔ گویا معجزات کے غلط مطالبوں کے بعد غلط فیصلوں کے مطالبوں کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ شیاطین انس ایک دوسرے کی سنتے مانتے قبول کرتے ہیں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ دیکھو کفار مکہ بے ایمانوں کو اپنا اور آپ کا پنچ بنانا چاہتے ہیں' آپ سے اور مسلمانوں سے بھاگتے ہیں۔ گویا پہلے ایک دعویٰ تھا اور اب اس کا زندہ ثبوت ہے۔ کفار مکہ عقیدۃ" یہاں یہود و نصاریٰ کے اتنے ہی مخالف تھے جتنے مسلمانوں کے "مگر مسلمانوں کی دشمنی میں انہیں ایسے بدترین دشمنوں سے ملنا ان کی مدد لینا منظور تھا۔ آج یورپ کے عیسائی مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کی مدد کر رہے ہیں حالانکہ بمقابلہ یہود کے مسلمان ان سے مذہبا" قریب ہیں کہ یہود حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور جناب مریم کو گالیاں دیتے بہتان لگاتے ہیں۔ یہود نے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دینے کی کوشش کی تھی' بلکہ عیسائیوں کے عقیدے میں انہیں نہایت ذلت سے سولی دے دی۔ مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی ان کی والدہ کو اللہ کی ولیہ مانتے ہیں۔ یہ ہے اس حدیث کی شرح کہ **الکفر ملۃ واحدۃ** - تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے محبوب ان کفار کو ان کی افتراء پردازیوں کو آپ قابل توجہ نہ قرار دیں' اب ان افتراپردازیوں کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ گویا اجمال کے بعد قدرے تفصیل ہے تاکہ اسی اجمال کا نقشہ نظر آجائے۔

شان نزول: ایک بار قریش کے سرداروں نے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو کہتے ہیں کہ آپ نبی ہیں 'اسلام سچا دین ہے۔ قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے' ہم ان چیزوں کے انکاری ہیں تو آیئے ہم اور آپ اس کا فیصلہ یہود و نصاریٰ کے پوپ و پادریوں سے کرالیں۔ یہ لوگ نہ ہمارے ہم مذہب ہیں نہ آپ کے۔ نیز ان لوگوں کو پچھلی کتابوں کا علم بھی ہے اگر وہ آپ کی تصدیق کردیں تو ہم آپ کے تمام دعووں کو مان لیں اور اگر وہ آپ کے دعووں کو جھٹلادیں تو آپ ان دعووں سے دست بردار ہو جائیں ہمارا آپ کا جھگڑا ختم ہو جائے گا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ وہ ان پوپ پادریوں کو رشوت دے کر اور انہیں یہ بتا کر کہ اسلام ہمارے تمہارے دونوں کے خلاف ہے اس کا خاتمہ کرو' اسلام کے خلاف فیصلہ کرالیں۔ تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن' کبیر' روح المعانی' خزائن' روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر: **افغیر اللہ ابتغی حکما** " - یہ علیحدہ مستقل کلام ہے جس میں اولا" قل پوشیدہ ہے اور قل میں خطاب انہیں مشرکین مکہ سے ہے۔ جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پنچ بنانے کی درخواست کی تھی۔ قل میں خطاب کی آٹھ نوعیتیں ہوتی ہیں کسی خاص صحابی سے خطاب' عام صحابہ سے خطاب' تاقیامت مومنین سے خطاب' سارے انسانوں سے خطاب' تمام جن و انس سے خطاب' ساری مخلوق سے خطاب' کسی خاص قوم سے خطاب' تاقیامت سارے کفار سے خطاب۔ یہاں ساتویں نوعیت کا خطاب ہے۔ ہم آج لاؤڈ سپیکر کے ذریعہ بڑی جماعت سے خطاب کرتے ہیں۔ ریڈیو پر بیٹھ کر ساری دنیا سے خطاب کرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کرام نبوت کے ریڈیو کے ذریعہ موجودین اور غیر موجودین تاقیامت کے لوگوں سے خطاب کرلیتے ہیں۔ ان کا ریڈیو غیر موجودین کو بھی ان کا کلام پہنچادیتا ہے۔ حضرت خلیل نے ایک بار پکار دیا کہ اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف آؤ۔ تاقیامت ان کے خطاب کا جواب حاجی لوگ لبیک لبیک سے دے رہے ہیں یعنی حاضر جناب۔ یہاں ہمزہ انکاری سوال کے لئے ہے۔ ف عاطفہ ہے اس میں معطوف علیہ پوشیدہ ہے۔ یعنی **امل الی زخارف الشیطان یا اعدل**

عن الحق غیر عربی میں تین معنی میں آتا ہے۔ (1) سواء' خواہ کوئی ہو اپنا یا پرایا۔ (2) غیریت والا یعنی اجنبی پرایا جیسے کہا جائے کہ یہ ہمارا اپنا ہے یہ غیر۔ (3) دشمن یا مخالف۔ یہاں تو دوسرے معنی میں ہے یا تیسرے معنی میں۔ پہلے معنی میں نہیں کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور یہود مدینہ کے درمیان حضرت سعد ابن معاذ کو حکم بنایا تھا۔ نیز قرآن مجید فرماتا ہے۔ **فابعثوا حکما" من اهله و حکما من اهلها** نیز ایک موقعہ پر حضرت علی نے ابو موسیٰ اشعری کو اور حضرت معاویہ نے جناب عمرو ابن عاص کو حکم بنایا تھا۔ لہٰذا یہاں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن یہود وغیرہ ہیں۔ ابتغی بنا ہے **ابتغاء** جس کا مادہ **بغی** ہے نہ کہ بغاوۃ۔ ابتغاء کے معنی ہیں تلاش کرنا' ڈھونڈنا' رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** یا بمعنی چاہنا' اختیار کرنا' پسند کرنا۔ **حکما** بنا ہے حکم یا حکومت سے بمعنی فیصلہ۔ خیال رہے کہ حاکم اور حکم دونوں کے معنی ہیں فیصلہ کرنے والا۔ مگر ان دونوں لفظوں میں چند طرح فرق ہے۔ (1) حاکم عام لوگوں کا فیصلہ کرنے والا' حکم خاص خاص کا فیصلہ کرنے والا۔ (2) حاکم وہ فیصلہ کرنے والا جسے سلطنت نے اس کام کے لئے منتخب کیا ہو۔ حکم وہ جسے اپنے فیصلہ کے لئے دو شخصوں نے منتخب کر لیا ہو یعنی پنچ' حاکم ہر طرح کا فیصلہ کر دینے والا حق ہو یا باطل مگر حکم حق فیصلہ کرنے والا۔ حاکم مطلقاً فیصلہ کرنے والا ایک بار ہو یا چند بار' مگر حکم بار بار فیصلہ کرنے والا۔ کیونکہ حاکم اسم فاعل ہے اور حکم صفت مشبہ۔ حکم صرف فیصلہ کرنے والا حاکم بزور حکومت فیصلہ کرنے والا اور اپنے فیصلہ کو زور سے منوانے والا۔ (از روح المعانی)۔ یعنی اے بیوقوفو کیا میں شیاطین کی طرف مائل ہو جاؤں' حق سے پھر جاؤں اور اللہ کے دشمنوں کو اپنا پنچ مان لوں۔ **وهو الذی انزل الیکم الکتاب** چونکہ گزشتہ جملہ میں اشارہ فرمایا گیا تھا اللہ تعالیٰ نے میرے نبی ہونے کا فیصلہ فرما دیا ہے تو اب کسی اور کو میں کیسے پنچ بناؤں۔ اب ارشاد ہوا کہ رب کا فیصلہ میری نبوت کے متعلق یہ ہے کہ اس نے مجھ پر قرآن اتارا جیسے یونیورسٹی کی سند اس محکمہ کی گواہی ہوتی ہے ایسے ہی قرآن مجید میری نبوت کی سند ہے۔ یہ عبارت گزشتہ مضمون کا حال ہے۔ لہٰذا اس میں واؤ حالیہ ہے۔ **ھو** کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف ہے چونکہ وہ ذات کریم جانی پہچانی ہے اسی لئے بغیر ذکر بھی اس کی ضمیر آ سکتی ہے یہاں تو لفظ اللہ مذکور ہے۔ **انزل** بمعنی نزل ہے کیونکہ قرآن مجید آہستہ آہستہ تئیس سال میں نازل ہوا۔ **الیکم** میں انہیں کفار مکہ سے خطاب ہے جنہوں نے یہ عرض و معروض کی تھی چونکہ قرآن مجید کفار کو ایمان کی ہدایت دینے آیا ہے' اس لئے یہاں **الیکم** فرمایا گیا **الکتاب** سے مراد قرآن مجید ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات سارے کے سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی زبانی گواہی ہے مگر قرآن مجید وہ معجزہ ہے جو قیامت تک لوگ دیکھتے رہیں گے۔ دوسرے معجزے اس زمانہ کے لوگوں نے دیکھے اس لئے خصوصیت سے یہاں اس کا ذکر فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اور قرآن مجید مظہر قدرت الٰہی ہیں اس لئے ان کے لئے **هو الذی** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ نزول قرآن کی انتہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے نزول کا منتہا ہیں۔ تبلیغ و اشاعت کا مبدء۔ آپ تک قرآن آیا۔ آپ سے دنیا میں پھیلا' جاری ہوا' آپ کے ذریعہ اس پر عمل ہوا اور مسلمانوں کی ہدایت اعمال کے لئے آیا کفار کی ہدایت ایمان کے لئے آیا اس لئے کہیں انزل کے بعد الیک فرمایا جاتا ہے' کہیں مسلمانوں سے الیکم فرمایا جاتا ہے۔ قرآن مجید کا معجزہ ہونا اب بھی دیکھا جا رہا ہے جیسے سمندر کے موتی ختم نہیں ہوتے ایسے ہی قرآن کے نکات ختم ہونے میں نہیں آتے۔ اس کی لاکھوں تفسیریں لکھی گئیں مگر کوئی مفسر یہ دعویٰ نہیں کر سکا کہ میں قرآن کی تہ تک پہنچ گیا نیز یہ بغیر سمجھے لذت دیتا ہے' ہزاروں دفعہ پڑھو پرانا نہیں ہوتا۔ ہر بار بے شمار لذتیں بخشتا ہے ان وجوہ سے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ

وسلم کا معجزہ اعظم ہے **مفصلا** " یہ الکتاب کا حال ہے بنا ہے تفصیل سے جس کلا وہ ہے فصل ' بمعنی جدائی ۔ یا تو اس کے معنی ہیں بعض آیات بعض سے نزول میں الگ ۔ یعنی یہ کتاب یکدم نہیں اتری بلکہ تیئیس سال میں اتری یا اس کے معنی ہیں کہ اس میں حق و باطل ' حلال و حرام ' ایمان و کفر وغیرہ تمام عقائد و احکام الگ الگ تفصیل وار بیان فرمادیئے گئے اس صورت میں یہ مجمل کا مقابل ہے ۔ دوسرے معنی قوی ہیں ۔ مقصد یہ ہے کہ تم میرے متعلق حکم و پنچ تلاش کرتے ہو اللہ تعالیٰ میری نبوت کی حقانیت کا فیصلہ فرماچکا کہ اس نے مجھ پر یہ کتاب معجزہ بنا کر اتاری اس کتاب کا اتارنا رب تعالیٰ کا فیصلہ ہے ۔ جب کتاب ایسی اعلیٰ ہے تو سوچ لو کہ کتاب والا محبوب کیسا اعلیٰ شاندار ہوگا ' صلی اللہ علیہ وسلم ۔ خلاصہ یہ ہے کہ **مفصلا** " کے دو معنی ہیں الگ الگ کی ہوئی کتاب جو دوسری کتابوں کی طرح یکدم نہ آئی بلکہ تیئیس سال میں آیت آیت ہو کر آئی ۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرات انبیاء کرام کو دو قسم کے معجزے عطا فرمائے ایک تو محض وقتی جیسے حضرت صالح کی لونٹنی ' عیسیٰ علیہ السلام کو غیبی دسترخوان یا حضرت یوشع کے لئے سورج ٹھہرا ۔ دوسرے وہ جن کی عطا وقتی مگر ان کی بقاء عرصہ تک جیسے عصاء موسوی اور ید بیضاء کہ عطا ایک بار ہو گئی مگر اس کا استعمال زندگی بھر ۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض معجزے وقتی دیئے گئے جیسے چاند چرنا ' سورج کا واپس ہونا وغیرہ بعض تاحین حیات دائمی جیسے جسم پاک کا بے سایہ ہونا ' معطر ہونا ۔ مگر قرآن وہ معجزہ ہے جس کی عطا دائمی کہ اخیر تک آتا رہا اور بقاء بھی دائمی کیا قیامت بلکہ جنت میں بھی رہے گا ۔ لہٰذا یہ معجزہ مفصل ہے ۔ یا مفصل کے معنی ہیں تفصیل دار کتاب جس میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر تاقدم حلیہ کا مختلف آیات میں ذکر ' آپ کی سیرت کی تفصیل ' آپ کی ہر ادا کی تفصیل حتیٰ کہ آپ کے چلنے پھرنے ' سونے جاگنے ' آپ کے ہاں دعوت کھانے ' آپ کے ساتھ چلنے ' آپ کے پاس گفتگو کرنے کے آداب کی تفصیل ہے لہٰذا یہ کتاب مفصل ہے اس کے ہوتے کس کے فیصلہ کی خواہش کی جائے ۔ رب تعالیٰ نے دوسرا فیصلہ یہ فرمایا ہے **والذین اتیناهم الکتاب** حق یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے ۔ پہلے جملہ پر معطوف نہیں بلکہ علیحدہ ہے **الذین** سے مراد یہود و نصاریٰ کے علماء مومنین ہیں جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کتاب سے مراد توریت و انجیل ہے ۔ کتاب دینے سے مراد ان کتابوں کی سچی فہم ' صحیح علم دینا ہے ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **الذین** سے مراد بدر و احد کے غازی صحابہ ہیں اور کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید ہے ۔ (تفسیر روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے ۔ خیال رہے کہ کسی کو کتاب اللہ کے صرف الفاظ ملتے ہیں ' کسی کو صرف معانی ' کسی کو صرف احکام اور کسی کو نور کتاب ۔ جسے نور کتاب مل گیا وہی بڑا خوش نصیب ہے ' وہی یہاں مراد ہے اور نورانیت کتاب صرف زبانی پڑھنے سے نہیں ملتی یہ عطا ربانی ہے ۔ اسی لئے **اتینا** فرمایا ۔ مولانا فرماتے ہیں ۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر علم و حکمت از کتب دیں از نظر

خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے اس سوال کے جواب کا پہلے ہی انتظام فرمایا تھا کہ بچپن شریف میں یہودیوں کے بڑے پوپ ' مانے ہوئے درویش بحیرہ راہب کی گواہی سب کے سامنے دلوادی ' پھر نبوت کی ابتداء ہوتے ہی ورقہ ابن نوفل جو قرشی اور انجیل کے ماہر عالم تھے ان کی گواہی دلوادی اور یہ گواہیاں سب مکہ والوں نے دیکھ لیں ' سن لیں نیز اطراف **مکہ معظمہ** میں پوپوں پادریوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دھوم مچادی تھی ۔ اب کفار مکہ کا یہ مطالبہ بالکل بے معنی تھا ۔ عبداللہ ابن سلام وغیرہ کی گواہیاں بھی اس وقت موجود تھیں جن کا ظہور بعد ہجرت ہوا ۔ رب تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

لئے عجیب و غریب پروگرام پہلے ہی بنادیا تھا یہ پیش بندی پہلے ہی کی جاچکی تھی۔ **یعلمون انہ منزل من ربک**۔ یہ عبارت **الذین** کی خبر ہے علم سے مراد صرف جاننا نہیں بلکہ جاننا مع ماننے کے مراد ہے ورنہ صرف جاننا تو تمام مشرکین کو حاصل تھا۔ **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم**' ہ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ من ربک فرمانے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کا اظہار ہے یعنی اس اللہ نے قرآن اتارا جو آپ کا رب ہے اور آپ کے ذریعہ تمام مخلوق کا رب۔ چونکہ قرآن مجید کا اتارنا روحانی ربوبیت کا اظہار ہے اس لئے یہاں **من ربک** فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ جیسے رب تعالیٰ کا پیدا فرمایا ہوا دودھ ہم کو ماں کے سینے سے ملتا ہے تو وہ ہماری مربیہ ہوتی ہے اس کے احسان کا بدلہ ہم کبھی نہیں کر سکتے۔ یونہی اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا قرآن 'ایمان عرفان' ایقان ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سینے وزبان سے ملا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے محسن اعظم ہیں ماں نے صرف دو سال دودھ پلایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فیضان ہم کو اس زندگی میں' قبر میں' حشر میں برابر ملتا ہے اور ملتا رہے گا لہٰذا **من ربک** فرمانا بالکل درست ہے۔ **بالحق** یہ عبارت ملصقاً" کے متعلق ہو کر منزل کی ضمیر سے حال موکدہ ہے حق اور صدق کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یعنی ہم نے جن علماء اہل کتاب کو آسمانی کتب کا صحیح علم دیا ہے وہ یقین سے جانتے ہیں کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے سچائی کے ساتھ اترا ہے۔ **بالحق** میں دو چیزیں قابل غور ہیں ایک تو الصاق کی ب دوسرے حق کے معنی۔ **ب** نے بتایا کہ حق قرآن کے ساتھ وابستہ ہے جہاں قرآن وہاں حق جیسے گرمی آگ سے وابستہ ہے تو اگر آگ گھر میں ہے تو گرمی گھر میں 'اگر دکان پر ہے تو گرمی دکان میں۔ یونہی روشنی سورج کے ساتھ وابستہ ہے تو جس وقت جس ملک میں سورج کا طلوع وہاں ہی دن کا ظہور۔ یونہی جہاں قرآن وہاں حق۔ لہٰذا قرآن سچا جس رب نے قرآن بھیجا وہ رب سچا جو فرشتہ قرآن لایا وہ سچا۔ جس نبی نے قرآن لیا وہ نبی سچا' جن صحابہ نے قرآن جمع کیا اور پھیلایا وہ سب سچے تاقیامت تمام حافظ 'قاری' عالم 'صوفی جو صحیح معنی میں قرآن کی خدمت کریں وہ سب سچے۔ جو مومنین قرآن کریم پر عمل کریں وہ سب سچے بلکہ یوں کہو کہ جس زبان میں قرآن اترا وہ زبان حق جس ماہ یعنی رمضان میں قرآن آیا وہ مہینہ سچا۔ جس سرزمین پاک یعنی زمین حرمین طیبین میں قرآن آیا وہ سرزمین حق جو زبان عقیدت سے قرآن پڑھے وہ زبان حق جس سینہ میں قرآن رہے وہ سینہ حق کا گنجینہ۔ غرضیکہ قرآن کریم سے حق ایسا وابستہ ہے۔ جیسے سورج کے ساتھ روشنی وابستہ۔ اب پڑھو **انہ منزل من ربک بالحق**۔ اللہ تعالیٰ ہم کو قرآن کے ساتھ وابستہ رکھے۔ حق کے تین معنی ہیں زائل کا مقابل یعنی لازوال 'باطل کا مقابل یعنی سچ 'لغو کا مقابل یعنی حکمت والا۔ قرآن کتاب لازوال ناقابل نسخ ہے تو چاہئے تھا کہ وہ نبی لازوال پر نازل ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت بلکہ سارے صفات ابدی ہیں لازوال ہیں بلکہ جس کے سر پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ رکھ دیں وہ لازوال بن جائے تو قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا کسی اور نبی پر نہ آیا کیونکہ ان کی نبوتیں قابل زوال' قابل نسخ تھیں' لازوال کتاب ان پر کیسے آتی۔ نیز قرآن بے لامحدود اور ان کی نبوتیں تھیں محدود' لامحدود کتاب لامحدود نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ہی آسکتی ہے۔ نیز قرآن سچا کہ جو قرآن کہہ دے وہی ہو جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان بھی سچی کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے نکل جائے وہی ہو جائے۔ سراقہ سے ہجرت کے راستہ میں فرمایا کہ تم کو شاہ فارس کے سونے کے کنگن دیئے ایسا ہی ہوا۔ خندق کھودتے ہوئے فرمایا کہ مجھے روم و کسریٰ کے خزانے ملے ایسا ہی ہوا تو حق پر حق آیا **فلا تکونن من الممترین** یہ جملہ پچھلی عبارت پر مرتب ہے لہٰذا اس میں **ف** ترتیب کی ہے اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے

اوراس کا تعلق **یعلمون انھم** سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ یقین فرمادیں اس میں کچھ تردد وشک نہ کریں کہ علماء اہل کتاب قرآن مجید کی حقانیت اس کے کتاب الٰہی ہونے کو یقین سے جانتے ہیں حتی کہ ان کے منکرین بھی صرف زبان سے انکار کرتے ہیں دل ان کے مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس میں خطاب تاقیامت قرآن پڑھنے والے سے ہے۔ اس کا تعلق **منزل من ربک** سے ہے یعنی اے قرآن پڑھنے والے تو اس میں شک نہ کر بلکہ شک کرنے والی جماعت سے نہ ہو کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے حق ہے یا اس میں خطاب ان کفار سے جو حکم قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے یعنی اے حکم کا مطالبہ کرنے والے کافر تو قرآن کی حقانیت میں شک نہ کر۔ قرآن اپنی حقانیت کی آپ ہی دلیل ہے پھر علماء اہل کتاب کا اسے جاننا پہچاننا اس کی دلیل ہے اتنے قوی دلائل کے ہوتے ہوئے اب کسی شک کی گنجائش نہیں **و تمت کلمت ربک صدقا" و عدلا** " یہ جملہ نیا ہے جس میں قرآن مجید کی حقانیت کی تیسری دلیل دی گئی۔ پہلی دو دلیلیں خارجی اوصاف سے دی گئی تھیں یہ دلیل ذاتی دی گئی اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ میں صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ کا ذکر ہو جیسا کہ ہم تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے کہ کلمتہ ربک سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ گویا کتاب کی عظمت بتانے کے بعد صاحب کتاب معلم کتاب کی عظمت بیان ہوئی کہ بڑی کتاب کا پڑھانے والا بڑا عالم ہی ہوتا ہے۔ قیمتی نازک چیز اعلیٰ درجہ کے برتن میں ہی رکھی جاتی ہے۔ اس صورت میں یہ چاروں صفات جو یہاں مذکور ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ **تمت** بنا ہے تمام سے۔ کمال کے معنی ہیں ذات کا پورا ہونا تمام کے معنی ہیں صفات کا پورا ہونا مکان کی دیواریں چھت وغیرہ بن گئیں تو مکان کامل ہو گیا مگر جب اس کا پلاستر ہو گیا رنگ روغن، بجلی کی فٹنگ ہو گئی تو مکان تمام ہو گیا ان شاء اللہ اس کی تحقیق اس آیت میں کی جائے گی۔ **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی**۔ ہماری قرات میں کلمہ واحد ہے بعض قراتوں میں کلمات جمع ہے۔ کلمتہ سے مراد پورا قرآن مجید ہے۔ قرآن مجید میں ایک لفظ کو بھی کلمہ کہا گیا ہے۔ پورے قرآن مجید کو بھی' دین اسلام کو بھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی۔ عربی شعراء پورے قصیدے کو کلمہ کہا کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و کلمتہ اللہ ھی العلیا**۔ اور فرماتا ہے **و کلمتہ القاھا الی مریم** چونکہ قرآن مجید کا ایک ایک کلمہ حق ہے اور یہ سارا حقانیت میں ایک ہی کلمہ کی طرح ہے اس لئے اسے کلمہ فرمایا گیا ہم لوگ کہتے ہیں پہلا کلمہ طیب' دوسرا کلمہ شہادت' تیسرا کلمہ تمجید۔ یہ تمام کلمے پورے جملے بلکہ جملوں کا مجموعہ ہیں' مگر انہیں کلمہ کہتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں **کلمتہ اللہ** یعنی قرآن مجید کی چار صفتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی صفت تمت تمام کے معنی میں قرآن کریم کا فصاحت بلاغت کے اعلیٰ درجہ پر ہونا لوگوں کی ضروریات کے لئے کافی ہونا کہ اس کے ہوتے وہ اب کسی کتاب کے محتاج نہیں۔ جیسے سورج کے ہوتے کسی چراغ کی حاجت نہیں۔ اس میں عقائد و اعمال کا پورا پورا بیان ہے' یہ قابل نسخ نہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و اتممت علیکم نعمتی** یعنی توریت و انجیل کے بعد اور آسمانی کتاب کا انتظار تھا مگر قرآن کریم کے بعد کسی کتاب کا انتظار نہیں دوسری اور تیسری صفات میں صدقا" وعدلا" یہ دونوں کلمتہ ربک کا حال ہیں۔ صدق بمعنی صادق ہے اور عدل بمعنی عادل۔ قرآن کریم نے گذشتہ نبیوں قوموں کے واقعات کی بھی خبریں دی ہیں اور آئندہ واقعات قیامت جنت دوزخ ثواب و عذاب کی بھی خبریں دیں۔ ان خبروں میں وہ صادق بلکہ سراپا صدق ہے اور قرآن نے احکام و قوانین بھی نافذ کئے ان قوانین میں وہ عادل بلکہ سراپا عدل و انصاف ہے۔ کیونکہ قرآن کریم کے سچے یا عادل نہ ہونے سے اللہ تعالیٰ کا جھوٹ یا ظلم لازم آئے گا اور اللہ تعالیٰ کا جھوٹ یا ظلم بالکل ناممکن'

لہٰذا قرآن کریم کا جھوٹا' ظالم ہونا ناممکن (تفسیر کبیر) قرآن مجید اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین قسم کی خبریں دیں گزشتہ واقعات اور گذشتہ نبیوں وغیرہم کی' موجودہ زمانہ کی اور آئندہ کی تاقیامت یہ تینوں خبریں درست و سچی تھیں۔ جب ماضی اور حال کی تمام خبریں سچی ہیں تو یقین کرلو کہ آئندہ کی خبریں بھی بالکل درست اور سچی ہیں **لا مبدل لکلما تعیہ** قرآن مجید کی چوتھی صفت ہے۔ قوی یہ ہے کہ یہاں **کلما تد** سے مراد بھی قرآن مجید ہی ہے چونکہ قرآن کریم میں خبریں' احکام' مثالیں' اللہ کی ذات و صفات' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی شانیں۔ غرضیکہ بہت مضامین کا بیان ہے لہٰذا وہ کلمات اللہ بھی ہے۔ **لا مبدل** کا مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اس میں ردوبدل نہیں کرسکتا جیسے پچھلی کتابوں میں کیا گیا۔ نیز اب اسے کوئی کتاب یا کوئی نبی منسوخ نہیں کرسکتا یہ قیامت تک باقی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

تومترس از نسخ دیں اے مصطفیٰ ۔۔۔ تاقیامت باقیش داریم ما

لہٰذا یہ بالکل درست ہے کہ کلمات اللہ یعنی قرآن مجید کو بدلنے والا کوئی نہیں۔ کلمات اللہ کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں کہ میثاق کے دن جو فیصلے ہو چکے ہیں انہیں کوئی بدلنے والا نہیں۔ دیکھ لو کہ فرعون نے سارا زور لگایا کہ موسیٰ علیہ السلام دنیا میں نہ آنے پائیں مگر وہ آگئے۔ نمرود نے چاہا کہ جناب خلیل نہ آئیں مگر وہ بھی تشریف لے آئے۔ یہود نے چاہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ گری نہ ہو' حضرت عبداللہ کو ہی قتل کردیا جائے مگر ناکام رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا مگر رسوا ہوئے جو پیش گوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق گذشتہ کتابوں میں تھی ان کا بدلنے والا کوئی نہیں۔ یہود نے تحریفیں کیں مگر کچھ نہ کرسکے۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام کے اوصاف مذکور تھے۔ وہ بھی پورے ہوئے۔ بیت المقدس فتح ہوا' فاروق اعظم کے حلیہ اور اونٹ کی نکیل پکڑے ہوئے داخل ہونے پر' حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تبدیلی کرنے والا کوئی نہیں۔ یہ سب اس کی تفسیریں ہیں۔ عشاق کے نزدیک کلمۃ اللہ اور کلمات اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان شاء اللہ یہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کیا جائے گا۔ خیال رہے کہ نبوت اصل ہے دین' احکام' کتاب' ولایت وغیرہ شاخیں پھل پھول ہیں۔ چونکہ گذشتہ نبیوں کی نبوتیں قابل نسخ تھیں اس لئے ان کے دین' ان کی کتابیں توریت و انجیل وغیرہ قابل نسخ تھیں' لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت قابل نسخ نہیں اس لئے آپ کا دین' قرآن مسلمانوں سے ولایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت و احکام کوئی چیز قابل نسخ نہیں **لا مبدل لکلما تہ** اللہ تعالیٰ حضور کا صلی اللہ علیہ وسلم حافظ و ناصر ہے **واللہ یعصمک من الناس** ایسے ہی قرآن کا دین کا بلکہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوجائے اس کا حافظ و ناصر ہے۔ **وانا لہ لحافظون**۔ دنیا کی دولت' عزت' شہرت' حکومت وغیرہ ہماری غذا' لباس' مکان بلکہ نام و کام بلکہ دوستوں کو بدل دیتے ہیں کہ غریبی کے دوست اور ہوتے ہیں امیری کے دوست دوسرے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ کو اللہ نے یہ ساری چیزیں عطا فرمائیں۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ چیزوں میں سے کوئی چیز نہ بدلی۔ فتح مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹوٹے گھر' جو کی روٹی' پیوند والے کمبل کو نہ بدل سکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست وہی حضرت بلال اور ابن ام کلثوم رہے۔ نیز بچپن' جوانی' بڑھاپے میں انسان بدلتا رہتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ شان ہے کہ ان حالات میں بھی نہیں بدلے۔ بچپن شریف میں غفلت' جوانی میں جوش وغیرہ قریب نہ آئے بلکہ جس کو حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نظر کرم سے دیکھ لیں وہ بدلنے سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

چرخ بدلے دھر بدلے تم بدلنے سے وراء ہو!

اپنی حیات و وفات سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ بدلے بلکہ ہمارے حالات بدلے۔ ڈوب جانے پر سورج نہیں بدلتا زمین کا حال بدلتا ہے یونہی سویرا' دوپہر' شام' سردی' گرمی میں سورج نہیں بدلتا زمین کے حالات بدلتے ہیں ان کی حیات و وفات کی حقیقت یہ ہے۔

یہ دونوں گھر انہیں کے ہیں جہاں جی چاہا جا بیٹھے کبھی اس گھر میں جا بیٹھے کبھی اس گھر میں آ بیٹھے

علماء فرماتے ہیں کہ نظام میں تبدیلی ہو سکتی ہے مگر جس سے نظام قائم ہو اس میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ درخت کے پتے پھل پھول شاخوں میں کاٹ چھانٹ ہوتی رہتی ہے کہ یہ نظام ہے مگر جڑ میں کاٹ چھانٹ نہیں ہو سکتی کہ اس سے نظام کا قیام ہے۔ جسم کے ناخن' بال وغیرہ بلکہ کھال اور اعضاء جسم میں کتر بیونت ہوتی رہتی ہے کہ یہ نظام ہے مگر دل میں تبدیلی تغیر نہیں ہوتا۔ عالم اسفلیات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ جنگل آبادیوں میں آبادیاں جنگلات میں بدل جاتے ہیں مگر سورج میں نہ تبدیلی ہو نہ تغیر کیونکہ اس سے عالم کا نظام قائم ہے۔ سارے انبیاء' ان کی کتب روحانی نظام تھے ان میں تبدیلی ہوتی رہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس نظام کے بقاء و قیام کا ذریعہ ہیں۔ لہذا نہ آپ میں تبدیلی ہو نہ آپ کی صفات و دین میں۔ **وھو السمیع العلیم** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان مطالبہ کرنے والوں کا بلیغ رد ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ مخلوق کی باتیں سننے والا بھی ہے ان کے حالات جاننے والا بھی اس نے اسلام کی حقانیت کا فیصلہ فرما دیا اب بتاؤ کہ اس سے بڑھ کر کون ہے۔ جسے حکم بنایا جائے ان دو لفظوں میں یہ بتایا کہ ہماری عطا پر اعتراض نہ کرو ہم نے جسے جو دیا جان کر دیا' حکمت سے دیا جنہیں خلیل بنایا وہ اسی لائق تھے جنہیں کلیم کا درجہ دیا وہ اسی لائق تھے مگر جنہیں حبیب بنایا وہ اسی لائق تھے۔ ہنرمند مستری جو پرزہ جہاں سیٹ کرتا ہے وہ وہاں ہی لائق ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ اللہ بھی سمیع و علیم ہے اس نے اپنے بندوں کو بھی سمیع و علیم بنایا مگر دونوں سمع' دونوں علموں میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ ہماری ہر صفت وقتی ہے' اس کی دائمی۔ ہم جب سو جائیں بیہوش ہو جائیں یا کان یا آنکھ پر کوئی آفت آ جائے تو نہ سمیع رہیں نہ بصیر نہ علیم اس کی صفات ان کمزوریوں سے پاک ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب اکبر سارے عالم کے حاکم اعلیٰ آپ ان مطالبہ کرنے والے کفار کو جواب دے دو کہ کیا میں اللہ کے دشمنوں' اللہ کے غیروں کو قرآن مجید کی حقانیت' اسلام کی سچائی اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے فیصلہ کے لئے حکم بنا سکتا ہوں کیا تم مجھ سے یہ امید رکھتے ہو یعنی یہ ناممکن ہے۔ قرآن مجید کی حقانیت کے تین نہایت قوی دلائل تم آنکھوں سے دیکھ رہے ہو ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے جو احکم الحاکمین ہے۔ خود اس کی حقانیت کا فیصلہ فرما دیا کہ اسے تم کفار کو ہدایت ایمان دینے کے لئے مفصل کتاب بنا کر بھیجا اس کا کتاب الٰہی ہونا خود اس سے ثابت ہے۔ آفتاب خود اپنی دلیل ہے' قرآن خود اپنی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔ **ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ** خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت بھی حق ہے۔ قرآن کی صفت بھی حق اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بھی حق ہے۔ گویا حق نے حق پر حق کتاب حق کے ساتھ بھیجی۔ جیسے آئینہ ظاہری اعضاء کے ظاہری صفات کو ظاہر کرتا ہے مگر ایکسرے ہمارے باطنی اعضاء کے باطنی حالات ظاہر کرتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری صفات رب کے ظاہری صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئینہ حق نما ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے باطنی صفات رب کے باطنی صفات کو ظاہر کرتے ہیں۔ حق اللہ

تعالیٰ کے باطنی صفات میں سے ہے اس کی حقانیت میں غور کرنا پڑتا ہے کہ فلاں کام میں کیا حکمت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت مظہر ہے' حقانیت خداوندی کی۔ یہی قرآن مجید کی صفت ہے۔ فرماتا ہے **و بالحق انزلناہ و بالحق نزل** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے۔ **ارسلناک بالحق بشیرا و نذیرا**۔ دوسری دلیل یہ ہے۔ جن علماء اہل کتاب کو ہم نے توریت و انجیل عطا کی ان کتابوں کے نور سے ان کے دل منور فرمائے وہ یقین سے جانتے ہیں کہ قرآن مجید آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے اور یہ کہ قرآن کریم حق ہے حق سے وابستہ ہے۔ حق اس سے وابستہ ہے۔ تو اے محبوب آپ اس میں ذرا برابر شک نہ کریں کہ علماء اہل کتاب کو اس کی حقانیت کا یقین ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ خود قرآن مجید اپنی حقانیت کی دلیل ہے اس میں چار صفتیں ہیں۔ یہ کلمۃ اللہ یعنی اللہ کی بات ہے اور لوگوں کی حاجت کے لئے کافی وافی تمام ہے۔ جس کے ہوتے انہیں کسی اور کتاب کی ضرورت نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ اپنی ساری خبروں میں سچا ہے۔ خواہ گزشتہ کی خبریں ہوں یا آئندہ کی۔ تیسرے یہ کہ یہ اپنے سارے احکام میں عادل ہے جھوٹ و ظلم اس کے قریب بھی نہیں۔ چوتھے یہ کہ اسے کوئی تبدیل نہیں کر سکتا نہ یہ منسوخ ہو سکے اس کی ان صفات کو دیکھو اور اس پر ایمان لاؤ اللہ کے بندو اللہ تعالیٰ سمیع بھی ہے' علیم و خبیر بھی۔ پھر اس کے ہوتے کسی کا فیصلہ چاہتے ہو۔ سب سے بڑا فیصلہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ یاد رکھو کہ کلمۃ ربک میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے وہ پروگرام یا فیصلے مراد ہیں جو دنیا بنانے سے پہلے کئے گئے۔ ایک تحریری کہ لوح محفوظ میں ہر خشک و تر چیز لکھ دی گئی ایک عملی کہ ارواح پر نور کا چھینٹا دیا گیا بعض پر پڑا بعض محروم رہے۔ نور والے مومن اور مومنوں میں بعض اولیاء بعض انبیاء ہوئے۔ محروم کافر ہے اور تین فیصلے تقریری۔ اپنی الوہیت کا اقرار سب سے کرایا۔ تبلیغ کا اقرار علماء اہل کتاب سے لیا۔ **و اذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتاب** الخ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان و مدد کا عہد انبیاء سے لیا۔ **اذ اخذ اللہ میثاق النبیین** الخ دوسرے یہ کہ کلمۃ ربک سے مراد گزشتہ کتابوں' نبیوں کی بشارتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ سب سچے ہو گئے اور کلمۃ رب پورا ہو گیا۔ تیسرے یہ کہ کلمۃ ربک سے مراد قرآن مجید ہو۔ چوتھے یہ کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہو کہ پچھلے نبی کتابیں جگمگاتے تارے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم آفتاب ہیں تمام میں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اسلامی عقیدوں اور شرعی مسائل میں کسی کو پنچ بنانا' مشورہ' کثرت رائے وغیرہ کسی چیز کی اجازت نہیں۔ اللہ و رسول کے فرمان بہر حال لازم العمل ہیں کوئی اس کا فیصلہ کرے یا نہ کرے۔ لوگوں کی رائے اس کے موافق ہو یا مخالف یہ فائدہ **افغیر اللہ** سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ** : دنیاوی کاموں اور دینی غیر منصوص چیزوں میں مشورہ کرنا جائز بلکہ اچھا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **و امرھم شوری بینھم** دیکھو وہاں **امرھم** فرمایا **امرنا** نہ فرمایا اور فرماتا ہے **و شاورھم فی الامر** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کرام سے بہت مشورے فرماتے تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد خلفاء کا تقرر مسلمانوں کے مشورہ سے ہوا۔ **مسئلہ**: غیر منصوص دینی کاموں میں مشورہ کرنا' حکم بنانا جائز ہے مگر ان میں مسلمانوں سے مشورہ کرے' انہیں ہی حکم بنائے کفار کو حکم نہ بنائے' ان سے مشورہ نہ کرے۔ **مسئلہ**: دنیاوی کاموں میں مشورہ' دنیاوی جھگڑوں میں حکم بنانا' کفار کو بھی جائز ہے۔ آج ہم مسلمان روز مرہ کافر حکام سے فیصلے کراتے ہیں۔ بعض دفعہ انہیں حکم بناتے ہیں۔ حضرات صحابہ کرام نے عہد فاروقی میں بہت دفعہ

جہادوں میں کفار سے مشورے کئے ہیں۔ جیسا کہ تاریخ دان حضرات سے پوشیدہ نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** یہ کہنا جائز ہے کہ قرآن مجید کفار کی طرف یا کفار کے لئے نازل ہوا۔ یہ فائدہ **انزل الیکم الکتاب** سے حاصل ہوا یعنی کفار کی ہدایت کے لئے' انہیں سنانے کے لئے نازل ہوا۔ سورج کافر و مومن سب پر ہی چمکتا ہے بادل سب پر ہی برستا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں علماء کا بڑا درجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں مومنین علماء یہود کو حقانیت اسلام کی دلیل بنایا یہ فائدہ **والذین اتینا ھم الکتاب** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ و اولوا العلم قائما بالقسط** ۔ دیکھو وہاں علماء کو رب نے اپنی توحید کا گواہ بنایا' فرشتوں کے ساتھ۔ تیسری جگہ ارشاد ہوا۔ **اولم یکن لھم ایۃ ان یعلمہ علماء بنی اسرائیل** ایک جگہ ارشاد ہے۔ **قل کفی باللہ شھیدا بینی و بینکم و من عندہ علم الکتاب** دیکھو وہاں رب تعالیٰ نے علماء کی گواہی اپنی گواہی کے ساتھ بیان فرمائی۔ یعنی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے گواہ میں بھی ہوں اور اہل کتاب کے علماء بھی۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن کریم حق کے ساتھ اور حق قرآن مجید کے ساتھ ایسا وابستہ ہے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا ہو سکتے ہی نہیں۔ جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی یہ فائدہ **بالحق** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید کو کلمۃ اللہ بھی کہہ سکتے ہیں اور کلمات اللہ بھی۔ کلمۃ اللہ کے وہی معنی ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ یہ فائدہ **تمت کلمتہ ربک** اور **لا مبدل لکلماتہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن مجید کے بعد کوئی کتاب' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتے۔ قرآن مجید آخری کتاب ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی یہ فائدہ بھی **تمت کلمتہ ربک** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی** کمال اور تمام میں فرق ہم چھٹے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت عرض کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** قرآن مجید ناقابل نسخ کتاب ہے اسے اب کوئی دوسری آسمانی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی یہ فائدہ **لا مبدل لکلمات اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تاقیامت کوئی شخص' کوئی قوم' کوئی طاقت قرآن مجید میں رد و بدل نہیں کر سکتے یہ اٹل کتاب ہے۔ یہ فائدہ **لا مبدل** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کتاب اللہ کا علم اس کا نور اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جسے یہ ملا اسے سب کچھ مل گیا۔ یہ فائدہ **الذین اتینا ھم الکتاب** سے حاصل ہوا کہ یہاں مراد سارے اہل کتاب نہیں بلکہ وہ علماء مراد ہیں جنہیں توریت و انجیل کا علم و نور ملا۔ اس نور نے انہیں اسلام کی طرف رہبری فرمائی۔ **دسواں فائدہ:** بغیر نور کتاب کے صرف الفاظ کتاب' معنی کتاب جان لینا بالکل بیکار ہے بلکہ مضر ہے۔ ہم نے بعض ہندوؤں عیسائیوں کو دیکھا کہ انہوں نے قرآنی آیات یاد کر رکھی ہیں۔ بعض لوگ ہر جگہ قرآن مجید کا ترجمہ کرتے پھرتے ہیں مگر ہیں بڑے بے دین۔ جیسے چکڑالوی' مرزائی وغیرہم یہ فائدہ بھی **الذین اتینا ھم الکتاب** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو حکم نہ بنانا چاہئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود مدینہ بنی قریظہ کے معاملہ میں حضرت سعد ابن معاذ کو حکم بنایا جن کا واقعہ تمام کتب احادیث میں مذکور ہے نیز قرآن کریم فرماتا ہے **وابعثوا حکما" من اھلہ وحکما" من اھلھا** جب خاوند بیوی لڑ جھگڑ پڑیں تو ایک پنچ بیوی کی طرف ایک پنچ شوہر کی طرف سے بھیجو۔ نیز ہم کچہری کے ججوں سے فیصلے کراتے ہیں لہذا یہ آیت کریمہ دوسری آیت کے بھی خلاف ہے' احادیث کے بھی خلاف اور ناقابل عمل بھی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں دے دیا گیا کہ یا تو اس سے مراد ہے اللہ کے غیروں دشمنوں کو

حکم بنانا یہاں غیر اللہ سے مراد اللہ کے دشمن ہیں یا شرعی منصوص احکام میں کسی کو حکم بنانا مراد ہے اللہ و رسول کا حکم ہوتے ہوئے کسی کو حکم، حاکم، پنچ بنانا ممنوع ہے فیصلے مختلف قسم کے ہیں اور ان کے مختلف احکام۔ **دوسرا اعتراض:** **لا مبدل لکلمات اللہ** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ میثاق کے دن جو فیصلے ہو چکے ان میں تبدیلی نہیں ہو سکتی مگر حدیث شریف میں ہے **الدعاء یرد القضاء** دعا قضا کو رد کر دیتی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی عرض و معروض پر جناب داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے ایک سو سال ہو گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر امت محمد پر پچاس نمازوں کی پانچ رہ گئیں۔ عیسیٰ علیہ السلام مرے ہوؤں کو زندہ کر دیتے تھے۔ یہ تبدیلیاں فیصلہ الٰہی میں کیوں ہوئیں آیت کا مطلب کیا ہے؟ **جواب:** اس اعتراض کا جواب خود قرآن مجید نے دوسری جگہ دے دیا ہے۔ **یمحو اللہ ما یشاء ویثبت** یہاں ارشاد ہے کہ کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کے کلمات نہیں بدل سکتا۔ لیکن اگر کسی کی دعا سے یا خود رب تعالیٰ کے کرم سے آپ ہی بدل دے تو یہ ہو سکتا ہے بلکہ ہوتا ہے لہٰذا آیت میں تعارض نہیں، نہ مذکورہ واقعات اس آیت کے خلاف ہیں۔ بیماری دوا کے ذریعہ دفع ہو گئی یہ رب کے حکم میں دوا نے تبدیلی نہیں کی خود رب نے رنگ بدل دیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہے **الیکم الکتاب** اے کافرو تمہاری طرف یہ کتاب رب نے اتاری مگر کہیں ارشاد ہے **الیک** اے محبوب آپ کی طرف اتاری گئی، کہیں مسلمانوں سے خطاب **الیکم** اے مسلمانو تمہاری طرف کتاب اتاری ان آیتوں میں تعارض ہے بتاؤ کونسی آیت درست ہے۔ **جواب:** قرآن مجید تبلیغ کے لئے سمجھانے سکھانے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف آیا ہدایت ایمان دینے کے لئے کفار کی طرف آیا اور ہدایت اعمال ہدایت تقویٰ دینے مومنوں کی طرف آیا برکت دینے کے لئے سارے جہاں کی طرف آیا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں جیسے بارش تری دینے کے لئے ساری زمین پر آتی ہے پھل پھول دینے کے لئے باغوں پر دانہ دینے کے لئے کھیتوں پر اور موتی دینے کے لئے ایک خاص سمندر پر برستی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ سارے توریت وانجیل والے قرآن کریم کو رب کی کتاب مانتے جانتے ہیں حالانکہ کوئی عیسائی یہودی قرآن کو نہیں مانتا اگر مانتے ہوتے تو مسلمان ہو جاتے۔ **جواب:** یہاں توریت وانجیل کو ماننے والے یہود و عیسائی مراد نہیں بلکہ انہیں صحیح طور پر سمجھنے والے جاننے والے ان کے علماء حقانی مراد ہیں جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یا حضرت سلمان فارسی اور ان کے ساتھی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کامل مکمل تام کتاب ہے پھر حدیث وفقہ کی کیا ضرورت ہے (چکڑالوی)۔ **جواب:** اس کا جواب چھٹے پارہ **الیوم اکملت لکم دینکم** الخ کی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ حدیث وفقہ قرآن مجید کی تفسیریں اس کی شرحیں ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے کلام میں تبدیلی نہیں ہو سکتی حالانکہ قرآن مجید کی بہت سی آیات منسوخ ہیں یہ تبدیلی کیوں ہو گئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس کا مطلب یا تو یہ ہے کہ کوئی انسان اس میں رد و بدل نہیں کر سکتا اللہ نے اس کی حفاظت فرمائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب منسوخ نہیں کر سکتی۔ خود قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی ناسخ ہیں یہ نسخ اس آیت کریمہ کے خلاف نہیں۔ تبدیلی اور نسخ کا فرق ہم تیسرے پارے میں **ما ننسخ من اٰیۃ او ننسھا** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بشر اور انسان ہیں پھر کلمۃ ربک کیسے ہو سکتے ہیں۔ کلمہ بات کو کہتے ہیں انسان بات والا ہوتا ہے نہ کہ بات لہٰذا یہ تفسیر غلط ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ **جواب:** الزامی

تو یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بشر انسان ہیں قرآن مجید نے انہیں کلمتہ اللہ فرمایا ہے کیونکہ انہیں اللہ کے کلمہ کن سے نسبت ہے اسی طرح حضور انور کو کلمتہ الرب یا کلمات اللہ کہا جاتا ہے۔ جواب تحقیقی ان شاء اللہ ابھی تفسیر صوفیانہ میں عرض کیا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیت کریمہ اصلاح نفس کے لئے اکسیر ہے اللہ تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ کر دوسروں کو حکم حاکم بنانا نفس امارہ کا دھوکہ ہے اس کی اصلاح یہ ہے کہ اللہ و رسول کے فرمان پر سر جھکا رہے۔ جو چیز اللہ سے روکے وہی غیر اللہ ہے اس کے مشورہ اس کے حکم پر چلنا اپنے کو ہلاک کرنا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید اتارا تاکہ وہ شریعت و طریقت کے ہر مرحلے میں ہماری رہنمائی کر سکے یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے مقرر کردہ حاکم ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ فیصلے والے چار طرح کے ہیں حکم یعنی ثالثی پنچ' حاکم خاص یعنی سلطان کی طرف سے مقرر کردہ خاص علاقہ کا حاکم جیسے تحصیلدار' منصف' جج وغیرہ جو ایک علاقہ کے فیصلے کرتے ہیں اور ان کے فیصلے قابل اپیل ہوتے ہیں حاکم مطلق جو ساری مملکت کا حاکم اعلیٰ ہو جس کے فیصلے کی اپیل نہ ہو سکے جیسے سپریم کورٹ کا جج۔ احکم الحاکمین یعنی حاکموں پر حاکم۔ احکم الحاکمین تو رب تعالیٰ ہے۔ نبیوں ولیوں حاکموں سلطانوں کا بادشاہ۔ اور گزشتہ انبیاء کرام اپنی اپنی قوم کے حاکم خاص تھے اور اب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت میں اولیاء ابدال غوث و قطب حاکم خصوصی ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم مملکت الٰہیہ کے حاکم مطلق ہیں کہ آپ کی حکومت ساری خدائی پر ہے آپ کے فیصلے کی اپیل نہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی سلطنت و حکومت تاقیامت ہر جگہ ہر چیز پر ہے۔ ہرنی' اونٹ' چڑیوں کے فیصلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دربار میں ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد پر بادل برسے چاند پھٹا سورج لوٹا آج بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے دیکھ لو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازیں زکوۃ قربانیاں۔ حج و عمرہ وغیرہ برابر جاری ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نوکر چاکر علماء صوفیا فرمایا گیا کہ کیا میں رب کی طرف سے حاکم مطلق ہو کر اپنی نبوت کے لئے کسی کو حاکم بناؤں دنیا میری تحت حکومت ہے سب میرے ماتحت ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی کو کتاب کے صرف نقوش ملتے ہیں کسی کو صرف الفاظ کسی کو صرف معانی و مفہوم و مضامین یہ سب لوگ آڑ میں پھنسے رہ گئے مگر جس کو کتاب اللہ کے اسرار و انوار عطا ہوئے وہی پار تک پہنچے انہوں نے جان لیا کہ قرآن کریم خود حق ہے اس کا بھیجنے والا حق' لانے والا فرشتہ حق لینے والے محبوب حق اس کا اترنا حق کہ جو قرآن کی عطا کے لائق تھے انہیں پر قرآن اترا اور تاقیامت جن لوگوں کو قرآن کا ظاہری باطنی علم دیا گیا وہ علماء بھی حق وہی وارث رسول نائب رسول ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسیح کلمتہ اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمات اللہ ہیں اور کلمات اللہ بھی ایسے جو کامل اور تمام ہو چکا ہو' کمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اب ہر صدق عدل مکمل ہو چکا اس کلمات اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی بدلنے والا نہیں اسے کوئی باطل کرنے والا نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس کا حافظ و ناصر ہے۔

الایا احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر موئی
شریعت از تو روشن شد طریقت ہم مبرھن شد حقیقت خود معین شد زہے سلطان بے ہمتا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قالب شریعت کا مرکز ہے قلب طریقت کا سرچشمہ۔ روح مبارک حقیقت کا مرکز ہے۔ سر مبارک

معرفت کا سرچشمہ اب پڑھو تمت کلمتہ ربک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صدق جاری ہوتا ہے۔ جنان وارکان سے عدل جاری زبان جنان ارکان کلمات رحمان ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کلمہ یعنی بات 'بات والے کی مرضی سے نکلتی ہے اسی طرح حضور انور کی ہر ادا ہر کام و کلام رب تعالیٰ کی رضا سے ہے نیز بات کی شان بات والے کی شان سے ہوتی ہے بڑے کی بڑی بات چھوٹے کی چھوٹی بات نیز بات والے کو اپنی بات کا پاس ہوتا ہے رب تعالیٰ کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت لحاظ بہت پاس ہوتا ہے ان وجوہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کلمتہ اللہ یا کلمات اللہ ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہم احد کے ستر شہیدوں کے عوض ستر کفار مکہ کو قتل کریں گے۔ فتح مکہ میں رب نے یہ بات پوری کرادی کہ حضرت خالد کو بجائے وضع عنہم السیف کے ضع فیہم السیف کا پیغام بحکم فرشتہ پہنچا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو رب نے وحی الٰہی فرمایا ان کے ہاتھ کو اپنا ہاتھ ان کی بیعت کو اپنی بیعت فرمائی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تین ہیں زمانہ جود' دوسرا زمانہ وجود' تیسرا زمانہ نبوت۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ جود کی ابتداء اول خلق سے ہے کہ حضرات انبیاء کرام بھی عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض لیکر دنیا میں آئے۔ تعلیم پہلے ہوتی ہے عہدہ بعد میں دنیا ان حضرات کو عہدہ ملنے کی جگہ تھی تعلیم وہاں مکمل ہو چکی تھی انتہاء جود کبھی نہیں۔ وہ لایزال ہے زمانہ وجود کی ابتداء نزول وحی سے ہوتی۔ انتہاء وفات شریف پر جب کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے صحابی بنتے تھے اور زمانہ نبوت کی ابتداء اعلان نبوت سے ہے انتہاء کبھی نہیں۔ ان تینوں زمانوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تبدیلی و تغییر سے محفوظ ہیں **لا مبدل لکلما تہ۔**

وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِى الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ

اور اگر اطاعت کرے تو بہت سے ان لوگوں کی جو زمین میں ہیں تو وہ تجھے بہکا دیں گے اللہ کے راستہ سے نہیں

اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان

يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ

پیروی کرتے وہ لوگ مگر گمان کی اور نہیں ہیں وہ مگر اندازے لگاتے　بیشک رب تیرا وہ خوب جاننے

کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں　تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون

يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾

والا ہے اس کا جو بہکتا ہے اس کے راستہ سے اور وہ خوب جاننے والا ہے انکو جو ہدایت یافتہ ہیں

بہکا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: اس سے پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن کریم مکمل کتاب ہے' اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو کوئی اس کتاب کے ہوتے ہوئے کفار کی باتیں مانے گا وہ سخت ترین گمراہ ہو گا گویا قرآن مجید نے مکمل ہونے کا تذکرہ فرمانے کے بعد اس کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں قرآن

کریم کے مکمل صدق 'عدل ہونے کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کے پاس ان میں سے کوئی چیز نہیں ان کے پاس صرف وہم اندازے اور اپنے پچھلوں کی پیروی ہے گویا اسلام کی قوت کے ذکر کے بعد کفر کی کمزوری کا بیان ہے تاکہ لوگ اسلام کے ہوتے ان کی طرف دھیان بھی نہ دیں۔ تیسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے دشمنوں کو حکم و پنچ نہیں بنایا جا سکتا۔ اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ حکم کی اطاعت کی جاتی ہے اور کفار کی اطاعت گمراہی ہے۔

شان نزول: ایک بار مشرکین مکہ کی ایک جماعت حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و سلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی بولی کہ جو بکری بغیر ذبح کئے اپنی موت مرجاوے اسے موت دینے والا کون ہے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ۔ وہ لوگ بولے کہ آپ اور آپ کے ساتھی مسلمان کہتے ہیں کہ جسے آپ لوگ ذبح کرکے ماردیں وہ تو حلال ہے بلکہ جس شکاری جانور کو شکرہ 'باز' شکار کتا ماردے وہ بھی حلال مگر جسے اللہ تعالیٰ ماردے وہ حرام ہے پھر آپ لوگ کیسے کہتے ہیں کہ آپ لوگ اللہ کے عبادت گزار ہیں کہ اپنے مارے کو حلال کہتے ہیں اور خدا کو مارے کو حرام ان کی تردید میں یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (تفسیر صاوی۔ خازن)۔

تفسیر: **وان تطع اکثر من فی الارض۔** حق یہ ہے کہ اس آیت میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے ہرگز نہیں ' بلکہ یا تو ہر اس صحابی سے ہے جن کے سامنے ان کفار نے یہ گفتگو کی تھی یا تاقیامت ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے **تطع** بنا ہے **اطاعتہ** سے۔ اطاعت 'عبادت 'اتباع ان کا فرق ہم بارہا بیان کرچکے ہیں یہاں اطاعت سے مراد ہے بات ماننا اس پر دھیان دینا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد فرمانبرداری کرنا ہی ہو۔ اس صورت میں فرمانبرداری سے مراد دینی معاملہ میں اسلام کے خلاف کسی کی فرمانبرداری ہے ورنہ کافر حکام کافر بادشاہ کی دنیاوی فرمانبرداری مسلمان کو کرنا ہی پڑتی ہے **الارض** سے مراد زمین مکہ مکرمہ ہے۔ چونکہ اس وقت مکہ مکرمہ میں سوائے چند کے باقی سارے ہی کفار تھے اس لئے انہیں اکثر فرمایا گیا یعنی اے مسلمانو اگر تم مکہ والوں کی اکثریت کی بات مانو گے یا یہاں مکہ مکرمہ میں اکثر وہ لوگ ہیں کہ اگر تم ان کی اطاعت کرو گے **یضلوک عن سبیل اللہ** یہ عبارت **ان تطع** کی جزا ہے **یضلو** بنا ہے اضلال سے 'جس کا مادہ ضل یا ضلال ہے۔ قرآن مجید میں ضلال بہت معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بمعنی گمراہی ہے۔ اضلال بمعنی گمراہ کردینا۔ سبیل اللہ سے مراد خدا رسی کا راستہ (دین اسلام) ہے۔ یعنی ابھی تو کفار تم کو صرف ایک شرعی مسئلہ میں بہکار ہے ہیں اگر تم نے اس موقعہ پر پلپلا پن دکھایا اور ان کی بات کی طرف مائل ہوگئے تو یہ آئندہ چل کر تمہیں توحید و رسالت اور سارے عقائد سے بہکادیں گے ابھی تو ابتداء ہے تمہارا دل ایمان و عرفان کا خزانہ ہے۔ اس خزانہ کے گرد درست عقائد 'فرائض واجبات 'نوافل 'سنن ' مستحبات کی دیواریں ہیں۔ شیطان پہلے مستحب کی دیوار میں سوراخ کرنے کی کوشش کرتا ہے اگر وہاں کامیاب ہو جائے تو سنتوں پھر واجبات پھر فرائض کی دیواروں پر نقب لگاتا ہے۔ اس پہلی دیوار سے ہی اس کو روکو تاکہ آگے نہ بڑھے ابھی تو شیطان تم سے ذبیحہ کے ایک مسئلہ کا ذکر کرکے اس میں شبہ ڈالتا ہے اگر تم اس شبہ میں پھنس گئے تو دوسرے مسائل کی 'پھر عقائد کی باری آجائے گی یا یہ مطلب ہے کہ مردار کا حرام ہونا 'ذبیحہ کا حلال ہونا ایک قطعی یقینی دینی مسئلہ ہے اگر تم اس میں سے کسی مسئلہ میں پھنس گئے تو سبیل اللہ یعنی دین اسلام سے بہک جاؤ گے کہ ایک قطعی مسئلہ کا انکار بھی کفر ہے۔ **ان یتبعون الا الظن۔** اس عبارت میں کفار کی حقیقت ظاہر فرمائی گئی ہے۔ یہاں ان نافیہ ہے بمعنی نہیں۔ اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا پیروی کرنا ظن مقابل یقین کا ہے یہاں

عقائد میں ظن و گمان مراد ہے۔ یعنی خود ان لوگوں کا اپنا یہ حال ہے کہ ان کے پاس اپنے کسی عقیدے پر قطعی دلیل موجود نہیں چند وہمیات کو دین بنا رکھا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ رب تعالیٰ کو مجبور مانتے ہیں کہ وہ اکیلا دنیا کا نظام نہیں چلا سکتا اس لئے ہمارے بت اس کا کام چلا رہے ہیں یا کتوں "گائے' بندر' ہاتھی وغیرہ کو معبود سمجھ کر ان کی پرستش کریں یہ سب وہمیات ہیں۔ نیز ان کا یہ کہنا کہ ذبیحہ کو تم مارتے ہو مردار کو اللہ تعالیٰ مارتا ہے کتنی بڑی غلطی ہے۔ موت دینے والا سب کا اللہ تعالیٰ ہی ہے خواہ ذبیحہ ہو یا مردار۔ جانور کے حلال و حرام ہونے کا دارومدار اس پر نہیں بلکہ جس جانور کا خون اللہ کے نام پر بہایا جاوے وہ حلال ہے ورنہ حرام۔ اسی لئے مچھلی میں ذبح کی ضرورت نہیں کہ اس میں خون نہیں۔ جن لوگوں کو اتنی خبر نہیں وہ کس منہ سے اسلامی عقائد پر اعتراض کرتے ہیں۔ **خیال رہے** کہ مرکز اتباع صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **فاتبعونی** اگر چکی اپنے مرکز یعنی کیل سے ہٹ جاوے' پرکار کی ایک ٹانگ اپنے مرکز سے ہٹ جاوے' درخت کی شاخ اپنے مرکز درخت سے ٹوٹ جاوے تو چکی پیس نہیں سکتی پرکار درست دائرہ نہیں کھینچ سکتا شاخ ہری نہیں رہتی' ایسے ہی جو انسان اپنے مرکز یعنی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ گیا وہ کامیاب نہیں رہ سکتا۔ کفار کا مرکز اتباع ان کے گمان و وہم ہیں مومن کا مرکز اتباع حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں **وان هم الا يخرصون۔** اس عبارت میں کفار کے دوسرے عیب کا بیان ہے یہاں بھی ان نافیہ ہے **هم** کا مرجع وہی کفار ہیں **يخرصون** بنا ہے **خرص** سے جس کے معنی ہیں اندازہ لگانا اپنی انکل قیاس دوڑانا اسی سے ہے خرص النخل درخت پر لگی ہوئی کھجوروں کا اندازہ لگانا۔ پہلے اندازہ ہوتا ہے پھر گمان گویا اندازہ گمان کی اصل ہے لہذا ان دونوں جملوں میں تکرار نہیں یعنی یہ لوگ اپنے اندازوں اپنے انکل سے اپنے عقیدے سوچتے ہیں پھر بطور ظن انہیں قبول کر لیتے ہیں۔ لہذا اے مسلمانو تم ان کی باتوں میں ہرگز نہ آؤ تمہارے دین کا ماخذ کتاب و سنت ہے جو یقینی چیزیں ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ظن سے مراد ان کے باپ داداؤں کے گمان ہیں جن کی وہ بے سمجھے بوجھے پیروی کرتے تھے اور خرص سے مراد ان کے اپنے انکل و قیاس ہیں (روح المعانی) ان کا دین اپنے باپ داداؤں اور خود اپنے گمانوں کا مجموعہ تھا اور ہو سکتا ہے کہ ظن سے مراد ان کے وہ باطل خیالات ہوں جو بارگاہ الٰہی کے متعلق رکھتے تھے اور خرص سے مراد ان کے وہ باطل اندازے ہوں جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لگاتے تھے کہ انہیں کوئی شاعر کہتا تھا کوئی ساحر کوئی اپنے جیسا بشر حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ اندازوں بلکہ خیال قیاس وہم سے وراء ہیں۔ پیالہ میں سمندر کیسے سمائے تو خیال کے پیالوں اندازوں کے لوٹوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات کے سمندر کیسے سما سکتے ہیں اس لئے وہ کافر رہے **ان ربک هو اعلم من يضل عن سبيله** یہ عبارت **وان تطع** کا مضمون ثابت فرمانے کے لئے ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ دنیا میں بعض لوگ اللہ کے علم میں گمراہ ہیں اور بعض لوگ ہدایت پر۔ مسلمان کو چاہئے کہ اپنے پر بھروسہ نہ کرے رب سے خوف کرتا رہے انسان کے بہکنے میں دیر نہیں لگتی لہذا اے مسلمان گمراہوں کی بات نہ مان ورنہ تو خود گمراہ ہو جاوے گا یہ خیال ہرگز نہ کر کہ میں تو ہدایت پر ہوں میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے۔ **خیال رہے** کہ عربی قاعدے سے **من يضل' اعلم** کا مفعول نہیں بن سکتا کہ اسم تفضیل کبھی اسم ظاہر میں عمل نہیں کرتا الا بالشرائط اس لئے اعلم کے بعد یعلم پوشیدہ ہے اور **من يضل** اس کا مفعول ہے۔ **يضل** میں وہ لوگ بھی داخل ہیں جو پہلے ہی سے گمراہ ہیں اور وہ لوگ بھی جو پہلے ہدایت پر ہوں بعد میں بہک جاویں لہذا یہ فرمان عالی بہت وسیع ہے **سبيله** سے مراد خدا رسی کا ذریعہ ہے یعنی دین اسلام **وهو اعلم بالمهتدين۔** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے مہتدین سے مراد وہ ہیں جن کا خاتمہ

اسلام پر ہو خواہ وہ شروع سے ہدایت یافتہ ہوں یا پہلے گمراہ رہے ہوں بعد میں ہدایت پر آگئے ہوں یعنی وہ رب ہی خوب جانتا ہے انہیں جو ہدایت یافتہ ہیں تم اپنے متعلق اس کا فیصلہ نہ کرو اس سے دعا کرو ہدایت یافتہ رہو۔

خلاصہ ء تفسیر: اے مسلمان ہوشیار رہ کفار کے جال میں مت پھنس جانا اگر تم مکہ کی اکثریت کی جو کفار ہیں بات مانے گا یا ان کی بات دھیان سے سنے گا تو یہ تجھے اللہ کی راہ یعنی دین اسلام سے بہکا دیں گے کہ پہلے اسلام کے فرعی مسائل کے متعلق تیرے دل میں شبہات ڈالیں گے کہ ہمارا مارا جانور کیوں حلال ہے اور خدا تعالیٰ کا مارا جانور یعنی مردار کیوں حرام ہے وغیرہ۔ پھر تیرے دل میں اسلامی عقائد کے متعلق شبہات ڈالیں گے جس کا انجام یہ ہوگا کہ تو یا اسلام سے پھر جاوے گا یا اس کی طرف سے شک میں مبتلا ہو جاوے گا خود ان کفار کا اپنا یہ حال ہے کہ ان کے عقائد ان کے اعمال پر انہیں خود یقین نہیں ان پر کوئی عقلی نقلی یقینی دلیل قائم نہیں۔ محض اٹکل پچو گمان و وہمیات کی پیروی کرتے ہیں اور کبھی اپنے باپ دادوں کی ظنی مشکوک باتیں مانتے ہیں۔ کبھی خود اپنے گمان و اٹکل سے عقیدے تراش لیتے ہیں۔ اے مسلمان تو کبھی اپنے پر بھروسہ کرکے کفار کی پیروی اور ان کی صحبت اختیار نہ کر یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹک جائے گا اور وہی خوب جانتا ہے کہ کون ہدایت یافتہ رہے گا۔ ایسا نہ ہو کہ تو ابھی ہدایت پر ہے بعد میں کفار کی باتوں میں آکر پھسل جائے۔ جان کے دشمن سانپ سے دور رہ۔ ایمان کے دشمن کفار سے کنارہ کش رہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ انسان کا دل اللہ کے قبضہ میں ہے جب چاہے جدھر چاہے پھیر دے۔ بعض روایات میں ہے کہ انسان کا دل اس سوکھے ہلکے پتہ کی طرح ہے جو جنگل میں پڑا ہوا سے ہوا اڑا سکتی ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھا کرتے تھے **یا مقلب القلوب قلب قلبی الی ما تحب و ترضاہ** اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے پسندیدہ محبوب کاموں کی طرف پھیر دے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ و رسول کے مقابلہ میں کسی کی پیروی نہیں کرنی چاہئے خواہ کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہو یا بڑی سے بڑی جماعت۔ یہ فائدہ **وان تطع** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کثرت رائے وغیرہ مشوروں میں معتبر ہے نہ کہ دینی شرعی منصوص احکام میں رب کی مانو۔ اس کے مقابل سب کی نہ مانو یہ فائدہ بھی **وان تطع** الخ سے حاصل ہوا۔ یہاں جمہوریت لعنت ہے ایک کامل کی پیروی ضروری ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

گریز از طرز جمہوری غلام مرد کامل شو کہ از مغز دو صد خر عقل انسانے نمی آید

جمہوری نظام لعنت ہے اس سے بچو۔ مرد کامل کے غلام بنو دو سو گدھوں کے دماغ میں وہ بات نہیں آسکتی جو ایک مرد کامل کے دماغ میں آسکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جمہوریت دو قسم کی ہے جمہوریت اسلامی اور جمہوریت شیطانی اسلامی جمہوریت میں دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ جو مسئلہ منصوص ہو یا اجماعی ہو اس میں کسی کی رائے معتبر نہیں نہ ایک کی نہ سب کی۔ اگر تمام جہان کی رائے یہ ہو کہ نمازیں چار پڑھو یا باجرہ اور چاول میں سود کو جائز مانو تو معتبر نہیں۔ دوسری یہ کہ اسلامی جمہوریت میں ہر بالغ رائے دہندگی نہیں بلکہ ہر مومن اور ذی رائے کو اس کا حق ہے رب فرماتا ہے **وشاورھم فی الامر** اور فرماتا ہے **وامرھم شوری بینھم** ان دونوں آیتوں میں **ھم** کی ضمیر ہر بالغ کی طرف نہیں بلکہ مومن ذی رائے کی طرف ہے۔ فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** اور فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیھم** ان چاروں آیتوں میں اسلامی جمہوریت کا حکم ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کسی معاملہ میں کفار اور بدکاروں سے منافقوں سے مشورہ نہ لئے نہ قبول

کئے شیطانی جمہوریت یہ ہے کہ ہر بالغ کو حق رائے ہو اگرچہ وہ کافر ہو منافق ہو۔ بے وقوف ہو پاگل ہو جد ھر ان بے وقوفوں کی اکثریت ہو جائے اس پر عمل کرو وہی قانون بناؤ یہ شیطانی جمہوریت گمراہ کن ہے یہ فائدہ **اکثر من فی الارض** اور **یضلوک** سے حاصل ہوا اس جمہوری نظام نے آج دنیا میں تہلکہ مچادیا ہے کسی جگہ امن نہیں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **ید اللہ علی الجماعت** اور فرماتے ہیں **اتبعوا السواد الاعظم** ان حدیثوں میں جماعت اور بڑے گروہ سے مراد ان ہی صالحین کی جماعت اور انہی کا بڑا گروہ ہے نہ کہ بے دینوں اور بدکاروں کی جماعت۔ آج کل یہ ہے کہ یاں لوگ گنے جاتے ہیں تولے نہیں جاتے۔ **چوتھا فائدہ:** ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے متعلق اچھا گمان رکھو دعا کرو تو قبولیت کی امید پر عبادت کی توفیق ملے تو منظوری کی امید رکھو گناہ ہو جائے توبہ کرو تو بخشش کی امید قوی رکھو۔ مایوسی بد ظنی ہے اور بد ظنی محرومی ہے یہ فائدہ اشارۃً **"ان یتبعون الا الظن"** سے حاصل ہوا۔ اپنے گناہ میں غور کر کے شرمندہ ہو اور شان غفاری ستاری میں غور کرو تو امیدوار ہو ان شاء اللہ بخشے جاؤ گے۔ حدیث قدسی ہے **انا عند ظن عبدی۔** **پانچواں فائدہ:** بڑے سے بڑا پختہ ایمان والا اپنے پر بھروسہ نہ کرے اور شیطان کو اپنے سے دور نہ جانے شیطان اور شیطانی لوگوں شیطانی مجلسوں سے دور رہے کہ نہ معلوم کب بہک جاوے یہ فائدہ **یضلوک** الخ سے حاصل ہوا۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی شخص اجنبی عورت سے خلوت نہ کرے کیونکہ جب اجنبی مرد و عورت خلوت میں جمع ہوتے ہیں تو ان میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ کوئی مسلمان کسی مسلمان کو ننگی تلوار سے مارنے کا اشارہ نہ کرے اندیشہ ہے کہ شیطان اس سے قتل کراوے۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن و حدیث کے مقابلہ میں اپنے باپ داداؤں کی پیروی سخت جرم ہے کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ **ان یتبعون الا الظن** سے حاصل ہوا اپنے رسم و رواج کو شریعت کے سانچہ میں ڈھالو شریعت کو رسم و رواج کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش نہ کرو اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو آج اسلام کو یورپ کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں اور اس کے لئے ہزار بہانہ حیلے بنا رہے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** اپنے اندازو اٹکل قیاس تخمینہ سے چیزوں کو حرام و حلال نہیں کر سکتے حلال وہ جسے اللہ و رسول حلال فرمادیں حرام وہ جسے اللہ رسول حرام کریں یہ فائدہ **الا یخرصون** سے حاصل ہوا۔ ظن اور خرص میں فرق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ تمام عیوب کفار و مشرکین کے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** ایمان و کفر سعادت اور شقاوت میں انجام اور خاتمہ کا اعتبار ہے جس کا خاتمہ ایمان و نیک بختی پر ہو جائے وہ مومن بھی ہے سعید بھی اور انجام کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے لہذا کوئی بڑے سے بڑا مسلمان خرابی خاتمہ سے بے خوف نہ ہو اور کسی کافر کے متعلق یہ یقین نہ کرو کہ وہ کافر ہی مرے گا وہ جو کسی کا شعر ہے۔

ہیچ کافر را بخواری من گریز!　　کہ مسلمان بودنش باشد امیر!

اس کا یہی مطلب ہے یہ فائدہ **ان ربک ھوا علم** الخ سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** ہدایت انسان کی اصلی حالت ہے، گمراہی عارضی حالت۔ کیونکہ ہر بچہ ہدایت اور فطرت پر پیدا ہوتا ہے دنیا میں آکر گمراہ ہو جاتا ہے اگر ماحول گندہ ہو۔ یہ فائدہ **یضل** کو مستقبل اور مہتدین کو اسم فاعل فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** دنیا میں گمراہی کے راستہ اور اس کے ذریعہ بہت ہیں ہدایت کا راستہ صرف ایک۔ گمراہی کے خطرات بہت ہیں اس لئے انسان کو زندگی بڑی احتیاط سے گزارنی چاہئے۔ یہ فائدہ اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ یضل کا ذکر پہلے کیا گیا۔ اور مہتدین کا بعد میں قرآن کی ترتیب ذکری میں بھی بہت سی حکمتیں ہوتی ہیں۔ **گیارھواں فائدہ:** جیسے کوئی شخص کتنا ہی بڑا ہو مگر اپنی دولت چوراہے میں نہیں رکھتا بلکہ اسے چوروں

سے بچاتا ہے اپنے کو سردی گرمی سے محفوظ رکھتا ہے یہ نہیں کہتا کہ چونکہ میں بڑا آدمی ہوں میرا مال چور نہیں چھو سکتا یا مجھے سردی گرمی نقصان نہیں دے سکتی اسی طرح کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اپنے ایمان سے مطمئن نہ ہو جائے اسے بدمذہبوں کے چوراہے میں نہ رکھدے بلکہ جان و مال کی طرح اس کی حفاظت کرے شریعت کے صندوق میں رکھے اور اس پر طریقت کا مضبوط قفل لگائے پھر وہ صندوق بھی چوراہے میں نہ رکھے۔ کسی مقبول بندے کے پاس محفوظ جگہ میں رکھے مال کی حفاظت گھر، مضبوط پٹی، مضبوط قفل سے ہوتی ہے یونہی ایمان کی حفاظت کے لئے ان تینوں حفاظتوں کی ضرورت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اکثر **من فی الارض** کیوں فرمایا گیا کہ اگر تم اکثر لوگوں کی اطاعت کرو گے۔ کیا تھوڑے کافروں کی اطاعت کر لینا جائز ہے۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں زمین سے مراد یا تو مکہ مکرمہ کی زمین ہے اور اس آیت کے نزول کے وقت وہاں مشرکین بہت زیادہ تھے، مومن بہت تھوڑے۔ یا زمین سے مراد عام زمین ہے اور واقعی ہمیشہ کفار تعداد میں عموماً" مسلمانوں سے زیادہ ہی ہوتے ہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** مقصد یہ ہے کہ کفار کی اکثریت سے مرعوب نہ ہو جانا ان بہت سوں کی اطاعت مت کر لینا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کی اطاعت کرنا گمراہی ہے مگر بہت جگہ کفار کا راج ہے مسلمان ان کی رعایا ہیں جو ان کی اطاعت کرتے ہیں کیا وہ سارے مسلمان گمراہ ہیں۔ **جواب:** یہاں اسلام کے مقابلہ میں کفار کی اطاعت مراد ہے یعنی ان کی دینی اطاعت۔ سیاسی اطاعت قانون ملک کی اطاعت مراد نہیں واقعی کفار کی دینی اطاعت گمراہی ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی یہ اندیشہ تھا کہ آپ کو کفار بہکا دیں دیکھو تطع اور سلوک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا جا چکا کہ وہ دونوں خطاب ہر مسلمان سے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کرم ہو جائے اس سے شیطان کتراتا ہے۔ حضرت عمر جس راستہ سے گزریں شیطان وہ راستہ چھوڑ دیتا ہے۔ جسے زیادہ احتلام کی بیماری ہو وہ سوتے وقت انگل سے اپنے سینہ پر لکھ لیا کرے یا عمران شاءاللہ خواب کے احتلام سے امن میں رہے گا۔ کہ خواب کا احتلام شیطان کے اثر سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے نام سے شیطان بھاگتا ہے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے والا شیطان یعنی قرین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کی برکت سے مسلمان ہو گیا جب بہکانے والا خود ہی ہدایت پر آگیا تو اب انہیں بہکائے کون۔ غرضیکہ یہاں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں مسلمان سے ہے اگر بفرض محال مان لیا جائے کہ خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہے تو بھی فرمایا گیا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اور سنایا گیا ہے عام مسلمانوں کو یا اس میں ناممکن کو ممکن پر موقوف کیا گیا ہے جیسے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین۔** مگر پہلا جواب قوی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں کفار کے دو عیب بیان ہوئے ظن کی پیروی اور انکلیں اندازے کرنا ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ ظن اور خرص الگ الگ کیوں بیان ہوئے۔ **جواب:** ان دونوں میں کئی طرح فرق ہے ایک فرق وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ظن سے مراد ہے اپنے باپ دادوں کے ظنیات اور ان کی ایجاد کردہ رسوم خرص سے مراد ہے اپنے گمان و اندازہ کی چیزیں یعنی وہ کفار اپنے باپ دادوں کے گمان کی پیروی کرتے ہیں اور اپنے تخمینہ انکل سے بعض باتیں ایجاد کرتے ہیں یا کہو کہ عمل گمان ظن میں گھڑے ہوئے عقیدے خرص یا قومی گھڑی باتیں ظن ہیں اور ہر شخص کی اپنی من گھڑت خرص یا

گھڑے ہوئے قانون ظن ہیں اور وقتی گھڑی چیزیں خرص۔ غرضیکہ ظن و خرص ایک ہی نہیں ہیں لہذا آیت میں تکرار نہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ظن کی پیروی طریقہ کفار ہے احادیث ظنی ہیں صرف قرآن قطعی ہے لہذا صرف قرآن کی پیروی چاہئے احادیث پر عمل نہ چاہئے اس کی پیروی میں اتباع ظن ہے (چکڑالوی) **جواب:** یہ غلط ہے کہ ساری احادیث ظنی ہیں قرآن مجید کا قرآن اور کلام الٰہی ہونا حدیث سے ہی ثابت ہے نہ خدا تعالیٰ ہمارے سامنے آیا نہ حضرت جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے فرمایا کہ یہ الفاظ جو ہم ادا کر رہے ہیں یہ قرآن ہیں۔ نماز کی رکعات' نماز کی تعداد' زکوۃ کی مقدار' قرآن مجید کا تیس پارے ہونا وغیرہ یہ سب کچھ حدیث سے ثابت ہے وہ ساری احادیث قطعی یقینی ہیں جنہیں احادیث متواتر کہتے ہیں۔ عقائد اسلامیہ۔ فرائض اعتقادیہ ان ہی قطعی یقینی احادیث سے ثابت ہوتے ہیں۔ رہیں احادیث احاد جو ظنی ہیں ان سے ظنی چیزیں ہی ثابت کی جاتی ہیں جیسے سنتیں' واجبات' مستحبات ان سے عقیدے یا فرائض ثابت نہیں ہوتے دیکھو نماز پنجگانہ بھی حدیث سے ہی ثابت ہے اور نماز عید بھی' مگر نماز پنجگانہ فرض ہیں نماز وتر و عید فرض نہیں یہاں اس آیت میں عقائد ظن سے ثابت کرنا مراد ہے لہذا تمہارا اعتراض درست نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** قیاس مجتہدین ظنی چیز ہے اور ظن کی پیروی کرنا کافروں کا طریقہ ہے لہذا تقلید کسی کی نہیں کرنی چاہئے صرف قرآن و حدیث پر عمل چاہئے (اہل حدیث)۔ **جواب:** قرآن مجید میں ظن تین معنی میں استعمال ہوا ہے یقین جیسے **یظنون انہم ملاقوا ربہم**۔ بدگمانی جیسے **ان بعض الظن اثم**۔ غیر یقینی یعنی مشکوک چیز۔ وہی یہاں مراد ہے جہاں یقین کی ضرورت ہو وہاں ظن کی اتباع نہ کرو قرآن و حدیث کے مقابل باپ دادوں کی اندھی پیروی مشرکوں کا طریقہ ہے۔ قیاس مجتہدین کے ذریعہ قرآن و حدیث کو سمجھنا مومنوں کا طریقہ ہے تم بھی غیر منصوص احکام میں اپنے قیاس سے ہی عمل کرتے ہو دیکھو گندم و جو میں سود کا حرام ہونا حدیث سے ثابت ہے مگر چاول' باجرہ' مکئی میں سود حرام ہونا قیاس سے ثابت ہے۔ نیز نہ سارے قیاس ظنی ہیں نہ ساری احادیث قطعی۔ خیال رہے کہ ہر ظن برا نہیں' بعض ظن اچھے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے **لولا اذ سمعتموہ ظن المؤمنون والمومنات بانفسہم خیرا** جب تم نے حضرت عائشہ کے متعلق وہ سنا تو مسلمانوں نے اپنے دل میں اچھا گمان کیوں نہ کیا۔ دیکھو ظن کو خیر فرمایا گیا۔

ساتواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گمراہوں اور ہدایت یافتہ لوگوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کسی کو کسی کے انجام کی خبر نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا **ہو اعلم من یضل** اور فرمایا **اعلم بالمہتدین** (وہابی)۔ **جواب:** واقعی ان چیزوں کا علم خدا تعالیٰ ہی کو ہے جسے رب تعالیٰ ہی علم دیدے اسے بھی یہ عطا الٰہی علم ہے۔ اس عطا کا یہاں انکار نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ ابو بکر و عمر جنتی ہیں' حسین حسن جوانان جنت کے سردار ہیں جنت سے حور پکارتی ہے کہ یہ شخص ہمارے پاس آنے والا ہے (حدیث) قرآن مجید شہداء کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **ویستبشرون بالذین لم یلحقوا بہم من خلفہم الا خوف علیہم ولا ہم یحزنون** معلوم ہوا کہ شہداء کی روحیں جنتی دوزخیوں کو پہچانتی ہیں۔ رب فرماتا ہے **عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول**۔ اور فرماتا ہے **کل انسان الزمناہ طائرہ فی عنقہ** جس سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کی سعادت و شقاوت کی تختی اس کے گلے میں پڑی ہے جسے آنکھ والے پڑھتے ہیں اگر یہ بات کسی کو بتانا نہ ہوتی تو اس کی تختی ہر ایک کے گلے میں ڈالنے کے کیا معنی ہوتے اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: خشکی کی سواری سے سمندر میں سفر نہیں کیا جا سکتا اور تری کی سواری سے خشکی کے راستے طے نہیں ہوا کرتے۔ ریل سے سمندر پار نہیں کر سکتے اور بحری جہاز سے عرب کا ریگستان طے نہیں ہوتا۔ ہر شخص کے سامنے دو سواریاں ہیں **ھوی** (خواہش نفسانی) دوسری **ھدی** (ہدایت جانی) راہ مولیٰ **ھوی** کی سواری سے ہرگز طے نہ ہوگا **ھوی** تو دوزخ کے ہاویہ کی سواری ہے۔ کفار نابکار **ھوی** کی سواری کے سوار ہیں۔ اے مسلمان اگر تو ان کے پیچھے چلے گا تو اللہ کے راستہ سے تجھے یہ بہکا دیں گے **ھوی** کی سواری کے دو پہیے ہیں ظن اور خرص یعنی پچھلوں کے گمان اور اپنے اندازے اس سواری کا کھینچنے والا نفس امارہ ہے راہ دکھانے والا شیطان ہے اس کا پلیٹ فارم جہاں سے یہ سواری ملتی ہے شیطانی لوگوں کی صحبتیں ہیں **ھوی** کی سواری کے بھی دو پہیے ہیں۔ خوف خدا عشق جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا انجن قلب مومن ہے اس کے راہبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس گاڑی کا پلیٹ فارم حضرات اولیاء اللہ کے آستانے ہیں۔ رب جانتا ہے کہ گمراہ کون ہے ہدایت پر کون یہ فیصلہ تم نہیں کر سکتے لہٰذا رب جس کے دروازہ پر تمہیں بھیجے وہاں ہی تم کو ہدایت ملے گی۔ جس سے وہ روکے وہ جگہ گمراہی کی ہے اس سے بچو۔ اس آیت میں **من فی الارض** فرما کر یہ بتایا کہ دنیادار خود بھی زمین میں رہتے ہیں ان کا دل دماغ سارے قوی بھی زمین میں یہ فرشی لوگ تم کو عرشی ہدایت کیسے دے سکتے ہیں ایمان و تقویٰ حاصل کرنے کے لئے اس کی اطاعت کرو جس کا جسم اگرچہ فرشی ہو اور وہ **انما انا بشر مثلکم** فرمادے مگر اس کا دل دماغ عرشی ہو جس کی زبان مخلوق کی طرف ہو اور کان خالق کی طرف وہ فی الارض نہیں بلکہ للارض اور فی العرش ہے خود عرشی ہے مگر فرش والوں کے لئے ان کی رہبری کے لئے تشریف لایا ہے وہ حضور محمد مصطفیٰ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) جنہیں رب نے نور فرمایا جس کا جسم فرشی ہے مگر زبان و دہان نور عرشی ہے۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ
پس کھاؤ اس سے کہ ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اس کے اگر ہو تم اس کی آیتوں پر ایمان والے اور کیا حال ہے تمہارا
تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو تمہیں کیا ہوا کہ
اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
یہ کہ نہ کھاؤ تم اس میں سے کہ ذکر کیا گیا نام اللہ کا اوپر اس کے حالانکہ بے شک تفصیلاً بیان کر دیئے واسطے تمہارے
اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام
اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ
وہ جو حرام کئے اوپر تمہارے سوا اس کے کہ مجبور کر دیئے جاؤ تم طرف اس کے اور تحقیق بہت سے لوگ البتہ گمراہ ہوتے
ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو اور بے شک بہتیرے اپنی خواہشوں سے گمراہ کرتے ہیں

إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾

بین اپنی خواہشوں سے بغیر علم کے بے شک رب تمہارا وہ جاننے والا ہے حد سے بڑھنے والوں کو
بے جانے بے شک تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے ۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار کی خواہشات کی پیروی سے روکا گیا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ تم مشرکین و کفار کی باتوں میں نہ آؤ۔ ذبیحہ جانور کھاؤ' مردار نہ کھاؤ۔ گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذبیحہ کے متعلق کفار کے اعتراض کا ذکر تھا کہ تم مسلمان خدا کا مارا جانور یعنی مردار حرام کہتے ہو اور اپنا مارا یعنی ذبیحہ حلال جانتے ہو۔ اب اس کا جواب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ ذبیحہ کا خون اللہ کے نام پر بہادیا جاتا ہے لہذا حلال ہے۔ مردار وغیرہ میں یہ بات نہیں لہذا حرام ہے اس حلت و حرمت کی وجہ اللہ کے نام پر خون بہنا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں توحید پر بہت زور دیا گیا اب ان غذاؤں کو حرام کیا جارہا ہے جس کا تعلق مشرکانہ افعال سے ہے۔ یعنی مردار اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور کھانا۔ گویا یہ کلام گذشتہ کا تتمہ ہے۔

شان نزول: عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول وہی ہے جو اوپر بیان ہوا یعنی مشرکین مکہ کا یہ اعتراض کہ تم خدا کا مارا حرام جانتے ہو اور اپنا مارا حلال۔ مگر امام ابو منصور فرماتے ہیں کہ بعض مسلمان گوشت وغیرہ اچھی غذاؤں سے بچنے لگے تھے یہ سمجھ کر کہ اعلیٰ غذائیں کھانا تقویٰ اور نفس کشی کے خلاف ہے۔ تقویٰ یہ ہے کہ موٹا کھاؤ' موٹا پہنو۔ ان کی فہمائش کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح المعانی) **واللہ و رسولہ اعلم**

تفسیر: فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ۔ یہ عبارت اگلی شرط **ان کنتم مئومنین** کی جزا نہیں ہے۔ کیونکہ ف جزائیہ شرط سے پہلے نہیں آتی بلکہ یہ گذشتہ عبارت پر مرتب ہے اور ف ترتیب کی ہے یعنی مشرکین کی خواہشات کی پیروی نہ کرو لہذا ذبیحہ کھاؤ۔ کیونکہ کفار کے نزدیک حرام و حلال کا معیار صرف ان کے اور ان کے باپ دادوں کے خیالات ہیں۔ تمہارے لئے اس کا مدار وحی الٰہی اور نبوت مصطفوی ہے۔ **کلوا** میں خطاب کفار سے نہیں بلکہ مسلمانوں سے ہے جیسا کہ **ان کنتم مئومنین** سے معلوم ہو رہا ہے۔ **کلوا** امر اباحت کے لئے ہے' وجوب کے لئے نہیں کیونکہ گوشت کھانا فرض یا واجب نہیں حلال و مباح ہے۔ کھانا کبھی فرض ہوتا ہے' کبھی سنت' کبھی مستحب' کبھی مکروہ' کبھی حرام۔ جان جانے پر کچھ کھا کر جان بچانا فرض ہے روزہ کے افطار کے لئے کچھ کھانا فرض ہے روزانہ دو تین وقت کھانا' یونہی رمضان میں سحری کھانا سنت ہے' پیٹ سے زیادہ کھانا مکروہ ہے۔ مضر صحت غذائیں کھانا حرام ہے' بھوک سے کم کھانا بھی مستحب ہے غرضیکہ جیسے روزہ' نماز وغیرہ۔ عبادات کبھی فرض ہوتی ہیں' کبھی سنت' کبھی مستحب' کبھی حرام۔ یونہی کھانا بھی مومن کے لئے عبادت ہے۔ اس کے بھی اتنے ہی احکام ہیں۔ **مما** میں **من** تبعیضیہ ہے کیونکہ جانور کے سارے اعضاء نہیں کھائے جاتے۔ خون' پتہ' ذکر' فوطے' فرج' دبر وغیرہ اعضاء حرام ہیں۔ **ما** سے مراد وہ حلال جانور ہے۔ جس میں بہتا ہوا خون ہو کیونکہ بغیر خون والا جانور بغیر ذبح ہی حلال ہے۔ جیسے مڈی اور مچھلی۔ ذکر سے مراد ہے زبان سے اللہ کا نام لینا نہ کہ صرف دل سے سوچ لینا۔ علیہ سے مراد ہے **علی ذبحہ**۔ اسم اللہ فرما کر دو مسئلے

ارشاد ہوئے۔ ایک یہ کہ جس کے ذبح پر اللہ کا نام نہ لیا جائے وہ بھی نہ کھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جس کے ذبح پر اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام بھی لیا جائے وہ بھی نہ کھاؤ کہ یہ دونوں جانور حرام ہیں۔ اتنی قیدیں اس آیت میں بیان ہوئیں ایک شرط حدیث شریف سے معلوم ہوئی وہ یہ کہ ذبح کرنے والا مشرک یا مرتد نہ ہو "مسلمان یا کتابی ہو ان قیود کا ضرور خیال رکھا جائے۔ **ان کنتم بایاتہ مئومنین** یہ جملہ علیحدہ ہے یہ عبارت شرط ہے اس کی جزاء پوشیدہ ہے۔ جو **فکلوا** الخ سے معلوم ہوئی (روح المعانی) اس میں بھی خطاب مسلمانوں سے ہی ہے یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کی آیات پر صحیح طور پر ایمان رکھتے ہو تو ایسے ذبیحہ کو کھاؤ اسے حرام نہ جانو حلال جانو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں حصر مقصود ہے ورنہ ایسے ذبیحہ کو مشرکین مکہ بھی حلال جانتے تھے فرق یہ تھا کہ وہ اس کے علاوہ اور جانوروں مردار بتوں کے نام پر ذبح کئے کو بھی حلال سمجھتے تھے۔ مسلمانوں سے کہا گیا تم صرف اسی ذبیحہ کو ہی حلال جانو دوسروں کو حرام (کبیر)۔ چونکہ ایسے ذبیحہ کی حلت اور مردار کی حرمت قرآنی آیت سے صراحۃً ثابت ہے تو ان کا منکر ان آیتوں کا منکر ہے اور قرآن مجید کی ایک آیت کا انکار ساری آیتوں کا انکار ہے۔ اس لئے **بایاتہ** جمع ارشاد ہوا **وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ**۔ یہ عبارت نیا جملہ ہے لہٰذا اس میں واؤ ابتدائیہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ما** نافیہ ہے مگر قوی یہ ہے کہ **ما** استفہام کا ہے اور استفہام انکار اور نفی کے لئے ہے **ما** مبتداء ہے اور **لکم** خبر **ان لا تاکلوا** سے پہلے فی پوشیدہ ہے اور یہ بھی اس کے متعلق ہے جس کے متعلق لکم ہے۔ اس سوال میں عجیب کرم نوازی ہے بلا تشبیہ سمجھنے کے لئے یوں غور کرو کہ کسی کا پیارا بچہ کھانا چھوڑ دے تو مہربان باپ بار بار پوچھے کہ تیرا کیا حال ہے تو روٹی کھاتا کیوں نہیں؟ تجھے کیا ہوا؟ کیا شکایت ہے؟ یہ سوال اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے بندہ نواز رب جو اپنے محبوب کی امت پر ماں سے زیادہ مہربان ہے ہم سے پوچھتا ہے کہ تم اچھی غذائیں کھاتے کیوں نہیں؟ تمہیں کیا ہوا؟ تمہارے اچھا نہ کھانے 'اچھا نہ پہننے سے ہمارے حبیب کو دکھ ہوتا ہے۔ ان کے دکھ سے ہم کو ایذاء ہوتی ہے۔ لہٰذا آیت کے معنی واضح ہیں باقی ذکر اور اسم اللہ نیز علیہ کے متعلق ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کیا گیا وہی تفسیر یہاں ہے اور **مما** کی تحقیق بھی کر دی گئی اس میں بھی خطاب مسلمانوں سے ہی ہے یعنی اے مسلمانو تمہیں کون سا عذر و بہانہ ہے۔ اس بات میں کہ اس جانور کا گوشت نہ کھاؤ جس کے ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا۔ مقصد یہ ہے کہ کوئی وجہ نہیں 'کوئی عذر نہیں کہ تم اسے حلال نہ جانو اور اس کا گوشت نہ کھاؤ اس فرمان عالی میں ان لوگوں کو بھی تنبیہ ہے جو گوشت وغیرہ چھوڑنے کو تقویٰ و پرہیزگاری سمجھتے ہیں مقصود یہ ہے کہ تم کو اچھی غذائیں نقصان نہیں دیں گی کیونکہ جس کھانے پینے کے اول آخر اللہ کا نام لیا جائے وہ نقصان نہیں کر سکتا اس کا نام تریاق ہے اس لئے مومن کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے، جیتے مرتے اللہ کا نام لیتا ہے۔ لہٰذا تم اعلیٰ غذائیں، حلال گوشت کھاؤ اس سے تمہارا تقویٰ نہیں بگڑے گا۔ یہاں میرا نام اپنا اثر دکھائے گا اور ان لوگوں کو بھی جو اس سے بحیرہ 'سائبہ' وصیلہ 'حام وغیرہ جانوروں کو حرام سمجھتے تھے۔ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیئے گئے اور اللہ کے نام پر کیا گیا ہو وہ حلال ہے۔ اس کے کھانے میں تم کو کوئی عذر نہ ہونا چاہئے۔ **و قد فصل لکم ما حرم علیکم**۔ ہماری قرات میں فصل اور حرم دونوں معروف کے صیغے سے ہیں ان دونوں کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے بعض قراتوں میں دونوں مجہول ہیں 'فصل ف کے پیش سے اور حرم ح کے پیش سے۔ یہ عبارت گذشتہ آیت کے انکار سے حال ہے۔ فصل بنا ہے تفصیل سے۔ جس کا مادہ فصل بمعنی جدائی ہے۔ تفصیل کے معنی ہیں ہر چیز کو الگ الگ کر کے بیان کرنا **ما** سے مراد وہ جانور ہیں جو اسلام میں حرام ہوں خواہ اصلاً" حرام ہوں جیسے سور کتا وغیرہ یا عارضی حرام جیسے مردار وغیرہ یعنی تم کو

حلال ذبیحہ کھانے میں کیا عذر ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو تفصیل وار بیان فرمادیا ہے۔ جو تم پر اس نے حرام کیے۔ اس میں گفتگو ہے کہ رب نے کب اور کہاں حرام جانوروں کی تفصیل بیان فرمائی۔ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس سے اشارہ اس آیت کی طرف ہے **حرمت علیکم المیتۃ** الخ مگر امام رازی نے اس پر یہ اعتراض کیا کہ وہ آیت سورۂ مائدہ کی ہے اور سورۂ مائدہ مدنی ہے سورۂ انعام مکی لہٰذا وہ آیت پیچھے آئی یہ آیت پہلے پھر فصل ماضی فرمانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔ دوسرے یہ کہ اس سے اشارہ اس آیت کریمہ کی طرف ہے جو سورۂ انعام میں ہی آگے آئے گی **قل لا اجد فیما اوحی الی** الخ کہ وہ آیت اگرچہ ترتیب میں اس آیت کے بعد ہے مگر نزول میں اس سے پہلے ہے لہٰذا فصل ماضی فرمانا درست ہے۔ تفسیر صاوی نے پہلا قول درست فرمایا اور فرمایا کہ اگرچہ آیت **حرمت علیکم المیتۃ** نزول میں اس آیت کے بعد ہے مگر ترتیب عرشی میں اس سے پہلے ہے اور موجودہ ترتیب قرآنی اسی ترتیب لوح محفوظ کے مطابق ہے لہٰذا فصل ماضی فرمانا علم الٰہی کے اعتبار سے درست ہے۔ تیسرے یہ کہ **فصل لکم** میں اشارہ ان احادیث کی طرف ہے جن میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام جانوروں کو با تفصیل بیان فرمایا کہ ہر کیل والا شکاری جانور اور ہر پنجہ والا شکاری پرندہ حرام ہے اور کیڑے مکوڑے، چوہے، سانپ وغیرہ حرام ہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں سوا سور کے کوئی جانور کتا، بلی وغیرہ حرام نہیں کئے اور سور کا بھی صرف گوشت حرام فرمایا اس کے باقی اعضاء حدیث شریف نے ہی حرام کئے۔ حدیث پاک بھی رب تعالیٰ ہی کا کلام ہے۔ اس لئے اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ دیکھو تفسیر روح المعانی یہی مقام۔

قول حق قرآن ہے قول پیمبر ہے حدیث　　　نام ہی کا فرق ہے تفریر ہے دونوں کی ایک

خیال رہے کہ رنگتیں آنکھ محسوس کرتی ہیں لذتیں زبان اچھی بری آوازوں میں کان فرق کرتے ہیں۔ چیزوں کی بھلائی برائی عقل سے معلوم کی جاتی ہے مگر حواس ظاہری غلطی کم کرتے ہیں عقل میں یہ قصور ہے کہ یہ برائی بھلائی معلوم کرنے میں ٹھوکریں بہت کھاتی ہیں۔ خود ہم ایک وقت میں ایک چیز کو اچھا سمجھتے ہیں۔ دوسرے وقت برا۔ بچپن میں کھیل کود اچھا معلوم ہوتا تھا علم و ادب برا لگتا تھا مگر جوانی میں اس کے برعکس۔ بہ یک وقت ایک شخص کسی چیز کو اچھا سمجھتا ہے، دوسرا برا لہٰذا بندوں کی یہ مجبوری کسی ایسے معیار کی تلاش میں تھی جس سے برائی بھلائی کا صحیح پتہ لگے وہ معیار حق و باطل ذات پاک مصطفیٰ ہے کیونکہ سب کے پاس صرف عقل ہے اس ذات کریم کے پاس وحی الٰہی ان کی زبان پر رحمان بولتا ہے اس لئے ارشاد ہوا **فصل لکم** اور آگے فرمایا کہ بہت سے لوگ لوگوں کو اپنی خواہشات سے گمراہ کرتے ہیں کہ ان کے پاس ہوا ہے محبوب کے پاس علم خدا

الا ما اضطررتم الیہ عبارت مستثنیٰ ہے **ما حرم علیکم** سے۔ اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ **الا** معنی لکن ہے ما موصولہ ہے معنی وہ جانور اور **اضطررتم** الخ اس کا صلہ ہے یعنی لیکن وہ جانور حرام نہیں جس کے کھانے کی طرف تم مجبور کئے جاؤ اس وقت تمہارے لئے ہر حرام جانور حلال ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ **الا** اپنے ہی معنی میں ہے اور **ما** مصدریہ ہے۔ اس سے پہلے وقت پوشیدہ ہے الیہ کا مرجع ماحرم کلما ہے۔ معنی یہ ہیں کہ مگر تمہاری مجبوری کے وقت کہ اس وقت وہ حرام جانور حلال ہیں۔ خیال رہے کہ مجبوری کی دو صورتیں ہیں۔ (1) کسی جگہ مسلمان پھنس گیا، بھوک سے جان نکل رہی ہے اور سواء مردار یا حرام جانور کے اور کوئی چیز نہیں جسے کھا کر جان بچائے۔ (2) کوئی ظالم آدمی کسی مسلمان کو مجبور کر رہا ہے کہ یہ حرام جانور کھا ورنہ تجھے قتل کرتا ہوں ان اوقات میں یہ جانور اس کے لئے حلال ہے

اگر نہ کھائے گا جان دیدے گا تو گنہگار ہو گا کیونکہ وہ گویا خود کشی کر کے حرام موت مرے گا **و ان کثیرا" لیضلون باھوائھم بغیر علم**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں کفار کے ایک عیب کا ذکر ہے کہ وہ لوگوں کو محض اپنی خواہش سے گمراہ کرتے ہیں کہ بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو تو حرام سمجھتے ہیں اور مردار کو حلال۔ یہاں علم سے مراد وہ علم ہے۔ جس کا ماخذ وحی الٰہی ہو۔ **ان ربک ھو اعلم بالمعتدین**۔ اس فرمان عالی میں انہی گمراہ کرنے والوں پر سخت عتاب ہے' معتدی بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے بڑھنا حرام چیز کو حلال جاننا بھی حد سے بڑھنا ہے اور حلال چیز کو حرام سمجھنا بھی حد سے بڑھنا ہے۔ یہ دونوں قسم کے لوگ سخت سزا کے مستحق ہیں کیونکہ ایسے لوگ کافر ہیں اور کافر ہمیشہ کا دوزخی ہے۔ لہذا جو گائے بکری کو حرام کہے وہ بھی اسلام سے خارج ہے۔ جو سور وغیرہ کو حلال کہے وہ بھی خارج۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں قسم کے حد سے بڑھنے والوں کو خوب ہی جانتا ہے انہیں وہ سزا دے گا جس کے وہ مستحق ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنا جمال اپنا کمال اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھنا پسند فرماتا ہے اس لئے جگہ جگہ اپنے کو ربک فرماتا ہے ہم اپنا جمال آئینہ میں دیکھتے ہیں ایک صناع اپنا کمال اپنی خاص صنعت میں دیکھتا ہے۔ رب اپنے کو اپنے محبوب کے شیشہ میں دیکھتا ہے۔ جاننا غضب کے لئے بھی ہوتا ہے کرم کے لئے بھی یہاں غضب کا علم مراد ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : رب نے ہماری غذائیں تین قسم کی بنائی ہیں۔ جمادات جیسے نمک یا کبھی گیرو وغیرہ جو بطور دوا کھائی جاتی ہیں۔ نباتات جیسے سبزیاں' حیوانات' پھر جمادات اور نباتات میں کوئی غذا حرام بعینہ نہیں بلکہ ان کی حرمت کے دو قاعدے ہیں مضر ہونا یا نشہ آور ہونا۔ زہر حرام ہے کہ مضر ہے بھنگ افیون کھانا حرام ہے کہ نشہ آور ہے حتی کہ اگر زہر مضر نہ رہے افیون نشہ نہ دے تو حرام نہیں۔ بعض دواؤں میں سنکھیا مارا ہوا' بعض میں بھنگ افیون اطباء استعمال کراتے ہیں جو نہ مضر ہوتی ہے نہ نشہ دیتی ہے مگر حیوانات چار طرح کے ہیں۔ حرام بعینہ جیسے سور کتا گدھا وغیرہ حرام غیرہ جیسے مردار بکری گائے۔ حرام مع غیرہ جیسے دوسرے کی بکری جو اس کی بغیر اجازت ذبح کرلی گئی کہ وہ حرام ہے لیکن اگر مالک اجازت دیدے تو حلال ہے۔ چوتھے حلال اس آیت کریمہ میں حلال جانوروں کے ذبح کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوا اے مسلمانو جب تم سن چکے کہ ذبیحہ اور مردار میں فرق نہ کرنے والے گمراہ بھی ہیں' گمراہ گر بھی' تو تم ان لوگوں کی بات نہ سنو ہر وہی حلال جانور شوق سے کھاؤ جس کو اللہ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو اور جو اللہ کے نام پر ذبح نہ کیا گیا ہو' اس کے قریب نہ جاؤ۔ ذبیحہ اور مردار میں یہی فرق ہے کہ ذبیحہ کا خون اللہ کے نام پر بہایا گیا اور مردار کا خون اس کے نام پر نہیں بہایا گیا۔ مشرکین یہ فرق نہیں سمجھتے اگر تم اللہ کی آیتوں پر ایمان رکھتے ہو تو ذبیحہ اور مردار میں ضرور فرق کرو تم خود سوچو کہ اب تم کو کیا عذر ہو سکتا ہے اس میں کہ تم اللہ کے نام کا ذبیحہ کھاؤ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی زبان سے تمام حرام جانور تفصیل وار بیان فرما دیئے پس وہ جانور تو حرام ہیں۔ باقی ان کے سواء سب حلال مگر ہاں جو جانور ہمارے محبوب کی معرفت حرام کئے گئے ان میں بھی یہ رعایت ہے کہ جب تم کسی وقت ان کے کھانے پر مجبور ہو جاؤ خواہ اس طرح کہ تم کو کوئی وہ کھانے پر مجبور کر رہا ہے ورنہ تمہیں جان سے مار دیتا ہے۔ یا اس طرح کہ بھوک سے تمہاری جان نکل رہی ہے اور سوا اس حرام کے اور کوئی بھی چیز نہیں ہے جسے کھا کر تم جان بچالو تو وہ تم پر حرام نہیں۔ تمہارے لئے بقدر ضرورت حلال ہے۔ بہت کفار محض اپنے خیال سے ہی لوگوں کو بہکاتے پھرتے ہیں کہ حرام جانوروں کو حلال کہتے ہیں اور حلال کو حرام تم ان سے بچو یہ لوگ حد سے بڑھے ہوئے ہیں۔ رب تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے انہیں سخت سزا دے گا تم ان کے

کہنے میں نہ آؤ ورنہ تم بھی ان کی طرح سزا پاؤ گے۔
فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نماز' روزہ' حج وغیرہ کی طرح کھانا بھی اللہ کی عبادت ہے مومن کے لئے کیونکہ جیسے دوسری عبادات کا حکم دیا گیا ہے ایسے ہی کھانے کا بھی حکم ہے۔ بہت جگہ ہے **اقیموا الصلوۃ** اور بہت جگہ ہے **کلوا**۔ یہ فائدہ یہاں **کلوا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو نکاح سنت انبیاء ہے مگر حضرت یحییٰ و عیسیٰ علیہم السلام نے نکاح نہیں کیا مگر کھانا وہ سنت ہے کہ از آدم تا حضور صلی اللہ علیہ و سلم سب ہی نبیوں نے ضرور کھایا جو شخص بھوک سے جان دیدے بھوک ہڑتال یا مرن برت رکھ کر وہ حرام کی موت مرے گا۔ **دوسرا فائدہ**: جس حلال جانور کو اللہ کے نام پر ذبح کر دیا گیا وہ حلال ہے اس کی زندگی میں اس پر خواہ کسی کا نام لیا ہو لہذا گیارہویں شریف کا بکرا' اولیاء اللہ کی فاتحہ کا مرغ وغیرہ حلال ہیں کہ وہ اللہ کے نام پر ذبح کئے گئے۔ یہ فائدہ **مما ذکر** الخ کے عموم سے معلوم ہوا۔ **مسئلہ**: مگر اس فرمان عالی میں دو قیدیں لگانی ضروری ہیں ایک یہ کہ وہ جانور کسی بت کے تھان پر ذبح نہ کیا گیا ہو اگر ایسا کیا تو حرام ہو گا اگرچہ اللہ کے نام پر ہی ذبح کیا جائے۔ رب فرماتا ہے **او ذبح علی النصب**۔ دوسرے یہ کہ ذبح کرنے والا مسلمان یا اہل کتاب ہو مرتد یا مشرک یا کافر ذبح کرے تو حرام ہے اگرچہ اللہ کے نام پر ذبح کرے (حدیث شریف)۔ **تیسرا فائدہ**: حلال جانور کے سارے اعضاء حلال نہیں بعض حرام بھی ہیں جیسے خصیے' ذکر' فرج وغیرہ۔ یہ فائدہ **مما** کے من سے حاصل ہوا کہ یہ من تبعیضیہ ہے۔ **چوتھا فائدہ**: اگر اللہ کے نام کے ساتھ ذبح کے وقت کسی اور کا نام بھی لے لیا گیا تو بھی جانور حرام ہے۔ یہ فائدہ ذکر اسم اللہ سے حاصل ہوا لہذا اگر پورا کلمہ طیبہ یا درود شریف پڑھ کر ذبح کیا گیا تو جانور حرام ہو گیا کہ ان دونوں چیزوں میں اللہ کے نام کے ساتھ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا نام بھی ہے۔

لطیفہ : بعض عشاق کہتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا نام رحمت ہے اور ذبح قہر کا کام ہے۔ لہذا قہر والے کام پر رحمت والا نام نہ لو بلکہ اس اللہ کا رحمت والا نام بھی نہ لو اسے رحمٰن و رحیم کہہ کر ذبح نہ کرو اسی لئے صرف بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرتے ہیں۔ پوری بسم اللہ نہیں پڑھتے۔ **پانچواں فائدہ**: حلال جانوروں کو حرام سمجھنا کفر ہے۔ یہ فائدہ **ان کنتم بایاتہ مومنین** سے حاصل ہوا ایسا شخص گویا ساری آیات قرآنیہ کا منکر ہے۔ **چھٹا فائدہ**: بحیرہ سائبہ' وصیلہ وغیرہ جانور جو بتوں کے نام پر اہل عرب چھوڑ دیتے تھے یونہی ہندوؤں کے سانڈ (بجار) حلال ہیں اگر بسم اللہ کہہ کر مسلمان ذبح کر دے تو کھاؤ۔ یہ فائدہ **وما لکم ان لا تاکلوا** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم احکام شرعیہ سے پیدائشی واقف تھے ہزارہا احکام قرآنی ان کی آیات آنے سے پہلے ہی لوگوں کو بتا دیئے تھے بلکہ ان پر عمل کرا دیا تھا۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے نزول قرآن ظہور وحی سے پہلے بھی کبھی حرام جانور' مرداریوں ہی بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور نہ کھایا شراب وغیرہ محرمات کے قریب نہ گئے۔ گانا ناچ اور دوسرے برے کاموں سے ہمیشہ دور رہے' انہیں قدرت نے خاص حسن کے سانچہ میں ڈھالا تھا۔

خدا نے ان کو اپنے حسن کے سانچہ میں ڈھالا ہے ۔۔۔ وہ آئے لیکن آئے سب حسینوں سے حسین ہو کر!!

یہ فائدہ **قد فصل لکم** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے کبھی کسی مسلمان کو حرام اور مردار جانور کھانے کی اجازت نہ دی۔ یہ آیات تو بہت عرصہ بعد آئیں۔ وضو غسل کی آیتیں حکم نماز سے آٹھ برس بعد آئیں مگر حضور

صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں بھی مسلمانوں کو وضو غسل کرا کر نمازیں پڑھوائیں۔ **آٹھواں فائدہ:** خاص مجبوری کی حالت میں حرام جانور بقدر ضرورت حلال ہو جاتا ہے' حرام رہتا ہی نہیں لہذا اگر کوئی ایسی حالت میں یہ نہ کھائے اور مرجائے تو گنہگار حرام موت مرے گا خود کشی کا مرتکب ہو گا۔ یہ فائدہ **الا ما اضطررتم** میں **الا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **الا** ارشاد ہوا ہے حرم کے بعد' جس نے حرمت توڑ دی (تفسیرات احمدیہ) یہ مقام۔ خیال رہے کہ اس مجبوری کی تین صورتیں ہیں۔ دو صورتوں میں حرام چیز کا کھا پی لینا واجب ہو جاتا ہے کہ اگر بغیر کھائے پئے اپنی جان دیدی تو حرام موت مرا ایک یہ کہ بھوک یا پیاس سے جان نکل رہی ہے اور سواء حرام غذائیں یا نجس پانی یا شراب کے اور کچھ پاس نہیں۔ واجب ہے کہ یہ چیزیں کھائے پئے جان بچائے دوسرے یہ کہ کوئی ظالم ہم کو ان چیزوں کے کھانے پر مجبور کر رہا ہے نہ کھائیں تو قتل کئے دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی کھانا پینا واجب ہے مگر بقدر ضرورت۔ تیسرے یہ کہ کوئی سخت بیمار ہے۔ **طبیب** مسلمان متقی حاذق کہتا ہے کہ تیری شفا شراب وغیرہ کے سوا کسی میں نہیں تو بیمار کو اب بقدر علاج حرام چیز کھا پی لینا جائز ہے واجب نہیں۔ اگر نہ کھائے مر جائے تو خود کشی کا مرتکب نہ ہو گا کیونکہ اس صورت میں اس دواء میں شفا ہونا یقینی نہیں طبیب کی تجویز غلط ہو سکتی ہے خود علاج کرنا ہی واجب نہیں کوئی دوا بالکل نہ کرے مرجائے تو گنہگار نہیں ہاں اگر پیغمبر فرمادیں کہ تیری شفا اس حرام میں ہے تو اب اس کا کھانا واجب ہو گا نہ کھائے گا مرجائے گا تو خود کشی حرام موت مرے گا کہ اب اس میں شفا یقینی ہے جیسا کہ عرینہ والے لوگوں کا واقعہ ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان بیماروں کو اونٹ کا دودھ اور پیشاب پینے کا حکم دیا۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ **نواں فائدہ:** حلال جانوروں کو حرام جاننا اور حرام کو حلال سمجھنا گمراہی اور طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ **لیضلون باھوائھم** الخ سے حاصل ہوا۔ وہ بحیرہ سائبہ حلال جانوروں کو تو حرام سمجھتے تھے مگر مردار کو حلال جانتے تھے۔ **لطیفہ:** مولوی رشید احمد صاحب نے فتاویٰ رشیدیہ میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی سبیل کے شربت کو حرام لکھا مگر ہندوؤں کی دیوالی' ہولی کی پوری کچوریوں کو حلال کہا افسوس۔ **دسواں فائدہ:** اسلامی قانون یہ ہے کہ حرام چیزوں کا ذکر تفصیل سے ہو اور حلال چیزوں کی تفصیل کی ضرورت نہیں کیونکہ جسے شریعت حرام نہ کرے وہ حلال ہوتی ہے اسی کو کہتے ہیں کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے۔ یعنی جس کی حرمت کا ذکر نہ ہو وہ حلال ہے۔ یہ فائدہ **فصل لکم ما حرم علیکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حرام عورتوں کی تفصیل بیان کی اور حلال عورتوں کے متعلق فرمایا **و احل لکم ما وراء ذالکم** اور فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما" علی طاعم**۔ ان سب سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کو شریعت حرام نہ کرے اس سے خاموشی ہو وہ حلال ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** گمراہ سے گمراہ گر بدتر ہے کہ اس کا نقصان دوسروں کو پہنچتا ہے سانپ کا زہر جان لیتا ہے گمراہ گن آدمی کا زہر ایمان لیتا ہے۔ یہ فائدہ **لیضلون** الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا **فکلوا** اور یہ امر ہے' امر وجوب کے لئے آتا ہے تو کیا حلال جانور کا کھانا مسلمان پر فرض ہے اور کھانا حرام ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ امر وجوب کے لئے نہیں صرف مباح کرنے کے لئے ہے۔ قرآن مجید میں مباح کرنے کے لئے بھی امر آتے ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **و اذا حللتم فاصطادوا** جب تم احرام سے حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔ دیکھو شکار کرنا اس وقت فرض نہیں صرف مباح و جائز ہے۔ دوسرے یہ کہ **کلوا** سے مراد ہے اسے کھانا حلال جانو حرام مت سمجھو' واقعی یہ فرض ہے۔ تیسرے یہ کہ مخالفت کفار کے لئے ذبیحہ کھانا

فرض ہے ان کی موافقت کے لئے چھوڑنا حرام ہے۔ ہندو دھرم کی رعایت کے لئے گائے چھوڑنا حرام ہے' دیکھو سیدنا عبداللہ ابن اسلام نے یہودیت کی رعایت کے لئے اونٹ نہ کھانے کا ارادہ کیا تھا تو رب تعالیٰ نے فرمایا **ادخلوا فی السلم کافة** اسلام میں پورے پورے آجاؤ' آدھا تیتر آدھا بیٹر نہ رہو۔ **دوسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ جو جانور اللہ کے نام پر ذبح ہو جائے وہ حلال ہے مگر فقہاء کا یہ قول اس آیت کے خلاف ہے (وہابی)۔ **جواب:** حضرت امام یافعی رحمتہ اللہ علیہ اس جانور کو حلال فرماتے ہیں وہ بھی بڑے فقیہ ہیں جن فقہانے اسے حرام کہا ہے۔ انہوں نے **تقربا" الیھم** کی قید لگائی ہے یعنی جو شخص بادشاہ کی عبادت کی نیت سے اس پر بھینٹ چڑھانے کے لئے جانور ذبح کرے وہ کافر مرتد ہو گیا اور مرتد کا ذبیحہ حرام ہے۔ اگرچہ بسم اللہ سے ذبح کرے اگر بادشاہ مہمان بن کر کسی کے گھر آوے اور اس کی دعوت کے لئے جانور ذبح کرے تو حلال ہے۔ **تیسرا اعتراض:** غذا میں نباتات بھی ہیں جمادات بھی اور حیوانات بھی اس کی کیا وجہ ہے کہ نباتات جمادات کے کھانے میں کوئی قید نہیں صرف ضرر یا نقصان نہ دینے کی قید ہے مگر جانوروں کے کھانے کے لئے بہت سی قیدیں ہیں وجہ فرق کیا ہے؟ **جواب:** وجہ یہ ہے کہ جانور علاوہ کھانے کے اور جگہ بھی استعمال ہوتے ہیں ان کی قربانی دی جاتی ہے۔ انہیں بتوں پر چڑھایا جاتا ہے' ان کو بت خانوں میں بھینٹ کیا جاتا ہے' مسلمانوں کو ان کفار کی مشابہت سے بچانے کے لئے یہ پابندیاں لگائی گئیں۔ طلوع و غروب کے وقت نماز و سجدہ حرام کیا گیا کہ ان میں کفار سے مشابہت ہے۔ اسی طرح بتوں وغیرہ کے نام کے جانور حرام کئے گئے کہ ان میں کفار سے مشابہت ہے جمادات اور نباتات میں یہ وجود موجود نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **و قد فصل لکم ما حرم علیکم** اللہ تعالیٰ حرام جانوروں کی تفصیل بیان فرما چکا حالانکہ اس آیت سے پہلے تفصیل بیان نہ ہوئی۔ سورۂ مائدہ میں جو آیت گزری ہے وہ مدنی ہے جو اس آیت کے بعد نازل ہوئی۔ سورۂ انعام کی یہ آیت اس کے پہلے ہے پھر فصل ماضی کیسے درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ قوی جواب یہ ہے کہ **فصل** سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تفصیل وار بیان فرمادیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تفصیل خدا تعالیٰ کی تفصیل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی سے مسلمانوں کو حرام جانوروں کی مکمل تفصیل بتادی تھی قرآن مجید نے بہت کچھ بعد تفصیل کی۔ تیرہ سال مکی زندگی میں نہ وضو کی آیت آئی نہ حرام عورتوں کی تفصیل۔ حرام جانور کی یہ سب چیزیں مدینہ منورہ میں بعد ہجرت نازل ہوئیں مگر کہیں ثابت نہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو ہجرت سے پہلے حرام جانور کھانے یا حرام عورتوں سے نکاح کرنے یا بغیر وضو نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو۔ پتہ چلا کہ سب کچھ رب کے ہاں سے سیکھ کر آئے ہیں دنیا کے معلم بن کر تشریف لائے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** قرآن مجید میں بہت جگہ اللہ تعالیٰ اپنے کو فرماتا ہے ربک اس کی کیا وجہ ہے وہ تو سب کا رب ہے؟ **جواب:** اس کی بہت حکمتیں بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں صوفیانہ رنگ میں اتنا سمجھ لو کہ ہم جب اپنا جمال دیکھنا چاہتے ہیں تو شیشہ سامنے رکھ کر اس میں دیکھتے ہیں کامل صناع اپنا کمال دیکھنا چاہتا ہے تو اپنی کوئی خاص صنعت سامنے رکھ کر اسے دیکھتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے جمال و کمال کا آئینہ ہیں وہ خود بھی اپنے کو اپنے حبیب کے شیشہ میں دیکھتا ہے ہم کو بھی حکم ہے کہ اس شیشہ میں اسے دیکھیں اسی کا نام معرفت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں بھی **الا ما اضطررتم** ارشاد ہوا اور کفر کی بات منہ سے نکالنے کے لئے بھی یہی الا ارشاد ہے۔ **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** مگر حکم شرعی یہ ہے کہ جو مسلمان مجبوری میں کفر نہ بکے قتل ہو جائے وہ شہید ہو گا اور جو مجبوری میں حرام نہ کھائے

اورمار اجائے یا مرجائے وہ گنہگار ہو اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** یہ مردار جانور مجبوری میں حرام ہوتا ہی نہیں۔ مجبور کے لئے بقدر ضرورت حلال ہوتا ہے مگر کفر بکنا مجبوری میں بھی حرام ہی رہتا ہے ہاں اس پر پکڑ نہیں ہوتی دیکھو یہاں حرم علیکم کے بعد ارشاد ہوا **الا ما اضطررتم الیہ** نے حرمت توڑ دی اور وہاں غضب اور عذاب عظیم کے بعد **الا** ارشاد ہوا کہ فرمایا گیا **فعلیھم غضب من اللہ ولھم عذاب عظیم' الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** جس سے معلوم ہوا کہ ایسے مجبور پر غضب اور عذاب نہیں۔ یہ فرق تفسیرات احمدیہ نے بیان فرمایا۔

نکتہ : شریعت میں کسی چیز کا حرام ہونا اور ہے اور چیز کے **استعمال** کا حرام ہونا کچھ اور ان دونوں میں فرق ہے دیکھو غیر نکاحی عورت بھی حرام ہے اور اپنی بیوی سے بحالت حیض و نفاس صحبت کرنا یونہی روزے یا احرام میں صحبت کرنا بھی حرام یونہی سور کتا بھی حرام ہے اور چوری کی بکری کا گوشت کھانا بھی حرام۔ ان دونوں حرمتوں میں بڑا فرق ہے غیر منکوحہ عورت خود ہی حرام ہے کہ اس سے بچہ حرام کا پیدا ہو گا مگر ناپاکی میں خود عورت حرام نہیں وہ تو خود اپنی بیوی ہے ہاں اس سے **صحبت کرنا حرام ہے کہ اگر اس** حالت میں صحبت کر لی جائے تو اس کا بچہ حرامی نہ ہو گا یونہی سور کتا بذات خود حرام ہے۔ **چوری کی مذبوحہ بکری کا گوشت بذات خود** حلال ہے مگر بغیر مالک کی اجازت اس گوشت کا کھانا حرام جب یہ سمجھ لیا تو سمجھ لو کہ **بحالت اضطرار یہ مذکورہ جانور** حلال ہو جاتے ہیں اور کلمہ کفر بذات خود تو حرام رہتا ہے مگر اس کا منہ سے نکال دینا حلال ہو جاتا ہے اس فرق کی وجہ سے ان دونوں کے احکام میں فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اے مومنو! دنیا کی چیزیں کھاؤ پیو مگر طبع کے لئے نہیں شرع کے لئے اور انہیں اللہ کے نام سے طیب و طاہر کر کے کھاؤ کیونکہ غفلت اور نسیان کے ساتھ روزی کھانا عصیان (گناہ) پیدا کرتا ہے اس سے جنان (دل) کی موت واقع ہو جاتی ہے اور یہ جنان جنتوں سے حرمان کا باعث ہے۔ دنیا کی نعمتیں تمہارے ہی لئے پیدا کی گئی ہیں مگر یہ نعمتیں اللہ کے ذکر کے بغیر زہر ہیں اللہ کا ذکر ان کا تریاق ہے تم اللہ کی نعمتیں اللہ کے ذکر کے ساتھ کھاتے کیوں نہیں حالانکہ جو چیزیں اللہ نے حرام کر دیں' حرص' ہوس' طمع' حسد وغیرہ وہ تو اللہ رسول نے تفصیل وار بیان فرما دی ہیں اور ان محرمات سے بچو باقی چیزیں شوق سے کھاؤ۔ بہت لوگ نفسانی' شیطانی' اور ایمانی غذاؤں میں فرق نہیں کرتے یہ لوگ خود بھی گمراہ ہیں اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہر چیز میں ظاہر بھی رکھا ہے باطن بھی۔ غذاؤں کا بھی یہی حال ہے کہ ظاہر غذا جسم کی پرورش کرتی ہے اور غذا کا نور دل کی قوت کا باعث ہے نورانی غذا سے جنانی بلکہ جسمانی قوت حاصل ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب فرمایا۔

تری خاک میں ہے اگر شرر تو خیال فقر و غنا نہ کر کہ جہاں میں نان شعیر پر ہے مدار قوت حیدری

صوفیاء کے نزدیک دوسری چیزوں کی طرح غذائیں بھی تین طرح کی ہیں۔ شیطانی' نفسانی' روحانی' شیطانی روزی وہ ہے جو حرام راستوں سے آئے۔ رشوت' سود' چوری وغیرہ اور حرام راستوں پر جائے۔ لہو و لعب اور محرمات شرعیہ میں صرف ہو اس روزی سے دل میں سیاہی' گناہوں کی طرف میلان' نیکیوں سے نفرت اس کا نتیجہ ہیں۔ نفسانی غذائیں وہ ہیں جو غفلت سے استعمال ہوں۔ روحانی نورانی غذا وہ ہے جو حلال ہو' اللہ کے ذکر سے تیار ہو' اللہ کے ذکر پر ہی استعمال ہو یہ غذا دل میں نور' عبادات میں لذت' نیکیوں کی طرف میلان' گناہوں سے نفرت پیدا کرتی ہے اگر ان کھانوں کو کسی آستانہ سے نسبت ہو جائے تو اس کی نورانیت میں چار چاند لگ جاتے ہیں۔ بزرگوں کے آستانوں کے دال دلیہ میں وہ قوت و طاقت ہوتی ہے جو دنیا داروں

کے گوشت وحلوہ میں نہیں ہوتی کہ ان میں روحانیت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

توز قرآن اے پسر ظاہر مبین — دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین
ظاہر قرآن چو شخص آدمی است — کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

(از روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوسرے دینوں نے ترک دنیا سکھایا۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو دین بنایا ان دینوں نے راہ خدا پیدل طے کرایا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی راستہ ہوائی جہاز کے ذریعے طے کرایا اگر انسان تین کام کرلیا کرے تو اس کی دنیا سراپا دین بن جاتی ہے۔ ایک یہ کہ اپنی ہر چیز سے اللہ رسول کے نام کا حصہ نکالے' نظر' قدم' فکر' سانس' سمجھ بوجھ بلکہ زندگی کی ہر اداسے رب کا حصہ نکالے' سوتے جاگتے اور مرتے جیتے تک کے کچھ کام ان سے اپنے لئے کرے۔ کچھ رب کے لئے دوسرے ہر کام کے اول آخر اللہ کا نام لے کہ کناروں پر رب کا نام ہو بیچ میں اپنے کام۔ یہ نام وہ کیمیا ہے کہ وہ ہماری دنیا کو دین بنادیتا ہے۔

مرد مومن را محمد ابتدا است — مرد مومن را محمد انتہاء است

تیسرے یہ کہ دنیاوی کام بھی دین کے لئے کرے' سوئے تو فجر کی نماز پڑھنے کے لئے' کھائے تو عبادت کے لئے' یہ وہ چیزیں ہیں جن سے دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔ اب پڑھو **مما ذکر اسم اللہ علیہ**

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ

اور چھوڑ دو ظاہری گناہ اور خفیہ گناہ بے شک وہ لوگ جو کماتے ہیں گناہ عنقریب

اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو گناہ کماتے ہیں عنقریب اپنی کمائی کی سزا پائیں گے اسے نہ کھاؤ

بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ

بدلہ دیئے جائیں گے اس کا جو وہ کماتے تھے اور نہ کھاؤ اس میں سے کہ نہ ذکر کیا گیا اللہ کا نام اوپر

جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بے شک حکم

لَفِسْقٌ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ

اس کے اور بے شک وہ حکم سے نکلنا ہے اور تحقیق شیاطین البتہ وسوسے ڈالتے ہیں طرف دوستوں کے اپنے تاکہ جھگڑ

عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں

اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

کریں وہ تم سے اور اگر اطاعت کرو گے تم انکی تو تم مشرک ہوگے

اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔

ع ۱۰

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مردار کھانے کی سخت ممانعت کی گئی تھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ تم صرف کھانے ہی پر پابندیاں نہ کرو بلکہ کھانے پینے کے علاوہ دوسرے گناہوں سے بھی بچو خواہ کھلے گناہ ہوں یا چھپے۔ گویا ایک خاص گناہ کی ممانعت کے بعد عام گناہوں کی ممانعت فرمائی جا رہی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کی غذا کی اصلاح فرمائی گئی اب ان کی دوسری اصلاحیں فرمائی جا رہی ہیں جو اصلاح غذا کا نتیجہ ہیں کیونکہ جو اپنی غذا کی اصلاح کر لیتا ہے وہ دوسری باتوں کی بھی اصلاح کر لیتا ہے گویا اصل کے بعد نتیجہ کا ذکر ہے۔ بری غذا سے برے اعمال 'اچھی غذا سے اچھے اعمال نمودار ہوتے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حلق اور پیٹ کی اصلاح فرمائی گئی تھی کہ انہیں حرام غذاؤں سے بچاؤ اب قالب اور قلب و قالب دونوں کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے کہ قالب کو ظاہری گناہوں سے بچاؤ۔ قلب کو باطنی گناہوں سے۔ اعمال قلب و قالب کی غذا ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں حلال ذبیحہ کے کھانے کی اجازت صراحۃ" دی گئی تھی اب ان آیات میں مردار کے کھانے کی ممانعت صراحۃ" فرمائی جا رہی ہے کہ ارشاد ہے **ولا تاکلوا الخ** گویا ایک ضد کے بعد دوسری ضد کا ذکر ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیات میں حلال طیب غذاؤں گوشت وغیرہ کی اجازت دی گئی تھی اب ان غذاؤں کے شکریہ ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ان غذاؤں کے شکریہ میں تم ظاہری باطنی گناہ چھوڑ دو یہ ان نعمتوں کا حق ہے۔

شان نزول : اسلام کی تشریف آوری سے پہلے عرب کے عوام علانیہ زنا کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے تھے اپنے زنا کو قصیدوں وغیرہ کے ذریعے شائع کرتے تھے جیسا کہ سبعہ معلقہ وغیرہ قصائد سے معلوم ہوتا ہے مگر وہاں کے شرفاء علانیہ زنا کو تو برا سمجھتے تھے' اس سے حیا کرتے تھے خفیہ زنا میں کوئی عیب نہ سمجھتے تھے۔ گویا وہ زنا کو برا نہ سمجھتے تھے اظہار زنا کو برا جانتے تھے ان دونوں کی فہمائش اور انہیں ان دونوں گناہوں سے ممانعت فرمانے کے لئے آیت **و ذروا ظاهر الا ثم** الخ نازل ہوئی (تفسیر صاوی' خازن' کبیر' روح المعانی وغیرہ) اس گئے گزرے زمانے میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے خاص صحابہ کے نسب شریف کو زنا سے محفوظ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **وللت من نكاح لا من سفاح** ہماری پیدائش نکاح سے ہے برائی سے نہیں۔ نبی پاک کی نسل میں آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت آمنہ و عبد اللہ تک کوئی مشرک و کافر نہیں ہوا اور نہ کوئی زانی ہوا یہ نسل پاک کفر و زنا سے محفوظ ہے' یہ ہے رب کی کرم فرمائی۔ اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں ذرا سی کوتاہی ہوتی تو بعد نبوت کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو طعنے دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے اس نسل کو ہر عیب سے محفوظ رکھا۔ حتیٰ کہ حضرت صدیق جیسے پیاروں کو اول سے ہی ہر عیب سے بچایا۔ خازن نے بروایت کلبی نقل فرمایا کہ اہل عرب دن میں مرد ننگے طواف کرتے تھے اور رات کو عورتیں اندھیرے میں بالکل ننگی طواف کرتی تھیں۔ ان دونوں کاموں سے روکنے کے لئے یہ آیت کریمہ **و ذروا ظاهر الا ثم** الخ نازل ہوئی (خازن)۔

تفسیر : **و ذروا ظاهر الا ثم و باطنه**۔ ہم نے بارہا تحقیق کر دی ہے کہ **ذروا** غیر متصرفہ فعل ہے۔ جس کا نہ تو کوئی مصدر ہے نہ ماضی اور نہ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع یا امر آتا ہے۔ جیسے لیس عسی وغیرہ۔ خیال رہے کہ ان جیسی تمام آیات میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں ہوتا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے وہ آیات ہیں کہ آپ تبلیغ فرماؤ

لوگوں کی شفاعت کرو وغیرہ۔ جیسے اسکول و کالج کے قوانین طالب علموں کے لئے ہوتے ہیں۔ تعلیم دینے انتظامی معاملات کے قوانین مدرسوں معلموں کے لئے ہوتے ہیں۔ یونہی قرآن مجید میں اعمال کرنے کے قوانین امت کے لئے ہوتے ہیں اعمال کرانے کی آیات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم معلم ہیں **یعلمھم الکتب والحکمتہ** پھر تعلیم کے وقت معلم بھی اپنے سامنے کتاب رکھتا اور عبارت پڑھتا ہے اور طالب علم بھی مگر استاد یہ کام پڑھانے سکھانے کے لئے کرتا ہے' طالب علم سیکھنے کے لئے۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے احکام شرعیہ پر عمل کیا ہم کو سکھانے کے لئے۔ اس لئے آیات احکام آنے سے پہلے حضور انور احکام پر عامل تھے۔ لہٰذا اس آیت میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں پھر ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب سارے انسان بلکہ تمام انس و جن سے ہے خواہ مومن ہوں یا کافر کیونکہ بدعقیدگی' باطن گناہ ہے جس سے الگ ہو جانا کفار پر ضروری ہے الگ رہنا مومن پر بھی لازم یونہی ظاہری گناہ چھوڑنا فاسقوں پر ضروری ہے اور چھوڑے رہنا متقیوں پر بھی لازم۔ ظاہری اور باطنی گناہ کے متعلق بہت قول ہیں جن میں سے ہم چند قول نقل کرتے ہیں۔ (1) قالب کے گناہ ظاہری گناہ ہیں اور قلب' ارادہ' نیت کے گناہ باطنی گناہ ہیں۔ (2) بدعملیاں گناہ ہیں' بدعقیدگیاں باطنی گناہ۔ (3) علانیہ گناہ ظاہری گناہ ہیں۔ خفیہ گناہ باطنی گناہ ہیں۔ (4) فحش چیزیں جسے لوگ گناہ سمجھتے ہوں ظاہری گناہ ہیں جیسے چوری زنا وغیرہ اور شرعی و اسلامی گناہ ہیں۔ جسے لوگ گناہ نہ سمجھیں مگر شریعت گناہ کہے وہ باطنی گناہ ہیں جیسے کفریا سود' شراب وغیرہ۔ (5) گناہ ظاہری گناہ ہیں اور نیکیوں میں ریاکاری باطنی گناہ۔ (6) اعضاء ظاہری کے گناہ ظاہری گناہ ہیں اور خیال و دماغ کے گناہ باطنی گناہ جیسے حسد' تکبر' شیخی مسلمانوں کا برا چاہنا۔ (7) بے پرواہی سے گناہ کرنا ظاہری گناہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے گناہ کرنا باطنی گناہ ہے۔ یہ آخری معنی تفسیر خازن نے کئے۔ (8) گناہ پر خوش ہو کر گناہ کرنا ظاہری گناہ ہے۔ نیک کاروں کے روپ میں رہنا اور گناہ کرنا باطنی گناہ ہے کہ لوگ ہم کو متقی جانیں مگر ہم بدکار رہیں۔ (10) گناہ کو گناہ جان کر کر لینا ظاہری گناہ ہے مگر گناہ کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش کرنا یہ باطنی گناہ ہے اس آخری گناہ میں علماء سوء' اور بے دین پیر فقیر بہت گرفتار ہیں۔ (11) گناہ کو خدا تعالیٰ سے دوری کا سبب جان کر گناہ کرنا ظاہری گناہ ہے اور گناہ کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھ کر کرنا یہ باطنی گناہ ہے۔ اس آخری گناہ میں جاہل فقیر بہت گرفتار ہیں جو ترک شریعت اور بھنگ' چرس لگانے ناچنے کو خدا رسی کا ذریعہ سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ علماء سے ہماری بنتی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام ظاہری باطنی گناہوں سے بچائے۔ (12) صوفیاء کرام کے نزدیک ظاہری باطنی گناہ کے کچھ اور ہی معنی ہیں جو ان شاءاللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض ہوں گے۔ پھر خیال رہے کہ گناہ چھوڑنے کی تین صورتیں ہیں۔ گناہ سے الگ ہو جانا کہ بری عادات چھوڑ دینا یہ ہم جیسے گنہگاروں کا کام ہے گناہ سے الگ رہنا یعنی پہلے کبھی گناہ نہیں کئے تھے آئندہ بھی نہ کرنا یہ نیک کاروں خاص اولیاء اللہ کی شان ہے۔ گناہ سے ہٹ جانا کہ کسی گناہ کرنے کی تیاری کرلی' اسباب گناہ جمع ہیں' رکاوٹ موجود نہیں مگر صرف خوف خدا کی بناء پر گناہ سے ہٹ جائے یہ تینوں معنی **وذروا** میں شامل ہیں۔ اس تیسری نوعیت کا بڑا درجہ ہے۔ رب فرماتا ہے **و لمن خاف مقام ربہ جنتان**۔ مگر خیال رہے کہ یہ تیسرے معنی اللہ تعالیٰ کے خاص کرم سے نصیب ہوتے ہیں۔ کوئی اللہ کا بندہ ایسے نازک موقعہ پر کرم کرے تو بندہ گناہ سے ہٹتا ہے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کو جب زلیخا نے مقفل گھر میں لے جا کر گناہ کی رغبت دی تو یعقوب علیہ السلام نے ایسے نازک موقعہ پر اپنے فرزند کو گناہ سے بچایا۔ **ولقد ھمت بہ و ھم بھا لو لا ان رای برھان ربہ** ایسے ہی نازک موقعہ کے لئے مرشد کامل کا

ہاتھ پکڑتے ہیں۔ **ان الذین یکسبون الا ثم سیجزون بما کانوا یقترفون**۔اس فرمان عالی میں ان دونوں قسم کے گناہوں کے انجام کا ذکر ہے۔ چونکہ بعض لوگ 'بعض گناہوں کو نیکی سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو **ان** سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد سارے مومن و کافر ہیں۔ کسب سے صرف ظاہری اعضاء سے گناہ کرنا مراد نہیں بلکہ دل' خیال' ارادہ' نیت کے گناہ بھی مراد ہیں۔ لہٰذا **الا ثم** میں بد عملیاں' بد عقیدگیاں وغیرہ سب شامل ہیں۔ ان سب کی سزائیں قیامت کے بعد ملیں گی مگر چونکہ ہر آنے والی یقینی چیز قریب ہوتی ہے اس لئے **سیجزون** میں س داخل ہوا اور ہو سکتا ہے کہ اس سے دنیاوی سزائیں مراد ہوں۔ چنانچہ کفار مکہ پر جنگ بدر وغیرہ میں عذاب الٰہی آئے اس صورت میں سین فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ جزاء ثواب کے لئے بولا جاتا ہے اور عذاب کے لئے بھی یعنی مطلقاً بدلہ۔ یہاں بمعنی عذاب ہے کیونکہ گناہ کا بدلہ عذاب ہی ہوتا ہے۔ **بما** میں **ما** سے مراد ہر برائی ہے بد عملی ہو یا بد عقیدگی **یقترفون** بنا ہے اقتراف سے۔ جس کا مادہ قرف ہے بمعنی کسب۔ اسی سے ہے مقارفت بمعنی جماع و صحبت یعنی جو لوگ کسی قسم کے گناہ کریں گے بدنی یا دلی انہیں عنقریب سزا دی جائے گی وہ دھوکہ میں نہ رہیں۔ خیال رہے کہ یہاں گناہ کے لئے کسب فرمایا **عملوا** نہ فرمایا کیونکہ گناہ میں چار شرطیں ہیں سمجھداری' بیداری' ہوشیاری' ارادہ۔ بچہ' سوتا ہوا' دیوانہ' بھول جانے خطا والے کے کسی جرم پر سزا نہیں ہوتی۔ دیکھو ایک صحابی نے شراب کے نشہ میں سورۂ کافرون کے **لا** نہ پڑھے مگر انہیں کافر و مشرک نہ کہا پھر گناہ ہو چکنے کے بعد ہزار بہانہ معافی کے "توبہ' گریہ' کوئی نیک عمل سب معافی کا ذریعہ ہیں۔ **ان الحسنات یذھبن السیئات**۔ مگر نیکی کے لئے یہ آسانی ہے کہ کمائے' یا ہو جائے' یا مل جائے' ہر طرح قبول ہے کسی کے کھیت باغ سے جانور کھالیں اس کا ارادہ بھی نہ تھا مگر نیکی ہو گئی' کوئی ایصال ثواب کر دے منظور پھر نیکی ایسی پختہ کہ بجز کفر کے کسی چیز سے نہیں مٹتی ان وجوہ سے یہاں **کسبوا** ارشاد ہوا۔ **الذین** سے مراد جن وانس سب ہیں کہ گناہ کی سزا مجرم جنات کو بھی ہو گی **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ**۔ یہ نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے کھانے کا ذکر فرمایا مگر مراد ہے **استعمال** کرنا چنانچہ مردار کی چربی فروخت کرنا اسے کسی کام میں لانا صابن وغیرہ بنانا حرام ہے۔ ہاں مردار کی کھال دباں ناخن استعمال میں لائے جا سکتے ہیں۔ **ما** سے مراد قابل ذبح حلال جانور ہیں جیسے گائے' بکری' مرغی وغیرہ۔ اللہ کا نام ذکر نہ کرنے کی چار صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کے ذبح کے وقت **عمداً** "بسم اللہ چھوڑ دی جائے' ویسے ہی خاموشی سے ذبح کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ غیر اللہ کے نام پر ذبح کر دیا جائے' تیسرے یہ کہ اسے ذبح ہی نہ کیا جائے۔ جانور ویسے ہی مر جائے۔ چوتھے یہ کہ اسی طرح اللہ کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے۔ خیال رہے کہ اگر ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو جانور حلال ہے اس لئے یہاں **لم یذکر** فرمایا۔ **ما ذکر** نہ فرمایا۔ یہی احناف کا مذہب ہے۔ **علیہ** سے مراد ہے علی ذبحہ یعنی اے مسلمانو اس جانور سے نہ کھاؤ جس کے ذبح پر اللہ کا نام **عمداً**" نہ لیا گیا ہو کیونکہ وہ مردار ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ کے متعلق چند قول ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی کھانا پانی شربت بسم اللہ کے بغیر حرام ہے کیونکہ حرام کھانے پینے کو شامل ہے۔ یہ قول عطا کا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس جانور پر بسم اللہ نہ پڑھی جائے بھول کر یا **عمداً**" وہ حرام ہے۔ یہ قول ابن سیرین اور امام مالک کا ہے۔ تیسرے یہ کہ جانور بہر حال حلال ہے خواہ بھول کر بسم اللہ رہ جائے یا **عمداً**" یہ قول امام شافعی کا ہے۔ چوتھے یہ کہ بھول کر رہ جائے تو حلال ہے' جان کر چھوڑ دے تو حرام۔ یہ آخری قول ہمارے امام اعظم کا ہے (تفسیر خازن) یہی قوی ہے جیسا کہ **لم یذکر** اور **وانہ لفسق** سے معلوم ہوتا ہے۔ **انہ** میں **ہ** ضمیر **لم یذکر** کے مصدر کی طرف ہے۔ **فسق** کے معنی' اس کے

اقسام اور اقسام کے احکام پہلے پارے کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے **فسق** کا درجہ انہماک مراد ہے، جو تقویٰ کے خلاف ہے یعنی بغیر اللہ کا نام لئے ذبح کرنا فسق اور بدکاری و سخت گناہ ہے اور ظاہر ہے کہ بھوک چوک نہ گناہ ہے نہ فسق لہٰذا یہاں عمداً "بسم اللہ" چھوڑنا ہی مراد ہے۔ (تفسیر روح المعانی و تفسیرات احمدیہ)۔ **و ان الشیاطین لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم**۔ اس میں کفار کے عمل کی پرزور تردید ہے۔ شیاطین سے مراد یا تو ابلیس اور اس کی ذریت ہے یا وہ کفار جو عام کفار کو یہ سکھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں بھیجتے تھے کہ تم لوگ اپنا مارا (ذبیحہ) تو کھا لیتے ہو مگر خدا کا مارا (مردار) نہیں کھاتے۔ **یوحون** بنا ہے وحی سے بمعنی اشارہ یا خفیہ بات یا وسوسہ۔ چونکہ ان لوگوں نے خفیہ طور پر ہی ان کفار کو یہ اعتراض سکھایا تھا۔ اس لئے **یوحون** ارشاد ہوا۔ **یقولون** نہ فرمایا گیا۔ چونکہ انسانی شیطان بہت قسم کے، بہت طریقوں کے ہیں اس لئے شیاطین جمع ارشاد ہوا۔ بعض مولوی، بعض پیر، بعض ہمارے دوست، بعض اولاد، بعض بیویاں شیطان ہیں جو ہم کو خدا کی راہ سے روکتے، ہمارے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں اسی طرح یہ شیطان کبھی زبان سے، کبھی قلم سے، کبھی صرف صحبت سے دلوں میں وسوسے ڈالتے ہیں۔ اس لئے **یوحون** مطلق ارشاد ہوا۔ غرضیکہ انسانی صورت میں سب یکساں ہیں مگر سیرت میں مختلف ہیں جیسے ظاہر زمین ساری یکساں ہے مگر اندرون زمین کہیں پانی ہے، کہیں تیل کا چشمہ، کہیں سونے چاندی وغیرہ کی کانیں اس لئے ظاہری شکل سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ **اولیاء** سے یہی عام کفار مراد ہیں، جو مردار کھا جاتے ہیں اور مسلمانوں پر یہ اعتراض کرتے تھے۔ یہ جمع ہے ولی کی بمعنی دوست و محب۔ **لیجادلوکم** بنا ہے جدال سے بمعنی ناحق جھگڑا یعنی شیاطین جن، شیاطین انس جھوٹے وسوسے عام کفار کے دلوں میں ڈالتے ہیں خفیہ طور پر انہیں واہیات اعتراض سکھاتے ہیں تاکہ وہ لوگ بجائے توبہ کرنے کے تم سے جھگڑے کریں اور اپنی بدعملیوں کی اچھائی ثابت کریں۔ جھگڑا تین طرح کا ہوتا ہے عناد کا، فساد کا، ناز کا۔ پہلے دو جھگڑے برے ہیں تیسرا جھگڑا کبھی اچھا ہوتا ہے۔ یہاں پہلے دو قسم کے جھگڑوں میں سے کوئی مراد ہے اور **تجادلک فی زوجھا** میں ناز والا جھگڑا مراد ہے۔ **و ان اطعتموھم انکم لمشرکون** اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اگر تم نے کفار کی یہ بات مان لی اور ذبیحہ و مردار جانور میں فرق نہ کیا تو تم بھی انہیں کی طرح مشرک و کافر ہو گے کیونکہ اسلام کے ایک عقیدہ قطعیہ کا انکار کفر ہے۔ یونہی حلال قطعی کو حرام جاننا یا حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے۔ کفار کی کوشش یہ ہے کہ وہ تمہارے دلوں میں اسلامی احکام کے متعلق شبہات ڈال کر تم کو اسلام سے برگشتہ کر دیں اگر تم نے ان کی باتیں مانیں تو تم بھی انہیں کی طرح ہو جاؤ گے۔

خلاصہ تفسیر : اے لوگو! تم ظاہری گناہوں سے بھی بچو اور خفیہ گناہوں سے بھی۔ یہ دونوں قسم کے گناہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دو کیونکہ جو لوگ کسی قسم کا گناہ کماتے ہیں وہ قریب ہی اپنے کئے کی سزا پائیں گے۔ تم ہماری بارگاہ میں سزا کے مستحق ہو کر نہ آؤ بلکہ ثواب کے مستحق ہو کر آؤ۔ خیال رہے کہ ہر عضو کے بہت گناہ ہیں جیسے ہر عضو کی بیماریاں بہت ایسے ہی ہر عضو کے گناہ بہت، جن کی تفصیل بہت دراز ہے۔ بطور اجمال یہ سمجھ لو کہ جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم منع فرما دیں یا ناخوش ہوں وہ گناہ ہے اور جسے اللہ رسول پسند فرما دیں وہ نیکی ہے حتیٰ کہ اگر کسی نماز سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہیں تو وہ نماز گناہ ہے اور اگر قضاء نماز سے راضی ہو جائیں تو وہ قضا بھی نیکی ہے۔ کوئی چھوٹا گناہ حقیر جان کر کر نہ لو کہ کبھی معمولی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کوئی چھوٹی نیکی حقیر جان کر چھوڑ نہ دو۔ کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ گناہ کے لئے کسب ضروری ہے نیکی کے لئے صرف عمل کافی۔ کسب اور عمل کا فرق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ خیال رکھو جس جانور پر اللہ کا نام

دیدہ دانستہ چھوڑ دیا گیا ہو وہ تم ہر گز نہ کھاؤ خواہ اس طرح نام چھوڑا گیا ہو کہ وہ بغیر ذبح مر جائے یا اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کر دیا جائے خواہ اس طرح کہ خدا کے نام کے ساتھ اور کسی کا نام ملا کر ذبح کیا جائے' خواہ اس طرح کے دیدہ دانستہ خاموشی سے بغیر خدا کا نام لئے ذبح کر دیا جائے۔ بہر حال حرام ہے اسے نہ کھاؤ۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا فسق (گناہ و بدکاری) ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جانور کے جو اجزاء کھائے جاتے ہیں مردار کے وہ اجزاء کسی طرح استعمال نہیں کیے جاسکتے حتی کہ ان کی قیمت لینا بھی حرام اس قیمت کا استعمال کرنا بھی حرام۔ جیسے گوشت' چربی' کلیجی' گردے وغیرہ مگر جو اجزاء کھائے نہیں جاتے ان کا استعمال بھی جائز ہے' ان کی قیمت بھی حلال جیسے کھال' سینگ' کھر' ہڈی' بال وغیرہ۔ شیطانوں کا یہ کام ہے کہ وہ اپنے دوست کافروں کے دلوں میں شبہات وارد کرتے ہیں تاکہ وہ تم میں وہ شبہ ڈالیں اور تم سے جھگڑے کریں' تم ان کے کہنے میں نہ آؤ۔ اسلام پر قائم رہو اگر تم نے ان کی مانی اور ان احکام اسلامیہ کا انکار کر دیا تو تم بھی انہی کی طرح کافر و مشرک ہو جاؤ گے کہ اسلام کے ایک عقیدے یا عمل کا انکار بھی ویسا ہی کفر ہے جیسے سارے احکام کا انکار۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کامیاب مسلمان وہ ہے جو دل کے جسم کے چھپے' کھلے' چھوٹے بڑے ہر طرح کے گناہ سے بچا رہے۔ عقیدے' نیت' ارادے' خیالات بھی ٹھیک رکھے اور بدنی مالی گناہوں سے بھی دور رہے۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ نے انسان کو ظاہری و باطنی بہت سے اعضاء بخشے ہیں اور ہر عضو کے صدہا گناہ ہیں' صدہا نیکیاں۔ اس آیت کریمہ نے دو لفظوں میں ان سب کا اجمالی ذکر فرما دیا۔ اس اجمال کی تفصیل احادیث شریفہ' اقوال علماء و برکات صوفیاء میں دیکھو۔ ہم نے اشارۃً" کچھ ذکر ابھی تفسیر میں کر دیا۔ خیال رہے کہ جیسے ہر قسم کے کھلے چھپے گناہوں سے بچنا ضروری ہے ایسے ہی ہر قسم کی کھلی چھپی نیکیاں کرنا بھی لازمی ہیں۔ نماز عید' نماز جمعہ' نماز پنجگانہ کھلی نیکیاں ہیں انہیں علانیہ کرو کہ عید کے دن اچھے لباس پہن کر تکبیر کا شور مچاتے عید گاہ جاؤ۔ بقیہ نمازیں مسجد میں جماعت سے ادا کرو اور نماز تہجد چھپی نیکی ہے اسے گھر کے گوشہ میں' اندھیرے میں' چپکے سے اکیلے ادا کرو۔ یونہی ظاہری اعضاء کی نیکیاں بھی کرو یعنی عبادات اور دل کی دماغ کی نیکیاں بھی کرو یعنی اچھے عقائد اختیار کرو۔ **دوسرا فائدہ:** کسی شخص کو کسی حالت میں گناہ کرنے کی اجازت نہیں۔ گناہ ایک آگ ہے جو ہر پیر' فقیر' امیر و غریب سب کو جلا دیتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **وذروا ظاھر الاثم** الخ سے حاصل ہوا۔ جو کہے کہ مجھے شراب حرام نہیں' نماز فرض نہیں' میں جو چاہوں کروں وہ کافر ہے۔ اسے چاہئے کہ زہر کھا کر' آگ میں کود کر' سمندر میں ڈوب کر دکھائے۔ جب یہ چیزیں اسے ہلاک کر سکتی ہیں تو گناہ بھی اسے برباد کر سکتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** یونہی کوئی شخص نیک اعمال سے بے نیاز نہیں جو کہے کہ مجھے اعمال کی ضرورت نہیں وہ بھی کافر ہے۔ ایسے شخص کو چاہئے کہ وہ غذا' ہوا' دھوپ' زمین اور آسمانی سایہ سے فائدہ حاصل کرنا چھوڑ دے' انہیں چھوڑ کر زندہ رہ کر دکھاوے۔ جب جسمانی زندگی کے لئے یہ چیزیں ضروری ہیں تو روحانی زندگی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل اور نیک اعمال بھی ضروری ہیں۔ جو بو کر گندم کاٹنے کی ہوس محض دھوکہ ہے۔ یہ فائدہ بھی **وذروا** الخ سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

چوتھا فائدہ: بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے آخرت کی سزا اس کے علاوہ ہے۔ یہ فائدہ **سیجزون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ سین قرب کے لئے ہے اور اس سے دنیاوی سزا مراد ہے۔ **پانچواں فائدہ:** گناہ کی تفصیل تو بہت دراز ہے مگر گناہ کا اجمال یہ ہے کہ جس چیز سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں، منع فرمادیں وہ گناہ ہے۔ رب فرماتا ہے **ما اتاکم الرسول فخذوا وما نھاکم عنہ فانتھو** کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی و ناخوشی یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت و ممانعت رب تعالیٰ کی خوشی و ناخوشی ہے۔ اسی کی اجازت و ممانعت ہے۔ فرماتا ہے **و من یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ یہ فائدہ **الاثم** کو مجمل فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جیسے بعض انسان لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں وہ رب تعالیٰ کی صفت اضلال کے مظہر ہیں ایسے ہی بعض انسان ہدایت دیتے ہیں وہ رب کی صفت ہدایت کے مظہر ہیں۔ یہ فائدہ **یوحون** سے حاصل ہوا۔ جیسے بعض ریلیں لاہور میل کہلاتی ہیں، بعض پشاور میل، بعض کوئٹہ میل یعنی ان مقامات پر پہنچانے والی گاڑیاں یونہی بعض لوگ شیطان میل ہیں، بعض رحمان میل۔ یعنی شیطان یا رحمان تک پہنچانے والے۔ **ساتواں فائدہ:** جس جانور کے ذبح پر صرف خدا کا نام نہ لیا جائے وہ مردار و حرام ہے اس کی چند صورتیں ہیں۔ جانور بغیر ذبح مرجائے، بغیر بسم اللہ پڑھے اس کا سر کاٹ دیا جائے۔ ذبح کے وقت خدا کے نام کے ساتھ اور کسی کا نام بھی لے دیا جائے۔ یہ فائدہ **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جس جانور پر بوقت ذبح بھول کر ذکر اللہ نہ کیا جائے وہ حلال ہے ہاں عمداً بسم اللہ چھوڑ دے تو حرام ہے یہ فائدہ **لم یذکر** او **رانہ لفسق** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر کہ **لم یذکر** نفی حد بلم ہے۔ جس میں حد یعنی ارادۃً ذکر نہ کرنا مراد ہے نیز بھول چوک فسق نہیں ہوا کرتی۔ اس میں ارادہ ضروری ہے۔ **نواں فائدہ:** بھول کر غیر خدا کے نام پر ذبح کر دینا یا بھول کر چند ناموں پر ذبح کر دینا جانور کو حرام کر دے گا کہ یہ بھول مسلمانوں سے بہت کم ہوتی ہے بلکہ نہیں ہو سکتی۔ دیکھو روزہ میں بھول سے کھا پی لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا مگر نماز میں بھول سے کھانا پینا یا بات چیت کرنا نماز توڑ دیتا ہے کہ روزے میں بھول عام ہے اور نماز میں ایسی بھول نہیں ہوتی۔ یہ فرق یاد رہے یونہی احرام میں بھول کر صحبت کرنا احرام کو توڑ دے گا حج کو فاسد کر دے گا کہ ایسی بھول قریباً ناممکن ہے احرام کی حالت حج و احرام کو یاد دلاتی ہے۔ **دسواں فائدہ:** بغیر علم دین مسائل میں جھگڑنا یا محض جھگڑے کے لئے مناظرہ کرنا شیطان یا شیطانی لوگوں کا کام ہے۔ یہ فائدہ **لیجادلوکم** سے حاصل ہوا۔ لیکن تحقیق حق کے لئے مناظرہ کرنا عبادت ہے۔ رب فرماتا ہے **و جادلھم بالتی ھی احسن**۔ **گیارہواں فائدہ:** جو شرک کرے وہ مشرک، جو مشرکوں سے دینی محبت رکھے وہ مشرک، جو مسلمانوں سے دینی نفرت کرے وہ بھی مشرک و کافر ہے۔ یہ فائدہ **انکم لمشرکون** سے حاصل ہوا مگر ہم نے جو مذہبی او ردین کی قید عرض کی وہ خیال رہے۔ **بارہواں فائدہ:** مردار کی چربی اور گوشت کسی کام میں نہیں آسکتے یہ دونوں چیزیں نجس ہیں، ان کی تجارت مسلمان کے لئے حرام ہے، ان کی قیمت مسلمان استعمال نہیں کر سکتا، گوشت، چربی کے سواء مردار کے بال، کھال، ناخن، ہڈی وغیرہ خشک کرکے کام میں لائے جاسکتے ہیں ان کی فروخت بھی درست ہے۔ مردار کا گردہ، کلیجی، تلی وغیرہ گوشت کے حکم میں ہے۔ یہ مسئلہ **لا تاکلوا** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے **لا تستعملوا** نہ فرمایا کھانے سے منع کیا جس سے معلوم ہوا کہ کھانے والی چیزیں مردار کی حرام و نجس ہیں۔ **مما** فرما کر بتایا کہ اس کی کوئی چیز نہ کھائی جائے۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ کوئی گناہ کسی حال میں کسی مسلمان کو درست نہیں حالانکہ مجبوری میں مسلمان حرام گوشت کھا

کر جان بچا سکتا ہے۔ حاذق حکیم کے مشورے پر حرام دوا استعمال کر سکتا ہے۔ دیکھو مجبور کو یہ دونوں گناہ کرنا درست ہو گئے۔ **جواب:** ان حالات میں یہ چیزیں مجبور کے لئے نہ حرام رہتی ہیں نہ ان کا استعمال کرنا گناہ ہوتا ہے گناہ وہ ہے جس کو شریعت منع کرے جب شریعت نے ہی ان کی اجازت دے دی پھر گناہ کیسے ہوئے۔ **دوسرا اعتراض:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان غنی سے فرمایا کہ عثمان تم جو چاہو کرو تم جنتی ہو چکے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں گناہ کی اجازت دے دی۔ **جواب:** اس کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ اس فرمان عالی میں گناہ کی اجازت نہیں بلکہ گناہ سے حفاظت ہے کہ اب عثمان کا میلان گناہ کی طرف ہو گا ہی نہیں۔ جب بتی کی حفاظت چمنی سے کردی گئی تو اسے ہوا کدھر سے پہنچے۔ چڑیا کے پر کاٹ دیئے تو مالک کے پاس سے کیسے اڑ کر بھاگے۔ **تیسرا اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ بندہ جب اللہ کا مقبول بن جاتا ہے تو اسے کوئی گناہ نقصان نہیں دیتا دیکھو ایسے بندے کے لئے گناہ کی اجازت دیدی گئی (بعض جاہل بے دین پیر)۔ **جواب:** اس حدیث کا بھی مطلب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے گناہ سے بچاتا ہے۔ جب وہ بندہ گناہ تک اور گناہ اس تک پہنچتا ہی نہیں تو نقصان کیسے دے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ ان جیسی آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوتے تو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ظاہری باطنی گناہ چھوڑنے کا حکم نہیں کیا آپ کو ان کی اجازت ہے۔ **جواب:** آپ کو یہ حکم ہے کہ لوگوں سے کفرو شرک گناہ چھوڑاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں لوگوں سے گناہ چھوڑانے آئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کبھی گناہ کی طرف مائل ہو سکتی ہی نہیں۔ اسی لئے اس آیت کے نزول سے پہلے بچپن شریف میں بھی کسی گناہ صغیرہ کے پاس بھی نہ گئے جس کی مثال ابھی ہم نے تفسیر میں اسکولی قانون سے بہت اچھی طرح بیان کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے۔ **تطهرهم و تزكيهم بها** اور آپ کی صفت ہے **و يزكيهم و يعلمهم الكتاب و الحكمة** **پانچواں اعتراض:** تم نے تفسیر میں کہا کہ یہ آیت اور تمام احکام کی آیات تمام مسلمانوں' ولیوں' غوثوں' قطبوں پر حاوی ہے۔ اگر مجذوب' مجنون' نابالغ بچوں پر شریعت کے احکام جاری نہیں پھر تمہارا یہ کہنا کیسے درست ہوا۔ **جواب:** وہاں خود قانون نے ان کو چھوڑ دیا ہے' کوئی شخص قانون کو نہیں چھوڑ سکتا' ہم کو قانون چھوڑ دے یہ اور چیز اور ہم قانون کو چھوڑ دیں یہ اور بات ہے۔ زکوٰۃ کے قانون نے غریب کو چھوڑ دیا بالکل ٹھیک ہے مگر جو امیر کہے کہ میں تو خدا تک پہنچا ہوا ہوں مجھ پر زکوٰۃ فرض نہیں وہ کافر ہے یہ فرق ضرور خیال رہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں شیاطین جمع کیوں ارشاد ہوا؟ **جواب:** اس لئے کہ اگر اس سے انسانی شیاطین مراد ہیں تو وہ بھی بہت ہیں بعض مولوی' بعض پیر' بعض دوست' بعض اولاد' بعض بیویاں جو اللہ کی راہ سے ہٹا دیں وہ سب شیاطین انس ہیں اور اگر اس سے شیاطین جن مراد ہیں تو وہ بھی بہت ہیں جن میں سے بعض قرین ہیں' ہر دم انسان کے ساتھ رہنے والے بعض خزب نماز میں وسوسے دلانے والے۔ بعض ولہان ہیں' وضو میں وسوسے ڈالنے والے۔ بعض بازاروں میں' بعض پاخانوں میں' بعض شراب خانوں وغیرہ میں رہنے والے اس وجہ سے شیاطین جمع ارشاد ہوا۔ **ساتواں اعتراض:** اگر ذبیحہ حلال ہونے کے لئے بسم اللہ پڑھنا شرط ہوتا تو اس میں عمد اور بھول کا فرق نہ ہوتا' شرط بھول کر رہ جائے یا جان کر شے درست نہیں ہوتی جیسے طہارت نماز کے لئے کہ بھول کر بے وضو پڑھے یا جان کر' نماز نہ ہو گی۔ معلوم ہوا کہ بسم اللہ پڑھنا بوقت ذبح شرط نہیں لہذا اگر عمداً بسم اللہ چھوڑ دے یا بھول کر ذبیحہ حلال ہے۔ (شوافع)۔ **جواب:** یہ قاعدہ ہی غلط ہے روزے میں کھانا پینا چھوڑنا رکن ہے مگر وہاں ارادہ اور بھول کا فرق موجود ہے کہ ارادۃً کھا پی لیا تو روزہ گیا' بھول کر کھا پی لیا تو روزہ رہا۔ فرق کی وجہ یہ ہے کہ جہاں

بھول چوک نادر ہو کوئی چیز یاد دلانے والی موجود نہ ہو' وہاں عمد اور بھول کا فرق نہیں۔ جہاں بھول چوک زیادہ ہو' کوئی چیز یاد دلانے والی موجود نہ ہو' وہاں ارادہ اور بھول کا فرق ہو گا۔ ذبح پہلی قسم کی چیز ہے۔(تفسیر روح المعانی)۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں اللہ کا نام نہ لینے سے مراد ہے غیر خدا کے نام پر ذبح کرنا اگر غیر خدا کے نام پر ذبح نہ ہو تو جانور حلال ہے خواہ اللہ کے نام پر ذبح ہو یا خاموشی سے ارادۃ" یا بھول کر کیونکہ یہاں اس عمل کو فسق کہا۔ دوسری آیت میں فرمایا **قل لا اجد فیما اوحی الی یا کہ او فسقا" اھل لغیر اللہ بہ** وہاں فسق کے معنی ہیں غیر خدا کے نام پر ذبح اس کے سوا تمام جانوروں کو حلال فرمایا گیا۔ لہذا وہی یہاں مراد ہے۔(شوافع)۔ امام شافعی قدس سرہ کی یہ بڑی زبردست دلیل ہے۔ **جواب:** غیر خدا کے نام پر ذبح کرنا بھی فسق ہے اور ارادۃ" بغیر ذکر اللہ ذبح کرنا بھی فسق۔ ایک فسق کا وہاں ذکر ہے دوسرے فسق کا یہاں ذکر۔ وہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں۔ کفار بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام کہتے تھے ان کی تردید میں وہاں والی آیت اتری اگر وہاں حصر حقیقی ہو تو لازم آئے گا کہ کتا' بلا سب حلال ہوں یہ جواب خوب سمجھ لو' بہت نفیس ہے۔(تفسیرات احمدیہ)۔ **نواں اعتراض:** **مما لم یذکر** میں **ما** عام ہے۔ جس جانور کو اللہ کے ذکر کے بغیر ذبح کر دیا جائے وہ حرام ہے خواہ عمدا" ہو' خواہ بھول کر' آیت میں بھول یا عمد کی قید نہیں۔(احمد' ابن سیرین' خواجہ حسن بصری)۔ ان حضرات کا یہی مذہب ہے کہ بھول چوک اور عمد برابر ہیں۔ جس کی ذبح پر اللہ کا نام نہ ہو وہ حرام ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ **لم یذکر** نفی عمد ہے۔ جس میں عمد کی طرف اشارہ ہے اور اس عمل کو رب نے فسق فرمایا' بھول چوک فسق نہیں ہوتی۔ **دسواں اعتراض:** ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے **ذبیحۃ المسلم حلال ذکر اسم اللہ او لم یذکر** یعنی مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے وہ اللہ کا نام لے یا عمدا" چھوڑ دے۔ معلوم ہوا کہ عمدا" چھوڑا ہوا ذبیحہ بھی حلال ہے۔(شوافع)۔ **جواب:** وہ حدیث خبر واحد ہے اس کی وجہ سے حکم قرآنی میں ترمیم نہیں کی جا سکتی۔ لہذا وہ حدیث قابل عمل نہیں یہ آیت واجب العمل ہے۔(تفسیر روح المعانی و احمدی) خیال رہے کہ اس مسئلہ میں امام اعظم کی تائید سات آیات سے ہوتی ہے۔(1) تین آیات سورۂ انعام میں اور (2) تین سورۂ حج میں۔ ایک سورۂ مائدہ میں' سورۂ انعام والی آیات یہ ہیں۔(1) **فکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** (2) **وما لکم ان لا تاکلوا مما ذکر اسم اللہ علیہ** (3) **ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ** سورۂ حج کی تین آیات یہ ہیں۔(4) **و یذکروا اسم اللہ فی ایام معلومات علی ما رزقھم من بھیمۃ الانعام** (5) **ولکل امۃ جعلنا منسکا" لیذکروا اسم اللہ** (6) **والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ لکم فیھا خیر فاذکروا اسم اللہ علیھا صواف** سورۂ مائدہ کی آیت یہ ہے۔(7) **فکلوا مما امسکن علیکم و اذکروا اسم اللہ علیہ** (تفسیر روح المعانی) بہر حال اس مسئلہ میں مذہب حنفی بہت ہی قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : درخت کا پھل جب ملتا ہے جب چار شرطیں جمع ہو جائیں۔ ایک یہ کہ درخت کے باطن یعنی اس کے جڑ کو وقت پر کھاد و پانی ملے۔ دوسرے یہ کہ درخت کے ظاہر یعنی شاخوں' پتوں وغیرہ کو ہوا اور دھوپ ملے۔ تیسرے یہ کہ درخت کی جڑ اندرونی بیماریوں' چوہے' گھن وغیرہ سے محفوظ رہے۔ چوتھے یہ کہ درخت کا ظاہر یعنی شاخیں' پتے' کیڑے مکوڑے' چڑیوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہیں۔ یہی انسانی صحت کا حال ہے کہ اس کے باطنی ظاہری اعضاء درست ہوں تو انسان تندرست رہتا ہے۔ صحت ایمان کا بھی یہی حال ہے اس آیت کریمہ نے دو لفظوں میں یہ سب کچھ بتا دیا کہ ظاہری و باطنی گناہ چھوڑو' ظاہری

باطنی نیکیاں کرو۔ صوفیاء کے نزدیک ظاہری گناہ طلب دنیا ہے اور باطنی گناہ طلب نعمت جنت ہے۔ یہ دونوں چیزیں رب سے دور کرتی ہیں، مومن کامل وہی ہے جو صرف طالب مولیٰ ہو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اے بندو! تم صرف میرے ہو رہو کسی اور طرف دل کا رخ نہ کرو، نہ دنیا کی طرف کہ یہ ظاہری گناہ ہے، نہ جنت کی طرف کہ یہ باطنی گناہ ہے نیز ہر گناہ کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ گناہ کا ظاہر یہ ہے کہ وہ شرع کے خلاف طبع کے موافق ہو اور اس کا باطن یہ ہے کہ خلقت حیوانی، نفسانی، شیطانی کے موافق ہو جب رحمانی کے خلاف ہو لہٰذا آیت کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کا ظاہر یعنی طبعی اعمال چھوڑو اور گناہ کا باطن یعنی نفسانیت سے بھاگو، ایسے گنہگار اپنے کئے کا بدلہ پائیں گے کہ ان کے دلوں پر زنگ چڑھ جائے گی اللہ سے حجاب میں ہو جائیں گے **عن ربهم يومئذ لمحجوبون** گناہ سے بچنے کی آسان تدبیر یہ ہے کہ اگر کبھی نفس گناہ کرا دے تو اس کے کفارہ میں وہ نیکی کرو جس سے نفس کو تکلیف ہو اور نفس سے کہو کہ اگر آئندہ تو نے مجھ سے گناہ کرایا تو اس سے دوگنی نیکیاں کرکے تجھے سزا دوں گا اگر نماز قضا کرا دے تو نماز کی قضا بھی پڑھو اور بطور کفارہ دس نفل بھی، اگر زکوٰۃ سے روکے تو زکوٰۃ بھی دو اور بطور کفارہ صدقہ نفلی بھی ادا کرکے یہی کہو۔ ان شاء اللہ آئندہ گناہ نہ کرائے گا۔ نفس گناہوں کا کارخانہ ہے اعضاء گناہوں کے استعمال کے مقامات جب کارخانے میں گناہ بننا ہی بند ہو جائیں تو اعضا کو استعمال کے لئے کہاں سے ملیں گے۔ پھر **وذروا ظاهر الاثم** پر آسانی سے عمل ہو سکے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو کھاؤ اللہ کے حکم سے، اللہ کے ذکر پر، اللہ کی طلب کے لئے کھاؤ تاکہ کھانے کی ظلمت کھانے کی شہوت سے محفوظ رہو بلکہ کھانے میں نورانیت پیدا ہو کھانے کی ظلمت فسق کا ذریعہ ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اسم اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ نام پتہ ہوتا ہے، نام والے کا نام والا نام پر ہی پکارنے والے کی سنتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پتہ ہیں۔ رب تعالیٰ کا وہ کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم گنہگاروں کی سنتا ہے۔

نشان بے نشاں ہو کر زباں بے زباں ہو کر   وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی نوا ہو کر

آیت کا جذبہ یہ ہے کہ دنیا کی کوئی ایسی چیز استعمال نہ کرو جس پر اسم اللہ یعنی محمد رسول اللہ کا ذکر، ان کی یاد، ان کی طرف دھیان نہ ہو کہ وہ چیز پھر زہر بن جائے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تریاق ہے جیسے صابن کے اجزاء میل ہیں، کپڑے کو میلا کرنے والے سوڈا کاسٹک ان اجزاء کی حقیقت بدل کراسے میل کاٹ بنا دیتا ہے۔ دنیا کی ہر چیز دل کو میلا غافل کرتی ہے جب اس کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہو جائے اور سنت سمجھ کر استعمال کی جائے تو وہ عین دین اور عبادت بن جاتی ہے۔ دنیا کی ہر چیز صفر ہے یعنی نفع سے خالی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت عدد ہے جب یہ صرف اس عدد سے مل جائے تو دس گنا ہو جاتا ہے۔ اب پڑھو **ولا تاكلوا مما لم يذكر اسم الله عليه**۔ شیاطین اپنے دوستوں کو ذکر اللہ سے خالی کھانا کھلانا چاہتے ہیں تاکہ وہ بھی ساتھ کھائیں۔ جانور کے ذبح پر بسم اللہ پڑھو تاکہ اس کی لذت سے اس پر جان کنی آسان ہو جائے، مومن کو مرتے وقت ذکر اللہ سناؤ تاکہ اس کی جان کنی آسان ہو (روح البیان مع زیادۃ)۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیاطین بہت قسم کے ہیں ان کی علیحدہ ڈیوٹیاں ہیں ان سب پر ابلیس کنٹرول کرتا ہے وہ ہر وقت ہر شخص کو بھی دیکھتا ہے اور اپنے مقرر کردہ شیطان کی کارگزاری کو بھی۔ اگر ان میں سے کوئی کوتاہی کرتا ہے تو وہ ان کی بازپرس کرتا ہے ان شیاطین کو لوگوں کے دلوں پر تصرف کرنے کی طاقت دی گئی ہے پھر رب نے ہر چیز کا توڑ پیدا کیا ہے تاریکی کا توڑ روشنی، بھوک کا غذا، پیاس کا توڑ پانی، مرض کا توڑ دوا۔ اس طرح گمراہی کا توڑ ہدایت ہے اور گمراہ کن کا توڑ ہادی وسوسوں کا توڑ الہامات۔ حضرات علماء، اولیاء، شیطان کا توڑ اور ہادی من

اللہ ہیں۔ ان تمام کے سردار سب پر نگرانی کرنے والے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر توڑنے والا اس سے قوی ہونا چاہیے جس کو توڑنا ہو' پتھر توڑنا ہو تو اسے ڈھیلے سے نہ توڑو کہ ڈھیلا تو خود ٹوٹ جائے گا بلکہ اسے لوہے کے ہتھوڑے سے توڑو۔ یونہی حضرات اولیاء انبیاء کی طاقت لوگوں کے دلوں پر تسلط شیاطین سے زیادہ چاہیے تاکہ وہ شیطانی اثر توڑ سکیں۔ خیال رہے کہ بعض انسان شیطان کے ایجنٹ ہیں جہاں شیطان نہ پہنچ سکے وہاں اس کے ایجنٹ پہنچ جاتے ہیں شیطان لاحول سے بھاگتا ہے۔ حضرت عمر سے بھاگتا ہے۔ آیت الکرسی سے دور رہتا ہے' رمضان میں قید ہو جاتا ہے مگر یہ شیاطین انس ایسے ڈھیٹ ہوتے ہیں کہ نہ لاحول سے جائیں' نہ رمضان میں قید ہوں جہاں ابلیس نہ پہنچے وہاں یہ پہنچ جاتے ہیں ان کی زبان پر شیطان بولتا ہے خواہ عالم کی شکل میں ہو یا پیر کی یا کسی دوست کی صورت میں۔ ان کی صحبت سخت خطرناک ہے ایسے ہی بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وکیل ہوتے ہیں ان کی زبان پر اللہ کے پیارے حبیب کلام فرماتے ہیں۔ **ان الحق لینطق علی لسان عمر** ان کے دلوں پر اللہ رسول کی طرف سے القاء الہام ہوتے رہتے ہیں۔ ان کی صحبت اللہ کی رحمت ہے اس لئے ارشاد ہوا **لیوحون الی اولیاء ھم لیجادلوکم** کہ شیطان صحابہ تک نہیں پہنچتے' ان کے انسانی ایجنٹ پہنچتے ہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ
اور کیا وہ جو تھا مردہ پس زندہ کیا ہم نے اُسے اور بنائی ہم نے اس کے لیے روشنی کہ چلتا ہے ساتھ اس کے لوگوں میں
اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لئے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے وہ
مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا
مثل اس کے ہے جو تاریکیوں میں ہے نہیں ہے نکلنے والا اس سے اسی طرح زینت دیئے گئے کافروں کے لئے
اس جیسا ہو جاوے گا تاریکیوں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں یوں ہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾
وہ کام جو وہ کرتے تھے
بھلے کر دیئے گئے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ظاہری باطنی گناہ چھوڑنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اس پر عمل کرنے والا نور پر ہوتا ہے' اور اس پر عمل نہ کرنے والا اندھیریوں میں رہتا ہے۔ گویا علاج کے بعد انجام کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: آیات میں فرمایا گیا تھا کہ گناہ کرنے والوں کو سزا دی جائے گی۔ اب اس اجمال کی قدرے تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دنیا میں ہی ایسے لوگ اندھیریوں میں پھنسے رہیں گے۔ آخرت کا عذاب اس کے سواء ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار مسلمانوں سے جھگڑتے ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ مسلمان نورانی ہیں اور کفار ظلماتی' نور و ظلمت' اندھیرے اجیالے میں کبھی اتفاق ہو سکتا ہی نہیں ان میں جھگڑا ہی رہے گا۔ چوتھا

تعلق: پچھلی آیت میں مذبوحہ جانور اور مردار جانور کا فرق بیان ہوا کہ یہ دونوں یکساں نہیں۔ مذبوحہ حلال مردار حرام۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہی فرق مردہ انسان یعنی کافر میں اور اس مسلمان میں ہے۔ جس نے اپنے نفس کو اللہ کے نام پر قربان کر دیا۔

شان نزول : اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (1) ایک بار ابو جہل نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نجاست پھینکی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بہت دکھ ہوا۔ جناب حمزہ ابھی ایمان نہیں لائے تھے۔ آپ شکار کھیلنے باہر گئے ہوئے تھے جب شکار سے واپس آئے تو آپ کی زوجہ پاک یا کسی اور نے آپ کو خبر دی کہ آج حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو جہل نے اس طرح ستایا ہے آپ اسی حالت میں کہ تیر کمان آپ کے ہاتھ میں تھے۔ ابو جہل کے پاس پہنچے اور اس کے سر پر کمان زور سے ماری۔ قریب تھا کہ آپ اسے مارتے مارتے زخمی کر دیں وہ خوشامد کرتا ہوا بولا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں تم انہیں کچھ نہیں کہتے الٹا مجھے ڈانٹتے ہو۔ آپ فرمانے لگے کہ تم سے بڑھ کر بیوقوف کون ہے کہ خود ہی پتھر کی مورت بناتے ہو اسے پوجنے لگتے ہو۔ یہ فرما کر یا تو وہاں ہی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت عالیہ میں حاضر ہو کر ایمان لائے آپ کے ایمان لانے پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں جناب حمزہ اور ابو جہل کا فرق بیان فرمایا گیا۔ (خازن' معانی' روح البیان' صاوی' کبیر' ابن کثیر وغیرہ)۔ (2) یہ آیت کریمہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی کہ زمانہ کفر میں یہ آپس میں دوست تھے۔ حضرت عمر مومن ہو کر ابو جہل سے الگ ہو گئے۔ واصل الی الرسول ہو کر واصل باللہ ہو گئے۔ ابو جہل اسی حالت میں رہا (خازن' کبیر' معانی وغیرہ)۔ (3) یہ آیت کریمہ حضرت عمار ابن یاسر اور ابو جہل کے متعلق نازل ہوئی۔ حضرت عمار مومن تھے ابو جہل مالدار اور سردار تھا اس آیت کریمہ میں ان دونوں کا فرق بیان فرمایا گیا۔ (کبیر' خازن' معانی وغیرہ)۔

تفسیر : **او من کان میتا** " اس عبارت میں الف تو سوال کے لئے ہے' سوال بھی انکاری ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ **من** سے مراد یا حضرت حمزہ' یا حضرت عمر' یا حضرت عمار ابن یاسر ہیں رضی اللہ عنہم۔ جو چیز صرف بتانی ہوتی ہے اس کی خبر دے دی جاتی ہے مگر جو بات دل میں بٹھانی ہوتی ہے وہ مخاطب سے پوچھی جاتی ہے تاکہ مخاطب خود سوچ کر جواب دے اور اس کے دل میں وہ جانشین ہو جائے چونکہ حضرت عمر کے مخالفین پیدا ہونے والے تھے۔ اس لئے رب نے ان کی عظمت ذہن نشین کرانے کے لئے مسلمانوں سے یہ بات پوچھی کہ خود سوچ کر جواب دیں اور یاد رکھیں۔ **کان** میں ان کے پہلے حال کا بیان ہے یعنی اسلام لانے سے پہلے یہ لوگ بے جان تھے۔ **کان** فرما کر یہ بتایا کہ ان کا ابتدائی حال نہ دیکھو' ان کی انتہا میں غور کرو۔ برادران یوسف علیہ السلام کو ان کا ابتدائی حال دیکھ کر جو انہیں برا کہے وہ بے دین ہے اس لئے **کان** ارشاد ہوا۔ **میت** ہماری قراءۃ میں ی کے سکون سے ہے اور ایک قراءۃ میں ی کے شد سے یہ موت کا صفت مشبہ ہے۔ اصل میں **میوت** تھا اگر واؤ کو ی بنا کر ی میں ادغام کر دیا جائے تو میت بن جاتا ہے۔ اور اگر واؤ کو گرا دیا جائے تو میت۔ حق یہ ہے کہ میت اور میت میں کچھ فرق نہیں دونوں کے معنی ہیں بے جان مردہ۔ بعض لوگوں نے کہا کہ نفع والی موت سے' جو مرے وہ میت ی کے شد سے ہے۔ یعنی مردہ اور بیکار یا نقصان والی موت سے مرنے والا میت سے ی کے سکون یعنی مردار۔ مردہ اور مردار میں فرق ہے اس لئے مردار جانور کو میتۃ کہا جاتا ہے۔ مومن مرے بعد میت ہے شد سے' کافر میت ہے ی کے سکون سے۔ سونا کشتہ ہو کر زیادہ قیمتی ہو جاتا ہے۔ اور بیماریوں کا علاج بن جاتا ہے' سونا آگ میں کشتہ ہو کر ہزاروں کو شفا دے۔ مومن خوف الٰہی عشق مصطفوی کی آگ سے کشتہ ہو تو وہ بھی روحانی

شفائیں بخشتا ہے اس کی قبر سے فیوض جاری ہوتے ہیں مگر یہ فرق لازمی نہیں۔ قرآن مجید میں بے جان' بے علم' بے عقل' بے ہدایت یعنی گمراہ بے ایمان اور خشک زمین کو میت فرمایا گیا ہے۔ یہاں بمعنی بے ایمان کافر ہے۔ **فاحیینٰہ** یہ عبارت **کان میتا** پر معطوف ہے۔ جتنے معانی موت کے ابھی عرض ہوئے اس کے مقابل اتنے ہی معنی حیوۃ کے ہوں گے جان والا' علم والا' عقل والا' ہدایت والا' ایمان والا' تر زمین سبزہ والی۔ یہاں ایمان والا مراد ہے۔ جان جسم کی زندگی ہے۔ ایمان دل کی زندگی' جان سے جسم کے سارے اعضاء کار آمد ہوتے ہیں۔ ایمان سے عقل ودل وغیرہ کار آمد ہوتے ہیں۔ جان سے غذائیں' دوائیں فائدہ دیتی ہیں مردے کے لئے سب بیکار۔ ایمان سے نیک اعمال اچھے خیالات نفع دیتے ہیں۔ کافر کے لئے سارے نیک اعمال برباد و بیکار۔ ان وجوہ سے ایمان کو حیوۃ اور مومن کو حی فرمانا بالکل درست ہوا۔ غرضیکہ جان سے جسم کی زندگی ہے ایمان سے دل کی زندگی بلکہ یوں کہو کہ ایمان سے جان کی زندگی ہے' جان جسم کو زندہ کرتی ہے مگر ایمان جان کو زندہ کرتا ہے **احیینٰہ** فرما کر یہ بتایا کہ جو زندگی ہم عطا کریں۔ اس کے لئے فنا نہیں اس کو موت نہیں فنا کر سکتی وہ مر کر بھی زندہ رہتا ہے۔ جیسے سورج ڈوب کر بھی موجود اور فیض رساں ہوتا ہے۔ نیز اس میں یہ بتایا کہ برائیوں کو اپنی طرف نسبت کرو' خوبیوں کو رب کی طرف۔ فرمایا **کان میتا** وہاں رب کا ذکر نہیں۔ پھر فرمایا **فاحیینٰہ** یہاں رب کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ ایمان کی حقیقت نبی کو ماننا ہے۔ توحید' قیامت' فرشتے' جنت' دوزخ کو مان لینا ایمان نہیں کہ بہت سے کفار بلکہ شیطان یہ سب چیزیں مانتا ہے مگر ہے کافر **و کان من الکافرین** اور ایمان پر اعمال کا مدار ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ بغیر جان جسم کی نہ قیمت ہے نہ عزت کہ مردہ گھوڑا فروخت نہیں ہوتا۔ زندگی میں انسان وزیر بادشاہ امیر صاحب تخت و تاج ہے' مرے بعد کچھ بھی نہیں یونہی۔ ایمان سے دل و جان وغیرہ سب کی اللہ کے ہاں عزت بھی ہے قیمت بھی کہ رب فرماتا ہے کہ ہم نے مومنوں کی جان و مال جنت کی عوض خرید لی۔ ولایت' قطبیت' غوثیت ایمان سے ملتے ہیں۔ ایمان نہ ہو تو یہ کچھ بھی نہیں **و جعلنہ نورا" یمشی بہ فی الناس** یہ عبارت معطوف ہے **فاحیینٰہ** پر اس میں اللہ تعالیٰ کے دوسرے انعام کا ذکر ہے جو اس نے مسلمانوں پر فرمایا یہاں **جعلنا** بمعنی **خلقنا** نہیں کر دینے یا بنا دینے کے معنی میں ہے۔ نور سے مراد خارجی روشنی ہے ایمان دل کی اندرونی روشنی تھی یہ بیرونی روشنی۔ اس سے مراد یا تو قرآن کریم ہے یا اتباع نبی یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا رشتہ۔ اس کی تنوین **تعظیمی** ہے بمعنی عظیم نور **یمشی بہ** یا تو نور کی صفت ہے یا لہ کا حال بہ میں ب یا سببیہ ہے یا بمعنی مع۔ **الناس** سے مراد یا تو کفار ہیں یا سارے لوگ۔ یعنی ہم نے اسے ایک بیرونی روشنی بھی عطا فرما دی۔ جس کی وجہ سے وہ لوگوں میں اطمینان سے چلتا پھرتا ہے یا جس کے ساتھ ساتھ وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے کہ وہ بھی اس سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھاتے ہیں لوگوں سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں کہ فاروق اعظم کے ایمان پر ان کے کانوں مکہ کی گلیوں' پہاڑیوں نے کلمہ سنا۔ یا حضرت عمر کی حیات کے زمانہ کے لوگ ہیں جنہیں حضرت عمر نے فتوحات کے ذریعہ غنی فرما دیا یا تاقیامت سارے لوگ کہ حضرت عمر کا نور سب کو ملتا رہے گا آج قرآن کی حفاظت۔ عمر فاروق کے ذریعہ ہے کہ لوگ تراویح کے شوق میں قرآن حفظ کرتے ہیں اور تراویح قائم کرنے والے عمر فاروق ہیں یونہی جملہ' دیوانی' فوجداری' ملک رانی کے قوانین آپ ہی کے بنائے۔ اللہ ان پر چلنے کی توفیق دے۔ **کمن مثلہ فی الظلمات** یہ عبارت **من کان** الخ کی خبر ہے اس عبارت کی ترکیب یہ ہے **من** اسم موصولہ ہے **مثلہ** بمعنی صفت و حالت ہے مبتدا ہے اور **فی الظلمات** ھو پوشیدہ کی خبر ظلمات سے مراد کفر' حسد' عناد' بغض' عداوت کی تاریکیاں ہیں یعنی وہ خوش نصیب' ہدایت یافتہ نورانی شخص کیا اس

بدنصیب کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ قسم قسم کی اندھیریوں میں گھرا پھنسا ہے کسی طرف سے اس تک روشنی نہیں پہنچتی **لیس بخارج منہا** یہ عبارت اسی **ھو** کی دوسری خبر ہے جو فی الظلمت سے پہلے پوشیدہ ہے اس میں اس کی دوسری خرابی کا ذکر ہے یعنی اس کی دوسری مصیبت یہ ہے کہ اسے اندھیریاں ایسی لازم ہو چکی ہیں کہ وہ ان سے نکل نہیں سکتا یعنی وہ نہ تو اب روشنی میں ہے نہ آئندہ روشنی میں آنے کی امید ہے کیونکہ وہ ان اندھیریوں کو روشنی اور کفریات کو ایمان' گمراہوں کو ہدایت سمجھ چکا ہے۔ اب انہیں چھوڑے تو کیسے **کذالک زین للکافرین ما کانوا یعملون**۔ یہ جملہ نیا ہے جس میں اس کے ان تاریکیوں سے نہ نکل سکنے کی وجہ ارشاد ہوئی۔ حق یہ ہے کہ **زین** کا فاعل یا شیطان ہے یا اس کا نفس امارہ' کافرین سے مراد وہ کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے عمل سے مراد ان کفار کی تمام بدعقیدگیاں اور بدعملیاں ہیں جنہیں وہ اچھا سمجھتے ہیں یعنی ان کفار کے ہدایت پر نہ آنے کی وجہ یہ ہے کہ شیطان اور ان کے نفس امارہ نے ان کے تمام کفریات اعمال کو ان کی آنکھوں میں ان کے خیالوں میں نہایت ہی آراستہ کر دیا ہے کہ اپنے کو ہی ہدایت پر سمجھتے ہیں۔ مؤمنین کو بہکا ہوا اور بے عقل جانتے ہیں اب ان کی ہدایت کی کیا صورت ہے جب بیمار طبیب کو بیوقوف سمجھنے لگے اور اپنے کو عقلمند تو اس کے علاج کا کیا ذریعہ ہے اس سے مراد یا تو ابو جہل ہے جسے حضرت حمزہ نے مار اٹھایا عام وہ کفار جن کے نصیب میں ہدایت نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : غور تو کرو کہ وہ بندہ جو پہلے دل کا مردہ یعنی کافر تھا اسے ہم نے زندگی بخشی کہ ایمان کی توفیق دیدی' ایمان دل کی جان کی زندگی ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اسے بیرونی نور یعنی قرآن مجید یا اپنے محبوب کا عشق بھی عطا فرما دیا' اب وہ اس نور کو لئے ہوئے لوگوں میں چلتا ہے کہ جہاں سے گزر جائے اجیالا کر دے جیسے گیس والا آدمی گلی کوچوں کو منور کرتا ہوا چلتا ہے ایسا خوش نصیب بندہ کیا اس بدنصیب کی طرح ہو سکتا ہے جس کی حالت یہ ہے کہ وہ ایک دو نہیں بہت سی اندھیریوں میں گرفتار ہے حالت اس کی یہ ہے ان اندھیریوں سے نکل بھی نہیں سکتا وہ اندھیریاں اسے لازم ہو گئی ہیں اس کے دل میں گھر کر گئی ہیں ان جیسے کافروں کی نظر میں ان کی اپنی بدعملیاں' بدعقیدگیاں ایسی اچھی بھلی بنا دی گئی ہیں کہ وہ اپنے کو ہدایت پر مسلمانوں کو گمراہی پر جانتے ہیں جب ان کا حال یہ ہے تو ان کے ہدایت پر آنے کی کیا امید ہے۔ بقراط نے خوب کہا ہے۔

کہا اس نے کوئی نہیں روگ ایسا! — کہ جس کی دوا کی نہ خالق نے پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں — کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھیں!
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں — اسی طرح اپنے مرض کو بڑھائیں

خیال رہے کہ حضرت عمر و حمزہ کو یہ زندگی یعنی ایمان اور نور ملا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دونوں چیزیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بخشیں مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے عطا کیں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا رب تعالیٰ کی عطا ہے بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ رب کی عطا کا دروازہ ہے جسے جو کچھ رب دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں دیتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر واسطہ خدا کی جو نعمت ملے گی وہ نعمت نہیں عذاب ہو گی۔ بجلی کے پاور کا فیض بلب' یا ہیٹر' یا فریج کے ذریعہ لو اگر ان واسطوں کے بغیر براہ راست تار سے لینا چاہو گے تو فیض نہ ملے گا بلکہ موت ملے گی اسی لئے رب تعالیٰ نے کفار کے مال و اولاد کو عذاب قرار دیا کہ فرمایا **لا تعجبک اموالھم ولا اولادھم انما یرید اللہ لیعذبھم و تزھق انفسھم و ھم کافرون** اور مومن کے مال جان اولاد کو رحمت فرمایا کہ ارشاد فرمایا **ان اللہ**

اشتری من المومنین انفسہم و اموالہم بان لہم الجنۃاور فرمایا الحقنا بہم ذریتہم وما التنا ہم من عملہم من شئ اور ہم کو یہ دعا تعلیم فرمائی و جعلنا للمتقین اماما۔ مومن کی زندگی موت قبر و حشر سب رحمت ہے کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ شامل ہے، مومن کی زندگی کا نام حیوۃ طیبہ ہے موت کا نام وفات یا وصال۔ قبر روضہ جنت حشر محبوب کے دیدار کی جگہ، کافر کی زندگی معیشۃ ضنکا اس کی موت رب کی پکڑ اس کی قبر دوزخ کی بھٹی اس کا حشر عذاب کی جگہ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کافر مردہ ہے مومن زندہ کافر بے نورا بے پیرا ہے، مومن نور والا پیر والا۔ یہ فائدہ میتا اور فاحیناہ سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں جہاں فرمایا گیا کہ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے اس سے یہی دل کے مردے کافر مراد ہیں اور سنانے سے مراد ہے ہدایت دینا یعنی قبول کا سنانا ان آیات سے سماع مردہ کا انکار کرنا جہالت ہے۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن کو دل کی زندگی یعنی ایمان کے سواء خارجی روشنی بھی عطا فرماتا ہے۔ قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی۔ یہ فائدہ و جعلنہ لہ نورا" الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: جیسے ہم عالم جسمانیات میں دو نوروں کے حاجت مند ہیں۔ ایک داخلی نور یعنی آنکھ کی روشنی۔ دوسرا خارجی نور یعنی چاند سورج یا چراغ وغیرہ کی روشنی۔ اسی طرح ہم عالم روحانیات میں داخلی و خارجی دو نوروں کے حاجت مند ہیں یعنی قرآن اور صاحب قرآن (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ فائدہ بھی و جعلنا لہ نورا" الخ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: مومن صرف نورانی ہی نہیں ہوتا بلکہ نور بخش بھی ہوتا ہے کہ جہاں سے گزر جائے وہاں روشنی کر دے جیسے گیس والا آدمی گلی کوچے منور کرتا ہوا جاتا ہے۔ یہ فائدہ یمشی بہ فی الناس سے حاصل ہوا۔ پھر جس درجہ کا ایمان اسی درجہ کی اس کی روشنی اس کا فیضان جیسے گیس والے کے گیس سے نور تو در و دیوار خار گلزار سب پا لیتے ہیں مگر راستہ کی راہبری صرف انسان پاتا ہے۔ یونہی مومن کی اطاعت ساری مخلوق کرتی ہے مگر اس سے ہدایت ولایت صرف انسان پاتے ہیں۔ دریائے نیل نے حضرت عمر کی اطاعت کی تاقیامت بہتا رہے گا۔ سالانہ لڑکی کی بھینٹ بند ہو گئی، زمین نے اطاعت کی کہ چوسا ہوا تیل اگل دیا۔ پانچواں فائدہ: نور صرف ایک ہے اگرچہ اس کی صفتیں بہت ہیں مگر تاریکی ہزارہا۔ یہ فائدہ نور کو واحد اور ظلمات کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: بعض کفر قابل زوال ہیں بعض ناقابل زوال۔ حضرت حمزہ و عمر رضی اللہ عنہما کا پچھلا کفر قابل زوال تھا۔ ابوجہل کا کفر ناقابل زوال۔ یہ فائدہ لیس بخارج منہا سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: گنہ کار مومن اپنے گناہ کو اچھا نہیں سمجھتا، اپنے کو گنہگار ہی جانتا ہے اس لئے وہ مومن رہتا ہے مگر کافر اپنے گناہوں کو اچھا سمجھ کر ان پر ناز کرتا ہے اس لئے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ اس لئے گنہگار مومن قابل بخشش ہے اور کافر ناقابل بخشش۔ یہ فائدہ زین للکافرین الخ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں دو چیزوں کا ذکر ہے۔ ایک حیوۃ دوسرے نور فاحییناہ اور جعلنا لہ نورا حیوۃ اور نور میں کیا فرق ہے؟ جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان دونوں میں کئی طرح فرق ہے ایمان حیوۃ ہے یعنی دل کی زندگی قرآن نور ہے یعنی خارج کا نور جیسے سورج کی روشنی آنکھ کی روشنی کے لئے ضروری ہے۔ اپنی ہدایت جس سے خود یہ شخص راہ پر آجائے حیوۃ ہے دوسروں کو ہدایت دینا نور ہے اس لئے نور کے ساتھ یمشی بہ فی الناس ارشاد ہوا۔ ایمان حیوۃ ہے

عرفان نور ہے۔ ایمان حیوۃ ہے تقویٰ و پرہیزگاری نور ہے دل کی ہدایت حیوۃ ہے چہرے کی رونق جو مومن کو نصیب ہوتی ہے نور ہے۔

بندۂ مومن کی پیشانی کا نور! کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور!

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حیوۃ کے لئے فرمایا گیا **فاحییناہ** اور نور کے لئے ارشاد ہوا **و جعلنا لہ نورا** "۔ دونوں عبارتیں یکساں کیوں نہ ارشاد ہوئیں کہ وہاں بھی **و جعلنا لہ حیوۃ** " ہوتا یا یہاں بھی **و نورناہ** ہوتا۔ **جواب:** حیوۃ تو انسان مومن کی اپنی صفت ہے اس لئے اس کے لئے **جعلنا** مناسب نہ تھا مگر نور خاص عطیہ ربانی ہے، جو مومن کے لئے ایسا لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی کہ جو مومن کے پاس سے گزر جائے۔ بفضلہ تعالیٰ اس پر نور پڑ جائے اس لئے یہاں **جعلنا** بھی مناسب ہے اور **لہ** بھی۔ لام ملکیت کا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فاحییناہ** ہم نے زندگی بخشی مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لما یحییکم** نبی تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ ایمان دینے والا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان بلکہ ساری نعمتیں تقسیم فرمانے والے۔ یہاں دینے والے کا ذکر ہے۔ وہاں دوسری آیت میں قاسم ایمان کا ذکر ہے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **یمشی بہ فی الناس** کی قید کیوں لگائی مومن کے نور سے در و دیوار، حجر، و انس منور ہو جاتے ہیں۔ مدینہ شریف کا نام مدینہ منورہ ہے۔ معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کے در و دیوار کو منور فرما دیا پھر **فی الناس** کی قید کیوں؟؟ **جواب:** اس لئے کہ انسانوں کی نورانیت اعلیٰ بھی ہوتی ہے اور محسوس بھی۔ دوسری مخلوق کی نورانیت محسوس نہیں ہوتی انسان بزرگوں کے فیض سے مومن 'عارف' ولی 'غوث و قطب بن جاتا ہے۔ دوسری مخلوق کو یہ صفات حاصل نہیں ہوتیں لہٰذا **فی الناس** فرمانا بالکل درست ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانوں کو صحابی اور حضرت حمزہ و دیگر صحابہ نے انسانوں کو اپنی صحبت سے تابعی بنا دیا یہ صفات دوسری مخلوق کو کہاں نصیب۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **ظلمت کو جمع اور نور کو واحد** فرمایا گیا یہاں بھی انوار ہی فرمایا جاتا یا وہاں بھی **من الظلمۃ** ارشاد ہوتا۔ **جواب:** اس لئے کہ اندھیریوں کی قسمیں بہت ہیں 'کفر' شرک 'حسد' حرص' کینہ وغیرہ سب دل کی اندھیریاں ہیں مگر روشنی ایک ہی ہے اگرچہ اس کی صفتیں بہت ہیں جیسے حیوان (جاندار) اس کی نوعیتیں بہت ہیں انسان 'شیر' گھوڑا' ہاتھی' حیوان ہی کی نوعیں ہیں اور انسان ایک حقیقت ہے اگرچہ عالم' جاہل' کافر' مومن' امیر' فقیر اسی انسان کی بہت قسمیں ہیں۔ مومن فاسق سے لے کر ولی تک ایک ہی قسم ہے اگرچہ اس کی صفتیں مختلف ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ نور ایک ہے کیونکہ اس کا مرکز یعنی ذات پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہیں مگر نور کے ظہور مختلف ہیں جیسے سورج کا نور ایک ہے مگر چاند' زہرہ' مشتری وغیرہ میں اس نور کے ظہور مختلف ہیں رنگ برنگے تارے۔ بجلی کے پاور کی رو ایک ہے مگر ٹیوب' بلب کے رنگ مختلف۔ تمام دریاؤں کا پانی ایک ہے مگر راستے مختلف ہیں تو ان کے نام مختلف' گنگا' جمنا' جہلم' چناب وغیرہ ان راستوں کے نام ہیں۔ یونہی فاروقی' صدیقی' عثمانی' حیدری سینوں کے رنگ مختلف ہیں۔ مگر نور مصطفیٰ سب میں ایک ہے' تاریکیوں کے مرکز مختلف ہیں لہٰذا ظلمات جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ ہر عضو کی ظلمت و تاریکی جداگانہ ہے دل کی' دماغ کی' آنکھ کی' زبان کی حتیٰ کہ ہاتھ پاؤں کی تاریکیاں جداگانہ ہیں۔ کافر کا ہر عضو اندھیرے میں ہے لہٰذا وہ ظلمات میں ہے۔ نیز کافر کے دل پر غفلت' کفر' عناد' حسد پیغمبر کی اندھیریاں ہیں مومن کے دل پر غفلت کی اندھیری تو آسکتی ہے مگر بفضلہ تعالیٰ کفر و عناد کی اندھیری نہیں آتی۔

نیز کافر عالم ارواح سے ظلمت ساتھ لاتا ہے کہ وہاں نور کے چھینٹے سے محروم رہا۔ پھر دنیا میں آکر اس پر مختلف ظلمتوں کا ہجوم ہو جاتا ہے لہذا وہ ظلمات یعنی تاریکیوں میں ہوتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** **الناس** میں اگر سارے لوگ تاقیامت مراد ہیں تو یہ درست کیسے ہوا ساری دنیا کے لوگوں کو عمر فاروق سے نور کیسے ملا۔ **جواب:** آج قرآن کا بقاحفظ قرآن کے ذریعہ ہے اور حفظ قرآن تراویح کے ذریعہ اور تراویح قائم فرمانے والے حضرت عمر ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** ان کفار کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ **لیس بخارج منها** وہ ان اندھیریوں سے نکلنے والے نہیں۔ **جواب:** جیسے قینچی کپڑا کاٹتی ہے بسولی اینٹ کو آری لکڑی چھینی لوہے کو ایسے ہی بیداری غفلت کی قینچی ہے توبہ گناہوں کی 'کلمہ طیبہ کفر کی قینچی' دعائیں حسد کی 'اطاعت عناد کی قینچی ہے چونکہ ان کے پاس ان میں سے کوئی قینچی نہ تھی تو ان کی ظلمتیں کس چیز سے کٹتیں۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ **لیس بخارج منها**۔

تفسیر صوفیانہ : ہوائے نفس انسان کی روحانی موت ہے اور محبت حق روحانی زندگی رب سے بے تعلقی روحانی موت ہے۔ معرفت الٰہی روحانی زندگی۔ حیوۃ دو قسم کی ہے حیوۃ معرفت 'حیوۃ بشریت۔ بشری زندگی والا اپنے جسم کی قبر میں مدفون مردہ ہے جس کے لئے فنا ہے **کل نفس ذائقۃ الموت**۔ حیوۃ معرفت والا دائمی زندہ ہے جس کے لئے فنا نہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **فلنحیینه حیوۃ طیبۃ**

نمیرد ہر کہ را جانش تو باشی　　خوشا جانے کہ جاناں تو باشی
ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق　　ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

بشری حیوۃ والا مجازی اندھیریوں میں گرفتار ہے۔ معرفت کی حیوۃ والا نورانی ہے بلکہ نورانی گر ہے اس معرفت کی زندگی والے کی تین نشانیاں ہیں۔ ماسوٰی سے علیحدگی 'حق کی طرف دعوت' زبان کا ذکر میں تر رہنا۔ اس آیت کریمہ میں اسی زندگی و موت کی تفصیل ہے۔ غرضیکہ زندگی بہت قسم کی ہے اس کے مقابل موت کی بہت قسمیں ہیں جسم کی زندگی جان سے ہے جان کی زندگی ایمان سے ایمان کی زندگی حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامان سے ہے اگر دل و دماغ زندہ نہ ہوں تو جسم کی زندگی بیکار ہے بلکہ وبال ہے۔ زندہ دل دوسروں کو بھی زندگی بخش دیتا ہے۔ اس لئے فرمایا **یمشی به فی الناس** (از روح البیان مع الزیادۃ)۔ اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔ کبھی ان زندگیوں کی لذت چکھاوے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے رب نے آنکھ میں نور دیا ہے جس کے ذریعہ انسان راستہ کے خار و غار وغیرہ دیکھ کر بخوبی چل سکتا ہے اس نور کو بصارت کہتے ہیں۔ ایسے ہی رب نے مومن کے دل میں ایک نور بخشا ہے جس سے مومن راہ خدا کے خار و غار وغیرہ دیکھتا ہے اور بخیریت وہ سفر طے کرتا ہے اسے عرفان و بصیرت کہا جاتا ہے۔ یہ نور حضرت صدیق اکبر کو پیدائشی دیا گیا کہ آپ عارف باللہ پیدا ہوئے۔ اسلام سے پہلے بھی کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو شرعاً" آئندہ حرام ہونے والا تھا۔ چنانچہ آپ کبھی شراب' زنا' جوا' جھوٹ' غیبت' چغل خوری وغیرہ کے پاس نہ گئے اور حضرت عمر کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پہنچا کر ایمان دے کر عطا ہوا۔ اس لئے ارشاد ہوا **و جعلنا له نورا** " اس نور سے اولاً" اتباع رسول نصیب ہوتی ہے پھر اتباع کے ساتھ عشق رسول بلکہ فنا فی الرسول کا درجہ عطا ہوتا ہے۔ جب لوہے کو کچھ بنانا ہو تو اسے آگ سے نرم کرتے ہیں پھر ہتھوڑے وغیرہ سے توڑ موڑ کر پرزہ وغیرہ بناتے ہیں۔ جب رب کسی بندے کو کچھ بنانا چاہتا ہے تو اس کے دل کو خوف خدا اور عشق مصطفیٰ سے نرم کرتا ہے اتباع ریاضات عبادات کے

ہتھوڑوں سے اسے درست فرماتا ہے۔ **فاحیناہ** میں ہتھوڑے کا ذکر ہے اور **جعلنا لہ نورا** " میں نرم کرنے والی آگ کا ذکر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **نجس العین** تکی چیز جیسے پیشاب اگر پاخانہ گوبر وغیرہ نمک یا راکھ بن کر اپنی حقیقت تبدیل کرے تو پاک ہو جاتا ہے کوئلہ صابن پانی سے سفید نہیں ہو سکتا۔ ہاں وہ اگر آگ میں رکھ دیا جائے تو سرخ ہو جاتا ہے یونہی ہم جیسے گنہگار ان پر انوار ابرار کے ساتھ مل کر بس جائیں یا ان میں فنا ہو جائیں تو ان شاء اللہ ہم بھی نور بن جائیں۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں　　مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا

اور یوں ہی بنایا ہم نے ہر بستی میں بڑوں کو وہاں کا مجرم تاکہ فریب کریں ان میں اور نہیں

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کئے کہ اس میں داؤ کھیلیں اور داؤں نہیں

يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿١٢٣﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا

فریب کرتے وہ مگر ساتھ جانوں اپنی کے اور نہیں شعور رکھتے　اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی آیت

کھیلتے مگر اپنی جانوں پر　اور انہیں　شعور نہیں　اور جب ان کے پاس کوئی اللہ کی نشانی آئے کہتے ہیں

لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ

تو کہتے ہیں ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم اس کی طرح جو دیئے گئے اللہ کے رسول

ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی　نہ ملے جیسا اللہ کے رسولوں کا

يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

اللہ خوب جانتا ہے جہاں بنائے نبوت کو اپنی عنقریب پہنچے گی ان کو جنہوں نے جرم کئے ذلت اللہ کے نزدیک

اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے عنقریب مجرموں کو اللہ کے یہاں ذلت پہنچے گی

عَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿١٢٤﴾

اور سزا سخت اس وجہ سے کہ فریب کرتے تھے وہ۔

اور سخت عذاب بدلہ ان کے مکر کا۔

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ **مکہ معظمہ** میں بعض لوگ بے نور ہیں۔ بعض نور والے اور یہ دونوں برابر نہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ دو قسم کے لوگ صرف **مکہ معظمہ** ہی میں نہیں اور صرف آج ہی نہیں بلکہ ہمیشہ سے ہر جگہ ہوتے رہے ہیں۔ اس لئے اے محبوب آپ اس پر غم نہ کریں گویا پہلے

صرف مکہ معظمہ کے لوگوں کاذکر تھااب عام جگہوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار کو اپنا کفر اپنی بد عملیاں پسند ہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ پسندیدگی خود ان کے لئے ہی وبال ہوگی گویا دلی بیماری کا ذکر پچھلی آیت میں تھا۔ اس کے انجام کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس بے نوری جماعت کے اندھیریوں میں پھنسے ہونے کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اس گمراہی کے باوجود انہیں نبی بننے کا شوق ہے۔ **حتی نوتی مثل ما اوتی** الخ گویا پچھلی آیت کریمہ میں ان کی بد عملیوں کا ذکر تھا اب ان کی بوالہوسی کا ذکر ہے یا نبی پر حسد کا تذکرہ۔

شان نزول : اس زمانہ میں مکہ معظمہ کے چار راستے تھے کہ چہار طرف کے لوگ ان راستوں سے مکہ معظمہ آتے تھے۔ عمرہ یا حج کرنے کو یا بازار وغیرہ کرنے کو۔ سرداران قریش میں سے چار آدمی ان چاروں راستوں پر دن بھر بیٹھا کرتے تھے۔ فی راستہ ایک آدمی انہوں نے اپنی ڈیوٹی یہ لگائی تھی کہ ہر آنے والے سے کہتے تھے کہ تم مکہ جارہے ہو۔ خیال رکھنا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہ جانا وہ جادوگر ہیں' کاہن ہیں۔ اس کے متعلق پہلی آیت **و کذالک جعلنا** الخ نازل ہوئی۔ (خازن' روح البیان' تفسیر صلوی وغیرہ) اللہ کی شان کہ ان بد نصیبوں کی یہی حرکت اشاعت اسلام کا ذریعہ بنی کہ ہر باہر سے آنے والا ان لوگوں کی یہ بات سن کر ضرور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے آتا تھا کہ وہ کون ہستی ہے۔ جس سے روکنے کے لئے یہ سردار اتنی کوشش کررہے ہیں۔ ان میں سے بعض لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر ایمان لے آتے بلکہ اپنے گاؤں میں جاکر اسلام کی تبلیغ کرتے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے **وما یمکرون الا بانفسھم**۔ (2) ولید ابن مغیرہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ اگر نبوت کوئی اچھی ہے تو مجھے نبی بننا چاہئے تھا کہ میں آپ سے عمر میں بھی زیادہ ہوں اور مال میں بھی۔ ابو جہل کہتا تھا کہ عبد مناف کی اولاد ہم سے شرافت وعزت میں بہت بڑھ گئی اب اس قبیلہ میں ایک صاحب کہنے لگے کہ ہم نبی ہیں' میں تو ان پر ہرگز ایمان نہ لاؤں گا۔ جب تک کہ ان کی طرح مجھ پر بھی وحی آئے' مجھے بھی نبوت ملے۔ ان دونوں کی تردید میں دوسری آیت **واذا جاءتھم** الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' صلوی' خازن' روح البیان وغیرہ)۔

تفسیر : **و کذالک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا** اس عبارت میں **و کذالک** الخ سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے **کما جعلنا فی مکۃ اکابر مجرمیھا**۔ **کذالک** الخ اس عبارت کی چار ترکیبیں ہیں اور چار ہی تفسیریں ان میں آسان ترکیب یہ ہے کہ **جعلنا** کا پہلا مفعول ہے **مجرمیھا** اور دوسرا مفعول ہے **اکابر** اور **فی کل قریۃ جعلنا** کے متعلق ہے مطلب یہ ہے کہ جیسے مکہ معظمہ میں بڑے لوگ اکثر کافر رہے مساکین ایمان لے آئے ایسے ہی ہمیشہ سے ہوتا رہا ہے کہ بستیوں میں بڑے لوگ عموماً" مجرم ہوتے ہیں غریب لوگ مخلص مومن۔ خیال رہے کہ یہاں تشبیہ نفس جرم و کفر میں ہے نہ کہ نوعیت جرم و کفر میں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار و مشرکین گذشتہ زمانوں کے کفار و مشرکین سے بدرجہا بدتر تھے۔ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے ڈوبتے وقت پکار اٹھا کہ میں ایمان لاتا ہوں مگر فرعون محمد مصطفیٰ قتل ہو کر مرتے مرتے کہہ گیا کہ میرا سر ذرا نیچے سے کاٹنا کہ پتے لگے کہ یہ سر سردار کا ہے۔ لہذا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرعون یعنی ابو جہل فرعون موسیٰ سے سخت تر ہے۔ **جعلنا** کے معنی ہیں بنادیئے ہم نے' بنانا دو طرح کا ہوتا ہے تکوینی غیر اختیاری جس پر سزا جزا مرتب نہیں ہوتی جیسے اللہ نے ہم کو انسان بنادیا۔ ہم کو کالا گورا وغیرہ بنادیا۔ دوسرے معنی اختیاری میلان دے دینا اس پر سزا

جزا مرتب ہوتی ہے جیسے اللہ نے ہم کو مسلمان متقی بنادیا یعنی ہمارے دل میں اسلام و تقویٰ کی طرف میلان پیدا فرمادیا یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں۔ **کل قریتہ** سے مراد یا تو ہر بستی ہے یا ہر وہ بستی جس میں حضرات انبیاء کرام تشریف لائے۔ قریہ شہر کو کہا جاتا ہے کبھی ہر بستی کو کہہ دیتے ہیں شہر ہو یا گاؤں۔ اکابر جمع ہے اکبر کی بمعنی بڑا یہاں دنیاوی بڑائی مراد ہے مالداری' دھڑے کی سرداری وغیرہ۔ ورنہ کافر اللہ کے نزدیک کتے سور سے بھی زیادہ ذلیل ہے۔ فرماتا ہے **اولئک هم شر البریہ** نوح علیہ السلام کی کشتی میں جانوروں کی جگہ تھی مگر کافروں کی جگہ نہ تھی یہاں مجرمین سے مراد کافرین ہیں یا نبی کے دشمن یا ہر طرح کے جرم کرنے والے۔ **لیمکروا فیھا** یہ عبارت **جعلنا** کے متعلق ہے اس میں لام انجام کا ہے **یمکر و ا** بنا ہے مکر سے جب اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہو تو مکر کے معنی ہوتے ہیں خفیہ تدبیر اور جب اس کا فاعل انسان ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں فریب دھوکہ یہاں بمعنی فریب و دھوکہ ہے ہمیشہ فعل کے معنی فاعل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں عرض کیا **انی کنت من الظلمین** وہاں ظالم بمعنی کافر یا گنہگار نہیں۔ **انک میت و انھم میتون** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو میت فرمایا وہاں میت کے اور ہی معنی ہیں۔ اور ہمارے لئے جو **میتو ن** ارشاد ہوا اس میں میت کے دوسرے معنی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور معنی سے بشر ہیں ہم دوسرے معنی سے بشر لفظ خداع اللہ تعالیٰ کے لئے بھی فرمایا گیا ہے اور کفار کے لئے بھی **یخادعون اللہ وھو خادعھم** مگر رب تعالیٰ کے خداع کے اور معنی ہیں کفار کے خداع کے کچھ اور ہی معنی ہیں۔ یہ بات خیال میں رہے۔ **فیھا** میں **ھا** کا مرجع قریہ ہے یہاں مکر سے مراد ہے لوگوں کو اسلام سے روکنے کی کوشش اور تدبیر کرنا یعنی ہم نے جو بڑے چودھریوں' نمبرداروں' سرداروں کو مجرم بنایا اس کا انجام یہ ہے کہ وہ اپنے مال' اپنی سرداری' اپنی بڑائی سے اسلام کے خلاف کوششیں کریں۔ پھر اسلام کا چاند چمکے اور پتہ لگے کہ واقعی اسلام میں کچھ اپنی قوت و طاقت ہے۔ امیر' سردار' جتھہ بندوہ کام کرسکتا ہے جو غریب نہیں کرسکتا۔ جب یہ مخالفین اپنے مال' اپنی سرداری' اپنا جتھہ سب کچھ اسلام کے خلاف استعمال کریں' پر ہوں ناکام' تب اسلام کے جوہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت کا پتہ دنیا کو لگے۔ **وما یمکرون الا بانفسھم** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کفار کے فریبوں کے انجام کا بیان ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے لئے وعدہ ہے اور کفار کے لئے وعید **بانفسھم** سے پہلے نازل پوشیدہ ہے **الا** نے حصر کا فائدہ دیا یعنی ان کے تمام مکر و فریب انہیں کی جانوں پر قہر بن کر نازل ہوں گے کہ وہ دنیا میں ناکام رہیں گے آخرت میں دوزخ کے مستحق۔ غرضیکہ عار اور نار دونوں کے مستحق ہوں گے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ولا یحیق المکر السیء الا باھلہ**۔ **وما یشعرون** یہ عبارت **یمکرو ن** کے فاعل سے حال ہے بمعنی مستقبل یعنی وہ اس وقت یہ نہیں سمجھتے کہ ان حرکتوں کا انجام ہمارے لئے خراب ہے اپنے جوش اور نشہ میں مخمور ہیں۔ اندھادھند مسلمانوں کے پیچھے پڑے ہیں یا جس وقت ان پر مکر کا وبال پڑے گا تو انہیں اس کا شعور بھی نہ ہوگا اچانک پڑے گا دیکھ لو نمرود نے حضرت خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا تاکہ آپ اور آپ کا سارا کام ختم ہو جائے مگر وہ خود ختم ہوا۔ جناب خلیل کا مشن اور زیادہ کامیاب ہوا۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہزارہا جادوگر بلائے تاکہ آپ کو رسوا اور ذلیل کرے مگر ہوا یہ کہ وہ خود ذلیل ہوا۔ سارے جادوگر ایمان لاکر شہید ہوئے' چھ لاکھ تماشائی ایمان لائے۔ فرعون و ہامان وغیرہ جوتے ٹوپیاں میدان میں چھوڑ کر بھاگے۔ کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کرکے **مکہ معظمہ** چھوڑنے پر مجبور کردیا' قتل کرنا چاہا مگر رب نے اپنے حبیب کو مکڑی کے جالے کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ بچالیا اور بعد ہجرت

اپنے محبوب کو وہ شاندار کامیابی دی کہ سبحان اللہ ' اسی طرح ابو جہل کے وہم و گمان میں بھی یہ نہ تھا کہ جنگ بدر میں میری اور میری قوم کو یہ درگت بنے گی وہ تو وہاں فتح کا جشن منانے کے لئے سامان عیش و طرب بھی ساتھ لایا تھا۔ مگر جو انجام ہوا وہ دنیا جانتی ہے کہ جنگ شروع ہونے سے پہلے خود ہی دو بچوں کے ہاتھوں بڑی ذلت و خواری سے مارا گیا۔ اس کے علاوہ اور چوٹی کے سردار مارے گئے بہت سے گرفتار ہوئے۔ یہ ہے **مایشعرون** کا ظہور نیز مکہ معظمہ میں اسلام کے خلاف ان کی کوششیں اور بھی اشاعت اسلام کا ذریعہ بن گئیں **و اذا جاء تہم ا** یتمام کفار مکہ کا حال بیان فرمانے کے بعد ان کے خواص کفار کا حال بیان ہو رہا ہے۔ آیت سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیت ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات جو وقتاً فوقتاً کفار مکہ دیکھتے رہتے تھے۔ چونکہ آیات قرآنیہ کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہوتا تھا اور کفار کو ہدایت دینے کے لئے ہوتا تھا۔ مسلمانوں کو ہدایت پر رکھنے کے لئے ہوتا تھا اس لئے آیت آنے کی نسبت کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے ' کبھی مومنوں کی طرف ' کبھی کفار کی طرف۔ یہاں تیسری قسم کی نسبت ہے۔ **ھم** کا مرجع وہ کفار ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ولید ابن مغیرہ وغیرہ۔ اور ہو سکتا ہے کہ آیت سے مراد ذات والا صفات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں اگرچہ عالم کی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی آیت یعنی نشانی ہے مگر ان آیات سے توحید ملتی ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی وہ نشانی ہیں جس سے ایمان ملتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ جب کفار مکہ کے پاس آیت ایمان یعنی ذات حبیب الرحمٰن آئی تو وہ یہ بولے۔ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سارے عالم میں ہے مگر عرب میں خصوصی آمد ہے کہ وہاں آمد بھی ہے ' ولادت بھی ' سکونت بھی۔ **قالو ا لن نومن حتی نوتی مثل ما اوتی رسل اللہ** یہ عبارت **اذا جاء تہم** کی جزا ہے قالوا کا فاعل ولید اور ابو جہل وغیرہ ہیں حضرت عبد اللہ ابن عباس نے اس کا مطلب یہ بیان فرمایا کہ **مثل ما اوتی** سے مراد وحی ہے یعنی ہم پر وحی آوے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سچے رسول ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئے ایمان دینے کی ہم پر وحی آئے ایمان لینے کی باقی مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد نبوت ہے یعنی ہم کو بھی نبوت ملے تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں جیسے بعض نبی دوسرے نبیوں پر ایمان لائے جیسے لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام پر یا ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ علیہ السلام پر (از روح المعانی وغیرہ) یہ دوسری تفسیر قوی ہے جیسا کہ آیت کے اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے ہماری اس تحقیق پر نومن کے معنی بھی درست ہو گئے آیت کریمہ واضح ہو گئی۔ خیال رہے کہ یہاں رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں آپ کو رب تعالیٰ نے رسل فرمایا ہے وہ تو صرف محمد کہتے تھے (صلی اللہ علیہ وسلم) رسل جمع اس لئے فرمایا کہ آپ تمام رسولوں کی صفات کے جامع ہیں ' جو صفات دوسرے نبیوں کو ایک ایک کر کے ملیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری مع زیادتی کے ملیں ' آپ تمام رسولوں کے کمالات کے جامع ہیں نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے رسولوں کا انکار ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار سارے رسولوں کا اقرار ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنا سارے رسولوں کو دیکھنا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننا سارے رسولوں کی ماننا ہے ' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی زیارت تمام نبیوں کی قبور کی زیارت ہے حضور وہ سو کا عدد ہیں جس میں ساری اکائیاں دہائیاں جمع ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) لہذا رسل فرمانا بالکل درست ہے **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** اس فرمان عالی میں ان کے مطالبہ کی بلیغ تردید ہے ظاہر یہ ہے کہ رسالت سے مراد نبوت ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ عطاء نبوت کے لائق کون ہے۔ یہ عظیم الشان عہدہ ہر کسی کو نہیں دیا جاتا۔ سچا

موتی گھڑے، مٹکے، لوٹے میں نہیں رکھا جاتا۔ اس کے لئے ڈبہ علیحدہ ہوتا ہے۔ رب یہ بھی جانتا ہے کہ نبوت کے لائق کون حضرات ہیں وہ یہ بھی جانتا ہے کہ کلیم الٰہی کے لائق کون ہے۔ مصطفائی کے لائق کون۔ آسمان پر تارے، بہت ہو سکتے ہیں مگر سورج ایک۔ جسم میں بال بہت ہو سکتے ہیں مگر دل ایک۔ درخت میں پتے پھل پھول ہو سکتے ہیں مگر جڑ ایک۔ یوں ہی آسمان نبوت پر نبی بہت ہوئے مگر مصطفیٰ ایک کیونکہ یہ اس آسمان کے چمکتے دمکتے سورج ہیں پھر یہ بھی خیال رہے کہ عموماً نبوت ان حضرت کو دی گئی جو پہلے امیر بادشاہ سردار نہ تھے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ ان کا دین مال و دولت یا سلطنت کے زور سے پھیلا خود دین میں کوئی کشش نہیں۔ حضرت ابن عباس کے فرمان کے مطابق یہاں رسالت سے مراد وحی الٰہی ہے یعنی رب تعالیٰ ہر ایک پر وحی نازل نہیں فرماتا وحی کے لئے خاص بندے منتخب ہوتے ہیں اگرچہ دونوں جہان رب تعالیٰ کے ہیں مگر اس دنیا کا قانون اور ہے اس جہان کا قانون کچھ اور 'اس دنیا میں قانون یہ ہے کہ رب تعالیٰ نبی کے پاس بذریعہ وحی پیغام بھیجے اور نبی وہ پیغام لوگوں کو سنائیں آخرت میں قانون یہ ہو گا کہ لوگ رب تعالیٰ سے براہ راست کلام بھی کریں گے اور جنتی اس کا دیدار بھی لہٰذا اس دنیا میں اللہ کا دیدار یا حضرت جبریل سے ہمکلامی کا مطالبہ کرنا خلاف قانون ہے اس لئے کفار مکہ کے یہ مطالبے رد کر دیئے گئے 'ایک ہی پاکستان کے دو حصوں کے قوانین علیحدہ ہیں 'مختلف سرزمینوں کی غذائیں دوائیں لباس علیحدہ نیز گذشتہ نبیوں کے زمانہ میں بیک وقت چند نبی ہو سکتے تھے مگر زمانہ محمدی اور ان کے پردہ فرمانے کے بعد دوسرے نبی کی گنجائش نہیں کہ وہ نبیوں تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین لہٰذا کفار کا مطالبہ نبوت بھی رد ہے اس مطالبے پر سزا ملے گی اس لئے ارشاد ہوا کہ **سیصیب الذین اجرموا صغار عند اللہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں کفار کی تردید کے بعد ان کی سزا دنیاوی کا ذکر ہے انہیں **الذین اجرموا** فرمانا اس لئے ہے تاکہ معلوم ہو کہ ذلت و عذاب کا باعث ان کے یہ مطالبے ہیں ظاہر یہ ہے کہ یہاں صغار سے مراد دنیاوی ذلت و خواری ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے **عند اللہ** فرمایا گیا عند سے پہلے من پوشیدہ ہے یا یہ ذلت و خواری اللہ تعالیٰ کے ہاں محفوظ ہے جو انہیں وقت پر پہنچے گی اس صورت میں **عند اللہ صغار** کی صفت ہے (روح المعانی) **وعذاب شدید بما کانوا یمکرون** یہ عبارت معطوف ہے **صغار** پر اس میں ان کفار کی اخروی سزا کا ذکر ہے کہ دنیاوی ذلت و خواری کے بعد اخروی سخت عذاب دیا جائے گا' وہ عذاب اس ذلت کے علاوہ ہے چونکہ حسد کا عذاب دوسرے گناہوں کے عذاب سے سخت ہوتا ہے 'اس لئے اسے شدید فرمایا گیا' چونکہ ان کے مکر و فریب تو دنیا میں ہیں اور عذاب آخرت میں ہو گا عذاب کے وقت مکر ماضی بن چکے ہوں گے اس لئے **کانوا یمکرون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سرداران قریش آپ کے مقابلہ میں آپ کی مخالفت میں سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں کہ جیسے ہو سکے اسلام کو پھلنے پھولنے نہ دیں اسی طرح ہمیشہ ہمیشہ ہر بستی میں وہاں کے مالدار سرداروں کو ہم نے بڑا مجرم و بدکار بنایا ہمیشہ غرباء و مساکین کو دین کی خدمت کی توفیق دی سرداروں کو مجرم مقابل اس لئے بنایا گیا تاکہ وہ اپنے زور اپنی جماعت کے ذریعہ ان بستیوں میں فساد پھیلائیں پھر ساری طاقتیں صرف کر دیں اور ناکام رہیں ان کی کسی طرح پیش نہ جائے اللہ کا دین خوب چمکے اور دین کی قوت کا پتہ لگے یہ لوگ خود اپنے کو فریب دے رہے ہیں مگر انہی اس کا پتہ نہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم راستوں پر بیٹھ کر لوگوں کو آپ سے بہکا کر اسلام کی اشاعت روک دیں گے مگر ان کی یہ حرکتیں اسلام کی اشاعت کا ذریعہ بن رہی ہیں کہ جو لوگ آپ سے ناواقف ہیں مکہ معظمہ آتے ہیں وہ ان کفار کے ذریعہ آپ سے واقف ہو کر آپ سے ملتے ہیں اور

آپ کے گرویدہ ہو جاتے ہیں ان میں بعض لوگ وہ بھی ہیں جن کی سرکشی یہاں تک بڑھی ہوئی ہے کہ جب ان کی ہدایت کے لئے کوئی قرآنی آیت انہیں سنائی جاتی ہے یا محبوب انور کے معجزات انہیں دکھائے جاتے ہیں تو عناداً کہتے ہیں کہ ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر یا آیات قرآنیہ پر یا معجزات پر اسی وقت ایمان لائیں گے جب ہم کو اسی طرح نبوت و رسالت دی جائے جیسی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کی گئی ہم نبی بن کر انہیں مانیں گے بغیر نبی بنے نہیں مانیں گے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نبوت ایک خاص نعمت الٰہی ہے۔ جس کے لئے خود رب تعالیٰ ہی اپنے کسی خاص بندے کو منتخب فرماتا ہے اس نبوت کے لئے سینے بھی منتخب ہوتے ہیں یہ حاسدین "کافرین" کینہ و رب پرست کس حوصلے سے اس کی آرزو کرتے ہیں انہیں نبوت تو کیا حق تعالیٰ کی کوئی رحمت نہیں ملے گی عنقریب وقت آتا ہے جب انہیں دنیا ہی میں سخت ذلت و خواری پہنچے گی اپنے ان گناہوں اور ان تمناؤں کی وجہ سے اور ان کے مکرو فریب کی وجہ سے جو اخروی عذاب پہنچے گا وہ اس کے علاوہ ہے انہوں نے اپنے کو دونوں جہان میں عذاب کا مستحق کر لیا۔ خیال رہے کہ وحی عام ہے نبوت خاص۔ غیر تبلیغی غیر تشریعی وحی غیر نبی پر بھی آجاتی ہے۔ حضرت جبریل نے جناب مریم سے شکل انسانی میں آکر کلام کیا انہیں رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کفار مکہ یا تو نبوت کا مطالبہ کرتے تھے' یا صرف وحی کا مگر وحی ایمان لانے کی کہ حضرت جبریل ہم پر یہ وحی لائیں کہ تم لوگ محمد مصطفیٰ پر ایمان لاؤ مگر ان کے دونوں مطالبے ٹھکرا دیئے کہ وہ تو خود نبوت کے لائق تھے نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کوئی دوسرا نبی ہو سکتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں خاتم کے زمانہ میں دوسرا نبی کیسے ہو سکتا ہے وحی ایمان اس لئے نہیں آسکتی کہ نبی پر ایمان بالغیب چاہئے اگر ان پر وحی آجاتی کہ یہ نبی ہیں ان پر ایمان لاؤ تو ایمان بالغیب نہ رہتا نیز نبی کی زبان پر اعتبار کرنا ایمان کی اصل ہے نہ کہ حضرت جبریل کی زبان پر اعتبار کرنا اگر حضرت جبریل کے کہنے سے ایمان اختیار کیا جائے تو وہ ایمان نہیں نبی کے ایمان اور امتی کے ایمان میں بڑا فرق ہے۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** عموماً" سردار مالدار دین کے قوم کے غدار رہے ہیں اور عموماً" غرباء و مساکین دیندار اور دین کے خدمت گزار رہے ہیں۔ یہ فائدہ **اکابر مجرمیھا** سے حاصل ہوا۔ الاماشاء اللہ اب بھی علماء' حافظین' صالحین بلکہ وقت پر غازی مجاہدین عموماً" غریبوں میں ہوتے ہیں حضرات انبیاء و اولیاء عموماً" مساکین میں ہوئے۔ آج غرباء کے دم سے دین قائم ہے اور مسجدیں آباد ہیں انہیں کے دم سے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں سرداروں کا غدار ہونا یہ بھی حکمت سے خالی نہیں اس سے نبی کا زور' دین کی قوت' ایمان کی طاقت معلوم ہوتی ہے یہ فائدہ **لیمکروا فیھا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے اوپر کا تھوکا خود تھوکنے والے کے منہ پر ہی پڑتا ہے ایسے ہی مقبول بندوں سے کئے ہوئے مکرو فریب خود کفار پر پڑتے ہیں' انہیں اللہ محفوظ رکھتا ہے۔ یہ فائدہ **الا بانفسھم** سے حاصل ہوا دیکھو کفار مکہ نے جو تدبیریں لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے کیں انہیں تدبیروں سے اسلام کی اور اشاعت ہوئی۔ **چوتھا فائدہ:** کافر و فاسق لوگ عموماً" بے وقوف بے سمجھ ہوتے ہیں وہ دین کو برباد کرنے میں خود برباد ہوتے ہیں مگر اپنی بربادی کا احساس نہیں کرتے پھر بھی اس کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ یہ فائدہ **وما یشعرون** سے حاصل ہوا۔ اس کی مثال آج بھارت میں موجود ہے کہ ہندو اسلام دشمنی پاکستان کی مخالفت میں بیشمار اسلحہ جمع کرنے میں لگے ہوئے ہیں اور قوم قبر کے کنارہ لگ گئی ہے وہاں کی بدحالی وہاں کا انتشار فقرو فاقہ دنیا میں مشہور ہو چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اپنے یا کسی کے لئے نبوت کی دعا یا تمنا کرنا

حرام بلکہ کفر ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت ختم ہو چکی اب کسی کا نبی بننا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دوسرا خدا ہونا ناممکن ہے۔ یہ فائدہ حتی نوتی سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے کفار کی اس تمنا کو ان کے کفریات میں شمار فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** نبوت کے لئے چناؤ رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یہ اعمال یا مال یا قومیت سے نہیں ملتی یہ وہبی نعمت ہے اس میں کسب کو دخل نہیں۔ یہ فائدہ **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرشتے لاکھوں سال کے عابد تھے مگر انہیں نبوت و خلافت نہیں دی گئی آدم علیہ السلام کو خلیفہ اور فرشتوں کا مسجود بنایا گیا' جنہوں نے ابھی ایک سجدہ بھی نہیں کیا تھا۔ **ساتواں فائدہ:** حاسد کبھی پھلتا پھولتا نہیں وہ ہمیشہ جلتا بھنتا ہی رہتا ہے پہلا حاسد شیطان ہے دیکھو اب تک پھٹکار ہی کھا رہا ہے اور ہمیشہ کھاتا رہے گا۔ یہ فائدہ **سیصیب الذین اجرموا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی کے خلاف تدبیریں کرنے والا ہمیشہ ذلیل و خوار ہی رہتا ہے خواہ کیسا ہی مالدار' علم والا جتھہ والا ہو۔ یہ فائدہ **صغار عند اللہ** اور عذاب شدید سے حاصل ہوا اس کا تجربہ آج تک ہو رہا ہے دیکھ لو بڑے بڑے شیخ القرآن شیخ الحدیث بننے والے وہابی ہر جگہ ذلیل ہی ہیں کیونکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چاند ہمیشہ چڑھتا ہی رہا ہے۔

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

نواں فائدہ: اس کے برعکس دین کی خدمت کرنے والا دونوں جہان میں خدا کے فضل و کرم سے آبرو والا ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ڈنکے بجانے والے قبروں میں سو رہے ہیں اور ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں دیکھ لو خواجہ اجمیری اور داتا گنج بخش ہجویری کے آستانوں کے میلے۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

یہ فائدہ **بما کانوا یمکرون** سے حاصل ہوا فقیر احمد یار کی دعا ہے کہ مولیٰ جس قدر سانسیں باقی ہیں دین کی خدمت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانہ عالیہ پر ہی گزریں' اعلیٰ حضرت ہمارے جد امجد قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ٹھوکریں کھاتے پھرو گے ان کے در پر پڑ رہو قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

نوٹ ضروری: یہاں تفسیر روح البیان اور تفسیر صاوی نے فرمایا کہ یہاں لفظ اللہ مکرر ہے ہیں اگر کوئی تلاوت کرنے والا رسل اللہ پر ٹھہر کر دعا مانگے پھر **اللہ اعلم حیث یجعل** الخ پڑھے تو ان شاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی۔ یہاں تفسیر صاوی نے بہت دراز دعا نقل فرمائی اور فرمایا کہ یہ دعا مانگے غالباً "لفظ اللہ مکرر صرف اسی جگہ ارشاد ہوا ہے یعنی دوبار لفظ اللہ بغیر فاصلہ کے اور کہیں نہیں آیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے ہر بستی میں وہاں کے بڑوں کو مجرم بنایا تاکہ وہ فریب کریں کیا خدا تعالیٰ نے ان مجرموں کو اسی لئے بڑائی دی کہ فریب کریں اس نے تو زندگی مال تندرستی اپنی عبادت کے لئے دی ہے نہ کہ فریب کاریوں کے لئے فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** **لیمکروا** میں لام حکمت کا نہیں بلکہ انجام کا ہے اور **لیعبدون** میں لام حکمت کا ہے لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں یعنی رب تعالیٰ نے ہم کو زندگی مال وغیرہ عبادت کے لئے دیئے مگر کفار کے مال و زندگی کا انجام یہ فریب کاری ہوا۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں نے

چوری کی جیل جانے کے لئے، فرعون کو دنیاوی وجاہت ملی ستانے کے لئے یہ انجام خود ان کا خود ساختہ ہے ایک ہے رب کی عطا کی حکمت اور ایک ہے اس کی عطا کو استعمال کا انجام ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض:** ہمیشہ عام مومنین صالحین مساکین کیوں ہوتے ہیں اور کفار و فاسق مالدار کیوں ہیں اب بھی عموماً یہی دیکھا جا رہا ہے قرآن کریم نے بھی یہی فرمایا ا کا بر مجرمیھا **جواب:** اس سے نبی کا زور دین حق کی قوت دکھانا مقصود ہوتی ہے۔ نمرودی، فرعونی طاقتیں، جب نبوت سے ٹکرا کر پاش پاش ہو گئیں تب قوت خلیلی طاقت کلیمی کا پتہ لگا فقراء و مساکین کے ذریعہ اسلام کو پھیلا کر دکھا دیا کہ دین میں خود اپنی قوت ہے جس سے وہ پھیل رہا ہے کسی کی قوت سے نہیں پھیلتا مکہ کے سرداروں نے پیٹھ دکھائی تو مدینہ منورہ کے مساکین کو توفیق دے دی انہوں نے عالم میں اسلام پھیلا دیا رب کی بے نیازی کے قربان نیز فطرۃ "نفس امارہ عیش میں غافل ہو جاتا ہے تکلیف میں بیدار ہوتا ہے آرام میں خدا کو بھول جاتا ہے مصیبت میں یاد کرتا ہے۔ خلافت شیخین میں مسلمان بڑے بیدار رہے خلافت عثمانی میں عیش زیادہ ملا آپس میں ہی لڑنے لگے فرعون عیش و آرام میں خدا بنا ڈوبے، وقت بندہ بنا چونکہ بڑے لوگ عیش و آرام میں زیادہ ہوتے ہیں اس لئے نبی کی مخالفت یہی زیادہ کرتے ہیں موسیٰ کلیم اللہ ابراہیم خلیل اللہ کے مقابل فرعون و نمرود آئے جو بڑے آرام میں تھے نیز دنیا میں عیش و آرام پردہ اور اندھیرا ہیں جس میں چیز صحیح نظر نہیں آتی۔ بندہ کہتا ہے کہ میں مالدار ہوں لہذا خدا کا پیارا ہوں۔ انبیاء کرام و مومنین اکثر مساکین ہیں لہذا رب ان سے راضی نہیں یہ اندھیرا اور پردہ موت کے وقت اور محشر میں ہٹے گا تب اپنے اور نبی کے مقامات معلوم ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ یہاں ہی پردۂ غفلت دور فرمائے۔ آمین۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ انہیں شعور نہیں کفار مکہ کو اپنی ناکامی کا شعور تو تھا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ہماری رکاوٹوں سے ہی اسلام کی اشاعت ہو گی وہ مکہ آنے والے لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے گرم دوپہر تپتے ریت میں جنگلوں میں بیٹھتے تھے یہ تو رب تعالیٰ کی شان تھی کہ ان کی یہ حرکت ہی ان لوگوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا دیتی تھی انہیں اس کا شعور نہ تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمیشہ کفار پر ان کی کوششوں کا وبال پڑتا ہے مومن کامیاب رہتے ہیں مگر حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے امام حسین ظالموں کے ہاتھوں شہید ہوئے وہاں تو کفار و ظالم کامیاب رہے پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** شہادت کامیابی کے خلاف نہیں حضرت زکریا و یحییٰ علیہ السلام نے اور امام حسین نے شہید ہو کر اپنا مقصد پورا کر دیا کفار اور یزید بظاہر جیت کر اپنا مقصد حاصل نہ کر سکے لہذا حضرت حسین شہید ہو کر جیتے یزید شہید کر کے بھی ہار امید ان انہیں بزرگوں کے ہاتھ رہا آیت بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں رسل اللہ جمع کیوں ارشاد ہوا رسول اللہ واحد فرمانا چاہئے تھا کیونکہ کفار کہتے تھے کہ جو نبوت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی وہی ہم کو ملنی چاہئے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں رسل جمع فرمانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے ہے یہ جمع رب العالمین نے ارشاد فرمائی ہے یا یہ مطلب ہے کہ نبوت و رسالت مشترکہ صفت ہے جو آدم علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام پیغمبروں کو عطا ہوئی جو نبوت مانگتا ہے وہ سارے نبیوں کی ہمسری چاہتا ہے۔ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خصوصی صفات اپنے لئے نہیں چاہتے تھے خاتم النبین شفیع المذنبین وغیرہ ہونا بلکہ صفت عمومی نفس نبوت میں ہمسری چاہتے تھے۔ **چھٹا اعتراض:** ان کا مطالبہ عجیب تھا کہ ہم کو نبی بنا دیا جائے تو ہم ایمان لائیں گے نبوت تو ایمان کے بعد کی چیز ہے نہ کہ اس کے

برعکس۔ جواب: یہاں ایمان سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنالوگوں میں ان کی نبوت کا اعلان کرنا ہے وہ کہتے یہ تھے کہ جیسے گزشتہ زمانہ میں بعض نبی دوسرے نبی کے وزیر مشیر تھے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے' حضرت لوط ابراہیم علیہ السلام کے ایسے ہی ہم کو نبوت ملنی چاہئے ہم پھر نبی بن کر آپ پر ایسے ہی ایمان لائیں جیسے حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لائے' رب فرماتا ہے امن له لوط دوسری تفسیر پر تو مطلب ظاہر ہے کہ ہم پر یہ وحی آئے کہ رسول اللہ صلی اللہ وسلم سچے رسول ہیں تو ہم آپ پر ایمان لائیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا قالب و جسم گویا قریہ (بستی) ہے جس میں مختلف اعضاء بدن آباد ہیں اور اس بستی میں نفس' ہوئی' شیطان بھی آباد ہیں جو اس بستی کے اکابر مجرمین یعنی بڑے پاپی ہیں جو دن رات شرع کی مخالفت طبع کی موافقت کرکے اس بستی میں فساد پھیلاتے رہتے ہیں کہ اس کی استعداد خراب کرتے ہیں۔ مگر انہیں شعور نہیں کہ اس میں ان ہی کا نقصان ہے کہ اگر قالب انسانی دوزخ میں گیا تو یہ بھی وہاں ہی جائیں گے اس میں خود ان کا ہی نقصان ہے مگر انہیں اس کا شعور نہیں چونکہ ان کی جبلت میں سرکشی داخل ہے اس لئے یہ بزبان حال کہتے ہیں کہ جب تک ہم کو وہی فیوض نہ دیئے جائیں جو رسل اللہ یعنی قلب' سر' روح کو دیئے گئے کہ وہ اسرار حق اور الہامات کا ٹھکانہ ہیں تب تک ہم نہ مانیں گے مگر رب تعالیٰ جانتا ہے کہ ان اسرار کے لائق یہی قلب و روح وغیرہ ہیں نہ کہ یہ لوگ نفسانی۔ لوگوں کو عنقریب اللہ سے دوری کی ذلت اور فراق یار وہاں سے نکالے جانے کا عذاب پہنچے گا جو ان کے اس جرم کی سزا ہے' صوفیا فرماتے ہیں کہ نبوت کی شان تو بہت ہی بلند و بالا ہے ولایت خاصہ بھی کسب پر موقوف نہیں' کبھی مجاہدہ کرنے والے محروم رہتے ہیں' اور غیر مجاہد واصل باللہ ہو جاتے ہیں' حضرت مریم پیدائشی ولیہ ہیں انہیں ولایت مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوئی۔

حکایت: ایک بزرگ اپنے تیس سالہ مجاہد مرید کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ ایک جگہ شرابیوں' ناچنے گانے والوں کی ایک جماعت پر گزرے شیخ نے اپنے اسی مجاہد مرید سے فرمایا کہ اس بوڑھے ڈھولکی والے کو میرے پاس بلالاوہ لایا یہ بوڑھا اس طرح حاضر ہوا کہ اس کے گلے میں ڈھول تھا' شیخ نے اس مرید سے فرمایا کہ اسے شراب کی شرعی سزا اسی کوڑے لگاؤ اس نے سزا دی پھر شیخ اس بوڑھے کو لے چلے۔ دریا کنارے پہنچے نماز پڑھائی اور اسے فیض دے کر فرمایا کہ تم آج سے یہاں کے ابدال ہو مرید رو کر بولا کہ میں تیس سال کا مجاہد کچھ نہ بنا یہ شرابی کبابی آن کی آن میں سب کچھ ہو گیا فرمایا حکم الٰہی یہی تھا مجھے اس کے پاس اسی لئے بھیجا گیا تھا۔ یہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ فرعونی جادوگر ایک آن میں مومن' صحابی' صابر' شہید سب کچھ بن گئے اب پڑھو اللہ اعلم حیث یجعل رسالته مولانا فرماتے ہیں۔

داد حق را قابلیت شرط نیست   لیک شرط قابلیت داد اوست

(از روح البیان)

مگر انسان کو چاہئے کہ دروازے پر حاضر رہے ولی بننے کی تمنا نہ کرے ایمان پر خاتمہ کی دعائیں کرے ہماری یہی ولایت ہے کہ ہمارے گناہوں کی معافی ایمان پر خاتمہ میسر ہو جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر سپاہی کار سرکار میں ڈیوٹی دے رہا ہو تو اس کا مقابلہ حکومت کا مقابلہ ہوتا ہے لیکن جب وہ ڈیوٹی پر نہ ہو اور اپنے گھریلو کام میں کسی سے لڑے تو پھر وہ ایک فریق ہوتا ہے

حکومت اس کی ذمہ دار نہیں ہوتی۔ مومنین جب اللہ کے لئے کفار کے مقابل ہوں گے اللہ ان کی مدد کرے گا۔ **کان حقا علینا نصرا المومنین** مگر جب نفس وملک کے لئے لڑیں تو اللہ ان کی مدد نہیں کرتا پھر وہ جائیں کافر جائیں جس کی مثال غزوۂ احد کا واقعہ ہے لہذا **وما یمکرون الا با نفسھم** بالکل درست ہے۔

فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ
پس وہ شخص کہ ارادہ کرے اللہ یہ کہ ہدایت دے اسے کھول دیتا ہے سینہ اس کا واسطے اسلام کے اور وہ شخص کہ ارادہ
اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے
یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ كَذٰلِكَ
کرے اللہ یہ کہ گمراہ کرے اسے کر دیتا ہے سینہ اس کا تنگ رکا ہوا گویا چڑھ رہا ہے وہ آسمان میں اسی طرح کرتا ہے اللہ
اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے
یَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾
عذاب ان لوگوں پر جو نہیں ایمان لاتے
اللہ یوں ہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں پر

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں دو قسم کے انسانوں کا ذکر ہوا تھا۔ نورانی اور ظلمانی کہ فرمایا گیا تھا **وجعلنا لہ نورا**" اور فرمایا گیا تھا **کمن مثلہ فی الظلمات** اب ان دونوں گروہوں کی علامات کا ذکر ہے جن سے نورانی اور ظلمانی انسان پہچانے جاویں بلکہ ہر شخص اپنے متعلق معلوم کرے کہ میں کس گروہ کا ہوں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ ظلمانی لوگ دو قسم کے ہیں بعض وہ جن کی ظلمت عارضی ہے قابل زوال بعض وہ جن کی ظلمت اصلی ذاتی ہے ناقابل زوال کہ فرمایا گیا تھا **لیس بخارج منھا** اب انہیں دو قسموں کی علامت کا بیان ہے کہ جس کے سینہ و دل میں ظلمت گھر کر گئی ہے وہ تو ذاتی ظلمانی ہے ورنہ عارضی ظلمانی۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں کفار مکہ کی ان بہانہ بازیوں کا ذکر ہوا جو وہ اسلام سے دور رہنے کے متعلق کرتے تھے کہ ہمارے پاس حضرت جبریل کیوں نہیں آتے ہم کو نبوت کیوں نہیں ملی وغیرہ' اب ان بہانوں کی وجہ کا ذکر ہے کہ ان کے سینوں میں تنگی ہے انہیں اسلام قبول کرنا ایسا بھاری ہے جیسے آسمان پر چڑھنا غرضیکہ بیماری کا ذکر پہلے ہوا تھا بیماری کی وجہ کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **فمن یرد اللہ ان یھدیہ**۔ اس عبارت میں **ف** بمعنی واؤ ہے اور یہ نیا جملہ ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی پر ہے اور ہو سکتا ہے کہ **ف** تعلیلیہ ہو اور یہ عبارت گزشتہ فرمان کی **علت** ہو **من** سے مراد مطلقاً انسان ہے مگر اس سے حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم علیحدہ ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمارے ہادی ہیں عین نور ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ لوگوں کے سینے کھلتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

طفیل سے آپ کے بعض خدام شرح صدر کی نعمت فطری طور پر اپنے ساتھ لائے۔ حضرات انبیاء اور خاص اولیاء پیدائشی شرح صدر والے ہوتے ہیں۔ یرد اور یھدی اور یشرح مضارع بمعنی حال ہے یہ تینوں چیزیں ظہور کے لحاظ سے ہیں ازلی ارادہ تو پہلے ہی ہو چکا ہے نیز لوگوں کی ہدایت و گمراہی کا فیصلہ میثاق کے دن ہو چکا اس کا ظہور اب یہاں ہو رہا ہے ہر چیز کے فیصلے پہلے ہو چکے ان فیصلوں کا ظہور دنیا میں ہے۔ ہدایت کے معنی ہیں راہ دکھانا۔ ہدایت تین طرح کی ہوتی ہے۔ ہدایت فطری جو انسان بلکہ جانوروں کے پیٹ سے لے کر آتا ہے جانور کا بچہ اپنی فطرت کے خلاف غذا پر منہ نہیں مارتا بکری کا بچہ گوشت نہیں کھاتا گھاس کھاتا ہے' شیر کا بچہ گھاس نہیں کھاتا گوشت کھاتا ہے' انسان کا ایک روزہ بچہ کچھ نہیں جانتا مگر رو رو کر اپنے دکھ درد سنانا' ماں کو بلانا جانتا ہے۔ دوسری ہدایت عقلی جو انسان کو عقل کے ذریعے عطا ہوتی ہے جس سے وہ سائنسی ایجادات تک بنالیتا ہے۔ تیسری ہدایت شرعی جس سے انسان فرش پر رہ کر عرش کی باتیں جان لیتا ہے مخلوق ہو کر خالق کو راضی کرنا جان لیتا ہے یہاں یہی آخری ہدایت مراد ہے اس ہدایت کی تین قسمیں ہیں دنیا میں خدا رسی کا ذریعہ جاننا قبر میں منکر نکیرین کے جوابات جاننا آخرت میں رب سے عاجزی کرنا اور پھر جنت کا راہ معلوم کرنا اسی کے لئے اسلام شرط ہے اس لئے اسلام کا ذکر متصل ہوا۔ **یشرح صدرہ للا سلام** یہ **من یرد** کی خبر ' بمعنی جزا یشرح بنا ہے شرح سے جس کے لغوی معنی ہیں کھولنا اس لئے تفسیر یا تفصیل کو شرح کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں شرح بمعنی وسعت و گنجائش دینا اسے قبول کرنے کے لائق بنا دینا آتا ہے وہی یہاں مراد ہے لفظ شرح خیر کے لئے ہی خاص نہیں شر کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولکن من شرح بالکفر صدرا** شرح اور فتح دونوں کے معنی ہیں کھولنا مگر کبھی ان میں چند طرح سے فرق کیا جاتا ہے۔ ظاہری چیزوں کا کھولنا جو محسوس ہو فتح ہے **ولما فتحوا متا عھم** اور **انا فتحنا لک فتحا مبینا** اس کا مقابل ہے شد یا الغلق۔ مقاتل کے ملک پر قبضہ کرنے کو فتح کہتے ہیں مگر اندرونی چیزوں کا غیر محسوس کھولنا جو نظر نہ آئے شرح ہے اس کا مقابل ہے ضیق۔ گھر کا دروازہ کھولنا فتح ہے گھر والے کا دل کھولنا شرح جس سے اسے محبت و الفت پیدا ہو۔ اندر داخل کرنے کے لئے کھولنا فتح ہے مگر اندر سے نکالنے کے لئے کھولنا شرح۔ اس لئے دل' سینہ کی گنجائش کے لئے شرح ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ دل کی اندرونی صلاحیتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ **رب اشرح لی صدری** اور ارشاد ہوتا ہے **الم نشرح لک صدرک** صوفیاء کی اصطلاح میں محبت کے تیر سے دل کا زخمی ہونا شرح ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سینہ خواہم شرح شرح از فراق تا بگویم داستان اشتیاق!

حدیث شریف میں ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ شرح صدر یعنی سینہ کھولنا کیا ہے فرمایا یہ ایک غیبی نور ہے جو اللہ تعالیٰ بندے کے دل میں ڈالتا ہے جس سے اسے نیک اعمال کی توفیق ان کی طرف میلان نصیب ہوتا ہے عرض کیا گیا اس نور کی علامت کیا ہے فرمایا دنیا سے نفرت' آخرت کی رغبت موت سے پہلے اس کی تیاری۔ عربی میں صدر کہتے ہیں سینہ کو جس کے اندر کبد یعنی جگر اور قلب یعنی دل ہے۔ سینہ کھولنے سے مراد دل کو توفیق ملنا ہے۔ اسلام کے لغوی معنی ہیں اطاعت اور فرمانبرداری میں گردن جھکانا۔ **فلما اسلما وتلہ للجبین۔** دین محمدی کا نام بھی اسلام ہے **ان الدین عند اللہ الاسلام۔** لفظ اسلام کبھی بمعنی ایمان بھی آتا ہے کبھی اس کے علاوہ بھی **لا تقولوا امنا ولکن قولوا اسلمنا** یہاں اسلام سے یا تو اطاعت مراد ہے یا دین اسلام یا ایمان و اعمال کا مجموعہ یعنی اللہ تعالیٰ جسے ہدایت دینے کا ارادہ

فرماتا ہے تو اس کا سینہ اسلام کے لئے وسیع کر دیتا ہے اسے اطاعت کی' دین اسلام قبول کرنے کی توفیق دیتا ہے **ومن یرد ان یضلہ** اس عبارت میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے من سے مراد وہی انسان ہے جس کا کفر پر مرنا علم الٰہی ارادہ خداوندی میں آچکا ہے۔ ضلال ہدایت کا مقابل ہے بمعنی گمراہی ارادہ کرنے کی وہی تحقیق ہے جو ابھی ہو چکی۔ **یجعل صدرہ ضیقا حرجا**۔ سینہ کی تنگی سے مراد شرح صدر کے مقابلے کی حالت ہے دل میں قبول کرنے کی توفیق نہ ملنا اطاعت سے دل کا بھاگنا۔ ہچکچاہٹ پیدا ہونا یہ لفظ بنا ہے ضیق سے بمعنی تنگی' ہماری قرات میں حرج ر کے فتح سے ہے بعض قراءتوں میں حرج ر کے سکون سے ہے۔ حرج صفت مشبہ ہے اور حرج ر کے سکون سے مصدر سخت تنگی کو حرج کہتے ہیں گویا ضیق عام ہے حرج خاص۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت کی آپ کے پاس بنی کنانہ کا ایک دیہاتی شخص تھا پوچھا تمہاری زبان میں حرج کسے کہتے ہیں وہ بولا وہ درخت جو نہایت گھنے باغ کے بیچ میں ہو جس تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہ ہو۔ حضرت عمر نے فرمایا یوں ہی منافق کا دل ہے جس تک کوئی چیز نہیں پہنچتی ایسا واقعہ حضرت عبداللہ ابن عباس کا بھی ہے کہ آپ نے قبیلہ بنی بکر کے ایک دیہاتی سے حرج کے معنی پوچھے اس نے بھی یہ ہی بتائے آپ نے وہی جواب دیا۔ حرج کا ماخذ حرجتہ ہے بمعنی گھنا باغ جس کے درخت ایسے گنجان ہوں کہ اندر کوئی نہ پہنچ سکے (خازن' کبیر وغیرہ) **کانما یصعد فی السماء**۔ اس عبارت شریف میں کافر کی دل تنگی کو نہایت ظاہر مثال سے سمجھایا گیا **یصعد** اصل میں یتصعد تھا ت کا ص میں ادغام ہو گیا۔ صعد خود چڑھنا ہے۔ تصعد کسی کی زبردستی کی وجہ سے اسے چڑھنا پڑتا ہے یعنی کافر کو اسلام قبول کرنا ایسا بھاری ہوتا ہے جیسے کسی کو آسمان پر چڑھنا بھاری ہے کہ اس سے جبراً کہا جاوے کہ تو آسمان پر چڑھ جا اس کا دل نہ چاہے سوچ لو اس کا حال اس وقت کیا ہو گا۔ **کذالک یجعل اللہ الرجس علی الذین لا یومنون**۔ کاف تشبیہ کا ہے جس میں فرمایا گیا کہ جیسے ہم نے ان کفار کے دل تنگ کر دیئے۔ ایسے ہی ہم نے ان پر رجس بھی ڈال دی۔ رجس کے بہت معنی ہیں 'نجاست' 'شیطان' 'نری شر جس میں خیر نہ ہو۔ لعنت' 'عتاب' 'دنیا میں لعنت آخرت میں عذاب یہاں سارے معنی درست ہیں لایومنون سے وہ لوگ مراد ہیں جن کے نصیب میں ایمان نہیں یعنی ان کا کفر پر مرنا علم الٰہی ارادہ الٰہی میں آچکا ہے یعنی جو لوگ ایمان لانے والے نہیں اللہ تعالیٰ ان پر اسی طرح لعنت' پھٹکار' عذاب بھی یوں ڈالتا ہے۔ جیسے اس کا دل توفیق سے خالی کیا یہ رب تعالیٰ کا سخت عذاب ہے (تفسیر خازن و روح المعانی) اس عبارت کے چند مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان بد نصیبوں کے جیسے دل تنگ ہو گئے ایسے ہی ان پر بیرونی پلیدگیاں بھی پڑتی رہتی ہیں۔ شیطان کے دھوکے نفس امارہ کے فریب برے ساتھیوں کے اثرات یہ سب چیزیں انہیں گھیرے ہوتی ہیں دوسرے یہ کہ ایسے غافل گمراہ کے لئے ہر چیز پلید ہوتی ہے حتی کہ وہ نماز بھی پڑھتا ہے جو خیرات کرتا ہے وہ بھی اس کے دل میں ظلمت پیدا کرتی ہے کہ وہ صرف دکھلاوے کے لئے ہوتا ہے۔ مومن جو کھاتا پیتا ہے وہ بھی دل میں نور پیدا کراتی ہے۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود! کفر گیرد ملتی ملت شود

خلاصہ ء تفسیر: یہ کفار جو آپ کو آپ کے معجزات کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے دن بدن ان کا کفر بڑھتا ہی جا رہا ہے ان کی ان حرکتوں کی وجہ یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے جنت کے راستہ یا خدا رسی کے راستہ پر چلانا چاہتا ہے تو اس کا سینہ اپنی اطاعت یا اسلام قبول کرنے کے لئے کھول دیتا ہے اسے ان چیزوں کی توفیق ملتی ہے وہ بخوشی' دل آسانی سے **مسلمان مطیع** فرمانبردار بن جاتا ہے۔ اس کے برعکس جس کے متعلق فیصلہ ہو چکا کہ وہ گمراہ ہی رہے گا تو اللہ تعالیٰ اس کا سینہ تنگ ناقابل ہدایت

بنادیتا ہے۔ جس میں ہدایت و ایمان داخل ہونے کی گنجائش ہی نہیں ہوتی اسے اسلام قبول کرنا اللہ کی اطاعت کرنا ایسا بھاری معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی اسے جبراً آسمان پر چڑھنے پر مجبور کر رہا ہو جیسے اسے یہ چڑھنا نہایت ہی گراں معلوم ہوتا ہے ایسے ہی اسے بارگاہ نبوت میں حاضر ہونا۔ مومن بننا بھاری معلوم ہوتا ہے انہیں صرف دل تنگی کا ہی عذاب نہیں دیا گیا بلکہ جیسے ان کے دل تنگ ہیں ویسے ہی ایسے بے ایمانوں پر جن کے نصیب میں ایمان نہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں لعنت آخرت میں عذاب بھی کرتا ہے لہٰذا اے محبوب آپ ان کے ایمان نہ لانے سے مغموم نہ ہوں۔

نوٹ : ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے دل کے رجحان پر نظر رکھا کرے کہ میرا دل کس طرف متوجہ ہے اچھوں کی طرف دل کا میلان خود اس کے اچھے ہونے کا نشان ہے بروں کی طرف میلان اپنے برے ہونے کی پہچان ہے۔ بعض عشاق کہتے ہیں کہ آیت میں اسلام سے مراد ہے اپنے کو رب کے حوالہ اس کے سپرد کر دینا **فلما اسلما وتله للجبين**۔ مقصد یہ ہے کہ جسے اللہ ہدایت دیتا ہے تو اس کا سینہ اس کے لئے کھول دیتا ہے کہ وہ اپنے کو رب کے حوالہ کر دیتا ہے کہ اس کی زندگی و موت بلکہ زندگی کا ہر شعبہ اللہ کے لئے ہوتا ہے پھر بندہ اللہ کا ہو جاتا ہے اور اللہ بندہ کا۔ دل کھلنے کے بہت درجے ہیں گھر کا دروازہ پاؤ' آدھا' پن پورا کھلتا ہے ایسے ہی دل کا دروازہ مختلف طرح کھلتا ہے کسی کا دل صرف ایمان کے لئے کھلتا ہے کسی کا اتفاق کے لئے کسی کا عرفان کے لئے کسی کا رحمت رحمان کے لئے جب شرح صدر کامل ہو جائے تو عرش و فرش ساری مخلوق بلکہ خود خالق اس میں جلوہ گر ہوتا ہے شرح صدر اللہ کی بڑی نعمت ہے حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی دعا کی۔ **رب اشرح لی صدری**۔ اس کے مقابلے دل کی تنگی کے بھی بہت درجے ہیں۔ اسلامی عقائد سے دل تنگی 'اچھے اعمال سے تنگی 'عرفان و ایقان سے دل تنگی وغیرہ۔ شرح صدر کے اسباب تین ہیں۔ دنیاوی فکریں 'تکالیف زیادہ' درود شریف' شرح صدر والوں کی صحبت۔ دل تنگی کے اسباب بھی تین ہیں۔ عیش و عشرت کی زیادتی 'غفلت' بروں کی صحبت۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ کو دنیا میں ہدایت نصیب ہو کہ ہدایت روحانی 'جسمانی غذا ہے اور اس غذا کے لئے بقا ہے فنا نہیں جسم اور جسمانی غذائیں فانی ہیں روح اور روحانی غذائیں باقی یہ فائدہ **فمن يرد** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہدایت ہر ایک کو نہیں ملتی جس پر خاص کرم ربانی ہوا سے ملتی ہے۔ جسمانی غذائیں ہر مومن و کافر کو ملتی ہیں جسمانی غذائیں رب تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا مظہر ہیں اور ہدایت وغیرہ ربوبیت خاصہ کا مظہر ہے۔ یہ فائدہ **فمن يرد الله** کے من سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** دل کی وسعت اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے دل کی تنگی اللہ کا عذاب۔ یہ فائدہ **يشرح صدره** سے حاصل ہوا دل کی وسعت یہ ہے کہ انسان کو نیک اعمال کرنا آسان ہوں یہ خوشی سے کرے گناہ سے دل بھاگے۔ بعض اللہ کے بندے ایسے دیکھے گئے کہ انہیں گناہ 'فضول خرچی حتیٰ کہ حکیم کی فیس' وکیل صاحب کو معاوضہ دینا' دوا کی قیمت پہاڑ کی طرح بھاری معلوم ہوتی ہے مگر رب کے نام پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں اور خوشی سے خرچ کرتے ہیں یہ اللہ کے مقبول ہیں مگر یہ ان کا اپنا کمال نہیں اللہ تعالیٰ کا ان پر کرم ہے شیخ سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

این سعادت بزور بازو نیست　　تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

چوتھا فائدہ: شرح صدر یعنی سینہ کھلنا ہم کو بھی عطا ہوتا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عطا ہوا۔ **الم نشرح لك صدرك**۔ مگر دونوں شرح میں فرق ہے۔ ہمارا سینہ کھلتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے لینے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ

وسلم کا سینہ کھلتا ہے دینے کے لئے۔ بھیک کے وقت داتا کا بھی ہاتھ پھیلتا ہے اور بھکاری کا ہاتھ بھی۔ داتا کی تھیلی بھی کھلتی ہے اور بھکاری کی جھولی بھی مگر داتا کا ہاتھ پھیلنے، تھیلی کھلنے اور بھکاری کا پھیلنے، جھولی کھلنے میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہ عطا دستی کے لئے کھلتے ہیں یہ بھیک لینے کے لئے کھلتے ہیں۔ یہ فائدہ **یشرح صدرہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب نے اپنے لئے بھی یہ ہی فرمایا ہمارا سینہ اس لئے کھولا جاتا ہے تاکہ دل میں سے کفر عناد، حسد بغض نکل جاوے، ایمان و تقویٰ داخل ہو جاوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ فیض گنجینہ اس لئے کھولا گیا تاکہ اس سے ایمان، فیضان، عرفان دوسرے کو ملے۔ **ان یشاء اللہ یختم علی قلبک** کا یہ ہی مطلب ہے کہ اگر ہم چاہتے تو آپ کے دل پر مہر کر دیتے جس سے سینہ مبارک نہ کھلتا اور لوگوں کو ایمان نہ ملتا۔ **پانچواں فائدہ:** کبھی ایمان و نیک اعمال کے مجموعہ کو اسلام کہا جاتا ہے۔ یہ فائدہ یہاں **للاسلام** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں اسلام کے یہی معنی ہیں۔ اسلام کے بہت سے معانی ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کئے۔ **چھٹا فائدہ:** بندے کی ہدایت اور گمراہی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے مگر ان کے باوجود بندہ مجبور نہیں بلکہ مختار ہے کاسب بندہ ہے خالق خیر و شر رب تعالیٰ ہے۔ یہ فائدہ **ومن یرد ان یضلہ** سے حاصل ہوا یہاں جبر و اختیار کا ایسا اجتماع ہوا ہے کہ سبحان اللہ کسی صوفی صادق نے کیا خوب فرمایا۔

بے کارم و باکارم چوں مدبہ حساب اندر — خاموشم و گویا نم چوں خط بہ کتاب اندر
مجبورم و مختارم آزلو و گرفتارم

ساتواں فائدہ: بندے کی گمراہی اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے کہ تمام دنیاوی تکلیفیں عارضی ہیں یہ مصیبت دائمی ہے۔ یہ فائدہ بھی **ان یضلہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** دل کی تنگی رب تعالیٰ کا قہر ہے اس کی علامت یہ ہے کہ بندہ کو گناہ و بدعملیاں آسان معلوم ہوتی ہیں نیک کام سخت بھاری بعض لوگ دیکھے گئے کہ ممبری، سینما، شادی بیاہ کی حرام رسموں نام و نمود کے لئے فضول خرچیوں، بلکہ شرعی محرمات میں بے دریغ روپیہ برباد کرتے ہیں مسجد مدرسہ یا کسی نیک کام میں دو آنہ نہیں دے سکتے وہاں اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں یہ ہے دل کی تنگی اللہ بچائے۔ یہ فائدہ **کانما یصعد فی السماء** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** دل کی تنگی دل کی سختی کفار کی علامت ہے مومن رحم دل بھی ہوتا ہے وسیع القلب بھی۔ یہ فائدہ **علی الذین لا یومنون** سے حاصل ہوا۔ جس قدر ایمان قوی اسی قدر دل وسیع وسعت قلب کی زندہ جاوید تفسیر حضرت یوسف علیہ السلام کا دشمن بھائیوں کو معاف فرما دینا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب ابو سفیان، ہندو وحشی، عکرمہ ابن ابوجہل کو بخش دینا ہے یوں ہی جس قدر کفر سخت ہو اسی قدر دل تنگ اور سخت ہوتا ہے اس کی تفسیر فرعون اور ابوجہل کی زندگیاں ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اسے اسلام کی توفیق دیتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کے ذریعہ اسلام ملتا ہے حالانکہ اسلام سے ہدایت ملتی ہے یہاں برعکس کیوں بیان ہوا۔ **جواب:** ہدایت کی بہت قسمیں ہیں بعض ہدایت اسلام سے ملتی ہے اور بعض ہدایتوں سے اسلام نصیب ہوتا ہے۔ یہاں ہدایت سے وہ ہدایت مراد ہے جو اسلام ملنے کا ذریعہ ہے۔ پھر اسلام قبول کرنے کے بعد نیک اعمال کی ہدایت یہ وہ ہدایت ہے جو اسلام کے بعد ملتی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تنگی اور وسعت دل کی صفت ہے یہاں اور دوسرے مقامات پر اس وسعت و تنگی کو سینہ کی صفت کیوں قرار دیا دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **الم نشرح لک صدرک۔** **جواب:** سینہ مکان ہے دل اس کا مسکن وسیع دل تنگ سینہ میں نہیں سما سکتا دریا گھڑے

میں نہیں آسکتا۔ دل کی وسعت کے لئے سینہ کی وسعت لازم ہے یہاں لازم فرما کر ملزوم مراد لیا بعض نے فرمایا کہ یہاں اور اسی جیسے دوسرے مقامات پر سینہ بول کر دل مراد لیا گیا ہے۔ مکان بول کر مسکن کا ارادہ فرمایا تنگ سینہ میں وسیع دل نہیں سما سکتا اور تنگ دل میں اللہ کی رحمتوں کی گنجائش نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام کو فطری طور پر شرح صدر عطا ہوتا ہے کہ وہ پیدائشی شرح صدر والے ہوتے ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی کہ **رب اشرح لی صدری** معلوم ہوا کہ ابھی تک انہیں یہ نعمت میسر نہیں ہوئی تھی رب تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ چاک کر کے سیاہ دانہ نکال دیا رب نے فرمایا **الم نشرح لک صدرک** معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فطری طور پر شرح صدر حاصل نہ تھا۔ **جواب:** شرح صدر بمعنی ہدایت ملنا یہ نبیوں خاص ولیوں کو پیدائشی عطا ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جو شرح صدر کی دعا کی تھی وہاں اس سے مراد ہے دل میں ہمت و جرات جس سے بے دھڑک فرعون کا مقابلہ فرماسکیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا شق صدر کچھ اور ہی معنی میں ہے جو کسی نبی کو بھی عطا نہ ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بعض لوگوں کی گمراہی کا رب تعالیٰ نے ارادہ فرمالیا اور اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمالیتا ہے اس کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جس میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا تو بندہ گمراہ ہونے میں مجبور ہوا مجبور کو سزا کیسی؟ **جواب:** آپ کا پہلا قاعدہ تو درست ہے کہ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس کا ہونا ضروری ہے مگر دوسرا قاعدہ غلط ہے کہ ایسے ضروری کام میں بندے کا اختیار نہیں ہوتا کیونکہ اگر رب تعالیٰ ارادہ ہی یہ کرے کہ فلاں بندہ اپنے ارادہ سے گمراہ یا کافر ہو تو بندہ کا ارادہ کرنا بھی واجب ہے اور بعد ارادہ اس کام کا ہونا بھی ضروری ہے یہاں یہی صورت مراد ہے لوہا پانی میں رکھ دیا جاوے۔ جس سے وہ زنگ آلود ہو کر بے کار ہو جاوے تو لوہے کی بیکاری رب تعالیٰ کے ارادہ سے ہے مگر اسے پانی میں رکھنا اس میں جیسے لوہے کے لئے پانی۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں سینہ کے دو عیب بیان فرمائے۔ ضیق اور حرج' یہ دونوں تو ایک ہی ہیں دونوں کے معنی ہیں تنگ پھر یہ دونوں لفظ جمع کیوں فرمائے گئے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ضیق سے مراد ہے معمولی تنگی جو کسی وجہ سے دور ہو سکے یہ اس دل کی آخری حالت ہے یہ ترتیب مطابق واقعہ کے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں آسمان پر چڑھنے سے کیوں تشبیہ دی گئی۔ **جواب:** اس لئے کہ کافر انتہائی پستی میں ہے اس کے لئے ہدایت مثل آسمان کے بلند ہے۔ اسے ہدایت تک پہنچنے میں ایسے ہی تکلف بلکہ تکلیف ہوتی ہے جیسے کسی زمینی چیز کو آسمان پر چڑھنے میں تکلف ہوتا ہے۔ مومن اس آسمان پر اپنی طاقت سے نہیں جاتا بلکہ کسی دوسرے کی طاقت سے ادھر جاتا ہے۔ مٹی کا ڈھیلا بذات خود نیچے گرتا ہے۔ دوسرے کی طاقت سے اوپر جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: علم دو طرح کا ہے علم معاملہ، علم مکاشفہ اللہ تعالیٰ سے قریب و دور کرنے والی چیزوں کا علم، علم معاملہ کہلاتا ہے علم مکاشفہ وہ غیبی نور ہے۔ جو رب تعالیٰ کی طرف بندے کے دل پر وارد ہوتا ہے۔ جس سے عالم غیب اس کے لئے شہادت بن جاتا ہے۔ **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا** اس علم کا نام ہے شرح صدر اس علم سے دل منور ہوتا ہے حتیٰ کہ اس کے لئے ایقان عیان بن جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شرح صدر چند طرح کا ہوتا ہے۔ شرح فطری جو پیدائشی طور پر بندے کو عطا ہوتا ہے۔ یہ نعمت حضرات انبیاء و اولیاء اللہ کو عموماً عطا ہوتی ہے۔ حضرت مریم پیدائشی طور پر شرح صدر والی تھیں۔ کسبی جو مجاہدہ عبادات، ریاضات کے ذریعہ حاصل کیا جاتا ہے۔ **والذین جاھدوا** الخ میں اسی طرف اشارہ ہے۔ وہبی جو کسی کے

فیضان نظر سے ملتا ہے۔ حضرت عمر کا سینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے حضرت سعید ابن زید کی۔ اور اپنی بہن کی تلاوت پر قرآن سن کر کھل گیا۔ کبھی دنیاوی تکالیف اور مصیبتیں اس کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ دنیاوی عیش و طرب عموماً "دل تنگی" غفلت پیدا کرتے ہیں۔ یہاں کی تکالیف عموماً "بیزاری کا باعث ہوتی ہیں۔ دل بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جن پر ایمان شاق ہے وہ کفار کے دل ہیں۔ دوسرے وہ جن پر ذوق وجدان گراں ہیں یہ اہل نقصان کے دل میں بعض وہ جن پر کلمات عرفان بھاری ہیں اسی لئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ اسرار اغیار سے چھپاؤ۔ علم مکاشفہ کتب سے نہیں بلکہ نظر سے ملتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر	علم و حکمت در کتب دیں از نظر!

صد کتاب و صد ورق در نار کن	روئے دل را جانب دلدار کن

یہاں اسی علم کا ذکر ہے کہ جسے خدا تعالیٰ اپنے تک پہنچنے کی ہدایت دینا چاہتا ہے اسے شرح صدر عطا فرماتا ہے۔ جس سے وہ نہایت آسانی سے کامیاب ہو جاتا ہے اور جسے اس سے محروم رکھا وہ کبھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتا ظاہری نور سے گھر کی اور گلی کی ہر چیز نظر آتی ہے دل کے نور سے وہاں کی ہر چیز معلوم ہوتی ہے **ومن لم یجعل اللہ لہ نورا فما لہ من نور** (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ شرح صدر یعنی دل کھولنا نبی اور مومنین دونوں کے لئے قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ مگر نبی کے لئے شرح صدر یہ ہے کہ ان کا سینہ فیض دینے کے لئے کشادہ ہو یوں ہی قرآن کریم میں لفظ ختم کفار کے لئے ارشاد ہوا۔ **ختم اللہ علی قلوبہم** اللہ نے ان کے دل پر مہر کر دی اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا گیا کہ **ان یشاء اللہ یختم علی قلبک** اگر اللہ چاہے تو اے محبوب تمہارے دل پر مہر کر دے مگر فرق یہ ہے کہ کفار کے دل پر کفر کی مہر کر دی۔ جس سے ان کے دل کھل نہیں سکتے لہذا ان میں سے نہ کفر و عناد نکل سکتا ہے نہ اس میں ایمان و عرفان داخل ہو سکتا ہے کیونکہ اندر سے نکلنا باہر سے اندر آنا دروازہ کھلنے پر موقوف ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر مہر سے مراد ہے رحمت و کرم کی ایسی مہر جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انوار لوگ نہ لے سکیں رب نے یہ مہر قلب پاک مصطفیٰ پر نہیں کی بلکہ اسے شرح بخشی **الم نشرح لک صدرک** جس سے فیضان کے چشمے ابل رہے ہیں یہ ضرور خیال میں رہے۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ
اور یہ ہے راستہ تمہارے رب کا سیدھا بے شک تفصیل وار بیان کر دیں ہم نے آیتیں واسطے
اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے آیتیں مفصل بیان کر دیں نصیحت ماننے والوں کے لئے
يَّذَّكَّرُوْنَ ۞ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا
اس قوم کے جو نصیحت پکڑتے ان کے لئے گھر ہے سلامتی کا پاس رب ان کے اور وہ والی ہے ان کا اس وجہ سے
ان کے لئے سلامتی کا گھر ہے اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولیٰ ہے ان کے کاموں

یَعۡمَلُوۡنَ
کرتے تھے وہ عمل کرتے
کا پھل ہے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اسلام کا ذکر ہوا کہ جسے رب تعالیٰ ہدایت دیتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اب اسلام کی عظمت کا تذکرہ ہے کہ یہ رب تک پہنچانے والا راستہ ہے گویا اسلام کی ابتداء کا ذکر فرمانے کے بعد اس کی انتہاء کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں یہ بتایا گیا کہ اسلام کسے ملتا ہے اب ارشاد ہے کہ اسلام کہاں پہنچاتا ہے گویا اسلام کا نعمت عظمیٰ ہونا پہلے ارشاد ہوا اور اس کا رب تک پہنچانے کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی دنیاوی نعمت کا ذکر ہوا یعنی شرح صدر اب اللہ تعالیٰ کی اخروی نعمت کا ذکر ہے یعنی جنت کی عطا گویا درخت کا ذکر پہلے ہوا اس کے پھل کا ذکر اب ہے۔

تفسیر : **وھذا صراط ربک مستقیما**۔ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے **ھذا** سے اشارہ یا قرآن مجید کی طرف ہے یا اسلام کی طرف یا شرح صدر کی طرف یا توفیق خیر کی طرف اور ہو سکتا ہے کہ **ھذا** سے اشارہ ہو خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی واحد خدا رسی کا ذریعہ ہیں۔ لہٰذا اس آیت کی پانچ تفسیریں ہوئیں۔ **صراط**' سبیل' طریق' شرح' منہاج ان سب کے معنی ہیں راستہ مگر ان میں کچھ فرق ہے۔ یہ فرق ہم نے سورۂ فاتحہ کی تفسیر **اھدنا الصراط المستقیم** میں عرض کر دیا۔ صراط کی رب کی طرف نسبت یا تو اس لئے ہے کہ رب العالمین کا بنایا بتایا ہوا راستہ ہے یا اس لئے کہ یہ رب تک پہنچانے والا راستہ ہے جسے اختیار کر کے انسان اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے یہ گورنمنٹی راستہ ہے یعنی حکومت کا بنایا ہوا یہ مدینہ منورہ کا راستہ ہے یعنی مدینہ طیبہ تک پہنچانے والا راستہ۔ سرکاری راستہ پر سرکاری انتظامات ہوتے ہیں۔ پل' چوکیاں' حفاظتی انتظامات وغیرہ خود ساختہ راستہ یعنی پگ ڈنڈیاں وغیرہ پر کسی قسم کا انتظام نہیں ہوتا۔ دین اور نیک اعمال کو راستہ یا صراط اس لئے کہا جاتا ہے کہ ان کے اختیار کرنے سے انسان منزل مقصود تک پہنچ جاتا ہے رب فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ظہور اس سے ہے کہ اس نے بندوں کے لئے ایسا راستہ بنایا۔ **ربک** فرما کر یہ بتایا گیا کہ جو رب تعالیٰ کو رب محمد ہونے کی شان سے مانے وہ اس راستہ کو پا سکے گا آپ کا دامن چھوڑ کر کبھی یہ راستہ نہیں پا سکتا یہ راستہ آپ کے ذریعہ ملے گا نیز یہ بتایا کہ قرآن مجید وغیرہ مومنین کے لئے سیدھا راستہ ہے نہ کہ آپ کے لئے آپ تو منزل مقصود ہیں۔ قرآن مجید مومنین کا ہادی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہادی نہیں۔ فرماتا ہے **ھدی للمتقین** یہ نہیں فرماتا **ھدی لک**۔ **مستقیما** صراط کا حال موکدہ ہے مستقیم کی شرح ہم سورۂ فاتحہ اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ صراط مستقیم وہ ہے جو سیدھا اور سب راستوں سے چھوٹا ہو جو بہت جلد بے کھٹک منزل مقصود تک پہنچا دے یعنی یہ اسلام یا یہ قرآن۔ اے محبوب آپ کے رب کا قائم کردہ یا آپ کے رب تک پہنچانے والا سیدھا راستہ ہے جو اس سے ہٹے گا وہ رب تک کبھی نہ پہنچ سکے۔ خیال رہے کہ سیدھا راستہ ہمیشہ ایک ہی ہوتا ہے چند نہیں ہو سکتے یہ راستہ درمیانی ہوتا ہے کنارہ والا نہیں ہو سکتا۔ سب سے چھوٹا ہوتا ہے اس کے برابر یا اس سے چھوٹا کوئی اور راستہ نہیں ہو سکتا۔ صراط مستقیم میں یہ تین

خصوصیات لازمی ہیں دیکھو سورۂ فاتحہ کی تفسیر۔ خیال رہے کہ قرآن مجید یا اسلام وغیرہ مومنین کے لئے سیدھا راستہ ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے۔ مومنین تو راستہ میں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم راستہ پر ہیں نشان راہ بن کر مومنین مسافر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم منزل مقصود ہیں۔ رب فرماتا ہے **انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم** اور فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی سیدھے راستہ پر ملتا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی بلکہ جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں وہاں ہی خدا تعالیٰ ملتا ہے یا کہو کہ مومنین سیدھے راستہ میں ہیں سفر کرنے کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستہ پر ہیں، رہبری کرنے کے لئے۔ مومنین راہ گیر ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رہبر ہیں۔ رب تعالیٰ اس راستہ کی منزل مقصود ہے۔ راہ گیر اور رہبر کا فرق خیال میں رہے۔ **قد فصلنا الایات لقوم یذکرون** یہ جملہ ہے۔ **فصلنا** بنا ہے تفصیل سے جس کا مادہ **فصل** ہے بمعنی علیحدگی اجمال کے مقابل کو تفصیل اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس میں ہر چیز علیحدہ علیحدہ بیان ہوتی ہے۔ آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں چونکہ بعض آیات میں وعدہ ہے بعض میں وعید اسی طرح ثواب، عذاب، حلال، حرام، احکام، ممانعت، حمد نعت کفار کی برائیاں مختلف آیتوں میں مذکور ہیں۔ اس لئے یہاں آیات جمع ارشاد ہوا یعنی ہر قسم کی قرآنی آیتیں علیحدہ علیحدہ جدا گانہ ان لوگوں کے نفع کے لئے بیان فرمادی ہیں۔ جن میں نصیحت حاصل کرنے کا مادہ اور جذبہ ہے گزشتہ آسمانی کتب میں اجمالاً احکام بیان ہوئے تھے حتی کہ توریت کو توریت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں احکام بطور توریہ واشارہ مذکور تھے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں احکام کی آیتیں یوں ہی عقائد کی آیات تفصیل وار ہیں ہاں بعض آیات صفات اور مقطعات جنہیں متشابہات کہتے ہیں ان میں تفصیل نہیں ہے وہاں اجمال ہی ضروری ہے تاکہ ان کا پتہ سواء محبوب کسی کو نہ لگے **لهم دار السلام عند ربهم** اس عبارت میں اس خوش نصیب قوم کا اجر و ثواب بیان ہوا۔ **لهم** کا مرجع وہی قوم **یذکرون** ہے چونکہ قوم معنی جمع ہے۔ اس لئے ضمیر **هم** جمع ارشاد ہوئی۔ **لهم** مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **دار السلام** سے مراد جنت ہے سلام یا تو اللہ تعالیٰ کا نام ہے تو یہ اضافت عزت و شرافت کی ہے جیسے کعبۃ اللہ اور بیت اللہ اور ناقۃ اللہ میں یا دار السلام کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر تو مقصد یہ ہے کہ جب دنیا میں انسان ایسے شاندار محل، کوٹھیاں، بنگلے تیار کر لیتا ہے کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں تو غور کرلو کہ رب تعالیٰ کا بنایا ہوا گھر کیسا ہو گا نیز انسان ایسے کھانے و پھل تیار کر لیتا ہے کہ سبحان اللہ تو سمجھ لو کہ تمہارے رب نے جو جنتی کھانے میوے خود تیار کئے ہیں وہ کیسے ہوں گے یا اسلام بمعنی سلامتی ہے اس صورت میں اضافت ظرف کی مظروف کی طرف ہے چونکہ وہاں موت سے بیماریوں سے بغض و عداوت سے گناہوں سے ناپسندیدہ چیزوں سے ہمیشہ کے لئے امن و سلامتی ہے اس لئے اسے دار السلام یعنی سلامتی و امن کا گھر کہتے ہیں یا سلام سے مراد سلام ہی ہے چونکہ وہاں فرشتے جنتیوں کو اور خود جنتی ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے اس لئے اسے دار السلام یعنی السلام علیکم کہنے سننے کا گھر کہتے ہیں چونکہ جنت نہ تو دنیا میں ہے نہ برزخ میں نہ قیامت میں بلکہ قیامت کے بعد یعنی حساب و کتاب سے فارغ ہو کر نصیب ہو گی اس لئے **عند ربهم** ارشاد ہوا دنیا فراق کی جگہ ہے آخرت وصال کی جگہ اس لئے **عند** فرمانا بالکل موزوں ہے **وهو ولیهم** یہ عبارت **لهم دار السلام** پر معطوف ہے اس میں متقیوں کی دوسری عظمت کا ذکر ہے **هو** کا مرجع رب ہے۔ ولی ولایت کا صفت مشبہ ہے اس کے بہت معنی ہیں۔ مالک، متولی، کارساز، حق دار، مددگار، دوست و محبت والا، یہاں سواء مالک کے باقی تمام معنی درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ سارے کافر و مومن منافقوں کا مالک ہے مگر

متولی، کارساز، مددگار وغیرہ صرف پرہیزگاروں کا ہے دنیا میں بھی برزخ میں بھی اور آخرت میں بھی یہ جملہ دوام اور ہیشگی کے لئے ہے یعنی رب تعالیٰ ہمیشہ متقیوں کا متولی، کارساز، مددگار اور دوست دار ہے ان سے محبت کرتا ہے ان کے بگڑے کام بناتا ہے اکے ہوئے کام نکالتا ہے **بما کانوا یعملون** اس کا تعلق دونوں سے ہے کہ ان کا جنتی ہونا اور اللہ کا پیارا ہونا ان کے نیک اعمال کی وجہ ان کی برکت سے ہے نہ کہ صرف قومیت وغیرہ کی وجہ سے اگر یہ نعمتیں چاہئیں تو نیک اعمال کرو۔ خیال رہے کہ انسانوں میں عموماً" محبت تین طرح کی ہوتی ہے۔ نسبی محبت جیسے اولاد ماں باپ سے محبت، نسبتی محبت جیسے اپنے بچے کے دوستوں سے اس کی چیزوں سے محبت، خدمت کی محبت جیسے اپنے مطیع و فرمانبردار نوکر سے محبت، رب تعالیٰ کی ولایت و محبت بھی تین طرح کی ہے محبت فطرت جیسے نبیوں خصوصاً" سید الانبیاء سے محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مرکز محبت ہیں۔ محبت جیسے صحابہ کرام اور اولیاء اللہ سے رب کو محبت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے محبت خدمت جیسے نیک کار مسلمانوں سے رب کو محبت ہے ان کے اعمال کی وجہ سے۔ یہاں **بما کانوا یعملون** فرما کر اشارۃً" بتایا کہ عاملین صالحین سے رب کو محبت اس کا کرم، تیسری قسم کا ہے یعنی محبت خدمت رب تعالیٰ نصیب فرماوے ایسے لوگوں کا اللہ والی وارث ہے۔ وارث والا کتا مار انہیں جاتا پالتوں جانور کا شکار نہیں کیا جاتا کہ وہ والی وارث والا ہے۔ اللہ جس کا والی ہو جاوے اسے شیطان شکار نہیں کر سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو یہ دین اسلام یا قرآن یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمانبرداری رب تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے اس راستہ پر پڑ لو اس کے محبوب کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو اور سیدھے آنکھیں بند کئے رب تک پہنچ جاؤ دیکھو غافل نہ ہونا ہم نے قرآن مجید کی مختلف آیتیں تفصیل وار جدا جدا بیان کر دی ہیں ان لوگوں کے نفع کے لئے جن میں نصیحت حاصل کرنے کا مادہ جذبہ ہے ان سے وہی فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے سورج سے صرف آنکھ والے فائدہ حاصل کرتے ہیں ایسے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کا گھر ہے یا ہر طرح کا امن و امان والا گھر یا وہ گھر جہاں ہر وقت اسلام کی آوازیں آتی ہیں مگر یہ گھر ملے گا جب جبکہ یہ بخیریت دنیا کی زندگی برزخی حیات، قیامت کا زمانہ گزار کر رب تک پہنچ جاویں گے نیز اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں ان کا والی کارساز ان سے محبت فرمانے والا ہے یہ دونوں نعمتیں ان نیک اعمال کی وجہ سے ہیں جو وہ کرتے تھے رب کے ہاں نام، جاہ، قومیت وغیرہ نہیں دیکھے جاتے وہاں تو کام کی پوچھ گچھ ہے۔ اللہ ان کا ولی ہے قرآن ان کا حامی ہے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھی ہیں۔ خیال رہے کہ ایک دار السلام یعنی جنت تو بہت طویل المیعاد ادھار ہے جو مرنے برزخی زندگی گزارنے قیامت کا دن پورا کرنے پل صراط پر سے بخیریت گزر جانے کے بعد ملے گا مگر دوسرا دار السلام یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ یہ نقد نعمت ہے۔ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ساری مخلوق کے لئے دار السلام ہے۔ از آدم تا عیسیٰ علیہ السلام سارے نبیوں ان کی قوموں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے طفیل امان ملی **فتلقی ادم من ربہ کلمات** اور **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** بلکہ جانور و جنات، کنکر پتھروں لکڑیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اقدس سے سلامتی پائی۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد!
اسی در پر شتران ناشاد شکوۂ رنج و عنا کرتے ہیں

ایک شاعر کہتا ہے۔

بات آدم کی بن آئی تو انہیں کے دم سے   پائی یونس نے رہائی تو انہیں کے دم سے

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خدا رسی کا صرف ایک راستہ ہے یعنی قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اس کے سوا کوئی ذریعہ خدا تک پہنچنے کا نہیں۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا   تواں یافت جز در پئے مصطفیٰ

یہ فائدہ **ھذا صراط ربک** الخ سے حاصل ہوا کوئی شخص گا کر ناچ کر ہنگ چرس کے ذریعہ رب تک نہیں پہنچ سکتا۔ کتاب و سنت کو مضبوطی سے پکڑو۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں بہت سے دین ہیں بعض من گھڑت جیسے شرک، دہریت اور بت پرستی۔ بعض اللہ کے بنائے ہوئے جیسے یہودیت، عیسائیت، داؤدیت مگر اب کوئی دین خدا رسی کا ذریعہ نہیں من گھڑت دین تو کبھی بھی خدا کا راہ نہ تھے رہے خدائی دین وہ اپنے اپنے وقت میں راہ خدا تھے اب وہ سب راستے بند کر دیئے گئے۔ یہ فائدہ **ھذا صراط ربک** سے حاصل ہوا جبکہ **ھذا** سے اشارہ اسلام کی طرف ہو رات میں چاند تارے نور کا ذریعہ ہیں مگر سورج نکلتے ہی وہ نور نہیں دیتے کبھی دن میں چاند نظر آتا ہے اس کی جسمانیت سفید رنگ تو محسوس ہوتا ہے مگر نور نہیں دیتا، عیسیٰ علیہ السلام قریب قیامت آئیں گے اپنے وقت کے نبی ہوں گے نظر آئیں گے مگر ہم کو اپنے دین کی تبلیغ نہ کریں گے بلکہ دین محمدی کی خدمت کریں گے۔ **تیسرا فائدہ:** شریعت خدا رسی کا سیدھا اور آسان راستہ ہے ہر قسم کے ایچ پیچ سے خالی ہے اس لئے اسے شریعت کہتے ہیں یعنی جرنیلی سڑک۔ یہ فائدہ **مستقیما** " سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ تک وہی پہنچ سکتا ہے جو اللہ کو رب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مان کر اس پر چلے اسے اللہ کر کے ماننا رب العالمین یا ربنا کے ذریعہ ماننا خدا رسی کے لئے کافی نہیں۔ یہ فائدہ ربک فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں صراط اللہ یا صراط ربکم یا صراط رب العالمین نہ فرمایا گیا بلکہ ربک ارشاد ہوا۔ اے محبوب آپ کے رب کا راستہ، ہم اس کی تحقیق پارہ الم، **و اذ قال ربک** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید اگرچہ سارے عالم کی ہدایت کے لئے آیا مگر اس سے فائدہ وہی اٹھاتے ہیں جن میں ہدایت کا مادہ موجود ہو۔ یہ فائدہ **لقوم یذکرون** سے حاصل ہوا۔ سورج سے صرف آنکھ والے نور لیتے ہیں **لقوم** کلام نفع کا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جنتی لوگ اپنی اپنی جنت کے مالک ہوں گے۔ محض مہمان نہ ہوں گے۔ یہ فائدہ **لھم** کے لام سے حاصل ہوا کہ اس میں لام ملکیت کا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** جنتیوں کی یہ ملکیت آج بھی ہے اور ہمیشہ رہے گی۔ یہ فائدہ **لھم دار السلام** جملہ اسمیہ سے حاصل ہوا کہ یہ جملہ دوام کے لئے ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** جنت میں ہر قسم کی سلامتی ہو گی۔ مرض، موت، عداوتیں وغیرہ کوئی تکلیف دہ چیز وہاں نہ ہو گی۔ یہ فائدہ دار السلام کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** جنت میں شرعی احکام اہل جنت پر جاری نہ ہونگے کہ وہ جگہ تکلیف شرعی کی نہیں مگر ایک دوسرے کو السلام علیکم کہنا اس کا جواب دینا وہاں بھی ہو گا کہ یہ بھی ذریعہ ہے خوشی اور سرور کا۔ یہ فائدہ دار السلام کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری : جنت میں چند شرعی چیزیں ہونگی۔ (1) حیا۔ (2) سلام۔ (3) عورتوں کا پردہ۔ (4) ذکر اللہ۔ (5) تلاوت قرآن مجید۔ (6) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق۔ کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ کی خاص نعمتیں ہیں اور روحانی غذائیں۔ **دسواں فائدہ** جنت حاصل کرنے کا ذریعہ نیک اعمال ہیں یہ فائدہ **بما کانوا یعملون** کی ب سے حاصل ہوا۔ یہ ب سببیہ ہے مگر یہ

قانون جنت کسی کے لئے ہے۔ جنت عطائی، جنت وہبی کے لئے یہ قاعدہ نہیں جیسے مسلمانوں کے چھوٹے بچے دیوانے لوگ جنت میں جائیں گے مگر کسی کی طفیل اور رب کے محض کرم سے۔ **گیارھواں فائدہ:** اعمال کی جگہ دنیا ہے برزخ یا آخرت اعمال کے نتیجے کی جگہ ہے نہ کہ اعمال کرنے کی۔ یہ فائدہ **کانوا یعملون** کے ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** جنت حاصل کرنے کے لئے صرف درستی عقائد پر کفایت نہ کرو بلکہ نیک اعمال بھی کرو پھل وہ کھاتا ہے جو درخت کی جڑ اور شاخوں پتوں سب کی حفاظت کرتا ہے ایمان جڑ ہے اعمال شاخیں جنت ملنا اس کا پھل۔ یہ فائدہ بھی **کانوا یعملون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: راستہ کے ذریعہ کسی مکان یا مکانی چیز تک پہنچا جاتا ہے رب تعالیٰ مکان اور مکانیات سے پاک ہے پھر اس تک پہنچنے کے لئے راہ کیسی اور صراط ربک کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب ہم سورۂ فاتحہ **اهدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ جسمانی راستہ جسمانی مقصد تک پہنچاتا ہے اور نورانی و ایمانی راستہ نورانی مقصد تک پہنچاتا ہے یہاں اچھے عقیدوں نیک اعمالوں کو راستہ فرمایا گیا کہ ان کو اختیار کر کے انسان رب کی رضا حاصل کرتا ہے یہ مقصد بھی نورانی ہے اس کا یہ راستہ بھی نورانی۔ یہاں راستہ سے یہ اینٹ کنکر والا راستہ مراد نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن اسلام خدا رسی کے سیدھے راستے ہیں تو کیا اس تک پہنچنے کے ٹیڑھے راستے بھی ہیں جب کوئی اور راستہ ہی نہیں تو اسے مستقیم کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ یہ راستہ بھٹکنے کے خوف سے محفوظ ہے، بے خطر ہے اس کے ذریعہ بے تکلف رب تک پہنچا جا سکتا ہے یہ صفت کاشفہ ہے کسی دوسرے راستے کے مقابل نہیں۔ اگر کہا جاوے کہ ہمارا معبود خالق علیم و خبیر ہے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اور بھی سچا معبود ہے جو خالق علیم و خبیر نہیں یہ صفات احترازی نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ مفصل ہیں۔ مجمل نہیں پھر حدیث شریف کو ماننے کی کیا ضرورت ہے قرآن مجید میں سب کچھ ہے اور ہے بھی مفصل۔ **جواب:** واقعی آیات قرآنیہ مفصل ہیں مگر ان کی شرح کی پھر بھی ہم کو ضرورت ہے تفصیل اور ہے شرح کچھ اور **اقیموا الصلوۃ** ایک مفصل آیت ہے مگر صلوٰۃ کے معنی اس کی تعداد، رکعات کی شرح حدیث شریف کرتی ہے یا یوں کہو کہ آیات قرآنیہ کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرمان و عمل سے ہے وہ تفصیل بھی گویا رب تعالیٰ ہی کی تفصیل ہے یہ جواب قوی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر **هذا** سے مراد قرآن مجید ہو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ یہ قرآن رب کا سیدھا راستہ ہے تو خدا رسی کے لئے قرآن کافی ہے پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا ضرورت ہے؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ کراچی کی ریلوے لائن کراچی کا سیدھا راستہ ہے پھر کراچی کے مسافروں کو انجن اور ریل کی کیا ضرورت ہے۔ لائن راستہ ہے انجن مسافروں کو اس راستہ پر چلانے والا ہے قرآن راستہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چلانے والے خدا تک پہنچانے والے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن مجید حکم ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے مقرر کردہ حاکم **لتحکم بین الناس**۔ حکم پر عمل حاکم کے فیصلے کے بغیر جرم ہے قاتل کی سزا قتل، چور کی سزا ہاتھ کاٹنا، زنا کی سزا رجم ہے مگر حاکم کے فیصلے سے یہ عمل ہوں گے اگر کوئی قاتل کو خود ہی قتل کردے چور کا ہاتھ خود ہی کاٹ دے بغیر حاکم کے فیصلہ کے تو وہ مجرم ہے۔ جو شخص قرآن مجید پر عمل بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے کرے وہ مجرم ہے۔ عرفات میں جو حاجی مسجد نمرہ میں جماعت

سے نماز پڑھے اس کے لئے ظہر کا وقت ہی عصر کا وقت ہے دونوں نمازیں ملا کر پڑھے مگر جو اپنے خیمہ میں اکیلا یا جماعت سے پڑھے تو عصر اپنے وقت میں پڑھے گا۔ یہ ہے حاکم مطلق حضور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ دیکھو۔ قرآن مجید کی آیات منسوخہ پر عمل کرنا حرام ہے ان پر عمل کرنا سیدھا راستہ نہیں جیسے بیوہ کی عدت ایک سال یا زانیہ مومنہ کا نکاح مشرک کے ساتھ۔ **پانچواں اعتراض:** خدا رسی کے لئے راستہ کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ راستہ تو دور والی چیز کو حاصل کرنے کے لئے طے کیا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ تو ہماری شہ رگ سے بھی قریب ہے۔ **جواب:** ہوتا اور چیز ہے پانا کچھ اور بے شک رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے مگر اس کا پانا بہت مشکل ہے پانے کے لئے راستہ طے کرنا ضروری ہے روح جسم میں ہے مگر ہم اسے پا نہیں سکتے نیز رب تعالیٰ تو ہم سے قریب ہے مگر ہم اس سے دور ہیں ہم کو اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے راستہ طے کرنا ضروری ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

یار نزدیک تراز من بہ من است   ویں عجب بیں کہ من از وے دورم

چھٹا اعتراض: قرآن کریم تو سارے جہان کی ہدایت کے لئے آیا ہے پھر یہاں **لقوم یذکرون** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں لام نفع کا ہے چونکہ اس سے نفع صرف یہ لوگ اٹھاتے ہیں لہٰذا یہ ارشاد ہوا جیسے بارش سے نفع صرف اعلیٰ زمین ہی اٹھاتی ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ بارش عمدہ زمین کے لئے برستی ہے شورہ زمین اس سے محروم ہے۔ **ساتواں فائدہ:** **لھم دار السلام** سے معلوم ہوا کہ جنت اہل جنت کی ملکیت ہوگی۔ مگر قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے **نزلا من غفور رحیم** اللہ کی طرف سے وہاں مہمانی ہوگی۔ مہمان گھر کا مالک نہیں ہوتا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں خاطر تواضع کے لحاظ سے نزل ارشاد ہوا کہ تمہاری خاطر مہمانوں کی سی ہوگی۔ تم ہمیشہ رب تعالیٰ کے مہمان ہوؤ گے۔ اعزاز اور خاطر تواضع کے لحاظ سے مہمان ہونگے ویسے اپنے املاک کے مالک۔ **آٹھواں اعتراض:** **لھم دار السلام** میں **لھم** کے حصر سے معلوم ہوا کہ جنت صرف ان ہی لوگوں کو ملے گی ان کے سواء اور کسی کو نہیں۔ کیا مسلمانوں کے شیر خوار فوت شدہ بچے یوں ہی دیوانگی کی حالت میں مرجانے والے مسلمان جنت میں نہیں جائیں گے۔ **جواب:** اس سوال کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے کفار کے مقابلہ میں یعنی صرف مومنین ہی جنتی ہیں کفار جنتی نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے ان بچوں اور دیوانوں کو جنت مل جانا یا ہم جیسے گنہگاروں کو جنت کی عطا کسی پیارے کی طفیل سے ہے یوں ہی جو لوگ جنت پر کرنے کے لئے پیدا کئے جائیں گے انہیں جنت ملنا خاص رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جنت کی عطا تین طرح کی ہے۔ کسبی، عطائی، وہبی مگر دوزخ صرف کسبی ہے اس لئے یہاں **بما کانوا یعملون** فرمایا گیا۔ **نواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **وھو ولیھم** جس سے معلوم ہوا کہ ہر مسلمان جنتی کا والی وارث اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ پھر تم نبیوں ولیوں کو اپنا والی وارث کیوں مانتے ہو۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جوابات بارہا بیان ہو چکے۔ قوی جواب یہ ہے کہ ولی حقیقی رب تعالیٰ ہے۔ جب وہ کسی کا ولی ہو تو اس کے مقبول بندے بھی ولی مجازی ہو جاتے ہیں۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** الخ۔

تفسیر صوفیانہ: خدا رسی کے دو راستے ہیں ایک سیدھا اور کھلا ہوا جسے شریعت کہتے ہیں دوسرا تنگ اور پیچدار جسے طریقت کہا جاتا ہے شریعت وہ وسیع سیدھا راستہ ہے۔ جس پر ہر شخص آسانی سے چل سکتا ہے مگر اس راستہ سے دیر میں پہنچنا ہوتا ہے طریقت

وہ گلی در گلی راستہ ہے جسے صرف واقف آدمی ہی طے کر سکتا ہے مگر یہ راستہ بہت جلد منزل پر پہنچا تا ہے یہ دونوں راستے قرآن و حدیث سے ثابت ہیں، دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام سے کہا **علی ان تعلمنی مما علمت رشدا** آپ اپنا علم مجھے بھی سکھادیں یہ علم شریعت نہ تھا کہ وہ تو توریت میں عطا ہو چکا تھا بلکہ علم طریقت یعنی اسرار کا علم تھا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے آپ میری جان کے سواء باقی تمام چیزوں سے پیارے ہیں فرمایا تم مومن جب ہوؤ گے جب میں تم کو جان سے بھی زیادہ پیارا ہو جاؤں فوراً" عرض کیا اب مجھے آپ جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت عمر کی کایا ایک آن میں پلٹ دی کون سے علم سے صرف نگاہ سے۔ (بخاری) بہر حال اس راہ کو طے کرنے کے تین راستے ہیں۔ اعمال، احوال، نظر اہل کمال۔ جسمانی اعمال سست رفتار سواری ہے۔ دل کا درد اخلاص تیز رفتار سواری ہے دل کے درد کی ایک بات نکلے تو وہ عمر بھر کے گناہ معاف کرا دیتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے جسم پاک کے حالات شریعت ہیں اور قلب پاک کے حالات طریقت، راہ شریعت طے کرنے کے لئے عقائد و اعمال کی سواری ضروری ہے راہ طریقت طے کرنے کے لئے عقیدت کی سواری درکار پھر جیسے دنیاوی راستے طے کرنے کے لئے سست و تیز مختلف سواریاں ہیں یوں ہی راہ طریقت طے کرنے کے لئے مختلف سواریاں ہیں سب سے تیز سواری مرد کامل کی نگاہ ہے۔ جس سے مہینوں برسوں کا راستہ منٹوں سیکنڈوں میں طے ہو جاتا ہے فرعونی جادو گر ایک نگاہ کلیمی سے وہاں پہنچے جہاں عبادات کے قدموں سے برسوں میں نہ پہنچے اسی لئے صوفیا کرام فرماتے ہیں۔

یک زمانہ صحبتے با اولیاء   بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

مگر یہاں اس راستے میں کامل رہبر کی اور اللہ تعالیٰ کی مدد کی خاص ضرورت ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **وھو ولیھم** اے رہروان راہ طریقت گھبرانا نہیں اس راہ میں اللہ تعالیٰ تمہارا والی وارث ہے مددگار ہے اس کے کرم سے بیڑا پار لگے گا۔ غرضیکہ اس راہ کی سواری، رہبر، نور روشنی اپنی ہمت و ارادہ سب ہی کا رب کی طرف سے انتظام ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنت اس راستہ کی ایک منزل ہے نہ کہ اصل مقصود اصل مقصود تو یار کا وصال ہے۔ اس لئے فرمایا **دار السلام عند ربھم** جیسے ہم مکہ معظمہ کے مسافر سے کہیں کہ جدہ مکہ کے پاس ہے یعنی تو جدہ ضرور جا کیونکہ وہ تیرے مقصود مکہ معظمہ کے پاس ہے وہاں سے تو مکہ معظمہ پہنچے گا۔ اعمال سے اللہ تعالیٰ کی ولایت و قرب حاصل ہوتا ہے مگر حال سے کمال سے اس کا وصال میسر ہوتا ہے اس لئے ارشاد ہوتا ہے **ولیھم بما کانوا یعلمون** ذرا ہمت کرو اعمال سے آگے بڑھ کر حال اور حال سے ترقی کر کے کمال کماؤ۔ مولانا فرماتے ہیں۔

قال را بگذار مرد حال شو!   زیر پائے کامل پامال شو!

صوفیاء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ و سلم آیات اللہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا ہر وصف ہر لو ارب کی نشانی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا جسم شریف شریعت کا مرکز ہے قلب پاک طریقت کا سرچشمہ روح پاک حقیقت کا سر پاک معرفت کا سرچشمہ یہ تمام آیات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ **قد فصلنا الایات** مگر ہیں اس کے لئے جس میں نصیحت لینے کا مادہ ہو **لقوم یذکرون** علماء کے نزدیک دار السلام یعنی سلامتی کی جگہ جنت ہے مگر صوفیاء کے نزدیک دار السلام حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا دامن آپ کی بارگاہ بے کس پناہ ہے۔ دھوپ سے پناہ درخت کا سایہ بارش سے پناہ چھت کا سایہ بیماری سے پناہ حکیم کی دکان مظلوم کے لئے ظلم سے پناہ حاکم کا دروازہ ہے اسی طرح گنہگار کی پناہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا سایہ ہے **ولو انھم اذ ظلموا**

انفسم جاوک۔

خوف نہ کر ذرا رضا تو تو ہے عبد مصطفیٰ تیرے لئے امان ہے تیرے لئے ایمان ہے!

اب پڑھو لہم دار السلام عند ربہم ہرنبی اپنی امت کے لئے پناہ تھے کفار پر عذاب آئے نبی کی امت پر نہ آئے مومنین نوح اور بنی اسرائیل ڈوبے نہیں۔ قوم لوط کے مومنین پر پتھر نہیں برسے کیونکہ وہ اپنی پناہ کے پاس تھے حضور کونین صلی اللہ علیہ وسلم میں ساری خلق کے دائمی پناہ ہیں۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ

اور وہ دن کہ جمع کرے گا ان کو سب کو اے جماعت جن کی بہت سے لئے تم نے انسانوں میں سے اور کہیں گے

اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لیے اور انکے دوست

اَوْلِيٰٓـؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا

دوست ان کے انسانوں میں سے اے پالنے والے ہمارے نفع اٹھایا بعض نے ہمارے بعض سے اور پہنچ گئے ہم مدت

آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی اس میعاد کو پہنچ گئے

الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ۭ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَاۗءَ اللّٰهُ ۭ

کو اپنی وہ جو مقرر کی تو نے واسطے ہمارے فرمائیگا آگ ٹھکانہ ہے تمہارا سدا رہو گے اس میں سوا اس کے جو چاہے اللہ

جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی تھی فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانہ ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر جسے خدا چاہے

اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًۢا بِمَا كَانُوْا

بے شک رب آپ کا حکمت والا علم والا ہے اور اسی طرح دوست بناتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض کا اس

اے محبوب بے شک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں

يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾

وجہ سے کہ کماتے تھے وہ

بدلہ ان کے کئے کا

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں راہ راست پر چلنے والے مومنوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ٹیڑھی راہ چلنے والے کفار کا ذکر ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے اور مسلمانوں کو اس سے ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ سیدھا راہ اختیار کریں الٹے راستے سے بچیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مومنوں کے

لئے آخرت میں امن و امان و سلامتی ہے لہم دار السلام اب ارشاد ہے کہ کفار کے لئے وہاں نہ امن ہے نہ سلامتی حتی کہ ان کے نہ دوست ہوں گے نہ مددگار۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ سیدھی راہ چلنے والوں کا اللہ تعالیٰ ولی وارث ہے جس کے نتیجے میں اللہ کے سارے بندے اس کے والی وارث ہوں گے اب ارشاد ہے کہ کفار وہاں بالکل لاوارث بے نورے ہونگے یہ لاوارثی بھی ان پر اللہ کا عذاب ہوگا۔

تفسیر: **ویوم یحشر هم جمیعا**" یہ نیا جملہ ہے **یوم** سے پہلے یا تو **اذکر** یا **اذکروا** پوشیدہ ہے اور یوم اس کا مفعول بہ ہے اور یا اس سے پہلے نقول پوشیدہ ہے اور یوم اس کا ظرف اور یا **معشر الجن** الخ اس کا مفعول بہ اگر **اذکر** پوشیدہ ہے تو اس میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی آپ لوگوں کو یاد دلائیں لوگوں سے اس کا تذکرہ فرماتے رہیں اور اگر **اذکرو** پوشیدہ ہے خطاب عام لوگوں سے ہے یعنی یاد کرو یا ہمیشہ یاد رکھو یا قولی یاد رکھو کہ زبان سے قیامت کا ذکر کیا کرو یا عملی طور پر یاد رکھو کہ اس دن کے حساب و کتاب کی تیاری کرتے رہو۔ صرف زبان سے قیامت کو یاد کرنا عملی تیاری نہ کرنا زیادہ مفید نہیں۔ قرآن مجید نے گزشتہ نبیوں ولیوں مومنوں کافروں کے حالات کا ذکر کرنے یاد رکھنے کے تذکرہ کا حکم دیا ہے **واذکر فی الکتب اسمعیل** وغیرہ اور آئندہ واقعات کے یاد کرنے یاد رکھنے تذکرہ کرنے کا حکم دیا ہے یہ آیت وہ ہے جس میں آئندہ واقعات کے یاد رکھنے کا حکم ہے۔ **یوم** سے مراد دن نہیں بلکہ وقت ہے کیونکہ قیامت میں نہ سورج ہوگا نہ دن رات ہماری قرات میں **یحشر** ہے ی سے دوسری قراتوں میں **نحشر** ہے نون سے **یحشر** بنا ہے حشر سے معنی جمع ہونا یا جمع کرنا اس دن سے مراد قیامت کا دن۔ **هم** کا مرجع سارے کفار ہیں جنات ہوں یا انسان جیسا کہ اگلے مضمون سے معلوم ہو رہا ہے **جمیعا**" فرما کر یہ بتایا کہ کفار جن و انس کا حشر ایک ساتھ ہوگا کہ یہ سب ایک جگہ اکٹھے کئے جائیں گے جیسے مومنین کا حشر ایک ساتھ ہوگا ان شاء اللہ ہم جیسے گنہگاروں کو رب تعالیٰ اپنے نیک کاروں کے ساتھ حشر نصیب فرمائے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **المرء مع من احب** انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے دنیا میں محبت ہوگی یعنی وہ دن یاد رکھو جس دن رب تعالیٰ سارے جن و انس کفار کو یکجا جمع کرے گا۔ خیال رہے کہ قبروں سے اٹھ کر سارے انسان مومن ہوں یا کافر ایک ساتھ میدان محشر کی طرف چلیں گے پھر وہاں پانچ کرور راز عرصہ تک حکم کے منتظر رہیں گے پھر تلاش شفیع کے لئے سب ہی سرگرداں پھریں گے اس اجتماع میں مومن و کافر متقی فاسق سب ہی ہونگے پھر حکم ہوگا **وامتازوا الیوم ایها المجرمون** اس حکم سے مومن و کافر کی چھانٹ ہو جاوے گی کہ مومن عرش کی داہنی طرف کفار بائیں طرف اب جدائی ہے مومن و کافر کی اجتماع ہے سارے کفار کا ادھر سارے مومنین۔ یہاں اس تیسرے اجتماع کا ذکر ہے اولین و آخرین کفار اس طرح جمع ہیں اور اولین آخرین مومنین، دوسری طرف اس اجتماع کا ذریعہ کفر یا ایمان ہوگا۔ دنیا میں اجتماع خاندانی، ملکی، قومی، زبانی تعلقات کی بناء پر ہوتے ہیں مگر قیامت میں صرف ایمان یا کفر کی بنا پر اجتماع ہوں گے۔ دنیا میں محبتیں، نسبی سسرالی، خونی، قومی، ملکی، خاندانی رشتوں، سے ہوتی ہیں، مگر قیامت میں محبت، صرف رشتہ ایمان سے ہوگی دنیا میں بھی ایمانی محبت میں اخلاص ہے دوسری محبتوں میں خود غرضی دوسری محبتیں ایک وقت ایک جگہ کے لوگوں میں ہوتی ہیں مگر ایمانی محبت زمین و زمان کی قید سے آزاد ہے گزشتہ اور آئندہ سارے مسلمان ہمارے بھائی ہمارے پیارے ہیں **یا معشر الجن قد استکثر تم من الانس**۔ اگر یوم سے پہلے **اذکر** پوشیدہ تھا تو یہ عبارت نقول یا **قلنا** فعل کا مفعول بہ ہے اور اگر وہاں **قلنا** پوشیدہ تھا تو یہ اسی کا مفعول ہے

معشر بنا ہے عشر سے بمعنی دس عربی میں دس کا عدد کامل ہے کہ اس پر اکائیاں ختم ہو جاتی ہیں اور آئندہ اس سے اکائیاں مل کر عدد مرکب بنتے ہیں۔ جیسے احد عشر' اثنا عشر وغیرہ۔ اصطلاح میں ایک شخص کے سارے قرابت داروں کو عشیرہ کہتے ہیں۔ جس سے وہ کثرت و زیادتی حاصل کرے یعنی کنبہ اسی سے ہے معشروہ جماعت جن کا معاملہ ایک ہو یعنی کسی خیال پر متفق گروہ اسی سے ہے عشرت اور معاشرہ یعنی آپس کے تعلقات لہذا معشر کے معنی ہوئے عشر کی جگہ یعنی کثرت کا محل بڑی جماعت (روح البیان) لفظ جن کے لفظی معنی ہیں چھپنا اسی سے ہے جنت 'جنون' جنین' جنہ ان سب میں چھپنے کے معنی ملحوظ ہیں جن وہ آتشی مخلوق ہے جو ہماری نظروں سے غائب رہتی ہے اور مختلف شکلوں میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ ان میں بعض مومن ہیں بہت کافر' مومن جنات میں متقی' علماء اولیاء سب ہی ہیں۔ ہاں نبوت جنات میں نہیں کہ نبوت انسانوں سے خاص ہے یوں ہی ولایت کا درجہ قطب الاقطاب جنوں کو نصیب نہیں یوں ہی کسی جن کی صحابیت پر یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہم سے چھپے رہتے ہیں ان کے حالات کی ہم کو خبر نہیں اس لئے احادیث ان سے مروی نہیں ہوتیں۔ یہاں کافر جنات مراد ہیں انہیں سے خطاب ہے۔ چونکہ کافر جنات انسانوں کو بہکاتے ہیں اور وہ بھی بہت قسم کے بعض تو انسان کے ساتھ رہتے ہیں جنہیں قرین کہا جاتا ہے بعض مسجدوں میں بعض بازاروں میں رہتے ہیں بعض نماز میں وسوسے ڈالتے ہیں بعض وضو میں بعض بیت الخلاؤں میں رہتے ہیں بعض شراب خانوں میں ان سب سے یہ خطاب ہے اس لئے یا معشر فرمایا گیا اے جنات کے گروہ۔ استکثرتم بنا ہے استکثار سے بمعنی بہت لینا' بہت پر قبضہ کر لینا اس سے پہلے جماعت پوشیدہ ہے یعنی اے کافر جن شیطانو تم نے بہت سے انسانوں کو اپنے قبضہ میں لے لیا کہ انہیں بہکا کر کافر بنا دیا انہیں نبیوں' ولیوں سے برگشتہ کر دیا۔ خیال رہے کہ یہاں استکثار میں کثرت سے مراد اضافی کثرت ہے کیونکہ عموماً" دنیا میں مسلمانوں سے کفار زیادہ ہوتے ہیں اور گمراہی کا مرکز جنات یعنی ابلیس اور اس کی ذریت ہے۔ خصوصاً" قوم یاجوج و ماجوج تو وہ انسان ہیں جن میں کوئی ہدایت پر نہیں سارے ہی کفار ہیں یہ بھی یاد رکھو کہ بعض انسان جنات کو تکوینی قابو میں رکھتے ہیں۔ جیسے حضرت سلیمان اور بہت سے اولیاء اللہ کہ جنات ان کے قبضہ میں ہوتے ہیں ان کی خدمات کرتے ہیں۔ بعض انسان جنات کو تشریعی طور پر قابو میں رکھتے ہیں جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت جنات کو مسلمان کیا ان پر شرعی احکام جاری فرمائے اور بعض انسان جنات کے قابو میں آجاتے ہیں تکوینی طور پر کہ جن انہیں بیمار کر دیتے ہیں انہیں بہکاتے ہیں گمراہ کرتے ہیں یہاں اس کا ذکر ہے مگر کوئی جن انسانوں کو تشریعی طور پر قابو میں نہیں رکھتا کوئی جن کسی انسان کا پیر مرشد نہیں۔ جنات سے شریعت و طریقت کے سلسلے جاری نہیں۔ یہ فیوض انسانوں سے ہی جاری ہیں۔ **وقال اولیاءھم من الانس** یا تو یہ رب تعالیٰ کے فرمان عالی کا جواب ہے تب لطف یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جنات سے خطاب فرمایا مگر وہ جواب نہ دے سکے جواب دیا انسانوں نے کیونکہ انسان جرات میں جنات سے زیادہ ہے یا یہ علیحدہ واقعہ کا ذکر ہے تب مقصد یہ ہے کہ گمراہ گر شیطانوں پر رب تعالیٰ کا عتاب بھی ہو گا اور ان کے متبعین گمراہ انسانوں کی شکایت بھی۔ یا یہ کلام رب تعالیٰ کے کسی اور خطاب کا جواب ہے جس میں انسانوں سے خطاب تھا مگر پہلا احتمال قوی ہے اولیاء جمع ہے ولی کی یہاں ولی بمعنی دوست ہے **من الانس** میں **من** تبعیضیہ ہے یعنی انسانوں میں سے وہ جو ان جنات شیاطین کے دوست تھے وہ یہ عرض کریں گے۔ خیال رہے کہ انہیں شیاطین کا دوست فرمانا زمانہ گزشتہ کے اعتبار سے ہے ورنہ اس دن تو وہ سب ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین**۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ **من الانس** میں **من** بیانیہ

ہے۔ تمام رشتے ہم جنس سے ہی قائم ہو سکتے ہیں مگر رشتہ محبت جنسیت کا پابند نہیں انسان کو جانوروں جنات مکانات ملک سے محبت ہو جاتی ہے گنہگار کو حضور احمد مختار بلکہ رب قادر و قہار سے محبت ہو جاتی ہے لہٰذا الاولیاء فرمانا بالکل درست ہوا **ربنا استمتع بعضنا ببعض** یہ عبارت قال کا مقولہ ہے **استمتع** بنا ہے **استمتاع** سے جس کا مادہ **متع** ہے بمعنی نفع اسی لئے سامان کو متاع کہتے ہیں کہ یہ نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے استمتاع کے معنی ہیں نفع اٹھانا فائدہ کمانا قرآن مجید کی اصطلاح میں عارضی اور فانی فائدہ کو متاع کہا جاتا ہے اور دائمی باقی فائدہ کو رباح یا فلاح یا فوز کہتے ہیں تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے زندگی بنادی مال سامان کمانے میں صرف کی جو محض عارضی و فانی ثابت ہوا ہم نے اعمال کی فلاح اور فوز نہ کمائے۔ زندگانی کے تیر کے ترکش باز کے سایہ کے شکار ہیں خرچ کر دیئے اصل باز جو توشہ آخرت تھی وہ نہ کمائے **بعضنا ببعض** کہہ کر یہ بتایا کہ ہم کو وہ دوکانیں ہی نہ ملیں۔ جن پر فلاح، فوز کے سودے ملتے ہیں ہم انہیں دوکانوں پر رہے جہاں متاع غرور کے جھوٹے سودے تھے۔ خیال رہے کہ اس **بعضنا ببعض** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ دونوں بعض سے مراد کفار انسان ہی ہوں تو مطلب یہ ہے کہ مولیٰ اگرچہ ہم مختلف قسم کے کفار تھے مگر ایک دوسرے کے دوست تھے ایک دوسرے سے نفع حاصل کرتے تھے۔ خصوصاً اسلام کے مقابلہ میں ہم سب متحد تھے کہ اسے مٹانے مسلمانوں کو ستانے کے لئے ہم آپس میں ایک دوسرے کا تعاون کرتے تھے یا پہلے بعض سے تو کافر انسان مراد ہیں اور دوسرے بعض سے گمراہ گر جنات مراد۔ تب مطلب یہ ہے کہ ہم انسانوں نے شیاطین سے نفع اٹھایا کہ شیطان نے ہم کو کفر طغیان، شہوات گناہوں پر ہر طرح مدد دی ہمارے لئے گمراہی کے اسباب جمع کئے۔ ہماری دشمنوں سے حفاظت کی۔ چنانچہ کفار عرب اسلام سے پہلے جب سفر میں کسی جنگل میں اترتے تو کہتے تھے کہ ہم اس جنگل کے سردار جن کی پناہ لیتے ہیں ان کا جان و مال محفوظ رہتا تھا اور جنات نے کفار انسان سے یہ نفع اٹھایا کہ انہیں بغیر تنخواہ کے نوکر مل گئے جو ہر طرح ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اور جس سے ان کی سرداری قائم تھی جنات فخر کرتے تھے کہ میرے تابع اتنے انسان ہیں غرضکہ کفار انسانوں کی کاربرآری جنات کی سرداری انسانوں سے قائم تھی لہٰذا یہ کلام بالکل درست ہے **وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا** اس میں کفار کے دوسرے عذر کا ذکر ہے مقصد یہ ہے کہ ہم تاموت انہیں متاع دنیا کی دوکانوں پر رہے دنیا کے تغیرات سے بھی ہم نے آنکھیں نہ کھولیں حتیٰ کہ اسی غفلت میں ہم کو موت آگئی۔ اس عبارت میں ان کے آپس کی مدد کی گویا حد بیان کی گئی ہے اجل سے مراد یا موت ہے یا قیامت اجل کے معنی ہیں میعاد مقرر۔ چونکہ موت کا بھی وقت مقرر ہے اور قیامت کا بھی موت ہر ایک کی شخصی قیامت ہے اور قیامت عمومی قیامت۔ لہٰذا دونوں احتمال درست ہیں یعنی ہماری ایک دوسرے کی مدد صرف موت تک رہی بعد موت ہم ایک دوسرے کے لئے بیکار بلکہ مضر ہو گئے مگر اس کا وبال دائمی اٹھانا پڑے گا۔ ہم سے غلطی ہو گئی۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم دنیا میں دھڑے بندیوں کے جھگڑوں میں پھنسے رہے جن سے رشتہ جوڑنا تھا ان سے نہ جوڑا بڑے گھاٹے کا سودا کیا حقیقت یہاں آکر کھلی۔ **قال النار مثولکم** یہ رب تعالیٰ کا جواب ہے النار سے مراد یا تو دوزخ ہے یا دوزخ کا گرم طبقہ جہاں آگ کا عذاب ہو گا۔ **مثوی** بنا ہے **ثوی** سے بمعنی ٹھہرنا۔ قیام کرنا **مثوی** اسم ظرف ثوی سے **مثوی - اوی** سے ماوی ہے۔ یہاں مراد ہے دائمی قیام کی جگہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **مثوی** مصدر میمی ہے اور **مثوی** سے پہلے دار یا ذات پوشیدہ ہے (معانی) **خالدین فیھا** یہ عبارت **مثو کم** میں **کم** سے حال ہے اور اگر **مثوی** مصدر تھا تو وہ ہی اس کا عامل ہے اور اگر اسم ظرف تھا تو **یقیمون یا یثوون** پوشیدہ اس میں عامل ہے خلود کے معنی

دراز قیام بھی ہے اور ہمیشہ کا قیام بھی یہاں ہمیشہ کا قیام مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ **خالدین فیہا ابدا** ارشاد ہوا۔ **الا ما شاء اللہ** حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ اس عبارت میں **ما** بمعنی **من** اور یہ **مثوکم** کے **کم** سے مستثنیٰ ہے اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو مرتے وقت ایمان لاکر مرے (معانی) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سا تر لوگ ہوں جن کے دل میں ایمان تھا مگر زبان پر کفر ظاہری شرعاً" کافر تھے **عند اللہ** مومن کہ آخر میں یہ بھی دوزخ سے نکال دیئے جاویں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ رب تعالیٰ آخر میں دوزخیوں کو اپنا لپ بھر کر نکالے گا انہیں جنت میں داخل کرے گا (مشکوٰۃ باب شفاعت) ممکن ہے کہ ان سے وہ کفار مراد ہوں جن کو نبی سے محبت تھی اور جنہوں نے نبی کی خدمت کی کہ وہ لوگ آگ سے دور رکھے جائیں گے۔ جہاں آگ کی گرمی پہنچے گی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ابو طالب آگ کے جھیرے میں ہیں آگ سے دور۔ ان صورتوں میں آیت کے معنی واضح ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **ما** مصدریہ وقتیہ ہو اور معنی یہ ہوں کہ مگر اللہ کے چاہنے کے اوقات میں کفار آگ میں نہ رہیں گے بلکہ وہاں سے منتقل کر کے ٹھنڈے طبقے زمہریر میں بھیجے جائیں گے کیونکہ وہ آگ میں گھبرا کر ٹھنڈک مانگیں گے تو زمہریر میں پہنچائے جایا کریں گے پھر وہاں کی ٹھنڈک سے ان کے جسم کے جوڑ الگ ہو جائیں گے تو پھر آگ میں آنے کی آرزو کریں گے یا اس سے وہ وقت مراد ہے جب دوزخ کا دروازہ کھلے گا یہ نکلنے کے لئے اس طرف بھاگیں گے جب دروازے سے نکلنے والے ہی ہوں گے تو اچانک دروازہ بند ہو جاوے گا یہ دیکھ کر جنتی لوگ ان پر ہنسیں گے جسے اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے **فالیوم الذین امنوا من الکفار یضحکون** یا آیت کا مطلب یہ ہے کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے مگر یہ کہ اللہ چاہے تو انہیں نکال دے وہ تو چاہے گا نہیں۔ لہٰذا یہ نکلیں گے بھی نہیں اس عبارت کی اور بہت توجیہیں کی گئی ہیں (خازن، معانی وغیرہ) بہرحال یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ **خالدین فیہا ابدا۔ ان ربک حکیم علیم** یعنی آپ کے رب نے جو بعض کافر پیدا کئے بعض مومن اور کافروں میں بعض ہلکے عذاب والے بعض سخت عذاب والے اور کفار کو دائمی دوزخ میں رکھا ان سب میں اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت کارفرما ہے اس کے لئے کسی فعل پر اعتراض نہ کرو۔ **و کذالک نولی بعض الظالمین بعضا**" کذالک میں کاف تشبیہ کا ہے اور **ذالک** سے گزشتہ مضمون کی طرف اشارہ ہے۔ اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم قیامت میں بعض کافروں کو بعض سے قریب رکھیں گے کہ دوزخ میں سارے اگلے پچھلے کافر جمع ہوں گے مگر عداوت کے ساتھ۔ دوسرے یہ کہ ہم دنیا میں بعض ظالموں کو بعض مجرموں پر والی و حاکم بنا دیتے ہیں کہ بدکاروں پر حاکم ظالم مقرر ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم دنیا میں عارضی طور پر بعض کافروں کو بعض کا ولی و قریب و دوست بنا دیتے ہیں۔ اس صورت میں **نولی** بنا ہے **ولی** سے۔ کافر انسانوں کا کافر جنوں سے محبت و الفت کرنا ان جنات کا ان کی مدد کرنا **نولی** بنا ہے تولیۃ سے بمعنی دوست بنانا یا مددگار مقرر کر دینا ظالمین سے مراد کافرین و مشرکین سب ہی ہیں۔ یعنی جیسے کافر جن و انس ایک دوسرے پر مسلط ہیں ایک دوسرے کے مددگار ہیں یونہی بعض کافر انسان دوسرے کافروں کے مددگار ان کے دوست بنا دیئے گئے۔ **بما کانوا یکسبون** یہ عبارت متعلق ہے **نولی** سے۔ **ما** سے مراد ہیں اعمال یعنی اگرچہ کفار مختلف دین رکھتے ہوں مگر کفر و بد عملی میں سب یکساں ہیں اس لئے ایک دوسرے کے دوست بنائے گئے اس عبارت کے ایک معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ مجرموں پر ظالم حکام مقرر کئے جاتے ہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے **کما تکونون تومرون** جیسے تم ہو گے ویسے تم پر امیر مقرر ہوں گے اس صورت میں **نولی** بنا ہے ولایت سے بمعنی حکومت و تسلط نہ کہ ولی

سے (روح المعانی) یہ معنی بھی کیے گئے ہیں کہ ظالموں کو دوزخ میں بعض کو بعض سے قریب کر دیں گے اس طرح کہ وہ عذاب میں شریک ہوں گے تب یہ بنا ہے ولی بمعنی قرب سے۔ بہر حال نولی کے تین معنی ہیں ہر معنی پر ولی یا ولایت سے مشتق ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں چند مضمون ہیں۔ (1) جنات سے سوال کہ تم نے ہمارے بہت سے انسانوں کو اپنے قبضہ میں کیوں کر لیا' تم گمراہ گن کیوں بنے۔ (2) گمراہ انسانوں کی دو معذرتیں' پھر رب تعالیٰ کا جواب کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کو جو آپ کی مخالفت میں سب متفق ہو کر زور لگا رہے ہیں وہ قیامت کا دن بھی یاد دلاؤ جب ہم تمام جن و انس کافروں کو یکجا کھڑا کریں گے پھر جن کافروں سے بطور عتاب سوال فرمائیں گے کہ اے جنو تم نے بہت انسانوں کو اپنے پھندے میں لے لیا تھا کہ انہیں راہ حق سے روکا کافر و بے دین بنایا وہ جنات تو جواب نہ دے سکیں گے البتہ ان کے دوست یعنی کافر انسان عرض کریں گے کہ سوائی ہم دھوکہ کھا گئے ہم میں سے بعض نے بعض سے خوب نفع کمایا کہ جنات نے ہم کو بہکایا کفر و سرکشی میں ہماری ہر طرح مدد کی برائیوں کو ہماری نگاہ میں اچھائی کر دکھایا اور ہماری اطاعت کی وجہ سے بہکانے والے جنات ہمارے بھی اپنی قوم کے بھی سردار بنے۔ مزیداری ہم نے ان سے اور سرداری انہوں نے ہم سے حاصل کی مگر افسوس کہ یہ سرداری مزیداری ایک عارضی چیز نکلی جو تو نے ہماری موت کی مدت مقرر فرمائی تھی وہ آگئی اور سب کچھ خاک میں مل گیا تب رب تعالیٰ جواب میں فرمائے گا۔ اچھا اب اپنے کیے کی سزا بھگتو تم سب جن و انس کفار کا ٹھکانہ آگ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہی تم کو کبھی آگ سے نکال کر ٹھنڈے طبقہ میں پہنچائے جہاں کا عذاب آگ سے بھی زیادہ سخت ہے وہ گھڑیاں تمہارے آگ سے دور رہنے کی ہوں گی اے محبوب آپ کا رب حکمت والا بھی ہے علم والا بھی' جیسے ہم نے جن و انس کافروں کو یکجا کر دیا اسی طرح ہم بعض کفار انس کو بعض دوسرے کافروں کا عارضی دوست بنا دیتے ہیں ان کی بد عملیوں کی وجہ سے یا ظالم لوگوں پر ظالم حکام مقرر کر دیتے ہیں ان کی بد عملی کی وجہ سے یا بعض کفار دوسرے بعض سے دوزخ میں قریب رہیں گے کہ اگرچہ دنیا میں ان کی قوم زبان ملک علیحدہ تھے مگر کفر میں سب یکساں تھے۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: بعض چیزوں کا یاد رکھنا' یاد کرنا' تذکرہ کرنا عبادت ہے' اللہ کی ذات و صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ' اللہ کے احسانات اس کی نعمتیں اپنے گناہ دوسروں کی نیکیاں جو انہوں نے ہمارے ساتھ کی ہوں' اپنی موت' قیامت' رب کی بارگاہ میں پیشی یاد رکھنا عبادت ہے۔ یہ فائدہ یحشرھم سے پہلے اذکر وا مقدر ہونے سے حاصل ہوا' یوں ہی بعض چیزوں کا بھول جانا عبادت ہے اپنی نیکیاں' کسی نے ہم پر زیادتی کی ہو اور پھر معافی مانگ لی ہو۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد سے ملاقات کے وقت اپنے جیل میں رہنے کا تو ذکر فرمایا مگر کنوئیں میں رہنے کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ دوسرا فائدہ: قیامت میں پہلے سب اکٹھے ہوں گے اس لئے اسے حشر کہتے ہیں پھر چھانٹ ہوگی اس لئے اسے یوم الفصل بھی کہتے ہیں یہ فائدہ یحشرھم جمیعا سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری : قیامت کے قریبا" دس نام ہیں جو قرآن مجید میں آئے ہیں۔ قیامت' حشر' یوم الحساب' یوم البعث' یوم النشور' یوم الفصل' قارعہ' یوم الفتح' یوم التناد' یوم الفزع الاکبر' ساعۃ کیونکہ وہ مومنوں کو گھڑی بھر کی محسوس ہوگی۔ تیسرا فائدہ: کل قیامت میں ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے اسے دنیا میں محبت ہوگی' جس کی اطاعت محبت سے کرے۔ یہ فائدہ

بھی **یحشرھم جمیعا** " سے حاصل ہوا۔ ان شاء اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متبعین حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ساتھ ہوں گے۔ چوتھا فائدہ: جنات انسانوں کو بہکا بھی سکتے ہیں تکلیف بھی پہنچا سکتے ہیں انہیں بیمار بھی ڈال سکتے ہیں یہ فائدہ **استکثرتم من الانس** سے حاصل ہوا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **یتخبطہ الشیطان من المس**۔ انسان کو شیطان چھو کر دیوانہ کر دیتا ہے۔ جب زہریلے جانور زہریلی دوائیں انسانوں کو بیمار بلکہ ہلاک کر سکتے ہیں تو اگر شیطان اور اس کی ذریت میں یہ طاقت ہو تو کیا بعید ہے مگر بعض مقبول بندے وہ ہیں کہ جنات ان کے بس میں کر دیئے جاتے ہیں وہ ان کے بس میں ہوتے ہیں۔ قرآن کریم حضرت سلیمان علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **یعملون لہ ما یشاء من محاریب**۔ خیال رہے کہ جب مردود جنات کو بیمار کر دینے کی طاقت بخشی گئی ہے تو یقیناً مقبول انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے شفا دینے کی قوت بخشی ہے کہ جنات بیماری ہیں یہ حضرات علاج۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں **وابرء الاکمہ والابرص** میں اندھے کوڑھی کو شفا دیتا ہوں۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے نکلا ہوا پانی شفا تھا۔ مدینہ منورہ کی خاک شفا ہے۔ پانچواں فائدہ: محبت و عشق و اطاعت بغیر دیکھے بھی ہو سکتی ہے یہ فائدہ **اولیاءھم من الانس** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان آدمیوں نے بہکانے والے جنات کو دیکھا نہیں مگر ان کے اولیاء یعنی دوست قرار دیئے گئے آج بہت مسلمانوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے والہانہ محبت ہے محبت دیکھنے پر موقوف نہیں مولانا جامی فرماتے ہیں۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد   بسا ایں دولت از گفتار خیزد

چھٹا فائدہ: موت اور قیامت ان کا وقت مقرر ہے انہیں کوئی آگے پیچھے نہیں کر سکتا یہ فائدہ **اجلنا الذی اجلت لنا** سے حاصل ہوا مگر موت اللہ کے مقبول بندوں کی دعا سے ٹل جاتی ہے نیک اعمال سے عمر بڑھ جاتی ہے حضرت آدم علیہ السلام کی دعا سے حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر ساٹھ سال سے بڑھ کر سو سال ہو گئی (حدیث شریف)۔ ساتواں فائدہ: دوزخی کفار ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے مگر ہر دم آگ میں نہیں رہیں گے کبھی وہاں سے ٹھنڈے طبقہ کی طرف نکالے جایا کریں گے یہ فائدہ **الا ماشاء اللہ** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **ثم ان مرجعھم لالی الجحیم** اگر کفار ایک ہی طبقہ میں رہتے تو وہاں لوٹ کر آنے کے کیا معنی ہوتے۔ آٹھواں فائدہ: ظالم حکام کا مسلط ہونا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور لوگوں کی بد عملیوں کا نتیجہ یہ فائدہ **نولی بعض الظالمین** سے حاصل ہوا۔ انسان کے اعمال کا اثر دنیا کی ہر چیز پر پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس** نیک اعمال سے رزق میں برکتیں، وقت پر بارشیں، دنیا میں امن چین میسر ہوتا ہے بد عملیوں سے اس کا الٹ ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار قیامت میں اکٹھے ہوں گے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ایک دوسرے سے الگ ہوں گے حتیٰ کہ ان کے جھوٹے معبود بھی ان سے غائب ہو جائیں گے۔ رب فرماتا ہے **لقد جئتمونا فرادی کما خلقنکم اول مرۃ** اور فرماتا ہے **این شرکاءکم الذین کنتم تزعمون** آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: قیامت گھڑی دو گھڑی کا دن نہیں پچاس ہزار سال کا دن ہے اس دن کے حالات مختلف ہیں کفار کے الگ ہونے کا اور وقت ہے اکٹھے ہونے کا دوسرا وقت لہٰذا دونوں آیات بالکل صحیح ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہیں گے بلکہ کچھ عرصہ بعد نکال دیئے جائیں گے۔ دیکھو فرمایا گیا **خالدین فیھا الا ماشاء اللہ** مگر دوسری آیات

سے معلوم ہو رہا ہے کہ ہمیشہ رہیں گے۔ فرماتا ہے **خالدین فیھا ابدا** آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ الاماشاء اللہ کا تعلق **بلغنا اجلنا** سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم سب اپنے وقت مقررہ تک پہنچ کر مرے مگر بعض کفار جنہوں نے بہت سرکشی کی انہیں ان کی میعاد مقررہ سے پہلے ہی ہلاک کر دیا گیا کہ کفرو بدعملیوں سے عمر گھٹ جاتی ہے (تفسیر کبیر) دوسرے یہ کہ اس کا تعلق **النار مثوٰکم** سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ کفار کا ٹھکانہ دائمی آگ ہے مگر جب اللہ چاہے گا انہیں آگ سے زمہریر (ٹھنڈے طبقہ) کی طرف نکالے گا' تیسرے یہ کہ ماشاء اللہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو عمر بھر کافر رہے مگر مرتے وقت مومن ہو کر مرے۔ **ما بمعنی من** ہے' چوتھے یہ کہ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے نزدیک مومن تھے مگر شرعاً کافر جیسے ساتر کفار۔ انسان چار قسم کے ہیں۔ **مخلصین** 'ساترین' مجاہرین' منافقین' مجاہرین اور منافقین تو دائمی دوزخی ہیں مگر ساترین دائمی دوزخی نہیں' فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے بعض کفار کو بعض کا دوست بنا دیا ہے **نولی بعض الظالمین بعضا** مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار نہ تو دنیا میں ایک دوسرے کے دوست ہیں نہ آخرت میں چنانچہ فرماتا ہے **والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء** اور آخرت کے متعلق ارشاد ہے کہ **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین** یہ آیت کریمہ ان آیات کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں دوستی سے مراد اسلام کے مقابلہ میں ظاہری دوستی ہے نہ کہ حقیقی دلی محبت اور واقعی اسلام کے مقابل سارے کفار ایک ہو جاتے ہیں دیکھ لو' آج یہود' ہنود' عیسائی' سارے کفار اسلام کے مقابل ایک ہیں' عیسائی لوگ مسلمانوں کے مقابلہ میں یہود کی مدد کر رہے ہیں' فلسطین کو وطن یہود بنا رہے ہیں' تمہاری پیش کردہ آیات میں دلی اور حقیقی محبت کی نفی ہے' اسلام ہی وہ دین ہے جو انسانوں کو یکجا کر تا انہیں ایک دوسرے کا محب بنا تا ہے' زبان ملک' قوم کے سارے فرق مٹاتا ہے۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** تمہاری دوسری تفسیر سے معلوم ہوا کہ ظالموں پر ظالم والی حاکم ہوتے ہیں' بداعمالی کا نتیجہ ظالم بادشاہ جابر حکام ہیں اگر یہ بات ہے تو امام حسین پر یزید کیوں مسلط ہوا انہوں نے کون سے گناہ کئے تھے۔ **جواب:** یہ غلط ہے امام حسین پر یزید مسلط نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ نے یزید پر امام حسین کو مسلط فرمادیا کہ آپ نے اس کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون پر اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود پر مسلط فرمادیئے گئے' شہید ہو جانا شکست نہیں بلکہ اپنا مدعا حاصل نہ کر سکنا یہ ہے شکست' حضرت حسین نے جس مقصد کے لئے سر دیا وہ پالیا' یزید نے جس مقصد کے لئے آپ کو شہید کرایا وہ نہ پا سکا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عالم اجسام میں مختلف چیزوں کو جوڑنے کی بہت چیزیں ہیں اینٹ کو اینٹ سے جوڑتے ہیں گارے یا سیمنٹ سے۔ کاغذ کو کاغذ سے جوڑتے ہیں گوند یا لئی سے' کپڑے کو سیتے ہیں دھاگہ سے یونہی دل کو دل سے جوڑنے والی چیز محبت و عشق ہے یہ وہ چیز ہے جو پچھلوں کو اگلوں کے ساتھ نیچوں کو اونچوں کے ساتھ جوڑ دیتی ہے' دنیا میں کفار کفار سے محبت رکھتے ہیں ان کے دل ایک دوسرے کی طرف مائل ہیں نور نور سے اور نار نار سے الفت رکھتے ہیں' لہٰذا قیامت میں سب اکٹھے کر دیئے جائیں گے اسی طرح مومنوں کا میلان مومنوں کی طرف ہے تو وہ بھی جمع کر دیئے جائیں گے مگر مومنوں کی محبت قوی ہے لہٰذا ان کا اجتماع دائمی ہو گا **امنوا اشد حبا للہ** اور کفار کی محبت کمزور ہے کہ اس کی بنیاد نفس پر ہے اس لئے ان کا اجتماع عارضی ہو گا جو جلدی ختم ہو جائے گا اس آیت کے اگلے حصہ میں اس عارضی اجتماع کا ذکر ہے۔ **یوم نحشرھم جمیعا** اور

آخری حصہ میں اس اجتماع کے ٹوٹ جانے دوستوں کے دشمن بن جانے ایک دوسرے کی شکایت کرنے کاذکر ہے **ربنا استمتع بعضنا ببعض** اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جو اس دوستی کی میعاد تھی وہ گزر گئی دوستی بھی گئی **وبلغنا اجلنا الذی اجلت لنا**' پھر ان کفار کا اجتماع دوزخ میں ہو گا مگر عداوت و کینہ کے ساتھ۔ رب تعالیٰ ہی حقیقی و عارضی دوستیوں کی حقیقت جانتا ہے غرضیکہ دل کی محبت کچھ اور ہے دل کی محبت کچھ اور۔ دل کی محبت دلیل کی محتاج نہیں ہوتی رب تعالیٰ ہم سب کو اپنے پیاروں کی دلی محبت نصیب فرمائے' شرابی شرابیوں سے محبت کرتے ہیں 'مگر جب تک نشہ رہے نشہ اترا محبت ختم دنیادار دنیا والوں سے محبت کرتے ہیں مگر جب تک کہ دنیا کا نشہ رہے جب یہ نشہ اترے گا تب حقیقت کھل جائے گی 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ محبت دو قسم کی ہوتی ہے محبت فطری اور محبت کسبی 'محبت کسبی چند طرح حاصل ہوتی ہے کثرت ذکر۔ محبوب کی چیزوں میں غور و فکر کرتے رہنا اس کی اطاعت کرنا 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار دوزخ کی آگ میں اس لئے رکھے جائیں گے کہ وہ دنیا میں خوف خدا عشق رسول 'عبادات وغیرہ کی آگ سے محروم تھے 'جسے اللہ دنیا میں اپنے حبیب کی عشق و محبت کی آگ نصیب کرے وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا 'جیسے پانی کے مختلف ٹھکانے ہیں 'کنوئیں' تالاب' دریا وغیرہ مگر آگ کسی ٹھکانے سے نہیں ملتی بلکہ ہر چیز میں فطری آگ موجود ہے تیلی لگانے والے کی ضرورت ہے یوں ہی اطاعت کلیاں مختلف مقامات سے ملتا ہے مگر عشق رسول کی آگ ہر دل میں ودیعت رکھی ہے 'کسی تیلی لگانے والے کی ضرورت ہے۔ خیال رکھو کہ عشق و محبت کی آگ کے بغیر طاعات بیکار ہیں 'جیسے چاول 'گوشت 'گھی مصالحہ وغیرہ بغیر آگ کے پلاؤ نہیں بنتا نہ کھانے کے قابل ہوتا ہے یونہی نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ وغیرہ بغیر محبت کی آگ کے قابل قبول نہیں ہوتے جیسے منافقین کی عبادات۔

اے عشق ترے صدقہ جلنے سے چھٹے سستے جو آگ بجھاوے گی وہ آگ لگائی ہے

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ

اے جماعت جن اور انسان کی کیا نہیں آئے تمہارے پاس پیغمبر تم میں سے جو بیان کرتے ہوں

اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں کے رسول نہ آئے تھے تم میری آیتیں پڑھتے

اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا

اوپر تمہارے میری آیتیں اور ڈراتے ہوں تم کو ملنے سے تمہارے اس دن کے بولیں گے کہ گواہی دی ہم نے اوپر

اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے کہیں گے ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی

وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ۝

جانوں اپنی کے اور دھوکے میں ڈالا ان کو دنیا زندگی دنیاوی نے اور گواہی دی انہوں نے اوپر جانوں اپنی کے بیشک

نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ یَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰی بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (۱۳۱)

تھے وہ کافر۔ یہ اس بنا پر ہے کہ نہیں ہے رب تمہارا ہلاک کرنے والا بستیوں کو حالانکہ ان بستیوں والے غافل ہوں
یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کے اس عتابانہ سوال کا ذکر تھا جو وہ قیامت میں کفار سے فرمائے گا' اب رب تعالیٰ کے دوسرے عتابانہ سوال کا ذکر ہے۔ جس میں پہلے سے زیادہ عتاب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں یہ سوال تھا کہ تم لوگوں نے کفار سے رشتہ کیوں جوڑا اب اس سوال کا ذکر ہے کہ تم لوگوں نے ہمارے نبیوں سے رشتہ غلامی کیوں نہیں جوڑا گویا پہلے تو غلط رشتے جوڑنے پر عتاب تھا اب صحیح اور مفید رشتہ توڑنے پر عتاب ہے جیسے جسمانی زندگی کے لئے بعض مخلوق سے ملنا بعض سے الگ رہنا ضروری ہے۔ گائے بھینس بکریوں کو پاس رکھو ان سے دودھ ملتا ہے سانپ **بچھو** ' بھڑ وغیرہ سے بچو کہ وہاں زہر ہے غذائیں دوائیں استعمال کرو' زہر سنکھیا سے بچو یوں ہی روحانی زندگی کے لئے مومنوں' ولیوں' نبیوں' سے رشتہ غلامی جوڑنا ضروری ہے کفار و کفر سے توڑنا ضروری ہے۔ قیامت میں اس جوڑ توڑ کا حساب پہلے ہوگا اعمال کا حساب بعد میں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کے رشتے ان کی دنیاوی محبتیں ناپائیدار آخر کار دشمنی بن جانے والی ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ حضرات انبیاء کرام سے رشتہ غلامی ان سے محبتیں پائیدار اور آخرت میں کام آنے والی ہیں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کے تحقیق حال فرمانے کا ذکر تھا کہ ہم کفار سے پوچھ گچھ کریں گے اب اسی تحقیق کی حکمت کا ذکر ہے کہ کیوں تحقیق کریں گے اس لئے کہ ہم کسی کو بلاوجہ یا اس کی غفلت میں عذاب نہیں دیتے۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں اس عتاب کا ذکر تھا جو صرف جنات پر ہوگا کہ فرمایا گیا **یا معشر الجن قد استکثرتم** اب اس عتابانہ خطاب کا ذکر ہے جو جنات و انسان دونوں سے ہوگا یعنی ہلکے عتاب کے بعد سخت تر عتاب کا ذکر ہے۔

تفسیر : **یمعشر الجن والانس** یہ عبارت نئی ہے اس سے پہلے یقول یا نقول پوشیدہ ہے اس میں وہ خطاب و عتاب مذکور ہے جو قیامت میں رب تعالیٰ کی طرف سے ہوگا یا بلاواسطہ یا فرشتوں کے واسطہ سے عربی میں یا پکارنے کے لئے آتا ہے پکارنا کبھی تو غافل کو بیدار کرنے کے لئے ہوتا ہے' کبھی اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے یہاں آخری مقصد یعنی اظہار غضب کے لئے ہے اسی لئے انہیں جن و انس کہہ کر پکارا مومنین یا عبادی کہہ کر نہیں پکارا لفظ معشر کی تحقیق ابھی پچھلی آیت میں کی جا چکی ہے جن و انس سے مراد کفار جن و انس ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے قیامت میں اولاً گروہوں کا حساب ہوگا' پھر اشخاص کا یہاں جماعتی حساب کا ذکر ہے اور جماعتیں بھی کفار جن و انس کی ہیں قیامت میں مومنوں سے خطاب پیارے الفاظ سے ہوگا' جیسے قرآن مجید میں مسلمانوں کو ندا یا تو الذی امنوسے ہے یا عبادی سے چونکہ گمراہی و سرکشی میں جنات انسانوں سے بڑھ چڑھ کر ہیں نیز جنات انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں انسان جنات کو گمراہ نہیں کرتے نیز ابلیس جو گمراہی اور سرکشی کا مرکز ہے وہ جن ہی ہیں' نیز جنات پرانے پاپی ہیں کہ انسانوں کی پیدائش سے پہلے انہوں نے ہی دنیا میں کفر و الحاد و سرکشی کی ان وجہوں سے یہاں جن کا ذکر پہلے ہوا انسانوں کا ذکر بعد میں' چونکہ کافر انسان سرکشی میں کافر جنوں کا گویا ہم جنس ہے اس لئے ان انسانوں کو جنات کے

ساتھ ملا کر ذکر فرمایا گیا۔ **الم یا تکم رسل منکم**۔ اس عبارت میں انکاری سوال ہے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہ آئے یعنی یقیناً آئے چونکہ انبیائے کرام کے شرعی احکام صرف جن و انس پر ہی جاری ہوتے ہیں' فرشتوں یا دوسری مخلوق پر جاری نہیں ہوتے نیز حضرات انبیاء کرام کا انکار صرف یہ دو جماعتیں ہی کرتی ہیں ان کے سوا کسی میں منکرین رسول نہیں پائے گئے ان وجوہ سے ان دونوں ہی سے یہ عتاب و خطاب فرمایا گیا۔ رسل جمع ہے رسول کی جس کے لغوی معنی ہیں بھیجے ہوئے پیغام رساں اور بھیجے ہوئے فرمان رساں فیضان رساں خواہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے گئے ہوں یا اس کے رسولوں کی طرف سے یعنی خواہ اللہ کے رسول ہوں یا اس کے رسولوں کے رسول ہوں' خلاصہ یہ ہے کہ رسول چند معنی میں استعمال ہوا وہ فرشتے جو اللہ کی وحی نبی پر لائیں' وہ فرشتے جو موت دینے کے لئے آئیں' نبی جو لوگوں کو شرعی احکام کی تبلیغ کریں نبی کے وہ قاصد جو نبی کی طرف سے لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے بھیجے جائیں' قرآن مجید میں لفظ رسول ان چاروں معنی میں استعمال ہوا ہے بلکہ اس فرشتے کو بھی رسول کہا گیا ہے جو کسی سے کلام کرنے رب کی طرف سے آئے جیسے حضرت مریم کے پاس حضرت جبریل کلام لائے **قال انما انا رسول ربک لا ھب لک غلا ما زکیا** مگر شریعت میں رسول وہ انسان ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام کی تبلیغ کے لئے دنیا میں بھیجا ان پر وحی نازل کی' ظاہر یہ ہے کہ یہاں رسل سے مراد لغوی معنی ہیں جس میں اللہ کے رسول اور رسولوں کے رسول سب شامل ہیں لہٰذا **منکم** فرمانا بالکل درست ہے کہ اللہ کے رسول صرف انسانوں میں آئے مگر رسول کے رسول جو اپنی قوم تک نبی کے پیغام پہنچائیں انہیں ڈرائیں جنات میں بھی پہنچے۔ چنانچہ سورۂ جن میں ان جنات کے متعلق جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید سن کر اپنی قوم کے پاس گئے فرمایا گیا **فلما قضی ولوا الی قومھم منذرین** بلکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش سے صدہا سال پہلے جنات پیدا ہو چکے تھے ان کی ہدایت کے لئے کچھ فرشتے یا جنات ضرور مقرر تھے وہ ہادی اگرچہ شرعی رسول نہ تھے۔ مگر لغوی رسول ضرور تھے لیکن یہاں وہ مراد نہیں کیونکہ وہ رسول ہادی جنات کو آیات الہیہ نہیں سنایا کرتے تھے اور اگر رسل سے مراد شرعی رسول یعنی رسول اللہ ہے تو **منکم** میں مجموعہ جن و انس سے خطاب ہے یعنی جن و انس کی جماعت میں رسول اللہ تشریف لائے ان جماعتوں میں سے ایک جماعت میں رسول اللہ کا تشریف لانا مجموعہ کی طرف نسبت کرنے کے لئے کافی ہے۔ جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **یخرج منھما اللولو والمرجان** حالانکہ مونگا موتی صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں میٹھے سے نہیں نکلتے' مگر فرمایا گیا وہ رسولوں کی طرف رسول ہیں نہ کہ مخلوق کی طرف اسی لئے ان کی امت کوئی نہیں وہ صاحب کتاب یا صاحب وحی نہیں ان شاء اللہ اس کی تحقیق خلاصہ تفسیر کے آخر میں بھی کی جائے گی۔ خیال رہے کہ یہ سوال ان لوگوں سے ہو گا جن تک نبی یا ان کی تعلیم پہنچی ہو وہ لوگ جو ان سے بالکل بے خبر رہے جیسے فطرت والے لوگ ان سے یہ سوال نہ ہو گا ان کی نجات کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ آباء و اجداد جنہیں نبوت کا فیض نہ پہنچا۔ **یقصون علیکم ایا تی** یہ عبارت رسل کی صفت ہے **یقصون** بنا ہے قصہ سے یہاں قصہ معنی تلاوت کرنا بیان کرنا ہے **علیکم** میں خطاب دونوں جماعتوں یعنی کفار جن و انس سے ہے آیات سے مراد کتاب اللہ کی آیتیں ہیں خواہ وہ توریت و انجیل و زبور ہوں یا قرآن مجید یا دوسرے نبیوں کے صحیفے۔ خیال رہے کہ گذشتہ انبیاء کرام انسان و جنات کی خاص جماعتوں کی طرف بھیجے جاتے تھے مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت سارے جنات و انسانوں کی طرف بھیجے گئے' چنانچہ توریت شریف کے احکام ان جنات پر جاری تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے حلقے میں تھے۔ قرآن مجید کے احکام

سارے جنات پر جاری ہیں۔ چنانچہ سورۂ احقاف شریف میں جنات کا یہ قول نقل فرمایا گیا **یا قومنا انا سمعنا کتابا انزل من بعد موسی مصدقا لما بین یدیہ**۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جن پہلے توریت کے متبع تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور اپنی قوم کے لئے مبلغ بن کر گئے **وینذرونکم لقاء یومکم ھذا** یہ عبارت معطوف ہے **یقصون** پر اور رسل کی دوسری صفت ہے۔ چونکہ حضرات انبیاء کرام لوگوں کو ڈراتے ہیں پہلے' بشارت دیتے ہیں بعد میں یعنی ایمان لاچکنے پر۔ نیز ان حضرات کا ڈرانا عام ہے ہر مومن و کافر کو ڈراتے ہیں مگر بشارت خاص ہے صرف مسلمانوں کے لئے نیز کفار جن دوزخ میں تو جائیں گے مگر مومنین نیک کار جنات جنت میں نہیں جائیں گے جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف انسانوں کے لئے ہیں اس لئے یہاں صرف ڈرانے کا ذکر ہوا' **یومکم** سے مراد قیامت کا دن ہے اور لقاء یعنی ملنے سے مراد وہاں حساب و کتاب کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا ہے چونکہ اس وقت وہ دن اور اس دن کے تمام حالات ان کے سامنے ہوں گے اس لئے **ھذا** فرمایا گیا یعنی کیا تمہارے پاس وہ رسول نہ پہنچے جو تمہیں اس قیامت میں اٹھنے حساب دینے اور سزا جزاء سے ڈراتے **قالو اشھدنا علی انفسنا** یہ ان لوگوں کا وہ جواب ہے جو وہ بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے شہادت کے معنی ہیں گواہی اگر اس کے بعد لام ہو تو موافق گواہی مراد ہوتی ہے اگر علیٰ ہو تو مخالف گواہی۔ یہاں مخالف گواہی مراد ہے اور یہاں اپنے خلاف گواہی دینے سے مراد ہے جرم کا اقرار کرلینا اس ایک عبارت میں انہوں نے تین باتوں کا اقرار کیا ہمارے پاس تیرے رسول آئے' ہم تک انہوں نے تیرے احکام پہنچائے قیامت سے ڈرایا' ہم نے ان کی بات نہ مانی ہم کافر رہے لہٰذا ہم قصوروار مستحق سزا ہیں۔ خیال رہے کہ یہ اقرار قیامت میں اور وقت ہوگا جو انہیں مجبوراً" کرنا پڑے گا اور اپنے کفر کا انکار دوسرے وقت کرچکے ہوں گے **وغرتھم الحیوۃ الدنیا** یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے۔ جس میں ان کے کفر و گناہ کی وجہ بیان کی گئی ہے غرت بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکہ دینا۔ حیوۃ دنیا سے مراد حیوۃ الدنیا ہے یعنی جو زندگی دنیا کے لئے ہو وہاں کی مصروفیتوں' غفلتوں میں گزرے' اللہ کے مقبول بندوں کی زندگی اور ہے گنہگاروں' غافلوں کی زندگی اور کافروں کی زندگی کچھ اور۔ یہاں تیسری زندگی مراد ہے۔ جیسے ریل یا جہاز کا مسافر ریل یا جہاز میں بیٹھتا ہے' ریل یا جہاز کے لئے نہیں بیٹھتا بلکہ وہ کراچی یا جدہ کے لئے بیٹھتا ہے ایسے ہی مومن دنیا میں رہتے ہیں دنیا کے لئے نہیں رہتا بلکہ دنیا میں آخرت کے لئے رہتا ہے اور عارف دنیا میں رہتا ہے مگر اللہ کے لئے اس کے رسول کے لئے رہتا ہے **ان صلاتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العالمین**' **وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کافرین** یہ کلام بھی رب تعالیٰ کا اپنا ہے۔ اور معطوف ہے **غرتھم** پر اگرچہ یہ گواہی کفر بھی پہلی گواہی میں آگئی تھی مگر چونکہ ان کا کفر ہی ان کے عذاب کا سبب ہے اس لئے اس گواہی کے بعد یہ گواہی علیحدگی صراحۃ" لی گئی اور اس قرار کے بعد یہ اقرار صاف صاف کرایا گیا لہٰذا یہ بے فائدہ تکرار نہیں ان کا یہ اقرار انتہائی مجبوری میں نہایت حسرت کے ساتھ ہوگا۔ آج ملزم کو پھانسی دیتے وقت کہلواتے ہیں کہ میں اپنے جرم کی وجہ سے پھانسی پا رہا ہوں **ذلک ان لم یکن ربک مھلک القری بظلم** یہ عبارت نیا جملہ ہے **ذلک** میں اشارہ یا تو حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کی طرف ہے تو ہلاکت سے مراد ہے دنیا میں کفار قوموں پر عذاب الٰہی اور ان کا ہلاک ہونا یا اس سوال و جواب مذکورہ کی طرف اشارہ ہے تو ہلاکت سے مراد ہے قیامت کے بعد والا دوزخ کا دائمی عذاب قریٰ جمع ہے قریۃ کی بمعنی بستی اس میں گاؤں شہر سب داخل ہیں' ظلم سے مراد بے قصور کو سزا دے دینا اس سے پہلے لام پوشیدہ اور ان یا تو مصدریہ ہے یا اصل میں انہ تھا ضمیر گرادی اور ان شد والے کو ان

خفیفہ کردیا و اھلھا غافلون یہ عبارت القریٰ سے حال ہے ظلم سے مراد وہاں کے کافر باشندے ہیں یعنی آپ کے رب کا یہ قانون نہیں کہ دنیا میں یا آخرت میں کفار کو غافل رکھ کر عذاب دے دنیا میں عذاب دیئے تو پہلے ان میں حضرات انبیاء کرام بھیجے ان کے ذریعے عذاب کی خبریں دیں آخرت میں عذاب دے گا تو پہلے ان سے حساب لے کر اپنے کفر کا اقرار کرا کر دوزخ میں بھیجے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : قیامت کے دن دوسرا صور پھونکنے پر فرشتے جنات انسان 'تمام جانور اٹھیں گے مگر باقاعدہ حساب صرف جن و انس کا ہی ہوگا۔ فرشتے یا تو انسانوں کے نیک و بد اعمال کی گواہی دیں گے یا قیامت اور جنت و دوزخ کا انتظام کریں گے جانور یا تو اپنے پالنے والے ظالم مالکوں کی شکایت کریں گے یا آپس کے ظلم کا بدلہ دیں گے پھر مٹی کر دیئے جائیں گے مگر جنات اور انسانوں کا باقاعدہ حساب و کتاب ہوگا چنانچہ بطور عتاب رب تعالیٰ کفار جن و انس سے خطاب فرمائے گا کہ اے جن و انس کے گروہ بتاؤ کیا تمہاری جماعت میں سے تمہارے پاس ہمارے رسول نہ پہنچے جو تم کو توریت و انجیل زبور یا قرآن مجید کی آیتیں سناتے سمجھاتے اور تم کو اس دن یعنی قیامت کے حساب و عذاب سے ڈراتے۔ خیال رہے کہ جیسے نیکیاں دو قسم کی ہیں شخصی نیکی اور جماعتی نیکی 'نماز تہجد 'صدقہ و خیرات وغیرہ شخصی نیکی ہے نماز عید 'نماز جمعہ 'حج 'جہاد وغیرہ جماعتی نیکی کی یہ جماعت کے ساتھ کی جاتی ہیں 'اسی طرح بعض گناہ شخصی ہوتے ہیں 'جیسے جھوٹ بولنا کم تولنا وغیرہ اور بعض گناہ جماعتی جیسے جوا یا ناچ رنگ کی مجلسیں وغیرہ۔ شخصی اعمال کے حساب میں اشخاص سے حساب ہوگا اور قومی اعمال کے حساب میں جماعتوں اور قوموں سے خطاب ہوگا' اس آیت میں قومی گناہوں کا ذکر ہے اس لئے خطاب جماعت سے ہوا کہ فرمایا گیا یا معشر الجن کافر جن و انس پہلے تو اپنے کفر وغیرہ کا انکار کریں گے مگر چونکہ اس سوال کے وقت ان کے خلاف فرشتوں بلکہ ان کے اعضاء کی گواہیاں ہو چکی ہوں گی جس سے انہیں انکار کرنے کی جرات نہ ہوگی اس لئے وہ مجبوراً عرض کریں گے کہ خداوندا ہم انکار کا انجام دیکھ چکے اب اپنی جانوں پر اقرار کرتے ہیں کہ تیرے رسول ہمارے پاس پہنچے انہوں نے تیرے احکام ہم کو پہنچائے ہم نے ان کی نہ مانی کفر کیا غافل رہے۔ خیال رہے کہ ان کے اس کفر کی وجہ یہ ہے کہ انہیں ان کی دنیاوی زندگی نے دھوکہ دے دیا آج انہوں نے اپنے خلاف خود گواہی دے دی کہ ہم کافر تھے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ رسولوں کا بھیجنا تبلیغ احکام کرانا اس لئے ہے کہ ہم کسی بستی پر اس طرح عذاب نہیں بھیجتے کہ وہاں کے باشندے غافل ہوں انہیں جگانے والا کوئی نہ بھیجا گیا ہو یا یہ تحقیقات اور اقرار اس لئے کرایا گیا کہ ہمارا یہ قانون نہیں کہ کسی مجرم کو وجہ عذاب بتائے بغیر اقرار کرائے بغیر انہیں غفلت میں رکھ کر عذاب دیں۔

رسول صرف انسان ہیں

اس پر ساری امت مصطفوی کا اتفاق ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم رسول الثقلین ہیں آپ کے زمانہ حیات میں اور آپ کے بعد کوئی جن یا انسان نبی نہیں بلکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر جانے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور تک کوئی نبی نہیں آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تمام خلق کے رسول ہیں مگر اس میں اختلاف ہے کہ آدم علیہ السلام سے عیسیٰ علیہ السلام تک جو انبیاء کرام تشریف لائے وہ سب انسان ہی تھے یا جنات بھی نبی تھے۔ ضحاک کہتے ہیں کہ

انسانوں کی طرح جنات میں رسول ہوئے۔ ان کی دلیل صرف یہ آیت ہے اس کے علاوہ نہ کوئی اور آیت ہے نہ کوئی حدیث ان کے سوا تمام صحابہ مفسرین محدثین کا یہی قول ہے کہ نبی رسول صرف انسانوں ہی میں ہوئے بلکہ وہ حضرات رسول کی تعریف ہی یہ کرتے ہیں کہ نبی وہ انسان ہے جسے اللہ نے تبلیغ احکام کے لئے بھیجا ہو یہ اختلاف شرعی رسول کے متعلق ہے لغوی رسول تو بعض فرشتے بھی ہیں اور جنات بھی۔ دیکھو قرآن کریم میں بعض فرشتوں کو رسول فرمایا **جا عل الملا ئکتہ رسلا** ۔ فرشتوں کا کوئی فرشتہ کوئی جن کوئی انسان امتی نہیں لہٰذا وہاں رسول اور معنی میں ہے ان حضرات کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(1) **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** جس سے معلوم ہوا کہ نبی رسول صرف مرد آئے۔ قرآن کریم میں جب رجال یا رجل مطلق آتا ہے تو اس سے انسان مرد مراد ہوتے **رجالا من الجن** میں چونکہ رجال کے ساتھ من الجن ارشاد ہوا اس لئے وہاں جن مرد مراد ہیں۔ (2) **وجعلنا فی ذریتھما النبوۃ والکتاب** ہم نے حضرت نوح و ابراہیم کی اولاد میں نبوت و کتاب خاص فرمادی (3) **وجعلنا فی ذریتہ النبوۃ والکتاب** ہم نے نبوت اور کتاب اولاد ابراہیمی سے خاص فرمادی' جنات نہ اولاد نوحی ہیں نہ اولاد ابراہیمی (4) **انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبین من بعدہ** حتیٰ کہ فرمایا **رسلا مبشرین و منذرین** یعنی ہم نے آپ پر ویسی ہی وحی بھیجی جیسی نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف بھیجی تھی یہ سب بشارتیں دینے والے ڈرانے والے رسول ہیں یہاں جنات رسولوں کا ذکر نہیں (5) **وما ارسلنا قبلک من المرسلین الا انھم لیا کلون الطعام و یمشون فی الا سواق** ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر وہ کھانا کھاتے تھے بازاروں میں چلتے پھرتے تھے اور ظاہر ہے کہ جنات بازاروں میں ہمارے ساتھ چلتے پھرتے نہیں (6) **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم من اھل القری** ہم نے آپ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر بستی والے مرد جن کی طرف ہم وحی فرماتے تھے' جنات نہ تو معروف مرد ہیں اور نہ بستیوں والے ہیں (7) **ان اللہ اصطفی ادم و نوحا و ال ابراھیم و ال عمران علی العالمین**۔ تمام مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہاں اصطفاء سے مراد نبوت کے لئے چنا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے حضرت نوح اور ابراہیم و عمران کی اولاد کو نبوت کے لئے چن لیا' ظاہر ہے کہ جنات نہ آل ابراہیم ہیں نہ آل عمران بلکہ نہ اولاد آدم (8) **انی جا عل فی الا رض خلیفہ** اور ظاہر ہے کہ نبوت خلافت الیہ ہے وہ صرف حضرت آدم اور ان کی اولاد کو عطا ہوئی۔ ضحاک ابن مزاحم بھی جنات کو خلیفتہ اللہ نہیں مانتے (9) قرآن مجید میں کسی نبی جن کا ذکر صراحۃ "اشارۃ" تفصیلا" اجمالا" نہیں آیا نہ کسی جن نبی کا نام مذکور ہوا اگر واقعی ان میں بھی کوئی نبی رسول ہوتا تو کسی ایک دو کا نام یا حال تو آتا' رب فرماتا ہے **کل نقص علیک من انباء الرسل** (10) معراج کی شب سارے رسول نبی بیت المقدس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھنے حاضر ہوئے ان میں کوئی جن نبی نہ تھا ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کچھ ذکر تو فرماتے۔ (11) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں **الرسل من بنی ادم و من الجن نذر** (تفسیر ابن کثیر) یعنی رسول صرف انسانوں میں آئے جنات میں نذیر آئے یعنی رسولوں کی طرف سے اپنی قوم کو ڈرانے والے۔ خیال رہے کہ جنات میں ولایت' تقرب' علم' ریاضت' مجاہدات سب نعمتیں ہیں نبوت صرف انسانوں کو ملی نہ فرشتوں کو نہ جنات کو (12) **ولو جعلناہ ملکا لجعلناہ رجلا** اگر ہم کسی فرشتہ کو نبی بناتے تو اسے بھی مرد ہی بناتے یعنی وہ انسان مرد بن کر لوگوں کے سامنے آتا معلوم ہوا کہ نبوت صرف رجل کے لئے خاص ہے۔

نوٹ ضروری : انسانوں میں بھی بعض ایسے ہیں جن کو نبی نہیں بنایا جاسکتا۔ جیسے عورت ' زنانہ ' کھسرے ' دیوانے ' گونگے ' بہرے ' بدمذہب ' نیچی قوموں کے لوگ۔ ہمیشہ نبی مرد اونچی شان والے اعلیٰ صفات والے ہر عیب سے پاک ہی بنائے گئے ' دوسری قومیں ان کے ماتحت کی گئیں جیسا کہ بخاری شریف کی ہرقل والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ یحیٰ علیہ السلام قوی مرد تھے مگر نکاح نہ کیا ' حضرت زکریا علیہ السلام نے چند روز لوگوں سے کلام دنیاوی نہ کیا ذکر الٰہی کرتے رہے لہذا انہیں گنگ کا مرض نہ تھا یہ بھی خیال رہے کہ جنات صحابی ہیں اور بڑی لمبی عمریں پاتے ان میں آج تک صحابہ موجود ہیں مگر ان صحابی جنات کو دیکھنے والے انسان تابعی نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کی صحابیت ہمارے لئے یقینی نہیں اس لئے ان کے حالات ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں نہ معلوم وہ سچ کہہ رہے ہیں یا غلط۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی قدس سرہ نے ایک صحابی جن کی زیارت کی ان کی قدم بوسی کی مگر وہ تابعی نہ بنے ' یوں ہی حضرت خضر علیہ السلام صحابی ہیں مگر آج ان کو دیکھنے والے مسلمان تابعی نہیں کیونکہ جس شخص کو ہم حضرت خضر سمجھیں شاید غلطی کر رہے ہوں۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے ' پہلا فائدہ: حضرات انبیاء کرام جنات اور انسان دونوں کی تبلیغ کے لئے تشریف لائے یہ دونوں گروہ ان کے امتی ہوئے یہ فائدہ **الم یاتکم** میں کم خطاب سے حاصل ہوا فرشتوں پر انبیاء کرام کا احترام لازم ہے حتیٰ کہ انہوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا مگر ان پر حضرات انبیاء کرام کے شرعی احکام جاری نہیں۔ دوسرا فائدہ: پچھلے انبیاء کرام اپنے اپنے حلقہ تبلیغ کے جنات کے بھی نبی ہوتے تھے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسے سارے انسانوں کے دائمی نبی ہیں یوں ہی سارے جنات کے دائمی نبی یہ فائدہ **رسل منکم** میں رسل کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی کتابیں ' ان کے صحیفے ' ان کے امتی جنات کے لئے لازم العمل تھے ان میں بھی کتابوں کے عالم موجود تھے یہ فائدہ **یقصون** سے حاصل ہوا ہمارے بعض دینی مدرسوں میں کبھی جنات علم حاصل کرتے عالم دین بنتے ہیں حضرت مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک جن شاگرد کا واقعہ تو مشہور ہے جس نے آپ کو بادشاہ تک پہنچایا۔ چوتھا فائدہ: قیامت میں کافر جنات کو دوزخ کی سزا تو دی جائے گی مگر مومن جنات کو جنت کا ثواب نہیں دیا جائے گا ' جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے یہ فائدہ **وینذرونکم** سے حاصل ہوا کہ یہاں ساتھ میں بشارت کا ذکر نہیں فرمایا لہذا مومن جنات کو ان کے حساب کے بعد فنا کر دیا جائے گا۔ اس کی تحقیق ان شاء اللہ سورہ احقاف اور سورہ جن کی تفسیر میں کی جائے گی۔ پانچواں فائدہ: قیامت میں کفار پہلے تو اپنے کفر اور گناہوں کا انکار کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** مگر آخر کار مجبور ہو کر اقرار کریں گے یہ فائدہ **شہدنا علی انفسنا** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: قیامت میں گنہگار مومنین اپنے جرموں کا اقرار فوراً کریں گے کوئی عذر و بہانہ نہ کریں گے یہ فائدہ **انہم کانوا کافرین** سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بغیر بدعملی کے کسی کو عذاب نہیں دیتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں بغیر گناہ سزا کو رب تعالیٰ نے ظلم فرمایا یہ فائدہ **بظلم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ یہ تو ہو گا کہ رب تعالیٰ بغیر عمل بندے کو جنت دیدے یہ بھی ہو گا کہ بد عمل مومن کو بخش دے یہ بھی ہو گا کہ بغیر بتائے بغیر جتائے بغیر حساب لئے جنت دیدے کہ یہ فضل و کرم بندہ نوازی ہے ' جب دریائے کرم جوش میں آتا ہے تو گندا مندا نہیں دیکھا جاتا مگر یہ نہ ہو گا کہ نیک کار مومن کو یا بے عمل انسان کو یا بغیر وجہ بتائے دوزخ میں ڈال دے کہ یہ عدل خداوندی کے خلاف ہے۔

نوٹ ضروری : ظلم کے دو معنی ہیں ایک تو دوسرے کی ملکیت میں اس کی بغیر اجازت تصرف کرنا اس معنی سے اگر رب تعالیٰ متقی پرہیزگار کو دوزخ بھیج دے تو ظلم نہیں کہ سارے بندے اس کی اپنی ملکیت ہیں دوسرے یہ کہ کسی بے قصور کو سزا دینا یہ کہہ کر کہ تو مجرم ہے یہ تیرے جرم کی سزا ہے یہاں ظلم سے یہی مراد ہے اور اسی کی رب تعالیٰ سے نفی کی گئی ہے اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا فرمان کہ اگر اللہ تعالیٰ ساری مخلوق کو دوزخ دیدے تو ظالم نہیں وہاں ظلم سے اس کے پہلے معنی مراد ہیں۔

آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ بغیر نبی کی تبلیغ پہنچے کسی کو اس کی بد عملیوں کی سزا نہیں دیتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں یہ دونوں فائدے **واهلها غافلون** سے حاصل ہوئے لہٰذا زمانہ فترت کے لوگ جیسے حضرت آمنہ و عبداللہ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے داد اے جنتی کہ وہ حضرات موحد تھے مگر انہوں نے کسی نبی کی تعلیم نہیں پائی' اس کی تفصیلی بحث ہم پہلے پارہ میں **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی طرح جنات میں بھی نبی تشریف لائے کیونکہ یہاں جن و انس دونوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوا **رسل منکم** اگر جنات نبی نہ ہوتے تو **منکم** فرمانا کیسے درست ہوتا (ضحاک) خیال رہے کہ امام ضحاک کے پاس اس آیت کے سوا کوئی دلیل نہیں نہ قرآنی آیت نہ کوئی حدیث۔ جواب: یہ دلیل مکمل جب ہوتی جبکہ **من کلی کما** فرمایا جاتا یعنی تم سب یا تم دونوں جماعتوں میں وہ یہاں فرمایا نہیں گیا یہاں صرف **منکم** ہے اس **منکم** میں جن و انس دونوں داخل ہیں اب اگر ان دونوں گروہوں میں سے ایک گروہ میں نبی ہوں' تب بھی **منکم** فرمانا درست ہے کہ ان دونوں کے مجموعہ میں نبی تو واقعی آئے ہیں مجموعہ کے احکام کا ہر فرد یا ہر گروہ پر جاری ہونا ضروری نہیں نبی ان دونوں گروہوں کے لئے آئے مگر آئے صرف انسانوں میں جیسے کہا جائے کہ ہم انسانوں میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عرب میں اور قبیلہ بنی ہاشم میں جلوہ گر ہوئے مگر چونکہ حضور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سارے انسانوں کے لئے ہے لہٰذا یہ قول درست ہے جس کی دلیل ہم اس آیت سے دے چکے ہیں **یخرج منهما اللؤلؤ والمرجان** یہ جواب اس صورت میں ہے کہ رسل سے مراد اللہ کے رسول تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں قرآن مجید میں رسول لغوی معنی میں بہت جگہ ارشاد ہوا ہے فرماتا ہے **قال انما انا رسول ربک لاهب لک غلاما زکیا**۔ اور فرماتا ہے **اذ ارسلنا الیهم اثنین**۔ دیکھو جبریل علیہ السلام جناب مریم کے پاس شرعی رسول بن کر نہ گئے تھے مگر فرمایا **انا رسول ربک** اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری جناب مسیح علیہ السلام کے قاصد بنکر گئے تھے اور فرمایا **فارسلنا** دوسرا اعتراض: رسول بشارت بھی دیتے ہیں اور ڈراتے بھی ہیں یہاں صرف ڈرانے کا ذکر کیوں ہوا **وینذرونکم** جواب: اس لئے کہ یہ کلام کفار جن و انس سے ہوگا' اس کے لئے رسول صرف نذیر ہوتے ہیں اس کے اور کئی جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ تیسرا اعتراض: حیوۃ دنیا تو سب ہی کو دی گئی ہے مومنوں کو بھی کافروں کو بھی یہ تو دھوکے کی چیز نہیں پھر **غرتهم الحیوة الدنیا** کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: حیوۃ دنیا کافر کی اور ہے مومن کی اور گنہگاروں کی اور ہے پرہیزگاروں کی اور کافر کی دنیا دھوکے کا باعث ہے مومن کی دنیا آخرت کی کھیتی ہے۔ نبی کی حیوۃ دنیا وہ کشتی ہے جو لاکھوں کو پار لگا دیتی ہے۔ چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ غافلوں پر عذاب نہیں بھیجتا مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ عذاب غافلوں پر ہی آتا ہے آیات میں تعارض ہے۔ جواب: رب کی طرف سے غافل رکھنا اور چیز ہے خود بندے کا غافل رہنا اور چیز ہے اگر رب کی

طرف سے نبی رسول نہ تشریف لاتے' بندوں کو آخرت کے عذاب سے خبردار نہ کرتے یہ رب تعالیٰ کی طرف سے غافل رکھنا ہوتا اور ان تمام اطلاعوں کے باوجود ہوش نہ کرنا یہ ہے بندے کی اپنی غفلت۔ یہاں پہلی غفلت کی نفی ہے ان آیات میں بندے کی اپنی غفلت کا تذکرہ ہے' لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ رب تعالیٰ بیدار دل عطا فرمائے۔ **پانچواں اعتراض:** دنیا میں نبی سب کے پاس نہیں پہنچتے بہت کم لوگ انہیں یا ان کا زمانہ پاتے ہیں پھر یہ سوال سارے کافروں سے کیسے درست ہوا۔ مثلاً" آج کے کفار جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صدیوں بعد پیدا ہوئے وہ اس کے جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ خدایا ہمارے پاس تیرے نبی نہیں آئے ہم نے ان کا زمانہ نہیں پایا۔ **جواب:** کسی کے پاس نبی کے تشریف لانے کا یہ مطلب ہوتا ہے۔ ان کی تعلیمات پہنچنا ان کی امت کے علماء' اولیاء' صلحاء کا پہنچنا۔ الحمد للہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم علماء' اولیاء' صالحین اور علماء کی تصنیف کے ذریعہ سب تک پہنچ گئی کوئی اس سے محروم نہیں رہا' نبی کا پیدا ہونا اور ہے کہیں رہنا کچھ اور ہے آنا کچھ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے مکہ معظمہ میں رہے مدینہ منورہ میں مگر آئے عالم کے ذرہ ذرہ میں جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہاں پر **یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم** اس لئے یہاں **الم یاتکم** فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو جسمانی استعداد کے ساتھ روحانی استعداد بھی عطا فرمائی ہے اس پر عقل کا فیض بھی ہوتا ہے الہام کا فیض بھی جو کوئی خالص عقل کے پیچھے چلے وہ ہوئی کے گڑھے میں گرے گا اور جو الہام ربانی کے ماتحت عقل سے کام لے وہ ہدی کی بلندی پر پہنچے گا۔ حضرات انبیاء و اولیاء اس استعداد کو کام میں لانے کے لئے بھیجے جاتے ہیں کہ بندوں کی قوت عملی کو برسر کار لگائیں جن لوگوں نے ان کی اطاعت سے منہ موڑا انہوں نے اپنی یہ استعداد خراب کرلی ان کی زندگی اور زندگی کا ہر شعبہ برباد ہو کہ ہے کیونکہ ان کی زندگی الحیوۃ الدنیا بن جاتی ہے یعنی ذلیل زندگی دنیا بمعنی حقیر و ذلیل یہ ہی لوگ بارگاہ الٰہی میں شرمندہ ہو کر عرض کریں گے **انھم کانوا کافرین** جن لوگوں نے اپنی زندگی کو نبی کی تعلیم کے سانچہ میں ڈھلا ان کی زندگی یہاں رب تعالیٰ کے خطاب مہری ہیں یعنی محبت والے۔ کل قیامت میں کفار سے خطاب قہری ہوں گے یعنی غضب والے بہتر ہے کہ مہر والے خطابات قبول کرو تاکہ قہر والے خطابات سے امن ملے دنیا میں سب کو خبردار کر دیا گیا ہے اب جو چاہے بیدار ہو جو چاہے غافل رہے' حجتہ اللہ پوری ہو چکی۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ انسان پانچ قسم کے ہیں۔ علماء (وارثین رسول) زاہدین' عمل سے ہادی' غازی' اللہ کی تلوار' تاجر' اللہ کے امین بادشاہ سلاطین خلق کے نگہبان جب یہ لوگ ہی راستہ سے ہٹ جائیں تو عوام کہاں جائیں۔

خداوندا تیرے یہ سادہ دل بندے کدھر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

فرماتے ہیں کہ لوگوں کو ہلاک کرنے والے چند آدمی ہیں' خوشامدی علماء' لالچی زاہدین' ریاکار غازی' خیانت والے تاجر' ظالم بادشاہ اگر یہ پانچ جماعتیں درست ہو جائیں تو مخلوق خود ہی ٹھیک ہو جائے (از روح البیان)

وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا یَعْمَلُوْنَ (۱۳۲) وَرَبُّكَ

اور واسطے ہر ایک کے درجے ہیں اس سے جو عمل کئے انہوں نے اور نہیں ہے رب آپ کا بیخبر اس سے جو عمل کریں۔ اور رب

اور ہر ایک کے لئے ان کے کاموں سے درجے ہیں اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں اور اے محبوب تمہارا

الْغَنِیُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا

والا تمہارا بے نیاز ہے رحمت والا ہے اگر چاہے وہ تو لے جائے تم کو اور نائب بنائے پیچھے تمہارے اس کو کہ چاہے

رب بے پرواہ ہے رحمت والا اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہاری جگہ

یَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّیَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِیْنَ (۱۳۳)

جس طرح پیدا کیا تم کو اولاد سے دوسری قوم کے۔

لائے۔ جیسے تمہیں اوروں کی اولاد سے پیدا کیا۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کافر وبدکار جن وانس کا ذکر ہوا اب ان کے کفر وبدکاریوں کی سزا کا ذکر ہے کہ جیسا کفر جیسے اعمال ویسے ہی ان کی سزا و جزا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری ان کی تبلیغوں کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ لوگوں نے ان کے ساتھ مختلف برتاوے کئے جیسے برتاوے کئے ویسی سزا و جزاء پائیں گے گویا جرموں کا ذکر پہلے تھا سزا کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں حضرات انبیاء کرام کے بھیجنے کا ذکر تھا اب رب تعالیٰ کی بے نیازی بے پرواہی کا اس کی رحمت کا تذکرہ ہے کہ ان حضرات کا بھیجنا اس لئے نہ تھا کہ رب تعالیٰ کو لوگوں کے ایمان و اعمال کی ضرورت ہے بلکہ وہ تو بندوں اور ان کی بندگیوں سے بے نیاز ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ رحمت والا ہے چاہتا ہے کہ بندے اس کی رحمت سے حصہ لیں اس حصہ ملنے کا ذریعہ حضرات انبیاء کرام ہیں۔

تفسیر : **ولکل درجات مما عملوا** اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) کل سے مراد سارے کفار جن وانس ہیں' درجات بمعنی درکات ہے اور **مما عملوا** سے مراد ان کا کفر اور بد عملیاں ہیں کیونکہ اس سے پہلے صرف کفار جن وانس کا ذکر ہوا ہے **انهم كانوا كافرين** یعنی ان دونوں گروہ کافر جن وانس کو عذاب یکساں نہیں بلکہ ان کے عذاب کے درجے مختلف ہیں کیونکہ ان کے کفر و گناہ مختلف اس صورت میں درجات بمعنی درکات ہے' بلندی کے مرتبوں کو اور ان تک پہنچنے کے ذریعوں کو درجات کہتے ہیں پستی کے مرتبوں کو اور ان تک پہنچنے کے ذریعوں کو درکات کہتے ہیں۔ جنت میں درجات ہیں دوزخ میں درکات بلکہ جب سیڑھی کے ذریعہ اوپر چڑھو تو اس کے ڈنڈے درجات ہیں اور جب نیچے اترو تو وہی ڈنڈے درکات۔ (2) کل سے مراد سارے مومنین جن وانس ہیں اور درجات سے مراد دنیاوی درجے اور مرتبے ہیں یعنی ان مومنین جن وانس میں سے ہر ایک کے دنیاوی درجے مختلف ہیں کوئی صرف مومن ہے کوئی مومن بھی ہے ولی بھی' پھر ولایت کے درجے مختلف ہیں کوئی اعلیٰ

درجہ کا ولی ہے کوئی اس کے بعد (3) کل سے مراد سارے مومن جن وانس ہیں اور درجات سے مراد جنت کے درجات اور دوزخ کے درکات یعنی طبقات دونوں ہیں یعنی ہر مومن و کافر جن و انسان کے لئے جنت و دوزخ کے درجے مختلف ہیں جیسے اعمال ویسے درجات۔ یہ ان حضرات کا قول ہے۔ جو مومن جنات کے لئے جنت مانتے ہیں جیسے حضرت امام محمد و ابو یوسف۔ تفسیر مدارک نے یہی تفسیر کی۔ (4) کل سے مراد سارے مومن جن و انس ہیں اور درجات سے مراد جنت کے درجے ہیں (5) کل سے مراد سارے مومن انسان ہیں اور درجات سے مراد جنت کے درجے ہیں یعنی مومن انسانوں کو جنت تو ملے گی مگر ان کے اعمال کے درجے مختلف ہوں گے کوئی عقل والا تھوڑی سی نیکی کر کے بڑا درجہ حاصل کرے گا کوئی کم عقل اعمال کرے گا زیادہ مگر درجہ پائے گا معمولی۔ قیامت میں اعمال کا بدلہ بقدر عقل ملے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز کوئی نیک اعمال کرتا ہے دوزخ سے بچنے کے لئے کوئی کرتا ہے جنت حاصل کرنے کے لئے کوئی نیکی کرتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اتارنے کے لئے کوئی کرتا ہے صرف رضاء الٰہی کے لئے۔ عمل یکساں ہیں مگر ان کی جزاؤں میں فرق ہے۔ فقیر کے نزدیک پہلی تفسیر قوی ہے کہ اس سے پہلے کفار جن و انس اور ان کے کفر و شرک کا ذکر ہوا ہے۔ خیال رہے کہ درجہ اور درکہ دونوں زینہ کی سیڑھیوں یا سیڑھی کے ڈنڈوں کو کہا جاتا ہے۔ جس پر چڑھ کر انسان اوپر جاتا ہے انہیں سے اتر کر نیچے آتا ہے مگر اصطلاح میں عموماً" درجات جزا اور اس کے مرتبوں کو کہتے ہیں درکات سزا اور اس کے طبقات کو کہتے ہیں مگر کبھی درجات دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اور کبھی درجات بمعنی درکات آتا ہے۔ **وما ربک بغافل عما یعملون**۔ یہ فرمان عالی اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ہے کہ رب تعالیٰ ہر شخص کے ہر عمل پر کیسے مطلع ہو سکتا ہے یہ تو بے شمار ہیں اس کا جواب ایک لفظ ربک سے دیدیا یعنی ہم ہیں رب اگر اپنے بندوں سے بے خبر ہوں تو انہیں پالیں کیسے جب ہم ہر بندے کی ہر ضرورت سے خبردار ہیں تو ان کے ہر عمل سے بھی مطلع ہیں **وما ربک بغافل** جملہ اسمیہ فرما کر بتایا کہ رب تعالیٰ نہ پہلے غافل تھا نہ اب ہے نہ آئندہ ہو گا وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک علیم و خبیر ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے لہذا وہ علیم و خبیر ہے قدیر ہے کہ بغیر علم و قدرت ربوبیت ناممکن ہے اور اس نے اپنے حبیب کو رحمتہ للعالمین بنایا لہذا انہیں بھی کل شی پر خبیر بنایا کیونکہ بغیر علم و قدرت رحمت ناممکن ہے اگر ہم کو محتاج کی حاجت کی خبر نہ ہو یا اسے کچھ دینے پر قدرت نہ ہو تو ہم اس پر رحم نہیں کر سکتے نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے قاسم بنایا شفیع بنایا۔ تقسیم اور شفاعت بغیر علم ناممکن ہے پھر خیال رہے کہ دنیا میں اس کا بد کاروں کو مہلت دینا ان کے عذاب میں جلدی نہ کرنا اس لئے نہیں کہ وہ بندوں کے اعمال سے بیخبر ہے بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ **وربک الغنی ذو الرحمتہ** کہ رب تعالیٰ بے نیاز بھی ہے اور اس کا مجرم کہیں بھاگ کر جا نہیں سکتا پکڑنے میں جلدی وہ کرے جسے مجرم کے بھاگ جانے قابو سے نکل جانے کا خطرہ ہو نیز وہ رحمت عامہ والا بھی ہے' مجرم کو مہلت دیتا ہے کہ اب بھی توبہ کر لے' خیال رہے کہ رب تعالیٰ بندوں سے بھی بے نیاز ہے اور ان کی عبادت سے بھی بے پرواہ وہ کسی طرح کسی کا حاجتمند نہیں اس کے سوا باقی سب ہر وقت ہر طرح کے حاجتمند ہیں اس میں اشارۃ" فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں رسولوں کو بھیجنا لوگوں کو دعوت ایمان دینا اس لئے نہیں کہ رب تعالیٰ کو بندوں کے ایمان کی حاجت ہے بلکہ اس لئے ہے کہ وہ رحمت والا۔ ہے ربک فرما کر اس جانب اشارہ فرمایا کہ جب آپ کا رب غنی ہے تو آپ کسی اور کے محتاج کیسے ہو سکتے ہیں۔ آپ تو اس کی ربوبیت کے مظہر اتم ہیں اس لئے یہاں ہو نہیں فرمایا بلکہ ربک ارشاد ہوا (از روح المعانی) جیسے جسمانیات میں رب تعالیٰ مختلف بندوں کو مختلف روزیوں سے پالتا ہے بکری کو گھاس سے شیر کو

گوشت سے ہم کو بچپن میں ماں کے دودھ سے پالتا ہے جوانی میں غذاؤں سے اسی طرح روحانیات میں مومنوں کو ایمان سے پالتا ہے اولیاء کو عرفان سے حضرات انبیاء کو ایقان سے جناب مصطفیٰ کو اپنے خاص کلام سے پھر اجسام کو عارضی طور پر پالتا ہے ارواح کو دائمی طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ابد الآباد تک کے لئے غرضیکہ ربک و ربکم اور رب العالمین میں بہت طرح فرق ہے **ان یشا یذھبکم ویستخلف من بعد کم ما یشاء** اس فرمان عالی میں اللہ تعالیٰ کی شان غنا کی جھلک دکھائی گئی ہے اس میں خطاب یا تو کفار و مشرکین سے ہے تو لے جانے کے معنی ہیں عذاب سے ہلاک فرمادینا اور **یستخلف** سے مراد ہے دوسری قوموں کو یہاں بسادینا جیسے نوح علیہ السلام کی قوم سے معاملہ کیا گیا اور **ما یشاء** سے مراد وہ دوسرے انسان ہیں جو ان کی جگہ بسیں انہیں **ما** فرما کر اشارۃً فرمایا کہ دوسری قومیں اور تم گھاس تنکوں کی طرح ہمارے قبضہ قدرت میں ہو کیونکہ **ما** بے جان بے عقل چیزوں پر بولا جاتا ہے (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ اس میں خطاب سارے انسانوں سے ہو تب ان کے لئے جانے سے مراد ہے اس قرن کا ختم فرمادینا یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو تم پر ہلاکت کا عذاب بھیج کر دوسرے لوگوں کو تمہاری جگہ آباد کردے چنانچہ بعد میں ابولہب ابوجہل امیہ ابن خلف وغیرہ کو ہلاک کرکے ان کے مکانوں زمینوں میں مسلمانوں کو بسادیا اور قریب ہی وقت میں سارے مکہ بلکہ سارے حجاز کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بادشاہ برحق بنادیا اگر رب چاہے تو تم کو موت دے کر تمہاری اولاد کو یہاں کا مالک فرمادے یہ واقعہ ہوتا ہی رہتا ہے لہٰذا اس ناپائیدار دنیا پر مت پھولو آخرت کو نہ بھولو **کما انشاء کم من ذریۃ قوم اخرین** اس تشبیہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جیسے پچھلی قوموں کو ہلاک فرما کر تمہیں ان کی جگہ آباد کردیا اصحاب فیل کی ہلاکت مکہ والوں میں بہت مشہور تھی یا جیسے تمہارے باپ دادے سب کچھ بنا کر چھوڑ کر چلے گئے تم برت رہے ہو اسی طرح تمہاری چیزیں دوسری قوم برتے گی یعنی تمہاری اولاد تمہاری قائم مقام ہوگی۔

چنانکہ دست بدست لداست ملک بما بدست دگر ہمچناں خواہد رفت

تفسیر کبیر نے پہلے معنی کو ترجیح دی تفسیر خازن وغیرہ نے دوسرے معنی کو خیال رہے کہ یہاں من تبعیضیہ نہیں بلکہ یہ من ایسا ہے جیسا کہا جائے کہ **اعطیتک من دینارک ثوبا** میں نے تیرے دینار کا کپڑا دیا تو کپڑا دینار کا جز نہیں بلکہ اس کی جگہ آیا ہے ایسے ہی یہ مکہ والے قوم آخرین کی اولاد نہیں بلکہ ان کی جگہ میں آباد ہونے والے ہیں لہٰذا مطلب واضح ہے (تفسیر خازن) دوسری قوموں کی ذریت سے مراد وہی ہلاک ہونے والے لوگ ہیں ان کی اولاد نہیں کیونکہ ہلاک شدہ قوم کی نہ اولاد رہتی ہے نہ ان کی نسل چلتی ہے مقصد یہ ہے کہ گذشتہ قومیں جن کی اولاد ہلاک ہوئی ہم نے ان ہلاک شدہ لوگوں کی جگہ تم کو پیدا فرمایا' تمہیں ان کی ملک اور زمین کا مالک بنایا۔

خلاصہ ء تفسیر : ہماری تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس آیت کے پہلے جز کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر جو قوی ہے اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ جن کافر جنات و انس کا ذکر تم نے ابھی سنا ان کفار کے دوزخ میں درجے علیحدہ علیحدہ ہیں کیونکہ ان کے اعمال بد مختلف ہیں جیسے ان کے کرتوت ویسے ہی ان کا دوزخ میں درجہ بعض ہاویہ میں ہیں بعض سعیر میں بعض حطمہ میں بعض سقر میں۔ عمل تو بہت لوگ کرتے ہیں مگر ان کے اعمال کے درجے مختلف ہیں کوئی تھوڑا کام کرکے بڑا درجہ پالیتا ہے کوئی بڑا کام کرکے چھوٹا درجہ پاتا ہے۔ خیال رہے کہ بڑا درجہ حاصل کرنے کے لئے تین باتوں کا خیال رکھو۔(1) فرائض واجبات پہلے کرو نوافل بعد میں بعض لوگ فرائض سے بے پرواہ ہوتے ہیں نوافل پر زور دیتے ہیں۔(2) نیک اعمال میں سنت

رسول کا خیال رکھو، عمل تھوڑا کرو مگر ہمیشہ کرو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی محبوب ہے۔ (3) صرف نیک کام پر قناعت نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ برے کاموں سے بچنے کی کوشش بھی کرو یہ دونوں چیزیں تقویٰ کی گاڑی کے دو پہیے ہیں یا تقویٰ کے دو بازو یا دو پر، تم یہ وہم نہ کرنا کہ رب تعالیٰ اتنی بڑی مخلوق کو ان کے ہر عمل کی سزا کیسے دے گا کیونکہ رب تعالیٰ ہر مخلوق کے ہر عمل سے خبردار ہے کسی سے غافل نہیں ایسے علیم و خبیر پر یہ کچھ مشکل نہیں کہ مجرموں کو ان کے جرموں کے مطابق سزا دے۔ دنیا میں اس کی ڈھیل سے دھوکا نہ کھاؤ، اس ڈھیل کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ کو ان کی حرکتوں کی خبر نہیں بلکہ وجہ یہ ہے وہ بے نیاز بادشاہ ہے کوئی اس کی پکڑ سے کہاں بچ کر جائے گا ساتھ ہی رحمت و کرم والا ہے بندوں کو موقعہ دیتا ہے ان میں ہادی بھیجتا ہے کہ میرے دروازہ پر آؤ اے نخرے کرنے والے کافرو وہ چاہے تو تم کو اس زمین سے نکال دے اور تمہاری جگہ جسے چاہے تمہارا جانشین کردے تمہاری زمین اس مخلوق سے آباد کردے تم اپنے حالات میں غور کرو کہ گذشتہ قوموں کی کافر اولاد کو ہلاک فرما کر تم کو ان کی جگہ آباد کیا اور بسایا کہاں گئی قوم نوح قوم لوط وغیرہ ان سے عبرت پکڑو ہر وقت اپنے آپ کو اللہ کے قبضہ میں جانو، خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رب نے اپنی چار صفات کا ذکر فرمایا۔ **وربک الغنی ذوالرحمۃ۔ ان یشا** عالم رب کی حمدیں یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں چار قسم کی ہیں۔ ایک وہ جو ہم جیسے گنہگار اپنے خیال سے کریں دوسرے وہ جو انبیاء کرام و اولیاء کریں تیسرے وہ جو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کریں چوتھے وہ جو خود خالق کبریا کرے، یہاں حمد کی یہ چوتھی قسم ہے، لہٰذا بہت اعلیٰ حمد ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سارے کفار جن و انس دوزخی ہیں اور ان کے دوزخ میں درجات مختلف ہیں، جیسا کفر ویسا اس کا مقام یہ فائدہ لکل درجات کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قیامت میں لوگوں کو اعمال کی جزائیں مختلف ملیں گی ایک شخص معمولی نیکی سے بڑا درجہ حاصل کرے گا، دوسرا شخص بڑی نیکی سے معمولی درجہ پائے گا، حضرات صحابہ کرام چار سیر جو کی خیرات سے وہ درجہ پائیں گے جو دوسرے لوگ پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے نہیں پاسکتے۔ حرمین طیبین کی ایک نیکی دوسری جگہوں کی ہزارہا نیکیوں سے بڑھ کر ہے رمضان شریف کے مہینہ کا ایک عمل دوسرے مہینوں کے ستر عملوں سے بڑھ کر ہے جہاں مسجدیں بہت ہوں مگر کنواں کوئی نہ ہو وہاں ایک کنواں نکال دینے کا ثواب بہت سی مسجدیں بنانے سے زیادہ ہے کہ مسجدیں وہاں بیکار ہیں یہ فائدہ لکل درجات کی آخری تفسیر سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: اعمال کے درجات اور چیزیں ہیں ثوابات کچھ اور ثوابات بڑھتے ہیں محنت زیادہ ہونے سے گرمی کے روزے کا ثواب سردی کے روزے سے زیادہ ہے مگر درجات یعنی قرب الٰہی زیادہ ہوتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ ہونے سے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے پیارے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا اللہ کو پیاری پھر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نقل ہے وہ بھی اللہ کو پیارا وتر کے بعد نفل کھڑے ہو کر پڑھو تو ثواب زیادہ مگر بیٹھ کر پڑھو تو درجہ زیادہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر ہی پڑھتے تھے۔ خلفاء ثلاثہ کی شہادتوں کا ثواب زیادہ ہو سکتا ہے کہ وہ تلوار سے ہوئیں مگر ابوبکر صدیق کی شہادت کا درجہ اور قرب الٰہی زیادہ کہ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع زیادہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات خیبر والے زہر سے ہوئی حضرت صدیق کی وفات غار ثور والے سانپ کے زہر سے ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر وفات کی شب چراغ میں تیل نہیں۔ جناب صدیق کی وفات کے وقت کفن کے لئے کپڑا یا پیسہ نہیں۔ یہ ہے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کی نقل یہ خدا کو پیاری ہے۔ تیسرا فائدہ: دوزخ اور وہاں کے طبقے ہر کافر جن وانس کے لئے ہیں' جنات کافر دوزخی ہیں یہ فائدہ **لکل درجات** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین** مگر جنت اور وہاں کے درجات صرف مومن انسانوں کے لئے ہیں نہ فرشتوں کے لئے نہ مومن جنات کے لئے۔ **چوتھا فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں مومن جن وانس سب کے لئے ہیں یہ فائدہ **لکل درجات** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دیکھو تفسیر** یہ قول حضرت امام محمد و ابو یوسف کا ہے امام اعظم اور سارے محققین علماء یہ ہی فرماتے ہیں کہ **جنت صرف مومن انسانوں کے لئے** ہے۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بے نیاز ہو کر رحیم و کریم ہے یہی کمال ہے محتاجی کی **رحمت و کرم عیب ہے یہ فائدہ الغنی ذوالرحمۃ** سے حاصل ہوا دیکھو مجبوری کی معافی کی آیات منسوخ ہیں رحم و کرم کی معافی کا اب بھی حکم ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ پر قابو پا کر انہیں بے بس کر کے معاف کیا مجبوری معافی معافی نہیں بلکہ دینا ہے۔ رب فرماتا ہے **فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ** یعنی کی معافی منسوخ فرما دی۔ چھٹا فائدہ: چونکہ اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے اس لئے وہ عالم کے ذرہ ذرہ سے خبردار ہے کہ بغیر خبر ربوبیت ناممکن ہے یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمۃ للعالمین ہیں لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم کے ہر ذرہ و قطرہ سے خبردار ہیں کہ بغیر علم **رحمت** نہیں ہو سکتی۔ رحمت کے لئے علم' **قدرت' قرب سب ہی** ضروری ہیں۔ یہ فائدہ **وما ربک بغافل** سے بھی حاصل ہوا اور **ربک الغنی ذو الرحمۃ** سے **بھی خیال رہے کہ غنا** ربوبیت کا مدار ہے اور احتیاج بندگی کا مدار۔ ساتواں فائدہ: قیامت تک دنیا میں باطنی عذاب یعنی **بعض قوموں کی تباہی بعض کا** عروج ہوتا رہے گا آج کسی قوم کو ترقی ہے کل کسی کو۔ ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے **ظاہری عذاب بند ہو** گئے۔ جیسے غیبی پتھر برسنا صورتیں مسخ ہونا۔ یہ فائدہ **ان یشا یذھبکم** سے **حاصل ہوا اور ظاہری عذاب عمومی بند ہو گئے' قریب** قیامت بعض کی صورتیں مسخ ہوں گی بعض قومیں سور بندر وغیرہ بنیں گی جیسا کہ **حدیث شریف** میں ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا مومن انسانوں کی **طرح مومن جنات** بھی جنت میں جائیں گے اور وہاں کے درجات پائیں گے کیونکہ اس سے پہلے جن وانس دونوں کا ذکر ہوا پھر فرمایا گیا **ولکل درجات** (نوٹ) یہ **دلیل ان حضرات کی ہے** جو جنات کو بھی جنتی مانتے ہیں جیسے حضرت امام محمد و ابو یوسف وغیرہما مگر ہمارے امام اعظم اور محققین علماء کا مذہب یہی ہے کہ جنت جزا صرف مومن انسانوں کے لئے ہے۔ **جواب:** یہ دلیل نہایت ہی کمزور ہے۔ **اولاً** اس لئے کہ **لکل** سے **مومن جن و** انس مراد لینا خلاف موقعہ ہے کہ ابھی اس سے پہلے کافر جن وانس کا ذکر گزرا ہے وہی یہاں مراد ہیں۔ **دوسرے یہ کہ درجات** سے جنت کے درجے مراد لینا ضعیف ہے۔ قوی یہ ہے کہ اس سے دوزخ کے درجے مراد ہوں۔ **تیسرے یہ کہ درجات سے دنیا** کے درجات مراد ہو سکتے ہیں۔ یعنی مومن جن وانس کے دنیاوی درجے مختلف ہیں۔ کوئی عام مومن ہے' **کوئی ولی ہے' کوئی صحابی** ہے۔ **چوتھے یہ کہ اگلے فرمان** عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ **کلام غضب** کا ہے کہ ارشاد ہے **وما ربک بغافل عما یعملون** اے جن وانس کے اعمال سے آپ کا رب غافل و بے خبر نہیں' یہ فرمان بظاہر غضب کے لئے ہوتا ہے۔ **پانچویں یہ کہ** قرآن مجید کی کوئی صریح آیت جنات کے جنتی ہونے کی نہیں مگر ان کے جنتی نہ ہونے کی صریح **آیت موجود ہے رب فرماتا ہے** **یاقومنا اجیبوا داعی اللہ و امنوا بہ یغفرلکم من ذنوبکم و یجرکم من عذاب الیم** دیکھو اس آیت کریمہ میں جنات کے ایمان و اعمال کا نتیجہ معافی گناہ اور عذاب سے نجات قرار دیا گیا نہ کہ جنت کی نعمتیں۔ اتنی وجوہ کے ہوتے ہوئے

انہیں جنتی ماننا کچھ ضعیف ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** سورہ رحمان شریف میں جنتیوں کی نعمتوں کا ذکر فرما کر ارشاد ہے۔ **فبای الاء ربکما تکذبان** اے۔ جن وانس تم رب تعالیٰ کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے اگر جنات کو جنت ملتا ہی نہیں تو ان سے یہ خطاب کیوں ہے؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس سورۃ رحمان شریف میں دریا وہاں کشتیوں کی روانی کا ذکر فرما کر بھی یہی ارشاد ہے۔ دیکھو فرمایا ہے **ولہ الجوار المنشات فی البحر کالا علام' فبای الاء ربکما تکذبان** حالانکہ کشتیوں جہازوں سے صرف انسان ہی کو فائدے ہیں جنات کو ان کی کوئی ضرورت نہیں جواب تحقیقی یہ ہے کہ جن وانس کے مجموعہ پر وہاں احسان جتایا گیا ہے اور ایک فریق کی نعمت کی نسبت مجموعہ کی طرف ہو سکتی ہے' جس کی دلیل ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں گزر گئی **یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان** حالانکہ موتی مونگہ صرف کھاری سمندر سے نکلتے ہیں نہ کہ میٹھے سے۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم بہشتی حوروں کے متعلق ارشاد فرماتا ہے **لم یطمثہن انس قبلہم ولا جان** اس سے پہلے انہیں نہ انسان نے بیاہا نہ جنات نے جس سے معلوم ہوا کہ آئندہ مومن جنات کو حوریں ملیں گی۔ **جواب:** یہ اعتراض بھی نہایت کمزور ہے پہلے جنت میں جن ابلیس رہ چکا ہے اور حضرت آدم علیہ السلام بھی وہاں قیام فرما چکے ہیں اس وقت وہاں کی نعمتیں ان دونوں نے استعمال کی تھیں۔ شبہ تھا کہ شاید وہاں کے میوہ جات کی طرح حوریں بھی ان کی خدمت میں رہی ہوں انہوں نے ان سے بھی فائدہ اٹھایا ہو اس کی نفی فرمانے کے لئے یہ ارشاد ہوا کہ حوریں بعد میں بطور جزا جنتیوں کو ملیں گی ابھی کسی نے انہیں ہاتھ نہیں لگایا اس سے یہ کیسے ثابت ہو سکتا ہے کہ آئندہ یہ دونوں انہیں ہاتھ لگائیں گے دعویٰ اور۔ ہے دلیل کچھ اور۔ **چوتھا اعتراض:** جب مومن جنات ہماری طرح ایمان و اعمال اختیار کرتے ہیں تو انہیں جنت نہ دینا بے انصافی ہے چاہئے کہ انہیں بھی جنت عطا ہو۔ **جواب:** اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی' جواب الزامی تو یہ ہے کہ فرشتے ہم سے زیادہ نیکیاں کرتے ہیں اور کبھی گناہ نہیں کرتے مگر انہیں نہ جنت ملے نہ وہاں کی نعمتیں کیا اسے بھی ظلم قرار دو گے نعوذ باللہ۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ہر مخلوق کی جیسے غذا دنیاوی مختلف ہے دیکھو ہم اعلیٰ نعمتیں کھاتے ہیں مگر جنات 'ہڈیاں' کوئلہ کھاتے ہیں گوبر ان کے جانوروں کی غذا ہے ہم کام کم کرتے ہیں مگر اعلیٰ درجہ کی غذائیں کھاتے ہیں جانور ہم سے زیادہ کام اور محنت کرتے ہیں مگر کھاتے ہیں گھاس بھوسہ یہ تو رب کی تقسیم ہے جسے جو چاہا عطا فرمایا اس پر کسی کو اعتراض کرنے کا کیا حق ہے۔ دیکھو گزشتہ یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی جزاؤں میں فرق ہے ہم مسلمانوں کو تھوڑے عمل پر بڑی جزاء' ہمارے وضو سے چہرے چمکیں گے' دوسری مومن قوموں کی یہ جزائیں نہیں اس کی تقسیم پر کوئی اعتراض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اگر اللہ چاہے تو موجود کفار کو ہلاک کر دے اور دوسری قومیں آباد فرما دے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب ہم تمہارے ہوتے ان پر عذاب نہ بھیجیں گے تو کیا رب تعالیٰ کے وعدوں کا خلاف ہو سکتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں ظاہری عذاب سے ہلاک کرنا مراد نہیں بلکہ لے جانے کی وہ صورتیں مراد ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ ہلاک شدہ قوموں کی ذریتیں باقی رکھی گئیں اور اہل عرب ان ہی کی اولاد سے ہیں مگر واقعہ یہ ہے کہ نہ تو ہلاک شدہ قوموں کی نسل چلی نہ ان کی نسل سے موجودہ عرب ہیں پھر یہ کیونکر درست ہوا۔ **کما انشاء کم من ذریۃ قوم اخرین۔ جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر خازن نے یہ دیا ہے کہ یہاں من' منعیت کا نہیں بلکہ عوض کا ہے' اور ہلاک شدہ قوموں کی ذریت

نہ چلی بلکہ یہ ہلاک شدہ لوگ دوسری قوم کی ذریت تھے وہی یہاں مراد ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت ربوبیت کا چار طرح ذکر قرآن مجید میں کیا ہے دیکھا اے محبوب آپ کا رب' دیکھو اے مسلمانو تمہارا رب' رب الناس' سب لوگوں کا رب' رب للعالمین تمام جہانوں کا رب' معلوم ہوا کہ ہم اور نبی بلکہ ساری مخلوق عبدیت میں برابر ہیں ہم سب کا رب اللہ ہی ہے' پھر تم نبیوں ولیوں سے کیوں ڈرتے ہو اور ان سے کیوں آس لگاتے ہو کیا اللہ تمہارا رب نہیں ہے۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر بکری کہے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں اور شیر بھی پھر مجھ میں اور شیر میں فرق کیا ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ تو شیر کے سامنے جا کر دیکھ لے فرق معلوم ہو جائے گا یہ فرق فرعون' نمرود' ابوجہل سے پوچھ کہ تم نے نبی کا مقابلہ کرکے کیا پایا تمہاری اور ان کی بندگی میں کیا فرق ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ہم رب کے محض بندے ہیں یہ حضرات رب کے بندے ہیں اور بندوں کے مولیٰ ہیں ان کی طرف بندوں کی نسبت ہو جائے تو بیڑا پار ہو جائے۔ حضرت سفینہ کے سامنے جب شیر آیا تو آپ نے اس سے یہ نہ کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں ورنہ شیر کہتا کہ میں بھی اللہ کا بندہ ہوں بکرا بھی اللہ کا بندہ میں اللہ کے بندوں ہی کو کھایا کرتا ہوں بلکہ یہ کہا کہ **انا مولی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم** اے ابوالحارث (شیر) میں رسول اللہ کا غلام ہوں' راستہ بھول گیا ہوں ان سے پوچھ کہ اے سفینہ تمہاری عبدیت اور محمد مصطفیٰ کی عبدیت میں کیا فرق ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ رحمت والا بھی ہے اور قہر جبرو کبریائی والا بھی تو اس نے ذوالرحمہ کیوں فرمایا ذوالقہر کیوں نہ فرمایا۔ جواب: چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اس لئے قرآن مجید کی ابتداء بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ سے ہوئی دونوں میں الرحمٰن الرحیم ہے دوسرے یہ کہ اس کا قہر و غضب بلا سبب نہیں آتے ہماری حرکتیں قہر و غضب کا باعث ہوتی ہیں مگر اس کی رحمتیں بلاوجہ بھی آتی ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کا غضب کبھی آتا ہے مگر رحمت ہمیشہ اور ہر طرح' چوتھے یہ کہ اس نے اپنے محبوب کو رحمت بنا کر بھیجا غضب بنا کر نہ بھیجا ان پر دست قدرت کو ناز ہے' پانچویں یہ کہ غضب کا ظہور ایک دو طرح ہی ہوتا ہے مگر رحمت کا ظہور صدہا طرح کبھی دولت' عزت' اولاد وغیرہ کے ذریعہ جو بظاہر بھی رحمت ہیں اور کبھی اس کے برعکس بھی بیماری' مصیبت و تکلیف وغیرہ کے ذریعہ کو وہ بھی درحقیقت رحمت ہی ہیں حکیم آپریشن کرے یا کڑوی دوا دے وہ بھی مہربانی ہے سونے کو آگ پر تپانا ہتھوڑے مارنا قرب محبوب کے لئے ہے۔ بہرحال **ذوالرحمۃ** کا ارشاد دریائے ناپید اکنار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں اعمال تو بہت سے لوگ کر لیتے ہیں مگر ان اعمال سے پورا فائدہ کوئی کوئی اٹھاتا ہے بعض اہل علم اپنی عادات کو بھی عبادات بنا لیتے ہیں کہ ان کا کھانا پینا سونا جاگنا حتیٰ کہ مرنا جینا بھی عبادت ہوتا ہے اور ان کے ثواب کا سلسلہ تاقیامت جاری رہتا ہے ان کی دکان کبھی بند نہیں ہوتی ان کی دکان کے سودے کبھی ختم نہیں ہوتے اور بعض بے وقوف وہ ہیں جو اپنی حماقت سے عبادات کو بھی عادات بنا لیتے ہیں کہ ان کے روزے نماز بھی انہیں فائدہ نہیں پہنچاتے یا بہت کم پہنچاتے ہیں وہ جاگتے میں سونے والوں سے بدتر ہوتے ہیں اور جیتے جی مردوں سے کم تر ان کی دکان یا تو کھلتی نہیں یا بہت کم کھلتی ہے ان کے ہاں ہمیشہ سودوں کی کمی رہتی ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں قسم کے لوگوں اور ان کے اعمال کی قدر و قیمت سے خبردار ہے کسی سے غافل نہیں ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق جزا دے گا یوں ہی بعض وہ لوگ ہیں جن کے بڑے گناہ بھی چھوٹے بن جاتے ہیں یا معاف ہو جاتے ہیں' نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں بعض وہ ہیں جن کے چھوٹے گناہ بڑے بن جاتے ہیں یا کفر میں تبدیل ہو جاتے ہیں

ان کو سزا بقدر حق ملے گی صوفیاء فرماتے ہیں کہ گناہ بلکہ کفر تین طرح کے لئے نفس کے لئے شیطان کے لئے اللہ و رسول کے لئے۔ پہلے دونوں قسم کے گناہوں اور کفر کی سزا سخت ہے۔ تیسرے قسم کے گناہ و کفر کی سزا ہلکی ہے یا ہے ہی نہیں دیکھو قابیل نے قتل ہابیل کا گناہ کیا نفس و شیطان کے لئے وہ اب تک پھٹکارا ہوا ہے ہر قتل میں اس کا حصہ ہے۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام پر ظلم کئے مگر کیوں یعقوب علیہ السلام کے منظور نظر بننے کے لئے کہ یوسف علیہ السلام یہاں نہ ہوں گے تو والد ہم سے ہی محبت کریں گے یہ تھا نبی کے لئے گناہ اس کا انجام یہ ہوا کہ ان سب کو توبہ کی توفیق مل گئی اور وہ سارے اولیاء صحابی بلکہ بعض علماء کے نزدیک نبی بنا دیئے گئے زلیخا نے گناہ کئے تو یوسف علیہ السلام کے لئے آخر کار توبہ کی توفیق مل گئی ابولہب نے بھی کفر کیا' اور ابو طالب نے بھی مگر ابولہب کا کفر نبی سے عناد کے لئے تھا وہ بد ترین جہنمی ہوا۔ ابو طالب کا کفر تھا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو شر کفار سے بچانے کے لئے تاکہ کفار میری رعایت سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو نہ ستائیں دیکھ لو۔ ابو طالب بہت ہلکی سزا میں ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کو دوزخ سے نکال دیئے جائیں اللہ تعالیٰ کے اس رحمت والے لپ میں ہوں جو وہ دوزخیوں کا بھر کر جنت میں ڈالے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ذوالرحمہ میں رحمت سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی ذات۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** رب نے اپنے کو ذوالرحمہ فرمایا یعنی محمد مصطفیٰ والا رب۔ چونکہ ساری نعمتیں فانی ہیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی نسبت باقی نیز حضور صلی اللہ علیہ و سلم ساری نعمتوں کو رحمت بنانے والے ہیں کہ ان کی اطاعت کے بغیر سب نعمتیں عذاب ہیں نیز ساری نعمتیں ہماری پردہ در ہیں کہ ہمارے خلاف گواہی دے سکتی ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم پردہ پوش اس لئے حضور صلی اللہ علیہ و سلم رحمت اعلیٰ ہیں اور اللہ تعالیٰ رحمت والا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ غنی بھی ہے رحیم و کریم بھی۔ بے نیاز بھی دنیا اس کی ملکیت ہے تم کو یہاں عاریت کچھ روز کے لئے اس نے بسایا ہے یہ جگہ تمہاری ملک نہیں اگر وہ چاہے تو یہاں سے تم کو ہٹا کر دوسروں کو آباد کر دے۔ عاریت اور عارضی چیز پر کسی کا دعویٰ نہیں، تم سے پہلے یہاں اور لوگ آباد تھے وہ گئے تم آئے۔ اس طرح تمہاری جگہ دوسرے آسکتے ہیں لہٰذا فرصت کو غنیمت جانو۔

ہم دیکھیں جگ جات ہے جگ دیکھے ہم جائیں　　ہم خود بیٹھے راہ پر اوروں پر پچھتائیں!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ کامیابی دو چیزیں اختیار کرنے میں ہے اور تین چیزیں چھوڑنے میں۔ علم' عمل' اختیار کرو دنیا' کسل' ذلل' چھوڑو' دار الفرار یعنی بھاگنے کی جگہ کو دار القرار یعنی رہنے کی جگہ نہ سمجھو۔

حکایت : ایک بزرگ کے گھر میں کوئی شخص گیا گھر خالی پایا پوچھا سامان کچھ نہیں صاحب خانہ نے کہا کہ میرے پاس دو گھر ہیں ایک خوف کا گھر۔ دوسرا امان کا۔ ہم جو کماتے ہیں خطرناک گھر (دنیا) میں نہیں رکھتے دار الامان یعنی آخرت میں بھیج دیتے ہیں ۱۱ بولا کہ کچھ تو گھر میں رکھو' صاحب خانہ نے کہا کہ یہ گھر عارضی ہے نامعلوم مالک کب واپس لے لے گھر خالی کرائے عاقبۃ **الدار للابرار والا خیار لیلھم نھار** یعنی آخرت کا گھر ان نیکوں کے لئے ہے جن کی راتیں بھی دن ہیں۔

اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّ مَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

تحقیق وہ چیز کہ وعدہ کیے جاتے ہو تو البتہ آنے والی ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے۔ فرماؤ اے قوم میری عمل کرو

بیشک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے تم فرماؤ اے میری قوم

عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ

اوپر ٹھکانے کے اپنے بیشک میں کام کرنے والا ہوں پس عنقریب جان لوگے تم اس کو کہ ہوگا واسطے اس

تم اپنی جگہ پر کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو اب جاننا چاہتے ہو کس کا رہتا ہے

عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

کے آخری گھر بیشک نہیں کامیاب ہوتے ظالم لوگ۔

آخرت کا گھر۔ بیشک ظالم فلاح نہیں پاتے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر ہوا۔ اب ان کے یقینی ہونے کا تذکرہ ہے کہ کفار پر عذاب ضرور آئیں گے وہ ہم سے بچ کر کہاں جائیں گے اس کا مقصد ہے کفار کو ڈرا کر ایمان کی طرف مائل فرمانا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں گنہگاروں کے عذابوں نیک کاروں کے ثوابوں کا ذکر ہوا اب عجیب انداز سے ارشاد ہے کہ ثوابوں کے وعدے ضرور بالضرور پورے ہوں گے مگر عذابوں کی وعیدیں قابل معافی ہیں کوئی مجرم خود نہیں بچ سکتا ہم چاہیں تو معاف فرمادیں چنانچہ وعدوں کے لئے فرمایا **ان ما توعدون لات** اور وعیدوں کے بارے میں ارشاد ہے **وما انتم بمعجزین** (نوٹ) یہ دونوں باتیں تفسیر کبیر نے ارشاد فرمائیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر تھا اب ان کے وقت کا ذکر ہے کہ عذابوں کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے **من تکون له عاقبته الدار** چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ایک خاص طریقہ سے کفار کو کفر سے روکا گیا تھا یعنی ڈرا دھمکا کر اب دوسری طرح انہیں کفر سے روکا جا رہا ہے یعنی اظہار بیزاری فرما کر **قل یا قوم اعملوا** غرضیکہ مقصود ایک ہے نوعیتیں الگ الگ ہیں کیونکہ لوگوں کی فطرتیں جداگانہ ہیں، بعض ڈر کر مانتے ہیں بعض اور طریقہ سے۔

تفسیر : **ان ما توعدون لات** اس جملہ کی تین تفسیریں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ **ما** سے مراد ہے موت یا قیامت اور وہاں کا حساب و کتاب اور بعد میں سزا و جزاء۔ اس صورت میں یہ خطاب سارے انسانوں سے ہے کافر ہوں یا مومن کیونکہ یہ چیزیں یہ وارداتیں سب کے لئے ہیں، سب پر آنے والی ہیں' تو وعدہ سے مراد وعید کا مقابل وعدہ بلکہ وعد و وعید دونوں کو شامل ہے۔ دوسرے یہ کہ **ما** سے مراد صرف برزخی و اخروی عذاب ہیں اور خطاب ان کفار سے ہے جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا تو **توعدون** بنا ہے وعد بمعنی وعید سے تیسرے یہ کہ **ما** سے مراد برزخی و اخروی ثوابات ہیں اور خطاب ہے مسلمانوں سے اور **توعدون وعد** سے وعید کا مقابل یعنی اچھی جزاء کا امیدوار بنانا۔ تفسیر کبیر نے یہی تیسری تفسیر اختیار کی اور معنی یہ کئے کہ اے مسلمانو ہم نے تم سے تمہارے ایمان نیک اعمال پر جو وعدے کئے ہیں وہ سب تم تک ضرور پہنچیں گے ناممکن ہے کہ نہ پہنچیں یا

کم پہنچیں کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے۔ جس سے ہم پاک و منزہ ہیں۔۔ رہے تمہارے گناہوں پر تم سے وعیدیں وہ آئیں یا نہ آئیں ہمارے کرم سے معاف ہی ہو جائیں **لات** فرما کر ایک لطیف اشارہ اس جانب فرمایا کہ بظاہر تم ان کی طرف جا رہے ہو مگر حقیقت میں وہ تم تک آ رہی ہیں وہ تم کو تلاش کر کے تم تک پہنچ رہی ہیں ہم موت کی طرف نہیں دوڑ رہے ہیں موت ہم تک بھاگی آ رہی ہے دنیا جا رہی ہے' آخرت آ رہی ہے۔ بظاہر جنت کی طرف اعمال کے ذریعہ ہم جا رہے ہیں مگر در حقیقت جنت ہماری طرف آ رہی ہے۔ وہ طالب ہے مومن مطلوب یا مجازاً" یہ فرمایا گیا جیسے ریل کی سواریاں کہتی ہیں کہ لاہور آ رہا ہے حالانکہ لاہور تو اپنی جگہ قائم ہے ادھر ہم جا رہے ہیں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **ما توعدون** میں خطاب مسلمانوں سے ہو اور **ما انتم بمعجزین** میں خطاب کفار سے۔ خیال رہے کہ **توعدون** میں بڑی گنجائش ہے اس میں وہ وعدے بھی شامل ہیں جو رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمائے اور وہ وعدے بھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ یا اہل بیت یا ساری امت سے فرمائے خواہ شخصی وعدے ہوں' جیسے ابو بکر جنتی ہیں حسین و حسن جوانان جنت کے سردار ہیں یا نوعی وعدے کہ جو مومن جماعت پنجگانہ کا پابند ہو گا اس کی زندگی بھی طیب ہو گی' موت بھی طیب۔ اسی لئے **توعدون** فرمایا **وعدنا** نہیں فرمایا یہ بھی خیال رہے کہ موت آنی سب کو ہے مگر کسی کے لئے دعوت نامہ بن کر کسی کے لئے طلبی کا سمن بن کر کسی کے لئے وارنٹ گرفتاری بن کو موت ایک ہے مگر اس کی نوعیتیں جداگانہ۔ لہٰذا موت یا قیامت سے بچنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اس کی تیاری کرو **وما انتم بمعجزین** اس جملہ میں خطاب صرف کفار سے ہے اگر پچھلے جملہ میں خطاب کفار سے تھا تو یہ جملہ اس کی وجہ و علت ہے یا اس کی شرح اور اگر وہاں خطاب صرف مسلمانوں سے تھا تو اس فرمان کے ایک حصہ میں خطاب مومنوں سے ہے اور اسی حصہ میں خطاب کفار سے مگر سبحان اللہ طریقہ بیان مختلف ہے تاکہ معلوم ہو کہ رب کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے یعنی یہ نہیں فرمایا کہ اے کافرو تم کو ہر گناہ کی سزا ضرور ملے گی' جیسے ثواب کے متعلق فرمایا تھا لات بلکہ یوں فرمایا کہ تم ہماری پکڑ سے نہیں بچ سکتے اگر ہم ہی تمہارا عذاب ہلکا کر دیں یا بعض گناہوں کی سزا نہ دیں تو ہم قادر ہیں۔(از تفسیر کبیر) خیال رہے کہ کفار کی بخشش ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** مگر ان کے بعض گناہوں کی معافی' عذاب کا ہلکا ہونا ممکن بلکہ واقع ہے ابو طالب اور ابو لہب کا حال یکساں نہیں یوں ہی فرعون اور نوشیروان و حاتم طائی کی سزا یکساں نہیں **معجزین** بنا ہے **اعجاز** سے۔ جس کا مادہ عجز ہے۔ اعجاز کسی کو عاجز کر دینا حاکم کی پکڑ سے بچ نکلنا' اسے تھکا دینا **قل یا قوم اعملو علی مکانتکم** یہاں قل میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن کفار سے ہے۔ قرآن مجید میں قل کے موقعہ مختلف ہیں کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں کہ اے محبوب ہم سے کہو **قل اعوذ برب الفلق** کبھی یہ کہ مومنوں سے کہو جیسے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** کبھی یہ کہ کافروں سے کہو جیسے یہاں ہے کبھی یہ سارے انسانوں سے کہو **قل یا ایھا الناس** رب سے عرض میں اظہار نیاز مندی ہوتا ہے مومنوں سے خطاب میں اظہار کرم نوازی۔ کفار سے خطاب میں یا اظہار غضب یا اظہار بیزاری۔ یہاں اس میں آخری مقصد کے لئے قل ارشاد ہوا۔ تبلیغ کے تین طریقے ہیں۔ اچھے اعمال کی جزاء کا بیان' برے اعمال کی سزا کا بیان' بد کاروں سے بیزاری کا اظہار اور **یا قوم** میں ندا کفار کو ہے۔ قوم سے مراد ہم مذہب قوم نہیں بلکہ ہم وطن یا ہم نسب قوم مراد ہے۔ قوم کی بہت قسمیں ہیں ہم پیشہ' ہم زبان' ہم وطن' ہم نسب' ہم مشرب' ہم مذہب وغیرہ سب ہی قوم کہلاتے ہیں' مذاہب کے لحاظ سے مومن کافر کا ہم قوم نہیں کفار کو قوم کہہ کر پکارنا انہیں اپنی طرف مائل فرمانے کے لئے ہے کہ اگرچہ تم مجھ سے دشمنی کرو مگر میں

توتم کونسبی یا ملکی زبانی قوم ہی کہہ کر پکاروں گا **اعملوا** میں عمل سے مراد شرک کفر بد کاریاں گناہ وغیرہ ہیں اور یہ حکم نہ تو اجازت دینے کے لئے ہے نہ واجب کرنے کے لئے بلکہ اظہار بیزاری فرما کر روکنے کے لئے ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **من شاء فلیکفر** جیسے مہربان باپ نالائق بیٹے سے بطور غضب کہے کہ خوب بد معاشیاں کئے جا ہماری قراءت میں مکانۃ واحد ہے بعض قرائتوں میں مکانات کم جمع ہے مکانۃ مصدر ہے اور مصدر اگرچہ ہمیشہ واحد ہی آتا ہے مگر بعض حالات میں جمع بھی آجاتا ہے (کبیر) اس کا فعل مکن یمکن ہے تمکین اور مکانۃ دونوں مصدر ہیں بمعنی قوت وقدرت یا بمعنی حالت ہے یا ظرف ہے **کان یکون** کا اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اسی توجیہہ سے ترجمہ فرمایا ہے یعنی اپنی قدرت و قوت بھر کفر و گناہ کئے جاؤ کمی نہ کرو یا اپنی حالت پر کفر کئے جاؤ یا اپنی جگہ کفر کئے جاؤ (کبیر) **انی عامل** اس فرمان عالی میں ان کے عمل کے مقابل کا ذکر ہے یعنی میں اپنی قدرت بھر یا اپنی حالت پر یا اپنی جگہ ایمان و نیک اعمال کئے جاؤں گا اگر عمل سے مراد تبلیغ نبوت ہے تو انی اپنے معنی پر ہے اور اگر اس سے مراد ایمان و تقویٰ ہے تو یہ فرمان اپنے سارے غلاموں کی طرف سے ہے یعنی میں اور میرے یہ غلام اپنی حالتوں پر عمل کئے جائیں گے تم اپنی روش نہیں بدلتے ہم اپنی روش کیوں بدلیں **فسوف تعلمون** یہ فرمان عالی گذشتہ فرمان کو واضح فرمارہا ہے کہ وہ غضب کے اظہار کے لئے ہے نہ کہ گناہوں کی اجازت کے لئے سوف فرما کر یہ بتایا کہ تمہارا جان لینا عنقریب ہی ہے مرتے ہی جان جاؤ گے جاننے سے مراد مشاہدہ کا جاننا ہے یعنی تم آنکھوں دیکھ لو گے جو ابھی بیان ہے وہ عنقریب عیاں ہو جائے گا **من تکون له عاقبة الدار** یہ عبارت تعلمون کا مفعول ہے من سے مراد سارے انسان ہیں کافر ہوں یا مومن اور من استفہامیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ من موصولہ ہو اور اس سے مراد مومنین ہوں عاقبۃ مصدر ہے جیسے عافیت۔ لہ میں لام نفع کا ہے دار سے مراد دنیا ہے یعنی تم جان لو گے کہ دنیا کا انجام کس کے لئے مفید ہو گا دنیا کھیتی ہے جس سے بولیا اس کے لئے انجام اچھا ہوا جو غافل رہا اس کے لئے انجام برا ہوا (معانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ **دار** سے مراد آخرت ہے اور عاقبت سے مراد ہے اچھا انجام (جلالین) بہر حال مقصد ایک ہے ہی۔ خیال رہے کہ کافروں کے لئے دنیا و آخرت دونوں وبال ہیں لہٰذا ان کے لئے **عاقبة الدار** درست ہے اور مومنوں کے لئے دنیا و آخرت دونوں ہی رحمت ہیں وہ دنیا میں کماتا ہے آخرت میں نفع اٹھاتا ہے لام نفع کے لئے آتا ہے اور علیٰ نقصان و ضرر کے لئے **انه لا یفلح الظالمون** یہ فرمان عالی گذشتہ اجمال کی تفصیل ہے وہاں تو فرمایا تھا تم جان لو گے کہ اچھا انجام کس کا ہو گا اب صراحۃً فرمادیا کہ مومنوں کا ہو گا کیونکہ تم کافر ہو اپنے پر ظالم ہو ظالم تو کبھی کامیاب ہوتے نہیں تو تم کامیاب کیونکر ہو سکتے ہو ببول بو کر آم کیسے کھا سکتے ہو تخم خار سے خار پیدا ہوتے ہیں تخم بار سے بار یعنی پھل۔ خیال رہے کہ ظلم کے بہت معنی ہیں کسی کا حق مارنا کسی کی چیز بغیر اس کی اجازت استعمال کرنا کسی کو بلا قصور سزا دینا مگر قرآن مجید میں اکثر ظالم بمعنی کافر آتا ہے یعنی بڑا ظالم **ان الشرک لظلم عظیم** روح المعانی نے فرمایا کہ اس میں اشارۃً ارشاد ہے کہ معمولی ظلم کرنے والا یعنی چھوٹا ظالم بھی پورا کامیاب نہیں ہوتا تم تو بڑے ظالم یعنی کافر و مشرک ہو تم کیسے کامیاب ہو سکتے ہو اس لئے بجائے کافرون کے ظالمون ارشاد ہوا یہ نکتہ بہت اچھا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ پہلی آیت کی تین تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو جن دنیاوی رحمتوں کا فتوحات ممالک کا تمہاری سربلندی وغیرہ اور اخروی ثوابات کا تم سے وعدہ کیا گیا ہے خواہ قرآن مجید میں یا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب یا کشف یا الہام سے

وہ تمام کے تمام عنقریب آنے والے ہیں وہ تمام وعدے پورے ہو کر رہیں گے ان کا پورا نہ ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے رب تعالیٰ کا شریک ہونا ان وعدوں میں زیادتی تو ہو سکتی ہے کمی نہیں ہو سکتی پھر ان وعدوں کی طرف تم نہیں جا رہے ہو تم تو محبوب کے قدموں سے وابستہ رہو وہ تمام وعدے خود تمہارے پاس ہی پہنچ جائیں گے اس دروازہ پر تم کو سب کچھ مل جائے گا۔

سگ درگاہ احمد شو کہ یابی صد وقار اینجا زرا اینجا دولت اینجا عزت اینجا افتخار اینجا

اور اے کافرو تم سے جو وعیدیں کی گئی ہیں تم ان سے بچ نہیں سکتے ضرور اپنے کئے کی سزا کو پہنچو گے اگر ہم ہی کچھ تخفیف کریں تو ہماری مرضی' اے محبوب صلی اللہ علیہ و سلم آپ ان کفار سے بطور اظہار بیزاری فرما دو کہ تم باز نہیں آتے تو اچھا اپنی اسی حالت پر اپنے کام کئے جاؤ اپنی حرکتوں میں مشغول رہو۔ ہم اپنے طور پر اپنے عمل کئے جائیں گے۔ آگے چل کر تم خود ہی دیکھ کر جان لو گے کہ انجام کس کے حق میں ہوتا ہے اور کس کے خلاف ہمارے یا تمہارے۔ تم لوگ اول درجہ کے ظالم ہو کہ تم نے اپنی جان' اپنی اولاد' اپنے ماتحتوں پر ہر طرح کے ظلم کئے اور ظالم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ کامیابی عدل و انصاف اور اللہ رسول کی اطاعت میں ہی ہے خیال رہے کہ یہ بیزاری ایسی ہے جیسے سمندر میں جہاز جا رہا ہو' مسافر کپتان کو تنگ کریں کپتان تنگ آکر کہہ دے کہ تم مجھے پریشان کرتے ہو تو لو تم جہاز کو سنبھالوں تم جانو تمہارا کام جانے میں الگ ہوتا ہوں۔ ظاہر ہے کہ ایسی بیکسی میں صرف کپتان کا سہارا ہوتا ہے اگر وہ بیزار ہو کر جہاز کو چھوڑ دے تو ہلاکت ہی ہلاکت ہے ہماری زندگی ایک جہاز ہے دنیا سمندر ہے ہم مسافر ہیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم واحد کھیون ہار ہیں اگر یہاں یا قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہی چھوڑ دیں تو پھر ہم کہاں جائیں پھر سہارا کون ہے خیال رکھو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم ہم جیسے گنہگاروں سے بیزار نہیں ہوتے وہ سرکشوں غداروں سے بیزار ہوتے ہیں' ماں بچے کے پیشاب پاخانہ سے اسے نکال نہیں دیتی یہاں بیزاری کفار اور سرکشوں سے کی جا رہی ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: خدا تعالیٰ کے وعدے پورے نہ ہونا یعنی خلف وعد ذاتا" ناممکن ہے اس نے جس سے جو وعدے فرمائے یقیناً پورے ہوں گے یہ فائدہ لات سے حاصل ہوا اس کی بحث پہلے پارہ ان اللہ علی کل شئی قدیر میں اچھی طرح کی جا چکی ہے۔ یہ وعدے خواہ شخصی ہوں جیسے حضرت صدیق اکبر حضرات حسنین کریمین وغیرہم سے ہوئے یا نوعی طور پر جیسے تا قیامت متقی مومنوں سے کئے گئے۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے وعدے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے وعدے تمام کے تمام یقینی طور پر پورے ہوں گے ان میں سے کسی کے پورے نہ ہونے کا امکان نہیں' بلکہ اللہ کے بعض محبوب اولیاء اللہ کے بندے جو وعدے کرتے ہیں رب وہ بھی پورے فرماتا ہے یہ فائدہ ما توعدون کے عموم سے حاصل ہوا' حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کے مقبول بندے اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرماتا ہے' قرآن و حدیث میں ایسے بہت وعدے مذکور ہیں کہ نبی یا ولی نے کئے اور رب تعالیٰ نے پورے فرمائے۔ تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے دربار اور نیک اعمال کی طرف تم جاؤ' اس کے ثواب تمہارے پاس آئیں گے دینا و آخرت کی بھلائیاں تمہارے قدم چومیں گی یہ فائدہ لات سے حاصل ہوا کہ آنے کی نسبت ان وعدوں کی طرف فرمائی گئی۔ چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ کی وعیدوں میں بالکل معافی بھی ہو سکتی ہے اور کمی بھی کہ یہ کرم خسروانہ ہے نہ کہ وعدہ خلافی ہے۔ یہ فائدہ وما انتم

معجزین سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ پانچواں فائدہ: انسان کو چاہئے کہ سزا کے دیر لگنے سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ اس سے بچنے کے لئے رب تعالیٰ کی اطاعت کرے وہاں زور نہ دکھائے زاری کرے یہ فائدہ بھی معجزین سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا دیگر مقاصد کے لئے بلکہ کبھی روکنے کے لئے بھی ارشاد ہوتا ہے' دیکھو یہاں کفار سے فرمایا گیا اعملو اعلی مکانتکم اپنی اسی حالت پر کفرو گناہ کئے جاؤ یہ حکم بیزاری ظاہر فرما کر روکنے کے لئے ہے نہ کہ کفر کرانے کے لئے۔ ساتواں فائدہ: اپنے نیک اعمال کا اظہار ان کا اعلان کرنا جائز ہے کہ یہ بھی تبلیغ کی ایک قسم ہے تاکہ لوگ ہمارے اعمال دیکھ کر سن کر خود بھی اچھے اعمال کریں یہ فائدہ انی عامل سے حاصل ہوا اپنی بڑائی کے لئے ان کا اظہار برا ہے کہ یہ ریا ہے۔ آٹھواں فائدہ: ظالم کو سزا جلد نہیں ملتی اولاً ڈھیل ملتی ہے پھر اسے پکڑا جاتا ہے یہ فائدہ تکون لہ عاقبۃ الدار سے اشارۃً حاصل ہوا۔ باطل کا شور زیادہ ہوتا ہے حقیقت کچھ نہیں حق کا زور زیادہ ہے مگر سکون کے ساتھ۔ نواں فائدہ: ہر کافرو مشرک ظالم ہے بلکہ اول نمبر ظالم۔ رب فرماتا ہے ان الشرک لظلم عظیم یہ فائدہ لا یفلح الظلمون سے حاصل ہوا۔ کافر کا کھانا پینا جینا مرنا سب ظلم ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ جس کا تم سے وعدہ ہے وہ آنے والا ہے کیوں نہ فرمایا تم اسے پانے والے ہو۔ جواب: اس کا نفیس نکتہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مومن اللہ و رسول کا طالب ہے اور اس کے ثوابات رب کے رحم و کرم مومن کے طالب ہیں مومن ان کا مطلوب ہے مومن آخرت کے پیچھے بھاگتا ہے دنیا اس کے پیچھے دوڑتی ہے جس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے شکاری جانور خود روزی کے پیچھے دوڑتے ہیں پالتو جانوروں کے پاس روزی خود پہنچتی ہے وہ مالک کے پیچھے ڈرتے ہیں لات فرمانا بہت ہی لطف دے رہا ہے۔ دوسرا اعتراض: یہاں کفار سے فرمایا گیا اعملو اعلی مکانتکم تو کیا کفار کو کفرو بدکاریاں کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ جواب: یہ حکم اجازت یا وجوب کے لئے نہیں بلکہ روکنے کے لئے ہے' بیزاری و نفرت کا حکم ممانعت کا اعلیٰ درجہ ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا فسوف تعلمون حالانکہ دنیا میں کفار کو ان کا انجام بتا دیا گیا ہے اس کے علم میں آچکا ہے پھر یہ کیوں فرمایا۔ جواب: جاننے کی بہت صورتیں ہیں سن کر جاننا' دیکھ کر جاننا آزما کر جاننا یہاں دیکھ کر جاننا مراد ہے وہ آئندہ ہی ہو گا۔ جب کہ جاننا کام نہ آئے گا لہذا آیت ظاہر ہے۔ چوتھا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ ظالمین کامیاب نہیں ہوتے۔ ہر کافر ظالم نہیں۔ بعض کافر بڑے عدل و انصاف والے اور بعض مسلمان ظالم ہوتے ہیں جیسا کہ دیکھا جا رہا ہے تو چاہئے کہ وہ مسلمان کامیاب نہ ہوں اور عادل مشرک کامیاب ہوں۔ جواب: ظلم کی حقیقت ہے کسی کا حق مارنا مسلمان ظالم واقعی کسی بندے کا حق مار لیتا ہے لیکن کافر تو اللہ تعالیٰ کا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید کا بلکہ خود اپنے نفس کا حق مارتا ہے لہذا وہی بڑا ظالم ہے اسی لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے ان الشرک لظلم عظیم یہاں ظالموں سے مراد بڑے ظالم یعنی مشرک و کافر ہیں کسی کو ستانے والے مسلمان ظالم ہیں مگر چھوٹے ظالم۔ اسی لئے قیامت میں بدلہ دلوا کر بخش دیئے جائیں گے مگر کافر کی بخشش نہیں یہاں کامیاب نہ ہونے سے مراد بخشش نہ ہونا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : بعض بندے مولیٰ کے طالبین ہیں بعض ہاربین بعض رب سے بھاگنے والے مگر ہیں دونوں مطلوبین طالبین مولیٰ اس کی رحمت کے اس کے کرم کے مطلوبین ہیں انہیں جنت وہاں کی نعمتیں ڈھونڈھ رہی ہیں اور ہاربین مولیٰ اس

کے غضب و قہر دوزخ وغیرہ کے مطلوبین ہیں انہیں قہر دوزخ کی آگ ڈھونڈھ رہی ہے موت دونوں کو آئے گی مگر مومن کی موت دلہن بن کر کافر کی موت پولیس بن کر۔

جب تیری یاد میں دنیا سے گیا ہے کوئی جان لینے کو دلہن بن کے قضا آئی ہے

اس آیت میں اس فرق کا ذکر ہے کہ مومنوں کے متعلق فرمایا **ما توعدون لات** اور کفار کے لئے فرمایا **وما انتم بمعجزین** مومن موت کا استقبال کرتا ہے کافر موت سے چھپتا بچنے کی کوشش کرتا ہے یہاں دونوں کے متعلق فرمایا گیا کہ تم اپنا کام کئے جاؤ مولی سے بھاگے جاؤ ہم اپنا کام کئے جائیں گے اس طرف بڑھے جائیں گے 'عمل دونوں کررہے ہیں ان کے انجام کا ظہور بعد میں ہو گا۔

خیال اپنا اپنا مقام اپنا اپنا کئے جاؤ مے خوارو کام اپنا اپنا!

جس قدر ان دونوں جماعتوں کی عمریں گزر رہی ہیں اسی قدر ان کے طالبین یعنی جنت یا دوزخ ان سے قریب آرہے ہیں یہ قرب موت کے وقت ہی معلوم ہو جائے گا کہ فرشتے مومن کے لئے جنت کے ہار گلدستے لے کر آتے ہیں اور کافر کے لئے دوزخ کی زنجیریں وہاں کا اثاث لے کر اور قبروں میں تو یہ دونوں اپنے مقامات دیکھ بھی لیتے ہیں۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ

اور بنایا انہوں نے واسطے اللہ کے اس کھیتی میں سے جو پیدا فرمایا اور جانوروں میں ایک حصہ پس بولے یہ واسطے اللہ کے ہے

اور اللہ نے جو کھیتی مویشی پیدا کئے ان میں انہیں ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے

بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ

اپنے گمان میں اور یہ واسطے شریکوں کے ہے ہمارے پس وہ جو ہو واسطے شریکوں کے ان کے پس نہیں پہنچتا وہ طرف

ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا

وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اللہ کے پس وہ پہنچ جاتا ہے طرف شریکوں کے انکے برا ہے وہ جو فیصلہ کرتے ہیں وہ کفار

اور جو خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار عرب کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ وہ اچھے اور کرنے والے عقیدے اور اعمال اختیار نہیں کرتے اب ارشاد ہے کہ وہ لوگ میرے عقیدے اور میرے اعمال غلط رسم و رواج کے بڑے پابند ہیں گویا کفار عرب کی ایک برائی کے بعد دوسری برائی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی

آیات کریمہ میں کفار عرب کی بد عقیدگی کا ذکر تھا۔ اب ان کی بد عقلی بلکہ کا ذکر ہے کہ وہ ایسے کام کرتے ہیں جسے کوئی عقل درست نہیں سمجھ سکتی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں بزاری ظاہر فرماتے ہوئے ارشاد ہوا تھا کہ اے کافرو تم اپنی حالت پر کام کئے جاؤ۔ جس سے شاید کوئی دھوکہ کھاتا کہ انہیں ان کی بد عملیوں کی اجازت دیدی گئی۔ اب ان کے اعمال دکھا کر بتایا جا رہا ہے کہ کیا رب تعالیٰ ایسی حرکتوں کی اجازت دے سکتا ہے ہرگز نہیں گویا اس آیت سے **اعملو علی مکانتکم** کو واضح فرمایا گیا ہے کہ وہ حکم اجازت دینے کے لئے نہیں بلکہ روکنے کے لئے ہے۔

نزول: صدیوں سے کفار عرب کا دستور یہ تھا کہ ان کے کھیتوں باغوں میں جو پیداوار ہوتی یا ان کے لونٹ بکریاں جو بچے دیتیں۔ اس کے تین حصے کرتے تھے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام کا جو غریبوں' مسکینوں' مہمانوں اور دوسرے اچھے کاموں میں خرچ کرتے ایک حصہ بتوں کے نام کا جو بت خانوں وہاں کے پجاریوں' بتوں کے چڑھاووں پر خرچ کرتے باقی اپنے کام میں لاتے تھے پھر اگر اللہ کے حصہ والا کوئی جانور مر جاتا تو اس کی پرواہ نہ کرتے لیکن اگر بتوں کے حصہ والا جانور مر جاتا تو اللہ کے نام والے جانوروں میں سے نکال کر بتوں والے میں شامل کر دیتے اسے پورا کر دیتے یونہی اگر اللہ کے نام والے حصہ میں کچھ بتوں کے حصہ میں گر جاتا تو اسے رہنے دیتے لیکن اگر بتوں کے حصہ میں سے کچھ دانے یا پھل اللہ تعالیٰ کے حصہ میں پڑ جاتے تو اسے نکال لیتے کہتے کہ اللہ تعالیٰ تو غنی ہے اسے کمی کی پرواہ نہیں یونہی اللہ تعالیٰ کے حصے میں سے اعلیٰ مال نکال کر بتوں کے حصے میں داخل کر دیتے مگر بتوں والے حصے میں کچھ نہ نکالتے ان کا یہ دستور زمانہ دراز سے چلا آرہا تھا اس آیت کریمہ نے اسی دستور کا ذکر فرمایا ہے یہ آیت اس کے متعلق نازل ہوئی یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت خداداد تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چند سالوں میں صدیوں کے برے رواج مٹا دیئے بگڑی قوم بنانا بہت ہی مشکل ہے۔

تفسیر: **وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا** اس عبارت میں **جعلوا** ہے تو ماضی مگر اس سے ہیشگی مراد ہے **جعل** کے معنی کر دینا مقرر کرنا ہیں یعنی یہ کفار ہمیشہ سے یہ کرتے چلے آئے ہیں **جعلوا** جمع فرما کر بتایا کہ یہ حماقت ایک دو کافر نہیں کرتے بلکہ سارے کفار کا یہ عمل ہے ان میں کوئی بھی ایسا عقل و سمجھ والا نہیں جو اس کام کی برائی معلوم کرے۔ **مما** میں **من** جنسیت کے لئے ہے۔ **ما** سے مراد دانے پھل' جانور سب ہی ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **ذرا** بنا ہے **ذرء** سے بمعنی ظاہر ہونا اصطلاح میں بغیر مثال پیدا فرمانے کو **ذرا** کہتے ہیں یعنی ایجاد کرنا **حرث** سے مراد یہاں کھیتی و باغات سبھی ہیں کہ ان کا عمل ان سب کے متعلق یہ ہی تھا۔ انعام جمع نعم کی بمعنی چوپایہ نہ کہ نعمت کی۔ نعمت کی جمع نعماء آتی ہے۔ نصیب بنا ہے نصب سے بمعنی قائم کرنا یہاں اس سے مراد ہے قائم کیا ہوا حصہ۔ خیال رہے کہ یہاں **للہ** میں لام نہ تو ملکیت کا ہے کیونکہ کفار بھی جانتے تھے کہ ہر چیز کا مالک اللہ ہے نہ نفع کا ہے کیونکہ ان کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ اس حصہ سے اللہ تعالیٰ فائدہ نہیں اٹھاتا بلکہ یہ لام نامزد کرنے کے لئے یعنی یہ کفار اپنی پیداوار اور جانوروں کی نسل میں سے ایک حصہ اللہ تعالیٰ کے نام پر نامزد کر دیتے ہیں کہ یہ ہماری ملک سے نکل گیا۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو گا جیسے آج اللہ کے نام پر خیرات یا اوقاف میں نیت کی جاتی ہے **فقالوا ھذا للہ بزعمھم** یہ عبارت **جعلوا للہ** کی شرح اس کی تفسیر ہے۔ قول سے مراد یا دل میں نیت کر لینا ہے یا زبان سے بولنا بھی دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں زعم غلط گمان کو کہتے ہیں چونکہ وہ لوگ اس حصہ نکالنے پر ثواب کی امید رکھتے تھے اور کہتے تھے کہ

ہمارے اس عمل سے رب تعالیٰ راضی ہے حالانکہ کافر کی نہ خیرات قبول ہے نہ اور کوئی نیکی ثواب کا باعث۔ پہلے ایمان لاؤ پھر صدقہ و خیرات کرو اس لئے بزعمہم ارشاد ہوا آج اگر مسلمان اپنی پیداوار سے اللہ نام کا حصہ نکالے ضرور ثواب پائے گا۔ انشاء اللہ کیونکہ اس کی عقائد درست ہیں اس لئے کہ رب کا منشا یہ ہے کہ نیکی کی جاوے مگر نبی کی تعلیم کی روشنی میں نبی سے منہ موڑ کر کوئی نیکی کرو۔ نجات نہیں ہو سکتی چونکہ وہ لوگ یہ نیکی اپنے گمان و عقل سے کرتے تھے نہ کہ نبی کی تعلیم سے اس لئے اس میں قبولیت کے پھل نہیں لگتے **وھذا لشرکاءنا** یہ کلام ان کے دوسرے حصہ کے متعلق ہے **ھذا** میں اشارہ اس کی طرف ہے یہاں بھی لام نامزد کر دینے کے لئے ہے۔ شرکاء جمع ہے شریک کی خواہ حصہ میں شریک یا نعوذ باللہ رب تعالیٰ کی الوہیت میں شریک اس سے مراد ان کے بت اور جھوٹے معبود ہیں جیسے **لات و عزیٰ** وغیرہ یعنی یہ حصہ ہمارے بتوں کے نام کا ہے جو مندروں کی تعمیر و مرمت وہاں کے پجاریوں مہنتوں اور وہاں کی رسوم پر خرچ ہوگا۔ آج بھی مشرکین ہندبت خانوں پر بہت روپیہ خرچ کرتے ہیں یہ وہی پرانی رسم ہے خیال رہے کہ ان کا یہ عمل واقعہ میں بھی مشرکانہ تھا اور ان کے عقیدے میں بھی اس لئے یہاں بزعمہم نہیں فرمایا مگر پہلا عمل -یعنی خدا کے نام پر کچھ حصہ آمدنی علیحدہ کرنا ان کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی خوشنودی اور ثواب کا باعث تھا مگر واقعہ میں محض بیکار اس لئے وہاں ارشاد ہوا بزعمہم یہ فرق خیال میں رہے **فما کان لشرکاءھم فلا یصل الی اللہ** یہ فرمان عالی ان کے گزشتہ عمل کی تفصیل ہے لہذا ف تفصیلیہ ہے ما سے مراد ان کا بتوں کے نام پر نکالا ہو حصہ ہے **الی اللہ** سے مراد ہے **الی حصتہ اللہ** اور نہ پہنچے مراد یہ ہے کہ حصہ میں سے اللہ کے حصہ میں کچھ شامل نہ ہونا اور اس کے مصرف میں خرچ نہ ہونا یعنی جو حصہ یہ کفار بتوں کے لئے مقرر کرتے ہیں اس میں سے کچھ بھی کسی وجہ سے اللہ والے حصہ میں شامل نہیں ہوتا وہ بہرحال پورا ہی ہوتا ہے حتیٰ کہ اگر بتوں والے حصے میں کچھ اللہ والے حصہ میں گر جاوے تو اسے فوراً نکال لیتے ہیں اور اگر اللہ کے حصہ کا جانور مر جاوے تو بتوں کے حصہ میں سے اسے نہیں پورا کرتے تاکہ بتوں کا حصہ کم نہ ہو جاوے۔ **وما کان للہ فھو یصل الی شرکاءھم** یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے لہذا واو عاطفہ ہے اس کی باقی ترکیب وہی ہے جو ابھی پہلے جملہ میں عرض کی گئی یعنی اگر کسی وجہ سے ان کے بتوں کے نام والا حصہ کم ہو جاوے مثلاً اس میں سے کچھ غلہ اللہ والے حصے میں گر جاوے یا بتوں والے حصہ کا کوئی جانور مر جاوے تو فوراً اللہ والے حصہ میں سے نکال کر اسے پورا کر دیتے ہیں اور اسے مندروں پجاریوں میں خرچ کرتے ہیں **ساء ما یحکمون** یہ ان کی حماقت کا بیان ہے ساء برائی بیان کرنے کا فعل ہے ما موصوفہ یا موصولہ ہے اس مراد یا ان کا آخری عمل ہے یا گزشتہ تینوں عمل۔ **ما یحکمون** فاعل ہے ساء کا اور اس کا مخصوص بالذم **ھذا** پوشیدہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ **ساء** وہ نحوی فعل ذم نہیں کیونکہ اس کا فاعل لام والا معرفہ ہوتا ہے یا اس کی طرف مضاف یا ضمیر پوشیدہ ما موصولہ اس کا فاعل نہیں ہوتا لہذا یہاں مخصوص بالذم پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں (روح المعانی) یعنی ان کے فیصلے یا ان کا یہ آخری فیصلہ بہت برا ہے حتیٰ کہ اسے کوئی عاقل بھی درست نہیں کہے گا۔

خلاصہ ء تفسیر: ان مشرکین کی حماقت تو دیکھو کہ یہ اپنے کھیت و باغ کی پیداوار میں سے اسی طرح اپنے جانوروں کے بچوں میں سے دو طرح کے حصے نکالتے ہیں ایک حصہ تو اللہ تعالیٰ کے نام کا ہوتا ہے جسے وہ اپنے گمان فاسد میں۔ قرب الٰہی اور اس کے ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے ایمان بغیر اعمال کا ثواب کیسا اسے تو یہ لوگ مہمان نوازی غرباپروری مساکین کی حاجت

روائی مقروضوں کے قرض ادا کرنے میں خرچ کرتے ہیں یہ سارے کام واقعی بہت اچھے ہیں مگر چونکہ وہ لوگ یہ کام اچھے طریقہ سے نہیں کرتے اس لئے وہ قبول نہیں ہوتے ان کے لئے مفید نہیں اور دوسرا حصہ اپنے بتوں کے نام کا نکالتے ہیں جسے وہ بت خانوں کی تعمیر یا مرمت وہاں کے مہنتوں کی خدمت بتوں پر چڑھاووں وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں یہ ہی ان کی اول درجہ کی حماقت ہے کہ یہ کام واقعہ میں برے ہیں۔ دوزخ کا ذریعہ ہیں مگر یہ لوگ انہیں اچھا اور ذریعہ نجات سمجھے ہوئے ہیں اس پر دوسری حماقت یہ کرتے ہیں کہ اگر کسی وجہ سے بتوں کا حصہ کم ہو جاوے کہ اس کا کوئی جانور مرجاوے یا دانہ وغیرہ چوری ہو جاوے یا اللہ کے حصہ سے مل جاوے تو اللہ والے حصے میں سے نکال کا اس حصہ کی کمی پوری کر دیتے ہیں لیکن اگر اللہ والے حصے میں کسی مذکورہ وجہوں سے کمی ہو جاوے تو بتوں والے حصہ میں سے نہ تو کچھ نکالتے ہیں نہ یہ کمی پوری کرتے ہیں۔ سوچو تو ان کا یہ عمل کیسا ہی برا ہے عقل کے بھی خلاف ہے نقل کے بھی خلاف۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اسلام کی تعلیم چھوڑ کر نبی سے الگ رہ کر کسی جمہوریت کسی اجماع کسی اتفاق کا اعتبار نہیں یہ فائدہ جعلوا کی جمع فرمانے سے حاصل ہوا سارے کفار عرب اس مذکورہ عمل پر متفق تھے ان اعمال میں سے بعض کام اچھے بھی تھے مگر ان میں قبولیت کے پھل نہ لگے اس لئے کہ یہ سب کچھ ان کی اپنی عقل سے تھے نبی کی تعلیم سے نہ تھے اگرچہ سارے کفار اس پر متفق تھے اس سے آج کل کے جمہوریت نواز عبرت پکڑیں۔ دوسرا فائدہ: کفار کے صدقہ خیرات باعث ثواب یا باعث نجات نہیں اگرچہ اللہ کے نام پر ہوں اور وہ اچھی جگہ ہی خرچ کئے جاویں یہ فائدہ بزعمہم سے حاصل ہوا سارے اعمال پر ایمان مقدم ہے یہ ہی حال ان کے سارے نیک اعمال کا ہے۔

نوٹ ضروری: ہاں کفار کی نیکیوں کی وجہ سے ان کا عذاب ہلکا کر دیا جاوے گا جیسا کہ حاتم طائی' نوشیرواں وغیرہم کے متعلق آتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو طالب کو دوزخ میں نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے جھیرے میں میری خدمت کی وجہ سے بخاری شریف کتاب الرضاع کے شروع میں ہے کہ ابولہب نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تو اسے دوزخ میں کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے (بخاری) مگر دوزخ سے نجات یا جنت کا ثواب انہیں نہیں ملتا۔ تیسرا فائدہ: کفار کے اوقاف اور اس کی شرائط شرعاً معتبر نہیں۔ اگرچہ وہ کسی مسجد یا خانقاہ پر ہی وقف کر دیں یہ فائدہ بھی بزعمہم سے حاصل ہوا وقف للہ کرنا عبادت ہے اور عبادت کے لئے ایمان شرط ہے۔

مسئلہ: اگر کوئی کافر مسجد یا خانقاہ بنانا چاہے تو وہ یہ رقم مسلمان کی ملک کر دے پھر مسلمان اس رقم سے مسجد یا خانقاہ بنادے درست ہو گا کہ اب واقف کافر نہیں مسلمان ہے بلکہ اگر کافر مسجد بنا کر بھی اسے کسی مسلمان کی ملک کر دے مسلمان وقف کر دے تو درست ہے۔ مسئلہ کافر کا ہدیہ' تحفہ' نذرانہ مسلمان لے سکتا ہے جبکہ اس کا اثر مسلمان کے ایمان پر نہ پڑے کیونکہ یہ عبادت نہیں بلکہ معاملہ ہے معاملات جائز ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے ہیں۔ بلقیس کے ہدیے کا جواب انشاء اللہ اعتراض و جوابات میں دیا جاوے گا۔ مسئلہ: اگر امیر کافر فقیر مسلمان کو صدقہ دے اس کا قرض ادا کرے یا قرضہ معاف کرے تو مسلمان اسے قبول کر سکتا ہے کہ وہ ہدیہ بن کر اس کے پاس پہنچے گا۔ مسلمان فقراء کو کفار سے بھیک مانگنا حرام ہے کہ اس میں مسلمانوں کی توہین۔ مسئلہ: کفار کے اپنے اوقاف مندروں گرجاؤں پر جو ہوں انہیں حاکم

اسلام جاری رکھے گا۔ باطل نہ کرے گا۔ کیونکہ ہم کو حکم ہے کہ کفار کی رسوم بند نہ کریں ان کے بت خانہ نہ توڑیں ان کی بت پرستی، شراب خوری، سور کھانا وغیرہ بند نہ کریں انہیں مذہبی آزادی حد میں رہ کر دی جاوے گی دیکھو اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے ان کی حماقت کا تو ذکر فرمایا مگر اس کے بعد بھی ان چیزوں کے بند کر دینے کفار کو ان سے روک دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ فرمایا **لا اکراہ فی الدین** دین میں جبر نہیں۔ **مسئلہ:** کفار کے بتوں پر چڑھاوے نقدی وغیرہ مسلمان کے لئے حلال ہیں یوں ہی ان کے اوقاف سے مسلمان فائدہ اٹھا سکتے ہیں دیکھو اس آیت کریمہ میں ان کے اللہ کے نام پر حصہ نکالے ہوئے یا بتوں کے نام پر حصہ نکالے ہوئے کو حرام نہیں فرمایا گیا بلکہ صرف ان کے حماقت ہی کا ذکر فرمایا کہ فرمایا **ساء ما یحکمون** ان کے یہ عمل برے ہیں وہ چیزیں بری نہیں لہٰذا کفار کے ہسپتالوں میں مسلمان علاج کرا سکتے ہیں اگرچہ وہ ہسپتال بتوں کے نام پر ہی ہوں ان کے اسکولوں میں مسلمان تعلیم حاصل کر سکتے ہیں ان کے پیاؤ سے پانی پی سکتے ہیں اگرچہ وہ پیاؤ (سبیل) بتوں کے نام پر ہو حتیٰ کہ ان کے معبود گنگا کا پانی پینا درست ہے ان کا معبود گائے کھانا حلال ہے یہ تمام مسائل اس آیت سے حاصل ہوتے ہیں یوں ہی ان کے سانڈ بجار بیل بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حلال ہیں حرام نہیں اگر مسلمان انہیں اللہ کے نام پر ذبح کرے تو کھایا جا سکتا ہے اگر وہ غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگیں یا کسی جگہ سے ہندو یہ چیزیں چھوڑ کر چلے جاویں تو مسلمان انہیں کھا سکتے ہیں۔ **مسئلہ:** اگر کافر مسلمانوں کی مسجد کی مرمت وغیرہ کر دیں تو درست ہے اس تعمیر یا مرمت کو مٹایا نہ جاوے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار کی بنائے ہوئے کعبہ کا ہی طواف کیا اسے باقی رکھا حالانکہ بتا دیا کہ ان لوگوں نے تعمیر خلیل میں خلل ڈال دیا کہ کعبہ چھوٹا کر دیا حطیم نکال دی دروازہ اونچا کر دیا۔ دو دروازوں کا ایک ہی رکھا مگر اسے تبدیل نہ کیا۔ حضور داتا گنج بخش ہجویری کے روضہ مطہرہ کے دروازوں پر بعض کفار نے خرچ کیا ہے وہ باقی رکھے گئے۔ **مسئلہ:** اگر کافر مسلمان ہو جائے تو زمانہ کفر کی اس کے نیک اعمال صدقات و خیرات سب قبول ہو جائیں گے۔ اور اس زمانہ کے گناہ سارے معاف ہو جائیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ مسئلہ بھی بزعمہم سے اشارۃً حاصل ہوتا ہے۔ **مسئلہ:** اگر کافر کوئی چیز بتوں کے نام پر رکھے پھر مسلمان ہو کر وہی چیز اللہ کے نام پر کر دے تو جائز ہے کسی ہندو نے اپنی گائے بتوں کے نام پر پالی پھر مسلمان ہو گیا اور اس گائے کی قربانی یا عقیقہ یا صدقہ کر دیا تو حلال ہے یہ فائدہ اشارۃً **فلا یصل الی اللہ** سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ:** اگر کسی علاقہ کی سارے کافر مسلمان ہو جاویں اور اپنے مندر گرجے کو مسجد بنا لیں تو درست ہے۔ چنانچہ ایک قوم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر مسلمان ہوئی پھر بولی کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم کو اپنے وضو کا بقیہ پانی عطا فرما دیں ہم اپنے عبادت خانہ کو مسجد بنائیں گے اس کے فرش پر یہ پانی چھڑکیں گے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمایا اور فرمایا کہ اس کو راستہ میں پیتے بھی رہنا اس میں اور پانی ملاتے رہنا یہ فائدہ بھی اسی آیت سے حاصل ہوا اہل سلطان اسلام کفار کے عبادت خانے نہ ڈھائے نہ انہیں مسجدوں میں تبدیل کرے۔

پہلا اعتراض: آج کل مسلمان اپنی آمدنی یا پیداوار یا جانوروں میں کچھ حصہ گیارھویں شریف یا کسی بزرگ کے لئے نکالتے ہیں یہ عمل حرام ہے اور وہ چیز بھی حرام ہے یہ وہی طریقہ ہے جو کفار عرب کرتے تھے جس کی یہاں پر زور تردید کی گئی ہے وہ لوگ کچھ حصہ اللہ کے لئے نکالتے تھے کچھ بتوں کے لئے یہ مسلمان کچھ اللہ کے لئے نکالتے ہیں کچھ غوث پاک یا خواجہ اجمیری کے لئے دونوں عمل یکساں ہیں۔ **جواب:** مسلمانوں کے سارے صدقات خواہ اللہ کے نام کے ہوں خواہ گیارھویں کے سب اللہ

تعالیٰ کے لئے ہوتے ہیں خیرات اللہ کے لئے ہے اسی خیرات کا ثواب ان بزرگوں کی روح کو ہے اس کا ثبوت احادیث صحیحہ اور قرآن مجید سے ہے۔ حضرت سعد نے اپنی ماں کے نام پر کنواں کھدوایا اس کا نام رکھا بیر ام سعد قرآن کریم فرماتا ہے **ویتخذ ما ینفق قربات عند اللہ وصلوات الرسول** دیکھو صدقات میں دو نیتیں ہوئیں اللہ تعالیٰ سے قرب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعائیں لینا آج اگر کوئی شخص اپنے مال کا کچھ حصہ دینی مدرسہ کے لئے نکالے اپنے استاد کے نام کا نکالے تو درست ہے مسلمانوں کے اس عمل کو کفار بت پرستوں کی ان حرکتوں سے کوئی تعلق نہیں دیکھو یہاں للہ اور لشرکائنا الگ الگ ارشاد ہوئے۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کفار کے ہدیے تحفے مسلمان قبول کر سکتا ہے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ یمن بلقیس کا ہدیہ قبول نہ فرمایا رد کر دیا جس سے معلوم ہوا کہ کفار کے ہدیے مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ **جواب:** وہاں حضرت سلیمان کا قبول نہ فرمانا چند وجہ سے تھا۔ ایک یہ کہ وہ ہدیہ نہ تھا بلکہ رشوت تھی کہ آپ یہ ہدیہ قبول فرمالیں اور ہمارے ملک پر حملہ نہ کریں رشوت تو مسلمان سے بھی لینا حرام ہے چہ جائیکہ کفار سے دوسرے یہ کہ وہ ہدیہ نہ تھا بلکہ آپ کی نبوت کی پہچان تھی جو اس نے سوچی تھی کہ اگر آپ نے یہ ہدیہ قبول کر لیا تو وہ نبی نہیں بلکہ بادشاہ ہیں ہم ان سے دو دو ہاتھ کرلیں گے اور اگر قبول نہ کیا تو سچے نبی ہیں ہم ان سے جنگ نہیں کریں گے۔ اس لئے آپ نے وہ ہدیہ قبول نہ فرمایا دیکھو قرآن مجید سورۂ نمل شریف کا یہی مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار بادشاہوں کے ہدیے قبول فرمائے بلکہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے ہاں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش ابو طالب کے ہاں کرائی اس قاعدے سے بہت مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سلمان فارسی کا ہدیہ قبول فرمایا تب وہ مسلمان ہوئے۔ **تیسرا جواب:** رب تعالیٰ نے ان آیات میں اس کی شکایت کیوں کی کہ وہ بتوں کا حصہ رب کے حصہ سے نہیں ملنے دیتے اور رب تعالیٰ کا حصہ بتوں کے حصہ میں داخل کر دیتے ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کا نقصان کیا تھا؟ **جواب:** یہ شکایت نہیں بلکہ ان کی حماقت کی حکایت ہے کہ ان بے وقوفوں کا یہ عمل تو شرک ہے اور اسی عمل کے بعد یہ تفریق بڑی حماقت ہے اس لئے ارشاد ہوا **ساء ما یحکمون** **چوتھا اعتراض:** آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ کافر کی اعلیٰ سے اعلیٰ نیکی قبول نہیں مومن کی ادنیٰ نیکی بھی قبول ہے یہ تو رب نے مسلمانوں کی بے جا طرفداری کی ہے کافر ایک لاکھ روپیہ اچھی جگہ خرچ کرے تب بھی مردود ہے مسلمان ایک آنہ خرچ کرے تب بھی مقبول ہے (آریہ)۔ **جواب:** قانون قدرت یہ ہے کہ تخم مٹی میں بو دا سے کھاد پانی دو تب وہ پھلتا پھولتا ہے اگر کوئی شخص تخم بجائے کھاد کے اسے صندل کا برادہ دے ہرگز پھل نہ لگے گا بلکہ اگے گا ہی نہیں عمل تخم ہے شریعت اس کی زمین نبوت کا فیضان پانی ہے اخلاص اس کا کھاد کفار اپنے عمل کا تخم اپنی رائے سمجھ کی زمین میں بوتے ہیں۔ اس لئے اس میں قبولیت کا تخم نہیں لگتا۔ مومن کی کاشت درست ہوتی ہے اس لئے قبول ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** جو چیز غیر خدا کے نام پر نامزد ہو جاوے اس کا استعمال کرنا حرام ہے جیسا کہ **ھذا لشرکائنا** سے معلوم ہوا۔ لہٰذا گیارھویں کے نام کا کھانا کپڑا وغیرہ سب حرام ہیں ان کا استعمال حرام۔ **جواب:** یہ قاعدہ غلط ہے ورنہ لازم آئے گا کہ گنگا رام ہسپتال میں علاج کرانا حرام ہو۔ سیتاپور اور رام پور میں رہنا حرام ہو رام تیل استعمال کرنا حرام ہو یوں ہی سیتا پھل۔ کاشی پھل کھانا حرام ہو کہ ان سب کی نسبت بتوں کی طرف ہے صرف اس جانور کا کھانا حرام ہے۔ جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ اس کا بھی صرف کھانا حرام ہو گا دیگر استعمال درست ورنہ پھر تو دیوبند میں رہنا دیوبند میں پڑھنا بھی حرام ہو گا کہ اس کی نسبت دیوبت کی طرف ہے۔ اس لئے

یہاں ارشاد ہوا ساء ما یحکمون ان کے یہ فیصلے غلط ہیں فیصلوں کو غلط فرمایا ان چیزوں کو حرام نہیں کیا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جو اپنا مال 'کمال' احوال' وقت' سانسیں غرضیکہ سارے اشغال نفس اور دنیا کے لئے صرف کرتے ہیں یہ اول درجہ کے بے عقل ہیں کہ انہوں نے سونے کی ڈلیاں ٹھیکریوں کے عوض فروخت کیں اور بعض لوگ وہ ہیں جو ان میں تقسیم کرتے ہیں کہ اتنی سانسیں اتنے کام اللہ کے لئے باقی دنیا کے لئے ان کا یہ عمل طریقت میں شرک خفی ہے نفس اور دنیا کو انہوں نے گویا شرکاء ٹھیرالیا تیسری وہ جماعت جو اپنے قال اور حال بلکہ اعمال سے کہتی ہے۔

دل ترا جان تری عاشق شیدا تیرا! سب تو تیرا ہے' ہے پھر کس لئے میرا تیرا

وہ کہتے ہیں ان صلوتی ونسکی و محیای ومماتی للہ رب العلمین میں خود اپنے لئے نہیں ہوں میں اور میری ہر چیز اللہ رب العالمین کے لئے ہے ہمارے مشرب میں وہ ہی کامل موحد خالص بندے ہیں جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے کہ اس کا اپنا کچھ نہیں رہتا۔ سب اللہ کا ہو جاتا ہے تو رب فرماتا ہے کہ تیرا سب کچھ تو میرا ہو چکا اور میرا سب کچھ تیرا ہو گیا پھر اللہ تعالیٰ عالم کی ہر چیز پر اس کی حکومت قائم فرماتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق! زیر پائش عرش و کرسی نہ فلک

اس کی تفسیر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زندگی پاک ہے اس آیت کریمہ میں اسی دوسرے گروہ کا ذکر ہے کہ جو اپنے اعمال کی کھیتوں کی پیداوار میں کچھ للہ کے لئے کچھ نفس۔ شیطان دنیا کے لئے مقرر کرتے ہیں پھر یہ لوگ اکثر نماز کے اوقات تو دنیا میں خرچ کر دیتے ہیں مگر دنیا کے اوقات دین کے لئے صرف نہیں کرتے جیسا کہ آج کل عموماً" دیکھا جا رہا ہے۔ کبھی اپنا سب کچھ رب کے حوالہ کرکے دیکھیں تو کیا لطف آتا ہے دیکھو رب اپنا سب کچھ تمہیں عطا فرماتا ہے یا نہیں ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

مرد مومن مالک خشک و تراست مرد مومن نائب پیغمبراست
مرد مومن را محمد ابتداست مرد مومن را محمد انتہااست

حضور غوث الثقلین کے اس ارشاد میں غور کرو۔

وما منها شهور او دهور تمر و تنقضی الا اتالی!
بلاد الله ملکی تحت حکمی ووقتی قبل قلبی قد صفالی!

اللہ تعالیٰ کے سارے شہر میرا ملک ہیں میرے قبضہ میں ہیں کوئی مہینہ یا زمانہ بغیر مجھ سے اجازت لئے نہیں گزرتا۔ جب جناب غوث نے اپنا سب کچھ رب کے حوالہ کر دیا رب نے اپنا سب کچھ انہیں عطا فرمادیا ہم نے ہوا سلیمان کے تابع فرمان کر دی۔ ہم نے لوہا داؤد علیہ السلام کے لئے نرم کر دیا۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْ

اور ایسے ہی آراستہ کر دیا واسطے بہت مشرکوں کے مار ڈالنا اولاد کا ان کی شریکوں نے ان کے

اور یوں ہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا کہ انہیں

دُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا
تاکہ تباہ کریں ان کو اور تاکہ مخلوط کر دیں او پر ان کے دین کو ان کے۔ اور اگر چاہتا اللہ تو نہیں کرتے وہ یہ کام
ہلاک کر دیں اور ان کا دین ان پر مشتبہ کر دیں اور اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے تو تم انہیں چھوڑ دو وہ ہیں
يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾
پس چھوڑ دو ان کو اور اس کو جو گھڑتے ہیں وہ
اور ان کے افتراء

تعلق: اس آیت کریمہ کو پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بد عملیوں کا ذکر تھا کہ وہ اپنے صدقہ و خیرات میں اس طرح کتر بیونت کرتے ہیں اب ان کے معاملات کی خرابی کا ذکر ہے کہ وہ اپنی اولاد پر اس طرح ظلم کرتے ہیں گویا عبادات کی خرابیوں کے بعد ان کے معاملات کی خرابیوں کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ مشرکین اپنے شرکاء کے ایسے خیر خواہ ہیں کہ اللہ کے نام پر نکالے ہوئے مال میں سے شرکاء کے حصہ میں ملا دیتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ شرکاء ان کے ایسے بد خواہ ہیں کہ انہیں برے راستہ پر لگا دیتے ہیں ان کی اولاد کو ان کے ہاتھوں قتل کرا دیتے ہیں۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار اپنے مال کے دو حصے کرتے ہیں۔ اللہ کے لئے اور بتوں کے لئے اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ اپنی اولاد کے بھی حصے کرتے ہیں بعض کو اپنے پاس رکھنے کے لئے بعض کو زندہ دفن کر دینے کے لئے ان کے غلط تقسیم مال اولاد سب جگہ جاری ہے اور دونوں صورتیں خلاف عقل ہیں۔

نزول: زمانہ جاہلیت میں نعمان ابن منذر نے عرب کے ایک قبیلہ پر ڈاکہ ڈالا اور ان کی عورتوں کو قید کر کے لے گیا ان قید شدہ عورتوں میں ایک عورت قیس ابن عاصم کی بیٹی تھی کچھ دنوں بعد ان ڈکیتی کرنے والوں اور اس قبیلہ میں اس پر صلح ہوئی کہ ان قیدیوں میں سے جو آزاد ہونا چاہے وہ آزاد ہو کر اپنے قبیلہ میں چلا جائے اور جو ان ڈاکوؤں کے ساتھ رہنا چاہے وہ وہاں ہی رہے ان تمام عورتوں نے آزادی چاہی مگر قیس ابن عاصم کو بیٹی نے کہا کہ میں تو نعمان کے ساتھ ہی رہوں گی۔ جس پر قیس نے قسم کھا لی کہ آئندہ میرے جو لڑکی ہو گی اسے زندہ ہی دفن کر دیا کروں گا کہ لڑکی نے میری ناک کٹوا دی یہ تو اس حرکت کی ابتدا ہوئی اس کے بعد وہاں یہ رسم پڑ گئی کہ سرداران عرب اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کرنے لگے کوئی تو اپنی غریبی کی وجہ سے کوئی اپنی بڑائی کی بنا پر کہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے یہ رواج ایسا پڑا کہ بعض عرب کبھی کسی حاجت میں اپنی اولاد کی ذبح نذر مان لیتے اور حاجت پوری ہو جانے پر ذبح کر دیتے (روح المعانی) حتی کہ عبد المطلب نے نذر مانی تھی کہ خدایا اگر مجھے دس یا بارہ بیٹے دے تو میں آخری بیٹے کو اللہ کے نام پر ذبح کروں گا۔ چنانچہ حضرت عبد اللہ کی پیدائش پر یہ تعداد پوری ہوئی آپ نے کسی دینی سردار سے پوچھا کہ کیا میں عبد اللہ کو اللہ کے نام پر ذبح کر دوں اس نے کہا کہ عبد اللہ اور دس اونٹوں کے ناموں پر قرعہ ڈالو اگر اونٹوں کا نام نکل آوے تو انہیں ذبح کر دو اگر عبد اللہ کا نام نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا کر پھر قرعہ ڈالو اس طرح دس دس اونٹ بڑھاتے رہو جب تک کہ اونٹوں پر قرعہ نہ نکل آوے عبد المطلب نے یوں ہی کیا ہر دفعہ میں جناب عبد اللہ کا نام قرعہ میں نکلتا تھا۔ حتی کہ سو اونٹ جب

پورے ہوگئے تو اونٹوں کا نام نکلا پھر کئی بار قرعہ ڈالا ہر بار میں اونٹوں کا نام نکلا تب جناب عبدالمطلب نے سو اونٹ ذبح کئے جناب عبداللہ کی جان بچی اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں یعنی ایک اسماعیل علیہ السلام دوسرے جناب عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ماجد اس آیت کریمہ میں اہل عرب کی اس حرکت کا ذکر ہے اور اسی عمل کی پر زور تردید ہے (خازن، معانی وغیرہ) یہ واقعہ تفسیر روح البیان نے کسی قدر فرق کے ساتھ بہت تفصیل سے یہاں ہی بیان فرمایا۔

تفسیر: **و کذلک زین** یہ نیا جملہ فالک سے اس مذکورہ بالا عمل کی طرف اشارہ ہے یعنی جیسے یہ لوگ اپنا مال بتوں کے نام پر لگا کر برباد کرتے ہیں کہ اس میں مال کی بربادی اور گناہ بلکہ کفر دونوں کا وبال ان پر پڑتا ہے اور یہ سب کچھ ابلیس یا ان کے سرداروں کے بہکانے سے ہے یوں ہی ان کا یہ حال بھی ہے کہ اپنی اولاد کو بھی اپنے ہاتھوں ہلاک کرتے ہیں **زین** بنا ہے **تزئین** سے جس کا مادہ زینت ہے معنی آرائش خوبصورتی زین آراستہ کر دیا اچھا کر کے دکھا دیا آرائش دو طرح کی ہوتی ہے سچی اور جھوٹی آرائش دھوکہ اور فریب ہے۔ خراب لکڑی پر پالش پیتل پر سونے کے پانی کی پالش دھوکے کا باعث ہے۔ نفس، شیطان، برے ساتھی جھوٹی آرائش کر کے برے کاموں کو اچھا کر کے دکھاتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے سچی آرائش وہ ہے جو اللہ رسول کی طرف سے ہو **لکثیر من المشرکین** چونکہ لڑکیوں کا قتل سارے مشرک نہیں کرتے تھے بلکہ بعض سردار دفع عار کے لئے اور بعض غریب لوگ اپنی غریبی کی وجہ سے بعض لوگ جھوٹی نذر مان کر اس لئے یہاں **کثیر** ارشاد ہوا نیز یہ عمل عرب کے اہل کتاب کا نہ تھا بلکہ مشرکین عرب کا تھا ان کی دیکھا دیکھی بعض موحدین نے بھی کرنا شروع کر دیا تھا اس لئے **لکثیر** بھی ارشاد ہوا اور **من المشرکین** بھی **قتل اولادھم شرکاءھم** قتل اولاد **زین** کا مفعول ہے اور **شرکاءھم** اس کا فاعل قتل سے مراد مار ڈالنا ہے خواہ زندہ دفن کر کے یا زندہ کو کنوئیں میں دھکیل کر یا چھری سے ذبح کر کے چونکہ بعض عرب اپنے لڑکوں کو بھی قتل کر دیتے تھے اپنی غریبی کی بنا پر بلکہ بعض لوگ اپنی لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے کہ جوان ہونے پر ان پر اچھی خاصی رقم لے کر ان کا نکاح کریں گے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے کہ ہم کو ان کے نکاح کریں گے لڑکوں کو مار ڈالتے تھے کہ ہم کو ان کے نکاح سے آمدنی نہ ہو گی اس لئے یہاں **اولادھم** فرمایا گیا بناتھم نہ فرمایا۔ شرکاء سے مراد ان کے کاہن سرداران قبیلہ یا بت خانوں کے مجاورین مہنت وغیرہ ہیں چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی طرح بلکہ اس سے بھی بڑھ کر ان کی اطاعت و فرمانبرداری کرتے تھے اس لئے انہیں شرکاء فرمایا گیا (روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ شرکاء سے مراد جنات ہیں جو ان کے کاہنوں کے کان میں ایسے واہیات اعمال پھونکتے تھے وہ کاہن لوگوں کو یہ سب کچھ سکھاتے تھے۔ خیال رہے کہ یہاں مفعول قتل کو مقدم فاعل یعنی شرکاء پر تاکہ حصر کے معنی حاصل ہوں یعنی یہ قتل ان کے شرکاء ہی نے سکھایا یہ حرکت کرانے والے وہ ہی ہیں۔ ان کے نفس بھی اس کام کی رغبت انہیں نہیں دیتے کیونکہ نفس انسانی بھی اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے اسے اپنے ہاتھوں ہلاک نہیں کرتی۔ شیر، چیتے وغیرہ خونخوار جانور بھی اپنے بچوں کو نہیں مارتے بلکہ ان کی حفاظت کرتے ہیں ان لوگوں کا یہ عمل نفس حیوانی کے تقاضے کے بھی خلاف ہے **لیردوھم** یہ عبادت زین کے متعلق ہے اس کی وجہ بیان فرما رہی ہے یردو بنا ہے **ارداء** سے جس کا مادہ **ردی** معنی غار میں گرانا یا بلندی سے دھکیلنا یا ہلاک کر دینا ہے اسی سے ہے ردیہ وہ جانور جو چھت سے یا غار میں گر کر ہلاک ہو جاوے اسی سے ہے متردیہ بلندی سے گر کر ہلاک شدہ جانور رب فرماتا ہے **وما یغنی عنہ مالہ اذا تردی** اور فرماتا ہے۔ **ان کدت**

لیردوھم کا فاعل وہی شیاطین شرکاء ہی ہیں اور **ھم** کا مرجع یہ حرکتیں کرنے والے کفار' ہلاکت میں دو احتمال ہیں اس سے مراد یا تو اخروی ہلاکت ہے یعنی سخت اور نا قابل معافی گناہ کیونکہ بے زبان بچوں پر ظلم بلکہ بے زبان جانوروں پر ظلم بدترین جرم ہے۔ جس کی معافی مشکل بلکہ قریبا" ناممکن ہی یا اس سے دنیاوی ہلاکت مراد ہے کیونکہ اپنے بچوں کا قتل اپنی نسل کو ختم کر دینا ہے اس لئے کہ نسل تو اولاد سے چلتی ہے جب اولاد ہی ذبح کر دی گئی تو نسل کیسے چلے اس سے قوم کو ہلاکت و بربادی ہے یا چونکہ یہ لوگ اپنے اس عمل سے اخلاقی بلندی سے گر کر انتہا درجہ کی بربریت و دہشت کے غار میں گر گئے تھے اور یہ عمل ان کی ہلاکت و تباہی کا باعث تھا اس لئے فرمایا **لیردوھم' ولیلبسوا علیھم دینھم** یہ عبارت معطوف ہے **لیردوھم** پر اگر ان دونوں کا فاعل شیطان ہے تو لام علت اور وجہ کا ہے کیونکہ شیطان انہیں وہموں سے ان سے یہ کام کراتا ہے اور اگر ان کا فاعل بت خانوں کے پجاری و مہنت ہیں تو لام عاقبت و انجام بیان کرنے کے لئے ہے یلبسو بنا ہے لبس سے بمعنی خلط ملط کرنا اسی سے ہے **البنا' علیھم** کا مرجع وہی کفار قریش ہیں **دینھم** میں دین سے مراد وہ دین ابراہیمی ہے۔ جس پر ہونے کا دعوی کرتے تھے اور جسے انہوں نے بگاڑ دیا تھا۔ شرک و کفر اسمیں شامل کر دیا تھا۔ شاید وہ یہ کہتے ہوں کہ فرزند کا ذبح کرنا سنت ابراہیمی ہے کہ انہوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبح فرمایا تھا ہم بھی کریں مگر وہ بے وقوف یہ نہ سمجھے کہ وہاں ذبح فرمانا بطور امتحان تھا وہ راہ خدا میں تھے پھر بھی ذبح واقعہ بھی نہیں ہوا اور ان کا ذبح کرنا شیطانی کام تھا وہ شیطانی اور رحمانی کام میں فرق نہیں کرتے تھے یہ ہے دین ابراہیمی میں مشتبہ واقع کرنا یا دین سے مراد وہ دین ہے۔ جس پر انہیں ہونا چاہئے مگر انہوں نے اسے چھوڑ دیا یعنی قتل اولاد شرکاء نے انہیں اس لئے اچھا کر کے دکھایا تاکہ ان کا اصل دین مشتبہ ہو جاوے وہ ان حرکتوں کو دین ابراہیمی سمجھنے لگیں **ولو شاء اللہ ما فعلوہ** اس فرمان عالی میں حضور صلی اللہ علیہ و سلم کو تسکین بھی ہے اور ایک بڑے شبہ کا جواب بھی یہاں شاء بمعنی ارادہ ہے نہ کہ بمعنی محبت و پسندیدگی یعنی اے محبوب آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے۔ اس وجہ سے یہ لوگ راہ راست پر نہیں آتے اور کوئی شخص یہ خیال نہ کرے کہ اللہ تعالی تو ان کفار کی ہدایت چاہتا ہے اور شرکاء انہیں گمراہ کرنا چاہتے ہیں اور یہ لوگ ہوئے تو اللہ تعالی کی طاقت سے شریکوں کی طاقت زیادہ ہوئی کہ خدا کا چاہا نہ ہوا شریکوں کا چاہا ہو گیا ان دونوں کے متعلق ایک عبارت فرما دی کہ یہ سب کچھ ہمارے ارادہ سے ہو رہا ہے اگر ہم یہ ارادہ نہ کرتے تو یہ لوگ کچھ نہ کرتے یہ سب کچھ طے شدہ پروگرام کے تحت ہو رہا ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقا" نہیں ہو رہا بلکہ ہمارے بنائے ہوئے پروگرام کے تحت ہو رہا ہے اور یہ پروگرام محبوب صلی اللہ علیہ و سلم کی شان دکھانے کو ہو رہا ہے کہ تا قیامت دنیا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی طاقت و قدرت کا نظارہ کرے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے ایسوں کو سیدھا کیا بلکہ ان ہی میں سے صدیق و فاروق بنائے اور یہ کہ جسے جو ملتا ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے ہاتھوں ملتا ہے رب نے ان کو سیدھا کیا تو حضور صلی اللہ علیہ و سلم کے توسل سے **فذرھم و ما یفترون** یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی جزاء ہے کہ جب واقعہ یہ ہے تو آپ انہیں اور ان کے جھوٹے عقیدوں برے عملوں پر رنج و غم کرنا چھوڑ دو ان کا خیال دل سے نکال دو اس کے معنی سے یہ فرمان عالی محکم ہے منسوخ نہیں۔ یا اے محبوب انہیں ان کے حال پر چھوڑ دو جو کرتے ہیں انہیں کرنے دو اس صورت میں یہ حکم منسوخ ہے کہ اسلام کی قوت کے بعد مشرکین کو قتل اولاد سے جبرا روک دیا گیا۔ اب کوئی مشرک اپنے بچہ کو اسلامی حکومت میں قتل نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو اس کی سخت سزا پائے گا۔ دیکھو ہندوؤں کا رواج ستی ہونا یعنی خاوند کی لاش کے ساتھ بیوی کا زندہ جلنا قانون میں

ممنوع ہے یا یہ مطلب ہے کہ اے مسلمان تو کفار اور کفار کے اعمال کو چھوڑ دے تو ان جیسی حرکتیں نہ کرنا کفار سے میل جول نہ رکھنا اس صورت میں یہ خطاب مسلمان سے ہے تب یہ فرمان محکم ہے منسوخ نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: جیسے کفار عرب کے سرداروں نے انہیں ان کا مال برباد کرنا سکھایا کہ ان کی گاڑھی کمائی کا مال ان سے بتوں کے نام پر خرچ کرایا اسی طرح ان سرداروں نے ان کے دلوں میں یہ بات جما دی کہ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں ہلاک کر دینا بڑی عزت و فخر کی بات ہے چنانچہ بہت سے مشرکین عرب اپنے بچوں کو لڑکیوں کو بہت سے لوگ اور لڑکوں کو بعض لوگ اپنے ہاتھوں مختلف طریقوں سے ہلاک کرنے لگے ان سرداروں نے یہ سب کچھ اس لئے کیا تاکہ انہیں انسانیت کی بلندی سے اخلاقی پستی کے غار میں ڈال دیں ان سے وہ کام کرائیں جو جانور خونخوار درندے بھی نہیں کرتے یعنی اپنے ہاتھوں اپنے بچوں کو ہلاک کرنا اور اس لئے کیا کہ ان پر کے اپنے دین یعنی دین ابراہیمی کو مشتبہ کر دیں کہ وہ سمجھیں کہ اپنے بچوں کو اپنے ہاتھوں ہلاک کرنا ملت ابراہیمی کا مسئلہ ہے اے محبوب آپ یہ نہ خیال فرماویں کہ یہ کام ارادۂ الٰہی کے خلاف ہو رہا ہے نہیں اگر رب کا ارادہ نہ ہوتا تو وہ حرکت کبھی نہ کرتے لہذا آپ ان کی ان حرکتوں پر غم نہ کریں اس کی پرواہ نہ کریں انہیں اور ان کے اعمال کو چھوڑیں بے پرواہ ہو جائیں۔

حکایت: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہو کر ایمان لایا وہاں ہی رہنے سہنے لگا مگر ہمیشہ غمگین رہتا تھا ایک حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے اس غمگینی کی وجہ پوچھی وہ بولا کہ اپنی سنگدلی اور اپنی بے گناہ بچی کی یاد سے غمگین رہتا ہوں فرمایا کیا واقعہ ہے وہ بولا کہ ہمارے خاندان میں لڑکیوں کو زندہ دفن کر دینے کا رواج تھا میں نے اپنی کئی لڑکیاں زندہ گاڑھی تھیں ایک لڑکی کے متعلق میری بیوی نے سفارش کی کہ اسے زندہ رہنے دے میں مان گیا وہ جوان ہو گئی پیغام نکاح آنے لگے مجھ پر جھوٹی عزت و غیرت کا بھوت سوار ہوا کہ اب کوئی میرا داماد بنے گا۔ایک دن میں نے اپنی بیوی سے کہا کہ میں اس لڑکی کو اپنے قرابت داروں سے ملاقات کے لئے فلاں جگہ لے جانا چاہتا ہوں وہ خوش ہوئی اسے کپڑے زیور پہنا کر میرے حوالہ کیا اور کہا کہ یہ میری امانت ہے اس میں خیانت نہ کرنا میں اسے جنگل میں ایک گہرے کنویں کے کنارہ پر لے گیا۔لڑکی سمجھ گئی مجھ سے لپٹ کر رونے لگی کہ ابا جان میرا قصور کیا ہے ارے میں اپنی ماں کی امانت ہوں وہ بہت آہ و زاری کرتی رہی مگر میں نے اسے کنوئیں میں دھکیل دیا وہ کنوئیں میں گر کر بھی مجھے پکارتی رہی کہ ابا جان مجھے نکالو میں نے اوپر سے پتھر مارے حتی کہ اس کی آواز بند ہو گئی جب مجھے اس کی موت کا یقین ہو گیا تب میں وہاں سے لوٹا یہ واقعہ سن کر سارا مجمع بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی روئے۔یہ تھا عرب کا پرانا حال (روح البیان) اس آیت کریمہ میں عرب کے اسی رواج کو ذکر ہے اس سے پتہ لگا کہ کافر کا دل سخت ہوتا ہے مومن کا دل نرم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور مدینہ منورہ کی زمین بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اقدس دل میں نرمی پیدا کرنے کے لئے اکسیر ہے کلمہ طیبہ اگر دل میں اتر جاوے تو دل میں نرمی کفار کے مقابل جرات اور قناعت پیدا کرتا ہے دیکھو یہ شخص کافر رہتے ہوئے اس واقعہ پر غمگین نہ ہوا کلمہ پڑھ کر غم سے دوچار ہوا۔ کلمہ نے دل میں نرمی پیدا کی فرعونی جادوگر کلمہ پڑھنے کے بعد فرعون سے بولے **فاقض ما انت قاض** جو تجھ سے ہو سکے کر لے۔یہ تھی جرات ایک کافر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مہمان ہوا رات کو سات بکریوں کا دودھ پی گیا مگر جب صبح کو مسلمان ہوا تو دو بکری کا دودھ نہ پی

سلایہ ہوئی دل میں قناعت۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انسانیت پر اتنا بڑا احسان ہے جو کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے ۔۔۔ بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر

کوئی انسان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انسان نما درندوں بلکہ درندوں سے بدتر لوگوں کو ترقی کے بام پر پہنچایا۔

گرتے ہوؤں کو کس نے ابھارا ترے بغیر ۔۔۔ بگڑے ہوؤں کو کس نے سنبھالا ترے بغیر

دوسرا فائدہ: نور نبوت کے بغیر عقل انسانی اندھی ہے بلکہ سخت نقصان دہ ہے عاقل انسان وہ حرکتیں کر لیتا ہو جو خونخوار درندے جانور بھی نہ کریں یہ تو آپ عرب کا حال سن چکے ہندوستان میں ہندو عورت اپنے مردہ خاوند کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دی جاتی تھی۔ مسلمانوں نے یہ رواج بند کیا اب اس ترقی کے دور میں بعض مشرکین اپنے کو جلا بھسم کر لیتے ہیں۔ بھوک ہڑتال سے جان دے دینے کوشش کرتے ہیں یہ وہ ہی پرانی بربریت ہے یہ نہ سمجھو کہ نفس کشی کے یہ رواج ختم ہو گئے جن قوموں میں نور نبوت نہیں پہنچا وہاں اب بھی اس کے اثرات موجود ہیں۔ تیسرا فائدہ: لڑکیوں سے دل تنگ ہونا لڑکوں سے بہت محبت کرنا ان کے مقابل لڑکیوں کو ذلیل سمجھنا کفار کا طریقہ ہے اسلام اس سے روکتا ہے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چار لڑکیاں اور تین یا چار بیٹے ہوئے بیٹے سارے ہی بچپن میں وفات پا گئے لڑکیوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پال جوان کیا اور فرمایا جو تین لڑکیوں کو خوش دلی سے پال کر جوان کر دے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ چوتھا فائدہ: عاقل انسان اپنی اندھی عقل سے اچھی باتوں کو برا اور بری باتوں کو اچھا سمجھنے لگتا ہے یہ تمام فائدے **زین لکثیر** الخ سے حاصل ہوئے۔ غضب تو دیکھو کہ بعض مشرکین عرب اولاد کے ذبح کو بہترین عبادت اور قرب الٰہی کا ذریعہ سمجھتے تھے اس کی نذر مانتے تھے۔ پانچواں فائدہ: اہل عرب کا اصل دین ملت ابراہیمی تھا جسے ان کے سرداروں نے بگاڑ دیا تھا۔ اس دین ابراہیمی کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ فرمایا یہ فائدہ **لیلبسوا علیھم دینھم** الخ سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: دنیا میں ہر نیک و بد کام اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے اس کی مشیت سے ہو رہا ہے۔ ہاں برائیوں سے ناراض ہے نیکیوں سے خوش یہ فائدہ **ولو شاء اللہ ما فعلوہ** الخ سے حاصل ہوا اس کی مفصل بحث تیسرے پارہ **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں گزر چکی ہے معہ اعتراضات و جوابات کے۔ ساتواں فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار سے بیزار ان کے اعمال سے دور رہیں یہ فائدہ **فذرھم وما یفترون** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا اگر مسلمان کفار کے دوست بنے رہے تو ان کا انجام بھی کفار کا سا ہو سکتا ہے چکی پیستی ہے دانہ کو مگر اس کا ساتھی گھن بھی پس جاتا ہے۔

مسئلہ: اسلامی سلطنت میں کفا کو مذہبی آزادی دی جاوے گی وہ شوق سے بت پرستی کریں سور کھائیں، شراب پئیں مگر ایسی مالی جانی بد معاملگی کی اجازت نہ ہو گی لہٰذا کسی کافر کو اپنی بچہ ذبح کرنے لڑکی زندہ گاڑھنے چوری کرنے کی اجازت نہ ہو گی اگرچہ یہ چیزیں ان کے دین کا رکن ہوں۔ اسی طرح کسی کو خود کشی کرنے اپنے کو زندہ جلا کر بھسم کرنے کی اجازت نہیں دی جاوے گی یہ مسئلہ **فذرھم وما یفترون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے دیکھو مشرکین عرب مردو

عورتیں یکسر ننگے طواف کرتے تھے مگر فتح مکہ کے بعد اس سے روک دیئے گئے۔

پہلا اعتراض: یہاں **لکثیر من المشرکین** کیوں ارشاد ہوا سارے کافر اپنے بچے ہلاک کرتے تھے۔ جسے اسلام نے روکا۔ **جواب:** یہ غلط ہے اگر سارے کفار اپنے بچے ہلاک کرتے ہوتے تو ان کی نسل ہی ختم ہو جاتی بلکہ سرداران قوم تو اپنی لڑکیاں زندہ دفن کرتے تھے۔ بعض غریب کفار اپنے لڑکے مار دیتے تھے لڑکیاں زندہ رکھتے تھے کہ ان کے نکاح پر لڑکے سے بھاری رقم وصول کریں گے اور بعض کفار اس فعل سے یکسر بیزار تھے نیز سارے کفار عرب یہ قتل نہ کرتے تھے صرف بعض مشرکین لہذا **لکثیر** فرمان بھی درست ہے اور **من المشرکین** کہنا بھی درست **دوسرا اعتراض:** مشرکین کی یہ بد عملی ان کے معبودوں نے انہیں نہیں سکھائی تھی انہوں نے اپنے معبودوں کو دیکھا بھی نہ تھا۔ لات و عزی۔ منات نہ معلوم کب گزرے ہیں۔ پھر یہ فرمانا کیونکہ درست ہوا کہ ان کے شرکاء نے یہ عمل مزین کر دیئے **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں شرکاء سے مراد ان کے معبود نہیں بلکہ ان کے سردار ہیں۔ جن کو وہ رب تعالیٰ کی اطاعت میں شریک کرتے تھے کہ ان کے حکم خدا تعالیٰ کے احکام کی طرح مانتے تھے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر اولاد کا قتل اتنا ہی برا ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کیوں کیا وہ تو رب نے ان کی جان بچائی ورنہ وہ تو بے قصور بیٹے کو قتل کر ہی چکے تھے (آریہ)۔ **جواب:** نفسانی خواہش یا شیطانی اغواء سے قتل اولاد جرم ہے اگر اس سے رب راضی ہو تا ہو تو فرض ہے۔ جس عمل سے وہ راضی ہو وہ ہی عمل اچھا وہاں حضرت خلیل نے بحکم رب جلیل فرزند کو ذبح کیا اس کا نام قتل نہیں۔ قربانی ہے نفس کے لئے لڑنا بھڑنا مارنا مرنا فساد ہے۔ رب کے لئے یہ سارے کام جہاد ہیں۔ مقصود تو اسے راضی کرنا ہے۔ جب کفار کا زور ان کلو باؤ جنگ میں بہت ہو جاوے اور مجاہد کا مارا جانا یقینی ہو جائے پھر بھی اس کا آگے بڑھنا۔ سینے پر گولی کھانا خود کشی نہیں بلکہ شہادت ہے کہ رضاء الٰہی کے لئے ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر قتل اولاد کفار کا عمل تھا تو جناب عبد المطلب نے اپنے فرزند عبد اللہ کو قتل کرنے کا کیوں ارادہ کیا وہ تو مومن موحد تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اس عمل کی کیوں تعریف فرمائی اور اپنے متعلق کیوں فرمایا **انا ابن الذبیحین** میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ **جواب:** عار سے بچنے یا فقیری کے خوف سے بچوں کو قتل کرنا برا تھا عبد المطلب نے اس لئے یہ کوشش نہ کی تھی بلکہ وہ اپنی بے علمی اور دین ابراہیمی سے بے خبری کی وجہ سے یہ سمجھے کہ رب تعالیٰ ہمارے اس عمل سے راضی ہو گا۔ نیت بری نہ تھی عمل میں غلطی تھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب عبد المطلب کے اس عمل کی تعریف نہ کی بلکہ رب تعالیٰ کے بچا لینے کی تعریف فرمائی۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ مومن کے دل میں نرمی ہوتی ہے کلمہ طیبہ دل میں نرمی 'جرات' قناعت پیدا کرتا ہے مگر یزید 'شمر' عمرو ابن سعد کے دل تو ایسے سخت تھے کہ انہیں اہل بیت کے چھوٹے پیارے بچوں پر رحم نہ آیا حالانکہ وہ کلمہ پڑھتے تھے کلمہ نے ان کے دل نرم کیوں نہ کئے۔ **جواب:** وہاں کلمہ ان کے دلوں میں نہ اترا تھا۔ صرف زبان پر رہا تھا جب دانہ زمین میں دفن نہ ہو تو اس میں پھل نہیں لگتا اگرچہ کونپل نکل آوے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار عرب کا اپنے بچے ذبح کرنا رب تعالیٰ کے ارادے سے تھا اس ارادے میں کیا حکمت تھی کہ فرمایا **ولو شاء اللہ ما فعلوا** **جواب:** رب کے ہر فعل میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ اس سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھلائی جاوے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی بگڑی قوم کی اتنی تھوڑی مدت میں اس بے مثل طرح سے سنبھال دیا نبی کی شان دکھانے کے لئے مخلوق کو مصیبت میں ڈالا

سکتا ہے حضرت یوسف کی شان دکھانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی گئی۔

تفسیر صوفیانہ: دماغ کی آنکھ کا اندھا ہونا بھی مصیبت ہے جس سے انسان ٹھوکریں کھاتا۔ دوسروں کا یکسر محتاج ہو جاتا ہے مگر دل کی آنکھ کا اندھا پن رب تعالیٰ کا بڑا سخت عذاب ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان ہر برے ساتھی کی بات ماننے لگتا ہے۔ کبھی نہیں سوچتا کہ یہ کام میرا اچھا ہے یا برا دیکھو محض اپنی ناک کی خاطر اپنی اولاد کو اپنے ہاتھ سے ہلاک کرنا ایسا برا کام ہے جسے بے عقل جانور بھی نہیں کرتے بلی چوہے کو اور طاقت سے پکڑتی ہے اور اپنے بچہ کو منہ میں اور ہی طرح دباتی ہے منہ ایک ہے دانت ایک ہیں مگر گرفت کے طریقوں میں فرق ہے وہ بھی جانتی ہے کہ بچہ کو اپنے دانتوں سے ہلاک کرنا برا ہے مگر عاقل انسان جو عقل کا اندھا ہو جائے اسے یہ بھی نہیں معلوم ہوتا بے عقلی اور چیز ہے بد عقلی کچھ اور چیز جانور بے عقل ہیں مگر انسان جب بگڑتا ہے تو بد عقل ہو جاتا ہے جانوروں سے بدتر پھر جو لوگ انسان کو اس عمل پر رغبت دیں ان کا اندھا پن تو بہت ہی تعجب کا باعث ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی قدرتوں کا نمونہ بنایا ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ اپنے محبوب انسان کو فرشتوں سے اعلیٰ کر دے اس پر بھی قادر ہے کہ مردود انسان کو جانوروں سے بھی بدتر بنا دے ہمیشہ اس کی پناہ مانگنی چاہئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان پر سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دیں اپنی نگاہ کرم اس سے ہٹا لیں اس لئے ارشاد فرماتا ہے **ولا تعد عیناک عنھم** اے محبوب ان گنہگاروں سے آپ نگاہ کرم نہ ہٹائیں۔

لطیفہ: یہاں ارشاد ہے **فذرھم** انہیں چھوڑ دو دوسری جگہ ارشاد ہے **فذرنی و المکذبین** اے محبوب مجھے اور ان کفار کو چھوڑ دو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حرکتیں رب کے عذاب کا سبب ہیں مگر کسی رحمت والے محبوب کے مجھے اور کفار کو چھوڑ دو معلوم ہوتا ہے کہ کفار کی حرکتیں رب کے عذاب کا سبب ہیں مگر کسی رحمت والے محبوب کی رحمت آڑے آجاتی ہے جو عذاب نہیں آنے دیتی **وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم**۔

وَقَالُوا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ

اور کہا انہوں نے یہ جانور اور کھیتی ممنوع ہے نہیں کھا سکتے اسے مگر وہ جسے چاہیں ہم اپنے گمان سے

اور بولے یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے اسے وہ ہی کھائے جسے ہم چاہیں اپنے

وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

اور وہ جانور ہیں کہ حرام کی ہوئی ہیں پیٹھیں ان کی اور کچھ جانور کہ نہیں ذکر کرتے نام اللہ کا اوپر انکے

جھوٹے خیال میں اور کچھ مویشی ہیں جن پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ مویشی کے ذبح

افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۗ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

بہتان گھڑتے ہوئے اوپر اس کے قریب ہی بدلہ دیگا انہیں اس کا جو گھڑتے تھے وہ

پر اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا عنقریب وہ انہیں بدلہ دیگا ان افتراؤں کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کا یہ برا عمل ذکر کیا گیا جو وہ اپنی پیداوار کے متعلق کرتے تھے یعنی اس کا بعض حصہ اللہ تعالٰی کے نام پر بعض بتوں کے نام پر' اب ان کی اس بد عملی کا ذکر ہے جو وہ اپنی اصل زمین بلکہ جانوروں کے متعلق بھی کرتے تھے یعنی بعض زمینوں کو بتوں کے نام پر اور بعض جانوروں کو اپنے جھوٹے معبودوں کے نام پر وقف کردیتے تھے گویا وقتی بد عملی کے بعد ان کی دائمی بد عملی کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کفار کے اس ظلم کا ذکر تھا جو وہ نو مولود بچیوں پر کرتے تھے یعنی انہیں زندہ دفن کردینا اب ان کے اس ظلم کا ذکر ہے جو وہ اپنی بیویوں اور دوسری عورتوں پر کرتے تھے یعنی انہیں بہت سی چیزوں سے محروم کردینا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکوں کے دین کو ان کے شیاطین نے خلط ملط کردیا' اب اس خلط ملط کی کچھ اور تفصیل بیان ہو رہی ہے گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار عرب کی وقتی بد عملیوں کا ذکر تھا جو وقت خاص میں ہوتی تھیں پھر ختم ہو جاتی تھیں' اب ان کی دائمی بد عملیوں کا ذکر ہے جو دائمی رہتی تھیں یعنی اوقاف میں غلطیاں' وقفوں میں شرک' دائمی غلطی' وقتی غلطی سے سخت تر ہے وقف' بڑی پرانی عبادت ہے جسے کفار نے بگاڑ دیا تھا۔

نزول : کفار عرب اپنے کھیتوں کے دو حصے کرتے تھے کچھ حصہ اپنی ضروریات کے لئے کچھ حصہ بتوں کے نام پر وقف۔ اس وقف حصہ کی پیداوار صرف بت خانوں کے مجاوروں پر خرچ کرتے تھے اور اپنے جانوروں کے چار حصے کرتے تھے بعض جانور اپنے کاروبار کے لئے رکھتے تھے بعض بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے جیسے بحیرہ سائبہ' حام وغیرہ بعض جانور وہ تھے جن پر نہ سواری کرتے تھے نہ بوجھ لادتے تھے اور بعض وہ تھے جنہیں زندگی بھر تو اپنے کام میں لاتے مگر انہیں ذبح نہیں کرتے تھے یوں ہی مر جانے دیتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں اس موقوفہ زمین اور ان تین قسم کے جانوروں کا ذکر فرما کر ان کی حماقت ظاہر فرمائی گئی ہے (تفسیر احمدی)۔

تفسیر : **وقالوا هذه انعام و حرث حجر:** عربی میں لفظ قول ایک ہے مگر یہ چار معنی میں استعمال ہوتا ہے فرمانا۔ جیسے قال اللہ' عرض کرنا جیسے قال نوح رب لاتذر' کہنا' بکواس بکنا جیسے قالت الیہود ید اللہ مغلولہ جیسی بات ویسے ہی قول کے معنی یا جیسا بات والا ویسے ہی قول کے معنی یہاں قالوا آخری چوتھے معنی میں ہے کیونکہ ان کی بات کفریہ ہے اور کہنے والے کفار۔ خیال رہے کہ عام لوگوں کی زبان پر کبھی شیطان بولتا ہے کبھی نفس امارہ کبھی رحمان مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر اللہ تعالٰی ہی بولتا ہے **ان هو الا وحی یوحی** یہاں قالوا سے مراد یا تو ان کا دلی قول ہے یعنی عقیدہ یا ان کا زبانی قول یا ان کا وہ اعلان مراد ہے جو وہ وقف کرتے وقت کیا کرتے تھے صرف زبانی یا تحریری' ہذہ سے اشارہ اسی طرف ہے جو یہ اعلان کرتے وقت ان کے سامنے ہوتا تھا کہ لوگو دیکھ لو میں نے یہ کھیت و جانور وقف کئے۔ انعام جمع نعم کی ہے بمعنی چوپایہ جانور وہ لوگ عموماً اونٹ وقف کرتے تھے جیسے ہندوستان کے مشرکین بیل بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں اس انعام سے مراد وہ تینوں قسم کے چوپایہ ہیں جنہیں وہ مختلف طرح بتوں کی طرف نسبت کرتے تھے حرث سے مراد کھیت کا وہ حصہ ہے جسے وہ بتوں کے لئے وقف کرتے تھے۔ ہماری قرأت میں حجر ہے ح کے کسرہ اور جیم کے سکون سے مصدر ہے بمعنی اسم مفعول جیسے ذبح بمعنی مذبوح اس میں واحد جمع مذکر' مونث' سب برابر ہیں اس لئے یہاں انعام جمع اور حرث واحد دونوں کے لئے حجر استعمال ہوا' حسن اور قتادہ کی قرأت میں حج

ہے ح اور جیم کے پیش سے یہ جمع ہے جیسے حکم اور سقف اور رہن حضرت ابن عباس اور عبداللہ ابن زبیر کی قرات میں حرج ہے ح کے کسرہ ۔ اور جیم سے پہلے۔ بمعنی تنگ اس کی اور قرائتیں بھی ہیں۔ (معانی) **لا یطعمها الا من نشاء بزعمهم** یہ عبارت حجر کی گویا تفصیل ہے طعم بمعنی کھانا آتا ہے اور کبھی بمعنی چکھنا بھی یہاں بمعنی چکھنا بھی ہو سکتا ہے **ھا** کا مرجع انعام اور حرث دونوں ہیں نشاء سے مراد یا تو صرف مرد ہیں کہ عورتیں ان میں سے کچھ نہ کھائیں صرف مرد کھائیں یا اس سے مراد بت خانوں کے پجاری وغیرہم ہیں زعم سے مراد ان مشرکین کے فاسد عقیدے ہیں یعنی کفار عرب یہ کہتے ہیں یا عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کے بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اور ان کے نام پر وقف کی ہوئی آمدنی پیداوار وغیرہ پر پابندی ہے اسے ہر شخص نہیں کھا سکتا بلکہ جنہیں ہم چاہیں وہ کھائے جسے ہم نہ چاہیں وہ نہ کھائے۔ ہم تو چاہتے ہیں کہ یہ چیزیں ہمارے مرد ہی کھائیں عورتیں نہ کھائیں یا صرف پجاری ہی کھائیں دوسرے نہ کھائیں یہ ان کے محض باطل گمان ہیں کہ وہ اپنی ان حرکتوں کو رضاء الٰہی کا ذریعہ سمجھتے ہیں ان کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں **و انعام حرمت ظهورها** اس عبارت میں دوسرے قسم کے جانوروں کا ذکر ہے یہ **ھذا** پوشیدہ کی خبر ہے یعنی اور یہ جانور وہ ہیں جنہیں ہم نے بتوں پر وقف کر دیا اب ان پر کوئی شخص نہ سوار ہو نہ اپنا بوجھ لادے ان کی پیٹھیں استعمال میں نہیں آسکتیں ان کا استعمال حرام ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس عبارت میں گزشتہ جانوروں کی دوسری حالت کا ذکر ہو یعنی یہ جانور ایسے ہیں کہ انہیں مرنے کے بعد ہر شخص نہ کھائے خاص آدمی ہی کھائیں اور ان کی زندگی میں ان کا یہ حکم ہے کہ ان کی پیٹھ کوئی استعمال نہ کرے **وانعام لا یذکرون اسم الله علیها** یہ عبارت علیحدہ ہے۔ جس میں ان کفار کے تیسرے قسم کے جانوروں کا ذکر ہے۔ اللہ کا ذکر نہ کرنے کے کئی معنی کئے گئے ہیں ایک یہ کہ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں خدا کے نام پر نہیں اس صورت میں ان سے وہ جانور مراد ہیں۔ جو وہ بتوں پر بھینٹ چڑھاتے تھے جیسے آج بعض ہندو کلی دیوی وغیرہ کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں' دوسرے یہ کہ ان جانوروں پر وہ کفار حج عمرہ وغیرہ نہیں کرتے ان پر بیٹھ کر تلبیہ نہیں کہتے' تیسرے یہ کہ ان جانوروں کی کسی حالت میں اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ ہر وقت ان پر بتوں کا نام لیتے ہیں ان کا دودھ نکالیں تو بتوں کا نام لے کر جب انہیں کسی جگہ لے جائیں تو بتوں کا نام لے کر انہیں پکاریں تو بتوں کے نام سے (روح المعانی) یہ عبارت **بعضها** پوشیدہ کی خبر ہے اور ممکن ہے کہ پہلے انعام پر معطوف ہو یعنی ان کے بعض جانور وہ بھی ہیں جن پر اللہ کا نام نہیں لیتے بلکہ انہیں بتوں پر قربان کرتے ہیں بتوں کے نام پر ہی ذبح کرتے یا ان پر کبھی تلبیہ نہیں پڑھتے کیونکہ ان پر نہ حج کریں نہ عمرہ یا ان کے ہر حال پر بتوں کا نام ہی لیتے ہیں کبھی خدا کا نام نہیں لیتے **افتراء علیه** یہ عبارت یا تو **قالوا** کی علت ہے یا افتروا پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق یا حرمت اور **لا یذکرون** وغیرہ فعلوں کا مفعول لہ ہے **افتراء** کے معنی ہیں کسی پر جھوٹ باندھنا یعنی جھوٹی بات کو اس کی طرف نسبت کر دینا **علیه** کا مرجع رب تعالیٰ ہے یعنی وہ کفار یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہوئے کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ ان سب باتوں کا رب نے حکم دیا ہے وہ ان کاموں سے راضی ہوتا ہے **سیجزیهم بما کانوا یفترون** اس عبارت میں ان کی ان مذکورہ حرکتوں کے انجام کا ذکر ہے **جزاء** سے مراد ہے مطلقاً" سزا یا دنیاوی سزا مراد ہے' عنقریب ان کا مغلوب ہو جانا مسلمانوں کا ان پر غالب ہو جانا' ان کا دین ہمیشہ کے لئے مٹ جانا مکہ مکرمہ یا جزیرہ عرب کا ان کے وجود سے پاک ہو جانا چونکہ یہ سب کچھ چند سال کے اندر ہی ہونے والا تھا اس لئے اس پر قرب کا سین لایا گیا یا اس سے اخروی سزا مراد ہے برزخ میں یا قیامت میں اور اس کے بعد چونکہ قیامت وغیرہ عند اللہ بہت قریب ہیں اس لئے سین داخل فرمانا درست ہے۔ یعنی عرصہ

سے جو یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں' حق تعالیٰ انہیں ان سب کی سزا عنقریب دے گا۔

خلاصہ ء تفسیر : قرآن کریم گزشتہ قوموں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے موجودہ کفار کی بد کرداریاں ان کی بری باتیں نقل فرماتا ہے۔ مگر امت مصطفویہ کے متعلق اس کی روش یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کی جزا کاذکر فرماتا ہے گناہوں کی دنیاوی سزا کاذکر ہے مگر ان پر غضب و قہر کا اظہار نہیں فرماتا یہاں موجودہ کفار کی وہ تھی بد عملی کاذکر فرما کر اس پر اظہار غضب کیا گیا ہے چنانچہ اس آیت کریمہ میں کفار عرب کی چند بد عملیوں بد عقیدگیوں کاذکر ہے۔ (1) اپنے بعض کھیتوں باغوں کو بتوں کے نام پر وقف کرنا۔ (2) ان کے متعلق یہ کہنا کہ اس کی پیداوار' آمدنی صرف مرد کھائیں عورتیں نہ کھائیں۔ (3) یا ان کی آمدنی ان بتوں کے خدام پجاری کھائیں اور نہ کھائیں۔ (4) کچھ جانور بتوں کے نام پر چھوڑ دینا کہ ان سے کوئی کام نہ لیا جائے اور جس کے کھیت میں وہ پڑ جائیں انہیں وہاں سے نہ ہٹایا جائے۔ (5) بعض جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرنا ان کی بھینٹ چڑھانا۔ (6) مردار جانور کھا جانا' چنانچہ ارشاد ہے کہ یہ مشرکین عرب کہتے ہیں کہ ہمارے فلاں فلاں جانور اور فلاں فلاں کھیت باغ بتوں پر وقف ہیں۔ اب انہیں ہر شخص نہیں کھا سکتا۔ جسے ہم چاہیں گے وہ کھائے گا' یعنی یا تو صرف مرد یا صرف ان بتوں کے پجاری۔ یہ ان کے صرف فاسد خیالات ہیں جو انہوں نے اپنے سرداروں سے حاصل کئے ہیں اور بعض جانوروں کے متعلق کہتے ہیں کہ ان پر سواری بوجھ لادنا حرام ہے کیونکہ یہ مہاراج کے نام پر وقف ہو چکے۔ بعض جانوروں کو بتوں کے نام پر ذبح کرتے ہیں رب تعالیٰ کے نام پر ذبح نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ ہم کو خدا تعالیٰ نے ہی یہ احکام دیئے ہیں ہم انہیں کاموں کے ذریعہ رب تک پہنچیں گے۔ عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں اس جھوٹ باندھنے کی سخت سزا دے گا یا تو دنیا میں یا آخرت میں یا دونوں جگہ عنقریب یہ مسلمانوں سے مغلوب ہوں گے سارے حجاز بلکہ سارے عرب میں مسلمانوں کا راج ہو گا ان کا اور ان کے دین کا نام بھی نہ رہے گا' رب تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرما دیا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کے اوقاف جو بتوں کے نام پر ہوں خواہ زمین یا جانور یہ سب باطل ہیں یہ فائدہ **وقالوا** اور **بزعمهم** سے حاصل ہوا انہیں ان اعمال کے کوئی ثواب نہ ملے گا مگر خیال رہے کہ چونکہ اسلامی سلطنت میں ذمی کفار کو دینی آزادی دی جاتی ہے اس لئے ہم انہیں مٹائیں گے نہیں ان کے مندر گرجے ان پر وقف زمینیں قائم رکھی جائیں گی اور ان کے متعلق ہمارے فیصلے ان کے مذہب کے مطابق ہوں گے۔ **دوسرا فائدہ:** جو جانور بتوں کے نام پر چھوڑ دیا گیا' وہ شرعاً حرام نہیں ہو گیا اگر مسلمان کے ہاتھ سے اللہ کے نام پر ذبح ہو گیا تو حلال ہے ہاں جو جانور بتوں کے نام پر ذبح ہو گیا وہ حرام ہے۔ اس کی مفصل بحث ہم دوسرے پارہ **وما اهل به لغير الله** میں کر چکے ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** جو چیز حلال ہے وہ سب کے لئے حلال ہے۔ جو حرام ہے وہ سب کے لئے حرام بعض کے لئے حلال ہونا بعض کے لئے حرام ہونا غلط ہے یہ فائدہ **لا يطعمها الا من نشاء** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بطور عتاب ان کی اس حرکت کاذکر فرمایا۔ بعض جاہل مسلمان حضرت فاطمہ زہرا کی فاتحہ کا کھانا' صرف عورتوں کو گیارھویں شریف کا کھانا' صرف سیدوں کو کھلاتے ہیں بی بی پاک دامن کے نام کی نیاز دو خاوند والی عورت کو نہیں کھلاتے یعنی جس کے آگے پیچھے دو نکاح ہوئے اسے نہیں کھلاتے' کونڈوں کا کھانا گھر سے باہر نکالنا برا سمجھتے ہیں یہ سب جہالت کی باتیں ہیں جو ان کفار سے مسلمانوں نے سیکھ لیں' الحمد للہ اب یہ جہالتیں ختم

ہوتی جاری ہیں ہر بزرگ کی فاتحہ کا کھانا ہر مسلمان کھا سکتا ہے۔ چوتھا فائدہ: بعض جاہل حضرات امام حسین کے نام پر گھوڑا وقف کرتے ہیں جس پر نہ سواری کرتے ہیں نہ اس سے کوئی کام لیتے ہیں' محرم وغیرہ میں گھوڑا نکالنے کی رسم میں وہ گھوڑا استعمال کیا جاتا ہے کہ اس کے اردگرد منہ پیٹتے سینہ کوٹتے نکلتے ہیں اور بس محرم کے جلوس میں یہ گھوڑا سجا کر نکالا جاتا ہے تبرکاً اس کے دم کے بال کا تعویذ باندھتے ہیں یہ سب کام حرام ہیں انہیں کفار عرب کی نقل ہیں۔ بعض جاہل اپنے مردوں کی قبروں پر اس گھوڑے سے پیشاب کراتے ہیں کہ یہ پیشاب اس کی مغفرت کا ذریعہ ہے نعوذ باللہ۔ یہ حرکت تو کفار عرب سے بھی بڑھ گئی برے کام یا بری چیز کو بزرگوں کی طرف نسبت کر دینے سے اس کا حکم بدل نہ جائے گا جاندار کی تصویر حرام ہے خواہ کسی بزرگ کی طرف اسے نسبت کر دیا جائے۔ پانچواں فائدہ: بتوں کے نام پر وقف کھیت باغ یا زمین کی پیداوار شرعاً حرام نہیں ہو جاتی وہ حلال ہی ہے اس غلط نسبت سے چیز کی حلت پر اثر نہ پڑے گا یہ فائدہ بزعمهم فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفار کے اس عمل اور اس خیال کو ان کا باطل خیال قرار دیا لہذا بتوں پر چڑھائی ہوئی مٹھائی ان کی بھینٹ کا دودھ حلال ہے' حرام نہیں۔ صرف ان کے نام پر ذبح کیا ہوا جانور حرام ہے۔ چھٹا فائدہ: اللہ کے نام کے سوا کسی اور کے نام پر جانور ذبح کرنا حرام ہے اور جانور مردار اگر اسے حلال سمجھ کر کوئی مسلمان کرے تو وہ کافر ہے یہ فائدہ افتراء علیہ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: جانور کی زندگی میں اسے کسی کے نام پر پالنا یا اسے کسی کی طرف نسبت کرنا بالکل درست ہے یہ فائدہ لا یذکرون اسم اللہ علیھا کی تفسیر سے حاصل ہوا' دن رات کہا جاتا ہے فلاں کی گائے فلاں کی بکری ولیمہ کا بکرا عقیقہ کی بکری وغیرہ لہذا گیارھویں کی مرغی بارھویں کی بکری کہنا ممنوع نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں کفار کے جو عیب بیان کئے گئے وہ مسلمان میں بھی موجود ہیں مسلمان قربانی کے جانور ہدی کے اونٹ وغیرہ کی بہت تعظیم کرتے ہیں حتیٰ کہ ہدی کے جانور کو قرآن نے شعائر اللہ کہا والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ چنانچہ مسلمان ہدی کے جانور پر سواری کرنا' قربانی کے جانور کا دودھ اون نکالنا ممنوع جانتے ہیں پھر کفار پر ایسے اعتراض کیوں کرتے ہیں (آریہ) جواب: پنڈت جی فرق یہ ہے کہ مسلمان ان جانوروں کی تعظیم اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی نسبت صرف اللہ تعالیٰ کی طرف ہے' کسی بندے کی طرف نہیں ان کی تعظیم رب تعالیٰ کی تعظیم ہے کفار یہ کام بندوں کی نسبت سے کرتے ہیں لہذا مومن مومن ہے کافر کافر۔ مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں مومن ہیں کفار پتھر کی طرف سجدہ کرتے ہیں وہ کافر ہیں کہ کعبہ معظمہ کو اللہ کی طرف نسبت ہے اس پتھر کو کسی بندے کی طرف نسبت۔ کعبہ کی طرف سجدہ رب کو سجدہ ہے اس پتھر کی طرف سجدہ اس بندے کو سجدہ ہے جس کے نام کا وہ پتھر ہے یہی فرق گنگا کے پانی اور زمزم کے پانی میں ہے۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ مذکورہ جانور کفار کے کہنے سے حرام نہیں ہو گئے۔ حالانکہ قرآن کریم فرماتا ہے حرمت ظھورھا ان کی پیٹھوں کا استعمال حرام کر دیا گیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعی ان پر سواری حرام ہے۔ جواب: یہاں حرمت سے مراد شرعی حرمت نہیں بلکہ ان کی خود ساختہ مروجہ حرمت ہے چونکہ یہ عقیدے ان کفار کے بڑوں نے ایجاد کئے تھے اس لئے اسے حرمت فرمایا گیا۔ یعنی جن جانوروں کی پیٹھیں ان کے بزرگوں کی طرف سے حرام کر دی گئی ہیں اور انہوں نے ان کی حرمت کا اعتقاد کر لیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں تقسیم غافلوں کا عمل ہے سب کچھ دنیا کے لئے وقف کر دینا جاہلوں کا کام ہے اور سب کچھ اللہ کے لئے کر دینا عاقلوں کا فعل ہے۔ غافل کہتا ہے کہ اتنا وقت اللہ کے لئے ہے اتنا میرے لئے اتنی سانسیں دین کے لئے ہیں اتنی میرے نفس کے لئے یہ تقسیم ہی تو غفلت ہے جاہل سمجھتا ہے کہ ساری زندگی نفس کے لئے ہے مگر عاقل کہتا ہے کہ زندگی اور زندگی کی ساری چیزیں اللہ واحد قہار کے لئے ہیں دنیا کھیتی ہے اعمال اس کی پیداوار'' اسے نفس امارہ بت کے لئے وقف نہ کرو ہمارے اعضاء ظاہری گویا مفید جانور ہیں ان میں غیر خدا کو شریک نہ بناؤ ان سے ناجائز کام نہ لو تم نفس پر سوار ہو اس کی پیٹھ کو اپنے لئے حرام نہ سمجھو ہمیشہ اس پر سوار رہو اللہ کا ذکر اس کی لگام ہے۔ اس سے اس جانور کو اپنے قابو میں رکھو ورنہ تم ان امانتوں میں خائن ہو گے۔ کفار عرب تو ختم ہو چکے مگر کفار غضب تاقیامت موجود ہیں' غفلت کفر ہے یعنی کفران نعمت ہے جس میں بہت لوگ مبتلا ہیں جس زمین کا مالک اس میں اچھی کاشت کرے اور کاشت کے بعد اس کی نگرانی کرتا رہے تو اس سے ہر قسم کے دانے ہر طرح کے پھل حاصل ہوتے ہیں مگر لاوارثی زمین کے اندر سانپ بچھو وغیرہ زہریلے جانور رہتے ہیں اس کے اوپر خاردار مضر درخت دل ایک اعلیٰ درجہ کی زمین ہے اگر اس میں کوئی اللہ کا مقبول بندہ معرفت الٰہی کے تخم بو دے تو اس میں ایمان عرفان' تقویٰ' عشق رسول خوف خدا' دنیا سے نفرت وغیرہ کے پھل حاصل ہوتے ہیں لیکن اگر یہ لاوارثی رہے تو اس دل میں غفلت کفر' شرک کے سانپ بچھو رہتے ہیں اور اسی دل سے غصہ' حسد' بغض' کینہ وغیرہ کے زہریلے درخت اگتے ہیں' کپاس میں بنولے ہوتے ہیں تو نہ اس کا سوت بنے نہ کپڑا بنولے نکلنے کے بعد اس کا نام روئی ہوتا ہے اس سے سب کچھ بنتا ہے دل میں سے مذکورہ عیوب کے بنولے نکال تاکہ اس سے تقوے کا لباس حاصل ہو جو دونوں جہاں میں کام آئے رب تعالیٰ اس قابل کو حال بنائے۔

وَقَالُوْا مَا فِىْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا

اور کہا انہوں نے وہ بچہ جو پیٹوں میں ہے ان جانوروں کے وہ مخصوص ہے واسطے مردوں کے ہمارے اور حرام کیا

اور بولے جو ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور مرا

وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ۝

ہوا ہے اوپر ہماری عورتوں کے اور اگر ہو وہ بچہ مردار تو وہ بیچ اسکے شریک ہیں عنقریب بدلہ دے گا انہیں انکے اس بیان

ہوا نکلے تو وہ سب اس میں شریک ہیں قریب ہے اللہ انہیں انکی باتوں کا بدلہ دے گا بے شک وہ حکمت والا علم والا ہے

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ

کا تحقیق وہ حکمت والا علم والا ہے۔ بے شک نقصان میں پڑے وہ لوگ جو مار ڈالتے ہیں اولاد کو اپنی بے وقوفی سے بغیر

بے شک تباہ ہوئے وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو

افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ۚ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

حلال سے اور حرام سمجھتے ہیں وہ جو روزی دی انہیں اللہ نے جھوٹ گھڑتے ہوئے او پر اللہ کے بیشک گمراہ ہو گئے وہ اور نہیں تھے ہدایت پانے والے
انہیں اللہ نے روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو بے شک وہ بہکے اور راہ نہ پائی۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے جانوروں بحیرہ سائبہ کی سواری وغیرہ کے متعلق عقائد کا ذکر تھا اب ان کے وہ وہمی عقیدے بیان ہو رہے ہیں جو ان جانوروں کے بچوں کے متعلق تھے کہ کفار ان بتوں کے نامزد جانوروں کے پیٹ کے بچوں سے کیا معاملہ کرتے تھے غرضیکہ ان کی چند وہمیات و کفریات کے بعد ایک کفریہ عقیدے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں معاملات کا ذکر ہے کفار عرب کے بتوں کے نامزد جانوروں کے عقائد کا ذکر تھا اب انہیں کفار کے اپنی اولاد کے متعلق کہ وہ ان جانوروں کا اتنا احترام کرتے ہیں اور اپنی اولاد پر ایسے ظلم کرتے ہیں گویا وہ جانوروں کے احترام کے ذکر کے بعد اپنی اولاد کی تذلیل کا تذکرہ ہے **قتلوا اولا دھم** **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ کفار حرام جانوروں کو حلال جان کر کھا جاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حلال روزیوں کو حرام جانتے ہیں۔

نزول : حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ ربیعہ اور مضر کا دستور یہ تھا کہ اگر کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوئی تو وہ اپنی بیوی سے کہتا کہ اگر تو اسے زندہ دفن نہ کردے تو تو مجھ پر حرام ہے یہ عورت نفاس سے فارغ ہو کر اپنی سہیلی عورتوں کو لے کر جنگل جاتی وہ تمام عورتیں باری باری سے اسے اپنی گودوں میں لیتیں جب یہ دستور پورا ہو جاتا اور قبر پہلے ہی تیار ہوتی تھی تب ماں اپنے ہاتھ سے اس بچی کو قبر میں رکھتی پھر سب مل کر اس پر مٹی ڈال دیتیں تاکہ کوئی ان کا داماد نہ بن سکے۔ قتادہ فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں بعض غریب لوگ اپنے لڑکوں کو پیدا ہوتے ہی مار ڈالتے تھے فاقہ کے خوف سے اپنی لڑکیاں زندہ رکھتے جوان ہونے پر فروخت کر دیئے گئے لئے۔ یہ آیت کریمہ انہیں کے متعلق نازل ہوئی جس میں ان کی اسی حرکت کا ذکر کیا گیا **لقد خسر الذین قتلوا اولا دھم**۔ (تفسیر خازن و تفسیر مدارک)

تفسیر : **وقالو ما فی بطون ھذہ الا نعام** یہاں بھی **قالوا** کی وہی تفسیر ہے جو پچھلی آیت میں عرض کی گئی کہ۔ قول سے مراد یا زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ اور قول سے مراد صرف ایک بار کا قول نہیں بلکہ ہمیشہ کا قول پھر خاص جماعت کا قول مراد نہیں بلکہ پوری قوم کا قول مراد ہے نیز **قالوا** فرما کر یہ بتایا کہ یہ قول صرف ان کا اپنا ہے اس کی نسبت وحی الٰہی یا قول نبی کی طرف نہیں جیسے ہر طبی نسخہ ہمیشہ اگر اس کے امام کی طرف منسوب نہ ہو تو اس کا اعتبار نہیں ہوتا ایسے ہی حضرات انبیاء شریعت کے امام ہیں جو قول ان کی طرف باواسطہ یا بلاواسطہ منسوب نہ ہو اس کا اعتبار نہیں وہ محض غلط ہے **ما** سے مراد یا تو صرف پیٹ کا بچہ ہے یا بچہ اور دودھ وغیرہ سب کچھ۔ پہلا احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **وان یکن میتۃ** **بطون** جمع ہے بطن کی معنی پیٹ اس سے مراد رحم ہے کہ بچہ رحم میں ہوتا ہے یا رحم اور شیر دان دونوں کہ دودھ شیر دان میں ہوتا ہے ان جانوروں سے مراد ہے وہ بحیرہ سائبہ وصیلہ حام وغیرہ جانور جو بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے جن کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا **خالصۃ لذکورنا و محرم علی ازواجنا** **خالصۃ** اور **محرم** دونوں **ما** کی خبر ہیں لفظ **ما** لفظاً مذکر ہے اور معنی مونث اس لئے **خالصۃ** کو مونث لایا گیا اور **محرم** کو مذکر تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ **خالصۃ** میں ت مونث کی نہیں بلکہ یا مبالغہ کی ہے یا

اسمیہ کی کہ خالص صیغہ صفت کا ہے مگر خالصۃ "اسم یا مصدریہ ہے کہاں جاتا ہے **راویتہ الشعر** بہت ہی شعر گو یہ ت مبالغہ کی ہے عافیۃ میں ت مصدریہ ہے' ایک شاعر کہتا ہے۔

کنت امنی و کنت خالصتی ولمس کل امری موتمن

دیکھو یہاں خالصتی میں ت مبالغہ کی ہے ذکور سے مراد سارے مرد ہیں۔ بچے جوان بوڑھے۔ ازواج سے مراد ساری عورتیں ہیں بچیاں' جوان بوڑھیاں۔ یعنی کفار مکہ یہ بھی کہتے کہ ان وقف شدہ جانوروں کے پیٹ کے بچے جو پیدا ہوں وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے تو حلال ہیں اور ہماری عورتوں پر حرام ہیں اور سواء ہماری قوم کے اور کسی قوم کا آدمی ان کا گوشت نہیں کھا سکتا یہ ان بچوں کے متعلق کہتے تھے جو زندہ پیدا ہوں پھر ذبح کئے جائیں۔ ازواج سے مراد مطلقاً عورتیں ہیں خواہ کنواریاں ہوں یا شادی شدہ یا بیوگان کیونکہ یہ ذکور کے مقابل ارشاد ہوا ہے چونکہ کفار اپنے یہ احکام اپنی بیویوں پر جاری کرتے تھے اس لئے بجائے نساء کے **ازواجنا** کہتے تھے اس لئے مشرکین عرب عورتوں کو نہایت ہی ذلیل و حقیر سمجھتے تھے اسی لئے اچھی غذا مردوں کے لئے خاص کرتے تھے۔ ہلکی غذا میں عورتوں کو شریک کرتے تھے ان کا یہ فیصلہ اس تفریق کی ایک کڑی تھا اس۔لئے یہ کہتے تھے **وان یکن میتۃ فھم فیہ شرکاء** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے **یکن** کا اسم وہی پیٹ کا بچہ ہے **میتۃ** سے مراد ان جانوروں کے پیٹ کا مردہ بچہ ہے۔ جو باہر گر جائے یا نکالا جائے **فیہ** کی ضمیر ما کی طرف ہے **ھم** سے مراد سارے کفار ہیں مرد ہوں یا عورتیں یعنی اگر وہ بچہ مردار پیدا ہو یا اس طرح کہ مرا بچہ گر جائے یا اس طرح کہ وہ جانور مر جائے اس کے پیٹ سے یہ بچہ نکلے یا اس طرح کہ زندہ جانور کے پیٹ سے ضرورۃ " مردہ بچہ نکالا جائے غرضیکہ ہو مردہ تو وہ عورتوں مردوں سب کے لئے حلال ہے سب کھائیں' مشرکین کے خیال میں بھی حلال جانور مردار سے بہتر ہوتا تھا اس لئے بہتر کو اپنے مردوں کے لئے خاص کرتے تھے حرام میں عورتوں کو شریک کرتے تھے **سیجزیھم وصفھم** اس فرمان عالی میں ان کی بکواس کی سزا کا ذکر ہے یہاں جزا بمعنی سزا ہے۔ وصف سے مراد اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے کہ اس نے ہم کو یہ حکم دیا ہے عربی میں بڑے جھوٹ بڑے جادو کو وصف کہہ دیتے ہیں' ایک شاعر کہتا ہے۔

سری برق المعرۃ بعد وھن فعبات برامتہ بصف الملالا

وصفھم ترکیب میں یا تو جزا پوشیدہ کا مضاف الیہ ہے یا اصل میں **تھاہو صفھم** (معانی) **انہ حکیم علیم** اس فرمان عالی میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ رب تعالیٰ مجرم کو سزا جلد نہیں دیتا کیونکہ وہ حکمت والا ہے اس تاخیر سزا میں بہت سی حکمتیں ہیں' دوسرے یہ کہ ہر ایک کو بقدر جرم سزا دے گا زیادہ نہیں کیونکہ علیم ہے ہر مجرم کو جانتا ہے اس کے جرم کو بھی **قدخسر الذین قتلوا اولادھم** اس فرمان عالی میں کفار کے دوسرے جرم کا ذکر ہے چونکہ کفار اس فعل کو جرم نہیں سمجھتے تھے اس پر فخر کرتے تھے اور اسے رضاء الٰہی اور اپنی دنیاوی بڑائی کا ذریعہ سمجھتے تھے اور جس مضمون کا کوئی انکاری موجود ہو یا آئندہ پیدا ہونے والا ہو اسے **قد** یا **لقد** یا **ان** سے شروع کیا جاتا ہے اس لئے یہاں **قد** ارشاد ہوا تجارت تین قسم کی ہوتی ہے نفع کی برابر کی اور نقصان کی' پھر نقصان والی تجارت تین طرح کی ہوتی ہے۔ بمقابلہ پہلے کے نفع کم آئے' نفع نہ آئے کچھ اصل رقم سے بھی کم ہو جائے اصل رقم بھی ہاتھ سے جائے بلکہ دیوالیہ ہو جانے کی وجہ سے گھر بار جائیداد بھی قُرق ہو جائے۔ خسارہ اس آخری تجارت کو کہتے ہیں' چونکہ بعض گناہ وہ ہوتے ہیں جن میں اخروی نقصان تو ہوتا ہے مگر دنیاوی نفع بھی ہوتا ہے یا دنیاوی لذات ہوتی ہیں' **فیھما اثم**

کبیر و منافع للناس جیسے سودیا شراب وغیرہ مگر قتل اولاد وہ گناہ ہے۔ جس میں دنیا بھی برباد اور دین بھی کہ اس سے اپنی نسل ختم ہوتی ہے رب ناراض ہوتا ہے اس لئے اسے خسارہ فرمایا اس خسارہ سے دنیا و دین دونوں جہاں کی خرابی مراد ہے کہ اولاد اللہ کی نعمت ہے۔ قوت بازو ہے اپنی قوم کی زیادتی کا باعث ہے۔ اسے ہلاک کرنا اپنے کو اپنی قوم کو نقصان دنیا میں پہنچاتا ہے اور آخرت میں اس کے عذاب کا مستحق ہوتا۔ چونکہ بعض کفار صرف لڑکیوں کو قتل کرتے تھے بعض صرف اپنے لڑکوں کو بعض دونوں کو اس لئے اولاد مطلق فرمایا جو سب کو شامل ہے' بچہ ماں کے پیٹ سے چار چیزیں لاتا ہے جسم' جان' ایمان اور سلیم فطرت جس میں ہر قسم کا اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے جو بچے کا جسم کاٹے یا اسے جان سے مارے وہ مجرم ہے ایسے ہی جو اسے کافر و بے دین بنائے یا اس کی فطرت بگاڑے وہ بھی مجرم ہے صرف جسم پالنا تو جانور بھی کر دیتے ہیں انسان اشرف الخلق ہے اسے چاہئے کہ اپنے بچے کا جسم بھی پالے ایمان و فطرت کی بھی پرورش کرے غرضیکہ **قتلوا اولا دھم** میں بڑی وسعت ہے **سفھا بغیر علم** اس فرمان عالی میں ان کے قتل کی دو وجہ بیان کی گئیں ایک سفاہت یعنی بے عقلی بے شعوری بے حسی ایک بے علمی یعنی رب تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے قہر و غضب سے بے خبری۔ اسلام سے پہلے عرب بے وقوف بھی تھے جاہل بھی اس لئے اس زمانہ کو دور جاہلیت کہا جاتا ہے اس میں اشارۃً" یہ بتایا کہ جانوروں میں نہ علم ہے نہ عقل مگر وہ اپنے بچوں کو ہلاک نہیں کرتے انسان جو علم و عقل دونوں رکھتا ہے وہ یہ حرکت کرتا ہے **وحرموا مارزقھم اللہ** یہ عبارت معطوف ہے **قتلوا** پر تحریم کے معنی ہیں حرام جاننا' حرام کر لینا' حرام کر دینا' یہاں پہلے معنی مراد ہیں کیونکہ بتوں کے نام کی نامزد چیز حرام نہیں ہو جاتی ہاں انہیں وہ حرام سمجھتے تھے اپنی حماقت سے اس لئے آگے ارشاد ہے **افتراء علی اللہ** کہ وہ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں اگر وہ چیزیں واقعی حرام ہو جاتیں تو اس کو **افتراء** نہ کہا جاتا ہے **ما** سے مراد یا تو بحیرہ سائبہ وغیرہ جانور ہیں جنہیں یہ لوگ سب کے لئے حرام جانتے تھے یا ان جانوروں کے بچے جنہیں وہ عورتوں کے لئے حرام سمجھتے تھے رزق فرما کر اشارۃً" بتایا کہ اللہ کی روزی سب کے لئے عام ہے اسے بلاوجہ حرام سمجھ لینا یا اس میں پابندی لگا دینا کہ فلاں پر حرام فلاں پر حلال یہ محض جہالت حماقت اور رب تعالیٰ پر بہتان ہے **افتراء علی اللہ** یہ عبارت **حرموا** کی علت ہے **افترا** کے معنی بارہا عرض کئے جا چکے یعنی یہ چیزیں ہم نے حرام نہیں فرمائیں خود انہوں نے حرام کر کے ہماری طرف غلط نسبت کر دیں کہ خدا نے انہیں حرام کیا **قد ضلوا وما کانوا مھتدین** اس فرمان عالی میں ان کی مذکورہ بد عقیدگیوں کا انجام ارشاد ہوا یا ان کی وجہ۔ یہاں ضلال سے مراد ہے گزشتہ زمانہ میں ان کا گمراہ ہونا اور **ما کانوا مھتدین** سے مراد ہے ان کا آئندہ بھی ہدایت پر نہ آنا یا ضلال سے مراد ہے ان کی عملی گمراہی اور **ما کانوا** الخ سے مراد ہے ان کے عقیدے کی گمراہی فاضلوا سے مراد ہے ان کی موجودہ گمراہی اور **ما کانوا** الخ سے مراد ہے ان کی پیدائشی و جبلی گمراہی لہٰذا یہ دونوں مکرر نہیں ہر کلمہ کا الگ فائدہ ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اس آیت کریمہ میں کفار عرب کے چند عیوب بیان ہوئے ہیں جو صدیوں سے ان میں چلے آرہے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ کفار عرب اپنے بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے اور کہتے کہ جو بچہ ان کے پیٹوں میں ہے وہ زندہ پیدا ہو جائے تو صرف مرد کھا سکتے ہیں۔ عورتوں پر حرام ہے لیکن اگر بچہ پیدا ہو یا مردہ بچہ اس کے پیٹ سے نکالا جائے وہ مردوں عورتوں سب کے لئے حلال ہے۔ ان کی اس غلط بیانی غلط عقیدوں کی سزا عنقریب رب تعالیٰ انہیں دے گا کہ یہ رب پر بہتان باندھتے ہیں اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے کہ انہیں جلد سزا نہیں دیتا' علم والا ہے کہ ہر شخص کے ہر جرم کو جانتا

ہے ہر ایک کو اس کے جرم کے لائق سزا دے گا۔ (3) اور وہ کفار تو دنیاوی دینی ہر طرح کے خسارہ میں رہے جو اپنی اولاد کو لڑکیوں کو یا لڑکوں کو یا دونوں کو محض اپنی بے عقلی و بے علمی سے قتل کرتے ہیں اس حرکت سے خود اپنی نسل کشی بھی کرتے اور آخرت کی سخت سزا کے مستحق بھی ہوتے ہیں۔ اگر اولاد کے قتل کا یہی رواج ان میں رہا تو ان کی نسل کیسے چلے گی یہ حرکت جانور بھی نہیں کرتے وہ بھی اپنے بچوں کو محبت سے پالتے ہیں پھر طرہ یہ کہ اللہ کی دی ہوئی حلال روزی کو محض حماقت سے اپنے پر حرام جانتے ہیں کہ بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو سب کے لئے حرام سمجھتے ہیں اور ان کے پیٹ کے زندہ بچوں کو اپنی عورتوں پر حرام جانتے ہیں یہ لوگ "عقیدۃ" بھی گمراہ ہیں اور عملاً بھی بھٹکے ہوئے یہ اللہ پر بہتان باندھتے ہیں۔ خیال رہے کہ **حرموا ما رزقھم اللہ** کے معنی جہلاء تو یہ کرتے ہیں کہ کفار عرب اللہ کے رزق کو غیر اللہ کے نام پر نامزد کر دینے سے حرام کر لیتے ہیں "لہٰذا بزرگوں کے نام کے جانور وغیرہ حرام ہیں مگر یہ معنی محض باطل ہیں "علماء" دین اس کے معنی کرتے ہیں کہ وہ اللہ کے رزق کو بتوں کے نام نامزد کر کے حرام سمجھنے لگتے ہیں یہ بھی ان کی جہالت ہے۔ صوفیاء اس کے معنی یہ کرتے ہیں کہ وہ لوگ اپنی اولاد کا فر بنا کر اس رزق الٰہی کے فائدوں سے اپنے کو محروم کر لیتے ہیں کہ ان کی یہ اولاد بجائے صدقہ جاریہ بننے کے ان کے لئے وبال بن جاتی ہے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عورت و مرد، عربی عجمی، غریب امیر میں اپنی طرف سے فرق کرنا طریقہ کفار ہے، اسلام میں ان وجوہ سے تفریق بالکل نہیں، اسلام میں فرق ہے مومن و کافر میں، عالم و جاہل میں، نیک کار بدکار میں، جنتی دوزخی میں ہے **لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنۃ** پھر ان لوگوں میں بھی فرق غذا وغیرہ میں نہیں بلکہ مراتب و درجات میں ہے اس لئے جو شخص ان میں اس قسم کی تفریق کرے وہ کفار عرب کے قدم پر چلتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** خدا جب کسی بندے کا دین لیتا ہے تو اس کی عقل بھی چھین لیتا ہے۔ دیکھو کفار عرب جانوروں حتی کہ کتے بلوں کو پالتے تھے مگر اولاد کو اپنے ہاتھوں قتل کرتے تھے۔ **تیسرا فائدہ:** عورت کے حمل میں جب جان پڑ جائے تو اسے گرانا حرام ہے کہ یہ بھی قتل اولاد ہے یہ فائدہ **قتلوا اولادھم** سے حاصل ہوا۔ جان پڑنے سے پہلے ضرورت شرعی کی بنا پر گرا دینا جائز ہے (رد المختار) ضرورت شرعی کی تفصیل وہاں ہی ملاحظہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** ہر چیز بذات خود حلال ہے پھر جسے اللہ رسول حرام فرما دیں تو حرام ہو گی جس سے خاموشی ہے وہ حلال ہے یہ فائدہ **وحرموا ما رزقھم اللہ** سے حاصل ہوا کہ ہر چیز کا مرزوق ہونا حلال ہونے کی دلیل ہے اسے خود اپنی رائے سے حرام نہ کر لو، رب فرماتا ہے **خلق لکم ما فی الارض جمیعا** **پانچواں فائدہ:**
بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں یا کھیتوں یا دانہ پھل وغیرہ کو حرام سمجھنا بے دینی ہے، اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔
وہ حلال ہیں۔ یہ فائدہ **افتراء علی اللہ** سے حاصل ہوا جب بتوں کے نامزد جانور وغیرہ حرام نہ ہوئے تو مقبول بندوں کے نامزد جانور کیسے حرام ہو سکتے ہیں انہیں اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھایا جا سکتا ہے۔ **چھٹا فائدہ:** مذبوحہ جانور کے پیٹ میں اگر زندہ بچہ نمودار ہو تو اس کو ذبح کر کے کھانا جائز ہے اور اگر بچہ پورا نکلے مگر بے جان تو اسے کھانا حرام ہے، یہ فائدہ **وان یکن میتۃ** اور **سیجزیھم وصفھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بحیرہ سائبہ کے جنین (پیٹ کا بچہ) کو حلال جاننے پر سخت عتاب فرمایا (تفسیرات احمدی) یعنی جیسے کفار کی دیگر بد عملیاں رب کے عتاب کا باعث تھیں ایسے ہی پیٹ کا مردہ بچہ حلال جاننا بھی باعث عتاب تھا۔

نوٹ ضروری : مذبوحہ جانور کے پیٹ میں اگر زندہ بچہ نکلے تو اسے بھی ذبح کر لیا جائے وہ بالاتفاق حلال ہے اور اگر کچا بچہ نکلے جس کے سارے اعضاء مکمل نہ ہوئے ہوں تو وہ بالاتفاق حرام ہے لیکن اگر بچہ مکمل بن چکا ہو مگر جان نہ پڑی ہو تو وہ صاحبین کے نزدیک حلال ہے' ماں کا ذبح اس کا ذبح ہے اور امام صاحب کے نزدیک حرام ہے یہ آیت کریمہ بھی امام اعظم کی دلیل ہے اس کی مکمل بحث اس آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ میں دیکھو۔ **ساتواں فائدہ:** جو شخص گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے اور اپنے کو گنہگار جانے وہ گنہگار ہے مگر گمراہ یا کافر نہیں کہ اس کا عمل برا ہے عقیدہ درست ہے مگر جو کوئی گناہ کو ثواب سمجھ کر کرے اور اپنے کو اس پر نیک کار سمجھے بدعقیدگیوں کو خدا رسی کا ذریعہ جانے وہ گمراہ یا کافر ہے ایسے کو ہدایت ملنا مشکل ہے۔ یہ فائدہ ضلوا وما کانوا مھتدین سے حاصل ہوا۔ ہدایت تو اللہ کے خوف سے ملتی ہے انہیں ان کاموں میں بجائے خوف کے نجات کی امید ہے۔

پہلا اعتراض : تم نے کہا کہ عورت و مرد میں تفریق نہ کرو حالانکہ اسلام نے خود فرق کئے ہیں' نبوت' امامت' حکومت' سلطنت صرف مردوں کے لئے ہے میراث میں لڑکیوں کا حصہ لڑکے سے آدھا ہے اور بہت سے فرق ہیں پھر تمہارا یہ قول کیونکر درست ہوا' **جواب:** اسلام سے پہلے مشرکین تو عورتوں کو جانور بلکہ جانوروں سے بدتر سمجھتے تھے انہیں گھر کے سامان کی طرح استعمال کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ عورتوں کو مردوں کے برابر بلکہ ان سے بھی اعلیٰ کہتے تھے اسلام نے ان دونوں افراط و تفریط کو مٹایا ان دونوں میں فرق تو رکھا مگر نفسانی فرق نہیں بلکہ ایمانی فرق کیا ہم نے یہ نہیں کہا کہ عورت و مرد میں کوئی فرق ہی نہیں بلکہ یہ کہا ہے کہ ان میں وہ فرق نہیں جو عقل سے کیا جائے بلکہ وہ فرق ہے جو خدا تعالیٰ کرے۔ بے شک اسلام میں مرد عورت سے افضل ہے مگر مرد پر ذمہ داریاں بہت ہیں کہ اس پر بیوی کا مہر' خرچہ وغیرہ ہے۔ خرچ دینے والا لینے والا سے افضل چاہئے دیکھو بیٹی کو بیٹے سے آدھا ملتا ہے مگر اسے سسرال میں خاوند کی میراث بھی ملتی ہے عورتوں پر اللہ کا بڑا کرم ہے کہ عورت کے نام کی مستقل ایک سورۃ ہے' سورہ نساء۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار بتوں کے نامزد جانوروں کا دودھ' ان کا بچہ کھا لیتے تھے اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تو صرف مرد کھاتے تھے مردہ ہوتا تو مرد و عورتیں سب مگر جب وہ ان جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے تو ان کا دودھ یا بچہ کیسے کھاتے تھے۔ وقف چیز کی آمدنی خود کیوں استعمال کرتے تھے۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ان جانوروں کے دودھ اور بچے بت خانے کے خاص پجاریوں وہاں کے منتظمین کے ہوتے تھے ان کے متعلق یہ دستور تھا کہ یہ آمدنیاں ان پجاریوں کے مرد کھاتے تھے' ان کی عورتیں نہیں کھاتی تھیں۔ یہ تفریق ان حصوں کے متعلق تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کفار کے ہاں وقف وغیرہ کے کوئی قائدے مقرر نہ تھے جس چیز کو جس طرح چاہتے استعمال کرتے تھے۔ جانوروں کو تو وقف کر دیتے تھے مگر ان کے بچے اور دودھ کو استعمال کرتے تھے یہ تو اسلام میں خوبی ہے کہ اس کا ہر قانون بے مثال ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جانور کے جنین یعنی پیٹ کے بچے میں فرق کرنا کہ زندہ بچہ ہو تو مردوں کو حلال اور مردہ بچہ ہو تو سب کو حلال یہ برا تھا۔ دونوں قسم کے بچے حلال ہیں کیونکہ آگے آ رہا ہے وحرموا ما رزقہم اللہ ان لوگوں نے اللہ کی دی ہوئی روزی حرام کر لی معلوم ہوا جنین کا رزق ہے مرا ہو یا زندہ اس میں فرق نہ کرنا چاہئے۔ (امام شافعی' صاحبین) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ پھر تو چاہئے کہ جانور کا کچا بچہ بھی حلال ہو کچے اور پکے کا فرق آپ کیوں کرتے ہیں نیز چاہئے کہ مردہ جانور کے پیٹ کا بچہ بھی حلال ہو یہ فرق آپ کہاں سے کرتے ہیں جواب تحقیقی یہ

ہے کہ **ما رزقهم الله** سے مراد بحیرہ سائبہ جانوروں کو حرام جاننا ہے اس کو **افتراء علی الله** کہا گیا نہ اس جنین کے حرام جاننے کو اس لئے زندہ مردہ میں فرق کرنے کو اس کی بحث یہاں ہی تفسیرات احمدیہ میں مطالعہ فرماؤ۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **ضلوا وما کانوا مهتدين** ان دونوں میں کیا فرق ہے ضلال یعنی گمراہی اور ہدایت نہ ہونا ایک ہی چیز ہے اسے دو عنوانوں سے کیوں بیان کیا؟ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ان دونوں میں کئی طرح فرق ہے کہ ضلال یعنی گمراہی سے مراد ہو گا ان کا گزشتہ زمانہ میں گمراہ ہونا اور ہدایت نہ پانے سے مراد ہے آئندہ گمراہ رہنا یا ضلال سے مراد ہے انکی عملی گمراہی اور ہدایت نہ پانے سے مراد ان کے عقیدے کی گمراہی وغیرہ۔ **پانچواں اعتراض:** کفار عرب اپنے بچوں کو قتل یعنی ذبح نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں گڑھے میں زندہ دبا دیتے تھے پھر **قتلوا** فرمانا کیونکر درست ہوا' قتل تو کہتے ہیں ذبح کرنے کو۔ **جواب:** یہاں قتل سے مراد ذبح نہیں بلکہ بچہ کی جان لینے کے اسباب قائم کر دینا مراد ہے' بچہ کو گلا گھونٹ کر زہر دے کر زندہ دفن کر کے ہلاک کر دینا سب ہی اس میں داخل ہے لہذا آیت واضح ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اگر بچہ کی موت کے اسباب جمع کر دینا قتل ہے اور قتل حرام ہے تو یہ کام حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کئے کہ ایک بار اپنے بیوی بچہ کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دیا' دوسری بار ان کے گلے پر چھری چلا دی ان پر بھی یہی عتاب چاہئے تھا مگر ان کے ان کاموں کی قرآن نے تعریف فرمائی **انه من عبادنا المومنين**۔ **جواب:** اچھے سے اچھا کام اگر اپنے نفس یا ناموری کے لئے ہو تو برا ہے اور بظاہر برے سے برا کام اللہ کی رضا کے لئے ہو تو اچھا ہے کفار عرب یہ کام اپنے نفس یا فخر کے لئے کرتے تھے لہذا ان کے متعلق **قد خسر** ارشاد ہوا' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام محض رضا الٰہی کے لئے اسی کے حکم سے کئے لہذا اچھے ہوئے کام یکساں ہیں مگر ان کی بنا علیحدہ ہیں بلکہ ان کے انجام بھی جدا گانہ ہیں کہ نہ تو حضرت اسمٰعیل کی جان گئی نہ انہیں ہلاک فرمایا گیا بلکہ ان کی برکات آج تک دیکھی جا رہی ہیں مکہ معظمہ کی آبادی خانہ کعبہ کی تعمیر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہاں ولادت باسعادت اس کی برکات ہیں کہ وہ بے آب و دانہ جنگل تھا' شہر بنا' دنیا کا مرجع بنا' حضور کی ولادت گاہ بنا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

تفسیر صوفیانہ: بعض جاہلوں نے دین دنیا میں تفریق کر دی ہے کہ دنیا کی نعمتیں دنیا داروں کے لئے ہیں' آخرت کی چیزیں نماز روزہ وغیرہ مولویوں صوفیوں کے لئے۔ علماء صوفیاء کو روزی کمانے مال جمع کرنے سے کیا کام اور ہم کو نماز روزہ سے کیا تعلق یہ تفریق وہی کفار مکہ والی تفریق ہے اسلام میں دین و دنیا آپس میں متفق ہیں' حضرات خلفاء راشدین دیندار بلکہ دینداروں کے بادشاہ تھے پھر دنیاوی سلطان بھی تھے وہ حضرات مسجد کے نمازی' جہاد کے غازی کعبہ کے حاجی تخت حکومت کے سلطان اور قاضی تھے یہ فرق ہندوؤں نے کیا کہ برہمن عبادت کے لئے ہیں چھتری جنگ کے لئے اور ویش دنیاوی کاروبار کے لئے اور شودر ان تینوں قوموں کی غلامانہ خدمت کرنے کے لئے جو لوگ اپنی اولاد کو صرف دنیا کمانا سکھاتے ہیں دین سے الگ رکھتے ہیں یہ لوگ اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں دینی موت مار دیتے ہیں' یہ بچے جوان ہو کر یہ نہ جانیں گے کہ ہم کس درخت کی شاخ ہیں اور کس شاخ کا پھل۔

بھول جائیں گے کہ ہم کن ڈالیوں کے تھے ثمر ٹوٹ کر آئے کہاں سے اور پکے آ کر کہاں

ان لوگوں نے اپنے کو اور اپنی اولاد کو اس روحانی رزق رحمانی غذا سے محروم کر لیا اسے اپنے پر حرام کر لیا جو رب نے ان کے لئے اتارا تھا کہ اس سے ان کے دل و جان کی پرورش ہو وہ سمجھے اللہ تعالیٰ یوں ہی مل جاتا ہے انہوں نے اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا یہ

گمراہ رہے اور گمراہ رہیں گے' اپنے بچوں کی روحانی پرورش کرو انہیں متقی مسلمان بناؤ تاکہ ان کی اولاد در اولاد مومن بنے اپنی لڑکیوں کو صرف لباس زیور اور سامان کا جہیز نہ دو بلکہ انہیں اخلاق محمدی کا جہیز بھی دو کہ کل کو وہ اچھی ماں بنے ماں فاطمہ ہو تو بیٹا حسین ہوتا ہے۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں
معدن زر معدن فولاد بن سکتی نہیں

غرضیکہ قتل اولاد کے عالمانہ معنی اور ہیں صوفیانہ کچھ اور۔

وَهُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّ غَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّ النَّخْلَ وَ الزَّرْعَ

اور وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کئے باغات بچھے ہوئے اور نہ بچھے ہوئے (کھڑے ہوئے) اور کھجوریں اور کھیت کہ مختلف ہیں

اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ کچھ زمین پر بچھے ہوئے اور کچھ بے بچھے ہوئے اور کھجور اور کھیتی

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ الرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّ غَیْرَ مُتَشَابِهٍؕ كُلُوْا

ان کے پھل اور زیتون اور انار یکساں ہیں اور نہیں یکساں کھاؤ تم انکے پھل

جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی بات میں الگ کھاؤ

مِنْ ثَمَرِهٖۤ اِذَاۤ اَثْمَرَ وَ اٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ وَ لَا تُسْرِفُوْاؕ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ

میں سے جب کہ پھل دے اور ادا کرو حق اس کا اس کے کاٹنے کے دن اور نہ فضول خرچی کرو یقیناً رب

اس کا پھل جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور بے جا نہ خرچو بے شک بے جا

الْمُسْرِفِیْنَ (141)

نہیں پسند کرتا فضول خرچوں کو۔

خرچنے والے اسے پسند نہیں۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی اس غلط تقسیم کا ذکر تھا جو وہ اپنی پیداوار میں کرتے تھے کہ کچھ اللہ کے نام پر کچھ بتوں کے نام پر۔ اب پیداوار کے مبداء کا ذکر ہے کہ سارے باغات کھیتوں کو پیدا فرمانے والے ہم ہیں' ہمارے سوا کسی نے ایک پتہ پھول پھل پیدا نہیں کیا پھر یہ شرکاء پیداوار میں ہمارے شریک کیسے ہو گئے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کو اپنے کھیتوں میں سے مختلف ناجائز حصے نکالنے سے منع فرمایا گیا تھا۔ اب جائز و واجب حقوق فقراء و مساکین کے حصے' پیداوار کی زکوٰۃ نکالنے کا حکم دیا جا رہا ہے گویا ممنوعہ تقسیم سے ممانعت کے بعد واجب یا مستحب تقسیم کا حکم ہے۔ تیسرا تعلق: بت دورے شرک اور مشرکین کی تردید کی جارہی تھی اب توحید اور

اس کے دلائل ارشاد فرمائے جارہے ہیں کہ رب تعالیٰ کی مصنوعات باغات کھیت وغیرہ کی پیداوار میں غور کرو اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔

تفسیر : **وھو الذی انشاء جنت معروشت وغیر معروشت** یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ھو** سے ذات رب العالمین مراد ہے **الذی** سے اس کی صفت خلق وقدرت وربوبیت مراد۔ یعنی وہ اللہ ایسی قدرت والا ایسا خالق ایسی بندوں کی پرورش فرمانے والا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **ھو الذی** کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ قدرت والا۔ وہ ربوبیت والا وہ شان والا ہے مگر یہ فرمان وہاں بھی ہے **ھو الذی ارسل رسولہ** وہاں اس کے معنی ہیں اللہ وہ شانوں والا ہے کیونکہ دنیا کی چیزیں رب تعالیٰ کی ایک ایک شان کے مظہر ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی ساری شانوں ساری صفات کے مظہر بلکہ اس کی ذات کے مظہر ہیں جیسا آیت کا مضمون ویسے ہی **ھو الذی** کے معنی۔ **انشا** بنا ہے **انشاء** سے جس کا مادہ ہے **نشو** بمعنی پیدائش **انشاء** پیدا فرمانا **جنات** جمع جنت کی بمعنی گھنا باغ جس کے نیچے کی زمین نظر نہ آئے مگر تفسیر صاوی نے فرمایا کہ یہاں اس سے مراد مطلقاً سبزے ہیں خواہ باغ ہوں یا کھیت یا کوئی اور گویا جز فرما کر کل یا جزئی فرما کر کل مراد ہے۔ باقی مفسرین نے اس کے معنی باغات ہی کئے۔ **معروشات** بنا ہے عرش سے بمعنی چھت اسی سے ہے عریش بمعنی تنکوں کا چھپر رب فرماتا ہے **ومن الشجر ومما یعرشون** چھت والے تخت کو بھی عرش کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے **لھا عرش عظیم** بلقیس کے پاس بڑا تخت ہے یعنی چھت یا چھتری والا تخت یہاں معروشات سے مراد وہ درخت ہیں جنہیں باریک تیلیوں کی ٹٹی پر چڑھایا جائے۔ جیسے انگور کی بیل جو ٹٹیوں پر پھیلائی جاتی ہے یعنی بغیر سہارے زمین پر کھڑی نہ ہو سکے۔ غیر معروشات سے مراد یا تو زمین پر پھیل ہوئی بیل بوٹیاں ہیں جیسے تربوز خربوزے کی بیل یا اس سے مراد تنے والے درخت ہیں جو اپنے تنے پر کھڑے ہوتے ہیں جیسے کھجور انار یا آم وغیرہ۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ ان دونوں سے مراد انگور کے درخت ہیں کہ بعض تو ٹٹی پر پھیلائے جاتے ہیں اور بعض یوں ہی زمین پر پھیلے رہتے ہیں لہذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ (معانی احمدی وغیرہ) خیال رہے کہ باغات کھیت وغیرہ مدینہ منورہ میں ہیں مکہ معظمہ میں نہ کھیت نہ باغ **والنخل والزرع مختلفا اکلہ** یہ عبارت جنات پر معطوف ہے اور انشاء کا مفعول بہ **نخل** کہتے ہیں کھجور کے درخت کو یہاں اس سے مراد جنس نخل ہے۔ جس میں ایک درخت اور کھجور کے باغات سب ہی داخل ہیں چونکہ کھجور میں بعض ایسی خصوصیات ہیں جو دوسرے درختوں میں نہیں اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی باقی بچی ہوئی مٹی یعنی گھر چن سے یہ بنایا گیا۔ تمام سبزوں سے زیادہ تسبیح یہ ہی درخت کرتا ہے اس کی خدمت زیادہ نہیں کرنی پڑتی بغیر کھاد پانی کے سرسبز رہتا ہے بہت عرصہ تک رہتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس کے لگائے ہوئے بعض درخت اب تک موجود ہیں فقیر نے زیارت کی ہے خزاں میں اس کے پتے نہیں جھڑتے اس کے پھل بہت وقت نکال جاتے ہیں اس کے پھل یعنی کھجوریں غذا کا کام بھی دیتی ہیں اور فروٹ کا بھی۔ اہل عرب مہینوں اس پر گزارہ کر لیتے ہیں اس کے ہر چیز پتے تنا جڑ سب ہی بہت کام آتے ہیں درختوں میں کھجور جانوروں میں اونٹ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے خاص مظہر ہیں اس لئے اونٹ کے متعلق ارشاد ہوا۔ **الی الابل کیف خلقت** کھجور کی گٹھلی جانوروں کو کھلائیں تو بہت مکھن ہوتا ہے خود کھجور قوت باہ کے لئے مفید ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ہر قسم کے باغ ہیں یعنی نخل بمعنی شجر ہے اور پھل والے باغات جن پر ہر قسم کے پھل فروٹ ہوتے ہیں۔ جنات کے بعد نخل کا ذکر گویا عام کے بعد خاص کا

ذکر ہے زرع ہر کھیت کو کہتے ہیں جن سے مختلف قسم کے دانے حاصل ہوتے ہیں۔ خیال رہے کہ بھوک دفع کرنے کے لئے دانے کھائے جاتے ہیں' لذت حاصل کرنے کے لئے پھل فروٹ اسی لئے جنت میں باغات ہوں گے' کھیت نہ ہوں گے **مختلفا**" دونوں کا حال ہے نخل کا بھی اور زرع کا بھی۔ اختلاف سے مراد کیفیت رنگت خوشبو مزے وغیرہ میں مختلف ہوتا ہے۔ اکل جمع ہے اکلۃ کی معنی پھل ہ کا مرجع یا صرف زرع ہے کہ وہ ہی قریب ہے یا نخل اور زرع دونوں بطریق بدلیت یعنی کھیتوں باغوں کے دانے و پھل لذت رنگت' شکل خوشبو وغیرہ میں مختلف ہیں کوئی میٹھا ہے کوئی کھٹا کوئی بکسا کوئی کھٹ مٹھا کوئی کھرا ہے کوئی ردی **والزیتون والرمان متشابھا وغیر متشابہ** یہ عبارت معطوف ہے نخل والزرع پر اور **انشاء** کا مفعول ہے۔ زیتون درخت کو بھی کہتے ہیں اور اس کے پھل کو بھی' زیتون کے تیل کو زیت کہا جاتا ہے یہاں درخت مراد ہے یوں ہی رمان انار کے درخت کو بھی کہتے ہیں اس کے پھل کو بھی یہاں درخت انار مراد ہے۔ بعض درختوں میں درخت کا نام اور ہوتا ہے پھل کا کچھ اور جیسے بیری کو سردہ کہتے ہیں مگر بیر کو نبق۔ **متشابھا** اپنے معطوف سے مل کو ان دونوں کا حال ہے زیتون اور انار کے درخت بالکل ہم شکل ہوتے ہیں۔ قد پتے بالکل یکساں مگر پھلوں میں زمین آسمان کا فرق اسی کا یہاں ذکر ہے کہ اللہ کی قدرت دیکھو کہ یہ دونوں درخت یکساں ہیں مگر ان کے پھل رنگ شکل خوشبو اور مزے میں بہت ہی مختلف کہ ان میں کوئی نسبت ہی نہیں۔ **کلوا من ثمرہ اذا اثمر** یہ جملہ نیا ہے' اس میں **کلوا** صیغہ امر ہے یہاں مباح فرمانے کے لئے استعمال ہوا یعنی اے مالکو یا مالک سے اجازت یافتہ لوگو تم کھا سکتے ہو۔ لہٰذا اس میں خطاب مالکوں سے ہے یا ان کے اجازت یافتہ لوگوں سے **کلوا** فرما کر اشارۃً یہ بتایا کہ تم یہ پھل نمودار ہوتے ہی کھا تو سکتے ہو مگر انہیں فروخت نہیں کر سکتے جب تک کہ قابل نفع نہ ہو جائیں اور تم ان کی زکوٰۃ ادا نہ کرو صرف کھانے کی اجازت ہے **من ثمرہ** میں ہ ضمیر ان تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے۔ انگور' کھجور' کھیتیاں' زیتون' انار وغیرہ اس لئے ثمر فرمایا گیا جو ہر پھل اور دانہ پر بولا جاتا ہے غرضیکہ ایک **کلوا** سے تین مسئلے بتائے گئے۔ ایک یہ کہ کھیت و باغ میں دانہ اور پھل لگتے ہیں تم کھا سکتے ہو اور ہر طرح کھا سکتے ہو' کچی گندم' کچے جو کے ستو بنا کر انہیں بھون کر چبا کر کچے آم کا اچار ڈال کر چٹنی کر کے وغیرہ۔ زکوٰۃ دینے کا انتظار ضروری نہیں۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے سے پہلے صرف کھا اور کھلا سکتے ہو انہیں فروخت نہیں کر سکتے۔ تیسرے یہ کہ ہر پھل ہر دانہ تمہارے لئے حلال ہے اس میں جانوروں کی سی قید نہیں کہ فلاں جانور حلال فلاں حرام پھر حلال جانور میں قیدیں کہ اسے ذبح کرو پھر کھاؤ دانہ اور پھلوں میں یہ قیدیں نہیں ہاں ان میں صرف دو قیدیں نشہ نہ دے اور نقصان نہ دے اور مضر چیزیں ممنوع ہیں **واتوا حقہ یوم حصادہ** یہ عبارت معطوف ہے **کلوا من ثمرہ** پر اس عبارت کی بہت تفسیریں ہیں۔ جن میں سے قوی اور ظاہر تر تفسیر یہ ہے کہ **اتوا** امر میں خطاب ان باغات و کھیت کے مالکوں سے ہے اور یہ امر وجوب کے لئے ہے یعنی ضرور ادا کرو حق سے مراد پیداوار کی زکوٰۃ ہے دسواں حصہ یا بیسواں حصہ حقہ میں ہ کا مرجع ثمر ہے یوم سے مراد وقت ہے دن ہو یا رات حصاد کے معنی ہیں کاٹنا یا توڑنا کھیت کاٹا جاتا ہے باغ کے پھل توڑے جاتے ہیں۔ حصادہ میں ہ ضمیر یا تو ثمر کی طرف ہے یا گزشتہ تمام چیزوں کی طرف' باغات و کھیت۔ یہ تفسیر حضرت عبداللہ ابن عباس۔ خواجہ حسن بصری۔ سعید ابن مسیب' قتادہ۔ طاؤس وغیرھم فقہاء کی ہے (روح المعانی) یعنی ان دونوں پھلوں کے توڑنے کے دن جو پیداوار حاصل ہو اس کی زکوٰۃ دسواں یا بیسواں حصہ ادا کرو یوم حصاد فرما کر چند باتیں بتا دی گئیں ایک یہ کہ تم نے پکنے کٹنے سے پہلے جو کچھ پھل کھائے وہ معاف ہیں جو پھل توڑنے کے دن نکلے ان کی زکوٰۃ ہے دوسرے یہ کہ دوسری

زکوتوں کی طرح اس زکوۃ میں سال گزرنا ضروری نہیں بلکہ کاٹتے ہی زکوۃ واجب ہوگی۔ تیسری یہ کہ کاٹتے ہی جو پیداوار حاصل ہو اس کی پوری کی زکوۃ ہے مزدوروں کی مزدوری اور دیگر اخراجات اس میں وضع نہیں کئے جائیں گے۔ اس تفسیر کی بناپر یہ آیت محکم ہے' منسوخ نہیں اور یہ حضرت امام اعظم قدس سرہ کی قوی دلیل ہے کہ ہر پیداوار کی زکوۃ واجب ہے کم ہو یا زیادہ اس کا پھل سال بھر تک رہے یا نہ رہے۔ اس کے علاوہ اس کی اور جو تفسیریں کی گئیں ہیں ان کی بناپر یہ آیت منسوخ ہے جیساکہ ہم ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں عرض کریں گے **ولا تسرفوا** اس عبارت کی بھی بہت تفسیریں ہیں۔ جن میں سے ہم صرف دو تفسیریں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ زکوۃ دو مال برباد نہ کرو کہ ساری پیداوار لٹاؤ بال بچوں کے لئے کچھ نہ رکھو جیساکہ شان نزول میں عرض کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ تم بکنے سے پہلے ان کے پھل کھا تو سکتے ہو مگر زکوۃ سے بچنے کے لئے بیجا فضول خرچ نہیں کرسکتے صرف بقدر ضرورت کچھ لینے کی اجازت ہے اصراف مں سے جائز بقدر ضرورت خرچ ہے اور اسراف س سے حد سے زیادہ خرچ اگرچہ جائز کاموں میں ہو۔ تبذیر حرام کاموں میں خرچ اسی لئے تبذیر والوں کے متعلق ارشاد ہے کہ مبذرین شیاطین کے بھائی ہیں اسراف والوں کے لئے ارشاد ہے **انه لا یحب المسرفین** یہ عبارت **لا تسرفوا** کی علت ہے۔ یعنی فضول خرچی اس لئے نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ فضول خرچیوں کو پسند نہیں فرماتا بلکہ انہیں ناپسند کرتا ہے۔ پسند نہ کرنے اور ناپسند کرنے میں بڑا فرق ہے بعض فضول خرچوں کو اللہ پسند نہیں کرتا اور بعض کو ناپسند کرتا ہے ان سے ناراض ہے سرف کے لغوی معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لئے گناہوں کو بھی اسراف کہا گیا ہے **واسرافنا فی امرنا** اس کلمہ کی پانچ تفسیریں اور بھی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : دنیا میں فرمانبردار تین قسم کے ہیں لالچ سے اطاعت کرنے والے۔ ڈر سے کرنے والے۔ اس لئے قرآنی آیات مختلف ہیں بعض میں دنیاوی نعمتوں کا ذکر ہے' بعض میں اخروی نعمتوں کا تذکرہ ہے بعض میں اللہ کے عذابوں کا ذکر ہے۔ لالچ والوں کے لئے وہ آیات' ڈر والوں کے لئے یہ آخری آیات اور بعض میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا تذکرہ ہے یہ محبت والوں کے لئے ہیں۔ یہ اور اگلی آیتیں پہلی قسم کی ہیں جن میں لالچ والوں کے لئے نصیحت ہے' اس آیت کریمہ کے آخری حصہ کی بہت تفسیریں ہیں ان میں سے ہم ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے جس کی بناپر یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں۔ اے لوگو اللہ تعالیٰ ایسی قدرت والا ہے جس نے ایسے باغ بھی پیدا کئے جو ٹٹیوں بانسوں چھتوں پر پھیلتے ہیں' جیسے انگور اور ایسے سبزے بھی پیدا کئے جو زمین پر ہی پھیلتے ہیں ان کے لئے کسی بانس یا چھت وغیرہ کی ضرورت نہیں پڑتی' جیسے کدو' خربوزہ' تربوز' ککڑی وغیرہ کی بیلیں' اور کھجوروں کے درخت پیدا کئے جو اپنے تنا پر کھڑے رہتے ہیں ایک بار بو دیئے جاویں تو سالہا سال پھل دیتے ہیں' کھیتیاں پیدا فرمائیں کہ جو اگرچہ زمین پر کھڑی تو رہتی ہیں مگر ہر سال بوئی کاٹی جاتی ہیں غرضیکہ دو قسم کے باغ بنائے ہیں اور دو قسم کے کھیت یہ چار قسم کی پیداوار پیدا فرمائیں۔ ان باغوں کھیتوں کے پھل دانہ رنگت' جسامت نفع مزے میں مختلف ہیں۔ زیتون انار پیدا فرمائے جن کے درخت و پتے یکساں ہیں مگر پھل بالکل مختلف تم کو اجازت ہے کہ اس کا پھل پیدا ہوتے ہی کھا سکتے ہو کچا ہو یا پکا اور تم کو تاکیدی حکم ہے کہ ان پھلوں کے ٹوٹنے اور دانوں کے گاہنے کے دن ان کی زکوۃ ادا کرو سال بھر رکھنے کا انتظار نہ کرو نہ اور کسی قسم کا خرچہ اس سے وضع کرو پھر صرف زکوۃ ہی ادا کرو سارا خیرات کرکے اپنے کو اور اپنے بال بچوں کو بھوکا نہ مارو کہ اسراف اور زیادتی ہے اللہ تعالیٰ کو زیادتی کرنے والے لوگ پسند نہیں' ہر کام میں میانہ روی اختیار کرو۔ خیال رہے کہ باغات اور کھیتوں میں چند طرح سے رب کی شان کا ظہور ہے۔ (۱) سارے باغ و کھیت صرف زمین میں لگتے ہیں'

آگ، پانی، ہوا میں نہیں لگتے کیونکہ زمین میں عجز و انکسار ہے ایسے ہی معرفت الٰہی کے باغ صرف انسانی دل میں لگتے ہیں جنات یا فرشتوں یا دوسری مخلوق کے دلوں میں نہیں لگتے۔ (2) زمین میں باغ و کھیت کسی کی کاشت سے لگتے ہیں گھاس کانٹے خود رو ہیں ایسے ہی انسان کے دل میں معرفت کے باغ کسی کی نظر سے لگتے ہیں گناہ و غفلت وغیرہ خود بخود۔ (3) کوئی زمین باغ و کھیت لگنے کے لئے پانی دھوپ سے بے نیاز نہیں یوں ہی کوئی شخص ایمان و عرفان و تقویٰ کے لئے نگاہ ولی سے بے نیاز نہیں۔ (4) اکثر اونچے درختوں پر چھوٹے پھل لگتے ہیں اور کمزور معمولی بیل میں وزنی اور بڑے پھل لگتے ہیں، دیکھو آم اور کدو، تربوز وغیرہ کا حال۔ یونہی مسکینوں غریبوں پر رحمت الٰہی زیادہ ہوتی ہے بڑوں اور امیروں پر کم۔ (5) کمزور بیل بوٹوں کے بھاری وزنی پھل خود یہ نہیں اٹھاتے بلکہ ان کا بوجھ زمین اٹھاتی ہے ان کا تعلق بیل بوٹوں کے ساتھ ایک معمولی سے دھاگہ سے ہوتا ہے یوں ہی جب رب کسی مسکین کو بڑا درجہ دیتا ہے تو اس کا بوجھ اس شخص پر نہیں ڈالتا۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں غور کرنا عبادت ہے درخت کا ہر پتہ کھیت کا ہر تنکا معرفت الٰہی کا دفتر ہے۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے است معرفت کردگار

دوسرا فائدہ: درختوں کے کچے پکے پھل کھیت کے کچے پکے دانے ہر وقت کھانا جائز ہے مزے دار ہوں یا نہ ہوں یا بد مزہ ہوں ان میں سے کوئی حرام نہیں یہ فائدہ **کلوا من ثمرہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** چیزوں میں **اصلی حالت** مباح ہونا ہے یعنی جس چیز سے شریعت منع نہ کرے وہ حلال ہے حرام کے لئے ممانعت ضروری ہے، حلال کے لئے امر ضروری نہیں۔ یہ فائدہ بھی **کلوا من ثمرہ** سے حاصل ہوا (تفسیر کبیر)۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی امر صرف مباح کرنے کے لئے بھی آتا ہے ہر امر وجوب کے لئے نہیں دیکھو یہاں کی پیداوار میں سے ہم زکوٰۃ نکالنے سے پہلے بھی کچھ کھا سکتے ہیں۔ کچے گدر یا پختہ پھل۔ یہ فائدہ بھی **کلوا من ثمرہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہر پیداوار پر زکوٰۃ یعنی دسواں یا بیسواں حصہ دینا واجب ہے، پیداوار تھوڑی ہو یا زیادہ اس کا پھل سال بھر تک رہے یا نہ رہے لہٰذا سبزیوں پر بھی زکوٰۃ ہے یہی امام اعظم کا قول ہے یہ فائدہ **و اتوا حقہ** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ : لکڑی، گھاس، بانس کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں۔ (تفسیر احمدی) **مسئلہ** : اپنے گھر میں جو چیز بو دی جاوے اس کی پیداوار میں زکوٰۃ نہیں (تفسیر احمدی) **مسئلہ**۔ اگر رہنے کے گھر کو باغ بنا دیا تو اس کی پیداوار میں زکوٰۃ ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے گھروں کی پیداوار میں زکوٰۃ کی معافی دی نہ کہ باغ کی پیداوار میں۔ (تفسیر احمدی) **ساتواں فائدہ:** پیداوار کی زکوٰۃ کھیت کاٹنے، پھل توڑنے پر واجب ہو جاتی ہے اپنے پاس ایک سال تک رہنا ضروری نہیں یہ فائدہ **یوم حصادہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ساری پیداوار کی زکوٰۃ واجب ہے۔ خرچہ وضع نہیں کیا جائے گا۔ یہ فائدہ بھی **یوم حصادہ** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** پوری پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہے، بغیر زکوٰۃ دیئے اس میں سے کچھ لینا، کسی کو دینا حرام ہے۔ پہلے زکوٰۃ نکال دو پھر تقسیم کرو یا کسی کو دو یا اپنے گھر رکھو۔ یہ فائدہ بھی **یوم حصادہ** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اپنے بچوں بیوی کو بھوکا رکھنا اور ساری پیداوار خیرات کر دینا جائز نہیں کہ یہ اسراف ہے اور اسراف ممنوع ہے یہ فائدہ **ولا تسرفوا** کی مذکورہ

تفسیر سے اور اس کے شان نزول سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری : سونے چاندی تجارتی مال کی زکوۃ میں اور پیداوار کی زکوۃ میں چند طرح فرق ہے۔ (1) ان زکوتوں میں نصاب شرط ہے۔ نصاب سے کم پر زکوۃ نہیں مگر پیداوار کی زکوۃ میں نصاب نہیں ہر تھوڑے بہت پر زکوۃ ہے۔ (2) زکوتوں میں سال گزرنا شرط ہے پیدوار کی زکوۃ میں یہ شرط نہیں پھل ٹوٹتے ہی کھیتی کٹتے ہی یہ زکوۃ فرض ہے۔ (3) وہ زکوتیں صرف عاقل بالغ پر فرض ہیں مگر پیداوار کی زکوۃ نابالغ بچے دیوانہ پاگل پر بھی فرض ہے۔ (4) ان زکوتوں میں قرض کاٹ دیا جاتا ہے پیداوار کی زکوۃ میں قرض نہیں کاٹا جاتا مقروض پر بھی دینا فرض ہے۔ (5) ان کی زکوتوں میں حاجت اصلیہ کو علیحدہ کردیا جاتا ہے جو حاجت اصلیہ سے بچے اس پر زکوۃ فرض ہے۔ (6) وہ زکاتیں سال میں صرف ایک بار واجب ہوتی ہیں مگر پیداوار کی زکات میں یہ رعایت بھی نہیں اگر سال میں چار فصلیں لی جاویں تو ہر فصل کی زکوۃ دینا پڑے گی یہ تمام فرق ایک لفظ یوم حصادہ سے معلوم ہوئے۔ (7) ان زکاتوں کی مقدار چالیسواں حصہ ہے مگر پیداوار کی زکوۃ دسواں حصہ یا بیسواں یعنی ان زکوتوں سے چوگنا یا دوگنا وجہ ظاہر ہے کہ وہ زکاتیں محض عبادت ہیں مگر پیداوار کی زکات عبادت بھی ہے اور ایک طرف کا ٹیکس بھی۔ ٹیکس میں وہ رعائتیں نہیں ہوتیں جو محض عبادت میں ہوتی ہیں۔

پہلا اعتراض : جنات یعنی باغات میں کھجور زیتون انار کے باغات بھی داخل تھے پھر ان کا ذکر علیحدہ کیوں کیا گیا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ جنات سے یا تو صرف انگوروں کے باغ مراد ہیں۔ جو دو قسم کے ہوتے ہیں بعض چھتے ہوئے یعنی ٹھٹیوں کے چھتوں پر پھیلائے ہوئے اور بعض انگور زمین پر ہی پھیلے ہوتے ہیں ان دونوں کے لئے معروشات اور غیر معروشات ارشاد ہوا اس صورت میں کھجور انار وغیرہ کا ذکر علیحدہ کرنا بالکل مناسب ہے یا جنات سے مراد سارے سبزے ہیں تب ان کا ذکر علیحدہ کرنا ان کا اہتمام اور عظمت شان دکھانے کے لئے ہے کہ ان میں فوائد اور قدرت کے کرشمے بہت ہیں حتی کہ زیتون کو شجرۂ مبارکہ فرمایا گیا ہے۔ دوسرا اعتراض: باغ اور کھیت تو کھانے ہی کے لئے ہوتے ہیں۔ پھر **کلوا من ثمرہ الخ** فرمانے سے کیا فائدہ؟ جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ پھلوں اور دانوں کی فروخت جائز نہیں۔ جب تک کہ وہ نفع کے قابل نہ ہو جائیں شاید کوئی سمجھتا کہ اس سے پہلے ان کا کھانا بھی جائز نہیں۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے فرمایا کہ کھانے میں یہ قید نہیں ہر وقت کھا سکتے ہو حتی کہ چنے کا ساگ آم کی بہت ہی چھوٹی کچی کیری بھی کھالی جاتی ہے دوسرے یہ کہ شاید کوئی سمجھتا کہ ان کی زکوۃ دینے سے پہلے انہیں کھانا جائز نہیں ' ارشاد ہوا کہ کھانے پر یہ پابندی نہیں ہے' زکوۃ واجب ہوگی کٹنے کے دن اس سے پہلے تم کچھ کھا سکتے ہو۔ تیسرا اعتراض: **اتوا حقہ** میں حق سے مراد زکوۃ نہیں کیونکہ یہ آیت مکی ہے پوری سورۂ انعام ہی مکیہ ہے اور زکوۃ بعد ہجرت سنہ 2 ہجری میں فرض ہوئی بلکہ اس سے مراد وہ صدقہ ہے جو باغ والے کھیت والے عموماً پھل توڑتے کھیت کاٹتے وقت فقیروں غریبوں کو بانٹتے رہتے ہیں پہلے یہ صدقہ فرض تھا پھر زکوۃ فرض ہونے سے منسوخ ہو گیا۔

نوٹ : یہ اعتراض حضرت امام شافعی اور صاحبین کا ہے جن کے نزدیک ہر پیداوار میں زکوۃ نہیں بلکہ اس میں ہے جس کا پھل ایک سال تک ٹھہر سکے انار زیتون وغیرہ صرف موسمی پھل ہیں۔ جواب: اگرچہ سورۂ انعام مکیہ ہے مگر یہ آیت مدنیہ

ہے اس کی چند دلیلیں ہیں ایک یہ کہ جو صدقہ تم نے مراد لیا ہے وہ اسلام میں کبھی فرض نہ تھا یعنی اتفاقا" آجانے والے فقرا کو کچھ دے دینا پھر اس کے لئے صیغہ امر فرمانا اور اسے حقہ کہنا درست کیسے ہوا دوسرے یہ کہ اہل مکہ کی زمین کاشت کے قابل نہ تھی ان پر پیداوار کی زکوۃ واجب کرنے کے کیا معنی۔ تیسرے یہ کہ ابھی ہم شان نزول میں عرض کر چکے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ثابت ابن قیس ابن شماس کے متعلق نازل ہوئی۔ جنہوں نے اپنی ساری پیداوار ایک دن میں خیرات کر دی اور ظاہر ہے کہ حضرت ثابت ابن قیس مدینہ منورہ کے انصاری ہیں لہذا یہ آیت مدنی ہے۔ چوتھے یہ کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس' انس ابن مالک' طاؤس' خواجہ حسن بصری' محمد ابن حنیفہ' سعید ابن زید' جابر ابن زید وغیرہم جلیل القدر صحابہ کا یہی قول ہے کہ یہاں اس سے زکوۃ مراد ہے حتی کہ تفسیر جلالین والے شافعی ہیں مگر انہوں نے بھی حق کی تفسیر زکوۃ سے کی بلکہ روح المعانی نے فرمایا کہ امام رازی فرماتے ہیں کہ زکوۃ مکہ معظمہ میں فرض ہو چکی تھی مگر اس پر عمل مدینہ منورہ میں ہوا جیسے نماز جمعہ مکہ معظمہ میں فرض ہوئی مگر پڑھی گئی بعد ہجرت کیونکہ اس سے پہلے شرائط جمعہ موجود نہ تھے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر یہاں پیداوار کی زکوۃ مراد ہے تو **یوم حصادہ** کیوں فرمایا زکوۃ حصاد یعنی کاٹنے کے دن واجب نہیں ہوتی بلکہ بھوسہ علیحدہ کرنے کے بعد دانہ نکال لینے پر واجب ہوتی ہے۔ **جواب:** حصاد کھیت کاٹنے پھل توڑنے کو بھی کہتے ہیں۔ **فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ** اور گاہنے یعنی دانے نکالنے کو بھی بلکہ جو کھیتی قابل کاٹنے کے ہو اسے بھی حصید کہتے ہیں۔ **فجعلنا ھم حصیدا خامدین** یہاں یوم حصادہ فرمانے سے یہ بتایا گیا کہ کھیت کاٹنے باغ کے پھل توڑنے کے دن زکوۃ دو اس میں سے۔ خرچہ وغیرہ وضع نہ کرو کیونکہ خرچہ خود شریعت نے وضع کر دیا ہے کہ خرچہ والے کھیت کی زکوۃ بیسواں حصہ رکھی ہے اور ہو سکتا ہے کہ **یوم حصادہ** کا تعلق حقہ سے ہو نہ کہ **اتوا** سے۔ **پانچواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ پانچ وسق سے کم میں زکوۃ نہیں پھر تم نے کیسے کہا کہ ہر کم و بیش پیداوار پر زکوۃ فرض ہے (صاحبین)۔

نوٹ ضروری: ایک صاع ساڑھے چار سیر کا ہوتا ہے اور ایک وسق ساٹھ صاع کا اس حساب سے پانچ وسق تینتیس 33 سیر ہوئے۔ صاحبین کے ہاں اس سے کم میں زکوۃ نہیں انہیں کی یہ دلیل ہے **لیس فیما دون خمسۃ اوسق صدقۃ۔**
جواب: اس حدیث میں زکوۃ سے مراد دانہ پھلوں کی تجارتی زکوۃ ہے نہ کہ پیداوار کی زکوۃ یعنی جو غلے کا تاجر اس سے کم غلہ رکھے اس پر زکوۃ تجارت نہیں کیونکہ اس زمانہ میں ایک وسق اناج چالیس درہم کا ہوتا تھا تو پانچ وسق دو سو درہم کے ہوئے دو سو درہم تجارتی مال کا نصاب ہے۔ امام صاحب کی دلیل وہ حدیث ہے **فیما سقت السماء العشور و فیما سقی بالسانیۃ نصف العشور (طحاوی)** لفظ ما عام ہے۔ **چھٹا اعتراض:** جب ہر پیداوار میں زکوۃ ہے تو بانس' گھاس' اور لکڑی پر کیوں واجب نہیں نیز گھر میں جو چیز اگے اس میں زکوۃ کیوں واجب نہیں کیا حضرت عمر نے حکم قرآن کے خلاف قانون بنا دیا اور کیا قرآن کے مقابل حضرت عمر کا قول واجب العمل ہو گا۔ **جواب:** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قانون اس حکم قرآنی کی تفسیر یا تشریح ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں ان چیزوں کی طرف اشارہ موجود ہے۔ چنانچہ **اثمر۔ ثمرہ۔ حصادہ۔** ان سب میں اسی طرف اشارہ ہے۔ لکڑی' گھاس' بانس پھل والے درخت نہیں اس لئے ان پر زکوۃ نہیں۔ پھل والے درختوں کھیتوں کی زکوۃ ہے نیز اس آیت کے شروع میں فرمایا گیا **انشا جنات الخ** اور ظاہر ہے کہ گھر کے صحن وغیرہ میں اگر کچھ سبزہ اگا لیا جاوے تو وہ جنت یعنی باغ نہیں ہوتا ان اشارات سے معلوم ہوا کہ باغ و کھیت کی پیداوار میں زکوۃ ہے گھر کے صحن کیاریوں کی

پیداوار میں زکوٰۃ نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** شریعت میں تجارتی زکوٰۃ میں اتنی رعائتیں کیوں دی ہیں پیداوار کی زکوٰۃ میں یہ رعائتیں کیوں نہیں دیں۔ خیال تو کرو کہ تجارتی زکوٰۃ نصاب پر چالیسواں حصہ وہ بھی ایک سال کے بعد اس میں بھی قرض وضع کیا جاتا ہے۔ بچہ پر فرض نہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ میں یہ کوئی رعایت نہیں باغبانوں اور کسانوں نے کیا قصور کیا۔ **جواب:** پیداوار کی زکوٰۃ عبادت بھی ہے اور ایک لحاظ سے ٹیکس بھی جس پر ملکی نظام قائم ہے اور ٹیکس میں مذکورہ رعائتیں نہیں دی جاتیں عشر میں یہ رعایت ہے کہ اگر پیداوار نہ ہو تو واجب نہیں مگر خراج میں یہ بھی رعایت نہیں وہ بہرحال واجب ہے اگر پیداوار نہ ہو موجودہ حکومتوں نے بھی آمدنی ٹیکس اور پیداوار کے ٹیکس میں یہ فرق کیا ہوا ہے آمدنی ٹیکس یا انکم ٹیکس سال میں ایک دفعہ واجب ہوتا ہے مگر پیداوار کا لگان ہر فصل پر۔ آمدنی ٹیکس میں بچوں کی فیس وغیرہ وضع کر دی جاتی ہے مگر پیداوار کی ٹیکس میں کوئی رعایت نہیں۔ زمین پر حکومتوں اور ملک کا دارومدار ہوتا ہے تجارتی زکوٰۃ محض اور خالص عبادت ہے لہٰذا وہاں رعایات دی گئیں۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت میں کل مال خیرات کرنے کو اسراف کیوں فرمایا اسراف تو بری یا بیکار چیزوں میں ہوتا ہے عربی مقولہ ہے **لا سرف فی الخیر وان کان مثل احد۔** نیک کام میں خرچ کرنا اسراف نہیں اگرچہ پہاڑ بھی خیرات کرے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال خیرات کر دیا کیا وہ اسراف تھا اور وہ خدا کو پیارے نہ تھے؟ **جواب:** سارا مال خیرات کر کے بچوں کے حقوق ضائع کر دینا انہیں بھیک منگانا شرعاً ممنوع ہے ہمارے مال میں بہت حقوق ہیں سارے ادا کرو۔ ایک نفلی خیرات کر کے فرائض چھوڑ دینا یقیناً "اسراف یعنی فضول خرچی" ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کے صابر شاکر سید المتوکلین بچوں پر اپنے کو اور اپنے بچوں کو قیاس نہ کرو۔ نہ ان جیسا صبر و رضا توکل کسی میں ہوگا نہ اس کے لئے یہ جائز ہوگا۔

موسیا آداب دانا دیگر اند سوختہ جان و رواناں دیگر اندر!

خیال رہے کہ **لا تسرفوا** کی اور کئی تفسیریں ہیں اے مالکو خیرات ضرور کرو اسراف یعنی سب اپنے پر خرچ نہ کر لو اے حاکمو زیادتی نہ کرو حق سے زیادہ زکوٰۃ نہ لو۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ وہ رحمت و کرم والا ہے۔ جس نے طریقت کے باغ پیدا کئے اور شریعت کے کھیت طریقت کے بعض باغ وہ ہیں جو اولیاء اللہ کی ذاتوں پر قائم ہیں معروشات ہیں بعض وہ ہیں جو تمہارے دل کی زمین پر پھیلے ہیں یہ غیر معروشات ہیں چنانچہ ارکان نماز تلاوت قرآن اپنی طاقت اپنے بل بوتے پر ادا کرو تم اس کے مکلف ہو مگر ان میں سوز و گداز درد دل وغیرہ یہ وہ نعمتیں ہیں جو خاص عطیہ پروردگار ہیں۔ ارکان نماز گویا غیر معروشہ درخت ہیں اور یہ سوز و گداز گویا معروشہ باغ ہیں جو کسی کی نظر کی ٹیک پر قائم ہیں یوں ہی اس نے ذکر کے نخل، فکر کے زیتون، شغل کے انار پیدا فرمائے۔ اس رب نے شرعی فرائض واجبات سنن کے کھیت بنائے جو تمہاری روحانی غذاء ہیں جن سے تمہاری دینی زندگی قائم ہے یہ چیزیں بعض حیثیت سے یکساں ہیں بعض حیثیت سے مختلف نماز تہجد، شکل صورت ادا، فرائض ارکان شرائط میں دوسری نمازوں کی طرح ہے مگر لذت رحمت، سوز و گداز میں غیر متشابہ ہے کہ نماز پنجگانہ میں اطاعت غالب ہے۔ تہجد میں عشق کا ظہور ہے نماز پنجگانہ مسلمانوں کے لئے آئی ہیں **اقیموا الصلوٰۃ** نماز تہجد محبوب کے لئے **نافلۃ لک** یہی حال زکوٰۃ، صدقہ فطر، قربانی کا ہے کہ شکل میں سب یکساں مگر لذتوں میں مختلف اے مومنوں ان باغوں کے سارے پھل ان کھیتوں کے سارے دانے تم خود ہی نہ کھا جانا بلکہ اس میں سے اپنی اولاد، عزیزوں دوستوں کو بھی حصہ دینا کہ انہیں بھی اللہ کی راہ پر لگا دینا **قوا انفسکم واھلیکم نارا۔** جب تمہاری

کھیتی کٹنے لگے اور تم مرنے لگو تو اس کا حق ادا کر کے مرو کہ اپنے نائب چھوڑ کر جاؤ جو تمہارے بعد تمہاری یہ دینی رسوم قائم رکھیں۔ خود کھاؤ اہل کو کھلاؤ نااہلوں سے بچاؤ کہ یہ اسراف ہے اللہ تعالیٰ اسراف والوں کو پسند نہیں کرتا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عبادات ریاضات مشاہدات وغیرہ روحانی غذائیں روحانی میوے ہیں' ان میں صورتیں لذتیں بھی ہیں خوشبوئیں بھی رنگتیں بھی جو دل والوں کو دنیا میں محسوس ہو جاتی ہیں اور قیامت میں تو ہر شخص کو محسوس ہو نگی یہ عبادات یہاں شکل میں یکساں محسوس ہوتی ہے مگر دل کہتا ہے کہ ان کی لذتیں تاثیریں خوشبوئیں مختلف ہیں۔ حتیٰ کہ قرآنی سورتیں بظاہر یکساں ہیں مگر ان کی لذت رحمت میں فرق ہے **قل ھو اللہ** میں جو لذت ہے وہ **تبت یدا** میں نہیں جو لذت آیات نعت میں ہے وہ اور ہے جو آیات احکام میں ہے وہ اور ہے یہی حال نماز تہجد اور نماز اشراق کا ہے یہی حال کعبہ معظمہ اور مدینہ منورہ کی حاضری کا ہے اب پڑھو متشابھا وغیر متشابہ۔

دوسری تفسیر صوفیانہ : وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے بندوں کے دلوں میں عشق و محبت کے چھتے ہوئے باغ پیدا کئے اور سخاوت' وفا' عفت حلم و شجاعت کے غیر چھتے ہوئے باغ پیدا فرمائے اس دل میں ایمان کے نخل اعمال کی کھیتیاں اخلاص کے زیتون' الہام کے انار پیدا فرمائے اے لوگو! ان باغوں کھیتوں کے پھل یعنی مکاشفات' مشاہدات کھاؤ خوب استعمال کرو ساتھ ہی خیال رکھو کہ اس کے کٹنے یعنی وعظ و ہدایت کے وقت اس کا حق ادا کرو کہ لوگوں کو فیض پہنچاؤ اسراف نہ کرو کہ نااہلوں کو بخشو یا اہل کو محروم رکھو۔ (معانی) پھر خیال رکھو کہ کھیت و باغ کو پانی دیا جاتا ہے تم بھی اپنے ایمان و اعمال کے باغ و کھیت کو آنکھوں کا پانی دیتے رہو یہ آنکھیں گویا اس باغ کے کنویں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

باش چوں دو لاب دائم چشم تر تادروں صحن تو روید خضر

جیسے دنیاوی کھانوں کی لذتیں بڑھانے کے لئے ان میں بعض مصالحے ملائے جاتے ہیں گوشت میں گھی کا بگھار لگاتے ہیں۔ شربت میں دودھ کیوڑا شامل کرتے ہیں ہر کھانے کا مصالحہ الگ ہے' ایسے ہی عبادات' ریاضات میں اخلاص و نسبت الی الرسول کا مصالحہ شامل کرو تاکہ اس کی لذتیں زیادہ ہو جائیں کھانا صرف ایک بار لذت دیتا ہے مگر مقبول عبادات ہمیشہ لذت دیتی ہیں۔

وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰ

اور جانوروں میں سے لادنے والے اور زمین پر بچھے کھاؤ اس میں سے جو روزی دی تم کو اللہ نے اور نہ پیروی کرو

اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور زمین پر بچھے کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور

تِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ

قدموں کی شیطان کے تحقیق وہ واسطے تمہارے دشمن ہے کھلا آٹھ جوڑے بھیڑ میں سے دو کو اور بکری

اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے آٹھ نر و مادہ ایک جوڑا بھیڑ کا

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۗ قُلْ آٰلذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ

میں سے دو کو فرماؤ کیا دو نر حرام کئے یا دو مادائیں یا وہ شامل کر لیں

اور ایک جوڑا بکری کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا مادائیں یا

عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۗ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

اوپر اس کے رحم دو مادائیں کے خبر دو مجھے ساتھ علم کے اگر ہو تم سچے

وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کسی علم سے بتاؤ اگر تم سچے ہو۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں دانے اور پھل پیدا فرمانے کا ذکر تھا اب گوشت، دودھ وغیرہ پیدا فرمانے کا ذکر ہے یعنی روٹی کے ذکر کے بعد سالن کا ذکر ہے چونکہ روٹی مقصود ہوتی ہے سالن تابع۔ نیز روٹی پہلے ہوتی ہے سالن بعد میں اس لئے ان چیزوں کا ذکر باغ و کھیت کے بعد فرمایا گیا نیز کھیتوں باغوں میں انسان کبھی کبھی جاتا ہے مگر جانور تو اکثر کے گھروں میں رہتے ہیں ان کے دیکھنے کا موقعہ زیادہ ملتا ہے اس لئے باغوں کھیتوں کے بعد جانوروں کے ذریعہ اپنی معرفت کرائی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں نباتات کا ذکر تھا جو اللہ کی بڑی نعمت ہے اس کے بعد اب حیوانات کا ذکر ہے جو اس کے بعد بڑی نعمت ہے ہم نباتات حیوانات دونوں ہی سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے اپنی معرفت کہیں تو آسمانی چیزوں کے ذریعہ کرائی، کہیں باغوں، کھیتوں کے ذریعہ کرائی، کہیں جانوروں کے ذریعہ، کہیں خود ہماری اپنی ذاتوں کے ذریعہ **وفی انفسکم افلا تبصرون** کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ۔ **ھوالذی ارسل رسولہ** یہ آیت ان آیات میں سے ہے جن میں جانوروں کے ذریعے رب کی معرفت کرائی گئی ان میں سے ہر چیز معرفت الٰہی کی کتاب ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں کفار عرب کی ان دھاندلیوں کا ذکر تھا جو وہ حیوانات میں کرتے تھے کہ فلاں جانور عورتوں پر حرام ہے فلاں سب پر حرام اب ان کے اس باطل عقیدے کی پر زور تردید فرمائی جارہی ہے، جسے معمولی عقل والا بھی ماننے پر مجبور ہو جائے۔

شان نزول : جب اسلام نے کفار عرب کی مذکورہ بالا بے قاعدگیوں کی پر زور تردید فرمائی جو وہ جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق کرتے تھے کہ فلاں جانور فلاں پر حرام فلاں جانور فلاں پر حلال تو کفار کی ایک جماعت جس کا سردار مالک ابن عوف حبشی تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا، مالک ابن عوف نے کہا کہ آپ ان جانوروں کی حلت و حرمت مٹا رہے ہیں جو صدیوں سے ہمارے باپ دادے مانتے چلے آئے ہیں بزرگوں کی رسمیں مٹانا بری بات ہے آپ تو باپ دادوں کے نام ان کے کام روشن کریں انہیں مٹاتے کیوں ہیں، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے عقلی والے قانون مٹاؤ بنا ہی چاہئیں جانوروں کی حلت و حرمت شریعت اور نبوت کے ذریعہ ہونی چاہئے تم نے محض اپنی عقل سے کر ڈالی اور اس بے قاعدگی سے کی جسے عقل سلیم قبول نہیں کرتی بھلا بتاؤ تو کہ ایک ہی جانور مردوں کو حلال ہو عورتوں کو حرام، مر جائے تو سب کو حلال یہ کس قاعدے سے ہے اس میں وجہ حرمت کیا ہے نر ہونا یا مادہ ہونا یا ماں کے پیٹ میں رہنا جو وجہ بھی ہو۔ جہاں یہ وجہ موجود ہو وہاں یہ حکم بھی

ہونا چاہئے وہ حیران ہو گیا فرمایا جواب کیوں نہیں دیتا وہ بولا کہ لاجواب بات کا جواب کیا دوں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن) ان لوگوں کے کلام کا خلاصہ یہ تھا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے باپ داداؤں کا نام روشن کریں مٹائیں نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ نیک کام روشن کئے جاتے ہیں اچھی رسمیں باقی رکھی جاتی ہیں، برے نام اور بری رسمیں مٹانے ہی چاہئیں، دوسرا خلاصہ یہ تھا کہ سارا عرب اس حرام و حلال کا قائل ہے، صرف آپ تنہا انہیں برا کہتے ہیں، لاکھوں کی رائے کے مقابل ایک رائے نہیں مانی جاسکتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب عالی کا خلاصہ یہ ہوا کہ لاکھ اندھے ایک راستہ کو سیدھا کہیں اور ایک آنکھ والا اسے ٹیڑھا کہے تو ایک انکھیارے کی بات قابل قبول ہوگی، عقل اندھی آنکھ ہے وحی الٰہی نور ہے۔

تفسیر : **ومن الا نعام حمولته وفرشا** : یہ عبارت معطوف ہے جنات پر اور انشاء کا مفعول بہ ہے واؤ عاطفہ ہے انعام جمع ہے نعم کی بمعنی مویشی جانور **حمولته** بنا ہے حمل سے بمعنی لادنا یہ جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں فرش بمعنی بچھانا اسی سے ہے فراش بمعنی بستر والارض فراشا یہ دونوں جنات پر معطوف ہو کر انشا کا معفول ہیں اس لئے منصوب ہوئے **حمولته** اور فرشا کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) **حمولته** بوجھ لادنے اور سواری کرنے کے لائق جانور جیسے اونٹ، بیل اور فرش وہ جانور جو اس کام میں نہ آویں جیسے بھیڑ بکری وغیرہ۔ (2) بڑے اونٹ قابل سواری کے تو **حمولته** میں ان کے بچے جو ابھی یہ کام نہ دے سکیں وہ فرش ہیں۔ (3) قابل سواری جانور تو حمولہ ہیں اور جن جانوروں کے بالوں سے فرش بستر وغیرہ بنائے جائیں وہ فرش ہیں۔ (4) امام راغب نے اس کے الٹے معنی کئے وہ کہتے ہیں چھوٹا جانور جیسے انسان کبھی خود اٹھائے وہ حمولہ ہیں جیسے بکری، بھیڑ، مرغی وغیرہ اور بڑے جانور جن کی پشت کی مثل بستر کے استعمال کیا جائے ان پر سواری کی جائے وہ فرش ہیں بہرحال ان دو لفظوں کے کئی معنی ہیں خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض جانور ہمارے لئے مفید پیدا فرمائے ہیں جیسے بھینس، گائے، بکری وغیرہ بعض جانور خطرناک جیسے شیر، بھیڑیا، سانپ وغیرہ بعض جانور نہ خطرناک نہ ہمارے لئے بظاہر مفید جیسے مکھی، مچھر وغیرہ ان سب میں ہزارہا حکمتیں ہیں مفید جانور اللہ تعالیٰ کی رزاقی غفاری کے مظہر ہیں، خطرناک جانور اس کی قہاری جباری کے مظہر مکھی مچھر وغیرہ سے ہم کو ہماری بے بسی دکھائی گئی کہ ایک مچھر ہم کو پریشان کر دیتا ہے ہم مکھی مچھر کے آگے مجبور محض ہوتے ہیں۔ یہاں مفید جانوروں کا ذکر ہے **کلو مما رزقکم اللہ** یہ جملہ نیا ہے جس میں **کلوا** امر اباحۃ یعنی جائز کرنے کے لئے ہے جیسے حرام چیزیں کھانا یا انہیں حلال جاننا حرام ہے ایسے ہی حلال چیزیں حرام جاننا بلاوجہ ان سے بچنا جرم ہے اور ہو سکتا ہے کہ **کلوا** کا مقصد یہ ہو کہ ان چیزوں کا کھانا حلال جانو اس صورت میں یہ امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ حلال چیزوں کا حلال جاننا فرض ہے حضرت عبد اللہ ابن سلام نے اونٹ سے پرہیز کرنے کا ارادہ کیا تو رب نے فرمایا **ادخلوا فی السلم کافتہ** - **مما** میں ما سے مراد وہی مذکورہ جانور ہیں چونکہ مذکورہ جانور بھی سارے حلال نہیں دیکھو گدھا خچر گھوڑا سواری اور بوجھ لادنے کے کام آتے ہیں مگر ہیں حرام اس لئے یہاں **من** بعضیت والا ارشاد ہوا نیز حلال جانور کے بھی سارے اعضاء حلال نہیں، سات اعضاء حرام ہیں ان وجوہ سے بھی من فرمانا مناسب ہے اس بعضیت کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے ہوئی رب نے صرف سور کو حرام کیا وہ بھی اس کا گوشت باقی تمام محرمات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے بیان فرمائے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی **مما رزقکم** کی تفسیر ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) **رزقکم** فرما کر بتایا گیا کہ یہ جانور تمہارے لئے حلال تو ہیں مگر اپنے ملکیت والے کھانا جو خدا تم کو

دے چوری وغیرہ کانہ کھاتا **ولا تتبعوا خطوات الشیطان** اس فرمان عالی میں کفار کی ان رسموں کی اہم تردید ہے جو ان میں جانوروں کے متعلق رائج تھیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا یعنی تمہارے رواج کی پابندیاں شیطانی اثر ہیں اس کے نشان قدم پر نہ چلو ہمارے احکام مانو **انہ لکم عدو مبین** اس فرمان عالی میں **لا تتبعوا** کی وجہ بیان فرمائی گئی یعنی وہ شیطان تمہارا دائمی اور کھلا ہوا دشمن ہے اس نے تمہارے والد آدم علیہ السلام کو جنت سے نکالا وہ کہہ چکا ہے کہ **لا حتنکن ذریتہ** اس کی اولاد کو گمراہ کروں گا۔ **ثمانیۃ ازواج** یہ عبارت حمولہ و فرشا کا بدل ہے جس نے اسے فتح دیا اسی نے اسے فتح دیا۔ ازواج جمع ہے زوج کی زوج جوڑے جانور کو بھی کہتے ہیں اور جوڑے والے جانور کو لہٰذا نر و مادہ کا مجموعہ زوج ہے اور صرف نر بھی زوج مادہ بھی زوج یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی جوڑے والے جانور تب ہی تو آٹھ بنیں گے اگر پورا جوڑا مراد ہو تو چار بنتے ہیں' آٹھ جوڑوں سے مراد اونٹ اونٹنی' گائے' بیل' بکری بکرا' بھیڑ بھیڑا' بھینس بھینسا گائے میں داخل ہیں' ہرن ہرنی وغیرہ پالتو جانور ہیں ہی نہیں یہاں ذکر ہے پالتو جانوروں کا جنہیں کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ کر حرام کر لیتے تھے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت **کلوا یا استعملوا** پوشیدہ کا مفعول بہ ہے یعنی اللہ نے تمہارے کھانے کے لئے آٹھ جوڑے جانور پیدا کئے یا ان آٹھ جوڑہ جانوروں کو کھاؤ۔ **من الضان اثنین** اصل عبارت یوں تھی **اثنین من الضان** لہٰذا **اثنین ثمانیۃ ازواج** کا بدل بعض ہے یا یہ ساری عبارت آخر تک **ثمانیۃ ازواج** کا بدل کل ہے **من الضان اثنین** کا حال کا حال ہے **ضان** کے معنی ہیں بھیڑ جس کی اون کام آتی ہے اسی سے مراد ہے بھیڑ نر و مادہ۔ زجاج نے فرمایا کہ **ضان** جمع ہے **ضائن** اور **ضائنۃ** کی اسی کی جمع ضئین بھی آتی ہے جیسے تاجر کی جمع تجر یعنی اللہ تعالیٰ نے بھیڑ کے دو جوڑے پیدا فرمائے نر و مادہ (کبیر و معانی)۔ خیال رہے کہ عربی میں بھیڑ کے نر کو کبش کہتے ہیں اور مادہ کو نعجہ' ضان دونوں کو بولتے ہیں **ومن المعز اثنین** یہ عبارت معطوف ہے **من الضان اثنین** پر معز جمع ہے **ماعز** کی جیسے خادم کی جمع خدم' تاجر کی تجر' صاحب کی صحب' راکب کی رکب۔ نر بکرے کو تیس کہتے ہیں اور مادہ بکری کو عنز یعنی اللہ تعالیٰ نے بکری کے دو زوج نر مادہ پیدا کئے **قل ء الذکرین حرم ام الانثیین** اس فرمان عالی میں کفار عرب کے حرام و حلال کرنے کے متعلق ایک عجیب سوال ہے قل میں خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ہر مسلمان سے اور روئے سخن ہے تمام کفار عرب کی طرف جو اپنی رائے سے جانوروں کو حرام یا حلال کرتے تھے اور اس حرمت و حلت کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے اس سوال میں تین شقیں کی گئی ہیں دو تو یہاں مذکور ہیں اور ایک آگے آ رہی ہے یعنی بتاؤ تو کہ اللہ تعالیٰ نے بھیڑ بکری کے صرف نر حرام کئے ہیں یا صرف مادہ یعنی حرام ہونے کی علت نر ہوتا ہے یا مادہ ہونا ظاہر ہے ان میں سے کچھ بھی نہیں ورنہ چاہئے تھا کہ ہر نر حرام ہوتا یا ہر مادہ تم بعض نروں کو حرام کہتے ہو بعض کو حلال یہ ہی حال مادہ بھیڑ بکری کا ہے معلوم ہوا کہ تمہارے پاس حرمت کا قاعدہ کوئی نہیں' صرف خیالات باطلہ ہیں۔ **اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین** اس فرمان عالی میں مسئلہ مسئولہ کی تیسری شق کا بیان ہے ام حرف استفہام ہے اور ما موصولہ **انثیین** سے مراد بھیڑ بکری کے مادہ ہیں یعنی کیا وہ بھیڑ بکری حرام ہے جو مادہ کے پیٹ میں ہے اور اس حرمت کی وجہ مادہ کے پیٹ میں رہنا ہے اگر یہ ہے تو سارے نر مادہ بھیڑ بکریاں حرام ہونی چاہئیں کہ یہ سب ہی مادہ کے پیٹ میں رہی ہیں وہاں سے ہی جنی گئی ہیں پھر تمہارا فرق کرنا کیسا کہ فلاں بھیڑ بکری حلال فلاں حرام ہے **نبئونی بعلم ان کنتم صادقین** یہ فرمان عالی ساری عبارت کا نچوڑ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ تم ہمارے سوال کے جواب میں صرف اپنے باپ دادوں کا عمل بیان نہ کرو بلکہ دلیل اور قاعدے قانون سے ہمارے سوال کا جواب دو بے قانونی

بات قابل قبول نہیں ہوتی اگر تم ان عقائد میں سچے ہو تو علم سے جواب دو نہ کہ دھاندلی کی باتوں سے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے جیسے تمہارے کھانے کے لئے باغات و کھیت نباتات پیدا فرمائے یوں ہی تمہارے کھانے کے لئے جانور پیدا کئے جن میں سے بعض وہ ہیں جو تمہاری سواری بوجھ لادنے کے کام بھی آتے ہیں' جیسے اونٹ او نٹنی بیل وغیرہ اور بعض اس کام کے نہیں جیسے بکری مرغی وغیرہ یہ سب جانور تمہارے لئے حلال ہیں اللہ نے تمہاری روزی کے لئے بنائے ہیں لہٰذا انہیں حلال جانو کھاؤ شیطانی خیالات 'ابلیسی وہمیات کے پیچھے نہ چلو کہ بلاوجہ ان میں قیدیں لگا کر بعض کو حلال جانو بعض کو حرام وہ تو تمہارا کھلا دشمن ہے۔ تمہیں حیلوں بہانوں سے حلال روزی سے محروم رکھنا چاہتا ہے۔ خیال رکھو اللہ تعالیٰ نے تمہارے کھانے کے لئے آٹھ جوڑے پیدا فرمائے بھیڑ میں سے دو نر او رمادہ بکری میں سے دو نر مادہ بتاؤ اگر ان میں سے بعض حرام ہیں تو ان کی حرمت کی وجہ کیا۔ آیا نر ہونا حرام ہونے کی وجہ ہے یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونا یہ تینوں باتیں غلط ہیں ورنہ ہر نر حرام ہوتا یا ہر مادہ حرام ہوتی یا نر و مادہ دونوں ہی سارے کے سارے حرام ہوتے تم ان میں سے کوئی بات نہیں مانتے بعض نروں کو حرام کہتے ہو۔ بعض کو حلال اگر تم سچے ہو تو ہمارے سوال کا جواب علم سے دو اس حرمت کے لئے قاعدہ و قانون بیان کرو صرف باپ دادوں کی تقلید سے بات نہ کرو اور یقیناً تم سے کوئی قاعدہ بیان نہ ہو سکے گا لہٰذا جان لو کہ تم اس عقیدے میں غلطی پر ہو تمہارے کسی چیز کو حرام کر دینے یا بتوں کے نام پر چھوڑ دینے سے وہ حرام نہیں ہو جاتی یہ سب چیزیں حلال ہیں انہیں کھاؤ۔

نوٹ ضروری : آٹھ جوڑوں میں سے چار جوڑوں کا ذکر تو یہاں ہو گیا' بھیڑ' بھیڑا' بکری بکرا اور چار کا ذکر اگلی آیت میں آ رہا ہے اونٹ گائے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جس چیز کو اللہ رسول نے حرام نے کیا ہو وہ حلال ہے کسی چیز کو بلا دلیل حرام کہنا شیطان کی اتباع ہے۔ یہ فائدہ **کلوا مما** سے اور **لا تتبعوا خطوات الشیطان** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور یا بت خانوں پر وقف کھیت و باغ کی پیداوار حلال ہے۔ یہ فائدہ بھی اس **کلوا** اور **لا تتبعوا** سے حاصل ہوا جب خود گنگا کا پانی گائے کا گوشت ہی حرام نہیں جو کہ مشرکین ہند کے بت اور جھوٹے معبود ہیں تو ان کی نسبت حرمت کیسے پیدا کر سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ**: نباتات' حیوانات بلکہ بعض جملوات غذا" یا دوا" کھانا جائز ہیں۔ یہ فائدہ ان چند آیات سے حاصل ہوا **کلوا من ثمرہ** اور **کلو مما رزقکم اللہ** اور **لا تتبعوا** سے۔

مسئلہ : ہم دوسرے پارے کی تفسیر میں حلال و حرام جانوروں کی تفصیل عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ جمادات نباتات میں جو چیز نقصان یا نشہ دے وہ حرام ہے باقی سب حلال حتیٰ کہ اگر طبیب حاذق 'سنکھیا' زہر' شنگرف' بھنگ 'افیون' چرس کسی طریقے سے دے معجون میں اس طرح کھلا دیں کہ اس سے نہ نقصان ہو نہ نشہ تو جائز ہے' جانوروں کے لئے یہ قاعدہ ہے کہ دریائی جانور سب حرام سواء مچھلی کے خشکی کے بے خون والے جانور سب حرام سواء ٹڈی یعنی مکڑی کے خون والے پرندوں میں شکاری پنجہ والے حرام باقی حلال چرندے شکاری کیل والے حرام باقی حلال 'کیڑے مکوڑے سب حرام۔ (از عالمگیری وغیرہ)

چوتھا فائدہ: جو شخص کسی چیز کی حلت کا مدعی ہو اس سے دلیل نہیں مانگی جائے گی دلیل اس سے مانگی جائے جو کسی چیز کو حرام کہے یہ فائدہ **نبونی بعلم** سے حاصل ہوا' دیکھو رب نے ان کفار سے دلیل حرمت مانگی جو مذکورہ جانوروں کو حرام کہتے تھے آج

کل وہابی ہم سے نیاز فاتحہ کی چیزوں کی حلت کی دلیل مانگتے ہیں خود ان چیزوں کو حرام کہتے ہیں مگر کوئی دلیل نہیں پیش کرتے یہ طریقہ قرآنی قاعدے کے خلاف ہے کسی چیز کی حرمت کی دلیل موجود نہ ہونا اس کی حلت کی دلیل ہے۔ رب فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم**۔ **پانچواں فائدہ:** کسی چیز کی حرمت ثابت کرنے کے لئے یقینی قطعی دلیل چاہئے صرف اپنے قیاس، ظن کافی نہیں۔ یہ فائدہ بھی **نبئو نی بعلم** سے حاصل ہوا علم یقینی چیز پر بولا جاتا ہے۔ شک، ظن کو علم نہیں کہتے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کے قانون اور بندے کے بنائے ہوئے قانون میں فرق یہ ہے کہ اللہ کے قانون ٹوٹتے نہیں ہمارے بناوٹی قانون ٹوٹ جاتے ہیں۔ یہ فائدہ **ثمانیۃ ازواج** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کفار سے مذکورہ جانوروں کی حرمت کی علت دریافت فرمائی نر ہونا علت ہے یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونا اور یہ تینوں علتیں غلط ہیں کیونکہ تم دوسری جگہ نر، مادہ ہر طرح کے جانور کھالیتے ہو اگر ان تینوں میں سے کوئی چیز علت ہوتی تو ہر جگہ یہ حکم جاری ہوتا یہی حال آج وہابی بناوٹی قاعدوں کا ہے بطور نمونہ ملاحظہ کرو (1) گیارھویں بارھویں کا کھانا حرام ہے کہ اس پر غیر اللہ کا نام پڑ گیا (عکس ملاحظہ ہو) ہولی دیوالی کی پوریاں کچوریاں حلال ہیں یوں ہی فلاں شخص کی بکری میری گائے زید کے باغ کے پھل حلال ہیں۔ (2) غیر اللہ سے مدد مانگنا حرام بلکہ شرک ہے (عکس) مصیبتوں میں حکام سے بیماریوں میں حاکموں سے مدد لینا حلال ہے یا پولیس المدد پکارنا حلال ہے **ایاک نستعین** کے خلاف نہیں۔ غیر اللہ کو پکارنا شرک ہے **لا تدعوا من دون اللہ** (عکس)۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار!

یہ بالکل جائز ہے، عرس گیارھویں، میلاد شریف حرام ہے کہ بدعت ہے زمانہ نبوت میں نہ تھا (عکس) مگر قادری چشتی بننا، مدرسے بنانا، ہوائی جہاز سے حج کو جانا لاؤڈ سپیکر میں نماز پڑھنا حلال ہے اگرچہ اس زمانہ میں یہ چیزیں نہ تھیں یہ ہیں انسانوں کے بناوٹی قانون جو چلتے ہی نہیں ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کی علت حرمت ہر جگہ کام نہیں کرتی ان کے نزدیک اللہ کے بندوں سے نسبت چیز کو حرام کر دیتی ہے ہمارے ہاں چیز کو متبرک بناتی ہے۔ آب زمزم خاک شفا مقام ابراہیم، صفا، مروہ پہاڑ ان نسبتوں سے حرام نہیں ہوئے بلکہ متبرک بن گئے نیز اچھوں سے نسبت کی وجہ سے معمولی چیز اعلیٰ بن جاتی ہے اس کے عیب چھپ جاتے ہیں ان سے نسبت ٹوٹ جائے تو ساری خوبیاں برائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں دیکھ لو اصحاب کہف کا کتا، عظمت والا ہو گیا مسجد نبوی شریف کی زمین جو پہلے کھودلی تھی کیسی شاندار بن گئی، حضرت بلال کی شان رحمٰن سے پوچھو، ابو جہل و ابو لہب وغیرہ بڑے نامور تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کٹ کر کیسے ذلیل و خوار ہو گئے۔

پہلا اعتراض: یہاں **کلوا مما رزقکم اللہ** کیوں ارشاد ہوا من فرمانے کی کیا وجہ ہے یہ سارے ہی جانور حلال ہیں خواہ بوجھ لادنے والے ہوں یا فرشا ہوں۔ **جواب:** اس کی دو حکمتیں ہیں ہم تفسیر میں عرض کر چکے ایک یہ کہ بوجھ لادنے والے جانور گھوڑا، گدھا، خچر بھی ہیں مگر حرام ہیں اور فرشی جانور کتا بلا وغیرہ بھی ہیں مگر حرام ہیں اگر یہاں من ارشاد نہ ہوتا تو یہ سارے ہی حلال ہو جاتے دوسرے یہ کہ حلال جانوروں کے بھی سارے اعضاء حلال نہیں بعض اعضا حرام ہیں، خون، خصیہ، فرج، ذکر وغیرہ حرام ہیں لہٰذا من فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **کلوا منہا** فرما دینا ہی کافی تھا اتنی بڑی عبارت کیوں ارشاد ہوئی **کلوا مما رزقکم اللہ**۔ **جواب:** اس عبارت میں بتایا گیا کہ یہ جانور حلال تو ہیں مگر اس شرط سے کہ حلال ذریعوں سے تم کو حاصل ہوں کہ تم کو رب عطا فرمادے، چوری، ڈکیتی، رشوت، سود وغیرہ حرام ذریعوں سے حاصل کئے ہوئے جانور حرام

ہی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں آٹھ جوڑے فرمائے گئے مگر ذکر ہوا چار جوڑوں کا ایک جوڑا بھیڑ کا دوسرا بکری کا اس آیت میں اور تیسرا اونٹ کا چوتھا گائے کا اگلی آیت میں اس اختلاف کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** یہاں ازواج سے مراد نر مادہ کا مجموعہ نہیں ہے وہ مجموعے واقعی چار ہیں بلکہ ہر جوڑے والا جانور مراد ہے لہذا بھیڑ کے دو بکری کے دو اونٹ کے دو گائے کے دو یعنی نر مادہ کل آٹھ ہوئے۔ زوج کے یہ معنی قرآن کریم میں بہت جگہ مراد ہیں من کل زوجین اثنین۔ خاوند کو زوج کہتے ہیں بیوی کو زوجہ دونوں کو زوجین۔

تفسیر صوفیانہ: انسانی قوتیں بعض تو وہ ہیں جو امانت الٰہیہ کا اور شرعی تکالیف کا بوجھ اٹھا سکتی ہیں وہ گویا حمولہ جانور ہیں بعض وہ ہیں جن سے بشریت قائم ہے اور وہ قلب کی اصلاح کرتی ہیں وہ گویا فرش ہیں۔ اے اللہ کے بندو اللہ کا ہر قسم کا روحانی رزق کھاؤ دل کا رزق تحقیق ہے روح کا رزق عشق و محبت ہے سر کا رزق معرفت اور شہود ہے تم ان سب رزقوں سے فائدہ اٹھاؤ۔ شیطان کی پیروی نہ کرو وہ تو تم کو شہوات حجاب، غفلتوں غیر اللہ کی طرف میلان ان سب کی طرف بلاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے حلال جانور اپنی زندگی میں بھی فائدہ پہنچاتے ہیں کہ لوگ ان کے بال ان کے دودھ حتی کہ ان کے گوبر وغیرہ سے نفع حاصل کرتے ہیں اور مرے بعد بھی نفع دیتے ہیں کہ ان کے گوشت، کھال بال وغیرہ سب ہی مفید ہیں، حرام جانور کتا بلا، سور وغیرہ نہ زندگی میں مفید کہ ان ان کا دودھ بال وغیرہ کام آوے نہ مرے بعد فائدہ مند کہ ان کے گوشت ہڈی وغیرہ بیکار۔ یونہی مومن زندگی میں بھی کار آمد ہے اور مرے بعد بھی بعض مومنوں کی قبروں سے فیض جاری ہیں ان کی قبروں کی برکت سے عذاب ٹلتے ہیں کافر زندگی میں بھی اور مرے بعد بھی بیکار۔ اے اللہ کے بندو ان مومنوں سے محروم نہ رہو اللہ تعالیٰ نے ان سے فیض لینا حرام نہیں فرمادیا یہ ہمیشہ فیض دیتے رہیں گے تم لینے والے بنو بتاؤ ان سے فائدہ اٹھانے سے کس نے منع کیا کوئی دلیل ہو تو لاؤ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ ایسا کریم ہے کہ بندوں کو اپنی نعمتیں کھانے کا حکم دیتا ہے نہ کھانے پر ناراض ہوتا ہے فرماتا ہے۔ **کلوا مما رزقکم** وہ ایسا رحیم ہے ہم کو مانگنے کا حکم دیتا ہے نہ مانگنے پر ناراض ہوتا ہے فرماتا ہے **ادعونی استجب لکم** حلال روزی حلال غذا کو تقویٰ کے خلاف سمجھ کر ان سے بچنا شیطانی دھوکہ ہے اس سے بچو حرام سے بچنا تقویٰ ہے نہ کہ حلال سے بچنا، صوفیاء کرام کے نزدیک اچھوں سے نسبت منسوب کو اچھا کر دیتی ہے۔ آب زمزم، صفا مروہ پہاڑ اچھوں کی نسبت سے اچھے ہو گئے بلکہ مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، مقام ابراہیم کو بزرگوں کی نسبت سے چار چاند لگ گئے۔ کبھی اچھوں کی نسبت سے مردے زندہ ہو جاتے ہیں زندوں میں انقلاب ہو جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کی بھنی ہوئی مچھلی حضرت خضر کی ہوا سے زندہ ہو گئی **فاتخذ سبیلہ فی البحر سربا** حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک سے سونے کا بچھڑا صحیح بچھڑا بن گیا یہ سب نسبتوں کی بہاریں ہیں۔

وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَیْنِ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَیْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ
اور اونٹ سے دو اور گائے سے دو تم فرماؤ کیا دو نر حرام کئے اس نے یا دو مادہ
اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا دونوں

اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ

یا وہ کہ شامل ہے اوپر اس کے رحم دو مادوں کے کیا تھے تم موجود جب کہ وصیت تم کو

مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں

اللّٰهُ بِهٰذَاۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍؕ

اللہ نے اس کی پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اوپر اللہ کے جھوٹ تاکہ بہکائے لوگوں کو

یہ حکم دیا تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ لوگوں کو اپنی جہالت

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ۠ ﴿۱۴۴﴾

بغیر علم کے تحقیق اللہ نہیں ہدایت دیتا ہے قوم ظلم کرنے والی کو۔

سے گمراہ کرے بے شک اللہ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: رب تعالیٰ نے کفار عرب سے آٹھ جانوروں کی حرمت کے متعلق عتابانہ سوال فرمایا ہے۔ جن میں سے چار جانوروں کا ذکر تو پچھلی آیت کریمہ میں ہو گیا اور بقیہ چار جانوروں کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے یہ آٹھ جانور ہی وہ ہیں جنہیں کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے پھر ان کی حرمت یا ان کے حلال ہونے کی پابندیوں کے بے وقوفی سے معتقد ہو جاتے تھے اسی پر عتابانہ سوال ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اپنے اس عقیدے پر علمی جواب دو اب ارشاد ہے کہ عملی جواب بھی ایسا ہو جو رب تعالیٰ سے حاصل کیا ہوا ہو محض تمہارے عقلی وہمی ڈھکوسلوں کا نہ ہو گویا جواب کا مطالبہ پہلے ہوا اور اس جواب کی نوعیت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد تھا کہ کفار مکہ نے بغیر ثبوت بعض جانوروں کو حرام مان لیا ہے بعض کی حلت میں پابندیاں لگادی ہیں اب اس جرم کی سزا کا ذکر ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ کی نعمتوں کو بلا دلیل شرعی حرام کہے۔

تفسیر: **ومن الابل اثنین** یہ عبارت معطوف ہے **ومن المعز اثنین** پر اس کی وہی ترکیب ہے جو اس عبارت کی تھی کہ **اثنین** مفعول بہ ہے انشا کا اور **من الابل** حال ہے **اثنین** کا **اثنین** سے مراد وہی نر و مادہ اونٹ ہیں نر اونٹ کو جمل کہتے ہیں مادہ اونٹ کو ناقہ ابل دونوں کو کہا جاتا ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ ابل واحد ہے اس کی جمع ابابل ہے "تصغیر ابیلہ" امام راغب نے فرمایا کہ ابل جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں **ومن البقر اثنین** یہ عبارت معطوف ہے **ومن الابل اثنین** پر اور وہی اس کی بھی ترکیب جو اس عبارت کی تھی لفظ بقر کی لغوی تحقیق پارہ **الم ان تنحروا بقرہ** کی تفسیر میں ہو چکی یہاں اتنا سمجھ لو کہ بقر اسم جنس ہے جو نر مادہ دونوں پر بولا جاتا ہے اس کے نر کو ثور کہتے ہیں اور مادہ کو بقرہ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اونٹ کے دو جوڑے پیدا فرمائے نر اور مادہ یوں ہی گائے کے دو جوڑے پیدا فرمائے نر اور مادہ چار جوڑے یہ ہوئے چار جوڑے پہلے یہ آٹھ جوڑے ہوئے۔ **قل ء الذکرین حرم ام الانثیین** اس عبارت کی ترکیب اور تفسیر وہی ہے جو ابھی کچھ پہلے پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کی گئی کہ دونوں ہمزہ میں سے پہلا ہمزہ سوال اور پوچھنے کا ہے **الذکرین** حرم کا مفعول ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے **ذکرین** سے مراد اونٹ اور بیل ہے

اثنین سے مراد او نٹنی اور گائے **اما اشتملت علیہ ارحام الانثیین** اس عبارت کی تحقیق ابھی ہو چکی کہ لفظ ما یہاں حرف شرط نہیں بلکہ ام عاطفہ اور ما موصولہ کا مجموعہ ہے۔ ما سے مراد اونٹ اور گائے کے بچے ہیں **ارحام** جمع ہے رحم کی بچہ دانی کو رحم کہا جاتا ہے کہ ماں اور اولاد کے درمیان محبت و رحمت و مودت کا یہی ذریعہ ہے نسبی رشتہ داروں کو **ذوی الارحام** کہتے ہیں غرضیکہ مادہ کا رحم اللہ تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہے۔ **انثیین** سے مراد او نٹنی اور گئے دونوں مادہ ہیں چونکہ یہاں ان دونوں مادہ کی جنس مراد ہے نہ کہ شخص اس لئے **انثیین** کی طرف **ارحام** جمع کی اضافت درست ہوئی ورنہ دو مادہ کے پیٹ میں دو رحم ہوں گے نہ کہ بہت سے رحم یعنی اے کافرو کیا اللہ نے او نٹنی اور گائے کے ہر بچہ کو حرام فرمادیا اور کیا اس حرمت کی علت ماں کے رحم میں رہنا ہے اگر ایسا ہے تو تم بعض کو حلال کیوں سمجھتے ہو پھر تو سارے اونٹ او نٹنی گائے بیل حرام ہونے چاہئیں کہ یہ سب ہی ماں کے پیٹ میں رہ کر آئے ہیں **ام کنتم شهداء اذ وصکم الله بهذا** پچھلی عبارت میں ان سے حرمت کا دعویٰ معین فرمانے کا مطالبہ کیا گیا اب اس دعوے کی دلیل کا مطالبہ ہے ام بمعنی بل ہے اور کنتم سے پہلے سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے **کنتم** میں خطاب انہیں کفار مکہ سے ہے جن کی تردید کے لئے یہ آیات آئیں **شهداء** جمع ہے شہید کی بمعنی حاضر و موجود یہاں بارگاہ الٰہی میں حاضری مراد ہے اس وقت جبکہ اس نے یہ حکم دیا اسی لئے اس کے ساتھ **اذ** ظرفیہ ارشاد ہوا وصیت سے مراد تاکیدی حکم ہے نہ کہ مرتے وقت کی وصیت چونکہ اہل عرب وصیت پر بہت زیادہ عمل کرتے تھے اس لئے ہر تاکیدی حکم کو وصیت کہا جاتا ہے جیسے **یوصیکم الله فی اولادکم**۔ **هذا** سے اشارہ اسی حرمت کی طرف ہے سبحان اللہ پہلے ان سے علمی دلیل کا مطالبہ ہوا تھا **نبئونی بعلم** اب عین گواہی کا مطالبہ ہے۔ علم کے دو ہی ذریعہ ہیں دلیل یا مشاہدہ دونوں کی نفی ہو گئی یعنی تمہارے پاس ان حرمتوں کی کوئی شرعی دلیل کتاب اللہ کی آیت یا نبی کا فرمان تو ہے نہیں اب یہی ہو سکتا ہے کہ تم رب تعالیٰ کے پاس اس وقت خود ہی موجود ہوتے جب ان سے تم کو یہ حکم دیا اور اپنی موجودگی میں تم نے یہ حکم سنا ہو یہ بھی غلط ہے **فمن اظلم ممن افترى على الله كذبا**: اس عبارت میں ان کفار پر انتہائی غیظ و غضب کا اظہار ہے **فمن اظلم** میں تو من سوال کے لئے اور **ممن افترى** میں من موصولہ ہے بمعنی وہ جو اس سے مراد کفار کا وہ مورث اعلیٰ ہے جس نے بحیرہ سائبہ وغیرہ کا مسئلہ ایجاد کیا اور ان میں یہ حرکتیں مروج کیں یعنی عمرو ابن لحی ابن قمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں نے اسے معراج کی شب دوزخ میں دیکھا کہ اس کی آنتیں باہر نکلی پڑی تھیں۔ یا **من** سے مراد ان کے وہ سردار ہیں جنہوں نے یہ رسم قبول کی اور اپنے خاندانوں میں مروج کی یہ سارے ہی کفار جو اس رواج پر کاربند ہوئے یا اس کو درست سمجھنے لگے۔ مناسب یہ ہے کہ یہ سب ہی مراد لئے جائیں کیونکہ انہیں خبر تھی کہ یہ رسم عمرو بن لحی نے نکالی پھر یہ کہتے تھے کہ اللہ کا حکم ہے لہٰذا ان سب پر افتریٰ کے معنی درست ہیں یعنی جان بوجھ کر کسی پر تہمت لگانا اور رب تعالیٰ پر تہمت لگانا کہ جو حکم اس نے نہ دیا ہو اسے رب کی طرف نسبت کرنا واقعی بڑا ہی ظلم ہے یعنی سخت کفر ہے ظلم کے معنی اور ظلم عملی اعتقادی کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ **لیضل الناس بغیر علم** یہ عبارت افتریٰ کے متعلق ہے۔ ناس سے مراد ان کے متبعین کفار ہیں بغیر علم فرما کر یہ بتایا کہ اللہ پر نادانی میں تہمت لگانا بھی بڑا ظلم ہے چہ جائیکہ جان بوجھ کر تہمت و بہتان لگانا یا یہ مطلب ہے کہ نادانی بے علمی سے بھی لوگوں کو گمراہ کرنا بڑا ہی ظلم ہے چہ جائیکہ دانستہ طور پر لوگوں کو گمراہ کرنا پتہ ہو کہ یہ کام یہ عقیدہ گمراہی ہیں پھر اسے لوگوں میں پھیلانا غرضیکہ بغیر کا تعلق یا تو افتریٰ سے ہے یا یضل سے اور بغیر علم فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ **ان الله لا یهدی القوم الظلمین** اس جملہ کی تفسیریں بارہا بیان ہو چکیں۔

یہاں اتنا سمجھ لو کہ کہ اگر ظالم سے مراد صرف افتری کرنے والے ہیں تو ہدایت سے اچھے عقیدوں کی طرف ہدایت مراد ہے یا آخرت میں راستہ جنت کی ہدایت۔ **ظالمین** فرما کر یہ بتایا کہ جب ظالم کو ہدایت نصیب نہیں ہوتی تو جو اظلم یعنی بہت بڑا ظالم ہو اسے ہدایت کیونکر نصیب ہوگی اس لئے پہلے فرمایا **فمن اظلم** اور یہاں ارشاد ہوا **الظالمین**۔ خیال رہے کہ دل کا ہدایت کے قابل نہ رہنا اللہ تعالیٰ کا سخت عذاب ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے کافرو آٹھ جوڑوں میں سے چار جوڑوں کے متعلق تم سے پوچھا جا چکا بقیہ چار جوڑے جانوروں کے متعلق بتاؤ کہ تم جو بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے اونٹ یا اونٹنی یا گائے بیل کو کبھی سب پر کبھی صرف مردوں پر حرام جانتے ہو ان کی حرمت کی وجہ کیا ہے نر ہونا یا مادہ ہونا یا ماں کے پیٹ میں رہنا اگر نر ہونا حرمت کی علت ہو تو چاہئے کہ سارے اونٹ بیل تم سب پر حرام ہوں اور اگر مادہ ہونا حرمت کی علت ہے تو چاہئے کہ ساری اونٹنیاں اور گائیں ہمیشہ تم سب پر حرام ہوں اور اگر ماں کے رحم میں رہنا حرمت کی علت ہو تو چاہئے کہ سارے نر مادے تم سب پر حرام ہوں۔ مگر تمہارا عقیدہ یہ نہیں تم بعض نر بعض مادہ کو بعض لوگوں پر بعض وقت حرام مانتے ہو بعض وقت حلال۔ معلوم ہوا کہ تم نے یہ حرمت بغیر کسی وجہ کے مانی ہے تمہارے پاس اس کی شرعی دلیل یعنی وحی یا قول نبی تو ہے نہیں کیا جب اللہ تعالیٰ نے تم پر یہ جانور حرام کئے تم وہاں موجود تھے رب کا یہ فرمان سن رہے تھے ارے ظالمو کیوں اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو کہ جو اس نے کہا نہیں اس کی طرف نسبت کرتے ہو اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ پر جھوٹ گھڑے خود بعض چیزوں کو حرام کر کے رب کی طرف نسبت کر دے تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے یہ حرکت اگر بے علمی سے کی جائے تو بھی بڑا جرم ہے' چہ جائیکہ دیدہ دانستہ کی جائے ایسے بد عقیدہ ظالموں کو نیک اعمال کی راہ اللہ تعالیٰ کبھی نہیں دکھاتا۔ انہیں جب سوجھتی ہے اوندھی سوجھتی ہے۔ خیال رہے کہ ان آیات میں صرف چار جانوروں کا ذکر ہے' بھیڑ بکری اونٹ گئے یا تو اس لئے کہ کفار عرب ان ہی چار جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے تھے انہیں میں مذکورہ پابندیاں لگاتے تھے' مرغی' بطخ وغیرہ میں ان کا یہ عمل نہ تھا۔ جنس وہاں نہ ہوتی تھی' نہ ہوتی ہے اور یا اس لئے کہ ان چار جانوروں کو حضرات انبیاء کرام سے خاص نسبت ہے۔ چنانچہ دنبہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا فدیہ بنا' بکریاں سارے نبیوں نے چرائی ہیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بکری کا گوشت اور دودھ بہت مرغوب تھا اونٹ تو خاص سواری ہے عرب کی۔ خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی' گائے کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام نے مقتول کو زندہ فرمایا۔ قرآن مجید کی پہلی سورت کا نام سورۂ بقرہ ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی تھی ان وجوہ سے ان چار جانوروں کا ذکر خصوصیت سے یہاں ہوا۔

مسئلہ : قرآن مجید میں آٹھ جانوروں کا ذکر عزت سے ہے چار تو یہ جانور بکری' بھیڑ' اونٹ' گائے اور صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضرت سلیمان کی چیونٹی اور حضرت سلیمان کا ہدہد' اس ہدہد کے ذریعہ ملکہ بلقیس بلکہ سارے ملک یمن کو ایمان ملا یہی ہدہد حضرت سلیمان کے بلقیس کے ساتھ نکاح کا ذریعہ بنا اسے پانی کا بادشاہ بنایا گیا کہ یہ زمین پر دیکھ کر بتا دیتا ہے کہ یہاں پانی کتنے فٹ پر نکلے گا' اسی ہدہد نے نمرود کی آگ پر اپنی چونچ سے پانی کے قطرے ڈالے تاکہ بجھ جائے اور جناب خلیل کو نقصان نہ پہنچے بہرحال نبی کے تعلق سے جانوروں کو شرف حاصل ہو جاتا ہے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جانوروں کی حلت و حرمت میں نر یا مادہ ہونے کو دخل نہیں جو جانور حلال ہے اس کا نر بھی حلال ہے اور مادہ جو حرام ہے اس کی ہر فرد حرام ہے۔ یہ فائدہ **الذکرین حرم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حلال جانور کی ہر چیز حلال ہے اس کے پیٹ میں سے نکلا ہوا زندہ بچہ جب کہ ذبح کر لیا جائے یوں ہی اس کا دودھ چربی وغیرہ کہ یہ سب چیزیں گوشت کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ اشارۃ "**اما اشملت علیہ**" سے حاصل ہوا۔

لطیفہ : ایک بار غالبا" افریقہ سے میرے پاس سوال آیا کہ کنواری گائے جو ابھی نر کے پاس نہ پہنچی ہو۔ دودھ دینے لگے وہ دودھ حلال ہے یا حرام' مجھے اس کا جزئیہ نہ ملا میں نے حضرت سیدی مرشدی مولانا صدر الافاضل **محمد نعیم الدین** صاحب قبلہ قدس سرہ کو عریضہ لکھا جواب آیا کہ حلال ہے اور ام معبد کے واقعہ سے حضرت نے استدلال فرمایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی کنواری سوکھی بکری سے معجزانہ طور پر دودھ دوہا اور پیا بھی پلایا یہ واقعہ ہجرت کی راہ میں پیش آیا یہی حال مرغی کے انڈے کا ہے کہ اس کے پیٹ کا انڈا کچا ہو یا پکا اور کبھی خارج ہو حلال ہے۔ حرام جانور کا انڈا حرام ہے اس جیسے سب مسائل کا ماخذ یہی آیت بن سکتی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کسی چیز کی حرام ہونے کی دو ہی دلیلیں ہو سکتی ہیں ایک یہ کہ کسی سے براہ راست رب فرما دے کہ یہ حرام ہے' دوسرے یہ کہ پیغمبر کے ذریعہ حرمت معلوم ہو پہلی بات تو ناممکن ہے اگر دوسری بات بھی موجود نہ ہو تو چیز حلال ہے۔ یہ فائدہ **ام کنتم شھداء** سے حاصل ہو الہذا حرمت کے لئے کسی ولی کا خواب یا الہام یا پیر کا حکم یا کسی مولوی کا اپنی رائے سے فتویٰ کافی نہیں اس سے موجودہ وہابی علماء عبرت حاصل کریں جو کھینچ تان کر حلال چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے کفار و مشرکین کے جانور بالکل حلال ہیں طیب ہیں مسلمان انہیں اللہ کے نام پر ذبح کریں کھائیں (تفسیرات احمدی) ہاں چوری ڈکیتی سے یہ جانور حاصل نہ کئے جائیں جائز طریقے سے حاصل ہو مسلمان غازی ان پر قابو پالیں کھالیں کہ یہ مال غنیمت ہے' حلال ہے۔ **پانچواں فائدہ:** جو بلا دلیل حلال چیزوں کو حرام کہے وہ بڑا ہی ظالم اور جھوٹا مفتری ہے اور گمراہ کن ہے۔ یہ فائدہ **اظلم** 'افتری اور لیضل الناس سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ایسے شخص کو ظالم مفتری مضل فرمایا۔ **چھٹا فائدہ:** بغیر علم کے فتویٰ دینا حرام ہے لوگوں کی گمراہی کا باعث ہے شرعی فتوے کے لئے پورے علم کی ضرورت ہے۔ یہ فائدہ بغیر علم سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف میں قیامت کی بڑی علامت یہ بیان فرمائی گئی کہ علماء اٹھ جائیں گے لوگ جاہلوں کو سردار مفتی بنالیں گے **فافتو بغیر علم فضلو واضلوا** وہ بغیر علم فتوے دیں گے خود بھی گمراہ ہوں گے لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے یہ مرض آج بہت پھیلا ہوا ہے خصوصا" فضلا دیوبند میں کہ یہ اکثر جاہل مگر فتویٰ حرمت دینے میں بہت جری ہوتے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** صرف فرض کا انکار کرنا ہی کفر نہیں بلکہ ہر یقینی قطعی مسئلہ کا انکار کرنا بھی کفر ہے۔ حتیٰ کہ قطعی حلال چیز کی حلت کا انکار بھی کفر ہے دیکھو مذکورہ آٹھ جانور کھانا صرف حلال ہے فرض نہیں مگر اس حلت کے انکار کو قرآن کریم نے کفر و گمراہی قرار دیا۔ **فمن اظلم** رب فرماتا ہے۔ احل لکم لیلتہ **الصیام الرفث** اور فرماتا ہے **واذا حللتم فاصطادوا** روزوں کی رات میں بیوی سے صحبت' احرام سے فارغ ہونے پر شکار کرنا فرض نہیں صرف جائز ہے مگر ان کے جواز کا انکار کفر ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** جن جانوروں کو نبی سے نسبت ہو جائے وہ عظیم بن جاتا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان چار جانوروں کا ذکر یہاں فرمایا کیونکہ انہیں انبیاء کرام سے نسبت ہے خیال رہے کہ حضرت سلیمان کا ہدہد' صالح علیہ السلام کی اونٹنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری قصواء' اصحاب کہف کا کتا' حضرت سلیمان کی چیونٹی کی عزت ہے'

ان سب کا ذکر قرآن مجید میں حرمت سے ہے۔ **نواں فائدہ:** بعض جاہل مسلمان بعض فاتحہ کی چیزوں پر پابندیاں لگاتے ہیں کہ فلاں کی فاتحہ کا کھانا دو خاوند والی عورت نہ کھائے امام باقر کی فاتحہ کے کونڈوں کی پوریاں گھر سے باہر نہ نکالی جائیں فلاں بزرگ کی فاتحہ کا کھانا عورتیں نہ کھائیں اصحاب کہف کا توشہ کا کھانا ایک دن سے زیادہ رکھ کر نہ کھایا جائے یہ تمام پابندیاں محض جہالت ہے اس میں انہی کفار مکہ کی گویا نقل ہے جن کی تردید میں یہ آیات آئی ہیں بلکہ یہ سب مطلق حلال ہیں اپنی طرف سے قیود نہ لگاؤ۔

پہلا اعتراض: ان آیات کریمہ میں صرف چار جانوروں کے آٹھ جوڑوں نر و مادہ کا ہی ذکر کیوں ہوا بقیہ جانوروں ہرن وغیرہ کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** یا اس لئے کہ عرب شریف میں یہ چار جانور رہوتے تھے ہرن نیل گائے وغیرہ نہیں پائے جاتے تھے یا اس لئے کہ کفار عرب ان ہی چار جانوروں کو بتوں کے نام پر چھوڑتے اور انہی کو حرام جانتے تھے یا ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے۔ جیسے رب تعالیٰ نے سواریوں کے ذکر کے موقعہ پر اونٹ، گھوڑے، خچر، گدھے کا ذکر فرمایا باقی کے متعلق فرمایا **ویخلق ما لا تعلمون** ہم ایسی سواریاں پیدا فرمائیں گے جو تم جانتے بھی نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حلال جانور کھانا فرض نہیں صرف جائز ہے کسی جائز کام کو نہ کرنے پر قرآن کریم نے گمراہی اور افتریٰ ظالم ہونے کا فتویٰ کیوں دیا فرض کا تارک بھی گمراہ نہیں ہوتا صرف فاسق ہوتا ہے چہ جائیکہ جائز کا تارک۔ **جواب:** یہاں حلال جانور نہ کھانے کا ذکر نہیں بلکہ انہیں حرام جاننے کا ذکر ہے کہ یہ گمراہی بلکہ کفر ہے نہ کھانا کفر نہیں کھانا حرام سمجھنا کفر ہے۔ دیکھو حضرت عبداللہ بن سلام جب مسلمان ہوئے تو انہوں نے چاہا کہ ہم اونٹ کا گوشت نہ کھائیں کیونکہ یہودیوں کے ہاں اونٹ حرام تھا رب نے فرمایا **ادخلوا فی السلم کافۃ** غرضیکہ نہ کھانا اور چیز ہے اور حرام سمجھنا کچھ اور۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **لیضل الناس بغیر علم** جس سے معلوم ہوا کہ **بغیر علم** کے گمراہ کرنا برا ہے تو کیا علم کے ساتھ گمراہ کرنا درست ہے بغیر علم کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر چکا کہ بغیر علم کے بھی گمراہ کرنا برا ہے تو علم کے باوجود گمراہ کرنا بہت ہی سخت گناہ ہے یا یہ مطلب ہے کہ جو شخص علم دین نہ رکھے اور لوگوں کو بے علم غلط مسائل یا غلط عقائد بتائے سکھائے وہ بڑا ہی ظالم ہے۔ بہت لوگوں کو اپنے ساتھ دوزخ میں لے جائے گا **اجراھم علی الفتا اجراھم علی النار** فتویٰ پر جری دلیر دوزخ کی آگ پر جری اور دلیر ہے اللہ تعالیٰ اس سے بچائے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ہدایت نہیں دیتا۔ دوسری جگہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں عرض کیا **انی کنت من الظالمین**۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ظلمنا انفسنا**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے۔ **رب انی ظلمت نفسی** حالانکہ یہ حضرات تو ہدایت کا مرکز تھے ہدایت پر تھے بلکہ ہدایت دینے والے تھے پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔ **جواب:** یہاں ظلم سے مراد کفر بلکہ کفر گری ہے اور ان آیت میں ظلم سے مراد بھول خطا غلطی ہے۔ لہٰذا یہ آیت واضح ہے ایک ہی لفظ مختلف آیات میں مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر یہاں ظلم سے مراد کفر بھی ہو جب بھی بہت سے کافر مشرک بلکہ کافر گر مسلمان ہو کر ہادی بلکہ صحابی بن چکے ہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو سارے لوگ کافر ہی تھے انہیں میں سے مومن ولی، مجاہد، غازی، صحابی، شہید بنے پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** ظالم و کافر در حقیقت وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم میں کافر ہو جس کا کفر پر مرنے کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہو۔ ایسوں کو واقعی ہدایت نہیں ملتی جن کے مقدر میں ایمان ہے اور ابھی وہ کافر ہیں وہ اصل کافر نہیں وہ کیچڑ میں لتھڑا ہوا موتی ہیں رحمت کے پانی سے عنقریب دھل جائیں گے یہ جواب نفیر

کے نزدیک قوی ہے بعض نے فرمایا کہ کافر کو اعمال صالحہ کی ہدایت نہیں ملتی مگر جب وہ مومن ہو جائے تو ظالم و کافر نہیں رہے گا' اعمال کی ہدایت پائے گا' بعض نے فرمایا کہ جو کافر ہو کر مرے اسے قبر میں منکر نکیر کے جوابات کی حشر میں درست حساب کی راہ جنت کی ہدایت نہ ملے گی۔ چھٹا اعتراض: بعض مسلمان بعض بزرگوں کے جنگل کا جانور شکار نہیں کرتے بعض کے تالابوں کی مچھلیاں نہیں پکڑتے بعض مزارات کے پاس کی لکڑیاں نہیں استعمال کرتے یہ بھی وہی کفار عرب کا طریقہ ہے ہر جگہ کی ہر چیز کھانی استعمال کرنی چاہئے۔ جواب: وہ چیزیں دراصل مضر ہیں تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ ان کے استعمال سے سخت نقصان پہنچا یہ بچنا اس لئے ہے جیسے بلغمی مزاج والے کا بادی چیزوں سے پرہیز اس کی اصل وہ واقعہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی معجزہ والی اونٹنی کے متعلق فرمایا تھا ولا تمسوھا بسوء فیا خذکم عذاب الیم اونٹنی حرام نہیں مگر وہ ممنوع ہو گئی کیونکہ اس کا ذبح مضر تھا۔ ساتواں اعتراض: اگر کفار مکہ بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں میں پابندیاں لگاتے تھے تو ان پر عتاب ہوا تو مسلمان حرم شریف کے شکار وہاں کی گھاس وغیرہ میں پابندیاں لگاتے ہیں کہ حرم کا شکار حرام وہاں کی گھاس کاٹنا حرام ہے' مسلمان بھی اسی عتاب کے مستحق ہونے چاہئیں۔ جواب: کفار مکہ اپنی رائے سے یہ پابندیاں لگاتے تھے اسلام کی یہ پابندیاں خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے لگاتے ہیں اللہ رسول مالک احکام شرعیہ ہیں' لہٰذا کفار پر عتاب ہوا مومنین ایسی پابندی سے رحمت کے مستحق ہیں' قاتل مجرم کو حاکم کے حکم سے قتل کرنا بالکل حق ہے اور کسی کا اپنے آپ اسے قتل کر دینا جرم ہے' بیمار کا اپنے آپ دواخانہ سے دوا لے کر استعمال کرنا ہلاکت کا باعث ہے حکیم کی تجویز سے استعمال کرنا شفا کا باعث اللہ رسول حاکم ہیں حکیم ہیں ان کی تجویز بالکل درست ہماری تجویز غلط ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ظاہر والے دلیل سے مانتے ہیں باطن والے دل سے۔ دلیل دو قسم کی ہوتی ہے غلط اور صحیح غلط دلیل غلط راہ کی طرح غلط مقصد غلط مدعا تک پہنچاتی ہے صحیح دلیل صحیح راستہ کی طرح صحیح مدعا تک پہنچاتی ہے۔ جس دلیل کی انتہا وحی الٰہی پر ہو وہ صحیح ہے۔ جو وہاں تک نہ پہنچے وہ غلط ہے اس آیت کریمہ میں کافر کی غلط دلیل پر جرح فرمائی گئی ہے کہ جانوروں کا حرام یا حلال کرنا ہمارا کام ہے ہمارے حکم سے حرام ہوتے ہیں تم تک ہمارے حکم پہنچنے کے دو ذریعہ ہو سکتے تھے ایک دل کہ تم نے خود ہمارا فرمان براہ راست سنا ہو تمہارے دل نے اس پر یقین کیا ہو تمہاری رسائی ہماری بارگاہ تک ہوئی ہو یہ تو ہے ناممکن اب تمہارے لئے ذریعہ علم صرف دلیل ہی ہے صحیح دعویٰ کے لئے صحیح دلیل چاہئے۔ جس کی انتہا نبوت ہے بتاؤ کس کتاب آسمانی نے یا کس نبی نے ان جانوروں کو حرام کہا اور کس قانون کے ماتحت حرام کہا حرمت کی علت نر ہونا ہے یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونا یہ تینوں قاعدے باطل تو یقیناً تمہاری دلیل غلط ہے۔ جس کے پاس نہ دل ہو نہ دلیل وہ ظالم ہے خود بھی گمراہ ہے دوسری کو بھی گمراہ کرے گا نورانی بندہ لوگوں کو نورانی کر دیتا ہے' ظلمانی بندہ ظلمانی ہی بناتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عکس نور حق ہمہ نوری بود　　　عکس دور از حق ہمہ دوری بود

حلال کو حرام کرنا اچھا نہیں حرام سے بچنا اچھا ہے کفار عرب حلال جانوروں کو تو حرام سمجھتے تھے مگر مردار حرام جانور کھا جاتے تھے آج بعض مدعیان ولایت حلال و طیب غذاؤں کو تقویٰ کے خلاف سمجھتے ہیں' اور جھوٹ غیبت بے روزے بے نماز رہنے سے گریز نہیں کرتے یہ فقیری نہیں بلکہ شیطان کے جال میں اسیری ہے۔

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ

فرمادو نہیں پاتا ہوں میں اس میں جو وحی کی گئی میری طرف حرام کیا ہوا کسی کھانے والے پر کہ کھائے اس کو

تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ کہ مردار

مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ

مگر یہ کہ ہو مردار یا خون بہتا ہوا یا گوشت سور کا بس تحقیق وہ گندی ہے یا ہو بد عملی کہ ذبح

ہو یا رگوں کا بہتا خون یا بد جانوروں کا گوشت کہ نجاست ہے یا بے حکمی کا جانور جس کے ذبح

بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾

کیا گیا ہو غیر اللہ کیلئے اسکو بس وہ جو کہ مجبور کر دیا جاوے نہ چاہنے والا اور نہ حد سے بڑھنے والا بس تحقیق رب آپکا بخشنے والا مہربان ہے

میں غیر خدا کا نام پکارا گیا تو جو نا چار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جانوروں کا حلال و حرام کرنے کے متعلق کفار عرب کی بے قاعدگیوں کا ذکر تھا اب انہیں جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق قانون اور قاعدے کا ذکر ہے گویا بے اصول حرام و حلال کے بعد اصول کے ماتحت حلت و حرمت کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب سے جانوروں کی حلت و حرمت کے متعلق دلیل مانگی گئی تھی جو وہ پیش نہ کر سکے اب اسی کے متعلق اسلامی ایمانی دلیل پیش فرمائی جا رہی ہے گویا بے علمی کے بعد علم پیش فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ بلا شرعی دلیل کے چیزوں کو حرام کہنا گمراہی اور گمراہ گری ہے اب ارشاد ہے کہ علم کے ساتھ حرام کہنا ہدایت اور ہدایت گری ہے گویا گمراہی کے بعد ہدایت کا ذکر ہے۔ چوتھا تعلق: دین و دنیا کی بقا نفی و اثبات پر ہے پچھلی آیات میں نفی تھی کہ فلاں فلاں جانور حرام نہیں تم انہیں حرام سمجھتے ہو جھوٹے ہو اب اثبات ہے کہ فلاں فلاں جانور حرام ہیں۔ خیال رہے کہ نفی اثبات بہت ضروری ہے نیند نفی ہے کہ انسان کی ہر طاقت کی نفی کر دیتی ہے بیداری اثبات ہے۔ بھوک پیاس بیماری کی نفی کرنا سیری سیرابی صحت کا اثبات کرنا ضروری ہے۔

شان نزول : مالک ابن عوف جشمی اور اس کے ساتھ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرنے آئے تھے جس کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا جب وہ اس مناظرہ میں لاجواب اور خاموش ہو گئے کسی قاعدے سے ان جانوروں کی حرمت ثابت نہ کر سکے تو انہوں نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا اچھا ہمارے پاس تو اس کا کوئی قاعدہ نہیں آپ ہی ایک کلیہ قانون بیان فرمائیں جس کا تعلق وحی الٰہی سے ہو تب اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن)۔

تفسیر : قل لا اجد فیما اوحی الی یہاں قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ جب ابر نیساں کا قطرہ سیپ میں پڑے اسے موتی بنا دیتی ہے اگر وہ قطرہ سیپ کے علاوہ اور جگہ پڑے تو موتی نہیں بنتا یوں ہی عقائد کی آیات میں قل

اس لئے آتا ہے تاکہ وہ عقائد ایمان بن جائیں جیسے **قل هو الله احد** اور احکام کی آیات میں **قل** اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے احکام نکلیں اور شریعت و اسلام بن جائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان وہ سیپ ہے جو عقائد کے قطروں کو ایمان کا موتی بنا دیتی ہے اور احکام کی آیات کو شریعت بنا دیتی ہے' دیکھو ابلیس سارے **قل هو الله** کے مضمون کو مانتا ہے مگر مومن نہیں کہ زبان مصطفوی نے اسے موتی نہیں بنایا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان نے قرآن کو قرآن بنا دیا قرآن کے معنی ہیں پڑھی ہوئی کتاب کس کی پڑھی ہوئی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے جنہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے حرمت کی دلیل مانگی تھی یا سارے کفار عرب کی طرف جو بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانوروں کو حرام مطلق یا حرام مقید کہتے تھے لہذا یہ قل جواب کا ہے یا عتاب کا کیونکہ اس کے مخاطبین معتوبین یا مقابلہ کرنے والے کفار ہیں اگر روئے سخن مومنین سے ہو تو قل بندہ نوازی کرم پروری کا ہوتا ہے جیسے **قل یا عبادی الذین اسرفوا** اگر قل میں رب تعالیٰ سے عرض معروض ہو تو قل نیاز مندی عجز و انکساری کا ہوتا ہے جیسے **قل اعوذ برب الفلق** یا **قل اللهم مالک الملک** وغیرہ اور اگر اس کا تعلق ساری مخلوق سے ہو تو قل صرف تبلیغ کا ہوتا ہے جیسے **قل هو الله احد**۔ **لا اجد** فرما کر یہ بتایا گیا کہ جس چیز کی حرمت کی دلیل نہ ملے وہ حلال ہے یہ اسلامی قانون ہے اور مذکورہ بالا چیزوں کی حرمت کی دلیل تو ہے نہیں اگر ہوتی تو مجھے معلوم ہوتی میرے علم میں ہوتی **اوحی** سے مراد یا تو وحی جلی یعنی قرآن مجید ہے تو یہ حصر حقیقی ہے واقعی قرآن مجید میں ان مذکورہ چیزوں کے سواء اور کوئی چیز حرام نہیں کی گئی باقی حرام جانوروں کو حدیث پاک نے حرام فرمایا جیسے کتا' بلا' گدھا وغیرہ اور یا اس سے مراد مطلقاً" وحی ہے جلی ہو یا خفی یعنی قرآن مجید ہو یا حدیث اس صورت میں یہ حصر اضافی ہے یعنی جن جانوروں کو تم حرام کر لیتے ہو وہ تمہارے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہوتے حرام تو یہ چیزیں ہیں **محرما علی طاعم یطعمہ** یہ عبارت **لا اجد** کا مفعول بہ ہے اس میں بجائے حراما" کے محرما" فرما کر یہ بتایا کہ رب العالمین نے ہر چیز حلال پیدا کی ہے ان میں سے بعض میں حرمت کسی دلیل خاص یا وجہ خاص سے آئے گی یعنی دلیل یا وجہ سے حرام کی ہوئی چیز یا یہ مطلب ہے کہ تمہارے حرام سمجھ لینے سے کوئی چیز حرام نہیں ہو گی بلکہ حرمت اللہ تعالیٰ سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے آئے گی یعنی اللہ رسول کی حرام فرمائی ہوئی چیز۔ طاعم بنا ہے طعم سے زائد ہے بمعنی کھانا چکھنا یہاں طاعم فرمایا مومن نہ فرمایا جس سے اشارۃ" بتایا گیا کہ گندی ناپاک غذاؤں سے پرہیز کرنا۔ انسانیت کا تقاضا ہے اگر انسان ہر چیز کھا لیا کرے تو اس میں اور جانور میں کیا فرق ہو نیز فرمایا کہ اے کافرو تم نے جو حرمت میں مرد و عورت کا فرق کیا ہے کہ فلاں جانور مردوں کے لئے حلال ہے' عورتوں پر حرام یہ محض غلط ہے کوئی کھانے والا ہو مرد یا عورت یہ چیزیں سب پر حرام ہیں **یطعمہ** فرما کہ یہ بتایا کہ ان مذکورہ چیزوں میں کھانا تو سب کا حرام ہے مگر بعض چیزیں ایسی ہیں جن کا کھانا حرام ہے اور طرح استعمال حلال جیسے مردار کہ اس کی کھال بال ناخن سینگ کھر وغیرہ دوسرے استعمال میں آ سکتی ہیں غرضیکہ اللہ تعالیٰ کے کلام کا ایک ایک لفظ اپنے میں صدہا حکمتیں رکھتا ہے **الا ان یکون میتة** یہ عبارت محرما" سے مستثنیٰ ہے نفی اور استثنا سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یکون کا اسم **هو** ضمیر ہے **میتة** وہ جانور ہے جو قابل ذبح ہو اور پھر بغیر شرعی ذبح کے مر جائے لہذا اس میں مرا ہوا گلا گھونٹا ہوا اوپر سے گرا ہوا قتیل وغیرہ سے غرضیکہ موقوذہ متردیہ نطیحہ اور درندہ کا چارہ ہوا یعنی **ما اکل السبع** وغیرہ جو سورۂ مائدہ میں مذکور ہوئے سب ایک لفظ میتہ میں داخل ہیں لہذا یہ آیت کریمہ نہ تو اس آیت کے خلاف ہے نہ منسوخ بلکہ محکم ہے **او دما مسفوحا**

یہ عبارت معطوف ہے میتۃ پر خبر ہے یکون کی۔ مسفوح بمعنی مصبوب ہے یعنی بہتا ہوا۔ یہ قید اس لئے ارشاد ہوئی کہ قدرتی جما ہوا خون جیسے کلیجی یا تلی حلال ہے۔ جو خون ہو تو بہتا ہوا مگر ٹھنڈا ہو کر جم جائے وہ حرام ہے کہ دم مسفوح میں داخل ہے۔ **او لحم خنزیر** یہ عبارت معطوف ہے **دما مسفوحا** پر اور خبر ہے یکون کی چونکہ مردار جانور گائے بکری وغیرہ بذات خود حلال ہے ذبح نہ ہونے ویسے ہی مر جانے کی وجہ سے حرام ہوا اس لئے وہاں میتۃ فرمایا اور سور بذات خود حرام ہے خواہ ذبح کیا جائے یا بغیر ذبح مر جائے اس لئے یہاں لحم خنزیر ارشاد ہوا چونکہ جانور میں اصل گوشت ہے چربی کلیجی گردے وغیرہ اس کے تابع ہیں جب گوشت حرام ہوا تو ساری چیزیں حرام ہوئیں اس لئے لحم یعنی گوشت کا ذکر ہوا نیز رب تعالیٰ کی مرضی یہ ہے کہ کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز نہ ہو سکے صرف قرآن سے اپنے تمام مسائل حل نہ کر سکے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا محتاج بھی رہے اس لئے لحم فرمایا کہ سور کا گوشت تو ہم حرام فرماتے ہیں اس کے باقی اعضا ہمارے محبوب حرام کریں گے۔ **فانہ رجس** اس عبارت میں ف تعلیلیہ ہے اور ہ کا مرجع یا سور کا گوشت ہے یا خود سور جس کے معنی ہیں نجس ناپاک گندا خبیث اس میں سور کے حرام ہونے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی چونکہ سور یا سور کا گوشت نجس العین ہے کہ کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا اور ہر نجس چیز حرام ہوتی ہے لہٰذا یہ حرام ہے۔ خیال رہے کہ **انہ** کی ضمیر اگر سور کی طرف ہو تو اس سے سور کے سارے اجزا کا حرام ہونا ثابت ہوگا کیونکہ جب وہ مجسم نجس ہے کہ اس کا کوئی جز پاک نہیں تو مجسمہ حرام بھی ہوگا اور اگر لحم خنزیر کی طرف ہو تو اس آیت سے صرف سور کے گوشت کی حرکت ثابت ہوگی' دوسرے اعضاء کی حرمت لزوماً" یا حدیث شریف سے ثابت ہوگی۔ بعض مفسرین نے کہا کہ **فانہ** کی ضمیر میتۃ دم مسفوح اور لحم خنزیر اور خنزیر سب کی طرف ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ مردار جانور حرام تو ہے مگر مجسم رجس نہیں اس کی کھال پک کر ہڈیاں' ناخن سوکھ کر پاک ہو جاتے ہیں' سینگ وغیرہ پاک ہیں لہٰذا یہ ضمیر صرف خنزیر یا لحم خنزیر کی طرف ہے۔ **او فسقا اھل لغیر اللہ بہ** یہ عبارت معطوف ہے لحم خنزیر پر اور یکون کی خبر ہے **فسقا** موصوف ہے اور **اھل** اس کی صفت **اھل** کی تحقیق ہم سورہ بقرہ اور سورۂ مائدہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ یہ لفظ بنا ہے اہلال سے معنی ہلال یعنی پہلی شب کا چاند دکھانا اس پر شور مچانا کہ دیکھ ہلال یہ ہے پھر مطلقاً" پکارنے شور مچانے کے لئے استعمال ہونے لگا حتیٰ کہ نومولود بچہ کے رونے کو استہلال کہنے لگے مگر شریعت میں اہلال کے معنی ہیں ذبح کے وقت پکارنا کسی کا نام لینا وہی یہاں مراد ہے جیسے صلوۃ کے لغوی معنی ہیں مطلقاً" دعا مگر شریعت میں نماز کو صلوٰۃ کہتے ہیں **اقیموا الصلوٰۃ** میں صلوٰۃ کے یہی معنی مراد ہیں غیر اللہ سے مراد ہر ماسوی اللہ ہے خواہ کوئی ہو بت ہوں یا کوئی اور بندہ یعنی یا وہ جانور حکم عدولی والا ہو کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا ہو خواہ نبی ولی کے نام پر ذبح کیا گیا ہو یا کسی اور کے نام پر بہر حال حرام ہے' خیال رہے کہ جانوروں میں حرمت تین طرح کی ہے حرمت لعینہ جیسے سور کی حرمت اور حرمت لغیرہ جیسے مردار کی حرمت مع غیرہ جیسے چوری یا غصب والا مذبوحہ جانور کی حرمت کہ ایسا جانور بذات خود حلال ہے مگر مالک کی اجازت کے بغیر اس کا کھانا جائز نہیں حرمت لغیرہ کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جانور ذبح ہی نہ ہو وہ ہے مردار دوسرے وہ جو ذبح تو ہو مگر غیر خدا کے نام پر وہ ہے **ما اھل بہ لغیر اللہ**۔ اس آیت میں حرام لعینہ یعنی سور کا ذکر بیچ میں ہے اور حرام لغیرہ کی ایک قسم کا ذکر پہلے ہے دوسری کا بعد میں اور ضمن میں بہتے خون کا۔ نہایت نفیس ترتیب ہے۔ پھر ذبح تین قسم کا ہے ذبح اختیاری اس میں حلقوم اور رگیں کٹنا ضروری ہیں' ذبح اضطراری یعنی قبضہ سے باہر جانور کا ذبح اس میں کسی جگہ دھار دار چیز سے زخم کر دینا کافی ہے تیسرا ذبح شکاری اس میں شکاری کتے کے دانت مثل چھری کے ہیں۔

فمن اضطر غیر باغ ولا عاد یہ نیا جملہ ہے من سے مراد مسلمان ہے۔ جس پر یہ مذکورہ چیزیں کھانا حرام ہیں۔ **اضطر** بنا ہے اضطرار سے بمعنی مجبوری یہاں وہ مجبوری مراد ہے جو انسان کو ان حرام چیزوں کے کھانے پر مجبور کردے جیسے جنگل میں سخت بھوکا ہو تاکہ جان نکل رہی ہے اور کچھ کھانے کو نہیں سواء اس حرام چیز کے یا کسی نے اسے قتل کی دھمکی دے کر اس کے کھانے پر مجبور کردیا۔ غیر باغ اضطر کی ضمیر سے حال ہے۔ باغ بغاوت سے نہیں بلکہ بغی سے بنا بمعنی چاہنا تلاش کرنا یہاں لذت کے لئے اس کھانے کا چاہنا مراد ہے۔ یہی امام اعظم کا مذہب ہے عاد بنا ہے عدو سے بمعنی حد سے بڑھنا یہاں اس سے مراد ہے جان بچانے کی حد سے زیادہ کھالینا اگر دو بوٹی سے جان بچ جاتی ہے تو تیسری کھالینا یعنی جو مسلمان ان حرام جانوروں کے کھانے پر مجبور کردیا جائے بشرطیکہ نہ تو لذت کے لئے کھائے نہ ضرورت سے زیادہ کھائے تو **فان اللہ غفور رحیم** یہ عبارت **من اضطر** کی جزا نہیں اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ **لا یواخذہ** یہ جملہ اس کی علت ہے لہٰذا اس میں ف تعلیلیہ ہے یعنی ایسے مجبور کو ان چیزوں کے کھالینے پر اللہ تعالیٰ پکڑے گا نہیں کیونکہ وہ بخشنے والا بھی ہے مہربان بھی غفور رحیم ایسے مجبور کو معاف فرماتا ہے یا مقصد یہ ہے کہ اگر ایسے مجبور آدمی سے اندازے میں غلطی ہوگئی کہ دو بوٹیوں سے اس کی جان بچ سکتی تھی وہ تین کھا گیا تو اللہ تعالیٰ اس کی یہ غلطی معاف فرمادے گا کیونکہ وہ غفور بھی ہے رحیم بھی وہ بندوں پر تنگی نہیں فرماتا۔

خلاصہ ء تفسیر : جیسے تکوینی احکام میں انسان خود مختار نہیں حکم ربانی کا پابند ہے جب چاہے وہ بیمار کردے جب چاہے عزت ذلت' امیری غریبی دیدے' جب چاہے موت دیدے یوں ہی انسان تشریعی احکام میں خود مختار نہیں تکوینی احکام رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہے تو چاہئے کہ تشریعی احکام میں جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں رہے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخن تک اپنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام جاری کرے **ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا** اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے چلنے پھرنے بولنے سننے بلکہ سوتے جاگتے حتی کہ حجامت کرنے تک کے احکام جاری فرمائے اس آیت میں غذا خصوصاً" جانوروں کے حلال و حرام ہونے کے متعلق احکام بیان ہو رہے ہیں' چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان بے اصولے کافروں سے فرمادو کہ تمہارے حرام ٹھہرائے ہوئے جانوروں بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' حام وغیرہ جانوروں میں سے میں کسی جانور کو اپنی وحی میں حرام نہیں پاتا لہٰذا ان میں سے کوئی جانور حرام نہیں کسی چیز کی حرمت نہ ملنا اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ ہمارا یہ کہہ دینا کہ فلاں مسئلہ نہیں پاتا مجھے نہ ملا ہماری بے عملی کی دلیل ہے کہ ممکن ہے وہ مسئلہ کسی کتاب میں ہو مگر مجھے نہ ملا ہو لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ مجھے یہ مسئلہ نہیں معلوم اس مسئلہ کے نہ ہونے کی دلیل ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بتعلیم الٰہی اولین و آخرین سے بڑے عالم ہیں' جیسے رب نے فرمایا **قل اتنبئون اللہ بما لا یعلم فی السموات ولا فی الارض** جیسے رب نے فرمایا **فلا تسئلن مالیس لک بہ علم** جو چیز خدا نہ جانے یا نبی نہ جانے وہ ہے ہی نہیں ان کی عدم اطلاع عدم ثبوت کی دلیل ہے' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جانوروں کی حرمت نہیں ملی تو یقیناً وہ حرام نہیں۔ ہاں میری وحی کے مطابق حرام ہونے کے لئے قاعدہ یہ ہے کہ جانور یا تو مردار ہو اس کا کھانا سارے مسلمانوں پر حرام ہے مرد ہو یا عورت یا جانور کا بہتا ہوا خون یا سور کا گوشت کیونکہ سور یا اس کا گوشت نجس العین ہے گندا ہے' خبیث ہے یا رب تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کیا ہوا جانور ہو کہ رب نے اپنے نام پر ذبح کرنے کا حکم دیا وہ خدا کے سوا کسی اور کے نام پر ذبح کردیا گیا ہو یہ چیزیں حرام ہیں اور سب پر حرام ہیں۔ مگر

خیال رہے کہ جو مجبوری میں گرفتار ہو جائے کہ اسے جان بچانے کے لئے ان میں سے کوئی چیز کھانا پڑ جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی پکڑ نہ فرمائے گا بشرطیکہ نہ لذات کے لئے کھائے نہ ضرورت سے زیادہ کیونکہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ ایسے مجبوروں کی پکڑ نہیں فرماتا انہیں معاف کر دیتا ہے۔ اے کافرو جانوروں کی حرمت کا قانون تو یہ ہے کہ تم نے بتوں کے نامزد جانوروں کو کونسے قاعدہ سے حرام کیا۔ اور وہ بھی نہایت بیہودہ طریقہ سے کہ مردوں کو حلال عورتوں پر حرام۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر چیز بذات خود اصل میں حلال ہے بعض چیزیں شرعی ممانعت کی وجہ سے حرام ہیں یہ اسلام کا قانون کلی ہے کہ حلت اصل ہے حرمت ممانعت کے عارضہ سے۔ یہ فائدہ **لا اجد** سے حاصل ہوا کہ یہاں حرمت کی دلیل نہ ملنے کو حلت کی دلیل قرار دیا گیا اسی لئے قرآن کریم نے حرام چیزوں کو محرم فرمایا ہے مگر کسی بھی حلال چیز کو محلل نہیں فرمایا بلکہ انہیں حلال کہا۔ **حلا لا طیبا** تاکہ معلوم ہو کہ چیزیں حلال تو خود بخود ہوتی ہیں مگر حرام کی جاتی ہیں خود حرام نہیں ہوتیں۔

مسئلہ: چیزیں تین قسم کی ہیں بعض وہ جن کی حلت حدیث یا قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ حلال قطعی ہیں بعض وہ جن کی حرمت قرآن یا حدیث میں مذکور ہے وہ حرام ہے جیسے سور، کتا، بلا وغیرہ بعض وہ جن سے خاموشی ہے یعنی قرآن و حدیث میں ان کا ذکر ہی نہیں وہ معاف ہیں یعنی حلال ہیں جیسے عام جانور پھل فروٹ غذائیں دوائیں۔ (تفسیر ابن کثیر و حدیث شریف) یہی حال عورتوں کی حلت و حرمت کا ہے کہ جن عورتوں کی حرمت قرآن یا حدیث میں وارد ہو گئی وہ حرام ہیں باقی حلال رب نے چند عورتوں کی حرمت کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا **واحل لکم ما وراء ذالکم** آج کل لوگ بلا دلیل چیزوں کو حرام کہہ دیتے ہیں اور ہم سے حلت کی دلیل مانگتے ہیں، خود حرمت کی دلیل پیش نہیں کر سکتے یہ سخت غلطی ہے اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** چیزوں کے حرام ہونے کے لئے نص یعنی وحی الٰہی درکار ہے وحی جلی ہو یا وحی خفی یعنی حدیث شریف محض کسی کے قیاس رائے سے حرمت ثابت نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ **فی ما اوحی** سے اور **محرما** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں حراما" نہ فرمایا محرما فرمایا اور محرما کے ساتھ وحی کا ذکر فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** حرام جانوروں کا کھانا حرام ہے ان کی کھال بال سینگ وغیرہ دوسرے استعمال میں آ سکتے ہیں، دیکھو ہاتھی دانت کی بہت چیزیں بنتی ہیں اور کام میں لائی جاتی ہیں۔ یہ فائدہ **علی طاعم یطعمہ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جو جانور حرام ہے وہ ہر مسلمان کے لئے حرام ہے مرد ہو یا عورت عالم ہو یا جاہل مرد و عورت کا فرق کرنا جہالت ہے۔ یہ فائدہ **طاعم یطعمہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بہتا ہوا خون حرام ہے اس کا کھانا بھی حرام ہے فروخت کرنا بھی اور طرح استعمال کرنا بھی۔ کھانے کی حرمت اس آیت سے ثابت ہے اور اس کی قیمت کی حرمت دوسری طرح استعمال کرنے کی حرمت دوسرے دلائل سے۔ **چھٹا فائدہ:** سور نجس العین ہے اس کی کوئی چیز کسی طرح استعمال کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اس کی کھال کے جوتے پہننا حرام ہے اس کے بالوں کا برش استعمال کرنا حرام۔ یہ فائدہ **فانہ رجس** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ ہ ضمیر خنزیر کی طرف ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ہر نجس چیز حرام ہے مگر ہر حرام چیز نجس نہیں، بعض چیزیں حرام ہیں مگر پاک ہیں دیکھو مٹی کھانا حرام ہے مگر وہ پاک ہے پاک اگر کتا بلا تکبیر سے ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت پاک ہو جائے گا مگر رہے گا حرام۔ یہ فائدہ **فانہ رجس** کی ف تعلیلیہ سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** سور کو اگر

تکبیر سے ذبح کرلیا جائے یا اس کی کھال پکالی جائے جب بھی وہ پاک نہ ہوگی وہ اور اس کی ہر چیز بہرحال نجس اور حرام ہی ہوگی۔ یہ فائدہ بھی **فانہ رجس** سے حاصل ہوا' ہاں انقلاب حقیقی کا حکم اور ہے جیسے سور نمک کی کان میں گر کر نمک بن جائے وہ نمک پاک ہوگا' جیسے پاخانہ کی راکھ پاک ہو جاتی ہے۔ **نواں فائدہ:** جانور کی زندگی میں اس پر کسی کا نام پکارنا اسے حرام نہ کرے گا بلکہ ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا حرام کرے گا' ذبح کے وقت کی پکار کا اعتبار ہے' دیکھو یہاں دعی نہ فرمایا بلکہ **اھل** ارشاد ہوا کہ دعی میں ہر پکارنا مراد ہوتا **اھل** میں خاص پکارنا مراد ہے یعنی ذبح کے وقت کا۔ **دسواں فائدہ:** بتوں کے نام پر جانور ذبح کرنا فسق اعتقادی یعنی کفر ہے یہ فائدہ **او فسقا** سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** حرام گوشت بحالت مجبوری حلال نہیں ہو جاتا حرام ہی رہتا ہے مگر جان بچانے کے لئے اس کا کھانا جائز بلکہ واجب ہو جاتا ہے کہ اگر نہ کھائے اور مرجائے تو گنہگار مرے گا گویا اس نے خودکشی کرلی۔ دیکھو یہاں **من اضطر** کے ساتھ حلال کا لفظ ارشاد نہ ہوا بلکہ مغفرت الٰہی رحمت الٰہی کا ذکر ہوا۔ بہت فرق ہے چیز کے حلال ہونے میں اور اس کے استعمال کے حلال ہونے میں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس مجبوری میں وہ جانور ہی حلال ہوگا مگر بقدر ضرورت۔

فقہی معمہ: وہ کون حرام چیز ہے جس کا کھانا واجب ہے **حل** وہ یہی حرام جانور ہیں جن کا بقدر ضرورت اضطرار کی حالت میں کھانا واجب ہے مگر یہ **حل** ان علماء کے فرمان پر ہے جو ایسی مجبوری میں ان جانوروں کو حرام ہی جانتے ہیں مگر ان کا کھانا واجب کہتے ہیں۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے کہ رب تعالیٰ نے ایسے مجبور کے لئے انہیں حلال نہ کہا بلکہ اپنی مغفرت و رحمت کا ذکر فرمایا۔ **بارھواں فائدہ:** ایسا مجبور جسے زندگی بچانے کے لئے صرف چند لقمے کھانے کی اجازت ہے اگر اندازہ میں غلطی کر جائے اور ایک آدھ لقمہ زیادہ کھائے تو اس کو پکڑ نہ ہوگی۔ یہ فائدہ **فان ربک غفور رحیم** سے حاصل ہوا۔ **تیرھواں فائدہ:** نبی کا کسی چیز کی حرمت نہ جاننا اس چیز کے حرام نہ ہونے کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ **لا اجد** سے حاصل ہوا کہ یہاں **لیس الحرام** نہیں فرمایا بلکہ **لا اجد** فرمایا۔ **چودھواں فائدہ:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر صرف قرآن مجید ہی کی وحی نہیں ہوئی بلکہ حدیث پاک بھی وحی ہے۔ یہ فائدہ **فیما اوحی الی** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی تین قسم کی ہوئیں ظہور نبوت سے پہلے خواہ بچپن شریف میں ہوں یا ہوش سنبھالنے کے بعد' ظہور نبوت کے بعد کتاب آسمانی کی شکل میں جسے وحی جلی کہتے ہیں' ظہور نبوت کے بعد بطور الہام جسے وحی خفی کہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں فرمایا **انی عبد اللہ** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر پہنچ کر ماں کے سواء کسی دائی کا دودھ قبول نہ فرمایا۔ **وحرمنا علیہ المراضع من قبل** یہ ہے بچپن کی وحی ابراہیم علیہ السلام نے بچپن میں فرمایا **لا احب الافلین** رب نے فرمایا **وتلک حجتنا اتینھا ابراہیم علی قومہ** ان تمام آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں کے بچپن شریف کے اعمال اقوال سب وحی الٰہی ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **فیما اوحی الی** سے اشارۃً حاصل ہوا مگر یہاں وحی جلی یا وحی خفی مراد ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی **قل لا اجد** صرف یہ کیوں نہیں فرمایا کہ یہ جانور حرام نہیں وہ عبارت مختصر ہوتی اور مطلب حاصل ہو جاتا۔ **جواب:** اس عبارت میں یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ حرمت صرف وحی سے آتی ہے کسی کے وہم رسم و رواج محض ذاتی اجتہاد سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی اور میں صاحب وحی ہوں میری وحی میں تو یہ چیزیں حرام نہیں تم نے حرام کیسے کرلیں یعنی بحیرہ' سائبہ جانور اس مختصر عبارت میں حرام نہ ہونے کی یہ دلیل معلوم نہ ہوتی۔ دوسرا

اعتراض: اس فرمان عالی میں محرماً" کیوں ارشاد ہوا حرام فرمادینا بھی کافی تھا۔ **جواب:** یہ بتانے کے لئے کہ کوئی چیز بذات خود حرام نہیں ہر چیز بالذات حلال ہے جو چیز بھی حرام ہوگی وحی الٰہی سے حرام ہوگی یعنی اصل اشیاء میں اباحت ہے یہ فقہ کا قاعدہ کلیہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** محرماً" کے بعد علی طاعم اور ساتھ ہی یطعمہ کیوں ارشاد ہوا جو چیز حرام ہوتی ہے تو اس کا کھانا ہی حرام ہوتا ہے اور کھانے والے پر ہی حرام ہوتی ہے۔ **جواب:** اس ارشاد عالی سے دو مسئلہ بتائے گئے ایک یہ کہ جو چیز کھانا حرام ہوگی وہ مرد و عورت سب پر حرام ہوگی اس میں عورت و مرد کا فرق غلط ہے ہاں پہننے برتنے میں فرق ہو سکتا ہے کہ سونا ریشم پہننا مرد کو حرام ہے عورت کو حلال تم نے بعض جانوروں کو عورتوں کے لئے حرام مانا مردوں کے لئے حلال۔ یہ غلط ہے دوسرے یہ کہ ان مذکورہ چیزوں میں بعض چیزیں وہ ہیں جن کا کھانا حرام ہے دوسرے کام میں لانا جائز جیسے مردار کہ اس کی کھال بال کو برتا جاسکتا ہے لہٰذا یہ عبارت بہت مفید ہے۔ **چوتھا اعتراض:** انسان نباتات بھی کھاتا ہے جمادات بھی اور حیوانات بھی مگر شریعت نے جتنی پابندی حیوانات کے کھانے پر لگائی ہے اتنی نباتات اور جمادات کے کھانے پر نہیں لگائی ان دونوں میں صرف نقصان دہ اور نشہ آور چیزوں کو حرام کیا باقی سب حلال مگر جانوروں کی حلت و حرمت میں بہت تفصیل فرمائی اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** اس کی بہت وجہ ہو سکتی ہیں بظاہر دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ حیوان میں بعض اجزا نجس ہیں جیسے خون پیشاب پاخانہ اور بعض اجزا پاک مگر حرام جیسے فرج، ذکر فوتے وغیرہ اور بعض اجزاء حلال جیسے گوشت کلیجی وغیرہ نباتات، جمادات میں یہ فرق نہیں کہ سب پاک ہی ہیں دوسرے یہ کہ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم، حیوانات تین طرح سے ذبح ہوتے رہے۔ بعض ذبح عبادت ہے جیسے قربانی، فدیہ، کفارہ کا ذبیحہ اور بعض ذبح کفر و شرک جیسے بتوں کے نام پر ذبح، بعض ذبح محض جائز جیسے گوشت کے لئے ذبح نباتات، جمادات میں یہ فرق نہیں ان وجوں سے جانوروں میں بہت پابندیاں لگائیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیۂ کریمہ میں حرام جانور صرف چار ارشاد ہوئے وہ بھی حصر کے ساتھ مگر سورۂ مائدہ، بقرہ میں ان کے علاوہ بہت سے جانور حرام فرمائے گئے۔ **متردیہ، نطیحہ، ما اکل السبع** اور **ما ذبح علی النصب** تو اس آیت کا چار میں حصر کیسے درست ہوا آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** ان دونوں آیتوں میں تعارض نہیں بلکہ اجمال و تفصیل کا فرق ہے یہ آیت مجمل ہے وہ آیات مفصل ہیں کیونکہ اوپر سے گر کر، درندہ کے منہ میں جاکر، سینگ گھونپ جانے کی وجہ سے جو جانور مرے گا وہ سب میتہ ہی ہوگا یعنی مردار وہاں میتہ کی کچھ تفصیل کردی گئی ہے یوں ہی **ما ذبح علی النصب** یعنی کسی تھان پر ذبح کیا ہوا جانور **اهل به لغیر الله** کی ایک قسم ہے لہٰذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں یہ حصر بالکل درست ہے۔ خیال رہے کہ بہت سے مفسرین نے اس آیت کے حصر کو سورہ مائدہ والی آیت سے منسوخ مانا ہے کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور سورۂ مائدہ مدینہ مگر حق یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں سورۂ مائدہ کی آیت نے اس آیت کی تفصیل کردی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف تین جانور حرام ہیں مردار، سور اور بتوں کے نام پر ذبح کیا ہوا اور حلال جانور کی صرف ایک چیز حرام ہے، خون۔ باقی سارے جانور گدھا، کتا، بلا یوں ہی ذبیحہ کا گوبر، پیشاب، مثانہ، ذکر، فرج، خصیہ سب حلال ہیں حالانکہ یہ سب حرام ہیں اگر کہو کہ وہ چیزیں حدیث سے حرام ہوئیں تو وہ احادیث خبر واحد ہیں انہوں نے قرآن کے اس حصر کو منسوخ کیسے کردیا یہاں الا اور الا سے پورا انحصار ثابت ہے کہ ان کے سوا اور کوئی جانور حرام نہیں۔

نوٹ ضروری : اس اعتراض کو حضرات صحابہ سے آج تک مفسرین نے بہت مشکل سمجھا حتی کہ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ گدھا حلال ہے اور یہی آیت پیش کی کہ ان تین جانوروں کے سوا کوئی جانور حرام نہیں بعد میں آپ نے اس سے رجوع فرمایا' مفسرین نے اس کے جواب میں بہت کوششیں فرمائیں ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے کافرو جن جانوروں کو تم حرام کہتے ہو بحیرہ' سائبہ میں اپنی وحی میں ان میں سے کسی کو حرام نہیں پاتا سواء ان مذکورہ جانوروں کے۔ دوسرے یہ کہ یہاں وحی سے مراد قرآن مجید کی وحی ہے یعنی وحی جلی واقعی قرآن میں صرف یہی جانور حرام ہیں وحی خفی یعنی حدیث کے حرام فرمودہ جانوروں کا یہاں ذکر نہیں یہ حصر قرآنی محرمات کے لحاظ سے ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ آیت حصر کا فائدہ دیتی ہی نہیں کیونکہ **الا ان یکون** مستثنیٰ منقطع ہے متصل نہیں کیونکہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ کفار جن جانوروں کو حرام سمجھتے ہیں میں ان کو حرام نہیں پاتا لیکن ان چار کو حرام پاتا ہوں اور مستثنیٰ منقطع حصر کا فائدہ نہیں دیا کرتا ہاں مستثنیٰ متصل حصر کا مفید ہے (روح المعانی) مگر یہ جواب ضعیف ہے کیونکہ دوسری آیت میں ہے **انما حرم علیکم المیتۃ والدم** الخ وہاں **انما** ہے جو صرف حصر کے لئے آتا ہے اس میں متصل اور منقطع کا احتمال نہیں **چوتھے** یہ کہ وہ احادیث جن میں گدھے کتے بلے وغیرہ کی حرمت کا ذکر ہے وہ اگرچہ لفظاً "خبر واحد ہوں مگر معنی متواتر ہیں جیسے نماز کی رکعات کی تعداد اور زکوٰۃ کی مقدار کی احادیث یا قرآن مجید کی مقدار کی احادیث کہ وہ سب معنی متواتر ہیں لہٰذا ان احادیث سے یہ حصر منسوخ ہو سکتا ہے۔ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اسلام میں صرف سور تو حرام ہے اور کتا بلا سانپ' بچھو وغیرہ حلال نعوذباللہ من ذالک نیز سور کے گوشت کے علاوہ اس کے دوسرے اعضاء حدیث شریف سے ہی حرام ہیں اس کے کلیجی گردے وغیرہ حرام قطعی ہیں جن کی حرمت حدیث شریف سے ہی ثابت ہے۔ **چھٹا اعتراض**: لحم خنزیر کے بعد **فانہ رجس** کیوں ارشاد ہوا اس میں فائدہ کیا ہے؟ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر ہ سے مراد سور ہے تو اس کا مطلب یہ ہے سور سارا کا سارا نجس ہے اور ہر نجس چیز حرام ہوتی ہے لہٰذا اس کے سارے اعضاء حرام ہیں اور اگر اس سے مراد سور کا گوشت ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ دوسرے جانور اگرچہ حرام ہیں مگر نجس العین نہیں سور کا گوشت نجس العین ہے لہٰذا وہ کسی طرح پاک نہیں ہو سکتا اس کے باقی اعضاء ہمارے محبوب نے حرام کر دیں۔ **ساتواں اعتراض**: **اھل لغیر اللہ بہ** سے مراد ہر وہ جانور ہے جس پر غیر خدا کا نام پکارا جائے اس کی زندگی میں یا ذبح کے وقت لہٰذا جو بکری یا گائے غوث پاک یا خواجہ اجمیری کے نام پر نامزد کر دی جائے وہ حرام ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت سے جواب الزامی اور تحقیقی سورۂ بقر اور سورۂ مائدہ میں اس لفظ کی تفسیر میں دیئے جا چکے ہیں نووی اور دعی اور اھل کا فرق ضرور خیال میں رہے۔ تلاش سے معلوم ہوا کہ دعا اور ندا ہر جگہ بولا جاتا ہے اھلال چار جگہ بولا جاتا ہے' ولادت میں بچہ کا رونا چاند دکھاتے وقت چیخنا کہ وہ ہے چاند' حج و عمرہ کے احرام میں تلبیہ کہنا' ذبح کے وقت نام پکارنا' جانور کی زندگی میں اس پر کسی کا نام پکارنا اہلال نہیں وہ ندا یا دعا ہے۔ **آٹھواں اعتراض**: جب مجبوری کی حالت میں جان بچانے کے لئے یہ جانور بقدر ضرورت حلال ہی ہو جاتے ہیں تو بعد میں **ان ربک غفور رحیم** کیوں ارشاد ہوا مغفرت اور رحمت تو گناہ پر ہوتی ہے نہ کہ جائز کام پر۔ **جواب**: جن علماء نے فرمایا کہ مجبوری کی حالت میں یہ جانور حرام ہی رہتے ہیں' صرف ان کے کھا لینے پر پکڑ نہیں ہوتی ان کے قول پر تو غفور رحیم فرمانا بالکل ظاہر ہے کہ جانوروں کے کھانے پر ہم پکڑ نہ کریں گے۔ اگرچہ یہ حرام ہیں مگر جو علماء فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں بقدر ضرورت یہ حلال ہو جاتے ہیں ان کے قول پر ان

فرمان عالی کا منشا یہ ہے کہ صرف بقدر ضرورت ہی حلال تھے لیکن اگر تم نے ضرورت سے زیادہ ایک آدھ لقمہ کھالیا۔ تمہارے اندازہ میں غلطی ہوئی تو ہم تم پر ناراض نہ ہوں گے تمہاری یہ غلطی معاف فرمادیں گے یعنی اس فرمان کا تعلق غیر باغ اور ولا عاد سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا مردار بھی ہے اور ملا ہوا بدبودار بھی یہ بے مہتہ اور نفسانی شہوتیں لذتیں وہ خون ہیں جن پر دین کا خون بہایا گیا ہے ہر شیطانی کام تم خنزیر ہے۔ رب فرماتا ہے کہ شراب جوا بت اور فال کے تیر **رجس من عمل الشیطان فاجتنبوا** جو چیز دین سے ہٹا دے وہ رجس ہے اور جو چیز رب سے غافل کردے وہ **فسقا** ہے اور **ما اهل به لغیر الله** ہے یہ تمام چیزیں حرام ہیں کیونکہ **حرما** یعنی قرب الہی سے محرومی کا باعث ہیں ہاں بنیادی ضروریت دفع کرنے کے لئے گویا اضطرارا" ان کے استعمال پر پکڑ نہیں کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی انسان کو چاہئے کہ دنیا میں بے رغبت ہو کر آخرت میں راغب ہو کر مولیٰ کا طالب ہو کر زندگی گزارے۔ حلم تواضع مومن کا زیور ہے عیش پسندی دنیا میں پھنسا و کافروں کا مشغلہ ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ہر غافل کافر ہے ان کے ہاں بیداری ایمان ہے غفلت کفر (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ توحید 'عقائد' اعمال' افعال' احوال کے مضامین کو اکثر قل سے شروع فرمایا جاتا ہے جس میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوتا ہے روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تاکہ ان سب میں نبوت کے فیض کی آمیزش ہو جائے عقیدہ توحید نبوت کی آمیزش سے ایمان بن جاتی ہے اور اعمال' احوال' افعال وغیرہ میں نبوت کی آمیزش سے قبولیت کی لذت پیدا ہو جاتی ہے نبوت تمام نیک عقائد و اعمال کے لئے ایسی ہے جیسے مٹھائیوں کے لئے شکر کا قوام یا کھانوں کے لئے نمک کہ اس کے بغیر تمام چیزیں روکھی پھیکی ہیں۔

ذکر سب پھیکے جب تک نہ مذکور ہو تمکیں حسن والا ہمارا نبی

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کھانوں شربتوں میں مختلف لذتیں ہوتی ہیں ایسے ہی الفاظ میں بھی لذت ہے پھر الفاظ کی لذت کے ساتھ خوش آوازی ساز نغمہ کی لذتیں شامل ہو جائیں تو لطف بڑھ جاتا ہے یوں ہی اللہ کے کلام میں لذت ہے جب یہ زبان نبوی سے ادا ہو تو لذت اور زیادہ ہو جاتی ہے اس لئے ایسے موقعہ پر قل ارشاد ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام خصوصا" حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر تین طرح کی وحی آتی ہے اور ان کی تبلیغ بھی تین قسم کی ہوتی ہے' عملی تبلیغ' قولی زبانی تبلیغ اور اشارات سے تبلیغ' عملی تبلیغ ان کے بچپن شریف سے ہی شروع ہو جاتی ہے' قولی تبلیغ بعد ظہور نبوت شروع ہوتی ہے اشارات کی تبلیغ خواص کو کی جاتی ہے۔ **فما اوحی الی** میں بڑی گنجائش ہے۔

وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ۖ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا

اور اوپر ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے حرام کر دیئے ہم نے ہر ناخن والے اور گائے سے اور بکری سے حرام کر دیں ہم نے

اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر

عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوِ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ

اوپر ان کے چربیاں ان دونوں کی سوا اس کے جو اٹھائیں پیٹھیں ان کی یا آنتیں یا وہ جو ملی ہوئی ہو

جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو ہم نے یہ ان کی

بِعَظۡمٍ ؕ ذٰلِكَ جَزَيۡنٰهُمۡ بِبَغۡيِهِمۡ ۖ وَاِنَّا لَصٰدِقُوۡنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنۡ كَذَّبُوۡكَ فَقُلۡ

ہڈی سے یہ بدلہ دیا ہم نے ان کو بوجہ سرکشی ان کے اور بے شک ہم البتہ سچے ہیں پس اگر جھٹلائیں وہ آپ

سرکشی کا بدلہ دیا اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں پھر اگر تمہیں جھٹلائیں تو تم فرماؤ کہ تمہارا رب وسیع

رَّبُّكُمۡ ذُوۡ رَحۡمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاۡسُهٗ عَنِ الۡقَوۡمِ الۡمُجۡرِمِيۡنَ ﴿۱۴۷﴾

کو تو فرما دو رب تمہارا بڑی رحمت والا ہے اور نہیں لوٹایا جاتا عذاب ہمارا قوم جرم کرنے والی سے

رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سے نہیں ٹالا جاتا۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان جانوروں کا ذکر ہوا جن کی حرمت قانونی ہے اب ان چیزوں کی حرمت کا ذکر ہے جن کی حرمت سزا و عذاب کے طور پر واقع ہوئی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں تین جانوروں کی حرمت اور ایک خون کی حرمت کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ یہود پر ان چار چیزوں کے سوا اور چیزیں اور جانور بھی حرام کردیئے گئے تھے جو اب حرام نہ رہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں دائمی حرام چیزوں کا ذکر تھا جو سارے مسلمانوں پر ہمیشہ کے لئے حرام ہیں اب عارضی اور مخصوص حرام چیزوں کا ذکر ہے جو عارضی طور پر ایک خاص مدت کے لئے حرام رہیں پھر ان کی حرمت اٹھا دی گئی۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں خبیث چیزوں کو حرام فرمانے کا ذکر تھا جن کا حرام فرمانا اللہ کی رحمت ہے اب بعض طیب طاہر چیزوں کے حرام فرمانے کا ذکر ہے جن کا حرام فرمانا اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا یہود پر گویا رحمت والی حرمت کے بعد عذاب والی حرمت کا ذکر ہے۔

نزول : یہودی لوگ اونٹ وغیرہ بعض حلال جانور نہیں کھاتے تھے انہیں حرام کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ جانور از آدم علیہ السلام تا موسیٰ علیہ السلام تمام نبیوں کے دین میں حرام رہے اسلام نے مسلمانوں نے ان جانوروں کو حلال مان کر بڑا گناہ کیا ان کی تردید میں یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں جن میں فرمایا گیا کہ یہ جانور اور یہ چیزیں سارے دینوں میں حلال تھیں صرف یہود پر حرام کی گئی تھیں وہ بھی ان کی سرکشی کی سزا کے لئے۔ (از روح المعانی)

تفسیر : **وعلی الذین ھادوا حرمنا** اس عبارت میں فعل یعنی **حرمنا** تو بعد میں مذکور ہے اور اس کا متعلق **علی الذین** الخ پہلے ذکر ہوا تھا۔ جس سے فائدہ حصر کا ہوا اور مطلب یہ ہوا کہ یہ چیزیں صرف یہود پر ہی حرام کی گئی تھیں ان کے سواء کسی دین کسی ملت کسی شریعت میں حرام نہ کی گئی تھیں یہ یہود کے اس دعوے کی تردید ہے کہ یہ چیزیں پچھلے تمام دینوں میں حرام تھیں الیھود نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی **الذین ھادوا** تاکہ معلوم ہو کہ موجودہ اسرائیلی دین موسوی پر قائم نہیں رہے پچھلے لوگ ہی وہ تھے جنہوں نے سچی توبہ کرکے رب کی طرف ہو یعنی رجوع کیا تھا یہ تو انہیں بدنام کرنے والے لوگ ہیں **حرمنا** فرما کر یہ بتایا کہ ان چیزوں کی حرمت کسی کے قیاس وغیرہ سے نہ تھی بلکہ رب تعالیٰ کے حکم سے آئی تھی یا اس طرح کہ توریت شریف میں صراحۃً مذکورہ تھی یا اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے یہ خصوصی حکم دیا تھا **کل ذی ظفر** یہ حرمنا کا مفعول بہ ہے کل سے مراد ہر چرندو پرندہ جانور ہے ظفر ہماری قراءۃ میں ظا اور ف کے پیش سے ہے بمعنی ناخن اس کی جمع ہے

انظفار بعض قراتوں میں ظفر ظ اور ف کے کسرہ سے ہے بعض میں ظفر ظ کے کسرہ ف کے سکون سے ہے پہلے کی جمع اظافر ہے دوسرے کی جمع اظافیر ہے۔ (تفسیر صاوی) یہاں ناخن سے مراد انگلی ہے یعنی ناخن کی جگہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد کھروالے جانور اور پنجہ والے جانور جن کے پنجے پھٹے ہوئے نہ ہوں جیسے اونٹ بطخ شتر مرغ وغیرہ بعض شارحین نے فرمایا کہ اس سے مراد پھٹے کھر پھٹی انگلیوں پھٹے پنجے والے اور بغیر پھٹے سب ہی مراد ہیں جیسے کتا گدھا اور اونٹ وغیرہ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ کتا گدھا تو دوسری شریعتوں میں بھی حرام تھے اور اسلام میں بھی حرام ہیں یہاں تو وہ جانور مراد ہونے چاہئیں جو صرف یہود پر بطور عذاب حرام کئے گئے ہوں سیدنا عبد اللہ ابن عباس ' ابن جبیر ' قتادہ مجاہد سدی وغیرہم کا یہی فرمان ہے جو ہم نے پہلے بیان کیا (روح المعانی وکبیر وخازن وغیرہ) **ومن البقر والغنم حرمنا علیهم شحومهما** پہلے تو ان حلال جانوروں کا ذکر تھا جن کے گوشت وچربی سارے اعضاء یہود پر حرام کر دیئے گئے تھے اب گائے بیل بھینس بکری بھیڑ دنبہ کا ذکر ہے جن کے گوشت تو ان پر حرام نہیں کئے گئے مگر چربیاں حرام کر دی گئی تھیں اس لئے من تبعیضیہ اولاً فرمایا گیا اور بعد میں **شحومهما** ارشاد ہوا شحم کے معنی ہیں چربی گوشت ہے چربی بہت قسم کی ہوتی ہے موٹی چربی پتلی چربی جھلی کی طرح گردے کی چربی آنتوں کی چربی پیٹ کی چربی پیٹھ کی چربی وغیرہ اس لئے **شحوم** جمع ارشاد ہوا اور بعد میں استثناء فرمانا درست ہوا اسلام میں ہر حلال جانور کی ہر چربی حلال ہے یہود سے پہلے بھی حلال تھی یعنی ہم نے یہود پر گائے بھینس بکری بھیڑ وغیرہ کے لحوم (گوشت) تو حلال رکھے مگر ان کی چربیاں حرام کر دیں **الا ما حملت ظهورهما** امام اعظم کے نزدیک یہ استثنا منقطع ہے کیونکہ پیٹھ کی چربی شحم میں داخل نہیں لہٰذا جو کوئی چربی نہ کھانے کی قسم کھالے وہ پیٹھ کی چربی کھالینے سے حانث نہ ہوگا باقی اماموں کے ہاں یہ استثنا متصل ہے کہ یہ چربی بھی شحم میں داخل ہے **او الحوايا** یہ عبارت معطوف ہے ما حملت پر اور دوسرا استثناء ہے **حوايا** جمع ہے حاویہ یا حویہ کی جیسے زاویہ کی جمع ہے زوایا (تفسیر کبیر) یہ مشتق ہے حوی یحوی سے مصدر ہے حوی معنی شامل ہونا (روح المعانی) حویہ معنی آنت حوایا آنتیں یعنی ہم نے ان پر گائے بکری کی آنتیں حرام کر دی تھیں۔ یہ قول ہے امام اعظم کا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے ظهورهما پر اور مطلب یہ ہے کہ جو چربی آنتیں اٹھائے ہوئے ہوتی ہیں وہ بھی حرام کر دی تھیں (روح المعانی) اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ امام اعظم کے قول پر ہے۔ رضی اللہ عنہما **وما اختلط بعظم** یہ عبارت معطوف ہے ما حملت پر اس سے مراد یا تو دم کی چربی ہے یا ہڈی کی مینگ۔ پہلا قول قوی ہے کیونکہ مینگ کو چربی نہیں کہا جاتا خلاصہ یہ ہے کہ یہود پر گائے بکری کی صرف تین چربیاں حلال تھیں باقی تمام چربیاں حرام تھیں **ذالك جزينهم ببغيهم** اس فرمان عالی میں مذکورہ حرمت کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ ذالک سے اشارہ ہے مذکورہ حرمتوں کی طرف جزا معنی سزا و عذاب ہے بغی معنی بغاوت سرکشی اور ظلم ہے اس سے یہود کا حضرات انبیاء کرام کو قتل کرنا رشوتیں سود کھانا لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھانا مراد ہے دنیا میں یہود سے بڑھ کر حرام خور کوئی قوم نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **اكالون للسحت** یہ بڑے حرام خور ہیں یعنی یہ حرمتیں ان کی بغاوتوں ظلموں کی وجہ سے تھیں **وانا لصادقون** سبحان اللہ کیا بڑا پیارا فرمان ہے یعنی یہود تو کہتے ہیں کہ یہ مذکورہ چیزیں صرف یہود پر بطور سزا حرام نہیں کی گئی تھیں ہم سچے ہیں یہود جھوٹے کیونکہ حرام فرمانے والے تو ہم ہیں۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ کسی قوم پر کیا چیز کس لئے حرام ہوئی تھی۔ انا جمع فرما کر اشارۃً فرمایا کہ ہم اور ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں ہم بھی سچے کہ ہم حرام فرمانے والے مالک ہیں وہ بھی سچے کہ وہ ہمارے غیب دان نبی ہیں اس لئے آگے حضور صلی اللہ

علیہ وسلم کو جھٹلانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرمایا **فان کذبوک**۔ ظاہر یہ ہے کہ ان شک و تردد کے لئے نہیں کہ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ علیم خبیر ہے یہ لفظ کبھی اظہار غضب کے لئے بھی ہوتا ہے جیسے باپ اپنے نالائق بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر اس اگر مگر کے اور بہت مقصد ہوتے ہیں چونکہ یہود کا جھٹلانا یقینی تھا اس لئے **کذبوا** ماضی ارشاد ہوا ورنہ یہ جھٹلانا آئندہ ہونے والا تھا' تکذیب کے معنی ہیں جھوٹا کرنا' جھوٹا سمجھنا جھوٹا کہنا یہاں آخری معنی میں ہے کیونکہ سارے کفار و مشرکین کے دل مانتے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں ان کی ہر بات سچی ہوتی ہے مگر زبان سے آپ کو جھوٹا کہتے تھے **یعرفونہ کما یعرفون ابناء هم** ظاہر یہ ہے کہ **کذبوا** کا فاعل یہود ہیں اور جھٹلانے سے یہی واقعہ جھٹلانا مراد ہے یعنی اگر یہود آپ کو اس بارے میں سچا نہ کہیں اور کہے جائیں کہ یہ چیزیں تو ہمیشہ سے ہی حرام تھیں ہم نے کبھی ایسے جرم نہیں کئے تھے نہ ہم پر اس قسم کا کوئی عذاب آیا تھا' بعض مفسرین کا خیال ہے کہ اس کا فاعل مشرکین عرب ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اگر مشرکین آپ کو سچا نبی نہ جانیں مگر یہ قول کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ ابھی قریب میں یہود کا ذکر ہوا نیز مشرکین کا ذکر تو آگے الگ آرہا ہے لہٰذا قوی یہ ہے کہ یہاں یہود کا جھٹلانا مراد ہے **فقل ربکم ذو رحمة واسعة** ظاہر یہی ہے کہ اس فرمان عالی میں روئے سخن انہیں یہود سے ہے رب کی نسبت ان کی طرف فرمانا یا انہیں اسلام کی طرف مائل کرنے کے لئے ہے یا انہیں سرزنش کرنے کے لئے کہ رب تو تمہاری ہر طرح پرورش فرماتا ہے اور تم ہمیشہ اس کی نافرمانی ہی کرتے ہو کچھ تو شرم کرو یہاں رحمت واسعہ میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد ہے انہیں روزی دیئے جانا ان کے گناہوں کی وجہ سے روزی بند نہ فرمانا۔

ولیکن خداوند بالا و پست　　به عصیاں در رزق بر کس نہ بست

دوسرے انہیں تندرست و صحت مند رکھنا' تیسرے اس جھٹلانے کے باوجود ان پر جلد عذاب نہ بھیجنا۔ مہلت دیتے رہنا' چوتھے یہ کہ رحمت واسعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ رب فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمة للعالمین** لہٰذا اس فرمان عالی کی چار تفسیریں ہیں' تیسری تفسیر اس موقعہ پر بہت چسپاں ہے' چوتھی تفسیر کے ماتحت اس کا معنی یہ ہے کہ تم اس قدر جو گناہ و سرکشی کرتے ہو پھر تم پر عذاب دنیاوی نہیں آتا اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اس رحمۃ للعالمین کا دور دورہ ہے ان کا دامن کرم تمہیں عذاب سے بچائے ہوئے ہے **وما کان اللہ لیعذبهم وانت فیهم**۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء کوئی رحمت واسعہ نہیں جو رحمت کہ عالمین کو گھیرے ہوئے ہو وہ صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اس لئے رحمت عالمین صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جس سے فرشتے' جنات انسان وغیرہ سب ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اللہ کی ربوبیت تین قسم کی ہے قہر والی ربوبیت' مہر والی ربوبیت' محبت و کرم والی ربوبیت' رب کافروں کا رب ہے قہر کی ربوبیت سے' مومنوں کا رب ہے مہر والی ربوبیت سے' نبیوں ولیوں کا رب ہے محبت والی ربوبیت سے' پھانسی والے مجرم کو اچھا کھانا دیتے ہیں وہ اچھا کھانا قہر کا ہے مہر کا نہیں۔ جس ربوبیت سے اطاعت کی توفیق ملے وہ مہر والی ہے۔ جس سے گناہ بڑھیں وہ قہر والی ہے **ولا یرد باسه عن القوم المجرمین** اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی اس ڈھیل سے دھوکہ نہ کھاؤ اس کی مہلت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ وہاں امہال ہے اہمال نہیں یعنی دیر ہے اندھیر نہیں **لا یرد** بنا ہے رد سے معنی لوٹا دینا۔ باس سے مراد یا دنیاوی عذاب ہے یا برزخی یا اخروی پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں' مجرمین سے مراد کافرین ہیں یعنی جب رب کا عذاب آجائے تو کسی حیلہ کسی تدبیر سے ٹالا نہیں جاسکتا پہلے سے ہی اس سے بچنے کی تدبیر کرنی چاہیئے تدبیر صرف ایک ہے اس کی

اطاعت۔

خلاصہ و تفسیر : جیسے عالم جسمانیات میں بعض جانور برتنے کے لئے بنے بعض بچنے کے لئے گائے بھینس برتنے بلکہ کھانے کے لئے ہیں مگر سانپ بچھو وغیرہ بچنے کے لئے ہر جانور سے بچنے والا بے وقوف ہے اور ہر جانور سے الفت رکھنے والا خطرہ میں ہے یوں ہی عالم روحانیات میں بعض جانور کھانے کے لئے ہیں جیسے اونٹ گائے وغیرہ بعض بچنے کے لئے جیسے سور گدھا کتا وغیرہ کھانے کے جانور کھانا' بچنے کے جانور سے بچنا اللہ کی رحمت ہے حرام جانوروں میں کچھ تفصیل ہے' چنانچہ ارشاد ہوا کہ دائمی حرام جانور تو وہ تھے جن کا ذکر ابھی ہوا لیکن کبھی بطور عذاب بعض لوگوں پر بعض حلال جانور بھی وقتی طور پر حرام کر دیئے گئے چنانچہ وہ لوگ جو پہلے یہودی تھے اور جو اب صرف نام کے یہودی (توبہ کرنے والے یا یہودا کی اولاد) رہ گئے ہیں' ہم نے ان پر ہر پھٹے کھر والے اور پھٹے پنجہ والے جانور حرام فرما دیئے تھے جیسے اونٹ' بطخ' شترمرغ وغیرہ جانور اور گائے بکری بھینس بھیڑ وغیرہ جو ان پر حلال تھیں ان میں بھی سخت پابندی لگا دی گئی تھی ان پر ان جانوروں کی ہر قسم کی چربی حرام کر دی تھی سوائے تین قسم کی چربیوں کے ایک پیٹھ کی چربی دوسرے آنتیں یا آنتوں کی چربی' تیسرے ہڈیوں کی مینگ یا ہڈیوں پر لگی ہوئی چربی کہ یہ تین چربیاں ان کے لئے حلال تھیں باقی تمام چربیاں حرام ان حرمتوں کی وجہ یہ نہیں تھی کہ یہ جانور اور یہ چربیاں خبیث چیزیں ہیں' نہیں یہ سب طیب و طاہر ہیں اس تحریم کی وجہ ان کی بغاوت سرکشی تھی یعنی انبیاء کرام کو قتل کرنا' لوگوں کے مال ناجائز طور پر کھانا' رشوتیں لے کر احکام الٰہیہ بدل دینا وغیرہ اے محبوب اگرچہ یہ لوگ اس کا انکار کریں گے اور کہے جائیں گے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ہر نبی کے دین میں حرام تھیں مگر یہ جھوٹے ہیں ہم سچے ہیں کہ حرام فرمانے والے تو ہم ہی ہیں ہم ہی صانع' جانتے ہیں کہ یہ چیزیں کس پر حرام ہوئیں اور کب حرام ہوئیں اگر یہود اب بھی آپ کو سچا نہ جانیں اور کہے جائیں کہ چیزوں کی حرمت ہمیشہ سے ہے تو آپ ان سے فرما دو کہ تم ہو تو ہلاک کر دینے کے قابل مگر اللہ تعالیٰ بڑی وسیع رحمت والا ہے اس لئے تم جیسے مجرموں کو جلد عذاب نہیں دیتا تم کو مہلت دیتا ہے مگر خیال رکھنا کہ اس کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں اس مہلت سے دھوکہ نہ کھاؤ جب اس کا عذاب کسی قوم پر آجائے تو کسی تدبیر سے ٹالا نہیں جا سکتا پھر وہ کفار کو غرق ہی کر دیتا ہے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ**: مذہبی یہودی وہ تھے جو دین موسوی منسوخ ہونے سے پہلے یہودی تھے' منسوخ ہو جانے کے بعد وہ صرف قومی یہودی رہ گئے مذہبی یہودی نہ رہے۔ یہ فائدہ اشارۃ **ھادوا** ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: یہ لوگ جب مذہبی تھے تب بھی بڑے سرکش باغی تھے تو اب جبکہ یہ مذہبی یہودی بھی نہ رہے سوچ لو کیسے ہوں گے۔ یہ فائدہ بھی اس **ھادوا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: طیبات اور حلال چیزوں سے محرومی بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے جیسے خبیث چیزوں کا حرام ہونا اللہ کی رحمت ہے۔ یہ فائدہ **حرمنا** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ اپنی نعمتوں سے محروم نہ کرے۔ **چوتھا فائدہ**: اسلام میں جانوروں کے حرام ہونے کا قاعدہ یہ ہے کہ کیل والا یا پنجہ والا شکاری جانور حرام ہے نیز جس کا کھر پھٹا نہ ہو وہ حرام ہے جیسے گھوڑا گدھا خچر وغیرہ پھٹے کھر والا جانور حلال ہے' جیسے گائے بھینس بکری اونٹ وغیرہ مگر یہود پر اس قاعدے سے حرمت نہ تھی یونہی اسلام میں پنجہ سے کھانے والا شکاری پرندہ حرام ہے جیسے چیل' کوا' باز' شکرہ' وغیرہ مگر یہود کے ہاں حرمت کا قاعدہ یہ نہ تھا اسلام کی یہ حرمتیں اللہ کی رحمت ہیں ان پر حرمتیں عذاب تھیں۔ **چوتھا فائدہ**: اسلام میں جس

کاگوشت حلال ہے اس کے ہر قسم کی چربی بھی حلال ہے یہ ناممکن ہے کہ گوشت حلال ہو اور چربی حرام ہو یہ تو دین یہودیت میں یہود پر اللہ کا عذاب تھا کہ گائے بکرے کا گوشت ان کے لئے حلال تھا مگر چربیاں حرام۔ یہ فائدہ **شحومھما** سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: دنیا میں عذاب الٰہی کی ایک نوعیت یہ بھی ہے کہ بندے کو طیب و طاہر چیزوں سے محروم کر دیا جائے۔ یہ فائدہ **ذالک جزینا ھم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** دین اسلام تمام افراطوں تفریطوں سے پاک ہے اس دین میں نہ کوئی خبیث چیز حلال ہے نہ کوئی طیب چیز حرام جو چیز حلال ہونی چاہئے تھی وہ حلال ہے اور جو چیزیں حرام ہونی چاہئے تھیں وہ حرام ہیں یہ فائدہ بھی ذالک جزینا ھم سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویحرم علیھم الخبائث** اور فرماتا ہے **ولا حل لکم بعض الذی حرم علیکم** **ساتواں فائدہ:** گزشتہ دینوں کے احکام جو قرآن مجید یا حدیث شریف میں منقول ہوں وہ ہمارے لئے قابل عمل جب ہوں گے جبکہ وہ احکام سزا یا عذاب کے طور کے نہ ہوں اگر ایسے ہوں گے تو ہمارے واسطے ہرگز لائق عمل نہ ہوں گے یہ فائدہ بھی ذالک جزاینا ہم سے حاصل ہوا دیکھو جن چیزوں کی حرمت کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے وہ ہم پر حرام نہیں کیونکہ وہ حرمت الٰہی ہے۔ جن جرموں پر پہلے عذاب الٰہی آئے ان پر عذاب نہیں آتے جرم وہی ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر ہیں مگر دنیاوی سزائیں بند ہو گئیں کیوں اس لئے کہ اب رحمت والے نبی کا دور ہے یہ فائدہ **ربکم ذو رحمۃ واسعۃ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ایلہ والوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حیلہ سے کیا تو وہ بندر بنا دیئے گئے **کونوا قردۃ خاسئین** قوم شعیب کم تولنے کی وجہ سے ہلاک کر دی گئی قوم لوط پر بد کاری کی وجہ سے پتھر برسے اب وہی قومیں یا مسلمان یہ حرکتیں کریں بلکہ کرتی ہیں مگر عذاب نہیں آتا کیوں صرف اس لئے کہ اب رحمت والے نبی کا دور دورہ ہے جلال جمال میں تبدیل ہو چکا ہے۔ **نواں فائدہ:** مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ رحمت عامہ دنیاوی عذاب کے لئے ہے اخروی عذاب کفار پر ضرور آئیں گے یوں ہی دنیاوی عذاب خصوصی بھی آسکتے ہیں۔ یہ فائدہ **ولا یرد باسہ** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا نازل شدہ عذاب انسان کے کسی حیلہ اور تدبیر سے دفع نہیں ہو سکتا' عذاب کی روک صرف ایک چیز سے ہے یعنی اللہ رسول کی اطاعت۔ یہ فائدہ بھی **ولا یرد باسنا** سے حاصل ہوا ہمیشہ اللہ رسول کی اطاعت چاہئے۔ **گیارھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک صیغہ بولنا جائز ہے اور ان دونوں کی طرف ایک ضمیر لوٹانا دونوں کو ایک ضمیر ایک صیغہ میں جمع کر دینا بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ **وانا لصادقون** سے حاصل ہوا کہ اللہ رسول کو انا جمع میں اور لصادقون جمع کے صیغہ میں جمع فرمایا گیا رب فرماتا ہے **ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی** دیکھو **یصلون** ایک صیغہ میں اللہ تعالیٰ اور فرشتے جمع کئے گئے' فرماتا ہے **اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ** فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقعہ پر انصار سے فرمایا **اللہ ورسولہ یعذرانکم** تم لوگوں کو اللہ رسول معذور رکھتے ہیں یا معذور جانتے ہیں لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کریں' اللہ رسول جنت دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔

پہلا اعتراض: یہاں **الذین ھادوا** کیوں ارشاد ہوا **الیھود** کیوں نہ فرمایا وہ تو مختصر تھا۔ **جواب:** یہودیت ایک اچھی صفت ہے اور موجود یہودی اپنی وہ صفت کھو چکے تھے اس لئے **ھادوا** ماضی فرمایا جس میں بتایا گیا کہ یہ یہودیت سے پہلے موصوف تھے اب یہ صفت چھوڑ چکے اس میں اشارۃً بتایا گیا ہے کہ جب یہ لوگ صفت یہودیت سے موصوف تھے تب بھی وہ بغاوت کی وجہ سے اس عذاب کے مستحق ہو گئے تو موجودہ یہودی جو یہودیت چھوڑ چکے اگر محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کریں گے تو

کیونکر عذاب کے مستحق نہ ہوں گے۔ **دوسرا اعتراض:** ذی ظفر یعنی پنجہ والے جانور تو ہم پر بھی حرام ہیں' جیسے کوا چیل وغیرہ پھر یہ فرمانا کیونکر درست ہوا وعلی الذین ھادوا حرمنا **جواب:** اسلام میں صرف پنجہ والا جانور حرام نہیں بلکہ وہ شکاری پرندہ حرام ہے جو پنجہ سے دبا کر چیز کھائے ورنہ بطخ' شتر مرغ وغیرہ جانور پنجہ والے ہیں مگر اسلام میں حلال ہیں لہٰذا اس حرمت میں اور اس حرمت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اسلامی قانون ہے کہ قرآن مجید یا حدیث شریف میں گزشتہ شریعتوں کے احکام جو منقول ہوں وہ ہم پر بھی لازم العمل ہیں دیکھو رب نے فرمایا کہ ہم نے زبور میں لکھا تھا کہ نفس جان کے عوض جان آنکھ کے عوض آنکھ یعنی قصاص واجب ہے یہ حکم ہم پر بھی لازم العمل ہے اس قاعدے سے چاہئے کہ ہم پر بھی یہ جانور اور یہ چیزیں حرام ہوں کہ یہود کے یہ احکام قرآن میں منقول ہو گئے حالانکہ یہ چیزیں ہم پر حلال ہیں۔ **جواب:** یہ قاعدہ بالکل درست ہے جبکہ وہ قانون بطور سزا ان کے لئے نہ ہوئے ہوں یہ قانون یہود پر بطور سزا تھے جیساکہ ببغیھم سے معلوم ہوا

تفسیر صوفیانہ: جیسے جسمانی بیمار طب یونانی کی رو سے بعض مزے دار غذاؤں سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور بعض غذاؤں پر پابندی لگ جاتی ہے طبیب یونانی اس سے کہتا ہے کہ ماش کی دال بالکل نہ کھانا' بکری کا شوربا پتلا جس میں گھی کم ہو نمک مرچ بہت ہی پھیکی ہو وہ کھانا یونہی کبھی روحانی بیمار طب ایمانی کی رو سے بہت سی روحانی غذاؤں سے یکسر محروم ہو جاتا ہے اور بعض روحانی غذاؤں کا پوست اس کے پاس رہ جاتا ہے مغز سے محروم ہو جاتا ہے یہ آیت کریمہ تاقیامت مسلمانوں کے لئے بھی قابل عبرت ہے دیکھو سرکش یہود حلال و طیب لوٹ سے یکسر محروم کر دیئے گئے اور حلال و طیب گائے بکری کی حلال چربیوں سے محروم کر دیئے گئے اے مومن بے ادب باغی نہ بن ورنہ خطرہ ہے کہ تو بعض عبادات سے محروم ہو جائے اور بعض عبادات کی لذت سے محروم ہو جائے یہ محرومی اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔

حکایت: مرقاۃ شرح مشکوۃ نے باب ذکر الانبیاء' وبدء الخلق کی پہلی حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ حضرت ابو العباس مرسی مدینہ منورہ سے جناب حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر انور کی زیارت کے لئے گئے ان کے ساتھ کوئی ایسا ہی روحانی بیمار اللہ کی رحمتوں سے محروم چل دیا ان کے پہنچنے پر روضہ اطہر کا دروازہ خود بخود کھل گیا انہوں نے اندر جا کر دیکھا کہ رجال الغیب جمع ہیں ابو العباس سمجھ گئے کہ یہ وقت قبولیت دعا کا ہے آپ نے یہ دعا مانگی **اللھم انی اسئلک العفو والعافیۃ والمعافاۃ فی الدنیا والاخرۃ** یعنی رب سے معافی' امن' دنیا و آخرت کی بھلائی مانگی اپنے ساتھی بد نصیب سے کہا کہ یہ وقت ہمیشہ ہاتھ نہیں آتے کچھ مانگ لے وہ بولا الٰہی مجھے روپیہ دے پیسہ دے یہاں مشکوۃ شریف میں حدیث ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی تمیم سے فرمایا بشارت قبول کرو نہ معلوم حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں کیا دیتے وہ بولے بشارتیں تو آپ دیتے ہی رہتے ہیں ہم کو مال دیجئے اس حدیث کی شرح میں یہ واقعہ مرقات نے لکھا یہ ہے اللہ کی رحمتوں سے محرومی کہ ایسی ساعتیں پالے پر بھی محروم ہی رہتے ہیں ایسے بد نصیب کبھی نماز میں کھڑے ہوں تو لذت سے محروم' رمضان شریف بلکہ حج بیت اللہ کی برکتوں سے محروم بلکہ شیخ کامل کی عنایتوں سے محروم رہتے ہیں یہ محرومی عذاب الٰہی ہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از مرشد کامل   کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اللہ کھانا دے تو کھانے کی اجازت بھی دے نعمتیں عطا فرما دے تو اس سے فائدہ اٹھانے کی توفیق بھی دے۔ قرآن' حدیث فقہ'

علم دین' روحانی غذائیں ہیں مگر بعض بد نصیب ان سے واقف ہوتے ہوئے بھی ان کو برکتوں سے محروم رہتے ہیں جیسے یہ مذکورہ یہودی ان اونٹوں گایوں بکریوں کے مالک تھے مگر ان سے محروم کر دیئے گئے 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ جب بندہ فنافی اللہ کے مقام پر پہنچتا ہے تو اسے چند نعمتیں میسر ہو جاتی ہیں (1) اللہ تعالیٰ اسے اپنے ساتھ کلام و کلم میں جمع فرمالیتا ہے جیسے یہاں ارشاد ہوا۔ **انا لصادقون** کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے **انا** اور **صادقون** میں اپنے ساتھ جمع کر لیا **انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون۔** **نزلنا** میں اپنے ساتھ حضرت جبریل کو جمع کر لیا اور حافظون میں تاقیامت علماء حفاظ' قاریوں اولیاء کو جمع فرما لیا جو قرآن مجید کے الفاظ معانی' احکام کے محافظ ہیں (2) بندہ کے کام کو رب اپنا کام قرار دیتا ہے **ولکن اللہ رمی** (3) بندے سے رب کے کام ظاہر ہونے لگتے ہیں **انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** جیسے **فتبسم ضاحکا من قولھا** کوئلہ آگ میں فنا ہو کر آگ کے سے کام کرتا ہے بندہ رب میں فنا ہو کر رب کے سے کام کرتا ہے۔ سورج شیشہ میں تجلی ڈال دے تو شیشہ سورج کے سے کام کرتا ہے اگر رب مومن کے دل پر تجلی ڈالے تو بندہ رب کے سے کام کرتا ہے۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنہوں کے شرک کیا کہ اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے ہم اور نہ ہمارے باپ دادے اور نہ حرام کرتے

اب کہیں گے مشرک اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے اور نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے ایسا ہی ان کے

مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَ

کوئی چیز اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان کے پہلے تھے حتی کہ چکھ لیا انہوں نے عذاب ہمارا فرمائیے

اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس

كُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْ

کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے پس پیش کرو تم اسے سامنے ہمارے نہیں پیچھے چلتے تم مگر اپنے گمان کے اور نہیں ہو

کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لئے نکالو تم تو نرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یوں ہی تخمینے

نَ ﴿۱۴۸﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

تم مگر اندازہ لگاتے فرما دو پس اللہ ہی کی ہے دلیل کامل پس اگر چاہتا وہ تو البتہ ہدایت دیتا تم کو سب کو

کرتے ہو تم فرماؤ اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت فرماتا۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مشرکین عرب کی ان بے قاعدگیوں کا ذکر ہوا جو وہ جانوروں کے حلال و حرام کے متعلق کرتے تھے اب ان کی ان غلط معذرتوں کا ذکر ہے جو وہ ان عقیدوں کے متعلق پیش کرتے تھے گویا ان کے جرموں کے ذکر کے بعد ان کی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں

شرعی قانون ارشاد ہوا تھا کہ شریعت میں صرف یہ چار چیزیں حرام ہیں تین جانور اور بہتا خون اب کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے جو وہ اس قاعدۂ شرعیہ پر کرتے ہیں گویا قانون شرعی کے بیان کے بعد اس کی صفائی بیان ہو رہی ہے اور معترضین کی جرح کا جواب دیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین عرب کے مروجہ قانون پر اعتراض کئے گئے تھے کہ بتاؤ ان جانوروں کی حرمت کی علت کیا ہے نر ہونا یا مادہ ہونا یا مادہ کے پیٹ میں رہنا اب اسلامی قانون پر جو اعتراض وہ مشرکین کرتے تھے ان کا جواب دیا جارہا ہے گویا ان کفار کی رسم و رواج پر جرح فرمانے کے بعد ان کی جرح کا جواب دیا جارہا ہے۔ جو وہ اسلامی قانون پر کرتے تھے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں مشرکین کے شرک ان کے رسم و رواج کو قوی دلیلوں سے باطل کیا گیا اب ان کے آخری عذر و بہانہ کی تردید کی جارہی ہے گویا اپنا دعویٰ ثابت فرمانے کے ایک رکن کا ذکر پہلے ہوا یعنی دلائل قائم فرمانا اس کے دوسرے رکن کا ذکر اب ہے یعنی ان کے شبہات کا جواب دینا۔

تفسیر: **سیقول الذین اشرکوا** اس ارشاد عالی میں غیبی خبر ہے کہ مشرکین عرب جو کچھ عذر بہانہ آئندہ کرنے والے تھے رب نے اس سے اور اس کے جواب سے پہلے ہی اپنے محبوب کو خبردار فرمادیا اس لئے یہاں **سیقول** فرمایا گیا سین کے ساتھ **المشرکون** نہ فرمایا بلکہ اس کی بجائے **الذین اشرکوا** دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ معلوم ہو کہ ایسے بہانے ہر وہ کافر و مشرک کرتا ہے جو کسی قسم کا کفر و شرک کبھی کرلے عادی مشرکوں ہی سے یہ بات خاص نہیں۔ اگر یہاں **المشرکین** فرمایا جاتا تو یہ فائدہ حاصل نہ ہوتا **لوشاء الله ما اشرکنا ولا اباء نا** یہ ان مشرکین کا مقولہ ہے یعنی سیقول کا مفعول شاء بنا ہے مشیت سے بمعنی ارادہ کرنا چاہنا کبھی بمعنی پسند کرنا بھی آجاتا ہے شاء کا مفعول یہ پوشیدہ ہے **عدم اشراکنا یا عدم تحریمنا** یہ عبارت **لو** کی شرط ہے اور **ما اشرکنا** سے **من شیء** تک کی عبارت اس کی جزا ہے یہاں **شاء** اگر ارادہ کے معنی میں ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمارے شرک و کفر نہ کرنے کا ہمارے ایمان لانے کا ارادہ فرمالیتا تو ہم کبھی شرک نہ کرتے مومن ہوتے اس نے ہمارے شرک کرنے کا ارادہ کیا ہے تو ہم شرک کر رہے ہیں یہ بات بالکل درست ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ اللہ کے ارادہ سے ہو رہا ہے مگر انہوں نے اس کا نتیجہ غلط نکالا وہ یہ کہ پھر ہمارا کیا قصور ہے ہم شرک و کفر میں مجبور و معذور ہیں اور اگر بمعنی پسند کرنا ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کو ہمارا شرک و کفر ناپسند ہوتا ایمان پسند ہوتا تو ہم کبھی شرک و کفر نہ کرتے معلوم ہوا کہ اسے ہمارا یہ شرک پسند ہے تب ہی تو ہم کر رہے ہیں ہم کو اس پر ثواب ملے گا ان کا یہ قاعدہ بالکل غلط و باطل ہے دنیا میں ہر کام ہر چیز اللہ کے ارادے سے تو ہے مگر اس کی رضا سے نہیں ارادہ اور رضا میں بڑا فرق ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں مشیت سے مراد امر یعنی حکم ہو تب اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو شرک کرنے کا حکم نہ دیتا تو ہم شرک نہ کرتے ہم تو شرک و کفر کے حکم اس کے امر سے کر رہے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وجدنا علیها اباء نا والله امرنا بها** اس صورت میں اس کی بکواس اصل سے ہی غلط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے امر نبی کی معرفت سے بندوں تک پہنچتے ہیں کسی نبی نے شرک کی تعلیم نہ دی اس کی تردید وہ آیت ہے **قل ان الله لا یامر بالفحشاء** بہرحال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں مشیت بمعنی ارادہ، بمعنی محبت و پسندیدگی، بمعنی امر و حکم پہلی صورت میں یہ بات درست ہے مگر اس کا نتیجہ نکالنا غلط ہے آخری دو صورتوں میں یہ بات اصل سے ہی غلط ہے۔ یہ تفسیر خیال میں رہے۔ یہاں معتزلہ نے بڑا غوطہ کھایا ہے **ولا حرمنا من شیء** یہ عبارت معطوف ہے **ما اشرکنا** پر۔ پہلی عبارت میں اپنی بد عقیدگیوں کی معذرت تھی اس میں بد عملیوں کی۔

یعنی ہمارا شرک و کفر اور ہمارا ان جانوروں کو حرام جاننا اللہ تعالٰی کے ارادہ یا اس کی پسندیدگی یا اس کے حکم سے ہے ہم کو اس پر سزا نہ ملے گی بلکہ ثواب ملے گا وہ یہ سب کچھ چاہ رہا ہے تو ہم یہ کر رہے ہیں شی سے مراد وہی بحیرہ' سائبہ' و صیلہ وغیرہ جانور ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے من شئی میں **من** تنکیریہ ہے۔ **کذالک کذب الذین من قبلھم** اس فرمان عالی میں ایک ایسی چیز کی تردید ہے جو انہوں نے صراحۃ نہ کہی تھی بلکہ ان کے قول سے لازم آگئی تھی ان کفار کے قول کا منشاء یہ ہے کہ یارسول اللہ آپ جو فرماتے ہیں کہ تمہارے فلاں فلاں عقیدے غلط ہیں شرک ہیں چھوڑ دو اسلام قبول کرو ان مذکورہ جانوروں کو حلال جانو یہ سب کچھ غلط ہے جھوٹ ہے ہم جو کر رہے ہیں رب کے حکم سے کر رہے ہیں ہمارے کام درست ہیں جو کچھ ہو رہا ہے صحیح ہو رہا ہے اللہ کی مرضی کے خلاف دنیا میں کچھ ہو سکتا ہی نہیں ان کے اس خیال کی تردید میں یہ فرمان عالی آیا کہ اے محبوب نبیوں کو جھٹلانا کفار کا آج کا طریقہ نہیں یہ ان کی پرانی رسم ہے لہذا کذب کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ یعنی رسلھم اور **من قبلھم** سے مراد یا تو ان کفار کے باپ دادے ہیں یا گذشتہ انبیاء کرام کی قومیں جیسے قوم فرعون وغیرہ دوسرا احتمال قوی ہے کیونکہ عرب میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی تشریف نہیں لائے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک یہ خطہ نبی سے خالی رہا نیز ان لوگوں پر اس سے پہلے عذاب الٰہی کبھی آیا نہیں اور یہاں عذاب کا ذکر ہے کہ فرمایا گیا **حتی ذاقوا باسنا** یہ جملہ کذب کی انتہاء ہے **ذاقوا** بنا ہے **ذوق** سے بمعنی چکھنا یہاں مراد ہے برداشت کرنا کہا جاتا ہے میں تجھے مزہ چکھاؤں گا' باس بمعنی عذاب ہے اور اس سے وہ عذاب مراد ہیں جو گزشتہ کافر قوموں پر تکذیب انبیاء کی وجہ سے آئے یعنی وہ کفار اپنے نبیوں کو اس وقت تک جھٹلاتے ہی رہے جب تک کہ ان پر عذاب الٰہی آگیا یہ لوگ بھی یہی چاہتے ہیں **قل ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا** اس فرمان عالی میں ان کفار کے قول کی بیمثال تردید ہے پہلے ان پر عتاب تھا اب ان سے اپنے دعوے پر عملی دلیل کا مطالبہ ہے یعنی تم جو دعویٰ کرتے ہو کہ ہمارا شرک و کفر اور مذکورہ بد عقیدگیاں اللہ کی رضا اللہ کے حکم سے ہیں اس کی عملی دلیل پیش کرو یہاں **علم** سے مراد علمی قطعی دلیل ہے۔ جس کا ماخذ تعلیم نبی ہو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں **علم** مطلقاً جاننے کو نہیں کہتے' جس میں یقین' شک' وہم' تقلید سب داخل ہوتی ہیں بلکہ صرف یقین کو علم کہا جاتا ہے' نیز قرآنی اصطلاح میں ہر یقین کو بھی علم نہیں کہتے بلکہ اس یقین کو کہتے ہیں' جس کا مدار وحی الٰہی پر ہو اسی کا یہاں مطالبہ ہے' ایسے بے دینوں سے علمی دلیل کا مطالبہ فرمانا انہیں شرمندہ کرنے کے لئے ہے ورنہ ان کے پاس علم کہاں سے آیا **ان تتبعون الا الظن** اس کلام میں ایک غیبی خبر کی طرف اشارہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی دلیل ہے کہ تم علمی دلیل ہرگز پیش نہ کر سکو گے کیوں کہ تم تو ظن و گمان کے پیچھے چلتے ہو اتباع کے معنی ہیں بغیر سوچے سمجھے کسی کے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلنا جیسے انجن کے پیچھے ریل کے ڈبے دوڑتے ہیں ان نافیہ ہے۔ قرآن مجید میں ظن چند معنی میں آیا ہے۔ یقین جیسے **یظنون انھم ملاقوا ربھم** کسی کے متعلق نیک گمان جیسے **لولا اذسمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم** بدگمانی جیسے **ان بعض الظن اثم** محض اندازہ اور اٹکل پچو قیاس آرائی جیسے **ان الظن لا یغنی من الحق شیئا** یہاں ظن آخری معنی میں ہے کیونکہ علم کے مقابلہ میں ارشاد ہوا' ظن سے مراد یا تو ان کا اپنا گمان ہے یا ان کے جاہل باپ دادوں کا گمان اور گمان بھی وہ جو وحی الٰہی اور شرعی حکم کے مقابل ہو' **ان انتم الا تخرصون** یہ فرمان عالی ظن مذکورہ کا بیان ہے یہاں بھی ان نافیہ ہے اور **تخرصون** بنا ہے خرص سے بمعنی اندازہ و تخمینہ کہا جاتا ہے **خرص النخل** اس نے درخت کے پھولوں کا اندازہ لگایا

جھوٹ کو بھی خرص کہا جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قتل الخراصون** جھوٹے غارت ہوں یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی تم صرف جھوٹ ہی بولتے ہو یا صرف اپنے تخمینہ اندازے سے ہی کہتے ہو کہ ہمارے یہ کام اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہیں **قل فللہ الحجۃ البالغۃ** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ تمہارے پاس تو اپنے اس دعوے کی کوئی دلیل نہیں مگر اللہ تعالیٰ کی یا اللہ تعالیٰ کے پاس یا اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل نہایت قوی ہے۔ **حجۃ** بنا ہے حج سے معنی قصد و ارادہ دلیل کو حجۃ اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے دعویٰ ثابت کرنے کا ارادہ کیا جاتا ہے اسی سے ہے۔ حج البیت غلبہ کو حجۃ کہتے ہیں **بالغۃ** یا تو بمعنی بلیغ ہے یا اپنی انتہائی قوت کو پہنچی ہوئی یا عالم کے گوشہ گوشہ تک پہنچنے والی اس سے مراد یا کتاب اللہ ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کہ وہ سرکار بذات خود حجۃ اللہ ہیں انہیں رب نے برہان فرمایا ہے **قد جاء کم برھان من ربکم** اس معنی سے بالغہ نہایت موزوں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی ذات صفات اس کے احکام اس کے فرمان بلکہ سارے کارخانہ اسلام و ایمان کی نہایت ہی بلیغ دلیل ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) بالغہ یا تو بنا ہے بلاغت سے یا بلوغ سے اگر بلاغت سے بنا ہو تو بلیغ بمعنی پختہ و مضبوط۔ سارے نبی اپنے وقت میں حجۃ اللہ تھے مگر حجۃ اللہ البالغہ نہ تھے ان کی نبوتیں قابل نسخ یا یہ بنا ہے بلوغ سے بمعنی پہنچنے والی تب بالغہ کے دو معنی ہو سکتے ہیں سارے عالم میں پہنچنے والی دلیل۔ دیکھو آج بات پہنچانے محفوظ رکھنے کے لئے سائنس نے بہت آلات ایجاد کر لئے ہیں ٹیپ ریکارڈر، فوٹوگراف، اخبار، پریس، تار، ریڈیو خطوط وغیرہ مگر پھر بھی لوگوں کے کلام محفوظ نہیں رہتے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت اور ایسی جگہ جلوہ نما ہوئے جہاں ان میں سے کوئی سبب موجود نہ تھا، حتیٰ کہ کاغذ بھی نہ تھا پھر اس کے باوجود آپ کے کلام و کام حتیٰ کہ آپ کی ادائیں عالم کے گوشہ گوشہ میں پہنچ گئیں۔ یہ ہے حجۃ بالغہ سورج ایک جگہ رہ کر بذریعہ شعاعوں کے عالم کے گوشہ گوشہ میں پہنچ جاتا ہے بعد غروب چاند تاروں کے ذریعہ ہر جگہ پہنچتا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات شریف میں ہر جگہ پہنچے بعد وفات بذریعہ قرآن، علماء، اولیاء ہر جگہ پہنچے۔ آپ حجۃ بالغہ ہیں دوسرے معنی میں انسان کے دل، دماغ، جان، ایمان میں اتر جانے والی دلیل انسان کے ہر رگ و پے میں پہنچ جانے والی برہان۔ خیال رہے کہ جیسے شاہی محل کے دو دروازے ہوتے ہیں ایک اندر جانے کا دوسرا باہر نکلنے کا یوں ہی انسان کے جسم میں دو قسم کے دروازے ہیں، چنانچہ جسمانیات میں دیکھ لو کہ منہ غذا پانی کے اندر جانے والا دروازہ ہے مگر غذا کے نکلنے کا دروازہ اور ہے پانی نکلنے کا دروازہ اور حتیٰ کہ بدن کے مسامات پسینہ نکلنے کا دروازہ ہیں یوں ہی زبان بات نکلنے کا دروازہ ہے کان کلام داخل ہونے کا دروازہ مگر جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے، وہ صرف کان تک پہنچتی ہے، جو دماغ سے چلتی ہے وہ دماغ تک ہی پہنچتی ہے اور جو دل سے نکلتی ہے وہ سننے والوں کے دل تک پہنچتی ہے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں دل سے نکلتی ہیں وہ مخلوق کے دل میں اترتی ہیں مگر اترنے کا ایک وقت ہوتا ہے حضرت عمرو ابن عاص کے دل میں قرآن اترا حبشہ کے دربار میں **فلو شاء لھدا کم اجمعین** اس فرمان عالی میں پہلے دعوے سے اعتراض کا رفع فرماتا ہے یعنی اگر اس **حجۃ اللہ** کے ذریعہ سب کو ہدایت نہ ملے تو اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ حجت کمزور ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہ فرمایا یہاں مشیت بمعنی ارادہ ہے اگر اللہ چاہتا تو اس حجت کے ذریعہ تم سب کو ہدایت دے دیتا مگر اس نے یہ چاہا نہیں بعض کو ہدایت دینا چاہا بعض کا گمراہ رہنا اگر اللہ چاہتا تو سورج سے چمگادڑ کی آنکھ بھی منور کر دیتا مگر اس نے یہ چاہا نہیں اگر چاہتا تو بارش سے شورہ زمین کو بھی سرسبز فرما دیتا مگر اس نے یہ چاہا

نہیں اس میں صدہا حکمتیں ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : پہلی آیت کریمہ کے تین جز ہیں پہلے جز میں کفار عرب کا دعویٰ مع دلیل ہے دوسرے دو جزوں میں ان کی تردید کفار کا دعویٰ یہ بیان ہوا کہ ہمارا شرک و کفر اور جانور کو حرام جاننا بالکل درست اور حق ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ کے چاہنے سے یہ کام مکہ معظمہ اور بیت اللہ میں ہو رہے ہیں لاکھوں اہل عقل انہیں اچھا سمجھتے ہیں ہم لوگ جو اولاد ابراہیمی ہیں مقدس ہیں انہیں اچھا سمجھتے ہیں غرضیکہ ان کاموں کا بیت اللہ میں ہونا ہمارا انہیں اچھا جاننا صدیوں سے اس کا رائج ہونا اس کی دلیل ہے کہ اللہ کو جو کام پسند ہیں اب ان کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین عرب اپنی بدعقیدگیوں بدعملیوں کے جواز کی کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے نہ آپ کے دلائل قاہرہ کا جواب دے سکتے ہیں ہم آپ کو غیبی خبر دیتے ہیں کہ آئندہ یہ لوگ اپنی ان حرکتوں کی معذرت کرنے کے لئے عذر گناہ بدتر از گناہ کے طور پر یہ کہیں گے وہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ رب تعالیٰ کے حکم اس کی رضا اس کے ارادے سے ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ دنیا میں کوئی کام رب کی رضا اس کے حکم وارادے کے بغیر ہو جائے جو کچھ ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ اس سے راضی ہے تب ہی تو اس کے ملک میں ہو رہا ہے اس کے معظم شہر مکہ اس کے معظم گھر کعبہ میں ہو رہا ہے اور کر رہے ہیں ہم ابراہیمی مقدس لوگ آج سے نہیں بلکہ صدیوں سے کر رہے ہیں لہٰذا ہمارے شرکیہ عقیدے و اعمال ہمارا ان جانوروں کو حرام جاننا یا اس کی ملت میں پابندی لگانا اللہ تعالیٰ کے حکم اس کی رضا سے ہے اگر وہ ان کاموں سے ناراض ہوتا تو نہ ہم یہ کام کرتے نہ ہمارے باپ دادے۔ آپ غلط کہتے ہیں کہ یہ کام برے ہیں مرضی الٰہی کے خلاف ہیں اے محبوب ان کی اس گفتگو پر ان کی احمقانہ باتوں پر ملول نہ ہونا پچھلی امتوں نے بھی اپنے رسولوں نبیوں کو جھٹلایا تھا کفار کی یہ بڑی پرانی رسم ہے اور وہ لوگ ایسے ڈھیٹ تھے کہ جب تک ان پر عذاب الٰہی نہ آگیا تب تک وہ جھٹلاتے ہی رہے اس وقت قائل ہوئے جب قائل ہونا کام نہ آیا یعنی عذاب دیکھ کر اگر نبیوں کی اولاد کے ہر کام اچھے ہوتے تو کنعان نبی زادہ تھا بنی اسرائیل اولاد یعقوب تھے ان پر عذاب الٰہی کیوں آئے ان کے کام سے ہم راضی کیوں نہ ہوئے" آپ ان کی یہ باتیں سنکر فرمادینا کہ تم اپنے اس دعوے پر یقینی، قطعی علمی، دلیل قائم کرو کہ جو کچھ دنیا میں ہوتا ہے رب ان سے راضی ہوتا ہے بتاؤ کونسی آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہے کس نبی نے یہ فرمایا ہے تم لوگ محض اپنے گمان اٹکل پچو تخمینوں سے ایسی باتیں کرتے ہو آپ ان سے یہ بھی فرمادینا کہ مضبوط اور بلیغ دلیل تو وہ ہے جو اللہ نے قائم فرمادی اسی سے تمام جائز و ناجائز باتیں معلوم ہو سکتی ہیں اس سے ہی معلوم ہوتا ہے کہ کس کام سے رب راضی ہے کس سے ناراض وہ حجتہ اللہ البالغہ کون ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل حق و باطل کی کسوٹی ہے مگر اس حجتہ اللہ سے سب ہدایت نہیں لیتے جسے رب تعالیٰ ہدایت دینا چاہتا ہے اسے ملتی ہے سورج بارش سے سب فیض یاب نہیں ہوتے بعض بدنصیب محروم بھی رہتے ہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی علوم بخشے آئندہ ہونے والے واقعات سے مطلع فرمایا۔ یہ فائدہ سیقول کے سین سے حاصل ہوا دیکھو کفار نے ابھی یہ باتیں کی نہ تھیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اطلاع بھی دے دی ان کے جوابات بھی بتادیئے۔ **دوسرا فائدہ:** کفار اللہ کے

ارادے 'مشیت'، حکم' رضا میں فرق نہیں کرتے تھے یہ فرق نہ کرنا ان کے کفر کا بڑا سبب تھا حالانکہ ان سب میں بڑا فرق ہے۔ یہ فائدہ **لوشاء الله** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ مشیت سے مراد رضا یا حکم ہو۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا کی ہر چیز ہر کام اللہ کے ارادے اور مشیت سے تو ہے مگر اس کے حکم اس کی رضا سے نہیں۔ یہ فائدہ بھی **لوشاء الله** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** خدا جب کسی بندے کا دین لیتا ہے تو اس کی عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو ان بے وقوف کافروں نے اپنا کفر تو رب تعالیٰ کی رضا سے مانا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام رب کی رضا سے نہ مانے اگر یہ قاعدہ درست ہو کہ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اللہ کی رضا سے ہو رہا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت وہ کیوں کرتے تھے کم از کم یہی سمجھتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کر رہے ہیں کیے رہے وہ رب کی رضا سے کیتے کرتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** گناہ کا عذر گناہ سے بدتر ہے یعنی اپنے گناہ کو درست ثابت کرنے کی کوشش کرنا کفر بلکہ سخت کفر ہے در حقیقت یہ پیغمبر کا جھٹلانا ہے۔ یہ فائدہ **کذلک کذب** سے حاصل ہوا کہ کفار کی اس حرکت کو رب نے نبی کی تکذیب قرار دیا اور فرمایا کہ گزشتہ کفار پر عذاب آنے کی وجہ یہی تھی۔ **چھٹا فائدہ:** عذاب آجانے پر توبہ کرنا بیکار ہے توبہ عذاب سے پہلے کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **حتی ذاقوا** میں حتی فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ عذاب آنے تک پیغمبروں کو جھٹلاتے رہے عذاب آنے پر اس حرکت سے باز آئے مگر باز آنا انہیں مفید نہ ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** جھوٹے کا جھوٹ ثابت کرنے کے لئے اس سے دلیل مانگنا بالکل جائز ہے تاکہ وہ دلیل نہ دے سکے اور شرمندہ ہو جائے لہٰذا جھوٹے نبی سے معجزہ طلب کرنا نجومی سے غیبی خبر پوچھنا تاکہ وہ رسوا ہو اور لوگ اس کے پھندے سے بچیں بالکل جائز بلکہ ثواب ہے ہاں اس کی تصدیق کرنے یا اس کی حقانیت کے شبہ سے یہ طلب کرنا کفر ہے۔ یہ فائدہ **قل هل عندكم من علم** سے حاصل ہوا جس چیز کو فقہا کفر کہتے ہیں وہ دوسری چیز ہے یعنی اسے سچا سمجھ کر اس سے معجزہ یا دلیل مانگنا۔ **آٹھواں فائدہ:** مناظرہ میں فریقین کا علم میں برابر ہونا ضروری نہیں بڑا عالم چھوٹے سے دلیل طلب کر سکتا ہے دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم **اعلم الاولین والاخرین** ہیں مگر فرمایا گیا کہ آپ ان جاہلوں سے علمی دلیل مانگیں دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **قل هاتوا برهانكم ان كنتم صادقين۔ نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی مرضی اور ناراضی صرف پیغمبر کے ذریعہ معلوم ہو سکتی ہے بڑے سے بڑا عالم اپنی عقل سے معلوم نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ **فلله الحجة البالغة** سے حاصل ہوا نبی رب تعالیٰ کی **حجة بالغة** اور برہان ہیں ان فرمان و عمل رضاء الٰہی کی دلیل ہے۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر یہ ضروری نہیں کہ جو بندے کے لئے مفید ہو وہ ہی چاہئے بلکہ مفید چیزیں بھی اس کے ارادے سے ہیں اور مضر چیزیں برائیاں بھی اس کے ارادے سے یہی مذہب ہے اہل سنت کا' مومن کا ایمان اور اعمال نیک بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہیں اور کافر کا کفر اسکی بد عملیاں بھی اس کے ارادے سے یہ فائدہ **فلوشاء لهدكم اجمعين** سے حاصل ہوا' جس میں فرمایا گیا کہ اللہ نے سب کی ہدایت یعنی توفیق ایمان کا ارادہ نہیں کیا بعض کے ایمان کا اور بعض کے کفر کا ارادہ فرمایا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی طرف سے اللہ کی حجت و دلیل ہیں دوسری جگہ دعویٰ ایک ہوتا ہے اس کے دلائل بہت گواہ قسم وغیرہ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ رب کے دعوے بہت مگر دلیل و گواہ ایک۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی توحید' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت' قیامت' جنت و دوزخ فرشتے وغیرہ سب کی دلیل سب کے گواہ صرف ایک حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **یا ایها النبی انا ارسلناک شاهدا** یہ فائدہ **الحجة البالغة** سے حاصل ہوا' جبکہ حجت سے مراد

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں' پھر خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم از سر تاپا اللہ کی حجت ہیں آپ کا ہربال ہر حال ہر ادا اللہ کی حجت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکوں کا شرک و کفر اللہ کے ارادے سے نہیں بلکہ اس نے تو ان کے ایمان کا ہی ارادہ فرمایا مشرکین نے اپنے ارادے سے شرک و کفر کیا۔ دیکھو مشرکین نے یہی تو کہا تھا کہ اللہ نے ہمارے شرک نہ کرنے کا ارادہ نہیں کیا' رب نے ان کے اس قول کو انبیاء کرام کی تکذیب قرار دیا کہ فرمایا **کذا لک کذب الذین من قبلہم** (معتزلہ) **جواب**: یہاں ان کے اس قول میں یا تو مشیت (چاہنا) سے مراد ہے پسند کرنا حکم دینا' یہ مطلب ہے کہ چونکہ اللہ نے ہمارے کفر کا ارادہ کیا لہٰذا وہ کفر سے راضی ہے یہ دونوں عقیدے کفریہ ہیں اسی کی یہاں تردید ہے اہل سنت ارادہ اور پسند یدگی اور حکم ان تینوں میں بڑا فرق کرتے ہیں۔ دیکھو ذبح اسماعیل کا حکم الٰہی تھا مگر ارادہ الٰہی نہ تھا اسی لئے اس ذبح سے حضرت خلیل کا درجہ تو بلند ہو گیا مگر ذبح واقع نہ ہوا یہ فرق ہے ارادہ اور حکم میں اور ان کے نتیجوں میں یوں ہی ابو جہل وغیرہ کو ایمان لانے کا حکم تو تھا مگر ان کے ایمان کا ارادہ الٰہی نہ تھا نتیجہ یہ ہوا وہ کفار سخت مجرم تو ہو گئے مگر ایمان نہ لائے اور محبوب کو ان کی تبلیغ پر ثواب عطا ہو گیا ورنہ معتزلہ کے عقیدے پر یہ جملہ اس جملے کے خلاف ہو گا۔ **فلو شاء لھدا کم اجمعین**۔ **دوسرا اعتراض**: کفار کے اس قول کو حضرات انبیاء کرام کا جھٹلانا کیوں قرار دیا گیا کہ فرمایا **کذا لک کذب الذین**۔ **جواب**: اس لئے کہ حضرات انبیاء کرام تو فرماتے ہیں کہ رب ان کے کفر سے ناراض ہے وہ کہتے تھے کہ راضی ہے تب ہی تو ہم کفر کر رہے ہیں یہ ہے ان حضرات کے فرمان کے خلاف قول۔ **تیسرا اعتراض**: فقہاء فرماتے ہیں کافر سے کفر کے جواز کی دلیل مانگنا یونہی جھوٹے نبی سے معجزہ مانگنا کفر ہے مگر یہاں رب تعالیٰ نے ان کفار سے ان کے کفریہ عقیدے کی دلیل طلب فرمائی کہ فرمایا **ھل عندکم من علم فتخرجوہ لنا** فقہا کا وہ فتویٰ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کافر کے یا جھوٹے نبی کے سچے ہونے کے احتمال سے دلیل مانگنا کہ تو دلیل دے اگر قوی ہوئی تو ہم تیرا کفر قبول کر لیں گے یہ کفر ہے مگر اسے ذلیل و رسوا کرنے کے لئے ایسے مطالبے کرنا بڑی اعلیٰ درجہ کی تبلیغ ہے۔ **چوتھا اعتراض**: کفار نے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے ان کا یہ قول بے دینی قرار دیا مگر یہی قول نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا ہے **قل لو شاء اللہ ما تلوتہ علیکم** فرما دو اگر اللہ چاہتا تو میں تم پر قرآن تلاوت نہ کرتا اگر یہ بات بری ہے تو اپنے نبی سے کیوں کہلوائی گئی۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت جواب ہو سکتے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ نبی کا ہر قول و فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے ان پر نفس امارہ یا شیطان کا غلبہ نہیں ہوتا وہ جو کرتے یا کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے کہتے کرتے ہیں مگر دوسروں کے کام نفسانی بھی ہوتے ہیں شیطانی بھی اور اگر اللہ رحم کرے تو بعض کام رحمانی بھی۔ لہٰذا حضرات انبیاء خصوصاً" ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم جو کچھ کرتے کہتے ہیں اللہ کی طرف سے کہتے کرتے ہیں اگر وہ نہ چاہتا تو ہم نہ کہتے نہ کرتے ہم یہ نہیں کہہ سکتے۔ نیز یہاں شرک کو اللہ کی طرف نسبت کیا گیا ہے اور اس آیت میں تلاوت قرآن کو۔ ان میں بڑا فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ظن یعنی قیاس و گمان بری چیز ہے اس پر عمل کفار کا طریقہ ہے مگر مقلد لوگ قیاس ظن پر عمل کرتے ہیں (وہابی) قرآن قطعی یقینی چیز ہے حدیث ظنی ہے حدیث پر عمل کرنا طریقہ کفار ہے (چکڑالوی)۔ **جواب**: اس کے چند جواب ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں دیئے ہیں ایک یہ کہ یہاں عقائد کا ذکر ہے عقیدے کے لئے قطعی دلیل وحی الٰہی لازم

ہے کہ اس پر کفر و اسلام کا مدار ہے مسائل فقیہ عملی چیزیں ہیں ان پر عمل ظنی دلیل سے بھی ہو سکتا ہے دوسرے یہ کہ یہاں ظن سے مراد دلیل ظنی نہیں بلکہ وحی الٰہی اور قول رسول کے خلاف اپنے اٹکل پچو اندازے و تخمینے ہیں، وہ واقعی کفر ہیں اسے فقہاء کے قیاس سے کوئی تعلق نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لولا اذ سمعتموہ ظن المومنون والمومنات بانفسھم** یہاں ظن یعنی نیک گمان کا حکم دیا گیا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے سب کو ہدایت نہ دی، مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سارے عالم کو ہدایت دی۔ **جواب:** وہاں ان آیات میں ہدایت سے مراد ہے راہ دکھانا وہ ہدایت سب کی دی گئی یہاں ہدایت سے مراد ہے ایمان کی توفیق دینا وہ ہر ایک کو عطا نہیں ہوتی۔ جس پر کرم ہوا سے ہی ملتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کلام ایک ہوتا ہے مگر بولنے والے منہ مختلف ایک کلام اچھے منہ سے نکلے تو ایمان بن جاتا ہے، وہی کلام برے منہ سے نکلے تو کفر ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں بالکل ایک ہی کلام دو جگہ ارشاد ہوا ایک تو **لو شاء لھدٰکم اجمعین** اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اور اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا مگر کفار نے کہا وہ کافر رہے بلکہ ان کا کفر اور بڑھ گیا رب نے اپنے محبوب سے یہ ہی کلام کہلوایا وہ عین ایمان ہوا کلام کا وزن زبان سے ہوتا ہے، صوفیاء فرماتے ہیں یہی حال ہے **ظن** کا کافر کا ظن کفر ہے، مومن کا ظن ایمان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز اللہ کی دلیل اللہ کی معرفت کا ذریعہ ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجتہ بالغہ ہیں جو دل میں اتر جاتے ہیں ایمان جان دماغ میں پہنچ جاتے ہیں اور ساری دلیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مدعی تک پہنچاتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی حجتہ ہیں کسی کے حق میں کسی کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن کے ایمان کی اس کے اعمال کی اس کی نیت کی حجتہ ہیں۔ کافر کے کفر منافقین کے نفاق پر حجتہ ہیں دیکھو منافقین نے کہا **نشھد انک لرسول اللہ** ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں بات کتنی سچی ہے مگر رب نے فرمایا **ان المنافقین لکاذبون** منافق جھوٹے ہیں یہی کلمہ نیک نیتی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ لو اکیا جائے تو انسان مومن بن جائے یہی بات صدیق اکبر نے کہی وہ کس درجہ پر پہنچے اولیاء اللہ علماء دین نے یہی بات کہی وہ بڑے رتبے پا گئے، جس کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجت ہیں اس کی ہر بات ترقی درجات کا باعث ہے۔ جس پر اور جس کے خلاف حضور صلی اللہ علیہ وسلم حجت ہیں اس کی ہر بات درکات یعنی جہنمی طبقوں کا ذریعہ ہے۔

قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُ

آپ کہئے کہ لاؤ گواہ اپنے وہ جو کہ گواہی دیں کہ تحقیق اللہ نے حرام فرمایا انہیں بس اگر گواہی دے

تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا پھر اگر وہ گواہی دے

وْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْ

دیں وہ بس نہ گواہی دیں آپ ساتھ ان کے اور نہ اتباع کرو تم خواہشات کی ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا

بیٹھیں تو اے سننے والے ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری

ربع ۵

مِنُونَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

آیتوں کو ہماری اور جو نہیں ایمان لاتے آخرت پر اور وہ ساتھ رب اپنے کے برابری کرتے ہیں۔

آیتیں جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار عرب سے مذکورہ بالا جانوروں کے حرام ہونے پر عملی دلیل مانگی گئی جس سے ان کی حرمت ثابت ہو اس میں وہ ناکام رہے تو اب ارشاد ہوا کہ اچھا تم کوئی گواہ ہی لاؤ جو اس حرمت کی درست گواہی دے تم کو وہ بھی نہ ملے گا تمہارے گواہ بھی اٹکل پچو گواہی دیں گے گویا ثبوت مدعی کے دو ذریعوں میں سے ایک کا ذکر پہلے ہوا یعنی دلائل دوسرے کا ذکر اب ہے یعنی گواہ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ صرف تخمینہ اندازہ سے ہی اس حرمت کے قائل ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کے پاس اس حرمت کا کوئی سچا گواہ بھی نہیں گویا پہلے ان کے علم کی نفی کی گئی اب ان کے دعویٰ پر گواہ کی نفی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وہ نہایت صحیح اور پختہ بات ہے جس پر مضبوط دلائل قائم ہیں **فلله الحجة البالغة** اب ارشاد ہے کہ کفار کے دعووں کی علمی دلیل تو کیا ہوتی ان کے پاس تو کوئی ٹھکانے کا گواہ بھی نہیں ہے گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوے کی پختگی بیان فرمانے کے بعد کفار کے دعویٰ کی کمزوری ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: **قل هلم شهداء كم** قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے جو مذکورہ بالا جانوروں بحیرہ، سائبہ وغیرہ کو یا تو مطلقاً حرام کہتے تھے یا ان کی حلت میں پابندی لگاتے تھے کہ مردوں کو حلال عورتوں کو حرام **هلم** اور **ها توا** دونوں کے معنی ہیں لاؤ پیش کرو حاضر کرو یہ اسم فعل ہے۔ معنی امر قوی یہ ہے کہ ھلم ایک ہی لفظ ہے جو واحد تثنیہ جمع مذکر مومن سب کے لئے بولا جاتا ہے دیکھو یہاں تمام کفار سے خطاب ہے مگر **هلموا** نہیں فرمایا اور یہ دونوں اسماء افعال کی طرح مبنی ہیں، بعض نحویوں نے فرمایا کہ ھلم میں ضمیریں لگائی جائیں گی یعنی ھلم، ھلما، ھلمو، ھلمت، ھلمتا، ھلمن۔ خلیل نحوی کہتے ہیں کہ ھلم ایک لفظ نہیں بلکہ یہ بنا ہے ھا اور لم سے ھا کے معنی ہیں خبردار اور لم کے معنی ہیں جمع کرو یا قریب کرو۔ عرب کہتے **لملمتدا** اسے قرب حاصل ہے۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ اصل میں ھل اور ام تھا ھل بمعنی کیا اور ام بمعنی قصد و ارادہ مگر پہلی بات قوی ہے (تفسیر کبیر، معانی، رضی) شہداء جمع ہے شہید کی بمعنی گواہ یا حاضر یا پسندیدہ سردار محبوب کو بھی شہید کہہ دیتے ہیں کہ وہ محبین کے دلوں میں حاضر رہتے ہیں یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اس کی تحقیق ہم پارہ الم' **وادعوا شهداء كم من دون الله** میں کر چکے ہیں۔ یہاں اس سے مراد کفار کے وہ سردار یا جرگی پنڈت وغیرہ ہیں جن کے کہنے پر یہ لوگ ان جانوروں کو حرام سمجھتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ ان سے مراد یہودیوں، عیسائیوں کے وہ پوپ پادری ہوں جو اسلام دشمنی میں مشرکین مکہ کی پیٹھ ٹھونکتے ان کی حمایت کرتے ان کے غلط عقیدوں غلط کاموں کی تائید کرتے تھے انہیں مسلمانوں کے خلاف دلائل سکھا کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے پاس بھیجتے تھے اور کہتے تھے **هنولاء اهدى من الذين امنوا** تب آیت بالکل ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ ہجرت سے پہلے پوپ پادری مسلمانوں سے تدبیری جنگ میں لگے رہے بعد ہجرت شمشیر کی جنگ میں مصروف ہو گئے یعنی اے محبوب آپ ان کفار سے فرما دیں کہ تم تو نرے جاہل ہو اپنے سرداروں، علم

والوں کو بلاؤ ان سے ہم دو دو باتیں کریں اور تم کو دکھا دیں کہ دلیل ان کے پاس بھی کوئی نہیں وہ بھی تمہاری طرح نرے جاہل ہیں **الذین یشھدون ان اللہ حرم ھذا** یہ عبارت شہداکم کی صفت ہے۔ یہاں شہادت سے یہ مراد نہیں کہ وہ صرف یہ کہہ دیں کہ ہاں واقعی یہ جانور حرام ہیں یہ بات تو یہ ماتحت کفار بھی کہتے تھے بلکہ مراد ہے علمی دلائل اور وحی الٰہی آسمانی کتاب کے حوالہ سے کہیں کہ فلاں نبی کی فلاں آسمانی کتاب یا حضرت ابراہیم کے فلاں صحیفے میں لکھا ہے اس لئے **اعمروا** منہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی **ان اللہ حرم ھذا** اس سے بھی ظاہر یہی ہوتا ہے کہ یہاں شہد سے مشرکین عرب کے حمائتی اہل کتاب مراد ہیں یعنی یہود و نصاریٰ کے پوپ پادری **فان شھدوا فلا تشھد معھم** اس عبارت میں **شھدوا** میں شہادت سے مراد ہے ڈھٹائی سے کہہ دینا کہ ہاں واقعی یہ جانور حرام ہیں ہمارے باپ دادے انہیں حرام سمجھتے تھے بڑے بڑے عقلمندوں نے انہیں حرام سمجھا ہے کیا وہ سب نادان ہیں یا یہ مطلب ہے کہ اگر ان اہل کتاب کے پوپ پادری توریت و انجیل کی جھوٹی آیتیں گھڑ کر انبیاء کرام کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کر کے کہہ دیں کہ واقعی اونٹ حرام ہے مشرکین کے فلاں فلاں کام ٹھیک ہیں جیسا کہ وہ عام طور پر کیا کرتے تھے اور لا تشہد میں خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے اور یہاں شہادت سے مراد ان کی تصدیق کرنا اور ان کی وکالت کرنا حمایت کرنا بیشک کہنا' خوشی کا اظہار کرنا تصدیق کے لئے سرہلانا وغیرہ ہے یعنی اگر ان کفار کے سردار مذکورہ قسم کی گواہی دے بھی دیں تو اے مسلمان تو ان کی ادنیٰ حمایت بھی نہ کرنا اور اگر خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو بھی سنانا مسلمانوں ہی کو ہے کہ حضور نبی صلی اللہ علیہ وسلم تو ان کی تصدیق کر سکتے ہی نہیں جیسے **لئن اشرکت لیحبطن عملک** (تفسیر صاوی' روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ **لا تشھد** بنا ہو شہود سے یعنی اے مسلمان تو ان کے ساتھ حاضر بھی نہ ہونا ان کی ایسی مجلسوں میں شرکت بھی نہ کرنا کیونکہ بروں کی صحبت بھی بری ہے جیسے اچھوں کی صحبت اگرچہ ایک آن کے لئے ہو اچھی ہے **ولا تتبع اھواء الذین کذبوا بایاتنا** یہ دوسرا حکم ہے اس میں بھی خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے اتباع کے معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر چلنا بغیر تحقیق یہاں مراد ہے دل سے ان سرداران کفر کی حمایت کرنا انہیں اپنا سردار پیشوا سمجھنا غرضیکہ لا تشہد میں زبانی یا ظاہری اعضاء سے تائید مراد تھی اور **لا تتبع** میں دلی حمایت مراد ہے **اھوا** جمع ہے **ھوی** کی بمعنی گرنا رب فرماتا ہے **او تھوی بہ الریح** نفسانی خواہش کو ھوی اس لئے کہتے ہیں کہ اس کی وجہ سے انسان دنیا میں ذلت کے گڑھے میں اور آخرت میں دوزخ کے گڑھے میں گرتا ہے **ھوا** کے معنی خالی ہونا بھی ہے۔ رب فرماتا ہے **وافئدتھم ھواء** نفسانی خواہش فائدے سے خالی ہوتی ہے لہٰذا **اھوا** ہے اگرچہ یہاں **اھواءھم** بھی کافی تھا مگر اتنی دراز عبارت فرمانا **الذین کذبوا** الخ وجہ ممانعت بتانے کے لئے کہ چونکہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں یعنی قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو جھٹلانے والے ہیں اس لئے ان کی خواہشوں کی دل سے حمایت اور پیروی نہ کرو **والذین لا یومنون بالاخرۃ** یہ عبارت معطوف ہے **الذین کذبوا** پر اور اس میں ان کفار کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یا پہلے عیب کی وجہ کا بیان ہے کہ ان کو جھٹلانے کی جرات اس لئے ہوئی کہ ان کا آخرت یعنی مرنے کے بعد اٹھنے سزا و جزا پانے پر ایمان نہیں ہے اگر اسے مانتے تو ایسی ہمت کبھی نہ کرتے یا **کذبوا** میں ان کے زبانی جرم کا ذکر ہے اور **لا یومنون** میں ان کے جنانی یعنی دلی جرم کا تذکرہ **وھم بربھم یعدلون** اس عبارت شریفہ میں کفار کے تیسرے جرم کا ذکر ہے یہ یا تو **لا یومنون** کے فاعل سے حال ہے اور واؤ حالیہ ہے یا الگ جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ **یعدلون** یا

توبنا ہے عدل سے بمعنی برابری تو اس کا مفعول پوشیدہ ہے۔ یعنی یہ کفار اپنے بتوں اپنے سرداروں کو اللہ تعالٰی کے برابر کردیتے ہیں اس طرح کہ ان کی عبادت کرتے ہیں حرام و حلال کا انہیں مستقل مالک مانتے ہیں رب تعالٰی کی طرح اور نظام عالم میں انہیں دخیل مانتے ہیں یا انہیں رب تعالٰی کے بیٹے بیٹیاں مانتے ہیں یا اللہ تعالٰی کو ان بتوں کے برابر کردیتے ہیں کہ رب تعالٰی کو ان کا حاجتمند مانتے ہیں کہ ان بتوں کے بغیر اس کا کام چل سکتا ہی نہیں یا یہ بنا ہے عدول سے بمعنی علیحدہ ہونا دور ہونا تو یہ ہم کی ب بمعنی من ہے یعنی یہ کفار اپنے رب کی عبادت سے اس پر ایمان لانے سے عدول کرتے ہیں اس سے ہٹے ہوئے ہیں کہ اسے چھوڑ کر دوسروں کی عبادت اطاعت سے اس پر ایمان لائے یہ کہ ان میں تین عیب ہیں اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا' آخرت پر ایمان نہ رکھنا' رب کے بندوں کو رب کے برابر سمجھنا' اے مسلمان تو ایسوں کی اتباع نہ کر۔

خلاصہء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ کفار ان جانوروں کی حرمت پر علمی دلیل تو قائم نہیں کرسکے اور نہ کرسکیں گے تو آپ ان سے فرمادو کہ اچھا جب ہمارا یہ مطالبہ تم پورا نہ کرسکے تو کوئی اپنا گواہ ہی لاؤ۔ جو قابل قبول گواہی تمہارے حق میں دے کہ فلاں نبی کی فلاں آسمانی کتاب میں یہ لکھا ہے یا فلاں نبی نے یہ فرمایا تھا کہ یہ جانور حرام ہیں اللہ تعالٰی نے انہیں فلاں پیغمبر کی معرفت حرام فرمایا ہے وہ یہ بھی نہ کرسکیں گے لیکن اے مسلمان شاید ان کے سردار تیرے سامنے آکر الٹی سیدھی گواہی دے دیں کہ انہیں تو ہمارے باپ دادے حرام سمجھتے آئے ہیں ہمارا صدیوں سے یہ عقیدہ چلا آرہا ہے سارا عرب ان باتوں کا قائل ہے کیا وہ لوگ بے وقوف ہیں تم ہی چند لوگ اب نئے عقلمند پیدا ہوئے تو اے مومن نہ تو تو ان کی ہاں میں ہاں ملانا نہ ان کی حمایت میں کوئی لفظ بولنا نہ کسی عضو کو حرکت دینا اور نہ دل سے ان کی نفسانی باتوں کی پیروی کرنا کہ ان کے متعلق تجھے شبہ ہو کہ شاید یہ لوگ سچے ہیں یہ کفار وہ ہیں جنہوں نے ہماری آیات قرآنیہ کو یا محبوب کے فرمانوں کو یا ان کے معجزات یا ان کی ذات کریمہ کو جھٹلایا یہ لوگ آخرت پر ایمان نہیں لائے مرنے کے بعد اٹھنے حساب دینے سزا جزا پانے کے انکاری ہیں اور بڑی بات یہ ہے کہ یہ میرے بندوں یعنی اپنے معبودوں یا اپنے سرداروں کو میرے برابر سمجھتے ہیں کہ قرآن کریم کے احکام ہوتے ہوئے ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی کرتے ہیں تم میرے نبی کے تبع ہو تم ان کے پاس کیوں جاؤ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس چیز کی حرمت اللہ رسول کے فرمان سے نہ کھائی جاسکے' وہ حلال ہے یہ اسلام کا قانون کلی ہے۔ یہ فائدہ **ھلم شھداء** کم سے حاصل ہوا کیونکہ شہداء سے مراد کتاب الٰہی کی آیات پیغمبروں کے فرمان ہیں نہ کہ خود ان کی اپنی بکواس اور **فان شھدوا** سے مراد ہے ان کا اپنے گمان و قیاس سے حرام کہہ دینا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا وہاں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** جھوٹے کا جھوٹ ظاہر کرنے اسے شرمندہ کرنے کے لئے اس سے گواہی مانگنا دلائل کا مطالبہ کرنا بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ بھی **ھلم شھداء** کم سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جھوٹے کی تصدیق کرنا اس کی وکالت کرنا اس کی جھوٹی گواہی دینا اس کے جھوٹ پر بے شک کہنا' خوشی کا اظہار کرنا تصدیق کے لئے سر ہلانا سب ہی حرام ہے۔ یہ فائدہ **فلا تشھد معھم** سے حاصل ہوا بلکہ اگر ہوسکے تو اسے جھٹلادے یا وہاں سے ہٹ جائے رب فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظالمین**۔ گنہگار کو گناہ پر مدد دینا بھی گناہ ہے۔ **چوتھا فائدہ:** کفار کو اپنا پیشوا سردار بنانا ان کے احکام کو حق جان کر ماننا بلا ضرورت ان کی فرمانبرداری کرنا حرام ہے یونہی ان کی خلاف شرع باتوں پر عمل کرنا حرام ہے **الا بالضرورۃ** یوں ہی ان کے قوانین کو اسلامی قوانین کے مقابلہ میں درست سمجھنا کفر ہے یہ فائدہ **ولا تتبع**

اھواء الذین کذبوا سے حاصل ہوا مثلاً "اسلامی قانون ہے چور کے ہاتھ کاٹنا کفار کا قانون ہے اسے جیل میں رکھنا جو کہے کہ ہاتھ کاٹنا برا ہے فطرت کے خلاف ہے ظلم ہے قید کرنا ہی اچھا ہے وہ کافر مطلق ہے کہ قرآن مجید کے حکم کا انکاری ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کی خواہشات نفسانی ہوتی ہیں ان کی پیروی حرام ہے نبی کی خواہش رب کی طرف سے ہوتی ہے یعنی رحمانی اس کی اطاعت ضروری ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا **اھواء الذین کذبوا** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا گیا **وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی**۔ **چھٹا فائدہ:** مشرکین کا شرک یہ ہے کہ وہ رب کے بعض بندوں کو اللہ کے برابر سمجھتے ہیں یا اس طرح کہ انہیں اتنا اونچا کرتے ہیں کہ خدا سے ملا دیتے ہیں یا اس طرح کہ خدا تعالیٰ کی شان کو گھٹا کر بندوں کے برابر کر دیتے ہیں۔ یہ فائدہ **ھم بربھم یعدلون** سے حاصل ہوا اس برابری کے بغیر شرک ہو سکتا ہی نہیں۔ دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے کہ کفار اپنے بتوں سے قیامت میں کہیں گے **اذ نسویکم برب العالمین** یہ بات خیال میں رہے کہ آج وہابی مسلمانوں کو بات بات پر مشرک کہتے ہیں یہ غلط ہے۔ یا رسول اللہ کہا تو اسے مشرک کہہ دیا یا نبی یا ولی کو۔ عطائے الٰہی علم غیب مانا تو مشرک کہہ دیا یہ شرک ہے کہ گاجر مولی اس کی تحقیق ہمارے رسالہ اسلام کی چار اصولی اصطلاحیں میں مطالعہ فرماؤ۔ **ساتواں فائدہ:** جو کوئی قیامت کو تو مانے مگر وہاں کے حساب و کتاب سزا جزا کو نہ مانے وہ در حقیقت قیامت کا انکاری ہے قیامت کو اس طرح مانو جس طرح پیغمبر نے فرمایا۔ یہ فائدہ **لا یومنون بالاخرۃ** سے حاصل ہوا کیونکہ بہت سے کفار مکہ قیامت کے قائل تھے مگر انہیں اس کا انکاری قرار دیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ:** آج جو لوگ بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانوروں کو حرام کہتے ہیں اگرچہ وہ اللہ کے نام پر ہی ذبح ہو جائیں اور اس کے لئے آیت کریمہ **وما اھل بہ لغیر اللہ** پڑھتے ہیں وہ در حقیقت ان کفار کی حمایت کرتے ان کی گواہی دیتے ہیں اور قرآن مجید کی غلط تفسیر کر کے ان کے اس عقیدے کی تائید کرتے ہیں وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں **فان شھدوا فلا تشھد معھم**۔

پہلا اعتراض: کفار سے ان جانوروں کی حرمت پر گواہ کیوں مانگے گئے وہ تو اپنے سرداروں کو پیش کر کے کہلوا سکتے تھے کہ ہاں واقعی یہ جانور حرام ہیں چوروں کے یار گرہ کٹ دیکھو یہاں شہداء کم فرمایا گیا یعنی کفار کے سردار و غیر ھم۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں گواہوں سے وہ گواہ مراد ہیں جو کلام الٰہی یا تعلیم پیغمبر سے ان کی حرمت ثابت کریں صرف اپنے منہ سے ان کی تصدیق نہ کر دیں' یہ کام تو وہ کفار بھی کر چکے تھے شہداء کم فرما کر یہ بتایا کہ تم وہ گواہ لاؤ جن پر تم کو اعتماد بھروسہ ہو وہ صحیح گواہی دیں کتاب و قول پیغمبر کی روشنی میں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ کیوں فرمایا گیا کہ آپ ان سرداران کفر کے ساتھ گواہی نہ دیں کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایسی گواہی دے سکتے تھے یہ تو ناممکن تھا۔ **جواب:** تحقیق تو یہی ہے کہ **لا تشھد** میں خطاب مسلمان سے ہے اور **لا تشھد** سے مراد ہے زبانی یا کسی حرکت سے ان کی تائید کرنا جیسے یا جی ہاں کہہ دینا یا ان کی باتوں پر خوشی سے ہنس دینا یا تائید کے لئے سر ہلا دینا وغیرہ اور اگر خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہو تب بھی سنانا مقصود ہے مسلمانوں کو۔ **تیسرا اعتراض:** شہادت اور اتباع میں کیا فرق ہے اور **لا تشھد** کے بعد **لا تتبع** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** شہادت سے مراد ہے قول یا عمل سے یا کسی عضو کی حرکت سے کفار کی تائید کرنا اتباع سے مراد ہے دل سے ان کی باتیں حق جاننا۔ ان کے برحق ہونے کا شبہ کرنا لہٰذا دونوں چیزیں علیحدہ ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** مسلمان تو کبھی کفار کی گواہی دے ہی نہیں سکتے نہ ان کی خواہشات کی اتباع کر سکتے ہیں پھر ان سے کیوں فرمایا **فلا تشھدا** ور **لا تتبع اھواء ھم** اس سے

فائدہ کیا ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے وہ جانتا تھا کہ آخری زمانہ میں بعض توحید یئے عالم نما قرآن کے ذریعہ کفار کے اس عقیدے کی تائید کریں گے کہ بتوں کے نام پر زندہ چھوٹے ہوئے جانور بحیرہ سائبہ یا سانڈ (بجار) وغیرہ حرام ہیں اور اس کی تائید قرآن مجید کی آیت **وما اهل به لغير الله** سے کیا کریں گے ان کا منہ بند کرنے کے لئے فرمایا کہ اے مسلمانو تم بھول کر بھی ان کفار کی گواہی کی تائید ان کی خواہش نفسانی کی اتباع نہ کرنا ان جانوروں کو حرام نہ کہنا **ما اهل به لغير الله** کی غلط تفسیر نہ کرنا وہاں وہ جانور مراد ہیں جو غیر خدا کے نام پر ذبح کئے جائیں زندگی میں کسی کے نام پر پکارے جائیں اس کا اعتبار نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار اپنے بتوں کو رب کے برابر کردیتے ہیں مگر دوسری جگہ قرآن ہی فرماتا ہے کہ اگر تم کفار سے پوچھو کہ آسمان و زمین کا خالق و مالک کون ہے بارش کون برساتا ہے روزی کون دیتا ہے تو وہ کہیں گے۔ **ليقولن الله** جب وہ رب تعالیٰ کو خالق ' مالک رازق مانتے ہیں سارے بندوں کو مخلوق ' مملوک ' مرزوق ' پھر برابری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا' آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** ہم نے اس اعتراض کا نہایت تفصیلی جواب اپنی کتاب علم القرآن میں دیا ہے یہاں مختصراً اتنا سمجھ لو کہ بعض مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں مانتے تھے اور اولاد باپ کی ہم جنس اس کی برابر ہوتی ہے بعض مشرکین دو خالق مانتے تھے خیر کا خالق یزدان شر کا خالق اہمن بعض مشرکین کا خیال تھا کہ اللہ تعالیٰ عالم کو پیدا کر کے تھک گیا اب اس کو نظام چلانے کی سکت نہ رہی یہ کام ہمارے بت کر رہے ہیں جن کے رد میں رب نے فرمایا **الم يعي بخلقهن** اور فرمایا **وما مسنا من لغوب** یہ تمام عقیدے اللہ تعالیٰ سے برابری کرنے کے ہیں اس کی پوری تحقیق علم القرآن میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے حرام چیزوں کو حرام جاننا فرض ہے انہیں حلال سمجھنا کفر ہے ایسے ہی حلال قطعی کو حلال ماننا فرض ہے حرام سمجھا کفر ہے جیسے مضر غذائیں انسان کی صحت بگاڑتی ہیں ان سے طبیب منع کردیتے ہیں مفید غذائیں کھانے کا حکم دیتے ہیں ایسے ہی حرام غذائیں انسان کی روحانیت بگاڑ دیتی ہیں اور طیب و حلال غذائیں روحانی قوت بخشتی ہیں اس لئے قرآن کریم نے فرمایا **كلوا من طيبات ما رزقنا كم** اس لئے ان آیات میں مذکورہ حلال جانوروں کو حرام سمجھنے کی پرزور مذمت کی گئی' اللہ رسول کے حکم کے سامنے اس کے مقابل کسی کا حکم ماننا در حقیقت اسے خدا یا رسول ماننا ہے سلامتی کا راستہ یہ ہے کہ مسلمان اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کرے یوں ہی بعض افعال و اعمال برے ہیں جو انسان کی فطرت بگاڑ دیتے ہیں اس میں غفلت پیدا کردیتے ہیں وہ طریقت میں سور مردار کی طرح حرام ہیں اچھے اعمال دل میں بیداری در رقت آنکھوں میں آنسو جگر میں گداز پیدا کرتے ہیں وہ اللہ کی نعمتیں ہیں' صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی حلال غذائیں تھوڑی کھاؤ پیٹ بہت نہ بھرو ورنہ بیمار ہو جاؤ گے یا شاعر کہتا ہے۔

آں حکیمے کہ در حکمت سفت ۔۔۔ کل قلیلا تعش کثیرا گفت

تھوڑا کھاؤ زیادہ جیو گے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ندار زتن پروراں آگہی ۔۔۔ کہ پرمعدہ باشد ز حکمت تہی

مگر یہ روحانی غذائیں جتنی زیادہ استعمال کرو اتنا ہی اچھا ہے۔

حاجتے نیست مرا سیرازیں آب حیات ۔۔۔ ضاعف اللہ علی کل زمان عطش

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانی زندگی کے حفاظت کے لئے سانپ بچھو' زہر اور مضر صحت غذاؤں سے بچنا ضروری ہے۔ مفید چیزیں استعمال کرنا لازم ہے اگرچہ یہ سب چیزیں اللہ کی مخلوق ہیں ایسے ہی ایمانی زندگی کے لئے بے دینوں اور بے دینی غفلت پیدا کرنے والی چیزوں سے احتیاط مفید ایمان اور بیداری پیدا کرنے والی چیزوں کا اختیار کرنا لازم ہے سارے انسان ہیں تو اللہ کے بندے مگر ان میں سے بعض ہوئی والے ہیں بعض ہدیٰ والے بعض خدا والے ہوئی والوں سے بچو ہدیٰ والوں کی صحبت اختیار کرو خدا والوں کی خاک قدم بنو اللہ تعالیٰ تک پہنچ جاؤ گے لہذا ارشاد ہوا **ولا تتبع اھواء الذین کذبوا** اور ہدیٰ والوں کے متعلق ارشاد ہوا **واتبع سبیل من اناب الی** کچھ رشتے جوڑنے کچھ توڑنے سے جسمانی زندگی قائم ہے اور ایمانی زندگی بھی۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَا

فرمائیے آؤ تلاوت کروں میں وہ چیزیں جو حرام کیں رب نے تمہارے اوپر یہ کہ نہ شریک کرو اس کا کسی چیز کو اور ساتھ

تم فرماؤ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا کہ اس کا کوئی شریک نہ کرو اور ماں

نًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَا

ماں باپ کے احسان کرو اور نہ مار ڈالو اپنی اولاد کو تنگدستی کی وجہ سے ہم روزی دیں گے تم کو اور ان کو اور نہ قریب جاؤ

باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے

حِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِا

فحش باتوں کے وہ جو ظاہری ان میں سے اور وہ جو چھپی ڈھکی ہیں اور مت قتل کرو اس ذات کو کہ حرام کیا اللہ

اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی ہے

لْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿151﴾

نے مگر حق سے یہ وہ ہیں کہ وصیت کی تم کو جس کی تاکہ تم عقل رکھو

اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جسمانی حرام و حلال غذاؤں کا ذکر تھا اب روحانی حرام و حلال غذاؤں یعنی برے اچھے اعمال کا تذکرہ ہے گویا دو غذاؤں میں سے ایک قسم کی غذا کے ذکر کے بعد دوسری قسم کی غذا کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار عرب کے جھوٹے ادعائی تقویٰ کی تردید تھی یعنی حلال چیزوں سے پرہیز اب سچے تقوے کا ذکر یعنی حرام چیزوں سے پرہیز کرنا حلال چیزیں استعمال کرنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو کفار کی خواہشات نفسانیہ سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا گیا۔ **ولا تتبع اھواء الذین** الخ اب ان کی انہیں خواہشات کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔ مع تردید کے گویا اجمال کے بعد تفصیل کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ کفار اپنے رب کے احکام سے عدول کرتے ہیں اب ان کے عقائد باطلہ' برے اعمال' خراب معاملات کا

ذکر ہے۔جس سے ان کی حکم عدولی ثابت ہوتی ہے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کی دلیل ہے پھل پھول سے جڑ کا پتہ لگتا ہے معاملات 'عبادات ظاہری اعمال سے دل کا پتہ لگتا ہے۔

تفسیر: **قل تعالوا اقل** میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بعض باتیں ایک آدمی سے ہی کہی جاتی ہیں بعض باتیں ایک جماعت سے بعض باتیں لاؤڈ سپیکر پر ساری بستی سے کی جاتی ہیں اور بعض باتیں ریڈیو اسٹیشن پر بیٹھ کر ساری دنیا سے اس طرح حضور انور کی بعض راز کی باتیں خاص دوستوں سے ہوئیں بعض ازواج پاک سے بعض صحابہ کرام اور بعض باتیں نبوت کے ریڈیو اسٹیشن پر تشریف رکھ کر ساری دنیا سے بلکہ تاقیامت آنے والوں سے یہاں جو **قل** فرمایا گیا اس میں روئے سخن تاقیامت سارے انسانوں سے ہے اس لئے یہاں کسی خاص جماعت کا ذکر نہیں **قل للمومنین یا قل لا زواجک** وغیرہ نہیں فرمایا گیا۔ **تعالوا** بنا ہے **علو** سے بمعنی بلندی اس کا مصدر ہے **تعال** یعنی بلندی پر چڑھنا **تعالو** کے معنی ہوئے اوپر چڑھ آؤ اب مطلقاً آؤ کے معنی دیتا ہے بمعنی **ھلموا** اس فرمان عالی میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ میں اخلاق حمیدہ کے اعلیٰ درجہ پر ہوں تم بداخلاقی کے گڑھے میں گرے ہوئے ہو میں تم کو نیچے سے اٹھانے اوپر پہنچانے کی دعوت دینے آیا ہوں فرماتا ہوں کہ اوپر چڑھو۔(تفسیر صاوی) **خیال رہے** کہ اللہ کے دروازے یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے ہر جگہ ہر وقت ہیں اور کھلے ہوئے ہیں اس لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ تم فلاں جگہ میرے پاس آؤ اگر سورج کے پاس آنا ہے تو آڑ کو پھاڑ کر اس کی شعاعوں میں آجاؤ اگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دلی اخلاص سے متوجہ ہو جاؤ **اذ ظلموا انفسم جانووک اتل ما حرم ربکم علیکم** اس عبارت میں بلانے کا مقصد بیان فرمایا گیا یعنی میرے پاس اوپر آؤ تاکہ میں تم کو تعلیم دوں **اتل** بنا ہے **تلاوۃ** سے جس کا مادہ ہے **تلو** بمعنی پیچھے اس لئے پیچھے والے کو تالی کہتے ہیں قرات کو تلاوت اس لئے کہتے ہیں کہ پڑھنے والا عبارت کو پڑھتا جاتا ہے آگے بڑھتا جاتا ہے پڑھے ہوئے کو پیچھے چھوڑتا جاتا ہے اب کسی عزت والی چیز کو پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے جیسے تلاوت قرآن مجید تلاوت دلائل الخیرات بعض باتیں بکی جاتی ہیں جیسے گالی بکنا 'بعض باتیں کہی جاتی ہیں جیسے عام روزمرہ کی باتیں بعض فرمائی جاتی ہیں جیسے وعظ سنانا بعض باتیں پڑھی جاتی ہیں جیسے کتاب پڑھنا مگر بعض باتیں تلاوت کی جاتی ہیں جیسے اللہ کی باتیں 'قرآن مجید یا نبی کی باتیں جیسے حدیث شریف یا درود شریف یا دلائل الخیرات وغیرہ یہاں آخری قسم کی باتیں مراد ہیں لہٰذا **اتل** ارشاد ہوا **ما موصولہ** ہے۔جس سے اگلی دس مذکورہ چیزیں مراد ہیں۔ حرم سے مراد ہے قرآن کریم میں حرام فرمائیں یا پچھلی آسمانی کتب میں حرام فرمائیں یا از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کرام کے دینوں میں حرام فرمائیں کیونکہ یہ دس احکام جو یہاں مذکور ہیں تمام دینوں میں جاری رہے کسی دین میں ان کے خلاف احکام نہ تھے حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سورۂ انعام میں بعض ایسی محکم آیات ہیں جو کسی دین میں منسوخ نہ ہوئیں اور آپ نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور ہو سکتا ہے کہ **علیکم** میں خطاب سارے انسانوں سے ہو کیونکہ یہ احکام سب پر ہی جاری ہیں بہرحال **ما حرم ربکم** کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ جو از آدم تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں تمام کتابوں تمام صحافیوں کی تعلیم میں حرام رہیں وہ میں تم کو بتاؤں دوسرے یہ کہ اس سے قرآن کی محرمات مراد ہوں یعنی جو چیزیں قرآن میں حرام کیں وہ تم کو بتاؤں **ان لا تشرکوا بہ شیئا** یہاں سے **ما حرم** کا بیان شروع ہوا **خیال رہے** کہ شرک نہ کرنا حرام نہیں بلکہ شرک کرنا حرام ہے شرک سے بچنا تو واجب و فرض ہے۔ لہٰذا

ان کو نہی کے صیغوں سے ارشاد فرمایا کہ نہی سے ہی حرمت ثابت ہوتی ہے یعنی رب نے ان چیزوں کو حرام فرمایا۔ اس طرح کہ فرمایا یہ کام نہ کرو شرک کے معنی ابھی ہم بیان کر چکے ہیں کہ کسی چیز کو رب تعالیٰ کے برابر کرنا یا رب کو کسی چیز کے برابر سمجھنا شرک ہے بعض مشرکین ستاروں کو بعض اپنے بتوں کو بعض فرشتوں کو بعض جنات کو رب کے برابر سمجھتے تھے اور بعض لوگ اپنے پوپ پادریوں کو حرام و حلال کا مالک سمجھ کر رب تعالیٰ کے مقابلے ان کی اطاعت کرتے تھے اس لئے **شیئا** فرمایا گیا اس ایک کلمہ میں سب کی پر زور تردید ہو گئی چونکہ شرک و کفر اکبرا لکبائر ہیں یعنی تمام بڑے گناہوں سے بڑھ کر گناہ اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ شرک کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر جاہلانہ دوسری عالمانہ تیسری عاشقانہ، تفسیر جاہلانہ تو وہ ہے جو آج کل عموماً لوگ کرتے ہیں کہ خدا کے سواء کسی کو پکارنا شرک ہے کسی سے مدد مانگنا شرک ہے کسی کو علم غیب یا حاضر ناظر ماننا وغیرہ یہ محض باطل ہے تفسیر عالمانہ یہ ہے کہ کسی کو رب کے برابر ماننا یا رب کو بندے کے برابر ماننا شرک ہے ان دو باتوں کے سواء شرک نہیں ہوتا تفسیر عاشقانہ یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی کو مقصود بنانا شرک ہے حتیٰ کہ جنت کے لئے نماز پڑھنا بھی شرک ہے **لا الہ الا اللہ**۔ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں **وبالوالدین احسانا** یہ عبارت معطوف ہے **الا تشرکوا** پر یہاں بھی وہ ہی قاعدہ استعمال ہوا کہ ماں باپ سے اچھا سلوک کرنا حرام نہیں وہ تو واجب ہے بلکہ اس کا عکس یعنی بد سلوکی کرنا یہ حرام ہے یہاں حرام چیز کو التزاماً بیان فرمایا گیا ہے قرآن مجید میں والد باپ کو کہا جاتا ہے والدہ ماں کو اور والدین ماں باپ کو مگر لفظ اب باپ دادا چچا سب کو کہا جاتا ہے یونہی **ام** ماں نانی، دادی حتیٰ کہ خالہ اور دودھ کی ماں سب کو بولا جاتا ہے **حرمت علیکم امھاتکم** اسی طرح **وامھاتکم التی ارضعنکم** وغیرہ اس پر شاہد ہیں **احسان** بنا ہے حسن سے معنی بھلائی یہاں جانی، مالی خدمت یونہی ان کی تعظیم و توقیر غرضیکہ ہر قسم کا اچھا سلوک اس میں داخل ہے حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ احسان سے مراد ان کے ساتھ بھلائی کرنا ہے احترام سے چنانچہ انہیں تیز اور غصہ کی نظر سے نہ دیکھے جواب سخت نہ دے ان پر آواز اونچی نہ کرے ان کے سامنے ایسا رہے جیسے غلام اپنے مولا کے سامنے رہتا ہے کیونکہ دنیا کی تمام نعمتوں میں باپ ماں بڑی اعلیٰ نعمت ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ والدین سے احسان کا ذکر فرمایا **الا تعبدوا الا ایاہ و بالوالدین احسانا**۔ خیال رہے کہ ماں باپ کے ساتھ سلوک کا حکم دیا گیا اطاعت کا حکم نہ دیا گیا کیونکہ ان کے ساتھ سلوک تو بہر حال کرے مگر ان کی اطاعت مطلقاً نہ کرے بلکہ جائز احکام کی اطاعت کرے ناجائز احکام میں اطاعت ہر گز نہ کرے رب فرماتا ہے **وان جاھداک علی ان تشرک بی مالیس لک بہ علم فلا تطعھما** ہر حکم کی اطاعت تو صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واجب ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم اگر قرآن مجید کے بھی خلاف ہو تب بھی اس کی اطاعت ضروری ہے جیسے حضرت علی کے لئے جناب فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے ممانعت یا ابو خزیمہ ایک کی گواہی دو کی برابر غرضیکہ احسان اور اطاعت میں بڑا فرق ہے **ولا تقتلوا اولادکم من املاق** یہ عبارت معطوف ہے **و بالوالدین** الخ پر اور یہ تیسرا حکم ہے یہاں بھی وہی قاعدہ ارشاد ہوا ہے کہ اولاد کا قتل کرنا حرام ہے اس سے بچنا اور قتل نہ کرنا واجب ہے۔ یہاں واجب کا ذکر فرمایا تاکہ اس سے حرام کا پتہ چل جائے اولاد جمع ہے ولد کی ولد مطلقاً اولاد کو کہتے ہیں بیٹا ہو یا بیٹی یونہی پوتا پوتی۔ نواسا نواسی سب ہی اولاد میں داخل ہیں مگر ابن صرف بیٹے کو کہتے ہیں بنت صرف بیٹی کو۔ چونکہ فقراء عرب اپنی ساری اولاد کو قتل کر دیتے تھے بیٹا ہو یا بیٹی یہ سمجھ کر کہ ہم خود فقیر ہیں انہیں کہاں سے کھلائیں اس کی یہاں تردید ہے وہاں کے

امیر لور سردار صرف بیٹیوں کو قتل کرتے تھے تاکہ جوان ہونے پر ان پر پیسہ لے کر امیروں سے نکاح کیا جاوے گویا دکانداری تھی یہاں پہلے عمل کی تردید ہے کہ یہ جامع چیز ہے **من املاق** میں ان کے قتل کی علت کا بیان ہے **املاق** کے تین معنی ہیں۔ فقیری' دیوالیہ ہونا' فساد پھیلانا' یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور **املاق** سے موجودہ فقیری مراد ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **خشیۃ املاق** وہاں آئندہ فقیر ہو جانے کا خطرہ مراد ہے یعنی اپنی اولاد بیٹے بیٹی' پوتے پوتی وغیرہم کو موجودہ فقیری کی وجہ سے قتل نہ کرو کیونکہ **نحن نرزقکم و ایاھم** چونکہ یہاں موجودہ فقیری مراد تھی اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا اور اولاد کے رزق کا ذکر بعد میں اور **خشیۃ** والی آیت میں آئندہ فقیر ہو جانے کا اندیشہ مراد تھا اس لئے وہاں ارشاد ہوا۔ **نحن نرزقھم و ایاکم** یہ فرق خیال میں رہے (معانی) یعنی ہم تم کو بھی ہر قسم کی روزی دیں گے اور تمہارے بچوں کے بھی رازق ہم ہیں تم نہیں ہو رزق کے معنی اور اس کے اقسام پارہ **الم ومما رزقنا ھم ینفقون** کی تفسیر میں عرض کئے جاچکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ بعض رزق و روزی وہ ہے جس میں انسان کے کسب کو بالکل دخل نہیں محض عطاء ربانی ہے جیسے ہوا' سورج' زمین وغیرہ لور بعض رزق وہ ہیں جن میں انسان کے کسب کو دخل ہے۔ انسان انہیں کماتا ہے جیسے روٹی' کپڑا' مکان جسے پنجابی میں کہتے ہیں۔ گلی جلی' کلی' یہاں آخری قسم رزق مراد ہے کہ کفار عرب اس رزق کی تنگی کے خوف سے اپنی اولاد لڑکوں لڑکیوں کو قتل کرتے تھے فرمایا گیا کہ ان رزقوں کے کاسب تم ہو مگر رازق ہم ہیں **والا تقربوا الفوا حش ماظھر منھا وما بطن** یہ چوتھا حکم ہے یہاں بھی وہی التزامی معنی مراد ہیں کیونکہ زنا وغیرہ کے قریب نہ جانا واجب ہے اور قریب جانا حرام ہے نہ جانے کے وجوب کا ذکر صراحۃً فرمایا اور قریب جانے کی حرمت کا ذکر کنایۃً فواحش جمع ہے فاحشہ کی جس کا مادہ ہے فحش بمعنی حد سے بڑھ کر جرم اس سے مراد گناہ کبیرہ بھی ہوتے ہیں اور بے حیائی بے غیرتی کے گناہ بھی اور وہ گناہ بھی جو ہر دین میں حرام رہے ہوں اور وہ گناہ بھی جنہیں عقل بھی برا جانے اور زمانہ بھی سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ زنا مراد ہے چونکہ زنا کی قسمیں بہت ہیں اس لئے فواحش جمع ارشاد ہوا قریب نہ جانے سے مراد ہے زنا کے اسباب یعنی بے پردگی' عورتوں کا ناچ دیکھنا گانا سننا وغیرہ سب سے دور رہنا عرب کی غریب عورتیں تو علانیہ دوکان پر بیٹھ کر زنا کراتی تھیں مگر عربی شرفا اسے برا سمجھتے تھے خفیہ گھروں میں یارانہ کے طور پر زنا کا شغل کرتے تھے۔ پہلے قسم کا زنا ظاہر ہے دوسری قسم کا خفیہ ان دونوں سے ممانعت فرمادی گئی اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لا تقربوا الزنا انہ کان فاحشۃ** بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے ہر گناہ کبیرہ مراد ہے۔ جسمانی تو ظاہری گناہ ہے لور جنانی یعنی دل کے باطنی گناہ ہیں۔ **ولا تقتلوا النفس التی حرم اللہ** یہ چوتھا حکم عالی ہے یہاں بھی وہی نکتہ ہے جو پہلے ذکر ہوا کہ قتل نفس سے بچنا فرض ہے لور قتل کرنا حرام قتل سے مراد ہے مطلقاً مار ڈالنا خواہ دھار دار آلہ سے ہو یا بندوق سے یا زہر دے کر یا کسی لور ذریعہ سے۔ نفس سے مراد ذات انسانی ہے اپنی اولاد کے علاوہ کیونکہ اولاد کے قتل کی ممانعت تو پہلے بیان ہو چکی **حرم اللہ** سے مراد ہے مومن یا کافر ذمی جو ہماری رعایا ہوں کافر مستامن جو ہمارے ملک میں امان لیکر کچھ روز کے لئے آئیں کہ ان کا قتل حرام ہے رہے حربی کفار جن سے مسلمانوں کی جنگ ہو ان کا قتل تو ثواب ہے قاتل مجاہد غازی ہے اس لئے حرم اللہ کی قید لگائی گئی **الا بالحق** یہ **لا تقتلوا** سے مستثنیٰ ہے حق سے مراد مقتول کے وہ جرم ہیں جن سے اس کا قتل جائز ہو جاوے وہ کل پانچ ہیں تین تو حدیث شریف میں مذکور ہیں شادی شدہ مومن کا زنا' مرتد ہو جانا' قتل جس کے قصاص میں اسے قتل کیا جاوے چوتھا سبب قرآن مجید میں مذکور ہے سلطان اسلام سے بغاوت (غداری) فرماتا ہے **فقاتلوا التی تبغی حتی**

تغی الٰہی امر اللہ پانچوں جرم ایسے ہیں کہ ان سے عقل انسانی بھی نفرت کرتی ہے بشرطیکہ وہ عقل درست ہو اس لئے ارشاد ہوا کہ تم اپنی عقل استعمال کرو اور ان احکام کی خوبیاں ان جرموں کی خرابیاں معلوم کرو۔

خلاصہ ء تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں دس جرموں سے سخت ممانعت فرمائی جن میں سے پانچ کا ذکر تو اس آیت کریمہ میں ہے اور پانچ کا ذکر اگلی آیت میں ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے لوگو! تم کدھر بھٹکتے ہو حرام و حلال میں اپنی بھونڈی عقل سے کام لیکر حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے ہو میرے پاس آؤ تم کو میں سناؤں کہ تم پر تمہارے رب نے کیا چیزیں حرام کی ہیں کسی چیز کو اللہ کا شریک اس کا مثل نہ مانو جو اس کے سواء ہے وہ اس کا بندہ ہے اپنے باپ کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو ان کی جانی' مالی ہر طرح خدمت کرو ان کا ادب و احترام کرو ماں کے ساتھ بھلائی کرتے ہیں۔ سات باتوں کا خیال رکھو۔ (1) ان کی خدمت اپنے ہاتھ سے کرو اپنی اولاد یا نوکروں سے ہی نہ کراؤ (2) اگر انہیں تمہاری جانی مالی خدمت کی ضرورت نہ بھی ہو جب بھی اسے سعادت سمجھ کر کرو وہ امیر ہوں تب بھی ان پر خرچ کرو تندرست ہوں جب بھی ان کے پاؤں دباؤ جو تا سیدھا کرو۔ (3) اگر وہ فاسق یا کافر ہوں جب بھی ان کے مادری پدری حقوق ادا کرو (4) ان کی اولاد ان کے عزیزوں دوستوں کے ساتھ بھلائی کرو (5) ان کے قرضے وعدہ پورے کرو (6) ان کے بعد ان کی جائز رسمیں طور طریقے جاری رکھو۔ (7) انہیں دعا خیر صدقات و خیرات سے یاد رکھو۔ مفلسی کے خوف سے اپنے بچوں کو قتل نہ کرو کیونکہ تمہارے ان کے رازق ہم ہیں ان کی روزی تمہارے ذمہ نہیں ہے ہم تم کو بھی روزی دیں گے ان کو بھی یا تم آزما چکے ہو کہ ہم تم کو روزی دیتے ہیں۔ اور ان کو بھی خیال رہے کہ ہم پر تین وقت گزرتے ہیں ایک وہ جب کسی بندے کا ہاتھ ہم تک نہیں پہنچتا تھا یعنی ماں کے پیٹ میں یا مرغی کے انڈے کے اندر وہاں براہ راست رب تعالیٰ ہی نے پالا تھا دوسرے وہ وقت جب ماں باپ کے ذریعہ رب نے ہم کو پالا جیسے ہماری شیر خوارگی کا زمانہ اس وقت ہم کمانے پر قادر نہ تھے تیسرا وقت جب ہم میں عقل و ہوش آیا کمانے کے قابل ہو گئے مگر پھر بھی روزی اس نے دی۔ بعض روزی کے لئے ہم کو نہ جانا پڑے نہ کمانا جیسے دھوپ و ہوا اور بعض کے لئے جانا پڑتا ہے کمانا نہیں پڑتا جیسے پانی بعض روزی میں ہم کو جانا پڑتا ہے کمانا بھی جیسے دانہ کپڑا وغیرہ مگر ان تینوں میں قدرت کا فیاض ہاتھ ہی کام کر رہا ہے۔ زنا کے قریب نہ جاؤ اس کے اسباب سے بچو خواہ علانیہ زنا ہو خواہ خفیہ ہر طرح کے زنا سے بچو "گانا بجانا" اجنبی عورتوں کے ساتھ خلوت' بے پردگی وغیرہ یہ سب زنا کے اسباب ہیں ان سب سے دور رہو یا ظاہر گناہ یعنی اعضاء ظاہری کے گناہوں سے بھی بچو اور اعضاء باطنی یعنی دل دماغ کے گناہوں سے بھی بچو اچھی نیت اچھے خیال اختیار کرو بری نیت' برے ارادوں برے خیالات سے دور رہو اور جس انسان کا قتل حرام ہے اسے قتل نہ کرو جیسے مسلمان یا ذمی کافر یا مستامن یہ تمام جانیں محترم ہیں ہاں اگر کوئی ایسی وجہ ہو جاوے جن سے ان کا قتل جائز ہو جاوے تو اسے ضرور قتل کرو جیسے مرتد' باغی' غدار' شادی شدہ زانی' قاتل ڈاکو کہ ان کا قتل سلطان اسلام کے حکم سے جائز بلکہ ضروری ہے یہ وہ احکام ہیں جن کا حکم تاکیدی تم کو اللہ نے دیا انہیں معمولی نہ سمجھو کچھ عقل سے کام لو یہ جرم عقل انسانی کے نزدیک بھی برے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی تعلیم سے پچھلی کتابیں ان کے احکام سب کچھ جانتے ہیں۔ توریت و انجیل' زبور اور آسمانی صحیفے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہیں یہ

فائدہ **اتل ما حرم** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہے گزشتہ دینوں کے احکام ان کفار کو سنانا حرم کے معنی ہیں **حرم فی الکتب السابقہ**۔ **دوسرا فائدہ:** کفار بھی عقائد قرآنیہ اور بعض احکام اسلامیہ کے مکلف ہیں لہٰذا حکومت اسلامیہ انہیں بچوں کے قتل عورت کے ستی (زندہ جلانے) کی جوئے وغیرہ کی اجازت نہ دے گی اگرچہ یہ کام ان کے دین میں جائز ہوں۔ یہ فائدہ حرم ربکم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ اے حرم فی القرآن۔ **تیسرا فائدہ:** عقائد کی درستی اعمال کی درستی سے پہلے ہونی ضروری ہے دیکھو اس موقعہ پر رب تعالیٰ نے دس چیزوں کو ذکر فرمایا مگر ان سب میں شرک سے بچنے کا ذکر پہلے کیا باقی اعمال کا ذکر بعد میں اگر کوئی مشرک یا کافر ان سارے نیک اعمال کا پابند ہو بخشا نہیں جا سکتا۔ پہلے جڑ قائم کرو بعد میں اسے پانی کھاد وغیرہ دو جڑ سے جدا شاخ کو پانی کھاد دینا بیکار ہے۔ **چوتھا فائدہ:** ماں باپ کا حق مادری پدری ادا کرنا اولاد پر لازم ہے اگر ماں باپ کافر ہوں اور بیٹا مسلمان ہو یہ فائدہ **بالوالدین** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **بالوالدین المسلمین** نہ فرمایا گیا۔ **پانچواں فائدہ:** ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک ان کی وفات کے بعد بھی کرنا چاہئے یہ فائدہ بھی **بالوالدین** کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ یہاں والدین کے ساتھ زندگی کی قید نہ لگائی گئی یہ نہ کہا گیا کہ زندہ ماں باپ سے سلوک کرو بعد موت ان کے قرض ادا کرنا ان کے وعدے پورے کرنا ان کے عزیزوں دوستوں سے محبت کرنا اور انہیں فاتحہ ختم کا ایصال ثواب کرنا ان کے نام پر کنویں مسجدیں بنوانا۔ سب ہی اس میں داخل ہیں اور احادیث کریمہ میں موجود ہیں سیدنا سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا تھا کہ میری والدہ فوت ہو گئیں اب میں ان سے سلوک کیسے کروں فرمایا ان کے نام پر پانی کی خیرات کرو چنانچہ انہوں نے اپنی ماں کے نام پر مدینہ منورہ میں کنواں کھدوا دیا۔ جس کا نام رکھا بیر ام سعید۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے قربانی دیتے تھے۔ یہ ہے ایصال ثواب بعد وفات۔ **چھٹا فائدہ:** اگر ماں باپ مال دار ہوں تب بھی ان پر خرچ کرنا ان سے اچھے سلوک کرنا چاہئیں یہ فائدہ بھی والدین کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں والدین فقیرین نہ فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** ماں باپ کے ساتھ صرف جسمانی یا صرف مالی احسان ہی نہ کرے بلکہ ہر قسم کا ہر طرح ہمیشہ احسان کرے یہ فائدہ احسانا" کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا ماں باپ کی قبر کا بھی احترام کرے۔ **آٹھواں فائدہ:** حمل میں جب جان پڑ جاوے تو اس کا گرانا حرام ہے کہ یہ بھی قتل اولاد ہے یہ فائدہ **ولا تقتلوا اولادکم** الخ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: بعض شرعی مجبوریوں میں جان پڑنے سے پہلے حمل گرا دینا جائز ہے کہ یہ قتل ولد نہیں مثلاً" عورت بہت کمزور ہے اب اس میں جننے کی تاب نہیں تو ایسا کر سکتے ہیں جب دو ایک ماہ چڑھیں تو اس کا خون جاری کر دیں کسی دوا سے۔ **مسئلہ:** کسی مجبوری میں مانع حمل دوا کے ذریعہ حمل قائم نہ ہونے دینا بھی جائز ہے کہ یہ قتل نفس نہیں۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عزل سے صحابہ کرام کو منع نہ فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ اس سے آنے والی روح رک نہیں سکتی بعض صحابہ نے بعض وقت عزل کیا۔ صحبت میں انزال باہر کرنا عزل کہلاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ قتل اولاد کی چند صورتیں ہیں بچہ کو ذبح کر دینا۔ زہر دے کر مار دینا۔ گلا گھونٹ کر مار دینا۔ زندہ دفن کر دینا۔ بچہ کو دودھ نہ پلانا جس سے وہ بھوک سے مر جائے یہ سب قتل اولاد ہے۔ **مسئلہ:** جو بچہ زندہ پیدا ہو جائے اس کے قتل سے قاتل پر قصاص واجب ہو گا لیکن جو بچہ زندہ ہو مگر ابھی پیدا نہ ہوا ہو اس کو ہلاک کر دینا حرام ہے مگر اس میں قصاص نہیں اور جب بچہ میں جان نہ پڑی ہو اسے گرا دینا مطلقاً حرام نہیں اگر حرام مقصد کے لئے گرایا جاوے تو

حرام ہے حمل قائم نہ ہونے دینا اس کا حکم علیحدہ ہے یہ اکثر جائز ہوتا ہے حضرات صحابہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عزل کرنے کی اجازت چاہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع نہ فرمایا بلکہ فرمایا جو روح آنے والی ہے وہ آکر رہے گی۔ **نواں فائدہ:** ظاہر میں نیک رہنا چھپ کر گناہ کرنا تقویٰ نہیں بلکہ ریاکاری ہے تقویٰ یہ ہے کہ ظاہر باطن ہر حال میں رب سے ڈرے گناہ چھوڑے یہ فائدہ **ما ظھر منھا وما بطن** سے حاصل ہوا بلکہ ریاکار کھلے فاسق سے زیادہ خطرناک ہوسکتے ہیں۔

تن اجلا من کالا بگلے کے سے بھیک اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک

دسواں فائدہ: اجنبی عورتوں سے خلوت ان کے گانے سننا ان کے فوٹو لذت کے ساتھ دیکھنا عشقیہ فلمیں دیکھنا عشقیہ ناول پڑھنا بلکہ عورتیوں کی بے پردگی آوارگی سب ہی حرام ہے کہ یہ تمام چیزیں زنا کے ذریعہ ہیں یہ فائدہ **ولا تقربوا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ زنا کے نزدیک جانے سے روکا۔

نہ تنہا عشق ازدیدار خیزد بساکیں دولت ازگفتار خیزد

گیارھواں فائدہ: تقویٰ جسمانی بھی ہے اور جنانی یعنی دل کا بھی دونوں تقویٰ حاصل کرو پھر متقی بنو گے یہ فائدہ **ما ظھر منھا وما بطن** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ظاہری اعضاء میں سے ہر عضو کے بہت سے اعمال برے ہیں بہت سے اچھے ہر عضو کے برے اعمال سے بچو اچھے اعمال اختیار کرو یونہی دل دماغ کے اچھے اعمال بھی ہیں برے بھی اور ان کے اچھے اعمال اچھی نیت اچھے ارادے اچھے خیالات اختیار کرو بری نیت برے ارادوں برے خیالات سے بچو یہ ہے تقویٰ قلب۔ یہ بھی خیال رہے کہ تقویٰ دلی اصلی ہے۔ تقویٰ ظاہری اس کی شاخ اچھی نیت سے برے کام اچھے بن جاتے ہیں۔ اور بری نیت سے اچھے کام برے بن جاتے ہیں۔ دل کا تقویٰ۔ تین چیزوں سے حاصل ہوتا ہے۔ عشق رسول خوف خدا اور تعظیم شعائر اللہ۔ رب فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** اور فرمایا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** ان تین سودوں کی دوکان اور ڈپو آستانہ اولیاء اللہ ہیں۔ **بارھواں فائدہ:** مومن۔ ذمی کافر اور مستامن کافر کو قتل کرنا حرام ہے۔ حربی کفار کو جہاد میں قتل کرنا ثواب ہے۔ یہ فائدہ **النفس التی حرم اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیرھواں فائدہ:** یہ مذکورہ لوگ اگر کوئی جرم قتل کے لائق کریں تو انہیں قتل کرنا ضروری ہے جیسے بعد احصان زنا ڈکیتی بغاوت وغیرہ یہ فائدہ **الا بالحق** سے حاصل ہوا اس کی تفصیل اور احکام کتب فقہ میں ملاحظہ کرو ان مذکورہ لوگوں کو حاکم یا سلطان کے فیصلے کے بعد قتل کیا جاوےگا ان کے متعلق آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ موجود ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں **اتل ما حرم** کیوں فرمایا گیا تلاوت تو قرآن مجید کی ہوتی ہے کفار کو قرآن سنانا بیکار ہے وہ قرآن مجید کے احکام کے مکلف نہیں۔ **جواب:** **ما حرم** میں دو احتمال ہیں ایک تو انجیل توریت زبور اور دوسرے نبیوں کی کتابوں کے احکام نہیں سنانا تب تو اتل فرمانا ان کتب اور ان احکام الٰہیہ کی تعظیم شان کے لئے ہے ہم کہتے ہیں کہ درود تاج کی تلاوت کرو فلاں قوم نے انجیل شریف کی تلاوت کی وغیرہ ہر معظم چیز کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے بلکہ بزرگوں کے واقعات۔ بیان کرنے کو تلاوت کہا گیا ہے قرآن کریم نے سکندر ذوالقرنین کے قصہ سنانے اور اصحاب کہف کا واقعہ بیان کرنے کو تلاوت فرمایا ہے **نتلو علیک نباء ھم بالحق** اور **قل سا تلو علیکم منہ ذکرا**"۔ دوسرے یہ کہ یہاں تلاوت سے مراد وہ آیات قرآنیہ کفار کو سنانا ہے جن میں یہ احکام مذکور ہیں کفار صرف عبادات اسلامیہ کے مکلف نہیں۔ قرآنی عقائد

قرآنی معاملات کے احکام، قرآنی سزائیں ان پر برابر جاری ہیں ان پر مسلمان ہونا فرض ہے اور چور کے ہاتھ کٹیں گے ان کاڈاکو، قاتل، باغی، قتل کیاجاوے گاچونکہ اس آیت کریمہ میں عقائد اور معاملات کاہی ذکر ہے لہذا کفار کو یہ آیت سنانا بالکل بجا ہے اسی لئے کفار سے فرمایاگیا **حرم علیکم** **دوسرا اعتراض:** یہاں باپ کے ساتھ سلوک کرنے کو احسان کیوں فرمایاگیا کوئی بچہ ماں باپ پر احسان کرسکتا ہے احسان تو ماں باپ کا بچہ پر ہے جوادا ہو سکتا ہی نہیں۔ **جواب:** یہاں احسان لغوی معنی میں ہے یعنی اچھا سلوک برتاؤ کرنا اس کے اصطلاحی معنی مراد نہیں **من واحسان** مندی یعنی ان سے اچھا سلوک کرو۔ **تیسرا اعتراض:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حکم پر عمل کیسے کیا کہ **بالوالدین احسانا** آپ نے تو والدین کو پایا ہی نہیں۔ **جواب:** ماں باپ سے احسان صرف ان کی زندگی میں ہی خاص نہیں ان کی وفات کے بعد بھی ان سے اچھا سلوک کرے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب آمنہ کی وفات کے وقت ان کا سرپاک دبایا اور پھر بعد وفات انہیں زندہ کرکے انہیں مومن صحابی بنایا انہیں کلمہ پڑھایا۔ آج حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے ان دونوں کے نام کی دھوم مچی ہے جہان بھر کی نیکیوں کے ثواب میں ان دونوں کا حصہ ہے کہ یہ سب ان کے فرزند ارجمند کے دم کی بہار ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر ماں باپ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حکم دیں تو کیا طلاق دے دینی واجب ہے۔ وہ بھی **احسانا** " میں داخل ہے۔ **جواب:** اگر ظلماً طلاق دلواتے ہوں جس سے گھر کی بربادی، بچوں کی آوارگی بے قصور بیوی کا دربدر دھکے کھانا ہو تو نہ دے کہ ظلم شرعاً حرام ہے اور حرام کام کے حکم میں کسی کی اطاعت نہیں اور اگر قصور عورت کا ہو طلاق دینا ظلم نہ ہو تو دیدے کہ اس میں ماں باپ کی رضا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت عمر نے اپنے بیٹے عبداللہ کو طلاق دینے کا حکم دیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ طلاق دے دو جناب خلیل نے حضرت اسماعیل کو طلاق کا حکم اشارۃً دیا تو انہوں نے فوراً طلاق دے دی ان حضرات نے ظلم کیوں کرایا۔ **جواب:** وہاں صورت ہی ایسی تھی کہ عورت کا ان کے گھر میں رہنا ان کے لئے نقصان دہ تھا۔

زن بد در سرائے مرد نکو! ہم دریں عالم است دوزخ او

ناشکری نافرمان عورت کا مرد مومن کے گھر میں رہنا اچھا نہیں۔

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں معدن از معدن فولاد بن سکتی نہیں!

اگر کسی کے ماں باپ حضرت خلیل حضرت عمر کے نقش قدم پر چلنے والے عدل انصاف والے ہوں تو ان کے کہنے پر طلاق دے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اپنی اولاد کو مفلسی کی وجہ سے قتل نہ کرو تو کیا مفلسی کے سواء اور وجہ سے قتل اولاد جائز ہے۔ **من املاق** کی قید کیوں لگائی؟ **جواب:** یہاں مفلسی کی قید واقعہ بیان کرنے کے لئے ہے احترازی نہیں کفار عرب تین قسم کے تھے بعض وہ جو اپنی امیری و سرداری کی وجہ سے صرف اپنی بیٹیوں کو قتل کرتے تھے کہ کوئی ہمارا داماد نہ بنے۔ دوسرے وہ جو لڑکیوں کی تجارت کرتے تھے وہ بیٹوں کو تو قتل کردیتے تھے لڑکیوں کو زندہ رکھتے تھے ان کے جوان ہونے پر ان کی بھاری قیمت لیکر نکاح کرتے تھے تیسرے وہ جو اپنی مفلسی ناداری کی وجہ سے ساری اولاد کو پیدا ہوتے ہی قتل کردیتے تھے بیٹے ہوں یا بیٹیاں یہاں روئے سخن اس تیسری جماعت کی طرف ہے لہذا یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے **لا تاکلوا الربا اضعافا" مضاعفتہ** دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھایا کرو۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ بے حیائیوں کے قریب نہ جاؤ تو کیا دور سے بے حیائی کرلیا کریں کسی اجنبی عورت کو قریب سے نہ

گھوریں دور سے گھور لیا کریں گانا ناچنا قریب سے نہ سنیں نہ دیکھیں دور سے سن لیا کریں دیکھ لیا کریں آج کل تو ریڈیو کے ذریعہ دور سے گانے سنائے جاتے ہیں۔ ٹیلی ویژن کے ذریعہ دور سے اجنبی عورتوں کے حسن کا نظارہ کرایا جاتا ہے کیا یہ سب جائز ہے۔
جواب: یہ مطلب تو آیت کریمہ کے منشاء کے ہی خلاف ہے اس کا منشاء یہ ہے کہ بے حیائی کرنا تو کیا معنی اس کے قریب بھی نہ جاؤ اس کے اسباب سے بھی دور رہو جیسے رب تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا **لا تقربا ھذہ الشجرۃ** اس درخت گندم کے قریب بھی نہ جاؤ اس کا مطلب یہ نہ تھا کہ قریب تو نہ جاؤ دور سے دانہ منگا کر کھالو یہ محاورہ ہر زبان میں استعمال ہوتا ہے۔
آٹھواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ محترمہ جان کو قتل نہ کرو یعنی دھار دار آلہ سے اس کا گلہ نہ کاٹو تو کیا اور ذریعہ سے لے مار دینا جائز ہے۔ گلہ گھونٹ کر یا زہر دے کر۔ **جواب:** یہاں قتل عرفی معنی میں استعمال ہوا ہے یعنی مار ڈالنا خواہ کیسے ہی ہو دیکھو کفار عرب اپنے بچوں کو تلوار سے قتل نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں زندہ زمین میں دفن کر دیتے تھے اسے بھی قتل فرمایا گیا **والا تقتلوا اولادکم** اور فرمایا گیا **بای ذنب قتلت۔** قرآن کریم کی سمجھ کے لئے علم و عقل محاورات کی خبر سب ہی ضروری ہیں۔
تفسیر صوفیانہ: کسی کے پاس چڑھ کر پہنچتے ہیں کسی کے پاس اتر کر یا گر کر اور کسی کے پاس چل کر پہنچا جاتا ہے مقصود کا جیسا مقام ویسی وہاں کی حاضری ڈول اتر کر یا گر کر کنوئیں کے پانی تک پہنچتا ہے مگر رسی کے ذریعہ چڑھ کر بھرنے والے کے پاس پہنچتا ہے انسان نفس و نفسانیات خواہشات کے گڑھے میں پڑا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس گرے ہوئے کو اپنے پاس بلایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان نبوت کے سورج ہیں فرمایا **تعالوا** میرے پاس چڑھ کر آجاؤ رب نے فرمایا **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا** " تم سب قرآن مجید کی رسی مضبوط تھام لو اور پہنچو۔ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کرم میں ان سے دور ہو گئے کچھ نہ پاؤ گے پہلے تمہارا سر ان کے قدم تک پہنچے تب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تم کو حکم الٰہی سنائیں گے۔ رب تعالیٰ نے تم سے نہ کلام فرمایا ہے نہ فرمائے گا وہ فرمائیں گے کہ جنت دوزخ بلکہ اپنی غرض کو لالچ کو اللہ کا شریک نہ ٹھہراؤ۔ بجز رضاء الٰہی کسی مقصد کے لئے اس کی عبادت نہ کرو کہ طریقت میں یہ شرک ہے بلکہ ہمیشہ رب تعالیٰ سے رب ہی کو مانگو یا اس کے محبوب کو مانگو یہ ہے صوفیاء کی توحید۔

مروت نہ باشد کہ اھل صفا بخواہند غیر از حذا از خدا!

صوفیاء کہتے ہیں کہ شرک جلی بت پرستی ہے اور شرک خفی یار کے ساتھ اغیار کو دیکھنا ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

تادم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال خامہ توحید کش بروق این و آن!

جب تم موحد بن چکے تو اپنی اولاد معنوی کو جہالت کی موت نہ مارو تم بقدر طاقت انہیں فیض روحانی پہنچاتے رہو رب کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں رزق روحانی بیداری توجہ الی اللہ دنیا سے بے نیازی ہم تم کو بھی دیں گے اور ان کو بھی ان کھلے چھپے عیوب کے قریب نہ جاؤ جو تم کو رب سے دور کر دیں جلوت خلوت میں دست بہ کار دل بہ یار رکھو اپنے نفس امارہ کو ہلاک نہ کرو اس کا حق بھی ادا کرو کہ یہ رب رسی کی بہترین اور تیز سواری ہے ہاں جب یہ تم کو رب سے غافل کرنا چاہے تو ذکر اللہ کی تلوار سے اس کا زور توڑ دو۔ ان چیزوں کا تم کو تاکیدی حکم دیا گیا ہے۔ سمجھو کہ ہم کیا فرما رہے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قتل حق وہ ہے جو طلب حق کے لئے کیا جاوے۔ مقتول فی سبیل اللہ عند اللہ زندہ ہے۔

مشو بمرگ زامداد اہل دل نا امید　　که خواب مردم آگاه عین بیداری است

اگر دل والے وفات پاجائیں تو ان کی امداد سے ناامید نہ ہو جاؤ۔ خبردار آدمی کی نیند بھی بیداری ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو بھی اہل دل بنائے ذلیل والے مرجاتے ہیں دل والے نہیں مرتے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو شانیں ہیں (1) بشریت کی شان اور (2) نورانیت کی شان۔ ان دونوں شانوں کی جلوہ گری مختلف ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ حج کو جاتے ہیں تو گیارہ دن میں پہنچتے ہیں صرف تین سو میل کا فاصلہ گیارہ دن میں اونٹوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے طے ہوتا ہے یہ ہے بشریت کا ظہور مگر معراج کی رات سنکھوں پدموں میل کا فاصلہ آن کی آن میں طے فرمالیا یہ ہے نورانیت' دو وقت کھانا ملاحظہ فرمائیں تو چہرے پر کمزوری کے آثار نمودار ہو جائیں مگر روزہ وصال میں عرصہ تک کچھ نہیں چکھیں اور مطلقاً کمزوری محسوس نہ ہو وہ تھی بشریت یہ ہے نورانیت' عبرانی زبان کا ترجمہ عربی میں حضرت زید ابن ثابت لے کر آئیں انہیں اپنا ترجمان مقرر فرمایا یہ ہے بشریت مگر لکڑی' جانوروں کی زبان بغیر ترجمہ سمجھ لیں یہ ہے نورانیت۔ بازار سے چیز منگائیں تو کسی کو بھیج کر یہ ہے بشریت اور مصلے پر کھڑے ہوئے ہاتھ اٹھائیں اور جنت میں پہنچ جائیں یہ ہے نورانیت یہاں ارشاد ہوا کہ آؤ میں تم کو وہ چیزیں بتاؤں جو تمام دینوں میں حرام رہیں یہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت' بشری صفات کا ظہور ہم کو تعلیم کے لئے ہے اور نورانیت کا ظہور حضور کے کمال کے اظہار کے لئے ہے۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ

اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقہ کے جو کہ وہ بہت اچھا ہے حتیٰ کہ پہنچ جاوے اپنی مضبوطی

اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقہ سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچیں اور ناپ اور تول انصاف کے

وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ

کو اور پورا دو ناپ اور تول ساتھ انصاف کے نہیں تکلیف دیتے ہم کسی ذات کو مگر گنجائش بھر اس کی اور جب کہو

ساتھ پوری کرو ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اسکے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو

ذَا قُرْبٰى ۚ وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۚ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾

تو انصاف کرو اگرچہ ہو وہ قرابت والا اور عہد اللہ کا پورا کرو یہ چیز ہے وصیت فرمائی تم کو اسکی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو

اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم نصیحت مانو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** اللہ تعالیٰ نے پچھلی آیت کریمہ میں وہ پانچ تاکیدی حکم دیئے جن کا تعلق انسان کی اپنی ذات اور اپنے گھر والوں سے ہے اب ان پانچ باتوں کا حکم دیا جا رہا ہے جن کا تعلق شہر والوں' بستی والوں سے ہے گویا تدبیر منزل کے بعد سیاست مدنیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ یہ دونوں چیزیں انسان کی اصلاح کے لئے

ضروری ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اپنے ماں باپ اپنی اولاد کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا تھا اب دوسروں کی اولاد اور دوسرے کے ساتھ اچھے برتاوے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اخلاقیات کی اصلاح فرمائی گئی تھی اس آیت کریمہ میں مالی معاملات کی اصلاح فرمائی جا رہی ہے۔ چونکہ ذات مال سے اشرف و اعلیٰ ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا بعد میں مال کا۔

تفسیر: ولا تقربوا مال الیتیم یہ عبارت یا تو گزشتہ پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے اور یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے **لا تقربوا** میں خطاب یتیموں کے والی وارثوں سے ہے جو ان کے متولی اور پرورش کنندہ ہوں اور ہو سکتا ہے اس خطاب میں سارے مسلمان بلکہ سارے انسان داخل ہوں کہ یتیم کے مال کی بربادی اور بربادی کے اسباب سے بچو مال سے مراد وہ مال ہے جو اسے میراث میں ملا ہو یا کسی نے اس پر ترس کھا کر اسے دیا ہو یا اس نے خود کمایا ہو کہ بعض ہوشیار یتیم کچھ کما لیتے ہیں مگر کمائی سنبھال نہیں سکتے اس لئے اپنا مال اپنے کسی عزیز کے پاس رکھتے ہیں یتیم بنا ہے **یتم** سے بمعنی تنہائی اکیلا ہونا انسانوں میں یتیم وہ نابالغ بچہ ہے جس کا والد فوت ہو گیا ہو' جانوروں میں وہ چھوٹا شیر خوار بچہ ہے جس کی ماں مرگئی ہو اور موتی وہ یتیم کہلاتا ہے جو سیپ میں ایک ہی ہو اسے دریتیم کہا جاتا ہے یہاں انسانی یتیم مراد ہے یعنی یتیم بچے کا مملوکہ مال کسی طرح استعمال نہ کرو اسے ہاتھ نہ لگاؤ **خیال رہے** کہ سور' کتا' بلا کھانا بھی حرام ہے مگر ایسا حرام کہ اسے کھا لیا جاوے تو توبہ سے معاف ہو جاتا ہے کسی انسان کا حق مارا ہوا مال بھی حرام ہے مگر ایسا کہ توبہ سے معاف نہیں ہوتا۔ جب تک کہ صاحب حق معاف نہ کرے اور یتیم کا مال بھی حرام ہے مگر ایسا حرام کہ نہ توبہ سے معاف ہو کہ یہ حق العبد ہے اور نہ معاف کرنے سے معاف ہو کہ بچہ معاف نہیں کر سکتا' بچہ کی معافی معتبر نہیں اس لئے اگر کافر ایمان لائے جو کفر میں بلا' کتا مردار سب کھا لیتا تھا تو ایمان سے یہ سب کچھ معاف ہو جاوے گا لیکن قرض یا کسی کا مارا ہوا مال معاف نہ ہو گا وہ تو ادا ہی کرنا ہو گا۔ لہذا یتیم کا مال سور کتے سے بدتر ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **الا بالتی ھی احسن۔** یہ **لا تقربوا الخ** سے مستثنیٰ ہے **التی** سے مراد خصلت یا طریقہ ہے **احسن** سے مراد طریقہ ہے جو یتیم کے لئے مفید ہو شرعاً" جائز ہو جیسے اس یتیم کا مال تجارت میں لگا کر اسے بڑھانا نیز خود بچہ پر خرچ کرنا بقدر ضرورت جس میں فضول خرچی نہ ہو اس کے مملوکہ مکان یا دکان کو اچھے کرایہ پر چڑھانا اس کی مملوکہ زمین میں کاشت کرانا یا عمارات بنا کر آمدن بڑھانا یا اس کے مملوکہ باغ کے پھلوں کی تجارت کرنا ایک احسن میں صدہا چیزیں بیان فرما دیں اس پر ولی متولی کو بڑا اجر ملے گا۔ **حتی یبلغ اشدہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ حکم کی انتہا بیان فرما رہی ہے۔ **احفظوہ** **حتی** انتہاء کے لئے اور **یبلغ** کا فاعل وہی یتیم ہے جس کا ابھی ذکر ہوا **اشد** بنا ہے **شدت** سے بمعنی مضبوطی یہ لفظ مضبوط وعدہ پر بھی بولا جاتا ہے اور قوت بدنی پر بھی رب فرماتا ہے **من اشد منہ قوۃ** انسان کی اس حالت کو بھی کہتے ہیں جب اس کی جسمانی قوتیں مضبوط ہو جاویں رب فرماتا ہے **حتی اذا بلغ اشدہ وبلغ اربعین سنۃ** یہاں بدنی قوتوں کی مضبوطی کے معنی میں ہے۔ فرانحوی کہتے ہیں کہ **اشد** جمع ہے جس کا واحد کوئی نہیں۔ بصری کہتے ہیں کہ یہ واحد ہے اس کے سواء اور کوئی واحد اس وزن پر نہیں آیا۔ بعض نے کہا کہ یہ شد کی جمع ہے جیسے **ود** کی جمع **اود** یہاں اس سے مراد ہے بلوغ کی عمر مع عقل و ہوش کے اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **حتی اذا بلغوا النکاح فان انستم منھم رشدا فادفعوا الیھم اموالھم** یعنی اے یتیموں کے والی وارثو تم ان کے مال کی حفاظت کرو حتی کہ وہ عاقل و بالغ ہو جاویں اس وقت ان کا مال ان کے حوالہ کر دو۔ (از تفسیر کبیر روح المعانی) خیال رہے

کہ اشد کی جمع ابتداء بچے کے بلوغ سے ہے اور اس کی انتہا تینتیس 33 سال کی عمر پر اس کے بعد انسان ادھیڑ ہو جاتا ہے۔ چالیس سال کے بعد بڑھاپا شروع ہوتا ہے (تفسیر صاوی) **و اوفوا الکیل والمیزان بالقسط** یہ اس آیت کریمہ کا دوسرا اور تیسرا حکم ہے۔ جس کا تعلق عام لوگوں سے ہے۔ یتیم کی پرورش کا تعلق اس کے ولی سے تھا۔ مال یتیم کھانا اور تجارت میں کم ناپنا تولنا ان دونوں میں تعلق یہ ہے کہ یتیم کا مال مارنا خیانت بھی ہے ظلم بھی یونہی کم ناپ تول میں خیانت بھی ہے' دھوکہ فریب بھی۔ یہ دونوں جرم بظاہر ایک ایک ہیں مگر بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہیں نیز مال یتیم مارنا وہ جرم ہے جو نہ توبہ سے معاف ہو نہ یتیم کے معاف کرنے سے معاف ہو کہ یتیم معاف کرنے پر قادر نہیں یوں ہی کم ناپ تول نہ توبہ سے معاف ہو کہ یہ حق عباد ہے نہ معاف کرانے سے کہ نہ معلوم اس نے کس کس کو کتنا کتنا کم تول کر دیا ہے ان وجوہ سے مال یتیم کے بعد کم ناپ تول کا ذکر فرمایا۔ **اوفوا** بنا ہے **ایفاء** سے بمعنی پورا دینا اس کا مقابل ہے استیفا بمعنی پورا لینا کبھی مطلقاً پورا کرنے کے معنی میں آتا ہے دیتے وقت ہو یا لیتے وقت یہاں اس آخری معنی میں ہے کیل پیمانہ یعنی ناپ کا آلہ جیسے عرب میں صاع پاکستان میں ٹوپا میزان ترازو قسط بمعنی انصاف اس فرمان عالی میں دینے اور لینے والے دونوں کو حکم ہے یعنی اے ناپ تول سے لین دین کرنے والو ناپ وزن پورا کرو کسی کو اس کا حق کم نہ دو بالقسط فرما کر بتایا کہ لینے والا بھی زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے غرضیکہ دونوں انصاف پر قائم رہیں پورا حق دو پورا لو۔ **اوفوا** دینے والے کے لئے ہے اور بالقسط لینے والے کے لئے۔ خیال رہے کہ جیسے ناپ تول میں کمی کرنا جرم ہے ایسے ہی مال میں ملاوٹ کرنا بھی جرم ہے کہ اس میں بھی حقدار کو اس کے حق سے کم پہنچتا ہے یوں ہی خراب مال کو اچھا بتا کر فروخت کرنا بھی جرم ہے کہ ان سب میں حق مارنا ہے لہذا یہ ایک لفظ تجارت کی تمام خرابیوں کو توڑ رہا ہے **لا نکلف نفسا الا وسعها** اس فرمان عالی کا تعلق یا تو فقط ناپ تول پورا کرنے سے ہے یا مذکورہ دونوں حکموں سے۔ یتیم کی پرورش اور ناپ تول کی درستی یعنی یہ دونوں کام تم لوگ بقدر طاقت کرو جو کام تمہاری طاقت سے باہر ہے ہم اس کی معافی دے دیں گے یونکہ ہم کسی ذات پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اگر من دو من چیز تولی اختیار سے تولی مگر پھر بھی تولہ دو تولہ کی کمی بیشی رہ گئی تو معاف ہے یہ فرمان عالی اگرچہ مذکورہ احکام کے متعلق ہیں مگر یہ قانون کلیہ ہے کہ رب تعالیٰ کسی بندے پر شرعی احکام اس کی طاقت سے زیادہ نہیں جاری فرماتا۔ چنانچہ بچہ اور دیوانہ مدہوش پر عبادات فرض نہیں' غریب پر زکوٰۃ و حج فرض نہیں بیمار پر جہاد لازم نہیں۔ اس کریم کا یہ قانون بہت ہی عام ہے یوں خطاو نسیان بھول چوک پر پکڑ نہیں **واذا قلتم فاعدلوا ولو کان ذاقربی** یہ اس آیت کریمہ کا چوتھا حکم ہے جو سارے مسلمان بلکہ سارے انسانوں پر جاری ہے۔ اس ایک جملہ میں احکام شرعیہ کے دریا بہہ رہے ہیں واعظ وعظ کریں تو عدل و انصاف کے ساتھ' غلط روایتیں گڑھی ہوئی حدیثیں اپنا وعظ مقبول کرنے کے لئے بیان نہ کریں عالم فتویٰ دیں تو غلط نہ دیں کسی کی رو رعایت نہ کریں گواہ کچہری میں گواہی دیں تو سچی دیں' کسی کی مروت سے جھوٹی گواہی نہ دیں حاکم فیصلہ کریں تو حق فیصلہ کریں' کسی کی جھوٹی رعایت نہ کریں' اگر مسلمان لڑ پڑیں تو لڑائی میں بھی بات انصاف کی کریں مخالف کو غلط الزام نہ لگائیں' اپنے عیب کی جھوٹی تاویلیں نہ کریں۔ غرضیکہ زندگی کے ہر شعبہ میں انصاف کا دامن نہ چھوڑیں **لو کان** میں کان کا اسم وہ شخص ہے جس کے متعلق بات کہی گئی (مقول لہ) **ذاقربی** **معنی قربی** مصدر ہے بمعنی قرابت داری یعنی تم جس کے متعلق گواہی یا فیصلہ یا فتویٰ دے رہے ہو وہ تمہارا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو اور تمہارا وعظ فتویٰ فیصلہ اس کے خلاف ہو تو قرابتداری کا لحاظ کر کے غلط بات نہ بولو' حق کہو **وبعهد الله اوفوا** عہد کے معنی اس کی قسمیں

وعدہ 'عہد' میثاق میں فرق ہم تیسرے پارہ میں **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ **عہد اللہ** سے مراد یا تو وہ وعدہ ہے جو اللہ نے تم پر نافذ فرمایا یعنی اس کے احکام جو بذریعہ نبی تم کو ملے یا وہ عہد ہے جو تم نے اللہ سے کیا اللہ تعالیٰ کو ضامن بنا کر یہ سب پورے کرو اللہ تعالیٰ وفاء عہد کی توفیق دے ہمارا تو وہ حال ہے جو ہم نے ان دو شعروں میں عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما جفا از تو وفا! اے رحیم از ما خطا از تو عطا
کار ما بدکاری و شرمندگی ! کار تو ستاری و بخشندگی

عہد اللہ کو اوفوا پر تدم فرمانے سے حسر کا فائدہ ہوا یعنی صرف اللہ کے عہد پورے کرو اللہ تعالیٰ کے مقابلہ میں کسی کے عہد پورے نہ کرو اگر تم نے غلطی سے کسی سے ناجائز عہد کر لیا ہے تو فوراً توڑ دو کسی سے وعدہ کیا بلکہ قسم کھائی کہ اس کے ساتھ شراب پئیں گے چوری کریں گے یہ وعدہ توڑ دو قسم کا کفارہ دے دو۔ **ذلکم وصا کم بہ لعلکم تذکرون** اس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں ہو چکی **ذالکم** سے اشارہ ان مذکورہ پانچوں چیزوں کی طرف ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ **تذکرون** بنا ہے **ذکر** سے بمعنی نصیحت ذکر کے دس معنی ہیں یہاں بمعنی نصیحت ہے تذکر نصیحت ماننا چونکہ پچھلی آیت کی پانچ باتیں وہ تھیں جن کے اہل عرب عادی ہو چکے تھے۔ شرک 'قتل' اولاد وغیرہ مگر شرع اور عقل دونوں کے خلاف تھیں اسی لئے وہاں **تعقلون** فرمایا اور اس آیت کریمہ کی پانچ باتیں وہ ہیں جن سے اہل عرب بھی بچتے تھے وہ لوگ یتیم کا مال کھانا ناپ تول میں کمی کرنا وغیرہ کو برا سمجھتے تھے اور بتوں کی پرستش وغیرہ پر فخر کرتے تھے اس لیے یہاں **تذکرون** فرمایا گیا۔

خلاصہء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں انسانوں کو دس گناہوں سے ممانعت فرمائی۔ جن میں گزشتہ آیت میں پانچ گناہ تو وہ تھے جنہیں اہل عرب گناہ سمجھتے ہی نہ تھے بلکہ انہیں اپنا کمال جان کر کرتے تھے اور فخریہ کرتے تھے 'بت پرستی' قتل اولاد' زنا وغیرہ اس آیت کریمہ میں ان پانچ گناہوں سے منع فرمایا جنہیں کفار عرب بھی گناہ سمجھتے تھے مگر کر لیتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے لوگو اور یتیم بچوں بچیوں کے والیو یتیم کے مملوکہ مال کے قریب بھی نہ جاؤ اسے ہاتھ بھی نہ لگانا خواہ وہ مال اسے میراث میں ملا ہو یا اس نے خود کمایا ہو یا اسے کسی نے بطور بخشش دیا ہو بہر حال تم اسے استعمال نہ کرنا ہاں وہ استعمال جو یتیم کے لئے مفید ہو تم کر سکتے ہو۔ چنانچہ اس کا مال تجارت میں لگاؤ اس کی زمین میں کاشت کراؤ اس کی دکانوں مکانوں کو کرایہ پر اٹھا دو۔ غرضیکہ ہر مفید کام میں لگاؤ یہ کام تم ان کے بچپن ختم ہونے تک کرتے رہو۔ جب وہ عاقل بالغ ہو جائیں تو تم کو اس کا بھی اختیار نہیں اب ان کا مال انہیں حوالہ کر دو اور جب تم ناپنے تولنے لگو تو پیمانہ اور ترازو کا وزن درست کرو نہ باٹ کم و بیش ہوں نہ ترازو میں پاسنگ ہو نہ تم ڈنڈی مارو انصاف سے وزن و ناپ کرو لینے والا بھی زیادہ لینے کی کوشش نہ کرے ہم کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے اگر من دو من وزن میں دو چار تولہ کی کمی بیشی ہو جاوے' تمہارے بغیر ارادہ کے تو اس پر پکڑ نہ کی جاوے گی اور جب بھی بات کرو گواہی دو یا فیصلہ کرو تو انصاف سے کرو اس میں اپنے عزیز و قرابت دار کا بھی لحاظ نہ کرو۔ اللہ کے وعدے پورے کرو جو تم کو اس نے حکم دیئے ہیں ان پر عمل کرو جو تم نے اس سے وعدے کئے ہیں' نذر قسم وغیرہ کے ذریعہ۔ انہیں پورے کرو اور جو تم کسی سے اللہ کی ضمانت پر وعدہ کر لو وہ پورا کرو۔ اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں کا تم کو تاکیدی حکم دیتا ہے تاکہ تم انہیں یاد رکھو بھول کر بھی ایسی حرکتیں نہ کرو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صرف نابالغ بچہ کو یتیم کہہ سکتے ہیں بالغ یتیم نہیں یہ فائدہ **حتی یبلغ الخ** سے حاصل ہوا کہ اس سے یتیمی کی انتہا معلوم ہوئی۔ **دوسرا فائدہ:** یتیم کا ولی یتیم کے مال میں ہر وہ تصرف کر سکتا ہے جس میں یتیم کا جانی یا مالی نفع ہو لہذا یتیم کی تعلیم اس کے نکاح وغیرہ پر جائز خرچ کر سکتا ہے اس کو نفع بخش کاروبار میں لگا سکتا ہے۔ یہ فائدہ **الا بالتی ھی احسن** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** یتیم کا ولی یتیم کے مال میں ایسا کوئی تصرف نہیں کر سکتا جس میں یتیم کا نقصان ہو لہذا اس کا نکاح دھوم دھڑاکہ سے نہیں کر سکتا اس کے مال سے اس کا ولیمہ نہیں کر سکتا۔ یتیمہ کو شاندار مگر غیر مفید جہیز نہیں دے سکتا یتیم کے ماں باپ کی فاتحہ 'تیجہ' دسواں وغیرہ یتیم کے مال سے نہیں کر سکتا اگر کرے گا تو یہ کھانا سب کے لئے حرام ہو گا کھانے والے اپنے پیٹ میں دوزخ کی آگ بھریں گے۔ رب فرماتا ہے **ان الذین یا کلون اموال الیتامی ظلما" انما یا کلون فی بطونھم نارا"** اس کے متعلق اعلیٰ حضرت قدس سرہ کی تصنیفات کا مطالعہ کرو یہ فائدہ بھی **الا بالتی ھی احسن** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** یتیم کے مال میں نہ زکوٰۃ فرض ہے نہ قربانی یتیم بچہ اپنے مال سے کسی کو صدقہ نفلی 'خیرات' ہبہ نہیں دے سکتا اگر دے تو اسے قبول کرنا حرام ہے یہ فائدہ بھی **الا بالتی ھی احسن** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کم ناپ تول کر کسی کو دینا یا تاجر سے جبراً" نیچا تلوانا حرام ہے اگر تاجر خود ہی کچھ نیچا تول دے تو اس کا قبول کرنا جائز ہے کہ زیادتی اس کی طرف سے ہدیہ ہے جو قبول کیا جا سکتا ہے یہ فائدہ **اوفوا الکیل الخ** سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کو اونٹ کی قیمت ادا فرمائی تو دینے والے وکیل سے فرمایا زن وارجح ان کی رقم تول دو کچھ نیچی تول دینا یہ عطیہ شاہانہ کرم خسروانہ ہے کہ فرمایا ارجح نیچی تول دو۔ اس مسئلہ سے بہت لوگ بے پرواہ ہیں۔ سودا خریدتے وقت جبراً" بہت نیچا تلواتے ہیں خصوصاً" گوشت اور ترکاریاں بجائے نیچا تلوانے کے اس سے قیمت میں رعایت پہلے ہی کرالو۔ **چھٹا فائدہ:** وزن وناپ میں غیر محسوس سی زیادتی کمی جو قصداً" نہ ہو معاف ہے ہم نے اہل مدینہ کو دیکھا کہ اگر وہ لوگ لفافہ میں شکر یا دال تول کر دیتے ہیں تو باٹ کی طرف بھی اس وزن کا خالی لفافہ رکھ لیتے ہیں تاکہ گاہک کو کاغذ بھر بھی سودا کم نہ جائے۔ اللہ تعالیٰ پاکستانی تاجروں کو بھی اس دیانت داری کی توفیق دے۔ **ساتواں فائدہ:** سودے میں ملاوٹ کر کے فروخت کرنا حرام ہے کہ اس میں بھی گاہک کا حق مارا جاتا ہے مثلاً" اگر سیر دودھ میں چھٹانک پانی کی ملاوٹ ہے یا سیر دیسی گھی میں چھٹانک ولایتی گھی کی ملاوٹ ہے تو گاہک کو ایک چھٹانک دودھ و گھی کم پہنچا یہ بھی **اوفوا الکیل** کے خلاف ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** رشوت، لیکر یا کسی قرابت دار یا مالدار کی رعایت کر کے غلط فتویٰ دینا یا جھوٹی گواہی دینا یا غلط فیصلہ کرنا حرام ہے یہ فائدہ **واذا قلتم فاعدلوا** سے حاصل ہوا اس حکم عالی کی تفسیر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کی زندگی شریف ہے، جو وہ حضرات قیامت تک نہ مٹنے والی عملی تفسیر کر کے دکھا گئے یہ عدل و انصاف مسلمانوں کا طرہ امتیاز رہا جسے ہم کھو بیٹھے۔

عدل کیا تو اپنے پرائے دیکھا سب کو ایک نظر سے ــ حق میں کسی کی بھی نہ رعایت صلی اللہ علیہ وسلم!!
اپنی بیٹی کے سر پر تھا ایک دوپٹہ وہ بھی شکستہ ــ بانٹ رہے ہیں سب کو دولت صلی اللہ علیہ وسلم!!

نواں فائدہ: جس شخص سے اللہ کے نام کے ساتھ وعدہ کیا جاوے اس کا پورا کرنا اشد ضروری ہے خواہ اپنے شیخ سے عہد کرے یا کسی اور سے۔ اسی لئے نکاح کے وقت دولہا دولہن کو کلمے پڑھاتے ہیں بعد میں ایجاب و قبول کراتے ہیں کہ نکاح میں ان دونوں

سے ایک دوسرے کے متعلق عہد ہوتا ہے پانچوں کلمے پڑھا کر اس عہد کو عہد اللہ بنادیا جاتا ہے تاکہ دونوں ان پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ نکاح کے یہ کلمے اس آیت سے لئے گئے ہیں **وبعهد الله اوفوا** دسواں فائدہ: بمقابلہ عبادات کے معاملات کا مسئلہ بہت اہم ہے عبادات درست کرلینا آسان ہیں مگر معاملات درست رکھنا بہت مشکل ہے اکثر لوگ اس میں فیل ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **ذالکم وصاکم** الخ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اس آیت میں پانچ معاملات کا ذکر فرما کر اسے وصیت اور تذکر فرما کر اس کی تاکید فرمائی۔ رب توفیق دے تو انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال کی ناپ تول برابر رکھے کہ جس درجہ کا گناہ ہو جاوے۔ اس درجہ کی نیکی بطور کفارہ کرے تاکہ گناہ کا پلہ وزنی نہ ہونے پائے دیکھو حضرت وحشی نے جناب حمزہ کو شہید کیا تو پھر مسلمان ہو جانے پر غزوہ یمامہ میں اسی نیزہ سے مسیلمہ کذاب کو قتل کیا جناب ہندہ نے حضرت حمزہ کی میت کی اہانت کی تو اسلام لا چکنے کے بعد غزوہ یرموک میں سات لاکھ عیسائیوں کا مقابلہ کیا' ہر شخص دکاندار ہے ہر ایک کو چاہئے کہ اپنے اعمال کی ترازو درست رکھے۔ گیارھواں فائدہ: رب تعالیٰ کسی بندے پر اس کی طاقت سے زیادہ احکام کا بوجھ نہیں ڈالتا۔ یہ فائدہ **لا نكلف** الخ سے حاصل ہوا دیکھو نماز میں اخلاص' خشوع' خضوع وغیرہ جو چیزیں قلبی واردات ہیں ہمارے قبضہ سے باہر ہیں وہ چیزیں نماز میں نہ فرض ہیں نہ واجب نہ سنت نہ شرعی مستحب یہ ہے۔ **لا نكلف نفسا**" الخ کا ظہور اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **صلوا كما رأيتموني اصلي** تم نے جیسے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے ویسی نماز پڑھو یہ نہ فرمایا کہ **صلوا كما اصلي** جیسی نماز میں پڑھتا ہوں ویسی پڑھو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا سا خشوع و خضوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم قلبی ہم سے ناممکن ہے یا ان سرکار کے ظاہری ارکان کی نقل ہم کرسکتے ہیں جو دیکھنے میں آتے ہیں۔ بھلا کرم تو دیکھو کہ غشی مدہوشی میں اگر منہ سے کفری بات نکلے تو اس پر پکڑ نہیں لیکن اگر اچھا لفظ نکلے تو اس پر ثواب ہے' ہم سے بے خبری میں جو برا کام ہو جاوے تو پکڑ نہیں لیکن اگر بے خبری میں کوئی اچھا کام ہو جاوے تو اس پر ثواب ہے حتی کہ ہمارے باغ و کھیت جو چڑیاں کھا جاویں اس پر صدقہ کا ثواب ہے یہ ہے اس کا کرم۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں مال یتیم کی قید کیوں لگائی گئی کیا یتیموں کے علاوہ دوسروں کا مال مار لینا اسے ناجائز استعمال کرلینا جائز ہے۔ جواب: اس لئے کہ یتیم کا مال مارنا بہت ہی سخت اور خطرناک جرم ہے اولاً تو اس لئے کہ یتیم بے کس بے بس بے زور اور بے سہارا ہوتا ہے وہ کسی ظالم سے اپنا بدلہ نہیں لے سکتا وہ محض دوسروں کا منہ دیکھتا ہوتا ہے اس لئے اس پر ظلم کرنا بدترین جرم ہے دوسرے اس لئے کہ اگر یتیم ظالم کو معاف کردے تو معاف نہیں ہوتا کسی عاقل بالغ کا مال مار ابعد میں اس نے معاف کردیا معاف ہو گیا مگر یہ تو کسی طرح معاف نہیں ہوتا۔ دوسرا اعتراض: تم نے **بالتي هي احسن** کے متعلق کہا کہ یتیم کے مال کی زکوٰۃ نہیں اس میں سے صدقہ نفل' ہدیہ' ہبہ کرنا حرام ہے تو یتیم کی زمین پیداوار پر خرج یا عشر کیوں واجب ہوتا ہے وہ بھی معاف ہونا چاہئے۔ جواب: اس لئے کہ خراج اور عشر نفلی عبادات نہیں بلکہ ٹیکس اور حقوق مالیہ ہیں' یتیم کے مال سے حقوق ضرور ادا کئے جائیں گے۔ چنانچہ یتیم کی بیوی کو خرچہ اس کے مال سے دیا جاوے گا اس کے معلم کو تنخواہ' اس کے ہاں کام کرنے والے مزدوروں کی اجرت اس کے مال سے ادا کی جاوے گی۔ صدقہ اور حقوق میں بڑا فرق ہے۔ تیسرا اعتراض: **لا تقربوا** کے بعد فرمایا گیا **حتى يبلغ اشده** جس سے معلوم ہوا کہ یتیم کا مال اس کی نابالغی کے زمانہ میں مارنا' ناجائز طور پر کھانا حرام ہے مگر جب وہ بالغ ہو جاوے تو خوب کھاؤ اڑاؤ کیونکہ حتیٰ انتہا کے لئے آتا ہے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر سے

معلوم ہو گیا کہ یہاں حتی یبلغ لا تقربوا کی انتہاء بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ ایک پوشیدہ فعل کی۔ یعنی اس کے مال کی تم حفاظت کرو اسے نہ دو کہ وہ برباد کر دے گا حتی کہ وہ اپنے بلوغ کو پہنچ جاوے۔ جب عاقل بالغ ہو جاوے تو اس کے حوالہ کر دو لہذا آیت واضح ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں حکم دیا گیا کہ اللہ کا عہد پورا کرو تو کیا لوگوں کے عہد و پیمان پورے نہ کئے جاویں کیا وہاں وعدہ خلافیوں عہد توڑ دینے کی اجازت ہے بعهد الله کو اوفوا پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی صرف اللہ کا عہد پورا کرو۔ **جواب:** عہد اللہ کی تین تفسیریں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ تیسری تفسیر یہ تھی کہ لوگوں سے جو الٰہی عہد کئے ہوں۔ وہ پورے کرے الٰہی عہد وہ ہیں جو حکم الٰہی کے خلاف نہ ہوں لہذا ناجائز وعدے حرام کاموں کے عہد حتی کہ حرام کاموں کی قسم ہرگز ہرگز پوری نہ کی جاوے ایسے عہد ایسی قسمیں توڑ دینا واجب ہیں۔ چوری' زنا' قتل کا عہد کر لیا یا ان جرموں پر قسم کھا لی کہ ضرور کروں گا تو انہیں ہرگز پورا نہ کرے۔ **پانچواں اعتراض:** پچھلی آیت کریمہ کو ختم فرمایا گیا لعلکم تعقلون اور اس آیت کریمہ کو ختم فرمایا گیا لعلکم تذکرون پر اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** پچھلی آیت کریمہ میں عقائد اور اخلاقیات کی وہ باتیں بیان فرمائی گئیں جو بہت ہی بری تھیں مگر کفار عرب اپنے بے عقلی سے انہیں اچھا سمجھ کر کرتے تھے جیسے شرک اور اولاد کا قتل اس لئے فرمایا تم بے عقل کیوں ہو گئے ہو عقل کے ناخن لو ان عیوب سے توبہ کرو۔ اس آیت کریمہ میں معاملات کی وہ بے قاعدگیاں ذکر فرمائی گئیں جنہیں کفار عرب بھی برا سمجھتے تھے مگر کبھی بھولے بھٹکے کر لیتے تھے لہذا ارشاد ہوا کہ یہ باتیں یاد رکھو انہیں نادانستہ طور پر بھی نہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: ہماری روح گویا پردیسی یتیم ہے اس کا مال وہ فطرت سلیمہ اور ایمان ہے جس پر انسان پیدا ہوتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے اس کے ماں باپ اسے یہودی' عیسائی یا مجوسی بنا دیتے ہیں کہ اے انسان اس یتیم کے مال یعنی اپنی فطرت کو نہ بگاڑ ایمان پر قائم رہ اس میں کمال پیدا کر اسے ترقی دے تو وہاں سے مومن آیا ہے یہاں سے عارف نمازی غازی حاجی بن کر جا اس ایمان کی اس وقت تک حفاظت کر جب تک کہ روح اپنی اشد بلوغ کو پہنچ جاوے کہ اسے موت آ جاوے' موت تک ایمان سنبھال اپنی زبان کا وزن اپنے اعمال کا پیمانہ پورا رکھ ہلکی بات منہ سے نہ نکال ہلکے اعمال نہ کر اپنی زبان کی میزان درست رکھ اعمال کا پیمانہ ٹھیک رکھ جب بات کر تو عدل و انصاف کی کہ اگرچہ وہ بات تیرے' نفس امارہ کے خلاف ہو۔ رب نے تجھے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازا ہے تو انصاف یہ ہے کہ تو بھی ہر طرح اس کی اطاعت کر شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک در کارند | تا تو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری!
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار | شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری!

یثاق کے دن کچھ وعدے تجھ سے رب نے کئے تھے وہ اس نے سارے پورے' فرما دیئے کچھ وعدے تو نے رب سے کئے تھے اللہ کے بندے تو بھی اپنے وعدے پورے کر۔ رزق کا وعدہ رب نے تجھ سے کیا تھا اطاعت و فرمانبرداری کا وعدہ تو نے رب سے کیا تھا وبعهد الله اوفوا اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کے ذریعہ تمہارے وعدے تم کو یاد دلا رہا ہے تاکہ تم یاد رکھو بھول نہ جاؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ و رسول کے سارے احکام برحق اور قابل عمل ہیں مگر قرآن مجید میں تین حکم تو بے مثال ہیں اور انہیں بے مثال طریقہ سے ارشاد فرمایا گیا ہے۔ ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نور پر درود کا حکم کہ اس کے متعلق فرمایا کہ ہم

بھی نبی پر درود بھیجتے ہیں ہمارے فرشتے بھی' مومنو تم بھی بھیجو کیسا بے مثال طریقہ بیان ہے۔ دوسرے اللہ کا ذکر کہ فرمایا **فاذ کرونی اذکرکم** تم ہمیں یاد کرو ہم تمہیں یاد کریں گے۔ دیگر عبادات کو اس طرح بیان نہ فرمایا' تیسرے حلال روزی کھانا حرام سے بچنا کہ اس کے لئے ایک جگہ فرمایا **یا ایھا الرسل کلوا من الطیبات و اعملوا صالحا**" وہاں نبیوں کو خطاب فرما کر یہ حکم دیا دوسری جگہ فرمایا **یا ایھا الذین امنوا کلوا من الطیبات ما رزقنکم** وہی الفاظ وہی طریقہ ادا ہے جو رسولوں کے لئے تھا حرام روزیوں میں بدتر حرام یتیم کا مال "ظلماً" کھانا ہے بالغ کا مال "ظلماً" کھالیا اس نے معاف کر دیا تو حلال ہو جاتا ہے مگر یتیم کا مال ایسا خطرناک ہے کہ وہ یتیم یا ولی کے معاف کرنے سے بھی معاف نہیں ہوتا۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
اور تحقیق یہ میرا راستہ ہے سیدھا پس پیروی کرو اس کی اور نہ پیروی کرو راستوں کی ورنہ الگ کر دیں گی
اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں
بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى
وہ تم کو اس کی راہ سے یہ چیزیں ہیں کہ وصیت کی تم کو ان کی تاکہ تم پرہیزگار بنو پھر دی ہم نے موسیٰ کو
کی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب
الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً
کتاب پورا کرنے کے لئے اوپر اس کے جو بھلائی کرے اور تفصیل کرنے کے لئے ہر چیز کی اور رہبری اور رحمت
عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نیکو کار ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت
لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
تاکہ وہ ملنے پر اپنے رب سے ایمان قبول کریں۔
کہ کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی دو آیتوں میں عقائد' اخلاق معاملات' ملکی انتظامات وغیرہ کا تاکیدی حکم دیا گیا اب ان کی اہمیت ظاہر فرمائی جارہی ہے کہ یہ چیزیں خدا رسی کا راستہ ہیں تم انہیں اختیار کرکے اپنے رب سے مل سکو گے تاکہ لوگ رب کی ملاقات کے شوق میں بڑے ذوق کے ساتھ انہیں قبول کریں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں وہ چیزیں بیان فرمائی گئی تھیں۔ جنہیں اختیار کرکے ہمارے گھر' ہمارے ملک' ہمارے خاندان درست ہو جاویں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان چیزوں سے صرف دنیا ہی نہیں سنبھلے گی بلکہ تمہاری آخرت بھی ٹھیک ہو جاوے گی کہ تم ان سے متقی پرہیزگار بن جاؤ گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں وہ باتیں ہم کو بتائی گئیں جن سے ہماری دین و دنیا درست ہو

جاویں اب ارشاد ہے کہ یہ احکام صرف تم پر ہی جاری نہیں بلکہ تم سے پہلے بھی امتوں پر جاری تھے چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو جو توریت دی گئی اس میں یہ احکام موجود تھے۔ لہٰذا تم قیامت میں ان قوموں سے اچھے اور افضل بن کر آنا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیتوں میں گزشتہ دس احکام کے دو فائدے بیان ہوئے تھے عقل کا حاصل ہونا **لعلکم تعقلون** اور نصیحت کا میسر ہونا۔ اب ان ہی احکام کا تیسرا فائدہ بیان ہو رہا ہے۔ یعنی ان چیزوں کا سیدھا راستہ ہونا جن پر چل کر بندہ اللہ و رسول تک پہنچ جاتا ہے۔

تفسیر : وان هذا صراطی مستقیما " اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت کی گئی ہیں آسان ترکیبیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ عبارت معطوف ہے **لعلکم تذکرون** پر اور ان سے پہلے لام پوشیدہ یعنی ان احکام پر عمل کرو اس لئے کہ تم کو نصیحت ہو اور اس لئے کہ یہ سیدھا راستہ ہے دوسرے یہ کہ یہ عبارت معطوف ہے **ما حرم ربکم علیکم** پر اور اتل کا مفعول ہے یعنی آؤ میں تم پر یہ بھی تلاوت کروں کہ رب نے کونسی چیزیں حرام کیں اور یہ بھی تلاوت کروں کہ یہ راستہ سیدھا ہے ان دونوں صورتوں میں **ان کا فتحہ بالکل ظاہر ہے بعض قراتوں میں ان الف کے کسرہ سے ہے تب یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے چونکہ** اس آیت کے مضمون کے منکرین بہت تھے اور رہیں اور رہیں گے اس لئے اسے **ان** تاکید سے شروع فرمایا گیا۔ **هذا** سے اشارہ یا تو مذکورہ دس حکموں کی طرف ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری تعلیم کی طرف یا قرآن مجید کی طرف یا اس کے سارے احکام یا اسلام کی طرف صراطی میں **ی** متکلم سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی مجھ تک پہنچنے کا راستہ ہے یا میرا قائم فرمایا ہوا راستہ ہے یا مجھے بتایا ہوا راستہ ہے۔ جیسے اردو میں راستہ عام ہے جو ہر قسم کے راستہ پر بولا جاتا ہے مگر سڑک، جرنیلی سڑک، گلی پگڈنڈی خاص راستوں کو کہا جاتا ہے یوں ہی عربی میں سبیل، طریق، صراط، شرعہ اور منہاج میں فرق ہے چونکہ اسلام وہ راستہ ہے جو بتایا اللہ نے بتایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور اس پر چلے ہم لوگ اس لئے اسے اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور کبھی مسلمانوں کی طرف نسبت کیا جاتا ہے یہاں اس کی نسبت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور **صراط الذین انعمت علیهم** میں مومنین صالحین کی طرف اور صراط ربک میں رب تعالیٰ کی طرف کی گئی۔ **مستقیم** وہ چھوٹا اور سیدھا راستہ ہے جو بغیر ہیر پھیر کے بہت جلد منزل مقصود پر پہنچا دے۔ صراط اور مستقیم کے معنی، سبیل، طریق اور صراط کے فرق ہم سورۂ فاتحہ میں **اهدنا الصراط المستقیم** میں عرض کر چکے ہیں یعنی یہ مذکورہ احکام یا یہ قرآن یا دین اسلام مجھے بتایا ہوا یا میرا مقرر فرمایا ہوا یا میرا چلا ہوا سیدھا راستہ ہے یا رب تعالیٰ فرما رہا ہے کہ یہ مجھ تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے مذکورہ بالا دس احکام کے بیان کے اس فرمان عالی میں ادھر اشارہ ہے کہ ان مذکورہ بالا احکام پر عمل کرنا جب ہی خدا تک پہنچائے گا جب ان پر اس لئے عمل کیا جاوے کہ یہ جناب محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے ہیں اگر کوئی شخص ان دسوں احکام پر عمل کرے مگر عقلی طور پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ نہ ہو تو وہ رب تک نہیں پہنچ سکتا بلکہ جو خدا کو مانے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر وہ نہ مومن ہو نہ رب تک پہنچے۔ رب تک پہنچنے کا ایک اور صرف ایک راستہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی **فاتبعوه** یہ عبارت پہلے جملہ پر مرتب ہے یعنی چونکہ یہ راستہ سیدھا ہے لہٰذا اس کی اتباع کرو۔ اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلنا مگر جب اس کا مفعول ملت یا راستہ یا سنت ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس پر عمل کرنا یا چلنا یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں اور **فاتبعونی** میں پہلے معنی مراد۔ **ولا تتبعوا السبل** یہ عبارت معطوف ہے **فاتبعوه** پر سبل جمع ہے سبیل کی بمعنی مطلقاً راستہ گلی ہو یا سڑک ان راستوں سے مراد یا تو کفر و شرک ہیں یا منسوخ دین جیسے یہودیت و نصرانیت یا وہ

گمراہیاں' بری بدعتیں' شبہات جو اسلام میں پیدا کر لی جائیں (روح المعانی) **فتفرق بکم عن سبیلہ** یہ عبارت **لا تتبعوا** پر مرتب ہے جس میں ان دوسرے راستوں پر چلنے کا انجام بتایا گیا چونکہ یہ ف نہی کے جواب میں ہے اس لئے اس کے بعد ان پوشیدہ ہے اس وجہ سے تفرق کو فتحہ ہوا تفرق اصل میں تتفرق ہے باب تفعل کا مضارع **بکم** میں خطاب انہیں لوگوں سے ہے جن سے **فاتبعوہ** اور **لا تتبعوا السبل** میں تھا **سبیلہ** سے مراد وہی دین اسلام ہے۔ جس کا ذکر ابھی ہو چکا ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے چونکہ اسلام رب تک پہنچنے کا راستہ بھی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قائم کیا ہوا یا چلا ہوا راستہ بھی اس لئے پہلے اسے صراطی فرمایا یہاں سبیلہ فرمایا یعنی ورنہ تم کو وہ مختلف راستے خدا کے راستے خدا رسی کے طریق سے الگ کردیں گے یہاں تفرق بمعنی علیحدہ کردیتا ہے **ذالکم وصاکم بہ**۔ **ذالکم** سے اشارہ یا تو گزشتہ دس حکموں اور اس گیارھویں حکم کی طرف ہے **فاتبعوہ** یا اسی گیارھویں حکم کی طرف چونکہ دین اسلام کی اتباع کرنا دوسرے دینوں سے بچنا بڑا ہی ضروری ہے اس لئے اس کے لئے علیحدہ **وصاکم** ارشاد ہوا یہ تیسری جگہ ہے جہاں وصاکم فرمایا گیا یعنی **اللہ تعالیٰ** نے تم کو دین اسلام پر **استقامت** دوسرے دینوں سے بچنے کا بہت تاکیدی حکم دیا ہے۔ **لعلکم تتقون** چونکہ اسلام کی پیروی دوسرے دینوں سے پرہیز تمام شرعی احکام کی جامع ہے جس میں اللہ رسول کے سارے حکموں پر عمل ہو جاتا ہے اور ساری ممانعتوں سے بچا جاتا ہے اس لئے یہاں **تتقون** ارشاد ہوا اتقاء کے معنی ہیں پرہیزگار بن جانا یا دوزخ سے بچ جانا یہاں دونوں معنی درست ہیں یعنی تاکہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ یا تاکہ تم دوزخ سے بچ جاؤ اس فرمان عالی کے دو مقصد ہیں ایک یہ کہ تمہارے ان احکام پر عمل کرنے میں نہ تو ہمارا بھلا ہے کہ ہم بے نیاز ہیں نہ ہمارے نبی کا بھلا کہ وہ صرف ہمارے نیاز مند ہیں مخلوق سے بے نیاز ہیں سورج سے کوئی نور نہ لے تو اس کا کچھ نہیں بگڑتا دوسرے یہ کہ ان اعمال سے تقویٰ پرہیزگاری تم کو ملے گی ہمارے محبوب تو متقی اول ہی سے ہیں قرآن تمہارے لئے ہدایت ہے نہ کہ ان کے لئے تم دنیا میں تقویٰ لینے آئے ہو وہ تقویٰ دینے آئے اس جملہ کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ تاکہ تم متقی بنو یعنی تمہارے یہ اعمال اپنے نام نمود یا شہرت کے لئے نہ ہوں بلکہ تقویٰ حاصل کرنے رب کی رضا کے لئے ہو۔ شہرت کے لئے جو کام کئے جائیں اس سے بدنامی کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہوتا چھپ کر جو نیکی کی جائے اسے اللہ تعالیٰ خود دنیا میں مشہور کردیتا ہے دوسرے یہ کہ شاید تم متقی بن جاؤ یعنی نیک کام کرکے اپنے تقوے پر یقین نہ کرو بلکہ اللہ سے امید رکھو' خاتمہ کا اعتبار ہے ابلیس کی مثال سامنے ہے۔ **ثم اتینا موسی الکتب** یہاں ثم واقعہ کی تاخیر کے لئے نہیں بلکہ خبر دینے کی تاخیر کے لئے ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے **ولقد خلقنکم ثم صورنکم ثم قلنا للملئکۃ اسجدوا لادم** یہ عبارت یا تو معطوف ہے **ذالکم وصاکم بہ** پر یا پوشیدہ فعل **فعلنا ذالک** پر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف یکدم عطا فرمائی گئی تھی۔ نیز موسیٰ علیہ السلام کو توریت اس طرح ملی کہ آپ بھی طور پر تھے اور توریت بھی طور پر آپ کے لئے آسمان سے نازل نہ ہوئی۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کو آسمان سے اتارا اس لئے قرآن کے متعلق **نزلنا** یا **انزلنا** ارشاد ہوتا ہے اس وجہ سے **اتینا** ارشاد ہوا **الکتاب** سے مراد توریت شریف ہے موسیٰ علیہ السلام کو صحیفے بھی عطا ہوئے تھے اور کتاب توریت بھی۔ رب فرماتا ہے۔ **صحف ابراہیم و موسی** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ثم بمعنی واؤ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو مذکورہ چیزوں کی وصیت کی پھر سنو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی جس میں یہ مذکورہ احکام تھے یہ احکام بڑے پرانے ہیں صرف تم پر ہی نہیں جاری ہوئے تم سے پچھلی امتوں پر بھی جاری تھے۔ خیال رہے کہ عطا توریت اور نزول قرآن میں بہت طرح فرق

ہے ایک یہ کہ توریت لکھی ہوئی ملی اور قرآن پڑھا ہوا اس لئے اسے قرآن کہتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ توریت ایک دم عطا ہوئی قرآن آہستہ آہستہ تئیس سال میں تاکہ سلسلہ کلام قائم رہے۔ تیسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر بلکہ بازار وغیرہ میں قرآن آیا۔ چوتھے یہ کہ توریت کے لئے کوئی شان نزول نہ تھا قرآنی آیات کے لئے صحابہ کرام کے واقعات شان نزول ہیں تاکہ صحابہ کرام کی عظمت تاقیامت قائم رہے۔ پانچواں یہ کہ جامع قرآن صحابہ کرام مقرر ہوئے توریت کا جامع کوئی اسرائیلی نہ ہوا۔ اب اس کے بعد توریت شریف کی چار صفتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی صفت یہ کہ **تماما علی الذی احسن** اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں آسان ترکیب ہے یہ کہ **تماما ا تمنا** کا مفعول لہ ہے اتماما کے معنی میں ہے اور ہو سکتا ہے **اتممنا** کا مفعول مطلق ہو اتمام یا تمام کے معنی ہیں پورا کرنا اتمام اور اکمال کا نفیس فرق ہم **الیوم اکملت لکم دینکم** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں کہ ذاتی پورا ہونے کو کمال کہا جاتا ہے اور صفاتی پورا ہونے کو تمام کہتے ہیں **الذی** سے مراد بنی اسرائیل کے مومنین' اولیاء اللہ اور انبیاء کرام سب ہی ہیں کیونکہ توریت شریف پر بہت سے نبیوں نے بھی عمل کیا ہے اور اولیاء اللہ کا تو شمار نہیں احسان سے مراد ہے توریت کا حق ادا کرنا اس پر عمل کرنا یا مطلقاً نیکیاں کرنا یا ایمان لانا چونکہ کتاب اللہ سے فائدہ صرف اہل ایمان ہی اٹھایا کرتے ہیں اس لئے یہ ارشاد ہوا جیسے قرآن کریم کے متعلق فرمایا گیا **ھدی للمتقین** یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی نیک کاروں مومنوں پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لئے' توریت کی دوسری صفت یہ ہے **وتفصیلا لکل شئی** یہ عبارت معطوف ہے تماما پر اور آیت کا مفعول لہ تفصیل کے لفظی معنی ہیں جدا کرنا اصطلاح میں مکمل بیان کرنے کو تفصیل کہا جاتا ہے۔ اجمال کا مقابل یہاں یہی معنی مراد ہیں کل شئی سے مراد ہے احکام شرعیہ اور علوم غیبیہ پورے کے پورے یعنی توریت شریف عطا فرمائی ساری دینی و دنیاوی غائب و حاضر چیزوں کی تفصیل بیان کرنے کے لئے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جب توریت ملی تو اس میں شرعی احکام کا بھی مفصل بیان تھا اور باقی ساری چیزوں کا بھی مفصل بیان مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے بچھڑا پرست یہودیوں پر غصہ فرماتے ہوئے وہ تختیاں ڈال دیں تو اس میں شرعی احکام تو باقی رہ گئے مگر باقی چیزوں کی تفصیل باقی نہ رہی اس کا بہت حصہ رب نے اٹھا لیا اس کا ذکر اس آیت میں ہے **ولما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح و فی نسختھا ھدی ورحمۃ للذین ھم لربھم یرھبون۔** جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہوا تو آپ نے توریت کی تختیاں اٹھالیں اس وقت اس کے نسخہ میں ہدایت اور رحمت تھی دیکھو اب تفصیلا" لکل شئی نہ رہی قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہوا کہ **نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی** قرآن مجید میں ہر دینی و دنیاوی چیز کا تفصیلی بیان تھا بھی اور رہا بھی غرضیکہ وقت عطا اور ہے وقت بقا کا حال اور قرآن کی عطا اور بقا یکساں ہے مگر توریت کی عطا کا حال اور ہے بقاء کا حال اور جیسے ہمارے اسلام کی نمازیں عطا ہوئیں پچاس باقی رہیں پانچ نمازوں کی عطا و بقاء میں فرق ہے اس فرق میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ توریت میں ہر دینی مسئلہ کا تفصیلی بیان تو تھا مگر بعض کا صراحتہ" اور بعض کا اشارۃ" اشارہ والے احکام مجتہدین کے اجتہاد سے معلوم ہوتے تھے۔ لہٰذا اس دین میں علماء مجتہدین تھے۔ جیسے قرآن مجید کے متعلق ارشاد ہے (تفصیل کل شئی) مگر اسلام میں اجتہاد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجتہاد کیا صحابہ کرام نے بھی اور دین کے اماموں نے بھی یہ دو باتیں خیال رکھی جائیں توریت شریف کی تیسری اور چوتھی صفت یہ تھی **وھدی و رحمۃ** ہدایت سے مراد ہے بد عقیدگیوں سے ہدایت اور رحمۃ سے مراد ہے عذاب الٰہی سے امان یا ہدی سے مراد ہے شریعت کی ہدایت رحمت

سے مراد ہے طریقت کے مسائل قریبا" ساری عبادات میں شریعت بھی ہوتی ہے طریقت بھی' جو ارکان جسم سے ادا ہوں وہ شریعت ہیں جو دل سے ادا ہوں وہ طریقت ہیں' شرعی ارکان سے عبادت جائز ہوتی ہے طریقت کے ارکان سے عبادت قبول ہوتی ہے' قیام رکوع' سجدہ وغیرہ نماز کے شرعی ارکان میں دل لگنا' اخلاص ہونا اور اس طرح نماز پڑھنا کہ گویا خدا کو دیکھ رہا ہے یا خدا اس کو دیکھ رہا ہے یہ طریقت والے ارکان ہیں یہی حال ہے ساری عبادات زکوۃ' روزہ حج' جہاد وغیرہ کا' توریت میں یہ دونوں قسم کے احکام تھے یا ہدایت سے مراد ہے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے ذات و صفات کا ذکر ان پر ایمان لانے کی ہدایت رحمت سے مراد ہے اس پر ثواب کا وعدہ اس کے اور بھی مطلب ہو سکتے ہیں۔ ہدایت کے معنی اور اس کی قسمیں' قسموں کے احکام هدی للمتقین کی تفسیر میں بیان کر چکے لعلهم بلقاء ربهم یؤمنون اس عبارت میں توریت دینے کی حکمت کا ذکر ہے لعلهم میں هم ضمیر الذی احسن کی طرف نہیں لوٹتی ہے کہ وہ لوگ تو پہلے ہی ایمان لا چکے ہیں بلکہ باقی بنی اسرائیل کی طرف جن کا علم اس واقعہ کے بیان سے ہو گیا۔ لقاء رب سے مراد ہے قیامت میں اٰتینا یعنی توریت ہم نے اس لئے اتاری اور توریت میں یہ خوبیاں اس لئے رکھیں کہ سرکش اسرائیلی قیامت کو مان لیں اس جگہ تفسیر روح المعانی نے بروایت ابن ابی حاتم حضرت مجاہد سے روایت کی جب موسیٰ علیہ السلام نے توریت کی تختیاں گرا دیں تو اس میں ہدایت و رحمت تو رہ گئی تفصیل کل شئی جاتی رہی الحمد للہ کہ ہمارے گزشتہ بیان کی تائید ہو گئی۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو! یقین کرو کہ یہ مذکورہ احکام یا قرآن یا اسلام میرا قائم کیا ہوا سیدھا راستہ ہے۔ جس پر چل کر انسان رب تک پہنچتا ہے اب صرف اسی راہ کی اتباع کرو صرف اسی پر چلو اب اسلام کے سواء اور رستوں' دینوں کو اختیار نہ کرو خواہ وہ کفر و شرک ہوں یا منسوخ شدہ آسمانی دین ورنہ رب کے راستے سے تم کو یہ راستے پھیر دیں گے تم رب تک نہ پہنچ سکو گے سورج کے طلوع ہو جانے پر چراغوں سے نور نہ لو اب یہ نور سورج ہی میں ہے چراغ بے نور ہو چکے اللہ تعالیٰ تم کو صرف اسلام اختیار کرنے کا تاکیدی حکم دیتا ہے تاکہ تم متقی بنو اب تقویٰ طہارت' خدا رسی' ہدایت' صرف اور صرف اسلام میں ہی ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو چند خط کھینچ کر دکھائے جن میں سے ایک سیدھا تھا' باقی ٹیڑھے' فرمایا یہ سیدھا خط اسلام ہے باقی ٹیڑھے خطوط دوسرے دین ہیں' تم اسی سیدھے خط پر چل کر ہی رب تک پہنچ سکتے ہو پھر یہی آیت تلاوت فرمائی وان هذا صراطی مستقیما اے لوگو پھر یہ بھی سن لو کہ ہم نے تم سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا فرمائی تھی چار نعمتوں کے لئے مومنین' صالحین' اولیاء' انبیاء' کرام پر اپنی نعمت پوری کرنے کے لئے کہ توریت سے پہلے جو صحیفے دنیا میں آئے ان میں عقائد عبادات اور کچھ اخلاقیات ہی تھے توریت وہ پہلی کتاب تھی جس میں اس وقت کے لحاظ سے ان مذکورہ چیزوں کے علاوہ آپس کے معاملات' سیاست اور شرعی سزائیں وغیرہ نظام حیات مکمل تھا۔ اس لئے وہ تمام علی الذی احسن تھی۔ موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب شریعت نبی تھے۔ ہر دین دنیاوی چیز کا تفصیلی بیان کرنے کے لئے گمراہی سے بچانے سیدھی راہ پر لگنے کے لئے رحمت یعنی عذاب سے امان دینے کے لئے تاکہ وہ اس کتاب پر عمل کر کے ہمارے عذاب سے بچے رہیں یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تھا کہ سارے بنی اسرائیل قیامت پر ایمان لائیں نیک بن جائیں۔

فائدے : اس آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عقائد کی درستی۔ عبادات کی ادائیگی۔ معاملات کی صفائی' حقوق ادا کرنا سیدھا راستہ ہے۔ جو ان تینوں چیزوں میں سے کسی میں کوتاہی کرے وہ سیدھے راستہ پر نہیں عبادات اور معاملات اور دو بازوؤں کی طرح ہیں جن میں سے ایک کے بغیر روحانی پرواز ناممکن ہے یہ فائدہ گزشتہ احکام بیان فرمانے کے بعد ہذا صراطی مستقیما" فرمانے سے حاصل ہوا۔ آج ہم لوگ صرف زبان کے متقی رہ گئے ہیں عمل میں صفر ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ہر آسمانی دین اپنے اپنے وقت میں ہدایت بھی تھے اور خدا رسی کا ذریعہ بھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ظہور اور اسلام کی تشریف آوری کے بعد ان میں سے کوئی نہ ہدایت رہا نہ خدا رسی کا ذریعہ اب ہدایت صرف اسلام میں ہے یہ فائدہ **ولا تتبعوا السبل** سے حاصل ہوا کہ سبل سے مراد سارے راستے ہیں سوائے اسلام کے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الاخرۃ من الخاسرین** اور فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ** **تیسرا فائدہ:** اب توریت و انجیل وغیرہ پر عمل گمراہی ہے اور رب تعالیٰ سے دوری کا ذریعہ جیسے بچہ کے لئے شیر خوارگی کے زمانہ میں ماں کا دودھ زندگی کا ذریعہ ہے بڑے ہو جانے پر وہی دودھ ہلاکت کا ذریعہ ہے اب روٹی وغیرہ کھانا پڑے گی۔ یہ فائدہ **فتفرق بکم عن سبیلہ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** زندگی کامل وہ جو تقویٰ اور پرہیزگاری میں گزرے موت وہ کامل ہے جو ایمان پر آئے' تقویٰ زندگی کا اصل مقصود ہے۔ یہ فائدہ **لعلکم تتقون** سے حاصل ہوا۔

آدمی ہست از برائے بندگی زندگی بے بندگی شرمندگی

پانچواں فائدہ: قرآن مجید کے بعد درجہ توریت شریف کا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب ہے جیسے قرآن مجید آخری کتاب۔ یہ فائدہ **ثم اتینا موسی الکتاب** سے حاصل ہوا حتی کہ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درجہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے' پھر موسیٰ علیہ السلام کا۔ دیکھو ہماری کتاب مرآت شرح مشکوۃ شریف باب فضائل سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چھٹا فائدہ:** انبیاء کرام اور آسمانی کتابیں اگرچہ سب کے لئے رحمت ہیں مگر ان سے فائدہ خوش نصیب لوگ ہی اٹھاتے ہیں جو ان پر ایمان لائیں جیسے سورج اگرچہ سب کے لئے رحمت ہے مگر چمگادڑ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔ یہ فائدہ **تماما علی الذی احسن** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ قرآن کریم کے متعلق فرماتا ہے **ھدی للمتقین** **ساتواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام مولویوں کی طرح صرف دینی مسائل ہی سے واقف نہیں ہوتے اور آسمانی کتابیں فقہ کی کتابوں کی طرح صرف دینی مسائل ہی کی کمی حامل نہیں ہوتیں بلکہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو غیبی علوم پر مطلع کرتا ہے اور آسمانی کتابیں دینی و دنیاوی علوم پر حاوی ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **وتفصیلا لکل شئی** سے حاصل ہوا۔ یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا تھا کہ مجھے مصری خزانوں کا منتظم مقرر کر دو **انی حفیظ علیم** میں ملک رانی خزانوں کی حفاظت زراعتی اصلاحات' تمام دنیا کو رزق پہنچانا کسی کو بھوکے مرنے نہ دینا یہ سب کچھ خوب جانتا ہوں بتاؤ یہ کونسے شرعی مسئلے ہیں جن کا یوسف علیہ السلام کو علیم و خبیر بنایا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم** میں تم کو بتا سکتا ہوں کہ تم گھروں میں کھاتے کیا ہو بچاتے کیا ہو یہ ہیں علوم انبیاء' خیال رہے کہ مختلف نبیوں کو مختلف معجزات عطا کئے گئے مگر علم غیب وہ معجزہ ہے جو ہر نبی کو ان کے مرتبے کے مطابق عطا فرمایا گیا حتی کہ آدم علیہ السلام جو پہلے نبی پہلے انسان ہیں ان کے متعلق ارشاد ہوا **وعلم ادم الاسماء کلھا** موسیٰ علیہ السلام

چونکہ بڑے پائے کے نبی ہیں اس لئے انہیں کتاب وہ دی گئی جو بوقت عطا **تفصیلا لکل شئی** تھی۔ آٹھواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کو ہدایت دینا ہے ایمان عطا فرمانا اس کے سوا اور فائدے اس کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ **لعلهم بلقاء ربهم يومنون** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن مجید قانون بھی ہے شفا بھی ہے مگر اس کے متعلق ارشاد ہوا **هدى للمتقين** معلوم ہوا کہ ہدایت اس کا اصل مقصد ہے غور کرو کہ رب نے آنکھ دیکھنے کو دی ہے مگر اس سے روتے بھی ہیں اشارے بھی کرتے ہیں سرمہ لگا کر زینت بھی اس لئے خوشی و غصہ کا اظہار بھی کرتے ہیں مگر اس کا اصل مقصد دیکھنا ہے عصاء موسوی دشمن کے مقابل سانپ ہو تا تھا آپ کے لئے رات میں بیٹری کنوئیں میں رسی وغیرہ۔

پہلا اعتراض: نحوی قاعدہ سے **وان هذا صراطی** میں ان الف کے کسرہ سے آنا چاہئے کیونکہ یہ شروع کلام میں ہے یہاں الف کے فتحہ سے کیوں آیا۔ جواب: ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ عبارت معطوف ہے **لعلکم تتقون** پر اور اس سے پہلے لام پوشیدہ ہے اصل میں **لان هذا** تھا اور جس قراۃ میں ان الف کے کسرہ سے ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ دوسرا اعتراض: اتباع تو کسی انسان کی ہو سکتی ہے نہ کہ کسی راستہ کی کیونکہ اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنا کسی کے نقش قدم پر پھر یہاں **فاتبعوه** کیوں فرمایا گیا۔ دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **فاتبعونی** جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع چاہئے۔ جواب: اگر اتباع کا مفعول کوئی انسان ہو تو اس کے معنی وہ ہوتے ہیں جو تم نے کہے یعنی پیچھے چلنا نقش قدم پر چلنا اور اگر اس کا مفعول ملت یا کتاب یا راستہ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس پر چلنا اسے اختیار کرنا یوں سمجھو کہ اس کے معنی ہیں پیروی کرنا۔ پیروی انسان کی بھی ہو سکتی ہے اور راستہ کی بھی مگر معنی وہ ہوں گے جو ہم نے عرض کئے۔ تیسرا اعتراض: موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف قرآن مجید سے بہت پہلے مل چکی تھی تو یہاں اسے ثم سے کیوں بیان فرمایا۔ جواب: یہاں ثم صرف ذکر کی فراخی کے لئے ہے یعنی جب تم یہ قرآنی احکام سن چکے تو یہ بھی سنو کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب دی تھی جس کی مثال ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ چوتھا اعتراض: جب توریت شریف میں ہر چیز کی تفصیل بھی تھی ہدایت بھی رحمت بھی تو اب اس کو ماننا اس پر عمل کرنا ممنوع کیوں ہو گیا اب بھی جو توریت پر عمل کرے ہدایت پر ہونا چاہئے جو چیز ہدایت و رحمت ہے وہ ہر زمانہ میں ہدایت ہے۔ جواب: توریت شریف بلکہ ساری آسمانی کتابوں میں دو طرح کی ہدایت تھی اور ہے ایک ہدایت ایمان دوسرے ہدایت اعمال۔ ان سب کی ہدایت ایمان اب بھی باقی اور تاقیامت باقی رہے گی تمام کتابوں نے یہ ہی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اپنی صفات سے موصوف ہے۔ فرشتے قیامت وغیرہ برحق ہیں رہی ہدایت اعمال وہ ان میں وقتی تھی وہ وقت گزر گیا ان کی ہدایت بھی ختم ہو گئی بلکہ گمراہی میں تبدیل ہو گئی آدم علیہ السلام کے زمانہ میں بہن سے نکاح کرنا ہدایت تھا مگر وہ دور گزر جانے پر یہ عمل حرام اس کو حلال جاننا کفر ہو گیا یونہی ان کتابوں کا رحمت ہونا وقتی تھی وہ بھی بنی اسرائیل کے لئے وہ وقت گزر گیا ان کی رحمت ختم ہو گئی۔ چراغ کی روشنی سورج نکل آنے پر ختم ہو جاتی ہے کھیت تک جانے پر بارش نقصان دیتی ہے۔ پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن لینے کہیں نہیں گئے۔ مگر حدیث پاک میں ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ بقرہ کا آخری رکوع معراج میں قاب قوسین پر دیا گیا لہٰذا یہ رکوع حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان پر جا کر لائے جیسے موسیٰ علیہ السلام توریت طور پر جا کر لائے تو تمہارا یہ کلام کیونکر درست ہوا۔ جواب: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں یہ رکوع لینے نہ گئے تھے بلکہ رب کا دیدار کرنے گئے

تھے یہ رکوع تو بطور تحفہ عطا فرمایا گیا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے جیسے وزیر کو بادشاہ سے ملنے کے لئے بلایا جائے۔ آنے پر کوئی تحفہ بھی دیا جائے اس لئے پھر اس رکوع کا نزول بھی ہوا اور یہ رکوع مدنی کہلایا۔ موسیٰ علیہ السلام تو صرف توریت لینے ہی طور پر گئے تھے۔ چھٹا اعتراض: جب توریت شریف ہر چیز کی تفصیل تھی تو چاہیے کہ موسیٰ علیہ السلام کا علم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہو کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن بھی تفصیل ہر چیز کی ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی توریت بھی۔ جواب: ہرگز نہیں توریت اولاً" ہر چیز کی تفصیل تھی۔ مگر وہ تفصیل باقی نہ رہی اور موسیٰ علیہ السلام کو وہ تفصیل بتائی سکھائی نہ گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن ہر چیز کی تفصیل تھا بھی اور رہا بھی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قرآن مجید سکھا بھی دیا گیا۔ **الرحمن علم القران** اور فرماتا ہے **وعلمک ما لم تکن تعلم** وغیرہ اس کی بحث ابھی تفسیر میں گزری اور اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول دیکھو۔ ساتواں اعتراض: **تماما** سے معلوم ہوا کہ توریت شریف یہود پر نعمت پوری کرنے کے لئے آئی تو ان کو پہلے کونسی نعمت دی گئی جسے پورا کرنے توریت آئی۔ جواب: بنی اسرائیل کو توریت سے پہلے بہت نعمتیں دی گئیں۔ اولاد انبیاء ہونا' حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانا ان پر من و سلوی اترنا' ان کو فرعون کے مقابل صبر کی توفیق دینا' ان کی خاطر فرعون کو غرق کرنا وغیرہ ان نعمتوں کی تکمیل یہ ہوئی کہ انہیں توریت جیسی شاندار کتاب عطا ہوئی لہٰذا **اتما ما** فرمانا بہت ہی موزوں ہے۔ آٹھواں اعتراض: یہ مذکورہ احسانات تو سارے اسرائیلیوں پر کئے گئے تھے لہٰذا توریت کا نزول سب ہی کے لئے ان نعمتوں کی تکمیل تھا پھر **علی الذی احسن** کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: بنی اسرائیل کے دو گروہ تھے ایک شاکرین دوسرے کافرین یعنی ناشکرے توریت شریف شاکرین کے لئے تو تمام نعمت تھی کہ وہی اس سے فائدہ اٹھا سکے ان میں بڑے بڑے انبیاء اولیاء علماء ہوئے۔ کافرین جماعت نے اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا ہمیشہ انبیاء کرام کی دشمنی ہی کی ان کے واسطے توریت تمام نعمت نہیں بنی۔ نواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت شریف بھی نعمت پوری کرنے کے لئے آئی۔ **تماما علی الذی احسن** اور قرآن مجید نے بھی رب کی نعمت پوری کی **واتممت علیکم نعمتی** پھر توریت و قرآن میں فرق کیا تم قرآن کو توریت سے افضل کیوں کہتے ہو۔ جواب: توریت و قرآن کے کمال میں کئی طرح فرق ہے ایک یہ کہ توریت وقتی طور پر تمام نعمت تھی جیسے بچہ کے لئے ماں کا دودھ پوری غذا ہے یا رات میں بجلی پوری روشنی ہے مگر قرآن ہمیشہ کے لئے پوری نعمت ہے جیسے انسان کے لئے روٹی چاول ہمیشہ کے لئے غذا ہے دوسرے یہ کہ توریت صرف ایک قوم یعنی بنی اسرائیل کے لئے پوری نعمت تھی **ھدی البنی اسرائیل** اور قرآن مجید سارے جہان کے لئے **ھدی للناس یا ھدی للعلمین**۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا راستوں اور سواریوں کا گویا جنکشن ہے یہاں بہت سے راستے ہیں اور ہر راستہ پر ریلیں کھڑی ہیں ہر ریل میں انجن لگا ہے سواریاں بیٹھی ہیں سب کا رنگ روپ یکساں ہے مگر ان کے پلیٹ فارم جداگانہ ہیں اور رخ مختلف قرآن مجید پکار رہا ہے کہ دیکھو بھٹک نہ جانا ان تمام گاڑیوں اور تمام راستوں میں ایک راستہ اور ایک گاڑی ہی ایسی ہے جو تم کو خدا تک پہنچائے گی باقی گاڑیاں مختلف راستوں سے ہوتی ہوئی دوزخ تک ہی پہنچائیں گی۔ وہ راستہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور وہ گاڑی ہے حضرات اولیاء اللہ کی اس میں سوار ہیں مومنین صالحین یہاں اعلان ہو رہا ہے کہ لوگو ہوش کرو یہی سیدھا راستہ ہے اس پر چلو دوسرے راستوں اور دوسری سواریوں کو اختیار نہ کرو یہ تمہیں اللہ کی راہ سے دور کر دیں گی اسی راستہ میں حضرات انبیاء

اولیاء ہیں اسی راستہ سے خدا ملتا ہے یہ اعلان آج کا نہیں ہے' سب سے پہلی کتاب توریت شریف جو موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی جس میں بہت خوبیاں تھیں اس میں بھی یہ ہدایت تھی وہ کتاب لوگوں کو اس کی ہدایت دیتی تھی کہ جب نبی آخر الزمان تشریف لائیں تو ان پر ایمان لاؤ توریت کی یہ ہدایت اب بھی باقی و قائم ہے اس پر عمل ضروری ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ معاملات کی خرابی عبادات کی خرابی تک پہنچادیتی ہے اور عبادات کی خرابی کبھی عقائد کی خرابی کا ذریعہ بن جاتی ہے اس لئے ان آیات میں معاملات اور عبادات کی اصلاح کے بعد سبیل اللہ کی اتباع کا حکم دیا چور کو دروازہ پر روک دو تاکہ گھر کا سامان محفوظ رہے' معاملات دروازہ ہیں عقائد مومن کی اصل پونجی جس سے اسے دین و دنیا میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْٓا
اور یہ کتاب ہے جو اتاری ہم نے برکت والی ہے پس پیروی کرو اس کی اور تقویٰ اختیار کرو تاکہ تم رحم کیے جاؤ یہ کہ ہو تم
اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو کبھی کہو کہ کتاب تو
اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ
کہ اس کے سوا نہیں کہ اتاری گئی کتاب اوپر دو ٹولوں کے ہم سے پہلے اور بے شک تھے ہم ان کے پڑھنے سے
ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں پڑھنے پڑھانے کی کچھ
لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾
البتہ بے خبر
خبر نہ تھی

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ کے راستہ پر چلنے اور دوسرے راستوں سے بچنے کا ذکر تھا اب قرآن کریم کی برکتوں رحمتوں کا ذکر ہے جو اس راستہ پر چلانے والی ہے دوسرے راستوں سے بچانے والی گویا راستے کے ذکر کے بعد راستہ پر چلانے والے ہادی کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں درستی معاملات کا تاکیدی حکم دیا گیا اب قرآن کریم کا ذکر ہے جس کے ذریعہ معاملات بلکہ انسان کے سارے حالات درست ہوتے ہیں۔ تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں اللہ کی پہلی کتاب توریت شریف کے فضائل بیان ہوئے اب اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید کی برکتوں رحمتوں کا ذکر ہو رہا ہے گویا عارضی فانی' وقتی ہدایت و رحمت کے بعد دائمی باقی ابدی رحمت و ہدایت کا تذکرہ ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے فیوض اور برکات کا ذکر ہوا ان کی تعلیم سوا مصر وغیرہ علاقوں کے اور کہیں نہیں پہنچ سکی اب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیوض و برکات کا ذکر ہے جنہوں نے دنیا بھر میں دائمی اجالا کر دیا۔ گویا شمع کے بعد سورج کا تذکرہ ہے۔

تفسیر : **وھذا کتاب انزلنا مبارک** یہ عبارت نئی ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ھذا** سے اشارہ قرآن مجید کی طرف ہے' جس

کا کچھ حصہ اس وقت نازل ہو چکا تھا اور کچھ حصہ آنے والے تھا مگر چونکہ اس حصہ کا آنا بھی یقینی تھا اس لئے **انزلنا** فرمانا بالکل درست ہے چونکہ قرآن مجید مبداء کے لحاظ سے ہم سے بہت دور ہے کہ لوح محفوظ میں تھا جہاں سے تار خط وغیرہ اسے نہ لا سکے اس اعتبار سے اسے ذالک اشارہ بعید سے تعبیر کیا گیا کہ **ذالک الکتاب لا ریب فیہ** اور منتہی کے لحاظ سے بہت قریب ہے کہ ہماری زبان ہمارے دل و دماغ بلکہ ہماری رگ رگ میں سرایت کر گیا اس لحاظ سے اسے **ھذا** اشارہ قریب سے تعبیر کیا گیا نیز قرآن مجید کے الفاظ ہم سے ایسے قریب ہیں کہ اسے بچے بھی حفظ کر لیتے ہیں لہذا اسے ہذا فرمایا گیا اور قرآن کے مضامین اس کے اسرار و رموز ایسے دور ہیں کہ وہاں تک عقل انسانی کی رسائی نہیں صرف نبی ہی بتا سکتے ہیں اس لئے اسے ذالک فرمایا گیا کتاب اور صحیفے کا فرق اور کتاب قرآن مجید اور دوسری کتابوں میں فرق ہم سورہ بقر کے شروع میں **ذالک الکتاب** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں قرآن کریم کو یہاں فرمایا کتاب یعنی شاندار کتاب دوسری جگہ فرمایا الکتاب یعنی وہ کتاب جس کی بشارتیں گزشتہ نبیوں گزشتہ کتابوں نے دیں۔ یہی فرق رسول اور الرسول میں ہے۔ خیال رہے کہ ھذا مبتدا ہے اور کتاب اس کی خبر ہے انزلنا کتاب کی پہلی صفت ہے اور مبارک دوسری صفت الفاظ قرآن بذریعہ جبرئیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے گئے مگر اسرار و انوار قرآن بلاواسطہ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارے پہلے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ جبرئیل نے قرآن اتارا دوسرے لحاظ سے فرمایا جاتا ہے کہ ہم نے قرآن اتارا یہاں دوسرے لحاظ سے **انزلنا** فرمایا گیا۔ چونکہ قرآن مجید کا نزول تو ایک بار ہو چکا مگر اس کی برکتیں دائمی ہیں اس لئے **انزلنا** ماضی فرمایا گیا اور مبارک اسم مفعول نزول سے مراد حضور سید عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بذریعہ حضرت جبرئیل علیہ السلام اتارنا ہے لہذا انزال بمعنی تنزیل ہے یا صرف اتارنے کے معنی میں ہے۔ بہرحال یکدم اتارنا مراد نہیں کیونکہ قرآن مجید تیئس سال میں آہستہ آہستہ آیا یا کہو کہ لوح محفوظ سے پہلے آسمان پر قرآن یکدم اترا پھر وہاں سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر آہستہ آہستہ آیا یا کہو کہ برکت کے لئے نزول قرآن یکدم ہوا ہر ماہ رمضان میں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبریل کے ساتھ دور فرماتے تھے مگر احکام جاری کرنے کے لئے نزول آہستہ آہستہ یا کہو کہ الفاظ قرآن کا نزول آہستہ ہوا مگر انوار قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل مبارک پر یکدم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے قرآن پر عامل تھے ان وجوہ سے **انزلنا** فرمایا جاتا ہے مبارک کے معنی ہم تفسیر پارہ سیقول میں بیان کر چکے ہیں کہ اس کی اصل برکت ہے بمعنی بیٹھ جانا اس لئے طویلہ کو مبارک ابل کہا جاتا ہے اللہ کی نعمت کا ہمارے گھر میں جم جانا نہ نکلنا برکت ہے قرآن مجید دنیا میں ایسا آیا کہ آ کر گیا نہیں منسوخ نہیں ہوا جس دل میں گھر کر لے وہاں سے نکلتا نہیں جس چیز پر پڑھ دیا جائے اس چیز میں برکت ہو جائے نیز جس نبی پر قرآن آیا وہ نبی مبارک جس زبان میں آیا وہ زبان مبارک جس زمین میں آیا وہ زمین برکت والی جس رات میں آیا یعنی شب قدر میں وہ رات برکت والی دیکھ لو کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ مدینہ پاک کی ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار رمضان میں ایک نیکی کا ثواب ستر شب قدر میں ایک ہزار مہینہ یعنی تراسی سال چار ماہ سے افضل کہ اس ایک رات میں عبادت ہزار ماہ کی عبادت سے افضل یہ برکتیں کیوں ہیں کس چیز کی برکت سے ہیں اس لئے کہ قرآن اس زمین اس زمان میں آیا ہے یہ ہے قرآن مجید کی برکتیں جس عالم کے دل و زبان میں رہے وہ عالم برکت والا ان وجوہ سے اسے مبارک فرمایا گیا بہرحال قرآن مجید ذاتاً "صفاتاً" ہر طرح برکتوں والا ہے۔

نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات اس لئے رمضان کا سارا مہینہ نور ہے
جس طرف بھی اٹھ گئیں عالم منور ہو گئے میں تیری آنکھوں کے صدقے ان میں کتنا نور ہے

فاتبعوہ واتقوا یہ عبارت پہلے جملہ پر مرتب ہے یعنی چونکہ قرآن مجید ہمارا اتارا ہوا ہے اور ہے بھی برکت والا لہذا اے عرب والو یا اے دنیا والو یا اے سارے جن وانس تم اس کی اتباع کرو۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کی نورانیت ہر زمانہ ہر جگہ کے لئے ہے لہذا **اتبعوا** کا حکم بھی ہر زمانہ اور ہر جگہ والوں کو ہے جہاں تک سلطان کی حکومت ہوتی ہے وہاں تک اس کا سکہ چلتا ہے یہ قرآن حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سکہ دائمی رائج الوقت ہے یہاں اتباع کے معنی ہیں قرآن مجید کی تعلیم پر عمل کرنا اور آیت کریمہ **فاتبعونی** میں اتباع کے معنی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنا لہذا آیت واضح ہے قرآن خاموش کتاب ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی بولتی ہوئی کتاب ہیں اور اس کتاب کی جیتی جاگتی تفسیر ہیں لہذا دونوں کی اتباع ضروری ہے **اتقوا** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی قرآن کریم کی مخالفت سے ڈرو یا بچو یا تقویٰ اور پرہیزگاری اختیار کرو غرضیکہ دل کو منور کرو قرآن مجید کی اتباع سے جسم صاف کرو تقویٰ کے پاس سے یا قرآن کریم کی اتباع کرو کہ اس کے احکام مانو اور تقویٰ اختیار کرو کہ اس کی ممانعتوں کو مانو جن چیزوں سے قرآن کریم نے منع فرمایا ہے ان سے بچو یا **اتبعوہ** میں عملی تقویٰ کا ذکر ہے اور **واتقوہ** میں تقویٰ سے مراد دلی تقویٰ ہے یعنی تعظیم شعائر اللہ کہ جسمانی تقویٰ کے ساتھ احترام و تعظیم دلی بھی ضروری ہے۔ بہرحال اتباع اور تقویٰ کے یہاں کئی تفسیریں ہیں **لعلکم ترحمون** یہاں لعل ہماری نسبت سے امید کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے نتیجہ کے طور پر ارشاد ہوا ہے کم میں خطاب انہیں لوگوں سے ہے۔ جن سے **فاتبعوا** اور **اتقوا** میں خطاب تھا یعنی سارے جہان کے انسانوں سے تاقیامت یہ خطاب جاری ہے **ترحمون** بنا ہے رحم سے رحم کے معنی ہیں اس کی قسمیں رحمت عامہ اور خاصہ کا فرق ہم بسم اللہ الرحمن الرحیم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یعنی تم اس امید پر قرآن کریم کی اتباع کرو کہ تم رحم کئے جاؤ یعنی نہ تو ریا و ہم نمود کے لئے تقویٰ اختیار کرو اور نہ اپنی بخشش رحم و کرم کا یقین کرو بلکہ اللہ کا رحم حاصل کرنے کی نیت سے رحم کی امید پر قرآن کی اتباع اور تقویٰ اختیار کرو کیا خبر کہ انجام کیا ہو یا تم کو اتباع کا حکم اس لئے دیا گیا تاکہ تم پر رحم کیا جائے خواہ عام رحمت کی جائے کہ تمہیں اچھا خاتمہ گناہوں کی معافی جنت کا داخلہ نصیب ہو جائے یا رحمت خاصہ سے تم کو نوازا جائے کہ تم کو صالحین میں داخل کر لیا جائے حضرت سلیمان علیہ السلام دعا کرتے تھے **وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین**۔ بہرحال یہ دونوں کام نہایت ضروری ہیں اتباع قرآن اور اتقاء قرآن مگر یہ دونوں کام کر لینے کے باوجود اپنی بخشش کا یقین نہ چاہئے اللہ سے خوف چاہئے کہ خاتمہ کی خبر نہیں کہ کیسا ہو **ان تقولوا انما انزل الکتاب علی طائفتین** اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت سی کی گئیں آسان ترکیبیں تین ہیں جن سے مقصد ظاہر ہو جاتا ہے ایک یہ کہ یہ عبارت **انزلناہ** کا مفعول لہ ہے اور ان کے بعد لا پوشیدہ ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں **انزلناہ فی لسانکم** پوشیدہ ہے۔ یہ عبارت اس کا مفعول لہ ہے تب بھی لا پوشیدہ ہے تیسرے یہ کہ یہ عبارت **واتقوا** کا مفعول بہ ہے تب لا پوشیدہ نہیں یعنی ہم نے قرآن مجید عربی زبان میں اس لئے اتارا تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو یا اب تم اس کہنے سے ڈرو بچو کتاب سے مراد جنس کتاب ہے جو توریت و انجیل دونوں کو شامل ہے **طائفتین** سے مراد ہیں یہود و نصاریٰ چونکہ عرب میں یہ دونوں جماعتیں ہی پائی جاتی تھیں اور وہاں توریت و انجیل ہی مشہور تھیں نیز زیادہ تر احکام شرعیہ انہیں دونوں کتابوں میں تھے داؤد علیہ السلام کی امت

عرب میں نہ تھی نیز زبور شریف وہاں مشہور نہ تھی نیز زبور میں زیادہ تو دعائیں تھیں احکام شرعیہ تھوڑے ان وجوہ سے زبور کا ذکر نہ فرمایا اور داؤد علیہ السلام کی امت کا بھی ذکر نہ ہوا۔ **من قبلنا** یہ عبارت یا تو انزل کے متعلق ہے یا تا تین پوشیدہ کے متعلق ہو کر طائفتین کی صفت ہے یعنی وہ کتابیں ہم سے پہلے اتریں یا وہ کتابیں ایسی قوموں پر اتریں جو ہم سے پہلے تھیں، چونکہ صحیح مذہبی یہودی اور عیسائی اس زمانہ میں تھے اب اس وقت تو صرف قومی یہودی عیسائی رہ گئے تھے، جن کی مذہبیت فنا ہو چکی تھی کتابیں منسوخ ہو چکی تھیں اس وجہ سے **من قبلنا** فرمانا بالکل درست ہے **وان کنا** یہ عبارت **انما انزل** پر معطوف ہے اور **ان تقولوا** کا مفعول ان اصل میں ان تھا اس کا اسم نا تھا نا مفعول کو گرا دیا گیا اور نون کا شد اڑا کر اسے جزم دے دیا گیا اسی لئے **لغافلین** میں لام لایا گیا تاکہ معلوم ہو کہ یہ ان نافیہ نہیں ہے (روح المعانی) **عن دراستھم لغافلین** اس عبارت میں عن متعلق ہے غافلین کے اور غافلین خبر ہے کنا کی دراست بنا ہے درس سے بمعنی سبق دراست کے معنی ہیں سبق دینا یا لینا یعنی پڑھنا پڑھانا **ھم** کا مرجع وہی طائفتین ہے یہود و نصاریٰ اگرچہ دو گروہ تھے مگر ان کے افراد لاکھوں تھے اس لئے **ھم** جمع ارشاد ہوا غافل بمعنی بے خبر ہے یعنی وہ لوگ جو آپس میں توریت انجیل پڑھتے پڑھاتے تھے ہم اس سے بے خبر تھے کیونکہ ان کی زبان عبرانی تھی ہماری زبان عربی بعض مفسرین نے فرمایا کہ دراست کے بعد لغت پوشیدہ ہے اصل میں **عن دراستہ لغتھم** تھا یعنی ہم ان یہود و نصاریٰ کی زبان کی تعلیم سے بے خبر تھے ہم میں وہ زبان مروج نہ تھی۔ خیال رہے کہ اس زمانہ میں یہود و نصاریٰ توریت و انجیل کو چھپاتے تھے اس کے ترجمے کر کے لوگوں میں شائع کرنا گناہ سمجھتے تھے یہ کتابیں خود ان میں مروج نہ تھیں صرف ان کے علماء پوپ پادریوں تک محدود تھیں، توریت تو اب بھی چھپی ہوئی ہے انجیل کے جھوٹے سچے ترجمے قرآن مجید کی اشاعت دیکھ کر کئے گئے اس لئے یہ فرمان عالی بالکل درست ہے اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ اہل عرب نے توریت و انجیل کے عربی ترجمے کیوں نہ دیکھے۔ یہ بھی خیال رہے کہ توریت و انجیل کے بتائے ہوئے عقائد اور اخلاقیات سب کے لئے قابل عمل تھے ہاں ان کے خصوصی اعمال وہ صرف بنی اسرائیل کے لئے تھے اہل عرب پر وہ احکام جاری نہ تھے کیونکہ یہ لوگ بنی اسماعیل تھے۔ لہذا یہ فرمان بالکل صحیح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : توریت شریف کی عظمت خاصہ 'ہدایت' رحمت مخصوصہ بیان فرمانے کے بعد قرآن مجید کی رحمت عامہ برکت دائمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ اے لوگو! تم توریت کی وقتی عظمت تو معلوم کر چکے اب سنو یہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو ہم نے اس عالمگیری نبوت والے دائمی نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری ہے یہ بڑی ہی برکت والی کتاب ہے ہم بھیجنے والے برکت والے ہیں جبرئیل مبارک یہ محبوب نبی مبارک جس مہینہ میں قرآن آیا وہ مبارک، جس سرزمین میں آیا وہ مبارک' جس زبان میں آیا وہ مبارک' جو عالم اسے سیکھے وہ مبارک' جو کوئی اس پر عمل کرے وہ مبارک' ہر طرح مبارک ہی مبارک ہے۔ لہذا اے جہاں بھر کے لوگو اس قرآن کریم کی پیروی کرو کہ اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو اور اس کی مخالفت سے ڈرو یا قرآن کے حکموں کی پیروی کرو اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچو تاکہ تم پر خاص رحمت کی جائے اب رب تعالیٰ کی اخروی رحمت حاصل کرنے کا ذریعہ صرف قرآن مجید کی پیروی ہے دوسری تمام کتابوں کے چراغ بجھ چکے یہ سورج ہمیشہ چمکے گا اے عرب کے باشندو ہم نے یہ کتاب یعنی قرآن مجید تمہاری زبان میں اس لئے اتاری تاکہ تم قیامت میں یہ عذر نہ کر سکو کہ خدایا تو نے توریت و انجیل ایسے لوگوں یعنی بنی اسرائیل پر اتاری تھیں جو ہم سے پہلے گزر چکے تھے وہ زبان عبرانی میں تھیں ہماری زبان عربی تھی اس

کے تجربے کسی اور زبان میں ہوئے نہ تھے ہمیں اس زبان کی خبر نہ تھی اگر ہم توریت و انجیل سے واقف ہوتے تو شرک و کفر وغیرہ بدعقیدگیوں سے اور ڈکیتی' چوری' زنا وغیرہ بداخلاقیوں سے بچ جاتے' میرے مولیٰ ہم اپنی بدعقیدگیوں' بری حرکتوں میں معذور رہیں' سوچو اب تم کو کیا عذر رہے ہمارے سامنے کیا بہانہ کرو گے' ہوش کرو قرآن پر ایمان لاؤ۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن کریم بڑی برکت والی کتاب ہے حتیٰ کہ جس کو قرآن سے نسبت ہو جائے وہ بھی مبارک ہے۔ رب فرماتا ہے **انا انزلناہ فی لیلۃ مبارکۃ** جب قرآن مجید کی نسبت سے نزول قرآن کی رات مبارک ہو گئی تو جس ذات کریم پر قرآن مجید اترے اور جن سینوں میں قرآن مجید رہے۔ جن کے اعضاء قرآن مجید پر عمل کریں وہ سب بھی مبارک ہیں۔ یہ فائدہ **انزلنا مبارک** سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ:** کھانے پر ختم قرآن پڑھنا پھر خیرات کرنا بہت بہتر ہے کیونکہ قرآن مبارک ہے جس کھانے پر پڑھ دیا جائے وہ کھانا بھی برکت والا ہو گا' یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا اس لئے کھانے کے اول میں بسم اللہ پڑھتے ہیں اور آخر میں الحمد للہ یہ دونوں قرآن کی آیات ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن مجید میں جو برکات و رحمتیں نزول کے وقت تھیں وہی رحمتیں برکتیں اب تک ہیں اور قیامت تک رہیں گی ان برکتوں میں بالکل کمی نہیں آئی نہ آئے گی' جیسے چاند سورج تاروں کا نور جیسا ان کے بننے کے وقت تھا ویسا ہی آج تک ہے اور رہے گا اس میں کوئی کمی نہیں نور الٰہی نہ پرانا پڑے نہ گھسے نہ اس میں کمی آئے۔ یہ فائدہ **مبارک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ مبارک ہونے کو کسی وقت سے خاص نہیں کیا۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید کے نقوش مبارک اور جس کاغذ پر یہ نقوش لکھے جائیں وہ مبارک قرآن کے الفاظ بزرگ معانی مبارک' اسرار مبارک یوں ہی جس زبان' جس دماغ' جس دل میں یہ الفاظ اور معنی اور اسرار ہوں وہ مبارک۔ یہ فائدہ بھی مبارک سے حاصل ہوا کہ رب نے اس کتاب کو مبارک فرمایا۔ کتاب میں یہ سب کچھ ہے سب ہی مبارک ہے۔ دیکھو جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مبارک ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے پاؤں تک ہر عضو بلکہ ہر کام ہر نام مبارک ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں از آدم علیہ السلام تا یوم قیامت قائم ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی برکت سے گزشتہ نبیوں اور ان کی امتوں نے ہزارہا فائدے اٹھائے **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے سارے احکام کی اتباع ضروری نہیں بلکہ بہت سی آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے مطابق آئیں۔ یہ فائدہ **فاتبعوہ** سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے نہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دیکھو۔ **فاتبعونی یحببکم اللہ** یوں ہی **صلوا علیہ وسلموا تسلیما** یونہی **لا تقدموا بین یدی اللہ ورسولہ** وغیرہ آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** کوئی شخص خدا رسی کے لئے نہ تو اپنی رائے سے کوئی کام کرے نہ اب توریت و انجیل پر عمل کرے کہ وہ کتب رب کے وہ سکے ہیں جن کا چلن رب نے خود بند کر دیا اب اتباع صرف قرآن کی ہو گی' رات میں چراغ روشنی دیتے ہیں دن میں نہیں۔ یہ فائدہ بھی **فاتبعوہ** سے حاصل ہوا یعنی بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم دل کی عشق کی نماز پڑھتے ہیں' جس میں رکوع سجود نہیں وہ جھوٹے ہیں یہ لوگ عشق کی روٹی بھی کھا لیا کریں اس کا پانی بھی پی لیا کریں اس کی ہوا دھوپ لے لیا کریں۔ **ساتواں فائدہ:** قرآن مجید کے احکام کی بھی اتباع چاہئے اور اس کی ممانعت پر بھی عمل چاہئے یعنی اس کے احکام پر عمل کرنا اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچنا ہر مسلمان پر ضروری ہے۔ یہ فائدہ **فاتبعوہ اور واتقوا** فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ**

: اب اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف قرآن مجید کی اتباع سے ہی مل سکتی ہے توریت و انجیل اب رحمت لینے کا ذریعہ نہیں یہ فائدہ لعلکم ترحمون سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کوئی شخص متقی پرہیزگار مومن ہو جانے کے بعد بھی رب تعالیٰ سے بے خوف نہ ہو اپنے کو یقینی جنتی نہ جانے نہ معلوم خاتمہ کیسا ہو۔ یہ فائدہ **لعلکم ترحمون** میں لعل فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے دنیا ہی میں اپنے بندوں کے سارے عذر ختم کر دیئے ہیں قیامت میں کوئی مجرم اپنے جرم کے متعلق کوئی بہانہ نہیں بنا سکتا۔ یہ فائدہ **ان تقولوا انما انزل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے کفار عرب کا یہ عذر ختم کر دیا کہ ہم ایمان کیسے لاتے ہم توریت و انجیل کی زبانوں سے بے خبر تھے قیامت کے دن کی پیشی کا انتظام آج کر لو آج توبہ کر لو اس کے آستانہ پر رو پیٹ لو ورنہ آفت آجائے گی۔

آج کچھ کر لو عبادت ورنہ کل روز قیام　　سامنے حق کے خجالت تم کو ہوگی لا کلام!
پرسش اعمال خالق جس گھڑی فرمائے گا　　مال و دولت جاہ و حشمت کچھ نہ واں کام آئے گا

گیارھواں فائدہ: قرآن کریم اگرچہ عرب زبان میں آیا مگر اس کے سارے احکام تمام دنیا میں پہنچ گئے ہر زبان میں اس کے ترجمے تفسیریں لکھ دی گئیں بخلاف توریت و انجیل کے کہ نہ ان کے تحت لفظ ترجمے ہوئے نہ ان کی تفسیریں ہوئیں نہ ان کی اشاعت اس طرح ہوئی۔ یہ فائدہ بھی **ان تقولوا انما انزل** سے ہی حاصل ہوا کیونکہ کل قیامت میں کوئی ہندی، سندھی، امریکن، روسی یہ عذر نہ کر سکے گا کہ قرآن مجید عربی میں تھا ہم کو اس زبان کی خبر نہ تھی۔ **بارھواں فائدہ:** اہل عرب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی احسان ہے کہ انہیں کسی قوم کا محتاج نہ ہونے دیا بلکہ دنیا کو ان کا محتاج کر دیا کیونکہ **قرآن مجید کی ہر شخص کو ضرورت ہے** اور وہ ہے عربی زبان میں دیکھو ہر مومن کعبہ کا محتاج ہے اور وہ ہے **عرب میں ہر مومن کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی** ضرورت ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہیں عرب میں۔ **بہر حال خطہ عرب تمام دنیا سے افضل ہے۔**

پہلا اعتراض: قرآن مجید کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب مبارک ہے **مگر آج مسلمان ساری قوموں** سے گرے ہوئے ہیں یہ کیسی برکت ہے کہ اس کے ماننے والے برکتوں سے محروم ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب اقبال کے ایک دو شعروں سے مکمل طور پر معلوم ہو سکتا ہے وہ کہتے ہیں۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلماں ہو کر　　اور تم خوار ہوئے تارک قرآں ہو کر
یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو　　تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو

ہماری محرومی ہماری اپنی حرکتوں کی وجہ سے ہے ہم اپنے کو قرآن کے سانچے میں نہیں ڈھالتے بلکہ قرآن کریم کو اپنی رائے کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کر رہے ہیں ہم کو قرآن بدلنے اسلام میں ترمیم کرنے کی فکریں لگی ہیں جو احکام قرآنی ہمارے ذاتی مفاد کے خلاف ہوں ہم انہیں ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں ہم پر تو عذاب الٰہی آجانا چاہئے تھا صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم ہم کو بچائے ہوئے ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ اے اللہ میرا حال دیکھ　　حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامہ اعمال دیکھ

دوسرا اعتراض: اگر قرآن کی برکتوں میں بالکل فرق نہیں پڑا تو جو برکتیں صحابہ کے زمانہ میں قرآن میں تھیں وہ اب کیوں نہیں وہ حضرات سورۂ فاتحہ دم کر کے سانپ کا زہر اتار دیتے تھے ہم سارا قرآن دم کریں بھڑ کا زہر نہیں اترتا **جواب:** تار میں

پاور یکساں آتا ہے مگر جس طاقت کا بلب ہو اتنی روشنی ہوتی ہے دین میں فرق نہیں لینے والے کے ظرف میں فرق ہے ہم ہلکا بلب ہیں بلکہ جو بدنیتی سے قرآن پڑھے تو وہ گنہگار ہوتا ہے' الٹا نقصان اٹھاتا ہے' مسلمان قرآن پڑھے تو ہر حرف پر دس نیکیاں پاتا ہے۔ کافر بدنیتی سے قرآن پڑھے الٹا گنہگار ہوتا ہے۔ **ولا یزید الظالمین الا خسارا** منافقین و کفار گویا فیوز اڑا ہوا بلب ہیں وہاں روشنی کیسے آئے۔ **تیسرا اعتراض:** جب قرآن مجید کی اتباع بلا تخصیص سب لازم ہے تو بعض اولیاء اللہ جن کی ولایت مانی ہوئی ہے وہ خلاف شرع ہوتے ہیں ان پر اتباع قرآن لازم کیوں نہیں۔ **جواب:** ان حضرات نے قرآن کی اتباع نہیں چھوڑی بلکہ قرآن نے انہیں اپنی اتباع سے علیحدہ کر دیا کیونکہ اتباع قرآن لازم ہونے کے لئے عقل و بلوغ شرط ہے مجذوب اولیاء چونکہ عقل و ہوش سے بیگانہ ہو چکے ہوتے ہیں ان پر اتباع واجب نہیں رہتی **لا تقربوا الصلوٰۃ وانتم سکاریٰ** **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن عربی میں آیا' اور پھر اسی کے ترجمے تفسیریں تمام زبانوں میں کر کے دنیا میں پھیلائی گئیں قرآن کسی اور زبان میں آجاتا پھر اس کے ترجمے عربی وغیرہ میں ہر جگہ پہنچا دیئے جاتے۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ قرآن والے محبوب عرب میں جلوہ گر ہوئے دوسرے یہ کہ زبان عربی بہت جامع ہے اور مختصر بنائی گئی ایسے عالی مضامین کی صرف عربی زبان ہی حامل ہو سکتی ہے تیسرے یہ کہ ساری دنیا میں بڑے جاہل خونخوار عرب ہی تھے وہاں نبی اور قرآن آ کر ان کو سنبھالنا بلکہ انہیں عزت کے آسمان پر پہنچا دینا اس میں قرآن اور صاحب قرآن کی قوت و طاقت و معجزے کا اظہار ہوا چوتھے یہ کہ حضرت خلیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی دعا عرب کے لئے مانگی **ربنا وابعث فیھم** جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر اس کی شعاعیں پہنچتی ہیں سارے جہان میں ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رہے عرب میں مگر آپ کی تجلیات جن میں قرآن بھی داخل ہے سارے جہان میں پہنچیں نبوت کے اس سورج نے ہر دل کے شیشہ میں جلوہ گری فرمائی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف قرآن مجید کی اتباع کرنی چاہئے۔ تم نے حدیث اور فقہ کی اتباع کہاں سے نکال لی' دیکھو ارشاد ہوا **فاتبعوہ** (چکڑالوی)۔ **جواب:** ہم قرآن مجید ہی کی اتباع کرتے ہیں حدیث اور فقہ کے ذریعے سے وہ دونوں قرآن کی اتباع کرانے کے لئے ہیں اسی لئے دوسری جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا گیا **فاتبعونی یحببکم اللہ** اور ارشاد ہے **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** کوئی شخص بغیر حدیث و فقہ کی مدد کے قرآنی نماز بھی نہیں پڑھ سکتا زکوٰۃ بھی نہیں دے سکتا اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو جیسے ہم چراغ کی روشنی سے قرآن کے نقوش و الفاظ دیکھتے ہیں ایسے ہی حدیث و فقہ کی روشنی سے مضامین قرآن دیکھتے ہیں۔ قرآن کریم فرماتا ہے نماز پڑھو' حدیث شریف کہتی ہے کہ فلاں فلاں وقت میں اتنی رکعات اس طریقہ سے پڑھو فقہ نے فرمایا ہے کہ نماز میں فرض اتنے ہیں واجب اتنے مستحبات اور مکروہات اتنے اہل قرآن نماز کا طریقہ قرآن مجید سے نہیں نکال سکتے اہل حدیث کسی حدیث سے نماز کے فرائض' واجبات' مکروہات نہیں نکال سکتے۔ **چھٹا اعتراض:** توریت و انجیل صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی تھیں اگر وہ عربی زبان میں بھی ہوتیں تب بھی ان سے اہل عرب ہدایت حاصل نہیں کر سکتے تھے پھر وہ قیامت میں یہ عذر کیوں کرتے اہل عرب بنی اسماعیل ہیں نہ کہ بنی اسرائیل' **جواب:** توریت و انجیل بلکہ ساری آسمانی کتابیں عقائد اخلاقیات کی تعلیم سارے زمانہ کو دے سکتی تھیں ہاں ان کی مخصوص عبادات اس قوم کے لئے ہوتی تھیں جن کے لئے وہ کتب آئیں لہذا اہل عرب یہ کہہ سکتے تھے کہ اگر توریت و انجیل عربی زبان میں ہوتیں تو ہم توحید' ایمان اخلاقیات میں درست ہوتے ہم مشرک بت

پرست ڈاکو چور نہ ہوتے۔ ساتواں اعتراض: رب کی بارگاہ میں اب بھی عربی نہ جاننے والے عذر کر سکتے ہیں کہ خدایا قرآن عربی زبان میں تھا ہم عربی جانتے نہ تھے لہٰذا ہم مشرک بت پرست یا مجرم ہونے میں بے قصور ہیں چاہئے تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر زبان میں ایک ایک آسمانی کتاب بھیجتا صرف اہل عرب کی یہ رعایت کیوں کی گئی۔ جواب: پچھلی کتابیں قرآن مجید کی طرح شائع نہ ہوئیں وہ صرف پوپ پادریوں کے پاس ہی محفوظ ہیں' اس لئے پوپ پادری ان میں ملاوٹ کرنے پر قادر ہو گئے دیکھ لو آج بھی انجیل و توریت تو کیا باقی رہتی ان کی زبان عبرانی بھی فنا کر دی گئی یہ اردو کی انجیلیں نہ معلوم کہاں سے اور کیسے بنائی گئیں حتی کہ ہندوؤں کے وید بھی قریباً "فنا ہو گئے ان کی زبان یعنی سنسکرت بھی ناپید ہو گئی مگر قرآن مجید کا یہ حال نہیں قرآن مجید بعینہ جیسا آیا تھا ویسا ہی اس زبان میں دنیا کے کونہ کونہ میں پھیلا پھر ہر زبان میں اس کے ترجمے اس کی تفسیریں ہوئیں غرضیکہ قرآن مجید ہر شخص تک پہنچا دیا گیا اب کوئی شخص بے عملی کا بہانہ کیسے کرے یہ اللہ کا فضل ہے کہ اس نے قرآن مجید کے ذریعہ تمام دنیا کو عرب کا تابع بنا دیا جیسا کعبہ کے ذریعہ سب کے رخ عرب کی طرف کر دیئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام دنیا کے دل کے رخ عرب کی طرف کر دیئے یہ اہل عرب پر اللہ کا فضل ہے بعض جگہ سونے چاندی کی کانیں ہیں بعض جگہ تیل کے چشمے ہیں سب لوگ ان سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ آٹھواں اعتراض: جو عربی لوگ نزول قرآن سے پہلے فوت ہو گئے وہ اب بھی یہ بہانہ کر سکیں گے کہ خدایا ہم توریت و انجیل سے بے خبر تھے ہمارے پاس ہماری زبان میں کتاب نہ آئی ہم کیسے ایمان لاتے ان کا جواب کیا ہوگا۔ جواب: ایسے لوگوں کے لئے صرف عقیدہ توحید پر قائم رہنا ہی ہدایت ہے ان پر اور کوئی عبادت لازم نہیں توحید ایک ایسی چیز ہے جسے عقل سلیم بھی مانتی ہے یہ عقیدہ انسان اپنی عقل سے بھی اختیار کر سکتا ہے ان سے سواء توحید کے اور کوئی سوال نہ ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے قریب بھی ہیں کہ ہر گنہگار کے سینہ میں جلوہ گر ہیں کرم و رحمت سے اور دور بھی ہیں کہ آپ کے مقام تک فرشتوں کی بھی رسائی نہیں شرف کے لحاظ سے۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

یوں ہی قرآن مجید الفاظ کے لحاظ سے قریب ہے لہٰذا اسے ہذا فرمایا اور اسرار کے لحاظ سے دور ہے لہٰذا اسے **ذٰلک** فرمایا قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے مبارک ہے اس لئے کہ اس کے الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر اس کے مضامین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذہن مبارک پر اس کے اسرار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب پاک پر نازل ہوئے اور قرآن اخلاق محمدیہ کے بالکل مطابق نازل ہوا۔ لہٰذا مبارک ہے کہ یہ خود بھی برکت والا ہے اور اسے برکت والی ذات بابرکات سے تعلق ہے ہمارے لئے اس۔ لئے مبارک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالذات مبارک ہیں قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے مبارک' عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا تھا **وجعلنی مبارکا" اینما کنت** میں جہاں بھی رہوں مبارک ہوں جب روح اللہ مبارک ہیں تو حبیب اللہ بھی مبارک ہیں۔ قرآن مجید کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر میں ہوا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکتیں اول سے ہی دنیا والوں کو ملیں۔ والدہ کے شکم میں آئے تو سارے جہان پر بارش ہوئی پہلے تین سال سے بارش بند تھی اس سال تمام دنیا میں لڑکے ہی پیدا ہوئے۔ حمل شریف

میں تھے کہ آپ کی برکت سے ابرہہ مع اپنے لشکر کے ابابیل کے ذریعہ ہلاک کیا گیا۔ جناب حلیمہ نے حضرت آمنہ کے گھر میں قدم رکھا تو آپ کے پستان دودھ سے بھر گئے آپ کی اونٹنی نے اسی رات جب آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لائیں اتنا دودھ دیا کہ سب گھر والے سیر ہو گئے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام برکت والا کہ آپ کے نام کی برکتیں از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام ہر وقت دیکھی گئیں وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا بلکہ آج بھی دیکھی جارہی ہیں اور تاقیامت دیکھی جائیں گی (صلی اللہ علیہ وسلم) ایسے مبارک نبی کا قرآن بھی مبارک ہے یہ قرآن نبی اور امت کے درمیان بلکہ بندے اور رب کے درمیان مضبوط رسی ہے۔ جس کے ذریعہ امتی نبی تک بندے رب تک پہنچتے ہیں لہٰذا اے لوگو اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلو تب تم رحمت الٰہی کے مستحق ہو گے کیونکہ تم اس کے ذریعہ رحمۃ للعالمین کے دامن تک پہنچو گے اور ان کے کرم سے ارحم الراحمین کے دروازے تک تمہاری رسائی ہو گی جیسے کھانا پانی ہوا دھوپ جسمانی روزی ہیں جن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے ایسے ہی قرآن کریم روحانی غذا ہے۔ جس کے بغیر حیات روحانی ناممکن ہے قرآن کا ایک ظاہر ہے۔ جس کی تفسیر علماء کرتے ہیں اور ایک باطن ہے۔ جس کی تحقیق حضرات صوفیاء فرماتے ہیں قرآن یا بندوں کی دلیل ہے یا بندوں پر رب تعالیٰ کی حجت یہ قرآن تمام کتب میں تھا مضمون قرآن کے تھے لباس اس زبانوں کا تھا کفار عرب کا یہ عذر ختم کر دیا گیا کہ قرآن لباس عربی میں نہ آیا ہم ہدایت کیسے لیتے جیسے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم بشری لباس میں عربی لباس میں آئے ایسے ہی قرآن عربی لباس میں نازل ہوا یہ قرآن کا لباس ہے ورنہ قرآن ہر صحیفے ہر کتاب میں تھا وانہ لفی زبر الاولین۔

اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَیِّنَةٌ

یا کہو کہ اگر بے شک اتاری جاتی اوپر ہمارے کتاب تو ہوتے ہم زیادہ ہدایت والے ان سے تو بیشک

یا کہو کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہوتے تو تمہارے پاس آئی تمہارے رب

مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ وَ

آگئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے تمہارے رب کے اور ہدایت اور رحمت پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو جھٹلا

کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آئی تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور

صَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ یَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰیٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا

آیتیں اللہ کی اور منہ پھیرے ان سے قریب ہی ہم بدلہ دیں گے ان کو جو منہ پھیرتے ہیں ہماری آیتوں سے سخت عذاب

ان سے منہ پھیرے عنقریب وہ جو ہماری آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں بڑے عذاب کی سزا دیں گے

كَانُوْا یَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اس وجہ سے کہ وہ تھے منہ پھیرتے

بدلہ ان کے منہ پھیرنے کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب کی ایک معذرت کی تردید کی گئی جو وہ لوگ قرآن مجید نہ آنے کی صورت میں پیش کرسکتے تھے اب انہیں کفار کے ایک شیخی والے دعویٰ کی تردید ہو رہی ہے جو وہ قرآن مجید نہ آنے کی صورت میں کرسکتے تھے یا نزول قرآن سے پہلے کیا کرتے تھے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب کے اس اعتراض کو ختم فرمایا گیا جو وہ توریت انجیل کے عبرانی زبان میں آنے پر کرسکتے تھے یا کرتے تھے اب ان کے اس مطالبہ کا جواب دیا جا رہا ہے جو وہ اپنی زبان میں علیحدہ مستقل کتاب نہ آنے پر کرتے تھے کہ جیسے یہود و نصاریٰ پر کتابیں اتریں ہم پر بھی مستقل علیحدہ کتاب اترنی چاہئے تھی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں نزول قرآن کا ایک فائدہ بیان ہوا یعنی لوگوں پر رحمت و کرم **لعلکم ترحمون**۔ اب قرآن مجید کا دوسرا فائدہ بیان ہو رہا ہے یعنی کفار عرب کا منہ بند کرنا اور ان کی شیخی ختم فرمانا۔

نزول : عرب شریف میں یہ بھی مشہور تھا کہ فلاں فلاں قوموں میں پر توریت و انجیل نازل ہوئیں اور یہ بھی کہ یہود نے ہمیشہ موسیٰ علیہ السلام کو دکھ پہنچائے ان کی مخالفتیں کیں اور عیسائیوں نے تو حد ہی کردی کہ اپنے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی دلوانے کی کوشش کی تو کفار عرب کی ایک جماعت کہنے لگی کہ وہ لوگ اپنی کتابوں سے فائدہ نہ اٹھا سکے اپنی سرکشی اور جہالت کی وجہ سے اگر ہم پر کوئی آسمانی کتاب آتی تو ہم اس سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے کیونکہ ہم ان لوگوں کی طرح بے وقوف نہیں ذہن کے صاف عقل کے تیز ہیں دیکھ لو ہم باوجود ان پڑھ ہونے کے کیسے قصے خطبے کہتے ہیں مگر جب قرآن مجید آنا شروع ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کے بدترین دشمن ہو گئے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن' خزائن العرفان) دوسری جگہ قرآن مجید انہیں کا یہ قول نقل فرماتا ہے **ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع ایاتک**۔ دوسری جگہ ارشاد فرماتا ہے **واقسموا باللہ جھد ایمانھم لئن جاء ھم نذیر لیکونن اھدی من احدی الامم**۔ بہرحال قرآن مجید میں ان کے شیخی کے دعوے کئی جگہ منقول ہیں۔

تفسیر : **او تقولوا لو انا انزل علینا الکتاب** یہ عبارت معطوف ہے **ان تقولوا انما انزل** پر یہاں بھی لا پوشیدہ ہے جو ترکیب اس عبارت کی تھی وہی اس کی ہے کہ یا تو **انزلناہ** کا مفعول لہ ہے یا **واتقوا** کا مفعول بہ یہاں بھی قیامت میں کہنا مراد ہے کتاب سے مراد توریت و انجیل کے علاوہ دوسری آسمانی کتاب ہے ہم پر نازل ہونے سے مراد ہے ہم اہل عرب میں سے کسی پر نازل ہونا ہماری زبان میں نازل ہونا۔ وہ تمنا کرتے تھے کہ ہم بھی کبھی کسی نبی کے ہم قوم ہوتے ہماری زبان میں بھی رب کا کلام اترتا یہ ہمارے لئے باعث فخر ہوتا ان کی یہ تمنا بہت ہی اچھی تھی مگر اپنے علم پر اور عقل پر اعتماد کر کے یہ دعویٰ غلط تھا اور ہو سکتا ہے کہ **الکتاب** سے مراد توریت و انجیل ہو یعنی اگر وہ آسمانی کتابیں بجائے ان کے ہم پر اتری ہوتیں تو ہم ان بدتروں سے زیادہ قدرداں ہوتے بہرحال یہ گفتگو یا تو حسد کی بنا پر ہے یا اپنی شیخی کی بنا پر کہ **لکنا اھدی منھم** یہ عبارت **لو** کا جواب ہے **کنا** سے مراد عام اہل عرب یا اہل مکہ یا سرداران قریش ہیں **منھم** سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جن کی سرکشیاں عرب میں مشہور تھیں **اھدی** کا مطلب یہ ہے کہ ہم کبھی اپنے نبی کی مخالفت نہ کرتے ان کے قدم دھو دھو کر پیا کرتے یا کبھی اپنی کتاب کے احکام کی خلاف ورزی نہ کرتے اگر یہود و نصاریٰ میں کچھ علماء تھے تو ہم میں علماء بھی ہوتے اولیاء اللہ بھی ہوتے کیونکہ ہماری

عقل' ذہن' فراست دانائی ان لوگوں سے کہیں زیادہ ہے فقد جاء کم یہ عبارت یا تو کسی پوشیدہ فعل کی علت ہے اور ف تعلیلیہ - لا تعتذروا یا انقطع عذر کم یا کسی پوشیدہ شرط کی جزا ہے اور ف جزائیہ ان صدقتم فی دعوا کم (بیان و معانی) نزول قرآن اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری ان دونوں کے لئے جاء ارشاد ہوا چند وجہ سے۔ (1) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید دونوں دنیا میں آنے سے پہلے موجود تھے۔ کہاں تھے یہ بہت دراز بحث ہے پھر وہاں سے منتقل ہو کر دنیا میں آئے۔ (2) گزشتہ نبی اور کتب دنیا میں آنے جانے کے لئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن آئے یہاں رہنے کے لئے لہٰذا یہ دونوں چیزیں غیر منسوخ ہیں۔ (3) دنیا کی ہر چیز ہمارے مرجانے پر ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے مگر جس دل و دماغ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن تشریف لے آئیں یہ ساتھ نہیں چھوڑتے۔ (4) ہر چیز کی آمد کسی خاص علاقہ کے لئے ہوتی ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی آمد سارے جہان کے لئے ان وجوہ سے خصوصیت سے ان کے لئے جاء فرمایا گیا ہے کم میں خطاب انہیں اہل عرب سے ہے جو یہ دعویٰ کرتے تھے قرآن مجید دنیا کے گوشہ گوشہ میں ہر شخص کے پاس آیا۔ عموماً" ہر مسلمان کے پاس آیا اور خصوصاً" اہل عرب کے پاس آیا۔ ان کی زبان میں' ان کی قوم میں سے ایک ذات گرامی پر آیا۔ یہی حال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے ہر انسان کے پاس آئے عموماً" ہر مسلمان کے دل میں جگر میں ایمان میں جلوہ گر ہوئے خصوصاً" اور عرب میں تشریف لائے ان کی قوم ان کی زبان میں جیسے سورج چمکتا ہے ساری زمین پر پھل پھول دیتا ہے باغوں کو' دانہ پکاتا ہے کھیتوں میں' لعل بدخشاں بناتا ہے بدخشاں کے پہاڑوں میں۔ لہٰذا یہ فرمان عالی دوسری ان آیات کے خلاف نہیں جن میں سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں سے کہا گیا ہے کہ یہ قرآن تم سب کے پاس آیا بینۃ من ربکم وھدی ورحمۃ یہ عبارت جلہ کا فاعل ہے اس میں قرآن مجید کا نام نہ لیا گیا بلکہ اس کے تین صفات بیان ہوئے کہ توریت تو صرف ہدایت اور رحمت تھی قرآن مجید بینہ بھی ہے ہدایت بھی رحمت بھی پھر توریت خاص قوم کے لئے خاص جگہ اور خاص وقت بھی ہدایت و رحمت تھی قرآن مجید ہر قوم کے لئے ہر جگہ اور ہر وقت بینہ بھی ہے ہدایت بھی رحمت بھی اس کا مبارک ہونا پچھلی آیت میں بیان ہو چکا ھدی و رحمۃ کا فرق ابھی پچھلی آیت میں عرض کیا گیا قرآن مجید عاقلین کے لئے بینۃ ہے سامعین کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ (تفسیر کبیر) یعنی دلیل سے ماننے والوں کے لئے بینہ ہے دل سے ماننے والوں کے لئے ہدایت ہدایت ہے اور رحمت یا دلیل والوں کے لئے بینہ ہے دل والوں کے لئے ہدایت اور جو سب کچھ یار پر فدا کر چکے جن کے پاس نہ دلیل رہی نہ دل دلیل فنا ہو گئی دل دلدار کے حوالہ ہو گیا ان کے لئے رحمت ہے خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کو بینہ یعنی روشنی اور کھلی دلیل فرمایا کیونکہ قرآن مجید علماء صوفیاء کے لئے اپنے مضامین اور اسرار کے لحاظ سے دلیل ہے خود اپنی حقانیت اور رب کی وحدانیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مگر ہم جیسے بے پڑھوں کے لئے اس کے ظاہری اوصاف دلیل ہیں دیکھو کوئی کلام بغیر سمجھے لطف نہیں دیتا قرآن بغیر سمجھے بھی تڑپا دیتا ہے اعلیٰ سے اعلیٰ کلام ایک دو بار پڑھنے سننے کے بعد پرانا پڑ جاتا ہے اس میں لطف نہیں آتا قرآن مجید عمر بھر پڑھو مگر ہر بار لذت دیتا ہے دنیا والوں کے کلام میں خلط ملط ہو جاتا ہے قرآن مجید کے ایک لفظ میں فرق نہیں ہوا ہم عوام یہ صفات دیکھ کر اسے کلام الٰہی مانیں جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر خواندہ ناخواندہ کے لئے برہان ہیں علماء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات عالیہ میں غور کریں اور آپ پر فدا ہو جائیں ہم بے علم جاہل لوگ یہ سوچیں کہ سارے محبوبوں پر لوگ دیکھ کر عاشق ہوئے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہ

محبوب ہیں جن پر بے دیکھے لاکھوں قربان ہیں آج حسن یوسف پر انگلیاں نہیں کٹتیں مگر نام محمد پر عشاق سر کٹا رہے ہیں بڑے بڑوں کے نام ان کے بعد فنا ہو گئے نام محمد ویسے ہی باقی ہے ان کی نعت ہر جگہ مزہ دیتی ہے لہذا حضور صلی اللہ علیہ و سلم برہان ہیں **فمن اظلم ممن کذب بایات اللہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے۔ جس میں ف ترتب کی ہے یعنی جب قرآن مجید میں یہ صفات و خوبیاں ہیں تو سمجھ لو کہ اس کا منکر کیسا ظالم ہے اس عبارت میں خطاب انہیں مخاطبین سے ہے مگر **اظلم منکم** نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ ظالم کی وجہ بھی معلوم ہو جائے اور سوال کرکے انہیں سے پوچھا گیا کہ تم خود ہی سوچ لو کہ اس کے منکر سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے یہاں ظلم یا تو بمعنی کفر و شرک ہے رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** یا حق مارنے کے معنی میں ہے اپنا حق مارنا یا قرآن کریم کا حق مارنا ہم پر اپنے نفس کا حق یہ ہے کہ قرآن کریم مان کر اللہ کی عبادت کرکے اپنے کو جنت کا مستحق بنائیں اگر ایسا نہیں کرتے تو اپنے پر ظلم کرتے ہیں **ربنا ظلمنا انفسنا** ہم پر قرآن کریم کا حق یہ ہے کہ اسے سینے سے لگائیں اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں اگر ایسا نہیں کرتے تو قرآن کریم پر ظلم کرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ آیات اللہ سے مراد ہیں قرآنی آیتیں انہیں جھٹلانے کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) جنانی جھٹلانا انہیں حق نہ سمجھنا زبانی جھٹلانا منہ سے کہہ دینا کہ یہ فرمان درست نہیں یا یہ احکام اس زمانہ کے لئے تھے اب زمانہ نیا ہے اور احکام دین اس زمانہ کے مطابق چاہئیں۔ عملی جھٹلانا کہ منہ سے کہنا کہ قرآن سچا ہے مگر عمل اس کے خلاف ہی کرنا اس آخری بیماری میں آج ہم مسلمان بھی مبتلا ہیں بلکہ بعض مسلمان دوسری بیماری میں بھی گرفتار دیکھے جاتے ہیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی دل سے قرآن کریم کو جھوٹا جاننا کیونکہ جن سے یہاں خطاب ہے وہ اسی قسم کے منکر تھے اور ہو سکتا ہے کہ دوسری قسم کے بھی منکر مراد ہوں یعنی زبان سے انکاری۔ **وصدف عنہا** یہ عبارت معطوف ہے **کذب** پر اور **من** کا صلہ ہے صدف کے معنی پھرنا بھی ہیں اور پھیرنا بھی پہلے معنی لازم ہیں دوسرے معنی متعدی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اگر پھر جانے کے معنی میں ہے تو اس سے مراد وہ ہے جو قرآن کریم میں کبھی غور ہی نہ کرے نہ اسے جھٹلائے نہ تصدیق کرے یعنی مانے نہیں اور اگر بمعنی پھیرنا ہے تو مراد یہ ہے کہ لوگوں کو قرآن مجید پر ایمان لانے سے روکے اور مومنین کو پھیر دینے کی کوشش کرے گمراہ بھی ہو گمراہ گر بھی **سنجزی الذین یصدفون عن ایاتنا** : جزاء کبھی بمعنی ثواب آتا ہے کبھی بمعنی عذاب و سزا اور کبھی بمعنی بدلہ و عوض خواہ ثواب ہو یا عذاب۔ یہاں یا تو بمعنی عذاب و سزا یا بمعنی بدلہ اس سزا سے مراد یا تو دنیاوی سزا ہے یعنی کفار مکہ کا دنیا میں ہی ذلیل و رسوا ہونا مسلمانوں کے ہاتھوں بدر وغیرہ میں مارا جانا یا برزخی عذاب مراد ہے یا اخروی چونکہ ہر آنے والی چیز قریب ہے لہذا یہاں سین کے ساتھ یہ صیغہ ارشاد ہوا اور **سنجزیہم** نہ فرمایا گیا تاکہ سزا کے ساتھ سزا کی وجہ کا ذکر بھی ہو جائے یعنی جو لوگ آیات قرآنیہ میں غور و فکر ہی نہیں کرتے انہیں مانتے نہیں یا جو لوگوں کو قرآن سے روکتے یا پھیرتے ہیں ہم بہت ہی جلد انہیں سزا دیں گے۔ **سوء العذاب** یہ عبارت **سنجزی** کا مفعول ہے اللہ تعالیٰ کی سزائیں ہی بہت سخت ہے پھر جسے اللہ سخت عذاب فرما دے وہ کیسی ہو گی سخت اور برے عذاب سے مراد ہے یا دنیاوی رسوائی دیکھ لو ابو جہل وغیرہ قتل تو ایک بار ہو چکے مگر ان پر پھٹکار اب تک پڑ رہی ہے اور پڑتی رہے گی یا برزخی و اخروی عذاب میں انہیں تکلیف بھی ہو گی ہمیشگی بھی اور رسوائی بھی۔ گنہگار مومن کا برزخی عذاب بہت وجہوں سے ختم یا ہلکا ہو جاتا ہے اس کی قبر پر کوئی اللہ کا بندہ گزر گیا۔ زندوں نے اس کے لئے دعاء خیر و صدقہ وغیرہ کر دیئے کوئی عظمت والا دن یا رات آ گئی وغیرہ یوں ہی گنہگار مومن کو دوزخ میں خفیہ طریقہ سے پہنچایا جائے گا کہ کسی کو اس کی خبر نہ ہو گی نیز اسے دوزخ میں داخل کیا

جائے گا اوپر سے دھکا نہ دیا جائے گا کچھ عرصہ بعد اسے شفاعت کرنے والے کی شفاعت کے ذریعہ نکال کر جنت میں پہنچا دیا جائے گا کفار کے لئے یہ کوئی رعایت نہیں اس لئے ارشاد ہوا **سوء العذاب بما کانوا یصدفون** اس کا تعلق **سنجزی** سے ہے اس میں یہ بتایا گیا کہ یہ سزا تو ان کے دوسروں کو گمراہ کرنے کی ہے یا خود غور نہ کرنے کی۔ رہے ان کے دوسرے اعمال اور دوسری بدکاریاں اس کی سزا علاوہ ہوگی' اللہ کی پناہ چونکہ یہ لوگ زندگی بھر برابر یہ جرم کرتے رہے اس لئے **کانوا یصدفون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے کفار عرب قیامت کے دن نہ تو تم گذشتہ مذکورہ بہانہ بنا سکو گے اور نہ یہ عذر کر سکو گے کہ خدایا اگر ہم پر تیری آسمانی کتاب آتی تو ہم ان یہودیوں عیسائیوں سے بڑھ چڑھ کر ہدایت یافتہ ہوتے کہ ان میں بعض ایمان لائے بعض نہیں ہم سب ایمان لاتے وہ لوگ ایمان لا کر بھی اپنے نبیوں کو ستاتے رہے ان کی مخالفت کرتے رہے ہم سب اس کتاب والے نبی کے قدم دھو دھو کر پیتے انہوں نے نبی کے پردہ فرمانے کے بعد دین مسخ کر دیا کتاب الٰہی بگاڑ دی ہم ہمیشہ کتاب کی حفاظت کرتے ان میں اولیاء بہت کم ہوئے ہم میں صالحین اولیاء بہت ہوتے اب تو تمہارے پاس تمام آسمانی کتب سے اعلیٰ و افضل کتاب آگئی جیسے یہ رسول سید الانبیاء ہیں ایسے ہی ان کا قرآن سید الکتب ہے یہ عقل والوں کے لئے روشن دلیل ہے محبت والوں کے لئے دنیا میں ہدایت آخرت میں رحمت ہے یا یہ قرآن عقل کے لئے **بینہ** (دلیل) ہے دل کے لئے ہدایت روح کے لئے رحمت ہے یا یہ دنیا میں دلیل ہے برزخ میں ہدایت آخرت میں رحمت اب خود غور کر لو کہ اس سے بڑا کافر یا اپنے پر ظلم کرنے والا کون ہو سکتا ہے جو ان آیات الٰہیہ کو خود جھٹلائے اور لوگوں کو اس کے ماننے سے روکے اور جو مان چکے ہیں انہیں اس سے پھیرے۔ عنقریب وقت آتا ہے کہ ہم ان پھرنے والوں کو بڑے سخت عذاب کی سزا دیں گے یا دنیا میں یا آخرت میں برزخ میں یا ہر جگہ۔ ان کے اس پھرنے کے جرم میں۔ رہی ان کی بد عملیوں کے سزا وہ اس کے سوا ہوگی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم سارے عرب اور سارے مومنین اور سارے انسانوں کے پاس آئے مگر ان کی آمد میں فرق ہے جیسے بارش عام زمین پر آتی ہے تری دینے کو باغ اور کھیتوں میں آتی ہے پھول و پھل دینے کو سمندر کے سیپ میں آتی ہے موتی بخشنے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ و ہدایت سب کو کی مگر ایمان مومنوں کو بخشا عرفان ایقان کے موتی حضرت صدیق و فاروق اولیاء اصفیاء کے سینوں میں بنائے آمد ایک ہے مگر آمد کی نوعیت میں فرق ہے لہذا تمام آیات مطابق ہیں یہ بھی خیال رہے کہ قرآن مجید **بینہ** من وحکم ہے یعنی خدا کی قائم کردہ دلیل لہذا اسے کوئی توڑ سکے نہ کوئی کمزور کر سکے گا۔ جیسے سورج کو کوئی بجھا نہیں سکتا کہ ربانی چراغ ہے نیز قرآن مجید اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہے کہ اس سے جسم کی پرورش کے لئے جسمانی غذائیں پیدا فرمائیں روح کی پرورش کے لئے روحانی غذائیں یعنی قرآن مجید بھیجا۔ ربک ' ربکم ' رب العالمین کا فرق ہم سورۂ فاتحہ میں عرض کر چکے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** آدمی کو اپنی عقل پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر اعتماد کرنا چاہئے دیکھو یہ شیخی مارنے والے کفار عرب قرآن کریم نازل ہو جانے پر کافر ہی رہے کیونکہ انہوں نے اپنی عقل پر بھروسہ کر کے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر ہم پر آسمانی کتاب آتی تو ہم ان بنی اسرائیلوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ **دوسرا فائدہ:** اچھی بات اچھے عمل کی تمنا کرنا اچھا ہے کہ اس پر بڑا ثواب ہے مگر دوسروں پر طعنہ کے لئے تمنا ظاہر کرنا عذاب الٰہی کا باعث ہے اور محرومی کا سبب ہے آج جو کہے کہ اگر میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پاتا تو آپ پر مال و

جان فدا کرتا یہ تمنا اچھی ہے ان شاء اللہ اس تمنا والے کا حشر صحابہ کرام کے ساتھ ہو گا مگر یہ کہنا کہ حضرت صدیق و فاروق نے کچھ بھی نہ کیا اگر میں اس زمانہ میں ہوتا تو کچھ کر کے دکھا دیتا" وہ بے دینی ہے کہ اللہ کے مقبولوں پر طعنہ کرتا ہے۔ یہ فائدہ لکنا اهدی من الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قوم میں ایک فرد پر کتاب اترنا گویا ساری قوم پر اترنا ہے سب کے لئے باعث فخر ہے۔ یہ فائدہ انزل علینا الکتاب سے حاصل ہوا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل ہونا سارے مسلمانوں بلکہ سارے انسانوں کے لئے باعث فخر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** قرآن مجید اگرچہ عربی زبان میں اور ملک عرب میں نازل ہوا مگر آیا سب کے پاس اور ہر ایک کے لئے۔ یہ فائدہ فقد جاء کم کے اطلاق سے حاصل ہوا جیسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے عرب میں مگر پہنچے ہر ایک کے دل و ایمان میں قرآن کریم نے دوسری جگہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی یہ صیغہ استعمال فرمایا ہے لقد جاء کم رسول۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید ایک کتاب ہے مگر اس کی صفات بیشمار ہیں یہ دلیل بھی ہے رحمت بھی ہے، ہدایت بھی مبارک بھی نور بھی مبین بھی۔ یہ فائدہ وھدی و رحمۃ سے حاصل ہوا اس کی نفیس تحقیق پہلے پارہ ذالک الکتاب کی تفسیر میں مطالعہ فرماؤ۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم لاکھوں صفات سے موصوف ہیں 'حضور' 'نبی' رسول 'بشیر' نذیر' نور' سراج' منیر' وغیرہ سب کچھ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم۔) **چھٹا فائدہ:** کفر بڑے سے بڑے گناہوں سے بھی بڑا گناہ ہے یعنی اکبرا لکبائر ہے۔ یہ فائدہ فمن اظلم سے حاصل ہوا جب کہ اظلم معنی اکفر ہو۔ **ساتواں فائدہ:** آیات قرآنیہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کا منکر بڑا بھاری ظالم ہے کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے کہ اسے دائمی عذاب کا مستحق بناتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فمن اظلم سے حاصل ہوا جبکہ اظلم اپنے معنی ہی میں ہو یعنی بڑا ظالم۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی کو جھٹلانے والا اور انہیں نبی نہ ماننے والا دونوں کفر میں برابر ہیں، جھٹلانا یہ ہے کہ نبی کو جھوٹا کہے نہ ماننا یہ ہے کہ نہ انہیں جھوٹا کہے نہ سچا مگر ان کی فرمانبرداری نہ کرے کلمہ نہ پڑھے۔ یہ فائدہ یصدفون عن ایاتنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** گمراہ گر کافر اس کافر سے بدتر ہے جو خود گمراہ تو ہو مگر دوسروں کو بہکاتا نہ ہو۔ یہ فائدہ یصدفون کو دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کفار عرب جو کہتے تھے کہ ہم اہل کتاب سے زیادہ ہدایت پر ہوتے اس کا کیا مطلب ہے وہ لوگ اس زمانہ میں مومن تھے ان میں بڑے بڑے اولیاء اللہ ہوئے۔ اصحاب کہف' آصف برخیا' حضرت مریم جیسی ہستیاں انہیں میں ہوئیں پھر یہ لوگ زیادہ ہدایت یافتہ کیسے ہوئے۔ **جواب:** بنی اسرائیل عموماً ایمان لانے کے بعد بھی نہایت سرکش اور اپنے پیغمبروں کے بے ادب ان کو ستانے والے تھے جن کی سزائیں پاتے رہتے تھے کفار عرب کہتے تھے کہ ہم ایسے بے ادب نہ ہوتے ہم وفادار اطاعت شعار ہوتے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں قرآن کریم کی تین صفتیں بیان ہوئیں۔ بینہ ہدایت' رحمت' ہدایت و رحمت دونوں ایک ہیں پھر انہیں دو میں شمار کیوں کیا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ہدایت اور رحمت میں بہت طرح فرق ہے۔ ہدایت زندگی میں رحمت' موت کے وقت اور موت کے بعد برزخ میں' ہدایت دنیا میں' رحمت آخرت میں' ہدایت جسم کے لئے رحمت روح اور دل کے لئے ہدایت' شریعت کے لحاظ سے' رحمت طریقت کے لحاظ سے۔ اور بہت طرح فرق ہو سکتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** عذاب اور سوء العذاب میں کیا فرق ہے کہ یہاں ارشاد ہوا سوء العذاب۔ **جواب:** دوزخ اور وہاں کی تکالیف تو عذاب ہیں مگر وہاں ہمیشہ رہنا برا عذاب' رسوائی برا عذاب دوزخ میں داخل کرنا عذاب اور کنارہ دوزخ سے دھکیلنا برا عذاب' چپکے سے عذاب دینا عذاب ہے رسوا کر کے سزا دینا برا عذاب' وہاں جلنا عذاب ہے اور جلنے کے

ساتھ آپس کی دشمنیاں گالی گلوچ مار پیٹ برا عذاب اور بھی فرق ہو سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : عاقلین کو اپنی عقل پر ناز ہوتا ہے کاملین کو اللہ کے فضل پر عقل والے فیل ہو جاتے ہیں فضل پر بھروسہ کرنے والے کامیاب رہتے ہیں عاقلین کے پاس زبانی دعوئی زیادہ ہوتے ہیں عمل کم یا بالکل نہیں واصلین کے پاس دعوے نہیں ہوتے عمل ہوتے ہیں عاقلین کے پاس اگر مگر زیادہ ہوتی ہے یہ کفار اس اگر مگر کے چکر میں تھے کہ اگر ہماری زبان میں کتاب آتی تو ہم ہدایت پاتے مگر نہ آئی چنانچہ ہم ایمان نہیں لائے پہلے قرآن لوح محفوظ میں تھا پھر سارے صحیفوں میں مختلف رنگوں میں آیا پھر خوش نصیب لوگوں کی لوح وجود میں نقش ہوا ان میں جو لوگ صرف نقوش اور قرآت کے پیچھے پڑے رہے وہ زیادہ کامیاب نہ ہوئے جو ان کی بتائی ہوئی راہ پر چلا اسے اپنی علوت بنایا وہی پورا کامیاب رہا ایک شاعر کہتا ہے۔

نقد عمرش ز فکرت معوج خرج شد در رعایت مخرج

صرف کروش ہمہ حیات سرہ در قرآت سبع و عشرہ

جس کے منہ میں قرآن کے الفاظ ہوں مگر دل میں نور قرآن نہ ہو تو سمجھ لو کہ قرآن اس کے خلاف گولہ ہے اور وہ اس آیت کی زد میں ہے **فمن اظلم ممن کذب بایات اللہ** وہ سخت عذاب کا مستحق ہے نور والوں کے لئے قرآن بینہ ہے رحمت و ہدایت ہے مگر بد نصیب اس سے عذاب قہر غضب ہی لیتے ہیں اس کا انکار کر کے صوفیاء فرماتے ہیں کہ کام اور کلام کا ثواب و عذاب نیت پر موقوف ہے ایک ہی کام اچھی نیت سے نیک ہوتا ہے بری نیت سے بد۔ موسیٰ علیہ السلام نے شوق دیدار الٰہی میں عرض کیا رب ارنی خدایا مجھے اپنا جمال دکھا دے ان کی محبوبیت اور بڑھ گئی اسرائیلیوں نے یہی کہا تھا **ارنا اللہ جھرۃ** وہ عذاب کے مستحق ہو گئے کہ انہوں نے نبی پر اعتماد نہ کرنے کی وجہ سے کہا تھا دیکھو کفار مکہ نے کہا تھا کہ اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان لوگوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے یہ تمناء خیر کی بنا پر نہ کہا تھا بلکہ گزشتہ لوگوں پر اعتراض کرنے کے لئے کہا تھا تو انہیں توفیق ایمان نہیں ملی قابیل کو تو یہ نصیب نہ ہوئی برادران یوسف علیہ السلام کو نصیب ہوئی کہ اگرچہ قصور قریبا" یکساں تھے مگر نیتوں میں فرق تھا قرآن دلیل والوں کے لئے بینہ ہے دل والوں کے لئے ہدایت جو اپنا سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالہ کر چکے ان کے لئے رحمت ہے دل کے آگے دلیل بیکار ہوتی ہے اور عشق کے سامنے عقل بیکار مولانا فرماتے ہیں۔

عشق آمد عقل خود نا کارہ شد شمس آمد شمع خود نا چارہ شد

ایک ہے قرآن کا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمارے پاس آنا اور ایک ہے ہمارا ان کے پاس آنا ان دونوں میں فرق ہے دعاء کہ خدا کرے ہم ان کے پاس آئیں لہذا ان جیسی آیات اس آیت کے خلاف نہیں کہ **ولوانھم اذظلموا انفسھم جاء**وک سورج سب کے پاس آتا ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ اور تہ خانہ میں بیٹھا رہنے والا آدمی سورج کے پاس نہیں آتا کہ اس سے فائدہ نہیں اٹھاتا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ
کیا انتظار کرتے ہیں وہ لوگ مگر اس کا کہ آئیں ان پر فرشتے یا آوے آپ کے رب کا عذاب یا آئیں بعض نشانیاں
کاہے کے انتظار میں ہیں کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی

رَبُّكَ يَوْمَ يَأْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ

تمہارے رب کی وہ دن کہ آئیں گی بعض نشانیاں تمہارے رب کی نہیں فائدہ دے گا کسی جان کو ایمان اس کا
جس دن تمہارے رب کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی

مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۗ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

جو نہ تھی کہ ایمان لائی اس سے پہلے یا کمائی اپنے ایمان میں بھلائی پس انتظار دیکھو تم بیشک ہم انتظار والے ہیں
تھی یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی تم فرماؤ رستہ دیکھو ہم بھی دیکھتے ہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار مکہ کی ڈھٹائی کا ذکر تھا کہ قرآن جیسی کتاب دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے اب ان کی اس ڈھٹائی کی انتہاء کا ذکر ہے کہ ان کی یہ ڈھٹائی رہے گی نہیں، یہ عذاب الٰہی آنے پر ختم ہو جائے گی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ایمان معتبر ایمان مقبول کا ذکر تھا یعنی کتاب اللہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات دیکھ کر ایمان لانا اب ایمان مردود ایمان غیر معتبر کا ذکر ہے یعنی عذاب الٰہی دیکھ کر ایمان لانا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس قرآن کریم کا ذکر تھا جو سراپا رحمت، ہدایت، نعمت ہے اب اس عذاب یا قیامت کا ذکر ہے جو بعض کے لئے رحمت ہے اور بعض کے لئے عذاب۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے قرآن مجید ان کفار کا عذر دور کرنے ان کی بہانہ بازیاں ختم کرنے کے لئے اتارا اب ارشاد ہے کہ اے محبوب آپ اب بھی ان کے ایمان کی امید نہ رکھیں یہ اب بھی ایمان نہ لائیں گے، ان کے مقدر میں تو وہ عذاب ہے جو یہاں مذکور ہے۔

تفسیر : **هل ينظرون** عربی میں لفظ ھل پوچھنے اور سوال کرنے کے لئے آتا ہے مگر یہاں اس سوال سے مقصود ہے نفی اور انکار اس لئے مفسرین اس کے معنی کرتے ہیں لایا یعنی نہیں۔ **ينظرون** بنا ہے نظر سے بمعنی دیکھنا یا غور کرنا یعنی آنکھ کی نظر یا دل کا غور مگر کبھی بمعنی انتظار بھی آتا ہے یہاں بمعنی انتظار ہے اور انتظار سے مراد واقعی انتظار نہیں وہ کفار تو ان تینوں باتوں کے منکر تھے جن کا یہاں ذکر ہے پھر وہ ان کا انتظار کیسے کرتے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے وہ غیبی عذاب آنا بند ہو گئے جن کے آنے پر ایمان قبول نہیں ہوتا نیز وہ لوگ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے کفار نہ تو قیامت کا آنا اپنی زندگی میں دیکھیں گے نہ آفتاب کا مغرب سے نکلنا لہٰذا وہ ان اوقات میں ایمان کیسے لاتے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ آخر دم یا قیامت تک ایمان نہیں لائیں گے۔ **لا ان تاتيهم الملئكة** یہ ينظرون کی انتہا ہے یا استثناء ملائکہ سے مراد ہیں موت کے فرشتے چونکہ جان نکلتے وقت ایک تو ملک الموت حضرت عزرائیل علیہ السلام تشریف لاتے ہیں اور سات فرشتے ان کے معاون مددگار مومن کے لئے سات فرشتے رحمت کے اور کافر کے لئے سات فرشتے عذاب کے۔ اس لئے ملئکہ جمع ارشاد ہوا۔ (صاوی) خیال رہے کہ جان نکالنا صرف ملک الموت کا کام ہے اس لئے قرآن مجید میں ارشاد ہوا۔ **يتوفا كم ملك الموت الذى وكل بكم** دوسرے فرشتے اس لئے آتے ہیں کہ روح نکلتے ہی اس پر قبضہ کر لیں وہ سات ہوتے ہیں ان کے علاوہ اور فرشتے بشارت یا ڈرانے کے لئے بھی آتے ہیں وہ کم و بیش ہوتے ہیں بعض کے لئے تا حد نظر **او يا تى ربك** یہ عبارت معطوف ہے

تا تیھم پر اور الا کے تحت ہے یاتی کے بعد یا تو عذاب پوشیدہ ہے یا قیامت یا فیصلہ یا انتقام یا امر بالعذاب کیونکہ اللہ تعالیٰ آنے جانے سے پاک ہے اس کی تفسیر سورہ بقر میں اس آیت کی تفسیر میں گزر گئی **ھل ینظرون الا ان یا تیھم اللہ فی ظلل من الغمام** وہاں مطالعہ فرماؤ **او یاتی بعض ایات ربک** یہ عبارت یاتی پر معطوف ہے اور یہ بھی ال کے تحت ہے بعض آیات سے مر یں قیامت کی بڑی نشانیاں وہ دس ہیں ' دجال ' دابۃ الارض ' مشرق ' مغرب اور عرب میں زمین دھنسنا ' غیبی دھواں ' آفتاب کا مغرب کی طرف سے نکلنا ' یاجوج ماجوج کا خروج ' عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ' غیبی آگ جو عدن سے نکلے گی اور لوگوں کو شام کی زمین پہنچادے گی۔ ان کی ترتیب یہ ہے کہ اولاً دجال نکلے گا پھر عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائیں گے پھر یاجوج ماجوج کا خروج پھر دابۃ الارض پھر آفتاب کا مغرب کی طرف سے طلوع ' آفتاب کے مغرب کی طرف سے طلوع ہونے پر توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا ' عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں سارے کفار ایمان قبول کریں گے ساری دنیا میں سواء اسلام کے کوئی دین نہ رہے گا آپ کی وفات ہو چکنے کے بعد کافر ہونے لگیں گے ان پر سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا۔ (صاوی شریف) اس وقت یہ حالت ہوگی کہ **یوم یاتی بعض ایات ربک لا ینفع نفسا ایمانھا لم تکن امنت من قبل**۔ خیال رہے کہ مرتے وقت یعنی عذاب کے فرشتے دیکھ کر بھی ایمان لانا قبول نہیں مگر وہ شخصی واقعہ ہوتا ہے اور یہ قومی واقعہ کا ذکر ہے یہاں بھی بعض آیات سے مراد سورج کا مغرب کی طرف سے طلوع ہونا ہے اس وقت لوگ پکاریں گے کہ ہم ایمان لاتے ہیں مگر اب ایمان لانا قبول نہ ہوگا کیونکہ اب ایمان بالغیب نہ رہا بلکہ ایمان بالشہادۃ ہو گیا اس کا واقعہ یہ ہوگا کہ آفتاب ڈوب جائے گا اور یہ رات تین رات کے برابر دراز ہوگی مومنین تہجد کی نماز پڑھ کر دوبارہ سوئیں گے مگر رات ختم ہونے میں نہ آئے گی لوگ چیخ پڑیں گے پھر سورج مغرب کی طرف سے نکلے گا اس وقت کفار کلمہ پڑھیں گے (صاوی) اس کا یہاں ذکر ہے **او کسبت فی ایمانھا خیرا** یہ عبارت معطوف ہے امنت پر اور لم تکن کے تحت ہے یا یہاں بھی لم تکن پوشیدہ ہے فی یا معنی مع ہے یا اپنے معنی میں ہے خیر سے مراد یا تو اخلاص نیت ہے یا نیک اعمال یعنی جو لوگ اب تک منافقت سے ایمان لائے تھے آج توبہ کر کے اخلاص اختیار کریں تو وہ بھی قبول نہیں اور جو مسلمان فسق و فجور میں گرفتار تھے آج توبہ کر کے نیک و صالح عمل کرنا شروع کریں تو وہ بھی قبول نہیں ہاں جو مومن پہلے ہی سے نیک اعمال کرتے ہوں گے ان کی نیکیاں اب بھی قبول ہوں گی۔ خیال رہے کہ اس واقعہ کے بعد کسی انسان کے کوئی بچہ پیدا نہ ہوگا **قل انتظروا انا منتظرون** اس فرمان عالی میں انتہائی غضب کا اظہار ہے **انتظروا** میں خطاب ہے انہیں کفار سے جن کا ذکر پہلے ہوا **انتظروا** اور **منتظرون** کا مفعول بہ پوشیدہ ہے یعنی اے کافرو! مت لاؤ ایمان کرے جاؤ اس وقت کا انتظار ہم بھی تمہاری اس حالت یعنی تمہاری موت کے یا علامات قیامت کے یا قیامت کے منتظر ہیں کہ تم پر یہ واردات آئیں اور ہم تمہارا حال عبرت کی نظر سے دیکھیں اس فرمان عالی کا منشایہ نہیں ہے کہ ان لوگوں کو کافر رہنے کی اجازت دی جائے بلکہ اس کا مقصد اظہار غضب ہے جیسے رب فرماتا ہے **فمن شاء فلیومن و من شاء فلیکفر** یا جیسے **امنوا بہ اولا تومنوا** بہرحال آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہء تفسیر : یہ کفار عرب جو قرآن مجید نازل ہوتے دیکھ کر آیات قرآنیہ سن کر آپ کے چہرہ انور کی زیارت کر کے آپ کے معجزات کا مشاہدہ کر کے بھی ایمان نہیں لائے یہ کس چیز کس دن کس وقت کا انتظار کر رہے ہیں کب ایمان لائیں گے کیا وہ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب ان کی جان نکالنے کے لئے ملک الموت اور عذاب کے فرشتے آجائیں پھر انہیں دیکھ کر ایمان

لائیں اور ایمان قبول نہ ہو یا اس دن کا انتظار کر رہے ہیں جب رب کا عذاب آجائے یا یہ لوگ بارگاہ الٰہی میں پیش ہو جائیں پھر سب کچھ دیکھ کر ایمان لائیں یا اس دن کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت کی بعض وہ نشانیاں آجائیں جنہیں دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہ ہو یعنی سورج کا مغرب کی طرف سے نکلنا جب قیامت کی بعض ایسی نشانیاں آجائیں گی تو جو شخص اس سے پہلے ایمان نہ لایا ہو گا اور اس وقت ایمان لائے گا اس کا ایمان کچھ نفع نہ دے گا یوں ہی جس نے منافقت سے کلمہ پڑھا ہو گا' اس وقت اخلاص سے پڑھے گا تو کام نہ آئے گا یوں ہی جو مسلمان مخلص مومن ہو مگر گناہوں میں گرفتار ہو یہ علامات دیکھ کر گناہوں سے توبہ کرے تو یہ توبہ قبول نہ ہو گی ہاں جو مخلص مومن پہلے سے ہی نیک اعمال کرتے ہوں گے ان کی آئندہ نیکیاں قبول ہوں گی اے محبوب فرمادو کہ تم اس دن کا انتظار کئے جاؤ ہم بھی منتظر ہیں کہ تم ایسے حالات میں ایمان لاؤ اور قبول نہ ہو تم در کارے ہی جاؤ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت نہ لے اسے ہدایت کبھی نہیں مل سکتی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا آخری مرکز ہیں۔ یہ فائدہ **ھل ینظرون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** نزع کے وقت ایمان لانا معتبر نہیں کیونکہ اس وقت مردہ فرشتے دیکھ لیتا ہے اور ایمان وہ معتبر ہے جو بالغیب ہو۔ یہ فائدہ **تاتیھم الملئکۃ** سے حاصل ہوا مگر اس وقت گناہوں سے توبہ معتبر اور قبول ہے اگر خدا کرے کہ نزع کے وقت اوسان ٹھکانے رہیں اور گناہ گار مسلمان گناہوں سے توبہ کرے تو معافی ہو جائے گی۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس حالت میں یعنی غرغرہ کے وقت اگر کسی مومن کے منہ سے کفر کے الفاظ نکل جائیں تو اس سے وہ مرنے والا کافر نہ ہو گا کیونکہ مدہوش کا کفر معتبر نہیں دیکھو ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں نماز پڑھائی تھی اور سورۂ کافرون میں ہر جگہ لا چھوڑ گئے تو رب نے انہیں کافر قرار نہیں دیا بلکہ حکم دیا کہ نشہ میں نماز کے قریب نہ جاؤ لہٰذا اگر نزع کی حالت میں کسی کے منہ سے کفر کے الفاظ سنے جائیں تو بھی اس پر نماز پڑھی جائے گی اور قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ **تیسرا فائدہ:** قیامت میں کفار ایمان لانے کی کوشش کریں گے مگر کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ اس دن بھی غیب شہادت ہو چکا ہو گا' رب کا عذاب دیکھ کر ایمان لانا بھی قبول نہیں ہوتا دیکھو فرعون ڈوبتے وقت بولا **امنت انہ لا الہ الا الذی** مگر قبول نہ ہوا اور ڈبو دیا گیا۔ یہ فائدہ **او یاتی ربک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بعض علامات قیامت دیکھ کر ایمان لانا قبول نہ ہو گا' جیسے سورج کا پچھم کی طرف سے نکلنا۔

حدیث شریف : بخاری شریف نے بروایت حضرت ابو ہریرہ روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت قائم نہ ہو گی حتیٰ کہ سورج مغرب کی طرف سے طلوع ہو' جب ایسا ہو گا تو سارے کفار ایمان لے آئیں گے مگر اس وقت ایمان قبول نہ ہو گا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی آیت تلاوت فرمائی (بخاری' ابن کثیر وغیرہ) اس کے متعلق بہت احادیث وارد ہیں جو تفسیر خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ نے نقل فرمائیں۔ **پانچواں فائدہ:** سورج مغرب سے نکلتا دیکھ کر فسق اور گناہوں سے توبہ بھی قبول نہ ہو گی۔ یہ فائدہ **او کسب فی ایمانھا خیرا** " سے حاصل ہوا اس لئے توبہ میں جلدی کرنی چاہئے۔ **چھٹا فائدہ:** یہ علامت یعنی سورج کا مغرب سے طلوع دیکھ کر نیک لوگوں کی نیکیاں برابر قبول ہوتی رہیں گی۔ یہ فائدہ بھی **او کسبت** سے حاصل ہوا غرضکہ اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو گا نہ کہ قبولیت اعمال کا دروازہ۔ **ساتواں فائدہ:** گنہگار مومن اگر بحالت غرغرہ موت کے فرشتے دیکھ کر اپنے گناہوں سے توبہ کرے تو قبولیت کی امید ہے۔ یہ فائدہ بھی **او کسبت فی ایمانھا خیرا** سے حاصل ہوا کہ اس کا ذکر **یوم یاتی بعض ایات ربک** کے ساتھ فرمایا گیا۔

پہلا اعتراض : کفار مکہ قیامت 'علامات قیامت اور موت کے فرشتوں کے قائل ہی نہ تھے پھر وہ ان چیزوں کا انتظار کیسے کرتے تھے اور **ھل ینظرون** فرمانا کیونکر درست ہوا' **جواب**: یہاں انتظار واقعی کا ذکر نہیں بلکہ ان کے ایمان میں دیر لگانے کو انتظار قرار دیا گیا ہے یعنی وہ انتظار دیکھنے والوں کا سا کام کرتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**: مغرب سے سورج نکلتا دیکھ کر ایمان لانا معتبر کیوں نہ ہوگا۔ دوسری علامات دیکھ کر ایمان قبول کیوں ہو جائے گا اور یہاں بعض آیات کیوں ارشاد ہوا۔ چنانچہ جو لوگ عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان سے اترتے دیکھ کر ایمان لائیں گے ان کا ایمان قبول ہوگا۔ حضرت مسیح لوگوں کو ایمان کی تلقین کریں گے' حالانکہ اس وقت لوگ دجال وغیرہ کو بھی دیکھ چکے ہوں گے۔ **جواب**: اس لئے کہ اس نشانی پر یعنی سورج کے مغرب کی طرف سے نکلتے ہی توبہ کا دروازہ بند ہو جائے گا اب توبہ بارگاہ الٰہی میں کس راستے سے جائے' چنانچہ ترمذی شریف میں بروایت صفوان ابن عسال مرادی مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مغرب کی طرف آسمان میں ایک دروازہ ہے جس کی چوڑائی چالیس سال کی راہ ہے یہ دروازہ آسمانوں کی پیدائش کے وقت سے توبہ کے لئے کھلا ہوا ہے اور سورج کے مغرب کی طرف سے نکلنے تک کھلا رہے گا جب سورج مغرب سے نکلے گا تب یہ دروازہ بند کردیا جائے گا۔ (ترمذی تفسیر خازن) **تیسرا اعتراض**: توبہ کا دروازہ بند ہو جانے پر متقی مومنوں کی نیکیاں قبول ہوں گی یا نہیں اگر قبول ہوں گی تو وہ کس دروازے سے جائیں گی دروازہ تو بند ہو چکا اور اگر قبول نہیں ہوں گی تو اس زمانہ میں عبادات فرض رہیں گی یا نہیں حرام چیزیں حرام رہیں گی یا نہیں نیز پھر اس صورت میں ارشاد باری کا مطلب کیا ہوگا۔ **او کسبت فی ایمانہا خیرا**۔ **جواب**: جو مسلمان پہلے سے نیک تھے ان کی نیکیاں اب بھی قبول ہوں گی جو پہلے کافر تھے یا مومن تھے مگر بدکار ان کا ایمان یا نیک اعمال قبول نہ ہوں گے کیونکہ توبہ کا دروازہ اور ہے نیکیاں جانے کا دروازہ کوئی اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند ہوگا نہ کہ نیکیاں جانے کا۔ لہذا اس وقت شریعت کے احکام برابر جاری رہیں گے مگر پرانے نیک مسلمانوں پر ان کی وفات کے بعد قیامت بہت ہی قریب ہوگی اس لئے یہاں **او کسبت فی ایمانہا** ارشاد ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: جو بچے اس وقت کے بعد پیدا ہوں وہ ایمان کے مکلف ہوں گے یا نہیں اگر ہوں گے تو یہ آیت کیسے درست ہوئی کہ **لم تکن امنت من قبل** کیونکہ وہ بچے بھی تو اس سے پہلے ایمان نہیں لائے تھے اور اگر ایمان کے مکلف نہیں ہوں گے تو چاہئے کہ وہ کافر رہ کر کافر مر کر بھی جنت میں جائیں کیونکہ ان پر ایمان فرض تھا ہی نہیں۔ **جواب**: علماء نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ ان بچوں پر سمجھدار ہو جانے پر ایمان وغیرہ فرض ہوں گے اس آیت میں وہ لوگ مراد ہیں جو پہلے موجود مکلف ہوں اور ایمان یا نیک اعمال اختیار نہ کریں۔ وہ تو پہلے موجود ہی نہ تھے دوسرے یہ کہ اس وقت نہ تو کوئی بچہ ہوگا نہ اس کے بعد کوئی بچہ پیدا ہوگا' ولادت کا سلسلہ اس سے چالیس سال پہلے بند ہو چکا ہوگا اور قیامت تک بند رہے گا جیسا کہ بعض احادیث شریفہ میں ہے فقیر کے نزدیک یہ دوسرا جواب قوی ہے۔ **پانچواں اعتراض**: قرآن مجید میں ہے کہ قیامت کا پہلا **نفخہ** ہونے پر ہر ماں اپنے شیر خوار بچے سے بے خبر ہو جائے گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے **یوم ترونہا تذہل کل مرضعۃ عما ارضعت وتضع کل ذات حمل حملہا** اس سے **معلوم** ہوتا ہے کہ پہلا **نفخہ** ہونے تک بچے بھی ہوں گے اور حمل بھی لہذا تمہارا یہ جواب اور وہ احادیث صحیح نہیں۔ **جواب**: تمہاری پیش کردہ آیت میں اس وقت کی ہیبت دکھانے کے لئے تقدیری فرضی واقعہ کا ذکر ہے کہ اگر اس وقت شیر خوار بچے ہوں تو مائیں ان سے بے خبر ہو جائیں۔ اور اگر حاملہ عورتیں ہوں تو ان کے حمل گر جائیں اس کی تحقیق ہمارے

حاشیہ میں ملاحظہ کرو۔ **چھٹا اعتراض:** جب نزع کے وقت کا ایمان شرعاً معتبر نہیں تو مرتے وقت کلمہ کی تلقین کیوں کی جاتی ہے اس وقت کلمہ پڑھانے سے کیا فائدہ۔ **جواب:** اس وقت کلمہ پڑھانا اس لئے ہے کہ حدیث شریف میں ہے کہ جو مرتے وقت کلمہ پڑھ کر مرے وہ جنتی ہے **من قال لا الٰہ الا اللہ دخل الجنۃ** ورنہ وہ تو پہلے ہی سے مومن ہے۔ خیال رہے کہ کلمہ پڑھ کر سونا اور کلمہ پڑھ کر مرنا بہت ہی اچھی چیز ہے۔ اللہ نصیب کرے۔

تفسیر صوفیانہ : انسان کا نفس اور دل قابل کاشت بہترین زمین ہے۔ جس میں ایمان کا تخم اگر بویا جائے اور اسے آنسوؤں کا پانی توبہ کی ہوا نیک اعمال کی کھاد دی جائے تو اس میں معرفت کے درخت پیدا ہوتے ہیں۔ جس میں محبت، کشف، وصول، وصال، کمال کے پھل پھول لگتے ہیں اور یہ درخت ہمیشہ ہی پھل دیتا رہتا ہے **توتی اکلھا کل حین** مگر شرط یہ ہے کہ کاشت تخم ریزی کھاد پانی ہو اور درست و صحیح وقت پر کرلی جائے اس کا مخصوص زمانہ ہر شخص کی اپنی زندگی ہے کہ مرتے وقت کا ایمان قبول نہیں مگر اس کا نوعی زمانہ وہ ہے۔ جو اس آیت میں ذکر ہے یعنی آفتاب کا مغرب سے نکلنا اس علامت کے ظہور پر معلوم ہو جائے گا کہ زمانہ میں انقلاب آگیا اس لئے ارشاد ہے **الدنیا مزرعۃ الاخرۃ** صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کو چاہئے کہ اپنے ہر سانس کی قدر کرے نہ معلوم کونسی سانس آخری ہو ہر رات کو آخری رات سمجھے نہ معلوم کل کی رات زمین کے اوپر آئے گی، یا زمین کے اندر قبر میں۔

سونے والے اللہ اللہ کرکے سو! کیا خبر اٹھے نہ اٹھے صبح کو!

جو مر گیا اس کا سورج تو مغرب سے طلوع ہو گیا۔ (از روح البیان)

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے ٹکڑے کر دیا دین اپنا اور ہو گئے مختلف گروہ نہیں ہیں آپ ان میں سے کسی چیز میں

وہ جنہوں نے دین میں جدا جدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ

إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ

اس کے سوا نہیں کہ معاملہ ان کا طرف اللہ کے ہے پھر خبر دیگا وہ انہیں اس کی جو وہ تھے کرتے۔ وہ جو لائے گا بھلائی

اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں

عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ

پس واسطے اس کے دس گنا ہیں اس کی اور وہ جو لائے گا برائی پس نہیں بدلہ دیا جاوے گا مگر مثل اس کے اور

اور جو برائی لائے تو اسے بدلہ نہیں ملے گا مگر اس کی برابر اور ان پر ظلم

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦٠﴾

ان پر لوگ ظلم نہیں کئے جائیں گے ۔

... ہو گا ۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مشرکین پر عتاب فرمایا گیا تھا اب یہود و نصاریٰ کے متعلق عتابانہ خطاب ہو رہا ہے گویا ایک قسم کے کافروں پر عتاب کے بعد دوسری قسم کے کافروں پر غضب کا اظہار ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار پر غضب و قہر کا اظہار کیا گیا جو صراحتہً "اسلام سے دور رہے مذہباً" "قوماً" ہر طرح اسلام اور مسلمانوں سے الگ رہے اب ان مسلمان نما کافروں پر غضب و قہر کا ذکر ہے جو بظاہر مسلمان ہوں مگر حقیقتہً کافر گویا مذہبی و قومی کافروں کے بعد مذہبی کافروں قومی مسلمانوں کا ذکر ہے جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہو گا ان شاء اللہ۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان بے دینوں پر قہر کا ذکر تھا جو دین سے دور رہے اب ان خوش نصیبوں پر مہربانی کا تذکرہ ہے جو اسلام قبول کر لیں کہ ان کی ایک نیکی کی جزا دس گناہ اور ایک گناہ کی سزا ایک گناہ من جاء بالحسنۃ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں اس زمانہ کا ذکر تھا جب فاسق مومنوں کو بھی نیکی نفع نہ دے گی۔ یعنی سورج کا مغرب سے نکلنے کا وقت اب ان گھڑیوں ساعتوں کا ذکر ہے جب کہ دریائے رحمت بہہ رہا ہے ہر گناہ سے توبہ قبول ہے ہر نیکی کے بہت ثواب ہیں تاکہ لوگ اس وقت کو غنیمت جانیں اور کچھ کر لیں۔

شان نزول : حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں ہی یہود و نصاریٰ کے بہت فرقے تھے جن میں ہر ایک دوسرے کو کافر کہتا تھا ان کی برائی میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں مسلمانوں کو ایسی غلطی کرنے سے روک گیا (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ جو یہود و نصاریٰ صحیح طور پر اپنے دین پر قائم تھے۔ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سن کر آپ کی تعلیم سن کر یا آپ کو بچپن شریف میں دیکھ کر آپ کی ایک جھلک دیکھ کر ایمان لے آئے جیسے بحیرہ راہب ' ورقہ ابن نوفل ' شاہ حبشہ نجاشی اصحمہ اور عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی بلکہ تبع اور اس کی قوم تو صرف نام پاک سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے صدیوں پہلے ایمان لا چکے تھے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے میں ملانے کی کوشش کیا کرتے تھے یعنی اصلی اہل کتاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانچے میں ڈھلتے تھے اور نقلی جھوٹے اہل کتاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کرتے تھے۔ خود اپنا یہ حال تھا کہ آپس میں بکھرے ہوئے تھے۔ یہ آیت کریمہ اسی دوسرے گروہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔

تفسیر : **ان الذین فرقوا دینھم** چونکہ اس آیت کریمہ کا مضمون بہت ہی اہم ہے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد کبھی حضرات صحابہ ہوتے ہیں کبھی سارے مومنین کبھی اہل کتاب کبھی سارے کفار کبھی سارے انسان کبھی ساری مخلوق جیسا مضمون ویسی مراد یہاں اس سے سارے اہل کتاب مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے ہماری قراءت میں فرقوا ہے اور بعض دوسری قراتوں میں فارقوا ہے۔ **فرقوا** کے معنی ہیں متفرق کر دیا بکھیر دیا **فارقوا** کے معنی ہیں دور ہو گئے

جدا ہو گئے **الذین** میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مشرکین عرب ہیں تب **دینہم** سے مراد وہ ملت ابراہیمی ہے جو ان کا پرانا اور اصلی دین تھا تفریق کے معنی ہیں اس ملت ابراہیمی کے ٹکڑے کر دینا کہ اس میں بت پرستی ستارہ پرستی ان لوگوں نے داخل کر دی بعض دو خداؤں کے قائل ہوئے بعض زیادہ کے۔ دوسرے یہ کہ الذین سے مراد ہیں یہود و نصاریٰ اور فرقوا کے معنی ہیں کہ وہ فرقوں میں بٹ گئے اور **دینہم** سے مراد یہودیت و نصرانیت ہے۔ جس کے ماننے کے وہ مدعی تھے اور اس کے باوجود فرقوں میں بٹے ہوئے تھے۔ تیسرے یہ کہ الذین سے مراد ہیں خود کلمہ گو مسلمان اور فرقوا میں آئندہ کی غیبی خبر ہے یعنی جو لوگ مسلمان کہلا کر فرقے فرقے بن جائیں گے چونکہ یہ واقعہ یقیناً ہونے والا تھا اس لئے فرقوا ماضی ارشاد ہوا اس صورت میں **دینہم** سے مراد اسلام ہو گا۔

حدیث شریف : حدیث شریف میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یہود و نصاریٰ بہتر، اکہتر فرقوں میں بٹے جن میں سے سب دوزخی تھے سوا ایک کے اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے سب دوزخی سوا ایک کے پوچھا گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہو گا فرمایا **ما انا علیہ و اصحابی** جس کے عقیدے میرے اور میرے صحابہ کرام کے مطابق ہوں گے (ترمذی، ابوداؤد، خازن وغیرہ) **و کانوا شیعا** یہ عبارت معطوف ہے **فرقوا** پر اور **الذین** کا صلہ ہے شیعا جمع ہے شیعہ کی جس کا مادہ شیع بمعنی اتباع کرنا پیچھے چلنا اسی لئے کسی کو پہنچانے جانے کو مشایعت کہتے ہیں چونکہ ہر فرقہ کسی نہ کسی پیشوا کے پیچھے چلتا ہے اس کی اتباع کرتا ہے اس لئے اسے شیعہ کہا جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے شیاع یا شیوع سے بمعنی پھیلنا اسی سے ہے اشاعت بمعنی پھیلانا چونکہ ہر فرقہ اپنے عقیدے پھیلانے کی کوشش کرتا ہے۔ لہٰذا اسے شیعہ کہا جاتا ہے یعنی جن لوگوں نے اپنا دین متفرق کر دیا اور خود الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے۔ **خیال رہے** کہ لفظ شیعہ یا شیعا قرآن کریم میں کل گیارہ جگہ آیا ہے ہر جگہ اس کے معنی ہوتے ہیں نافرمان نالائق گروہ قرآن کریم نے کہیں بھی فرمانبردار گروہ کو شیعہ نہیں کہا۔ فرماتا ہے **ثم لننزعن من کل شیعۃ ایھم اشد علی الرحمن عتیا** یہاں بھی گمراہ نافرمان گروہوں کو شیعا فرمایا جو اہل کتاب فرمانبردار تھے وہ اس سے خارج ہیں **و ان من شیعتہ لابراھیم** کا جواب اعتراض و جواب میں دیا جائے گا **لست منھم فی شیء** یہ عبارت ان کی خبر ہے اس میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ آسان تفسیر یہ ہے کہ **منھم** سے پہلے **متعلقا** پوشیدہ ہے یا **مو افقا** یعنی آپ کسی چیز میں ان کے موافق نہیں ان سے تعلق رکھنے والے نہیں ہر چیز میں آپ ان سے علیحدہ ہیں بیزار ہیں بے تعلق ہیں آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں **انما امرھم الی اللہ** یہ جملہ یا تو الگ اور مستقل ہے یا لست منھم کی وجہ ہے امر سے مراد ہے سزا بدلہ الی اللہ سے پہلے موکول یا مفوض پوشیدہ ہے یعنی ان لوگوں کا معاملہ ان کی سزا بدلہ اللہ کے سپرد ہے۔ اسی کے حوالہ ہے وہ ان سب کو سخت سزا دے گا۔ خیال رہے کہ سب بندوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ہی سپرد ہے سب کو وہاں ہی پیش ہونا ہے مگر مومنین کی پیشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت آپ کے توسل سے ہو گی اور رحمت کا باعث کفار کی پیشی براہ راست بغیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے کے ہو گی اور عذاب کا باعث اگر بجلی کے پاور گھر میں حفاظتی ربڑ وغیرہ کے ساتھ آئے تو رحمت ہے روشنی، ہوا، ٹھنڈک گرمی سب دے گا لیکن اگر بلا حفاظتی سامان کے آئے تو جان لے لیگا، وہ عذاب ہو گا اللہ کی قدرت گویا پاور ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توسل گویا حفاظتی سامان ہے۔ جو عذاب کو رحمت میں تبدیل کرتا ہے۔ جس مجرم کو پولیس عدالت میں پیش کرے تو سزا کے لئے پیش کرتی ہے اور جسے

مجرم کا وکیل یا حاکم کا حبیب پیش کرے تو اسے چھڑانے کے لئے پیش کرتا ہے وکالت اور محبوبیت انشاء اللہ ہم مجرموں کا بیڑا پار کرے گی۔ **ثم ینبئهم بما کانوا یفعلون** یہ جملہ معطوف ہے **امرهم الی اللہ** پر چونکہ یہ خبر دینا قیامت میں ہوگا اور وہ بہت دور ہے اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا خبر دینے سے مراد ہے عملی خبر دینا قولی خبر تو دنیا میں بھی بذریعہ انبیاء کرام دے دی گئی ہے **کانوا یفعلون** سے مراد ان کی یہی بد عملی ہے یعنی دین میں تفرقہ بازی کرنا یا ان کی ساری بد عملیاں مراد ہیں کیونکہ کفار کو ان کی بد عملیوں کی سزا بھی ملے گی ہاں ان کی نیکیاں برباد ہیں اللہ تعالیٰ اعمال مسلمانوں کو بھی دکھائے گا اور کافروں کو بھی مگر کافروں کو دکھائے گا نیکیاں برباد کرنے گناہوں پر پکڑ کرنے کو مومنوں کو دکھائے گا نیکیاں قبول کرنے گناہ معاف کرنے کو صدقہ اپنے حبیب کا۔ **من جاء بالحسنة** یہ نیا جملہ ہے جس میں کفار کے عذاب کے مقابل مومنوں کے ثواب کا ذکر ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے من سے مراد ہر مومن انسان ہے اور حسنہ سے مراد مطلقاً نیکی بدنی ہو یا مالی فرض ہو یا سنت واجب ہو یا مستحب زبان کی نیکی ہو یا دل کی لہٰذا اس میں بڑی گنجائش ہے بعض نے فرمایا کہ من سے مراد ہیں سارے انسان مومن ہوں یا کافر اور حسنہ سے مراد ہے کلمہ طیبہ پڑھ کر مسلمان ہو جانا یا اسلام کے بعد کوئی اور نیکی کرنا مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ کافر کا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جانا اس کے سارے کفر و گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے اس کی جزاء صرف دس گنا نہیں۔ (از روح المعانی) خیال رہے کہ جس قول و فعل سے اللہ رسول راضی ہو جائیں وہ نیکی ہے اور جس قول و فعل سے اللہ رسول ناراض ہوں وہ گناہ۔ منافقین کا کلمہ پڑھنا گناہ تھا کہ اللہ رسول اس سے راضی نہ تھے **واللہ یشهد ان المنافقین لکاذبون** اور حضرت ابو امیہ ضمری کا منہ سے کفر بول دینا نیکی ہوا کہ اللہ رسول اس سے راضی تھے **الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان** حضرت علی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر نماز عصر قضا کر دینا نیکی تھا کہ اللہ رسول اس سے راضی تھے منافقین کی نمازیں ادا کرنا گناہ کہ اللہ رسول اس سے ناراض تھے **فله عشر امثالها**: یہ عبارت **من جاء** کی خبر بمعنی جزا ہے لہٗ میں لام ملکیت کا ہے جو عطاء الٰہی سے حاصل ہوگی اس کی اصل عبارت یہ تھی۔ **فله عشر حسنات امثالها** یعنی اسے ایک نیکی جیسی دس نیکیاں عطا فرمائی جائیں گی ایک نماز کی دس نمازیں ایک روپیہ صدقہ کے دس روپیہ یہاں قانون کا ذکر ہے اس سے بہت زیادہ رب دیدے تو وہ اس کا فضل و کرم ہے لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں جس میں سات سو گنا بلکہ اس سے بھی زیادہ کی عطا کا وعدہ ہے۔ **کمثل حبة انبتت** حضرت ابن عمر سے مروی ہے کہ یہ وعدہ عام مومنوں کے لئے ہے اور سات سو سے زیادہ کا وعدہ مہاجرین کے لئے ہے مگر پہلا قول قوی ہے **ومن جاء بالسیئة** جتنے احتمال **من جاء بالحسنة** میں تھے اس کے مقابل اتنے ہی احتمال اس عبارت میں ہیں کہ من سے مراد یا تو صرف مسلمان ہیں تو سیئہ سے مراد ان کے چھوٹے بڑے کھلے چھپے گناہ ہیں یا من سے مراد کفار ہیں تو سیئہ سے مراد ان کا کفر و شرک ہے یا من سے مراد سارے انسان ہیں کافر ہوں یا مومن تو سیئہ سے مراد مطلقاً گناہ ہیں کفر و شرک ہوں یا دوسرے گناہ **فلا یجزی الا مثلها** یہ **من جاء بالسیئة** کی خبر بمعنی جزا ہے یہاں جزا سے مراد سزا ہے یعنی جو بندہ گناہ لے کر حاضر بارگاہ ہوگا اسے ایک ہی گناہ کی سزا دی جائے گی اس میں اضافہ نہ ہوگا یہ بھی قانون کا ذکر ہے اگر رب تعالیٰ مومن گنہگار کو معاف فرما دے تو اس کا کرم ہے اس کی بندہ نوازی ہے لہٰذا یہ آیت کریمہ نہ تو معافی کی آیت کے خلاف ہے نہ اس آیت کے کہ **فاولئک یبدل اللہ سیاتهم حسنات** ہم ان کے گناہ نیکیوں میں تبدیل فرما دیں گے۔ خیال رہے کہ یہاں دونوں جگہ **من عمل** نہ کہا **من جاء** فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وعدے وعید ان لوگوں کے لئے ہیں جو نیک و بد اعمال لے کر بارگاہ

الٰہی میں پہنچ جائیں اگر کوئی دنیا ہی میں اپنی نیکیاں برباد کر گیا یا کوئی گنہگار دنیا ہی میں رو پیٹ کر توبہ کر کے اپنے گناہ معاف کرا کر مرا وہ رب کی بارگاہ میں گناہ یا نیکی لے کر پہنچا ہی نہیں اسے سزا یا جزا کیسی سبحان اللہ کیسا پیارا کلام ہے۔ **وھم لا یظلمون** یہ اس پوری آیت کا تتمہ ہے **ھم** سے مراد یہ دونوں قسم کے نیک و بد مومن کافر ہیں۔ **ظلم** سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا یا بلاوجہ اس کی نیکیاں کم کر دینا یونہی مجرم کی سزائیں بلاوجہ اضافہ کر دینا اللہ تعالیٰ ان عیوب سے پاک ہے وہ بڑا رحیم و کریم ہے ہاں **ظلم** کے تیسرے معنی اور بھی ہیں کسی دوسرے کی چیز اس کی بغیر اجازت استعمال کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے **ظلم** کے یہ معنی نہیں بنتے لہٰذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں جس میں ارشاد ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سارے بندوں کو دوزخ میں ڈال دے تو وہ ظالم نہیں کیونکہ ہر بندہ اس کی اپنی ملک ہے کسی اور کی ملک نہیں پھر ظلم کیسا۔

خلاصہء تفسیر : پہلی آیت کریمہ میں انسانوں کے دو جرم بیان ہوئے اور ان کی تین سزائیں۔ اللہ کے دین میں **مختلف** راہیں نکالنا ایک جرم الگ الگ فرقے بن جانا دوسرا جرم اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سب **باطل فرقوں** سے الگ اور بے تعلق ہو جانا ان کی ایک سزا ان کا معاملہ اللہ کے سپرد ہونا دوسری سزا ان کے اعمال کی انہیں خبر دیا جانا تیسری سزا چنانچہ ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے اپنے دین کو بکھیر دیا متفرق کر دیا اور خود مختلف فرقے بن گئے انہوں نے اپنی اپنی ٹولیاں گروہ الگ الگ بنا لئے اے محبوب آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں آپ ان سے بری و بیزار ہیں ان کی سزا ان کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے وہ ابھی دنیا میں تو انہیں ڈھیل دے گا مگر قیامت میں ان کی ان حرکتوں پر اچھی طرح خبر لے گا اس وقت انہیں پتہ چلے گا کہ ہم نے دنیا میں کیا کیا تھا اے محبوب ہمارا قانون یہ ہے کہ ہمارا جو بندہ ایک نیکی لے کر ہماری بارگاہ میں حاضر ہو تو ہم اسے دس نیکیاں اور ان کا ثواب عطا فرمائیں گے اور جو بندہ ایک گناہ لے کر ہماری بارگاہ میں حاضر ہو تو اس کے گناہوں میں زیادتی نہ کریں گے صرف ایک گناہ کی سزا دیں گے کیونکہ مزدور کو مزدوری نہ دینا بے قصور کو سزا دے دینا ہماری بارگاہ میں **ظلم** ہے اور ہم **ظلم** سے پاک ہیں کسی بندے پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ خیال رہے کہ اعمال کرنے کی جگہ دنیا ہے **اس کا وقت زندگی مگر اس کی** سزا جزا کی جگہ آخرت ہے اس لئے ارشاد ہوا **من جاء** جو نیکی بدی لائے یعنی کمائے دنیا میں، نفع نقصان اٹھائے آخرت میں کیونکہ دنیا میں ہر چیز غیب ہے اور آخرت میں ہر چیز شہادت نیک عمل وہ معتبر ہیں جو ایمان بالغیب کے ساتھ ہوں پیغمبر پر اعتماد کرتے ہوئے۔ نیز دنیا میں نیکیوں سے رکاوٹیں بہت ہیں آخرت میں کوئی رکاوٹ نہیں اور جزا اس عمل پر ہے جو رکاوٹ کے ساتھ ہو۔

حدیث شریف : مسلم بخاری نے حضرت ابو ہریرہ سے روایت کی کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالیٰ نے کاتبین اعمال فرشتوں کو حکم دیا ہوا ہے کہ جب میرا بندہ گناہ کا خیال کرے تو نہ لکھو جب کرے تو ایک گنا لکھو اور اگر ارادہ گناہ کر کے توبہ کرے گناہ نہ کرے تو باز آ جانے اور گناہ نہ کرنے کی نیکی لکھ لو اور اگر میرا بندہ کسی نیکی کا ارادہ کرے تو اس کی ایک نیکی لکھ لو کہ نیکی کا ارادہ بھی نیکی ہے اور اگر کرے تو دس گنا سے لے کر سات سو گنا تک لکھو جیسا اس کا اخلاص ویسی جزاء یہ حدیث بہت طریقوں سے مختلف الفاظ سے مروی ہے، دیکھو تفسیر خازن، روح البیان، ابن کثیر وغیرہ۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دین میں نئے **عقیدے گھڑنا** اور نہیں اسلامی عقیدے جاننا سخت بے دینی ہے۔ یہ فائدہ **فرقوا دینھم** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ دنیا میں نئی چیزیں استعمال کرو مگر دین

وہی پرانا چودہ سو سال والا رکھو۔ حضرت قبلہ پیر جماعت علی شاہ صاحب فرماتے تھے ہمارا خدا پرانا (قدیم) ہمارا رسول پرانا ہمارا کعبہ پرانا ہمارا قرآن پرانا ہم تو اس قرآنی لکیر کے فقیر ہیں۔ آج لوگوں نے بجائے ایمان کے توحید نکالی اور توحید کی بہت قسمیں کر ڈالیں توحید فی الذات توحید فی الصفات توحید فی العلم توحید فی التصرف وغیرہ وغیرہ اور توحید کی ان ان گنت قسموں کے مقابل بیسیوں شرک گھڑ لئے اور مسلمانوں کو بات بات پر مشرک کہنا شروع کر دیا یہ وہ عقیدہ ہے جس کا پتہ اسلام میں نہیں ملتا۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و سلم اور قرآن مجید نے لوگوں کو توحید کی دعوت نہیں دی ایمان کی دعوت دی توحید کا قائل تو ابلیس، آریہ بہت سے عیسائی بھی ہیں اسی لئے سارے قرآن مجید میں توحید یا توحید کا کوئی مشتق صیغہ بھی موجود نہیں ہم کو ایمان کا حکم دیا **امنوا باللہ ورسولہ** اور ہمارا نام مومنین یا مسلمین رکھا **ھو سما کم المسلمین** موحدین نہ رکھا۔ **دوسرا فائدہ:** مسلم قوم میں متفرق فرقے بنانا مومنوں کا شیرازہ بکھیرنا ایسا جرم ہے جس کی سزا آخرت میں تو ملے گی دنیا میں بھی مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ **و کانوا شیعا**" سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** کسی شخص یا کسی فرقے سے حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کا بیزار ہو جانا اللہ تعالیٰ کا انتہائی عذاب ہے اور حضور صلی اللہ علیہ و سلم جس کے طرفدار ہو جائیں اس پر رحمت الٰہی نثار ہوتی ہے۔

رحمت نہ کس طرح ہو گنہگار کی طرف　　رحمان خود ہے میرے طرفدار کی طرف

یہ فائدہ **لست منھم فی شئی** سے حاصل ہوا جس کے حضور صلی اللہ علیہ و سلم ہو گئے خدا اور خدائی اس کی ہو گئی۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ و سلم جس فرقے سے بیزار ہیں وہ فرقہ فی النار ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم جس فرقہ کے غمخوار ہیں وہ جنتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **لست منھم** سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی بیزاری غمخواری کی بہت اعلیٰ علامت یہ ہے کہ جس فرقے سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم بیزار ہیں اس میں اولیاء اللہ نہیں ہوتے ولایت اس سے چھین لی جاتی ہے اور جس فقرے کے غمخوار ہیں اس میں ہمیشہ اولیاء اللہ رہتے ہیں ایمان درخت ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اس کی جڑ ہیں ولایت اس درخت کے پھول و پھل ہیں جس شاخ کا تعلق جڑ سے ختم ہو جائے اس میں سبزہ پھل پھول نہیں آتے وہ کاٹ کر جلا دی جاتی ہے جس شاخ کا تعلق جڑ سے قائم ہے اس میں پھل پھول آتے ہیں اسے پانی بھی دیا جاتا ہے اس کی مالک حفاظت بھی کرتا ہے الحمد للہ فرقہ اہلسنت و جماعت نجات والا فرقہ ہے اس فرقہ میں ہمیشہ سے اولیاء اللہ رہے اور ہیں اس فرقہ کے سواء کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔ رب فرماتا ہے **وکونوا مع الصادقین** اور فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیھم** اللہ کے بندو ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہو اولیاء اللہ سچے ہیں۔ ولی کی پہچان یہ ہے کہ مومن ہو متقی ہو اور لوگوں کی زبان سے نکلے کہ وہ ولی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا کسی فرقے کو خدا کے سپرد کر دینا خود علیحدہ ہو جانا اس فرقے کے مار کھانے کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **انما امرھم الی اللہ** سے حاصل ہوا جس پر رب کرم فرماتا ہے حضور صلی اللہ علیہ و سلم اسے اپنے دامن کرم میں رکھتے ہیں فرماتے ہیں **الصالحون للہ والطالحون لی** نیک بندے اللہ کے ہیں اور برے بندے میرے۔ یہ وہی میرے بندے ہیں جو گنہگار ہیں مگر غدار نہیں الطاف حسین حالی پانی پتی کہتے ہیں۔

گر بد ہیں تو حق اپنا ہے کچھ اور زیادہ　　اخبار میں الطالح لی ہم نے سنا ہے

تفاسیر: متعلق یہاں ارشاد ہوا **لست منھم فی شئی** آپ کو ان سے کوئی تعلق نہیں، دوسری جگہ ارشاد ہوا **ولا تسئل**

عینیک الی ما متعنا بہ ازواجا اے محبوب آپ ان کفار اور ان کے مال و متاع کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھو ایک جگہ ارشاد ہے **وذرنی والمکذبین اولی النعمۃ** ان مالدار کافروں کو مجھ پر چھوڑ دو یعنی میرے حوالہ کر دو آپ بیچ سے ہٹ جاؤ۔ یہ ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے گر جانا خدا بچائے اور مومنوں کے متعلق قرآن کریم ایک جگہ فرماتا ہے **ولا تعد عیناک عنھم** اے محبوب ان مومنوں سے آپ کی نگاہ کرم نہ ہٹے یعنی مالدار کفار کی طرف نظر اٹھاؤ مت اور فقراء مومنین سے نظر ہٹاؤ مت اور فرماتا ہے **واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم** اے محبوب اپنے کو ان کے ساتھ رکھو جو صبح شام رب کو یاد کرتے ہیں اور فرماتا ہے **واخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین** اے محبوب اپنی رحمت کا بازو بچھاؤ اپنے تابع مسلمانوں کے لئے اور فرماتا ہے **وتقلبک فی الساجدین** اے محبوب ہم آپ کا دورہ تہجد خواں نمازیوں میں دیکھتے رہتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** نیک و بد' ناریوں نوریوں کا فیصلہ قولی تو بذریعہ انبیاء کرام دنیا میں ہو چکا مگر فاصلہ نہیں ہوا یہ فاصلہ قیامت میں کیا جائے گا **فنبئھم** سے حاصل ہوا اس دن کہا جائے گا **وامتازوا الیوم ایھا المجرمون** کھیت میں دانہ بھوسا گھاس ایک ساتھ رہتی ہے مگر کٹائی کے دن سب الگ کر دی جاتی ہیں دنیا کھیت ہے قیامت کٹائی کلون۔ **ساتواں فائدہ:** دنیا میں نیک عمل کر لینا بڑا کمال نہیں بلکہ کئے ہوئے اعمال کو بخیریت لے کر رب تک پہنچ جانا کمال ہے اللہ تعالیٰ یہ دولت بخیریت ہمارے گھر تک پہنچائے۔ یہ فائدہ **من جاء بالحسنۃ** سے حاصل ہوا یوں ہی قبر میں پہنچ کر یا قیامت میں اٹھ کر کوئی شخص نیکی نہ کرے گا کہ اب وقت نکل گیا۔ یہ فائدہ بھی **جاء بالحسنۃ** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو مدفون مسلمان زندوں سے ایصال ثواب کی توقع رکھتے ہیں خود ہی تلاوت قرآن نہیں کر لیتے کیونکہ ان کی تلاوت پر کوئی ثواب نہیں ملتا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے' دیکھو وہ رحیم و کریم بندوں کی نیکیوں کو دس گناہ کر دیتا ہے مگر ان کے گناہوں میں اضافہ نہیں کرتا ہے ایک کا ایک ہی رہتا ہے وہ بھی اگر معاف نہ ہو جائے ورنہ وہ بھی ختم۔ یہ فائدہ **فلہ عشرا مثالھا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کفار کے چھوٹے بے سمجھ بچے فوت شدہ دوزخی نہیں نہ انہیں کوئی سزا ہے۔ یہ فائدہ **وھم لا یظلمون** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ جب وہ رحیم ہمارے کئے ہوئے گناہ میں اضافہ نہیں فرماتا تو بے کئے عمل کو کسی کا گناہ کیسے بتائے گا اور سزا کیونکر دے گا بغیر عمل عطیہ دے دینا کرم ہے بغیر جرم سزا دے دینا ظلم ہے رب تعالیٰ کریم ہے اس کے ہاں ظلم نہیں۔ رب فرماتا ہے **لا تجزون الا ما کنتم تعملون**۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس دین میں چند فرقے ہو جائیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان سارے فرقوں سے بیزار ہیں وہ سارے عذاب والے ہیں اسلام میں ہی بہت سے فرقے ہیں ان سب سے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیزار ہیں اب بتاؤ خدا راضی کس سے ہے۔ **جواب:** جو فرقے لوگ اپنی طرف سے بنا لیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کا رب ان سے بیزار ہیں' اس لئے **فرقوا** فرمایا۔ یا فرقہ بنانے والے بندوں کو قرار دیا اور جو فرقہ رب نے بنایا ہے وہ **فرقوا** میں داخل نہیں پولیس اور ڈاکوؤں میں مقابلہ دو طرفہ گولی چلے تو پولیس کو حکومت کی مدد حاصل ہو گی ڈاکو غضب کے مستحق ہیں کیونکہ محکمہ پولیس حکومت کا قائم کردہ ہے ڈاکو خود اپنا جتھہ بنا بیٹھے اس لئے آگے ارشاد ہوا **وکانوا شیعا** وہ لوگ خود جماعتیں اور گروہ بن گئے وہ پھٹکارے گئے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں دوزخی فرقوں سے متعلق ارشاد ہے **انما امرھم الی اللہ** حالانکہ ساری مخلوق کا معاملہ اللہ کے حوالہ ہے پھر یہ فرمان بطور غضب کیوں وارد ہوا۔ **جواب:** کسی فقرے سے حضور انور

صلی اللہ علیہ وسلم کا بیزار ہو کر اسے رب کے سپرد کر دینا یہ عذاب الٰہی ہے رحمت والے لوگ اللہ کے سپرد ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں رہ کر قاتل کا سیشن سپرد ہو جانا سزائے موت کی علامت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے جو تفسیر میں ابھی ایک حدیث نقل کی کہ یہود و نصاریٰ کے بہتر فرقے بنے ان میں سے ایک جنتی ہے باقی اکہتر دوزخی ہیں اور میری امت کے تہتر فرقے ہوں گے ایک جنتی باقی دوزخی تو کیا اگر کوئی آج عیسائیت یا یہودیت کے جنتی فرقہ میں داخل ہو جائے تو نجات پا جائے گا اگر پا جائے گا تو پھر اسلام لانے کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب:** ان لوگوں میں ایک ایک فرقہ جنتی جب تک ہو سکتا تھا جب تک وہ دین منسوخ نہیں ہوئے تھے۔ اب منسوخ ہو چکنے کے بعد وہ سارے فرقے دوزخی ہیں اگر کوئی شخص آج اصلی توریت و انجیل حاصل کر کے اس پر عمل کرے تب بھی دوزخی ہے اسلام چونکہ کبھی منسوخ نہ ہو گا لہٰذا اس کا فرقہ ہمیشہ جنتی رہے گا اس فرقہ میں رہنا چاہئے وہ وہی فرقہ ہے اہل سنت و جماعت جس میں حضرات اولیاء اللہ ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** جب اسلام میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے تو بتاؤ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ان چاروں میں جنتی فرقہ کونسا ہے ایسے ہی طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، ان چاروں میں جنتی فرقہ کونسا ہے۔ **جواب:** یہ سب جنتی ہیں یہ ایک ہی فرقہ ہیں ان میں دینی اختلاف نہیں فروعی مسائل میں اختلاف ہے اس لئے یہاں **فرقوا دینھم** فرمایا **مذھبھم یا مسائلھم** ارشاد نہ ہوا۔ دین عقائد کا نام ہے اور اس حدیث میں اصولی فرقے مراد ہیں ان کے سارے گروہ ایک میں شمار ہیں مثلاً "مرزائی" دو فرقے ہیں قادیانی لاہوری وہ دونوں ایک ہی فرقہ ہیں اسی طرح دوسرے فرقوں کو سمجھ لو اہل سنت ایک فرقہ ہیں خواہ حنفی ہوں یا شافعی۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ قرآن مجید میں شیعہ نافرمان گروہ کو کہا گیا ہے حالانکہ دو جگہ قرآن نے فرمانبردار گروہ کو شیعہ فرمایا ہے **وان من شیعتہ لابراھیم** اور فرماتا ہے **ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ** دیکھو حضرت ابراہیم جناب نوح علیہ السلام کے فرمانبردار گروہ سے تھے انہیں جناب نوح کا شیعہ فرمایا گیا اور وہ اسرائیلی شخص جو قبطی سے لڑ رہا تھا اسے حضرت موسیٰ کا شیعہ کہا گیا حالانکہ وہ فرمانبردار تھا (شیعہ)۔ **جواب:** حضرت ابراہیم علیہ السلام سخت نافرمان کافر قوم میں پیدا فرمائے گئے نہ کہ فرمانبردار گروہ میں چنانچہ آپ نے اپنے چچا آزر سے کہا **انی اراک وقومک فی ضلال مبین** یونہی وہ قبطی اگرچہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم یعنی اسرائیلی تھا مگر تھا نافرمان چنانچہ ہم خود آپ نے اس اسرائیلی سے فرمایا **انک لغوی مبین** یہ تو رب تعالیٰ نے اپنی شان دکھائی ہے کہ پتھروں میں سے لعل پیدا کئے ایک سرکش قوم سے حضرت خلیل پیدا کئے دوسری سرکش قوم سے حضرت کلیم پیدا فرمائے شیعہ نافرمان گروہ کو ہی کہتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں **من جاء بالحسنۃ** کیوں ارشاد ہوا **من عمل حسنۃ** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ نیکی کر لینا اور چیز ہے اور نیکی یا گناہ لے کر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچنا کچھ اور ثواب یا عذاب ان نیک و بد اعمال پر ہے جو بارگاہ الٰہی تک پہنچے ضبط شدہ نیکی، معاف شدہ گناہ ثواب یا عذاب کا باعث نہیں، خیال رہے کہ نیکی برباد ہونے کی چند وجہیں ہیں کفر جس سے ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں **الذین ضل سعیھم فی الحیوۃ الدنیا**۔ خواہ کفر اصلی ہو یا کفر طاری یعنی ارتداد، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** صدقہ پر طعنہ دینا **لا تبطلوا صدقاتکم بالمن والاذی** اپنی نیکیوں پر تکبر و غرور جیسے ابلیس کی نیکیاں مگر گناہ معاف ہونے کے بہت زیادہ اسباب ہیں حتیٰ کہ مسجد کو نماز کے لئے جاتے وقت ہر قدم پر ایک گناہ معاف اور راستہ سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا اس سے گناہ معاف یہاں تک کہ مرتے وقت اپنے گناہوں پر ندامت سے بھی۔

ساتواں اعتراض: اس آیت میں نیکی پر دس گنا ثواب کا وعدہ ہے مگر دوسری آیات میں سات سو گنا کا وعدہ ہے' احادیث شریفہ میں بھی بہت ثواب مذکور ہیں ان میں مطابقت کیسے ہو۔ **جواب:** اس کے بہت جواب دیئے گئے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ یہاں عطا کا قانون بیان ہوا ان آیات و احادیث میں فضل و کرم کا ذکر ہے اس لئے وہاں سات سو والی آیت میں ہے **واللہ یضاعف لمن یشاء** اللہ جسے چاہے اور زیادہ دے یا یوں کہو کہ جو نیکی اعلیٰ درجہ کے اخلاص سے کی جائے اس کا ثواب سات سو گنا ہے جس میں اخلاص کی کمی ہو اس کا ثواب کم ہے جتنا اخلاص زیادہ اتنا ثواب زیادہ یا یوں کہو کہ جو نیکی نفس کی زمین میں بوئی جائے اس کا ثواب کم ہے مگر جو دل کی یا روح کی زمین میں بوئی جائے اسے اخلاص کا کھاد آنکھوں کا پانی دیا جائے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی دھوپ ملے ان شاء اللہ اس کا ثواب زیادہ یا یوں کہو کہ جو نیکی اطاعت کے لئے کی جائے اس کا ثواب کم ہے جو نیکی عشق رسول محبت الہٰی کی بنا پر کی جائے اس کا ثواب زیادہ یا یوں کہ جو نیکی جنت حاصل کرنے کے لئے کی جائے یا دوزخ سے بچنے کے لئے اس کا ثواب کم ہے مگر جو نیکی رضاء الہٰی رضاء مصطفوی کے لئے کی جائے اس کا ثواب زیادہ ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ ہے اور ایک گناہ کا عذاب بھی ایک لاکھ وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے یا یوں کہو کہ وہاں ثواب کی زیادتی اس جگہ کی برکت سے ہے عمل کا ثواب اور چیز ہے جگہ یا وقت کا ثواب کچھ اور چیز پہاڑی مرچ آلو بہت بڑے ہوتے ہیں یہ تخم کا اثر نہیں بلکہ جگہ کی تاثیر ہے یا یوں کہو کہ کثرت اور عظمت میں فرق ہے دیسی مرچیں تین اور پہاڑی مرچیں تین تعداد یا کثرت میں برابر ہیں مگر ان کی حشمت میں بڑا فرق ہے ایک ایک روپیہ کے تین نوٹ اور سو سو روپے کے تین نوٹ دونوں گنتی میں برابر ہیں کہ تین تین ہیں مگر قیمت و قدر میں زمین و آسمان کا فرق ہے کہ وہ صرف تین روپیہ کے ہیں یہ تین سو روپیہ کے۔ **نواں اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ ایک گناہ کا عذاب ایک ہی ہے جو اس کی مثل ہے مگر حدیث شریف میں ہے کہ گمراہ گریوں ہی گناہ کے موجد کا عذاب ان سب کے برابر ہوگا جو یہ گناہ کریں پھر ایک کا بدلہ ایک کیسے ہوا؟ **جواب:** یہاں مثل سے مراد شرعی مثل ہے نہ کہ عقلی مثل اللہ تعالیٰ جسے مثل قرار دیدے وہ ہی مثل ہے گمراہ گر انسان کا گناہ ایک ہی ہے مگر وہ ایک ان تمام گناہوں کے برابر ہے جو لوگ کریں غرضیکہ قانونی مثل اور چیز ہے۔ زنا کی سزا سنگسار کرنا' چوری کی سزا ہاتھ کاٹنا یا آج چوری کی سزا تین سال قید کرنا ہے یہ تمام سزائیں اس جرم کی مثل ہی ہیں اگرچہ چوری ایک گھنٹہ میں ہوتی ہے اور سزا تین سال تک بھگتنا پڑتی ہے۔ **دسواں اعتراض:** کفر و شرک کی سزا ابد الاباد تک دوزخ ہے یہ سزا جرم کی مثل نہیں کہ کفر چند سال کیا اور سزا ہمیشہ بھگتی وہ بھی اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی یہی ہے کہ دائمی دوزخ میں رہنا شرک کی مثل ہے یعنی قانونی مثل یا یوں کہو کہ مشرک اگر ہمیشہ جیتا تو ہمیشہ ہی شرک و کفر کرتا بلکہ اگر قیامت کے بعد بھی دنیا میں لوٹا دیا جاتا تو بھی شرک و کفر ہی کرتا اور عادی مجرم کی سزا عمر قید ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے **ولو ردوا لعادوا لما نھوا عنہ**

تفسیر صوفیانہ: جیسے شریعت میں ایک فرقہ اہل سنت جنتی ہے باقی دوزخی ایسے ہی طریقت میں بھی صرف ایک جماعت واصل ہے باقی فراق کے جہنم میں داخل طریقت اور اس کے اشغال وہی قبول ہیں جو کتاب و سنت کے خلاف نہ ہوں بے نماز بے روز' شرابی' بھنگی پیر جو مدعی طریقت ہیں ان کے متعلق ارشاد ہے لست منھم اے محبوب آپ ان سے بیزار اور بے تعلق ہیں یہ بے دین خلاف شرع پیر یہاں اپنے مریدوں میں رہ کر کیسی ہی شیخی ماریں مگر ان کو مع ان کے مریدین کے سزا رب ہی دیگا۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے درخت کو کھاد پانی ' ہوا' دھوپ ' جب ہی مفید ہے جب وہ جڑ کی معرفت شاخوں میں پہنچے ایسے ہی ساری عبادات ریاضات انسان کو جب ہی مفید ہیں جب وہ حضور صلی اللہ علیہ و سلم کی معرفت اسے پہنچے۔ جس سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم بے تعلق ہو گئے اسے قرآن کعبہ اور سارے ارکان اسلام کچھ مفید نہیں۔ یہ ہے مطلب **لست منهم فی شئی** کا **فی شئی** فرما کر بتایا کہ اے محبوب آپ کو ان مردودوں کی کسی چیز سے تعلق نہیں نہ ان کی نیکیوں سے نہ گناہوں سے نہ عبادات نہ زندگی سے نہ موت سے نہ ان کے سونے سے نہ جاگنے سے رب۔ مقبولین سو آپ کو ان کی ہر چیز سے تعلق ہے ان کی نیکیوں سے آپ کو تعلق جس سے وہ قبول ہوں گی ان کے گناہوں سے آپ کو تعلق جس سے وہ معاف ہوں گے ان کے جینے مرنے سونے جاگنے سے آپ کو تعلق ہے کہ وہ لوگ یہ سب کام آپ کے زیر سایہ کرتے ہیں ان کے یہ سارے کام عبادات بن جاتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں جیسے جسمانی عالم کا نظام ایک سورج سے وابستہ ہے کہ اگر سورج نہ نکلے تو نہ دن ہو نہ رات نہ شام نہ سویرا نہ ہفتے نہ مہینے نہ سال نہ کسی کی عمر گزرے نہ موسم بنیں نہ دانہ اور پھل پکیں نہ بارشیں آئیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم دل کی دنیا کے سورج ہیں اگر حضور صلی اللہ علیہ و سلم دلوں پر طلوع نہ کریں تو نہ قرآن ملے نہ ایمان نہ عرفان ' نہ رحمان نہ روزے ملیں نہ نمازیں نہ حج نہ زکوٰۃ غرضیکہ اس دنیا میں انقلاب ہی آجائے لہذا کسی سے حضور صلی اللہ علیہ و سلم کا بے تعلق ہو جانا رب کا بڑا عذاب ہے اللہ اس سے بچائے یہاں ایک نیکی پر دس کا وعدہ حد بندی کے لئے نہیں بلکہ کثرت یا زیادتی بیان فرمانے کے لئے ہے یعنی اسے بے شمار زیادتی عطا ہو گی اگر یہ زیادتیاں نہ ہوں تو بندہ قیامت میں دیوالیہ ہو جائے کیونکہ اس کی نیکیاں حقوق والے لے جائیں گے پھر اسے کیا بچے گا اب ایک تو اسے بچے گی اور باقی وہ لے جائیں تو لے جائیں۔ حضور صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں کہ جو بعد مغرب چھ رکعات اوابین کی نماز پڑھے اسے بارہ برس کی عبادت کا ثواب ہے حالانکہ مغرب کے فرض کا اتنا ثواب نہیں مگر جو قرب الٰہی فرائض سے نصیب ہوتا ہے وہ نوافل سے نصیب نہیں ثواب نوافل کا زیادہ ہو سکتا ہے مگر قرب و حضور صلی اللہ علیہ و سلم فرائض سے زیادہ میسر ہوتا ہے اس لئے یہاں عشر امثالها فرمایا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو دس حسنات عطا فرماتا ہے اس کے بعد ہم ایک حسنہ (نیکی) کرتے ہیں 'ایجاد' استعداد' تربیت' رزق' انبیاء کرام کی بعثت' کتب آسمانی کا نزول' برائی بھلائی میں فرق کرنے کی تمیز' توفیق اخلاص قبولیت۔ گناہ کا تخم نفس میں بویا جاتا ہے نفس امارہ گویا خبیث زمین ہے اس لئے اس میں پھل ایک کا ایک ہی لگتا ہے نیکی کا تخم دل میں بویا جاتا ہے دل ہے زمین اعلیٰ اس میں پیداوار اعلیٰ ہوتی ہے ایک کی دس' رب فرماتا ہے **والبلد الطيب يخرج نباته** اعداد کے عربی میں چار مرتبے ہیں 'اکائی' دہائی' سینکڑہ' ہزار جنہیں احاد عشرات مائین اور الوف کہتے ہیں' واحد یعنی ایک دس بار ہو تو دہائی بن جاتا ہے' سو بار ہو تو سینکڑہ بنتا ہے' ہزار بار ہو تو الوف بنتا ہے یوں ہی انسان کے چار مرتبے ہیں نفس' قلب' روح' سر۔ ایک عمل نفس کے درجے میں ہو تو ایک رہتا ہے۔ **جزاء سيئة سيئة مثلها** قلب کے مرتبہ میں ہو تو دس بنتا ہے' روح کے مرتبہ کے سو اور سر کے مرتبے میں پہنچے تو ہزار پھر جیسا اخلاص ویسے ہزار کبھی لاکھ تک پہنچ جاتا ہے **وهم لا يظلمون** (از روح البیان) اگر عدد کے ساتھ ایک صفر مل جائے تو اسے دس گناہ کر دیتا ہے لیکن اگر اس کے ساتھ دو چار یا زیادہ صفر مل جائیں تو اسے سو ہزار یا لاکھ گنا کر دیتے ہیں اگر نیکی کے ساتھ اخلاص' محبت' رضاجوئی کے یا کسی اعلیٰ وقت یا اعلیٰ جگہ کی برکت کے صفر لگتے جائیں تو اس کا ثواب بڑھتا جائے گا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اعمال گویا تخم ہیں دل' نفس' روح گویا اس تخم کی زمین ہے' اخلاص گویا وادیتی عرشی کھاد ہے' خوف خدا سے آنکھوں سے

نکلے ہوئے آنسو گویا قدرتی پانی' توبہ گویا کیڑے مار دوا اور اس کھیت کی گوڈی جب یہ چیزیں جمع ہوں تو پیداوار یقیناً اچھی ہوگی ایک کا ثواب سینکڑوں اللہ اس قال کو حال کردے۔ یہ چیزیں نیک اعمال کے آگے گویا صفر ہیں پہلا صفر اکائی کو دہائی بناتا ہے' دوسرا صفر دہائی کو سینکڑہ' تیسرا سینکڑے کو ہزار یونہی ان احوال کا حال ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ۬ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ

فرمادو بے شک مجھ کو ہدایت دی میرے رب نے طرف راستے سیدھے کی　دین مضبوط　ملت ابراہیم کی

تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ٹھیک دین ابراہیم کی ملت جو ہر

حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ

دور برائی سے اور نہیں تھے وہ مشرکین میں سے　فرمادو کہ نماز میری اور قربانی میری اور میری

باطل سے جدا تھے اور مشرک نہ تھے　تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں

وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا

زندگی اور موت میری سب اللہ کے لئے ہے　جو رب سارے جہان کا اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہ ہی حکم ہوا

اور زندگی جینا اور مرنا سب واسطے اللہ کے ہے پالنے والا جہانوں کا نہیں ہے کوئی شریک واسطے اس

اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ہے اور میں پہلا ہوں مسلمانوں میں۔

سے اور اس کا حکم دیا گیا میں پہلا مسلمان ہوں۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بے دینوں سے اے محبوب آپ کو کوئی تعلق نہیں اب اس بے تعلقی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ آپ وجہ یہ بیان فرمادو کہ مجھے فطری طور پر رب نے ہدایت دی ہے میں گمراہوں سے تعلق کیسے رکھ سکتا ہوں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا نئے ایجاد کردہ دین گمراہی ہیں اصل دین ہدایت ہے اب اصلی دین کی پہچان بتائی جارہی ہے اور اس کی نشان دہی کی جارہی ہے کہ اصل دین ملت ابراہی ہے اور ملت ابراہیمی وہ ہے جس پر اے محبوب تم ہو گویا دین حق کا ذکر پہلے ہوا اس کا پتہ اب بتایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایک نیکی کا ثواب رب کے ہاں دس گنا ہے اب محبوب کی شان دکھائی جارہی ہے کہ ان کی عبادات' معاملات' وفات' حیات سب نیکی ہی نیکی ہے بتاؤ کہ وہ کس درجہ کے مقرب ہیں یعنی پہلے نیکیوں کا ذکر ہوا۔ اب نیکیوں کے جامع ذات کا ذکر ہے **قل ان صلوتی الخ**۔

شان نزول : ایک بار کفار مکہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے باطل دین میں آجانے اور بت پرستی کرنے کی دعوت دی تھی کہ یہ دین آپ کے خاندان ہمارے باپ داداؤں کا ہے آپ ان کی مخالفت نہ کریں ان کی تردید میں یہ آیات نازل

ہوئیں جن میں نہایت نفیس اور مدلل طریقہ سے ان کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مایوس کر دیا گیا کہ جس نے دنیا میں آ کر ہدایت لی ہو وہ گمراہ ہو جائے تو ہو جائے محبوب تو ہدایت ہم سے لے کر ہمارے ہاں سے لے کر گئے ہیں وہ اس سے کیسے ہٹ سکتے ہیں (از تفسیر خازن و تفسیر مدارک و تفسیر بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر : **قل اننی ھدانی ربی** قرآن مجید میں قل فرمانے کی مختلف حکمتیں ہوتی ہیں' ایک یہ کہ یہ کلام صرف تم کہو تمہارے سواء کوئی نہ کہے جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** دوسرے یہ کہ تم فرماؤ تم سے سن کر لوگ کہیں جیسے **قل ھو اللہ احد** تیسرے یہ کہ یہ بات تم فرماؤ تاکہ الفاظ کی تاثیر کے ساتھ تمہاری زبان کی تاثیر بھی شامل ہو جائے جیسے **قل اعوذ برب الفلق** وغیرہ چھوتھے یہ کہ تم فرماؤ تاکہ لوگوں کو اس مضمون کا پتہ لگے تمہارے اس فرمان سے لوگ تمہیں پہچان سکیں یہاں قل میں چوتھی حکمت ہے اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے تو دنیا کو آپ کی اور رب کی شان کیسے معلوم ہوتی اس آیت کریمہ میں بظاہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ کا ذکر ہے لیکن در حقیقت رب تعالیٰ کی شان اس کی صفات کا تذکرہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت اللہ تعالیٰ کی صفت کا مظہر ہے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مہدی ہیں تو رب تعالیٰ بلاواسطہ ان کا ہادی ہے اس لئے یہاں قل ارشاد ہوا۔ قل میں خطاب ہے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اور روئے سخن ہے انہیں مشرکین کی طرف جنھوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی کی دعوت دی تھی' **اننی** فرما کہ یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے براہ راست بلاواسطہ صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی باقی جس کسی کو ہدایت دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے دی حتی کہ حضرات انبیاء کرام کو بھی اس عالم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی معرفت سے ہدایت ملی جب رب تعالیٰ نے فرمایا **الست بربکم** تو سب سے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلی فرمایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر تمام نبیوں نے بلی کہا ان سے سن کر ولیوں نے ان سے سن کر عوام نے بلی کہا' ہدایت کے معنی اس کے اقسام ان اقسام کے درجات ہم سورۂ فاتحہ **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں چونکہ ربوبیت الیہ کے پہلے مظہر حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت دوسروں کو اس ربوبیت سے حصہ ملا اس لئے ربی ارشاد ہوا **اللہ المعطی و انا قاسم**۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں اول ہدایت یافتہ ہیں اس لئے **ھدانی** ماضی مطلق ارشاد ہوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے لوگو میں تمہارے بہکانے سے بہک نہیں سکتا تم میری ہدایت سلب نہیں کر سکتے کیونکہ بندہ اللہ کی چیز فنا نہیں کر سکتا۔ بندے کی صنعت فنا کر سکتا ہے بندہ مکان توڑ سکتا ہے میں نے دنیا میں آ کر تم سے ہدایت نہیں لی میری ہدایت ربانی ہے تو بندہ کیسے چھین سکتا ہے سورج کو نہیں بجھا سکتا۔ میں نے دنیا میں آ کر تم سے ہدایت نہیں لی میری ہدایت ربانی ہے تو بندہ کیسے چھین سکتا ہے یا میں اس عالم سے ہدایت لے کر آیا ہوں اسے اس دنیا کے لوگ کیسے سلب کر سکتے ہیں' خیال رہے کہ اس لفظ میں تین باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ مجھے براہ راست رب نے ہدایت دی دوسرے یہ کہ مجھے دنیا میں آنے سے پہلے ہدایت دی جیسا کہ **ھدانی** ماضی فرمانے سے معلوم ہوا۔ تیسرے یہ کہ ہر قسم کی ہدایت مجھے رب نے دی۔ دنیاوی دینی تمام کام مجھے رب نے سکھائے **الی صراط مستقیم** کی تفسیر ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں **صراط مستقیم** سے مراد وہ عقیدے وہ اعمال وہ قلب کی کیفیات ہیں جو رب تعالیٰ تک پہنچا دیں' **صراط مستقیم** کی بہت شاخیں ہیں جنت تک پہنچانے والا۔ رب کی صفات تک پہنچانے والا' رب کی ذات تک پہنچانے والا جس کی تفسیر اگلی عبارت ہے۔ خیال رہے کہ

گزشتہ نبیوں کو بھی رب تعالیٰ نے فطری طور پر ہدایت دی چنانچہ ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالتے ہی توحید پر ایسے قوی دلائل قائم فرمائے کہ سبحان اللہ موسیٰ علیہ السلام نے بچپن میں کسی دائی کا دودھ قبول نہیں کیا۔ سوا اپنی والدہ کے یوسف علیہ السلام نے شاہ مصر سے فرمایا **اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم** اور فرمایا **فما حصدتم فذروہ فی سنبلہ** دیکھو ملک رانی اور دنیا بھر کو پال لینا گندم کی حفاظت کے طریقے ان سب کی ہدایت فطری طور پر آپ کو دی گئی عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی فطری ہدایت کا ذکر ماں کی گود میں ہی فرمادیا مگر وہ ہدایات جزوی تھیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے فطری طور پر ہدایت کلی عطا فرمائی لہٰذا یہ ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی نعت ہے **دینا قیما** یہ عبارت **صراط مستقیم** کے بدل سے بدل یا اس کا بیان ہے دین کے معانی اور دین وملت اور مذہب میں فرق ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ ہماری قرآت میں **قیما قاف** کے کسرہ سے اور ی کی فتحہ سے ہے بعض قراتوں میں **قیما قاف** کے فتحہ اور ی کے شد سے ہے **قیما** یا تو مصدر ہے جیسے صغر اور کبر تو اس سے پہلے ذا پوشیدہ ہے یا مبالغۃً دین کو قیم فرمایا گیا جیسے **زید عدل قیما** اصل میں قوما تھا۔ جیسے قام کی وجہ سے **قیاما** میں تعلیل ہوگئی کہ **واو** ی سے بدل گیا ایسے ہی **قیما** میں تعلیل ہوگئی کہ **واو** ی سے بدل گیا یا یہ صفت مشبہ ہے اس کے معنی ہیں سیدھا مستقیم، قویم، قیم، قیم یہ چاروں لفظ قریبا" ہم معنی ہیں بعض نے فرمایا کہ مستقیم وہ جو خود سیدھا ہو قیم وہ جو سیدھا کردے لوگوں کو ان کی دنیا و آخرت کو۔ **ملتہ ابراھیم** یہ عبارت یا تو **دینا قیما** کا عطف بیان ہے یا اعنی پوشیدہ کا مفعول بہ عطف بیان اور معطوف علیہ کا نکرہ معرفہ میں متفق ہونا ضروری نہیں اس لئے **دینا** اگرچہ نکرہ ہے اور **ملتہ ابراھیم** معرفہ مگر اس کا عطف بیان ہو سکتا ہے (روح المعانی) **ملتہ** کے معنی اور لفظ ابراہیم کی تحقیق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مفصل حالات میں ہم پارۂ اول کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **حنیفا** یہ لفظ ابراہیم کا حال ہے یہ بنا ہے **حنف** سے بمعنی مائل ہونا اور ہونا شریعت میں حنیف وہ ہے جو گمراہی سے برائیوں سے ایسا دور ہو کہ نہ کبھی گمراہ ہوا ہو نہ آئندہ گمراہ ہو سکے۔ یہ فرق ہے مہدی اور حنیف میں (روح البیان) اہل عرب ہر ختنہ شدہ یا حاجی کو حنیف کہہ دیتے ہیں یعنی مذہب ابراہیمی پر قائم) تفسیر خازن) **وما کان من المشرکین** قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے معترضہ اس میں مشرکین مکہ کی تردید ہے کہ تم اپنے کو ابراہیم کہتے ہو اور فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں بتاتے ہو 'بت پرستی کرتے ہو تم حنیفی کیسے ہوئے یونہی یہود و نصاریٰ کی تردید ہے کہ تم لوگ اپنے کو حنیفی کہتے ہو مگر یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں پھر وہ بھی ابراہیمی کیسے ہوئے یہ دونوں تو مشرک ہیں ایسے گندے عقیدے والے ابراہیمی نہیں ہو سکتے ابراہیمی تو صرف مسلمان ہیں اگر تم ابراہیمی بننا چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ **قل ان صلوتی و نسکی** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثال زندگی کی جھلک دکھائی گئی ہے۔ **قل** میں روئے سخن کبھی رب کی طرف ہوتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں عرض کرو جیسے **قل اعوذ برب الفلق** کبھی صحابہ کرام سے 'کبھی عام مومنین سے 'کبھی کفار سے 'کبھی سارے جہان سے۔ یہاں آخری دو احتمال ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ اعلان کرانا فخریہ نہیں بلکہ یا تو شکر کے لئے ہے یا تبلیغ کے لئے تاکہ لوگ بھی یہ کہیں اور اس پر عمل کریں۔ خیال رہے کہ ہمارے دعوے کبھی کبھی مبالغہ یا غلط بھی ہو سکتے ہیں مگر جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل بیان کئے یا رب نے جو آپ سے بیان فرمائے ان میں مبالغہ یا غلطی ہو سکتی ہی نہیں 'صلوۃ سے مراد مطلقاً نماز ہے نفل ہو یا واجب یا فرض **نسک** جمع ہے **نسیکتہ** کی بمعنی عبادت بدنی ہو یا مالی یا اس سے مراد ہے حج و عمرہ کی قربانیاں یا مطلقاً قربانی

جو بقر عید میں کی جاتی ہے یہ ہی قول قوی ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فصل لربک وانحر** وہاں نماز کے ساتھ قربانی کو جمع فرمایا گیا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت کریمہ نماز پڑھتے وقت اور قربانی کرتے وقت پڑھا کرتے تھے اگر یہاں نسکی سے مراد قربانی نہ ہو تو قربانی کے وقت یہ آیت کیوں پڑھتے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال قربانی کرتے تھے اس لئے نسک جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ نسک چاندی کے گلائے ہوئے ٹکڑوں کو کہتے ہیں چونکہ ایسی چاندی میل وغیرہ سے صاف ہو جاتی ہے اس لئے ہر پاک ناپاک کرنے والی چیز کو نسک کہنے لگے ارکان حج کو مناسک حج کہتے ہیں قربانی گاہ کو منسک کہا جاتا ہے (خازن)۔ اگرچہ زندگی و موت میں نماز و قربانی بھی داخل تھی مگر چونکہ یہ خصوصاً" نماز بڑی اہم چیزیں ہیں اس لئے انہیں خصوصیت سے علیحدہ بیان فرمایا نماز جن و انس بلکہ فرشتوں کی بھی عبادت ہے نماز سے انسان وقت کا پابند ہو جاتا ہے نیز اس کی برکت سے انسان اپنے کپڑوں بدن وغیرہ کو پاک رکھتا ہے یہ مومنوں کی معراج ہے وغیرہ ان وجوہ سے اسے الگ بیان کیا' قربانی بڑی پرانی سنت ہے از آدم علیہ السلام تا قیامت جاری ہے اور اسلام کی موجودہ قربانی حضرت اسماعیل کے ذبح کی یادگار ہے اس کی نسبت بڑی ذات سے ہے اس لئے اسے نماز کے ساتھ ذکر کیا **ومحیای و مماتی** یہ عبارت معطوف ہے نسکی پر محیا تو **حیوۃ** کا ظرف ہے یا مصدر میمی اور ممات موت کا ظرف یا مصدر میمی ہے یعنی میری زندگی و موت کے زمانہ کے سارے کام یا میرا خود جینا مرنا یا میری زندگی و موت آخری دو معنی زیادہ قوی ہیں **للہ رب العلمین** یہ عبارت ان کی خبر ہے للہ میں لام ملکیت عبادت 'اطاعت کا ہے یہ لام نفع کا نہیں اللہ تعالیٰ نفع سے پاک ہے یعنی میری زندگی و موت اور عبادات نماز و قربانیاں اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اس کی عبادت و اطاعت کے لئے ہیں ان میں سے کوئی چیز میری اپنی نفس و خواہش کے لئے نہیں یہ درجہ ہے فنا فی اللہ کا کہ انسان کا اپنا کچھ نہ ہو اپنے لئے کچھ نہ ہو اس کا سب کچھ اللہ کا ہو اللہ کی رضا کے لئے ہو جو اللہ کا ہو جائے اسے چند نعمتیں میسر ہو جاتی ہیں۔ (1) پھر اللہ بھی اس کا ہو جاتا ہے کہ اس کی ہر بات مانتا ہے۔ (2) یہ بندہ اللہ کا مظہر بن جاتا ہے کہ اللہ کی ہر چیز کا مالک ہو جاتا ہے جسے جو چاہے دے **اسئلک مرافقتک فی الجنتہ** (3) وہ بندہ بفضلہ تعالیٰ دنیاوی فکروں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ پالتو جانور کی ساری فکریں مالک کو ہوتی ہیں شکاری جانور اپنی غذا پانی کی خود فکر کرتا ہے۔ (4) وہ بندہ بفضلہ تعالیٰ شیطان سے محفوظ ہو جاتا ہے شیطان اسے شکار نہیں کر سکتا پالتو جانور شکاریوں کی شر سے محفوظ ہوتا ہے شکاری آزاد جانور کو جو چاہے شکار کرے۔ (5) پھر بندہ کے کام کو رب اپنا کام قرار دیتا ہے اور رب کے کام کو بندہ اپنا کام کہتا ہے' غرضیکہ یہ مقام فنا فی اللہ کا ہے جو بہت ہی اعلیٰ ہے۔ **لا شریک لہ** یہ عبارت پچھلے جملہ کا تتمہ ہے یعنی میری ان عبادات وغیرہ میں کوئی اللہ کا شریک نہیں خدا کے سواء کسی اور کے لئے میری کوئی چیز نہیں نہ بتوں کے لئے نہ میرے اپنے نفس کے لئے نہ دنیا کے لئے میں اس کا ہوں اور وہ میرا ہے **وبذالک امرت** یہ جملہ نیا ہے **بذالک** کو **امرت** پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا **امر** سے مراد اللہ کے وہ حکم ہیں جو فطری طور پر عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیئے گئے یعنی دنیا بننے سے پہلے مجھے رب نے ان چیزوں کا حکم دیا ہے میں حکم یافتہ مطیع و فرمانبردار پیدا ہوا ہوں اس کا بیان اس طرح ہوا کہ **وانا اول المسلمین** میں اللہ کے سارے مطیع بندوں میں پہلا مطیع ہوں حضرات انبیاء اولیاء ساری مخلوق نے مجھ سے اطاعت الٰہی سیکھی ہے میں نے کروڑوں سال جب اللہ کی اطاعت کی ہے جب کہ میرے نور کے سوا کوئی چیز نہ تھی نہ زمین و آسمان نہ سورج و چاند نہ فرشتے نہ جن و انس وغیرہ۔ **مسلمین** میں اول حقیقی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں باقی انبیاء و اولیاء اور مومنین اضافی اول ہیں حقیقی اول اور اضافی اول میں بہت فرق ہوتا ہے

ہم اپنی اولاد اپنے بعض دوستوں بعض ماتحتوں شاگردوں مریدوں میں اول مطیع ہو سکتے ہیں مگر حقیقی پہلے عابد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔

خلاصہء تفسیر : ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین ایسی صفتیں بیان فرمائیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا اپنی مخلوق میں کسی کو نہ بخشیں جن صفات کی بنا پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا بے راہ چلنا کفار کی بات ماننا بالکل ناممکن ہو گیا ایک یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم براہ راست رب کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں جیسے سورج رب کی طرف سے نور یافتہ ہے' حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح سے ہدایت لے کر دنیا والوں کو دینے کے لئے آئے دوسرے یہ کہ آپ اور آپ کی ساری عبادات آپ کی زندگی اللہ کے لئے ہے اپنے لئے نہیں تیسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مامور ہیں اس کا مقصود ہے ان کفار کو پورا مایوس کر دینا جو یہ آس لگاتے تھے کہ کبھی نہ کبھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارا دین قبول کر لیں گے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب ان بے وقوف کفار بلکہ ساری مخلوق میں اعلان فرما دو کہ ساری مخلوق میں صرف میں وہ محبوب بندہ ہوں جسے ازل میں بلاواسطہ رب نے اس راستہ کی ہدایت فرمائی جو سیدھا رب تک پہنچتا ہے وہ سیدھا راستہ وہ ہے جو دنیا میں دین ابراہیمی کی شکل میں بندوں کے سامنے آیا جناب ابراہیم وہ ہیں جنہیں رب نے حنیف کیا حنیف کہا حنیف کہلوایا یعنی تمام برائیوں سے ایسے دور کہ کبھی کسی برائی کے قریب نہ آ سکیں تم اپنے کو ابراہیمی کہتے ہو مگر غلط کہتے ہو تم لوگ کھلے یا چھپے مشرک ہو مشرکین عرب کھلے مشرک یہود و نصاریٰ چھپے مشرک اور حضرت ابراہیم کا یہ کمال ہے کہ مشرک تو کیا ہوتے وہ تو مشرکین میں سے بھی نہ تھے اے محبوب یہ تو تھا تمہارے عقائد تمہارے دلی حالات کا بیان اپنے اعمال کے متعلق یہ اعلان فرما دو کہ میں ایسی صاف ستھری زندگی والا بنایا گیا ہوں کہ میری ہر قسم کی نماز ہر طرح کی قربانی حتیٰ کہ میری زندگی میری موت دنیا کے لئے یا اپنے نفس کے لئے نہیں صرف جنت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اللہ رب العالمین کے لئے ہے کہ میری ہر لولو اس لئے ہے کہ رب تعالیٰ راضی ہو جائے میری اس زندگی و موت نماز و عبادات میں اللہ کا کوئی شریک نہیں صرف اللہ کے لئے میرا سب کچھ ہے مجھے فطری طور پر اول سے ہی اس کا حکم دیا گیا ہے اور میں ساری مخلوق الٰہی میں پہلا رب کا مطیع و فرمانبردار ہوں سارے مطیع و فرمانبرداروں نے مجھ سے اللہ کی فرمانبرداری سیکھی ہے۔ خیال رہے کہ یہاں المسلمین سے مراد صرف امت محمدیہ نہیں بلکہ ساری مخلوق مراد ہے۔ رب فرماتا ہے **کل لہ قانتون** اور فرمان عالی ہے **ولہ اسلم من فی السموت والارض** اور فرماتا ہے **فلما اسلما وتلہ للجبین** ان سب میں مسلم معنی مطیع فرمانبردار ہے ہر مشرک و کافر بھی رب کے زیر فرمان ہے جب رب چاہے اسے بیمار یا ہلاک کر دے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق اول عابد اول مطیع ہیں' عمارت کی پہلی اینٹ یعنی سنگ بنیاد درخت کی جڑ اول ہیں تو ان پر ساری عمارت سارا درخت موقوف ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق ہیں تو ساری مخلوق آپ کے دم سے وابستہ ہے اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ رہیں خلق نہ رہے پھر اول عابد کو سارے عابدین کی برابر بلکہ سب سے زیادہ ثواب ملتا ہے تمام مخلوق کی عبادات کا مجموعی ثواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ملتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ان لک لا جرا غیر ممنون** اور ہو سکتا ہے کہ اول سے مراد ذاتی اولیت والا ہو اور مسلمین سے مراد ہو سارے مومنین خواہ حضرات انبیاء ہوں یا سارے صالحین موصوف بالذات کو اول کہتے ہیں اور عارضی موصوف کو آخر۔ ہاتھ اور قلم دونوں بیک وقت چلتے ہیں' انجن اور ڈبے دونوں بیک وقت حرکت کرتے ہیں مگر ہاتھ اور

انجن اول یعنی بالذات اور قلم وڈبے بعد ہیں بالفرض حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالذات اللہ کے عابد مطیع فرمانبردار ہیں باقی سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض آپ کی نظر کریمانہ سے عابد زاہد بنتے ہیں کوئی شخص بذات خود مومن نہیں بن سکتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ سے ایمان ملتا ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی' نعت گوئی بہترین عمل ہے یہ سنت الیہ بھی ہے سنت انبیاء بھی سنت محمدیہ بھی (صلی اللہ علیہ وسلم) سنت اولیاء بھی انسانوں کی پیدائش سے پہلے بھی یہ نعت خوانی ہو رہی تھی دنیا میں بھی برابر اول سے ہی ہو رہی ہے اور قیامت میں بھی ہوگی۔ رب فرماتا ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** وہاں ساری مخلوق بلکہ رب تعالیٰ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کریں گے اس لئے آپ محمد ہیں یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قرب وہ درجہ وہ مقام عطا کیا جو آپ کے سوا کسی کو نہ دیا۔ اللہ تعالیٰ خالقیت میں لاشریک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندگی میں لاشریک۔ یہ فائدہ للہ رب العالمین اور لا شریک لہ سے حاصل ہوا' جن آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت فرمائی یا انبیاء کرام کی نعت خوانی نقل فرمائی وہ بہت ہیں اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے رب نے کہلوائی ہے۔ یہ فائدہ قل فرمانے سے حاصل ہوا' اللہ تعالیٰ ہم کو اس دائمی سنت پر عمل کرنے کی ہمیشہ توفیق دے۔

زباں تابود در دہاں جائے گیر ثنائے محمد بود دلپذیر (سعدی)

حی و باقی جس کی کرتا ہے ثناء مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے

جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا اس پیارے سے محبت کیجئے (اعلیٰ حضرت بریلوی)

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی ہدایت بلاواسطہ اللہ تعالیٰ نے بخشی آپ کو کسی نبی کسی فرشتہ یا کسی آسمانی کتاب یا قرآن مجید سے ہدایت نہیں ملی۔ یہ فائدہ **هدانی ربی** سے حاصل ہوا اسی لئے قرآن نے فرمایا **هدی للمتقین** یہ نہ فرمایا **هدی لمحمد یا هدی لک** حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے اللہ کے عابد عارف سب کچھ تھے معراج کی شب عرش سے آگے جا کر رب سے نماز کا تحفہ لیا مگر جاتے ہوئے راستہ کی ایک منزل یعنی بیت المقدس میں سارے نبیوں کو نماز پڑھائی وضوء کی آیت حکم نماز سے پانچ چھ سال بعد آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زمانہ میں سب کو وضو سکھا دیا کرا دیا **اللهم صلی وسلم و بارک علیه**۔ **تیسرا فائدہ**: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دل اپنے اعمال اپنے احوال میں کسی کو خدا کا شریک نہ بنایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صرف خدا کی محبت۔ آپ کے اعمال صرف خدا کے لئے تو رب تعالیٰ نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف میں کسی کو شریک نہ کیا یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ قرب وہ درجہ وہ مقام عطا کیا جو آپ کے سواء کسی کو نہ دیئے اللہ تعالیٰ خالقیت میں لاشریک ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندگی میں لاشریک۔ یہ فائدہ **للہ رب العالمین** اور **لا شریک لہ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیاوی کاموں کی ہدایت بھی ماں باپ یا کسی عزیز قریب نے نہ دی وہ بھی رب ہی نے بخشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے ہادی ہیں۔ بجز پروردگار کسی کے مہدی نہیں' جناب حلیمہ رضی اللہ عنہا کی گود میں وہ عدل فرمایا کہ سبحان اللہ۔

بھائیوں کے لئے ترک پستاں کریں بچپنے کی نفاست پہ لاکھوں سلام

پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے ہدایت پر تھے ایک آن کے لئے ہدایت سے جدا نہ ہوئے۔ یہ فائدہ ھدانی ماضی مطلق سے حاصل ہوا جو ایک آن کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت سے جدا مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود ذات وحدہٗ لاشریک ہے جنت تو اس راستہ کی ایک منزل ہے جیسا کہ صراطمستقیم کی تفسیر سے معلوم ہوا۔ ساتواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام مختلف دین وملت لائے مگر ان سب میں ملت ابراہیمی بہت ہی افضل واشرف واعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ دینا قیما کے بعد ملتما براہیم فرمانے سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام سے کفار کے بہتان دور کرنا سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ وما کان من المشرکین سے حاصل ہوا دیکھو کفار عرب نے اپنے شرک وبت پرستی کو جناب ابراہیم علیہ السلام پر تھوپا' رب نے ان کی صفائی بیان فرمائی جو عالم اپنی تقریر و تحریر کے ذریعہ ان حضرات سے کفار کے اعتراضات دور کرے وہ سنت الٰہیہ پر عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ نے تو حضرت مریم سے بھی بہتان دور کئے جو اللہ کی مقبول ولیہ تھیں۔ نواں فائدہ: بدنی عبادات خصوصاً" نماز مالی عبادات سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ صلوتی کو نسکی پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: جانوروں کی قربانیاں بحکم قرآن اسلام کا رکن ہیں۔ یہ فائدہ ونسکی فرمانے سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت نماز اور قربانی دونوں پر پڑھتے تھے۔ گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص خدام کی زندگیاں دنیاوی زندگی نہیں۔ دنیاوی زندگی وہ ہے جس کے لئے فنا ہے اسی کی برائیاں قرآن مجید میں آئی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی رحمانی زندگی ہے۔ یہ فائدہ للہ رب العالمین سے حاصل ہوا۔ دنیاوی زندگی وہ ہے جو دنیا کے کاموں میں صرف ہو' رحمانی زندگی وہ ہے جو اللہ کی رضا میں صرف ہو' نفسانی زندگی' شیطانی زندگی' ایمانی زندگی' رحمانی زندگی ان سب کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ بارھواں فائدہ: ساری مخلوق میں سب سے پہلے مومن پہلے رب کے مطیع پہلے مسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ فائدہ اول المسلمین سے حاصل ہوا باقی ساری مخلوق بعد کے مسلم بعد کے مطیع وعابد ہیں پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی آخری مطیع آخری عابد بھی ہیں اولیت حقیقیہ اور آخریت حقیقیہ کا سہرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر ہے۔ تیرھواں فائدہ: مخلوق میں کوئی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں ہو سکتا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ناممکن بالذات ہے کیونکہ حقیقی اول حقیقی آخر ایک ہی ہو سکتا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہو گئے اولیت اور آخریت میں دوئی کی گنجائش ہی نہیں۔ یہ فائدہ بھی وانا اول المسلمین سے حاصل ہوا ہم نے عرض کیا ہے۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبداء و منتہی
نہیں دوسرے کی یہاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

نیز سارا عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے پیدا ہو چکا اب دوسرا ایسا کون ہو سکتا جس کے نور سے دنیا بنے جو ہمارا باپ یا ماں بن چکے وہ بن چکے دوسرا شخص ہمارا باپ یا ماں نہیں بن سکتا۔ چودھواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ شان ہے کہ آپ کی عبادات میں آپ کے دل میں خدا کا کوئی شریک نہیں سب عبادات اللہ کے لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں صرف اللہ کی محبت ہے اور کسی کی نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر میں خدا کے سوا کسی کو دوست بناتا تو ابو بکر کو بناتا۔ یہ فائدہ لا شریک لہ سے حاصل ہوا ان صلوتی ونسکی کے بعد لا شریک لہ فرمانے کا یہی مقصد ہے۔ اس کی جزاء حضور صلی

اللہ علیہ وسلم کو یہ دی گئی کہ رب کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شریک نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ درجہ وہ مقام بخشا جو کسی کو نہ دیا حدیث شفاعت میں ہے کہ جناب خلیل کہیں گے کہ **کنت خلیلا من وراء وراء** میں تو باہر کا دوست ہوں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم **اندر** کے دوست ہیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام پہلی بار طور پر خلوت میں کیا وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا دیا **وما تلک بیمینک یا موسی** مگر معراج میں جو کلام محبوب سے کیا وہ کسی کو نہ سنایا **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** بہرحال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادات میں خدا کا کوئی شریک نہیں اور رب کے ہاں قرب و مراتب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی شریک نہیں۔ رب الوہیت میں وحدہ لاشریک ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم محبوبیت میں وحدہ لاشریک ہیں۔ **پندرھواں فائدہ:** نزول قرآن سے پہلے بلکہ عالم ارواں میں بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام الہیہ پہنچے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان پر عمل کرتے تھے آپ پر احکام نزول قرآن کے بعد ہی نہیں آئے۔ یہ فائدہ **وامرت** کے ماضی مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نزول قرآن سے پہلے مومن موحد عارف وغیرہ سب کچھ تھے یہاں امرت سے امر قرآنی مراد نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مومن ہونا نزول قرآن بلکہ عالم بننے سے پہلے ہے۔ **سولھواں فائدہ:** کوئی شخص اپنے کو شیطان اور برے مشیروں سے محفوظ نہ سمجھے ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے دین و ایمان کی حفاظت کی دعا کرے اور برا مشورہ دینے والے بہکانے والے کو ایسا سخت جواب دے کہ پھر اسے دوبارہ بہکانے کی ہمت نہ پڑے۔ دیکھو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سید المحفوظین اور امام المعصومین ہیں کفار اس ذات کریم پر بھی بے دینی کا حملہ کرنے سے باز نہ آتے تھے جیسا کہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ایسا سخت جواب دیا کہ پھر انہیں اس حرکت کی ہمت نہ پڑی جیسا کہ ان آیات کے مضمون سے معلوم ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی رب تک پہنچے نہیں بلکہ ابھی سیدھے راستہ پر ہیں اور دوسرے مسلمان بھی سیدھے راستے پر ہیں خود چلنے کے لئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مسلمانوں میں فرق کیا ہوا؟ **جواب:** ہم لوگ سیدھے راستے پر ہیں خود چلنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستے پر ہیں مخلوق کو چلانے کے لئے، رب تک پہنچانے کے لئے رب فرماتا ہے **انک لتھدی الی صراط مستقیم** جانے والے اور لے جانے والے میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض:** دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے **انک لمن المرسلین، علی صراط مستقیم**۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے راستہ پر چلتے ہیں معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہماری طرح راہ خدا کے مسافر ہیں۔ **جواب:** اس آیت کے معنی یہ نہیں کہ آپ سیدھے راستے پر چلتے ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ آپ سیدھے راستہ پر ملتے ہیں جیسے کہا جائے کہ لاہور سیدھے راستہ پر ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ لاہور بھی سفر کر رہا ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سیدھے راستے پر چلنے والا لاہور پہنچ جاتا ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** میرا رب سیدھے راستہ پر ہے یعنی سیدھے راستہ پر ملتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے **ھدانی** کی تفسیر میں کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم دنیا بننے سے پہلے ہدایت پر تھے حالانکہ یہاں فرمایا جارہا ہے **ملتہ ابراھیم** اس وقت ملت ابراہیمی کہاں تھی اس وقت نہ حضرت ابراہیم تھے نہ ان کی ملت پھر یہ فرمان کیسے درست ہوا۔ **جواب:** اول سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس دین پر تھے توحید رسالت، معرفت الٰہی، اطاعت الٰہی، عبادت الٰہی وہ اس دنیا میں ملت ابراہیمی کی شکل میں نمودار ہوا ملت ابراہیمی دنیا میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تشریف آوری سے آئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں تو بہت پہلے سے تھی بلکہ احکام قرآنیہ نزول قرآن سے دنیا میں آئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں پہلے سے تھے خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ مجھے رب تعالیٰ نے اس عالم میں ہی اس دین کی ہدایت کردی تھی جو دنیا میں دین ابراہیمی بن کر نمودار ہوا اور پھر اسلام نے اسے چمکایا۔ خیال رہے کہ دین نام عقائد کا ہے اعمال دین' دین نہیں بلکہ مذہب ہیں ملت ابراہیمی کے اعمال حج قربانی ختنہ وغیرہ دنیا میں اختیار کئے گئے مگر معرفت الٰہی کا اعلیٰ درجہ نفس اطاعت وغیرہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس جہان میں بھی موصوف تھے نیز ان اعمال کو حق ماننا یہ پہلے ہی سے حاصل تھا۔ **چوتھا اعتراض:** سارے آسمانی دین دین قیم تھے پھر خصوصیت سے اسلام کو **دینا قیما** کیوں فرمایا۔ **جواب:** وہ سارے دین خاص وقت خاص قوم کے لئے **دینا قیما** تھے اسلام سارے انسانوں کے لئے تاقیامت دین قیم یعنی سیدھا دین یا سیدھا کر دینے والا دین ہے نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان میں سے کوئی دین قیم نہ رہا تھا سواء اسلام کے لہذا یہ فرمان درست ہوا بند شدہ راستہ منزل پر نہیں پہنچاتا جس سکہ کا چلن بند ہو جائے اس سے سوا انہیں ملتا۔ **پانچواں اعتراض:** گزشتہ دین یعنی یہودیت نصرانیت کو ملت ابراہیمی کیوں نہیں کہا جاتا وہ سب بھی حضرت ابراہیم کی اولاد ہی کے دین تھے' حضرت موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام سب اولاد ابراہیم ہیں صرف اسلام کو دین ابراہیمی کیوں کہا جاتا ہے؟ **جواب:** اولاد اسحاق میں بہت نبی آئے الگ الگ دین لائے پچھلے نبی نے اگلے نبی کا دین منسوخ کیا پھر اس سلسلہ اولاد میں دین ابراہیمی کیسے باقی رہ سکتا تھا۔ اولاد اسماعیل میں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سواء کوئی نبی نہ آیا' صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم آئے اور آپ نے دین ابراہیمی کو منسوخ نہیں کیا بلکہ اس کی تائید کر کے مع اضافہ باقی رکھا نیز اکثر ابراہیمی سنتیں حجاز میں ہوئیں فلسطین میں نہ ہوئیں قربانی' تعمیر کعبہ مقام ابراہیم کا اہتمام' صفا مروہ کی سعی' جمروں کو کنکر مارنا۔ ختنہ وغیرہ سب چیزیں حجاز میں ہوئیں' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب کو باقی رکھا بلکہ انہیں فروغ دیا لہذا اسلام اور صرف اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے صرف حجاز کے لوگ حج کعبہ کرتے تھے اب ساری دنیا کے لوگ کعبہ کا حج کرتے ہیں کعبہ تو وہی ہے مگر راجہ دوسرا ہے۔ جس کا راج سارے جہان میں ہے جہاں تک راج وہاں تک سکہ اور قانون جہان تک جناب مصطفیٰ کا راج وہاں تک قرآن اور کعبہ کی دھوم۔ **چھٹا اعتراض:** ان جیسی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی ہیں اور ابراہیم علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہیں کیونکہ آپ دین ابراہیمی کے متبع ہیں۔ **جواب:** ہم اس اعتراض کا جواب **قل بل ملتہ ابراہیم حنیفا** کی تفسیر یعنی پارہ اول میں دے چکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ دین اسلام ملت ابراہیمی کے موافق اس کے مطابق ہے اور اسلام اپنے میں ملت ابراہیمی کو ایسے لئے ہوئے ہے جیسے نماز اپنے میں رکوع یا سجود کو لئے ہوئے ہے قریبا" سارا دین ابراہیمی اسلام میں موجود ہے اضافہ علاوہ ہے۔ **ساتواں اعتراض:** یہاں اور دوسری آیات میں حضرت ابراہیم کے متعلق یہ کیوں کہا گیا ہے کہ وہ مشرکین میں سے نہ تھے۔ **جواب:** اس لئے کہ مشرکین عرب' یہود' عیسائی' داؤدی' وغیرھم سارے دینوں والے کہتے تھے کہ ہم ابراہیمی ہیں اور ہمارا دین ملت ابراہیمی ہے اور وہ سب شرک و کفر میں گرفتار تھے اس ایک لفظ میں ان سب کی تردید ہو گئی کہ تم میں سے کوئی ابراہیمی نہیں کہ تم لوگ مشرک ہو وہ اعلیٰ درجہ کے مومن موحد تھے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں نسک کے معنی قربانی نہیں بلکہ عام عبادات ہیں یا ارکان حج اسلام میں موجودہ قربانی کچھ نہیں۔ صرف حج کی قربانی ہے (منکرین قربانی)۔ **جواب:** یہ ترجمہ بالکل غلط ہے اس لئے کہ حضور

صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی نمازیا قربانی لوا کرتے تو یہ آیت پڑھا کرتے تھے۔ قربانی پر اس آیت کا پڑھنا اس کی دلیل ہے کہ یہاں معنی قربانی ہے نیز حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اسلام صرف ایک کیا مگر قربانی ہر سال مدینہ منورہ ہی میں کرتے تھے نیز رب فرماتا ہے **فصل لربک وانحر** کے کیا معنی لہٰذا یہاں نسک سے مراد قربانیاں ہی ہیں۔ **نواں اعتراض:** اگر اول المسلمین کے یہ معنی ہیں کہ ساری مخلوق میں پہلے مسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں تو ہم لوگ نماز کے اول یہ آیت کیوں پڑھتے ہیں ہم میں یہ وصف کہاں ہے۔ **جواب:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم حقیقی اول مسلم ہیں اور باقی لوگ اضافی اول یعنی اپنی اولاد اپنے بعض خاندان مسلم ہیں ان دونوں لویتوں میں بڑا فرق ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس عالم میں اول مسلم ہیں۔ **دسواں اعتراض:** سورۂ اعراف مکیہ ہے اس کے نزول کے وقت نہ قربانی اسلام میں آئی تھی نہ حج پھر یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **ان صلوتی و نسکی۔** **جواب:** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت سے پہلے ہی قربانی کرتے تھے۔ دیکھو سورۂ کوثر مکیہ ہے مگر اس میں ہے **فصل لربک وانحر** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت سے پہلے حج کئے لوگ حج میں تبلیغ فرمائی' طواف کئے۔ **گیارھواں اعتراض:** قرآن مجید میں نماز کو زکوۃ سے ملایا جاتا ہے **اقیموا الصلوۃ واتوا الزکوۃ** مگر اس آیت میں قربانی سے ملایا اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** چند وجوں سے ایک یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زکوۃ فرض نہیں اور یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا ذکر ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قربانی کا ذکر ہوا نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زکوۃ کا دوسرے یہ کہ ہجرت سے پہلے قربانی تھی زکوۃ نہ تھی پھر یہاں زکوۃ سے کیسے ملاتے تیسرے یہ کہ اسلامی قربانی کو حضرت اسماعیل و خلیل علیہما السلام سے نسبت ہے کہ وہاں سے ایجاد ہوئی بڑوں کی نسبت چیز کو بڑا کر دیتی ہے' دیکھو عید فطر کو چھوٹی عید کہتے ہیں کیونکہ وہ ہمارے روزوں تراویح کا شکریہ ہے مگر بقر عید کو بڑی عید کہتے ہیں کہ وہ حضرت خلیل و ذبیح کی قربانی قبول ہونے کا شکریہ ہے لہٰذا بڑی ہے۔ **بارھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی نیکی میں رسول کو راضی کرنے کی نیت شرک ہے کہ یہاں ارشاد ہوا کہ نماز قربانی زندگی و موت صرف اللہ کی رضا کے لئے ہے۔ جو اللہ رسول کی رضا کے لئے عمل کرے' وہ مشرک ہے۔ **جواب:** رسول کی رضامندی کا ذریعہ ہے شرک نہیں جس عمل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی نہ ہوں اس سے خدا تعالیٰ راضی کبھی نہیں ہوتا رب فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ** اور فرماتا ہے **مھاجرا الی اللہ ورسولہ** دیکھو ہجرت عبادت ہے مگر اس میں رسول کی رضا کو شامل کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ : اے محبوب اعلان فرمادو کہ رب نے مجھے توحید ذاتی شہودی حق الیقینی کی خود ہدایت دی' دوسروں کو توحید صفاتی کی میرے ذریعہ ہدایت دی یہ توحید ذاتی میرے لئے صراط مستقیم سیدھا راہ ہے یہ وہ مضبوط دین ہے جسے کوئی دین و ملت منسوخ نہیں کر سکتے اس کی جھلک حضرت خلیل اللہ پر پڑی تو انہوں نے اپنی مال' اولاد قرابت دار' وطن وغیرہ سب کچھ قربان کر دیا انہوں نے اپنی تمام چیزوں میں کسی کو شریک نہ کیا' سب اللہ کی ملک کر دیں تم یہ بھی فرمادو کہ میری روحانی' حضوری' شہودی نماز جو میری معراج ہے اور میرے نفس کی قربانی کہ دل فدا کر کے رب سے قریب ہو جانا میری دلی' روحانی زندگی نفسانی موت نفسانی فنا محض ذات رب العالمین کے لئے ہے کہ ان سے وہ راضی ہو جائے میں نے اس کا کسی کو شریک نہ بنایا جو میرا مطلوب ہو بلکہ وہی وحدہٗ لاشریک لہ' میرا واحد مطلوب ہے اس کا کوئی شریک نہیں لا معبود الا ہو لا مطلوب الا ہو لا مقصود الا ہو بلکہ لا موجود الا ہو لا مشہود الا ہو' مجھے اسی اخلاص کا اس کے سواء کسی پر نظر نہ کرنے کا ازلی حکم دیا گیا ہے میں ہی پہلا مطیع فرمانبردار ہوں کہ سب سے

پہلے میں نے اپنے کو فنافی اللہ کر کے بقاباللہ کی لذت پائی ہے (معانی ' بیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ جس خوش نصیب کی زندگی و موت اللہ کے لئے ہو جائے اسے چند نعمتیں ملتی ہیں۔ (1) اس کے لئے فنا نہیں موت اسے فنا نہیں کر سکتی **بل احیاء ولکن لا تشعرون** کیونکہ رب کے لئے فنا نہیں۔ (2) اسے شیطان نفس امارہ اور کوئی چیز روک نہیں سکتی پالتو جانور کو کوئی شکاری شکار نہیں کر سکتا۔ (3) اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے اس سے خدائی کام صادر ہونے لگتے ہیں **واحی الموتی باذن اللہ** مگر خیال رہے کہ اللہ کے لئے ہونے کی علامت یہ ہے کہ بندہ اس کا ہر حکم بلاچون وچرا مانے جناب خلیل نے بلاعذر آگ میں جانا' بچہ ذبح کرنا' ترک وطن سب کچھ منظور کر لیا۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِىْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَىْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ

آپ کہیئے کیا اللہ کے سوا رکو تلاش کروں میں رب اور وہ ہی ہے پالنے والا ہر چیز کا　اور نہیں کماتا ہر نفس مگر

تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے　اور جو کوئی کچھ کمائے وہ سب اس کے

اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ

اوپر اس کے　اور نہیں اٹھاتی کوئی بوجھل جان بوجھ دوسرے کا　پھر طرف رب تمہارے کے لوٹنا ہے

ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی پھر تمہیں اپنے رب کی طرف

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾

تمہارا پس خبر دیگا وہ تم کو اس کی کہ تھے تم اس میں جھگڑتے۔

پھرنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ میری نماز قربانیاں اللہ کے لئے ہیں اس کا کوئی شریک نہیں اب اس دعوے کی پرزور دلیل دی جا رہی ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے جو ہر چیز کا رب ہو اسی کی عبادت کرنی چاہئے۔ (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں توحید الٰہی کے وہ وجوہ بیان کئے گئے تھے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص تھے۔ یعنی آپ کا معصوم ہونا ہدایت پر ہونا فنافی اللہ ہونا اب اس توحید کے وہ دلائل بیان ہو رہے ہیں' جن کا تعلق عام لوگوں سے ہے یعنی اللہ کا رب ہونا باقی کا مربوب و مخلوق ہونا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں عقائد اسلامیہ توحید الٰہی اختیار کرنے کی وہ وجوہ بیان ہوئیں جن کا تعلق ابتداء سے ہے اب اس کی وہ وجوہ بیان ہو رہی ہیں جن کا تعلق انتہا اور آئندہ سے ہے یعنی کسی نفس کا دوسرے نفس کا بوجھ نہ اٹھانا ہر ایک کو اپنی اپنی بھگتنا۔

شان نزول : سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولید ابن مغیرہ مسلمانوں سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ آپ ہمارے دین میں لوٹ آئیں اگر اس وجہ سے تم پر عذاب آیا تو وہ عذاب میں جھیل لوں گا۔ ساری ذمہ داری میری ہو گی اس مردود کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ارشاد ہوا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا (خازن)۔

تفسیر : **قل اغیر اللہ ابغی ربا** یہ نیا جملہ ہے **قل** میں خطاب یا تو حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ان مسلمانوں سے جنہیں شرک کی طرف کفار نے بلایا تھا روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت دینے کی جرات کی تھی اور اس فرمان عالی کا مقصد ہے کفار کو اپنے سے مایوس فرمادینا کہ تم مجھے کسی طرح کبھی بھی بہکا نہ سکو گے جیسے آنکھوں سے نگاہیں مختلف نکلتی ہیں دوست دشمن ماں بہن بیٹی' بیوی کو دیکھنے کی نگاہیں جدا گانہ ہیں ایسے ہی ایک منہ سے ایک زبان سے کلام مختلف قسم کے نکلتے ہیں قہر کا کلام اور ہوتا ہے' مہر و محبت کا اور دشمنوں سے کلام اور ہوتا ہے' دوستوں سے اور بلکہ رازداروں سے اور طرح کا یہ کلام قہر کا ہے۔ **غیر اللہ** میں ہمزہ سوال اور پوچھنے کا ہے اور یہ سوال ان کفار پر اظہار غضب یا اظہار تعجب کے لئے ہے۔ **غیر اللہ** سے مراد ماسوی اللہ ہے خواہ کوئی ہو کیونکہ رب اللہ تعالیٰ کے سواء کوئی نہیں ہم غیر' الا' سوی' دون کے معانی ان میں فرق اور ان کے استعمال کے مواقع بارہا بیان کرچکے ہیں۔ **ابغی** بنا ہے **بغی** سے بمعنی تلاش کرنا چاہنا' بغاوت سے نہیں بنا۔ خیال رہے کہ یہاں رب کے تلاش کرنے کا انکار نہیں بلکہ خدا کے سوا کسی اور کو رب بنانے اسے معبود ماننے کا انکار ہے' اس لئے غیر اللہ پہلے ارشاد ہوا اور **ابغی** بعد میں (معانی) رب سے مراد ہے حقیقی و دائمی اور ہر طرح پالنے والا یعنی اللہ تعالیٰ ماں باپ بادشاہ کو قرآن کریم نے رب فرمایا ہے بمعنی مربی جیسے **کما ربیانی صغیرا** یا جیسے **ارجع الی ربک**۔ **وھو رب کل شیء** اس عبارت میں گزشتہ انکار و اظہار غضب کی دلیل ارشاد ہوئی یہ **ابغی** کے فاعل یا **ربا** سے حال ہے اور واؤ حالیہ ہے **کل شیء** سے مراد ہر ماسوا اللہ ہے عرشی ہو یا فرشی یعنی رب تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور ہر چیز اس کی مربوب اس کی پروردہ ہے اس کا بندہ ہے۔ اس نے مخلوق کے فانی جسم کی تربیت کے لئے ہزاروں غذائیں دوائیں پھل فروٹ پیدا فرمائے اس کی باقی رہنے والی روح کی پرورش کے لئے نبی' وحی' کتاب' احکام بھیجے اور وہ رحیم و کریم ہر ایک کو اس کی حیثیت کے لائق پالتا ہے شیر کو گوشت سے بکری کو گھاس سے چیونٹی کو کن سے ہاتھی کو من سے پالتا ہے یونہی روحانیت میں کسی کو نبوت سے کسی کو ایمان سے کسی کو عرفان سے سے پالتا ہے تو سوچ لو کہ بندہ' پروردہ' اپنے پالنے والے مالک کا شریک کیسے ہوسکتا ہے۔ یہاں تک تو عقیدہ شرکیہ کی پرزور تردید ہوئی **ولا تکسب کل نفس الا علیھا** اس فرمان عالی میں کفار کے اس قول کا جواب ہے کہ تم لوگ مشرک ہو جاؤ اگر شرک گناہ ہوا تو تمہارا گناہ ہم اٹھالیں گے **تکسب** بنا ہے **کسب** سے اور کسب ظاہر اعضاء کے اعمال کو کہا جاتا ہے یہاں مطلقاً عمل مراد ہے' خواہ دل و دماغ کا ہو یا ظاہری اعضاء کا لہٰذا اس میں شرک و کفر اور ساری بدعقیدگیاں سارے برے کام داخل ہیں' خوش عقیدے اور نیک اعمال یہاں مراد نہیں جیسا کہ **علیھا** فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے نفس کے بہت معنی ہیں ذات' جان' نفس امارہ' نفس مطمئنہ وغیرہ یہاں بمعنی جان ہے' مراد ہے ہر مکلف انسان اور مکلف جن کیونکہ سزا اور عذاب انہیں دو کو ہے۔ فرشتے گناہ کرسکتے ہی نہیں جانوروں کے اعمال نہ نیک ہوں نہ بد نہ ان پر ثواب ہو نہ عذاب علیھا میں علیٰ یا تو لزوم کے لئے ہے یا نقصان کے لئے ہے یعنی ہر مکلف بندہ جو گناہ کرے گا اس کا وبال خود اس کرنے والے پر ہوگا دوسرے پر نہیں ہوگا کہ کرنے والا مجرم چھوٹ جائے اور دوسرا پکڑا جائے تو کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم شرک و کفر کریں اور عذاب سے بچ جائیں تو لوگ وہ عذاب اپنے پر لے لیں۔ **ولا تزر وازرۃ وزر اخری**۔ عام مفسرین نے فرمایا کہ یہ کلام پہلے فرمان **ولا تکسب** کی تاکید ہے مگر محققین مفسرین فرماتے ہیں کہ اس میں نئی بات فرمائی گئی کفار نے دو باتیں کہی تھیں ایک یہ کہ تم ہمارے کہنے سے مشرک ہو جاؤ اگر یہ شرک گناہ ہوا تو ہمارے نامہ ء اعمال میں لکھا جائے گا نہ کہ تمہارے

کیونکہ تم سے کفر ہم کرار ہے ہیں' دوسرے یہ کہ اگر گناہ تمہارے نامہ اعمال میں لکھا بھی گیا تو قیامت میں ہم رب تعالیٰ سے کہہ کرا پنے نامہ اعمال میں لکھوا لیں گے تمہارا نامہ ءاعمال صاف کرا دیں گے پہلی بات کی تردید پہلے جملہ **ولا تکسب** الخ میں کی گئی۔ دوسری بات کی تردید دوسرے جملہ **ولا تزر** الخ میں کردی گئی (روح المعانی) **لا تزر** بنا ہے وزر سے وزر کے معنی ہیں گناہ' گناہ کرنا بوجھ اور بوجھ اٹھانا یہاں بمعنی بوجھ اٹھانا ہے اور وزر بمعنی بوجھ ہے اخریٰ سے مراد دوسری جان ہے جو کسی کے کہنے سے گناہ کرے یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گی اس طرح کہ مجرم تو بالکل ہلکا پھلکا ہو جائے اور یہ اس کا بوجھ اٹھائے یا یہ مطلب ہے کہ قیامت میں کوئی مجرم دوسرے کا جرم اٹھانے کے لئے بخوشی تیار نہ ہو گا' یہ بات ضرور خیال میں رہے **ثم الی ربکم مرجعکم** ثم تراخی ذکری کے لئے ہے نہ کہ زمانی مہلت کے لئے یعنی پھر تم یہ بھی خوب یاد رکھو مرجع مصدر میمی ہے بمعنی رجوع کرنا لوٹنا' چونکہ سب بندے رب کے بھیجے ہوئے دنیا میں آئے ہیں اور کچھ دن کے لئے آئے ہیں کچھ کمانے کے لئے آئے ہیں' اس لئے رب کی بارگاہ میں حاضری کو رجوع اور لوٹنا فرمایا جاتا ہے **کم** میں خطاب سارے جن و انس سے ہے کہ حساب و کتاب کے لئے پیشی انہیں کی ہو گی۔ دوسری مخلوق تو ان کے خلاف یا ان کے موافق گواہی دینے کے لئے پیش ہو گی **فینبئکم بما کنتم فیہ تختلفون** یہ عبارت معطوف ہے **ثم الی ربکم** پر **ینبئ** بنا ہے' بناء سے بمعنی خبر دینا یہاں مراد ہے فیصلہ سنانا اور اپنا فیصلہ بندوں پر جاری کرنا **ما** میں **ما** سے مراد سارے عقیدے سارے اعمال ہیں جن میں کفار مومنین جھگڑتے ہیں یعنی رب تعالیٰ قیامت میں تم سب جھگڑنے والوں میں فیصلہ فرمائے گا۔ جزا و سزا وے گا اس فیصلہ سے پہلے اپنا انتظام کر لو۔

خلاصہ ءتفسیر : اس آیت میں رب تعالیٰ نے چھ چیزیں بیان فرمائی ہیں دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعمتیں اور دو قانون اور دو کفار کے انجام چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے بے وقوف مشرکو تم جو مجھے شرک کی طرف بلا رہے ہو تم اتنا نہیں سمجھتے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ میں سب کو دعوت توحید دینے والا بت شکنی کرنے والا لوگوں کو خدا پرست بنانے والا اللہ کے سوا کسی چیز کو رب مان لوں تمہاری عقل کہاں گئی۔ مجھے تو اللہ نے وہ شان بخشی ہے کہ جس پر نگاہ کرم کر دوں وہ بت شکن بن جائے اس فرمان عالی میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت بیان فرمائی گئی' غور تو کرو کہ جو چیز بھی اللہ کے سوا ہے اللہ اس کا رب ہے اور وہ اللہ کا بندہ ہے پھر وہ رب کیسے ہو سکتی ہے۔ عبدیت اور الوہیت کیسے جمع ہو سکتی ہیں اس خبر میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطلاع تمام چیزوں میں بیان فرمائی گئی کہ میں نے ہر شے کی مربوبیت اللہ کی ربوبیت آنکھوں دیکھی ہے یہ خیال رکھو کہ جو کوئی گناہ کرے گا شرک یا بدعملی وہ اسی پر پڑے گا اس کی سزا اسے ہی بھگتنا پڑے گی اتنے جز میں اسلام کے ایک قانون کا ذکر ہے کہ دنیا میں کوئی دوسرے کے گناہ کا ذمہ دار نہیں ہر ایک اپنے لئے گناہ کرے گا' تمہارا یہ کہنا محض غلط ہے کہ لوگوں کے گناہ ہم اٹھائیں گے کوئی نفس کسی کے گناہ نہیں اٹھا سکتا ہر ایک کو اپنی پڑ جائے گی یہ ہے دوسرا قانون کہ قیامت میں کوئی بوجھل نفس کسی کے بوجھ اٹھانے پر تیار نہ ہو گا۔ خیال رہے کہ کفار کی نیکیوں میں وزن نہ ہو گا۔ **فلا نقیم لھم یوم القیامۃ وزنا** اور ان کے گناہوں میں بوجھ ہو گا بے ادب کافر کے گناہوں کا بوجھ زیادہ باادب کافر کا کم ابولہب و ابوطالب میں فرق ہو گا کافر کے گناہ اس پر سوار ہوں گے مومن اپنی نیکیوں پر سوار ہو گا' وازرۃ وہ نفس جس پر اس کے گناہ سوار ہوں سب کا لوٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے وہاں ہی سب کو پیش ہونا ہے وہاں رب تعالیٰ تم میں ان باتوں کا فیصلہ فرما دے گا جن میں تم یہاں دنیا میں جھگڑتے اختلاف کرتے ہو ضروری ہے

کہ دنیا میں بندے بن کر رہو تاکہ تمہارا فیصلہ اچھا ہو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: جو بھی اللہ کے سوا ہے اللہ اس کا رب ہے اور وہ اب کی مربوب کوئی چیز اس کی ربوبیت سے علیحدہ نہیں ہر جگہ ہر حال میں ہر وقت اس کی ربوبیت سے ہر ایک کو ہر وقت حصہ مل رہا ہے مگر جیسا مربوب ویسا اس کا حصہ۔ یہ فائدہ رب کل شئی سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: گناہ کر کے اس کا عذاب کسی کو بخشنا ہرگز دوست نہیں یعنی ایصال ثواب تو درست ہے مگر ایصال عذاب درست نہیں۔ یہ فائدہ الا علیھا سے حاصل ہوا۔ ایصال ثواب سنت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم قربانی فرما کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرتے تھے اللھم ھذہ لا متی مالی بدنی ہر طرح کی عبادات کا ثواب بخشا جاسکتا ہے۔ تیسرا فائدہ: کوئی کسی کی طرف سے گناہ نہیں کر سکتا ہاں بعض نیکیاں دوسروں کی طرف سے کی جاسکتی ہیں۔ حج بدل کیا جاتا ہے کسی کی طرف سے قربانی کی جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی الا علیھا سے حاصل ہوا یعنی نیکی میں نیابت درست ہے گناہ میں درست نہیں۔ چوتھا فائدہ: قیامت میں کوئی شخص دوسرے کے جرم میں گرفتار نہ ہوگا اس طرح کہ مجرم تو چھوٹ جائے اور غیر مجرم پکڑا جائے ہر ایک کو اپنے ہی جرم کی سزا ملے گی۔ یہ فائدہ ولا تزروا زرۃ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی مجرم کو بغیر اس کے جرم دکھائے بتائے بلکہ بغیر گواہی قائم فرمائے بغیر اس سے اقرار کرائے سزا نہ دے گا۔ یہ فائدہ فینبئکم سے حاصل ہوا تھا۔ دنیا کی کچہریاں یہاں کے قائدے قوانین آخرت کی کچہریوں کا نمونہ ہیں حتیٰ کہ قبر میں پہلے امتحان میں فیل بندہ فیل ہوگا پھر دوزخ کی کھڑکی کھولی جائے گی' یہ اس کے عدل کا تقاضا ہے۔ چھٹا فائدہ: قبر میں صرف عقائد کی چھان بین ہوگی وہاں اعمال کی تحقیق جرح قدح نہ ہوگی مگر قیامت میں عقائد اور اعمال دونوں کی تحقیقات ہوگی۔ یہ فائدہ کنتم فیہ تختلفون سے حاصل ہوا کیونکہ مومنین اور کفار عموماً" عقائد میں مختلف ہوتے ہیں ان کا بنیادی اختلاف اسی میں ہے۔ ساتواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندے گنہگاروں کا بوجھ ضرور ہلکا کریں گے ان کے گناہ بخشوائیں گے۔ یہ فائدہ وازرۃ فرمانے سے حاصل ہوا جس میں فرمایا گیا کہ بوجھل نفس کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا جس سے معلوم ہوا کہ ہلکا اور بے گناہ نفس دوسرے کو ہلکا کرے گا۔ خیال رہے کہ ایک ہے کسی کا بوجھ اٹھالینا یہ تو کوئی نہ کرے گا کہ کسی کے گناہ اپنے ذمہ لے لے دوسرا ہے بوجھ اٹھوا دینا مٹا دینا یہ ان شاء اللہ قیامت میں ہوگا۔

پہلا اعتراض : یہاں اغیر اللہ ابغی ربا سوال کے طریقہ سے کیوں ارشاد ہوا نفی کے طریقہ پر لا ابغی فرمانا زیادہ مناسب ہوتا۔ جواب: مقصد تو نفی ہی ہے مگر سوال کے طریقہ سے ارشاد فرمانے میں نفی کے ساتھ تعجب کا اظہار بھی ہوگیا کہ مجھ جیسا اللہ کا نبی محبوب و مقرب بندہ شرک کر سکتا ہے بے وقوفو! تم اتنے بے عقل کیوں ہوگئے ہو اس میں کفار کی حماقت پر تعجب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت وغیرہ سب کا ہی ذکر ہوگیا۔ یہ باتیں لا ابغی فرمانے سے حاصل نہ ہوتیں۔ دوسرا اعتراض: تو پھر آگے وھو رب کل شئی کیوں ارشاد ہوا مناسب تھا کہ میں تو اللہ کا معصوم محبوب ہوں۔ جواب: اس جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کے ساتھ توحید الٰہی کی قوی دلیل کا بھی ذکر ہوگیا کہ مجھے معلوم ہے کہ ہر ماسوی اللہ کا رب تعالیٰ رب ہے اور ہر چیز اس کی پروردہ اور بندہ پھر کوئی چیز رب کیسے ہو سکتی ہے میں نے رب کی ربوبیت بندوں کی مربوبیت اپنی آنکھوں سے دیکھی ہے بلکہ سب کو میرے ہی ذریعے رب کی ربوبیت سے حصہ ملا ہے وہ رب العالمین ہے تو مجھے اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے اس ایک فرمان میں یہ سب باتیں بتادی گئیں۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر مجرم اپنے گناہ

میں خود ہی گرفتار ہوگا۔ جیسا کہ **الا علیھا** کے حصر سے معلوم ہوا مگر حدیث پاک میں ارشاد ہوا کہ گناہ کے موجد کو تمام گنہگاروں کے برابر سزا ملے گی وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا مفصل جواب ہم تیسرے پارہ میں **لھاما کسبت وعلیھا ما اکتسبت** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ گناہ کے موجد کو اپنی ایجاد گناہ کا ہی عذاب ہوگا نہ کہ دوسروں کے جرم کا مگر چونکہ ایجاد گناہ بدترین جرم ہے اس لئے اس کی سزا تمام گناہ کرنے والوں کے برابر ہے' اس اعتراض کے اور بہت جواب ہیں۔ یہ جواب کافی ہے باقی جوابات وہاں ہی دیکھو۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کوئی نفس دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا مگر دوسری آیت میں سرداران کفر کے متعلق ارشاد ہوا **ولیحملن اثقالھم و اثقالا مع اثقالھم** وہ اپنا بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور دوسروں کا بوجھ بھی ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے بہت جوابات ہیں آسان جواب دو ہیں ایک یہ کہ سرداران کفار بخوشی سب کا بوجھ نہ اٹھائیں گے ان پر جبراً" بوجھ لادے جائیں گے اس آیت میں بخوشی اٹھانے کی نفی ہے وہاں اس میں لادے جانے کا ثبوت لہٰذا دونوں آیات برحق ہیں دوسرے یہ کہ سرداران کفر اپنے ماتحتوں کا بوجھ اس طرح نہ اٹھائیں گے کہ ماتحت لوگ ہلکے ہو جائیں اس طرح اٹھائیں گے کہ ان پر بھی بوجھ باقی رہیں گے یہاں پہلی صورت کی نفی ہے وہاں دوسری آیت میں دوسری بات کا ثبوت ہے چونکہ سرداران کفر نے دو جرم کئے ہیں خود گمراہ ہونا دوسروں کو گمراہ کرنا اس لئے ان پر دوسروں کا بھی وبال پڑا۔ ماتحتوں نے یہ جرم کیا کہ ان کی بات مان کر ان کی صحبت میں رہ کر گمراہ ہوئے لہٰذا وہ بھی بوجھ تلے دبے۔ **پانچواں اعتراض:** اس کا کیا مطلب ہے کہ پھر تم سب کو رب کی طرف واپس ہونا لوٹنا ہے ہر بندہ ہر وقت رب کی قدرت رب کے علم رب کے تصرف میں ہے رب کے حضور حاضر ہے پھر لوٹنے کے کیا معنی لوٹ کر تو وہ آئے جو کہیں اس کے پاس سے گیا ہو' غائب ہو' **جواب:** لوٹنے کا مطلب یہ ہے کہ تم عالم ارواح سے ہی اس عالم اجسام میں نئے ہو' تمہارا یہاں رہنا عارضی ہے پھر تم اس عالم ارواح کی طرف واپس جاؤ گے لوٹنے کے تو یہ معنی ہیں چونکہ اس عالم میں کسی بندے کی عارضی اور ظاہری حکومت بھی نہیں ہے صرف اللہ تعالیٰ کے احکام وہاں جاری ہیں اس لئے وہاں جانے کو اللہ تعالیٰ کی طرف جانا فرمایا گیا۔ جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کر جانے کے متعلق فرمایا **انی ذاھب الی ربی** میں اپنے رب کی طرف جا رہا ہوں حالانکہ آپ عراق میں رہتے ہوئے بھی رب ہی کے پاس تھے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ تم لوگ جن چیزوں میں جھگڑ رہے ہو اس کی خبر رب دے گا' حالانکہ اس کے متعلق خبر تو دنیا میں بھی دے دی گئی ہے بذریعہ انبیاء کرام علماء عظام' آسمانی کتابوں کے' پھر وہاں خبر دینے کے کیا معنی؟ **جواب:** یہاں رب تعالیٰ نے صرف اطلاع کے طور پر خبر دی ہے وہاں فیصلہ اور سزا جزا کے طور پر خبر دے گا' اس خبر اور اس خبر میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں اولاً" حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محفوظیت' معصومیت کا ذکر ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و تصرف کا پھر ہر کاسب نفس کے متعلق قوانین الٰہیہ کا ذکر ہے۔ چنانچہ **ابغی ربا** تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معصومیت کا ذکر ہے اور **وھو رب کل شئی** میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم محیط کا ذکر ہے کہ میں نے ہر چیز کو بھی دیکھا' انہیں پرورش پاتے ان کی نوعیت پرورش کو دیکھا ہے پھر قوانین اسلام کا ذکر ہے' چنانچہ بطور تعجب کے سوال کے ارشاد ہوا کہ کیا میں محمد مصطفیٰ جس کی ذات جس کے صفات جس کے افعال جس کے تمام حرکات و سکنات قابل حمد ہیں جسے اللہ نے محمد کہا محمد کیا محمد بنایا وہ ذات ستودہ صفات اللہ کے ماسوا کو رب بنا سکتی ہے۔ جس کی عالی صفات کی شان یہ ہے کہ اس نے اپنی آنکھوں سے

دیکھا کہ اللہ ہر چیز کا رب ہے اس کی ربوبیت مخلوق کی مربوبیت میرے توسل سے ہے کہ اس کی ربوبیت سے جسے جو حصہ ملا میرے وسیلہ سے ملا قانون قدرت یہ ہے کہ ہر مجرم نفس اپنی ذمہ داری پر جرم کرے گا اس کے جرم صرف اسی پر ہوں گے مگر ہر فیض رساں نفس اپنی نیکیوں سے اپنے فیوض سے ہزاروں کو ترا دیگا کسب اور فیض میں فرق ہے یہاں کسب کا ذکر ہے اور قانون یہ ہے کہ بعض نفس خود بوجھل ہیں اور بعض نفس خود ہلکے ہیں اور ہزاروں بوجھلوں کو اپنے کرم سے ہلکا پھلکا کرنے والے ہیں وہ دریائے رحمت ہیں کہ جو گناہوں کے نمک سے لدا ہوا نفس اس میں ایک غوطہ لگائے نمک کو پانی بنا کر بہادیں اسے ہلکا کردیں۔ اسی لئے یہاں فرمایا گیا **لا تزروا زرة** کوئی بوجھل نفس کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا بوجھ میں دبے ہوئے نفس اور ہیں بوجھ ہٹانے والے نفس کچھ اور خیال رکھو کہ سب کو لوٹنا رب ہی کی طرف ہے کوئی اپنے آپ وہاں جائے گا۔ اپنی ذمہ داری پر اور کوئی کسی کے دامن کرم میں چھپ کر پھر ان کا فیصلہ رب ہی کرے گا وسیلہ والوں کا اور بے وسیلوں کا رب فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جهنم وردا**۔

حکایت : یہاں روح البیان نے توکل اور توحید کے متعلق ایک عجیب حکایت نقل فرمائی کہ مالک ابن دینار فرماتے ہیں کہ ایک بار میں حج بیت اللہ کے لئے روانہ ہوا راہ میں ایک صالح جوان کو دیکھا کہ بغیر سواری بغیر توشہ پیدل حج کو جارہا ہے میں نے اس سے بعد سلام پوچھا کہ اے جوان کہاں سے آتا ہے اور کہاں جارہا ہے وہ بولا رب کے پاس سے آرہا ہوں اور رب کے پاس جارہا ہوں میں نے کہا زاد راہ کہاں ہے بولا رب کے ذمہ میں نے کہا کہ یہ راہ بغیر کھانا پانی طے نہیں ہو سکتا وہ بولا میرے پاس پانچ توشے ہیں **کھیعص** یہ پانچ کافی ہیں میں نے کہا مجھے سمجھا وہ بولا کاف سے کافی ہ سے ہادی ی سے یاور (مددگار) عین سے عالم صاد سے صادق جب رب کافی بھی ہے ہادی بھی یاور بھی، عالم بھی، صادق الوعد بھی پھر مجھے کیا فکر ہے میں نے چاہا کہ اسے ایک قمیص پہنادوں کہ وہ ننگا تھا وہ بولا اے شیخ ننگا ہونا دار الفنا کے لباس سے افضل ہے دنیا کا حلال مال حساب ہے حرام عقاب جب رات ہوتی تو کہتا اے وہ کریم جسے طاعات پسند ہیں، ہمارے گناہ مضر نہیں اپنی پسندیدہ کی ہدایت دے اور میرے وہ گناہ بخش دے جو تجھے نقصان دہ نہیں پھر میں نے اسے منی شریف میں دیکھا کہ رہا تھا کہ الٰہی حجاج نے اپنی قربانیاں پیش کیں میرے پاس میری جان ہے اس کی قربانی قبول کر یہ کہا اور گر کر جان جان آفرین کے سپرد کردی میں نے ایک غیبی آواز سنی کہ یہ حبیب اللہ ہے یہ قتیل اللہ ہے جو سیف اللہ سے قتیل ہوا میں نے اس کا کفن دفن کیا رات کو خواب میں دیکھا پوچھا کہ رب نے تیرے ساتھ کیا کیا بولا جو شہداء بدر کے ساتھ کیا کہ وہ کفار کی تلوار سے شہید ہوئے اور میں جبار کی تلوار سے۔

جاں کہ نہ قربانی جاناں بود! جیفہ ء تن بہتر از آناں بود!
ہر کہ نہ شد کشتہ شمشیر دوست لاشہ مردار بہ از جان اوست

یہ ہے **ثم الی ربکم مرجعکم** کی زندہ جاوید تفسیر اللہ تعالیٰ ہم کو رجوع الی اللہ کی توفیق دے خوشی خوشی اس کی بارگاہ میں حاضر ہوں۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَکُمْ فَوْقَ
اور وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا تم کو خلیفہ زمین میں اور بلند کیا تم میں سے بعض کو اوپر بعض کے درجوں تاکہ
اور وہ ہی جس نے زمین میں تمہیں نائب کیا اور تم میں ایک کو دوسرے پر درجوں بلندی
بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَکُمْ فِیْ مَآ اٰتٰکُمْ ؕ اِنَّ رَبَّکَ سَرِیْعُ
امتحان کرے تمہارا اس میں جو دیا تم تحقیق رب تمہارا جلد عذاب والا
دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے
الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّہٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۶۵﴾
ہے اور تحقیق البتہ بخشنے والا ہے مہربان ہے.
دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے.

النصف

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ نفس اپنے کئے کا ذمہ دار ہے کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا اب اس کا ثبوت دنیاوی زندگی سے دیا جارہا ہے کہ دنیا میں اگلے لوگ اپنے کام کر گئے تم ان کے خلیفہ نائب ہوئے تو تم اپنے کام کرتے ہو' تمہارے کاموں سے وہ لوگ بے تعلق ہیں ان کے کاموں سے تم بے تعلق وہ اپنا رزق کھا پی گئے تم اپنا کھا پی رہے ہو پہن رہے ہو یہاں کے ان حالات میں غور کرو آخرت کا پتہ لگاؤ' دوسرا تعلق پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ تم سب کا لوٹنا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے اب ارشاد ہے کہ تمہارا یہ رجوع الی اللہ مختلف شانوں سے ہوگا کوئی مہمان بن کر کوئی دوست بن کر کوئی گرفتار ہو کر کیونکہ یہاں زندگی میں تمہارے حالات مختلف ہیں غرضیکہ رجوع الی اللہ کا ذکر پہلے ہوا اور نوعیت رجوع کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ ہم تم کو تمہارے اعمال کی خبریں دیں گے اب ارشاد ہے کہ یہ خبر محض قولی نہ ہوگی بلکہ عملی ہوگی کہ بعض کو عذاب میں گرفتار کیا جائے گا' بعض کو بخشا جائے گا۔

تفسیر : **وھوالذی جعلکم خلئف الارض۔** **ھوالذی** سے چار باتیں بیان ہوتی ہیں۔ اللہ کی شان' اللہ کی پہچان' اللہ کے نشان' اللہ کا احسان وانعام **ھوالذی** کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہو تو وہاں اللہ کا نشان یا اللہ کی پہچان کے لئے ہوتا ہے جیسے **ھوالذی ارسل رسولہ** یا جیسے **ھوالذی بعث فی الامیین رسولا منھم** کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نشان بھی ہیں اللہ کی پہچان بھی' بے نشان' بے پتہ والے سے جب ملنا ہو یا اسے خط لکھنا ہو تو کسی نشان والے کی معرفت اس سے ملا جاتا ہے' اللہ تعالیٰ مکان و پتہ سے پاک ہے جب اس سے ملنا ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نشان سے ملو۔

نشان بے نشاں بنکر زبان بے زباں بن کر ۔۔۔ وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا بن کر

یہاں چونکہ ایک نعمت کا ذکر ہے لہٰذا یہاں انعام احسان قدرت کے لئے ہے۔ یہ جملہ نیا ہے اس میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ او

احسان کا بیان ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے **ھو** اور **الذی** دونوں سے اللہ تعالیٰ مراد ہے **ھو** سے ذات الٰہی مراد ہے **الذی** سے اس کا احسان شان و قدرت مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ شان والا قدرت والا ہے **جعلکم** میں **جعل** بمعنی خلق نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں بنایا اسی لئے اس کے دو مفعول آئے پہلا مفعول کم دوسرا خلائف یہاں کم میں خطاب یا تو مسلمانوں سے ہے۔ تب خلائف سے مراد ہے آخری امت جو تمام گزشتہ امتوں کی نائب ہے چونکہ خطاب ہر فرد مومن سے ہے لہٰذا خلائف جمع فرمانا درست ہوا **الارض** سے مراد ہے ساری روئے زمین کہ اس زمین میں مختلف جگہ مختلف وقتوں میں مختلف امتیں گزریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ساری روئے زمین پر ایک امت ہے۔ جو سب امتوں سے پیچھے ہے یا کم میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سارے انسانوں سے ہے تو خلیفہ کے معنی ہیں نائب وارث یعنی اے موجودہ لوگو تم کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے گزشتہ باپ دادوں کا ان کی زمین میں وارث مالک بنایا کہ وہ چلے گئے تم نے ان کی جگہ سنبھال لی یا ہر زمانہ کے سارے لوگوں سے خطاب ہے یعنی اے موجودہ لوگو تم اپنے سے اگلوں کے نائب ہو اگلے جا رہے ہیں پچھلے ان کے خلیفہ و نائب بن رہے ہیں۔ خلائف جمع ہے خلیفہ کی۔ خلیفہ کے معنی' اس کی اقسام ہم پہلے پارہ میں **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں اگر خلیفہ صفت مشبہ ہے خلف کا بمعنی پیچھے تو خلیفہ کے معنی ہیں پیچھے آنے والا یا خلائف جمع ہے خلیفہ بمعنی بادشاہ کی اور کم میں خطاب ہے صحابہ کرام سے اور ارض سے مراد ہے زمین حجاز یعنی وہ اللہ وہ شان والا ہے۔ جس نے تم کو اے محبوب کے صحابہ زمین عرب یا زمین حجاز کا خلیفہ بادشاہ بنایا اس صورت میں **جعل** بمعنی مستقبل ہو گا۔ کیونکہ یہ آیت کریمہ مکی ہے اور فتوحات بعد ہجرت ہوئیں اس صورت میں اس میں آئندہ زمانہ خصوصاً عہد فاروقی کے فتوحات کی بشارت ہے غرضکہ اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں **ورفع بعضکم فوق بعض درجات** یہ عبارت معطوف ہے **جعلکم** پر' واؤ عاطفہ ہے رفع کے معنی ان کی تحقیقات تیسرے پارے میں **ورفع بعضھم درجات** کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ رفع کے معنی ہیں بلند کرنا اونچا کرنا اگر اس کے اور کسی جسم کا ذکر ہو تو مکانی بلندی مراد ہوتی ہے جیسے **یرفع ابراھیم القواعد** یا جیسے **ورفع ابویہ علی العرش** اور اگر اس کے بعد درجات وغیرہ کا ذکر ہو تو مکانی بلندی مراد نہیں بلکہ بلندی شان مراد ہے یہی فوق کا حال ہے کہ یہاں فوقیت مکانی مراد نہیں اس عبارت میں وہی چار احتمال ہیں جو ابھی پچھلی عبارت میں عرض کئے گئے کہ **بعضکم** میں خطاب یا سارے انسانوں سے ہے یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے موجودہ لوگوں سے یا مسلمانوں سے یا صحابہ کرام سے۔ رب العالمین نے سارے انسان سارے مسلمان سارے صحابہ کرام یکساں نہیں کئے بعض کو بعض سے افضل و اعلیٰ کیا بعض انسان اچھے ہیں بعض برے بعض فقیر بعض عالم بعض نیک کار بعض جاہل بعض قوی بعض کمزور بعض مومن بعض کافر بعض سعید ہیں بعض شقی۔ مومنین میں بعض گنہگار' بعض نیک کار' بعض ولی' بعض غوث' بعض قطب' بعض عالم' بعض عارف۔ حضرات صحابہ میں بعض مہاجرین ہیں' بعض انصار' کوئی صدیق ہے' کوئی فاروق' کوئی غنی' کوئی حیدر کرار غرضیکہ یکسانیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کے سوا دوسرے جانوروں میں اپنی شان یکتائی دکھائی کہ سب جانور بولی غذا' طریقہ زندگی میں یکساں مگر انسان میں اس نے اپنی شانیں دکھائی ہیں کہ ایک ماں کے چار بچے چاروں صورت' سیرت' نصیبہ' وغیرہ میں مختلف ہوتے ہیں ایک بھائی خوبصورت' خوش خلق' لکھ پتی دوسرا بدصورت' بدخلق' فقیر' یونہی قرآن میں ایک' کعبہ ایک' کلمہ ایک' نبی ایک' نماز' روزہ ایک' مگر اس قرآن و کلمہ سے بعض غوث و قطب بنتے ہیں بعض ہم جیسے گنہگار یونہی سب کو صحابی بنانے والے رسول

ایک مگر صدیق اکبر کی شان اور ہے حضرت بلال کی شان کچھ اور بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار بیٹیوں میں حضرت فاطمہ کی شان اور ہے بی بی زینب' رقیہ' کلثوم کی شان کچھ اور۔ ازواج پاک میں حضرت عائشہ' خدیجہ کی شان اور ہے دوسری ازواج کی شان کچھ اور لیبلو کم فیما ا تا کم اس عبارت کا تعلق ہے رفع سے یعنی تمہارے درجات مختلف کرنا ہماری عاجزی یا بخل کی وجہ سے نہیں ہم ان دونوں سے بلکہ تمام عیوب سے پاک ہیں ہم چاہتے تو سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں یا سارے صحابہ کو یکساں درجے والا بنا دیتے مگر اس اختلاف درجات میں تمہاری آزمائش ہے کہ اعلیٰ درجات والے اپنے ماتحتوں کو دیکھ کر شکر کریں اور شکر کا ثواب پائیں اور نیچے والے اوپر والوں کو دیکھ کر صبر کریں اور صبر کے درجے حاصل کریں وہ شاکر بن کر یہ صابر بن کر اللہ کے پیارے بنیں۔ اور ہو سکتا ہے کہ امتحان کا تعلق خلا ئف سے ہو یعنی اے مسلمانو یا اے صحابہ کرام اللہ تعالیٰ نے تم کو خلافت و سلطنت کے لئے نامزد فرمایا تاکہ تمہاری آزمائش کرے کہ تم سلطنت کا حق ادا کرتے ہو یا نہیں خلافت حکومت عیش کرنے کے لئے نہیں دی جاتی بلکہ رعایا میں عدل کرے۔ ملک سنبھالنے دین کی خدمت کرنے کے لئے دی جاتی ہے بلکہ اللہ کی ہر نعمت کا یہی حال ہے کہ اس کا حق ادا کیا جائے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے امتحانات ہوتے ہیں وہ رب کے علم کے لئے نہیں ہوتے' رب تعالیٰ تو علیم و خبیر ہے بلکہ انسانوں کو مختلف مرتبے جنت کے مختلف مقامات عطا فرمانے کے لئے ہوتے ہیں اس کی مفصل تحقیق دوسرے پارے میں ولنبلونکم بشی من الخوف کی تفسیر میں کی جاچکی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ عوام کے امتحان کا انجام اور ہوتا ہے خواص کے امتحان کا نتیجہ کچھ اور' خاص الخاص کے امتحان کا نتیجہ کچھ اور۔ میلا لوہا آگ میں تپ کر صاف ہو جاتا ہے' صاف لوہا بھٹی میں تپ کر قیمتی پرزہ بن جاتا ہے۔ سونا بھٹی میں تپ کر محبوب کے گلے کا زیور بن کر قرب محبوب پاتا ہے لیبلو کم ان سب کو شامل ہے ان ربک سریع العقا ب یہ نیا جملہ ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کی قدرت اور قہر کا ذکر ہے۔ سرعت' عجلت کا فرق اور عتاب و عذاب' عقاب کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ رب تعالیٰ جب عذاب کا ارادہ فرمائے تو آناً "فاناً "عذاب بھیج دیتا ہے اسے عذاب بھیجنے کی تیاری نہیں کرنا پڑتی کہ وہ قادر مطلق ہے ہاں بندوں پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں کرتا انہیں ڈھیل دیتا ہے لہذا وہ سریع العقاب تو ہے مگر مستعجل العقاب نہیں وہ حلیم ہے' بہت مہلت دیتا ہے وانہ لغفور رحیم یہ عبارت پہلے جملہ پر معطوف ہے اس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں' غفر اور رحم میں بہت طرح فرق ہے۔ گزشتہ گناہوں سے توبہ کی توفیق دینا مغفرت ہے آئندہ نیک اعمال کی توفیق دینا رحمت ہے۔ گزشتہ معاف کر دینا مغفرت نیکیاں' قبول فرمالینا رحمت ہے گناہوں پر سزا نہ دینا مغفرت ہے۔ نیکیوں پر ثواب بھی دینا انعام و اکرام بھی دینا رحمت ہے ہمارے گناہوں کو چھپالینا مغفرت ہے۔ ہماری نیکیاں سب پر ظاہر فرما دینا رحمت ہے' جس کا ظہور دنیا میں بھی ہو رہا ہے اور قیامت میں بھی ہوگا۔ ہم جس عذاب کے مستحق تھے اس سے بچالینا مغفرت ہے اور جس کرم کے ہم مستحق نہ تھے وہ عطا کر دینا رحمت ہے۔

مجھ خطا کار پر عطا پہ عطا ۔۔۔ اے مرے مہرباں ترے صدقے

سبحان اللہ کیسی پیاری سورت ہے۔ جس کی ابتدا الحمد للہ سے ہے اور انتہا انہ لغفور رحیم پر اللہ تعالیٰ ہم سب کی مغفرت بھی کرے اور ہم پر رحم بھی فرمائے (آمین)

خلاصہ ء تفسیر : وہ اللہ وہ شان والا قدرت والا کرم والا ہے۔ جس نے اے انسانو! تم کو روئے زمین میں خلیفہ بنایا کہ تم سے پہلے یہاں جنات آباد تھے انہیں پہاڑوں دریاؤں اور چھپے مقامات پر بھیج دیا تمہیں ظاہر زمین پر آباد کر دیا یا اے موجودہ انسانو! تم کو گزشتہ لوگوں کا خلیفہ و نائب کیا کہ انہیں موت دی تم کو ان کی عمارات باغات میں بسایا یا اے مسلمانو! تم کو ساری پچھلی امتوں کا خلیفہ 'ان کے بعد پیدا کیا کہ تم آخری امت ہو' تمہارے نبی آخری 'رسول تمہارا دین' آخری دین 'تمہاری کتاب آخری کتاب یا اے صحابہ کرام تمہارے لئے زمین کی خلافت حکومت' سلطنت نامزد کر دی کہ عنقریب تم کو زمین حجاز بلکہ عرب بلکہ ساری زمین کا بادشاہ بنا دیا جائے گا اس کی قدرت ہے کہ اس نے تم کو یکساں نہ بنایا بلکہ بعض کو دوسروں پر درجوں اونچا کیا شرف بخشا کہ بعض انسان امیر ہیں بعض غریب بعض عالم بعض جاہل 'بعض تندرست قوی 'بعض کمزور بیمار بعض گورے بعض کالے یا اے مسلمانو! مسلمان تم سب ہو مگر یکساں نہیں بعض گنہگار ہیں بعض نیک کار بعض عالم ہیں بعض جاہل بعض عام مومن ہیں بعض ولی غوث و قطب وغیرہ بعض فیض لینے والے بعض فیض دینے والے یا اے صحابہ کرام تم صحابیت میں یکساں ہو مگر تمہارے درجات مختلف ہیں بعض انصار ہیں بعض مہاجرین بعض مقربین ہیں بعض واصلین بعض خلفاء راشدین۔ یہ فرق درجات اس لئے نہیں کہ ہم تم کو یکساں بنانے پر قادر نہ تھے یا ہمارے ہاں کچھ کمی تھی کہ سب کو کمال یکساں نہ دے سکے بلکہ اس کا مقصد ہے تم سب کی آزمائش کہ اعلیٰ لوگ ان لوگوں کو دیکھ کر شکر کریں ادنیٰ اعلیٰ کو دیکھ کر صبر وہ شاکر بن کر یہ صابر بن کر ہم تک پہنچیں۔ ہم پر اعتراض نہ کرو ہماری اطاعت کرو ہمارا عذاب بھی جلد آجاتا ہے جب کسی پر عذاب بھیجنے کا ارادہ فرمالیں تو پھر عذاب میں دیر نہیں لگتی اس کے باوجود غفور بھی ہیں رحیم بھی تو کوشش کرو کہ ہماری مغفرت و رحمت سے حصہ پاؤ ہمارے عذاب سے بچ جاؤ۔

حدیث شریف میں ہے کہ جو مسلمان صبح کے وقت سورہ انعام کی تین آیات پڑھے۔ اللہ تعالیٰ اس پر ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتا ہے جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ (تفسیر مدارک)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: انسان سب سے آخری مخلوق ہے۔ جنات جانور وغیرہ سب پہلی مخلوقات ہیں یہ فائدہ خلائف الارض کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس زمین پر اولاً جنات رہے پھر جانور رہے پھر انسان مقصود اصلی آخر میں ہی آتا ہے کھیت میں دانہ باغ میں پھل آخر میں ہی آتا ہے۔ دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور یہ امت آخری امت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ کوئی نبی ہے نہ کوئی دوسری امت۔ یہ فائدہ خلائف الارض کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: زمین کی ملکیت میں میراث جاری ہے مگر آسمان میں توارث وغیرہ نہیں یہ فائدہ خلائف الارض فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنی موت یاد رکھے' دنیا کی کسی چیز میں دل نہ لگائے یہاں کے امانات تو ہمارے ہیں مگر یہاں کا مال دوسروں کا ہے۔ یہ فائدہ خلائف الارض کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: عام انسان 'عام مومنین نفس ولایت میں عام اولیاء' نفس نبوت میں سارے نبی یکساں ہیں مگر مراتب اور درجات میں بہت فرق ہے رب فرماتا ہے تلک الرسل فضلنا بعضہم علی بعض مگر دوسری جگہ فرماتا ہے لا نفرق بین احد من رسلہ ان دونوں آیتوں کا وہی مطلب ہے جو ابھی ہم نے عرض کیا۔ یہ فائدہ ورفع بعضکم سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: حضرات اولیاء اللہ و حضرات انبیاء کرام کے متعلق یہ تو کہا جا سکتا ہے کو بعض بعض سے افضل ہیں مگر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ بعض بعض سے کمتر ہیں کہ اس میں بے ادبی

ہے۔ یہ فائدہ بھی وو فع بعضکم سے حاصل ہوا جو تمام صحابہ کو یا سارے نبیوں کو یا سارے ولیوں کو درجات میں یکساں مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اس کے کسی کام پر اعتراض نہ کرنا چاہئے اگرچہ حکمت ہماری سمجھ میں نہ آئے یہ فائدہ لیبلو کم سے حاصل ہوا۔

آنکس کہ توانگرت نمی گرداند! او مصلحت تو از تو بہتر داند!

آٹھواں فائدہ: مومن کو اللہ سے خوف بھی چاہئے اور امید بھی اس پر مدار ایمان ہے۔ یہ فائدہ یہاں عقاب اور مغفرت و رحمت کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سے خوف پہلے چاہئے امید بعد میں یہ فائدہ عقاب کو مغفرت و رحمت سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا خوف کی بنا پر انسان برائیوں سے بچے گا امید کی بنا پر نیکیاں کرے گا اور گناہوں سے بچنا مقدم ہے۔ طہارت نماز سے، غسل وغیرہ زیورات سے پہلے ہے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت اس کے غضب سے زیادہ ہے دیکھو غضب کے لئے صرف عقاب ارشاد ہوا اور کرم نوازی کے لئے غفور، رحیم دو کلمات ارشاد ہوئے۔

پہلا اعتراض: دنیا میں خلیفۃ المسلمین تو صرف ایک ہی ہو سکتا ہے پھر یہاں خلائف جمع کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں خلافت اسلامیہ ہی مراد نہیں، بلکہ دوسرے معنی بھی مراد ہیں اگر خلافت ہی مراد ہو تب بھی مختلف وقتوں میں مختلف خلیفہ ہو سکتے ہیں ہاں ایک وقت میں چند خلیفہ نہیں ہو سکتے چند سلطان اسلام ہو سکتے ہیں بہرحال خلائف یا بنا ہے خلف سے بمعنی پیچھے آنا یا پیچھے ہونا یا بنا ہے خلافتہ سے اگر خلافتہ سے بنا ہو تو خلیفہ یا بمعنی نائب ہے یا بمعنی حاکم اسلام رسول اللہ کا جانشین اس لئے آیت واضح ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس زمین میں ہی پچھلے لوگ اگلوں کے وارث ہیں آخرت کا یہ حال نہیں وہاں کوئی کسی کا وارث نہیں مگر دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے و اورثنا الارض نتبوا من الجنتہ حیث نشاء جس سے معلوم ہوا کہ جنت میں بھی وراثت جاری ہو گی کہ مسلمان کفار کی جنتی جگہ کے مالک کئے جائیں گے آیات میں تعارض ہے؟ جواب: یہاں جعل ماضی ہے جس میں وارث بنا دیئے جانے کا ذکر ہے جنت کی وراثت تو آئندہ ہو گی یہاں اس کی نفی نہیں یہ مقصد بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اس کی وراثت کا حال دیکھ کر آخرت میں زمین جنت کی وراثت کا حال بھی معلوم کر لو، یہاں کی وراثت نسبی قرابت سے ہے وہاں کی وراثت ایمان و نیک اعمال سے ہے۔ تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ تو علام الغیوب ہے اسے بندوں کے امتحان لینے کی ضرورت ہی کیا ہے پھر کیوں ارشاد فرمایا لیبلو کم جواب اس اعتراض کا جواب دوسرے پارہ میں ولنبلونکم بشئی من الخوف کی تفسیر میں گزر گیا کہ امتحان ہمیشہ ممتحن کے علم حاصل کرنے کے لئے نہیں ہوتا کبھی انعام دینے، تمغہ عطا کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے یہاں رب کے امتحانات اس دوسری حکمت سے ہیں۔ تفصیل وہاں ہی دیکھو۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ بہت جلد عذاب دینے والا ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ حلیم ہے عذاب میں جلدی نہیں کرتا دونوں آیتوں میں تعارض ہے؟ جواب: ان آیات میں عجلت کی نفی ہے یہاں سرعت کا ثبوت ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں بندے کو اس کے جرم کرتے ہی پکڑ لینا تو بہ وغیرہ کی مہلت نہ دینا عجلت ہے مگر جب مجرم کا پیالہ بھر جائے اور دریائے غضب جوش میں آجائے تب فوراً پکڑ لینا سرعت ہے کہ رب نے عذاب دینا چاہا فوراً آ گیا نماز میں سرعت اچھی ہے عجلت بری ہے۔ پانچواں اعتراض: اللہ تعالیٰ کی رحمت مغفرت اس کے غضب و عذاب پر غالب ہے تو یہاں عقاب کا ذکر مغفرت رحمت سے پہلے

کیوں ہوا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اللہ کا عذاب بندوں کو ڈرانے کے لئے ہے' اور مغفرت و رحمت کا ذکر امید دلانے کے لئے اور خوف پہلے چاہئے امید بعد میں اس لئے عذاب و عتاب کا ذکر پہلے ہوا مغفرت و رحمت کا ذکر بعد میں۔

تفسیر صوفیانہ : بعض بنی آدم اپنے وقت کے آدم اور خلیفۃ اللہ فی الارض ہیں' جن کو رب تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے' چنانچہ انہیں **حی' قیوم' سمیع' بصیر' عالم' قادر' متکلم'** مریدبنایا۔

آدمی چیست برزخ جامع صورت خلق حق درو واقع
متصل باد ائق جبروت مشتمل ہر حقائق ملکوت

اس عطا میں ان کا امتحان ہے کہ وہ ان صفات کا شکر کریں اس کی نعمتوں سے اس کے گناہوں میں مدد نہ لیں کہ یہ ان نعمتوں کا کفران ہے بلکہ اس کی نعمتوں کو اس کی اطاعت میں خرچ کریں اور موت و فوت سے پہلے فرصت و موقعہ کو غنیمت جانیں۔

ترا کہ گفت کہ ایں زال ترک دوستاں کرد یہ ملتے کہ سپہرت دہد زراہ مرد!

اللہ تعالیٰ نے جیسے مال' منال' عزت اپنے بندوں کو اس لئے بخشے کہ ان سے شاکر و کافر کی چھانٹ ہو جائے یوں ہی حال' کمال' خلافت کی قابلیت اس لئے بخشی کہ اس سے حقیقی انسانوں اور صرف صورت کے انسان میں فرق ہو جائے جو اپنے ربانی صفات کو حیوانی صفات سے تبدیل کر دے اس کے لئے اللہ تعالیٰ جلد عذاب دینے والا ہے جو ان صفات کو سنبھال لے اس کے لئے رب تعالیٰ غفور بھی ہے رحیم بھی ہے۔ (از تفسیر روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض انسان اللہ تعالیٰ کو امید و لالچ سے مانتے ہیں' بعض خوف و ڈر سے' بعض دلائل سے اس لئے قرآن مجید میں امید کی آیات بھی ہیں' خوف ڈر کی آیات بھی دلائل قدرت کی آیات بھی۔ کیونکہ قرآن مجید سارے انسانوں کے لئے ہے' جس طبقہ کا انسان ہو اس طریقہ سے رب کو مان لیں یہاں رحمت و قدرت کے ذریعہ رب کو منوایا گیا ہے یہ حال یہ اقسام عقل والوں کے ہیں مگر عشق والے رب تعالیٰ اور اس کے رسول کو دل سے مانتے ہیں' انہیں منوانے کے لئے کسی مذکورہ چیز کی ضرورت نہیں دل کسی چیز کو نہیں چاہتا اللہ تعالیٰ دل والا بنائے ہم اپنے بچہ کو نہ امید و لالچ سے مانتے ہیں نہ خوف سے نہ دلیل سے صرف دل سے مانتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے شکر کی توفیق بخشے۔

الحمد للہ کہ سورۂ انعام کی تفسیر آج 17 ذی الحجہ 1387ھ' 17 مارچ 1968ء یکشنبہ پایہ تکمیل کو پہنچی۔ رب تعالیٰ پورے قرآن مجید کی تفسیر کی تکمیل کی توفیق بخشے' اسے قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و الہ و اصحابہ و بارک وسلم

احمد یار خاں مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات (پاکستان)

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ

اٰیَاتُهَا ۲۰۶ رُكُوْعَاتُهَا ۲۴

یہ سورۃ مکی ہے اس میں ۲۰۶ آیات اور ۲۴ رکوع ہیں

سورۃ' آیت' رکوع' منزل وغیرہ کے معنی' ان میں فرق ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ سورۃ قرآن مجید کا وہ حصہ ہے جس کا مضمون پورا ہو اور اس کا کوئی نام بھی ہو۔ سورۃ کے نام مختلف وجہوں سے ہوتے ہیں کبھی اس کے بعض الفاظ سے سورت کا نام رکھا جاتا ہے' کبھی خاص مضمون سے کبھی خاص مقصود سے۔ سورۂ اعراف کا نام۔

اس کے ایک مضمون سے رکھا گیا ہے کیونکہ اس میں اعراف کا ذکر ہے سورتیں دو قسم کی ہیں مکیہ۔ مدنیہ سورتوں کے مکیہ مدنیہ ہونے کی وجہ نہ تو یہ ہے کہ ان کا بھیجنے والا رب تعالیٰ مکی یا مدنی ہے وہ تو جگہ سے پاک ہے نہ یہ وجہ ہے کہ اس کے لانے والے جبریل مکی یا مدنی ہیں وہ تو سدرۃ المنتہیٰ کے رہنے والے ہیں نہ یہ وجہ ہے کہ لوح محفوظ جہاں سے قرآن آ رہا ہے وہ مکی مدنی ہے بلکہ اس کی وجہ ایک اور صرف ایک ہے وہ یہ کہ ان سورتوں کے لینے والے محبوب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب تک مکی رہے تب تک قرآن کی سورتیں آیتیں بھی مکی ہوئیں اور جب وہ محبوب مدنی بن گئے مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے تب قرآن کی سورتیں آیتیں بھی مدنی ہو گئیں بلکہ قرآن عربی زبان میں صرف اسی وجہ سے آیا کہ محبوب کی زبان عربی ہے۔

ذات پاک تو دریں ملک عرب کردہ ظہور زاں سبب آمدہ قرآں بزبان عربی

بعض لوگوں نے کہا کہ جس زمین میں سورتیں آیات آئیں اسی زمین کے نام سے ان کے نام ہوئے یہ بالکل غلط ہے ورنہ پھر تو

چاہئے تھا کہ بعض سورتیں آئتیں طاق ہی۔ بعض خیبری بعض تبوکی ہوتیں مگر ایسا نہ ہوا نیز سورہ فتح بعد ہجرت مکہ معظمہ میں نازل ہوئی تو چاہئے تھا کہ یہ مکی ہوتی مگر ہے مدنی بات وہی ہے جو ابھی فقیر نے عرض کی کہ سورتوں کے نام میں محبوب کے حال بتائے گئے ہیں کہ یہ سورت وہ ہے جو محبوب کے مکی ہونے کی حالت میں آئی اور یہ سورت وہ ہے جو محبوب کے مدنی بن جانے پر نازل ہوئی گویا مکہ والے نبی کی نسبت سے سورۃ مکیہ ہوتی ہے یعنی مکہ والے کی سورۃ اور مدینہ والے نبی کی نسبت سے سورہ مدنیہ ہوتی ہے یعنی مدینہ والے نبی کی۔ خیال رہے کہ مکی مدنی ہونا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر کے حالات ہیں روح پاک تو عرشی بلکہ لامکانی ہے۔

ہند والے انہیں مکی مدنی کہتے ہیں خلد والے انہیں سرو چمنی کہتے ہیں
پوچھا حوروں نے حضور آپ کا دولتخانہ ہنس کے بولے ہمیں مکی مدنی کہتے ہیں

بلکہ قرآن کے رکوع آیت۔ وقفہ۔ سکتہ یہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ہیں رکوع تو نماز کے ایک حال کا نام ہے اور آیت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سانس لینے کے لئے رکنے کا نام ہے وقفہ بغیر سانس توڑے کچھ دیر ٹھہرنے کا نام اور سکتہ بغیر سانس توڑے بہت کم دیر ٹھہرنے کا نام ہے ظاہر ہے کہ رکوع اور سانس اور سانس کے حالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ادائیں ہیں رب تعالیٰ ان سب سے پاک ہے یوں ہی حضرت جبریل کہ وہ نہ رکوع کریں نہ سانس لیں یوں ہی مکی مدنی ہونا قالب قرآن یعنی الفاظ قرآن کے حالات میں مضمون۔ مقصود اور جذبہ قرآن ان سب سے سواء ہے۔ بہرحال سورۂ اعراف مکیہ ہے مگر اس کی پانچ آئتیں یا آٹھ آئتیں مدنیہ ہیں **واسئلھم عن القریۃ** سے پانچ یا آٹھ آیات تک حضرت عباس کا یہی قول ہے (تفسیر خازن) نیز یہ ساری سورت محکم ہے سوا دو آیتوں کے کہ وہ منسوخ ہیں ایک **واملی لھم** الخ کہ وہ آیات جہاد سے منسوخ ہیں۔ دوسری **خذ العفو** یہ آیت بھی آیات جہاد سے منسوخ ہے (روح المعانی)۔

تعلق : سورۂ اعراف کا سورۂ انعام سے کئی طرح تعلق ہے ایک یہ کہ سورۂ انعام میں خلقت مخلوق' انبیاء کرام وغیرہم کا ذکر اجمالاً کیا گیا تھا۔ اس سورۃ میں ان چیزوں کی شرح اور تفصیل کی گئی ہے گویا یہ سورت اس سورت کی شرح یا تفصیل ہے چنانچہ وہاں تھا **ھو الذی خلقکم من طین** اور وہاں تھا **کم اھلکنا من قبلھم من قرن** اور وہاں تھا **ھو الذی جعلکم خلائف** اس سورت میں خلافت آدم علیہ السلام کی تفصیل قوم عاد و ثمود کی ہلاکت کا تفصیلی واقعہ مذکور ہوگا' دوسرا تعلق یہ ہے کہ سورۂ انعام میں جانوروں کا ذکر ہے جانور انسان اور جمادات کے درمیان گویا برزخ ہیں اس سورت میں اعراف کا ذکر ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان برزخ ہے' سورۂ انعام کی آخری آیات کی سورۂ اعراف کی اگلی آیات سے تعلق یہ ہے کہ وہاں صراط مستقیم اور قرآن مجید کے کتاب مبارک ہونے کا ذکر تھا یہاں اس صراط مستقیم پر چلنے اور قرآن مجید کی اتباع کا حکم دیا جا رہا ہے۔ (روح المعانی)

سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَتَانِ وَّسِتُّ اٰيَاتٍ وَّاَرْبَعٌ وَّعِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورۃ اعراف مکیہ ہے اس میں چوبیس رکوع دو سو آیتیں تین ہزار تین سو پچیس کلمے چودہ ہزار دس حرف ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میری ابتدا ساتھ نام اللہ کے عام رحمت والا خاص مہربانی

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ

الٓمّٓصٓ ۱ کتاب اتاری گئی طرف تمہارے پس نہ ہو سینہ میں تمہارے تنگی اس سے تاکہ ڈراؤ

الٓمّٓصٓ ۔ اے محبوب ایک کتاب تمہاری طرف اتاری گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے

بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

آپ اس سے اور نصیحت ہے واسطے ایمان والوں کے

اس لئے کہ تم اس سے ڈر سناؤ اور مسلمانوں کو نصیحت ۔

تعلق : اس آیت کریمہ کے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے اب اس کی مغفرت و رحمت بندوں تک پہنچنے کے ذریعہ کا ذکر ہے کہ میری مغفرت و رحمت میرے بندوں تک تمہارے ذریعہ اور اس کتاب کی معرفت پہنچے گی۔ اللہ تعالیٰ عالم کو منور کرنے والا ہے مگر سورج اور اس کی شعاعوں کے ذریعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قلب و جان کا سورج ہیں آیات قرآنیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شعاعیں ہیں ہمارے دل اندھیری زمین ہیں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہم کو یہ نعمتیں بخشتا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اس امت کے آخری امت ہونے کا ذکر تھا جعلکم خلائف اب اس آیت میں اس کتاب یعنی قرآن کے آخری کتاب ہونے اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری نبی ہونے کا ذکر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو آخری امت اور قرآن کو آخری کتاب بتایا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پہلے تشریف لے آئے تو قرآن میں پہلے ہی آجاتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بھی پہلی امت ہوتی دیکھو جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے پہلے جائیں گے تو آپ کی امت ساری امتوں سے پہلے جائے گی مقدم و موخر کرنے والے حضور ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے انسانوں کے درجات مختلف کئے اب ارشاد ہے کہ یہ اختلاف درجات قرآن حکیم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ لوگوں کو ہے' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے وابستہ ہو گیا وہ اونچا ہو گیا جو ان کی نظر سے گر گیا وہ نیچا ہو گیا۔

قسم خدا کی ہے وہ اٹھ سکا قیامت تک ۔۔۔ کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں بندوں کے امتحان کا ذکر تھا اور امتحان عموماً کتاب اور معلم کی صحبت کا ہوتا ہے ان دونوں کا ذکر اس آیت میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے دم سے انسانوں کا امتحان ہے یہاں بھی قبر میں بھی اور آخرت میں بھی۔ حتی کہ قبر کا امتحان کا آخری پرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان ہے۔

نکتہ: امتحان قبر میں توحید اور دین کے سوال میں ارشاد ہوگا' رب تیرا کون' دین تیرا کیا' مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ سوال نہ ہوگا کہ نبی تیرا کون بلکہ پوچھا جائے گا کہ ان کے متعلق کیا کہتا تھا اس فرق کی دو وجہیں ہیں' ایک یہ کہ وہاں رب اور دین دکھائے نہیں جاتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم دکھائے جاتے ہیں۔ اس لئے اس سوال میں بدا ہے دوسرے یہ کہ عشاق جان نثاروں کو موقعہ دیا جاتا ہے' ثناخوانی مدح گوئی کا پوچھتے ہیں اے بندے تو نے غائبانہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعتیں کہیں اور پڑھی ہیں اسے آج موقعہ ہے دیکھ وہ تیرے سامنے ہیں ہم سننے والے ہاں ذرا کہہ تو۔ تو انہیں اپنی زندگی میں کیا کہا کرتا تھا' اب عشاق کو موقعہ ہے کہ وہ نکیرین سے کہیں کہ اب جب تم نے پوچھ لیا تو جواب بھی سننا پڑے گا' اچھا بیٹھو سنو میں انہیں کیا کہتا تھا۔ خدا کرے اس جواب میں ہی قیامت آجائے نہ ہماری نعت خوانی ختم ہو نہ حساب قبر تمام ہو خدا کرے نظارہ یہ ہو۔

قبر میں جب فرشتے آئیں شکل خدا نما دکھائیں!
پڑھتا انھوں میں یا خدا صلی علی محمد
حشر میں سالک حزیں تھام کے دامن نبی
عرض کرے یہ برملا صلی علیٰ محمد

تفسیر: **المص** یہ آیت متشابہات قرآنیہ میں سے ہے۔ جس کا مطلب و مقصد یا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یا خاص اولیاء اللہ جانتے ہیں۔ ہم متشابہات کے متعلق پارہ اول **الم** کی تفسیر میں کچھ تفصیل سے عرض کر چکے ہیں کہ متشابہات قرآنیہ دو قسم کے ہیں نامعلوم المراد جنہیں آیات صفات کہتے ہیں دوسرے نامعلوم المعنی جنہیں مقطعات کہتے ہیں یہ مقطعات قرآنیہ میں سے ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ الف' لام' میم' صاد' یہ چاروں حروف یعنی' ا' ل' م' ص کے نام ہیں۔ حروف معانی بعض وہ ہیں جن کے اسم اور مسمی دونوں ایک ہی ہیں جیسے من' فی' مذ' منذ کہ یہ اسماء حروف بھی ہیں اور حروف بھی مگر حروف طبلی کے نام اکثر حروف کے خلاف ہوتے ہیں۔ اس میں گفتگو ہے کہ المص ایک کلمہ ہے یا پانچ کلموں کے مخففات ہیں بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ ایک کلمہ ہے اس سورت کا نام ہے یا اسماء الٰہیہ میں سے ایک نام ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شریف ہے بعض فرماتے ہیں کہ یہ پانچ کلمات کے مخفف ہیں۔ پھر اس میں گفتگو ہے کہ وہ پانچ کلمات کیا ہیں' حضرت ابن عباس فرماتے ہیں **انا' اللہ' اعلم** مصور کے **مخففات** ہیں' محمد ابن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ الف لام تو اللہ کے حرف ہیں' میم رحمٰن کا' صاد صمد کا بعض نے فرمایا کہ اس میں اس آیت کی طرف اشارہ ہے **الم نشرح لک صدرک** اور بہت سے قول ہیں واللہ ورسولہ اعلم۔ خیال رہے کہ جیسے قرآن مجید کی بعض آیات ظاہر ہیں بعض مخفی بعض مشکل بعض مجمل بعض متشابہ ان میں سے متشابہ ناقابل فہم' جہاں انسانی فہم کام نہیں کرتی یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض صفات ظاہر ہیں بعض خفی بعض مشکل بعض مجمل بعض متشابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت' رسالت' نبوت ایسی ظاہر ہے کہ جانوروں' چاند' سورج' چاند

تاروں، ذروں ذروں کو معلوم ہے مگر حقیقت محمدیہ ایسی مخفی کہ بجز پروردگار عالم یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کو نہیں معلوم، حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجاست　　　ایں قدر ہست کہ بانگ جرسے می آید

فرماتے ہیں لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل مولانا فرماتے ہیں۔

لی مع اللہ شان خود فرمودہٗ　　　من نہ دانم بندہٗ یا حق توئی

بلکہ بہت چیزوں میں اسی ظاہر خفی متشابہ کا چکر ہے ہمارے اعضاظاہر بالکل ظاہر ہیں اور باطنی اعضاء، دل، جگر، دماغ وغیرہ خفی ہیں لیکن روح گویا متشابہ ہے جس کا پتہ آج تک کسی کو نہ لگا کہ کیا ہے کیسی ہے بجلی کے بلب وغیرہ ظاہر ہیں مگر پاور گویا متشابہ ہے جو آج تک سمجھانہ جاسکا کتاب انزل الیک یہ عبارت نئی ہے جس میں کتاب موصوف ہے اور انزل صفت یہ مجموعہ یا فلک پوشیدہ کی خبر ہے انزل کے بعد من ربک پوشیدہ ہے یعنی یہ قرآن مجید ایسی کتاب ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے آپ کی طرف اتاری گئی۔ نزول قرآن کی ابتداء ذات باری تعالیٰ سے ہے اس کی انتہا ذات پاک محمد مصطفیٰ ہے اس لئے الیک ارشاد ہوا۔ پھر تبلیغ قرآن کی ذات پاک محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں دوسرے لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع اس لئے کہیں انزل علیک آتا ہے علیٰ کے ساتھ۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں چار چیزیں ہیں الفاظ، معنی، مقصد، اسرار، الفاظ، قرآن کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر ہوا معنی کا نزول دماغ شریف پر مقصد کا نزول دل مبارک پر اسرار کا نزول روح پاک مصطفوی پر اب پڑھوا نزل الیک دوسری جگہ ارشاد ہے انزل علی قلبک ان چاروں چیزوں میں سے جسے جو ملے گا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے ملے گا الفاظ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے ملیں گے۔ معنی قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے مقاصد قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ سے اسرار قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم سے اس لئے رب نے فرمایا یتلو علیہم ایاتہ ویزکیہم ویعلمہم الکتاب والحکمۃ اس سب کا سرچشمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات انور ہے اس چشمے کی پائپ لائن علماء و اولیاء کے سینے ہیں ہم جیسے لوگوں کے دل ان کی محتاج زمینیں ہیں فلا یکن فی صدرک حرج منہ یہ جملہ نیا ہے اس میں ف ترتیب کی لا یکن نہی ہے صدرک سے مراد ہے دل جو سینہ میں ہے حرج کے معنی تنگی، خوف، شک، تردد یہاں شک کے سوا باقی سارے معنی درست ہیں اور تردد سے مراد ہے تبلیغ فرمانے میں تردد کرنا سوچ بچار کرنا خوف سے مراد ہے قوم کی مخالفت کا ڈر یا پرواہ یعنی اے محبوب قرآن مجید کی وجہ سے آپ کے مبارک دل میں کفار کی پرواہ نہ ہونی چاہئے کہ وہ لوگ اسے قبول کریں گے یا نہیں نہ تردد چاہئے آپ اپنا کام کریں یعنی تبلیغ۔ رہا اثر وہ ہمارے سپرد کریں، اس کی تائید اس آیت سے ہے فلعلک تارک بعض ما یوحی الیک وضائق بہ صدرک ان یقولوا لولا انزل علیہ اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ، نے ترجمہ فرمایا تمہارا جی اس سے نہ رکے یعنی اس کی تبلیغ سے نہ رکے، قرآن مسلمانوں کو ان کا مقصد حیات یاد دلانے کے لئے آیا یا انہیں وہ وعدہ یاد دلانے کے لئے آیا یا جو وہ میثاق کے دن رب تعالیٰ سے کر کے آئے ہیں یا انہیں گزشتہ قوموں کے واقعات گزشتہ نبیوں کے حالات یاد دلانے کو آیا یا انہیں آئندہ پیش آنے والے واقعات یاد دلانے کے لئے آیا اور ہو سکتا ہے کہ ذکری بمعنی عزت ہو اور ہو سکتا ہے فلا یکن کی ف تعلیلیہ ہو اور اس جملہ میں انزل الیک کی حکمت کا بیان ہو اور لا یکن بمعنی نفی ہو یعنی صورۃ میں نہی معنی میں نفی یعنی ہم نے ساری دنیا کے لئے

دائمی کتاب قرآن مجید آپ پر اس لئے اتاری کہ اس کتاب کے لئے لائق آپ کا ہی دل ہمت والا ہے جو عرش اعظم سے زیادہ قوی ہے اس کتاب کا تحمل و برداشت سوا آپ کے دل اور کوئی چیز نہ کر سکتی تھی اس معنی کی تائید وہ آیت کرتی ہے **لو انزلنا هذا القران علی جبل لرایته خاشعا متصدعا من خشیته الله** جس میں فرمایا گیا کہ پہاڑ بھی قرآن مجید کے نزول کا تحمل نہیں کر سکتا تھا وہ بھی پھٹ جاتا یا وہ ایت **انا عرضنا الامانته علی السموات والارض** یہ دوسرے معانی نہایت ہی نفیس اور لذیذ ہیں۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر اور بنی اسرائیل کا جب نبی بنایا گیا تو آپ نے عرض کیا کہ الٰہی مجھے فرعون کے ظلم سے ڈر لگتا ہے میرا سینہ کھول دے زبان کی لکنت دور کر دے میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر بنا دے۔ یہ سب باتیں منظور ہوئیں تب آپ فرعون کے پاس گئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان یہ ہے کہ سارے عالم کا نبی آپ کو بنایا گیا' ابو جہل وغیرہ بہت سے فرعون سامنے آئے پھر پاس کوئی طاقت نہیں فوج خزانہ وغیرہ مگر کہیں ثابت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی گھبراہٹ ظاہر کی ہو **لتنذر به** اس عبارت کا تعلق **انزل الیک** سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ **لا یکن فی صدرک** سے تعلق ہو لام بمعنی کے ہے اس میں نزول قرآن کی حکمتوں میں سے ایک بڑی حکمت کا ذکر فرمایا ہے۔ یعنی اللہ کے بندوں کو اللہ کے عذاب اس کے عقاب' اس کے عتاب اس کی ناراضی سے ڈرانا **لتنذر** کا مفعول ذکر نہیں ہوا کیونکہ قرآن مجید سے ڈرانا سارے بندوں کو ہے مسلمان ہو یا کفار جن ہوں یا انس مگر اس کے ذریعہ بشارت دینا صرف مومنوں کو ہے **لتنذر** فرما کر یہ بتایا کہ قرآن کریم نذارت ہے نذیر نہیں' قرآن کریم بشارت ہے بشیر نہیں قرآن ہدایت ہے' ہادی نہیں قرآن حکمت ہے حکیم نہیں' قرآن حکیم ہے حاکم نہیں' بشیر' نذیر' ہادی' حکیم' حاکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جیسے صابن پانی وغیرہ پاکی صفائی کا ذریعہ ہیں پاک کرنے والے نہیں پاک کرنے والا تو دھونے والے کا ہاتھ ہے یوں ہی دلوں کو پاک کرنے والی نگاہ پاک مصطفیٰ کی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بھی بتایا کہ قرآن کریم آپ کے لئے نذارت نہیں بلکہ دوسروں کے لئے ہے اسی طرح قرآن مجید آپ کے لئے ہدایت نہیں لوگوں کے لئے ہے آپ تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ ہیں فرماتا ہے **هدی للمتقین** اور **هدی للناس' هدی لک** کہیں نہیں ارشاد ہوا جس میں **به** یا ذریعہ کی ہے ہ کا مرجع کتاب ہے **وذکری للمومنین** یہ عبارت معطوف ہے **لتنذر** پر اور اس سے پہلے تذکر پوشیدہ ہے اصل عبارت یہ تھی **ولتذکر المومنین ذکری** یہاں **ذکری** یاد دلانے نصیحت کرنے کے معنی میں ہے اور نصیحت سے مراد نیک اعمال کی نصیحت ہے چونکہ نیک اعمال صرف مسلمان ہی کر سکتے ہیں کہ اعمال کے لئے ایمان ایسا ضروری ہے جیسے نماز کے لئے وضو اس لئے یہاں **للمومنین** کی قید لگائی گئی یعنی قرآن مجید اس لئے بھی اتارا گیا تاکہ آپ مسلمانوں کو اس کے ذریعہ سے نصیحت کریں یہاں بھی وہی بات۔ خیال رہے کہ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ذکری یا نصیحت نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے نصیحت ہے نیز قرآن مجید نصیحت ہے ناصح حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دل کبھی بھی تبلیغ سے تنگ نہیں ہوا۔ آپ کو کبھی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ اگر اس کا اندیشہ ہوتا تو ابتداء ہجرت میں یہ آیت [illegible] کے بعد نہ آتی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں بہت صفات ہیں جن میں سے دو صفات کا [illegible]

خلاصہ تفسیر [illegible] اس میں قرآن مجید کے فضائل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ قرآن مجید [illegible] لاثانی کتاب ہے جو آپ کی طرف اتاری گئی' دوسری کتابوں کے لئے اور

نبی تھے مگر اس عالمگیر دائمی کتاب کے لئے آپ منتخب کیے گئے کہ ایسی کتاب کے لئے آپ جیسا عالمگیر دائمی نبی ہونا چاہئے اگر قرآن کسی اور نبی پر آتا تو دوسری کتب کی طرح یہ بھی منسوخ ہو جاتا اور اس کا حلقہ بھی محدود ہوتا کیونکہ نبوت منسوخ ہونے سے نبی کا دین نبی کا کلمہ نبی کی کتاب سب ہی منسوخ ہو جاتے ہیں چونکہ آپ کی نبوت عالمگیر ہے غیر منسوخ ہے اس لئے یہ قرآن بھی عالمگیر اور غیر منسوخ ہے لہٰذا آپ کے دل شریف میں اس کتاب کی وجہ سے کوئی فکر تردد کفار کی مخالفت کا خوف نہ ہونا چاہئے' بے دھڑک آپ اس کتاب کی تبلیغ فرمائیں یا یہ قرآن آپ پر اس لئے اتارا گیا کہ آپ ہی کا سینہ دل و جگر وہ قوی ہے جو اس کتاب کی برداشت کر سکے آپ کے دل میں اس سے کوئی تنگی نہ ہوگی آپ کا دل عرش و کرسی سے بھی زیادہ فراخ اور قوی ہے یہ قرآن آپ پر اس لئے اتارا کہ آپ مومنوں کو نصیحت کریں انہیں نیکیوں کی طرف بلائیں' قرآن مجید ذکریٰ ہے آپ مذکر ہیں' قرآن نذارت ہے آپ نذیر ہیں' قرآن بشارت ہے آپ بشیر ہیں' قرآن نصیحت ہے آپ ناصح ہیں' قرآن آپ کے ساتھ ایسا وابستہ ہے جیسے سورج کے ساتھ شعاعیں' موصوف کے ساتھ صفات۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جسے اللہ تعالیٰ قرآن مجید کی دولت عطا فرمائے اس کا دل وسیع' اخلاق کا بلند لوگوں سے بے نیاز' مخالفین سے بے خوف ہونا چاہئے یہ فائدہ **فلا یکن فی صدرک** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف میں ہے **لیس منا من لم یتغن بالقران** جو قرآن مجید کے ذریعہ غنی و بے نیاز نہ ہو جائے وہ ہماری جماعت سے نہیں۔

کیوں نہ وہ بے نیاز ہو تجھ سے جسے نیاز ہو

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا وسیع دل فراخ سینہ عطا فرمایا ہے کہ عرش اعظم میں بھی ایسی وسعت نہیں ہے۔ اسی وسعت و ہمت سے تو آپ نے نزول قرآن کی تحمل و برداشت کی' یہ فائدہ **فلا یکن فی صدرک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت ارفع و اعلیٰ ہے۔ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کرم ہو جائے وہ وسیع القلب ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است | من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست
در دل مومن بگنجم اے عجب | گر مرا جوئی دریں دلہا طلب

تیسرا فائدہ: قرآن مجید بذات خود بھی اعلیٰ و اشرف کتاب ہے اور اس لئے بھی کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کا رقبہ لامحدود ہو گیا نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید نسخ سے محفوظ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کی تلاوت مومن کی قبر کے اندر اور قبر پر ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کریم کی دھوم دھام قیامت میں ہوگی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن کریم کا چرچا جنت میں بھی ہوگا کیونکہ ان سب جگہوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا راج ہے جہاں تک سلطان کی حکومت وہاں تک اس کے چرچے' قوانین کا چلن ہوتا ہے یہ فائدہ بھی **کتاب انزل الیک** سے حاصل ہوا نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو فنا ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دم سے وابستہ چیزوں کو زوال' نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو فنا۔ **چوتھا فائدہ**: قرآن مجید خود ڈرانے والا نہیں بلکہ وہ ڈرانے کا ذریعہ ہے اسی لئے قرآن مجید کا نام بشیر و نذیر نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بشیر بھی ہے' نذیر بھی یہ فائدہ لتنذر بہ

سے حاصل ہوا لتنذر کا فاعل تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا اور ذریعہ ہدایت قرآن مجید کو لتنذر بہ کی بہ میں غور کرو۔ **پانچواں فائدہ:** قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈر کا ذریعہ نہیں یہ فائدہ بھی لتنذر بہ سے حاصل ہوا کہ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اس قرآن کے ذریعے آپ ڈریں' اس کی تحقیق سورہ بقر کے شروع میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں کی جاچکی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** قرآن مجید کی نذارت عام ہے مگر بشارت خاص ہے یعنی اسی کے ذریعہ ڈرایا سب کو جائے گا مگر بشارت خاص مومنین متقین کو دی جائے گی۔ یہ فائدہ بھی لتنذر سے حاصل ہوا کہ یہاں تنذر کا مفعول ذکر نہیں ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** نیک اعمال کے لئے ایمان شرط ہے بغیر ایمان کوئی نیکی قبول نہیں' نہ اس کا ثواب ہے۔ یہ فائدہ **ذکری للمومنین** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ذکریٰ کے ساتھ مومنین کی قید لگائی گئی۔ **آٹھواں فائدہ:** قرآن مجید تاقیامت ہر درجے کے مومن کے لئے نصیحت ہے' مومن خواہ فاسق ہو یا متقی ولی ہو یا عام۔ یہ فائدہ للمومنین کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ مگر جیسا مومن ویسی اس کے لئے نصیحت۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید ازلی و قدیم نہیں بلکہ حادث اور نوپیدا ہے کیونکہ ازلی قدیم چیز اولنے بدلنے اترنے چڑھنے سے محفوظ ہے اور قرآن مجید اتری ہوئی کتاب ہے۔ **جواب:** قرآن مجید کلام الٰہی قدیم ازلی ہے باقی اس کے حروف۔ نقوش ازلی نہیں نزول انہیں نقوش و حروف کا ہوا ہے۔ ہاں یہ نقوش و حروف اس کلام ازلی پر دلالت کرتے ہیں (تفسیر کبیر) اس کی بحث علم کلام میں ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان خدا تعالیٰ کو اوپر والی جگہ میں مانتے ہیں ورنہ قرآن مجید اتارنے کے کیا معنی اور جو جگہ میں ہو وہ خدا نہیں۔ (آریہ) **جواب:** قرآن اتارنے کے معنی یہ کہ فرشتہ قرآن لے کر اترا کہ اس نے بہ حکم الٰہی لوح محفوظ میں قرآن دیکھا اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آکر سنایا' فرشتے جگہ میں رہتے ہیں۔ (تفسیر کبیر)۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں انذار یعنی ڈرانے کو ذکر یعنی نصیحت سے پہلے کیوں بیان فرمایا گیا۔ **جواب:** اس لئے کہ ڈرانے سے ایمان دیا جاتا ہے اور نصیحت سے نیک اعمال اور ایمان اعمال سے پہلے ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں ڈرانے کو مطلق کیوں فرمایا یہ کیوں نہ فرمایا کہ آپ کفار کو ڈرائیں؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ قرآن مجید کا ڈرانا صرف کفار کے لئے نہیں بلکہ کفار' مومنین' فاسقین' غافلین' عاقلین' واصلین' سب ہی کے لئے ہے' ہاں جیسا شخص ویسا اسے ڈرانا لہٰذا تنذر کو مطلق فرمانا بالکل درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نزول قرآن ڈرانے کے لئے ہوا حالانکہ قرآن مجید میں آیتیں بشارت کی' احکام کی' ذات و صفات الٰہیہ کی' قصوں' مثالوں کی بھی ہیں اور بعض آیات متشابہات بھی ہیں جن کے مطلب مقصد عقل انسانی سے وراء ہیں ان سے ڈر بشارت وغیرہ کچھ بھی حاصل نہیں ہوتے پھر یہ کیونکر درست ہوا کہ قرآن مجید ڈرانے کے لئے اترا۔ **جواب:** یہ اعتراض جب درست ہوتا جبکہ یہاں کوئی کلمہ حصر کے لئے ہوتا یعنی یہ کہ صرف ڈرانے کے لئے ہے۔ قرآن مجید کے نزول میں صدہا حکمتیں ہیں جن میں سے ایک حکمت ڈرانا بھی ہے دوسری حکمتوں کا ذکر دوسری آیات میں ہے کہیں فرمایا لتبشر بہ کہیں ارشاد ہوا **ھدی للمتقین** کہیں فرمایا گیا **ذکر لک ولقومک** غرضیکہ۔

کلام اللہ یہ نام خدا کیا راحت جاں ہے ۔۔۔ عصائے پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

چھٹا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں تنگی گھبراہٹ تھی۔ تبلیغ کی ہمت نہ تھی تب

ہی تو رب نے فرمایا کہ دل تنگ نہ ہو اگر تنگی نہ ہوتی تو اس سے ممانعت کیوں فرمائی جاتی۔ جواب: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ فرمانا کہ یا تو علماء صالحین کو سنانے کے لئے ہے، خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا امت کو ہے جیسے **یا ایھا النبی اتق اللہ** یا جیسے **یا ایھا النبی اذا طلقتم النساء** علماء کو چاہئے کہ جب انہیں اللہ تعالیٰ قرآن کا علم دے تو وہ کسی کی پرواہ نہ کریں کسی کی خوشامد نہ کریں اللہ پر بھروسہ رکھیں یا یہ فرمان عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت افزائی کے لئے ہے جیسے رب فرماتا ہے **والقران الحکیم انک لمن المرسلین** اے محبوب قرآن کی قسم تم رسول ہو کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ تھی کہ ہم نبی ہیں جیسے مہربان باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ خدا کی قسم تو میرا بیٹا مجھے پیارا ہے یہاں بھی اسی طرح ارشاد ہے کہ اے محبوب تم پر قرآن اتارا ہم گھبرانا نہیں کسی کی پرواہ نہ کرنا خاص کرم کا اظہار ہے۔

تفسیر صوفیانہ : **المص** چار حرفوں کے نام ہیں جن میں چار چیزوں کی طرف اشارہ ہے الف سے ذات احدیت کی طرف، لام سے ذات احدیت مع صفت علم کی طرف، میم سے حقیقت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب۔ یعنی نفس محمدیہ حقیقت محمدیہ۔ ص سے صورت مصطفیٰ کی طرف، یعنی آپ کے جسم اطہر آپ کے ظاہر کی جانب جس میں اشارۃ" فرمایا گیا کہ بندوں کا تعلق ذات احدیت سے بواسطہ حقیقتہ محمدیہ ہی ہو سکتا ہے اور اس کے صفات سے تعلق بواسطہ صورت محمدیہ ہی ممکن ہے یہاں عقول کافی نہیں وصول کی حاجت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو علم قرآن اور عمل بالقرآن تو دنیا میں تشریف آوری کے وقت ہی سے عطا ہو گیا تھا بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم بالقرآن پیدا ہوئے نزول قرآن یعنی الفاظ قرآن کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کان شریف پر نزول ہوا۔ یہ ظہور نبوت کے وقت سے شروع ہوا اسی طرح تبلیغ قرآن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اول ہی سے شروع فرمادی تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا تبلیغ تھی مگر انذار بالقرآن یعنی خلق کو ڈرانا اور ڈرا کر بلانا نزول قرآن سے شروع ہوا اس کا یہاں ذکر ہے۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول ہی سے عالم بالقرآن عامل بالقرآن تھے اس لئے نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دلی تنگی کا باعث نہ ہوا کہ آپ کے لئے یہ نئی چیز نہ تھی۔ جانی مانی پہچانی تھی نزول قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم و عمل کرنے کے لئے نہیں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے سے عالم و عامل تھے بلکہ ڈرانے بشارت دینے لوگوں سے عمل کرانے کے لئے ہے انہی دو چیزوں کا یہاں خصوصیت سے ذکر ہے، اسرار قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں ہیں احکام قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں ہیں۔ الفاظ قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک پر، نقوش قرآن کاغذوں وغیرہ میں، نزول الفاظ کا ہے نقوش قرآن اس کی طرف راہ نما۔

نکتہ عجیبہ : الف اور لام میں آپس میں بڑی مناسبت ہے وہ یہ کہ الف کے درمیان میں لام ہے اور لام کے درمیان میں الف ہے لکھ کر دیکھ لو پڑھ کر دیکھ یعنی الف نے لام کو اپنے سینہ میں لے رکھا ہے اور لام نے الف کو۔

میان طالب و مطلوب رمزے است کراماً کاتبیں راہم خبر نیست!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم کو اس پر ناز ہے کہ قرآن ہمارا ہے مگر قرآن کو اس پر ناز ہے کہ وہ محمد رسول اللہ کا ہے بلکہ کلمہ نماز ساری عبادت پر ہم ناز کرتے ہیں مگر یہ چیزیں اس پر ناز کرتی ہیں کہ ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اختیار فرمایا ہم کو اس پر ناز ہے کہ ہم اللہ کے بندے ہیں مگر دست قدرت کو اس پر ناز ہے کہ محمد رسول اللہ میرے بندے ہیں۔ فرماتا ہے **ھو الذی ارسل**

رسولہ بالہدی اس لئے ارشاد ہوا کتاب انزل الیک قرآن مجید کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اترنا باعث فخر و عزت ہے خیال رہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت قرآن مجید سے ہے ذکر لک و لقومک یوں ہی قرآن مجید کی عزت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے قرآن مجید کا رقبہ وسیع ہوا نسخ سے محفوظ ہوا' تعویذ بن کر گلوں پڑا شفا رحمت بنا۔

اِتَّبِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ
پیروی کرو اس کی جو اتارا گیا طرف تمہارے پاس سے رب تمہارے کے اور نہیں پیروی کرو اس کے مقابل
اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے
قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۝۳
والیوں کی بہت تھوڑی نصیحت قبول کرتے ہو تم۔
پیچھے نہ جاؤ بہت ہی کم سمجھتے ہو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں نزول قرآن کی دو حکمتوں کا ذکر ہے' ڈرانا اور نصیحت اب اس کی تیسری حکمت کا ذکر ہے یعنی اس پر عمل اس کی اتباع چونکہ وہ دونوں فائدے علمی تھے اور یہ تیسرا فائدہ عملی ہے اور علم پہلے ہوتا ہے عمل بعد میں اس لئے ان دونوں کے بعد اس تیسرے فائدہ کا ذکر ہوا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں قرآن کریم کے اس تعلق کا ذکر ہوا جو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے' اب اس تعلق کا ذکر ہے جو اسے دوسرے لوگوں سے ہے۔ یعنی قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تبلیغ کے لئے ہمارے پاس آیا اتباع اور عمل کے لئے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں نزول قرآن کا ذکر تھا' یہاں نزول احادیث کا ذکر ہے چونکہ درجہ قرآن اعلیٰ ہے اس لئے پہلے اس کا ذکر ہوا بعد میں یہاں احادیث کا۔ گویا ایمان کے دو بازوؤں میں سے ایک کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے یا ایمان کے دل کا ذکر پہلے تھا اور اس کے دماغ کا ذکر اب ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں دو چیزوں کا اجمالی ذکر تھا انذار و تذکرہ اب اس آیت میں انہیں دونوں کی تفصیل ہے۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفسیر یا تشریح یا تفصیل ہے۔ پانچواں تعلق: تبلیغ کا تعلق تین ذاتوں سے ہے۔ (1) مرسل۔ (اللہ تعالیٰ) (2) رسول۔ (3) مرسل الیہ۔ (امت) جن میں دو کا ذکر پہلے ہوا۔ تیسرے یعنی امت کا ذکر اب ہے (تفسیر کبیر) گویا پہلے ارشاد ہوا کہ اے رسول آپ تبلیغ فرمادیں۔ اب ارشاد ہے اے امت تو نبی کی اطاعت کر۔

تفسیر : اتبعوا یہ عبارت نئی ہے لہذا اس سے پہلے کوئی فعل پوشیدہ نہیں مگر تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ پوری آیت بیان ہے لتنذربہ کا لہذا اس سے پہلے کوئی قل پوشیدہ ہے اور یہ کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ جو رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوایا یعنی چونکہ یہ قرآن اس لئے اترا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کو ڈرائیں لہذا آپ فرمادیجئے کہ اتباع کرو' اتباع کے لغوی معنی ہیں کسی کے نقش قدم پر اس کے پیچھے پیچھے چلنا اس لئے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کو اتباع نہیں کہا جاتا کہ وہ قدم اور نقش قدم سے پاک ہے اس کا مادہ تبع ہے بمعنی پیچھے۔ جہاں کہیں قرآن یا دین یا ملت کی اتباع کا حکم ہے وہاں اس کے معنی ہیں ان چیزوں کے زیر حکم اور ان کے لانے والوں کے نقش قدم پر چلنا یہاں یہی مراد ہے قرآن مجید کی اکثر آیات احکام میں تخصیص اور تشابہات میں دیکھو اقیموا الصلواۃ کے حکم سے کفار' ناپاک عورتیں علیحدہ ہیں یونہی اتوا الزکوۃ غریب' مساکین علیحدہ ہیں مگر ایمان' اطاعت' اللہ و رسول' اتباع رسول کے احکام کی آیات میں کوئی تخصیص نہیں چنانچہ یہاں روئے سخن سارے مکلفین سے ہے' مومن ہوں یا کافر مرد ہوں یا عورتیں انس ہوں یا جن۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب ہی کے نبی ہیں اور قرآن مجید سب کے لئے واجب العمل۔ مگر جیسا شخص ویسی اس کی اتباع۔ کفار قرآن کے عقائد اختیار کریں مومنین قرآن کے احکام پر عمل کریں غافلین قرآن کی تشابہات پر عمل کریں واصلین قرآن کے اسرار و رموز کی اتباع کریں' غرضیکہ لفظ اتبعوا ایک ہے مگر اس میں صدہا امور ہیں بلکہ جن اور فرشتے جانور' کنکر' پتھر سب پر یہ حکم حاوی ہیں۔ دیکھو رب فرماتا ہے کہ نبی کے گھر بغیر اجازت نہ جاؤ' چنانچہ ملک الموت بھی اجازت لے کر حاضر ہوتے ہیں' قرآنی حکم ہے کہ نبی کے بلانے پر آجاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طلب پر بار ہا درخت اپنی جگہ سے ہٹ کر حاضر بارگاہ ہوگئے۔ قرآن میں حکم ہے کہ نبی کی اطاعت کرو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے درختوں کنکروں نے کلمہ پڑھا' حکم سے چاند پھٹا۔ سورج لوٹا ایک حکم سے بادل آیا برسا دوسرے حکم سے چلا گیا یہ ہے اتبعوا ما انزل الیکم کی وسعت ما انزل الیکم من ربکم یہ عبارت اتبعو کا مفعول ہے۔ ماانزل سے مراد قرآن مجید اور سنت رسول اللہ سب ہی ہے اسی لئے یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ قرآن' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے افعال و اعمال' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوابیں' بلکہ صحابہ کرام کی وہ خوابیں جن کی تصدیق نبوت سے ہوگی سب ہی لازم العمل ہیں اور ما انزل اللہ میں داخل دیکھو حضرت خلیل کی خواب سے ہم پر قربانی لازم ہوئی صحابہ کرام کی خواب سے اسلام میں اذان شائع ہوئی غرضیکہ ما انزل اللہ بہت وسیع ہے۔ پھر خیال رہے کہ قرآن مجید کے الفاظ بھی رب کی طرف سے ہیں اور مضامین بھی۔ حدیث شریف کے مضامین تو رب کے اتارے ہوئے ہیں مگر الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسی لئے حدیث کو وحی خفی یا وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ سارا قرآن ساری احادیث قابل اتباع ہیں خواہ قابل عمل ہوں یا نہ ہوں لہذا منسوخ آیات و حدیث یوں ہی متشابہات اگرچہ ان پر عمل ناجائز ہے مگر اتباع ان کی بھی ضروری ہے۔ ان کی حقانیت پر ایمان لاؤ یہ مانو کہ ان پر عمل یا ان میں غور کرنا ممنوع ہے۔ جہاں متشابہات کی اتباع سے منع فرمایا گیا ہے وہاں مراد ہے ان کے معنی مطلب کے پیچھے پڑنا لہذا یہاں ماانزل بالکل عموم پر ہے۔ الیکم میں اگر الیٰ بمعنی لام ہو تب تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں کیونکہ سارا قرآن' ساری احادیث بندوں کے نفع کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتاری گئی ہیں اور اگر الیٰ اپنے معنی ہی میں ہو یعنی انتہاء کے لئے تو مطلب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سارے مکلفین کے امام ہیں اور ان پر اترنا ان سب پر اترنا

ہے' جیسے معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رب کو دیکھا تو گویا ساری امت نے بالواسطہ دیکھا عیسیٰ علیہ السلام پر غیبی دستر خوان آیا تو گویا کل پر آیا للنذ الیکم فرمانا بالکل درست ہے۔ باغ کھیت پر بارش آنا ہم سب پر آنا ہے کہ وہاں کے پھل دانے ہم سب ہی کھائیں گے رب فرماکر ادھر اشارہ کیا کہ ہم تمہارے ظاہر و باطن دونوں کی پرورش کے لئے آیات و احادیث کا تم پر مینہ برساتے ہیں۔ نیز یکم فرماکر یہ بتایا کہ تم اپنے مربیوں کی ہر نرم گرم بات یہ سمجھ کر مان لیتے ہو کہ یہ ہمارے مربی ہیں ان کے ہر حکم میں ہماری مصلحت ہے' ماں کی کڑوی دوائیں اس کی مار سختی جھیل جاتے ہو ہم تو تمہارے رب ہیں ہمارے ہر حکم میں تمہاری مصلحت ہے ہم تم کو زکوۃ کا حکم دیں مان لو' جہاد کا حکم دیں قبول کرلو۔ خیال رہے کہ یہاں تک ان کا ذکر ہوا جن کی اتباع ضروری ہے اب ان کا ذکر ہے جن سے اجتناب و پرہیز لازم ہے کہ علاج میں دوا پرہیز دونوں ضروری ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہوا **ولا تتبعوا من دونہ اولیا** یہاں لا تتبعو میں بھی خطاب سارے مکلفین سے ہے جن ہوں یا انسان کافر ہو یا مومن **لاتتبعوا** فرماکر بتایا کہ ان مردودوں کی نہ باتیں مانو نہ ان کے لئے اعمال کرو **دونہ** میں ہ کا مرجع یا تو رب تعالیٰ ہے یا **ما۔ انزل**' **دون' الا' سوی' غیر** کے فرق ہم بارہا بیان کرچکے ہیں۔ **دون** اکثر اس **ملسولہ** کو کہتے ہیں۔ جو دور رہو 'غیر ہو' مقابل ہو کٹا ہوا ہو جہاں **ولی من دون اللہ** فرمایا جاتا ہے وہاں دشمنان خدا' کفار' شیاطین ہی مراد ہوتے ہیں' اولیاء اللہ انبیاء کرام مراد نہیں ہوتے اس کا بہت خیال چاہئے اس **ولی من دون اللہ** کی تفسیر یہ آیات ہیں۔ **والذین کفروا اولیاء ھم الطاغوت۔** (2) **انا جعلنا الشیاطین اولیا للذین لا یومنون۔** (3) **انھم اتخذوا الشیاطین اولیاء من دون اللہ** پتہ لگا کہ اولیاء **من دون اللہ شیاطین** طاغوت' کفار ہیں یا پھر وہ لوگ جو شیاطین و کفار کے پیروکار ہوں ان کی اتباع سے روکا گیا ہے **دون** اور **ولی من دون اللہ** کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن میں ملاحظہ فرماؤ اور اگر اولیاء بنا ہے **ولایت** بمعنی حکومت سے تو اس سے مراد ہیں وہ احکام جو خلاف شرع احکام ہیں' جیسے کفار و فساق'۔ بے دین حکام' کہ خلاف شرع احکام میں کسی کی اطاعت و اتباع نہیں کوئی حاکم نماز روزے وغیرہ سے روکے تو اس کی اطاعت نہیں **قلیلا ما تذکرون** یہ عبارت گویا **لا تتبعوا** کی دلیل ہے یعنی تم میں چونکہ ذکرو تذکر کم ہے لہٰذا برے حکام' برے ولی کی اتباع نہ کرو اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے ما تنکیریہ ہے اس لئے **قلیلا** کی کی کو اور بڑھادیا' یہ دونوں تذکرون کا مفعول ہیں اس صورت میں اس عبارت کے وہی معنی ہیں جو ہم نے عرض کئے اس میں خطاب کفار سے یعنی اے کافرو تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو تم سن چکے کہ قرآن مجید لوگوں کو ڈرانے' مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے لئے نازل ہوا اور حضور محمد مصطفیٰ پر نازل ہوا (صلی اللہ علیہ وسلم) تو تم پر لازم ہے کہ تم ان تمام چیزوں کی پیروی کرو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے نفع کے لئے یا تمہاری طرف نازل کیا گیا خواہ وہ قرآن ہو یا محبوب کے فرمان۔ اس کے مقابل کافر سرداروں' بے دین پوپ پادریوں' اللہ کے دشمن حاکموں کے احکام کی پیروی نہ کرو کیونکہ تم میں تذکرہ عقلی بہت کم ہے تم ہر قدم پر رہبر کے محتاج ہو اگر تم نے رہبروں کو چھوڑ کر رہزنوں کی پیروی کی تو تم گم کردہ راہ ہوکر بہت سخت عذاب میں پھنس جاؤ گے۔ یہ قرآن مجید اور یہ محبوب تمہاری دستگیری ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: قرآن مجید کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت ہر شخص پر فرض ہے خواہ وہ کسی جگہ کا رہنے والا اور کبھی پیدا ہو۔ کوئی بھی ان سے مستغنی نہیں۔ یہ فائدہ **اتبعوا** عام اطلاق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: زندگی کی ہر حالت میں ان دونوں کی پیروی ضروری ہے اور کوئی شخص کسی حالت پر پہنچ کر ان سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ جو کہے کہ بندہ خدا تک پہنچ کر قرآن و حدیث سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ کافر مطلق ہے یہ فائدہ **اتبعوا** مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ مطلق اور عام کا فرق علم اصول فقہ میں مفصل مذکور ہے ایسے جھوٹے خدا رسیدہ مردودوں کو چاہئے کہ وہ کھانے' پانی' ہوا' سورج سے بے نیاز ہو کر دکھادیں۔ تعجب ہے کہ یہ جھوٹے مدعی سورج ہوا غذا سے بے نیاز نہیں مگر آسمان نبوت کے سچے سورج حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے بے نیاز ہو جاتے ہیں مرنے کے بعد غذا ہوا کی ضرورت نہیں رہتی مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حاجت پھر بھی رہتی ہے۔ **تیسرا فائدہ**: قرآن مجید کی طرح سنت نبوی کی اتباع بھی ضروری ہے بلکہ سنت کے بغیر قرآن مجید کی اتباع ناممکن ہے۔ یہ فائدہ **ما انزل** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی۔ **چوتھا فائدہ**: سنت رسول اللہ کی اتباع کا درجہ قرآن مجید کی اتباع کے برابر ہے یعنی ان دونوں کی اتباع بالکل یکساں چاہئے ان دونوں میں کوئی ترتیب نہیں۔ یہ فائدہ بھی **ما انزل** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **اتبعوا القرن ثم سنته النبی** نہیں فرمایا گیا۔ یہ بات خوب سمجھ لو حتیٰ کہ سنت سے قرآن کا نسخ جائز بلکہ واقع ہے۔ دیکھو اہل قرابت کی وصیت کرنا' بندوں کو سجدہ تعظیمی کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے' حدیث شریف سے منسوخ ہے اس کی مکمل بحث ہم تیسرے پارہ میں **ما ننسخ من** آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن و حدیث حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئیں اور ہمارے نفع کے لئے نازل ہوئیں۔ اسی لئے قرآن کریم سے صرف ہم کو ہدایت ہے یہ فائدہ **الیکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا' جبکہ الیٰ بمعنی لام ہو۔ **چھٹا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ساری امت کی اصل ان کے امام ہیں۔ رب تعالیٰ کا ان پر کرم ساری امت پر کرم ہے یہ فائدہ **الیکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الیٰ بمعنی انتہا ہو کہ پہلے فرمایا گیا **انزل الیک** اور یہاں ارشاد ہوا' **انزل الیکم** **ساتواں فائدہ**: قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر ہیں جیسے ظاہری غذائیں نعمتیں اس کریم کی جسمانی ربوبیت کا مظہر ہیں ایسے ہی یہ دونوں اس رب کی روحانی ربوبیت کا مظہر۔ یہ فائدہ یہاں **من ربکم** فرمانے سے حاصل ہوا۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

آٹھواں فائدہ: قرآن و حدیث کے مقابل کسی کا قول' کسی کا حکم قابل قبول نہیں' اگرچہ وہ کسی درجہ کا ہو کسی پایہ کا ہو۔ یہ فائدہ **ولا تتبعوا** سے حاصل ہوا جس کسی کی اطاعت ہو گی وہ قرآن و حدیث کے ماتحت ہو گی۔ **نواں فائدہ**: عقل انسانی ہدایت کے لئے کافی نہیں اس کے لئے نبی کی دستگیری ضروری ہے یہ فائدہ **قلیلا ما تذکرون** سے حاصل ہوا' عقل انسانی ہوائی جہاز' راکٹ' بجلی بنا سکتی ہے مگر یار کو نہیں منا سکتی ایمان و ہدایت نہیں بنا سکتی۔ **دسواں فائدہ**: اتباع اور اطاعت میں بڑا فرق ہے اسی لئے **واولی الامر** بھی فرمایا گیا **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** مگر اتباع کے موقعہ پر **اولی الامر** کا ذکر نہیں ہوا۔

پہلا اعتراض : اتباع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے اس کے نقش قدم پر چلناتو قرآن و حدیث کی اتباع کیسے ہو سکتی ہے نہ ان کے قدم ہیں نہ نقش قدم۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کی اتباع نہیں ہو سکتی کہ وہ ان دونوں سے پاک ہے۔ اسی لئے قرآن مجید میں کہیں **اتبعوا اللہ** نہیں فرمایا گیا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ایسے موقعہ پر اتباع کے معنی ہوتے ہیں بلا تامل اطاعت یا اس کے بتائے ہوئے راستہ پر چل پڑنا۔ حدیث شریف میں ہے **اتبعوا السواد الاعظم** دوسرا اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ اتباع قرآن اور اتباع سنت بالکل یکساں ہے ان میں ترتیب نہیں۔ حالانکہ تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ اولاً" کتاب اللہ ہے پھر سنت رسول اللہ ان میں ترتیب تو ہے' پھر تمہارا یہ قول کیسے درست ہوا۔ جواب: یہ ترتیب احادیث کی اسنادوں کی وجہ سے ہمارے لئے ہے کہ اکثر احادیث ہم تک ظنی ہو کر پہنچیں۔ قطعی متواتر احادیث ہمارے لئے بھی قرآن مجید کی طرح ہی قابل عمل ہیں جیسے نماز کی تعداد' ان کی رکعات' زکوۃ کی مقدار' حضرات صحابہ کے لئے یہ فرق نہ تھا' دیکھو حضرت ابو بکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زبان سے سن لیا کہ ہم گروہ انبیاء نہ کسی کے وارث ہوں نہ کوئی ہمارا وارث ہو۔ حالانکہ قرآن مجید میں میراث کی آیات موجود ہیں توانہوں نے یہ نہ کہا کہ چونکہ حدیث کا درجہ قرآن کے بعد ہے اور قرآن نے میراث تقسیم کرنے کا حکم دیا ہے لہٰذا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث تقسیم کروں گا بلکہ بے تامل یہ حکم دے دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر شریف' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقبرہ بنے گا اور آپ کی ساری املاک وقف ہوگی' کسی کو میراث میں نہ ملے گی اور کسی صحابہ نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔ کیونکہ انہوں نے یہ حکم عالی اپنے کانوں سے سنا تھا ان کے لئے قطعی تھا۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہے **اتبعوا ما انزل** اور ظاہر ہے کہ منزل صرف قرآن مجید ہے وہی آسمان سے بذریعہ جبریل اترا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے الہام وغیرہ منزل نہیں وہ صرف ملقی ہو سکتے ہیں یعنی دل میں ڈالے ہوئے نہ کہ اتارے ہوئے لہٰذا صرف قرآن کی اتباع چاہئے (چکڑالوی)۔ جواب: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دلی القابھی آسمان ہی کی طرف آتے ہیں جن کا ظہور دل پاک پر ہوتا ہے دیکھو بارش آسمان کی طرف سے آتی ہے اور لوہا بظاہر زمین میں سے یعنی کان سے نکلتا ہے' یعنی نیچے سے مگر قرآن کریم نے دوسروں کے لئے انزال فرمایا **انزلنا من السماء ماء**" اور لوہے کے بارے میں کہا **وانزلنا الحدید** حتیٰ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کو انزال فرمایا کہ ارشاد فرمایا **قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا** ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قلب پاک الہامات الٰہیہ کی کان ہے لہٰذا اس میں قرآن و حدیث دونوں داخل ہیں۔ چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **اتبعوا ما انزل الیکم** حالانکہ سارا قرآن اور ساری احادیث قابل عمل نہیں' بعض آیات واحادیث منسوخ ہیں بعض متشابہات۔ بعض صرف قصے غرضیکہ ساری آیات واحادیث کی اتباع کیسے کی جائے اور اس آیت پر عمل کیونکر ہو؟ جواب: ایسی تمام آیات واحادیث کی اتباع یہ ہے کہ ان پر ایمان لایا جائے اور متشابہات میں غور و فکر نہ کیا جائے اتباع بہت عام ہے۔ پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں صرف قرآن و حدیث کی اتباع کا حکم دیا گیا لہٰذا صرف ان دونوں ہی کی اتباع چاہئے' قیاس مجتہدین کی اتباع کرنا حنفی شافعی بننا اس آیت کے خلاف ہے۔ (وہابی) جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی' دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ مولویوں کی اتباع بھی نہ چاہئے کسی عالم سے مسئلہ نہ پوچھا جائے نیز پھر اجماع امت اور اجماع صحابہ کی بھی اتباع نہ چاہئے۔ اب بتاؤ کہ حضرت صدیق و فاروق رضی اللہ عنہما کی خلافت قطعیہ یقینیہ کیسے ثابت کرو گے ان کی خلافت اجماع سے ثابت ہے حتیٰ کہ اس کا انکار کفر ہے۔ حضور انور صلی اللہ

علیہ وسلم فرماتے ہیں **علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین** تم میری اور حضرات خلفاء راشدین کی سنت پر مضبوطی سے عمل کرو' جواب تحقیق یہ ہے کہ قیاس پر عمل در حقیقت قرآن و حدیث پر ہی عمل ہے مجتہد علت مشترکہ کی وجہ سے قرآن یا حدیثوں کا حکم دوسری جگہ پہنچاتا ہے۔ دیکھو حدیث پاک میں آٹھ چیزوں کے متعلق ارشاد فرمایا کہ ان میں سود حرام ہے۔ سونا چاندی گندم نمک جو وغیرہ پھر مجتہدین نے فرمایا کہ چاول باجرہ وغیرہ میں بھی سود حرام ہے۔ کیونکہ حرمت کی علت ان میں بھی موجود ہے یا جیسے قرآن مجید نے فرمایا کہ چاند و سورج کو سجدہ نہ کرو فقہاء نے فرمایا کہ بادشاہوں امیروں یا کسی انسان یا کسی مخلوق کو سجدہ نہیں کرو کیونکہ حرمت کی علت یہاں بھی موجود ہے۔ یہ قرآنی حکم ہی ہے جو ان مقامات پر پہنچایا گیا دریا سے نہریں اور نہروں سے جو نالے نکالے جائیں ان سب میں دریا ہی کا پانی ہوتا ہے جو ان نہروں نالوں کے ذریعہ وہاں پہنچایا جاتا ہے جہاں دریا نہیں پہنچا۔ اس کی مفصل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ امام مجتہدین احکام بنانے والے نہیں بلکہ حاکم کے احکام سنانے والے' پہنچانے والے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ ولیوں پیروں مشائخ کی اتباع نہ چاہئے' صرف قرآن و حدیث کی اتباع ضروری ہے فرماتا ہے **ولا تتبعوا من دونه اولیاء** پھر تم لوگ ولیوں کی فرمانبرداری کیوں کرتے ہو۔ **جواب:** یہاں اولیاء **من دون** کی اتباع سے منع کیا گیا ہے نہ کہ اولیاء کی اتباع سے ہم نے ابھی تفسیر میں بھی مختصرا" اور اپنی کتاب علم القرآن میں مجملا ولی اللہ اور ولی **من دون** اللہ کا فرق بیان کیا ہے۔ شیاطین' پوپ' پادری' سرادار ان کفریہ ہیں **اولیاء من دون اللہ**۔ دیکھو تفسیر جو ابھی عرض کی گئی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام کے لئے فرمایا **اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم** میرے صحابہ تارے ہیں تم جس کی اتباع کرو گے ہدایت پا جاؤ گے۔ صحابہ کرام بھی تو اولیاء اللہ ہی ہیں۔ رب فرماتا ہے **فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون** دیکھو ہم کو ذکر والوں یعنی ولیوں عالموں کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ غرضیکہ ولی اللہ اور ولی من دون اللہ میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے الفاظ قرآن استاذ کے ذریعہ' اوصاف آیات قاریوں کے ذریعہ ہم تک پہنچتے ہیں ایسے ہی مقاصد قرآن مجتہدین کے ذریعہ اور اسرار قرآن مشائخ کے ذریعہ ہمارے دماغ اور دل تک پہنچتے ہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کے کرم سے ان حضرات کے ذریعہ ہم کو ملتے ہیں استاذ عالم الفاظ کے قالب میں ہم تک قرآن کے احکام پہنچاتا ہے اللہ کے مقبول بندے اپنی نظر' اپنے عمل' اپنی توجہ کے غلاف میں ہم تک قرآن مجید کے فیوض و برکات انوار پہنچاتے ہیں باذن پروردگار یہاں حکم دیا گیا کہ اے بندو رب کی طرف سے جو واردات' الہامات' احکام اللہ کے بندوں کے ذریعہ سے پہنچے تم اس کی بے دھڑک اتباع کرو کہ یہ سب رب کی طرف سے تم کو ملا ہے۔ یہ بندے واسطہ اور ذریعہ ہیں ابھی بیان پر عمل کرو پھر کبھی عیاں تک پہنچ جاؤ گے۔ اولا" **ایاک نعبد** پر عمل کرو' عبادات سے مجاہدہ کرو پھر **ایاک نستعین** پر یعنی ہم تیرا ہی معائنہ کرتے مشاہدہ کرتے ہیں نستعین بنا ہے عین سے معنی آنکھ سے مشاہدہ کرنا غرضیکہ مجاہدہ کے بعد مشاہدہ ہو گا۔ خیال رہے کہ اس راہ میں بہت راہ مار پھرتے ہیں جو شکل انسان میں شیطانی ہیں یہ **اولیاء من دون اللہ** ہیں' ان کے جبہ و دستار سے دھوکہ نہ کھانا ان کے جال میں نہ پھنس جانا ان کی اتباع نہ کرنا ورنہ ہلاک ہو جائے گے تم لوگ عقل کے کوتاہ ہو اس سے کسی فضل والے کے دامن کرم میں رہنا اس جنگل میں بہت شکاری جانور رہیں۔

بائیں رستہ نہ جا مسافر سن راہ ہے راہ مار پھرتے ہیں! (اعلیٰ حضرت)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اتباع اور صحبت کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ اچھوں کی اتباع دل نرم کرتی ہے بروں کی اتباع دل سخت کرتی ہے دل نرم ہو تو کچھ نہیں بنتا اس لئے ہم کو اچھوں کی اتباع کا حکم ہے' بروں کی اتباع سے بچنے کا حکم ہے اس آیت کو ختم فرمایا **قلیلا ما تذکرون** پر۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ جیسے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو ورق سادہ کی طرح ہوتا ہے کہ جو چاہو اس پر لکھ دو یا سفید لباس کی طرح کہ جس رنگ میں چاہو رنگ دو تم بڑے سے بڑے عاقل ہو کر بھی دین کے معاملہ میں بچہ کی طرح ناسمجھ ہو بے وقوف ہو جیسی صحبت ہوگی ویسے تم ہوگے۔ اس سے پتہ لگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ہماری فطرت سے جدا گانہ ہے' ہم بروں میں پیدا ہوں تو برے بن جاتے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت ایسی ہے کہ بروں میں آئے اچھے ہوئے بلکہ ان بروں کو اچھا بنالیا۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا

اور بہت سی بستیاں برباد کر دیں ہم نے بس آیا ان پر عذاب ہمارا رات میں یا اس حالت میں کہ وہ قیلولہ میں

اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے تو ان کے منہ سے

كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾

تھے۔ پس نہیں تھی انکی پکار جب آیا ان پر عذاب ہمارا مگر یہ کہ انہوں نے کہا کہ بے شک ہم مجرم تھے۔

کچھ نہ نکلا جب ہمارا عذاب ان پر آیا مگر یہی بولے کہ ہم ظالم تھے۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں قرآن مجید کے نزول کی دو حکمتیں بیان ہوئیں سب کو ڈرانا مسلمانوں کو نصیحت کرنا اب ڈرانے کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ ان کو پچھلی امتوں کی ہلاکت کے واقعات سنائے جا رہے ہیں گویا یہ آیتیں پچھلی آیت کی تفصیل ہیں ڈرانے کی بہت صورتیں ہیں۔ آئندہ عذابوں سے ڈرانا۔ گزشتہ قوموں کے عذاب سنا کر ڈرانا' اللہ کی قدرت اس کی بے نیازی بیان کر کے ڈرانا وغیرہ وغیرہ یہاں دوسری صورت کا ڈرانا ہے۔ یعنی گزشتہ عذاب یاد دلا کر ڈرانا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اتباع قرآن کا حکم دیا گیا تھا' اب اتباع نہ کرنے کے نقصانات کا ذکر ہے اتباع یا تو ڈرا کر کرائی جاتی ہے یا لالچ سے۔ ڈر کر اتباع زیادہ ہے لالچ کی اتباع سے۔ گویا پچھلی آیت میں حکم تھا اس آیت میں اس حکم پر عمل کراتا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ رب تعالیٰ کے مقابل کسی کی اتباع و اطاعت نہ کرو نہ حاکم کی نہ بے دین عالم کی۔ اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ مصیبت پڑنے پر بالکل کام نہیں آتے چنانچہ گزشتہ قوموں کا حال دیکھ لو کہ عذاب آنے پر ان کے گمراہ حکام بے دین پوپ پادری کچھ کام نہ آسکے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں کتاب و سنت کی اتباع کا حکم دیا گیا اب فرمایا جا رہا ہے۔ اس صحت و زندگی کو غنیمت جانو جو کرنا ہے کر لو ورنہ پھر سوائے پچھتانے کے اور کچھ نہ ہوگا' اس کے لئے پچھلی امتوں کے حالات بیان ہو رہے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں اتباع کا حکم تھا اب اتباع کے وقت کو مقرر فرماتا ہے۔

تفسیر : **وکم من قریتہ اھلکنا ھا** یہ جملہ نیا ہے جس میں **وکم من قریتہ** مبتداء ہے اور **اھلکنا ھا** اس کی خبر ہے یہاں

کم خبریہ ہے بمعنی بہت ہی یا کتنی ہی اس لئے اس کی تمیز میں من ارشاد ہوا **قریۃ** مطلقاً بستی و آبادی کو کہتے ہیں خواہ شہر ہو یا گاؤں شہر کو بلد گاؤں کو بدو کہا جاتا ہے جیسے **لا اقسم بھذا البلد** اور جیسے **جاء بکم من البدو** یہاں بستیوں سے وہ بستیاں مراد ہیں جن میں رسول بھیجے گئے اور وہاں کے باشندوں نے ان کی نافرمانی کی انہیں دکھ دیئے۔ جیسے قوم لوط، قوم شعیب و صالح علیہم السلام کی بستیاں۔ چونکہ برباد ہونے والے اجڑنے والے مقامات بعض شہر تھے بعض گاؤں اس لئے یہاں قریہ ارشاد ہوا جو دونوں کو شامل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ قریہ سے مراد بستی والے لوگ ہیں کیونکہ آگے ہے **اھلکنا ھا** اور **اھلکنا ھا** میں ہلاکت سے مراد عذاب کے ذریعہ برباد کرنا ہے نہ کہ طبعی موت سے اور **اھلاک** سے مراد ہے عذاب و ہلاکت کا ارادہ کرنا یا حکم دینا۔ خیال رہے کہ تمام عذاب والی بستیوں کو عذاب کے فرشتوں نے ہلاک کیا تھا مگر چونکہ فرشتوں کا یہ عمل رب تعالیٰ کے حکم سے تھا نیز اللہ تعالیٰ کے مقبولوں کا کام گویا اللہ تعالیٰ کا کام ہے اس لئے **اھلکنا** ارشاد ہوا یعنی ہم نے ہلاک کیا یہ بھی خیال رہے کہ عموماً بستیوں میں ہی عذاب آئے اس طرح کہ وہاں کے باشندے مار دیئے گئے وہاں کی عمارات تباہ کردی گئیں پھر وہاں آبادی نہ ہوئی مگر فرعونیوں کو مصر سے باہر نکال کر بحر قلزم میں غرق کیا گیا۔ مصر اب تک آباد ہے کیونکہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے خاص خدام کی قبریں تھیں اور آئندہ وہاں اللہ والے آنے والے تھے اللہ والوں کی قبریں بھی امان کا ذریعہ ہیں۔ یہ حضرات جیتے جی خود فیض پہنچاتے ہیں وفات کے بعد ان کی قبر کی مٹی فیض دیتی ہے یونہی اصحاب فیل یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر پر عذاب آیا تو مکہ معظمہ سے باہر جنگل میں آیا مکہ معظمہ آباد رہا کیونکہ وہاں حضرت ہاجرہ و اسماعیل کی قبریں تھی وہاں کعبہ معظمہ اور مقام ابراہیم تھے نیز وہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہونے والی تھی۔ یہ ہے اللہ والوں کی برکت، جس چیز کو اللہ والوں سے نسبت ہو جائے وہ بلاؤں سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ جس کپڑے کے دسترخوان سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ منہ پونچھ لئے تھے وہ آگ میں جلتا نہ تھا۔ **فجاء ھا باسنا** چونکہ **اھلکنا** کے معنی تھے ہم نے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا لہٰذا **فجاء ھا** کی ف تعقیبیہ ہے اور کوئی اعتراض نہیں اور اگر **اھلکنا** کے معنی تھے ہم نے ہلاک کردیں تو یہ ف تفسیریہ ہے اور یہ عبارت **اھلکنا ھا** کی تفسیر ہے یہ خوب خیال رہے اس صورت میں کوئی دشواری اور کوئی اعتراض نہیں چونکہ قریہ مونث تھا اگرچہ مراد بستی والے تھے اس لئے **اھلکنا ھا** میں ھا ضمیر مونث لائی گئی جیسے **کاین من قریۃ عتت** اس کے بہت معنی ہیں، سختی جنگ، قحط سالی، عذاب، آنچ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں یعنی عذاب اس عذاب میں تمام وہ عذاب داخل ہیں جو پچھلی امتوں پر آئے جیسے زمین کا تختہ لوٹنا، زلزلہ، چیخ، سخت آندھی وغیرہ **بیا تا" او ھم قا ئلون** بیاتاً تو مصدر ہے بات یبیت کا، بیت، بیتوتہ، بیاتاً تینوں ہم معنی ہیں بمعنی رات میں داخل ہونا گھر کو بیت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اکثر انسان رات کے وقت گھر میں رہتے ہیں دن میں عموماً باہر کماتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ بائت کی جمع ہو جیسے قائم کی جمع قیام اور نائم کی جمع نیام۔ بعض نے فرمایا کہ بیات بمعنی رات ہے لہٰذا بیات یا تو ظرف ہے یا حال **قائلون** جمع ہے **قائل** کی۔ یہ بنا ہے **قیلولۃ** سے **قیلولہ** دوپہری کے آرام کو کہتے ہیں خواہ نیند آئے یا نہ آئے۔ رب تعالیٰ نے جنت کے آرام کو قیلولہ فرمایا ہے **احسن مقیلا** حالانکہ وہاں نیند نہ ہوگی، **ھم قا ئلون** حال ہے **اھلکنا ھا** کی ضمیر سے۔ نحوی قاعدے سے یہاں واؤ حالیہ چاہئے تھا مگر چونکہ او عاطفہ آگیا ہے او کا اور واؤ کا جمع ہونا ناپسند ہے اس لئے واؤ نہ لایا گیا۔ صرف ضمیر پر کفایت کرلی گئی۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ رات میں آرام قریباً سارے انسان کرتے ہیں۔ امیر ہوں یا غریب مگر دوپہری میں

آرام امیر لوگ کرتے ہیں غریب غرباء مزدور پیشہ نہیں کرتے اس فرق کے لئے دونوں عبارتیں مختلف لائی گئیں یا تا مفرد لور ھم قا ئلون جمع فما کان دعواھم یہ عبارت معطوف ہے فجاء ھا پر۔ دعویٰ بمعنی دعاء ہے نہ کہ بمعنی لوعاء' یادعویٰ کرنا جیسے رب فرماتا ہے واخر دعواھم ان الحمدللہ رب العالمین یا فرماتا ہے دعواھم فیھا سبحانک اللھم دعا کی چند صورتیں ہوتی ہیں۔ عرض مدعی اپنے جرموں کا اقرار' رب تعالیٰ کی حمد وثنا' یہاں دوسرے معنی میں ہے اذ جاء ھم باسنا یہ عبارت ظرف ہے یا تو دعوا کا یا ما کان کا بلس بمعنی عذاب ہے' ھم کا مرجع وہی بستی والے ہیں جن پر عذاب آیا الا ان قالوا انا کنا ظالمین یہ عبارت فما کان سے مستثنیٰ ہے۔ اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا کنا کے معنی ہیں تھے ہم یا ہیں ہم۔ ظالمین بمعنی مشرکین ہے یا بمعنی کافرین یا بمعنی مجرمین بہرحال ان لوگوں نے عذاب دیکھ کر اپنے شرک و کفر' سرکشی کا اقرار کرلیا مگر اس وقت کا اقرار کام نہ آیا وقت پر جرم کا اقرار توبہ ہے مگر وقت نکل جانے پر بیکار ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عذاب آجانے پر وہ لوگ کسی تدبیر سے عذاب دفع نہیں کرسکے' صرف اپنے جرموں کا اقرار کرکے توبہ اور دعائیں ہی کرتے رہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سرکش کفار مکہ کو ہماری طرف سے سنادو کہ تم سے پہلے بڑے زور بڑے زر بڑے جتھے والے کفار نے ہمارے رسولوں کی مخالفت کی' اولا'' انہیں ہر طرح تبلیغ کی گئی آخر کار ان کی بستیاں یا وہ بستیوں والے ہم نے غیبی عذاب سے ہلاک کردیئے۔ چنانچہ ان پر بغیر کسی علامت بغیر اطلاع کے غفلت کے وقت عذاب اچانک آ آئے یا جب کہ وہ رات میں آرام کررہے تھے۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم جو رات کے آخری حصہ میں ہلاک کی گئی یا جب کہ ان کے امیر عیش پسند دوپہری میں قیلولہ کررہے تھے وہ اس حالت میں بھاگ بھی نہ سکے اس آرام کی حالت میں سارے کے سارے ہلاک کردیئے گئے۔ پھر یہ بھی سن لو کہ جب ان سرکشوں پر ہمارا عذاب آیا تو ساری سرکشی شیخی رسولوں کی مخالفت بھول گئے' دفع عذاب کی کوئی تدبیر نہ کرسکے صرف اپنے جرم اپنے کفر و شرک کا اقرار کرکے توبہ کرنے لگے یہ ہی کہتے تھے کہ ہم ہی ظالم تھے یا ظالم رہے یا ظالم ہیں یہ عذاب ہماری حرکتوں سے آیا مگر چونکہ توبہ کا وقت نکل چکا تھا اس لئے ان کی یہ چیخ و پکار یہ اقرار جرم' یہ توبہ وغیرہ کچھ کام نہ آئی تم بھی ہوشیار ہو جاؤ ابھی وقت ہے ہمارے حبیب کی مخالفت سے باز آجاؤ۔

در عفو بازاست اکنوں بکوب — کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

خیال رہے کہ آبادیوں کا اللہ کے عذاب سے برباد ہو جانا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے بند ہو گیا مگر ویسے ہی ختم ہو جانا تا قیامت جاری ہے کچھ مدت کے بعد جنگل شہر بن جاتے ہیں اور شہر جنگل میں تبدیل ہو جاتے ہیں مگر چند شہر ایسے ہیں کو ان شاء اللہ تا قیامت آباد رہیں گے کبھی ویران نہ ہوں گے ان میں سے ایک مکہ معظمہ ہے کیونکہ اسے اللہ کے خلیل نے بسایا ہے رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع اے میرے رب میں نے اپنی بعض ذریت یہاں بسادی ہے جسے خلیل بسائیں وہ کیسے اجڑے۔ یونہی مدینہ منورہ ان شاء اللہ آباد رہے گا کہ اسے اللہ کے حبیب نے بسایا ہے قریب قیامت جب یہاں انسان نہ رہیں گے تو اس کی حفاظت جانور کریں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ: علم تاریخ بہترین علم ہے کبھی اس کے ذریعہ ایمان مل جاتا ہے دیکھو قرآن کریم نے گزشتہ قوموں کے تاریخی واقعات بہت تفصیل سے جگہ جگہ بیان فرمائے ہیں ہاں چاہیئے یہ کہ تاریخ صحیح

ہو۔ دوسرا فائدہ: گزشتہ کفار کے عذاب سے عبرت پکڑنا اس میں غور کرنا اس طرح پچھلے صالحین کے اعمال اور ان پر رحمت الٰہی کے نزول میں غور کرنا عبادت ہے اس سے گناہوں سے نفرت اور نیکیوں کی رغبت حاصل ہوتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاعتبروا یااولی الابصار۔**

پند گیر از مصائب دگران تانہ گیرند دیگراں ز توپند

نقشااس کو قیاس کہتے ہیں یعنی مشترکہ علت کی وجہ سے حکم مشترک کرنا' تیسرا فائدہ: اکثر عذاب الٰہی رات کے آخری حصہ میں آئے جب سب لوگ خواب راحت میں مست ہوتے تھے تاکہ کوئی بھاگ نہ سکے رات کا آخری حصہ ذاکروں کے لئے نزول رحمت کا ہے' غافلوں کے لئے نزول عذاب کا۔ اس لئے اس وقت نماز تہجد بہت بہتر ہے۔ چوتھا فائدہ: راحت وخوشی لوگوں کو غافل کردیتی ہے' تکلیف وغم بڑے بڑے سرکشوں کو جگادیتا ہے رب کے دروازے پر جھکادیتا ہے۔ دیکھو ان سرکشوں نے عذاب دیکھ کر اپنے جرموں کا اقرار کیا فرعون بھی ڈوبتے وقت خدائی سے اتر کر بندہ بن گیا کہ بولا **امنت انہ لا الہ الا الذی**۔ مصیبت بھگوڑے مجرم کے لئے وارنٹ گرفتاری ہوتی ہے۔ **پانچواں فائدہ**: عذاب دیکھ کر توبہ کرنا بالکل بیکار ہے کیونکہ ایمان تو نبی کے قول پر چاہئے نہ کہ اپنی آنکھ پر دیکھو ان مجرم قوموں نے عذاب دیکھ کر توبہ کی مگر قبول نہ ہوئی۔ چھٹا فائدہ :اپنے جرموں کا اقرار بھی توبہ ہے دعا ہے۔ یہ فائدہ **دعواھم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے ان کے اس اقرار جرم کو دعا فرمایا۔ **ساتواں فائدہ**: ہر کفر و شرک ظلم ہے کیونکہ مشرک و کافر اپنے پر ظلم کرتا ہے کہ کفر کرکے اپنے کو دوزخ کا مستحق بناتا ہے یہ فائدہ **ظلمین** فرمانے سے حاصل ہوا بلکہ ہر گناہ اپنے پر ظلم ہے بلکہ بزرگوں نے تو اپنی خطاؤں کو بھی ظلم فرمایا ہے ربنا **ظلمنا انفسنا**۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ گزشتہ قوموں کو ہلاک پہلے کیا گیا اور ان پر عذاب بعد میں آیا کہ ارشاد ہوا **اھلکناھا فجاء ھا باسنا** ف سے معلوم ہوا کہ ہلاکت عذاب سے پہلے ہوئی حالانکہ عذاب پہلے آیا وہ ہلاک بعد میں ہوئے۔ جواب: تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ **اھلکنا** کے معنی ہیں **اردنا اھلا کھم** ہم نے ان کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرمایا جیسے **اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم** میں نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کرنا مراد لیا گیا ہے اس صورت میں ف ترتیب کی ہے دوسرے یہ کہ یہاں ف ترتیب کی نہیں بلکہ تفصیل کی ہے۔ یعنی ہم نے ان کو اس طرح ہلاک کیا کہ ان پر ہمارا عذاب آیا تیسرے یہ کہ ہلاکت اور عذاب ایک ہی چیز تھے ایک ہی ساتھ واقع ہوئے' اہل عرب ایسے موقعہ پر ف بول دیتے ہیں' جیسے **اعطیتنی فاحسنت الی** آپ نے مجھے دیا تو مجھ پر احسان کیا عطا اور احسان ایک ہی چیز ہے مگر ف درمیان میں آئی۔ (خازن' معانی' کبیر وغیرہ) دوسرا اعتراض: یہاں قریہ کی طرف دو قسم کی ضمیریں راجع ہیں۔ **فجاءھا** میں **ھا** واحد مونث ہے اور **ھم قائلون۔ دعواھم** اور **جاءھم قالوا** اور **ظلمین** ساری ضمیریں جمع مذکر اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ قریۃ لفظاً مونث ہے مگر وہاں کے باشندے مذکر تھے یعنی **اھل قریۃ جاءھا** میں لفظ قریۃ کا لحاظ ہے اور باقی ضمیروں میں اہل قریہ کا اعتبار اس قسم کے فرق قرآن کریم میں بھی ہیں اور فصحاء عرب کے کلاموں میں بھی چونکہ وہ بستیاں بھی ویران کردی گئی تھیں اور وہاں کے لوگ بھی مار دیئے گئے تھے اس لئے اس طرح بیان بالکل درست ہے۔ بعض نے فرمایا کہ **فجاءھا** میں اہل پوشیدہ ہے اصل میں تھا **فجاء اھلھا باسنا**۔

تیسرا اعتراض: بیاتا اور ھم قائلون دونوں حال ہیں تو طریقہ بیان میں کیوں فرق ہے کہ بیاتا تو مفرد ہے اور اوھم قائلون جمع۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: چونکہ رات کو آرام سب ہی کرتے ہیں امیر ہوں یا فقیر مگر دوپہری میں آرام کرنا امیروں کا کام ہے غریب اور مزدور لوگ اس وقت بھی کام کرتے ہیں اور ہلاکت و عذاب سے اصل مستحق مالدار کفار ہوتے ہیں غریب غرباء انہیں کی وجہ سے کافر ہوتے ہیں اور انہیں کی وجہ سے عذاب کے مستحق اس لئے یہاں طریقہ بیان میں فرق کر دیا گیا۔ چوتھا اعتراض: جب انہوں نے عذاب دیکھ کر اپنے جرموں کا اقرار کر لیا اور یہ اقرار ان کی توبہ تھی تو رب تعالیٰ نے انہیں معافی کیوں نہ دے دی وہ تو غفور رحیم ہے توبہ سے کفر و گناہ سب بخش دیتا ہے۔ جواب: اس لئے کہ قانون الٰہی یہ ہے کہ توبہ ء کفر عذاب دیکھنے پر قبول نہیں ہوتی ہر کام کا ایک وقت ہے 'جمعہ کی نماز ہفتہ یا اتوار کی نہیں ہو سکتی' جنوری میں گندم بویا ہوا پھل نہیں دیتا کہ یہ کام بے وقت ہوئے ایسے ہی عذاب دیکھ کر توبہ میں قبولیت کا پھل نہیں لگتا۔ وجہ ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء کرام کو دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ لوگ ان کی خبروں پر ایمان لائیں یہ لوگ ان پر ایمان نہیں لاتے بلکہ اپنی آنکھ کے دیکھے عذاب پر ایمان لاتے ہیں 'پھر قبول کیسے ہو کفر کو ایمان مٹاتا ہے یہ توبہ ایمان ہی نہیں۔ پانچواں اعتراض: اگر قانون یہ ہے تو یونس علیہ السلام کی قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی اور وہ قبول ہوئی رب فرماتا ہے الا قوم یونس وہاں یہ ایمان اور توبہ کیوں قبول ہوئے۔ جواب: اس اعتراض کے تفصیلی جوابات توان شاء اللہ ہم اسی آیت کی تفسیر میں دیں گے یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہ لوگ علامات عذاب دیکھ کر ایمان لائے تھے نہ کہ عذاب دیکھ کر یا وہ لوگ عذاب دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل پڑے مگر وہ انہیں نہیں ملے کہ وہ تو پہلے ہی وہاں سے تشریف لے گئے تھے تلاش نبی میں نکل پڑنا رب کو پسند آگیا اور عذاب دفع ہو گیا یا یوں کہو کہ قانون کے پابند ہم ہیں 'رب تعالیٰ قانون والا ہے 'قدرت والا بھی' وہاں قدرت کا اظہار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدین کریمین کو ان کی وفات کے عرصہ کے بعد زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھایا مومن اور صحابہ بنایا رب کے ہاں ان کا ایمان ان کی صحابیت قبول ہوئے یہ ان حضرات کی خصوصیت ہے یا اپنے محبوب پر خاص کرم دیکھو (شامی) سب پیدا ہوتے ہیں ماں باپ سے 'حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے صرف ماں سے 'وہاں قانون ہے یہاں قدرت کی جلوہ گری قانون اور قدرت پر ایمان چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: صبح کا وقت نزول رحمت کا وقت ہے اس لئے اس وقت نماز تہجد 'توبہ استغفار چاہئے کسی نے کیا خوب کہا ہے۔

پچھلی راتیں رحمت ربدی گھر گھر کرے آوازہ سوتے والیو رب رب کو لو کھلا ہے دروازہ

مگر یہ ان لوگوں کے لئے ہے جو عقل کی کشتی میں سوار نہ ہوں 'عشق نبی 'اطاعت خدا کی کشتی میں سوار ہوں۔ عقل کے چکر میں پھنسے ہوؤں کے لئے وہی وقت نزول عذاب کا بن جاتا ہے۔ اکثر قوموں پر عذاب اسی وقت آئے انہوں نے توبہ کی مگر عقل کی روشنی میں نہ کہ نبوت کی روشنی میں۔ اس لئے توبہ بیکار ہوئی اس وقت عقل بیکار ہوتی ہے جیسے خشکی کی سواری سے دریا عبور نہیں کیا جاتا یوں ہی عقل کی سواری سے راہ مولیٰ طے نہیں کیا جا سکتا عقل و حواس کے ذریعہ رب کو ماننا توبہ کرنا ایمان نہیں نبی کے ذریعے ماننا بلکہ کرنا ایمان ہے 'مولانا فرماتے ہیں۔

ہمچو آں مردی کہ مفلس روز مرگ عقل رای دید بس بے بال و برگ
بے غرض کردند آندم اعتراف کز ذکاوت رانده ایم اسپ از گزاف

آشنا ہیچ است اندر بحر روح　　　نیست اینجا چارہ جز کشتی نوح
ایں چنیں فرمود آں شاہ رسل　　　کہ منم کشتی و ایں دریائے کل!
باکسے کو در بصیر تہائے من　　　شد خلیفہ راستیں برجائے من!
کشتی نوحیم در دریا کہ تا　　　رونہ گردانی زکشتی اے فتی

دریا کا سفر اپنی عقل سے طے نہیں ہوتا بلکہ کسی کی کشتی اور کشتی بان کی مدد سے طے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نبی کی اتباع نصیب فرما دے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چند چیزوں میں غور کرنا انہیں سوچنا عبادت ہے' اپنے گناہ سوچنا' رب کے احسانات سوچنا' اللہ کے پیاروں کے فضائل سوچنا' کفار کے عیوب' سوچنا' عذاب والی بستیوں کے حالات سننا اور سوچنا ان سب غوروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل' آپ کا عیبوں سے بری ہونا' یہ سوچ و بچار سب سے افضل ہے۔ رب فرماتا ہے **ان تقوموا للہ مثنی و فرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ** اے لوگو! اللہ کا واسطہ تم اکیلے اکیلے یا دو دو مل کر غور کرو کہ تمہارے اس ساتھی کو جنون نہیں۔ یہاں جن قوموں کے عذاب کا ذکر ہے اس لئے ہے کہ لوگ ان کے عیوب میں غور کریں پھر ان سے خود بچیں۔

فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِیْنَ اُرْسِلَ اِلَیْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ

بس البتہ تحقیق پوچھیں گے ہم ان سے جن بھیجے گئے طرف ان کی رسول اور البتہ تحقیق پوچھیں گے ہم رسلیں سے

تو بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول بھیجے گئے اور بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے

عَلَیْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِیْنَ ﴿۷﴾

بس ہم بتائیں گے ان کو علم سے اور نہیں ہیں ہم غائب۔

رسولوں سے تو ضرور ہم ان کو بتا دیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** اس سے پچھلی آیات میں کفار پر دنیاوی عذابوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں ان پر اخروی عذاب کا تذکرہ ہے یعنی دنیاوی بادشاہوں کے مجرم مر کر ان کی پکڑ سزا سے چھوٹ جاتے ہیں مگر انبیاء کے دشمن مر کر بھی نہیں چھوٹتے اللہ ان کی پکڑ سے بچائے' **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا ذکر ہوا اور لوگوں کو آپ کی اتباع کا حکم دیا گیا۔ اب اتباع نہ کرنے والوں کو عذاب آخرت سے ڈرایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ کفار اور سرکشوں پر دنیا میں عذاب بغیر اطلاع اور مقدمہ چلائے بھیجے گئے مگر ان پر اخروی عذاب مقدمہ چلا کر' تحقیقات گواہی اور شہادت قائم کر کے دیا جائے گا' دنیا کا عذاب گویا حوالات کی قید ہے جو بغیر مقدمہ ہوتی ہے اور اخروی عذاب گویا جیل کی قید ہے جو قیامت کا مقدمہ چلا کر ہوگا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر

میں ارشاد ہوا تھا کہ گزشتہ کفار پر جب عذاب آئے تو انہوں نے اپنے جرموں قصوروں کا اقرار کر لیا اور اقرار کر کے مرے اب ارشاد ہے کہ ان کا یہ اقرار ہی کافی نہ ہو گا بلکہ ان سے آخرت میں تحقیق کی جائے گی اقرار گواہی شہادت کے بعد انہیں سزا دی جائے گی۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں حکم تھا کہ اللہ رسول کے مقابل دشمنوں کو دوست نہ بناؤ اللہ رسول کے احکام کی اتباع کرو' اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ جھوٹے معبود تمہارے کام نہیں آئیں گے بلکہ حضرات انبیاء کرام کی دوستی فائدہ دے گی ان کی دشمنی سخت نقصان دے گی کہ کل قیامت میں وہ تمہارے موافق یا خلاف گواہ ہوں گے۔

تفسیر: **فلنسئلن الذین ارسل الیھم** اس عبارت میں **ف** میں چند احتمال ہیں۔ (1) کہ **ف** تعلیلیہ ہے اور اس کا جملہ کا تعلق گزشتہ **اتبعوا** اور **لا تتبعوا** سے ہے یعنی قرآن کی اتباع کرو دو چیزوں کی پیروی نہ کرو کیونکہ ہم قیامت میں اس کے متعلق تفتیش فرمائیں گے۔ (2) یہ **ف** ترتیب کی ہے یعنی دنیا میں تو ہم نے کفار پر مذکورہ عذاب بھیجے اس کے بعد آخرت میں ان سے یہ سوال و جواب ہوں گے۔ (3) یہ **ف** تعقیبیہ ہے ایک پوشیدہ جملہ سے اس کا تعلق ہے۔ یعنی ہم آخرت میں انہیں اٹھائیں گے پھر ان سے مذکورہ سوال کریں گے۔ اس سوال کے متعلق چند قول ہیں ایک یہ کہ یہ سوال گزشتہ امتوں سے ہو گا ان کے نبیوں کے متعلق کہ تم کو انہوں نے تبلیغ کی یا نہیں دوسرے یہ کہ ان کفار سے ان کے اپنے اعمال کے متعلق سوال ہو گا کہ تم نے دنیا میں کیا کیا۔ (3) تیسرے یہ کہ کفار سے ان کی بد عملیوں کی وجہ پوچھی جائے گی کہ تم نے کفر و گناہ کیوں کئے تھے جسے کہتے ہیں حساب مناقشہ۔ ان صورتوں میں **الذین** سے مراد وہ امتیں ہیں جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور ارسل کا نائب فاعل پوشیدہ ہے یعنی الرسل۔ (4) چوتھے یہ کہ **ارسل الیھم** سے مراد حضرات انبیاء کرام ہی ہیں یعنی ہم نبیوں سے پوچھیں گے کہ تم کو تمہاری قوم نے کیا جواب دیا تھا اور ہو سکتا ہے کہ یہاں سوال خیر مراد ہو یعنی ہم قہر میں تمام امتیوں سے ان کے ایمان کے متعلق پوچھ گچھ کریں گے اور نبیوں سے سوال ہوتا ہے کہ تم سے تمہاری قوم نے کیا برتاؤ کیا۔ بہر حال سوال کسی سے ہو اور کچھ بھی ہو رب تعالیٰ کا یہ سوال اپنے علم کے لئے نہ ہو گا وہ تو علام الغیوب ہے بلکہ حضرات انبیاء کرام کی عزت افزائی کے لئے اور ان کفار کو شرمندہ کرنے اور سخت عذاب دینے کے لئے ہو گا **ولنسئلن المرسلین** اس عبارت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ مرسلین سے مراد ہیں حضرات انبیاء کرام اور یہاں مرسلین سے مراد ہیں اعمال لکھنے والے فرشتے اگر مرسلین سے مراد ہوں انبیاء کرام تو یا تو ان حضرات سے ان کی امتوں کے بارے میں سوال ہو گا کہ انہوں نے تمہاری اطاعت کی یا نہیں ارشاد ہو گا **ماذا اجبتم** اور یا خود ان کی اپنی تبلیغ کے متعلق سوال ہو گا کہ تم نے لوگوں کو تبلیغ کی یا نہیں کیونکہ تمہاری امتیں تمہاری تبلیغ کا انکار کر رہی ہیں۔ خیال رہے کہ امتوں کا اپنے نبیوں کی تبلیغ کا انکار اور پھر خود انبیاء سے سوال گزشتہ نبیوں کے متعلق ہے، ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ کا نہ تو کفار انکار کریں گے اور نہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال ہو گا' رب تعالیٰ فرماتا ہے **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ان نبیوں کے حق میں گواہی دے گی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی پر گواہی بھی دیں گے اور ان کی صفائی بھی بیان فرمائیں گے۔ رب فرماتا ہے **لتکونوا شھداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شھیدا فلنقصن علیھم بعلم** اس عبارت میں **ف** ترتیب کی ہے جس میں بتایا گیا کہ اولاً تو ان سے سوالات ہوں گے تفتیش کے لئے پھر ہم ان کو خود بتائیں گے کہ تم نے کیا کیا تھا یہ سوال و جواب قانونی کارروائی کے لئے ہو گا نہ کہ ہمارے علم کے لئے علیہم سے مراد یا تو وہ گزشتہ امتیں ہیں یا حضرات انبیاء کرام۔ پہلی

صورت میں ان کے خلاف خبریں ہوں گی دوسری صورت میں حضرات انبیاء کی تائید میں **وما کنا غائبین** یہ عبارت معطوف ہے **فلنقصن** پر اور اس میں اس بیان کی وجہ بتائی گئی ہے یعنی ہم دنیا میں ان امتوں سے یا ان کے نبیوں سے نہ بے خبر تھے نہ دور تھے نہ پس پردہ تھے ان کی ایک ایک حالت ایک ایک بات کی خبر رکھتے تھے لہذا ہمارا انہیں یہ سب کچھ بتانا بالکل درست ہوگا کسی کافر کو دم مارنے کسی بات کے انکار کی جرات نہ ہوگی۔

خلاصہ تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم اس خلاصہ میں ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے مطابق ہے اور بہت نو اور پیاری ہے ان دو آیتوں میں قیامت کی دو چیزوں کا ذکر ہے قیامت میں لوگوں کا خصوصا" کافر امتوں کا حساب اور رب تعالیٰ کا ںانہ فیصلہ' چنانچہ ارشاد ہے کہ کفار دنیاوی عذاب پاکر چھوٹ نہیں جاتے اور دنیا میں عذاب کے وقت اپنے کفر کا اقرار کرکے بر نہیں ہو جاتے بلکہ تمام وہ کفار جن کی طرف رسول بھیجے گئے اولا" تو ہم ان کے عقائد ان کے اعمال کے متعلق اور حضرات باء کرام کی تبلیغ کے متعلق ان سے پوچھیں گے کہ تم نے دنیا میں کیا عقیدے اور کیسے اعمال اختیار کئے اور کیوں کئے اور ان کے رسولوں سے ان قوموں کے متعلق سوال فرمائیں گے کہ تمہاری قوموں نے تمہارے ساتھ کیا برتاوا کیا۔ تمہاری اطاعت کی یا مخالفت۔ پھر خیال رکھو کہ ہمارا یہ سوال فرمانا ہماری بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوگا بلکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم مجرم کو سزا اس کی تسلی کئے بغیر نہیں دیتے پھر بعد میں ہم سب کچھ ان کے اعمال ان کے معاملات ان کے عقائد ان کو بتائیں گے کیونکہ ہم دنیا میں نہ تو ان سے غائب تھے نہ ان سے بے خبر۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ انہیں اس طرح خبر دے گا کہ کفار کی کتاب نامہ ء اعمال خود بولے گی ان کے اعمال کو تفصیل وار بیان کرے گی اس گواہی پر ان لوگوں کو کسی بات کے انکار کی جرات نہ ہوگی۔ خیال رکھو کہ دنیاوی رنج و راحت بغیر بتائے بغیر سمجھائے آتے ہیں مگر قبر و حشر کے عذاب و ثواب حساب کرکے اور بتا سمجھا کر دیئے جائیں گے پھر قبر و حشر کے حسابوں میں چند طرح فرق ہے قبر میں حساب صرف ایمان کا ہے اعمال کا نہیں حشر میں حساب ایمان اعمال دونوں کا۔ قبر میں اب سے صرف تین سوال مگر حشر میں جیسا بندہ ویسا اس کا حساب ویسے اس سے سوالات جو تبلیغ نبی کے منکر ہوں گے ان کا حساب و کتاب اور قسم کا جس کا ذکر اس آیت میں ہے **لتکونوا شهداء علی الناس و یکون الرسول علیکم شهیدا** جو کفار اپنے کفر اور گناہوں کا انکار کریں گے ان کا حساب و سوالات اور طرح کے **الیوم نختم علی افواههم و تکلمنا ایدیهم وتشهد ارجلهم** جو اپنے گناہوں کا اقرار کرکے اپنی مجبوری و معذوری کے بہانے کریں گے ان سے سوالات اور طرح کے مگر جو لوگ اپنے گناہوں کا اقرار بے چون و چرا کرلیں گے ان شاء اللہ ان کا حساب نہایت آسان۔ یہاں ایک لفظ **نسئلن** میں اجمالا" سارے سوالات ہر قسم کے حساب کا ذکر فرمادیا۔ جس کی تفصیل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے فرمائی جیسے **اقیموا الصلوٰۃ** ایک لفظ ہے جس میں نماز عید' جمعہ' پنجگانہ' پھر فرائض نوافل سب ہی شامل ہیں ان کی تفصیل صاحب قرآن نے فرمائی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: سوال یا پوچھ گچھ ہمیشہ سائل کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتی کبھی سامنے والے کو الزام دینے کے لئے کبھی اس سے اقرار کرانے کے لئے کبھی اور حکمت سے بھی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **فلنسئلن** سے حاصل ہوا کہ رب علیم و خبیر ہے مگر تحقیقات کے لئے اپنے بندوں سے یہ سوال فرمائے گا۔ دوسرا فائدہ:

حاکم محض اپنے علم پر کسی مجرم کو سزا نہ دے بلکہ تحقیقات، تفتیش کرکے گواہ شہادی اقرار وغیرہ سے جرم ثابت کرکے سزا دے گا۔ یہ فائدہ بھی اسی فلنسئلن سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اپنے ہر امتی کے ہر عمل سے خبردار ہوتے ہیں اپنی زندگی میں بھی اور اپنی وفات کے بعد بھی یہ فائدہ فلنسئلن المرسلین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ اگر وہ حضرات ان لوگوں سے بے خبر ہوں تو ان کے اعمال وغیرہ کی گواہی کیسے دیں رب فرماتا ہے **رسولا شاھدا علیکم** **چوتھا فائدہ:** جن لوگوں کو کسی نبی کی نبوت نہیں پہنچی جیسے فترت والے لوگ ان کے اعمال کا بوجھ نہ ہوگا اور ان کے متعلق کسی نبی سے دریافت نہیں کیا جائے گا جیسے ہمارے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین ان کی بخشش کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہوگا یہ فائدہ **الذین ارسل الیھم** سے حاصل ہوا۔ یہ فائدہ خوب خیال میں رہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام سے ان کے اپنے اعمال و تبلیغ کے متعلق کوئی سوال نہ ہوگا نہ ان کا حساب نہ سوال جواب ان سے سوال ان کی امتوں کے متعلق ہوگا کہ انہوں نے کیا عقائد و اعمال اختیار کئے۔ یہ فائدہ **ولنسئلن المرسلین** کی تفسیر سے حاصل ہوا ان کی شان تو بہت بلند و بالا ہے ان کے بعض خدام کا حساب و کتاب نہ ہوگا علماء فرماتے ہیں کہ قبر میں ہمارا حساب تو ہمارے عقائد کے متعلق ہوگا کہ تمہارا رب کون تمہارا دین کیا تم ان محبوب کے متعلق کیا کہتے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قبر انور میں پوچھا گیا کہ آپ کی قوم نے آپ سے کیا معاملہ کیا حساب قبر میں بھی فرق ہے۔ دیکھو شاہی یوں ہی حشر کے حساب میں بہت فرق۔ **چھٹا فائدہ:** نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے بھی انسان کے اعمال وغیرہ کے گواہ ہوں گے یہ فائدہ المرسلین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ **موسلین** سے مراد فرشتے ہوں۔ خیال رہے کہ عینی گواہی میں یہ ضروری ہے کہ گواہ عامل اور اعمال دونوں کو دیکھے انہیں یقین سے جانے مگر یہ ضروری نہیں کہ عامل بھی گواہ کو دیکھے۔ یہ فرشتے ہم کو دیکھتے جانتے ہیں مگر ہم ان کو نہیں دیکھتے اور وہ ہمارے گواہ ہوں گے۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ آخر میں خود بھی بندوں کے اعمال انہیں بتائے گا کہ تم نے یہ کیا۔ یہ فائدہ **فلنقصن** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اگرچہ اللہ تعالیٰ مکان میں ہونے رہنے سے پاک ہے مگر وہ ہر وقت ہمارے ساتھ ہے ہم سے ایک آن کے لئے غائب نہیں۔ یہ فائدہ **وما کنا غائبین** سے حاصل ہوا۔ وہ فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** اور فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ منکم ولکن لا تبصرون** اور فرماتا ہے **وھو معکم اینما کنتم** **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کلیات و جزئیات کا ہمیشہ سے عالم ہے کوئی ذرہ کوئی قطرہ اس کے علم سے باہر نہیں جو کہے کہ اللہ تعالیٰ جزئیات کا عالم نہیں یا ہر وقت عالم نہیں وہ اس آیت کا منکر ہے (تفسیر کبیر) یہ فائدہ **فلنقصن علیھم بعلم** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ رسولوں سے ان کی امتوں سے بہت قسم کی پوچھ گچھ فرمائے گا مگر دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ وہ ہر چیز پر علیم و خبیر ہے جب اسے ہر چیز کا خود علم ہے تو پھر پوچھ گچھ کیوں۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں پوچھ گچھ رب تعالیٰ کے علم کے لئے نہیں بلکہ کفار کی زبان بندی اور ان کی رسوائی و خواری کے لئے ہوگی۔ پچھلی آیت میں پوچھ گچھ کا ذکر ہے دوسری آیت میں اس شبہ کی نفی ہے کہ رب تعالیٰ علیم و خبیر نہیں۔ (تفسیر خازن) **دوسرا اعتراض:** رب تعالیٰ کو علم ہے کہ حضرات انبیاء کرام نے تبلیغ فرمائی پھر ان سے یہ سوال کیوں ہوگا۔ **جواب:** اس لئے کہ ان کی کافر امتیں ان کی تبلیغ کا انکار کردیں گی ان کا منہ بند کرنے کے لئے یہ سوال جواب اور گواہی شہادی ہوگی (خازن) **تیسرا اعتراض:** قرآن میں دوسری جگہ ارشاد ہے کہ کفار اپنے جرم و قصور کا اقرار کرلیں گے **انا کنا**

ظالمین پھراس تحقیق و تدقیق کی کیا ضرورت ہوگی۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ کفار پہلے تو اپنے جرموں کا انکار کریں گے **واللہ ربنا ما کنا مشرکین** پھراس تحقیقات کے بعد مجبوراً" اقرار کریں گے یہ تحقیق و تدقیق ان کے انکار کی بنا پر ہوگی اس کے بعد اقرار ہوگا لہٰذا آیات میں تعارض نہیں دوسرے یہ کہ یہاں وجہ جرم کا سوال ہوگا یعنی لولا" ان سے سوال ہوگا کہ تم نے کیا جرم کئے وہ اقرار کریں گے پھر سوال ہوگا کہ کیوں کئے تھے اسی کا نام ہے حساب مناقشہ یہاں دوسرے سوال کا ذکر ہے۔ چوتھا اعتراض: قرآن مجید میں دوسری جگہ ارشاد ہے **ولا یسئل عن ذنوبہم المجرمون** یعنی قیامت میں مجرموں سے کچھ سوال جواب پوچھ گچھ نہیں ہوگی۔ مگر یہاں ارشاد ہے کہ ہوگی دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: اس اعتراض کے چند جوابات دیئے گئے ہیں مگر آسان اور قوی جواب یہ ہے کہ قیامت کے حالات' مقامات مختلف ہیں' موقف حساب میں ان سے پوچھ گچھ ہوگی اور موقف عقاب یعنی دوزخ میں ڈالتے وقت ان سے پوچھ گچھ نہ ہوگی۔ مقدمہ کچہری میں ہوتا ہے سزا جیل میں یا پھانسی گھر میں' ان دونوں جگہ جرم کی تحقیق نہیں ہوتی' ایک جواب یہ بھی دیا جاتا ہے کہ قیامت میں مجرموں کے جرموں کا پتہ ان کے چہروں وغیرہ بہت سی علامات سے چل جائے گا ہر شخص ان کی علامات دیکھ کر ہی پہچان لے گا کہ یہ کس نمبر کا مجرم ہے' پہچان کے لئے پوچھ گچھ نہ ہوگی' تحقیق کے لئے ہوگی۔ رب فرماتا ہے **یعرف المجرمون بسیما ھم** پانچواں اعتراض: کفار کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کے علم پر ہوگا یا اس تحقیقات پر' اگر تحقیقات پر ہوگا تو یہاں یہ کیوں فرمایا **فلنقصن علیھم بعلم** اور اگر اس کے علم پر ہوگا تو اس تحقیقات کی کیا ضرورت۔ جواب: یہ تحقیقات کفار کی زبان بند کرنے کے لئے ہوگی ان کے لاجواب ہو جانے بلکہ جرم کا اقرار کر لینے کے بعد۔ رب تعالیٰ اپنے علم سے اس تحقیق کی تائید فرمائے گا کہ جو کچھ انبیاء کرام نے فرمایا اور اے مجرمو! تم نے اقرار کیا یہ سب ہم کو پہلے ہی سے معلوم ہے اب جاؤ دوزخ میں۔ لہٰذا اس تحقیق اور علم الٰہی کی تائید پر ہوگا۔ چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم ان لوگوں سے پوچھ گچھ کریں گے جن کے پاس نبی بھیجے گئے تو نبی تو ہر شخص کی طرف بھیجے گئے کوئی وقت کوئی جگہ نبوت سے خالی نہیں پھر اس آیت کا مطلب کیا ہوا؟ جواب: نبوت تو سب کو پہنچی مگر بعض کو اس کی خبر نہ ہوئی اس بنا پر ان پر اعمال واجب نہ ہوئے قیامت میں ان سے اعمال کی پوچھ گچھ نہ ہوگی جیسے زمانہ فترت کے لوگ' یا نابھی میں یا غشی و بیہوشی میں فوت ہو جائیں یعنی بچہ نے ہوش نہ سنبھالا کہ مرگیا ایک آدمی کبھی ہوش میں نہ آیا کہ مرگیا ان لوگوں سے نہ قیامت میں حساب ہو نہ قبر میں۔

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں حساب کفار کا بھی ہوگا اور عام مومنین کا بھی۔ مومنوں میں گنہگاروں کا بھی حساب ہوگا صالحین کا بھی غافلین کا بھی ہوگا واصلین کا بھی مگر نوعیت حساب میں فرق ہوگا۔ کفار کا حساب انہیں رسوا کرنے کو ہوگا مومنوں کا حساب ان کی عزت بڑھانے کے لئے ہوگا اس لئے مومنوں کے گناہوں کا حساب خفیہ ہوگا۔ نیکیوں کا حساب علانیہ کفار کے منہ کالے مومنوں کے اجیالے ہوں گے کاملین کا حساب ہوگا۔ ان کے کمالات لوگوں کو دکھانے کے لئے۔ دنیا میں ان کے کچھ درجات و کمالات بتائے گئے تھے وہاں ان کے سارے کمالات دکھائے جائیں گے دکھانے اور بتانے میں بڑا فرق ہے۔ یوں ہی حضرات انبیاء کرام فرشتوں وغیرھم کی گواہیاں کافروں کو عذاب اور رسوا کرنے کے لئے ہوں گی مومنوں کے لئے بھی ہیں۔ کفار یہاں متکبر تھے وہاں ذلیل کئے جائیں گے مومنین یہاں تواضع عجز و انکسار والے تھے وہاں ان کے منہ اجیالے ہوں گے۔ حضرت امام زین العابدین فرماتے ہیں کہ مجھے متکبر فخر والے پر تعجب ہے کہ وہ کل نطفہ تھا اور آئندہ کل گل مٹی بنے گا۔ اب فخر کس چیز پر

کرتا ہے، تعجب ہے اس پر جو اللہ کی ہستی میں شک کرتا ہے اور نعمتیں اس کی کھاتا ہے تعجب ہے اس پر جو اگلی زندگی کا انکار کرتا ہے حالانکہ یہ زندگی دیکھتا ہے، تعجب ہے اس پر جو مٹنے والی دنیا کے لئے ہر دم کوشش کرتا ہے اور باقی رہنے والے جہاں سے غافل ہے (از روح البیان)۔

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور تولنا اس دن برحق ہے پس وہ شخص کہ بھاری ہوگئے وزن اس کے پس وہ لوگ کامیاب

اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلے بھاری ہوئے وہ ہی مراد کو پہنچے اور جن کے پلے

الْمُفْلِحُوْنَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

ہیں اور وہ لوگ کہ ہلکے ہوئے وزن ان کے پس یہ وہ ہیں جنہوں نے نقصان میں

ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو

اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝۹

ڈالا جانوں کو اپنی اس وجہ سے کہ تھے وہ ہماری آیتوں پر ظلم کرتے۔

ہماری آیتوں پر کرتے تھے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں قیامت کی ایک ہولناک چیز کا ذکر ہوا یعنی حساب و کتاب گواہی شاہدی اب ان آیتوں میں اس دن کی دوسری ہولناک چیز کا ذکر ہے یعنی وزن اعمال چونکہ حساب پہلے ہوگا وزن بعد میں۔ اس لئے پہلے حساب کا ذکر ہوا اب وزن اعمال کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفر و ایمان یوں ہی نیکیوں گناہوں کی تعداد کی جانچ فرمانے کا ذکر تھا اب اعمال کیفیات کی تحقیق فرمائے جانے کا ذکر ہے عین اعمال کا ہلکا بھاری ہونا ریا یا اخلاص والا ہونا گویا مقدار کی تحقیقات کے بعد کیفیات کی تحقیقات کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بندوں کے رب العالمین کی بارگاہ میں حاضری اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیشی کا ذکر تھا اب بندوں کے فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا تذکرہ ہے جو فرشتے اعمال تولنے پر مقرر ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قولی تحقیقات کا ذکر تھا اب عملی تحقیقات کا تذکرہ ہے یعنی اعمال کی ناپ تول۔

تفسیر : **والوزن یومئذ الحق** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان ترکیبیں دو ہیں۔ ایک یہ کہ **الوزن** مصدر ہے بمعنی تولنا **یومئذ** اس مصدر کا ظرف ہے یہ مبتداء ہوا اور **الحق** اس کی خبر دوسرے یہ کہ **الوزن** موصوف ہے اور **الحق** صفت یہ دو مبتدا مل کر مبتداء ہیں اور **یومئذ** خبر **الوزن** میں الف لام پوشیدہ مضاف الیہ کی عوض ہے وزن الاعمال یا وزن الصحف حق بمعنی درست و صحیح ہے باطل کا مقابل یا بمعنی غیر زائل ہے یعنی اصل ضرور واقع ہونے والا یعنی قیامت کے دن اعمال یا نامہ

اعمال کا تولنا یا تولا جانا بالکل حق ہے یا اعمال کی یہی تول قیامت کے دن ہے۔ خیال رہے کہ (1) قیامت میں کفر و ایمان کا وزن نہ ہو گا بلکہ نیک و بد اعمال کا وزن ہو گا کیونکہ کافر کے پاس ایمان نہیں اور مومن کے پاس کفر نہیں پھر وزن کس چیز سے ہو' (2) وہاں وزن باٹ یا من سیر سے نہ ہو گا بلکہ گناہوں کا نیکیوں سے ہو گا' ترازو کا ایک پلہ نورانی ہو گا جس میں نیکیاں رکھی جائیں گی۔ دوسرا پلہ ظلمانی جس میں گناہ رکھے جائیں گے (3) جن کے پاس صرف نیکیاں ہیں گناہ کوئی نہیں ان کا وزن نہ ہو گا جیسے حضرت ابوبکر صدیق یا دوسرے خاص صحابہ اور خاص اولیاء اللہ یونہی جن کے پاس صرف گناہ ہیں نیکیاں کوئی نہیں ان کا وزن بھی نہ ہو گا' جیسے ابو جہل وغیرہ بڑے بھاری مجرم کفار کیونکہ ان کے پاس دوسرے پلہ میں رکھنے کے لئے کوئی چیز نہیں (4) جس کی نیکیوں کو وہ ترازو تول نہ سکے ان کا وزن ناممکن ہو گا جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کہ ان کے ایک سجدہ کا وزن وہ ترازو نہیں کر سکتی جیسے دنیا کا بڑے سے بڑا کنڈا سمندر کا پانی نہیں تول سکتا (5) وہاں اعمال میں وزن قوت اخلاص سے ہو گا جتنا اخلاص زیادہ اتنا ہی وزن زیادہ یوں ہی مشقت و محنت نیکی کا وزن بڑھائے گی اندھیری رات میں مسجد میں پہنچ کر نماز باجماعت کا وزن اس نماز سے زیادہ ہو گا جو راحت کے ساتھ پڑھی جائے جہاد بلکہ شہادت کا حال بھی یہ ہے کہ ان میں جتنی مشقت زیادہ وزن زیادہ یوں ہی اللہ والوں کی نگاہ کرم نیکی کا وزن بڑھا دیتی ہے ان کی نگاہ قہر گناہ کا وزن بڑھا دیتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ میرے صحابی کا چار سیری جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے **افضل** ہے کیونکہ وہ بارگاہ رسالت میں منظور شدہ (6) وہاں بھاری پلہ اونچا ہو گا اور ہلکا پلہ نیچا کیونکہ وہاں وزن نورانیت کا ہے اور نور اوپر جاتا ہے نیچے نہیں گرتا اس کی اور تحقیق یہاں ہی تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ملاحظہ کرو **فمن ثقلت موازینہ** عبارت پہلے جملہ کی تفصیل ہے لہذا ف تفصیلیہ ہے **من** سے مراد مکلف بندے ہیں کیونکہ انہیں کے اعمال کا وزن ہے۔ فرشتے' جانور' انسانوں کے چھوٹے بچے' دیوانے جو کبھی مکلف ہی نہیں ہوئے ان کا وزن بھی نہ ہو گا۔ **ثقل** سے مراد بوجھ ہے کسی کی ایک نیکی ہزاروں گناہوں سے زیادہ بوجھل ہو گی۔ **موازین** یا تو جمع ہے **موزون** کی جیسے موعود کی جمع مواعید' مکتوب کی جمع مکاتیب' معبود کی جمع معابید' تب تو مطلب ظاہر ہے کہ اس سے مراد ہیں تولی ہوئی نیکیاں اور یا جمع ہے میزان کی بمعنی ترازو اس صورت میں موازین سے پہلے کفتہ پوشیدہ ہے بمعنی پلہ اور پلہ سے مراد ہے نیکیوں کا پلہ چونکہ ہر شخص کی ترازو الگ ہو گی یا ہر شخص کی مختلف نیکیاں مختلف وزنوں سے تولی جائیں گی ان وجوہ سے **موازینہ** جمع فرمایا یعنی جس شخص کے نیک اعمال بھاری ہوں گے یا جس کی نیکیوں کے پلے بھاری رہیں گے خیال رہے کہ جیسے جسمانیات میں پانی' مٹی' سنکری' پارہ ان کی آمیزش چیز کو وزنی کر دیتی ہے مگر پارہ بہت زیادہ وزن کرتا ہے کہ خود بہت بھاری ہے یوں ہی روحانیات میں اخلاص خشوع خضوع' عشق رسول نیکیوں کو وزنی کرتے ہیں ان سب میں زیادہ وزنی عشق رسول ہے۔ جو نیکی عشق سے کی جائے وہ وزنی ہے' فرماتے ہیں صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرا صحابی چار سیر جو خیرات کرے اور دوسرا شخص پہاڑ بھر سونا خیرات کرے تو صحابی کے جو کا درجہ بڑا ہے کیوں اس لئے کہ جو عشق رسول صحابی کو نصیب ہے وہ دوسروں کو نصیب نہیں **فاولئک هم المفلحون** یہ عبارت **من ثقلت** کی جزاء ہے **اولئک** میں اشارہ **من** کی طرف ہے چونکہ **من** اگرچہ لفظاً" واحد تھا مگر معنی" جمع اس لئے **اولئک** بھی جمع لایا گیا اور **هم** بھی **مفلحون** بھی۔ **مفلحون** بنا ہے **فلاح** سے بمعنی کامیابی اس فلاح کے اقسام ہم پارہ **الم** **اولئک هم المفلحون** میں بیان کر چکے ہیں یہاں فلاح سے مراد ہے دوزخ میں بغیر گئے ہوئے جنت میں پہنچ جانا یہ ان مومنوں کے لئے ہو گا جن کی نیکیاں گناہوں پر غالب ہوں **ومن خفت موازینہ** تصویر کا دوسرا رخ ہے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں **من** سے

کون لوگ مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ کفار مراد ہیں جن کے پاس نیکیاں بھی ہوں جیسے صدقات خیرات لوگوں کی خدمت ماں باپ کی اطاعت اولیاء اللہ یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور گناہ بھی ہوں۔ جیسے رشوت' جھوٹ' سود خواری وغیرہ ان اعمال کا مقابلہ میں وزن ہوگا مگر نیکیوں کا وزن ہلکا ہوگا کیونکہ ان کے پاس ایمان واخلاص نہ تھا' بعض کے نزدیک اس سے وہ مسلمان مراد ہیں جن کے گناہ نیکیوں سے زیادہ تھے اور وزنی تھے نیکیاں کم اور ہلکی تھیں یہاں بھی موازین کے وہی دو معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے کہ اس سے نیک اعمال یا نیک اعمال کا پلہ مراد ہے۔ **فاولئک الذین خسروا انفسہم** اگر من خفت سے مراد کفار تھے تو خسران سے مراد ہے ہمیشہ کے لئے دوزخی ہونا کہ پورا نقصان یہی ہے۔ جس میں اصل پونجی بھی ہاتھ سے جائے اور اگر وہاں من سے مراد گنہگار مسلمان ہیں تو خسران سے مراد ہے اول سے جنت میں داخل نہ ہونا سزا کا مستحق ہونا۔ **بما کانوا بایتنا یظلمون** یہ عبارت متعلق ہے خسروا سے۔ اگر من سے مراد کفار ہیں تو آیات سے مراد قرآنی آیتیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرامین عالیہ یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔ ظلم سے مراد ہے ان کا کفر و انکار کرنا۔ رب فرماتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** اور اگر من سے مراد گنہگار مسلمان ہیں تو آیات سے مراد ہے احکام اسلامیہ کے فرمان خواہ قرآن مجید میں ہوں یا حدیث شریف میں اور ظلم سے مراد ہے ان پر عمل نہ کرنا چونکہ من لفظاً" مفرد تھا معنی" جمع۔ اس لئے **اولئک الذین خسروا** وغیرہ تمام ضمیریں جمع لائی گئیں' لہٰذا مضمون واضح ہے۔ خیال رہے کہ جسمانیات میں ہر رشتہ دار کا حق ہے۔ جس کا مارنا ظلم ہے حتی کہ جو جانور پالا اس کا بھی اگر اسے کھانا پانی نہ دیا تو ظلم ہوا۔ ایک عورت بلی کی وجہ سے دوزخ میں گئی۔ یوں ہی قرآن مجید اسلام بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی ہم پر حقوق ہیں بلکہ بعد خدا سب سے زیادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے کہ ماں باپ سے جان ملی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان ملا مرنے پر سب رشتے ٹوٹ جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ غلامی قائم رہتا ہے۔ ماں بیمار بچے کے لئے چار راتیں جاگ کر گھبرا جاتی ہے اس کے مرنے کی دعا کرتی ہے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم گنہگاروں کے لئے برسوں رات بھر جاگے' غاروں میں گریہ زاری فرمائی سب سے بڑا ان کا حق ہے' سب سے زیادہ ان سے محبت کرنا سب سے بڑھ کر ان کی اطاعت کرنا ان کا حق ہے اگر ان کے حق ادا نہ کئے تو اپنے پر ظلم کیا وہ آیات الیہ میں سے ہیں سر سے دم تک ہر عضو اللہ کی آیت ہے۔
آیت کا مطلب یہ ہوا کہ چونکہ ان لوگوں نے رسول اللہ کے حق مارے اس لئے خسارہ میں رہے ان کے اعمال ہلکے رہے۔

خلاصہ ء تفسیر : قیامت میں صرف حساب سے کام نہ چلے گا بلکہ حساب کے بعد نیک و بد اعمال کا یا نامہ ء اعمال کا میزان قیامت میں تولا جانا برحق ہے حساب تو اعمال کی مقدار ظاہر کرنے کے لئے ہوگا اور وزن اعمال کی کیفیت ظاہر فرمانے کے لئے۔ جن خوش نصیب شخصوں کے نیک اعمال یا نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوا تو وہ پورے پورے کامیاب ہوں گے اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا رہا تو سمجھ لو کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے دنیا میں اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیات قرآنیہ احکام شرعیہ پر زیادتی کی کہ وہ آیات ماننے عمل کرنے کے لئے اتاری گئی تھیں انہوں نے ان کا انکار کیا یا ان پر عمل نہ کیا۔ خیال رہے کہ وزن اعمال کے متعلق مسلمانوں میں تین گروہ ہیں ایک گروہ کہتا ہے کہ خود اعمال ہی وہاں تولے جائیں گے کہ دنیا کے اعراض وہاں جواہر ہوں گے نیک و بد اعمال کی اچھی بری شکلیں ہوں گی خود وہی تولے جائیں گے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ نیک و بد اعمال کے دفتر تولے جائیں گے بعض نے فرمایا کہ نیک و بد انسان ہی تولے جائیں گے مگر پہلا قول قوی ہے۔ ان

کے دلائل تفسیر کبیر اور تفسیر روح البیان میں اسی جگہ دیکھو۔ یاد رکھو کہ اصلی کامیابی مال و دولت' اسباب' سامان اور دنیاوی سلطنت حکومت سے نہیں۔ اصلی کامیابی اللہ رسول کو راضی کرلینا ہے۔ دیکھو قارون کے پاس مال' نمرود کے پاس حکومت بہت تھی مگر وہ کامیاب نہ ہوئے۔ ہر انسان تاجر ہے زندگی کی گھڑیاں اپنی پونجی ہیں اعمال کمائی ہے تاجر سودا دیتا ہے قیمت لیتا ہے۔ مومن زندگی کی گھڑیاں خرچ کرتا ہے اعمال کماتا ہے نفع میں ہے مگر جو زندگی گزار دے اعمال نہ کمائے وہ گھاٹے میں ہے۔ جو زندگی گزارے گناہ کمائے اس نے اپنے کو تباہ کرلیا **مفلحون** اور **خسروا انفسھم** یہی بتارہی ہے' روح باز ہے' جسم اس کا سایہ ہے انسان شکاری ہے' زندگی کے دن ترکش کے تیر ہیں۔ اگر صرف جسم کو پالنے میں یہ دن رات خرچ کردیئے تو اس نے قیمتی تیر برباد کردیئے اگر روحانیت کمائی تو شکار کامیاب رہا یہ آیت کریمہ آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

میزان اعمال : اعمال کی تول اس کی ترازو جس کے دو پلے ہیں ایک ڈنڈی اور ڈنڈی کے درمیان ترازو کی لمبائی بالکل حق ہے اس کا انکار کرنا اور اس جیسی آیات میں تاویلیں کرنا گمراہی ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا مولیٰ مجھے وہ ترازو دکھادے۔ رب نے آپ کی نگاہ سے حجاب اٹھادیئے میزان ملاحظہ فرمائی تو اس کی پلوں کی فراخی دیکھ کر آپ کو غشی آگئی۔ عرض کیا الٰہی اتنے بڑے پلے کون بھر سکے گا' کس کے پاس اتنی نیکیاں ہوں گی جن سے یہ وسیع پلے بھرے جائیں۔ فرمایا اے داؤد جس پر ہمارا کرم ہوگا اس کے ایک کھجور کی قاش سے ہم یہ پلہ بھردیں گے یعنی معمولی صدقہ پلہ بھردے گا (روح المعانی) وزن اعمال کے متعلق کچھ احادیث ملاحظہ کرو۔

حدیث نمبر1 : احمد' ترمذی' ابن ماجہ' حاکم' بیہقی' نے بروایت سیدنا عبد اللہ ابن عمرو روایت فرمایا کہ گنہگار کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے' تاحد نظر پھیلے ہوں گے۔ رب فرمائے گا کہ اے بندے کیا تجھے اپنے ان گناہوں کا انکار ہے عرض کرے گا بالکل نہیں یہ سب میرے گناہ ہیں' تیرے فرشتوں نے بالکل حق لکھا ہے ارشاد باری ہوگا کہ تیری ایک نیکی بھی ہمارے پاس ہے ایک پرچہ لایا جائے گا جس پر کلمہ طیبہ تحریر ہوگا یہ پرچہ نیکیوں کے پلے میں رکھا جائے گا تو یہ پلہ کلمہ والا بھاری ہوجائے گا اور گناہوں کا پلہ ہلکا' بندہ بخشا جائے گا' فرمایا جائے گا کہ وہ ہیں تیرے کام یہ ہے میرا نام میرا نام بھاری تیرے اعمال ہلکے۔ خیال رہے کہ یہ وزن اعمال کا ایمان سے نہ ہوگا بلکہ وہ جو اخلاص سے کلمہ طیبہ پڑھا کرتا تھا یا مرتے وقت کلمہ پڑھا تھا وہ عمل یعنی کلمہ پڑھنا تو زن کیا گیا۔ پڑھنا عمل ہے اسی لئے اسے نیک اعمال کے پلہ میں رکھا گیا۔ (خازن کبیر' معانی)

حدیث نمبر2 : ابن ابی الدنیا اور امام نمیری نے سیدنا عبد اللہ ابن عمرو سے کتاب الاعلام میں روایت کی حضرت آدم علیہ السلام سبز جوڑا پہنے ایک مقام پر کھڑے ہوں گے کہ آپ ایک شخص کو جو امت محمد مصطفیٰ میں سے ہوگا دیکھیں گے کہ اسے فرشتے دوزخ کی طرف لئے جارہے ہیں آپ پکاریں گے کہ یا احمد یا احمد حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے لبیک یا ابا البشر آدم علیہ السلام فرمائیں گے تمہارا ایک امتی دوزخ میں لے جایا جارہا ہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہبند سمیٹ کر ان کے پیچھے دوڑیں گے۔ اے فرشتو ٹھہرو' میرے امتی کو روکو پھر بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے تو نے مجھ سے میری امت کے متعلق وعدہ فرمایا ہے۔ رب تعالیٰ ان فرشتوں سے فرمائے گا کہ میرے محبوب کا حکم مانو جو وہ کہیں وہ کرو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اسے پھر میزان پر لائیں گے اور اب اس کی نیکیوں کے پلے میں ایک پرچہ اپنے پاس سے نکال کر رکھ دیں گے

جس میں باریک حروف میں کچھ لکھا ہو گا اس پرچے سے اس کی نیکیاں گناہوں پر بھاری ہو جائیں گی' آواز آئے گی سعد یہ سعدیہ' یہ بندہ کامیاب ہو گیا کامیاب ہو گیا۔ اب اسے رحمت کے فرشتے جنت کی طرف لے چلیں گے یہ کہے گا۔ فرشتو ٹھہرو مجھے اس محسن اعظم سے کچھ عرض معروض کر لینے دو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرے گا آپ کون ہیں جنہوں نے مجھ پکڑے ہوئے کو چھوڑا لیا۔ مجھے ڈوبتے کو ترا لیا تمہارا سوا میرے کوئی کام نہ آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں گے انا نبیک محمد میں تیرا نبی محمد مصطفیٰ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) تو مجھ پر درود شریف بہت پڑھتا تھا' وہ تیرے درود میرے پاس محفوظ تھے' تیری مصیبت میں آج ان کے ذریعہ تیری بگڑی بنائی گئی۔ (تفسیر روح المعانی) خیال رہے کہ درود شریف کا پرچہ وزن نہ کیا بلکہ بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ شریف سے رکھوایا گیا تاکہ اس دست پاک کی برکت سے اس پرچہ کا وزن اتنا بڑھ جائے کہ سارے گناہوں کو ہلکا کر دے یہ وزن اس ہاتھ شریف کی برکت کا ہو گا۔

دل عبث خوف سے پتہ سا اڑا جاتا ہے — پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

حدیث نمبر3 : ابن عبد البر نے بروایت ابراہیم نخعی روایت کی۔ ایک مسلمان کے نیک اعمال میزان میں ہلکے ہو جائیں گے تو کوئی چیز ہلکی بارش کی طرح اس نیکیوں کے پلہ پر برسے گی۔ جس سے یہ پلہ وزنی ہو جائے گا پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو جانتا ہے یہ کیا چیز برسی جس نے تیری نیکیاں بھاری کر دیں۔ عرض کرے گا نہیں ارشاد ہو گا کہ تو نے دنیا میں لوگوں میں علم دین پھیلایا پڑھایا۔ علم لکھایہ تیری وہ خدمات تھیں جو آج تیری رہائی کا ذریعہ بنیں (تفسیر روح المعانی) ان تمام احادیث سے میزان اور وزن اعمال برحق ہونے کا مکمل ثبوت ملتا ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ**: قیامت کے دن عقائد کا بھی حساب ہو گا اور نیک و بد اعمال کا بھی' مگر وزن صرف نیک و بد اعمال کا ہو گا عقائد کا نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ قبر میں حساب صرف ایمان کا ہو گا اعمال کا نہیں۔ یہ فائدہ **الوزن یومئذ** کے الف لام سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: صرف مکلف لوگوں کے اعمال کا حساب و وزن ہو گا یعنی عاقل بالغ لوگوں کا نابالغ بچے دیوانہ لوگوں کا حساب نہیں کہ انہیں ان عمال پر سزا نہیں۔ **تیسرا فائدہ**: کفار کے نیک و بد اعمال کا بھی حساب اور وزن ہو گا ان کی نیکیوں پر قدرے عذاب ہلکا ہو جائے گا۔ جنت میں داخلہ نہ ہو گا' یہ فائدہ بھی **الوزن** کے مطلق فرمانے اور **ومن خفت موازینہ** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: جن لوگوں کے پاس صرف نیکیاں ہوں گناہ کوئی نہ ہو ان کا وزن اعمال نہ ہو گا' جیسے حضرت ابو بکر صدیق وغیرہم صحابہ کرام اور خاص اولیاء عظام۔ یوں ہی جن کفار کے پاس صرف گناہ تو ہیں مگر نیکی کوئی نہیں ان کا وزن اعمال بھی نہیں ہو گا' کیونکہ وہاں وزن باتوں سے نہیں بلکہ اعمال کا اعمال سے۔ دونوں پلوں کے لئے نیک و بد اعمال دونوں درکار ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: دلی محبت و عشق کا وزن نہیں ہو گا کہ وہ عمل نہیں بلکہ ان کی تحریر نامہ اعمال میں نہیں ہوتی۔

میان عاشق و معشوق رمزے است — کرا" کاتبیں راہم خبر نیست

چھٹا فائدہ: نیک اعمال میں وزن اخلاص و ایمان سے ہو گا۔ ریاکار کے بہت اعمال ہلکے ہوں گے' مخلص کا ایک نیک عمل بھاری ہو گا۔ یہ فائدہ **فمن ثقلت موازینہ** سے اشارۃً حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : قیامت میں حساب کے بعد وزن اعمال کیوں ہو گا کیا حساب کافی نہیں۔ جواب: اعمال کا حساب تو ان کی تعداد ظاہر کرنے کے لئے ہو گا اور اعمال کا وزن ان کی کیفیت بتانے کے لئے ہو گا حساب میں یہ بتایا جائے گا اعمال کتنے ہیں وزن سے یہ ظاہر کیا جائے گا کہ اعمال کیسے ہیں۔ جیسے کراچی سے بذریعہ ہوائی جہاز جدہ جاؤ تو کراچی میں اسباب تولا جاتا ہے کرایہ کے لئے کہ اگر چالیس پونڈ سے زیادہ ہو تو کرایہ وصول کیا جائے اور جدہ میں اسباب دیکھا جاتا ہے کہ کیسا ہے' نشہ آور یا تجارتی کسٹم کے لائق ہے یا نہیں غرضیکہ وزن کراچی میں دیکھا گیا اور نوعیت جدہ میں۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ کفار کے اعمال کا بھی حساب ہو گا مگر دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے **فلا نقیم لهم یوم القیامة وزنا** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال کا وزن نہیں ہو گا جواب: اس کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ان کفار کے نیک اعمال میں زیادہ وزن نہ ہو گا وہ ہلکے ہوں گے یا یہ کہو کہ وہاں ان کفار کا ذکر ہے جن کی نیکیاں ضبط ہو چکیں کیونکہ اس سے پہلے یہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ بعض نیک لوگوں کا وزن و حساب نہ ہو گا مگر یہاں کسی کی قید نہیں مطلقاً" فرمایا گیا **الوزن یومئذ الحق** تم نے یہ فرق کہاں سے کیا۔ جواب: دوسری جگہ قرآن مجید میں ہے **یدخلون الجنة یرزقون فیها بغیر حساب** حدیث کی بنا پر یہ قیدیں لگائی گئیں۔ چوتھا اعتراض: اگر کافر مومن دونوں کے نیک و بد اعمال کا وزن ہے تو چاہئے کہ جس کافر کی نیکیاں بھاری ہو جائیں وہ جنت میں پہنچ جائے کہ فرمایا گیا **فاولئک هم المفلحون** اور جس مسلمان کے گناہ بھاری ہو جاویں تو وہ دائمی دوزخی ہو جائے کہ ان کے لئے ارشاد ہے **خسروا انفسهم** حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ جواب: کافر کی نیکیاں اس کے گناہوں سے بھاری نہیں ہو سکتیں کیونکہ وہ نیکیاں ایمان سے خالی ہیں لہٰذا ہلکی ہیں اور بدیاں کفر کے ساتھ ہیں لہٰذا بھاری ہیں اگر بالفرض اس کی نیکیاں بھاری ہو بھی جائیں تو اس کی فلاح یہی ہے کہ اس کی سزا ہلکی ہو جائے۔ دوزخ کے نیچے طبقے سے نکال کر اونچے طبقے میں پہنچا دیا جائے ہر شخص کی فلاح جداگانہ ہے یوں ہی مومن کا خسارہ یہ ہے کہ اسے کچھ دن دوزخ میں رہنا پڑ جائے یا اس کا جنت میں درجہ اونی کر دیا جائے ہر شخص کا خسارہ جداگانہ ہے۔ پانچواں اعتراض: یہاں وزن سے مراد یہ مروجہ تولنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد ہے عدل و انصاف اور رب تعالیٰ کا فیصلہ کیونکہ انسان کے اعمال جوہر نہیں بلکہ عرض ہیں جو کرتے ہی فنا ہو جاتے ہیں اور معدوم و فنا شدہ چیز کا وزن ناممکن ہے اعمال میں بوجھ ہونا عقل کے خلاف ہے۔ (معتزلہ) جواب: قرآنی آیات میں بلا شرعی ضرورت تاویلیں تحریفیں کرنا ہرگز درست نہیں ورنہ پھر آیات قرآنیہ معتبر نہ رہیں گی۔ لوگ صلوٰۃ' صوم زکوٰۃ میں ایسی واہیات تاویلیں شروع کر دیں گے قیامت کی ترازو کو اپنے دنیا کے ترازو پر قیاس نہ کرو۔ کل وہاں ہماری صفات کی شکلیں بھی ہوں گی ان میں وزن بھی۔ دنیا میں علم' دولت' قحط' ارزانی' خواب میں مختلف شکلوں میں نظر آ جاتے ہیں بادشاہ مصر نے قحط اور ارزانی کے برسوں کو سات گایوں سات بالیوں کی شکل میں دیکھا۔ آج سائنسی آلات بخار کا ٹمپریچر ناپ لیتے ہیں کہ بخار 100 ڈگری ہے یا ایک سو پانچ۔ بجلی کا پاور میٹر کے ذریعہ ناپ لیا جاتا ہے کہ کتنے یونٹ خرچ ہوا' ہومیوپیتھک والے دوا کی طاقت' بیماری کی قوت ناپ لیتے ہیں' دوا بیماری سے زیادہ طاقتور استعمال کراتے ہیں۔ ہوا کی رفتار ناپ لی جاتی ہے کہ اتنے میل فی گھنٹہ کی رفتار سے طوفان آیا اگر وہاں یہ چیزیں وزن میں آ جائیں تو کیوں انکار ہے وزن کے متعلق آیات اور احادیث بہت ہیں۔ چھٹا اعتراض: تم نے جو وزن کے متعلق حدیث پیش کی کہ ایک شخص نیکیاں ہلکی ہو جانے کی وجہ سے دوزخ میں لے جایا جا رہا ہو گا' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پلے میں درود شریف یا اس کی عملی خدمات رکھ کر اس کا وزن بڑھا دیں گے تو رب

تعالیٰ نے اس کی یہ نیکیاں پہلے ہی اس کے نیکیوں والے پلہ میں کیوں نہیں رکھ دیں کیا وہاں اعمال میں کتر بیونت بھی کی جائے گی۔ **جواب:** ہم نے اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کردیا کہ منشاء الٰہی یہ ہو گا کہ اس کی اس نیکی کا وزن بڑھ جائے روئی میں پانی لگ جائے تو بھاری ہو جاتی ہے، ہم گنہگاروں کے ہلکے اعمال میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر یا دست کرم لگ جائے تو بھاری ہو جاتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ لگوانا اس گنہگار کی قسمت جگانے، مشکل حل کرنے کے لئے ہو گا اور اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دکھائی جائے گی کہ بگڑے ہوؤں کو چھڑا لیتے ہیں بگڑے ہوئے کو بنا دیتے ہیں ڈوبتے ہوؤں کو ترا دیتے ہیں دوزخ میں جاتے ہوؤں کی لائن بدل کر جنت کی لائن پر لگا دیتے ہیں **اللھم صل وسلم وبارک علیہ**

ساتواں اعتراض: یہاں دو گروہوں کا ذکر ہوا ایک وہ جن کی نیکیاں زیادہ دوسرے وہ جن کے گناہ زیادہ تیسری جماعت کا ذکر نہیں ہوا جن کی نیکیاں گناہ برابر ہوں وہ کہاں جائیں گے۔ **جواب:** ان کا ذکر اس سورت میں ہے **وعلی الاعراف رجال** آیت میں آرہا ہے کہ وہ لوگ قانونی طور پر تو اولا" اعراف میں رکھے جائیں گے پھر کچھ عرصہ کے بعد جنت میں بھیجے جائیں گے اور اگر کرم خسروانہ ہو جائے یا کسی اللہ والے کی شفاعت کا سہارا مل جائے تو اس کرم بندہ نوازی اور شفاعت کی برکت سے اس کی نیکیوں کا پلہ بھاری کردیا جائے گا کسی کو کوئی بندہ اپنی ایک نیکی دے دے گا جس سے ان کا وزن بڑھ جائے گا۔ ان شاء اللہ اس کی بحث وہاں ہی کی جائے گی۔ **اٹھواں اعتراض:** یہاں **مفلحون** سے مراد ہیں متقی مومنین اور **خسروا انفسھم** سے مراد ہیں کفار تو بتاؤ کہ گنہگار مسلمانوں کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا۔ **جواب:** ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ **خسروا انفسھم** میں گنہگار مسلمان اور کفار دونوں داخل ہیں گنہگار مومنین ہلکے خسارہ میں رہتے ہیں۔ کفار بھاری خسارہ میں۔ مگر تفسیر کبیر نے یہاں فرمایا کہ گنہگاروں کا ذکر یہاں نہیں فرمایا گیا بلکہ قرآن مجید میں اکثر و بیشتر کفار کی سزا کا ذکر ہوتا ہے گنہگار مسلمانوں کی اخروی سزا کا ذکر نہیں ہوتا ان کی پردہ پوشی دنیا میں بھی ہے کہ ان سزاؤں کا ذکر نہیں اور آخرت میں بھی ہو گی۔ دیکھو بے نماز، بے روزوں کی سزا کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ : قیامت میں ایک ایک آدمی کے لئے الگ الگ میزانیں (ترازو) قائم کی جائیں گی اس کے بدن کے وزن کے لئے ایک ترازو جس سے اس کے بدنی اوصاف تولے جائیں گے، اس کی روح کے وزن کے لئے دوسری ترازو جس سے اس کے دل کے حالات تولے جائیں گے، اس کے سر کی اور ترازو جس سے اس کے احوال کا وزن ہو گا، اس کے خفی کی دوسری ترازو جس سے اس کے اخلاق تولے جائیں گے۔ خیال رہے کہ خفی ایک ربانی لطیفہ ہے جس سے آدمی اخلاق ربانی کے فیض کے لائق ہو جاتا ہے بعض چیزیں نیکیوں کا وزن بڑھاتی ہیں بعض چیزیں گناہوں کا بوجھ بڑھاتی ہیں۔ ریا کے لئے نماز، جنت کے لئے نماز، دوزخ سے بچنے کے لئے نماز، اللہ کی رضا کے لئے نماز، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے لئے نماز، ان کے حساب کے وزن یکساں نہیں۔ یونہی سستی سے ترک نماز گناہ، لاپرواہی سے گناہ، اسے ہلکا سمجھ کر گناہ کرنا ان سب گناہوں کے وزن برابر نہیں، جن چیزوں کا حساب ہے انہیں کا وزن ہے چنانچہ صابرین کے صبر کا وزن نہ ہو گا اس لئے روزہ کا وزن نہیں کہ وہ بھی صبر کی ایک قسم ہے انہیں رب لپ بھر بھر کر ہی جزا دے گا فرماتا ہے **انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب** توحید حکمی کا وزن ہو گا توحید، حقیقی عشق و محبت والی توحید کا وزن کوئی نہیں حضرت شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ اعضاء ظاہری کے اعمال کا وزن ہو گا یہ سات ہیں، کان، آنکھ، ہاتھ پاؤں، پیٹ، فرج، شرمگاہ اس لئے انسان کو چاہئے کہ اپنے ان سات اعضاء کی بڑی حفاظت کرے

اس لئے یہاں **موازین** جمع ارشاد ہوا آیات کا خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص کے یہ سارے اوزان بھاری رہے وہ پورا پورا کامیاب رہا' جس کے یہ سارے اوزان ہلکے رہیں گے وہ پورا نقصان میں ہوگا' رہے تیسری قسم کے لوگ جن کے بعض وزن تو بھاری رہیں بعض ہلکے ان کا یہاں ذکر نہیں فرمایا گیا ان کا معاملہ رب کے کرم کے سپرد ہے 'فضل کرے تو چھٹیاں' عدل کرے تو مٹھیاں

عدل کرے تے تھر تھر کنبن اچیاں شاناں والے   فضل کرے تے بخشے جاون میں ورگے منہ کالے

اس لئے بڑے سے بڑے متقی بھی خوف کرتے دیکھے گئے ہیں کہ نہ معلوم کون سا وزن ہلکا ہو جائے اور ہم پکڑے جائیں۔ (از روح البیان۔)

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ۭ قَلِيْلًا مَّا

اور البتہ تحقیق جگہ دی ہم نے تم کو زمین میں اور بنائیں ہم نے تمہارے لئے اس میں معیشتیں بہت

اور بے شک ہم نے ضرور تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لئے اس میں زندگی

تَشْكُرُوْنَ ۝۱۰

کم تم شکریہ ادا کرتے ہو۔

کے اسباب بنائے بہت ہی کم شکریہ کرتے ہو۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بندوں کو گزشتہ قوموں کے عذاب اور آئندہ حساب کا ذکر فرما کر ڈرا کر اپنی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تھا' اب رب تعالیٰ نے اپنی موجودہ نعمتیں ہم کو بتا کر اپنی اطاعت کی رغبت دی' گویا پچھلی آیات میں ترہیب تھی (ڈرانا) اور اس آیت میں ترغیب ہے (رغبت دینا) تفسیر کبیر۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قیامت کے حساب وہاں کے وزن کا ذکر فرمایا گیا تھا اب ارشاد ہے کہ ابھی موقعہ ہے تمہارے ہاتھ پاؤں قابو میں ہیں سامان اطاعت جمع ہیں نیکیاں کر کے اپنے وزن بڑھالو پھر پچھتائے کچھ نہ بنے گا' گویا پہلے وزن اعمال کا ذکر تھا اب نیک اعمال کے وزن بڑھانے کی تدبیروں کی تعلیم ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قیامت کے وزن کا ذکر تھا اب ہم کو دنیا کے وزن خود کرنے کا حکم ہے یعنی ہماری نعمتوں کو سوچو پھر اپنی اطاعتوں پر غور کر کے خود ہی موازنہ کرلو کہ کیا تم نے ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرلیا ہے یہاں اپنا حساب اپنا وزن خود کرتے رہو تاکہ کل قیامت میں حساب او روزن آسان ہو۔

تفسیر : **ولقد مکنا کم فی الارض** چونکہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے اس کی واؤ ابتدائیہ ہے اور چونکہ اس کا مضمون بہت اہم ہے اور اس پر توجہ کرنے والے بہت کم اس لئے اسے لام اور قد کی تاکیدوں سے شروع فرمایا گیا۔ **مکنا** بنا ہے تمکین سے جس کی اصل یا مکان ہے بمعنی جگہ یا مکنت ہے بمعنی قدرت و ملکیت لہذا **مکنا** کے دو معنی ہوئے ہم نے تم کو جگہ دی' قرار دیا' سکونت دی یا ہم نے تم کو قدرت دی' ملکیت دی۔ **کم** میں خطاب یا تو اہل مکہ سے ہے تو **الارض** سے مراد زمین حرم شریف ہے جہاں وہ امن و امان سے رہتے تھے اور جہاں گھر بیٹھے ان کو روزی پہنچ جاتی تھی حجاج کے ذریعہ۔ یا **الارض** سے مراد

یمن و شام کی زمین ہے جہاں وہ سردیوں گرمیوں میں سفر کو جاتے تھے وہاں ان کا بڑا ادب و احترام ہوتا تھا کہ یہ لوگ اہل حرمین تھے۔ وہاں سے نذرانے اور تجارت کے ذریعہ خوب سامان لاتے تھے مگر وہ لوگ اس عزت کو سنبھال نہ سکے اللہ کی نافرمانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت میں رہے اس کا انجام دنیا نے دیکھ لیا کہ ابو جہل وغیرہ باوجود مکی ہونے کے کس طرح ذلیل و خوار ہو کر مرے یا کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور الارض سے مراد عام زمین کا ظاہری حصہ ہے۔ یہ تیسرے معنی قوی تر ہیں۔ خیال رہے کہ فرشتوں کی اصل جگہ آسمان ہے ان کا زمین پر آنا عارضی ہوتا ہے۔ جنات زمین کے سوراخوں تہ خانوں ویرانوں میں چھپے ہوئے رہتے ہیں، مچھلیاں وغیرہ پانی میں رہتی ہیں اور پانی زمین پر ہے تو بالواسطہ وہ بھی زمین میں ہیں، دوسرے جانور اگرچہ ظاہری زمین پر ہی رہتے ہیں مگر انہیں اس میں قرار نہیں نہ وہ مکانات بناتے ہیں نہ کسی چپہ زمین کے مالک ہوتے ہیں، ظاہری زمین پر ملکیت قبضہ رہائش تصرف صرف انسانوں ہی کو حاصل ہے ان وجوہ سے مکنا کم میں انسانوں سے خطاب فرمانا بالکل درست ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی یہ ہوں کہ ہم نے تم کو زمین میں اعمال نیک کا موقعہ دیا اور اعمال کے لئے اسباب عطا فرمائے تو مطلب یہ ہو گا کہ اعمال کی جگہ یہ زمین ہے اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات نماز ملنے پر وہاں ہی نماز نہ پڑھی، عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر ہیں وہاں نمازیں نہیں پڑھتے ہم لوگ قبروں میں جا کر نیک اعمال نہ کر سکیں گے نیز وہاں ہمارے پاس اعمال کے اسباب بھی نہ ہوں گے؟ زکوٰۃ، جہاد، شہادت، روزہ، حج کے اسباب صرف اسی زمین پر ہیں جیسے پانی یا شورہ زمین یا پتھریلی زمین میں دانہ ڈالو تو پیدا نہیں ہوتا۔ کعبہ معظمہ دور سے لوگوں کی نمازیں درست کر دیتا ہے مگر حج کے لئے پاس بلاتا ہے کیونکہ نماز کی زمین ساری روئے زمین ہے مگر حج کی زمین صرف حرم کی زمین ہے۔ اس لئے یہ معنی بالکل درست ہوئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ انسان کا اصل مقام زمین ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا صدیوں سے آسمان پر قیام فرمانا عارضی ہے اس لئے انہوں نے وہاں نہ مکان بنایا نہ بود و باش اختیار کی۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معراج میں آسمانوں پر جانا وہاں کی سیر فرمانا عارضی تھا، جیسے ہم ہوائی جہاز میں بیٹھ کر گھنٹوں فضا میں ٹھہر جاتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت میں قیام بھی عارضی تھا وہ خلافت زمین ہی کے لئے پیدا کئے گئے تھے لہٰذا یہ واقعات اس آیت کے خلاف نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں خطاب مکلف انسانوں سے ہے۔ جو اس جسم کے ساتھ ہیں اس جسم کا وطن یہ زمین ہے۔ رہی روح اس کا پچھلا وطن عالم ارواح تھا اور اگلا وطن جنت یا دوزخ ہے لہٰذا یہ تمام صورتیں اس فرمان عالی کے خلاف نہیں **وجعلنا لکم فیھا معایش** یہ عبارت معطوف ہے **مکنا کم** پر اس لئے واؤ عاطفہ ہے **جعلنا** بمعنی **خلقنا** ہے **لکم** میں لام نفع کا ہے **فیھا** میں **ھا** ضمیر زمین کی طرف ہے اور **معایش** جمع **معیشۃ** کی جس کی اصل ہے **عیش** بمعنی زندگانی **معیشۃ** کے معنی ہیں زندگی گزارنے کا سامان یا ذریعہ۔ معیشت کو روزی کو بھی کہتے ہیں کہ وہ زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے۔ خیال رہے کہ یہاں بھی **لکم** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں خطاب کفار مکہ سے ہو اور **فیھا** سے مراد وہ زمین حرم شریف تو مطلب یہ ہو گا کہ اے قریش مکہ ہم نے تمہارے لئے یہاں حرم شریف کی زمین میں جو بے آب و گیاہ ہے۔ روزیاں پیدا فرما دیں کہ تم کو یہاں ہی سامان زندگی عطا فرمایا دنیا کماتی ہے اور تم ان کی کمائیاں یہاں آرام سے بیٹھ کر کھاتے ہو کہ زمانہ حج میں لوگ تم کو ہر قسم کا سامان زندگانی دے جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ بقدر طاقت بندے پر بوجھ ڈالتا ہے، درختوں کو ان کی جگہ ہی روزی پہنچاتا ہے پانی کھاد وغیرہ چڑیوں کو اڑنے کی طاقت دی کمانے کی نہ دی۔ تو انہیں گھونسلے میں روزی نہ پہنچی کھیت میں کمایا ہوا رزق ملا یوں ہی جو انسان اپنے کو دین کے لئے

وقف کردے اسے بے گمان روزی پہنچتی ہے **ویرزقہ حیث لا یحتسب** چونکہ مکہ والوں پر خدمت بیت اللہ لازم تھی **ان طہرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود** اس لئے انہیں گھر بیٹھے روزی پہنچائی گئی جو عالم دین اپنے کو خدمت دین کے لئے وقف کردے تو دنیا اس کے پیچھے دوڑتی آتی ہے۔ مکہ والوں کے لئے کعبہ روزی کا ذریعہ ہے مدینہ والوں کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روزی کا ذریعہ۔ مگر درحقیقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کے لئے روزی کا ذریعہ ہیں دوسرے یہ کہ **لکم** میں خطاب عام انسانوں سے ہو اور **فیھا** کی ضمیر مطلق زمین کی طرف ہو یعنی اے انسانو! ہم نے زمین میں تم کو روزیاں عطا فرمائیں کہ کھانے پینے' پہننے' مکان بنانے کا سامان زمین میں سے تم کو عطا فرمایا۔ زمین میں بظاہر مٹی کے سوا کچھ نہیں مگر ہر قسم کا رزق وہی ہم کو دیتی ہے۔ کروڑوں من گندم' وغیرہ دے چکی کبھی نہیں کہتی کہ اب میں بوڑھی ہو گئی میرے پاس دانے پھل نہیں یوں ہی حضور اقدس بظاہر خالی ہاتھ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) مگر دنیا بھر کو ایمان' عرفان' تقویٰ وغیرہ کی روحانی روزیاں دے رہے ہیں۔ نہیں کہتے کہ اب میرے پاس نہیں اور ہو سکتا ہے کہ **لکم** میں خطاب قریش مکہ سے ہو اور **فیھا** سے مراد ہو عام زمین یعنی اے مکہ والو ہم نے تمہارے لئے زمین میں سامان عیش پیدا فرمائے کہ تم جاڑے گرمیوں میں سفر کرتے ہو ہر جگہ تمہاری عزت ہوتی ہے لوگ تم کو ہر قسم کا سامان زندگی نذرانہ تحفہ کے طور پر دیتے ہیں ہر جگہ ڈکیتی ہوتی ہے تم اس سے محفوظ رہتے ہو (از روح البیان) غرضیکہ اس عبارت کی تین تفسیریں ہیں رب تعالیٰ نے **مکنا** اور **جعلنا** فرما کر یہ بتایا کہ یہ چیزیں اسباب ہیں اور ہم مسبب الاسباب اسی لئے غذا ہوا پانی جب تک ہم چاہیں تب تک تمہارے لئے اسباب زندگی ہیں ورنہ یہی اسباب موت بن جاتے ہیں کہ اس ہوا پانی سے تمہاری موت واقع ہو جاتی ہے **قلیلا ما تشکرون** اب تک رب کی کرم نوازیوں کا ذکر تھا اب بندوں خصوصاً" انسانوں کی ناشکری کا ذکر ہے یہاں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں بھی خطاب قریش مکہ سے ہو یعنی دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں تم بہت کم شکر کرتے ہو تم پر نعمتیں زیادہ ہیں مگر تمہارا شکر تھوڑا ہے۔ حرم شریف کا جتنا احترام دوسرے لوگ کرتے ہیں تم نہیں کرتے۔ نیز یہاں سے جو دینی فائدہ دوسرے اٹھاتے ہیں تم نہیں اٹھاتے۔ تم نے ہی کعبہ میں بت رکھے تم نے زمین حرم میں زنا' شراب' جوئے زندہ لڑکیوں کا دفن جاری کیا۔ دوسرے یہ کہ اس میں خطاب عام لوگوں سے ہو۔ یعنی اے انسانو! تم بہت کم شکر کرتے ہو یا اس طرح کہ اکثر اوقات ناشکری کرتے ہو بہت کم وقت شکر یا اس طرح کہ ان نعمتوں کے مقابلہ میں تم شکر بہت کم کرتے ہو یا دوسری مخلوق کے مقابلہ میں تم بہت کم شکر کرتے ہو گناہ زیادہ کرتے ہو نیکیاں کم۔ خیال رہے کہ **قلیلا ما** میں **ما** تنکیریہ ہے کمی کی زیادتی بتانے کے لئے **قلیل** بمعنی کم اور **قلیلا ما** کے معنی ہیں بہت ہی کم۔ واقعی انسان دوسری مخلوق کے مقابل بہت کم شکر ادا کرتا ہے' غرضیکہ یہ فرمان عالی یا تو شکایت ہے یا حکایت اگر شکایت ہے تو یا کفار عرب کی شکایت ہے یا عام انسانوں کی اگر حکایت ہے تو سب کی کہ جانور تمہارا دانہ پانی کھا پی کر تم پر اپنی طاقت استعمال نہیں کرتے بلکہ تمہارے اشاروں پر چلتے ہیں تم اللہ کی کروڑوں نعمتیں کھا کر شاکر نہیں بنتے۔ خدا بنے تو انسان جھوٹے نبی بنے تو انسان۔

خلاصہ ء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں اگر قریش مکہ سے اس میں خطاب ہو تو کچھ اور ہی تفسیر ہے ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں اے انسانو! ہم نے تم پر احسان عظیم کیا کہ زمین میں تم کو رہنے سہنے کی جگہ بخشی تم کو یہاں ہر طرح کی قوت' قدرت' سہولت بخشی تم کو زمین کا حاکم و سلطان کیا تمہیں ہر طرح کے اعمال کرنے' آخرت کا سامان جمع کرنے کا موقعہ دیا۔ یہ نعمتیں تمہارے سوا دوسری مخلوق کو نہیں دیں۔ جنات جانور اگرچہ زمین میں ہی رہتے

ہیں مگر زمین پر تمہاری طرح راج تصرف نہیں کرتے پھر تم کو زمین میں پیدا فرما کر یوں ہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ اسی زمین میں سے تم کو سامان زندگی بخشے کہ ہر قسم کے دانے پھل 'سونا' چاندی وغیرہ ساری زندگانی کی نعمتیں تم کو زمین سے ہی عطا فرمائیں۔ بعض چیزیں تم کو براہ راست ہم نے بخشیں بعض چیزیں تم نے کما کر حاصل کیں مگر یہ سب کچھ ہے ہماری عطا سے پھر تمہارا یہ حال ہے کہ تمام مخلوق میں بہت کم شکر کرنے والے تم ہو تم پر نعمتیں زیادہ ہیں مگر تمہاری شکر گزاری کم ہے۔ خیال رہے کہ ہم کو اکثر نعمتیں زمین سے ملتی ہیں اور بعض نعمتیں آسمان سے ملتی ہیں جیسے دھوپ بارش وغیرہ مگر یہ سب ملتی ہیں زمین ہی میں۔ ہم دھوپ یا بارش یا ہوا لینے فضا میں نہیں جاتے سب کچھ ہمیں گھر بیٹھے پہنچتا رہتا ہے لہذا فیہا معایش فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز اگرچہ جنات بھی گناہ و کفر کرتے ہیں مگر انسان ان سب سے زیادہ گناہ کرتا ہے دعویٰ خدائی کرتا ہے تو انسان جھوٹا نبی بنتا ہے تو انسان ہلاکت کے سامان بناتا ہے تو انسان لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ تم بہت کم شکر کرتے ہو 'اگر خطاب کفار قریش سے ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ ہمیشہ سے ان پر اللہ کا فضل بڑا ہی رہا مگر ناشکری میں سب سے اول ہو ہی رہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ستایا تو کفار عرب نے کعبہ معظمہ کو بت خانہ بنایا تو کفار عرب نے باہر کے لوگ کعبہ معظمہ پہنچ کر بہت کچھ کماتے تھے جن سے خود کفار مکہ محروم رہتے تھے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان کی اصل جگہ زمین ہے یہاں ہی اس کا رہنا سہنا ہے یہاں ہی مرنا جینا یہ فائدہ **مکنا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جس کو مقدس زمین خصوصاً "حرم شریف میں رہنے سہنے کا موقعہ ملے اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی احسان ہے یہ فائدہ **مکنا کم فی الارض** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا دوسری جگہ رب تعالیٰ انصار مدینہ کے متعلق فرماتا ہے **تبوء الدار والایمان** ان لوگوں نے پہلے ہی سے اس شہر مدینہ میں اور ایمان میں گھر بنا لیا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مکہ والوں پر احسان جتایا کہ ہم نے تم کو زمین مکہ میں سکونت بخشی اور اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے انصار مدینہ کی خوش نصیبی کا ذکر فرمایا کہ انہوں نے پہلے ہی سے مدینہ منورہ میں گھر بنا لیا تھا۔ خیال رہے کہ تمام دنیا کے لوگ تو اپنے شہروں میں خود بستے ہیں مگر مکہ والے بسائے گئے ہیں' جناب خلیل اللہ نے انہیں بسایا **رب انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی ذرع** جسے خلیل بسادیں وہ اجڑ نہیں سکتا۔ **تیسرا فائدہ:** مقدس زمین میں پیدا ہونا بھی افضل ہے وہاں رہنا بھی افضل وہاں مرنا بھی بہتر ہے وہاں دفن ہونا بھی بہتر۔ یہ فائدہ بھی **مکنا کم فی الارض** کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعقوب علیہ السلام وفات کے قریب کنعان چلے گئے یوسف جیسے محبوب کو چھوڑ کر۔ کیوں نبیوں کی بستی میں دفن ہونے کے لئے۔ یوسف علیہ السلام نے وصیت کی تھی کہ میری نعش شریف میرے والد کی قبر کے پاس پہنچا دی جائے **چوتھا فائدہ:** زمین کا درجہ آسمان سے زیادہ ہے کہ زمین ہی انسانوں خصوصاً "اللہ کے مقبولوں نبیوں ولیوں کی قیام گاہ ان کی آرام گاہ ان کی معیشت ان کی دفن گاہ ہے یہ فائدہ **فیہا معایش** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

زمین تو ہے شہیدان ناز کا مدفن رہے خیال کہ ان کا کفن نہ ہو میلا

پانچواں فائدہ: انسان کو چاہئے کہ دنیا میں عجز و انکسار اختیار کرے متکبر نہ بنے کیونکہ زمین کا باشندہ ہے مٹی میں عجز و انکسار ہے خاکی ہو کر افلاکی نہ بنے یہ فائدہ اشارۃ "**ولقد مکنا** کم سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ زندگی کو غنیمت جانے اور جو نیکیاں کر سکتا ہے کرے پھر یہ موقعہ ہاتھ نہ آئے گا' یہ فائدہ بھی **مکنا کم فی الارض** کی ایک تفسیر سے حاصل

ہوا کہ ہم نے تم کو زمین میں اعمال کی قدرت اور اس کا موقعہ دیا۔ **ساتواں فائدہ:** زمین اللہ کی ہے ہم اس کے عارضی مالک اللہ جس کو چاہے اس کا مالک بنائے۔ یہ فائدہ **مکنا** فرمانے سے حاصل ہوا اگر انسان اس کا عقیدہ رکھے تو دنیا کے جاتے رہنے پر اسے غم نہ ہوا کرے اور جانکنی آسان بلکہ خوش گوار ہو کہ اس وقت اسے دنیا کے چھوٹنے کا غم نہ ہو اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی خوشی ہو کہ اس کے لئے موت عید بلکہ شادی بن جائے۔ **آٹھواں فائدہ:** زمین مکہ اگرچہ قابل کاشت اور قابل پیداوار نہیں ہے مگر لوگوں کی رزق گاہ ہے کہ وہاں کے باشندے کبھی قحط سے نہیں مرتے اور دنیا بھر کے پھل وہاں پہنچتے ہیں جیسا کہ وہاں کی منڈی میں دیکھا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **فیھا معایش** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **فیھا** سے مراد ہو زمین مکہ۔ حضرت خلیل نے دعا کی تھی **وارزق اھلہ من الثمرات** **نواں فائدہ:** کوئی شخص رب تعالیٰ کی نعمتوں کا کما حقہ' شکریہ ادا نہیں کر سکتا کبھی یہ خیال نہ کرو کہ میں کما حقہ اس کا شکر گزار ہوں' یہ فائدہ **قلیلا ما تشکرون** سے حاصل ہوا بلکہ ہم تو اس کی نعمتوں کو گن بھی نہیں سکتے فرماتا ہے **وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔**

گر برتن من زبان شود ہر مو احسان تراشمار نہ توانم کرد

یہ تو اس کی شان کریمی ہے کہ تھوڑے شکر پر نعمتیں اور زیادہ دیتا ہے **لئن شکرتم لا زیدنکم** اللہ تعالیٰ اپنے شکر کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ انسانوں کے رہنے کی جگہ زمین ہے **ولقد مکنا کم فی الارض** ۔ پھر تم یہ کیوں مانتے ہو کہ عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر رہتے ہیں تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے کہ جناب عیسیٰ صرف 30 سال تو زمین پر رہے اور دو ہزار سال آسمان پر۔ **جواب:** اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک الزامی اور دو تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جناب آپ نو ماہ ماں کے پیٹ میں کیوں رہے آپ انسان ہیں اور انسان کی جگہ زمین ہے نہ کہ کسی کا پیٹ۔ آپ ہوائی جہاز اور بحری جہاز کے ذریعہ گھنٹوں بلکہ دنوں بلکہ مہینوں فضا اور سمندر میں کیسے رہ لیتے ہیں آپ کی جگہ زمین ہے نہ فضا نہ سمندر' یونس علیہ السلام بہت روز تک مچھلی کے پیٹ میں کیوں رہے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں عرش اعظم سے اوپر کیسے پہنچے ان بزرگوں کی جگہ زمین تھی نہ کہ مچھلی کا پیٹ نہ عرش اعظم۔ جواب تحقیقی پہلا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان پر یہ قیام عارضی ہے پھر زمین پر ہی تشریف لائیں گے اور یہاں ہی وفات پا کر دفن ہوں گے یہاں اس آیت میں اصل جگہ کا ذکر ہے وہ زمین ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں اسکنا نہیں فرمایا بلکہ **مکنا کم** فرمایا سکونت اور ہے مکانت کچھ اور۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آسمان پر سکونت تو ہے مگر وہاں آپ کی مکانت نہیں۔ یعنی آپ نے نہ وہاں مکان بنایا ہے نہ وہاں شادی بیاہ کی نہ وہ جگہ آپ کا وطن بنی نہ وہاں آپ نے اپنی سلطنت وغیرہ قائم فرمائی۔ آج ہم اگرچہ پردیس میں برسوں رہیں مگر کہتے یہی ہیں کہ ہمارا مکان فلاں جگہ ہے رہتے سہتے یہاں ہیں رہنا اور مکان بنانا ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض:** انسانوں کی طرح جنات' جانور بھی زمین ہی میں رہتے ہیں یہاں ہی کھاتے پیتے ہیں پھر خصوصیت سے انسانوں کا ذکر کیوں فرمایا کہ ہم نے تم کو زمین میں جگہ دی۔ **جواب:** وہ سب اگرچہ رہتے سہتے زمین میں ہی ہیں مگر زمین کے استعمال پر قدرت اور کسی کو نہیں بخشی' یہ قدرت صرف انسانوں کو دی گئی دیکھو کسی جگہ نہ جنات کی سلطنت ہے نہ جانوروں کی صرف انسانوں کی ہے نیز کھیت باغ' بستیاں جنگلات زمین پر قبضہ اسے ہر طرح آباد کرنا بسانا یہاں ریل' موٹر دوڑانا ہوائی جہاز راکٹ اڑانا یہاں کی پیداوار

سے مشینری تیار کر کے اسے استعمال کرنا پہاڑوں کو جنگل میدان بنا دینا یہ صرف انسانوں ہی کا کام ہے خلیفۃ اللہ فی الارض صرف انسان ہی ہے اس لئے محنت اور قدرت صرف انسان ہی کی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے تم کو زمین میں سے روزیاں دیں **وجعلنا لکم فیھا معایش** حالانکہ ہم کو دھوپ' ہوا' بارش آسمان سے ملتی ہے یہ بھی تو روزیاں ہیں پھر یہ فرمان کیوں کر درست ہوا۔ **جواب:** یہ مذکورہ نعمتیں بھی ہم کو زمین ہی میں ملیں ہم انہیں حاصل کرنے آسمان یا فضا یا سمندر میں نہیں گئے۔ اسی لئے یہاں **فیھا** ارشاد ہوا **منھا** نہ فرمایا گیا نیز یہ دھوپ ہوا بارش وغیرہ کے ذریعہ ہم کو زمین سے ہی روزیاں ملتی ہیں کہ ان کے ذریعہ دانے پھل وغیرہ پکتے ہیں جو ہم کھا کر جیتے عیش کرتے ہیں' صرف ہوا دھوپ بارش استعمال کر کے ہم نہیں جی سکتے لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ زمین افضل ہے آسمان اور فضا اور پانی سے اس کی وجہ کیا ہے آسمان پر صرف نورانی فرشتے رہتے ہیں وہاں گناہ' کفر و شرک' گندگی وغیرہ نہیں زمین پر یہ سب ہیں ابو جہل وغیرہ زمین ہی میں رہے چاہئے کہ وہ مقامات زمین سے افضل ہوں۔ **جواب:** قانون قدرت یہ ہے کہ جس چیز یا جس جگہ میں ہزارہا خرابیاں گندگیاں ہوں مگر وہاں کسی مقبول بندے کا مقام یا گزر ہو تو وہ رب تعالیٰ ان خرابیوں پر نظر نہیں فرماتا اس بندے کی برکت سے اس جگہ کو مقبول فرمالیتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے **لا اقسم بھذا البلد وانت حل بھذا البلد** مجھے مکہ شہر کی قسم حالانکہ مکہ معظمہ میں کفار مشرکین' کفر و شرک' گناہ سب ہی کچھ تھے مگر رب کی نظر اسی پر ہے کہ **وانت حل بھذا البلد** اس شہر میں تم تشریف فرما ہو' اسی لئے مکہ مدینہ بغداد اجمیر کو شریف کہا جاتا ہے اس قاعدہ سے زمین تمام جگہوں سے افضل ہے کیونکہ یہ انبیاء کرام خصوصاً سید الانبیاء کا جائے مقام ہے لوگوں کے نیک اعمال کی جگہ ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ زمین میں تم کو اسباب دیئے دوسری آیت میں ہے **وفی السماء رزقکم وما توعدون** تمہارا رزق آسمان میں ہے آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں رزق کے کارخانہ کا ذکر ہے اس آیت میں رزق کے خزانہ کا ذکر ہے یعنی روزی بنتی ہے آسمان میں تم کو ملتی ہے زمین میں یا یوں کہو کہ تمام روزیاں تمہارے لئے روزی بنتی ہیں کب' جبکہ زمین کے ذریعہ تم کو پہنچیں۔ دھوپ بارش اگرچہ آسمان میں روزی ہے مگر یہ چیزیں جب زمین میں گریں تو تم کو پھل پھول دانے ملیں گے دیکھو لوہانی میں یہ چیزیں پڑیں تو وہاں باغ کھیت نہیں بنتے اسی طرح قرآن و اعمال ہمارے لئے روحانی روزی ہیں مگر جب' جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو ملیں ان کے بغیر وسیلہ کے قرآن گمراہی دے گا **یضل بہ کثیرا" ویھدی بہ کثیرا**۔ **چھٹا اعتراض:** جانوروں اور جنات کو بھی روزی زمین ہی سے ملتی ہے پھر خصوصیت سے انسانوں کا یہاں ذکر کیوں فرمایا کہ ارشاد ہوا **وجعلنا لکم فیھا معایش**۔ **جواب:** جانوروں جنات کو زمین سے صرف ایک دو قسم کی روزیاں ملتی ہیں ہر قسم کی روزی صرف انسان ہی کو ملتی ہے وہ چیزیں صرف غذا پر گزارا کرتی ہیں ہم غذا لباس مکانات پھر غذائیں ہزارہا قسم کے پھل فروٹ وغیرہ ہمارے ہی لئے ہیں نیز یہ تمام غذائیں صرف انسانوں کے لئے ہیں' وہ جانور جنات انسان کی طفیل کچھ کھا پی لیتے ہیں برات کا سارا اہتمام دولہا کے لئے ہوتا ہے براتی طفیلی ہوتے ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** صرف قاعدے سے معائش ہمزہ سے ہونا چاہئے کیونکہ یہاں ہمزہ الف زائدہ کے بعد واقع ہے جیسے مصائب جمع مصیبت کی پھر یہاں معایش ی سے کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ معیشت کی ی اصل ہے اور مصیبۃ کی ی زائد الف جمع کے بعد ی زائدہ ہمزہ بنتی ہے نہ کہ ی اصلیہ (تفسیر کبیر وغیرہ) جس قراۃ میں معائش ہمزہ سے ہے وہاں مصائب پر قیاس کر کے ہے۔

تفسیر صوفیانہ : لفظ تمکین بہت جامع ہے مالک کرنا' مسلط کرنا' قدرت دینا' اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین میں قدرت دی ہے کہ وہ ہر چیز کے اسباب جمع کرے دینی دنیاوی سعادت حاصل کرے 'معرفت محبت طلب 'سیر الی اللہ 'وصال یار کی کوشش کرے۔ یہ چیزیں صرف انسان ہی کو عطا ہوئیں۔ اس لئے زمین کا خلیفہ صرف انسان بنایا گیا اور فرشتوں سے انسان ہی کو سجدہ کرایا گیا اس کا احسان حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کی جتایا گیا کہ **ولقد مکنا کم فی الا رض** یعنی ہم نے تم کو خلافت زمین سیر الی اللہ کے وہ موقعے بخشے جو تمہارے سوا کسی کو نہ بخشے نہ حیوانات کو نہ جنات کو نہ فرشتوں کو پھر اس کے علاوہ تم کو ہر قسم کی روزیاں عطا کیں۔ فرشتوں کو صرف روحانی روزی دی حیوانات کو صرف جسمانی روزی بخشی جنات کو صرف نفسانی روزی عطا کی 'چونکہ تم ان تمام کا خلاصہ ہو لہذا تم کو یہ تمام روزیاں عطا فرمائیں **وجعلنا لکم فیھا معایش** چنانچہ تمہارے جسم کی پرورش کے لئے حلال طیب روزیاں ہیں مشہود جناتی روزی ہے کشوف سری روزی 'وصال یار تمہارے خفی کی روزی ہے تم میں کم لوگ ہیں جو شکر کریں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نعمت کو رب کی طرف سے جاننا دلی شکریہ ہے اور جن نعمتوں کے اظہار کا حکم ہے ان کا اعلان کرنا دوسرا شکر ہے **واما بنعمتہ ربک فحدث**

نعمت بے است و شکر گزارندہ اندکیست　　　گویندۂ سپاس الٰہی ز صدیک است

جو نعمت کی قدر نہ کرے اس کا شکر نہ گزارے اندیشہ ہے کہ نعمت اس سے چھن جائے اس کی دلیل بلعم باعور کا حال ہے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ کی بعض مخلوق آسمانوں میں رہتی ہے بعض فضا میں بعض پانی میں بعض ہوا میں مگر حضرت انسان کے لئے زمین منتخب فرمائی اپنی خلافت یہاں ہی قائم فرمائی کیونکہ مٹی میں عجز و انکسار ہے آگ پانی وغیرہ میں تکبر ہے لہذا خاک ہی میں باغ و کھیت ہوتے ہیں آگ یا پانی ہوا یا آسمان میں نہیں اس میں اشارہ اس جانب ہے کہ اے انسان تو خاکی ہے تو خاک ہو کر رہ تاکہ تجھ میں عرفان و ایقان ولایت اور قرب الٰہی کے باغات لگیں جیسے زمین اللہ کو پیاری ہے اگرچہ وہاں کفار و کفر سب کچھ ہے کیونکہ اس میں نبی الانبیاء ہیں ایسے ہی اے انسان اگر تیرے دل میں نور خدا عشق رسول جلوہ گر ہو تو اگرچہ تو گنہگار ہو مگر خدا کو پیارا ہو گا رب تیرے گناہ کو نہیں دیکھے گا تیرے سینہ کے نور کو دیکھے گا' تیرے دل کے درد و عشق کو دیکھے گا۔ خیال رکھنا کہ تیرے دل میں سوائے اللہ رسول کے اور کچھ نہ رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس جانور کے تم مالک ہو جاؤ اس کی ہر طرح کی فکر تم رکھتے ہو اسے کوئی شکار نہیں کر سکتا تم اپنی مملوکہ زمین کو یوں ہی نہیں چھوڑتے اس میں کھیت باغ 'مکانات بنا کر اسے آباد رکھتے ہو' تم اپنے کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ملک میں دے دو پھر تمہاری ہر فکر انہیں ہو گی تم شیطان کے شکار نہ ہو گے تمہارے دلوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمان عرفان رحمت رحمان کے ایسے باغ لگیں گے جن سے تم اور دوسرے فائدے اٹھائیں گے زمین ہماری ہے تمہاری مملوکہ ہوتی ہے تو تم باغ لگاتے ہو تم بندے ہمارے ہو 'ملک بن جاؤ محمد مصطفیٰ کی تب تم میں باغ لگیں گے وہ اسے آباد کریں گے۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُ

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تم کو پھر صورت بنائی ہم نے تمہاری پھر کہا ہم نے فرشتوں سے کہ سجدہ کرو آدم کو
اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب

وَإِلَّآ إِبْلِيسَ لَمْ يَكُن مِّنَ ٱلسَّٰجِدِينَ ﴿١١﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ أَلَّا تَسْجُدَ إِذْ

بس سجدہ کیا انہوں نے سوا ابلیس کے نہ ہوا وہ سجدہ کرنیوالوں میں سے فرمایا رب نے کیا ہے تو وہ جس نے منع کیا تجھ

سجدہ میں گرے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا فرمایا کس چیز نے تجھے روکا کہ تو نے سجدہ نہ کیا جب میں نے تجھے

أَمَرْتُكَ قَالَ أَنَا۠ خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِى مِن نَّارٍ وَخَلَقْتَهُۥ مِن طِينٍ ﴿١٢﴾

کو یہ کہ نہ سجدہ کرے تو جبکہ حکم دیا ہے تجھ کو کہا اس نے میں اچھا ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تو نے انہیں گارے سے

حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو اس نے بلاواسطہ ہم کو عطا فرائیں اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو اس نے ہم کو ہمارے والد آدم علیہ السلام کے ذریعہ عطا فرمائیں یعنی اپنے دست قدرت سے انہیں بنایا پھر انہیں مسجود ملائکہ فرمایا گویا بلاواسطہ نعمتوں کا ذکر پہلے تھا اور بالواسطہ نعمتوں کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی دائمی نعمتوں کا ذکر تھا جو ہم کو ہمیشہ ملتی رہتی ہیں' زمین میں قیام' یہاں روزیوں کا ملنا اب اس نعمت خاص کا ذکر ہے جو ایک بار عطا ہو چکی مگر اس کا اثر اس کا چرچا ہمیشہ رہے گا۔ **تیسرا تعلق**: اللہ تعالیٰ نے اولاً" ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جو مومنوں کو قیامت میں ملیں گی نیکیوں کا پلہ بھاری ہونا اول درجہ کا کامیاب ہونا وغیرہ پھر موجودہ نعمتوں کا ذکر فرمایا زمین میں جگہ ملنا روزیاں ملنا اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو گزشتہ زمانہ میں ہم کو عطا ہو چکیں۔ گویا مستقبل اور حال کی نعمتوں کے بعد ماضی کی نعمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے' زمانے بھی تین ہیں اور رب تعالیٰ کی نعمتیں بھی تین قسم کی۔

تفسیر : **ولقد خلقنا کم ثم صورنا کم ثم قلنا للملئکۃ** اس جملہ کی چار تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ خلقنا کم اور صورنا کم دونوں جگہ لفظ "اب" پوشیدہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ ہم نے تمہارے پہلے والد آدم علیہ السلام کو پیدا کیا' اور تمہارے ان والد کو صورت بخشی۔ اس صورت میں خلق کے معنی ہیں ان کی خلقت کا مادہ جمع فرمانا تمام جگہ کی مٹی اور ہر طرح کا پانی یعنی تمام قسم کی مٹی اور تمام پانیوں سے ان کا خمیر تیار کیا چونکہ باپ دادوں پر احسان اولاد پر احسان ہوتا ہے اس لئے **خلقنا کم** فرمایا گیا جیسے رب موجودہ یہود سے فرماتا ہے **علیکم المن والسلوی** یا جیسے **واذ فرقنا بکم البحر** وغیرہ۔ امام حسن بصری وغیرہم کا یہ قول ہے چونکہ آدم علیہ السلام کی پیدائش بھی شاندار ہے انہیں صورت بخشنا بھی شاندار اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا اگرچہ ساری مخلوق کا خالق رب ہی ہے چنانچہ (1) ہر قسم کی مٹی آپ میں جمع فرمائی گئی (2) ہر قسم کے پانی سے خمیر کی گئی۔ (3) آپ کا نقشہ صورت خود رب نے اپنے دست قدرت سے بنائی (4) آپ پیدائشی ساٹھ ہاتھ کے ہوئے' دوسروں کی طرح پہلے چھوٹے پھر بڑے نہ ہوئے۔ (5) آپ کو پیدائشی عالم بنایا **وعلم ادم الاسماء کلھا** (6) آپ کو پیدائشی عارف باللہ بنایا پھر آپ کو رب نے اپنی پسندیدہ صورت پر پیدا کیا یہی صورت خدا کو پیاری ہے فرماتا ہے **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** ان وجوہ سے آپ کی پیدائش آپ کی صورت گری کو بطور احسان بیان فرمایا۔ دوسرے یہ کہ خلقنا کم میں تو والدیا

پوشیدہ ہے مگر **صورنا کم** میں کچھ پوشیدہ نہیں یعنی ہم نے تمہارے والد آدم کو پیدا کیا پھر ان کی پشت میں تم سب کے نقشے امانت رکھے جو بعد میں چھوٹی چیونٹیوں کی صورت میں ان کے پیٹ سے نکالے گئے پھر فرشتوں کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کو سجدہ کریں یہ قول مجاہد کا ہے۔ تیسرے یہ کہ ان دونوں جگہ میں خطاب عام لوگوں سے ہے اور ثم ترتیب بیانی کے لئے ہے یعنی اے لوگو ہم نے تم سب کو تمہارے باپوں کی پیٹھوں میں پیدا کیا پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں صورت بخشی پھر یہ بھی سن لو کہ ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ جناب آدم کو سجدہ کریں' اگرچہ ہر چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہے مگر اس کریم نے انسان کی پیدائش اور اس کی صورت گری میں بڑی شان دکھائی ہے کہ سارے جانور کچھ سمجھ بوجھ لے کر ماں کے پیٹ سے آتے ہیں مگر انسان بالکل ناسمجھ کہ سوائے رونے کے کچھ نہیں جانتا' مگر آگے چل کر جانور ناسمجھ ہوتے ہیں انسان عقل و دانائی میں سب سے بڑھ جاتا ہے بعض انسان فرشتوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا **لقد خلقنا کم** نیز اس قدرت والے نے انسان کی صورت میں یہ کمال رکھا ہے کہ بالشت بھر چہرے میں کروڑوں نقشے ایسے بنے کہ کوئی دوسرے سے نہیں ملتا ورنہ کوئی پہچانا نہ جاتا۔ گھر میں ماں' بہن' بیوی' پہچان میں نہ آتیں۔ چوتھے یہ کہ اس میں خطاب حضرت آدم اور ان کی اولاد سب سے ہے اس صورت میں خلق سے مراد ہے ان کی پیدائش کا فیصلہ فرمانا جو علم الٰہی میں پہلے ہی ہو چکا تھا اور صورت بنانے سے مراد ہے لوح محفوظ میں تفصیل وار ان کی صورتوں کا ذکر فرمانا یعنی اے آدم اور اولاد آدم ہم نے تمہاری پیدائش کا پہلے ہی فیصلہ فرما لیا تھا پھر لوح محفوظ میں اس علم کو تحریری صورت بخشی پھر اس کے بعد فرشتوں کو سجدہ آدم کا حکم دیا (تفسیر کبیر) تفسیر جلالین نے دوسری تفسیر اختیار کی اور تفسیر کبیر نے چوتھی تفسیر کو ترجیح دی' ظاہر یہ ہے **ملائکہ** سے مراد سارے ہی فرشتے ہیں کیونکہ قرآن میں کوئی تخصیص نہیں فرمائی گئی اس کی مفصل بحث سورۂ بقر کی شروع میں گذر چکی وہاں ملاحظہ کرو **اسجدوا لادم** حق یہ ہے کہ سجدہ سے مراد نہ تو محض تعظیم ہے نہ سلام کرنا نہ رکوع کرنا بلکہ یہی مشہور سجدہ مراد ہے یعنی پیشانی زمین پر رکھنا کیونکہ دوسری جگہ **فاذا سویتہ و نفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین** سجدہ میں گرنا جب ہی درست ہے جبکہ یہی سجدہ مراد ہو اور یہ سجدہ تعظیمی تھا خود آدم علیہ السلام ہی کو تھا یہ نہ تھا کہ سجدہ اللہ تعالیٰ کو ہو اور آدم علیہ السلام کعبہ کی طرح صرف قبلہ ہوں ورنہ الی آدم ہوتا لادم نہ ہوتا نیز پھر شیطان اس سجدہ کا انکار نہ کرتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ ہمیشہ ہی سے کرتا تھا اس کی تحقیق اور مفصل بحث پارہ الم سورۂ بقر کے شروع میں کی جا چکی ہے فرشتوں کا یہ سجدہ گویا حلف وفاداری تھا جو انہوں نے خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے کیا۔ **فسجدوا الا ابلیس** یہ عبارت معطوف ہے **قلنا للملئکۃ** پر **سجدوا** کا فاعل سارے ہی فرشتے ہیں اور حق یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سارے فرشتوں نے ایک سجدہ کیا اور ایک ساتھ کیا آگے پیچھے نہ کیا اور صرف ایک بار کیا آئندہ سجدہ نہیں کرتے رہے جیسا کہ **سجدوا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ ابلیس شیطان کا اصلی نام ہے مردود ہونے پر اس کا لقب شیطان ہوا ابلیس اور شیطان کے معنی اول سورۂ بقر میں دیکھو۔ حق یہ ہے کہ ابلیس فرشتہ نہیں بلکہ جن ہے کیونکہ اسے قرآن مجید نے جن فرمایا ہے **کان من الجن** نیز اس کی پیدائش آگ سے ہے اور فرشتوں کی پیدائش نور سے اس نے کہا تھا **خلقتنی من نار و خلقتہ من طین** مگر چونکہ وہ فرشتوں میں رہتا تھا اس لئے اس کو بھی سجدہ کا حکم ہو گیا تھا یہاں تو فرمایا کہ ابلیس نے سجدہ نہیں کیا آگے ارشاد ہے کہ وہ **لم یکن من الساجدین** سجدہ کرنے والوں کی جماعت میں سے بھی نہیں ہوا اس طرح کہ اس حکم سجدہ کو برحق نہ جانا اس کو واجب نہ جانا۔ سجدہ نہ کرنا اور چیز ہے سجدہ کو فرض نہ جاننا' ساجدین کی جماعت سے نہ ہونا کچھ اور چیز ہے۔ لہٰذا

یہ عبارت مکرر نہیں قال ما منعک الا تسجد اذ امرتک رب کا یہ فرمان بطور عتاب ہے کلام عتابانہ بھی ہوتا ہے محبوبانہ بھی کریمانہ بھی نبیوں سے خصوصاً" حضور صلی اللہ علیہ و سلم سے کلام و خطاب اور ہی قسم کا ہے۔ قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے ما معنی ای شی ہے الا تسجد میں لا زائدہ ہے اور ان مصدریہ ہے اذ ظرف ہے معنی یہ ہیں کہ جب ہم نے تم کو حکم دیا تو تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے منع کیا رب تعالیٰ کا یہ سوال فرمانا غضب کے اظہار کے لئے ہے نیز تاکہ وہ اس کا جواب دے اور مخلوق اس کے جواب سے عبرت پکڑے۔ کوئی شیطان آدمی یہ نہ کہہ سکے کہ شاید اس وقت شیطان بیمار ہو گا سجدہ میں جھک نہ سکتا ہو گا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کا کلام بھی نقل فرمایا ہے تاکہ لوگ ایسا کلام کیا کریں اور مردودوں کی باتیں بھی نقل کی ہیں تاکہ لوگ ایسی باتیں نہ کیا کریں۔ یہ سوال رب کی بے علمی کی وجہ سے نہیں جیسے حضور صلی اللہ علیہ و سلم نے معراج میں جنت کی سیر کے وقت حضرت جبریل سے پوچھا کہ یہ کس کا گھر ہے یہ کس کا باغ ہے تاکہ لوگوں کو اس کا پتہ لگے۔ قال انا خیر منہ یہ ابلیس کا جواب ہے اس میں اس نے سجدہ نہ کرنے کی وجہ بیان کی ہے یعنی عقلی قانون یہ ہے کہ افضل کو مفضول سجدہ کرے نہ کہ افضل مفضول کو 'میں افضل ہوں اور آدم علیہ السلام مفضول ہیں پھر یا تو کوئی کسی کو سجدہ نہ کرے یا وہ مجھے سجدہ کریں اس نے اپنی فضیلت کی بہت دلیلیں اپنے دل میں سوچی تھیں کہ میں لاکھوں سال کا نمازی' ساجد راکع ہوں' انہوں نے ابھی ایک بھی عبادت نہیں کی میں عمر میں بڑا ہوں یہ چھوٹے کہ ابھی پیدا ہوئے مگر یہاں صرف ایک وجہ بیان کی وہ یہ کہ خلقتنی من نار و خلقتہ من طین میری پیدائش آگ سے ہے اور آدم علیہ السلام کی پیدائش مٹی سے اور آگ مٹی سے افضل ہے اور جو افضل چیز سے پیدا ہو وہ بھی افضل ہوتا ہے' نتیجہ یہ ہے کہ میں ذاتی طور پر آدم علیہ السلام سے افضل ہوں' میرے عارضی فضائل اور بہت ہیں۔ اس کی مفصل بحث پہلے پارہ میں گزر چکی ہے۔ خیال رہے کہ عمر میں بڑا ہونا افضلیت کا باعث ہوتا تو درخت' گدھ' سانپ انسان سے افضل ہوتے حالانکہ انسان افضل ہے اگر سجدوں رکوع کی زیادتی افضلیت کا باعث ہوتی تو فرشتے آدم علیہ السلام سے افضل ہوتے' افضل وہ جسے اللہ افضل کرے نیز یہ بھی غلط ہے کہ ہمیشہ افضل کو مفضول سجدہ کرے بھی مفضول کو افضل سجدہ کرتا ہے۔ یعقوب علیہ السلام حضرت یوسف علیہ السلام سے افضل تھے مگر انہوں نے جناب یوسف کو سجدہ کیا نیز حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم کعبہ معظمہ سے افضل ہیں حضور صلی اللہ علیہ و سلم خیر خلق اللہ ہیں مگر ہمیشہ حضور انور صلی اللہ علیہ و سلم نے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کیا لہٰذا شیطان کے سارے مفروضہ قاعدے غلط تھے۔ شیطانی عقل ہمیشہ ایسی ہی ٹھوکر کھاتی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اللہ تعالیٰ نے سجدہ آدم کا یہ واقعہ قرآن مجید میں سات جگہ بیان فرمایا۔ (1) سورۂ بقر میں (2) یہاں سورۂ مائدہ میں (3) سورۂ حجر میں (4) سورہ بنی اسرائیل میں (5) سورۂ کہف میں (6) سورۂ طہٰ میں (7) سورۂ ص میں 'یہاں اس کا دوسرا موقعہ ہے۔ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ اس آیت کریمہ کی چار تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ اے لوگو ہمارے انعام احسان یاد رکھو ہم وہ کریم و رحیم تمہارے محسن ہیں کہ ہم نے پہلے تو تم کو تمہارے باپوں کی پشت میں پیدا فرمایا تم کو وہاں امانتہ" محفوظ رکھا پھر تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں رکھ کر تم کو مختلف صورتیں بخشیں یہ انعام تو تم پر تھے ہی تم یہ بھی سن لو کہ ہم نے تمہارے جد امجد آدم علیہ السلام کو یہ عزت بخشی کہ انہیں اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا پھر تمام نورانی مخلوق فرشتوں کو حکم دیا کہ تم میرے اس خلیفہ کو تعظیما" سجدہ کرو اس حکم کے پاتے ہی سارے فرشتے مقربین ہوں یا مدبرات امر

سارے کے سارے بیک وقت ان کے سامنے سجدہ میں گر گئے مگر اس ہی نوری جماعت میں ایک ناری ابلیس بھی تھا اسے بھی سجدہ کا حکم تھا مگر وہ اکڑ گیا اس نے سجدہ نہ کیا رب تعالیٰ نے بطریق عتاب اس کی حد ظاہر فرمانے کے لئے اس سے پوچھا کہ مردود جب ہم نے تجھ کو بھی سجدہ کا حکم دیا تو تجھے کس چیز نے سجدہ سے روکا تو نے سجدہ کیوں نہ کیا۔ وہ بولا کہ مولیٰ سجدہ تعظیمی کے لئے قانون یہ ہے کہ مسجود افضل ہو ساجد ادنیٰ مگر یہاں معاملہ برعکس ہے کہ میں ذاتاً" صفاتاً" عملاً" ان آدم سے افضل ہوں کیونکہ تو نے مجھے تو آگ سے پیدا فرمایا اور انہیں خاک سے اور ظاہر یہ ہے کہ آگ خاک سے افضل ہے کہ آگ نورانی ہے خاک ظلمانی لہٰذا میں ان سے افضل ہوں پھر میں انہیں سجدہ کیسے کر سکتا ہوں۔ خیال رہے کہ شیطان کو اس کی عقل نے اندھا کر دیا اس نے یہ نہ دیکھا کہ اگر یہ قاعدہ درست ہے تو فرشتے اس سے بھی افضل ہیں کہ وہ نور سے پیدا ہوئے جب وہ بغیر چون چرا سجدہ میں گر گئے تو مجھے بھی گر جانا چاہئے۔ نور نار سے بھی افضل ہے نیز اس نے یہ غلط کہا کہ آگ خاک سے افضل ہے بلکہ واقعہ یہ ہے کہ خاک آگ سے افضل ہے 'کئی وجہ سے ایک یہ کہ مٹی میں عجز و انکسار ہے آگ میں بڑائی و تکبر ہے اس لئے کھیت باغ مٹی میں لگتے ہیں آگ میں نہیں 'دوسرے یہ کہ مٹی میں قرار ہے آگ میں تڑپ اور بے قراری ہے اس لئے اللہ کے بندے مٹی میں دفن ہوتے ہیں آگ میں نہیں تیسرے یہ کہ مٹی آباد کرتی ہے آگ برباد کرتی ہے۔ جس گھر یا باغ یا کھیت میں آگ لگ جائے ختم کر دے۔ چوتھے یہ کہ مٹی میں امانت داری ہے آگ میں خیانت اس لئے دانہ مٹی میں دبا دو تو وہ اسے محفوظ رکھتی بلکہ بڑھاتی ہے آگ میں ڈال دو تو اسے فنا کرتی جلاتی ہے پانچویں یہ کہ مٹی آگ پر غالب ہے آگ مٹی سے مغلوب ہے اس لئے آگ کو خاک بجھاتی ہے فنا کر دیتی ہے مگر آگ مٹی کو فنا نہیں کر سکتی نہ اسے گلا سکتی ہے۔ چھٹے یہ کہ خاک میں بقا ہے آگ میں فنا' اس لئے خاک پر شہر بستیاں آباد ہیں مگر آگ میں یہ کوئی چیز نہیں پھر یہ بھی خیال رہے کہ شیطان نے تیسری غلطی یہ کی کہ جو چیز افضل سے بنے وہ افضل ہے اور جو ادنیٰ سے بنے وہ ادنیٰ ہے رب تعالیٰ اعلیٰ سے ادنیٰ اور ادنیٰ سے اعلیٰ کو پیدا فرماتا ہے **یخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی** ناپاک نطفہ سے انسان بناتا ہے اور پاک انسان سے ناپاک نطفہ اس مردود نے رب تعالیٰ کی قدرت کا دور پردہ انکار کیا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تعظیم انبیاء کرام ایمان بلکہ سارے اعمال کی محافظ ہے اور توہین پیغمبر ایمان و اعمال کو برباد کرنے والی۔ دیکھو فرشتوں کے پاس بھی ایمان اور اعمال کے انبار تھے اور ابلیس کے پاس بھی۔ ایک سجدہ پیغمبر نے فرشتوں کے ایمان و اعمال کو محفوظ رکھا اور شیطان کی ہر چیز کو برباد کر دیا' نبی کی بے ادبی وہ آگ ہے جو ایمان و اعمال کے لہلہاتے چمن کو منٹوں میں فنا کر دیتی ہے۔

بے ادب تنہا نہ خود را خوار کرد! بلکہ ایں آفت ہمہ آفاق زد!

اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو اپنے علم و اعمال پر نازاں ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی کرتے ہیں دیکھو رب نے شیطان کو عالم' عامل' نمازی وغیرہ سب کچھ بنا کر مار او نچے سے نیچے گرایا تاکہ تاقیامت عالموں' صوفیوں' عاملوں' پیروں کے لئے ایک مثال قائم کر دی جائے کہ یہاں کا ادب کرو۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا (اقبال)

دوسرا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال اپنی سیرت بھی اچھی رکھے اپنی پیاری صورت کی لاج رکھے جب رب نے اسے

صورت اچھی دی ہے تو اخلاق ' کردار بھی اچھے ہونے چاہئیں ' یہ فائدہ **صورنا کم** سے حاصل ہوا کہ رب نے انسان کو اپنی پسندیدہ صورت بخشی۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی شخص اپنی قدرتی شکل نہ بگاڑے ناک کان نہ کٹوائے۔ پوڈر سرخی نہ ملے ' ڈاڑھی نہ منڈائے ناخن بلی کے سے نوک دار نہ بنائے کیونکہ ان سب میں شکل صورت کی تبدیلی ہے یہ فائدہ **صورنا کم** سے حاصل ہوا اگر داڑھی منڈانا اچھا ہوتا تو حضرات انبیاء کرام یہ کام کرتے مگر کسی نے نہ کیا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ کے مقبول بندوں کے کام رب تعالیٰ کے کام ہیں دیکھو رحم میں بچہ کی شکل و صورت بنانا اس فرشتہ کا کام ہے جو اس کام پر مقرر ہے مگر رب نے فرمایا **ثم صورنا کم** ہم نے تم کو صورت بخشی۔ **پانچواں فائدہ:** حکم الٰہی کے مقابل قیاس کرنا عقلی ڈھکوسلے چلانا کفر و بے دینی ہے یہ فائدہ **انا خیر منہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مطلق امر وجوب کے لئے ہوتا ہے جس پر بے تامل عمل کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ **اذ امرتک** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** کبھی غیر نبی نبی سے افضل بلکہ نبی کے برابر نہیں ہو سکتا جو کہے کہ فلاں بزرگ فلاح نبی سے افضل ہے یا اس کے برابر ہے وہ شیطان ہی کی طرح کافر ہے یہ فائدہ **انا خیر منہ** سے حاصل ہوا دیکھو ابلیس عالم عامل پرانا عاشق سب کچھ تھا مگر اپنے کو آدم علیہ السلام سے افضل کہہ کر کچھ نہ رہا۔ **آٹھواں فائدہ:** نبوت کسبی چیز نہیں صرف عطاء الٰہی ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے ابھی ایک سجدہ نہیں کیا تھا مگر نبی اور خلیفتہ اللہ ہوئے فرشتے اور ابلیس اتنی عبادات کے باوجود نہ نبی ہوئے نہ خلیفتہ اللہ۔ **نواں فائدہ:** گزشتہ انبیاء کرام کے زمانہ میں اللہ کے مقبول بندوں کو تعظیمی سجدہ کیا گیا ہے مگر سجدہ عبادت خدا کے سوا کبھی کسی کو نہیں کیا گیا کہ یہ شرک ہے اور شرک کسی دین میں جائز نہیں ہوا یہ فائدہ **اسجدوا لآدم** کے لام سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا لادم اگر یہ سجدہ خدا کو ہوتا اور آدم علیہ السلام محض قبلہ ہوتے تو الی آدم ہوتا۔ **دسواں فائدہ:** جو عالم پیر یا بادشاہ وغیرہ اپنے کو کسی نبی سے افضل یا نبی کے برابر کہے یا سمجھے وہ ابلیس کی طرح راندہ درگاہ ہے یوں ہی جو کہے کہ غوث پاک یا علی مرتضیٰ یا فلاں بزرگ کسی نبی سے افضل یا برابر ہیں وہ مردود راندۂ درگاہ ہے۔ یہ فائدہ **انا خیر منہ** سے حاصل ہوا غیر نبی کی عمر بھر کی نمازیں نبی کے ایک سجدہ کے برابر نہیں ہو سکتیں نبی کی تو بڑی شان ہے تمام جہان کے اولیاء اللہ ایک صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچتے رب تعالیٰ ازواج مطہرات کے بارے میں فرماتا ہے **لستن کاحد من النساء** حضرت مریم کے بارے میں فرماتا ہے **واصطفاک علی نساء العالمین**۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرات صحابہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ان کا ایک مد جو خیرات کرنا تمہارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ یہ مسئلہ نہایت قوی دلائل سے ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر میں مطالعہ فرماؤ اس گستاخی کی ابتداء ابلیس سے ہوئی۔ **گیارھواں فائدہ:** ابلیس نے اپنی بزرگی آدم علیہ السلام پر اپنے علم کی وجہ سے بیان نہ کی بلکہ اپنے ناری اور ان کے خاکی ہونے کی وجہ سے۔ کیونکہ وہ علم میں تو مات کھا چکا تھا۔ علم اسماء میں اپنی کمتری معلوم کر چکا تھا وہ جانتا تھا کہ میرا علم حضرت آدم سے عشر عشیر بھی نہیں۔ اب جو شیطان کا علم آدم علیہ السلام یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مانے وہ ابلیس سے بڑھ کر بے دین ہے ' واقعی قرن الشیطان بد تر از شیطان ہے۔ **بارھواں فائدہ:** ابلیس نہ تو خدا کا منکر دہریہ ہے نہ مشرک ہے کہ چند خالق مانے بلکہ پکا موحد ہے توحید کا قائل یہ فائدہ **خلقتنی من نار** سے حاصل ہوا کہ اس نے کہا کہ شر اور خیر سب کا خالق رب تعالیٰ ہے۔ شر وہ خود ہے اور خیر آدم علیہ السلام دونوں کا خالق اس نے اللہ تعالیٰ ہی کو مانا۔

پہلا اعتراض : رب تعالیٰ نے ساری مخلوق کو پیدا فرمایا ہے' سب کو صورت بخشی ہے پھر خصوصیت سے انسان کو کیوں خطاب فرمایا خلقنا کم ثم صورنا کم اس کی کیا وجہ ہے۔ جواب: اس کی حکمتیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں کہ آدم علیہ السلام بلکہ انسان کی پیدائش انسان کی صورت ساری مخلوق سے ممتاز ہے اس شان کی خلقت ایسی شان دار صورت کسی مخلوق کو حتیٰ کہ فرشتوں کو بھی نہ ملی دیکھو تفسیر اسی لئے کفار دوزخ میں انسانی شکل پر نہ جائیں گے' مومنوں کی پیشانی سجدہ گاہ کو آگ نہ کھائے گی۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تعظیمی سجدہ اللہ کے مقبول بندوں کو کرنا بالکل جائز ہے' قرآن کریم سے ثابت ہے' دیکھو رب نے آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا یعقوب علیہ السلام ان کی زوجہ اور برادران یوسف علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا سجدہ تعظیمی کا جواز قرآن مجید سے ثابت ہے اس کی حرمت کی کوئی آیت نہیں چند احادیث ہیں اور حدیث کے ذریعہ قرآن کا حکم منسوخ نہیں ہو سکتا' خصوصاً'' جبکہ حدیث غیر متواتر ہو (بعض جاہل بے دین پیر)۔ جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک تو الزامی ہے باقی جواب تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر ایسے بے دین پیروں کو چاہئے کہ وہ اپنے مریدوں کو سجدہ کیا کریں اپنے کو ان سے سجدہ نہ کرایا کریں۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام کو ان کے ماں باپ نے سجدہ کیا یوسف علیہ السلام نے انہیں سجدہ نہیں کیا۔ پیر صاحب مثل والد کے' مریدین مثل اولاد کے چاہئے کہ والد صاحب اولاد کو سجدہ کریں نیز پیر صاحب اپنے آپ کو نورانی سمجھتے ہیں اور آدم علیہ السلام کو نورانی مخلوق فرشتوں نے سجدہ کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کسی آیت سے یہ ثابت نہیں کہ سجدہ تعظیمی گزشتہ نبیوں کی شریعتوں میں جائز تھا۔ جب آدم علیہ السلام کو سجدہ ہوا ہے تب شریعت آئی ہی نہ تھی نیز فرشتوں پر شریعت کے احکام جاری نہیں ہوتے کسی آیت سے ثابت نہیں کہ آدم علیہ السلام کو کبھی انسانوں نے سجدہ کیا ہو' غرضیکہ یہ حکم شرعی نہ تھا' نیز یوسف علیہ السلام کو سجدہ صرف ایک بار ہوا ہے اس کے علاوہ کبھی کسی نے کسی کو سجدہ نہیں کیا اور یہ سجدہ خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لئے تھا حکم شرعی نہ تھا' جیسے حضرت خلیل اللہ کا اپنے فرزند جناب اسماعیل کو ذبح کرنا ایک خواب کی تعبیر کے لئے تھا' شریعت ابراہیمی کا مسئلہ نہ تھا ورنہ تم بھی اپنے بیٹوں کو ذبح کیا کرو' دوسرا جواب یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کا نسخ حدیث سے جائز بلکہ واقع ہے کئی آیات منسوخ ہیں۔ حدیث سے اس کی تفصیل ہم مانسخ من ایۃ اوننسھا کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس کرنا ابلیس کا کام ہے دیکھو ابلیس نے قیاس کیا انا خیر منہ مردود گیا پھر تم لوگ قیاس کو دلیل شرعی کیوں مانتے ہو۔ جواب: فرمان الٰہی کے خلاف اس کے مقابلہ میں قیاس کرنا بے دینی ہے شرعی قیاس کا ثبوت قرآن مجید اور احادیث سے ہے اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ تیسرا اعتراض: وہ سجدہ آدم علیہ السلام کو نہیں تھا بلکہ اللہ تعالیٰ کو تھا' حضرت آدم علیہ السلام اس وقت اس سجدہ کا قبلہ بنا دیئے گئے تھے۔ جواب: یہ غلط ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ پھر الیٰ آدم فرمایا جاتا نہ کہ لآدم دوسرے یہ کہ پھر شیطان اس سجدے سے انکاری نہ ہوتا کیونکہ وہ اللہ کو سجدہ ہمیشہ آدم ہی کرتا تھا۔ چوتھا اعتراض: یہاں الا ابلیس کے بعد لم یکن من السٰجدین کیوں فرمایا گیا یہ عبارت زائد ہے۔ جواب: ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا ہے کہ الا ابلیس میں اس کی بدعملی کا ذکر ہے اور لم یکن اس کی بدعقیدگی کا تذکرہ ہے یعنی اس نے سجدہ کیا بھی نہیں اور وہ سجدہ والوں سے ہوا بھی نہیں کہ اس سجدہ کو فرض جان لیتا لہٰذا آیت میں تکرار نہیں نیکی نہ کرنا اور بات ہے نیکو میں سے نہ ہونا دوسری بات۔ پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اپنے فضائل بیان کرنا انا خیر کہنا برا ہے یہ شیطانی کام ہے' مگر بعض اولیاء

حضرات انبیاء کرام بلکہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فضائل و کمالات بیان فرمائے ہیں اس کی وجہ کیا ہے اور ان میں فرق کیا ہے۔ **جواب:** ابلیس خیر نہ تھا بلکہ شر تھا انا خیر کہنا اس میں جھوٹ بھی تھا تکبر و غرور بھی۔ وہ حضرات واقعی خیر ہوتے ہیں لہٰذا وہ سچے ہیں نیز شیطان نے یہ فخریہ کہا وہ حضرات شکریہ کے طور پر کہتے ہیں نیز رب تعالیٰ کا اپنی صفات بیان فرمانا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے درجات بیان کرنا ہم کو ایمان دینے کے لئے ہے کہ ہم اللہ رسول کی یہ صفات مانیں اور مومن بنیں لہٰذا وہ تبلیغ ہے تکبر نہیں ایک ہی بات کسی کے لئے کفر ہوتی ہے کسی کے لئے حرام کسی کے لئے جائز کسی کے لئے عبادت۔

تفسیر صوفیانہ : آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے دو عظمتیں بخشیں ایک جسمانی دوسری روحانی، جسمانی عظمت تو یہ کہ انہیں بلاواسطہ اپنے دست قدرت سے بنایا جسم آدم خاص صنعت الٰہی ہے۔ خود فرماتا ہے **لما خلقت بیدی** اسی لئے آپ کا لقب بشر ہوا یعنی مباشرت بالید والی چیز (دستی کاریگری) روحانی عظمت یہ کہ ان میں خاص اپنی روح پھونکی اس طرح کہ روح آدم پر اپنی خاص تجلی ڈالی پھر جسم آدم میں پھونکی خود فرماتا **ونفخت فیہ من روحی** لہٰذا آدم علیہ السلام ان خصوصیتوں کی وجہ سے تجلی الٰہی کے ایسے مظہر ہوئے جیسے مظہر نہ فرشتے تھے نہ دوسری مخلوق اس لئے وہ فرشتوں کے مسجود بننے کے مستحق ہوئے ابلیس اسی راز کو نہ پاسکا اس نے یہ دیکھا کہ آپ کس سے بنے یہ نہ دیکھا کہ آپ کیسے بنے اس نے یہ دیکھا کہ آپ یوں بنے یہ نہ دیکھا کہ آپ کیوں بنے اس لئے اس کی عقل چکر کھا گئی۔ حسد نے اسے اندھا کر دیا اگر اس کے پاس حقیقت میں آنکھ ہوتی تو اسے رخسار آدم میں جلوۂ یار نظر آتا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ز آدمی ابلیس صورت دید و بس غافل از معنی شد آں مردود خس
نیست صورت چشم را نیکو بمال تابہ بینی شعشعے نور جلال

مٹی میں اخذ یعنی لے لینے کی قابلیت ہے آئینہ، پانی، دھوپ میں جو فوٹو کھنچے وہ اصل کے ہٹتے ہی مٹ جاتا ہے مگر دیوار وغیرہ یا مٹی وغیرہ پر جو نقش کھینچ دیا جائے وہ نہیں مٹتا، حضرت آدم پر رب نے اپنی تجلی ڈالی فطرت آدم نے اسے سنبھال لیا ابلیس یہ نہ سمجھ سکا (از روح البیان) ایسے ہی آج جو لوگ حضرات انبیاء کرام کو بشر بشر کہنے کی رٹ لگا رہے ہیں وہ ابلیس کی معنوی اولاد ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

گر نہ فرزند بلیسی اے عنید پس ترا میراث آں سگ چوں رسید

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ضعیف معدہ طاقتور غذا ہضم نہیں کر سکتا یوں ہی اچھا آدمی عظمت و عزت برداشت نہیں کر سکتا ابلیس کو تھوڑی سی عزت دیدی گئی تو پکار اٹھا انا خیر منہ یہ تھی اس کی بدہضمی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت برداشت کا یہ عالم ہے کہ۔

بر درش گیتی جبیں فرسودہ است خویشتن را عبدہ فرمودہ است

ان کی چوکھٹ پر دنیا پیشانی رگڑ رہی ہے مگر اپنے کو عبدہ فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ رتبہ دے تو قوت برداشت بھی دے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ

رب نے فرمایا پس اتر جا تو اس سے پس نہیں ہوتا ہے واسطے تیرے یہ کہ تکبر کرے تو اس میں پس نکل جا تو بیشک

فرمایا تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ غرور کرے نکل تو ہے ذلت والوں

الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنْظِرْنِيْ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ

تو ذلیلوں میں سے ہے بولا مہلت دے تو مجھے اس دن تک کہ اٹھائے جائیں گے رب نے فرمایا بے شک تو مہلت

میں بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائے جائیں فرمایا تجھے

الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

دیئے ہوؤں میں سے ہے۔

مہلت ہے۔

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں یہ فرمایا گیا کہ ابلیس نے حکم الٰہی نہ مانا جناب آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کیا اب ان دو حرکتوں کے دنیاوی انجام کا ذکر ہے کہ دنیا میں اسے کیا پھل ملا۔ گویا ابلیس کے جرم کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اس کے نتیجہ یا دنیاوی سزا کا ذکر ان آیات میں ہے اس کی اخروی سزا کا ذکر آگے آ رہا ہے **لا ملئن منکم اجمعین** غرضیکہ یہ بتایا گیا کہ نبی کا دشمن دنیا میں بھی سزا پاتا ہے آخرت میں بھی اسے مر کر بھی چین نہیں ملتا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے دلائل کا ذکر تھا' جو اس نے اپنے سجدہ نہ کرنے پر قائم کئے اب رب تعالیٰ کے عتاب کا ذکر ہے کہ رب نے اس کو دلائل کا جواب نہ دیا بلکہ اس پر عتاب کیا تاکہ معلوم ہو کہ ہر دلیل کا جواب نہیں دیا جاتا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے غرور و تکبر کا ذکر تھا اب تکبر کے انجام کا ذکر ہے یعنی ذلیل کر کے نکالا جانا تاکہ تاقیامت لوگ غرور کا انجام دیکھ لیں سن لیں۔

تفسیر : **قال فاهبط منها** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی کا ذکر ہے جو شیطان کی مذکورہ بکواس کے جواب میں ارشاد ہوا **قال** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے مگر اس میں گفتگو ہے کہ رب تعالیٰ نے براہ راست بلا واسطہ اس سے یہ کلام فرمایا یا کسی فرشتے کے ذریعہ۔ ظاہر یہ ہے کہ براہ راست ہی یہ کلام فرمایا کہ رب نے کہا ابلیس نے سنا مگر چونکہ یہ کلام عزت کا نہیں بلکہ ذلت و خواری کا ہے اس لئے اس کلام سے ابلیس کی عزت نہ بڑھی نہ اسے کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ کا کلام فرمانا عزت و عظمت کا تھا لہٰذا اس کلام سے موسیٰ علیہ السلام کی عزت افزائی ہوئی اور وہ کلیم اللہ کے خطاب سے نوازے گئے (روح المعانی و کبیر وغیرہ) غرضیکہ کلام بہت قسم کا ہے پیار کا' کاروبار کا' عزت و وقار کا' عذاب و قہر کا' موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا' عزت و وقار کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے معراج میں کلام فرمایا محبت و پیار کا' فرشتوں سے کلام ہوتا ہے ملکی انتظام و کاروبار کا ابلیس سے ان میں سے کوئی کلام نہیں ہوا۔ اس سے قہر و غضب کا ہوا' **فاهبط** میں ف ترتب کی ہے یعنی

چونکہ تیری اصلی بدذاتی آج ظاہر ہوئی لہذا اتو اتر جا گویا اب تک تیری عزت تیرا عروج تیری ظاہری اطاعت کی وجہ سے تھا **اهبطنا** ہے **هبوط** سے۔ جس کے معنی ہیں اوپر سے نیچے گرنا بلندی سے نیچے پھینکا جانا خواہ جگہ کی بلندی ہو یا درجہ اور رتبہ کی یہاں دونوں احتمال ہیں اس لئے **منها** میں کئی احتمال ہو سکتے ہیں۔ (1) اس سے مراد جنت ہے۔ (2) اس سے مراد آسمان ہیں۔ (3) اس سے مراد جماعت **ملائکہ** ہے ان تین صورتوں میں **هبوط** کے معنی ہیں اونچی جگہ سے گرنا دھکیلا جانا' اس سے مراد اس کا پچھلا درجہ اور قرب الٰہی ہے۔ جو اسے اب تک میسر تھا' یا اس سے مراد اس کی شکل و صورت ہے کیونکہ اب تک وہ فرشتوں کی صورت میں تھا بڑا خوبصورت۔ ان دونوں صورتوں میں **هبوط** سے مراد ہے درجہ سے گرنا لہذا اس کی پانچ تفسیریں ہیں۔ (تفسیر کبیر و خازن معانی وغیرہ) خیال رہے کہ **فاهبط** امر عذاب ہے نہ کہ امر شرعی (روح البیان) **فما يكون لك ان تتكبر فيها** اس عبارت میں ابلیس کے نکالے جانے گرائے جانے کی وجہ کا ذکر ہے۔ لہذا یہ **ف** تعلیلیہ ہے **لك** سے پہلے جائز'' یالائق'' وغیرہ پوشیدہ ہے۔ **لك** فرما کر یہ بتایا کہ تجھ پر میرا احسان بہت زیادہ ہے کہ تو ناری تھا تجھے نوریوں میں رکھا' جنت میں رہنے سہنے کی اجازت دی عزت دی وقار دیا تجھ پر میرا شکر زیادہ لازم تھا تجھے تکبر لائق نہ تھا۔ **تتكبر** بنا ہے **تكبر** سے **تكبر** کے دو معنی ہیں۔ بہت ہی بڑا ہونا کہ اس کی بڑائی 'عظمت خیال و گمان سے وراء ہو' دوسرے بڑا بننا کہ تو ہو چھوٹا مگر اپنے کو بڑا سمجھے بڑا ظاہر کرے پہلے معنی سے تکبیر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے تکبر اس کا نام ہے یعنی بہت ہی بڑا۔ دوسرے معنی مذموم ہیں وہی یہاں مراد ہیں' یہاں بھی **فيها** میں وہ احتمال ہیں جو **فاهبط منها** میں تھے۔ یعنی تجھے یہاں سے صرف سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے نہیں نکالا جا رہا ہے کہ وہ تو محض ایک گناہ ہے بلکہ تیرے غرور و تکبر کی وجہ سے دھکے دے کر نکالا جا رہا ہے کیونکہ تکبر ہر جگہ ہی برا ہے مگر جنت میں رہ کر یا آسمانوں میں رہ کر یا فرشتوں کی جماعت میں رہ کر تکبر کرنا کسی طرح مناسب نہیں کیونکہ یہ جگہ متکبرین غرور والوں کی نہیں ان کی جگہ زمین ہے کہ وہاں کفار' فرعون' ہامان جیسے متکبرین بھی رہ سکیں گے یہاں متکبرین نہ رہ سکیں نہ آ سکیں (روح المعانی) وغیرہ **فاخرج انك من الصاغرين** اس عبارت میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ **فاهبط منها** کی تاکید ہے یا تفسیر دوسرے یہ کہ یہ نیا جملہ ہے، پہلی صورت میں **اخرج** تفسیر ہے **اهبط** کی۔ یعنی تجھے صرف اتارا نہیں جا رہا ہے بلکہ نکالا بھی جا رہا ہے کہ نہ تو یہاں رہے نہ تجھے یہاں سے نسبت رہے۔ دوسرے یہ کہ یہ نئی عبارت ہے ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اس صورت میں نکلنے سے مراد ہے زمین سے بھی اسے نکلو' نہ کہیں رہے نہ بسے جزیروں پانی وغیرہ پر مارا مارا پھرے۔ دھوکہ دینے کے لئے زمین پر آ جایا کرے مگر اس کا ٹھکانہ کوئی نہ ہو' **صاغرين** بنا ہے **صغر** سے بمعنی چھوٹا ہونا خواہ عمر کا چھوٹا ہونا یا درجہ رتبہ کا' یا ذلیل و خوار ہونا۔ یعنی میرے بعض بندے عزت والے ہوں گے بعض ذلیل و خوار۔ عزت والے بندوں کی ابتداء آدم علیہ السلام سے ہوئی کہ وہ اللہ کے نبیوں میں سے ہیں خلفاء زمین میں سے ہیں اور ذلت والوں کی ابتداء تجھ سے ہوئی کہ تو اور تیرے کنبہ والے کفار مشرکین متکبرین سارے ہی ذلیل ہیں لہذا **من الصاغرين** فرمانا بالکل درست ہے **قال انظرني الى يوم يبعثون**۔ ابلیس بدنصیب کی ایسی مت ماری گئی کہ معافی نہ مانگی بلکہ اور زیادہ گناہ کرنے کے لئے لمبی عمر مانگی۔ **قال** کا فاعل ابلیس ہے **انظر** بنا ہے انظار سے بمعنی مہلت دینا یہاں موت سے مہلت دینا مراد ہے یعنی لمبی عمر **يبعثون** بنا ہے **بعث** سے بمعنی اٹھانا اس سے مراد ہے قیامت کا دوسرا نفخہ جب آدم اور ان کی اولاد زندہ کی جائے گی اس نے یہ اس لئے کہا تاکہ موت سے بچ جائے کیونکہ اسے پتہ تھا کہ موت صور کے پہلے نفخہ تک آئے گی دوسرے نفخہ پر موت کا وقت نکل چکا ہو گا پھر کسی کو موت نہ آئے گی۔ اس کا دوسرا مقصد یہ تھا کہ میں

سارے انسانوں کو بہکا سکوں آدم علیہ السلام کا بدلہ ان کی ساری اولاد سے لے سکوں۔ **قال انک من المنظرین** اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہمارے بعض بندے قیامت کے نفخہ اولیٰ تک زندہ رہیں گے جیسے فرشتے حضرت خضر الیاس بعض جنات۔ ان میں سے تو بھی ہے ہم نے پہلے سے ہی تیری عمر اتنی رکھی ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کی دعا کا جواب ہے کہ اچھا تیری بات منظور ہے ہم تجھے بھی ان بندوں کے زمرے میں داخل کئے دیتے ہیں جو نفخہ اول تک جئیں گے۔ **خیال رہے** کہ شیطان کو اتنی دراز مہلت دینے میں بہت حکمتیں ہیں۔ (1) اس میں بندوں خصوصاً" انسانوں کا امتحان ہے۔ (2) اسی سے مخلص منافق بندگان خدا بندگان ہوئی میں چھانٹ ہے' (3) اس کے ذریعہ رب نے ابلیس کو اس کی گزشتہ عبادات کا بدلہ دے دیا کہ تو نے لمبی عمر عبادت کی تھی اب لمبی عمر دنیا میں رہ لے' (4) اس مہلت میں بھی شیطان پر اللہ کا غضب ہے کہ زیادہ لمبی عمر میں زیادہ گناہ کرے تمام کفار اشرار سے زیادہ گناہ اس کے ہوں' اس میں اپنے بندوں کو بتاتا ہے کہ دراز عمر اگر گناہوں میں گذرے تو وہ اللہ کی رحمت نہیں بلکہ اللہ کا عذاب ہے اسے یوم قرار تک مہلت دی تاکہ صاحب ابصار کو اعتبار و عبرت ہو۔ ہم شیطان کے پیدا فرمانے کی حکمتیں پارہ الم میں بیان کر چکے ہیں (روح البیان)۔

خلاصہ ء تفسیر : جب ابلیس کا تکبر اور حسد اس کے کلام اور عمل سے ظاہر ہو گیا تو رب تعالیٰ نے اس کے دلائل کا جواب نہیں دیا بلکہ اس سے فرمایا کہ تو اس نورانی جماعت ملائکہ سے یا جنت سے یا آسمانوں سے نیچے گر کر زمین پر پہنچ۔ تجھے ان مبارک مجلسوں مبارک مقامات پر رہ کر غرور تکبر کرنا کسی طرح جائز نہ تھا کہ یہ مجلسیں یہ مقامات تو متواضعین عجز و انکسار کرنے والوں کے لئے ہیں یہاں متکبر لوگ نہ تو آ سکتے ہیں نہ رہ سکتے ہیں بلکہ تو ظاہری زمین سے بھی نکل جا ویرانوں' جزیروں' سمندروں میں رہ۔ ظاہر زمین اولاد آدم علیہ السلام کے لئے ہے یہاں تیرا چکر رہے گا یہاں مارا مارا پھرے گا ہر طرف سے لعنت و پھٹکار کھاتا رہے گا تو وہاں ذلیلوں حقیروں میں سے ایک ہو گا اس عتابانہ کلام کو سن کر اس اوندھی سمجھ والے نے معافی نہ مانگی بلکہ زیادہ جرم و قصور کرنے کے لئے لمبی عمر مانگی بولا اے مولیٰ مجھے قیامت کے دوسرے نفخہ تک مہلت دے جب موت کا وقت نکل چکا ہو' رب تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری یہ دعا کچھ ترمیم سے منظور ہے کہ تجھے نفخہ اولیٰ تک مہلت ہے اس وقت قیامت تک رہنے والوں کو بھی موت آئے گی' اور تجھے بھی۔ **خیال رہے** کہ تکبر وہ عیب ہے جس کی وجہ سے انسان کسی سے فیض نہیں لے سکتا متکبر بڑی اعلیٰ سے اعلیٰ مجلس سے بھی محروم ہی رہتا ہے جب وہ دوسرے سے اپنے کو بڑا جانتا ہے تو اس سے فیض کیوں لے گا نیز تکبر سے دل میں سختی پیدا ہوتی ہے' سخت دل والا اللہ کی ہر رحمت سے محروم ہے سخت زمین میں پیداوار نہیں ہوتی ٹھنڈا سخت لوہا پرزہ وغیرہ نہیں بنتا ٹھنڈا سخت سونا زیور نہیں بنتا سخت آٹا روٹی نہیں بنتا یونہی سخت دل انسان کچھ بھی نہیں بنتا تکبر ہر جگہ ہی برا ہے مگر مدینہ منورہ کی سرزمین میں زیادہ برا ہے اے مدینہ جانے والے اپنی ساری برائیاں اپنے گھر چھوڑ جا وہاں عجز اور ندامت لے کر جا۔ شیطان کے اس واقعہ سے عبرت پکڑ۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جنت اور وہاں کی نعمتیں پیدا ہو چکی ہیں جہاں مردودیت سے پہلے شیطان رہتا یا آتا جاتا تھا یہ فائدہ **فاھبط منھا** سے حاصل ہوا اگر جنت پیدا نہ ہوئی ہوتی تو نکالا کہاں سے جاتا۔ **دوسرا فائدہ:** جنت اوپر ہے نیچے نہیں یہ فائدہ بھی **فاھبط منھا** سے حاصل ہوا اگر زمین پر ہوتی یا زمین کے نیچے تو اتارنا نہ فرمایا جاتا اوپر سے نیچے آنے کو اترنا یا گرنا کہا جاتا ہے۔ **خیال رہے** کہ مردودیت سے پہلے شیطان جنت کے میوے کھاتا پیتا

ہو گا۔ آدم علیہ السلام بھی وہاں یہ سب کچھ کھاتے پیتے تھے مگر وہاں حوروں کو کسی نے ہاتھ نہیں لگایا رب فرماتا ہے لم یطمثھن انس قبلھم ولا جان ان کو ہاتھ لگانا بعد قیامت ہو گا جب لوگ جزاو ثواب کے لئے وہاں داخل ہوں گے اور انہیں ان کے خاوند ہی ہاتھ لگائیں گے دوسرے نہیں' رب فرماتا ہے وزوجنا ھم بحور عین تیسرا فائدہ: جنت متکبرین جاہلین کی جگہ نہیں وہاں تو متواضعین صالحین کا گزارہ ہے اگر وہاں جانا ہے تو عجزو انکسار نیک اعمال اختیار کرو یہ فائدہ ان تتکبر فیھا سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: ہر شخص کی ہر دلیل کا جواب نہیں دینا چاہئے بعض دلائل پر مقابل کو در کار دینا سنت الیہ ہے یہ فائدہ فاخرج منھا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے شیطان کی کسی دلیل یا اس کی دلیل کے کسی مقدمہ کا جواب نہ دیا بلکہ اسے نکل دیا۔ پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا بڑا غضب بندہ پر یہ ہے کہ اسے اچھی مجلسوں اچھی صحبتوں سے محروم کر دیا جائے اچھوں کے پاس سے نکال دیا جائے اگرچہ اس کے پاس مال کی فراوانی رہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے جب شیطان پر غضب فرمایا تو نہ تو اسے فوراً موت دیدی نہ اس کا کھانا پینا مال کم کر دیا' اسے تمام زمینی خزانوں پر دسترس ہے اس کی طاقت اس کا علم اس کی قوت رفتار سب ویسی ہی رکھی جیسی پہلے تھی کہ فرماتا ہے انہ یرا کم ھو وقبیلہ من حیث لا ترونھم۔ سارے عالم پر' لوگوں کی نیت ان کے ارادے پر مطلع ہر جائز ناجائز چیز سے واقف تھا اور ہے یہ سب چیزیں اس کی برقرار رکھیں بلکہ اسے دراز عمر دے دی گئی اسے اچھی صحبتوں اچھی مجلسوں اچھوں کی صحبتوں سے دور کر دیا' نیز اس کو توفیق خیر سے محروم کر دیا کہ اب اسے سجدہ سجود کی توفیق نہیں بلکہ لوگوں کو سجدوں سے روکتا ہے نیز اسے دل کے سکون' قلب کے چین سے محروم کر دیا اب سارے جہان کی فکر اس ایک کے دل میں ہے غرضیکہ اسے تین نعمتوں سے محروم کیا' اچھی صحبت' توفیق خیر' دل کا سکون' اس کا علم' مال' زندگی وہ سب ویسے ہی رکھی۔ چھٹا فائدہ: تکبر و غرور کا انجام ذلت و خواری ہے۔ یہ فائدہ انک من الصاغرین سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: جب رب تعالیٰ کسی پر غضب کرتا ہے تو وہ دعائیں بھی الٹی ہی مانگتا ہے دیکھو اگر ابلیس اس موقعہ پر رب سے معافی مانگ لیتا تو وہ ارحم الراحمین شاید اسے معافی دے دیتا اس نے مانگی کیا چیز لمبی عمر تاکہ گناہ اور زیادہ کرے اپنا پیالہ خوب بھرے تاکہ زیادہ گہرا ڈوبے۔ آٹھواں فائدہ: کفار بلکہ شیطان کی دعا سے عمر دراز ہو سکتی ہے جیسا کہ انک من المنظرین کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا دیکھو شیطان کی دعا سے اسے لمبی عمر مل گئی۔ جب شیطان کی دعا سے اس کی عمر لمبی ہو گئی تو اگر آدم علیہ السلام کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو سال ہو جائے یا مقبول بندوں کی دعا سے لوگوں کی عمریں لمبی ہو جائیں ان کی تقدیریں بدل جائیں تو کیا مضائقہ ہے ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

جو ہو ذوق یقیں حاصل تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں — نگاہ مرد مومن سے پلٹ جاتی ہیں تقدیریں
نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی عقیدت ہو تو دیکھ ان کو — ید بیضا لئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں!

نواں فائدہ: بعض بندے اللہ کے نزدیک ذلیل ہیں بعض عزت والے ذلیل لوگ شیطانی ٹولہ ہیں یہ فائدہ انک من الصاغرین سے حاصل ہوا کہ صاغرین جمع فرمایا گیا اور اس پر من تبعیضیہ لایا گیا۔ دسواں فائدہ: اللہ کے بعض بندے قیامت تک جائیں گی پہلے نفخہ پر مریں گے۔ یہ فائدہ من المنظرین سے حاصل ہوا کہ یہاں بھی منظرین جمع ارشاد ہوا اور اس پر من تبعیضیہ داخل ہوا۔ گیارھواں فائدہ: ابلیس اللہ تعالیٰ کی ذات صفات قیامت وہاں کے اٹھنے رب کی قدرت وغیرہ سب چیزوں کا قائل ہے وہ مشرک نہیں پکا موحد ہے' صرف نبی اور مقبول بندوں کا انکاری ہے۔ یہ فائدہ اس مردود کی اس دعا سے

حاصل ہوا۔ اس سے وہ گستاخ لوگ عبرت حاصل کریں جنہیں اپنی توحید‘ علم‘ وظاہری اعمال پر ناز ہے۔ **بارھواں فائدہ:** اللہ کا کرم ہمارے گناہوں سے کہیں زیادہ ہے دیکھو‘ ابلیس نے گناہ بلکہ بدترین جرم کیا جس پر وہ نکالا گیا‘ مگر نکلتے ہوئے رب سے دعا مانگی اور رب نے قبول فرمائی۔ بندوں کو بھی چاہئے کہ غضب میں بھی کرم کالحاظ رکھیں **تخلقوا باخلاق اللہ۔ تیرھواں فائدہ:** اچھی دعا مانگنا بھی رب کی توفیق سے نصیب ہوتا ہے ہم کو تو مانگنا بھی نہیں آتا دیکھو شیطان اگر اس وقت معافی مانگ لیتا تو تر جاتا مگر مانگا کیا دراز عمر اور اس میں گناہوں کی کثرت۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ سے ہم کلامی بڑی عزت ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وجہ سے دوسرے نبیوں سے ممتاز ہوئے ان کا لقب کلیم اللہ ہوا تو چاہئے کہ ابلیس بھی بڑی عظمت والا ہو کہ اس سے بلاواسطہ رب نے کلام فرمایا۔ **جواب:** اولاً تو اس میں گفتگو ہے کہ ابلیس سے کلام خود رب تعالیٰ نے فرمایا یا بذریعہ فرشتے کے اس کو کہلوایا اگر فرشتے کے ذریعہ کہلوایا گیا ہو پھر تو کوئی سوال ہی نہیں اور اگر بلاواسطہ رب تعالیٰ ہی نے کلام فرمایا ہو تو یہ کلام غضب و قہر کا ہے رب سے ہمکلامی وہ عزت کا باعث ہے جو احترام و اکرام کے ساتھ ہو حاکم جس کو اپنے ہاں مہمان بلا کر اس سے محبت کا کلام کرے وہ معزز ہے اور جس مجرم کو بذریعہ پولیس پکڑا کر اسے سزا کا حکم سنائے وہ مجرم بدترین ذلیل ہے یہاں کلام دوسری قسم کا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** **فاهبط منها** میں **ها** ضمیر یا تو جنت کی طرف لوٹتی ہے یا فرشتوں کی جماعت کی طرف یا آسمانوں کی طرف مگر ان میں سے کسی چیز کا ذکر پہلے نہیں ہوا‘ جس کا ذکر نہ ہوا اس کی طرف ضمیر کیونکر رجوع کر سکتی ہے۔ **جواب:** اگر یہ ضمیر فرشتوں کی طرف ہے تو ان کا ذکر ہو چکا ہے **ثم قلنا للملئكة** اور اگر جنت یا آسمانوں کی طرف ہے تو یہ چیزیں اگرچہ مذکور نہیں مگر معلوم ہیں مرجع کا مذکور ہونا ضروری نہیں‘ معلوم ہونا ضروری ہے۔ معلوم ہونا قرائن سے بھی ہو جاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** ان آیات میں شیطان کو دو حکم دیئے گئے ہیں ایک **فاهبط** اتر جا دوسرا **فاخرج** نکل جا اترنا کہاں سے ہوا تھا اور نکلنا کہاں سے۔ **جواب:** تفسیر خازن نے فرمایا کہ ابلیس پہلے آسمانوں یا جنت میں رہتا تھا زمین پر اس کا راج تھا **اهبط** فرمایا کہ آسمانوں یا جنت سے نکالا گیا اور **فاخرج** فرما کر زمین سے نکالا گیا اب وہ زمین میں چوروں ذلیلوں کی طرح پھرتا ہے یہاں رہتا نہیں‘ اور ہو سکتا ہے کہ **فاخرج** کے معنی یہ ہوں کہ ہماری بارگاہ عالیہ سے نکل یہاں سے ہٹ دور ہو جا یا **فاخرج** تاکید ہو **فاهبط** کی۔ **چوتھا اعتراض:** جب شیطان جنت اور آسمانوں اور جماعت ملائکہ سے نکالا جا چکا تھا تو حضرت آدم علیہ السلام کو اس نے دھوکہ کیسے دیا وہ تو جنت میں رہتے تھے وہاں یہ کیسے پہنچا۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہم نے پہلے پارے میں دیدیئے ہیں وہاں دیکھو۔ اس حکم کے بعد شیطان کا وہاں رہنا سہنا عزت سے جانا آنا بند ہو گیا تھا‘ چوروں کی طرح ذلت و خواری سے پہنچ جانا بند نہیں ہوا تھا یا کہا جائے کہ ابلیس وسوسہ دور سے بھی ڈال دیتا ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ابلیس کی زیادتی عمر کی دعا قبول ہو گئی مگر قرآن مجید فرماتا ہے **وما دعاء الكافرين الا في ضلال** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں دعا سے مراد ہے دوزخیوں کی چیخ و پکار اور ان کا دوزخ سے نکلنے کی دعا کرنا وہ قبول نہ ہو گی یہاں ابلیس کی دنیاوی دعا کا ذکر ہے اور اگر اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ تو تو پہلے ہی سے مہلت دیا ہوا ہے پہلے ہی سے ہم نے تیری عمر لمبی مقرر کی ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** تقدیر بدلنا غیر ممکن ہے رب فرماتا ہے **اذا جاء اجلهم فلا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون** جب موت آنے پر ایک منٹ آگے پیچھے نہیں ہو سکتا تو عمر کیسے بڑھ سکتی ہے علم الٰہی میں تبدیلی ناممکن ہے۔ **جواب:** تقدیر میں

تبدیلی ' عمر میں زیادتی کمی ہوتی ہے اور ہوتی رہتی ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ موت آنے پر کوئی شخص اپنی طاقت و قوت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتا لیکن اگر رب خود ہی تبدیل فرمائے تو وہ قادر ہے۔ خیال رہے کہ علم الٰہی میں تبدیلی ناممکن ہے مگر حکم الٰہی میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے چھوٹی عمر بھی رب کے حکم سے ہے اور عمر دراز ہونا بھی اس کے حکم سے ہماری بیماری بھی اس کے حکم سے ہے اور دوا سے صحت بھی اس کے حکم سے ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ تجھے جنت یا آسمانوں میں تکبر و غرور کرنا لائق نہ تھا **ان تتکبر فیھا** تو کیا دوسری جگہ تکبر کرنا ٹھیک ہے یہاں **فیھا** کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب:** تکبر کرنا خصوصاً حضرات انبیاء کرام پر تکبر کرنا ہر جگہ بہت ہی برا ہے مگر ان مقامات پر متکبر ٹھہر نہیں سکتا زمین پر متکبرین رہتے ہیں اگرچہ گنہگار بلکہ کافر ہوتے ہیں ' فرعون ' ہامان ' قارون نمرود وغیرہ بڑے متکبر تھے مگر زمین میں ہی رہے یہاں راج کرتے رہے۔ سرحال یہ فرمان شیطان کے نکالے جانے کی ایک وجہ کا بیان ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ زمین سے آسمان یا جنت افضل ہے کہ زمین پر متکبرین کفار بھی رہ سکتے ہیں وہاں صرف نوری جماعت ہی رہتی ہے وہاں ہر وقت عبادات ہی ہوتی ہیں کفر و گناہ کبھی نہیں ہوتے۔ **جواب:** نہیں بلکہ فی الحال زمین آسمان سے افضل ہے کہ یہاں حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ تشریف فرما ہیں مملکت الٰہیہ کا دار الخلافہ زمین ہے **انی جاعل فی الارض خلیفۃ** حج ' زیارت ' جہاد زمین پر ہوتے ہیں ' وہاں صرف سجدے ہوتے ہیں اگرچہ یہاں کفار بھی رہیں مگر ان محبوبوں ' مقبولوں کے قدم نے زمین کو افضل کر دیا جیسے کعبہ معظمہ کی وجہ سے مکہ معظمہ عظمت والا شہر ہے اگرچہ وہاں ابو جہل ' ابولہب کفار تھے اور بت پرستی وغیرہ سب کچھ تھی ہاں جب یہ حضرات جنت میں پہنچ جائیں گے اور زمین ان سے خالی ہو جائے گی تب جنت اس زمین سے افضل ہو گی جیسے کہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ میں رہے تو وہ تمام شہروں سے افضل تھا مگر جب ان سرکار نے مدینہ منورہ اپنا ڈیرا لگایا تو مدینہ تمام شہروں سے افضل ہو گیا حتیٰ کہ امام مالک اور دوسرے عشاق کے نزدیک مکہ معظمہ سے بھی افضل ہو گیا اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

طیبہ نہ سہی افضل مکہ ہی بڑا زاہد ۔۔۔ ہم عشق کے بندے ہیں کیوں بات بڑھائی ہے

نواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **انک من المنظرین** یا **انک من الصاغرین** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان کے علاوہ اور لوگ بھی ذلیل ہیں اور ان لوگوں کو بھی قیامت تک مہلت ہے وہ کون لوگ ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ سارے کفار سارے متکبرین ذلیل ہیں وہ شیطان کے ساتھی ہیں اور بہت سے بندے وہ ہیں جنہیں صور پھونکے جانے پر ہی موت آئے گی ' جیسے شیطان کی بعض ذریات غرضیکہ وہ اس میں اکیلا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اوپر چڑھنا مشکل ہے مگر اوپر سے گرنا بہت آسان۔ جسمانیات میں دیکھ لو کہ چھت پر سیڑھی کے ذریعہ بہت دیر میں چڑھتے ہیں مگر پاؤں پھسلتے ہی آنا" فانا" نیچے گر جاتے ہیں یوں غور کر لو کہ شیطان نے اپنا وہ پہلا مقام ہزار ہا سال کی عبادت کے بعد حاصل کیا تھا مگر اس کے سجدہ کے انکار سے وہ تمام بیکار ہو گئے اور بدترین ذلیل ترین بن گیا غافل موت سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں عاقل موت کے طالب ہیں کہ وہ یار سے ملنے کا ذریعہ ہے۔

غافلاں از مرگ مہلت خواستند ۔۔۔ عاشقاں گفتند نے نے زود باد

شیطان مردود تو ہوا ہی تھا غافل بھی ہو گیا کہ زیادہ گناہوں کے لئے دراز عمر مانگی عمر خضری عمر عیسوی بھی دراز ہے مگر یہ درازی عمر

اللہ کی رحمت ہے۔ شیطان کی درازی عمر اللہ کا عذاب ہے کہ ان بزرگوں کی عمریں عجز و انکسار اور رب کی اطاعت میں گزر رہی ہیں اور اس مردود کی عمر تکبر اور نافرمانی میں مولانا فرماتے ہیں۔

علتی بدتر نہ پندارو کمال — نیست اندر جانت اے مغرور وضال

ابو جعفر بغدادی فرماتے ہیں کہ چھ شخصوں کے لئے چھ باتیں بڑی بڑی علماء کے لئے طمع، حاکموں کے لئے جلدی، امیروں کے لئے بخل، فقیروں کے لئے تکبر و صوفیاء کے لئے کم عقلی، خاندانی بزرگوں کے لئے زیادہ لعن طعن یہ چیزیں وہ چھریاں ہیں جو ایمان کی رگ کاٹ دیتی ہیں، سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے اور شیطان کو حسد اور تکبر نے گمراہ کیا (از روح البیان) اگر شیطان بجائے درازی عمر مانگنے کے اپنے قصور کی معافی مانگ لیتا تو شاید معافی ہو جاتی، صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب کا بڑا عذاب بندے پر یہ ہے کہ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے اس کی دستگیری نہ کرے اگر قیمتی گھوڑا ہو مگر مالک اس کی لگام چھوڑ دے تو وہ خود بھی ہلاک ہو گا سواریوں کو بھی ہلاک کرے گا، اعلیٰ درجہ کی کار ہو مگر ڈرائیور اس کی سٹیرنگ چھوڑ دے اس کو اپنے قبضے میں نہ رکھے تو کار تباہ ہو گی۔ یونہی اگر دل پر اللہ رسول کی نظر نہ رہے تو ہم بھی ہلاک ہو جائیں ہمارا انجام ہبوط ہو گا اب پڑھو فاہبط منہا نیز فرماتے ہیں کہ حضرت خضر، الیاس عیسیٰ علیہ السلام فرشتے ان سب کو لمبی عمر دی گئی وہ دراز عمر رحمت ہے مگر شیطان کی لمبی عمر عذاب کہ شیطان کی زندگی حیاۃ الدنیا ہے یعنی حیاۃ للدنیا ہے ان کی زندگی للدنیا نہیں بلکہ للاخرۃ یا للہ ہے او رفی الدنیا۔ جو کشتی کے ذریعہ دریا میں داخل ہو اس کے کپڑے تر نہیں ہوتے جو تیرتا ہوا داخل ہو وہ بھیگ تو جاتا ہے مگر نکل جاتا ہے، جو اس میں ڈوب جائے وہ فنا ہو جاتا ہے دنیا دریا ہے حضرات اولیاء انبیاء شریعت کی کشتی کے ذریعے اس میں رہتے ہیں غافل لوگ خود تیرنا چاہتے ہیں تو اس سے تر ہو جاتے ہیں، کافر اس میں ڈوب کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ ابلیس اس آخری قسم کا ہے دنیا میں خار و غار بھی ہیں اور گل و گلزار بھی جو شریعت کے گیس طریقت کی لاٹھی کے ذریعہ احتیاط سے چلے گا وہ بخیرت گل و گلزار حاصل کرلے گا جو ان سے بے نیاز ہو گا وہ یا خار سے زخمی ہو گا، یا غار میں ہلاک یا پھسلن سے گرے گا شیطان اور اس کی ذریت اس کے متبعین اس تیسری قسم میں ہیں۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِیْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ

بولا پس قسم ہے اس کی گمراہ کر دیا تو نے مجھ کو البتہ ضرور بیٹھوں گا میں ان کے لیے تیرے راستہ سیدھے پر پھر آؤں گا میں

بولا قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھے رستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا پھر ضرور میں ان کے

مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ

ان کے پاس ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے سیدھی طرف سے

پاس آؤں گا ان کے آگے اور پیچھے اور دائیں اور بائیں سے اور تو ان میں سے اکثر کو شکر گزار نہ

وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿۱۷﴾

اور ان کی الٹی طرف سے اور نہیں پائے گا تو بہت سوں کو ان میں سے شکر گزار

پائے گا فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندھا

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں شیطان کے لمبی عمر مانگنے کا ذکر تھا اب اس دعا کے مقصد کا ذکر ہے جو اس نے خود بیان کیا کہ میں اتنی دراز عمر توبہ 'عبادت وغیرہ کے لئے نہیں مانگ رہا ہوں بلکہ لوگوں کو بہکانے گمراہ کرنے کے لئے مانگ رہا ہوں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے گمراہ ہو جانے کا ذکر تھا اب اس کے گمراہ کرنے کا ذکر ہے گویا اس کی گمراہی کے بعد اس کی گمراہ گری کا ذکر ہے چونکہ گمراہ گری سے پہلے اپنی گمراہی ہوتی ہے۔ اس لئے پہلے گمراہی کا ذکر ہوا پھر اس کی گمراہ گری کا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ابلیس حضرت آدم کے ذریعہ گمراہ ہوا اور نکالا گیا اب اس کے بدلہ لینے کا ذکر ہے کہ وہ تاقیامت اولاد آدم سے بدلہ لے گا انسانوں کو چاہئے کہ اس سے ہوشیار رہیں۔

تفسیر : قال فبما اغویتنی یہ جملہ نیا ہے قل کا فاعل وہی ابلیس ہے اس نے رب تعالیٰ سے یہ عرض کیا۔ قل چار معنی میں آتا ہے فرمانا۔ عرض کرنا 'کہنا' بکواس کرنا یہاں معنی بکواس کرنا ہے کیونکہ شیطان نے جو کچھ کہا 'وہ بیہودہ بکواس ہی کی' خیال رہے کہ نبی کا بے ادب کبھی خدا تعالیٰ کا باادب نہیں ہو سکتا۔ چونکہ شیطان پہلے حضرت آدم کی بے ادبی کر چکا تھا قال انا خیر منہ وہ بے ادبی سیڑھی تھی اس بے ادبی کی۔ نبی کا ادب سارے آداب کا مرکز ہے اسی طرح نبی کی بے ادبی ساری بے ادبیوں کا سرچشمہ ہے۔ یہ بے ادب قرآن نماز بلکہ ماں باپ کا بھی ادب نہیں کرتا۔ فبما میں ف ترتب کی ہے کیونکہ یہ عبارت پچھلی عبارت پر مرتب ہے کہ جب رب نے اس سے وہ کچھ فرمایا جس کا ذکر ہوا تو شیطان نے کہا۔ بما کے متعلق چند قول ہیں ایک یہ کہ ما استفہامیہ ہے اور اغویتنی پر جملہ ختم ہے اور لاقعدن نیا جملہ ہے یعنی اے مولا تو نے مجھے کس وجہ سے گمراہ کر دیا میں نے تو کوئی گمراہی کی بات کی نہیں برا کام کیا نہیں میں تیرا ہمیشہ سے عابد اور تیری عبادت کرنے کو تیار ہوں (خازن) خلاصہ یہ ہے کہ میں بے قصور ہوں یہ تیرا مجھ پر ظلم ہے کہ تو نے بلاوجہ مجھے گمراہ کر دیا۔ یہ بے ادبی کی انتہا ہے رب پھر بھی اسے مہلت دیتا بے انتہا درجہ کا ظلم ہے دوسرے یہ کہ بما میں ب سببیہ ہے اور ما مصدریہ اور اس عبارت کا تعلق اگلے جملہ لاقعدن سے ہے یعنی تیرے مجھ کو گمراہ کرنے کی قسم یا تیرے گمراہ کرنے کی وجہ سے میں اولاد آدم کو بہکاؤں گا' چاہئے تھا توبہ کرتا مگر شامت نفس نے الٹا اثر لیا۔ اغویتنی بنا ہے غی سے معنی فساد اہل عرب کہتے ہیں غوی الفصیل اونٹ کے بچہ کا معدہ فاسد ہو گیا اصطلاح میں معنی جہالت اور گمراہی بھی آتا ہے جیسے ما ضل صاحبکم وما غوی اور معنی نقصان و تکلیف بھی جیسے وعصی ادم ربہ فغوی کبھی معنی عذاب بھی آتا ہے جیسے سوف یلقون غیا یہاں معنی گمراہی ہے سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اغویتنی کے معنی ہیں تو نے مجھ میں گمراہی پیدا فرما دی یہ بات بالکل درست ہے کہ خالق خیر و شر رب تعالیٰ ہے۔ فرماتا ہے خالق کل شیئ بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں تو نے مجھے گمراہ کر دیا یعنی گمراہی میں گرا دیا یا یہ معنی ہیں کہ تو نے مجھے نقصان میں ڈال دیا کہ ایک سجدہ نہ کرنے سے میرے سارے سجدہ برباد کر دیئے (تفسیر روح المعانی) لا تعدن لہم صراطک المستقیم یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا جواب قسم جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا اقعدن کے معنی ہیں کہ میں ان کی تاک میں چوروں ڈاکوؤں کی طرح بیٹھوں گا' جب میرے داؤں میں آئیں گے ان پر حملہ کر دوں گا لھم کا مرجع اولاد آدم ہے جو آدم علیہ السلام کے ذکر سے معلوم ہو چکی ہے چونکہ یہاں گھات میں بیٹھنے بہکانے کی کوشش کرنے کا ذکر ہے اس لئے ابلیس نے کسی کا استثناء نہیں کیا کیونکہ وہ بہکانے کی کوشش سب کے لئے ہی کرتا ہے نبی ہو یا ولی یا کوئی اور مگر بہکا دینا راہ سے ہٹا دینا اپنی کوشش

میں کامیاب ہو جاتا اس کا ذکر اس آیت میں ہے **لاغوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین** سب کو بہکا دوں گا سوا تیرے نیک خالص بندوں کے لہٰذا دونوں آیتوں میں تعارض نہیں۔ کیونکہ خاص مقبولین اس کے بہکانے میں نہیں آتے۔ صراط مستقیم سے مراد خدا رسی کا راستہ ہے یعنی دین اسلام ہر نبی جس کی تبلیغ فرمانے آئے یا جنت تک پہنچنے کا راستہ یعنی اللہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری۔ ابلیس پہلے تو عقائد حقہ کی راہ پر بیٹھتا ہے ایمان سے روکنے کے لئے اگر یہاں کامیاب نہ ہو تو عبادات کی راہ پر بیٹھتا ہے عبادات سے روکنے کے لئے (روح المعانی) غرضیکہ ہر گھات میں بیٹھنا تو دائمی ہو گا۔ خیال رہے کہ صراط مستقیم پر جیسے راہزنی کے لئے شیطان بیٹھا ہے ایسے ہی راہبری کے لئے وہاں جناب مصطفیٰ ان کے غلام خود رب کی رحمت بھی موجود ہیں۔ فرماتا ہے **انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم** اور فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** غرضیکہ وہاں حفاظتی چوکیاں بھی قائم ہیں رب نے ہم کو بے یار و مددگار نہیں چھوڑا ہے۔ **ثم لاتینھم من بین ایدیھم و من خلفھم و عن ایمانھم و عن شمائلھم** یہ اس کے حملہ کرنے کا ذکر ہے کہ وہ لوگ جب میرے داؤں پر آجائیں گے تو ان پر چار طرف سے حملہ کروں گا آگے سے پیچھے سے دائیں سے بائیں سے اوپر نیچے کا ذکر نہ کیا۔ کیونکہ اوپر سے اللہ کی رحمت مسلمانوں پر آتی ہے اس کا سلام آتا ہے سلام علیکم **انعم اللہ علیھم** **انعمت علیھم** ادھر حفاظتی پہرہ ہے۔ زمین پر انسان سجدے کرتا ہے ادھر بھی حفاظت کا انتظام ہے (کبیر) یا اس لئے کہ اوپر نیچے سے دشمن آتا ہے ان چار طرفوں سے دوست بھی آتے ہیں ابلیس انسان کے پاس دوست کی شکل میں آتا ہے اس لئے ان طرفوں سے ہی آتا ہے (صاوی) خلاصہ یہ ہے اوپر نیچے کا ذکر یا تو اس لئے نہ کیا کہ نیچے بندے کی عاجزی و زاری آتی ہے اوپر سے رحمت باری آتی ہے یہ آنے جانے کے راستے اس چور سے محفوظ رکھے گئے ہیں۔ خیال رہے کہ سامنے اور پیچھے کے لئے اس نے **من** بولا جو دوری نہیں چاہتا مگر دائنے بائیں کے لئے **عن** بولا جو دوری پر دلالت کرتا ہے یعنی آگے پیچھے سے تو بہت قریب ہو کر ان کے پاس پہنچوں گا مگر دائیں بائیں کچھ دور رہ کر انہیں بہکاؤں گا کیونکہ ان دونوں طرف نامہ اعمال لکھنے والے فرشتے رہتے ہیں۔ وہ فرشتوں سے بہت گھبراتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **عن الیمین وعن الشمال قعید** اس لئے ابلیس آگے پیچھے سے تو جھپٹ سکتا ہے مگر دائیں بائیں سے جھپٹ نہیں سکتا (کبیر) اس لئے ہم نماز میں جب سلام پھیرتے ہیں تو دائیں بائیں منہ پھر کر سلام کرتے ہیں دائیں طرف نیکیاں لکھنے والے فرشتے کو سلام کرتے ہیں بائیں طرف گناہ والے فرشتے کو **من** اور **عن** کہنے کی یہ وجہ ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان چار لفظوں کی بہت ہی تفسیریں کی گئی ہیں جن میں سے ہم چند تفسیریں عرض کرتے ہیں (1) اس سے چار سمتیں ہی مراد ہیں کیونکہ اس کی ذریت یعنی قرین وغیرہ تو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں مگر ابلیس وقتاً فوقتاً انسان کے پاس آتا ہے ان چار سمتوں سے۔ (2) سامنے سے مراد ہے آخرت کہ وہ آ رہی ہے پیچھے سے مراد ہے دنیا کہ وہ جا رہی ہے یعنی انہیں آخرت سے غافل کروں گا یا میں راغب کروں گا ایمان سے مراد ہیں عبادات' شمائل سے مراد ہے گناہ یعنی عبادت میں سستی کراؤں گا گناہوں میں پھنساؤں گا (3) سامنے سے مراد ہے دنیا کہ وہ نقد ہے دیکھنے میں آ رہی ہے پیچھے سے مراد ہے آخرت کہ وہ دنیا ختم ہونے پر آئے گی انہیں دنیا کا یقین دلاؤں گا آخرت کے متعلق مشکوک کر دوں گا' ایمان سے مراد ہیں عقائد' شمائل سے مراد ہیں اعمال یعنی برے عقائد اور برے اعمال میں پھنساؤں گا (4) سامنے سے مراد ہے دنیا اور پیچھے سے مراد ہے آخرت۔ یعنی میں ان کی نگاہوں میں دنیا کو آراستہ کر دوں گا اور آخرت کو بھیانک خوفناک دکھاؤں گا ایمان سے مراد ہے حق شمائل سے مراد ہے باطل۔ یعنی ان کی نگاہوں میں حق کو

باطل اور باطل کو حق کرکے دکھاؤں گا' نیک کاموں میں دیر کراؤں گا برے کاموں میں جلدی (تفسیر خازن)۔ 5 حضرت شفیق فرماتے ہیں کہ میرے پاس شیطان چاروں طرف سے آتا ہے اور قرآن میری چاروں طرف سے رہبری کرتا ہے مجھے اس سے بچاتا ہے چنانچہ وہ میرے سامنے سے اس طرح آتا ہے کہ مت ڈر اللہ غفور رحیم ہے فوراً" مجھے قرآن سناتا ہے **وانی لغفار لمن تاب و امن وعمل صالحا** " کہ رب تعالیٰ واقعی غفار ہے مگر اس کے لئے جو توبہ کرے ایمان واعمال صالحہ اختیار کرے اور میرے پیچھے سے شیطان اس طرح آتا ہے کہ مجھ سے کہتا ہے کہ اگر تو خیرات صدقات کرے گا تو تیرے بچے فقیر ہو جائیں گے ان کے لئے بچا مجھے قرآن سناتا ہے **ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** ہر جاندار کی روزی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے' شیطان میرے داہنے سے آتا ہے تو میری تعریف کرتا ہے تو بڑا عالم عاقل صوفی شیخ ہے قرآن میری ہدایت کرتا ہے **والعاقبۃ للمتقین** کہ اگر تو متقی نہیں تو کچھ بھی نہیں' پھر شیطان میرے بائیں طرف سے آتا ہے مجھے شہوات میں پھنساتا ہے قرآن فرماتا ہے **وحیل بینھم وبین ما یشتھون** (تفسیر کبیر) **ولا تجد اکثرھم شاکرین** شیطان نے اپنے متعلق خبر دینے کے بعد بارگاہ الٰہی میں انسانوں کا حال بیان کیا کہ میرے مولیٰ تو اکثر انسانوں کو شاکر نہ پائے گا کافر پائے گا۔ اس کی یہ بات بھی درست ہی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** یہ بات اس نے یا تو اپنے اندازے سے کہی یا لوح محفوظ سے دیکھ کر کیونکہ وہ لوح محفوظ دیکھا پڑھا کرتا تھا (تفسیر خازن) غرضیکہ انسان کمزور ہے شیطان دشمن قوی ہے۔ انسان کو چاہئے کہ قوی و قادر رب تعالیٰ کی پناہ لے اپنے پر اعتماد بالکل نہ کرے رب تعالیٰ ہر مسلمان کو اس کی شر سے بچائے۔

خلاصہ ء تفسیر : جب شیطان نے اپنی درازی عمر اور لمبی مہلت معلوم کرلی تو بولا کہ میرے مولیٰ یہ بھی سن لے کہ میں نے یہ لمبی عمر تجھ سے کیوں مانگی ہے' توبہ کرنے یا نیک اعمال کرنے کے لئے نہیں۔ جو سجدے سجود کرنے تھے وہ تو میں کرچکا اب میرا کانٹا بدل گیا میں اس کی قسم کھاتا ہوں کہ تو نے مجھے گمراہ کردیا یعنی تیرے مجھے بہکا دینے کی قسم گویا میں تو اچھا تھا تو نے مجھے برا کردیا جن کی وجہ سے تو نے مجھے گمراہ مردود کرکے نکالا ہے میں اس کا بدلہ' ان کی اولاد سے تاقیامت لیتا رہوں گا کہ جو خدا رسی کا راستہ ہے اس پر میں گھات لگا کر بیٹھوں گا جسے اس راہ پر آتا دیکھوں گا اسے دائیں بائیں آگے پیچھے سے گھیرلوں گا کہ کسی کو آگے سے کسی کو پیچھے سے کسی کو دائیں طرف سے کسی کو بائیں طرف سے بہکاؤں گا' کسی کے پاس مولویوں کی شکل میں جاؤں گا کسی کے پاس صوفیوں پیروں کی صورت میں نمودار ہوں گا' کسی کے سامنے عیش و طرب پیش کروں گا کسی کے سامنے آفات و غم اگر ہوسکا تو ان کے عقائد بگاڑدوں گا ورنہ فرائض سے روکوں گا اگر یہ بھی نہ ہوسکا تو کم از کم سنت واجبات بلکہ مستحبات سے روکوں گا کسی کو قرآن دکھا کر بہکاؤں گا' کسی کو دنیا دکھا کر میرے مولیٰ تو دیکھ لینا کہ تیرے انسان اکثر کافر ہوں گے تھوڑے شاکر۔ یہ کمزور رہیں ان کا قوی دشمن ہوں مجھ سے بچ کر کہاں جائیں گے۔ خیال رہے کہ شیطان نے اپنے جو ارادے ظاہر کئے اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو بے خبر جانتا ہے وہ تو رب تعالیٰ کی ذات و صفات اس کے علم و قدرت کا یقین رکھتا ہے بلکہ یہ کہلوا دینا رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے کہ اس کے دل میں بدلہ لینے کا ایسا جوش پیدا فرمادیا کہ وہ آپے سے باہر ہو کر اپنا ارادہ ظاہر کر بیٹھا رب نے اس کا اعلان فرمادیا تاکہ سننے والے انسان اس کے ارادہ سے خبردار ہو کر اس سے محتاط رہیں اس کی چکنی چپڑی باتوں پر دھیان نہ دیں یہ رب کا کام ہے' ورنہ جیسے اس نے آدم علیہ السلام سے کہا کہ میں آپ کا بڑا خیر خواہ ہوں آج بھی کہہ دیتا کہ میں اولاد آدم کا خادم خیر خواہ بن کر رہوں گا تاکہ لوگ دھوکہ کھا جاتے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مومن برائیوں کی اپنی طرف نسبت کرتا ہے اچھائیوں کی رب کی طرف۔ اس کے برعکس کافر خوبیوں کی اپنی طرف نسبت کرتا ہے برائیوں کی رب کی طرف۔ دیکھو شیطان نے کہا **بما اغویتنی** تو نے مجھے گمراہ کیا یعنی میں تو ہدایت پر تھا گمراہ مجھے تو نے کیا یہ اس کا کفر پر کفر ہوا حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا **ربنا ظلمنا انفسنا** وہ خلیفتہ اللہ ہوئے۔ دوسرا فائدہ: کبھی سچ بھی کفر ہو جاتا ہے دیکھو شیطان نے جو کہا **بما اغویتنی** بات درست تھی مگر بے ادبی تھی ڈبل کافر ہو گیا بدایت و گمراہی کا خالق رب تعالیٰ ہی ہے۔ یہ فائدہ بھی **بما اغویتنی** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: معتزلہ فرقہ ابلیس سے زیادہ احمق ہے کہ معتزلی اپنے برے اعمال کا خالق خود اپنے کو مانتا ہے شیطان نے کہا تھا کہ میرے بہکنے کا خالق تو ہے رب تعالیٰ نے بھی یہ نہ فرمایا کہ تو نے غلط کہا اپنی گمراہی کا خالق خود تو ہی ہے۔ چوتھا فائدہ: ابلیس ہر اچھے برے عقیدے ہر اچھے برے عمل سے خبردار ہے حتی کہ مستحب اور مکروہ اعمال کو بھی جانتا ہے تب ہی تو وہ برے عقیدوں برے اعمال کی رغبت دیتا ہے اچھے عقیدوں اچھے اعمال سے روکتا ہے یہ فائدہ صراطک المستقیم سے حاصل ہوا کہ وہ سیدھے راستہ پر بیٹھا ہے ہر نیک عمل اچھا عقیدہ سیدھا راستہ ہے جس پر شیطان کی طرف سے رکاوٹ موجود ہے۔ پانچواں فائدہ: ابلیس ہر شخص کی ہر نیت ہر ارادے سے ہر وقت خبردار ہے تب ہی تو وہ ہر شخص کو ہر نیکی بلکہ ہر نیک ارادے سے روکتا ہے اگر اسے ان چیزوں کی خبر ہی نہ ہو تو وہ روک کیسے سکتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **لاقعدن لھم صراطک المستقیم** سے حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: ابلیس ہر وقت ہر شخص کے پاس پہنچ سکتا ہے بیک وقت کروڑوں جگہ تصرف کر سکتا ہے یہ فائدہ **ثم لا تینھم** سے حاصل ہوا کہ **اتی** صیغہ ہے واحد متکلم کا اور **ھم** ضمیر ہے جمع غائب کی اور **اتین** مضارع ہے یعنی میں اکیلا ان سب کے پاس پہنچتا رہوں گا یہ معنی ہیں ہر جگہ حاضر کے اس لئے وہ بیک وقت کروڑوں کو بہکاتا ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے **انہ یرکم ھو و قبیلہ من حیث لا ترونھم** ابلیس، اور اس کی ذریت تم سب کو دیکھتی ہے تم انہیں نہیں دیکھتے۔ یہ معنی ہیں ناظر کے لہٰذا ابلیس حاضر ناظر ہے۔ پھر خیال رہے کہ جیسے دنیاوی حکومتیں رعایا کو چوروں ڈاکوؤں سے بچانے کے لئے پولیس فوج رکھتی ہیں پھر پولیس کو ان کے مقابلہ میں نہتا نہیں رکھتیں بلکہ جس درجہ کا ڈاکو اس سے زیادہ طاقتور پولیس کو مقابلہ میں بھیجتی ہیں، حضرات اولیاء اللہ رب کی پولیس ہے ان کی طاقت کا یہ عالم ہے کہ شیطان تو ہماری پیدائش موت تک ہم کو دیکھتا ہم سے باخبر رہتا ہے مگر وہ حضرات صدیوں بعد پیدا ہونے والوں کو دیکھتے اور موت تک ان کے اعمال سے نیتوں سے خبردار رہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں عمر وہ ہیں جن کی نیکیاں تاروں کے برابر ہیں بایزید بسطامی نے ابوالحسن خرقانی کے حالات ان کی پیدائش سے سو برس پہلے بتادیے، رب کی پولیس شیطان سے زیادہ طاقتور ہے کیسے ہو سکتا ہے کہ ڈاکو بندوقوں کارتوسوں سے لیس ہوں مگر حکومت پولیس کو لاٹھیاں دے کر بھیجے بلکہ ضروری ہے کہ اگر ڈاکوؤں کے پاس رائفلیں ہوں تو پولیس کے پاس گرنیڈ ہو۔ ساتواں فائدہ: یہ تمام تصور، ہر جگہ حاضر ناظر ہونا ہر ایک کی ہر وقت خبر رکھنا جب یہ قوتیں اللہ نے ابلیس کو دی ہیں بہکانے کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام جو خلق کے ہادی ہیں ان میں یہ صفات بدرجہ اولیٰ ہونی چاہئیں ہدایت دینے کے لئے تاکہ دوا کی طاقت مرض کی طاقت سے زیادہ ہو اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ارشاد فرمایا **لقد جاءکم رسول** اور فرمایا **ا فبعث فیھم رسولا** اور فرمایا **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** ان آیتوں میں بھی جلء واحد ہے اور کم جمع یعنی تم سب کے پاس رسول اللہ تشریف لائے۔

آٹھواں فائدہ: ابلیس بیک وقت ہر سمت سے ہر شخص کے پاس پہنچ سکتا ہے وہ کسی سمت کا پابند نہیں۔ یہ فائدہ **من بین ایدیھم** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: ابلیس دراصل انسانوں کا دشمن ہے اگر بعض جنات ایمان قبول کرلیں تو ان کا دشمن ہو جاتا ہے کہ انہوں نے انسانوں کے سے کام کیوں کئے حور و غلمان کا دشمن نہیں وہ تو آدم علیہ السلام کا بدلہ ان کی اولاد سے لے رہا ہے یہ فائدہ **لاتینھم** سے حاصل ہوا کیونکہ **ھم** کی ضمیر انسانوں یعنی اولاد آدم کی طرف ہے۔ دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو علم غیب بخشا ہے دیکھو اس نے قیامت تک کے انسانوں کے متعلق کہا **لا تجد اکثرھم شاکرین** اور بالکل سچ کہا واقعی تھوڑے انسان شاکر ہیں' بہت سے کافر ہیں۔ رب فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** جب شیطان کو عطا علم غیب ہوئی تو مقبول بندوں کے لئے علم غیب کی عطا ماننا شرک کیسے ہو سکتا ہے۔ گیارھواں فائدہ: تقیہ کرنا بدترین جرم ہے دیکھو شیطان نے رب کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تقیہ نہیں کیا بلکہ جو اس نے کرنا تھا وہی صاف صاف کہہ دیا۔ بارھواں فائدہ: اللہ کے نیک بندوں کا قرب شیطان سے بچاؤ کا بہترین ذریعہ ہے دیکھو ابلیس ہمارے دائیں بائیں سمت سے ہم سے قریب نہیں ہوتا دور رہ کر ہم کو بہکاتا ہے کیونکہ ادھر فرشتے موجود ہیں یہ فائدہ **عن ایمانھم** اور **عن شمائلھم** میں **عن** فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر میں تفصیل سے عرض کردیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ شیطان کو اللہ تعالیٰ نے گمراہ کیا سب کو گمراہ کرنے والا ابلیس ہے اور ابلیس کو گمراہ کرنے والا رب ہے تو سب کی گمراہی کی ذمہ داری رب تعالیٰ پر ہونی چاہئے دیکھو فرمایا گیا **اغویتنی** (ستیارتھ پرکاش)۔
جواب: اس بیہودہ اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں بھی گزر گیا اور پارہ الم میں تفصیل سے عرض کردیا گیا کہ برائی کی رغبت دینا برا ہے یہ کام شیطان کا ہے اور برائی پیدا فرمانا اچھا ہے اس میں لاکھوں حکمتیں ہیں ہر کام رب تعالیٰ کا ہے چھری چاقو بنانا اچھا ہے مگر اس سے کسی کو ظلماً" قتل کرنا برا ہے۔ **اغویتنی** کے معنی ہیں کہ تو نے مجھ میں گمراہی پیدا کی اور اگر اس کے معنی یہ ہوں کہ تو نے مجھے رغبت دے کر گمراہ کیا تو یہ شیطان کی بکواس ہے۔ رب نے شیطان کو سجدہ کرنے کا حکم دیا تھا جو ہدایت ہی ہدایت تھا سجدہ نہ کرنا اس کی اپنی حرکت تھی اس نہ کرنے سے وہ گمراہ ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** شیطان دوزخ کی طرف بلاتا ہے تو چاہئے کہ ٹیڑھے راستے پر بیٹھے سیدھے راستہ پر کیوں بیٹھتا ہے یہ تو جنتیوں کا راستہ ہے۔ **جواب:** تین وجہوں سے ایک یہ کہ ادھر آنے والوں کو وہ یہاں سے ہٹانے اور ٹیڑھے پر پہنچانے کی کوشش کرتا ہے' دوزخیوں کو صرف ٹیڑھے راہ پر جماتا ہے۔ جمانا آسان ہے ہٹانا مشکل ہے اس لئے وہ مشکل مقام پر بیٹھتا ہے دوسرے یہ کہ اسی راستہ پر اللہ کی قائم کردہ حفاظتی چوکیاں محافظین بندے رہتے ہیں حضرات انبیاء' اولیاء' کیونکہ یہ رب کا قائم کردہ راستہ ہے ٹیڑھے راستوں پر یہ کچھ نہیں اس لئے یہ بھی وہاں ہی رہتا ہے۔ تیسرے یہ کہ شیطان گویا ڈاکو ہے ڈاکو وہاں ہی رہتا ہے جہاں سے مال والے لوگ گزرتے ہوں ایمان والے اعمال والے عرفان والے تقویٰ والے لوگ یہاں سے ہی گزرتے ہیں اس لئے وہ یہاں ہی رہتا ہے ٹیڑھے راستے والوں کے پاس ہوتا ہی کچھ نہیں ان سے کیا چھینے **تیسرا اعتراض:** جب شیطان صاف صاف کہہ رہا تھا کہ میں قیامت تک یہ حرکتیں کروں گا تو اسے رب نے اس وقت ہلاک کیوں نہ کردیا نہ شیطان رہتا نہ دنیا میں کفر و گناہ ہوتے۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ شیطان اپنی درازی عمر کا رب سے پہلے ہی وعدہ لے چکا تھا' اور وعدہ خلافی عیب۔ دوسرے یہ کہ ارادہ الٰہی یہی تھا کہ شیطان دنیا میں رہے اسی کی وجہ سے ہزارہا عبادتیں ریاضتیں ہوں گی جو اس کی وجہ سے حضرات انبیاء و اولیاء' متبعین کریں گے۔ دنیا کی بقا جوڑ توڑ پر ہے۔ بھوک پیدا کی

اس کی توڑ کے لئے رزق بنائے' پیاس پیدا کی توڑ کے لئے پانی بنایا بیماریاں پیدا کیں توڑ کے لئے دوائیں حکیم بنائے شیطان پیدا کیا اس کی توڑ کے لئے قرآنی احکام انبیاء رسل بھیجے۔ نیز شیطان ہی کی وجہ سے عادت و عبادت میں فرق ہے' جو کام انسان بغیر رکاوٹ طبعی تقاضے سے کرے وہ عادت. جو رکاوٹ ہوتے ہوئے خلاف طبع کام رضاء الٰہی کے لئے ہو وہ عبادت ہے ثواب عادت کا نہیں عبادت کا ملتا ہے فرشتوں کے رکوع سجود پر ثواب نہیں کہ وہ عادات ہیں دن میں ترک غذا عبادت ہے کہ روزہ ہے رات میں یہ چیز چھوڑنا عبادت نہیں عادت ہے اس پر ثواب کوئی نہیں' نیز شیطان کے ذریعہ حضرات انبیاء کرام کی طاقت و قوت کا ظہور ہے' بغیر مقابل کوئی چیز نہیں پہچانی جاتی' شیطان کی پیدائش کی حکمتیں ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں' محض برائیاں دوزخ ہی میں ہیں۔ اور محض خوبیاں جنت میں دنیا جنت دوزخ کمانے کی جگہ ہے یہاں دونوں کے تخم موجود ہونے چاہئیں۔ چوتھا اعتراض: پھر تو شیطان اللہ تعالیٰ سے زیادہ قوی ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ سارے بندے نیک ہوں مگر اس کی نہیں چلتی شیطان کی چلتی ہے کہ بہت کافر ہو جاتے ہیں' تھوڑے شاکر (ہندو آریہ)۔ جواب: ان جیسے بیہودہ اعتراضات کے جواب تفصیل کے ساتھ ہم پہلے پارے میں دے چکے ہیں اللہ تعالیٰ سب کا ایمان پسند کرتا ہے اس کا ارادہ نہیں کرتا ارادہ الٰہی یہی ہے کہ جنت بھی بھرے دوزخ بھی۔ رضا' ارادہ' امر' حکم ان سب میں بہت فرق ہے. بس کے جنتی ہونے کا ارادہ رب تعالیٰ کرے اسے شیطان کا باپ بھی نہیں بہکا سکتا' جیسے حضرات انبیاء خاص اولیاء یا وہ جن پر ان کی نظر ہو۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دز در جیم اُلٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

تفسیر صوفیانہ: شیطان انسان کے پاس چار طرف سے آتا ہے آگے سے اس طرح کہ انسان اپنے متقدین مقبولوں میں طعن کرتا ہے کہ صحابہ میں کیا تھا. نبیوں میں کوئی کمال نہیں ہم اور نبی برابر ہیں یہ شیطان کا پہلا حملہ ہے پھر پیچھے سے آتا ہے کہ موجودہ مشائخ و علماء میں انسان طعن کرتا ہے کہ یہ سب لوگ جھوٹے ہیں انہوں نے دکانداریاں کر رکھی ہیں ان کے احوال و افعال اقوال کو بری نیت سے دیکھتا ہے اگر ان میں سے کہیں کامیاب ہو گیا تو بس وہ خوش ہو جاتا ہے لیکن اگر یہاں دونوں جگہ ناکام رہے تو پھر دائیں طرف سے آتا ہے کہ انسان اپنے کو بہت اچھا سب سے اونچا سمجھتا ہے کہ مجھ میں یہ خوبی' مجھ میں یہ کمال۔ گزشتہ دونوں جرم کفر تھے یہ جرم کبر و غرور ہیں اگر یہاں ناکام ہو گیا تو پھر بائیں طرف سے حملہ کرتا ہے کہ انسان اپنے برے کاموں کو اچھا اور دوسروں کے اچھے کاموں کو برا سمجھنے لگتا ہے شیطان کے یہ چار حملے ہیں اے انسان خبردار رہ' غرضیکہ جن وجہ سے شیطان مردود ہوا' وہی وجوہ وہ لوگوں میں پیدا کرتا ہے یعنی بزرگوں سے ہمسری کا دعویٰ اور اچھی صحبتوں سے دوری جب بکری اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو جائے تو بھیڑیا اسے بہ آسانی شکار کر لیتا ہے جب دائیں بائیں فرشتوں کی موجودگی کی وجہ سے شیطان ان سمتوں میں ہم سے قریب نہیں ہو تا جیسا کہ **عن ایمانہم** میں **عن** فرمانے سے معلوم ہوا تو اگر مومن کے دل میں نور محمدی جلوہ گر ہو جائے اور مومن کے سر پر قدم مصطفوی رکھا جائے تو ان شاء اللہ شیطان سے ہر طرح امان میں ہو جائے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ اے انسان شرم کر تو نے دشمن سے رشتہ جوڑا ہے' یعنی شیطان سے اور دوست سے رشتہ توڑا یعنی رحمان اور رحمان کے مقبولوں سے۔

چلو ملعون پسند آمدش قہر ما غذائش برانداخت از بہرما
کجا سر براریم ازیں عار و ننگ کہ با او مروت و باحق بہ جنگ (از روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں اگر روشنی کسی سمت سے واقع ہو تو اس کا آدھا حصہ روشن ہوتا ہے آدھا تاریک رہتا ہے اس لئے اس کا سایہ پڑتا ہے لیکن اگر روشنی اوپر سے پڑے تو ہر سمت منور ہو جاتی ہے اور سایہ نہیں پڑتا فرشتے داہنے بائیں رہتے ہیں لیکن حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تجلی ہمارے سروں پر پڑتی ہے تو شیطان کی پھر گذر کہاں رب تعالیٰ وہ تجلی نصیب کرے **قد جاء کم من اللہ نور**' چور اندھیرے میں آتا ہے' روشنی میں نہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ بیٹھنا بہت قسم کا ہوتا ہے کام کے لئے بیٹھنا' محبت کے لئے بیٹھنا' عداوت کی بناء پر لڑنے کے لئے بیٹھنا ڈکیتی کے لئے گھات میں تاک لگا کر بیٹھنا شیطان کا یہ بیٹھنا آخری قسم کا ہے گھات لگا کر اس کا ہیڈ کوارٹر جہاں وہ مستقل بیٹھتا ہے وہ صراط مستقیم ہے رہا ٹیڑھا راستہ ان پر نظر رکھتا ہے وہاں نظر رکھتا ہے مسافروں کو جمانے کے لئے کہ کوئی اس ٹیڑھی راہ سے ہٹ نہ جائے سیدھی راہ پر رہتا ہے ہٹانے کے لئے کہ کوئی اس پر قائم نہ رہ جائے یہاں ہی ڈیرہ اللہ والوں کا ہے' حفاظتی چوکی کے طور پر۔ وہاں دھکیلتا ہے شیطان۔ بازو پکڑے' سنبھالتے ہیں عباد الرحمن۔ عجیب کشمکش ہے رب بیڑا پار لگائے' تجلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نجات کا راستہ ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا ۖ لَّمَن تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمْلَأَنَّ

فرمایا رب نے نکل جا یہاں سے ذلیل کیا ہوا راندھا ہوا البتہ وہ شخص جو پیروی کرے ان میں سے

فرمایا یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندھا ہوا۔ ضرور جو ان میں سے تیرے کہنے پر چلا میں تم سب سے جہنم

جَهَنَّمَ مِنكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٨﴾ وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا

تیری تو البتہ بھردوں گا میں دوزخ کو تم سب سے اور اے آدم رہو تم اور بیوی تمہاری جنت میں پس کھاؤ

بھردوں گا		اور اے آدم تو اور تیرا جوڑا جنت میں رہو تو اس میں جہاں

مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿١٩﴾

تم دونوں جہاں سے چاہو تم دونوں اور نہ قریب جانا اس درخت کے ورنہ ہو جاؤ گے تم ظلم والوں میں سے

چاہو کھاؤ اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں سے ہوؤ گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کی لمبی عمر کا مقصد بیان ہوا اس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اسے اپنے اس مقصد کے پورا کرنے کا موقعہ دے دیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ شیطان اپنے کام میں لگا ہوا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کی گمراہی اور اس گمراہ گری کا ذکر تھا اب ان دونوں عیبوں کے نتیجہ کا ذکر ہے یعنی شیطان اور شیطانی لوگوں سے دوزخ بھرا جانا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں چور کی چوری اس کی سینہ زوری کا ذکر تھا۔ اب دولت ایمان والوں کو ہوشیار رہنے کا حکم ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں انسانوں پر ایک خاص کرم کا ذکر تھا۔ یعنی آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنانا اب دوسرے کرم کا ذکر ہے یعنی انہیں جنت میں عزت کے ساتھ رکھنا اس پر کرم اولاد پر کرم ہوتا ہے۔

تفسیر: **قال اخرج منها مذء وما مد حورا** یہ جملہ نیا ہے **قال** کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا تو رب نے بلاواسطہ ابلیس سے یہ فرمایا یا فرشتے کے ذریعہ سے چونکہ مقبول بندے کا کلام و کام رب تعالیٰ کا ہی کلام و کام ہوتا ہے اس لئے فرشتے کے کلام کو رب نے اپنی طرف نسبت کی کہ رب نے فرمایا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ شیطان و کفار سے پیار و محبت کرم کا کلام نہیں فرماتا۔ قہر و غضب کا کلام فرماتا ہے لہٰذا یہ آیت **لا یکلمهم الله** کے خلاف نہیں۔ **فیها** میں **ها** کا مرجع وہی جماعت ملائکہ یا جنت یا آسمان یا بارگاہ الٰہی ہے۔ بار بار **اخرج** فرمانا اس کو ذلیل کرنے کے لئے ہے یہ نکل جانے کا تیسرا حکم ہے گویا بار بار فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں سے نکل جا۔ باتیں نہ بنا اور ہو سکتا ہے کہ پہلی بار میں جنت سے نکالا گیا دوسری بار میں جماعت ملائکہ سے تیسری بار میں آسمانوں سے یا اس جگہ سے جہاں سے باتیں کر رہا تھا۔ مذءوم بنا ہے ذءم سے بمعنی بدترین عیب' مذءوم بڑا سخت عیبی ہے۔ مدحور بنا ہے دحر سے بمعنی طرد (نکالنا) دور کرنا۔ لعنت کرنا' پھٹکارنا سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ مدحور بمعنی ممقوت ہے سخت ناراض۔ یعنی اب تو یہاں سے اس حالت میں نکل جا کہ تو نہ عابد ہے نہ ساجد نہ مومن نہ عزت والا نہ عمدہ صفات والا بلکہ سخت عیبی اور ہماری بارگاہ سے یا ہر جگہ سے دھتکارا ہوا کہ عمر بھر مخلوق کی لعنت کھاتا پھرے گا تجھے کہیں ٹھکانہ نہیں ملے گا یہاں تک تو دنیاوی تین سزاؤں کا ذکر ہوا آسمانوں سے نکالا جانا۔ اس وقت دھتکارا جانا۔ تاقیامت پھٹکارا جانا اب اس اخروی ایک سزا کا ذکر ہے۔ جس سزا میں اس کے پیروکار بھی شریک ہیں کہ ارشاد ہوا **لمن تبعک منهم** اس فرمان عالی میں اس کے اخروی انجام کا بھی ذکر ہے اور اس کے متبعین انسانوں کے نتیجہ کا بھی ذکر من سے مراد اولاد آدم علیہ السلام ہے کہ یہاں انہیں کا ذکر ہے تبع بنا ہے تبع سے بمعنی کسی کے نقش قدم پر چلنا اتباع اطاعت کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے **منهم** میں **هم** کا مرجع بھی انسان ہیں یعنی اگرچہ سارے انسان خلیفۃ اللہ مسجود ملائکہ کی اولاد ہوں گے لیکن جو بھی ان میں سے تیرے نشان قدم پر چلے گا تیرے جیسے کام کرے گا تو وہ اپنی ساری شرافتیں کھو دے گا اور اس کا انجام یہ ہو گا۔ خیال رہے کہ یہاں اتباع سے مراد عقیدوں' تکبر نبی پر حسد میں شیطان کی اتباع ہے کیونکہ جو مسلمان بد عملیوں میں شیطان کی اتباع کریں ان سے دوزخ بھری نہ جاوے گی بلکہ وہ دوزخ میں کچھ روز رکھ کر صاف کئے جائیں گے پھر وہاں سے نکال کر جنت میں بھیج دیئے جائیں گے کہ **لاملئن جهنم منکم اجمعین** وہ سب تیری ذریت میں شمار ہوں گے اور جو تیرا انجام ہو گا وہی ان سب کا ہو گا کہ تم سب کو ہمیشہ کے لئے دوزخ میں ٹھونس دیا جاوے گا۔ **جهنم** اصل میں تھا چاہ نم یعنی گہرا کنواں اس سے بنا جہنم علماء فرماتے ہیں کہ **منکم** میں خطاب ابلیس سے بھی ہے' اس کی اولاد یعنی شیاطین جن سے بھی اور اس کے پیروکار انسانوں سے بھی' دوزخ ان سب سے ہی بھر جاوے گی۔ اس کے بعد ابلیس کو نکال دیا گیا آدم علیہ السلام جنت میں نہایت عزت و احترام سے رہنے سہنے لگے اور آپ کا دل لگانے کے لئے حضرت حوا آپ کی بائیں پسلی سے پیدا کی گئیں پھر رب نے ان دونوں سے فرمایا **ویادم اسکن انت وزوجک الجنته** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ عاطفہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے اس فرمان میں یا ندائی ہے اور ندا کرم کے لئے ہے۔ خیال رہے کہ ندا کے پانچ مقصد ہوتے ہیں غافل کو جگانا اظہار کرم' اظہار غضب' کرم و فضل حاصل کرنا حضرات انبیاء کرام کو ندا اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے اور ہمارا رب کو پکارنا اس کا فضل و کرم حاصل کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھو کہ آدم علیہ السلام سے یہ خطاب شیطان کے نکالے جانے کے عرصہ بعد ہوا جبکہ حوا بھی پیدا ہو چکی تھیں۔ سجدہ کے وقت حضرت حوا پیدا نہ ہوئی تھیں چونکہ رہنے سہنے میں مرد اصل ہوتا ہے بی بی اس کے تابع یعنی بیوی کو خاوند کی وجہ سے اس جگہ رہنا پڑتا ہے

جہاں خاوند رہے اس لئے **اسکن** واحد حاضر فرمایا جس میں صرف آدم علیہ السلام سے خطاب ہے اور **زوجک** معطوف کرکے بیان فرمایا **اسکنا** تثنیہ نہ فرمایا۔ نیز اس وقت آدم علیہ السلام کو جنت میں صرف رہنے سہنے اور پھل فروٹ کھانے کی اجازت تھی حوروں وغیرہ کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہ تھی اس لئے آپ کے لئے جناب حوا کو پیدا کیا گیا اور صرف انہیں کو بیوی فرمایا گیا' حوریں تو قیامت کے بعد جنتیوں کی بیویاں بنیں گی۔ زوج کے معنی ہیں جوڑا یہ خاوند بیوی دونوں پر بولا جاتا ہے یہاں زوج بمعنی بیوی ہے کہ اسے حضرت آدم کی طرف نسبت کیا گیا ہے جنت سے مراد یہی معروف و مشہور جنت ہے جہاں نیک لوگ جزاء کے لئے داخل ہوں گے نہ تو کوئی زمینی باغ مراد ہے نہ آسمان پر کوئی آرام کی جگہ مراد۔ ہم اس کی تحقیق پہلے پارے میں کرچکے ہیں۔ حضرت آدم کا نکاح جناب حوا سے جنت میں ہوا ان کا مہر تھا نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا۔ جناب حوا کی پیدائش بھی جنت میں ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نعمت کا واسطہ عظمیٰ ہیں (تفسیر صاوی) **فکلا من حیث شئتما** یہ عبارت معطوف ہے **اسکن** الخ پر چونکہ کھانے میں خاوند بیوی یکساں حق دار ہوتے ہیں کوئی کسی کا تابع نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں **کلا** تثنیہ ارشاد ہوا پہلے کی طرح یہ نہ فرمایا **کل** **کلا انت و زوجک** یہاں کھانے سے مراد ہے پھل فروٹ کھانا نہ کہ دانہ روٹی وغیرہ غذائیں کھانا کیونکہ جنت میں نہ بھوک ہے نہ اس کے دفع کرنے کے لئے غذائیں نہ وہاں بیماریاں ہیں نہ ان کے دفع کرنے کے لئے دوائیں چونکہ اس وقت ان دونوں بزرگوں کو کھانے کی بھی اجازت تھی اس لئے رہنے کے ساتھ کھانے کا بھی ذکر ہوا اور ہر جگہ جانے آنے چلنے پھرنے کا بھی کہ فرمایا **من حیث شئتما**۔ خیال رہے کہ **اسکن** اور اسی طرح **فکلا** دونوں حکم اباحت اور اجازت کے لئے ہیں یہ حکم شرعی یا وجوب کے لئے نہ تھے یعنی تم کو اجازت ہے۔ کھانے میں پینا بھی داخل ہے کہ یہ کھانے کے تابع ہے غرضیکہ انہیں تین چیزوں کی اجازت دی گئی رہنا' کھانا' پینا حوروں کو ہاتھ لگانے کی اجازت نہیں کھانے میں کچھ پابندی لگادی گئی یعنی جہاں چاہو جنت میں پھرو اور جہاں سے جو چاہو کھاؤ پیو لیکن **ولا تقربا هذه الشجرة** یہ درخت جو تم دونوں کو دکھایا جارہا ہے اس کا پھل کھانا تو کیا اس کے پاس بھی نہ جانا۔ یہ ممانعت شرعی ہے حرام فرمانے کے لئے۔ چونکہ ان دونوں بزرگوں کا اس وقت جنت میں رہنا ثواب کے طور پر نہ تھا اس لئے اس وقت ان پر شرعی احکام جاری فرمائے گئے اور اس وقت وہ نقصان دہ درخت بھی وہاں موجود تھا۔ پھر جب مومنین جنت میں ثواب کے لئے جائیں گے تو نہ وہ درخت وہاں ہوگا نہ کسی قسم کی ممانعت بلکہ حضرت آدم کے جنت سے آنے پر وہ درخت بھی وہاں سے نکال دیا گیا اب جو شہداء کی روحیں وہاں رہتی ہیں انہیں کھانے پینے کی کھلی اجازت ہوتی ہے کوئی روک ٹوک ان پر نہیں ہوتی۔ **یرزقون فرحین بما اتاهم الله من فضله** معلوم ہوا کہ وہ درخت ممنوعہ اب وہاں ہے ہی نہیں۔ وہ درخت کونسا تھا گندم یا انجیر یا زیتون اس کی تحقیق پہلے پارہ میں ہوچکی ہے۔ بہرحال جو درخت وہاں سے نکالا گیا تھا وہ اب دنیا میں بہار دکھا رہا ہے کہ گندم پر دنیا آباد ہے **فتکونا من الظالمین** یہ عبارت یا تو **لا تقربا** پر معطوف ہے۔ اور حالت جزم میں ہے لہذا ف عاطفہ ہے یا یہ اس نہی کا جواب ہے اور حالت نصب میں ہے ف بمعنی ورنہ (روح المعانی) چونکہ اسی درخت کے پاس جانے اس سے کھانے کا دونوں کو یکساں نقصان تھا اس لئے **فتکونا** تثنیہ ارشاد ہوا یہاں ظالم بمعنی کافر نہیں کیونکہ کفر ہوتا ہے فساد عقیدہ سے نہ بمعنی گنہگار ہے کیونکہ حضرات انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں اور اولیاء اللہ محفوظ بلکہ بمعنی خطا کار ہے یعنی اگر تم اس درخت کے پاس گئے اس کا پھل کھایا تو تم سخت خطا کار ہوؤ گے۔

خلاصہ ء تفسیر: جب ابلیس اپنا ارادہ فاسدہ رب سے عرض کر چکا تو رب تعالیٰ نے بطور عتاب اس سے فرمایا کہ تو بکواس نہ کر یہاں سے نکلنے والی بات کر یہاں سے عیبی ہو کر نکل کہ اب تو نہ مومن ہے نہ عابد نہ عارف بلکہ اب تو کافر ہے خبیث ہے اور دنیا میں ذلیل پھرتا پھر کہ ہر جگہ سے پھٹکار کھاتا ہوا مارا مارا پھر تو اور تیری اولاد اور تیرے اتباع کرنے والے انسان ان سب سے دوزخ بھروں گا۔ پھر حضرت آدم جنت میں رہنے سہنے لگے اور شیطان نکال دیا گیا۔ پھر رب نے ان دونوں سے فرمایا کہ اے آدم تم اور تمہاری زوجہ حوا جنت میں رہو جنت کے پھل فروٹ جہاں سے چاہو کھاؤ ہر جگہ کی سیر کرو ہر چیز کھانا مگر اس درخت کو پہچان لو اس کو کھانا تو کیا اس کے قریب بھی نہ جانا ورنہ تم دونوں خطاکاروں میں سے ہو جاؤ گے اور جنت خطاکاروں کی جگہ نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں چند تحقیق ہیں (1) جناب حوا کیسے پیدا ہوئیں۔ (2) جہاں ان دونوں حضرات کو رکھا گیا وہ یہی مشہور جنت ہے جہاں بعد قیامت مومن رہیں گے یا آسمان یا زمین میں کوئی اور باغ تھا۔ (3) یہ فرمان کہ تم دونوں یہاں کھاؤ یہ حکم اباحت کا تھا یہ وجوب کا۔ (4) اس درخت کے قریب نہ جانا یہ ممانعت تنزیہی تھی یا حرام کرنے کی۔ (5) وہ درخت کس چیز کا تھا۔ (6) ان کا اس درخت سے کھالینا گناہ تھا یا خطا اور کس درجہ کی خطا تھی۔ (7) **فتکونا من الظالمین** میں ظالم سے کیا مراد ہے۔ (8) یہ واقعہ جناب آدم کی نبوت سے پہلے کا ہے یا بعد کا۔ یہ سب چیزیں سورہ بقرہ میں بیان ہو چکیں۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سارے گناہوں سے بدتر گناہ تمام کفروں سے بدترین کفر نبی کی دشمنی ہے ابلیس باوجود عالم عابد ہونے کے اس قدر ذلیل و خوار کیوں ہوا صرف حضرت آدم علیہ السلام کی دشمنی کی وجہ سے یہ فائدہ **مذءوما مدحورا** " سے حاصل ہوا۔ دنیا میں بعض لوگوں نے خدائی کا دعویٰ کیا مگر وہ شیطان کے برابر مردود نہ ہوئے اس کے بعد نمبر دو میں رہے۔ اور رب تعالیٰ کی نافرمانی سجدہ نہ کرنا تو عام گنہگاروں میں ہے مگر یہ ذلت و خواری صرف ابلیس کو ملی اس سے بارگاہ نبوت کے گستاخوں کو سبق لینا چاہئے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

ادب گاہے است زیر آسماں از عرش نازک تر نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا!

دوسرا فائدہ: دنیا میں بدنامی' پھٹکار یعنی طعن خدا تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ مذءوما "مدحورا" سے حاصل ہوا یونہی ذکر خیر' اچھا چرچہ اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی **واجعل لی لسان صدق فی الاخرین** خدایا آئندہ لوگوں میں میرا ذکر خیر رہے آپ کی اس دعا کی برکت ہے کہ تمام دین والے عیسائی' یہودی' مسلمان وغیرہم آپ کا ادب کرتے ہیں اور درود ابراہیمی میں آپ کا نام آتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی اللہ کا غضب آہستگی سے آتا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے شیطان کو پہلے جنت سے نکالا' پھر گروہ ملائکہ سے' پھر آسمانوں سے۔ لہٰذا انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال پر نگاہ رکھے اگر شیطان نے آج نوافل چھوڑوا دیئے تو کل فرائض بھی چھوڑوا دے گا۔ **چوتھا فائدہ:** تمام گناہوں کی جڑ حسد ہے خصوصاً" نبی پر حسد دیکھو سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے مگر شیطان کو اس کے نفس اور حسد نے گمراہ کیا حسد کی آگ نیکیوں کو بھسم کر دیتی ہے' عشق رسول کی آگ گناہوں کو جلا ڈالتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** دوزخ میں ابلیس اور اس کے اتباع کرنے والے جنات و انسان سب ہی جائیں گے یہ فائدہ **لاملئن جھنم** الخ سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کا دوزخ میں جانا عارضی نہ ہو گا بلکہ دائمی ہو گا کہ پھر وہاں سے کبھی نہ نکلیں گے۔ یہ فائدہ بھی لاملئن الخ سے حاصل ہوا کہ ان سے دوزخ بھرنا مقصود ہے نہ کہ دوزخ کے ذریعہ انہیں گناہوں سے پاک کرنا۔ **ساتواں فائدہ:** اس وقت حضرت آدم و حوا کا جنت میں رہنا عارضی تھا وہاں یہ کہہ کر انہیں دنیا کو

آباد کاری کا طریقہ سکھانے کے لئے دائمی نہ تھا۔ یہ فائدہ **اسکن انت وز وجک** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اس زمانہ ءِ قیام میں جناب حواء کے اولاد کوئی پیدا نہ ہوئی ساری اولاد زمین پر آکر پیدا ہوئی یہ فائدہ بھی **اسکن انت ز وجک** سے حاصل ہوا کہ وہاں صرف ان صاحبوں کو جنت میں رکھا گیا نہ کہ ان کی اولاد کو۔ **نواں فائدہ:** جنت کے میوے پیدا ہو چکے ہیں جو حضرت آدم و حوا نے کھائے بلکہ جناب مریم نے دنیا میں رہ کر کھائے **وجد عندها رز قا** ۔ یونہی وہاں کے مکانات بھی بنائے جا چکے ہیں۔ یہ فائدہ **اسکن انت** سے اور **فکلا منها** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جنت کی حوریں غلمان بعد قیامت ملیں گے اس وقت آدم علیہ السلام کو ان سے خدمت لینے کی اجازت نہ تھی۔ یہ فائدہ بھی **فکلا منها** سے حاصل ہوا کہ صرف کھانے کی اجازت دی گئی۔ **گیارھواں فائدہ:** چونکہ یہ دونوں حضرات اس وقت جنت میں ثواب کے لئے نہیں گئے تھے اس لئے ان پر شرعی احکام جاری ہوئے کہ یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ جب ثواب کے لئے وہاں داخلہ ہو گا تب یہ کچھ نہ ہو گا۔ یہ فائدہ **ولا تقربا هذه الشجرة** سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ:** ظالم صرف کافر ہی کو نہیں کہتے بلکہ خطاکار کو بھی کہتے ہیں یہ فائدہ **فتکونا من الظالمین** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ حضرت آدم و حواء سے ایک خطاء ہوئی تھی ان کے عقیدے نہیں بگڑے تھے مگر انہیں ظالمین کہا گیا۔

پہلا اعتراض: ابلیس اور اس کی ذریت آگ کی مخلوق ہے پھر انہیں دوزخ میں تکلیف کیا ہو گی انہیں دوزخ میں رکھنا محض بیکار ہو گا وہ تو آگ آگ سے مل جاوے گی۔ (ستیارتھ پرکاش) **جواب:** جیسے انسان کی پیدائش مٹی سے ہے مگر اسے ڈھیلے یا اینٹ لگ جانے سے تکلیف ہو جاتی ہے ایسے ہی ابلیس وغیرہم کو آگ لگ جانے سے تکلیف ہو گی۔ **دوسرا اعتراض:** مذءوم اور مدحور دونوں کے معنی ذلیل و خوار ہیں پھر ایک لفظ ہی کافی تھا دو لفظ کیوں ارشاد ہوئے۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہیں۔ آسان جواب یہ ہے کہ مذءوم سے مراد ہے فی الحال فرشتوں میں ذلیل اور مدحور سے مراد ہے آئندہ تمام انسان و جنات میں ذلیل و خوار۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں حضرت آدم و حوا کو دو حکم دیئے گئے۔ جنت میں رہنا وہاں کے میوے کھانا مگر ان دونوں کے طریقہ بیان مختلف ہیں سکونت کے لئے ارشاد ہوا **اسکن انت و ز وجک** یہاں **اسکنا** تثنیہ نہیں فرمایا اور کھانے کے لئے **فکلا** تثنیہ ارشاد ہوا اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے۔ **جواب:** اس کی حکمت ابھی تفسیر میں عرض کر دی گئی کہ سکونت میں مرد اصل ہے اس کی بیوی اس کے تابع ہے۔ مگر کھانے میں دونوں برابر کے حقدار اس لئے طرز بیان میں فرق بیان ہوا۔ **چوتھا اعتراض:** جنت میں احکام شرعیہ جاری نہ ہونگے پھر ان دونوں حضرات پر یہ ممانعت کیوں جاری کی گئی کہ **لا تقربا هذه الشجرة** **جواب:** جی ہاں آئندہ جاری نہ ہونگے۔ جب وہاں ثواب جزاء کے لئے جانا ہو گا اس وقت ان بزرگوں کا وہاں رہنا سہنا ثواب کے لئے نہ تھا لہذا حکم شرعی جاری ہو گئے۔ خیال رہے کہ وہاں پردہ 'حیا' شرم خود طبعی طور پر ہو گی شرعی احکام کی بنا پر نہ ہو گی۔ **پانچواں اعتراض:** جس درخت سے جناب آدم و حوا کو روکا گیا تھا وہ آئندہ بھی جنت میں ہو گا یا نہیں اگر ہو گا تو اس کے پاس جانے کی ممانعت ہو گی یا نہیں تو کیوں اگر ہو گی تو پھر شرعی احکام بھی جاری ہونگے۔ **جواب:** حق یہ ہے کہ وہ درخت یعنی گندم حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ہی زمین پر بھیج دیا گیا اور اس کی کاشت کرا کر اسے ان کی اولاد کی غذا مقرر فرمایا گیا۔ آئندہ وہاں یہ نہ ہو گا کہ وہاں پھل ہوں گے دانہ نہ ہوں گے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اس درخت کا کھانے والا ظالم یعنی کافر ہے اور ظاہر ہے کہ ان دونوں حضرات نے گندم کھایا تو یقیناً وہ بھی ایمان سے

خارج ہوئے تو نہ نبی معصوم ہیں نہ ولی محفوظ (بعض بیدین)۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں ظلم بمعنی کفر نہیں بلکہ بمعنی خطا ہے۔ کفر عقیدے کے بگڑنے سے ہوتا ہے اور گناہ میں عمد و ارادہ شرط ہے ان دونوں کی صفائی قرآن مجید بیان فرما رہا ہے **فنسی و لم نجد له عزما**"۔ **ساتواں اعتراض:** (1) وہ جنت جس میں حضرت آدم کو رکھا گیا وہ فلسطین کا ایک باغ تھا۔ جو کسی نے لگایا تھا یہ مشہور جنت نہیں چند وجہ سے ایک یہ کہ اس جنت میں نیند نہیں مگر آدم علیہ السلام کو وہاں نیند آئی کہ سوتے میں حضرت حوا آپ کی پسلی سے بنائی گئیں۔ (2) جنت میں دانہ نہیں صرف پھل ہیں مگر وہاں دانہ بھی تھا یعنی گندم جس سے آپ کو روکا گیا۔ (3) یہ کہ جنت سے نکلنا نہیں مگر آپ کو وہاں سے باہر کیا گیا۔ رب فرماتا ہے **خالدین فیھا** (4) یہ کہ وہاں شرعی احکام نہیں مگر حضرت کو شرعی احکام کا مکلف کیا گیا کہ یہ کھاؤ یہ نہ کھاؤ۔ (5) یہ کہ اس وقت جنت کی ضرورت کیا تھی اس کی ضرورت تو بعد قیامت ہو گی۔ جب سزا جزا کا وقت ہو گا (مرزائی، چکڑالوی)۔ **جواب:** ان تمام اعتراضات کے جوابات ہم تفصیل سے پہلے پارہ میں دے چکے ہیں جہاں یہ واقعہ مذکور ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ آدم علیہ السلام سے پہلے نہ تو کوئی انسان تھا نہ کسی نے کوئی باغ پھل کھیت لگائے تھے اگر ایسا تھا تو بتاؤ حضرت آدم نے یہ باغ کرایہ پر لیا یا رعایت کے طور پر کتنے دن کے لئے کس کرایہ پر تھا اور جب وہاں سے اترے تو کس شکل میں کرایہ ادا کیا نہ وہ خود رو باغ تھا ورنہ بتاؤ وہ باغ کہاں گیا اگر ہو گا تو صرف جھڑبیری (کوکنی) کے بیر ہونگے جن کے جھنڈ آج بھی دیکھے جاتے ہیں پھر قدرتی باغ میں رہنے سہنے کے مکانات کہاں ہوتے ہیں جنت اتنے پہلے کیوں پیدا ہوئی اور تاقیامت اس سے کیا کام لئے جا رہے ہیں اس کی تفصیل پہلے پارہ کی تفسیر میں دیکھو۔ ذکر کردہ احکام جب ہوں گے جب وہاں داخلہ جزا و ثواب کے لئے ہو گا اس وقت آپ کا داخلہ صرف ٹریننگ کے لئے تھا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو رب تعالیٰ نے تین قسم کی زندگیاں عطا فرمائی ہیں۔ دنیاوی زندگی، برزخی زندگی، اخروی زندگی، دنیاوی زندگی نفی و اثبات سے قائم ہے خواہ جسمانی زندگی ہو یا روحانی زندگی یا جناتی زندگی، غذا، لباس، دوا وغیرہ تمام چیزیں نفی و اثبات کا مجموعہ ہیں زہر نہ کھاؤ شہد کھاؤ گرمیوں میں گرم لباس اور سردی میں ٹھنڈے لباس نہ پہنو، ریشم نہیں ململ پہنو، رمضان میں دن میں نہ کھاؤ رات میں کھاؤ، بیمار ہو جاؤ تو فلاں دوا کھاؤ فلاں بدپرہیزی نہ کرو، مونگ کی دال کھاؤ بڑا گوشت نہ کھاؤ وغیرہ۔ یونہی روحانی زندگی کا حال ہے سور نہ کھاؤ، بکری کھاؤ، حرام نہ پیو حلال پیو، ناجائز نہ بولو جائز بولو غرضیکہ نفی و اثبات کا یہ سلسلہ ہر جگہ قائم ملے گا۔ برزخی اور اخروی زندگی میں صرف اثبات ہے نفی نہیں وجہ یہ ہے کہ دنیاوی زندگی میں انسان کے پاس نفس بھی ہے برائیوں کی طرف راغب ہے دل خوبیوں کا شیدائی مرتے ہی نفس ختم کر دیا جاتا ہے دل ہی دل رہ جاتا ہے حضرت آدم و حواء کی وہ جنتی زندگی دنیاوی زندگی تھی اس لئے وہاں ان سے **کلا** یعنی کھاؤ بھی فرمایا گیا۔ اور **لا تقربا** یعنی قریب نہ جاؤ بھی ارشاد ہوا بعد قیامت جنت میں مومن کی زندگی اخروی ہو گی لہٰذا وہاں ممانعت اور نفی کی ضرورت ہی نہ رہے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندہ جب اس میں اپنی انا کو فنا کر دیتا ہے تو اس کے لئے بھی اثبات ہی رہ جاتا ہے نفی خود منفی ہو جاتی ہے۔ حضرت عثمان غنی سے فرما دیا گیا۔ جو چاہو کرو تم جنتی ہو گئے مرغوب نفس کی نفی ہوتی ہے مرغوب دل کا اثبات جب نفس نفس ہی نہ رہا تو اس کا مرغوب کہاں رہا اور اب نفی کس چیز کی ہو۔ یہ آیت کریمہ طریقت کا دریا پیدا کنار ہے ابھی حضرت آدم علیہ السلام کی خلافت کا ظہور نہ ہوا تھا اس لئے فرمایا گیا **من حیث شئتما** خلافت و نبوت کے ظہور پر حضرت آدم کی مشیت رب کی مشیت میں فنا ہو گئی۔

فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا مَا وٗرِيَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا

بس وسوسہ ڈال دیا ان کے واسطے شیطان نے تاکہ ظاہر کردے واسطے ان دونوں کے وہ جو چھپائی گئی تھیں ان سے انکی

پھر شیطان نے ان کے جی میں خطرہ ڈالا کہ ان پر کھول دے شرم کی چیزیں جو ان سے چھپی تھیں

وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ

چھپی چیزیں اور بولا کہ نہیں منع کیا تم دونوں کو رب نے تمہارے اس درخت سے مگر یہ کہ ہو جاؤ تم دونوں

اور بولا نہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لئے منع فرمایا کہ کہیں دو فرشتے

اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۲۱﴾

فرشتے یا ہو جاؤ تم دونوں ہمیشگی والوں سے اور قسم کھائی ان دونوں سے کہ بیشک واسطے تم دونوں کے خیر خواہوں میں سے ہوں

ہو جاؤ یا ہمیشہ جینے والے اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں

تعلق: ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے ایک برے ارادہ اور اس کے قول کا ذکر تھا اب اس مردود کے اس قول پر عمل کی ابتداء کا ذکر ہے کہ اس نے جو کہا تھا اس پر عمل وہاں ہی شروع کر دیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کہا گیا تھا کہ ابلیس نے کہا کہ میں سارے انسانوں کو بہکاؤں گا ہر طرح بہکاؤنگا۔ جیسے بھی موقعہ پاؤں گا اس کے متعلق شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید وہ اولاد آدم کو بہکائے گا۔ خود حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکا نہیں دے گا۔ اب اس شبہ کو دور کیا جا رہا ہے کہ اس مردود نے اپنے کام کی ابتداء خود آدم علیہ السلام سے ہی کی لہٰذا کوئی کسی وقت اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے اگرچہ اس کے بہکانے میں فرق ہے بعض کو بہکا کر کافر کر دیتا ہے۔ بعض کو دھوکہ دے کر تکلیف میں ڈال دیتا ہے مگر ملتا کہیں نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ابلیس کا قول اجمالی نقل فرمایا گیا تھا کہ میں انسانوں کے آگے پیچھے دائیں بائیں سے آؤں گا۔ اب اس کی آمد کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دیکھو وہ مولویوں میں مولوی بن کر صوفیوں میں صوفی بن کر غرضیکہ جس کے پاس جاتا ہے نئے روپ میں جاتا ہے یہ سروپیا ہر روپ بھر لیتا ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام کے پاس خیر خواہ بن کر پہنچا گویا یا آیتیں گذشتہ آیتوں کے اجمال کی تفصیل ہیں۔

تفسیر: **فوسوس لهما الشیطن** یہاں ف بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے کیونکہ ابلیس کے نکالے جانے اور اس واقعہ کے درمیان بہت مدت کا فاصلہ ہے۔ مگر چونکہ وہ مدت آپ کو بہت تھوڑی محسوس ہوئی اس لئے ف ارشاد ہوا یعنی احساس کے لحاظ سے فوراً۔ خیال رہے کہ جنت کے قیام کا زمانہ آپ کی عمر میں شمار نہیں زمین پر تشریف لانے کے بعد سے آپ کی عمر شروع ہوئی ایک ہزار سال عمر ہوئی۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانی قیام کا زمانہ یا ادریس علیہ السلام کے جنت میں ٹھہرنے کا زمانہ ان کی عمروں میں شمار نہیں۔ **وسوسہ** کے لغوی معنی ہیں ہلکی اور مسلسل آواز اس لئے عورتوں کے زیور کی ہلکی آواز کو وسوسہ کہا جاتا ہے' اصطلاح میں وہ برے خیالات وسوسہ کہلاتے ہیں جو شیطان کی طرف سے انسان کے دل میں آئیں (خازن' کبیر وغیرہ) جیسے اچھے خیالات جو فرشتے کی طرف سے دل میں آئیں انہیں الہام کہا جاتا ہے **لهما** کا لام بمعنی الی ہے **هما** کا

مرجع حضرت آدم و حوا ہیں مردود ہونے سے پہلے شیطان کا نام ابلیس تھا۔ پھر مردود ہو جانے پر اس کا لقب شیطان ہوا۔ چونکہ یہ واقعہ اس کی مردودیت کے بعد کا ہے لہٰذا یہاں شیطان فرمایا گیا اس میں گفتگو ہے کہ شیطان تو جنت سے نکالا جا چکا تھا اور یہ دونوں حضرات جنت میں تھے پھر اس نے ان دونوں حضرات کو وسوسہ کیونکر دے دیا۔ اس کے متعلق تین قول ہیں ایک یہ کہ شیطان زمین پر رہ کر آسمانوں بلکہ وہاں سے بھی وراء وسوسہ ڈال سکتا ہے شیطان اپنی جگہ رہا مگر جنت میں اس نے اپنا کام کر دیا۔ دوسرے یہ کہ جنت کے دروازے کے باہر شیطان رہا وہ دونوں حضرات سیر کرتے ہوئے جنت کے دروازے پر پہنچے اس مردود نے بیرون دروازہ سے ان سے کلام کیا اور دل میں وسوسہ ڈالا۔ تیسرے یہ کہ ابھی تک جنت میں شیطان کا داخلہ بند نہیں ہوا تھا صرف رہنا سہنا بند ہوا تھا وہ چوری چھپے وہاں پہنچ جایا کرتا تھا اس لئے وہ جنت ہی میں پہنچا اور ان دونوں بزرگوں سے کلام کیا وسوسہ بھی ڈالا اس کی پوری تفصیل ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ بہرحال شیطان نے ان دونوں حضرات پر داؤ چلا دیا۔ **لیبدی لھما ما ووری عنھما من سواتھما** اس عبارت میں لام بمعنی کے ہے اور اس کے اس کے وسوسہ کے انجام کا ذکر کیا گیا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں نے چوری کی جیل جانے کے لئے کیونکہ شیطان نے یہ حرکت ان حضرات کو جنت سے نکالنے کے لئے کی تھی نہ کہ صرف برہنہ کرنے کے لئے چونکہ وہاں سے نکالنا برہنگی کے بعد ہوا لہٰذا اسے بھی نتیجہ کے طور پر بیان فرمایا گیا **یبدی** بنا ہے **ابداء** سے بمعنی ظاہر کرنا کھولنا اس کا فاعل وہی ابلیس ہے **لھما** کا مرجع حضرت آدم و حوا ہیں یہ دونوں حضرات بہت پردہ اور ستر کے ساتھ جنت میں رہتے تھے کبھی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہ ہوئے تھے اگرچہ خاوند بیوی تھے صحبت اور چیز ہے برہنگی کچھ اور چیز **ما** سے مراد ہے۔ ستر (تنکیر) اور اس سے مراد ہے ستر فاحش جو بلا ضرورت اکیلے میں کھولنا بھی اچھا نہیں **وری** بنا ہے مواراۃ سے جس کا مادہ ہے وری بمعنی چھپنا یا چھپانا عنھما میں **ھما** کا مرجع وہی حضرت آدم و حواء ہیں اور **من سواتھما** میں **من** بیانیہ ہے یہ **ما** کا بیان ہے سوآت جمع ہے **سوءا** کی بمعنی بری چیز یعنی وہ جس کا ظاہر ہونا برا محسوس ہو جسے انسان چھپانا چاہے قرآن مجید میں ہابیل کی لاش کو **سوءا** فرمایا گیا۔ چھپے عیوب کو **سوءا** کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے بدن کا وہ حصہ جس کا کھلنا برا معلوم ہوتا ہے۔ حضرت آدم و حوا کا لباس کیا تھا اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں یا تو نورانی جنتی لباس تھا۔ یا ناخن سارے جسم کا لباس تھا جو اب صرف انگلیوں کے پوروں پر رہ گیا ہے مگر یہ بہت سخت ہے وہ نہایت نرم اور خوشنما تھا وہ حضرات گندم کھاتے ہی اس لباس سے علیحدہ ہو گئے اور ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نظر آنے لگے جس سے ان کو سخت تکلیف ہوئی یہاں اس طرف اشارہ ہے **قال ما نھا کما ربکما عن ھذہ الشجرۃ** یہ عبارت وسوس پر معطوف ہے اور اس کا بیان ہے یعنی اس نے یہ کہہ کر ان دونوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالا (روح المعانی) اگر ابلیس نے ان حضرات سے ملاقات کی تھی تب تو **قال** اپنے ظاہری معنی پر ہے اور اگر ملاقات نہیں کی تھی آپ دونوں جنت میں رہے وہ خبیث ہزاروں کوس جنت سے دور رہا تو **قال** سے مراد ہے **القا فی النفس** یعنی ان دونوں کے دل میں یہ بات ایسے ڈالی کہ وہ کہہ ہی رہا ہے **ما نھا کما** میں رب تعالیٰ کی ممانعت کی نفی نہیں بلکہ اس ممانعت کے دوام کی نفی ہے یعنی وہ ممانعت ربانی ہمیشہ کے لئے نہ تھی بلکہ اس وقت کے لئے تھی جسے اب کافی عرصہ گزر چکا **ربکما** کہہ کر اس مردود نے یہ بتایا کہ تم دونوں اس کے مربوب بندے ہو وہ ہے تمہارا رب پالنے والا اور پالنے والا غذائیں دوائیں وقت کے مطابق اپنے پروردوں کو دیتا ہے آج ایک غذا سے منع کرتا ہے کچھ عرصہ بعد اس کی اجازت دیتا ہے **ھذہ الشجرۃ** میں اشارہ اس ممنوعہ درخت کی طرف ہے **الا ان**

تکونا ملکین او تکونا من الخالدین یہ عبارت **ما نھا کما** سے استثناء ہے یا تو ان سے پہلے کراہتہ پوشیدہ ہے یا ان کے بعد لا پوشیدہ ہے **ملکین** سے مراد ہے جنس فرشتہ یا فرشتے کے سے اوصاف والا بندہ کہ کھانے پینے سے بے نیاز ہو لمبی اس کی عمر ہو کہ اسے موت قریب قیامت ہی آئے اور **خالدین** سے مراد یہ ہے کہ اسے بالکل موت آئے ہی نہیں جیسے حوریں غلمان اور جنت کی دوسری مخلوق۔ یعنی اس درخت کے پھل میں یہ تاثیر ہے کہ اس کا کھالینے والا بندہ یا تو فرشتہ بن جاتا ہے کہ نہ اسے کھانے پینے کی حاجت ہو نہ جلدی موت آئے یا پھر کبھی اسے موت آئے ہی نہیں ہمیشہ ہمیشہ جنت میں اسی آرام سے رہے۔ جس آرام سے تم دونوں اب یہاں ہو اگر تم نے یہ پھل نہ کھایا تو عنقریب تم کو موت آجاوے گی اور تمہیں یہاں کی نعمتوں سے محروم ہونا پڑے گا اور اے آدم و حوا اس درخت کا پھل بہت قوی ہے جب تم دونوں پیدا ہوئے تھے تو تم تھے کمزور اس وقت تم اسے ہضم نہ کر سکتے تھے اس لئے تم کو رب نے اسی سے اس وقت منع فرمادیا تھا۔ اب تم دونوں ہو گئے قوی اسے بخوبی برداشت اور ہضم کر لو گے لہذا وہ ممانعت بھی باقی نہیں رہی۔ (تفسیر عزیزی پہلا پارہ) اس لئے رب تعالیٰ نے تم سے فرمایا تھا **لا تقربا** یہ نہ کہا تھا کہ **لا تقربا ابدا** یعنی کبھی اس کے قریب نہ جانا۔ اصل دھوکہ اس نے یہ دیا کہ رب تعالیٰ کی ممانعت کو وقتی ممانعت بتایا نہ کہ دائمی۔ خیال رہے کہ بعض قراءتوں میں ملکین لام کے کسرہ سے ہے یعنی تم دونوں یہاں کے بادشاہ بن جاؤ ہمیشہ یہاں راج کرو گے اس قراءۃ کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **ھل ادلک علی شجرۃ الخلد و ملک لا یبلی** ہم نے جو یہ چند باتیں عرض کر دیں وہ خوب یاد رکھی جاویں ورنہ آیت کریمہ اور حضرت آدم علیہ السلام کی عصمت پر سخت اعتراضات وارد ہوں گے جیسا کہ ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں ہم عرض کریں گے **وقاسمھما انی لکما لمن الناصحین** یہ اس مردود کا دوسرا فریب ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی قسم کھائی اور قسم کھا کر کہا کہ میں تم دونوں کا بدخواہ نہیں ہوں بڑا ہی خیر خواہ ہوں۔ وہ حضرات سمجھے کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا لہذا ناممکن ہے کہ یہ شخص ہم سے غلط گوئی اور غلط بیانی کر رہا ہو یہاں ناصحین جمع کہہ کر یہ بتایا کہ جیسے سارے فرشتے وغیرہم تمہارے خیر خواہ ہیں بدخواہ نہیں ایسے ہی میں بھی ان میں سے ایک ہوں تمہارا خیر خواہ۔ بس جناب آدم علیہ السلام یہ بھول گئے کہ رب نے فرمایا **ھو عدو لھما** ابلیس تم دونوں کا دشمن ہے اس مردود کی قسم سے اس کی دشمنی انہیں یاد نہ رہی اس کے متعلق رب تعالیٰ نے فرمایا **فنسی ولم نجد لہ عزما**۔

خلاصہ تفسیر: ان سارے واقعات مذکورہ کے بعد ہوا یہ کہ ابلیس جنت میں حضرت آدم و حواء کے پاس پہنچ ہی گیا اور ان دونوں بزرگوں کے دلوں میں اس نے وسوسہ ڈال ہی دیا جس وسوسہ کا نتیجہ و انجام یہ ہونا تھا کہ وہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو جاویں اس طرح کہ وہ نہ سمجھائیں جس کی پاداش میں اولاً ان کا نوری لباس ان سے اتار لیا جاوے پھر وہ اس طرح زمین پر بھیج دیئے جاویں جیسے جب کسی کو اس کے عہدے سے الگ کرتے ہیں تو پہلے اس کی وردی پٹی داخل دفتر کرا لیتے ہیں پھر علیحدہ کرتے ہیں۔ اس مردود نے وسوسہ اس طرح ڈالا کہ اے آدم و حوا واقعی رب تعالیٰ نے تم دونوں کو اس درخت کے کھانے سے تو کیا اس کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا تھا مگر وہ ممانعت دائمی نہ تھی بلکہ اس وقت خاص کے لئے تھی جب تم میں اس کے ہضم کرنے کی طاقت نہ تھی اب جبکہ تم دونوں قوی و توانا ہو چکے ہو اسے ہضم کر سکتے ہو اس درخت میں تاثیر یہ ہے کہ اس کے کھانے سے انسان یا تو فرشتہ ہی بن جاتا ہے کہ عرصہ تک زندہ رہتا ہے کھانے پینے سے بے نیاز ہو جاتا ہے یا اس جماعت میں سے ہو جاتا ہے جنہیں موت آتی ہی نہیں جیسے حور و غلمان وغیرہم ابھی تم جنت میں مہمان داخل ہو تمہارا قیام یہاں عارضی ہے پھر تم یہاں کے

اصلی دائمی باشندے ہو جاؤ گے تمہاری پیدائش کے وقت تم میں فرشتہ بننے کی برداشت نہ تھی۔ یہ کہہ کر رب تعالیٰ کی قسم کھا کر بولا کہ میں تمہارا بد خواہ نہیں ہوں۔ آدم علیہ السلام کو یہ وہم بھی نہ ہوا کہ کوئی بھی اللہ تعالیٰ کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے اس لئے آ گئے دھوکے میں۔ خیال رہے کہ شیطان کا دھوکہ دو لفظوں میں پوشیدہ ہے ایک **نھا کما** میں کہ وہ ممانعت وقتی تھی۔ دوسرے **ربکما** میں کہ پالنے والا رب بندے کی حالت کے مطابق غذا دیتا ہے اس وقت تم اس غذا کے لائق نہ تھے اب لائق ہو گئے ہو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کوئی شخص کسی جگہ بھی شیطان کے وسوسہ سے محفوظ نہیں جو اپنے کو اس سے محفوظ جانے گا وہی تباہ ہو جاوے گا۔ دیکھو آدم علیہ السلام نبی معصوم تھے اور جنت مقام محفوظ تھی جہاں سے **شیطان** نکالا جا چکا تھا مگر پھر بھی اس مردود نے داؤ مار دیا ہم نہ تو معصوم ہیں نہ دنیا مقام محفوظ ہے ہم کس بنا پر اپنے کو شیطان کی دستبرد سے باہر سمجھیں۔ یہ فائدہ **وقال ما نھا کما** الخ سے حاصل ہوا لہٰذا بری جگہ نہ جاؤ' بروں کے ساتھ نہ بیٹھو' بروں کی کتابیں نہ پڑھو' ان کے جلسوں میں نہ جاؤ' دولت ایمان کی حفاظت کرو۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کو وسوسہ ہو سکتا ہے ہاں ان سے بد عقیدگی یا گناہ سرزد نہیں ہو سکتے وہ حضرات ان دونوں سے معصوم ہیں یہ فائدہ **فوسوس لھما** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بہتر یہی ہے کہ خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں بلکہ بعض بزرگ تو خود اپنا ستر بھی نہیں دیکھتے۔ یہ فائدہ **لیبدی لھما** الخ سے حاصل ہوا۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا۔ بلکہ انسان اکیلے میں بھی ننگا نہ رہے۔ اللہ سے شرم کرے، کاش اس زمانہ کے فیشن ایبل لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ **چوتھا فائدہ:** سب سے پہلا تقیہ ابلیس نے کیا کہ دل میں آدم علیہ السلام کی دشمنی رکھ کر زبان سے ان کی دوستی ظاہر کی اس کا نام تقیہ ہے۔ یہ فائدہ **وقاسمھما** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** سب سے پہلے رب کے نام کی جھوٹی قسم کھانے والا ابلیس ہے یہ فائدہ بھی **قاسمھما** سے حاصل ہوا۔ جھوٹی قسمیں کھانے والا طریقہ ابلیس پر عامل ہے۔ **چھٹا فائدہ:** ہر چکنی چپٹی باتیں کرنے والے پر اعتبار نہ کرو ہر وہ شخص جو بغل میں قرآن دبائے پھرے بات بات پر آیتیں پڑھے' ہر بات میں قرآن کا سہارا لے اس کے فریب میں نہ آجاؤ ایسے لوگ قرآن کو اپنے شکار کے جال کے طور پر استعمال کرتے ہیں ہر چمکتی چیز سونا نہیں۔ یہ فائدہ بھی **وقاسمھما** الخ سے حاصل ہوا اس مردود نے اللہ کے نام سے ہی ان دونوں بزرگوں کو دھوکہ دیا۔ **ساتواں فائدہ:** ابلیس شرعی احکام سے بخوبی واقف ہے عقلی نقلی دلائل کا استاد ہے۔ دیکھو اس نے حضرت آدم و حوا کو ممانعت الٰہیہ کے کیسے معنی سمجھائے اور **ربکما** سے کیسا دھوکہ دیا نقلاً" عقلاً" ہر طرح فریب دیا یہ فائدہ **ما نھا کما** سے اور **ربکما** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بعض مخلوق ابدی ہے جسے کبھی فنا نہیں جیسے حور' غلمان' جنت کی نعمتیں اور خود جنت مگر رب کے سوا ازلی کوئی نہیں۔ سب اس کی مخلوق ہیں نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ یہ فائدہ **من الخالدین** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ جو کسی چیز کو ازلی مانے رب کے سوا وہ مشرک ہے۔ ازلی وہ جو ہمیشہ سے ہو ابدی وہ جو ہمیشہ رہے۔ ازلیت کی نفی کے لئے رب فرماتا ہے **خالق کل شئی** اور ابدیت کے ثبوت کے لئے فرماتا ہے **اکلھا دائم** اور فرماتا ہے **خالدین فیھا ابدا**" **نواں فائدہ:** ابلیس کے سواء تمام فرشتے وغیرہم حضرت آدم و حوا کے خیر خواہ تھے کوئی ان کا دشمن نہ تھا جو کہے کہ فرشتے ہمارے دشمن ہیں کیونکہ ہم کو رب نے خلافت دیکر انہیں اس سے محروم کر دیا

وہ بے دین ہے۔ یہ فائدہ تاسمین جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اس موقعہ پر حضرت آدم علیہ السلام کامیاب رہے اور شیطان ناکام کیونکہ شیطان نے چاہا تھا کہ حضرت آدم اپنے درجہ سے گر جائیں یہ گندم کھا کر آپ نیچے زمین پر آئے درجہ سے نہ گرے بلکہ ترقی پر آئے کہ خلیفتہ اللہ ہوئے آپ نے چاہا تھا کہ گندم کھائیں چنانچہ گندم ہی آپ کی اور آپ کی اولاد کی غذا ہوئی آپ نے چاہا تھا کہ فرشتہ صفت ہو جائیں کہ ہر دم رب کی عبادت کریں ایسا ہی ہوا کہ آپ کا بلکہ آپ کی بعض اولاد کا کھانا پینا سونا جاگنا ہر حال عبادت قرار دیا گیا۔ فرشتوں سے زیادہ آپ کو دائمی عبادات عطا ہوئیں۔ آپ نے چاہا تھا کہ آپ کو خلود یعنی ہمیشہ کی عبادات نصیب ہوں ایسا ہی ہوا کہ تاقیامت آپ کی اولاد میں عبادات ہوں گی جو آپ کے نامہ اعمال میں لکھی جائیں گی کہ اولاد کی نیکیاں ماں باپ کے ثواب کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ جو حضرت آدم کو ناکام اور ابلیس کو کامیاب مانے وہ بے دین ہے۔

پہلا اعتراض: حضرت آدم علیہ السلام جنت میں تھے اور ابلیس وہاں سے نکالا جا چکا تھا پھر اس مردود کی ملاقات ان سے کیسے ہو گئی اور یہ گفتگو کس طرح ہوئی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ شیطان کا نکلنا تین وقت ہوا ہے مردود ہونے کے وقت، حضرت آدم علیہ السلام کے زمین پر آنے کے وقت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کے وقت۔ مردود ہونے کے وقت جنت میں اس کا رہنا سہنا بند ہو گیا مگر وہ وہاں آتا جاتا رہتا تھا جیسے گھروں میں کتے بلے آتے جاتے رہتے ہیں پھر حضرت آدم کے زمین پر آنے کے وقت اس میں آنا جانا بھی بند ہوا۔ مگر آسمانوں پر جاتا آتا رہتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری پر اس کا آسمانوں پر جانا بھی بند ہوا اس کا ذکر سورہ جن میں ہے کہ جنات نے کہا تھا **انا کنا نقعد منھا مقاعد للسمع فمن یستمع الان یجد لہ شھابا رصدا** چنانچہ ابلیس اس وقت جنت میں پہنچا اور آپ سے یہ گفتگو کی۔ **دوسرا اعتراض:** شیطان نے مردود ہونے کے بہت عرصہ بعد حضرت آدم علیہ السلام کو دھوکہ دیا تھا مگر یہاں ارشاد ہوا **فوسوس لھما الشیطان** ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دھوکہ دینا فوراً ہوا یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یا تو یہاں ف فوراً کے معنی میں نہیں صرف بعدیت بیان فرمانے کے لئے ہے یا شیطان نے مردود ہوتے ہی دھوکہ دینے کی پوری اسکیم بنالی تھی ابتداء وسوسہ مردود ہوتے ہی پڑ گئی تھی اس کی تکمیل اس کا ظہور عرصہ کے بعد ہوا لہٰذا ف فرمانا بالکل درست ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ **لیبدی لھما ما ووری عنھما** یعنی شیطان نے انہیں برہنہ کرنے کے لئے دھوکہ دیا حالانکہ اس نے تو ان بزرگوں کو جنت سے علیحدہ کرنے کے لئے یہ سب کچھ کیا تھا۔ **جواب:** ان حضرات سے جنتی لباس اتار لیا جانا جنت سے روانگی کی تمہید تھی جیسے کسی خاص حاضر بارگاہ سے تمغہ وردی پٹی لے لیا جانا اگلے واقعات کی تمہید ہوتی ہے اس لئے یہاں اس کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے جنتی لباس لے لیا جانا زمین پر آنے کی ابتداء تھی اور زمین پر تشریف لانا خلافت الہیہ عطا ہونے کی تمہید تھی لہٰذا یہ بظاہر عتاب درحقیقت عنایت بے غایت کی تمہید تھی۔ شیطان سمجھا نہیں وہ اس پر خوش ہوا حالانکہ اسے تو اس واقعہ پر رونا چاہئے تھا۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اس وقت حضرت آدم علیہ السلام کو ممانعت ربانی کا علم تھا بلکہ خود شیطان نے اس کا ذکر کیا تھا **ما نھا کما ربکما** الخ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **فنسی ولم نجد لہ عزما** حضرت آدم بھول گئے یعنی انہیں ممانعت یاد نہ رہی آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** حضرت آدم علیہ السلام ممانعت الٰہیہ کو نہ بھولے تھے بلکہ رب کا یہ فرمان بھول گئے تھے کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے اس مردود نے کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور اس پر قسم کھا گیا آپ اس کی قسم سے دھوکہ کھا کر اسے خیر خواہ سمجھ گئے، یہ بھول

ہوئی یا اس موقعہ پر رب سے پوچھ لینا بھول گئے کہ مولیٰ میں یہ پھل کھاؤں یا نہیں یا یہ بھول گئے کہ اس پھل میں یہ تاثیر نہیں کیونکہ انہیں کل کے ناموں کا علم دیا گیا تھا تو اس کے ساتھ ہر چیز کے فوائد و نقصانات بتا دیئے گئے تھے ان میں اس درخت کے نقصانات بھی تھے۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو ظالمین میں سے ہو جاؤ گے اور ابلیس نے کہا کہ اگر تم نے اس درخت کا پھل کھالیا تو **خالدین** میں سے ہو جاؤ گے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے رب کی نہ مانی ابلیس کی مانی ابلیس کو اپنا خیر خواہ سمجھا رب تعالیٰ کو بد خواہ جانا یہ تو صریح کفر ہے پھر انہیں معصوم کیوں کہا جاتا ہے (بعض نئے بے دین)۔ **جواب:** شیطان نے ان سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ کی وہ ممانعت اس وقت تھی جب تم نئے نئے جنت میں آئے تھے واقعی اگر تم اس وقت یہ درخت کھالیتے تو ظالم بن جاتے کیونکہ اس درخت میں تاثیر ہے کہ یہ اپنے کھانے والے کو فرشتہ بنا دیتا ہے اور تم اس وقت فرشتہ بننے کے لائق نہ تھے اب زمانہ گزر گیا' تمہارے حالات بدل گئے' حکم الٰہی بھی بدل گیا۔ تم شوق سے کھاؤ۔ حضرت مولانا شاہ عبد العزیز صاحب نے یہی تفسیر فرمائی ہے اور واقعہ بھی یہی ہے۔ اس لئے اس نے کہا **ما نھا کما ربکما** سے یہ معلوم ہو رہا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** شیطان نے بھی لمبی عمر مانگی کہ کہا **انظرنی الی یوم یبعثون** اور آدم علیہ السلام نے بھی لمبی عمر کے لئے گندم کھایا۔ پھر دونوں میں فرق کیا رہا (بعض بے دین)۔ **جواب:** شیطان نے لمبی عمر مانگی گناہ کرنے کرانے زمین میں فساد پھیلانے کے لئے یہ درازی عمر اللہ کا عذاب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے لمبی عمر چاہی عبادات اور نیک کام کرنے کے لئے جو سراسر رحمت ہے دیکھو رب نے حضرت خضر و عیسیٰ و ادریس' الیاس علیہم السلام کو بہت دراز عمریں عطا فرمائیں یہ دراز عمریں رب کی رحمت ہی ہیں۔ عمر شیطانی' عمر نفسانی اور عمر ایمانی میں بڑا فرق ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتے آدم علیہ السلام سے افضل ہیں کیونکہ آپ نے فرشتہ بننے کی آرزو میں گندم کھایا گویا آپ نے ترقی کے لئے یہ کام کیا۔ **جواب:** یہ غلط ہے آدم علیہ السلام فرشتوں سے افضل ہیں کہ آپ مسجود **ملائکہ** ہیں اور ان سب کے استاد ہیں یہاں آپ نے چاہا تھا کہ ہماری زندگی شریف فرشتوں کی طرح آزاد نہ ہو جاوے کہ نہ کھانے پینے کی خواہش ہو نہ آرام وغیرہ کی۔ افضلیت اور چیز ہے آزادی اور غیر ذمہ دارانہ زندگی کچھ اور ہے۔ **خیال رہے** کہ انسان کا فرشتہ بننا یا فرشتہ کا انسان بننا بالکل ناممکن ہے کہ اس میں تبدیلی حقیقت ہے لہذا اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ آپ دونوں انسانیت سے تبدیل ہو کر فرشتہ بن جاویں گے مطلب وہی ہے جو ہم نے عرض کیا۔ حضرت جبریل دوسرے فرشتے کبھی شکل انسانی میں آئے ہیں مگر حقیقت تبدیل نہ ہوئی تھی۔ ہاروت و ماروت فرشتے دنیا میں آکر فرشتے ہی رہے تھے ان کو صرف شہوت دیدی گئی تھی اس کی تحقیق پہلے پارہ میں کی جا چکی ہے لہذا اواگون والے اس پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتے۔ **خیال رہے** کہ جیسے فرشتے انسان کی صورت یا انسان کی سیرت میں آسکتے ہیں۔ مگر حقیقت میں فرشتے ہی ہوتے ہیں ایسے ہی بعض مقبول بندے کبھی سیرت میں فرشتے اور صورت میں فرشتوں سے بھی اعلیٰ ہو جاتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام صدیوں سے بغیر کھائے پئے اللہ کی عبادت کر رہے ہیں یہ ہے سیرت ملکی' ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ وصال میں کئی کئی دن نہ کھایا نہ پیا یہ ہے سیرت ملکی' معراج میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم عین نور ہو کر عرش سے آگے بڑھے یہ ہے صورت ملکی مگر ان حالات میں ہوتے ہیں بشر ہی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندے۔ اگر نیک ارادے سے کوئی خطا بھی کرلیں تو اللہ ان کا ارادہ پورا کر دیتا ہے۔ بدکار لوگ برے ارادہ سے اچھی بات بھی کریں اچھا کام بھی کریں آخر ناکام ہوتے ہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس درخت کا پھل نہایت ہی نیک ارادے سے کھایا ارادہ یہ تھا کہ ہم ابدی زندگی پائیں اور ہمیشہ اپنے رب کی عبادت کریں ہماری عبادات ریاضیات ختم نہ ہوں گندم کھانا خطا تھا مگر ارادہ اچھا تھا انجام یہ ہوا کہ زمین پر بظاہر عتابانہ انداز میں آئے مگر انہیں خلافت الٰہیہ کا تاج پہنایا گیا۔ ابوالبشر بنایا گیا تاقیامت انبیاء و اولیاء ان کی امتیں جماعتیں انہیں کی اولاد میں رکھی گئیں ان کی اولاد تاقیامت ذکر اللہ، جہاد، حج وغیرہ کرتی رہے گی گویا وہی **من الخالدین** ہو گئے ان کا منشا پورا ہو گیا اس سب کی بنیاد وہی ممانعت الٰہیہ ہے ابلیس نے چاہا تھا کہ حضرت آدم کو ان کے مرتبہ سے گرادے۔ وہ اس ارادہ میں سخت ناکام ہوا ان کا درجہ ان کا رتبہ دنیا اور آخرت میں اور بھی زیادہ ہو گیا ان حضرات کے منہ سے جو نکلتا ہے رب پورا کرتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے جیل میں بادشاہ کے ساقی سے کہا تھا۔ **اذکرنی عند ربک** تو بادشاہ سے میرا ذکر کر دینا آپ نے اپنی رہائی اور رہائی کے بعد آزادانہ ذکر الٰہی کرنے کے لئے یہ تدبیر سوچی تھی کہ ساقی کی معرفت میرا یہ کام ہو جائے اگرچہ کچھ دیر لگی مگر آخر کار اسی ساقی کے ذریعہ آپ کی رہائی ہوئی اور رہائی کے بعد تاج شاہی سر مبارک پر رکھا گیا۔ بہرحال یہ واقعات ان کی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہوئے پھر وہ گندم ان کی اولاد کی غذا بنی اور انہیں اس کے ذریعہ جنت میں پہنچانے کا انتظام فرمایا گیا۔ بہرحال آدم علیہ السلام کامیاب اور بامراد رہے' شیطان ناکام ہی رہا شیطان ان کا خیرخواہ نہ تھا رب تعالیٰ ان پر مہربان تھا۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا

بس پہنچے لے آیا وہ ان دونوں کو ساتھ دھوکے کے بس جب چکھ لیا انہوں نے پیڑ کو تو ظاہر ہوئیں واسطے ان

تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور

یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ؕ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا

دونوں کے ستر ان کے اور لگے چپکنے جنت کے پتوں سے اور ندا دی ان کو رب نے ان کے کیا منع کیا تھا میں نے

اپنے بدن پر جنت کے پتے چپکانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں اس پیڑ سے

الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَاۤ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۲﴾

تم کو اس درخت سے اور نہ کہا تھا میں نے تم سے کہ تحقیق شیطان واسطے تمہارے دشمن ہے ظاہر

منع کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے دھوکہ فریب دینے کا ذکر تھا اب اس آیت میں جناب آدم و حوا کے دھوکہ کھا جانے کا تذکرہ ہے گویا ابتداء کا ذکر ہو چکنے کے بعد انتہا کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں شیطان کے جھوٹی قسم کھانے کا ذکر تھا اب حضرت آدم علیہ السلام کے نام الٰہی کے

احرام فرمانے کاذکر ہے کہ انہوں نے اس نام پاک کی قسم پر اعتبار فرماتے ہوئے اس پر عمل کرلیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ شیطان کے وسوسہ کا نتیجہ ان حضرات کی برہنگی تھی اب اس کے ظہور کاذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ ابلیس نے جناب آدم و حواء کو درخت کا پھل کھلانے کی کوشش کی اب ذکر ہے کہ وہ اس کوشش میں ناکام رہا انہوں نے صرف چکھا ہی تھا کھایا نہ تھا کہ اگلے واقعات نے انہیں کھانے سے روک دیا۔

تفسیر: **فدلهما بغرور** چونکہ شیطان کے دھوکہ دینے اور آدم علیہ السلام کے گندم کھانے میں کچھ فاصلہ نہ تھا بلکہ فوراً ہی یہ واقعہ ہوا اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی فوراً **دلا** یا تو بنا ہے دلل سے تو دوسرا لام الف سے بدل گیا۔ اصل میں دلل تھا جیسے **من دسا ها اصل دسسها** تھا دوسرا سین الف سے بدل گیا یا بنا ہے دلو سے تو واؤ الف سے بدل گیا۔ دونوں کے معنی ہیں لٹکانا ڈول کو دلو اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کنویں میں لٹکایا جاتا ہے (کبیر) رب فرماتا ہے **فادلى دلوه** اس نے اپنا ڈول کنویں میں ڈالا۔ کنویں میں پاؤں لٹکا کر بیٹھنے کو تدلیہ کہا جاتا ہے۔ یعنی شیطان نے ان دونوں کو نیچے اتار دیا خیال رہے: کہ یہاں درجے سے اتارنا مراد نہیں جناب آدم علیہ السلام کا درجہ زمین پر آکر اور بڑھ گیا کہ خلافت الہیہ کا تاج ان کے سر پر رکھا گیا بلکہ مکانی طور پر نیچے اتارنا مراد ہے یعنی جنت سے زمین پر اتار دیا ازہری کہتے ہیں کہ ناکام کوشش کو تدلیہ کہا جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے دالہ سے بمعنی جرات و ہمت کرنا شاعر کہتا ہے۔

اظن الحلم دل على قومى وقد يستجهل الرجل الحليم

(معانی)

اگرچہ ترتیب یہ تھی کہ شیطان نے حضرت حواء کو دھوکہ دیا اور حضرت حواء نے جناب آدم علیہ السلام کو اس کھانے کی رغبت دی مگر چونکہ اس کا اثر دونوں حضرات پر یکساں پڑا اس لئے **هما** تثنیہ ارشاد ہوا **بغرور** میں ب سببیہ ہے اور غرور بمعنی دھوکہ ہے اس سے مراد ابلیس کی جھوٹی قسم ہے ۔یعنی ابلیس نے جھوٹی قسم کے ذریعہ ان دونوں کو اتار دیا شیطان ہی پہلا وہ ہے جس نے اللہ کی جھوٹی قسم کھائی (خازن) یا **بغرور** کی ب بمعنی فی ہے اور غرور سے مراد دنیا ہے یعنی دار الغرور دھوکے کی جگہ گویا شیطان نے ان دونوں کو دار السرور سے دار الغرور میں اتار دیا **فلما ذا قا الشجرة** یہ عبارت **دلا هما** کی تفصیل ہے لہذا ف تفصیلیہ ہے **ذا قا** بنا ہے **ذوق** سے بمعنی چکھنا یہاں مراد ہے تھوڑا سا کھانا صرف چکھ کر تھوک دینا مراد نہیں بلکہ اس قدر کھانا مراد ہے جو گلے سے نیچے اتر جائے پیٹ بھرنا واقع نہ ہو۔ **ذا قا** تثنیہ فرمانے سے معلوم ہوا کہ ان دونوں بزرگوں نے ایک ساتھ ہی کھایا ترتیب وار نہ کھایا **الشجره** سے مراد ہے اس درخت کا پھل کھانا نہ کہ پورا درخت کھانا **بدت لهما سوا تهما** یہ عبارت خبر ہے **ذا قا** کی بدت بنا ہے **بدو** سے بمعنی ظاہر ہونا **لهما** فرما کر یہ بتایا گیا کہ ان دونوں بزرگوں کے ستر کسی اور پر ظاہر نہ ہوئے صرف ان ہی دونوں پر ظاہر ہوئے کہ خاوند نے بیوی کو ستر دیکھا اور بیوی نے خاوند کا سوات جمع ہے سورۃ کی جس مادہ ہے **سوء سوءة** جسم کا وہ حصہ جس کا ظاہر ہونا غمگین کرے ان دو بزرگوں کے لئے سوات جمع فرمانا ایسا ہی ہے جیسے **قد صغت قلوبكما** میں دو عورتوں کے لئے **قلوب** جمع فرمانا بعض نے فرمایا کہ ہر شخص کا ستر ایک نہیں بلکہ چند ہیں **قبل** علیحدہ سترہ دبر علیحدہ ران علیحدہ گھوٹنا علیحدہ لہذا سوآت جمع فرمانا بالکل درست ہے اس ستر کھلنے کی صورت یا تو یہ ہوئی کہ حلہ بہشتی ان سے اتر گیا وہ نور جو لباس کا کام دیتا تھا ختم ہو گیا یا ناخن تمام جسم سے سمٹ کر صرف انگلیوں کے پوروں پر رہ گیا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر

چکے ہیں وہ بھی خوشنما اور نرم نہیں بلکہ سخت خیال رہے: کہ یہ برہنگی اگلے عتاب اور زمین پر تشریف لانے کی تمہید تھی گندم پیٹ میں پہنچتے ہی اس کا اثر یہ ظاہر ہوا **وطفقا یخصفان علیھما من ورق الجنۃ** یہ عبارت معطوف ہے بدت پر طفقا فعل مقاربہ ہے **یخصفان** بنا ہے ۔ **خصف** سے بمعنی سینا یا زانو پر رکھ کر سینا اس لئے چمڑہ سینے والے کو خصاف کہتے ہیں جنت کے پتوں سے مراد ہے انجیر کے پتے اس لئے انجیر بڑا مبارک درخت ہے کہ رب نے اس کی قسم فرمائی **والتین والزیتون** کہ ان پتوں نے حضرت آدم و حواء کی ستر پوشی کی آپ نے انجیر کے پتے انجیر کے تنکوں سے سے حتی کہ وہ کپڑے کی طرح ہو گئے (خازن) **ونا داھما ربھما** چونکہ ستر کھلنا اور رب تعالیٰ کا یہ فرمانا یا تو ایک ہی وقت میں ہوا یا بالکل متصل اس لئے یہاں ثم یا ف ارشاد نہ ہوا ظاہر یہ ہے کہ یہ نداء براہ راست بغیر فرشتے کے ہوئی یا تو ان دونوں بزرگوں سے یہ خطاب ہوا یا صرف آدم علیہ السلام سے خطاب ہوا اور حضرت حواء اس خطاب میں شامل ہوئیں جیسے قرآن مجید کے احکام میں مردوں سے خطاب ہے عورتیں اس میں شامل ہیں **اقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ ربھما** فرما کر اشارۃً فرمایا گیا کہ اس خطا سے رب تعالیٰ کی بندہ نوازی بندہ پروری ان سے بند نہ ہوئی اس کا کرم ان دونوں کے شامل حال رہا البتہ ترتیب کی نوعیت بدل گئی اب تک اور طرح کی تربیت و پرورش تھی اب دوسری طرح کی پرورش شروع ہوئی ۔ رب شیر خوارگی میں بچہ کو ماں کے دودھ سے پالتا ہے۔ پھر دوسری غذاؤں سے تو اس کریم کی ربوبیت کی نوعیت بدلتی ہے **الم انھکما عن تلکما الشجرۃ** یہ عبارت نادٰھما کا بیان ہے یہاں یہ پوچھ گچھ عتاب کی ہے چونکہ اس درخت کا تعلق ان دونوں صاحبوں سے تھا اس لئے **تلکما** تثنیہ ارشاد ہوا۔ لطیفہ کیا یہ ہی لطف ہے کہ رب نے یہ بات ان دونوں سے کھاتے وقت یا کھانے سے پہلے نہ فرمادی کہ خبردار اے آدم اسے نہ کھانا ہم نے اس سے تم کو منع فرمادیا ہے بلکہ اولاً تو کھا لینے دیا ۔ پھر یہ عتاب فرمایا معلوم ہوتا ہے کہ اس عتاب و خطاب میں صدہا راز ہیں حضرات انبیاء کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہوتی ہیں دوسرے کے لئے عطاؤں کا ذریعہ **و اقل لکما ان الشیطان لکما عدو مبین** یہ عبارت معطوف ہے انھی پر اور لم کے تحت ہے اسی لئے **اقل** کو جزم ہے گویا رب تعالیٰ کی طرف سے دو سوال ہوئے ایک یہ کہ اے آدم و حواء کیا ہم نے تم کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا ضرور کیا تھا۔ پھر تم نے کیوں کھایا دوسرے یہ کہ کیا ہم نے تم کو یہ نہ بتادیا تھا کیا نہ دکھا دیا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے کہ سب نے تم کو سجدہ کیا۔ شیطان نے نہیں کیا اور تمہاری وجہ سے وہ مردود ہوا۔ جنت سے نکالا گیا اس کی عبادات رائگاں ہوئیں اتنی باتوں کے ہوتے کیا وہ تمہار کبھی دوست ہو سکتا ہے اس کی عداوت تو بالکل کھلی ہوئی تھی ۔ پھر تم نے دھوکہ نہیں بلکہ دھوکے کیوں کھائے اس دشمن کو اپنا دوست اور خیر خواہ کیوں سمجھ لیا اس فرمان میں ہم سب کو بتانا دکھانا سمجھانا مقصود ہے کہ شیطان کو دوست نہ جانو۔

خلاصہ ء تفسیر: ابلیس نے حضرت آدم و حوا کو مذکورہ بالا دھوکہ و فریب دیکر عالم بالا سے زمین کی طرف یعنی دار البقاء سے دار الفنا کی طرف عیش و عشرت کی جگہ سے مشقت و کلفت کی جگہ کی طرف اتار دیا ہوا یہ کہ ان دونوں نے اس درخت کا پھل برائے نام ہی کھایا تھا کہ ان پر مشقتوں و محنتوں کی ابتداء ہو گئی کہ ان جنتی نورانی لباس ان سے اتر گیا اور وہ دونوں خاوند و بیوی ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہو گئے وہ دونوں شرم کی وجہ سے اپنے جسم پر جنت کے ایک درخت (انجیر) کے پتے اسی کے تنکوں میں سی سی کر لپیٹنے لگے تاکہ ستر پوش ہوں ادھر رب تعالیٰ نے ان کو پکارا کہ اے آدم و حوا کیا ہم نے تم کو اس درخت کے کھانے سے منع نہ فرمایا تھا تم بھول کیوں گئے تم نے کھا کیوں لیا نیز کیا ہم نے تم کو پہلے ہی خبردار نہ کیا تھا کہ ابلیس تمہارا کھلا دشمن ہے تو

وجہ سے وہ جنت سے نکالا گیا مردود بارگاہ ہوا اس کی عبادات رائیگاں ہوئیں تم نے یہ بھی خیال نہ کیا اور اس کی باتوں میں آگئے۔

حکایت: حضرت آدم علیہ السلام کا جب لباس اترا تو آپ نہایت ہی پریشانی کی حالت میں جنت میں بھاگنے لگے ایک درخت میں آپ کے سر کے بال الجھ گئے فرمان الٰہی پہنچا کہ اے آدم کیا ہم سے بھاگتے ہو عرض کیا نہیں اے مولیٰ تجھ سے حیاء شرم کرتا ہوں مجھے یہ خیال بھی نہ تھا کہ کوئی تیرے نام کی جھوٹی قسم کھا سکتا ہے فرمایا اب تم دونوں کو زمین پر رہنا سہنا ہوگا یہاں بغیر محنت روزی ملتی تھی وہاں محنت و مشقت سے ملے گی چنانچہ آپ کو لوہاری اور زراعت (کھیتی باڑی سکھا دی گئی فرمایا گیا کہ بوؤ کھیت کو پانی دو پھر کاٹو پھر پیسو پکاؤ اور کھاؤ عرض کیا الٰہی میں نے یہ پھل حواء کے کہنے سے کھایا ارشاد ہو کہ اچھا اب ان کا اور ان کی بیٹیوں کا حمل اور جننا مصیبت سے ہوا کرے گا (تفسیر ابن کثیر' خازن وغیرہ) **لطیفہ:** حضرت عبد اللہ ابن عمر اپنے ہر نمازی پرہیز گار غلام کو آزاد کر دیتے تھے کسی نے کہا کہ اب تو آپ کے غلام آپ کو دھوکہ دینے آزادی حاصل کرنے کے لئے نمازی بن جایا کریں گے فرمایا جو ہم کو اللہ کی عبادات سے دھوکہ دے گا ہم ضرور دھوکہ کھالیں گے (تفسیر کبیر) یعنی یہ ہمارے دلوا حضرت آدم علیہ وسلم کی سنت ہے اس واقعہ کے متعلق ہم بہت کچھ سورہ بقر پارہ ا الم میں عرض کر چکے ہیں وہاں ملاحظہ کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جناب آدم و حوا نے اس موقعہ پر کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ گناہ میں کیونکہ گناہ میں ارادۂ گناہ ضروری ہے وہ آپ سے نہیں پایا گیا یہ فائدہ **ھما بغرور** سے حاصل ہوا اس کا مجرم رب نے ابلیس کو قرار دیا نہ کہ ان دونوں صاحبوں کو جو انہیں گناہگار مانے وہ گمراہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ان دونوں حضرات نے گندم برائے نام ہی کھایا تھا پیٹ بھر کر یا زیادہ نہیں کھایا یہ فائدہ **ذا قا الشجرۃ** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے چکھا۔ **تیسرا فائدہ:** ایک چیز کی تاثیریں مختلف وقتوں مختلف جگہوں میں مختلف ہوتی ہیں سردی کی غذائیں لباس گرمی میں اور گرمی کے سردی میں نقصان دیتے ہیں یہ فائدہ **بدت لھما** الخ سے حاصل ہوا آج ہم سیروں بلکہ منوں گندم کھا جاتے ہیں نہ ننگے ہوتے ہیں نہ سزا پاتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** پردہ اور حیا فطرت انسان کا تقاضا ہے بے حیائی اور ننگا پن بہت شرم کی چیزیں ہیں دیکھو حضرت آدم و حواء آپس میں خاوند بیوی ہیں مگر پھر بھی برہنگی سے شرمائے اب جو عریاں و نیم عریاں رہنا پسند کرتے ہیں وہ فطرت انسانی کا مقابلہ کرتے ہیں یہ فائدہ **وطفقا یخصفان** الخ سے حاصل ہوا۔ **خیال رہے:** کہ انسان کا پردہ نہ تو اپنی بیوی سے ہے نہ فرشتوں سے نہ جانوروں سے ہاں جنات سے پردہ ہے مگر وہ پردہ لباس سے حاصل نہیں ہوتا وہ تو ذکر الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اسی لئے استنجاء جاتے وقت ذکر الٰہی حکم ہے آپ کی یہ پریشانی حیاء و غیرت کی بنا پر تھی۔ **پانچواں فائدہ:** بہتر یہ ہے کہ خاوند بیوی بھی ایک دوسرے کے سامنے ننگے نہ رہیں۔ ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں یہ فائدہ بھی **وطفقا یخصفان** الخ سے حاصل ہوا دیکھو اس وقت کوئی ان دونوں کو ننگا نہیں دیکھ رہا تھا مگر انہوں نے ستر چھپانے کی کوشش کی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے کبھی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ستر نہ دیکھا۔ **چھٹا فائدہ:** انجیر کا درخت بڑا مبارک ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے پتے لباس کے طور پر استعمال فرمائے یہ فائدہ **من ورق الجنۃ** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے اس درخت سے فرمایا کہ تم میرے خلیفہ آدم کا لباس بنا میں تجھ میں بہت خوبیاں رکھوں گا (روح البیان) ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو تمام جانور آپ کی زیارت کرنے آئے آپ کو ہرن بڑا پسند آیا ایک ہرنی پر محبت سے ہاتھ پھیرا تا قیامت اس ہرنی کی اولاد میں مشک ہوتا رہے گا یہ اس ہاتھ کی برکت ہے۔ **ساتواں**

فائدہ: حضرات انبیاء کرام کی خطائیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہیں جن میں بہت حکمتیں ہوتی ہیں۔ ان کی خطائیں ہماری عبادات سے افضل ہیں یہ فائدہ **وناداهما ربهما** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان دونوں کو کھانے سے پہلے یا کھاتے وقت منع نہ فرمایا بلکہ کھالینے دیا۔ پھر عتاب محبوبانہ فرمایا۔ حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ اگر آدم علیہ السلام کی جگہ میں ہوتا تو سارا درخت گندم کھالیتا کیونکہ یہ کھانا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمین پر تشریف آوری کا ذریعہ تھا۔ آٹھواں فائدہ: انسان کو ہمیشہ اپنے دوست دشمن کی پہچان چاہئے کہ اس میں کامیابی ہے یہ فائدہ **ان الشیطان لکما عدو مبین** سے حاصل ہوا۔ حضرت آدم علیہ السلام صرف ایک بار اپنے دشمن کی دشمنی نہ پہچان سکے مشقت میں پڑ گئے۔ نواں فائدہ: شیطان اور شیطانی لوگ کبھی مومن کے دوست نہیں بن سکتے اگر کبھی دوستی کلام بھریں بھی تو جھوٹے ہیں اور وہ دوستی ان کی خطرناک دشمنی ہوتی ہے یہ فائدہ **عدو مبین** فرمانے سے حاصل ہوا جب سانپ کبھی انسان کا دوست نہیں ہو سکتا اگرچہ کیسا ہی خوبصورت حسین اور خوشنما ہو تو یہ ناری لوگ نوری لوگوں کے دوست کیسے ہو سکتے ہیں۔ دسواں فائدہ: مومنین کی آپس میں عداوتیں اور دشمنیاں عارضی ہیں جب یہ عارضہ اٹھے گا محبت ہو جاوے گی عداوت جاتی رہے گی رب فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین** اور کفار کی مومنین سے محبت عارضی ہے جب یہ عارضہ دور ہو گا محبت جاتی رہے گی دشمنی ہو جاوے گی آج مومنہ ماں اپنے کافر بیٹے سے خونی رشتہ کی وجہ سے بظاہر محبت کرتی ہے مگر کل قیامت میں یہ ہی ماں اس بچے کی دشمن ہو گی کیونکہ وہ محبت ایمان نہیں۔ جس کی بقا ہو بلکہ محبت جاتی ہے۔ جس کے لئے فنا ہے یہ فائدہ بھی **عدو مبین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں تو ارشاد ہوا **ذاقا** اور دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے **اکلا** یعنی ان دونوں نے کھالیا دونوں آیتوں میں تعارض ہے کیونکہ چکھنا وہ ہے جو صرف منہ میں رہے حلق سے نیچے نہ اترے اور کھانے میں حق سے نیچے اترنا ضروری ہے اس لئے چکھنے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور کھانے سے ٹوٹ جاتا ہے کونسی آیت درست ہے انہوں نے کھایا تھا یا چکھا تھا۔ جواب: عربی میں ذوق کئی معنی میں آتا ہے چکھنا۔ معمولی سا کھالینا برداشت کرنا چنانچہ دوزخی کافر سے کہا جاوے **ذق انک انت العزیز الکریم** دیکھو وہاں **ذوق** معنی برداشت کرنا ہے یہاں **ذوق** دوسرے معنی میں ہے یعنی معمولی سا کھالینا وہ آیت اس آیت کی تفصیل یا شرح ہے لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ دوسرا اعتراض: گندم کھانے میں برہنہ ہو جانے کی تاثیر نہیں پھر اس وقت وہ دونوں حضرات برہنہ کیوں ہو گئے ہم دن رات گندم کھاتے ہیں برہنہ نہیں ہوتے۔ جواب: وہاں گندم کھانا جنت سے باہر جانے کا سبب تھا اور جنت سے باہر جانے کے لئے وہاں کا لباس اتارا جانا ضروری تھا جیسے جس حاکم یا وزیر کو علیحدہ کرتے ہیں تو اس سے تمغہ وردی پٹی لے جاتے ہیں سرکاری کوٹھی خالی کرا لیتے ہیں یہ تمام چیزیں اس حاکم کی علیحدگی کی علامات ہوتی ہیں اور اگر غور کرو تو ہم کو یہاں بھی گندم کھا کر استنجے کے لئے ننگا ہونا پڑتا ہے اس کا کچھ نہ کچھ اثر اب بھی موجود ہے۔ تیسرا اعتراض: حضرت آدم و حوا کو برہنہ کر دینا تو بڑی شرم کی بات ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس نبی مقبول بندے کے لئے کیوں جاری فرمائی۔ جواب: اجنبی انسانوں کے سامنے ننگا ہونا برا ہے خاوند بیوی کا کوئی پردہ نہیں ہوتا لہٰذا یہ چیز غیرت کے خلاف نہ تھی یہ تو ان دونو بزرگوں کی انتہائی حمیت تھی کہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ ہونا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ خیال رہے کہ فرشتوں 'شیر خوار بچوں' جانوروں سے انسان کا پردہ نہیں۔ چوتھا اعتراض: یہاں نہ تو یہ فرمایا گیا کہ ان دونوں کو کس

درخت سے روکا گیا تھا نہ یہ فرمایا گیا کہ ان دونوں نے کس درخت کے پتے اپنے جسم پر لپیٹے قرآن مجید سے ان دونوں چیزوں کا ثبوت نہیں ملتا کلام الٰہی ناقص کیوں ہے۔ **جواب:** معاذ اللہ کلام الٰہی ناقص نہیں ہو سکتا وہ بالکل کامل اکمل ہے ہاں بعض جگہ اجمال ہے۔ جس کی تفصیل صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادی ہے اگر قرآن مجید میں بالکل اجمال نہ ہوتا تو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محتاج نہ رہتے مرضی الٰہی تھی کہ لوگ قرآن پڑھ کر صاحب قرآن سے بے نیاز نہ ہو جاویں دیکھو فرمایا گیا کہ نماز قائم کرو زکوۃ دو مگر نہ تو نماز کی تفصیل ہے نہ زکوۃ کی کیوں تاکہ قرآن پڑھ کر بھی حضور کی حاجت رہے۔ **پانچواں اعتراض:** جنت میں احکام شرعیہ نہیں پھر ان دونوں کا احکام شرعیہ جاری کیوں ہوئے کہ فلاں چیز نہ کھاؤ یہ ممانعت حکم شرعی ہے۔ پھر جنت میں انہیں یہ کیوں کہا گیا۔ **جواب:** جب مومنین ثواب و جزاء کے لئے جنت میں جائیں گے تب ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوں گے اس وقت حضرت آدم و حوا کا جنت میں رہنا ثواب کے لئے نہ تھا لہٰذا یہ حکم ان کو دیا گیا دیکھو۔ دنیا احکام شرعیہ کی جگہ ہے مگر بعض حالات میں انسان پر یہاں بھی شرعی احکام جاری ہوتے جب زمین پر حالات مختلف ہیں تو وہاں مختلف وقتوں میں مختلف حالات ہوں تو کیا بعید ہے۔

تفسیر صوفیانہ: آدم علیہ السلام کا یہ واقعہ ان کی ساری اولاد کے لئے تاقیامت درس عبرت ہے دیکھو آدم علیہ السلام مسجود ملائکہ محسود ابلیس تھے ان کے سر پر وصلت کا تاج تھا۔ جسم شریف پر کرامتہ کا لباس کمر قربت کا پٹکا گلے میں الفت کا ہار کوئی مخلوق رتبہ میں ان کی برابر نہ تھی بلندی میں کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا ہر وقت یا آدم یا آدم کی نداء ربانی آتی تھی۔ صرف ایک خطاء سے لحظہ میں کایا پلٹ گئی لباس اتر گیا۔ ظاہری الفت سلب ہو گئی جگہ میں تبدیلی ہو گئی وقت نے پلٹا کھالیا جب ایک خطا کا نتیجہ یہ ہے تو غور کرو کہ ہم گنہگاروں کا کیا بنے گا جو ہر وقت گناہوں میں گرفتار ہیں۔

چہ گونہ دعوئے وصلت کنم بجانکہ شداست لیم وکیل قضا و دلم ضمان فراق

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر بنی ستر پوشی دنیا و آخرت میں چاہتے ہو تو تقویٰ اختیار کرو تقویٰ و پرہیزگاری دل کا لباس ہے عشق و محبت دل کا زیور دیکھو ہمارے جد امجد سے ایک خطا ہوئی تو لباس جنت اتار لیا گیا اللہ تعالیٰ ہم سب کا پردہ دین و دنیا میں رکھے ابھی یہاں توبہ کرے ورنہ پھر بات بنائے نہ بنے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہاں ارشاد ہوا **فدلٰهما بغرور** جس سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا ایسا تھا جیسے ڈول کا کنویں میں ڈالا جانا کہ مالک ڈول کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ اس کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے یوں ہی رب نے آپ کو زمین پر رکھ کر چھوڑ نہیں دیا بلکہ آپ کی ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی ڈول کنویں میں جا کر پانی لیکر آتا ہے یوں ہی آدم علیہ السلام زمین پر آکر خالی واپس نہ جائیں گے بلکہ اپنے ساتھ کروڑوں اولاد کو جنت میں لے جائیں گے۔ ڈول کو مالک کنویں کیچڑ میں پھنسنے نہ دیا بلکہ اعمال صالحہ کی توفیق دی جو لیکر آپ بارگاہ الٰہی میں جائیں گے ندامت لیکر رونا لیکر آئے تھے کرامت لیکر جائیں گے صوفیاء فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام پہلے صرف فضل کی جنت میں تھے اب فضل اور کسب دونوں جنتوں میں رہیں گے کسب کی جنت کے مکانات پھل پھول دنیاوی مومنہ بی بی کا حسن فضل کی جنت کے پھل پھول وغیرہ سے کہیں زیادہ ہوگا کہ اس میں نیک اعمال کا مزہ بھی ہو گا جنت میں وصال یار کا لطف تھا زمین پر آکر فراق کی لذت دردو دل آنسو لذت فراق نصیب ہے جب یہ گنہگار مدینہ پہنچتے ہیں تو انہیں عشق سوز و گداز تڑپ وغیرہ سب کچھ میسر ہوئی تڑپ اور فراق کی لذت عاشقوں سے پوچھو۔ مدینہ والوں کو لذت وصال میسر ہے تو دور افتادگان کو لذت فراق نصیب ہے جب یہ گنہگار

مدینہ پہنچتے ہیں تو انہیں خوشی ہوتی ہے کہ مدینہ آگیا محبوب کو خوشی ہوتی ہے کہ میرے گنہگار شفاعت کے طلبگار آگئے علماء فرماتے ہیں کہ بغرور کے معنی ہیں کہ شیطان نے دھوکہ دیکر انہیں اتار اصوفیاء فرماتے ہیں کہ اس مردود نے دھوکہ دے کر انہیں اتار اور چاہا تھا ان کا تنزل ہو مگر ہو گئی ان کی ترقی۔

قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ

عرض کیا ان دونوں نے اے ہمارے پالنے والے ہم نے نقصان پہنچایا اپنی ذاتوں کو اور اگر نہ بخشے تو ہم کو اور نہ

دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ برا کیا تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ

الْخٰسِرِیْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ وَلَكُمْ فِی الْاَرْضِ

رحم کرے تو ہم ہو جائیں گے ہم ٹوٹے والوں میں سے فرمایا اتر جاؤ تم سب کو تم میں سے بعض بعض کے دشمن ہو اور واسطے تمہارے

کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں سے ہوئے فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین

مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِیْهَا تَحْیَوْنَ وَفِیْهَا تَمُوْتُوْنَ وَ

زمین میں جائے قرار ہے اور سامان ہے ایک وقت تک فرمایا اس میں جیو گے تم اور اس میں مرو گے تم اور اس سے

میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے فرمایا اس میں جیو گے اور اسی میں مرو گے اور اس

ع ۵ مِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

نکالے جاؤ گے

میں اٹھائے جاؤ گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت آدم و حواء پر مشقتوں کا ابتداء کا ذکر تھا اب مشقتوں کی انتہا کا تذکرہ ہے یعنی جنتی لباس اتار لئے جانے کے بعد خود ان کے جنت سے اتارے جانے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے قول عتاب کا تذکرہ تھا کہ اس نے ان دونوں بزرگوں سے یہ عتابانہ کلام فرمایا اب اس کے فعل عتاب کا ذکر ہے کہ انہیں زمین پر بھیج دیا گویا ایک قسم کے خطاب کے بعد دوسری قسم کے عتاب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان بزرگوں سے جنتی لباس اتارے جانے کا ذکر تھا اب ان کی اولاد کے دلوں سے لباس محبت اتار لئے جانے کا تذکرہ ہے **بعضکم لبعض عدو** گویا جسمانی برہنگی کے بعد اولاد کی جنانی برہنگی کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ان دونوں بزرگوں پر عتاب کا ذکر تھا کہ ان سے جنتی لباس لے لیا گیا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ عتاب عارضی تھا کہ تم کچھ دن کے لئے زمین پر جاؤ پھر تمہارا ٹھکانہ یہ ہی جنت ہے۔

تفسیر: **قالا ربنا ظلمنا انفسنا** یہ نیا جملہ جس میں حضرت آدم و حواء کے اس جواب کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے رب تعالیٰ کے عتابانہ خطاب کا دیا **قالا** کا فاعل حضرت آدم و حواء دونوں ہیں اور ان بزرگوں کی یہ عرض معروض اس وقت جنت میں ہی

ہوئی کہ رب تعالیٰ کا وہاں عتاب سن کر فوراً یہ عرض کیا چونکہ رب سے عرض کرتے وقت اسے پکارنا بہتر ہے اس لئے پہلے اسے پکارا پھر کچھ عرض کیا چونکہ ربوبیت اور پرورش رحم و کرم کا ذریعہ ہے ماں بچہ پر رحم کرتی ہے کیونکہ وہ اس کی مربی ہے اس لئے اسے **ربنا** کہہ کر پکارا تاکہ دریا رحمت جوش میں آئے اور بخشش ہو جائے یا نہ کہنا زیادہ ادب ہے اس لئے **یا ربنا** نہ کہا **ظلمنا** بنا ظلم سے ظلم کے بہت معنی ہیں۔ کفر و شرک یعنی بد عقیدگی گناہ کبیرہ و گناہ صغیرہ لغزش و خطا کسی کا حق مارنا کسی کو نقصان پہنچانا اس کا کچھ بگاڑنا یہاں آخری تین معنی میں سے کوئی معنی مراد ہیں **انفس** جمع ہے نفس کی نفس کے بہت معنی ہیں۔ ذات' جان' خون' نفس امارہ' نفس **مطمئنہ** یہاں بمعنی ذات یا جان ہے یعنی اے ہمارے پالنے والے واقعی تو نے ہم کو یہ درخت کھانے سے منع فرمایا تھا ہم نے اپنی ذاتوں یا جانوں کو نقصان پہنچایا ہم نے خطا کی۔ ہم نے اپنا حق خود مار دیا کہ دھوکہ کھا گئے **خیال رہے** کہ ظلم کے چند معنی ہیں کفر و شرک گناہ وغیرہ مگر جب اس کے بعد مفعول مذکور ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں حق مارنا یہاں یہ ہی ہے جیسے ہم پر اولاد' ماں' باپ' قوم' ملک' قرآن' حضور پاک اور اللہ تعالیٰ کے حقوق ہیں ایسے ہی ہم پر اپنی ذات کے بھی حقوق ہیں اگر خودکشی کرے یا اپنے اعضاء کاٹ ڈالے تو گنہگار ہے کہ اس نے اپنی جان کا حق مارا یوں ہی گناہ کرنا بھی **ظلم** ہے کہ اس نے جان کا حق مارا جان کا حق تھا کہ نیکیاں کر کے اسے جنت میں پہنچایا جاتا **لہٰذا** مطلب بالکل واضح ہے۔ **وان لم تغفرلنا وترحمنا** یہاں دو چیزوں کا ذکر ہے مغفرت اور رحمت اور دونوں میں کئی طرح فرق ہے **غلطی چھپا لینا** مغفرت ہے **معاف فرما دینا** رحمت گزشتہ گناہ و خطا معاف کر دینا مغفرت ہے آئندہ گناہوں سے بچنے نیک اعمال کی توفیق دینا رحمت چھوٹے گناہ بخش دینا مغفرت ہے بڑے گناہ بخشنا رحمت ہے جرم پر سزا نہ دینا مغفرت ہے بندے سے راضی ہو جانا رحمت ہے **تغفرلنا** اور **ترحمنا** میں ضمیر کا جمع ارشاد فرمانا یا تو اپنے دونوں کے لئے۔ ہے یا اپنے اور اپنی اولاد کے لئے بھی یعنی اے مولا اگر ہم دونوں یا ہم دونوں اور ہماری اولاد کو معافی نہ دے ہم سب پر رحم و کرم نہ کرے تو **لنکونن من الخاسرین** یہ عبارت جزاء ہے حرف ان کی **تکونن** سے مراد یا وہ دونوں حضرات ہیں یا وہ دونوں مع ان کی اولاد کے **خاسر** بمعنی ہالکین ہے یا بمعنی مغبونین یا بمعنی نقصان پانے والے جو اپنی ساری آخرت کو ایک ساعت کی شہوت کے عوض فروخت کر دیں۔ **خیال رہے**: کہ یہ عرض و معروض در حقیقت رحم و مغفرت کی دعا ہے یعنی اے مولیٰ ہم پر رحم کر ہماری مغفرت فرما دعا کی بہت صورتیں ہیں۔ مانگنا اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا' درود شریف پڑھنا' اپنی خطا کا ذکر کرنا یہ سب دعائیں ہیں۔ **قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو** یہ فرمان عالی حضرت آدم و حواء کی دعا کا جواب ہے اس میں ان کی دعا کی تردید نہیں بلکہ اس واقعہ کے مقصد کی تمہید کا ذکر ہے کیونکہ حضرت آدم علیہ السلام زمین کی خلافت کے لئے پیدا فرمائے گئے تھے اور یہ واقعہ ان کے زمین پر جانے کی تمہید ہے **اھبطو** بنا ہے **ھبوط** سے بمعنی اترنا خواہ عزت و عظمت کے ساتھ اترنا ہو یا ذلت و رسوائی کے ساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا اترنا عزت و عظمت کے ساتھ کہ زمین ان کی جاء خلافت یا پایہ تخت ہے **اھبطو** میں خطاب حضرت آدم و حواء سے بھی ہے اور ان کی پشت کی اولاد سے بھی اس لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا **بعضکم الخ اھبطو** کے فاعل **انتم** سے حال ہے یعنی تم انسانوں میں **بعض بعض** کے دشمن ہیں کہ کافر و منافق مومنوں کے دشمن فاسق و بدکار نیک کاروں کے دشمن غافلین ذاکرین کے دشمن نفسانی لوگ رحمانی لوگوں کے دشمن فاسق و بدکار نیک کاروں کا دشمن یا سانپ اور ابلیس انسانوں کے دشمن اس کی تحقیق و تفصیل پہلے پارہ میں گزر چکی' خلاصہ یہ ہے کہ تمہاری اولاد کی سرشت میں نفس' غصہ' عداوت بھی ہے جن میں سے نبی سے عداوت کفر ہے

مسلمان سے دنیاوی عداوت حرام ہے کفار سے مذہبی عداوت عبادت ہے کہ اس سے مسلمان غازی شہید سب کچھ بنتا ہے جہاد اسی عداوت سے ہوتا ہے۔ جنت کسی عداوت کی جگہ نہیں **ونزعنا ما فی صدورهم من غل** لہٰذا تم دنیا میں جاؤ تاکہ ان عداوتوں کا ظہور وہاں ہو۔ **ولكم فی الارض مستقر** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں ان بزرگوں کے زمین پر اترنے کا انجام کا ذکر ہے لکم میں خطاب ان دونوں سے ہے ان کی اولاد سے خطاب ہے **فی الارض** متعلق ہے **مستقر** کے اس کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **مستقر** باب استفعل کا اسم ظرف ہے اس کے معنی ہیں عارضی ٹھکانہ یا جاء قرار یعنی تم سب انسانوں کا زمین ہی میں ٹھکانہ اور قرار کا مقام ہے کہ جیتے جی اس کے اوپر رہو گے اور بعد مرے اسی میں دفن ہوؤ گے بعض نے فرمایا کہ **مستقر** مصدر میمی ہے بمعنی قرار و استقرار (روح المعانی) بعض نے کہا کہ یہ اسم مفعول ہی ہے یعنی زمین میں تمہارا ملک اور تمہارا تصرف ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے جنت دوزخ اور زمین تینوں مقامات آباد کرنے بسانے کے لئے پیدا فرما دیئے زمین کی آبادی عارضی فانی جنت دوزخ کی آبادی دائمی باقی یہ تینوں آبادیاں تمہارے زمین پر جانے پر موقوف ہیں ورنہ اتنی بڑی جنت میں تم اکیلے دو صاحب رہو گے دوزخ اور زمین میں کوئی نہ ہو گا۔ خیال رہے کہ جیسے بازار کی آبادی کاروبار سے مسجد کی آبادی نمازیوں سے میدان جہاد کی آبادی غازیوں سے کعبہ کی آبادی حاجیوں سے ایسے ہی زمین کی آبادی انسانوں سے ہے جنات' جانوروں سے زمین آباد نہیں ہوتی **مستقر** فرما کر یہ بتایا کہ زمین تمہارا اصل وطن نہیں صرف عارضی جاء قرار جاء قیام ہے وہاں دل نہ لگانا ہماری حالات کی تبدیلیاں اور جسم کی کمزوری بتا رہی ہے کہ یہ سب کچھ عارضی ہے دیکھو عمر زمین پر رہنے سے گزرتی ہے **ومتاع الی حين** یہ عبارت معطوف ہے **مستقر** پر متاع مصدر ہے بمعنی نفع اٹھانا فائدہ حاصل کرنا **الی حين** متعلق ہے متاع کے اور حین سے مراد ہے وقت موت یعنی تم کو تمہاری موت تک زمین سے نفع حاصل کرنا ہو گا۔ بعض نفع زمین کے ظاہر سے اور بعض نفع زمین کے اندرون سے خیال رہے کہ سورج اور ہوا سے بھی انسان فائدہ اٹھاتے ہیں مگر بواسطہ زمین کو دھوپ اور ہوا زمین پر اپنا اثر کرتی ہیں اس سے انسان فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے درخت کہ پانی کھاد اور دھوپ و ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہیں مگر بواسطہ جڑ اور جڑ زمین میں ہوتی ہے لہٰذا یہ فرمان اور یہ حصر بالکل درست ہے **متاع** فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ دنیا کا سامان ایک برتنے کی چیز ہے کہ تم برت چلے آؤ وہ ویسی ہی رہے دوسرے یہ کہ میں نے زمین میں لاکھوں چیزیں امانت رکھی ہیں۔ تمہارے لئے سونے چاندی لال جواہر کانیں وہاں پھل پھول کے ڈھیر تمہارے لئے ہی بنائے گئے جاؤ انہیں جا کر برتو۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ فرمان عالی سن کر مغموم ہوئے کہ ہم کو جنت سے ہمیشہ کے لئے جدا کر دیا گیا تو **قال فيها تحيون وفيها تموتون ومنها تخرجون** یہ کلام ان کی نسل کے لئے ہے۔ جس میں فرمایا گیا کہ تم کو زمین میں عارضی طور سے بھیجا جا رہا ہے وہاں تم سب کے تین حال ہوں گے اپنے زندگی کے زمانہ میں زمین میں جیو گے اور موت آنے پر زمین میں ہی مرو گے پھر صور پھونکنے پر زمین ہی سے نکالے جاؤ گے اور وہاں سے ہی میدان محشر میں پہنچو گے خیال رہے کہ یہ رب کا قانون ہے اس کی قدرت یہ بھی ہے کہ وہ قیامت میں حضرت ادریس علیہ السلام کو جنت سے محشر میں لائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بہت عرصہ آسمان پر رکھے ہمارا ایمان قانون پر بھی ہے اور قدرت پر بھی قانون کے ہم پابند ہیں رب تعالیٰ پر قانون جاری نہیں لہٰذا آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں یہ بھی خیال رہے کہ جو لوگ سمندر میں یا ہوائی جہاز میں اڑتے ہوئے فوت ہو جاویں وہ بھی زمین ہی میں مرے کہ سمندر زمین پر ہے ہوا بھی زمین پر ہے انہیں مرنا زمین میں ہے یوں ہی

سمندری جہاز میں رہنا سہنا زمین ہی میں رہنا سہنا ہے جیسے درخت کی شاخوں میں رہنا سہنا زمین ہی میں رہنا ہے۔

خلاصہ ء تفسیر: رب العالمین کا یہ عتابانہ خطاب سن کر ان دونوں حضرات نے کوئی بہانہ نہیں بنایا اپنے کام کی تاویل نہیں کی بلکہ نہایت عاجزی سی عرض کیا کہ میرے مولیٰ واقعی تو نے ہم کو سب کچھ بتادیا تھا ہم سے غلطی ہو گئی ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کر لیا۔ اپنا حق ہم نے خود مار لیا کہ گندم کھالیا اب اگر تو ہماری پردہ پوشی نہ کرے اور ہم پر رحمت کرکے معافی نہ دے تو ہم بالکل خسارہ و نقصان والوں میں سے ہو جائیں گے رحم کر رب العلمین نے ان کی دعا رد نہ فرمائی بلکہ ان کو اس کی حکمت بتاتے ہوئے فرمایا کہ فی الحال تم مع اپنے بچوں کے زمین پر اتر جاؤ مگر تمہاری اولاد مختلف اقسام کی ہو گی کافر' مومن' منافق' مخلص' دنیادار' دیندار' غافل عاقل ان میں سے ایک دوسرے کے دشمن رہو گے اور تم سب کا زمین میں قرار ہو گا۔ وہاں ہی ہر طرح کا برتنا مگر ہمیشہ کے لئے نہیں اپنی موت کے وقت تک جب حضرت آدم علیہ السلام اس فرمان عالی پر مغموم ہوئے اور سمجھے کہ شاید ہم کو جنت سے ہمیشہ کے لئے علیحدہ کر دیا تو فرمایا کہ غم نہ کرو تم سب زمین میں جیوؤ گے کہ وہاں ہی مرو گے اور وہاں سے ہی قیامت میں نکالے جاؤ گے اور بقدر اعمال جنت دوزخ میں بھیجے جاؤ گے۔ یہ قیام عارضی ہو گا خیال رہے کہ حضرت آدم نے یہ دعا نہ کی تھی کہ ہم کو زمین پر نہ زمین پر نہ بھیجا جاوے اس کے جواب میں رب کا یہ فرمانا **اھبطوا** اتر جاؤ اس میں چند حکمتیں ہیں (1) اے آدم جنت جگہ توبہ استغفار اور دعا مانگنے کی نہیں یہ جگہ تو ان کاموں کے ثواب کی ہے گندم بویا جاتا ہے کھیت میں کھایا جاتا ہے گھروں میں اعمال کاشت کئے جاتے ہیں زمین میں ثواب لیا جاتا ہے جنت میں تم زمین پر جاکر دعاو عبادات کرو حج مکہ معظمہ میں ہوتا ہے یوں ہی عبادات زمین پر ہوتی ہیں۔ جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا تھا کہ بیت المقدس میں جاکر توبہ کرو۔ (2) تمہاری پشت میں کافرو مومن کی روحیں مخلوط ہیں جنت میں ان کی چھانٹ ناممکن ہے زمین پر جاؤ تاکہ ان میں چھانٹ ہو (3) ابھی تم صرف فضل کی جنت میں رہے زمین پر جاکر اعمال صالحہ کرو تاکہ آئندہ اعمال کے باغات لگیں تم کو وہ نعمتیں بھی عطا ہوں (4) ابھی تم صرف دو صاحب جنت میں ہو زمین پر جاؤ کروڑوں ہو کر آؤ تاکہ جنت آباد ہو کہ جنت کی آبادی حور و غلمان اور فرشتوں سے نہیں بلکہ مومن انسانوں سے ہے غرضیکہ اس فرمان میں ان کی دعا کارد نہیں بلکہ دعا کی جگہ اس کے وقت کی رہبری ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جو دعائیں اللہ کے مقبول بندے نے مانگی ہوں اور رب تعالیٰ نے وہ قبول فرمالی ہوں اور اسے قرآن کریم نے نقل فرمایا ہو وہ ان دعاؤں سے افضل ہے جو ہم خود اپنی تجویز سے مانگیں کیونکہ ایسی دعاء ماثورہ میں تین تاثیریں جمع ہیں الفاظ کی تاثیر' زبان کی تاثیر رب تعالیٰ کی نقل فرمانے کی تاثیر' ہماری دعاؤں میں صرف لفظ کی تاثیر ہو سکتی ہے باقی دو تاثیریں نہیں یہ فائدہ **قالا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اپنے قصور کا اقرار کر لینا کسی قسم کی حجت نہ کرنا ایمان کامل کی علامت ہے اور بہانے بنانا حجت بازیاں کرنا اپنے غلط قول و فعل کی تاویلیں کرکے انہیں ثابت کرنے کی کوشش کرنا بے دینی کی علامت ہے یہ فائدہ **ربنا ظلمنا** الخ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** خطاء قصور کو اپنی طرف نسبت کرنا نیکی و خوبی کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا سنت پیغمبری ہے برائیوں کو رب کی طرف نسبت کرنا طریقہ ابلیس ہے دیکھو آدم علیہ السلام نے قصور و ظلم کو اپنی طرف نسبت کیا کہ **ظلمنا انفسنا** اور ابلیس نے گمراہی کو رب کی طرف نسبت کیا کہ بولا **رب بما اغویتنی** تو نے مجھے گمراہ کر دیا مولانا عطار فرماتے ہیں۔

خلق ترسد از تو من ترسم زخود کز تو نیکی دیدہ ام و از خویش بد!

یارب لوگ تجھ سے ڈرتے ہیں میں اپنے آپ سے ڈرتا ہوں کیونکہ میں نے ہمیشہ تیری طرف سے بھلائی دیکھی ہے اپنے سے برائی۔ پانچواں فائدہ: جس دعا اور جن کلمات پر حضرت آدم و حواء کی توبہ قبول ہوئی وہ یہ الفاظ نہیں **ربنا ظلمنا** الخ بلکہ وہ الفاظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے معافی مانگنے کے تھے جیسے قرآن کریم فرماتا ہے **فتلقی ادم من ربہ کلمات فتاب علیہ** یہ فائدہ **قال اھبطو** الخ سے حاصل ہوا کیونکہ یہ دعا تو آدم علیہ السلام جنت ہی میں مانگ چکے تھے اور اس دعا کے جواب میں **اھبطوا بعضکم لبعض عدو** الخ فرمادیا گیا تھا جن مفسرین نے فرمایا کہ وہ دعا **ربنا ظلمنا** ہے وہ اس آیت کریمہ میں غور کریں جناب آدم علیہ السلام اس کے بعد زمین پر تشریف لاکر بہت عرصہ تک توبہ گریہ وزاری فرماتے رہے چھٹا فائدہ: اپنے قصور کا اقرار رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا یہ سب کچھ دعا ہی ہے یہ فائدہ **ربنا ظلمنا** پوری آیت سے حاصل ہوا کیونکہ اس عرض کرنے کا مقصد یہ تھا کہ مولیٰ مجھے بخش دے۔ ساتواں فائدہ: کافر و مومن 'دنیادار' دیندار 'غافل و عاقل کبھی ایک دوسرے کے دوست نہیں ہوسکتے ان میں مخالفت لازم ہے یہ فائدہ **بعضکم لبعض عدو** سے حاصل ہوا جوان سب میں اتفاق پیدا کرنا چاہے وہ ناممکن چیز کی کوشش کرتا ہے۔ آٹھواں فائدہ: انسان کی اصلی جگہ زمین ہے اس کی زندگی اور موت زمین پر ہی ہوگی کسی انسان کا زمین چھوڑ کر دوسری جگہ چلا جانا ایک عارضی چیز ہے یہ فائدہ **ولکم فی الارض** الخ سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: قیامت میں انسان زمین سے ہی نکلیں گے خواہ دفن ہوئے یا نہیں جو جلا کر راکھ کردیئے جاویں یا جنہیں شیر کھا جاوے یا جو سمندر میں ڈوب کر مریں اور انہیں مچھلیاں کھا جاویں سب کا اٹھنا زمین ہی سے ہوگا یہ فائدہ **ومنھا تخرجون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت آدم و حواء مشرک ہوگئے تھے پھر توبہ کرکے مومن بنے دیکھو فرمایا گیا **ربنا ظلمنا انفسنا** اور قرآن مجید نے شرک کو ظلم کہا ہے **ان الشرک لظلم عظیم** (بعض بیدین)۔ جواب: ہم اس اعتراض کا تفصیلی جواب پارہ اول میں دے چکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید ظلم بہت سے معنی میں استعمال ہوا ہے یہاں معنی خطاء ہے اس لئے اس کے ساتھ یہاں انفسنا فرمایا گیا جیسے صلوۃ قرآن مجید میں بہت معنی میں استعمال ہوا۔ نماز' دعا' درود شریف' نماز جنازہ وغیرہ۔ جس لفظ کے چند معنی ہوں وہاں موقعہ دیکھ کر معنی کرنے پڑتے ہیں رب فرماتا ہے **یخادعون اللہ وھو خادعھم** اور فرماتا ہے **مکروا ومکر اللہ** یہاں خداع اور مکر جو رب کی طرف منسوب ہوئے ان کے معنی ہی کچھ اور ہیں گندم کھالینا شرک نہیں یہ تو ایک عمل ہے شرک و کفر فساد عقیدے سے ہوتا ہے اگر گندم کھانا شرک ہوتا تو کبھی حلال نہ ہوتا کہ شرک کبھی جائز نہیں اور ہم سارے مشرک ہوتے کہ سب ہی کھاتے ہیں۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی دیکھو ان حضرات نے معافی مانگی تو یہ درخواست رد کردی گئی کہ فرمایا گیا **اھبطوا** یہاں سے اتر جاؤ پھر تم بزرگوں کو مقبول الدعاء کیوں مانتے ہو اور ان سے اپنے لئے دعائیں کیوں کراتے ہو۔ جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر چکا کہ اس فرمان عالی میں ان بزرگوں کی دعا کا رد نہیں ورنہ یہ فرمایا جاتا کہ ہم نہیں بخشیں گے بلکہ اس واقعہ کی تمہید کا ذکر ہے جس کے لئے یہ خطا سرزد ہوئی یعنی انہیں زمین پر بھیجنا ان کے سر مبارک پر نبوت و خلافت کا تاج رکھنا وغیرہ ان حضرات نے بھی یہ نہیں دعا کی تھی کہ خدایا تم ہم کو زمین پر نہ بھیج۔ تیسرا اعتراض: حضرت آدم علیہ السلام نے دو دعائیں مانگی تھیں کہ ایک عیب پوشی کی دوسری معنفی کی جیسا کہ ابھی **ان لم تغفرلنا** اور **ترحمنا** کی تفسیر

سے معلوم ہوا مگر رب نے اس واقعہ کا اعلان تمام آسمانی کتابوں میں کر دیا جس کی وجہ سے آج تک اس واقعہ کا چرچا ہو رہا ہے معلوم ہو کہ رب نے چھپایا نہیں ان کی یہ دعا قبول نہ کی۔ **جواب:** اگر اس دعا کا کوئی جزء رد ہوا ہو تا تو یہ دعا بغیر تردید قرآن مجید میں نقل نہ ہوتی اور ہم کو یہ دعا مانگنے کا حکم نہ ہوتا کسی کے قصور کا اعلان بطور سزا کے ہو تو پردہ دری ہے اور اگر معافی کے ساتھ اعلان ہو تو عزت افزائی ہے حضرت آدم کا یہ واقعہ مع معافی کے فرمایا **انما استزل هم الشیطان ببعض ما کسبوا ولقد عفا اللہ عنهم** **چوتھا اعتراض:** عیسیٰ علیہ السلام کو چوتھے آسمان پر اور ادریس علیہ السلام کو جنت میں موجود ماننا غلط ہے کوئی انسان نہ آسمان پر رہ سکتا ہے نہ جنت میں کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **ولکم فی الارض مستقر و متاع الی حین** تمام انسانوں کا جاء قیام زمین ہی ہے۔ **جواب:** اس کے جوابات ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یہاں قانون کا ذکر ہے واقعی انسان کے لئے قانون یہ ہی ہے کہ وہ زمین میں رہے مگر رب کی قدرت یہ ہے کہ وہ کسی بندے کو آسمان یا جنت میں بھی رکھ لے جیسے خود حضرت آدم و حواء کو عرصہ دراز تک جنت میں رکھا یا یوں کہو کہ ان اصل ٹھکانہ زمین ہی ہے وہاں رہنا عارضی ہے۔ بہرحال قانون کے ہم پابند ہم پر جاری ہے رب تعالیٰ پر قانون جاری نہیں دیکھو قانون یہ کہ انسان مخلوط نطفے سے پیدا فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفة امشاج نبتلیه** اس کے باوجود اس قادر مطلق نے حضرت آدم و حواء کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر نطفہ ہی پیدا فرمایا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے انسانوں کا ٹھکانہ زمین ہے۔ مگر بعض انسان سمندر ہی میں زندگی گزارتے ہیں بعض لوگ عرصہ تک ہوا میں رہتے ہیں پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوگی۔ **جواب:** اس کے جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ وہ لوگ بھی زمین ہی پر رہتے ہیں کہ ہوا اور پانی زمین پر ہی ہیں یا یوں کہو کہ ان کا وہاں رہنا عارضی ہے اصلی مقام زمین ہے۔ **چھٹا اعتراض:** ان آیات میں ایک جواب کے لئے دوبارہ **قال** کیوں ارشاد ہوا **قال اهبطوا** الخ دوسرے **قال فیها تحیون** **جواب:** یہ ایک جواب نہیں بلکہ دو جواب ہیں ایک جواب میں ارشاد ہوا کہ تم فی الحال جنت سے زمین کی طرف اتر جاؤ دوسرے میں ارشاد ہوا کہ تمہارا زمین پر جانا وہاں رہنا دائمی نہیں ہو گا تم پھر جنت ہی میں آؤ گے لہٰذا نہ تو جواب میں تکرار ہے نہ دوسرا قال فرمانا بیکار ہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت میں فرمایا گیا کہ تم لوگ زمین میں سے نکالے جاؤ گے حالانکہ جن کو شیر یا مچھلیاں کھا جاویں یا جو جلا دیئے جاویں وہ تو زمین میں دفن ہی نہیں ہوئے وہ زمین سے کیسے نکالے جائیں گے۔ **جواب:** انسان کے اصل اجزاء جن پر قیامت میں جسم تیار کیا جاوے گا وہ نہ تو فنا ہوتے ہیں نہ بدلتے ہیں وہ ایسے ہی رہتے ہیں لہٰذا آگ میں جلے ہوئے شیر یا مچھلیوں کے کھائے انسانوں کے اصل اجزاء ویسے ہی رہتے ہیں وہ اجزاء گندم، آٹا، خون، منی میں ویسے ہی رہے اور آئندہ جسم انسانی جل جانے، ہضم ہو جانے پر بھی ویسے ہی رہتے ہیں وہ اجزاء زمین ہی سے اٹھائے جائیں گے ان پر آگ وغیرہ کچھ اثر نہیں کرتی اس مسئلہ کی تحقیق علم کلام میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: جس پر اللہ کا کرم ہوتا ہے اس کو باتیں اور دعائیں بھی اچھی سوجھتی ہیں اور جن پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہوتا ہے اسے باتیں دعائیں بھی اوندھی الٹی ہی سوجھتی ہیں دیکھو شیطان نے عتاب الٰہی دیکھ کر زیادہ گناہ کرنے کے لئے دراز عمر مانگی یہ تھا اس پر اللہ کا غضب اور حضرت آدم علیہ السلام نے عتاب محسوس کر کے فوراً معافی مانگی ان مختلف دعاؤں کے نتیجے بھی مختلف ہوئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ در حقیقت آدم علیہ السلام نے درخت محبت کا پھل کھایا تو محبت کے جال میں پھنسے انہیں ہجر یار پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا اور بعد ہجر دائمی وصال کا ان سے وعدہ کیا گیا یہ سب کچھ بظاہر عتاب ہے در اصل عنایت بے غایت ہے اور

ترقی درجات ہے۔

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج بلے بہ حکم بلا بستہ انداز حکم است

نیز فرماتے ہیں کہ علم کا درخت وہ ہے جس کے قریب جانا بغیر مکاشفہ' مشاہدہ' معاینہ کے ممنوع ہے۔ جو اس درخت کو ان صفات کے بغیر ہاتھ لگائے گا وہ حقیقت کے پھل کی لذتوں سے محروم رہے گا نیز بغیر تقدیر پر راضی ہوئے تدبیر کے درخت کو ہاتھ لگانا درست نہیں رضا بالقضاء ہر ایک کے لئے کافی ہے یہاں ارشاد ہوا کہ تم محبت میں جیو طلب حق میں مرو شریعت کا راستہ طریقت کے قدموں سے طے کرو پھر اس سے حقیقت کی طرف نکلو فرماتے ہیں کہ جیسے جیو گے ویسے مرو گے۔ پھر جیسے مرو گے ویسے اٹھو گے۔

بگوش خواجہ از عشق بے نصیب مباش کہ بندہ رانخرد کس بہ عیب بے ہنری
مرادریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد دعاء نیم شبی بود و گریہ سحری

اللہ کے بندے عشق سے بے بہرہ نہ رہ کیونکہ بے ہنر غلام کو کوئی نہیں خریدتا دنیا کی ظلمتوں میں صرف دو چیزیں رہنمائی کرتی ہیں آدھی رات کی دعائیں صبح کے وقت کا گریہ وزاری (روح البیان) غرضیکہ صوفیاء کے نزدیک حضرت آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارنا ان کی معراج تھی اس ہبوط و نزول میں صعود تری تھی اس عتاب میں ان کی سعادت و نیک بختی تھی فرماتے ہیں کہ یہ دعا پہلی وہ دعا ہے جو انسان نے مانگی رب تعالیٰ نے یہ دعا اس لئے قرآن مجید میں نقل فرمائی کہ ان کی اولاد یعنی سارے انسان یہ مانگا کریں اس دعا کے دو جزء ہیں پہلے جز میں اپنا حال بیان کیا گیا ہے دوسرے جز میں رب تعالیٰ کے صفات عالیہ کا ذکر ہوتا ہے مانگنے والا پہلے اپنا حال بیان کرتا ہے پھر سخی کے صفات مقصد یہ ہے کہ مولیٰ خطائیں ہمارے پاس ہیں عطائیں تیرے پاس۔ ہم درخت پر پتھر پھینکتے ہیں تو درخت ہم پر پھل ڈالتا ہے جو ہمارے پاس تھا ہم نے کر لیا جو تیرے پاس ہے وہ تو دے نیز فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے زندگی اس کی دوکان ہے زندگی کی گھڑیاں اس دوکان کے سودے ہیں اعمال اچھے یا برے اس تاجر کی کمائی ہے۔ تاجر چار طرح کی تجارت کرتے ہیں نفع کی برابری کی نقاسن کی اور خسارہ کی متقی مومن نفع والا تاجر ہے غافل مجرم مومن نقصان والا تاجر مگر کافر نرے خسارہ والا تاجر ہے اگر اللہ تعالیٰ رحم و کرم نہ کرے تو ہم خسارہ والے ہو جائیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے انسانی روزیاں دھوپ ہوا بارش وغیرہ ہم کو زمین سے ملیں تو وہ روزی بنتی ہیں اسی طرح روحانی آسمانی روزیاں قرآن مجید کلمہ طیبہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت ہم کو ملیں تو وہ ہمارے دل جان کی روزی ہے ورنہ نہیں۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ

اے اولاد آدم بیشک اتارا ہم نے اوپر تمہارے لباس جو ڈھکے تمہارے ستروں کو اور زینت اور تقویٰ

اے آدم کی اولاد بیشک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں چھپائے

التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۲۶﴾

کا لباس یہ اچھا ہے یہ نشانیوں میں سے ہے اللہ کی تاکہ وہ نصیحت پکڑیں

اور ایک وہ جو تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت آدم و حواء کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ جب ان سے جنتی لباس اتار لیا گیا تو انہوں نے جنتی درخت کے پتوں سے اپنا ستر چھپایا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے اولاد آدم تم بھی ایسی ہی غیرت و حیا اختیار کرو' ایک منٹ کے لئے ننگے نہ رہو ستر پوشی تمہارے والد کی میراث ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے جناب آدم و حواء کو زمین پر بھیجا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے لئے تمام ضرورتیں زمین پر ہی پوری فرما دیں۔ دیکھو لباس بھی انہیں یہاں ہی عطا فرمایا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت آدم سے جنتی لباس اتارے جانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم نے انہیں دو قسم کا لباس عطا فرمایا تھا جسم کا لباس اور دل کا لباس یعنی تقویٰ و طہارت' ان سے عارضی طور پر صرف جسمانی لباس اتار لیا گیا تھا دل کا لباس بالکل نہیں اتار لیا گیا وہ ویسے ہی عارف متقی پرہیزگار رہے۔ اے اولاد آدم تم بھی دل کا لباس یعنی تقویٰ ہرگز نہ اتارو' یہ لباس تمہارے لئے دین و دنیا میں کار آمد ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ تم کو زمین میں سامان دیا جاوے گا **ومتاع الی حین** اب ارشاد ہو رہا ہے اس دنیاوی سامان میں سب سے اعلیٰ سامان لباس ہے کہ یہ سردی گرمی سے بھی بچاتا ہے اور اس سے ستر پوشی ہوتی ہے جو نماز میں فرض ہے یہ جیتے جی بھی تمہارے لئے ضروری ہے اور مرے بعد بھی کہ اس میں تم کو کفن دیا جاتا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں ایک اجمال تھا اب اس کی کچھ تفصیل ہو رہی ہے۔

شان نزول : اہل عرب کعبہ معظمہ کا طواف بالکل ننگے ہو کر کیا کرتے تھے مرد و عورتیں سب اسی طرح طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ چونکہ ہم لباس میں گناہ کرتے رہتے ہیں لہٰذا اسے پہن کر طواف کرنا کعبہ معظمہ کی بے حرمتی ہے۔ ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی و تفسیر روح البیان کبیر و تفسیر بیضاوی وغیرہ)

تفسیر : **یا بنی ادم** قرآن مجید میں ندا یعنی پکار کے چند مقصد ہوتے ہیں۔ اظہار غضب **یا ایھا الکفرون** اظہار کرم **یا ایھا النبی** غافلوں کو بیدار کرنا۔ **یا ایھا الذین امنوا** اپنی نعمت کی اہمیت کا ظاہر فرمانا کسی خاص حکم کی اہمیت ظاہر فرمانا وغیرہ یہاں یہ ندا یا تو غافلوں کو بیدار فرمانے کے لئے ہے یا اس نعمت لباس کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے۔ قاعدہ یہ ہے کہ جس کے مطلب کی بات ہو اس کو پکارا جائے چونکہ لباس سارے انسانوں کے لئے ہے لہٰذا اس لئے سب کو پکار اگیا۔ اسی لئے رب نے اپنی عبادت کے حکم کے موقعہ پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بشارت پر سارے انسانوں کو پکارا **یا ایھا الناس اعبدوا ربکم** یا جیسے **یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم** یا بنی آدم فرمایا **یا ایھا الناس** نہ کہا تاکہ بتایا جائے کہ پردہ شرم ستر ڈھانپنا تمہارے باپ آدم کی میراث ہے۔ بنی جمع ہے ابن کی معنی بیٹا اس کا مقابل ہے بنت یعنی بیٹی مگر ایسے خطابات میں بنی معنی اولاد ہوتا ہے بیٹا ہو یا بیٹی۔ بنی آدم سے مراد قیامت تک کے انسان ہیں کیونکہ یہ سب بلاواسطہ یا بالواسطہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اس سے حضرت حواء علیحدہ ہیں اس لئے کہ **الذین امنوا** اور **یا بنی ادم یا انسان** وغیرہ عمومی خطاب میں یہ حضرات داخل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے اور ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خطاب کے خصوصی الفاظ علیحدہ ہیں **یا ایھا النبی' یا ایھا الرسول' یا ایھا المزمل' یا ایھا المدثر** وغیرہ کوئی شخص جب پکارتا ہے اپنے بھائیوں کو اس خطاب میں اپنے باپ کو داخل نہیں کرتا اگرچہ باپ اسلامی' قومی' وطنی' زبانی اور پیشہ

کے رشتہ سے بھائی ہے مگر باپ کے لئے القاب ہی اور ہیں لہذا کوئی شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھائی 'بشیر یا بنی آدم کہہ کر نہ پکارے نہ اس میں داخل مانے **قد انزلنا علیکم لباسا** انسان کے سوا دوسری مخلوق فرشتے جانور وغیرہ لباس نہیں پہنتے اگر فرشتے شکل بشری میں آویں تو ان پر لباس ہوتا ہے مگر وہ لباس یہ ہمارا لباس نہیں بلکہ قدرتی ہوتا ہے جنات کے لباس کی حقیقت کا پتہ نہیں کہ وہ کس چیز کا ہے کیونکہ جنات انسانوں سے پہلے تھے مگر وہ کپاس کی کاشت نہ کرتے تھے نہ ان کے ہاں کپڑا بننے کے کارخانے قائم تھے لہذا انسانوں سے فرمانا کہ ہم نے تم پر لباس اتارا بالکل درست ہے۔ **انزلنا** میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت آدم و حوا زمین پر جنتی پتے لپٹے ہوئے اترے حضرت آدم کو گرمی لگی تو رونے لگے 'حضرت جبریل نے انہیں روئی لا کر دی فرمایا اسے اس طرح کاتو اس طرح بنو اور پہنو جیسا کہ ابن عساکر نے حضرت انس سے **مرفوعا**" روایت کی۔ بعض روایات میں ہے کہ حضرت آدم اپنے ساتھ جنت سے چند تخم لائے جن پر ابلیس نے ہاتھ رکھ دیا جو تخم اس کے ہاتھ کے نیچے آئے وہ زہریلے یا بیکار ہو گئے جو اس سے بچ گئے وہ مفید رہے اور آٹھ جوڑے جانور انہیں دیئے گئے گائے 'اونٹ 'بکری 'بھیڑ' یہاں اتارنے سے مراد یہی اتارنا ہے۔ دوسرے یہ کہ آسمان سے بارش اتاری جس سے کپاس اور ان جانوروں کی پیداوار ہوئی اتارنے سے یہ اتارنا مراد ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے۔ **و انزلنا الحدید** یا جیسے **و انزل لکم من الانعام ثمانیۃ ازواج** ان سب میں انزال بمعنی خلق ہے یا ان چیزوں کا سبب بارش اتارنا مراد ہے۔ تیسرے یہ کہ اتارنے سے مراد ہے ان کے احکام اتارے کہ فلاں لباس حلال ہے فلاں حرام اتنا لباس فرض ہے 'اتنا سنت (روح المعانی 'و کبیر وغیرہ) بہر حال اس کی بہت تفسیریں ہیں۔ لباس بروزن فعال مصدر ہے بمعنی پہننا مگر مراد ہے پہناوا یعنی پہننے کی چیز۔ لباس کئی قسم کا ہے 'سوتی 'اونی 'ریشمی وغیرہ اس میں یہ سارے لباس داخل ہیں۔ **یواری سوا تکم** یہ عبارت لباسا" کی صفت ہے **یواری** بنا ہے **مواراۃ** سے بمعنی چھپانا چھپانے سے مراد ہے انسانوں کی نگاہوں سے چھپانا کہ ہمارے کپڑے انسانوں سے آڑ بنتے ہیں 'فرشتوں سے یا رب تعالیٰ سے آڑ نہیں بنتے **سوءات** کی تحقیق ابھی ہو چکی کہ اس سے مراد ہے ستر یعنی ہم نے ایسے کپڑے اتارے جو تمہارے ستر ایک دوسرے سے چھپائیں **وریشا**" یہ عبارت معطوف ہے **لباسا**" پر اس کا موصوف لبلسا" پوشیدہ ہے ریش پرندہ کے پر کو کہتے ہیں مگر اس سے مراد ہے زینت کیونکہ پرندے کے پر اس کی زینت ہیں اصل میں لباسا" ذا ریش تھا بعض قراءتوں میں ریاش ہے یا تو وہ بھی مصدر ہے جیسے **لبس اور لباس** ہے یا ریش کی جمع ہے جیسے شعیب کی جمع ہے شعاب ذیب کی جمع ہے ذیاب اور قدح کی جمع قداح۔ حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ریش سے مراد ہے مال کہ مال انسان کی زینت ہے عرب کہتے ہیں **تریش الرجل بمعنی تمول اخفش** کہتے ہیں کہ ریش سے مراد ہے ارزان اور معاش کی دوسری چیزیں (روح المعانی و کبیر وغیرہ) مگر پہلی تفسیر قوی ہے خلاصہ یہ ہے کہ کپڑے دو قسم کے عطا فرمائے ستر پوشی والے جیسے گاڑھا کھدر اور دوسرے سوتی کپڑے اور دوسرے زینت والے جیسے باریک ململ ریشمی اعلیٰ درجے کے اونی کپڑے۔ خلاصہ یہ ہے کہ لباس سے ستر بھی ہے زینت بھی۔ اس ستر اور زینت میں چند احتمال ہیں ایک یہ کہ لباس فرضی ستر ہے جو کہ صرف ناف سے گھٹنے تک ہے اور لباس سنت زینت ہے کہ کرتہ تہبند عمامہ جو تمام زینت ہے 'یہ سنت ہے 'دوسرے یہ کہ موٹے لباس صرف ستر ہیں جیسے ٹاٹ کمبل وغیرہ اعلیٰ درجہ کا لباس لٹھا ململ وغیرہ زینت۔ تیسرے یہ کہ روزانہ اور کام کاج کا لباس ستر ہے خاص موقع کا لباس زینت جیسے جمعہ 'عیدین 'شادی بیاہ دوستوں کی ملاقات کا لباس 'چوتھے یہ کہ فقیری کا لباس ستر ہے جس میں

مبر ہے امیری کالباس زینت ہے۔ جس میں رب کا شکر ہے۔ یہ دونوں لباس رب کی نعمت ہیں۔ **التقوی ذالک خیر** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں لباس التقویٰ مبتداء ہے اور **ذالک خیر** جملہ اسمیہ ہو کر خبر **لباس تقوی** کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) جنگ میں بچاؤ کالباس زرہ بکتر وغیرہ یعنی بچاؤ والا لباس اس صورت میں یہاں تین قسم کے لباس کا ذکر ہوا۔ لباس ستر' لباس زینت' لباس جنگ (2) نیک اعمال کہ وہ دل کالباس ہیں۔ اللہ کا خوف' ایمان۔ (3) موٹے کپڑے جو متقیوں کالباس ہیں جن میں تکلف نہ ہو (4) اچھے اخلاق (5) پاکدامنی یعنی گناہوں سے بچنا۔ (6) شرم و حیا (7) اللہ کا خوف (تفسیر کبیر' خازن' روح المعانی) تقویٰ کے چار درجے میں تقویٰ مومنین یعنی کفر و شرک سے بچنا' تقویٰ متقین یعنی حرام چیزوں سے بچنا' تقویٰ صالحین یعنی مشبہات سے بچنا تقویٰ مقربین یعنی جو شے خدا سے غافل کرے اس سے بچنا۔ ادھم نے اپنے بیٹے ابراہیم کی موت کی دعا کی' حضرت خلیل نے جناب اسماعیل کو ذبح کیا یہ اس تقویٰ کا ظہور تھا۔ ایک سوت کے کپڑے صدہا قسم کے ایک تقویٰ کی قسیں چار۔ جیسا حیاء متقی ویسا تقویٰ۔ خیال رہے کہ تقویٰ کو خیر فرمایا۔ چند وجہ سے ایک یہ کہ جسمانی لباس پھٹ گل جاتا ہے تقویٰ ابد الاباد تک ساتھ رہتا ہے دوسرے یہ کہ جسمانی لباس ہر مومن و کافر کو مل جاتا ہے جیسے دولہا کے سر کی بکھیر ہر ایک لوٹ لیتا ہے مگر لباس تقویٰ خاص پیاروں کو ہی ملتا ہے۔ جیسے برات کا کھانا جوڑے اگرچہ وہ بھی دولہا کا صدقہ ہے مگر ملتا ہے خاص دوستوں خاص کمینیوں کو' تیسرے یہ کہ جسمانی لباس ہر جگہ مل کارخانوں میں بنتا ہے۔ مگر لباس تقویٰ خاص مدینہ منورہ میں بنتا ہے۔ اولیاء اللہ کی دوکانوں ان کے آستانوں سے ملتا ہے جیسا کارخانہ اعلیٰ ویسا کپڑا اعلیٰ' ڈھاکہ کی ململ آدم جی کے مل کا لٹھا وغیرہ۔ چونکہ یہ چیزیں انسان کو اللہ کے عذاب' آخرت کی رسوائی وغیرہ سے بچاتی ہیں۔ جیسے جسمانی لباس جسم کو سردی یا گرمی وغیرہ سے بچاتا ہے اس لئے ان چیزوں کو لباس فرمایا (روح البیان) تقویٰ دو طرح کا ہے تقویٰ جسم اور تقویٰ دل تقویٰ جسم کی حقیقت ہے اللہ رسول کی فرمانبرداری کے احکام پر عمل کرنا ممنوعات سے بچنا تقویٰ دل ہے اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرنا۔ رب فرماتا ہے۔ **ومن یعظم شعائر اللہ فانہا من تقوی القلوب شعائر اللہ** یعنی اللہ کی نشانی ہر وہ چیز ہے جسے کسی مقبول چیز سے نسبت ہو جائے۔ قرآن کریم نے ہدی کے جانور کو کعبہ کی نسبت کی وجہ سے شعائر اللہ کہا **والبدن جعلنا ھالکم من شعائر اللہ** اور صفا مروہ پہاڑ کو حضرت ہاجرہ کے قدم پاک لگ جانے کی وجہ سے شعائر اللہ فرمایا **ان الصفا و المروۃ من شعائر اللہ** یہاں تقویٰ میں دونوں تقوے داخل ہیں۔ **ذالک من ایات اللہ لعلھم یذکرون** یہ نیا جملہ ہے۔ **ذلک** سے اشارہ یا تو مذکورہ انزال کی طرف ہے یا گزشتہ لباسوں کی جانب یعنی ان لباسوں کا نازل فرمانا یا خود یہ لباس معرفت الٰہی کی نشانیاں اس کی قدرت کی دلیلیں ہیں ان کے نزول میں بڑی حکمت یہ ہے کہ لوگ ان چیزوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں' رب تعالیٰ کا شکر کریں' ناشکری سے بچیں۔ چونکہ معرفت الٰہی کی نشانیاں بہت ہیں اس لئے لباس کو **من ایات اللہ** فرمایا گیا **من تبعیضیہ** اور آیات جمع ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : ہماری تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں جو آسان بھی ہے اور ظاہر بھی اے اولاد آدم یعنی انسانو تم ہماری ایک خاص نعمت کو یاد رکھو جو صرف تم کو دی گئی دوسری مخلوق کی عطا نہ ہوئی۔ ہم نے تم پر لباس اتارا کہ بارش کے ذریعہ کپاس' اون' ریشم وغیرہ چیزیں پیدا فرمائیں جن سے تمہارے کپڑے بنتے ہیں اور تم کو کپڑا بننا اور کات کر سینا سکھایا۔ ان میں سے بعض لباس تو تمہاری تن پوشی کے کام آتے ہیں اور

بعض لباس تمہاری زینت کا ذریعہ بھی ہیں۔ مگر تم صرف جسمانی لباس پر قناعت نہ کرنا اپنے دل اور روح کو بھی لباس پہنانا تقویٰ یعنی ایمان' اعمال' حیا' شرم اور خوف خدا وغیرہ' جو تمہارے دلوں کا لباس ہے بیان ظاہری لباسوں سے افضل ہے کہ جسمانی لباس تو جسم کی عارضی حفاظت کرتے ہیں مگر یہ لباس دل' روح کی دائمی حفاظت کرتے ہیں یہ لباس یا لباس اتارنا اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی ہے تاکہ اس کے ذریعے لوگ نصیحت حاصل کریں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** لباس اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے غذا کے بعد اس کا درجہ ہے بلکہ مرنے پر غذا ختم ہو جاتی ہے مگر لباس پھر بھی ساتھ رہتا ہے یعنی کفن۔ قیامت کے دن غذا نہ ہو گی مگر لباس وہاں بھی ہو گا۔ جنت میں غذا نہ ہو گی کہ وہاں بھوک نہ ہو گی مگر لباس وہاں بھی ہو گا۔ یہ فائدہ قد انزلنا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کے سواء کسی مخلوق کو لباس نہیں دیا گیا نہ فرشتوں کو نہ جانوروں کو۔ اگر جنات لباس پہنتے ہوں اور ان کا لباس بھی یہی انسانوں والا لباس ہو تو وہ انسان ہی کے طفیل ہے۔ یہ فائدہ یابنی آدم فرمانے سے حاصل ہوا یا علیکم فرمانے سے۔ خیال رہے کہ اگرچہ فرشتے بھی لباس پہنے دیکھے گئے۔ جیسے جنگ بدر میں یا جب کچھ مسائل پوچھنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت جبریل آئے تو لباس میں تھے جنات بھی لباس پہنے نماز پڑھتے دیکھے گئے مگر وہ لباس وہ نہیں جو اس کپاس یا اون یا ریشم سے بنے وہ تو قدرتی یا کسی اور چیز کا لباس تھا۔ جیسے حضرت عیسیٰ کے دستر خوان کی روٹیاں یا بنی اسرائیل کا من و سلویٰ جو ہل کے بغیر آئے کا نہ تھا۔ یہ لباس انسانوں سے خاص ہے۔ جو ان کارخانوں میں تیار ہو یا یوں کہو کہ یہ لباس پیدا ہوا انسانوں کے لئے ان کے طفیل جنات بھی پہن لیتے ہیں جیسے مکان بنتا ہے انسان کے لئے مگر اس مکان میں مالک کے جانور بھی رہتے ہیں لہٰذا لباس کا احسان انسانوں پر جتانا بالکل برحق ہے۔ **تیسرا فائدہ:** لباس یعنی کپڑا جنتی نعمت ہے اس کی اصل وہاں سے آئی یہ فائدہ انزلنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ جناب آدم علیہ السلام کو حضرت جبریل نے کپاس کے بیج عطا کئے۔ **چوتھا فائدہ:** بعض لباس صرف ستر ڈھانپنے کے لئے ہیں اور بعض لباس زینت کے لئے تہبند' شلوار مرد کے ستر ڈھانپنے کے لئے ہیں' عمامہ' اچکن زینت کے لئے یونہی معمولی کپڑے ستر کے لئے ہیں اعلیٰ درجہ کے کپڑے زینت کے لئے۔ یہ فائدہ یواری سے اور ریشا سے حاصل ہے۔ **مسئلہ:** ستر ڈھانپنے کا لباس پہننا فرض ہے اور لباس زینت قدرت والے کے لئے مستحب ہے بلکہ کبھی کبھی زینت کا لباس پہننا کہ انسان اس کا عادی نہ ہو جائے کہ اس کے بغیر گزارہ ہی نہ کر سکے یہ سنت ہے' فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لیری اثر نعمت ربک علیک اور فرمایا رب تعالیٰ نے **واما بنعمۃ ربک فحدث** جس پر اللہ فضل کرے وہ اچھا کھائے اچھا پہنے کہ اس میں بھی اللہ کی نعمت کا اظہار بلکہ شکریہ ہے اور خوب خیرات کرے کہ یہ رب تعالیٰ کے شکر کی دوسری قسم ہے۔ **پانچواں فائدہ:** لباس بہت قسم کے ہیں سوتی' اونی اور ریشمی اور راتھوسن وغیرہ کے۔ بہت سی قسموں کے لباس ایجاد ہو چکے ہیں یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں۔ یہ فائدہ لباسا" کو مطلق فرمانے حاصل ہوا۔ ان کے احکام کی تفصیل صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی کہ ریشم مرد کو پہننا حرام ہے یونہی عورتوں کو مردانہ لباس پہننا اور مردوں کو زنانہ لباس پہننا حرام ہے وغیرہ وغیرہ۔ **چھٹا فائدہ:** اتنا باریک کپڑا پہننا جس سے ستر نہ ڈھکے یا اتنا چھوٹا کپڑا پہننا جس سے ستر پورا نہ ڈھکے' حرام ہے۔ جیسے عورتوں کا نہایت باریک دوپٹہ اوڑھنا یا انہیں کہنیوں تک کی قمیض پہننا۔ یونہی مردوں کا جانگیاں یعنی نیکر پہننا کہ یہ سب حرام ہے کہ اس میں ستر پوشی نہیں ہوتی حالانکہ لباس کا بڑا مقصد ستر پوشی ہے یہ فائدہ یواری سواتکم الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**

ہمارا لباس جن وانس سے ستر پوشی کا کام دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یا فرشتوں سے نہیں ان کی نظر کو لباس نہیں روک سکتا یہ فائدہ یواری سے اشارۃً حاصل ہوا مگر شرم و حیا اس میں ہے کہ انسان اکیلے میں بھی بلا ضرورت ننگا نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم کرے نکتہ: ام المومنین عائشہ صدیقہ کے حجرہ شریف میں جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق مدفون رہے آپ بے تکلف وہاں حاضر ہو جاتی تھیں دوپٹہ سے بھی اور بغیر دوپٹہ بھی۔ فرماتی تھیں کہ ان حضرات میں ایک میرے والد ہیں دوسرے میرے خاوند مگر جب حضرت عمر وہاں دفن ہو گئے تو بہت حجاب کے ساتھ دوپٹہ وغیرہ سنبھال کر حجرہ شریف میں حاضر ہوتیں فرماتی تھیں کہ عمر سے حیا کرتی ہوں۔ یہ ہے **یواری سواتکم** کی زندہ جاوید عملی تفسیر۔ **آٹھواں فائدہ:** کوئی شخص ایمان اور نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بڑے سے بڑا ولی ہی کیوں نہ ہو تقویٰ و طہارت سب کو ضروری ہے۔ یہ فائدہ لباس التقویٰ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ رب نے ایمان کو اعمال کو دل کا لباس قرار دیا جیسے ہر ولی بھی ظاہری جسمانی لباس کا حاجت مند ہے یونہی ایمان و اعمال کا بھی محتاج۔ افسوس ہے کہ بعض لوگ اپنے کو نماز روزے وغیرہ سے بے نیاز جانتے ہیں مگر غذا اور لباس ہوا، دھوپ وغیرہ کے حاجتمند رہتے ہیں ہم کو کوئی ان چیزوں سے بے نیاز ہو کر دکھاوے۔ بے نمازی پیر کہتے ہیں کہ ہم کعبہ جا کر نماز پڑھتے ہیں مگر روٹی نذرانہ اپنے مریدوں کے گھروں سے حاصل کرتے ہیں۔ وہ کعبہ میں ہی روٹی کیوں نہیں کھلیا کرتے اللہ تعالیٰ تقویٰ کا لباس عطا فرمائے۔ **نواں فائدہ:** جہاد کے موقعہ پر جنگی بچاؤ کا لباس پہننا ضروری ہے جیسے پچھلے زمانہ میں زرہ بکتر یا آج کل لوہے کی ٹوپی وغیرہ یہ فائدہ لباس التقویٰ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ لباس التقویٰ کے معنی ہوں بچاؤ کا لباس۔ **دسواں فائدہ:** دل کا لباس یعنی اعمال صالحہ ظاہری لباس سے افضل ہے کہ یہ لباس جسم کی ستر پوشی کرتا ہے اور وہ لباس دل کی پردہ پوشی کرتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی فائدہ ذالک خیر سے حاصل ہوا۔ لہذا انسان کو چاہئے کہ مرتے دم تک نیک اعمال کرے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

جی وہاتی جس کی کرتا ہے ثنا — مرتے دم تک اس کی مدحت کیجئے
جس کا حسن اللہ کو بھی بھا گیا — اس پیارے سے محبت کیجئے

نیز یہ لباس خاص نگاہ پاک مصطفےٰ سے بنتا ہے اولیاء اللہ کے دروازوں سے ملتا ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے لباس اتارا حالانکہ کپڑا زمین پر ہی بنتا ہے۔ یہاں ہی سیا جاتا ہے پھر انزلنا فرمانا کیونکہ درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے ایک یہ کہ اصل لباس حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ جنت سے آیا آج کل کے لباس اس کی نقل ہیں دوسرے یہ کہ کپاس، اون، ریشم، سن وغیرہ تمام چیزیں بارش سے ہیں اور بارش آسمان سے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ دنیا کی ہر چیز کا اصل خزانہ آسمان میں ہے وہاں سے آتی ہے اس کا ظہور یہاں ہوتا ہے۔ **وفی السماء رزقکم وما توعدون** اس لئے لوہے کے متعلق ارشاد ہوا **وانزلنا الحدید** لہذا انزلنا فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ لباس صرف انسانوں کے لئے ہے حالانکہ جنتی حوریں بھی لباس والی ہیں پھر یہ کیونکہ درست ہوا۔ **جواب:** یہاں زمینی لباس کا ذکر ہے جو انزلنا والا ہے جنت تو دنیا ہی دوسری ہے وہاں کا لباس بھی دوسرا نیز وہاں حوران بہشتی کا لباس ان کے خاوندوں کے لئے ہو گا لہذا وہ لباس بھی انسانوں کی خاطر ہے۔ بعض موقعوں پر فرشتے لباس میں دیکھے گئے وہ لباس کپاس، اون وغیرہ کا نہ تھا وہ قدرتی تھا جیسا من و سلویٰ یا حضرت عیسیٰ کے غیبی آسمانی دستر خوان کی روٹیاں

مچھلیاں۔ پھر وہ لباس بھی جب تھا جبکہ وہ شکل انسانی میں ہوں جیسے عصاء موسوی جب سانپ بنتا تھا تو کھاتا تھا ورنہ جب فرشتے اپنی شکل میں ہوں تو کوئی لباس نہیں پہنتے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ لباس تمہاری ستر پوشی کرتا ہے حالانکہ اندھیرے میں ستر پوشی ہو جاتی ہے 'اندھیرا بھی ستر پوش ہے۔ پھر یواری کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس لئے کہ اگرچہ اندھیرے میں ستر نظر نہیں آتا مگر اس کا نام ستر پوشی نہیں اس کئے اندھرے میں ننگے نماز پڑھے نہ ہوگی کہ ستر پوشی نہ ہوئی ستر نظر نہ آنا اور چیز ہے ستر چھپانا کچھ اور چیز ستر چھپانا لباس ہی کا کام ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں پرہیزگاری یعنی ایمان و اعمال کو لباس کیوں کہا گیا اسے لباس سے کیا تعلق۔ **جواب:** جسمانی لباس کے دو فائدے ہیں تن پوشی 'ستر پوشی اور سردی گرمی سے حفاظت یونہی ایمان و نیک اعمال کے دو فائدے ہیں انسان کی عیب پوشی دنیا و آخرت اور اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے حفاظت اس لئے اسے دل کا لباس فرمانا بالکل درست ہے بلکہ یہ بہترین لباس ہے قرآن کریم میں خاوند بیوی کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ **ھن لباس لکم وانتم لباس لھن** کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے کے عیب پوش ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں لباس کے متعلق دو باتیں کیوں ارشاد ہوئیں ستر پوشی اور زینت کیا زینت والا لباس ستر پوشی نہیں کرتا۔ **جواب:** بعض لباس وہ ہیں جن سے ستر پوشی بھی ہے اور زینت بھی بعض وہ ہیں جن سے زینت تو ہے ستر پوشی نہیں جس کی مثالیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں یہ دونوں لباس اللہ کی نعمتیں ہیں لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کرتہ پر واسکٹ اور واسکٹ پر اچکن وغیرہ اس طرح سر پر عمامہ صرف زینت کے لئے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ایک ہی لباس کی یہ دونوں صفتیں ہوں کہ انسان بغیر لباس برا معلوم ہوتا ہے لباس سے اچھا معلوم ہوتا ہے یہ لباس زینت بھی ہے۔ بہرحال کلام نہایت موزوں ہے۔ **چھٹا اعتراض:** رب تعالیٰ نے تقویٰ کو لباس کیوں فرمایا وہ تو چند کاموں کا نام ہے۔ **جواب:** لباس میں تین صفتیں ہوتی ہیں چھپانا' بچانا' زینت دینا کہ وہ جسم کے عیب چھپاتا ہے اور سردی گرمی سے بچاتا ہے۔ جسم کو زینت بخشتا ہے۔ یہ تینوں صفتیں تقویٰ میں موجود ہیں تقویٰ دل کے عیب دنیا میں ہی چھپاتا ہے آخرت میں بھی چھپائے گا۔ شرابی چور مسجد سے نکلے تو لوگ اسے نمازی کہیں گے شرابی نہیں کہیں گے یہی نماز برائیوں سے روک دیتی ہے **ان الصلوة تنھی عن الفحشاء والمنکر** نیز جیسے دنیاوی چیزوں میں لذت رنگ و بو سب کچھ ہے ایسے ہی تقویٰ میں یہ سب چیزیں ہیں۔ نماز کی لذت اس کا سنگار امام حسین سے پوچھو۔ قیامت میں اچھے اعمال اچھی شکل میں نمودار ہوں گے برے اعمال بری شکل میں لہذا انہیں لباس فرمانا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: یہاں تین لباسوں کا ذکر ہوا ہے دو لباس جسمانی ستر پوشی کا اور زینت کا تیسرا لباس جنانی تقویٰ و پرہیزگاری۔ یہ تینوں لباس آسمانی ہیں کیونکہ جسمانی لباس آسمانی بارش سے ہیں اور جنانی لباس آسمانی وحی یعنی قرآن و حدیث سے ہے پھر جنانی یعنی دلی لباس بھی دو طرح کا ہے ایک ستر پوشی کا یعنی ایمان دوسرا زینت کا یعنی نیک اعمال تقویٰ ان دونوں کو شامل ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر عضو کا لباس علیحدہ ہے۔ جس سے اس عضو کے عیب ڈھک جاتے ہیں ظاہری عیب ہوں یا باطنی شریعت کا لباس برے اعمال کے عیوب ڈھک لیتا ہے طریقت کا لباس برے صفات کی ستر پوشی کرتا ہے دل کا لباس طلب مولیٰ ہے روح کا لباس محبت مولیٰ ہے سر کا لباس شہود بارگاہ مولیٰ ہے خفی کا لباس بقائے بعد فنا در راہ مولیٰ ہے۔ جس سے سارے دوئی کے لباس ختم ہو جاتے ہیں کثرت وحدت میں فنا ہو کر رہ جاتی ہے۔ پھر اعلان ہوتا ہے۔ **لمن الملک الیوم** خود ہی جواب ملتا ہے **للہ**

الواحد القہار اور انسان کا حال یہ ہو جاتا ہے۔

اس طرح سما جھ میں ہو جاؤں میں گم تجھ میں پھر تو ہی تماشا ہو تو ہی تماشائی

دوری میں کثرت ہے کہ انسان کہتا ہے میں عالم میں فاضل میں بڑا میں امیر میں خاندانی میری یہ شان یہی دوری کی بنا پر ہے جب قرب ہوا تو انا فنا ہوئی صرف ہو رہا کسی صوفی نے کیا خوب کہا ہے۔

مالک ملک اوست او خود مالکست غیر ذاتش کل شی ھالک است
کل شی ما خلا اللہ باطل ان فضل اللہ غیم ھاطل
بالک آید بیش و بھش ہست نیست ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست

کثرت کالباس وحدت سے نسبت ہے (از روح البیان) خلاصہ یہ ہے کہ جیسے جسمانی لباس میں پاؤں کالباس موزہ جوتا ہے۔ ٹانگوں کالباس پائجامہ ہے پیٹ کالباس کرتا اچکن واسکٹ سر کالباس ٹوپی عمامہ، پھر سردی کالباس گرم گرمی کالباس ٹھنڈا یونہی روحانیات میں دل کالباس اور ہے دماغ کالباس اور روح کالباس اور ہے سر کالباس کچھ اور یونہی زمانہ امیری کالباس ہے اور ہے یعنی شکر اور فقیری کے زمانہ کالباس کچھ اور، لیکن یہ سب لباس دنیاوی زندگی کے ہیں وہ لباس روحانی وہ ہیں جو ہمیشہ دل و دماغ روح کے ساتھ رہتے ہیں یعنی عشق رسول اور خوف خدا کالباس ان سب کو ایک لفظ تقویٰ میں بیان فرمایا گیا۔

یٰبَنِیْۤ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ كَمَاۤ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یَنْزِعُ
اے اولاد آدم کی ہرگز فتنہ میں نہ ڈالے تم کو شیطان جس طرح نکالا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے اتارتا تھا ان
اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا
عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ؕ اِنَّهٗ یَرٰىكُمْ هُوَ وَ قَبِیْلُهٗ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْ
دونوں سے لباس ان کے تا کہ دکھا دے ان دونوں کو ستر ان کے بے شک دیکھتا تم کو وہ اور قبیلہ اس کا وہاں سے
اتروا دیئے ان کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بے شک وہ اور اس کا کنبہ تمہیں وہاں سے
نَهُمْ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۷﴾
نہیں دیکھتے تم ان کو بے شک بنایا ہم نے شیطان کو دوست واسطے ان لوگوں کے جو نہیں ایمان رکھتے
دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بے شک ہم نے شیطان کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ابلیس کی اس وقتی عداوت کا ذکر ہوا جو اسے آدم علیہ السلام سے تھی اب اس کی اس دائمی عداوت کا ذکر ہے جو اسے اولاد آدم علیہ السلام سے ہے گویا اس کی وقتی عداوت کے بعد دائمی عداوت کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں شیطان کے ایک فریب کا ذکر تھا۔ جس سے اس

نے آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر کیا اب اس کے دوسرے فریب کا ذکر ہے۔ جس سے وہ اولاد آدم کو جنت میں جانے سے روکتا ہے گویا اس کے فریب کی ایک نوعیت کے بعد دوسری نوعیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ جنت کی ہر نعمت حضرت آدم کھا سکتے تھے مگر ممنوعہ درخت کھانا مضر تھا۔ اس کی وجہ سے وہ جنت سے باہر آئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا کی ہر نعمتیں اے انسانو تم برت سکتے ہو سواء شرعی ممنوعی چیزوں کے۔ تمہارے جد امجد نے ممنوعہ درخت کو چکھا جنت سے باہر بھیجے گئے تم اگر شرعی ممنوعات کے قریب جاؤ گے تو جنت کے داخلہ سے محروم ہو جاؤ گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کا تفصیل وار بیان ہوا اب اس کا نتیجہ بتایا جا رہا ہے یعنی اس واقعہ سے تاقیامت عبرت حاصل کرنا گزشتہ قصے بیان فرمانے کا مقصد یہی ہوتا ہے۔ (کبیر)۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیت میں جسمانی اور روحانی لباس عطا فرمانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ ذرا اپنا لباس سنبھالے رہنا ایسا نہ ہو کہ شیطان تمہارے دل کا لباس تقویٰ تم سے دور کر دے پھر جسمانی لباس بھی دور کر دے تم ننگے ہو جاؤ یا ننگا لباس پہنو۔

تفسیر: **یا بنی ادم** اس کلمہ کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی کہ اس میں خطاب تاقیامت انسانوں سے ہے مرد ہوں یا عورتیں نیز اس خطاب میں حضرات انبیاء کرام داخل نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو ان پر قابو نہیں دیا کہ وہ ان حضرات کو جنت سے روک سکے **ان عبادی لیس لک علیھم سلطان** خصوصاً ہمارے حضور سلطان کونین صلی اللہ علیہ وسلم کی تو وہ شان ہے کہ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نظر کرم فرمادیں اس سے شیطان بھاگتا ہے۔ **ان الشیطان یفر من ظل عمر** حضرت عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے کیوں اس لئے کہ ان پر خاص نگاہ کرم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پڑ گئی اگرچہ شیطان مومن جنات کا بھی دشمن ہے۔ انہیں بھی بہکاتا ہے مگر اصلی عداوت اسے انسانوں سے ہے کہ وہ انہیں کے جد امجد کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا ہے۔ نیز جنات کے لئے جنت ہے ہی نہیں پھر انہیں جنت سے روکنے کے کیا معنی ان کے ایمان و اعمال کا ثواب یہ ہے کہ وہ دوزخ سے نجات پا جائیں "مٹی کر دیئے جائیں دیکھو سورۂ احقاف۔ ان وجوہ سے صرف بنی آدم سے خطاب فرمایا گیا۔ **لا یفتننکم الشیطان** اس عبارت میں بظاہر شیطان کو ممانعت فرمائی جارہی ہے مگر در حقیقت انسانوں کو ممانعت ہے کہ تم اس کے فتنہ میں واقع نہ ہو جانا فتنہ۔ کے لفظی معنی ہیں سونے کو آگ پر تپا نا گرم کرنا مگر اصطلاح میں محنت و مشقت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں اس سے مراد بد عقیدگیوں بدکاریوں میں مبتلا ہونا ہے کہ یہ کام مصیبتوں مشقتوں میں پڑ جانے کا سبب ہے یعنی خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو کفر و گناہوں میں مبتلا کر دے۔ جس سے تم مصیبتوں میں پڑ جاؤ اس کی مثال یہ ہے کہ **کما اخرج ابویکم من الجنۃ** یہاں ایک عبارت پوشیدہ **کما فتن ابویکم** یہ عبارت اس کا بیان یعنی اس نے تمہارے ماں باپ آدم و حوا کو مشقت میں ڈال دیا کہ انہیں جنت سے باہر کر دیا اگرچہ جنت سے باہر بھیجنے والا اللہ تعالیٰ ہے مگر چونکہ اس کا سبب شیطان تھا اس لئے یہاں اسے شیطان کی طرف نسبت کیا گیا ابوین سے مراد جدین ہیں یعنی آدم و حواء کیونکہ اب باپ دادا چچا وغیرہ سب کو کہا جاتا ہے جیسے ام ماں دادی نانی حتی کہ خالہ اور دودھ کی ماں ساس سب کو کہا جاتا ہے مگر والد اور والدہ صرف حقیقی ماں باپ کو کہتے ہیں خیال رہے کہ حضرت آدم و حواء کا زمین پر تشریف لانا ان حضرات کی عظمت و کرامت کی تمہید تھی کہ وہ یہاں آکر ہی ابوالبشر انبیاء و اولیاء کے باپ خلیفۃ اللہ بنے مگر صورۃً عتاب تھا اس لئے اس طرح ارشاد ہوا (تفسیر کبیر) **ینزع عنھما لباسھما** یہ عبارت یا تو اخرج کے فاعل سے حال ہے یا ابویکم سے ینزع حال ہے۔ جو ماضی کو واقعہ

بہ شکل حال بیان فرمارہا ہے (معانی) نزع کے معنی ہیں اتارنا کھینچنا چونکہ اس لباس کے اتارنے کا سبب اور ذریعہ قوی شیطان تھا اس لئے اس کی طرف اسے نسبت کیا گیا کہ شیطان ان کا لباس اتار رہا ہے۔ ہم یہ تحقیق پہلے کر چکے ہیں کہ ان کا لباس یا تو نور تھا یا ناخن اگر نور تھا تو وہ بالکل دور کر دیا گیا اگر ناخن تھا تو وہ سکڑ کر انگلیوں کے کنارے پر محدود کر دیا گیا۔ **لیریهما سواتهما** یہ عبارت متعلق ہے ینزع کے۔ یعنی ان کا لباس شیطان نے اس لئے اتروایا تاکہ ان دونوں کو ان کے ستر دکھاوے۔ **خیال رہے** کہ پردہ صرف انسانوں سے ہوتا ہے اس لئے **لیریهما** ارشاد ہوا ان دونوں حضرات نے آج تک اپنے ستر خود بھی نہ دیکھے تھے نہ ایک نے دوسرے کے لباس اترنے پر انہیں اپنے ستر خود بھی نظر پڑے اور ایک کو دوسرے کے بھی اس لئے **لیریهما فرمایا** گیا۔ اتنا مضمون سننے کے بعد کوئی نہ کہہ سکتا تھا کہ ابلیس نے حضرت آدم کو اس لئے دھوکہ دے دیا کہ وہ ان کے پاس پہنچ گیا ہم سے تو وہ لاکھوں کوس دور ہے ہم کو کیسے بہکائے گا یا کوئی کہتا کہ اس وقت شیطان جوان تھا اس کی طاقتیں بہت تھیں اب تو وہ لاکھوں برس کا بوڑھا ہو چکا اس کی طاقتیں ختم ہو چکیں اب کیسے بہکا سکتا ہے یہ دونوں شبہ دور فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ **انه یرکم هو و قبیله** انہ میں ہ کا مرجع شیطان ہے یراکم میں آنکھ سے دیکھنا مراد ہے کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے خواہ وہ کسی درجہ کا ہو۔ **خیال رہے** کہ ہر جماعت کو قبیل کہتے ہیں مگر قبیلہ ایک خاندان کو کہتے ہیں جو ایک ولد میں جمع ہوں (تفسیر کبیر و معانی) قبیل فرما کر یہ بتایا کہ رب نے اس کی پوری جماعت شیاطین کو یہ قوت دی ہے کہ وہ دنیا بھر کے انسانوں کو دیکھتے ہیں کہ کون کہاں ہے کیا کر رہا ہے اور کیا کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ خیال رہے کہ کسی میں تصرف کرنے کے لئے تین شرطیں ہیں (1) وہ سامنے والے سے خبردار ہو۔ (2) اس کے پاس آسکے۔ (3) اس میں تصرف کر سکے شیطان کو رب نے یہ تینوں طاقتیں دی ہیں اس کی وسعت علم کا ذکر تو اس میں ہوا اس کے پاس ہونے کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **لا تینهم من بین ایدیهم ومن خلفهم الخ** اس کے تصرف کا ذکر اس آیت میں ہوا **لا غوینهم اجمعین** ان آیات میں یہ بتایا گیا کہ اس کی طاقتیں کچھ کم نہیں ہو گئیں لاکھوں سال سے وہ ہے مگر اس کی ساری طاقتیں ویسی ہی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ حالت دائمی نہیں بلکہ یہ قضیہ مطلقہ عامہ ہے یعنی ابلیس اور اس کی ذریت ہمیشہ ہر آن ہر انسان کو دیکھے یہ مراد نہیں۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ جو کوئی بسم اللہ پڑھ کر پاخانے جائے تو شیطان اس کا ستر نہیں دیکھ سکتا۔ بسم اللہ شیطان سے پردہ و آڑ ہے ہاں **عموماً** وہ ہم سب کو دیکھتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ شیطان صرف ہماری صورتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ ہمارے ہر عضو اور ہر عضو کی حرکت کو دیکھتا ہے اور یہ بھی کہ انسان کے کسی عضو پر نور ایمان کی تجلی کم ہے جہاں اندھیرا ہے وہاں ہی یہ چور پہنچتا ہے۔ **حدیث شریف** میں ہے کہ شیطان انسان کے جسم میں خون کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ خیال رہے کہ ابلیس تمام شیاطین کا سردار ہے اس کا قبیلہ بہت ہے بعض کا نام قرین ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے بعض کا نام خنزب ہے بعض کا نام ولہان ہے جو مسجدوں خانقاہوں میں رہتے ہیں نماز یا وضو میں وسوسہ ڈالنے کے لئے۔ بعض شیاطین بازاروں میں بعض گندی جگہوں پاخانہ وغیرہ میں رہتے ہیں یہ سب ابلیس کا قبیلہ ہے۔ جس کا ذکر یہاں ہے۔ **من حیث لا ترونهم** اس کا تعلق **یراکم** سے ہے **من** ابتدائیہ ہے **حیث** ظرف مکان یعنی وہ شیاطین تم کو ایسی جگہ سے دیکھتے ہیں کہ تم ان کو نہیں دیکھتے اس طرح کہ وہ ایک جگہ رہ کر تم سب کو دیکھتے ہیں یا تمہارے ساتھ رہتے پھرتے ہیں مگر تم کو نظر نہیں آتے ان کی نظر میں یہ طاقت ہے کہ وہ تم کو دیکھ لیں مگر تمہاری آنکھ میں یہ طاقت نہیں کہ تم انہیں دیکھو بہر حال جو دشمن ہم کو دیکھتے مگر وہ ہمیں نظر نہ آوے بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔

خیال رہے کہ یہاں بھی عمومی حالات کا ذکر ہے کہ جب شیاطین اپنی شکل میں ہوتے ہیں تب ہم کو نظر نہیں آتے مگر جب شکل انسانی میں ہوں تو ہم کو نظر آجاتے ہیں نیز بعض مقبول انسان شیاطین کو ان کی شکل میں دیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت ان احادیث کے خلاف نہیں کہ آج ہم نے شیطان کو پکڑ لیا تھا اگر اسے باندھ دیتے تو مدینہ کے بچے اس سے کھیلتے نہ ان آیات کے خلاف ہے کہ شیاطین پر حضرت سلیمان راج کرتے تھے۔ **یعملون له ما یشاء من محاریب و تماثیل** حضرت ابو ہریرہ اور حضرت امیر معاویہ نے شیطان کو پکڑ لیا تو خوشامد ہی کر کے چھوٹا آج بعض عاملین جنات کو قید کر دیتے ہیں۔ بہرحال آیت کریمہ صاف ہے یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ فرشتے اور جنات دونوں ہی مختلف شکلیں اختیار کر سکتے ہیں۔ اور انسان کو نظر آسکتے ہیں مگر فرشتے اچھی شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ رہے جنات و شیاطین وہ کتے بلے سانپ وغیرہ کی شکلوں میں بھی آسکتے ہیں ان پر انسان قابو پا سکتے ہیں فرشتوں پر کوئی قابو نہیں پا سکتا (تفسیر صاوی) **انا جعلنا الشیاطین اولیاء للذین لا یومنون۔** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **لا یفتننکم** کی علت اور وجہ ہے شیاطین سے مراد ابلیس اور اس ذریت ہے۔ جن میں وہ قرین شیطان بھی داخل ہے جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتا ہے بہکانے کے لئے اولیاء جمع ہے ولی کی۔ ولی کے تین معنی ہیں دوست 'مددگار' قریب یہاں تینوں معنی درست ہیں۔ شیاطین بے ایمان انسانوں کے دوست بھی ہیں ان کے مددگار بھی ان سے قریب بھی ان کے مقابل مومن متقیوں سے وہ دور بھی ہیں دشمن بھی الذین سے مراد ہیں انسان اور **لا یومنون** سے مراد ہے سارے کفار۔ مشرکین ہوں یا کوئی اور ممکن ہے کہ ان سے مراد وہ کفار ہوں جن کا ایمان نہ لانا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ہے یعنی ہم نے ابلیس اور اس ذریت کو ان انسانوں کا دوست یا مددگار بنایا ہے جو ایمان نہیں رکھتے۔ رہے مومنین صالحین 'ان سے شیاطین بہت جلتے ہیں یا ہم نے ابلیس اور اس کی ذریت کو ان انسانوں پر قابو اور تسلط دیا ہے جو ایمان سے خالی ہیں۔ رہے مومنین وہ بفضلہ تعالیٰ ان کے قابو سے باہر ہیں۔ چور وہاں جاتا ہے جہاں ظلمت بھی ہو غفلت بھی یہ مومنین نہ ظلمت میں ہیں نہ غفلت میں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے آدم علیہ السلام کی اولاد تم اپنے دادا دادی آدم و حوا کا واقعہ شیطان کا واقعہ فریب سن چکے یہ خیال نہ کرنا کہ وہ ایک اتفاقی واقعہ تھا جو ہو گیا ذرا ہوشیار رہنا ایسا نہ ہو کہ شیطان تم کو بھی فتنہ اور مصیبت میں پھنسا دے۔ جناب آدم کو تو اس نے جنت سے باہر بھجوایا ان سے ان کا جنتی لباس اتروایا۔ ان کو برہنا کرایا اور تمہیں جنت میں جانے کے قابل نہ رہنے دے تم کو ایسے عقائد و اعمال کی طرف دھکیل دے۔ جو جنت سے دور رکھیں ایک آن بھی اس سے غافل نہ رہو وہ تمہارا ایسا قوی دشمن ہے کہ وہ اور اس کی ذریت تم سب کو ہر وقت ہر طرح ہر حالت میں دیکھتی ہے تمہارے ہر حال ہر نیت ارادے ہر ادا سے خبردار ہیں مگر تم ان کو نہیں دیکھتے کہ تم کثیف ہو وہ لوگ لطیف ایسا چھپا دشمن جو نظر نہ آئے بہت خطرناک ہوتا ہے۔ خیال رکھو کہ شیطان کا قابو انہیں لوگوں پر ہے جو ایمان سے خالی ہیں مومن متقی بن کر رہو ایمان اس سے بچاؤ کا بہترین قلعہ ہے۔ تقویٰ اس کے مقابلہ بہترین ہتھیار انسان چار قسم کے ہیں مومن متقی 'مومن فاسق 'کافر بدکار 'کافر نیک کردار 'مومن متقی کا شیطان سخت دشمن ہے اور ان سے ڈرتا بھی ہے جلتا بھنتا بھی مومن فاسق سے کچھ امیدیں لگائے رہتا ہے کافر نیک کار سے خوش ہے کہ جب اسے کافر بنا دیا تو اس کی نیکیاں بیکار ہیں مگر کافر بدکار کا گہرا یار ہے یہاں اس چوتھی جماعت کا ذکر ہے۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا ہے کہ ہم میں چار کمال ہے۔ (1) ہم سب کو دیکھتے ہیں۔ (2) ہم کو کوئی نہیں دیکھتا۔ (3) ہم کسی کے قابو میں نہیں آتے چپکے سے نکل جاتے ہیں۔ (4) ہم بوڑھے ہو کر پھر جوان ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر کبیر و صاوی و خازن) حضرت ابن عباس سے

مرفوعاً روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شیطان کا گھر انسانوں کے سینوں میں ہے سواء ان لوگوں کے جنہیں اللہ محفوظ رکھے۔ (خازن، صاوی)

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے جب تک ایمان پر خاتمہ نصیب نہ ہو جائے تب تک اس سے بے فکر نہ ہو۔ یہ فائدہ **لا یفتننکم الخ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** شیطان نے حضرت آدم و حواء کو نہایت گہری چال سے جنت سے باہر کیا ہم لوگ جو ابھی جنت سے باہر ہیں ہمارے متعلق اس کی یہ کوشش ہے کہ ہم جنت میں نہ جانے پائیں اس کے ساتھ دوزخ میں جائیں۔ یہ فائدہ **کما اخرج الخ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حضرت آدم و حواء جنت میں عتاب سے پہلے نہ تو تنہائی میں برہنہ رہتے تھے نہ ایک دوسرے کے سامنے کیونکہ انسان کو صرف دو وقت ننگا ہونا پڑتا ہے استنجاء کے وقت اور صحبت کے وقت وہاں جنت میں استنجاء کا تو سوال ہی نہیں تھا۔ صحبت بھی بغیر برہنگی کے ہوتی تھی۔ یہ فائدہ **ینزع عنھما الخ** سے حاصل ہوا کہ آج عتاب کے وقت ان کے لباس اترے، فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جانوروں کی طرح ننگے ہو کر صحبت نہ کرو۔ اللہ والے کہتے ہیں کہ اس سے اولاد بے حیا پیدا ہوتی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** یہ احکام استحبابی ہیں ورنہ خاوند بیوی کا آپس میں پردہ نہیں وہ ایک دوسرے کا ستر دیکھیں تو گنہگار نہیں یہ فائدہ **لیریھما الخ** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے انہیں گناہ سے محفوظ رکھا اگر یہ کام گناہ ہوتا تو وہ ایک دوسرے کے سامنے برہنہ نہ کئے جاتے۔ **پانچواں فائدہ:** شیطان کا داؤ یہ ہے کہ انسان کا لباس اتار دے پہلے دل کا لباس یعنی تقویٰ دور کرے پھر جسمانی لباس اتروادے آج کل عورتوں کی بے پردگی۔ بہت باریک ننگے لباس۔ جن سے پردہ حاصل نہ ہو یہ سب شیطان کا داؤ ہے۔ یہ فائدہ **ینزع عنھما لباسھما** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** شیطان اور اس کی ذریت انسانوں کو جنت سے دور رکھنے کی کوشش میں ہے تو ضرور ہے کہ اللہ کے بعض بندے ہم جیسوں کو جنت میں لے جانے کی کوشش میں ہوں شیطان جنت سے نکال سکتا ہے ستر ظاہر کر سکتا ہے جنتی لباس اتار سکتا ہے تو حبیب رحمان صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاص خدام جنت میں پہنچا سکتے ہیں ہماری ستر پوشی عیب پوشی کر سکتے ہیں کیونکہ رب نے ہر چیز کا توڑ ضرور پیدا کیا۔ یہ فائدہ **اخرج اور ینزع اور لیریھما** سے حاصل ہوا کہ رب نے ان تینوں فعلوں کا فاعل شیطان کو قرار دیا۔ **ساتواں فائدہ:** شیطان ہر جگہ حاضر بھی ہے اور ناظر بھی لہٰذا ہر جگہ حاضر ناظر ہونا رب تعالیٰ کی صفت نہیں وہ تو جگہ سے پاک ہے یہ صفات اس نے بعض بندوں کو بخشی ہیں یہ فائدہ **یرا کم ھو الخ** سے حاصل ہوا کہ کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور یری دوام و استمرار کے لئے ہے یعنی وہ ہر وقت ہر حال میں تم سب کو دیکھ رہا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ خدا کے سواء کسی کو ہر جگہ حاضر ناظر ماننا شرک ہے وہ اس آیت میں غور کریں بلکہ دوسری آیت میں تو فرمایا گیا ہے کہ شیطان کو انسانوں پر تسلط بھی حاصل ہے وہ انسانوں کو دیوانہ بھی کر دیتا ہے۔ **یتخبطہ الشیطان من المس** جب شیطان جو گمراہ گر ہے اور نری بیماری اس کو ایسی قوت بخشی گئی ہے تو حضرات اولیاء اللہ انبیاء کرام جو اس بیماری کا علاج ہیں وہ بھی بفضلہ تعالیٰ اپنے غلاموں کے پاس حاضران کے حالات کے ناظر ہیں وہ شیطان سے بچا کر راہ راست پر لا سکتے ہیں۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

نظرت الی بلاد اللہ جمعا   کخردلۃ علی حکم اتصال

حضور سرکار فرماتے ہیں **فتجلی لی کل شئ و عرفت** ۔ آصف برخیا آن کی آن میں تخت بلقیس یمن سے فلسطین میں لے

آئے وہ حاضر ناظر ساتھ ہیں قادر بھی نہ ہوتے تو یہ کام ناممکن ہوتا۔ رب فرماتا ہے **انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** میں پلک جھپکنے سے پہلے آپ کی خدمت میں تخت لے آؤں گا پھر جیسے شیطان کی طاقتیں کم نہیں ہو گئیں وہ اسی طرح علم ' تصرف ہر جگہ پہنچنے کی طاقت رکھتا ہے لہذا حضرات اولیاء اللہ خصوصاً" حضور سید انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعد وفات یہ طاقتیں کم نہیں ہو گئیں ' وہ قبور میں سے سب کچھ کر رہے ہیں۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ بیماری موجود رہے اور طبیب ختم کر دیا جاوے۔ جب مرض باقی ہے تو دوائیں اور طبیب سب کچھ باقی اہل قبور سے مایوسی طریقہ کفار ہے۔ رب فرماتا ہے **کما یئس الکفار من اصحاب القبور**۔ آٹھواں فائدہ: جہاں ولی من دون اللہ کی برائیاں قرآن مجید میں آئی ہیں وہاں یہ شیطان ہی مراد ہے **ولی اللہ** اور ہیں **ولی من دون اللہ** اور یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے یہ فائدہ **جعلنا الشیطین اولیاء الخ** سے حاصل ہوا مومنوں کے مددگار دوست اولیاء اللہ ہیں کفار کے مددگار دوست اولیاء من دون اللہ ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔ نواں فائدہ: ایمان و تقویٰ شیطان سے حفاظت کا بہترین مضبوط قلعہ ہے اگر شیطان سے حفاظت چاہتے ہو تو اس قلعہ میں رہو۔ یہ فائدہ **للذین لا یومنون** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: جب جنت سے نکالنے کی نسبت شیطان کی طرف کر سکتے ہیں تو جنت عطا کرنے کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھی کر سکتے ہیں۔ کہہ سکتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو جنت میں پہنچائیں گے جنت عطا فرمائیں گے حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ میں آپ سے مانگتا ہوں 'جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔ **اسئلک مرافقتک فی الجنۃ** (مسلم شریف) یہ فائدہ **اخرج ابویکم الخ** سے حاصل ہوا کہ اس آیت میں ہی جنت سے نکالنے کپڑے اتارنے ایک دوسرے کو ستر دکھانے ان تینوں کاموں کو شیطان کی طرف نسبت کیا گیا۔ حالانکہ یہ کام اللہ تعالیٰ کے ہیں رب نے ہر مرض کی دوا پیدا کی ہے۔ شیطان بیماری ہے تو حضرات انبیاء و اولیاء کرام اس کا علاج ہیں **لکل داء دواء** ہر بیماری کی دواء ہے تو شیطان کی دوا ضرور ہے۔ گیارہواں فائدہ: شیطان دشمن ہے اس سے دور رہو تو اللہ کے مقبول بندے دوست ہیں ان سے قریب رہو **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** بارہواں فائدہ: موذی دشمن یعنی شیطان ہر دم ہمارے پاس ہمارے ساتھ ہے لہذا اللہ کے مقبول بندے بھی ہمارے ساتھ ہمارے پاس ہیں کیونکہ مرض کی جگہ دوا چاہئے رب نے فرمایا **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** یہ فائدہ **لا یفتننکم الشیطان الخ** سے حاصل ہوا جہاں چالیس متقی مسلمان ہوں وہاں کوئی ولی ضرور ہوتا ہے۔

پہلا اعتراض: شیطان تو ہر مومن کا دشمن ہے خواہ انسان ہو یا جن پھر یہاں صرف انسان سے یہ خطاب کیوں فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا یابنی آدم۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں جن میں سے آسان اور قوی جواب یہ ہے کہ ثواب کے لئے جنت کی عطا صرف مومن انسانوں کو ہے اس مردود کی کوشش یہ ہے کہ انسانوں کو جنت سے روکا جاوے انہیں نہ جانے دیا جاوے۔ اس کی یہ دشمنی صرف انسانوں کے لئے ہے مومن جنات کے لئے جنت نہیں اور فرشتوں کے لئے جنت کا ثواب نہیں جو فرشتے وہاں ہیں وہ مومن انسانوں کی خدمت کے لئے ہیں جیسے حور و غلمان۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں بنی آدم کیوں فرمایا گیا انسان کیوں نہ کہا گیا۔ **جواب**: تاکہ شیطان کی دشمنی کی وجہ بھی بیان ہو جاوے کہ اس کی دشمنی تم سے اس لئے ہے کہ تم آدم علیہ السلام کی اولاد ہو اور وہ مردود آدم علیہ السلام کی وجہ سے جنت سے نکالا گیا لہذا وہ تمہارا دوست کبھی نہیں ہو سکتا تمہارا اولاد

آدم ہونا اس کی دشمنی کی وجہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں تین کاموں کا فاعل شیطان کو قرار دیا گیا۔ حضرت آدم و حوا کو جنت سے باہر کرنا۔ ان کے لباس اتارنا۔ ان کے ستر انہیں دکھانا۔ حالانکہ یہ تینوں کام اللہ تعالیٰ کے ہیں اس مردود نے تو صرف گندم کھلایا تھا۔ **جواب:** یہاں ان فعلوں کی نسبت سبب کی طرف ہے شیطان ان سب کاموں کا سبب بنا نیز اس میں بارگاہ الٰہی کا ادب سکھایا گیا ہے کہ تکالیف و مصائب کو رب کی طرف نسبت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہوتا ہوں تو رب مجھے شفا دیتا ہے حالانکہ بیماری بھی رب تعالیٰ کے حکم سے ہی آتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** ابلیس اور اس کی ذریت کو رب تعالیٰ نے اتنی قوت کیوں دی کہ وہ لوگ بیک وقت سارے انسانوں کو دیکھتے ہیں ان کے ارادوں خطرات سے خبردار ہیں یہ تو بڑا ظلم ہے نعوذ باللہ (آریہ)۔ **جواب:** وہ رب کریم کبھی کسی پر ظلم نہیں کرتا اس نے جہاں اتنا قوی ابلیس پیدا کیا ہے تو اس سے بڑھ کر قوت والے انبیاء اولیا پیدا فرمائے جو شیطان کا توڑ ہیں اور اس سے زیادہ طاقت والے ہیں اگر اس رحیم نے نہایت تیز دھوپ پیدا فرمائی ہے تو اس کے توڑ کے لئے تیز بارش بھی پیدا کی ہے اگر اس نے سخت بھوک پیاس اور بیماریاں پیدا کی ہیں تو ان کے توڑ کے لئے غذائیں پانی شربت اور دوائیں بھی پیدا فرمائیں اس جوڑ توڑ سے دنیا کا نظام قائم ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ تم ابلیس اور اس کی ذریت کو نہیں دیکھتے حالانکہ بہت انسانوں نے انہیں دیکھا ہے اسے قید بھی کر دیا ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ بعض انسان شیاطین کو کتے بلے یا انسانوں کی شکل میں دیکھتے ہیں جب وہ مردود اپنی اصلی شکل میں ہوں تو نظر نہیں آتے یا یہ ذکر ہے عام انسانوں اور عام حالات کا کہ ہر آدمی انہیں ہروقت نہیں دیکھتا وہ ہر آدمی کو ہروقت دیکھتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ شیطان کفار انسانوں کے دوست ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ شیطان ہر انسان کا کھلا دشمن ہے مومن ہو یا کافر۔ **ان الشیطان للانسان عدو مبین** دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اگر یہاں اولیاء معنی مددگار ہو تب تو کوئی اعتراض پڑتا ہی نہیں کہ شیطان انسانوں کی مدد کرتا ہے کفر و گناہ کرنے پر اور اگر معنی دوست ہے تو یہاں ظاہر کا بیان ہے اور ان آیات میں حقیقت کا ذکر ہے یعنی شیطان کفار کا بظاہر دوست ہے ان کے پاس دوستی کے لباس میں آتا ہے اور حقیقت میں وہ ان کا دشمن ہے لہٰذا دونوں آیتیں اپنی جگہ درست ہیں۔ **ساتواں اعتراض:** رب تعالیٰ نے گمراہ کرنے والے شیطان کو عمر دراز عطا فرما دی مگر کسی ہادی نبی ولی کو اتنی عمر نہ دی یہ تو انصاف کے خلاف ہے کہ بیماری کو موت نہیں اور علاج کو موت دیدی۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ رب جانتا ہے کہ مقبولوں کی وفات کے بعد ان کے فیوض ختم نہیں ہوتے بلکہ اور زیادہ ہو جاتے ہیں پھر انہیں دنیا کی تکالیف میں زیادہ کیوں رکھا جاوے ابلیس اگر مر جاتا تو اس کے تصرفات وغیرہ سب ختم ہو جاتے مقصود یہ تھا کہ اس مردود کی گمراہ گری باقی رہے تاکہ مسلمانوں کو ان کے اعمال کے ثواب ملتے رہیں۔ ادھر شیطان باقی ادھر اللہ والوں کے فیضان غیر فانی رب تعالیٰ کے کاموں میں حکمتیں ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو رب تعالیٰ نے دو قسم کے لباس عطا فرمائے ہیں۔ جسمانی لباس جو سوت یا اون یا ریشم وغیرہ سے تیار ہوتا ہے دوسرے جنانی دلی لباس ایمان تقویٰ خوف خدا عشق پاک مصطفیٰ کا لباس جو کارخانہ قدرت میں اطاعت، میلان قلبی وغیرہ سے تیار ہوتا ہے۔ شیطان ایک بار حضرت آدم سے جسمانی لباس اتار چکا مگر ان کی اولاد سے دلی لباس اتار دینے ان کے دل کو ذوق، خوف، شوق، اطاعت سوز و گداز کے لباس سے ننگا کر دینے کی فکر میں ہمیشہ لگا رہتا ہے اس لئے یہاں فرمایا گیا کہ لوگو تم یہ

مت سمجھنا کہ لباس اتارنے کا واقعہ ایک بار ہو چکا' نہیں اس کا یہ کام ہمیشہ جاری ہے ذرا ہوش کرنا صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان ایسا قوی دشمن ہے کہ وہ ہم کو دیکھتا ہے ہم اس کو نہیں دیکھتے تو ایسی ذات کی پناہ لو جو شیطان کو دیکھے شیطان اسے نہ دیکھے یعنی اللہ تعالیٰ اس کی پناہ کے بغیر اس موذی سے نہیں مل سکتی اس لئے ارشاد ہوا **فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم** ہم کہتے ہیں **اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم** اور اللہ کی پناہ یہ ہے کہ اس کے بنے ہوئے قلعوں کی حفاظت میں ہم آجائیں حضرات انبیاء و اولیاء کے آستانہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ محفوظ قلعہ ہیں رب فرماتا ہے۔ **وکونوا مع الصادقین** شیطان چند آدمیوں کا بہت گہرا دوست ہے۔ کفار' ظالم' حاکم' غنی' متکبر' تاجر خائن' شرابی' فسادی' ریاکار' مال یتیم کھانے والا' سود خوار مانع زکوٰۃ' دنیا میں بڑی لمبی امیدیں باندھنے والا اور اس مردود کو چند شخصوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ عادل' حاکم' غنی تواضع و عجز والا' سچا تاجر' خشوع خضوع والا عالم' خیر خواہ مومن' ہمیشہ توبہ کرنے والا' حرام سے بچنے والا' سخی مومن' اچھے اخلاق والا' لوگوں کو نفع دینے والا' ہمیشہ پاک صاف رہنے والا' حامل قرآن' تہجد گزار۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہی مقام۔ لہذا کوشش کرو کہ شیطان کے دوستوں میں سے نہ بنو اس کے دشمنوں میں سے رہو اس لئے یہاں لایومنون ارشاد ہوا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے ہوا جب لطیف ہو تو نظر نہیں آتی مگر جب اس کے ساتھ غبار ہو تو بالواسطہ دیکھ لی جاتی ہے یونہی شیطان جب اپنی شکل میں ہو تو ہم کو نظر نہیں آتا مگر جب حیوانی یا انسانی شکل میں ہو تو نظر آجاتا ہے۔ کبھی وہ انسان میں اس طرح سرایت کر لیتا ہے کہ انسان کو دیوانہ کر دیتا ہے جب اسے پکڑ کر مارا جاوے تو شیطان کو چوٹ لگتی ہے اس آدمی کو کچھ محسوس نہیں ہوتا اس میں یہ بھی طاقت ہے کہ انسان کے جسم میں سرایت کرے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے شیاطین کفار کے دوست مددگار اور قریب ہیں یونہی ان کے مقابل مومنین صالحین کے دوست ان کے مددگار ان سے قریب' حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خدام حضرات اولیاء و علماء۔ گناہ کرو شیطان خوش ہوگا۔ نیکی کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خدام خوش ہوں گے۔ اگر تم کفار سے قریب ہو گئے تو شیطان سے قریب ہو جاؤ گے اور اگر اولیاء نبیوں سے قریب ہو گئے۔ تو اللہ سے قریب ہو جاؤ گے **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** اور فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین** مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا او نشیند در حضور اولیاء

وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَیْهَاۤ اٰبَآءَنَا وَ اللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا قُلْ اِنَّ
اور جب کرتے ہیں وہ فحش کام تو کہتے ہیں کہ پایا ہم نے اوپر اس کے باپ دادوں کو اپنے اور خدا نے حکم دیا
اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم
اللّٰهَ لَا یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾
ہم کو اس کا فرما دو کہ بے شک اللہ نہیں حکم دیتا فحش کا کیا کہتے ہو تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں جانتے ہو تم
دیا تم فرماؤ بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ بات لگاتے ہو جس کی تمہیں خبر نہیں

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں شیطان کے اس فریب کا ذکر تھا جو اس نے آدم علیہ السلام کے ساتھ کیا اب ابلیس کے اس فریب کا ذکر ہے جو برابر وہ اولاد آدم کو دے رہا ہے گویا اس کے ایک فریب کے بعد دوسرے فریب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں شیطان کے اس فریب کا ذکر تھا جس میں عقل انسانی دھوکہ کھا سکتی ہے یعنی گندم کھانا اب اس کے ایسے فریب کا ذکر ہے جو عقل انسانی کے بھی خلاف ہے یعنی شرک کفر ننگے طواف کرنا وغیرہ گویا معمولی فریب کے بعد اس کے بدترین فریب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں انسانوں کو تنبیہ کی گئی تھی کہ شیطان سے غافل نہ رہنا یہ ہروقت تمہاری فکر میں ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ انسان اس کے فریب میں آگیا اور ایسی حرکتیں کرنے لگا جو جانور بھی نہ کریں۔

تفسیر : **واذ فعلوا فاحشتہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے اذ ظرف دوام کے لئے ہے یعنی جب کبھی فعلوا کا فاعل کفار مکہ ہیں، جو بدترین گناہوں کو بہترین عبارت سمجھتے تھے۔ **فاحشہ اور فحش** شے یعنی حد سے بڑھ جانا فاحشہ سے مراد وہ گناہ ہیں جو برائی میں سے بڑھے ہوں اس سے مراد یا تو ان کفار کی بد عقیدگیاں ہیں شرک کفر وغیرہ تو فعلوا سے مراد ہے اختیار کرنا یا اس سے مراد ہے بحیرہ سائبہ جانور مقرر کرنا یا غیر خدا کے نام پر جانور ذبح کرنا یا ایکدم ننگے طواف کرنا مردوں عورتوں کا ننگے خلط ملط ہونا۔ بہتر یہ ہے کہ اس سے سارے گناہ کبیرہ مراد ہوں اعتقادی گناہ ہوں یا عملی ان کی عبادات ہوں یا عبادات۔ یہ تفسیر بہت جامع ہے۔ **قالوا وجدنا علیھا اباء نا** کفار کا یہ قول مومنین صالحین کے جواب میں ہے یعنی جب مسلمان انہیں ان جرموں پر ملامت کرتے عار دلاتے ہیں تو ان تمام کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ کام بہت اچھے ہیں ان کی اچھائی پر وہ دلیلیں پیش کرتے ہیں ایک یہ کہ صدیوں سے ہمارے باپ دادے یہی کام کرتے چلے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ لوگ عاقل سمجھدار بڑے دنیادار تھے ان کا اس پر کاربند رہنا اس کی علامت ہے کہ یہ کام اچھے ہیں اگر برے ہوتے تو وہ لوگ نہ کرتے ان کی یہ دلیل بہت ہی غلط تھی کیونکہ ہر چیز کا معیار علیحدہ ہے آنکھ سے اچھے برے رنگ جانو' ناک سے اچھی بری بو معلوم کرو' کان سے اچھی بری آوازیں محسوس کرو' زبان سے اچھے برے مزے محسوس کرو' جو آنکھ سے مزے چکھنا چاہے، وہ پاگل ہے یونہی اچھی بری چیزیں محسوس کرنے کے لئے کفار معیار نہیں اس کا معیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک ہے اور مومنین صالحین کا عمل جیساکہ ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے اس لئے اس کا جواب رب نے نہ دیا دوسرا عذر یہ کرتے ہیں کہ **واللہ امرنا بھا** اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ہمارے باپ دادوں کو اللہ نے ان کاموں کا حکم دیا تھا وہ لوگ خدا تعالیٰ کے حکم سے یہ سب کچھ کرتے تھے تو امرنا سے مراد ہے **امر اباء نا** - دوسرے یہ کہ خود ہم کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ ہم یہ کام کیا کریں ہم حکم الٰہی سے بت پرستی' ننگے طواف وغیرہ حرکتیں کرتے ہیں یہ ان کی بالکل دھاندلی تھی وہ یہ نہیں بتاسکتے تھے کہ رب کا حکم ہم تک کیسے پہنچایا ہمارے باپ دادوں کو کیسے معلوم ہوا کہ وہ حکم الٰہی ہے۔ خیال رہے کہ ان کا پہلا بہانہ تو جواب دینے کے قابل تھا ہی نہیں کیونکہ عبادات اور کار ثواب کے لئے صرف عقلی دلائل یا باپ دادوں کا قول کافی نہیں عبادات کا تعلق آخرت سے ہے کسی کی عقل یا کفار کی جماعت کا قول فعل انہیں ثابت نہیں کر سکتا۔ دوسرا بہانہ قابل جواب کے ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **قل ان اللہ لا یامر بالفحشاء**۔ ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ ان کفار

نے رب تعالیٰ پر بہتان باندھا کہ اس نے ہم کو فحش و بدکاریوں کا حکم دیا ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے گواہ ہیں **انا ارسلناک شاھدا** اس لئے ارشاد ہوا کہ اے محبوب چونکہ انہوں نے میری ذات کریم پر حملہ کیا ہے لہٰذا انہیں تم جواب دو روئے سخن انہیں مذکورین کفار کی طرف ہے۔ یعنی ان لوگوں سے یہ کہہ دو کہ تم اللہ پر جھوٹ باندھتے ہو وہ حکیم ہے اور حکیم کبھی بری باتوں کا حکم نہیں دیتا اس کے احکام حکمت پر مبنی ہوتے ہیں یہ فحش باتیں حکمت سے دور کا تعلق بھی نہیں رکھتیں۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ فاعل کی شان سے فعل کی نسبت ہوتی ہے اگر کوئی کہے کہ حضور خواجہ اجمیری نے سود لینے کا حکم دیا ہے کوئی نہ مانے گا کیونکہ خواجہ صاحب تقدس بزرگی میں مانے ہوئے ہیں یا کوئی کہے کہ حضور داتا صاحب نے رشوت کا حکم دیا ہے ہرگز نہ مانا جاوے گا کیونکہ داتا صاحب یہ کہہ سکتے ہی نہیں یونہی رب تعالیٰ کا علیم خبیر حکیم ہونا جانا پہچانا مانا ہوا ہے، حکیم ایسے برے حکم کیسے دے سکتا ہے اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ میں رب کی ذات و صفات کا جاننے والا ہوں کہ لاکھوں سال میں نے اکیلے اس کی عبادت کی ہے میں جانتا ہوں کہ وہ ایسے حکم نہیں دے سکتا اس کی دلیل یوں ارشاد فرمائی **اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون** اس فرمان عالی میں یہ سوال تعجب کے اظہار کیلئے ہے جب قول کے بعد **علی** آئے تو اس کا مطلب ہوتا ہے اس پر جھوٹ باندھنا کہ اس نے نہ کہا ہو اور یہ کہہ دے کہ فلاں نے یہ کہا ہے گویا دوہرا جھوٹ بولے کلام بھی جھوٹا ہو اور نسبت بھی جھوٹی غلط اس لئے اس کی سزا بھی ڈبل ہے۔ **ما** سے مراد وہ عقائد و فحش گناہ ہیں جنہیں وہ رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے تھے اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ تم نے یہ کہاں سے معلوم کیا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ حکم دیا ہے کہ براہ راست تم سے رب تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے یا کسی نبی رسول کی معرفت یہ حکم بھیجا ہے یہ دونوں باتیں تو غلط ہیں کیونکہ تم سے رب نے کلام فرمایا نہیں اور تم تک کسی نبی کی تعلیم پہنچی نہیں بلکہ تم نبوت کے قائل ہی نہیں۔ پھر تم کو یہ باتیں کس طرح معلوم ہوئیں تم بڑے جھوٹے اور خدا تعالیٰ پر افتراء کرنے والے ہو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ حضرت جبرئیل سے کلام فرماتا ہے اور جناب جبریل حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے اس طرح ہم تک کلام و پیام ربانی پہنچتا ہے مگر ہم تو بہرحال نبی کے بالکل حاجتمند ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر وسیلہ ہم تک رب کا فرمان پیغام فیضان نہیں پہنچتا۔ مگر نبی جناب جبریل کے حاجتمند نہیں ان کی وحی کی چار صورتیں ہیں بذریعہ جبریل جو آئے وہ وحی عرش پر معراج میں جا کر بلاواسطہ رب سے کلام ہو وہ وحی **ثم دنی فتدلی فکان قاب قوسین او ادنی فاوحی الی عبدہ ما اوحی** نبی کی خواب وحی **انی اری فی المنام انی اذبحک** بے ساختہ زبان پاک پر جو جاری ہو وحی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **الا الاذخر** یعنی اذخر حرم میں کاٹ لیا کرو اگر ہم ہاں کہہ دیتے تو ہر سال حج فرض ہو جاتا۔ نبوت ذریعہ ہے عبدیت کے الوہیت سے فیض لینے کا وحی کا ٹیلی فون انہیں کے کان پر ہے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے نبی کا کان عرشی ہوتا ہے زبان فرشی۔

خلاصہ تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ابلیس اور اس کی انسان دشمنی کے متعلق بہت کچھ ملاحظہ فرما چکے اب نادان انسانوں کا حال بھی ملاحظہ کیجئے جو اس کے بہکانے میں آ گئے کہ کفار مکہ نے گندے عقیدے نہایت گھنونے کام اختیار کر رکھے ہیں جیسے شراب خوری زندہ بچیوں کو دفن کرنا حج کے زمانہ میں گھروں میں پیچھے سے آنا اور کعبہ معظمہ کا ننگے بدن طواف کرنا۔ عورتیں مرد سارے کے سارے یکدم ننگے طواف کر لیں جب کوئی ان سے کہتا ہے کہ تم کیا غضب کرتے ہو تمہیں شرم نہیں آتی تو نہایت دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ ہمارے یہ کام بہت اچھے ہیں ان کی اچھائی کی ہمارے پاس دو دلیلیں ہیں ایک یہ کہ

صدیوں سے ہمارے باپ دادے یہ کام کرتے چلے آئے ہیں وہ لوگ بہت عقلمند اور نیک لوگ تھے دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان کاموں کا حکم دیا ہے وہ ہمارے ان کاموں سے راضی ہے ہم کو ان پر ثواب ملے گا ان کی پہلی دلیل تو ظاہر ظہور غلط ہے اگر دنیا بھر کے لوگ کسی برے کام پر متفق ہو جاویں تو وہ اچھا نہیں بن جاتا۔ رہی ان کی دوسری دلیل اس کے متعلق فرمادو کہ تم جھوٹے ہو اللہ تعالیٰ علیم ہے خبیر ہے حکیم ہے علم و حکمت والا رب کبھی ایسے گندے فحش کاموں کا حکم نہیں دیتا اور اے بے وقوفو تم جو کہتے ہو کہ ہم کو اللہ نے اس کا حکم دیا ہے تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کیا براہ راست تم سے رب نے یہ کہا ہے یا کسی نبی اور آسمانی کتب کے ذریعہ تم کو یہ حکم پہنچا ہے ظاہر ہے کہ ان دونوں باتوں میں سے کچھ بھی نہیں تم سے رب کلام نہیں فرماتا تم کسی نبی کو مانتے نہیں نہ کسی رسول کی شریعت کے تم پیروکار ہو پھر تمہیں رب کا یہ حکم کیسے پہنچا ہو تو ان حرکات سے باز آؤ اللہ کے نیک بندے بنو۔ خیال رہے کہ قدرت نے مختلف چیزوں کی برائی بھلائی معلوم کرنے کے لئے مختلف معیار بنائے ہیں آنکھ سے برے بھلے رنگ ناک سے بھی بھلی بو زبان سے میٹھے کڑوے مزے کان سے بری بھلی آوازیں معلوم کی جاتی ہیں جو کوئی کسی چیز کا مزہ معلوم کرنے کے لئے اسے آنکھ میں ڈالے وہ دیوانہ ہے ایسے ہی دنیاوی برائی بھلائی معلوم کرنے کے لئے لوگوں کا قول ان کا تجربہ معیار ہے ’بنفشہ کا دافع زکام ہونا‘ ’سقمونیا کا دست آور ہونا‘ طبیبوں کے تجربہ سے ثابت ہو سکتا ہے مگر کسی چیز کا عبادت یا رب تعالیٰ کی خوشنودی ناراضی کا ذریعہ ہونا اس کا معیار صرف نبی کا فرمان ہے اس کے لئے باپ دادوں کا قول کافی نہیں۔ اسی قاعدے سے اس آیت میں گفتگو کی گئی ہے کہ نبوت ہی معیار حقانیت یا بطلان ہے تم نے بغیر نبی کے فرمان یہ بات کیسے کہہ دی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عقل انسانی اچھے برے کاموں کی پہچان میں کافی نہیں اس کو ہر وقت نبوت کی روشنی کی ضرورت ہے۔ دیکھو عرب کے اہل عقل جب نور نبوت سے محروم ہو گئے تھے تو بے حیائیوں بدکاریوں کو عبادات سمجھنے لگے تھے یہ فائدہ **قالوا وجدنا الخ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی قوم کی اصلاح فرمائی۔ جن کی اصلاح انسانی طاقت سے باہر ہے کیونکہ جو گناہ قومی رسم بلکہ عبادت بن چکا ہے اسے انسان بہت مشکل سے چھوڑتا ہے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو اللہ تعالیٰ نے کمال بخشا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیوں کا میل دلوں سے دھویا۔

سب چمک والے اجلوں میں چمکا کئے　　اندھے شیشوں میں چمکا ہمارا نبی

یہ سیاہ دل تو اندھے شیشے تھے جن میں حضور چمکے بلکہ انہیں چمکا دیا (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ یہ فائدہ بھی **وجدنا علیها الخ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جاہل و بدکار باپ دادوں کی تقلید خصوصاً شرعی احکام کے مقابلہ میں کفار کا کام ہے تمام جہان ایک کام کو اچھا کہے نبی اسے برا کہیں تو وہ سب جھوٹے ہیں نبی سچے ہیں ان کا فرمان برحق ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جھوٹ بولنا ایک گناہ ہے مگر اسے اللہ رسول کی طرف نسبت کر دینا بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہے۔ یہ فائدہ **اتقولون علی اللہ الخ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** بغیر نبی کے واسطے کے اللہ تعالیٰ کے فرمان و احکام کسی تک نہیں پہنچ سکتے خالق اور مخلوق کے درمیان صرف نبی ہی وہ واسطہ کبریٰ اور وسیلہ عظمیٰ ہیں جن کی معرفت رب تعالیٰ مخلوق سے کلام فرماتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **اتقولون علی اللہ الخ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ضدی انسان کو ہدایت ملنا مشکل ہے جو اپنی برائیوں کو اچھائی سمجھے اور

اسے اللہ رسول کی طرف نسبت کر دے جب بیمار اپنی بیماری کو صحت سمجھے تو اس کا علاج کون کرے۔

پہلا اعتراض: فاحشہ اور معصیت میں کیا فرق ہے یہاں فاحشہ کیوں ارشاد ہوا۔ معصیت یعنی گناہ کیوں نہیں کہا گیا۔ **جواب**: معصیت یعنی گناہ عام ہے ہر چھوٹے بڑے گناہ کو معصیت کہتے ہیں مگر فاحشہ یا تو وہ گناہ ہے جسے عقل انسانی بھی برا سمجھے جیسے زنا ماں باپ کی نافرمانی عورتوں مردوں کا برہنہ خلط ملط یہاں کفار کے ایسے ہی گناہوں کا ذکر ہے یا فاحشہ ہر بڑا گناہ یعنی گناہ کبیرہ۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقلید بری چیز ہے صرف قرآن و حدیث پر عمل چاہئے بزرگوں یا باپ داداؤں کی تقلید کرنا کفار مکہ کا طریقہ ہے۔ دیکھو فرمایا گیا **وجدنا علیها اباء نا** الخ اس سے موجودہ حنفی شافعی لوگ عبرت پکڑیں (غیر مقلد)۔ **جواب**: اس اعتراض کے تفصیلی جوابات ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول و دوم میں ملاحظہ کرو یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن و حدیث کے مقابل جاہل باپ داداؤں کی اندھی تقلید بے دینی ہے کفار مکہ اس بیماری میں گرفتار تھے اس کا یہاں ذکر ہے مگر قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لئے کسی امام کی روشنی میں قرآن و حدیث سمجھنا بالکل حق ہے یوں سمجھو کہ کافر جاہل باپ داداؤں کی پیروی حرام ہے متقی پرہیزگار صالحین کی پیروی اچھی چیز ہے اس کے لئے یہ آیت پڑھو۔ **صراط الذین انعمت علیهم** یا یہ پڑھو **یا ایها الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین** اچھوں کے ساتھ رہو اچھوں کے راستے ان کے نقش قدم پر چلو شرعی تقلید اچھوں کا ہی راستہ ہے قریباً سارے محدثین فقہاء صالحین اولیاء اللہ مقلد ہی گزرے۔ تقلید شرعی ہی مقبولوں کا راستہ ہے اس پر چلو قرآن مجید کو حدیث کی روشنی میں دیکھو اور سمجھو حدیث شریف کو امام مجتہد کی روشنی میں سمجھو۔ قرآن و حدیث سمندر ہیں اسے کسی امام کے جہاز کے ذریعے طے کرو۔ **تیسرا اعتراض**: جب اللہ تعالیٰ بغیر واسطہ پیغمبر کسی سے کلام فرماتا ہی نہیں تو ائمہ مجتہدین اپنے قیاس سے مسائل کیوں نکالتے ہیں کیا خدا تعالیٰ ان سے کلام کرتا ہے **اتقولون علی اللہ ما لا تعلمون**۔ **جواب**: قیاس مجتہد سے جو مسئلہ حاصل ہو وہ درحقیقت قرآن و حدیث سے ہی حاصل ہوتا ہے قیاس کی حقیقت یہ ہے کہ منصوص حکم کو کسی علت مشترکہ کی وجہ سے غیر منصوص میں جاری کر دیا جاوے حکم قرآن و حدیث کا ہی ہوتا ہے اسے یہاں جاری کرنے والا قیاس مجتہد ہوتا ہے حکم دینا اور چیز ہے اور دیئے ہوئے حکم کو جاری کرنا کچھ اور بات دیکھو گندم اور جو میں سود کا حرام ہونا حدیث شریف میں مذکور ہے مگر چاول باجرے جوار میں سود کا حرام ہونا مجتہد فقیہ قول سے ہم کو معلوم ہوا ان مذکورہ چیزوں میں سود کی حرمت فقیہ کا حکم نہیں، حکم اللہ رسول ہی کا ہے اسے جاری کیا ہے امام مجتہد نے۔ اگر ہم سرکاری حکم سے سرکاری تار سے ایک تار اپنے گھر میں لا کر بجلی کی روشنی اپنے گھر میں حاصل کریں تو مجرم نہیں۔ پاور حکومت کا ہے یہ تار ہمارا ہے جو ہم تک وہ پاور پہنچا دیتا ہے۔ رب فرماتا ہے **فاعتبروا یا اولی الابصار**۔ غرضکہ اس آیت کو تقلید امام سے کوئی تعلق نہیں کفار کی آیات مسلمانوں بزرگوں پر چسپاں نہ کرو۔ **چوتھا اعتراض**: جیسے کفار مکہ اپنے کفریات پر اپنے باپ داداؤں کا فعل و قول پیش کرتے تھے کہ چونکہ انہوں نے یہ کام کئے لہٰذا یہ اچھے ہیں ایسے ہی تم بھی اپنی بدعات پر بزرگوں کے قول و فعل پیش کرتے ہو کہ چونکہ نیاز فاتحہ عرس مولود بزرگوں نے کئے ہیں لہٰذا یہ اچھے ہیں یہ سب کفار کی دلیلیں ہیں۔ **جواب**: کفار کا قول و فعل حقانیت کا معیار نہیں اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حقانیت کا معیار بنایا جو آپ حکم دیں وہ اچھا ہے جس سے منع فرما دیں وہ برا ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ خود رب نے مومنین و صالحین کو حقانیت کا معیار قرار دیا کہ فرمایا **ما اتا کم الرسول فخذوه**

وما نہاکم عنہ فانتہوا اور مومنوں کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ما راٰہ المومنون حسنا فہو عند اللہ حسن** اور فرمایا **انتم شہداء اللہ فی الارض** رب نے فرمایا **لتکونوا شہداء علی الناس ویکون الرسول علیکم شہیدا**۔ درمختار نے فرمایا مستحب وہ ہے جسے سلف صالحین اچھا سمجھیں یہ فرق یاد رہے۔

تفسیر صوفیانہ ۔ طلب دنیا' محبت دنیا' مع دنیاوی حرص و ہوس یہ ہے اہل طریقت کے نزدیک فاحشہ۔ یعنی بڑے سے بڑا گناہ کیونکہ جب دنیا ہر شر کی جڑ ہے فرمایا جا رہا ہے کہ طالب دنیا اور اس غفلت شیاطین کے چکر میں ہیں جب کوئی طالب مولیٰ طالب آخرت سمجھاتا ہے کہ اس فاحشہ سے باز آ جاؤ تو وہ کہتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا یہ سب کچھ کرتے چلے آئے ہیں۔ دیکھو فلاں راجے مہاراجے لین لارڈ کیسے آرام میں ہیں اللہ رسول نے بھی ہم کو طلب دنیا کا حکم قرآن و حدیث میں دیا ہے آپ ان سے فرما دو کہ تمہارا طلب دنیا غفلت' نفسانی خواہش رب سے دوری کے لئے ہے رب تعالیٰ ان باتوں کا حکم نہیں دیتا جس طلب کا اس نے حکم دیا ہے وہ دنیا ہے جو ذریعہ بنے آخرت حاصل کرنے کا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کیوں باندھتے ہو یہ سب کچھ شیطانی فریب ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

این جہاں جیفہ است و مردار و خسیس　　بر چنیں مردار چوں باشم حریص!

جس جانور کو ذبح کر کے اللہ کے نام پر اس کا خون نکال دیا جاوے وہ حلال ہے اور مردار جانور حرام مومن کی دنیا ذبیحہ جانور ہے تمہاری دنیا مردار جانور (از روح البیان) اس لئے کافر کی دنیا فحشاء ہے مومن کی دنیا رب کی رضا ہے۔

قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ وَ اَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّ ادْعُوْهُ

آپ فرما دو کہ حکم دیا رب نے میرے عدل کا اور قائم کرو چہرے اپنے نزدیک ہر سجدے کے اور پکارو اس کو خالص کرتے

تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو

مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۬ؕ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿۲۹﴾ فَرِیْقًا هَدٰى وَ فَرِیْقًا

ہوئے واسطے اس کے دین کو جیسے شروع کیا تم کو لوٹو گے تم　　ایک فریق کو ہدایت دی اور ایک فریق

نرے اس کے بندے ہو کر جیسے اس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے

حَقَّ عَلَیْهِمُ الضَّلٰلَةُ ؕ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّیٰطِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

لازم ہو گئی اوپر ان کے گمراہی بے شک انہوں نے بنا لیا شیطانوں کو دوست مقابل اللہ کے اور گمان کرتے

کی گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنا لیا اور سمجھتے یہ ہیں کہ

وَ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿۳۰﴾

ہیں وہ کہ بے شک وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

وہ راہ پر ہیں۔

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان بری باتوں کا ذکر تھا جن کا اللہ نے حکم نہیں دیا بلکہ ان سے ناراض ہے' اب ان اعمال کا ذکر ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اور جن سے وہ راضی ہے تاکہ بندے پہلی قسم کے کاموں سے بچیں اور دوسری قسم کے کام کریں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین کے ان اعمال کا ذکر تھا جن کا ماخذ ان کے جاہل باپ دادوں کی تقلید تھی اب ان اعمال کا ذکر ہے جن کا ماخذ وحی الٰہی اور نبی کی ذات ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں انتہائی برے اعمال کا ذکر تھا اب انتہائی اچھے اعمال کا ذکر ہے گویا انتہائی ظلمت و تاریکی کے بعد اعلیٰ درجہ کے نور کا تذکرہ ہے۔

تفسیر : **قل امر ربی بالقسط** ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس مضمون کو قل سے شروع فرمانے کے دو مقصد ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلی آیت میں حمد الٰہی تھی اس سے عیوب کی نفی تھی **ان اللہ لا یامر بالفحشاء** اور اس آیت میں حمد الٰہی ہے اس کے لئے صفات ثابت کر کے۔ اور حمد وہی قبول ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضان سے ہو اس لئے دونوں جگہ قل ارشاد ہوا۔ دوسرے یہ کہ عدل و انصاف نماز دعا رب کی عبادت ہے مگر یہ قبول جب ہو گی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بتانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے ماتحت ہو اس لئے قل فرمانا نہایت موزوں ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے ہے جن کا اب تک ذکر ہوا یعنی آپ ان کفار سے فرما دو اور ہو سکتا ہے کہ تاقیامت سارے انسانوں سے اس کا تعلق ہو یعنی تاقیامت سب سے کہہ دو چونکہ رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان سب تک پہنچا دینے کا ذمہ لیا ہوا ہے اس لئے سب سے فرمانا درست ہوا ٹیپ ریکارڈر میں بولنے والے کے الفاظ آواز محفوظ رہتی ہے قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم محفوظ ہے۔ حضرت خلیل نے ایک بار کہہ دیا تھا کہ اللہ کے بندو بیت اللہ کی طرف آؤ آج تک اس کے جواب میں لبیک لبیک کی آوازیں آرہی ہیں۔ امر سے مراد مطلقاً حکم ہے خواہ وجوب کے لئے ہو یا مستحب قرار دینے کے لئے امر کا مفعول پوشیدہ ہے **امرنی یا امرکم** یا امر عبادہ' تیسرا احتمال قوی ہے کیونکہ جو چیزیں یہاں مذکور ہیں ان کا حکم سارے ہی بندوں کو ہے اور ہو سکتا ہے کہ امر کا مفعول سارے انبیاء کرام ہوں یعنی انصاف اور نماز وہ حکم ہے جو تمام دینوں میں رہا اس میں تبدیلی نہیں ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ تمام نبیوں کے نام ان کے کام ان کی دعائیں دنیا میں مشہور ہوئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نور ہیں۔ سب کو چمکانے والے۔ ربی فرما کر یہ بتایا کہ چونکہ وہ رب ہے اس لئے اس نے جسمانی غذاؤں دواؤں کے ساتھ روحانی غذائیں دوائیں پیدا فرمائیں یہ قسط' نماز وغیرہ روحانی غذائیں ہی تو ہیں اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی رب ہے اور سب بندوں کا بھی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بلاواسطہ اور ہمارا رب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت۔ جیسے رب نے عالم اجسام سورج سے وابستہ کیا یونہی عالم روحانیات کا سارا نظام حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ فرمایا خدا سورج و بادل کا رب ہے اور پیاسی زمین کا بھی مگر شان ربوبیت میں فرق ہے۔ **قسط** کے معنی حصہ بھی ہیں اور عدل و انصاف بھی اور درمیانی چیز بھی جس میں زیادتی کمی یعنی افراط و تفریط نہ ہو اس میں لطف یہ ہے کہ اگر یہ مجرد باب سے آوے تو بمعنی ظلم ہوتا ہے یعنی کسی کا حصہ مار لینا رب فرماتا ہے **واما القاسطون لکا نوا لجہنم حطبا** ظالم لوگ دوزخ کا ایندھن ہیں اور جب باب افعال سے ہو تو بمعنی انصاف ہوتا ہے یعنی حصہ اس کے

حقدار حصہ دار کو دینا۔ فرماتا ہے **ان اللہ یحب المقسطین** یہاں بمعنی انصاف و عدل ہے یہ لفظ بہت چیزوں کو شامل ہے عقائد میں عدل و انصاف کرو افراط و تفریط سے بچو۔ عبادات میں عدل کرو۔ معاملات میں عدل کرو بادشاہ ہو تو عدل کرو فقیر ہو تو انصاف کرو اولاد میں قرابت داروں میں اپنے نفس کے معاملہ میں عدل کرو۔ بہرحال یہ ایک لفظ ہزارہا احکام کو شامل ہے شریعت و طریقت کے سارے مسائل اس میں داخل ہیں **واقیموا وجوھکم عند کل مسجد** یہ عبارت معطوف ہے۔ امر پر اس سے پہلے قال یا امر پوشیدہ ہے یعنی خبر کا خبر پر عطف ہے **اقیموا** بنا ہے **اقامۃ** سے بمعنی سیدھا کرنا وجوہ جمع ہے وجہ کی بمعنی ذات یا چہرہ یہاں بمعنی چہرہ ہے **عند** بمعنی **فی** ہے اور مسجد مصدر میمی ہے بمعنی سجدہ جس سے مراد ہے نماز یعنی ہر نماز میں اپنا چہرہ کعبہ معظمہ کی طرف سیدھا کرو اس صورت میں یہ حکم فرضیت کے لئے ہے کیونکہ نماز میں کعبہ کو منہ کرنا فرض ہے یا عند کے معنی ہیں پاس اور مسجد سے مراد یہی مسجد مراد ہے یعنی یہ ظرف مکان ہے یا اس سے مراد ہے وقت نماز (ظرف زمان) یعنی ہر مسجد میں نماز ادا کر لیا کرو یہ نہ سوچو کہ ہم اپنے محلہ کی مسجد میں ہی نماز پڑھیں گے یا ہر نماز کے وقت سارے کاروبار چھوڑ کر نماز کی طرف متوجہ ہو جایا کرو بہرحال اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں **وادعوہ مخلصین لہ الدین** - یہ تیسرا حکم ہے اور معطوف ہے **اقیموا** پر۔ **ادعو** بنا ہے **دعاء** سے **دعا** کے لغوی معنی ہیں پکارنا بلانا' اصطلاحی معنی ہیں عبادت کرنا جیسے **صلوۃ** کے لغوی معنی ہیں دعا اصطلاحی معنی ہیں نماز۔ دین کے بہت معنی ہیں جو ہم سورۃ فاتحہ کی تفسیر **مالک یوم الدین** میں عرض کر چکے ہیں یہاں دین یا بمعنی فرمانبرداری ہے یا بمعنی اعتقاد ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اپنے عقائد کو شرک و کفر سے خالص کر کے مخلص مومن بن کر یا اللہ کی عبادت کرو خالص اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے یا اللہ سے دعا کرو خالص اس کی عبادت کرتے ہوئے اگر اپنی دعائیں قبول کرانی ہیں تو اس کی عبادات اخلاص سے کرو ان شاء اللہ دعائیں قبول ہوں گی یا اس کے معنی یہ ہیں کہ انصاف کرو نمازیں پڑھو دعائیں کرو مگر اللہ کے نرے بندے بن کر نرے بندے کی پہچان یہ ہے کہ دنیا کی کوئی چیز اسے رب کے دروازے سے ہٹا نہ سکے جب بندہ خالص ہو جائے تو اس کے ہر کام ان شاء اللہ خالص ہی ہوں گے اخلاص چاہتے ہو تو خود مخلص ہو غرضیکہ اس جملہ کے بھی کئی معنی ہیں۔ **کما بدأکم تعودون** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب تعالیٰ کی قدرت اور انسان کی مجبوریوں معذوریوں کا ذکر ہے اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) اللہ تعالیٰ نے جیسے تمہاری ابتداء فرمائی تھی کہ بعض کو مومن پیدا کیا تھا' بعض کو کافر ایسے ہی تم قیامت میں بارگاہ الٰہی میں لوٹو گے مومن مومن بن کر اور کافر کافر بن کر اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **خلقکم فمنکم کافر و منکم مومن** نیز اگلی عبارت اس کی تفسیر کر رہی ہے **فریقا" ھدی و فریقا** الخ (2) جیسے پہلے تم نیست تھے پھر اس نے تمہیں ہست کیا ایسے ہی آئندہ تم نیست ہو جاؤ گے یعنی نیستی سے ہی تمہاری ابتدا ہے اور نیستی پر ہی تمہاری انتہاء تم پہلے کچھ نہ تھے نہ کسی کے باپ بھائی تھے نہ حاکم افسر یہاں آ کر سب کچھ بنے پھر بعد موت کچھ نہ رہو گے۔ لہذا ان عارضی چیزوں پر پھول کر اپنی اصل کو نہ بھولو۔ (3) جیسے تم ننگے بے ختنہ پیدا ہوئے ایسے ہی ننگے بے ختنہ قیامت میں اٹھو گے۔ (4) جیسے تم بے عقل بے علم بے زور پیدا ہوئے تھے ایسے ہی بڑھاپے میں ہو جاؤ گے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لکیلا یعلم بعد علم شیئا** (5) جس سعادت و شقاوت پر تمہاری ابتداء ہوئی ہے اس پر تمہاری انتہا ہو گی درمیان میں تم کچھ بھی رہو دیکھو شیطان کی ابتداء بدبختی پر تھی تو انتہا بھی اسی پر ہوئی اگرچہ بیچ میں وہ بڑا عابد زاہد ہو گیا اور فرعونی جادوگروں کی ابتداء عند اللہ سعادت پر ہوئی تھی تو ان کی انتہا سعادت پر ہوئی اگرچہ وہ لوگ بیچ میں کافر ساحر وغیرہ رہے اس کی تفسیر وہ

حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ نے روحیں پیدا فرما کر ان پر نور کا چھینٹا مارا جس روح پر پڑ گیا وہ مومن ہوا جو اس چھینٹے سے محروم رہا وہ کافر ہوا۔ لہٰذا ہر شخص کو اللہ سے خوف چاہئے (6) جیسے رب تعالیٰ نے تم کو ابتداءً پیدا کیا ایسے ہی تم کو دوبارہ پیدا فرمائیگا تم قیامت کا انکار کیوں کرتے ہو ہر چیز کی ابتداء سے دوبارہ بنانا آسان ہوتا ہے (7) تم پہلے مٹی تھے آئندہ مٹی ہی ہو گے تو درمیانی حالت میں جبکہ تم سب کچھ ہو کچھ کر لو یہ موقعہ پھر نہ ملے گا۔ (8) تمہاری جہاں سے ابتداء ہے وہاں ہی انتہا ہو گی جہاں سے گئے تھے وہاں ہی لوٹ کر آؤ گے۔ یعنی ہمارے پاس سے گئے تھے۔ ہمارے پاس ہی آؤ گے تو اجیالا منہ لے کر گئے تھے کالا منہ لے کر نہ آنا تو **کما بدا کم** کی تفسیر ہے یا نیا جملہ ہے اس میں پہلا **فریقا** تو منصوب ہے **ھدی** سے اور دوسرا **فریقا** منصوب ہے اصل پوشیدہ سے فریق سے۔ مراد انسان کا ٹولہ ہے۔ ہدایت سے مراد ہے ایمان و نیک اعمال کی ہدایت اور ضلالت سے مراد ہے ان دونوں سے محرومی۔ **ھدی** اور **حق** دونوں ماضی ہیں ان میں اس ازلی فیصلہ کی طرف اشارہ ہے۔ ہدایت اور گمراہی کی بہت تفسیریں ہیں جو ہم سورۂ فاتحہ میں **اھدنا الصراط المستقیم** اور **ولا الضالین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یعنی روز ازل ہی میں یہ فیصلہ ہو چکا ہے کہ نہ سارے انسان مومن ہوں گے نہ سارے کافر۔ ایک جماعت مومن ہو گی' دوسری کافر۔ لہٰذا بعض لوگوں کے کافر بننے سے غم نہ کرو یہ تو سرکاری فیصلہ ہے۔ ہدایت یافتہ جماعت میں تین قسم کے حضرات ہیں بعض وہ جو صرف ہدایت کسی بندے کے ذریعے لیتے ہیں کسی کو ہدایت دے نہیں سکتے یعنی مہدی ہیں ہادی نہیں جیسے عام مومنین بعض وہ جو کسی بندے سے ہدایت لیتے ہیں کسی کو ہدایت دیتے ہیں یعنی ہادی بھی ہیں مہدی بھی جیسے حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت لی خلقت کو ہدایت دی ایک ذات کریم وہ ہے جو کسی بندے سے ہدایت نہیں لیتی بلکہ سب کو ہدایت دیتی ہے وہ ذات پاک مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) حضور سورج ہیں دوسرے نبی چاند تارے عام مومنین گویا زمین **فریقا ھدی** ان سب کو شامل ہے۔ **انہم اتخذو۔ الشیاطین اولیاء من دون اللہ۔** اس فرمان عالی کا منشاء یا تو گمراہوں کی علامت بیان فرمانا ہے کہ جن کی ابتداء گمراہی پر ہو چکی ہے وہ ہمیشہ مومنوں سے نفرت کریں گے کفار سے محبت:

نوریاں مر نوریاں را طالب اند! ناریاں مرناریاں راجاذب اند!!

یا یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم نے کسی کو جبراً گمراہ نہیں کیا بلکہ یہ لوگ اپنی خوشی و رغبت سے شیاطین کو دوست بنا کر گمراہ ہونگے شیاطین سے مراد یا تو جنات شیاطین ہیں چونکہ وہ بہت ہیں اور بہت قسم کے ہیں اس لئے جمع ارشاد ہوا یا انسانی شیاطین مراد ہیں بے نورے بے پیرے لوگ۔ اولیاء جمع ہے ولی کی بمعنی دوست یا مددگار **دون** بمعنی مقابل ہے یعنی گمراہوں کی علامت یہ ہے کہ وہ اولیاء اللہ سے رشتہ محبت توڑتے ہیں اور اولیاء **من دون اللہ** سے محبت جوڑتے ہیں یا ان کے گمراہ ہونے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اولیاء اللہ سے کٹتے ہیں اور **اولیاء من دون اللہ** سے جڑتے ہیں۔ **یحسبون انہم مھتدون** یہ ان کے دوسرے عیب کا بیان ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ ان کے ہدایت پر آنے کی امید نہیں کیوں کہ وہ اپنی اس حرکت کو ہدایت جانتے ہیں اور اپنے کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں پھر انہیں راہ حق ملے تو کیسے جو بیمار اپنے کو صحت مند سمجھے اور طبیب کے پاس حاضر نہ ہو بلکہ دوا اور پرہیز سے جی چرائے وہ شفا کیسے پائے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر شخص پر عدل و انصاف کرنا فرض ہے خواہ مومن ہو یا کافر یہ فائدہ **امر ربی بالقسط** سے حاصل ہوا اچھے عقیدے اچھی عبادات اچھے معاملات ہر شخص کو اس کا حق

دینا ولوانا سب ہی قسط میں داخل ہے اسی لئے قرآن مجید میں کفر شرک بلکہ ہر عمل کو ظلم فرمایا گیا ہے **ان الشرک لظلم عظیم**۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انصاف کرے یہ انصاف ہزار ہا ہیں پہلے تین طرح کے انصاف کرے ایک یہ کہ وہ ہمارا بڑا محسن ہے اس کے احسان شمار سے باہر ہیں اور محسن کی اطاعت کرنا قرین انصاف۔ نوکر آقا کی تنخواہ لے کر کتا انسانوں کا ٹکڑا کھا کر اس کی فرمانبرداری کرتا ہے دوسرے یہ کہ رب نے ساری کائنات ہمارے لئے بنائی اس نے اپنے نفع کے لئے کچھ نہ بنایا تو ہم کو بھی چاہئے کہ سارے کام حتیٰ کہ کھانا پینا سونا جاگنا اللہ کے لئے کریں سنت رسول سمجھ کر کریں۔ تیسرے یہ کہ اگر وہ کبھی کوئی تکلیف بھیجے تو شکایت نہ کریں کہ یہ بے انصافی ہے اس نے ہمیشہ آرام سے رکھا اب بھی سارے اعضا تندرست ہیں صرف ایک عضو میں بیماری ہے تو انصافی ہے کہ ان آراموں کا شکر ذکر نہ کریں ایک تکلیف کی شکایت حکایت کرتے پھریں۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ میں انصاف سے کام لیں وہ ہمیں کبھی نہ بھولے وہ ہماری خاطر راتوں کو غاروں میں روئے انہوں نے ہماری خاطر ہم کو ہدایت دینے کے لئے بہت دکھ اٹھائے بے انصافی ہے کہ ہم انہیں بھول جائیں انہیں ہر وقت یاد رکھنا ان کی فرمانبرداری کرنا ان کی سنتوں پر عمل کرنا ان کے دین کی خدمت کرنا انصاف کا تقاضا ہے۔ یہ فائدہ بھی **بالقسط** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ رسول کے معاملہ میں انصاف کرنے کے بعد انسان پر لازم ہے کہ اپنے ماں باپ کے معاملہ میں انصاف کرے کہ جب وہ بوڑھے ہو کر کم عقل ہو جائیں تم جوان ہو تو خیال کرو کہ کبھی تم بھی ایسے ہی تھے جیسے تم کو بھی انہوں نے پالا تم بھی اب ان کی خدمت کرو کسی سے کبھی ایسا معاملہ یا ایسی بات نہ کرو کہ اگر وہ تم سے یہ کرتا یا یہ کہتا تو تم کو ناگوار ہوتی نیز یہ خیال رکھو کہ تمہارے اعضاء اللہ تعالیٰ کی امانتیں ہیں۔ انہیں اس کی معصیت میں صرف نہ کرو کہ یہ خیانت ہے اور انصاف کے خلاف یہ سب باتیں **امر ربی بالقسط** میں شامل ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** نماز میں کعبہ کو منہ کرنا فرض ہے۔ یہ فائدہ **واقیموا وجوھکم الخ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جماعت کی نماز کے لئے مسجد بہتر ہے نماز کے لئے جماعت کبھی فرض ہے کبھی واجب کبھی مستحب کبھی مکروہ جمعہ عیدین کے لئے جماعت فرض ہے۔ پنجگانہ کے لئے واجب نوافل و تہجد کے لئے اہتمام سے جماعت ممنوع ہے مسجد کی حاضری ان نمازوں کے لئے افضل ہے۔ جن کے لئے جماعت فرض یا واجب ہے (روح البیان)۔

مسئلہ : نماز پنجگانہ باجماعت اکیلی نماز سے ستائیس گناہ زیادہ ثواب والی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** عقائد کی اصلاح عبادات سے پہلے ہے یعنی پہلے سچے مسلمان بنو۔ پھر عبادات کرو بغیر ایمان عبادات بیکار ہیں۔ یہ فائدہ **مخلصین لہ الدین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر عمل میں اخلاص ضروری ہے۔ سارے اخلاصوں کی اصل یہ ہے کہ بندہ خود مخلص بنے یعنی نرا بندہ بنے۔ یہ فائدہ **مخلصین** کی آخری تفسیر سے حاصل ہوا بعض چیزیں بعض رشتے تعدد برداشت کر لیتے ہیں مگر بعض چیزیں بعض رشتے تعدد سے وراء ہیں۔ انسان متعدد کا باپ بھائی دوست خاوند ہو سکتا ہے مگر چند باپوں کا چند ماؤں کا بیٹا نہیں ہو سکتا۔ ماں باپ ہونا وہ رشتہ ہے جس میں تعدد کی گنجائش نہیں سر میں بال، جسم کے سارے اعضاء چند ہو سکتے ہیں مگر دل و دماغ ایک ہی ہونگے۔ درخت کے پتے شاخیں بہت ہو سکتی ہیں مگر جڑ ایک ہی ہوگی یونہی استاد اور بھائی برادر بہت ہو سکتے ہیں مگر معبود اور نبی صرف ایک ہی نبی کے امتی۔ **نواں فائدہ:** سارے انسان نہ تو دینی لحاظ سے برابر ہو سکتے ہیں نہ دنیاوی لحاظ سے۔ جو سب کو برابر کرنے کی کوشش کرے وہ قدرت سے مقابلہ کرتا ہے۔ یہ فائدہ **فریقا ھدی الخ** سے حاصل ہوا حضور صلی اللہ علیہ

وسلم دنیا بھر میں بڑے ہادی بڑے سخی ہیں مگر ابو جہل ہدایت پر نہ آیا صدیق و زندیق کا فرق باقی رہا حضرت عثمان غنی رہے حضرت بلال و عمار فقیر یہ حکم نہ دیا کہ فقراء امیروں کو لوٹ لیں زکوٰۃ فطرے کے دینے والا امیر بھی چاہئے' لینے والا فقیر بھی۔ دسواں فائدہ: کبھی سارے انسان مومن نہیں ہونگے ان میں کچھ کافر بھی رہیں گے سب کو مسلمان بنانے کی کوشش نہ کرو جتنے بن سکیں بنالو۔ یہ فائدہ **فریقا حق علیهم الضلالة** سے حاصل ہوا۔ گیارہواں فائدہ: جو اللہ کے ولیوں سے عداوت رکھے اس کے دشمنوں سے محبت کرے اسے ہدایت کبھی نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ہدایت کا مرکز تو اللہ کے ولی ہیں یہ فائدہ **انهم اتخذوا الشیاطین** الخ سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: جہاں کہیں قرآن مجید میں **اولیاء من دون اللہ** فرمایا گیا ہے وہاں شیاطین و کفار مراد ہیں اس آیت نے ان سب آیات کی تفسیر فرمادی جیسے **اولیاء من دون اللہ** سے بچنا نفرت کرنا فرض ہے ایسے ہی اولیاء اللہ سے محبت کرنا ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ رب فرماتا ہے **کونوا مع الصدقین** اور فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیهم**۔ تیرہواں فائدہ: جو بے دین ہو مگر اپنے کو ہدایت پر سمجھے وہ کبھی ہدایت پر نہیں آ سکتا۔ یہ فائدہ **ویحسبون انهم مهتدون** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ : مسلمان کبھی اپنے کو کافر نہ کہے ہاں متقی اپنے کو گنہ گار کہے اور توبہ کرتا رہے اپنے کفر کا اقرار کفر ہے۔

پہلا اعتراض : لفظ مسجد نصر ۔ ینصر کا اسم ظرف ہے تو اس کے عین کلمہ یعنی میم کو کسرہ کیوں آیا جس کا مضارع مضموم العین ہو اس کے ظرف کا عین مفتوح ہوتا ہے۔ (صرفی) جواب: اس کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ قاعدے سے مسجد کی جیم کو فتحہ چاہئے اس پر کسرہ آنا خلاف قیاس ہے۔ قرآن مجید قانون صرفی کا پابند نہیں مگر فقیر کے نزدیک جواب قوی یہ ہے کہ مسجد بمعنی سجدہ گاہ جہاں نمازی اپنا سر رکھے اب بھی جیم کے فتحہ سے آتا ہے مگر مسجد بمعنی پوری عمارت جس میں بیرون مسجد اور اندرون مسجد غسل خانہ پیشاب خانے مینار وغیرہ سب داخل ہوں یہ میم کے کسرہ سے آتا ہے چونکہ یہ لفظ دو معنی میں استعمال ہونے لگا اس لئے جیم کے فتحہ اور جیم کے کسرہ کے ذریعہ اس میں فرق کر دیا گیا جو سجدہ کا ظرف ہے وہ جیم کے فتحہ سے ہی ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف خدا تعالیٰ ہی کو پکارنا چاہئے کسی اور کو پکارنا شرک ہے دیکھو فرمایا گیا **وادعوه مخلصین له الدین** پھر تم نبیوں ولیوں کو کیوں پکارتے ہو۔ جواب: اس اعتراض کے بہت جوابات تفصیل کے ساتھ ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید کی ان جیسی آیتوں میں دعا سے مراد صرف پکارنا نہیں بلکہ عبادت کرنا پوجنا ہے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے سواء کسی کی عبادت کرنا ہرگز جائز نہیں خالص شرک ہے اگر کسی کو پکارنا شرک ہو تو رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو رسولوں کو بلکہ پہاڑوں کو آسمان کو زمین کو پکارا ہے **یا ایها الذین امنوا۔ یا ایها الناس - یا ایها النبی** وغیرہ نیز ہم کو پکارنے کی اجازت دی بلکہ حکم دیا فرمایا **ادعو هم لا باء هم** حضرات انبیاء کرام نے اپنے خاص دوستوں کو مدد کے لئے پکارا ہے **من انصاری الی اللہ**۔ بہرحال عبادت غیر خدا کی شرک ہے پکارنا شرک یا ناجائز نہیں۔ تیسرا اعتراض: یہاں ہدایت کے لئے تو **هدی** ارشاد ہوا مگر گمراہ کے لئے **اضل** نہ فرمایا بلکہ دراز عبارت **حق علیهم الضللة** فرمایا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ جواب: اس میں اشارۃً فرمایا کہ انسان کی اصل حالت گمراہی ہے ہدایت رب کا فضل ہے **اضل** اور **افضل** کا فرق ظاہر فرمانے کے لئے کیوں ارشاد ہوا حق کے معنی ہیں ثابت۔ رہی گمراہی خیال رہے کہ یہ قاعدہ عام انسانوں کے لئے ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اصل نور ہے ہدایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی

فطرت ہے انبیاء کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نور لیا دنیا کو دیا عام نے نور لیا دیا نہیں سورج کی اصل فطرت نور ہے چاند تارے نور لینے والے بھی زمین کو دینے والے بھی زمین صرف لینے والی ہے دینے والی نہیں **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ایک گروہ پر گمراہی ثابت ہو گئی جب اس گروہ کی گمراہی کا فیصلہ ہو چکا تو اب وہ تولا محالہ گمراہ ہوں گے پھر وہ گمراہی پر مجرم کیوں ہوئے۔ انہیں اس پر سزا کیسی۔ **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب اس تفسیر کے تیسرے پارہ میں **ولو شاء اللہ ما اقتتلوا** کی تفسیر میں گزر گیا۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ فیصلہ یہ ہو چکا ہے کہ فلاں گروہ اپنی خوشی اپنے اختیار اپنے ارادے سے گمراہ ہو گا جیسے ان کی گمراہی ارادہ الٰہی میں آچکی ایسے ہی ان کا اختیار و ارادہ بھی رب کے فیصلہ میں آچکا۔ اسی اختیار پر پکڑ ہے اسی کا بیان اس جگہ یوں فرمایا گیا۔ **انہم اتخذوا الشیاطین اولیاء**۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ گمراہ لوگ شیطانوں کو اپنا دوست بناتے ہیں حالانکہ کوئی کافر بھی اسے دوست نہیں بناتا۔ سب اس پر پھٹکار لعنت ہی کرتے ہیں تو یہ مان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اگر یہاں شیاطین سے مراد ہے انسانی شیطان یعنی کفار اور گمراہ لوگ تب تو مطلب ظاہر ہے۔ واقعی گمراہ اپنے گمراہ سرداروں سے محبت کرتے ہیں مرزائی لوگ مرزا کو اپنا پیارا نبی مانتے ہیں اور اگر شیاطین سے مراد ہیں جن یعنی ابلیس کی ذریت تو چونکہ وہ لوگ اس کے بتائے راستہ پر چلتے ہیں تو اگرچہ وہ منہ سے اس پر لعنت کریں مگر عمل سے اس کو دوست ہی بناتے ہیں۔ محبت کئی قسم کی ہوتی ہے زبانی عملی اور دلی یعنی لسانی' جنانی' ارکانی۔

تفسیر صوفیانہ: انسان پر لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے رب کے معاملہ میں انصاف کرے یہ انصاف ایمان کی اصل ہے۔ اس رب کریم نے ساری چیزیں ہمارے لئے بنائیں تو بے انصافی ہے کہ ہم اعمال کسی اور کے لئے کریں وہ ہمارا ہے تو ہم غیر کے کیوں ہوں **خلق لکم ما فی الارض جمیعا**" اس نے ہماری خاطر چاند' سورج' ہوا' بادل کام میں لگا دیئے تو بے انصافی ہے کہ ہم اس کے کام نہ لگیں۔۔

ابروباد و مہ و خورشید و فلک در کارند تاتو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں بہ بری

اس کریم نے ہماری خاطر ہمارے گھر یعنی جنت سے ہمارے دشمن ابلیس کو نکالا تو بے انصافی ہے کہ ہم اس کے گھر یعنی اپنے دل میں ابلیس کو بسائیں **امر ربی بالقسط**۔ ہم کو چاہئے کہ ہم سر کا سجدہ اور ظاہری نماز تو ان کے اوقات میں ادا کریں مگر دل اور توجہ کا سجدہ ہر وقت اس کی طرف کریں کہ ہماری توجہ ہر وقت الی اللہ رہے دست بکار اور دل بیار کی بہار ہو **اقیموا وجوہکم** اپنی ہر قسم کی توجہ' سجدہ دل کے وقت اس طرف رکھو' اگر تمہارا یہ حال ہو گیا تو جیسے جیو گے ویسے ہی مرو گے اور جیسے مرو گے ویسے ہی قیامت میں اٹھو گے ان شاء اللہ **کما بداکم تعودون** مگر یہ درجہ ہر شخص کو نصیب نہیں ہوتا اس راہ میں راہ مار ہزاروں ہزار ہیں جو راہ ماروں کے پھندوں میں آیا وہ گیا۔ کفار ریاکار لوگوں کا حال یہ ہے کہ وہ راہ زنوں کو راہبر سمجھ کر ان کی محبت کو اپنے دلوں میں جگہ دیتے ہیں کاشانہ یار کو پاخانہ اغیار بناتے ہیں اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں ہدایت پر وہی ہے۔ جو ہدایت کے مرکزوں سے وابستہ رہے۔

واقف نمی شوند کہ گم کردہ اند راہ! تار ہرواں براہ نمائے نمی رسند!

گمراہوں کی تقلید' شک' ریاکاری' محبت دنیا' محبت خلق یہ سب دل کی بیماریاں ہیں انہیں کسی روحانی ہسپتال میں کسی روحانی

طبیب سے پہنچاؤ تاکہ شفا پاؤ' صوفیاء فرماتے ہیں کہ **اقیموا وجوھکم عند کل مسجد** کے معنی ہمارے مشرب میں یہ ہیں کہ وجوہ۔ جمع ہے وجہ کی بمعنی توجہ یعنی دل کا رخ پھیرنا۔ مطلب یہ ہے کہ ہر نماز کے وقت اپنی توجہ اللہ رسول کی طرف کرو کہ اس وقت کسی کا تعلق دل سے نہ رہے تاکہ تم زندگی میں ترک دنیا کے عادی رہو اور مرتے وقت اس ترک پر کوئی تکلیف نہ ہو۔ اعتکاف' حج' نماز پنجگانہ سب میں ترک دنیا کا عادی بنایا گیا تاکہ دائمی ترک دنیا آسان ہو نماز میں سر تو کعبہ کی طرف رہے دل کعبہ والے کی طرف تب نماز کا مزہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اخلاص کے معنی ہیں ملاوٹ سے محفوظ ہونا ملاوٹ چار طرح کی ہوتی ہے ایک وہ جس سے چیز کار آمد ہوتی ہے جیسے آٹے میں پانی کی ملاوٹ کہ اس ملاوٹ سے ہی وہ روٹی بسکٹ وغیرہ بننے کے قابل ہوتا ہے دوسرے وہ جس سے شے کامل ہوتی جیسے آٹے میں گھی دودھ کی ملاوٹ کہ اس سے آٹا پر اٹھا بنتا ہے۔ تیسری وہ جس سے شے ناقص ہو جاوے جیسے آٹے میں مٹی کی ملاوٹ۔ چوتھے وہ جس سے شے فنا ہو جاتی ہے جیسے آٹے میں زہر کی ملاوٹ کہ اس سے آٹا آٹا نہیں رہتا یونہی عبادات ایسی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں اخلاص کی جان ہیں دیکھو توحید کے ساتھ نبوت کی ملاوٹ ہو تو ایمان بنتا ہے اس لئے کلمہ میں خدا کے نام کے ساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی ملاوٹ ہے سارے فرائض میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں شامل بلکہ داخل ہیں لہٰذا **مخلصین لہ الدین** کے معنی یہ نہیں کہ عبادات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں سے خالص کرو کہ یہ اخلاص نہیں افساد ہے۔ جس سے عبادت فنا ہو جاتی ہے اگر جسم میں روح کی ملاوٹ نہ رہے تو موت ہو جاتی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ ریا نام نمود سے دین اور عبادات کو خالص کرو۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ

اے اولاد آدم کی لو اپنی آرائش پاس ہر مسجد کے اور کھاؤ اور پیو اور نہ فضول خرچی کرو

اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو

اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۳۱﴾ قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ

تحقیق نہیں محبت کرتا فضول خرچوں کو فرماؤ کون ہے وہ جس نے حرام کی آرائش اللہ کی جو نکالی

بیشک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے

لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّ

اس نے واسطے بندوں کے اپنے اور حلال روزی فرماؤ کہ وہ واسطے ان لوگوں کے ہے جو ایمان لائے زندگی

اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور

نْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

دنیا میں خالص ہے قیامت کے دن اسی طرح تفصیل دار بیان کرتے ہیں آیتیں واسطے قوم کے جو جانتی ہے

قیامت میں خالص انہیں کی ہے ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں علم والوں کے لئے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قسط یعنی انصاف کا حکم دیا گیا تھا اور اپنے لباس کھانے پینے میں حکم الٰہی کی اتباع بھی ایک طرح کا انصاف ہے اس لئے اس آیت کریمہ میں لباس کھانے وغیرہ کے احکام ارشاد ہوئے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا اس آیت میں اس کی تفصیل ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں نماز اور مسجد کی حاضری کے احکام تھے اب لباس و ستر کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ نماز کے لئے تن پوشی ضروری ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کو پکارنے اس سے دعا مانگنے اس کی عبادت کرنے کا حکم تھا وادعوہ مخلصین لہ الدین اب حلال لباس حلال غذا کا حکم ہے کہ ان کے بغیر دعائیں 'اعمال قبول نہیں ہوتے۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ ایک ٹولہ ہدایت پر ہے ایک ٹولہ گمراہی پر اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر ہدایت یافتہ ٹولے میں سے ہونا ہے تو اپنے ظاہر و باطن کی اصلاح کرتے رہو لباس اور حلال روزی صلاح و ہدایت کی طرف ایک قدم ہے۔

شان نزول : (1) کفار عرب کعبہ معظمہ کا طواف بالکل ننگے ہو کر کرتے تھے دن میں مرد کرتے تھے رات میں عورتیں بعض شرمیلی عورتیں اپنی شرمگاہ پر ایسی جھالر سی ڈال لیتی تھیں جیسے گھوڑوں کی پیشانی پر مکھیوں سے حفاظت کے لئے ڈالی جاتی تھی اور عورتیں طواف میں یہ شعر گاتی جاتی تھیں۔

الیوم یبدو بعضہ او کلہ وما بدا منہ فلا احلہ

اس کا ترجمہ نہایت ہی واہیات ہے اس رسم کو تبدیل فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ خذوا زینتکم نازل ہوئی (تفسیر کبیر و روح المعانی 'خازن 'بیان وغیرہ) حد تھی کہ اگر کوئی مرد یا عورت کپڑے پہن کر طواف کرتے تھے تو کفار اسے مارتے تھے اور اسے جبراً ننگا کر دیتے تھے قربان جاؤں اس رحمۃ للعالمین کے جس نے ان کو انسانیت سکھائی۔

انسانیت کا درس دیا تیری ذات نے! بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر

(2) قبیلہ بنی عامر حج کے زمانہ میں کھانا بہت ہی تھوڑا اور بہت ہی سادہ کھاتے تھے حتیٰ کہ چربی اور روغنی کھانا نہ کھاتے تھے خشک روٹیاں چباتے تھے اسے وہ بہترین عبادت سمجھتے تھے ان کی اس بری رسم کو توڑنے کے لئے آیت کریمہ کلوا واشربوا نازل ہوئی۔

(3) کفار عرب جب مسلمانوں کو کپڑے پہن کر طواف کرتے اور زمانہ حج میں ہر قسم کا اعلیٰ یا معمولی کھانا کھاتے دیکھتے تھے تو ان پر اعتراض کرتے تھے کہ یہ لوگ کعبہ معظمہ کا احترام نہیں کرتے یہ تن پرور شکم پرور ہیں 'اللہ والوں کو اعلیٰ غذا وغیرہ سے کیا کام۔ ان کی تردید میں آیت کریمہ قل من حرم زینۃ اللہ نازل ہوئی۔ جس میں بتایا گیا' ترک دنیا کا نام تقویٰ نہیں گناہ چھوڑنے نیکی کرنے کا نام تقویٰ ہے (روح البیان) وغیرہ۔

تفسیر : یا بنی ادم : چونکہ سیاسی' اخلاقی احکام سارے انسانوں پر جاری ہیں مومن ہوں یا کافر ہوں عبادات صرف مسلمانوں پر ہیں اس لئے اس قسم کے احکام میں سارے انسانوں کو خطاب ہوتا ہے نماز روزہ صرف مسلمانوں پر فرض ہے مگر چوری ڈکیتی سے بچنا' برہنگی' بد معاشی سے پرہیز ہر انسان پر لازم کہ سلطان اسلام کسی ذمی کافر کو چوری یا فحاشی ننگا پھرنے وغیرہ کی اجازت نہیں دے گا ایسی حرکتیں کرنے والوں کو سزا دے گا اس لئے یہاں ندا عام انسانوں کو کی گئی فرشتے لباس و غذا سے مستغنی

ہیں، جنات ہمارے سامنے نہیں نہ ان پر یہ احکام جاری ہیں اس لئے صرف انسانوں سے خطاب ہوا۔ یا بنی آدم میں مرد و عورتیں سب داخل ہیں کہ قرآنی خطابات عموماً مردوں سے ہوتے ہیں مگر عورتیں ان میں داخل ہوا کرتی ہیں' **خذوا زینتکم** زینت کے لفظی معنی ہیں آراستگی مگر کبھی آرائش و آراستگی کے سامان کو بھی زینت کہہ دیتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ قرآن مجید میں زینت بہت معنی میں استعمال ہوا ہے' زیور جیسے **لا یبدین زینتهن الا لبعولتهن** (2) محل زینت یعنی وہ اعضاء جن پر زیور استعمال ہوتا ہے **لیعلم ما یخفین من زینتهن** (3) اعلیٰ درجہ کا لباس (4) ستر ڈھانپنے والا لباس۔ یہاں آخری دو معنی میں سے کوئی معنی مراد ہیں اگر نفیس لباس مراد ہے تو یہ حکم استحبابی ہے کہ عمدہ لباس میں نماز پڑھنا اعلیٰ لباس پہن کر مسجدوں میں آنا مستحب ہے امام اعظم ابو حنیفہ نعمان ابن ثابت رضی اللہ عنہ نماز تہجد کے لئے نہایت بیش قیمت قمیص پاجامہ' عمامہ' چادر پہنتے تھے جس کی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم تھی' ہر رات تہجد ایسے لباس میں پڑھتے تھے اور فرماتے تھے کہ جب ہم لوگوں سے اچھے لباس میں ملتے ہیں تو اللہ تعالیٰ سے اعلیٰ لباس میں ملاقات کیوں نہ کریں (روح البیان) اور اگر ستر ڈھانپنے والا لباس مراد ہے تو **خذوا** امر وجوبی ہے کیونکہ نماز کے لئے ستر ڈھانپنا فرض ہے (عام تفاسیر) **عند کل مسجد** یہ عبارت **خذوا** کا ظرف ہے مسجد سے مراد یا تو نماز ہے اس طرح کہ مسجد سے سجدہ مراد ہو اور سجدے سے نماز مقصود تو معنی یہ ہیں کہ ہر نماز کے لئے ستر ڈھانپنا فرض ہے رات کے اندھیرے والی نماز یا دن کی اجیالے والی نماز ہو کیونکہ ستر اندھیرے سے نہیں بلکہ لباس سے حاصل ہوتا ہے یا مسجد سے مراد عام مسجدیں ہیں تو معنی یہ ہیں کہ کعبہ معظمہ اور مسجد حرام تو بڑی اعلیٰ ہیں کسی مسجد میں بھی ننگے نہ جاؤ اللہ تعالیٰ سے شرم و حیا کرو یا مسجد میں اچھے لباس سے آؤ خصوصاً" جمعہ اور عیدین کے دن۔ بہرحال یہ آیت بہت جامع ہے **وکلوا واشربوا** یہ دوسرا حکم ہے جس میں عرب کی اس رسم کو توڑا گیا ہے کہ حج کے زمانہ میں اچھے کھانے نہ کھاؤ پیٹ بھر کر نہ کھاؤ لہذا **کلوا** اور **اشربوا** کا مفعول یہ پوشیدہ ہے یعنی ہر قسم کا حلال کھانا حلال پانی شربت وغیرہ کھاؤ پیؤ اور یہ حکم اباحت کا ہے یعنی تم حج و عمرہ اور عام حالات میں ہر حلال طیب چیز کھا پی سکتے ہو کوئی ممانعت نہیں **ولا تسرفوا** یہ عبارت معطوف ہے **کلوا واشربوا** پر **تسرفوا** بنا ہے **اسراف** سے بمعنی حد سے بڑھنا حد سے بڑھنا دو طرح کا ہوتا ہے' جسمانی و روحانی اس لئے کفر و گناہ کو بھی اسراف کہا جاتا ہے **ربنا اغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا** یہاں دونوں قسم کا اسراف مراد ہو سکتا ہے جسمانی بھی روحانی بھی اور اس کا تعلق لباس' غذا' پانی سب سے ہی ہے لہذا' اسراف کی بہت تفسیریں ہیں حلال چیزوں کو حرام جاننا (2) حرام چیزوں کا استعمال کرنا' (3) ضرورت سے زیادہ کھانا پینا یا پہننا (4) جو دل چاہے وہ کھا پی لینا پہن لینا' (5) دن رات میں بار بار کھاتے پیتے رہنا جس سے معدہ خراب ہو جائے بیمار پڑ جائے۔ (6) مضر اور نقصان دہ چیزیں کھانا پینا (از روح البیان و کبیر و معانی و خازن وغیرہ) (7) ہر وقت کھانے پینے پہننے کے خیال میں رہنا کہ اب کیا کھاؤں آئندہ کیا پیوں (روح البیان)۔

خواجہ رابیں کہ از سحر تا شام دارو اندیشہء شراب و طعام
شکم از خوش دلی و خوش حالی گاہ پرمے کند گہے خالی
فارغ از خلد اعنی از دوزخ جائے اور قندیل است یا مطبخ!

(8) غفلت کے لئے کھانا' (9) گناہ کرنے کے لئے کھانا' اچھے کھانے پینے اعلیٰ پہننے کا عادی بن جانا کہ کبھی معمولی چیز کھا پی نہ سکے اعلیٰ غذاؤں کو اپنے کمال کا نتیجہ جاننا' غرضیکہ اس ایک لفظ میں بہت سے احکام داخل ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہر دم شکم سیر رہنے سے بچو کہ یہ بدن کو بیمار معدہ کو خراب نماز سے ست کرتا ہے کھانے پینے میں میانہ روی اختیار کرو کہ یہ

صدہا بیماریوں کا علاج ہے۔ اللہ تعالیٰ سوئے شخص کو ناپسند کرتا ہے۔ جو شخص شہوت کو اپنے دین پر غالب کرے وہ ہلاک ہو جائے گا (روح المعانی) **انہ لا یحب المسرفین** یہ عبارت گزشتہ احکام کی علت ہے انہ میں ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور **المسرفین** میں یہ مذکورہ سارے قسم کے اسراف والے داخل ہیں۔ پسند نہ فرمانے سے مراد ہے ناپسند کرنا یعنی اللہ تعالیٰ ان میں سے ہر قسم کے اسراف کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے ایسے لوگ اللہ کی بارگاہ میں نامقبول ہیں اب تک تو اللہ کی نعمتیں حرام نہ ہونے کا ذکر تھا اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ چونکہ ہم ہر نعمت کے خالق و مالک ہیں ہم تو ان سے منع فرماتے ہیں پھر یہ چیزیں ممنوع کیسے ہو سکتی ہیں جب معالج اجازت دے تو چیز مباح ہوتی ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا **قل من حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق** یہ نئی عبارت ہے جس میں کفار کے ان اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے جو وہ مسلمانوں پر کرتے تھے کہ مسلمان لوگ ستر ڈھک کر طواف کرتے ہیں حج کے زمانہ میں اچھا کھاتے پیتے ہیں اور شکم سیر ہو کر کھاتے پیتے ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا قل میں خطاب یا تو ہر مسلمان سے ہے یا تو ہر صحابی سے یا حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اگر خطاب ہر مومن سے ہے تو روئے سخن قیامت ان لوگوں کی طرف ہے جو بلا دلیل ہر چیز کو حرام کہہ دیتے ہیں اس فرمان میں مسلمانوں کو تعلیم دی گئی کہ اگر کوئی شخص کسی چیز کو حرام کہے تو اس سے پوچھو کہ اسے کس نے حرام کیا۔ رب تعالیٰ یا رسول اللہ نے یا تو نے اگر رب نے حرام کیا ہے تو آیت دکھاؤ اگر رسول نے حرام کیا ہے تو حدیث دکھاؤ اگر تو حرام کرتا ہے تو مالک احکام نہیں اور اگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے خطاب ہے تو روئے سخن ان کفار عرب کی طرف ہے جو مذکورہ چیزیں حرام سمجھتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم ان کو ابلیس کی طرح شرف خطاب کے لائق نہیں سمجھتے اب ان سے یوں خطاب کرو۔ خیال رہے کہ منع اور حرام میں فرق ہے طبیب مریض کو بعض غذاؤں سے منع کر سکتا ہے حاکم رعایا کو بعض چیزوں سے قانوناً منع کرتا ہے راہ میں داہنے ہاتھ نہ چلو ماں باپ بچے کو استاذ شاگرد کو بعض چیزوں سے منع کر سکتے ہیں ان سب ممانعتوں کا تعلق دنیا سے ہے مگر ان میں سے کوئی کسی چیز کو حرام نہیں کر سکتے حرام کرنے کا حق یا اللہ تعالیٰ کو ہے یا اس کے رسول کو **یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث** لہٰذا **من حرم** کا سوال بالکل درست ہے **زینۃ اللہ** کی بہت تفسیریں ہیں (1) ستر پوشی کا لباس حضرت ابن عباس یہی فرماتے ہیں (2) اعلیٰ اور بیش قیمت لباس (3) ہر آزمائش کی چیز حتیٰ کہ عورتوں کے لئے سونے چاندی کا زیور اور ریشمی لباس بھی اور مردوں کے لئے سوتی اونی لباس اعلیٰ بیش قیمت گھوڑے بھی طیبات رزق میں دو لفظ ہیں ایک رزق دوسرے طیبات 'رزق کے لغوی معنی ہیں حصہ' اصطلاح میں ہر روزی کو رزق کہتے ہیں 'جسمانی ہو یا روحانی لہٰذا خوراک لباس مکان وغیرہ جسمانی رزق ہیں اچھے عقیدے نیک اعمال اخلاص وغیرہ روحانی رزق مگر یہاں صرف غذائیں مراد ہیں جیسا کہ نزول سے معلوم ہوا۔ طیب وہ روزی ہے جو نہ بالذات حرام ہو جیسے کتا بلا وغیرہ نہ بالفرض حرام ہو جیسے سود رشوت سے حاصل کی ہوئی روزی اور ہو لذیذ مزیدار جو دل کو مرغوب ہو لہٰذا الطیبات رزق میں بڑی وسعت ہے ہر حلال مزیدار کھانا پینا اگرچہ کتنا ہی قیمتی ہو حتیٰ کہ مرغ اور بٹیریں وغیرہ (کبیر' روح المعانی) حضرت امام زین العابدین نے پچاس دینار کی اونی چادریں خریدیں اور استعمال فرمائیں اور یہی آیت تلاوت کی حضرت عبد اللہ ابن عباس جب خوارج کو تبلیغ فرمانے گئے تو اعلیٰ لباس پہن کر اعلیٰ درجہ کا عطر مل کر اعلیٰ گھوڑے پر سوار ہو کر گئے خوارج نے کہا کہ یہ اسراف ہے تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ **من حرم** میں سوال انکاری ہے یعنی یہ چیزیں کس نے حرام کی ہیں اللہ تعالیٰ نے یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے

انہوں نے تو حرام کی نہیں پھر تم کیوں حرام سمجھتے ہو۔ **قل ھی للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا** اس فرمان عالی میں یہ وہم دور کیا گیا ہے کہ ترک زینت اور ترک دنیا تقویٰ و پرہیز گاری ہے یہاں کی زینت کو کفار ہی اختیار کریں مسلمانوں کو اس سے پرہیز چاہئے یہاں بھی قل میں خطاب یا مسلمانوں سے ہے یا صحابہ کرام سے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ھی کا مرجع زینتہ اللہ اور طیبات رزق سب ہی ہیں **للذین** میں لام خصوصیت کا ہے یعنی ہم نے دنیا میں یہ تمام نعمتیں صرف مسلمانوں کے لئے پیدا فرمائی ہیں کفار ان کے طفیل استعمال کرتے ہیں جیسے برات کی تمام نعمتیں صرف دولہا کی خاطر ہوتی ہیں براتی لوگ اس کے طفیل استعمال کرتے ہیں پھر تم مسلمانوں پر کیوں اعتراض کرتے ہو کیونکہ یہ سب نعمتیں اس لئے پیدا کی گئی ہیں کہ بندے ان کے ذریعے عبادت اور اطاعت الٰہی پر قوت حاصل کریں کفار ان کے ذریعہ گناہوں اور کفر پر قوت حاصل کرتے ہیں، مومن اعلیٰ نعمتیں کھا کر رب اعلیٰ کی عبادت کرتا ہے کافر یہ سب کھا کر بت پرستی کرتا ہے لہٰذا ان کا مقصد مومن ہی پورا کرتا ہے پھر اسے حرام کیوں ہو۔ **خالصتہ یوم القیامتہ** یہ عبارت حال ہے گزشتہ مضمون سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو کفار ابھی یہ نعمتیں برت لیں مومنوں کی طفیل مگر آخرت کی ساری نعمتیں صرف مومنوں کے لئے ہوں گی کفار کو ان میں سے ایک شائبہ بھی نہ ملے گا یوم قیامت سے مراد قیامت اور بعد قیامت جنت میں قیام کا زمانہ سب ہی ہے مسلمانوں کو قیامت میں بھی اللہ کی بہت نعمتیں ملیں گی حتیٰ کہ عالم دین کے والد کے سر پر ایسا تاج ہو گا، جس کے موتیوں کی چمک سے سورج ماند پڑ جائے **کذالک نفصل الایات لقوم یعلمون** یہ عبارت گزشتہ مضامین کا تتمہ ہے۔ یعنی جیسے ہم نے کھانے پینے لباس کے احکام بہت تفصیل سے بیان فرما دیئے یوں ہم ساری آیتیں سارے احکام بالتفصیل بیان فرماتے ہیں مگر اس تفصیلی بیان سے صرف اہل علم ہی فائدہ اٹھاتے ہیں۔ علم سے مراد علم دین یا معرفت الٰہی ہے جیسے ساری غذائیں زینتیں صرف مومنوں کے لئے ہیں دوسرے ان کے تابع یونہی ساری شریعت و طریقت کے احکام صرف علماء کے لئے ہیں دوسرے لوگ ان کے تابع ہیں کہ ان کے ذریعہ لوگ ان سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے آدمیو! ہر نماز کے وقت ستر پوشی کا لباس ضرور پہن لیا کرو یا جس مسجد میں جاؤ تو ستر پوشی کا لباس پہن کر جاؤ یا اے آدمیو ہر نماز یا ہر مسجد میں اعلیٰ لباس پہنو اور تم ہر حلال غذا ہر حلال پانی شربت وغیرہ پیا کرو تمہیں کوئی روک ٹوک نہیں ہاں لباس، غذا وغیرہ میں فضول خرچی نہ کیا کرو درمیانی چال اختیار کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں فضول خرچوں کو ناپسند کرتا ہے اے محبوب ان کفار عرب سے پوچھ لو کہ اللہ کی پیدا کی ہوئی زینت و آرائش جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا فرمائیں اور حلال روزیاں کس نے حرام کی ہیں اس کی حرمت کی کوئی آسمانی کتاب کی آیت یا کسی نبی کا فرمان پیش کرو محض عقلی قیاس آرائیوں سے کوئی چیز حرام نہیں ہو جاتی یہ خیال غلط ہے کہ مومنوں کو اچھی غذائیں اچھی پوشاک نہیں استعمال کرنی چاہئے یہ چیزیں کافروں کے لئے ہیں، یہ محض تمہارے وہم ہیں اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں دنیا میں مومنوں ہی کے لئے تو پیدا فرمائی ہیں کافر تو ان کے طفیل کھا پی لیتے یا پہن لیتے ہیں یہ روزیاں ان کے لئے حلال ہیں جو استعمال کر کے ہماری اطاعت کریں ان کے لئے نہیں جو کھا کر ہماری نافرمانی کریں دنیا میں تو کفار پھر کچھ کھا پی لیتے ہیں مومنوں کے طفیل قیامت میں اور اس کے بعد تو ساری نعمتیں صرف مسلمانوں ہی کے لئے ہوں گی کسی کافر کو نعمت کا ایک قطرہ نہ ملے گا، جیسے ہم نے غذا لباس کے احکام تفصیل وار بیان فرمائے یونہی ہم سارے احکام ساری آیتیں تفصیل وار بیان فرماتے ہیں مگر کس کے لئے علم والوں کے لئے کہ اولاً ان سے

وہ فائدہ اٹھاتے ہیں پھران کی معرفت دوسرے عام لوگ فائدہ حاصل کرتے ہیں۔

حکایت : ایک عیسائی ڈاکٹر نے علی ابن حسین ابن واقد سے کہا کہ تمہارے دین میں علم طب بالکل نہیں لہٰذا یہ دین ناقص ہے انہوں نے جواب دیا کہ اللہ تعالٰی نے سارا علم طب آدھی آیت میں بیان فرمادیا ہے اور آپ نے یہی آیت پڑھی **کلوا و اشربوا ولا تسرفوا** عیسائی بولا کہ تمہارے نبی نے بھی علم طب کا ذکر کیا ہے یا نہیں انہوں نے فرمایا کہ چند لفظوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری طب جمع کردی ہے فرمایا ہے کہ معدہ ساری بیماریوں کا گھر ہے اور پرہیز سارے علاجوں کا سرہے اور بدن کے ہر حصہ کو اس کا حق دو نصرانی بولا کہ تمہاری کتاب اور تمہارے رسول نے جالینوس کے لئے طب کا کوئی مسئلہ چھوڑا ہی نہیں سب کچھ بیان کردیا (مدارک' روح البیان' و معانی و کبیر وغیرہ)

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نماز میں ستر ڈھانپنا فرض ہے اگر بقدر ادائے رکن کسی عضو کا چوتھا حصہ کھلا رہا تو نماز نہ ہوگی۔ یہ فائدہ **زینتکم ا ور کل مسجد** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ زینت سے مراد ہو تن پوشی والا لباس اور مسجد سے مراد ہو نماز۔

مسئلہ : مرد کا ستر ناف سے گھٹنے تک ہے عورت کا ستر سر سے پاؤں تک سوا چہرے کے کلائیوں تک ہاتھوں اور ٹخنوں نیچے پاؤں کے دیکھو کتب فقہ۔ **دوسرا فائدہ:** اچھے لباس میں نماز پڑھنا بہتر ہے یہ فائدہ **خذوا زینتکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ زینت سے مراد ہو آرائشی لباس 'اور مسجد سے مراد ہو نماز۔ مگر خیال رہے کہ جو لباس مرد کے لئے پہننا حرام یا مکروہ ہیں وہ ہرگز نہ پہنے چنانچہ مرد ریشم نہ پہنے یونہی مرد زنانہ لباس اور عورت مردانہ لباس نہ پہنے یونہی مسلمان کفار کے لباس سے بچیں جیسے دھوتی' ہیٹ وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ:** مسجد میں جہاں تک ہوسکے اچھے لباس میں جاؤ وہاں ننگے بدن یونہی ردی لباس پہن کر نہ جاؤ اگر اللہ نے دیا ہے تو اچھے لباس میں جاؤ یہ فائدہ **عند کل مسجد** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ مسجد سے مراد ہوں یہ عام مسجدیں۔

مسئلہ : جمعہ کے دن غسل کرنا کپڑے بدل کر خوشبو مل کر مسجد میں جانا سنت ہے یونہی عیدین میں۔ **چوتھا فائدہ:** تقوٰی اس کا نام نہیں کہ انسان اچھا کھانا پینا اچھا لباس چھوڑ دے بلکہ تقوٰی یہ ہے کہ گناہ چھوڑ دے یہ فائدہ **وکلوا واشربوا** سے حاصل ہوا' حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جو چاہو کھاؤ پیؤ دو چیزوں سے بچے رہو فضول خرچی اور تکبرو غرور (مدارک)۔ **پانچواں فائدہ:** بھوک سے زیادہ کھانا' نقصان دہ غذائیں کھانا' بلا ضرورت مال خرچ کرنا' ناجائز چیزیں کھانا' پینا' پہننا' حلال چیزوں کو حرام سمجھ لینا' فخرو تکبر کے لئے لباس فاخرہ پہننا ہمیشہ اچھے کھانے اچھے لباس کا عادی ہو جانا کہ معمولی غذا اور لباس استعمال ہی نہ کر سکے ہر وقت کھانے پینے پہننے کی فکر میں لگے رہنا ممنوع ہے۔ یہ تمام مسائل **ولا تسرفوا** سے حاصل ہوئے دیکھو تفسیر۔ اللہ دے تو اچھا کھاؤ پہنو مگر کبھی معمولی غذا' موٹا لباس بھی پہن لیا کرو اس میں عار نہ کرو تاکہ غریبی آنے پر تم کو تکلیف نہ ہو۔ **چھٹا فائدہ:** ہر چیز میں اصل اباحت ہے حرام ہونا کسی ممانعت کی دلیل سے ہوگا یعنی جس چیز سے شریعت میں منع نہ فرمایا خاموشی فرمائی وہ مباح ہے ہاں جس چیز کو منع فرمایا وہ حرام یا مکروہ ہے۔ یہ فائدہ **قل من حرم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالٰی نے حرام نہ کرنے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا کہیں یہ نہ فرمایا کہ **من احل** فلاں چیز کس نے حلال کی' حلال

ہونے کی دلیل حرام نہ ہونا ہے ہم آم 'مالٹا' آئس کریم 'وغیرہ کھاتے ہیں کہاں لکھا ہے کہ یہ چیزیں حلال ہیں مگر چونکہ شریعت نے انہیں حرام نہ کہا معلوم ہوا حلال ہیں 'معلوم ہوا کہ فاتحہ 'ختم میلاد شریف وغیرہ کو حرام یا مکروہ نہیں کہہ سکتے کیونکہ شریعت نے ان کی ممانعت نہ فرمائی 'دیکھو تفسیر خازن وہ فرماتے ہیں **وفی الآیۃ دلیل علی ان الاصل فی جمیع الاشیاء الاباحۃ الا ماخطرہ الشرع و ثبت تحریمہ بدلیل بتفصیل۔**

مسئلہ : جن بزرگوں نے فرمایا کہ چیزوں کی اصل حالت حرمت یا خاموشی ہے ان کا اختلاف شریعت کے احکام آنے سے پہلے کے متعلق ہے یعنی جب دنیا میں اسلام نہیں آیا تھا تب تمام چیزیں بعض کے نزدیک مباح تھیں بعض کے نزدیک حرام اور بعض کے نزدیک ان میں خاموشی تھی۔ چنانچہ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا و تسمر **الوقف عندھم ان من فعل شیئا قبل ورود الشرع لم یستحق بفعلہ من اللہ ثوابا ولا عقابا** اس کی تفصیل رسالہ راہ جنت میں مطالعہ کرو۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ غذائیں اعلیٰ لباس مسلمانوں کے لئے پیدا فرمائے کہ وہ یہ چیزیں برتیں اور اعلیٰ درجہ کی عبادات کریں 'کفار یہاں مسلمانوں کی طفیل نعمتیں کھاپی رہے ہیں 'بعض جاہل کہتے ہیں کہ فقیری یہ ہے کہ انسان اچھی اور مزیدار چیزیں کھانا پینا چھوڑ دے وہ جھوٹے ہیں رب فرماتا ہے **کلوا من الطیبات واعملوا صالحا** مزیدار چیزیں کھاؤ اور اچھے اعمال کرو۔ آٹھواں فائدہ: دنیا میں تو کفار مومنوں کے طفیل اچھی چیزیں کھاپی لیتے پہن لیتے ہیں مگر قیامت میں کسی کافر کو کوئی نعمت نہیں ملے گی ساری نعمتیں صرف مومنوں کے لئے ہوں گی۔ کسی کافر کو کسی نعمت سے ایک حبہ بھی نہیں ملے گا یہ فائدہ **خالصۃ یوم القیمۃ** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: کوئی شخص صرف قرآن پر بغیر حدیث کی مدد کے عمل نہیں کر سکتا قدم قدم پر حدیث کی ضرورت ہے دیکھو ان آیات میں **زینۃ اللہ** اور **طیبات من الرزق** اس مبہم طریقہ سے ارشاد ہوا کہ پتہ لگتا ہی نہیں کہ **زینۃ اللہ** کیا چیز ہے اور طیبات کونسی نعمتیں ہیں ان کی تفصیل حدیث نے فرمائی کہ مردوں کے لئے سونا چاندی کے زیور زینت اللہ نہیں بلکہ **زینۃ الشیطن** ہے اور عورتوں کے لئے یہی چیزیں **زینۃ اللہ** ہیں گائے 'بکری 'مرغی وغیرہ طیبات روزی ہیں کتا 'بلاو غیرہ خبیث روزی غرضیکہ الفاظ قرآن مجید سے ملتے ہیں ان کی شرح ملتی ہے حدیث پاک سے۔ دسواں فائدہ: قرآنی آیات اور نبوی احادیث علماء کے لئے ہیں اور علماء دین کے ارشادات عوام کے لئے ہیں اگر عوام مسلمین خود قرآن و حدیث میں غوطہ لگائیں گے ایمان کھو بیٹھیں گے یہ فائدہ **لقوم یعلمون** سے حاصل ہوا سلطنت کے قوانین صرف احکام کے لئے ہیں اور احکام کے فیصلے عوام کے لئے یونہی طب جسمانی کی کتابیں صرف طبیبوں کے لئے ہیں طبیبوں کی تشخیص و تجویز بیماروں کے لئے اگر عوام قانون ہاتھ میں لے لیں تو مجرم ہیں بیمار خود اپنا علاج یونانی کتابوں سے کرنے لگیں تو مریں گے یونہی اگر عوام قرآن و حدیث پر براہ راست عمل کرنے لگیں تو بے دین ہو جائیں گے لہذا تقلید مجتہدین ہم عوام کے لئے بہت ضروری ہے اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

پہلا اعتراض : **خذوا زینتکم** کی پہلی تفسیر سے معلوم ہوا کہ نماز یا مسجد میں حاضری کے وقت ستر چھپانا ضروری ہے تو کیا ان دونوں وقتوں کے سوا ہم ننگے رہا کریں یہاں **عند کل مسجد** کیوں فرمایا۔ جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ آیت کریمہ ننگے طواف کرنے والوں کے متعلق اتری ہے وہ لوگ مسجد حرام میں ننگے آتے تھے ویسے عام حالات میں لباس پہنتے تھے

اس لئے کل مسجد کی قید لگائی گئی یہ قید ان لوگوں کے عمل کے لحاظ سے ہے جیسے رب فرماتا ہے کہ دو گنا تگنا سود نہ کھاؤ تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھالیا کرو یا یوں کہو کہ عام حالات میں تن پوشی فرض ہے مگر نماز و مساجد میں ستر پوشی بہت اہم فرض کہ اس پر نماز کی درستی موقوف ہے۔ **دوسرا اعتراض:** کفار پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے تو یہاں خطاب بنی آدم کو کیوں کیا گیا' صرف مومنوں کو خطاب چاہئے تھا ستر پوشی حکم شرعی ہے۔ جس کے مکلف صرف مسلمان ہی ہیں؟ **جواب:** تمہارا یہ قاعدہ غلط ہے شرعی احکام بہت قسم کے ہیں' عقائد' عبادات معاملات' معاشرتی احکام سزائیں وغیرہ ان میں سے کفار صرف عبادات کے مکلف نہیں یعنی ان پر روزہ نماز فرض نہیں باقی ساری چیزوں کے مکلف ہیں ستر پوشی اخلاقی حکم ہے اس کے وہ بھی مکلف ہیں ہم اپنی حکومت میں کسی کافر عیار کو ننگے رہنے' چوری کرنے کی اجازت نہیں دیں گے' لہٰذا یہاں بنی آدم سے خطاب کرنا بہت ہی مناسب ہے۔ **تیسرا اعتراض:** ستر پوشی تو فرشتوں جنات وغیرہ سب پر فرض ہے پھر یہاں صرف انسانوں سے خطاب کیوں ہے۔ **جواب:** فرشتوں کو ستر دیا ہی نہیں نہ وہ مرد ہیں نہ عورتیں پھر ستر پوشی ان پر فرض کیونکر ہو جب وہ حضرات شکل انسانی میں آتے تھے تو کپڑے ان پر آتے تھے' جنات اکثر جانوروں' دھوئیں' غبار کی شکل میں ہوتے ہیں تب ان پر ستر پوشی فرض نہیں ہوتی اگر وہ کتے یا سانپ کی شکل میں آئیں تو کپڑے نہیں پہنتے اور جب وہ اپنی خاص شکل میں ہوں تب ان کے ستر پوشی کے لئے یہ کپڑا ہمارے کارخانوں کا بنا ہوا ضروری نہیں ہو تا ان کی غذائیں بھی اور ہیں ان کے لباس بھی اور یہاں زینت سے مراد ہیں یہ لباس لہٰذا انسانوں سے خطاب نہایت موزوں ہے۔ دیکھو آدم علیہ السلام نے زمین میں کپاس کی کاشت کی اور کپڑا تیار کیا گویا آپ اس کپڑے کے موجد ہیں جنات آپ سے پہلے زمین میں آباد تھے وہ یہ کپڑا کیسے پہن سکتے تھے کہ یہ کپڑا ابھی ایجاد ہی نہیں ہوا تھا' **چوتھا اعتراض:** یہاں **عند کل مسجد** کیوں ارشاد ہوا مسجد حرام کیوں نہ فرمایا کفار عرب صرف مسجد حرام میں ہی ننگے آتے تھے اس کا ذکر چاہئے تھا۔ **جواب:** چونکہ احترام اور احکام میں ساری مسجدیں مسجد حرام کے برابر ہیں اس لئے **عند کل مسجد** فرمایا گیا کہ مسجد خواہ مسجد حرام ہو یا دوسری مسجد سب کا ہی ادب و احترام کرو' **پانچواں اعتراض:** قرآن مجید میں اسراف سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور تبذیر سے بھی مگر ان دونوں کی ممانعت میں بڑا فرق ہے تبذیر کے لئے فرمایا گیا **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین** اور اسراف کے لئے فرمایا گیا **لا یحب المسرفین** یعنی تبذیر پر بہت سختی فرمائی ہے ان دونوں میں کیا فرق ہے اور ان کے احکام میں مذکورہ فرق کیوں ہے۔ **جواب:** اسراف عام ہے تبذیر خاص۔ اسراف کے معنی ہیں فضول خرچی مگر تبذیر کے معنی ہیں بے جا خرچی۔ حلال چیزیں ضرورت سے زیادہ کھالینا اسراف ہے تبذیر نہیں مگر حرام چیزیں کھانا پینا تبذیر ہے پاؤ بھر غذا کی ضرورت تھی کھالیا آدھ سیر بکری کا گوشت یہ ہوا اسراف سور یا شراب پی ناچ رنگ میں پیسہ خرچ کیا یہ ہے تبذیر۔ اس وجہ سے اسراف کے لئے ہلکے الفاظ ارشاد ہوئے تبذیر کے لئے سخت الفاظ کہ مبذر یعنی بیجا خرچ کرنے والا بڑے سخت قانون کا توڑنے والا ہے فضول خرچی بھی ہلکا قانون توڑتا ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیا کی نعمتیں صرف مومنوں کے لئے پیدا فرمائی گئی ہیں کفار ان کے طفیل کھاتے ہیں مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ کافروں کو مسلمانوں سے زیادہ نعمتیں ملتی ہیں عجیب بات ہے کہ طفیلی کو زیادہ اور اصل مقصود کو تھوڑی عطا۔ **جواب:** اس کے بہت جواب ہیں کچھ عالمانہ کچھ عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ کفار کو مال دولت غذائیں زیادہ ملتی ہیں طیب رزق زیادہ نہیں ملتا۔ یہاں طیب روزی کا ذکر ہے' کافر کا مال روزی اگرچہ اللہ کی نعمتیں ہے مگروہ استعمال کرتا ہے خبیث بنا کر۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ

طیب روزی پیدا تو کی گئی ہے مسلمانوں ہی کے لئے مگر کسی کے استعمال کرنے کے لئے اور کسی کے پرہیز کرنے کے لئے۔ اگر رب تعالیٰ کسی مسلمان کو غریب کرے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لئے امیری مضر ہے غریبی مفید ہمارے گھر کی ساری نعمتیں ہمارے پیاروں کے لئے ہیں مگر بیمار کو صرف ساگودانہ دیتے ہیں یا مونگ کی دال چپاتی ان سے پرہیز کرنا بھی تو ثواب ہے پدر را عسل بسیار است مگر پسر گرمی دار است۔ باپ کے پاس شہد بہت ہے مگر بچہ کو گرمی کی بیماری ہے تیسرے یہ کہ طیب روزی مسلمانوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں' دنیا میں کفار ان کی طفیل کھالیتے ہیں جیسے پانی و کھاد کھیت کی پیداوار کے لئے ہیں مگر خودرو گھاس وغیرہ بھی اس سے نفع اٹھا لیتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ مومن کے لئے طیب روزیاں اللہ کی رحمت ہیں کافر کے لئے عذاب جیسے بادشاہ کے مہمان کو لذیذ غذائیں ملتی ہیں کرم کے لئے مگر پھانسی کے ملزم کو لذیذ غذائیں دی جاتی ہیں عذاب کے طور پر۔ **ساتواں اعتراض:** اگر مسلمان کفار سے پوچھ سکتے ہیں کہ تم ننگے بدن طواف کیوں کرتے ہو تو کفار بھی مسلمانوں سے پوچھ سکتے ہیں کہ تم ننگے سر اور ننگے کندھے بغیر سلے کپڑے میں طواف کیوں کرتے ہو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ مسلمانوں کے یہ کام بے حیائی نہیں ان کا ننگے بدن طواف بے حیائی ہے دوسرے یہ کہ ہم کہہ سکتے ہیں ہم یہ سب کچھ اللہ رسول کے حکم سے کرتے ہیں تم اپنی قوم برادری کے حکم سے حرام کرنے کا حق اللہ رسول کو ہے ابا جی یا دادا جی کو نہیں۔

تفسیر صوفیانہ • بدن کی زینت شریعت اور اس کے آثار سے ہے نفس کی زینت آداب اور اقدار سے ہے دلوں کی زینت مشاہدہ اور انوار سے ہے روح کی زینت معرفت اور اسرار سے ہے سر کی زینت طوالع اور اس کے اثمار (پھلوں) سے ہے ظاہر کی زینت توفیق سے ہے باطن کی زینت تحقیق سے ظاہر کی زینت سجود سے ہے باطن کی زینت شہود سے ظاہر کی زینت آثار جود سے ہے باطن کی زینت انوار وجود سے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ شہودی نماز کے وقت بدن روح' دل سب کی یہ مذکورہ زینت استعمال کرو تاکہ تمہاری نمازیں بارگاہ واجب الوجود کی درگاہ کے لائق ہوں جسمانی لباس و زیور دنیا کے کارخانوں میں بنتے ہیں' روحانی لباس و زیور مدینہ منورہ کے کارخانہ میں تیار ہوتے ہیں جسمانی لباس و زیور دنیا کے بازاروں بزازوں کی دوکانوں سے ملتے ہیں روحانی دلی زیور اولیاء اللہ کے آستانوں سے خریدے جاتے ہیں جسمانی لباس ظاہری نقدی یعنی روپیہ سے ملتے ہیں مگر روحانی لباس و زیور عقیدت و محبت و عشق کی نقدی سے۔ جسمانی لباس میں سر کا لباس اور ہے ٹوپی و عمامہ پیٹ کا لباس کچھ اور یعنی قمیص اچکن واسکٹ ٹانگوں کا لباس کچھ اور۔ یعنی پاجامہ اور شلوار اور پیر کا لباس جوتا۔ یونہی دل دماغ' روح کے لباس و زیور مختلف ہیں' جیسے عام لباس مختلف اعضاء کے مختلف ہوتے ہیں سر کے لئے ٹوپی پیٹ کے لئے قمیص وغیرہ مگر بحالت احرام ایک چادر سر سے پاؤں تک سارے جسم کا لباس ہے یونہی شریعت کے لباس مختلف ہیں مگر عشق رسول کی ایک چادر جسم' دل روح سب کے لئے کافی ہے۔ **ولباس التقوی ذالک خیر** اللہ نصیب کرے' صوفیاء کے نزدیک طیب رزق وہ ہے جو نفس یا دنیا کے لئے استعمال نہ ہو صرف رب کے لئے استعمال ہو ایسی روزی دنیا میں صرف مسلمانوں کو ہی میسر ہوتی ہے کافر نفس کے لئے کھاتا ہے لہذا اس کی روزی طیب نہیں اللہ کے مقبولوں کو دنیا میں طیب روزی تو ملتی ہے مگر وہ صفات نفسانیہ کی آفتوں سے اور صفات نفسانیہ کی کدورتوں سے خالص ہو کر انہیں قیامت ہی میں ملے گی فرماتا ہے **ونزعنا ما فی صدورھم من غل** مومن کو چاہئے کہ دنیا میں اللہ کی نعمتیں یعنی ذکر شغل وغیرہ خود کھائے اہل کو کھلائے نااہلوں کے حوالہ نہ کرے کہ یہ اسراف ہے اللہ تعالیٰ اسراف والوں کو پسند نہیں کرتا نعمت کمانا بھی کمال ہے مگر نعمت کا سنبھالنا بڑا کمال ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ صوفیاء کے نزدیک طیب روزی میں تین شرطیں ہیں 'حلال ذریعہ سے آئے' حلال جگہ خرچ ہو۔ حلال جگہ خرچ ہو' اچھی نیت سے استعمال ہو یہ تو جسمانی روزیوں کا حال ہے روحانی روزیاں اس کے علاوہ ہیں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ

فرمائیے اس کے سوا نہیں کہ حرام کیا رب نے فحش باتیں وہ جو ظاہر ہیں ان میں سے اور وہ جو مخفی ہیں اور

تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

گناہ اور زیادتی کرنا ناحق اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ تم اللہ کے ساتھ اسے کہ نہیں اتاری اس نے اس کے کوئی دلیل

اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ

اور یہ کہ کہو تم اللہ پر وہ جو نہیں جانتے تم اور واسطے ہر امت کے ایک مدت ہے تو جب آتی ہے مدت

رکھتے اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے

سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾

ان کی تو نہیں پیچھے ہٹتے ایک گھڑی اور نہیں آگے بڑھتے

ہو نہ آگے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان چیزوں کا ذکر تھا جو رب تعالیٰ نے حرام نہیں فرمائیں مگر کفار مکہ انہیں حرام سمجھتے تھے' اب ان چیزوں کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے حرام کی ہیں مگر کفار مکہ انہیں اچھا سمجھتے ہیں گویا ان آیتوں میں تصویر کے دوسرے رخ کا ذکر ہے کہ لباس پہن کر طواف اللہ نے حرام نہیں کیا بلکہ وہ حرکتیں حرام فرمائیں جو تم کرتے ہو بے حیائی شرک وغیرہ۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں طواف اور نماز میں ستر پوشی کا حکم دیا گیا' اب برہنگی کی حرمت کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ کام فحش بھی ہے گناہ بھی بے حیائی بھی گویا جرموں کے بعد وجہ جرموں کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: اب تک شرعی حرام و حلال چیزوں کا ذکر ہوا اب اس حرام و حلال کی مدت کا تذکرہ ہے کہ یہ احکام تم پر موت تک جاری ہیں موت آنے پر ایک منٹ کی مہلت نہ ملے گی۔ تاکہ تم اس مہلت میں پھر کوئی نیکی کر سکو اس موقعہ کو غنیمت جانو گویا اعمال کے ذکر کے بعد وقت اعمال کا ذکر ہے ولکل امۃ اجل چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں نعمتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ دنیا میں مومنوں کے لئے پیدا کی گئیں ان کے طفیل کافر بھی برت لیتے ہیں آخرت میں صرف مومنوں کو ملیں گی کفار کو ان کے طفیل بھی نہیں ملیں گی اب ارشاد ہے کہ نعمتیں وہ ہیں جنہیں رب نے حلال فرمایا حرام کام حرام چیزیں

نعمتیں نہیں بلکہ یہ تو رب کی طرف سے آزمائشیں ہیں گویا نعمتوں کا ذکر پہلے ہوا اور نعمتوں کا تعین اب ہو رہا ہے کہ نعمتیں ہیں کیا اور ان کی پہچان کیا۔

تفسیر : **قل انما حرم ربی** یہ نیا جملہ ہے **قل** میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے چونکہ یہ احکام مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے پہنچے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان عالی سے پہلے لوگوں پر شرعی احکام جاری نہ تھے صرف شرک سے بچنا نجات کے لئے کافی تھا جیسے زمانہ فترت کے لوگ نیز شرعی احکام پر عمل جب ہی باعث ثواب ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ماتحت ہو ان وجوہ سے انہیں **قل** سے شروع فرمایا گیا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم حرام و حلال مقرر نہ فرماتے تو کسی کو ان کی پہچان کیسے ہوتی **انما** کا لفظ حصر کے لئے آتا ہے یہاں حصر یا تو اضافی ہے مذکورہ ستر پوشی وغیرہ کے مقابلہ میں یا حصر حقیقی ہے کیونکہ سارے گناہ اور سارے محرمات اس آیت میں داخل ہیں کس پر حرام فرمائیں اس میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ مجھ پر حرام فرمائیں یعنی ازل سے رب نے مجھے شرعی احکام سکھا دیئے اسی لئے میں اول پیدائش سے تمام حرام چیزوں سے بچا رہا' دوسرے یہ کہ سب مسلمانوں پر حرام فرمائیں کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر احکام شرعیہ سے الگ نہیں ہو سکتا' جیسے سورج کی روشنی ہوا غذا کی حاجت ہر شخص کو ہے ایسے ہی شرعی احکام کی پابندی سب پر لازم ہے' تیسرے یہ کہ سارے انسانوں پر حرام فرمائیں لہٰذا آخرت کی سزا و جزا کے لحاظ سے ہر مومن و کافر پر یہ چیزیں حرام ہیں۔ ربی فرما کر یہ بتایا کہ جیسے ماں باپ بچے کے ظاہر مربی ہیں تو وہ بچہ کو مضر چیزوں سے بچاتے مفید چیزیں استعمال کراتے ہیں بچہ سمجھے یا نہ سمجھے یونہی رب تعالیٰ حقیقی رب ہے وہ اپنے بندوں کو بری چیزوں سے بچاتا ہے انہیں حرام فرما دیتا ہے اچھی چیزیں حلال کرتا ہے یہ بھی اس کی ربوبیت کا ظہور ہے چونکہ یہ حرمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے ہوئی اس لئے یہاں **ربی** ارشاد ہوا **ربکم** نہیں فرمایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ربوبیت الٰہیہ کا مظہر اتم ہیں اللہ تعالیٰ بلاواسطہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا رب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے سارے عالم کا رب جیسے رب تعالیٰ ماں باپ کے وسیلہ سے ہمارا رب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دینے والے بندے ہیں' جیسے سورج و بادل ہم سب لینے والے بندے ہیں' جیسے زمین **الفواحش ما ظهر منها وما بطن** یہ عبارت **حرم** کا مفعول بہ ہے **الفواحش مبین** ہے اور **ما ظهر** اس کا بیان ہے جس نے **فواحش** کی دو قسمیں فرما دیں ظاہری اور چھپی ہوئی **فواحش** جمع ہے **فاحشہ** کی جس کا مادہ ہے **فحش** بمعنی حد سے بڑھ جانا اسی سے ہے مباشرۃ فاحشہ اور غبن فاحش یعنی بہت زیادہ نقصان فاحشہ کیا چیز ہے اور **ما ظهر** سے کیا مراد ہے اور **ما بطن** سے کیا مراد اس میں چند قول ہیں۔ (1) فاحشہ وہ گناہ ہے جسے عقل بھی برا سمجھے اور اس کی برائی حد سے زیادہ ہو جیسے زنا اور دوسری بدکاریاں ان کا علانیہ کرنا **ما ظهر** ہے جیسے بدکار عورتوں کا بر سر بازار بیٹھ کر لوگوں کو دعوت زنا دینا' خفیہ کرنا **ما بطن** ہے جیسے اجنبی عورتوں سے خفیہ ناجائز تعلقات (2) فاحشہ ہر کبیرہ گناہ ہے جو علانیہ کیا جائے وہ **ما ظهر** ہے اور جو خفیہ کیا جائے وہ **ما بطن** ہے (3) فاحشہ وہ گناہ ہے جس میں شرعی سزا (حد) لازم ہو یہ دو قسم کا ہے علانیہ اور خفیہ۔ (4) فاحشہ صرف زنا کو کہتے ہیں زنا کی دو صورتیں ہیں' علانیہ اور خفیہ یارانہ کے طور پر۔ رب تعالیٰ نے زنا کے متعلق فرمایا **لا تقربوا الزنا انه كان فاحشة** آیت اس کی تفسیر ہے (خازن' کبیر وغیرہ) چونکہ علانیہ گناہ بدتر ہے خفیہ گناہ سے کیونکہ علانیہ گناہ میں رب کا مجرم بھی اور اللہ کے بندوں کو اس کا گواہ بنانا بھی' خفیہ گناہ میں رب تعالیٰ کا مجرم تو ہے مگر اس میں اللہ کے بندوں کو گواہ بنانا نہیں اس لئے یہاں **ما ظهر**

کاذکر پہلے فرمایا گیااور **وما بطن** کاذکر بعد میں یونہی علانیہ نیکی بہتر ہے اور نیکی سے بشرطیکہ علانیہ میں ریانہ ہو کیونکہ علانیہ نیکی میں رب تعالیٰ کی رضابھی ہے اور اس کے بندوں کو اس پر گواہ بنانا بھی ہے اس لئے نماز جمعہ عیدین میں جماعت شرط ہے باقی پنجگانہ میں جماعت واجب حج کااعلان ضروری ہے۔**والاثم** یہ لفظ معطوف ہے **فواحش** پر اور حرم کا مفعول بہ جیسے **فواحش** کی تفسیر میں چند قول ہیں ایسے ہی اثم کی تفسیر میں بھی چند قول ہیں' (1) اثم وہ گناہ ہے جو شرعاً تو گناہ ہو مگر عقل اسے برانہ سمجھے جیسے جوا' سود وغیرہ (2) اثم ہر صغیرہ گناہ ہے (3) اثم وہ گناہ ہے جس پر شرعی سزا (حد) واجب نہ ہو (4) اثم ہر گناہ ہے صغیرہ ہو یا کبیرہ اس لئے شراب کو اثم یعنی گناہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بہت سے گناہوں کا باعث ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

شربت الاثم حتی ضل عقلی! كذالک الاثم يذهب بالعقول!

نهانا رسول الله ان نقرب الزنا وان نشرب الاثم الذی يوجب الوزرا

ان دونوں شعروں میں **اثم** شراب کو کہا گیا (روح المعانی' خازن) نیز رب تعالیٰ نے شراب کو اثم فرمایا **قل فيهما اثم كبير** (خازن) بہرحال فاحشہ اور اثم کی بہت تفسیریں ہیں۔ خیال رہے کہ ہر صغیرہ گناہ ہمیشگی سے کبیرہ بن جاتا ہے کبھی ایک گناہ صغیرہ بڑے گناہ کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ ان وجوہ سے **اثم** یعنی گناہ صغیرہ کے لئے بھی حرم ارشاد ہوا۔ **والبغی بغير الحق** یہ عبارت معطوف ہے **والاثم** پر اور حرم کا مفعول **بغی** کے لفظی معنی ہیں زیادتی و ظلم یعنی کسی انسان کا حق مارنا **بغير الحق** **بغی** کا بیان ہے کیونکہ ظلم ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے (روح المعانی) **فواحش** اور اثم میں حقوق اللہ مارنے کی طرف اشارہ تھا اور بغی میں حق عبد مارنے کی طرف اشارہ ہے' خیال رہے کہ **بغی بغير الحق** کی تین صورتیں ہیں کسی مسلمان کا جانی' مالی' آبرو کا حق مارنا کہ اس کی جان یا مال ناحق لیا جائے یا اس کی آبروریزی کی جائے دوسرے یہ کہ کسی انسان حتی کہ کفار ذمی کافر حربی کا مال ناحق مارا جائے' حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی امانتیں حضرت علی کے ذریعہ ادا کرائیں جو ہجرت کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر گھیرے کھڑے تھے۔ غنیمت اور چیز ہے امانت یا قرض کچھ اور چیز۔ تیسرے یہ کہ کسی انسان یا جانور کو ستایا جائے جس جانور کو پالو اسے پہلے کھلاؤ پلاؤ بعد میں خود کھاؤ پیو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اس عورت کو دوزخ میں دیکھا جس نے ایک بلی بھوکی ماردی تھی **وان تشركوا بالله مالم ينزل به سلطانا**: یہ عبارت معطوف ہے یعنی اور حرم کا مفعول بہ پچھلے الفاظ میں عملی گناہوں کا ذکر تھا اس فرمان عالی میں اعتقادی گناہوں کا ذکر ہے **تشركوا** بنا ہے شرک سے بمعنی حصہ اور شرکت اشراک کے معنی ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا حصہ دار شریک سمجھنا **ما** سے مراد ہر غیر اللہ ہے انسان ہو یا فرشتہ چاند تارے ہوں یا زمینی چیزیں' **سلطان** کے معنی ہیں غلبہ۔ اس سے مراد ہے دلیل کیونکہ دلیل بھی مدعی کے غلبہ کا ذریعہ ہوتی ہے اس سے مراد ہے **عقلی و نقلی** دونوں قسم کی دلیلیں یعنی رب تعالیٰ نے یہ بھی حرام فرمایا کہ تم کسی کو اللہ کا شریک مانو جس کی شرکت پر نہ عقلی دلیل قائم ہے نہ قولی نبی نہ کتاب آسمانی کا فرمان۔ عقل کہتی ہے کہ جو تیرے سوا ہے وہ ترابندہ ہے ہر چیز میں تغیر و تبدیلی ہے جو اس کی بندگی کی دلیل ہے نیز سارے نبیوں ساری آسمانی کتابوں نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ **واحد لا شريک له** ہے۔ **وان تقولوا على الله مالا تعلمون**: یہ عبارت معطوف ہے **ان تشركوا** پر اور حرم کا مفعول ہے یعنی جس جس کے متعلق تم کو یہ علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا حکم دیا ہے اسے تم اللہ کا حکم نہ کہو کہ یہ رب تعالیٰ پر بہتان ہے یا جس کے متعلق تم کو یہ علم نہیں کہ یہ اللہ نے نہ فرمایا اسے رب کی طرف نسبت نہ کرو کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر جھوٹ ہے **ولكل امة اجل** مذکورہ احکام بیان

فرمانے کے بعد لوگوں کو ان کی موت یا رب کا عذاب یاد دلایا گیا تاکہ لوگ اس کے خوف سے ان احکام پر عمل کریں یا یہ مقصد ہے کہ مذکورہ احکام تم پر ہمیشہ نہ رہیں گے بلکہ فقط تمہاری زندگی تک ہی تم مرگئے سارے احکام شرعیہ تم سے الگ ہو گئے۔ لہٰذا زندگی کو غنیمت جانو اور ان احکام پر عمل کرو۔ بعض لوگ لالچ سے اطاعت کرتے ہیں' بعض خوف سے اور بعض عشق محبت سے بعض دنیا کی بے ثباتی اور موت کی یاد سے اس لئے قرآن کریم احکام کے بعد ان میں سے کوئی چیز بیان فرماتا ہے کیونکہ قرآن کریم سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے یہاں آخری چیز کا ذکر ہے کہ دنیا بے ثبات ہے۔ امت سے مراد یا تو گزشتہ عذاب والی امتیں ہیں اور اجل سے مراد ان کا وقت عذاب ہے یا امت سے مراد ساری جماعتیں ہیں اور اجل سے مراد ان کی موت ہے یعنی گزشتہ ساری عذاب والی امتوں کے عذاب کے لئے ایک وقت مقرر تھا جب وہ وقت آگیا ان پر عذاب نازل ہو گیا یا ہر جماعت کے لئے موت کا ایک وقت ہے **فاذا جاء اجلهم** اس عبارت کی بھی دو تفسیریں ہیں جب گزشتہ امتوں کا وقت عذاب آگیا جب کسی جماعت کا وقت موت آجاتا ہے تو **لا يستاخرون ساعة ولا يستقدمون** یہ عبارت **اذا جاء** کی جزا ہے **ساعة** کا ترجمہ ہے پل یا گھڑی جو منٹ کا بھی ساٹھواں حصہ ہے جسے آج کل سیکنڈ کہتے ہیں یعنی موت آجانے پر کوئی قوم پل بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتی اسے اس وقت مرنا پڑتا ہے اس وقت عمل کرنے کے لئے مہلت مانگنا بے کار ہو گا ابھی جو گھڑیاں ملی ہیں انہیں غنیمت جانو۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

خلاصہ ء تفسیر : یہ آیت کریمہ احکام اور ترغیب کی جامع آیت ہے اس میں سارے اعتقادی عملی گناہ اور عملی گناہوں میں سارے حقوق اللہ اور حقوق العباد بلکہ سارے اخلاقی معاملاتی گناہوں کا اجمالی ذکر فرمادیا گیا ہے' چنانچہ فرمایا گیا کہ اے محبوب ان نادان کفار سے کہہ دو جو برائیوں کو خوبیاں سمجھے ہوئے ہیں کہ میرے رب نے حلال غذائیں' طواف میں لباس پہننا حرام نہیں فرمایا بلکہ اس نے تو ہر علانیہ و خفیہ فحش باتیں بے حیائیاں اور ہر قسم کے گناہ لوگوں پر ناحق زیادتی و ظلم حرام کئے ہیں جو تم دن رات کرتے ہو نیز اس نے یہ حرام کیا ہے کہ تم بلا دلیل عقلی اور بغیر دلیل نقلی چیزوں کو اللہ کا شریک جانو مانو ان کی عبادات کرو اور یہ حرام کیا کہ جھوٹی اور بری باتیں اللہ کی طرف نسبت کرو یہ کہہ دو کہ ہم کو اللہ نے شرک بت پرستی ننگے طواف اور حج کے زمانہ میں معمولی غذائیں کھانے کا حکم دیا ہے یہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے جو سخت جرم ہے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ہر جماعت بلکہ ہر شخص کی موت کا وقت مقرر ہے' جب وہ وقت آجاتا ہے تو کوئی اس سے ایک پل آگے پیچھے نہیں ہو سکتا لہٰذا اپنی زندگی کا زمانہ غنیمت جانو اس زمانہ میں نیکیوں کا تخم بو لو پھر یہ وقت ہاتھ نہ آئے گا موت آجانے پر کف افسوس ملو گے اور اس افسوس سے کچھ نہ بنے گا۔ خیال رہے کہ شرک کی حقیقت ہے کسی کو خدا کی طرح ماننا یا خدا کو کسی کی طرح جاننا' الوہیت کا مدار غنا اور بے نیازی پر ہے عبدیت کا مدار احتیاج اور نیاز مندی پر جو کسی بندے کو بے نیاز مانے وہ مشرک ہے اور جو خدا تعالیٰ کو کسی کا نیاز مند حاجتمند مانے وہ مشرک ہے اس کے بغیر شرک ہو سکتا ہی نہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں ملاحظہ کرو۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: سارے شرعی احکام جزا و سزا کے لئے سارے کفار پر جاری ہیں ان پر فرض ہے کہ شرک و کفر اسی طرح گناہ صغیرہ و کبیرہ سے بچیں یونہی نیک کام کرنا ان پر فرض ہے' قیامت میں ہر جرم پر ان کو سزا ملے گی یہ فائدہ **انما حرم** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں روئے سخن کفار سے ہو کیونکہ وہ ننگے

طواف کرنے کو نیکی جانتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کو چاہئے کہ علانیہ خفیہ یونہی چھوٹے بڑے سارے گناہوں سے بچے کہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلادیتی ہے یہ فائدہ لفظ **فواحش** اور **اثم** یونہی **ما ظهر** اور **بطن** سے حاصل ہوا' دیکھو ان لفظوں کی تفسیر جو ابھی کی گئی۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ کبیرہ سے بچنے کی بہت کوشش کرنی چاہئے اگرچہ ہر گناہ صغیرہ سے بھی بچے رہنا ضروری ہے یہ فائدہ **فواحش** کو **اثم** سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بمقابلہ حقوق اللہ کے حقوق العباد کا معاملہ بہت سخت ہے ان سے بچنا بہت ضروری ہے' یہ فائدہ **فواحش** اور **اثم** کے بعد **والبغی** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ بھی گناہوں میں داخل تھا مگر خصوصیت سے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ خیال رہے کہ گناہ صغیرہ کی معافی اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ انسان گناہ کبیرہ سے بچے رب فرماتا ہے **ان تجتنبوا کبائر ما تنهون عنه نکفر عنکم سیاتکم** توبہ کر لینے' نیک اعمال کر لینے کی برکت سے بھی ان کی معافی ہو جاتی ہے گناہ کبیرہ کی معافی توبہ سے ہوتی ہے مگر حقوق العباد ان میں سے کسی چیز سے معاف نہیں ہوتے وہ تو یا ادا کرنے سے معاف ہوتے ہیں یا حق والے کے معاف کر دینے سے۔ نیز خیال رہے کہ از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کسی شریعت میں کسی بندے کا حق مار لینا جائز نہیں ہوا' بعض دینوں میں شراب حلال رہی۔ آدم علیہ السلام کی شریعت میں بہن سے نکاح حلال رہا مگر یہ جرم کسی شریعت میں حلال نہ ہوا نیز صحابیت' ہجرت' جہاد' شہادت یہ تمام مل کر بھی حق عبد معاف نہیں کراتے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے **الا الدین** - نیز فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر کوئی شخص کسی کا حق مارے اور اپنی تیز زبان' چالاکی سے مجھ سے اپنے حق میں فیصلہ کرا لے تب بھی وہ حق اس کے لئے حلال نہ ہو گا یعنی اسے نبی کا فیصلہ بھی حلال نہیں کر سکتا افسوس کہ لوگوں نے پرایا حق مارنا آج بہت معمولی بلکہ اپنا کمال سمجھ رکھا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** کسی پر جھوٹ باندھنا بڑا گناہ ہے مگر اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا تو بہت ہی بڑا گناہ ہے۔ یہ فائدہ **وان تقولوا علی الله** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** بغیر علم مسئلہ بتانا' بے علم وعظ کہنا' بے علم کوئی عقیدہ اختیار کرنا سخت ممنوع ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھنا ہے کہ جھوٹا غلط مسئلہ یا وعظ کہنا' پھر یہ کہنا کہ اللہ رسول کا یہی حکم ہے بڑی دیدہ دلیری ہے۔ **ساتواں فائدہ:** ہماری کسی تدبیر کسی علاج سے موت نہیں ٹل سکتی موت نہ وقت سے پہلے آئے نہ وقت کے بعد۔ یہ فائدہ **فاذا جاء اجلهم** سے حاصل ہوا۔ لہذا علاج معالجہ دوا دارو بطور سنت کرنا چاہئے نہ کہ موت کو ٹالنے کی نیت سے۔ **آٹھواں فائدہ:** انسان موت کے ڈر سے جہاد یا حج سے محروم نہ رہے کہ اگر میں حج کو گیا یا مجاہد بنا تو مر جاؤں گا کیونکہ موت وقت سے پہلے نہیں آسکتی اگر وقت آگیا ہے تو گھر میں رہ کر بھی مر جاؤ گے۔ اور اگر وقت نہیں آیا حج یا جہاد میں بھی نہ مرو گے۔

پہلا اعتراض: **فواحش** یعنی گناہ کبیرہ اور **بغی** یعنی ظلم یہ سب **اثم** یعنی گناہ میں داخل ہیں پھر انہیں علیحدہ علیحدہ کیوں بیان کیا۔ صرف **الاثم** فرما دینا کافی تھا **اثم** تو ہر گناہ کو کہتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ اگر **اثم** سے مراد حقوق اللہ کے چھوٹے گناہ ہیں تب تو گناہ کبیرہ اور ظلم اس میں داخل ہی نہیں اور اگر **اثم** سے مراد سارے گناہ ہیں چھوٹے ہوں یا بڑے حق اللہ ہوں یا حق العبد تو ان دونوں کو علیحدہ بیان فرمانا بیان اہتمام کے لئے ہے تاکہ لوگ ڈر کر ان دونوں سے بہت احتیاط رکھیں جیسے کہا جائے کہ چوری شراب خوری اور سارے گناہوں سے بچو۔ **دوسرا اعتراض:** **بغی** یعنی ظلم تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے پھر **بغی** کے ساتھ **بغیر الحق** کی قید کیوں لگائی دیکھو **ظلما**" کسی کو قتل کرنا **بغی** ہے مگر قصاص یا زنا کی سزا میں قتل کرنا ظلم نہیں کیونکہ یہ قتل برحق ہے ناحق نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب بھی ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ

بغیر الحق ' بغی کی تفسیر ہے اس کی قید نہیں یعنی رب نے ظلم حرام کیا ہو کہ ناحق تھا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ جب موت آجائے تو کوئی آگے پیچھے نہیں ہو سکتا موت آنے پر پیچھے نہ ہونا تو ظاہر ہے مگر آگے نہ ہونے کے کیا معنی۔ جب وقت موت آگیا تو اس سے آگے بڑھنا کیا معنی۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا ہے کہ موت آنے سے مراد ہے موت کا قریب آجانا یعنی اگر کسی کو کل موت آنی ہے تو نہ آج مرے نہ پرسوں کل ہی مرے گا لہٰذا آیت واضح ہے اردو میں کہتے ہیں وعدہ کم نہ زیادہ۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت وقت مقررہ سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ شیطان نے اپنے لئے زیادتی عمر کی دعا کی جو قبول ہوئی۔ حدیث شریف میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے اپنی عمر میں سے چالیس سال داؤد علیہ السلام کو عطا فرمادیئے دیکھو حضرت داؤد کی موت چالیس سال پیچھے ہٹ گئی اور آدم علیہ السلام کی موت چالیس سال آگے بڑھ گئی نیز ارشاد فرماتے ہیں کہ نیک اعمال سے عمر بڑھتی ہے اپنے قرابت داروں سے سلوک عمر اور روزی یہ تمام چیزیں اس آیت کریمہ کے خلاف ہیں۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہے اور ان واقعات میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا ظہور ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی کی موت آگے پیچھے کر دے تو وہ قادر ہے۔ ان تمام واقعات میں خود اللہ تعالیٰ نے موت کو آگے پیچھے کیا نہ کہ ان لوگوں نے اسی لئے یہاں **لا یستاخرون** اور **لا یستقدمون** جمع مذکر غائب کا صیغہ ارشاد ہوا۔ ان کا فاعل بندے ہیں یعنی وہ لوگ خود موت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے۔ یہ نہیں فرمایا کہ ان کو ہم آگے پیچھے نہیں کر سکتے۔ **پانچواں اعتراض:** جن مردوں کو عیسیٰ علیہ السلام نے زندہ کیا یونہی جن پرندوں کو ابراہیم علیہ السلام نے ذبح کرکے زندہ کیا یونہی حضرت عزیر علیہ السلام کا گدھا جو مرنے کے سو برس بعد زندہ ہوا۔ یہ سب اپنے وقت پر مرے تھے یا وقت سے پہلے اگر وقت سے پہلے مرے تھے تو اس آیت کے خلاف ہے اگر اپنی زندگی پوری کرکے اپنے وقت پر مرے تھے تو دوبارہ زندہ کیسے ہوئے۔ **جواب:** اس کے تفصیلی جوابات ہم تیسرے پارے میں **واحی الموتی باذن اللہ** کی تفسیر میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہ سب اپنے وقت پر اپنی عمر پوری کرکے مرے تھے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیارے بندوں کی برکت سے انہیں دوبارہ عمر بخش دی جو رب انہیں ایک بار عمر دے سکتا ہے وہ دوبارہ بھی دے سکتا ہے جب چراغ کا تیل بتی ختم ہو گیا وہ بجھ گیا اگر مالک چاہے تو اس میں دوبارہ تیل بتی ڈال کر روشن کر دے 'رب قادر مطلق ہے۔ **چھٹا اعتراض:** ان مذکورہ چیزوں کو جب دوبارہ عمریں ملیں تو کیا انہیں پھر دوبارہ موت آئی یا نہیں جو ان کی اپنی موت تھی وہ تو آچکی پھر ان کا کیا بنا۔ **جواب:** ان کی جان بدن سے دوبارہ نکالی گئی مگر انہیں جانکنی کی شدت دوبارہ نہیں ہوئی کہ شدت جانکنی صرف ایک بار ہو گی اب ان کی جان ایسے نکلی جیسے نیند آجاتی ہے یہی مطلب ہے اس حدیث کا کہ **لن یجمع اللہ علیک الموت مدتین**۔ رہی وہ آیت کریمہ **ربنا امتنا اثنتین و احییتنا اثنتین** خدایا تو نے ہم کو دوبارہ موت دی اور دوبارہ زندگی بخشی۔ ان شاء اللہ اس کی تحقیق اسی آیت کریمہ کی تفسیر میں ہو گی۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگ اپنی خوشی اپنے ارادے سے موت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے مگر حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ آپ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آئیں گے فی بال ایک سال ملے گا یہ حدیث اسی آیت کے خلاف ہے دیکھو وہاں موسیٰ علیہ السلام اپنی خوشی اپنے اختیار سے اپنی موت پیچھے کر سکتے ہیں۔ **جواب:** نہیں وہاں بھی موت کا پیچھے ہٹنا اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہوتا یعنی موسیٰ علیہ السلام بیل کی کھال پر ہاتھ پھیرتے تو رب تعالیٰ فی بال ایک سال عطا فرماتا وہاں بھی عمر کی زیادتی موت کی تاخیر رب تعالیٰ

کے ارادہ سے ہوتی۔

تفیر صوفیانہ : فاحشہ ہو وہ چیز ہے جو بندہ کو رب تک پہنچنے سے روک دے اس کی راہ مار دے عوام کا ظاہری فاحشہ گناہ کرنا ہے اور باطنی فاحشہ دل کا برے خیال سے بھرنا ہے خواص کا ظاہری فاحشہ اپنی خود غرضی ہے یعنی اپنے نفس کے لئے کچھ کرنا ہے باطنی فاحشہ محبوب سے صبر کر لینا ہے اگرچہ پل بھر کے لئے ہو اور خاص الخواص کا ظاہری فاحشہ ترک آداب تعلق بالاسباب ہے باطنی فاحشہ غیر اللہ کی طرف التفات ہے یعنی دارین میں سے کسی چیز کی طرف دل کا میلان اثم یعنی گناہ یہ ہے کہ بندہ پل بھر کے لئے اللہ سے غافل ہو جائے۔ غیر اللہ کی محبت اس کے دل میں آجائے شرک یہ ہے کہ اللہ سے غیر اللہ کو مانگے چاہئے یہ کہ اللہ سے اللہ کو ہی مانگے غیر اللہ کی طلب وہ چیز ہے 'جس پر کوئی حجت و دلیل نہیں اتاری گئی۔ فرمایا گیا **ففروا الی اللہ** اللہ پر بہتان باندھنا یہ ہے کہ نفس اور اس کی خواہشات سے فتویٰ لیا جائے یا اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کو نظر عقل سے دیکھا جائے یا عارفین عاشقین کی رمزوں کو عاقلین کے طریقہ سے سمجھنے کی کوشش کی ان سب کو میرے رب نے حرام فرما دیا **عاقلین در حقیقت** غافلین ہیں نہ کہ عارفین ہر چیز کے دیکھنے جاننے کے لئے اللہ تعالیٰ نے علیحدہ عینکیں بنائی ہیں دل کی آنکھ پر وہی عینک لگاؤ جو وہاں کام دے انسان مسافر ہیں 'کوئی راہ الٰہی طے کر رہا ہے کوئی راہ جنت پر گامزن ہے اور کوئی دوزخ کا راستہ طے کرتا ہوا ادھر دوڑ رہا ہے ان سب کے لئے ایک وقت مقرر ہے۔ جس وقت وہ اپنا سفر طے کریں گے۔ جب سفر ختم ہونے کا وقت آجائے گا تو یہ سب ایک پل آگے پیچھے نہ ہو سکیں گے اپنی اپنی منزل پر پہنچ جائیں گے۔ مسافرین راہ خدا کو چاہئے کہ دوران سفر غافل نہ رہیں دنیا کی ٹیپ ٹاپ میں نہ پھنسیں کہ اس کے لئے بقا نہیں 'شیخ سعدی نے فرمایا۔

آنکہ قرارش نہ گرفتے و خواب! تا گل و نسرین نفشاندے نخست
گردش گیتی گل رویش بریخت خاربناں برسرخاکش برست

یعنی جن نازک مزاجوں کو بغیر پھولوں کے چین بلکہ نیند نہ آتی تھی بعد موت ان کی قبروں پر کانٹے اگے ہوئے ہیں۔ (از روح البیان)۔

کیسے حسیں کہ قبر پر کانٹوں کی باڑ ہے وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ فَمَنِ اتَّقٰى

اے آدمیو اگر کبھی آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں اوپر تمہارے آیتیں میری پس

اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس تم میں سے رسول آئیں میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیزگاری کرے اور سنوارے

وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا

وہ جو پرہیزگاری کرے اور درست کرے پس نہیں ہے کوئی ڈر ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اور وہ جو

تو اس پر نہ کچھ خوف اور نہ کچھ غم۔ اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں

بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۶﴾

جھٹلائیں آیتیں کو ہماری اور غرور کریں ان سے یہ ہی لوگ ہیں آگ والے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔

اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: **پہلا تعلق**: پچھلی آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے احکام کا ذکر تھا کہ اس نے فحش باتیں گناہ وغیرہ حرام فرمائیں اب احکام لانے والے رسولوں نبیوں کا ذکر ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں گویا احکام کے بعد حکام الٰہیہ کا تذکرہ ہے جو یہ احکام مخلوق پر جاری فرمادیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فحش گناہ، ظلم، شرک وغیرہ کی حرمت کا ذکر تھا اب حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری کا تذکرہ ہے جو یہ چیزیں مخلوق کو بتائیں کہ فلاں چیز فحش ہے فلاں چیز گناہ یہ ظلم ہے یہ شرک گویا اجمال کے بعد تفصیل فرمانے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بچنے والے کاموں کا ذکر تھا کہ فحش گناہ وغیرہ سے بچو اب کرنے والے کاموں کا ذکر ہے کہ اللہ کے رسولوں کی فرمانبرداری کرو گویا تقویٰ کے ایک رکن کے بعد دوسرے رکن کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیتوں میں بندوں کو گناہوں سے بچنے کا تاکیدی حکم دیا گیا تھا اب حضرات انبیاء کرام کی اتباع و اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ اگر ان حضرات کے فرمان کے ماتحت گناہوں سے بچا جائے تو دوزخ سے نجات ہے جو نبی کی اطاعت چھوڑ کر محض اپنی عقل سے کام لے کر ان تمام مذکورہ گناہوں سے بچے وہ نہ مومن ہے نہ اس کی نجات۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ موت آتی ہے اور ضرور آتی ہے وہ ٹل نہیں سکتی اب ارشاد ہے کہ کامیاب موت اس کی ہے جسے رسول کی اطاعت نصیب ہو ناکامی کی موت اس کی ہے جو ان سے منہ پھیرے گویا موت کے بعد نوعیت موت کا ذکر ہے (کبیر) تاکہ لوگ کامیابی کی موت مرنے کی کوشش کریں ناکامی کی موت سے بچیں۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیات میں دنیا کی بے وفائی بے ثباتی اس کی فنا کا ذکر تھا اب ان مقدس ذاتوں کا ذکر ہے جن کے تعلق سے دنیا دنیا نہ رہے بلکہ دین بن جائے موت فنا نہ کر سکے بلکہ مومن موت کے بعد بھی باقی رہے یعنی حضرات انبیاء کرام۔ جو ان کے قدموں سے لگا وہ باقی اور لازوال ہو گیا خواہ انسان ہو یا مال یا اعمال' غرضیکہ فنا نہ کرنے والی چیز کے بعد باقی رکھنے والی چیز کا تذکرہ ہے۔

چکیا کے پاٹن دیکھ کر دیا کبیرا روئے ۔۔۔ جو پاٹن میں آگیا ان میں بچا نہ کوئے
چکیا چکیا سب کہیں کلیا کہے نہ کوئے ۔۔۔ جو کلیا سے لاگا اس کا بال نہ بیکا ہوئے

تفسیر : **یا بنی آدم** اس خطاب میں بہت قول ہیں (1) صرف مکہ والوں سے خطاب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ پاک میں موجود تھے (2) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم زمانہ سارے اہل عرب سے خطاب ہے (3) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے لے کر تاقیامت سارے عرب والوں سے خطاب ہے ان تینوں صورتوں میں رسل سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور منکم سے مراد ہے **من قومکم من قبیلتکم** (4) ان دو صورتوں میں رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور منکم سے مراد ہے من جنسکم کیونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جنس بشر سے ہی آتا جنسی فرشتہ یا جنس جنات سے نہیں (6) اس میں خطاب ہے از آدم تا روز قیامت سارے انسانوں سے اور رسل سے مراد ہیں حضور صلی اللہ علیہ

وسلم(7) اس میں اولین و آخرین سارے انسانوں سے خطاب ہے اور رسل سے مراد ہیں سارے نبی از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان دونوں صورتوں میں یہاں اس عہد و پیمان کا ذکر ہے جو میثاق کے دن سارے انسانوں سے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لیا گیا تھا یا سارے نبیوں کی اطاعت کے متعلق لیا گیا۔ روح المعانی سے اس آخری تفسیر کو اختیار فرمایا اور یہی ظاہر ہے باقی مفسرین نے گزشتہ تفسیروں کو ترجیح دی چونکہ حضرات انبیاء کرام انسانوں میں ہیں انہیں کی جنس سے تشریف لائے اس لئے انسانوں سے ہی یہ خطاب فرمایا گیا جنات و فرشتے اس خطاب میں داخل نہیں کئے گئے **اما یا تینکم رسل منکم** **اما** اصل میں **ان** اور **ما** کا مجموعہ ہے **ان** شرطیہ ہے اور **ما** یا تو زائدہ ہے شرط کے معنی کی تاکید کے لئے یا ظرفیہ ہے وقت کو عام فرمانے کے لئے ان کے نون کو ما کے میم میں ادغام کردیا گیا یعنی اگر ضرور یا اگر کبھی **یا تینکم** بنا ہے **اتی** سے بمعنی آنا یہاں مراد ہے ان حضرات کا مبعوث ہونا یہ شان رسالت و نبوت ان لوگوں میں پہنچنا اگرچہ حضرات انبیاء کرام کی تشریف آوری یقینی تھی مگر اسے شرط کے ساتھ بیان کرنا ان کی اطاعت کی ترغیب کے لئے ہے جیسے کوئی باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر میں تیرا باپ ہوں اور اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر اور ہو سکتا ہے کہ یہاں اگر شک ہی کے لئے ہو کیونکہ بعض انسان بچپن میں فوت ہو جاتے ہیں بعض دیوانہ مجنون رہتے ہیں بعض کو پیغمبر کی تعلیم نہیں پہنچتی جیسے زمانہ جاہلیت میں فترت والے لوگ اس لئے اگر فرمایا یعنی تم میں سے اگر کسی کو نبوت کی روشنی پہنچے۔ اگر اس میں خطاب اہل عرب یا مسلمانوں سے ہے تو رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں آپ کی اطاعت سارے رسولوں کی اطاعت ہے یا جمع فرمایا تعظیم کے لئے۔ **منکم** سے مراد ہے **من قوم یا من قبیلتکم یا من جنسکم** چونکہ سارے نبی صرف انسانوں میں آئے کوئی نبی فرشتہ یا جن میں سے نہ آیا اس لئے **منکم** فرمانا بہت ہی موزوں ہے **یقصون علیکم ایاتی** یہ عبارت رسل کا حال ہے **یقصون** بنا ہے **قص** سے بمعنی بیان کرنا اسی لئے کہانی حکایت کو قصہ کہا جاتا ہے کہ وہ بار بار بیان کی جاتی ہے' سنائی جاتی ہے چونکہ سارے نبیوں کے پاس آسمانی کتاب یا صحیفے نہ تھے اور جن کے پاس تھے انہوں نے بھی صرف کتاب نہ سنائی بلکہ اور احکام بھی دیئے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو صرف قرآن نہیں سنایا بلکہ اپنے فرمان بھی سنائے ان وجوہ سے **یتلون** نہ فرمایا **یقصون** فرمایا اور قرآنی یا کتبی نہ فرمایا بلکہ آیاتی فرمایا' تاکہ ان سب کو شامل ہو جائے **فمن اتقی واصلح** یہ عبارت **اما** کی جزا ہے لہذا **ف** جزائیہ ہے **من** یا شرطیہ ہے یا موصولہ **من** سے مراد ہر وہ انسان ہے جسے نبی کی تبلیغ پہنچے **اتقی** سے مراد ہے شرک و کفر بلکہ تمام بد عقیدگیوں سے بچنا اصلاح سے مراد ہے تمام برے کاموں سے بچنا (2) تقویٰ سے مراد ہے برے کاموں سے بچنا اصلاح سے مراد ہے نیک کام کرنا (3) تقویٰ سے مراد ہے اچھے کام کرنا اصلاح سے مراد ہے اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرنا (4) تقویٰ سے مراد ہے حضرت انبیاء کرام کی مخالفت سے بچنا اصلاح سے مراد ہے ان کے احکام پر عمل کرنا (5) تقویٰ سے مراد ہے آئندہ گناہوں سے بچنے کا عہد کرنا اصلاح سے مراد ہے گزشتہ گناہوں سے توبہ کرنا (6) تقویٰ سے مراد ہے دل کا تقویٰ یعنی اللہ کے محبوب بندوں کا ادب و احترام کرنا **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** اور اصلاح سے مراد جسم کا تقویٰ یعنی برے کاموں سے بچنا اچھے کام کرنا (7) تقویٰ سے مراد ہے عبادات درست کرنا اصلاح سے مراد ہے معاملات ٹھیک کرنا' تقویٰ کی مکمل بحث پارہ **الم** کے شروع میں کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ تقویٰ عوام ہے بد عقیدگیوں سے بچنا تقویٰ خواص ہے گناہوں سے بچنا تقویٰ خاص الخواص ہے' اغیار سے بچنا جو یار تک پہنچنے کے لئے آڑ بن

سکے ایک عارف نے کہا۔

ولو خطرت کافی سواک ارادۃ علی خاطری یوما حکمت بردتی

فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یہ عبارت من اتقی کی جزا ہے اس کی مکمل تفسیر ان شاء اللہ گیارھویں پارہ میں **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** میں کی جائے گی یہاں اتنا سمجھ لو کہ خوف کے معنی ہیں اندیشہ خطرہ آئندہ کا اور **خوف** کے معنی ہیں رنج و غم گزشتہ پر پھر خوف چند قسم کا ہے خوف ایذاء خوف نفرت' خوف اطاعت وغیرہ ان میں سے بعض خوف مفید ہیں اور بعض خوف مضر یہاں اس خوف کی نفی ہے جو کسی مخلوق کی اطاعت پر مجبور کرے اور ہو مضر اور ہو سکتا ہے کہ یہ قیامت کے متعلق ہو لہذا اس کی دو تفسیریں ہیں یعنی ایسے مومنوں کو دنیا میں کسی بندے کا ایسا خوف نہیں ہوتا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کے خلاف اس کی اطاعت کریں اور نہ دنیا میں وہ اپنے کئے پر پچھتائیں کیونکہ وہ برے کام کرتے ہی نہیں یا قیامت میں نہ انہیں آئندہ کا خطرہ ہو نہ گزشتہ دنیاوی زندگی کا غم کیونکہ وہ کرامت اور رضاء الٰہی کی لذتوں میں غرق ہوں گے۔ قرآن مجید اچھے عقائد و اعمال کے ساتھ برے عقائد و اعمال کا ذکر بھی فرماتا ہے تاکہ لوگ اچھے کام کریں برے کاموں سے بچیں جیسے قابل طبیب اپنے مریض کو کھانے کی دوائیں بھی بتاتا ہے بچنے کے پرہیز بھی۔ نیز دنیا کی اعلیٰ چیز سے سب فائدہ نہیں اٹھاتے سورج سے چمگادڑ بارش سے شورہ زمین فائدہ حاصل نہیں کرتی یونہی نبی سے سب لوگ فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے آگے ارشاد ہوا کہ **والذین کذبوا باٰیتنا** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں مومنوں کے مقابل کفار کا حال بیان ہوا کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے' جب **الذین** کے ساتھ لوگوں اور ان کی جزا جنت کا ذکر ہو تو اس سے صرف نیک انسان مراد ہوتے ہیں کیونکہ جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے لیکن جب الذین کے بعد بدکاروں اور ان کی سزا دوزخ کا ذکر ہو تو وہاں کافر انسان اور کافر جن دونوں مراد ہوتے ہیں لہذا یہاں الذین سے کافر جن و انس دونوں مراد ہیں **کذبوا** سے مراد ہے عقیدتا" جھوٹا سمجھنا اور مرتے وقت تک جھوٹا سمجھتے رہنا کیونکہ جو مرتے وقت نبی کی تصدیق کر دے وہ مومن اور جنتی ہو جاتا ہے ایات سے مراد ہیں اللہ تعالیٰ کی ساری آیتیں خواہ کتاب اللہ کی آیتیں ہوں یا نبیوں کے فرمان یا ان کے احکام یا ان کے معجزات یہ ایک کلمہ ان سب کو شامل ہے بلکہ قوی یہ ہے کہ آیات سے مراد نبی کی ذات ہو کہ ان کا ہر وصف ہر ادا آیت الٰہیہ یعنی رب تعالیٰ کو پہچاننے کی نشانی ہے کیونکہ ہر نبی کے ساتھ کتاب نہیں اور معجزات نہ تھے نبی کے لئے وحی الٰہی ضروری کتاب آسمانی یا معجزہ ضروری نہیں جو نبی دوسرے نبی کی تائید یا ان کی وزارت کے لئے معبوث ہوئے جیسے حضرت ہارون جناب موسیٰ علیہ السلام کے لئے ان کے لئے کتاب یا معجزہ لازم نہیں بہرحال اس آیت میں سارے ایمانیات کے جھٹلانے اور کفر کی ساری قسموں کا اجمالی ذکر ہے۔

واستکبروا عنھا یہ عبارت معطوف ہے **کذبوا** پر اس میں کفر کی وجہ کا ذکر ہے استکبار کے معنی ہیں اپنے کو غلط طریقہ پر بڑا جاننا یعنی ہو چھوٹا مگر اپنے کو سمجھے بڑا اس لئے حق تعالیٰ کی صفت متکبر تو ہے مگر مستکبر نہیں۔ **عنھا** کا مرجع وہی آیات ہیں یعنی انہوں نے آیات الٰہیہ قبول کرنے سے تکبر و غرور کیا یہ سمجھا کہ نبی کی اطاعت ہماری عزت کے خلاف ہے ہماری اس میں شان گھٹتی ہے اس لئے وہ کافر ہوئے اور کافر رہے **اولئک اصحاب النار** یہ خبر ہے **والذین کذبوا** کی۔ **اصحٰب** جمع ہے صاحب کی معنی والا یا ساتھی نار سے مراد دوزخ ہے کیونکہ وہاں کے ہر طبقہ میں آگ کا ہی عذاب ہے گرم طبقوں میں آگ کے قرب کا عذاب ہے اور ٹھنڈے طبقوں میں آگ کی دوری کا عذاب جیسے دنیا کی گرمی و سردی دونوں سورج کے قرب و بعد کے اثر سے ہیں یعنی یہ متکبر

کفار حقیقتہ" دوزخ والے ہیں دوسرے لوگ ان کے طفیل دوزخی ہوں گے۔ خیال رہے کہ دوزخ بنی ہے کفار کے لئے انہوں نے ہی وہاں رہنا ہے" گنہگار مسلمان چونکہ ان کے سے کام کرتے تھے اس لئے وہ بھی کچھ دن کے لئے دوزخ میں جائیں تو جائیں مگر وہ دوزخ والے نہیں جس کے لئے گھر بنے وہ مکان والا ہے دو ایک دن کا مہمان مکان والا نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ کافر دنیا میں بھی دوزخ میں ہے اس کا گھر دوزخ کی کوٹھڑی اگرچہ کوٹھی ہو اس کا کھانا پینا لباس اگرچہ اعلیٰ ہو مگر دوزخ کی غذا ہے جیسے پھانسی والے ملزم کا جیل میں اچھا کھانا مومن' اگرچہ جھونپڑے میں رہے معمولی کھائے پیئے اس کا گھر جنت کی کیاری اس کی غذا جنتی طعام ہے کہ اس کے منہ میں اس کے گھر ہر وقت اللہ رسول کا نام ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹوٹا ہوا حجرہ اور منبرو حجرے کے درمیان کی جگہ بہشت بریں ہے' اگرچہ بظاہر معمولی تھے لہذا اصحاب النار وہ آج بھی ہیں۔ **ھم فیھا خالدون** یہ ان کی دوسری سزا کا ذکر ہے یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا وہاں سے کبھی نہ نکلنا یعنی کفار ہی ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے' اگر النار سے دوزخ کا کوئی خاص طبقہ مراد ہو جہاں سرداران کفر اور متکبرین رہیں گے' تب اس کا مطلب بالکل واضح ہے۔ **خیال رہے** کہ مومنوں کی جزا و ثواب کے لئے دو چیزیں بیان ہوئیں۔ تقویٰ اور اصلاح ان کافروں کے عذاب کے لئے بھی دو چیزیں ارشاد ہوئیں جھٹلانا او غرور کرنا مگر فرق یہ کیا گیا کہ وہاں **ف** لائی گئی **فلا خوف** مگر یہاں **ف** نہیں ارشاد ہوئی بلکہ فرمایا گیا **اولئک اصحاب النار** اس میں بڑا ہی عجیب نکتہ ہے کہ تقویٰ اور اصلاح کے بعد بے خوفی بے غمی لازم ہے بغیر کسی مہلت و تراخی کے' مگر کفر و تکبر کے بعد دوزخی ہونا فورا" نہیں ہو جاتا اسے توبہ کی مہلت دی جاتی ہے اب بھی توبہ کر لے اب بھی مان جا اس میں شان غفاری ستاری کا اظہار ہے۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی! مگر ایں پنج روز دریابی!

خلاصہ ء تفسیر : ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو آسان بھی ہے اور قوی بھی' رب فرماتا ہے کہ ہم نے میثاق کے دن سارے انسانوں سے عہد لیا کہ اے لوگو اگر کبھی تمہارے پاس ہمارے پیغمبر پہنچیں جو ہماری آیتیں تمہیں سنائیں ہمارے احکام تم تک پہنچائیں تو خیال رکھنا کہ جو کوئی ان کی مخالفت سے بچے ان کی اطاعت کرے' اپنے حال کو درست کرے کہ ایمان لا کر بقدر طاقت نیک اعمال کرے ان کا ثواب یہ ہے کہ انہیں آخرت میں نہ آئندہ کا خوف و ڈر ہو نہ گزشتہ پر رنج و ملال وہ غم و خوف دونوں سے آزاد ہوں گے' رب کی رحمتوں کی لذت میں سرشار ہوں گے اور ان کے مقابل جو لوگ ہماری آیات کو جھوٹا جانیں کہیں اور ان آیات کے ماننے میں اپنی ذلت سمجھیں نبی کی اطاعت میں اپنی توہین جانیں تو جان لو کہ دوزخ کے بدترین طبقہ والے وہ ہیں یہ اس میں ہمیشہ رہیں گے وہاں سے کبھی نکل نہ سکیں گے وہ عہد و پیمان تم کو یاد دلایا گیا اسی پر قائم رہو اب قیامت میں تمہارا بے علمی کا بہانہ کام نہ دے گا' خلاصہ یہ ہے کہ ان آیات میں چند باتیں بیان ہوئیں۔ (1) اللہ تعالیٰ کی دین کہ وہ صرف تمہارا خالق نہیں کہ تمہیں پیدا فرما کر چھوڑ دے بلکہ تمہارا رب بھی ہے کہ تمہاری پیدائش کے بعد تمہاری جسمانی روحانی پرورش کرتا ہے اس بات کا بیان **اما یاتینکم رسل** الخ میں ہوا (2) ہمارا اس دین کو قبول کرنا **فمن اتقی و اصلح** (3) اس دین کے لانے کا نتیجہ **فلا خوف علیھم**' (4) رب کی دین کو قبول نہ کرنا اس کی ناقدری کرنا **والذین کذبوا بآیاتنا** (5) اس ناقدری کا نتیجہ **اولئک اصحب النار** تاکہ ہم قدردانوں میں سے ہوں ناقدروں سے نہ ہوں۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: میثاق کے دن عام انسانوں سے رسولوں کی پیروی کا بھی عہد و پیمان لیا گیا۔ یہ فائدہ **یا بنی ادم** کی ساتویں تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا اس صورت میں کل چار عہد و پیمان لئے گئے (1) سارے لوگوں سے رب تعالیٰ کی ربوبیت کا عہد **الست بربکم قالو ابلی** (2) حضرات انبیاء کرام سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے آپ کی مدد کرنے کا عہد **ولقد اخذ اللہ میثاق النبین** (3) علماء بنی اسرائیل سے کتب الیہ نہ چھپانے کا عہد **واذ اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل** (4) سارے لوگوں سے حضرات انبیاء کرام کی فرمانبرداری کا عہد 'یابنی ادم' دوسرا فائدہ: از آدم علیہ السلام تا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی وقت کوئی ساعت نبوت سے خالی نہ رہی ہر وقت کسی نہ کسی کی نبوت ضروری رہی ہاں بعض وقت نبی کے ظہور سے خالی رہے۔ دیکھو آج بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور نہیں مگر آپ کی نبوت قائم ہے۔ یہ فائدہ **یا تینکم رسل** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** سارے نبی انسانوں میں ہی تشریف لائے 'فرشتوں' جنات میں کوئی نبی نہ ہوئے یہ فائدہ **رسل منکم** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** صرف رجال سے مراد انسانی مرد ہوتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** تمام نبیوں پر تبلیغ من جانب اللہ ضروری تھی سب کے پاس نیا دین اور نئی کتاب نہ تھی مگر تبلیغ سب پر لازم تھی۔ یہ فائدہ **یقصون علیکم** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** پیغمبر صرف کتاب اللہ ہی کی تبلیغ نہیں فرماتے بلکہ سارے فرمان الیہ کی تبلیغ کرتے ہیں کتاب کے احکام ہوں یا سنت کے۔ یہ فائدہ **ایاتی** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں کتابی نہیں فرمایا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** نجات کا ذریعہ صرف ایک ہے ایمان۔ اس کے بغیر کوئی نجات نہیں پاسکتا۔ یہ فائدہ **فمن اتقی واصلح** سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص صرف نبی کی اولاد ہونے سے نجات نہیں پاسکتا جب تک کہ مومن نہ ہو اس کے لئے نوح علیہ السلام کے فرزند کنعان کا انجام نمونہ ہے شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چو کنعاں را طبیعت بے ہنر بود پیمبر زادگی قدرش نہ افزود

ساتواں فائدہ: ہر متقی مومن ولی اللہ ہے یہ فائدہ **فلا خوف علیھم** سے حاصل ہوا کہ یہی بشارت اولیاء اللہ کو بھی دی گئی ہے **الا ان اولیاء اللہ لا خوف** وہاں بھی ارشاد ہوا کہ **الذین امنوا و کانوا یتقون** مگر خیال رہے کہ ولایت اسی طرح ایمان و تقویٰ ان سب کے بہت درجے ہیں 'عامہ' خاصہ 'خاص الخاصہ یونہی ایمان غیبی' ایمان شہودی 'ایمان ترک وجودی یونہی تقویٰ 'بد عقیدگیوں سے بچنا' گناہوں سے بچنا' ہر غافل کرنے والی چیز سے بچنا ہر ماسوی اللہ سے بچنا۔ ان شاء اللہ یہ بحث مکمل سورۂ یونس میں آئے گی۔ نیز ہماری کتاب شان حبیب الرحمان کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے مومن کیسا ہی گنہگار ہو دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا یہ فائدہ **والذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** اگرچہ بعض مومن اپنے گناہوں کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے مگر وہ اصحاب النار نہیں ہوں گے دوزخ میں جانا اور بات ہے دوزخی ہونا دوسری بات۔ مومن بفضلہ تعالیٰ دوزخی نہیں دوزخی وہ جس کے لئے دوزخ بنی جو ہمیشہ وہاں رہے جیسے بھٹی میں کوئلہ۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں کے رسول ہیں۔ یہ فائدہ **رسل** کی چھٹی تفسیر سے حاصل ہوا کہ بنی آدم میں خطاب سارے انسانوں سے ہوا اور رسل سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلاصہ انبیاء ہیں۔ **بارھواں فائدہ:** نبی پر تکبر کفر بلکہ بدترین کفر ہے۔ یہ فائدہ **واستکبروا**

سے حاصل ہوا جبکہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا یہی تکبر شیطان نے کیا سب سے پہلا جرم نبی پر تکبر ہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت میں اگر بنی آدم سے ہی مراد ہے انسان ہیں اور رسل سے مراد سارے نبی تو **اما** کیوں ارشاد ہوا انبیاء کرام کی تشریف آوری یقینی تھی' پھر اگر فرمانے کے کیا معنی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس طرح اگر مگر سے ارشاد فرمانا ترغیب کے لئے ہوتا ہے یا یہ کہو کہ سارے انسانوں تک نبوت کے احکام پہنچانا یقینی نہ تھے بعض لوگ بچپن میں فوت ہو جائیں گے بعض دیوانہ رہیں گے بعض کو نبوت کی خبر نہ ہوگی بعض تک نبوت کے اصلی احکام نہیں پہنچیں گے مسخ شدہ احکام پہنچیں گے اس لئے **اما** فرمانا بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں آیاتی کیوں فرمایا **یتلون علیکم کتبی** کیوں نہیں فرمایا نبی کتاب ہی سناتے ہیں۔ **جواب**: اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حضرات انبیاء صرف کتاب اللہ ہی نہیں سنایا کرتے بلکہ اپنے فرمان بھی لوگوں تک پہنچاتے ہیں وہ فرمان بھی آیات الٰہیہ ہی ہوتے ہیں جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ اپنے فرمان یعنی سنت کی بھی تعلیم دی۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں **واستکبروا** کیوں فرمایا گیا جو کافر متکبر نہ ہوں عاجز ہوں وہ دوزخی نہیں ہیں؟ **جواب**: یا تو ہر کافر متکبر ہے کفر خود تکبر کی ایک قسم ہے لہٰذا **واستکبروا** تفسیر ہے **کذبوا** کی ہر کافر نبی کا انکار کر کے اپنے کو ان کے سامنے جھکاتا نہیں یہی تکبر ہے یا یوں کہو کہ یہاں دوزخ کے سخت طبقہ کا ذکر ہے جہاں صرف متکبر ہی جائیں گے غیر متکبر کافر ہلکے طبقوں میں رہیں گے۔ **چوتھا اعتراض**: اصحاب النار اور **فیھا خالدون** میں کیا فرق ہے۔ **جواب**: اصحاب النار وہ جن کے لئے دوزخ بنی **خالدون** وہ جو وہاں سے کبھی نکل نہ سکیں۔ **پانچواں اعتراض**: قرآن مجید میں ہر جگہ مومن متقی کے مقابل کفار کا ذکر ہوتا ہے' مومن فاسق کی سزا کا ذکر کیوں نہیں ہوا کرتا۔ **جواب**: اس لئے کہ مومن فاسق کو سزا ملنا یقینی نہیں۔ ممکن ہے وہ شفاعت کے ذریعہ معافی پا جائے اور ممکن ہے کچھ دن دوزخ کی آگ میں تپا کر پاک کر کے جنت میں پہنچایا جائے نیز مومن فاسق کے لئے دوزخ سزا نہیں بلکہ اس کی پاکی کا ذریعہ ہے جیسے گندے سونے کے لئے آگ یا ہتھوڑے کی چوٹ نیز اس میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اظہار کرم ہے کہ ان کی امت کی پردہ پوشی کی جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرت انبیاء کرام اگرچہ اولاد آدم علیہ السلام ہیں مگر وہ **یا بنی ادم** کے خطاب میں داخل نہیں ہوا کرتے دیکھو یہاں **یا بنی ادم** میں حضرات انبیاء کرام ہرگز داخل نہیں کیونکہ ان کے پاس رسول نہیں آتے بلکہ وہ لوگوں کے پاس رسول بن کر آتے ہیں اسی طرح **الذین امنوا** کے خطاب سے انبیاء کرام علیحدہ ہوتے ہیں ان کے خطابات کچھ اور ہی ہیں **یا ایھا النبی یا ایھا الرسل** وغیرہ لوگوں کے دل دماغ میں پہلے نبی کی جلوہ گری ہوتی ہے پھر کتاب اللہ احکام الٰہیہ ان تک پہنچتے ہیں شریعت' طریقت احکام آیات شعاعیں ہیں وہ حضرات سورج اس لئے یہاں یہ نہ فرمایا کہ تمہارے پاس میری آیتیں آئیں بلکہ فرمایا تمہارے پاس رسول آئیں اور تم کو میری آیات سنادیں۔ حضرات انبیاء کرام دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے رب کا حفاظتی قلعہ ہیں اگر امن چاہتے ہو تو ان قلعوں میں آجاؤ جو ان کے دامن میں آگیا وہ دنیا و آخرت کے خوف و غم سے محفوظ ہو گیا' تقویٰ اور اصلاح نفس یہ دو بازو ہیں جن کے ذریعہ انسان ان کے قدموں تک پہنچتا ہے ہماری بڑی ترقی یہی ہے کہ ان کے قدم تک پہنچ جائیں۔

تیری معراج کہ تو لوح و قلم تک پہنچا! میری معراج کو میں تیرے قدم تک پہنچا

ایک ہندو شاعر دلو رام کوثری کہتا ہے۔

کوثری تنہا نہیں ہے مصطفیٰ کے ساتھ ہے غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

لے کے دلو رام کو حضرت گئے جنت میں جب غل ہوا ہندو بھی محبوب خدا کے ساتھ ہے

جو لوگ نبی کے قدموں میں آنے سے تکبر کریں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہی ہے 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار کے مقابل تکبر کرنا عبادت ہے مسلمان کے مقابل تکبر حرام ہے نبی کے مقابل تکبر کرنا کفر بلکہ بدترین کفر ہے۔ شیطان اس تیسری قسم کا متکبر ہے ایسے ہی متکبرین کا یہاں ذکر ہے 'صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو عمل رسول کو راضی کرے وہی تقویٰ اور ہمارا جو جذبہ انہیں پسند آجائے وہ اصلاح اگر نبی نماز پڑھنے سے راضی ہیں تو پڑھنا تقویٰ ہے اگر نماز چھوڑنے سے راضی ہیں تو وہی تقویٰ حضرت علی کا خیبر کے مقام صہبا میں نماز عصر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نیند پر قربان کرنا تقویٰ تھا' حضرت صدیق اکبر کا غار ثور سے اپنے پاؤں میں سانپ سے کٹوالینا خود کشی نہ تھا تقویٰ تھا' بلکہ اگر وہ محبوب کفریات بولنے سے راضی ہوں تو قسم رب کی اس کے لئے وہی تقویٰ ہے دیکھو جندع ابن ضمیرہ رضی اللہ عنہ نے کفر بول کر کفار سے رہائی حاصل کی اور مدینہ منورہ پہنچے۔ ان کے متعلق یہ آیت آئی **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالا یمان** یہ واقعات **فمن اتقی و اصلح** کی تفسیر میں کے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا شکریہ الگ ہے نبوت سب سے بڑی نعمت ہے اس کا شکریہ ہے کہ ہم دل کے متقی بھی بنیں اور جسم کے متقی بھی۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتیں اس کی یہ ہی لوگ ہیں

تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتیں جھٹلائیں انہیں انکے

يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ

کہ پہنچے گا ان کو حصہ ان کا کتاب سے حتیٰ کہ جب آئیں گے ان کے پاس قاصد ہمارے جو موت دیں گے

نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے انکی جان نکالنے آئیں تو

قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا

ان کو تو کہیں گے کہ کہاں ہیں وہ کہ تھے تم پوجتے ماسوا اللہ کے کہیں گے وہ کہ گم ہو گئے ہم سے اور

ان سے کہتے ہیں کہ کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہتے ہیں وہ ہم سے گم

عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

گواہی دیں گے اوپر جانوں اپنی کے کہ بے شک وہ تھے کافر۔

ہو گئے اور اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ کافر تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں آیات الہیہ جھٹلانے والوں کو دوزخی فرمایا گیا اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ بڑے مجرم ہیں اس لئے دائمی دوزخی ہیں گویا پہلے ان کی سزا کا ذکر تھا اب ان کی فرد جرم کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان متکبرین اور جھٹلانے والوں کی اخروی سزا کا ذکر تھا اب ارشاد ہے کہ انہیں یہ سزا آخرت میں ملے گی دنیا میں انہیں مہلت دی جائے گی کہ یہاں کھا کھیل لیں ینا لھم نصیبھم گویا اخروی سزا کے بعد دنیاوی ڈھیل کا ذکر ہے کیونکہ یہ ڈھیل بھی ایک طرح کی سزا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفر کی سزا کا ذکر تھا اب ان کی پکڑ کا یعنی موت کا ذکر ہے جو نذکورہ سزا کی ابتداء ہے کافر کی موت اس کی سزا کی ابتدا ہوتی ہے مومن کی موت اس کے انعام کی ابتداء موت ایک ہے مگر نوعیت موت میں فرق ہے۔ چوتھا تعلق: پچھلی گزشتہ آیت میں مومن صالح کی بے خوفی بے غمی کا ذکر تھا اب متکبر کافر کی بے کسی بے بسی کا تذکرہ ہے۔ قالوا ضلوا عنا بے کسی بھی اللہ کا عذاب ہے۔

تفسیر : فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت ھم فیھا خالدون کی وجہ ہے لہذا ف تعلیلیہ ہے من سوال کے لئے ہے اور یہ سوال اقرار کرانے کے لئے۔ من سے مراد کافر انسان ہے یا کافر جن وانس اظلم بنا ہے ظلم سے ظلم کے بہت معنی ہیں کسی کا حق مرانا کسی کو بلا قصور سزا دے دینا کافر اللہ رسول کا حق ادا نہیں کرتا لہذا ظالم ہے نیز اپنے نفس کا حق مارتا ہے کہ کفر کر کے اسے دائمی دوزخی بناتا ہے لہذا ظلم ہے چونکہ دوسرے جانی مالی ظلموں سے ایمانی ظلم بدترین ہے اس لئے یہاں اظلم تفضیلی ارشاد ہوا اللہ پر جھوٹ باندھنے کے معنی یہ ہیں کہ جو اللہ نے نہ فرمایا ہو اسے اس کی طرف نسبت کر دے کہ یہ اس نے فرمایا ہے جیسے بتوں کو معبود ماننا غیر نبی کا دعویٰ نبوت کرنا جھوٹے مسئلے بیان کرنا یہ کہہ کر کہ اللہ کا یہی حکم ہے وغیرہ (کبیر) لہذا اس میں کفار جھوٹے نبی غلط فتوے دینے والے علماء سب ہی داخل ہیں یہاں تک تو اس جرم کا ذکر ہوا کہ جو بات رب نے نہیں فرمائی وہ اس کی طرف منسوب کر دی جائے۔ او کذب بایاتہ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں دوسری قسم کے کفر کا ذکر ہے کہ جو احکام رب نے دیئے ان کا انکار کیا جائے کہ یہ رب کا فرمان نہیں ہے اس میں سچے نبی کی نبوت کا انکار ان کی آسمانی کتابوں کا جزواً یا کلاً انکار ان کے معجزات کا انکار ان کے فرمان ان کے احکام کا انکار سب ہی داخل ہیں کہ یہ سب کچھ آیات اللہ ہیں یعنی رب کی پہچان اس کی معرفت کا ذریعہ اس لئے کتابہ یا احکامہ نہیں فرمایا بلکہ ایاتہ فرمایا تاکہ ان سب کو شامل ہو خلاصہ یہ ہے کہ اپنی طرف سے بات کہے یا کلام کرے اور کہہ دے یہ رب کی طرف سے ہوا یہ بھی کفر ہے اور نبی کوئی کلام فرمائیں یا عمل کریں یہ کہہ دے کہ یہ رب کی طرف سے نہیں نبی نے غلط کہا یا غلط کیا یہ بھی کفر ہے نبی کا ہر قول و فعل رب کی طرف سے ہوتا ہے اولئک ینالھم نصیبھم من الکتاب اولئک سے اشارہ ہے من کی طرف چونکہ من معنی" جمع ہے" اس لئے اولئک جمع ارشاد ہوا اور لفظاً" واحد ہے اس لئے افتری اور کذب واحد ارشاد ہوئے ینال بنا ہے نیل سے معنی پہنچنا یا پانا نصیب اور کتاب کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) کتاب سے مراد ہے لوح محفوظ اور نصیب سے مراد ہے ان کے اخروی عذاب کا حصہ جیسے قیامت کے دن منہ کالا آنکھیں نیلی ہونا گلے میں طوق اور دوزخ کا داخلہ یعنی لوح محفوظ میں ان کے عذاب کا جو حصہ ان کے لئے لکھا جا چکا ہے وہ انہیں پہنچ کر رہے گا۔ یہ قول ہے حضرت ابن عباس کا (2) کتاب سے مراد لوح محفوظ اور نصیب سے مراد ہے ان کی دنیاوی بد بختی یہاں کا کفر اور شرک وغیرہ۔ یہ قول ہے مجاہد اور سعید ابن جبیر وغیرھم کا (3) کتاب

سے مراد ہے لوح محفوظ اور نصیب سے مراد ہے ان کی دنیاوی بد عملیاں بد کرداریاں۔ یہ قول ہے ضحاک اور ربیع ابن انس کا(4) کتاب کے معنی ہیں مکتوب یعنی مقرر شدہ طے شدہ نصیب سے مراد ہے ان کی روزی 'عمر' دنیاوی رزق وغیرہ یہ قول ہے محمد ابن کعب قرظی 'اور ابن زید وغیرہ مفسرین کا(کبیر 'خازن' معانی) یہی آخری قول قوی ہے کیونکہ آگے اس کی انتہا کا ذکر ہے **حتی اذا جاء تھم** موت سے کفار کی روزی عمر رزق ختم ہوتا ہے نہ کہ ان کا کفر و بدبختی وغیرہ(کبیر و معانی وغیرہ) بہرحال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ **حتی اذا جاءتھم رسلنا یتوفونھم** یہ عبارت ینالھم کی انتہاء ہے یعنی کفار کو ان کی روزی رزق عمر برابر ملے گی حتی کہ ان کی موت آجائے موت پر یہ چیزیں ختم ہوں گی آنے سے مراد ہے جان نکالنے کے لئے آنا' آنا فرمانے سے تین باتیں بتائیں ایک یہ کہ ان فرشتوں کا ہیڈ کوارٹر کسی اور جگہ ہے جہاں سے وہ ہر مرنے والے کے پاس آتے ہیں 'اس طرح کہ ایک ہی وقت لاکھوں جگہ مختلف شکلوں میں لاکھوں مرنے والوں کے پاس پہنچ جاتے ہیں مومنین کے پاس اچھی شکلوں میں کافرین کے پاس ڈراونی شکلوں میں دوسرے یہ کہ انہیں ہر ایک کے مرنے کی جگہ کا پتہ ہے' تیسرے یہ کہ انہیں ہر ایک کی موت کے وقت کا علم ہے ورنہ صحیح وقت اور صحیح جگہ نہ پہنچ سکتے **رسل** جمع ہے رسول کی بمعنی بھیجے ہوئے کارندے اس سے مراد ہیں حضرت مالک الموت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے معاون و مددگار فرشتے ان کی تعداد چھیانوے ہے وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ مرنے والا تاحد نظر فرشتے دیکھتا ہے ان سے مراد استقبال کرنے والے یا پھٹکار کرنے والے فرشتے ہیں خیال رہے کہ نبی وہ جو رب کی طرف سے کچھ کہنے آئے رسول وہ جو کچھ دینے کے لئے آئے **انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا** فرشتوں کو قرآن مجید نے رسول تو کہا ہے مگر نبی نہیں کہا پھر فرشتے بے اختیار دینے والے ہیں اور پیغمبر با اختیار دینے والے اس لئے صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جنت مانگی دین و دنیا کی نعمتیں مانگیں حضرت جبرئیل سے کسی نے کچھ نہ مانگا۔ دوسرے رسولوں کی عطا وقتی تھی جو ان کی نبوت منسوخ ہونے کے بعد ختم ہوگئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا دائمی یہ فرق ہے فرشتوں کی رسالت اور دوسرے نبیوں کی رسالت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں ان تین رسالتوں کا فرق یاد رہے۔ **یتوفونھم** بنا ہے **توفی** سے بمعنی وفات دینا موت دینا وفات کے لفظی معنی ہیں پورا ہونا یا پورا کرنا' چونکہ موت سے زندگی 'دنیاوی روزی وغیرہ ختم ہوتی ہے اس لئے اسے وفات کہتے ہیں یعنی ان کفار کا حصہ رزق وغیرہ اس وقت تک انہیں ملے گا جب کہ ان کی موت آئے موت آنے پر سب کچھ بند ہو جائے گا **قالوا این ما کنتم تدعون من دون اللہ** یہ عبارت **اذا جاءت** کی جزا ہے اس میں وہ کلام مذکور ہے جو فرشتے کفار سے جان نکالنے سے پہلے کرتے ہیں اس کا مقصود ان بدنصیبوں کو شرمندہ کرنا ان کی بے کسی بے بسی کو ظاہر کرنا تاکہ انہیں موت کی شدت کے ساتھ حسرت و یاس کی تکلیف بھی ہو **ما** سے مراد ہیں کفار کے بت **تدعون** بنا ہے دعا سے جس کے لغوی معنی ہیں پکارنا اصطلاحی معنی ہیں پوجنا عبادت کرنا یہی اصطلاحی معنی یہاں مراد ہیں **دون** بمعنی سوا بھی آتا ہے بمعنی دور بھی اور بمعنی مقابل بھی یہاں بمعنی سواء ہے یعنی اے کافرو جن معبودوں کی تم پوجا کرتے تھے جن کی مدد کی تم آس لگائے تھے اب تم پر بہت سخت وقت ہے دنیا چھوٹنے کی شدت جانکنی کی شدت بتاؤ تمہارے بت کہاں ہیں اب وہ تمہاری مدد ایسے آڑے وقت میں کیوں نہیں کرتے انہیں بلاؤ اس فرمان عالی کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے کہ رسل سے مراد ہے موت کے فرشتے اور یہاں کفار کی نزع کا ذکر ہے ان کی جانکنی کا نقشہ کھینچا گیا ہے تاکہ مومن اور کافر کی موت میں فرق معلوم ہو **قالوا ضلوا عنا** یہ کفار کا جواب ہے جو وہ فرشتوں کو دیں گے **ضلوا** بنا ہے **ضلال**

یعنی گم ہونا غائب ہونا ہے اور گم ہونے سے مراد ہے ضرورت کے وقت ان کا نظر نہ آنا یہ مطلب نہیں ہے کہ پہلے بت ان کے پاس رہتے تھے اب غائب ہو گئے کیونکہ ان کے بت تو کبھی ان کے پاس نہ تھے نہ مدد کرتے تھے **وشھدوا علی انفسھم انھم کانوا کافرین** یہ عبارت معطوف ہے **قالوا ضلوا** پر اور اس میں ان کے دوسرے کلام کا ذکر ہے یہاں شہادت بمعنی اقرار ہے چونکہ یہ اقرار اپنے خلاف ہے اس لئے اس کے بعد علیٰ ارشاد ہوا یعنی کفار اس وقت اپنے خلاف اقرار کرلیں گے **کانوا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ زندگی بھر تو کافر رہے اب سارے کفر چھوڑ دیئے ایمان قبول کر لیا مگر اب ایمان لانا مفید نہیں کہ اس کا وقت نکل چکا کافرین فرما کر یہ بتایا کہ یہ ساری گفتگو مشرکین و کفار کی ہے وہ اپنے بتوں ہی کے غائب ہونے کا ذکر کر رہے ہیں اس کا تعلق مومنوں سے نہیں **ما کنتم تدعون** سے حضرات اولیاء اللہ و انبیاء کرام مراد نہیں لہٰذا اسے مومنوں پر چسپاں کرنا سخت جرم اور بے دینی ہے مومنوں کی مدد جانکنی اور قبر و حشر ہر جگہ ہوگی جیسا کہ بارہا بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی بھی ہے اور آسان بھی غور تو کرو کہ اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے کہ اپنی بت پرستی شرک و کفر گناہوں کے متعلق کہے کہ ہم کو اللہ نے ان چیزوں کا حکم دیا رب تعالیٰ ان سے راضی ہے ہم اس کے حکم سے یہ سب کر رہے ہیں یا اللہ کی آیتوں یعنی نبیوں کی نبوت ان کے معجزات ان کی کتابوں ان کے احکام ان کے فرمان کا انکار کرے کہ یہ رب کی طرف سے نہیں ہیں یعنی جھوٹ کو سچ کہے اور سچ کو جھوٹ' بڑے ظالم یہی لوگ ہیں ان کافروں کو ان کا مقرر شدہ رزق' عمر روزی تو انہیں ملے گی ہی ہم دنیا میں کفر و بدکاری کی وجہ سے کسی کا رزق بند نہیں فرماتے۔

ولیکن خداوند بالا و پست! ‏ ‏ بہ عصیاں در رزق بر کس نہ بست

وہ اس روزی ملنے سے دھوکا نہ کھائیں یہ نہ سمجھیں کہ اگر خدا تعالیٰ ہمارے کفر سے ناراض ہوتا تو ہم کو عیش آرام وسیع رزق کیوں دیتا یہ روزی وغیرہ انہیں موت تک ملے گی جب انہیں موت دینے کے فرشتے آئیں گے تو ان سے پہلے یہ پوچھیں گے کہ بتاؤ تمہارے بت کہاں گئے جن کی تم پرستش کرتے تھے اور ان کی مدد کی آس لگائے بیٹھے تھے اب ایسے آڑے وقت میں تمہاری مدد کیوں نہیں کرتے اس سے زیادہ سخت وقت اور کون سا ہوگا تب وہ کہیں گے کہ افسوس وہ سب ہم سے اس وقت غائب ہی ہیں اب وہ اقرار کریں گے کہ وہ دنیا میں کافر رہے ہم کو خبر نہ تھی کہ ہمارا انجام یہ ہوگا مگر ان کا اس وقت کا یہ اقرار فائدہ نہ دے گا۔

فائدے : اس ایت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیاوی جھوٹ سے دینی جھوٹ بہت ہی برا ہے یونہی دنیا والوں پر جھوٹ باندھنے سے دین والوں پر جھوٹ باندھنا بدتر ہے یہ فائدہ **من اظلم** سے حاصل ہوا پھر دینی ہستی کا جتنا درجہ بلند اتنا ہی اس پر جھوٹ باندھنا سخت جرم ہے عالم دین پر جھوٹ باندھنا کسی ولی پر' جھوٹ باندھنا نبی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا یہ سب ہی ظلم ہیں مگر ان کے درجات مختلف۔ **دوسرا فائدہ:** آیات قرآنیہ' معجزات مصطفوی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کا انکار سب ہی بدترین کفر ہیں۔ یہ فائدہ **او کذب بآیاتہ** سے حاصل ہوا کیونکہ **آیاتہ** میں یہ تمام مذکورہ چیزیں شامل ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اصلی سزا و جزا کی جگہ دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے دنیا میں کافروں منافقوں کو بھی روزی عمر رزق وغیرہ مل جاتے ہیں یہ فائدہ **ینالھم نصیبھم** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ دنیا کے عیش و آرام دولت و صحت سے دھوکا نہ کھاؤ یہاں امام

حسینؓ شہید ہوتے ہیں اور یزیدی بدکار رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** جان نکالنے کے لئے مرنے والے کے پاس ملک الموت علیہ السلام بھی آتے ہیں اور ان کے معاون دوسرے فرشتے بھی۔ یہ فائدہ **جاء تہم رسلنا** سے حاصل ہوا کہ رسل جمع فرمایا گیا ملک الموت کی تشریف آوری اس آیت میں مذکور ہے **یتوفا کم ملک الموت الذی وکل بکم**۔ **پانچواں فائدہ:** حضرت ملک الموت اور ان کے مددگار جان نکالنے والے فرشتے ایک وقت میں ہزاروں جگہ پہنچ جاتے ہیں اور بیک وقت تصرف کر لیتے ہیں کہ ہزاروں کی جان نکال لیتے ہیں یہ فائدہ **جاء تہم رسلنا** سے اور **یتوفونہم** سے حاصل ہوا۔ **جاءتہم** سے ان کا ہزار ہا جگہ پہنچنا اور **یتوفونہم** سے ان کا ہر جگہ تصرف کرنا ثابت ہوا ایسے ہی حساب قبر لینے والے فرشتے اور ماں کے پیٹ میں بچہ بنانے والا فرشتہ تقدیر لکھ جانے والا فرشتہ بیک وقت ہزار ہا جگہ موجود ہو جاتے ہیں اپنی ڈیوٹی اور اپنا تصرف کر جاتے ہیں ہر جگہ حاضر ناظر ہو جانا بعض بندوں کی صفت ہے۔ آصف برخیا کا جسم شریف دربار سلیمانی سے غائب نہیں ہوا اور پلک جھپکنے سے پہلے ملک یمن سے تخت بلقیس اٹھا لائے۔ امت کا درود شریف پہنچانے والا فرشتہ لاکھوں درود خوانوں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان ہر آن گردش کرتا رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص ہزار بار درود پڑھے تو وہ ہزار بار حاضر بارگاہ ہو کر پیش کرتا ہے' رب نے اپنے بندوں کو بڑی طاقتیں بخشی ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ **چھٹا فائدہ:** جیسی میت ویسی ان فرشتوں کی شکل و شباہت ویسی ہی ان کی گفتگو مومن میت کے پاس یہ فرشتے نہایت اچھی شکل میں آتے ہیں اس سے نہایت ہی عمدہ اور بشارت والا کلام کرتے ہیں کہتے ہیں **یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** اور کفار کے پاس نہایت ہیبت ناک شکل میں آتے ہیں اور اس سے بہت ہی سخت کلام فرماتے ہیں یہ فائدہ **قالوا این ما کنتم تدعون** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ وہ مشکل آسان کرے۔ **ساتواں فائدہ:** موت کے وقت اور موت کے بعد بے یار و مددگار ہونا کفار کے لئے خاص ہے مومن بفضلہ تعالیٰ ان وقتوں میں بیکس و بے بس نہیں ہوتا یہ فائدہ **قالوا ضلوا عنا** سے حاصل ہوا مسلمان اپنے مرنے والے کے پاس بیٹھ کر کلمہ طیبہ پڑھتے ہیں اسے پانی پلاتے شہد چٹاتے ہیں بعد موت اس پر نماز جنازہ پڑھتے اس کے لئے ایصال ثواب وغیرہ کرتے ہیں یہ ہے مومنوں کی مدد' بہرحال اس آیت کو مومن سے کوئی تعلق نہیں ان مشکلوں میں کسی کی مدد نہ پہنچنا کفار کا عذاب ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** مرتے وقت کفار سارے اسلامی عقائد پر ایمان لے آتے ہیں اپنے کفر کا اقرار کر لیتے ہیں مگر اس وقت کا یہ اقرار قبول نہیں کہ ایمان بالغیب چاہئے اس وقت یہ غیوب شہادت بن چکے۔ یہ فائدہ **و شھدوا علی انفسہم** سے حاصل ہوا آج وقت ہے جو کرنا ہے کر لو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفر سے' دینی گناہوں کی وجہ سے عمر اور دنیاوی روزی کم نہیں ہوتی مگر احادیث شریفہ سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہوں سے عمر اور رزق گھٹتے ہیں اور نیکیوں سے بڑھتے ہیں آیت و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت میں وہ اصلی رزق و عمر مراد ہیں جن کی تحریر لوح محفوظ میں ہو چکی اور ان کی قضا مبرم واقع ہو چکی اس لئے یہاں **من الکتاب** ارشاد ہوا اور حدیث شریف میں وہ عمر و رزق عارضی مراد ہیں جو قضاء معلق کے طریقہ سے ملتے ہیں ان میں کمی زیادتی ہوتی رہتی ہے قضاء مبرم اور قضاء معلق کا فرق ہم تیسرے پارے میں عرض کر چکے ہیں ان دونوں تقدیروں کا ذکر اس آیت میں ہے **یمحوا اللہ ما یشاء و یثبت وعندہ ام الکتاب**۔ جس سے معلوم ہوا کہ محو و اثبات والی تقدیر اور ہے اور ام الکتاب والی تقدیر کچھ اور لہٰذا یہ آیت بھی برحق ہے اور حدیث پاک بھی برحق۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے

معلوم ہوتا ہے کہ جان نکالنے والے فرشتے بہت سے ہیں کہ یہاں رسلنا جمع ارشاد ہوا۔ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی فرشتہ ہے ارشاد ہوا یتوفا کم ملک الموت الذی وہاں ملک واحد ارشاد ہوا دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** جان نکالنے والا فرشتہ ایک ہی ہے مگر اس وقت ان کی خدمت و تعاون کرنے والے فرشتے بہت ہیں ان میں سے بعض جان کو اعضاء سے کھینچتے ہیں اور بعض بعد قبض اس کو قبضہ میں لے لیتے ہیں جیسے مریض کے اپریشن کے وقت ڈاکٹر ایک ہی ہوتا ہے مگر اس کی مدد کو کمپونڈر اور نرسیں بہت سے ہوتے ہیں۔ حضرت عزرائیل علیہ السلام کا کام یہ ہے کہ جب جان سینہ تک کھچ کر آجائے تو اسے قبض کر کے رحمت یا عذاب کے فرشتوں کے حوالہ کردیتے ہیں یہاں اور خدام فرشتوں اور افسر سب کا ذکر ہے وہاں اس آیت میں صرف افسر اعلیٰ یعنی حضرت عزرائیل کا ذکر ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا' مرتے وقت کوئی پیر فقیر ولی' نبی کام نہیں آتے سب غائب ہو جاتے ہیں اور فرشتے اس پیر پرستی ولی پرستی نبی پرستی پر ملامت کرتے ہیں "لہٰذا زندگی میں مدد کے لئے پیروں فقیروں کو پکارنا ان سے مدد مانگنا سب شرک ہے اور عذاب کا باعث (وہابی)۔ **جواب:** یہاں نبیوں ولیوں کا ذکر نہیں بلکہ بتوں اور جھوٹے معبودوں کا ذکر ہے اور یہ خطاب مشرکین و کفار سے ہے اسی لئے یہاں تدعون ارشاد ہوا یعنی تعبدون اور آگے ارشاد ہوا انہم کانوا کافرین مشرکوں کی آیات مسلمانوں پر اور بتوں کی آیات حضرات انبیاء کرام پر پڑھنا خارجیوں کا طریقہ ہے (بخاری شریف) اگر غیر اللہ کو پکارنے والوں پر یہ عتاب ہو تو ہر نمازی اس آفت میں گرفتار ہوگا' کیونکہ وہ ہر التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتا ہے السلام علیک ایہا النبی نیز پھر تمہاری بھی خیر نہیں کہ تم دن رات ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ نزع' قبر و حشر میں حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر حسن خاتمہ 'حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہچان پر قبر میں کامیابی 'حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت پر محشر میں چھٹکارا موقوف ہے۔ ہر وقت موت حضرات اولیاء اللہ کی مدد کلمہ طیبہ کی تلقین کرنا بعض اہل دل سے ثابت ہے بلکہ زندہ مومنین ظاہر ظہور تلقین کرکے حسن خاتمہ میں مدد دیتے ہیں اسی لئے مرنے والے کے پاس کلمہ طیب پڑھنا سنت ہے بلکہ بعد دفن تلقین بھی مسنون ہے اس کے لئے ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ فرماؤ اگر مومنین بھی کفار کی طرح نزع اور آخرت میں بے کس ہوں تو اس بے کسی کی سزا میں مومن و کفار برابر ہوئے پھر یہ بے کسی ان کفار کے عذاب کے سلسلے میں کیوں بیان کی گئی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مرتے وقت اپنے کفر کا اقرار کرلیتے ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ وہ قیامت میں بھی اپنے کفر کا انکار کریں گے کہیں گے واللہ ربنا ما کنا مشرکین آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** کفار کے مختلف وقتوں میں مختلف حالات اور مختلف جوابات ہوں گے مرتے وقت اپنے کفر کا اقرار قیامت میں پہلے وقت انکار بعد میں اقرار دوزخ میں داخل ہوتے وقت اقرار۔ ان مختلف آیات میں ان مختلف حالات کا ذکر ہے۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت میں ارشاد ہوا ضلوا عنا لو بت اور شیاطین ہم سے غائب ہوگئے مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ نزع کے وقت شیاطین آکر مردے کو بہکاتے ہیں بلکہ قبر میں بھی بہکانے کے لئے پہنچتے ہیں اس آیت اور ان احادیث میں تعارض ہے بلکہ قرآنی آیات سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شیطان مرتے وقت تک گمراہ کرتا ہے پھر وہ غائب تو نہ ہوئے تو ضلوا عنا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہاں مدد کے لئے حاضر ہونے کا انکار ہے۔ جس کی کفار کو آس تھی شیاطین اس وقت مدد کے لئے نہیں بلکہ گمراہ کرنے کو حاضر ہوتے ہیں مدد کی حاضری اور ہے اور

گمراہ کرنے کے لئے موجودگی کچھ اور ثبوت اور چیز کا ہے نفی دوسری چیز کی۔ لہٰذا آیات میں اور آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ چھٹا اعتراض: تم نے ابھی تفسیر میں کہا کہ فرشتوں کی ایک ہی جماعت ہے جو کفار کی جان نکالنے کے لئے ڈراونی شکل میں جاتے ہیں اور مومنین کی جان نکالنے کے لئے نہایت حسین شکل میں یہ کیسے ہو سکتا ہے شکل تبدیل نہیں ہو سکتی۔ جواب: فرشتے تو پر نور مخلوق ہیں انسان کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں غصہ کی شکل اور ہوتی ہے سکون کی شکل اور بیماری کی صورت اور تندرستی کی صورت اور۔ یوسف علیہ السلام کو جب قافلہ والے نے کنویں سے نکالا تو آپ اتنے ہلکے تھے کہ اسے پانی کا ڈول معلوم ہوا مگر چند روز کے بعد جب عزیز مصر نے سونے وغیرہ سے وزن کر کے خریدا تو آپ قریباً "پانچ من تھے کنویں پر آپ کا حسن اور تھا بازار مصر میں اور مگر جب مصری عورتوں نے دیکھا تو ایسا حسن تھا کہ انہوں نے اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔

تفسیر صوفیانہ : کفار اہل انکار ہیں جنھوں نے اخیار یعنی مقبولوں کے ارشادات سے منہ پھیرا اچھی خصلتوں سے دور ہو گئے برے طریقے اختیار کر لئے انبیاء و اولیاء کے طریقے سے ہٹے بروں کے طریقوں پر چلے اس کا انجام یہ ہوا کہ اپنی غلطیوں کا اقرار اس وقت کریں گے جب اقرار کام نہ آئے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آجال (موت) سے پہلے اپنے حال کی اصلاح کر لو وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ **جودوا ایمانکم** اپنا ایمان نیا کرتے رہو وہاں یہ مطلب ہے کہ ایمان کے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ترقی کرتے رہو ایمان کے اٹھارہ درجے و مراتب ہیں جو تصوف کی کتب میں مذکور ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

تازہ کن ایمان نہ از قول زبان — اے ہوا را تازہ کردہ در نہاں
تا ہوا تازہ است و ایمان تازہ نیست — کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

مومن اپنے ایمان کا اقرار کرتا ہوا کلمہ پڑھتا ہوا مرتا ہے کافر اپنے کفر کا اقرار کرتا ہوا مرتا ہے فرشتے ان دونوں کے گواہ ہوتے ہیں۔ مومن اللہ رسول نبیوں ولیوں کو نہیں بھولتے تو وہ بھی مومن کو نہیں چھوڑتے۔ کفار دنیا میں ہی مصیبت کے وقت اپنے بتوں کو بھول جاتے ہیں ان کی رسی کمزور ہے مومن کی رسی مضبوط۔ رب فرماتا ہے **فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقی** مومن کو ہوشیار رہنا چاہئے (از روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان فرشتوں کی صفت ہے موت دینا **یتوفونہم** اس کے مقابل نبی خصوصاً "نبی الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کو زندگی بخشتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **واحی الموتی باذن اللہ** ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق رب نے فرمایا **لما یحییکم** وہ تم کو زندگی بخشتے ہیں جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زندگی مل جائے وہ موت سے بھی نہیں مٹتا اس کی موت اسے چھپاتی ہے مٹاتی نہیں **بل احیاء ولکن لا تشعرون** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مردے زندہ کئے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مردے بھی زندہ کئے اور بے جان لکڑیوں کنکروں پتھروں کو جان بخش کر کلمہ پڑھوایا۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِیْۤ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِی

فرمایا داخل ہو جاؤ تم ان گروہوں میں کہ بے شک گزر گئے تم سے پہلے جن اور انسان سے آگ

اللہ ان سے فرماتا ہے کہ تم سے پہلے جو اور جماعتیں جن اور آدمیوں کی آگ میں گئیں

النَّارِ ؕ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ

میں جب کبھی داخل ہوگا ایک گروہ تو لعنت کریگا اپنے جنس پر حتیٰ کہ جب جمع ہو جائیں گے وہ سب اس میں تو

انہیں میں جاؤ جب ایک گروہ داخل ہوتا ہے دوسرے پر لعنت کرتا ہے یہاں تک کہ جب سب اس میں جا پڑے

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ

کہیں گے آخری لوگ ان کے اگلوں سے انکے اے رب ہمارے یہ لوگ وہ ہیں کہ گمراہ کیا انہوں نے ہم کو پس

تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے رب ہمارے انہوں نے ہم کو بہکایا تھا تو انہیں آگ کا دگنا عذاب

النَّارِ ؕ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ

دے انکو سزا دگنی آگ سے فرمائے گا کہ واسطے ہر ایک کے دوگنا ہے لیکن تم نہیں جانتے۔ اور کہیں گے اگلے انکے واسطے پچھلوں

دے فرمائے گا سب کو دونا ہے مگر تمہیں خبر نہیں اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے

فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾ ع ۴

کے ان کے پس نہیں تھا واسطے تمہارے اوپر ہمارے کوئی بزرگی بس چکھو عذاب اس وجہ سے کہ تھے تم کماتے

تو تم کچھ ہم سے اچھے نہ رہے تو چکھو عذاب بدلا اپنے کیے کا

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اس جواب کا ذکر تھا جو کفار مرتے وقت جان نکالنے والے فرشتوں کو دیتے ہیں اب ان فرشتوں کے جواب الجواب کا تذکرہ ہے کہ فرشتے ان کے جواب میں کیا فرماتے ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی جانکنی اور ان کی اس وقت کی بے کسی بے بسی کا ذکر ہوا اب ان کے اخروی عذاب کا ذکر ہے جو مرنے بلکہ بعد قیامت انہیں دیا جائے گا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ مرتے وقت کفار کا دوست کوئی نہیں ہوتا وہ سب بے کس و بے بس رہ جاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان کی دوستیاں دشمنیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ دنیا میں کفار و شیاطین جمع تھے نزع کے وقت علیحدہ ہو گئے اب ارشاد ہوتا ہے کہ اس کے بعد پھر یہ سب دوزخ میں دائمی طور پر جمع ہوں گے مگر ان کی آپس میں عداوت ہوگی۔

تفسیر : **قال ادخلوا فی امم** قال میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ کفار کی جانکنی کے وقت کی گفتگو کا ایک حصہ ہے اور قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے یا جان نکالنے والا فرشتہ **ادخلوا** سے مراد ہے عالم برزخ میں ان امتوں سے جا ملو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ گفتگو قیامت کے دن حساب و کتاب کے بعد کی ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے چونکہ دوزخ میں کفار کا داخلہ ایک ساتھ نہ ہوگا بلکہ ترتیب وار ہوگا' سرداران کفر پہلے وہاں پہنچیں گے ماتحت بعد میں اس لئے **فی امم** ارشاد ہوا عام مفسرین نے یہی احتمال اختیار کیا کیونکہ اگلے مضمون سے یہ تفسیر زیادہ موافقت رکھتی ہے **امم** جمع ہے **امتہ** کی امت کے معانی ہم بارہا عرض کر چکے ہیں **قد خلت من قبلکم** یہ عبارت **امم** کی صفت ہے **خلت** بمعنی دخلت ہے

اور ہو سکتا ہے کہ یہاں بھی خلت بمعنی مضت ہو یعنی جو جماعت کفار تم سے پہلے یہاں سے گزر کر دوزخ میں داخل ہو گئی یعنی رب تعالیٰ قیامت میں حساب و کتاب کے بعد تابع کافروں سے فرمائے گا کہ جو کفار کی جماعتیں تم سے پہلے دوزخ میں چلی گئیں تم بھی ان میں جا کر شامل ہو جاؤ من الجن و الا نس فی النار اس عبارت میں من بیانیہ ہے اور جن و انس بیان ہے امم کا فی النار کا تعلق ادخلوا سے ہے چونکہ جنات کافر بہت زیادہ ہیں مومن بہت تھوڑے نیز جنات کا کفر انسانوں کے کفر سے پہلے ہے کیونکہ زمین میں پہلے جن آباد تھے انہوں نے کفر سرکشی فساد بہت ہی پھیلائے تب رب تعالیٰ نے ابلیس کی سرکردگی میں فرشتوں کی ایک فوج بھیجی جس نے اکثر جنات کو ہلاک کیا بچے کھچوں کو کھلی زمین سے نکال دیا پھر آدم علیہ السلام پیدا ہوئے ان وجوہ سے جنات کا ذکر پہلے ہوا اور انسانوں کا ذکر بعد میں (روح البیان) انسانوں میں بھی کافر و مومن رہے اور اب بھی ہیں اور آئندہ بھی رہیں گے کفر کی ابتدا قابیل سے ہوئی اور انتہا قیامت پر ہو گی۔ (روح) **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** یہ جملہ نیا ہے جس میں کفار کے ایک اور خاص عذاب کا ذکر ہے یعنی آپس کی نا اتفاقی اور ایک دوسرے کو لعن طعن' **کلما** آتا ہے عموم ظرف یا عموم شرط کے لئے یعنی جب بھی دوزخ میں ایک جماعت جائے گی تو اپنے ہم جنس پر لعنت کرے گی اس طرح کہ یہودی یہودیوں پر لعنت کریں گے عیسائی عیسائیوں پر مجوسی مجوسیوں پر اخت بمعنی ہم جنس ہے لعنت بمعنی پھٹکار رحمت سے دوری کی بددعا۔ اس جملہ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جانے والی جماعت ان پر لعنت کرے گی جو دوزخ میں پہلے پہنچ چکے ہیں۔ دوسرے یہ کہ پہلے پہنچے ہوئے دوزخی ان نو وارد دوزخیوں پر لعنت کریں گے کہ تمہارا بیڑا غرق ہو ہم تو یہاں تھے ہی تم یہاں کیوں آگئے۔ یا تو سرداران کفر دوزخ میں پہلے پہنچیں گے تابعین اور ماتحت بعد میں یا اس کے برعکس بہرحال دوزخ میں جاتے ہی ان کی پہلی تواضع خاطر مدارت لعنت و پھٹکار سے ہو گی۔ **حتی اذا اداركوا فیھا جمیعا** ۔ یہ لعنت کی انتہاء ہے یعنی یہ لعن طعن کا سلسلہ اس وقت تک رہے گا۔ جب کہ سارے دوزخی اپنے اپنے ٹھکانوں میں پہنچ جائیں **اداركوا** اصل میں **تداركوا** تھا باب تفاعل کا ماضی ت کو دال کر کے دال میں ادغام کر دیا الف اول میں لگا دیا اس کا مادہ درک ہے بمعنی پا لینا مل جانا جمع ہو جانا (تفسیر کبیر) **فیھا** کا مرجع نار ہے اور **جمیعا** **اداركوا** کے فاعل سے حال **قالت اخرھم لاولھم** یہ عبارت **اذا** کی جزا ہے **اخری** سے مراد ہے نیچے درجے کے کفار **اولی** سے مراد ہیں اونچے درجے کے کفار یعنی سردار اور پوپ پادری پنڈت وغیرہ جنہوں نے اپنے ماتحتوں کو کافر بنایا تھا یا **اخری** سے مراد کفار کی اولاد ہو اور **اولی** سے مراد ان کے باپ دادے یعنی کفار کی اولاد اپنے باپ دادوں کی شکایت اور زیادتی عذاب کی بددعا کرے گی اور ہو سکتا ہے کہ **اخری** سے مراد دوزخ میں پیچھے پہنچنے والے کفار ہوں اور **اولی** سے مراد وہاں پہلے پہنچ جانے والے کفار ہوں کفار کے سردار دوزخ میں پہلے پہنچیں گے تابعین پیچھے یا **اخری** سے مراد وہ کفار ہوں جو دنیا میں پیچھے آئے اور **اولی** سے مراد وہ کفار جو دنیا میں پہلے آئے جنہیں دیکھ کر سن کر پچھلے لوگ کافر بنے جیسے اولاد اپنے باپ دادوں کے دین پر ہوتی ہے لہذا **اخری** اور **اولی** میں تین تفسیریں ہیں **لاولھم** میں لام صلہ کا نہیں یعنی اس کے معنی یہ نہیں کہ پچھلے اگلوں سے کہیں گے بلکہ یہ ہیں کہ پچھلے اگلوں کے متعلق کہیں گے' کس سے کہیں گے رب تعالیٰ سے جیسا کہ آگے آ رہا ہے **ربنا ھؤلاء اضلونا**' **ھؤلاء** سے اشارہ انہیں سرداروں کی طرف ہے یعنی اولی کی جانب **اضلوا** کے معنی ہیں انہوں نے ہم کو کافر بنایا یا بہکایا یا کہ وہ ہمارے کافر بننے کا سبب بنے کہ ان کی وجہ سے ہم کافر ہوئے لہذا امام یہ قول اخری اولی کی تینوں تفسیروں پر منطبق ہے **فاتھم عذابا ضعفا من النار** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط سے تعلق رکھتی ہے یعنی چونکہ

ہم کو بہکانے والے گمراہ کرنے والے یہ لوگ ہیں لہٰذا انہیں سزا ہم سے زیادہ دے۔ ضعفا" ایک گنا کو بھی کہتے ہیں اور بہت گنا کو بھی یہاں دونوں احتمال ہیں۔ خیال رہے کہ ضعف ض کے فتح سے مصدر ہے اور ض کے کسرہ سے اسم۔ دس گنا بلکہ سو گنا کو بھی ضعف کہتے ہیں ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

جزینک ضعف الود لما اشتکیتہ وما ان جزاک الضعف من احد قبلی

اس شعر میں دونوں جگہ ضعف بمعنی بہت گنا ہے مطلب یہ کہ ہم نے صرف ایک گناہ کیا کہ ہم دنیا میں کافر ہوئے مگر یہ لوگ خود بھی کافر ہے اور ہم سب کو انہوں نے کافر بنایا یا ہم صرف گمراہ ہیں مگر یہ لوگ خود بھی کافر رہے اور ہم سب کو انہوں نے کافر بنایا۔ ہم صرف گمراہ ہیں مگر یہ گمراہ گر بھی پھر ان میں سے ہر ایک نے ہم جیسے سینکڑوں کو گمراہ کیا ان کا جرم ہم سے صدہا گنا زیادہ ہے لہٰذا ان کی سزا ہم سے صدہا درجہ زیادہ ہونا چاہئے۔ جب کسی پر غصہ آتا ہے تو پہلے تو اسے مارنے کی کوشش کرتا ہے اگر نہ مار سکے تو اسے گالیاں دیتا ہے پھر کوستا اور بددعائیں دیتا ہے وہ لوگ پہلے تو مارنے کی کوشش کریں گے مگر فرشتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہونے کی وجہ سے یہ نہ کر سکیں گے تو لعن طعن پھٹکار کریں گے اور انہیں بددعائیں دیں گے کہ خدایا انہیں دو گنا عذاب دے لیکن وہاں ان کی دعا یا بددعا قبول نہ ہو گی **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال** اس لئے ارشاد ہو گا کہ **قال لکل ضعف ولکن لا تعلمون** یہ عبارت ان کی دعا کا جواب ہے قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے کہ وہ یا براہ راست یا فرشتوں کی معرفت انہیں یہ جواب دے گا لکل ضعف کی بہت تفسیریں ہیں ان میں سے آسان تفسیریں دو ہیں ایک یہ لکل کا مضاف الیہ کم ضمیر ہے جو حذف کر کے اس کے عوض کل پر تنوین آئی اور ضعف کے معنی ہیں ہر اگلی گھڑی میں پچھلی گھڑی سے عذاب دو گنا ہے مقصد یہ ہے کہ سرداروں نے بھی دو جرم کئے خود گمراہ ہونا اور تم کو گمراہ کرنا اور تم لوگوں نے بھی دو گناہ کئے خود گمراہ ہونا اور ان گمراہوں کی اطاعت کرنا جیسے بہکانا جرم ہے ویسے ہی بہکانے والوں کے پاس جانا ان سے دوستی رکھنا ان کی بات ماننا بھی جرم ہے لہٰذا تم سب کو عذاب اس طرح دیا جائے گا کہ اگلا عذاب پچھلے عذاب سے دو گنا ہو تا رہے گا۔ عذاب میں بجائے کمی کے زیادتی ہوتی رہے گی یہ معنی عام مفسرین نے کئے۔ یا یہ کہ انہوں نے تم کو کافر بنایا اور تم نے کافر ہو کر اپنے بال بچوں بلکہ اپنی نسل کو کافر بنایا لہٰذا تم بھی گمراہ گر ہوئے دوسرے یہ کہ لکل کا مضاف الیہ ھم ضمیر ہے اور معنی یہ ہیں کہ ان سرداروں میں سے ہر ایک کو تم سے دو گنا عذاب ہو رہا ہے واقعی وہ سخت سزا کے مستحق ہیں اس کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **الذین کفروا وصدوا عن سبیل اللہ و زدناھم عذابا** اور **ولیحملون اثقالھم واثقالا مع اثقالھم**۔ یہ دوسری تفسیر مذکورہ تفسیر ابن کثیر نے کی اب **لا تعلمون** کے معنی یہ ہوئے کہ تم ان سرداروں کی شدت عذاب کو جانتے نہیں' انہیں تم سے سخت تر عذاب ہو رہا ہے (ابن کثیر)۔ خیال رہے کہ گناہ کرنے والا کرانے والا اور گناہ ایجاد کرنے والا سب ہی مجرم ہیں مگر کرنے والے سے کرانے والا بڑا مجرم پھر گناہ کا موجد سب سے بڑا مجرم کہ جب تک لوگ یہ جرم کریں گے سب کا گناہ اس موجد کے ذمہ ضرور ہو گا لہٰذا یہاں ضعف کی تنوین تعظیمی ہے۔ **وقالت اولھم لا خراھم** اس عبارت میں ماتحتوں کی دعا کا وہ جواب ہے جو انہیں سرداروں کی طرف سے ملے گا ولی سے مراد سردار ہیں اور آخری سے مراد ماتحت کفار یہاں لام کا صلہ ہے کیونکہ سرداروں کا یہ کلام خود ان ماتحتوں سے ہو گا نہ کہ رب تعالیٰ سے یعنی سردار اپنے ان ماتحتوں سے جواباً" کہیں گے۔ معلوم ہوا کہ انہوں نے بلند آواز سے انہیں کو سنا تھا جس کا جواب انہوں نے یہ دیا **فما کان لکم علینا من فضل** ان سرداروں کا یہ کلام اللہ تعالیٰ کا

جواب سننے کے بعد ہو گا لہذا اس میں ف تعلیلیہ ہے اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی تم ہلکے عذاب کے مستحق نہیں کیونکہ دنیا میں تم کو ہم پر کوئی بزرگی حاصل نہ تھی کفر میں ہم تم برابر تھے رہی یہ بات کہ ہم نے تم کو بہکایا تو تم نے بھی ہم کو بہکایا تم نے ہماری باتیں مان کر ہم کو سردار بنا کر ہم میں تکبر و غرور پیدا کر دیا جس سے ہم اور بھی کفر میں سخت ہو گئے رب فرماتا ہے **یعوذون برجال من الجن فزادوھم رھقا** لہذا ہم تم دونوں جرموں میں برابر ہیں جب یہ ہے تو **فذوقوا العذاب بما کنتم تکسبون** یہ عبارت جواب ہے **فما کان لکم** یعنی جب ہم تم دونوں جرموں میں برابر ہیں تو سزا میں بھی برابر ہونے چاہئیں تم اپنا عذاب برداشت کئے جاؤ ہم اپنا عذاب برداشت کئے جائیں تم بھی خاموش رہو ہم بھی خاموش رہیں۔

خلاصہ ء تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان آیات کریمہ کی دو تفسیریں ہیں اگر یہ کلام کفار کی موت کے وقت کا ہے تو اس کی تفسیر کچھ اور ہو گی کہ اس میں عالم برزخ کا ذکر ہے اور اگر قیامت کے فیصلہ کے بعد کا ذکر ہے تو اس کی تفسیر دوسری ہے ہم یہاں دوسری تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں' اللہ تعالیٰ ان کفار سے قیامت کے حساب و کتاب کے بعد براہ راست یا بذریعہ فرشتوں کے فرمائے گا کہ تم سے پہلے جن و انس کی بہت سی جماعتیں اپنا فیصلہ سن کر دوزخ میں چلی گئیں تم بھی اپنا فیصلہ سن چکے دوزخ میں جاؤ اور اپنی اپنی جماعت میں داخل ہو جاؤ' چنانچہ یہ لوگ مختلف ٹولیاں بن کر دوزخ میں جاتی رہیں گی۔ کیفیت یہ ہو گی جب ایک ٹولی اپنے دوزخی ٹھکانہ میں پہنچے گی تو یہ ٹولی ان پر یا اگلی ٹولی جو پہلے سے وہاں موجود ہے ان پر لعنت و پھٹکار کرے گی کہ ہم تو یہاں تھے تم یہاں کیوں آ گئے۔ ان کی آپس میں نااتفاقی لعن طعن پھٹکار بھی ان پر عذاب ہو گا حتیٰ کہ یہ سب لوگ دوزخ میں جب جمع ہو جائیں گے تو پیچھے جانے والے یعنی متبعین اپنے سرداروں کے متعلق رب سے عرض کریں گے جو ان سے پہلے وہاں پہنچے تھے کہ خدایا اگرچہ ہم سب کافر ہیں مگر ہم صرف کافر ہیں اور یہ مردود کافر بھی ہیں اور کافر گر بھی کہ انہوں نے ہی دنیا میں ہم کو بہکایا تھا لہذا اے مولیٰ انہیں ہم سے چندر چند عذاب زیادہ دے۔ رب تعالیٰ جواباً" فرمائے گا کہ بے فکر رہو تم دونوں کو چندر چند عذاب دیا جائے گا کہ ہر اگلی آن کا عذاب پچھلی گھڑی کے عذاب سے زیادہ ہو گا یا ہم نے پہلے سے ہی ان سرداروں کا عذاب تم سے زیادہ کر دیا ہے مگر تمہیں خبر نہیں تم سمجھ رہے ہو کہ تم کو عذاب بہت سخت ہے۔ یہ سن کر سردار کہیں گے کہ بیوقوفو! تم ہم سے افضل نہ تھے تم بھی اپنی اولاد بیویوں کے کافر گر تھے کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے متعلقین کافر بنے نیز تم نے ہمیں سردار بنا کر ہم میں تکبر پیدا کر دیا لہذا بہتر یہی ہے کہ تم خاموش رہو اپنی حرکتوں اپنے جرموں کی سزا بھگتتے جاؤ۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ:** دوزخ میں سارے کفار یکدم نہیں جائیں گے بلکہ نمبروار آگے پیچھے داخل ہوں گے سرداران کفر پہلے پہنچیں گے ان کے ماتحت لوگ بعد میں۔ یہ فائدہ **فی امم قدخلت** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا**- **دوسرا فائدہ:** دوزخ میں کفار جن و انس دونوں ہی جائیں گے یہ فائدہ **من الجن والانس** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین** **تیسرا فائدہ:** قیامت میں ہر ایک اس کے ساتھ ہو گا جس سے دنیا میں اس کے دل کا تعلق رہا ہو گا ان کے زمانے اور مقامات ایک ہوں یا مختلف۔ یہ فائدہ **ادخلوا فی امم** سے حاصل ہوا ان شاء اللہ جنتیوں کا بھی یہی حال ہو گا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ گنہگار مسلمان کو اگر عارضی طور پر دوزخ میں بھیجے گا تو اس کی پردہ دری بھی نہ ہو گی اور ایک دوسرے پر لعن طعن پھٹکار بھی نہ ہو گی صدقہ سے اپنے حبیب کے اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ یہ فائدہ **لعنت اختھا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** کفار

کی دنیاوی دوستیاں آخرت میں دشمنی میں تبدیل ہو جائیں گی حتی کہ وہاں باپ بیٹے کالور ماں بیٹی کی دشمنی یونہی سردار ماتحتوں کے دوست دوست کے دشمن ہو جائیں گے یہ فائدہ **فاتھم عذابا ضعفا** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **الا خلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوا الا المتقین**۔ چھٹا فائدہ: بروں کی صحبت اللہ کا بڑا عذاب ہے باقی عذاب اس سے ہلکے یہ فائدہ **فی امم قد خلت** فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے کافر قوموں کے زمرہ میں داخل ہونے کا ذکر پہلے کیا نار یعنی آگ کا ذکر بعد میں یونہی اچھوں کی صحبت اللہ کی بڑی رحمت ہے جنت اس کے بعد رب نے فرمایا **ادخلی فی عبادی وادخلی جنتی** وہاں بھی عباد اللہ کی جماعت میں داخلہ کا ذکر پہلے ہے اور جنت میں داخلہ کا ذکر بعد میں دنیا و آخرت میں صحبت عجیب ہے۔ ساتواں فائدہ: دنیا میں ہر تکلیف پہلے زیادہ محسوس ہوتی ہے بعد میں زیادہ نہیں مگر دوزخ میں کفار کے لئے یہ نہ ہوگا وہاں ہر آن تکلیف یا تکلیف کا احساس زیادہ ہوتا جائے گا۔ یہ فائدہ **لکل ضعف** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: ہر دوزخی کافر سمجھے گا کہ سب سے زیادہ تکلیف میں ہوں اگرچہ اسے ہلکا عذاب ہی ہو یہ فائدہ **ولکن لا تعلمون** سے حاصل ہوا دنیا میں دیکھو لوگ ہر مصیبت زدہ اپنے کو بڑی مصیبت میں سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کفار کے ناسمجھ بچوں اور پاگلوں کو عذاب نہ دے گا جو ناسمجھی اور دائمی دیوانگی میں فوت ہو گئے ہوں کیونکہ دوزخ صرف کسبی ہے یہ فائدہ **بما کنتم تکسبون** سے حاصل ہوا کیونکہ انہوں نے کفر و گناہ کا کسب نہیں کیا بلا جرم سزا دے دینا ایک قسم کا ظلم ہے رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پچھلے کافر اگلے کافروں کے لئے زیادتی عذاب کی دعا کریں گے پچھلے اگلوں میں فرق کیا ہے کافر سب ہی ہیں پچھلے ہوں یا اگلے تو اگلے کافر پچھلوں کے لئے یہ بددعا کیوں نہیں کریں گے۔ جواب: یہاں اگلے پچھلوں سے زمانہ کے اگلے پچھلے مراد نہیں بلکہ درجے کے اگلے پچھلے مراد ہیں پچھلوں سے مراد ہیں متبعین کفار اور اگلوں سے مراد ہیں سرداران کفر۔ ماتحت لوگ سرداروں کے لئے زیادتی عذاب کی بددعا کریں گے جیسا کہ **اضلونا** سے معلوم ہو رہا ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ سارے کافروں کا عذاب یکساں ہوگا کہ فرمایا **ضعف** مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **زدنا ھم عذابا** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ سرداران کفر کو عذاب زیادہ ہوگا۔ ان آیات میں تعارض ہے۔ جواب: اس کے جوابات ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکے ایک یہ کہ **لکل ضعف** کے معنی ہیں **لکلھم ضعف** ان سارے سرداروں کو عذاب زیادہ ہو رہا ہے یعنی جس زیادتی کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ زیادتی پہلے ہی سے موجود ہے لہٰذا تمہارا یہ مطالبہ بیکار ہے دوسرے یہ کہ **لکل** کے معنی ہیں **لکلکم** یعنی تم سب کو عذاب زیادہ ہے تب اس کے کئی مطلب ہیں ایک یہ کہ ہر اگلی ساعت میں تم سب کو پچھلی ساعت سے زیادہ عذاب ہوگا دوسرے یہ اے تابعین کافرو تم بھی خود کافر اور دوسروں کو کافر بنانے والے ہو کہ تم میں سے ہر شخص اپنے بیوی بچوں دوستوں کو کافر بناتا ہے لہٰذا تم سب کافر گر ہو تم سب کو زیادہ عذاب ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے ہر شخص چرواہا ہے اس سے اپنی ماتحتوں کے متعلق پوچھ گچھ ہوگی رب فرماتا ہے **قوا انفسکم واھلیکم نارا** بہر حال ہر کافر گمراہ بھی ہے اور گمراہ کن بھی۔ تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر کافر کو صرف اپنے کسب و عمل کا بدلہ ملے گا **بما کنتم تکسبون** دوسرے کے عمل کا بدلہ نہیں ملے گا۔ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سرداران کفر کو اپنے ماتحت کافروں کے کفر کا بھی عذاب ہوگا کہ کفر کریں گے وہ ماتحت سزا بھگتیں گے یہ سردار ان میں تعارض

ہے۔ **جواب:** دوسروں کو گمراہ کرنا اس گمراہ کن کا اپنا کسب ہے اب وہ گمراہ لوگ جو بھی جرم کریں گے اس جرم میں اس گمراہ گر کا حصہ بھی ہو گا کہ اس کی تعلیم سے اس نے یہ جرم کیا اس لئے تمام ماتحتوں کے جرم اس پیشوا کے اپنے کسب کا نتیجہ ہیں اس لئے ان سب کی سزا سے زیادہ اس کی سزا ہے جو اس کے اپنے کسب کی سزا ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں حجاب ہے آخرت میں کشف ہو گا جو یہاں بیان ہے وہ وہاں عیاں ہو گا۔ دنیا میں ہر کافر اپنے مثل کی طرف مائل ہے اور مومنوں بلکہ نبیوں ولیوں سے بیزار ہے مگر نہ میلان **الی الکفر** اس وقت تک ہے جب تک جسم میں جان ہے اس جان کے نکلتے ہی سب کچھ عیاں ہے اب ایمانی دوستیوں کے لئے قرار ہو گا اور نفسانی شیطانی دوستیوں سے فرار پھر ایک دوسرے پر لعنت و پھٹکار ہو گی اس کے بعد رب تعالیٰ کی پکار ہو گی کہ خدایا ان کو دوگنا عذاب دے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کی معرفت مخلوق کو اپنی طرف بلایا جس نے یہ بلاوا نہ سنا اس پر دھیان نہ دیا وہ دوزخ میں گرا صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوزخ اور اس کی آگ بھی اللہ کی رحمت ہے جیسے بادشاہ اپنی رعایا کی شاندار دعوت کرے اور اعلان کرے کہ جو اس دعوت میں نہ آئے گا اس کو سخت سزا ملے گی تو یہ سخت سزا بھی اس کی شفقت و محبت کی بنا پر ہے تاکہ رعایا اس ڈر سے میری نعمتیں کھالیں نمرود کی آگ بظاہر شر تھی درحقیقت خیر انسان کو چاہئے کہ زندگی کو غنیمت جانے دوست دشمن کو پہچانے اللہ کے پیاروں کو اپنا دوست سمجھے ان سے رشتہ غلامی جوڑے اس کے دشمنوں سے ہر قسم کا رشتہ توڑے کہ اس میں نجات ہے۔ ان تمام سعادتوں کی اصل صالحین کی صحبت ہے یہ سودے ان کی دکانوں سے ملتے ہیں سورج کی شعاعیں آنا "فانا" رات بھر کا پالا شبنم کو پانی بنا کر بہادیتی ہے۔ اللہ والوں کی نگاہیں دل کی زمین سے عمر بھر کے گناہوں کی شبنم پانی بنا کر بہا کر رحمت کے پانی سے دل دھو دیتی ہیں "اچھوں کی صحبت دنیا و آخرت میں اللہ کی رحمت ہے بروں کی صحبت اللہ کا عذاب۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں محبتیں تین طرح کی ہیں محبت جسمانی' محبت نفسانی' محبت ایمانی۔ رشتہ یا صحبت یا ملاقاتوں کی وجہ سے جو محبت ہو وہ جسمانی ہے جیسے اولاد ماں باپ یار دوستوں بلکہ اپنے پالے ہوئے جانوروں رہائش کے مکان وطن ملک سے محبت کہ یہ سب محبت جسمانی ہیں جن پر نہ ثواب نہ عذاب محبت نفسانی وہ جو گناہوں کی وجہ سے ہو جیسے کافر کو کافر سے محبت چور کو چور سے شرابی کو شرابی سے محبت ایمان وہ جو ایمانی رشتہ کی وجہ سے ہو۔ نفسانی محبت یا گناہ ہے یا کفر' ایمانی محبت بہترین عبادت جسمانی نفسانی محبتیں دیکھ کر بڑھ کر ہوتی ہیں مگر ایمانی محبت بغیر دیکھے بھی ہو جاتی ہے۔ جیسے نبی ولی سے مومنوں کی محبت نیز محبت جسمانی کے لئے فنا ہے بعد موت ختم' محبت نفسانی عداوتوں میں تبدیل ہو جائے گی مگر محبت ایمانی دنیا' برزخ' قیامت جنت ہر جگہ رہے بلکہ بڑھے گی یہ آیت نفسانی محبت کا انجام بیان کر رہی ہے جس کا انجام عداوت اور شکایت ہے ایمانی محبت کا نتیجہ شفاعت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ

بے شک وہ لوگ جھوٹا کہا جنہوں نے ہماری آیتوں کو اور غرور کیا ان سے نہ کھولے جائیں گے واسطے انکے دروازے

وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں

وَلَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ؕ وَكَذٰلِكَ

آسمان کے نہیں داخل ہوں گے وہ جنت میں حتیٰ کہ گھس جائے اونٹ ناکے میں سوئی کے اور اسی طرح

گے جب تک سوئی کے ناکے میں اونٹ نہ داخل ہوں اور مجرموں

نَجْزِی الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ؕ

بدلہ دیتے ہیں ہم مجرموں کو واسطے ان کے دوزخ سے ہے بستر اور ان کے اوپر چادریں

کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو

اور ظالموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کی دوزخی سزاؤں کا ذکر ہوا اب ان کے رحمت الٰہی سے بالکل محرومی کا تذکرہ ہے کہ وہ کسی قسم کی رحمت کے مستحق ہوں گے ہی نہیں یعنی ملنے والی سزا کا ذکر پہلے ہوا نہ ملنے والی رحمت کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے دوزخ میں بیرونی عذاب کا ذکر تھا۔ یعنی آپس کی لعن طعن پھٹکار ایک دوسرے کو کوسنا اب ان کے اندرونی دوزخی عذاب کا ذکر ہے یعنی آگ کا اوڑھنا بچھونا وغیرہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کے عذابوں اور رحمت سے محرومیوں کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کا نعمتوں سے محروم رہنا واجب ہے اور رحمتوں کا پانا بالکل ناممکن ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کے دوزخ میں ہمیشہ رہنے کا ذکر تھا اب اس ہیشگی کی نوعیت کا ذکر ہے۔ (کبیر)۔

تفسیر : **ان الذین کذبوا بایٰتنا** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** سے مراد ساری قسموں کے کافر انسان مراد ہیں **کذبوا** بنا ہے تکذیب سے معنی جھوٹا کہنا۔ جھوٹا جاننا لوگوں سے جھوٹا کہلوانا **کذبوا** باب تفعیل مبالغہ کے لئے ہے یعنی انہوں نے خوب ہی جھٹلایا کہ دل سے زبان سے عمل سے جھٹلایا۔ اس صورت میں منافقین اور ساترین اس سے خارج ہیں کہ ان کی سزا کچھ اور ہے یا معنی یہ ہیں کہ جھٹلاتے رہے یعنی مرتے دم تک کفر کرتے رہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوا ظاہر یہ ہے کہ **الذین** میں کفار جن داخل نہ ہوں کہ جس شدت کا کفر انسان کرتا ہے اس شدت کا کفر جن نہیں۔ آیات جمع ہے آیت کی معنی نشانی آیات جمع فرما کر ہر قسم کی نشانیاں مراد لی گئیں۔ دہریئے رب کی ذات و صفات کے دلائل و آیات کے منکر ہیں۔ مشرکین دلائل توحید کے انکاری ہیں دوسرے کفار دلائل نبوت کے منکر یہود و نصاریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے دلائل کے انکاری آیات میں یہ ساری چیزیں شامل ہیں **واستکبروا عنھا** یہ ان کا دوسرا جرم ہے۔ جو سرداران کفر نے کیا یہ کہ انہوں نے آیات الٰہیہ میں غور کرنے کو اپنی توہین سمجھا انہیں قابل التفات نہ جانا حتیٰ کہ مومنوں کو حقیر جانا اور مومنوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے میں اپنی ذلت جانی۔ یہ سب چیزیں ایک **استکبروا** میں داخل ہیں۔ یہاں تک کفار کے دو جرموں کا ذکر ہوا ایک جرم عام جس میں سارے چھوٹے

بڑے کفار گرفتار ہیں جھٹلانا۔ دوسرا جرم خاص جو خاص ان کے سرداروں کا ہے یعنی آیات الہیہ سے تکبر و غرور کرنا اب ان کی سزا کا ذکر ہے **لا تفتح لھم ابواب السماء** یہ عبادات الذین کی خبر بمعنی جزا ہے۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ (1) ان کی نیکیوں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور وہ نیکیاں رب کی بارگاہ تک نہیں پہنچتیں کیونکہ وہ طیب نہیں **الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ** (2) ان کی دعاؤں کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے ان کی دعائیں بارگاہ عالی تک نہیں پہنچتیں (3) ان پر آسمان کے دروازے نزول خیر کے لئے نہیں کھلتے ان پر رب کی طرف سے خیر نہیں آتی (4) بعد موت ان کی روحوں کے لئے دروازے آسمان کے نہیں کھلتے وہ روحیں آسمان کے نیچے سے ہی واپس زمین پر پھینک دی جاتی ہیں۔ (5) **سماء** سے مراد جنت میں جانے کے راستے ہیں یعنی بعد قیامت ان کے لئے جنت کے راستے نہیں کھلیں گے (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ **سماء** سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کریمہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرح عرش و فرش عرشی فرشتوں پر سایہ فگن ہیں سب کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں اور جیسے آسمان سے زمین پر بارش سورج کے چاند تاروں کی روشنی وغیرہ آتی ہے ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام جہان کو قرآن ایمان عرفان رحمت رحمان وغیرہ ملتی ہے ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سایہ زمین پر نہیں پڑا کہ پاؤں کے نیچے نہ آئے ان کا سایہ ساروں کے سروں پر ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر آپ کا کرم آپ کے دست سخا وغیرہ یہ اس آسمان کے دروازے ہیں جو مومنوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں کفار کے لئے بند ہیں بلکہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ شفاعت کا دروازہ ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جنت میں داخلہ لوگوں کے لئے جنت کے داخلہ کا دروازہ ہوگا۔ **ولا یدخلون الجنۃ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط**۔ اس فرمان عالی میں ان کی اس سزا کا ذکر ہے جو بعد قیامت انہیں ملے گی یلج بنا ہے **ولج** سے بمعنی داخل ہونا **یولج اللیل فی النھار** ہماری قراءت میں **جمل** ج اور میم کے فتحہ سے ہے بمعنی اونٹ حضرت ابن عباس کی قراءت میں جمل جیم کے پیش اور میم کے شد سے بروزن قمل بمعنی کشتی یا جہاز کی موٹی رسی جس سے کشتی کو لنگر یا کنارے کے میخ سے باندھا جاوے **سم** کے لغوی معنی ہیں لطیف باریک سوراخ اس لئے زہر کو سم کہتے ہیں کہ وہ جسم کے ہر باریک سے باریک سوراخ میں داخل ہو جاتا ہے اس کی جمع ہے **سموم** (کبیر) **خیاط** اور **مخیط** دونوں خیط کا اسم آلہ ہیں۔ خیط بمعنی سینا اسی سے ہے خیاط (درزی) خیاط کے معنی ہوئے **سینے کا آلہ** یعنی سوئی چونکہ عرب میں سب سے زیادہ جسیم اونٹ ہے اس لئے اسی کا ذکر فرمایا چونکہ سوئی کا سوراخ بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے اور اونٹ کا جسم بہت موٹا موٹے جسم کا چھوٹے سوراخ میں داخل ہونا محال بالذات ہے کہ اس میں دو ضدوں کا اجتماع ہے اہل عرب ناممکن چیز پر کسی کو معلق کر کے یہ بتاتے ہیں کہ یہ موقوف چیز بھی ناممکن ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا شاب الغرب اتیت اھلی وصار القار کا للبن الحلیب

میں اپنی بیوی کے پاس جب آؤں گا جبکہ کوا بوڑھا ہو جاوے اور تار کول دودھ کی طرح سفید ہو جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر سوئی کے سوراخ میں اونٹ داخل ہو سکتا ہے تو یہ کفار بھی جنت میں جا سکتے ہیں مگر اونٹ تو ناکہ میں داخل ہو نہیں سکتا لہٰذا یہ کفار جنت میں بھی نہیں جا سکتے **وکذالک نجزی المجرمین** یہ جملہ مستقل ہے۔ جس میں گزشتہ سزا کی وجہ اور اس کا قاعدہ بیان کیا گیا ہے کذلک میں **ذالک** سے اشارہ گزشتہ سزا کی طرف ہے **نجزی** بنا ہے **جزاء** سے اور جزا سے مراد سزا ہے **المجرمین** سے

مراد کفار ہیں جو اول درجہ کے مجرم ہیں جن کا قلب و قالب دونوں مجرم۔ قلب تو بد عقیدگیوں کا مجرم ہے اور قالب بد عملیوں کا مجرم یعنی ہم کفر کے مجرموں کو ایسی ہی سخت سزا دیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں کے دروازے کھلتے نہیں تاکہ ان کی روحیں ہماری بارگاہ میں باریاب ہو سکیں اور ان کا جنت میں داخلہ ناممکن ہے **لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش** اس فرمان عالی میں کفار کے تیسرے عذاب کا ذکر ہے یعنی دوزخ میں ہمیشہ رہنا اور دوزخ میں ہی ہر طرف سے گھرا ہوا ہونا لھم خبر ہے **مھاد** اور **غواش** مبتداء **من جھنم** اور **من فوقھم** کا تعلق **مھاد** اور **غواش** سے ہے لھم کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ یہ محیط عذاب صرف کفار کو ہو گا **مھاد** دبنا ہے مہد سے بمعنی گہوارہ یا بستر **فی المھد و کھلا** اسی سے ہے تمہید **غواش** جمع ہے **غاشیہ** کی بمعنی پردہ اسی سے ہے **غشاوۃ** حق یہ ہے کہ غواش غیر منصرف ہے اس کی تنوین جوار کی تنوین کی طرح ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لھم من فوقھم ظلل من النار ومن تحتھم ظلل** مطلب یہ ہے کہ انہیں ہر طرف سے دوزخ کی آگ گھیرے ہوگی۔ خیال رہے کہ **من جھنم** ارشاد ہوا نار ارشاد نہ ہوا کیونکہ دوزخ کے جو طبقے ٹھنڈے ہیں وہاں کفار کا اوڑھنا بچھونا ٹھنڈک کا ہو گا نہ کہ آگ کا۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں نیچے کے بستر اور اوپر کے غلاف یا لحاف کا ذکر ہوا جس میں دانہا بایاں خود ہی آ گیا کیونکہ بستر اور چادر ہر چہار طرف سے گھیرے ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ ہر طرف سے انہیں دوزخ گھیرے ہو گا' آگ یا ٹھنڈک۔ چونکہ کفار ہر طرف جرموں میں گھرے تھے۔ اس لئے انہیں ہر طرف سے عذاب گھیرے گا **وکذلک نجزی الظالمین** سے مراد کافرین و مشرکین ہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان الشرک لظلم عظیم**۔ خیال رہے کہ اس جگہ کفار کے دو جرموں کا ذکر تھا آیات الہیہ کا جھٹلانا اور تکبر و غرور کرنا اس لئے انہیں مجرمین بھی فرمایا اور ظالمین بھی یعنی تکذیب کی وجہ سے وہ مجرمین ہیں اور تکبر کی وجہ سے ظالمین انہیں دو جرموں کی وجہ سے وہ لوگ جنت سے بالکل محروم رہے اور دوزخ کے عذاب میں ہر طرف سے گھرے۔

خلاصہ ء تفسیر : جن لوگوں نے ہماری آیات قرآنیہ' معجزات نبویہ' اوصاف مصطفویہ کا انکار کیا اور ان کے قبول کرنے سے تکبر و غرور کیا اس قبول میں اپنی توہین جانی ان کی سزائیں حسب ذیل ہیں۔ (1) ان کی زندگی میں ان کے نیک اعمال بارگاہ الٰہی میں پیش نہیں ہوتے' ان کے اعمال کے لئے دروازہ آسمانی کھولے نہیں جاتے کہ سب نامقبول ہیں اور یا ان کے مرنے پر ان کی روحوں کے داخلہ کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے ویسے ہی الٹے زمین کی طرف ان کی روحیں واپس کر دی جائیں گی نہ وہ آسمانوں میں داخل ہوں نہ بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شرف پائیں۔ (2) ان کا بعد قیامت جنت میں داخلہ ایسا ہی ناممکن ہے جیسے سوئی کے ناکہ میں اونٹ کا داخلہ بالکل ناممکن ہے کہ اس میں اجتماع ضدین ہے ہم کفر کے مجرموں کو ایسی ہی سخت سزا دیتے ہیں یعنی حاضری بارگاہ سے بھی محرومی اور جنت سے بھی دائمی محرومی۔ (3) یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اس طرح ہمیشہ رہیں گے کہ ان کا بچھونا اوڑھنا سب دوزخ ہی کا ہو گا کہ ہر چہار طرف بلکہ ہر چھ طرف سے انہیں دوزخ کی آگ یا وہاں کی ٹھنڈک گھیرے ہوگی ہم تکبر و غرور کے مجرموں ظالموں کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں لہٰذا انسانوں کو چاہئے کہ کفر اور تکبر دونوں عیبوں سے بچیں اور ان سخت تر سزاؤں کے مستحق نہ بنیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کفار کے لئے ان کی زندگی میں اور بعد موت' قبر میں 'حشر میں اللہ کی رحمت کے سارے دروازے بند ہیں نہ ان کے نیک اعمال قبول ہوں نہ ان پر اللہ کی رحمت آوے نہ ان کی

روح بارگاہ الٰہی میں حاضری کا شرف حاصل کر سکے نہ وہ جنت میں جا سکیں جیسا کہ **لا تفتح لھم** الخ کی تفسیروں سے معلوم ہوا۔ دوسرا فائدہ: تکبر والا کفر دوسرے کفروں سے سخت تر ہے اور اس کی سزا بہت زیادہ۔ یہ فائدہ **کذبوا اور وا ستکبروا** سے حاصل ہوا غفلت بے خبری تقلیدی کفر والوں کی سزا ان کفار سے ہلکی ہو گی۔ **تیسرا فائدہ:** انشاء اللہ ان مذکورہ سزاؤں سے گنہگار مومنین محفوظ ہیں۔ یہ فائدہ **لا تفتح لھم** میں لھم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** بعد موت مومن کی روح بارگاہ الٰہی میں پیش ہو کر اس سے ہمکلام ہو کر پھر قبر میں سوال و جواب کے لئے آتی ہے کافر کی روح آسمان تک جاتی تو ہے مگر ذلت و خواری کے ساتھ آسمان سے ہی واپس کر دی جاتی ہے جیسا کہ احمد، نسائی، حاکم، بیہقی وغیرہ کی احادیث میں ہے۔ یہ فائدہ **لا تفتح لھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** آسمان کے دروازے بہت ہیں جن سے مختلف چیزیں آسمان میں جاتی اور وہاں سے آتی ہیں روزی کا دروازہ ہر مومن و کافر کے لئے کھلا ہے توبہ کا دروازہ کھلا ہے مگر مقبولیت، برکت رحمت کے دروازے کفار کے لئے بند ہیں مومنوں کے لئے کھلے ہیں۔ یہ فائدہ **ابواب السماء** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** انسان پر اللہ کی بڑی نعمت یہ ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم میں رہے اور سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر سے گر جائے اسے پھر کوئی نہیں اٹھا سکتا آج سارے جہان ابو جہل کو عزت نہیں دے سکتے حضرت بلال کو ذلت نہیں دے سکتے۔ یہ فائدہ **ابواب السماء** کی آخری تفسیر سے حاصل ہوا کہ **سماء** سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں **ابواب** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہات ہوں۔ رب تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے۔ **فاعرض عن المشرکین** اے محبوب مشرکوں سے منہ پھیر لو اور فرماتا ہے **وذرنی والمکذبین** کفار کو مجھ پر چھوڑ دو۔ یہ ہے کفار پر عذاب، حضور کا منہ پھیر لینا۔ مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے **ولا تعد عیناک عنھم** اے محبوب مسلمانوں سے آپ کی نظر عنایت دور نہ ہو اور فرماتا ہے **واخفض جناحک للمومنین** اپنے بازوئے رحمت مسلمانوں پر کھول دو۔ یہ ہے مومنوں پر اللہ کی رحمت۔ **ساتواں فائدہ:** کفار کا جنت میں داخلہ بالکل ناممکن ہے۔ یہ فائدہ **حتی یلج الجمل** الخ سے حاصل ہوا۔

مسئلہ : کفار کے لئے رحمت، مغفرت، جنت کے داخلہ کی دعا کرنا انہیں مرحوم مغفور کہنا حرام ہے کہ یہ باتیں ناممکن ہیں اور ناممکن کی دعا ناجائز ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** ہر طرف سے دوزخ کے عذاب کا گھیرنا، بعض کفار کے لئے خاص ہے اس سے مومنین بلکہ بعض بعض کافر محفوظ ہیں۔ یہ فائدہ **لھم من جھنم** الخ میں لھم کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا حتیٰ کہ ابو طالب دوزخ کی آگ سے دور رہیں گے ان کے پاؤں میں آگ کی ایک چنگاری ہو گی جس سے ان کا دماغ کھولتا ہو گا مگر جہنم انہیں گھیرے گی نہیں۔ **نواں فائدہ:** کفار کے ناسمجھ بچے جو ناسمجھی میں فوت ہو جاویں یونہی وہ کفار جو دیوانگی یا پاگل پن میں جئیں۔ اسی میں فوت ہو جاویں وہ نہ تو دوزخی ہیں نہ وہاں کے عذاب کے مستحق۔ یہ فائدہ **المجرمین** اور **الظالمین** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ وہ تو مجرم ہیں نہ ظالم قرآن کریم دوسری جگہ فرماتا ہے **ھل تجزون الا ما کنتم تعملون** بغیر جرم سزا دینا تصوراً ظلم ہے اور بغیر عمل جنت دے دینا کرم ہے۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے وہ کریم ہے وہ رحیم ہے یہ بات خیال رہے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ میں کفار کے دو جرموں کا ذکر کیوں ہوا کفر اور تکبر یہاں جو سزا مذکور ہے وہ ہر کافر کی ہے تکبر کرے یا نہ کرے کوئی کافر جنت میں کبھی نہیں جا سکتا۔ **جواب:** یہ دونوں جرم ان دو تین سزاؤں کے مجموعہ کے لئے ہیں جو

یہاں مذکور ہیں جو لوگ صرف کافر ہوں متکبر نہ ہوں انہیں دوزخ کا اوڑھنا بچھونا نہ ملے گا۔ یونہی جو صرف متکبر ہوں مگر کافر نہ ہوں وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیں گے لہٰذا آیت واضح ہے۔ خیال رہے کہ مومن اگرچہ اپنی حماقت سے متکبر ہو جاوے مگر وہ آیات الٰہیہ سے متکبر نہیں ہوتا اگر ہو گا تو کافر ہو جاوے گا جو بد نصیب نماز یا حج کو اپنے لئے ذلت جانتے وہ کافر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے تو پھر انہیں روزی کہاں سے آتی ہے۔ رب فرماتا ہے **وفی السماء رزقکم وما توعدون** آیات میں تعارض ہے ہر بندہ کی روزی کا دروازہ آسمان میں ہے جہاں سے اس کی روزی آتی ہے۔ (بعض بے دین) **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں دروازے سے مراد یا تو رحمت کا قبولیت اعمال یا قبولیت دعا کا دروازہ ہے یا بعد موت ان کی روحوں کے چڑھنے کا دروازہ ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے، روزی کا دروازہ مراد نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا متکبر کفار کا جنت میں جانا فی الواقع ممکن ہے کیونکہ اسے معلق کیا گیا ہے اونٹ کے سوئی کے ناکہ میں داخل ہونے پر اور اونٹ کا سوئی کے ناکہ میں داخل ہونا ممکن ہے کہ یا تو سوئی کا ناکہ چوڑا کر دیا جاوے یا اونٹ پتلا کر دیا جاوے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ **جواب:** یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ اونٹ بڑا رہے اور سوئی کا ناکہ چھوٹا رہے پھر اس میں اونٹ سما جاوے کیونکہ یہ دو ضدوں کا اجتماع ہے وہی یہاں مراد ہے اگر سوئی کا ناکہ پھاٹک بنا دیا جاوے تو وہ ناکہ نہ رہا اور اگر اونٹ کو گھٹا کر چیونٹی بنا دیا جاوے تو وہ اونٹ نہ رہے گا یہ بات قدرت سے خارج ہے کہ اونٹ تو اونٹ رہے اور سوئی کا ناکہ ناکہ رہے پھر اونٹ اس میں سما جاوے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں کفار کے لئے نیچے اوپر کے عذاب کا تو ذکر ہوا مگر آگے پیچھے داہنے بائیں کا ذکر نہ ہوا کیا انہیں ان دو طرف سے ہی عذاب گھیرے گا ان کی باقی سمتیں عذاب سے محفوظ ہوں گی۔ **جواب:** عربی زبان بلکہ اردو میں بھی اوڑھنا بچھونا فرما کر چھ سمتیں مراد لی جاتی ہے کیونکہ اوڑھنا بچھونا آدمی کو ہر طرف سے ہی گھیرتا ہے یہاں وہی محاورہ استعمال ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** ان آیات میں اولاً تو انہیں مجرمین فرمایا پھر ظالمین جرم اور ظلم میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** ان دو لفظوں میں ان کے دو جرموں کفر اور تکبر کی طرف اشارہ ہے یا تو جرم سے مراد ہے کفر اور ظلم سے مراد ہیں دلی بد عقیدگیاں بہرحال ان لفظوں کی بہت توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نبیوں کی سنتیں ولیوں کی کرامتیں اللہ تعالیٰ کی آیات بلکہ دل والوں کی نظر میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم آیات اللہ ہیں کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر عضو بلکہ ہر حال بلکہ خود نام شریف اللہ کی ایک آیت بلکہ آیتوں کا مجموعہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر چیز میں بہت سے معجزے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ یاد آتا ہے اس کی ذات و صفات کا پتہ چلتا ہے رب فرماتا ہے **قد جاء کم برھان من ربکم**۔ جو ان کا انکار کریں ان پر ایمان لانے میں اپنی ذلت سمجھیں ان کے لئے آسمان یعنی دل کے دروازے رب کی طرف نہیں کھلتے اور وہ قرب الٰہی کی جنت میں نہیں جا سکتے وصال نہیں پا سکتے حتیٰ کہ نفس امارہ متکبرہ کا اونٹ سوئی کے ناکہ یعنی طریقت کی راہ میں داخل ہو کر مطمئنہ نہ بن جاوے نفس امارہ گویا موٹا اونٹ ہے۔ جو قرب و وصال کی جنت میں داخل نہیں ہو سکتے اسے شریعت کے احکام طریقت کے آداب کے ذریعہ پاک وصاف کرو حتیٰ کہ وہ بری صفت سے پاک ہو کر بال سے زیادہ باریک ہو جاوے اور فناء کی سوئی میں داخل ہو کر بقاء کی جنت میں جانے کے لائق ہو جاوے۔ جو لوگ اپنی ذاتوں پر جرم کریں کہ اپنے نفوس کو گناہوں کی حرام غذا سے موٹا کرتے رہیں ہم انہیں ایسی ہی سزا دیتے ہیں ان کا علاج یہ ہے کہ یہ لوگ مخالفت نفس کا بستر اور خواہشات سے علیحدگی کا لحاف استعمال کریں جو انہیں ہر طرف سے گھیرے اور ان کی

انانیت کو جلا ڈالے تب وہ جنت میں داخلہ کے مستحق ہوں گے ہم ایسے ظالموں کو دنیا میں ایسی سزا دے کر آخرت کے عذاب سے نجات دیتے ہیں۔ مجاہدہ اور صفائی قلب مقبولوں کا عمل ہے۔

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا! فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع!
فطوبی لعبد اثر اللہ ربہ! و جاد بدنیاہ لما یتوقع!

جو دین برباد کرکے دنیا بنائے اس کا نہ دین رہتا ہے نہ دنیا مبارک ہے وہ بندہ جو اللہ کو اختیار کرے اور اپنی دنیا کو آخرت کے لئے استعمال کرے (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن خواہ کتنا ہی گنہگار ہو مگر وہ گناہوں میں گھرا نہیں ہوتا اس کا دل گناہ یعنی بدعقیدگی سے پاک وصاف ہوتا ہے اس لئے اسے دوزخ گھیرے گی نہیں وہاں کی آگ اس کے دل ودماغ بلکہ اعضاء سجود بلکہ اعضاء وضو کو نہیں جلا سکے گی اسی پہچان سے انہیں جنتی لوگ دوزخ سے نکال کر جنت میں پہنچائیں گے۔ دل یار کی جگہ ہے اسے پاک رکھو۔

دیکھ اے سوزاں مرا گلشن نہ جلے چاہے رگ رگ جلے پر یار کا مسکن نہ جلے

اس لئے یہاں **کذبوا** کے ساتھ **استکبروا** فرمایا گیا۔ نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت دنیا کے ہر ذرہ سے ظاہر ہے ہر چیز رب کی آیت یعنی نشانی ہے اے انسان خود تو اور تیرے حالات رب تعالیٰ کی آیات ہیں **وفی انفسکم افلا تبصرون** ان کا انکار کفر ہے ان میں غور نہ کرنا غفلت ہے ان میں تدبر کرنا عرفان یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ہزارہا دلیلیں ہیں جن میں غور کرنا ایمان کے کمال کا باعث ہے سارا قرآن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برہان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر دیکھے محبت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برہان ہے۔ آپ کا ذکر کثیر کہ آج کوئی ایسی زبان نہیں۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا بقاء یہ سب آیات نبوت رسول اللہ ہیں ان کا انکاری کافر ہے اور ان وعیدوں کا مستحق جو یہاں مذکور ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ اُولٰٓئِكَ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام کئے نیک نہیں تکلیف دیتے ہم کسی جان کو مگر گنجائش بھر
اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کیے ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں
اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۴۲﴾
اسکی۔ یہ لوگ بہشت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں
رکھتے۔ وہ جنت والے ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے سخت عذابوں کے ذکر تھا اس کی رحمتوں کرم نوازیوں کا تذکرہ ہے گویا وعیدوں کے ذکر کے بعد اس کریم کے وعدوں کا ذکر ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے اچھی طرح پہچانی جاتی ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عیوب کا ذکر تھا جو ان کے دوزخی ہونے کا سبب بنے

اب اہل ایمان کی صفات کا تذکرہ ہے۔ جس سے یہ لوگ جنت اور وہاں کی نعمتوں کے مستحق ہوئے تاکہ لوگ ان عیوب سے بچیں اور یہ صفات اختیار کریں گویا بچنے والے عیوب کے بعد اختیار کرنے والے صفات کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ایسے کفار کا جنت میں جانا غیر ممکن ہے اور انہیں دوزخ ہر طرف سے گھیرے ہوئے ہے اب ارشاد ہے کہ نیک مسلمانوں کا دوزخ میں جانا غیر ممکن ہے اور وہ اللہ کی نعمتوں میں گھرے ہوں گے گویا عذاب والے گروہ کا ذکر فرمانے کے بعد رحمت و بخشش والے گروہ کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **والذین امنوا** یہ جملہ نیا ہے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے **الذین** سے مراد انسان ہیں فرشتے اور مومن جنات اس سے خارج ہیں کیونکہ ان کے ایمان و اعمال کی جزاء وہ نہیں جو یہاں مذکور ہے جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف انسانوں کے لئے ہیں۔ **امنوا** میں شرعی ایمان مراد ہے جو نبی کی تعلیم سے حاصل ہوتا ہے میثاقی ایمان یعنی **لست بربکم** کے جواب میں **بلی** کہنے سے جو ایمان ملا تھا وہ تو سب انسان کو ملا تھا۔ مدار نجات وہ فطری ایمان نہیں بلکہ یہ شرعی ایمان ہے۔ خیال رہے کہ نجات توحید سے نہ ملے گی بلکہ ایمان سے ملے گی اسی لئے قرآن مجید میں ہر جگہ ایمان کا ذکر ہے اسی کا حکم ہے اسی خطاب سے مومنوں کو پکارا گیا ہے صرف توحید کا قرآن کریم میں نہ ذکر ہے نہ حکم نہ اس خطاب سے ہم کو پکارا گیا۔ **یا یہا الذین امنوا** فرمایا **وحدوا** نہ فرمایا ایمان اور توحید کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ایمان ذریعہ نجات جب ہے جبکہ اس پر انسان کا خاتمہ ہو جاوے اگر کوئی عمر بھر مومن رہے مگر کافر ہو کر مرے وہ دوزخی ہے اور اگر کوئی عمر بھر کافر رہے مگر مومن ہو کر مرے وہ جنتی ہے جیسے فرعونی جادوگر لفظ **امنوا** میں یہ سب باتیں ملحوظ ہیں۔ **وعملوا الصالحات** یہ عبارت معطوف ہے **امنوا** پر چونکہ ایمان اعمال سے پہلے ہے بلکہ اعمال کی شرط ہے جیسے وضو نماز کے لئے اس لئے ایمان کا ذکر پہلے ہوا اعمال کا ذکر بعد میں۔ **عملوا** ماضی مطلق ہے اس میں بہت گنجائش ہے عمر بھر میں ایک بار کرے جیسے حج یا سال میں ایک بار کرے جیسے روزے اور زکوٰۃ روزانہ پانچ بار کرے جیسے نماز پنجگانہ ایک کلمہ **عملوا** ان سب کو شامل ہے **صالحات** جمع ہے صالحۃ کی بمعنی نیکی اس میں بدنی مالی ہر قسم کی نیکی شامل ہے۔ اعمال چار قسم کے ہیں رحمانی' ایمانی' نفسانی' شیطانی۔ رحمانی کام جو رضاء الٰہی کے لئے کئے جاویں وہ صالحات ہیں۔ نفسانی کام جو نفس کے لئے کئے جاویں وہ مباحات ہیں جیسے تجارت' نوکری وغیرہ شیطانی کام یعنی گناہ سیئات ہیں جیسے جوا شراب وغیرہ جیسے ہر اچھی بری چیز کے لئے ایک معیار یا کسوٹی ہے ایسے ہی صالحات ہے اور سیئات کے لئے کسوٹی ذات پاک اور زبان پاک رسول ہے جو کام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کریں یا کہیں وہ صالحات ہے جس سے منع کریں وہ سیئات ظلوع آفتاب کے وقت نماز۔ عید بقر عید کے دن روزے سیات ہیں کہ زبان مصطفوی نے ان سے منع فرمایا پھر صالحات جمع فرما کر بتایا گیا کہ ہر قسم کی نیکی کرے صرف ایک قسم پر قناعت نہ کرے۔ خیال رہے کہ اگرچہ ایمانیات بہت ہیں مگر ایمان ایک ہی ہے اور نیکیاں بہت ہیں اور اعمال بھی بہت اس لئے صالحات جمع ارشاد ہوتا ہے بلکہ بعض آیات میں اعمال جمع ارشاد ہوا ہے۔ خیال رہے کہ بعض نیکیاں وقتی ہیں جن کے لئے اوقات شرائط بلکہ جگہ مقرر ہیں جیسے نماز روزہ حج وغیرہ اور بعض اعمال دائمی جن کے لئے کوئی وقت شرط وغیرہ کی پابندی نہیں جیسے کلمہ' درود' ذکر اللہ دونوں قسم کی نیکیاں کرنے کی کوشش کرے تاکہ بوقت مرنے کے کوئی نیک اعمال کرتا ہو اور اسی حال میں موت آئے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات مسجد تعمیر کراتے نماز پڑھتے ہوئے ہوئی یا جیسے حضرت عمر و علی کی شہادت محراب مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے ہوئی۔ **لا نکلف نفسا**

الا وسعھا یہ جملہ معترضہ ہے۔ جو الذین امنوا مبتدا اور اولئک خبر کے درمیان ارشاد ہوا۔ چونکہ صالحات جمع فرمانے سے شبہ ہوتا تھا کہ جنت ملنے کے لئے ہر قسم کی ساری نیکیاں کرنا ضروری ہیں تو وہ غریب مساکین جو زکوٰۃ و حج نہ ادا کر سکیں وہ جنتی نہیں ہو سکتے اس لئے یہ ارشاد ہوا۔ نکلف بنا ہے تکلیف سے جس کے معنی ہیں کسی کے ذمہ کلفت و مشقت والی چیز لازم کر دینا (مدارک) نفس کے بہت معنی ہیں۔ یہاں بمعنی ذات ہے الا وسعھا میں بقدر پوشیدہ ہے۔ اصل میں قدر وسعھا تھا قدر مضاف کو پوشیدہ کر دیا اور وسعھا کو فتحہ دے دیا اور ہو سکتا ہے کہ وسع سے مراد آسان اعمال ہوں اس صورت میں یہ لا نکلف کا دوسرا مفعول ہو تفسیر کبیر نے فرمایا کہ وسع وہ اعمال ہیں جنہیں انسان آسانی سے کر سکے ان کے کرنے میں انسان پر تنگی اور شدت نہ ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ وسع کے معنی ہیں گنجائش یا گھیرنا۔ جن کاموں کو انسان کی طاقت نہ آسانی گھیرے کہ انہیں آدمی آسانی سے کر سکے وہ وسع ہے۔ خیال رہے کہ اس جملہ معترضہ کا تعلق عملوا الصالحات سے ہے کیونکہ ایمان ہر شخص پر فرض ہے رہے نیک اعمال وہ بقدر گنجائش فرض ہیں حتیٰ کہ فقیر پر زکوٰۃ، فطرہ قربانی لازم نہیں۔ اندھے پر نماز جمعہ و عیدین ضروری نہیں کہ اسے مسجد میں پہنچنے جماعت پانے میں تکلف ہو گا یہ ہے رب تعالیٰ کی کریمی۔ اس فرمان عالی میں کفار پر عتاب ہے کہ جب جنت جیسی اعلیٰ نعمت نہایت آسان کاموں سے مل جاتی ہے تو تم اس سے محروم کیوں رہتے ہو۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا! ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے!

اولئک اصحاب الجنۃ یہ عبارت خبر ہے والذین امنوا کی اولئک سے انہیں لوگوں کی طرف اشارہ ہے۔ جو مومنین صالحین ہوں اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی ساتھی والا اور مالک یا مستحق یہاں آخری تین معنی مراد ہو سکتے ہیں۔ جنت والے جنت کے مالک یا جنت کے مستحق جنت کے معنی بارہا بیان ہو چکے بمعنی چھپا ہوا گھنا باغ عشاق کہتے ہیں کہ متقی مومن کا قلب دنیا قبر حشر ہر جگہ جنتی ہے کہ جنت کی لذتوں میں ہے قالب بعد قیامت جنتی ہو گا۔ چنانچہ مومن کے دل میں محبت رسول ہوتی ہے۔ دنیاوی آلائش وہاں نہیں ہوتی یہ سب جنت کی نعمتیں ہیں غرضکہ ان کے قلب جنتی ہیں قالب جنت والے ہوں گے۔
ھم فیھا خالدون یہ جملہ یا تو علیحدہ ہے یا اولئک کی دوسری خبر ھم سے مراد وہی مومنین صالحین ہیں اور فیھا سے مراد ہے جنت خالدون بنا ہے خلود سے بمعنی دوام و ہمیشگی یعنی جنتی لوگ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے نہ مریں نہ وہاں سے نکالے جاویں نہ وہاں سے منتقل کئے جاویں کہ کبھی جنت کے کسی حصہ میں رکھے جاویں اور کبھی دوسرے حصہ میں کرایہ دار کی طرح خالدون میں دو باتیں بتائی گئیں جنتیوں کا فنا نہ ہونا اور جنت کا فنا نہ ہونا یہ انہیں خلود ہے اور جنت وہاں نعمتوں کو دوام۔ کلھا دائم عشاق کہتے ہیں کہ متقی مومن اپنی ہمیشہ جنت میں ہے کہ زندگی میں سوتے جاگتے اٹھتے بیٹھتے چلتے پھرتے پھر مرتے جیتے قبر میں حشر میں بعد حشر ہر وقت جنت میں ہے کہ اس کا کوئی وقت ذکر و فکر وغیرہ سے خالی نہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : جو انسان ایمان لائے اس طرح کہ ایمان پر مرے اور ہر قسم کے نیک اعمال کرتا رہے مگر بقدر طاقت کیونکہ ہم کسی کو طاقت سے زیادہ اعمال کا حکم نہیں دیتے اتنے اور اس قسم کے اعمال لازم فرماتے ہیں جنہیں نفس انسانی بہ آسانی کر سکے اس قسم کے لوگ جنت والے ہیں یا جنت کے مالک ہیں یا جنت کے مستحق ہیں وہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے کہ نہ تو ان کو موت آئے نہ جنت فنا ہو نہ وہ جنت سے نکالے جاویں نہ جنت کے ایک مقام پر دوسرے مقام پر منتقل کئے جاویں وہ جنت کے اور جنت

ان کی۔ خیال رہے کہ مومن متقی دنیا میں یہ سمجھتا رہا کہ میرا کچھ بھی نہیں حتیٰ کہ میں بھی اپنا نہیں میری زندگی اور موت سب اللہ رسول کی ہے تو اس کا اجر یہ ملا کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں اس کی ہو گئیں لطف یہ ہے کہ بندہ کہے کہ میرا کچھ نہیں رب کے کہ۔

کی محمد سے وفا تونے تو ہم تیرے ہیں یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

اگرچہ جنت میں فرشتے حور غلمان سب کچھ ہوں گے مگر جنت کے مالک یہ مومنین ہی ہوں گے اس لئے اصحاب الجنۃ انہیں کو کہا جاوے گا جیسے مالک کے خدام گھر والے نہیں ہوتے پھر ان کی خاطر تواضع ہمیشہ مہمانوں کی سی ہوگی اس لئے فرمایا گیا ہے **نزلا من غفور رحیم**:

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نیک اعمال پر ایمان مقدم ہے پہلے ایمان لاؤ پھر نیک اعمال کرو یہ فائدہ ایمان کو اعمال پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ ایمان بعض اعمال کے لئے شرط جواز ہے اور بعض کے لئے شرط قبول نماز حج کے لئے ایمان شرط جواز ہے مگر صدقات و خیرات لوگوں سے اچھے سلوک کے لئے شرط قبول ہے لہذا کافر ایمان لانے کے بعد حج کرے اگر زمانہ کفر میں حج کر چکا ہے تو وہ معتبر نہیں مگر اس کے کفر کے زمانہ کے صدقات و خیرات کا اب ثواب مل جاوے گا۔ **دوسرا فائدہ**: کوئی شخص نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا خواہ کسی طبقہ کا ہو اور کسی جماعت سے تعلق رکھے۔ جیسے ہر شخص ہوا و غذا کا محتاج ہے ایسے ہی ہر شخص ایمان و اعمال کا حاجتمند ہے۔ یہ فائدہ **وعملوا الصالحات** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: مومن کو ہر قسم کے نیک اعمال کرنا چاہئیں صرف ایک نیکی پر قناعت نہ کرے۔ یہ فائدہ **صالحات** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ جسمانی زندگی کے لئے ہر قسم کی غذا اور پانی ضروری ہے روحانی زندگی کے لئے ہر قسم کی نیکیاں ضروری ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: کسی شخص پر طاقت سے باہر یا طاقت سے زیادہ نیکی کرنا واجب نہیں مومن امیر صدقہ دے کر جنتی بنے گا اور مومن فقیر صدقہ لے کر۔ یہ فائدہ **لا نکلف** الخ سے حاصل ہوا اس کی مکمل بحث تیسرے پارہ میں **لا یکلف اللہ نفسا** الخ کی تفسیر میں گزر چکی وسعت و طاقت کے اقسام اور کسی عمل کے لئے کونسی طاقت ضروری ہے یہ سب چیز وہاں مطالعہ فرماؤ۔ **پانچواں فائدہ**: ہر جنتی اپنی جنت اور وہاں کی نعمتوں کا مالک ہوگا۔ صرف مہمان نہ ہوگا یہ فائدہ **اصحاب النار** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جو شخص بھی جنت میں جزا کے لئے داخل ہو جاوے گا وہ وہاں سے کبھی نہ نکالا جاوے گا۔ یہ فائدہ **خالدون** سے حاصل ہوا حق کہ وہاں کے پھل موسمی نہیں بلکہ دائمی ہیں بلکہ حق یہ ہے کہ وہاں کے پھل **شخصاً** بھی دائمی ہیں صرف نوعاً دائمی نہیں یعنی جو پھل کھالیا جاوے گا وہ کھا چکنے کے بعد ویسا ہی رہے گا ختم نہ ہو جاوے گا جیسے ہوا اور دھوپ استعمال کر لینے پر بھی ویسے ہی رہتی ہے ختم نہیں ہو جاتی علم خرچ کرنے پر بھی نہ ختم ہو نہ کم۔ مادی چیزوں کے لئے فنا ہے نورانی چیزوں کے لئے فنا کہاں' فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ہم جنتی خوشہ توڑ لیتے تو تم ہمیشہ اسے کھاتے رہتے۔

پہلا اعتراض : اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے اور مومن صالح جنات بھی جنتی ہیں کیونکہ **والذین** میں کوئی قید نہیں۔ **جواب**: یہاں **الذین** کے معنی ہیں وہ انسان ہاں انسان مطلق ہے اس میں کوئی قید نہیں کسی طبقہ کا انسان ہو جب ایمان و اعمال سے موصوف ہو جاوے تو وہ جنتی ہے قرآن کریم مومن جنات کے لئے فرماتا ہے **یا قومنا اجیبوا داعی اللہ**

وامنوا به یغفر لکم من ذنوبکم و یجرکم من عذاب الیم۔ اس سے پتہ لگا کہ مومن صالح جنات کی جزا صرف عذاب سے بچ جانا ہے۔ رہے فرشتے وہ تو اہل جنت کی خدمت کے لئے ہیں رب فرماتا ہے **وعد اللہ الذین امنوا منکم و عملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض** دیکھو مومن صالح انسانوں کے لئے خلافت زمین ہے نہ کہ فرشتوں کے لئے **انی جاعل فی الارض** نبوت خلافت جنت یہ سب نعمتیں مومن صالح انسانوں کے لئے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** نجات کے لئے فطری ایمان معتبر کیوں نہیں۔ **جواب:** اس کی چند وجہیں ہو سکتی ہیں ان میں سے قوی وجہ یہ ہے کہ فطری ایمان میں براہ راست رب نے بندوں سے اقرار وحدانیت کرایا **الست بربکم** نبی کا واسطہ درمیان میں نہ تھا یعنی بندوں نے رب کو رب کے کہنے سے مانا نبی کے کہنے سے نہ مانا لہذا وہ ایمان معتبر ہی نہیں ایمان وہ ہے جو نبی کے واسطے سے اختیار کیا جاوے اس لئے ابلیس کی توحید ایمان نہیں اور جن اسرائیلیوں نے کہا تھا **ارنا اللہ جھرۃ** انہیں ہلاک کر دیا گیا نبی گویا دیوار ہے اور رب کے بندوں کے تمام عقیدے اس دیوار کا سایہ جیسے سایہ دیوار دیوار سے قائم ہے ایسے ہی سارے عقائد ایمان عرفان بلکہ خود قرآن نبی سے قائم ہے نبی کی زبان وہ سانچہ ہے جس میں سارے عقائد ایمان بنتے ہیں۔ سونا پہننے کے قابل جب ہی ہے جب سانچہ میں زیور بن جائے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ فاسق بدعمل مسلمان جنتی نہیں کیونکہ یہاں جنتی ہونا دو چیزوں پر موقوف کیا گیا ایمان اور نیک اعمال۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہیں۔ آسان تر جواب یہ ہے کہ فاسق مسلمان کا اصحاب جنت ہونا یقینی نہیں اصحاب جنت وہ ہیں جو دوزخ میں بالکل نہ جائیں اول ہی سے جنتی ہوں یہ بات فاسق کے لئے لازم نہیں۔ ممکن ہے کہ اول ہی سے بخشش ہو جاوے اور ممکن ہے کہ سزا پا کر جنت میں جاوے۔ **خیال رہے** کہ جنت کے استحقاق کے لئے ایمان ضروری ہے اور اول ہی سے جنت کا مستحق ہونے کے لئے نیک اعمال ضروری ان کے بغیر دخول اول کا حق نہیں ہوتا وہ کریم کرم کردے تو اس کی مہربانی۔ ہم پچھلی آیات میں بتا چکے ہیں کہ کافر کا دوزخی ہونا یقینی مومن متقی کا جنتی ہونا مگر مومن فاسق کا دوزخ میں جانا ہمارے لئے مشکوک ہے اس لئے ان کا ذکر نہیں ہوا کرتا نیز فاسق کے لئے دوزخ عذاب نہیں بلکہ پاکی کا ذریعہ ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنتی ہونے کے لئے ایمان و اعمال ضروری ہیں تو مسلمانوں کے نا سمجھ فوت شدہ بچے جنتی نہ ہونے چاہئیں کہ انہوں نے عمل نہیں کئے یونہی جو لوگ ایمان لاتے ہی فوت یا شہید ہو جاویں وہ بھی جنتی نہیں ہونے چاہئیں کہ انہوں نے نیک اعمال نہیں کئے۔ **جواب:** اس کا جواب اسی آیت میں دیدیا گیا ہے کہ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** نیز ان جیسی تمام آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہے جنت وہبی اور جنت عطائی کا ذکر دوسری آیت اور احادیث میں ہے فرماتا ہے **الحقنا بھم ذریتھم ما التنا من عملھم من شئی۔** **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ کلمہ، درود، ذکر اللہ دائمی نیکی ہے ہر وقت کی جاوے تو کیا ناپاکی کی حالت میں بھی کی جاوے اس سے تو درود شریف کلمہ طیبہ ناپاک ہو جاوے گا۔ **جواب:** ہاں ناپاکی کی حالت میں بھی یہ چیزیں تلاوت کی جاویں ورنہ مرتے وقت کس کا وضو ہوتا ہے یہ ورد کنواں نہیں بلکہ سمندر ہیں جو گندے کو پاک کر دیتی ہیں خود ناپاک نہیں ہوتیں بلکہ پاس انفاس اور سلطان الاذکار ہر جگہ ہی جائز ہے اگرچہ جگہ نجس ہو۔

تفسیر صوفیانہ : مقبول ایمان کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ دنیا میں آکر شرعی طور پر نبی کے ذریعہ حاصل کیا جاوے عالم ارواح سے لایا ہوا ایمان یعنی میثاق والا معتبر نہیں دوسرے یہ کہ دنیا ہی میں نہ رہ جاوے بلکہ ساتھ جائے کہ ایمان پر خاتمہ میسر ہو اگر ان

میں سے کوئی شرط نہ ہو ایمان قبول نہیں اس سے نجات میسر نہیں ہوتی غرضکہ ایمان کی جڑ زمین پر شاخیں اس عالم میں مثل کلمہ طیبہ کشجرتہ طیبتہ اصلها ثابت وفرعها فی السماء اگر دانہ سونے 'چاندی 'موتی جواہرات میں دبایا جاوے کبھی نہیں اگے گا مٹی میں دباؤ اگے گا پھل دے گا ایسے ہی ایمان کا تخم اس زمین کا ہونا چاہئے مٹی زمین سونے چاندی سے افضل ہے کہ یہ اصل انبیاء ہے تمام اعمال جسم کے کام میں ایمان دل کا کام دل بادشاہ ہے جسم رعایا۔ لہذا ایمان افضل ہے اور مقدم اعمال اس کے بعد ہیں اس لئے ایمان کا ذکر پہلے عمل کا ذکر بعد میں ہے۔ پھر جیسے نیک اعمال بہت قسم کے ہیں اس لئے صالحات جمع ارشاد ہوا۔ ایسے ہی جنتیں بہت قسم کی ہیں جیسے اعمال ویسی جنت چنانچہ تدیم الاسلام کی جنت اس نو مسلم کی جنت سے افضل ہے جو نیکیاں کم کر سکا کبھی زمان سے فرق ہو جاتا ہے رمضان اور جمعہ کے دن نیکیاں کرنے والے کی جنت دوسرے زمانہ میں نیکیاں کرنے والے کی جنت سے اعلیٰ ہے۔ کبھی مکان سے فرق ہو جاتا ہے چنانچہ مسجد حرام میں عبادت کی جنت دوسری جگہ کی عبادت کی جنت سے اعلیٰ افضل ہے۔ کبھی احوال سے فرق ہوتا ہے چنانچہ جماعت کی نماز کی جنت اکیلے نماز کی جنت سے افضل ہے کبھی صرف اعمال سے ہی فرق ہو جاتا ہے۔ چنانچہ نماز کی جنت دوسرے اعمال کی جنتوں سے اعلیٰ ہے۔ متقی فقیر کو صدقہ دینے کی جنت فاسق فقیر کو صدقہ دینے کی جنت سے اعلیٰ ہے۔ یہ بحث ایک دریا ناپید اکنار ہے یہی حال دوزخ کے طبقات اور گناہوں کا ہے یہ تفصیل جنت عملی کی ہے (روح البیان) جنت اختصاصی جو عشق والوں کو عطا ہو گی وہ تو ان کے علاوہ ہے سب سے زیادہ قرب الہی اس جنت والوں کو عطا ہو گا کہتے ہیں۔

جنت نقد است اینجا عشرت و عیش و حضور! زانکہ در جنت خدا بر بندہ نہ نو سد گناہ!

اس آیت کریمہ میں ان سب جنتوں کی طرف اجمالی اشارہ ہے وعملوا الصالحات فرما کر چونکہ مومنین صالحین کے ایمان و اعمال کو لازم کر لیا کہ کبھی نیک اعمال سے علیحدہ نہ ہوئے اس لئے انہیں جنت اور وہاں کی نعمتیں لازم و ملزوم عطا ہوئیں کہ هم فیها خالدون اللہ تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔

وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا

اور دور کر دیں گے ہم وہ جو سینوں میں ان کے کینہ جاری ہوں گی نیچے ان کے نہریں اور کہیں گے

اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لئے ان کے لئے نیچے نہریں بہیں گی اور کہیں گے

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ

وہ شکر ہے اس اللہ کا جس نے ہدایت دی ہم کو اس کی اور نہ تھے ہم کہ ہدایت پاتے اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ہدایت

سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ نہ

لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ وَنُودُوا أَن تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا

کی ہم کو اللہ نے البتہ تحقیق لائے پیغمبر ہمارے رب کے حق کو اور پکارے جائیں گے کہ یہ جنت ہے وارث بنائے گئے

دکھاتا بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی

بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾

تم ان کے اعمال کی وجہ سے جو کرتے تھے تم

صلہ تمہارے اعمال کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں جنت کا ذکر تھا جو صالح مسلمانوں کو عطا ہوگی اب جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ جو جنت میں ہونگی گویا گھر کا ذکر پہلے تھا اور اس گھر کے ساز و سامان و اسباب کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں عطاء جنت کا ذکر تھا اب جنتیوں کے دلوں کی صفائی سینوں کی پاکی کا ذکر ہے کہ وہاں سینے کینے سے پاک ہوں گے گویا آرام دہ چیز کی عطا کا ذکر پہلے تھا تکلیف دہ چیز دور کر دینے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ان کے دنیاوی نیک اعمال اور ایمان کا ذکر تھا جو جنت ملنے کا سبب ہیں اب ان جنتیوں کی اس شکر گزاری کا ذکر ہے جو وہ جنت میں پہنچ کر کریں گے گویا دنیا میں ختم ہو جانے والے نیک اعمال کا ذکر فرمانے کے بعد اس شکر گزاری کا ذکر ہے جو جنت میں بھی جاری رہے گی کہ وہ اپنے اعمال پر فخر نہ کریں گے بلکہ رب کا شکر کریں گے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار دوزخ میں پہنچیں گے تو آپس میں لعن طعن کریں گے یعنی ان کے دلوں سے دنیا کی محبتیں رشتے عداوتوں اور بیگانگی میں تبدیلی ہو جائیں گی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جنتی جب جنت میں جائینگے تو ان کی دنیا کی عداوتیں کینے محبتوں میں بدل جائیں گے۔

شان نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق عثمان و علی طلحہ زبیر ابن مسعود، عمار ابن یاسر، سلمان فارسی اور ابوذر غفاری رضی اللہ عنہم کے متعلق نازل ہوئی کہ ان حضرات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد اختلافات واقع ہوئے۔ مگر آخرت میں اللہ تعالیٰ یہ سب کچھ دور فرما دے گا اور یہ سب حضرات بھائیوں کی طرح جنت میں جائیں گے آمنے سامنے تختوں پر بیٹھا کریں گے (تفسیر روح البیان) گویا اس آیت میں ان بزرگوں کے آئندہ اختلافات دنیاوی کی بھی خبر دی گئی ہے اور آخرت میں ان کے دور کرنے کی بھی۔ ورنہ یہ آیت مکیہ ہے اور حضرت سلمان فارسی بعد ہجرت ایمان لائے اور یہ واقعات حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد نمودار ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ میں یقین کرتا ہوں کہ میں اور عثمان، طلحہ، زبیر انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کے متعلق ارشاد ہے **ونزعنا مافی صدورهم الخ** (تفسیر کبیر بیضاوی مدارک وغیرہ) بہر حال اس آیت کا تعلق ان حضرات سے بہت قوی ہے۔

تفسیر : **ونزعنا مافی صدورهم من غل۔** نزع بنا ہے نزع سے بمعنی اکھیڑنا اور کسی جمی ہوئی چیز کو مضبوطی سے ہلا کر نکالنا اس لئے جانکنی کو نزع کہتے ہیں کہ جان بدن سے رگ رگ سے کھینچ کر نکالی جاتی ہیں۔ چونکہ نفس انسانی میں آپس کے بغض و عناد گھر کئے ہوتے ہیں۔ بغیر رب کے کرم کے نہیں نکلتے اس لئے نزع ارشاد ہوا اور اسے رب نے اپنی طرف نسبت فرمایا دوسری جگہ فرماتا ہے۔ **لو انفقت مافی الارض جميعا ما الفت بين قلوبهم ولكن الله الف بينهم** یعنی اگر

آپ دنیا بھر کے خزانے خرچ کردیتے تو انہیں جمع نہ کرسکتے اللہ نے انہیں جمع کردیا ان کے دل ملا دیئے **صدور** جمع ہے صدر کی معنی سینہ مگر اس سے مراد ہے دل کہ دل سینہ ہی کے قریب رہتا ہے۔ **غل** کے لفظی معنی ہیں خفیہ طریقہ سے کسی چیز کا کہیں داخل ہو جانا اس لئے خیانت کو غلول کہتے ہیں کہ آدمی کسی کا مال چپکے سے اپنے قبضے میں کرلیتا ہے۔ کینہ حسد' عداوت جو دل میں چھپا ہوا سے بھی غل کہتے ہیں کہ وہی یہاں مراد ہے کہا جاتا ہے تغلغل فیہ (تفسیر کبیر) اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اہل جنت یعنی مومنین صالحین کی آپس میں جو دنیاوی عداوتیں کینے بغض تھے وہ ہم دور فرمادیں گے کہ وہ سب صاف دل ہو کر جنت میں داخل ہوں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم اہل جنت کے دلوں سے حسد و کینہ وغیرہ کی طاقت دور کردیں گے لہذا جنت میں بعض جنتی بعض سے اعلیٰ ہونگے مگر نیچے والوں کو کبھی اپنے ادنیٰ ہونے دوسروں کے اعلیٰ ہونے کا خیال تک نہ آوے گا حسد تو بہت دور رہیں۔ بلکہ ادنیٰ جنتیوں کو اعلیٰ جنتی حضرات سے یعنی اولیاء انبیا سے محبت ہوگی اس کی مثال دنیا میں موجود ہے کہ بڑے لوگوں کے مال اور منال یعنی درجے عہدے دیکھ کر حسد ہوتا ہے مگر اعمال ہمکمال دیکھ کر حسد نفرت نہیں بلکہ اس سے محبت و الفت ہوتی ہے اس کے پاس بیٹھنے بلکہ ان سے مرید ہو جانے کو دل چاہتا ہے ان کی وفات کے بعد لوگ ان کی قبروں کی نہیں چھوڑتے بخلاف دوزخیوں کے کہ وہ آپس میں ایک دوسرے پر لعن طعن کرتے رہیں گے چونکہ یہ واقعہ یقیناً ہوتا ہے اس لئے نزعنا ماضی ارشاد ہوا۔ **صواعق محرقہ** میں ہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوبکر صدیق کے متعلق نازل ہوئی کہ رب نے ان کے سینہ بے کینہ میں کسی کی طرف سے حسد کینہ نہ چھوڑا۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ یہ آیت اصحاب بدر کے متعلق نازل ہوئی رب نے گواہی دی کہ ان کے سینے حسد و بغض وغیرہ سے پاک کردیئے گئے۔ ان صورتوں میں **نزعنا** اپنے معنے میں ہے یعنی ہم نے ان کے سینوں سے دنیا میں ہی حسد و بغض وغیرہ دور کردیئے **تجری من تحتھم الانھار** یہ عبارت **صدورھم** کی ضمیر ھم سے حال ہے **تحتھم** سے مراد ہے **تحت بستانھم یا تحت غرفھم** چونکہ ہر جنتی کو دودھ' شراب طہور' شہد' پانی کی مختلف نہریں عطا ہوں گی اس لئے یہاں **انھار** جمع فرمایا یعنی ہم اہل جنت کو تکلیف دہ چیزوں سے تو اس طرح دور کردیں گے کہ ان کے سینے کینے' حسد' بغض وغیرہ سے صاف کردیں گے اور انہیں عیش و آرام یہ دینگے کہ ان کے باغوں کے یا ان کے محلوں کے نیچے پانی' دودھ' شہد' شراب طہور کی نہریں ہر وقت بہتی رہیں گی۔ نہر بحر کا فرق ہم بارہا بیان کرچکے ہیں وہاں دریا نہ ہونگے خوشنما نہریں ہوں گی وہ بھی چھوٹی اور نیلی جیسے بعض شاہی محلوں اور بعض امیروں کے باغوں میں دیکھی گئی ہیں یہ ان کے سائز کا نمونہ ہیں **وقالوا الحمد للہ الذین ھدنا لھذا** یہ عبارت **تجری** پر معطوف ہے اور اسی میں اہل جنت کی شکر گزاریوں خوشی منانے کا ذکر ہے یا تو وہ آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہیں گے فخر کے لئے نہیں بلکہ شکر کے لئے یا رب تعالیٰ سے عرض کریں گے ہدایت کے معنی اس کے اقسام ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کرچکے ہذا سے اشارہ جنت کی طرف ہے اس سے مراد ہے کہ اعمال صالح جو جنت میں پہنچنے کا سبب و ذریعہ ہیں برے عقیدوں برے اعمال سے بچایا۔ **ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ**۔ یہ عبارت معطوف ہے **الحمد اللہ** پر اور **قالوا** کا مفعول ہے اس عبارت میں اپنے عجز و انکسار کا ذکر ہے یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہم کو دنیا میں ایمان و نیک اعمال کی ہدایت نہ دیتا تو ہم ہرگز ہرگز ہدایت نہ پاسکتے تھے یہ تو اس کریم کی مہربانی تھی جو ہم کو ہدایت ملی ایمان پر خاتمہ نصیب ہوا اور حساب محشر میں کامیاب ہوئے صراط سے بخیریت تمام گزرے یہاں پہنچ گئے۔ **لقد جاءت رسل ربنا بالحق** یہ عبارت یا تو **ھدانا اللہ** کا بیان ہے کہ رب نے ہم کو براہ راست ہدایت نہیں دی بلکہ انبیاء کرام کے

ذریعہ عطافرمائی وہاں ہادی حقیقی کاذکر تھا یہاں واسطہ ہدایت کا تذکرہ ہے اس جملہ میں حمد الٰہی تھی اور اس جملہ میں نعت انبیاء کرام کہ نعت کے بغیر حمد مکمل نہیں ہوتی **بالحق** کی **ب** یا تو تعدیہ کی ہے یا مصاحبت کی یعنی وہ حضرات ہمارے پاس حق لائے یا حق کے ساتھ آئے حق کے معانی اس کے درجات بارہا بیان کر چکے حضرات انبیاء کرام خود بھی سراپا حق ہوتے ہیں ان کی ہر ادا حق ان کا ہر عمل حق ہوتا ہے اور حق لاتے بھی ہیں **ونودوا ان تلکم الجنۃ** یہ جملہ نیا ہے۔ جس میں رب تعالیٰ کی کرم نوازی کا ذکر ہے یعنی وہ اہل جنت تو اللہ کا شکریہ مذکورہ الفاظ سے ادا کریں گے اور ادھر سے رب تعالیٰ ان پر یہ کرم نوازی فرمائے گا ندا دینے والا یا تو خود اللہ تعالیٰ ہے یا اس کے حکم سے فرشتے **تلکم** مذکر ہے **تلک** کی اور **تلک** اشارہ بعید ہے چونکہ جنت بہت ہی اعلیٰ نعمت ہے نیز اس کا وعدہ ان لوگوں سے دنیا میں کیا گیا تھا اور دنیا اب بہت دور ہو چکی ہے اس لئے **تلک** اشارہ بعید لایا گیا ان یا تو بیانیہ اور مفسرہ ہے۔ جس میں ندا کا بیان ہے یا ان مشبہ بالفعل کا مخفف ہے۔ ایسی صورت میں اس کا الم پوشیدہ ہے اصل میں انہ تھا (روح المعانی) بہرحال **تلکم الجنۃ** مبتدا ہے اور **رثتموھا بما کنتم تعملون**۔ یہ عبارت **تلکم الجنۃ** کی خبر ہے اس کی اور تفسیریں بھی ہیں۔ **اورثتموھا** بنا ہے **ایرث** سے۔ جس کا مادہ ارث بمعنی وراثت ہے جنت کو وراثت فرمانے کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ جیسے میراث کا مال کسب سے نہیں بلکہ نسب یعنی رشتہ سے ملتا ہے ایسے ہی جنت محض اپنے اعمال سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے قرب اس کے کرم اس کے نبی کی نسبت سے ملے گی لہٰذا یہ گویا میراث ہے یعنی غیر کسبی چیز۔ دوسرے یہ کہ ہر جنتی اپنی جنت بھی لے گا اور کفار کے حصہ کی جنت بھی جیسے ہر دوزخی اپنی دوزخ بھی لے گا اور مسلمان کے حصہ کی بھی کیونکہ ہر مومن و کافر کے لئے جنت اور دوزخ دونوں جگہ حصے رکھے گئے ہیں لہٰذا اسے میراث فرمانا بالکل درست ہے (روح المعانی و خازن وغیرہ) مومن زندہ ہے کافر مردہ لہٰذا وراثت فرمایا۔ **بما کنتم تعملون** یہ عبارت متعلق ہے **اورثتموھا** ہے اس میں **ب** سببیہ ہے **ما** موصولہ اس سے مراد ہیں نیک اعمال یعنی تم کو جنت کی میراث ان نیک اعمال کی وجہ سے ملی جو تم دنیا میں کیا کرتے تھے۔ وہ اعمال رب کی رضا کا ذریعہ تھے اور رب کی رضا جنت ملنے کا ذریعہ۔

خلاصہ ء تفسیر : تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کے پہلے جملہ کی چار تفسیریں ہیں۔ (1) ہم قیامت میں جنت کے داخلہ کے وقت جنتیوں کے سینوں سے وہ تمام حسد کینے وغیرہ نکال لیں گے جو دنیا میں ایک دوسرے سے تھے امام سدی فرماتے ہیں کہ جب جنتی دروازہ جنت پر پہنچیں گے تو وہاں ایک درخت پائیں گے جس کی جڑ میں دو نہریں ہوں گی یہ حضرات ایک نہر کا پانی پئیں گے اس سے ان کے سینے کینوں عداوتوں سے پاک و صاف ہو جائیں گے اس کا نام شراب طہور ہے یعنی سینے پاک کرنے والا پانی' دوسرے چشمے سے غسل کریں گے تو ان کے چہرے چمک دمک جائیں گے پرنور ہو جائیں گے (خازن' معانی' کبیر وغیرہ)۔ (2) ہم جنتیوں کے سینوں سے حسد وغیرہ کا مادہ دور کر دیں گے چنانچہ ان میں کا ادنیٰ اپنے سے اعلیٰ کو دیکھ کر اس پر حسد نہ کرے گا بلکہ خوش ہو گا۔ (3) ہم نے دنیا میں حضرات صحابہ کے سینوں سے کینے دور کر دیئے اگر وہ لڑیں گے بھی تو رب کے لئے نہ کہ ذاتی عداوتوں کی بنا پر۔ (4) ہم نے اہل بدر کے سینوں سے کینے نکال دیئے ان کے دل ایک دوسرے سے صاف ہیں ان کی آئندہ لڑائیاں نفسانی نہیں۔۔

راہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی! شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ! جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی زمانہ میں ماں جائی بہنیں ہوں جیسی

ان کا حال ہو گا کہ ان کے محلوں یا باغوں کے نیچے دودھ 'شہد 'پانی' شراب طہور کی نہریں بہتی ہوں گی جن سے ان کے گھروں باغوں کا حسن اور بھی زیادہ ہو جاوے گا وہ حضرات یہ نعمتیں پاکر فخر نہ کریں گے بلکہ بطور شکریہ یہ کہیں گے کہ اس اللہ کا شکر ہے جس نے ہم کو دنیا میں یہاں جنت تک پہنچنے والے اعمال کی ہدایت فرمائی۔ یہ ہدایت اس کریم کا خاص عطیہ تھی اگر وہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو ہم کبھی ہدایت نہ پاتے ہم سے بڑے عاقل ہوشیار دوزخی رہے پھر اس نے یہ ہدایت ہم کو اس طرح بخشی کہ اس کے رسول پیغمبر ہمارے پاس حق پیغام لائے ہمیں سنائے ہمیں پہنچائے ادھر تو یہ لوگ اس طرح رب کا شکر کرتے ہوں گے ادھر رب کی طرف سے انہیں ندا ہو گی کہ اے جنتیو تم کو یہ جنت بطور میراث دی گئی کہ تم نے نیک اعمال کے ذریعہ ہم کو راضی کیا اور ہم نے راضی ہو کر تم کو جنت عطا کی جیسے میراث کسب سے نہیں بلکہ نسب سے ملتی ہے ایسے تم کو یہ جنت محض اعمال سے نہیں بلکہ ہمارے قرب اور وصال سے میسر ہوئی یا ہم نے تم کو دو جنتیں دیں ایک تمہاری اپنے حصہ کی دوسری ان کفار کے حصے کی جو کافر مر کر دوزخ میں گئے اور ان کا بچا ہوا حصہ تم کو عطا ہوا ان کے حصے کی حوریں باغات وغیرہ سب تم نے لئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** آپس کی محبتیں سینوں کی صفائی جنتی نعمتیں ہیں اور آپس کے بغض و عناد دوزخ کے عذاب ہیں۔ یہ فائدہ **و نزعنا ما فی صدورھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جن جھونپڑوں میں اتفاق ہے وہ دنیا میں جنت ہیں جن محلوں میں نااتفاقی ہے وہ دنیا میں دوزخ ہیں اللہ تعالیٰ سینے کینے سے پاک کرے یہ رب کی بڑی نعمت ہے۔ **دوسرا فائدہ:** حضرات صحابہ کرام میں اگرچہ آپس میں جنگیں واقع ہوئیں مگر ان کے سینے عداوتوں سے پاک و صاف تھے جنگ کی وجہ ان کے اختلاف تھے نہ کہ ان کی عداوتیں۔ اس کی نہایت نفیس تحقیق ہماری کتاب "امیر معاویہ پر ایک نظر" میں دیکھو ان کی حالت یہ تھی۔ ع

جھگڑے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا!

یہ فائدہ **ونزعنا الخ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جنتی لوگ دنیا میں گنہگار بھی ہو سکتے ہیں اور ان کے آپس میں جھگڑے فساد بھی ہو سکتے ہیں یہ عیوب مومن ہونے یا جنتی ہونے کے خلاف نہیں ہاں جنت میں جانے سے پہلے ان کے یہ عیوب دور کر دیئے جائیں گے۔ یہ فائدہ بھی **ونزعنا الخ** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ نکال وہ چیز جاتی ہے جو پہلے موجود ہو دنیا میں ان جنتی لوگوں کے دلوں میں کینے تھے جو اس وقت دور کئے گئے۔ **چوتھا فائدہ:** اہل جنت کو کبھی کسی پر حسد نہ ہو گا ان میں ادنیٰ اعلیٰ پر نہ حسد کریں گے نہ رشک۔ یہ فائدہ **ونزعنا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جنت میں کوئی عبادت روزہ 'نماز' حج' جہاد' زکوٰۃ وغیرہ نہ ہو گا مگر تلاوت قرآن' حمد الٰہی 'اللہ کا شکر' پردہ غیرت' وغیرہ وہاں بھی ہوں گے یہ فائدہ **وقالوا الحمد للہ الخ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ہدایت نیک اعمال کی توفیق اللہ کی خاص نعمت ہے جو محض اس کے فضل و کرم سے ملتی ہے یہ سودا کسی دوکان سے نہیں ملتا۔ اس لئے انسان اس پر ناز نہ کرے شکر کرے۔ یہ فائدہ **وما کنا لنھتدی الخ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ہاں اسی نعمت یعنی ہدایت اور توفیق کا ذریعہ حضرات انبیاء کرام کے

آستانے ہیں اللہ تعالیٰ جسے یہ نعمت دیتا ہے ان بزرگوں کے ذریعہ دیتا ہے۔ یافائدہ **لقد جاء ت رسل ربنا بالحق** سے حاصل ہوا۔ ان کے بغیر کوئی ہدایت نہیں پا سکتا۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا — تواں یافت جز در پے مصطفیٰ

جیسے دھوپ سورج ہی سے ملتی ہے چاندنی چاند ہی سے ملتی ہے ایسے ہی ہدایت نبی سے خصوصاً "حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے مل سکتی ہے نعمت رب کی ہے دروازہ حضور محمد مصطفےٰ کا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) اعلیٰ حضرت نے کیا خوب کہا۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا — ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا!

رب کی نعمت ان کا صدقہ — دیتا وہ ہے دلاتے وہ ہیں

آٹھواں فائدہ: مومن دنیا میں حضرات انبیاء کی تصدیق سن کر کرتے ہیں وہاں آنکھوں سے دیکھ کر کریں گے یعنی نبیوں کی حقانیت پر علم الیقین ہے وہاں عین الیقین ہو گا۔ یہ فائدہ بھی **لقد جاء ت** الخ سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ دنیا میں بھی کہتے تھے کہ ہمارے رسول ہمارے پاس حق لائے وہاں بھی کہیں گے۔ **نواں فائدہ:** جنت محض اپنے اعمال سے نہیں ملے گی بلکہ عطاء ذوالجلال سے ملے گی یہ فائدہ **اورثتموھا** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو اس کی پہلی تفسیر۔ **دسواں فائدہ:** ہر جنتی دو جنتیں سنبھالے گا اپنی اور کافر کی یہ فائدہ **اورثتموھا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** کوئی شخص اعمال نیک سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ دوزخ کے اعمال کر کے جنت کی امید کرنا خیال خام ہے جیسا بوؤ گے ویسا کاٹو گے۔ یہ فائدہ **بما کنتم تعملون** سے حاصل ہوا۔ تعجب ہے کہ بھنگی چرسی فقیر یہ تو کہتے ہیں کہ سانوں لوڑ نہیں روزہ نمازاں دی 'سانوں لوڑ نہیں حج' زکوٰۃ دی مگر یہ کوئی نہیں کہتا کہ سانوں لوڑ نہیں روٹی پانی دی 'سانوں لوڑ نہیں زمین آسمان دی۔ ایسے فقیروں کو چاہئے کہ زمین و آسمان سے نکل کر دکھائیں روٹی پانی ہوا دھوپ سے بے نیاز ہو کر دکھائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان کی طرح سارے عالم کو محیط ہیں انسان مرے بعد ان مذکورہ چیزوں روٹی 'پانی وغیرہ سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر حضور کی حاجت وہاں بھی رہتی ہے (صلی اللہ علیہ وسلم۔)

پہلا اعتراض: بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ادنیٰ جنتی اعلیٰ جنتی کو اپنے سے بہتر حالت میں دیکھے اور پھر اسے رشک یا حسد نہ ہو یہ بات تو فطرت انسانی کے خلاف ہے پھر **ونزعنا مافی صدورھم من غل** کی دوسری تفسیر کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عقلی دوسرا حسی 'عقلی جواب تو یہ ہے کہ دل میں حسد کینہ یا نفس امارہ کی وجہ سے ہوتا ہے یا شیطان کے بہکانے سے جنت میں نفس امارہ رہے گا نہیں نفس مطمئنہ بن چکا ہو گا رہا شیطان وہ دوزخ میں اپنی آفت میں گرفتار ہو گا وہ جنتی کو بہکانے کا خیال بھی نہ کر سکے گا۔ کیونکہ اب وہ دوزخ میں سزا پا رہا ہو گا وہ بھی دائمی لہٰذا اب اہل جنت کو حسد ہو تو کیونکر۔ **جواب** حسی یہ ہے کہ آج دنیا میں بعض اللہ والے ایسے دیکھے جاتے ہیں جن کے دل میں کسی سے کسی قسم کا حسد یا کینہ نہیں ہوتا جب دنیا میں آج ایسے لوگ موجود ہیں تو وہ جگہ تو جنت ہے وہاں حسد یا کینہ نہ ہو تو کیا تعجب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کینہ ور اور حاسد لوگ بھی جنت میں جائیں گے حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ حاسد جنتی نہیں یہ آیت اور وہ حدیث متعارض ہیں۔ **جواب:** اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حاسد حاسد رہتے ہوئے جنت میں نہیں جا سکتا یہ حاسدین جب جنت میں جائیں گے تو حسد وغیرہ سے پاک ہو جائیں گے اس وقت حاسد نہ رہیں گے یہ ضروری نہیں کہ دنیا

میں جنتی لوگ معصوم یا محفوظ ہوں گنہگار بھی گناہوں سے پاک وصاف ہو کر جنت میں جائیں گے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں نزعنا کیوں ارشاد ہوا اسلبنا یا اخرجنا کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا جو چیز کسی جگہ سرایت کر چکی ہو اسے دشواری سے کھینچ کر نکالا جاوے تو اسے نزع کہتے ہیں جیسے جسم میں سے جان کا نکلنا نزع کہلاتا ہے چونکہ کینہ حسد انسانی طبیعت میں سرایت کئے ہوئے ہیں اس لئے اس کے دور کرنے کو نزع فرمایا گیا اس میں اشارۃً بتایا گیا کہ کوئی شخص خود اپنے کو حسد کینہ سے پاک وصاف نہیں کر سکتا یہ محض توفیق خداوندی سے ہی ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں جنت کو میراث کیوں فرمایا گیا وہ تو اپنی کمائی ہے اپنے اعمال کا نتیجہ ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ابھی ابھی تفسیر میں گزر چکے کہ یا تو اس حصہ کو میراث کہا گیا جو کفار کا حصہ تھا اس کو دیا گیا ہوا حصہ میراث ہے یا یہ مطلب ہے کہ جنت درحقیقت عبدیت کی وجہ سے ملے گی جیسے باپ کی میراث ابنیت کی وجہ سے ملتی ہے اعمال جنت کا مستقل سبب نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جنت نیک اعمال سے ملے گی **بما کنتم تعملون** مگر حدیث میں ہے کہ جنت صرف رب کے فضل سے ملے گی اپنے اعمال سے نہ ملے گی حدیث اور قرآن میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ جنت اعمال سے ملے گی اور اعمال کی توفیق فضل ذوالجلال سے ملتی ہے تو اصل ذریعہ اس کا فضل ہوا دوسرے یہ کہ جنت اعمال سے ملے گی مگر اعمال کی قبولیت رب کے کرم سے ہے لہذا بات وہی ہوئی تیسرے یہ کہ جنت ملنے کا سبب اعمال ہیں مگر اس کی علت فضل رب ذوالجلال ہے جیسے کپڑے کی صفائی کا سبب صابن وپانی ہے مگر علت کسی کا ہاتھ ہے جو کپڑے کو دھوئے غلہ کی پیداوار کا سبب بیج کھاد پانی ہے مگر اس کی علت اللہ کی مہربانی ہے ورنہ یہ سب کچھ بیکار ہے یہاں آیت میں سبب جنت کا ذکر ہے اور حدیث شریف میں علت جنت کا تذکرہ ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اگر جنت کا سبب نیک اعمال ہیں تو بدعمل لوگ یونہی بے عمل بچے و دیوانہ جنت میں نہیں جانے چاہئیں۔ حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے جوابات بارہا عرض کئے جا چکے ہیں کہ ان جیسی آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہے۔ جس میں بندے کے عمل کو دخل ہے۔ جنت وہبی اور جنت عطائی کے لئے وہ آیت ہے **الحقنا بھم ذریتھم** الخ اکثر پھل پھول کاشت سے پیدا ہوتے ہیں مگر بعض محض بارش سے خودرو ہوتے ہیں۔ بنی اسرائیل پر حلوہ اور کباب آسمان سے برستے تھے قانون اور قدرت دونوں پر اعتقاد ضروری ہے ہم گنہگاروں کو اس کے دست عطا پر ناز ہے۔

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے — نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے!

ساتواں اعتراض: تم نے کہا کہ یہ آیت حضرات صحابہ کرام یعنی اہل بدر کے لئے ہے کہ ان کے سینے کینوں سے پاک ہیں ان میں عداوتیں نہیں مگر حضرت عثمان کی نصف خلافت اور حضرت علی کی پوری خلافت کے واقعات بتاتے ہیں کہ ان میں سخت عداوتیں تھیں ان میں بڑی خونریز جنگیں ہوئیں۔ **جواب:** اس کا جواب ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو خلاصہ یہ ہے کہ ان کی جنگیں اختلاف کی تھیں۔ عداوتوں کی نہ تھیں جیسے برادران یوسف علیہ السلام کے معاملات حضرت یوسف سے اور حضرت سارہ کا معاملہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیل سے یہاں غل کی نفی ہے اختلاف کی نفی نہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **رحماء بینھم**۔

تفسیر صوفیانہ: حسد کینہ بغض وغیرہ بشری کدورتیں ہیں جو مومن کے قلب پر عارضی طور پر ایسی آجاتی ہیں جیسے سونے

پر گرد و غبار دلوں کی طہارت نور ایمان سے ہے اور روحوں کی پاکیزگی پانی عرفان سے سر کی طہارت۔ تجلی صفات کے شراب طہور سے۔ اہل حقیقت 'اہل معرفت کے دلوں میں نہ تو دنیا میں حسد کینہ ہوتے ہیں نہ آخرت میں۔ رہے دوسری عام مومنین ان کے سینہ میں کینہ نہیں ہوتا بلکہ کبھی سینہ کینہ میں آجاتا ہے دودھ میں پانی آتا اور ہے سونے پر غبار آتا کچھ اور' یہاں اہل حقیقت اہل معرفت کا ذکر ہے کہ ارشاد ہے کہ ہم نے روز ازل سے ہی ان کے سینے کینوں سے خالی کر دیئے وہاں یار رہتا ہے اغیار پھر کیسے آویں وہاں سخت چوکی پہرہ ہے شیطان چور کی وہاں گزر نہیں۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ بہت ظلم کئے مگر آپ کے دل میں کینہ نہ ہوا نہ آپ نے بدلہ ہی لیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہندہ' وحشی نے بہت زیادتیاں کیں مگر آپ کے دل میں کینہ نہ ہوا نہ آپ نے بدلہ لیا۔ یہ ہے **ونزعنا مافی صدورھم من غل** کی تفسیر دنیا ہی میں ان کے سینوں میں نہری جاری ہیں پھر وہاں میل کیسا وہ کہتے رہتے ہیں کہ یہ سب کچھ محض عطاء رب ذوالجلال سے ہے ہمارے کمال سے نہیں انبیاء کرام خصوصاً" حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نے ہم تک حق یعنی صفائی قلب پہنچادی ادھر سے غیبی آوازیں آرہی ہیں کہ اے محبوب بندو تم اپنے ان اعمال یعنی شکر گزاری وغیرہ کی بنا پر جنت کے وارث بنے ہو یعنی ہمارے قرب کی وجہ سے اس کے مالک ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن زندہ ہے کافر مردہ کافروں کے حصہ کی جنت جو مومنوں کو عطا ہوگی وہ میراث ہوگی۔ کیونکہ میراث دینے کے لئے موت شرط ہے اور میراث لینے کے لئے زندگی شرط ہے مردہ کی میراث زندہ لیتا ہے کافر کی میراث مومن لے گا۔ رب تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے **اموات غیرا حیاء** خاص مومنوں کے لئے فرماتا ہے **بل احیا ولکن لا تشعرون** اور فرماتا ہے **وان الدار الاخرۃ لھی الحیوان لو کانوا یعلمون** صوفیاء فرماتے ہیں کہ مال کی میراث نسب سے ملتی ہے اور کمال یعنی جنت کی میراث نبی کی نسبت سے اجنبی آدمی خواہ کتنی ہی خدمت کرے مگر وہ اس کا وارث نہیں کہ اس کو نسبی رشتہ حاصل نہیں اپنا بیٹا اگرچہ خدمت نہ کرے مگر وارث ہے کیونکہ اسے خونی نسبی رشتہ میسر ہے یونہی کافر کتنی ہی نیکیاں کرے جنتی نہیں کیونکہ اسے نبی سے نسبت نہیں مومنوں کے چھوٹے بچے پاگل دیوانے اور وہ نومسلم جو ایمان لاتے ہی مرجاویں کسی عمل کا انہیں موقعہ نہ ملے مگر جنتی ہیں کیونکہ انہیں نبی کی نسبت امتی ہونے کی ہے ہاں خدا موقعہ دے تو نیک اعمال اس نسبت کے قوی ہونے کا سبب ہیں **بما کنتم تعملون**۔

وَنَادٰۤى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا

اور ندا دیں گے بہشت والے آگ والوں کو یہ کہ بے شک پا لیا ہم نے وہ جو وعدہ کیا تھا ہم سے

اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے

رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ؕ قَالُوْا نَعَمْ ۚ فَاَذَّنَ مُؤَذِّنٌۢ

ہمارے رب نے ٹھیک تو کیا پا لیا تم نے وہ جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے درست کہیں گے ہاں پھر اعلان کریگا

رب نے کیا تھا تو کیا تو نے پایا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ دیا تھا بولے ہاں اور بیچ میں منادی نے

بَیْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ

ایک اعلان کرنے والا درمیان ان کے یہ کہ پھٹکار ہو اللہ کی اوپر ظالموں کے، وہ جو روکتے ہیں اللہ کے راستہ سے

پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اسے بھی چاہتے

وَیَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ۝

اور تلاش کرتے ہیں اسے ٹیڑھا اور آخرت کے منکر ہیں .

ہیں اور آخرت کا انکار رکھتے ہیں .

وقف لازم

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں جنتی لوگوں کی اس گفتگو کا ذکر تھا جو وہ آپس میں کریں گے اب ان کی اس گفتگو کا ذکر ہے جو وہ دوزخیوں سے کریں گے گویا آپس کی محبت بھری شکرانہ کی گفتگو کے بعد کفار سے لعن طعن کی گفتگو کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں اس لعن طعن کا ذکر ہوا تھا جو دوزخی ایک دوسرے پر کریں گے **کلما دخلت امۃ لعنت اختھا** اب اس لعن طعن کا ذکر ہو رہا ہے جو جنتی لوگ ان پر کریں گے اور ان پر آوازے کسیں گے۔ تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں اہل جنت کی داخلی نعمتوں کا ذکر تھا اب ان کی بیرونی نعمتوں کا تذکرہ ہے یعنی اہل دوزخ کی تکالیف دیکھ کر انہیں ملامت کرنا مصیبت زدوں کو دیکھ کر آرام والوں کو آرام و راحت کی قدر ہوتی ہے۔

تفسیر : **ونادی اصحب الجنۃ اصحب النار** یہ واقعہ جب ہوگا جب کہ سارے جنتی جنت میں پہنچ کر مطمئن ہو جائیں گے (معافی، کبیرہ وغیرہ) یعنی گنہگار مومنین بھی اپنی سزا بھگت کر جنتیوں کی شفاعت وغیرہ سے جنت میں آ جائیں گے اہل جنت پہلے تو اپنے دوزخی مومنوں کو بخشوانے انہیں دوزخ سے نکالنے کی کوشش کریں گے اس سے فارغ ہو کر دائمی دوزخیوں یعنی کفار سے یہ کلام کریں گے **نادی** بنا ہے **ندا** سے بمعنی پکارنا، اعلان کرنا کسی کو دور سے بلانا یہاں بمعنی پکارنا ہے اصحاب جنت سے سارے مومنین مراد ہیں خواہ پہلے ہی سے جنت میں پہنچ گئے ہوں یا بعد میں پہنچے ہیں اور **اصحاب النار** سے مراد کفار دوزخی ہیں کیونکہ گنہگار مومن تو دوزخ سے نکل چکے جنت میں پہنچ چکے اگرچہ یہ نداء پکار آئندہ ہوگی مگر چونکہ یہ واقعی یقینی ہونا ہے اس لئے **نادی** ماضی ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ کبھی تو سارے جنتی لوگ سارے دوزخیوں سے یہ کلام کریں گے اور کبھی جنتیوں کی ایک جماعت دوزخیوں کی ایک جماعت سے اور کبھی ایک ایک جنتی ایک ایک دوزخی سے یہ کلام کرے گا جسے وہ دنیا میں جانتا پہچانتا تھا مثلاً" وہ اس کا عزیز قرابت دار تھا یا آس پاس والا یا ویسے ہی واقف کار اس کی تفسیر وہ آیت ہے **فھو لمقلین** اور وہ کہ **فاطلع فراہ فی سوالجحیم قال تاللہ ان کدت لتردین** یہ آیت کریمہ ان تینوں کاموں کو شامل ہے اور یہ کلام دوزخی کافروں کو زیادہ شرمندہ کرنے انہیں حسرت دلانے کے لئے ہوگا جیسا کہ **اگلے** مضمون سے ظاہر ہے **ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا** یہ ہے اس کا مضمون۔ اس میں ان یا تو تفسیریہ ہے جو نداء کو بیان کر رہا ہے یا **ان مشبہ بالفعل** کا مخفف ہے اصل میں **انہ تھا** **وجدنا** یا تو دو مفعول چاہتا ہے پہلا مفعول **ما وعدنا** ہے دوسرا **حقا** یا ایک مفعول چاہتا ہے اور **حقا**

ما وعدنا کا حال ہمارا ترجمہ پہلے احتمال پر ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسرے احتمال پر یعنی اے دوزخی کافرو دنیا میں ہم سے ہمارے رب نے بواسطہ انبیاء کرام جو وعدہ کیا تھا وہ تو ہم نے بالکل درست پالیا جنت یہاں کی نعمتیں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں ہم کو مل گئیں یا اے دوزخیو! ہم سے رب نے جو سچا وعدہ کیا تھا وہ ہم نے پالیا ہمارے عیش و آرام دیکھ لو **فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا** یہ سوال کفار کو شرمندہ کرنے ان کی حسرت اور زیادہ کرنے کے لئے ہے ورنہ مومنین تو انہیں بھی ان کے عذاب کو بھی دیکھ رہے ہیں چونکہ **ما وعد** کے **ما** سے مراد رب کے سارے وعدے ہیں جو کفار سے کئے گئے تھے قیامت وہاں کا حساب و کتاب دوزخ اور وہاں کا عذاب سب کچھ مراد اس لئے اسے وعدہ فرمایا وعید نہ کہا نیز اس لئے یہاں **وعد** کم نہ فرمایا کیونکہ اس کے بعض وعدے تو مسلمانوں سے بھی کئے گئے تھے (از تفسیر بیضاوی) اور ہو سکتا ہے کہ کفار مردود بندے ہیں مردودوں سے خطاب نہیں کیا جاتا کہ اس میں ان کی عزت افزائی ہے اس لئے **وعد کم** نہ فرمایا (خازن وغیرہ) **قالوا نعم** یہ دوزخی کفار کا جواب ہے جو وہ جنتیوں کو دیں گے **قالوا** کا فاعل یہی کفار ہیں **نعم** **بلی** جب مثبت سوال کے جواب میں آئیں تو بالکل ہم معنی ہوتے ہیں مگر منفی سوال کے جواب میں ہوں تو نعم نفی کا اقرار ہوتا ہے اور بلی منفی کا انکار یعنی تب ان دونوں میں فرق ہوتا ہے جیسے **الست بربكم** کیا میں تمہارا رب نہیں **قالوا بلى** وہ بولے ہاں تو ہمارا رب ہے اگر نعم کہتے تو معنی یہ ہوتے کہ ہاں تو ہمارا رب نہیں۔ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں کی جاچکی ہے یہاں چونکہ مثبت سوال تھا لہٰذا نعم اور بلی ایک ہی معنی میں ہیں۔ **فاذن مؤذن بينهم** یہ واقعہ اس سوال و جواب کے بعد ہوگا اس لئے یہاں **ف** ارشاد ہوئی **اذن** بنا ہے **اذان** سے بمعنی اعلان عام رب فرماتا ہے **واذان من الله**۔ موذن یعنی اعلان کرنے والا کوئی فرشتہ ہوگا حضرت اسرافیل یا مالک یعنی دوزخ کا داروغہ شیعہ کہتے ہیں کہ یہ اعلان کرنے والے حضرت علی ہوں گے مگر یہ درست نہیں وہ تو جنت میں ان سوال کرنے والوں میں ہوں گے نہ کہ جنت دوزخ کے درمیان کسی مقام پر۔ (معانی) **بينهم** یا تو **اذن** کا ظرف ہے یا موذن کی صفت یعنی اس سوال و جواب کے فوراً بعد ایک اعلانچی اعلان کرے گا۔ جو جنتیوں دوزخیوں کے درمیان اعراف وغیرہ پر ہوگا یہ اعلان ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہوگا جسے یہ دونوں سن لیں گے **ان لعنة الله على الظلمين** یہ عبارت اذن کا مفعول ہے **ان** یا تو مبالغہ ہے یا **انها** کا ہ کو پوشیدہ کرکے ان کا شد دور کر دیا۔ لعنت جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو اس کے معانی ہوتے ہیں رحمت سے دور کرنا یعنی پھٹکار یہاں یہی معنی ہیں۔ ظالمین سے مراد ہیں کافرین جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ خیال رہے کہ اس اعلان میں صرف ایک جماعت یعنی کفار کی پھٹکار کا ذکر ہے مومنین پر رحمت الٰہی کا ذکر نہیں کہ وہ تو خود سمجھ میں آجاتی ہے چونکہ یہ جملہ اسمیہ ہے اس میں دوام ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ظالموں پر دنیا کی زندگی، موت، قبر، حشر اور دوزخ میں ہمیشہ ہر جگہ لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری ہے کہ اس کا دنیا میں کھانا، پینا، سونا، جاگنا، چلنا پھرنا سب ہی شیطانی تھا یعنی گناہ کرنے کے لئے نفسانی یا رحمانی نہ تھا اس کی موت رب تعالیٰ کا وارنٹ اس کی قبر دوزخ کی بھٹی تھی ہر جگہ ہی ہر رحمت سے دور تھا اور ہے اور رہے گا۔ اس کے برعکس مومن ہر وقت ہر جگہ اللہ کی رحمت میں ہے اس کا ہر کام رحمانی یعنی اللہ کے لئے ہے **ان صلوتی ونسكی ومحیای ومماتی لله رب العلمين**۔ **الذين يصدون عن سبيل الله** یہ عبارت صفت ہے **الظالمين** کی اس نے بتایا کہ اس سے مراد کفار ہیں۔ **صدون** بنا ہے صد سے۔ صد کے معنی رکنا بھی ہیں اور دوسرے کو روکنا بھی یہاں دونوں احتمال ہیں۔ سرداران کفار تو اپنے ماتحتوں کو روکتے ہیں عوام کفار اپنی نسل کو کافر بناتے ہیں کہ ان کی وجہ سے ان کی اولاد کافر ہوتی ہے۔

اگرچہ خود رکنا اور دوسروں کو روکنا دنیا میں ہو چکا تھا مگر چونکہ اس کا نتیجہ آج ظاہر ہو رہا ہے اس لئے **یصدون** حال کے صیغہ سے ارشاد ہوا۔ **سبیل اللہ** سے مراد یا تو اسلامی عقائد ہیں جو تمام انبیاء کرام نے بتائے یا نیک اعمال ہیں چونکہ یہ دونوں چیزیں خدا رسی کا ذریعہ ہیں اس لئے انہیں سبیل اللہ کہتے ہیں۔ نیک اعمال میں شریعت و طریقت دونوں کے اعمال داخل ہیں۔ شریعت سیدھا مگر دراز راستہ ہے جس پر ہر شخص آسانی سے چل سکے اور طریقت وہ پیچیدہ چھوٹی گلیاں ہیں جن پر صرف واقف راہ ہی چل سکے۔ عشاق کے نزدیک سبیل اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک بابرکات ہے راستہ کا ایک کنارہ مبدا پر ہوتا ہے دوسرا کنارہ منتہاء مقصود پر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ہاتھ مخلوق کی طرف ہے دوسرا ہاتھ رب تعالیٰ کی طرف آج بہت سے اسلامی فرقے نماز' روزہ' حج' زکوٰۃ کی طرف بلاتے ہیں مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے روکتے ہیں یہ سب اس آیت میں داخل ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سبیل اللہ بھی ہیں اور حبل اللہ بھی یعنی اللہ کی رسی بھی اس راستہ پر چلنے کے معنی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم سے وابستہ رہنا یعنی ان ظالموں پر خدا کی پھٹکار جو دنیا میں اللہ کی راہ دین اسلام سے خود رکے یا دوسروں کو روکتے رہے۔ **و یبغونها عوجا** یہ عبارت **یصدون** پر معطوف ہے **یبغون** بنا ہے بغی سے بمعنی چاہنا' ڈھونڈنا' تلاش کرنا **ھا** کا مرجع وہی سبیل اللہ ہے **عوجا ھا** کا حال ہے۔ خیال رہے کہ **عوج عین** کے کسرہ سے بھی آتا ہے اور فتح سے بھی مگر ان دونوں میں فرق یہ ہوتا ہے کہ **عوج عین** کے کسرہ سے دین میں عقل میں کجی اور **عوج عین** کے فتح سے بدن میں کجی کہا جاتا ہے۔ **فی ساقه عوج** اس کی پنڈلی میں کجی ہے یا آنکھوں سے محسوس کجی عوج ہے عین کے فتحہ سے۔ اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ یہ لوگ خدا رسی کے لئے سیدھا راستہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے تھے دوسرے یہ کہ یہ لوگ اللہ کی راہ یعنی اسلام میں ٹیڑھ اور کجی تلاش کرتے تھے۔ لوگوں سے کہتے تھے کہ اسلام میں یہ خرابی ہے یا اسلام کو بدلتے اس میں خرابیاں پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہے غرضیکہ یہ جملہ بہت وسیع ہے۔ **وهم بالآخرة کافرون** یہ عبارت یا تو **یبغون** کے فاعل سے حال ہے اور واؤ حالیہ ہے تب اس میں ان دونوں عیبوں کی وجہ کا ذکر ہے یعنی ان کفار میں یہ دونوں عیوب اس لئے ہیں کہ وہ آخرت کے انکاری ہیں اس لئے ان کے دل میں خوف خدا نہیں آخرت سے مراد برزخ قیامت' جنت' دوزخ وغیرہ سب ہی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب آپ دوزخی کفار کے اندرونی عذاب جنتی مومنوں کے اندرونی ثواب تو سن چکے اب ایک اور پر لطف بات سنیں کہ جنتی لوگ کبھی سارے کے سارے کبھی بعض جماعتیں کبھی ایک ایک شخص دوزخ میں جھانک کر کفار کو پہچان کر انہیں پکاریں گے یا پکارا کریں گے کہ بولو جو ہم سے رب نے وعدے کئے تھے جنت کے جنت کی نعمتوں کے وہ تو ہم نے بالکل ہو بہو درست پا لئے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے استعمال کر لئے تم سے رب نے بواسطہ انبیاء وعدے وعید کئے تھے تم نے بھی پورے پورے پالئے یا نہیں۔ حضرات انبیاء کرام کی سچائی آنکھوں سے دیکھ لی یا نہیں تب کفار بادل نخواستہ شرمندہ ہوتے ہوئے کہیں گے ہاں۔ ان دونوں کی یہ گفتگو ہو ہی رہی ہو گی کہ دوزخ و جنت کے درمیان اعراف سے ایک فرشتہ پکارے گا جسے یہ دونوں فریق سن لیں گے کہ ان کافروں پر اللہ کی پھٹکار ہو یا پھٹکار ہے۔ جن کا طریقہ دنیا میں یہ رہا کہ اللہ کی راہ یعنی اسلامی عقائد اور سیدھا راہ چھوڑ کر ٹیڑھا راستہ اختیار کئے رہے یا اسلام میں کجی خرابی نکالتے رہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں کجی یعنی عیوب ڈھونڈتے رہے جیسے خدا بے عیب بنائے اس میں عیب ڈھونڈنا بدترین جرم ہے ان سب حرکتوں کی وجہ یہ تھی کہ یہ لوگ

آخرت یعنی عذاب برزخ قیامت دوزخ وغیرہ کے انکاری تھے ان کے دلوں میں رب کا خوف نہ تھا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: قیامت میں اور بعد قیامت جنت دوزخ میں کوئی اندھا بہرا یا گونگا نہ ہوگا اگرچہ بعض لوگ دنیا میں بہرے یا اندھے یا گونگے رہے ہوں۔ یہ فائدہ **ونادی اصحاب الجنۃ الخ** سے حاصل ہوا دیکھو سارے جنتی پکاریں گے اور سارے دوزخی سنیں گے۔ جنتی لوگوں کا جواب دیں گے یہ کام زبان کان آنکھوں سے ہی ہو سکتے ہیں۔ دوسرا فائدہ: دور کی چیز دیکھ لینا دور کی بات سن لینا دور والوں سے بات کر لینا عطاء الٰہی بندوں کو بھی حاصل ہوتے ہیں۔ اللہ کی دی ہوئی قدرت سے یہ کام بندے بھی کر لیتے ہیں دیکھو جنت ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے دوزخ ساتوں زمینوں کے نیچے مگر جنتی لوگ اتنے فاصلے سے دوزخیوں کو دیکھ بھی لیں گے ان سے باتیں بھی کر لیں گے۔ آصف برخیا نے فلسطین میں بیٹھے ہوئے ملک یمن کے شہر سبا میں رکھے ہوئے تخت بلقیس کو دیکھ بھی لیا اور آن کی آن میں اسے لاکر حاضر بھی کر دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض وفات میں فرمایا کہ میں یہاں سے اپنا حوض کوثر دیکھ رہا ہوں۔ جو کہے کہ دور کی بات سننا دور کی خبر دینا اللہ تعالیٰ کی ہی صفت ہے بندوں میں یہ صفات ماننا شرک ہے۔ وہ جھوٹا ہے ان آیات و احادیث کا منکر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** بعد موت انسان کی قوت سامعہ وغیرہ بہت قوی ہو جاتی ہیں دیکھو جنتی لوگ کتنی دور سے بات چیت کریں گے بعد دفن میت دفن کرنے والوں کی قدم کی آہٹ سنتی ہے یہ فائدہ بھی **ونادی اصحاب الجنۃ الخ** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: دنیا میں حضرات انبیاء کرام کے وعدے اللہ تعالیٰ ہی کے وعدے ہیں ان کا ماننا رب کو ماننا ہے ان کا انکار رب کا انکار ہے۔ یہ فائدہ **وعدنا ربنا الخ** سے حاصل ہوا دیکھو وعدے کئے تھے نبیوں نے مگر فرمایا گیا ہم سے رب نے وعدے کئے۔ پانچواں فائدہ: کفار کو لعن طعن کرنا ہر امتی اہل جنت کی سنت ہے دیکھو جنتی لوگ کفار پر بطور طعن یہ گفتگو کریں گے بلکہ یہ عمل سنت رسول اللہ بھی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح بدر کے بعد ابو جہل وغیرہ کی لاشوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا بولو اے کافرو جو کچھ میں نے کہا تھا وہ حق ہے یا نہیں یہ خطاب بھی طعن اور عتاب کے طور پر تھا۔ میں بھی کل مقام محمود کے پاس وہابیوں سے پوچھوں گا کہ دیکھو میرے آقا کی شان ایسی ہی ہے جیسی میں بیان کرتا تھا۔ **چھٹا فائدہ:** سوال ہمیشہ معلوم کرنے کے لئے نہیں ہوتا بلکہ اس کے مقصد اور بھی ہوتے ہیں۔ دیکھو یہاں سوال ہے مگر اس سے مقصود دوزخیوں پر طعنہ کرنا ہے ورنہ جنتی لوگ تو جانتے ہیں کہ دوزخیوں کو سزا مل رہی ہے اور انہوں نے رب کے کئے ہوئے وعدے وعید ہو بہو درست پالئے۔ ساتواں فائدہ: تمام گناہوں کی جڑ اللہ سے بے خوفی اور قیامت کا انکار ہے۔ یہ فائدہ **وھم بالاخرۃ** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : یہاں ارشاد ہوا کہ جنت والے آگ والوں سے کہیں گے آگ میں تو بعض گنہگار مومن بھی ہوں گے کیا ان پر بھی یہ طعن ہوگا۔ جواب: ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ گفتگو ان گنہگاروں کے دوزخ سے نکل جانے جنت میں پہنچ جانے کے بعد ہوگی جنتی لوگ ان گنہگاروں پر طعن نہ کریں گے بلکہ ان کی شفاعت کر کے انہیں دوزخ سے نکالیں گے جب تک ان سب کو نکال نہ لیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے۔ یہ گنہگار مومن اگرچہ کچھ دن آگ میں رہیں گے مگر آگ والے نہ ہوں گے۔ بھٹی کا کوئلہ آگ والی چیز ہے وہاں تپنے والا سونا آگ والی چیز نہیں گھر میں مستقل رہنے والا گھر والا ہے ملاقات اور مہمان جو کچھ دیر کے لئے گھر میں گیا وہ گھر والا نہیں کہلاتا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں دو جگہ وعدہ کا ذکر ہے مگر پہلی جگہ تو ہے **ما وعدنا** اور دوسری جگہ ہے **ما وعد ربکم** یعنی **وعد** کم نہیں ہے اس فرق کی کیا وجہ ہے یا تو دونوں جگہ **وعد** کا مفعول مذکور نہ ہوتا

یا دونوں جگہ ہوتا یعنی **وعدکم ربکم** ہوتا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر بیضاوی نے تو یہ دیا ہے کہ رب تعالیٰ نے کفار سے قیامت حساب و کتاب دوزخ اور وہاں کے عذاب سب ہی کے وعدے کئے تھے ان میں قیامت اور حساب و کتاب کے وعدہ کفار سے خاص سے نہ تھے بلکہ مومنوں سے بھی تھے اس لئے **وعد کم** نہ فرمایا مگر مومنوں سے جنت وہاں کی نعمتوں کے وعدے تھے جو کفار سے نہ تھے اس لئے **وعدنا** فرمایا دوسری تفسیروں نے یہ جواب دیا ہے کہ اس میں بھی کفار کو ذلیل کرنا ہے گویا وہ رب تعالیٰ کے خطاب کے لائق نہ تھے اس لئے **وعدکم** نہ فرمایا **واللہ و رسولہ اعلم۔** **تیسرا اعتراض:** حضرت امام علی رضا فرماتے ہیں کہ یہ اعلانچی اور موذن حضرت علی ہوں گے جو یہ اعلان کریں گے کہ لعنت اللہ علی الظالمین نہ کہ کوئی فرشتہ۔ **جواب:** یہ روایت بالکل من گھڑت ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ تو اصحاب جنت میں سے ہیں وہ تو کفار سے یہ سوال کریں گے یہ اعلانچی جنت میں نہیں ہو گا بلکہ اعراف پر ہو گا جیسا کہ بینھم سے معلوم ہو رہا ہے تمہارے اس قول میں حضرت علی شیر خدا کی توہین ہے کہ تم نے انہیں اصحاب جنت سے علیحدہ مان کر انہیں درمیانی جگہ کا باشندہ مانا۔ **چوتھا اعتراض:** اس اعلانچی نے صرف ایک بات کیوں کہی کہ ظالموں پر اللہ کی لعنت ہے دوسری بات کیوں نہ کہی کہ مومنوں پر اللہ کی رحمت ہے۔ **جواب:** اس اعلانچی نے خطاب جنتی لوگوں سے کیا اور انہیں کفار کا حال سنایا دوزخیوں کو لائق خطاب سمجھا ہی نہیں انہیں سنا تو دیا مگر ان سے خطاب نہیں کیا نیز ایک گروہ یعنی کفار کا حال بیان کرنے سے دوسرے گروہ یعنی مومنین کا حال خود بخود معلوم ہو گیا اس ظہور کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کیا۔ **پانچواں اعتراض:** جنتیوں کی زبان تو عربی ہو گی دوزخیوں کی زبان جیسا کہ مشہور ہے فارسی ہو گی پھر وہ ایک دوسرے کی بات کیسے سمجھ لیں گے اور سوال و جواب کیونکر ہوں گے؟ **جواب:** یہ زبانیں ان دونوں جماعتوں کی آپس میں بولنے کی ہوں گی مگر وہ دونوں ایک دوسرے کی بولی سمجھا کریں گے بولنے کی زبان اور ہو سکتی ہے سمجھنے کی دوسری۔ آج حرمین طیبین کے دکاندار بولتے ہیں عربی مگر سمجھتے ہیں ہر ملک کی زبان اور بہ آسانی ہر ایک سے تجارت کر لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان بولتے تھے اپنی زبان مگر سمجھتے تھے جانوروں کی زبان بھی۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں کفار کے تین عیب بیان ہوئے پہلا عیب **یصدون عن سبیل اللہ** دوسرا عیب **و یبغونھا عوجا** تیسرا عیب **وھم بالاخرۃ ھم کافرون** ان میں پہلے دو عیب حال کے **صیغے** سے ارشاد ہوئے حالانکہ یہ دونوں واقعات تو دنیا میں ہوئے تھے لہٰذا **صدوا** اور **بغوا** ماضی فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** چونکہ ان دونوں عیوب کا ظہور اس وقت ہو رہا ہے ان کی سزا اب مل رہی ہے نیز کبھی ماضی کو حال سے تعبیر کرتے ہیں وہ واقعہ ذہن میں حاضر کرنے کے لئے ان وجوہ سے یہاں حال کے **صیغے** ارشاد ہوئے۔ ہم کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں ایک جنگل میں جا رہا ہوں مجھ سے ایک آدمی یہ کہہ رہا ہے میں یہ جواب دے رہا ہوں دیکھو یہاں گزشتہ واقعہ حال سے تعبیر ہوا کیوں وہ سب کچھ ذہن میں حاضر کرنے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں جنتی لوگ یعنی اہل محبت دوزخیوں یعنی اللہ تعالیٰ سے کٹے ہوؤں سے بہ زبان حال کہتے ہیں کہ ہم سے رب نے وعدہ کیا تھا۔ **من طلبنی وجدنی** جو مجھے تلاش کرے گا پا لے گا ہم نے تو رب کا یہ وعدہ پا لیا۔ بولو تم سے جو رب نے وعدہ کیا تھا کہ **من یطلب غیری لم یجدنی** جو میرے غیر کو تلاش کرے گا وہ مجھے نہیں پا سکتا کیا تم نے بھی یہ وعدہ پا لیا وہ بزبان حال کہتے ہیں کہ ہاں پا لیا اسی دوران میں کشف ربانی سے کہا کہ اللہ کی پھٹکار ہے ان ظالموں پر جو کھائیں اللہ کی نعمتیں اور تلاش کریں اس کے غیر کو اور اس کی دی ہوئی طاقتیں اس کی ناراضی میں صرف کریں یہ لوگ اپنی روح اپنے دل کو اللہ کی طلب

سے روکتے ہیں۔ اور ٹیڑھا راستہ یعنی طلب دنیا اختیار کرتے ہیں یہ لوگ آخرت یعنی انجام کار کے انکاری ہیں اہل محبت پر طعن کرتے ہیں صرف محسوسات کے پیچھے پڑے ہیں۔ خیال رہے کہ لوگ اقرار انکار ' سلوک اور قعود میں مختلف درجات رکھتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

کودکاں گرچہ بہ یک مکتب دراند! در سبق ہر یک زیک بالا ترند!
خود ملائک نیز ناہمتا بودند! زیں سبب بر آسمان صف صف شدند!

یعنی مدرسہ ایک ہوتا ہے مگر وہاں پڑھنے والے طلباء مختلف درجوں میں ہوتے ہیں ایسے ہی دنیا ایک ہے۔ مگر یہاں کے رہنے والے لوگ جنت و دوزخ کے مختلف درجات والے ہیں۔ (روح البیان) اللہ تعالیٰ اچھے درجوں والا بنائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری رحمتیں خاصہ ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عامہ **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین** کافر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے کہ دنیا میں مرتے وقت قبر میں حشر میں اور دوزخ میں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور ہے اس لئے حقیقی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دوری اسی کے لئے ہے گنہگار مسلمان اگرچہ رحمت خاصہ یعنی نیک اعمال سے دور ہو مگر رحمت عامہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور نہیں کہ وہ بد عقیدہ نہیں حرم کعبہ تین تین میل تک ہے جو اس میں آ جائے امان پائے **ومن دخلہ کان امنا** مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم سارے عالم میں ہے بزرگوں کے آستانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم ہیں لہذا لعنت یعنی رحمت عامہ سے دوری کفار ہی کے لئے ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا

اور درمیان ان دونوں کے ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ لوگ ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے ہر ایک کو نشانیوں سے انکی

اور جنت و دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے کہ دونوں فریق کو انکی نشانیوں

أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾

اور وہ ندا دیں گے بہشت والوں کو یہ کہ سلامتی ہو اوپر تمہارے نہ داخل ہوئے ہوں گے وہ اس بہشت میں اور طمع

سے پہچانیں گے اور وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ

کرتے ہوں گے۔ اور جب پھیری جائیں گی نگاہیں اُن کی جانب آگ والوں کے تو کہیں گے اے رب ہمارے نہ

ہیں۔ اور جب انکی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھرے گی کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں

ع ٥ ١٢ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿٤٧﴾

بنا تو ہم کو ساتھ قوم ظلم کرنے والی کے

ظالموں کے ساتھ نہ کر

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اس گفتگو کا ذکر ہوا جو اہل جنت اور اہل دوزخ کے درمیان ہو گی اب اس گفتگو کا ذکر ہے جو ان دونوں جماعتوں سے ایک تیسری جماعت کرے گی یعنی آپس کی گفتگو کے بعد ایک غیر جانب دار جماعت کی گفتگو کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ جنتی لوگ دوزخیوں کو دیکھیں گے بھی ان سے گفتگو بھی کریں گے جس سے معلوم ہوا تھا کہ دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوا کریں گی۔ اب ارشاد ہے کہ اس آمنے سامنے ہونے کے باوجود نہ تو جنتیوں کو آگ سے تکلیف ہو گی نہ دوزخیوں کو جنت کی ہوا لگے گی کیونکہ ان کے درمیان اب بھی حجاب رہے گا گویا پہلے آمنے سامنے ہونے کا ذکر تھا اب حجاب رہنے کا تذکرہ ہے **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بعض بیرونی حضرات دوزخیوں پر لعنت کریں گے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ کفار دوزخیوں پر لعنت کے ساتھ جنتی مومنوں کو بشارات بھی دیں گے گویا ان کے ایک کلام کے بعد دوسرے کلام کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں اجمال تھا کہ ایک موذن اعلانچی اعلان کرے گا اب اس اعلانچی کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ اعراف والے ہوں گے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر : **و بینھما حجاب** یہ مضمون نیا ہے جس میں ایک شبہ دور کیا گیا ہے یہ شبہ یہ تھا کہ جب جنت دوزخ اوپر تلے اس طرح ہیں کہ جنتی لوگ جھانک کر دوزخیوں کو دیکھ لیں گے اور دوزخی انہیں دیکھ لیں گے۔ ایک دوسرے سے باتیں کر لیں گے تو جنتیوں کو دوزخ کی لو' بدبو' تپش وغیرہ پہنچے گی اور دوزخیوں کو جنت کی ٹھنڈی ہوا خوشبو وغیرہ پہنچ جاوے گی اس شبہ کو اس ایک جملہ میں دور فرمایا کہ نہیں بلکہ آوازیں نگاہیں تو ایک دوسرے تک پہنچ سکیں گی ہوائیں وغیرہ نہیں پہنچ سکیں گی کیونکہ جنت اور دوزخ کے درمیان یا جنتیوں دوزخیوں کے درمیان پردہ' آڑ نہایت مضبوط ہے اس حجاب کی حقیقت نہیں معلوم۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **فضرب بینھم بسور لہ باب باطنہ فیہ الرحمت وظاھرہ من قبلہ العذاب** جس سے معلوم ہوا کہ جنت دوزخ کے درمیان ایک دیوار حائل ہے جو آڑ مضبوط ہے۔ دیوار کس چیز کی ہے یہ رب جانے یا ان شاء اللہ دیکھ کر جائیں گے۔ دیکھو کھاری اور میٹھے سمندر کے بیچ آڑ ہے جس سے پانی ایک دوسرے سے نہیں ملتے مگر اس آڑ کی خبر نہیں کہ اس کی حقیقت کیا ہے فرماتا ہے۔ **بینھما برزخ لا یبغیان** بلکہ دنیا میں دوزخیوں اور جنتیوں کے درمیان قدرتی آڑ ہے جس کی وجہ اہل جنت کی آواز دوزخیوں کے دل میں اثر نہیں کرتی وعظ و نصیحت کچھ فائدہ نہیں دیتی۔ **حجاب** بنا ہے حجب سے بمعنی روک آڑ۔ پردہ کو حجاب اور ڈیوڑھی بان کو حاجب کہتے ہیں کہ یہ چیزیں روک اور آڑ ہوتی ہیں۔ **وعلی الاعراف رجال** یہ دوسرا نیا مضمون ہے جس میں حجاب کی قدرے تفصیل ہے **اعراف** جمع ہے عرف کی بمعنی اونچائی بلندی ظہور اس لئے مرغ اور گھوڑے کی گردن کے بالوں کو **عرف الدیک** یا **عرف الفانیہ** کہا جاتا ہے اسی سے ہے معروف بمعنی مشہور۔ **الاعراف** میں لام عوضی ہے اصل میں اعراف الحجاب تھا یعنی اس حجاب کی بلندیوں پر کچھ لوگ ہیں اعراف دراصل اس ہی حجاب کی بلندی کا نام ہے جو جنت و دوزخ کے درمیان ہے۔ اعراف پر کون لوگ ہیں اس میں مفسرین کے سولہ قول ہیں۔ (1) وہ کچھ فرشتے ہیں جو مرد انسانوں کی شکل میں ہوں گے جنتیوں کو خوش خبری دوزخیوں کی ملامت کرنے کے لئے (بیضاوی) (2) وہ حضرات انبیاء کرام ہیں جو کچھ روز وہاں رہیں گے اس کام کے لئے (3) وہ حضرات شہداء عظام ہیں۔ (4) اعلیٰ درجہ کے مومنین

ہیں (5) وہ اس امت کے فقہاء علماء ہیں۔ (6) وہ قیامت کے خاص گولہ ہیں جو اس کام کے لئے مقرر کئے جائیں گے (7) وہ حضرت علی، عباس، حمزہ، جعفر ہیں جو اپنے محبوبوں کو ان کے چہرے کی سفیدی سے، مردود دشمنوں کو سیاہی سے پہچانیں گے۔ (8) یہ وہ شہید و غازی ہیں جو اپنے ماں باپ کی اجازت کے بغیر جہاد میں گئے۔ یہ لوگ جہاد کی برکت سے دوزخ سے بچ گئے۔ ماں باپ کی بددعا سے جنت میں نہ گئے۔ (9) یہ وہ لوگ ہیں جن کے ماں باپ میں سے ایک راضی رہا دوسرا ناراض۔ (10) یہ لوگ اسلام میں حرامی بچے ہیں کہ تھے مومن مگر ہوئے حرامی (11) یہ لوگ مشرکین و کفار کی اولاد ہیں جو بچپن میں فوت ہوئے۔ (12) یہ لوگ فترت والے ہیں یعنی جو حضرت عیسیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیانی زمانہ میں ہوئے۔ جب نبوت کی روشنی گل ہو چکی تھی۔ (13) یہ لوگ وہ مومنین ہیں جنہیں دنیا میں کبھی کوئی تکلیف نہ پہنچی جس سے ان کے گناہ صغیرہ معاف ہو جاتے (14) یہ گناہ کبیرہ والے مسلمان ہیں جو بغیر توبہ مر گئے۔ (15) یہ وہ لوگ ہیں جن کے نیک و بد اعمال برابر تھے کوئی کم و بیش نہ تھا (16) یہ لوگ متکبر مومنین ہیں (تفسیر روح البیان و معانی و کبیر وغیرہ) فقیر کے نزدیک پندرھواں قول قوی ہے باقی قول ضعیف ان سب کے ضعف کی وجہ بیان کرنے میں بہت طوالت ہے۔ صرف اتنا سمجھ لو کہ اعراف والوں کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے **لم یدخلوھا و ھم یطمعون** کہ وہ لوگ جنت کے امیدوار ہوں گے مگر اب تک داخل نہ ہوئے ہوں گے تو پھر یہ لوگ فرشتے یا انبیاء کرام یا اعلیٰ درجہ کے مومنین کیسے ہو سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ جنت دوزخ کے درمیان یہ حجاب تو دائمی ہو گا مگر اعراف پر ان لوگوں کا قیام عارضی ہو گا کچھ مدت کے بعد یہ سب جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے اور اعراف خالی ہو جائے گا۔ جب یہ جنت میں جانے لگیں گے تو انہیں جنت کے دروازے پر نہر حیات میں ایک غوطہ دیا جاوے گا جس سے یہ لوگ نہایت ہی حسین و جمیل ہو کر دھل کر صاف ہو کر جنت میں پہنچیں گے۔ (تفسیر خازن) **یعرفون کلا بسیما ھم** یہ عبارت اعراف والے مردوں کی ہے یہ لوگ میدان محشر ہی پر جنتی دوزخی کو ان کے چہروں کے ہاتھ کھلے بندھے ہوئے، نامہ اعمال داہنے یا بائیں ہاتھ میں ہوئے وغیرہ سے ہی پہچان لیں گے یہ جنتی ہے یہ دوزخی۔ یہ مطلب نہیں کہ اب جنتی دوزخی کو علامات سے پہچانیں گے اب تو جنتی جنت میں ہیں۔ دوزخی دوزخ میں اب علامات کی ضرورت ہی نہیں۔ **سیما** بنا ہے سمت سے۔ جس کی اصل وسم ہے بمعنی نشانی رب فرماتا ہے **سیما ھم فی وجوھھم من اثر السجود** اور اگر اعراف والے لوگ حضرات انبیاء یا خاص اولیاء اللہ ہوں تو مطلب یہ ہے کہ دنیا سے ہی یہ حضرات جنتیوں دوزخیوں کو جانتے پہچانتے ہیں وہ حضرات دنیا میں ہر ایک کے انجام سے باخبر ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں **یعرفونھم** فرمایا **یعلمونھم** نہ کہا تاکہ معلوم ہو کہ اعراف والے سارے جنتیوں دوزخیوں کو صرف جانیں گے نہیں بلکہ پہچانیں گے علم اجمالی بھی ہوتا ہے مگر معرفت تفصیلی ہی ہوتی ہے نیز جاننا ایک دو علامات کا بھی ہوتا ہے مگر معرفت یعنی پہچان پورے حالات کی ہوتی ہے۔ جس سے پتہ لگا کر اعراف والے ہر جنتی دوزخی کے الگ الگ سارے حالات سے خبردار ہوں گے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **فتجلی لی کل شی و عرفت ونا دوا اصحاب الجنة ان سلام علیکم** اعراف والوں کا اہل جنت کو یہ سلام پیش کرنا سلام ملاقات یعنی سلام تحیت نہیں بلکہ سلام بشارت ہے۔ سلام بہت قسم کا ہوتا ہے۔ سلام تحیت، سلام وداع، سلام بشارت، سلام بیزاری، سلام اجازت داخلہ وغیرہ یہاں تو دعاء سلامتی کے لئے ہے یا بشارت سلامتی کے لئے۔ سلام کے معنی ہیں سلامتی، امن، عاقبت، یعنی تم پر سلامتی ہے یا سلامتی ہو ہم جو التحیات یا درود شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرتے ہیں وہ سلام، اجازت لینے یا ملاقات یا رخصت کا نہیں بلکہ دعا کا ہے کہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دعائیں دیں رب سے بھیک ملے ابراہیم علیہ السلام نے آذر سے کہا تھا۔ **سلام علیک ساستغفرلک** ربی یہ سلام بیزاری تھا **لم یدخلوھا وھم یطمعون** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ **لم یدخلوا** تو **نادوا** کے فاعل سے حال ہے اور **وھم یطمعون لم یدخلوھا** کے فاعل سے حال۔ یطمع بنا ہے طمع سے بمعنی امید مگر یہاں امید یقینی مراد ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام فرماتے ہیں **والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین** یعنی جس وقت اعراف والے جنتیوں سے یہ کہیں گے اس وقت وہ جنت میں گئے نہیں ہوں گے ہاں انہیں وہاں جانے کی امید یقینی ہو گی اس عبارت سے معلوم ہوا اعراف والے فرشتے یا انبیاء کرام کامل مومنین صالحین نہ ہوں گے بلکہ وہی لوگ ہوں گے جو اپنی کسی کمی کی وجہ سے ابھی جنت میں نہ پہنچ سکے اس کے امیدوار ہیں۔ **واذا صرفت ابصارھم تلقاء اصحاب النار** اس عبارت میں اعراف والوں کی دوسری حالت کا ذکر ہے چونکہ یہ لوگ جنت دوزخ کے بیچ میں ہوں گے اس لئے یہ دونوں چیزیں ان کے سامنے ہوں گی ادھر منہ کیا تو جنت کا نظارہ کیا ادھر نگاہ کی تو دوزخ دیکھ لی مگر جنت کو دیکھنا رغبت سے ہو گا دوزخ کو دیکھنا مجبوراً اور نفرت بے رغبتی سے اس لئے یہاں **صرفت ابصارھم** ارشاد ہوا کہ جب ان کی نظریں دوزخ کی طرف پھیری جائیں گی وہ خود خوشی سے ادھر نگاہ نہ کریں گے **صرفت** اور **ابصار** فرمانے سے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ کبھی کبھی وہ دوزخ کی طرف دیکھیں گے ہمیشہ نہیں دوسرے یہ کہ جب ادھر دیکھیں گے تو صرف نگاہ ہی اس طرف کریں گے چہرہ یا پورا رخ ادھر نہ کریں گے گویا کنکھیوں سے ہی ادھر دیکھیں گے خیال رہے کہ لفظ **تلقاء** مصدر ہے بروزن تفعال اس وزن پر صرف دو ہی مصدر آتے ہیں **تلقاء** اور **تبیان** یہاں بمعنی ظرف مکان ہے بمعنی جانب، سمت، طرف (تفسیر روح المعانی) **قالوا ربنا لا تجعلنا مع القوم الظلمین** یہ عبارت جزا ہے **اذا صرفت** کی اس میں دوزخیوں سے خطاب نہیں بلکہ انہیں سنا کر رب تعالیٰ سے دعا اس کی پناہ لینا ہے جس میں دوزخیوں کی انتہائی اہانت وذلت وخواری کا اظہار ہے انہیں ظالم فرما کر ان کے دوزخی ہونے کی وجہ بیان کر دی۔ **ظالمین** سے مراد کافرین ہیں۔ یا اللہ اس ظالم قوم کے ساتھ ہم کو نہ رکھنا دوزخ بھی عذاب ہے اور ان کی ہمراہی بھی عذاب۔ ان دونوں عذابوں سے تیری پناہ نہ ہم کو دوزخ میں بھیجنا نہ انہیں اعراف میں۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان اہل جنت اور اہل دوزخ کی گفتگو سے کوئی یہ دھوکہ نہ کھائے کہ دوزخ کی تپش جنت میں یا جنت کی ٹھنڈی ہوا خوشبو دوزخ میں پہنچے گی یہ نہ ہو سکے گا کیونکہ جنت دوزخ کے درمیان ایک مضبوط پردہ ہے جس کی وجہ سے ادھر کی کوئی چیز ادھر نہیں پہنچ سکے گی بلکہ جب جنتی لوگ دوزخیوں گنہگار مسلمانوں کو نکالنے دوزخ میں جائیں گے تب بھی ان کی نورانیت ایمان دوزخ کی آگ کیلئے حجاب بن جاوے گی جس سے وہ ان میں بالکل اثر نہ کرے گی اس پردہ اور دیوار کے اوپری حصہ پر کچھ لوگ ہوں گے جو ابھی نہ جنت کے قابل ہوئے نہ دوزخ کے لائق وہ ان جنتی دوزخی لوگوں کو میدان محشر سے ہی پہچانتے ہوں گے ان کی خاص نشانیوں سے وہ اہل جنت کو دیکھ کر انہیں پکاریں گے کہ تم پر ہر طرح کی سلامتی ہو تم ہر آفت سے محفوظ رہو اللہ کی امن وامان میں رہو یہ اعراف والے ابھی جنت میں داخل نہ ہوئے ہوں گے اس کے امیدوار ہوں گے کہ رب تعالیٰ ہم پر بھی کرم کرے اور ہم کو جنت میں پہنچا دے۔ اس لئے وہ جنتیوں کو دعائیں دیں گے کہ ان دعاؤں کی برکت سے اللہ ہم کو بھی جنت میں داخل کر دے اللہ کے بندوں کو دعائیں دینا اللہ تعالیٰ سے مانگنا ہے پھر جب انہیں دوزخ کی طرف دیکھنا پڑے گا کہ ان کی نگاہیں ادھر پھیری جائیں گی تو وہ دوزخیوں سے براہ راست خطاب کے بجائے انہیں سنا کر رب کی پناہ مانگیں گے

کہ خدایا ہم کو ظالم و کافر قوم کے ساتھ نہ کر دینا ہم کو ان سے دور رکھ کر کرم فرما اس دعا سے دوزخیوں کو اور بھی تکلیف ہوگی۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: جنت دوزخ میں ایک دوسرے کی آوازیں نگاہیں تو پہنچیں گی۔ مگر ہوائیں، خوشبو، بدبو وغیرہ کچھ نہ پہنچ سکے گی یہ فائدہ **وبینھما حجاب** سے حاصل ہوا کہ یہ حجاب ان چیزوں کی روک کے لئے ہے۔ **دوسرا فائدہ**: جنت دوزخ میں مرد و عورتیں دونوں ہوں گے مگر اعراف میں صرف بالغ مرد ہی ہوں گے نہ کوئی عورت ہوگی نہ کوئی بچہ۔ یہ فائدہ **رجال** سے حاصل ہوا نیز وہاں کوئی جن بھی نہ ہوگا یہ فائدہ بھی **رجال** سے حاصل ہوا کیونکہ مطلق رجل صرف مرد انسانوں کو کہا جاتا ہے ہاں جب **رجال من الجن** کہا جاوے تو جن مرد مراد ہوتے ہیں یہاں **رجال** مطلق ہے۔ خیال رہے کہ اعراف یا تو اس حجاب ہی کا نام ہے یا اس حجاب کے اعلیٰ حصہ کا نام۔ ظاہر یہی ہے اعراف عین حجاب نہیں ورنہ علیہ فرمایا جاتا **علی الاعراف** نہ کہا جاتا۔ **تیسرا فائدہ**: قیامت میں جنتی دوزخی علامات نشانیوں سے پہچانے جائیں گے۔ یہ فائدہ **بسیما ھم** سے حاصل ہوا لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بھی قیامت میں سب کو پہچانیں گے۔ رب فرماتا ہے **یعرف المجرمون بسیما ھم** قیامت میں دوزخی لوگ اپنی نشانیوں سے پہچانے جائیں گے کہ ان کے منہ کالے آنکھیں نیلی ہاتھ پیچھے بندھے ہوئے بائیں ہاتھ میں نامہ اعمال جنتی ان کے برعکس اور فرماتا ہے **فیومئذ لا یسئل عن ذنبہ انس ولا جان** جو کہے کہ قیامت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پرائے کافر و مومن کی پہچان نہ ہوگی۔ وہ دراصل ان جیسی آیات کا منکر ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں مطالعہ فرماؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض غلام دنیا میں جنتی دوزخی لوگوں کو پہچانتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: نورانی مخلوق کروڑوں میل سے معمولی آواز سن لیتی ہے اور باریک سے باریک چیز دیکھ لیتی ہے دیکھو اعراف جنت اور دوزخ دونوں سے لاکھوں کروڑوں میل دور ہے مگر وہاں کے لوگ ہر جنتی جہنمی کو دیکھیں گے بھی اور ان سے کلام بھی کریں گے اہل جنت کو سلام بھی کریں گے دنیا میں نورانی لوگ دور سے سن لیتے ہیں اور دیکھ لیتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے میلوں دور سے چیونٹی کی آواز سن لی **فتبسم ضاحکا من قولھا** یہ فائدہ **و نادوا اصحاب الجنۃ** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ والوں کو دور سے سلام کرنا جائز ہے دیکھو اعراف کے لوگ کروڑوں میل سے اہل جنت کو سلام کریں گے۔ یہ فائدہ **ان سلام علیکم** سے حاصل ہوا۔ ہم لوگ نماز میں کہتے ہیں **السلام علیک ایھا النبی**۔ اگرچہ یہ سلام ملاقات کے سلام نہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کا یہ پڑھنا **یا نبی سلام علیک** بالکل درست ہے۔ **چھٹا فائدہ**: اعراف والے درجہ میں جنتی لوگوں سے کم ہوں گے کہ وہ تو جنت میں پہنچ چکے مگر یہ حضرات ابھی وہاں کے امیدوار ہیں۔ یہ فائدہ **وھم یطمعون** سے حاصل ہوا۔ حضرت صدر الافاضل قدس سرہ نے فرمایا کہ اعراف پر صالحین و انبیاء کرام اور یہ کم درجہ لوگ سب ہی ہوں گے مگر مختلف مقصدوں سے۔ **ساتواں فائدہ**: بروں کی سنگت بھی بری ہے اللہ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ یہ فائدہ **لا تجعلنا مع القوم الظالمین** سے حاصل ہوا۔ اسی طرح اچھوں کی سنگت بھی اچھی ہے رب فرماتا ہے **فاولئک مع الذین انعم اللہ علیھم** لکڑی کے ساتھ لوہا بھی تر جاتا ہے۔

پہلا اعتراض : یہ مذکورہ حجاب اور اعراف ایک ہی چیز ہے یا مختلف چیزیں۔ **جواب**: اس کے متعلق مجھے تین قول ملے ہیں ایک یہ کہ دونوں ایک ہی چیز ہے نام مختلف ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حجاب کے اوپری حصہ کا نام اعراف ہے تیسرے یہ کہ یہ دونوں مختلف چیزیں ہیں حجاب اور ہے اعراف کچھ اور ورنہ **علی الاعراف** نہ فرمایا جاتا بلکہ علیہ کہا جاتا **واللہ و رسولہ**

اعلم۔ دوسرا اعتراض: جب جنت اور دوزخ اوپر نیچے واقع ہے تو درمیان میں حجاب یعنی پردہ ہونا کیا معنی پردہ تو دو برابر کی چیزوں میں ہوتا ہے۔ جواب: اس کی وجہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ یہ حجاب اس لئے ہو گا کہ جنت کی خوشبو ٹھنڈی ہوا وغیرہ دوزخ میں نہ پہنچے اور دوزخ کی لو بدبو جنت میں نہ آئے باقی لوگوں کی نگاہیں آوازیں وہاں پہنچ سکیں اوپر نیچے کی چیزوں میں بھی حجاب ہو سکتا ہے ہانڈی چولہے پر ہو تو ہانڈی کا تلہ آگ اور پانی کے درمیان حجاب ہے حالانکہ یہ دونوں وہاں اوپر تلے ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض: اعراف میں صرف مرد ہی کیوں ہوں گے عورتیں کیوں نہ ہوں گی جب جنت دوزخ دونوں جگہ مرد عورتیں سب ہیں تو اعراف پر بھی سب چاہئے تھے۔ جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ عورتوں کی وہاں بے پردگی ہوتی کہ وہ جنتی دوزخیوں کو دیکھتیں اور وہ لوگ ان عورتوں کو۔ دوسرے یہ کہ اعراف کی ڈیوٹی وہ ادا نہ کر سکتیں ان کی ڈیوٹی جنتیوں کو بشارات دینی اور دوزخیوں پر پھٹکار کرنی ہے عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ دیکھو دنیا میں عورت امام، موذن، سلطان، حاکم نہیں بن سکتی کہ ان چیزوں میں عورت کے چہرے یا آواز کی بے پردگی ہے۔ چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ اعراف پر بچے نہ ہوں گے حالانکہ قیامت اور اس کے بعد سب جوان ہوں گے کوئی بچہ نہ ہو گا پھر اس کا کیا مطلب ہے۔ جواب: مطلب یہ ہے کہ جو دنیا میں بچے مرے وہ اعراف میں نہ ہوں گے کیونکہ اعراف میں وہ جائیں گے جن کی نیکیاں بدیاں برابر ہوں گی بچے اعمال کے مکلف ہی نہیں پھر وہاں وہ کیسے رہیں۔ پانچواں اعتراض: اعراف کے لوگ جنتیوں کو پکاریں گے مگر دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہوا **واذا صرفت ابصارھم** جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھیری جائیں گی ان دونوں باتوں میں فرق کیوں ہے۔ جواب: اس فرق کو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ اعراف کے لوگ جنت کو بخوشی دیکھیں گے مگر دوزخ کو بخوشی نہ دیکھیں گے بلکہ انہیں دیکھنا پڑے گی اس لئے **ینظروا** یا **یروا** ارشاد نہیں ہوا بلکہ **صرفت ابصارھم** فرمایا گیا۔ چھٹا اعتراض: دعا کی جگہ تو دنیا ہے پھر اعراف کے لوگ وہاں یہ دعا کیوں مانگیں گے کہ خدایا ہم کو ظالم قوم کے ساتھ نہ رکھ۔ عبادات، ریاضات، توبہ، دعا یہ سب چیزیں دنیا کی ہیں۔ جواب: یہ قاعدہ غلط ہے دعائیں وہاں بھی ہوں گی حتی کہ انبیاء کرام اپنی امت کے لئے عرض کریں گے **اللھم سلم سلم** بعض عبادات جنت میں ہوں گی جیسے اللہ کا ذکر تلاوت قرآن۔ ہاں ثواب اس عبادت پر ملے گا جو دنیا میں کر لی جاوے۔ وہاں عبادات لذت کے لئے ہوں گی اگر مان لیا جاوے تو ان کی یہ دعا دوزخ والوں کو زیادہ ذلیل کرنے کے لئے ہو گی۔

نوٹ: بعض لوگ کہتے ہیں کہ اعراف میں راحت بھی ہو گی اور تکلیف بھی کبھی جنت کی ہوا آگئی تو باغ باغ ہو گئے دوزخ کی لو چل گئی تو تکلیف پا گئے ان کا ماخذ یہ آیت بن سکتی ہے کہ اس میں **واذا صرفت** ارشاد ہوا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

حوران بہشتی را دوزخ بود اعراف   از دوزخیاں پرس کہ اعراف بہشت است

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں بعض حجاب و پردہ نظر کے لئے ہوتے ہیں بعض سماعت یعنی کانوں کے لئے بعض دل کے لئے بعض روح کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر، دیدار، گفتار سب میں فیض و تجلی تھی اور ہے اور تاقیامت رہے گی مگر ابو جہل اور تاقیامت کفار ایسے حجاب میں ہیں جس سے وہ یہ فیض نہیں لے سکتے ہیں رب فرماتا **وجعلنا من بین ایدیھم سدا ومن خلفھم سدا فاغشینھم فھم لا یبصرون** وہ حجاب ہماری سمجھ سے باہر ہے یونہی دنیا میں نفسانی لوگ دوزخی ہیں اور ایمانی لوگ جنتی ان دونوں کے درمیان قدرتی حجاب ایسا ہے جس سے ایک دوسرے کو اس حجاب کی وجہ سے نہیں دیکھتے وہ حجاب

بشری اوصاف اور نفسانی اخلاق ہیں۔ ان دونوں گروہوں کے درمیان اہل اللہ ہیں جو ان دونوں کو جانتے پہچانتے ہیں یہی لوگ اعراف یعنی جان پہچان والے معرفت والے ہیں یہ حضرات جنتیوں کو ان کے نور قلب کے آثار سے جانتے پہچانتے ہیں یونہی دوزخ والوں کو ان کے دل کی ظلمت کی نشانی سے پہچانتے ہیں یہ لوگ درحقیقت مرد ہیں اس لئے انہیں **رجال** فرمایا کہ وہ ماسوی اللہ میں مردوں کی طرح تصرف کرتے ہیں مگر کوئی چیز ان میں اثر نہیں کر سکتی فرماتا ہے۔ **رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله** اور فرماتا ہے **رجال صدقوا** اور فرماتا ہے **فيه رجال يحبون ان يتطهروا** خواص اور عوام میں یہ لوگ مردمی بلندی ہمت ہی کی وجہ سے ممتاز ہوتے ہیں یہ اعراف والے جب دنیا میں جنتی لوگوں کو جنتی نعمتوں یعنی ذکرو فکر میں مشغول دیکھتے ہیں تو انہیں مبارکباد دیتے ہیں مگر خود ان کا اپنا یہ حال ہے کہ جنت میں داخل نہیں ہوتے وہ تو اپنے رب کے وصال کی طمع رکھتے ہیں اور وہ اس جنت میں داخلہ کی امید میں ہیں۔ جو رب کی اپنی جنت **وادخلي جنتي** اور جب یہ لوگ دوزخ والوں یعنی نفسانی انسانوں کو دیکھتے ہیں تو رب سے عرض کرتے ہیں کہ خدایا ہم کو ان سے بلکہ ان کی صحبت سے بچا صوفیاء فرماتے ہیں۔ ان اعراف والوں کی نظریں اللہ تعالیٰ نفسانی لوگوں کی طرف پھیرتا ہے تاکہ یہ لوگ اللہ کا شکر کریں کہ اس نے انہیں آفت فراق سے بچالیا (روح البیان)۔

وَنَادٰۤى اَصۡحٰبُ الۡاَعۡرَافِ رِجَالًا يَّعۡرِفُوۡنَهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ قَالُوۡا مَاۤ اَغۡنٰى
اور ندا دیں گے اعراف والے ان لوگوں کو کہ پہچانتے ہیں وہ ان کو نشانی سے ان کی کہیں گے نہیں دفع
اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جنہیں ان کی نشانی سے پہچانتے ہیں کہیں گے تمہیں کیا کام آیا
عَنۡكُمۡ جَمۡعُكُمۡ وَمَا كُنۡتُمۡ تَسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰۤؤُلَاۤءِ الَّذِيۡنَ اَقۡسَمۡتُمۡ لَا يَنَالُ
کیا تم سے تمہاری جماعت نے اور وہ جس کو تم بڑا سمجھتے تھے۔ کیا یہ وہ لوگ ہیں کہ قسم کھائی تم نے نہ دیگا
تمہارا جتھا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے ۔ کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر تم قسمیں کھاتے تھے
هُمُ اللّٰهُ بِرَحۡمَةٍ ؕ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡكُمۡ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ تَحۡزَنُوۡنَ ﴿۴۹﴾
ان کو اللہ رحمت کچھ داخل ہو جاؤ تم لوگ جنت میں نہیں ہے ڈر اوپر تمہارے اور نہ تم لوگ غمگین ہو گے
کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو اندیشہ اور نہ کچھ غم

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اعراف والوں کا وہ کلام بیان ہوا جو وہ جنت والوں سے کریں گے اب ان میں اعراف والوں کی وہ گفتگو بیان ہو رہی ہے جو وہ دوزخیوں سے کریں گے یعنی طعن اور پھٹکار کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس دعا کا ذکر تھا جو اعراف والے

دوزخیوں کو دیکھ کر رب تعالیٰ سے دعا کریں گے مگران دوزخیوں کو سناکر اب انہی اعراف والوں کے اس طعنہ کا ذکر ہے جو وہ براہ راست دوزخیوں کو دیں گے گویا بالواسطہ طعنوں کے بعد بلاواسطہ طعنوں کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اعراف والوں کی مختلف گفتگوؤں کا ذکر تھا اب ان کی ایک جامع کلام کا ذکر ہے۔ جو وہ جنتی دوزخیوں کے درمیان کریں گے کہ دوزخیوں کو جنتی لوگ اور ان کے عیش و آرام دکھا کر ان سے یہ خاص گفتگو کریں گے انہیں ان کی دنیاوی نعمتیں ان کے عیش ان کے تکبر یاد دلائیں گے تاکہ ان کا غم اور زیادہ ہو۔

تفسیر: **ونادی اصحاب الاعراف رجالا یعرفونہم بسیماہم** یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور چونکہ یہ پکارنا یقینی و قطعی ہے اس لئے **نادی** ماضی ارشاد ہوا۔ اگرچہ یہ پکار آئندہ قیامت میں ہوگی اعراف والوں سے مراد وہی لوگ ہیں جو عارضی طور پر اس وقت اعراف میں قیام پذیر ہوں گے جیسے کرایہ دار کو مکان والا یا دکان والا کہا جاتا ہے یعنی مکان یا دکان میں فی الحال رہنے والا رجال فرما کر بتایا کہ اعراف والے نہ تو دوزخی جنات سے یہ کلام کریں گے کیونکہ وہ اگرچہ کافر تھے مگر مسلمانوں کے ساتھ وہ برتاؤ نہ کرتے تھے جو یہاں مذکور ہے اور نہ خطاب کافر دوزخی عورتوں سے ہے کیونکہ وہ نامحرم عورتوں سے گفتگو نہ کریں گے یہ ہے ان کی شرم و حیا نہ کافر بچوں سے کیونکہ کفار کے بچے دوزخ میں نہیں جائیں گے کیونکہ انہوں نے کفر و شرک و گناہ کئے ہی نہیں۔ رب فرماتا ہے **وما تجزون الا ما کنتم تعملون** اس لئے **رجال** فرمایا نیز عام کفار سے خطاب نہ کریں گے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ بلکہ **رجالا** سے مراد سرداران کفر ہیں جیسے ابوجہل' ابولہب' امیہ ابن خلف اور تاقیامت کفار کے سردار اس لئے انہیں **رجال** کہا گیا **یعرفون** کا مطلب یہ ہے کہ انہیں دنیا سے ہی پہچانتے تھے یا قیامت میں یا اس نداء کے وقت پہچانیں گے کہ یہ فلاں کافر ہے یہ فلاں ان کی دنیاوی علامات سے جو وہ دنیا میں دیکھتے تھے یعنی اعراف کے باشندے سرداران کفر کو پکاریں گے انہیں اور ان کی سرداری کو ان کی خاص علامات سے پہچانتے ہوں گے کیونکہ عام کافروں کی علامات تو سب میں ہوں گی جیسے منہ کالا ہونا ہاتھ بندھے ہونا وغیرہ مگر سرداران کفر کی ان کے علاوہ خصوصی علامات ہوں گی جس سے وہ پہچانے جائیں گے کہ یہ سردار ہیں جیسے عام مسلمانوں کی علامات سب میں ہوں گی مگر حضرات اولیاء' علماء' صحابہ' انبیاء کرام کی علامات خصوصی علاوہ ہوں گی عالم دین کے باپ کے سر پر تاج ہوگا جس کا ہر موتی آفتاب سے روشن ہوگا۔ **قالوا ما اغنٰی عنکم جمعکم** یہ عبارت قالوا کا بیان ہے **اغنا** بنا ہے **اغناء** سے بمعنی۔ بے نیاز کرنا دفع کرنا اس کا مفعول پوشیدہ ہے عذاب اللہ **جمعکم** سے مراد یا تو ان کا جتھہ ان کی جماعت ہے۔ جس کے وہ دنیا میں سردار تھے یا بمعنی جمع کرنا ہے **ما اغنٰی** میں **ما** یا تو استفہامیہ ہے یا نافیہ یعنی تمہاری جماعت یا تمہارے مال جمع کرنے نے کیا عذاب الٰہی دفع کیا یا کچھ بھی دفع نہیں کیا **وما کنتم تستکبرون** بعض قرات میں ہے **تستکثرون ث** سے تب **ما** سے مراد مال یا اولاد خدام وغیرہ ہیں یعنی وہ مال و اسباب خدام وغیرہ جنہیں تم دنیا میں بڑھانے کی فکر میں رہے مگر ہماری قرات میں **تستکبرون** ہے **ب** سے اس صورت میں **ما** سے مراد یا تو ان کے بت اور معبودان باطلہ ہیں اور **ما** موصولہ یعنی وہ بت جنہیں تم بہت بڑا سمجھتے تھے یا وہ چیزیں جن کی وجہ سے تم بڑے بنتے تھے یا **ما** مصدریہ ہے یعنی تمہارے تکبر و غرور نے غرضیکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں تم سے عذاب دور نہ کیا اس مال و اسباب نے جسے تم مرتے وقت تک بڑھاتے رہے یا ان بتوں نے جنہیں تم بہت بڑا یعنی رب سمجھتے تھے یا اس مال و اولاد نے جس کی وجہ سے تم اپنے کو بڑا سمجھتے تھے یا تمہارے غرور و تکبر نے **اھٰؤلاء الذین اقسمتم لا ینالہم اللہ**

برحمته. ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام بھی اعراف والوں کا ہے اور خطاب دوزخی سرداروں سے ہے **ہولاء** میں اشارہ ان فقراء مومنین کی طرف ہے جو اب جنت میں پہنچ کر عیش کر رہے ہیں جیسے حضرت بلال عمار سلمان فارسی وغیرھم جنہیں کفار دنیا میں حقیر سمجھتے تھے ان کی غریبی کی وجہ سے یعنی اے دوزخی سردارو ان جنتی مساکین کو دیکھو کیا یہ وہی لوگ ہیں جن کے متعلق تم دنیا میں قسم کھا کر کہتے تھے کہ جیسے یہ دنیا میں کمزور رہیں ایسے ہی آخرت میں رہیں گے انہیں اللہ تعالیٰ کوئی رحمت و نعمت دے گا ہی نہیں اگر خدا ان سے راضی ہوتا تو یہ لوگ یہاں فقیر مسکین کیوں ہوتے مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ اعراف والوں کا گزشتہ کلام سن کر دوزخی انہیں جواب دیں گے کہ تم بھی تو جنت میں نہیں ہو ہماری طرح تم بھی. ہاں سے خارج ہو جیسے ہم کبھی جنت میں نہیں جا سکتے ایسے تم بھی ہمیشہ اعراف میں ہی رہو گے۔ جنت میں کبھی نہ جاؤ گے تم ہم کو طعن کیوں دے رہے ہو تب دوزخیوں کو فرشتے یہ جواب دیں گے اس صورت میں **ہولاء** سے اشارہ ان اعراف والوں کی طرف ہے یعنی اے مردودو کیا تم قسمیں کھا کر کہہ رہے ہو کہ ان اعراف والوں کو اللہ اپنی رحمت نہ دے گا انہیں جنت میں داخل نہ کرے گا تم جھوٹے ہو۔ **ادخلوا الجنته لا خوف علیکم ولا انتم تحزنون** اس فرمان میں بھی وہی دو احتمال ہیں اگر یہ اعراف والوں کا قول ہے تو **ادخلوا** میں خطاب جنت والوں سے ہے اور **ادخلوا** کے معنی ہیں داخل رہو کیونکہ وہ حضرات جنت میں داخل تو پہلے ہی ہو چکے ہیں یعنی اے جنتیو اب تم جنت میں ہی رہو سو بے کھٹکے اور بے غم تمہیں نہ یہاں سے نکالا جاوے نہ موت آوے گویا دخول معنی خلود ہے اور اگر یہ فرشتوں یا رب تعالیٰ کا کلام ہے تو ادخلوا میں خطاب اہل اعراف سے ہے یعنی اے اعراف والو! تمہارے متعلق دوزخی تو کہتے ہیں کہ تم کو اللہ رحمت کبھی نہ دے گا۔ ہم فرماتے ہیں جاؤ جنت میں داخل ہو جاؤ۔ بے کھٹک بے خوف اس وقت اعراف والے جنت میں داخل کیے جائیں گے۔ (معانی۔خازن) خوف اور حزن کے معنی ان میں فرق ان کے اقسام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں **لا خوف** فرما کر ہر قسم کے خوف کی دائمی نفی فرما دی اور **لا انتم تحزنون** فرما کر ہر قسم کے غم کی دائمی نفی کر دی چونکہ غم گھڑی گھڑی نئے نرالے ہوتے رہتے ہیں لہٰذا خوف اور غم کو فرق کے ساتھ بیان فرمایا **لا تخافون** نہ فرمایا **لا حزن علیکم** ارشاد نہ ہوا۔ خوف آئندہ پر ہوتا ہے۔ دنیا میں بعض خوف و غم صالحین کو بھی ہوتے ہیں جیسے اللہ کی ناراضی عذاب کا خطرہ وہاں جنت میں یہ بھی نہ رہے گا۔

خلاصہ ء تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر عرض کرتے ہیں جو کہ قوی بھی ہے ظاہر بھی۔ جن اعراف والوں کا ذکر تم سن چکے ان کا مقام چونکہ جنت و دوزخ کے درمیان ہے اس لئے انہیں جنتی اور جنتیں یونہی دوزخی اور دوزخیں سب نظر آتے ہوں گے وہ دوزخی سرداران کفر کو آوازیں دیں گے جنہیں وہ ان کی خاص نشانیوں سے پہچانیں گے کہ یہ فلاں سردار ہے اور یہ فلاں انہیں پکار کر کہیں گے کہ بولو تمہارے وہ دھڑے دوستوں کے مجمع اور وہ ساز و سامان جن پر تم غرور کرتے تھے کیا ان میں سے کسی چیز نے تم سے عذاب الٰہی دفع کیا وہ سب چیزیں بالکل بے کار ثابت ہوئیں بلکہ وہ تمام چیزیں بھی دوزخ میں جھونک دی گئیں **وقودھا الناس والحجارۃ** اس کا جواب دوزخی نہ دے سکیں گے بلکہ شرمندہ ہو جائیں گے پھر وہ کہیں گے کہ اے دوزخیو! دیکھو وہ ہیں جنت میں جنتی فقراء و مساکین جنہیں تم نظر حقارت سے دیکھا کرتے تھے دیکھو وہ ہیں بلال وہ ہیں خبیب وہ ہیں سلمان فارسی وہ ہیں صہیب وہ ہیں عمار (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) جو کہ عیش کر رہے ہیں تم ان کے متعلق بتوں کی قسمیں کھا کر کہا کرتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کبھی کسی نعمت سے نوازے گا ہی نہیں

کیونکہ اللہ ان سے ناراض ہے اس لئے تو انہیں غریب و مساکین رکھا ہے یہ کہہ کر پھر دوزخیوں کو سناتے ہوئے ان جنتیوں سے کہیں گے کہ خوب مزے سے جنت میں رہو سہو نہ تم پر کوئی خطرہ وڈر اور نہ تم کبھی غمگین ہوؤ گے نہ مرو گے نہ نکالے جاؤ گے نہ بیمار پڑو گے نہ کبھی رب تم سے ناراض ہو گا۔ غرض کہ ہر طرح کی امن و امان میں ہو۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اعراف والے لوگ جنت والوں اور دوزخ والوں سب کو الگ الگ پہچانتے ہوں گے کہ یہ فلاں مومن ہے اور یہ فلاں کافر۔ یہ فائدہ **یعرفون** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **یعلمون** نہیں فرمایا۔ علم کلیات کے جاننے کو بھی کہتے ہیں مگر معرفت جزئی کے تفصیلی علم کو ہی کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں **فتجلی لی کل شی و عرفت** بلکہ اس آیت سے معلوم ہوا کہ اعراف والوں کو دوزخیوں جنتیوں کے اعمال۔ احوال سارے اقوال کی بھی خبر ہو گی دیکھو وہ کہہ رہے ہیں کہ اے دوزخی سردارو! تم ان مساکین کے متعلق یہ یہ باتیں کہا کرتے تھے یہ ہے ان کا علم۔

نوٹ : قیامت کی دہشت میں لوگ ایک دوسرے کو نہ پہچان سکیں گے مگر حالات کے نارمل ہونے پر پرانی جان پہچان پھر قائم ہو جاوے گی حتی کہ جنتی لوگ جب دوزخ سے گنہگاروں کو نکالنے جائیں گے تو ان کے دل ایمان کی مقدار و کیفیت کو بھی جانیں گے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بعض کافر انسان "کافر انسان جنات بلکہ شیطان سے بدتر ہیں کیونکہ اعراف والے شیطان یا کافر جنات سے یہ کلام نہیں کریں گے بلکہ کافر انسانوں سے۔ یہ فائدہ **رجالا** الخ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مومنوں کو ان کے دوست۔ اولاد ان کے بزرگ اسی طرح ان کا مال وغیرہ سب کچھ کام آوے گا کہ ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان کا عذاب یا ہلکا کر دے گا یا ختم فرمادے گا متقیوں کے درجات بڑھاوے گا کیونکہ وہاں ان چیزوں کا کام نہ آنا کفار پر عذاب ہے۔ یہ فائدہ **ما اغنی عنکم** الخ سے حاصل ہوا جو شے کفار کے لئے عذاب ہے مومنین اس سے محفوظ ہیں ان شاء اللہ۔ **چوتھا فائدہ:** قیامت میں مومن کا تکبر بھی ان شاء اللہ فائدے دے گا مگر وہ تکبر جو مومن جہاد میں کفار کے مقابل کرتا ہے یہ تکبر عبادت ہے مومن کے مقابل تکبر حرام ہے نبی کے مقابل تکبر کفر ہے ولیوں اور علماء کے مقابل تکبر کفر تک پہنچاتا ہے یہ فائدہ **وما کنتم تستکبرون** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دنیا میں مومن کی فقیری یا کافر کی امیری سے یونہی مومن کی تکلیف کافر کے عیش سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔ اصل عیش آخرت کا ہے اللہ تعالیٰ حبیب کے صدقہ وہ نصیب کرے۔ یہ فائدہ **اھولاء الذین اقسمتم** الخ سے حاصل ہوا۔

شدت باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب ۔۔۔ یہ تو چلتی ہے تجھے اونچا اڑانے کیلئے

چھٹا فائدہ: ان شاء اللہ حقیقی دائمی بے خوفی بے غمی جنت میں داخلہ پر ہو گی اس سے پہلے تو ہر دم دھڑکا لگا ہے یہاں کا خوف و غم وہاں کی بے خوفی بے غمی کا ذریعہ ہے یہاں کی گریہ زاری وہاں کی خوشی کا اور یہاں کی بے خوفی یہاں کی ہنسی خوشی غفلت والی وہاں کے خوف و غم کا باعث ہے۔ یہ فائدہ **لا خوف علیکم** الخ سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست ۔۔۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

پہلا اعتراض : دوزخیوں کو رجال کیوں فرمایا گیا یہ لفظ تو عظمت و احترام کا ہے۔ **جواب:** یا تو یہ بتانے کے لئے کہ اعراف

والے دوزخی عورتوں سے کلام نہ کریں گے صرف مردوں سے کلام کریں گے اجنبی عورتوں سے وہاں بھی احتراز کریں گے یا یہ بتانے کے لئے کہ جن دوزخیوں سے یہ گفتگو ہو گی وہ دنیا میں اپنی قوم کے سردار تھے ان کی رجالیت دنیا کے لحاظ سے ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **بسیما ھم** کیوں فرمایا کہ وہ دوزخیوں کو نشانیوں سے پہچانیں گے وہ لوگ تو دوزخی ہی ہیں انہیں نشانیوں سے پہچاننے کے کیا معنی۔ **جواب:** یہ حضرات علامات سے یہ جانیں گے کہ یہ فلاں سردار ہے اور یہ فلاں اُن کا دوزخی ہونا نہیں پہچانا جاوے گا بلکہ ان کا فلاں فلاں ہونا علامات سے جانا جاوے گا۔ **تیسرا اعتراض:** اعراف کے لوگ اہل جنت سے یہ کیوں کہیں گے کہ **ادخلوا الجنۃ** وہ تو جنت میں پہلے ہی داخل ہو چکے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ اگر یہ کلام اعراف والوں کا جنتیوں سے ہے تو دخول کے معنی ہیں داخل رہنا یعنی وہاں رہنا اور اگر فرشتوں کا یا رب تعالیٰ کا کلام ہے جو اعراف والوں سے ہو گا تب تو ظاہر ہے کہ اس گفتگو پر رب تعالیٰ اعراف والوں سے فرمائے گا کہ جنت میں جاؤ۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں خوف اور حزن دونوں کی نفی کی گئی ہے مگر طرز بیان مختلف ہیں **لا خوف** اور **لا ھم یحزنون**، دونوں کو یکساں کیوں بیان نہ فرمایا **لا خوف لا حزن** یا کہ **لا یخافون** اور **لا یحزنون**۔ **جواب:** اکثر خوف وڈر میں دوام ہوتا ہے اور رنج و غم میں **تجدد** یعنی غموم آتے جاتے رہتے ہیں مومن کو ایک خوف قیامت اول سے آخر تک رہتا ہے اسی طرح خوف خدا خوف خرابی خاتمہ مگر غم ہر دن ہر ساعت نئے نرالے۔ اس دوام اور **تجدد** کو ظاہر کرنے کے لئے مختلف عبارتیں ارشاد ہوئیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں نیک بختی کی علامات چند ہیں' نیک لوگوں سے محبت' نیک لوگوں کی صحبت' تلاوت قرآن مجید' شب بیداری' علماء دین سے قرب۔ اس کے مقابل بد بختی کی علامات بھی چند ہیں۔ برے لوگوں سے محبت' بدوں سے خلط ولط' قرآن مجید سے غفلت' دن کھیل کود میں' رات غفلت میں گزارنی' علماء دین سے نفرت' بد بخت لوگوں اللہ والوں کو بے وقوف اور ان کی صحبت کو بیکار بلکہ مضر سمجھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم لوگ عاقل ہیں یہ بے عقل ہیں ہم نے عقل کے ذریعہ دنیا کمائی ایسے ہی دین بھی عقل ہی سے کمائیں گے قیامت میں اعراف والے ان بد نصیبوں سے یہی کہیں گے کہ آج اپنی عقل سے جنت میں جا کر دیکھ لو آج تم عاقل دوزخ میں ہو یہ لوگ جنہیں تم بے عقل کہتے تھے جنت میں ہیں بے دین کے پاس مال ایسا ہے جیسے گدھے پر قیمتی جھول جیسے قیمتی جھول سے گدھا گھوڑا نہیں بن جاتا ایسے ہی بے دین مال سے دیندار نہیں بن جاتا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نہ منعم بمال از کسے بہتر است — خر او رجل اطلس بپوشد خراست

بدیں عقل و ہمت نخوانم کست — وگر میرود صد غلام از پست

جس چیز کی بنیاد محبت ہے اس کی ہر چیز میں محبوبیت ہے دیکھو مکہ معظمہ کی آبادی کی بنیاد آب زمزم ہے کہ قبیلہ جرہم اس پانی کی وجہ سے یہاں آن بسے مگر مدینہ منورہ کی آبادی کی بنیاد عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ حضرت سلمان علیہ السلام سے تبع نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر سنا اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں بسیں گے تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت میں اس ویران جنگل میں آن بسے دیکھ لو آج مکہ معظمہ میں عظمت تو ہے مگر مدینہ منورہ میں عظمت کے ساتھ محبوبیت بھی ہے کہ ہر شخص اس کے فراق میں رو رہا ہے جتنے قصیدے مدینہ پاک کے لئے لکھے گئے۔ اتنے مکہ معظمہ کے لئے نہ لکھے گئے جیسا تخم ویسے پھل پھول شاخیں وغیرہ۔ جس بستی کا تخم محبت و عشق ہے اس کے ہر ذرہ میں محبوبیت و معشوقیت ہی ہو گی اہل جنت

کی اصل عشق ہے دوزخیوں کی اصل عقل۔ انجام ظاہر ہے اس لئے اعراف والے کہیں گے کہ **ما اغنی عنکم** الخ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر انسان کافر شیطان سے بدتر ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نجدیوں کو قرن الشیطان یعنی شیطان کا سینگ فرمایا۔ **ھنا ک یطلع قرن الشیطان** وہاں شیطانی گروہ نکلے گا تین وجہوں سے ایک یہ کہ سینگ والے جانور ہیں سارے جسم میں زیادہ سخت سینگ ہی ہوتا ہے یہ شیطان سے زیادہ سخت ترین کہ شیطان تو اللہ والوں سے ڈرتا بلکہ ان کے سایہ سے بھاگتا ہے۔ حضرت عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے مگر یہ ہمیشہ اللہ والوں ہی کے پیچھے پڑے رہتے ہیں کہ نبیوں کے پاس کچھ نہیں ولیوں میں کوئی کمال نہیں۔ دوسرے یہ کہ سینگ والا جانور ہمیشہ سینگ ہی سے لڑتا ہے کہ آگے سینگ کرتا ہے پیچھے سے زور خود لگاتا ہے۔ شیطان بھی اللہ والوں کے آگے انہیں کو کرتا ہے پیچھے سے زور اپنا لگاتا ہے تیسرے یہ کہ سینگ والا جانور جب کسی گھر میں داخل ہوتا ہے تو پہلے اپنے سینگ داخل کرتا ہے بعد میں باقی جسم۔ ابلیس دوزخ میں پہلے ان کو داخل کرے گا سب سے پیچھے خود جائے گا۔

وَنَادٰۤی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ
اور پکاریں گے آگ والے بہشت والوں کو یہ کہ ڈالو ہم پر کچھ پانی یا
اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے ہمیں اپنے پانی کا کچھ فیض دو یا
مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ؕ قَالُوْۤا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿۵۰﴾ الَّذِیْنَ
کچھ وہ نعمتیں جو دی تم کو اللہ نے۔ کہیں گے وہ تحقیق اللہ نے حرام کیا ان دونوں کو اوپر کافروں کے وہ
اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا کہیں گے بے شک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام
اتَّخَذُوْا دِیْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا ۚ فَالْیَوْمَ نَنْسٰىهُمْ
جنہوں نے بنایا دین کو اپنے کھیل اور کود اور دھوکہ میں ڈال دیا انکو دنیا کی زندگی نے پس آج
کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو تماشا بنا لیا اور دنیا کی زیست نے انہیں فریب دیا تو آج
كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ یَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾
بھلا دیں گے ہم ان کو جیسے بھول گئے تھے وہ ملنا اپنے اس دن کا اور وہ کہ تھے ہماری آیتوں کا انکار کرتے
ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے: پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جنت والوں کی نعمتوں اور دوزخی لوگوں کے عذابوں کا اجمالی طور پر ذکر ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ دوزخی لوگ جنتیوں سے بھیک مانگیں گے مگر نہ پا سکیں گے۔ گویا ان کی ناشادی کا ذکر پہلے ہوا اور ان کی نامرادی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں سرداران کفر کی اس

برائی کاذکر تھا جو وہ دنیا میں لوگوں پر جتاتے تھے کہ ہم بڑے ہیں مومن لوگ چھوٹے 'اب اس تکبر کے نتیجہ کاذکر ہو رہا ہے کہ یہی سرداران جنتی مساکین سے دست سوال دراز کریں گے اور محروم رہیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ دوزخی لوگ جنتی نعمتوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے مستحق نہ ہوئے اب ارشاد ہے کہ انہیں یہ نعمتیں بغیر استحقاق یعنی بھیک سے بھی نہیں مل سکیں گی کہ جنتیوں سے مانگیں گے مگر محرومی کا جواب سنیں گے۔

تفسیر: **ونادی اصحاب النار اصحب الجنۃ** یہ جملہ نیا ہے اس کی واؤ ابتدائیہ ہے یہ واقعہ اس وقت ہو گا جبکہ اعراف والے جنت میں پہنچا دیئے جائیں گے دوزخی رب تعالیٰ کی یہ کرم نوازی دیکھ کر بارگاہ الٰہی میں درخواست کریں گے کہ مولا ہم کو اپنے قرابت دار جنتیوں سے کچھ کہنے کی اجازت دے' رب کی طرف سے اجازت ملے گی ادھر اہل جنت سے فرمایا جائے گا کہ تم سے تمہارے عزیز قرابت دار جو دوزخ میں ہیں کچھ کہنا چاہتے ہیں' چنانچہ جنتی لوگ دوزخ کی طرف جائیں گے۔ تب دوزخی یہ عرض کریں گے یہاں بھی اصحاب النار سے مراد دوزخی کفار و مشرکین ہیں اور اصحاب الجنۃ سے مراد ان دوزخیوں کے عزیز قرابت دار جنتی ہیں۔ دوزخی بیٹا اپنے جنتی باپ کو دوزخی بیٹی بیوی اپنے جنتی ماں اور خاوند کو پکارے گی۔ حضرت ابن عباس نے یہی تفسیر فرمائی۔ (خازن' روح البیان' تفسیر کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ ان آیات میں چند نداؤں کا ذکر ہوا جنتیوں کا دوزخیوں کو پکارنا پھر اعراف والوں کا دوزخیوں کو پکارنا اب مذکور ہے۔ دوزخیوں کا پکارنا پہلا پکارنا درکارنے پھٹکارنے کے لئے تھا' دوسرا پکارنا' شرمندہ کرنے کے لئے اب یہ پکارنا لجاجت اور بھیک مانگنے کے لئے ہے جیسا پکارنے والا ویسی پکار ہم کو رب پکارتا ہے' ایسے جیسے حاکم رعایا کو پکارتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو پکارتے ہیں جیسے داتا بھکاریوں کو پکارتا ہے کچھ دینے کے لئے ہم رب کو پکارتے ہیں جیسے مجرم حاکم کو پکارتا ہے معافی مانگنے کے لئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارتے ہیں جیسے بھکاری داتا کو پکارتا ہے مانگنے کے لئے۔ چونکہ دنیا میں دوزخی کفار متکبر تھے فقراء مومنین سے بات کرنا گوارا نہیں کرتے تھے اب اس کے عوض میں یہ متکبرین ان جنتیوں کو پکاریں گے بھیک مانگنے کے لئے ایسی آواز سے جیسے بھکاری' سخی کو پکارتے ہیں یہ ہے تکبر کا عوض۔ **ان افیضوا علینا من الماء** یہ ہے ندا کا مقصود **افیضوا** بنا ہے' افاضۃ سے جس کا مادہ ہے **فیض** معنی اوپر سے کوئی پتلی چیز بہانا چونکہ جنت اوپر ہے دوزخ نیچے اس لئے وہ یہ عرض کریں گے اگرچہ دوزخی بھوکے بھی ہوں گے مگر انہیں پیاس اور تپش کی بہت سخت تکلیف ہوگی اس لئے پانی پہلے مانگیں گے۔ علینا کہہ کر یہ بتایا کہ پانی ہم پر بہاؤ تاکہ جنت کے ٹھنڈے پانی سے ہم غسل بھی کرلیں جس سے ہمارے جھلسے ہوئے بدن کچھ ٹھنڈے ہو جائیں اور پی بھی لیں جس سے ہماری پیاس بجھے اس لئے **افیضوا** بھی کہا یعنی ہم پر کثرت سے جنت کا پانی بہاؤ۔ خیال رہے کہ **اراقۃ** کے معنی بھی ہیں بہانہ اور افاضہ کے معنی بھی ہیں بہانا مگر **اراقۃ** میں بہانے سے برتن خالی ہو جاتا ہے مگر افاضہ میں برتن خالی نہیں ہوتا جسے چھلکنا کہتے ہیں وہ افاضہ کہہ کر یہی بتا رہے ہیں کہ کچھ پانی اور دوسری نعمتیں ہم کو دے دو ہمارا بھلا ہو جائے گا تمہارے ہاں کوئی کمی نہ ہوگی کہ جنت کی نعمتیں دائمی ہیں خرچ کرنے' دینے سے کم نہیں ہوتیں جیسے دنیا میں سمندر کا پانی ہو یا سورج کا نور یا علم۔ **اومما رزقکم اللہ** یہ عبارت معطوف ہے **من الماء** پر اس میں گفتگو ہے کہ اس سے کیا مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد جنت کی دوسری پینے کی چیزیں ہیں' جیسے دودھ' شراب طہور وغیرہ کیونکہ پتلی چیزیں بہائی جاتی ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے جنت کے میوے کھانے مراد ہیں جیسے شاعر کہتا ہے **علفتها تبنا " وماء باردا** " ہم نے اونٹنی کو بھوسہ اور ٹھنڈا پانی چرایا حالانکہ پانی چرایا نہیں جاتا پلایا جاتا

ہے۔ (مدارک) یعنی تغلیبا" یہ کہا گیا جب یہ دوزخی نہایت، عاجزی لجاجت سے یہ بھیک مانگیں گے تو اہل جنت کی طرف سے چالیس سال تک کوئی جواب نہ ملے گا' یہ لوگ برابر آہ وزاری سے مانگتے رہیں گے چالیس سال کے بعد اہل جنت کو حکم ہوگا کہ انہیں جواب دو (روح البیان) تب وہ کہیں گے **ان اللہ حرمھما علی الکافرین** نہایت بے نیازی سے جنتی لوگ کہیں گے کہ ہم تم کو یہ بھیک نہیں دے سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جنت کی یہ چیزیں کافروں پر حرام کردی ہیں۔ خیال رہے کہ یہ تحریم شرعی نہیں بلکہ تکوینی ہے جیسے **حرمنا علیہ المراضع** ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر دائیاں حرام کردیں کیونکہ وہاں شرعی احکام حرام حلال جاری نہ ہوں گے (مدارک) یعنی ایسے موقعوں پر حرام بمعنی محروم کردینا یا محفوظ کردینا ہوتا ہے یہاں بمعنی محروم کرنا وہاں بمعنی موسیٰ علیہ السلام کو محفوظ کرنا کافرین فرمانے سے صراحۃ" معلوم ہوا کہ یہ واقعہ کافر دوزخیوں سے ہوگا **الذین اتخذوا دینھم لھوا ولعبا** یہ الکافرین کی صفت ہے اس میں کفار کا دنیاوی حال بیان ہوا یعنی وہ کفار جنہوں نے دنیا میں کھیل تماشوں کو اپنا دین بنا لیا تھا کہ گانا باجے ڈھول ڈھماکے تالیاں سیٹیاں وغیرہ کو عبادت سمجھ بیٹھے تھے نیز ان کا کعبہ معظمہ کی حفاظت کرنا مسجد حرام کو آباد کرنا حجاج کی خدمت کرنا اگرچہ نیکیاں ہیں مگر ان کے لئے کھیل کود ہیں کیونکہ وہ یہ کام نبی کی اطاعت کے ماتحت نہیں کرتے لہٰذا ان کا کوئی نتیجہ نہیں اور جس کا نتیجہ کوئی نہ ہو وہ کھیل کود ہوتا ہے لہٰذا یہ فرمان بالعموم درست ہے۔ **لھو اور لعب** قریبا" ہم معنی ہیں بعض نے کہا کہ ناجائز باتوں میں مشغول ہوکر اپنا غم غلط کرنا لہو ہے اور بری باتوں کے ذریعہ خوشی و سرور حاصل کرنا لعب ہے (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دین سے مراد عید ہے یعنی وہ کفار جو اپنے عید اور تیوہاروں میں بجائے عبادت کرنے کے کھیل تماشے کرتے تھے یا انہوں نے دین کا مدار اپنے نفس پر رکھا کہ جسے چاہا حلال کرلیا اور جسے چاہا حرام سمجھ لیا **وغرتھم الحیوۃ الدنیا** یہ ان کفار کا دوسرا عیب ہے جو ان کی جنت سے محرومی کا سبب ہوا غرت بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکہ **ھم** کا مرجع وہی دوزخی لوگ ہیں۔ حیوۃ دنیا کے معنی اور دنیا کی زندگی' دنیا میں زندگی۔ دنیا کے لئے زندگی ان کا فرق ہم بیان کرچکے ہیں انبیاء و اولیاء بلکہ ان کے صدقہ سے عام متقی مومنوں کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں ہوتی کفار کی زندگی حیوۃ دنیا ہے یعنی درازی عمر' عیش و آرام' کثرت مال و عزت' خواہشات نفسانی میں مشغولیت نے انہیں دین سے حجاب میں رکھا اللہ رسول پر ایمان لانے سے روکا حتیٰ کہ انہیں اسی حالت میں موت آگئی (خازن) ان دونوں عیبوں کا انجام یہ ہوا کہ **فالیوم ننسٰھم** یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے' اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **الیوم** سے مراد ان کی دنیاوی زندگی کا زمانہ ہے۔ **ننسٰھم** بنا ہے نسیان سے بمعنی بھول جانا رب تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے لہٰذا اس کے معنی ہیں چھوڑ دینا ان کی دستگیری نہ کرنا انہیں نیک اعمال کی توفیق نہ دینا دوسرے یہ کہ الیوم سے مراد قیامت ہے یا دوزخیوں کے بھیک مانگنے کا وہ وقت جس کا ذکر ابھی ہوا تو **ننسٰھم** کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان کو دوزخ میں بھوکا پیاسا چھوڑ دیں گے دنیاوی جیلوں میں معمولی قیدیوں کے لئے تین رعائتیں ہوتی ہیں ان کی قید کے دن شمار کرنا کسی خوشی کے موقعہ پر انہیں چھوڑ دینا جب ان کی جیل کی میعاد قریب ہو تو ان پر آسانی کردینا ان سے کام نہ لینا مگر غدار جنہیں عمر قید کی سزا ملے ان کے لئے یہ کوئی رعایت نہیں' پڑے رہیں' یہی حال دوزخ کا ہے کہ مومن گنہگاروں کی میعاد کی حساب اگر جنتی لوگ سفارش کردیں' تو چھٹکارا مگر کافر غداروں کے لئے یہ کچھ نہیں وہ پڑے رہیں ان کے لئے ہے **ننسٰھم** بہر حال مطلقاً چھوڑنا مراد نہیں خواہ دنیا کا ذکر ہو یا دوزخ کا دنیا میں کفار کو رزق ملتا ہے دوزخ میں وہ اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں رہیں گے' **کما نسوا لقاء یومھم ھذا** اس کا تعلق **ننسٰھم** سے ہے یعنی جیسے کفار دنیا میں قیامت کو وہاں کی سزا جزا کو رب کی بارگاہ

میں پیش ہونے کا خیال چھوڑ بیٹھے تھے ایسے ہی ہم آج دنیا میں انہیں ان کے نفس و شیطان کے حوالے کر دیں گے ان کی دستگیری نہ کریں گے یا آج قیامت میں انہیں دوزخ سے نہیں نکالیں گے' ان کی بات نہ پوچھیں گے۔ خیال رہے کہ یہاں نسیان سے مراد بھول چوک نہیں یاد کا مقابل بلکہ دیدہ دانستہ قیامت کا انکار کرنا اس کا خیال تک چھوڑ دینا مراد ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ **وما کانو باٰیتنا یجحدون** یہ عبارت معطوف ہے ما نسوا پر۔ آیات سے مراد یا تو کتب الٰہیہ کی آیتیں ہیں یا دلائل قدرت ہیں یا حضرت انبیاء کرام خصوصاً" حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات **یجحدون** بنا ہے جحود سے بمعنی دانستہ طور پر یہ انکار یعنی ہم انہیں اس لئے بھی چھوڑ دیں گے کہ وہ ہماری آیات و نشانیوں کا دیدہ و دانستہ انکار کرتے رہے اسی انکار پر مرے اب وقت نکل جانے پر کیوں روتے چلاتے بھیک مانگتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ وہ گفتگو تو سن چکے جو جنتی لوگ دوزخیوں سے کریں گے اور وہ کلام بھی سن چکے جو اعراف والے دوزخیوں جنتیوں دونوں سے کریں گے اب تیسری قسم کا وہ کلام بھی سن لیں جو دوزخی لوگ اپنے جنتی عزیزوں قرابت داروں سے دوزخ میں سے پکار کر کریں گے جب یہ لوگ اعراف والوں پر رب تعالیٰ کی کرم نوازی دیکھیں گے تو اپنے عزیز قریبی جنتیوں کو نہایت لجاجت خوشامد سے پکاریں گے ابا جی' لیا جی' بھیا جی' اور چچا میاں' ہائے میاں ہم جل گئے بھن گئے بھوکے پیاسے ہیں کچھ تم مہربانی کرو کہ جنت کا ٹھنڈا پانی یا وہاں کی اور چیزیں دودھ شراب طہور یا وہاں کے پھل وغیرہ جو تمہیں رب نے دے رکھے ہیں ان میں سے ہم پر بھی کچھ بہادو کہ ہم بھی کھا پی لیں نہالیں بہت عرصہ کے بعد جنتی لوگ نہایت بے رخی سے جواب دیں گے کہ دور ہو جاؤ اللہ نے یہ چیزیں کفار پر حرام کر دیں انہیں ان سے یکسر محروم فرما دیا پھر تم ہم سے یہ سوال کیوں کرتے ہو ان کفار کا یہی حال تھا کہ انہوں نے دنیا میں کھیل تماشوں کو اپنا دین سمجھ لیا ناچنے گانے' کودنے کو عبادت جان لیا انہیں ان کی دنیاوی زندگی نے دھوکہ دے دیا وہ سمجھے کہ بس جو کچھ مزے اڑاتے ہیں دنیا میں اڑا لو نہ قیامت ہو گی نہ حساب و کتاب نہ سزا جزا تو جیسے وہ دنیا میں آخرت کا خیال چھوڑ بیٹھے تھے آج ہم بھی انہیں دوزخ میں چھوڑ دیں گے اور جیسے وہ ہماری آیات کا انکار کرتے رہے ہم بھی انہیں اسی طرح بھوکا پیاسا رکھیں گے۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: دنیا کا غرور یہاں کا تکبر آخرت کی ذلت خواری اور رسوائی کا سبب ہے۔ دیکھو وہ غرور و تکبر والے کفار جو دنیا میں غریب مسلمانوں سے بات کرنا اپنی ذلت سمجھتے تھے وہ دوزخ میں پہنچ کر ان سے کھانے پینے کی بھیک مانگیں گے یہ نتیجہ ہے غرور کا قبطی فرعونی سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کو بہت ذلیل سمجھتے تھے مگر جب ان پر خون کا عذاب آیا تو قبطی سبطی نے ایک برتن میں کھایا مگر قبطی کی طرف خون اور سبطی کی طرف سالن آخر کار حکم دیا کہ سبطی اپنے منہ میں روٹی پانی لے کر فرعونی قبطی کے منہ میں ڈالے مگر پھر بھی سبطی کے منہ میں پانی قبطی کے منہ میں خون یعنی رب نے اسرائیلیوں سے قبطیوں کے منہ میں تھوکوا دیا کلیاں کرا دیں یہ ہے غرور کا انجام۔ دوسرا فائدہ: اس کے برعکس مومنوں کا رب کے سامنے عجز و انکسار مخلوق سے تواضع نرمی کا نتیجہ وہاں کی عزت و سرخروئی کا ذریعہ ہے۔ یہ دونوں فائدے **ان افیضوا علینا** سے حاصل ہوئے۔ تیسرا فائدہ: جنت اوپر ہے دوزخ نیچے۔ یہ فائدہ بھی **افیضوا** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ **افاضہ** کے معنی ہیں اوپر سے نیچے کی طرف بہانا۔ چوتھا فائدہ: جنتی مومن کو دوزخی کافر سے قطعاً" محبت نہ ہو گی نہ اس کے

حال زار پر رحم آئے گا اگر چہ وہ اس کا بیٹا بیٹی بہن بھائی یا ماں باپ بیوی یا کوئی اور قریبی عزیز ہو۔ یہ فائدہ ان اللہ حرمھما سے حاصل ہوا کہ جنتی لوگ رب سے دعا نہ کریں گے کہ خدایا ہم کو اجازت دے کہ ہم اپنے ان دوزخی عزیزوں کو کچھ کھلادیں۔ وہاں محبت ایمانی ہو گی جان خونی رشتے سب ٹوٹ چکیں گے۔ رب فرماتا ہے الا خلاء یومئذ بعضھم لبعض عدوا الا المتقین۔ **پانچواں فائدہ:** مومن کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں ہوتی بلکہ اس کی آخرت کی کھیتی ہوتی ہے کہ وہ دنیا میں بوتا ہے آخرت میں کاٹتا اور اس سے نفع حاصل کرتا ہے اللہ وہ زندگی نصیب کرے مومن کی زندگی کا نام ہے حیوۃ طیبہ۔

لطیفہ: ایک بار ابو جہل نے مذاق و دل لگی کے طور سے ایک شخص کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ آپ اپنی جنت سے ایک خوشہ انگور کچھ میوے مجھے بھیج دیں جب قاصد نے یہ بکواس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کی تو حضرت صدیق اکبر نے فوراً فرمایا ان اللہ حرمھما علی الکافرین اللہ نے یہ چیزیں کفار پر حرام کی ہیں تو کیسے کھا پی سکتا ہے (روح البیان) یہ ہے کفار کی غفلت۔ **دوسرا لطیفہ:** ایک بار قاری احمد حسین مرحوم پاک پٹن شریف سے آرہے تھے راستہ میں انہیں ایک وہابی ملا بولا آپ کہاں سے آرہے ہیں بولے پاک پٹن شریف سے۔ تو وہ مذاق میں قاری صاحب کو سونگھنے لگا قاری صاحب بولے کیا سونگھتے ہو وہ بولا کہ پاک پٹن میں بہشتی دروازہ ہے آپ وہاں سے آرہے ہیں آپ کے جسم سے بہشت کی خوشبو سونگھنا چاہتا ہوں۔ قاری صاحب نے فرمایا کہ بہشت کی خوشبو کافروں پر حرام ہے وہابی بالکل خاموش ہو گیا۔ **چھٹا فائدہ:** جنت سے دوزخیوں تک یہاں کی آوازیں نگاہیں تو پہنچیں گی مگر یہاں کی خوشبو ٹھنڈی ہوا وغیرہ مطلقاً نہیں پہنچے گی۔ یہ فائدہ حرمھما سے حاصل ہوا دیکھو ریڈیو کے ذریعہ آواز اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ بولنے والے کی شکل جگہ محسوس ہوتی ہے مگر ان کے اسٹیشنوں کی دوسری چیزیں وہاں کی ہوا خوشبو ٹھنڈک گرمی وغیرہ نہیں پہنچتی۔ مومن کی قبر میں جنت کی ہوا خوشبو فرشتے وغیرہ پہنچتے ہیں مگر وہاں کے حور وغلمان نہ پہنچتے ہیں نہ ان کا نظارہ ہوتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** کھیل تماشوں کو دینی کام اور عبادت سمجھنا اور اصل عبادات سے غافل ہو جانا طریقہ کفار ہے اور جنت کی نعمتوں سے محرومی کا باعث۔ یہ فائدہ اتخذوا دینھم لھوا ولعبا سے حاصل ہوا۔ افسوس کہ موجودہ زمانہ کے بہت سے بے دین پیر اور ایسے بے دین پیروں کے مرید یہ تعلیم بھول گئے بھنگ، چرس ڈھوم ڈھما کے گانا ناچنا ان چیزوں کو اصل عبادات سمجھ بیٹھے۔ نماز، روزے اور دوسرے دینی کاموں سے یکسر غافل ہو گئے پھر اپنے آپ کو ولی اللہ سمجھتے ہیں، گھٹے بھنگ تو چڑھے رنگ یا علی مدد، یہ ہے ان مردودوں کی عبادت رب تعالیٰ ان کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ **آٹھواں فائدہ:** کامیاب زندگی وہ ہے جو اللہ کے ذکر اور اپنی عاقبت کی فکر محشر کی یاد وغیرہ میں گزرے ناکام زندگی وہ ہے جو غفلت میں کٹے رب فرماتا ہے فاذکرونی اذکرکم "تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا" یہ فائدہ ننسٰھم الخ سے حاصل ہوا۔

زندگی ہست از برائے بندگی! زندگی بے بندگی شرمندگی

نواں فائدہ: اللہ کا سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ بندے سے اللہ رسول کی نگاہ کرم ہٹ جائے یہ فائدہ ننسٰھم سے حاصل ہوا اگر گھر میں ماں باپ مدرسہ میں استاذ بچے سے تنگ آ کر اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں تو اس کا انجام تباہی ہے رب کفار کے متعلق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے ذرھم یاکلوا ویتمتعوا اے محبوب انہیں چھوڑ دو کھائیں پئیں مومنوں کے متعلق فرماتا ہے ولا تعد عیناک عنھم مسلمانوں سے آپ کی نگاہیں نہ ہٹائیں۔

پہلا اعتراض : دوزخی کفار اہل جنت سے پانی وغیرہ ملنے کی امید پر مانگیں گے یا مایوسی سے۔ **جواب**: سیدنا عبد اللہ ابن عباس کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ امید سے مانگیں گے اعراف والوں کا بہشت میں پہنچ جانا اور جنت میں ان کے عزیزوں قرابت داروں کا ہونا انہیں امید دلائے گا وہ لوگ دوزخ سے نکلنے سے تو ناامید ہوں گے مگر دوزخ میں جنت کی نعمتیں پہنچ جانے کے امیدوار اور دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ ناامیدی کے باوجود یہ سب کچھ مانگیں گے جیسے ڈوبتا ہوا آدمی پانی کے جھاگ میں ہاتھ مارتا ہے حالانکہ جانتا ہے کہ جھاگ مجھے پانی سے نکال نہیں سکتے یہ اضطراری حالت ہوتی ہے ویسے ہی ان کی حالت ہوگی کہ سخت گھبراہٹ میں ان ہونی چیز مانگنے لگیں گے (تفسیر کبیر' روح المعانی)۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ نے جنت کی نعمتیں دوزخیوں پر حرام کردی ہیں' حالانکہ حرام حلال اور دوسرے شرعی احکام کی جگہ تو دنیا ہے وہاں احکام شرعیہ کیسے جاری ہو گئے۔ **جواب**: ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہاں حرام بمعنی محرومی ہے حلال کا مقابل حرام مراد نہیں جیسے **وحرمنا علیہ المراضع** یا جیسے **وحرام علی قریۃ اھلکناھا انھم لا یرجعون**۔ **تیسرا اعتراض**: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مومن ماں اپنے کافر بیٹے کو دوزخ میں جلتا دیکھے اور اسے ترس نہ آئے یہ تو فطرت مادری کے خلاف ہے۔ **جواب**: دنیا میں محبتیں خونی رشتے سے بھی ہیں مگر وہاں محبتیں صرف ایمان روحانی رشتہ سے ہی ہوں گی بلکہ دنیا میں بھی رب نے اس کا نظارہ کرا دیا ہے دیکھو کفار عرب کا حال کہ ماں اپنی بچی کو اپنے ہاتھ سے زندہ دفن کردیتی تھی' ناگن اپنے بچوں کو خود کھالیتی ہے مرغی اولا" اپنے بچوں پر جان چھڑکتی ہے مگر کچھ دن بعد ان کی دشمن ہو جاتی ہے اگر وہاں بھی محبت نفرت میں تبدیل ہو جائے تو کیا تعجب ہے۔ **چوتھا اعتراض**: رب فرماتا ہے **واما السائل فلا تنھر** بھکاری کو جھڑکو نہیں کچھ دے دو' وہاں جنتی اس پر عمل کیوں نہ کریں گے وہ ان بھکاریوں کو کیوں نہ دیں گے۔ **جواب**: یہ حکم دنیا میں ہے وہاں نہ ہوگا' دنیا میں بھی اگر بھکاری ایسی چیز مانگے جس کا وہ اہل نہ ہو تو اسے نہ دیا جائے بے ادب کافر قرآن مجید کی بھیک مانگے تو نہ دو دوزخی کفار ان نعمتوں کے اہل نہ ہوں گے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دوزخیوں پر جنت کا پانی وغیرہ حرام ہے مگر بخاری شرف کتاب الرضاع کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابولہب کو اس کی کلمہ کی انگلی سے دوزخ میں پانی ملتا ہے اور دوشنبہ کو عذاب ہلکا ہوتا ہے وہ پانی کا ہوتا ہے۔ **جواب**: اگر وہ پانی جنت کا ہی ہو تو اس آیت میں قانون کا ذکر ہے اور اس حدیث میں خصوصی عطیہ کا تذکرہ ہے چونکہ اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا اس لئے خصوصی طور پر یہ کرم خسروانہ ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم دوزخیوں کو بھول جائیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ بھول چوک سے پاک ہے؟ **جواب**: یہاں بھولنے سے مراد ہے اس کا نتیجہ یعنی ان کو چھوڑ دیں گے جیسے بھولی بسری چیز چھوڑ دی جاتی ہے اس کی مفصل تفسیر الرحمٰن الرحیم کے تحت عرض کی جاچکی ہے۔ **ساتواں اعتراض**: یہاں چھوڑنے کے معنی بھی درست نہیں ہوتے کیونکہ دوزخی کفار ہمیشہ اللہ کی پکڑ میں ہوں گے پھر انہیں چھوڑا کیسے گیا۔ **جواب**: چھوڑنے سے گرفت اور پکڑ سے چھوڑنا مراد نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہم انہیں عذاب میں بھوکا پیاسا چھوڑ دیں گے ان کی دستگیری نہیں کریں گے۔ **آٹھواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت کو بھول گئے تھے وہ اسے بھولے کب تھے' وہ تو اس کے منکر تھے۔ **جواب**: یہاں بھولنے سے مراد ہیں اس کے لازمی معنی یعنی قیامت کی تیاری نہ کرنا خواہ اس کا انکار کر کے خواہ اس سے غافل رہ کر بعض کافر قیامت کو مانتے ہیں مگر کرتے ہیں شرک و کفر وہ بھی در حقیقت اسے بھولے ہوئے ہیں اس کی کچھ تفصیل ہم آیت کریمہ **لا تواخذنا ان نسینا او اخطانا**

کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں اللہ تعالیٰ اپنا خوف قیامت کا ڈر وہاں کی تیاری کی توفیق دے' آمین۔

تفسیر صوفیانہ : دنیا میں مومن بھی رہتا ہے اور کافر بھی مگر یہی دنیا مومن کے لئے سلامتی کی جگہ ہے اور کافر کے لئے ہلاکت کا مقام کہ مومن دنیا کو عارضی نزول سمجھ کر یہاں اعمال کی کاشت کرتا رہتا ہے مرتے دم تک نیکیاں بڑھاتا رہتا ہے کافر اسے اپنا اصلی مقام سمجھ کر آخرت سے غافل ہو جاتا ہے دریا کا پانی مچھلی کے لئے زندگی کا باعث ہے خشکی کے جانوروں کے لئے ہلاکت کا سبب کیونکہ مچھلی کو قدرت نے ایسا عضو بخشا ہے جس سے پانی اس کے پیٹ میں داخل نہیں ہوتا وہ بے تکلف پانی والی ہوا تو اندر لے لیتی ہے سانس لیتی رہتی ہے مگر پانی اندر نہیں آنے دیتی دوسرے جانوروں کے پیٹ میں ہوا کے ساتھ پانی بھی داخل ہو جاتا ہے ان میں ہوا پانی میں چھانٹ کرنے کا مادہ نہیں یونہی مومن دنیا کی نعمتیں استعمال کرتا ہے مگر غفلت دل میں نہیں آنے دیتا مگر کافر کے پیٹ میں نعمت دل میں غفلت دونوں چیزیں جاتی ہیں اس فرق کی وجہ سے مومن جنت کا مستحق ہوا کافر دوزخ کا مستحق غافل دل والے کے پیٹ میں جنت کی نعمتیں سما نہیں سکتیں کسی نے دنیا کا نقشہ کس عمدگی سے کھینچا ہے۔

در دیدۂ اعتبار خوابیست ہر رہگذر سرابے است!

مشغول مشوبہ سرخ وز ردش اندیشہ مکن ز گرم و سردش

سرماۂ آفت است زنہار خود راز فریب او نگہدار

اس آیت کریمہ میں انہیں غافلوں کے انجام کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔

وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾

اور البتہ تحقیق لائے ہم ان کے پاس ایک کتاب تفصیل وار بیان کیا ہم نے اسے مطابق علم کے ہدایت اور رحمت واسطے قوم کے جو ایمان رکھتے ہیں

اور بیشک ہم ان کے پاس کتاب لائے جس میں ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا ہدایت رحمت ایمان والوں کے لئے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جنتی دوزخیوں اور اعراف والوں کے حالات ان کی گفتگو سوال و جواب وغیرہ کا ذکر ہوا اب قرآن مجید کی عظمت بیان ہو رہی ہے۔ جس نے ان سب کو قبل از وقت ان چیزوں سے خبردار فرما دیا تاکہ وہ اس وقت سے پہلے اس کا انتظام کر لیں مومن بن کر وہاں پہنچیں کافر بن کر نہ پہنچیں گویا حالات بیان فرمانے کے بعد ان حالات کا بیان کرنے والی کتاب کے کمالات بیان ہو رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ دوزخی کفار جنتی مومنوں سے پانی وغیرہ کی بھیک مانگیں گے مگر نہ پائیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اس محرومی کا سبب یہ ہے کہ وہ دنیا میں کتاب الٰہی میں یہ ساری باتیں سن کر بھی ایمان نہ لائے تھے۔ ایسے ڈھیٹ لوگوں کی سزا یہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ یہ کفار دنیا میں آخرت کو بھول گئے تھے اب بھولنے کے معنی بتائے جا رہے ہیں کہ وہ بے خبر نہ تھے ہم نے حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتب کے ذریعہ انہیں سب کچھ بتا دیا تھا مگر وہ دیدہ دانستہ ان چیزوں پر ایمان نہیں لائے اس وجہ سے عذاب کے مستحق ہوئے۔

تفسیر : **ولقد جئنا ھم بکتاب** چونکہ دنیا میں آسمانی کتابوں کا آنا اللہ کی بڑی ہی رحمت ہے جیسے زمین پر آسمانی بارش کا نزول نیز قیامت میں کفار انبیاء کرام کی تبلیغ آسمانی کتب کے نزول کا انکار کریں گے ان وجوہ سے اس مضمون کو لام اور قد کی ڈبل تاکیدوں سے شروع فرمایا۔ خیال رہے کہ آسمانی کتاب کا نبی پر لانا حضرت جبریل کا کام ہے اور مخلوق کے پاس کتاب لانا نبی کا کام ہے اللہ تعالیٰ بذات خود نہ تو نبی کے پاس کتاب لاتا ہے نہ لوگوں کے پاس مگر چونکہ مقبول بندوں کا کام در حقیقت رب تعالیٰ کا کام ہوتا ہے اس لئے **جئنا ھم** فرمایا یعنی ان کے پاس کتاب ہم لائے **ھم** کا مرجع یا تو سارے جہان کے کافر ہیں یا سارے مومن و کافر اور کتاب سے مراد ہے آسمانی کتاب خواہ کوئی بھی ہو توریت و انجیل و قرآن ہو یا اور صحیفے یعنی ہم لوگوں کے پاس آسمانی کتاب مختلف اوقات میں مختلف نبیوں کے ذریعہ لائے یا **ھم** کا مرجع اہل عرب ہیں اور کتاب سے مراد قرآن مجید یعنی ہم بواسطہ **محمد مصطفی** صلی اللہ علیہ وسلم اہل عرب کے پاس قرآن مجید لائے کتاب کے معنی اور اس کی قسمیں اور کتاب و صحیفے میں فرق اور کونسی کتاب کس نبی پر کس کس تاریخ میں آئی ہم پہلے پارے میں **ذالک الکتاب** کی تفسیر میں اور دوسرے پارے میں **شہر رمضان الذی انزل فیہ القران** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں **فصلنہ** یہ عبارت یا تو کتاب کی صفت یا حال ہے یا جئنا کی ضمیر سے حال ہے۔ یہ بنا ہے تفصیل سے جس کا مادہ فصل ہے بمعنی جدا کرنا چونکہ تفصیل میں ہر مضمون دوسرے سے جدا اور ممتاز ہو جاتا ہے اس لئے اسے تفصیل کہا جاتا ہے یعنی ہم نے اس کتاب کے ہر مضمون کو تفصیل وار جدا جدا کر کے بیان فرمایا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں تو ہر قسم کے مضامین ہیں۔

حلال حرام محکم متشابہ بشیر، نذیر، قصہ، عقیدہ، مثل (صلوی بیان)

یہ سب مضامین تفصیل سے بیان فرمائے گئے ہیں بعض تو بلاواسطہ اور بعض حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کے قرآن میں مجمل تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تفصیل فرمادی جیسے نماز روزہ حج و زکوٰۃ کہ انہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ رب نے مفصل کیا جیسے ہم کو قرآن رب نے دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے اور فرمایا **جئنا ھم** ہم ان کے پاس لائے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت یونہی رب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت قرآن مجید کی تفصیل فرمائی مگر فرمایا **فصلناہ** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صفات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال سب قرآن کریم کی تفصیل ہے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کتاب تفصیل وار سمجھادی **الرحمن القران۔ علی علم** یہ عبارت یا تو **فصلنا** کے فاعل سے حال ہے یعنی ہم نے عالم کل ہو کر اس کتاب کو مفصل فرمایا جس کتاب کی تفصیل فرمانے والے ہم عالم کل ہوں تو سمجھ لو کہ کتاب کیسی شاندار ہو گی اور تفصیل کیسی اعلیٰ اور یا یہ عبارت **فصلناہ** کی ضمیر مفعول سے حال ہے یعنی مشتملا" علی علم دونوں صورتوں میں علم کی تنوین تعظیم کے لئے ہے یعنی یہ کتاب بہت بڑے علم پر شامل ہے اس صورت میں کتاب کی چار صفتوں کا یہاں بیان ہوا مفصل ہونا اس میں بڑے علوم کا ہونا اور تیسری چوتھی صفت **ھدی ورحمت**۔ ہماری قراۃ میں **رحمتہ** کے فتحہ سے ہے اور یہ عبارت کتاب کا حال ہے یا مفعول لہ بعض قراتوں میں ت کے پیش سے **ھو** پوشیدہ کی خبر اور جملہ کتاب کا حال یا صفت ہے بعض قراءتوں میں **رحمتہ** کے کسرہ سے ہے **علم** کا بدل غرضیکہ اس جملہ کی چار تفسیریں ہیں ہدایت کے معانی اور اس کی اقسام اور کون سی ہدایت کسے ملتی ہے نیز رحمت کے معنی اور اس کے اقسام ہم پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن کریم ایمان کی ہدایت کفار کے لئے ہے اعمال و تقویٰ کی ہدایت

مومنین کے لئے ہے عرفان کی ہدایت اولیاء اللہ اور کاملین کے لئے ہے اور ان شاءاللہ لقاء رحمٰن کی ہدایت قیامت میں سب کے لئے ہوگی یہی حال ہونے کا ہے کہ قرآن مجید سارے انسانوں کے لئے رحمت عامہ ہے اور مومنین کے لئے رحمت خاصہ اور عارفین کے لئے رحمت خاص الخاصہ۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **القوم یومنون** یہ عبارت **ھدی و رحمۃ** دونوں کے متعلق ہے قوم سے مراد انسان و جنات دونوں ہیں **یومنون** یا تو بمعنی حال ہے تو مطلب یہ ہے کہ جو قوم ایمان رکھتی ہے اس کے لئے یہ کتاب ہدایت اور رحمت دونوں ہے اور بمعنی استقبال ہے یعنی جو لوگ ایمان لانے والے ہیں جن کے نصیب میں یہ لکھا ہے کہ وہ آگے چل کر ایمان قبول کرلیں گے ان کے لئے ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی مگر جو بد نصیب ایمان لانے والے ہی نہیں ان کے لئے قرآن عذاب ہے بارش تمام کھیتوں درختوں کے لئے رحمت ہے مگر بعض پودوں کے لئے عذاب کہ اس سے وہ جل جاتے ہیں بہرحال اس کتاب کے چار صفات یہاں بیان ہوئے۔ خیال رہے کہ **لقوم یومنون** فرماکر بتایا کہ قرآن مجید مومنوں کے لئے رحمت وہدایت ہے نہ کہ اے محبوب آپ کے لئے آپ تو خود رحمت عالمین ہیں اور ہماری طرف سے ہدایت یافتہ ہیں پھر مومنوں میں جس درجہ کا مومن اس درجہ کی رحمت وہدایت ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان دوزخی کفار کو غافل رکھ کر یہ مذکورہ عذاب نہیں دیں گے ہم نے ان لوگوں کے پاس آسمانی کتاب یا یہ قرآن مجید پہنچادی ہے۔ جس میں یہ چار صفات ہیں اس میں رحمت عذاب غیبی چیزیں احکام وغیرہ تفصیل وار بیان فرمادیئے آپ نے وہ سب کھول دیئے دوسرے یہ کہ یہ کتاب عظیم علم پر شامل ہے اس میں ہمارے علوم موجود ہیں، تیسرے یہ کہ یہ کتاب مومنوں کے لئے ہدایت ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ کتاب ان کے لئے رحمت ہے۔ جب ہم نے ان کو دنیا میں سب کچھ بتادیا فرمادیا پھر یہ کافر ہی رہے تو اب ان کو عذاب دیا جانا بلاوجہ اور بلاقصور بے خبری کی حالت میں نہ ہوگا اور نہ وہ کوئی عذر کرسکیں گے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ کے مقبول بندوں کا کام اور حقیقت اللہ تعالیٰ کا کام ہے دیکھو بندوں تک کتاب الٰہی اللہ تعالیٰ نے نہیں پہنچائی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک حضرت جبرئیل نے پہنچائی اور مخلوق تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مگر رب تعالیٰ نے ان دونوں کاموں کو اپنا کام قرار دیا کہ فرمایا **جئنا ھم**۔ **دوسرا فائدہ**: تمام انسانوں کو انبیاء کرام کی معرفت کتاب الٰہی ضرور پہنچی، خواہ صحیفہ کی شکل میں ہوئی یا مکمل کتاب کی صورت میں۔ یہ فائدہ **جئنا ھم بکتاب** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ہم سے مراد سارے کفار یا سارے انسان ہوں اور کتاب سے مراد ہر آسمانی کتاب۔ **تیسرا فائدہ**: اہل عرب پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ قرآن مجید ان کی زبان میں ان کے ملک میں نازل ہوا جس سے انہیں بہت عزت ملی۔ یہ فائدہ **جئنا ھم بکتاب** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ **ھم** سے مراد اہل عرب ہوں اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہو۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے جو جس کو دیا یوں اتفاقاً **"عفو"** دیا بلکہ جان کر دیا اپنے علم کے مطابق دیا، بندے کی جھولی کے مطابق عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ **علی علم** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب علم سے مراد علم الٰہی ہو۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن کریم اللہ تعالیٰ کے علوم کو شامل ہے اس میں علوم غیبیہ علوم احکام وغیرہ سب موجود ہیں۔ یہ فائدہ **علی علم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ **علی علم** سے مراد ہو شاملا" مشتملا" علی علم اور علم سے مراد ہو علم قرآنی جو قرآن مجید میں ہے۔ رب فرماتا ہے **ونزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**۔ **چھٹا فائدہ**: قرآن مجید ہدایت بھی ہے رحمت بھی مگر اس سے

صرف مومن قوم ہی فائدہ اٹھاتی ہے اور اٹھائے گی جیسے بارش رحمت ہے مگر اس سے فائدہ صرف اچھی زمین ہی اٹھاتی ہے۔
ساتواں فائدہ: جب قرآن مجید میں یہ خوبیاں اور کمالات ہیں تو صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات کا کیا پوچھنا اسی لئے رب نے قرآن کریم کو بھی رحمت فرمایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ارشاد فرمایا **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین۔**

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کفار کے لئے بھیجا کہ فرمایا **ولقد جئنا ھم بکتاب** **ھم** کا مرجع کفار ہیں۔ بتاؤ کہ قرآن کفار کے لئے آیا ہے یا مومنوں کے لئے یا سارے جہان کے لئے۔ آیات اس بارے میں مختلف ہیں؟ **جواب:** قرآن مجید سارے جہان کے لئے آیا مگر کفار کے لئے اتمام حجت کے طور پر آیا مومنوں کو ہدایت دینے کے لئے متقیوں کو خاص رحمت دینے کے لئے جیسے بارش تری اور سیرابی دینے کے لئے ساری زمین پر برستی ہے پھول دینے کے لئے باغوں پر 'دانہ دینے کے لئے کھیتوں پر 'موتی دینے کے لئے سمندر پر لہٰذا ساری آیات درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** جب قرآن مجید میں ہر چیز ہے **ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین** اور قرآن مجید تفصیل بھی ہے تو اب حدیث ماننے کی کیا ضرورت ہے؟ **جواب:** قرآن مجید میں ہر چیز اور ہر چیز کی تفصیل ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ تفصیل ہم کو بتاتے ہیں 'سمندر میں موتی ہیں مگر غواص اور غوطہ خوروں کے لئے۔ طب کی کتابوں میں سارا علاج ہے مگر حکیموں کے لئے۔ پھر غواص موتی نکال کر طبیب نسخے طبی نکال کر ہم کو دیں ہم استعمال کریں۔ رب فرماتا ہے **نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی**۔ رب فرماتا ہے **ویعلمھم الکتاب والحکمتہ** نبی لوگوں کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید مومن قوم کے لئے ہدایت اور رحمت ہے چاہئے تو یہ تھا کہ یہ کافروں کے لئے ہدایت اور رحمت ہو انہیں ہدایت کی بہت ضرورت ہے کہ وہ بہت گمراہ ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت سے جوابات پہلے پارہ کے شروع میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں گزر گئے کہ قرآن کریم اعمال صالحہ کی ہدایت ہے مومنوں کے لئے یا ہدایت تو سب کے لئے ہے مگر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں صرف مومن لوگ۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست! در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس!

اللہ تعالیٰ قرآن مجید سے ہدایت و رحمت لینے کی توفیق بخشے۔

تفسیر صوفیانہ: قرآن مجید کسی کے صرف کان تک پہنچتا ہے کسی کے دماغ تک کسی کے دل تک کسی کی روح تک کسی کے سر تک اگر فقط کان تک پہنچے اور دل و دماغ و روح میں جگہ نہ کرے تو قرآن اس کے لئے عذاب اور گمراہی کا ذریعہ ہے اور اگر دل و دماغ روح تک پہنچے تو یہی قرآن ہدایت بھی ہے رحمت بھی **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا** دیکھو یہاں **جئنا ھم** میں **ھم** ضمیر کفار کی طرف بھی ہے کہ قرآن ان کے پاس بھی پہنچا مگر ہدایت اور رحمت کے متعلق ارشاد ہوا **لقوم یومنون** پھر ایمان بہت قسم کا ہے۔ اسی طرح قرآن کی ہدایت اور رحمت بھی بہت قسم کی جیسا مومن کا ایمان ویسی اس کے لئے قرآن مجید کی ہدایت اور رحمت۔ اسی ایک جملہ میں شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کے سمندر موجیں مار رہے ہیں قرآن مجید کسی کو شریعت کی ہدایت دیتا ہے کسی کو طریقت کی کسی کو حقیقت کی کسی کو معرفت کی۔ روح المعانی نے فرمایا کہ صوفیاء کے نزدیک کتاب اللہ

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جو کہ ہر چیز کے جامع ہیں اور علم الٰہی کے مظہر اتم ہیں رب نے مطابق اپنے علم کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صفات لوگوں کو ظاہر فرمائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق پر اللہ کی رحمت بھی ہیں اور ہدایت بھی۔ ڈاکٹر اقبال نے فرمایا۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب!

یا کتاب خود جسم انسانی ہے جس کے تمام اعضاء و حواس تفصیل وار اپنے اپنے موقعہ پر لگائے یہ اعضاء مومنوں کے لئے رحمت ہیں کہ وہ ان سے اعمال نیک کی کمائی کر لیتے ہیں کفار کے لئے عذاب کہ وہ ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ **لقوم یومنون** فرما کر یہ بتایا کہ قرآن مجید سے ایمان کی ہدایت نہیں ملتی یہ ہدایت تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے ہدایت ایمان کے بعد قرآن مجید سے ہدایت اعمال ملتی ہے زمین میں تخم کسان ڈالتا ہے بارش اسے اگاتی ہے دل میں تخم ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر بوتی ہے قرآن اس تخم کو اگاتا ہے اس لئے ارشاد ہو **القوم یومنون**۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا تَاْوِيْلَهٗ ؕ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ
نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس کے نتیجہ کا جس دن آئے گا نتیجہ اس کا تو کہیں گے وہ لوگ جو بھول گئے تھے اسے
کا ہے کا راہ دیکھتے ہیں مگر اس کی کہ اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا انجام
مِنْ قَبْلُ قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ
اس سے پہلے تحقیق لائے تھے ہمارے رب کے پیغمبر کو حق تو کیا ہے واسطے ہمارے کوئی شفاعت کرنے والے کہ
واقع ہوگا بول اٹھیں گے وہ جو اسے بھلائے بیٹھے تھے کہ بیشک ہمارے رب کے رسول حق لائے
فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ؕ قَدْ خَسِرُوْٓا
سفارش کرے وہ ہماری یا لوٹا دیئے جائیں ہم تاکہ ہم عمل کریں سوا اس کے جو عمل کرتے تھے ہم تحقیق
تھے تو ہیں کوئی سفارشی جو ہماری شفاعت کریں یا ہم واپس بھیجے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں
اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾
گھاٹے میں ڈالا انہوں نے جانوں کو اپنی اور غیب ہو گئے ان سے وہ جنہیں وہ گھڑتے تھے۔
بے شک انہوں نے اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اور ان سے کھوئے گئے وہ بہتان اٹھاتے تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن مجید سے ہدایت اور رحمت صرف مومن ہی حاصل کریں گے۔ اب ارشاد ہے کہ مشرکین و کفار بجائے رحمت حاصل کرنے کے عذاب و عتاب کا انتظار ہی کریں گے گویا نفع حاصل کرنے والوں کے بعد نفع حاصل نہ کرنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا

تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اس کی وجہ بیان ہوئی تھی کہ قیامت یا دوزخ میں کفار کی چیخ و پکار رونا زاری کرنا اہل جنت سے بھیک مانگنا وغیرہ کام نہ آوے گا ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے تفصیلی کتاب دنیا میں بھیج دی تھی اب اس وجہ کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان لوگوں نے قرآن کریم نہ مانا نہ قبول کیا گویا وجہ عذاب کے بعد وجہ کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار قیامت کو بھول گئے تھے حالانکہ انہیں یاد دلانے والی کتاب ان کے پاس پہنچ چکی تھی اب ارشاد ہے کہ ان کی بھول کی انتہاء جب ہوگی جب یاد کرنا کچھ کام نہ آوے گا گویا بھول کا ذکر پہلے تھا اور اس بھول کی انتہاء کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **هل ينظرون الا تاويله** اس فرمان عالی میں **هل** انکاری سوال کے لئے ہے بمعنی نہیں اور **ینظرون** بمعنی **ینتظرون** ہے یعنی نظر بمعنی انتظار اس کا فاعل وہی کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے اس کے بعد ایک کلمہ پوشیدہ ہے یعنی بعد ایمانہم۔ **تاویل** بنا ہے اول سے، بمعنی رجوع کرنا اس سے مراد ہے نتیجہ یا انجام و عاقبت ہ کا مرجع کتاب ہے یعنی کفار اب بھی قرآن مجید پر ایمان نہیں لاتے تو یہ کسی چیز کا انتظار نہیں کرتے بجز اس کے کہ قرآن کریم کی خبروں وعدے وعیدوں اور کفار کے انجام کا ظہور ہو اور یہ لوگ یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں یعنی قیامت آجاوے اور اس دن ہر بیان عیاں ہو جاوے اگرچہ کفار قیامت کے منکر تھے مگر چونکہ قیامت کا آنا یقینی ہے اس لئے اسے ان کے کفر کا انجام قرار دیا گیا۔ گویا یہ لوگ عذاب کے منتظر ہیں۔ **یوم یاتی تاویله** یہ عبارت نئی ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس واقعہ کا ذکر ہے۔ جب کفار دوزخ میں پہنچ چکے ہونگے اور روزانہ دوزخی مسلمانوں کو شفاعتوں کے ذریعہ دوزخ سے نکلتے دیکھیں گے تب یہ کہیں گے کیونکہ قبر میں تو وہ سب کچھ بھول چکے ہونگے۔ قیامت میں رسولوں کی تبلیغ کا انکار کریں گے یعنی جس دن قرآن مجید کی خبروں وعدے وعیدوں کا انجام سامنے آوے گا اور کفار اپنی آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھیں گے جو قرآن مجید نے بیان فرمایا تھا تو **يقول الذين نسوه** اور قول سے مراد زبانی اقرار ہے یا دل سے اعتراف **الذين نسوه** سے مراد وہی کفار ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے **نسیان** سے مراد یا تو بھول جانا غافل ہو جانا ہے یا انکار کرنا یعنی تب یہ بھولنے والے زبان سے یا دل سے اقرار کرتے ہوئے کہیں گے۔ **من قبل** اس کا تعلق **نسوا** سے ہے قبل کا مضاف الیہ یعنی ضمیرہ پوشیدہ ہے یعنی قیامت کے آنے سے پہلے یا مرنے سے پہلے یا دنیا میں بھولے ہوئے تھے **قد جاءت رسل ربنا بالحق** یہ عبارت یقول کا مفعول ہے یعنی ان کفار کا مقولہ۔ اس کلام میں چند باتوں کا اقرار ہے **قد** کہہ کر بتایا کہ ہم نے نبیوں کے متعلق دنیا میں شک بلکہ انکار کیا تھا آج ہمارا شک دور ہو گیا۔ **جاءت** کہہ کر بتایا کہ نبی ہماری طرح صرف پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ رب کی طرف سے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ رسول ہونے کی شان سے آئے تھے یعنی فیضان رساں ہو کر **بالحق** میں چند احتمال ہیں سچائی کے ساتھ متلبس ہو کر آئے تھے جیسے سورج سے نور آگ سے گرمی وابستہ ہے ایسے ہی ان سے حق و سچائی وابستہ تھی یا حق یعنی سچائی لائے تھے یا وہ دین لائے تھے جو قابل قبول تھا حق بمعنی حقیق یا مقبول یا پائدار۔ مضبوط دین لائے تھے حق بمعنی ثابت مضبوط کہ دنیا' برزخ' آخرت ہر جگہ ساتھ رہتا ہے ہمارا دین ہمارے ساتھ نہ رہا کیوں نہ ہو کہ اس دین کی زمین پختہ تھی یعنی توحید کی بنیاد مضبوط تھی یعنی نبوت۔ ہمارے دینوں میں یہ کچھ نہ تھا **بالحق** کی **با** تو متعدی کرنے کی ہے یا تلبس کی یعنی اب ہم اقرار کرتے ہیں کہ دنیا میں ہمارے رب تعالیٰ کے پیغمبر سچائی کے ساتھ آئے تھے کہ وہ سچے تھے یا حق اور سچائی لائے تھے انہوں نے قیامت' حساب' کتاب' جنت دوزخ غرضکہ جن غیبی چیزوں کی خبریں دی تھیں وہ بالکل حق تھیں ہم سے غلطی ہو گئی کہ ان کا انکار کرتے رہے ہم نے آج ان کی سچائی اپنی آنکھوں سے دیکھ لی اور ہو سکتا

ہے کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سب نبیوں کی تشریف آوری ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سب پر ایمان ہے اور یہ کہنے والے کفار عرب ہوں جیسے سو کا عدد تمام اکائیوں دہائیوں کا جامع ہے جس کے پاس سو ہیں اس کے پاس ساری اکائیاں دہائیاں ہیں۔ یونہی سارے انبیاء کرام گویا اکائیاں دہائیاں ہیں۔ حضور انور سو کا عدد ہیں ان پر ایمان سب پر ایمان۔ خیال رہے کہ کفار مرتے وقت عذاب کے فرشتے دیکھ کر اور قبر میں پہنچ کر یہ سب کچھ مان لیتے ہیں مگر قیامت میں یہ اقرار اگلے مضمون کی تمہید کے لئے ہے یعنی شفاعت یا دنیا میں واپسی کی تمنا یہ قیامت ہی کے دن ہوگی **فهل لنا من شفعاء فيشفعوا لنا** کفار کا یہ قول مسلمانوں کی شفاعت دیکھ کر ہوگا انہیں انبیاء کرام قرآن مجید کعبہ معظمہ، ماہ رمضان بلکہ خود ان کے اپنے بچے اولیاء اللہ علماء دین بارگاہ الٰہی میں شفاعت کرکے بخشواتے ہوں گے ان کا کوئی حامی نہ ہوگا اس لئے شفعاء جمع لایا گیا **شفعاء** سے مراد یا تو یہ مذکورہ حضرات ہیں یا ان کے بت وغیرہ یعنی یہ حضرات کیا ہماری بھی شفاعت کریں گے یا جیسے مسلمانوں کی شفاعت ان کے شافعین کر رہے ہیں کیا ہمارے بت' پوپ پادری پنڈت بھی ہماری شفاعت و سفارش کریں گے یہ یہ سوال تمنا اور آرزو کے لئے ہے **او نرد فنعمل غير الذی كنا نعمل** یہ ان کفار کی دوسری تمنا ہے یہ بھی مذکورہ ھل کے ماتحت۔ نرد بنا ہے رد سے بمعنی لوٹانا واپس کرنا یہاں دنیا میں لوٹانا مراد ہے کیونکہ عمل کی جگہ وہی ہے اس لئے یہ نہ کہیں گے کہ خدایا ہم آج یہاں ہی ایمان و اعمال اختیار کئے لیتے ہیں ہم کو اجازت دے ہم تجھے لاکھوں سجدے کرلیں نعمل کی **ف** نرد کا جواب ہے اور نرد استفہام کے تحت ہے اس لئے یہاں ان پوشیدہ ہے اور نعمل کو فتحہ ہے **الذی الخ** سے مراد ان کے تمام وہ عقائد و اعمال ہیں جو دنیا میں کرتے تھے یعنی کیا اب ہم کو دنیا میں واپس کیا جاوے گا تاکہ وہاں جاکر اب ہم پچھلے اعمال و عقائد کے سوا دوسرے عقائد و اعمال اختیار کریں یعنی ایمان اور تقویٰ **قد خسروا انفسهم** یہ کلام رب تعالیٰ کا اپنا ہے **خسروا** بنا ہے خسارہ سے جس کے معنی ہیں وہ نقصان جس میں اصل پونجی بھی ختم ہو جاوے عمر انسان کی اصل پونجی ہے۔ جسے کفار کفر اور بد عملیوں میں صرف کرکے اسے برباد کر لیتے ہیں اور یہ وہ پونجی ہے جو دوبارہ ہاتھ نہیں آتی جو سوت کات لیا وہ اپنا ہے پھر چرخہ چرخہ والے کا ہے کاتنے کے جو چند دن ملے ہیں انہیں غنیمت سمجھو یعنی انہوں نے اپنی ذاتوں یا اپنی جانوں کو پورے پورے ٹوٹے خسارہ میں ڈال دیا۔ **وضل عنهم ما كانوا يفترون** یہ بھی رب تعالیٰ کا اپنا کلام شریف ہے اس میں کفار کے دوسرے عذاب کا ذکر ہے۔ ضل بنا ہے **ضلال** سے بمعنی گم ہو جانا غائب ہو جانا **ما** سے مراد ان کے وہ بت وغیرہ ہیں جنہیں وہ اپنا حامی سمجھے بیٹھے تھے **افتراء** بنا ہے **فری** سے بمعنی بہتان نرا جھوٹ یعنی وہ بت وغیرہ جنہیں کفار نے اپنا شفاعتی سفارشی سمجھا ہوا تھا وہ آج سب کے سب ان سے غائب ہو گئے یا تو اس طرح کہ ان کے پاس پہنچے ہی نہیں کہ وہ اپنی مصیبتوں میں گرفتار ہیں یا اس طرح کے ان کے پاس پہنچے انہوں نے ان بتوں سے سفارش کا مطالبہ کیا تو انہیں صاف جواب دے دیا کہ ہم خود گرفتار ہیں تمہاری سفارش کیا کریں۔ خیال رہے کہ اس سے کفار کے بت اور ان کے پنڈت جوگی پوپ پادری مراد ہیں اسے حضرات انبیاء کرام یا اولیاء اللہ اور مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں جو اس آیت کو ان پر چسپاں کرے وہ بے دین ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے پاس تفصیلی کتاب پہنچ چکی آپ نے تبلیغ فرما دی اب یہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے وہ کس چیز کے انتظار میں ہیں اب انہیں انتظار صرف اس بات کا ہے قرآنی چیزیں ظہور میں آجائیں جو نہاں ہے وہ عیاں ہو جائے جس دن ان چیزوں کا ظہور ہوگا تو یہ لوگ جو اس سے پہلے اس دن کو بھولے بیٹھے تھے کہیں گے کہ آج ہم اقرار

کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سارے رسول ہمارے پاس پہنچے تھے وہ بھی سچے تھے ان کے سارے فرمان بھی سچے تھے ہم سے غلطی ہوئی کہ انہیں نہ مانا پھر جب گنہگار مسلمانوں کا حال دیکھیں گے کہ ان کے رسول ان کے اولیاء ‘علماء صالحین ‘چھوٹے بچے انہیں بخشوا رہے ہیں ان کے دستگیر مشکل کشا بنے ہیں تب یہ کف افسوس ملتے ہوئے کہیں گے کہ کیا آج ہمارے بھی سفارشی نہیں جو پختہ وعدہ کرتے ہیں کہ اگر اب ہم دنیا میں بھیجے گئے تو اب ان عقائد و اعمال کو ہرگز اختیار نہ کریں گے جو پہلے کرتے تھے بلکہ ان کے علاوہ دوسرے کام کریں گے خدایا ہم سچے پکے مسلمان متقی پرہیزگار بنیں گے ایک بار ہم کو واپس فرما کر دیکھ لے رب فرماتا ہے کہ ان لوگوں نے اپنے کو بالکل ہی خسارہ میں ڈال دیا کہ اپنی عمریں برباد کر ڈالیں۔ بجائے نیکیوں کے گناہ کمائے عرشی نعمتیں اعضاء ‘عمر صحت سے گئے تھے مگر فرشی اعمال کما کر نہ لائے وہ ساعتیں برباد کر آئے اور جن بتوں پادریوں پوپوں پنڈتوں کی شفاعت کی آس لگائے تھے آج کوئی کام نہ آیا وہ سب ان سے غائب بلکہ ان کے دشمن ہو گئے اب کف افسوس ملنے سے کیا بنتا ہے۔

جو کل کرنا ہے آج ہی کر جو آج کرے سو اب کر لے
جب چڑیوں نے چگ کھیت لیا پھر ہو ہوے کیا ہووت ہے

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہدایت نہ ملے ایمان نہ ملے اسے کہیں سے ہدایت و ایمان نہیں مل سکتے‘ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت کا آخری ذریعہ ہیں۔ یہ فائدہ **هل ينظرون الا تاويله** سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ جو لوگ آپ سے ہدایت نہیں پاتے وہ اب قیامت ہی کے منتظر ہیں۔
دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یا آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آپ آخری نبی ہیں۔ یہ فائدہ بھی اسی **هل ينظرون** سے حاصل ہوا یہ نہ فرمایا گیا کہ وہ ایمان لانے کے لئے اور نبی کے منتظر ہیں بلکہ فرمایا کہ وہ اب قیامت ہی کے منتظر ہیں۔
تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا گویا تمام رسولوں کا تشریف لانا ہے یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان سارے رسولوں پر ایمان ہے۔ یہ فائدہ **قد جاءت رسل ربنا** سے حاصل ہوا کہ عرب میں سوائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی نبی نہ آئے۔ حضرت اسماعیل اور آپ کے درمیان کوئی نبی نہیں مگر فرمایا گیا **قد جاءت رسل ربنا**‘ **رسل** جمع ہے رسول کی۔ **چوتھا فائدہ:** آخر کار نادان بھی سمجھ جاتا ہے مگر وقت نکال کر جب کہ سمجھنا کچھ کام نہیں آتا‘ دیکھو قیامت میں کفار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کا اقرار کریں گے مگر بے سود‘ عاقلوں نے دنیا میں اقرار کر لیا۔

آنچہ دانا کند‘ کند ناداں! لیک بعد از خرابیء بسیار

پانچواں فائدہ : قیامت میں مومنوں کی شفاعت کرنے والے بہت ہوں گے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا‘ بے یار و بے مددگار ہونا کفار پر عذاب ہو گا۔ یہ فائدہ **فهل لنا من شفعاء** سے حاصل ہوا کہ کفار مسلمانوں کے مددگاروں سفارشیوں کو دیکھ کر کف افسوس ملیں گے اور یہ کہیں گے۔ **چھٹا فائدہ:** کفار کے بت اور ان کے پیشوا قیامت میں ان کا ساتھ چھوڑ دیں گے مگر مومنوں کے نبی ولی ہر پیغمبران کا ساتھ ہرگز نہیں چھوڑیں گے ہر جگہ ان کی مدد کریں گے۔ یہ فائدہ **وضل عنهم** سے حاصل ہوا اگر مومنوں کے نبی ولی بھی انہیں چھوڑ دیتے تو کفار کے عذاب کے سلسلہ میں یہ نہ فرمایا جاتا۔ یہ بات خوب خیال رہے۔
ساتواں فائدہ: ایمان و کفر بھی ایک عمل ہے یعنی دل کا عمل۔ یہ فائدہ **فنعمل غير الذى كنا نعمل** سے حاصل ہوا کہ پہلے **نعمل** میں ایمان اور نیک عمل مراد ہیں اور دوسرے **نعمل** سے کفر و گناہ مراد ہاں جب ایمان کا ذکر عمل کے ساتھ ہو تب وہاں

عمل سے جسمانی عمل مراد ہوتے ہیں جیسے ان الذین امنوا وعملو الصالحات۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ کفار قیامت کے انتظار میں ہیں حالانکہ وہ کفار قیامت کے انکاری تھے اس کے منتظر نہ تھے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** یہ فرمان عالی انتہائی غضب کے اظہار کے لئے ہے جیسے چور سے کہا جائے کہ اب تو جیل ہی کا انتظار کرتا ہے حالانکہ چور جیل کا انتظار نہیں کرتا وہ تو اپنے کو اس سے محفوظ سمجھتا ہے یہاں بھی ایسا ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اگر یہ تمنا کفار عرب کی ہے تو جاءت رسل ربنا فرمانا کیونکہ درست ہوا عرب میں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی تشریف لائے تھے حضرت اسماعیل علیہ السلام سے لے کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی نبی وہاں تشریف نہ لائے۔ **جواب:** اس صورت میں صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو بہت سے رسولوں کی تشریف آوری قرار دیا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام رسولوں کی اصل ہیں۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہرچہ موجود شد فرع تست

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سب رسولوں کی آمد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار تمام رسولوں کا انکار ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سب کی اطاعت ہے یہ ایسا ہے جیسے ارشاد الٰہی ہے **ولقد کذب اصحب الحجر المرسلین** حالانکہ حجر والوں نے اپنے ایک رسول ہی کا انکار کیا تھا مگر ایک نبی کے انکار کو سب نبیوں کا انکار قرار دیا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ قیامت میں مومنوں کی شفاعت کرنے والے بہت ہوں گے اس لئے اس آیت میں ارشاد ہوا **فھل لنا من شفعاء** یعنی **شفعاء** جمع ارشاد ہوا تو پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع المذنبین کیوں کہتے ہیں، شفیع تو بہت ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب بارہا دیا جا چکا ہے کہ شفاعت کبریٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کریں گے بعد میں چھوٹی شفاعتیں اور حضرات بھی کریں گے شفاعت کبریٰ کا سہرا صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اقدس پر ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو شفیع المذنبین کہا جاتا ہے دروازہ شفاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر کھلے گا۔

تفسیر صوفیانہ: ہر کام وقت پر مفید ہے وقت سے پہلے معرفت کے بعد بیکار' روزہ وقت پر کھولو اس کا نام ہے افطار دوپہر کو کھاؤ پیو تو اس کا نام ہے روزہ توڑنا' جمعہ' عید وقت پر پڑھو تو عبادت ہے پہلے یا بعد پڑھو تو بیکار یونہی ایمان کا بھی ایک وقت ہے اس سے پہلے یا بعد ماننا ایمان نہیں' میثاق کے دن سب نے سارے ایمانیات کو مان لیا تھا وہ ماننا ایمان نہ بنا بعد موت سب مان جائیں گے وہ بھی ایمان نہیں دنیا میں ماننا ایمان ہے کیونکہ میثاق کے دن بلاواسطہ ہی رب کے براہ راست کہنے سے مانا تھا۔ قیامت میں آنکھوں دیکھ کر مانیں گے نبی کا واسطہ نہ جب تھا نہ آئندہ ہو گا اس لئے یہ دونوں ایمان نہ بنے۔ دنیا میں رسول کی معرفت ان سب کو مانا جاتا ہے لہذا یہ ایمان ہے پھل کا پاور مفید ہے بشرطیکہ محفوظ تار کے ذریعہ آئے بغیر تار کے ہلاک کر دیتا ہے' توحید پاور ہے نبوت محفوظ تار چنانچہ کفار قیامت میں رسولوں کی حقانیت کا اقرار کریں گے لیکن اگر یہ اقرار دنیا میں کر لیتے تو اس اقرار کا نام ہوتا ایمان یا عرفان اس وقت یعنی قیامت میں اس اقرار کا نام ہو گا طغیان یا کفران کیونکہ انہوں نے انبیاء کرام پر اعتبار و اعتماد نہیں کیا بلکہ اپنی آنکھوں پر اعتماد کیا کوئی مومن جسے رب تعالیٰ بخش دے دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرے گا اگرچہ یہاں کیسے ہی آرام میں رہا ہو سوائے شہداء کے کہ وہ دوبارہ دنیا میں آنے رب کے نام پر سر کٹانے کی تمنا کرتے ہیں شہداء کی یہ تمنا اچھی ہوتی مگر کافر کی یہ تمنا جھوٹی ہوتی مقصد اٹی اس تمنا کا نام ہے رجعۃ کفار کی تمنا کا نام ہے اسمہ جو کچھ کر کے امید لگائے

اس کی امید کا نام رجاء ہوتا ہے بغیر کرے آس لگانا امنیہ کہلاتا ہے بیج بو کر پیداوار کی امید کرنا رجاء ہے بغیر بوئے آس لگانا امنیہ ہے رجاء اچھی چیز ہے امنیہ بری چیز مومن تدارک حال کرتا ہے کافر طول آمال یعنی لمبی امیدیں ہیں۔

حکایت : کسی پانی میں تین مچھلیاں رہتی تھیں ایک شکاری نے انہیں دیکھا اور بولا میں نے ان تینوں کا شکار کرنا ہے۔ **عقلمند مچھلی** یہ سنتے ہی جال آنے سے پہلے دریا میں نکل گئی۔ نمبر دو کی **مچھلی** نے غفلت کی جب شکاری آگیا تو اس نے اپنے کو مردہ بنا کر پانی پر تیرا دیا' ماہی گیر نے اسے پکڑا مگر مردار سمجھ کر پانی میں پھینک دیا وہ بھی جان سلامت لے گئی تیسری بہت بے وقوف تھی جال میں پھنس کر خوب تڑپی بہت ہاتھ پاؤں مارے مگر بے فائدہ وہ شکار ہو گئی مولانا نے یہ قصہ بہت طویل بیان فرمایا ہے فرماتے ہیں۔

سوئے دریا عزم کن زیں آب گیر   بحر جو و ترک ایں گرداب گیر!

اگر تو بچاؤ چاہتا ہے تو سمندر میں چھلانگ لگا۔ یہ حال ہے مومن عاقل کا غافل کا اور کافر کا اللہ تعالیٰ اس زندگی میں ہماری آنکھیں کھول دے غفلت سے بیدار ہونے کی توفیق بخشے۔ آج کچھ کرلو ورنہ کل رو دو پیٹو گے مگر بے سود۔

اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لے   اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ غم تین قسم کے ہیں گناہوں کا غم کہ معافی نہ ہو نیکیوں کا غم کہ قبول نہ ہوں اپنے ایمان کا غم کہ کہیں چھن نہ جائے ایک دن ابو سفیان بہت رو رہے تھے کسی نے پوچھا کہ کیوں روتے ہو کیا گناہوں کا ڈر ہے' آپ نے ایک تنکا لے کر فرمایا کہ اللہ کے نزدیک سارے گناہ اس تنکے کی طرح ہیں مغفرت کے ایک جھونکے میں اڑ جائیں گے مجھے ڈر ہے ایمان کا پیمانہ نہ چھن جائے (روح البیان)

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
بے شک تمہارا پالنے والا وہ ہے اللہ جس نے پیدا کیے آسمان اور زمین چھ (۶) دن میں پھر
بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ (۶) دن میں بنائے
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا وَّالشَّمْسَ وَ
غلبہ فرمایا اوپر عرش کے ڈھانپتا ہے رات سے دن کو طلب کرتا ہے دن رات لگاتار اور پیدا کیا سورج کو اور چاند کو اور
پھر عرش پر استواء ہوا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے
الْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهٖ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ
تاروں کو سب تابع ہیں اسی کا ہے عالم خلق اور عالم امر برکت والا ہے اللہ پالنے والا
ڈھانپتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا اس کے حکم کے
رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۵۴﴾
جہانوں کا
دبے ہوئے ہیں سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں انتہا کا ذکر ہوا یعنی قیامت اور بعد قیامت کا اب اس آیت میں ابتدا کا ذکر ہے تاکہ انسان ان باتوں میں غور کر کے ایمان اختیار کرے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے بتوں کی مجبوری مقہوری معذوری کا ذکر ہوا کہ وہ قیامت میں مصیبت کے وقت اپنے پجاریوں کی کوئی مدد نہ کر سکیں گے اب معبود حقیقی اللہ جل شانہ کی قدرت کا ذکر ہے تاکہ کفار جھوٹے معبودوں کی عبادت سے توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں نبوت و رسالت کا ذکر ہوا **فقد جاءت رسل ربنا** اب توحید الٰہی کا ذکر ہے گویا ایمان کے ایک رکن کا ذکر پہلے ہوا دوسرے رکن کا ذکر اب ہے چونکہ نبوت توحید اختیار کرنے کا وسیلہ ہے اس لئے وسیلہ کا ذکر پہلے ہوا اور مقصود کا ذکر بعد میں۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں خوف دلا کر لوگوں کو رب کی اطاعت کی طرف دعوت دی گئی تھی اب رب کے احسانات یاد دلا کر اس کی اطاعت کی طرف دعوت دی جا رہی ہے کیونکہ بعض لوگ خوف سے مانتے ہیں بعض لالچ سے بعض دلائل سے بعض انعام و اکرام یاد کر کے اور قرآن مجید سب کی ہدایت کے لئے آیا ہے۔

تفسیر : **ان ربکم اللہ** چونکہ اس مضمون کے کافر منکر تھے وہ دوسروں کو اپنا رب سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا لفظ رب کی تحقیق سورۂ فاتحہ میں **رب العالمین** کی تفسیر کے تحت کی جا چکی اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی کچھ تفصیل اس کی نوعیتیں اور کس قسم کی ربوبیت سے کس بندے کو حصہ ملتا ہے رب اور اب یعنی پالنے والے اور ربا اب میں فرق ہم اسی جگہ بیان کر چکے یہاں اتنا سمجھ لو کہ باپ ہم کو دنیا میں آنے کے بعد کچھ دن پرورش کرتا ہے وہ بھی لالچ سے کہ میرے بڑھاپے میں یہ مجھے پرورش کرے گا مگر اللہ کریم وہ ہے جو ہمیشہ سے ہمیشہ تک پالتا ہے ہر طرح پالتا ہے اور بلا غرض پالتا ہے جہاں سب چھوڑ دیتے ہیں وہاں وہ ہماری خبر رکھتا ہے "اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

اے کریم کار ساز و بے نیاز دائم الاحسان شرمندہ نواز

کم میں خطاب کفار سے ہے جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ سارے انسانوں سے ہو فرشتے اس خطاب میں داخل نہیں کیونکہ آسمان زمین سورج چاند تارے ان کی پرورش کے لئے نہیں بنائے گئے وہ تو ان چیزوں سے پہلے ہی پیدا ہو چکے تھے اور یہاں انہیں چیزوں کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ سارے انسانوں کا رب ہے اور سب اس کے بندے ہیں مگر کوئی بندہ دینے والا ہے کوئی لینے والا سورج و بارش بھی اللہ کے بندے ہیں زمین کھیت باغ بھی بندے مگر سورج و بارش فیض رساں بندے ہیں اور زمین و باغ فیض یاب۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے ہیں مگر دینے والے ہم اللہ کے بندے ہیں مگر لینے والے۔ لفظ اللہ کی تحقیق بسم اللہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے کہ عربی زبان میں یہ اسم ذات ہے باقی سارے نام اسماء صفات **الذی خلق السموت والارض** یہ عبارت لفظ اللہ کی صفت ہے خلق کے معنی ہیں اندازہ لگانا اصطلاح میں اس کے معنی ہیں بغیر مثال کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا، وجود بخشنا اگرچہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات مگر چونکہ آسمان علیحدہ علیحدہ ہیں زمینیں متصل اور ملی ہوئی نیز ہر آسمان کی حقیقت جداگانہ ہے مگر ہر زمین کی حقیقت مٹی ہے اس لئے قرآن مجید آسمانوں کے لئے جمع اور زمین کے لئے لفظ واحد ارشاد ہوتا ہے **وستما یام** اس کا تعلق **خلق** ہے ستہ کے معنی ہیں چھ یہ اصل میں سدستہ ہے اسی سے ہے سادس۔ پہلے سین کو تہ سے بدلا چونکہ دال اور ت کا مخرج ایک ہی ہے اس لئے دال کو بھی ت سے بدل دیا اور ت کا ت میں ادغام کر دیا ستہ ہو گیا (تفسیر کبیر) ایام جمع ہے یوم کی معنی دن مگر یہاں معنی وقت ہے کیونکہ اس وقت نہ سورج تھا نہ دن

رات پیدائش کی ابتداء اتوار سے ہوئی اور انتہاء جمعہ کو چنانچہ زمین کی پیدائش اتوار اور پیر کو اور آسمان جمعرات و جمعہ کو پہاڑ درخت وحشی جانور کھیت وغیرہ منگل اور بدھ کو۔ بعض روایت میں ہے کہ جمعہ کی اول گھڑیوں میں اوقات مقرر فرمائے' دوسری ساعت میں لوگوں کے درمیان الفت ڈالی آخری ساعت میں آدم علیہ السلام سے جناب حوا کو پیدا کیا اسی ساعت میں ابلیس کو مردود کیا گیا اس کے متعلق اور بہت روایات ہیں (تفسیر صاوی وغیرہ) اسی جمعہ کے دن چاند تارے سورج فرشتے پیدا ہوئے غرضیکہ خلق کی ابتداء اتوار کے دن ہوئی اس لئے اسے **یوم الا حد** کہتے ہیں یعنی پہلا دن اور جمعہ کو جمعہ کہتے ہیں یعنی مخلوق کی اجتماع کا دن ہفتہ کو یوم السبت کہا جاتا ہے یعنی کام بند ہو جانے کا دن (تفسیر خازن) **واللہ ورسولہ اعلم**۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ قادر تھا کہ یہ سب چیزیں ایک آن میں پیدا فرمادے مگر آہستگی سے چھ دن میں پیدا فرمائیں تاکہ قیامت تک مثال قائم کر دی جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کام آہستگی سے ہوتے ہیں۔ بندے جلدی نہ کیا کریں نیز اپنے کام آہستگی سے کیا کریں' مولانا فرماتے ہیں

مکر شیطان ست تعجیل و شتاب　　خوئے رحمانست صبر و احتساب
با تانی گشت موجود از خدا!　　تا بہ شش روز ایں زمین و چرخہا!
ورنہ قادر بود کز کن فیکون　　صد زمین و چرخ آوردے بروں
ایں تانی از پے تعلیم تست　　صبر کن در کار دیر بہر درست

ثم استوی علی العرش۔ یہاں ثم بیان کی تاخیر کے لئے ہے نہ کہ واقعہ کی تاخیر کے لئے کیونکہ عرش اعظم ان سب سے پہلے پیدا ہوا یعنی پھر یہ بھی سن لو استواء کے لفظی معنی ہیں برابر ہونا وہ معنی یہاں مراد نہیں کیونکہ برابری اور چھوٹا بڑا ہونا جسم کے لئے ہوتا ہے رب تعالیٰ جسم سے پاک ہے نیز اس صورت میں اس کے بعد علی نہ آتا' رہی یہ بات کہ یہاں استواء سے کیا مراد ہے اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ متشابہات سے ہے اس کے معنی رب تعالیٰ کے سپرد کرو اس پر ایمان لاؤ تحقیق نہ کرو یہی طریقہ بہت سلامتی کا ہے دوسرے یہ کہ اس سے مراد ہے غلبہ فرمانا قبضہ کرنا ایک شاعر کہتا ہے۔

قد استوی بشر علی العراق　　من غیر سیف ودم مہراق

میں استواء بمعنی غلبہ و قبضہ ہے۔ تیسرے یہ کہ استواء سے مراد ہے احکام جاری فرمانا اور اس میں جیسے چاہے تصرف فرمانا یعنی عرش اعظم کو رب نے اپنی حکومت کا دارالخلافہ بنایا جہاں سے سارے تکوینی و تشریعی احکام جاری ہیں فیصلے بھی ہیں تو وہاں سے احکام ہیں تو وہاں سے عرش کے لغوی معنی ہیں شاہی تخت اور ہر سایہ فگن چیز فرماتا ہے **ورفع ابویہ علی العرش** اور فرماتا ہے **ولہا عرش عظیم** اور فرماتا ہے **ایکم یاتینی بعرشہا قبل ان یاتونی مسلمین** اصطلاح فلاسفہ میں عرش نواں آسمان ہے جسے فلک اطلس بھی کہتے ہیں۔ فلاسفہ نو آسمان مانتے ہیں سات یہ آسمان آٹھواں کرسی نواں عرش' اصطلاح شریعت میں سارے عالم اجسام کو گھیرنے والا جسم جس کی حقیقت رب ہی جانتا ہے کبھی سلطنت کو بلکہ عزت و عظمت کو بھی عرش کہہ دیتے ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا ما بنی مروان ثلت عروشہم　　واودت کما اودت ایاد وحمیر
ان یقتلوک فقد ثللت عروشہم　　بعتیبۃ ابن الحارث ابن شہاب!

دیکھو ان شعروں میں عروش جمع عرش کی بمعنی ملک و عزت استعمال ہوا ہے۔ یعنی پھر یہ بھی سنو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بنا کر یونہی نہیں چھوڑ دیا بلکہ عرش پر اپنا تصرف و قبضہ قائم فرمایا' جس سے لازم آیا کہ سارا عالم اجسام اس کے قبضہ اور تصرف میں ہے **یغشی الیل النہار** یہ نیا جملہ ہے جس میں رب نے اپنے دائمی قبضہ و تصرف کا مشاہدہ و ثبوت دیا ہے **یغشی** بنا ہے **غشاوۃ** سے بمعنی پردہ یعنی ڈھانپ دیتا ہے رات سے دن کو۔ عام مفسرین نے اس عبارت کے یہی معنی فرمائے۔ تفسیر جلالین و صاوی وغیرہ نے اس کے معنی یہ کئے کہ رات سے دن کو اور دن سے رات کو ڈھانپتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ بھی یہ بتا رہا ہے یا تو اس لئے کہ یہاں **یغشی** مقابلہ کے لئے استعمال ہوا ہے یا اس لئے کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے **یغشی النہار الیل** خیال رہے کہ رات دن کو یا دن رات کو نہیں ڈھانپتا کیونکہ رات آنے پر دن مٹ جاتا ہے اور دن آنے پر رات ختم ہو جاتی ہے پھر ڈھانپنا کیسا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس فضا کو دن نے روشن کیا تھا اس فضا کو رات تاریک کر دیتی ہے اور جس فضا کو رات نے تاریک کیا تھا اس کو دن روشن کر دیتا ہے لہٰذا یہاں اسناد مجازی ہے (روح المعانی)۔ قرآن کریم فرماتا ہے **یکور الیل علی النہار ویکور النہار علی الیل**۔ وہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے **یطلبہ حثیثا** ۔یہ عبارت پچھلی عبارت کی گویا شرح ہے اس کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ رات دن کو تیزی سے ڈھونڈتی رہتی ہے' دوسرے یہ کہ رات دن اور دن رات کو تیزی سے ڈھونڈتے رہتے ہیں کہ ایک گیا دوسرا فوراً" آیا بیچ میں فاصلہ کوئی نہیں حثیث بنا ہے حث سے بمعنی تیزی و سرعت یا تو یطلب کے فاعل سے حال ہے یا اصل میں **طلبا حثیثا** تھا' طلبا پوشیدہ ہے (معانی) یہ حالت رب تعالیٰ کے قبضہ و قدرت کی کھلی دلیل ہے **والشمس والقمر والنجوم** یہ عبارت معطوف ہے' سماوات پر یعنی رب تعالیٰ نے ہی سورج چاند اور سارے تارے پیدا فرمائے کہ انہیں نیست سے ہست کیا **مسخرات بامرہ** یہ عبارت شمس و قمر و نجوم سے حال ہے **مسخرات** بنا ہے تسخیر سے' جس کا مادہ ہے **سخر** بمعنی تابع فرمان ہونا یعنی یہ سورج چاند وغیرہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں کہ اس کے فرمان سے ہر وقت دوڑ رہے ہیں ایک آن کے لئے آرام نہیں کرتے ٹوٹتے پھوٹتے نہیں کبھی ان کی مرمت کی ضرورت نہیں پڑتی یہاں امر بمعنی ارادہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی حکم ہو کہ چاند سورج وغیرہ کو ہر دم احکام الٰہی پہنچتے ہوں اور وہ ان پر عمل کرتے ہوں احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں سمجھ فہم ہے اور وہ اللہ کا حکم سنتے ہی اس پر عمل کرتے رہتے ہیں۔ (معانی) خیال رہے کہ چاند تارے صرف سورج سے ہی نور لیتے ہیں سورج فیض رسان ہے اور باقی فیض یاب چاند زیادہ نور لیتا ہے تارے کم اس لئے سورج کا ذکر پہلے ہوا چاند کا اس کے بعد تاروں کا اس کے بعد **الا لہ الخلق والامر**۔ یہ عبارت گزشتہ مضمون کا گویا نتیجہ بیان کر رہی ہے کہ بندو ان حالات سے نہ نتیجہ نکالو کہ خلق بھی رب کی ہے امر و حکم بھی اس کا اس کے احکام اس کی مخلوق میں جاری ہیں یہاں بھی امر یا تو بمعنی ارادہ ہے یا بمعنی حکم یا خلق بمعنی عالم اجسام ہے اور امر بمعنی عالم ارواح عالم انوار اور عالم امکان ہے جو صرف امر کن سے پیدا ہوئے اور ہو سکتا ہے کہ **خلق** سے مراد ہمارے جسمانی واردات ہوں جیسے ظاہری عبادات جس میں ہمارے کسب کو دخل ہو اور امر سے ہمارے دلی واردات مراد ہوں جس میں ہمارے کسب کو دخل نہ ہو جیسے دل کا گداز عشق رسول خوف خدا آنکھوں کے آنسو جو محض عطاء ربانی ہیں **تبارک اللہ رب العلمین**۔ **تبارک** کے بہت معنی کئے گئے ہیں (1) برکت والا ہے کہ اس کے نام میں برکت ہے جس چیز پر اس کا نام لے دیا جائے وہ مبارک ہو جائے (2) الوہیت ربوبیت و عزت و عظمت میں اکیلا ہے (3) ہر نقص و عیب سے پاک اور منزہ ہے (بیان معانی' خازن وغیرہ) عالمین کے معنی ہم

سورہ فاتحہ میں عرض کر چکے کہ عالم وہ جس سے کسی چیز کو جانا پہچانا جائے ' علم کا صفت مشبہ یعنی نشانی علامت۔ اللہ کے ماسوی عالم ہے کہ اس سے خدا کو پہچانا جاتا ہے عالم جنس ہے اس کی نوعیتیں بہت ' عالم انسان ' عالم حیوان عالم اشجار وغیرہ اس لحاظ سے عالمین جمع ارشاد ہوتا ہے۔ بہرحال یہ آیت کریمہ بہت طرح سے حمد الٰہی ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے کافرو تم انتہاء تو سن چکے اب ابتداء سنو تمہارا رب تم کو پالنے والا وہ تمہارا رب ہے۔ جس نے تمہاری پرورش کے لئے بہت سے انتظام فرمائے کہ چھ دن یا چھ وقتوں میں آسمان زمین بنائے اس طرح کہ اتوار کے دن سے خلقت کی ابتداء فرمائی جمعہ کو انتہاء کسی وقت آسمان بنائے کسی وقت زمین پھر یہ بھی سن لو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ چیزیں پیدا فرما کر یوں چھوڑ نہ دیں بلکہ اس سب کو جو عرش اعظم گھیرے ہوئے ہے اس پر اپنا قبضہ و تصرف رکھا جب عرش پر اس کا قبضہ و تصرف ہے تو دنیا کی ہر چیز پر اس کا تصرف ہے رب کے قبضہ کی بہت دلیلیں ہیں ایک یہ کہ دیکھ لو وقت یکساں نہیں رہتا کبھی عالم کو دن روشن کرتا ہے کبھی رات اس کی روشنی دور کرکے اس پر اندھیرا ڈال دیتی ہے۔ کبھی اس کے برعکس یہ کام نہایت تیزی سے ہو رہا ہے کہ دن و رات ایک دوسرے کے اسی طرح پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ایک کے جاتے ہی دوسرا آجاتا ہے اس کے قبضہ و تصرف کی دوسری دلیل یہ ہے کہ سورج چاند تارے پیدا فرمائے وہ اپنی پیدائش سے آج تک اس کے حکم کے ماتحت اپنی ڈیوٹی پر لگے ہوئے ہیں اس کے تابع امر ہیں۔ ان چیزوں میں غور کرو اور نتیجہ نکالو کہ ساری چیزیں اس کی مملوک و مخلوق ہیں اور اس کے زیر فرمان ہیں خلق بھی اس کی فرمان بھی اس کا ان تمام چیزوں سے تم یہ نتیجہ نکالو کہ اللہ تعالیٰ برکت والا عزت و عظمت والا اور ہر عیب و نقص سے پاک ہے وہ تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ خیال رہے کہ دنیا کی زندگی کے لئے رب نے زمین کی تقسیم ملکوں ' صوبوں ' شہروں ' بستیوں میں فرمائی اور زمان کی تقسیم برسوں مہینوں ہفتوں دن رات گھنٹوں منٹوں میں کی کہ دنیا جگہ ہے کام کی اس تقسیم کے بغیر انسان کام نہیں کر سکتا مگر جنتی زندگی کے لئے نہ جنت کی زمین تقسیم کی گئی نہ زمان کی وہاں اتنی بڑی جنت میں ملک ' شہر محلے نہیں نہ وہاں دن رات مہینے سال ہیں کیونکہ وہ جگہ انعام اور آرام کی ہے وہاں کی دائمی زندگی اس کے بغیر بھی ہو سکے نیز وہاں فنا نہیں زندگی کے زمانہ کی شمار کی ضرورت نہیں۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: انسان کو چاہیے کہ جلد بازی سے پرہیز کرے اطمینان اور تحمل سے کام کرے یہی سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ **فی ستة ایام** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ قادر تھا کہ ایک آن میں سارے زمین و آسمان بلکہ سارا جہان بنا دیتا مگر بنائے چھ دن میں اس مہلت میں ہم کو یہی تعلیم دی گئی ہے۔

مسئلہ : چند کاموں میں جلدی کرنا ثواب ہے گناہوں سے توبہ ' ادائے قرض ' مہمان کی خاطر ' بالغہ لڑکی کا نکاح ' میت کا دفن ' جنابت سے غسل وغیرہ باقی تمام کاموں میں اطمینان و تحمل چاہیے (روح البیان) ' **دوسرا فائدہ**: ہر چھوٹی بڑی چیز کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جو کسی اور کو ایک ذرہ کا خالق مانے وہ مشرک ہے یہ فائدہ **خلق السموات** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: عرش اعظم آسمانوں کے علاوہ اور کوئی محیط جسم ہے کسی آسمان کا نام عرش نہیں۔ یہ فائدہ **ثم استوی علی العرش** سے حاصل ہوا کہ عرش کو **سموت** کے علاوہ بیان فرمایا۔ خیال رہے کہ آسمان سات ہیں نہ کہ نو دوسری جگہ ارشاد ہے **خلق سبع سموت طباقا** لہذا فلاسفہ کا نو آسمان ماننا محض غلط ہے۔ **چوتھا فائدہ**: عالم کے حالات کی تبدیلی ' دن رات کا آنا جانا سورج چاند

تاروں کی گردش خدا تعالیٰ کی قدرت کے دلائل ہیں کہ یہ چیزیں کسی گھمانے والے گردش دینے والے کے قبضہ میں ہیں۔ یہ فائدہ **یغشی الیل النهار** سے حاصل ہوا اس کی نفیس تحقیق دوسرے پارے میں **السموات والارض** کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** وقت دو ہی ہیں رات اور دن ان کے علاوہ اور کوئی وقت نہیں شام رات کا حصہ سویرا دن کا حصہ ہے۔ یہ فائدہ **یغشی الیل النهار** سے حاصل ہوا اس لئے صبح سے روزہ شروع ہوتا ہے شام کو افطار کر دیا جاتا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** رات دن سے افضل ہے اور دن سے پہلے ہے سورج ڈوبتے ہی تاریخ بدل جاتی ہے' یہ فائدہ لیل کو نہار پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون** اس سے معلوم ہوا کہ تمام چیزیں محض کن فرمانے سے پیدا ہوئیں' آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے بہت جواب دوسرے پارے میں دیئے جا چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس آیت کریمہ میں وقت پیدائش کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں طریقہ خلق کا ذکر ہے یعنی چھ دن میں یہ چیزیں پیدا کیں مگر کن فرما کر پیدا کیں' کسی چیز کو ٹھونک پیٹ کر نہ بنائیں یا یوں کہو کہ اس آیت میں فعل خلق کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں قدرت خلق کا ذکر ہے یعنی وہ اس پر قادر ہے کہ آن کی آن میں کن فرما کر ہر چیز پیدا کر دے مگر اس نے چھ دن میں پیدا فرمائے' قدرت اور ہے عمل کچھ اور۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ عرش آسمانوں زمین کے بعد پیدا کیا گیا مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم پہلے پیدا فرمایا گیا۔ **جواب:** یہاں **استوی** کے معنی پیدا فرمانا نہیں بلکہ عرش پر قبضہ اور تصرف رکھنا مراد ہے مقصد یہ ہے کہ ہم نے آسمان و زمین بنا کر یونہی چھوڑ نہ دیا بلکہ ان پر اپنا قبضہ تسلط قائم دائم رکھا اور ثم تراخی بیان کے لئے ہے نہ کہ تراخی زمان کے لئے یعنی پھر یہ بھی سن لو کہ ہم نے عرش پر قبضہ و تسلط قائم رکھا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ رب رات سے دن کو ڈھانپتا ہے تو کیا رات کے وقت دن ہوتا ہے اگر نہیں ہوتا تو ڈھانپنے کے کیا معنی ڈھانپنا یہ ہوتا ہے کہ چیز کسی غلاف کے اندر موجود ہو ظاہر ہے کہ دن رات کی ضد ہے ڈھانپنے کے معنی کیونکر درست ہوئے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں اسناد مجازی ہے' مقصود یہ ہے کہ جس چیز کو دن روشن کئے ہوئے تھا اسے رات اپنی تاریکی میں ڈھانپ لیتی ہے دن سے مراد ہیں' وہ چیزیں جنہیں دن منور کرتا ہے۔ (روح المعانی) **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ سورج چاند تارے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہیں یہ کیونکر صحیح ہو اللہ تعالیٰ حکم تو عاقل مخلوق کو دیتا ہے اس نے انسانوں کے سواء کسی بے عقل مخلوق کو روزے نماز وغیرہ کا حکم نہیں دیا ان چیزوں میں جب سمجھ ہی نہیں ہے تو انہیں حکم کیسا؟ **جواب:** یہاں حکم سے مراد ہے تکوینی حکم یعنی ارادہ الٰہی رب جو چاہتا ہے' چاند سورج تارے وہی کرتے ہیں شرعی حکم یعنی ممانعت کا مقابل حکم مراد نہیں اور اگر یہی حکم مراد ہو تب بھی درست ہے کیونکہ ہر عاقل و غیر عاقل مخلوق میں ادراک سمجھ بوجھ وغیرہ ہے رب فرماتا ہے **وان من شئ الا يسبح بحمده** لہذا آیت واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلق بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اور حکم بھی صرف اسی کا ہے تو پھر انبیاء اولیاء' بلکہ بادشاہوں اور حکام کو حاکم مانتے ہو حاکم صرف رب تعالیٰ ہے جیسے خالق رب کے سواء کوئی نہیں ویسے حاکم اس کے سواء کوئی نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **اتيناهم الكتاب والحكم والنبوة** ہم نے

انبیاء کرام کو کتاب اور حکم اور نبوت بخشی اور فرماتا ہے۔ **سخرنا لہ الریح تجری بامرہ** ہم نے ہوا حضرت سلیمان کے تابع کردی جو ان کے حکم سے چلتی تھی اور فرماتا ہے **لتحکم بین الناس** ہم نے آپ کو اس لئے نبی بنایا کہ آپ لوگوں میں حکم جاری کریں اور فرماتا ہے **فابعثوا حکما من اہلہ و حکما من اہلہا** خاوند بیوی میں نااتفاقی ہو جانے کی صورت میں ایک حکم خاوند والوں کی طرف سے اور دوسرا حکم بیوی والوں کی طرف سے بھیجو۔ ان جیسی تمام آیات میں اللہ کے بندوں کے لئے حکم ثابت ہے جواب تحقیقی یہ ہے کہ حقیقی حکم صرف اللہ تعالیٰ کا ہے' عارضی مجازی اور عطاء الٰہی سے حکم اس کے بندوں کا بھی ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں' حقیقی مجازی کا فرق ہر جگہ ہی کیا جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا ظہور اس سے ہے کہ اس نے آسمان و زمین پیدا فرمائے اور اس حکمت کا ظہور اس سے ہے کہ اس نے یہ سب چھ دن میں بنائے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب نے چھ قسم کی مخلوق بنائی (1) ارواح (2) ملکوتی چیزیں جیسے فرشتے' جنات' عقول مفرد اور عقول مرکبہ (3) نفوس جیسے تاروں انسان حیوانات کی نفوس (4) اجسام مفرد جیسے عرش و کرسی' جنت دوزخ' (5) مفرد اجسام جیسے آگ پانی ہوائیں جنہیں چار عناصر کہا جاتا ہے' مرکب اجسام چونکہ عرش اعظم تمام لطیف اجسام کا مبدا ہے' فیض رحمانی کا قابل ہے اس لئے اس پر تسلط فرمایا یہ تسلط تمام عالم پر تسلط ہے۔ اے انسان اگر تو اپنے میں غور کرے تو سارا عالم تجھ میں ہے تیرا بدن زمین ہے تیرا سر آسمان ہے تیرا دل عرش ہے تیرا سر کرسی ہے ان سب میں روح کا حکم جاری و ساری ہے رب نے تیرے دل کو اپنی تجلی گاہ بنایا **ثم استوی علی العرش** تجھ پر کبھی نفس کی رات کی تاریکی چھا جاتی ہے کبھی قلب کے انوار کا دن تجلی کرتا ہے اس نے عالم ارواح میں انبیاء کرام اولیاء اللہ علماء دین گویا روشنی والے چاند تارے بھیجے اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سورج ہیں یہ تمام حکم الٰہی سے اپنا کام کر رہے ہیں حاجتمندوں کو فیوض دے رہے ہیں' دنیا کے دن و رات اس سورج سے بنتے ہیں دن کی دنیا کے دن و رات حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نگاہ کرم سے ہوتے ہیں ان کی نگاہ کرم سے ہوتے ہیں ان کی نگاہ دل پر پڑی دل کا دن نکل آیا بیداری آگئی ہم ان کی نگاہ سے ہٹ گئے تو دل میں رات آگئی غفلت پیدا ہو گئی۔ خدا کرے ہم دن یعنی بیداری میں مریں رات یعنی غفلت میں نہ مریں اسی لئے مرتے وقت کلمہ پڑھاتے ہیں کہ میت کا دن نکل آئے بیداری میں جائے ورنہ وہ کلمہ تو پڑھتا ہی تھا۔ مخلوق دو قسم کی ہے ایک وہ جو صرف امر کن سے پیدا ہوئی بلاواسطہ وہ عالم امر کہلاتی ہے جیسے روح وغیرہ دوسری وہ جو امر الٰہی سے بواسطہ مادہ پیدا ہوئی وہ عالم خلق ہے گویا جسمانیات خلق ہیں اور روحانیات عالم امر **لہ الخلق والامر** اللہ تعالیٰ ان سارے عالمین کا رب ہے تبارک اللہ رب العالمین (روح البیان) دوسری تفسیر صوفیانہ آسمان زمین کو گھیرے ہوئے ہیں اور ہمیشہ اسے فیض دیتے ہیں مگر عرش معلی آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے احکام الہیہ کا ہیڈ کوارٹر ہے سلطنت الہیہ کا دار الخلافہ جہاں سے عالم میں احکام جاری ہوتے ہیں آسمانوں اور زمین میں' یونہی حضرات انبیاء کرام گویا مختلف آسمان ہیں جو اپنی امتوں کو گھیرے ہوئے ہیں اور ان کو ہزارہا فیض دیتے ہیں ان کی امتیں گھری ہوئی فیض لینے والی زمین ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم گویا عرش الٰہی ہیں جن کے گھیرے میں حضرات انبیاء بھی ہیں۔

ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي

پکارے رب کو اپنے عاجزی سے اور خفیہ طور پر بے شک وہ اللہ نہیں پسند فرماتا حد سے بڑھنے والوں کو اور نہ بگاڑو

اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں اور زمین میں فساد

الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا ۭ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ

ڈالو زمین میں پیچھے اسکی درستی اور دعا مانگو اس سے خوف کرتے اور امید کرتے بے شک اللہ کی رحمت نزدیک ہے

نہ پھیلاؤ اس کے سنوارنے کے بعد اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بے شک اللہ کی رحمت قریب

مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۵۶

نیک کاروں سے

نیکوں سے قریب ہے

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے بندوں کو ایمان اور اعتقادی چیزوں کی تعلیم دی اب عبادات کی تعلیم دی جارہی ہے چونکہ ایمانیات عبادات پر مقدم ہیں کہ ایمان درستی اعمال کے لئے شرط ہے نیز ایمان سے دل و روح کی اصلاح ہوتی ہے عبادات سے جسم کی اصلاح۔ نیز ایمان کے لئے دوام ہے اعمال کے لئے فناہ ان وجوہ سے ایمانیات کو پہلے بیان فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی رحمت 'قدرت' حکمت کا ذکر تھا اب اس کے نتیجہ کا بیان ہے کہ جب وہ ایسی رحمت 'قدرت' حکمت والا ہے اور تم مجبور بے بس ہو لہذا اس کے سامنے جھکو اس سے دعائیں مانگو تاکہ اس کی قدرت و رحمت و حکمت سے تم کو بھی حصہ ملے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا کہ سورج' چاند تارے سب اس کے تابع فرمان ہیں اب حکم ہے کہ اے انسانو تم بھی اس کے تابع فرمان اس کے دروازے کے بھکاری بنو یہ سارا کارخانہ تمہارے لئے بنایا گیا تم بھی اپنے کو اللہ کے لئے بنادو۔

ابر و باد و مہ و خورشید و فلک درکارند — تاتو نانے بکف آری و بغفلت نہ خوری!

ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار — شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نہ بری

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت میں دو تمنائیں کریں گے دنیا میں لوٹ جانا یا کسی شفیع کی شفاعت میسر ہونا مگر ان کی کوئی تمنا پوری نہ ہوگی اب ارشاد ہے کہ اے مومنو! جن نیک اعمال کی تمنا تم قیامت میں کروگے وہ نیک اعمال آج ہی کرو تاکہ تمہارے یہ اعمال کل قیامت میں تمہارے کام آویں۔

تفسیر : **ادعوا ربکم** ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب مومن انسانوں سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں مومن جن بھی شامل ہوں فرشتے اپنے لئے دعائیں نہیں کرتے بلکہ مومن انسانوں کے لئے دعاء مغفرت کرتے ہیں۔ قرآن مجید میں دو جگہ ان کی دعا مذکور ہے **ویستغفرون للذین امنوا ربنا وسعت کل شیء رحمۃ و علما فاغفر للذین تابوا و اتبعوا سبیلک وقھم عذاب الجحیم' ربنا و ادخلھم جنت عدن'** **ادعوا** بنا ہے دعاء سے خیال رہے کہ

ادعوا کے خطاب میں کفار داخل نہیں کیونکہ دوسری عبادات کی طرح دعا بھی ایک عبادت ہے کفار عبادات کے مکلف نہیں نیز اس خطاب میں سارے ایمان والے داخل ہیں نیک کار بد کار سب ہی رب سے دعا مانگیں اولیاء سے لے کر ہم گنہگاروں تک سب کو دعوت عامہ ہے اور دعا قرآن مجید میں تین معنی میں ارشاد ہوا ہے پکارنا' مانگنا' عبادت کرنا' یہاں تینوں معنی درست ہیں مگر قوی یہ ہے کہ بمعنی مانگنا ہے اور **ادعوا** امر استحباب کے لئے ہے رب بمعنی مربی ہے۔ جو **تربیت** سے بنا ہے بمعنی پالتے رہنا کسی چیز کو آہستگی سے کمال تک پہنچانا اللہ تعالیٰ ظاہر کو نعمت سے پالتا ہے نفس کو رحمت سے' عابدین کو شریعت سے پالتا ہے مشتاقوں کو طریقت سے **محبین** کو انوار حقیقت سے بعض عارفین فرماتے ہیں کہ رب اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے باقی سارے نام الٹے کئے جائیں تو بے معنی ہو جاتے ہیں رب وہ نام ہے کہ اسے الٹا کرو تو بر بن جاتا ہے وہ ابھی اسم الٰہی ہے دیکھو تفسیر روح البیان **ادعوا** کے معنی یہ نہیں کہ ایک بار دعا مانگ لو بلکہ دعا مانگتے رہو۔ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ **تضرعا" و خفیتہ"** یہ عبارت یا تو **ادعوا** کے فاعل سے حال ہے اور **تضرع** اور **خفیہ** دونوں بمعنی اسم فاعل ہیں یعنی متضرعین اور خافین یا یہ پوشیدہ **فعل** کا معفول مطلق ہے یعنی تضرعوا اور اخفوا پہلا احتمال قوی ہے **تضرع** بنا ہے **ضراعتہ** سے جس کے معنی ہیں زاری کرنا عاجزی کرنا خوشامد کرنا ضراعتہ فتح یفتح سے ہے عرب کہتے ہیں ضرع الرجل مگر امام ابو مسلم فرماتے ہیں کہ تضرع کے معنی ہیں اعلان کرنا ضراعتہ فتح یفتح سے ہے عرب کہتے ہیں ضرع الرجل مگر امام ابو مسلم فرماتے ہیں کہ تضرع کے معنی ہیں اعلان کرنا اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سے دعا کرو اعلانیہ اور خفیہ ہر طرح (معانی' تنویر المقباس) خفیہ کے معنی چھپ کر آہستہ رب فرماتا ہے **اذ نادی ربہ ندا" خفیا** یا اس کے معنی ہی خوف کرتے ڈرتے ہوئے (تفسیر تنویر المقباس) اس صورت میں **اگلی** عبارت اس کی تفسیر ہے **وادعوہ خوفا" و طمعا"** بہرحال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں اپنے رب کو پکارو یا اس کی عبادت کرو یا اس سے دعا مانگو عاجزی سے اور چپکے سے' علانیہ اور چپکے سے' عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے کہ کہیں رد نہ ہو جائے **انہ لا یحب المعتدین** یہ فرمان عالی یا تو پہلے فرمان کا مفعول لہ ہے یا یہ نیا جملہ ہے معتدین بنا ہے **اعتدا** ء سے جس کا مادہ عدو ہے بمعنی حد سے بڑھ جانا اسی لئے دشمن کو عدو کہا جاتا ہے کہ وہ دوستی کی حد سے نکل جاتا ہے یہاں حد سے بڑھ جانے سے مراد یا تو بے ہیچ کر دعائیں مانگنا یا رب سے ناممکن یا اپنی حیثیت سے زیادہ مانگنا جیسے خدایا مجھے نبی رسول بنا دے مجھے آسمانی کتاب بذریعہ وحی بھیج کہ یہ چیزیں اب بالکل ناممکن ہیں یا دعا میں بہت قیدیں لگانا کہ خدایا مجھے جنت کا سفید محل جو جنت کی داہنی طرف ہو جس میں پچاس درخت سیب کے ہوں وغیرہ وغیرہ عطا فرما یہ ہے دعا میں حد سے بڑھنا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ناممکن چیزوں کی دعا مانگنا کفر ہے جیسے خدایا ابلیس کو یا ابو جہل کو بخش دے یا مجھے نبی بنا دے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کو جھٹلانا ہے (معانی) اب تک عبادات دعاؤں کا حکم دیا گیا جو اللہ کی رحمت ملنے کا ذریعہ ہے اب اس چیز سے روکا جا رہا ہے جو اللہ کے عذاب آنے کا ذریعہ ہے یعنی زمین میں فساد پھیلانا نیز اب تک عبادتوں دعاؤں کا ذکر ہوا اب وہ چیز بتائی جا رہی ہے جس کی نحوست سے دعائیں رد ہو جاتی ہیں یعنی زمین میں فساد کہ باغی' خارجی' فسادی لوگوں کی دعائیں رد ہو جاتی ہیں۔ **ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا** یہ نیا حکم ہے افساد بنا ہے فساد سے بمعنی بگاڑنا فساد پھیلانا اصلاح بنا ہے **صلاح** سے بمعنی درستی یعنی زمین کی درستی کے بعد اس میں فساد نہ پھیلاؤ۔ اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اے عرب والو زمین عرب میں کفر و شرک و گناہ نہ کرو اس کے بعد کہ یہ زمین ہزاروں برس سے فساد میں گھری ہوئی تھی اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اس کی اصلاح فرما دی کہ اسے ایمان و تقویٰ کا گہوارہ بنا دیا دوسرے یہ کہ اے دنیا

کے لوگو اللہ کی زمین میں کفر و فسق و گناہ نہ کرو کہ اس سے زمین میں فساد پھیلتا ہے ان سے دنیاوی مصیبتیں آتی ہیں زکوۃ نہ دینے سے قحط زنا سے خونریزی لور وبائیں پھیلتی ہیں جبکہ اللہ زمین کی حضرات انبیاء اولیاء علما کے ذریعہ اصلاح فرما چکایا اس کے معنی یہ ہیں کہ زمین میں چوری، قتل، ڈکیتی، غصب، لوگوں کے حق مارنا، زنا وغیرہ نہ کرو کہ اس سے فساد پھیلتے ہیں (خازن) تیسرے یہ کہ مسلمانوں کو برادریوں پیشوں میں تقسیم کر کے انہیں نہ لڑاؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اسلام کے ذریعہ ایک کر دیا سارے فرق مٹا دیئے۔ **ھوسما کم المسلمین** چوتھے یہ کہ دل کی زمین میں برے عقائد برے خیالات حسد و کینہ کی وجہ سے فساد نہ پھیلاؤ اس کے بعد کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کے ذریعہ اس کی اصلاح کر دی زمین میں دو صفات ہیں ایک یہ کہ لوہے پیتل وغیرہ دھاتوں کو گلا دیتی ہے کھا کر مٹی بنا دیتی ہے مگر دانہ کو کھاتی گلاتی نہیں بلکہ اگاتی ہے نیز ہمیشہ آسمانی مدد یعنی بارش، دھوپ وغیرہ کی محتاج رہتی ہے یوں ہی مومن کا دل حسد بغض اور بری صفات کو فنا کر دیتا ہے اچھی صفات کو اگاتا بڑھاتا ہے نیز یہ ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم کا محتاج ہے اس لئے قلب مومن کو زمین کہا گیا **وادعوہ خوفا" و طمعا** یہاں بھی دعا میں وہ تین احتمال ہیں جو پہلے عرض کئے گئے یعنی رب کو پکارو یا اس کی عبادت کرو یا اس سے دعا مانگو اور **خوفا و طمعا** کی وہی دو تفسیریں ہیں جو ابھی مذکور ہوئیں یعنی اپنی کوتاہیوں کی وجہ سے رد ہو جانے سے ڈرتے ہوئے اور اس کی کرم نوازی سے طمع کرتے ہوئے کہ وہ اپنے کرم سے قبول فرمائے پچھلی آیت میں دعا کے ظاہری ارکان کا ذکر تھا یہاں اس کے باطنی ارکان کا تذکرہ ہے یعنی وہاں شرائط جواز کا ذکر تھا یہاں شرائط قبول کا تذکرہ وہاں جسمانی شرائط کا ذکر تھا، یہاں قلبی اور دلی شرائط کا تذکرہ ہے لہذا آیت میں تکرار نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں خوف کا ذکر پہلے ہے طمع کا بعد میں یعنی ڈر مقدم ہے طمع بعد میں خوف زیادہ چاہئے نیز یہاں **رجاءً** نہ فرمایا یعنی امید بلکہ طمع فرمایا یعنی اس کی عطا سے دل نہ بھرنا ہمیشہ مانگتے رہنا تاکہ معلوم ہو کہ بندہ کبھی رب کی عطا سے سیر نہ ہو اس کا پیاسا ہی رہے خواہ کتنی ہی عطا ہو مخلوق سے طمع کرنا بری اللہ رسول سے طمع اچھی مخلوق سے سوال لینا حرام رب تعالیٰ سے لینا بہت ہی اچھا ایک پیسہ خیرات پر سات سو بلکہ زیادہ کی امید ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ ہم حریص ہیں لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم حریص ہیں دینے پر، فرماتا ہے **حریص علیکم** ۔ خلاصہ یہ ہے کہ خدا کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس کی رحمت کی امید کرتے ہوئے یا رب کے عدل سے ڈرتے ہوئے اس کے فضل کی امید کرتے ہوئے یا اپنی ریا وغیرہ سے ڈرتے ہوئے اس کی کرم نوازی کی امید کرتے ہوئے رب سے دعا کرو **ان رحمۃ اللہ قریب من المحسنین**: یہ عبارت یا تو علیحدہ جملہ ہے یا پہلے جملوں کا مفعول لہ ہے یہاں رحمت اللہ سے مراد یا تو دعا کی یا عبادات کی یا نداء کی قبولیت ہے اور احسان سے مراد ہے مذکورہ شرائط سے دعا وغیرہ کرنا تب تو اس کا تعلق پچھلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی تم لوگ ان شرائط سے دعا کیا کرو تو اللہ تعالیٰ کی قبولیت تمہاری دعا سے بہت ہی قریب ہے، ایسی دعائیں رد نہیں ہوا کرتیں یا رحمت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور محسنین سے مراد ہیں متقی لوگ یعنی اللہ تعالیٰ کی مغفرت بخشش کرم نوازی معافی۔ متقی مسلمانوں سے قریب ہے۔ یا اللہ کی رحمت سے مراد ہیں، حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کہ رب نے انہیں رحمۃ للعالمین فرمایا **وما ارسلنا ک الا رحمۃ للعالمین** اور محسنین سے مراد ہیں اچھے عقیدے والے لوگ یعنی مومنین سے محمد مصطفیٰ بہت قریب ہیں ان کے جلوے مومنوں کے دلوں میں دماغوں میں ہیں بلکہ مومنوں کی روح میں جلوہ گر رہتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **النبی اولی بالمومنین من انفسھم** نبی مسلمانوں سے ان کی جان سے بھی زیادہ قریب ہیں، قربان جاؤ رب تعالیٰ شہ رگ سے زیادہ قریب ہے اور اس کے محبوب جان

سے زیادہ نزدیک۔ چونکہ رحمت بمعنی رحم ہے اس لئے قریب مذکر لایا گیا قلو بمبتدا ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ محسنین سے مرادوہ لوگ ہوں جو خشوع و خضوع سے اس کی عبادت کریں 'حضور صلی اللہ علیہ و سلم فرماتے ہیں کہ رب کی عبادت اس طرح کر کہ تو اسے دیکھتا ہے یا اس طرح کہ وہ تجھے دیکھ رہا ہے یہ احسان ہے تب رحمت سے مراد رب کی توجہ کرم ہے غرضیکہ فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔

خلاصہء تفسیر : یہ آیت کریمہ شریعت و طریقت کی جامع ہے اس میں کچھ احکام ہیں کچھ ممانعتیں اور ان پر کچھ وعدے ہیں کچھ وعیدیں ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس کی بہت تفسیریں ہیں اے مسلمانوں اپنے پالنے والے کی عبادت کرو یا اسے پکارا کرو یا اس سے دعائیں مانگتے رہو مگر اس میں دو باتوں کا خیال رکھو ایک یہ کہ تمہاری عبادات 'پکار نا دعائیں مانگنا عاجزی زاری سے گڑ گڑا کر ہوا کرے کہ جیسے پانی ہمیشہ پستی کی طرف جاتا ہے یونہی رحمت باری ہمیشہ عجز و انکسار کی طرف آتی ہے دوسرے یہ کہ بلاوجہ ان چیزوں کا اعلان نہ کیا کرو خفیہ کیا کرو کہ علانیہ میں ریا کا اندیشہ ہے نیز اپنی عبادات اپنی دعاؤں میں حد سے آگے نہ بڑھو اعتدال سے کیا کرو اللہ تعالیٰ حد سے آگے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ بھی خیال رہے کہ اللہ نے حضرات انبیاء 'اولیاء' علماء کے ذریعہ زمین کی اصلاح و درستی فرمادی تم اس کی درستی کے بعد 'کفر و فسق و گناہوں کے ذریعہ فساد نہ پھیلاؤ کہ تمہاری بری حرکتوں سے بحر و بر میں فساد پھیلتے ہیں۔ اور یہ بھی خیال رہے کہ جب بھی دعا یا عبادات کرو تو اس کے عدل اپنی کوتاہیوں پر نظر سے ڈرتے رہو اس کے فضل و کرم سے امید رکھو رب کے ہاں عبادات اور دعاؤں کی قبولیت کے لئے خوف و امید گویا دو بازو ہیں دنیا میں نیک کار بن کر رہو اللہ کی رحمت نیک کاروں کے قریب رہتی ہے اس کی رحمت چاہتے ہو تو نیک کار بنو اور نیک کاروں سے قریب رہو کہ نیکی اور نیک لوگ اللہ کی رحمت کے دروازے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کی رحمت کروڑوں ہیں مگر چار قسم کی ہیں دنیاوی رحمت عامہ جیسے سورج کی روشنی ہوا زمین آسمان وغیرہ دنیاوی رحمت خاصہ جیسے سلطنت دولت صحت وغیرہ اخروی 'روحانی رحمت عامہ جیسے ایمان قرآن ظاہر عبادات وغیرہ جو ہر مومن کو عطا ہوئی روحانی رحمت خاصہ جیسے نبوت 'ولایت' خصوصی قرب الٰہی یہاں رحمت اللہ سے مراد یا روحانی رحمت عامہ ہے اور محسنین سے مراد مومنین ہیں یا روحانی رحمت خاصہ مراد ہے اور محسنین سے متقین مراد۔

نوٹ ضروری : بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ذکر 'دعا' عبادت خفیہ کرنا افضل ہے ان کی دلیل یہ آیت کریمہ ہے 'بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان کا اعلان افضل ان کی دلیل وہ آیات میں **ان تبدوا الصدقات فنعما ھی** اور **فاذکروا اللہ کذکرکم اباء کم او اشد ذکرا** اور **و اذا قرء القران فاستمعوا** لہ یہ دونوں حضرات اللہ کے مقبول بندے ہیں مگر ان میں فیصلہ یہ ہے کہ کبھی ان چیزوں کہ خفیہ کرنا افضل ہے کبھی علانیہ کرنا بہتر 'فرضی عبادات خصوصا" نماز جمعہ ' عیدین۔ حج علانیہ کرو نفلی عبادات خصوصا" تہجد کی نماز خفیہ ادا کرو نیز ریا کا اندیشہ ہو تو ذکر و دعائیں خفیہ کرو اگر ریا کا احتمال نہ ہو تو علانیہ کرو کہ شاید دوسرے بھی تمہیں دیکھ کر عبادات کریں ذکر کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے دل غافل بیدار ہوتا ہے جہاں تک ذکر کی آواز پہنچے وہاں تک کی چیزیں اس ذاکر کے ایمان کی گواہ بنتی ہیں دوسروں کو ذکر کی ترغیب ہوتی ہے 'غرضیکہ دونوں قسم کی مذکورہ آیتیں حق ہیں قابل عمل ہیں جیسا موقعہ اور جیسی عبادات ویسا عمل ایک حکم مطلقاً نہیں لگا سکتے اذان خفیہ طور پر آہستہ نہیں کہہ سکتے 'تکبیر' تشریق 'حج کا تلبیہ آہستہ نہیں کہہ سکتے بہر حال حالت کے مطابق عمل چاہئے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء

الحق حصہ اول میں دیکھو اور یہاں کچھ بحث تفسیر خازن وغیرہ نے بھی کی ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے: پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ ایسا کریم ور حیم ہے کہ اسے بندوں کا مانگنا پسند ہے نہ مانگنا ناپسند دنیا کے امیر لوگ مانگنے والوں سے تنگ پڑ جاتے ہیں مگر وہ رحیم مانگنے والے سے خوش ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **ادعوا ربکم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: دعا اصولی طور پر خفیہ مانگنا افضل ہے علانیہ سے۔ رب تعالیٰ حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **اذ نادی ربہ نداء خفیا**۔ یہ فائدہ خفیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: دعا میں بہترین الفاظ استعمال کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے بلکہ دلی عجز و انکسار اور حضور قلبی کی کوشش چاہئے۔ یہ فائدہ **تضرعا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

زور را بگزلو زاری رابگیر! رحم سوئے زاری آید اے فقیر!
در بہاراں کے شود سر سبز سنگ خاک شو تاگل بروید رنگ رنگ!

چوتھا فائدہ: دعا میں اللہ تعالیٰ کو ربنا کہہ کر پکارنا اچھا ہے۔ یہ فائدہ **ربکم** فرمانے سے حاصل ہوا اس لفظ سے رحمت کا دریا جوش میں آتا ہے۔ **پانچواں فائدہ**: ذکر بالجہر میں حد سے زیادہ چیخنا ممنوع ہے فقہاء فرماتے ہیں کہ امام ضرورت سے زیادہ قرات میں نہ چیخے نماز میں لاؤڈ اسپیکر استعمال کرنا ٹھیک نہیں کہ اس میں ضرورت سے زیادہ جہر ہے۔ یہ سب مسائل **لا یحب المعتدین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوئے۔ خیال رہے کہ حد سے بڑھنے کی تین صورتیں ہیں اور تینوں ممنوع ایک یہ ناجائز یا ناممکن دعائیں مانگے خدایا مجھے موت کبھی نہ آئے یا خدایا مجھے نبی بنادے۔ دوسرے جہاں اعلان مضر ہو وہاں اعلان کرنا جیسے مجاہدین جب کفار پر چپکے سے حملہ کرنا چاہیں تو وہاں نعرۂ تکبیر وغیرہ نہ لگاؤ کہ یہ موقعہ کے خلاف ہے۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری کی اس حدیث کا یہی مطلب ہے کہ تم بہرے کو نہیں پکارتے تم علیم و خبیر کو پکارتے ہو لہٰذا امت چیخو یہ فرمان عالی ایک جہاد کے سفر میں ہوا تھا۔ تیسرے یہ کہ جائز دعا میں غیر ضروری قیدیں لگانا جیسے خدایا مجھے جنت کا سفید محل دے جس میں پچاس درخت سیب کے ہوں وغیرہ۔ چھٹا فائدہ: بدکاریوں گناہوں سے زمین میں فساد پھیلتے ہیں۔ یہ فائدہ **لا تفسدوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اگرچہ فساد پھیلانا بہرحال برا ہے مگر امن و امان کی جگہ فساد پھیلانا بہت ہی برا ہے۔ یہ فائدہ **لا تفسدوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ: دعا کے وقت نہ تو قبولیت کا یقین کرے نہ بالکل مایوس ہو بلکہ اپنے حال سے رو کا خوف ہو رب کی رحمت پر نظر کر کے قبولیت کی امید ہو ان شاء اللہ دعا قبول ہو گی۔ یہ فائدہ **خوفا و طمعا** سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ: دنیا کی طمع دنیا والوں سے طمع بری ہے رب تعالیٰ سے طمع اس کی رحمت کی طمع بہت اچھی ہے یہ فائدہ **خوفا وطمعا** سے حاصل ہوا۔

چوں طمع خواہد زمن سلطان دین خاک برفرق قناعت بعد ازیں

دسواں فائدہ: اللہ کی رحمت چاہئے تو نیک بنو بدکاری کر کے رحمت کی امید کرنا گویا شریعت کا مذاق اڑانا ہے۔ یہ فائدہ **رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** سے حاصل ہوا مولانا فرماتے ہیں۔

گندم از گندم بروید جو ز جو از مکافات عمل غافل مشو

جو بو کر گندم کاٹنے کی امید کرنا امید نہیں بلکہ امنیہ ہے یعنی ناجائز خواہش۔

پہلا اعتراض : دعا مانگنا محض بیکار ہے جو رب نے مقدر میں لکھ دیا ہے وہ ہو کر رہے گا کیا دعا مقدر بدل سکتی ہے (بعض بے دین)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو دوا علاج کرنا بلکہ روٹی پانی کھانا پینا بالکل بے کار ہے اگر مقدر میں شفا لکھی ہے تو ویسے ہی ہو جائے گی نہیں لکھی ہے تو دوا سے بھی نہ ہوگی' یونہی اگر موت آگئی تو کھا پی کر بھی آجائے گی' اگر ابھی وقت نہیں آیا تو بھوکے پیاسے رہنے سے بھی ہم نہیں مر سکتے اس طرح تو عالم کا نظام ہی درہم برہم ہو جائے گا جواب تحقیقی یہ ہے کہ مقدر میں یہی لکھا ہے کہ بندے پر یہ مصیبت آئے گی اور اس دعا سے جائے گی یعنی مصیبت اور اس کا دفعیہ' دعا کا اثر سب کچھ مقدر میں لکھا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** دعا مانگنے میں رب کے فیصلہ سے ناراضی ہے کہ اس نے بیماری بھیجنے کا فیصلہ کیا اور اس کے دفعیہ کی دعا کر رہے ہو۔ **جواب:** اس کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر دوا غذا پانی استعمال کرنے میں بھی رب کے فیصلے سے ناراضی ہے کہ رب نے تمہارے بیمار رہنے بھوکا پیاسا رہنے کا فیصلہ کر دیا اور تم اس کے فیصلہ سے ناراض ہو کر ان چیزوں کے دفعیہ کی کوشش کرتے ہو دوا سے مرض' غذا سے بھوک' پانی سے پیاس دفع کرنا چاہتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ دعا میں اپنی بندگی کا اظہار ہے۔ بندے کی شان یہ ہے کہ اس کے ہاتھ اپنے رب کے سامنے پھیلے رہیں یہ تو بندہ نوازی کی بندہ نوازی پر بندہ کا ناز ہے۔

کشادہ دست کرم جب وہ بے نیاز کرے　　نیاز مند نہ کیوں عاجزی پر ناز کرے

تیسرا اعتراض: اگر یہ ہے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں جاتے وقت دعا کیوں نہ مانگی بلکہ حضرت جبریل کے کہنے پر فرمایا کہ اسے میری حاجت کی خود خبر ہے دعا کی کیا ضرورت۔ **جواب:** حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب سے بہت دعائیں مانگی ہیں جو قرآن مجید میں بہت جگہ منقول بلکہ ان دعاؤں کو نماز میں رکھا گیا' جیسے **رب اجعلنی مقیم الصلوٰۃ** آگ نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان تھی اور امتحان کے موقعہ پر دعا نہ مانگنا بہتر ہے کہ کہیں دعا بے صبری میں شمار نہ ہو جائے غرضیکہ اظہار عبدیت کے لئے دعا مانگنا بہتر ہے اور امتحان پر دعا نہ مانگنا افضل۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی عبادت اللہ کا ذکر اللہ سے دعا سب نہایت خفیہ چاہئیں ان کا اعلان اظہار قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے کہ ارشاد ہوا **تضرعا و خفیہ** (بعض سرپھرے وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اذان' تکبرات' تشریق' حج کا تلبیہ بھی آہستہ کہنے چاہئے اور نماز جمعہ' عیدین' اور حج بھی چھپ کر اکیلے ادا کرنا چاہئے اس کا کوئی قائل نہیں۔ جواب تحقیقی ایک تو یہ ہے کہ بعض مفسرین نے تضرع کے معنی علانیہ کئے ہیں اور آیت کا ترجمہ یہ کیا ہے کہ اب اپنے رب سے دعا کرو علانیہ بھی اور خفیہ بھی جیسا کہ ابھی ہم تفسیر میں حوالہ سے بیان کر چکے لہٰذا بات صاف ہو گئی کہ ہر طرح رب کا ذکر کرو اور دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ بندوں کے حالات مختلف ہوتے ہیں اور عبادات و ذکر بھی مختلف بعض ذکر اور بعض حالات میں اعلان افضل ہے بعض میں خفیہ بہتر یہاں دوسری حالت کا ذکر ہے اور اعلان کہ جو آیات ہم نے پیش کیں وہاں پہلی حالت کا تذکرہ ہے لہٰذا دونوں قسم کے ذکر موقعہ کے مطابق بہتر ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ زمین میں اصلاح کے بعد فساد نہ پھیلاؤ تو کیا اصلاح سے پہلے فساد پھیلانا درست ہے فساد تو بہر حال برا ہے پھر یہ قید کیوں لگائی کہ بعد اصلاحہا۔ **جواب:** اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے کفار عرب اب جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے زمین میں ایمان' تقویٰ' عدل و انصاف قائم ہو چکا تو تم کفر و شرک ظلم و ستم نہ کرو اس حالت کے مطابق یہ فرمایا گیا' جیسے **لا تاکلوا**

الربوا اضعافا مضاعفۃ دوگنا چوگنا سود نہ کھاؤ یا جیسے لا تکرھوا فتیاتکم علی البغاء ان اردن تحصنا تمہاری لونڈیاں اگر پاک دامنی چاہیں تو انہیں زنا پر مجبور نہ کرو۔ ان آیات کا مقصد یہ نہیں کہ سوایا یا ڈیوڑھا سود کھالیا کرو یا اگر لونڈیاں پاک دامنی نہ چاہیں تو انہیں زنا کرانے دو۔ قرآن کریم کی فہم کے لئے عقل سلیم کی ضرورت ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں پہلی آیت میں دعا کے ساتھ تضرعا و خفیۃ کو حکم فرمایا اور دوسری آیت میں خوف و طمع کا حکم دیا ان دونوں میں کیا فرق ہے آیت میں تکرار معلوم ہوتی ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ پہلی آیت میں دعا درست ہوتی ہے اور خوف و طمع سے دعا قبول ہوتی ہے جیسے نماز کے لئے وضو وقت وغیرہ شرائط جواز ہیں اور حضور قلبی عجز و نیاز شرائط قبول ہیں لہذا آیات میں تکرار نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** نحوی قاعدہ سے قریبۃ فرمانا چاہئے تھا کیونکہ رحمت مونث ہے نہ کہ مذکر پھر قریب مذکر کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں' دو جواب عرض کئے جاتے ہیں ایک یہ کہ یہاں رحمت بمعنی ثواب ہے اور ثواب الذکر جیسے طو لفظ مونث ہے مگر معنی مذکر تو اس کے لئے قریب مذکر لایا گیا' دوسرا جواب یہ ہے کہ رحمت مونث حقیقی نہیں ہے بلکہ مونث لفظی ہے لہذا اس کے لئے قریب مذکر لانا بھی جائز (تفسیر خازن) تفسیر کبیر نے یہ جواب بھی دیا کہ رحمت مصدر ہے اس کے لئے مذکر مونث دونوں صیغے لائے جاسکتے ہیں۔ تفسیر روح المعانی نے اور بہت جوابات دیئے۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں خوف کے ساتھ طمع کا ذکر کیوں ہوا رجاء یعنی امید کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ **جواب:** اس کی حکمت ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ طمع میں ہونا دل نہ بھرنا ہمیشہ امید زیادتی کی رکھنا رب تعالیٰ کو یہی پسند ہے کہ بندہ کسی درجہ پر پہنچ کر رب سے مانگنا نہ چھوڑے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عبدیت کے اعلیٰ درجہ میں ہیں مگر پھر رب سے بہت ہی دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : اگر زمین میں تخم درست طریقہ سے بویا جائے تو پیداوار اچھی ہوتی ہے غلط طریقے سے کاشت کرنے سے یا پیداوار ہوتی نہیں یا ناقص ہوتی ہے' دعا ایک قسم کا تخم ہے جس کا پھل رحمت و مغفرت ہے اس تخم کو عاجزی زاری کے ساتھ کاشت کرو تاکہ پیداوار اچھی ہو' مولانا فرماتے ہیں۔

گفت ادعوا اللہ بے زاری مباش تابباید فیضہائے دوست فاش
تاسقاہم ربہم آید خطاب! تشنہ باش اللہ اعلم بالصواب

جو کوئی دعا کا تخم اس کے علاوہ اور طریقہ سے کاشت کرے گا وہ معتدی یعنی حد سے بڑھنے والا ہو گا اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والے کو پسند نہیں فرماتا اس باغ میں پھل اچھے اور زیادہ نہیں ہوتے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ تضرع وہ ہے جس پر خلق مطلع ہو خفیہ وہ ہے جس پر حق تعالیٰ مطلع ہو' یعنی اعضاء کے ذریعہ تضرع کرو اور دل کے ذریعے خفیہ دعا کرو' ہر چیز میں ظاہر و باطن یعنی اعلانیہ و خفیہ ہے اسی سے اس کی ہستی قائم ہے۔ درخت کی جڑ باطن یعنی خفیہ ہے اس کی شاخیں ظاہر یعنی اعلانیہ ہیں ہمارا جسم ظاہر یعنی اعلانیہ ہے ہمارا دل خفیہ یعنی باطن ہے یہ دونوں ملیں تو عبادت' دعا' رب کو پکارنے کا لطف آجائے۔ جڑ کے لئے کھاد و پانی ہے شاخوں کے لئے دھوپ و ہوا ہے یہاں بھی شریعت ظاہر کے لئے ہے طریقت دل کے۔ لئے ہے اللہ سے اللہ کے ماسواء کو مانگنا یہ دعا میں تعدی یعنی حد سے زیادہ بڑھنا ہے اے مومنو دل کی زمین میں گناہ کے ذریعہ فساد نہ پھیلاؤ جب کہ رب نے وہاں ایمان عرفان عشق رسول رکھ کر اس کی اصلاح کر دی ہے اور رب سے خوف کرو انقطاع کی امید رکھو وصل کی دیکھو پھر دعا میں کیا لطف آتا

ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی رحمت چاہیے تو محسنین یعنی نیکوں سے قریب رہو کیونکہ رب کی رحمت ان سے قریب ہے اور وہ تم سے قریب تو اس ذریعہ سے رحمت تم سے قریب ہو جائے گی اچھوں کے قرب میں جیو ان کے قریب دفن ہو ان کے ساتھ محشر میں اٹھو اللہ کی رحمت میں رہو گے کیونکہ **ان رحمته اللہ قریب من المحسنین** خیال رہے کہ اللہ کی رحمت بہت قسم کی ہے اور محسن لوگ بھی بہت طرح کے۔ جس درجہ کا محسن اس درجہ کی رحمت اس سے قریب ہے یہ بھی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمت اللہ کی نعمت اللہ کا فضل ہیں اور بفضلہ تعالیٰ ہر محسن ہر مومن سے قریب ہیں اس سے مسئلہ حاضر ناظر بھی حل ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قریب ہیں
کوئی کہہ دو یاس و امید سے وہ کہیں نہیں وہ کہاں نہیں

غرضیکہ یہ آیت کریمہ بہت ہی ہمت افزا ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ بُشْرًۢا بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِهٖ ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَقَلَّتْ
اور وہ اللہ وہ ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں خوشخبریاں دینے والی آگے آگے اس کی رحمت کے حتیٰ کہ جب اٹھاتی ہیں
اور وہ ہی ہے جو ہوائیں بھیجتا ہے اس کی رحمت کے آگے مژدہ سناتی یہاں تک کہ
سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّیِّتٍ فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ مِنْ
بادل بھاری تو چلاتے ہیں ہم اسے طرف شہر مردہ کے پھر اتارتے ہیں ہم اس سے پانی پھر نکالتے ہیں
جب اٹھا لیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے پانی
كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰی لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾
ہم اس سے ہر قسم کھیتوں میں سے اسی طرح نکالیں گے ہم مردوں کو تاکہ تم نصیحت پکڑو
اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے کہیں تم نصیحت مانو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں آسمانی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت و ملکیت و تصرف کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ سورج چاند تارے وغیرہ اس کے تابع فرمان ہیں اب اس آیت میں زمینی چیزوں میں رب کی ملکیت و تصرف و قدرت کا ذکر ہے۔ گویا علویات کے بعد سفلیات کا ذکر ہو رہا ہے چونکہ آسمانی چیزیں اثر کرنے والی ہیں اور زمینی چیزیں اثر لینے والی اس لئے پہلے آسمانی چیزوں کا ذکر ہوا پھر زمینی چیزوں کا۔ **دوسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی ہستی پر دلائل قائم کئے گئے کہ اس نے آسمان و زمین وغیرہ اس طرح پیدا فرمائے اب حشر و نشر کو دلائل سے ثابت فرمایا جا رہا ہے گویا مبتداء کے ذکر کے بعد اب منتہاء کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ایمانیات کا مبدا ہے قیامت اور اس کے حالات ایمانیات کا منتہی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بندوں کو دعا مانگنے کا حکم دیا گیا اور دعا کا طریقہ سکھایا گیا۔ اب بارش کا ذکر

ہے تاکہ بتایا جاوے کہ جیسے زمین کبھی بھی بارش سے بالکل بے نیاز نہیں ہو سکتی ایسے ہی تم لوگ کبھی رب کے فضل و کرم سے بے نیاز نہیں ہو سکتے تم ہر وقت ہر حال میں اس کے کرم کے محتاج ہو جیسے زمین ہر وقت بارش کی حاجتمند ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بندوں کو دعا کا حکم دیا گیا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ دعا مانگنا اپنی بندگی کا اظہار ہے ورنہ ہماری عطا تمہاری دعا پر موقوف نہیں دیکھو خشک زمین کو مانگنا نہیں آتا مگر اس کے بغیر مانگے اس پر بارشیں برستی ہیں۔ جب ہم کو مانگنا نہ آتا تھا وہ کریم ہماری حاجات پوری فرماتا تھا۔

ما نبودیم و تقاضا مانبود　　　فضل تو دل داد اے رب ودود
اے کریم کارساز و بے نیاز　　　دائم الاحسان شہ بندہ نواز

تفسیر: **وھو الذی یرسل الریاح** یہ عبارت معطوف ہے **الذی خلق السموت** الخ سے مراد ہے اس کی صفت کلمہ **ھو الذی** وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں رب تعالیٰ کی خاص قدرت کا ذکر ہو یا خاص رحمت و کرم کا یا مطلقاً شان کا یعنی وہ قدرت والا ہے یا وہ رحمت والا ہے یا وہ شان والا یہاں یا قدرت کے اظہار کے لئے ہے یا رحمت کے اظہار کے لئے اور **ھو الذی ارسل رسوله بالهدى و دين الحق** میں اظہار شان کے لئے یعنی اللہ وہ شان والا ہے جس نے اپنے ان رسول کو بھیجا الخ یعنی حضور اللہ تعالیٰ کی تمام صفات اور اس کی ذات کا مظہر ہیں، نمونہ ہیں۔ **لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة** **یرسل** بنا ہے ارسال سے بمعنی بھیجنا یا بمعنی چھوڑنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں عربی میں عموماً ٹھہری ہوئی ہوا کو ہوا کہتے اور چلتی ہوئی متحرک ہوا کو ریح کہا جاتا ہے قرآن پاک میں عموماً رحمت کی ہوا کو ریاح کہتے ہیں اور غضب کی ہوا کو ریح یہاں چونکہ رحمت کی ہوا مراد ہے اس لئے ریاح ارشاد ہوا۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ ہوائیں آٹھ ہیں چار رحمت کی اور چار غضب کی غضب کی ہوائیں عاصف، عاصف، صرصر اور عقیم ہیں رحمت کی ہوائیں ناشرات، مبشرات، مرسلات اور ذاریات ہیں (تفسیر خازن، معانی، صاوی، کبیر وغیرہ) بہرحال یہاں بارش لانے والی ہوائیں مراد ہیں یعنی رحمت کی ہوائیں۔ **یرسل** فرما کر یہ بتایا کہ یہ کرم نوازیاں ہمیشہ ہی ہوتی رہتی ہیں وہ ہوائیں اور بارشیں بھیجتا ہی رہتا ہے زمین کو بارش کی ضرورت پڑتی رہتی ہے وہ کریم ضرورت پوری کرتا رہتا ہے **یرسل** کے معنی ہیں بھیجتا رہتا ہے یا چھوڑتا رہتا ہے اگرچہ ہوا ہر وقت ہر جگہ موجود ہے سمندر کی طرح مگر اس کی قدرت نے اپنے قبضہ میں رکھا ہے کہ تیزی نہیں دکھاتی۔ جب وہ چاہتا ہے تو اس میں سمندر کی طرح موجیں پیدا ہوتی ہیں بھیجنے کے یہی معنی ہیں **بشرا بین یدی رحمته** یہ عبارت مفعول لہ ہے **بشرا** کا اور **بشرا** مصدر ہے بمعنی بشارت و خوشخبری اور یہ **یرسل** کا مفعول لہ ہے یہ عبارت ریاح کا حال ہے اور **بشرا** جمع ہے **بشرة** اسم فاعل کی۔ خیال رہے کہ **بشرا** کی قراتیں پانچ ہیں۔ (1) **نشرا** نون کے پیش اور ش کے سکون سے۔ (2) **نشرا** نون اور ش کے پیش سے جمع ناشرہ کی (3) **نشرا** نون کے فتح اور سین کے سکون سے یہ سب بنے ہیں نشر بمعنی پھیلانے بکھیرنے سے اسی سے ہے ناشر اور انتشار (4) **بشرا** ب اور ش کے پیش سے (5) **بشرا** ب کے پیش اور شین کے سکون سے یہ مشتق ہے بشارت سے بمعنی خوشخبری جمع ہے بشیر کی۔ جیسے رغف جمع ہے رغیف کی (روح البیان) ہماری قرات میں یہ ہی آخری ہے **بین یدیه** کے لفظی معنی ہیں ہاتھوں کے نیچے۔ مراد ہے سامنے رحمت سے مراد ہے بارش کہ اس سے عالم کا بقاء ہے ہوا خود بھی رحمت ہے اور دوسری رحمت یعنی بارش کا پیش خیمہ ہے یہ ہوائیں رب تعالیٰ کے رحم و کرم کا مظہر ہیں۔ حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ تین

دن ہوا روک دے تو دنیا کا بیشتر حصہ سڑ جاوے۔ (خازن) اگرچہ کنویں تالاب نہریں، دریا تمام کے پانی اللہ کی رحمت ہیں مگر بارش کو خصوصیت سے رحمت فرمایا چند وجوں سے (1) دوسرے پانیوں پر انسان کا دعویٰ اس کا قبضہ ہوتا ہے حتی کہ انسان وہ پانی فروخت کرسکتے ہیں مگر بارش پر نہ کسی کا دعویٰ نہ قبضہ (2) دوسرے پانی انسان روک بھی سکتا ہے مگر بارش کو نہ کوئی روکے نہ پھوڑے یہ سورج کی طرف صرف رب کے قبضہ میں ہے (3) تیسرے یہ کہ دوسرے پانی خاص مفید زمین کو دیئے جاتے ہیں مگر بارش وہ رحمت عامہ ہے جو ناقص کامل مفید غیر مفید ہر جگہ پر برستی ہے خواہ زمین فائدہ لے یا نہ لے **حتی اذا اقلت سحابا ثقالا** یہ ہر مل کی انتہاء ہے **اقلت** بنا ہے اقلال سے جس کا مادہ ہے قلت بمعنی کمی اقلال کے معنی ہیں کم یا معمولی سمجھنا اصطلاح میں اس کے معنی ہیں اٹھانا ہر شخص کسی چیز کو ہلکا سمجھتا ہے پھر اٹھاتا ہے اس لئے اقلال اٹھانے کو کہا جاتا ہے (خازن، روح المعانی، بیان وغیرہ) **سحابا** بنا ہے سحب سے بمعنی کھینچنا چلنا چونکہ بادل کھینچ کر چلا کر اٹھا کر لائے جاتے ہیں اس لئے انہیں سحاب کہا جاتا ہے **ثقال** جمع ہے **ثقیل** کی بمعنی بوجھل یا بھاری یا بمعنی ثقل ہے کہا جاتا ہے **ثقل، ثقلا، اثقالا** ۔ (معانی) **سقناہ لبلد میت** یہ عبارت **اذا قلت** کی جزا ہے **سقنا** بنا ہے **سوق** سے بمعنی چلنا لے جانا یا لانا اسی سے ہے سائق (ہانکنے والا) اور سواق (ڈرائیور) **ہ** کا مرجع ہے **سحاب لام بمعنی الی** ہے یعنی طرف یا بمعنی لئے ہے **بلد** زمین کے حصہ کو کہتے ہیں آباد ہو یا غیر آباد شہر ہو یا گاؤں یا جنگل اس کی جمع ہے بلاد عربی شعراء نے جنگل کو بلد کہا ہے ایک شاعر کہتا ہے۔

وبلدتہ مثل ظہر الترس موحشتہ للجن بالیل فی حافتہا زجل

یعنی ہم وہ بادل مردہ زمین کی طرف یا مردہ زمین کے لئے لے جاتے ہیں۔ میت سے مراد خشک ہے۔ (روح المعانی کبیر وغیرہ) **فانزلنا بہ الماء** یہ عبارت معطوف ہے **سقناہ** پر **بہ** کا مرجع یا تو بلد ہے اور **ب** بمعنی **فی** یا **سحاب** ہے اور **ب** سببیہ **ماء** سے مراد ہے بارش یعنی ہم اس شہر میں بارش اتارتے ہیں یا اس بادل سے بارش برساتے ہیں یعنی یہ سب کچھ ہمارے حکم ہمارے ارادے سے ہوتا ہے **فاخرجنا بہ من کل الثمرت** یہ عبارت **انزلنا** پر معطوف ہے **اخراج** سے مراد ہے عدم سے ہستی کی طرف نکالنا یعنی پیدا فرمانا **بہ** کا مرجع یا تو **ماء** یعنی بارش ہے اور **ب** سببیہ یا بلد ہے اور **ب** بمعنی **فی کل** کا استغراق عرفی ہے **من** بعضیت کے لئے ہے یا جنس کے بیان کے لئے (معانی) **ثمرات** سے مراد ہے مطلقاً پھل خواہ دانہ ہوں جیسے گندم جو وغیرہ یا فروٹ جیسے آم انگور انار وغیرہ چونکہ انسان عموماً پودوں اور درختوں کے دانہ اور پھل ہی کھاتے یا استعمال کرتے ہیں اس لئے یہاں خصوصیت سے پھلوں کا ذکر ہوا ورنہ گھاس اور ہر سبزی بارش سے ہی ہوتی ہے اور سمندر میں بارش کے قطروں سے موتی بنتے ہیں اور یہی قطرے دریائی جانوروں کی آنکھوں کی روشنی کا ذریعہ بنتے ہیں اگر چند سال بارش نہ ہو تو دریائی جانور اندھے ہو جاویں جیسا کہ ہم پچھلے پاروں میں عرض کر چکے ہیں۔ خیال رہے کہ **بعض الثمرات** اور **من کل الثمرات** میں بڑا فرق ہے **من کل الثمرات** میں دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں ایک ہر قسم کا پھل دوسرے ہر قسم کے پھل کے بعض افراد کیونکہ بارش سے ہر قسم کے پھل پیدا ہوتے ہیں اگلے سال دوسرے بعض اسی طرح یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا **بعض الثمرات** فرمانے سے یہ بات حاصل نہ ہوگی **کذلک نخرج الموتی** یہ ہے اس تمام بیان کا نتیجہ **ذالک** سے اشارہ یا تو مردہ زمین کے زندہ فرمانے کی طرف ہے یا پھلوں کے نکالنے کی جانب **موتی** جمع ہے میت کی ان کے نکالنے سے مراد ہے انہیں زندہ کرکے قبروں وغیرہ سے اٹھانا یعنی جیسے ہم خشک زمین پر بارش برسا کر اسے تری سبزی بخشتے ہیں اسی طرح قیامت میں ہم قبروں

سے مردوں کو نکالیں گے۔ حضرت ابو ہریرہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صور کے پہلے نفخہ پر تمام زندہ مخلوق مردہ ہو جاوے گی پھر بہت عرصہ کے بعد عرش اعظم سے قدرتی بارش برسے گی سارے مردے اپنی قبروں وغیرہ میں ایسے اگیں گے جیسے بارش سے گھاس وغیرہ اگتی ہے پھر دوسرے نفخہ پر یہ سب اٹھیں گے اس صورت میں یہ تشبیہ بالکل ظاہر ہے (خازن' معانی وغیرہ) اور اگر دوسرے نفخہ سے یہ کام ہو تو تشبیہ صرف دوبارہ زندہ کرنے میں ہے اس کی نوعیت میں تشبیہ نہیں **لعلکم تذکرون** اس میں روئے سخت قیامت کے منکر کافرون سے ہے **تذکرون** اصل میں **تتذکرون** تھا دوت سے باب تفعل کا مضارع۔ ایک ت دور کردی گئی اس عبارت سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی ہم نے یہ باتیں تم کو اس لئے سنائیں تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ان مذکورہ باتوں پر قیاس کر کے قیامت کے قائل ہو جاؤ اور حضور محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ تاکہ قیامت میں بخشے جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے بغیر قیامت کو مان لینا کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے لوگو! تم آسمان اور آسمانی چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا بیان سن چکے اب جہاں تم رہتے ہو یعنی زمین اور زمینی چیزوں کے حالات ان میں غور کرو اور رب کی قدرت پر ایمان لاؤ۔ رب وہ قدرت والا ہے جو رحمت کی بارش سے پہلے بارش کی خوشخبریاں دینے والی ہوائیں بھیجتا ہے جن سے تم کو بارش کی امید بندھ جاتی ہے حتیٰ کہ جب یہ ہوائیں بارش سے لدے ہوئے بھاری بادل اٹھا کر اڑا کر لاتی ہیں تو ہم یہ بادل خشک زمینوں کی طرف لے جاتے ہیں وہاں ان سے بارش برساتے ہیں کبھی ہلکی کبھی تیز پھر ہماری ہی قدرت ہے کہ اس بارش کے ذریعہ ہر قسم کے دانہ اور پھل پیدا فرماتے ہیں جو تمہاری اور تمہارے جانوروں کی بقاء کا ذریعہ ہے جیسے ہم بارش کے ذریعے مردہ اور خشک زمین کو زندگی و تری بخشتے ہیں ایسے ہی ہم قیامت کے دن مردوں کو زندگی بخش کر قبروں سے اٹھائیں گے جب تم دن رات یہ واقعات دیکھتے رہتے ہو تو قیامت کے دن مردے زندہ ہونے کا انکار کیوں کرتے ہو ان میں غور کرو اور قیامت کو مانو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قیاس برحق ہے یعنی دیکھی چیز کے حالات دیکھ کر ان دیکھی چیز کے حالات معلوم کرنا بالکل درست ہے دیکھو بارش اور اس کے نتیجے ہماری دیکھی چیزیں ہیں قیامت نو ان کے حالات ان دیکھے ہیں بارش کے ذریعہ قیامت کے پتہ لگانے کا حکم دیا گیا لہٰذا مجتہدین علماء کا شرعی قیاس بھی برحق ہے یعنی منصوص چیز کے احکام غیر منصوص میں جاری کرنا گندم میں سود حرام ہے تو چاول میں بھی حرام گندم میں سود کی حرمت حدیث شریف میں آگئی۔ چاول باجرہ مکئی میں سود کی حرمت قیاس سے ثابت کی گئی۔ اسی طرح یہ کہنا بھی درست ہے کہ جب رب نے ملک الموت کو حاضر ناظر بنایا اسے علم غیب بھی بخشا تو اس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی یہ صفات عطا فرمائیں وہ قادر مطلق ہے جسے جو صفت چاہے بخش دے۔ **دوسرا فائدہ:** ہوا خود بادل نہیں بن جاتی بلکہ سمندر کا پانی بھاپ بن کر طبقہ زمہریر میں پہنچتا ہے پھر ہواؤں کے ذریعے دوسری جگہ منتقل ہوتا ہے یہ فائدہ **اقلت سحابا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بھاپ میں وزن ہے کیونکہ بادل جمی ہوئی بھاپ ہی تو ہے اسے قرآن مجید نے بھاری فرمایا یہ فائدہ **سحابا ثقالا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر چیز کی موت علیحدہ ہے ایسے ہی اس کی زندگی علیحدہ ہمارے جسم کی موت بے جان ہونا ہے اس کی زندگی جاندار ہونا روح کی موت بے ایمان ہونا ہے اس کی زندگی ایمان والا ہونا۔ دل کی موت غفلت ہے اس کی زندگی بیداری زمین کی موت خشکی ہے اس کی زندگی اس کی سبزی ہے۔ یہ فائدہ بلد میت سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** صرف بارش' بیج' اچھی بوائی پیداوار کے لئے

کافی نہیں یہ سب چیزیں پیداوار کے اسباب ہیں پیدا فرمانے والا مسبب الاسباب یعنی اللہ تعالیٰ ہے انسان کو چاہئے کہ یہ سب کچھ کرے مگر نظر مسبب الاسباب پر رکھے۔ یہ فائدہ **فانزلنا** کے بعد **فاخرجنا** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** اگرچہ زمینی پانی یعنی کنوئیں دریا نہروں سے بھی کھیتی باڑی میں مدد ملتی ہے مگر پھر بھی بارش کی ضرورت ہے اگر بارش نہ ہو تو لاکھ کوشش کرکے زمینی پانی کھیتوں باغوں کو دو مگر پیداوار درست نہیں ہوگی۔ یہ فائدہ **فاخرجنا به** فرمانے سے حاصل ہوا۔ کنوؤں وغیرہ کے پانی بارش کا کام نہیں دیتے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بارش سے آگے ہوا ضرور ہوتی ہے مگر یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، بہت دفعہ ہوا بالکل بند ہوتی ہے سخت حبس ہوتا ہے مگر بادل آجاتا ہے بارش ہو جاتی ہے پھر یہ آیت کیونکہ درست ہوئی؟ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم نے کہا بادل آجاتا ہے بادل کیسے آجاتا ہے کیا ریل یا ہوائی جہاز کے ذریعہ آتا ہے اسے کون سی چیز لاتی ہے جسے یقیناً ہوا ہی لاتی ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بارش اور بادل کے آگے آگے ہوا ضرور ہوتی ہے جو بادل کو لاتی ہے ہاں کبھی وہ ہم کو محسوس نہیں ہوتی ہوا ہونا اور ہے ہوا کا محسوس ہونا کچھ اور لہذا آیت کریمہ بالکل درست ہے (کبیر)۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بادل بوجھل بھاری ہوتے ہیں مگر آج ہوائی جہاز بادل میں سے گزر جاتے ہیں انہیں کوئی بوجھ محسوس نہیں ہوتا پھر یہ آیت کریمہ کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب بھی وہی ہے کہ بوجھ ہونا اور ہے بوجھ کا محسوس ہونا کچھ اور کبھی بارش کا پانی تول کر دیکھو اس میں بوجھ ہے یا نہیں لاکھوں کروڑوں من پانی کون ہوا میں اڑائے پھرتا ہے۔ صرف پروردگار عالم۔ آپ پانی کے حوض میں بیٹھ جاویں قطعاً پانی کا وزن محسوس نہ ہوگا لیکن اگر وہی پانی گھڑا بھر کر سر پر رکھ لیں تو بوجھ ضرور محسوس ہوگا۔ آج سائنس بتاتی ہے کہ ہوا میں بوجھ ہے ہمارے سر پر ہزاروں من ہوا لدی ہوئی ہے۔ جسے ہم اٹھائے پھرتے ہیں مگر ہم کو بوجھ محسوس نہیں ہوتا کیوں اس لئے کہ ہم ہوا کے اندر رہتے ہیں اگر ٹیوب یا ٹائر میں ہوا بھر کر وزن کریں تو یقیناً بوجھ معلوم ہوگا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ پھلوں دانوں کی پیداوار بارش سے ہوتی ہے حالانکہ کنوؤں دریا نہروں کے پانی سے بھی پیداوار ہو جاتی ہے تو **فاخرجنا به** فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** دیکھا گیا ہے کہ کنوؤں دریاؤں کے پانی سے کھیت ہرا بھرا تو رہتا ہے سوکھتا تو نہیں مگر بڑھتا بھی نہیں اور پھل بھی نہیں دیتا کھیتوں کی بڑھوار پھلوں پھولوں کی پیداوار بارش سے ہی ہے اگر مان بھی لیا جاوے تو دریا اور کنوؤں میں پانی بارش سے ہی آتا ہے اگر ایک سال بارش نہ ہو تو کنوئیں بھی خشک ہو جاتے ہیں۔ دریا بھی خشک لہذا وہ پانی بھی بارش سے ہی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **من کل الثمرات** کیوں ارشاد ہوا **بعض الثمرات** نہ فرمایا گیا بعض میں اور **من کل** میں کیا فرق ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ پھلوں کی نوعیت کے لحاظ سے کل فرمایا گیا اور افراد کے لحاظ سے **من** بعضیت والا ارشاد ہوا یعنی بارش سے ہر قسم کے پھل پیدا فرمادیئے مگر ہر سال بعض پھل یہ سلسلہ قیامت تک رہے گا کہ ہر سال بارش سے پھل پھول دانے پیدا ہوتے رہیں گے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ہم یونہی مردے نکالیں گے تو وہاں بارش کہاں ہوگی وہاں تو صور کی آواز سے سب جی اٹھیں گے پھر تشبیہ کیونکر درست ہوئی فرماتا ہے **نفخ فیه اخری فاذا هم قیام ینظرون**۔ **جواب:** بعض روایت میں ہے کہ پہلے عرش اعظم سے چالیس دن تک قدرتی پانی برسے گا۔ جس سے تمام مردوں کے اجزاء بدنی درست ہو کر ان میں روح پڑ جاوے گی مگر وہ سوئے ہوئے ہوں گے صور پھونکے

پر وہ بیدار ہو کر اٹھ کھڑے ہوں گے دیکھو تفسیر خازن کبیر وغیرہ یہ مقام تو زندگی بارش سے ہوگی بیداری صور کی آواز سے۔ لہٰذا تشبیہ درست ہے اور اگر صرف صور کی آواز سے ہی زندگی ہو تب بھی مطلب ظاہر ہے کہ جو رب پانی سے خشک زمین تر اور سبز کر سکتا ہے وہ صور کی آواز سے زندگی بھی دے سکتا ہے لہٰذا اس کی قدرت پر اعتراض نہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ : ہمارے غافل دل گویا خشک زمین ہیں ولایت کا فیضان گویا رحمت کی ہوائیں ہیں نبوت کا فیضان گویا رحمت کی بارش ہے جب دل کی معرفت نبی کی نگاہ کرم غافل دل پر پڑتی ہے تو اس غافل دل میں ایمان 'احسان' عرفان وغیرہ کے پھل پھول لگتے ہیں اور اس سے غافل دل بیدار ہو کر دوسروں کو نفع دیتے ہیں۔ عنایت کی ہوا۔ ہدایت کا بادل محبت کا پانی جب ہو تو اس سے مشاہدات مکاشفات کمالات کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں اسی طرح رب تعالیٰ مردہ قلوب کو سینے کی قبور سے نکالتا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو۔

دوسری تفسیر : از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء گویا رحمت کی ہوائیں تھے جنہوں نے اپنے اپنے زمانوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں دیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ عالمگیر رحمت ہیں جن سے کوئی محروم نہ رہا وہ بعد میں تشریف لائے بشیر وہ حضرات تھے مبشر بہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر جیسے بادل کو ہوائیں لاتی ہیں۔ یونہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں نبیوں ولیوں 'غریبوں 'مسکینوں کی دعائیں لائیں پھر جیسے بادل خالی نہیں آتے پانی سے بوجھل آتے ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خالی نہ آئے۔ اللہ کی رحمتوں سے بھرپور آئے اور پسماندہ ملک یعنی عرب پر برسے جس کی برکت سے اس ملک میں ہر قسم کے پھل پھول صحابیت ولایت 'ایمان و تقویٰ کے پھل پیدا ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم دلوں کی دنیا کے لئے ابر رحمت ہیں قرآن ایمان اس کی بارش اعمال صالحہ پھل پھول۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ ۚ وَالَّذِي خَبُثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا

اور علاقہ پاکیزہ نکلتا ہے سبزہ اس کا حکم سے اس کے رب کے اور جو علاقہ گندہ ہے نہیں نکلتا مگر مشکل سے

اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں نہیں

نَكِدًا ۚ كَذَٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ ﴿٥٨﴾ ع ۱۴

تھوڑا اس ہی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان فرماتے ہیں آیتیں واسطے ایسی قوم کے جو شکر گزار ہیں

نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ہم یوں ہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو احسان مانیں۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فیض دینے والے بادلوں کا ذکر تھا اس کے ذریعہ رب تعالیٰ نے اپنی قدرت ظاہر فرمائی تھی۔ اب فیض لینے والی زمین کے حصوں کا ذکر ہے اور اس کے ذریعے رب تعالیٰ کی قدرتوں کا نظارہ کرایا گیا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بارش کی یکسانیت سے رب کے فضل و

کرم کا ذکر کیا گیا کہ وہ رب کریم ہر قسم کی زمین پر یکساں بارش بھیجتا ہے اب زمین کے اختلاف سے اس کی قدرت دکھائی جا رہی ہے کہ بارش ایک مگر زمین کی پیداوار میں مختلف معلوم ہوا کہ یہ سب کسی کے محکوم ہیں یکسانیت سے بھی اس کی قدرت معلوم کرو اور اختلاف حالات سے بھی۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں بارش کے عام فیض کا ذکر تھا یعنی خشک زمین کو تر کر دینا زمین خواہ آباد ہو یا بنجر اب اس بارش کے خاص اور مختلف فیوض کا تذکرہ ہے یعنی پیداوار کا جو کہیں ہوتی ہے کہیں نہیں پھر کہیں زیادہ ہوتی ہے کہیں کم کہیں کوئی چیز پیدا ہوتی ہے کہیں اور چیز۔ چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ بارش کے ذریعے ہر قسم کے پھل پیدا فرماتا ہے اب ارشاد ہے کہ یہ پھل ہر جگہ پیدا نہیں ہوتے بلکہ طیب زمین میں گویا خلق کا ذکر پہلے ہوا اور محل خلق یعنی جگہ کا ذکر اب ہے۔ پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ایک ہی ہوا اگر شمال سے چلے تو ریاح ہے جو بارش کی خوشخبری لاتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایک ہوا مختلف حرکتوں سے مختلف تاثیر رکھتی ہے۔ اب ارشاد ہے کہ ایک ہی زمین کے مختلف طبقے مختلف تاثیریں رکھتے ہیں گویا ہوا کی تاثیروں کے بعد زمین کی تاثیروں کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: **والبلد الطیب** عربی میں بلد تین معنی میں استعمال ہوتا ہے شہر جیسے **لا اقسم بھذا البلد** مطلقاً بستی گاؤں ہو یا شہر جیسے **لم یخلق مثلھا فی البلاد** حصہ زمین آبادی ہو یا جنگل یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ عربی میں طیب بہت معنی میں آتا ہے مزے دار جیسے **حلالا طیبا** خوشبودار جیسے طیب بمعنی خوشبو کا صفت مشبہ، زمین قابل پیداوار یہاں تیسرے معنی میں ہے کیونکہ بلد کی صفت ہے یعنی زمین طیب بمعنی اچھی یہاں اس سے وہ زمین مراد ہے جو پتھریلی، کنکریلی اور بنجر شورنہ ہو بلکہ قابل کاشت اور قابل پیداوار اعلیٰ درجہ کی ہو جس میں ہر قسم کے پھل پھول دانہ بوٹے کاٹے جا سکیں۔ **یخرج نباتہ باذن ربہ** یہ عبارت خبر ہے **البلد الطیب** کی **یخرج** بنا ہے **خروج** سے بمعنی ظاہر ہونا، نکلنا یا پیدا ہونا۔ **نبات** مصدر ہے **نبت ینبت** کا بمعنی اُگنا یہاں اس سے مراد ہے اگنے والی چیز یعنی ہر قسم کی سبزی اس میں گھاس بیل بوٹے، درخت وغیرہ سب شامل ہیں اگر اس زمین میں کچھ بویا جاوے تو اس کی پیداوار ہو جاوے ورنہ گھاس و چارہ ہی پیدا ہو **باذن** سے مراد ارادہ الٰہی ہے **ربہ** میں ہ کا مرجع **البلد الطیب** ہے **باذنہ** فرما کر یہ بتایا کہ زمین خواہ کیسی ہی اعلیٰ ہو اور بارش کیسی ہی ہر وقت ہو تخم کیسا ہی عمدہ ہو مگر پیداوار رب تعالیٰ کے ارادے سے ہی ہوتی ہے سب چیزیں تابع فرمان الٰہی ہیں یعنی اچھی زمین میں رب کے حکم سے خوب سبزہ پیدا ہوتا ہے **والذی خبث** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے **الذی** سے مراد ہے حصہ زمین **خبث** بنا ہے **خبث** سے ب کے جزم سے بمعنی برائی و خرابی دل گندگی اندرونی برائی کو بھی خبث کہا جاتا ہے یہاں اس سے مراد ہے بنجر زمینیں جس میں کچھ پیداوار نہ ہو یا کنکریلی و پتھریلی زمین جو قابل کاشت نہ ہو طیب کا مقابل **لا یخرج الا نکدا** یہ عبارت خبر ہے **والذی خبث** کی **نکدا** نون کے کسرہ سے صفت مشبہ ہے نکد۔ سکون نون کا نکد کے بہت معنی ہیں کم۔ غیر نافع، بمشکل، بخل و کنجوس، نحوست، ندامت کہا جاتا ہے۔ **رجل نکدا** ایک شاعر کہتا ہے۔

واعط ما اعطیتہ طیبا　　لا خیر فی المنکود والنا کد

دوسرا شاعر کہتا ہے۔

لا تنجز الوعدان و عدت وان　　اعطیت اعطیت تافھا نکدا

یہاں نکلنا یا تو حال ہے یا پوشیدہ مصدر خروجا کی صفت اور مفعول مطلق ہے اور لا یخرج کا فاعل ھو ہے جو نبات کی طرف راجع ہے یعنی خبیث بنجر زمین میں سبزہ نہیں اگتا مگر تھوڑا بمشکل اور غیر نافع جس میں نہ پھل ہوں نہ پھول بارش ایک ہے مگر زمین کی تاثیریں مختلف **کذالک نصرف الایات** اس عبارت میں اس مذکورہ مثال کا مقصد بیان فرمایا گیا یعنی جس طرح ہم نے یہاں مختلف زمینوں کا حال بیان فرمایا اس طرح ہم آیتیں پھیر پھیر کر مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں **نصرف** بنا ہے تصریف سے جس کا مادہ ہے صرف بمعنی پھیرنا گردش دینا آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں **لقوم یشکرون** اس کا تعلق نصرف سے ہے چونکہ ان آیتوں سے فائدہ صرف شاکر مومن ہی اٹھاتے ہیں اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا قوم کے معانی اور شکر و صبر کے معنی ان کے اقسام اور احکام ہم دوسرے پارے کی تفسیر میں **واشکروالی ولا تکفرون** کے ماتحت عرض کر چکے ہیں یعنی ہم آیات قرآنیہ ہر طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں مگر کس کے نفع کے لئے اس قوم کے لئے جو شاکر ہیں۔ ناشکرے کافران سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

خلاصہء تفسیر : اے مسلمانو تم آسمانی حالات تو سن چکے کہ ہماری قدرت سے ہوائیں بارشیں کس طریقہ سے آتی ہیں اب زمینی حالات سنو اور غور کرو کہ زمین دو طرح کی ہے اچھی قابل کاشت ہری اور قابل کاشت یا ناقابل پیداوار اچھی زمین میں سبزے پھل پھول اللہ کے حکم سے خوب نکلتے ہیں جن سے جانور انسان فائدے اٹھاتے ہیں مگر جو زمین خبیث خراب ناقابل کاشت یا ناقابل پیداوار ہے۔ اس میں بمشکل تھوڑی سی غیر نافع گھاس نکلتی ہے بارش ایک ہے مگر زمین کے حصوں میں اس کی تاثیریں مختلف ہیں آسمان سے بارشوں کا آنا یہ بھی ہماری قدرت سے ہے اور زمین میں مختلف اثر کرنا یہ بھی ہماری قدرت سے ہم شکر گزار لوگوں کے نفع کے لئے آیات قرآنیہ اس طرح پھیر پھیر کر مختلف انداز سے بیان کرتے ہیں رہے ناشکرے کفار وہ ان آیات اور ان کے مختلف طرز بیان سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے ان میں غور کرو اور ہماری قدرت کے قائل ہو جاؤ۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست — در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

زمین شورہ سنبل برنیارد — در و تخم عمل ضائع مگرداں

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** زمین کو طیب او خبیث کہنا جائز ہے اچھی پیداوار والی زمین طیب ہے ناقابل کاشت یا کم پیداوار والی زمین خبیث اسی طرح انسان کو بھی طیب و خبیث کہہ سکتے ہیں ادب والا انسان طیب ہے بے ادب خبیث ہے جو مقصد حیات پورا کرے وہ طیب ہے جو پورا نہ کرے وہ خبیث ہے۔ یہ فائدہ **والبلد الطیب** اور **والذی خبث** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** ساری زمین بظاہر یکساں ہے اور سب کی حقیقت مٹی ہے مگر فطرت اور طبیعت میں مختلف۔ ظاہر سے دھوکہ نہ کھاؤ یونہی سارے انسان شکل و صورت میں یکساں ہیں سب کی حقیقت حیوان ناطق ہے مگر طبیعت و فطرت میں ان میں بڑا فرق ہے ان میں زندیقین بھی ہیں اور صدیقین بھی۔

گر بہ صورت آدمی انساں بدے — احمد و بو جہل ہم یکساں بدے

یہ فائدہ بھی اسی الطیب اور والذی خبث سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** زمین اگرچہ کیسی ہی اعلیٰ ہو مگر پیداوار رب تعالیٰ کے حکم پر موقوف ہے اسی طرح انسان کیسا ہی ہو اور تعلیم کیسی ہی بہتر ہو مگر فیضان رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے۔ یہ فائدہ باذن

رب سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: سعید یعنی نیک بخت شقی نہیں بن سکتا اور شقی یعنی بد بخت سعید نہیں بن سکتا قسام ازلی نے جسے جیسا بنا دیا ویسا ہی رہے گا لہذا لوگوں کی حقیقت بدلنے کی کوشش نہ کرو بلکہ اپنی فکر کرو۔

تربیت نااہل راچوں گردگاں بر گنبداست پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بدست

یہ فائدہ تفسیر کبیر نے بیان فرمایا۔ پانچواں فائدہ: بارش یا زمین بوئے ہوئے تخم کو اگا تو سکتے ہیں مگر اسے بدل نہیں سکتے یعنی اعلیٰ درجہ کی زمین اور ہروقت بارش سے کیکر کے تخم سے آم کا درخت پیدا نہیں ہو سکتا یونہی قرآن و حدیث کسی کی فطرت نہیں بدل سکتا اسی سے کوئی محبوب بن جاتا ہے کوئی مردود۔ یہ فائدہ **لقوم یشکرون** حاصل ہوا۔ چھٹا فائدہ: قرآن کریم کی تعلیم نہایت ہی مکمل ہے اس میں ہر قسم کے لوگوں کا لحاظ رکھا گیا' طرح طرح سے سمجھایا گیا ہے' مثالوں سے' خوف سے' امید سے محبت سے یہ فائدہ حاصل ہوا **نصرف الا یات** سے۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ بری زمین تھوڑی پیداوار کرتی ہے حالانکہ بنجر زمین میں کچھ بھی نہیں ہوتا پھر یہ فرمان کیونکر صحیح ہوا۔ جواب: یہاں خراب زمین سے تین قسم کی زمین مراد ہیں۔ کنکریلی' پتھریلی اور زمین شورہ بنجر۔ ان میں سے زمین شورہ میں واقعی کچھ نہیں پیدا ہوتا مگر اور زمینوں میں تھوڑا سا پیدا ہو جاتا ہے ہم نے بنجر زمینوں میں خشک گھاس اگی ہوئی دیکھی ہے لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم صرف شاکر قوم کے لئے ہدایت ہے حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **ھدی للعالمین** اور ارشاد ہے **ذکری للعالمین** ان آیتوں میں تعارض ہے۔ جواب: قرآن کریم کی رہبری یعنی راہ دکھانا سب کے لئے ہے مگر راہ دیکھنا اور ہدایت پر آجانا سب کے لئے نہیں تمہاری پیش کردہ آیات میں راہ نمائی کا ذکر ہے اور اس آیت میں راہ یابی کا تذکرہ ہے بادل پانی زمین کو دیتا ہے مگر ساری زمین اس سے فیض نہیں لیتی سورج روشنی سب پر پھینکتا ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ روشنی نہیں لیتی لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ تیسرا اعتراض: اچھی زمین کے لئے **البلد الطیب** ارشاد ہوا اور بری زمین کے لئے فرمایا گیا **والذی خبث** فعل ماضی۔ اس فرق بیان میں کیسی حکمت ہے یہاں بھی **والبلد الخبیث** ارشاد ہونا چاہئے تھا۔ جواب: اس فرق بیان میں نہایت ہی لطیف صوفیانہ نکتہ کی طرف اشارہ ہے جسے اس حدیث نے واضح فرمایا کہ ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اسے اس کے ماں باپ یہودی' نصرانی' مجوسی بنا دیتے ہیں طیب ہونا اصل ہے خباثت عارضی چیز جو دنیا میں آکر حاصل ہوتی ہے نیز ادب یہ کہ اچھائی کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرے برائی کو اپنی طرف مولانا عطار منطق الطیر میں فرماتے ہیں۔

خلق ترسد از تو من ترسم ز خود! کز تو نیکی دیدہ ام وز خویش بد

چوتھا اعتراض: قوم واحد ہے تو اس کے لئے **یشکرون** جمع کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: قوم لفظاً" واحد ہے مگر معنیً جمع کیونکہ قوم بہت سے افراد کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ جنہیں ملک' دین یا پیشہ یا نسب جمع کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم گویا رحمت الٰہی کا بادل ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات فیوض و برکات گویا رحمت کی بارش ہے لوگوں کے دل گویا اچھی بری طیب و خبیث زمین ہے۔ یہ بارش جب مومن کے دل پر پڑتی ہے تو اس میں طاعتوں کے انوار عبادات کے آثار نمودار ہو جاتے ہیں جن سے وہ خود بھی فائدہ اٹھاتا ہے اور منافق کے دل پر جب پہنچتے ہیں تو اس کی زبان پر اقرار ہوتا ہے دل میں فرار (بھاگنا) نمودار ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں اسی کا بیان ہے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں

گوہر پاک بباید کہ شود قابل فیض ورنہ ہر سنگ و گلے لولوء مرجان نشود

حضرت ابو موسیٰ اشعری سے رلویت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ہماری تعلیم اس بارش کی طرح ہے جو طیب زمین پر پہنچتی ہے تو وہاں رنگارنگ پھول و پھل پیدا کر دیتی ہے نشیبی زمین میں پہنچ کر تالاب بنا دیتی ہے۔ جس سے لوگ اپنے کھیتوں باغوں کو سیراب کرتے ہیں اور کھاری زمین میں کچھ فائدہ نہیں پہنچاتی مومن کے دل میں اس تعلیم سے ایمان و تقویٰ کے پھل پھول پیدا ہوتے ہیں۔ علماء کے سینے اس سے تالاب بن جاتے ہیں جن سے لوگ اپنی ضروریات پوری فرماتے ہیں۔ منافقین کے سینے نہ پانی روکیں نہ گھاس وغیرہ اگائیں دیکھو مسلم بخاری وغیرہ۔ (از تفسیر خازن و روح البیان) خیال رہے کہ چند وجوں سے انسانی دل کو زمین کہا جاتا ہے (1) زمین ہمیشہ ہی پیداوار کرتی ہے کبھی تھکتی نہیں یہ دل کا حال ہے کہ اس میں اچھے برے ارلوے پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں۔ (2) مٹی کو جیسی صحبت ملے اس کا اثر لیتی ہے گندگی کے پاس رہے تو بدبودار ہو جاتی ہے پھولوں سے مہک جاتی ہے یہی ہمارے دل کا حال ہے صحبت کا اثر لیتا ہے۔ (3) زمین ہر وقت بارش کی محتاج کبھی اس سے بے نیاز نہیں دل ہر وقت نگاہ نبی کا حاجتمند کبھی ان سے بے نیاز نہیں (4) زمین سے عالم انسانی کی بقاء ہے دل سے عالم روحانی کا بقاء۔

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ

البتہ تحقیق بھیجا ہم نے نوح کو طرف قوم ان کی سے پس فرمایا اے قوم میری عبادت کرو نہیں ہے واسطے تمہارے

بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا

غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا

کوئی معبود سوا اس کے تحقیق میں خوف کرتا ہوں اوپر تمہارے عذاب بڑے دن کا کہا سرداروں نے قوم میں سے ان

کوئی معبود نہیں بے شک مجھے تم پر بڑے دن کا عذاب کا ڈر ہے۔ قوم کے سردار بولے ہم تمہیں

لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

کی بیشک ہم دیکھتے ہیں آپ کو کھلی گمراہی میں آپ نے فرمایا اے میری قوم نہیں ہے مجھ میں کوئی گمراہی اور لیکن میں

کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾

پیغمبر ہوں طرف جہانوں کے پالنے والے کے

کا رسول ہوں۔

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: بہت دور سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کا ذکر چلا آرہا تھا اب حضرات انبیاء کرام کی نبوت کا تذکرہ ہے کیونکہ توحید جب نبوت سے ملے تو ایمان بنتی ہے گویا ایمان کے ایک رکن یعنی توحید کا ذکر پہلے تھا اس کے دوسرے رکن یعنی نبوت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ

ظاہری بارش سے ساری زمین فیض نہیں لیتی بعض حصہ فیض سے محروم بھی رہتا ہے اب ارشاد ہے کہ باطنی بارش یعنی نبوت سے سارے انسان فیض نہیں لیتے بعض لوگ بے نورے بے بیرے بے فیضے بھی رہتے ہیں گویا ظاہری بارش کے بعد روحانی باطنی بارش کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی رحمت محسنین یعنی نیک کاروں سے قریب ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ نیک کار وہ ہوتا ہے جو نبی کے قریب ہو گویا رحمت کے قریب ہونے کا ذکر پہلے ہوا۔ اب رحمت کے ملنے کی جگہ اس کے اسٹیشن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی آستانہ نبی۔ **چوتھا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ محسنین یعنی نیک کاروں سے اللہ کی رحمت قریب ہے اب ارشاد ہے کہ محسن وہ ہے جو نبی کا حکم مانے۔ یہ وصف نبی سے ملتا ہے خود اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوتا۔ **پانچواں تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کے دلائل بیان ہوئے آسمانی دلائل بھی اور زمینی دلائل بھی اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی قوی دلیلیں ارشاد ہو رہی ہیں کہ آپ باوجود کسی سے نہ پڑھنے کے اور باوجود علماء کی صحبت میں نہ بیٹھنے کے گزشتہ نبیوں کے ایسے سچے واقعات بیان کر رہے ہیں جو توریت و انجیل کے بیان کردہ واقعات کے بالکل مطابق ہیں جس سے پتہ چلا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صاحب وحی نبی رسول ہیں گویا کلمہ طیبہ ایک جز لا الہ الا اللہ کا ثبوت پچھلی آیات میں تھا اور کلمہ طیبہ دوسرے جز محمد رسول اللہ کا ثبوت ان آیات میں ہے۔

تفسیر: **لقد ارسلنا نوحا** چونکہ اس واقعہ کے مشرکین انکاری تھے اور آئندہ بھی پیدا ہونے والے تھے کیونکہ توریت و انجیل عرب میں خصوصاً مکہ معظمہ میں عام طور پر پہنچی نہ تھیں۔ حضرت ابراہیم کی تعلیم قریباً گم ہو گئی تھی اس لئے دنیا کے لوگ خصوصاً اہل عرب ان واقعات کو بھول چکے تھے ان واقعات کے عرب منکر تھے اس لئے اسے لام تاکید اور **قد** تحقیق سے شروع فرمایا۔ چونکہ یہاں اس آیت سے پہلے آپ کا ذکر نہ صراحۃً گزرا ہے نہ اشارۃً نہ کوئی ایسا جملہ گزرا ہے جس پر اسے معطوف کہا جائے ان وجوہ سے یہاں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا۔ سورۂ **ھود** میں قصہ نوح سے پہلے آپ کا ذکر صراحۃً گزر چکا ہے اور سورۂ مومنون میں ضمناً واشارۃً اس لئے وہاں واؤ عاطفہ لایا گیا۔ بعثت کے معنی بھی ہیں بھیجنا اور ارسال کے معنی بھی ہیں بھیجنا۔ ان میں کبھی فرق یوں کیا جاتا ہے کہ مطلقاً بھیجنا بعثت ہے کچھ دے کر کسی کے پاس بھیجنا ارسال۔ بعثت اور ارسال سے عموماً مراد ہوتا ہے نبی بنانا اور قوم کی طرف بھیجنا نوح علیہ السلام کا نام شریف۔ یشکر یا عبد الغفار ہے نوح لقب ہے حق یہ ہے کہ یہ عجمی نام ہے بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ عربی ہے نوحہ بمعنی گریہ وزاری سے بنا ہے آپ کا نسب شریف یہ ہے نوح ابن الملک ابن متو شلخ ابن اخنوخ (ادریس علیہ السلام) ہرد ابن مہلائیل ابن قینان ابن انوش ابن آدم علیہ السلام۔ آپ دنیا میں چوتھے نبی ہیں پہلے نبی حضرت آدم دوسرے شیث تیسرے ادریس چوتھے نوح علیہ السلام (روح البیان و معانی و صاوی وغیرہ) آپ چالیس سال کی عمر شریف میں نبی بنائے گئے اور ساڑھے نو سو سال اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے طوفان کے بعد ڈھائی سو سال زندہ رہے اس حساب سے آپ کی عمر ساڑھے بارہ سو سال ہوئی تقریباً۔ یہ قول تفسیر صاوی کا ہے ان سالوں میں اور بھی بہت سے قول ہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ایک جگہ فرمایا کہ آپ کی عمر پندرہ سو سال ہوئی۔ آپ لکڑی کا پیشہ کرتے تھے یعنی نجاری (بڑھئی) اس پر سب متفق ہیں کہ بعد طوفان آپ سارے باقی ماندہ لوگوں کے نبی تھے اس میں گفتگو ہے کہ طوفان سے پہلے بھی تمام انسانوں کے نبی تھے یا نہیں۔ روح المعانی کی تحقیق یہ ہے کہ پہلے بھی آپ ان سب کے نبی تھے واللہ و رسولہ اعلم۔ **الی قومہ** یہ متعلق ہے **ارسلنا** کے لغت میں قوم وہ لوگ ہیں جو ایک مورث اعلیٰ اوپر والے دادا کی اولاد ہوں مگر کبھی انہیں بھی قوم کہہ دیتے ہیں جو

ایک جگہ رہتے ہوں یا ایک کام کرتے ہوں اگرچہ ایک دوسرے کے قرابت دار نہ ہوں (تفسیر صاوی) یہاں قوم کے دوسرے معنی مراد ہیں آپ کی یہ قوم قابیل کی اولاد تھی جو یمن کے علاقہ میں پھیلی ہوئی تھی قابیل پہلا وہ انسان ہے جس نے بت پرستی کی شیطان کے بتانے سے (روح البیان) **فقال یا قوم اعبدوا اللہ** یہ عبارت **ارسلنا الخ** پر معطوف ہے آپ کا ان لوگوں کو یا قوم کہہ کر پکارنا اے کافرو اے مشرکو اے بے دینو نہ فرمانا انہیں بذریعہ اخلاق حمیدہ اپنی طرف مائل فرمانے کے لئے ہے اولاً تبلیغ نرمی سے چاہئے۔ جب اس سے کام نہ چلے تب سختی کی جاوے چونکہ آپ جلال والے نبی ہیں۔ مظہر قہر الٰہی ہیں اس جلال کی وجہ سے تمام کفار غرق کر دیئے گئے تھے۔ عرض کیا **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا**" اس لئے آپ کو حکم ربانی ملا کہ نرمی سے تبلیغ فرماؤ جیسے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا۔ **قولا لہ قولا" لینا**" ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فطرۃ" جمال ورحمت والے ہیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد ہوا **قل یا ایھا الکافرون** اور ارشاد ہوا **یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** اے پیارے نبی کافروں منافقوں سے جہاد کرو ان پر سختی کرو ان فرمانوں سے ان حضرات کی سلیم فطرتوں کا پتہ لگتا ہے۔ عبادت سے مراد اگر بدنی اور مالی عبادت ہے تب یہاں **امنوا** پوشیدہ ہے یعنی پہلے ایمان لاؤ پھر اس رب کو سجدے سجود کرو اور ہو سکتا ہے کہ عبادت سے مراد دلی عبادت ہو یعنی عقائد کی درستی یعنی اللہ کی توحید میری رسالت پر ایمان لاؤ۔ **مالکم من الہ غیرہ** یہ فرمان عالی دلیل اور وجہ ہے۔ **اعبدوا اللہ** کی۔ قرآن مجید میں الٰہ تین معنی میں آیا ہے۔ (1) جس کی عبادت کی جاوے۔ (2) رب کے مقابل جس کی اطاعت کی جاوے **من اتخذ الھہ ھواہ** لائق عبادت پہلے دو معنی سے الٰہ بہت ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے ہیں۔ تیسرے معنی سے صرف ایک الٰہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کہ وہی لائق عبادت ہے یعنی سچا معبود یہاں الٰہ سے مراد سچا معبود مستحق عبادت ہے ورنہ جھوٹے فرضی معبود تو انہوں نے بہت سے بنا رکھے تھے۔ سچا الٰہ لائق عبادت وہ ہے جو سب سے بے نیاز ہو سب اس کے نیاز مند ہوں وہ صرف رب تعالیٰ ہے اس کی پہچان یہ ہے کہ اسے نبی الٰہ کہتے ہیں جسے نبی کی زبان الٰہ کہے وہ الٰہ ہے فرعونی جادوگروں نے ایمان لاتے وقت کہا **امنا برب العالمین** رب موسیٰ و ہارون اور اولاد یعقوب علیہ السلام نے کہا **نعبد الھک والہ اباءک ابراہیم و اسمعیل و اسحق** معلوم ہوا کہ نبی کی زبان الٰہ حقیقی کی پہچان ہے۔ بعض قراتوں میں **غیرہ** کسرہ سے ہے الٰہ کی صفت ہماری قراۃ میں **غیرہ** پیش سے ہے الٰہ کا بدل اور اس کو الٰہ کی محل حرکت یعنی پیش دیا گیا **من** **الہ** کا اسم ہے اور **لکم** اس کی خبر مقدم یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا سچا معبود تمہاری عبادات کا مستحق کوئی نہیں۔ **انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم** آپ نے پہلے تو ان کے سامنے توحید کی دلیل بیان فرمائی پھر انہیں کفر پر ڈرایا یہاں خوف سے مراد ہے یقینی ڈر یقینی غیر مشکوک خوف **یوم عظیم** سے مراد ہے قیامت کا دن یا طوفان کا دن آپ کو ان کفار کے انجام ان کی غرقابی پر مطلع فرما دیا گیا تھا۔ اس سے آپ نے پہلی تبلیغ میں یہ فرمایا (روح المعانی) خوف پانچ طرح کا ایک خوف کفار کو ہوتا ہے دوسرا گنہگار کو تیسرا ابرار کو چوتھا اور پانچواں حضرات انبیاء کرام اخیار کو رب کی وعدہ خلافی کا خوف کفر ہے۔ جو کفار کو ہے کہ وہ دنیا میں رب کے رازق آخرت میں رحیم و کریم ہونے کا یقین نہیں کرتے گناہوں پر پکڑ کا خوف گنہگار کو نیکیاں قبول نہ ہونے کا خوف ابرار کو ہیبت الٰہی کا خوف اور اپنی امت گنہگار کی پکڑ کا خوف حضرات انبیاء کرام کو یہاں پانچواں خوف مراد ہے۔ بہر حال عظیم سے مراد ہے بڑا ہولناک دن۔ جس کے تصور سے دل دہل جاویں کفار پر عذاب کا دن کفار کے لئے منحوس ہے رب نے فرمایا **فی ایام نحسات** اور نبی یا مومنوں کے

لئے عظیم کہ ان کی ہلاکت سے نبی کی عظمت ظاہر ہوتی ہے لہذا اس دن کو منحوس فرمانا بھی درست ہے اور عظیم فرمانا بھی درست **قال الملا من قومہ** یہ آپ کی قوم کا جواب ہے۔ **ملا** کے معنی بھرنا اصطلاح میں بڑی جماعت کو بھی **ملا** کہتے ہیں جو علاقہ کو بھر دے اور سرداروں کو بھی **ملا** کہا جاتا ہے کہ دل ان کے جلال سے بھر جاویں اور آنکھیں ان کے جمال سے اور مجلسیں ان کے تابعین سے پر ہو جاویں۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں یعنی قوم کے سردار (روح المعانی وبیان) مالداروں سرداروں کے دل کی آنکھوں پر حسد اور تکبر کی بیماری ہوتی ہے۔ جس سے وہ نبی کی شان نہیں دیکھ سکتے نبی کی شکل سر کی آنکھ سے نبی کی شان دل کی آنکھ سے دیکھی جاتی ہے۔ اس لئے اکثر نبیوں کی اتباع مساکین ہی کرتے ہیں۔ دل کی آنکھ کا علاج خاک در اولیاء ہے **انا لنراک فی ضلال مبین** یہ **قال** کا مفعول بہ ہے اور قوم کا وہ کلام جو انہوں نے آپ سے جولیا" کہا ان بدنصیبوں نے اپنے اس قول کو **ان** اور لام تاکید سے موکد کیا یہ بتانے کے لئے کہ ہم کو اس پر یقین ہے کہ آپ گمراہ ہیں۔ **نرا** سے مراد ہے دل سے دیکھنا یعنی یقین کرنا بڑی گمراہی کو ضلال کہا جاتا ہے۔ جس میں انسان ایمان سے ہی نکل جاوے جیسے کفرو شرک وغیرہ معمولی گمراہی کو ضلالت کہتے ہیں کفار نے آپ کو پورا گمراہ کہا یعنی ایمان سے خارج کیونکہ وہ توبت پرستی کو ایمان سمجھے بیٹھے تھے انہوں نے مبین کہہ کر یہ بتایا کہ آپ کا ایمان سے خارج ہونا اتنا واضح اور ظاہر ہے کہ اسے بے عقل بچے دیوانے بھی جان سکتے ہیں۔ ڈھکی چھپی چیز نہیں۔ سچ ہے کہ جب انسان کے حواس خراب ہوں تو اسے الٹی سوجھتی ہے۔ وہ بدنصیب سمجھے یہ کہ اتنا بڑا جہان ایک خدا نہیں چلا سکتا اور کوئی انسان نبی پیغمبر نہیں ہو سکتا نبی فرشتہ ہونا چاہئے آپ کہتے ہیں کہ خدا ایک ہی ہے یہ بھی غلط اور کہتے ہیں کہ میں انسان ہو کر اللہ کا رسول ہوں یہ بھی غلط اس لئے انہوں نے یہ کہا **قال یقوم لیس بی ضللۃ** یہ آپ کا اس ناسمجھ قوم کو جواب ہے اس جواب میں بھی مہربانی اور لطف کا اظہار ہے کہ پھر بھی یا قوم فرمایا **لیس بی** فرما کر یہ بتایا کہ اول ہی سے میں ہدایت پر ہوں ایک آن کے لئے کبھی گمراہ نہیں ہوا اور ضلالۃ فرما کر یہ بتایا کہ مجھ میں معمولی گمراہی بھی نہیں یعنی عملی ہلکی گمراہی۔ اس لئے **ما انا بضال** نہ فرمایا یا یہ مطلب ہے کہ مجھ میں گمراہی کا مادہ ہی نہیں۔ جس سے میں گمراہ ہو سکوں دیکھ لو میں تمہارے گندے ماحول میں رہا مگر صاف و ستھرا رہا لکڑی میں آگ کا مادہ ہوتا ہے تو آگ کی صحبت میں آگ بن جاتی ہے مٹی ریت میں یہ مادہ نہیں وہ آگ نہیں بنتا بلکہ سنگ مرمر آگ میں گرم بھی نہیں ہوتا۔ غرضیکہ آپ نے اپنی پوزیشن اپنی حیثیت پورے طور پر واضح فرمادی اپنے اس دعوے کی دلیل یہ دی کہ **ولکنی رسول من رب العلمین** اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ مجھے رب العالمین نے اپنی نبوت و رسالت کے لئے منتخب فرمایا اور جسے رب اتنے بڑے منصب کے لئے چنے اس میں گمراہی کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ رب العالمین فرما کر یہ بتایا کہ میری نبوت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی دلیل ہے کہ جو رب مخلوق کی جسمانی پرورش کے لئے ہزاروں قسم کی غذائیں پیدا فرمادے کیسے ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو روحانیت میں یونہی بھٹکتا چھوڑ دے۔ ضروری ہے کہ ان کی روحانی پرورش کے لئے بھی نورانی غذائیں پیدا فرمادے اور نورانی غذائیں تقسیم فرمانے کے لئے اپنے خاص بندے بھیجے۔ جنہیں رسول کہا جاتا ہے۔ سبحان اللہ! رسالت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا ذکر عجیب لطف دے رہا ہے کیونکہ نبوت کا منکر اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا بھی اقراری نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ ء تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے بارش اور زمینوں کا حال تو سن لیا کہ بارش سے ہر زمین فیض نہیں لیتی اب نبوت کی بارش اور ان کی امتوں کا حال سنئے کہ ہم نے پہلے مبلغ نبی نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف نبی بنا کر بھیجا۔

جنہوں نے کفار کو تبلیغ فرمائی انہوں نے اس کافر قوم سے نہایت ہی مہربانی سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ کی عبادت کرو دلی عبادت بھی کہ اس کے سواء کسی کو اپنا معبود نہ مانو مجھے نبی مانو اور جسمانی عبادت بھی کہ میری تعلیم کے مطابق نیک اعمال عبادات وغیرہ کرو انہوں نے اس تبلیغ پر ایک تو دلیل قائم فرمائی کہ فرمایا اس کے سواء تمہارا کوئی سچا معبود نہیں جو تمہاری عبادات کا مستحق ہو جیسے ایک شخص کے دو باپ نہیں ہو سکتے، دو ماں نہیں ہو سکتیں دنیا میں دو سورج نہیں جسم میں دو جانیں نہیں بدن میں دو دل نہیں ایسے ہی مخلوق کے دو خالق یا دو معبود نہیں ہو سکتے مگر قوم نے اس دلیل پر دھیان نہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے خطرہ ہے کہ تم پر بڑے دن یعنی قیامت یا تمہارے تباہی کے دن کا عذاب نہ آجاوے۔ وقت سے پہلے انتظام کر لو بارش سے پہلے اس سے حفاظت کی تدبیر کر لو۔ غرضیکہ آپ نے دلیل او ڈر ہر طرح قوم کو سمجھایا قوم نے الٹا اثر لیا بولی کہ تم بالکل ہی گمراہ ہو بھلا ایک دنیا کا خالق اور مستحق عبادت ایک کیسے ہو سکتا ہے اور تم انسان ہو کر ہماری طرح کھا پی کر رب کے نبی کیسے ہو سکتے ہو۔ عالم کے بہت سے خالق چاہئیں اور فرشتے اس کے نبی چاہئیں یہ بات اس قوم کے سرداروں نے کی۔ لطف یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے کلام میں الوہیت کے متعلق تبلیغ فرمائی ابھی صراحۃً اپنے متعلق زور نہیں دیا مگر قوم نے الوہیت کے متعلق کچھ نہ کہا۔ صرف آپ پر اعتراض کیا۔ جس سے پتہ لگا کہ کفر کی پہلی اینٹ نبی کا انکار ہے۔ جس سے تمام ایمانیات کا انکار ہو جاتا ہے یوں ہی ایمان کی پہلی اینٹ نبی کا صحیح اقرار ہے۔ جس سے ساری ایمانیات کا اقرار ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نبی کی تعظیم و توقیر کی توفیق دے آمین! آپ نے پھر بھی بہت نرمی سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے میری ناسمجھ قوم مجھ میں ہلکی سی گمراہی بھی نہیں۔ کیونکہ میں رب العالمین کا رسول ہوں اس کا رسول بہک نہیں سکتا اگر وہ بہک جاوے تو عالم کا نظام خراب ہو جاوے۔ دنیاوی بادشاہ ناسمجھ نااہل کو حاکم نہیں بناتے تو رب تعالیٰ گمراہ کو نبی کیسے بنائے چونکہ وہ رب العالمین ہے اس لئے ضروری ہے کہ وہ مخلوق کی ہدایت کے لئے نبی بھیجے جو ان کی روحانی پرورش کرے میری نبوت اس کی ربوبیت کی دلیل ہے۔ خیال رہے ان نبیوں کے واقعات بیان فرمانے کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسکین دینا ہے کہ اگر آپ کی ساری قوم آپ کی نہ مانے تو آپ ملول نہ ہوں، شروع سے ہی یہ ہوتا چلا آرہا ہے اس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت کا پتہ لگتا ہے۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول اور صاحب وحی ہیں۔ یہ فائدہ **لقد ارسلنا الخ** سے حاصل ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر علم تاریخ سیکھے بغیر سورخین کی صحبت حاصل کئے اس زمانہ کے حالات ایسے بے کم و کاست بیان فرمائے جبکہ تاریخ لکھنے کا رواج ہی نہ تھا اور اس طرح درست بیان کئے کہ یہود و نصاریٰ کے پوپ پادری حیران رہ گئے ان کی کتب کے بالکل مطابق تھے۔ **دوسرا فائدہ**: کافر کو مومن کا ہم قوم کہا جا سکتا ہے نسبی یا ملکی قومیت کے لحاظ سے 'مذہبی حیثیت سے کوئی کافر کسی مسلمان کا ہم قوم نہیں۔ یہ فائدہ **الی قومہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: جن لوگوں پر واجب ہے کہ نبی پر ایمان لائیں یعنی امت دعوت وہ سب اس نبی کی قوم کہلاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **الی قومہ** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ حق یہ ہے کہ آپ اس زمانے کے سارے انسانوں کے نبی تھے ورنہ سارے انسان آپ کی مخالفت سے غرق نہ کئے جاتے لہذا تاقیامت سارے انسان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں کہ ان سب پر لازم ہے کہ آپ پر ایمان لائیں۔ **چوتھا فائدہ**: جہاں تک ہو سکے تبلیغ نرمی سے کی جاوے کہ اس کی تاثیر بہت ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **یا قوم** سے حاصل ہوا کہ نوح علیہ السلام نے انہیں اے کافرو اے مشرکو اے بے دینو کہہ کر نہیں پکارا۔

بلکہ اے میری قوم فرمایا۔ پانچواں فائدہ: کفار پر بھی عبادات فرض ہیں کہ وہ ایمان لائیں اور عبادت کریں قیامت میں انہیں کفر کی سزا بھی ملے گی اور عبادات نہ کرنے کی بھی اور گناہ کرنے کی بھی۔ یہ فائدہ اعبدوا اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ عبادت سے مراد جسمانی عبادت ہو دوزخی کہیں گے قالوا لم نک من المصلین الخ۔ چھٹا فائدہ: چند خالق یا چند حقیقی معبود نہیں ہو سکتے جبکہ ملک کا بادشاہ ایک جسم کی جان ایک تو مخلوق کا خالق و رحمان بھی ایک۔ ساتواں فائدہ: تبلیغ دلائل سے بھی ہونی چاہئے اور ڈرا کر بھی اور امید دلا کر بھی۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کے سامنے دلیل توحید بھی بیان فرمائی ساتھ ہی عذاب سے ڈرایا بھی بعض لوگ دلیل سے مانتے ہیں۔ بعض ڈر کر بعض امید سے مگر امید سے ماننے والے تھوڑے ہوتے ہیں اسی لئے انبیاء کرام ڈراتے زیادہ ہیں۔ رب نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرمایا لیکون للعالمین نذیرا یہاں بشیرا نے فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومنین کے لئے بشیر ہیں اور عالمین کے لئے نذیر۔ آٹھواں فائدہ: اکثر انبیاء کرام کی اطاعت فقراء و مساکین کرتے ہیں اور اکثر ان کی مخالفت امیر اور سردار کرتے ہیں۔ یہ فائدہ قال الملا من قومہ سے حاصل ہوا۔ اب بھی دین غریبوں سے قائم ہے مگر مرزا قادیانی کی پیروی اکثر امیروں نے کی غرباء عموماً اس سے الگ رہے۔ یہ بھی اس کے جھوٹے ہونے کی علامت ہے۔ نواں فائدہ: نبی کو گمراہ بلکہ گنہگار کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ نراک فی ضلال الخ سے حاصل ہوا کہ نوح علیہ السلام کو کفار نے گمراہ کہا۔ دسواں فائدہ: نبوت اور گمراہی بلکہ نبوت اور گناہ کبھی جمع نہیں ہو سکتے اگر نبی گمراہ ہوں تو پھر انہیں ہدایت کون کرے اگر سورج سیاہ ہو جاوے تو اسے روشن کون کرے انہیں گنہگار یا گمراہ ماننے میں رب تعالیٰ کی توہین ہے کہ اس کا انتخاب غلط ہوتا ہے نعوذ باللہ یہ فائدہ لیس بی ضلالۃ سے بھی حاصل ہوا اور لکنی رسول الخ سے بھی۔ گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت حضرات انبیاء کرام کی نبوت سے ثابت ہوتی ہے۔ نبوت ربوبیت کی دلیل ہے یہ فائدہ من رب العالمین فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر جو ابھی عرض کی گئی۔ بارہواں فائدہ: جمال نبی ایک ہے مگر اسے دیکھنے والی آنکھیں مختلف، مومنوں کو ان میں ہدایت ہی نظر آتی ہے کفار کو ان میں گمراہی نظر آتی ہے۔ یہ فائدہ انا لنراک الخ سے حاصل ہوا رب تعالیٰ وہ آنکھ دے جو نبی کی شان دیکھ سکے۔

پہلا اعتراض: اگر نوح علیہ السلام سارے انسانوں کے نبی تھے تو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر ہو گئے سارے انسانوں کے نبی صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رب فرماتا ہے وما ارسلنک الا کافۃ للناس بشیرا ونذیرا۔ جواب: ہرگز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت سارے انسانوں کے نبی ہیں نوح علیہ السلام صرف اس زمانہ کے انسانوں کے۔ رب فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا دیکھو آدم شیث علیہما السلام بھی تو اسی وقت کے سارے انسانوں کے نبی تھے، بات یہ تھی کہ اس وقت انسان تھے ہی تھوڑے انہیں کے وہ حضرات نبی تھے۔ دوسرا اعتراض: نوح علیہ السلام نے تو کفار کو یا قوم کہہ کر پکارا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کیوں دیا گیا۔ قل یایھا الکافرون آپ انہیں کافر کہہ کر پکارو حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو رحمۃ للعالمین ہیں آپ کو سختی کرنے کا حکم کیوں دیا گیا۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ نوح علیہ السلام کی یہ تبلیغ پہلی تبلیغ تھی۔ جب نرمی کی ضرورت تھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم اس وقت دیا گیا جب کہ نرمی سے کام نہ نکل سکا ان کفار کی سختی بڑھتی گئی اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہجرت کفار پر

جہاد کا بھی حکم دیا گیا۔ دوسرے یہ کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فطرتاً "نہایت ہی نرم واقع ہوئے تھے۔ ارشاد ہوا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کچھ تو سختی کرو۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا **قولا له قولا لینا** فرعون سے نرم بات کرنا کیونکہ وہ جلالی رسول تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا **یا ایها النبی جاهد الکفار و المنافقین و اغلظ علیهم** اے نبی کفار و منافقین پر جہاد کرو اور ان پر خوب سختی کرو۔ **تیسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام کی قوم دہریہ نہ تھی اللہ تعالیٰ کو مانتی تھی اور اللہ کو ماننے والے کفار اس کی عبادت ضرور کرتے ہیں پھر آپ نے انہیں عبادت کا حکم کیوں دیا۔ عبادت تو وہ پہلے ہی کرتے تھے۔ **جواب:** اس فرمان کا مقصد یا یہ ہے کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ وہ دوسرے معبودوں کی بھی عبادت کرتے تھے یا یہ کہ اب تک تم اپنی عقل رائے سے عبادت کرتے تھے جو عبادت نہ ہوئی بلکہ کفر و معصیت ہوئی۔ اب میرے بتانے سے میری تعلیم سے عبادت کرو تاکہ وہ عبادت اور قابل ثواب ہو۔ عبادت عقل سے نہیں نبی کی تعلیم سے کی جانی چاہئے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت نوح نے قوم کے جواب میں **لیس بی ضلالة** کیوں فرمایا آپ کہتے کہ میں گمراہ نہیں ہوں یا مجھ میں گمراہی نہیں مگر فرمایا **لیس بی ضلالة** اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** اس فرمان کے معنی ہیں کہ میرے قریب معمولی سی گمراہی بھی نہیں **فی** نہ کہا **بی** کہا جس سے قرب کی نفی ہو گئی۔ **پانچواں اعتراض:** کفار پر عبادات فرض نہیں ہوتیں پھر نوح علیہ السلام نے کیوں فرمایا **اعبدوا الله**۔ **جواب:** اگر یہاں عبادت سے مراد ہے **قلبی عبادت یعنی ایمان لانا** تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر جسمانی عبادات مراد ہیں تو جواب یہ ہے کہ کفار پر عبادات فرض ہیں آخرت کے عذاب کے لحاظ سے اور فرض نہیں دنیاوی احکام کے لحاظ سے کہ کافر اپنے کفر کے زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کرے گا۔ **چھٹا اعتراض:** قوم نے آپ سے کہا **فی ضلال مبین** مگر آپ نے فرمایا **بی ضلالة** فرماؤ کہ **ضلال** اور **ضلالت** میں کیا فرق ہے اور اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ضلال بڑی گمراہی کو کہتے ہیں یعنی عقیدہ کی خرابی اور ضلالۃ معمولی بدراہی کو کہتے ہیں یعنی عملی خرابی للہذا نوح علیہ السلام کا یہ فرمان نہایت درست ہے کہ تم تو میرے عقیدے کو گمراہی کہتے ہو یعنی عملی خرابی للہذا نوح علیہ السلام کا یہ فرمان نہایت درست ہے کہ تم تو میرے عقیدے کو گمراہی کہتے ہو مجھے تو اللہ نے برے **اعمال** سے بھی معصوم و محفوظ رکھا ہے نیز انہوں نے کہا تھا کہ آپ گمراہی میں ہیں یعنی ہر چار طرف سے آپ کو گمراہی گھیرے ہے جیسے ڈوبتے کو پانی مگر آپ نے فرمایا کہ میں تو گمراہی میں کیا ہوتا گمراہی مجھ میں بھی نہیں یعنی گمراہی مجھ سے قریب بھی نہیں۔ **ساتواں اعتراض:** تم نے کہا کہ نبی بدعمل بھی نہیں ہوتے مگر قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ وہ ظالم "گمراہ" بدعمل ہوتے ہیں فرماتا ہے **ووجدک ضالا** "**فهدی** اور فرماتا ہے کہ یونس علیہ السلام نے کہا **انی کنت من الظالمین**۔ **جواب:** اس کا نہایت مفصل مدلل جواب ہماری کتاب قہر کبریا یا منکرین عصمت انبیاء میں دیکھو۔ یہاں صرف یہ سمجھ لو کہ ان آیات میں ضلال ظلم سے مراد گمراہی اور گناہ نہیں جیسے رب تعالیٰ کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وهو خادعهم** یا **مکر الله** وہاں خداع کے معنی دھوکہ بازی نہیں اور **مکروا** سے مراد حیلہ سازی اور فریب نہیں۔ فعل کے معنی فاعل کی شان کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں دیوار بیٹھ گئی' دوکان بیٹھ گئی' دل بیٹھ گیا' تیر نشانہ پر بیٹھ گیا' کھڑے سے بیٹھ گیا' تیری بات میرے دل میں بیٹھ گئی ان سب میں بیٹھنے کے معنی الگ ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ: حضرات انبیاء کرام کی دنیا میں تشریف آوری اور ہے جسے ولادت کہتے ہیں اور کسی قوم کے پاس تشریف آوری کچھ اور ہے جسے رسالت یا بعثت کہا جاتا ہے یہ بعثت مخلوق کے لئے بڑی نعمت ہے۔ بعض لوگ اس نعمت کی قدر کرتے ہیں وہ اس سے بہت فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ ایمان 'عرفان 'غفران بلکہ رحمان اس قدر دانی سے ملتے ہیں مگر ناقدری کرنے والے اپنا ہی نقصان کر لیتے ہیں انہیں طغیان 'کفران بلکہ شیطان ملتے ہیں نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ایمان دینا چاہا۔ مگر قوم نے اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ہر چیز کے دیکھنے کے لئے آلہ الگ الگ ہے ایک ہی آنکھ دوربین سے دور کی چیز دیکھتی ہے خوردبین سے باریک چیز کا مشاہدہ کرتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کو عشق کی عینک سے دیکھو تب ان کی صفات معلوم ہو سکیں گی۔ دیکھو نبی اللہ تعالیٰ کے بے عیب بندے ہوتے ہیں وہ ہدایت کے سرچشمے ہوتے ہیں۔ دنیا کی ہر چیز میں شر بھی ہے خیر بھی۔ حضرات انبیاء کرام وہ بندے ہیں جن میں صرف خیر ہی ہے۔

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

مگر چونکہ قوم نوح علیہ السلام نے انہیں محض عقل کی آنکھ سے اس پر حسد 'عناد' سرکشی کی عینک چڑھا کر دیکھا تو بولے کہ ہم آپ کو کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں۔ بھلائی اور گمراہی نعوذ باللہ یہ ان کی آنکھ کا قصور تھا انہوں نے نوح علیہ السلام کو دیکھا ہی نہیں ان کی آنکھ اور نوح علیہ السلام کے جمال کے درمیان ان کی ضد و کفر و ضلالت کا پردہ تھا۔ جس سے وہ جمال ان سے حجاب میں رہا جیسے اندھا کہے کہ میں سورج کو کالا دیکھتا ہوں۔ یہ سیاہی اس کے اندھے پن کی ہے رب تعالیٰ خدا بینی 'رسول بینی' بلکہ خدا بینی کی آنکھ نصیب فرما دے' تب پتہ لگے کہ ہم کون ہیں انبیاء اولیاء کون ہیں۔

گرت چشم خدا بنی بہ بخشند! نخواہد دیدر عالم کمتر از خویش!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جن انبیاء کرام کے واقعات یہاں سے نویں پارہ تک مذکور ہیں سب میں ان کی پہلی تبلیغ یہی ہے کہ اللہ کی عبادت کرو مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پہلی تبلیغ یہ ہے کہ **کیف انا فیکم** مجھے پہچانو میں تم میں کیسا ہوں بلکہ گیارہ سال تک اسلام میں کوئی عبادت نہ آئی نبوت کے گیارہویں سال معراج میں نماز ملی بعد ہجرت زکوٰۃ روزہ وغیرہ عطا ہوئے۔ گیارہ سال تک مسلمانوں پر ایک ہی عبادت رہی۔

کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی ان کی!

صوفیاء کے مشرب میں تمام عبادات سے افضل ہے مقام مصطفیٰ کو پہچاننا۔ جس نے ان کا مقام پہچان لیا۔ اس نے رب کو پہچان لیا۔ رب بھی ان کے پاس ہی ملتا ہے۔ شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام کا مقام نہ پہچانا مارا گیا۔ کہ اس کی عبادات رائیگاں گئیں۔ رب تعالیٰ ان کی شان کی پہچان نصیب کرے۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٦٢﴾ اَوَ

پہنچاتا ہوں میں تم کو پیغامات رب کے اپنے اور خیر خواہی کرتا ہوں میں تمہاری اور جانتا ہوں میں اللہ کی طرف
تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا بھلا چاہتا ہوں اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں

عَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوْا وَ

سے وہ جو نہیں جانتے تم۔ اور کیا تعجب کیا تم نے یہ کہ تمہارے پاس ذکر طرف سے رب تمہارے کے اوپر ایک

جو تم نہیں رکھتے۔ اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی ایک

لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿٦٣﴾

مرد کے تم میں سے تاکہ ڈرائے وہ تم کو اور تاکہ پرہیزگار ہو تم تاکہ رحم کیے جاؤ تم

مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور کہیں تم پر رحم ہو۔

تعلق : ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کے اپنے ذاتی فضائل و کمالات کا ذکر تھا۔ اب آپ کے فیوض و برکات کا تذکرہ ہے یعنی پہلے فرمایا گیا تھا کہ میں خود کامل ہوں کہ اللہ کا رسول ہوں اب ارشاد ہے کہ میں کامل گر بھی ہوں کہ لوگوں کو ایمان' تقویٰ' عرفان بخش دیتا ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام سے گمراہی وغیرہ کی نفی کی گئی تھی۔ اب اس نفی کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ میں رب کی طرف سے مبلغ دین و ایمان ہوں جو خود گمراہ ہو اور دوسرے کو ایمان کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نوح علیہ السلام کی رسالت کا ذکر تھا۔ اب اس رسالت کے فیض فرائض کا تذکرہ ہے کہ میرا منصب ہے تبلیغ' خیر خواہی اور پورا علم۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں قوم کے اس تعجب کا ذکر تھا کہ انسان اللہ کا نبی کیسے ہو گیا یہ عہدہ تو کسی فرشتے کو ملنا چاہیے۔ اب ان آیات میں اس تعجب کو دور فرمایا جا رہا ہے کہ نبوت انسان ہی کو ملنی چاہیے کہ نبوت کے فرائض' تبلیغ' خیر خواہی' ڈرانا وہی کر سکتا ہے۔ فرشتے ان فرائض کو انجام نہیں دے سکتے۔ **پانچواں تعلق:** نبی کو رب تعالیٰ سے تعلق ہوتا ہے لینے کا اس لئے انہیں رسول اللہ کہتے ہیں اور مخلوق سے تعلق ہے دینے کا' اس لئے انہیں **رسولنا** یا **رسول الخلق** کہتے ہیں۔ پچھلی آیت میں ان کے پہلے تعلق کا ذکر ہوا۔ **رسول من رب العالمین** اب اس آیت میں ان کے دوسرے تعلق کا ذکر ہے **ابلغکم**۔

تفسیر : **ابلغکم رسالات ربی** یہ کلام بھی نوح علیہ السلام کا ہے اور کم میں خطاب انہیں لوگوں سے ہے جو آپ کو گمراہ کہتے تھے ہماری قرات میں **ابلغ** لام کے شد سے ہے دوسری قرات میں **ابلغ ب** کے سکون اور لام کے کسرہ سے ہے باب افعال سے **ابلغ** بنا ہے تبلیغ سے معنی ہمیشہ پہنچانا ہر طرح پہنچانا آہستہ آہستہ پہنچاتے رہنا۔ **رسالات** جمع ہے **رسالتہ** کی معنی پیغام' رسالات کے معنی ہوئے پیغامات چونکہ نبی صرف ایک قسم کا پیغام نہیں پہنچاتے بلکہ عقائد' عبادات' معاملات' گناہوں سے بچنے' کفر و شرک سے دور رہنے وغیرہ بہت سے پیغامات پہنچتے ہیں یہ حضرات پیغمبر اپنے افعال' احوال سے پہلے تبلیغ کرتے ہیں۔ پھر اقوال سے ہر طرح ہمیشہ تبلیغ کرتے ہیں ان کا ہر عضو مبلغ ہوتا ہے ان وجوہ سے **ابلغکم** ارشاد ہوا نیز شریعت' طریقت' حقیقت' معرفت کے پیغامات پہنچاتے ہیں اس لئے **رسالات** ارشاد ہوا۔ شریعت کے پیغامات کان تک طریقت کے ازہان تک حقیقت کے دل تک معرفت کے پیغام روح تک ان وجوہ سے رسالات فرمایا گیا۔ چونکہ یہ پیغامات ربوبیت الٰہیہ اس کی پرورش کے مظہر ہیں اس کی رحمت کا تقاضہ یہ ہے کہ بندے غذائے روحانی حاصل کریں۔ اس لئے **ربی** ارشاد ہوا اللہ اور دوسرا نام اسم

الٰہی نہ فرمایا چونکہ اس ربوبیت کے مظہر نبی ہوتے ہیں کہ ان کی معرفت لوگوں کو یہ نعمتیں ملتی ہیں اس لئے وہی فرمایا۔ **بکم** نہیں فرمایا چونکہ پیغمبر صرف عبادات ہی نہیں بتاتے یہ کام تو مولوی بھی کرلیتے ہیں بلکہ ہر قسم کے احکام غیبی خبریں سب کچھ دیتے ہیں۔ اس لئے رسالات جمع ارشاد ہوا۔ **وانصح لکم** یہ حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری صفت ہے۔ یہ معطوف ہے **ابلغکم** پر **انصح** بنا ہے **نصح** سے اسی سے ہے نصیحت **نصح** کے معنی ہیں خالص ہونا "آلائش سے پاک ہونا کہا جا" ہے **نصحت العسل من الشمع** میں نے شہد کو موم سے خالص کرلیا۔ اصطلاح میں اس کے معنی ہیں خالص خیر خواہی اس کا استعمال لام سے بھی ہوتا ہے اور بغیر لام **نصحتہ** اور **نصحت لہ** جیسے **شکرتہ** اور **شکرت لہ** چونکہ آپ یہ فرمانا چاہتے تھے کہ اس تبلیغ میں مجھے اپنا کوئی لالچ نہیں صرف تمہاری خیر خواہی مقصود ہے اس لئے **لکم** فرمایا۔ خیال رہے کہ تبلیغ رسالت یہ ہے کہ لوگوں تک احکام الٰہی پہنچا دیئے جائیں مگر خیر خواہی یہ ہے کہ انہیں ان احکام کے قبول کرنے ان پر عمل کرنے کی رغبت دی جاوے انہیں مسلمان بنانے کی کوشش کی جاوے اس لئے **ابلاغ** کے بعد **انصح** ارشاد فرمایا یعنی میں صرف احکام پہنچاتا ہی نہیں بلکہ تم کو اس کے قبول کرنے کی رغبت بھی دیتا ہوں صرف تمہارے نفع کی خاطر **واعلم من اللہ ما لا تعلمون** یہ آپ کی تیسری صفت ہے جس میں اپنے نبی اور رسول ہونے کا ثبوت ہے کیونکہ نبی وہی ہے جو رب کی طرف سے علوم غیبیہ دیا گیا ہو **من اللہ** فرمایا یہ بتایا کہ میرے یہ علوم محض عقلی استدلال نہیں جن میں غلطی کا شائبہ ہو بلکہ اللہ کی طرف سے وحی ہیں جن میں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ **ما لا تعلمون** سے مراد یا تو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات ہیں یا اس کے شرعی احکام یا قیامت کے حالات ہیں یا جنت دوزخ کے ثواب و عتاب یا ان کافروں پر غرق کا عذاب اور اس کی ہولناکیاں ہیں بہتر یہ ہے کہ یہ سب ہی مراد ہوں۔ خیال رہے کہ اس سے پہلے کسی قوم پر عذاب نہیں آیا تھا اس قوم کے وہم و گمان میں بھی عذاب الٰہی نہ تھا آپ کو ان سب کی اطلاع دے دی گئی تھی اس لئے آپ نے یہ فرمایا کہ بے وقوفو میرا مقابلہ نہ کرو۔ میری اطاعت کرو جو عذاب میں دیکھ رہا ہوں وہ تم نہیں جانتے نہ جاننے والے کو چاہئے کہ جاننے والے کی بات مانے۔ **اوعجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم** اس فرمان عالی میں اس قوم کے شبہات کی تردید ہے جو وہ آپ کی نبوت پر کرتے تھے ان کے شبہات حسب ذیل تھے۔ (1) اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے اسے ہماری عبادتوں کی کیا ضرورت ہے لہٰذا وہ اس کا حکم نہیں دے سکتا ہم لوگ صرف کھانے پینے مر جانے کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔ جب خدا کو ہماری عبادات کی ضرورت ہی نہیں تو نبی بھیجنا بیکار ہے۔ (2) اچھا مان لو کہ عبادات ضروری ہیں تو ان کے لئے نبی بھیجنے کی ضرورت ہی نہیں ہم عقل سے ہی معلوم کرسکتے ہیں اللہ نے ہم کو عقل اس لئے تو دی ہے جسے ہماری عقل اچھا کہے وہ اچھا جسے برا کہے وہ برا۔ (3) اچھا مان لو کہ نبی بھیجنے کی ضرورت ہے تو نبی انسان نہیں ہونا چاہئے وہ فرشتے چاہئیں کیونکہ ان کی ہیبت دلوں میں بہت ہوتی ہے وہ کھانے پینے اور دوسری ضروریات سے پاک ہیں۔ (4) اچھا مان لو کہ انسان ہی نبی ہونا چاہئے تو وہ کوئی امیر کبیر بادشاہ ہونا چاہئے جس کی سرداری و مالداری سے تبلیغ خوب ہو نہ کہ نوح علیہ السلام جیسا مسکین انسان لہٰذا نوح علیہ السلام کو یا تو دیوانگی ہے یا ان پر شیطان نے اثر کرلیا ہے جس سے وہ اپنے نسیات کو وحی الٰہی سمجھ بیٹھے ہیں (کبیر) حق یہ ہے کہ **او عجبتم** میں الف سوال کا ہے اور واؤ ابتدائیہ اور یہ سوال ناراضگی اور جھڑک کا ہے۔ پوچھنے یا اقرار کرانے یا اظہار تعجب کے لئے نہیں یعنی تم لوگ انکار نہ کرو۔ **عجبتم** میں خطاب انہیں کفار سے ہے۔ **ان جاء کم** اس کا مفعول بہ ہے۔ تعجب کبھی رب کی قدرت کا اقرار کرنے کے لئے ہوتا ہے کبھی انکار کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عجیب معجزات کو مومن دیکھتے تو تعجب

کر کے رب کی قدرت اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو اور مضبوطی سے مان لیتے کہ جس کے ہاتھ پر ایسے عجائب ظاہر ہوں وہ نبی کیسی شان والا ہوگا اور ان کا رب کیسی قدرت والا اور وہی معجزات ابو جہل وغیرہ دیکھتے تو جادو کہہ کر انکار میں اور سخت ہو جاتے پہلا تعجب ایمان ہے۔ دوسرا کفر طغیان یہاں دوسرا تعجب انکاری مراد ہے۔ نفیس غذا تندرست کے لئے مفید ہے اور کمزور معدہ والے کے لئے دست یا قے کا باعث ہے۔ ذکر سے مراد یا تو وحی الٰہی ہے یا احکام شرعیہ یا آسمانی صحیفہ جو نوح علیہ السلام پر نازل ہوا۔ **من ربکم** فرما کر یہ بتایا کہ رب تعالیٰ کی شان ربوبیت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ تمہاری روحانی پرورش کے لئے شرعی احکام نبی کی معرفت بھیجے کیونکہ وہ روح اور جسم دونوں کا پالنے والا ہے جب اس نے جسمانی پرورش کے لئے غذائیں پیدا فرمائیں ہیں تو ضرور روحانی پرورش کے لئے یہ غذائیں عطا فرمائے گا **علی رجل منکم** اس فرمان عالی میں ان کے اس شبہ کو دور فرمایا کہ نبی فرشتہ کیوں نہ ہوا یا کوئی بادشاہ سردار مالدار کیوں نہ ہوا یا باہر سے کوئی آدمی نبی بن کر کیوں نہ آیا ہم میں سے ایک مسکین کو نبی کیوں بنا دیا گیا ان تمام شبہات کا جواب صرف ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا گیا کہ **لینذرکم** یہ عبارت **جاء کم** کے متعلق ہے اس میں فرمایا گیا۔ (1) اللہ کی عبادت اس لئے نہیں کہ اسے عبادت کی ضرورت ہے بلکہ اس لئے ہے کہ تم کو اس کی ضرورت ہے جیسے تمہاری غذائیں دوائیں تمہاری غرض کے لئے ہیں نہ کہ رب کے فائدہ کے لئے۔ (2) سارے کام عقل سے نہیں ہوتے بعض جگہ کسی کی مدد کی ضرورت بھی ہوتی ہے ایک شخص اپنی عقل سے کاشت کاری اور ساری صنعتیں نہیں کر سکتا دوسرے کی مدد کا محتاج ہوتا ہے۔ (3) تمہاری جسمانی غذائیں جنات تیار نہیں کرتے بلکہ انسانوں کے ذریعہ تم معاش جسمانی حاصل کرتے ہو۔ فرشتہ ڈرانے یا تبلیغ کرنے کی خدمات انجام نہیں دے سکتا تم اسے اس کی اپنی شکل میں نہیں دیکھ سکتے نیز وہ تمہارے دکھ درد سے خبردار نہیں نیز صرف بادشاہ سلطان اگر نبی ہوں تو نبوت کی طاقت معلوم نہ ہو لوگ سمجھیں کہ اس نے اپنے زور سے زر سے حکومت سے یہ دین پھیلایا لہذا تبلیغ کے لئے مجھ جیسا مرد ہی چاہئے۔ جس کے دل میں تمہارا درد ہو وہ تم کو دردِ دل کی بنا پر عذاب الٰہی سے ڈرائے یہ تو اس کا کام ہو تمہارا کام یہ ہو کہ **ولتتقوا** تم اس کے ذریعہ تقویٰ طہارت حاصل کرو تقویٰ کے معانی اس کے اقسام اور دلی تقویٰ جسمانی تقویٰ کا فرق ہم پہلے پارہ میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے لہذا یہاں اتنا سمجھ لو کہ برے عقیدوں سے بچنا اچھے عقیدے اختیار کرنا مقبول بندوں کی تعظیم کرنا دل کا تقویٰ ہے فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب** اور برے اعمال سے بچنا اچھے اعمال کرنا جسم کا تقویٰ ہے یہ دونوں تقوے نبی کے آستانے سے حاصل ہوتے ہیں۔ **ولعلکم ترحمون** یہ عبارت معطوف ہے **لتتقوا** پر اس میں حضرت نوح علیہ السلام کی تشریف آوری کی تیسری حکمت بیان فرمائی گئی کہ میں تمہاری طرف اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ میرے ذریعہ تم پر اللہ تعالیٰ رحم فرمادے۔ تمہارے گناہ بخشے۔ برزخ اور محشر اور بعد محشر کے عذاب سے تم کو بچائے یا میرے ذریعہ دنیا میں بھی تم پر رحمتیں نازل فرمادے۔ رحمت کے معنی اس کے اقسام اور یہ کہ کونسی رحمت کون شخص پاتا ہے یہ سب باتیں ہم بسم اللہ شریف کی تفسیر میں پہلے پارے میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ دنیا میں رحمت عامہ رزق وغیرہ کفار مومنین سب کو ملتا ہے اسی دنیا میں رحمت خاصہ ایمان' توبہ' نیک اعمال' عام مومنین کو نصیب ہوتے ہیں ولایت' غوثیت' قطبیت وغیرہ خاص خاص مومنین کو نبوت اور خاص قرب الٰہی حضرات انبیاء کرام کو یہ تو دنیا کی نعمتوں کا ذکر ہوا۔ قیامت کے دن کی رحمتیں بعد قیامت جنت کی رحمتیں اور نعمتیں ان میں بہت تفصیل ہے یہاں رحمت سے دنیا' برزخ' محشر' جنت کی وہ مذکورہ رحمتیں مراد ہیں جو مومنین کو عطا ہوں گی۔

کوئی مومن تقویٰ و طہارت اختیار کر کے اپنی بخشش کا یقین نہ کرے بلکہ اس کی رحمت سے امید رکھے غضب سے خوف کرتا رہے کہ اسی امید و خوف پر نجات کا مدار ہے اس لئے یہاں لعل امید کا لفظ ارشاد ہوا چونکہ یہ رحمتیں بذریعہ نبی ملتی ہیں اس لئے آپ نے اس کو اپنی تشریف آوری کی حکمتوں میں سے شمار فرمایا۔ خیال رہے کہ لتتقوا اور ترحمون مخاطب جمع کے صیغے فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ تقویٰ اور رحمت تم کو میرے ذریعہ ملے گی مگر میں براہ راست بغیر کسی وسیلے کے تقویٰ اور رحمت یافتہ ہوں رب کی طرف سے۔ جیسے سورج کے ذریعہ سب نور لیتے ہیں مگر سورج براہ راست رب سے نور لیتا ہے۔ دوسرے یہ کہ میرے پاس تقویٰ اور رحمت میں کمی نہیں تم سب یہ نعمتیں مجھ سے لو تو کچھ کمی نہیں سارا جہان سورج سے نور لے تو سورج میں کمی نہیں آتی۔ حق یہ ہے کہ دین و دنیا کی ساری رحمتیں نبی کے صدقہ سے ملتی ہیں حتیٰ کہ ان کے دم قدم سے ہم کو اپنی آفات سے نجات ملتی ہے حتیٰ کہ مقبولوں کی قبروں کی برکت سے رحمتیں آتی ہیں بلائیں ٹلتی ہیں۔ جن پر قرآنی آیات گواہ ہیں اس لئے **ترحمون** سے مراد ساری رحمتیں ہیں دینی ہوں یا دنیاوی عام رحمتیں ہوں یا خاص۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت نوح علیہ السلام نے پہلے تو اپنی پوزیشن ظاہر فرمائی اور اپنے سے کفار کے شبہات دور فرمائے اپنی منزلت بیان کی کہ میں رب کا رسول ہوں پھر اپنی تشریف آوری کے فوائد بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ میں دنیا میں اس لئے بھیجا گیا ہوں کہ تم تک اپنے رب کے پیغامات پہنچاؤں جیسا آدمی ویسا اس کے لئے پیغام صرف پیغام پہنچا دینے پر ہی کفایت نہ کروں بلکہ تمہاری خیر خواہی بھی کروں کہ تم کو ڈرا کر امید دلا کر ان پیغامات کے قبول کرنے کی رغبت بھی دوں۔ یاد رکھو کہ میں وہ خبریں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے رب کی ذات و صفات، قبر و حشر کے حساب و کتاب، دوزخ جنت کے عذاب و ثواب آنے والے طوفان کے ہولناک واقعات سب پر میری نظر ہے جس کی تمہیں نہ اطلاع ہے نہ خبر ہے لہٰذا تم میرے مقابلہ کی کوشش نہ کرو میری اطاعت کرو کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ اللہ نے نبی کیوں بھیجا اور پھر انسان کو نبی کیوں بنایا پھر تم میں سے نبی کیوں بھیجا پھر ایک مسکین مرد کو نبی کیوں بنایا یہ تو اس کریم کی بندہ نوازی ہے کہ جس سے تم مانوس ہو جو تمہارے ہر اچھے برے حالات سے خبردار ہے اسے نبی بنا کر تم میں بھیجا تاکہ وہ تمہیں رب کے عذاب سے ڈرائے اور تم کو تقویٰ اور پرہیزگاری کی تعلیم دے اور تاکہ تم پر اللہ تعالیٰ دنیا برزخ آخرت میں رحمتیں کرے میری تشریف آوری تمہارے لئے رحمت ہی رحمت ہے چونکہ رب کے خوف سے تقویٰ حاصل ہوتا ہے اور تقویٰ سے رحمت ملنے کی امید اس لئے پہلے ڈرانے کا ذکر فرمایا پھر تقویٰ کا پھر رحمت کی امید کا۔ چونکہ نبی تقویٰ، خوف خدا، رحمت لینے کے لئے دنیا میں نہیں آتے یہ نعمتیں وہ رب کے پاس سے لیکر آتے ہیں وہ تو یہ نعمتیں تقسیم کرنے آتے ہیں اس لئے ان چیزوں کے دینے کا ذکر فرمایا۔ چونکہ خوف خدا اور تقویٰ جب ہی مفید ہے جب کہ نبی کے ہاتھوں ملے اس لئے اپنی عطا کا ذکر کیا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: نبی صرف پوسٹ مین کی طرح پیغام رساں نہیں ہوتے بلکہ وہ حضرات پیغام پہنچاتے بھی ہیں اور احکام لوگوں میں جاری بھی کرتے ہیں انہیں قبول بھی کراتے ہیں۔ وہ مخلوق کے حاکم اعلیٰ ہوتے ہیں رب کی طرف سے مقرر کردہ۔ یہ فائدہ **وانصح لکم** سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام رب کی طرف سے خصوصی علم بھی لے کر آتے ہیں جس سے دوسرے بے خبر ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **واعلم من اللہ** سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام عقائد، شریعت کے اعمال، طریقت کے اشغال سب ہی کچھ لوگوں کو بتاتے ہیں یہ

فائدہ رسالات جمع فرمانے سے حاصل ہوا مگر پہنچانے میں بقدر ظرف جیسا سیکھنے والا ویسی اس کی تعلیم۔ **چوتھا فائدہ:** خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو کفار پتھروں لکڑیوں کو خدا تو مان لیتے تھے مگر انسان کو نبی ماننے سے گھبراتے تھے کہتے تھے کہ نبوت اتنا اونچا درجہ ہے جسے انسان برداشت نہیں کر سکتا وہ یہ نہ سمجھے کہ الوہیت تو نبوت سے کہیں اعلیٰ ہے اور لکڑی پتھر انسانوں سے کہیں ادنیٰ تو الوہیت انہیں کیسے مل گئی۔ یہ فائدہ **او عجبتم** الخ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** نبوت صرف انسان کو اور انسانوں میں بھی صرف مردوں کو عطا ہوئی کوئی جن، فرشتہ عورت کبھی نبی نہ ہوئے۔ یہ فائدہ **علی رجل منکم** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **وما ارسلنا من قبلک الا رجالا نوحی الیھم** **چھٹا فائدہ:** نبی بشیر بھی ہوتے ہیں نذیر بھی مگر ان کی نذارت عام ہوتی ہے۔ بشارت خاص۔ یہ فائدہ **لینذرکم** سے حاصل ہوا یعنی وہ خوشخبری صرف مومنوں کو دیتے ہیں مگر ڈراتے سب کو ہیں کفار کو بھی مومنوں کو بھی۔ **ساتواں فائدہ:** ایمان، تقویٰ، پرہیزگاری جس کو ملتی ہے۔ نبی کے واسطے ان کے وسیلہ سے ملتی ہے۔ یہ فائدہ **ولتتقوا** الخ سے حاصل ہوا۔ ان کے بغیر کوئی کچھ بھی رب سے نہیں لے سکتا۔

بے اون کے واسطے خدا کچھ عطا کرے حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نبی کے ذریعہ رحمت فرماتا ہے بلکہ وہ خود سراپا رحمت ہوتے ہیں ان سے نسل انسانی کو فخر حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ **ولعلکم ترحمون** سے حاصل ہوا ترحمون میں رحمت مطلق ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں رسالات جمع کیوں فرمایا گیا انبیاء کرام تو ایک ہی پیغام لاتے ہیں یعنی توحید کا کہ اللہ کو ایک مانو۔ **جواب:** یہ غلط ہے کہ وہ توحید کا پیغام لاتے ہیں توحید تو شیطان بھی مانتا ہے وہ حضرات کفار کے لئے ایمان کا پیغام لاتے ہیں عام مومنوں کے لئے شریعت کے سارے احکام کا ہر حکم الٰہی ان کا الگ پیغام ہے خاص مومنوں کے لئے عرفان کا، خاص الخاص کے لئے قرب رحمان کا ان میں سے ہر چیز کے لاکھوں پیغامات ہیں لہٰذا رسالات فرمانا بالکل درست ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **رسالات ربی** کیوں ارشاد ہوا **رسالات ربکم** کیوں نہیں فرمایا گیا۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ سب بندوں کا رب ہے اس کی ربوبیت دو طرح کی ہے جسمانی اور روحانی جسمانی ربوبیت میں ماں باپ اولاد کے لئے وسیلہ ہیں کہ رب تعالیٰ انہیں ماں باپ کے ذریعے سے پالتا ہے فرماتا ہے **کما ربینی صغیرا** اسی طرح روحانی ربوبیت میں امت کو بذریعہ نبی کے پالتا ہے۔ اس لئے **ربی** فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ نبی کا رب ہے اور نبی کے توسط سے امت کا رب اسی لئے یہاں **رسالات ربی** فرمایا اور آگے **ذکر من ربکم** ارشاد ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** **ابلغ** کے بعد **انصح** کیوں فرمایا تبلیغ ہی نصیحت ہے۔ اس میں سب کچھ آ گیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر چکا کہ تبلیغ سے مراد احکام پہنچا دینا نصیحت سے مراد ہے احکام منوانے کی کوشش کرنا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **لعلکم** کیوں ارشاد ہوا۔ لعل تو شک کے لئے آتا ہے نبی کو شک کیسا۔ **جواب:** لعل فقط شک کے لئے ہی نہیں آتا یقین کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے بمعنی تاکہ یہاں اس معنی میں ہے اور اگر شک کے لئے ہو تو یہ شک ان لوگوں کے اعتبار سے ہے یعنی تم لوگ تقویٰ اختیار کرو رحمت کی آس لگا کر اس پر یقین نہ کرو کہ قبولیت خداوندی اور تمہارے حسن خاتمہ کا یقین اطاعت کرو اور ڈرو یہی ایمان کی اصل ہے۔

تفسیر صوفیانہ : یہ نہ سمجھو کہ نوح اور قوم نوح گزر چکے اور بس۔ اللہ کے بندو نوح بھی تم میں ہیں اور قوم نوح بھی تم میں ماننے والے اقراری بھی تم میں ہیں اور انکاری تم میں تاقیامت یہ سلسلہ قائم ہے چنانچہ روح گویا نوح ہے اور قالب و قلب اور قلب کے صفات اس کی قوم جس کی اصلاح پر نوح روح مامور ہے یونہی نفس امارہ اور صفات نفس اس قوم کے گویا سرکش سردار روح کی ڈیوٹی عبادات عبودیت طاعت ہے اور قلب و قالب و نفس کو دعوت دیتا ہے۔ نفس کی سرشت میں یہ داخل ہے کہ وہ روح کی مخالفت کرے اور اس کی نصیحت قبول نہ کرے روح نفس کو دنیا کی رغبت اس کی زینت سے برابر ڈراتی رہتی ہے نفس بزبان حال کہتی ہے کہ اے روح تجھ میں مجھ میں فرق کوئی نہیں پھر تو اللہ کی مقبول کیسے ہو گئی تو روح بزبان حال جواب دیتی ہے کہ میں تیرے لئے اللہ کی رحمت ہوں تیرے ساتھ تیری اصلاح کے لئے رہتی ہوں تاکہ تو میری اطاعت کر کے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے لائق ہو جائے قلب اور اس کے صفات نے روح کی دعوت قبول کر لی۔ غرضیکہ تبلیغ دعوت **الی اللہ** اس کی قبولیت اس سے انکار یہ سب کچھ تیرے اندر ہو رہا ہے تو ذرا غور تو کر (روح البیان) حقیقت یہ ہے کہ سارا عالم انسان میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ذکر الٰہی یعنی وحی خدا آتی ہے رسول پر مگر آتی ہے ان کی امت کے لئے اس لئے نوح علیہ السلام نے فرمایا **جاء کم ذکو** ساتھ ہی فرمایا **علی رجل منکم** اگر امت پر براہ راست وحی آئے تو وہ ہلاک ہو جاویں وحی کا تحمل سینہ رسول کرتا ہے **لو انزلنا ھذا القراٰن علی جبل** الخ جیسے ٹھنڈے شیشہ کے ذریعہ سورج کو دیکھا جاتا ہے۔ براہ راست آنکھ سورج کو نہیں دیکھ سکتی۔ یونہی کلام الٰہی بذریعہ نبی سنا جاتا ہے ان کا سینہ جلال ہٹا کر ہم تک پہنچاتا ہے یہ سب کچھ مومنوں کے لئے ہے۔ رہے کفار ان کے لئے نبی کی ذات گویا آتشی شیشہ ہے جو سورج کی شعاعوں کو اور تیز کر کے کپڑے کو جلا دیتا ہے یونہی کفار کے لئے یہ کلام ہلاکت و عذاب کا باعث ہو جاتا ہے چونکہ یہ دونوں جلالی و جمالی انسانوں کے لئے انسان پہنچا سکتا ہے اس لئے نبی انسان ہی ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا **علی رجل منکم** دیکھو غار ثور میں ہجرت کے موقعہ پر سکینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آیا مگر صدیق کے لئے آیا اگر براہ راست صدیق پر آتا تو آپ نہ رہتے۔

فَكَذَّبُوهُ فَأَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِينَ مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَأَغْرَقْنَا الَّذِينَ كَذَّبُوا
پس آخر کار تکذیب کی انہوں نے ان نوح کو پس نجات دیدی ہم نے انکو اور ان لوگوں کو جو ساتھ تھے انکے
تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی آیتیں
بِاٰيٰتِنَا ۚ إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا عَمِينَ ﴿٦٤﴾
اور غرق کر دیا ہم نے ان کو جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو بے شک تھے وہ لوگ قوم جیتے کی پھوٹی
جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بے شک وہ اندھا گروہ تھا۔

تعلق : اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ السلام کی نرمی نصیحت اور اعلیٰ تبلیغ اور اس کے جواب میں قوم کی سرکشی اور سختی کا ذکر تھا۔ اب اس سرکشی کے انجام کا تذکرہ ہے یعنی غرقابی کا۔ گویا بیماری کا ذکر پہلے ہوا اور بیماری کے انجام یعنی موت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت نوح علیہ

السلام کے علم غیب کا ذکر تھا واعلم من اللہ الخ اور قوم کے اس کا انکار کرنے کا تذکرہ تھا اب اس غیب کی شہادت بن جانے کا تذکرہ ہے کہ جو حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کیا تھا وہ قوم کے سامنے عیاں ہو گیا جس کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں تقویٰ اور اس کے انجام یعنی رحمت خداوندی کا ذکر تھا کہ ولتتقوا ولعلکم ترحمون اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ انہوں نے تقویٰ اختیار نہ کیا جس کا انجام ہلاکت ہوا اور ہلاکت بھی ایسی جو آئندہ قوموں کے لئے مثالی عبرت بن گئی۔

تفسیر: فکذبوہ اس عبارت کے چند معنی ہو سکتے ہیں (1) قوم نے نوح علیہ السلام کو ہر طرح بہت ہی جھٹلایا اعتقاد سے بھی قول سے بھی عمل سے بھی کہ ان کے فرمان کے خلاف عقیدے اختیار کئے مخالف عمل کئے زبان سے انہیں جھوٹا کہتے رہے۔ (2) قوم انہیں جھٹلاتی رہی آخر دم تک کافر رہی۔ (3) قوم نے انہیں ہر وقت جھٹلایا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف ایک بار انہیں جھٹلایا اگر ایسا ہوتا کہ ایک بار جھٹلا کر بعد میں مان لیتی تو عذاب سے بچ جاتی۔ کذبوا کا فاعل یا سرداران قوم ہیں۔ جن کا ذکر ابھی ہوا یا ساری کافر قوم فکذبوہ میں ہ فرما کر یہ بتایا کہ عذاب الٰہی نبی نوح علیہ السلام کو جھٹلانے کی وجہ سے آیا' رب تعالیٰ کسی قوم کو کسی گناہ کفر کی وجہ سے عذاب نہیں دیتا صرف نبی کی مخالفت پر عذاب دیتا ہے۔ ما کنا معذبین حتی نبعث رسولا جب قوم کا جھٹلانا حد سے بڑھ گیا اور آپ ساڑھے نو سو سال انہیں تبلیغ کر کے ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو آپ نے اس کی ہلاکت کی بد دعا کی رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا تب رب نے انہیں کشتی بنانے کا حکم دیا۔ واصنع الفلک باعیننا ووحینا آپ نے تعلیم الٰہی کے مطابق کشتی تیار کی اور قوم کو آنے والے طوفان کی خبر دی قوم مذاق اڑانے لگی اور اس کی سرکشی اور بھی زیادہ ہو گئی عجیب عجیب طرح آپ پر آوازے کسنے لگی تو انجام یہ ہوا کہ فانجینہ والذین معہ فی الفلک۔ انجینا بنا ہے نجات سے نجات کے دو معنی ہیں ایک تو پھنسے ہوئے کو آفت و مصیبت سے نکال لینا جیسے یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے نکال لیا' فرماتا ہے و نجیناہ من الغم و کذلک ننجی المومنین دوسرے آفت میں پھنسنے نہ دینا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں رب نے انہیں طوفان سے صحیح و سلامت نکال لیا رب نے انہیں غرق ہونے سے بچا لیا۔ الذین سے مراد وہ مومنین ہیں جو طوفان سے پہلے آپ پر ایمان لا چکے تھے وہ کل اسی تھے۔ چالیس مرد اور چالیس عورتیں جن میں آپ کے تین صاحبزادے تھے۔ سام' حام' یافث اور تین ان کی بیویاں' چوہتر دوسرے لوگ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کل نو شخص تھے تین آپ کے صاحبزادے چھ دوسرے لوگ (صاوی) معہ فرما کر یہ بتایا کہ صرف کشتی نے انہیں نہیں بچایا بلکہ حضرت نوح علیہ السلام کی ہمراہی نے بچایا بلکہ کشتی کو بھی حضرت نوح علیہ السلام کی موجودگی نے بچایا ورنہ پہاڑ جیسی موج میں بڑی کشتیاں بڑے جہاز ڈوب جاتے ہیں یا ٹوٹ جاتے ہیں۔ معمولی موجوں میں بہت سواریاں دست' قے' چکر میں مبتلا ہو کر بیمار ہو جاتی ہیں' بہت مر جاتی ہیں وہاں نہ کشتی ڈوبی نہ کوئی مرا نہ بیمار ہوا کشتی آسانی سے تیرتی رہی انسان و جانور بخیریت رہے یہ آپ کی ہمراہی کی برکت تھی۔ اس کشتی کی لمبائی تین سو ہاتھ تھی چوڑائی پچاس ہاتھ اونچائی تیس ہاتھ اس کے تین درجے تھے نچلے درجے میں وحشی جانور تھے درمیانے درجہ میں انسان اوپر کے درجہ میں پرندے۔ آپ کشتی میں دسویں رجب کو سوار ہوئے اور دسویں محرم کو جودی پہاڑ پر اترے چھ ماہ پانی میں کشتی تیرتی رہی۔ (صاوی) واغرقنا الذین کذبوا باٰیاتنا یہ کفار کا حال ہے الذین سے مراد کافر انسان ہیں ان سب کی طرف نوح علیہ السلام بھیجے گئے تھے کذبوا کے معانی ابھی عرض کئے جا

چکے۔ آیات سے مراد یا تو حضرت نوح علیہ السلام کے صحیفوں کی آیتیں ہیں یا حضرت نوح علیہ السلام کے معجزات یا خود نوح علیہ السلام کیونکہ نبی از سر تا قدم اللہ تعالیٰ کی ایک نشانی نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہوتے ہیں **الذین کذبوا** فرما کر یہ بتایا کہ صرف جواب دینے والے سردار ہی ہلاک نہ ہوئے بلکہ وہ بھی اور ان کے ماتحت سارے کافر حتیٰ کہ نوح علیہ السلام کی ایک بیوی اور ایک بیٹا کنعان بھی۔ اس ڈوبنے والی بیوی کا نام واعلہ یا والعہ تھا۔ خیال رہے کہ اسی کشتی والوں میں آپ کی اولاد کے سواء کسی کی نسل نہیں چلی لہٰذا اب دنیا میں سارے انسان آپ کی اولاد ہیں اسی لئے آپ کو آدم ثانی کہا جاتا ہے **انھم کانوا قوما عمین** اس عبارت میں ان کے کفر و تکذیب کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ گویا ڈوبنے کی علت اس کی وجہ اس کا جھٹلانا اور جھٹلانے کی وجہ اس قوم کا اندھا ہونا ہے۔ **عمین** کی اصل عمیین تھی یہ جمع ہے عم کی اس کی اصل عمی ہے بروزن **خضرا** اعمیٰ آنکھ کا اندھا اور عم دل کا اندھا یعنی جس کی سمے کی آنکھ پھوٹی ہو جیسے بصارت آنکھ کی روشنی اور بصیرت دل کی روشنی یعنی وہ دل کے اندھے تھے جس کی وجہ سے وہ توحید ' نبوت ' معاش ' معاد کو پہچان نہ سکے یہ اندھا پن آیات الٰہیہ کے دیکھنے سے مانع ہوتا ہے بہت سے آنکھ کے اندھے دل کے بھلے ہوتے ہیں۔ مومن ' ولی ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ دل کے اندھے پن سے بچائے۔

خلاصہ تفسیر: نوح علیہ السلام اپنی قوم کو بہت کچھ سمجھاتے رہے مگر وہ ہمیشہ جھٹلاتے ہی رہے اس کا انجام یہ ہوا کہ پانی کا طوفان آیا ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کے ساتھ کشتی میں بیٹھ جانے والوں کو غرق ہونے سے بچالیا۔ صحیح سلامت طوفان سے نکال لیا اور جو لوگ ہماری آیتیں جھٹلاتے رہے ہم نے انہیں سب کو ڈبو دیا روئے زمین پر کوئی کافر زندہ نہ بچا ان کے ڈوبنے کی وجہ ان کا کفر و انکار تھا اور کفر کی وجہ ان کے دلوں کا اندھا پن تھا۔ وہ لوگ دل کے اندھے تھے جس کی وجہ سے نوح علیہ السلام کی شان نہ پہچان سکے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کے دشمنوں پر جب بھی عذاب آتا ہے تو نبیوں ولیوں کو جھٹلاتے ان کی بددعا لینے سے آتا ہے۔ یہ فائدہ **فکذبوہ** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو فرعون برسوں تک دعویٰ خدائی کرتا رہا نبی اسرائیل کے بچے ذبح کراتا رہا مگر نہ ہلاک ہوا۔ جب موسیٰ علیہ السلام کی بددعا لی تب ہلاک ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد   تا دل صاحب دلے نہ آمد بدرد

دوسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی ہمراہی مصیبتوں سے بچالیتی ہے بیڑا پار لگا دیتی ہے۔ جو دین و دنیا کی آفتوں سے بچنا چاہے وہ مقبولوں کا ساتھ اختیار کرے۔ یہ فائدہ **والذین معہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کا دامن جانوروں کے لئے بھی پناہ ہے دیکھو کشتی نوح علیہ السلام گویا حضرت نوح کا حرم تھی۔ جانور اس میں آگئے عذاب سے بچ گئے آج کعبہ کے حرم میں انسان جانور حتیٰ کہ خود درختوں کو امن ہے **من دخلہ کان امنا** حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم سارے جہان میں ہے کہ دنیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذاب الٰہی سے بچی ہوئی ہے اگرچہ گناہ کر رہی ہے۔ جو انسان نبی کو دار الامان نہ مانے وہ جانور سے بدتر ہے۔ دیکھو قوم نوح کے کفار کشتی سے دور رہے غرق ہو گئے کافر جانوروں سے بدتر ہے **اولئک هم شر البریہ**۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان کے بغیر نبی کا بیٹا ہونا نبی کی بیوی ہونا نبی کا رشتہ دار ہونا بالکل بیکار ہے یہ رشتے اسے عذاب سے بچا نہیں سکتے۔ یہ فائدہ **والذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ آپ کی بیوی بیٹا آپ کو جھٹلاتے رہے ڈوب گئے۔

پانچواں فائدہ: ایمان کے بغیر نبی کے ساتھ گھر میں رہنا عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ یہ فائدہ **والذین معه فی الفلک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو لوگ آپ کے ساتھ آپ کے گھر میں رہے وہ ڈوب گئے کیونکہ کافر تھے۔ جو لوگ آپ کے ساتھ کشتی میں رہے بچ گئے کیونکہ وہ مومن تھے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کی سب سے بڑی نعمت اچھوں کا ساتھ ہے کہ اس سے آفتیں ٹلتی ہیں۔ اللہ کی رحمت ملتی ہے بلکہ ان کے پاس خود اللہ مل جاتا ہے یہاں ارشاد ہوا۔ **والذین معه فی الفلک** دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **لوجدوا الله توابا رحیما**۔ **ساتواں فائدہ:** دل کا اندھاپن جس سے حق وباطل کی پہچان نہ رہے اللہ کا بڑا غضب ہے اس سے بڑے بڑے عذاب آچکے ہیں۔ یہ فائدہ **کانوا قوما عمین** سے حاصل ہوا۔ نابینا عبداللہ بن ام مکتوم صحابی بن گئے کیونکہ وہ دل کے انکھیارے تھے مگر آنکھ والا ابوجہل زندیق ہی رہا کیونکہ وہ دل کا اندھا تھا۔

پہلا اعتراض: طوفان نوحی اللہ تعالیٰ کا عذاب تھا تو اس عذاب میں خود نوح علیہ السلام اور ان کے ساتھی مومنوں کو کیوں مبتلا رکھا گیا وہاں سے انہیں پہلے ہی نکال کیوں نہیں دیا گیا۔ جیسا کہ دوسرے نبیوں کو ان کی کافر امتوں پر عذاب آنے سے پہلے نکال دیا گیا تھا۔ یہ لوگ چھ ماہ تک کشتی میں کیوں سرگرداں رہے۔ **جواب:** دیگر انبیاء کرام کی امتوں پر عذاب زمین کے کسی خاص حصے میں آئے وہاں سے ان حضرات کو نکال کر کشتی میں پہنچا دیا گیا یہ بھی نکالنے کی ایک صورت تھی اسی لئے یہاں **انجینا** ارشاد ہوا۔ جس کے ایک معنی ہیں ہم نے انہیں محفوظ رکھا۔ طوفان میں ڈوبنا عذاب تھا اس میں ترنا اللہ کی رحمت تھی یہ طوفان کفار کے لئے عذاب، مومنین کے لئے رحمت تھا دیکھو قحط یوسفی تمام جہان میں پھیلا اور آپ اس زمانہ میں بھوکوں کے مشکل کشا ہوئے۔ سب کے پیٹ آپ کے ہاں بھرتے رہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **والذین معه** کیوں ارشاد ہوا **والذین امنوا** کیوں ارشاد نہ ہوا۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ مومنین بھی اللہ کے عذاب سے نبی کی ہمراہی کی وجہ سے بچے صرف اپنے کمال سے نہ بچے نہ صرف کشتی سے بچے بلکہ یوں کہو کہ کشتی بھی حضرت نوح علیہ السلام کی برکت سے بچی وہ ہلاک نہ ہوگئی دوسرے یہ کہ صرف انسان ہی نہیں۔ بلکہ سارے خشکی کے جانور بھی اس دن آپ کی ہمراہی کی وجہ سے بچ سکے یہ بات **والذین امنوا** فرمانے سے حاصل نہ ہوئی۔ **تیسرا اعتراض:** قوم نوح کے کفار اندھے تو نہ تھے۔ آنکھوں والے تھے پھر انہیں قوم عمین کیوں فرمایا۔ قرآن کریم تو جھوٹ سے پاک ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ یہاں آنکھ کے اندھے مراد نہیں بلکہ دل کے اندھے مراد ہیں۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لا تعمی الابصار ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور** اس وجہ سے عمیاء نہ فرمایا بلکہ **عمی** فرمایا۔ **اعمی** اور **عمی** کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔

تفسیر صوفیانہ: اس سے پچھلی آیت میں عرض کیا گیا کہ صوفیاء کے نزدیک روح انسانی گویا نوح ہے اور قلب اور اس کی صفات گویا نوح کی مومن قوم ہے نفس اور اس کے عیوب گویا کافر قوم ان کے نزدیک دنیا اور یہاں کی لذتیں طوفان نوح ہیں شریعت گویا کشتی نوح ہے۔ نفس اور نفسانی لوگ جو اس کشتی شریعت سے الگ رہتے ہیں۔ وہ دنیا اور یہاں کی لذات میں غرق ہو کر فنا ہو جاتے ہیں۔ روحانی لوگ اس کشتی میں سوار ہو کر دنیا کی ہلاکت سے بچ جاتے ہیں کہ وہ دنیا میں رہتے ہیں۔ دنیا ان میں نہیں رہتی دیکھو مومنین نوح بھی پانی ہی میں تھے اور کفار بھی مگر فرق یہ تھا کہ مومنین پانی میں تھے۔ پانی ان میں نہ تھا کفار میں پانی تھا۔ جس سے وہ ڈوب گئے۔ صوفیاء کے ہاں جو آنکھ نبی کی شان نہ دیکھے وہ اندھی ہے اگرچہ اور سب چیزیں دیکھے اور جو آنکھ نبی کی

شان دیکھ سکے وہ روشن ہے۔ اگرچہ او رچیز نہ دیکھے حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

جمال یار ندارد نقاب و پردہ وے غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد!

صائب کہتے ہیں کہ۔

دل چو بینا است چہ غم دیدہ اگر نابینا است خانہ آئینہ را روشنی از روزن نیست!

اگر دل روشن ہو تو آنکھ کے اندھیرے کی پرواہ نہیں۔ آئینہ خانہ میں روشنی کسی روزن سے نہیں آتی ہر طرف سے آتی ہے۔

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا

اور بھیجا ہم نے طرف عاد کے انکے بھائی ہود کو۔ فرمایا اے قوم میری عبادت کرو اللہ کی نہیں ہے واسطے تمہارے کوئی معبود

اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی

تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ وَّ

سوا اسکے کیا پس نہیں ڈرتے تم لوگ کہا اُن سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا تھا ان کی قوم میں سے بیشک ہم البتہ دیکھتے ہیں تم کو بے عقلی میں

معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک

اِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۶﴾ قَالَ يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ

اور بے شک ہم البتہ گمان کرتے ہیں تم کو جھوٹوں میں سے فرمایا اے قوم میری نہیں ہے مجھ میں بے عقلی اور لیکن میں پیغمبر

ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں کہا اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں

مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۷﴾

ہوں طرف سے جہانوں کے پالنے والے کے

تو پروردگار عالم کا رسول ہوں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اس پہلی کافر قوم کا ذکر ہوا جس پر دنیا میں پہلا عذاب آیا تھا یعنی قوم نوح علیہ السلام اب دوسری اس کافر قوم کا ذکر ہے۔ جس پر ثانوی طور پر عذاب آیا یعنی ہود علیہ السلام گویا بے مثال عذاب کے بعد مثالی عذاب کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس قوم کا ذکر تھا۔ جس نے کبھی خدا کا عذاب نہ دیکھا تھا نہ سنا تھا۔ اب اس قوم کا ذکر ہے۔ جس نے قوم نوح کا عذاب اچھی طرح سن لیا تھا بلکہ اس کے اثرات بھی دیکھ لئے تھے تاکہ پتہ لگے کہ بد قسمت قوم مثالی عذاب سن کر بھی نہیں سنبھلتی۔ یہ تو اللہ کے فضل پر موقوف ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں عالمگیر عذاب کا ذکر تھا یعنی طوفان نوحی کا جو ساری روئے زمین پر آیا اب ہوا کے طوفان عذاب کا ذکر ہے جو صرف یمن کے علاقہ میں قوم عاد پر آیا۔ گویا عام عذاب کے بعد خاص عذاب کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر : والی عاد یہ عبارت یا معطوف ہے لقد ارسلنا نوحا الی قومہ پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے اس صورت میں الی سے پہلے ارسلنا پوشیدہ ہے۔ عاد یا تو ایک بادشاہ کا نام تھا اس کی رعایا کو بھی عاد کہا جانے لگا (روح البیان) یا عاد ایک شخص کا نام تھا جس کی اولاد کو عاد کہا جاتا تھا۔ بہر حال یہ شخص عاد ابن عوص ابن سام ابن نوح علیہ السلام ہے۔ یہ قوم یمن اور عمان کے درمیان علاقہ احقاف میں آباد تھی بلکہ احقاف یمن ہی کا حصہ تھا قوم نوح کی ہلاکت میں اور اس میں ایک سو سال کا فاصلہ تھا اس قوم کو عاد اولیٰ کہتے ہیں اور قوم صالح علیہ السلام یعنی ثمود کو عاد ثانیہ کہا جاتا ہے (صاوی) اخاهم هود قرآنی اصطلاح میں لفظ اخ چھ معنی میں استعمال ہوتا ہے نسبی بھائی' قومی خاندانی بھائی' ہم وطن' ہم مذہب' ہم خیال' ہم جنس' آخری چھٹے معنی سے ہر انسان اخ یعنی ہم جنس ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے كلما دخلت امة لعنت اختها اس آیت میں اخت بمعنی ہم مذہب ہیں ہر کافر کافر کا اخ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ہمارے اخ نے اذان دی ہے اور جو اذان دے وہی تکبیر کہے۔ یہاں اخ سے مراد دینی مذہبی بھائی نہیں کیونکہ حضرت ہود علیہ السلام مومن بلکہ مومن گر ایمان بخش تھے اور قوم عاد کافر تھی۔ اب یا تو مراد ہے ہم جنسی یعنی ہم نے قوم عاد کے پاس کوئی فرشتہ یا جن نبی بنا کر نہ بھیجا بلکہ ہم جنس انسان کو بھیجا جو انہیں تبلیغ کر سکے یا ہم قوم ہم نسب مراد ہے کیونکہ آپ قوم عاد کے قبیلہ سے تھے آپ کا نسب یا تو یہ ہے۔ ہود ابن عبد اللہ' ابن رباح' ابن خلود' ابن عاد' ابن عوص' ابن ارم' ابن سام' ابن نوح ہیں تو آپ عاد میں اس قوم سے ملتے ہیں یا آپ کا نسب یہ ہے ہود ابن شالخ ابن ار فخشد' ابن سام' ابن نوح علیہ السلام۔ اس صورت میں آپ سام میں اس قوم سے جا ملتے ہیں (صاوی)' خازن' کبیر وغیرہ) ہود علیہ السلام نوح علیہ السلام سے آٹھ سو برس بعد پیدا ہوئے اور آپ کی عمر شریف چار سو چونسٹھ سال ہوئی (صاوی) خیال رہے: کہ یہاں اخاهم اس لئے فرمایا تاکہ بتایا جاوے کہ حضرت ہود علیہ السلام قوم عاد سے ہی تھے۔ چونکہ ہم قوم اپنی قوم کو تبلیغ اچھی طرح کر سکتا ہے اس لئے ہم نے ان کا انتخاب فرمایا ورنہ کسی امتی کو انہیں بھائی کہہ کر پکارنے کی شرعی اجازت نہ تھی۔ قال یا قوم اعبدوا اللہ اس کی تفسیر ابھی گزر چکی۔ فرق یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں تھا۔ فقال اور یہاں ہے قال بغیر ف کے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام بہت مبالغہ سے تبلیغ فرماتے تھے۔ ان کے شبہات کا جواب دینے میں ایک لحظہ کی دیر بھی نہیں لگاتے تھے۔ یہ نوعیت حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ میں نہ تھی اس لئے وہاں فقال ف سے ارشاد ہوا کہ آپ ان کی ہر بات کا فوراً جواب دیتے تھے (معانی۔ کبیر وغیرہ) عبادت سے مراد یا تو دلی عبادت ہے یعنی ایمان قبول کرنا یا بدنی عبادت ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی زبان میں رب تعالیٰ کا نام اللہ ہی تھا یا نام کچھ اور تھا اللہ اس کا عربی ترجمہ ہے مالکم من الہ غیرہ یہ فرمان عالی دلیل ہے اعبدوا اللہ کی یعنی چونکہ اللہ تعالیٰ کے سواء سچا الٰہ کوئی نہیں لہٰذا تم سب صرف اس کی معبودیت پر ایمان لاؤ اس کی عبادت کرو۔ ہم یہ بات بارہا کہہ چکے ہیں کہ اطاعت عام ہے وہ اللہ تعالیٰ کی' نبی کی' علماء دین کی' بادشاہ اسلام کی سب کی ہو سکتی ہے مگر عبادت' سواء اللہ تعالیٰ کے کسی کی نہیں ہو سکتی اس طرح اتباع نہ تو اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے نہ بادشاہ عالم وغیرہ کی وہ صرف نبی کی ہوگی فاتبعونی اس لئے یہاں مالکم فرمانا درست ہے افلا تتقون چونکہ نوح علیہ السلام کی قوم سے پہلے عذاب الٰہی دنیا میں نہیں آیا تھا اس لئے وہاں انی اخاف علیکم ارشاد ہوا تھا اور اسی قوم عاد سے پہلے قوم نوح غرق ہو چکی تھی اس قوم کا عذاب دنیا میں مشہور تھا اس لئے یہاں افلا تتقون ارشاد ہوا۔ تقویٰ سے مراد ہے ڈرنا یعنی تو کیا تم کو قوم نوحی کا عذاب معلوم نہیں کیا تم اس عذاب سے ڈرتے نہیں

اگر تم بھی اس قوم کے سے اعمال کرو گے تو تم پر بھی عذاب الٰہی آجاوے گا **قال الملا الذین کفروا من قومہ** یہ اس قوم کے سرداروں کا جواب ہے چونکہ نوح علیہ السلام پر کوئی کافر سردار ایمان نہیں لایا سارے کافر رہے اس لئے وہاں **قال الملا من قومہ** ارشاد ہوا تھا۔ مگر ہود علیہ السلام کی قوم کے بعض سردار آپ پر ایمان لے آئے تھے جیسے مرثد ابن سعد جو خفیہ طور پر آپ پر ایمان لا چکا تھا اور دوسرے سردار اس لئے یہاں **قال الملا الذین کفروا** ارشاد ہوا یعنی کافر سرداروں نے آپ کو یہ جواب دیا مومن سرداروں کا یہ جواب نہیں (کبیر و معانی وغیرہ) یہ مرثد ابن سعد اس جماعت میں تھا جو مکہ معظمہ میں بارش کی دعا کرنے آئی تھی جس کا قصہ آگے آرہا ہے۔ **انا لنراک فی سفاہتہ** نرا بنا ہے روایت سے روایت سے مراد ہے یا تو آنکھ کا دیکھنا ہے یا دل کا دیکھنا یعنی سمجھنا سفاھتہ بنا ہے سفہ یا سفاھتہ سے اس کی تحقیق پارہ **الم** میں **کما من السفھاء** کی تفسیر میں ہو چکی۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ قوم نوح علیہ السلام نے ان کو **فی ضلالتہ** کہا تھا کیونکہ آپ بغیر بارش طوفان کے کشتی بنا رہے تھے۔ بہت ہی مشقت سے تو وہ ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ وہ کیسے بے عقل لوگوں کے سے کام کر رہے ہیں کہ خشک علاقہ میں کشتی بنا رہے ہیں قوم عاد نے حضرت ہود سے کوئی ایسا کام نہ دیکھا تھا جو ان کی عقل سے وراء ہو تا اس لئے انہوں نے **فی سفاھتہ** کہا گویا ضلالتہ کے معنی ہیں خلاف عقل کام کرنا اور سفاہت کے معنی ہیں بے عقل ہونا کوئی کام نہ کرنا۔ نیز چونکہ ہود علیہ السلام نے اپنی بت پرست قوم کو بے وقوف فرمایا اس لئے انہوں نے بھی بدلہ لیتے ہوئے **فی سفاھتہ** کہا (تفسیر کبیر و خازن) انہوں نے آپ کو سفیہ اس لئے کہا کہ آپ نے فرمایا صرف ایک خدا کی عبادت کرو معبود صرف ایک ہے وہ سمجھے کہ جب خدمت 'اطاعت بہت کی ہو سکتی ہے تو عبادت بھی بہت کی ہو سکتی ہے۔ جب مخدوم و مطاع بہت ہو سکتے ہیں تو معبود بھی بہت ہو سکتے ہیں **اجعل الالھتہ الھا واحدا** ہم ماں باپ حاکم سلطان چودھری نمبردار کے خادم ہو سکتے ہیں تو بہت سے بتوں کے عابد بھی ان کا یہ کہنا کہ معبود صرف ایک ہے دیوانگی ہے اس کا جواب خلاصہ تفسیر میں آوے گا **وانا لنظنک من الکذبین** یہ ان کی کافر قوم کا دوسرا جواب ہے یہاں ظن یا تو معنی یقین ہے یا معنی شبہ و گمان قرآن مجید میں ظن معنی یقین بھی آیا ہے' فرماتا ہے **الذین یظنون انھم ملاقوا ربھم** یعنی آپ ہیں تو سفیہ اور بے عقل مگر کہتے ہیں اپنے کو اللہ کا رسول و نبی ہوں۔ ہم کو یقین ہے کہ آپ جھوٹ بولتے ہیں یا ہمارا خیال تو یہ پڑتا ہے کہ آپ سچے نہیں جھوٹے ہیں جیسے اور لوگ ہوتے ہیں کچھ نہیں مگر بنتے ہیں سب کچھ وہ جھوٹے ہوتے ہیں ان میں سے آپ بھی ایک ہیں نعوذ باللہ (تفسیر کبیر وغیرہ) **یقوم لیس بی سفاھتہ** یہ حضرت ہود علیہ السلام کا وہ حکیمانہ جواب ہے جو آپ نے نہایت تحمل اور بردباری سے اپنی قوم کو دیا آپ نے انہیں گالی کے جواب میں گالی نہیں دی بلکہ پھر بھی یا قوم کہہ کر پکارا اور فرمایا کہ سفیہ بیوقوف تو وہ ہوتا ہے جو نرا بے عقل ہو مجھ میں بے عقلی کا شائبہ بھی نہیں اللہ نے مجھے کامل العقل بنایا ہے اس لئے **سفاھتہ** نکرہ ارشاد ہوا نبی کی عقل تمام دنیا کی مجموعی عقل سے زیادہ ہوتی ہے **ولکنی رسول من رب العلمین** یہ گویا پہلے جملہ کی وجہ ہے یعنی مجھ میں بے عقلی بالکل نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں اللہ کے رسول میں بے عقلی ہو سکتی ہی نہیں ان سے روحانی دنیا کا نظام قائم ہے اگر وہی بے عقل ہوں تو اس دنیا کو کون سنبھالے رب العالمین فرما کر یہ بتایا کہ میری نبوت تمہارے لئے اللہ کی ربوبیت کی دلیل ہے رب وہ جو جسم کو ظاہری غذاؤں کے ذریعہ پالے اور روح کو روحانی غذاؤں کے ذریعہ پالے روحانی غذائیں بذریعہ رسول کے ہی تو بھیجی جاتی ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب آپ قوم نوح کے کرتوت اور ان کا انجام تو سن چکے اب ان کے بعد والی قوم کا حال سنئے کہ ہم نے ان کی طرف انہیں کی قوم انہیں کی نسل انہیں کی برادری میں سے ایک رسول بھیجے ہود علیہ السلام انہوں نے بھی اپنی قوم کو یہ ہی دعوت دی کہ نہایت نرمی سے فرمایا کہ اے میری قوم اللہ تعالیٰ پر میری معرفت ایمان لاؤ صرف اس کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سواء معبود حقیقی سچا الٰہ کوئی نہیں تم قوم نوح کا انجام تو سن چکے ہو طوفان نوحی کی علامات دیکھتے ہو تو تم ڈرتے کیوں نہیں ان کی جماعت کے بعض سردار تو ایمان لائے بعض کافر رہے کافر سرداروں نے کہا کہ ہم تو آپ کو بڑی بھاری بے وقوفی بے عقلی میں دیکھتے ہیں آپ بڑے بے عقل ہیں ہم کو یقین ہے کہ آپ جو اپنے کو اللہ کا رسول کہتے ہیں جھوٹ کہتے ہیں بھلا ایک خدا سارا جہان کیسے سنبھال سکتا ہے اور وہ ایک غریب آدمی کو نبی کیسے بنا سکتا ہے آپ نے پھر نہایت نرمی سے جواب دیا کہ اے میری قوم مجھے بے وقوفی بے عقلی سے دور کا تعلق بھی نہیں میں تو اللہ رب العالمین کا رسول ہوں۔ رسول اللہ اول درجے کے عقل والے ہوتے ہیں کہ ان سے ایک دنیا کا نظام قائم ہوتا ہے اگر ستون کمزور ہو تو چھت قائم نہیں رہ سکتی اگر ریل کا ڈرائیور بے عقل ہو تو وہ کبھی منزل مقصود پر گاڑی کو نہیں پہنچا سکتا تو دیوانہ بے عقل رسول مخلوق کو خدا تک کیسے پہنچا سکتا ہے۔ سبحان اللہ کیسا پاکیزہ کلام ہے۔ خیال رہے کہ جیسے جسمانی رشتوں میں دو رشتے ایسے ہیں جن میں تعدد کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ تمام رشتوں کی جڑ ہیں وہ رشتے باپ اور ماں کے ہیں کوئی شخص دو باپ یا دو ماں کا بیٹا نہیں ہو سکتا ماں باپ ہی تمام رشتوں کی جڑ ہیں کہ ان کے بھائی چچا ماموں میں ان کے باپ دادا یا نانا ہیں ان کی ماں دادی یا نانی ہیں باقی رشتے تعدد برداشت کر لیتے ہیں کیونکہ وہ شاخیں ہیں ہمارے بھائی بہن چچا تائے خالہ پھوپھی بہت سے ہو سکتے ہیں یونہی ہمارے مخدوم و مطاع بہت ہو سکتے ہیں مگر خدا اور نبی ایک ہی ہو سکتے ہیں کیونکہ ان سے رشتہ ہزار ہا رشتوں کی جڑ ہے کہ اللہ کے سارے نبی ہمارے محترم اس کے سارے فرشتے ہمارے محترم ہیں یونہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے اولیاء سارے علماء ہمارے مخدوم ہیں جڑ ایک ہی ہوتی ہے شاخیں بہت ہو سکتی ہیں لہٰذا پاگل وہ لوگ تھے نہ کہ نبی۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حتی الامکان تبلیغ نرمی سے کی جاوے کہ اس کا اثر زیادہ ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **یقوم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ہود علیہ السلام نے ایسی جابر قوم کو اپنی قوم کہہ کر پکارا تاکہ جب وہ میری نرمی سے میری طرف آجاویں گے تو ان کی اصلاح آسان ہوگی مبلغین کو ایسے اخلاق اختیار کرنے چاہئیں۔ دوسرا فائدہ: لوگوں کو رب تعالیٰ کے عذاب یاد دلانا چاہئیں گزشتہ سرکش قوموں کے انجام کی طرف توجہ دلانا چاہئے تاکہ ان کے دلوں میں خوف خدا پیدا ہو اور ایمان اختیار کریں۔ یہ فائدہ **افلا تتقون** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: نبی کو کم عقل یونہی انہیں کم علم سمجھنا یا کہنا ان کی عقل کو کسی سے کم جاننا ان کا علم کسی سے کم ماننا بے دینی ہے وہ حضرات علم و فضل کے اعلیٰ درجہ پر ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **لنراک فی سفاھۃ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے قوم عاد کے کفریات میں اسے شمار فرمایا کہ اس قوم نے ہود علیہ السلام سے زیادہ عقلمند سمجھا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو شیطان یا ملک الموت کا علم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کہتے ہیں۔ چوتھا فائدہ: نبی کی حقانیت میں شک کرنا ان کے کسی قول و فعل کو مشکوک نگاہ سے دیکھنا کفر ہے۔ یہ فائدہ **لنظنک من الکاذبین** کی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ظن بمعنی تردد و شک ہو ان حضرات کی ہر بات یقیناً سچی ہے وہ حق و صدق کا مرکز ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ: جس پر اللہ تعالیٰ کا غضب اور اس کی پھٹکار ہوتی ہے وہ اپنی بدکرداریوں کو حق اور

اللہ والوں کی نیکیوں کو باطل سمجھنے لگتا ہے۔ یہ فائدہ لنظنک کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ ظن بمعنی یقین ہو کہ وہ کفار تھے خود جھوٹے مگر سچے نبی کے جھوٹ پر یقین رکھتے تھے۔ یہ ہے اللہ کی مار ایسے شخص کی ہدایت ناممکن ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مثل ایسا ہی ناممکن محال بالذات ہے جیسے خدا کا شریک کیونکہ جیسے الوہیت خالقیت ازلیت ایسی صفات ہیں جن میں تعدد ناممکن ہے ایسے ہی اولیت آخریت اصلیت عالم شفاعت کبریٰ ایسی صفات وحدت ہیں ان میں تعدد کی گنجائش نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول خلق ہیں آخری نبی ہیں رحمت عالمین ہیں شفیع المذنبین ہیں اگر کوئی اور بھی ان صفات سے موصوف ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اول سب سے آخر سب کے لئے رحمت سب کے شفیع نہ رہیں۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔۔

منزہ عن شریک فی محاسنہ فجوھر الحسن فیہ غیر منقسم

ساتواں فائدہ: انبیاء اولیاء مشکل کشا' حاجت روا' حاضر' ناظر ہو سکتے ہیں کہ یہ صفات تعدد کے خلاف نہیں ان میں تعدد ہو سکتا ہے وحدت لازم نہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی ہمیشہ جنون' دیوانگی عقل کی کمی پاگل پن سے محفوظ ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **لیس بی سفاھتہ** میں **سفاھتہ** کے نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** نبوت اور کم عقلی کبھی جمع نہیں ہو سکتیں جیسے نور اور تاریکی' علم و جہالت' ٹھنڈک اور گرمی جمع نہیں ہو سکتیں یہ فائدہ **ولکنی رسول** میں لکنی فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو علم بلاغت و معانی۔ **مسئلہ:** تمام دنیا کی عقلیں نبی کی عقل کی نسبت سے ایسی ہیں جیسے پانی کا قطرہ سمندر کی نسبت سے اور تمام رسولوں کی عقلیں ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عقل کی نسبت سے ایسی ہیں جیسے پانی کا قطرہ سمندر کی نسبت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسا عاقل عالم اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں فرمایا (عقائد)۔

انہیں اللہ نے اپنے حسن کے سانچہ میں ڈھالا ہے وہ آئے اس جہاں میں سب حسینوں سے حسین ہو کر

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تو بہت بلند ہے مومن کی عقل حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں **اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ** مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ کیوں نہ ہو کہ عالم روحانیت ان سے قائم ہے اگر وہ بھٹک جاویں تو دنیا گمراہ ہو جاوے۔ رب فرماتا ہے **اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ** **دسواں فائدہ:** اپنی ذات سے کفار کے طعن دور کرنا اللہ کی نعمتیں جو اس نے اپنے کو دی ہیں انہیں ظاہر کرنا سنت انبیاء ہے۔ یہ فائدہ **لیس بی الخ** اور **لکنی الخ** سے حاصل ہوا کہ ہود علیہ السلام نے اپنی صفائی نہایت شاندار طریقہ سے بیان فرمائی اور وہ کیوں بیان نہ کریں کہ انہیں کے ذات و صفات ماننے کا نام تو ایمان ہے اگر وہ اپنے اوصاف خود بیان نہ فرماویں تو ہم جیسوں کو ایمان کیسے ملے۔ **گیارہواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کی شان سے اللہ کی شان ظاہر ہوتی ہے ان کی نبوت رب کی الوہیت کی مظہر ہوتی ہے انہیں پہچانو پھر کہہ کہ اے مولیٰ تو کیسا ہوگا۔ جب تو نے اپنے بندے ایسے بنا دیئے۔ یہ فائدہ **من رب العالمین** فرمانے سے معلوم ہوا فرماتے ہیں **من رانی فقد رای الحق** حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا رخسار آئینہ حسن یار ہے۔

اس صورت نوں میں جان آکھاں جاں تا کہ جان جہاں آکھاں
سچ آکھاں تو رب دی شان آکھاں جس شان تھیں شاناں سب بنیاں

پہلا اعتراض : حضرت ہود علیہ السلام اور دوسرے نبیوں نے اپنے فضائل خود اپنی زبان سے کیوں بیان کئے یہ تو شیخی اور خود ستائی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تزکوا انفسکم** اپنی صفائی خود بیان نہ کرو؟ **جواب:** اپنی تعریف کرنے کی چار صورتیں ہیں اپنی شیخی فخر بڑائی تکبر کے لئے بیان کرنا یہ حرام ہے تمہاری پیش کردہ آیت کا یہی مطلب ہے۔ دوسرے رب کی نعمت کا اظہار شکر کے لئے یہ ثواب ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** تیسرے لوگوں کو ایمان دینے کے لئے چنانچہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنے صفات خود بیان کئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوصاف خود بیان کئے ورنہ ہم کو پتہ کیسے لگتا کہ رب تعالیٰ کی شان کیا اس کے نبی کی کیا شان ہے اور ہم مسلمان کیسے بنتے یہ ہے تبلیغ۔ چوتھے لوگوں کی جان بچانے دنیا کا نظام قائم کرنے کے لئے یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے فرمایا تھا کہ خزانوں کا حاکم مجھے بنا۔ **انی حفیظ علیم** میں حفاظت والا بھی ہوں علم والا بھی تاکہ یہ بڑا کام کسی نااہل کے پاس نہ پہنچے اور قحط سالی میں لوگ بھوکے نہ مرجائیں۔ حضرات انبیاء کے یہ فرمان اللہ تعالیٰ کے شکر اور اپنی قوم کو ایمان دینے کے لئے ہیں کہ مجھے جھوٹا یا دیوانہ نہ کہو اس سے تم کو ایمان نہیں بلکہ کفر ملے گا۔ مجھے رسول ناصح امین کہو اس سے تمہیں ایمان ملے گا۔ **دوسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **انی اخاف علیکم** الخ اور ہود علیہ السلام نے فرمایا **افلا تتقون**۔ دونوں بزرگ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں مگر ڈرانے کی نوعیت میں فرق ہے اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا قوم نوح سے پہلے عذاب الٰہی کی دنیا میں کوئی مثال قائم نہیں ہوئی تھی وہ رب کا دنیا میں پہلا عذاب تھا اس لئے آپ نے **انی اخاف** فرمایا کہ مجھے تم پر عذاب آجانے کا خوف ہے مگر قوم عاد سے پہلے طوفان نوحی آچکا تھا۔ عذاب کی مثال قائم ہوچکی تھی۔ اس لئے آپ نے **افلا تتقون** فرمایا کہ تم وہ عذاب دیکھ کر کے ڈرتے کیوں نہیں نبی کی نظر غیب پر ہوتی ہے لوگوں کی نظر شہود پر اس لئے نوح علیہ السلام نے اپنے خوف کا ذکر کیا اور ہود علیہ السلام نے قوم کو خوف کرنے کا حکم دیا۔ **تیسرا اعتراض:** نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا **قال الملا من قومہ** وہاں **کفروا** نہیں ہے مگر ہود علیہ السلام کی قوم کے متعلق ارشاد ہوا **قال الملا الذین کفروا من قومہ** یہاں کفروا بھی ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں گزرا کہ نوح علیہ السلام پر کوئی کافر سردار ایمان نہیں لایا ان سے سارے سرداروں نے یہ بیہودہ گفتگو کی مگر ہود علیہ السلام پر بعض سرداران کفر ایمان لاچکے تھے انہوں نے تو آپ کا احترام کیا مگر کفار سرداروں نے یہ جہالت کا جواب دیا۔ **چوتھا اعتراض:** قوم نوح علیہ السلام نے آپ کو فی ضلال مبین کہا۔ اور قوم ہود علیہ السلام نے آپ کو کہا **فی سفاھۃ** اس فرق کلام کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** عقل ہو مگر اوندھا کام کرے یہ ہے ضلالتہ یعنی گمراہی اور عقل ہو ہی نہیں جس سے نہ وہ درست کام کرے نہ غلط یہ ہے **سفاھتہ** نوح علیہ السلام کو ان کی قوم نے بہت سے اعلیٰ کام کرتے دیکھا تو بولے آپ میں عقل تو ہے مگر آپ کی عقل کام غلط کرتی ہے اس لئے انہوں نے کہا **فی ضلال مبین** مگر ہود علیہ السلام کو ان کی قوم نے کشتی وغیرہ بناتے نہ دیکھا مگر ان کے وعظ تعلیم کو اپنی عقل کے خلاف سمجھا اس لئے آپ کو سفیہ کہہ دیا نعوذ باللہ۔ **پانچواں اعتراض:** ہود علیہ السلام نے اپنی پہلی تبلیغ میں صرف رب کا ذکر کیا کہ فرمایا اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر قوم نے آپ کو دو عیب لگائے کم عقلی، جھوٹ انہوں نے رب کا ذکر بھی نہیں کیا اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ تمام عقائد و اعمال نبی کی زبان سے لوگوں کو ملتے ہیں اگر وہی غلط گو ہوں تو سارے ایمانیات ختم ہو گئے سارے ایمانیات توحید، کتاب اللہ احکام شرعیہ کلام میں نہیں۔ متکلم کلام کا سچا جھوٹا ہونا متکلم کے سچے جھوٹے ہونے پر

موقوف۔ سچے تو ان کی ہر بات سچی ورنہ کچھ بھی سچا نہیں۔ قرآن کے لئے صحابہ کرام کو سچا ماننا بھی لازم ہے کہ قرآن مجید کے بہت سے احکام کا نزول ان کے ذریعہ سے ہوا آیات قرآنیہ ان کے سینوں سے دنیا کو ملیں۔ چھٹا اعتراض: قوم عاد نے کہا تھا **انا لنراک فی سفاھۃ** اس کے جواب میں آپ نے فرمایا **لیس بی سفاھۃ** دونوں جگہ **سفاھۃ** یکساں ہے یعنی نکرہ مگر وہاں نفی ہے اور آپ کے جواب میں ہی ہے اس میں کیا فرق ہے نہ تو قوم نے کہا **انت سفیہ** اور نہ آپ نے فرمایا **لست سفیھا** میں کم عقل نہیں۔ جواب: کفار کے کلام میں **سفاھۃ** معنی بڑی ہی کم عقلی۔ ہے یعنی تنوین عظمت کی ہے اور فی بول کر انہوں نے کہا کہ آپ بڑی بھاری کم عقلی میں ایسے پھنسے ہیں جیسے آدمی دلدل میں جہاں سے وہ نکل سکتا ہی نہیں آپ کے تمام قول، عمل، فعل سب کم عقلی کے ہیں آپ کسی صورت سے اس سے نکل سکتے ہی نہیں اور حضرت ہود علیہ السلام کے فرمان عالی میں **سفاھۃ** کے معنی ہیں ہلکی سی معمولی کم عقلی یعنی تنوین تحقیری ہے اور بی فرما کر یہ بتایا کہ مجھے ہلکی سی کم عقلی نے چھوا تک نہیں آپ نے ان بدنصیبوں کے کلام کی نہایت شاندار تردید فرمائی لہذا فرق بالکل ظاہر ہے۔ یہ خوبی **لست سفیہ** فرمانے سے حاصل نہ ہوتی۔ ساتواں اعتراض: یہاں آپ نے فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں۔ مختصر یہ تھا کہ اللہ کا رسول ہوں اس طویل کلام میں کیا حکمت ہے۔ جواب: اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ حضرات انبیاء کرام کی نبوت اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر ہوتی ہے کیونکہ یہ حضرات لوگوں کے لئے ایمان، عرفان، ایقان کی روزیاں لے کر آتے ہیں۔ جن سے ان کی روحانی پرورش ہوتی ہے اس لئے فرمایا وہ ہے رب العالمین اور میں ہوں رسول رب العالمین اس کی ربوبیت کا تقاضہ یہ تھا کہ مجھے رسول بنا کر تم میں بھیجے۔ آٹھواں اعتراض: تم نے کہا کہ نہ تو بندوں کے رب دو ہو سکتے ہیں نہ امت کے نبی دو ہوں رب بھی ایک نبی بھی ایک مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بہت دفعہ بیک وقت بہت سے نبی ہوتے تھے۔ حضرت ابراہیم کے ساتھ لوط علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ حضرت ہارون جناب سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ایک ہزار نبی تھے۔ پھر تمہاری یہ بات کیسے درست ہوئی۔ جواب: اگرچہ نبی ایک وقت میں بہت ہوں مگر امت ایک ہی نبی کی ہوگی باقی دوسرے نبی وزیر ہوں گے چنانچہ اس وقت لوگ ملت ابراہیمی میں تھے نہ کہ ملت لوط علیہ السلام میں یا لوگ دین موسوی میں تھے نہ کہ دین ہارونی میں اللہ کا نبی ہونا اور بات ہے ہمارا نبی ہونا دوسری بات سارے نبی اللہ کے نبی ہیں مگر ہمارے نبی صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ ہم ان ہی کی امت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا بھیڑیوں کا جنگل ہے جس میں انسان گویا بکریاں ہیں شیطان اور شیطانی لوگ بھیڑیئے جو ہر وقت ان کے شکار کی فکر میں ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت کے لئے نبی بھیجے۔ جنہوں نے دین کے مضبوط قلعے بنائے ان قلعوں کی بنیاد درست عقائد ہے اور ان کی ستون و چھت نیک اعمال ہیں ان حضرات انبیاء کرام کی وہاں نگرانی ہے علماء اولیاء صالحین کا حفاظتی پہرہ جو ان حضرات کی دعوت پر اس قلعہ میں آگیا شکار سے محفوظ ہو گیا اور جو ان سے سرتابی کرکے الگ رہا شکار ہو گیا امام بوصیری نے کیا خوب فرمایا۔

احل امتہ فی حرز ملتہ کاللیث یحل بالا شبال فی الاجم

ہود علیہ السلام نے کفار کو اسی قلعہ کی طرف دعوت دی کہ فرمایا ایک اللہ کو اپنا معبود مانو اس کی عبادت کرو یہ عقیدہ اور اعمال ربانی مضبوط قلعہ ہے جن کی شامت آئی تھی وہ بجائے حفاظت میں آنے کے انہیں جھٹلانے لگے اور خوش نصیب خوشی خوشی آپ کی

حفاظت میں آگئے آپ نے جھٹلانے والوں کو نرمی سے پھر بلایا فرمایا مجھے دیوانہ ثابت کرنے کی کوشش نہ کرو اپنے بچاؤ کی فکر کرو میں تمہارے رب کا فرستادہ پیغمبر ہوں اس نے تم پر مہربانی فرماتے ہوئے مجھے تمہارا رسول بنا کر بھیجا ہے۔ خیال رہے کہ گزشتہ نبیوں نے اپنی تبلیغ کی ابتداء ذکر الٰہی سے کی مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کی ابتداء اپنی نعت سے کی کہ فرمایا' **کیف انا لکم** کہ جب کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا پہلے ہی اقرار کر چکے تو پھر کس منہ سے آپ کی گستاخی کریں گے نعت رسول حمد الٰہی سے پہلے ہے سواری پہلے ہے۔ منزل پر پہنچنا بعد میں۔

أُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ ﴿۶۸﴾ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ

پہنچاتا ہوں میں تم تک پیغامات رب کے اپنے اور میں واسطے تمہارے خیر خواہ ہوں امانت والا اور کیا تعجب کیا تم نے کہ آیا

تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا معتمد خیر خواہ ہوں اور کیا تمہیں اس کا اچنبھا ہوا کہ

مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ

تمہارے پاس ذکر طرف سے رب تمہارے کے اوپر ایک مرد کے تم میں سے تاکہ ڈرائے وہ تم کو اور یاد کرو اس کو کہ بنایا اس نے

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں سے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد

مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ

تم کو نائب پیچھے قوم نوح کے اور زیادہ دیا تم کو پیدائش میں گنجائش بس یاد کرو تم نعمتوں کو اللہ کی تاکہ تم کامیاب

کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح علیہ السلام کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد

تُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

ہو

کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت ہود علیہ السلام کی رسالت کا ذکر تھا اب آپ کے فرائض منصبی کا تذکرہ ہے جو آپ نے خود بیان فرمائے گویا آپ کے مقام کا ذکر فرمانے کے بعد آپ کے کام کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرت ہود نے اپنے سے کم عقلی یا بے عقلی و دیوانگی کی نفی فرمائی اب اس نفی کے دلائل کا تذکرہ ہے کہ مجھے رب نے ان کاموں کے لئے بھیجا ہے جو دیوانہ آدمی انجام نہیں دے سکتا گویا اپنے نام کا ثبوت آپ نے کام سے دیا نام کے بعد کام کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ہی قوم ہود کے آپ کو جھٹلانے کا ذکر ہوا اب اس جھٹلانے کی وجہ مع تردید بیان ہو رہی ہے گویا بیماری کے بعد اس کے علاج کا تذکرہ ہوا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں حضرت ہود علیہ السلام کے اپنی قوم کو ڈرانے دھمکانے کا ذکر تھا کہ تم پر عذاب آنے کا خطرہ ہے اب انہیں گزشتہ

اور موجودہ نعمتیں یاد دلا کر ایمان کی طرف مائل کیا جا رہا ہے۔ چونکہ ڈرانا متقدم ہے اس سے انسان جلد مائل بحق ہو جاتا ہے اس لئے اسے پہلے بیان فرمایا قوم کی سختی کے بعد آپ کی نرمی میں آپ کے کمالات کا اظہار ہے۔

تفسیر: **ابلغکم رسالات ربی** ہود علیہ السلام نے اس فرمان میں اپنا اصل منصب بیان فرمایا یعنی تبلیغ اور احکام الٰہیہ پہنچانا چونکہ حضرات انبیاء کرام عمر بھر تک تبلیغ کرتے رہتے ہیں۔ نیز ہر طرح تبلیغ کرتے ہیں قول سے عمل سے ان کے حال و قال دونوں مبلغ ہوتے ہیں ان حضرات کی تبلیغ کا یہ حال ہے کہ دنیا چاہتی ہے کہ ہماری جان کلمہ طیبہ پر نکلے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری ہچکیاں تین آئیں پہلی ہچکی میں فرمایا **الصلوۃ** نماز کی پابندی کرنا۔ دوسری میں فرمایا **ما ملکت ایمانکم** اپنے غلاموں ماتحتوں پر مہربانی کرنا۔ یعنی عبادات و معاملات کی تبلیغ فرمائی تیسری ہچکی میں فرمایا **اللھم بالرفیق الاعلی** خدایا مجھے اپنے دوستوں کے پاس پہنچا دے اس پر جان شریف کا خروج ہوا یہ ہے **ابلغکم** کی تفسیر اس لئے **ابلغکم** فعل مضارع فرمایا اور چونکہ نبی صرف ایک چیز کی تبلیغ نہیں فرماتے بلکہ عقائد، اعمال قالب، اعمال قلب، صبر شکر، استقامت فی الدین سب ہی کی تبلیغ فرماتے ہیں اس لئے رسالات جمع کا لفظ ارشاد فرمایا وہ کافروں کو عقائد کی مومنوں کو اعمال کی برابر تبلیغ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ روحانیت میں بلاواسطہ ان کا رب ہے اور ان کے واسطے سے لوگوں کا رب کہ روحانی نعمتیں ان کے ذریعہ سے لوگوں کو دیتا ہے اس لئے یہاں **ربکم** کی بجائے **ربی** ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا ان کا سب کا رب ہے اور وہ حضرات ہمارے مربی **کما ربیانی صغیرا**۔ **وانا لکم ناصح امین** اس فرمان عالی میں ہود علیہ السلام نے اپنے دو کرم اور مہربانیوں کا ذکر کیا۔ جو قوم پر تھیں یعنی خیر خواہی اور امانت داری یہ در پردہ کفار کے اس قول کی تردید ہے کہ **انا لنراک فی سفاھۃ** یہ فرمایا کہ مجھ میں بے عقلی یا کم عقلی کیسے ہو سکتی ہے میں تو تمہارا خیر خواہ بھی ہوں امانت دار بھی ناصح کی تنوین عظمت کی ہے یعنی بڑا خیر خواہ ہوں کہ تمہارے ماں باپ تمہارے صرف دنیاوی خیر خواہ ہیں کہ تمہارے جسم کو ایک خاص وقت میں پالتے پرورش کرتے ہیں مگر میں ہمیشہ تمہاری دینی و دنیاوی خیر خواہی کرتا ہوں کہ تم کو دین و دنیا کے عذاب سے بچانے رحمتیں پہنچانے کی کوشش کرتا ہوں۔ غرضیکہ دوسرے خیر خواہوں میں اور مجھ میں چار طرح فرق ہے سارے خیر خواہ خود غرضی سے خیر خواہی کرتے ہیں میں بلا غرض (2) سب کی خیر خواہی وقتی ہے میری دائمی (3) تمام خیر خواہ بدل جاتے ہیں میں نہیں بدلتا (4) سب کی خیر خواہی صرف دنیاوی ہوتی ہے میری خیر خواہی دنیاوی بھی ہے دینی بھی۔ کیوں نہ ہو کہ نبی رب کی عطا کا مظہر ہوں وہاں تو یہ چیزیں ہیں یہاں بھی ہیں **لکم** کو مقدم فرمانے سے معلوم ہوا کہ میں صرف خیر خواہ ہی ہوں بد خواہی میرے قریب بھی نہیں یا صرف تمہارا خیر خواہ ہوں۔ کیونکہ صرف تم ہی میری امت ہو۔ اور ساتھ ہی امانت دار ہوں کہ رب تعالیٰ کے احکام جیسے مجھ تک آتے ہیں ویسے ہی تم تک پہنچا دیتا ہوں بغیر کمی بیشی کے حضرات انبیاء رب کے بھی امین ہیں کہ اس کے احکام فرمان بے کم و کاست ہم تک پہنچا دیتے ہیں ہمارے بھی امین کہ آپ ہمارے خیر خواہ بھی ہیں اور محافظ و ناصر بھی امین میں یہ صفات ضرور ہوتی ہیں۔ خیال رہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا **وانصح لکم** مگر آپ نے فرمایا **لکم ناصح** کیونکہ نوح علیہ السلام قریباً ہر حال میں تبلیغ فرماتے رہتے تھے مگر آپ کی تبلیغ دائمی مسلسل نہ تھی کبھی کرتے تھے کبھی نہیں چنانچہ نوح علیہ السلام فرماتے ہیں **دعوت قومی لیلا و نھارا** اس فرق کی وجہ سے الفاظ میں فرق ہے (کبیر، خازن، معانی وغیرہ) **زید یضرب** اور **زید ضارب** میں فرق ہے یعنی میں اگرچہ تبلیغ وقتاً فوقتاً کرتا ہوں مگر تمہارا خیر خواہ ہمیشہ ہر وقت ہوں میری تبلیغ بھی تمہاری خیر خواہی خاموشی بھی تم

میں حاضر رہنا بھی تم سے غائب رہنا بھی **اوعجبتم ان جاء کم ذکر من ربکم** اس فرمان عالی میں قوم تعجب بلکہ ان کے اعتراضات کا جواب دے رہے ہیں وہ کہتے تھے کہ نبوت ہم جیسے ایک انسان کو کیسے مل سکتی ہے یا تو ہم سب کو ملتی یا پھر کوئی فرشتہ یا جن نبی بن کر آتا۔ **ذکر** سے مراد وحی الٰہی یا نصیحت یا خبر ہے ہم کہہ چکے ہیں کہ ذکر کے بہت معنی ہیں۔ چونکہ وحی نبی پر آتی ہے مگر لوگوں کے لئے آتی ہے اس لئے اس کی نسبت کبھی قوم کی طرف کرتے ہیں کبھی نبی کی طرف یہاں نسبت قوم کی طرف ہے ورنہ وحی نبی پر آتی ہے اور نبی ہمارے پاس آتے ہیں ان کی معرفت ان کے ذریعہ ہم تک آتی ہے **علی رجل منکم لینذر کم** اس میں مقصود وحی کا ذکر ہے کہ وحی آئی تمہارے لئے مگر آئی مجھ پر میرا یہ حال ہے کہ میں انسان ہوں جن یا فرشتہ نہیں مرد ہوں عورت یا بچہ نہیں پھر تم میں سے تمہاری قوم سے ہوں باہر سے نہیں آیا یہ سب اس لئے ہے کہ وحی کا مقصود ہے تبلیغ ہے اور تبلیغ انسانوں کو انسان خصوصاً" مرد خصوصاً" ان کا ہم قوم اچھی طرح کر سکتا ہے کہ وہ ان کی سن سکتا ہے اپنی کہہ سکتا ہے۔ ان کے دکھ درد سے خبردار ہوتا ہے وہ لوگ اس کے اخلاق طور و اطوار سے خبردار ہوتے ہیں۔ لہٰذا میرا تم میں نبی بن کر آنا اللہ تعالیٰ کی تم پر خاص رحمت ہے کسی قوم میں نبی کی تشریف آوری اس قوم کی عزت کا باعث ہے۔ چونکہ آپ کافر قوم سے خطاب فرما رہے ہیں اس لئے صرف ڈرانے کا ذکر فرمایا بشارت کا ذکر نہیں کیا۔ ورنہ آپ نذیر بھی تھے بشیر بھی کفار کے لئے نذیر مومنوں کے لئے بشیر اس لئے **لینذر کم** فرمایا ضمیر خطاب سے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قوم ہود نے آپ پر پانچ سوال کئے نبی فرشتہ کیوں نہ ہوا۔ (2) جن کیوں نہ ہوا۔ (3) کوئی عورت کیوں نہ ہوئی (4) کوئی باہر کا آدمی کیوں نہ ہوا جس کا ہم پر وقار ہوتا (5) کوئی امیر آدمی یا بادشاہ کیوں نہ ہوا جس کی ہیبت ہم پر ہوتی۔ ایک **لینذر کم** میں ان پانچوں اعتراضوں کے جواب دے دیئے کہ جن فرشتہ عورت میں چھپنا ہے نبوت کے فرائض چھپنے والی مخلوق ادا نہیں کر سکتی۔ کیونکہ ولی اللہ کی صفت باطن کا مظہر ہیں اور حضرات انبیاء صفت ظاہر کے لہٰذا ولی چھپ سکتا ہے نبی نہیں چھپ سکتا۔ بادشاہ امیر کے ذریعہ نبوت کی شان ظاہر نہ ہوتی لوگ کہتے کہ پیسہ یا دولت کے زور سے اپنا دین پھیلایا۔ باہر کے آدمی کا پتہ نہیں ہوتا کہ جھوٹا ہے یا سچا اپنی قوم کے آدمی کے حالات معلوم ہوتے پھر جیسے سب لوگ بادشاہ نہیں بن سکتے ایک بادشاہ باقی رعایا ایسے ہی سب لوگ نبی نہیں ہو سکتے۔ ایک نبی باقی امت۔ **واذکروا اذ جعلکم خلفاء من بعد قوم نوح** گزشتہ عبارت میں ہود علیہ السلام کے تین وصف خصوصی بیان ہوئے تھے رسول، ناصح و خیر خواہ اور امین۔ اس ترتیب سے رسالت نصیحت امانت کے احکام ذکر ہوئے اس حکم میں شان رسالت کی جھلک ہے۔ یعنی چونکہ میں تمہارا رسول ہوں۔ لہٰذا تم کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی یہ نعمت یاد کرو۔ **اذکرو** کے چند معنی ہو سکتے ہیں یاد کرو۔ یاد رکھو آپس میں اس نعمت کا تذکرہ کرو یہ تذکرہ اور یاد کرنا تم کو ایمان کی طرف لائے گا۔ حق یہ ہے کہ **اذ جعلکم** مفعول بہ ہے **اذکروا** کا نحویوں کا یہ قول غلط ہے کہ **اذ** اور **اذا** ہمیشہ ظرف ہی ہو کر آتے ہیں (معانی) قرآن مجید صرفی نحوی قاعدوں کا پابند نہیں بلکہ قواعد قرآن مجید کے پابند ہیں **جعل** کے معنی پیدا کرنا بھی ہیں اور بنانا بھی یہاں معنی بنانا ہے اس لئے اس کے دو مفعول آئے ایک تو کم دوسرا خلفاء لفظ خلفاء جمع ہے خلیفہ کے بہت معانی پارہ الم میں **انی جاعل فی الارض خلیفہ** کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ خلیفہ بنا ہے خلف یا خلافت سے خلف معنی پیچھے خلافت معنی نیابت یہاں خلف سے بنا ہے یعنی پیچھے آنے والی قوم چونکہ قوم عاد حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کے بعد آئی بعد میں آنا بھی اللہ کی نعمت ہے کہ گزشتہ قوم کے عیوب ان پر بیان کئے گئے ان کے عیوب قوم نوح پر ظاہر نہ ہوئے لہٰذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بہت اچھی کہ سب

سے پیچھے ہے ان کے اجڑے ہوئے مکانات ان کی زمینوں کی مالک ہوئی۔ لہٰذا انہیں خلفا کہا گیا۔ یعنی تم یہ بات یاد رکھو کہ پہلے اس زمین پر قوم نوح آباد تھی وہ تباہ کی گئی تم آباد ہوئے اگر تم نے بھی سرکشی کی تو تم تباہ کر دیئے جاؤ گے کوئی اور قوم یہاں آباد ہو گی اور ہو سکتا ہے کہ خلفاء خلافت بمعنی نیابت سے بنا ہو کیونکہ قوم عاد میں شداد ابن عاد آباد زمین کا سلطان بنا تو گویا ساری قوم سلطان ہوئی۔ خیال رہے کہ خلیفہ اصل کی صفات کا مظہر ہوتا ہے اگر مظہر نہ ہو تو صحیح معنی میں خلیفہ نہیں سلطان کا نائب جو اس کے پیچھے سلطنت کو سنبھالے سلطان ہی ہو گا اور سلطان کے سے کام کرے گا۔ تیمم وضو کا خلیفہ ہے تو وضو کے سے کام کرے گا ورنہ خلیفہ نہیں حضرات انبیاء کرام اللہ کے خلیفہ ہیں **انی جاعل فی الارض خلیفہ** تو چاہئے کہ اللہ کی صفات کے مظہر ہوں ورنہ خلیفۃ اللہ نہیں **وزادکم فی الخلق بصطۃ** یہ اللہ تعالیٰ کی دوسری نعمت کا ذکر ہے اس میں ہود علیہ السلام کی شان نصیحت کی جلوہ گری ہے کہ چونکہ میں تمہارا خیر خواہ ہوا لہٰذا تم کو مشورہ دیتا ہوں کہ یہ بھی غور کرو کہ رب نے تم کو بڑا قد آور شہ زور بنایا۔ ترتیب تبلیغ کی یہ ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو پہلے تو خارجی نعمتوں سے رب کی پہچان کرائی پھر اس فرمان میں خود اپنی ذات سے رب کی معرفت کا طریقہ سکھایا معرفت کی انتہا یہ ہے کہ انسان اپنے سے رب کو پہچانے **من عرف نفسہ فقد عرف ربہ** خلق بمعنی مخلوق ہے یا بمعنی پیدائشی جسامت۔ **بصطۃ** ہماری قرات میں ص سے ہے جسم کا پھیلاؤ یا موٹاپا درازی یا بمعنی قوت و طاقت یعنی سارے انسانوں میں تم کو بہت قد آور بنایا یا تمہاری جسامت میں پھیلاؤ دیا۔ چنانچہ ان کا پستہ قد ساٹھ گز کا تھا اور دراز قد ایک سو گز کا ان کا سر بڑے خیمہ کے برابر تھا ان کی ایک آنکھ اتنی بڑی تھی کہ ان کے مرے بعد اس کے حلقہ میں جانور گھونسلے بناتے تھے (کبیر' خازن' روح البیان' معانی مدارک وغیرہ) اتنی جسامت کے لوگ نہ پہلے ہوئے تھے نہ اس وقت نہ بعد میں خود فرماتا ہے۔ **لم یخلق مثلھا فی البلاد** اے میری قوم اس نعمت میں بھی غور کرو۔ رب کا شکر کرو میری اطاعت رب کی عبادت کرو۔ **فاذکروا الاء اللہ** قوی یہ ہے کہ یہ تیسرا حکم ہے۔ جس میں حضرت ہود علیہ السلام کی امانت داری کی جھلک ہے یعنی چونکہ میں اللہ کا امین ہوں لہٰذا تم کو حکم دیتا ہوں کہ اللہ کی نعمتیں یاد کر کے اس کا شکر کرو نعمتوں کے امین بنو خائن نہ بنو۔ ذکر کے تین معنی ہیں ذکر جنانی یعنی دل سے نعمتوں کا اقرار ذکر لسانی زبان سے چرچہ و اعلان ذکر ارکانی یعنی اعضاء سے ذکر کہ مالدار اچھا کھائے پیئے اس میں سے رب کا حق زکوٰۃ وغیرہ نکالتا رہے کہ یہ نعمتوں کی تبلیغ ہے۔ **الاء** جمع ہے الو کی الف کے کسرہ سے جیسے محل کی جمع امحال ثقل کی جمع اثقال یا جمع ہے **الی** کی الف کی فتحہ سے جیسے معی کی جمع **امعا** یا جمع **الی** کی الف کے کسرہ سے لام کے فتحہ سے جیسے عنب کی جمع ہے اعناب (معانی' کبیر وغیرہ) الاء مطلقاً نعمتوں کو کہا جاتا ہے جسمانی ہوں یا روحانی یہاں جسمانی نعمتیں مراد ہیں۔ صحت' دولت' اولاد' کھیت' باغات' جانور وغیرہ اور ہو سکتا ہے کہ **الاء** سے مراد وہ اندرونی نعمتیں ہوں جو ہم کو نظر نہیں آتیں جیسے دل' دماغ' جگر وغیرہ کی واردات۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ **الاء** سے مراد خود حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے معجزات ہوں کہ یہ سب باوفا اور دائمی نعمتیں ہیں دنیا کی نعمتیں بے وفا عارضی ہیں نیز نبی نعمت گر ہیں کہ تمام نعمتیں اگر ان کے حکم کے ماتحت استعمال ہوں تو نعمت ہیں ورنہ زحمتیں یعنی ان نعمتوں کا چرچہ کرو ان میں غور کرو ایمان لاؤ۔ **لعلکم تفلحون** یہ ان تینوں عملوں کا نتیجہ ہے یعنی تمہارے ان اعمال کا فائدہ نہ تو رب تعالیٰ کو ہے نہ مجھے صرف تم کو ہے کہ تم اس غور و خوض سے دین و دنیا میں کامیاب ہو گے لہٰذا میرا یہ فرمانا اپنی خود غرضی سے نہیں تمہارے نفع کے لئے ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : جب قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو بے عقلی جھوٹ وغیرہ کے الزام لگائے تو آپ نے اپنی حیثیت اپنا درجہ'

مقام بتانے کے لئے ارشاد فرمایا کہ میں ہوں اللہ کا رسول میرا منصب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیغامات امت تک پہنچاتا ہوں اس کے علاوہ میں تمہارا نہایت ہی اعلیٰ خیر خواہ ہوں کہ دین و دنیا میں تمہارا بھلا چاہتا ہوں۔ تمہارے ماں باپ بلکہ ساری مخلوق کی خیر خواہی سے میری خیر خواہی بڑھ کر ہے ساتھ ہی میں رب کا امین بھی ہوں کہ جیسے اس کے پیغامات آتے ہیں ویسے ہی تم تک پہنچا دیتا ہوں کوئی کمی بیشی نہیں کرتا کیا تم کو اس پر تعجب ہے کہ کوئی فرشتہ یا جن نبی کیوں نہ بنا۔ تم ہی کا ایک مرد نبی کیسے بن گیا یہ تو رب کی خاص مہربانی ہے کہ اس نے انسانوں میں انسان نبی بھیجے اور اکثر قوم میں اسی قوم سے نبی بھیجے کیونکہ اس سے مقصد نبوت اچھی طرح حاصل ہوتا ہے یعنی تبلیغ اور ڈرانا تاکہ انسان انسان کو اور ہم قوم اپنی قوم کو اچھی طرح تبلیغ کر سکتا ہے تمہیں اللہ نے تین خصوصی نعمتیں بخشی ہیں انہیں یاد کرو اور اس پر ایمان لاؤ ایک یہ کہ قوم نوح کی تباہی کے بعد تم کو اس زمین میں بسایا تمہیں ان کی املاک کا مالک بنایا۔ دوسرے یہ کہ تم کو وہ شہ زوری اور جسامت بخشی جو دوسروں کو نہ بخشی تم بڑے طاقتور اور لمبے چوڑے سو سو گز کے ہو تیسرے یہ کہ اس نے تم کو بہت سی نعمتیں بخشیں صحت' دولت' اولاد' جائیداد وغیرہ ان سب کو یاد کرو اس میں تمہارا ہی بھلا ہے کہ تم دنیا و آخرت میں کامیاب رہو گے اس میں رب تعالیٰ کا یا میرا ذاتی فائدہ کوئی نہیں۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مبلغ کو ہر حال میں ہر وقت تبلیغ کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ **ابلغکم** سے حاصل ہوا امام محمد نے آخر وقت شرعی مسئلہ بتایا پھر جان نکلی اعلیٰ حضرت بریلوی قدس سرہ نے بیس صفر جمعہ کے دن ایک بجکر پانچ منٹ پر مسئلہ تین منٹ تک بتایا دس منٹ پر وفات ہوئی یہ ہے **ابلغکم** کی تجلی جو نبی کی طرف سے امتی پر پڑتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کے بڑے سچے خیر خواہ حضرات انبیاء کرام ہیں کہ دوسروں کی خیر خواہی عارضی اور اکثر خود غرضی سے ہوتی ہے ان حضرات کی خیر خواہی دائمی اور بے لوث بے غرض۔ یہ فائدہ **انا لکم ناصح** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** امانت داری صرف مال میں نہیں ہوتی بلکہ پیغام' راز اور دوسری چیزوں میں بھی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **امین** سے حاصل ہوا۔ حضرت ہود علیہ السلام اللہ کے پیغامات پہنچانے کے امین تھے آپ نے بغیر کمی بیشی کے پہنچا دیئے بعض باتیں ان کے اور رب تعالیٰ کے درمیان راز و اسرار کی تھیں وہ رازداری میں رکھیں یہ ہے نبی کی امانت ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سارے قرآن مجید کے احکام لوگوں کو پہنچائے متشابہات چھپائے کیونکہ یہ حبیب و محبوب کے درمیان راز تھے یہ ہے امانت داری۔ **چوتھا فائدہ:** جاہلوں کی بدتمیزی پر صبر و تحمل کرنا سنت انبیاء کرام ہے دیکھو ہود علیہ السلام نے کفار کی سختی کا جواب نہایت نرمی سے دیا بلکہ ان پر اپنے احسان ظاہر کئے اور پھر بھی انہیں اپنی طرف بلایا۔ **پانچواں فائدہ:** اپنے فضائل بیان فرمائے مبلغ ہونا ان لوگوں کا خیر خواہ ہونا اللہ کا امین ہونا کیوں' صرف تبلیغ کے لئے کہ اس ذریعہ سے وہ لوگ ایمان قبول کریں۔ **چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام میں عیب نکالنا۔ یا ان کو اپنے برابر ثابت کرنا اس سے ایمان نہیں ملتا ایمان ملتا ہے ان کی رسالت بے مثالی مانو۔ دیکھو کفار نے حضرت ہود سے کہا کہ آپ دیوانے اور جھوٹے ہیں آپ نے فرمایا مجھے یہ نہ کہو مجھے ناصح کہو۔ امین کہو رسول کہو' مومن بن جاؤ گے آج اگر کوئی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو بشر اپنی مثل ثابت کرے تو اس نے وہی بات کہی جو شیطان بھی کہتا تھا ابو جہل بھی اگر اس سے ایمان ملتا تو وہ دونوں مومن ہو جاتے انہیں رسول کہو نبی کہو تب ایمان ملے گا۔ **ساتواں فائدہ:** وحی الٰہی یا صحیفہ یا کتاب آسمانی خود حاکم یا بشیر یا نذیر نہیں بلکہ وہ تو حکم بشارت' نذارت ہے۔ حاکم' بشیر' نذیر نبی ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **لینذر کم** سے حاصل ہوا یونہی کتاب اللہ بذات خود کسی کو پاک نہیں کرتی یہ تو پاکی کا ذریعہ ہے پاک

وصاف کرنانبی کاکرم ہے۔ رب فرماتا ہے **و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمۃ** آٹھواں فائدہ: اللہ کی نعمتیں یاد کرنایاد رکھنا۔ آپس میں اس کے چرچے تذکرے کرنا حکم انبیاء اور حکم خداوندی ہے۔ یہ فائدہ **اذکروا اذ جعلکم** الخ سے حاصل ہوا لہذا میلاد شریف عرس بزرگان کرنا بڑی تاریخوں میں یادگاری مجلس قائم کرنا بہت اچھا ہے کہ یہ اللہ کی نعمتیں یاد کرنے یاد رکھنے کا ذریعہ ہے اور اس میں نعمت الٰہی کا تذکرہ و چرچا ہے۔ نواں فائدہ: علم تاریخ اچھا علم ہے بشرطیکہ صحیح ہو۔ اس سے بڑے بڑے سبق ملتے ہیں۔ یہ فائدہ **من بعد قوم نوح** سے حاصل ہوا۔ دسواں فائدہ: صحت و تندرستی جسمانی قوت اللہ کی بڑی ہی نعمت ہے کہ اس سے عبادات ریاضات کی جاتی ہیں۔ بیمار کمزور کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ فائدہ **و زادکم فی الخلق بصطۃ** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ طالوت کے متعلق فرماتا ہے۔ **وزادہ بسطۃ فی العلم و الجسم** مگر رب تعالیٰ صحت سے اپنی اطاعت کی توفیق دے اگر صحت و تندرستی گناہوں میں صرف کی جاوے تو اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت کو یاد رکھنا یاد کرنا خواہ اندرونی نعمت ہو یا بیرونی نعمت بہت ہی بہتر ہے۔ یہ فائدہ **فاذکروا الاء اللہ** سے حاصل ہوا۔ بارہواں فائدہ: انسان کو چاہیے کہ جو نیکی بھی کرے آخرت کے لئے کرے۔ عاقبت سنبھل گئی تو سب کچھ مل گیا۔ یہ فائدہ **لعلکم تفلحون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا یعنی اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنا اس کا شکریہ ادا کرنا دنیاوی نام و نمود اور کسی نفسانی لالچ کے لئے نہ کرو فلاح و کامیابی حاصل کرنے کے لئے کرو۔ دین کے طالب بنو۔ دنیا تمہاری طالب بن جائے گی۔

پہلا اعتراض : حضرت ہود علیہ السلام نے اپنے فضائل و کمالات اپنے منہ سے خود کیوں بیان کئے اپنی تعریف خود کرنا بری بات ہے نبی برائیوں سے پاک ہوتے ہیں۔ **جواب**: اپنی تعریف خود کرنا شیخی کے لئے اپنی بڑائی کے لئے تو ممنوع ہے مگر اللہ کی نعمت کے شکریہ کے لئے لوگوں کو اپنا مقام بتانے کے لئے تاکہ لوگ اسے پہچانیں ایمان لائیں یہ تو بہت ہی اچھا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنی صفات قرآن مجید میں بیان فرمائیں تاکہ لوگوں کو معرفت الٰہی نصیب ہو اسی طرح حضرات انبیاء کرام کا اپنی تعریف فرمانا ہم کو ایمان دینے کے لئے ہے کہ انہیں کی معرفت کا نام تو ایمان ہے یہ ذریعہ تبلیغ ہے۔ رب فرماتا ہے۔

نوٹ: اس کتاب کے مصنف حضرت حکیم الامت کی آخری تبلیغ یہ ہے کہ آپ نے آخر تک کبھی وضو نہ چھوڑا انتقال سے ایک منٹ پہلے بھی عالم نزع میں آپ نے مکمل وضو فرمایا بعد وفات ایک سخت ترین وہابی کو جھنجھوڑا اور اپنے ایک دوست کا نام لے کر فرمایا کہ جا اس کو پیغام دے کر میرے جسم کو تختے پر پہلے وہ اتارے اہل سنت کو یہ تبلیغ کی کہ باوضو رہا کرو وہابیت کو یہ تبلیغ کی کہ اولیاء اللہ بعد وفات بھی سب کچھ کرا سکتے ہیں۔

واما بنعمۃ ربک فحدث۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **لینذرکم** کیوں فرمایا گیا اس کے ساتھ بشارت کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ **جواب**: اس لئے کہ یہاں خطاب کفار سے ہے انہیں ڈرایا ہی جاتا ہے۔ بشارت تو مسلمانوں کو دی جاتی ہے نیز بشارت خاص لوگوں کو ہوتی ہے نذارت عام کو۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا۔ **لکم ناصح امین** جس سے حصر معلوم ہوا یعنی میں صرف تمہارا خیر خواہ ہوں اور صرف تمہارا امین یہ حصر کیوں ہے نبی تو سب کے خیر خواہ ہوتے ہیں۔ **جواب**: اس لئے کہ صرف قوم عاد کے نبی تھے اس لئے آپ مبلغ خیر خواہ پیغام الٰہیہ کے امین صرف انہیں کے لئے تھے جیسے چراغ صرف گھر کی روشنی کے لئے ہے۔ یہ تو ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی شان ہے کہ سورج کی طرح سارے انسان بلکہ سارے عالم کے

لئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے جہان کے خیر خواہ سارے جہان کے امین ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اے قوم عاد تم قوم نوح کے خلیفہ جانشین ان کے گھروں کے جائیدادوں کے مالک ہوئے قوم نوح کے گھر جائیداد تو فنا ہو چکی تھیں طوفان نے سب کچھ تباہ کر دیا تھا۔ پھر ان کی جانشینی کیسی۔ **جواب:** ان کی عمارات اور باغات کے درخت فنا ہوئے تھے زمین تو ویسی ہی باقی تھی۔ لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ تم ان کی زمین کے مالک و جانشین ہو۔ **پانچواں اعتراض:** حدیث شریف میں ہے کہ جس زمین میں عذاب الہٰی آجاوے وہاں بلا ضرورت جانا بھی نہ چاہئے چہ جائیکہ وہاں بسنا آباد ہونا۔ طوفان نوحی عذاب الہٰی تھا جو ساری زمین پر آیا تو اس میں قوم عاد کیوں آباد ہوئی اور ان کی خلیفہ کیسے بنی؟ **جواب:** طوفان نوحی کفار کے لئے عذاب اور مومنوں کے لئے رحمت تھا یعنی طوفان عذاب نہ تھا بلکہ طوفان میں ڈوبنا تباہ ہونا عذاب تھا اور اس میں تیرتے پھرنا رحمت لہذا اسی لئے مومنوں کو وہاں سے نکالا نہ گیا۔ بلکہ انہیں کشتی میں تیرایا گیا۔ لہذا وہاں رہنا بسنا ممنوع نہ ہوا۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں موٹاپے کو اللہ کو نعمتوں میں شمار کیا گیا کہ ارشاد فرمایا **وزاد کم فی الخلق بصطۃ** بہت موٹاپا تو اللہ کا عذاب ہے وہ سخت بیماری ہے پھر اسے نعمتوں میں شمار کیوں کیا؟ **جواب:** جس موٹاپے کے ساتھ طاقت نہ ہو وہ واقعی تکلیف دہ اور بیماری ہے یعنی جسم کا پھسڑ ہونا مگر جس موٹاپے کے ساتھ طاقت و قوت ہو جسے کہتے ہیں جسم کا گٹھا ہوا ہونا وہ اللہ کی نعمت ہے وہی یہاں مراد ہے صحت اور طاقت و قوت سے انسان دنیاوی اور دینی کام بہت سے انجام دے سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندے دو قسم کے ہوتے ہیں ایک تو خود مقبول دوسرے مقبول گر کہ جو ان سے وابستہ ہو جاوے وہ بھی مقبول الہٰی بن جاوے۔ حضرات انبیاء کرام اور اولیاء میں سالکین واصلین مقبول گر بندے ہوتے ہیں یہ مقبول گر بندے خالق کے بھی امین ہوتے ہیں کہ ان کے پاس جس کے نصیب کا فیض ہوتا ہے اس کو دیتے ہیں۔ دوسرے کو نہیں اور مخلوق کے بھی امین کہ ان کی حاجات بلا کم وکاست بہ بارگاہ قاضی الحاجات پیش کرتے ہیں ان تمام باتوں کو حضرت ہود علیہ السلام نے ایک لفظ میں بیان فرمادیا **لکم ناصح امین** تعجب دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ تعجب جو رب تک پہنچادے کہ انسان حیرت کرکے خالق کی قدرت کا معترف ہو جاوے دوسرا تعجب گمراہی کی حیرت کی وجہ سے اس کا انکار کروے رب تعالیٰ کی قدرت کا انکاری ہو جاوے دوسرا تعجب تھا جو ہود علیہ السلام کی نبوت کے انکار کا ذریعہ بنا اسے فرمایا **او عجبتم الخ** صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے جسمانیات میں خلافت و نیابت ہے کہ ایک قوم جاتی ہے دوسری اس کی جگہ آتی ہے ایسے ہی روحانیات میں بھی خلافت و نیابت ہے دنیا کبھی ان خلفاء سے خالی نہیں رہتی غفلت والوں کے خلیفہ غفلت والے ہوتے ہیں اور وصلت والوں کے خلیفہ وصلت والے یہ سلسلہ یونہی قائم ہے جیسے بعض لوگوں کو خلقت یعنی جسم میں کشادگی ملتی ہے۔ ایسے ہی بعض بندوں کو خلق یعنی اخلاق میں وسعت و کشادگی عطا ہوتی ہے یہ بیان کی وسعت ہے وہ معانی کی وسعت فرزدق شاعر نے کیا خوب کہا۔

وقد تلتقی الاسماء فی الناس ولکن **کثیرا ولکن فرقوا فی الخلائق**

خاقانی نے ہمہ یکرنگ دارو در نیستاں ہا ولیک از یکے نے قند خیزد و از دگرنے بوریا

یعنی لوگوں کے نام اور کنیت یکساں ہوتی ہے مگر اخلاق میں فرق۔ بانس میں گنا اور بانس صورت میں یکساں ہوتے ہیں مگر گنے سے شکر نکلتی ہے بانس سے کچھ نہیں۔ غرضکہ صورت سے دھوکہ نہ کھاؤ سیرت پر نظر رکھو (از روح البیان مع زیادۃ) صوفیائے فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ وحدہ لاشریک ہے مگر اس کی معرفت کے ذریعہ اس تک پہنچنے کے راستے بہت ہیں اس کی ہر مخلوق اس

کی معرفت کاذریعہ ہے مگر قوی ذریعہ یہ ہے کہ انسان اسے خود اپنے ذریعہ سے جانے اس لئے ہود علیہ السلام کی خلافت کے بعد خود ان کے جسم کے پھیلاوے کاذکر کیا مگر خود اپنے سے رب کو پہچاننا نبی کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے اپنا منہ دیکھنا ہو تو آئینہ کے ذریعہ سے دیکھو اپنی بیماریاں معلوم کرنی ہوں تو طبیب کے ذریعہ معلوم کرو۔ اپنے اندرونی اعضاء دیکھنا ہوں تو ایکسرے کے ذریعہ پہچانو۔ یونہی اپنے دل' دماغ' روح کو جاننا ہے تو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پہچانو۔ پھر اس کے بعد اپنے رب کو جانو کہ اس کا بنانے والا کیسا۔

قَالُوٓا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحْدَهٗ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا ۚ فَاْتِنَا

کفار نے کہا کہ آئے ہیں آپ ہمارے پاس تاکہ پوجیں ہم اللہ ایک کو اور چھوڑ دیں ہم انہیں کہ پوجتے تھے باپ دادے

بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادے پوجتے تھے

بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝٧٠ قَالَ قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ

ہمارے پاس لاؤ ہمارے پاس وہ کہ وعدہ کرتے ہو تم ہم سے اگر ہو تم سچوں میں سے فرمایا بے شک واقع ہو گیا اوپر تمہارے

انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب

رِجْسٌ وَّغَضَبٌ ۭ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ

طرف سے رب تمہارے کے عذاب اور غضب کیا جھگڑا کرتے ہو تم مجھ سے ان ناموں میں کہ رکھ لئے تم نے وہ نام اور باپ

اور غضب پڑ گیا کیا مجھ سے خالی ان ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ

مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ۭ فَانْتَظِرُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝٧١

دادوں نے تمہارے یعنی نہیں اتاری اللہ نے ان کی کوئی دلیل پس انتظار کرو تم بیشک میں ساتھ تمہارے انتظار کرنیوالوں میں سے ہوں

دادوں نے رکھ لئے اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری تو راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت ہود علیہ السلام کی نہایت نفیس ونذیذ مصاحانہ تبلیغ کاذکر تھا اب قوم کفار کے وحشیانہ اور جارحانہ گفتگو کا تذکرہ ہے گویا نبی کی نرمی کاذکر پہلے ہوا قوم کی گرمی کاذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں نبی اور امت کافرہ کی گفتگو کا تذکرہ تھا اب کافر کے لئے اپنے منہ سے عذاب مانگنے کاذکر ہے کہ انہوں نے اپنے منہ سے اپنی موت مانگی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو قوم نوح سے عبرت لینے کا حکم دیا' اب بتایا جارہا ہے کہ انہوں نے اس پر عمل نہ کیا اور خود دوسروں کے لئے عبرت بن گئے شعر

پند گیر از مصائب دگراں　　　تا نہ گیرند دیگراں ز تو پند

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ ہود علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا' اب فرمایا جارہا ہے کہ ان کی سرکش قوم نے اس کی بجائے اپنے داداوں کو یاد کیا' رب تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کیا اور ساتھ ہی ہود علیہ السلام سے عذاب لانے کا مطالبہ کیا جس کے وہ مستحق تھے۔

تفسیر: **قالو ا جئتنا لنعبد الله وحده** قول کے چند معنی ہوتے ہیں اگر بڑا چھوٹے سے کہے تو فرماتا ہے برابر والا برابر والے سے کہے تو کہنا چھوٹا بڑے سے کچھ کہے ادب کے ساتھ تو عرض کرنا اگر بد تمیزی سے کہے تو بکنا حتیٰ کہ جانوروں کی آوازوں کو بھی بولنا کہا جاتا ہے۔ حضرت آدم و حوا نے رب کی بارگاہ میں عرض کیا **قالا ربنا ظلمنا انفسنا** یہ ہے عرض ابلیس نے گستاخانہ بکواس کی **رب بما اغویتنی** یہ ہوا بولنا یہاں **قالوا** کے معنی ہیں بولے وہ اس کا فاعل قوم عاد کے کفار ہیں' جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ **اجئتنا** کے متعلق تین قول ہیں (۱) حضرت ہود علیہ السلام ظہور نبوت سے پہلے اپنی بستی سے دور کسی جنگل میں اکیلے عبادت الٰہی کیا کرتے تھے جب نبوت کا ظہور ہوا تو آپ اس جنگل سے اپنی بستی میں تشریف لائے اور قوم کو تبلیغ کی تب انہوں نے یہ کہا کہ کیا آپ اپنی خلوت اور اعتکاف گاہ سے ہمارے پاس بستی میں اس تعلیم کے لئے آئے ہیں' جیسے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے چھ ماہ پہلے غار حرا میں چلہ اور اعتکاف کرتے تھے۔ پھر نبوت کی عطا کے بعد قوم میں تبلیغ کے لئے تشریف لائے' شعر۔

اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا اور اک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

رب تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو پہلے تنہائی میں چلے کرائے ولایت کی تکمیل کے لئے پھر نبوت عطا فرما کر قوم کے پاس انہیں بھیجا کیونکہ نبوت میں جلوت ہے خلوت نہیں حتیٰ کہ علماء جو وارثین رسول ہیں انہیں اظہار چاہئے خلوت نشینی نہیں چاہئے۔ (2) کیا آپ ہمارے پاس آسمان سے اس تعلیم کے لئے آئے ہیں۔ یہ انہوں نے طنز و طعن کے طور پر کہا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ نبی صرف فرشتہ ہی ہو سکتا ہے جو آسمان سے اترے۔ (3) عربی میں **جاء' ذهب' قام' جعل** کسی کام کی ابتداء کے لئے بھی آتا ہے **جعل يذهب قام لسبني** یعنی کیا آپ یہ کام اس لئے کرنے لگے ہیں کہ ہم کو ایسی غلط تعلیم دیں **لنعبد** میں لام معنی کے ہے جس کے معنی ہیں تاکہ **نعبد** میں عبادت سے مراد یا دلی عبادت ہے یعنی اعتقاد یا جسمانی عبادت یعنی سجدے سجود قربانیاں وغیرہ **وحده** لفظ اللہ کا حال تاکیدی ہے یعنی کیا آپ ہمارے پاس اس لئے آئے ہیں کہ ہم ایک اللہ کو لائق عبادت مانیں یا ایک اللہ کی عبادت کریں ہود علیہ السلام نے اپنی قوم سے جو خدا کے صفات اس کے انعام سنائے اس کا قوم نے انکار نہیں کیا بلکہ آپ کے متعلق کہا کہ تمہاری بات ہماری عقل نہیں مانتی' اطاعت کی طرح عبادت بھی چند کی ہو سکتی ہے' مخدوم کی طرح معبود بھی بہت ہو سکتے ہیں۔ **ونذر ما كان يعبد اباؤنا** یہ عبارت معطوف ہے **لنعبد الله** پر۔ **نذر** کی تحقیق بارہا ہو چکی ہے کہ یہ فعل غیر متصرفہ ہے اس کا مضارع اور امر ہی آتا ہے اور کوئی گردان نہیں آتی **ما** سے مراد ہیں وہ بت جن کی وہ پوجا کرتے تھے یعنی ہمارے سارے باپ دادا جو دنیا بھر میں عقل و دانائی میں مشہور تھے ہم ان کی اولاد ہیں کیا ہم ان کے نقش قدم پر نہ چلیں ان کے بتوں کی پوجا پرستش چھوڑ دیں یعنی جمہوریت کہتی ہے کہ معبود چند ہیں تم اکیلے کہتے ہو کہ معبود ایک ہے ہم جمہوریت کی مانیں گے تمہارا کلام عقل اور جمہوریت کے خلاف ہے لہذا نہ مانیں گے یہ کہہ کر انہوں نے ہود علیہ السلام کے جواب کا انتظار کئے بغیر کہا۔ **فاتنا بما تعدنا ان كنت من الصادقين**۔ آپ ہم سے زیادہ بات نہ کریں بلکہ کفر و شرک پر جس عذاب سے آپ ہم کو

ڈراتے ہیں وہ لے آیئے ہم تو بت پرستی نہیں چھوڑیں گے 'سچائی سے مراد یا تو دعویٰ نبوت میں سچائی ہے یا عذاب کی خبروں میں سچائی یعنی اگر آپ دعویٰ نبوت میں سچے ہیں یا اس عذاب کی خبر ہیں جس سے آپ نے ہم کو ڈرایا **افلا تتقون** سے۔ خیال رہے کہ عذاب بھیجنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر انہوں نے ہود علیہ السلام کی طرف اسے نسبت کیا کہ آپ عذاب لایئے آپ نے اپنی بے بسی مجبوری بیان نہ کی کہ میں تو تمہاری طرح بندہ مجبور ہوں اللہ تعالیٰ عذاب بھیج سکتا ہے بلکہ آپ نے ان کا چیلنج قبول فرماتے ہوئے کہا **قال قد وقع علیکم من ربکم رجس وغضب** یہ آپ کا جواب ہے چونکہ وہ لوگ اس کے مضمون کے انکاری تھے اس لئے اسے **قد** سے شروع فرمایا **وقع** بمعنی لزم یا وجب ہے جو چیز یقینی طور پر آنے والی ہو اسے ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں وہ عذاب ابھی آیا نہ تھا مگر چونکہ یقیناً آنے والا تھا اس لئے وقع ماضی ارشاد ہوا یعنی سمجھو کہ تم پر عذاب آ ہی گیا۔ میں عذاب لانے سے مجبور نہیں الٰہی رب نے مجھے قدرت دی ہے کہ مومنوں کو رحمت دے سکتا ہوں منکروں کو عذاب یا یہ مطلب ہے کہ علم الٰہی میں تمہارے لئے عذاب لازم اور طے ہو چکا ہے کیونکہ میری نظر لوح محفوظ پر ہے وہاں سے دیکھ کر کہہ رہا ہوں **علیکم** میں خطاب صرف کفار سے ہے کیونکہ مومنین تو عذاب سے بچالئے گئے تھے جیسا کہ اگلی آیت میں آ رہا ہے۔ **ربکم** فرما کر یہ بتایا کہ یہ عذاب خود منگا رہے ہو۔ وہ رب کریم کسی کو بلاقصور سزا و عذاب نہیں دیتا **رجس** کے لغوی معنی ہیں اضطراب و پریشانی اس سے ہے **ارتجاس** بمعنی اضطراب ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا سنتہ کانت بنجد محیطتہ وکان علیھم رجسھا وعنا بھا!

اس شعر میں **رجس** بمعنی پریشانی ہے اصطلاح میں سزا 'عذاب' عام مصیبت کو رجس کہتے ہیں کہ وہ بھی پریشانی کا باعث ہوتا ہے غضب کی تفسیر سورۂ فاتحہ میں **غیرا المغضوب علیھم** کے ماتحت ہو چکی ہے۔ یعنی بدلہ کا ارادہ فرمانا بعض لوگوں نے کہا کہ یہاں غضب تفسیر ہے رجس کی یعنی تم پر اللہ کا عذاب یا رجس سے مراد ہے عذاب اور غضب سے مراد ہے ایمان و اعمال نیکی کی توفیق نہ ملنا یا رجس سے مراد ہے عذاب اور غضب سے مراد نبی سے دور رہنا ان کے پاس آ نہ سکنا ان سے نفرت کرنا **تجادلوننی فی اسماء** حضرت ہود علیہ السلام کا یہ فرمان ان لوگوں پر بطور عتاب ہے۔ یعنی تم کو شرم نہیں آتی کہ تم مجھ سے جھگڑتے ہو حالانکہ میں سچا نبی ہوں اور سچے نبی سے لڑائی جھگڑا عذاب کا باعث ہوتا ہے اور جھگڑتے بھی کس چیز میں صرف چند ناموں میں چند الفاظ میں جن الفاظ کی حالت یہ ہے اور ان کی نسبت یہ ہے کہ **سمیتموھا انتم واباء کم** کہ ان ناموں کا مسمی کوئی نہیں یعنی ان ناموں کی کوئی مخلوق گذری ہی نہیں نہ انسان نہ جن نہ فرشتہ نہ کوئی اور چیز یہ الفاظ بے معنی ہیں چنانچہ وہ لوگ کسی بت کا نام سائقہ رکھتے تھے یہ سمجھ کہ بارش یہ برساتا ہے کسی کا نام حافظ کہ نگہبانی وہ کرتا ہے کسی کا رازقہ کہ ہم کو روزی یہ دیتا ہے کسی کا نام سالمہ بعضے بالکل بے معنی نام تھے جیسے **صدا عصمود' ہباء** ان ناموں کے پتھر بنا کر پوجتے تھے (روح البیان) جیسے آج ہندو کسی پتھر کا نام ہنومان رکھتے ہیں کہ ہے وہ انسان مگر بندر کی شکل کسی کا نام گنیش کہ ہے انسان مگر ہاتھی کی شکل اس کے منہ پر سونڈ' کسی کا نام کنہیا جو ہے انسان مگر کبھی ایک بالشت کا کبھی بیس گز کا اس قسم کی مخلوق کوئی نہیں گزری صرف الفاظ بے معنی اور نام بے مسمی ہیں ان وہمیات کی پرستش میں گرفتار ہیں 'درود ہو اس آقائے دو جہاں پر جس نے ہم کو ان وہمیات کی پرستش سے نکال کر اللہ واحد قہار کے دروازے پر جھکا دیا۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) **ما نزل اللہ بھا من سلطان** یہ ان کے معبودوں کی حقیقت ہے **بھا** کا مرجع وہی اسماء یعنی گھڑے ہوئے وہمی نام ہیں سلطان کے لغوی معنی ہیں غلبہ یہاں مراد ہے دلیل قوی کیونکہ وہ غلبہ کا ذریعہ

ہوتی ہے یعنی نہ تم لوگوں نے ان کے نام والوں کو دیکھا ہے اور نہ کسی نبی کی کسی کتاب آسمانی نے ان کی خبر دی ہے لہٰذا وہ صرف تمہارے گھڑے ہوئے وہمی نام ہیں۔ سبحان اللہ کیسی نفیس دلیل ہے کہ ان چیزوں کی معبودیت تو درکنار موجودیت بھی ثابت نہیں پھر ان کی عبادت کیسی مگر آپ ان کی ہدایت سے مایوس تھے اس لئے فرمایا **فانتظروا انی معکم من المنتظرین** تم میری بات مانو گے تو نہیں اب تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو میں بھی اس گھڑی کا منتظر ہوں جب تم پر عذاب آئے گا نبی کی مایوسی خدا کا بڑا عذاب ہے یا یہ مطلب ہے کہ تم میرے جھوٹ کے ظہور کا انتظار کرو کہ تم پر عذاب نہ آئے اور میرا سچا ہونا ظاہر نہ ہو اور میں تم پر عذاب آنے کا انتظار کر رہا ہوں تم میں رہ کر تمہارے ساتھ بس کر یا تم مجھ پر مصیبت آنے کا انتظار کرو اور میں تمہاری ہلاکت کا انتظار کر رہا ہوں کیونکہ انتظار اچھی چیز کا ہوتا ہے اور اندیشہ و خطرہ خطرناک چیز کا **منتظرین** جمع فرما کر بتایا کہ تمہاری ہلاکت کی بہت مخلوق منتظر ہے' میرے سارے مومنین' فرشتے' زمین کے ذرات' درخت' پتھر' مومن جنات' وغیرہ میں ابھی ان کے ساتھ تمہاری ہلاک کا منتظر ہوں۔

خلاصہ ء تفسیر : ہود علیہ السلام کے اس کلام بلاغت نظام کو سن کر قوم عاد کے کفار بجائے نصیحت لینے کے ان کے مقابل آ گئے اور بولے کہ آپ ہم پر آسمان سے یا اپنی جاء عبادت سے اس لئے نازل ہوئے ہیں کہ ہم آپ کی باتوں میں آ کر اپنی عقل کے خلاف ایک اللہ کی عبادت کرنے لگیں اور اپنے باپ دادوں کی مخالفت کریں کہ ان کے معبودوں کی عبادت چھوڑ دیں اچھا ہم سے زیادہ کلام نہ کرو اگر سچے ہو تو ہم پر وہ عذاب لے آؤ جس سے ہم کو ڈراتے دھمکاتے ہو آپ نے فرمایا کہ مت گھبراؤ سمجھو کہ تم پر تمہارے رب کی طرف سے اس کا غضب اس کا عذاب آ ہی گیا بس اس کے ظہور کی دیر ہے سب کچھ مکمل ہو چکا ہے۔
تمہیں شرم نہیں آتی کہ میں ہوں اللہ کا سچا رسول تم مجھ سے ایسے وہمی معبودوں کی حمایت میں لڑتے جھگڑتے ہو جن کے نام تم لوگوں نے خود گھڑ کر یہ مان لیا ہے کہ یہ ہمارے معبود ہیں وہ تو موجود بھی نہیں معبود تو کیا ہوتے تمہارے بتوں کے بعض نام بالکل ہی بے معنی مہمل ہیں' بعض کے معنی تو ہیں مگر ان کی حقیقت کچھ نہیں نہ تو تم نے ان معبودوں کو کبھی دیکھا نہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کسی کتاب کے ذریعہ تم کو ان کی خبر دی ہے لہٰذا یہ محض وہمی چیزیں ہیں' اچھا اب فہمائش کا موقعہ نکل چکا اب تم بھی عذاب الٰہی کا انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں۔ تمہارا انتظار کرنا بھی عذاب ہے میرا یہ انتظار اللہ کی رحمت ہے میرے لئے۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے: **پہلا فائدہ**: نبی کے فرمان کے مقابل جاہل باپ دادوں کی ناجائز رسموں کی پابندی کفار کا طریقہ ہے سارے عالم کے لوگ فرمان پیغمبر کے مقابل جھوٹے ہیں وہاں کثرت رائے کا اعتبار نہیں یہ فائدہ **و نذر ما کان یعبد اباء نا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: نبی کی تشریف آوری اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے مگر کفار اپنی بدبختی سے اسے اپنے لئے مصیبت بنا لیتے ہیں۔ یہ فائدہ **اجئتنا** سے حاصل ہوا کہ قوم عاد نے حضرت ہود علیہ السلام کی تشریف آوری کو اپنے لئے مصیبت جانا۔ **تیسرا فائدہ**: خوش نصیب لوگ نبی کو ان کی صورت ان کی سیرت ان کے معجزات دیکھ کر مان لیتے ہیں مگر کفار عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جب تم ہم پر عذاب لاؤ گے تب ہم تم کو مانیں گے۔ یہ فائدہ **فاتنا بما تعدنا** سے حاصل ہوا مگر اس وقت کا ماننا بالکل بے کار رہتا ہے خدا جب دین لیتا ہے تو عقل بھی چھین لیتا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: نبی کو بالکل بے بس اور مجبور ماننا کفار کا طریقہ ہے انہیں اللہ تعالیٰ بڑے اختیارات قدرتیں بخشتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **فاتنا بما تعدنا** سے حاصل ہوا قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو مجبور محض سمجھ کر ہی تو کہا تھا کہ اگر آپ سچے ہیں تو عذاب لائیے یعنی آپ

عذاب لانے پر بالکل قادر نہیں اس قول کو قرآن مجید نے اس کے کفر میں شمار کیا۔ **پانچواں فائدہ:** بعض انبیاء کرام نے قوم کے مطالبہ عذاب سے تنگ آکر ان کے عذاب کی بددعا کی ہے دیکھو نوح علیہ السلام نے عرض کیا تھا **رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا** اور بعض حضرات نے دعا نہ کی بلکہ خود ہی فرمادیا جاؤ عذاب آگیا جیسے یہاں ہود علیہ السلام نے کہ دعا نہ کی بلکہ خبر عذاب اپنی ذمہ داری پر دے دی یہی حال رحم و کرم کا ہے کہ وہ حضرات کبھی رحمت کی دعا کرتے ہیں کبھی خود ہی دے دیتے ہیں رب ان کی زبان خالی نہیں جانے دیتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ربیعہ کو خود ہی جنت دیدی حضرت عکاشہ کو خود ہی فرمادیا کہ تم بے حساب جنتی ہو گئے موسیٰ علیہ السلام نے سامری سے خود ہی فرمادیا **فاذھب فان لک فی الحیوۃ ان تقول لا مساس**۔ معلوم ہوا رب کی طرف سے مختار مطلق اور ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** آئندہ کی یقینی خبر کو ماضی سے تعبیر کرسکتے ہیں یہ جھوٹ نہیں بلکہ اس میں اپنے یقین کا اظہار ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **قد وقع علیکم من ربکم رجس** سے حاصل ہوا کہ ہود علیہ السلام نے آنے والے عذاب کو **قد وقع** فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** رب تعالیٰ نہیں چاہتا کہ بندوں پر عذاب بھیجے اسے پسند یہی ہے کہ رحم و کرم فرمائے بندے خود اپنی حرکتوں سے عذاب مانگ لیتے ہیں یہ فائدہ **من ربکم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **من اللہ** نہیں فرمایا گیا۔ ربوبیت کا تقاضا رحمت و کرم ہے ہم نے عرض کیا ہے۔

اے کریم از ما جفا از تو وفا / اے کریم از ما خطا از تو عطا!
کار ما بدکاری و شرمندگی / کار تو ستاری و بخشندگی!

اس لئے وہ کریم نبیوں ولیوں کو دنیا میں بھیجتا ہے تاکہ بندے ان کے ذریعہ سے عذاب سے بچیں۔ **آٹھواں فائدہ:** نبی سے لڑنا جھگڑنا کفار کا طریقہ ہے وہاں زور نہ دکھاؤ زاری کرو۔ یہ فائدہ **تجادلوننی** فرمانے سے حاصل ہوا وہ بارگاہ بہت نازک ہے۔

ادب گاہے است زیر آسمان از عرش نازک تر / نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا!

نواں فائدہ: کفار کے اکثر معبودین محض فرضی مخلوق ہے جس کا وجود کوئی نہیں محض نام ہیں بغیر مسمیٰ کے محض گھڑے ہوئے قصے ہیں بغیر کسی اصل واقعہ کے جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ ہنومان، گنیش، کنھیا کالی دیوی وغیرہ یہ کوئی مخلوق ہی نہیں انسان کو اللہ نے اچھی صورت میں پیدا فرمایا **لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم** نہ اس کے چوتڑوں پر دم ہوسکتی ہے نہ منہ پر سونڈ نہ اس کے دس بیس ہاتھ ہوسکتے ہیں نہ چھ سات منہ یہ فائدہ **سمیتموھا انتم و اباء کم** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** جس مخلوق کا کسی نبی کسی آسمانی کتاب میں ذکر نہ ہو وہ محض فرضی ہے جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ یہ فائدہ **ما نزل اللہ بھا من سلطان** سے حاصل ہوا جو خوشامدی مسلمان ہندوؤں کے مذکورہ دیوتاؤں کو ولی یا مصلح مانتے ہیں۔ وہ اس آیت میں غور کریں "ایسی مخلوق کا ثبوت نہ قرآن مجید میں ہے نہ حدیث شریف میں پھر انہیں کھینچ تان کر ولی ثابت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے جب ایسی مخلوق موجود ہی نہیں تو وہ ولی یا مصلح کیسی فائدہ۔ کفار کا مسلمانوں پر مصیبت کا انتظار کرنا بھی کفر ہے اور مسلمانوں کا کفار کے عذاب کا انتظار کرنا عبادت ہے۔ یہ فائدہ **فانتظروا ورمنا لمنتظرین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ قوم عاد نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو ہم پر عذاب لاؤ نبی کے سچے ہونے اور قوم پر عذاب آنے میں کیا تعلق۔ انہوں نے یہ بے جوڑ بات کیوں کہی اور قرآن کریم نے اس نقل کیوں فرمایا۔ **جواب:** ان کی اس بکواس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ اگر آپ سچے نبی ہیں اور ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے تو چاہئے کہ ہم پر عذاب

آجائے کیونکہ نبی کا انکار عذاب کا باعث ہوتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ آپ نے خبر دی ہے کہ تم نے اگر میری اطاعت نہ کی تو تم پر عذاب آجائے گا آپ کی یہ خبر سچی ہے تو ہم پر عذاب لاؤ کیونکہ ہم آپ کی بات نہیں مانتے۔ **دوسرا اعتراض:** ہود علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ تم پر عذاب و غضب آگیا یہ کیوں نہ فرمایا کہ میں اللہ سے دعا کروں گا تم پر عذاب بھیجے۔ **جواب:** اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ علم الٰہی میں تمہارے عذاب کا فیصلہ ہو چکا لوح محفوظ میں تمہارا عذاب لکھا جا چکا ہے میں تحریر دیکھ کر کہہ رہا ہوں کہ عذاب لازم ہو گیا دوسرے یہ کہ اگرچہ ابھی تم پر عذاب آیا نہیں مگر یقیناً آنے والا ہے گویا آ ہی گیا یقینی چیز اگرچہ ابھی آئی نہ ہو مگر وہ گویا آئی ہوئی ہوتی ہے کیونکہ جو نبی کے منہ سے نکل جائے وہ ہو کر رہتا ہے جیسے یوسف علیہ السلام نے خواب بیان کرنے والے دو قیدیوں سے فرمایا **قضی الا مر الذی فیہ تستفتیان** تم نے خواب جھوٹی کہی یا سچی اب جو میں کہہ چکا وہ ہو کے رہے گا۔ **تیسرا اعتراض:** ہود علیہ السلام نے یہ کیوں فرمایا کہ تم انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا ہوں وہ لوگ تو عذاب الٰہی آنے کے قائل ہی تھے پھر انتظار کیسا؟ **جواب:** یہ فرمان انتہائی غضب کے اظہار کے لئے ہے جیسے عادی چور سے کہا جائے کہ تو جیل کا انتظار کر یا یوں کہو کہ قوم حضرت ہود علیہ السلام کی نبوت سچائی کو دل سے مانتی تھی یہ بھی جانتی تھی کہ وہ جو کہہ دیتے ہیں وہ سچ ہوتا ہے زبان سے انکاری تھے آپ کا یہ فرمان ان کے دل کی ترجمانی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کہ **انی معکم من المنتظرین** صرف اتنا فرمادینا کافی تھا کہ **انی منتظر**۔ **جواب:** اس عبارت میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ تم پر عذاب آنے تک میں تمہارے ساتھ تمہاری بستی میں ہی رہوں گا جب عذاب آئے گا تب میں تم سے جدا ہوں گا۔ چنانچہ عذاب آتے وقت نبی اور مومنین وہاں سے نکال دیئے جاتے ہیں دوسرے یہ کہ تم پر عذاب کا انتظار صرف میں ہی نہیں کرتا ہوں میرے سارے ماننے والے مومنین انتظار کر رہے ہیں میں ان میں شامل ہوں۔ سارے مومنوں کو تمہارے انجام اور تمہارے عذاب کی میں نے خبر دے دی ہوئی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** گزشتہ امتوں نے اپنے نبیوں سے عذاب مانگے اور آ گئے مگر کفار مکہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عذاب مانگا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **ما عندی ما تستعجلون بہ** میرے پاس تمہارا منہ مانگا عذاب نہیں یا فرمایا کہ اگر میرے پاس وہ عذاب ہوتا تو فیصلہ ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بالکل مختار نہیں مجبور و معذور ہیں۔ **جواب:** تحقیق یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیات کے یہ معنی نہیں کہ میں عذاب لانے سے مجبور ہوں بلکہ معنی یہ ہیں کہ میں رحمت والا نبی ہوں میرے پاس رحم و کرم ہے عذاب نہیں اگر عذاب ہوتا تو تم ہلاک ہو جاتے میرا منشاء یہ ہے کہ نہ مکہ اجڑے نہ کعبہ' چاہ زمزم وغیرہ برباد ہوں نہ کفار مکہ ہلاک ہوں بلکہ مکہ وغیرہ آباد رہے اور یہی کفار مسلمان ہو کر اسلام کی خدمات انجام دیں۔

تفسیر صوفیانہ: بدنصیب اور خوش نصیب میں چند فرق ہیں ایک یہ کہ بدنصیب اپنے نفس اپنے رسم و رواج کو اچھائی برائی کی کسوٹی بناتا ہے کہ جو عقیدہ جو عمل میری اور میرے جاہل باپ داووں کی رائے و عمل کے مطابق ہو وہ اچھا ہے جو ان کے خلاف ہو وہ برا ہے مگر خوش نصیب نبی کے قول و عمل کو اپنے اور اپنے باپ داووں کے لئے کسوٹی بناتا ہے کہ میرا اور میرے باپ دادوں کا جو عقیدہ و عمل نبی کی تعلیم کے موافق ہے وہ اچھا ہے جو اس کے خلاف ہے وہ برا وہ حضرات اللہ تعالٰی کی طرف سے حق و باطل سچ و جھوٹ اچھے برے میں فرق فرمانے آتے ہیں۔ عاد بدنصیب قوم تھی انہوں نے حضرت ہود علیہ السلام کے فرمان کو اپنے باپ داداؤں کی کسوٹی پر کسا دوسرے یہ کہ بدنصیب نبی کو عذاب اور بلا سے آزماتا ہے کہ اگر یہ مجھ پر عذاب لادیں تو سچے نبی ہیں ورنہ

نہیں اسی سے وہ مارا جاتا ہے خوش نصیب ان کی نبوت دلائل اور معجزات سے پہچان کر ان کی فرماں برداری کر کے عذاب دفع کرنے کی کوشش کرتا ہے غرضیکہ بد نصیب عذاب منگاتا ہے خوش نصیب عذاب بھگاتا ہے قوم عاد بد نصیب تھی انہوں نے اپنے منہ سے اپنی موت مانگی کہ کہافا تنا بما تعدنا تیسرے یہ کہ بد نصیب نبی کا زور آزماتا ہے' خوش نصیب ان کی بارگاہ میں زاری کرتا ہے' لہٰذا بد نصیب مارا جاتا ہے' خوش نصیب امان پاتا ہے' صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس عبادت میں نبی کی اطاعت شامل نہ ہو وہ صرف نام ہے بغیر مسمی کے نام ڈھانچہ ہوتا ہے نام والا روح رواں 'ایسے ہی عبادات ڈھانچہ ہے اطاعت نبی اس کی روح رواں اسماء سمیتموھا کی ان کے نزدیک یہ تفسیر ہے منافقین نبی سے پھر کر کلمہ پڑھتے تھے 'ابلیس نے نبی سے منہ موڑ کر عبادات کیں تو ان سب کے پاس صرف الفاظ رہ گئے صرف نام رہ گئے نام والا ان سے ناراض ہی رہا۔ اللہ تعالیٰ اپنی عبادات نبی کی اطاعات کی توفیق نصیب کرے کہ وہی ایمان وایمانیات کا مغز ہے۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا
پس بچا لیا ہم نے انہیں اوران کو جو ان کے ساتھ تھے ساتھی اپنی رحمت سے اور کاٹ دی ہم نے جڑ انکی
تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جڑ ہماری آیتیں جھٹلانے
بِاٰیٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۲﴾ ع ۹ ۱۴
جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور نہیں تھے وہ مومن۔
تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: اب تک حضرت ہود علیہ السلام کی مہربانیوں اور قوم عاد کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا اب اس کے انجام کا ذکر ہے کہ آخر کار نہ یہ نافرمان رہے نہ ان کی نافرمانیاں ہی رہیں ان کے قصے ہی رہ گئے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ لو تم پر عذاب آہی گیا اب ارشاد ہے کہ جیسا انہوں نے کہا تھا ویسا ہی ہوا جو ان کی زبان شریف سے نکلا تھا وہ اسی طرح ہوا گویا نبی کے قول کا ذکر پہلے تھا اس کے ظہور کا ذکر اب ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت ہود علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا کہ میں مع اپنی مومن جماعت کے تمہارے عذاب کا انتظار دیکھ رہا ہوں اب ارشاد کے بعد ختم انتظار ہے کہ آخر کار ان کے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور آپ نے اپنی آنکھوں سے ان کا عذاب دیکھ لیا گویا انتظار کا ذکر ہے جیسا ان کی مبارک زبان سے نکلا تھا ویسا ہوا۔

تفسیر : **فانجیناہ والذین معہ** عبارت نیا جملہ ہے جس میں ف فصیحہ ہے یعنی اس سے پہلے ایک مضمون پوشیدہ ہے جسے یہ ف ظاہر کر رہی ہے اصل عبارت یوں ہے **فوقع العذاب فانجیناہ**۔ **انجینا** بنا ہے **نجاۃ** سے جس کا مادہ نجو ہے بمعنی علیحدگی اسی سے ہے مناجات کہ وہ علیحدگی میں کی جاتی ہے اس سے ہے استنجا کہ وہ بھی تنہائی اور علیحدگی میں ہوتا ہے۔

ضمیر حضرت ہود علیہ السلام کی طرف ہے اور **الذین** سے مراد مومنین ہیں معیت و ہمراہی مراد ہے دینی ہمراہی نہ کہ صرف مکانی و جسمانی ہمراہی ایمانی ہمراہی قوی اور دائمی ہوتی ہے چونکہ نبی کی ہمراہی ان لوگوں کی نجات کا ذریعہ تھی اس لئے **والذین معہ** فرمایا گیا اور پہلے حضرت ہود کی نجات کا ذکر ہوا بعد میں ان مومنین کا **برحمۃ منا** یہ متعلق ہے **نجینا** کے 'ب' سببیہ ہے رحمت میں تنوین عظمت کی ہے۔ جس کے معنی ہوئے بڑی عظیم الشان رحمت یعنی ہم نے جناب ہود اور ان کے مومن ساتھیوں کو اپنی رحمت عظیمہ کے ذریعے عذاب سے نجات دی 'ہود علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانا مومنوں کو ایمان کی توفیق پھر ان سب کو ایمان پر قائم رکھنا پھر اس ایمان کی برکت سے عذاب سے نجات دینا یہ سب کچھ ہمارے رحم و کرم خاص سے ہوا یہ ہمارا فضل تھا اور ہمارا عدل یہ تھا کہ **وقطعنا دابر الذین کذبوا بایاتنا** دابر بنا ہے دبر سے معنی پیچھے اس کا مقابل ہے قبل معنی آگے۔ اصطلاح میں دابر کہتے ہیں درخت کی جڑ کو کہ کاٹتے وقت جڑ آخر میں کٹتی ہے پہلے درخت کی شاخیں تنے کاٹے جاتے ہیں پھر نسل اور اولاد کو بھی دابر کہنے لگے کہ یہ چیزیں بھی انسان کے پیچھے ہوتی ہیں اور پیچھے رہتی ہیں **الذین** سے مراد قوم کے کفار ہیں **کذبوا** کے معنی ہیں آخر تک جھٹلاتے رہے یا ہر طرح جھٹلاتے رہے قولاً "اور عملاً۔ آیات سے مراد ہے حضرت ہود علیہ السلام کی ذات آپ کی صفات آپ کی تعلیمات آپ کے معجزات کہ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں جن سے اسے پہچانا جاتا ہے یعنی ہم نے قوم عاد کے کفار جنہوں نے ہمارے نبی ان کی صفات وغیرہ کا انکار کیا ان کی جڑ کاٹ ڈالی کہ ان کا ایک فرد بشر باقی نہ بچا ان کی اولاد تک کو برباد کر دیا ان کی نسل ہی ختم کر دی کیونکہ وہ لوگ نہ تو پہلے ایمان لائے اور **وما کانوا مومنین** نہ وہ آئندہ ایمان لانے والے تھے کہ ہمارے ہاں ان کا نام کفار کی فہرست میں تھا' یہ کافر ہی مرنے والے تھے اگر وہ جیتے تو زمین میں اور بھی فساد ہی پھیلاتے۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ حضرت ہود علیہ السلام کی تبلیغ ان کی قوم کی سرکشی کی گفتگو تو سن چکے اب یہ بھی سنئے کہ آخر کار ہم نے حضرت ہود کو اور ان کے ساتھی مومنوں کو تو اپنے خاص فضل و کرم سے عذاب سے نجات دے دی اور ان کی قوم کے وہ کافر جو اب تک حضرت ہود اور ان کی نبوت و معجزات و تعلیم کو جھٹلاتے رہے اور آئندہ بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے ان کی جڑ کاٹ ڈالی کہ ان سب کو نیست و نابود کر دیا ان کا ایک فرد بھی باقی نہ بچا ان کی نسل ختم فرما دی ان کی بستی ہی اجاڑ کر رکھ دی۔

قوم عاد کی ہلاکت

تفسیر خازن' روح البیان و معانی' مدارک وغیرہم نے قوم عاد کی ہلاکت کا بہت تفصیلی واقعہ نقل فرمایا ہے۔ جس کا اجمالی ذکر ہم کرتے ہیں قوم عاد مقام احقاف میں آباد تھی یہ علاقہ یمن کا ایک حصہ تھا بڑا وسیع تھا' عمان سے حضر موت تک پھیلا ہوا تھا اسے رمل عالج یعنی ریگ رواں اور دہقان بھی کہتے تھے یہ لوگ بڑے شہ زور مالدار بڑے سرکش و ظالم تھے جب ان کی سرکشی حد سے بڑھ گئی اور ان کے نبی حضرت ہود علیہ السلام ان سے تنگ آ گئے تو آپ نے ان کے عذاب کی دعا کی اللہ تعالیٰ نے ان پر بارش بند کر دی جب بارش بند ہوئے تین سال گزر گئے اور یہ لوگ قحط گرمی سے بہت تنگ آ گئے تو انہوں نے اپنی قوم میں سے ستر (70) آدمی مکہ معظمہ جانے بیت اللہ کعبہ شریف میں دعا مانگنے کے لئے منتخب کئے ان کا سردار دو شخصوں کو بنایا' قیل ابن عنز'

مرثد ابن سعد اس زمانہ میں ہر قوم کے لوگ مصیبت میں کعبۃ اللہ شریف جاتے وہاں دعائیں مانگا کرتے تھے مکہ معظمہ میں قوم عمالقہ آباد تھی جو عملیق ابن لاوذ ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی ان کا سردار معاویہ ابن بکر تھا جو حرم شریف سے باہر رہتا تھا' معاویہ کی ماں قوم عاد کی تھی اس رشتہ سے وہ قوم عاد کو اپنا نانا ماموں سمجھتا ان کا احترام کرتا تھا جب قوم عاد کے یہ ستر آدمی معاویہ کے پاس پہنچے تو اس نے ان کا بڑا احترام کیا بڑی خاطر تواضع اور مہمانداری کی یہ لوگ اس کے پاس ایک ماہ رہے خوب شراب پیتے تھے' معاویہ کی دو رنڈیاں تھیں وردہ اور جرادہ وہ خوب ناچتی اور گاتی تھیں اور انہیں خوش خرم رکھتی تھیں یہ لوگ شراب و گانے بجانے میں ایسے مست ہوئے کہ اپنے ملک کی ساری تکالیف بھول گئے' معاویہ نے جب دیکھا کہ یہ ستر آدمی ایک ماہ سے میرے ہاں ٹھہرے ہیں جانے کا نام نہیں لیتے میرے بقیہ ماموں نانے احقاف میں مصیبتوں میں گرفتار ہیں کسی صورت سے انہیں یہاں سے بھیجنا چاہئے اس نے یہ کہنا تو مناسب نہیں سمجھا کہ اب آپ لوگ جائیں اس نے سات شعروں کا ایک قصیدہ لکھا اور ان رنڈیوں کو حکم دیا کہ وہ ان ستر آدمیوں کے سامنے گائیں' جس کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

الا یا قیل ویحک قم فھینم لعلی اللہ یسقینا انعاما
فیسقی ارض عاد ان عادا قد امسوما یبنون الکلام
من العطش الشدید فلیس ترجو بہ الشیخ الکبیر ولا الغلاما

یہ قصیدہ بہت دردناک تھا جس میں ان لوگوں کو جھنجھوڑا گیا تھا کہ تم یہاں عیش کر رہے ہو تمہارے بال بچے اپنے گھروں میں بھوک و پیاس سے جاں بلب ہیں جس کام کے لئے آئے ہو وہ کرو یہ قصیدہ ان گانے والی رنڈیوں سے سن کر یہ لوگ گویا ہوش میں آ گئے آپس میں کہنے لگے کہ چلو حرم شریف میں غلاف کعبہ پکڑ کر دعا مانگیں ان کا ایک سردار مرثد ابن سعد خفیہ طور پر ہود علیہ السلام پر ایمان لا چکا تھا آج اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا بولا کہ تم کعبہ بھی جا کر دعا مانگو قبول نہ ہوگی' جب تک کہ اپنے شرک سے توبہ نہ کرو اور ہود علیہ السلام پر ایمان نہ لاؤ' یہ لوگ اس پر بہت ناراض ہوئے اسے وہاں ہی چھوڑا اور دوسرے سردار قیل ابن عنزہ کی قیادت میں مکہ معظمہ گئے' مرثد ابن سعد نے اس وقت ایک قصیدہ کہا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

عصت عاد رسو لھم فاسو عطاشا فا یتلھم السماء
لھم صنم یقال لہ صمود یقابلہ صداء والھباء
فبصرنا الرسول سبیل رشد فابصرنا الھدی دعلا العلماء
وان الہ ھود ھوالھی علی اللہ التوکل والرجاء

یعنی ان لوگوں نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو پیاسے مر رہے ہیں اس وقت ان کے بت صمود وغیرہ کام نہیں آ سکتے سچا معبود وہی ہے جو ہود علیہ السلام کا معبود ہے اس کی عبادت کرنی چاہئے' بہرحال یہ لوگ مکہ معظمہ پہنچے کعبۃ اللہ کے پاس دعائیں مانگنے لگے ان کا سردار قیل دعا کرتا تھا باقی لوگ آمین کہتے تھے اچانک آسمان پر تین قسم کے بادل نمودار ہوئے سفید' سرخ' سیاہ اور غیبی آواز آئی کہ اے قیل اپنی قوم کے لئے ان میں سے ایک بادل اختیار کر لے وہ بولا سیاہ بادل اختیار کرتا ہوں کہ اس میں بارش زیادہ ہوتی ہے جب یہ لوگ احقاف پہنچے تو ان کا مانگا ہوا سیاہ بادل احقاف پر چھا گیا یہ لوگ بڑے خوش ہو کر بولے **ھذا عارض ممطرنا** یہ بادل خوب برسے گا مگر وہ تو عذاب کی سرد اور سخت آندھی تھی چنانچہ شوال کی بائیس تاریخ بدھ کے دن صبح کے وقت

آندھی شروع ہوئی اور سات رات آٹھ دن ان پر مسلط رہی (صاوی) ساری قوم عاد کے کفار کو مردوں عورتوں، بچوں، بوڑھوں، جوانوں ان کے مال مویشیوں کو اس طرح ہلاک کر ڈالا کہ ان کو فضاء آسمانی میں اڑاتی وہاں سے نیچے گراتی تھی یہ لوگ اپنے گھروں میں گھس گئے دروازے بند کر لئے مگر خدا کے عذاب سے کون پناہ دے ہوا نے ان کے دروازے توڑ دیئے دیواریں اکھیڑ دیں اور انہیں وہاں ہی ہلاک کر ڈالا پھر غیبی پرندے نمودار ہوئے جنہوں نے ان کی لاشیں سمندر میں پھینک دیں تمام زمین احقاف ان کی لاشوں سے پٹی پڑی تھی، ہود علیہ السلام مع اپنے مومن ساتھیوں کے ایک غار میں پناہ گزیں رہے وہی ہوا ان کے لئے نہایت ہی خوشگوار تھی عاد کی ہلاکت کے بعد ہود علیہ السلام مع مومنین کے مکہ معظمہ آئے ان لوگوں نے اپنی بقیہ زندگانی وہاں ہی عبادت الٰہی میں گزار دی اور ہود علیہ السلام مقام ابراہیم اور رکن اسود کے درمیان دفن ہوئے زمزم اور رکن کے درمیان ننانوے نبیوں کی قبریں ہیں ہود صالح، شعیب، اسماعیل علیہم السلام کی قبور یہاں ہی ہیں (خازن وغیرہ) حضرت علی فرماتے ہیں کہ ہود علیہ السلام کی قبر حضرموت میں ہے، سرخ ٹیلہ کے پاس ہے آپ کی قبر کے سرہانے بیری کا درخت ہے واللہ اعلم۔ (روح المعانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کسی قوم پر بغیر نبی یا ولی کی بددعا کے عذاب نہیں آیا، جب نبی کا دل دکھتا ہے ان کے منہ سے بددعا نکلتی ہے تب عذاب آتا ہے۔ یہ فائدہ **فانجینہ** کی ف سے حاصل ہوا دیکھو فرعون نے صدہا سال دعویٰ خدائی کیا، بنی اسرائیل کے اسی ہزار بچے ذبح کرائے مگر عذاب نہ آیا مگر جب موسیٰ علیہ اسلام کی بددعا لگی **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** تب ڈوبا، مولانا فرماتے ہیں ؎

ہیچ قومی راخدا رسوا نہ کرد　　　تادل صاحب دلے آمد نہ درد

دوسرا فائدہ: نبی کی ہمراہی عذاب سے نجات کا ذریعہ ہے ان کی ذات عذاب سے بچنے کا وسیلہ ہے یہ فائدہ **والذین معہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں ہود علیہ السلام کی ہمراہی کی وجہ نجات قرار دیا گیا۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو　　　کہ رستہ میں ہیں جابجا تھانے والے

دیکھو غرق فرعون کے دن موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا **کلا ان معی ربی سیھدین** اے میری قوم تم کو فرعون ہرگز نہ پکڑ سکے گا کیونکہ میرے ساتھ میرا رب ہے، مطلب یہ ہے کہ رب میرے ساتھ ہے اور میں تمہارے ساتھ لہٰذا رب تمہارے ساتھ ہے۔ **تیسرا فائدہ**: کوئی شخص خواہ کسی درجہ کا ہو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **برحمتنا** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نجات رب کی رحمت سے ملی، ہاں رب کی رحمت نبی پر آتی ہے ان کے صدقہ دوسروں پر جیسا کہ ابھی **والذین معہ** کے ضمن میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا فائدہ**: جو کوئی نبی کے دامن سے وابستہ نہ ہو وہ کعبہ شریف سے بھی عذاب ہی لے کر آتا ہے وہاں رحمت اسے ملتی ہے جس کے دل میں نبی کا فیض ہو دیکھو قوم عاد کے ستر آدمی چھ مہینے کعبہ معظمہ میں دعائیں کرتے رہے مگر عذاب ہی لائے اسی لئے صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب حضرت عثمان مکہ معظمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے گئے تو انہوں نے کہا کہ آپ کے لئے کعبہ حاضر ہے عمرہ کر لیں آپ نے جواب دیا کہ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یہاں سے تین میل دور رکے ہوئے ہیں میں تو کعبہ کو دیکھوں گا بھی نہیں۔ **پانچواں فائدہ**: جب مومنین، قوم عاد پہاڑ کے غار میں حضرت ہود کے ساتھ رہے تو عذاب سے نجات پا گئے مومنین قوم نوح کشتی میں حضرت نوح کے ساتھ رہے غرق سے بچ گئے تو جو یار غار حضرت صدیق غار ثور میں حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں، پھر ہمیشہ کے لئے قبر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہیں ان پر رحمت خداوندی بے شمار ہو گئی اصحاب کہف کا کتا ولیوں کے غار کے دروازے پر بیٹھا ہے تو اسے دوامی زندگی کھانے پینے سے بے نیازی سردی گرمی سے امن سب کچھ مل گئے۔ **چھٹا فائدہ:** جس قوم پر عذاب الٰہی آتا ہے اس کی نسل نہیں چلتی۔ یہ فائدہ **وقطعنا دابر الذین** سے حاصل ہوا کیونکہ دابر سے مراد نسل ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ **ساتواں فائدہ:** جس کافر کے ایمان کی آئندہ امید ہو یا جس کے پشت یا شکم سے مومن پیدا ہونے والے ہوں یا شکم سے کوئی مومن پیدا ہونے والا بھی نہ ہو تب اسے ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **وما کانوا مومنین** کی تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو نوح علیہ السلام نے جب اپنی قوم کی ہلاکت کی دعا کی تو بارگاہ الٰہی میں عرض کیا انک ان تذرھم **یضلوا عبادک ولا یلدوا الا فاجرا کفارا** "خدایا اگر تو نے انہیں چھوڑ دیا تو یہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور کافر و فاجر ہی جنیں گے معلوم ہوا کہ حضرت نوح اپنے نور نبوت سے اپنی قوم کی اصل و نسل سب کچھ دیکھ رہے تھے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا فانجیناہ ہم نے حضرت ہود کو اور مومنین کو نجات دی نجات کے معنی ہیں چھوڑانا مصیبت سے نکال لینا ان بزرگوں پر عذاب آیا ہی نہیں پھر اس سے چھوڑانے کے کیا معنی۔ **جواب:** محاورہ میں نجات کے دو معنی ہیں چھوڑانا، نکال لینا اور بچالینا، یہاں دوسرے معنی سے نجات فرمایا گیا، یعنی ہم نے انہیں عذاب سے بچالیا اور اگر نکال لینے کے معنی کئے جائیں تب بھی درست ہے کہ رب نے آپ کو اس کافر قوم سے نکال لیا۔ نیز وہ آندھی آپ اور مومنین تک پہنچی مگر رحمت بن کر وہی ہوا کفار کے لئے عذاب تھی مومنین کے لئے دل خوش کن فرحت افزا ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی ہوا قوم عاد کے لئے احقاف میں عذاب ہو اور اس کے قریب ہی غار ہود میں رحمت اگر ہوا رحمت ہے تو سب کے لئے اگر عذاب ہے تو سب کے لئے۔ **جواب:** رب تعالیٰ نے اس کی مثال ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھادی تھی غزوۂ احزاب میں ہوا ایک تھی مگر خندق کے اس طرف جانب مدینہ رحمت کی تھی خندق کے دوسری طرف عذاب۔ ہیٹر اور فرج دونوں ایک میز پر رکھ دو اور دونوں میں بجلی کا پاور چھوڑو ایک ہی پاور ہیٹر میں گرم ہوگا، فرج میں ٹھنڈا، دو شخص ایک چارپائی ایک بستر میں سو رہے ہوں ایک دل خوش کن خواب دیکھ رہا ہے خوش ہو رہا ہے دوسرا خطرناک خواب دیکھ کر ڈر رہا ہے ایک قبر میں مومن و کافر دفن ہو گئے مومن کے لئے وہ قبر جنت کا باغ ہے اور کافر کے لئے وہی قبر دوزخ کی بھٹی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے دو باتیں معلوم ہو رہی ہیں ایک یہ کہ مومنین کو حضرت ہود علیہ السلام کی ہمراہی کی وجہ سے بچالیا دوسرے یہ کہ اپنی رحمت سے بچالیا ان دونوں میں سے کونسی بات درست ہے مومنین کس وجہ سے بچے؟ **جواب:** دونوں باتیں درست ہیں حضرت ہود علیہ السلام کی معیت مومنین کے لئے خود بھی رحمت تھی اور رحمت کا باعث بھی بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہر رحمت و نعمت لوگوں کو انہیں کے ذریعہ سے انہیں کے پاس سے ملتی تھی۔ **چوتھا اعتراض:** جرم تو کیا تھا عاقل بالغ کفار نے مگر ہلاک کر دیئے گئے ان کے بچے اور جانور بھی بے قصوروں کو سزا دینا عدل کے خلاف ہے۔ **جواب:** دنیاوی عذاب محض خالص عذاب نہیں ہوتے بلکہ کفار کے لئے عذاب ہوتے ہیں بچوں وغیرہ کے لئے باعث نجات اور آخرت میں باعث رفع درجات۔ رہے جانور وغیرہ ان کے لئے ہلاکت۔ جانور ویسے ہی روزانہ ہزاروں مرتے کٹتے رہتے ہیں آخرت کا عذاب خالص عذاب ہے اس لئے وہ کفار کے ناسمجھ بچوں پاگلوں کو نہ ہوگا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں لولا" ارشاد ہوا **کذبوا بایاتنا** اور پھر ارشاد ہوا **وما**

کانوا مومنین ان دونوں میں فرق کیا ہے' عبارت مکرر ہے۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کذبوا بایاتنا میں تو ان کے گزشتہ کفر کا ذکر ہے اور ما کانوا مومنین میں ان کے آئندہ کفر کا تذکرہ ہے یعنی وہ آئندہ بھی ایمان لانے والے نہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت اچھوں کا سنگ ان کی ہمراہی ہے کہ تمام رحمتوں کا نزول ان پر ہوتا ہے ان کے طفیل ان کے ساتھیوں پر اور اللہ کا سب سے بڑا عذاب اچھوں سے دوری ان سے کٹ جانا کہ ان سے جو کٹ گیا اللہ کی ہر رحمت سے دور ہو گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں شدی دور از حضور اولیاء — آں چناں داں دور گشتی از خدا

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیاء

سی ایک آیت میں ان دونوں باتوں کا ذکر ہے کہ الذین معہ چونکہ انہیں نجات ملی اور جو ان سے کٹے ہوئے تھے ان کی جڑ بنیاد کاٹ دی گئی' مقبولوں کی ہمراہی ان کی سنگت جانوروں پر بھی اثر کر دیتی ہے اصحاب کہف کا کتا ان کے دروازے پر پڑا ہوا ہے تو اسے لمبی عمر' کھانے پینے سے بے نیازی' دھوپ اور سردی گرمی سے حفاظت سب کچھ عطا ہو گئیں۔ فرماتا ہے وکلبھم باسط ذراعیہ بالوصید۔ نوح علیہ السلام کی کشتی میں جو جانور بھی بیٹھ گئے وہ ڈوبنے سے بچ گئے۔ سگا بیٹا کنعان ان سے الگ رہا ڈوب گیا' مگر خیال رہے کہ صرف جسمانی ہمراہی بغیر ایمان کافی نہیں ہمراہی ایمانی درکار ہے یہ ہمراہی وقت اور جگہ کے اتحاد سے نیاز ہے دیکھو اویس قرنی یمن میں تھے اور حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں مگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور عبداللہ ابن ابی منافق مدینہ میں تھا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا اللہ سے اچھوں کی سنگت مانگو مگر کون سی سنگت روحانی اور جنانی۔

گر بے منی و پیش منی دریمن — گر بامنی و دریمن پیش منی!

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۗ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ

اور طرف ثمود کے بھائی ان کے صالح کو فرمایا اے قوم میری عبادت کرو تم لوگ اللہ کی نہیں ہے

اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں

إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ قَدْ جَاءَتْكُم بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ هَٰذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةً ۖ

واسطے تمہارے کوئی معبود سوا اس کے تحقیق آئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے رب تمہارے کے

بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لئے نشانی تو اسے چھوڑ

فَذَرُوهَا تَأْكُلْ فِي أَرْضِ اللَّهِ ۖ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ

یہ اونٹنی ہے اللہ کی واسطے تمہارے نشانی پس چھوڑے اسکو کھاتی رہے اللہ کی زمین میں اور نہ چھوؤ تم لوگ اسکو

دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں درد ناک

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝
ساتھ برائی کے ورنہ پکڑے گا تم کو عذاب دردناک
عذاب آئے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں عاد اولی کی ہلاکت کا ذکر تھا یعنی قوم ہود علیہ السلام کا اب اس آیت میں عاد ثانیہ کی ہلاکت و تباہی کا تذکرہ ہے یعنی قوم صالح علیہ السلام کا جسے قوم ثمود بھی کہتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ قوم عاد نے ہماری آیات جھٹلائیں تو ہم نے تباہ کر دیا ان کی جڑ کاٹ دی اس آیت میں اس کی تائید میں صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا واقعہ بیان ہو رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی کا معجزہ آیت الٰہیہ ہے اس کی توہین عذاب الٰہی کا سبب ہے گویا یہ واقعہ پچھلے واقعہ کی تائید بھی ہے اور اس کے اجمال کی تفصیل بھی۔ **تیسرا تعلق**: اس سے پہلے دو نبیوں کی تبلیغ کا ذکر ہوا نوح علیہ السلام اور ہود علیہ السلام کا اب حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ تمام نبیوں کا اصل دین ایک ہے۔ جس کی طرف انہوں نے لوگوں کو دعوت دی یعنی توحید ذات و صفات کیونکہ اس تبلیغ کو گذشتہ سے پوری پوری مناسبت ہے۔

تفسیر : **والی ثمود اخاهم صالحا** یہ نئی عبارت ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اس سے پہلے پوشیدہ ہے **ارسلنا** ثمود کے متعلق دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کے معنی ہیں تھوڑا پانی چونکہ مقام حجر جہاں یہ قوم آباد تھی وہاں پانی بہت تھوڑا تھا اس لئے اس قوم کو ثمود کہتے ہیں یعنی تھوڑے پانی والی قوم دوسرے یہ کہ یہ لوگ ثمود ابن عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام کی اولاد میں تھے اس لئے انہیں ثمود کہا جاتا تھا یعنی ثمود کی اولاد ثمود کی نسل یہ لوگ مقام حجر سے وادی قریٰ تک کی بستیوں میں رہتے تھے حجر حجاز اور شام کے درمیان واقع ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام اس مقام سے گذرے ہیں اور اس کنوئیں کے پانی سے صحابہ کو روکا ہے کہ یہ پانی کوئی استعمال نہ کرے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں لفظ ثمود متصرف بھی آیا ہے اور غیر متصرف بھی فرماتا ہے۔ **الا ان ثمود کفروا ربهم الا بعدا لثمود** اس آیت میں پہلا ثمود متصرف ہے تنوین کے ساتھ دوسرا ثمود غیر متصرف ثمود۔ دال کے فتحہ سے اگر اس کے معنی ہیں حی تو متصرف ہے اگر قبیلہ کا نام ہے تو غیر متصرف کیونکہ قبیلہ مونث ہے۔ (روح البیان) **اخوت** سے مراد دینی اخوت یا برابری کی اخوت نہیں کیونکہ صالح علیہ السلام مومن ہیں نبی ہیں قوم ثمود کافر ہے بلکہ برادری اور نسبی اخوت مراد ہے **اخاهم** فرما کہ یہ بتایا کہ حضرت صالح علیہ السلام دوسری قوم دوسری جگہ کے نہ تھے بلکہ اسی قوم اسی جگہ کے تھے حضرت صالح علیہ السلام کا نسب یہ ہے صالح ابن عبید ابن آصف ابن ماح ابن عبید ابن حاذر ابن ثمود عاد ابن ارم ابن سام ابن نوح علیہ السلام ہے آپ ثمود ہیں اس قوم سے مل جاتے ہیں۔ (روح البیان ومعانی، خازن، کبیر وغیرہ) **قال یا قوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره** اس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں ہو چکی کہ کافر قوم کو اپنی قوم کہہ کر پکارنا انہیں اپنی طرف مائل کرنے کے لئے ہے میٹھے اور نرم الفاظ سے بات سننے والے کے دل میں اتر جاتی ہے عبادت سے مراد ہے ایمان لانا یعنی دلی عبادت یا ایمان لا کر جسمانی عادت کرنا **ما لکم** میں اس حکم کی دلیل دی گئی ہے یعنی

صرف اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا معبود حقیقی کوئی نہیں۔ خیال رہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہے اطاعت اللہ تعالیٰ کی، نبی کی، اور اپنے دوسرے بزرگوں کی بھی ہے' اتباع صرف نبی کی ہے اللہ تعالیٰ کی نہیں ان تینوں میں فرق اور دلیل پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ کفار بھی بہت سی نیکیاں کرتے ہیں جیسے صدقات و خیرات وغیرہ مگر وہ نیکیاں عبادات نہیں ان پر کوئی ثواب۔ عبادت وہ نیکی ہے جو نبی کے فرمان کے ماتحت کی جائے وہی قبول ہے پلاؤ کے سارے اجزا بغیر آگ پر پکے ہوئے نہ پلاؤ بنتے ہیں نہ انہیں کوئی کھاتا ہے آگ ان اجزا کو کھانے کے قابل پلاؤ بناتی ہے یونہی عشق نبی اطاعت رسول کی آگ حسنات کو عبادات بناتی ہے جیسے جسمانی آگ کے دو کام ہیں جلانا اور پکانا یونہی اس آتش عشق آتش ایمان کے دو کام ہیں گذشتہ گناہوں کو جلا کر فنا کر دینا اور اچھے کاموں کو عبادات بنا دینا عشق نبی کی آگ خوف خدا کے پانی انہیں روحانی غذا ب بناتے ہیں لہذا **اعبدوا اللہ** میں آپ کی نبوت کا ذکر بھی ہو گیا یعنی رب کی عبادت کے ذریعہ اپنی پہچان کرائی' حضرت صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قرآن کو مانا یہ ایمان صدیقی ہے حضرت عمر نے قرآن کے ذریعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جانا کہ قرآن سن کر ایمان لائے یہ ایمان فاروقی ہے۔ **قدجاء تکم بینتہ من ربکم** یعنی تم اب کفرو شرک میں بے قصور نہیں ہو بے خبر نہیں ہو تم تک میری نبوت اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی دلیلیں آچکیں۔ **بینتہ** سے مراد یا تو خود صالح علیہ السلام ہیں کہ نبی رب تعالیٰ کی جیتی جاگتی دلیل ہوتے ہیں یا آپ کے وعظ و نصیحت مراد ہیں یا کوئی اور معجزہ جو آپ قوم کو پہلے دکھا چکے تھے یا آپ کا خاص معجزہ یعنی قدرتی اونٹنی مراد ہے آخری احتمال زیادہ قوی ہے کہ اس سے قدرتی اونٹنی مراد ہے۔ **هذه ناقته اللہ** اگر وہاں **بینتہ** سے مراد ہے اونٹنی تو یہ آیت اسی کا بیان ہے اور اگر **بینتہ** سے مراد اور چیزیں تھیں تو یہ نیا جملہ ہے ایک بار آپ کی قوم نے کہا کہ ہم لوگ اپنے ایک میلہ میں جا رہے ہیں وہاں اپنے بتوں سے دعا کریں گے آپ اپنے رب سے دعا کریں اگر آپ کی دعا آپ کے رب نے قبول کر لی تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے آپ نے فرمایا بتاؤ میں کیا دعا کروں تو قوم کے سردار جندع ابن عمرو نے ایک پہاڑ کے صخرہ کی طرف اشارہ کیا' جس کا نام کاتبہ تھا کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس چٹان سے ایک حاملہ اونٹنی خوب موٹی تازی نکالے جو نکلتے ہی بچہ دے آپ نے اس قوم سے عہد و پیمان لیا کہ اگر میں نے یہ معجزہ تم کو دکھا دیا تو تم ایمان لانا سب نے عہد کیا آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ دعا کرتے ہی چٹان میں سے ایسی آواز آئی جیسے جانور بچہ جنتے وقت آواز نکالتا ہے پھر پتھر پھٹا اور ایک عظیم الجثہ موٹی تازی حاملہ اونٹنی اس میں سے نکلی اس نے نکلتے ہی بچہ جنا جو خود اس کے برابر تھا۔ (روح البیان و تفسیر صاوی وغیرہ) آپ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ ہے وہ اللہ کی طرف سے پیدا شدہ اونٹنی جو تم نے مانگی تھی۔ خیال رہے کہ اسے ناقتہ اللہ کہنے کے یہ معنی نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس پر سوار ہوتا ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ وہ کسی کی ملک نہیں سواء اللہ کے جیسے مسجد کو بیت اللہ کہتے ہیں' شکاری جانور' جنگل کی گھاس' خود رو درخت اگرچہ کسی کی ملک نہیں مگر ملک ہو سکتے ہیں کہ جو ان کا شکار کرے یا کاٹ کر قبضہ کرے وہی مالک ہو جائے اس اونٹنی میں یہ بھی نہ تھا نہ کوئی مالک تھا نہ ہو سکتا تھا اس لئے اسے ناقتہ اللہ کہا کہ اس کی پیدائش بغیر ماں باپ کے ہے محض قدرت الٰہی سے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روح اللہ کہتے ہیں **لکم ایتہ** یہ عبارت **ناقتہ اللہ** کا حال ہے چونکہ صالح علیہ السلام صرف قوم ثمود کے ہی نبی تھے اور یہ اونٹنی انہیں کے لئے انہیں کے مطالبہ پر پیدا کی گئی تھی اس لئے **لکم** مقدم فرما کر حصر کا ذکر کیا یعنی صرف تمہارے لئے ہی یہ نشانی ہے تمہاری ہی مانگی ہوئی اس حصر سے دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ یہ اونٹنی صرف تمہارے لئے معرفت الٰہی کی نشانی ہے میرے لئے نہیں کہ میں تو پہلے سے ہی عارف

باللہ۔ معجزات امت کے منوانے کے لئے ہوتے ہیں نہ کہ نبی کے لئے قرآن لوگوں کے لئے ہدایت ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے **ھدی للمتقین**۔ دوسرے یہ کہ یہ اونٹنی صرف تمہارے لئے آیت ہے نہ کہ دوسری قوموں کے لئے اگر تم اس کے اوپر ایمان نہ لائے تو عذاب تم پر آجائے گا۔ خیال رہے کہ اس اونٹنی کو چند وجہ سے آیت فرمایا گیا۔ (1) یہ بغیر ماں باپ پیدا ہوئی۔ (2) پتھر میں سے نکلی۔ (3) خوب فربہ اور جوان پیدا ہوئی۔ (4) حاملہ ہی پیدا ہوئی' پیدا ہوتے ہی بچہ دیا۔ (5) بچہ چھوٹا سا نہیں دیا بلکہ اپنی برابر کا دیا۔ (6) ایک دن چھوڑ کر ایک دن کنوئیں پر پانی پیتی تھی اور سارا کنواں پی جاتی تھی۔ (7) جب پانی کی باری ہوتی تھی تو اس دن کوئی جانور کنوئیں پر پانی پینے نہیں آتا تھا۔ (8) وہ اتنا دودھ دیتی تھی کہ ساری قوم ثمود کو کافی ہوتا تھا اور اس کی باری کے دن وہ لوگ اس دودھ سے گزارہ کرتے تھے جن کھیتوں باغوں کو وہ چر لیتی تھی اس کے سبزہ اور پھل میں بہت برکت ہوتی تھی جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ بہت سے معجزات کا مجموعہ تھا۔

ان وجوہ سے وہ ایک نشانی نہ تھی بلکہ آیات یعنی نشانیوں کا مجموعہ تھی (از خازن تفسیر کبیر) یہ معجزہ دیکھ کر جندع ابن عمرو اور اس کے خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے باقی قوم کافر رہی تب آپ نے کافر قوم سے فرمایا کہ **فذروھا تا کل فی ارض اللہ** یہاں ف جزائیہ ہے اس جملہ سے پہلے ایک شرط پوشیدہ ہے یعنی چونکہ اونٹنی اللہ کی ہے اور زمین بھی اللہ کی لہٰذا تم اسے چرنے دو جہاں چاہے کھاتی پھرے تم اسے نہ روکو۔ خیال رہے کہ **ارض اللہ** سے مراد ہر قسم کی زمین ہے خواہ چھوٹے ہوئے جنگل ہوں یا ان کے بوئے ہوئے کھیت و باغ ان لوگوں پر لازم تھا کہ جس کے کھیت یا باغ میں وہ اونٹنی گھس جائے اسے وہاں سے نہ نکالیں وہ خود ہی کھا کر نکلے جب اسے چرنے سے روکنا ممنوع تھا تو پانی سے روکنا یقیناً ممنوع تھا یعنی اسے کھانے پینے سے نہ روکو **ولا تمسوھا بسوء** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ **بسوء** میں ب تعدیہ کی ہے اور معنی یہ ہیں کہ اس کو کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ نہ اسے مارو نہ کہیں سے نکالو نہ اسے ذبح کرو اس کا ادب و احترام کرو کیونکہ یہ اللہ کی نشانی ہے۔ تمہارے لئے شعائر اللہ میں سے ہے **فیا خذ کم عذاب الیم** چونکہ یہ عبارت نہی کا جواب ہے اس لئے **ف** کے بعد ان پوشیدہ ہے اور **یا خذ** منصوب ہے ف کے معنی ہیں ورنہ یعنی اس اونٹنی کو ایذا نہ دو یا اس کی بے حرمتی نہ کرو ورنہ تم پر دردناک عذاب آجائے گا آپ نے قوم کو پہلے سے برا بھلا سمجھا دیا۔ یاد رکھو کہ اونٹنی کا انکار کرتے ہی ان پر عذاب نہ آیا بلکہ اونٹنی ذبح کرنے پر آیا تاکہ نبی کے ایمان کا پتہ چلے کہ جو جانور ان کی امان میں ہو اس کو ستانا عذاب کا باعث ہے تو امان والے انسانوں کا کیا حال ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم تیسرا قصہ اور سن لو یا اپنی قوم کو سنا دو صالح علیہ السلام کا کہ قوم ہود جسے عاد اول کہا جاتا ہے ان کی ہلاکت کے بعد ہم نے قوم ثمود میں انہیں کی برادری میں سے حضرت صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا قوم ثمود تو حجاز والوں سے بہت ہی قریب ہے اس کی بستیاں اپنے سفروں میں یہ دیکھتے ہیں آپ نے اپنی قوم ثمود سے فرمایا کہ تم اللہ کے بندے ہو اس ایک اللہ کی عبادت کرو اس پر ایمان لاؤ اس کی ہی فرماں برداری کرو عبادت کرو عبادت کے لائق اس کے سوا اور کوئی نہیں جب انہوں نے اپنے منہ سے اونٹنی کا معجزہ مانگا تو جس طرح سے جس قسم کی اونٹنی مانگی گئی آپ نے اس طرح اس قسم کی اونٹنی پتھر سے نکال کر دکھا دی اور فرمایا کہ دیکھو یہ اونٹنی تمہارے لئے میری نبوت اللہ کی قدرت کی ایک دو نہیں بلکہ بہت سی نشانیاں ہیں اب تم پر پابندی یہ ہے کہ یہ جہاں کہیں کھانا چاہے کھانے دو کسی کے کھیت یا باغ میں چرنے کے لئے گھس جائے تو

اسے نکالو مت وہ خود ہی کھا کر نکلے تو نکلے تم اسے نہ ہانکو نہ نکالو۔ ساتھ ہی خیال رکھو کہ اس کی بے ادبی نہ کرو اسے کسی قسم کی ایذا نہ پہنچاؤ نہ اسے مارو' نہ ڈانٹو' نہ زخمی کرو' نہ ذبح کرو ورنہ خیال رکھو کہ تم پر ایسا دردناک عذاب آئے گا کہ تمہارے قصے دنیا سنے گی۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب اکبر اور حبیب اعظم ہیں کہ رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گذشتہ نبیوں ان کی امتوں کے واقعات سنا کر تسکین دیتا ہے۔ دیکھو کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذائیں دیتے تھے تو رب تعالیٰ آپ کو حضرت نوح حضرت ہود حضرت صالح علیہم السلام کے واقعات بتارہا ہے فرمارہا ہے کہ محبوب غم نہ کرو یہ لوں ہی سے ہوتا چلا آیا ہے آخر جیت تمہاری ہے ڈنکے تمہارے نام کے بجیں گے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ کی عبادت بڑی نعمت ہے جسے یہ نعمت ملی وہ بڑا ہی خوش نصیب ہے' عبادت انسان کی زندگی کا اصل مقصود ہے یہ فائدہ **یقوم اعبدوا اللہ** سے حاصل ہوا تمام نبیوں نے اپنی اپنی قوم کو پہلی دعوت عبادت کی دی۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ کی جس مخلوق کو اللہ تعالیٰ سے نسبت حاصل ہو جائے وہ عظمت والی ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ **ناقتہ اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا صالح علیہ السلام کی اونٹنی اللہ کی مخلوق تھی اور دوسری اونٹنیاں بھی اللہ کی مخلوق ہیں مگر چونکہ اس اونٹنی کو اللہ تعالیٰ سے نسبت تھی کہ وہ کسی بندے کی مملوک نہ تھی اس کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی محض قدرت سے ہوئی تھی بغیر ماں باپ کے تو اسے آیت الٰہی نشان قدرت قرار دیا گیا۔ **چوتھا فائدہ:** جس جانور کو اللہ تعالیٰ سے نسبت ہو جائے اس کا ادب واحترام کرنا ایمانی رکن ہے دیکھو صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو اللہ تعالیٰ سے نسبت تھی تو فرمایا گیا **لا تمسوھا بسوء** ایسے جانوروں کی بے ادبی ایذا رسانی عذاب الٰہی کا باعث ہے اب بھی ہدیٰ کا جانور جو مکہ معظمہ قربانی کے لئے بھیجا جائے اسے قرآن کریم نے شعائر اللہ فرمایا۔ اور اس کی تعظیم کا حکم دیا کہ فرمایا **والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ** دوسری جگہ ارشاد ہوا **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب**۔

لطیفہ : ایک بار ہمارے پاس ضلع منٹگمری سے استفتا آیا کہ ایک گاؤں میں بھینس کے ایک بچہ ہوا جس کی پیشانی پر قدرتی طور پر لفظ **محمد** لکھا ہوا ہے لوگ اس کو دیکھنے قدرت خدا کا نظارہ کرنے دور دور سے آرہے ہیں کلمہ پڑھتے درود پڑھتے اور اس بچہ کو دیکھتے ہیں ہم نے علماء دیوبند سے فتویٰ منگایا انہوں نے حکم دیا کہ اسے بہت جلد ذبح کر کے فنا کر دو یہ شرک کی جڑ ہے یہ سامری کے بچھڑے کی طرح ہے ہم نے گجرات سے جواب دیا کہ اس بچہ کو محفوظ رکھو ممکن ہے کہ اس کے ذریعہ کفار حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں یہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہے یہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کی طرح لائق احترام ہے یہ بچہ کسی سامری نے نہیں بنایا ہے قدرتی ہے لوگ اسے دیکھ کر اللہ کی قدرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے اسلام کی حقانیت کے قائل ہوں گے ہم نے یہی آیت انہیں لکھ بھیجی۔ مگر ہمارا فتویٰ پہنچنے سے پہلے دیوبندی علماء کی مہربانی سے وہ بچہ ذبح کر کے فنا کر دیا گیا۔ میں نے مرغی کے انڈے پر' پتھروں پر' بکرے کے بچے کے جسم پر قدرتی طور پر نام **محمد** لکھا ہوا دیکھا ہے۔ ایک پتھر میرے پاس ہے جس پر صاف لکھا ہے **محمد**۔ اللہ تعالیٰ وہابیوں کو سمجھ دے۔ **پانچواں فائدہ:** معظم جانور کی خاطر مدارات کرنا اسے اچھے کھانے دینا' اچھی طرح اس کی پرورش کرنا بہت ہی ثواب کا باعث ہے۔ یہ فائدہ **فذروھا تاکل فی ارض اللہ** سے حاصل ہوا۔ بعض لوگ قربانی عقیقہ گیارہویں شریف کے بکرے کو اچھی طرح پالتے فربہ کرتے ہیں ان کے اس عمل کا ماخذ

یہی آیت ہے۔ چھٹا فائدہ: اگر حلال چیز کا کھانا نقصان دے تو اس سے بچنا ضروری ہے اس لئے نہیں کہ وہ حرام ہے بلکہ اس لئے کہ وہ نقصان دہ اور مضر صحت ہے دیکھو اونٹ حلال ہے اس کا ذبح کرنا جائز مگر صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا ذبح کرنا اسے کھانا ممنوع تھا کیونکہ اس پر عذاب آنے کا خطرہ تھا۔ یہ فائدہ **فیا خذکم عذاب الیم** سے حاصل ہوا آج بعض بزرگوں کے جنگل کا شکار بعض بزرگوں کے تالابوں کی مچھلیوں کا شکار تجربہ سے سخت نقصان دہ ثابت ہوا لوگ ان سے بچتے ہیں اس لئے نہیں کہ وہ حرام شرعی ہیں بلکہ اس لئے کہ وہ مضر ہیں اس کا ماخذ یہی آیت ہے جیسے بلغمی مزاج والے کو بادی چیزوں سے پرہیز کرایا جاتا ہے اس لئے نہیں کہ وہ شرعاً حرام ہیں بلکہ اس کے لئے مضر ہیں یہ بات خوب خیال میں رکھو۔ بعض ناسمجھ اس عمل کو شرک و کفر کہتے ہیں غلط ہے۔ خیال رہے کہ حدود حرم شریف کا شکاری جانور حرام نہیں اگر وہ اس حد سے نکل جائے تو اس کا شکار کیا جاسکتا ہے حدود حرم میں اسے شکار کرنا حرام ہے چیز کا حرام ہونا اور ہے اور فعل حرام ہونا کچھ اور۔ یہ بھی خیال رہے کہ حدود مدینہ کے شکاری جانور کا شکار کرنا شوافع کے ہاں حرام ہے امام اعظم کے ہاں حرام نہیں بایں معنی کہ اس کے شکار سے فدیہ یا جزا واجب نہ ہوگی باقی وہاں کے شکاری جانور بلکہ وہاں کے پھول و خار کا بھی احترام ضروری ہے۔ اعلیٰ حضرت نے خوب فرمایا۔

ان کے حرم کے خار کشیدہ ہیں کس لئے ——— آنکھوں میں آئیں سر پہ رہیں دل میں جاکریں

نسبتوں سے عظمتیں ضرور حاصل ہوتی ہیں۔

پہلا اعتراض: معلوم ہوا کہ نبی اپنی امت کے بھائی ہوتے ہیں۔ دیکھو فرمایا گیا **اخاھم صالحا** لہذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم بھائی کہہ سکتے ہیں؟ **جواب**: اخ کے دو معنی ہوتے ہیں برادر یا برابر نبی کبھی امت کے برابر نہیں ہوتے ہاں بعض نبی اپنی امت کی برادری والے تھے کہ اس قوم کے تھے بعض نہ برابر تھے نہ برادر کہ دوسری قوم دوسرے ملک کے رہنے والے برادری چند قسم کی ہوتی ہے نسب، وطن، پیشہ، زبان وغیرہ بتاؤ تم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کس معنی سے اخ یعنی بھائی کہتے ہو اگر کہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن ہیں ہم بھی مومن اور تمام مومن آپس میں بھائی ہیں تو رب تعالیٰ بھی مومن ہے اسے بھائی کہو ہم مومن ہیں یعنی ایمان لینے والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن ہیں، ایمان دینے والے نیز جو برادری پیدا کرے وہ مورث اعلیٰ باپ ہوتا ہے برادر نہیں ہوتا نہ برابر باپ۔ اولاد کا بھائی نہیں بلکہ بھائی گر ہے نیز بھائی کی بیوی بھاوج ہوتی ہے اس سے نکاح درست حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مومنوں کی مائیں ہیں نہ کہ بھابھی لہذا کسی لحاظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم امتی کے بھائی نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: مسلمانوں کا خدا بھی خوب ہے، جو اونٹنی کی سواری کرتا ہے اس سے تو ہم انسان ہی اچھے کہ موٹروں ہوائی جہازوں کی سواری کرتے ہیں دیکھو مسلمانوں کا قرآن کہتا ہے **ھذہ ناقۃ اللہ** (آریہ) **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ ہندوؤں کا خدا نارائن خوب ہے گڑھ کیشر گنگا کی سیڑھیوں سے چڑھتا اترتا ہے جسے ہندو ہر کی پڑی کہتے ہیں یعنی خدا کی سیڑھی اس سے تو ہم بھی اچھے ہیں کہ لفٹ اور بجلی کے زینہ سے چڑھتے اترتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **ناقۃ اللہ** کے معنی یہ کہاں کہ اللہ تعالیٰ کی سواری کی اونٹنی اس کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی مملوکہ اونٹنی اس کی قدرت کی مظہر اونٹنی جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے مسجد کو اللہ کا گھر کعبہ کو بیت اللہ کہتے ہیں یہ سب نسبتیں اس معنی سے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: صالح علیہ السلام کی اونٹنی میں کیا خصوصیت تھی جس سے اسے اللہ کی آیت بینہ فرمایا گیا۔ اونٹ گائے ہزاروں دنیا میں ہیں۔ (ہندو) **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ

اونٹنی بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئی پتھر سے پیدا ہوئی' پیدا ہوتے ہی اس نے بچہ دیا بہت زیادہ دودھ دیتی تھی' بہت زیادہ پانی پی جاتی تھی ان وجوہ سے اسے آیت اللہ کہا گیا۔ تعجب ہے کہ وہ ہندو جو ہر گائے ہر بندر کو مانا اور رامانو کہہ کر پوجیں وہ اسلام پر ایسے رکیک اعتراض کریں بتاؤ بندروں' گاؤں' سانپ میں کیا خصوصیت ہے کہ تم ان کی پوجا کرتے ہو۔ **چوتھا اعتراض:** اللہ تعالیٰ نے قوم صالح علیہ السلام کو یہ حکم کیوں دیا تھا کہ اسے کوئی کھیت والا' باغ والا اپنے کھیت و باغ سے نہ ہانکے اسے کھانے دے یہ ظلم ہے پرائی کھیتی' پرایا باغ جانور سے چروا دینا کسی طرح جائز نہیں ایسی اونٹنی کانجی ہاؤس کے لائق ہے۔ (ہندو اور بعض نادان مسلمان)
جواب: اس اونٹنی کا دودھ ساری قوم پیتی تھی جس جانور کا دودھ پیا جائے اسے چارہ بھی دیا جاتا ہے جب سب اس کا دودھ پیتے تھے تو سب کے ذمہ اس کا چارہ لازم تھا اس لئے یہ فرمایا گیا۔ نیز روایات میں ہے کہ اس اونٹنی کے کھانے سے کھیت اور باغ میں اور زیادہ برکت بڑھوار ہوتی تھی اگر کسی کی چیز کے استعمال سے چیز کم نہ ہو تو بلا اجازت اس کا استعمال جائز ہے جیسے کسی کے چراغ سے روشنی لے لینا۔ نیز یہ اونٹنی ساری قوم نے مانگی تھی وہ سب کی مہمان تھی جسے بلایا جائے اسے کھلایا بھی جاتا ہے نیز قوم پر یہی پابندی ان کے عذاب کا ذریعہ تھی کہ ان پابندیوں سے تنگ آکر اسے ذبح کر دیں ان پر عذاب الٰہی آئے۔ **پانچواں اعتراض:** اس اونٹنی کو ایذا دینے پر عذاب کیوں آیا اور کیوں فرمایا گیا **فیاخذکم عذاب الیم** دن رات جانور ذبح ہوتے رہتے ہیں کبھی عذاب نہیں آتا۔ **جواب:** یہ اونٹنی محض ایک جانور نہ تھی بلکہ نبی کا معجزہ بھی تھی۔ اور اللہ تعالیٰ کی نشانی قدرت بھی اسے ستانا نبی کی امان کو توڑنا تھا اور اللہ تعالیٰ کا گویا مقابلہ کرنا اس کے اتارے ہوئے ان کے منہ سے مانگے ہوئے معجزہ کا انکار تھا لہٰذا اس جرم پر عذاب آنا ہی تھا' شکاری جانور دن رات ذبح ہوتے ہیں مگر حرم کعبہ حدود مکہ معظمہ کا شکاری جانور ذبح نہیں ہو سکتا اس کو اس جگہ سے اٹھانا بھی حرام ہے کیونکہ وہ کعبہ معظمہ کی امان میں ہے۔ **ومن دخلہ کان امنا** تو جو نبی کی امان میں ہو' اس کی ایذاء پر بھی عذاب آنا چاہئے کہ اس نے نبی کی توہین کی اور اپنے مانگے ہوئے معجزہ کا انکار کیا۔

تفسیر صوفیانہ : صالح علیہ السلام کا معجزہ جو شکل اونٹنی میں ایک پہاڑ سے نمودار ہوا یہ عوام کے لئے ایک معجزہ تھا جو ایک بار ہو چکا مگر حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ روحانی اونٹنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے خواص کے لئے تاقیامت ظاہر ہوتا رہے گا' بندہ خاص کا دل گویا پہاڑ ہے اس پہاڑ سے سر الٰہی کا ناقہ نکلتا ہے یہ ناقۃ اللہ امانت معرفت لے کر آیا ہے اور قلب میں رہنے بسنے والی قوتوں کے لئے واردات الہیہ کا دودھ دیتا ہے اس سر الٰہی کے ناقہ کو اجازت دو کہ وہ قدس کے باغوں میں چرتا پھرے انس کے حوض میں پیتا رہے اسے شریعت کی مخالفت' طریقت کے مقابلہ کی چھری سے ذبح نہ کر دو ورنہ تم کو سخت عذاب یعنی مواصلت سے دوری کی سزا دی جائے گی (روح البیان) صوفیاء کے نزدیک صالح علیہ اسلام کی اونٹنی چونکہ ان کی حفظ و امان میں تھی اس لئے اسے ستانا عذاب کا باعث ہوا آج بھی جو بندے جناب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفظ و امان میں ہوں انہیں ستانا عذاب کا باعث کعبہ کا حرم شریف تین تین میل کی حدود میں ہے جہاں شکار کو چھیڑنا حرام ہے حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حرم سارے جہان میں پھیلا ہوا ہے وہاں کے بسنے والے اولیاء اللہ کو ستانا عذاب کا باعث ہے۔ حدیث قدسی ہے **من عادی لی ولیا اذنتہ بالحرب** جو میرے ولی سے دشمنی کرے میں اسے اعلان جنگ دیتا ہوں اب بھی فقیروں کی بددعا سے ہم نے خود لوگ اجڑتے ہوئے دیکھے ہیں اس ناقۃ اللہ سے دودھ حاصل کرو ان کی دعائیں لو ان کا خون نہ چوسو بد دعائیں نہ لو' امان اولیاء کعبہ ایمان محمد رسول اللہ کا حرم ہے ہم جیسے گنہگاروں کے لئے دار الایمان ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِی الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ

اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ بنایا تم کو پیچھے آنے والے بعد عاد کے اور جگہ دی تم کو زمین میں کہ بناتے ہو تم

اور یاد کرو جب تم کو عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں

مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْٓا

اس کی نرم زمین میں محلات اور کھودتے ہو تم پہاڑوں کو گھروں کے لیے پس یاد کرو تم

محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ

اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿۷۴﴾

نعمتیں اللہ کی اور مت پھیلو تم زمین میں فساد کرنے والے

کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: صالح علیہ السلام نے پچھلی آیت میں قوم ثمود کو دلائل اور خوف کے ذریعہ دعوت ایمان دی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی نعمتیں جوان پر تھیں ان کی طرف توجہ دے کر دعوت ایمان دی گویا تبلیغ کی تین نوعیتوں میں سے دو کا ذکر پہلے ہوا یعنی دلائل اور خوف تیسری قسم کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم نے اسی اونٹنی پر زیادتی و ظلم کیا تو عذاب الٰہی آجانے کا خطرہ ہے اب اس خطرہ کا ثبوت قوم عاد کی ہلاکت کا واقعہ بیان فرما کر دیا جارہا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کی جیتی جاگتی دلیل دی جارہی ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا ذکر تھا کہ **مالكم من اله غيره** اب اس آیت میں اس رب کریم کی الوہیت کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ تم لوگ خود اور تمہارے انقلابات اس کی دلیل ہیں تم جس کے ہاتھ میں جس کے قبضہ میں گویا کٹھ پتلیاں ہو وہی اللہ لائق عبادت ہے دیکھو قوم عاد کو ہلاک کیا تم کو آباد کیا تم اس کو یاد کرو۔

تفسیر : **واذكروا اذ جعلكم خلفاء من بعد عاد**۔ یہ عبارت یا تو نئی ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے یا **اعبدوا الله** پر معطوف ہے تو واؤ عاطفہ ہے **ذکر** سے مراد پرانی بات کا یاد کرنا نہیں بلکہ موجودہ نعمتوں کا خیال رکھنا آپس میں چرچے کرنا اس کا شکریہ ادا کرنا مراد ہے کیونکہ جن نعمتوں کا یہاں ذکر ہے وہ تو موجود تھیں نعمتوں کا ذکر قولی بھی ہوتا ہے زبان سے اور عملی بھی اچھے اعمال اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ہے دل سے اقرار و اعتراف کرنا دلی ذکر ہے یہاں عملی ذکر مراد ہے یا دلی و عملی دونوں یعنی ایمان لاؤ اور رب کی عبادت کرو خلفاء جمع ہے خلیفہ کی جس کا مادہ ہے خلف معنی پیچھے خلیفہ معنی پیچھے آنے والا چونکہ قوم ثمود قوم عاد کے فوراً بعد نہیں ہوئی نہ قوم عاد کی زمین میں ہوئی۔ عاد احقاف میں آباد تھے ' ثمود مقام حجر میں ان وجوہ سے **من بعد عاد** فرمایا خلفاء عاد نہ فرمایا (روح البیان وغیرہ) چونکہ قوم عاد کی ہلاکت ان کا عذاب دنیا بھر میں خصوصاً قوم ثمود میں بہت مشہور تھا اس لئے آپ کا فرمان بالکل درست ہوا۔ **وبوا كم فی الارض** یہ عبارت معطوف ہے **جعلكم** پر اس میں دوسری نعمت کا ذکر ہے **بوا کم** بنا

ہے بوء سے بمعنی رجوع کرنا لوٹنا رب فرماتا ہے **باء وا بغضب علی غضب** گھر کو مبوا کہتے ہیں کہ وہ لوٹ کر آنے کی جگہ ہے۔ رب فرماتا ہے **مبوا صدق و رزقنا ھم من الطیبات** تبویہ کے معنی ہیں جگہ دینا اسی سے بنا ہوا۔ **الارض** سے مراد ہے زمین حجر جہاں یہ قوم آباد تھی یعنی اللہ تعالیٰ نے تم کو اس زمین میں جگہ دی تمہیں یہاں بسایا آباد کیا۔ **تتخذون من سھولھا قصورا** یہ اللہ تعالیٰ کی تیسری نعمت کا ذکر ہے **سھول** کا مادہ ہے **سھل** بمعنی نرم زمین **قصور** جمع ہے **قصر** کی بمعنی شاندار محل یعنی تم کو اللہ تعالیٰ نے مال دولت بخشا ساتھ ہی عمارت سازی کا ہنر دیا جس سے تم یہاں حجر کی زمین کے نرم حصہ میں تو اعلیٰ درجہ کے شاندار محل اور کوٹھیاں بناتے ہو اور **و تنحتون من الجبال بیوتا** یہ عبارت معطوف ہے **تنحتون** پر واؤ عاطفہ ہے **تنحتون** بنا ہے تحت سے بمعنی سخت پتھریا سخت زمین کو کھودنا **من** بمعنی فی ہے جیسے **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعتہ۔ بیوتا** حال مقدرہ ہے یا **تنحتون** کا مفعول بہ پہلا احتمال قوی ہے تم پہاڑ کھود کر وہاں اعلیٰ شاندار کوٹھیاں بناتے ہو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ان لوگوں نے گرمیوں کے لئے نیچی زمین میں مکانات بنگلے کوٹھیاں بنائی تھیں سردیوں کے لئے اوپر پہاڑوں میں شاندار بلڈنگیں بنائی تھی کیونکہ وہ بہت مالدار لوگ تھے بعض نے فرمایا کہ ان کی عمریں اتنی دراز تھیں کو ان کے زمینی مکان ان کی زندگی میں گر جاتے تھے اس لئے انہوں نے پتھروں کی کوٹھیاں بنائی تھیں پہاڑوں میں غرضیکہ یہ لوگ بڑی عمر والے بڑی دولت والے بڑے ہنر مند تھے اس فرمان عالی میں ان کی ان تینوں چیزوں کا ذکر ہے۔ خیال رہے کہ یہاں **بیت** بمعنی حجرہ یا کوٹھڑی نہیں جس کا مقابل دار اور منزل ہے بلکہ بمعنی مطلقاً عمارت ہے کیونکہ ثمود پہاڑوں میں چھوٹے حجرے نہیں بلکہ شاندار محل بناتے تھے **فاذکروا الاء اللہ** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت ایک شرط کی جزا ہے اور اس میں ف جزائیہ ہے' یعنی جب رب نے تم کو ایسی نعمتوں سے نوازا جو ابھی ذکر ہوئیں تو تم بھی اس کی نعمتیں یاد کرو یاد رکھو یا ان کا چرچا کرو یا ان کا شکریہ ادا کرو۔ **الاء** جمع ہے **الی** کی۔ **الی** کبھی تو کہتے ہیں باطنی نعمت کو جو ظاہری حواس سے محسوس نہ ہو کبھی مطلقاً ہر نعمت کو کہتے ہیں ظاہری ہو یا باطنی یہاں غالباً" یہ دوسرے معنی ہی مراد ہیں اس سے مراد یا تو مذکورہ نعمتیں ہیں ان کو جسمانی قوت' صحت' دراز عمر دولت کثرت کی عطایا اس کے علاوہ دوسری نعمتیں مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ساری نعمتیں مراد ہوں ان میں سے ایک بڑی نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان میں اپنا پیارا سچا نبی صالح علیہ السلام کو بھیجا اور وہ قوم نبی کہلائے کہ نبی اللہ کی سب سے بڑی نعمت ہیں **ولا تعثوا فی الارض مفسدین** یہ دوسرا حکم ہے۔ جو صالح علیہ السلام سے قوم ثمود کو دیا **تعثو** بنا ہے **عثی** سے بمعنی پھیلنا مگر ہر پھیلنے کو عثی نہیں کہا جاتا بلکہ بری غرض اور ناجائز مقصد سے پھیلنے کو۔ اسی لئے پھسلنے اور گر جانے اور پاؤں کے موچ کو عثی کہا جاتا ہے **الارض** سے مراد ہے زمین حجر جو ان کی اپنی بستی تھی۔ **مفسدین** حال ہے **لا تعثو** کے فاعل سے۔ یعنی تم زمین حجر میں فساد پھیلاتے نہ پھرو فساد سے مراد کفر' قتل' چوری' ڈکیتی وغیرہ تمام جرم ہیں کہ یہ سب فساد ہیں یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کو مذکورہ بالا احکام دینے کے بعد فرمایا کہ اے میری قوم والوں ان نعمتوں کو یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کو ہلاک فرمانے کے بعد تم کو زمین میں بسایا اور خوب پھلتا پھولتا کیا تم کو اچھی زمین میں بودوباش بخشی کہ تمہارے ہاں میدانی علاقہ بھی ہے۔ جس میں تم لوگ سردیوں کے لئے محل بناتے ہو اور پہاڑی علاقہ بھی عطا فرمایا جہاں تم لوگ گرمیوں کے لئے شاندار کوٹھیاں بنا کر سارا سال عیش کرتے ہو تم کو دولت بھی بخشی ہنر مندی بھی عطا کی غرضیکہ زر' زور' ہنر' عمر دراز' سب کچھ بخشی اس کا تقاضا یہ ہے کہ تم اللہ کی ان نعمتوں کو یاد کرو یاد رکھو' چرچہ کرو ان کا شکریہ ادا کرو اور اپنی زمین

میں فساد پھیلاتے نہ پھرو بلکہ لوگوں کو فساد سے روکو اچھے راستہ پر رکھو۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں خواہ موجودہ ہوں یا گذشتہ ان کا زبان سے ذکر کرنا' دل سے اقرار کرنا' لوگوں میں ان کا چرچہ کرنا' عمل سے ان کا شکریہ ادا کرنا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو پسند ہے گزشتہ انبیاء کرام کا حکم ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا اذ جعلکم** سے اور **اذکروا الاء اللہ** سے حاصل ہوا چونکہ ذکر کے بہت معنی ہیں اس لئے یہ سب چیزیں اسی ایک لفظ سے حاصل ہوئیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **واما بنعمتہ ربک فحدث** لہٰذا میلاد شریف' عرس' بزرگان اور بڑے دنوں کی یادگاریں منانا ان میں جلسے جلوس کرنا سب ہی اچھا ہے کہ یہ بھی ان ذکروں کی قسم ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کسی امیر کا چند مکان بنانا کہ بعض مکان رہنے کے لئے ہوں بعض کرایہ کے لئے یا بعض مکان گرمیوں کے لئے ہوں اور بعض سردیوں کے لئے یونہی گرمی کے موسم میں ٹھنڈے مقام پر جانا وہاں گرمیاں گزارنا سب کچھ جائز ہے اسے فضول خرچی یا اسراف نہیں کہہ سکتے دیکھو صالح علیہ السلام نے قوم ثمود کے اس عمل کو اللہ کی نعمتوں میں شمار فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** امیر آدمی کا شاندار کوٹھیاں بنگلے بنانا انہیں جائز چیزوں سے آراستہ کرنا بالکل جائز ہے اسے بھی اسراف نہیں کہہ سکتے۔ یہ فائدہ **من سھولھا قصورا** سے حاصل ہوا قصر وہ شاندار عمارت جہاں تک غریب آدمی کی ہمت نہ پہنچ سکے قصر بمعنی رک جانا' لہٰذا مغلیہ بادشاہوں خصوصاً" شاہ جہاں کا دہلی' آگرہ اور فتح پور سیکری۔ اجمیر شریف میں قلعے اعلیٰ درجے کی عمارتیں بنانا بالکل جائز ہیں اسے رب کی نعمت کہا گیا ہے ان پر اعتراض کم عقلی ہے ہمارے پاکستان میں مینار پاکستان وغیرہ کے مینارے برجیاں وغیرہ سب کا ماخذ یہی ہے۔ **چوتھا فائدہ:** زمین کی ملکیت اللہ کی بڑی نعمت ہے انسان حتی الامکان اسے ضائع نہ کرے اور نہ اسے اپنا کمال سمجھے بلکہ اسے عطائے ذوالجلال سمجھے۔ یہ فائدہ **وبوا کم فی الارض** سے حاصل ہوا فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جائیداد غیر منقولہ نہ بیچو اگر بیچو تو اسے جائیداد میں ہی لگادو کہ اس سے اور جائیداد خریدو' ورنہ برکت نہ ہوگی زمین وغیرہ کی قیمت کا پیسہ ٹھہرتا نہیں' آزمائش ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قوم میں فساد پھیلانا بد ترین جرم ہے خواہ قتل و غارت گری سے ہو خواہ کفر و شرک کی اشاعت سے خواہ فتنہ پھیلانے والی تقریروں تحریروں سے آجکل اکثر جاہل لوگ علماء کے لباس میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں یہ لوگ علماء کو بدنام کرتے ہیں انہیں کے متعلق ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے دین ملا فی سبیل اللہ فساد۔ یہ فائدہ **ولا تعثوا** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ قوم ثمود تباہ شدہ قوم عاد کی بستیوں میں آباد کی گئی دیکھو ارشاد ہوا **جعلکم خلفاء** مگر حدیث شریف میں ہے کہ جہاں اللہ کا عذاب آیا وہاں کبھی آبادی نہ ہوئی وہ جگہ ہمیشہ ویران ہی رہی اس آیت اور اس حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** یہاں خلفاء کے معنی صرف پیچھے آنے والے ہیں کہ عاد کی زمین میں بسنے والی قوم عاد احقاف میں آباد تھی اور قوم ثمود حجر میں اسی لئے یہاں **من بعد عاد** ارشاد ہوا' دیکھو تفسیر۔ **دوسرا اعتراض:** پھر انہیں خلفاء کیوں کہا گیا' جب ثمود کا زمانہ اور زمین سب الگ الگ نہیں تو خلفاء کے کیا معنی۔ **جواب:** خلفاء فرما کر یہ بتایا کہ جیسے قوم عاد تباہ ہوئی تم زمین میں آباد ہوئے ایسے ہی اگر تم نے کفر و شرک کیا تو تم بھی تباہ کر دیئے جاؤ گے اور کوئی دوسری قوم زمین آباد کرے گی۔

پند گیر از مصائب دگراں   تانہ گیرند دیگراں ز تو پند

چونکہ اس زمانہ میں قوم عاد کی ہلاکت کے واقعات مشہور تھے ان کے کھنڈر سفروں میں دیکھے جاتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمان نہایت ہی درست تھا۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ شاندار کوٹھیاں اعلیٰ محل بنانا بالکل جائز ہے مگر حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے حتیٰ کہ ایک شخص نے اونچا مکان بنالیا تھا تو جب تک اسے خود اپنے ہاتھ سے ڈھانہ دیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سلام کا جواب نہ دیا۔ ایک صاحب اپنے مکان کی مرمت کر رہے تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موت تو اس سے بھی قریب ہے۔ یہ آیت ان احادیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** وہ احادیث ہنگامی حالات کی ہیں جبکہ مسلمانوں کو دفاعی تیاریوں کی سخت ضرورت تھی ایسے حالات میں ایسے احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ ہمارے ملک میں ہنگامی حالات میں رات کو شہروں، بستیوں میں روشنی تک نہیں کی جاتی۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک گھر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے زرعی آلات ملاحظہ فرمائے تو فرمایا کہ جس گھر میں یہ چیزیں ہوں گی وہاں ذلت و خواری ہوگی حالانکہ زراعت پر زندگی کا دارومدار ہے وہ فرمان عالی بھی انہی ہنگامی حالات میں تھا کہ اگر تم لوگوں نے آج کل کے حالات میں جہاد چھوڑ دیا زراعت وغیرہ میں مصروف ہو گئے تو دشمن تم کو تباہ کر دیں گے جب حالات نارمل ہو گئے تو یہ احکام بھی ختم ہو گئے۔ حضرات صحابہ نے بڑی بڑی عمارتیں شاندار محل بنائے لہٰذا یہ آیت اور ان احادیث میں کوئی تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں دو جگہ **اذکروا** فرمایا گیا ہے **اذکروا اذجعلکم** اور دوسرا **فاذکروا الاء اللہ** اس میں کیا حکمت ہے ایک بات مکرر کیوں فرمائی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اگر **فاذکروا الاء اللہ** میں نعمتوں سے مراد وہی مذکورہ نعمتیں ہیں تو یا تو یا حکم تاکیدی ہے یا پہلے **اذکروا** سے مراد ہے یاد کرو دوسرے سے مراد ہے یاد رکھو اور اگر یہاں الاء اللہ یعنی اللہ کی نعمتوں سے دوسری نعمتیں مراد ہیں صحت دولت صالح علیہ السلام کی تشریف آوری، زیادہ اولاد درازی عمر تب کوئی سوال ہی نہیں نہ فرمان عالی میں کوئی تکرار ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر ان جیسی آیتوں سے میلاد شریف بزرگوں کے عرس وغیرہ ثابت ہوتے ہیں اور ان میں بھی اللہ کی نعمتوں کی یاد ہے تو یہ کام حضرات صحابہ نے کیوں نہ کئے کیا تم قرآن مجید کو صحابہ سے زیادہ سمجھتے ہو۔ (عام وہابی) **جواب:** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ موجودہ دینی مدرسے ان میں نصاب تعلیم جلسے جلوس اگر تبلیغی چیزیں ہیں تو صحابہ کرام نے یہ کام کیوں نہ کئے کیا تم ان سے بڑھ کر مبلغ ہو کیا تم کو دین کا درد زیادہ ہے، جواب تحقیقی یہ ہے کہ عہد صحابہ میں نہ تو وہابی تھے نہ دیوبندی نہ بزرگوں کی شان ان کی یادگاروں کے منکر سب کے سب اہلسنت تھے تب ان چیزوں کی ضرورت نہ تھی بعد میں منکرین پیدا ہوئے تو ان چیزوں کی ضرورت پڑی جیسے فلسفہ منطق علم کلام وغیرہ زمانہ صحابہ میں نہ تھے۔ کیونکہ ان کی ضرورت نہ تھی بلکہ علم حدیث و تفسیر حدیث کے اقسام و احکام بھی زمانہ صحابہ میں نہ تھے۔ پھر ان حضرات سے یادگاریں بنانا ثابت ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر سال شہداء احد کی زیارت کو تشریف لے جاتے تھے یہ عرس کی اصل ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بلکہ صحابہ کرام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک کا ذکر کیا ہے۔ یہ ہے میلاد شریف کی اصل اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق پہلی جلد میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ہم کو ہمارے اپنے حالات جسمانی صحت و مرض نہیں معلوم ہوتے حالانکہ وہ حالات خود ہمارے اور ہم میں ہوتے ہیں لائق طبیب ہماری نبض چہرہ کا رنگ قارورہ دیکھ کر ہم کو بتاتا ہے تب ہم کو اپنے حالات کا پتہ چلتا ہے یونہی ہم اپنا چہرہ مہرہ دیکھ سکتے ہیں، جب شفاف آئینہ سامنے ہو تو ہم کو خود ہماری اپنی شکل داغ دھبے حسن و برائی دکھاتا ہے اسی طرح ہم کو خبر

نہیں ہوتی کہ ہمارے لئے کون سی چیز مفید ہے کون مضر طبیب روحانی کے ہم محتاج ہوتے ہیں ان کی تعلیم ان کے فرمان ہمارے لئے روحانی آئینہ ہیں جو ہم کو ہماری اصل حالت بتاتے دکھاتے ہیں جو ان طبیبان الٰہی سے ان کی تعلیم سے الگ رہا اس کا علاج کبھی نہ ہو سکا۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو ان کی روحانی بیماریاں بتانے کے بعد انہیں روحانی علاج بتایا کہ اللہ کی فلاں فلاں نعمتیں یاد کرو کہ یہ ذکر تمہارا علاج ہے اور قوم عاد کی سی حرکتیں نہ کرو کہ یہ چیزیں تمہارے لئے مضر ہیں موجودہ نعمتیں یاد کرکے بندہ شکر گزار بنو تم کو روحانی صحت قوت' طاقت نصیب ہوگی آج بھی قرآن مجید ہمارے لئے روحانی آئینہ حق نما ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے روحانی حاکم مطلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان ہمارے لئے اعلیٰ درجہ کا علاج ہیں اگر ہم ان پر کاربند ہو جائیں تو صحت توانائی' قوت' طاقت پائیں گے ورنہ مرض بڑھ کر ہلاکت کا خطرہ ہے حضرات اولیاء اللہ و علماء دین ہم کو یہ آئینہ دکھانے والے اور وہ دوائیں استعمال کرانے والے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ رسول کو خوف یا لالچ یا دلائل سے ماننا غائبین کا کام ہے مگر اسے دل سے ماننا حاضرین کا کام ہے اس ماننے کی انتہا یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کو خود خدا سے مانو جناب مصطفیٰ کو خود انہیں سے جانو مانو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے نور فرمایا نور کی شان یہ ہے کہ ہر چیز نور سے دیکھی جاتی ہے مگر خود نور اپنے ہی سے دیکھا جاتا ہے۔ آفتاب آمد دلیل آفتاب انہیں خود انہیں سے مانو ان سے انہیں کو مانگو حضرت ربیعہ نے کہا تھا **اسئلک مرا فقتک فی الجنۃ** ۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب کی طرف خوف و امید اور دلائل سے بلایا کیونکہ قوم بھی دو رتھی۔

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِمَنْ

پس کہا اس گروہ نے جنہوں نے غرور کیا ان کی قوم میں سے واسطے ان لوگوں کے جو کمزور سمجھے گئے

اس کی قوم کے تکبر والے کمزور مسلمانوں سے بولے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں

اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا اِنَّا بِمَاۤ

واسطے اس کے جو ایمان لایا ان میں سے کیا جانتے ہو تم کہ تحقیق صالح بھیجے ہوئے ہیں ان کے رب

بولے وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں

اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ اٰمَنْتُمْ

کی طرف سے بولے وہ بیشک ہم اس پر کہ بھیجے گئے ساتھ اسکے ایمان لانے والے ہیں کہا ان لوگوں نے جنہوں

متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہو ہمیں اس سے

بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾

نے غرور کیا بیشک ہم ساتھ اسکے ایمان لائے تم جس پر انکار کرنے والے ہو۔

انکار ہے۔

تعلق : ان آیتوں کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کی اس تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا جو انہوں نے اپنی کافر قوم کو فرمائی اب ان کفار کے جواب کا ذکر ہے جو اس نالائق قوم نے بالواسطہ دیا۔ گویا علاج کے بعد مریض کے شفانہ پانے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ کیونکہ اس نے حکیم کے حکم پر عمل نہ کیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کے دلائل اور ڈرانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ اس سے بعض لوگ ایمان قبول کر گئے بعض کافر ہی رہے ان کا مناظرہ ہوا گویا بارش کا ذکر پہلے ہوا اور عمدہ اور شورہ زمینوں کی حالت کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایک معلم کی تعلیم کا ذکر تھا یعنی صالح علیہ السلام کا اب بعض شاگردوں کی محرومی کا ذکر ہے وجہ محرومی یہ ان کے دل میں اس کامل استاد کا احترام نہ تھا تاکہ معلوم ہو کہ تعلیم کا اثر معلم کے احترام سے ہوتا ہے۔

تفسیر : **قال الملا الذین استکبروا من قومہ** یہ کلام نیا ہے جس میں قوم کا جواب بیان ہوا ہے پہلے بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ **ملا** کے معنی ہیں بھر جانا اس کا مقابل ہے **خلا** یعنی خالی ہونا یا خالی جگہ قرآنی محاورہ میں **ملا** سرداروں مالداروں دنیاوی وجاہت والوں کی وہ جماعت جن سے لوگوں کے دل رعب وہیبت سے بھر جاویں **الذین الخ ملا** کی صفت ہے یا اس کا بیان استکبار کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا اس طرح کہ واقعہ میں تو بڑا نہ ہو مگر سمجھے اپنے کو بڑا اس لئے اللہ تعالیٰ کی صفت متکبر ہے مگر مستکبر نہیں۔ **یا استکبار** کے معنی ہیں کہ اپنے سے بڑے کے سامنے اپنے کو بڑا سمجھنا یعنی نبی کی بارگاہ میں اپنے کو بڑا جاننا وہ جگہ چھوٹا ہونے نیچا ہونے کی ہے۔ **قومہ** سے مراد صالح علیہ السلام کی نسبی خاندانی قوم ہے یعنی صالح علیہ السلام کی تقریر دلپذیر سننے کے بعد آپ کی قوم کے سرداروں نے کہا جو اپنے کو بڑا سمجھتے تھے اور غرباء مساکین کو چھوٹا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ان سرداروں کی یہاں تین برائیاں بیان کیں ایک **الملاء** یعنی سردار قوم ہونا بھی ان کا عیب تھا کہ وہ اس سرداری کی وجہ سے لوگوں کو ایمان سے روکتے تھے۔ دوسرے **استکبروا** ان کا ناجائز تکبر کیونکہ کفار کے مقابل تکبر عبادت ہے مسلمانوں کے مقابل تکبر حرام ہے اور نبی کے مقابل تکبر کفر ہے ان کا تکبر یہی تیسری قسم کا تھا تیسرا عیب **من قومہ** کیونکہ قوم نبی ہونا مومن کے لئے بلندی درجات کا ذریعہ ہے مگر کافر کے لئے خدا کا عذاب ہے دیکھو بدترین کافر ابوجہل 'ابولہب ہیں اس لئے کہ قوم رسول ہو کر کافر رہے یوں ہی کنعان حضرت نوح کا بیٹا۔ **للذین استضعفوا لمن امن منھم** اس عبارت کا تعلق **قال** سے ہے۔ **قال لہ' قال منہ' قال فیہ** کا باریک فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں **قال لہ** اس سے کہا **قال منہ** اس کی طرف سے کہا **قال فیہ** اس کے متعلق کچھ کہا۔ **استکبار** کی طرح **استضعاف** کے معنی بھی ہیں کسی کو ضعیف وکمزور جاننا اگرچہ وہ واقعی کمزور نہ ہو۔ خیال رہے کہ ان مومنوں کو کفار تو کمزور سمجھتے تھے مگر اللہ کے نزدیک وہ بہت قوی تھے انہوں نے ان مومنوں کے پھٹے کپڑے دیکھے دل کا نور نہ دیکھا بجلی کے تار کو نہ دیکھو اندر کے پاور کو دیکھو **لمن امن** یا تو **للذین** کا بدل الکل ہے جیسے **مررت بزید اخیک** یا بدل البعض اور مطلب یہ ہے کہ قوم ثمود میں فقراء 'غرباء دو قسم کے تھے۔ بعض وہ جو حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لاچکے تھے 'بعض وہ جو کافر رہے تھے۔ سرداران کفر نے یہ کلام ان فقراء سے کیا۔ جو مومن ہو گئے تھے کفار سے تو وہ سردار راضی خوشی تھے (معانی 'خازن 'کبیر وغیرہ) **اتعلمون ان صالحا مرسل من ربہ** صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو رب تعالیٰ کی ذات وصفات بتائیں قوم نے رب یا اس کی صفات پر کوئی اعتراض نہ کیا بلکہ صالح علیہ السلام کی ذات

پر طعن کیاوہ بھی غرباء مومنوں کے سامنے پتہ لگا کہ اصل ایمان نبی کا ماننا ہے اصل کفران کاانکار تھا" یہ سوال بطور تعجب ہے ان بد نصیبوں نے صالح علیہ السلام کو نبی جان لینے پر تعجب کرتے ہوئے کہا کہ اے کم عقلو کیا تمہاری عقل میں یہ بات آگئی کیا تم نے مان لیا جان لیا کہ صالح علیہ السلام جیسے مسکین آدمی کو رب نے تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا جن کے پاس نہ مال ہے نہ بڑی جماعت نہ جسمانی شہ زوری نہ کوئی اور کمال من ربہ کے بعد الینا یا الیکم پوشیدہ ہے ان کو رسول ماننا عقل کے خلاف ہے۔ قالوا انا بما ارسل بہ مومنون سبحان اللہ کیسا ایمان افروز جواب ہے اس جواب میں صرف نعم یا بلایا نعلم نہیں فرمایا نیز اس میں صرف صالح علیہ السلام کا ذکر نہیں کیا بلکہ بجائے علم کے اپنے ایمان کا ذکر کیا ایمان علم کا اعلیٰ درجہ ہے کیونکہ جاننا پہچاننا بلکہ ماننا تو ماں باپ استاد حاکم کا بھی ہو سکتا ہے مگر ایمان صرف نبی پر۔ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ امتی اپنے کو نبی کی ملک سمجھے کہ ہمارے جسم کے ہر بال ہر عضو ہمارے کھانے پینے بلکہ ہمارے اوقات سارے حالات کے نبی مالک ہوں ان کے کسی حکم پر جرح نہ ہو غلاموں کی طرح بے چون و چرا ان کی ہر بات مانوں اور بجائے صالح علیہ السلام کے ارسل بہ کا ذکر فرمایا یعنی تم تو اس پر مرے جا رہے ہو کہ ہم نے صالح علیہ السلام کو نبی جان لیا۔ ارے بیوقوفو ہم تو ان کی ذات ان کی صفات ان کے معجزات ان کی تعلیم ان کے حالات ان کے کمالات پر ایمان لا چکے۔ ما ارسل سے مراد یا تو ان کے سارے احکام عبادات وغیرہ ہیں یا ان کی ساری عبادات عادات بھی کہ یہ سب رب کی طرف سے ہیں اسی لئے ان کی عادات امت کے لئے سنتیں ہوتی ہیں۔ جن پر عمل باعث ثواب ہے یہ بھی یاد رکھو کہ ایمان ہر نبی پر چاہئے ان کے سواء کسی ولی قطب حاکم ماں باپ پر ایمان نہیں مگر ایمان بما ارسل بہ صرف اپنے نبی پر ہو گا ہم جن کی امت میں ہیں گزشتہ نبیوں پر ہمارا ایمان ہے مگر ان کے احکام پر ایمان نہیں کہ وہ منسوخ ہو چکے۔ حضور پر بھی ہمارا ایمان ہے اور حضور کے تمام احکام و عبادات و عادات پر بھی ایمان چونکہ وہ صالح علیہ السلام کی امت میں تھے اس لئے یہ حکم تھا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق استکبروا فرما کر ان کی انتہائی ذلت کا ذکر فرمایا اور مومنین کے متعلق استضعفوا فرما کر ان کی انتہائی عظمت کا ذکر کیا یونہی کفار کا قول اتعلمون نقل فرما کر ان کی انتہائی جہالت و کفر بیان فرمایا اور مومنوں کے متعلق مومنون فرما کر ان کی انتہائی تعظیم فرمائی کہ انہوں نے کفار کو منہ توڑ، دھن دوڑ جواب دیا۔ جس سے کفار ذلیل ہو گئے۔ یہ بھی خیال رہے کہ انہوں نے امنا نہیں کہا نہ نعلم کہا بلکہ مومنون فرمایا جس سے دوام اور ہمیشگی کا پتہ چلے یعنی ہم تو پہلے ہی سے یا عالم ارواح سے ان پر ایمان والے ہیں رب کے انتخاب میں آچکے ہیں۔ قال الذین استکبروا یہ کفار کا جواب الجواب ہے جو انہوں نے مومنین کو دیا۔ چونکہ اس جواب کی وجہ ان لوگوں کا اپنے کو بڑا سمجھنا تھا یہی ان کے کفر شرک کی وجہ تھی اس وجہ سے وہ نبی کی تعلیم مومنوں کے جواب پر دھیان نہ دیتے تھے اس لئے صرف قالوا نہ کہا بلکہ اتنی بڑی عبارت ارشاد فرمائی الذین استکبروا علم بلاغت میں یہ بات صراحۃً بیان ہوئی کہ کسی کی محبوبیت یا مقبولیت یا مردودیت بتانے کے لئے اس کا نام بار بار لیتے ہیں ضمیر سے کام نہیں لیتے۔ انا بالذی امنتم بہ کافرون جس درجہ کا ایمان افروز کلام ان مومنوں نے کیا تھا اسی درجہ کا کفر و طغیان سے بھرا ہوا جواب ان کفار نے دیا ان بد نصیبوں نے یہ نہ کہا کہ ہم حضرت صالح علیہ السلام کے انکاری ہیں نہ یہ کہا کہ جو چیزیں وہ لے کر آئے ہیں ہم ان کے انکاری ہیں بلکہ یہ کہا کہ جن چیزوں پر تم ایمان لائے ہم ان کے انکاری ہیں ان کے منہ سے وہ بات نکلی جس نے فیصلہ کر دیا یعنی جو چیز تمہارے لئے ایمان کا ذریعہ ہے وہی چیز ہمارے لئے کفر و طغیان کا ذریعہ ہے تم انہیں مان کر مومن بنے ہم انہیں نہ مان کر کافر ہوئے یا کافر رہے۔

خیال رہے کہ تبلیغ نبوت سے پہلے کا کفر اس کا اور حال ہے اور تبلیغ نبوت کے بعد کا کفر اس کا دوسرا حال پہلے کفر سے دنیا میں عذاب الٰہی نہیں آتا دوسرے کفر سے عذاب آتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** پھر نبی کی نبوت اور مومنوں کا ایمان دیکھنے کے باوجود کفر یہ تو خدا کی پناہ بڑے ہی عذاب کا باعث ہے۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت صالح علیہ السلام کا یہ فرمان فیض ترجمان سنکر ان کے چودھری نمبردار سرداروں نے جو تھے تو بڑے ذلیل مگر اپنے کو سمجھتے تھے بڑا عزت والا ان مساکین مومنین سے کہا جو تھے تو عزت والے مگر یہ سردار انہیں کمزور و ضعیف جانتے تھے بولے کہ اے بھولے بھالے لوگو کیا تم یہ جانتے ہو کہ صالح علیہ السلام جیسے مسکین و نادار جن کا دنیا میں کوئی امیر ساتھی نہیں انہیں رب نے رسول بنا کر تمہارے پاس بھیجا۔ کیا رب تعالیٰ کو نبوت کے لئے اور کوئی بڑا آدمی نہیں ملا کیونکہ دنیاوی حکومتیں جنہیں حاکم بناتی ہیں انہیں روپیہ عمدہ فوج و پولیس کی طاقت دیتی ہیں نبی رب کی طرف سے قوم کے حاکم ہوتے ہیں تو ان کے پاس یہ قوتیں چاہئے تھیں یا اے غریبو تم نے ہم سے پوچھے بغیر حضرت صالح کو نبی کیوں جان مان لیا اب تم ہماری بستی میں نہیں رہ سکتے مومنین نے جواب دیا کہ تم تو ہمارے جاننے کے متعلق پوچھتے ہو ہم تو حضرت صالح علیہ السلام ان کی صفات ان کے فرمان ان کی تعلیم ان کے معجزات پر پہلے سے ہی ایمان لاکر زمرہ مومنین میں داخل ہو چکے ہیں بیوقوفو جسمانی حکام کے پاس جسمانی طاقت چاہئے روحانی حکام کے پاس روحانی طاقت نبی روحانی حاکم ہیں ان کی طاقت ان کے معجزات سے ظاہر ہے وہ پہاڑ سے حاملہ اونٹنی نکال سکتے ہیں یوں ہی اے بے وقوفو جسمانی کام جسمانی افسروں سے پوچھ کر ان کی اجازت سے کئے جاتے ہیں مگر روحانی افسروں کی اجازت سے ایمان روحانی کام تھا جو ہم نے صالح علیہ السلام کے حکم سے کر لیا تم سے کیوں پوچھتے جیسے جسمانی گندگی جسمانی پانی سے دور ہوتی ہے مگر روحانی گندگی روحانی پانی سے کلمہ طیبہ سے گندا کپڑا پاک نہیں ہوتا اور غسل دینے سے کافر مومن نہیں بن جاتا تو یہ شیخی خورے متکبر لوگ بولے کہ جن چیزوں پر تمہارا ایمان ہے ہم انہیں تمام چیزوں کے منکر و کافر ہیں۔ گویا اپنے کفر و طغیان کا خود ہی اقرار کر لیا۔

فائدے : ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہمیشہ انبیاء کرام پر ایمان پہلے غرباء و مساکین لائے ہیں۔ رہے امیر و سردار وہ یا تو ایمان لائے نہیں یا لائے تو بعد میں الا ماشاء اللہ۔ یہ فائدہ **قال الملاء الذین** الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ کی نعمتوں سے محرومی کی سب سے بڑی وجہ تکبر و غرور ہے اور نعمتیں ملنے کا ذریعہ عجز و انکسار ہے۔ یہ فائدہ **استکبروا** الخ سے حاصل ہوا۔ موسم بہار میں ہر جگہ سبزہ ہو جاتا ہے مگر پتھر پر سبزہ نہیں ہوتا کہ وہ سخت ہے لوہا نرم ہو کر پرزہ بنتا ہے زمین نرم ہو کر کھیت و باغ بنتی ہے آٹا نرم ہو کر شیرمال و پراٹھا بنتا ہے۔ انسان کا دل نرم ہو کر عارف باللہ بنتا ہے جس پر رب کرم کرتا ہے اس کا دل نرم کر دیتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** دنیادار امیر و سردار اپنے کو بڑا آدمی سمجھتا ہے مگر وہ اللہ کے نزدیک بہت چھوٹا حقیر و ذلیل ہے مومن غریب بھی ہو وہ اللہ کے نزدیک بڑا با عزت و عظمت والا ہے۔ یہ فائدہ **استکبروا** الخ سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ **استکبار** کے معنی ہیں اپنے کو بڑا سمجھنا حالانکہ بڑا ہو نہیں۔ رب فرماتا ہے **العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین** **چوتھا فائدہ:** غریب و مسکین مومن کو دنیا والے اگرچہ ضعیف و کمزور یا ذلیل سمجھیں مگر وہ اللہ کے نزدیک بڑا قوی اور عزت والا ہے۔ یہ فائدہ **للذین استضعفوا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کے کسی وصف یا ان کی کسی چیز کا مذاق اڑانا کفر ہے یہ فائدہ **اتعلمون ان صالحا** الخ سے حاصل ہوا کہ کفار نے

مومنین سے یہ سوال حضرت صالح علیہ السلام کا مذاق اڑاتے ہوئے کیا تھا جسے رب تعالیٰ نے ان کے کفریات میں شمار فرمایا۔ چھٹا فائدہ: اجمالی ایمان شرعاً قبول ہے جیسے ہم تمام نبیوں پر ایمان لاتے ہیں خبر نہیں وہ کتنے ہیں یوں ہی یہ ماننا درست ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے فرمانوں پر ہمارا ایمان ہے۔ خبر نہیں وہ فرمان کتنے اور کیا کیا ہیں۔ یہ فائدہ **بما ارسل بہ** الخ سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ایمان کا دارومدار نبوت پر ہے۔ نبوت اصل ایمان ہے، اسے مانو تو سب کو مان لیا اس کا انکار کر دیا تو سب کا انکار کر دیا۔ یہ فائدہ بھی **بما ارسل بہ مومنون** سے حاصل ہوا کہ ان لوگوں نے **امنا باللہ یا امنا بالملئکۃ یا بالقیامۃ** نہ کہا۔ آٹھواں فائدہ: نبی کو جاننا پہچاننا نجات کے لئے کافی نہیں بلکہ انہیں ماننا ان پر ایمان لانا ضروری ہے دیکھو کفار نے کہا تھا **أتعلمون ان صالحا** " الخ ان مومنین نے **نعلم** نہ کہا بلکہ **مومنون** فرمایا رب تعالیٰ کفار عرب کے متعلق فرماتا ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** مگر اس کے باوجود وہ لوگ مومن نہ بنے۔ جاننے پہچاننے اور ماننے میں فرق ہم پہلے پارہ میں **یعرفونہ کما یعرفون ابناء ھم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ نواں فائدہ: ایمان چاہئے عام مسلمانوں کا سا علیحدہ راستہ اختیار کرنا جو مسلمانوں کی راہ کے خلاف ہو کفر ہے۔ یہ فائدہ **انا بالذی امنتم بہ کافرون** سے حاصل ہوا کہ کفار نے اپنا کفر مومنین کے ایمان پر مبنی کیا کہ کہا کہ تم جن چیزوں پر ایمان لائے ہم ان کے انکاری ہیں رب فرماتا ہے **فان امنوا بمثل ما امنتم بہ فقد اھتدوا** حضور فرماتے ہیں **اتبعوا السواد الاعظم** مسلمان کے بڑے گروہ کی پیروی کرو وہ بڑا گروہ اہل سنت والجماعت ہی کا ہے اور فرماتے ہیں کہ بھیڑیا اسی بکری کا شکار کرتا ہے جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو جاوے اسی طرح شیطان اس کا شکار کرتا ہے جو مسلمانوں کی جماعت سے الگ ہو جاوے۔ دسواں فائدہ: صحیح تاریخ اور تاریخی حالات گزشتہ قوموں کے واقعات معلوم کرنا بہت اچھا ہے دیکھو قرآن مجید نے گزشتہ مومن اور کافر قوموں کے تاریخی واقعات بیان فرمائے تاکہ لوگوں کو ایمان اور نیک اعمال کی رغبت ہو اور کفر و طغیان سے نفرت۔ گیارھواں فائدہ: اپنا دین ہرگز نہ چھپائے خواہ کیسا ہی خطرہ ہو۔ یہ فائدہ **مومنون** سے حاصل ہوا کہ ان حضرات نے ایسے نازک موقعہ پر اپنا دین نہیں چھپایا۔ **بارھواں فائدہ:** گمراہ گروں کو ایسا منہ توڑ سخت جواب دینا چاہئے کہ وہ ہم کو گمراہ کرنے سے مایوس ہو جاویں اور آئندہ ہم پر داؤ نہ چلائیں۔ یہ فائدہ بھی **مومنون** سے حاصل ہوا کہ ان کے سامنے نرم گفتگو کرنا انہیں اپنے پر دلیر کرنا ہے۔ **تیرھواں فائدہ:** نبی کا دامن دارالامان ہے۔ عقلی دلائل پر جرح ہو سکتی ہے۔ عشق رسول پر جرح نہیں ہوتی دیکھو ان مومنین نے فیصلہ کن بات یہ کہی کہ ہم تو حضرت صالح کی ہر ادا پر ایمان لا چکے جو وہ کہیں گے سو مانیں گے۔ چودھواں فائدہ: ایمان میں قوت قلب ہوتی ہے کفر میں ضعف قلب۔ دیکھ لو ان مساکین نے چودھریوں کے دھڑے کو کیسا دو ٹوک جواب دیا ان کی جماعت و دولت سے خوف نہ کیا۔

پہلا اعتراض: یہاں کفار کے لئے اور مومنین کے لئے اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی **الذین استکبروا** اور **الذین استضعفوا** صرف متکبرین اور ضعفاء فرما دینا کافی تھا وہ اس سے مختصر بھی ہوتا۔ جواب: یہ بتانے کے لئے کہ کفار واقعی بڑے نہ تھے اور مومن ضعیف نہ تھے واقعہ اس کے برعکس تھا کہ کفار ضعیف مومنین بڑے تھے ان بد نصیبوں نے اپنی اندھی سمجھ سے یہ سمجھ رکھا تھا اس ایک کلمہ میں ان کی حقیقت ان کا واقعہ سب کچھ بتا دیا گیا ابھی ہم تفسیر میں متکبر اور مستکبر کا فرق بیان کر چکے ہیں۔ دوسرا اعتراض: **للذین استضعفوا** کے بعد **للذین امنوا** کیوں ارشاد ہوا۔ جواب: یہ بتانے کے

لئے کہ کمزور لوگ دو قسم کے تھے بعض مومن کافر سرداران کفر یہ بکواس مومن ضعفاء سے کرتے تھے نہ کہ کافر ضعفاء سے لمن امن بدل البعض یا بیان ہے للذین استضعفوا کا اس میں لام دوبارہ لایا گیا۔ نحوی قاعدے سے یہ ترکیب بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کفار نے مومنین سے کہا تھا اتعلمون ان صالحا" الخ اس کا جواب نعم یا بلی یا نعم تھا مگر مومنین نے انا بما ارسل اور مومنون کیوں فرمایا۔ **جواب:** مومنوں کے اس حکیمانہ جواب میں بہت حکمتیں ہیں جن میں سے بعض تو ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے اور ان شاء اللہ حکمتیں تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے کہ کفار نے تو اس پر تعجب اور انکار کیا تھا کہ تم صالح علیہ السلام کو رسول جانتے ہو انہوں نے کہا ہم انہیں رسول جانتے ہی نہیں بلکہ ان پر ان کی رسالت وغیرہ پر ایمان لائے ہیں تاکہ کفار اور زیادہ جلیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہ حکمتیں تو امنا بہ کہہ دینے سے بھی حاصل ہو سکتی تھیں کہ ہم ان پر ایمان لائے بما ارسل بہ مومنون اتنی دراز عبارت کی پھر بھی ضرورت نہیں تھی۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مومنون فرما کر یہ بتایا کہ ہم تو اول سے ہی ان کے مومن ہیں اور ان شاء اللہ آخر تک مومن رہیں گے۔ مومنون کہنے میں دوام بتایا۔ **پانچواں اعتراض:** کفار نے ان مومنوں کے جواب میں اتنی دراز عبارت کیوں بولی انا بالذی امنتم بہ کافرون اور رب تعالیٰ نے بغیر ترمیم وہ نقل کیوں فرمائی۔ **جواب:** یہ بتانے کے لئے کہ جیسے ایمان اجمالی قبول ہے ایسے ہی کفر اجمالی بھی عذاب کے۔ لئے کافی ہے اور اس سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے اگر کوئی کہے کہ میرا عقیدہ مسلمانوں کا سا نہیں وہ بھی کافر ہے اگرچہ صراحۃً "توحید' رسالت' قیامت وغیرہ کا انکار نہ کرے اس کلیہ کہنا ہی ان تمام ایمانیات کا انکار ہے۔ جن پر ایمان لانا ضروری ہے یوں ہی یہ کہنا کہ میں ہر اس کا انکاری ہوں۔ جس کے مسلمان اقراری ہیں بھی کفر ہے۔

تفسیر صوفیانہ : انسان میں ہی قوم ثمود موجود ہے اس میں مومن ہیں اسی میں صالح علیہ السلام کی طرح مصلح نفس امارہ گویا کافر ثمودی ہے قلب گویا مومن ثمودی ہے روح گویا صالح و مصلح ہے یعنی خود نیک اور دوسرے کو نیک کرنے والی۔ نفس امارہ گویا قلب سے پوچھتی ہے کہ کیا تو روح کو اپنا مصلح جانتا ہے تو قلب مومن میں سے آواز آتی ہے کہ میں تو ازل سے روح اور روحانی لوگوں اور تمام روحانی باتوں پر ایمان لا کر مومن ازلی بن چکا ہوں تب نفس امارہ سرکشی کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میں تو روح کو ہرگز ہرگز نہیں مانتا' صوفیاء فرماتے ہیں کہ انا بما ارسل بہ میں ب علت کی ہے اور مطلب یہ ہے کہ ہم تمام ایمانیات کو اسے لئے مانتے ہیں کہ وہ بواسطہ صالح علیہ السلام ہم تک پہنچے اسی کا نام ایمان ہے یعنی توحید' فرشتے قیامت وغیرہ کو اس لئے مانے کہ یہ باتیں ہم کو نبی نے بتائیں محض عقل سے یہ باتیں مان لینا توحید تو ہے ایمان نہیں ایمان کے لئے نبوت کا واسطہ ضروری ہے درخت کی شاخیں پتے پھل پھول جب ہی ہرے بھرے رہتے ہیں جب انہیں پانی' کھاد' دھوپ' ہوا وغیرہ جڑ کے ذریعہ سے ملے۔ جڑ سے کٹ جانے پر اگر شاخوں پتوں کو کھاد وغیرہ سب کچھ دو بیکار ہے کیونکہ جڑ کا واسطہ بیچ میں نہ رہا یہی حال اعمال کا ہے اگر کوئی نبی کا دامن چھوڑ کر ہر قسم کے نیک اعمال کرے وہ متقی یا صالح نہیں سب نیکیوں کی اصل دامن رسول ہے اس کے لئے ابلیس کی مثال موجود ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ فرشتوں وغیرہ تمام ایمانیات کو مانتا ہے مگر نبی کا انکاری ہے کافر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان اور شرعی اعمال ہرگز نہ چھپائے مگر ولایت غوثیت قطبیت بعض اولیاء اسے چھپاتے ہیں بعض ظاہر کرتے ہیں حضور غوث پاک نے اپنے درجات کس شان سے اپنے قصیدے میں بیان کئے یہ ہے اظہار ولایت کتاب خیر الخیر شریف میں مولانا محبوب عالم صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعض اولیاء اپنی ولایت کو چھپاتے ہیں بعض اپنے کو ملامت کراتے ہیں ان دونوں

کاموں کی بہتر تدبیر یہ ہے کہ وہ مولوی بن جائے مولوی کتنا ہی بڑا ہو اسے ولی کوئی نہیں کہتا لوگ اس پر ملامت ہی کرتے ہیں اس شکل میں دو فائدے ہوں گے ایک یہ کہ یہ صورت جناب مصطفیٰ کی ہے۔ جس پر رحمت الٰہیہ عاشق ہے دوسرے یہ کہ اس سے ولایت چھپی رہے گی۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا
پس کاٹ دیئے انہوں نے پاؤں اونٹنی کے اور سرتابی کی اپنے رب کے حکم اور بولے اے صالح لاؤ ہمارے
پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر لے آؤ
بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾
پاس وہ کہ ہو وعدہ کرتے تم ہم سے اگر ہو تم رسولوں میں سے
جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کی گفتگو کا ذکر ہوا تھا اب اس کافر کی بدکرداری کا ذکر ہے یعنی قولی مقابلہ کے بعد عملی مقابلہ کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کے اپنی قوم کو ڈرانے کا ذکر تھا اب اس کے ظہور کا تذکرہ ہے کہ جو کچھ صالح علیہ السلام نے فرمایا تھا وہی ہوا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قوم ثمود کے قومی کفر کا ذکر تھا کہ انہوں نے کہا کہ ہم ان کے انکاری ہیں اب ان کے عملی کفر کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ انہوں نے جو کہا تھا وہ کر کے دکھا دیا گویا سرکشی کی ابتدائیہ کا ذکر پہلے تھا انتہا کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **فعقروا الناقة** اس عبارت میں **ف** صرف معلمت بیان کرنے کے لئے ہے۔ مہلت یا فاصلہ کے لئے نہیں کیونکہ قوم نے فوراً ہی اونٹنی کو ذبح یا زخمی نہیں کر دیا تھا۔ بلکہ بہت عرصہ کے بعد کیا تھا یا یوں کہو کہ ان لوگوں نے ذبح کی اسکیم بہت پہلے بنائی تھی ذبح بہت عرصہ کے بعد کیا یہاں تیاری ذبح کے لحاظ سے **ف** ارشاد ہوا۔ **عقر** کے لغوی معنی ہیں پاؤں کی کوچیں کاٹنا مگر یہاں اس سے مراد ہے ذبح یا نحر کر دینا کیونکہ اونٹ ذبح کے وقت اولاً اس کی کوچیں کاٹتے ہیں۔ پھر اسے ذبح یا نحر کرتے ہیں۔ اگرچہ اونٹنی کو ذبح کرنے والا ایک شخص تھا قیدار ابن سالف اور ایک شخص اس کا مددگار تھا۔ مصدع ابن دہر مگر چونکہ یہ کام ساری قوم کے مشورہ ان کی رضا سے ہوا تھا اس لئے ان سب کو اس کا فاعل قرار دیا گیا۔ رب فرماتا ہے **فنادوا صاحبهم فتعاطى فعقر** وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے **الناقة** سے مراد ہے وہی اونٹنی جو بطور معجزہ پہاڑ سے نکالی گئی تھی اس میں الف لام عہدی ہے یعنی کچھ عرصہ کے بعد قوم ثمود کے کفار نے اسی اپنی مانگی ہوئی اونٹنی کو ذبح کر کے ہلاک کر دیا اس اونٹنی کا ذبح کر دینا قرآن مجید میں جگہ جگہ مذکور ہے مگر اس کے بچہ کے متعلق کوئی روایت نہیں ملی کہ وہ بھی ذبح کیا گیا یا نہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ بھی ذبح کر دیا گیا بعض نے فرمایا کہ وہ بھاگ کر اس پہاڑ میں غائب ہو گیا جہاں سے اس کی ماں نکلی تھی اس طرح کہ پتھر چرا اور وہ اس میں سما گیا قریب قیامت جو **دابۃ الارض** نکلے گا وہ وہی بچہ ہو گا۔ جس کے متعلق قرآن مجید

فرماتا ہے۔ **اخرجنا لهم ناقة من الارض** (تفسیر صاوی) **والله ورسوله اعلم۔ و عتوا عن امر ربهم** یہ عبارت معطوف ہے **عقروا** پر ظاہر یہ ہے کہ اس میں ان کے اس جرم ذبح کا ذکر ہے یعنی انہوں نے یہ حرکت نادانی یا مجبوری سے نہیں کی بلکہ سرکشی سے کی **عتو** بنا ہے **عتو** سے بمعنی سرکشی اور اپنی حد سے نکل جانا۔ چونکہ اس میں **تولی** کے معنی شامل ہیں اس کے بعد **عن** ارشاد ہوا (روح المعانی) ورنہ **عتو** کے بعد **عن** نہیں آتا رب فرماتا ہے **بريح صرصر عاتية**۔ امر رب سے مراد وہی حکم ہے جو ان کو حضرت صالح علیہ السلام کی معرفت دیا گیا تھا یعنی اونٹنی کا احترام کرنا اس کی حفاظت کرنا **فذروها تاكل في ارض الله** یہی معنی بالکل ظاہر ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **عتو** سے مراد ہے اور دوسری قسم کی نافرمانیاں علاوہ ذبح اونٹنی کے اور **عن** بمعنی **ب** سببیہ ہے امر بمعنی ارادہ یعنی بہ ارادہ الٰہی ان لوگوں نے اس کے علاوہ اور سرکشیاں بھی کی تھیں آخری سرکشی اونٹنی کا ذبح تھا اس صورت میں یہ جملہ **فعقروا** کے فاعل سے حال ہے (از روح المعانی) مگر عام مفسرین پہلے معنی کرتے ہیں **وقالوا يا صالح ائتنا بما تعدنا** یہ ان کی ڈھٹائی کا بیان ہے کہ وہ ایسے ڈھیٹ تھے کہ اس جرم پر شرمندہ ہونے کی بجائے الٹے شیخی اور نبی کے مقابلہ میں آ گئے یہ بکواس کرنے والے یا تو سارے کفار تھے یا وہی دو آدمی قیدار اور مصدع جنہوں نے ذبح کیا تھا مگر چونکہ ان کا قول بھی ساری قوم کے اشارہ پر تھا اس لئے **قالوا** جمع ارشاد ہوا۔ اپنے نبی کو صرف نام لے کر پکارنا بھی بے ادبی ہے، یہ بھی ان کے کفر کی نشانی تھی۔ اس سے مراد وہ عذاب ہے۔ جس سے آپ اپنی قوم کو ڈراتے تھے یعنی وہ لوگ اونٹنی ذبح کر کے بولے کہ اے صالح جس عذاب سے آپ ہم کو ڈراتے تھے وہ لے آؤ، ہم نے آپ کی مخالفت پوری کر لی۔ **ان كنت من المرسلين** یہ عبارت **ائتنا** کی شرح موخر ہے۔ یعنی آپ کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں ہم کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں۔ اگر آپ سچے ہیں واقعی اللہ کے رسول ہیں تو ہم پر عذاب لائیے۔ اگر آپ عذاب لے آئے تو آپ سچے ورنہ ہم سچے۔ گویا اپنی موت خود اپنے منہ سے مانگ رہے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : صالح علیہ السلام نے ان کفار کو ہر طرح سمجھایا راہ راست پر لانے کی کوشش کی ان کو منہ مانگا معجزہ یعنی اونٹنی پتھر سے نکال کر دکھائی اونٹنی کے احترام کا انہیں حکم دیا ان تمام باتوں کے باوجود قوم ثمود نے اونٹنی کو ذبح کر ڈالا اور اپنے رب کے حکم سے سرتابی کی کہ جس کے احترام اور حفاظت کا حکم تھا اسے ذبح کیا اس سے پہلے بھی وہ سرکشی کرتے رہتے تھے ان کی ڈھٹائی کا یہ حال تھا کہ ذبح کر دینے کے بعد صالح علیہ السلام سے نہایت بدتمیزی سے بولے کہ اے صالح ہم نے تو اپنا کام کر دیا اب تم بھی وعدہ کیا ہوا عذاب لاؤ اگر تم رسول ہو تو عذاب لا کر دکھاؤ، اگر عذاب نہ لائے تو ہم سمجھیں گے کہ ہم اپنے اس خیال میں سچے تھے کہ آپ رسول نہیں ہیں۔

اونٹنی کا ذبح : قوم ثمود کے مطالبہ پر اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے غیبی اونٹنی پیدا فرمائی جس کے پیدا ہوتے ہی قد آور بچہ دیا یہ ماں اور بچہ ثمود کی بستی میں رہنے سہنے لگے قوم ثمود کو تین دشواریوں کا سامنا ہوا ایک یہ کہ وہ اونٹنی بہت موٹی اور ڈیل ڈول والی تھی ان کے دوسرے جانور اسے دیکھ کر بدکتے بھاگتے تھے حضرت موسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں ثمود کی زمین میں گیا میں نے وہ جگہ ناپی جس میں وہ اونٹنی بیٹھتی تھی سات ہاتھ تھا۔ دوسری مصیبت انہیں یہ پڑی کہ یہ ماں اور بچہ ہر طرف پھرتے تھے ہر ایک کا کھیت کھاتے انہیں مارنے یا نکالنے یا ہانکنے کی اجازت نہ تھی جیسے آج حرم شریف کے شکاری جانور جنہیں بھڑکانہ بھگانا حرام ہے۔ انہیں یہ بات بہت گراں معلوم ہوتی تھی۔ تیسری یہ کہ ہر تیسرے دن اونٹنی اس کنویں کا پانی سارا پی کر اسے خشک کر دیتی

تھی انہیں اس میں سے ایک قطرہ لینے کی اجازت نہ تھی پھر چوبیس گھنٹہ میں پانی کنویں میں جمع ہو تا پھر یہ پیتے۔ اگرچہ وہ دودھ بھی اتنا دیتی تھی کہ یہ سب لوگ پی کر سیر ہو جاتے مگر قوم ثمود میں دو عورتیں تھیں بڑی خوبصورت اور بڑی ہی مالدار جن کی لڑکیاں ان سے بھی بڑھ کر حسینہ جمیلہ تھیں۔ ایک کا نام عنیزہ ام غنم' دوسری کا نام تھا صدقہ بنت مختار ان کی کھیتی باڑی بھی بہت تھی اور ان کے جانور بھی بہت زیادہ تھے ان دونوں کو حضرت صالح علیہ السلام سے سخت عداوت تھی۔ یہ چاہتی تھیں کہ کسی صورت سے یہ اونٹنی ماردی جائے صدقہ نے اپنے چچازاد بھائی مصدع ابن دہر کو بلایا بولی میں بیوہ ہوں تجھ سے نکاح کرلوں گی بشرطیکہ تو اونٹنی کو ہلاک کردے پھر دوسرے شخص قدار ابن سالف کو بلایا۔ جو درحقیقت حرامی تھا اس سے بولی کہ تو بھی اونٹنی کے ذبح میں مدد کر اور میری جس بیٹی سے چاہے نکاح کرلے ان دونوں نے بہت خوشی سے یہ بات منظور کرلی ان دونوں نے اپنے ساتھ نو آدمی اور ملائے ساری قوم نے ان سے ہر طرح کے تعاون کا وعدہ کیا اسکیم یہ بنائی کہ پہلے صالح علیہ السلام کو شہید کرو پھر اونٹنی کو ذبح کرو صالح علیہ السلام دن بھر شہر میں رہتے تبلیغ کرتے تھے رات میں شہر کے باہر ایک پہاڑ کے دامن میں مسجد تھی وہاں عبادت کرتے تھے یہ لوگ پہاڑ کے غار میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ حضرت صالح علیہ السلام جب یہاں آئیں گے ہم نکل کر انہیں شہید کردیں گے نو آدمی وہاں چھپ گئے ان پر غار گر گیا وہ تو وہاں ہی ختم ہو گئے بقیہ ان دونوں نے شور مچادیا کہ صالح علیہ اسلام نے ہمارے نو آدمی ماردیئے اس پر بستی کے لوگ طیش میں آکر بولے کہ اب ہم اونٹنی ضرور ذبح کریں گے چنانچہ قوم کے مشورہ سے قدار اور مصدع دونوں اس پہاڑ کے دامن میں جا چھپے جہاں سے اونٹنی نکلی تھی جب اونٹنی مع اپنے بچہ کے ادھر سے نکلی کنویں کا پانی پی کر تو مصدع نے اس کے تیر مارا جس سے اونٹنی کی پنڈلی سخت زخمی ہو گئی اور وہ گر گئی۔ پھر قدار تلوار لئے ہوئے جلدی سے نکلا اس نے پہلے تو اونٹنی کے پاؤں کاٹے پھر اسے ذبح کردیا اونٹنی نے تین آوازیں نکالیں اور جان دے دی اس کا بچہ اس پہاڑ میں گیا وہ پہاڑ پھٹا بچہ اس میں سما گیا قوم نے اونٹنی کا گوشت آپس میں تقسیم کرلیا یہ واقعہ تفسیر روح البیان سے نقل کیا گیا باقی روح المعانی' خازن اور تفسیر کبیر تفسیر صاوی تفسیر ابن کثیر نے کچھ فرق سے بہت طویل بیان فرمایا۔ تفسیر ابن کثیر نے بیان کیا کہ قدار ابن سالف ابن خدع پستہ قد نیلی آنکھ سرخ رنگ تھا اس کی ماں تھی تو سالف کی بیوی مگر اس نے ایک شخص صہیان سے بدکاری کی جس سے یہ پیدا ہوا۔ بدترین مخلوق میں سے قدار ابن سالف ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گناہ کرنا' گناہ کرانا' گناہ پر مدد کرنا' گناہ کا مشورہ دینا سب ہی جرم ہے سب پر عذاب آسکتا ہے یہ فائدہ **فعقروا** جمع فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو اونٹنی کو ذبح کرنے والا ایک یا دو شخص تھے مگر فرمایا گیا کہ ان سب نے ذبح کیا کیونکہ مشورہ سب نے دیا تھا۔ **دوسرا فائدہ:** انبیاء کرام کی بارگاہ میں زاری چاہئے وہاں زور نہ دکھانا چاہئے' جنہوں نے وہاں زور دکھایا وہ مارے ہی گئے یہ فائدہ **وعتوا عن امر ربهم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** حکم رسول دراصل حکم رب تعالیٰ ہے انکی فرماں برداری رب کی فرماں برداری ہے انکی نافرمانی رب کی نافرمانی ہے کہ وہ جو کچھ بولتے ہیں رب کے حکم سے بولتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **عتوا عن امر ربهم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کا مقابلہ دراصل رب تعالیٰ کا مقابلہ ہے دیکھو قوم ثمود نے خدا تعالیٰ سے نہیں کہا تھا کہ ہم پر عذاب بھیج بلکہ صالح علیہ السلام سے کہا تھا **یا صالح ائتنا بما تعدنا** الخ مگر رب تعالیٰ نے اسے اپنا مقابلہ قرار دیا بارگاہ الہی بہت ہی غیور ہے ساری مخلوق سے بڑھ کر غیرت والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور حضور سے زیادہ غیرت والا اللہ تعالیٰ ہے **واللہ اعلم**

منی اعلیحضرت نے عرض کیا۔

تیری غیرت کے نثار اے مرے غیرت والے آہ صد آہ کہ یوں خوار ہو بروہ تیرا!

تجربہ ہے کہ حضور کے نام لیوا نہ دنیا میں کبھی ذلیل ہوں نہ بھوکے مریں اللہ تعالیٰ ہم کو ان کا نام لیوا ان کے آستان کا نوکر بنائے۔

پہلا اعتراض: **فعقروا** کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود نے اونٹنی کے پیدا ہوتے ہی اسے ذبح کر دیا حالانکہ یہ واقعہ کے خلاف ہے عرصے تک اونٹنی ان میں رہی ف کے معنی ہیں فوراً"؟ **جواب**: کبھی **ف** بمعنی ثم بھی آتی ہے یعنی پھر عرصہ کے بعد اور کبھی بمعنی بعد بھی آتی ہے یہاں اسی معنی میں ہے جیسے **فحملته فانتبذت به مکانا قصیا** اور جیسے **فاجاءها المخاض الی جذع النخلة**۔ ان سب جگہ میں **ف** بمعنی فوراً" نہیں یا ذبح کی اسکیم و تیاری کے لحاظ سے **ف** ارشاد ہوئی کام کی تیاری کو کام کہا جاتا ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت ربیع الاول میں کی مگر سنہ ہجری محرم سے شروع ہوتا ہے کیونکہ ارادہ ہجرت محرم سے ہی ہو گیا تھا واللہ عالم۔ **دوسرا اعتراض**: اونٹنی ذبح کرنے والے ایک یا دو آدمی تھے مگر یہاں صیغہ جمع ارشاد ہوا **فعقروا** ان سب نے ذبح کیا یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ چونکہ ساری قوم نے ذبح کا مشورہ دیا سب نے مل کر گوشت کھایا سب نے تعاون کیا اس لئے ان سب کو ذبح کرنے والا قرار دیا گیا اس لئے **فذبحوا** نہ فرمایا **عقروا** فرمایا۔ **تیسرا اعتراض**: اونٹنی ذبح کرنے کے علاوہ انہوں نے اور کونسا جرم کیا تھا جس کے بارے میں فرمایا گیا **وعتوا عن امر ربهم**۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ خود ذبح میں سرکشی ہے یہ عطف تفسیری ہے۔ دوسرے یہ کہ حضرت صالح علیہ السلام کی نافرمانی آپ کے معجزات کا انکار سرکشی ہے آپ کی نبوت کا انکار بت پرستی یہ سب انکی نافرمانیاں ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: صالح علیہ السلام کی اونٹنی آپ کا معجزہ تھی اور نورانی مخلوق تھی پھر اسے قوم نے ذبح کیسے کر دیا نور پر ان کا قابو کیسے چل گیا اور نبی کے معجزے کو مٹانے پر وہ قادر کیسے ہو گئے معجزہ کے معنی ہیں عاجز کرنے والی چیز اس اونٹنی سے یہ لوگ عاجز کیوں نہ ہوئے۔ **جواب**: اگرچہ اونٹنی نورانی مخلوق تھی مگر شکل میں جسمانی تھی اس لئے اس پر جسم کے احکام جاری ہو گئے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کا عصا جب سانپ بن جاتا تھا تو دوڑتا کھاتا پیتا بھی تھا **تلقف ما یافکون** جب بعض انبیاء کرام بھی کفار کے ہاتھوں شہید ہوئے **ویقتلون النبین بغیر حق** حالانکہ نبی بھی نورانی ہوتے ہیں تو اگر ان کے معجزہ اونٹنی کو ذبح کر دیا تو کیا اعتراض ہے۔ معجزہ کے معنی یہ ہیں کہ لوگ اس کے مقابلہ پر عاجز ہوں واقعی کفار ثمود پتھر سے اونٹنی نکالنے سے عاجز تھے قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہے کہ لوگ اس کے مقابل کلام بنانے سے عاجز ہیں کبھی قرآن مجید آگ میں جل جاتا ہے پھاڑا جا سکتا ہے پانی سے دھل جاتا ہے یہ جلاڈالنا" پھاڑ دینا پانی سے دھو دینا اس کے معجزہ ہونے کے خلاف نہیں بلکہ اونٹنی کا ذبح کر دینا ثمود کی ہلاکت کا ذریعہ تھا۔ لہٰذا اس کی موت بھی معجزہ تھی کہ ان پر عذاب آ گیا۔ **پانچواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام کا عصا نہ توڑا جا سکتا ہے اور جب وہ سانپ بن جاتا تھا تو اسے کوئی سپیرا نہ مار سکتا تھا نہ اسے قبضہ میں کر سکتا تھا وہ بھی تو معجزہ تھا اسے فرعونی لوگ فنا کیوں نہ کر سکے۔ **جواب**: عصاء موسوی معجزہ بھی تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا محافظ بھی آپ کے دل کے اطمینان کا ذریعہ بھی ان وجوہ سے اسے کوئی ہلاک نہیں کر سکتا تھا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی آپ کی محافظ نہ تھی۔ صرف معجزہ تھی اس لئے کوئی کافر عصا موسوی نہ چرا سکا نہ مار

سکا۔

تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالٰی نے بستی قلب کی طرف صالح روح کو بھیجا تاکہ یہ صالح دل کی بستی میں رہنے والوں کی سفلی، ظلمانی، حیوانی ردی صفات سے نکال کر نورانی، روحانی علوم حمیدہ اخلاق کی طرف رہبری کرے مگر نفس امارہ اور اس کی صفات ردیہ نے سر قلب کی ناقہ کو مخالفت حق تکبر و غرور نافرمانی الٰہی کی چھری سے ذبح کر دیا اور نفس بجائے قلب کی اطاعت کرنے کے اس کے مقابل آ گئے اور عذاب الٰہی کے مستحق ہو گئے (روح البیان) عقل انسانی اگر قلب کے ماتحت رہے تو اللہ کی رحمت ہے اور اگر نفس کے ماتحت ہو جائے تو عذاب ہے مولانا فرماتے ہیں۔

عقل زیر حکم دل رحمانی است ۔۔۔ چوں زدل ازلو شد شیطان است

صوفیاء فرماتے ہیں اونٹنی حلال بھی ہے اس کا ذبح بھی جائز۔ جائز اور حلال چیز پر عذاب نہیں آتا مگر چونکہ اسے رب تعالٰی کی طرف نسبت تھی اور اس کو حرام قرار دیا گیا تھا تو نہ اس کا گوشت کھانے کے قابل رہا نہ اس کا ذبح جائز دیکھو قربانی کا جائز حلال ہوتا ہے مگر تاریخ سے پہلے کا ذبح جائز نہیں۔ ہدی کا جانور حلال ہے مگر حرم اور تاریخ کے بغیر اس کا ذبح جائز نہیں حرم کا شکار بذات خود حلال ہے مگر اس کو شکار کرنا جائز نہیں یوں ہی جس آدمی کو اللہ تعالٰی سے قبولیت کی نسبت ہو جائے اسے ستانا عذاب کا باعث ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ جو میرے ولی سے دشمنی رکھے اسے میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔

فَاَخَذَتۡهُمُ الرَّجۡفَةُ فَاَصۡبَحُوۡا فِىۡ دَارِهِمۡ جٰثِمِيۡنَ ۝ فَتَوَلّٰى عَنۡهُمۡ

پس پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے پس ہو گئے وہ اپنے گھر میں منہ کے بل ۔۔۔ پس اعراض کیا ان سے

تو انہیں زلزلہ نے آ لیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے تو صالح نے

وَقَالَ يٰقَوۡمِ لَقَدۡ اَبۡلَغۡتُكُمۡ رِسَالَةَ رَبِّىۡ وَنَصَحۡتُ لَكُمۡ وَلٰكِنۡ

اور فرمایا اے قوم میری البتہ تحقیق پہنچایا میں نے تم کو پیغام رب کا اپنے اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری

ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بےشک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا دی اور تمہارا

لَّا تُحِبُّوۡنَ النّٰصِحِيۡنَ ۝

اور لیکن نہیں پسند کرتے تم خیر خواہوں کو

بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کی غرض ہی نہیں

تعلق : ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قوم ثمود کے اونٹنی ذبح کرنے کا ذکر تھا اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ اونٹنی کے ذبح پر ساری قوم ہلاک کر دی گئی۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ قوم ثمود نے رب تعالٰی کی ذات و صفات کے متعلق جو کج بحثی کی اس کے قولی جوابات صالح علیہ السلام دیتے رہے،

اب ارشاد ہے کہ جب انہوں نے ہمارے پیارے نبی کی ذات کے متعلق ڈھٹائی کی کہ کہا کہ اگر تم سچے رسول ہو تو عذاب لے آؤ تو انہیں عملی جواب رب تعالیٰ نے دیا کہ انہیں ہلاک کر دیا تاکہ پتہ لگے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے محبوبوں کی عزت کیسی عزیز ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت کا ذکر تھا اب اس دعوت کو قبول نہ کرنے والوں کو سزا کا ذکر ہے دعوت پیغمبر قبول کرنے والوں کے لئے رحمت ہوتی ہے انکاریوں کے لئے عذاب۔

تفسیر: **فاخذتم الرجفته** یہاں بھی **ف** بمعنی فوراً" نہیں ہے کیونکہ قوم ثمود پر عذاب اونٹنی ذبح کرتے ہی فوراً" نہیں آیا بلکہ کچھ دن بعد جیسا کہ خلاصہ ء تفسیر میں عرض کیا جاوے گا۔ چونکہ قوم ثمود پر عذاب ان کے گھروں میں ہی آگیا وہ فرعون کی طرح بستی سے نکال کر ہلاک نہیں کئے گئے اس لئے **اخذت** فرمایا گیا **هم** کا مرجع قوم ثمود کے سارے کفار ہیں اونٹنی ذبح کرنے والے بھی اس سے راضی ہونے والے بھی اس میں مدد کرنے والے بھی۔ غرضیکہ ساری کی ساری کافر قوم۔ **رجفته** کے معنی ہیں سخت لرزہ زمین کے تیز زلزلہ کو بھی کہتے ہیں اور دل کی تیز دھڑکن کو بھی یہاں معنی میں ہے۔ خیال رہے ثمود کے عذاب کے متعلق مختلف آیات میں مختلف چیزوں کا ذکر ہے۔ یہاں تو **رجفته** یعنی زلزلہ کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں ہے **فاخذتهم الصیحته** انہیں چیخ نے پکڑ لیا۔ تیسری آیت میں ہے **فاهلکوا بالطاغیه** مگر ان میں تعارض نہیں اس لئے کہ ثمود پر اوپر سے حضرت جبریل علیہ السلام کی چیخ آئی اور نیچے سے زمین کا زلزلہ گویا ان پر دو طرفہ عذاب آیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان پر چیخ کا عذاب آیا چیخ سے زمین میں زلزلہ آگیا جیسے آج دھمک سے زمین کانپ جاتی ہے۔ اور **اهلکوا بالطاغیه** میں **ب** سببیہ ہے اور **طاغیه** کے معنی ہیں اس قوم کی سرکشی یعنی قوم ثمود اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کی گئی۔ لہٰذا آیات قرآنیہ تعارض تقابل سے پاک صاف ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ثمود پر عذاب آنے سے پہلے مقدمات عذاب اور علامات غضب نازل ہوتے رہے جیسا کہ ان شاء اللہ خلاصہ ء تفسیر میں عرض کیا جاوے گا ان چیزوں کے نزول کی احادیث بھی اس آیت کے خلاف نہیں۔ **فاصبحوا فی دارهم جاثمین** یہاں **ف** بمعنی فوراً" ہے کیونکہ یہ واقعہ ان پر عذاب آتے ہی ہوا۔ **اصبحوا** بمعنی **صاروا** ہے اس کا فاعل وہی قوم ثمود کے کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔ **دار** بمعنی ملک ہے یا بمعنی علاقہ جیسے کہا جاتا ہے۔ **دار الحرب** یا **دار الاسلام** یا جیسے دار اور اگر بمعنی گھر ہے تو اس سے جنس دار مراد ہے۔ بہرحال یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں **فی دیارهم جاثمین** کہ وہاں دیار سے مراد ان کے الگ الگ گھر ہیں اس لئے وہاں جمع ارشاد ہوا۔ **جاثمین** یا تو **اصبحوا** کی خبر ہے یا اس کے فاعل سے حال جبکہ **اصبحوا** فعل ناقص ہو **جاثم** بنا ہے جثوم سے بمعنی زمین پر اس طرح اوندھا پڑ جانا کہ بالکل حس و حرکت نہ ہو یعنی وہ لوگ عذاب آنے پر اپنے گھروں اپنی زمین میں ایسے اوندھے رہ گئے کہ ان کے گھٹنے زمین سے لگے تھے ران پنڈلیوں سے اور پیٹ رانوں سے۔ اس طرح مر گئے خدا کی پناہ۔ **فتولی عنهم** یہاں **ف** بمعنی فوراً" نہیں کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام کا یہ واقعہ عذاب الٰہی آنے سے کچھ دن بعد ہوا کیونکہ حضرت صالح علیہ السلام مومن جماعت کے ساتھ عذاب آنے سے پہلے ہی اس بستی سے نکل کر کسی دور جنگل میں تشریف لے گئے تھے۔ جب ان پر عذاب آ چکا اور یہ سب ہلاک ہو چکے تو آپ اس جنگل سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے راہ میں اس بستی پر گزرے ان کی لاشیں غور سے حسرت سے ملاحظہ فرمائیں پھر نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا۔ یہ واقعہ یہاں مذکور ہے **تولی** کے معنی اس کی صورتیں کئی بار ذکر کی جا چکی ہیں۔ **تولی** کا فاعل حضرت صالح علیہ السلام ہیں اور **عنهم** میں **هم** کا مرجع وہ ہلاک شدہ کفار ثمود ہیں یعنی عذاب آ

چکنے کے بعد صالح علیہ السلام مع مومن قوم کے ان کی لاشوں پر گزرے پھر نفرت کے ساتھ ان سے منہ پھیرا **و قال یا قوم لقد ابلغتکم رسالۃ ربی و نصحت لکم** یہ کلام شریف اول میں حسرت ہے آخر میں نفرت اس میں اس قوم پر اللہ کی تین نعمتوں کا ذکر ہے اور اس قوم کی ناقدری کا تذکرہ پہلی نعمت یقوم ہے یعنی تم لوگ نبی کی قوم تھے نبی کی قوم ہونا اللہ کی نعمت ہے اور دین و دنیا میں باعث برکت اگر ایمان کے ساتھ ۔ دوسری نعمت **لقد ابلغتکم** الخ ہے تیسری نعمت **و نصحت** الخ۔ آیت کا مقصد یہ ہے کہ اے میری نافرمان قوم میں نے تجھے اس عذاب سے بچانے کی بہت کوشش کی تجھ پر یہ عذاب بے خبری میں نہیں آیا بلکہ خبردار کر کے آیا۔ خیال رہے کہ یہاں ابلغت کے معنی ہیں پورا پورا پہنچایا۔ یا کسی طرح کی کمی نہ کی رسالۃ سے مراد جنس پیغام ہے اور جن آیات میں ہے **رسالات ربی** جمع کے ساتھ وہاں افراد پیغام مراد ہیں اس میں بشارت' نذارت' وعدے وعید ہیں۔ احکام عقائد سب کی تبلیغ داخل ہے۔ یعنی میں نے تجھے ڈرایا۔ دھمکایا خوشخبریاں دیں اور صرف تبلیغ کی ڈیوٹی ہی ادا نہ کی بلکہ دل سے ہمیشہ تمہاری خیر خواہی کی ہمیشہ چاہا کہ تم مومن ہو جاؤ مگر تم نے قدر نہ کی میری ایک نہ مانی۔ **و لکن لا تحبون الناصحین** حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی کرم نوازی کا ذکر فرما کر ان لوگوں کی سرکشی نالائقی کا ذکر فرمایا کبھی گزشتہ واقعہ کو حال سے تعبیر کرتے ہیں ناصحین سے مراد خیر خواہ ہیں نبی ہوں یا مومنین یعنی تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے سارے خیر خواہوں سے محبت نہیں کرتے بلکہ ان سے عداوت و بغض ہی رکھتے ہو تم نے مجھ سے بغض رکھنے کا انجام دیکھ لیا آپ کا یہ فرمان ایسا ہی ہے جیسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر سے فارغ ہو کر ابوجہل وغیرہ کفار مکہ کی لاشوں پر تشریف لے گئے ان سے فرمایا کہ اے ابوجہل اے امیہ ابن خلف ہم نے اپنے رب کا وعدہ سچا پایا بولو تم نے بھی سچا پایا یا نہیں اب بولو جو کچھ میں نے کہا تھا وہ حق ہے یا نہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور بے جان جسموں سے کلام کیوں فرما رہے ہیں فرمایا وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں اسی قسم کا یہ کلام اور یہ خطاب ہے۔ میت سنتی ہے اگرچہ کافر کی ہو۔

خلاصہ ء تفسیر : تم نے حضرت صالح علیہ السلام کی حکیمانہ تعلیم اور قوم کی ہٹ دھرمی اور عملی نافرمانی سن لی۔ اب سنو کہ اس کا انجام یہ ہوا کہ قوم ثمود کو سخت زمینی زلزلے نے آپکڑا اور تمام کے تمام اپنی بستی اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے کہ وہ زلزلہ کی وجہ سے زمین سے لپٹ گئے اور ہلاک ہو گئے حضرت صالح علیہ السلام جو مومنوں کو لیکر یہ بستی چھوڑ کر دور جنگل میں نکل گئے تھے آپ یہاں سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے راستے میں اس اجڑی بستی ان لوگوں کی لاشوں پر گزرے تو ان کی حالت میں حسرت سے غور کیا پھر نفرت سے ان سے منہ پھیر لیا اور فرمایا کہ اے میری ضدی قوم میں نے اس عذاب سے تجھے بہت بچانا چاہا تجھ تک اپنے رب کا پیغام پہنچایا اس عذاب کی تجھے پہلے سے خبر دی مگر تیرا حال یہ ہے کہ تو اپنے خیر خواہوں یعنی مجھے اور دوسرے مومنوں سے بجائے محبت کرنے کے نفرت کرتی ہے اب تو نے اپنی حرکتوں کا انجام دیکھ لیا بلکہ آزما لیا۔

قوم ثمود کی ہلاکت : جب قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو پہلے تیر مارا تو اس نے ایک چیخ ماری انہوں نے اسے گرا کر ذبح کر دیا اونٹنی کا بچہ اس پہاڑ کی طرف بھاگا جس سے یہ اونٹنی نکلی تھی قوم اس کے پیچھے تھی اس نے تین چیخیں ماریں وہ صالح علیہ السلام کی طرف دیکھتا تھا۔ اور روتا تھا پھر پہاڑ میں گھسا پہاڑ اس کے لئے پھٹا وہ اس میں سما گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ بچے نے تین چیخیں ماریں ہیں تم کو اب صرف تین دن کی مہلت ہے۔ رب فرماتا ہے **تمتعوا فی دارکم ثلثۃ ایام ذالک وعد غیر مکذوب** یہ لوگ اب بھی صالح علیہ السلام کا مذاق ہی اڑاتے رہے ہیں اس زمانہ میں ان کی زبان میں ہفتہ

کے دنوں کے نام حسب ذیل تھے اتوار کو اول کہتے تھے پیر کو اھون منگل کو دبار بدھ کو جبار جمعرات کو مونس جمعہ کو عروبہ اور ہفتہ کو سنیچر کو شیار۔ ان لوگوں نے بدھ کے دن اونٹنی ذبح کی تھی صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ کل مونس یعنی سنیچر کے دن سب کے منہ کالے ہو جائیں گے۔ پھر یوم اول یعنی اتوار کے دن تم پر عذاب آئے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ جمعرات کے دن ان کے چہرے ایسے پیلے ہو گئے جیسے ان میں زعفران مل دیا گیا ہے عورت و مرد چھوٹے و بڑے سب کا یہی حال ہوا اب انہیں اپنی ہلاکت کا یقین ہو گیا پھر جمعہ کے دن ان کے منہ ایسے سرخ ہو گئے۔ جیسے ان پر تازہ خون مل دیا گیا ہے یہ لوگ رونے پیٹنے اور چیخنے لگے ہفتہ کے دن ان کے منہ ایسے کالے ہو گئے جیسے ان پر تارکول مل دیا گیا ہے اب یہ لوگ ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہماری ہلاکت کا وقت آ گیا۔ صبح اتوار تھا حضرت صالح علیہ السلام اس رات مومنین کو اپنے ساتھ لے کر شام کی طرف کوچ کر گئے حتیٰ کہ رملہ فلسطین میں آپ نے قیام فرمایا۔ اتوار کے دن صبح سویرے یہ لوگ کفن اوڑھ کر خوشبو مل کر مرنے کے لئے زمین پر اوندھے پڑ گئے کبھی منہ اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھ لیتے اور پھر زمین پر چہرہ رکھ دیتے کہ دیکھئے کس طرف سے اور کس طرح عذاب آئے گا حتیٰ کہ اتوار کے دن دوپہر ہو گئی کہ اچانک آسمان کی طرف سے ایک کڑک کی سی آواز آئی جس سے زمین میں بڑا عظیم زلزلہ پیدا ہوا ان سب کے دل پھٹ گئے تمام کے تمام مر گئے ایک بے دست وپا لونڈی جس کا نام ذریعہ بنت سالف تھا جسے حضرت صالح علیہ السلام سے بہت ہی عداوت تھی وہ بچ رہی۔ اللہ کی شان کہ اس کے ہاتھ پاؤں کھل گئے یہ اس علاقہ سے بھاگی حتیٰ کہ وادی القریٰ پہنچی وہاں کے باشندوں کو قوم ثمود کی ہلاکت کا آنکھوں دیکھا واقعہ بتایا بولی مجھے سخت پیاس لگی ہے پانی پلاؤ اسے پانی پلایا گیا وہ پانی پیتے ہی وہاں ہی ڈھیر ہو گئی گویا اس لونڈی کو ہلاکت کی خبر پہنچانے کے لئے اتنی مہلت دی گئی۔

حدیث شریف : مسلم و بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت فرمایا کہ ایک غزوہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے مقام حجر سے گزرے جہاں قوم ثمود پر عذاب آیا تھا تو صحابہ کرام کو حکم دیا ٹھہرو نہیں بلکہ خوف الٰہی سے روتے ہوئے گزر جاؤ بعض لوگوں نے اس کنویں کے پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں حکم دیا کہ پانی پھینک دو اور گوندھا ہوا آٹا ضائع کر دو اور کبھی اپنے نبی سے معجزات نہ مانگو۔ غور کرو کہ قوم ثمود نے اپنے نبی سے معجزہ مانگا یعنی اونٹنی پھر ان کا انجام کیا ہوا روایات میں ہے کہ قوم ثمود کا ایک آدمی ابو رغال اس وقت حرم مکہ معظمہ میں تھا وہ عذاب سے بچ رہا۔ جب وہ حرم شریف سے نکلا تو وہ بھی ہلاک ہو گیا اسے قوم نے دفن کر دیا اور اس کی قبر میں سونے کی چھڑی بھی دفن کر دی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو رغال کی قبر صحابہ کو دکھائی صحابہ نے تلواروں سے اس کی قبر کھولی تو وہ چھڑی موجود پائی۔ حضرت صالح علیہ السلام پر کل چار ہزار آدمی ایمان لائے۔ حق یہ ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام مکہ معظمہ میں رہے وہاں ہی آپ کی وفات ہوئی۔ مطاف شریف میں آپ کی قبر ہے آپ کی عمر شریف اٹھاون سال ہوئی۔ آپ نے بیس سال اپنی قوم کو تبلیغ فرمائی یہ واقعہ مفسرین نے قدرے اختلاف سے بیان فرمایا ہے۔ ہم نے تفسیر خازن وغیرہ سے نقل کیا مثنوی شریف میں یہ واقعہ پہلے دفتر کے آخر میں اس عنوان پر مذکور ہے۔

"درمیان حقیر دیدن خصمان ناقہ صالح را"

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ہر مفید چیز سے ہر شخص فائدہ نہیں اٹھاتا۔ نبی کی نبوت ان کے معجزات اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتے ہیں مگر اس سے فائدہ صرف خوش نصیب لوگ ہی اٹھاتے ہیں بد نصیب اس سے

نقصان ہی لیتے ہیں۔ یہ فائدہ **فاخذتھم الرجفۃ** الخ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: اللہ کے عذاب سے کوئی چیز نہیں بچا سکتی نہ عمارات نہ کوٹھیاں نہ قلعے اس سے صرف نبی کا دامن ہی بچا سکتا ہے وہی دار الامان ہے۔ یہ فائدہ **فاصبحوا فی دارھم** الخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: ہر چیز اللہ کی فوج ہے جس کو جس چیز سے چاہے ہلاک کردے قوموں پر کھٹمل، جوں، زلزلے کے عذاب آئے، کوئی شخص کسی وقت کسی حالت میں اپنے کو رب کی قدرت سے باہر نہ سمجھے۔ یہ فائدہ **الرجفۃ** فرمانے سے حاصل ہوا اس کا مشاہدہ اب بھی ہو رہا ہے۔ چوتھا فائدہ: مردے زندوں کا کلام سنتے ہیں۔ یہ فائدہ **و قال یا قوم** سے حاصل ہوا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جب مردے کو دفن کر کے زندے چلتے ہیں تو مردہ ان کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ بدر سے فارغ ہو کر ابوجہل وغیرہ کفار کی لاشوں سے کلام فرمایا جیسے کہ صالح علیہ السلام نے ان کفار کی لاشوں سے کلام کیا۔ نیز فرماتے ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) کہ جب قبرستان میں جاؤ تو مردوں کو سلام ان سے کلام کرو لیکن اگر مردے سنتے نہ ہوں تو یہ کام عبث ہوں گے۔ پانچواں فائدہ: مردوں سے خطاب کرنا سنت انبیاء ہے دیکھو حضرت صالح علیہ السلام نے مردہ کفار سے خطاب کیا انہیں یا کہہ کر پکارا **و قال یا قوم** جب مردہ کفار کو پکارنا ان سے کلام کرنا درست بلکہ سنت انبیاء سے ثابت ہوا تو وفات یافتہ اولیاء اللہ شہداء انبیاء حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو پکارنا ان سے عرض معروض کرنا ان سے اپنے دکھ درد کہنا ان سے شفاعت وغیرہ مانگنا بالکل جائز ہے کہ وہ حضرات تو زندہ ہیں لہٰذا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ **اسئلک الشفاعۃ یا رسول اللہ** اے اللہ کے رسول میں آپ سے شفاعت کی بھیک مانگتا ہوں۔ چھٹا فائدہ: اپنے احسانات کا ذکر اور قوم کی ناقدری پر اظہار افسوس کرنا جائز بلکہ سنت نبی ہے۔ یہ فائدہ **نصحت لکم** اور **لا تحبون النٰصحین** الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: نبی ولی صالح مومنین ہمارے سچے خیر خواہ ہیں ہم کو سب چھوڑ دیتے ہیں یہ حضرات نہیں چھوڑتے یہ فائدہ **النٰصحین** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو توفیق دے کہ ہم انہیں اپنا خیر خواہ سمجھیں۔ آٹھواں فائدہ: نبی اور مومنین سے دلی محبت چاہئے یہی نجات کا ذریعہ ہے بغیر محبت والی اطاعت تو منافقین بھی کر لیتے تھے مگر تھے کافر۔ یہ فائدہ **لا تحبون النٰصحین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قوم ثمود زلزلہ سے ہلاک ہوئی۔ دوسری آیت میں ہے کہ وہ چیخ سے ہلاک ہوئی۔ تیسری آیت میں ہے کہ طاغیہ یعنی پانی کے طوفان سے ہلاک ہوئی ان آیات میں تعارض ہے بتاؤ کہ کون سی آیت درست ہے۔ جواب: یہ ساری آیات درست ہیں ان میں تعارض قطعاً نہیں اولاً حضرت جبرئیل کی چیخ آئی جس سے زمین تھرتھرائی ان دونوں چیزوں سے وہ ہلاک ہوئے قرآن مجید میں کہیں نہیں فرمایا کہ وہ پانی میں غرق ہوئے۔ **اھلکوا بالطاغیۃ** میں **طاغیۃ** کے معنی پانی کا سیلاب نہیں بلکہ ان کی سرکشی ہے ب سببیہ یعنی وہ اپنی سرکشی کی وجہ سے ہلاک کئے گئے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ قوم ثمود اتوار کے دن دوپہر کے وقت ہلاک ہوئی مگر یہاں فرمایا گیا **فاصبحوا فی دارھم جٰثمین** وہ صبح کے وقت ہلاک ہوئی۔ جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں **اصبحوا** کے معنی ہیں صارو یعنی ہو گئے یہ معنی نہیں کہ صبح کے وقت ہو گئے دوسرے یہ کہ دوپہر تک کو صبح کہتے ہیں اور بعد دوپہر کو مساء یعنی شام کہا جاتا ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **فی دارھم** یعنی دار کی جمع۔ آیتوں میں اختلاف ہے۔ جواب: دار کے معنی گھر بھی ہیں اور بستی بھی، ملک بھی، جیسے دار الحرب دار الاسلام یہاں دار بمعنی بستی ملک ہے اس آیت

میں دیار بمعنی مکانات ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا **فتولی عنھم** تو کیا صالح علیہ السلام عذاب کے وقت قوم ہی میں رہے۔ بعد عذاب وہاں سے دوسری جگہ گئے۔ کیونکہ **فتولی** میں **ف** ہے۔ جو بعدیت بتا رہی ہے حالانکہ عذاب کے وقت نبی وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ آپ عذاب کے وقت شام کے علاقہ میں تشریف لے گئے تھے بعد عذاب وہاں سے مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔ تب ان کی تباہ شدہ بستی اور ہلاک شدہ قوم پر گزرے تو آپ نے ان سے منہ پھیرا اور یہ فرمایا۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت صالح علیہ السلام نے ثمود کو ان کی زندگی میں بھی یا قوم کہہ کر پکارا اور مرے بعد بھی مردہ کافروں سے محبت کرنا نہیں یا قوم کہنا کیونکر جائز ہوا۔ **جواب:** پہلے آپ نے انہیں اپنی قوم فرمایا تبلیغ کو موثر بنانے کے لئے کیونکہ نرم الفاظ کی تبلیغ دل میں اتر جاتی ہے اب انہیں یا قوم فرمایا اللہ کی نعمت اور ان کی ناقدری ظاہر کرنے کے لئے کہ تم کو رب نے یہ نعمت دی کہ میری قوم بنایا نبی کی قوم شان والی ہوتی ہے اور تم نے ناقدری کی کہ میری قوم ہو کر کافر رہے۔ بہر حال دونوں جگہ یہ لفظ کفار سے محبت کی وجہ سے نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** نوح علیہ السلام نے اپنے کافر بیٹے کنعان کو اپنا بیٹا کہا تو ان پر عتاب ہو گیا۔ **یا نوح انہ لیس من اھلک** مگر آپ نے کفار کو اپنی قوم کہا ان کی زندگی میں بھی اور بعد موت بھی تو ان پر عتاب نہ ہوا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** وہاں نوح علیہ السلام نے رب سے عرض کیا کہ کنعان میرا بیٹا ہے کیوں ڈوب گیا؟ اس میں شفاعت کی مہک و خوشبو ہے اور کفار کی شفاعت درست نہیں' وہاں بھی کنعان کو بیٹا کہہ کر پکارنے پر عتاب نہیں ہوا۔ **یا بنی ارکب معنا** یہاں شفاعت کی خوشبو نہیں بلکہ ملامت و نفرت کے لئے یا قوم فرمایا۔ لہٰذا فرق ظاہر ہے۔ **ساتواں اعتراض:** مردے سنتے نہیں حضرت صالح علیہ السلام کا ان سے یہ خطاب ایسا ہی تھا جیسے ہوا یا پانی سے خطاب کر دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **انک لا تسمع الموتی** اور فرماتا ہے **وما انت بمسمع من فی القبور** ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے نہیں سنتے۔ **جواب:** ہوا یا پانی کو شاعر لوگ اپنے باطل تخیل سے خطاب کرتے ہیں وہ خطاب حقیقت پر مبنی نہیں ہوتا۔ حضرت صالح علیہ السلام کا وہ کلام حقیقت پر مبنی تھا۔ جھوٹا خیال نہ تھا اس کلام کو رب تعالیٰ نے بغیر تردید نقل فرمایا یہ نہ کہا کہ یہ ان کا محض جھوٹا خیال تھا سائل نے قرآن مجید کی آیت پوری نقل نہیں کی اس آیت میں آگے سائل کا جواب موجود ہے پوری آیت یہ ہے۔ **انک لا تسمع الموتی ولا تسمع الصم الدعاء اذا ولوا مدبرین وما انت بھادی العمی عن ضلالتھم ان تسمع الا من یومن بایاتنا** یعنی آپ نہ تو مردوں کو سنا سکتے ہیں' نہ بہروں کو پکار سکتے ہیں' نہ اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں جبکہ وہ پیٹھ پھیر کر چل دیں۔ آپ تو صرف ان لوگوں کو سنا سکتے ہیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھیں "ایمان کا ذکر فرمانے سے معلوم ہوا کہ وہاں مردے' بہرے' اندھے سے مراد دل کے مردے دل کے اندھے دل کے بہرے ہیں یعنی کفار لہٰذا آیت واضح ہے۔ اگر مردے سنتے نہیں تو قبرستان میں سلام کرنے کے کیا معنی' التحیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کرنے کے کیا معنی' اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ **آٹھواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **ولکن لا تحبون الناصحین** تم لوگ خیر خواہوں سے محبت نہیں کرتے ہو وہ لوگ تو مر چکے تھے انہیں بصیغہ حال **لا تحبون الناصحین** کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کبھی گزشتہ چیز کو حال کے صیغہ سے بیان کر دیتے ہیں اس کا وہ حال ذہن نشین کرانے کے لئے ایسے ہی یہاں ہے۔ یہ عرب کا محاورہ ہے اردو میں بھی کبھی ایسا کرنے میں خواب بیان کرنے والا کہتا ہے کہ میں نے پرسوں خواب میں دیکھا کہ

ایک جنگل ہے میں اس میں جارہاہوں' دریا سے گزر رہاہوں وغیرہ۔ **نواں اعتراض:** یہاں ناصحین جمع کیوں ارشاد فرمایا آپ تو اکیلے تھے یاتولا **تحبوننی** فرماتے یا **لا تحبون الناصح** فرماتے۔۔**جواب:** چونکہ قوم ثمود حضرت صالح علیہ السلام کی بھی دشمن تھی اور آپ پر ایمان لانے والے مومنین کی بھی حالانکہ مومنین بھی ان کے خیر خواہ تھے اس لئے ناصحین جمع فرمانا بالکل ہی مناسب ہے کفار سارے مومنوں کے دشمن ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ : انسانوں کے دل زمین ہیں کلمہ طیبہ اعلیٰ درجہ کا تخم ہے حضرات انبیاء و اولیاء اس تخم کو اس زمین میں کاشت کرنے والے ہیں اگر یہ زمین اس تخم کو قبول کرے تو اس سے ایمان کا درخت نکلتا ہے۔ جس میں عرفان' ایقان کے پھل پھول لگتے ہیں اگر زمین ہی اچھی نہ ہو تو وہاں کاشت بیکار ہوتی ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام بہترین کاشت فرمانے والے تھے۔ تخم بھی نہایت ہی اعلیٰ تھا مگر قوم ثمود کے دل کی زمین ناقابل کاشت تھی اس لئے حضرت صالح علیہ السلام کی تبلیغ نے ان میں کوئی اثر نہ کیا۔ جس کا انجام قوم ثمود کی ہلاکت ہوا۔ جس قوم پر عذاب آنے والا ہوتا ہے وہاں سے نبی ولی مومنین نکال لئے جاتے ہیں یونہی جس دل پر عذاب آنے والا ہوتا ہے وہاں سے نبی کا اور ولی کا فیض مومنوں کی محبت نکال لی جاتی ہے۔ جس دل میں نبی کا ادب' ولی کی محبت' مومنوں سے لگاؤ نہ ہو وہ دل عنقریب ہلاک ہونے والا ہے اس آیت میں **فتولی** اور **نصحت لکم** اور **لا تحبون الناصحین** تینوں عبارتیں قابل غور ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قوم ثمود ہلاکت کے دن یعنی اتوار کو سجدہ میں گر گئی رب تعالیٰ سے معافی مانگنے لگی اسی حالت میں اس پر عذاب آیا چونکہ ان کے دل نبی کی طرف نہیں جھکے صرف سر سجدہ میں جھکے اس لئے رب نے انہیں ساجدین نہ کہا جاثمین کہا یعنی اوندھے پڑے ہوئے اور ساحرین فرعون کو فرمایا ساجدین کیونکہ ان کے سر سجدہ میں تھے اور زبان پر اللہ تعالیٰ اس کے نبی کا نام تھا۔ **رب موسیٰ و ہارون** اور قوم یونس علیہ السلام علامات عذاب دیکھ کر حضرت یونس کی طرف بھاگی انہیں نہ پایا تو ان کی تلاش میں نکل کھڑی ہوئی گویا اپنی پناہ کے پاس جانے لگی اس لئے اس سے آیا ہوا عذاب ہٹایا گیا ان واقعات سے معلوم ہوا کہ اگر دل میں نبی کی الفت ان کی طرف جھکاؤ نہ ہو اور سجدہ کیا جائے تو وہ سجدہ نہیں اوندھے گر جانا ہے اور آفات میں نبی کو چھوڑ کر رب کی طرف بھاگنا عذاب کا باعث ہے توحید پاور ہے رسالت اس کا اوپر والا غلاف پاور بغیر غلاف کے جان لے لیتا ہے اور غلاف کے ساتھ سینکڑوں کام بناتا ہے۔ توحید بغیر رسالت کے ایمان لے لیتی ہے رسالت کے سایہ میں ہے تو ایمان عرفان سب کچھ بخشتی ہے' ابلیس کے پاس توحید بغیر رسالت تھی مار گیا بارش سے پناہ چھت یا درخت کے ذریعہ ہے گناہوں میں پناہ دامن نبی ہے۔

وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ

اور لوط کو جب کہا انہوں نے قوم سے اپنی کیا کرتے ہو تم بے غیرتی کہ نہیں سبقت کی تم پر اس میں کسی نے جہان والوں

اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی

مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ

میں سے تحقیق تم آتے ہو لڑکوں کے پاس شہوت سے بغیر عورتوں کے بلکہ تم

تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ

اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ

قوم ہو حد سے بڑھنے والی اور نہ ہوا جواب ان کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے نکالو تم ان کو

حد سے گزر گئے اور اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی

مِّنْ قَرْیَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ یَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾

بستی سے اپنی بے شک یہ لوگ بڑے پاکیزہ بنتے ہیں

سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں

تعلق : ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان تین پیغمبروں کا اور ان کی قوموں کا تذکرہ ہوا جو حضرات ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہوئے اب اس پیغمبر کی تبلیغ کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں یعنی حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم گروہ انبیاء میں ایک حد فاصل کی مثل ہیں کیونکہ آپ کے زمانہ سے نبوت کا ایک نیا دور شروع ہوا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت انبیاء کرام کی تبلیغ ایمان اور درستی عقائد کے احکام کا ذکر ہوا۔ اب حضرت لوط علیہ السلام کی تبلیغ احکام کا ذکر ہے کہ آپ نے اپنی قوم کو کفر و شرک سے بچنے کے ساتھ ایک خاص بد عملی سے بچنے کا بھی حکم دیا یعنی ایمان کے ساتھ تقویٰ کا بھی۔ **تیسرا تعلق**: حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کے متعلق یہ بیان ہوا کہ انہوں نے آپ کی اونٹنی کو ذبح کیا تو ان پر عذاب آیا۔ اب ذکر ہے قوم لوط کا جن پر صرف اطاعت رسول نہ کرنے سے عذاب آیا کسی معجزے کا مقابلہ انہوں نے نہیں کیا۔

تفسیر : **و لوطا** اس فرمان عالی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ یہاں **ارسلنا** پوشیدہ ہے اس صورت میں یہ واؤ عاطفہ ہے اور معطوف ہے **نوحا** پر دوسرے یہ کہ یہاں **اذکر** فعل پوشیدہ ہے یا **نقص** پوشیدہ ہے یعنی ہم آپ کو حضرت لوط کا قصہ سناتے ہیں۔ ان صورتوں میں یہ واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ جملہ نیا ہے۔ حق یہ ہے کہ لفظ لوط عجمی نام ہے مگر چونکہ اس میں تین حرف ہیں بیچ کا حرف ساکن اس لئے یہ غیر منصرف نہیں ہوا منصرف رہا بعض نے فرمایا کہ لاط یلوط سے ہے اس کے معنی ہیں چپٹانا کہا جاتا ہے۔ لطف الحوض میں نے حوض کو مٹی سے لیس کر دیا اور کہا جاتا ہے کہ **ھذا لوط بقلبی** یہ بات میرے دل کو خوب لگتی ہے اس صورت میں اس کا منصرف ہونا ظاہر ہے چونکہ ہر حالت میں آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دامن سے وابستہ رہے آپ سے لپٹے رہے لہٰذا آپ کو لوط کہا گیا۔ حضرت لوط علیہ السلام جناب ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں کیونکہ آپ حضرت ہاران ابن تارخ کے بیٹے ہیں ہاران ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہیں بعض نے فرمایا کہ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچازاد یا خالہ زاد بھائی ہیں جناب سارہ آپ کی بہن ہیں اور حضرت ابراہیم آپ کے بھائی ہیں (روح المعانی) آپ بابل میں جو عراق کی مشہور بستی

تھی رہتے تھے جب ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کی تو آپ بھی ان کے ساتھ روانہ ہوئے گویا تین صاحبوں کے مختصر قافلہ نے ہجرت کی حضرت ابراہیم جناب سارہ حضرت لوط علیہم الصلوۃ والسلام ابراہیم علیہ السلام تو فلسطین میں مقیم ہوئے اور لوط علیہ السلام شام کے شہر حمص کے پاس ایک بستی اردن میں قیام پذیر رہے آپ وہاں کی چار بستیوں کے نبی ہوئے۔ سدوم 'امور' عامور 'صبویر' برلین۔ ان میں قریبا" ایک لاکھ جوان آباد تھے بوڑھے بچے عورتیں ان کے علاوہ سدوم بڑا شہر تھا وہاں ہی لوط علیہ السلام نے قیام فرمایا انہی بستیوں کو کہتے ہیں موتفکات یعنی الٹی جانے والی بستیاں (روح المعانی) مگر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نبی بنے' جناب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے۔ نبی چند قسم کے ہیں بعض کی نبوت وہبی ہے بعض کی نبوت عطائی دعا سے۔ نبوت کسبی چیز نہیں۔ خیال رہے کہ پچھلے زمانوں میں بیک وقت چند نبی ہوتے تھے کبھی تو ایک ہی جگہ چند کہ ایک سلطان باقی وزیر جیسے حضرت موسیٰ کے ساتھ حضرت ہارون یا حضرت سلیمان کے ساتھ ایک ہزار نبی کبھی علاقے بٹے ہوئے جیسے حضرت لوط کہ آپ حضرت ابراہیم کے ہم زمانہ تو ہیں مگر ہم مکان نہیں حضرت ابراہیم بیت المقدس میں نبی اور آپ سدوم میں۔ **اذ قال لقومہ** یہ عبارت یا تو ارسلنا مذکورہ کا ظرف ہے یا لوطا کا بدل ہو کر مذکورہ **اذکر** کا مفعول بہ ہے قوم سے مراد وطنی نسبی قوم نہیں کیونکہ ان بستیوں والے نہ تو لوط علیہ السلام کے نسبی رشتہ دار تھے یعنی یہاں قوم سے مراد امت ہے خواہ امت دعوت ہو یا امت اجابت جیسے تاقیامت سارے انسان حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ **اتاتون الفاحشۃ** قوم لوط میں بہت بری بری حرکتیں تھیں ڈکیتی راہزنی غریبوں پر ظلم و ستم' آپس کی مجلسوں میں نہایت نالائق بدتمیزیاں آپ نے ان سب سے انہیں روکا جن کا ذکر دوسری آیات میں ہے۔ **و تقطعون السبیل و تاتون فی نادیکم المنکر** مگر ایک حرکت نہایت ہی نازیبا تھی یعنی لڑکوں سے شہوت رانی (اغلام) فاحشہ سے وہی مراد ہے چونکہ یہ ایسی بری حرکت ہے جسے عقل انسانی تو کیا طبیعت حیوانی بھی برا سمجھتی ہے کوئی جانور یہ کام نہیں کرتا اس لئے اسے فاحشہ فرمایا آپ نے اس قوم کو بیس سال تک تبلیغ فرمائی ان حرکات سے روکا (روح البیان) **ما سبقکم بھا من احد من العلمین** یہ عبارت یا تو فاحشہ کا بیان ہے یا اس کی صفت یا حال۔ **بھا** میں ب تعدیہ کی جیسے **سبقک بھا عکاشہ** میں ب تعدیہ کی ہے۔ **من احد** میں **من** زائدہ ہے استغراق کے لئے اور **من العلمین** میں **من** بعضیت کے بیان کے لئے ہے یعنی تم ایسا فحش اور گندہ فعل کرتے ہو کہ تم سے پہلے دنیا جہان میں کسی نے نہیں کیا حتیٰ کہ جانوروں نے بھی۔ خیال رہے کہ اس حرکت کی موجد قوم لوط ہے۔ مشہور یہ ہے کہ سور یہی حرکت کرتا ہے واللہ اعلم مگر وہ بھی اس زمانے کے بعد سے کرتا ہے اس سے پہلے وہ بھی نہیں کرتا تھا۔ **انکم لتاتون الرجال شھوۃ** " یہ **الفاحشہ** کا بیان ہے یا نیا جملہ ہے جو **الفاحشہ** کی تفسیر کر رہا ہے۔ **تاتون** بمعنی **تجامعون**۔ **رجال** سے مراد امرد بچوں سے بے حیائی کرتے تھے۔ پھر جوانوں سے یعنی آپس میں ایک دوسرے سے کرنے لگے تھے۔ لہذا **الرجال** فرمانا بالکل ظاہر ہے۔ **شھوۃ** **تاتون** کا مفعول لہ ہے یا پوشیدہ فعل کا مفعول بہ۔ شہوت فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قوت مردی اولاد حاصل کرنے نسل چلانے کے لئے عطا فرمائی ہے صرف شہوت رانی اور لذت کے لئے نہیں بخشی لڑکوں سے یہ حرکت کرنا محض شہوت رانی ہے اس لئے تم اپنا تخم ضائع کرتے ہو۔ **من دون النساء** یہاں **دون** بمعنی چھوڑ کر یا بمعنی نہ کہ ہے **نساء** سے مراد ان مردودوں کی بیویاں ہیں یعنی تم اپنی بیویوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے نازیبا حرکت کرتے ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے اپنی بیویوں سے قطع تعلق ہی کر لیا تھا یہ مطلب ہے کہ وہ عورتوں کے قائل رہے ہی نہ

تھے کیونکہ ایسی حرکت کرنے والا عورتوں کے قابل نہیں رہتا۔ تفسیر ابن کثیر نے فرمایا کہ جیسے ان کے مرد لڑکوں سے شہوت پوری کرتے تھے ایسے ہی ان کی عورتیں عورتوں سے اپنی شہوت پوری کرتی تھیں۔ مرد عورتوں سے بے پروا ہو گئے تھے تو عورتیں مردوں سے بے نیاز ہو گئی تھیں عجیب قوم تھی **بل انتم قوم مسرفون** یہ عبارت **لتاتون** الخ پر معطوف ہے۔ **مسرف** بنا ہے **اسراف** سے بمعنی حد سے بڑھ جانا یعنی تم اس جرم کے علاوہ اور کاموں میں بھی حد سے بڑھ گئے ہو۔ چوری' ڈکیتی' مسافروں کو ستانا آپس میں غریبوں پر ظلم کرنا تمہاری عادت ہو گئی ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمہاری یہ حرکت حد سے بڑھنا ہے کہ حلال چھوڑ کر حرام سے منہ کالا کرتے ہو۔ خیال رہے کہ اس فعل میں بہت سی قباحتیں ہیں۔ جو تفسیر کبیر نے یہاں بیان فرمائیں۔ (1) یہ حرکت فطرت کے خلاف ہے۔ (2) اس حرکت میں مرد مفعول کی انتہائی ذلت و خواری۔ (3) یہ حرکت منشاء الٰہی کے بالکل خلاف ہے کہ مادہ منویہ نسل بڑھانے اولاد حاصل کرنے کے لئے دیا گیا ہے نہ کہ مفت بہانے کے ہے۔ (4) اس حرکت میں انقلاب حقیقت ہے کہ مرد پیدا ہوا ہے فاعلیت کے لئے اور اسے بنایا جاتا ہو مفعول۔ (5) اس حرکت سے لڑائیاں بلکہ کبھی قتل بھی واقع ہو جاتے ہیں کہ اس سے مفعول اور اس کے عزیز و اقارب کو سخت شرمندگی ہوتی ہے وہ فاعل سے اس کا بدلہ لینے کے لئے کبھی اسے قتل بھی کر دیتے ہیں حالانکہ یہ فعل شوہر و بیوی بلکہ ان کے کنبوں میں محبت و الفت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے۔ (6) عورت میں قدرت نے رحم رکھا ہے۔ جس میں منی چوسنے کی جذب کرنے کی طاقت ہے۔ مرد میں یہ نہیں اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس سے فاعل کو بہت سخت بیماریاں' جریان' سوزاک بلکہ کبھی آتشک بھی ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اطباء فرماتے ہیں (تفسیر کبیر) لہذا آپ کا انہیں قوم مسرفون فرمانا بالکل درست تھا۔ انہیں وجوہ سے اس کی سزا اسلام میں بہت سخت ہے امام اعظم کے ہاں فاعل مفعول دونوں کو بہت بلند مقام پہاڑ یا اونچی عمارت سے گرا کر اسے پتھر مار کر ہلاک کر دینا ہے۔ امام مالک کے ہاں دونوں کو سنگسار کر دینا ہے خواہ شادی شدہ ہوں یا کنوارے (تفسیر صاوی) گویا اس کی سزا زنا سے سخت ہے۔ زنا کی سزا کنوارے کے لئے صرف سو کوڑے ہیں مگر اس کی سزا مطلقاً جان لینا ہے۔ **وما کان جواب قومہ** یہ کلام رب العالمین کا ہے۔ جس میں قوم کا جواب نقل فرمایا گیا **قومہ** سے مراد یا تو ان کے نوجوان ہیں۔ جو یہ حرکات کرتے تھے یا ان کی ساری قوم بوڑھے' جوان' بچے' مرد' عورتیں چونکہ سب لوگ اس حرکت سے راضی تھے فاعل ہوں یا نہ ہوں لہذا سب نے یہی جواب دیا یہاں واؤ سے ارشاد ہے دوسری جگہ **فما کان ف** سے ارشاد ہوا ہے۔ دیکھو سورہ نمل اور سورہ عنکبوت۔ کیونکہ یہاں **ما کان** جملہ فعلیہ سے پہلے **مسرفون** گزرا ہے۔ جو کہ اسم ہے اور وہاں **فما کان** سے پہلے فعل ہی گزرا ہے۔ **قوم تجھلون** لہذا وہاں **ف** اور یہاں واؤ مناسب تھا (روح المعانی) **الا ان قالوا اخرجوھم من قریتکم** یہ عبارت **ماکان** کی خبر ہے **الا** سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی آپ کی قوم نے آپ کو کوئی تسلی بخش جواب نہ دیا دل جلانے والا جواب ہی دیا بہرحال یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے لہذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جن میں قوم لوط کے اور جوابات بھی مذکور ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ اولاً "تو ان لوگوں نے اور جوابات دیئے مگر آخر میں صرف یہی جواب دینے لگے۔ بعض نے فرمایا کہ کچھ لوگوں نے اور جوابات دیئے مگر ان کے اکثر نے یہی جواب دیا بہرحال حصر بالکل درست ہے یعنی انہوں نے یہی کہا کہ ان کو اور ان کے ساتھ ان کے بال بچوں ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے نکال دو۔ وہ سمجھے کہ اس حرکت کو سب تو اچھا کہتے ہیں یہ اکیلے برا کہتے ہیں جمہور کے مقابل شخصی بات نہیں ماننی چاہئے نیز ہماری قوتیں طاقتیں دولت ہماری اپنی چیزیں ہیں۔ جس طرح چاہیں خرچ کریں یہ روکنے والے کون ہیں نیز انسان آزاد ہے۔ جو

چاہے کرے یہ ہماری آزادی سلب کرتے ہیں لہذا انہیں نکالو۔ ان بد نصیبوں نے رب کے مقابل سب کی بات نہیں مانی آزادی اور بے قیدی میں فرق نہیں کیا اپنی دولت و قوت کو اپنی چیز سمجھا یہی تین غلطیاں گناہوں بد کاریوں کی جڑ ہیں کیونکہ **انهم اناس یتطهرون** قوم کی یہ بکواس حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کا مذاق اڑانے کے لئے تھی یعنی یہ لوگ بڑے پاک ستھرے بنتے ہیں۔ ایسے مزے دار لذیذ کام سے ہم کو روکتے ہیں ہماری بستی میں ان کی کوئی جگہ نہیں یہ یہاں نہ ہوں گے تو ہم کو اپنی ہوس پوری کرنے میں آزادی ہو گی کوئی ہم کو روکنے والا نہ ہو گا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ یہ کام نہایت پاکیزہ ستھرا ہے یہ لوگ اس کام سے بچنے کو پاکیزگی سمجھتے ہیں غلطی کرتے ہیں۔

خلاصہ ء تفسیر : اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یا کفار مکہ کو حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر بھی سناؤ جب انہوں نے سدوم وغیرہ کے باشندوں سے فرمایا کہ اے قوم تجھے کیا ہو گیا تو ایسی بے حیائی کا کام کرتی ہے جو تجھ سے پہلے کسی مخلوق نے نہیں کیا جو فطرت انسانی بلکہ فطرت حیوانی کے خلاف ہے کہ تم لوگ عورتوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے شہوت رانی کرتے ہو تم تو حد سے بڑھ گئے، تم نے وہ حد توڑی ہے جو کسی نے نہ توڑی ہو گی تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو۔ ان کی قوم کا جواب یہی تھا کہ حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بڑے پاک باز صاف ستھرے بنتے ہیں ان کا ہماری بستی میں کیا کام ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کو شروع سے ایسے نام دیتا ہے جو آگے چل کر ان کے اعمال احوال کے مطابق ہوتے ہیں دیکھو لوط علیہ السلام آگے چل کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دامن سے وابستہ ہونے والے تھے تو انہیں اول سے ہی لوط نام دیا۔ حضرت ابو بکر آگے چل کر ہر جگہ اول رہنے والے تھے تو اول سے ہی آپ کا نام ابو بکر ہوا یعنی اولیت والے حضرت عمر آگے چل کر دین کو آباد کرنے والے تھے تو اول سے ہی آپ کا نام عمر ہوا یعنی دین کو آباد کرنے والے۔ ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمیشہ ہر طرح تعریف ہونے والی تھی تو اول سے ہی آپ کا نام محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہوا۔ اس کے برعکس ابولہب آگے چل کر دوزخی ہونے والا تھا تو اول سے ہی ان کا نام ابولہب ہوا۔ یعنی آگ کے شعلوں والا یہ پاور ہے۔ **اس حرکت کی ابتداء** قوم لوط کی یہ چاروں پانچوں بستیاں نہایت سر سبز شاداب تھیں ان میں باغات سر سبز کھیت نہریں وغیرہ بہت تھیں ان بستیوں کی اردگرد کی زمین قریباً خشک تھی۔ وہاں خشک زمین کے لوگ ان کے لڑکے اس سبز علاقہ میں آتے تھے ان کے باغات کے پھل پھول چوری سے کھا جاتے تھے۔ ویسے ظاہر ظہور بھی ان لوگوں کو بہت تنگ کرتے۔ قوم لوط کے لوگ ان سے بہت پریشان تھے۔ ایک روز ابلیس نہایت حسین جمیل لڑکے کی شکل میں ایک باغ میں پہنچا اور پھل توڑنے لگا باغ والے نے اسے پکڑ لیا اور مارنا پیٹنا چاہا۔ ابلیس نے کہا کہ تم مجھے مارو مت بلکہ تم میرے ساتھ یہ حرکت کر لو۔ باغ والے نے اس کے بتانے سے ابلیس سے یہ حرکت کی اسے بہت لذت محسوس ہوئی پھر ابلیس بولا کہ اب جو بھی لڑکا تمہارے باغوں میں پھل توڑے تم اس سے ایسا ہی کرنا۔ تمہیں لطف حاصل ہو گا اور لڑکے اس ڈر سے تمہارے باغوں میں آنا چھوڑ دیں گے اس شخص نے اپنے دوسرے عزیزوں رشتہ داروں کو یہ سنایا یہ بتایا ہوتے ہوتے یہ حرکت ان سب میں پھیل گئی۔ (تفسیر خازن وغیرہ) خیال رہے کہ جیسے مشینوں ہوائی جہاز راکٹ کے موجد مختلف لوگ ہیں ایسے نیکیوں اور گناہوں کے موجدین بھی مختلف ہیں آدم علیہ السلام گریہ و زاری کے موجد ہیں کہ آپ زمین پر روتے ہوئے آئے اب بھی ہر بچہ روتا ہوا پیدا ہوتا ہے کہ دادا کی سنت ہے **ظلماً قتل** کا موجد قابیل ہے (اغلام) کی موجد شیطان کی تعلیم سے یہی قوم لوط ہے۔ موجد خیر کو سارے عالمین کا ثواب ملتا

ہے۔اور موجدین شر کو تمام عالمین کا گناہ لہٰذا تاقیامت اس حرکت کے گناہ میں قوم لوط کا حصہ ضرور ہے۔

فائدے : ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان اگر سیدھا رہے تو فرشتوں سے بڑھ جاوے اگر اوندھا چلے تو جانوروں سے بدتر ہو جاوے دیکھو قوم لوط انسان ہی تھی مگر جب بگڑی تو اس نے وہ کام کئے جو جانور بھی نہ کریں۔ یہ فائدہ **ما سبقکم بھا من احد من العالمین** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ انسان کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ **دوسرا فائدہ:** نبی جس قوم کی طرف بھیجے جائیں وہ قوم ایک معنی سے ان کی اپنی قوم ہوتی ہے قومیت کے لئے دین یا ملک یا نسب کا ایک ہونا ضروری نہیں۔ یہ فائدہ **اذ قال لقومہ** سے حاصل ہوا کہ قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کی نہ ہم مذہب تھی نہ ہم ملک نہ ہم نسب مگر اس کے باوجود آپ نے انہیں اپنی قوم فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** تبلیغ نرم الفاظ سے کی جائے نرمی سے وہ کام نکلتے ہیں جو سختی سے نہیں نکلتے۔ یہ فائدہ بھی **یا قوم** سے حاصل ہوا کہ آپ نے اس سرکش قوم کو **یقوم** کہہ کر تبلیغ فرمائی۔ شہد کی ایک بوند بہت سی مکھیوں کو پھانس لیتی ہے سرکہ کا ایک گھڑا ایک مچھر کو بھی نہیں پھانس سکتا۔ **چوتھا فائدہ:** لڑکوں سے بدفعلی گناہ کبیرہ بھی ہے اور عقل کے خلاف بھی۔ یہ فائدہ **الفاحشۃ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفر و شرک کو فاحشہ نہیں فرمایا کہ وہ چیزیں ظاہری عقل انسانی کے خلاف نہیں مگر لواطت کو فاحشہ فرمایا کہ یہ عمل عقل انسانی تو کیا جانوروں کے حواس کے بھی خلاف ہے کفر و شرک سے فطرۃ" طبعی گھن نہیں کرتی مگر اس سے کرتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اغلام بازی قوم لوط کی ایجاد ہے ان سے پہلے کبھی کسی نے نہ کی۔ یہ فائدہ **ما سبقکم** الخ سے حاصل ہوا اس لئے اس بدکاری کو لواطت کہتے ہیں یہ لفظ لوط سے نہیں بلکہ لوطی سے بنا ہے۔ **مسئلہ:** اغلام حرام قطعی ہے اس کا منکر کافر ہے۔ **چھٹا فائدہ:** معاملات کے کفار بھی مکلف ہیں یعنی ان پر بھی فرض ہے کہ بدکاریوں 'حرام خوریوں سے بچیں۔ یہ فائدہ بھی **اتاتون** الخ سے حاصل ہوا دیکھو لوط علیہ السلام نے اپنی کافر قوم کو اس حرکت پر ملامت کی۔ ہاں کفار عبادات کے مکلف نہیں پہلے وہ مسلمان ہوں پھر نماز روزہ ادا کریں۔ **ساتواں فائدہ:** اغلام کا عادی مرد عورت کے قابل نہیں رہتا اس سے بدترین بیماریاں پیدا ہوتی ہیں اس کی دنیا میں بھی قدرتی سزا مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ **من دون النساء** سے اشارۃ" حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** نابالغ بچوں کو بھی **رجل** یعنی مرد کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ **لتاتون الرجال** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ وہ لوگ عموما" امرد (بے داڑھی والے) بچوں سے ہی بدکاری کرتے تھے مگر انہیں رجال فرمایا۔ **نواں فائدہ:** قرآن کریم کی زبان نہایت ہی مہذب ہے وہ نہایت گندے کاموں کو اشاروں سے بیان فرماتا ہے دیکھو اس حرکت کے لئے عربی میں خاص نام بھی ہے مگر اسے کیسے اشارہ سے بیان فرمایا **تاتون الرجال شھوتہ**۔ **دسواں فائدہ:** جب کسی کے دن برے آتے ہیں تو اسے الٹی سوجھتی ہے اس کی عقل اوندھا کام کرتی ہے دیکھو کسی بستی میں اللہ والوں کا رہنا اللہ کی رحمت ہے کہ ان کی برکت سے عذاب الٰہی نہیں آتا وہ حضرات اللہ کی امان ہیں مگر وہ بدنصیب خود اپنی بستی سے لوط علیہ السلام اور ان کی مومن قوم کو نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ فائدہ **اخرجوا ھم** الخ سے حاصل ہوا بزرگوں کا کسی جگہ سے نکل جانا عذاب الٰہی کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ **گیارہواں فائدہ:** عربی میں لفظ قریہ بڑے شہر کو بھی کہتے ہیں۔ یہ فائدہ **من قریتکم** الخ سے حاصل ہوا دیکھو سدوم بڑی بستی یعنی شہر تھا مگر اسے **قریتکم** فرمایا لہٰذا جس حدیث میں ہے کہ پہلا جمعہ قریہ جواثی میں ہوا وہاں بھی قریہ سے مراد شہر ہے جمعہ صرف شہر میں ہو سکتا ہے۔ **بارہواں فائدہ:** بدعقل کو اچھی صفات عیب معلوم ہوتے ہیں اور برے عیب ہنر نظر آتے ہیں۔ یہ فائدہ **یتطھرون** سے حاصل ہوا پاک و ستھرا ہونا صفت ہے مگر وہ

اسے عیب قرار دیتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے بیک وقت چند نبی ہوتے تھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہ تو زمانہ حیات میں کوئی نبی ہوا نہ تاقیامت۔ **جواب:** چراغ کی روشنی میں تعدد کی گنجائش ہے کہ بیک وقت ایک ہی جگہ یا چند جگہ میں چند چراغ جل سکتے ہیں مگر سورج کی روشنی میں تعدد کی گنجائش نہیں کیونکہ وہ سارے جہان کا نور ہے اور اعلیٰ درجہ کا نور جس کے سامنے سارے نور بے نور اور نبی چراغ تھے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نبوت کے سورج ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اور بعد میں اولیاء' علماء' خلفاء کیوں ہوئے۔ ان کے تعدد کی گنجائش کیسے ہوئی نبوت میں اور ولایت خلافت میں کیا فرق ہے؟ **جواب:** حضرات انبیاء مثل چراغ کے ہیں حضرات اولیاء' خلفاء' علماء وغیرہ ذرات یا شیشے ہیں۔ سورج چراغوں کو بجھاتا ہے ذروں وغیرہ کو روشن کرتا ہے کیونکہ چراغ میں اپنا نور ہوتا ہے۔ شیشے ذرات خود نور سے بالکل خالی ہوتے ہیں ان میں صرف سورج کا نور ہوتا ہے۔ یونہی ولایت خلافت میں نور صرف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ تاقیامت باقی ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن کریم نے اغلام کو فاحشہ فرمایا مگر کفرو شرک کو فاحشہ نہ کہا حالانکہ وہ تو اس سے بدتر ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ فاحشہ وہ گناہ ہے جس سے انسان طبعاً گھن و نفرت کرے' اسے چھپانے کی کوشش کرے۔ یہ بات کفرو شرک میں نہیں۔ لوگ علانیہ شرک و کفر کرتے ہیں بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ حرام ہونا اور بات ہے گھنونی چیز ہونا کچھ اور ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **من العالمین** کیوں ارشاد ہوا **من الناس** کہنا چاہئے تھا کہ یہ حرکت انسان ہی کرتا ہے نہ کہ سارا جہان۔ **جواب:** لفظ عالمین بہت معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ ساری مخلوق جیسے الحمد للہ رب العالمین۔ ساری جاندار چیزیں انسان ہوں یا غیر انسان۔ انسان کی مختلف جماعتیں' مطلقاً انسان جیسے **اولم ننھک من العالمین** یہاں العالمین یا بمعنی جاندار مخلوق ہے یا بمعنی انسان کی مختلف جماعتیں ہیں یعنی یہ ناشائستہ حرکت کوئی جانور بھی نہیں کرتا یا کسی قسم کا کوئی انسان نہیں کرتا تم کیسے بے حیاء ہو جو ایسی حرکت کرتے ہو لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **تاتون الرجال** رجل بالغ جوان مرد کو کہتے ہیں نابالغ بچہ کو صبی کہا جاتا ہے۔ یہاں بجائے رجال کے صبیان فرمانا چاہئے تھا کہ وہ مردود بچوں کے ساتھ یہ حرکت کرتے تھے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو بچوں کو رجال فرمایا آئندہ وہ رجال ہونے والے تھے یا وہ مردود جوان بلکہ بوڑھے مردوں سے بھی یہ حرکت کرتے تھے۔ **چھٹا اعتراض:** قوم لوط کے کفار حضرت لوط علیہ السلام اور ان کے مومنین کو بہت برا سمجھتے تھے۔ پھر انہوں نے یہ کیوں کہا کہ **انھم اناس یتطھرون** یہ لوگ بہت ہی پاکیزہ ہیں اگر وہ ان حضرات کو پاکیزہ سمجھتے تو ان سے نفرت نہ کرتے یہ کلام کیونکر درست ہوا؟ **جواب:** ان کفار نے بیان واقعہ کے لئے یہ نہ کہا تھا۔ بلکہ بطور طعن کہا تھا یعنی یہ لوگ بہت پاکیزہ بنتے ہیں ہم لوگوں کو گندا سمجھتے ہیں تو گندوں میں رہتے کیوں ہیں وہاں جائیں جہاں پاکیزہ لوگ رہتے ہوں لہٰذا ان کی بکواس بھی کفر تھی۔ **ساتواں اعتراض:** حضرت لوط علیہ السلام تو پانچ بستیوں کے نبی تھے اور ان سب ہی نے یہ کہا تھا پھر **من قریتکم** واحد کیوں ارشاد ہوا **من قراکم** کہنا چاہئے تھا۔ یعنی اپنی بستیوں سے نکال دو۔ **جواب:** یہاں قریہ اسم جنس ہے جو واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے یہاں جمع بولا گیا ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** دوسرے نبیوں نے پہلی تبلیغ میں لوگوں کو درست عقائد اور عبادت کی دعوت دی **اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ** مگر لوط

علیہ السلام نے اپنی تبلیغ میں ایک خاص بدکاری چھوڑنے کی دعوت دی۔ اصلاح عقائد و اعمال کا ذکر نہیں کیا۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ جواب: یا تو آپ نے عقائد عبادات کی بھی تبلیغ فرمائی تھی مگر قرآن کریم نے ان میں سے اس ایک کا ذکر کیا یا یہ تبلیغ آئندہ تبلیغوں کی تمہید تھی کہ تم یہ بدکاری چھوڑو تاکہ اچھے عقائد' اچھے اعمال کی توفیق ملے۔ بعض گناہ خصوصاً" زنا و اغلام ایسے منحوس ہوتے ہیں کہ ان کے ہوتے انسان کو نہ ایمان کی ہدایت ملتی ہے نہ نیک اعمال کی بلکہ کفر و شرک سے بدتر سزا ان جرموں کی ہے سلطان اسلام کفار رعایا کو شرک و بت پرستی سے جبراً نہیں روکے گا مگران سے جبراً روکے گا کسی قوم کو ان کی اجازت نہ دے گا۔ نیز مرتد کی سزا قتل ہے مگر زنا کی سزا اس سے بدتر یعنی رجم ہے۔

تفسیر صوفیانہ : حضرات انبیاء کرام روحانی حکیم ہوتے ہیں جو اپنی قوم کا روحانی علاج ہر طرح فرماتے ہیں۔ حکیم حاذق وہ ہے جو بیمار کی بیماری اور اس کی وجہ کا علاج کرے۔ یہ حضرات قوم کے مرض اور مرض کی وجہ سب سے واقف ہوتے ہیں جس بیمار کی قسمت میں شفا ہوتی ہے وہ حکیم کا ہر بات پر سر جھکا دیتا ہے مگر جس کی موت آئی ہو وہ حکیم کا مذاق اڑاتا ہے اس کے مشورہ پر دھیان نہیں دیتا۔

کسی نے بقراط سے جا کے پوچھا — مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا
کہا اس نے کوئی نہیں روگ ایسا — دوا جس کی خالق نے کی ہو نہ پیدا
مگر وہ مرض جس کو آسان سمجھیں — کہے جو طبیب اس کو ہذیان سمجھے
دوا اور پرہیز سے جی چرائیں — اسی طرح اپنے مرض کو بڑھائیں!

حضرت لوط علیہ السلام نے اپنی قوم کو لواطت سے منع فرمایا اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو کم تولنے سے روکا کفر سارے کفار کا مرض عام ہے۔ یہ حرکات ان کے خصوصی امراض تھے جن سے وہ حضرات ان کو باز رہنے کی تلقین کرتے تھے۔ مگر چونکہ ان کے نصیب میں شفا نہ تھی اس لئے انہوں نے وہ اندھا جواب دیا جو یہاں مذکور ہے۔ رب تعالیٰ مقبولوں سے فیض لینے کی توفیق عطا فرمائے۔ قوموں کے یہ حالات سنو اور عبرت پکڑو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ گزشتہ نبیوں کی قوموں میں ایک ایک جرم تھا قوم لوط میں یہ بدکاری قوم شعیب میں کم تولنا وغیرہ انہوں نے اپنے جرم نہ چھوڑے ہلاک ہو گئے مگر عرب میں ایک دو نہیں ہزارہا جرم تھے زنا پر فخر بچیوں کو جیتا دفن کرنا شراب کلپانی کی طرح استعمال جنگ و جوئے کی بہتات۔ مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں ہلاک نہ کرایا بلکہ انہیں توبہ کرا کر نیک بنایا ان تبلیغوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے تمام نبیوں نے گنہگار مٹائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے گناہ مٹائے گنہگار نیک کار بنائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت لوط اور حضرت یوسف علیہ السلام وہ نبی ہیں جو ایسے شہروں میں بھیجے گئے جہاں نہ کوئی ان کا عزیز قریب تھا نہ ولی دوست اس لئے وہاں کے لوگوں نے انہیں بے یار و مددگار جانا کہ سدوم والوں نے آپ کو شہر سے نکال دینے کا مشورہ کیا اور عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کو بلا قصور قید کر دیا جس کی داد نہ فریاد۔ اللہ تعالیٰ انہیں قوت روحانی دیتا ہے۔ مگر وہ حضرات ہر جگہ خرچ نہیں کرتے ورنہ خواجہ اجمیری کے مقابل راجہ داہر مات کھا گیا۔

فَاَنْجَیْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِیْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا

پس نجات دی ہم نے ان کو اور گھر والوں کو ان کے سوا ان کی بیوی جو تھی باقیوں میں سے اور برسائی

تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت رہ جانے والوں میں ہوئی اور ہم نے ان پر ایک

عَلَیْهِمْ مَّطَرًا ؕ فَانْظُرْ كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۸۴﴾

ہم نے اوپر ان کے بارش پس دیکھو کیسا ہوا نتیجہ جرم والوں کا

مینہ برسایا تو دیکھو کیسا انجام ہوا مجرموں کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم لوط کے جرموں کا ذکر ہوا اب ان کی دنیاوی سزا کا تذکرہ ہے گویا سبب عذاب کے بعد عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قوم لوط علیہ السلام نے اپنے نبی لوط علیہ السلام کی نافرمانی کی کہ ان کی نصیحت پر عمل کرنے کی بجائے ان سے مقابلہ کی ٹھانی اب اس مخالفت پیغمبر کے نتیجہ کا ذکر ہے گویا علت کے بعد معلول کا تذکرہ ہے۔ خیال رہے کہ کفر' گناہ' بدکاریاں' عذاب الٰہی کا سبب ہیں اور پیغمبر کی مخالفت عذاب کی علت ہے۔ بغیر مخالفت نبی کسی پر عذاب نہیں آیا خواہ وہ کیسا ہی کافر کیسا ہی بدکار تھا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تادل صاحب دلے نامد بہ درد

فرعون برسوں تک خدائی کرتا رہا مگر ڈوبا کب جب حضرت کلیم اللہ کی بددعا لی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ قوم لوط نے حضرت لوط علیہ السلام کو اپنی بستیوں سے نکالنے کی کوشش کی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ خود ان بستیوں سے ہی نہیں بلکہ دنیا سے ذلیل و خوار ہو کر نکل گئے۔ گویا نکالنے کے ارادے کے بعد ان کے خود نکلنے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **فانجیناہ** اس فرمان عالی میں ف صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے۔ بمعنی فوراً'' نہیں کیونکہ اس قوم پر عذاب فوراً'' نہیں آیا بلکہ تیس سال کے بعد آیا۔ لوط علیہ السلام ان کو تیس سال تبلیغ فرماتے رہے۔ اس دوران میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تشریف لاتے رہے انہیں سمجھاتے رہے (معانی) خیال رہے کہ کفار پر عذاب آنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کفار و مومنین سب کو بستی سے نکال کر کفار کو عذاب دیا گیا۔ جیسے فرعونی لوگ۔ دوسرے یہ کہ دونوں قوموں کو وہاں ہی رکھا گیا عذاب آیا تو صرف کافر ہلاک ہوئے مومن بچا لئے گئے۔ جیسے طوفان نوحی میں ہوا۔ تیسرے یہ کہ مومنوں کو بستی سے نکال دیا جائے کفار پر وہاں بستی میں ہی عذاب آجائے جیسے قوم عاد و ثمود۔ یہاں یہ تیسری صورت عذاب کی تھی پہلی دو صورتوں میں خود بستی قائم رہتی ہے دیکھو مصر اور کوفہ آج تک آباد ہیں مگر تیسری صورت میں وہ یعنی تاقیامت ویران رہتی ہے وہاں جانا' وہاں رہنا' وہاں کی چیزیں استعمال کرنا سب حرام ہوتا ہے۔ **انجینا** بنا ہے نجات سے جس کا مادہ ہے نجو بمعنی علیحدگی یا دوری اسی سے ہے مناجات۔ نجویٰ (سرگوشی) اور استنجاء کیونکہ یہ سارے کام علیحدگی میں ہوتے ہیں۔ حرف میں نجات کے معنی ہیں آفت سے نکال لینا۔ اور آفت سے دور رکھنا۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے کیونکہ عذاب آنے سے پہلے

ہی لوط علیہ السلام کو مع مومن لوگوں کے وہاں سے نکال لیا گیا تھا اور نوح علیہ السلام کی نجات پہلے معنی سے تھی کیونکہ آپ مع مومنین کے طوفان میں رہے۔ مگر غرق سے بچے رہے۔ **و اھلہ** یہ عبارت معطوف ہے **انجینا** کی ضمیر پر **اھل** کے لغوی معنی ہیں والا۔ کہتے ہیں اہل علم 'اہل مال' اہل خانہ 'اہل فلاں۔ اصطلاح میں یہ لفظ چند معنی میں آتا ہے اہل بیت ولادت۔ جو گھر میں ہوں۔ جیسے اولاد' اہل بیت سکونت جو پیدا اور جگہ ہوں مگر رہیں اس گھر میں جیسے بیوی۔ اہل بیت خدمت جن کی نہ ولادت اس گھر میں ہو نہ سکونت۔ خدمت کے لئے آتے جاتے ہوں جیسے اپنے نوکر چاکر خدام۔ اہل بیت حفاظت جو اس گھر میں نہ رہیں نہ آئیں جائیں مگر ہماری حفاظت میں ہوں' ہم نے ان کو اپنے دوسرے گھر میں رکھا ہو نبی کی فرمانبردار امت خواہ کسی جگہ رہے نبی کی اہل بیت حفاظت ہے بادشاہ کے ملازمین کسی جگہ رہیں بادشاہ کی امان میں ہیں۔ امت کے گھر نبی کے حفاظتی گھر ہیں۔ یہاں حضرت لوط کے گھر میں رہنے والے بھی مراد ہیں اور وہ مومنین بھی جو آپ پر ایمان لائے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے یہاں
حضرت لوط کے گھر میں رہنے والے بھی مراد ہیں اور وہ مومنین بھی جو آپ پر ایمان لائے اور اپنے گھر میں رہے اس لئے یہاں
مومنین کا ذکر علیحدہ نہ کیا بادشاہ کی اپنی کوٹھی بھی بادشاہ کا گھر ہے۔ اس کے نوکروں کے کوارٹر بھی' اس کے جانوروں کا طویلہ بھی اس کے حکام کے بنگلے۔ یہ سب کچھ بادشاہ کے گھر ان میں رہنے والے بادشاہ کے گھر والے ہیں۔ آپ کی اس وقت دو لڑکیاں تھیں۔ زعوزا' ریثا' کچھ مومنین تھے ان سب کو عذاب سے بچالیا گیا (از روح البیان و معانی) **الا امراتہ** چونکہ اہل میں بیوی بھی داخل تھی اسے اس حکم سے نکالا گیا۔ لہذا یہ مستثنیٰ متصل ہے آپ کی ایک ہی بیوی تھی جس کا نام والہہ یا واعلہ تھا (روح المعانی) یہ کافرہ تھی کفار سے مل کر آپ کو بہت ستاتی تھی بلکہ جب فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں آپ کے ہاں بطور مہمان آئے تو اس نے قوم کو خبر دی تھی کہ آؤ ہمارے گھر میں تمہاری لذت کا سامان آیا ہے یعنی خوبصورت لڑکے۔ **کانت من الغابرین** یہ عبارت **امراتہ** کا حال یا نیا جملہ ہے کانت یا تو بمعنی صارت ہے یا اپنے معنی میں ہی ہے غابر بنا ہے۔ غبر سے غابر کے بہت معنی ہیں' باقی' محفوظ' ہالک۔ یہ حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ عذاب سے پہلے سدوم سے نکل گئی تھی حکم یہ تھا کہ کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے یہ نہ مانی اس نے پیچھے پھر کر عذاب کو دیکھا۔ بولی ہائے میری قوم تو ایک پتھر اس کے بھی لگا یہ وہاں ہی ڈھیر ہو گئی۔ لہذا غابر بمعنی ہالک ہے۔ (معانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ آپ کے ساتھ شہر سے نکلی ہی نہ تھی ان کے ہاں غابر بمعنی باقی ہے۔ چونکہ ہلاک ہونے والے مرد بھی تھے اور عورتیں بھی اور مرد عورت سے اعلیٰ ہوتا ہے اس لئے تغلیباً" غابرین جمع مذکر ارشاد ہوا غابرات جمع مونث نہ فرمایا (عام تفاسیر) **و امطرنا علیھم مطرا** ظاہر ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ **امطرنا** عذاب کی بارش کے لئے بولا جاتا ہے اور مطر رحمت کی بارش کے لئے چونکہ ان پر قہر و غضب کی بارش ہوئی تھی۔ لہذا **امطرنا** فرمایا۔ اسی لئے اس کے بعد علی ارشاد ہو جو نقصان کے لئے آتا ہے۔ (معانی) **مطرا"** سے مراد ایک خاص قسم کی بارش ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و امطرنا علیھم حجارۃ من سجیل**۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان پر پانی کی بارش نہ ہوئی بلکہ گندک اور آگ کے پتھروں کی بارش ہوئی تھی۔ خیال رہے کہ قوم لوط کے متعلق دوسری جگہ ان کی بستیوں کے الٹے جانے کا ذکر ہے۔ **جعلنا عالیھا سافلھا**۔ اور یہاں پتھر برسنے کا ذکر یا تو دونوں عذاب ان پر آئے کہ پہلے پتھر برسے بعد میں ان کی بستیاں الٹی گئیں یا اس کے برعکس یا گھر کے باشندوں پر ان کی بستی الٹی گئی اور ان کے مسافروں پر پتھر برسے چنانچہ ان کا ایک تاجر اس وقت حرم مکہ معظمہ میں تھا ایک پتھر اس کے لئے چالیس دن

ہوا میں معلق رہا جب وہ حرم شریف سے نکلا تب وہ پتھر اس پر گرا اور وہ وہاں ہی ڈھیر ہو گیا (معانی روح وغیرہ) لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ **فانظر کیف کان عاقبۃ المجرمین** اس میں خطاب اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو نظر سے مراد ہے آنکھ سے دیکھنا اور اگر خطاب ہر قرآن پڑھنے سے ہے تو نظر سے مراد ہے غور کرنا۔ **مجرمین** سے مراد وہ قوم لوط ہے جن کا ذکر ابھی ہوا۔ یعنی اے محبوب آپ نظر فرماؤ دیکھو یا اے مسلمان غور کرو کہ ان مجرموں کا انجام کیسا خطرناک اور بھیانک ہوا۔

خلاصہ ء تفسیر : جب قوم لوط کا کفر، سرکشی، بدکاری حد سے بڑھ گئی اور انہوں نے اپنے پیغمبر کی وہ بے حرمتی کی جس کا ذکر ہو چکا تو اس کا انجام یہ ہوا کہ ہم نے جناب لوط اور ان کے گھر والے یعنی ان کی لڑکیوں ان کے خدام اور دوسرے مومنوں کو تو عذاب سے بچالیا ہاں ان کی بیوی واہلہ عذاب میں گرفتار ہوئی کیونکہ وہ آپ پر ایمان نہ لائی تھی اور کفار پر ہم نے پتھروں کی بے پناہ بارش کی جس سے وہ سارے فناہ ہو گئے۔ اے محبوب آپ ان کا عذاب دیکھو کیونکہ آپ کی نظر سے اگلی پچھلی چیزیں اوجھل نہیں یا اے قرآن پڑھنے والے تو ان واقعات میں غور کر تاکہ تجھ میں اللہ کی عبادت نبی کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو۔ قوم لوط کی عذاب میں ایک خصوصیت یہ ہے کہ عذاب لانے والے فرشتے پہلے حضرت ابراہیم کے پاس گئے انہیں اس کی خبر دی پھر قوم پر عذاب لائے کیونکہ حضرت ابراہیم کی دعا سے لوط علیہ السلام نبی بنے تھے آپ کے مقرر کرنے سے اس علاقہ میں تشریف لے گئے تھے۔ چونکہ وہ حضرت ابراہیم کے مقرر کردہ تھے۔ اس لئے انہی کی اجازت لے کر انہیں سب کچھ سمجھا کر عذاب بھیجا گیا یہ ہے پیغمبر کی عظمت بارگاہ الہی میں۔ ورنہ عذاب کسی سے پوچھ کر نہیں آتا۔

فائدے : ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآنی اصطلاح میں بیوی، بیٹیاں خاص خدام، متبعین یہ سب اہل بیت میں داخل ہیں۔ صرف بیٹیوں یا صرف بیویوں کو اہل بیت ماننا دوسروں کو اس سے خارج کرنا قرآنی اصطلاح کے خلاف ہے۔ یہ فائدہ **واھلہ** اور **الا امراتہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں اہل لوط میں یہ تمام داخل ہیں ان سب کو نجات ملی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری امت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت حفاظت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں ہے ان کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر ہیں ہر جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر ہے اور ہر جگہ کرم کا دروازہ کھلا ہوا ہے سورج کا نور صرف چوتھے آسمان پر نہیں بلکہ ہر جگہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو نبوت کے سورج ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان کے بغیر نبی کا گھر والا ان کا رشتہ دار ہونا بالکل بیکار اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ یہ فائدہ **کانت من الغابرین** سے حاصل ہوا دیکھو اہلہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی تھی مگر کافرہ تھی اس لئے عذاب میں گرفتار ہو گئی کنعان نوح علیہ السلام کا بیٹا تھا کافر تھا۔ طوفان عذاب میں غرق ہو گیا۔ مگر حضرت آسیہ اگرچہ فرعون کی بیوی تھیں مگر مومنہ تھی اللہ کی مقبول بندی ہو گئیں۔ **چوتھا فائدہ:** نبی کی بیوی کافرہ ہو سکتی ہے بلکہ ہوئی ہے ہاں فاجرہ فاحشہ یعنی بدکار زانیہ نہیں ہو سکتی یہ فائدہ بھی **من الغابرین** سے حاصل ہوا اہلہ حضرت لوط نبی کی زوجہ تھی مگر تھی کافرہ۔ **پانچواں فائدہ:** اگر رحمت خداوندی دستگیری نہ کرے تو اعلیٰ صحبت بھی فائدہ نہیں دیتی نبی کی صحبت انسان کو صحابی بنا دیتی ہے مگر واہلہ حضرت لوط علیہ السلام کی صحبت میں ان کے گھر میں رہی آپ کی نصیحت وعظ سنتی رہی مگر کچھ فائدہ حاصل نہ کر سکی کیونکہ رحمت خداوندی شامل حال نہ تھی۔ یہ فائدہ بھی **من الغابرین** سے حاصل ہوا۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہرکہ بنیادش بد است   تربیت نا اہل راچوں گردگاں بر گنبد است

چھٹا فائدہ: بدکاری لواطت وغیرہ بدترین جرم ہے دیکھو لوط علیہ السلام کی بدکار قوم پر وہ عذاب آیا جو دوسری کافر قوموں پر نہ آیا۔ اب بھی اسلام میں زنا کی سزا قتل کی سزا سے بھی بدتر ہے۔ یعنی سنگسار کرنا، قاتل مرتد کو قتل کیا جاتا ہے سنگسار نہیں کیا جاتا۔ یہاں روح البیان نے فرمایا کہ سواء سور کے اور کوئی جانور بھی نر سے بدکاری نہیں کرتا۔ مرد لڑکے کو شہوت سے بوسہ دینا ستر بار زنا سے بدتر ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

خرابت کند شاہد خانہ کن   برد خانہ آباد گرداں بہ زن

مکن بد بہ فرزند مردم نگاہ   کہ فرزند خویشد برآید تباہ

حضرت سلیمان علیہ السلام نے ابلیس سے پوچھا کہ بدترین گناہ کیا ہے وہ بولا مرد کی مرد سے اور عورت کی عورت سے صحبت یعنی سحق۔

حکایت: حضرت امام محمد جب امام اعظم ابو حنیفہ کے پاس پڑھنے آئے تو آپ کم سن اور خوبصورت تھے۔ امام اعظم نے انہیں حکم دیا کہ میرے پیچھے یا مسجد کی ستون کی آڑ میں بیٹھا کرو (دیکھو روح البیان) ایک روز دھوپ میں آپ انہیں سبق دے رہے تھے کہ آپ کی داڑھی کا عکس کتاب پر پڑا تو پوچھا کہ محمد کیا تمہارے داڑھی نکل آئی ہے۔ عرض کیا ہاں فرمایا اب میرے سامنے آ جاؤ۔ عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں مگر خوبصورت لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان۔ نابالغ بچوں کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا بھی ممنوع ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ۔

چو خواہی کہ قدرت بماند بلند   دل اے خواجہ در سادہ رویاں مبند

مسئلہ: لڑکے کے دبر میں صحبت حرام قطعی ہے اس کا منکر کافر ہے اس کی دلیل یہی آیت ہے۔ بیوی سے دبر میں صحبت حرام قطعی ہے اس کا منکر بھی کافر ہے وطی حالت حیض پر قیاس کرنے کی وجہ سے۔ مسئلہ: جنت میں یہ حرکت قطعاً نہ ہوگی کہ اسے قرآن کریم نے فاحشہ فرمایا جنت میں فحش کا کیا کام وہاں غلمان گھر کے کام کاج کے لئے ہوں گے۔ مسئلہ: لوطی آدمی کی سزا قتل ہے خواہ تلوار سے ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ مسئلہ: جانور سے صحبت کرنا حرام ہے اس کی سزا اس شخص کا قتل اور جانور کو ذبح کرکے دفن کر دینا ہے۔ مسئلہ: جلق یعنی ہاتھ سے منی نکالنا ممنوع ہے اس پر حدیث شریف میں لعنت کی گئی ہے۔ جس شخص پر شہوت کا غلبہ ہو اور اس میں نکاح کی طاقت نہ ہو تو وہ نہ متعہ کرے نہ جلق لگائے کہ یہ دونوں کام حرام ہیں بلکہ وہ روزے رکھے۔ حدیث شریف میں یہی حکم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **من ابتغی وراء ذالک فاولئک ھم العادون۔** جو اپنی بیوی اور لونڈی کے سوا کسی اور ذریعہ کی تلاش کرے وہ حد سے بڑھنے والا ہے۔ ساتواں فائدہ: گذشتہ قوموں کے حالات ان کے عذاب کا پڑھنا ان پر غور کرنا عبادت ہے تاکہ اپنے دل میں گناہوں سے نفرت پیدا ہو۔ یہ فائدہ **فانظر کیف کان** الخ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا یونہی گذشتہ مقبول بندوں کے تاریخی حالات پڑھنا ان میں غور کرنا عبادت ہے تاکہ اپنے دل میں نیکیوں کی رغبت ہو اور اطاعت خدا رسول کا جذبہ پیدا ہو۔ آٹھواں فائدہ: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ میں سارے اگلے پچھلے واقعات میں کوئی شے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چھپی نہیں۔ یہ فائدہ **فانظر کیف کان** الخ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس میں خطاب حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اور نظر بمعنی دیکھنا ہو۔

پہلا اعتراض : اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی کافرہ تھی اور وہ بھی عذاب میں گرفتار ہوئی مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **الخبیثات للخبیثین** ۔ کافرہ عورت خبیثہ ہے وہ نبی کے نکاح میں کیسے آگئی نبی تو طیب بلکہ طیبوں کے سردار ہوتے ہیں۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیت میں **خبیثات** سے مراد کافرہ عورتیں نہیں بلکہ فاحشہ' زانیہ' بدکار عورتیں مراد ہیں۔ واقعی کسی نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوئی کیونکہ وہ آیت اس کے متعلق اتری ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو تہمت لگائی گئی تھی۔ **دوسرا اعتراض:** مشرکہ عورت سے مسلمان کا نکاح درست نہیں تو لوط علیہ السلام کا نکاح والہ سے کیسے درست ہوا جو مشرکہ تھی؟ **جواب:** یہ حکم ہمارے اسلام کا ہے ان دینوں میں مومن مرد کا نکاح مشرکہ سے درست تھا ہمارے اسلام میں بھی پہلے مومن و کافر کا نکاح درست رہا۔ پھر منسوخ ہوا۔ حضرت آسیہ رضی اللہ عنہا مومنہ تھیں مگر فرعون کے نکاح میں رہیں جو کافر و مشرک بلکہ مشرک گر تھا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بیوی اہل بیت میں داخل نہیں ہوتی صرف بیٹیاں داخل ہوتی ہیں دیکھو والہ کے بعد فرمایا گیا **الا امراتہ** للذا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ازواج آپ کی اہل بیت نہیں صرف فاطمہ زہرا ہیں۔ (روافض)۔ **جواب:** یہی آیت بتا رہی ہے کہ ازواج پاک اہل بیت ہیں اگر بیوی اہل بیت میں داخل نہ ہوتی تو اس کے استثناء کرنے کی ضرورت نہ تھی یعنی ہم نے ان کی بیوی کے سوا باقی سارے اہل بیت کو نجات دیدی ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہ استثناء متصل ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں قوم لوط کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہم نے ان پر بارش کی پتھروں کی مگر دوسری آیت میں ہے کہ ہم نے ان کی بستیوں کو الٹ دیا آیتوں میں تعارض ہے۔ کون سا واقعہ درست ہے۔ **جواب:** دونوں واقعات درست ہیں ان پر پتھر بھی برسے اور ان کی بستیاں بھی الٹی گئیں یا اس طرح کہ پہلے پتھر برسے پھر زمین الٹ دی گئی یا برعکس یا اس طرح کہ گھروں میں ٹھہرے ہوؤں پر زمین الٹی گئی اور جو لوگ جنگل یا سفر میں تھے ان پر پتھر برسے۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ لوط علیہ السلام کی بیوی کو بھی ہدایت نہ دے سکے۔ **جواب:** اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کا اظہار ہے کہ اگر وہ کرم کرے تو غیروں' اجنبیوں کو ہدایت دیدے اگر کرم نہ کرے تو خاص نبی کے گھر والے کو ہدایت نہ ملے۔ نیز تاقیامت نبی کی اولاد کو سبق ہے کہ کوئی اپنی پیغمبرزادگی پر فخر نہ کرے اللہ تعالیٰ سے رحمت ہدایت مانگے ہم نے دیکھا ہے کہ بعض پڑھے لکھے سید زادے قادیانی بلکہ بہائی ہو کر مرے اس بہائی فرقہ کا پیشوا سید محفوظ الحق علمی ہے میں نے خود اس کی کتاب دیکھی ہے بہائی فرقہ کی تبلیغ کے سلسلے میں۔ یہ پہلے اہلسنت کا بڑا عالم تھا۔ ہر شخص کو ہمیشہ بری صحبتوں' بری کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز چاہئے۔ ایمان ایک دولت ہے اس کی حفاظت کرو والہ اپنی کافر قوم میں گھلی ملی رہتی تھی۔ **چھٹا اعتراض:** قوم لوط نے کہا تھا کہ حضرت لوط کو اپنی بستی سے نکال دو آخر کار اللہ تعالیٰ نے بھی انہیں وہاں سے نکالا اور قوم پر عذاب بھیجا۔ بہتر تو یہ تھا کہ آپ کو وہاں ہی رکھا جاتا اور قوم کو ہلاک کر دیا جاتا تاکہ ان کی یہ بات پوری نہ ہوتی؟ **جواب:** اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط کو وہاں سے نکال لیا اور قوم کو بذریعہ عذاب وہاں سے نکال دیا' نکال لینے میں رحمت ہے نکال دینے میں قہر وہ نکال دینا چاہتے تھے ناکام رہے۔

تفسیر صوفیانہ : نسب اور زوجیت خونی یا نکاحی رشتہ سے حاصل ہوتے ہیں اس رشتہ سے مال میراث ملتی ہے مگر نسب اور کرامت روحانی رشتہ سے نصیب ہوتی ہے اس سے کمال بلکہ حال کی میراث ملتی ہے نسیب یعنی نسب والے اور منسوب یعنی نسبت والے میں بڑا فرق ہے حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی خونی ازدواجی رشتہ میں حضرت لوط علیہ السلام سے وابستہ تھی اس

لئے اسے امراتہ فرمایا گیا مگر روحانی رشتہ میں وہ کافر قوم سے منسلک تھی۔ اس لئے اسے من الغابرین فرمایا۔ اس روحانی رشتہ کی وجہ سے جو باقی قوم کا حال ہوا وہی اس کا حال ہوا۔ نسبی رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر روحانی نسبت موت سے بھی ٹوٹتی نہیں۔ طریقت اور تصوف کا مقصد یہی ہے کہ ہم گنہگاروں کو اللہ کے محبوب سے نسبت نصیب ہو جائے۔ ایمان، عرفان، تقویٰ آخرت میں بخشش سب اسی نسبت کی بہاریں ہیں۔ اجنبی مومنوں کو حضرت لوط علیہ السلام کا اہل بیت قرار دیا گیا کہ وہ آپ سے نسبت والے تھے ان پر رحمت کی بارشیں ہوئیں اور ماری گئی خاص منکوحہ بیوی۔ بزرگوں سے نسبت بڑی چیز ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافرہ بیوی حضرت لوط کے گھر میں رہ کر گھر والی نہ بنی یعنی عذاب الٰہی سے نہ بچی غیر لوگ مومنین اپنے گھر میں رہتے ہوئے حضرت لوط کے گھر والے ہوئے انہیں اہلہ فرمایا۔ جن گھروں میں عبادات ذکر اللہ رسول ہوتا ہو وہ نبی کے گھر ہیں یعنی ان کے حفاظتی گھر اور وہاں کے رہنے والے نبی کے گھر والے ہیں مگر جن گھروں میں کفر فسق شراب ناچ وغیرہ رہیں وہ گھر شیطان کے گھر ہیں اور اس کے باشندے شیطان کے گھر والے ہیں جبکہ وہ شیطانی کاموں میں مشغول رہیں۔

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۗ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ
اور طرف مدین کے ان کے بھائی شعیب کو فرمایا اے قوم پوجو اللہ کو نہیں ہے واسطے تمہارے
اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب علیہ السلام کو بھیجا کہا اے قوم میری اللہ کی عبادت کرو

غَيْرُهٗ ۗ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ

کوئی معبود سوا اس کے یقیناً آئی تمہارے پاس کھلی دلیل طرف سے رب تمہارے کے پس پورا کرو ناپ اور
اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بیشک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی
وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ بَعْدَ
وزن کو اور نہ کم دو لوگوں کو چیزیں　اور نہ فساد کرو زمین میں بعد اس کے درستی
ہے تو ناپ اور تول پوری کرو　اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں
اِصْلَاحِهَا ۗ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝
کے اس کی یہ بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے۔
انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان نبیوں کی کافر قوموں کا ذکر ہوا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے تھے۔ جیسے صالح علیہ السلام یا آپ کے ہم زمانہ تھے جیسے حضرت لوط علیہ السلام اب ان پیغمبروں کی کافر قوموں کا ذکر ہے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہوئے جیسے حضرت شعیب علیہ السلام جو جناب موسیٰ

علیہ السلام کے ہم زمانہ ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں قوم لوط کا ذکر ہوا جو کفر کے ساتھ فاحشی بدکرداری میں گرفتار تھی اب شعیب علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو کفرو شرک کریں گے ساتھ بد معاملگی یعنی کم تولنے میں گرفتار تھی تاکہ پتہ لگے کہ لوگوں کے حق مارنا، معاملات خراب رکھنا بھی عذاب الٰہی کا باعث ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ایک ملکی فساد کا ذکر تھا جس کا تعلق اخلاقیات سے ہے اب دوسری قسم کے فساد کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق تجارت اور لین دین سے ہے تاکہ معلوم ہو کہ ملک جب باامن رہ سکتا ہے جب وہاں کے باشندے اخلاقیات اور معاملات میں درست و صحیح ہوں گویا تہذیب اخلاق کے بعد سیاست مدنی کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **و الی مدین اخاھم شعیبا**"۔ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور الی سے پہلے **ارسلنا** پوشیدہ ہے **مدین** کے متعلق بہت گفتگو ہے حق یہ ہے کہ **مدین** حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک بیٹے کا نام ہے پھر ایک قبیلہ کا نام مدین ہوا جو مدین ابن ابراہیم کی اولاد تھا۔ پھر ایک بستی کا نام مدین ہو گیا جہاں یہ قبیلہ آباد تھا یہ لفظ غیر منصرف ہے عجمہ اور علم ہے لہٰذا اسارے مفسرین ٹھیک کہتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ بستی کا نام ہے بعض نے کہا قبیلہ کا نام وہ سب ہی ٹھیک کہتے ہیں اس بستی اور اس قبیلہ کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔ مدین شہر مصر سے آٹھ منزل کے فاصلہ پر یعنی افریقہ میں واقعہ تھا(صاوی) اخ بمعنی بھائی ہے مگر بھائی سے مراد دینی بھائی نہیں بلکہ نسبی یا ملکی بھائی مراد ہے یعنی برادری کے ایک فرد کیونکہ مومن کافر کا بھائی نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ نبی کسی کافر کے بھائی ہوں نیز نبی تو مومن کے بھی بھائی نہیں ہوتے وہ مثل والد کے ہوتے ہیں تو کافر کے بھائی کیسے ہو سکتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ **و ازواجہ امھاتھم**۔ شعیب کے متعلق گفتگو ہے کہ یہ لفظ عربی ہے یا عجمی۔ بعض کے خیال میں یہ لفظ عربی ہے بنا ہے شعب سے یہ اس کی تصغیر ہے شعب کہتے ہیں پہاڑی راستہ کو۔ خیال رہے کہ نبی کے نام ان کے کسی عضو، کسی چیز کی تصغیر کرنا جائز نہیں لیکن پہلے ہی سے تصغیر شدہ نام رکھنا جائز ہے لہٰذا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کو مکھڑا کمبل شریف کو کمبلا کہنا ناجائز ہے ایسے ہی لفظ احمد یا محمد کو احیمد یا محیمد کہنا حرام ہے (از تفسیر روح المعانی) بعض کے خیال میں یہ لفظ عجمی ہے مگر پہلا قول قوی ہے اگر یہ عجمی ہو تا تو غیر منصرف ہوتا۔ عجمہ اور علم کی وجہ سے آپ کے نسب شریف میں بہت اختلاف ہے مگر حق یہ ہے کہ آپ مدین ابن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے ہیں حضرت اسحاق و یعقوب علیہ السلام کے سلسلہ سے نہیں لہٰذا آپ بنی اسرائیل سے نہیں ہیں آپ شعیب ابن یکیل ابن یشجر ابن مدین ابن ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ مدین نے لوط علیہ السلام کی بیٹی جناب رتا سے نکاح کیا جس سے یشجر پیدا ہوئے لہٰذا آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور لوط علیہ السلام کے نواسے ہیں آپ کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ یکے بعد دیگرے چند قوموں کے نبی ہوئے پہلے قوم مدین کے ان کی ہلاکت کے بعد ایکہ والوں کے ان کی ہلاکت کے بعد اصحاب الرس کے۔ (معانی، صاوی وغیرہ) روح المعانی نے یہاں کہا کہ شعیب علیہ السلام خوف الٰہی میں روتے روتے نابینا ہو گئے تھے مگر حق یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام گنگ، اندھاپن اور نفرت والے امراض سے محفوظ ہوتے ہیں (معانی)۔ حضرت شعیب علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کے خسر ہیں کہ آپ کی بیٹی صفورا حضرت موسیٰ کلیم اللہ کے نکاح میں آئیں آپ ہی کے ہاں سے موسیٰ علیہ السلام کو عصا ملا جو آدم علیہ السلام سے چلا آرہا تھا۔ آپ ہی کی بکریاں موسیٰ علیہ السلام نے چرائیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

قال یا قوم اعبدوا اللہ ما لکم من الہ غیرہ۔ اس کی تفسیر بارہا کی جاچکی ہے کہ عبادت سے مراد دلی عبادت یعنی ایمان ہے کیونکہ کافر پر پہلے ایمان لانا فرض ہے۔ ایمان کے بعد عبادات لازم ہیں اس فرمان عالی میں توان لوگوں کو شرک و کفر سے بچنے توحید پر ایمان لانے کی دعوت ہے یا یہ مطلب ہے کہ ایمان لا کر عبادت کرو مشروط کے حکم میں شرط کا حکم بھی ہو جاتا ہے بے وضو سے کہو کہ نماز پڑھو یعنی وضو کر کے نماز پڑھو ما لکم الخ میں اشارۃً فرمایا کہ جن چیزوں کو تم پوجتے ہو وہ تمہارے لئے بنی ہیں تمہاری خادم ہیں اس کی عبادت کرو جس کے لئے تم بنے۔ وہ ایک ذات ذوالجلال ہے دنیا و آخرت ہمارے لئے ہے لہٰذا ان دونوں کی کوئی چیز لائق عبادت نہیں تم اسی کے لئے بنے جو ان سب کا خالق ہے۔ قد جاء تکم بینۃ من ربکم۔ اس فرمان عالی میں اپنی نبوت کا اظہار ہے اور ان کو رسالت کی تبلیغ کیونکہ توحید بغیر رسالت کے مانے ہوئے نہ ایمان بنے نہ نجات کا ذریعہ۔ بینۃ سے مراد آپ کا معجزہ ہے یعنی رب کی طرف سے تم کو میرا معجزہ پہنچ گیا۔ جو میری نبوت کی دلیل ہے۔ قرآن مجید میں آپ کے معجزے کا ذکر نہیں بلکہ بہت سے پیغمبروں کے معجزات کا تذکرہ نہیں خود ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزارہا معجزات کا ذکر نہیں قرآن مجید یا شق القمر یا معراج جیسے چند معجزوں کا ذکر ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ آپ کا معجزہ یہ تھا کہ جب آپ اونچے پہاڑ پر چڑھنا چاہتے تھے تو وہ پہاڑ خود جھک جاتا اور آپ بہ آسانی اس پر چڑھ جاتے۔ (روح البیان) غالباً اسی سے آپ کا نام شعیب ہوا ہو گا یعنی پہاڑی راستوں کے بادشاہ واللہ اعلم۔ اور ہو سکتا ہے کہ بینۃ سے مراد خود آپ کی اپنی ذات والا صفات ہو کیونکہ نبی رب تعالیٰ کی ذات و صفات کی کھلی دلیل ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا ہے۔ قد جاء کم برھان من ربکم یعنی قوی دلیل یوں ہی حضرت یعقوب علیہ السلام کو برہان فرمایا لولا ان رای برھان ربہ اس صورت میں آپ نے اپنی خدا تعالیٰ کے ذریعہ پہچان کرائی کہ جس کا بھیجنے والا ایسا رب ہے سمجھو کہ وہ نبی کیسا ہو گا ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی تبلیغ میں اپنے ذریعہ خدا تعالیٰ کی پہچان کرائی کہ جب میں ایسا ہوں تو سمجھ لو کہ میرا بھیجنے والا کیسا ہو گا۔ فاوفوا الکیل والمیزان۔ یہ عبارت مرتب ہے قد جاء تکم الخ پر یعنی جب تم میرا معجزہ دیکھ چکے میری نبوت جان چکے تو میں بہ حیثیت نبی تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم ناپ تول میں انصاف سے کام لیا کرو۔ چونکہ یہ معاملات کا مسئلہ ہے اور معاملات کی درستی کفار پر بھی لازم ہے اس لئے آپ نے ایمان کے ساتھ ہی اس کا حکم دیا۔ کیل یا تو مصدر ہے بمعنی ناپنا یا ناپ یا بمعنی کیال ہے یعنی ناپنے کا آلہ میزان تو اسم آلہ ہی ہے بمعنی ترازو یعنی تولنے کا آلہ۔ یہ لوگ تاجر تھے اور بڑے بے ایمان تھے ڈنڈی مارنا ترازو میں پاسنگ رکھنا ناپ کے برتن کم رکھنا وغیرہ۔ اس لئے آپ نے یہ حکم دیا ولا تبخسوا الناس اشیاء ھم۔ یہ فرمان عالی یا تو اوفوا الکیل کا بیان ہے اور اس کی وجہ یعنی کم ناپ تول اس لئے چھوڑ دو کہ اس میں لوگوں کا حق مارنا ہے اور حق عبد توبہ سے بھی معاف نہیں ہوتا یہ نیا حکم ہے یہ لوگ اپنے گاہکوں کو اس طرح بھی دھوکہ دیتے تھے کہ ان کا درست و صحیح سکہ لے کر کھوٹا سکہ واپس کرتے اور کہتے کہ تو نے یہی دیا تھا یہ کھوٹا ہے یا گنتی میں فرق کر دیتے تھے کہ دس کے نو یا آٹھ گنتے اور کہتے کہ تو نے اتنے ہی دیئے ہیں (روح المعانی) یا گاہکوں کو اچھا مال دکھا کر کھوٹا خراب مال دیتے تھے۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ یہ عبارت یا تو لا تبخسوا کا بیان ہے تو فساد سے مراد ہے لوگوں کے حق مارنا کم تول کر دھوکہ سے خراب مال دے کر اور اصلاح سے مراد ہے ان خرابیوں کو روکنے کی کوشش کرنا لوگوں کو درستی معاملات کا حکم دینا جو حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی مومن جماعت کی طرف سے برابر جاری تھا یا فساد سے مراد ہے کفر و شرک اور اصلاح سے مراد ہے

ایمان و توحید یا فساد سے مراد ہے ڈکیتی، چوری، راہزنی وغیرہ اصلاح سے مراد ہے زمین میں امن و امان۔ کیونکہ قوم شعیب علیہ السلام دن میں ڈکیتی رات میں چوری بھی کرتی تھی لہٰذا یہ فرمان عالی بہت جامع ہے یا تو زمین سے مراد زمین کے باشندے ہیں یا خود مدین کی زمین بہرحال اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں **ذالکم خیر لکم** یہ جملہ گذشتہ احکام کی علت ہے **ذالکم** سے اشارہ ان مذکورہ بالا احکام کی طرف ہے۔ **خیر** سے مراد یا تو دنیا میں بہتر ہے یا آخرت میں بہتر یا دونوں جگہ بہتر آخری معنی زیادہ مناسب ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **ان کنتم مومنین** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم ایمان رکھتے ہو تو میری باتوں پر عمل کرو یا یہ **ذالکم خیر لکم** کی شرط موخر ہے یعنی اگر تم ایمان قبول کر لو تو تمہارے لئے یہ مذکورہ کام دنیاوی خیریت کے ساتھ آخرت میں بھی خیر ہیں کہ تم کو ان پر ثواب بھی ملے گا دنیا کی خیر سے مراد ہے مال میں برکت، حصول عزت و عظمت اخروی خیر سے مراد ہے رضاء الٰہی دخول جنت۔ اگر کافر تاجر تجارت درست کرے تو دنیاوی خیر یعنی تجارت میں ترقی نیک نامی اسے بھی مل جاتی ہے مگر اخروی خیر صرف مومن تاجر ایماندار کو ملے گی۔ لہٰذا اس جملہ شریف کی بھی بہت تفسیریں ہیں اور ہر تفسیر کے الگ الگ فوائد۔

خلاصہ ء تفسیر : ہم نے قوم مدین یا شہر مدین میں انہیں کے برادری کے ایک صاحب شعیب علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا۔ انہوں نے اپنی قوم کی ایمانی، اعمالی خراب حالت کو ملاحظہ فرما کر انہیں دونوں قسم کی ہدایتیں دیں چنانچہ انہیں نہایت نرمی سے فرمایا کہ اے میرے خاندانی لوگو میری قوم مدین کے فرد و خدا تعالیٰ کے سواء تمہارا سچا معبود لائق عبادت کوئی نہیں، تم اسی کی عبادت کرو خواہ دلی عبادت ہو، ایمان یا بدنی عبادت ہو، سجدہ و سجود یا مالی عبادت صدقات و خیرات تم تک میری نبوت کی کھلی نشانی یعنی میرا معجزہ پہنچ چکا تم نے اسے آنکھوں دیکھ لیا یا تم تک میں یہ نشان نبوت تشریف لایا میرا وجود مسعود رب کی کھلی نشانی ہے۔ لہٰذا مجھ کو اپنے رب کا نبی مانو مجھ پر ایمان لاؤ میں تم کو چند عملی نصیحت کرتا ہوں ایک یہ کہ خرید و فروخت ناپ تول برابر رکھو، خریدتے وقت زیادہ نہ ناپو تولو اور فروخت کرتے وقت ان میں کمی نہ کرو۔ بہرحال پورا ناپ تول کرو۔ دوسرے یہ کہ لوگوں کو ان کی حق کی چیزیں دھوکہ سے کم نہ دو ان کی کھری رقم کھوٹی کے عوض نہ لے لو۔ تیسرے یہ کہ زمین مدین وغیرہ میں ڈکیتی، چوری، راہزنی، راہ ماری وغیرہ سے فساد نہ پھیلاؤ جبکہ اس کی اصلاح ہو چکی کہ میں یہاں تشریف لے آیا میں نے اور میرے متبعین نے احکام شرعیہ کی تبلیغ شروع فرما دی یہ تینوں چیزیں تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہیں، حلال روزی میں برکت بھی ہے۔ عزت بھی لوگوں میں وقار بھی تمہارا اعتبار بھی اگر تم ایمان لا کر یہ کام کرو تو تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہو کہ تم ان سب پر آخرت میں ثواب بھی پاؤ گے اپنے رب کی رضا بھی حاصل کر لو گے۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سارے اعمال پر ایمان مقدم ہے انسان پہلے ایمان لائے پھر اور نیک اعمال کرے۔ یہ فائدہ **اعبدوا اللہ** کو **اوفوا الکیل** پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا اگر عبادت سے مراد ایمان ہو۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی علت سے معلول کو پہچانتے ہیں جیسے سورج سے دن یا دھوپ کو جاننا یا جیسے رب تعالیٰ سے نبی کو پہچاننا اسے دلیل انی کہتے ہیں کبھی معلول سے علت کو جیسے دھوپ یا دن سے سورج کو پہچاننا اسے دلیل لمی کہتے ہیں یا جیسے نبی سے رب کو پہچاننا کبھی ایک معلول سے دوسرے معلول کو پہچاننا جیسے دھوپ سے دن کو یا نبی اللہ سے کتاب اللہ کو یا اس

کے برعکس پہچاننا یہاں دوسری صورت ہے۔ یہ فائدہ بینۃ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد آپ کی ذات ہو۔ **تیسرا فائدہ:** رب کی عبادت درستی معاملات پر مقدم ہے کہ اس سے درستی معاملات میں مدد ملتی ہے درست طریقہ سے عبادت کرنے والا ان شاء اللہ معاملات بھی درست کرلیتا ہے یہ فائدہ بھی عبادت کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا اگر عبادت سے مراد بدنی، مالی عبادات ہوں۔ **چوتھا فائدہ:** نجات کے لئے صرف رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو مان لینا کافی نہیں بلکہ نبی پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ یہ فائدہ **قد جاء تکم** الخ سے حاصل ہوا کہ شعیب علیہ السلام نے رب کی وحدانیت کے ساتھ قوم کو اپنی نبوت کی بھی تبلیغ فرمائی کہ بینۃ سے مراد آپ کا معجزہ ہے اور معجزہ سے نبی کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** درستی معاملات کے کفار بھی مکلف ہیں ان کو بھی حکم ہے کہ ناپ تول درست رکھیں ڈکیتی، چوری نہ کریں۔ یہ فائدہ **فاوفوا الکیل** الخ سے حاصل ہوا کہ آپ نے اپنی کافر قوم کو ان مذکورہ معاملات کی درستی کا حکم دیا۔ **چھٹا فائدہ:** پاسنگ والی ترازو رکھنا تول میں ڈنڈی مار کر چیز فروخت کرنا۔ خریدتے وقت زیادہ تول لینا یہ سب کچھ حرام ہے یہ تمام باتیں ایک **اوفوا الکیل** سے حاصل ہوئیں جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** دھوکہ دے کر خریدار کو بری چیز دے دینا فریب و چالاکی سے اس کے کھرے سکے کھوٹوں سے تبدیل کردینا حرام ہے۔ یہ فائدہ **لا تبخسوا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو اس کی تفسیر۔ **آٹھواں فائدہ:** راہزنی، ڈکیتی، چوری وغیرہ سخت جرم ہیں جن کی سزا دنیا و آخرت میں بہت سخت ہے۔ یہ فائدہ **ولا تفسدوا** الخ سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **نواں فائدہ:** درستی معاملات سے کافر کے مال میں بھی برکت ہوتی ہے دیانتدار سچا تاجر اگر کافر بھی ہو تو تجارت میں کامیاب رہتا ہے۔ یہ فائدہ **فالکم خیر لکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** معاملات کی درستی، صدقات وخیرات پر ثواب آخرت صرف مومن کو ملے گا کافر خواہ کتنا ہی دیانتدار ہو کیسا ہی امانت دار ہو ثواب یا نجات کا مستحق نہیں ان چیزوں کے لئے ایمان ضروری ہے۔ یہ فائدہ **ان کنتم مومنین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ ہاں کفار کو ان کی بعض نیکیوں کی وجہ سے ان کے عذاب میں تخفیف ہو جاتی ہے۔ جیسے حاتم طائی، نوشیرواں، یا ابو طالب وغیرہم کہ ان کو اگرچہ عذاب ہوگا۔ مگر بہت ہلکا نوشیرواں کو عدل وانصاف کی وجہ سے، حاتم طائی کو سخاوت کی وجہ سے، ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے یہ رعایت ملے گی۔ بلکہ ابولہب کو پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور اسے کلمے کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ دیکھو بخاری شریف، شروع کتاب الرضاع۔

پہلا اعتراض: حضرت شعیب علیہ السلام نے کافر قوم کو عبادت الٰہی کا حکم کیوں دیا کافر کی عبادت نہ درست ہے نہ قبول عبادات تو ایمان کے بعد ہیں آپ نے کیوں فرمایا **اعبدوا اللہ**۔ **جواب:** یہاں یا تو عبادت سے مراد دلی عبادت یعنی ایمان ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر عملی عبادات مراد ہوں تو مطلب یہ ہوگا کہ ایمان لا کر عبادت کرو جیسے بے وضو یا غسل والے سے کہا جائے کہ نماز پڑھ تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وضو اور غسل کرکے نماز پڑھ نہ کہ یونہی بغیر وضو، بغیر غسل پڑھ لے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں بینۃ من ربکم سے کون سی نشانی ربانی مراد ہے اس کی تفصیل کیوں نہ کی گئی؟ **جواب:** یہاں بینۃ سے مراد یا تو خود حضرت شعیب علیہ السلام کی ذات پاک مراد ہے کہ نبی بذات خود رب کی ذات وصفات کی دلیل ہوتے ہیں رب تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے فرماتا ہے **قد جاء کم برھان من ربکم** یا آپ کا وہ معجزہ مراد ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا یعنی آپ کے لئے پہاڑ کا جھک جانا۔ قرآن پاک میں ہر چیز کی تصریح نہیں تاکہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ علماء کے حاجتمند

رہیں۔ نماز، زکوٰۃ اور روزے کی تفصیل بھی قرآن مجید میں نہیں قرآن سمجھو صاحب قرآن سے۔ **تیسرا اعتراض:** شعیب علیہ السلام نے کافر قوم کو درستی معاملات یعنی ناپ تول پورا کرنے کا حکم کیوں دیا۔ کفار پر اسلامی احکام جاری نہیں ہوتے؟ **جواب:** یہ غلط ہے معاملات کی درستی کفار پر بھی فرض ہے حتی کہ کافر چور ڈاکو کو سلطان اسلام سزا دے گا چور کے ہاتھ کٹوائے گا اور ڈاکو کو ایک صورت میں سولی دے گا لہٰذا آپ کا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چوتھا اعتراض:** حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم سے یہ کیوں فرمایا کہ یہ اعمال تمہارے لئے خیر ہیں اگر تم مومن ہو صفاتی معاملات تو کافر کے لئے بھی خیر ہیں؟ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ ہے کہ خیر سے مراد ہے باعث ثواب اور باعث رضاء الٰہی یہ بات صرف مومن کو ہی میسر ہے کہ ثواب کے لئے قبولیت ربانی ضروری ہے اور قبولیت کے لئے ایمان لازم۔

تفسیر صوفیانہ: ماپ تول میں کمی لوگوں کے حقوق مارنا نفس کی خساست، حرص کے غلبے، ہوس کی اتباع، کم ہمتی وغیرہ کی وجہ سے ہے ہم کو ان صفات کی تبدیلی، نفس کے تزکیہ کا حکم دیا گیا ہے، فرماتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ مال اور عزت کی حرص دین کو اس سے زیادہ نقصان پہنچاتی ہے کہ دو بھوکے بھیڑیے بکریوں میں چھوڑ دیئے جائیں اور وہ بکریوں کا نقصان کریں اور فرماتے ہیں کہ ناپ و تول امانت ہیں اے تاجرو تم لوگ ایسی چیز کے ذمہ دار بنائے گئے ہو جس میں گذشتہ قومیں ہلاک ہو چکی ہیں بہت احتیاط کرو (روح البیان) اگر نفس کی اصلاح ہو جائے تو ناپ تول خود ہی ٹھیک ہو جائیں گے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر انسان تاجر ہے اس کے پاس شریعت کی ترازو اور طریقت کا پیمانہ چاہئے جس سے دل اور نفس بلکہ خالق و مخلوق کے حقوق وزن کر کے ناپ کر صحیح ادا کرے اگر آدمی عبادات کے ذریعہ خالق کے حقوق کو ادا کرے مگر معاملات میں مخلوق کے حقوق مارے وہ بھی مجرم و خائن ہے اور جو شخص معاملات درست کرے مگر عبادات میں سستی کر کے خالق کے حقوق مارے وہ بھی مجرم ہے۔ حکم ہے۔ **اوفوا الکیل والمیزان**۔ یونہی اپنے نفس کی زمین میں فساد نہ پھیلاؤ، اسے نہ بگاڑو، نہ ضائع کرو۔ رب نے اس کی اصلاح کر کے تم کو یہ زمین کاشت کے لئے عطا فرمائی ہے اس میں اچھے صفات اچھے اعمال اعلیٰ احوال کی خوب کاشت کرو اسے خوف خدا کا کھلو آنکھوں کے آنسوؤں کا پانی دیتے رہو ان شاء اللہ ایسا باغ لگے گا کہ تم اس کے پھل دنیا و آخرت میں کھاؤ گے۔ یہ خیال نہ کرو کہ یہ احکام صرف قوم شعیب کے لئے تھے ہم میں بھی بہت لوگ قوم شعیب کے سے کام کرتے ہیں۔

نفس ماہم کمتر از فرعون نیست
لیک او را عون مارا عون نیست

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب علیہ السلام کو دو نبیوں سے نسبت حاصل ہے جناب ابراہیم اور جناب لوط سے اور ایک نبی سے سسرالی نسبت یعنی موسیٰ علیہ السلام سے یہ آپ کی خصوصی شرافت و عظمت ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں یہ ان کی خصوصی شرافت ہے مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کو کسی سے شرف نہیں ملا بلکہ سب کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے شرف حاصل ہوا حتی کہ قرآن مجید تمام آسمانی کتب سے افضل ہے اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ورنہ ساری کتب آسمانی اللہ کا کلام ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت نے قرآن پاک کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کے گیت قرآن نے گائے **وانہ لذکر لک ولقومک** اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کی عظمت بڑھی۔

وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور مت بیٹھو ہر راستہ پر کہ خوف دلاؤ تم اور روکو تم راستے سے اللہ کے ان کو جو ایمان لائیں اس پر

اور ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر

مَنْ اٰمَنَ بِهٖ وَتَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ ۪ وَانْظُرُوْا

اور تلاش کرو تم اسے ٹیڑھا　　اور یاد کرو جب کہ تھے تم تھوڑے پس زیادہ کیا تم کو

ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو　اور　یاد کرو جب　تم　تھوڑے　تھے　اس نے　تمہیں بڑھا دیا

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ (۸۶)

اور غور کرو کہ کیسا ہوا انجام فساد پھیلانے والوں کا

اور دیکھو فسادیوں کا کیسا انجام ہوا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں قوم شعیب کی چند بد عملیوں کم تولنے فساد پھیلانے وغیرہ کا ذکر ہوا تھا اب ان کی دوسری بد عملیوں کا تذکرہ ہے لوگوں کو ایمان سے روکنا وغیرہ گویا دنیاوی بد معاملگی کے بعد ان کی دینی بد معاملگی کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب کو ان کی بری خصلتوں سے روکا گیا تھا اب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں انہیں یاد دلائی جا رہی ہیں کہ یہ یاد کرو اور اس کریم کی نافرمانی سے باز آ جاؤ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کو برائیوں سے روکا گیا تھا اب انہیں گذشتہ قوموں کے عذاب یاد دلائے جا رہے ہیں تاکہ وہ اس خوف سے رب کی فرمانبرداری کریں۔

تفسیر: **ولا تقعدوا بکل صراط توعدون** یہ عبارت معطوف ہے **ولا تفسدوا** الخ پر لہٰذا اس کا واؤ عاطفہ ہے قعود اور جلوس دونوں کے معنی ہیں بیٹھنا بعض لوگوں نے کہا ہے کہ کھڑے سے بیٹھنے کو قعود کہتے ہیں اور لیٹے سے بیٹھنے کو جلوس اسی لئے عذاب قبر کی احادیث میں آتا ہے **فیجلسانہ** ہیں نہیں آیا **فیقعدانہ** کیونکہ وہاں فرشتے میت کو لیٹے سے اٹھا کر بٹھا لیتے ہیں یہاں بمعنی ٹھہرنا ہے خواہ وہاں لیٹے رہیں یا کھڑے رہیں یا بیٹھے رہیں صراط سے مراد یا تو ایمان کا راستہ ہے چونکہ ایمان کے راستے بہت ہیں نیز ایمان کے ہر شعبے کا علیحدہ راستہ ہے نماز کا اور راستہ ہے' روزہ وغیرہ کا دوسرا راستہ پھر' عرفان کا اور راستہ' ایقان کا دوسرا راستہ۔ اس لئے **کل صراط** فرمایا گیا۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کے چند اور ستر شعبے ہیں چاہئے کہ ہر شعبہ کا راستہ الگ ہو تو اتنے ہی راستے ہوئے یہ لوگ ان کو ایمان سے روکتے تھے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے آتے تھے یا صراط سے مراد ہے مدین کا راستہ چونکہ مدین کو مختلف سمتوں سے مختلف راستے آتے تھے اس لئے **کل صراط** ارشاد ہوا یہ لوگ مدین کے راستوں پر پہرہ دار بن کر ہر وقت بیٹھے رہتے تھے جو مسافر باہر سے آتا اس سے کہتے تھے کہ مدین میں حضرت شعیب کے پاس نہ جانا وہ جادوگر ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ مدین کے راستوں پر ڈکیتی قزاقی کرنے کے لئے نہ بیٹھو یہ لوگ ڈاکو قزاق تھے **توعدون** بنا ہے عیاد سے بمعنی ڈرانا اس کا اوعد ہے۔ جب یہ ضرب سے ہو تو بمعنی وعدہ کرنا ہوتا ہے جب

باب افعال سے ہو تو بمعنی ڈرانا ہوتا ہے یہاں اس معنی میں ہے اس کے بھی دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تم ایمان لانے والوں کو ڈراتے دھمکاتے ہو کہ اگر تم ایمان لائے تو ہم تم کو یہ سزا دیں گے یا لوگوں کو ڈرا دھمکا کر ان کا مال چھینتے ہو یہ عبارت **لا تقعدوا** کے فاعل سے حال ہے۔ **و تصدون عن سبیل اللہ من امن بہ** یہ عبارت معطوف ہے **توعدون** پر اور حال ہے **لا تقعدوا** کی ضمیر سے۔ خیال رہے کہ اللہ کی راہ سے روکنے کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ لوگوں کو حضرت شعیب علیہ السلام تک پہنچنے ہی نہ دیا جائے ہزار حیلوں بہانوں سے انہیں بازار وغیرہ سے واپس کر دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جو ایمان کا ارادہ کریں انہیں ڈرا دھمکا کر اس سے روکا جائے۔ تیسرے یہ کہ انہیں لالچ دے کر روکا جائے۔ لالچ خواہ مالی ہو یا اور قسم کا (کبیر)۔ لہٰذا یہ عبارت **توعدون** سے عام ہے۔ **سبیل اللہ** سے مراد یا تو ایمان ہے یا حضرت شعیب علیہ السلام کے گھر کا راستہ یا خود شعیب علیہ السلام کہ آپ خدا رسی کا ذریعہ ہیں۔ **من امن** مفعول بہ ہے **تصدون** کا اس سے مراد یا تو وہ لوگ ہیں جو ایمان لا چکے یا وہ لوگ جو ایمان لانے کا ارادہ کریں انہیں ایمان سے روکتے ہوں یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم مومنوں کو نماز وغیرہ نیک اعمال سے روکتے ہو انہیں عبادات کی آزادی نہیں دیتے۔ **و تبغونھا عوجا** " یہ عبارت معطوف ہے **تصدون** پر **تبغونھا** بغی سے ہے بمعنی چاہنا، تلاش کرنا **ھا** کا مرجع وہی **سبیل** ہے کیونکہ سبیل کے لئے مذکر مونث دونوں ضمیریں آ سکتی ہیں **عوجا** تو مصدر ہے بمعنی ٹیڑھاپن بمعنی **اعوجا** یا صفت شبہ ہے بمعنی ٹیڑھا اس عبارت کے بہت معنی کئے گئے ہیں آسان معنی یہ ہیں کہ تم ہمیشہ ٹیڑھا راستہ ہی ڈھونڈتے ہو سیدھے راستے سے دور بھاگتے ہو' ایمان سیدھا راستہ ہے' کفر ٹیڑھا' دیانتداری سیدھا راستہ ہے بددیانتی ٹیڑھا۔ شعیب علیہ السلام کی اتباع سیدھا راستہ ہے ان کی مخالفت ٹیڑھا ملک میں امن قائم رکھنا سیدھا راستہ ہے بدامنی پھیلانا ٹیڑھا تجارت میں ناپ تول صحیح رکھنا سیدھا راستہ ہے اس میں فرق کرنا کم تول کرنا ٹیڑھا تجارتی چیزیں' خالص دینا' سیدھا راستہ ہے۔ ان میں ملاوٹ کرنا' ٹیڑھا درستی معاملات سیدھا راستہ ہے غلط معاملات ٹیڑھا۔ تم یہ سارے راستے ٹیڑھے ہی اختیار کرتے ہو جب جاتے ہو اوندھے جب چلتے ہو الٹے۔ جو رب تعالیٰ تک پہنچائے وہ سیدھا راستہ ہے جو دوزخ تک پہنچائے وہ ٹیڑھا راستہ تم دوزخ والا راستہ ہی اختیار کرتے ہو تمہارا کانٹا شیطان نے بدل دیا ہے کانٹا بدل جانے پر ریل کہیں سے کہیں پہنچ جاتی ہے۔ **و اذکروا اذ کنتم قلیلا " فکثرکم** یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کو اطاعت الٰہی اور ایمان کی رغبت دی گئی اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ذکر** سے مراد ہے زبان سے تذکرہ کرنا یا دل میں سوچنا یا آپس میں ایک دوسرے سے اس نعمت کا چرچا کرنا یا اللہ کے نبی کی اطاعت کرنا کہ یہ بھی عملی ذکر و شکر ہے۔ **اذ** ظرفیہ **اذکروا** کا مفعول بہ ہے قلت اور کثرت میں چند احتمال ہیں۔ تم تعداد میں تھوڑے تھے تمہیں زیادہ کر دیا۔ تم مال میں تھوڑے تھے تم کو مالدار کر دیا۔ تم طاقت و قوت میں تھوڑے تھے کمزور تھے تم کو طاقتور کر دیا (تفسیر کبیر و معانی و روح) غرضیکہ یہ زیادتی عدد زیادتی مال زیادتی عزت سب کو شامل ہے **وانظروا کیف کان عاقبۃ المفسدین** یہ جملہ معطوف ہے **اذکروا** پر وہاں ترغیب تھی یہاں ترہیب یعنی وہاں اللہ کی نعمتیں یاد دلا کر مائل بہ اسلام کیا گیا تھا۔ یہاں اللہ کے عذاب یاد دلا کر دعوت ایمان دی گئی **انظروا** بنا ہے **نظر** سے بمعنی دیکھنا یا غور کرنا **المفسدین** سے مراد گذشتہ تباہ شدہ کافر قومیں ہیں۔ جیسے قوم نوح' قوم عاد' قوم ثمود چونکہ ان تباہ شدہ قوموں کے واقعات اس زمانہ میں مشہور تھے اور ان کی اجڑی ہوئی بستیاں ان کے کھنڈرات یہ لوگ دیکھتے رہتے تھے۔ اس لئے **انظروا** فرمانا بالکل درست ہوا یعنی گذشتہ تباہ شدہ کافر قوموں کے حالات میں غور کرو اور سوچو کہ اگر تم نے ان کی سی حرکتیں کیں تو تمہار

انجام بھی یہی ہو گا۔

خلاصہ ء تفسیر : حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی کافر قوم سے یہ بھی فرمایا کہ تم لوگ مدین کی طرف آنے والے راستوں پر ڈکیتی' قزاقی کے لئے یا لوگوں کو ایمان سے روکنے کے لئے بیٹھنا چھوڑ دو۔ اس وقت تمہارا حال یہ ہے کہ مسافروں کو ڈراتے دھمکاتے بھی ہو اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے بھی ہو جو ایمان لا چکے انہیں مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہو' جو ایمان لانا چاہیں انہیں دھمکیوں' لالچوں سے قومی دباؤ کے ذریعہ ایمان سے روکتے ہو اور تم ہمیشہ عقائد میں اعمال میں ٹیڑھا راستہ ہی اختیار کرتے ہو سیدھے راستہ سے بچتے ہو۔ یہ حرکتیں چھوڑ دو تم یہ یاد کرو کہ تم پہلے تھوڑے تھے' غریب تھے' کمزور تھے' تمہیں زیادہ اور امیر اور طاقت والا بنادیا ایسے رب کی نافرمانی چھوڑ دو' اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کرو یہ بھی غور کرو کہ تم سے پہلے قوم نوح' قوم لوط' قوم عاد و ثمود جو تم سے زیادہ تعداد والے' طاقت والے' جتھہ والے تھے ان کا انجام کیا ہوا آج ان کی اجڑی بستیاں' ان کے کھنڈرات' ان کی تباہی کی خبریں دے رہی ہیں اگر تم نے بھی ان جیسی حرکتیں کیں تو تمہارا انجام بھی یہی ہوتا ہے ہوش کرو اور میری مخالفت رب تعالیٰ کی نافرمانی سے باز آجاؤ۔

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: کفار ایمان سے روکنے کی بہت تدبیریں ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں مگر اللہ کا نور کسی بادل سے کسی گرد و غبار سے بجھ نہیں سکا اور نہ آئندہ بجھ سکے گا یہ فائدہ **ولا تقعدوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ مدین والے لوگوں کو ایمان سے روکنے کے لئے مدین کے راستوں پر بیٹھ جاتے تھے جیسے کفار مکہ نے بہت عرصہ تک یہ حرکت کی۔

موسیٰ و فرعون و شبیر و یزید — ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغ مصطفوی سے شرار بو لہبی

دوسرا فائدہ: ڈکیتی کے لئے راستوں پر بیٹھنا' لوگوں کو ڈرانا ہر دین میں ہمیشہ حرام رہا ہے اسلام میں اس کی سزا نہایت سخت ہے۔ یہ فائدہ **ولا تقعدوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ راہ پر بیٹھنے سے مراد ہو ڈکیتی کے لئے بیٹھنا۔ تیسرا فائدہ: سیدھا راستہ محض عقل سے بھی نہیں مل سکتا یہ تو نبی سے ہی ملتا ہے۔ اس کے لئے عقل انسانی کافی نہیں یہ فائدہ **تبغونھا عوجا** سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ: افراد کی کثرت قوم کی قوت کا ذریعہ ہے اللہ کی نعمت ہے' انہیں افراد سے فوجیں بنتی ہیں اور آج کثرت رائے سے صدر سے لے کر ممبران تک کا انتخاب ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **فکثرکم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ کثرت سے مراد ہو تعداد کی زیادتی' فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ محبت کرنے والیوں' زیادہ بچے دینے والیوں سے نکاح کرو کیونکہ میں تمہاری کثرت سے فخر کروں گا **انکحوا لو لودا لودود فانی مکاثر بکم الامم**۔ بعض سرپھرے ہزار بہانوں سے قوم کو گھٹانا چاہتے ہیں۔ برتھ کنٹرول وغیرہ سے۔ ولادت کم کرنے کی کوشش ہمیشہ سے کرتے رہے ہیں حالانکہ آنے والی روح رک نہیں سکتی۔ مسئلہ: ضرورت کے وقت تولد روکنے کی کوشش کرنا شرعاً جائز ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق سوال کیا گیا تو منع نہیں فرمایا بلکہ فرمایا **لا علیکم ان لا تفعلوا** اگر یہ کام نہ کرو تو تم پر حرج نہیں حضرات صحابہ کرام فرماتے ہیں **کنا نعزل والقران ینزل**۔ پانچواں فائدہ: دولت' قوت' عزت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمتیں

ہیں اس کی قدر اور اس کا شکر چاہئے۔ یہ فائدہ **فکثرکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ کثرت سے مراد ہو دولت‘ عزت‘ قوت کی زیادتی۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالٰی کی نعمتیں قولاً ”عقیدۃً“ عملاً ”یاد کرنا یاد رکھنا ان کا تذکرہ کرنا بالکل جائز بلکہ حکم نبی ہے۔ یہ فائدہ **واذکروا** الخ سے حاصل ہوا ہم کو حکم ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** لہٰذا بزرگوں کے عرس میلاد شریف جائز ہیں کہ یہ اللہ کی نعمت کا ذکر ہے۔ **ساتواں فائدہ:** انسان پر دو وقت آتے ہیں چڑھاؤ کا اور گراؤ کا۔ چڑھاؤ کے وقت اپنے گرے وقت کو یاد رکھے اس سے رب تعالٰی سے محبت پیدا ہوگی۔ اس کی اطاعت کا جذبہ پیدا ہو گا۔ نیز دل کو بے حد خوشی ہوگی۔ یہ فائدہ **واذکروا اذ کنتم قلیلا** ” الخ سے حاصل ہوا۔ مگر گرے وقت میں چڑھے وقت کو ہرگز یاد نہ کرے کہ اس سے صدمہ اور ناشکری ہونے کا اندیشہ ہے بلکہ اس وقت اپنے سے نیچے کو دیکھے تاکہ شکر کرے۔ **آٹھواں فائدہ:** تاریخی حالات معلوم کرنا قوموں کے بننے بگڑنے سے عبرت حاصل کرنا حکم الٰہی ہے کہ اس سے اللہ تعالٰی کا خوف اور اس کی عبادات کا ذوق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **وانظروا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ نظر سے مراد ہو غور کرنا۔ **نواں فائدہ:** عذاب والی قوموں کی اجڑی ہوئی بستیاں دیکھنا بلکہ وہاں سفر کر کے جانا جائز بلکہ حکم الٰہی ہے۔ یہ فائدہ **وانظروا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ نظر سے مراد ہو آنکھوں سے دیکھنا ہم کو فرمایا گیا **قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین** اسی طرح بزرگ اور مقبول بندوں کی نورانی بستیاں ان کے نورانی مزارات دیکھنا وہاں کے ہجوم خلق‘ قرآن خوانی وغیرہ میں غور کرنا اس لئے وہاں سفر کر کے جانا بالکل جائز ہے تاکہ عبادات کی رغبت ہو ان چیزوں کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب جاء الحق کا مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **ولا تقعدوا بکل صراط** ڈکیتی یا ایمان سے روکنے کے لئے ہر راستہ پر نہ بیٹھو تو کیا ان مقاصد کے لئے بیٹھنا ممنوع ہے وہاں کھڑا رہنا جائز ہے صرف بیٹھنے کی ممانعت کیوں آئی۔ **جواب:** ان جیسے مقامات پر بیٹھنے سے مراد ہوتا ہے ٹھہرنا موجود رہنا خواہ کھڑے ہو کر ہو یا بیٹھ کر یا لیٹ کر اردو میں بھی کہا جاتا ہے۔ وہاں پہرہ بٹھا دیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا ہر راستہ پر نہ بیٹھو تو کیا بعض راستوں پر بیٹھنا ڈکیتی کرنا جائز ہے ہر کا ذکر کیوں ہوا۔ **جواب:** یہاں ہر راستہ سے مراد ہر قسم کا راستہ ہے سڑک جرنیلی‘ عام سڑک‘ گلیاں کوچے کھیتوں کے بنے وغیرہ جہاں سے لوگ آتے ہوں۔ چونکہ وہ لوگ ہر قسم کی راہ پر ڈکیتی کرنے بیٹھتے تھے اس لئے یہ ارشاد ہوا جیسے رب فرماتا ہے کہ دوگنا تگنا سود نہ کھاؤ اس کے معنی یہ نہیں کہ سوایا ڈیوڑھا کھا لیا کرو بلکہ جو مروج تھا اس کا ذکر فرمایا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ تم مومنوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہو اس روکنے میں مومنوں کی قید کیوں لگائی گئی اللہ کی راہ سے روکنا مطلقاً منع ہے مسلمان کو روکا جائے یا کافر کو؟ **جواب:** اس کے چند جوابات ابھی تفسیر میں اشارۃً ذکر کئے گئے ایک یہ کہ جو ایمان لانا چاہتے ہیں تم انہیں ایمان لانے سے روکتے ہو یعنی امن سے مراد ہے ارادہ ایمان کرنے والا دوسرے یہ کہ جو ایمان لا چکے ہیں تم انہیں ایمان پر قائم رہنے سے روکتے ہو انہیں مرتد کرنے کی کوشش کرتے ہو‘ تیسرے یہ کہ جو ایمان لا چکے ہیں تم انہیں نیک اعمال نماز وغیرہ سے روکتے ہو۔ خیال رہے کہ کافر کی کوئی نیکی فی سبیل اللہ نہیں ہوتی نہ اس پر اسے ثواب ملتا ہے کہ نیکی کی قبولیت کے لئے ایمان شرط ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں اللہ تعالٰی کی نعمتوں میں سے کثرت یعنی زیادتی تعداد کو بھی شمار کیا کہ فرمایا **فکثرکم**۔ زیادتی تعداد تو وبال ہے نعمت نہیں؟ **جواب:** کثرت تعداد بیوقوفوں کے خیال میں وبال ہے اہل عقل سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ کی نعمت ہے

اسی تعداد سے ملک آباد ہوتے ہیں اسی سے فوجیں تیار ہوتی ہیں۔ اسی کثرت سے آج صدارت وزارت ممبری حاصل ہوتی ہے۔ اسی کثرت سے دوسری قوموں پر رعب طاری ہوتا ہے مٹھی بھر جماعت کسی کام کی نہیں۔ ان کی غذا وغیرہ خالق کے ذمہ کرم پر ہے **نحن نرزقهم و ایاکم**۔

تفسیر صوفیانہ : اس آیت کریمہ میں دو چیزیں بہت ہی قابل غور ہیں ایک تو **فی سبیل الله** دوسرے **تبغونها عوجا**۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ کا راہ قرار دیا کیونکہ رب تعالیٰ تک صرف نبی کے ذریعہ پہنچ سکتے ہیں۔ پھر نبی کی تعلیم سے جو کام کیا جائے وہ سبیل اللہ ہے نماز، روزہ، کلمہ طیبہ اور تمام نیکیاں سبیل اللہ ہیں۔ مگر جبکہ نبی کی تعلیم ان کی اطاعت کے ماتحت ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منہ موڑ کر ساری عبادات کرو کوئی چیز بھی سبیل اللہ نہیں بلکہ سبیل الشیطان ہو گی۔ جیسے منافقوں کا کلمہ پڑھنا یا شیطان کے سجدے بجود بلکہ عبادات وغیرہ رب رسی کا دور دراز راستہ ہیں اور عشق رسول قریب راستہ صرف اطاعت کے لئے یہ اعمال نہ کرو بلکہ اطاعت اور عشق رسول کے لئے یہ تمام کام کرو۔ دیکھو فرعونی جادوگر ایک آن میں کتنے مراتب طے کر گئے دوسرے **تبغونها عوجا**۔ خیال رہے کہ عقل انسانی دنیاوی کاموں میں خوب رہنمائی کرتی ہے مگر آخرت کے متعلق بالکل بیکار بلکہ مضر ہے۔ جو محض عقل سے رب تک پہنچنا چاہے وہ شیطان تک پہنچے گا۔ رحمان تک نہ پہنچے گا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں خدا وندا مجھے واقف جنوں کر

جیسے خشکی کی سواریوں سے دریائی راستہ طے نہیں ہو سکتا نہ اس کے برعکس دریائی جہاز سے خشکی کا راستہ طے ہوں۔ نہ فضائی راستہ دریائی اور خشکی کی سواری سے طے ہوں ایسے ہی راہ خدا عقل کی سواری سے طے نہیں ہو سکتا کہ یہ تو دنیاوی راستوں کے لئے بنی ہے راہ خدا جنوں و عشق رسول کی سواری سے ہی طے ہو سکتا ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے دنیا میں بھی بہت جگہ عقل کو ناکارہ بنا دیا ہے۔ قرآن مجید کے متشابہ آیات میں عقل بیکار ہے خود اپنی روح اپنی حقیقت کے معلوم کرنے میں عقل ناکارہ ہے۔

عشق آمد عقل خود بے چارہ شد شمس آمد شمع خود ناکارہ شد

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس راہ میں عقل ایسا جن ہے جو صرف جنوں کی لاٹھی سے بھاگتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جنوں کی ضرورت ہے مقصد یہ ہے کہ تم لوگ عقل کا ٹیڑھا راستہ اختیار کرتے ہو اس سے باز آجاؤ اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو اور گذشتہ عقل والی قوموں کا انجام دیکھو اگر تم بھی ایسے عاقل بنو گے تو مار کھا جاؤ گے۔ صوفیاء کے نزدیک جنوں ہی وہ نعمت ہے جس کی برکت سے قصور معاف ہوتے ہیں۔ دیوانہ پر عتاب کوئی نہیں کرتا۔ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم سے قصور ہوا مگر رب نے ان پر عتاب نہ کیا اپنے حبیب سے شکوہ کیا۔ **عبس و تولی ان جاءه الاعمی**۔ اس جنوں کی برکت سے دل رنج و غم سے آزاد رہتا ہے دنیا کی کوئی مصیبت آفت دل پر اثر نہیں کرتی اس جوش عشق کی برکت سے حضرت حسین نے کربلا کے مصائب خندہ پیشانی سے برداشت کر لئے۔

رہ عقل جز پیچ در پیچ نیست رہ عاشقاں جز خدا ہیچ نیست

وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِیْۤ اُرْسِلْتُ بِهٖ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ یُؤْ

اور اگر ہو ایک ٹولا تم میں سے جو ایمان لائے ساتھ اس کے کہ بھیجا گیا میں ساتھ اس کے اور ایک ٹولا نہیں ایمان لایا

اور اگر تم میں کا ایک گروہ اس پر ایمان لایا جو میں لے کر بھیجا گیا اور ایک گروہ نے نہ مانا تو ٹھہرے رہو یہاں

مِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰى یَحْكُمَ اللّٰهُ بَیْنَنَاۚ وَهُوَ خَیْرُ الْحٰكِمِیْنَ (۸۷)

پس صبر کرو تم حتیٰ کہ فیصلہ کرے اللہ درمیان ہمارے اور وہ سب فیصلہ کرنے والوں سے بہتر ہے

تک کہ اللہ ہم میں فیصلہ کرے اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کے قوم مدین کو ڈرانے اور یاد دلانے کا ذکر تھا اب اس کا ذکر ہے کہ آپ نے مومن قوم کو تسلی کس طرح دی۔ گویا پچھلی آیت میں روئے سخن کفار سے تھا اب اس آیت میں تعلق کلام مومنین سے ہے (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ قول نقل کیا گیا کہ پچھلی کافر قوموں کے انجام کا خیال کرو اب فرمایا جا رہا ہے کہ انہوں نے فرمایا اپنے انجام کا انتظار کرو اس فرمان میں اظہار کرم تھا اس میں اظہار غضب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت شعیب علیہ السلام کا امید والا کلام نقل ہوا کہ آپ ان کے ایمان کی امید رکھتے تھے اب ان کے مایوسی والے کلام کو نقل فرمایا جا رہا ہے کہ مجھے تمہارے ایمان کی امید نہیں رہی اب اللہ کے فیصلہ کا انتظار ہے۔

تفسیر : **وان کان طائفة منکم امنوا** ۔ قوم مدین کے غربا اور مساکین حضرت شعیب علیہ السلام پر ایمان لائے تھے مالدار لوگ کافر بڑے فسادی تھے۔ یہ کفار کہا کرتے تھے کہ حق پر ہم ہیں رب تعالیٰ ہم سے راضی ہے ان مومنوں سے ناراض ہے یہ باطل پر ہیں دیکھ لو ہم لوگ عیش و آرام میں ہیں۔ ہمارے نوکر چاکر ان سے اچھے ہیں اس سے مومنوں کو صدمہ پہنچتا تھا تب آپ نے بظاہر کفار سے خطاب فرماتے ہوئے کہا۔ مگر درحقیقت مومنوں کو تسلی دیتے ہوئے یہ فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ **منکم** اور **فاصبروا** میں خطاب کفار سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب مومنین سے ہو یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب دونوں جماعتوں سے ہو۔ یہاں ان شک کے لئے نہیں کیونکہ بعض کا ایمان لانا اور بعض کا کافر رہنا ظاہر ظہور تھا۔ بلکہ یہ فرمان ایسا ہے جیسے ایک مہربان باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر اس قسم کا کلام رغبت دینے یا ڈرانے دھمکانے کے لئے ہوتا ہے۔ طائفہ کے معنی اس کا ماخذ بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ یہاں طائفہ سے مراد غرباء و مساکین کا ٹولہ ہے۔ **منکم** میں **من تبعیضیہ** ہے چونکہ مومنین ان کفار کے ہم وطن ہم نسب ہم زبان تھے۔ لہٰذا منکم فرمانا بالکل درست ہے۔ **امنوا** کا فاعل طائفہ ہے چونکہ طائفہ لفظاً" واحد ہے معنی جمع لہٰذا **امنوا** جمع فرمانا بالکل درست ہے **بالذی ارسلت بہ** اس کا تعلق **امنوا** سے ہے۔ **الذی** سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام کے سارے احکام سارے فرمان ہیں اس میں توحید' **رسالت**' شرعی احکام آپ کے سارے فرمان اس میں داخل ہیں چونکہ ان سب پر ایمان لانا اس لئے ہوتا ہے کہ نبی کو یہ چیزیں عطا فرما کر بھیجا گیا ہے اس لئے توحید وغیرہ کی بجائے **الذی ارسلت** الخ فرمایا اس کے بعد دو متعلق پوشیدہ ہیں **من اللہ** اور **الیکم** کیونکہ رسول اللہ کی طرف سے مخلوق کی طرف پیام و احکام لاتے ہیں **و طائفة لم یومنوا** یہ عبارت معطوف ہے **طائفة منکم** پر اس ٹولہ سے مراد

ان کے امیروں کا ٹولہ سرداروں کی جماعت ہے جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا **فاصبروا حتی یحکم اللہ بیننا** یہ عبارت جزا ہے **ان کان** کی۔ یہاں خطاب یا تو کافروں سے ہے یا مومنین سے یا دونوں سے اگر کفار سے خطاب ہے تو صبر بمعنی انتظار عذاب ہے یعنی ببول بو کر فورا" کانٹے نہیں کاٹے جاتے بلکہ کچھ عرصہ کے بعد تم درخت خار دار بو رہے ہو اس کا نتیجہ آئندہ دیکھو گے اور اگر دونوں سے خطاب ہے تو کفار کے لئے عذاب کا انتظار مومنوں کے لئے رحمت الہی کا انتظار مراد ہے اور اگر خطاب صرف مومنوں سے ہے تو اس سے صرف صبر مراد ہے صبر کے معنی اس کے اقسام دوسرے پارہ میں **ان اللہ مع الصابرین** کی تفسیر میں بیان ہو چکے ہیں گناہوں سے صبر' نیکیوں پر صبر' بلاؤں میں صبر اور انتظار کا صبر۔ حتی کہ صبر کی انتہائی بیان کرنے کے لئے ہے **یحکم** بنا ہے حکم سے بمعنی فیصلہ فرمانا فیصلہ سے مراد عملی فیصلہ ہے یعنی کفار کو عذاب دینا مومنوں پر رحمت کرنا یہ فیصلہ آخرت میں تو ہو گا ہی کبھی دنیا میں بھی ہو جاتا ہے کہ کفار ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ غالبا" آپ کی مراد یہی ہے کیونکہ آپ کو کفار دین کے عذاب کی خبر تھی۔ **وھو خیر الحاکمین** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ **ھو** کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے **حاکمین** سے مراد ہیں دنیا کے حکام اور حکم (پنچ) یعنی اللہ تعالیٰ تمام حاکموں سے بہتر فیصلہ فرمانے والا ہے کیونکہ دنیاوی حکام غلطی سے یا ظلما" یا رشوت سے یا دباؤ یا لالچ سے غلط فیصلے بھی کر دیتے ہیں اللہ کے فیصلوں میں اس کا امکان بھی نہیں۔

خلاصہء تفسیر : قوم شعیب کے کفار نے تین اعتراض کئے تھے۔ دو حضرت شعیب علیہ السلام پر اور ایک مومنین قوم پر۔ (1) آپ کا کلام کلام الہی نہیں کیونکہ یہ ہمارے دل میں اثر نہیں کرتا کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ کا کلام اللہ کے بندے کے دلوں میں اثر نہ کرے۔ (2) کیا وجہ ہے کہ ہم ان احکام پر عمل نہیں کرتے۔ رب کے احکام پر عمل ضروری ہوتا ہے جیسے بیماری' تندرستی' زندگی' موت' امیری' غریبی وغیرہ۔ (3) اے مسلمانو رب تعالیٰ ہم سے راضی ہے نہ کہ تم سے دیکھ لو اس نے ہم کو امیر کیا آرام سے رکھا تم غریب ہو تکلیف میں ہو ان تینوں سوالوں کے جواب میں آپ نے ان کو ہر طرح سمجھایا بجھایا۔ آخر میں جب ان کے ایمان سے مایوس ہو گئے تو ان کفار سے یا ان میں سے جو ایمان لا چکے تھے ان سے یا دونوں سے خطاب فرماتے ہوئے کہا کہ اے قوم تم میں سے کچھ لوگ تو ان تمام باتوں پر ایمان لے آئے جو میں رب کی طرف سے لے کر تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں یعنی اچھے عقیدے' اعلیٰ عبادات' بہترین معاملات' کامل اخلاقیات وغیرہ یہ نئی بات نہیں کسی نبی پر سارے لوگ ایمان نہیں لائے بعض مومنین ہوئے' بعض کافر حتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا قابیل آپ پر ایمان نہیں لایا سورج کی روشنی بارش سے سارے فائدہ نہیں اٹھاتے' چمگادڑ سورج سے' کھاری زمین بارش سے فائدہ نہیں لیتی۔ ایمان لانے والے عموما" غرباء و مساکین ہیں چونکہ امیروں کے دلوں میں غرور غریبوں میں عجز و انکسار ہوتا ہے اس لئے فیض نبوت غرباء ہی پاتے ہیں۔ اور اکثر لوگ ایمان نہ لائے جیسے قوم کے امیر' سردار اور ان کے زیر اثر لوگ انہوں نے مجھے ستانے' مومنوں کو ایذا پہنچانے کا کام اپنے ذمہ لے لیا ہے۔ کفار مومنوں کی غریبی' بے کسی' اپنی امیری' سرداری سے دھوکہ نہ کھائیں۔ دنیا میں مال مل جانا رب کی رضامندی کی علامت نہیں بلکہ مال کے ذریعہ نیک اعمال کی توفیق ملنا رضاء الہی کی دلیل ہے یونہی غریبی رب کی ناراضی کی دلیل نہیں بلکہ غریبی میں راہ خدا سے ہٹ جانا غضب کی دلیل ہے اور اس کے دروازے پر آ جانا رحمت کی دلیل۔ اے کافرو! ذرا ٹھہر جاؤ اے مومنو ذرا صبر سے کام لو حتی کہ وہ منتقم حقیقی عملی فیصلہ تم دونوں میں صادر فرمائے اس طرح کہ کفار کو دنیا ہی میں عذاب دے اور مومنوں کو نجات دے اپنے انعام و اکرام سے نوازے وہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔

تو مشو مغرور بر حلم خدا دیر گیرد و سخت گیرد مر ترا

فائدے : اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: حضرات انبیاء کرام پر سب لوگ ایمان نہیں لائے کچھ لائے نہ لائے ہاں بعض نبی ایسے بھی ہیں جن پر کوئی ایمان نہیں لایا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ فائدہ طائفتہ منکم امنوا الخ سے حاصل ہوا لہذا کوئی عالم کوئی شیخ یہ تمنا نہ کرے کہ سب لوگ مجھے مانیں میری باتوں پر عمل کریں مخلوق کی زبان کسی کو نہیں چھوڑتی۔

ما نجی اللہ والرسول معا" من لسان الوری فکیف انا

قیل ان الالہ ذو ولد قیل ان الرسول قدکھن

دوسرا فائدہ: ایمان کا معیار نبی کی ذات ہے یعنی ایمان یہ ہے کہ انسان نبی کی تمام لائی ہوئی باتوں کو دل سے قبول کرے۔ اس میں توحید 'کتاب' حشر نشر' حساب کتاب وغیرہ سب ہی آجاتی ہیں۔ معیار ایمان نبی کی ذات ہے۔ یہ فائدہ بالذی ارسلت بہ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ: ایمان اجمالی بھی قبول ہے یعنی انسان یہ کہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے احکام و فرمان پر میرا ایمان ہے۔ یہ فائدہ بھی بالذی ارسلت بہ الخ سے حاصل ہوا۔ حجتہ الوداع میں جب حضرت علی یمن سے آئے تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تم نے کس چیز کا احرام باندھا۔ عرض کیا کہ میں نے رب سے کہا کہ جو تیرے محبوب کا احرام ہے وہ میرا احرام۔ یہ ہے میر الحلال احرام۔ چوتھا فائدہ: حضرات انبیاء کرام دنیا میں خالی نہیں آتے بلکہ رب کی طرف سے مخلوق کے لئے بہت کچھ لاتے ہیں اسی لئے انہیں رسول کہا جاتا ہے۔ یہ فائدہ بھی ارسلت بہ الخ سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ: دنیاوی مصیبتوں آفتوں میں گھبرانا نہیں چاہئے صبر سے کام لینا چاہئے کہ اس کا انجام اچھا ہے۔

مشیں ترش تو از گردش ایام کہ صبر گرچہ تلخ است و لیکن بر شیریں وارد

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ ظالم کی پکڑ مظلوم کی مدد ضرور فرماتا ہے مگر کبھی دیر سے اس تاخیر سے گھبرانا نہیں چاہئے انتظار کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ فاصبروا الخ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے دنیا میں بہت سے اور بہت قسم کے حکام مقرر فرمائے ہیں۔ یہ فائدہ الحاکمین کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا اسی طرح رب نے آخرت۔ کے حکام مقرر فرمائے۔ حضرات انبیائے کرام بعض اولیاء اللہ بعض علماء کرام حق تعالیٰ کی طرف سے مقرر کردہ حکام ہیں انہیں حاکم ماننا شرک نہیں لتحکم بین الناس۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم رب کی طرف سے مقرر کردہ حاکم مطلق ہیں۔ آپ کی حکومت تاقیامت جاری ہے۔ آٹھواں فائدہ: دنیاوی حکام کبھی غلطی بھی کر جاتے ہیں یا دانستہ طور پر غلطی کرتے ہیں مگر رب تعالیٰ کے فیصلے بالکل درست اور حق ہیں ہماری سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ یہ فائدہ خیر الحاکمین سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض : یہاں ارشاد ہوا وان کان۔ ان آتا ہے شک کے لئے حالانکہ بعض اہل مدین کا مومن ہونا' بعض کا کافر رہنا بالکل یقینی تھا پھر آپ نے یقینی چیز کو شک سے کیوں بیان فرمایا؟ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ ان شک کے لئے نہیں بلکہ کفار پر عتاب اور مومنوں پر کرم کے لئے ہے ان شک کے علاوہ اور معانی کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے جیسے ان کنت علی بینتہ من ربی یا جیسے ان کان للرحمن ولدان تمام مقامات میں ان شک کے لئے نہیں۔ دوسرا

اعتراض: امنوا کے بعد بالذی ارسلت بہ اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف امنوا فرمانا کافی تھا ایمان میں سب کچھ آجاتا ہے۔ **جواب:** کافر اپنے کفر کو مشرک اپنے شرک کو ایمان ہی کہتے ہیں۔ سب لوگ اپنے ایمان کی قسم کھاتے ہیں اس لئے امنوا کے بعد یہ ارشاد ہوا۔ ایمان و کفر میں فرق صرف نبی کی ذات سے ہوتا ہے جیسے فرعونی جادوگروں نے پہلے کہا امنا برب العالمین ہم جہانوں کے رب پر ایمان لائے فرعون کہہ سکتا تھا کہ رب العالمین تو میں ہوں اس لئے فوراً بولے رب موسیٰ و ہارون‘ رب العالمین وہ ہے جسے حضرت موسیٰ و ہارون اپنا رب کہتے ہیں۔ یونہی یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کہا نعبد الٰهک و الٰه اباءک ابراهیم و اسماعیل و اسحاق معلوم ہوا کہ سچے جھوٹے معبود میں بھی فرق نبی ہی سے ہوتا ہے۔ نیز ارسلت بہ بہت جامع کلمہ ہے۔ جس میں خدائی کتاب رسول کے سارے فرمان داخل ہیں بلکہ اسلامی سارے عقیدے و اعمال داخل ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں ان کان طائفۃ تو شرط ہے اور فاصبروا ہے اس کی جزاء‘ جزاء شرط پر موقوف ہوتی ہے یہاں یہ موقوفیت سمجھ میں نہیں آتی۔ **جواب:** توقف بالکل ظاہر ہے اگر سارے لوگ ایمان لے آتے تو مومنوں کو نہ تو کوئی ستانے والا ہوتا نہ انہیں صبر کی ضرورت پیش آتی فرمایا گیا کہ چونکہ سب لوگ مجھ پر ایمان نہ لائے۔ بعض مومن ہو گئے‘ بعض کافر رہے‘ کافروں نے مومنوں کو بہت ستایا‘ لہٰذا اے مومنو تم صبر کرو اللہ اچھا فیصلہ کردے گا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا خیر الحاکمین جس سے معلوم ہوا کہ حاکم بہت ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب سے اچھا حاکم ہے۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے۔ ان الحکم الا اللہ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حاکم صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** وہاں اس آیت میں حقیقی دائمی سچا حاکم مراد ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے یہاں ہر قسم کے حاکم مراد ہیں حقیقی ہوں یا عارضی‘ سچے ہوں یا جھوٹے وہ بہت ہیں۔ لہٰذا آیتوں میں تعارض نہیں۔ رب فرماتا ہے فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها۔

تفسیر صوفیانہ: ہمارا جسم گویا مدین شہر ہے ایسی بستی میں نفس اور نفسانیات قوم مدین کے کفار ہیں۔ قلب اور قلبی واردات گویا مدین کے مومنین ہیں روح انسانی گویا ان کے شعیب ہیں۔ ایک جسم میں کفار و مومنین دونوں کا اجتماع ہے شعیب روح ان دونوں سے خطاب کرتی ہے کہ اے قلب و نفس تم صبر کرو اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کا انتظار کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء کرام رب تعالیٰ کی طرف سے خبریں بھی لاتے ہیں اور وہاں سے فیوض و برکات بھی لے کر آتے ہیں۔ پہلی حیثیت سے انہیں نبی کہا جاتا ہے۔ دوسری شان سے رسول کہا جاتا ہے الذی ارسلت بہ میں انہیں فیوض و برکات کی طرف اشارہ ہے۔ یہ احسانات و انعامات ہی انسان کو اطاعت رسول کی طرف رغبت دیتے ہیں اس لئے ارشاد ہوا بالذی ارسلت بہ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں حاکم اور حکم بہت ہیں جن میں سے بعض نفسانی حاکم ہیں جن کے فیصلے غلط ہوتے ہیں‘ بعض روحانی حاکم جن کے فیصلے بالکل درست اور ناقابل تردید ہوتے ہیں۔ ان کے فیصلے در حقیقت رب تعالیٰ کے فیصلے ہوتے ہیں لب و زبان ان کی ہوتی ہے‘ کلام و فرمان رب تعالیٰ کا وھو خیر الحاکمین میں اسی طرف اشارہ ہے کہ جب رب خیر الحاکمین ہے تو اس کے نائب اس کی طرف سے فیصلے کرنے والے بھی خیر اور بہتر ہی ہیں۔

و صلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا

محمد و الہ و اصحابہ اجمعین۔ برحمتہ

وھو ارحم الراحمین

وھو خیر الحاکمین

الحمدللہ کہ تفسیر نعیمی پارہ **ولوانّنا** بتاریخ 25 جمادی الاول 1387ھ مطابق یکم ستمبر 1967ء کو شروع ہوا اور آج انیس (19) شعبان 1388ھ مطابق 11 نومبر 1968ء ایمان افروز طغیان سوز دوشنبہ مبارک ختم ہوا۔ رب تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ اسے صدقہ جاریہ اور میری سیہ کاریوں' بدکاریوں کا کفارہ بنائے آمین۔ آمین یا رب العالمین۔ **و صلی اللہ علی سیدنا محمد و الہ اصحابہ اجمعین۔**

احمد یار خان نعیمی اشرفی

مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات' پاکستان

19 شعبان 1388ھ دوشنبہ

www.alahazratnetwork.org

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ نہم (قال الملاء)

مضمون	صفحہ
قال الملاء الذین استکبروا من قومہ	11
نبی کے سامنے بڑائی کفر ہے	17
اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے	16
کسی جگہ نبی و مومنین کا آنا رحمت خدا کا باعث ہے	17
اور نکل جانا عذاب کا نبی اور امتوں کے ایمان میں فرق	20
وقال الملاء الذین کفروا من قومہ لئن اتبعتم شعیبا	22
شعیب علیہ السلام کی قوم پر عذاب و ہلاکت کا واقعہ	24
حرام روزی میں نفع اور حلال میں نقصان جاننا طریقہ کفار ہے	26
فتولی عنہم وقال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی	28
حضرت شعیب علیہ السلام کا مزار مکہ معظمہ میں سنگ اسود کے پاس ہے بعد موت روح کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے مردہ	28
اور چلنے والوں کے قدم کی آہٹ کو سنتا ہے	31
وما ارسلنا فی قریۃ من نبی	31
نبی کی بددعا اور انکو جھٹلانے کے بغیر عذاب الٰہی نہیں آتا	34
ولو ان اھل القری امنوا	36
برکات کے معنی اور اور تفصیل	37
انسان کے سنبھلنے اور بگڑنے سے ملک سنبھل اور بگڑ جاتے ہیں	38
افامن اھل القری ان یاتیھم باسنا بیاتا وھم نائمون	41
خوف خدا کی چند صورتیں	45
دنیا میں خدا کے خوف سے رونا آخرت کے آرام کا ذریعہ ہے	45
اولم یھد للذین یرثون الارض	46
جب دل پر بے دینی کی مہر لگ جائے تو کان حق بات نہیں سنتے	50
تلک القری نقص علیک من انبائھا	51
ہمارے حضور رب کی دلیل بن کر آئے	53
دل کی بیماریاں مختلف ہیں اور انکے علاج بھی جدا جدا	56
حضرت موسی علیہ السلام کی حکایت	57
ثم بعثنا من بعدھم موسی بایتنا	58
موسی علیہ السلام کے مختصر حالات اور لفظ موسی کے معنی	59
تمام انبیاء اپنی قوم کے نبی تھے اور ہمارے حضور تاقیامت سارے جہاں کے	62
قال ان کنت جئت بایۃ فات بھا	65
عصائے موسی کے سانپ بننے کا واقعہ اور ید بیضا	66
جادو اور معجزے میں فرق	68
قال الملاء من قوم فرعون	70
لفظ مدینہ کے معنی اور تحقیق	72
فرعونی جادوگر اور ان کا قصہ	73

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
وجاء السحرۃ فرعون	75
کبھی کافر کے پاس پہنچ کر ایمان مل جاتا ہے	78
یا محمد کہنا درست ہے مگر بہتر ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ کہے	80
واوحینا الی موسی ان الق عصاک	82
سجدوں کی اقسام اور فرعونی جادوگروں کا سجدہ	84
مقصد شاندار ہو تو چیز بھی شاندار ہوگی	85
قال فرعون امنتم بہ قبل ان اذن لکم	89
مجرم کے اعضا پاؤں وغیرہ کاٹنے کی سزا فرعون نے ایجاد کی	91
فرائض نماز حج وغیرہ کی ادائیگی کے لئے ماں باپ وغیرہ کی	92
اجازت کی ضرورت نہیں	
قالوا انا الی ربنا منقلبون	94
نبی کی ایک آن صحبت برسوں کی عبادت سے افضل ہے	99
وقال الملاء من قوم فرعون	101
فرعون پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سخت رعب تھا	103
قال موسی لقومہ استعینوا باللہ	106
صبر تین قسم کا ہے	108
نبی بندے اور رب کے درمیان وسیلہ ہیں	109
فرعون کے ہلاک ہونے کی پیشگی خبر موسیٰ علیہ السلام نے دی	111
نفس انسان فرعون ہے	113
ولقد اخذنا ال فرعون بالسنین	114
کسی قوم کو اتنی ڈھیل نہ دی گئی جتنی فرعون کو ملی	115
قوم فرعون سرکشی اور اللہ کا عذاب	117

مضمون	صفحہ
نبی کی خدامت کفار بلکہ جانوروں کو بھی فائدہ دیتی ہے	118
حضرت عمر ؓ کے واقعات	120
وقالوا مہما تاتنا بہ من ایۃ لتسحرنا بہا	121
طاعون اور چیچک پہلے فرعونیوں پر آئی	123
مینڈک کے عجائبات اور عذاب کی تفصیل	124
ٹڈیوں کا عذاب	125
خیرات سے عذاب ٹل جاتے ہیں	127
ولما وقع علیہم الرجز	128
حضور نے اپنی خاص دعا قیامت میں شفاعت کے لئے محفوظ رکھی	131
نبی کی پناہ بہت کام آتی ہے	132
نبیوں کے اوصاف کا وسیلہ بھی جائز ہے	133
نوح علیہ السلام نے کنعان کے لئے نجات کی دعا نہیں مانگی	135
فانتقمنا منہم فاغرقنہم فی الیم	137
مصر میں عذاب نہ آیا کیونکہ وہاں انبیاء کی قبریں تھیں	140
واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون	142
ارض سے کیا مراد ہے اور قبضہ کی تفصیل	143
جس زمین میں بزرگان دین رہتے ہوں وہ مبارک ہے	146
ملک شام میں قیامت قائم ہوگی	148
وجاوزنا ببنی اسرائیل البحر	149
یوم عاشورہ کا روزہ سنت ہے	150
بنی اسرائیل کا حال	151
مرشد کامل کی ضرورت ہے	154

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
قال اغیر اللّٰہ ابغیکم الٰھا"	155
رب کی گزشتہ نعمتوں اور انعامات کا شکریہ ادا کرو	158
نبی فرشتوں سے افضل ہیں	159
وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ"	160
رب سے کلام کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے 40 روزے رکھے	162
دن سے رات افضل ہے اور 40 کا عدد بہت محبوب ہے	164
نائب مقرر کرنا انبیاء کی سنت ہے	164
روزہ کی حالت میں مسواک جائز ہے	166
ولما جاء موسیٰ لمیقاتنا	167
طور پر کلام الٰہی کی کیفیت کیا تھی؟ دروازہ دیدار الٰہی	169
حضور انور کی آنکھوں پر کھلا۔ طور پہاڑ کے پھٹنے کی	170
کیفیت کیا تھی اور موسیٰ علیہ السلام کیسے بے ہوش ہوئے؟	172
موسیٰ علیہ السلام نے بارہ سو کلمات سنے	173
دیدار الٰہی	173
حضور علیہ السلام نے معراج میں جبریل کو نہیں خود خدا کو دیکھا	174
معجزات سے سنت یوسف کا واقعہ	176
حضرت عائشہ صدیقہ کا دیدار الٰہی سے انکار اور اسکی تحقیق	177
قال یموسیٰ انی اصطفیتک علی الناس	180
حضور علیہ السلام سب نبیوں سے افضل ہیں ان کے بعد	182
حضرت ابراہیم علیہ السلام کا درجہ ہے	183

مضمون	صفحہ
کلام الٰہی کے وقت موسیٰ علیہ السلام کا لباس و نور	184
موسیٰ علیہ السلام حضرت ہارون و خضر علیہ السلام سے افضل ہیں	186
وکتبنا لہ فی الالواح من کل شیء	187
توریت شریف کی تختیاں کس چیز کی تھیں اور کتنی تھیں	190
توریت میں امت رسول اکرم کا ذکر اور اس کی خصوصیات	191
توریت اور قرآن میں فرق	191
کتاب اللہ ایک ہے مگر اسکی عبارات ہدایات مختلف بندوں کے لحاظ سے مختلف ہیں	194
ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض	199
اللہ رسول کے مقابل تکبر کفر ہے کفار کے مقابل عبادت	200
رب کی شان سے کبھی دور والے حضور اور حضور والے دور ہوتے ہیں	201
واتخذ قوم موسیٰ من بعدہ من حلیھم عجلا	202
سامری کا نام موسیٰ تھا اور اسکی پرورش حضرت جبریل نے کی	203
جانوروں کے بچوں کے عربی میں نام اور ان کی آوازوں کے نام	203
بچھڑے کی اصل اور جان پڑنے کی صورت	206
قوال کے احکام	209
فرعونی سونے اور پاک خاک کی نسبت کا عجیب فرق	210
ولما رجع موسیٰ الی قومہ غضبان اسفا"	211
غضب اور اسف کا فرق	213
غصہ مٹانے کے لئے حضور ﷺ کا کلام اکسیر ہے	215
جوش اور بے خودی میں شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے	218

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ماں کی نافرمانی بڑا ظلم ہے	
حضرت زکریا و یحییٰ علیہ السلام نے تبلیغ کرتے ہوئے شہادت قبول کر لی۔	
ایک فاحشہ عورت کی حکایت	220
ان الذین اتخذوا العجل سینالھم غضب من ربھم	220
بدبخت وہ ہے جو دین میں برے عقیدے گھڑے	222
گناہ کرنے والا اس میں تعاون کرنے والا سب مجرم ہیں	223
توبہ کی اقسام اور ان کی شرائط	224
ولما سکت عن موسی الغضب	226
غصہ کے احکام و اقسام	230
نبی پاک ہر نیک مجلس میں موجود ہوتے ہیں	231
واختار موسی قومہ سبعین رجلاً لمیقاتنا	231
میقات کی تشریح	233
موسی علیہ السلام کے 70 ساتھیوں کی ہلاکت اور انکی برکت سے دوبارہ زندگی	235
نبی کی دعا سے تقدیر بدل جاتی ہے اور بروں کے ساتھ بے قصور بھی پس جاتے ہیں	237
اصحاب نبی پاک اور دوسرے نبیوں کے صحابہ میں فرق	239
واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ	240
کوئی مخلوق رب کی رحمت سے خارج نہیں	242
جامع دعا مانگنا بہتر ہے	244
عذاب بغیر عمل نہیں ہوتا مگر رحم عمل کے بغیر بھی ہوتا ہے	245

مضمون	صفحہ
الذین یتبعون الرسول النبی الامی	246
رسول و نبی میں فرق اور امی کی تشریح	248
تبلیغ دین کی اقسام اور حضور ﷺ کی صفات	248
خادم اور مخدوم کی مدد میں فرق	250
حضور ﷺ کے نام اور گزشتہ کتب میں آپکی بشارتیں	251
نبی پاک کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا گیا	252
سرور دو عالم حاجت روا ہیں آپکا ادب فرض ہے	255
قل یایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا	259
رسالت تمام صفات سے اعلیٰ صفت ہے	261
کلمات الٰہیہ کیا اور کون ہیں	262
جنت صرف انسانوں کے لئے اور جہنم صرف جنوں اور انسانوں کے لئے ہے	264
حضور کی سنتوں کی اتباع ذریعہ نجات ہے	266
ومن قوم موسی امۃ	267
چھوٹی جماعت بھی امت کہلا سکتی ہے	269
وقطعنھم اثنتی عشرۃ اسباطا امما	271
عصائے موسوی کی تاریخ اور اس کے معجزات اور قوم موسی	271
من و سلوی کیا تھا	273
بندوں کے توسل سے دینا رب قدیر کا قانون ہے	275
نبی کا قرب تکلیف کو راحت بنا دیتا ہے	276
واذ قیل لھم اسکنوا ھذہ القریۃ	278
میدان تیہ میں بنی اسرائیل کی قید کا زمانہ اور وجوہ	280

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
کفار کی متروکہ جائیداد کے مسلمان مالک ہیں	282
منقولہ دعاؤں اور وظیفوں کے الفاظ نہ بدلے جائیں	282
وسلهم عن القرية التي كانت حاضرة البحر	283
ہفتہ کے دن شکار یہود کے لئے ممنوع ہونے کا ذکر	286
جمعہ کے وقت کاروبار ممنوع ہے	287
واذ قالت امة منهم لم تعظون قوما	288
معذرت کے تین معنی ہیں	290
فلما نسوا ما ذكروا به	293
برائی کو دیکھ کر خاموش رہنے والوں کی نجات کی امید ہے	295
داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں بندر بنائے جانے کا واقعہ	295
مسخ شدہ لوگوں کے مسائل	296
صورت کے مسخ سے مسخ سیرت بدتر عذاب ہے	297
واذ تاذن ربك ليبعثن عليهم	299
یہود رسوا ہوئے اور تاقیامت رہیں گے	300
حکایت	301
وقطعنهم في الارض امما	304
سرکشی کی وجہ سے یہود کو پھیلا دیا گیا	305
رب تک پہنچنے کے بہت سے راستے	306
فخلف من بعدهم خلف	308
قوم بنی اسرائیل کے ناخلف جانشین	311
دم تعویذ فتوی اور قرآن چھاپ کر اجرت لینا جائز ہے	312
والذين يمسكون بالكتب واقاموا الصلوة	315
یہود و نصاریٰ سجدہ کرتے ہیں	318
کتاب اللہ کے دیکھنے پڑھنے چھونے اور مضبوط پکڑنے میں فرق	319
واذ اخذ ربك من بني ادم من ظهورهم	320
میثاق کے دن روحیں چیونٹیوں کی شکل میں ظاہر ہوئیں	322
امام قطب الدین شعرانی کی میثاق کے متعلق تحقیقات	324
انسان اشرف المخلوقات اور مرد عورت سے افضل ہے	325
او تقولوا انما اشرك اباؤنا من قبل	327
شرک، قتل، گانے بجانے، زنا وغیرہ کا موجد قابیل ہے	329
میثاق کا مقصد	330
واتل عليهم نبا الذي اتينه ايتنا	332
بلعم باعورا کا واقعہ	334
آیات سے نکل جانے کے معنی	337
ولو شئنا لرفعنه بها	338
بلندی رب کے فضل اور نبی کی محبت سے ملتی ہے	340
شیخ شہاب الدین سہروردی کا خط امام فخر الدین رازی کے نام	341
ساء مثلا القوم الذين كذبوا باياتنا	343
کفار کی کتوں اور ان کے بچوں کی برائی بیان کرنا سنت ہے	345
ولقد ذرانا لجهنم كثيرا من الجن والانس	346
جن اور انسان میں فرق اور ان کی وجہ تسمیہ	347
گمراہ انسان جانور سے بدتر ہے	348
ناری جن کو آگ سے ایسے ہی تکلیف ہوگی جیسے خاکی انسان کو ڈھیلے سے	351

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
384	انبیاء کرام کے تصرفات	353	**وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا**
385	شریک وحبیب میں فرق (عجیب نکات)	354	اللہ کے نام وہی ہیں جو منقول ہیں جیسی دعا ویسے ہی نام
	جو دو ستار کداے ، یہ تو کا حاضری مدینہ پاک میں سرکار کا کرم خاص)		سے پکارو
389	**ہوالذی خلقکم من نفس واحدۃ**	356	اللہ تعالیٰ کے نام
390	حضرت حوا کو آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے بنایا گیا	357	عمل اور اللہ کے ناموں کے احکام
391	حضرت حوا کو پانچ سو بار حمل ٹھہرا ہر بار میں دو بچے ہوئے	359	حکایت ایک مست کی
392	بیٹا نکلنا اور اس کی خواہش انبیاء کی سنت ہے لڑکی کی	360	**والذین کذبوا بایاتنا**
	بدقدری گناہ ہے	361	مستدرج کون ہے فاروق اعظم کی دعا
395	**ایشرکون مالا یخلق شیئا وہم یخلقون**	362	جنون، نیند، غشی وغیرہ میں فرق
397	پتھر کے بت کی عبادت اور پتھروں والے کعبہ کی تعظیم میں فرق	363	نبی بہرے گونگے، مراقی، مجنون نہیں ہوسکتے
398	بتوں کے معبود نہ بن سکنے کے دلائل	366	**اولم ینظروا فی ملکوت السموٰت والارض**
398	عبادت، اطاعت، تعظیم واستعانت میں فرق	367	بصارت وبصیرت اور فکر ونظر میں فرق
402	**ان الذین تدعون من دون اللہ**	368	سائنس اور علم ہیئت اعلیٰ علم ہیں اگر انہیں معرفت الٰہی
	بتوں کی کمزوریوں اور احتیاج کا ذکر اور مجبوری بندگی کی		کا ذریعہ بنایا جائے
	علامت ہے	371	**یسئلونک عن الساعۃ ایان مرسٰہا**
406	**ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب**	372	قیامت کے بہت سے نام ہیں
409	ایک پیارا عمل وو ظیفہ	373	قیامت کے وقت کا چھپانا ضروری ہے تاکہ خوف باقی رہے
411	متھرا شہر میں بی بی کی مسجد اور درویش کا واقعہ	375	حضور علیہ السلام کو قیامت کا علم دیا گیا
412	**خذ العفو وامر بالمعروف**	379	قیامت کی اقسام:- ساعتی روحانی صغریٰ وسطیٰ کبریٰ وغیرہ
414	ظالم سے نرمی کرنا اخلاق نہیں کمزوری ہے	379	**قل لا املک لنفسی نفعاً ولا ضراً**
415	فقط عابد سے عالم دین ومبلغ اسلام بہتر ہے	380	حضور نے سفر کے دوران رئیس منافق کی موت اور اپنی گمشدہ اونٹنی کی خبر دی
415	وظیفہ وعمل	383	سلطنت مصطفیٰ در مملکت الٰہیہ (آیات قرآنی)

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
ان الذین اتقوا اذا مسھم طٰئف من الشیطٰن	418
پرہیزگار اور بدکار کا فرق	419
اللہ والوں سے شیطان مایوس ہو چکا مگر بددی ان کے پیچھے ہیں	421
واذا لم تاتھم بایۃ قالوا	422
قرآن پاک سے دل میں روشنیاں پیدا ہوتی ہیں	423
واذا قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا	426
امام کے پیچھے مقتدی کو قراءت قرآن الحمد شریف یعنی قراءت خلف الامام منع ہے	429
عقلی دلائل و مسائل	430
نفس کے معانی اور دل میں ذکر اللہ کی صورتیں	
ذکر خدا پانچ صفات کے ساتھ	434
ذکر جلی اور ذکر خفی	436
ایک بزرگ کی حکایت	437
سورہ انفال	439
یسئلونک عن الانفال	441
اس کا شان نزول اور وجہ تسمیہ	442
مال غنیمت بہت پاک و طیب ہے	442
اطاعت رسول ایمان ہے	443
انما المؤمنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت	446
توکل کے اقسام اور ایمان کی صفتیں	447
قرآن پڑھنا بھی اور پڑھوا کر سننا بھی اچھا ہے	449

مضمون	صفحہ
عقل و عشق	450
کما اخرجک ربک من	452
حضور کے تمام کام رب کی طرف سے ہیں	456
مدینہ منورہ حضور کا گھر اور کعبۃ اللہ کا گھر ہے	456
حضور کا ہر فعل ہرا دا حق ہے	456
واذ یعدکم اللہ	458
حکایت	460
حضور کا وعدہ رب کا وعدہ ہے	461
اذ تستغیثون ربکم فاستجاب	463
بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کی ہمت افزائی کے لئے تھا	466
اذ یغشیکم النعاس امنۃ منہ	468
جلوہ تناظر اور آفات کے وقت اونگھ اللہ کی رحمت ہے	471
اذ یوحی ربک الی الملٰئکۃ انی معکم	472
ابولہب کی موت	475
غازیان بدر اللہ کے نہایت مقبول بندے ہیں	
یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم	478
روایت	481
دشمن کو دھوکا دینا جائز بلکہ ثواب ہے	482
فلم تقتلوھم ولٰکن اللہ	484
مومن اپنی کسی نیکی پر فخر نہ کرے	488
اللہ کے بندوں میں خدائی طاقت ہوتی ہے	488
ان تستفتحوا فقد جاءکم الفتح	
انسان کے نیک اعمال سے خود	

www.alahazratnetwork.org

مضمون	صفحہ
اس کا سبب ہے	491
ان تستفتحوا فقد جاءکم	495
ولی قطب غوث اللہ رسول کی اطاعت سب پر واجب ہے	497
یایھا الذین امنوا اطیعوا	500
اگر انسان اپنے حواس صحیح استعمال کرے تو فرشتوں سے بڑھ جائے	503
ان شر الدواب عند اللہ	505
مومن کسی حالت میں ہو حضور کے بلانے پر فوراً حاضر ہو	507
حدیث پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن پر	507
یایھا الذین امنوا استجیبوا اللہ	511
واتقوا فتنۃ لا تصیبن الذین	518
بڑے سے بڑے گناہ سے مسلمان کافر نہیں ہوتا	520
یایھا الذین امنوا لا تخونوا اللہ	523
اللہ مومن متقی کو دل کا نور عطا فرماتا ہے	524
حکایت	524
یایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ	528
لطیفہ	531
امانت دوست دشمن سب کی ادا کرنا واجب ہے	532
واذ یمکر بک الذین کفروا	533
واذا تتلی علیھم ایتنا قالوا	539
توبہ استغفار کی برکت سے عذاب نہیں آتے	543
مسلمانوں کو بلا عذر شرعی مسجد سے روکنا گناہ ہے	
وما کان صلاتھم عند البیت	546
لیمیز اللہ الخبیث	551
اسلام کی برکت سے زمانہ کفر کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں	551
وقاتلوھم حتی لا تکون	556
کفار عرب سے جزیہ وصول نہ ہوگا ان کے دو راستے ہیں قتل یا اسلام	559

www.alahazratnetwork.org

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ

کہا اس جماعت نے جنہوں نے غرور کیا ان کی قوم میں سے البتہ نکالیں گے ہم تم کو اے شعیب

اس کی قوم کے متکبر سردار بولے اے شعیب قسم ہے کہ ہم تمہیں اور تمہارے ساتھ والے مسلمانوں کو اپنی

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا قَالَ اَوَ

اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ تمہارے بستی سے اپنی یا لوٹ آؤ تم دین میں ہمارے فرمایا اور

بستی سے نکال دیں گے یا تم ہمارے دین میں آ جاؤ کہا گیا اگرچہ ہم بیزار ہوں

لَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿۸۸﴾ قَدِ افْتَرَيْنَا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ

کیا ہم رہیں ناپسند کرنے والے بیشک گمراہ کیا ہم نے اللہ پر جھوٹ کو اگر لوٹ آئیں ہم دین میں تمہارے

ضرور ہم اللہ پر جھوٹ باندھیں گے اگر تمہارے دین میں آ جائیں بعد اس کے کہ اللہ نے

بَعْدَ اِذْ نَجّٰىنَا اللّٰهُ مِنْهَا ۭ وَمَا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّعُوْدَ فِيْهَآ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ

بعد اس کے کہ نجات دی ہم کو اللہ نے اس سے اور نہیں ہوتا ہے واسطے ہمارے یہ کہ لوٹیں ہم اس پر مگر یہ کہ

ہم کو اس سے بچایا ہے اور ہم مسلمانوں میں کسی کا کام نہیں کہ تمہارے دین میں آئے مگر یہ کہ اللہ

اللّٰهُ رَبُّنَا ۭ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۭ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا

چاہے اللہ پالنے والا ہمارا گھیرے ہوئے ہے رب ہمارا ہر چیز کو علم سے اور اللہ پر بھروسہ کیا ہم نے

چاہے جو ہمارا رب ہے۔ ہمارے رب کا علم ہر چیز کو محیط ہے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا۔ اے رب ہمارے

وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ وَاَنْتَ خَيْرُ الْفٰتِحِيْنَ ﴿۸۹﴾

اے رب ہمارے فیصلہ کر دے ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان اور تو بہتر ہے فیصلہ کرنے والوں سے۔

ہم میں اور ہماری قوم میں حق فیصلہ کر اور تیرا فیصلہ سب سے بہتر ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی اعلیٰ تعلیم و ارشادات کا ذکر ہوا اب اس نالائق قوم کے الٹے جوابات کا ذکر ہے گویا موثر کلام کا ذکر فرمانے کے بعد اثر نہ لینے والی قوم کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے قوم کو صبر کا حکم دیا **فاصبروا حتی یحکم اللہ**۔ اب ارشاد ہے کہ اس قوم نے اس پر عمل نہ کیا۔ ان حضرات پر ظلم کرنے کی ٹھانی گویا تلقین صبر کا ذکر پہلے ہوا تھا اور ظالموں کے ظلم کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کافر قوم کو اللہ کی نعمتیں یاد کرنے کا حکم دیا۔ **واذکروا اذ کنتم قلیلا** اب اس نالائق قوم کے الٹا اثر لینے کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے نعمتیں یاد دلانے والے کو ہی ڈرانا دھمکانا شروع کر دیا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو گزشتہ ہلاک شدہ کفار کے واقعات یاد دلائے۔ اب ذکر ہے کہ انہوں نے بجائے عبرت پکڑنے کے خود اپنی ہلاکت کی طرف قدم بڑھایا کہ ان قوموں کی طرح اپنے نبی کی سرکشی کی۔

تفسیر: **قال الملا الذین استکبروا من قومہ**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں قوم شعیب کے سرداروں کا جواب نقل فرمایا گیا کہ انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی حکیمانہ تعلیم کے جواب میں ایسا بے ہودہ کلام کیا۔ **ملا** کہتے ہیں جماعت کو جس سے مجلس بھر جاوے۔ خصوصاً سرداروں کی جماعت جس کی ہیبت سے نگاہیں بھر جائیں۔ **ملا** کے لفظی معنی ہیں بھرنا۔ اس کا مقابل ہے خلا یعنی خالی۔ **الذین استکبروا**۔ **ملا** کا بیان ہے۔ **استکبروا** باب استفعال سے ہے۔ مبالغہ کے لئے ہے یا **تکلف** و بناوٹ کے لئے یعنی جنہوں نے اپنے کو بہت ہی بڑا سمجھا یا جو تھے تو چھوٹے مگر اپنے کو بڑا **سمجھتے تھے**۔ کفار کے مقابل اپنے کو بڑا سمجھنا عبادت ہے مسلمانوں کے مقابل اپنے کو بڑھانا حرام۔ نبی کے سامنے بڑائی کفر ہے۔ انہوں نے تیسرا تکبر کیا۔ **قومہ** یعنی قوم شعیب سے مراد ان کی نسبی قوم ہے اور وہ قوم مراد ہے جن کے آپ نبی تھے یعنی ایکہ والے۔ دینی قوم مراد نہیں۔ **قال** میں روئے سخن حضرت شعیب علیہ السلام سے ہے یعنی شعیب علیہ السلام کی کافر قوم کے شیخی خورے کافروں نے شعیب علیہ السلام سے کہا یہ شیخی خورے وہ تھے جو اللہ رسول پر ایمان لانے پر اپنی توہین **سمجھتے تھے** مگر پتھروں لکڑیوں کی پرستش پر فخر کرتے تھے۔ عقل کے اندھے تھے۔ **لنخرجنک یشعیب** اس کلام میں ان لوگوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی کئی طرح بے ادبی کی۔ (1) آپ کو صرف نام شریف سے پکارا بغیر کسی احترام کے بغیر تعظیم کے (2) ان سے کہا کہ ہم آپ کو اپنی بستی سے نکال دیں گے حالانکہ زمین اللہ رسول کی ہے (3) نکالنے کو آپ کی طرف نسبت کی کہ ہم اصل میں تو آپ کو نکالیں گے آپ کی وجہ سے دوسرے مسلمانوں کو۔ **والذین امنوا معک**۔ یہ عبارت معطوف ہے کاف ضمیر پر جو **لنخرجنک** میں مفعول تھی یعنی آپ کو بھی نکالیں گے اور جو لوگ آپ پر ایمان لائے انہیں بھی۔ خیال رہے کہ **معک** ظرف امنوا کا نہیں بلکہ نخرجن کا ظرف ہے کیونکہ مومن ایمان میں نبی کے ساتھ نہیں ہوتے بلکہ نبی کے بعد ہوتے ہیں۔ نبی مومن بالذات اور لوگ مومن بالغیر۔ نبی کا ایمان پہلے مومنین کا ایمان بعد میں (خازن۔ کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) لہذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں بالکل واضح ہے اور ہو سکتا ہے کہ ان کفار کا خیال یہ ہو کہ مومنین ایمان میں نبی کے ساتھ ہیں اگرچہ حقیقت میں نبی زمان ' مکان ' نوعیت ایمان میں پہلے ہوتے ہیں۔ نبی کا ایمان عرشی ہوتا ہے مومنین کا ایمان فرشی۔ نبی کا ایمان ان کی پیدائش سے پہلے کا عالم

www.alahazratnetwork.org

ارواح سے۔ ان کا ایمان ذاتی مومنوں کا ایمان عرضی یعنی نبی کے ذریعہ سے۔ **من قریتنا** اس کا تعلق بھی **نخرجن** سے ہے۔ قریہ ۔ معنی بستی ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں یہاں شہر مراد ہے یعنی ہم تم کو بھی نکالیں گے اور تمہارے ساتھ تمہارے مومنوں کو بھی تاکہ تم پر دوہری مصیبت پڑ جاوے۔ بے وطنی کی اور دوسروں کو سنبھالنے کی۔ خیال رہے کہ ان لوگوں نے آپ کو قتل کی دھمکی نہ دی کیونکہ دیس نکالے کی تکلیف قتل سے زیادہ ہے کہ قتل کی تکلیف آنی ہے مگر دیس نکالے کی تکلیف بلکہ تکالیف جاودانی خصوصاً" جب کہ ساتھ میں پوری جماعت ہو اسی لئے ہمارا اسلامی سن ہجرت سے شروع ہوتا ہے اکثر انبیاء کرام نے ہجرت کی **اولتعودن فی ملتنا**۔ اس عبارت میں **او** عاطفہ نہیں ہے بلکہ ۔ معنی **الاان** ہے یعنی مگر اس صورت میں نہ نکالیں گے کہ تم ہمارے دین میں آجاؤ۔ خیال رہے کہ **لتعودن** بنا ہے **عود** سے۔ جس کے معنی یا تو رجوع ہے یعنی لوٹ آنا یا ۔ معنی صیرورۃ ہے یعنی ہو جانا۔ پہلی صورت میں عام مومنین سے خطاب ہے حضرت شعیب علیہ السلام اس سے خارج ہیں کیونکہ آپ نے کبھی کفر نہ کیا تھا پھر کفر کی جانب لوٹ جانے کے کیا معنی اور دوسری صورت میں شعیب علیہ السلام بھی اس میں داخل ہیں یعنی اے مومنو تم ہمارے دین میں پھر لوٹ آؤ جیسے تم پہلے کافر تھے اب بھی بن جاؤ یا اے شعیب اور مومنین! تم کافر ہو جاؤ ہم جیسے بن جاؤ۔ **عود** ۔ معنی ہو جانا بھی آتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

فان تکن الایام احسن مرۃ الافقد عادت لھن ذنوب

یہاں عادت ۔ معنی صارت ہے (کبیر) **قال اولوکنا کرھین**: یہ حضرت شعیب علیہ السلام کا جواب ہے جو آپ نے اپنی قوم کو دیا۔ اس میں الف تو سوال انکاری کا ہے اس کے بعد **لعود الی نکفر** پوشیدہ ہے اور **و** یا تو حالیہ ہے نکفر پوشیدہ کے ضمیر سے حال یا وصلیہ ہے اور یہ عبارت نکفر کا ظرف ہے کیونکہ واؤ وصلیہ **ان** یا **لو** کو بجائے شرطیہ کے وصلیہ کر دیتا ہے **کرھین** بنا ہے **کراھتہ** سے ۔ معنی ناپسندیدگی۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا تھا **اولوجئتک بشئ** یعنی کیا ہم کفر کر سکتے ہیں یا تمہارے دین میں لوٹ سکتے ہیں حالانکہ ہم کو کفر سے دلی نفرت ہے یا جبکہ ہم اس سے متنفر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ نے پہلے تو اپنی قوم کی اس دعوت کفر دینے پر تعجب کیا کہ شیطان تو ہم گروہ انبیاء کو کفر کی دعوت نہیں دیتا وہ ہم سے مایوس ہے مگر تم ان کی دعوت کی جرات کرتے ہو پھر اسکی وجہ بیان فرمائی کہ رب کی طرف سے ہم کو فطرۃ" دو نعمتیں دی گئی ہیں ایک اچھائیوں سے الفت دوسرے برائیوں سے نفرت۔ یہ تو میرا حال ہے رہے میرے مومنین وہ میرے صحبت یافتہ ہیں انہیں الفت ایمان اور نفرت کفر نصیب ہو گئی لہذا ان کا کفر کرنا بھی مشکل ہے۔ خیال رہے کہ الفت کے لئے نفرت لازم ہے بلکہ اس کا ثمرہ ہے ہم کو جان سے الفت ہے تو سانپ سے نفرت۔ مال سے الفت ہے تو چور سے نفرت۔ یونہی اگر ایمان سے الفت ہے تو شیطان سے نفرت۔ اگر تقویٰ سے الفت ہے تو گناہوں سے نفرت۔ **کرھین** میں اسی جانب اشارہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ظرف ہے **اتخرجوننا** پوشیدہ کا یعنی کیا تم ہم کو اس بستی سے نکالو گے حالانکہ ہم نکلنے سے کراہت کرتے ہیں بعض نے فرمایا کہ **اولو** ۔ معنی **کیف** ہے یعنی ہم کو کفر میں کیسے واپس کر سکتے ہو ہم تو اس واپسی کو ناپسند کرتے ہیں مگر پہلی توجیہ قوی ہے (معانی) اور وہی آسان بھی ہے۔ **قد افترینا علی اللہ کذبا" ان عدنا فی ملتکم** اس عبارت میں پہلے مضمون کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے **افتری** بنا ہے فری سے۔ جھوٹ کو دیدہ و دانستہ کسی طرف

www.alahazratnetwork.org

نسبت کرو یعنی افتراء کہلاتا ہے۔ کذب میں تنوین بڑائی اور عظمت کی ہے جس کے معنی ہیں بڑا بھاری جھوٹ جس کی بڑائی کسی کی عقل میں نہ آسکے یعنی اگر ہم لوگ تمہارا دین شرک و کفر اختیار کرلیں تو ہم پر ڈبل گناہ ہوگا ایک تو شرک و کفر کا دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف بڑے جھوٹ کی نسبت کا ہم سے رب نے فرمایا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ دین اسلام برحق ہے اور پھر ہم کہیں کہ نعوذ باللہ رب دو ہیں' کفر و شرک اچھا دین ہے ہم سے رب تعالیٰ نے یہ ہی کہا ہے بولو یہ کتنا بڑا بہتان ہے اور وہ بھی کس پر خالق عالمین پر۔ معاذ اللہ۔ **بعد اذ نجنا اللہ منھا** یہ ظرف ہے **عدنا** فعل کا۔ **نجنا** بنا ہے نجات سے۔ معنی علیحدگی کو دوری اسی سے ہے مناجات وغیرہ۔ نجات کے دو معنی ہیں بچانا دور رکھنا اور پھنسے ہوئے کو نکالنا۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے **ونجینہ من الغم وکذلک ننجی المؤمنین** وہاں نجات دوسرے معنی میں ارشاد ہے یعنی غم اور مصیبت میں پھنسے ہوئے کو نکال لینا اور نوح علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہے **فانجینہ واھلہ الا امراتہ** وہاں نجات پہلے معنی میں ارشاد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام اس عذاب میں پھنسے ہی نہیں بلکہ محفوظ رہے اگر یہ کلام مومنین کے متعلق ہے تو نجات کے معنی ہیں نکال لینا کہ پہلے وہ حضرات کفر میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ اس سے نکلے اور مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ ایمان میرے ویدار اللہ کی اطاعت کا مزہ چکھ لیں۔ جسے یہ مزہ مل جائے وہ کفر کیسے کرے۔

تیرے قدموں میں جو ہیں غیر کا منہ کیا دیکھیں — کون نظروں میں جچے دیکھ کے تلوا تیرا

جس پر نبی کی نگاہ کرم ہو جاوے وہ انشاء اللہ پھسل نہیں سکتا اور اگر اس میں حضرت شعیب علیہ السلام مراد ہیں تو نجات پہلے معنی میں ہے کیونکہ وہ نبی ہیں اور نبی کبھی گناہ نہیں کرتے چہ جائیکہ کفر و شرک کریں یعنی ہم کو اللہ نے پہلے ہی سے کفر وغیرہ سے بچائے رکھا کہ نہ وہ گناہ تک جائیں نہ گناہ ان تک آئے۔ اگر ان کے پاس گناہ آیگا تو نیکی بن کر گانے بجانے کی مجلس میں جانا گناہ کے پاس جانا ہے۔ دور سے گانے کی آواز سے مزہ لینا گناہ کا اس کے پاس آنا مگر اس کی آواز سے نفرت کرنا نیکی ہے۔ یہ ہے گناہ کا نیکی بن جانا۔ خیال رہے کہ ایمان کے بعد کفر کرنا ارتداد ہے اور ارتداد اصلی کفر سے بدتر ہے اس لئے **افترینا** اور **عدنا** ارشاد ہوا **وما یکون لنا ان نعود فیھا** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے یعنی اختیار اور خوشی سے کفر کی طرف لوٹنے کی نفی۔ یہ فرمان **او لو کنا کرھین** کے مقابل ہے۔ یہاں بھی اگر مومنین کے متعلق یہ فرمان ہے تو یکون کے بعد لا نقا اور مناسبا" پوشیدہ ہے اور اگر حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے تو ممکن پوشیدہ ہے چونکہ **عود** میں دخول کے معنی کا لحاظ ہے اس لئے اس کے بعد **الی** نہ آیا بلکہ **فی** آیا یعنی ہم مومنین کے لئے کسی طرح کسی حال کسی وقت میں یہ مناسب و لائق نہیں کہ بعد اسلام کفر کی طرف لوٹ جائیں یا ہم گروہ انبیاء کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ ہم کافر ہو جاویں۔ ہمارے لئے ایمان ایسا لازم ہے جیسے سورج کے لئے روشنی یا آگ کے لئے گرمی چونکہ اس فرمان عالی میں اپنی معصومیت اپنے صحابہ کی محفوظیت کا ذکر ہوا۔ شاید کوئی خیال کرتا کہ آپ اپنی بڑائی بیان کر رہے ہیں لہذا فورا" فرمایا۔ **الا ان یشاء اللہ ربنا** اس فرمان کا مقصود ہے اپنے معاملہ کو رب تعالیٰ کے سپرد کر دینا اگر پہلے والا کلام مومنین کے متعلق تھا تب تو مطلب واضح ہے کہ ہم مومنین کسی طرح بھی ایمان سے نہ پھریں گے مگر اس صورت میں پھر سکتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا ہمارے متعلق ارادہ ہی یہ ہو کہ مومنین مرتد ہو جاویں تب تو مرتد ہو سکتے ہیں۔ تم کتنا ہی زور لگالو ہم مومنین انشاء اللہ مرتد نہ ہوں گے اور اگر اس کا تعلق حضرت شعیب علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام سے ہو تو مطلب یہ ہے کہ ہم گروہ انبیاء کا ارتداد تو ناممکن ہے مگر ہم یہ بات اپنے بھروسہ پر نہیں کہتے رب تعالیٰ کے بھروسہ پر کہتے ہیں کہ اگر وہ ہی ہم کو مرتد کرنا چاہے تو ہم مرتد ہو سکتے ہیں مگر وہ تو چاہے گا نہیں لہٰذا ہم مرتد بھی نہیں ہو سکتے یعنی اس میں ناممکن کو ناممکن پر معلق فرمایا ہے۔ جیسے **ان کان للرحمٰن ولد فانا اول العٰبدین**۔ یہ بات بہت خیال رہے کہ رب کو یہ پسند ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے رب کا ذکر کرتا رہے کوئی بات اپنے اعتماد پر نہ کرے اس فرمان عالی میں اسی کی تعلیم ہے۔ **وسع ربنا کل شیء علما** ان جیسی آیات کی نحوی ترکیب بارہا بیان ہو چکی ہے کہ اصل عبارت یوں تھی **وسع علم ربنا کل شیء** علم کو وسع کے فاعل کی تمیز بنا دیا گیا جیسے **واشتعل الراس شیبا**۔ معنی یہ ہیں کہ اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی چیز اس کے علم کے گھیرے سے باہر نہیں۔ یہاں شیء بمعنی معلوم ہے اس میں ممکنات واجبات اور ناممکنات سب ہی داخل ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جانتا ہے اور ہمیشہ سے جانتا ہے اور ہمیشہ تک جانے۔ اس کا علم اجمالی فعلی قدیم ہے۔ علم تفصیلی جسے علم ظہور کہتے ہیں وہ حادث یعنی جو اللہ کے علم میں کافر ہے وہ کافر ہو گا اگرچہ کچھ روز کے لئے مسلمان ہو جاوے اور جو اس کے علم میں مومن ہے وہ مومن مرے گا اگرچہ زندگی میں کچھ روز کے لئے کافر ہو جاوے (از خازن) **علی اللہ توکلنا** حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ فرمان قوم کی اس دھمکی کے جواب میں ہے کہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیں گے۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہاری دھمکیوں سے ڈرنے والے نہیں کیونکہ ہمارا بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہے **علی اللہ** کو مقدم فرمایا **توکلنا** پر جس سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی ہم نے اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ توکل کے معنی اس کے اقسام میں ہم بیان کر چکے ہیں۔ نبی کا توکل خاص الخاص ہوتا ہے۔ **ربنا افتح بیننا و بین قومنا بالحق** یہ دعا حضرت شعیب علیہ السلام نے بہت عرصہ کے بعد مانگی جبکہ آپ اپنی کافر قوم کے ایمان سے مایوس ہو گئے چونکہ دعا میں اللہ تعالیٰ کو پکارنا چاہئے اور اسے **ربنا** کے نام سے پکارنا چاہئے خصوصاً" دعا کے موقعہ پر اس لئے آپ نے بھی **ربنا** عرض کیا **افتح** بنا ہے **فتح** سے۔ معنی کھولنا۔ اصطلاح میں کھلے فیصلے کو فتح کہتے ہیں کہ اس سے حق و باطل الگ ہو کر کھل جاتے' واضح ہو جاتے ہیں۔ فیصلہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ قولی اور عملی۔ صرف زبان سے سچے کو سچا اور جھوٹے کو جھوٹا کہہ دینا قولی فیصلہ ہے مگر سچے کو انعام دے دینا۔ جھوٹے کو سزا دے دینا عملی فیصلہ ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے کیونکہ قولی فیصلہ تو بذریعہ شعیب علیہ السلام رب تعالیٰ پہلے ہی دے چکا تھا کہ اس نے فرما دیا تھا کہ مومن حق پر ہیں کافر باطل پر۔ آپ اپنی قوم مومنین کی نجات اور کفار کی ہلاکت کی دعا فرما رہے ہیں جس سے حق اور باطل آنکھوں سے دیکھ لیا جاوے۔ **بیننا** میں نا سے مراد آپ خود اور آپ کی قوم مومنین ہے اور **قومنا** میں قوم سے مراد ہے آپ کی کافر قوم۔ قوم کے معانی اور اس کی قسمیں نسبی قوم' دینی قوم' ملکی قوم' ہم پیشہ قوم' ہم خیال قوم سب کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے حق سے اللہ تعالیٰ کا عدل و انصاف مراد ہے۔ یعنی اے ہم کو پالنے والے اب تو میں ان سے تنگ آچکا ہوں تو ہمارے اور کفار کے درمیان عدل و انصاف والا فیصلہ ہی فرما دے کہ کفار کو ہلاک کر دے مومنوں کو نجات دے دے **و انت خیر الفٰتحین** دعا کے آداب سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد پر ختم کی جاوے اور حمد بھی ایسی ہو جو اپنے مدعا کے مطابق ہو۔ عمان والے حاکم و قاضی کو فاتح بھی کہتے ہیں' فتاح بھی' چونکہ قاضی مشکلات کا قفل گویا کھولتا ہے اس لئے اسے فاتح یا فتاح کہا جاتا ہے۔ یعنی دنیا میں تیرے کرم سے بہت سے قاضی ہیں اور فیصلہ کن ہیں مگر تیرا فیصلہ بہت ہی صحیح اور قوی ہے جس کی

www.alahazratnetwork.org

اپیل نہیں جس کے غلط ہونے کا احتمال نہیں اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور مخلوق کے فیصلوں میں اور بہت طرح فرق ہے۔ لہذا اسے خیر الفاتحین فرمانا بالکل درست ہے۔ رب کا فیصلہ اٹل ہے۔

خلاصہ تفسیر۔ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے مذکورہ بالا حکیمانہ کلام فرمایا تو ان کی قوم کے وہ سردار بولے جو اپنے کو بہت ہی بڑا سمجھتے تھے کہ شعیب! ہم تم کو اور تم پر ایمان لانے والوں کو اپنی بستی سے تمہارے ساتھ ہی نکال دیں گے اب تمہارے یہاں رہنے کی ایک ہی صورت ہے کہ تم ہمارے دین میں آجاؤ یا تمہارے مومن۔ لوگ ہمارے دین میں لوٹ آویں۔ تو آپ نے فرمایا کہ ہم تمہارے دین میں آسکتے ہیں حالانکہ ہمارے دل تم سے اور تمہارے دین سے دلی نفرت کرتے ہیں اگر ہم تمہارے دین میں آجاویں تو ہم اللہ پر بڑے جھوٹ باندھنے والے ہو جائیں گے جب اللہ نے ہم کو اس دین سے بچالیا پھر ہم اسی دین میں پھنس جاویں۔ اس میں رب تعالیٰ پر صریح بہتان باندھنا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا علم ہر ممکن واجب وغیرہ چیز کو گھیرے ہوئے ہے کوئی چیز اس کے علم سے خارج نہیں یعنی ہم نے صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے تمہارے ڈرانے دھمکانے سے مرعوب نہیں ہو سکتے۔ کوئی ہمارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا جب آپ اپنی کافر قوم کے ایمان سے مایوس ہوئے تو اس قوم کو سنا کر دعا کی کہ اے ہمارے رب اب یہ قوم ایمان لانے کی نہیں اب میں ان سے الگ ہوتا ہوں اب تو جان اور یہ جانیں اور ظاہر ہے کہ نبی کا وسیلہ درمیان سے ہٹ جانا رب تعالیٰ کے عذاب کا ذریعہ ہے اے مولیٰ اب تو ہی ہمارے اور ان کے درمیان عملی حق فیصلہ کر دے کہ کفار کو ہلاک کر دے اور مومنوں کو نجات دے۔ دنیا میں فیصلے کرنے والے بہت ہیں مگر تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے تیرا فیصلہ سچا ہے۔

فائدے۔ ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عموماً قوموں کے سردار قوموں کی ہلاکت کا سبب بنتے ہیں اگر یہ درست ہو جاویں تو قوم درست ہو جاوے۔ یہ فائدہ **الذین استکبروا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** غرور و تکبر بڑا برا عیب ہے اور جب کہ یہ نبی کے مقابلہ میں ہو تو بدترین کفر ہے بارگاہ نبی جھکنے کی جگہ ہے اکڑنے کی جگہ نہیں۔ یہ فائدہ بھی **الذین استکبروا** سے حاصل ہوا اس قسم کے تکبر اور غرور نے شیطان کو ہلاک کیا۔ **تیسرا فائدہ:** کسی جگہ مومنین اور نبی کا تشریف فرما ہونا اللہ کی رحمت کا باعث ہے ان کا وہاں سے نکل جانا اللہ کے عذاب آنے کا ذریعہ ہے جب انسان کے برے دن آتے ہیں تو وہ اللہ والوں سے دور ہونے لگتا ہے یا اس طرح کہ وہ ان کے پاس سے بھاگ جاتا ہے یا اس طرح کہ انہیں اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہے یہ فائدہ **لنخرجنک** سے حاصل ہوا وہ لوگ اپنی قبریں خود کھود رہے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا**۔ اگر مکہ معظمہ سے مسلمان نکل جاتے تو ہم کفار کو عذاب دے دیتے۔ **چوتھا فائدہ:** عام مومنوں کو نبی کے برابر ماننا ایمان میں ان کے ساتھ ماننا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ **الذین امنوا معک** سے حاصل ہوا کہ انہوں نے بک نہ کہا معک کہا۔ وہ کہتے کہ آپ پر ایمان لائے۔ خیال رہے کہ نبی کے ایمان اور مومنوں کے ایمان میں چند طرح فرق ہے۔ (۱) نبی دنیا میں ایمان عرفان نبوت کمالات لے کر آتے ہیں عام مومنین یہاں آکر ایمان وغیرہ لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن انہیں نبوت کتاب وغیرہ کی خبر دے دی تھی **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتاب و حکمۃ** اس لئے وہ گندے ماحول میں آتے ہیں مگر خود پاک و ستھرے ہوتے ہیں دیکھو حضرت

www.alahazratnetwork.org

ابراہیم موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے بچپن کے کلام و کام (2) نبی کا ایمان عرشی ہوتا ہے مومن کا فرشی۔ اسی لئے ہمارے ایمان کو ہزاروں خطرات ہیں نفس، شیطان وغیرہ سے ان کے ایمان کو کوئی خطرہ نہیں عرشی چیز فرشی آفات سے محفوظ ہوتی ہے فرشی چراغ کو ہزار آفات ہوا وغیرہ مگر سورج کے نور کو یہ کوئی آفت نہیں (3) نبی کا ایمان ذاتی مومنوں کا ایمان عرضی یعنی نبی سے ملا ہوا جیسے ہاتھ اور قلم کی حرکتیں یا انجن اور ریل کی رفتاریں۔ لہٰذا ان کا امنوا معک کہنا غلط ہے۔ **پانچواں فائدہ:** انسان اگر الٹا چلے تو ابلیس سے زیادہ گمراہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو شیطان حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء اللہ کو بہکانے سے مایوس ہے اس نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا **لاغوینہم اجمعین ○ الا عبادک منہم المخلصین** مگر کافر انسان ان مقدس ہستیوں کو تبلیغ کفر سے نہیں شرماتا۔ یہ فائدہ **لتعودن فی ملتنا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** تقیہ بڑا برا عیب ہے حضرات انبیاء، اولیاء، مومنین اس عیب سے دور ہیں۔ یہ فائدہ **او لو کنا کارہین** سے حاصل ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے صاف فرمادیا کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم دل سے تو کفر سے بیزار ہوں اور زبان سے اس کا اقرار کریں۔ ہمارے دل میں جو ہو گا وہی ہماری زبانوں پر ہو گا۔ **ساتواں فائدہ:** مرتد کا کفر اصلی کافر کے کفر سے بدتر ہے۔ یہ فائدہ **قد افترینا** سے ان **عدنا** تک کے فرمان سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کفر اور گناہ سے معصوم ہوئے ہیں وہ کبھی ان کے قریب بھی نہیں جاتے۔ یہ فائدہ **بعد اذ نجنا اللہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ نجات کے معنی ہیں بچالینا اور **نجی** ہے ماضی مطلق۔ پتہ لگا کہ انہیں اللہ نے اول سے ہی ان سب عیوب سے بچالیا ہے۔ **نواں فائدہ:** کافر کا کفر اور مشرک کا شرک بھی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے ہے یہ فائدہ **الا ان یشاء اللہ** سے حاصل ہوا۔ ارادہ، مشیت رضا اور امر ان میں فرق بار بار بیان ہو چکا ہے کافر کا کفر اللہ تعالیٰ کی رضا یا اس کے امر سے نہیں ہاں اس کے ارادہ اور مشیت سے ہے۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ پر توکل کرنا بندے کی بڑی خوبی ہے اس پر توکل کرنے والا ہر شر سے محفوظ رہتا ہے۔ بفضلہ تعالیٰ۔ یہ فائدہ **علی اللہ توکلنا** سے حاصل ہوا کہ علی اللہ کو مقدم فرمایا **توکلنا** پر۔ توکل کی بہت قسمیں ہیں جن کا ذکر بارہا ہو چکا ہے۔

پہلا اعتراض: قوم شعیب علیہ السلام نے آپ کو بستی سے نکال دینے کی دھمکی کیوں دی۔ انہیں نکالنے کا کیا حق تھا کیا وہ وہاں بادشاہ تھے۔ **جواب:** اس زمانہ میں طوائف الملوکی ہوتی تھی۔ بادشاہ کوئی نہیں قوم خود مختار کارپرداز ہوتی تھی اس لئے قوم جسے چاہتی تھی دیس نکالا دے دیتی تھی اب بھی بعض گاؤں کے چودھری نمبردار جس شخص سے ناراض ہو جائیں اسے گاؤں میں رہنا مشکل بلکہ ناممکن ہو جاتا ہے اسے وہاں سے نکلنا پڑتا ہے۔ یہ دھمکی اسی بنا پر تھی۔ **دوسرا اعتراض:** ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضرت شعیب علیہ السلام اور آپ کے مومنین نے کفار کی بات بالکل نہ مانی تو کیا انہوں نے ان حضرات کو نکال دیا۔ **جواب:** نہیں وہ محض دھمکی دے کر رہ گئے وہ ایسے خائف ہوئے کہ اس حرکت کی ہمت نہ کرسکے جیسے فرعون موسیٰ علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دیتا تھا **ذرونی اقتل موسیٰ و لیدع ربہ** مگر اس کی جرات نہ کرتا تھا یہ حضرات اللہ تعالیٰ کی امن و حفاظت میں ہوتے ہیں۔ **لا تخف انک من الامنین** ہاں جب اس قوم کی ہلاکت کا وقت آیا تو آپ خود مع مومنین کے وہاں سے چلے گئے بعد ہلاکت ان کی لاشوں پر گزرے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب وہ کفار حضرت شعیب علیہ السلام کو دیس نکالا دینے پر قادر نہ ہوئے تو کفار مکہ حضور انور کو ہجرت کرانے پر قادر کیوں ہو گئے رب فرماتا ہے **اذ اخرجہ الذین**

www.alahazratnetwork.org

کفروا ثانی اثنین۔ جواب: کفار مکہ نے حضور انور کو مکہ معظمہ سے نکالنے کی نہ دھمکی دی تھی نہ وہ یہ چاہتے تھے وہ تو قتل کرنا چاہتے تھے۔ جس میں وہ ناکام رہے۔ اللہ نے اپنے حبیب کو محفوظ رکھا۔ آیۃ کریمہ **اخرجہ** میں اخراج کے معنی ہیں نکلنے کے اسباب جمع کئے کہ حضور کو تنگ کیا جس کی وجہ سے آپ نے ہجرت کی۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین ایمان میں نبی کے ساتھ ہوتے ہیں حالانکہ وہ نبی سے زمانہ ایمان اور درجہ ایمان میں بہت پیچھے ہوتے ہیں۔ نبی کا ایمان مومنین کے ایمان پر زمانہ اور ذات دونوں لحاظ سے مقدم ہوتا ہے پھر امنوا معک کیونکر درست ہوا۔ جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ معک کا تعلق امنوا سے نہیں بلکہ **لنخرجنک** سے ہے۔ وہ یہ کہتے تھے کہ ہم اپنی بستی سے آپ کو بھی نکال دیں گے اور آپ کے ساتھ مومنین کو بھی نکال دیں گے مگر چونکہ مومنین کا نکلنا حضرت شعیب علیہ السلام کی وجہ سے تھا اس لئے معک کہتے تھے یا وہ اپنے کفر کی وجہ سے اس میں فرق نہ کر سکے وہ سمجھے کہ نبی اور مومنین سب یکساں ہیں وہ تو اپنے کو بھی نبی کے برابر سمجھتے تھے۔ **پانچواں اعتراض**: حضرت شعیب علیہ السلام نے کبھی کفر نہ کیا تھا پھر کفار نے آپ کو کفر کی طرف لوٹ جانے کی دعوت کیوں دی کہ کہا **او لتعودن فی ملتنا**۔ **عود** کہتے ہیں پہلی حالت کی طرف لوٹنے کو نیز شعیب علیہ السلام نے اسے عود کیوں فرمایا کہ کہا **ان عدنا فی ملتکم**۔ جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ابھی تفسیر میں دیئے گئے کہ اگر حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ فرمان اپنے مومنین کی جماعت کی طرف سے فرمایا ہے تب **تعود** کے معنی لوٹنا ہیں کیونکہ وہ لوگ پہلے کافر تھے بعد میں مومن بنے تھے اب ان کا کفر کرنا کفر کی طرف لوٹنا ہوتا اور اگر اپنی طرف سے یہ جواب دیا ہے تو **عود** کے معنی لوٹنا نہیں بلکہ ہو جانا ہیں۔ **عاد بمعنی صار** بھی آتا ہے جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں شعراء عرب کے حوالے سے ثابت کر چکے ہیں ان کفار کا کہنا کہ ہمارے دین میں لوٹ آؤ اس کا مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ سمجھے ہوئے تھے کہ ہمارا کفر انسانی اصل دین ہے۔ جس پر انسان پیدا ہوتا ہے جو مومن ہو گیا وہ اصلی دین سے پھر گیا اب جب وہ کفر کرے گا تو وہ اپنے اسی اصلی پیدائشی دین یعنی کفر کی طرف لوٹے گا نعوذ باللہ۔ اس لئے وہ اسے عود یعنی لوٹنا کہتے تھے۔ **لتعودن فی ملتنا** **چھٹا اعتراض**: حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے متعلق فرمایا **بعد اذ نجنا اللہ** اللہ تعالیٰ نے ہم کو کفر سے نجات دی اور نجات کہتے ہیں کسی پھنسے ہوئے کو نکالنا جیسے حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں وہاں کی وحشت وغیرہ میں مبتلا تھے رب نے آپ کو نکالا تو فرمایا **و نجینہ من الغم** حالانکہ شعیب علیہ السلام نے کبھی کفر کیا ہی نہ تھا تو نجات کے معنی آپ کے لئے کیونکر درست ہوئے۔ جواب: اس اعتراض کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ عربی میں نجات کے دو معنی ہیں آفت سے نکالنا اور آفت سے بچانا محفوظ رکھنا تمہاری پیش کردہ آیت میں نجات پہلے معنی میں ہے اور نوح علیہ السلام کے متعلق **فانجینہ و اھلہ** یہ نجات دوسرے معنی میں ہے یہاں اگر آپ کا یہ فرمان مومن قوم کی طرف سے ہے تو نجات پہلے معنی میں ہے یعنی پھنسے ہوئے کو نکالنا کیونکہ وہ لوگ پہلے کفر میں گرفتار تھے۔ اللہ نے انہیں حضرت شعیب علیہ السلام کے ذریعہ نکالا اور اگر یہ فرمان آپ کے اپنی طرف سے ہے تو نجات دوسرے معنی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کرام کو اول ہی سے کفر و گناہ سے محفوظ رکھتا ہے، بچاتا ہے۔ لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام بھی کفر و ارتداد کے خطرہ میں ہیں اگر رب چاہے تو وہ بھی کفر کریں فرمایا گیا **الا ان یشاء اللہ** حالانکہ تم انہیں کفر

www.alahazratnetwork.org

گناہ سے معصوم مانتے ہو کہ وہ حضرات یہ کر سکتے ہی نہیں۔ تمہارا یہ عقیدہ اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب بھی ابھی تفسیر میں گزر چکا ہے اگر یہ کلام مومنین کے متعلق ہے تب تو بالکل ظاہر ہے کوئی اعتراض نہیں اور اگر حضرت شعیب علیہ السلام کے متعلق ہے تو اس کا مقصود ہے اپنا معاملہ رب کے سپرد کر دینا یعنی ہم خود بخود معصوم نہیں بلکہ محض فضل ربانی سے معصوم ہیں اور اس میں ایک ناممکن کو دوسرے ناممکن پر معلق کیا گیا ہے نہ تو یہ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ نبی کا کفر چاہے اور نہ یہ ممکن ہے کہ نبی کفر اختیار فرمادیں۔ **آٹھواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ کا توکل بھروسہ صرف اللہ تعالیٰ پر ہی چاہئے کہ ارشاد ہوا **علی اللہ توکلنا** یہ فرمان حصر کے لئے ہے تو پھر تم نبیوں ولیوں سے فریادیں کیوں کرتے ہو تمہارے یہ کلام توکل علی اللہ کے خلاف ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم لوگ بھی آفات و بلیات میں حاکموں، حکیموں، وکیلوں بلکہ چندہ لینے کے لئے امیروں سے فریاد کرتے ہو یہ بھی اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ جواب تحقیقی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ ہو یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ اللہ کے بندوں کے آستانوں پر حاضری رب پر توکل کے خلاف نہیں۔ وہ حضرات اس رب کریم کی صفات بلکہ ذات کے مظہر ہیں۔ رب تعالیٰ ان کے ذریعہ ہم کو سب کچھ دیتا ہے عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا **من انصاری الی اللہ** حضرت ذوالقرنین نے فرمایا تھا۔ **اعینونی بقوۃ** رب نے ہم کو حکم دیا **تعاونوا علی البر والتقوی** اور فرمایا **ان تنصروا اللہ ینصرکم** وغیرہ۔ خلاصہ یہ کہ جیسے ہم کو مادی اسباب اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ایسے ہی روحانی اسباب اختیار کرنا بھی توکل کے خلاف نہیں بلکہ بعض اوقات بندہ مادی اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے مگر روحانی اسباب سے کبھی بے نیاز نہیں ہوتا۔ بچہ ماں کے پیٹ میں شہداء اولیاء قبروں میں زندہ ہیں مگر کھانا پانی ہوا سے بے نیاز ہیں مگر کسی حال میں حضور انور کی نبوت سے بے نیاز نہیں۔ اللہ کی ربوبیت حضور کی نبوت کی سب کو ہر جگہ ضرورت ہے بلکہ حضور کی نبوت اللہ کی ربوبیت کا مظہر ہے کہ اللہ کی قدرت اگر نبی کے ذریعہ ہم تک پہنچے تو رحمت ہے اس واسطہ کے بغیر عذاب۔ بجلی کا پاور ربڑ کے غلاف کے ذریعہ رحمت ہے بغیر غلاف جان لیوا۔ یہاں تو یہ بتایا گیا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے کفار سے قطعاً خوف نہیں کیا ان کے کہنے سے اللہ کے دین کی خدمت میں کوئی کمی نہیں کی۔ رب پر بھروسہ کیا۔ **نواں اعتراض:** تم نے تفسیر میں کہا کہ مومنوں کو نبی کے ساتھ ایمان میں ماننا غلط ہے طریقہ کفار ہے مگر قرآن مجید نے بہت جگہ مومنوں کو نبی کے ساتھ کہا ہے۔ فرماتا ہے **والذین معہ اشداء علی الکفار** اور فرماتا ہے **وامنوا معہ وعزروہ** پھر تمہارا قول کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** مومنوں کی نبی کے ساتھ ہمراہی ایسی ہے جیسے سلطان کی کوٹھی میں اس کے خدام کا ساتھ رہنا خدمت کے لئے یا جیسے ریل کے ڈبوں کا انجن کے ساتھ رہنا فیض لینے کے لئے۔ برابری والی ہمراہی ناممکن ہے یا جیسے جانوروں کا اپنے رکھوالے کے ساتھ رہنا محفوظیت کے لئے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو ۔۔۔ کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانے والے

تفسیر صوفیانہ۔ جس پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے وہ اپنی پناہ کی طرف دوڑتا ہے اور امن و امان پاتا ہے مگر جس پر رب کا قہر ہوتا ہے وہ پناہ سے بھاگ کر یا پناہ کو مٹا کر بلیات و آفات کا شکار ہو جاتا ہے بکری کا اپنے مالک اور اس کے بتائے ہوئے پناہ گاہ سے بھاگنا اس کی علامت ہے کہ وہ بھیڑیئے یا شیر کا شکار ہونے والی ہے۔ حضرات انبیاء کرام عالم کے لئے پناہ ہیں۔ ان کا دین ان کی شریعت

www.alahazratnetwork.org

دنیا کے لئے محفوظ قلعہ و پناہ گاہ ہے۔ قوم شعیب کا ان سے کہنا کہ ہم تم کو اپنی بستی سے نکال دیں گے اپنے کو تباہی کی طرف دھکیلنا ہے۔ کبھی کفار کے منہ کی نکلی ہوئی بات برعکس ہو کر درست ہو جاتی ہے انہوں نے شعیب علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم آپ کو بستی سے نکال دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ بات ان کے متعلق درست کر دی کہ انہیں اپنی زمین سے نکال دیا انہیں تباہ و برباد کر دیا۔ فرعونی جادوگروں نے کہا تھا کہ اگر ہم غالب آ گئے تو کیا کچھ ہم کو اجر ملے گا۔ فرعون نے کہا تھا کہ ہاں اور تم مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔ رب نے اسے اس طرح ظاہر کیا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہار پائی وہی ہار ان کی جیت کا ذریعہ بنی اور انہیں رب نے اجر بھی دیا اور وہ مقربین میں سے ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اپنی ہر چیز کو رب کے حوالہ کر دینا اپنے پر نہیں بلکہ اپنے رب پر بھروسہ کرنا سنت انبیاء ہے۔ **الا ان یشاء ربنا** میں اسی کا سبق دیا گیا ہے۔ یعنی ہم کو جو رب تعالیٰ نے ایسی استقامت بخشی۔ یہ اسی کا فضل و کرم ہے۔ ہم اس کو اپنی بہادری تصور نہیں کرتے۔ کفار نے اپنے زور پر بھروسہ کیا وہ مارے گئے۔ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنے رب کے کرم و مہربانی پر بھروسہ کیا کامیاب ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مادیات میں معدہ کی خرابی تمام بیماریوں کی جڑ ہے۔ یوں ہی روحانیت میں دل کا غرور ساری نفسانی بیماریوں کا باعث ہے دیکھو آگ میں تکبر ہے خاک میں عجز تو باغ، کھیت، اب، مدینہ، سب چیزیں خاک میں ہیں آگ میں نہیں اسی لئے یہاں **استکبروا** ارشاد ہوا۔ سرداری مال، عہدہ وغیرہ سے حاصل ہوتی ہے مگر فانی۔ اچانک فنا ہونے والی۔ دین کی سرداری جو لبد الاباد تک باقی ہے نبی کی غلامی سے ملتی ہے۔ حضور عزت کے مرکز ہیں جو ان کے قدم سے لگا وہی عزیز ہوا۔

وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَىٕنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَیْبًا اِنَّكُمْ اِذًا

اور کہا اس جماعت نے جنہوں نے کفر کیا ان کی قوم میں سے البتہ اگر تم نے اتباع کی شعیب کی بیشک تم

اور اس کی قوم کے کافر سردار بولے کہ اگر تم شعیب کے تابع ہوئے تو ضرور تم نقصان

لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۹۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۱﴾

تب تو البتہ ٹوٹے والے ہو۔ پس پکڑ لیا ان کو زلزلے نے پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں اوندھے

میں رہو گے۔ تو انہیں زلزلے نے آ لیا تو صبح اپنے گھروں میں اوندھے پڑے

الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا ۚۛ اَلَّذِیْنَ كَذَّبُوْا شُعَیْبًا

وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو گویا نہ بسے تھے وہ ان میں وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا

رہ گئے شعیب کو جھٹلانے والے گویا ان گھروں میں کبھی رہے ہی نہ تھے شعیب کو

كَانُوْا هُمُ الْخٰسِرِیْنَ ﴿۹۲﴾

شعیب کو ہوئے وہ ہی ٹوٹے والے۔

جھٹلانے والے ہی تباہی میں پڑے۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں سرداران کفر کی وہ گفتگو بیان ہوئی جو انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے کی تھی اب انہیں سرداروں کی وہ گفتگو نقل فرمائی جارہی ہے جو انہوں نے اپنے ماتحت کافروں سے کی جن کے متعلق ایمان لانے کا انہیں اندیشہ تھا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب کی گمراہی کا ذکر ہوا اب ان کے گمراہ گر ہونے کا تذکرہ ہے کہ وہ صرف خود ہی گمراہ نہ تھے بلکہ وہ دوسروں کو گمراہ کرتے بھی تھے ایسے گمراہ گروں کے ایمان کی کیا امید ہو سکتی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب علیہ السلام کے جرموں' بدکاریوں کا ذکر تھا اب ان جرموں کی سزا کا ذکر ہے۔ **فاخذتھم الرجفتہ** یعنی چونکہ وہ لوگ گمراہ بھی تھے اور گمراہ گر بھی۔ ان کے ایمان کا امکان ہی ختم ہو چکا تھا لہٰذا ہلاک کر دیئے گئے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے تنگ آکر رب تعالیٰ کا عملی فیصلہ مانگا کہ عرض کیا **ربنا افتح بیننا** اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ بدنصیب ایسے ڈھیٹ تھے کہ نبی کی بددعا سن کر بھی ان کے دل نہیں کانپے وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہے آخر ان پر عذاب آگیا گویا پہلے پیغمبر کی بددعا کا ذکر تھا اب اس کی قبولیت اور فیصلے کے ظہور کا ذکر ہے۔

تفسیر: **وقال الملا الذین کفروا من قومہ** ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی **ملا** سے مراد وہی سرداران کفر ہیں۔ جن کا ذکر پہلے ہو چکا جنہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام سے وہ گفتگو کی تھی جو ابھی ذکر ہوئی۔ چونکہ ان کا سرداران کفر ہونا ان کا بدترین عیب تھا اس لئے اس برائی کے اظہار کے لئے یہاں ضمیر ارشاد نہیں ہوئی بلکہ دوبارہ نام ہی لیا جیسا کہ علم بلاغت جاننے والوں پر مخفی نہیں کہ اظہار عظمت یا اظہار غضب یا اظہار کرم یا اظہار محبت کے لئے بار بار نام لیا جاتا ہے ضمیر نہیں لائی جاتی اور ہو سکتا ہے یہاں ملا سے مراد ان کے عام کفار ہوں جن میں سردار بھی داخل ہوں۔ یا نہ ہوں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے احتمال پر ہے ہمارا ترجمہ دوسرے احتمال پر۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہ کلام انہوں نے کس سے کیا یا تو کفار سے ہی کیا تاکہ وہ ایمان قبول نہ کر لیں یا مومنین سے کیا تاکہ وہ ایمان چھوڑ دیں **لئن اتبعتم شعیبا** "اگر ان کا یہ کلام کفار سے تھا تو معنی یہ ہوں گے کہ اگر تم نے ایمان قبول کر لیا اور حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کر لی۔ اور اگر مومنوں سے تھا تو معنی یہ ہیں کہ اگر تم مومن اور حضرت شعیب کے تبع رہے' ہمارے دین میں واپس نہ آئے۔ اتباع اور اطاعت و عبادت کا فرق بارہا عرض کیا گیا۔ **انکم اذا لخسرون** اس کلام میں خسارہ سے مراد یا تو اخروی نقصان و خسارہ ہے یا دنیاوی نقصان یا دونوں معنی اگر تم نے حضرت شعیب کی پیروی کی تو آخرت میں عذاب پاؤ گے کہ تم نے اپنے باپ دادوں کا دین چھوڑ کر نیا دین قبول کر لیا اور دنیا میں بھی کہ تم کم تولنے کم ناپنے سے جو نفع کماتے تھے اس سے محروم ہو جاؤ گے کیونکہ وہ ان کاموں سے منع کرتے تھے تم لوگ تاجر دوکاندار ہو۔ ڈنڈی مارنا تمہارا آبائی پیشہ ہے جس سے ساری قوم بہت مالدار ہو گئی ہے ایسے نفع بخش کاروبار سے باز آجانا کھلا ہوا خسارہ ہے **فاخذتھم الرجفتہ** یہ ان کی سزا کا بیان ہے یہاں ف یا تو صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے اس کے معنی فوراً نہیں کیونکہ ان لوگوں پر عذاب بہت عرصے کے بعد آیا یا ان کے یہ جرم مسلسل جاری رہے حتیٰ کہ ان پر عذاب آیا چونکہ یہ عذاب ان کے جرموں سے متصل تھا لہٰذا ف۔ معنی فوراً" ارشاد ہوئی۔ چونکہ زلزلہ ان پر اچانک آیا تھا یا عظیم الشان تھا اس لئے اخذت ارشاد ہوا **رجفتہ** سخت زلزلہ سخت حرکت کو کہا جاتا ہے زلزلہ مطلق" جنبش زمین کو کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں اور سورہ

www.alahazratnetwork.org

عنکبوت میں تو ہے کہ وہ لوگ زلزلہ سے ہلاک ہو گئے مگر سورہ **ھود** میں ہے **واخذت الذین ظلموا الصیحتہ** کہ ان ظالموں کو حضرت جبریل کی چیخ نے پکڑا۔ اس کی مطابقت کئی طرح ہو سکتی ہے۔ (1) اول ان پر چیخ آئی پھر اس چیخ سے زمین میں زلزلہ آیا۔ وہ ہلاک ہوئے۔ اب بھی دھماکے اور زوردار آواز سے زمین ہل جاتی ہے۔ (2) ان کے عاقل و بالغ سرکش لوگ تو چیخ سے ہلاک ہوئے۔ عورتیں بچے وغیرہ زلزلہ سے۔ اسی لئے وہاں **اخذت الذین ظلموا** ارشاد ہوا۔ (3) حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ قوم مدین "ایکہ" وغیرہ میں آباد تھی۔ مدین والے چیخ سے "ایکہ" والے زلزلہ سے۔ اور باقی جگہ کے لوگ ظلہ یعنی بادل کے سایہ سے ہلاک ہوئے انہیں کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فاخذھم عذاب یوم الظلتہ**۔ (4) اولا" ان کو سخت گرمی نے پکڑا پھر ایک بادل نمودار ہوا جس میں ٹھنڈی ہوا تھی یہ سب لوگ اس کے سایہ میں چلے گئے وہاں پہلے ان پر چیخ آئی پھر زلزلہ۔ حضرت عبداللہ ابن عباس کا یہ ہی قول ہے (روح البیان۔ معانی۔ خازن وغیرہ) **اصبحوا فی دارھم جثمین** یہ ان کے عذاب کے انجام کا بیان ہے **اصبحوا**۔ بمعنی **صاروا** ہے یعنی وہ لوگ ہو گئے دار سے مراد ان کے سارے مکانات ہیں یا بمعنی بستی ہے یا۔ بمعنی قریب دار ہے۔ **جثمین** بنا ہے **جثوم** سے۔ بمعنی زمین پر لیٹ جانا۔ اس پر اوندھے پڑ جانا۔ اس طرح کہ پیٹ لگے ہوں رانیں سے ران پنڈلی سے اور پنڈلی زمین سے یعنی وہ لوگ اپنے گھروں میں یا اپنے شہر میں یا گھروں سے قریب میں زلزلہ کی وجہ سے زمین پر پڑ گئے اور اسی طرح ہلاک ہو گئے۔ ایک بھی باقی نہ بچا **الذین کذبوا شعیبا**" یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کفار کے گزشتہ بکواس کی نحوست کا ذکر ہے۔ الذین سے مراد وہی کفار ہیں ان کے بچے ان کے تابع ہیں۔ **کذبوا** کے معنی ہیں جھوٹا کہایا جھوٹا جانایا جھوٹا ثابت کرنے کی کوشش کی یا ایک بار نہیں بار بار مرتے دم تک۔ **کذبوا شعیبا**" فرما کر یہ بتایا کہ قوم پر عذاب آنے کی وجہ حضرت شعیب علیہ السلام کا انکار انہیں جھٹلانا ہے۔ صرف رب تعالیٰ کے انکار بلکہ ساری ایمانیات کے انکار سے عذاب نہیں آتا۔ نبی کے انکار سے عذاب آتا ہے۔ **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**" **کان لم یغنوا فیھا** اس سے پہلے ایک چھوٹی سے عبارت پوشیدہ ہے **استاصلوا یا صاروا**۔ **لم یغنوا** بنا ہے غنیا سے۔ بمعنی رہنا۔ عیش کرنا **غنی یا غناء** سے مشتق نہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

غنیا زمانا" بالتصورک والغنی — فکلا سقاناہ بکاس الدھر
فمازادنا بغیا علی ذی قرابتہ — غنا ناولا ازری باحسابنا الغفر

ان شعروں میں غنا۔ بمعنی رہنا ہے۔ دوسرا شاعر کہتا ہے۔

ولقد غنوا فیھا مابغم عیشتہ۔ — فی ظل ملک ثابت الاوتاد

یہاں بھی غنوا۔ بمعنی رہنا ہے یعنی جن کفار نے حضرت شعیب کو جھوٹا جانایا جھوٹا کہا وہ ایسے تباہ و برباد ہوئے گویا وہ لوگ کبھی یہاں رہے ہی نہ تھے۔ وہ بھی برباد ہوئے ان کے گھربار بھی ختم ہوئے **الذین کذبوا شعیبا**" **کانوا ھم الخسرین** یہ بھی نیا جملہ ہے اس میں اس کافر قوم کے دوسری خرابی کا ذکر ہے۔ اس سزا کا ذکر ہے جو انہیں اس قول کی ملی جو وہ کہتے تھے کہ اے لوگو اگر تم حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کرو گے تو تم نقصان میں رہو گے۔ یعنی حضرت شعیب کی جنہوں نے اتباع کی تھی وہ تو نجات پا گئے اور جن لوگوں نے انہیں جھوٹا کہا تھا وہی ہر طرح سے نقصان میں رہے۔ جو انہوں نے دوسروں کے لئے کہا وہ خود ان

www.alahazratnetwork.org

پڑ ‌لہ خسارہ کے معنی ہم بارہا عرض کر چکے ہیں کہ خسارہ وہ نقصان ہے جس میں اپنی اصلی پونجی بھی جائے۔ چونکہ کافر اپنی زندگی ہی برباد کرتا ہے اس لئے وہ خسارہ میں ہے گنہگار مومن اگرچہ نقصان میں مگر بفضلہ تعالیٰ خسارہ میں نہیں۔

خلاصہ تفسیر: حضرت شعیب علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے فیصلہ آسمانی مانگا مگر ان کفار کی سرکشی کا یہ حال تھا کہ وہ اس کے باوجود اپنے ماتحت عام کفار سے یہ کہتے تھے۔ یا مومنین کو اس طرح ورغلاتے تھے کہ خیال رکھنا اگر تم نے شعیب علیہ السلام کا دین قبول کر لیا یا اگر تم ان کے دین میں رہے تو اخروی اور دنیاوی ہر طرح کے پورے نقصان و خسارہ میں رہو گے تم سے تمہارے باپ دادے ناراض ہو جائیں گے کہ تم نے ان کا موروثی دین چھوڑ کر ایک شخص کے کہنے سے نیا دین اختیار کر لیا اور آج تک تم تجارت میں کم تول کر کم ناپ کر خریداروں کو دھوکا دے کر جو دگنا چوگنا نفع کماتے ہو ان سے یک دم محروم ہو جاؤ گے۔ وہ اس حرکت پر قائم رہے تو انجام یہ ہوا کہ ان کو سخت زلزلے نے پکڑ لیا وہ اپنے بچاؤ کے لئے زمین پر اکڑوں ہو کر اوندھے پڑ گئے گویا زمین پکڑ گئے اور اسی طرح ہلاک ہو گئے۔ ان جھٹلانے والوں کو اس طرح تباہ کیا گیا کہ گویا وہ کبھی ان بستیوں میں رہے ہی نہ تھے۔ وہ تو مومنین کو خائب و خاسر کہتے تھے مگر پورے خسارہ میں وہ جھٹلانے والے خود ہی پڑ گئے۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے ان پر دوزخ کا دروازہ کھول دیا اور کفار گرمی سے تڑپ گئے تہ خانوں میں ٹھنڈک لینے گھسے تو وہاں اور بھی زیادہ گرمی تھی۔ درختوں کے سائے پانی سے نہانا کچھ کام نہ آیا پانی بھی کھولا ہوا پاتے تھے۔ بھاگے بھاگے پھرتے تھے۔ شہر سے باہر بادل کے ٹکڑے کا سایہ نظر پڑا جہاں ٹھنڈی ہوا تھی اس کے نیچے پناہ لینے کو جمع ہو گئے۔ عورتیں، مرد، بچے بوڑھے، جوان سب ہی وہاں پہنچ گئے کہ ان پر اولا "چیخ آئی پھر زلزلہ پھر وہ جگہ آگ سے بھڑک اٹھی وہ سب وہاں ہی ڈھیر ہو کر رہ گئے۔ زلزلہ سے عمارات بھی تباہ ہو گئیں (روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ) وہ لوگ اس گرمی میں ایسے بھن گئے جیسے آگ میں ٹڈی بھن جاتی ہے ابو عبد بجلی کہتے ہیں کہ علاقہ مدین میں بہت سے بادشاہ یکے بعد دیگرے ہوئے۔ ابو جاد۔ ھوز۔ حطی۔ کلمن۔ سعفص۔ قرشت۔ جب قوم پر عذاب آیا تو اس وقت وہاں کلمن بادشاہ تھا وہ بھی ہلاک ہو گیا اس کی بیٹی جو مومنہ تھی اور عذاب سے محفوظ رہی تھی اس نے اپنے باپ کی ہلاکت اس طرح بیان کی۔

کلمن تدھد رکنی ھلکہ وسط المحلہ
سید القوم اتاہ الحتو نار نخنطلہ
جعلت نار علیھم دارھم کالمضمحلہ

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قوم شعیب پر یہ عذاب اس طرح آیا کہ صرف کفار ہلاک ہوئے۔ بعض مومنین جو وہاں ہی تھے نہ انہیں زلزلہ کا اثر ہوا نہ گرمی نے پکڑا۔ یہ فائدہ **فاخذتھم الرجفتہ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہاں **ھم** کی ضمیر کفار کی طرف ہے جیسے مصر میں فرعونیوں پر خون، جوں وغیرہ کے عذاب آئے وہاں ہی بنی اسرائیل بھی تھے وہ ان سب سے محفوظ رہے (از تفسیر کبیر)۔ **دوسرا فائدہ:** جب کسی قوم پر عذاب آنے والا ہوتا ہے تو اس کے دلوں سے نبی کا خوف "ان کی ہیبت" [illegible] جاتی ہے یہ بے خوفی بڑی کڑی مار کھانے کی علامت ہے۔ دیکھو حضرت شعیب علیہ السلام کی بد دعا قوم کفار نے سنی مگر ان کی سختی دل اور زیادہ ہو گئی کہ وہ کہنے لگے **لئن اتبعتم شعیبا**"۔ **تیسرا فائدہ:** حرام آمدنی کو نفع

www.alahazratnetwork.org

سمجھنا اور حلال روزی بلکہ صدقہ خیرات میں نقصان جاننا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ **انکم اذا" لخسرون** سے حاصل ہوا۔ خیال رکھو کہ سود لینے میں نقصان ہے زکوۃ دینے میں نفع ہی نفع ہے۔ اگرچہ بظاہر اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ **چوتھا فائدہ** جو اپنے محسن و خیر خواہ کی بات نہیں مانتا تو پھر اسے زمانہ کی گردش منواتی ہے مگر وہ ماننا کام نہیں آتا۔ یہ فائدہ بھی **فاخذتهم** سے حاصل ہوا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

ہر آں طفل کو جور آموزگار نہ بیند جفا بیند از روزگار

قوم شعیب نے اپنے پیغمبر کی نہ مانی تو انہیں عذاب الٰہی نے ہر بات منوالی۔ اللہ تعالیٰ اطاعت نبی کی توفیق دے۔ **پانچواں فائدہ:** جب فسق و فجور حد سے بڑھ جاتا ہے تو عذاب عام آتا ہے۔ جو فاسقوں کافروں کے بچوں، جانوروں کو بھی ہلاک کر ڈالتا ہے۔ ان کی عمارتوں کو بھی تباہ کر دیتا ہے یہ فائدہ **کان لم یغنوا فیھا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **واتقوا فتنته لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصته۔ چھٹا فائدہ** بدنصیب آدمی ہلاک ہونے تک تو بدکاریاں کئے جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی کسی تنبیہ سے گناہ نہیں چھوڑتا۔ رب کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے حتیٰ کہ ہلاک ہو جاتا ہے یہ فائدہ **فاخذتهم** کی ف سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ **ساتواں فائدہ:** جن بستیوں پر عذاب آیا وہ ہمیشہ کے لئے ویران کر دی گئیں پھر کبھی آباد نہیں ہوئیں۔ یہ فائدہ **کان لم یغنوا فیھا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ دیکھ لو قوم عاد، ثمود اور قوم لوط، قوم شعیب کی عذاب والی بستیاں آج تک اجڑی پڑی ہیں مگر فرعون پر عذاب مصر میں نہیں آیا۔ وہاں سے باہر نکال کر بحر قلزم میں ہلاک کیا گیا لہذا مصر اب تک آباد ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے بدلے میں کفار کے بولے ہوئے الفاظ ان پر ارشاد فرماتا ہے دیکھو کفار نے دوسروں سے کہا تھا کہ اگر تم نے حضرت شعیب کی اتباع کی تو **انکم اذا لخسرون** رب تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا **الذین کذبوا شعیبا" کانوا ھم الخاسرون** دیکھو ابولہب نے حضور اقدس کی شان میں کہا تھا۔ **تبت یداک** آپ کا ہاتھ ٹوٹ جاوے تو رب نے جواب دیا **تبت یدا ابی لھب** "یعنی ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں۔ یہ ہی حال اس کے عکس کا ہے۔ حضور انور کی تعریفیں کئے جاؤ۔ مخلوق بلکہ خالق تمہاری تعریف فرماتا رہے گا بلکہ اپنی زندگی کے مختصر عرصہ میں حضور کے گیت گاؤ۔ مخلوق قیامت تک تمہارے گیت گائے گی دیکھ لو اولیاء اللہ کے آستانوں کی رونقیں۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: ابھی کچھ پہلے فرمایا گیا تھا کہ **قال الملا الذین استکبروا**۔ یعنی وہاں اس قوم کے تکبر کا ذکر ہوا یہاں ان کے کفر کا۔ اس فرق بیانی کی کیا وجہ ہے۔ **جواب:** اگر یہاں کہنے والوں سے دوسرے کفار مراد ہیں پہلوں کے علاوہ تب تو وجہ فرق ظاہر ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام سے وہ گستاخانہ گفتگو سرداران کفر نے کی تھی اور عام لوگوں سے یہ گفتگو عام کافروں نے کی۔ اور اگر یہاں وہی پہلے والے کفار مراد ہوں تو یہ بتانا مقصود ہے کہ ان لوگوں میں دو عیب جمع تھے۔ تکبر و غرور اور کفر بلکہ ان کا کفر تکبر والا تھا۔ کفر کی بہت نوعیتیں ہوتی ہیں جن میں سے بدترین کفر وہ ہے جو نبی کے مقابل تکبر کی وجہ سے ہو۔ یہ کفر ابلیس والا ہے کہ اس نے اپنے کو حضرت آدم علیہ السلام سے بڑا جانا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا ہے کہ قوم شعیب علیہ السلام زلزلہ سے ہلاک کی گئی مگر سورہ **ھود** میں فرمایا گیا کہ وہ قوم چیخ سے ہلاک کی گئی ان دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے کہ یا تو بعض کفار زلزلہ سے ہلاک ہوئے اور بعض چیخ سے یا اولا" چیخ

آئی۔ اس چیخ سے زمین میں زلزلہ آیا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ سبب قریب کا ذکر یہاں ہے سبب بعید کا ذکر وہاں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فاصبحوا فی دارھم جثمین۔** مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ وہ شہر سے باہر میدان میں ایک بادل کے سایہ میں ہلاک ہوئے۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** یا تو **دار** سے مراد گھر نہیں بلکہ بستی مراد ہے اسی لئے وار واحد ارشاد ہوا **دیارھم** نہ فرمایا گیا یا بعض لوگ باہر نکل کر ہلاک ہوئے بعض اپنے گھروں میں اور **دار** اسم جنس ہے تھوڑے اور زیادہ سب پر بولا جاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **کان لم یغنوا فیھا** کیوں ارشاد ہوا۔ **اھلکوا** فرما دینا کافی تھا اتنی دراز عبارت میں کیا راز ہے۔ **جواب:** یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اس عذاب سے وہ صرف ہلاک نہ ہو گئے بلکہ ان کے گھر، محلے بازار وغیرہ تمام چیزیں برباد کر دی گئیں غرضیکہ ان کی بستی کی ویرانی بتانے کے لئے یہ ارشاد ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہے **کانوا ھم الخاسرین۔ ھم** نے حصر کا فائدہ دیا جس سے معلوم ہوا کہ خسارہ والے لوگ صرف جھٹلانے والے ہی تھے حالانکہ ان کے بچے جانور وغیرہ بھی ہلاک کئے گئے تھے۔ **جواب:** واقعی ہلاک تو یہ سب ہی ہوئے مگر پورا نقصان صرف جھٹلانے والوں کا ہوا کہ انہیں دنیا میں ہلاکت ملی۔ آخرت میں عذاب بھی ہو گا ان کے بچے وغیرہ اگرچہ دنیا میں ہلاک ہو گئے مگر ان پر آخرت میں عذاب نہیں ہو گا کہ آخرت کا عذاب صرف جھٹلانے والوں کے لئے ہے لہٰذا خسارہ یعنی پورا نقصان دنیا و آخرت کی تباہی صرف ان کفار کو ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: جس کے ظاہری حواس بگڑ جاویں تو وہ اچھی کو بری اور بری کو اچھی محسوس کرنے لگتا ہے کڑوی کو میٹھی اور میٹھی کو کڑوی کہتا ہے یوں ہی جس کے اندرونی حواس خراب ہو جاویں تو وہ روحانیت سے نفرت کرنے لگتا ہے۔ شیطانیت سے محبت۔ روحانیت کو نقصان دہ جانتا ہے۔ شیطانیت کو فائدہ مند۔ یہ بیماری اکثر اللہ والوں کی عداوت سے پیدا ہوتی ہے۔ ظاہری بیماریوں کی انتہا موت ہے مگر ان باطنی بیماریوں کا نتیجہ دنیا و آخرت کی تباہی۔ قوم شعیب علیہ السلام اسی بیماری میں مبتلا تھی تو انہوں نے حضرت شعیب علیہ السلام کی اتباع کو نقصان جانا ان کی مخالفت کو مفید۔ اس بیماری کا انجام ان کی ہلاکت ہوا پھر جیسے ظاہری بیماری والوں کی صحبت مضر ہوتی ہے ایسے ہی باطنی بیماری والوں کی ہمراہی بھی برباد کر دیتی ہے ان کفار کے ساتھ بسنے والے جانور تک ہلاک کر دیئے گئے جب چکی چلتی ہے تو وہ گندم کے ساتھ گھن وغیرہ کو بھی پیس کر رکھ دیتی ہے۔ اسی قسم کی آیات ہم لوگوں کی آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مدین شہر میں کفار پر زلزلہ، چیخ، گرمی، سبھی عذاب آئے مگر اسی مدین میں مومنوں کو ان سب سے محفوظ رکھا گیا جگہ ایک تھی مگر احوال مختلف جیسے ایک پاور ہیٹر میں گرم اور فرج میں ٹھنڈا ہوتا ہے۔ ایک قبر میں اگر مومن و کافر دونوں دفن ہو جاویں تو وہی قبر مومن کے لئے باغ ہے اور کافر کے لئے دوزخ کی بھٹی۔ معراج کی رات حضرت ام ہانی کے لئے ایک ساعت گزری۔ حضور لاکھوں سال کا سفر کر آئے۔ ایک بستر پر دو آدمی سو رہے ہیں ایک اچھی خواب دیکھ رہا ہے مزے لے رہا ہے دوسرا بری خواب دیکھ رہا ہے تکلیف میں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَ قَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ

پس منہ پھیرا آپ نے ان سے اور فرمایا اے میری قوم البتہ تحقیق پہنچائے میں نے تم کو پیغامات رب اپنے کے اور

تو شعیب نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم میں تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچا چکا اور تمہارے

فَكَيْفَ اٰسٰى عَلٰى قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

خیر خواہی کی میں نے تمہاری پس کیسے رنج کروں میں اوپر قوم کافروں کے ؕ

بھلے کو نصیحت کی تو کیونکر غم کروں کافروں کا ؕ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قوم شعیب کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب ہلاکت کے بعد کے کچھ حالات کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ قوم شعیب علیہ السلام اس طرح ہلاک ہوئی کہ اسے گورو کفن دینے والا بھی کوئی نہیں تھا مردار جانوروں کی طرح ان کی لاشیں پڑی رہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے ہلاک ہونے کے بعد ان پر چار آنسو بہانے والا ان پر غم کھانے والا بھی کوئی نہ تھا۔ گویا موت کے وقت کی بے کسی کے بعد مرنے کے بعد کی بے کسی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ قوم شعیب کے کفار ہی خسارہ اور پورے نقصان میں رہے اب اس خسارہ کی کچھ تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ مرنے کے بعد بھی نبی کی دعاؤں سے محروم رہے۔ خوش نصیب ہے وہ جو نبی کی دعائیں زندگی میں اور مرنے کے بعد لے لے۔ بد نصیب ہے وہ جو اللہ کی اس نعمت سے محروم ہے۔

تفسیر: فتولی عنھم اس جملہ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کفار پر عذاب آنے سے پہلے اپنی مومن جماعت کو لے کر ان بستیوں سے باہر چلے گئے تھے یہاں اس جانے کا ذکر ہے اور یہ فرمان عالی آپ نے اسی وقت فرمایا تھا۔ دوسرے یہ کہ عذاب آچکنے قوم کی ہلاکت کے بعد آپ اپنے محفوظ مقام سے یہاں آئے ان کی لاشوں پر کھڑے ہوئے ان کے حالات پر غور فرمایا پھر وہاں سے منہ پھیر کر چلے کیونکہ اب آپ کو اور مومنین کو وہاں رہنا جائز نہ تھا چلتے وقت کا یہ واقعہ یہاں مذکور ہے اور آپ نے ان کی لاشوں سے خطاب فرماتے ہوئے وہ کہا جو آگے مذکور ہے۔ یہ دوسری تفسیر نہایت قوی ہے کیونکہ **فتولی** کی ف معقب کے لئے ہے اور یہ واقعہ ان کی ہلاکت کے بعد بیان ہو رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ فرمان ان کی ہلاکت کے بعد کا ہے۔ **تولی** بنا ہے **ولی** سے نہ کہ ولایت سے۔ اس کا مصدر تولی لام کے کسرے سے ہے۔ تولی کے لغوی معنی ہیں دور ہونا۔ استعمال میں معنی منہ پھیرنا آتا ہے۔ اس کا فاعل شعیب علیہ السلام ہیں۔ غالباً آپ نے مع تمام مومنین کے ان کفار کی لاشوں پر کچھ دیر کھڑے ہو کر منہ پھیرا تھا چونکہ آپ اصل ہیں تمام مومن آپ کے تابع اس لئے **تولی** واحد ارشاد ہوا۔ اور ہو سکتا ہے کہ صرف آپ ہی اکیلے ان کی لاشوں پر گئے ہوں پھر واپس ہوئے ہوں۔ **وقال یقوم لقد ابلغتکم رسلت ربی۔** ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ خطاب ان ہلاک شدہ کفار کی لاشوں سے کیا جیسے ہمارے حضور ﷺ غزوہ بدر کے بعد ابوجہل وغیرہ کی لاشوں پر گزرے اور فرمایا اے ابوجہل وغیرہ بولو! جو کچھ میں نے کہا تھا وہ حق ہے یا نہیں۔ حضرت عمر نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ کیا آپ بے جان مردوں سے کلام فرماتے ہیں۔ فرمایا تم ان سے زیادہ نہیں سنتے یعنی وہ تم

www.alahazratnetwork.org

سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس فرمان شعیب علیہ السلام کا منشاء یہ ہے کہ میں نے تمہارے متعلق کوئی کوتاہی نہیں کی۔ تمہیں بہت سمجھایا بجھایا۔ رسالات جمع ہے رسالہ کی ' بمعنی پیغام چونکہ نبی اپنی قوم کو بہت قسم کے پیغام پہنچاتے ہیں۔ عقائد کے اعمال کے ' اصلاح نفس کے ' نافرمانی پر عذاب آنے کے فرمانبرداری پر ثواب ملنے کے اس وجہ سے رسالات جمع ارشاد ہوا۔ یہاں ابلغت مبالغہ کے لئے ہے یعنی اے میری سرکش قوم میں نے تجھے اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات بہت اچھی طرح پہنچادیئے کہ ظہور نبوت سے پہلے اپنے عمل سے۔ ظہور نبوت کے بعد اپنے عمل اور قول دونوں سے تم کو تبلیغ کرتا رہا نیز خلوت و جلوت میں تمہیں بلاکر تمہارے گھروں دکانوں میلوں میں جاکر تبلیغ کرتا رہا۔ یہ ہے اچھی طرح پہنچانا۔ آج جو دن تم نے دیکھ لیا اس کی خبر میں نے تم کو پہلے دے دی تھی مگر تم نے میری ایک بات نہ مانی **ونصحت لکم** یہ فرمان معطوف ہے **ابلغتکم** پر۔ پہلے آپ کی زبانی تبلیغ کا ذکر ہے۔ اب آپ کی دلی خیر خواہی کا ذکر ہے نصحت بنا ہے نصح سے۔ بمعنی خالص بغیر ملاوٹ والی۔ اب محاورہ میں خالص خیر خواہی کو نصیحت کہتے ہیں۔ جس میں اپنی غرض شامل نہ ہو یعنی اے میری قوم میں نے فقط زبانی تبلیغ کر کے اپنا فرض ہی ادا نہیں کیا بلکہ دل سے چاہا کہ تم اللہ کے عذاب سے بچ جاؤ۔ تمہاری حالت پر میرا دل روتا تھا۔ میرے دل میں تمہارا بہت ہی درد تھا۔ **لکم** میں لام صلہ کا ہے یا نفع کا یعنی میری یہ خیر خواہی خالص تمہارے نفع کے لئے تھی۔ میری اپنی کوئی غرض اس میں شامل نہ تھی مگر تم نے میری قدر نہ جانی۔ جب زندگی بھر تمہارا میرا یہ حال رہا تو **فکیف اسی علی قوم کفرین** اس جملہ کی دو تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ یہ فرمان غم نہ کرنے کے لئے ہے اور **کیف** میں استفہام انکار کے لئے یعنی اب میں تم پر غم کیوں کروں۔ تم جیسے اسی سزا کے لائق تھے بلکہ مجھے تمہاری ہلاکت پر خوشی ہے کہ تمہارے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین پاک ہوئی۔ ہمارے حضور نے ابو جہل کے قتل کی خبر سن کر سجدہ شکر ادا کیا۔ دوسری یہ کہ یہ فرمان اظہار غم کے لئے ہے یعنی اب میں کن الفاظ میں کس طرح تم پر غم کروں میرے پاس اس غم کے اظہار کے لئے الفاظ نہیں۔ تم لوگ تعداد میں بہت ہو اگر ایمان قبول کر لیتے تو دنیا کو کتنا فائدہ پہنچتا مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ کفار کی ہلاکت پر غم کرنا نبی کی شان سے بعید ہے۔ **اسی** بنا ہے **اسی** سے ' بمعنی سخت غم۔ سمع ' سنع سے ہے۔ **یاسی** علیکم نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی تاکہ غم نہ کرنے کی وجہ بھی معلوم ہو جائے کہ تم کافر مرے۔ کافر کی ہلاکت پر غم کیسا۔

خلاصہ تفسیر: بھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں۔ ہم ان میں سے ایک تفسیر جو قوی بھی ہے اور آسان بھی ' وہ عرض کرتے ہیں۔ حضرت شعیب علیہ السلام اس بستی پر عذاب آنے سے پہلے وہاں سے مع تمام مومنین کے محفوظ جگہ چلے گئے تھے جب عذاب آچکا۔ کفار ہلاک ہو چکے تو آپ وہاں سے مسلمانوں کو لے کر مکہ معظمہ چلے۔ راستہ میں ان کی لاشیں بکھری ہوئی دیکھیں ان پر کھڑے ہوئے ان کی حالت زار میں غور کیا پھر یہ کہتے ہوئے وہاں سے چل دیئے کہ اے میری نافرمان قوم! میں نے تجھ تک اپنے رب کے سارے پیغامات پہنچا دیئے۔ یہ واقعات جو آج پیش آئے تم کو بتا دیئے تھے اور صرف زبانی بتانے پر کفایت نہیں کی بلکہ ہمیشہ دل سے تمہاری خیر خواہی کرتا رہا مگر تم نے میری قدر نہ کی میری ایک نہ مانی تو اب میں تمہاری ہلاکت پر غم کیوں کروں۔ مجھے تو خوشی ہے کہ تمہارے ناپاک وجود سے اللہ کی زمین پاک ہو گئی۔

واقعہ: اس قوم کی ہلاکت کے بعد شعیب علیہ السلام مع مسلمانوں کے وہاں سے منتقل ہو کر مکہ معظمہ چلے گئے وہاں ہی رہے

www.alahazratnetwork.org

وہاں ہی ان سب کی وفات ہوئی وہب ابن تبہ کہتے ہیں کہ کعبہ معظمہ میں صرف دو نبیوں کے مزارات ہیں۔ حطیم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا اور مغربی جانب میں شعیب علیہ السلام کا۔ عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت شعیب کا مزار سنگ اسود کے مقابل ہے۔ واللہ علم (از روح المعانی) مگر شامی وغیرہ میں ہے کہ مطاف شریف میں ستر نبیوں کے مزارات ہیں۔ واللہ علم۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاں عذاب آنے والا ہوتا ہے وہاں سے نبی اور مومنین پہلے ہی نکال لئے جاتے ہیں۔ عموماً ان کی موجودگی میں عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدہ **فتولی عنھم** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ مکہ کے متعلق فرماتا ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا**۔ اگر مکہ سے مومنین نکل جاتے تو ہم مکہ پر عذاب بھیجتے۔ اللہ والوں کے قدم ان کا جو وہاں کے لئے تعویذ حفاظت ہوتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جس بستی پر عذاب الٰہی آچکا ہو مومنوں کو وہاں رہنا جائز نہیں بلکہ وہ جگہ پھر آباد نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ **فتولی عنھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور انور قوم ثمود کی بستی پر گزرے تو صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہاں سے جلد نکل جاؤ اور اس کنوئیں کا پانی استعمال نہ کرو۔ جن حضرات نے اس پانی سے آٹا گوندھ لیا تھا وہ آٹا پھینکوا دیا۔ حجاج کو اب بھی حکم ہے کہ منی جاتے ہوئے جب اصحاب فیل کی ہلاکت کی جگہ سے گزریں تو وہاں سے تیزی سے گزر جاویں کہ وہ جگہ عذاب کی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** مردے سنتے ہیں ان سے کلام کرنا جائز ہے بلکہ مومنوں کے قبرستان میں جاؤ تو انہیں سلام کرو جو سنتا نہ ہو اسے سلام کرنا ممنوع ہے جیسے سوتا ہوا اور بے ہوش آدمی۔ یہ فائدہ **قال یقوم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ ہمارے حضور ﷺ نے ابوجہل وغیرہ کی لاشوں سے کلام فرمایا۔

نکتہ: بعد موت روح کی قوت بہت بڑھ جاتی ہے کہ مدفون مردہ اوپر چلنے والوں کے قدم کی آہٹ سنتا ہے حالانکہ ہزار ہا من مٹی کے نیچے ہے۔ قبرستان سے گزرنے والوں کو دیکھتا ہے ان سے ایصال ثواب کی درخواست کرتا ہے تو جو مقبول بندے زندگی میں مشرق و مغرب کو دیکھتے ہوں ہر جگہ کی آواز سنتے ہوں ان کی قوت کا بعد وفات اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ پنجرے سے نکلنے کے بعد پرندہ کی طاقت بڑھ جاتی ہے۔ بدن سے نکلنے کے بعد روح کی طاقت و قوت بڑھ جاتی ہے۔ کافر کی لاش کی کوئی عزت و حرمت نہیں۔ غسل، کفن و دفن سب مومن کے لئے ہے۔ یہ فائدہ **فتولی عنھم** سے حاصل ہوا کہ باوجودیکہ یہ ہلاک شدہ لوگ مومنوں کے بھائی برادر اور رشتہ دار تھے مگر کسی نے نہ کسی کو غسل دیا نہ کفن نہ دفن۔ اسکے برعکس مومن زندگی میں عزت والا ہے اور بعد موت بھی کیونکہ گوشت پوست کی عزت نہیں ہوتی۔ عزت تو ایمان، اخلاص، عشق رسول کی ہے۔ مرا کافر مردار جانور کی طرح ہے۔ **چوتھا فائدہ:** انبیاء کرام قوم کے سچے خیرخواہ ہوتے ہیں۔ ان کی خیرخواہی ماں باپ سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **و نصحت لکم** سے حاصل ہوا۔ قیامت میں ہمارے اعضاء ہماری شکایت کریں گے مگر حضور انور شفاعت فرمائیں گے۔ **پانچواں فائدہ:** کفار کی موت اور ان کی ہلاکت پر مومن کو غم نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ **فکیف اسی** سے حاصل ہوا۔ گلے ہوئے عضو کے کٹ جانے پر۔ کوڑے کرکٹ کے گھر سے نکل جانے پر ڈاکوؤں چوروں کے مارے جانے پر غم کیسا۔

www.alahazratnetwork.org

مسئلہ: بعض خوشامدی مسلمان کفار کو خوش کرنے کے لئے "کافر لیڈروں کے مرنے پر ماتم کرتے' مرثیے لکھتے ہیں۔ یہ حرام ہے کسی خوشامدی مسلمان کا یہ شعر تلک کے مرثیے کا مشہور ہے۔

آپ تو چلتے ہو ملک عدم کو اے تلک — کون سمجھا۔ گا ہم کو دشمنوں کی چال ڈھال

بعض نادان مسلمانوں نے گاندھی کے مرنے پر ختم قرآن کرائے۔ بعض نے اس کی راکھ تبرک کے لئے منگائی اور خود جاکر گنگا میں بہائی۔ بعض نے اسے بیکنٹ باشی (جنتی) لکھا یہ سب حرام ہے اور اگر اسے جنتی سمجھا تو کافر ہوئے۔ نعوذ باللہ **مسئلہ:** موذی کافر کے مرجانے یا مارے جانے پر خوشی کرنا سنت ہے۔ حضور انور نے ابو جہل کے قتل کی خبر پر سجدہ شکر ادا کیا۔ اب بھی عاشورہ کے دن روزہ سنت ہے کہ وہ فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت کا دن ہے۔ غم تو مومن کی موت پر ہوتا ہے اسے انسان' جنات' فرشتے' زمین و آسمان روتے ہیں۔ **فما بکت علیھم السماء والارض۔ چھٹا فائدہ:** مردہ کافروں کو یا کہہ کر پکارنا' ان سے کلام کرنا۔ حضرت صالح حضرت شعیب اور ہمارے نبی ﷺ کی سنت ہے تو یقیناً" مردہ مومنوں کو اولیاء اللہ کو انبیاء کرام کو خصوصاً "سید الانبیاء ﷺ کو پکارنا انہیں سلام کرنا جائز ہے بلکہ حضور کو پکارنا انہیں سلام کرنا رکن نماز ہے کہ التحیات میں کہا جاتا ہے۔ کافر کو پکاریں گے اظہار غضب کے لئے مومنوں کو دعا کے لئے۔ نبی ولی کو التجاؤ عرض حاجات کے لئے۔ **ساتواں فائدہ:** احکام الٰہیہ پہنچا دینے پر پیغمبر کا فرض منصبی ادا ہو جاتا ہے۔ قبول کرانا ان کا کام نہیں۔ یہ فائدہ **لقد ابلغتکم** سے حاصل ہوا کہ جناب شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے پیغامات تم کو پہنچا چکا اب تم جانو۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اگر عذاب کی جگہ رہنا منع ہے تو لوگ مکہ معظمہ میں کیوں رہتے ہیں۔ وہاں بھی تو اصحاب فیل پر عذاب آیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ **جواب:** یہ عذاب مکہ معظمہ سے باہر آیا یہ جگہ منیٰ کو جاتے ہوئے بائیں ہاتھ پر پڑتی ہے۔ بستی مکہ سے دور ہے وہاں رہنا تو کیا وہاں ٹھہرنا بھی منع ہے۔ حتیٰ کہ حجاج کو وہاں سے تیزی سے گزر جانے کا حکم ہے۔ لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت شعیب علیہ السلام نے یہ کلام زندہ کفار سے کیا تھا۔ مردوں سے نہیں۔ ورنہ آیت کریمہ **انک لا تسمع الموتی** کے خلاف ہوتا۔ مردے بالکل نہیں سنتے۔ **جواب:** قرآن کریم کی ترتیب بیانی بتا رہی ہے کہ آپ کی یہ گفتگو ان کی ہلاکت کے بعد ہے کیونکہ پہلے ان کی ہلاکت کا واقعہ بیان ہوا پھر ف کے ساتھ ارشاد ہوا۔ **فتولی عنھم** ف کا مابعد پیچھے ہوتا ہے۔ **جاء زید فعمرو** تمہاری پیش کردہ آیت میں موتی سے مراد دل کے مردے یعنی کفار ہیں کیونکہ اس کے بعد ارشاد ہے **ان تسمع الا من یومن بایتنا۔ تیسرا اعتراض:** اس کا مقصد اظہار افسوس ہے میں کیسے غم کروں یہ بھی غم کے اظہار کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے زہیر شاعر کہتا ہے۔

قف بالدیار التی لم تعفھا القدم — بلی وغیرھا الار واخ والدیم

بعض مفسرین نے اس فرمان عالی کے معنی یہ کئے ہیں کہ میں کن لفظوں میں غم کا اظہار کروں۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ کفار کے مرنے پر خوشی منانی چاہئے مگر شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اگر بمرد عدو' جائے شادمانی نیست — کہ زندگانی ما نیز جاودانی نیست

اگر دشمن مرجاوے تو خوشی نہ کرو کہ تمہاری زندگی بھی ہمیشہ کی نہیں ہے آخر تم نے بھی مرجانا ہے۔ **جواب:** اس شعر میں ذاتی

www.alahazratnetwork.org

دشمنی مراد ہے نہ کہ دینی اور موذی دشمن اور یہاں دینی دشمن مراد ہے وہ شعر درست ہے۔ یہ قول بھی درست۔ **پانچواں اعتراض:** حضرت شعیب علیہ السلام نے علیکم کیوں نہ فرمایا اتنی دراز عبارت علی القوم الکافرین کیوں ارشاد فرمائی یا قوم' کہنے کے بعد علیکم' فرمانا مختصر بھی تھا اور مناسب بھی۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ اس سے غم نہ فرمانے کی وجہ بیان ہو گئی کہ تمہارے کفر کی وجہ سے تم لوگ غم کے لائق نہیں ہو۔ مومن کی موت پر غم ہوتا ہے۔ کافر موذی کی موت پر غم نہیں۔ دوسرے یہ کہ تم نسبی لحاظ سے میری قوم ہو دینی لحاظ سے کافر قوم ہو۔ کفر کے ہوتے ہوئے میری قوم ہونا تمہارے لئے مفید نہیں۔ تم گھاس کوڑے ہو جس کا نکل جانا باعث غم نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر کے مرنے پر غم نہ چاہیے مگر حضور انور نے ابو طالب کی موت پر غم کیا۔ حتی کہ اس سال کا نام عام الحزن رکھا یعنی غم کا سال۔ حضور انور کا یہ عمل شریف اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** ابو طالب اگرچہ شرعاً مومن نہ تھے مگر دل سے مومن تھے اور دل و جان سے حضور انور ﷺ اور اسلام کے خدمت گزار سچے جانثار تھے۔ ان کی موت سے حضور انور کے ایک مخلص غمگسار سے زمین خالی ہو گئی اور اسی سال حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی وفات ہوئی ان وجوہ سے اس سال کو عام الحزن کہا گیا۔ یہ لوگ کافر بھی تھے اور حضرت شعیب علیہ السلام کو ستانے والے موذی بھی۔ اسی لئے ہم نے کہا کہ موذی کافر کی موت پر خوشی ہونی چاہیے۔ یہ جواب اس صورت میں ہے کہ یہ واقعہ درست ہو۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ: نبی کافر کی زندگی میں بھی اس سے بیزار ہوتے ہیں اور اس کی موت کے بعد بھی۔ بفضلہ تعالیٰ مومن کی زندگی اور موت اور بعد موت کبھی بھی نبی اس سے منہ نہیں پھیرتے۔ زندگی میں مومن کے تصور میں رہتے ہیں۔ دل میں ایمان میں' جان میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔ مرتے وقت جمال دکھا کر نزع کو آسان کرتے ہیں بعد موت اس کی قبر میں جلوہ گری کر کے قبر کو منور و گلزار بناتے ہیں۔ محشر میں رب سے بخشوائیں گے کافر کے لئے نبی کا اس سے منہ پھیر لینا اللہ کا عذاب ہے۔ اسی لئے فرمایا گیا۔ **فتولی عنهم** نبی کافر کو تبلیغ فرما کر اس کی خیر خواہی کر کے اس سے فارغ ہو جاتے ہیں مگر مومن سے کبھی فارغ نہیں ہوتے۔ اس کی زندگی موت سب کچھ سنبھالتے ہیں کہ زندگی تقویٰ والی' موت ایمان والی نصیب کراتے ہیں۔ اسی لئے ابلغت اور نصحت ماضی ارشاد ہوا کہ میں تمہارے متعلق یہ کرم کر چکا۔ یوں ہی نبی کو کافر کی ہلاکت اس کے رنج و غم سے کچھ سروکار نہیں ہوتا مگر مومن سے تعلق ایسا رہتا ہے کہ کانٹا لگتا ہے مومن کے پاؤں میں اور خلش ہوتی ہے جناب مصطفےٰ ﷺ کے دل میں۔ رب فرماتا ہے **عزیز علیه ماعنتم** حتی کہ دیکھا گیا ہے کہ مومن کی موت کے وقت حضور انور جلوہ گر ہوتے ہیں جان نکالنے والے فرشتوں کو نرمی و آسانی کا حکم دیتے ہیں کہ ہلکا کرو ہلکا کرو۔ یہ وہ کرم ہے جو آنکھ والوں نے اپنی اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور انشاء اللہ ہم بھی دیکھیں گے لہٰذا **فکیف اسی** کے ساتھ **علی القوم الکافرین** بالکل درست ہے **یاقوم** فرما کر ان بدنصیبوں کی انتہائی بدبختی کا ذکر فرمایا کہ تم میری قوم ہو کر میرا دیدار کر کے بھی کافر ہی رہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بعض مقبول بندوں کو رب تعالیٰ جنت کی دو نعمتیں دنیا میں عطا فرماتا ہے (1) مومنوں سے الفت و محبت (2) کفار سے نفرت و عداوت۔ **تولی عنهم** فرمانے سے بتایا گیا کہ حضرت شعیب اور ان پر ایمان والے ان نعمتوں سے موصوف تھے۔ دیکھو ان میں سے کسی نے ان ہلاک شدگان کا نہ تو مرثیہ کہا نہ غم و رنج بلکہ نفرت کے الفاظ کہے۔ جیسے جنتی مومن کافر کو جلتا ہوا دیکھ کر رنج نہ کرے گا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْ قَرْیَةٍ مِّنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَھْلَھَا بِالْبَاْسَآءِ وَ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے اس بستی والوں کو ساتھ فقیری اور

اور نہ بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر یہ کہ اس کے لوگوں کو سختی اور تکلیف میں پکڑا کہ وہ

الضَّرَّآءِ لَعَلَّھُمْ یَضَّرَّعُوْنَ ﴿۹۴﴾ ثُمَّ بَدَّلْنَا مَکَانَ السَّیِّئَةِ الْحَسَنَةَ

مرض کے تاکہ وہ عاجزی کریں ۞ پھر بدل دیا ہم نے بجائے برائی کے بھلائی کر

کسی طرح زاری کریں ۞ پھر ہم نے برائی کی جگہ بھلائی بدل دی یہاں تک

حَتّٰی عَفَوْا وَّقَالُوْا قَدْ مَسَّ اٰبَآءَنَا الضَّرَّآءُ وَالسَّرَّآءُ فَاَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً

حتیٰ کہ زیادہ ہوگئے اور کہا انہوں نے بیشک پہنچی باپ دادوں کو ہمارے سختی اور آرام بس پکڑ لیا ہم نے

کہ وہ بہت ہوگئے اور بولے بے شک ہمارے باپ دادا کو رنج و راحت پہنچے تھے تو ہم نے

وَّھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ﴿۹۵﴾

ان کو اچانک حالانکہ وہ نہیں شعور رکھتے تھے ۞

انہیں اچانک ان کی غفلت میں پکڑ لیا ۞

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں پانچ نبیوں کی تبلیغ اور ان کی امتوں کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ حضرت نوح، ھود، صالح، لوط، شعیب علیہم السلام۔ شاید کوئی سمجھتا کہ صرف ان پانچ قوموں پر ہی عذاب آئے ہوں اس لئے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کے علاوہ اور نبیوں نے بھی تبلیغ فرمائی اور ان کی قوموں پر عذاب آئے۔ یہاں ان میں سے چند کا ذکر ہوا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کچھ قوموں کے تفصیلی عذاب کا ذکر ہوا تھا اب ساری ہلاک شدہ قوموں کے اجمالی عذاب کا ذکر ہے گویا یہاں اجمال بعد تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں خاص خاص قسم کے عذابوں کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں دوسری قسم کے عذابوں کا تذکرہ ہے یعنی ظاہری عذاب اور باطنی جو بظاہر رحمت معلوم ہوں حقیقت میں عذاب ہوں۔

تفسیر: وما ارسلنا فی قریتہ من نبی یہ جملہ نیا ہے اسی لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **ما** نافیہ ہے مگر اس کا تعلق ارسال سے نہیں ہے بلکہ پورے مضمون سے ہے۔ ارسال کے لغوی معنی ہیں بھیجنا شریعت میں نبی بنانے یعنی ان کی طرف وحی بھیجنے کو ارسال کہتے ہیں۔ یہاں یہی آخری معنی مراد ہیں بعض نبی رہنے والے کسی اور جگہ کے تھے مگر تبلیغ کسی اور جگہ فرمائی جیسے حضرت ابراہیم و لوط علیہم السلام بعض نبی جہاں کے رہنے والے تھے وہاں ہی کے نبی ہوئے جیسے حضرت عیسیٰ وغیرھم علیہم السلام بعض نبی جہاں پیدا ہوئے وہاں ہی نبی ہوئے مگر نبوت سے پہلے کچھ دن باہر رہے پھر وہاں سے نبی بن کر آئے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کہ مصر میں پیدا ہوئے مصر ہی میں نبی ہوئے مگر نبوت سے پہلے کچھ عرصہ مدین میں رہے پھر وہاں سے نبی ہو کر

www.alahazratnetwork.org

مصروابس ہوئے **ارسلنا** ان سب کو شامل ہے **قریتہ** مطلقاً" بستی کو کہتے ہیں۔ غالباً" یہاں ۔ معنی شہر ہے کیونکہ عموماً" انبیاء کرام شہروں میں آئے اور اسی جگہ میں جلوہ گر رہے جہاں خلق کی آمدورفت ہو تاکہ تبلیغ میں آسانی ہو۔ **من نبی** میں **من** استغراقیہ یا بیانیہ ہے۔ نبی رسول اور مرسل کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ ہر رسول و مرسل نبی ضرور ہوتے ہیں مگر ہر نبی کا رسول و مرسل ہونا ضروری نہیں۔ **الا اخذنا اھلھا بالباساء و الضراء** اس عبارت سے پہلے ایک مختصری عبارت پوشیدہ ہے **فکذبوہ** (خازن' کبیر وغیرہ) **اخذ** کے معنی پکڑنا لینا ہیں یہاں مراد ہے پکڑ کرنا۔ سختیوں میں گرفتار کرنا۔ ہلاکت کی پکڑ مراد نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ **الا** کا تعلق **ما ارسلنا** میں **ما** کی نفی سے ہے **اھلھا** میں **اھل** سے مراد وہاں کے جھٹلانے والے کافر باشندے ہیں۔ مومنین مراد نہیں کہ ان پر تو عطائیں ہوتی ہیں۔ **باساء** بنا ہے **بوس** سے سختی حال و دشواری خارجی کو بوس کہا جاتا ہے جیسے مال کی کمی' قحط سالی' فقروفاقہ۔ **ضراء** بنا ہے **ضرر** سے ۔ معنی جانی آفات جیسے بیماریاں' دل آزاریاں وغیرہ۔ ان دونوں کی اس کے علاوہ اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں۔ **لعلھم یضرعون** اس فرمان عالی میں عذابوں کی علت کا ذکر ہے **لعل** آتا ہے شک کے لئے مگر رب تعالیٰ شک و شبہ سے پاک ہے اس لئے اس کے کلام میں یہ کلمہ بیان حکمت کے لئے آتا ہے یعنی اس کے معنی شاید نہیں ہوتے بلکہ تاکہ ہوتے ہیں۔ **ھم** کا مرجع وہ ہی پکڑے ہوئے کفار ہیں۔ **یضرعون** اصل میں **یتضرعون** تھا اس کا مصدر تضرع ہے ۔ معنی عاجزی' زاری کرنا' توبہ کرکے معافی حاصل کر لینا یعنی ان لوگوں پر مذکورہ جانی و مالی مصیبتوں کا بھیجنا اس لئے تھا کہ یہ لوگ عاجزی سے اپنے گزشتہ گناہوں' کفر سے توبہ کریں۔ مومن مخلص اور پرہیزگار بن جاویں کیونکہ اکثر انسان مصیبتوں میں توبہ کرتا ہے **ثم بدلنا مکان السیئتہ الحسنتہ** اس فرمان عالی میں ان پر بھیجے ہوئے دوسرے عذاب کا ذکر ہے یہ عذاب پچھلے عذاب سے سخت تر ہے اس لئے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا نیز ان دونوں قسم کے عذابوں کی ترتیب بھی یہ ہی تھی کہ ان پر پہلے مصیبتوں کے عذاب آتے ہیں پھر راحتوں اور نعمتوں کے عذاب۔ خیال رہے کہ مصیبتوں کے بعد راحتوں کا آنا شکر کی طرف بلاتا ہے مگر جس کی عقل ماری گئی ہو وہ اس پر اتراتا ہے چونکہ بہت عرصہ تک ان پر مصیبتوں کا عذاب رہا تھا اسی لئے یہاں **ثم** فرمایا گیا جو بہت ہی مناسب ہے **سیئتہ** بنا ہے **سوء** سے ہر ناگوار چیز **سوء** کہلاتی ہے۔ جانی آفت ہو یا مالی۔ اور ہر راحت **طبیعت** و عقل کو بھی بھلی معلوم ہوتی ہے اس لئے اسے حسنہ کہا جاتا ہے یعنی خوشنما حسین۔ یہاں حسنہ سے مراد ہے تندرستی' ارزانی' مال و دولت کی فراوانی ہر وقت بارشیں جس سے کھیت اور باغ لہلہا جاویں وغیرہ (از تفسیر خازن) تبدیلی اور تغیر کا فرق ہم بیان کر چکے ہیں کہ ذات کو بدلنا تبدیلی ہے۔ حالات و کیفیات کا بدلنا تغیر۔ چونکہ ان پر پوری پوری تبدیلی ہوتی تھی اس لئے **غیرنا** نہیں فرمایا بلکہ بدلنا ارشاد ہوا چونکہ راحتوں کے زمانہ میں تمام تکالیف دور کر دی جاتی تھیں یہ نہ ہوتا تھا کہ بعض تکالیف رہیں اور بعض آرام۔ اس لئے یہاں مکان السیئتہ ارشاد ہوا نیز یہ بتایا گیا کہ ہر تکلیف کی بجائے اس کی ضد۔ راحت عطا کی گئی۔ غریبی کی بجائے امیری گرانی کی بجائے ارزانی' بیماری کی بجائے تندرستی' خوف کی بجائے امن وغیرہ غرضیکہ مکان فرمانے میں بہت سی خوبیاں ہیں **حتی عفوا** یہ فرمان عالی **بدلنا** کی انتہا ہے یعنی انہیں یہ نعمتیں چند دن یا چند ماہ کے لئے نہ دی گئیں بلکہ یہاں تک عطا ہوئیں کہ وہ خوب پھلے پھولے' بہت ہو گئے۔ **عفا** ماضی جمع مذکر ہے **عفو** مصدر **عفا یعفو باب نصر** سے ہے اس کے معنی ہیں زیادہ ہونا پھیلنا۔ حدیث پاک میں

www.alahazratnetwork.org

ہے **واعفوا اللحی**۔ ڈاڑھیاں بڑھاؤ۔ اہل عرب کہتے ہیں **عفا الشعر عفا النبات۔ عفا وبر۔ عفا الخمر** شاعر کہتا ہے۔

بمتنا سید القربان عاف نباتہ — تسا قطنی والرحل من صوت ھدھد

ولکنا بعض السیف مرتب — با سوق عافیک التخم کرم

(معانی)

اس کے معنی مٹانا بھی آتے ہیں اسی سے ہے معاف یعنی گناہ مٹا دینا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی حتی کہ وہ لوگ اولاد' مال' جائیداد وغیرہ میں خوب زیادہ ہو گئے۔ پھلے پھولے **وقالوا قدمس آباؤنا الضراء والسراء** یہ فرمان عالی معطوف ہے **عفوا** پر۔ اس میں اس انعام فرمائی' کرم نوازیوں کے اس غلط نتیجے کا ذکر فرمایا گیا ہے جو انہوں نے نکالا یعنی انہوں نے بجائے شکریہ ادا کرنے' ہمارے نبیوں کی اطاعت کرنے کے یہ کہا کہ گذشتہ تکلیف اور موجودہ راحتیں کسی عمل یا عقیدے کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ اتفاقیات میں سے ہے اور یہ انقلابات آج کے نہیں پہلے سے ہوتے رہے ہیں۔ یہ زمانہ کی نیرنگیاں ہیں ہمارے باپ دادوں کو بھی رنج و راحت پہنچتے رہے ہیں اسی قاعدے سے ہم کو پہنچے۔ پیغمبر کا یہ کہنا غلط ہے کہ یہ عذاب یا آزمائشیں ہیں **فاخذنھم بغتۃ** یہ فرمان عالی یا تو عفوا پر معطوف ہے یا **قالوا** پر چونکہ ان کی مذکورہ حرکتیں ان کے عذاب کے اسباب تھے اور عذاب ان کا مسبب۔ اسی لئے ف ارشاد ہوئی **اخذ** سے مراد غضب و قہر کی پکڑ ہے اور غضب و قہر بھی ہلاکت کا تھا مہلت کا نہ تھا۔ **بغتۃ** کے معنی ہیں **فجاۃ** یعنی اچانک یعنی ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا کیونکہ اچانک کی مصیبت سخت تر ہوتی ہے **وھم لایشعرون** یہ فرمان عالی بیان ہے **بغتۃ** کا یعنی انہیں گمان و وہم بھی نہ تھا کہ ہم ہلاک کر دیئے جائیں گے۔ پورے غافل تھے کہ ان پر ہلاک کر دینے والا عذاب آ گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بے شعوری سے مراد ہے پیغمبر کی باتوں پر دھیان نہ دینا۔ آخر وقت تک نبی انہیں عذاب سے ڈراتے رہے بتاتے رہے کہ عذاب اب آیا کہ آیا مگر وہ مذاق اڑاتے رہے۔ لہٰذا یہ فرمان عالی اس آیت کے خلاف نہیں جہاں ارشاد ہے کہ ہم کسی غافل کو ہلاک نہیں کرتے **ذالک ان لم یکن ربک مھلک القری بظلم واھلھا غافلون**۔ سرحال بے خبری اور چیز ہے بے شعوری کچھ اور غفلت اور بے شعوری میں فرق کرنا ضروری ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! تم کو بطور نمونہ یہ چند واقعات سنائے گئے حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں جتنے نبی بھی آئے اور ان کی قوموں نے انہیں جھٹلایا ان کا انجام یہ ہوا کہ پہلے تو ہم نے وہاں کے باشندوں کو جانی اور مالی تکلیفیں دیں تاکہ وہ لوگ ڈر کر پیغمبر کی اطاعت کریں۔ ایمان قبول کرلیں مگر جب وہ لوگ اس پر باز نہیں آئے کفر و نافرمانی ہی کرتے رہے تو ہم نے بجائے تکلیف کے انہیں آرام عطا فرمائے بیماریاں' ناداریاں' گرانی وغیرہ دور فرما کر انہیں صحت' ارزانی' دولت' وسعت' عیش عطا فرمائی مگر ان لوگوں نے بجائے شکر کرنے کے اور زیادہ سرکشی کی وہ یہ نہ سمجھے کہ یہ عذاب پچھلے عذاب سے سخت تر ہے وہ یہی کہتے رہے کہ تکلیف و آرام رنج و راحت اتفاقی چیزیں ہیں۔ پرانے زمانے سے ہمارے باپ دادوں کو بھی ان چیزوں سے سامنا ہوتا رہا ہے یہ تو زمانہ کی رنگا رنگی ہے جب وہ بالکل ہی غافل ہو گئے تو ہم نے اچانک ان کو پکڑ لیا انہیں خیال بھی نہ تھا کہ عذاب آوے گا مگر وہ عذاب میں گرفتار ہو گئے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** نبی کو جھٹلانے ان کی بددعا کے بغیر دنیا میں عذاب الٰہی کبھی نہیں آتا یہ قانون قدرت ہے یہ فائدہ لااخذنا سے حاصل ہوا کہ اس کو **وما ارسلنا** پر مرتب فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** مولانا فرماتے ہیں۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد　　　تادلے صاحب دلے نہ آمد بدرد

دوسرا فائدہ: پیغمبر کو جھٹلانا عذاب کا باعث ہے ان کو ماننا رحمت الٰہی کا ذریعہ۔ یہ فائدہ اس عبارت سے حاصل ہوا جو یہاں پوشیدہ ہے **فکذبوہ** وغیرہ۔ **تیسرا فائدہ:** عموماً انبیاء کرام شہروں اور مرکزی مقامات میں بھیجے گئے جہاں لوگ زیادہ رہتے اور آتے جاتے ہیں۔ یہ فائدہ **قریتہ** کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ ایک جگہ رب فرماتا ہے **حتی یبعث فی امھا رسولا** ہمارے حضور چونکہ دنیا بھر کے نبی ہیں اس لئے آپ دنیا کے مرکزی شہر مکہ معظمہ میں تشریف فرما ہوئے یعنی دوسرے انبیاء قری میں آئے۔ ہمارے نبی ام القریٰ میں یعنی بستیوں کی اصل میں۔ اسی لئے آپ کو امی کہتے ہیں یعنی ام القریٰ والے پھر جب مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو وہ بھی دنیا کا مرکزی شہر بن گیا اس کی مرکزیت آج آنکھوں سے دیکھی جارہی ہے بلکہ اب مکہ معظمہ کی مرکزیت مدینہ منورہ کے دم سے وابستہ ہے ہم نے عرض کیا ہے۔

کعبہ کی زینت ان ہی کے دم سے　　　طیبہ کی رونق ان کے قدم سے

کعبہ ہی کیا ہے سارے جہاں میں　　　دھوم ہے ان کی کون و مکاں میں

چوتھا فائدہ: جو تکلیف انسان کو سیدھے راہ پر لگادے وہ اللہ کی رحمت ہے وہ ایسی کڑوی دوا ہے جو تندرستی بخشتی ہے۔ اس پر رب تعالیٰ کی شکایت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ فائدہ **لعلھم یضرعون** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** دنیا کا جو آرام و راحت رب سے غافل کردے وہ اللہ تعالیٰ کا سخت تر عذاب ہے۔ ابوجہل کی امیری عذاب تھی۔ حضرت بلال کی فقیری اللہ کی رحمت۔ یہ فائدہ **ثم بدلنا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** لفظ بائی چانس یا اتفاقیہ بڑا ہی لعنتی لفظ ہے کہ انسان ہر رنج و خوشی، راحت و غم کو اتفاقاً یا نیرنگی سمجھے اور غافل رہے۔ مومن ہر چیز میں ہمیشہ فکر کرے کہ خوشی آئی تو کیوں اور غم آیا تو کس لئے۔ اللہ تعالیٰ عبرت والا دل و آنکھ عطا فرمائے۔ فائدے **قدمس اباءنا** سے حاصل ہوئے۔ **ساتواں فائدہ:** کفر و گناہ کے باوجود اللہ کی نعمتیں ملنا عذاب الٰہی ہے یوں ہی اطاعت و فرمانبرداری کے باوجود تکالیف آنا اللہ کی رحمت ہے جبکہ اس پر صبر کی توفیق ملے۔ امام حسین کی کربلا والی مصیبتیں اللہ کی رحمت تھیں۔ یزید کے وہ عیش و آرام اللہ کا عذاب۔ یہ دونوں باتیں کربلا کے میدان وہاں کے ذروں سے پوچھو۔

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ رہی جفا　　　جو رہا تو نام حسین کا جسے باقی رکھتی ہے کربلا

آٹھواں فائدہ: اچانک عذاب بہت سخت گرفت ہے جس میں انسان کو سنبھلنے کا وقت نہیں ملتا یہ فائدہ **بغتتہ** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** مومن کے لئے دنیا کی رحمت و تکلیف، رنج و خوشی سب ہی اللہ کی رحمت ہیں۔ مومن راحت میں شاکر رہتا ہے، تکلیف و غم میں صبر کرکے صابرین کے زمرہ میں داخل ہوتا ہے۔ شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے صبر پر اللہ مل جاتا ہے۔ شاکر ہی کے لئے ہے **لئن شکرتم لازیدنکم** اور صابرین کے لئے ہے۔ **ان اللہ مع الصبرین**

www.alahazratnetwork.org

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی تشریف آوری پر لوگ اولاً مصیبتوں میں گرفتار ہوتے ہیں پھر راحتوں میں پھر ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ نبی تو رحمت بن کر آتے ہیں نہ کہ مصیبت بن کر پھر آیت کریمہ کا مطلب کیا ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ **فکذبوہ** کہ لوگ جب انہیں جھٹلاتے ہیں تب یہ عذاب آتے ہیں۔ نبی کی تشریف آوری عذاب کا باعث نہیں بلکہ ان کا جھٹلانا عذاب کا سبب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** آدم، شعیب، ادریس علیہم السلام اور ہمارے حضور انور نبی ہیں مگر ان کی تشریف آوری پر یہ کوئی بات نہ ہوئی پھر یہ فرمان عالی کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس آیت کریمہ میں قاعدہ کلیہ بیان نہیں کیا گیا ہے بلکہ عذاب الٰہی آنا نوح علیہ السلام سے شروع ہوا۔ ہمارے حضور انور ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا **وما كان الله ليعذبهم وانت فيهم**۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں **بدلنا** کے بعد **مكان السيئة الحسنة** کیوں فرمایا۔ **بدلنا** کے ساتھ مکان فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ ہر مصیبت کے مقابل راحت عطا ہوئی۔ بیماری کے عوض تندرستی غریبی کے عوض امیری، گرانی کے عوض ارزانی، قلت کے عوض کثرت، کوئی ایسی مصیبت نہ تھی جس کے عوض اس کے مقابل راحت نہ دی گئی، یہ بات بغیر مکان فرمانے کے حاصل نہ ہوتی کوئی سمجھتا کہ ان پر مصیبتیں بھی رہیں راحتیں بھی۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے کفار قوم شعیب کو اچانک پکڑ لیا ہے بے خبری میں مگر دوسری جگہ ارشاد باری ہے **ان لم يكن رب مهلك القرى بظلم و اهلها غافلون** جس سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ غافلوں کو ہلاک نہیں کرتا۔ ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تمہاری پیش کردہ آیت میں ان غافلوں کو ہلاک کرنے کی نفی ہے جن تک نبی کی تبلیغ نہ پہنچی ہو یہاں بے حس اور بے شعور لوگوں کو ہلاک فرمانے کا ذکر ہے۔ بے علمی اور بے حسی میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بیمار آدمی جو اچھی بری چیز کھائے وہ بیماری بنتی ہے بلغمی مزاج والے کی ہر غذا بلغم بنتی ہے صفرا والے کی ساری غذائیں صفرا بن جاتی ہیں۔ پھول کا رس بھڑ (تمبوڑی) کے پیٹ میں زہر بنتا ہے شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد یوں ہی غافل و بے دین انسان کی راحتیں اور مصیبتیں غفلت و کفر ہی پیدا کرتی ہیں کہ وہ انہیں **محض اتفاقی** چیزیں مانتا ہے مگر عاقل و مومن کے لئے ان میں سے ہر چیز اس کی بیداری اور ایمان و پرہیزگاری کی زیادتی کا ذریعہ بنتی ہے۔ **حضرات صحابہ کرام** اور بعض اولیاء اللہ ہر بیماری آزاری میں غور کرتے تھے کہ ہماری کس غلطی کی وجہ سے یہ آفت آئی اور ہر **نعمت** و راحت پر خوف کرتے تھے کہ کہیں یہ نعمت رب تعالیٰ کا عذاب نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری نیکیوں کی جزا یہیں کر دی گئی ہو۔ یہ ہے بیداری دل۔ سوتی آنکھ ظاہر کو نہیں دیکھتی اور سوتا دل حقیقت کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ دل کی غفلت اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ دیکھو قوم شعیب علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے دو قسم کی خبریں بھیجیں۔ آفات و بلیات اور رحمت و نعمت **مگر** وہ غافل ہی رہے۔ آخر کار ہلاک ہوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی ہر آفت اچانک ہی ہوتی ہے خواہ کتنی ہی علامات ظاہر ہو چکی ہوں کیونکہ وہ کسی علامت سے جاگتا نہیں۔ کافر کی موت **فجات** یعنی اچانک ہے اگرچہ وہ دس سال بیمار رہ کر مرے کہ وہ بیماری میں دوا اور حکیم کی طرف ہی بھاگتا ہے احکم الحٰکمین سے غافل رہتا ہے مومن کی اچانک موت بھی **فجات** نہیں کہ وہ ہر وقت تیار ہے۔ بیماری اور چیز ہے تیاری کچھ اور۔ اسی لئے یہاں **بغتتہ** کے ساتھ لا۔ شعرون فرمایا، صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی پیدائش کے مقصد مختلف ہیں جو مقصد پورا

www.alahazratnetwork.org

کرے گا وہ کامیاب ہوگا جو خلاف مقصد کرے گا مارا جائے گا زہر چکنے کے لئے پیدا ہوا شہد پینے کے لئے۔ سانپ و شیر مار دینے کے لئے پیدا ہوئے۔ بکری بھیڑ پالنے کے لئے یوں ہی ہم پیدا ہوئے عبادت کے لئے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** اور حضرات انبیاء ہوئے تاکہ انکی اطاعت کی جاوے **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** حضرات ہزاروں سال پیدائش سے پہلے رب کی عبادت کرتے رہے ہیں جن خوش نصیبوں نے ان کے مقصد تشریف آوری کو پورا کیا کہ ان کی اطاعت کی وہ دونوں جہان میں تر گئے۔ کفار نے ان کی تشریف آوری کا مقصد پورا نہ کیا کہ بجائے اطاعت کے ان کی مخالفت کی تو نتیجہ یہ ہوا کہ **اخذنا اھلھا بالباساء والضراء** حضور کی تشریف آوری کا مقصد اطاعت کرنا بھی ہے اور دونوں جہاں پر سایہ فگن رہنا بھی۔ آسمان ساری زمین پر سایہ فگن 'فرشتے' جنت' دوزخ' عرش' کرسی' اس کے احاطہ سے باہر ہیں مگر حضور عالمین پر سایہ فگن۔ للعالمین رحمت للعالمین حضور سمندر ہیں آسمان حباب و بلبلہ۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عشق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

آج جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم آزاد ہیں چاہے سود کھائیں یا شراب پئیں' بر بے دین کے پاس بیٹھیں' ہم پر پابندی کیسی۔ انہیں چاہئے کہ زہر کھا کر سانپ کے پاس رہ کر دکھائیں' جب وہاں پابندی ہے تو یہاں بھی پابندی۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ
اور اگر تحقیق باشندے بستیوں کے مومن ہو جاتے اور پرہیزگار بنتے تو البتہ کھول دیتے ہم اوپر انکے
اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور ڈرتے تو ضرور ہم ان پر آسمان اور زمین کی
وَالْاَرْضِ وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنٰهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۝
برکتیں آسمان اور زمین سے اور لیکن جھٹلایا انہوں نے پس پکڑ لیا ہم نے ان کو اس وجہ سے جو وہ کرتے تھے
برکتیں کھول دیتے مگر انہوں نے تو جھٹلایا تو ہم نے انہیں انکے کئے پر گرفتار کیا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ہلاک کرنے والے اعمال کا ذکر ہوا جن کے باعث عذاب الٰہی آتا ہے یعنی نبی کی مخالفت۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی۔ اب ان اعمال کا ذکر ہے جن سے اللہ کی رحمتیں برکتیں آتی ہیں یعنی ایمان و تقویٰ۔ گویا مضر اعمال کے بعد مفید اعمال کا تذکرہ ہے تاکہ لوگ ان اعمال سے بچیں اور یہ اعمال کریں **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار قوم شعیب کو بعد میں دنیاوی نعمتوں سے مالامال کر دیا گیا تھا۔ اب ارشاد ہے کہ وہ نعمتیں عذاب تھیں رحمت و برکت کی نہ تھیں گویا نعمتیں آنے کا ذکر فرمانے کے بعد نوعیت نعمت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ غافل لوگ نعمتوں اور مصیبتوں کو اتفاقی چیزیں سمجھتے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ غلط ہے بلکہ اصلی نعمتیں برکتیں' تقویٰ' طہارت' ایمان اور اطاعت پیغمبر کے لئے بھی ہوتی ہے۔

تفسیر: ولو ان اھل القری امنوا واتقوا ظاہر یہ ہے کہ قری سے مراد وہی مذکورہ بستیاں ہیں جن پر عذاب الٰہی آیا اور اہل قری سے مراد وہی ہلاک شدہ کفار ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں قری سے مراد مکہ معظمہ اور اس کی آس پاس کی بستیاں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ قری سے مراد تاقیامت سارے جہاں کی بستیاں ہوں اور یہاں قانون قدرت کا ذکر ہو کہ مومن متقیوں کو برکتیں عطا کریں گی مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ **اتقوا** میں تقوی سے مراد یا تو کفر و شرک سے بچنا ہے یا گناہوں بد عملیوں سے بچنا یا مطلقاً تقوی اور پرہیزگاری مراد ہے یا نبی کی مخالفت سے بچنا یا اللہ سے ڈرنا خوف کرنا مراد ہے۔ تقوی کی پانچ تفسیریں ہیں۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ آخری پانچویں تفسیر کی رہبری کرتا ہے چونکہ ایمان اعمال پر مقدم ہے اس لئے اس کا ذکر تقوی سے پہلے ہوا۔ ایمان میں وہ سارے عقائد داخل ہیں جو انبیاء کرام کی معرفت ہم کو ملے۔ توحید' قیامت' جنت' دوزخ' فرشتے' آسمانی کتب وغیرہ' ایمان و تقوی دو لفظ ہیں جن میں ساری دلی و جسمی پرہیزگاریاں داخل ہیں اگر تقوی سے مراد ہے شرک و کفر سے بچنا تو ایمان سے مراد درست عقائد ہیں جن کا ماننا ضروری ہے غرضیکہ اچھے عقیدے اختیار کرنا' غلط عقیدوں سے بچنا دونوں ہی ضروری ہیں۔ **لفتحنا علیھم** یہ **لو** شرطیہ کی جزا ہے' اس فرمان عالی میں اللہ کی نعمتوں کو خزانہ الٰہیہ کے موتیوں سے دی جو دروازے میں بند ہوں۔ دروازہ کھلتے ہی ان پر برسیں **علی** فرما کر یہ بتایا کہ ان کو یہ نعمتیں' برکتیں کسی ایک طرف سے نہ ملیں بلکہ ہر طرف سے ملیں جب پانی سر پر پڑے تو جسم کا ہر حصہ دھل جاتا ہے اس لئے **علی** کا فرمانا **لھم** نہ فرمانا بہت ہی مناسب ہے **برکت من السماء والارض** یہ **فتحنا** کا مفعول ہے برکات جمع ہے برکت کی جس کا مادہ ہے برک' بمعنی بیٹھ جانا بندھ جانا اسی لئے اونٹوں کے طویلہ کو جہاں اونٹ باندھے بٹھائے جاتے ہوں مبارک الابل کہتے ہیں۔ جو نعمت آ کر نہ جائے وہ برکت ہے برکات جمع فرما کر بتایا کہ انہیں ایک قسم کی اور ایک طرف کی نعمتیں نہ ملتیں بلکہ ان پر ہر قسم کی ہر طرف سے نعمتوں کی بارش ہوتی اس میں گفتگو ہے کہ آسمان کی برکتیں کیا ہیں اور زمین کی برکتیں کیا۔ ظاہر یہ ہے کہ آسمان کی برکتیں بروقت بارش' دھوپ' مناسب ہوا' میں ہیں اور زمین کی برکتیں' سبزے' دانے' پھل' جانور' امن اور آفات سے سلامتی ہیں مقصد یہ ہے کہ ہم ہمیشہ ان پر آسمانی و زمینی نعمتیں اس طرح بھیجتے رہتے کہ ان سے یہ نعمتیں کبھی زائل نہ ہوتیں ان کا حال یہ نہ ہوتا کہ کچھ دن یہ نعمتیں آئیں پھر زائل ہو گئیں اور وہ عذاب میں گرفتار ہو گئے (خازن' معانی وغیرہ) **ولکن کذبوا** اس عبارت کا تعلق امنوا و اتقوا سے ہے۔ **کذبوا** بنا ہے تکذیب سے' بمعنی جھوٹا کہنا یا جھوٹا جاننا یا جھوٹا بتانا اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی **رسلھم** کیونکہ وہ قومیں اللہ تعالیٰ کی منکر نہ تھیں اس کو نہیں جھٹلاتی تھیں نیز ان مذکورہ قوموں کے پاس کتاب اللہ نہ پہنچی تھیں کہ پہلی کتاب توریت آئی موسیٰ علیہ السلام پر مذکورہ قومیں ان سے پہلے تھیں لہٰذا **رسلھم** ہی مراد ہے چونکہ نبی کو جھٹلانا سارے کفر و شرک و بد عملیوں کی اصل ہے اس لئے بجائے **کفروا** کے یہ ایک کلمہ فرمایا یا اگر کوئی نبی کو جھٹلا کر اللہ تعالیٰ اور تمام ایمانیات کا اقرار کرے جب بھی وہ کافر ہی ہے جیسے ابلیس **کذبوا** کو باب تفعیل سے لا کر یہ بتایا کہ وہ آخر دم تک نبی کو جھٹلاتے رہے اور ہر طرح جھٹلاتے رہے' تفعیل مبالغہ کے لئے ہے **فاخذنھم بما کانوا یکسبون** اس فرمان عالی میں ان کی تکذیب وغیرہ کے نتیجہ کا ذکر ہے اس میں گفتگو ہے کہ یہاں **اخذ** سے مراد کونسی پکڑ ہے یا تو وہی ہلاکت والا عذاب ہے اس صورت میں یہ فرمان اسی **فاخذنھم بغتۃ** کا بیان ہے یا اس ہلاکت سے پہلے والی مصیبتوں کا ذکر ہے قحط سالی بیماری

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ تو **باساء** اور ضراء کا بیان ہے یا یہاں پکڑ سے مراد ہے اخروی عذاب اور پہلے پکڑ سے مراد تھا دنیاوی عذاب، بہر حال آیات میں تکرار نہیں کسب سے مراد ظاہری بد عملیاں ہیں۔ فسق و فجور یا عقیدے اور اعمال دونوں کی برائیاں اس میں سب ہیں ہے یعنی ہم نے ان لوگوں کو ان کی بری کمائیوں' برے عقیدے برے اعمال کی وجہ سے ہلاک کر دیا یا قسم قسم کی تکالیف میں گرفتار کر لیا۔ خیال رہے کہ یہ ہلاکت یا مصیبتیں جن کے لئے عذاب تھیں ان پر تو ان کی بد کرتو بد عملیوں کی وجہ سے آئیں مگر بے قصور بچے و عورتوں پر عذاب بن کر نہ آئیں ان کے لئے یہ چیزیں رب کی پکڑ نہ تھیں لہٰذا آیۃ کریمہ بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔

خلاصہ تفسیر: جن ہلاک شدہ بستیوں کا تم سے ذکر کیا گیا اگر یہاں کے باشندے مکلف انسان ایمان لاتے پرہیز گار بنتے تو ہم ان لوگوں پر آسمانی اور زمینی برکتوں رحمتوں کے دروازے کھول دیتے اور ہم ان پر نعمتیں بہادیتے کہ وہ ہمیشہ ہماری ظاہری باطنی رحمتوں میں رہتے یا تاقیامت اگر بستیوں والے ایمان و پرہیز گاری اختیار کریں تو ہم رحمتوں برکتوں کے دروازے کھول دیں مگر انہوں نے تو بجائے ایمان اور فرمانبرداری کے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا عقیدۃً بھی عملاً بھی اور برابر جھٹلایا کہ مرتے دم تک اسی پر قائم رہے اسی وجہ سے ہم نے ان کو ان کی ان حرکتوں کی وجہ سے سخت پکڑ میں لے لیا کہ انہیں ہلاک کر دیا توبہ کی بھی مہلت نہ دی۔ خیال رہے کہ کافر کی موت کا نام ہے **اخذ یا بطش** یعنی رب کی پکڑ، عام مومنوں کی موت کا نام ہے وفات **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** اللہ والوں کی موت کا نام ہے رجوع الی اللہ یا وصال۔ **یاایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** چونکہ یہاں کفار کی موت کا ذکر ہے اس لئے **اخذنا** فرمایا۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان اور نیک اعمال دنیاوی اور اخروی نعمتوں کا ذریعہ ہیں رب فرماتا ہے **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب** یہ فائدہ اہل القریٰ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ قریٰ سے مراد ہیں تاقیامت مطلقاً بستیاں بعض لوگ مصیبتوں میں ختم خواجگان' میلاد شریف' فاتحہ بزرگان' نوافل وغیرہ کرتے ہیں ان سب کی اصل یہ آیۃ کریمہ ہے اسی لئے بارش کی تنگی پر نماز استسقاء اور گرہن پر نماز کسوف پڑھی جاتی ہے۔ صدقہ و خیرات کئے جاتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** انسان کے سنبھل جانے پر ملک سنبھل جاتا ہے انسانوں کے بگڑ جانے پر ملک برباد ہو جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **ظہر الفساد فی البر والبحر** دیکھو جن بستیوں پر عذاب آئے وہاں کے جانور تک ہلاک ہو گئے حالانکہ جرم صرف انسانوں نے کئے تھے۔ **تیسرا فائدہ:** جیسے کبھی بد عملیوں کی سزا دنیا میں مل جاتی ہے کہ تکالیف مصیبتیں آجاتی ہیں مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ آید بر تو از ظلمات و غم — ایں ز بے باکی و گستاخی است ہم

ابر نہ آید از پئے منع زکوٰۃ — وز زنا افتد وبا اندر جہات

یوں ہی کبھی نیک اعمال کی برکت سے دنیا میں اللہ کی رحمتیں برکتیں نازل ہوتی ہیں۔ آفتیں دور ہو جاتی ہیں یہ فائدہ **واتقوا لفتحنا علیھم** سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ذکر حق پاکی است چوں پاکی رسید   رخت می بندد و بروں آید پلید
چوں بہ آید ذکر حق اندر دہاں   نے پلیدی ماند و نے آں دہاں

چوتھا فائدہ: ایمان و تقویٰ کی برکت سے آسمانی غیبی نعمتیں بھی ملتی ہیں اور زمینی ظاہری نعمتیں بھی۔ یہ فائدہ **برکات من السماء والارض** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کو جھٹلانا درحقیقت اللہ تعالیٰ، فرشتوں کتابوں سب ہی کو جھٹلانا ہے۔ یہ فائدہ **کذبوا** کے اطلاق سے حاصل ہوا یعنی انہوں نے سب کو جھٹلایا۔ **چھٹا فائدہ:** بغیر جرم و قصور کے خدا تعالیٰ کسی کو عذاب نہیں دیتا وہ رحیم و کریم بہت سے جرم تو معاف فرمادیتا ہے جب مجرم حد سے بڑھ جاتا ہے تب پکڑتا ہے یہ فائدہ **بما کانوا یکسبون** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** وہ رب کریم ایک دوبار کے جرم پر نہیں پکڑتا۔ عادی مجرم کو پکڑتا ہے جو اس کی مہربانی سے غلط فائدہ اٹھاتا ہے۔ یہ فائدہ کانوا یکسبون ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** گناہوں کے باوجود نعمتیں ملنا عذاب ہے۔ تقویٰ و طہارت پر نعمتیں حاصل ہوں وہ رحمت الٰہی ہے۔ ابوجہل کی دولت عذاب تھی عثمان غنی کی دولت اللہ کی رحمت۔ یہاں ایمان و تقویٰ پر وعدہ ہے آسمانی و زمینی برکات عطا فرمانے کا مگر دوسری جگہ **فلما نسوا ماذکروا بہ فتحنا علیھم ابواب کل شیء** وہاں سرکش پر ہر چیز کے دروازے کھلنے کا ذکر ہے۔ یہ برکات رحمت ہیں وہ دروازہ کھلنا عذاب۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و تقویٰ سے زمینی و آسمانی برکتوں کے دروازے کھل جاتے ہیں مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ اکثر متقی مومن پریشان حال رہتے ہیں، بدعمل کفار مزے میں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہ فرمان عالی ان عذاب والی بستیوں کے لئے ہے کہ اگر وہاں کے باشندے بجائے نافرمانی کے اطاعت کریں تو ان پر بجائے عذاب کے رحمتیں نازل ہوتیں۔ یہ ہمیشہ کے لئے کلی قانون نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تو مومن متقی بن جاوے تو رب تعالیٰ تجھے دراز عمر موت تک جوانی و سلطنت بخشے گا۔ ایمان و تقویٰ کے فوائد فرعون کے لئے تھے ہم سب کے لئے نہیں رب تعالیٰ اپنے نبیوں کی زبان کی لاج رکھتا ہے وہ کہتے ہیں، رب کردیتا ہے **لواقسم علی اللہ لابرہ** یہ جواب اہل القریٰ کی پہلی تفسیر کی بنا پر ہے دوسرے یہ کہ بندہ اس امتحان میں کامیاب ہوکر درجات عالیہ کا مستحق ہو۔ تیسرے یہ کہ مومن متقی کی دنیاوی تکالیف بھی آسمانی زمینی برکتیں ہیں کہ وہ بظاہر کڑوی ہوتی ہیں مگر ان کا پھل بہت میٹھا۔

منشیں ترش تو از گردش ایام کہ صبر   گرچہ تلخ است و لیکن بر شیریں دارد

حضرت امام حسین کی کربلا والی مصیبتیں ان کے لئے اللہ کی رحمتیں تھیں ان چند روزہ مصیبتوں سے انہیں جو شان ملی وہ دنیا میں دیکھی جارہی ہے اور انشاء اللہ قیامت و جنت میں دیکھی جاوے گی۔ **دوسرا اعتراض:** برکات کے لئے **فتحنا** کیوں ارشاد ہوا **اعطینا** کیوں نہ فرمایا اور فتحنا کے بعد علیھم کیوں فرمایا لھم کیوں نہ فرمایا وہ فرمانا موزوں ہوتا۔ **جواب:** قاعدہ ہے کہ جب کوئی چیز بہت زیادہ دینی ہوتی ہے تو اس چیز کے خزانہ کا دروازہ پورا کھول دیا جاتا ہے کہ جتنا چاہو لو۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا

www.alahazratnetwork.org

نیز جب بہت دیتا ہو اور ہر طرف سے دیتا ہو تو اوپر سے اس کی بارش کی جاتی ہے تاکہ جسم کی ہر سطح تر ہو جائے۔ رب فرماتا ہے **ففتحنا ابواب السماء بماء منهمر** غرضیکہ ان دونوں لفظوں سے رحمتوں و برکتوں کی بہتات بتانا مقصود ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں برکات من السماء کیوں ارشاد ہوا رحمت کیوں نہ فرمایا گیا پھر برکات جمع کیوں ارشاد ہوا **جواب**: رحمت عام ہے برکت خاص۔ رحمت ہر وہ بندہ نوازی ہے جو بغیر معاوضہ کسی پر کی جاوے مگر برکت وہ رحمت ہے جو مانگنے کے پاس سے جائے نہیں اس میں زیادتی ہو کمی نہ ہو۔ کفار کی نعمتیں زائل ہو جاتی ہیں لہٰذا وہ برکتیں نہیں۔ مومن پر اللہ کی رحمتیں لازوال ہوتی ہیں لہٰذا برکتیں ہیں چونکہ برکات بہت قسم کی ہیں عمر میں برکت' اولاد' مال میں برکت' رزق میں برکت وغیرہ۔ اس لئے برکات ہمیشہ جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ مومن عمر' اولاد' مال لازوال پاکر بھی ان سے نفع پاتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں آسمانی برکتوں کا ذکر پہلے ہوا زمینی برکتوں کا بعد میں اس کے الٹا ہوتا تو اچھا ہوتا کہ زمین ہم سے قریب ہے آسمان دور۔ **جواب**: آسمانی برکتیں پہلے ہوتی ہیں زمینی برکتیں بعد میں بلکہ آسمانی برکتوں سے زمینی برکتیں حاصل ہوتی ہیں۔ بارش ہو تو پیداوار ہوتی ہے اس لئے مقدم کا ذکر پہلے کیا گیا۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ایمان و تقویٰ سے اللہ کی رحمتیں ملتی ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شیء** جب کفار ہماری نصیحتیں بھول گئے تو ہم نے ان پر ہر نعمت کے دروازے کھول دیئے جس سے معلوم ہوا کہ کفر و معاصی پر نعمتیں ملتی ہیں۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا **لولا ان یکون الناس امة واحدة** اگر سارے ہی کافر نہ ہو جاتے تو ہم کافروں کو اتنا دیتے کہ ان کے زینے چاندی کے ہوتے۔ فرمایا نبی ﷺ نے کہ جب دجال آوے گا تو اس کو مان لینے والے مالا مال ہو جاویں گے اور انکار کرنے والے یک دم فقیر ان آیات و حدیث میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ وہاں لفظ برکات نہیں ابواب کل شیء ہے۔ بے شک انہیں دنیاوی عیش و آرام دے دیئے گئے جو ان کے لئے قہر الٰہی تھے تو وہ اور زیادہ غافل ہو گئے ان کے لئے برکتوں اور رحمتوں کے دروازے نہیں کھولے گئے تھے۔ دنیاوی سامان کی فراوانی اور شے ہے' رحمت یزدانی اور برکتیں اور چیز ایمان و تقویٰ سے برکتیں عطا ہوتی ہیں۔ اسی لئے طریقہ بیان میں فرق ہے۔

تفسیر: اس آیت کریمہ میں ایمان و تقویٰ پر آسمانی و زمینی برکتوں کی عطا کا وعدہ ہے۔ ایمان کی روح نبی کو ماننا ہے کہ اس میں سب کچھ آجاتا ہے۔ ایمان و دین حضور انور ﷺ ہیں حضور کے جسمانی حالات کا نام شریعت ہے۔ خیالی یعنی دلی حالات کا نام طریقت۔ روح پاک کے حالات کا نام حقیقت ہے' سر پاک کے حالات معرفت تقویٰ کی جان ہے ہر غافل کرنے والی چیز سے بچنا اور اپنی خودی سے ڈرنا جسے یہ دو نعمتیں مل جاویں اسے برکتیں عطا ہوتی ہیں وسعت رزق انسان کی نیک بختی ہے اگر شکر کی توفیق ہے ورنہ خدا کا عذاب۔ اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ ہم کافروں کو اتنا دیتے کہ **لجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتهم سقفا من فضة** یہ کثرت و فراوانی وہاں ہے یہاں ارشاد ہوا کہ اگر بندے میرے وعدوں پر بھروسہ کرتے میری مخالفت سے بچتے تو میں ان کو آسمانی رزق یعنی دلوں کا نور اپنے خاص کرم سے عطا فرماتا یہ نور گویا آسمانی برکتیں ہیں اور میں ان کے اعضاء ظاہری کو اپنی عبادات کی توفیق سے آراستہ کر دیتا کہ یہ زمینی برکتیں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در زمین و آسماں در ہائے جود ... می کشاند از پئے اہل سجود

www.alahazratnetwork.org

از زمین پر اطاعت باز کن بر سماء معرفت پرواز کن

مگر چونکہ ان لوگوں نے یہ دونوں کام نہ کئے لہٰذا ہم نے ان کی ان بد عملیوں کی وجہ سے قلب کے نور قالب کے تقویٰ سے محروم کر دیا یہ رب تعالیٰ کی سخت پکڑ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسمانی پیداوار میں آسمانی بارش۔ دھوپ ہوا کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور زمینی مٹی کھاد تخم کی بھی ضرورت۔ ان دونوں سے غذائیں حاصل ہوتی ہیں یوں ہی ہمارے نفس گویا اعمال کی زمین ہیں۔ حضور انور کی نگاہ کرم گویا آسمانی بارش ان دونوں کے ذریعہ شرعی اعمال کے کھیت اور طریقت کے باغ لگتے ہیں بشرطیکہ ایمان کی ہوائیں لگیں۔

أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿٩٧﴾

کیا پس مطمئن ہو گئے بستیوں والے یہ کہ آئے ان کو عذاب ہمارا رات میں حالانکہ وہ سوتے ہوں ؕ

کیا بستیوں والے نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب رات کو آئے جب وہ سوتے ہوں ؕ یا بستیاں والے

أَوَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَن يَأْتِيَهُم بَأْسُنَا ضُحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿٩٨﴾

کیا اور مطمئن ہو گئے بستیوں والے یہ کہ آئے ان کو عذاب ہمارا حالانکہ وہ کھیلتے ہوں ؕ کیا پس وہ

نہیں ڈرتے کہ ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے آئے جب وہ کھیل رہے ہوں کیا اللہ کی خفی

أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ ۚ فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ ﴿٩٩﴾

مطمئن ہو گئے اللہ کی تدبیر سے پس نہیں مطمئن ہوتے اللہ کی تدبیر سے مگر نقصان والی قوم ؕ

تدبیروں سے بے خبر ہیں۔ تو اللہ کی خفی تدبیروں سے نڈر نہیں ہوتے مگر تباہی والے ؕ

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ کافر قوموں کے عذابوں کا ذکر ہوا اب حضور انور کے زمانہ کے کفار کو اللہ کی پکڑ سے ڈرایا جا رہا ہے گویا اگلوں کے عذاب کے بعد پچھلوں کو عبرت دلائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ قوموں پر عذاب آنے کا ذکر تھا اب اس عذاب کی وجہ کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے بے خوفی اس امن پر تاکہ لوگ رب سے خوف کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ کے مختلف عذابوں کا ذکر ہوا اب نوعیت عذاب کا ذکر ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ ہم عذاب کی اطلاع دے کر عذاب بھیجیں ہو سکتا ہے کہ رات کی نیند دوپہر کے کھیل کود کے وقت ہی عذاب اچانک آجاوے۔

تفسیر: **افامن اهل القری** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کی ف عاطفہ نہیں بعض نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی کسی پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے بعض نے فرمایا کہ یہ **اخذنهم بغتة** پر معطوف ہے ان دونوں صورتوں میں ف عاطفہ ہے (معانی) یہ سوال یا تعجب دلانے کے لئے ہے یا اظہار عتاب کے لئے ظاہر یہ ہے کہ **قری** سے مراد وہ تباہ شدہ بستیاں ہیں اور اہل قری سے مراد مذکورہ بالا ہلاک شدہ قومیں اس صورت میں یہ سوال تعجب دلانے کے لئے ہے یعنی کیا ان بستیوں کے باشندے مطمئن ہو

www.alahazratnetwork.org

گئے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ قری سے مراد مکہ معظمہ اور اس کے آس پاس کی بستیاں ہوں جیسے طائف' رابغ وغیرہ جن کو حضور انور تبلیغ فرماتے تھے اور وہ لوگ اطاعت نہیں کرتے تھے یعنی کیا یہ واقعات سننے کے باوجود ان بستیوں کے باشندے مطمئن ہیں۔ جب ان نبیوں کے جھٹلانے پر عذاب آگیا تو کیا سید الانبیاء کے جھٹلانے پر عذاب نہ آوے گا لہذا اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں (معانی ۔خازن وغیرہ) **ان یاتیھم باسنا بیاتا** یہ فرمان عالی **امن** کا مفعول ہے یا اس سے پہلے من پوشیدہ ہے **یاتی** میں آنا عام ہے خواہ غیبی طریقہ سے ہو جیسے زلزلہ یا پتھر رسانا چیخ سے فنا ہو جانا یا ظاہری اسباب کے ماتحت جیسے ہاتھ فیل وغیرہ سے ہلاکت۔ باس وہ تکلیف جو انسان کا منہ بگاڑ دے اب محاورہ میں عذاب کو باس کہتے ہیں یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں **بیاتا** "یا تو مصدر ہے تو یہاں وقت پوشیدہ ہے اور یہ **یاتی** کا ظرف ہے یعنی ان کی شب باشی کے وقت یا بیاتا" جمع ہے بائت کی ۔ معنی **بائتین** تو یہ یاتی کے مفعول **ھم** سے حال ہے یعنی جس حال میں وہ لوگ رات میں آرام کر رہے ہوں (معانی) **و ھم نائمون** یہ عبارت یاتی کے مفعول سے حال ہے اگر بیاتا" بھی حال تھا تو یہ دوسرا حال ہے یعنی حال متماثلہ اور ہو سکتا ہے کہ بیاتا" سے حال ہو تو حال متداخلہ ہے جیسا کہ علم نحو رکھنے والوں پر پوشیدہ نہیں۔ خیال رہے کہ **بیتوتت** یعنی شب گزاری اور چیز ہے اور سونا دوسری چیز۔ لہذا ان دو لفظوں میں تکرار نہیں ۔ رات کو انسان کچھ وقت میں کھاتا پیتا ہے کچھ وقت باتیں کرتا ہے۔ عیاش لوگ کچھ دیر بد معاشیاں کرتے ہیں یہ سب کام شب گذاری میں داخل ہیں بعض لوگ رات کو نوکری کی ڈیوٹی دیتے ہیں بعض سفر کرتے ہیں مگر سونا ایک ہی کام کا نام ہے اگرچہ انسان دوپہر میں بھی سوتا ہے مگر کوئی کوئی وہ بھی عارضی طور پر۔ نیند کا اصل وقت رات ہے جیسے بعض لوگ رات میں مزدوری کرتے ہیں مگر عارضی۔ معاش کمانے کا اصل وقت دن ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وجعلنا النھار معاشا** لہذا یہاں نائمون فرمانا نہایت ہی موزوں ہے **او امن اھل القری** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے چونکہ یہاں ترتیب بتانا مقصود نہیں لہذا یہاں ف نہ آئی بلکہ واو ارشاد ہوا یہاں بھی اہل قری سے مراد یا تو مکہ طائف والے ہیں یا انہیں اجڑی ہوئی مذکورہ بستیوں کے باشندے۔ **اھل** اسم جنس ہے جو ایک اور بہت سب پر بولا جاتا ہے۔ اس عبارت میں بھی ہمزہ سوال کے لئے ہے اور سوال تعجب دلانے یا اظہار غضب کے لئے۔ بعض قراءتوں میں واؤ کے سکون سے تب یہ پورا لفظ حرف عطف ہے اور اس کا مقصود دو چیزوں کو تردید کے ساتھ بیان فرمانا ہے **ان یاتیھم باسنا ضحی** ہم ابھی یاتیھم اور باسنا کی تفسیر عرض کر چکے ہیں۔ ضحی بنا ہے ضحوۃ سے ضحوۃ کہتے ہیں سورج کی تیز روشنی کو۔ اس کی سیدھی شعاعوں کو۔ اب محاورہ میں اس وقت کو ضحوۃ کہتے ہیں۔ جب روشنی سورج کی تیز ہو جاوے اور شعاعیں سیدھی پڑنے لگیں یعنی دن چڑھے یا دوپہر یہ ہی معنی یہاں مراد ہیں (بیان' معانی' خازن) **و ھم یلعبون** یہ عبارت **یاتھم** کی ضمیر جمع مذکر سے حال ہے ھم سے مراد وہی کفار ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے لعب اور لہو دونوں کے معنی ہیں کھیل کود مگر ان میں کچھ فرق ہے جو ہم ساتویں پارے میں عرض کر چکے ہیں کہ بیکار مشغلہ کو لہو کہتے ہیں اور نقصان دہ مشغلہ کو لعب یا برعکس اس کے ہے **لعبہ** ۔ معنی کھلونا۔ یہاں لعب سے مراد یا تو ان کے دنیا کے مشغلے ہیں تجارتی کاروبار وغیرہ جس میں مشغول ہو کر وہ رب تعالیٰ سے غافل ہو جاتے ہیں یا ان کے کفر و عناد کے مشاغل مراد ہیں جو ان کے لئے دنیا و آخرت میں مضر ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ انسان کی زیادہ غفلت کے دو وقت ہیں رات اور دوپہر۔ رات میں سونا۔ دوپہر میں کاروبار' اسی لئے ان دو وقتوں کا ذکر کیا۔ مقصود یہ ہے کہ ہم ان پر عذاب ایسے وقتوں میں

www.alahazratnetwork.org

بھیں جب کہ یہ بالکل غافل ہوں یا رات کو جب یہ سو رہے ہوں یا دن چڑھے جب یہ اپنے کاروبار میں لگے ہوں چونکہ رات میں قریباً" سب لوگ ایک ہی کام کرتے ہیں یعنی سونا اس لئے وہاں نائمون ارشاد ہوا اسم فاعل مگر دن دوپہر میں مختلف لوگ مختلف کام کرتے ہیں بلکہ ایک آدمی ہی کبھی کچھ کرتا ہے کبھی کچھ اس کے لئے **یلعبون** مضارع ارشاد ہوا جو تجدد چاہتا ہے **افامنوا مکر اللہ** یہ نیا جملہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کے خاص غضب کا ذکر ہے مکر کے لغوی معنی ہیں خفیہ تدبیر مگر عام محاورہ میں دھوکہ فریب کو مکر کہا جاتا ہے یہاں لغوی معنی میں ہے فرماتا ہے **مکروا و مکر اللہ** اس آیت میں پہلا مکر۔ معنی دھوکہ فریب ہے' دوسرا مکر۔ معنی خفیہ تدبیر ہے کہ اللہ تعالیٰ دھوکہ فریب سے پاک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مکر کے معنی ہیں دھوکہ۔ بندے کا مکر ہے دھوکہ دینا یہ عیب ہے رب کا مکر یہ ہے کہ کسی بندے کا اس کی نعمت سے دھوکہ کھانا یہ رب کی صفت کمال ہے بندہ کا عیب۔ یہاں مکر سے مراد یا تو بے خبری میں عذاب دینا ہے تو یہ پچھلے مضمون کی شرح ہے یا انہیں باوجود کفرو گناہ کے نعمتیں عطا فرمانا ہے۔ اولاد' مال' آبرو وغیرہ یا انہیں ڈھیل دینا مراد ہے کہ عرصہ دراز تک کفرو گناہ کریں مگر عذاب نہ آئے **فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **اذا کان استدراجہ علی ھذا** (روح البیان) اسی صورت میں یہ ف جزائیہ ہے بعض نے فرمایا کہ یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی علت ہے تب ف علیلیہ ہے یعنی یہ کفار بڑے خسارہ والے ہیں کیونکہ یہ اللہ کی ڈھیل سے مطمئن ہیں چونکہ لفظ قوم لفظاً" واحد ہے مگر معنی جمع اس لئے اسکی صفت خاسرون جمع ارشاد ہوئی۔ خسارہ اور نقصان کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں گنہگار مومن اگرچہ نقصان اپنا کرتا ہے کہ اپنی زندگی کی قیمتی گھڑیاں گناہوں میں صرف کرتا ہے مگر بفضلہ تعالیٰ خسارہ میں یعنی ٹوٹہ میں نہیں کہ ایمان پر ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! مذکورہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات سن چکے تو کیا عرب کی بستیوں والوں کو اللہ سے امن ہے کیا وہ اس سے مطمئن ہیں کہ رات کے وقت جب وہ سو رہے ہوں تب ان پر ہمارا عذاب اچانک آجاوے یا جب یہ بستیوں والے دن دوپہر اپنے دنیاوی کاروبار اور اپنی خرافات میں مشغول ہوں اور ان کو عذاب آنے کا وہم و گمان بھی نہ ہو تب انہیں ہمارا عذاب آ دبوچے۔ کیا یہ لوگ ہماری تدبیروں سے امن میں ہیں وہ ہماری دی ہوئی نعمتوں سے دھوکہ کھا رہے ہیں یا ہماری ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھا رہے ہیں یقین کرو کہ ہماری تدبیروں سے امن میں اور ہم سے بے خوف وہی لوگ ہوتے ہیں جو بالکل خسارہ میں ہیں ابھی وقت ہے آنکھیں کھول لیں گذشتہ قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرو۔ خیال رہے کہ بعض بندے وہ ہیں جو دن میں جاگتے ہوں تب بھی سوتے ہیں بعض خوش نصیب بندے وہ ہیں کہ جو رات میں سوتے ہوئے بھی بیدار رہتے ہیں غرضیکہ آنکھ کی نیند اور ہے دل کا سونا کچھ اور

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** دل سے رب تعالیٰ کا خوف نکل جانا اس کے جلال کی ہیبت جاتی رہنا کفر پر خاتمہ کی دلیل اور عذاب الہی آنے کی علامت ہے۔ یہ فائدہ افامن سے حاصل ہوا اس کے برعکس دل میں خوف خدا انشاء اللہ خاتمہ بالخیر ہونے اور اللہ تعالیٰ کے خاص کرم کی علامت ہے۔ جن حضرات سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ مغفرت فرما لیا جیسے حضرات صحابہ کرام خصوصاً" عشرہ مبشرہ ان کے دلوں میں خوف الہی دوسروں سے زیادہ تھا جناب صدیق اکبر کو رب تعالیٰ نے اتقی فرمایا مگر وہ یہ ہی عرض کرتے تھے الہی میرا کیا بنے گا میرے پاس کوئی نیک عمل ہے ہی نہیں یہ ہے خوف خدا۔ رب تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

اس خوف کا ذرہ ہم کو بھی عطا فرمادے آمین ایسا خوف رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے دل بریاں چشم گریاں نصیب ہو۔

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے دل مرتضے سوز صدیق دے

دوسرا فائدہ: اکثر عذاب الٰہی لوگوں کی غفلت کے وقت آتا ہے جب انہیں اس کا وہم و گمان بھی نہیں۔ یہ فائدہ **بیاتا** " اور "ضحیٰ" سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ**: مومن کامل نہ سوتے میں رب سے غافل ہوتا ہے نہ کاروبار کرتے میں نہ کھاتے پیتے میں اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ دل بہ یار دست بہ کار۔ یہ فائدہ **نائمون** اور **یلعبون** کے ساتھ **ھم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ دونوں ضمیریں کفار کی طرف لوٹ رہی ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: کافر کا ہر کام لہو لعب یعنی کھیل کود ہے اگرچہ وہ لاکھوں روپیہ کمارہا ہو مگر کھیل رہا ہے کیونکہ اس کے مشاغل کا نتیجہ کچھ نہیں۔ مومن کا ہر کام حتیٰ کہ سونا جاگنا کھانا پینا بھی طاعت ہے کہ اس کے نتیجے اس کے لئے اچھے ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ راحت و تکلیف ہر چیز میں غور کرے کہ یہ کیوں آئی یہ خدا کی طرف سے **مکر** یعنی خفیہ تدبیر نہ ہو یہ فائدہ **فلا یامن مکر اللہ** سے حاصل ہوا۔ بعض صحابہ اپنے زیادہ مال و دولت دیکھ کر روتے تھے کہ ہم کو یہ آرام کیوں ہے یہ علامات بے بیدار دل کی رب تعالیٰ نصیب کرے۔ **چھٹا فائدہ**: جن لوگوں سے رب تعالیٰ نے عذاب نہ دینے کا وعدہ فرمالیا ہو انہیں بھی رب سے خوف اس سے ہیبت چاہئے کہ اس خوف پر ایمان کا دارومدار ہے۔ اس سے امن کفر ہے۔ دیکھو کفار مکہ کے متعلق وعدہ الٰہی ہو چکا کہ **ما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** آپ کے ہوتے ہم ان کو عذاب نہ دیں گے مگر پھر بھی ان ہی لوگوں پر عتاب ہے کہ یہ لوگ عذاب سے مطمئن کیوں ہو گئے ان کے دل سے ہماری ہیبت کیوں نکل گئی دیکھو حضرات انبیاء کرام اور بعض صحابہ سے وعدہ جنت ہو گیا مگر ان کے دلوں میں اس وعدے کے بعد اور زیادہ خوف خدا ہو گیا اللہ پر امن اس سے بے خوف ہو جانا بہرحال کفر ہے یہ بات خوب خیال میں رکھی جائے رب کے وعدے پر یقین اور چیز ہے مگر اس سے بے خوفی دوسری چیز حضور ﷺ بادل دیکھ کر بھی خوف کرتے تھے۔ یہ خوف ہیبت کا تھا رب کی وعدہ خلافی کا اندیشہ ہرگز نہ تھا۔ **ساتواں فائدہ**: اچانک موت خدا تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **وھم نائمون** اور **یلعبون** سے حاصل ہوا۔ اچانک موت وہ ہے جس کی پہلے سے تیاری نہ ہو۔ بیماری کا اعتبار نہ ہو۔ دیکھو حضرت موسیٰ و سلیمان علیہم السلام کی وفات بغیر بیماری کے ہوئی۔ **آٹھواں فائدہ**: جو چیز رب سے غافل کرے وہ کھیل کود ہے یہ فائدہ **وھم یلعبون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفار کے ہر عمل کو کھیل کود فرمایا۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: **او امن** میں اگر واؤ عاطفہ ہے تو نحوی قاعدہ سے درست نہیں کیونکہ واؤ عاطفہ پر ہمزہ استفہام نہیں آسکتا یہاں ہمزہ بھی ہے اور واؤ بھی۔ **جواب**: یہ نحوی قاعدہ مفرد کے عطف میں ہے مگر جملہ کے عطف میں ہمزہ استفہام اور واؤ عاطفہ جمع ہو سکتے ہیں۔ یہاں دوسری صورت ہے یعنی جملہ کا جملہ پر عطف ہے (تفسیر مدارک) جس قرأت میں او واؤ کے جزم سے ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں کہ پھر او عاطفہ ہے ہمزہ استفہام ہے ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہ بات تو بالکل ظاہر تھی کہ کفار مکہ عذاب الٰہی سے بے خوف تھے پھر اس کے پوچھنے میں کیا حکمت ہے۔ رب تعالیٰ پوچھنے سے پاک ہے کہ بے علم پوچھتا ہے۔ **جواب**: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس سوال کا مقصد پوچھنا دریافت کرنا نہیں ہے بلکہ بندوں کو تعجب دلانا ہے یا کفار پر اظہار غضب۔ سوال کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اگر یہاں روئے سخن کفار مکہ سے ہے تو ان پر

www.alahazratnetwork.org

عذاب آسکتا ہی نہیں وعدہ الٰہی ہو چکا۔ کفار کو اس کا یقین تھا پھر اس یقین پر عتاب کیوں فرمایا گیا۔ اللہ سچا اس کے وعدے سچے۔ **جواب:** یقین پر عتاب نہیں بلکہ امن اور بے خوفی پر عتاب ہے۔ جیسا کہ ابھی فوائد میں عرض کیا گیا کہ رب تعالیٰ کے وعدہ کے باوجود اس سے ہیبت و خوف چاہیے۔ رب تعالیٰ کے وعدوں پر بھروسہ اور یقین ضرور چاہیے مگر بے خوفی نہ چاہیے۔

مسئلہ: خوف خدا کی چند صورتیں ہیں اس کی پکڑ کا خوف۔ یہ ہم گنہگاروں کو ہے حضرات انبیاء و بعض اولیاء اس سے بری ہیں جن سے وعدہ مغفرت ہو چکا۔ رب کی وعدہ خلافی کا خوف یہ کفر ہے۔ رب تعالیٰ کی ہیبت' یہ ہر بندہ کو چاہیے بلکہ جتنا درجہ بڑا اتنی ہی ہیبت زیادہ۔ اللہ کا خوف مگر صرف زبانی کہ عمل اس کے خلاف ہو' یہ محض بے فائدہ ہے۔ یہ خوف تو شیطان کو بھی ہے۔ اس نے کہا **انی اخاف اللہ** مگر اس زبانی خوف سے وہ مومن نہیں ہو گیا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں عذاب کے لئے دو وقت ہی کیوں مقرر فرمائے گئے۔ سونے کا وقت رات میں۔ دوپہر کا وقت دن میں کیا اور وقت عذاب نہیں آسکتا **جواب:** اس لئے کہ یہ وقت عموماً غفلت کے ہوتے ہیں اور غفلت میں عذاب بہت سخت محسوس ہوتا ہے۔ حکومتیں آنے والے سیلابوں' زلزلوں وغیرہ کی خبریں پہلے سے دے دیتی ہیں کہ علامات سے معلوم ہو رہا ہے کہ زلزلہ یا سیلاب آنے والا ہے تاکہ لوگ تیاری کر لیں' بچاؤ کا انتظام کر لیں ان پر یہ مصیبتیں زیادہ دشوار نہ ہوں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ مکر وغیرہ سے پاک ہے کہ یہ تو بدترین عیب ہے پھر یہاں مکر اللہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کا جواب بہت پہلے تفصیل سے پہلے پارہ میں **یخدعون اللہ** کی تفسیر میں گزر چکا کہ ان جیسی آیات میں مکر' معنی دھوکا فریب نہیں ہوتا بلکہ' معنی خفیہ تدبیر ہوتا ہے کہ بندہ جرم کرے اس کو نعمتیں ملیں یا اس کی پکڑ نہ ہو مہلت ہے یہ عیب نہیں بلکہ عیب داروں کی پکڑ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: غافل کافر کی زندگی کا خلاصہ ہے کھانا' کھیلنا' کمانا' گنانا اس کی زندگی ایک شعر میں مذکور ہے۔

کیا کہیں احباب کیا کار نمایاں کر گئے   بی۔اے کیا نوکر ہوئے پنشن ملی اور مر گئے

یہ زندگی اللہ کا عذاب ہے۔ محنت سے جوڑنا' حسرت سے چھوڑنا اس کی زندگی ہے انہیں عیوب کا ان آیات میں ذکر ہے۔ رات میں سونا **وھم نائمون** دن میں کھیلنا **وھم یلعبون**۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

جب انسان حد سے آگے بڑھتا ہے تو اس میں خدا تعالیٰ سے بے خوفی پیدا ہو جاتی ہے کہ اللہ کی دی ہوئی ڈھیل سے غلط نتیجہ نکالتا ہے وہ اس ڈھیل میں اور زیادہ گناہ کرتا ہے اس کا ذکر ہے **فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخسرون** یہ مرض لاعلاج ہوتا ہے وہ اس مہلت کو برے کاموں میں صرف کرتا ہے ایسے لوگ بالکل خسارہ میں رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں امن آخرت کی بے امنی کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں بے خوفی آخرت کا خوف ہے۔ دنیا کا چین و سکون آخرت کی بے چینی بے قراری ہے اس کے برعکس دنیا میں خوف آخرت میں بے خوفی کا ذریعہ ہے۔ دنیا میں دل کی بے قراری آخرت کا قرار ہے۔ دنیا میں خوف سے رونا آخرت میں ہنسنے کا ذریعہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

از پس ہر گریہ آخر خندہ ایست   مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

www.alahazratnetwork.org

ہر رونے کے بعد انشاء اللہ ہنسنا خوش ہونا ہے۔ مبارک ہے وہ بندہ جو انجام پر نظر رکھے' جیسے بادل کا رونا چمن کے سبزہ کا پیش خیمہ ہے ایسے ہی خوف خدا' عشق رسول میں رونا چمن ایمان کے لہلہانے کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان آیات میں رب نے کافر کے شب و روز کی زندگیوں کی جھلک دکھائی ہے کہ رات میں سونا' دن میں کھیلنا ان کی زندگی ہے اے مسلمان تیری زندگی ایسی نہ ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سونا بھی تین قسم کا ہے۔ آنکھ کا سونا' دل کا سونا' نصیب و قسمت کا سونا' اس کے مقابل جاگنا بھی تین طرح کا ہے' آنکھ کا جاگنا' دل کا جاگنا' مقدر و قسمت کا جاگنا' جگانے والے بھی تین طرح کے ہیں۔ آنکھ کو جگانے والے تین ہیں۔ سورج کا طلوع' رات میں خاص تکلیف جو سونے نہ دے' کسی بیدار کی آواز۔ دل جگانے والی بھی تین چیزیں ہیں۔ دنیاوی مصیبت و تکلیف' کسی جاگتے دل والے کی صحبت' یا اللہ کی رحمت کہ انسان پیدائشی دل کا بیدار ہو جیسے حضرت رابعہ بصریہ کہ چار برس کی عمر میں آپ چولہے میں آگ جلتے دیکھ کر روتی تھیں کہ کہیں میں وہ تنکا نہ ہوں جس سے اولاً "آگ روشن کی جاتی ہے تقدیر جگانے والی ایک اور صرف ایک چیز ہے یعنی اللہ کے حبیب کی نگاہ کرم' آسمان کا سورج سوتی آنکھ جگاتا ہے نبوت کے آسمان کا سورج (صلی اللہ علیہ وسلم) سوئی تقدیر جگاتے ہیں۔

مری بگڑی ہوئی حالت بنا دو مری سوئی ہوئی قسمت جگا دو

یہ تو مومن و کافر کے سونے میں فرق ہے۔ رہی بیداری اس میں بھی فرق ہے کہ کافر کی بیداری کے سارے اعمال عادات ہیں لہذا مضر یا بیکار ہیں اور مومن کے سارے کام عبادات ہیں مفید ہیں۔ پلاؤ کے سارے اجزاء بغیر پکائے ہوئے پلاؤ نہیں بنتے جو کچے چاول پھانکے کچا گوشت کھائے بیمار ہو جائے جب اس کے اندر پانی پڑتا ہے اور باہر یعنی چولہے میں رہ کر آگ اثر کرتی ہے تو اس کا نام پلاؤ ہوتا ہے۔ یوں ہی مومن کے اعمال میں اتباع رسول کا پانی پڑتا ہے اور عشق رسول کی آگ جو دل میں روشن ہے وہ اثر کرتی ہے تو وہ اعمال عبادات بن جاتے ہیں اور مفید آگ دور رہ کر تاثیر دکھاتی ہے کہ دیگ میں سامان چولہے میں آگ۔ یوں عشق رسول کی آگ اعمال سے دور رہ کر رنگ دکھاتی ہے کہ اعضاء بدن میں اعمال اور دل میں سوز و گداز ہوتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر فانی چیز کھیل کود ہے اور ہر باقی رہنے والی چیز گو ہر بے مثال ہے نفسانی چیزیں فانی ہیں' ربانی چیزیں باقی۔ رب تعالیٰ ہماری زندگی کے ہر شعبہ کو ربانی بنائے آمین۔

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَآءُ اَصَبْنٰهُمْ
اور کیا نہ راہبری کی ان لوگوں کی جو وارث ہوتے ہیں زمین کے پیچھے اس کے مالکوں کے یہ کہ اگر ہم
اور کیا وہ جو زمین کے مالکوں کے بعد اس کے وارث ہوئے انہیں اتنی ہدایت نہ ملی کہ ہم چاہیں تو انہیں
بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ۝
چاہیں تو پہنچائیں ہم ان پر بوجہ گناہوں کے انکے اور مہر کر دیں او پر دلوں کے انکے پس وہ نہ سنتے ہوں ؛
ان کے گناہوں پر آفت پہنچا دیں اور ہم ان کے دلوں پر مہر کرتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سنتے ؛

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں گزشتہ کافر قوموں کے عذاب ان کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب اس ذکر کی حکمت کا تذکرہ ہے کہ یہ واقعات ان موجودہ کافروں کی ہدایت کے لئے بیان کئے گئے یہ لوگ عبرت پکڑیں اور ایمان لائیں (تفسیر کبیر) **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ پر امن اور اس سے بے خوفی رب تعالیٰ کے غضب کی علامت ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اسی عقیب میں موجودہ کفار گرفتار ہیں گویا ایک قانون کلی بیان فرمانے کے بعد اس قانون کو موجودہ کفار پر منطبق فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گزشتہ کفار کی ہلاکت کا ذکر تھا اب ان موجودہ کفار کے اندیشہ کا ذکر ہے کہ ہم عذاب پر قادر تھے بھی اور ہیں بھی کہ ان کو بھی ہلاک کر سکتے ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات کا خلاصہ یہ تھا کہ یہ لوگ گزشتہ قوموں کے عذابوں کو سن کر عبرت نہیں پکڑتے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ آئے ہوئے عذابوں کے آثار دیکھ کر بھی عبرت نہیں پکڑتے گویا پہلے ان کے سننے کی کیفیت کا ذکر تھا اب ان کے دیکھنے کی کیفیت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: اولم یهد یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس میں الف تو سوال کا ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ **اولم** کے متعلق ابھی پچھلی آیت میں عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ سوال یا اظہار غضب کے لئے ہے یا سننے والے کو تعجب دلانے کے لئے کیونکہ انسان کی فطرت ہے کہ وہ لوگوں کی تکالیف سے عبرت پکڑتا ہے اور اس سے بچاؤ کی تدبیریں سوچتا ہے وبا پھیل جائے تو اس سے بچنے کی ہزار ترکیبیں کرتا ہے حتی کہ وبا والے کے پاس نہیں جاتا **یهد** بنا ہے ہدایۃ سے۔ یہ لازم بھی آتا ہے متعدی بھی یعنی ہدایت پانا' ہدایت دینا' ہدایت کے معنی' اس کے اقسام پہلے پارہ میں **اهدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں **للذین یرثون الارض** یہ عبارت متعلق ہے **لم یهد** کے چونکہ یہاں ہدایۃ میں ظاہر ہونے کے معنی کا لحاظ ہے اس لئے **للذین** میں لام آ گیا ورنہ ہدایۃ کے پہلے مفعول پر لام یا الی وغیرہ نہیں آتا۔ **الذین** سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو دن رات حضور انور کی مخالفت میں سرگرم عمل رہتے تھے یہ ہی قوی ہے۔ **یرثون** بنا ہے وراثت سے جس کے معنی ہیں مرنے کے بعد اس کے مال کا مالک ہونا قرابت کی وجہ سے **الارض** سے مراد زمین مکہ اور اگر الذین سے مراد عام کفار ہوں تو ارض سے مراد ساری زمین ہوگی جو وراثۃ" پچھلوں کو ملے **بعد اهلها** یہ عبارت ظرف ہے **یرثون** کا۔ **اهل** سے مراد اس زمین کے گزشتہ مالکین یا گزشتہ باشندے ہیں۔ **ها** کا مرجع **الارض** ہے یعنی وہ کفار عرب یا تمام جہان کے کفار جو گزشتہ اپنے باپ دادوں کے بعد ان کی موت کے بعد یا ان کی ہلاکت کے بعد ان کی زمین کے وارث ہو گئے کیا انہیں ہدایت نہ ملی ان کی ہلاکت و موت سے ان لوگوں پر یہ بات ظاہر نہ ہوئی کہ **ان لو نشاء اصبنهم بذنوبهم** یہ عبارت **یهد** کا فاعل ہے اس میں ان اصل میں **انه** تھا۔ ہ کو حذف کر کے **ان** کا شد دور کر دیا۔ **اصبنا** بنا ہے **اصابته** سے۔ معنی پہنچانا مراد ہے موت پہنچانا یا عذاب پہنچانا۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ ان دونوں کو شامل ہے یعنی آفت پہنچانا کیونکہ کافر کی موت بھی آفت ہوتی ہے۔ مومن کی موت رحمت۔ **بذنوب** میں ب سببیہ ہے۔ **ذنوب** جمع ہے ذنب کی۔ معنی گناہ خواہ ظاہری گناہ ہو یعنی بد عملی یا باطنی گناہ یعنی بد عقیدگی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دراصل **بجزاء ذنوبهم** تھی۔ جزاء مضاف پوشیدہ کر دیا گیا (معانی) یعنی اگر ہم چاہیں تو ان کو بھی ان کے کفر و گناہ کی وجہ سے آفت میں مبتلا کر دیں کہ موت دے دیں یا عذاب۔ ہم قادر مطلق ہیں۔ خیال رہے کہ اس عبارت کی نحوی ترکیبیں اور بھی کی گئی ہیں یہ ترکیب آسان بھی ہے اور واضح بھی۔ بعض قراتوں میں **نهد** ہے نون سے پھر اس فرمان عالی کا مطلب ہی کچھ اور ہوگا

www.alahazratnetwork.org

ونطبع علی قلوبھم اس عبارت کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ معترضہ ہے نیا ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس صورت میں **فھم لا یسمعون** معطوف ہے **اصبناھم** پر اور ہو سکتا ہے کہ **ونطبع** سے لے کر **لا یسمعون** تک ایک ہی جملہ ہو۔ یہ معترضہ نہیں اور بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ **ان لو نشاء** پر معطوف ہے اور **یھد** کا فاعل ہے (تفسیر خازن و روح المعانی) غرضیکہ اس کی تین تفسیریں ہیں اور تین ترکیبیں۔ **نطبع** بنا ہے۔ **طبع** سے۔ بمعنی چھپنا مہر لگانا اس کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں **ختم اللہ علی قلوبھم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ طبع، ختم اور رین میں قدرے فرق ہے۔ کفار کے لئے قرآن مجید میں یہ تینوں الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔ **فھم لا یسمعون** اس کی نحوی ترکیبیں ابھی ابھی عرض کی جا چکی ہیں۔ اس جملے کے بہت معنی ہیں۔ آسان معنی یہ ہیں کہ ہم ان کفار کے دلوں پر کفر و عناد اور غفلت کی مہر لگا دیتے ہیں لہٰذا وہ لوگ ان مذکورہ واقعات "آپ کی تبلیغ کو سنتے ہی نہیں پھر ان کی ہدایت کی کیا صورت ہو سکتی ہے۔ آپ ان کے ہدایت پر نہ آنے سے غم نہ کریں۔

خلاصہ تفسیر: ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں۔ ہم آسان اور واضح تفسیر عرض کرتے ہیں یہ کفار گزشتہ ہلاک شدہ اور فوت شدہ لوگوں کی بستیوں مکانات کے وارث بن کر انہیں استعمال کرتے ہیں۔ کیا انہیں یہ ہدایت نہ ملی کہ اگر ہم چاہیں تو گزشتہ کفار کی طرح جو ان کے مورث تھے جن کی زمینوں میں آباد ہیں انہیں بھی آفات میں مبتلا کر دیں ان پر عذاب نازل فرما دیں ان کے دلی اور جسمانی گناہوں کی وجہ سے یعنی ان کے کفر و عناد کی وجہ سے کیونکہ پچھلی قومیں بھی کفر و عناد کی وجہ سے ہی ہلاک کی گئیں یہ بھی انہی بیماریوں میں مبتلا ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر غفلت کی مہر لگا دیتے ہیں اس لئے وہ ان مذکورہ عذابوں کی آیتیں آپ کے فرمان قبول کے کان سے سنتے ہی نہیں لہٰذا ان کے کافر رہنے پر غم نہ کریں۔ آپ کی تبلیغ میں کوئی کوتاہی نہیں۔ قصور ان کے اپنے اندر ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** متروکہ جائیدادوں مکانات سے عبرت پکڑنا ضروری ہے کہ جیسے یہ چیزیں ہمارے مورثوں کے پاس نہ رہیں ان کے بعد ہم مالک ہو گئے ایسے ہی ہمارے پاس نہ رہیں گی۔ ہمارے بعد کوئی اور مالک ہو گا تاکہ دل میں غرور اور غفلت پیدا نہ ہو۔

چنانکہ دست بدست آمد است ملک بما — بدست دگراں ہم چناں بخواہد رفت

حکایت: ایک شخص شیر کی کھال کی پوستین پہنے ہوئے بہت فخر سے اکڑتا ہوا جا رہا تھا ایک اللہ والے نے کہا کہ جب یہ کھال اس کے جسم پر نہ رہی جس کی کھال ہے تو تیرے جسم پر کیسے رہے گی اس عارضی چیز پر کیوں اتراتا ہے یہ فائدہ **یرثون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دوسروں کی موت سے عبرت نہ لینا برابر گناہوں میں مشغول رہنا۔ غفلت دل کی علامت ہے۔ یہ غفلت ہی تمام گناہوں کی اصل ہے اس لئے زیارت قبور سنت ہے کہ زائر عبرت پکڑے۔

جا کے گورستاں میں دیکھو عجب صورت کے حال — کیسے کیسے ماہ رو واں ہو رہے ہیں پائمال
کیسے حسیں کی قبر پہ کانٹوں کی باڑ ہے — وہ پھول سا بدن وہ نزاکت کہاں گئی

یہ فائدہ بھی **او لم یھد** کے تعجب والے سوال سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** بندہ ہر وقت اپنی جان اپنے ایمان بلکہ اپنے ہر

www.alahazratnetwork.org

حال کو اللہ کے قبضہ میں جانے وہ جب چاہے ہماری جو چیز چاہے ہم سے چھین لے۔ ہم کسی چیز کے اصل مالک نہیں یہ تمام چیزیں ہمارے پاس عارضی ہیں یہ فائدہ **ان لو نشاء** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: دل کی غفلت اللہ کا سب سے بڑا عذاب ہے۔ بیدار دل اللہ کی رحمت ہے یہ فائدہ **و نطبع علی قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: ہمارے ظاہری اعضاء اور ان کی قوتیں دل کے تابع ہیں جس سے دل محبت ہو اس کی بات اچھی طرح سنی جاتی ہے اسے محبت سے دیکھا جاتا ہے مگر جس سے دلی نفرت ہو اس کی بات کان سنتے نہیں قبول کا سننا اسے آنکھیں الفت سے دیکھتی نہیں اس کی طرف پاؤں رغبت سے چلتے نہیں۔ یہ فائدہ **فھم لا یسمعون** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جس سننے دیکھنے کے ساتھ قبول اور عمل نہ ہو وہ سننا دیکھنا درحقیقت نہ تو سننا ہے نہ دیکھنا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان سننے والے کفار کو جو بہرے نہ تھے فرمایا **لا یسمعون** لہذا جہاں کہیں ارشاد ہو **انک لا تسمع الموتی** وغیرہ۔ وہاں بھی موتی سے مراد یہی دل کے مردے کفار ہیں اور لا سمع سے مراد قبول کا سنانا۔ یہ آیت ان آیات کی تفسیر ہے فرماتا ہے **صم بکم عمی فھم لا یرجعون** اس کی مفصل بحث پہلے پارے کی تفسیر میں اس آیت **صم بکم** کے ماتحت دیکھو۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: جن قوموں پر عذاب آیا ان کی بستیاں کبھی آباد نہ ہوئیں وہاں رہنا سنا بلکہ وہاں ٹھہرنا کسی کو جائز نہ ہوا پھر یہاں ان بستیوں کے متعلق **یرثون** کیوں ارشاد ہوا۔ ان زمینوں کا تو کوئی وارث ہوا ہی نہیں۔ **جواب**: قوی یہ ہے کہ یہاں خطاب مکہ کے کفار سے ہے اور وارثت سے مراد ہے ان کے باپ دادوں کی موت کے بعد ان کا ان کی جائدادوں کا وارث ہو کر انہیں برتنا۔ مقصد یہ ہے کہ ان مکانات عمارات کو دیکھ کر عبرت لینی چاہئے۔ اپنی موت پر نظر رکھنی چاہئے اس صورت میں آیت بالکل ظاہر ہے اور اگر ہلاک شدہ قوموں کی زمینیں مراد ہوں تو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ فرعونیوں کو مصر سے نکال کر ہلاک کیا۔ ان کی زمین و عمارات کا مالک وارث بنی اسرائیل کو بنایا۔ رب فرماتا ہے **واورثنا ھا بنی اسرائیل** نیز قوم نوح طوفان سے ہلاک ہوئی ان کی زمین کشتی والوں نے کشتی سے اتر کر استعمال کی اگر قوم پر عذاب ان کی بستی پر آوے اور وہ عذاب ہر طرح سے عذاب ہو کسی طرح کسی کے لئے رحمت نہ ہو اور عذاب بھی کبھی آسمانی ہو تب وہ حکم ہے جو معترض نے کہا جیسے قوم ثمود و عاد کی بستیاں جو اب تک آباد نہ ہوئیں لہذا آیت صاف ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **یرثون** کیوں ارشاد ہوا کیا صرف وارثوں کو ہی عبرت لینی چاہئے۔ دوسروں کو نہیں۔ عبرت تو سب کو ہی لینی چاہئے۔ **جواب**: اگر یہاں وراثت سے مراد شرعی وراثت مراد ہے تب تو اس کا ذکر اس لئے فرمایا کہ وارث لوگ ہر وقت میراث کا مال و متاع دیکھتے اور برتتے ہیں ہر وقت وہ چیز ان کے سامنے رہتی ہے انہیں عبرت کا موقعہ بہت ملتا ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا اور اگر وراثت سے مراد لغوی وراثت ہے یعنی کسی کی چیز پر اس کے بعد دوسروں کا قبضہ کرنا تب مطلب ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں وراثت لغوی معنیٰ میں بہت جگہ استعمال ہوا ہے۔ رب فرماتا ہے **واورثنا الارض نتبوا من الجنتہ حیث نشاء** اور فرماتا ہے **واورثکم دیارھم و اموالھم** اپنے متعلق فرماتا ہے **نحن الوارثون** **تیسرا اعتراض**: **یھد للذین**۔ نحوی قاعدے سے درست نہیں کیونکہ ہدایت کے پہلے مفعول پر لام نہیں آتا۔ رہا دوسرا مفعول وہ کبھی خالی آتا ہے۔ جیسے **اھدنا الصراط المستقیم** اور کبھی لام سے جیسے **یھدی للتی ھی اقوم** اور کبھی الی سے

www.alahazratnetwork.org

انک لتهدی الی صراط مستقیم میں پہلے معمول پر لام آگیا **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ہدایت ٭ معنی تبیین ہے یعنی ظاہر کرنا بتانا لہٰذا لام آنا درست ہوا۔ ہدایت اپنے معنی میں نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: تم نے تفسیر میں کہا کہ ممکن ہے کہ نطبع معطوف ہو اصبناپر۔ یہ نحوی قاعدے سے درست نہیں کیونکہ **اصبنا** ماضی ہے اور نطبع مستقبل حالانکہ معطوف مطابق چاہئے معطوف علیہ کے۔ **جواب**: اس صورت میں **یا تو اصبنا** معنی مستقبل ہے اور یا نطبع ٭ معنی ماضی ہے یعنی اگر ہم چاہیں تو انہیں ان کے گناہوں کی وجہ سے پکڑ لیں اور ان کے دلوں پر مہر کردیں (خازن، روح المعانی) اور اگر نطبع علیحدہ جملہ ہو پھر تو کوئی اعتراض ہے ہی نہیں۔ یوں ہی اگر یہ جملہ معترضہ ہو اور **فهم لا یسمعون** کا تعلق **اصبناهم** سے ہو تو بھی کوئی اعتراض نہیں۔ **پانچواں اعتراض**: اگر نطبع معطوف ہو **اصبناهم** پر تو معنی یہ ہوئے کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ہلاک کردیں اور ان کے دلوں پر مہر کردیں۔ یہ بات درست نہیں جو قوم ہلاک ہو جاوے اس کے دل پر مہر کرنے کے کیا معنی۔ دل پر مہر تو زندگی میں ہوتی ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر کبیر میں یہ دیا ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو انہیں ہلاک کردیں اور چاہیں تو ان کے دلوں پر مہر کردیں اور ہو سکتا ہے کہ واؤ ٭ معنی او ہو یا **نطبع** **اصبناهم** کا بیان ہو اور عطف تفسیر ہو۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کو علیحدہ جملہ بتایا ہے۔ **چھٹا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم ان کے دلوں پر مہر کردیں تو وہ سن نہ سکیں۔ سننا دل کا کام نہیں ہے کانوں کا کام ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مہر لگے دل پر اور کان سننے سے محروم ہو جاویں۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی۔ **جواب**: جیسے ظاہری حالات میں دیکھا جاتا ہے کہ جب سونے یا بے ہوشی یا دیوانگی کی حالت میں دل پر اثر پڑتا ہے تو کان آنکھیں سننا دیکھنا چھوڑ دیتے ہیں ایسے ہی روحانیات میں ہے کہ جب دل پر بددینی کفر کی مہر لگ جاتی ہے تو کان حق بات پر لگتے ہی نہیں۔ آنکھ حق بات کو دیکھتی ہی نہیں۔ بظاہر سننا دیکھنا معلوم ہوتا ہے مگر دل چونکہ اسے قبول نہیں کرتا اس لئے یہ سننا دیکھنا بے کار ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ سننا نہ سننے کی طرح ہے کہ سماع قبول نہیں ہے۔ اسی لئے قرآن مجید نے کفار کو اندھا بہرہ مردہ فرمایا ہے اور اگر اس جملہ **فهم لا یسمعون** کا تعلق ہو **اصبناهم بذنوبهم** سے تب تو کوئی اعتراض ہے ہی نہیں کیونکہ آیتہ کریمہ کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کو ایسی آفت پہنچادیں کہ یہ سن نہ سکیں۔

تفسیر صوفیانہ: عالم کی ہر چیز ہم کو سبق عبرت دے رہی ہے اگر کسی کے پاس گوش ہوش ہے تو وہ یہ سبق دن رات سنتا ہے۔ حتی کہ جائیدادیں اور عمارتیں اپنے بنانے والوں گزشتہ آباد کرنے والوں کا مرثیہ ہم کو سنا رہی ہیں اور ہم سے کہہ رہی ہیں کہ ہم جب ان کے پاس نہ رہے تو تمہارے پاس بھی نہ رہیں گے۔ لہٰذا دل ہم سے نہ لگاؤ رب سے لگاؤ۔ حضرت سعدی نے کیا خوب فرمایا۔

جہاں اے برادر نماند بہ کس — دل اندر جہاں آفریں بندو بس
چو آہنگ رفتن کند جان پاک — چہ بر تخت مردن چہ بر روئے خاک

وراثت مال کی بھی ہوتی ہے قال کی بھی حال کی بھی کمال کی بھی۔ **العلماء ورثة الانبیاء** کامل وارث وہ ہے جو حال بلکہ کمال کا وارث ہے۔ ناقص وارث وہ ہے جو صرف مال کی وراثت پر قناعت کرے۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اے اہل مکہ تم لوگ اپنے

گزشتہ لوگوں کی صرف زمین نفس کے وارث بنے ہو ڈرو کہ کہیں تم پر وبال نہ آجاوے۔ تم لوگ ابراہیمی ہو ان کے کامل کے وارث ہو۔ یہ وراثت کامل تم کو حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ ملے گی اگر تم نے جناب ابراہیم کی دو وراثت حاصل کرلی تو دونوں جہانوں میں نہال ہو جاؤ گے۔ دل پر مہر تین طرح کی ہوتی ہے غضب کی مہر جس کی وجہ سے دل میں سے کفر نکل نہ سکے باہر سے ایمان آ نہ سکے۔ یہ کفار کے دلوں پر ہوتی ہے۔ رحمت کی مہر جس کی وجہ سے دل میں سے ایمان نکل نہ سکے۔ باہر سے طغیانی دل میں آ نہ سکے یہ خاص مومنوں کے قلب پر ہوتی ہے اسے الزام کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **والزمهم كلمة التقوى** قرب خصوصی کی مہر جس کی وجہ سے دل رب کی طرف ہی متوجہ رہے۔ دنیا کی طرف متوجہ نہ ہو۔ **ان يشا يختم على قلبك**۔ رحمت کی مہر کا سبب قوی عشق رسول ہے۔ غضب کی مہر کا سبب قوی عداوت رسول ہے۔ مہر کیا ہے جیسے آج کل کسی چیز پر سرکاری سیل۔ دل کے دو دروازے ہیں ایک دنیا کی طرف دوسرا آخرت کی طرف۔ خاص مومنوں کے دلوں پر دنیا کی طرف والے دروازے پر مہر لگتی ہے خاص کفار کے دلوں پر دین کے جانب والے دروازے پر سیل لگ جاتی ہے۔

تِلْكَ الْقُرٰى نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآئِهَا ۚ وَلَقَدْ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ

یہ آبادیاں وہ ہیں کہ قصے بیان کرتے ہیں ہم آپ پر ان کی خبروں سے اور البتہ تحقیق کر آئے ان کے پاس پیغمبر ان کے
یہ بستیاں ہیں جن کے احوال ہم تمہیں سناتے ہیں اور بے شک ان کے پاس ان کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا مِنْ قَبْلُ ۚ كَذٰلِكَ يَطْبَعُ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِ

ساتھ روشن دلیلوں کے پس نہ تھے کہ ایمان لاتے وہ اس وجہ سے کہ جھٹلا چکے تھے پہلے سے اسی طرح مہر کرتا
تو وہ اس قابل نہ ہوئے کہ وہ اس پر ایمان لاتیں جسے پہلے جھٹلا چکے تھے اللہ یوں ہی چھاپ لگا تا ہے کافروں کے دلوں

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَمَا وَجَدْنَا لِاَكْثَرِهِمْ مِّنْ عَهْدٍ ۚ وَاِنْ وَّجَدْنَآ اَكْثَرَهُمْ لَفٰسِقِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

ہے اللہ دلوں پر کافروں کے۔ اور نہیں پایا ہم نے واسطے زیادہ کے ان میں سے کوئی وعدہ اور بیشک پایا ہم نے ان میں سے بہت کو بدکار
پر۔ اور ان میں سے اکثر کو ہم نے قول کا سچا نہ پایا اور ضرور ان میں اکثر کو بے حکم ہی پایا ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ پانچ قوموں کی ہلاکت کی تفصیل تھی۔ اب ان کا اجمالی ذکر ہے۔ گویا تفصیل کے بعد اجمال کہا گیا تاکہ یہ چیزیں دلوں میں بیٹھ جاویں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہے اب اس کے نتیجے کا ذکر ہے تاکہ سننے والے اپنی زندگی احتیاط سے گزاریں اور گزشتہ کفار کے عقائد و اعمال سے بچیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں گزشتہ قوموں کے قصے بیان ہوئے اب اس کا ایک خاص مقصد بیان ہو رہا ہے۔ محبوب کے قلب پاک کو تسکین دینا کہ موجودہ کفار کی ہٹ دھری سے آپ ملول نہ ہوں غرضیکہ قصے پہلے بیان ہوئے اور ان قصوں کا مقصد اعلیٰ اب بیان ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں تباہ شدہ قوموں کی ہلاکت

www.alahazratnetwork.org

ان کے رسولوں کی فتح و نصرت کا ذکر ہوا۔ اب ارشاد ہے کہ یہ تو ان کے بعض حالات ہیں اس کے علاوہ ان کے حالات اور بھی ہیں جو ابھی تک، آپ کو قرآن مجید میں سنائے نہ گئے ان کے حالات ان کے نبیوں کے مقالات، بہت زیادہ ہیں۔

تفسیر: **تلک القری** تلک سے اشارہ انہیں مذکورہ بستیوں کی طرف ہے جن کا ذکر اب تک ہوا چونکہ وہ بستیاں مکہ معظمہ سے دور بھی تھیں ان کے زمانہ بھی دور ہو چکے تھے اس لئے دور کا اشارہ ارشاد ہوا۔ **القری** سے مراد وہ پانچ بستیاں ہیں۔ قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط، قوم شعیب کی بستیاں جن کا ذکر اب تک ہوا چونکہ ان لوگوں کو عمر، دولت، اولاد بہت زیادہ دی گئیں جن پر وہ دھوکہ کھا گئے۔ سمجھے کہ رب تعالیٰ ہمارے کفر و عناد سے راضی ہے تب ہی تو ہم کو ایسی نعمتیں دے رہا ہے اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا (کبیر وغیرہ) قری جمع ہے قریۃ کی۔ بمعنی بستی، خواہ گاؤں ہو یا شہر گاؤں کو بدو کہتے ہیں شہر کو بلد **نقص علیک** یہ عبارت خبر ہے **تلک القری** کی۔ نقص بنا ہے قص سے۔ بمعنی پیچھے چلنا۔ رب فرماتا ہے **قصیه فبصرت عن جنب** کہانی اور واقعہ بیان کرنے کو قصہ کہتے ہیں کہ قصہ کہنے والا واقعہ کے پیچھے ہوتا ہے۔ **علیک** فرما کر یہ بتایا کہ یہ واقعات ہم تو آپ کو سناتے ہیں تاکہ آپ کے مبارک دل کو تسلی ہو اور قوم کے انکار سے آپ دل تنگ نہ ہوں اور آپ اپنی قوم کو سنائیں تاکہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آجائیں۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ سے رب تعالیٰ کا کلام عموماً" تین قسم کا ہوتا تھا۔ بذریعہ حضرت جبرئیل، بذریعہ الہام و کشف و بذریعہ خواب اور چوتھا کلام خصوصی معراج کی رات ہوا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** ممکن ہے کہ نقص میں یہ سارے قسموں کے کلام مراد ہوں یہ بھی خیال رہے کہ مذکورہ قصوں میں بھی لذت ہے اور رب تعالیٰ کے بیان فرمانے میں بھی لذت۔ اسی لذت کی وجہ سے حضور انور کے قلب پاک کو مکمل تسکین ہوتی تھی۔ آپ کفار کی تمام تکالیف کو نظر انداز فرما دیتے تھے **من انباءھا** یہ عبارت متعلق ہے نقص کے جس میں من تو بعضیت کا ہے اور انباء جمع ہے نباء کی چونکہ ان کی بعض خبریں ہی بیان ہوئی ہیں نہ کہ ساری اس لئے من ارشاد ہوا یعنی ہم آپ کو ان قوموں کی بعض خبریں سناتے ہیں صرف ان کی ہلاکت کی کہ اتنی خبر سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ ہر خبر کو نبا نہیں کہتے بلکہ عظیم الشان خبر کو کہتے ہیں۔ دیکھو روح المعانی۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہاں قری فرمایا گیا حالانکہ ہلاک ہوئے تھے ان بستیوں کے باشندے کیونکہ ان بستیوں پر ایسا عذاب آیا تھا کہ نہ لوگ بچے تھے نہ ان کے مکانات نہ بستیوں کا نشان، اس لئے یہاں بستیوں کا نام لیا گیا (معانی) **و لقد جاءتھم رسلھم بالبینات** یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے آنے سے مراد کسی جگہ سے آنا نہیں کیونکہ اکثر نبی جہاں پیدا ہوئے وہاں ہی رہے، وہاں ہی نبی ہوئے بلکہ اس سے مراد عہدہ نبوت پر فائز ہو کر ان لوگوں میں تبلیغ کے لئے مامور ہونا ہے۔ نبی کی پیدائش سکونت اور تشریف آوری میں فرق ہے۔ سورج رہتا ہے آسمان پر چمکتا ہے جہان پر۔ **جاءتھم** کی ضمیر ان بستیوں کے ذکر سے وہ لوگ معلوم ہو گئے تھے اس لئے ان کی طرف ضمیر لوٹ سکتی ہے۔ خیال رہے کہ پچھلے پیغمبر خاص بستی، خاص قوم کے لئے آئے۔ ہمارے حضور سارے جہان کے لئے اور ہمیشہ کے لئے آئے۔ لہذا یہاں **ھم** سے مراد وہ خاص قومیں ہیں اور **لقد جاءکم رسول** میں تاقیامت ساری مخلوق مراد ہے یہاں کے **ھم** اور وہاں کے **کم** کا فرق خیال رہے چونکہ اس زمانہ میں بیک وقت، ایک جگہ، ایک قوم کے لئے چند نبی آ جاتے تھے اس لئے **رسلھم** جمع ارشاد ہوا۔ ہمارے حضور کے زمانہ سے تاقیامت کوئی دوسرا نبی نہیں آسکتا اس لئے وہاں

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہوا **لقد جاءکم رسول** واحد ارشاد ہوا۔ ان نبوتوں میں تعدد کی گنجائش تھی۔ حضور کی ختم نبوت میں وحدت ہی ہو سکتی ہے۔ چراغوں میں تعدد ہے سورج میں وحدت 'حضور نبوت کے سورج ہیں۔ بینات سے مراد یا تو ان کے معجزات ہیں یا ان کے دلائل نبوت۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ ہر نبی کے پاس صرف ایک دلیل یا ایک معجزہ ہو 'مطلب یہ ہے کہ ہر نبی اپنی اپنی دلیل اپنے اپنے معجزات لائے جیسے کہا جاتا ہے'

ان لوگوں نے اپنے اپنے گھوڑے فروخت کردیئے یا یہ کہ **اغسلوا ایدیکم** اپنے اپنے ہاتھ دھولو یہ مطلب نہیں کہ ہر ایک نے ایک گھوڑا فروخت کیا یا ایک ہاتھ دھوؤ (معانی) خیال رہے کہ تمام نبی روشن دلیلیں لے کر آئے۔ بالبینات اسی لئے ارشاد ہوا۔ ہمارے نبی خود دلیل بن کر آئے۔ حضور کے لئے فرمایا گیا **قد جاءکم برھان من ربکم** دلیل لانا اور دلیل بن کر آنا اس میں بڑا فرق ہے۔ حضور آنکھوں والوں کے لئے نور ہیں **قد جاءکم من اللہ نور** اور دل والوں کے لئے دلیل۔ آنکھ کو نور دکھاتا ہے 'دل کو دلیل بتاتی ہے **فما کانوا لیؤمنوا بما کذبوا من قبل** اس جملہ کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں (1) عالم ارواح میں میثاق کے دن وہ لوگ جس چیز کو دل سے جھٹلا چکے تھے کہ صرف زبان سے **بلیٰ** کہہ کر اقرار کر لیا تھا 'دل سے انکار کیا تھا' اسے پیغمبر سے سن کر نہ مانے بلکہ اسی انکار پر قائم رہے۔ حضرت ابن عباس اور سدی کا یہ ہی قول ہے۔ اس فرمان کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم ارواح میں رب تعالیٰ نے تمام لوگوں سے اپنی توحید کا اقرار بلاواسطہ لیا۔ الست بربکم ' سب نے زبان سے تو بلیٰ کہا مگر کسی نے صرف زبان سے کسی نے دل سے پھر حضور کی نبوت کا عہد بواسطہ انبیاء لیا کہ سب کے سامنے نبیوں سے حضور کا اقرار کرایا **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** یہ عہد سب نے دیکھا بعض روحیں خوش ہو گئیں ' بعض حسد سے جل گئیں۔ پہلی قسم کے لوگ دنیا میں مومن ہوں گے دوسری قسم کے کافر۔ یہاں دوسری قسم کا ذکر ہے (2) اگر ہم ان لوگوں کو دوبارہ زندہ کرکے دنیا میں بھیج دیتے تب بھی وہ اس چیز کو نہ مانتے جسے وہ پہلی زندگی میں جھٹلا چکے تھے یہ تفسیر مجاہد کی ہے (3) جس چیز کو یہ لوگ علم الٰہی میں جھٹلا چکے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں آچکا تھا کہ یہ لوگ اسے جھٹلائیں گے وہ اس پر ایمان لانے والے نہ تھے۔ ابی بن کعب کی یہ تفسیر ہے (خازن)۔ (4) نبیوں کے معجزات دیکھنے سے پہلے جس چیز کو جھٹلا چکے تھے اسے معجزات دیکھنے کے بعد بھی نہ مانے (5) انبیاء کرام کی تشریف آوری کے بعد بھی نہ مانے (کبیر) (6) انبیاء کرام کی تشریف آوری پر پہلے دن جس کا انکار کر چکے تھے آخر تک اسے نہ مانے جھٹلاتے ہی رہے (مدارک) روح المعانی وغیرہ۔ (7) ایک نبی کی تبلیغ کے بعد جس چیز کا انکار کر چکے تھے اسے بہت سے انبیاء کرام کی تبلیغ کے بعد جھٹلاتے ہی رہے۔ آخر تک ایمان نہ لائے۔ چھٹی تفسیر قوی ہے اور اس فرمان عالی کے معنی ظاہر ہیں **کذلک یطبع اللہ علی قلوب الکافرین** کذالک سے اشارہ انہیں مذکورہ واقعات کی طرف ہے اور الکافرین سے مراد یا تو حضور ﷺ کے زمانہ کے وہ کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا تھا یا تاقیامت ایسے کافر جو علم الٰہی میں کافر مریں گے یعنی جیسے گزشتہ کفار کے دلوں پر ہم نے مہر کردی تھی کہ انہیں پیغمبروں کی تبلیغ مفید نہ ہوئی ہم آپ کے ہم زمانہ کفار یا تاقیامت کفار کے دلوں پر مہر کرتے رہیں گے کہ وہ بھی معجزات دیکھ کر سن کر ایمان نہیں لائیں گے (معانی وغیرہ) ان وجوہ سے یہاں **علی قلوبھم** نہیں فرمایا بلکہ **علی قلوب الکافرین** فرمایا **وما وجدنا لاکثرھم من عھد** اس عبارت میں کفار کے دوسرے عیب کا ذکر ہے۔ **وجدنا** کے معنی ہیں **علمنا** یعنی وجدان علمی مراد ہے۔ **اکثرھم** میں **ھم** سے مراد یا تو گزشتہ کفار ہیں یا حضور کے زمانہ کے کفار۔ عہد سے مراد یا تو وہ وعدہ

www.alahazratnetwork.org

اور عہد و پیمان ہے جو میثاق کے دن رب نے ان سے لیا تھا یا وہ وعدہ مراد ہے جو یہ لوگ مصیبت میں پھنس جانے پر رب سے کرتے تھے کہ خدایا اگر تو نے ہم کو اس بار نجات دے دی تو ہم تیرے نبی پر ایمان لائیں گے **لئن انجانا من هذه لنكونن من الشاكرين** چونکہ بعض لوگ یہ عہد پورا بھی کرتے تھے اس لئے **لاكثرهم** ارشاد ہوا۔ عہد سے پہلے ایفاء پوشیدہ ہے یعنی ہم نے بہت سے کفار میں وفا عہد نہ پایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ عہد سے مراد اللہ تعالیٰ کا عہد ہے جو اس نے دنیا میں لوگوں سے لیا اس طرح کہ ان میں نبی اور ان کے معجزات بھیجے۔ ان کو ایمان و تقوی کا حکم دیا مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ (معانی) **وان وجدنا اكثرهم لفاسقين** یہ نیا جملہ ہے لہذا واو ابتدائیہ ہے ان اصل میں **اننا** تھا۔ الف کو دور کرکے نون کا شد گرا دیا معنی وہ ہی ہیں اس صورت میں **لفاسقين** میں لام فارقہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان نافیہ بمعنی الا ہے (معانی) **اكثرهم** میں **هم** سے مراد سارے انسان ہیں یا گزشتہ امتیں کفار مراد نہیں کہ کفار تو سارے ہی فاسق ہوتے ہیں نہ کہ اکثر یعنی ہم نے بہت سے انسانوں کو یا گزشتہ امتوں میں بہت کو بے حکم ہی پایا یا ہم نے ان میں سے بہت کو نہ پایا مگر کافر فاسق بنا ہے فسق سے، معنی اطاعت سے نکل جانا نافرمان ہو جانا ہے۔ اسکے اصطلاحی معنی اور فسق کے اقسام اور ہر قسم کے احکام پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ فسق تعلی، فسق انہماک اور فسق جحود ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ ان مذکورہ بالا پانچ بستیوں کی خبریں ہم بطور قصہ آپ کو سناتے ہیں تاکہ آپ کو تسکین ہو اور تاکہ آپ ان لوگوں کو سنائیں وہ اپنے حالات درست کریں ان کے قصوں سے عبرت پکڑیں ان سب کے پاس انبیاء کرام معجزات دلائل، علامات وغیرہ لے کر پہنچے مگر ان لوگوں کا یہ حال تھا کہ اول ہی سے انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا تو پھر آخر تک جھٹلاتے ہی رہے پھر ایمان نہ لائے۔ ایمان لاتے کیسے ان کے دلوں پر تو اللہ نے مہر کر دی تھی جو لوگ علم الہی میں کافر ہو چکے کہ ان پر ایمان کا چھینٹا نہیں پڑا ان کے مقدر میں ایمان پر مرنا نہیں ہے ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ یوں ہی مہر لگا دیتا ہے نہ وہ مہر ٹوٹ سکتی ہے نہ وہ ایمان لا سکتے ہیں ان میں سے اکثر لوگوں میں ہم نے وعدہ وفائی نہیں پائی جو ہم سے وعدے کر گئے تھے وہ پورے نہ کئے جو وعدے یہ مصیبت میں پھنس کر لیتے ہیں وہ پورے نہیں کرتے۔ وفادار بندے تھوڑے ہیں بے وفا زیادہ۔ ہم نے ان میں سے اکثر کو فاسق و بدکاری ہی پایا لہذا اے محبوب آپ ان کی بے وفائی پر ملول نہ ہوں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ رب تعالیٰ کے ایسے محبوب بندے ہیں کہ وہ حضور کے دل کی تسکین کے لئے گزشتہ قوموں کے قصے سناتا ہے ان قصوں سے حضور کا غم غلط کرتا دل بہلاتا ہے یہ فائدہ **نقص عليك** سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ:** اگرچہ سارا قرآن حضور پر اترا اور حضور نے سارا ہی امت کو پہنچا دیا مگر آیات کے مقاصد مختلف ہیں بعض آیات کا مقصد حضور ہیں۔ امت حضور کی طفیل بعض آیات کا مقصد مومنین ہیں۔ حضور انور نے ان پر عمل فرما کر انہیں اہم فرما دیا۔ نماز پنجگانہ مسلمانوں کے لئے آئیں حضور نے انہیں ہمیشہ پڑھ کر انہیں اہمیت بخشدی۔ زکوۃ میراث کی آیات امت کے لئے ہیں۔ حضور انور پر نہ زکوۃ ہے نہ میراث کے احکام۔ نماز تہجد حضور کے لئے ہے کہ آپ پر فرض ہے **فتهجد به نافلة لك** مسلمان حضور کی نفلیں پڑھیں۔ کعبہ کا قبلہ بننا حضور کی خاطر ہے۔ مسلمان حضور کی خاطر اس سے فائدہ اٹھالیں یوں ہی گزشتہ نبیوں، قوموں کے واقعات، آیات حضور کی خاطر ہیں کہ آپ کے

www.alahazratnetwork.org

قلب کو تسکین ہو۔ مسلمان حضور کی طفیل ان سے عبرت پکڑیں۔ یہ فائدہ **نقص علیک** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ حضور کی امت کا عیب پوش ستار ہے کہ گزشتہ قوموں کے عیوب تمام دنیا میں شائع فرما دیئے مگر امت محمدیہ کے عیوب کسی کو نہ سنائے نہ بتائے۔ یہ فائدہ بھی **نقص علیک** سے حاصل ہوا خیال رہے کہ گزشتہ آسمانی کتب میں امت محمدیہ کے نیک اعمال کو ذکر تھا ان کے عیوب و گناہ کا ذکر نہ تھا۔ رب فرماتا ہے **ذالک مثلهم فی التورة و مثلهم فی الانجیل** انشاء اللہ قیامت میں بھی اس امت کی پردہ پوشی ہوگی کہ ان کی نیکیوں کا حساب علانیہ ہو گا۔ گناہوں کا حساب خفیہ۔ یہ سب حضور کی خاطر ہے۔

خلق تو جرم کرے اور خدا فضل کرے — حق تو یہ ہے کہ یہ خاطر ہے تمہاری ساری
اچھے ان کے ہیں تو اے کیف برے کس کے ہیں — اپنے محبوب کو امت ہے پیاری ساری

تیسرا فائدہ: قانون الٰہی یہ ہے کہ وہ اپنے محبوب سے کلام فرماتا انہیں قصے سناتا ہے پھر محبوب ﷺ لوگوں سے کلام فرماتے انہیں قصے سناتے ہیں یہ فائدہ بھی **نقص علیک** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: قرآن مجید میں گزشتہ ساری امتوں کے سارے حالات صراحۃً بطور قصہ مذکور نہیں ہوئے بلکہ بعض قوموں کے بعض حالات مذکور ہوئے یہ فائدہ **من انبائها** کے **من** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا** "چھٹا فائدہ: جس دل میں نبی کی توہین ان کے کمالات کا انکار بیٹھ جائے پھر وہ نہیں نکلتا۔ گستاخوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ یہ فائدہ **کذبوا من قبل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ دل میں اپنے محبوب کی الفت دے۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی
جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے صورت محمد کی

ساتواں فائدہ: جو ازلی بدبخت ہو اسے کسی چیز سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ یہ فائدہ **کذبوا من قبل** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہے اللہ کے علم میں ان کا کافر رہنا آچکا۔ **آٹھواں فائدہ**: میثاق کے دن اللہ تعالیٰ کی ربوبیت وغیرہ کا اقرار تو سب نے کرایا تھا **قالوا بلی** مگر دلی اقرار بعض نے کیا تھا بعض نے دل سے انکار کیا تھا یہ لوگ ایمان نہیں لاسکتے۔ یہ فائدہ **کذبوا من قبل** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ من قبل سے میثاق کا دن مراد ہو اور کذبوا سے دلی جھٹلانا مراد ہو۔ **نواں فائدہ**: نبی کی عداوت دل پر مہر لگ جانے کا ذریعہ ہے۔ یہ مہر ایسی ہوتی ہے جیسے لوہے کی زنگ (کٹ) جس سے لوہا بالکل بیکار ہو جاتا ہے اس کی علامت 'دل کی سختی' آنکھوں کی خشکی' برائیوں کی طرف میلان اور بروں سے الفت ہے۔ رب تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **دسواں فائدہ**: دل کی مختلف بیماریاں ہیں ایک بیماری ہے دل کا میل یا زنگ۔ دوسری بیماری ہے دل کی کٹ' دل کا میل دور ہو سکتا ہے۔ کٹ دور نہیں ہو سکتی۔ میل کی وجہ ہے غفلت۔ کٹ کی وجہ ہے نفرت' یہ غفلت کبھی مصیبت سے دور ہوتی ہے کبھی اللہ کی نعمت سے کبھی اچھوں کی صحبت سے کبھی کسی بیدار کی نظر کرم سے۔ حضرت عباس کی غفلت بدر میں قید ہو کر دور ہوئی حضرت عمرو ابن عاص کی غفلت شاہ حبشہ نجاشی بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر' حضرت ابو سفیان ابن حارث کی غفلت فتح مکہ دیکھ کر **گیارھواں فائدہ**: بد عہدی' وعدہ خلافی بہت ہی بری خصلت ہے۔ کافروں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ **وما وجدنا لاکثرهم من عهد** سے حاصل ہوا۔ وعدہ خواہ رب سے کیا ہو یا کسی بندے سے ضرور پورا کرے۔ مانی ہوئی نذر پوری

www.alahazratnetwork.org

کرے کہ نذر بھی ایک طرح کا وعدہ ہے۔ رب فرماتا ہے **ولیوفوا نذورھم**

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بعض قوموں کے بعض حالات حضور انور کو سنائے بتائے ہیں۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا **من انبائھا** مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **کلا نقص علیک من انباء الرسل** ہم تم کو سارے نبیوں کی خبریں سناتے ہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے ان میں سے کون سی بات درست ہے۔ **جواب:** یہاں اس آیت میں قرآن مجید میں صراحۃ بیان فرمانے کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیۃ میں قرآن مجید کے علاوہ دوسری قسم کی وحی میں سنانے بتانے کا ذکر ہے یا قرآن مجید میں اجمالا "اشارۃ" بتانے کا تذکرہ ہے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **نقص** کے ساتھ **علیک** کیوں ارشاد ہوا۔ **علیھم** کیوں نہ فرمایا۔ قرآن مجید کے قصے تو سب کو سنانے کے لئے ہیں نہ کہ صرف حضور ﷺ کو۔ **جواب:** اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ صرف حضور انور کو سناتا ہے پھر حضور ﷺ دوسروں کو سناتے بتاتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ دل کی **تسکین** کے لئے حضور انور کو یہ قصے سنائے جاتے ہیں اور عبرت حاصل کرنے کے لئے دوسروں کو۔ دونوں مقصدوں میں بڑا فرق ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیۃ میں فرمایا گیا کہ ہم آپ کو گزشتہ قوموں کے قصے سناتے ہیں وہ بھی بعض۔ معلوم ہوا کہ حضور انور اگلے پچھلے واقعات سے بے خبر ہیں کہ قصے بے خبر کو ہی سنائے جاتے ہیں مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور کی آنکھ سارے اگلے پچھلے واقعات کو دیکھتی ہے **الم ترکیف فعل ربک باصحب الفیل** یہ آیت تمہارے خلاف ہے۔ **جواب:** کسی سے کچھ بیان کرنا اس کی بے علمی کی دلیل نہیں۔ ہم رب تعالیٰ سے اتنے دکھ درد بیان کرتے ہیں تو کیا وہ بے خبر ہے۔ بیان کرنے کی بہت حکمتیں ہوتی ہیں ہم رب سے اپنے درد دکھ کہتے ہیں تو ہم کو مزہ آتا ہے۔ رب تعالیٰ اپنے حبیب کو قصے سناتا ہے تو حضور انور کو لذت و سرور حاصل ہوتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** **بما کذبوا من قبل** کا کیا مطلب ہے ان لوگوں نے پہلے کب جھٹلایا تھا جس کے بعد وہ ایمان نہ لائے۔ **جواب:** اس کے سات مطلب ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیئے جن میں سے ایک یہ ہے کہ قبل سے مراد ہے پیغمبر کی ابتدائی تبلیغ یعنی ابتدائی تبلیغ پر جن چیزوں کا ان کفار نے انکار کر دیا تھا انہیں آخر دم تک جھٹلاتے ہی رہے گویا من قبل میں ایمان نہ لانے کا ذکر ہے اور **فما کانوا لیؤمنوا** کا فر رہنے کا ذکر۔ بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو پہلے انکار کرتے ہیں بعد میں ایمان لاتے ہیں۔ بہت لوگ فتح مکہ کے دن ایمان لائے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ ان میں سے اکثر لوگ بد عہد بے وفا ہیں **وما وجدنا لاکثرھم من عھد** حالانکہ سارے کافر ہی بے وفا بد عہد ہوتے ہیں پھر اکثر فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ **اکثرھم** میں **ھم** سے مراد کفار نہیں بلکہ گزشتہ امتیں ہیں اور مطلب یہ ہے کہ مذکورہ ہلاک شدہ امتوں میں تھوڑے لوگ تو باوفا تھے جو ایمان لے آئے اکثر بے عہد تھے جو ایمان نہ لائے۔ دوسرے یہ کہ **ھم** سے مراد کفار ہیں اور عہد سے مراد وہ وعدے ہیں جو وہ مصیبت کے وقت ایمان کے وعدے خدا تعالیٰ سے کر لیتے تھے پھر نجات پا کر ایمان نہ لاتے تھے چونکہ اکثر کافر تو ایسے تھے اور بعض کافر وہ تھے جو نہ یہ نذر مانتے تھے نہ توڑتے تھے اس لئے اکثر فرمایا نیز بعض بامروت کفار وعدوں کے پکے ہوتے ہیں جیسے بعض کفار سخی انصاف والے ہوتے ہیں مگر کم اکثر کفار جھوٹے بے وفا ہوتے ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ **اکثرھم لفاسقین** حالانکہ سارے

www.alahazratnetwork.org

کافر ہی فاسق ہوتے ہیں۔ ان میں متقی کوئی نہیں پھر **اکثرھم** فرمانا کیونکہ درست ہوا۔ **جواب**: اس اعتراض کے بھی وہ مذکورہ جوابات ہیں کہ **اکثرھم** میں **ھم** ضمیر سے یا انسان مراد ہیں یا گزشتہ امتیں کہ ان میں سے اکثر لوگ تو فاسق و کافر ہوتے۔ بعض مومن متقی اور اگر **ھم** سے کفار ہی مراد ہوں تب فاسق ۔ بمعنی کافر نہیں یعنی فسق اعتقادی مراد نہیں' بعض کافر اچھے کام کرتے ہیں جیسے سخاوت' صفائی' معاملات' انصاف' مروت وغیرہ مگر اکثر کفار بدکار ہوتے ہیں۔ ابولہب اور ابوطالب برابر نہیں ہوسکتے یوں ہی فرعون اور نوشیرواں۔ حاتم طائی برابر نہیں۔ لہٰذا آیت بے غبار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: گزشتہ قوموں کے قصے عقل و دل کی آنکھیں روشن کرنے والے سرمہ ہیں یا میوہ جوان واقعات کو سن کر عبرت نہ پکڑے اس کی اصلاح نہیں ہوسکتی اور جس کے دل و عقل کی آنکھ روشن نہ ہو اس کے لئے سر کی آنکھ کی روشنی **بیکار** ہے اس سے ہدایت نہیں ملتی یہ تمام قصے ایمانی دوائیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایمانی حکیم' مطلق دو اجب مفید ہوتی ہے جب حکیم کے ذریعہ سے مریض کو ملے۔ اس لئے ارشاد ہوا **نقص علیک** ہم آپ کو یہ قصے سناتے ہیں آپ ان لوگوں کو سناؤ ۔اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بد عہدی بدکاری بہت ہی ناپسند ہے۔ صوفیاء فرماتے ہین کہ نبی کفار کے پاس بھی آتے ہیں اور مومنوں کے پاس بھی۔ گنہگاروں کے پاس بھی اور نیک کاروں' اولیاء اللہ کے پاس بھی مگر آنے کی نوعیت میں فرق ہے۔ کفار کے صرف آنکھوں اور کانوں تک ان کی صورت یا الفاظ پہنچتے ہیں مگر مومن کے دل و دماغ بلکہ جان و ایمان میں ان کے فیوض پہنچتے ہیں جیسے بارش' پتھروں' نرم کلر' اچھی زمین' سمندر وغیرہ ہر جگہ پہنچتی ہے مگر پتھر کے اندر جذب نہیں ہوتی۔ کھاری زمین میں اگرچہ جذب ہوتی ہے مگر فائدہ نہیں دیتی۔ باقی زمین میں کہیں کھیت کہیں باغ لگاتی ہے سمندر میں موتی' لہٰذا **لقد جاء تھم رسلھم** میں اور قسم کا آنا مراد ہے اور **لقد جاءکم رسول** میں دوسری قسم کا آنا مراد۔

حکایت: ترجمہ فتوحات **مکیہ** کی آخری جلد میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے موسیٰ جو تمہارے پاس آس لگا کر آئے' اس کو ناامید نہ لوٹاؤ اور جو تمہاری پناہ لے اسے پناہ دو' کچھ دن بعد موسیٰ علیہ السلام ایک جنگل میں تھے کہ ایک کبوتر آپ کے کندھے پر آبیٹھا۔ بولا مجھے پناہ دو باز میرے پیچھے پڑا ہے پیچھے سے باز آکر دوسرے کندھے پر بیٹھ گیا۔ بولا مجھے ناامید نہ لوٹاؤ' اس کبوتر کا شکار کرلینے دو یہ میری روزی ہے۔ جو مجھے رب نے دی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام حیران ہو کر بولے کہ یہ میرا امتحان ہے' آپ نے چھری یا چاقو لے کر چاہا کہ اپنی ران کی بوٹی کاٹ کر باز کو کھلادیں تاکہ دونوں حکموں پر عمل ہو جاوے۔ وہ دونوں جانور بولے' آپ جلدی نہ کریں ہم فرشتے ہیں' آپ کا امتحان لینے آئے تھے۔ آپ اول نمبر کامیاب رہے' آپ نے دونوں وعدے پورے کر دکھائے (روح البیان) کفار کی بد عہدی بے وفائی پر اتنا تعجب نہیں' تعجب تو ان مسلمانوں پر ہے جو مومن ہو کر بد عہد بے وفا ہیں۔ آج کل تصوف کا صرف اسم اور خرقہ پوشی کی صرف رسم باقی رہ گئی ہے۔ وفائے عہد ان مدعیان تصوف میں بھی نہیں دیکھی جاتی۔ (روح البیان) اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

www.alahazratnetwork.org

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى بِاٰيٰتِنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ىٕهٖ فَظَلَمُوْا

پھر بھیجا ہم نے پیچھے ان سب کے موسیٰ کو ساتھ نشانیوں کے اپنی طرف فرعون اور جماعت کے اس کی

پھر انکے بعد ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو انہوں نے

بِهَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَ قَالَ مُوْسٰى يٰفِرْعَوْنُ

پس ظلم کیا انہوں نے ان پر پس دیکھو کہ کیا ہوا نتیجہ فساد پھیلانے والوں کا — اور فرمایا موسیٰ نے اے فرعون

ان نشانیوں پر زیادتی کی تو دیکھو کیسا انجام ہوا مفسدوں کا — اور موسیٰ نے کہا اے فرعون

اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ حَقِيْقٌ عَلٰۤى اَنْ لَّاۤ اَقُوْلَ عَلَى اللّٰهِ اِلَّا

بیشک میں رسول ہوں جہانوں کا — لائق ہوں اس پر کہ نہ کہوں میں اللہ پر مگر

میں پروردگار عالم کا رسول ہوں — مجھے سزاوار ہے کہ اللہ پر نہ کہوں مگر سچی بات

الْحَقَّ ؕ قَدْ جِئْتُكُمْ بِبَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَرْسِلْ مَعِيَ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۰۵﴾

حق — بیشک لایا میں روشن دلیل طرف سے رب کے تمہارے پس بھیج دے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو

میں تم سب کے پاس تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ چھوڑ دے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان پانچ نبیوں کا ذکر ہوا جو غیر منظم بکھری ہوئی قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے۔ اب اس شاندار نبی کلیم اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کا ذکر ہے جو ایک منظم قوم قبطیوں کی طرف بھیجے گئے جن کی باقاعدہ سلطنت قائم تھی تاکہ پتہ لگے کہ نبی کے مقابلہ میں نہ بکھری قومیں ٹھہر سکتی ہیں نہ سلطنتیں اور حکومتیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان قوموں کا ذکر تھا جو رب کے سوا دوسری چیزوں کی پرستش کرتی تھیں اب اس قوم قبطی کی ہلاکت کا ذکر ہے جو خود خدا بن کر دوسروں سے اپنی پرستش کراتی تھیں یعنی ان میں کا ایک شخص فرعون مدعی خدائی تھا۔ گویا ادنیٰ درجے کے سرکشوں کے بعد انتہائی سرکش کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان عذابوں کا ذکر تھا جو قوموں پر انہیں کے گھر میں آئے جن سے قومیں تباہ اور بستیاں اجڑ گئیں اب اس عذاب کا ذکر ہے جو مجرموں کو باہر نکال کر لیا گیا اور گھر محفوظ رہا کیونکہ وہ مسکن نبی تھا۔

تفسیر: **ثم بعثنا من بعدھم موسی** یہ فرمان عالی معطوف ہے **جاءتھم رسلھم** پر۔ لہذا **ثم** حرف عطف ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام مذکورہ انبیاء کرام سے بہت عرصہ کے بعد تشریف لائے اس لئے **ثم** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی عمر شریف ایک سو بیس سال ہوئی۔ آپ یوسف علیہ السلام کی وفات سے چار سو سال بعد پیدا ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے سات سو برس بعد اور مذکورہ نبی علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام سے بھی پہلے ہیں ان کو ہوئے یہاں **ثم**

www.alahazratnetwork.org

ارشاد ہوا (صاوی) لہٰذا اثم فرمانا حضرت صالح و ہود و نوح و لوط علیہم السلام کے لحاظ سے ہے۔ حضرت شعیب علیہ السلام تو آپ کے ہم زمانہ تھے۔ **بعثنا** بنا ہے **بعثت** سے ارسال اور بعثت دونوں قریباً ہم معنی ہیں۔ بمعنی بھیجنا۔ کبھی فرق یہ کیا جاتا ہے کہ کچھ کھلا کر بھیجنا رسالت ہے اور کچھ دے کر بھیجنا بعثت یا اس کے برعکس۔ واللہ اعلم۔ موسیٰ علیہ السلام جوانی تک فرعون کے پاس رہے پھر مصر سے مدین شعیب علیہ السلام کے ہاں دس سال رہے پھر حضرت شعیب کی صاحبزادی یعنی اپنی زوجہ صفورا کو لے کر مصر کی طرف آ رہے تھے کہ راستہ میں آپ کو نبوت اور دو معجزے عطا ہوئے یہ چیزیں لے کر آپ فرعون کے پاس آئے۔ لہٰذا اس معنی سے بھی **بعثنا** درست ہے یعنی ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجنا۔ **من بعدهم** میں **هم** سے مراد یا گزشتہ مذکورہ پانچ قومیں ہیں یا مذکورین پانچ نبی صالح' ہود' نوح' لوط' شعیب علیہم السلام اگرچہ ثم سے بعدیت معلوم ہو چکی تھی مگر اپنی رحمت عامہ اور قانون کرم نوازی بیان فرمانے کے لئے **بعدهم** ارشاد ہوا۔ ہو سکتا ہے **هم** سے مراد چار نبی ہوں کیونکہ شعیب علیہ السلام تو موسیٰ علیہ السلام کے ہم زمانہ تھے۔ لفظ موسیٰ کے معنی' آپ کا نسب نامہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ لفظ بنا ہے **مو** اور **سی** سے۔ مو یعنی پانی اور سی۔ بمعنی ساگوان کی لکڑی کا صندوق چونکہ آپ کو بی بی آسیہ زوجہ فرعون نے ایک بہتے ہوئے صندوق سے پایا تھا اس لئے آپ کا نام انہوں نے **موسیٰ** رکھا۔ **بایتنا** یہاں ب۔ بمعنی مع ہے۔ آیات جمع ہے آیت کی اس سے توریت شریف کی آیتیں مراد نہیں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت فرعون کے ڈوبنے کے بعد ملی۔ لہٰذا اس سے مراد معجزات ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے نو معجزات عطا فرمائے۔ عصا' ید بیضا' فرعونیوں پر قحط کے سال' ان کے پھلوں کی کمی' طوفان' ٹڈیاں' جوں' مینڈک' خون۔ قرآن مجید میں ان کا ذکر دوسری جگہ ہے (روح البیان وغیرہ) مگر پہلے دو معجزات آپ فرعون کے پاس لے کر گئے۔ باقی سات معجزات بطور عذاب آپ کو عطا ہوئے۔ خود عصا شریف بہت سے معجزوں کا مجموعہ تھا بہر حال **بایتنا** فرمانا بالکل درست ہوا۔ خیال رہے کہ کفار کتاب الٰہی ماننے کے مکلف نہیں ہوتے وہ بذریعہ معجزات نبی پر ایمان لانے کے مکلف ہوتے ہیں نبی پر ایمان لانے کے بعد ان کی کتاب ماننے کے مکلف ہیں۔

یہ بھی خیال رہے کہ گزشتہ نبیوں کی کتابیں ان کا معجزہ نہ تھیں۔ قرآن مجید حضور انور کا معجزہ ہے اسی لئے ان کتب نے کسی کو اپنے مقابلہ کی دعوت نہ دی۔ قرآن مجید نے اعلان فرمایا کہ **وان كنتم فى ريب مما نزلنا على عبدنا فاتوا بسورة من مثله** ان وجوہ سے یہاں ایاتنا میں توریت شریف داخل نہیں ہو سکتی۔ **الى فرعون و ملائه** یہ عبارت متعلق ہے **بعثنا** کے۔ موسیٰ علیہ السلام سارے مصروالوں کے نبی تھے قبطی ہوں یا سبطی (اسرائیلی) مگر چونکہ قبطی لوگ بادشاہ تھے' ان کے ایمان لے آنے سے دوسرے لوگ بھی ایمان لے آتے اس لئے یہاں خصوصیت سے فرعون اور اس کی جماعت کا ذکر ہوا۔ خیال رہے کہ مصر کے بادشاہ کو پہلے عزیز کہا جاتا تھا' پھر اسے فرعون کہا جانے لگا جیسے فارس کے بادشاہ کو کسریٰ اور روم کے بادشاہ کو قیصر' حبش کے بادشاہ کو خاقان' یمن کے بادشاہ کو تبع' عرب کے بادشاہ کو قیل' حبشہ کے بادشاہ کو نجاشی (روح البیان) موسیٰ علیہ السلام کے فرعون کا نام ولید ابن مصعب ابن ریان تھا۔ فرعون کے تاریخی حالات پہلے پارہ میں بیان ہو چکے اس کی کنیت ابو مرہ یا ابو العباس تھی' اس کی عمر میں اختلاف ہے۔ صاوی نے فرمایا کہ اس کی عمر چھ سو بیس سال ہوئی چار سو سال سلطنت کی۔ اس عرصہ میں کبھی بیمار بھی نہیں ہوا کوئی تکلیف نہ دیکھی۔ واللہ اعلم۔ **ملا** سرداروں کی جماعت کو کہتے ہیں جن

www.alahazratnetwork.org

سے مجلس بھر جاوے اور دیکھنے والے کا دل رعب سے بھر جاوے' اگرچہ موسیٰ علیہ السلام سارے قبطیوں کے بھی نبی تھے مگر سرداروں کو خصوصیت سے آپ نے تبلیغ فرمائی اور خصوصیت سے ان کی طرف بھیجے گئے تھے جس کی وجہ ابھی عرض کی گئی کہ ان کی اصلاح سے قوم کی اصلاح ہوتی ہے۔ **فظلموا بھا** یہ عبارت معطوف ہے **بعثنا** پر' ظلم بغیر حرف جر کے متعدی ہوتا ہے مگر یہاں بعد میں ب لائی گئی یا تو اس لئے کہ یہاں ظلم میں کفرو جحود (انکار) کے معنی شامل ہیں۔ چونکہ کفرو جحود دونوں ب سے متعدی ہوتے ہیں اس لئے ب آئی بعض نے فرمایا کہ ظلوا۔ معنی کفروا ہے یعنی ان آیات کی وجہ سے وہ کافر ہو گئے کہ ان کو جادو کہنے لگے (روح المعانی) چونکہ کفرنبی کے انکار سے ہوتا ہے اس لئے **بھا** فرمانا بالکل درست ہوا۔ **ھا** کا مرجع وہی مذکورہ آیات ہیں۔ خیال رہے کہ ظلم کے بہت معنی ہیں جن میں سے ایک معنی ہیں کسی چیز کو بے محل بے موقع استعمال کرنا چونکہ ان لوگوں نے آپ کے معجزات کو جادو کہہ کر ان کا انکار کیا اس لئے اس انکار کو ظلم کہا گیا **فانظر کیف کان عاقبۃ المفسدین** اس میں خطاب یا تو نبی کریم ﷺ سے ہے تو نظر۔ معنی آنکھ سے دیکھنا بھی ہو سکتا ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے یا کفار سے بھی تو نظر۔ معنی غور کرنا ہے۔ عاقبۃ یعنی انجام سے مراد ہے فرعونیوں کا غرق ہونا چونکہ کفر فساد ہے اور ہر کافر فسادی ہے کہ اللہ کی زمین میں فساد پھیلاتا ہے اس لئے انہیں مفسدین فرمایا۔ یعنی اے محبوب! دیکھو تو کیونکہ تمہاری آنکھ اگلی پچھلی ہر چیز دیکھتی ہے یا اے قرآن پڑھنے والے' غور تو کر کہ اس جابر قوم کا نتیجہ کیا ہوا۔ **وقال موسی** یہ عبارت نیا جملہ ہے جس میں ابتداء تبلیغ کا ذکر۔ موسیٰ علیہ السلام نہایت ہی بہادرانہ شان سے فرعون کے دربار میں تشریف لے گئے اس کے دروازے پر عصا شریف اس زور سے مارا کہ فرعون کانپ اٹھا آپ کا عصا اور آپ خود دس دس ہاتھ دراز تھے۔ عصا شریف اگر پھینک دیتے تو سانپ بن جاتا تھا اٹھاتے تو پھر لاٹھی کنوئیں میں لٹکاتے تو رسی کا کام دیتا۔ رات کو بیڑی کی طرح روشنی دیتا۔ رہبری کرتا تھا' پتھر پر مارتے تو اس سے چشمہ پانی کا ابل پڑتا بعض روایات میں ہے کہ خشک زمین پر مارتے تو سبزہ پیدا ہو جاتا تھا اگر کوئی درندہ آپ کی طرف آتا تو عصا اسے دفع کرتا تھا (تفسیر کبیر وغیرہ)۔ خیال رہے کہ فرعون پہلا وہ شخص ہے جس نے اپنی داڑھی اور سر میں سیاہ خضاب لگایا۔ اسلام میں سیاہ خضاب ممنوع ہے سواء غازی کے (روح البیان) سیاہ خضاب میں کچھ تفصیل ہے جو شامی میں اور ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ کرو۔ **یفرعون انی رسول من رب العلمین** موسیٰ علیہ السلام نے فرعونی دربار میں پہنچ کر پہلے اپنے تین صفات بیان کئے اور پھر اسے ایک حکم دیا اپنی پہلی صفت بیان کی **رسول من رب العلمین** دوسری صفت **حقیق علیٰ ان لا اقول** تیسری صفت **قد جئتکم** حکم یہ دیا کہ بنی اسرائیل کو آزاد کر دے اگرچہ وہاں اس کے ارکان دربار بھی موجود تھے مگر خطاب صرف فرعون سے کیا کیونکہ وہ ان سب کا بڑا تھا۔ اس سے خطاب ان سب سے خطاب تھا۔ رسول فرما کر یہ بتایا کہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے لئے پیغام لایا ہوں اور پیغام کے ساتھ انعام بھی کہ اگر تو میری بات مان لے تو تجھے دین و دنیا کی نعمتیں ملیں گی **من رب العلمین** فرما کر فرعون کے دعوئے ربوبیت کی تردید فرمائی وہ مصریوں سے کہتا تھا **انا ربکم الاعلیٰ** میں ہوں تمہارا بڑا رب آپ نے فرمایا کہ رب وہ ہے جو سارے جہانوں کو پالے تو بھی جہانوں میں داخل ہے۔ خدا تعالیٰ تیرا بھی رب ہے تو اس کی عبادت' میری اطاعت کر چونکہ ایمانیات میں نبی کی معرفت سب چیزوں پر مقدم ہے اس لئے پہلے آپ نے اپنی پہچان کرائی اور اپنے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی چونکہ نبی کو بشر' انسان' فلاں کا بیٹا پوتا ماننے کا نام

www.alahazratnetwork.org

ایمان نہیں بلکہ انہیں نبی رسول ماننے کا نام ایمان ہے۔ اس لئے آپ نے یہ نہ فرمایا کہ میں عمران کا نور نظر یا جناب یوحائذ کا لخت جگر ہوں بلکہ فرمایا کہ میں رب العالمین کا رسول ہوں **حقیق علی ان لا اقول علی اللہ الا الحق** موسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمان عالی فرعون کے انکار کے جواب میں تھا کہ اس نے کہا آپ جھوٹ کہتے ہیں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ جھوٹ نہیں بولا کرتے جیسے آم کے درخت میں کانٹے نہیں ہوتے ایسے ہی نبی کے پاس جھوٹ نہیں ہوتا۔ نافع اور مجاہد کی قرآت میں **علی** ہے **ی** کے شد سے۔ باقی تمام قراءتوں میں علی ہے حرف جر۔ مجاہد کی قرآءت کے معنی ہیں کہ مجھ پر واجب ہے کہ اللہ تعالیٰ پر سچ کے سوا کچھ نہ کہوں۔ ہماری قرآءت کے بہت سے معنی ہو سکتے ہیں (1) یہ رسول کی صفت ہے اور علی سے علیحدہ جملہ ہے (2) یہ ان کی دوسری خبر ہے (3) یہ لا پوشیدہ کی خبر ہے اور حقیق · معنی لائق ہے یا · معنی حریص (4) علی · معنی ب ہے اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ۔ اس معنی اخیر پر ہے۔ خیال رہے کہ علی · معنی ب آتا ہے۔ کہا جاتا ہے **رمیت علی القوس** یعنی میں نے کمان سے تیر پھینکا۔ **قد جئتکم ببینتہ من ربکم** یہ اپنے دعووں کا ثبوت ہے۔ **ببینتہ** یہاں جنسی معنی میں ہے کیونکہ آپ اس وقت دو معجزے لے کر فرعون کے پاس گئے تھے عصا اور ید بیضا۔ بینہ کے معنی روشن واضح دلیل معجزے نبی کی نبوت کی دلیل ہوتے ہیں یعنی میرے دعویٰ نبوت کی دلیل یہ ہے کہ میں خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں بلکہ رب کی طرف سے کھلی نشانیاں معجزات لایا ہوں **فارسل معی بنی اسرائیل** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے یعنی چونکہ میں اللہ کا نبی ہوں۔ تجھ پر میری اطاعت واجب لہٰذا تو خود بھی ایمان لا اور بنی اسرائیل کو اپنی خدمت گاری سے آزاد کر دے انہیں مصر سے جانے کی اجازت دے دے کہ میں انہیں لے کر اپنے آبائی وطن فلسطین بیت المقدس چلا جاؤں جیسا کہ ہم ابھی خلاصہ تفسیر میں انشاء اللہ عرض کریں گے۔ آپ کا مقصد یہ تھا کہ میں تیرا ملک نہ چھیننا چاہتا ہوں نہ تیرے ملک میں رہنے کا ارادہ رکھتا ہوں البتہ تیرے ظلم و تشدد سے مظلوم اسرائیلیوں کو چھڑانا چاہتا ہوں اس فرمان عالی میں حضرت کلیم اللہ نے اپنے استغناء اور بے نیازی کا ذکر فرمایا کہ ہم تیرا ملک تیری حکومت تیری سلطنت نہیں چاہتے بلکہ تجھے ایمان دینا چاہتے ہیں ہم تجھ سے لینے نہیں آئے بلکہ دینے آئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ہم نے مذکورہ بالا نبیوں کے بعد ایک شاندار نبی موسیٰ علیہ السلام کو خصوصی معجزات دے کر فرعون اور فرعونیوں کی طرف نبی بنا کر بھیجا ان فرعونیوں نے بجائے ایمان لانے کے ان معجزات کا انکار کر دیا۔ اپنے پر ظلم کیا تو تم خود ہی غور کر لو کہ ان کا انجام ان مفسدین کا نتیجہ کیا ہوا۔ جناب موسیٰ نے فرعونی دربار میں جا کر کہا کہ اے فرعون میں تیرے پاس اس ذات کا رسول ہو کر آیا ہوں جو تمام جہانوں کا دائی پالنے والا ہے تو رب نہیں بلکہ رب کا بندہ ہے پہلے مجھے پہچان پھر میرے ذریعہ رب کو پہچان اس نے آپ کا انکار کیا آپ کو جادوگر آپ کے معجزات کو جادو کہا تو آپ نے فرمایا کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور مجھے یہ لائق ہی نہیں کہ اللہ کی طرف حق کے علاوہ کوئی اور چیز کو نسبت کروں میں حق باتیں ہی اس کی طرف منسوب کروں گا۔ میں صرف دعویٰ نبوت لے کر خالی ہاتھ نہیں آیا ہوں بلکہ رب کی طرف سے اپنی نبوت کی روشن دلیلیں لایا ہوں لہٰذا تو مجھ پر ایمان لا اور میری قوم بنی اسرائیل کو آزاد کر دے تاکہ میں انہیں ان کے اصلی وطن فلسطین میں لے جاؤں میں تیرا ملک تیرا راج لینا نہیں چاہتا تجھے ایمان دے کر اپنی قوم کو تیرے ملک سے لے جانا چاہتا ہوں۔ آپ نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تو میری بات

www.alahazratnetwork.org

مان لے کا تو تیری جوانی تیرا حسن تیری تندرستی تیرا ملک مرتے دم تک تیرے پاس رہے گا۔

خیال رہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مع اپنی اولاد کے اپنے فرزند یوسف علیہ السلام کے پاس مصر میں آن بسے تھے وہاں آپ کی اولاد بہت پھلی پھولی حتی کہ لاکھوں ہو گئی۔ یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں فرعون یعنی بادشاہ مصر کا نام ریان تھا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا مصعب ابن ریان بنی اسرائیل کا بڑا احترام کرتا تھا۔ اس کی موت کے بعد جب ولید مصر کا بادشاہ بنا یعنی فرعون موسیٰ علیہ السلام تو اس نے دعویٰ خدائی کیا۔ بنی اسرائیل نے یہ دعویٰ قبول نہ کیا۔ وہ بولا کہ تمہارے جد امجد یعنی یوسف علیہ السلام کو ہم مصریوں نے خرید اتھا تم لوگ ہمارے خریدے ہوئے کی اولاد ہو لہٰذا ہمارے غلام ہو بلکہ غلام زادے ہو۔ انہیں اپنا غلام بنا کر نہایت دشوار اور ذلت کے کاموں پر لگا دیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں آزاد کرانا چاہا۔ یہاں اسی کا ذکر ہے (روح البیان)۔

خون اسرائیل جب آ جاتا ہے جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گروہ انبیاء میں موسیٰ علیہ السلام بڑے شاندار نبی ہیں۔ آپ پہلے صاحب کتاب نبی ہیں۔ حتی کہ بعض نے فرمایا کہ حضور انور کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا درجہ آتا ہے مگر حق یہ ہے کہ حضور انور کے بعد درجہ ابراہیم علیہ السلام کا ہے یہ فائدہ موسیٰ علیہ السلام کا علیحدہ خصوصی ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو بہت سے معجزے عطا فرمائے۔ یہ فائدہ **بآیتنا** سے حاصل ہوا۔ ہمارے حضور کے بعد زیادہ معجزات والے موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں کہ آپ کو نو معجزے عطا ہوئے۔ حضور انور کی شان تو یہ ہے۔

دیئے معجزے انبیاء کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

حضور انور کے معجزات چھ ہزار تو وہ ہیں جو روایات میں آ گئے۔ **تیسرا فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام صرف اہل مصر کے نبی تھے یعنی آپ کی نبوت سارے انسانوں کے لئے نہ تھی۔ یہ فائدہ **الی فرعون** سے حاصل ہوا۔ سارے جہان کے نبی صرف ہمارے حضور انور ہی ہیں۔ آدم علیہ السلام اپنی موجودہ اولاد کے نبی تھے۔ حضرت سلیمان جن وانس کے بادشاہ تھے۔ کونین کے نبی صرف حضور انور ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** سرداروں کو خصوصیت سے تبلیغ کرنی چاہئے کہ ان کے درست ہو جانے سے بقیہ ماتحت بھی درست ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ **الی فرعون وملائه** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر بغیر پیغمبر بھیجے اور ان کے انکار کئے بغیر عذاب نہ بھیجا اگرچہ وہ کیسے ہی مجرم تھے۔ یہ فائدہ **فظلموا بها** اور **فانظر** فرمانے سے حاصل ہوا کہ فرعون سالہا سال دعویٰ خدائی اور بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل کرتا رہا مگر عذاب نہ آیا۔ موسیٰ علیہ السلام کا انکار کیا تو ڈبو دیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** کافر فاسق فسادی ہیں کہ ان کے کفر و فسق کی وجہ سے زمین میں بلائیں 'وبائیں' فساد 'عذاب آتے ہیں۔ مومن فسادی نہیں۔ دیکھو رب نے فرعونیوں کو مفسدین فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** ایمانیات میں رسول کی معرفت پہلے ہے باقی چیزیں توحید وغیرہ بعد میں ہیں۔ یہ فائدہ **انی رسول من رب العلمین** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی تبلیغ میں اپنی پہچان کرائی۔ ہمارے حضور انور نے پہلی تبلیغ میں فرمایا تھا کہ **کیف انا فیکم** تاؤ تم میں ہم کیسے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا مظہر بلکہ اس کی دلیل ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **من رب العلمین** سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا کہ آپ نے من اللہ نبی فرمایا جب رب نے ہماری جسمانی پرورش کے لئے دانے پھل وغیرہ پیدا فرمائے تو روحانی پرورش کے لئے نبی بھیجے احکام ارشاد فرمائے۔ **نواں فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کی زبان پر کبھی جھوٹ باطل نہیں آتا وہ ہمیشہ سچ اور حق ہی بولتے ہیں۔ یہ فائدہ **الا الحق** سے حاصل ہوا۔ نبی جھوٹ سے معصوم ہیں۔ **دسواں فائدہ:** بنی اسرائیل نہ تو کسی کے غلام تھے نہ کسی کے غلام زادے۔ ہاں فرعون نے انہیں ظلماً قید کر رکھا تھا۔ یہ فائدہ ارسل فرمانے سے حاصل ہوا کہ آپ یہ نہ فرمایا کہ انہیں آزاد کر دے۔ بلکہ فرمایا بھیج دے چھوڑ دے۔ **گیارھواں فائدہ:** کسی نبی کی کتاب ان کا معجزہ نہ تھی۔ ہمارے حضور انور کا قرآن حضور کا زندہ جاوید معجزہ ہے اس لئے اور رسولوں کو کتاب دعویٰ نبوت سے عرصے بعد ملی مگر حضور کی نبوت کے ظہور کی ابتداء نزول قرآن سے ہوئی۔ موسیٰ علیہ السلام عصا ید بیضا لے کر فرعون کے پاس تشریف لے گئے۔ ہمارے حضور قرآن لے کر کفار مکہ کے پاس غار حرا سے تشریف لائے۔ حضور کا یہ معجزہ عظیم الشان ہے یہ فائدہ **جئتکم ببینۃ** سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: موسیٰ علیہ السلام کا ذکر یہاں پانچ نبیوں کے بعد ہے۔ نوح لوط صالح ہود اور شعیب علیہم السلام جن میں سے چار نبی تو موسیٰ علیہ السلام سے پہلے ہیں مگر حضرت شعیب علیہ السلام آپ کے ہم زمانہ ہیں لیکن ارشاد ہوا **ثم بعثنا من بعدھم موسی** کہ پھر ہم نے ان پانچوں رسولوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو بھیجا یہ کیونکر درست ہوا۔ نہ **ثم** فرمانا درست ہے نہ **من بعدھم** کہنا صحیح۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں **ثم** اور **من بعدھم** فرمانا ترتیب و تاخیر ذکری کے لئے ہے نہ کہ ترتیب زمانی کے لئے یعنی پھر یہ بھی سن لو۔ ان نبیوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا ذکر بھی پڑھ لو۔ دوسرے یہ کہ یہاں **من بعدھم** فرمانا غلبہ کے لئے ہے چونکہ چار نبی موسیٰ علیہ السلام سے پہلے تھے صرف ایک نبی شعیب علیہ السلام آپ کے ہم زمانہ تھے اس لئے **ثم** اور **من بعدھم** ارشاد ہوا۔ تیسرے یہ کہ فرعون اور فرعونیوں کو ان پانچوں نبیوں کی خبر پہلے مل چکی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام ان خبروں کے بعد نبی بنا کر بھیجے گئے لہٰذا **ثم** فرمایا۔ گویا یہ ترتیب علمی ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بعد میں نبی بنے۔ یہاں نبوت میں بعدیت مراد ہے وفات کے بعد ہونا مراد نہیں۔ فقیر کے نزدیک یہ آخری جواب قوی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ گزشتہ پانچوں نبی بھی فرعون کی طرف بھیجے گئے ہوں گے کیونکہ ارشاد ہے **ثم بعثنا من بعدھم موسی بایتنا الی فرعون** ہم نے ان مذکورہ پانچوں رسولوں کے بعد موسیٰ کو فرعون کی طرف بھیجا حالانکہ یہ تو درست نہیں فرعون کے رسول صرف موسیٰ علیہ السلام ہیں۔ **جواب:** یہاں **الی فرعون بعثنا** کی قید نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی حالت کا ذکر ہے یعنی گزشتہ نبیوں کو ان کی قوموں کی طرف بھیجا پھر ان کے بعد موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا۔ لہٰذا آیت واضح ہے اس پر اعتراض نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ انہیں بنی اسرائیل کی طرف بھیجا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** موسیٰ علیہ السلام اہل مصر کے رسول تھے۔ مصر میں اسرائیلی بھی آباد تھے اور قبطی یعنی فرعونی لوگ بھی۔ اس لئے آپ ان دونوں قوموں کے نبی تھے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ حضور عرب کے نبی ہیں اور حضور عجم کے نبی ہیں یعنی دونوں کے نبی ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **بایتنا** حالانکہ موسیٰ علیہ السلام فرعون کے پاس

www.alahazratnetwork.org

صرف دو معجزے لے کر پہنچے تھے۔ عصا اور ید بیضا پھر آیات جمع فرمانا کیونکر درست ہوا **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اگرچہ اس وقت تو آپ کے پاس دو معجزے تھے مگر بعد میں آپ کو اور معجزے بھی دیئے گئے جو فرعون نے دیکھے' جیسے خون' جوں' مینڈک کے عذاب۔ یہاں سارے معجزات مراد ہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں معجزے بہت سے معجزوں کا مجموعہ تھے۔ عصا سانپ بنتا تھا پھر لاٹھی بن جاتا تھا' رات میں روشنی دیتا تھا۔ کنوئیں میں لٹکانے پر رسی بن جاتا ہے۔ جب موسیٰ علیہ السلام سوتے تھے تو آپ کا محافظ پہرہ دار بن جاتا تھا' پتھر پر مارنے سے پانی کے چشمے نکلتے تھے' اسی سے دریا چیر آگیا۔ ان وجوہ سے آیات فرمانا بالکل درست ہوا جیسے ہمارے حضور کے منہ کا لعاب دکھتی آنکھ پر لگے تو شفا بخشے۔ ٹوٹی ہڈی میں لگے تو جوڑ دے۔ کھاری کنوئیں میں پڑے تو میٹھا کر دے۔ تھوڑے گوشت' تھوڑے آٹے میں پڑے تو برکت دے کر صدہا آدمی اس سے سیر ہو جاویں۔ **اللھم صل وسلم وبارک علیہ** **پانچواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو رسول اللہ کیوں نہ فرمایا **من رب العلمین** کیوں فرمایا۔ **جواب**: اس لئے کہ فرعون اپنے کو رب کہتا تھا۔ **انا ربکم الاعلیٰ** رب العالمین فرما کر اس کے اس قول کی تردید فرما دی کہ تو مربوب ہے کیونکہ عالمین میں تو بھی داخل ہے کیونکہ تو بھی دوسروں کی طرح کھانے پینے' سونے جاگنے وغیرہ کا محتاج ہے' جو محتاج ہے وہ عالمین میں سے ہے۔ جو کل کا ہر طرح حاجت روا ہے وہ رب العالمین ہے نیز عالمین تجھ سے پہلے بھی تھے اور تیرے بعد بھی رہیں گے' پالنے والا پہلے ہوتا ہے' پلنے والے بعد میں۔ نیز رب وہ جو سب کی حاجتیں جانے' تجھے تو اپنی حاجات کی بھی خبر نہیں پھر تو رب کیوں بنتا ہے۔ رب وہ ہے۔ جس کا رسول میں ہوں۔ میری رسالت اس کی ربوبیت کی دلیل ہے۔ **چھٹا اعتراض**: **حقیق** کے معنی ہیں لائق یا سزاوار۔ اس کے بعد **علیٰ** نہیں آنا چاہئے پھر یہاں علیٰ کیوں آیا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **حقیق یا** بمعنی حریص ہے یا علیٰ بمعنی ب ہے لہٰذا آیت واضح ہے۔ **ساتواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت فرعون کو عبادات کا حکم نہیں دیا تھا صرف یہ فرمایا کہ نبی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے۔ اس کی کیا وجہ تھی۔ نبی تو احکام شرعیہ پہنچاتے ہیں۔ **جواب**: کفار کو اولاً "صرف عقیدے کی تبلیغ کی جاتی ہے۔ اسلام قبول کر لینے پر احکام کی تبلیغ ہوتی ہے یہ وقت اول تبلیغ کا وقت تھا رسول' فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ مجھے تیری حکومت تیرے ملک پر قبضہ کرنا نہیں ہے۔ میں تو یہاں رہنا بھی نہیں چاہتا اپنی قوم کو فلسطین لے جانا چاہتا ہوں تو انہیں آزاد کر میں انہیں یہاں سے لے جاؤں تو یہاں مزے سے راج کر۔

تفسیر صوفیانہ: سنت الٰہیہ یہ ہے کہ ہر قسم کے گمراہ کی طرف اس کے مناسب ہادی بھیجتا ہے۔ جن سے ان لوگوں کو انس ہوتا کہ تبلیغ میں آسانی ہو نیز جیسی گمراہی ویسی ہدایت دیکھو لولا "موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے گھر بلکہ اس کی گود میں پرورش کرا کے اسے آپ سے مانوس کر دیا پھر آپ کو نبی بنا کر اس کی ہدایت کے لئے بھیجا پھر جس قسم کی چیزیں فرعون کی گمراہی کا باعث تھیں یعنی جادوگروں کے جادوؤں کے کمالات' اسی قسم کے معجزے اس کی ہدایت کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائے تاکہ فرعون کو کسی قسم کا عذر نہ رہے۔ جب وہ ان چیزوں کے باوجود راہ راست پر نہ آیا تو اسے ظالم قرار دیا گیا کہ ارشاد ہوا **فظلموا بھا** انہیں فسادی ٹھہرایا گیا انہیں مفسد کہا گیا پھر نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ بچپن سے ایسے کام ان سے صادر نہیں ہوتے جو آگے چل کر ان پر طعن کا ذریعہ بنیں اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے فرعون تو میرے بچپن و جوانی دیکھ چکا ہے۔ میری زبان سے کبھی

www.alahazratnetwork.org

جھوٹ نہ نکلا تو تواس سے یہ نتیجہ نکال کہ میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہیں باندھ سکتا جو کبھی بچپن میں جھوٹ نہ بولے وہ رب پر جھوٹ کیسے باندھ سکتا ہے۔ نبی کی راست بازی حق گوئی اللہ کی معرفت کی دلیل ہوتی ہے اسی لئے آپ نے اپنی معرفت سب سے پہلے کرائی اس ذریعہ سے رب کی معرفت کرائی۔ نبی کی ذات 'اخلاق' اعمال 'عادات' رب تعالیٰ کا پتہ ہیں۔ رب تعالیٰ اسی پتہ سے ملتا ہے اس بے نشاں کا نشان یہ حضرات ہیں۔

نشان بے نشاں بن کر' زبان بے زباں بن کر
وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی لوا ہو کر

قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ فَاْتِ بِهَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۰۶﴾ فَاَلْقٰى

کہا اس نے اگر ہیں آپ لائے کوئی نشان تو لاؤ اُسے اگر ہوں آپ سچوں میں سے بس پھینک

بولا اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ اگر سچے ہو تو موسیٰ نے اپنا عصا

عَصَاهُ فَاِذَا هِىَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۰۷﴾ وَّنَزَعَ يَدَهٗ فَاِذَا هِىَ بَيْضَآءُ لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

دی آپ نے لاٹھی اپنی پس اچانک وہ اژدہا تھا کھلا ہوا۔ اور کھینچا آپ نے ہاتھ اپنا پس اچانک وہ روشن تھا واسطے دیکھنے والوں کیلئے

ڈال دیا وہ فوراً ایک اژدہا ظاہر ہوگیا۔ اور اپنا ہاتھ گریبان میں ڈال کر نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے سامنے جگمگانے لگا

تعلق: **قَالَ اِنْ كُنْتَ جِئْتَ بِاٰيَةٍ** قال کا فاعل فرعون ہے چونکہ اسے موسیٰ علیہ السلام کے سچے نبی ہونے' معجزات لانے میں شک و تردد تھا اس لئے یہاں ان بولا جو شک کے لئے کلام آتا ہے **جئت** بنا ہے **مجی** سے ' معنی آنا۔ مگر عرف میں مبداء کے پاس سے آنے کو بھی کہتے ہیں اور منتہیٰ تک پہنچنے کو **ایتاء** اسی لئے اس نے **جئت** کہا **ایتہ** ' معنی نشانی ہے۔ آپ نے معجزے کو **بینتہ** فرمایا اس نے آیتہ کہا۔ مقصد ایک ہی ہے یعنی اگر تم رب تعالیٰ کے پاس سے آئے ہوئے نشانی لائے ہو تو پیش کرو **فات بھا ان کنت من الصادقین**۔ ظاہر یہ ہے کہ **فات بھا** جزاء ہے **ان کنت جئت** کی اور اس کی ف جزائیہ ہے اور **ان کنت من الصادقین** کی جزاء پوشیدہ ہے۔ جس پر **فات بھا** دلالت کر رہا ہے (صاوی) چونکہ ایتاء آنے کو کہتے ہیں منتہیٰ کے لحاظ سے اس لئے یہاں **فات** کہا اور پہلے جئت کہا تھا۔ خیال رہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کی حق گوئی راست بازی کا دل سے قائل تھا کیونکہ وہ آپ کا شروع زمانہ دیکھ چکا تھا مگر اسے موسیٰ علیہ السلام کی تبلیغ میں دو چیزوں پر بہت حیرت ہوئی ایک یہ کہ میرے سوا کوئی اور رب ہے وہ تو اپنے ہی کو رب کہتا تھا۔ دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اس رب کے بھیجے ہوئے رسول ہیں وہ نبوت اور رسالت سے یکدم خالی الذہن تھا اس لئے اس نے شک کے طریقہ سے کہا کہ اگر آپ سچے ہیں تو معجزہ دکھائیے **فالقی عصاہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ ف سے اشارۃً معلوم ہوا کہ آپ نے فرعون کا یہ کلام سن کر بغیر تامل فوراً اپنی لاٹھی پھینکی۔ عصا موسوی کس لکڑی کا تھا۔ قوی وہ ہے جو حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جنتی درخت آس کا تھا جو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے وہ حضرات انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا شعیب علیہ السلام تک پہنچا تھا۔

www.alahazratnetwork.org

ان سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا۔ اس کا نام ماشا تھا (روح المعانی) دس ہاتھ دراز تھا۔ آپ کے قد کے برابر۔ **فاذاھی ثعبان مبین** یہ عبارت معطوف ہے **فالقی** پر' یا پوشیدہ شرط کی جزاء ہے **ف** سے معلوم ہوا کہ عصا شریف آپ کے ہاتھ سے گرتے ہی اژدہا بن گیا بغیر تاخیر کے۔ **ثعبان** بنا ہے **ثعب** سے ' معنی پانی بہنا' اب موٹے اژدہا کو **ثعبان** کہا جاتا ہے کہ وہ چلنے میں لہراتا نہیں بلکہ پانی کی طرح یکساں چلتا ہے (روح المعانی) **ھی ثعبان** فرما کر یہ بتایا کہ اس لاٹھی کا سانپ بن جانا اس قدر ظاہر تھا کہ کسی کو اس میں شک اور تردد نہیں ہوا۔ ظاہر ظہور سانپ بن گیا وہ سانپ جسماً تو اژدہا تھا مگر تیز رفتاری میں پتلے سانپ کی طرح تھا اس لئے دوسری جگہ اسے **جان** فرمایا۔ **تتھز کانھا جان** مفسرین فرماتے ہیں کہ وہ اسی ہاتھ لمبا سانپ تھا جب اس نے منہ پھاڑا تو اس کا نچلا ہونٹ زمین پر تھا' اونچلا ہونٹ فرعون کے محل کی چوٹی پر تھا۔ دونوں ہونٹوں میں اسی ہاتھ کا فاصلہ تھا۔ پیلے رنگ کا تھا۔ اپنی دم پر کھڑا ہو گیا۔ اس طرح فرعون کی طرف چلا۔ فرعون گوز مارتا بھاگا۔ اس دن اسے چار سو گوز آئے پھر ڈوبتے وقت تک فرعون کو دستوں کا مرض رہا اس سے پہلے اسے چالیس دن میں ایک بار پاخانہ کی حاجت ہوتی تھی۔ لوگوں میں اس قدر بھگدڑ مچی کہ کئی ہزار آدمی کچلے گئے۔ فرعون چیخا کہ اے موسیٰ! مجھے بچاؤ۔ میں تم پر ایمان لاؤں گا۔ بنی اسرائیل کو آزاد کردوں گا' تب آپ نے اسے پکڑ کر اٹھایا تو ویسی ہی لاٹھی تھی (صاوی' خازن' معانی' بیان وغیرہ) **ونزع یدہ** یہ آپ کا دوسرا معجزہ تھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رنگ گندمی تھا۔ آپ نے پہلے اپنے ہاتھ فرعون کو دکھائے فرمایا یہ کیا چیز ہے۔ بولا آپ کے ہاتھ ہیں۔ آپ نے داہنا ہاتھ گریبان یا بائیں بغل میں ڈالا۔ اب جو نکالا تو سورج سے بھی زیادہ چمک رہا تھا اس کا ذکر یہاں ہے۔ **نزع** کے معنی ہیں کھینچا یا نکالا۔ اس سے ڈالنے کے معنی آپ ہی سمجھ میں آگئے۔ **ید** سے مراد داہنا ہاتھ ہے (روح المعانی) **فاذاھی بیضاء للنظرین** ھی کا مرجع آپ کا ہاتھ شریف ہے۔ **بیضاء** فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ محض سفید نہیں تھا بلکہ چمکدار تھا۔ **للنظرین** فرما کر دو باتیں بتائیں۔ ایک یہ کہ صرف فرعون ہی کو اس کی شعاعیں محسوس نہ ہوئیں بلکہ سارے دیکھنے والوں کو نظر آتا تھا۔ دوسرے یہ کہ اس کی شعاعیں بیڑی کی طرح صرف سامنے والوں کو نظر آتی تھیں۔ خود موسیٰ علیہ السلام کی جانب شعاعیں نہ تھیں۔ خیال رہے کہ پہلے معجزہ میں حقیقت کی تبدیلی تھی کہ لکڑی سانپ بن گئی تھی مگر اس معجزہ میں صرف رنگت کی تبدیلی ہے۔ ہاتھ شریف کی حقیقت نہ بدلی تھی۔ تبدیلی حقیقت اور چیز ہے۔ تبدیلی صفت و رنگت اور چیز۔ اسی لئے آپ نے عصا کا معجزہ پہلے دکھایا دوسرا معجزہ بعد میں۔ غالب یہ ہے کہ یہ معجزہ دوسری مجلس میں دکھایا کہ پہلے معجزہ کو دیکھ کر فرعون کی مجلس درہم برہم ہو گئی تھی جیسا کہ ابھی تفاسیر کے حوالہ سے عرض کیا گیا۔ یہ دوسری مجلس خواہ اسی وقت لگ گئی ہو یا کچھ وقفہ کے بعد واللہ و رسولہ اعلم۔ اس ہاتھ شریف کی صفت یہ تھی کہ جب آپ پہلی بار بغل میں ڈالتے تو چمک جاتا تھا پھر جب دوسری بار ڈالتے تو اپنی اصلی حالت پر آجاتا تھا' صرف ہتھیلی چمکتی تھی۔ اسی کو **ید** فرمایا گیا (از روح المعانی مع الزیادۃ)

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمان عالی فرعون کو دیا اپنا مقام بتایا تو اسے حیرت ہو گئی کہ میرے سوا اور کوئی رب العلمین کیسے ہو سکتا ہے اور نبی و رسول کیسے ہوتے ہیں' معجزہ کیا چیز ہے۔ حیران ہو کر بولا کہ اگر آپ اپنے دعویٰ کی تصدیق کے لئے کوئی معجزہ لائے ہو تو لائیے پیش کیجئے۔ اگر آپ سچے ہیں تو بغیر پس و پیش دکھائیں۔ آپ نے یہ سنتے ہی فوراً اپنی لاٹھی

www.alahazratnetwork.org

چمکی تو وہ ظاہر ظہور عظیم الشان اژدھا بن گیا۔ صرف صورت میں اژدہا نہ ہوا تھا نہ نظربندی تھی بلکہ حقیقت میں بدل گئی تھی۔ اس کے فوراً بعد یا دوسری مجلس میں آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بغل میں ڈال کر نکالا تو اس کی ہتھیلی جو دیکھنے والوں کی طرف تھی نہایت تیز چمکیلی ہوگئی جس نے اپنی تیزی سے دھوپ کو ماند کر دیا۔ خیال رہے کہ فرعونی جادوگروں نے بھی رسیوں، بلیوں، بانسوں کو سانپ بنا کر دکھایا مگر وہاں صرف نظربندی تھی۔ حقیقت نہ بدلی تھی اس لئے اس کے متعلق ارشاد ہوا **سحروا اعین الناس** کہ انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔ سورہ طٰہٰ میں فرمایا **یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی**

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کو مقید معجزات عطا فرمائے چنانچہ داؤد علیہ السلام کی آواز میں معجزہ تھا عیسیٰ علیہ السلام کے دم میں معجزہ کہ ان کے دم سے مردے زندہ اندھے کوڑے اچھے ہوتے تھے اور مٹی کی چڑیاں اسی دم سے اصلی جیتی جاگتی چڑیاں بن جاتی تھیں۔ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ شریف میں معجزے مگر ان میں یہ قید تھی کہ سوائے خاص عصا کے اور کسی چیز کو سانپ نہیں بناتا تھا اور بغیر بغل میں گئے ہوئے نہ چمکتا تھا۔ یہ فائدہ **القی عصاہ** اور **نزع یدہ** سے حاصل ہوا مگر ہمارے نبی ﷺ کو رب نے مطلق معجزات عطا فرمائے کہ حضور کے ہر عضو میں، ہر فعل میں ہر ادا میں معجزے۔

دیئے معجزے ہر نبی کو خدا نے ہمارا نبی معجزہ بن کے آیا

دوسرا فائدہ: موسیٰ علیہ السلام کا ایک معجزہ یعنی عصا کا سانپ بننا ہاتھ شریف سے پھینکنے پر ظاہر ہوتا تھا خود ہاتھ میں رہتے ہوئے عصا کا سانپ نہ بنتا تھا بلکہ ہاتھ میں آ کر تو وہ سانپ عصا بن جاتا تھا مگر دوسرا معجزہ خود ہاتھ میں نمودار ہوتا تھا یعنی ہاتھ شریف چمک جاتا تھا۔ یہ فائدہ بھی **القی عصاہ** اور **نزع یدہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** عصاء موسوی پھینک دینے پر حقیقتاً ”سانپ بن جاتا تھا۔ اس میں روح پڑ جاتی تھی وہ کھا بھی سکتا تھا۔ چنانچہ وہ جادوگروں کے سارے رسے بانس نگل گیا اور اٹھانے پر حقیقتاً“ لکڑی ہو جاتا تھا۔ یہ فائدہ **ھی ثعبان مبین** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **ھی** مبتداء ہے اور **ثعبان** اس کی خبر، پھر اس کا اژدھا بن جانا اتنا ظاہر ہوتا تھا کہ اس میں کسی کو شک نہیں ہوتا تھا۔ **چوتھا فائدہ:** اجسام میں انقلاب حقیقت ممکن بلکہ واقع ہے یوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جسم کی حقیقت بدلے اور اس میں روح پڑ جاوے یا نکل جاوے۔ ہم دن رات دیکھتے ہیں کہ سر کا میل جوں بن جاتا ہے چارپائی کا میل کھٹمل بن جاتا ہے اور اس میں جان پڑ جاتی ہے تو اگر نبی یا ولی کے واسطے سے یہ کام ہو جاوے تو اسے بھی بلا انکار مان لینا چاہئے۔ یہ فائدہ بھی **ھی ثعبان مبین** سے حاصل ہوا۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کے ذریعہ جیسے چیز کی حقیقت بدل جاتی ہے ویسے ہی چیز کی صفات بھی بدل جاتی ہیں۔ یہ فائدہ **فاذا ھی بیضاء** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ کا رنگ بدلتا تھا۔ ذات نہیں بدلتی تھی۔ تبدیلی ذات، تبدیلی صفات، سب کچھ ممکن ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جب نبی کی برکت سے چیزوں کی ذات و صفات بدل جاتی ہیں تو ایسے ہی ان کی برکت سے انسان کی ذات و صفات بدل جاتی ہیں۔ حضور انور نے اپنے کمبل شریف میں حبشی کو لے کر اسے حسین رومی بنا دیا۔ نقشہ بدل دیا، رنگ روپ بدل دیا۔ کافر کو مومن فاسق کو متقی غافل کو عارف عاقل بنا دیا۔ **اللھم صل وسلم وبارک علیہ**

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے معجزہ مانگتے ہوئے یہ کیوں کہا۔ **ان کنت من**

www.alahazratnetwork.org

الصدقین اگر آپ سچے ہیں۔ **جواب:** فرعون موسی علیہ السلام کی صداقت کا دل سے قائل تھا کہ آپ کی شروع زندگی اسی کے گھر گزری تھی مگر اپنے علاوہ اور کو رب ماننا موسی علیہ السلام کو ماننا اس کے لئے موت تھی اب وہ کشمکش میں تھا اس لئے کہا کہ آپ سچے ہیں تو معجزہ لائیے یہ نہ کہا کہ آپ جھوٹے ہیں آپ کے پاس کوئی معجزہ نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں تو فرمایا گیا کہ عصا زمین پر پھینکتے ہی اژدہا یعنی موٹا سانپ بن گیا۔ مگر دوسری جگہ قرآن مجید نے اسے **جان** یعنی پتلا سانپ فرمایا ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں سب سے زیادہ قوی جواب یہ ہے کہ وہ تھا تو اژدہا مگر تیز رفتاری میں پتلے سانپ کی طرح تھا۔ اژدہا تیز نہیں چل سکتا مگر وہ بہت تیز چلتا تھا اسی لئے قرآن مجید نے فرمایا ہے **تھتز کانھا جان** وہ پتلے سانپ کی طرح لہراتا تھا۔ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ یہ کہنا کہ وہ پہلے پتلا سانپ بنتا تھا پھر پھولتا ہوا موٹا اژدہا بن جاتا تھا ضعیف سا قول ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر موسی علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا پھر بعد میں لاٹھی ہو جاتا تھا تو آریوں کا مسئلہ تناسخ (اوا گون) درست ہوا کہ انسان مرنے کے بعد کتا بلا وغیرہ بن کر دنیا میں آتا ہے حالانکہ مسلمان اس عقیدے کو کفر کہتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ہم پہلے پارہ میں دے چکے ہیں کہ جسموں کا تناسخ دن رات ہوتا ہے۔ جسم انسانی قبر میں گل کر مٹی آگ میں جل کر راکھ بن جاتا ہے سر کا میل جوں اور چارپائی کا میل کھٹمل بن جاتا ہے۔ البتہ ارواح کا تناسخ ناممکن ہے کہ روح انسان ناطق گھوڑے گدھے کی روح بن جاوے۔ آریہ روحوں کا تناسخ مانتے ہیں۔ یہ کفر ہے۔ پانی بھاپ یعنی ہوا بن جاتا ہے۔ ہوا پانی بن جاتا ہے۔ کیمیا سے تانبہ سونا ہو جاتا ہے رانگ چاندی کان کی نمک میں جو چیز جائے نمک بن جاتی ہے۔ یہ سب تناسخ ابدان ہے لہٰذا عیسی علیہ السلام کے معجزے سے مٹی کا پرندہ بن جانا لاٹھی کا سانپ ہو جانا بالکل برحق ہے۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **مبین** کیوں فرمایا یعنی ظاہر ظہور اژدہا بن گیا۔ اژدہا تو چھپ سکتا ہی نہیں تھا۔ **جواب:** چند وجوں سے (1) فرعونی جادوگر بھی رسیوں لاٹھیوں کو سانپ بنا کر دکھا دیتے تھے مگر وہ رسیاں صرف سانپ کی طرح حرکت کرتی تھیں اور کچھ نہ کر سکتی تھیں اور یہ حرکت بھی نظربندی ہوتی تھی مگر آپ کے عصاء نے سانپ بن کر وہ مذکورہ کرشمے دکھائے کہ فرعون و فرعونیوں کا حلقہ تنگ ہو گیا۔ لہٰذا اس کا اژدہا بن جانا بالکل ظاہر تھا (2) آپ نے عصاء کو پردہ میں رکھ کر اژدہا بنا کر نہ نکالا جیسا کہ جادوگر کرتے ہیں بلکہ لاٹھی ان کے سامنے اژدہا بنی۔ لہٰذا یہ بالکل ظاہری چیز ہے (3) اس اژدہے نے حضرت موسی علیہ السلام کی نبوت بالکل ظاہر کر دی۔ **مبین** بمعنی ظاہر کرنے والا (تفسیر کبیر) **پانچواں اعتراض:** یہ بیضاء کے متعلق یہ کیوں فرمایا کہ للناظرین کہ وہ دیکھنے والوں کے لئے سفید بن گیا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر میں گزر گیا کہ اس ہاتھ کی ہتھیلی سامنے والوں کے لئے چمکتی تھی۔ آپ کی طرف کا رخ اسی طرح کا ہوتا تھا جیسے آج کل کی بیٹری۔ چراغ ہر طرف روشنی دیتا ہے مگر بیٹری آگے۔ **چھٹا اعتراض:** موسی علیہ السلام نے دربار فرعونی میں عصا کا معجزہ پہلے اور ید بیضا کا معجزہ بعد میں کیوں دکھایا۔ عصا کا معجزہ قوی ہے ید بیضاء کے معجزے سے۔ تو اعلیٰ کی طرف ترقی کرنی چاہئے۔ **جواب:** اس کی بہت وجہیں ہو سکتی ہیں۔ ظاہر وجہ یہ ہے کہ عصاء جلالی معجزہ تھا۔ ید بیضاء نورانی معجزہ کفار کے لئے جلال کا اظہار پہلے ہونا ہی مناسب ہے۔ اسی لئے حضرات انبیاء کرام نذارت یعنی ڈرانا پہلے کرتے ہیں بشارت بعد میں نیز عصاء کے معجزے سے فرعون اور فرعونیوں کے دل میں موسی علیہ السلام کی ہیبت بیٹھ گئی۔ ہیبت تبلیغ کا قوی ذریعہ ہے۔ **ساتواں اعتراض:** جب عصا کے معجزہ دیکھ کر سارے

www.alahazratnetwork.org

مجمع میں بھگدڑ مچ گئی۔ میدان میں کوئی رہا ہی نہیں تو دوسرا معجزہ ید بیضاء کسے دکھایا گیا۔ **جواب:** انہی کو دکھایا گیا تھا۔ اسی وقت سب کو تسلی دے کر واپس بلا کر کہ تم کو ہم اپنی نبوت کا ثبوت دینا چاہتے ہیں کسی کو ہلاک کرنا نہیں چاہتے یا کسی اور دن اور مجلس میں۔ پہلا احتمل قوی ہے۔ **آٹھواں اعتراض:** موسیٰ علیہ السلام نے نہ تو لاٹھی کو سانپ بنایا نہ ہاتھ شریف کو چمکایا بلکہ فرعون کے سامنے قوی دلائل توحید و رسالت کے قائم کئے۔ رب تعالیٰ نے ان دلائل کو اژدہے اور ہاتھ کی چمک سے تعبیر فرمایا۔

نوٹ: یہ اعتراض تفسیر کبیر نے مع جواب نقل فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ معجزات کے منکر پہلے سے ہی موجود ہیں۔ اب قادیانی ان کی نقل کر رہے ہیں۔ آج کل قادیانی یہ ہی بات جگہ جگہ کہتے لکھتے شائع کرتے ہیں۔ **جواب:** یہ قرآن مجید کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے۔ اس میں اللہ و رسول کو جھٹلانا متواتر کا انکار کرنا ہے۔ اگر اس قسم کی تحریفوں کا دروازہ کھل جاوے تو اسلام ہی ختم ہو جاوے۔ صلوۃ، صوم، زکوۃ کی کوئی ایسی ہی تاویل کر لو۔ سب احکام ختم ہو گئے نعوذ باللہ۔ آگے آ رہا ہے کہ اس عصاء نے فرعونی جادوگروں کے بناوٹی سانپ نگل لئے۔ دلائل قوی سانپ کیسے نگل گئے چونکہ اس زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ جادوگر اس قسم کے جادو بہت دکھاتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کا زور توڑنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام کو اس قسم کا معجزہ عطا فرمایا چونکہ مرزا جی معجزات سے کورے ہیں اس لئے ان کی امت گزشتہ نبیوں کے معجزات کی منکر ہے۔ **نواں اعتراض:** یہ تبدیلی حقیقت آپ کے ہاتھ کا معجزہ تھا یا عصا کا۔ اگر آپ کے ہاتھ کا معجزہ تھا تو چاہئے تھا کہ آپ ہر لاٹھی کو سانپ بنا دیا کرتے اور اگر لاٹھی کا معجزہ تھا تو چاہئے تھا کہ یہ لاٹھی ہر ایک کے ہاتھ میں سانپ بن جایا کرتی۔ **جواب:** معجزہ آپ کے ہاتھ شریف کا تھا مگر اس کا مظہر یہ خاص لاٹھی تھی جیسے بجلی کا پاور روشنی دیتا ہے مگر اس کا مظہر بلب دیتا ہے چنانچہ اگر پاور کا تعلق تیل کے چراغ سے کر دیا جاوے تو وہ روشنی نہ دے گا۔ یہ بات خیال میں رہے۔ **دسواں اعتراض:** اس سے لازم آوے گا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزے حضور کے معجزوں سے بڑھ جاویں کیونکہ حضور انور نے تبدیلی حقیقت نہیں کی۔ **جواب:** حضور نے بارہا چیزوں کی حقیقت بھی بدلی ہے اور صفت بھی۔ بدر میں سوائے آٹھ شخصوں کے سارے مجاہدین کے پاس کھجور کی لکڑیاں تھیں جو بوقت جنگ تلواریں بن گئیں، بعد میں پھر لکڑیاں، کالے حبشیوں کو گورے رومی بنا دیا۔ بعض اولیاء نے پانی کو دودھ، پتھر کو سونا، کھجوروں، چھالیوں کو پتھر کر دیا جو آج تک موجود ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جو چیز بندے کی طرف نسبت ہو اور بندہ اسے محل حاجات سمجھے وہ اژدہا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اول وحی کے وقت عرض کیا تھا کہ الٰہی میں عصا سے فلاں فلاں کام لیتا ہوں اور بھی اس سے میری ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ **ولی فیھا مارب اخری** حکم الٰہی ہوا **فالقھا یموسی** اے موسیٰ اسے پھینک دو اس پر اعتماد نہ کرو پھر آئندہ اس معجزہ کا ظہور عصا پھینک کر ہی ہوتا تھا ہاتھ میں رہ کر نہیں ہوتا تھا۔ انسانی ہاتھ اصل فطرت کے لحاظ سے سفید ہیں۔ دنیا میں مشاغل کی وجہ سے ان کے رنگ مختلف ہو گئے۔ جب انہیں دنیا سے کھینچ لیا جاوے تو پھر سفید ہیں۔ اسی لئے ارشاد ہوا **ونزع یدہ** آپ نے اپنا ہاتھ کھینچا (روح البیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جلال والے نبی تھے تو انہیں معجزے بھی جلال والے دیئے گئے۔ عصاء کا اژدہا بن جانا، ید بیضا کا سب کی نگاہوں کو خیرہ کر دینا، فرعونیوں پر جوں، کھٹمل، خون، مینڈک کا عذاب آ جانا وغیرہ۔ ان کے جلال کا یہ عالم تھا کہ رب تعالیٰ نے ان سے فرمایا **فقولا لہ قولا لینا** فرعون سے نرم بات کرنا جلالی بات نہ کرنا۔ ہمارے حضور

www.alahazratnetwork.org

رحمت و جمال والے رسول ہیں۔ حتی کہ رب نے حضور سے فرمایا۔ **واغلظ علیھم** اے محبوب ان کفار و منافقین پر سختی کرو۔ لہٰذا حضور انور کو معجزات بھی جمال اور رحمت والے عطا ہوئے۔

عصاء کلیم اژدہائے غضب تھا گروں کا سہارا عصاء محمد

جلال و غضب سے کبھی کبھی کام لیا جاتا ہے مگر رحمت سے ہر دم دنیا کا کام چلتا ہے اس لئے نبوت موسوی منسوخ ہوئی۔ نبوت محمدی ناقابل تنسیخ ہے۔ مارشل لاء اور کرفیو وقتی قانون ہوتے ہیں دائمی نہیں۔ ہنگامی حالات کے بعد یہ چیزیں ختم کردی جاتی ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مرید ہوتے وقت اپنے شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہیں۔ اس کی اصل یہ واقعہ ہے۔ حضرت موسیٰ کا ہاتھ عصا کی حقیقت بدل دیتا تھا۔ حضرت مریم کے ہاتھ سے خشک کھجور میں سبزی اور پھل لگ گئے تھے۔ شیخ کے ہاتھ لگنے سے رب تعالیٰ مرید کے دل کی حقیقت یا صفت بدل دیتا ہے۔

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ إِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿١٠٩﴾ يُرِيْدُ أَنْ يُّخْرِجَكُمْ

کہا گروہ نے قوم میں سے فرعون بے شک یہ البتہ جادوگر ہے جاننے والا ارادہ کرتا ہے یہ کہ نکال

قوم فرعون کے سردار بولے یہ تو ایک علم والا جادوگر ہے تمہیں تمہارے ملک سے نکالنا

مِّنْ أَرْضِكُمْ فَمَاذَا تَأْمُرُوْنَ ﴿١١٠﴾ قَالُوْٓا أَرْجِهْ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَآئِنِ

دے تم کو تمہاری زمین سے پس کیا ہے وہ تم حکم دیتے ہو بولے وہ مہلت دو انہیں اوران کے بھائی کو اور

چاہتا ہے تو تمہارا کیا مشورہ ہے بولے انہیں اوران کے بھائی کو ٹھہرا اور شہروں میں لوگ جمع

حٰشِرِيْنَ ﴿١١١﴾ يَأْتُوْكَ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ ﴿١١٢﴾

بھیجو شہروں میں جمع کرنے والوں کو لائیں وہ تیرے پاس ہر جادوگر جاننے والے کو

کرنے والے بھیجو کہ وہ ہر علم والے جادوگر کو تیرے پاس لے آئیں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی قولی و عملی تبلیغ کا ذکر ہوا۔ اب فرعونیوں کے اس سے فائدہ نہ اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ گویا شفا بخش دواؤں کے ذکر کے بعد مریض لاعلاج کو شفا حاصل نہ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر ہوا۔ اب ان کے مقابل جادوگروں کے جادو اور اس کے فیل ہو جانے کا تذکرہ شروع فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ تھا جو در حقیقت فرعون کے لئے پناہ تھے کہ اگر وہ آپ پر ایمان لا کر آپ کی اطاعت کرتا تو دین و دنیا کی مصیبتوں سے بچ جاتا۔ اب فرعون کی اپنی تجویز کردہ پناہوں کا سہارا لینے کا تذکرہ جن کی اطاعت کرتا تو دین و دنیا کی مصیبتوں سے بچ جاتا۔ اب فرعون کی اپنی

جو بزدلوں پناہوں کا سہارا لینے کا تذکرہ جن کی پناہ لے کر وہ ہلاک ہو یعنی جادو گروں کی اس نے پناہ لی۔ دامن نبی میں نہ آیا۔ خیال رہے کہ فرعون دعوی خدائی کرتا تھا مگر مصیبتوں میں جادو گروں وغیرہم کا سہارا لیتا تھا۔ اس کی عقل میں اتنی بات نہ آئی کہ خدا تو بے نیاز ہے۔ میں اتنی مخلوق کا نیاز مند ہو کر خدا کیسے ہو سکتا ہوں نہ وہ سمجھا نہ اس کے متبعین۔

تفسیر: **قال الملامن قوم فرعون** یہ جملہ نیا ہے جس میں فرعون کے درباریوں کی حالت کا ذکر ہے **ملا** کے لفظی معنی ہیں بھر نا بھرنے والی چیز' اس کا مقابل ہے خلا۔ اصطلاح میں سرداروں کی جماعت جن سے مجلس بھر جاوے' دیکھنے والے کی آنکھ و دل رعب سے بھر جاوے۔ یہاں فرعون کے وزراء' امراء' اراکین سلطنت مراد ہیں۔ **قوم فرعون** سے مراد ہیں قبطی لوگ۔ کیونکہ اس کے دربار میں سبطیوں یعنی اسرائیلیوں کا گذر نہیں تھا وہ تو صرف ذلیل حقیر کاموں پر مقرر تھے۔ یعنی فرعون کے درباریوں' قبطی سرداروں کی جماعت نے کہا کس سے کہا۔ اس میں چند قول ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے سے بطور مشورہ کہا۔ 2۔ عام قبطیوں سے کہا دربار فرعون سے نکل کر۔ 3۔ فرعون سے کہا مشورہ دیتے ہوئے **هذا ان لسحر علیم** یہ قال کا مقولہ ہے **هذا** سے اشارہ موسی علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ مذکورہ دونوں معجزے موسی علیہ السلام نے ہی دکھائے تھے۔ حضرت ہارون تو آپ کے معاون ہو کر وہاں موجود رہے تھے۔ دوسری آیت میں **هذان لسحرن** فرمایا گیا کہ یہ دونوں جادو گر ہیں۔ وہاں حضرت ہارون کا تبعا'' ذکر ہے۔ ساحر بنا ہے سحر سے' بمعنی چھپنا یا چھپی چیز۔ اسی لئے سویرے کے وقت کو سحر کہتے ہیں کہ ابھی کسی قدر اندھیرا ہوتا ہے جس سے چیزیں چھپی ہوتی ہیں ظاہر نہیں ہوتیں سینہ کو سحر کہتے ہیں کہ بین سحری و نحری کہ وہ بھی قمیص سے چھپا رہتا ہے۔ جادو کو سحر اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں خفیہ اسباب کے ذریعہ کو کچھ کر کے دکھایا جاتا ہے۔ دیکھنے والے کی آنکھ پر پردہ پڑ جاتا ہے کہ وہ کچھ کو کچھ دیکھتی ہیں۔ **علیم** کہہ کر یہ بتایا کہ موسی علیہ السلام معمولی جادو گر نہیں بلکہ جادو کے فن میں بہت ہی کمال رکھتے ہیں کیونکہ ایسے جادو ہم نے اس سے پہلے نہیں دیکھے تھے۔ خیال رہے کہ یہاں تو فرمایا گیا کہ یہ گفتگو فرعون کے درباریوں نے کی۔ مگر سورہ شعراء میں ہے کہ یہ گفتگو خود فرعون نے کی مگر ان میں تعارض نہیں کیونکہ پہلے فرعون نے درباریوں سے کہا پھر درباریوں نے اس کی تائید کرتے ہوئے یہ ہی کہا۔ یا فرعون نے درباریوں سے یہ کہا' درباریوں نے دوسرے شہریوں سے یہ کہا یا آپس ہی میں یہ کہا (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) **یرید ان یخرجکم من ارضکم** اس میں موسی علیہ السلام کے ارادہ کا ذکر ہے جو فرعونیوں نے سمجھا۔ **ارضکم** سے مراد پورا مصر اور اس کا علاقہ جہاں تک فرعونیوں کا راج تھا۔ یعنی موسی علیہ السلام جادو سیکھ کر اس میں کمال حاصل کر کے اس لئے آئے ہیں کہ تم کو اپنے جادو سے ڈرا دھمکا کر تمہاری سلطنت سے بے دخل کر کے نکال دیں اور خود یہاں کا راج پاٹ سنبھال لیں۔ اس زمین پر قبضہ کر لیں۔ خیال رہے کہ ان کی یہ بکواس نری بدگمانی پر مبنی تھی۔ موسی علیہ السلام نے اولا'' ہی فرمایا تھا کہ تو بنی اسرائیل کو میرے ساتھ بھیج دے میں انہیں ان کے اصلی ملک فلسطین و شام میں لے جاؤں جیسا کہ پچھلی آیت میں گزرا۔ بلکہ آپ نے فرعون سے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر تو ایمان قبول کرے تو تیرا حسن' مال' ملک' باقی رہے گا تو بوڑھا نہ ہو گا۔ آخر دم تک جوان' دولتمند بادشاہ رہے گا پھر بھی ان کا یہ کہنا کیسا بڑا بہتان تھا۔ **فماذا تامرون** اس عبارت میں ف تعقیب کی ہے اور ما استفہامیہ کا خبر مقدم ہے۔ ذا موصولہ اپنے صلہ تامرون سے مل کر مبتدا موخر۔ (روح المعانی وغیرہ) اس عبارت میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ کلام فرعون کا ہے جو اس نے ان ارکان

www.alahazratnetwork.org

دولت سے لیا ان کے جواب۔ میں اس صورت میں امر بمعنی مشورہ ہے۔2۔ یہ کلام درباریوں کا ہے جو انہوں نے فرعون سے کیا۔ جمع کا صیغہ تعظیم کے لئے بولا تب امر بمعنی حکم۔3۔ یہ کلام درباریوں کا ہے جو انہوں نے دربار سے نکل کر شہریوں سے کیا یعنی اے شہر کے باشندوں اب بتاؤ تمہاری رائے کیا ہے تب امر بمعنی رائے ہے۔ دیکھو تفسیر کبیر وغیرہ۔ **قالوا ارجه واخاه** قالوا کا فاعل فرعون کے درباری ہیں کہ پہلے انہوں نے فرعون سے مذکورہ گفتگو کی پھر خود ہی یہ رائے دے دی اور ہو سکتا ہے کہ قالوا کا فاعل شہری لوگ ہوں کہ انہوں نے آکر فرعون کو یہ رائے دی۔ ہماری قرآءت میں **ارجه** جیم کے کسرہ اور ہ کے سکون سے ہے بعض قرآءتوں میں **ارجئه** ہے یعنی ہمزہ ساکنہ کے ساتھ اور ہ کے پیش سے۔ **ارجه** بنا ہے **ارجاء** سے بمعنی تاخیر کرنا پیچھے کرنا۔ رب فرماتا ہے **واخرون مرجون لامر الله** اور فرماتا ہے **ترجی من تشاء منهن**۔ یعنی اے فرعون! تو ابھی موسیٰ علیہ السلام سے کچھ نہ کہہ۔ انہیں مہلت دے۔ دوسرے جادوگروں کو بلا کر ان کے جادو کا جواب جادو سے دے۔ **وارسل فی المدائن حشرین** یہ عبارت معطوف ہے **ارجه** پر اس میں دیر لگانے کا مقصد بیان کیا گیا ہے مدائن جمع ہے مدینہ کی اس کی تحقیق میں تین قول ہیں 1۔ یہ بنا ہے مدن سے۔ بمعنی اقامت (ٹھہرنا) مدن۔ یمدن اس کا ماضی مضارع ہے جیسے صحیفہ کی جمع صحائف۔ سفینہ کی جمع سفائن، ایسے ہی مدینہ کی جمع مدائن ہے۔ مدینہ اصل میں مدین تھا اسم ظرف۔2۔ مدینہ بنا ہے دان یدین سے۔ مدینہ بمعنی قبضہ ملکیت کی جگہ جیسے معیشہ کی جمع معائش۔3۔ مدینہ کی اصل مدیونہ ہے۔ بمعنی مقہورہ مغلوبہ یعنی بادشاہ کے تسلط و غلبہ کی جگہ۔ بہر حال مدینہ بمعنی شہر ہے۔ مصر اور مدینہ ہم معنی ہیں۔ مدائن سے مراد وہ شہر ہیں جو مصر کے آس پاس آباد تھے جہاں فرعون کی سلطنت تھی۔ **حاشرین** جمع ہے **حاشر** کی جو بنا ہے **حشر** سے بمعنی جمع کرنا اسی لئے قیامت کو حشر اور قیامت کے میدان کو محشر کہا جاتا ہے یعنی اے فرعون! مصر کے آس پاس کے علاقوں میں اپنی پولیس بھیج تاکہ وہ جادوگروں کو جمع کر کے تیرے پاس لائیں اور موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کریں۔ **یاتوک بکل سحر علیم** اس میں بھیجنے کا مقصد کا بیان ہے یعنی تو انہیں اس لئے بھیج تاکہ وہ شہر شہر پھر کر جادوگروں کو لالچ دے کر ڈرا کر تیرے پاس لائیں۔ **علیم** کہہ کر یہ بتایا کہ چوٹی کے چنے ہوئے بڑے ماہر جادوگر لائیں معمولی نہ لائیں جو موسیٰ علیہ السلام سے مغلوب ہو جاویں۔ کل کہہ کر یہ بتایا کہ ماہر جادوگر کو چھوڑیں نہیں گھٹیا کو لائیں نہیں بڑھیا کو چھوڑیں نہیں۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ جتنے جادوگر اس وقت مصر کے علاقہ میں تھے اتنے جادوگر کبھی نہیں ہوئے گویا جادوگروں سے علاقہ بھرا پڑا تھا کیونکہ جس چیز کو حکومت فروغ دے، اس کی بہت ترقی ہوتی ہے۔ فرعون کا دعویٰ خدائی جادوگروں پر ہی قائم تھا انہی کے زور سے وہ خدا بن بیٹھا تھا اس لئے جادوگر بہت زیادہ ہو گئے تھے۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام کے مذکورہ دو معجزات دیکھ کر فرعونی دربار کے سردار، فرعون کے مشیر کار آپس میں یا فرعون سے بولے کہ موسیٰ علیہ السلام اتنے روز تک جو مصر سے غائب رہے یہ جادو سیکھنے گئے تھے اب یہ بڑے جادوگر، جادو میں بڑے ماہر ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہ تمام تر کوششیں صرف اس لئے ہیں کہ تم لوگوں کو تمہارے ملک سے نکال کر خود یہاں حکمرانی کریں۔ بولو اب کیا مشورہ ہے اپنے بچاؤ کی فکر کرو اس پر گرما گرم بحث کے بعد طے یہ ہوا کہ ابھی موسیٰ علیہ السلام سے تم خود کچھ نہ کہو انہیں اور ان کے بھائی جناب ہارون کو ان کے حال پر رہنے دو اور مصر کے اطراف بستیوں میں بڑے جادوگر رہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ اپنی پولیس کو بھیجو ان جادو گروں کو ڈرا دھمکا کر یا لالچ دے کر جمع کریں اور یہاں مصر میں تمہارے پاس لے آویں مگر معمولی جادو گر کو نہ لاویں بلکہ علم جادو میں ماہرین کو لاویں۔ **واقعہ**۔ مصر کے علاقہ میں مدائنِ صعود میں بہت جادو گر رہتے تھے۔ ان کے استاد دو تھے جو آپس میں بھائی تھے۔ جب فرعونی پولیس ان کے پاس پہنچی اور انہیں موسیٰ علیہ السلام سے مقابلہ کی دعوت دی تو انہوں نے اس کے متعلق اپنی ماں سے مشورہ کیا اور اس سے عصاء موسوی کا واقعہ بیان کیا۔ ماں نے کہا کہ تم مصر جاؤ لیکن تحقیق کر لینا کہ اگر موسیٰ علیہ السلام کے سونے کی حالت میں بھی عصا کام کرتا ہو تو تم ان سے مقابلہ نہ کرنا کہ وہ جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ جادو ہمیشہ جادو گر کی بیداری ہوشیاری میں کام کرتا ہے۔ معجزہ کا مقابلہ ساری دنیا کے جادو گر نہیں کر سکتے۔ غرضیکہ یہ دونوں اپنی ماں کی یہ تعلیم لے کر مصر آئے۔ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ (روح البیان)۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: موسیٰ علیہ السلام کا مصر سے آٹھ دس سال غائب رہنا یعنی مدین میں قیام فرمانا۔ اس سے فرعونی لوگ دھوکا کھا گئے۔ وہ سمجھے کہ آپ باہر گئے تھے جادو سیکھنے کے لئے۔ یہ فائدہ **لسحر علیم** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو از اول تا ظہور نبوت مکہ معظمہ ہی میں رکھا۔ بنی سعد میں حلیمہ دائی کے ہاں بچپن شریف کا زمانہ گزار کر حضور مکہ معظمہ ہی میں تشریف لے آئے۔ آپ کی زندگی شریف کی ہر ادا مکہ والوں کو دکھا دی۔ اس میں یہی راز تھا۔ **دوسرا فائدہ**: نبی کو ایسے معجزات ضرور دیئے جاتے ہیں جن کا اس زمانہ میں زور ہو تا کہ مقابلہ کرنے والے آزمائش کر کے ان کا معجزہ ہونا معلوم کر لیں۔ یہ فائدہ **بکل ساحر علیم** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا اگر پہلوان کے مقابلہ میں کوئی اکھاڑے میں نہ آوے تو اس کا زور کیسے معلوم ہو جب اکھاڑے میں پہلوان پچھاڑے جاویں تب اس کی طاقت کا پتہ لگتا ہے۔

موسیٰ و فرعون' شبیر و یزید
ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

تیسرا فائدہ: ضدی آدمی کسی طرح کسی کی بات نہیں مانتا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اول تبلیغ میں فرعون سے کہہ دیا تھا کہ تو بنی اسرائیل کو آزاد کر دے میں انہیں لے کر چلا جاؤں مگر فرعونی یہ ہی کہتے رہے کہ موسیٰ علیہ السلام ہم کو نکالنا اور خود مصر پر راج کرنا چاہتے ہیں۔ یہ فائدہ **یرید ان یخرجکم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: فرعون اور فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام کے ان دونوں معجزوں سے خوف زدہ ہو گئے تھے ان میں ہمت و جرات آپ کے مقابلہ کی نہ رہی تھی۔ یہ فائدہ **بکل ساحر علیم** سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ آپ کی ایک ذات کے مقابلہ کے لئے ملک بھر کے ماہر جادو گروں کو جمع کرنے لگے اگر اس قدر خوف و ڈر نہ ہوتا تو صرف ایک جادو گر کو بلا لیتے۔ یہ ہے نبی کی ہیبت اگر اس ہیبت کے ساتھ اطاعت نبی نصیب ہو جاوے تو ایمان مل جاوے۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ سرداروں کی جماعت نے یہ گفتگو کی کہ یہ بڑے جادو گر ہیں وغیرہ مگر سورہ شعراء میں ہے کہ خود فرعون نے یہ کہا تھا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: واقعہ یہ ہوا تھا کہ پہلے فرعون نے گھبرا کر اپنے سرداروں سے یہ کہا تھا پھر سرداروں نے اس کی تائید کرتے ہوئے یہی کہا پھر ان لوگوں نے باہر نکل کر قوم سے یہی کہا۔ سورہ

www.alahazratnetwork.org

شعراء میں فرعون کا کلام نقل فرمایا گیا ہے اور یہاں سرداروں کا کلام نقل کیا گیا یا وہ کلام جو انہوں نے فرعون سے تائیداً کہا یا وہ جو انہوں نے قوم سے کہا۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ **دوسرا اعتراض: فماذا تامرون** کس کا کلام ہے۔ اگر فرعون کا کلام ہے تو اس نے تامرون کیوں کہا امر یعنی حکم تو فرعون دیتا تھا اپنے ماتحتوں کو نہ کہ ماتحت فرعون کو۔ اور اگر درباریوں کا کلام ہے فرعون سے تو جمع کا صیغہ کیوں بولا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ کلام یا تو فرعون کا ہے جو اس نے درباریوں سے کہا تب امر بمعنی مشورہ دینا ہے جیسے استعمار بمعنی مشورہ لینا یا درباریوں کا کلام ہے جو انہوں نے فرعون سے کہا۔ تب جمع کا صیغہ اس مردود کے ادب و احترام کی وجہ سے ہے یا یہ کلام درباریوں کا ہے مگر دوسرے شہریوں سے نہ کہ فرعون سے۔ **تیسرا اعتراض:** فرعون اپنے وقت کا واحد بادشاہ تھا اس کے ہاں جمہوریت نہ تھی پھر اس نے درباریوں سے مشورہ کیوں لیا کہ بولا **فماذا تامرون۔ جواب:** اس زمانہ میں بادشاہ اپنے وزراء اور خواص سے مشورہ کرتے تھے۔ حکم بادشاہ کا ہوتا تھا مشورہ وزراء کا۔ دیکھو ملکہ یمن بلقیس نے اپنے درباریوں سے کہا تھا **افتونی فی امری** مجھے اس کام میں مشورہ دو اور کہا تھا **ما کنت قاطعتہ امرا حتی تشھدون** میں تمہاری موجودگی کے بغیر کسی بات کا فیصلہ نہیں کروں گی۔ نیز فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ اب اس میں پہلی سی شیخی شان نہیں رہی تھی۔ اسرائیلی بچوں کے قتل پر دلیر تھا مگر آپ کے سامنے سپر ڈال چکا تھا۔

خون اسرائیل جب آ جاتا ہے جوش میں
توڑ دیتا ہے کوئی موسیٰ طلسم سامری

چوتھا اعتراض: ان درباریوں نے یہ کیوں کہا علم والے جادوگروں کو بلاؤ۔ صرف جادوگروں کیوں نہ کہہ دیا۔ **جواب:** یہ بھی ہیبت موسوی کا اثر تھا فرعونیوں کے دل میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ معمولی جادوگر نہیں کر سکیں گے۔ نیز ماہر جادوگر بھی ایک دو مقابلہ نہ کر سکیں گے بلکہ بڑے بڑے ماہر جادوگروں کی پوری جماعت بلکہ جماعتیں چاہئیں اور ان سب کی کامیابی کا بھی یقین نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ: پیغمبر کا دست کرم ان کی نگاہ عنایت چیزوں کی صفات بلکہ ان کی ذات بدل دیتی ہے مگر شقی ازلی ان کے دروازے سے بھی محروم رہتے ہیں۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھ شریف نے فرعونیوں کے سامنے عصا کی حقیقت بدل دی اسے سانپ بنا دیا آپ کی بغل شریف نے ہاتھ کی صفت بدل دی کہ گندمی رنگت کو سورج جیسی چمک میں تبدیل کر دیا مگر فرعونی' فرعونی ہی رہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے نبی کا مقام نہیں پہچانا' معجزہ کی شان نہ جانی۔ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر کہا معجزہ کو جادو۔ اس لئے انہیں ایمان' عرفان' رحمت' رحمٰن کچھ بھی نہ مل سکا۔ نبی کی معرفت تمام کی اصل ہے۔ وہ نبی کے دامن میں نہ چھپے' بلکہ ان کے مقابلہ کے لئے جادوگروں کی طرف بھاگے۔ جو بکری اپنے مالک کی پناہ سے بھاگے' وہ کسی درندے کا شکار ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی یہ لوگ نفس و

شیطان کا شکار ہوئے شکار رہے۔ انہوں نے محض عقل کے ترازو میں نبی کو تولنا چاہا تو بولے کہ اس ایک کے مقابلہ میں ہزارہا جادوگر موجود ہیں۔ عشق کی آنکھ سے نبی کے جمال ان کے کمال کا مشاہدہ نہ کیا۔ ایسے ہی آج جو لوگ نبی کو محض بشر کہہ کر اپنا جیسا انسان ہی سمجھتے ہیں وہ بھی فرعون کی طرح طغیان میں خسران ہی میں رہتے ہیں۔

وَجَآءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ (۱۱۳)

اور آئے جادوگر فرعون کے پاس بولے کیا تحقیق ہمارے واسطے بدلہ ہے اگر ہوں ہم غلبہ والے

اور جادوگر فرعون کے پاس آئے بولے کچھ ہمیں انعام ملے گا اگر ہم غالب آجائیں

قَالَ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ (۱۱۴) قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ

کہا فرعون نے اور ہاں اور بے شک تم قرب والوں سے ہو گے کہا جادوگروں نے اے موسیٰ یا یہ کہ ڈالیں

بولا ہاں اور اسی وقت تم مقرب ہو جاؤ گے بولے اے موسیٰ یا تو آپ ڈالیں یا ہم

اَنْ نَّكُوْنَ نَحْنُ الْمُلْقِيْنَ (۱۱۵) قَالَ اَلْقُوْا فَلَمَّآ اَلْقَوْا سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ

آپ اور یا یہ کہ ہوں ہم ڈالنے والے فرمایا موسیٰ نے ڈالو تم پس جب ڈالا انہوں نے تو جادو

ڈالنے والوں میں ہوں کہا تم ہی ڈالو جب انہوں نے ڈالا لوگوں کی

النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ (۱۱۶)

کر دیا انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر اور ڈرا دیا ان کو اور لائے جادو بڑا۔

نگاہوں پر جادو کر دیا اور انہیں ڈرایا اور بڑا جادو لائے

تعلق: ان آیات کریمہ کا گزشتہ آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کو بلانے کے مشورے کا ذکر تھا۔ ان آیات کریمہ میں جادوگروں کو بلا لئے جانے' ان کے آجانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے خلوص نیت کا ذکر تھا کہ آپ نے یہ سب کچھ تبلیغ دین کے لئے اللہ کا حکم سے کیا تھا۔ اب ان آیات میں جادوگروں کے فساد نیت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی تمام تر حرکت کرتب فرعون سے مزدوری لینے کے لئے اس کے حکم سے کئے' پھر وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے کیسے ٹھہرتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں کی بدتمیزی' بے ادبی کا ذکر ہوا تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر ان کی شان میں بکواس کی۔ اب ان آیات میں فرعونی جادوگروں کے ادب و احترام کا ذکر ہے کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اجازت لے کر اپنے کرتب دکھائے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ فرعونی لوگ کافر مرے یہ لوگ مومن صحابی ہو کر شہید ہوئے۔

تفسیر: وجاء السحرة فرعون۔ یہ عبارت نئی ہے۔ اس میں **جاء** سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کہ فرعونی پولیس

www.alahazratnetwork.org

جادو گروں کو شہروں میں تنی انہیں جمع کر کے لائی۔ یہ لوگ فرعون کے پاس آئے اس میں یہ فرمایا گیا کہ جادو گر آتے ہی میدان مقابلہ میں نہیں پہنچ گئے بلکہ پہلے فرعون کے پاس پہنچے' اس کے مہمان تھے۔ ان جادو گروں کی تعداد میں بہت اختلاف ہے۔ ابو بردہ کہتے ہیں کہ ستر ہزار تھے۔ محمد ابن کعب کہتے ہیں کہ اسی ہزار تھے بعض نے بارہ ہزار کہا۔ بہرحال ان کی تعداد بہت تھی۔ (روح المعانی) ان کے سردار چار تھے۔ سابور' عزورا' حط حط' مصفی۔ روح المعانی) ان چاروں کا رئیس شمعون تھا۔ (بیان) **قالوا ان لنا لاجرا ان کنا نحن الغلبین** اس عبارت کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ قوی اور آسان یہ ہے کہ **ان** سے پہلے سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے اور یہ لوگ فرعون سے پوچھ رہے ہیں اور **اجو** کے معنی اجرت یا معاوضہ نہیں کیونکہ فرعون کے ذمہ جادو گروں کا آمد و رفت کا خرچہ' کھانا' مزدوری' بہرحال لازم تھی خواہ غالب ہوں یا نہ ہوں۔ اجرت کام پر بہرحال ملتی ہے۔ لہذا اجر سے مراد انعام ہے اس لئے اسے غالب آنے کی شرط سے بیان کیا۔ اعلیحضرت قدس سرہ کا یہی ترجمہ ہے یعنی جادو گروں نے فرعون سے پوچھا کہ اے فرعون! اگر ہم موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں غالب آگئے تو کیا ہم کو تمام مصارف کے علاوہ کچھ انعام ملے گا؟ خیال رہے کہ ان جادو گروں کے تین گروہ ہو گئے تھے۔ ایک وہ جنہیں اپنے غالب آنے کا یقین تھا وہ سمجھے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام ایک سانپ بنائیں گے ہم ہزاروں سانپ بنا کر دکھاویں گے۔ ظاہر ہے کہ ایک پر یہ ہزاروں غالب رہیں گے۔ دوسرے وہ جنہیں اپنے غلبہ میں شک تھا کیونکہ وہ عصاء موسوی کی کارکردگی سن چکے تھے۔ تیسرے وہ جنہیں اپنی شکست کا یقین تھا بلکہ وہ آپ کے مقابلہ میں آنا چاہتے بھی نہیں تھے کیونکہ انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ عصاء موسوی آپ کے سونے کی حالت میں بھی سانپ بن کر آپ کی حفاظت کرتا ہے۔ انہیں یقین ہو گیا تھا کہ یہ معجزہ ہے جادو نہیں' اس دوسری جماعت کا یہاں ذکر ہے کہ انہوں نے شک کے ساتھ کہا۔ **ان کنا نحن الغلبین** اور تیسری جماعت کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **وما اکرھتنا علیہ من السحر** لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ حقیر کی یہ تحقیق خیال میں رہے۔ **قال نعم وانکم لمن المقربین** یہ فرعون کا جواب ہے۔ جس میں انعام کے علاوہ ان کی عزت افزائی کا بھی وعدہ ہے۔ یعنی ہاں تم کو انعام بھی دوں گا اور تم کو اپنا مقرب بھی بنالوں گا کہ تم میرے خاص درباری بن جاؤ گے۔ میرے دربار میں پہلے آیا کرو گے بعد میں جایا کرو گے۔ تم ہی سے ہر کام میں مشورہ کیا کریں گے گویا تم پارلیمنٹ کے ممبر بن جاؤ گے۔ اللہ کی شان ہے کہ رب نے فرعون کی بات اس کے برعکس پچی کر دی۔ وہ جادو گر غالب آئے کہ نبی کے سامنے سر جھکا دینا ہی غلبہ ہے۔ یہ ہاری جیت ہے۔ انہیں رب نے انعام دیا اور اپنا مقرب بھی کر لیا۔ **قالوا یموسی اما ان تلقی** چونکہ وہ جادو گر ابھی ایمان نہ لائے تھے' اور شرعی احکام ایمان لانے کے بعد جاری ہوتے ہیں۔ نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دین میں نبی کو نام لے کر پکارنا ممنوع نہ تھا اس لئے انہوں نے **یاکلیم اللہ** یا کہ یا نبی اللہ کہہ کر نہ پکارا بلکہ یا موسیٰ کہہ کر پکارا۔ یہ ہمارے اسلام کا حکم ہے کہ حضور اکرم کو نام لے کر نہ پکارو' پیارے القاب سے پکارو **لا تجعلوا دعاء الرسول بینکم کدعاء بعضکم بعضا** جادو گروں کو پتہ لگ چکا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس دو معجزے ہیں۔ ید بیضاء اور عصا۔ اور ہمارے پاس عصا کا جواب تو ہے مگر ید بیضاء کا کوئی جواب نہیں۔ اس لئے انہوں نے اپنا عجز چھپانے کے لئے پہلے شرط لگائی کہ مقابلہ صرف عصا کے معجزے کا ہو گا۔ ید بیضاء کا ذکر نہ کیا چونکہ عصا کا معجزہ پھینکنے پر ظاہر ہوتا تھا اور وہ لوگ بھی رسے بانس وغیرہ پھینک کر ہی جادو دکھاتے تھے اس لئے انہوں نے

www.alahazratnetwork.org

چھینکنے کا ذکر کیا یعنی ڈالنے والے معجزے عصاء کا ذکر کیا نکالنے والے معجزے ید بیضا کا ذکر نہیں کیا۔ بعض معجزات کا تشبہ ظاہری ممکن ہے اور بعض کا تشبہ ناممکن۔ عصا پہلی قسم کا معجزہ تھا' ید بیضا دوسری قسم کا چونکہ یہ معجزہ صرف موسیٰ علیہ السلام ہی کا تھا اس لئے انہوں نے صرف آپ سے خطاب کیا۔ حضرت ہارون سے خطاب نہ کیا۔ اس وقت نظارہ یہ تھا کہ بڑا بھاری میدان لوگوں سے پر تھا' سامنے فرعون مع اپنے درباریوں کے تخت و کرسیوں پر تھا۔ ایک طرف تماشائیوں کا ہجوم۔ مقابلہ میں اسی ہزار جادوگروں کا مجمع اور اس طرف یہ دو نبی' یعنی ساری خدائی ایک طرف' یہ دونوں بھائی ایک طرف۔ فضل الٰہی ان دونوں کے شامل حال تھا اور یہ گفتگو ہو رہی تھی۔ **واما ان نکون نحن الملقین** یہ عبارت معطوف ہے۔ **اما ان تلقی** پر چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اکیلے صرف ایک لاٹھی پھینکنے والے تھے۔ اس لئے وہاں تلقی کہا اور یہ جادوگر بہت دور تک ہزار ہا من کے رسے' بانس پھینکنے والے تھے اس لئے **نحن الملقین** کہا صرف تلقی نہ کہا جادوگروں کے اس کلام کا مقصد کیا تھا اس میں گفتگو ہے۔ حقیر کے نزدیک قوی یہ ہے کہ جادوگروں نے بطور تواضع حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ادب ملحوظ رکھتے ہوئے آپ سے اجازت چاہی کہ اگر آپ اجازت دیں تو پہلے ہم اپنا کرتب دکھالیں ورنہ آپ ہی پہلے معجزہ ظاہر کریں۔ اس لفظ میں ادب کی جھلک ہے۔ روح المعانی نے بہت سی وجوہ بیان کیں ان سے ایک یہ بھی ہے۔ اس لفظ سے رب نے ان سب کو بخش دیا **قال القوا** یہ موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے۔ جس میں انہیں اولاً" جادو دکھانے کی اجازت دی گئی ہے تاکہ اس کا بطلان جادوگروں کا عجز ظاہر ہو۔ لہذا یہ حرام کی اجازت نہیں بلکہ اس کا توڑ ہے۔ جادو توڑنے کے لئے کرانا جائز ہے۔ جیسے کاہن کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے اس سے غیبی بات پوچھنا بالکل جائز ہے۔ اگر پہلے عصا ڈال دیا جاتا تو وہ شان ظاہر نہ ہوتی جو بعد میں ڈالنے سے ظاہر ہوئی کہ جب سارا میدان سانپوں سے بھر گیا تو ایک سانپ نے ان سب کا صفایا کر دیا۔ روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ بعض احادیث میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے ایک غیبی نداء سنی **بل انتم القوا یا اولیاء اللہ** یعنی اے اللہ کے ولیو! تم ہی پہلے ڈالو۔ تب آپ نے یہ فرمایا **سبحان اللہ** ابھی کافر ہو مگر ولایت اللہ کے چناؤ میں آچکے ہو۔ وہ جادوگر یہاں فرعون سے مال پانے کے لئے نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے ولایت ایمانی پانے آئے تھے' غرضیکہ موسیٰ علیہ السلام کی اس اجازت میں راز الٰہی تھا۔ **فلما القوا سحروا اعین الناس** اس فرمان عالی میں جادوگروں کے جادو کے اثر کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے پھینکے ہوئے رسوں' بانسوں' بلیوں کی حقیقت نہ بدلی بلکہ ہاتھ پھیری سے لوگوں کی نگاہوں پر اثر ڈال دیا کہ لوگوں کو رینگتے دوڑتے سانپ محسوس ہوئے۔ اس طرح کہ سارا میدان ان موٹے پتلے سانپوں سے بھر گیا۔ ناس سے مراد فرعونی لوگ اور تماشائی ہیں۔ دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی سانپ ہی محسوس ہوئے۔ فرماتا ہے **یخیل الیہ من سحرھم انھا تسعی** کہ ان کے جادو سے موسیٰ علیہ السلام کو بھی محسوس ہوا کہ یہ سانپ ہیں جو دوڑ رہے ہیں۔ یہ میدان جو سانپوں سے بھرا ہوا محسوس ہوتا تھا ایک میل لمبا چوڑا تھا۔ جادوگروں نے اپنے رسوں بانسوں کو سیاہ رنگ سے رنگ دیا تھا ان میں کسی ترکیب سے پارہ بھر دیا تھا جو گرمی پا کر حرکت کرنے لگا اس سے یہ سب دوڑتے ہوئے سانپ و اژدہے محسوس ہونے لگے۔ **واسترھبوھم** پچھلی آیات میں لوگوں کی آنکھوں پر اثر ڈالنے کا ذکر تھا۔ اس عبارت میں ان کے دلوں کو متاثر کرنے کا تذکرہ ہے کہ جادوگروں نے لوگوں کو ڈرا دیا نہ یہاں لوگوں پر ظاہر نہ ہوا۔ اس کا ذکر دوسری آیت میں ہے۔ **واوجس**

www.alahazratnetwork.org

فی نفسہ خیفۃ موسیٰ خواہ آپ کو سانپوں سے خوف ہوا یا بچے اور جادو کے مشبہ ہو جانے کا اندیشہ ہوا۔ **وجاءو بسحر عظیم**۔ اللہ اکبر! جب رب تعالیٰ ان کے جادو کو عظیم فرما رہا ہے تو غور کر لو کہ انہوں نے کیا جادو کیا ہو گا۔ روایات میں ہے کہ یہ لگ بھگ تین سو اونٹ بھر کر بانس' لاٹھیاں' بلے' رسیاں وغیرہ لائے تھے جو سب سانپ محسوس ہو رہے تھے۔ سارا میدان ان مصنوعی سانپوں سے بھر گیا تھا۔

خلاصہ تفسیر: چنانچہ فرعون کی پولیس مصر کے علاقہ میں جادوگروں کو جمع کرنے کے لئے پھیل گئی اور بہت جلد ہزاروں جادوگروں کو فرعون کے پاس لے آئی۔ جادوگروں نے فرعون سے کہا کہ یہ تو بتا اگر ہم موسیٰ علیہ السلام پر غالب آ گئے تو کیا ہم کو تیری طرف سے علاوہ ہمارے مصارف و اجرت کے کچھ انعام بھی ملے گا۔ وہ جوش سے بولا کہ یہ تم کیا کہتے ہو۔ تم کو بہت بھاری انعام بھی ملے گا۔ اس کے علاوہ تم کو درجے و عزت بھی عطاء ہوں گے کہ تم سب میری بارگاہ میں مقرب ہو جاؤ گے۔ میرے ارکان دولت میری پارلیمنٹ کے خاص ممبر بن جاؤ گے' تم کسی طرح موسیٰ علیہ السلام کو مغلوب کر دو جو چاہو لو چنانچہ مقابلہ کے لئے دن' وقت اور ایک وسیع میدان مقرر ہو گیا۔ اس مقابلہ کا اعلان ہو گیا اور فریقین وقت مقررہ پر پہنچ گئے۔ اس میدان کے ارد گرد سینکڑوں فرعونی' لاکھوں تماشائی و ہزاروں جادوگر اور ایک طرف یہ دو بھائی جمع ہو گئے۔ جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا احترام کرتے ہوئے کہا کہ اگر آپ چاہیں تو اپنا عصاء پہلے آپ پھینکئے اور اگر ہم کو اجازت دیں تو اپنا پھینکنا ہم جاری کریں کہ ہم یہ موجودہ بانس' رسے وغیرہ پھینکیں۔ آپ نے نہایت فراخ دلی سے فرمایا کہ پہلے تم ہی اپنی چیزیں پھینکو۔ پھر کیا تھا انہوں نے یہ چیزیں میدان میں پھینکیں تو سارے فرعونیوں اور تماشائیوں کی نظر بندی کر دی۔ سب کو یہ سارا سامان چھوٹے بڑے سانپ بنا کر دکھا دیا۔ سب کو ڈرا دیا بڑا بھاری جادو کیا کہ میلوں مربع والا میدان سانپوں سے بھر دیا معلوم ہوتا تھا کہ سانپوں کا سمندر لہریں مار رہا ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کبھی کافر کے پاس پہنچ کر ایمان مل جاتا ہے۔ یہ فائدہ **جاء السحرۃ فرعون** سے حاصل ہوا کہ جادوگر آئے تھے کافر فرعون کے پاس مگر انہیں ایمان مل گیا۔ دیکھو حضرت عمرو ابن عاص کو ایمان ملا شاہ حبشہ نجاشی کے دربار میں پہنچ کر۔ جب اللہ کرم کرے تو ہر جگہ کر دیتا ہے۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی گود میں پالا مگر رہا کافر۔ یہ ہے رب کی بے نیازی۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی اللہ تعالیٰ کافر کے منہ سے نکلی ہوئی بات دوسرے معنی سے درست فرما دیتا ہے۔ یہ فائدہ **وانکم لمن المقربین** سے حاصل ہوا کہ فرعون نے جادوگروں سے کہا تھا کہ تم مقرب بارگاہ ہو جاؤ گے۔ رب نے انہیں فرعون سے بچا کر اپنی بارگاہ کا مقرب بنا لیا۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی ادب والا کافر ادب کی برکت سے ایمان پا لیتا ہے اور کبھی بے ادب مسلمان بے ادبی کے وبال سے کافر ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **اما ان تلقی** سے حاصل ہوا کہ ان کافر جادوگروں نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کا ادب کیا' مومن ہو گئے اور مومن عابد زاہد ابلیس نے حضرت آدم صفی اللہ کی بے ادبی کی تو وہ کافر بلکہ کافروں کا استاد ہو گیا۔ **چوتھا فائدہ:** کفر و حرام کو باطل کرنے کے لئے کفر یکنے حرام کرنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ یہ فائدہ القوا سے حاصل ہوا کہ جادو کرنا حرام ہے' نبی کا مقابلہ کرنا کفر ہے' مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کی اجازت دی اسے باطل فرمانے کے لئے۔ جیسے ہم کسی بے دین ملحد سے کہیں کہ تو اسلام پر اعتراض کر تاکہ میں اس کا جواب دوں یہ اجازت

www.alahazratnetwork.org

بالکل جائز ہے۔ **پانچواں فائدہ:** اکثر جادو کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی محض نظر بندی ہوتی ہے ہاتھ کی صفائی ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **سحروا اعین الناس** سے حاصل ہوا بخلاف معجزے کے کہ اس میں جو دکھایا جاتا ہے۔ واقعہ میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ حضور انور نے واقعی چاند کو پھاڑ دیا تھا بلکہ چاند کے دو ٹکڑے ہو گئے تھے محض نظر بندی نہیں تھی۔ چنانچہ 1971ء میں امریکہ کے اپولو 13 میں جو لوگ چاند پر گئے وہاں دو دن رہے انہوں نے بیان دیا کہ چاند میں ایک تیس میل گہری خندق ہے جو ٹوٹی ہوئی چٹانوں سے جڑی ہوئی ہے غالبا" اس کا فوٹو بھی لائے۔ یہ بیان تو ان کا تمام جگہ ریڈیو سے ریلیے ہوا۔ یہ خندق کیا اور ٹوٹی ہوئی چٹانیں کیسی ہیں یہ سب جناب مصطفیٰ ﷺ کے چاند کو توڑنے جوڑنے کا نظارہ ہے جو آج کفار نے دیکھ کر بتایا مگر جادو کا یہ حال ہے کہ ہم نے بعض جادوگروں کو دیکھا کہ خاک دھول کو روپیہ بنا کر دکھاتے ہیں پھر لوگوں سے پیسہ پیسہ بھیک مانگتے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** حضرات انبیاء کرام کو معجزے اسی قسم کے عطا فرمائے گئے جس چیز کا اس زمانہ میں زور تھا۔ یہ فائدہ **بسحر عظیم** سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ جادو کے زور کا تھا تو آپ کو اسی قسم کا معجزہ دیا گیا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طب کا زور تھا تو انہیں اندھے کوڑھوں کا اچھا کرنا مردے زندہ کرنے کا معجزہ عطاء ہوا۔ ہمارے حضور کے زمانہ میں فصاحت و بلاغت کا زور تھا تو حضور کو قرآن کا معجزہ خصوصی عطاء ہوا۔ یہ فائدہ تفسیر کبیر نے مستنبط فرمایا۔ **ساتواں فائدہ:** بعض معجزات کا ہم شکل جادو ہو جاتا ہے مگر بعض کا ہم شکل بالکل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا کہ جادوگروں نے عصا کے مقابلہ میں سانپ تو بنا دیئے مگر ید بیضا کے مقابلہ کی بالکل ہمت نہ کی کہ یہ ان کے بس کی بات نہ تھی۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ جادوگر جادو کے زور سے پانی پر چل لیتا ہے ہوا میں اڑلیتا ہے آگ میں کود جاتا ہے اور محفوظ رہتا ہے۔

اعتراضات: ان جادوگروں نے اجرت کے لئے غالب ہونے کی شرط کیوں لگائی کہ **ان کنا نحن الغلبین** اجرت تو کام کی ہوتی ہے نہ کہ غلبہ کی اگر طبیب کی دوا سے مریض کو آرام نہ ہو تو بھی اسے فیس اور دوا کی قیمت ملتی ہے۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے کئی جواب دیئے ہیں۔ آسان تر جواب یہ ہے کہ یہاں اجر۔ معنی مزدوری یا اجرت نہیں بلکہ معنی انعام ہے چونکہ انعام بھی کسی کام کی وجہ سے دیا جاتا ہے۔ اس لئے اسے بھی اجر کہتے ہیں۔ جادوگر اپنا سفر خرچ، خوراک تو وصول کر چکے تھے۔ مزدوری انہیں رخصت کے وقت دی جاتی۔ اس بنا پر انہوں نے پوچھا کہ اگر ہم غالب آجائیں تو ہم کو انعام بھی ملے گا یا نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اس آیتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں کو اپنے غلبہ میں شک و تردد تھا جیسا کہ **ان** سے پتہ لگ رہا ہے مگر دوسری آیتہ سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں اپنے غلبہ کا یقین ہے کہ وہاں ارشاد ہے **وقالوا بعزۃ فرعون انا لنحن الغلبون** قسم اور ان ولام کی تاکید سے معلوم ہو رہا ہے کہ انہیں غلبہ کا پورا یقین تھا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ ان میں بعض جادوگروں کو اپنی کثرت اور سامان جادو کی زیادتی دیکھ کر اپنے غلبہ و فتح کا یقین تھا اور بعض جادوگروں کو عصا کی کیفیت سن کر اس میں شک تھا۔ یہاں اس آیت میں شک والی جماعت کا ذکر ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں یقین والوں کا تذکرہ ہے۔ دونوں آیتیں درست ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگروں نے خوشی و رغبت سے جادو کیا کہ انہیں اس پر انعام و اکرام کی لالچ تھے مگر سورہ طہٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس پر راضی نہ تھے۔ فرعون کے مجبور کرنے سے بادل ناخواستہ انہوں نے جادو کیا۔ فرمانا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ **لیغفر لنا خطایانا وما اکرھتنا علیہ من السحر** اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ بخشے اور وہ جادو بخشے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے جواب دو ہیں۔ ایک یہ کہ ان جادوگروں میں سے اکثر لوگ تو مقابلہ سے خوش تھے مگر بعض سمجھدار لوگ بالکل ناخوش تھے۔ جن کو پتہ لگ گیا تھا کہ عصا جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہاں خوشی والوں کا ذکر ہے۔ سورہ طٰہٰ میں مجبور لوگوں کا۔ دوسرے یہ کہ سورہ طٰہٰ کی آیت کا مطلب یہ ہے کہ تو نے ہم کو جادو سیکھنے اس کا پیشہ کرنے پر مجبور کیا یعنی ہم نے آج تک جادوگری کا جرم کیا خوشی سے نہیں بلکہ تیرے مجبور کرنے پر۔ اللہ ہمیں معاف کرے۔ **چوتھا اعتراض:** فرعون نے جادوگروں کے انعام مانگنے پر یہ کیوں کہا کہ تم مقربین سے ہو جاؤ گے۔ ان کے سوال کا جواب تو صرف **نعم** یعنی ہاں کہنے سے ہو چکا تھا۔ **جواب:** اس کا مقصد یہ تھا کہ تم تو مجھ سے صرف دولت مانگتے ہو مگر تم کو دولت بھی دوں گا عزت بھی۔ میرے قرب میں تمہاری عزت ہے۔ **پانچواں اعتراض:** تم نے کہا کہ پچھلے دینوں میں نبی کو نام لے کر پکارنا جائز تھا۔ ہمارے دین میں حضور کو نام شریف سے پکارنا حرام ہے مگر بعض لوگ اپنے مکانوں، مسجدوں، جسموں میں لکھتے ہیں یا اللہ۔ یا محمد اور مولانا جامی نے لکھا ہے۔ تو ئی سلطان عالم یا محمد۔ یہ بھی حرام ہونا چاہیے۔ **جواب:** حضور انور کو نام شریف سے پکارنا حرام ہے۔ لکھنا حرام نہیں۔ آیت کریمہ میں **لا تجعلوا دعاء الرسول** ہے **لا تجعلوا کتابۃ اسم الرسول** نہیں ہے بلکہ پڑھنے والے پر لازم ہے کہ جب اس لکھے ہوئے کو پڑھے تو محمد ﷺ پڑھے۔ یہ ہی حکم ان اشعار کا ہے۔ جن میں یا محمد ہے بلکہ جن دعاؤں میں یا محمد لکھا ہے وہاں بھی ﷺ کہنا ضروری ہے۔

کہ ان دعاؤں میں بھی یا رسول اللہ کہنے بولنے اور لکھنے کا احکام میں فرق ہے۔ کبھی لکھا جاتا ہے چھوٹا پڑھا جاتا ہے بڑا۔ دیکھو **الم' الر' المص** میں کہا گیا الر مگر پڑھنے میں **الف' لام' میم یا الف' لام' را یا الف' لام' م' ص** اور لکھنے میں آتا ہے **بسم اللہ الرحمن الرحیم** مگر پڑھنے میں بسم اللہ کا الف' الرحمن کا الف' لام' یوں ہی الرحیم کا الف' لام پڑنے میں نہیں آتا۔ لہٰذا یا محمد لکھنا درست ہے پڑھنا کہنا درست نہیں۔ پڑھنے میں ﷺ بھی پڑھے۔ کتاب میں تو پڑھائی کی رہبری کے لئے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جادو کی حقیقت نہیں صرف دھوکا اور نظر بندی ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ **سحروا اعین الناس** نوٹ ضروری۔ اسلامی فرقوں میں معتزلہ جادو کے منکر ہیں یہ اعتراض ان کا ہے۔ ان کی دلیل یہی آیت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جادو صرف خیالی وہمی چیز ہے۔ **جواب:** اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ فرعونی جادوگروں نے جو جادو کیا وہ نظر بندی تھا اس میں یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ ہر جادو نظر بندی ہوتا ہے ہم پہلے پارہ کی تفسیر **یعلمون الناس السحر** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جادو کی آٹھ قسمیں ہیں جن میں سے خیالی جادو اور شعبدے کی حقیقت کچھ نہیں اس میں صرف دھوکا ہی چالاکی ہوتی ہے۔ باقی قسموں کی حقیقت ہے۔ لبید ابن اعصم اور اسکی لڑکیوں نے حضور ﷺ پر جادو کیا۔ اس جادو کی حقیقت تھی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر جب کھجور کے درختوں کے پھلوں کا اندازہ لگانے خیبر گئے تو یہود خیبر نے آپ پر جادو کیا جس سے آپ بہت سخت بیمار ہو گئے۔ وغیرہ وغیرہ۔ (از روح المعانی)۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جادوگروں نے تماشائیوں اور حاضرین کو ڈرایا۔ موسیٰ علیہ السلام اس ڈر سے محفوظ رہے مگر قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے۔ **واوجس فی نفسہ خیفۃ موسیٰ** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی خوف ہو گیا۔ دو آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو بھی ان کے مصنوعی سانپوں

www.alahazratnetwork.org

سے خوف ہوا مگر آپ کا خوف کسی کو محسوس نہیں ہوا۔ فرعونیوں اور تماشائیوں کا خوف سب کو محسوس ہو گیا اس لئے **واسترھبوھم** فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا۔ **اوجس فی نفسہ** انہوں نے دل میں خوف چھپایا۔ دوسرے یہ کہ تماشائیوں کو تو ان سانپوں سے ایذا کا خوف ہوا مگر موسیٰ علیہ السلام کو یہ خوف ہوا کہ اب میرا معجزہ ثابت نہیں ہو گا کہ میرا عصا بھی سانپ بنے گا اور ان لوگوں نے بھی سانپ ہی بنا دیئے۔ لہٰذا ان دونوں خوفوں میں فرق ہوا۔ **آٹھواں اعتراض**: اللہ تعالیٰ نے اس جادو کو عظیم کیوں فرمایا رب تعالیٰ کی تو یہ شان ہے کہ اس دنیا اور دنیا کی ساری چیزوں کو حقیر و قلیل فرمایا کہ فرمایا **قل متاع الدنیا قلیل** اور فرمایا **وما الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا متاع** تو چند سانپوں کو عظیم فرمانا اس کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ جادو دیکھنے والوں کی نظر میں عظیم ہے یا جادوگروں کے نزدیک بڑا تھا یا جادو کے فن کے لحاظ سے بڑا تھا نہ کہ اللہ کے نزدیک۔ بہت چیزیں دنیا والوں کی نظر میں معمولی ہوتی ہیں مگر اللہ کے نزدیک عظیم ہوتی ہیں۔ (دیکھو ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کو تہمت لگانا اس وقت کے منافقوں کی نظر میں معمولی بات تھی مگر اللہ کے نزدیک وہ عظیم گناہ تھا۔ فرماتا ہے **تحسبونہ ھینا وھو عند اللہ عظیم** بعض چیزیں اس کے برعکس دنیا والوں کی نظر میں بہت ہی عظیم اور بڑی ہوتی ہیں مگر رب کے نزدیک حقیر جیسے دنیا اور دنیا کی چیزیں اور جیسے یہ مذکورہ جادو۔ دوسرے یہ کہ جادو اللہ کے نزدیک بھی عظیم الشان تھا کہ اس کے ذریعہ اتنے بہت سے جادوگروں کو ایمان ملا چونکہ اس جادو کو نسبت تھی موسیٰ علیہ السلام سے اور موسیٰ علیہ تو عظیم ہیں لہٰذا یہ جادو بھی عظیم ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے فدیہ والے دنبہ کو عظیم فرمایا **وفدینہ بذبح عظیم** حالانکہ وہ دنبہ حد درجہ من ڈیڑھ من کا ہو گا مگر چونکہ اسے جناب اسمٰعیل سے نسبت تھی لہٰذا عظیم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: فرعون اور فرعونیوں نے سمجھا تھا کہ تاخیر کی تدبیر سے تقدیر بدل جاوے گی تو وہ بولے **ارجہ واخاہ** حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کو مہلت دو مگر ہو کر وہ رہا جو رب قدیر نے چاہا کہ یہ مقابلہ فرعون کی ہمت ٹوٹ جانے جادوگروں کو ایمان مل جانے کا ذریعہ بنا بلکہ فرعون کی تباہی کا پیش خیمہ ہوا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔

ہونے والا ہوتا ہے جب کوئی کار
غیب سے ہوتے ہیں اسباب آشکار

چونکہ ان جادوگروں کو ان کی شکست کے ذریعہ ایمان ملنے والا تھا اس لئے انہیں موسیٰ علیہ السلام کے ادب و احترام کی توفیق ملی یہ تو قیر ان کی تقدیر پلٹ جانے کا ذریعہ بنی کہ انہوں نے جناب کلیم اللہ سے اجازت مانگ کر جادو کیا۔ ان کے جادو سے لوگوں کی آنکھوں پر تو پردے پڑ گئے مگر خود جادوگروں کی آنکھوں سے پردے اٹھ گئے اسی لئے یہاں **اعین الناس** ارشاد ہوا کہ لوگوں کو خوف طاری ہوا مگر خود جادوگروں کی بے خوفی کا ذریعہ بنا۔ ان وجوہ سے رب تعالیٰ نے اس جادو کو سحر عظیم فرمایا کہ یہ عظیم الشان انعام کا ذریعہ بنا۔ اس کے ذریعہ ہزاروں جادوگروں کے زنگ آلود دلوں پر صیقل ہونے والی تھی۔ فرعونی کثیر تھے، جادوگر عظیم ہو گئے۔ موسیٰ کلیم بھی تھے کریم بھی۔ وہ مجلس کثرت عظمت کرم جود کا مجموعہ تھی۔

www.alahazratnetwork.org

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَاِذَا هِىَ تَلْقَفُ مَا يَاْفِكُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسیٰ کے یہ کہ ڈالیں آپ لاٹھی اپنی پس اچانک وہ نگلنے لگی وہ جو گھڑتے تھے

اور ہم نے موسیٰ کو وحی فرمائی کہ اپنا عصا ڈال تو ناگاہ ان کی بناوٹوں کو نگلنے لگا

فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ فَغُلِبُوْا هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوْا صٰغِرِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

پس ثابت ہوا سچ اور باطل ہوا وہ جو کرتے تھے وہ لوگ پس مغلوب کئے گئے وہ اس جگہ اور لوٹے خوار ہو کر

تو حق ثابت ہوا اور باطل ہوا وہ جو باطل ہوا اور یہاں وہ مغلوب پڑے ذلیل و خوار ہو کر پلٹے

وَاُلْقِىَ السَّحَرَةُ سٰجِدِيْنَ ﴿۱۲۰﴾ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۱﴾ رَبِّ

اور ڈال دیئے گئے جادوگر سجدہ کرنے والے کہا انہوں نے ایمان لائے ہم جہانوں کے پالنے والے پر موسیٰ

اور جادوگر سجدے میں گرا دیئے گئے بولے ہم ایمان لائے جہان کے رب پر جو رب

مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اور ہارون کے رب پر

ہے موسیٰ اور ہارون کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جادوگروں کے کرتب دکھانے کا ذکر تھا۔ اب موسیٰ علیہ السلام کے معجزے کے اظہار کا تذکرہ ہے۔ گویا ان کے زور کا ذکر ہو چکا ہے اب اس زور کے توڑنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں جادوگروں کے ادب و احترام کا ذکر تھا اب اس احترام کے انعام کا ذکر ہو رہا ہے۔ گویا عمل کا ذکر ہو چکا نتیجہ کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بلانے والے فرعونیوں اور آنے والے جادوگروں کا ذکر ہوا۔ اب بلانے والوں کے بھاگ جانے اور آنے والوں کے در کلیم اللہ پر رہ جانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ بلانے والے محروم ہوئے اور آنے والے مرحوم ہو گئے۔ بلانے والے آنے والوں کے ایمان کا ذریعہ بن گئے۔

تفسیر: **واوحینا الی موسی** ظاہر ہے کہ یہاں وحی سے شرعی وحی مراد ہے۔ یعنی بذریعہ جبریل علیہ السلام پیغام اور ہو سکتا ہے کہ لغوی معنی مراد ہوں۔ یعنی دل میں ڈالنا۔ حضرات انبیاء کرام کی وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ وحی شرعی جو جاگتے ہیں بذریعہ فرشتہ ہو۔ وحی الہامی کہ ان کے دل میں رب کی طرف سے کوئی بات پڑ جاوے۔ وحی منامی یعنی وہ کچھ خواب میں دیکھ لیں۔ ہمارے حضور کے لئے ایک چوتھی قسم کی وحی اور بھی ہوئی **قاب قوسین** والی وحی۔ رب فرماتا ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی** جہاں بے حجابانہ رب کو دیکھا اور اس سے ہم کلام ہوئے۔ یہاں پہلی دو وحیوں ہی سے کوئی وحی تھی شرعی یا الہامی۔ چونکہ عصا پھینکنا موسیٰ علیہ السلام ہی کا کام تھا اس لئے وحی بھی آپ کو ہوئی۔ حضرت ہارون علیہ السلام کو نہ ہوئی۔ **ان الق عصاک** یہ اوحینا کا مفعول اور ان مصدریہ ہے۔ یہ ہو سکتا ہے کہ بیانیہ ہو اور یہ عبارت اوحینا کا بیان ہو۔ القاء سے

www.alahazratnetwork.org

مراد وہی ڈالنا پھینکنا ہے جو اظہار معجزے کے لئے ہوتا تھا جس سے وہ سانپ بن جاتا تھا۔ عصا کی نسبت موسیٰ علیہ السلام کی طرف یا ملکیت کی ہے یا قبضہ کی یا دونوں کی۔ خیال رہے کہ ایک بار تو وادی سینا میں آپ سے فرمایا گیا تھا۔ **القها یموسی** اے موسیٰ اپنی لاٹھی پھینکو اور دوسری بار آج فرمایا گیا **الق عصاک** کیونکہ وہاں سانپ بنا کر دکھانا مقصود تھا اور آج یہاں یہ دکھانا ہے کہ یہ سانپ بن کر کھا بھی سکتا ہے۔ آج سے پہلے جناب کلیم اس کے کھانے کو آزما نہ سکے تھے۔ اسی لئے آپ کو آج پھینکنے میں پس و پیش تھا۔ خیال فرما رہے۔ تھے کہ عصا بھی سانپ ہی بنے گا اور جادوگروں نے بھی سانپ بنا دیئے ہیں' پھر میرا غلبہ کیسے معلوم ہو گا۔ **فاذا هی تلقف ما یافکون** اس سے پہلے دو عبارتیں پوشیدہ ہیں اور فاذا کی ف فصیحہ ہے۔ یعنی **القاها** اور **صارت حیة** **اذا** کے معنی ہیں اچانک یہ ظرفیہ یا شرطیہ نہیں بلکہ مفاجاتیہ ہے۔ اس سے پہلے مذکورہ دو عبارتوں کا پوشیدہ ہونا یہ بتانے کے لئے ہے کہ آپ نے بہت ہی جلد نہایت ہی پھرتی سے عصا شریف پھینکا۔ **تلقف** بنا ہے لقف سے۔ لقف اور لقفان دونوں کے معنی ہیں بہت ہی جلد جلد کھانا' گویا نہ چبانا' ویسے ہی نگل جانا' اس لئے یہاں **تاکل یا تبتلع** ارشاد نہ ہوا چونکہ جادوگروں نے بہت قسم کے سانپ بنائے تھے۔ موٹے' پتلے' چھوٹے' بڑے رسوں کے بانسوں کے بلوں کے۔ اس لئے یہاں اتنی بڑی عبارت ارشاد ہوئی۔ حیات نہ فرمایا۔ **یافکون** بنا ہے **افک** سے۔ بمعنی الٹا کر دینا' تہمت اور جھوٹ کو **افک** کہتے ہیں کہ اس میں بات الٹی کر کے واقعہ کے خلاف بتائی جاتی ہے۔ یعنی عصا سانپ بن کر ان کی ساری بناوٹی چیزوں کو ایک ایک کر کے جلد جلد بغیر چبائے نگلنے لگا۔ یہ مقابلہ اسکندریہ میں ہوا۔ آپ کے سانپ کی دم دریا میں تھی' منہ اس میدان میں۔ منٹوں میں اس نے سارا میدان صاف کر دیا پھر اسی ہاتھ اپنا منہ کھولا اور قوم فرعون کی طرف رخ کیا۔ ان میں بھگدڑ مچی حتی کہ پچیس ہزار آدمی کچل کر مر گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اسے اٹھایا تو پھر لاٹھی کی لاٹھی تھی۔ ایک ماشہ وزن یا ایک انچ قد زیادہ نہ ہوا۔ اس پر جادوگروں نے سوچا کہ اگر یہ بھی جادو ہے تو ہمارا سینکڑوں من سامان کہاں گیا اور ان کے دلوں میں اللہ کی ہیبت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت بیٹھ گئی جس کا بیان یوں ہوا۔ **فوقع الحق** یہاں وقع ظہور و یقین ہے۔ حسن' مجاہد' فراء نے یہی تفسیر کی حق سے مراد یا تو عصا کا معجزہ ہونا ہے' یا موسیٰ علیہ السلام کی نبوت یا اللہ تعالیٰ کی قدرت' اس کی وحدانیت ہے یا یہ سب کچھ جن کی طرف موسیٰ علیہ السلام دعوت دیتے تھے چونکہ عصا کے ان سب چیزوں کو نگلتے ہی ان سب کا ثبوت ہو گیا تھا اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ یعنی یہ واقعہ ہوتے ہی حق ظاہر ہو گیا۔ حق کے بہت معنی ہیں۔ سچ لا زوال چیز' لائق قبول وغیرہ جو ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ **وبطل ما کانوا یعملون** یہ عبارت معطوف ہے فوقع پر یہاں بطلان سے مراد ہے بطلان کا ظہور چونکہ جادوگر یہ شعبدے بازیاں عمر بھر کرتے رہے تھے اس لئے **کانوا یعملون** ارشاد ہوا یعنی جادوگر عرصے سے جو کرتب کیا کرتے تھے' آج ان سب کا باطل و بے ہودہ ہونا ظاہر ہو گیا۔ آج گویا دن نکل آیا۔ رات بھر جو چیز چھپی رہی آج کھل گئی **فغلبوا هنالک وانقلبوا صغرین** یہ عبارت معطوف ہے **بطل** پر۔ خیال رہے کہ **غلبوا** اور **انقلبوا** کی ضمیریں فرعون اور اس کے ماتحتوں کی طرف ہیں کہ وہی لوگ مغلوب ہوئے وہی لوگ وہاں سے بھاگے لوٹے' وہی ذلیل ہوئے۔ رہے جادوگر وہ تو آج سارے فرعونیوں پر غالب آ گئے اور وہ حضرات اس جگہ سے نہ بھاگے نہ ذلیل ہوئے۔ آج انہیں یہاں ہی ایمان' صحابیت' صبر' شہادت جیسی نعمتیں ملیں۔ **هنالک** سے مراد یہی مقابلہ کا میدان ہے۔ لوٹنے سے مراد ہے یہاں سے بھاگ کر جانا۔ ان کا

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہونا۔ یہ ان کی مغلوبیت اور ذلت ہے یعنی سارے فرعونی اسی جگہ مغلوب ہوئے اور یہاں سے ذلیل و خوار ہو کر اپنے گھر واپس ہوئے۔ اِدھر جادوگروں کا یہ حال ہوا کہ **والقی السحرة سجدین** یہاں **دفعوا** ارشاد نہ ہوا بلکہ **القی** فرمایا گیا یعنی جادوگر خود سجدے میں نہ گرے بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے گرائے گئے کہ انہیں سجدے ایمان وغیرہ کی توفیق اسی نے دی۔ ان کے سر توفیق الٰہی کے ماتحت تھے اسی نے گرا لیا۔ **السحرة** سے مراد وہی ستر یا اسی ہزار جادوگر ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں آئے تھے۔ خیال رہے کہ جادوگروں کا سجدہ یا توفیق ایمان ملنے کے شکر کا تھا یا اپنی مغلوبیت کے شکر کا کہ یہ مغلوبیت ان کے ایمان کے ذریعہ بنی یا اظہار اطاعت کا' یا اظہار وفاداری کا اور یا تو موسیٰ علیہ السلام کی طرف انہوں نے سجدہ کیا یا بیت المقدس کی طرف یا جس کا جس طرف رخ ہو گیا اُدھر ہی گر گیا۔ یہ سجدہ وضو' قبلہ رو' وقت' رخ وغیرہ قیدیوں سے آزاد تھا اسی طرح اس سجدے میں **سبحان ربی الاعلی** نہ کہا گیا۔ ہمارے اسلام میں بھی سجدے بہت قسم کے ہیں۔ سجدہ نماز' سجدہ سہو' سجدہ تلاوت' سجدہ شکر' سجدہ دعاء' سجدہ مصیبت' اور بعض وقت سجدہ میں کعبہ کو منہ ہونا ضروری نہیں ہوتا جیسے سفر کے نوافل ہیں' یوں ہی اذان نماز میں قبلہ رو ہونا ضروری ہے مگر بچہ کے کان میں اذان کے لئے یہ سمت ضروری نہیں **قالوا امنا برب العلمین** حق یہ ہے کہ ان جادوگروں نے سجدے سے سر اٹھا کر یہ نہ کہا بلکہ سجدے میں گرے ہوئے یہ کہا۔ سجدہ ان کا عملی ایمان تھا اور یہ قول ان کا قولی ایمان۔ یہ دونوں فعل و قول اپنے ایمان کا اظہار تھا۔ انہوں نے سجدے میں پڑے پڑے چیخ چیخ کر یہ کہا۔ ایک بار نہ کہا بلکہ بار بار کہا ان کی اس پکار سے میدان گونج گیا۔ اللہ کی شان تھی کہ میدان مقابلہ میدان اطاعت اور میدان کفر میدان ایمان بن گیا ان لوگوں نے **امنا** کہا **وحدنا** نہیں کہا کہ توحید سے نجات نہیں ملتی ایمان سے ملتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام توحید کی دعوت دینے نہیں آئے' ایمان کی دعوت دینے آئے ہیں۔ توحید تو شیطان اور بعض کفار بھی مانتے ہیں۔ ان جادوگروں نے اللہ تعالیٰ کو عالمین کی ربوبیت سے جانا پھر انہیں خیال آیا کہ یہ معرفت ایمان کے لئے کافی نہیں۔ شاید فرعون کہہ دے کہ رب العلمین تو میں ہی ہوں تو فوراً" اس حالت میں کہا کہ **رب موسی و هرون** یہ عبارت بدل ہے۔ رب العلمین سے۔ شاید فرعون کہہ دیتا کہ میں ہی موسیٰ علیہ السلام کا رب یعنی مربی ہوں کہ انہیں میں نے پرورش کیا ہے تو ساتھ حضرت ہارون کا نام لیا کہ ان کے متعلق فرعون یہ نہیں کہہ سکتا تھا۔ جادوگروں کا مقصد یہ تھا کہ رب العالمین وہ ہے جسے حضرت موسیٰ و ہارون رب کہتے ہیں۔ ہم نے اللہ تعالیٰ کا رب العالمین ہونا ان دونوں کی زبان سے جانا بعض لوگوں نے فرمایا کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ عالمین کا بھی رب ہے۔ عالمین کو ربوبیت عامہ سے پالتا ہے' موسیٰ و ہارون کو ربوبیت خاصہ سے اگرچہ عالمین میں موسیٰ و ہارون علیہم السلام بھی داخل تھے' مگر چونکہ ان کی شان خصوصی تھی اس لئے ان بزرگوں کا نام خصوصیت سے لیا۔ عام مفسرین یہ ہی مطلب بیان کرتے ہیں مگر حقیر کے نزدیک پہلی توجیہہ قوی ہے کہ رب العالمین وہ ہے جسے حضرت موسیٰ و ہارون نے رب العالمین بتایا۔ ان کے اس ایک لفظ میں سارے ایمانیات آگئے۔ قیامت' فرشتے' جنت' دوزخ وغیرہ سب پر ایمان اس ایک لفظ میں آگیا۔

خلاصہ تفسیر: جب جادوگروں نے اپنا پورا زور صرف کر دیا اور میدان مقابلہ کو مصنوعی سانپوں' اژدہوں سے بھر دیا لوگوں کو ڈرا دیا تو ہم نے جناب موسیٰ کے پاس وحی بھیجی کہ اب موقعہ ہے آپ اپنا مملوکہ' مقبوضہ عصا ڈالیں' چنانچہ آپ نے عصا ڈالا۔

www.alahazratnetwork.org

عصا کا ڈالنا تھا کہ وہ عظیم الشان اژدہا بن گیا اور اس میدان کے سارے مصنوعی سانپوں' اژدہوں کو ایک ایک کرکے نگل گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے میدان بالکل خالی ہو گیا پھر اس نے تماشائیوں کی طرف رخ کیا۔ سارے فرعونیوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ بہت لوگ کچل کر مر گئے' آپ نے اس کی گردن پکڑ کر اٹھایا تو پھر وہی ہلکی پھلکی لاٹھی تھی۔ حق یعنی توحید' نبوت موسوی' عصا کا معجزہ ہونا' دین موسوی کا درست ہونا ثابت بلکہ ظاہر ہو گیا اور آج تک جو کچھ جادوگر کرتے رہے تھے اس کا باطل ہونا سب کو معلوم ہو گیا۔ جادوگروں نے سوچا کہ اگر عصا موسوی بھی ہمارے سانپوں کی طرح ایک شعبدہ یا نظربندی ہے تو ہمارے رسے' بانس' بلے جو سینکڑوں من تھے کہاں گئے اور اس قدر وزنی چیزیں نگل جانے کے بعد اس کا وزن ایک ماشہ بھی نہ بڑھا۔ یقیناً" وہ معجزہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام سچے نبی ہیں چنانچہ وہ خود نہیں گرے بلکہ رب کی طرف سے سجدے میں گرا دیئے گئے۔ انہوں نے شکریہ یا اظہار وفاداری یا اپنے ایمان کے لئے سجدہ کیا اور سجدہ میں گر کر بلند آواز سے بولے کہ ہم اس پر ایمان لائے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے یعنی وہ جسے حضرت موسیٰ و ہارون رب العالمین بتاتے ہیں جو ان دونوں کا رب ہے اس پر ہم ایمان لائے۔ فرعون اور اس کی ربوبیت کے عقیدے سے ہم پھر گئے۔ توبہ کرتے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار و مشرکین سے مناظرہ' مقابلہ کرنا انہیں شکست دینا تبلیغ کی اہم قسم ہے اس پر بہت ثواب ہے۔ یہ مقابلہ خواہ زبان سے ہو یا قلم سے یا تلوار سے' ان سب میں اللہ کی رحمت و نصرت مومنوں کے ساتھ ہوتی ہے۔ اخلاص نیت شرط ہے۔ یہ فائدہ **ان الق عصاک** سے حاصل ہوا۔ یہ جہاد تاقیامت رہیں گے۔ **دوسرا فائدہ:** جب کوئی چیز کسی اور شکل میں ہو جاوے تو اس شکل کی بعض خصوصیات بھی اس میں آ جاتی ہیں۔ یہ فائدہ **تلقف** سے حاصل ہوا کہ عصا موسوی لکڑی تھا مگر جب سانپ کی شکل میں ہوا تو کھانے نگلنے لگا۔ اس سے بہت سے عقیدے کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ حضرت جبریل جب شکل انسانی میں آتے تھے تو ان کے بال سیاہ کپڑے سفید ہوتے تھے حالانکہ فرشتے بال' کھال' کپڑوں سے پاک ہیں۔ جب ہاروت و ماروت فرشتے شکل انسانی میں بھیجے گئے تو ان میں شہوت پیدا کی گئی: جب ملک الموت شکل انسانی میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے تو موسیٰ علیہ السلام کے طمانچہ سے ان کی آنکھ جاتی رہی یہ سب اس شکل کے احکام تھے۔ یوں ہی ہمارے حضور ﷺ قرآنی گواہی سے اللہ کا نور ہیں مگر لباس بشریت میں یہاں جلوہ گر ہوئے تو کھانا' پینا' نکاح' بیماری' وفات سب سے موصوف ہوئے یہ اس بشری شکل کے احکام تھے ہاں کبھی آپ پر نورانیت کے احکام بھی جاری ہوتے تھے۔ معراج میں گرم ٹھنڈے طبقوں سے گزر جانا' ان کا آپ پر اثر نہ کرنا' آسمانوں کی سیر فرمانا جہاں سانس کے لئے ہوا نہ تھی' روزہ وصال میں بھوک' پیاس کا اثر مطلقاً" نہ ہونا" اگرچہ بہت روز تک نہ کھائیں پئیں۔ اسی نورانیت کی جلوہ گری تھی۔ **تیسرا فائدہ:** جادو معجزے کے مقابل نہیں ٹھہرتا۔ یوں ہی جادوگر معجزے والے کے سامنے نہیں ٹھہرتے۔ یہ فائدہ **وبطل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس وقت پوری خدائی ایک طرف تھی' دو بھائی ایک طرف تھے مگر دونوں بھائی غالب آئے۔ ساری خدائی مغلوب ہوئی۔ **چوتھا فائدہ:** شان داری کثرت تعداد پر موقوف نہیں بلکہ شاندار مقصد پر موقوف ہے۔ امام حسین کی جماعت صرف بہتر نفوس تھی یزیدی ہزارہا تھے۔ غازیان بدر تین سو تیرہ تھے' کفار ہزار تھے۔ یہاں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دو تھے مقابل لاکھوں تماشائی' ہزاروں جادوگر مگر شاندار یہ تھوڑے ہی تھے کہ ان کا مقصد شاندار تھا یہ فائدہ **فوقع**

www.alahazratnetwork.org

الحق سے حاصل ہوا۔ شاندار جلسہ' شاندار مدرسہ' شاندار عالم وہ ہے جس کا مقصد خدمت دین ہو۔**پانچواں فائدہ:** معرفت الٰہی کے دو ذریعے ہیں۔ ایک اپنی مجبوری' معذوری' بے کسی و بے بسی جاننا۔ دوسرے اللہ والوں کی طاقت خداداد' ان کی قدرت' قوت' غلبہ کو ماننا کہ ان کی قدرت و غلبہ خداداد اور رب تعالیٰ کی قدرت و طاقت کا آئینہ' اس کے پہچاننے کا ذریعہ ہے۔ یہ فائدہ **فوقع الحق** اور **وبطل ماکانوا یعملون** سے حاصل ہوا کہ جادوگر یہ ہی دو چیزیں دیکھ کر سجدے میں گرے۔ جو اپنے کو قادر مطلق مانے وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا اور جو انبیاء و اولیاء کو اپنے جیسا یا اپنے سے زیادہ مجبور و معذور مانے وہ رب کو نہیں پہچان سکتا۔ فرعون حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہتا تھا۔ **انا فوقھم قھرون** ہم موسیٰ اور قوم موسیٰ پر غالب ہیں۔ دیکھ لو اسے ایمان نہیں ملا۔ اللہ تعالیٰ نبیوں کو معجزات' ولیوں کو کرامات اس لئے عطا فرماتا ہے کہ مخلوق کو ان کی قدرت' قوت' طاقت کا پتہ لگے اور مخلوق کہے کہ جس رب کے بندے ایسے قدرتوں والے ہیں تو رب کیسی قدرت والا ہو گا۔ **چھٹا فائدہ:** ایمان و اطاعت کے اظہار کے لئے عمل و قول دونوں کا اجتماع اللہ تعالیٰ کو بڑا پیارا ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس آیت میں فرعونی جادوگروں کے دو عمل بیان فرمائے۔ ایک سر بسجود ہونا۔ دوسرے زبان سے اپنے ایمان کا اعلان کرنا یعنی سجدہ بھی تھا اور سجدہ میں اپنے ایمان کا اعلان بھی۔ ان کا یہ عمل رب کو ایسا پیارا معلوم ہوا کہ انہیں پل بھر میں ایمان' عرفان' صحابیت' صبر و رضا' شہادت سب ہی عطا فرما دی۔ **ساتواں فائدہ:** مومنین نے کبھی بھی تقیہ کر کے اپنا ایمان نہیں چھپایا۔ دیکھو ان جادوگروں کو فرعون کا ظلم' اپنا انجام فرعون کے ہاتھوں معلوم تھا مگر انہوں نے ایسے نازک حالات میں تقیہ نہیں کیا بلکہ کھلے بندوں اپنے ایمان کا اعلان کیا۔ یہ فائدہ **قالوا امنا** سے حاصل ہوا۔ کیا حضرت علی و اہل بیت رسول ان جادوگروں سے بھی ہمت و جرأت میں کم تھے کہ انہوں نے خلفاء ثلاثہ کے زمانوں میں دین مٹتے قرآن بدلتے ہوئے دیکھا اور خوف جان سے خاموشی اختیار کی۔ ان کی جرأت دیکھنا ہے تو معرکہ کربلا میں غور کرو۔ **آٹھواں فائدہ:** انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کا پتہ ہیں کہ ان کے ذریعہ رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوئی ہے اگر ان کے توسل کے بغیر اور ذریعوں سے خدا پہچانا جاوے تو ایمان نہیں ملتا۔ یہ فائدہ رب العالمین کے بعد رب موسیٰ و ہارون کہنے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** پیغمبر کے ادب سے کافر کو ایمان مل جاتا ہے اور پیغمبر کی بے ادبی سے مومن و متقی کافر و مرتد ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **القی السحرۃ سجدین** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **وقعوا** نہ فرمایا **القی** فرمایا وہ سجدہ میں گرے نہیں بلکہ گرائے گئے۔ ابلیس اور ان جادوگروں کے حال ہم کو بہت نصیحت دیتے ہیں۔ ابلیس بے ادبی نبی سے کچھ نہ رہا۔ یہ جادوگر ادب رسول سے سب کچھ ہوئے ان کے ادب کا ذکر ہم ابھی تفسیر میں کر چکے کہ انہوں نے اپنا کرتب دکھایا مگر موسیٰ علیہ السلام کی اجازت لے کر۔ اس اجازت لینے نے ان کا بیڑا پار کر دیا۔ رب تعالیٰ ادب کی توفیق دے۔ **دسواں فائدہ:** ارکان ایمان بہت ہیں۔ توحید' رسالت' حشر و نشر' فرشتے' جنت و دوزخ وغیرہ جس کا ذکر ہے **امنت باللہ و ملئکتہ** میں مگر رسالت ان سب کا اصل اصول ہے جس نے صحیح معنی میں رسول کو مان لیا اس نے اس کے ضمن میں سب کچھ مان لیا۔ یہ فائدہ **رب موسی و ھرون** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان جادوگروں نے ان مذکورہ چیزوں میں سے کسی کا ذکر نہ کیا صرف **رب موسی و ھرون** پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے نہ مومن بلکہ مومنوں کے سردار ہو گئے۔ ابلیس نے سوا نبوت سب کچھ مانا مگر کافر رہا۔ نبوت اصل ایمان ہے۔ **گیارھواں فائدہ:** نجات کا مدار کتاب اللہ کے ماننے' نیک اعمال کرنے پر نہیں بلکہ نبی

www.alahazratnetwork.org

کے ماننے پر ہے دیکھو ان جادوگروں کے ایمان لانے کے وقت توریت شریف نہیں آئی تھی' نہ احکام شرعیہ نازل ہوئے تھے یہ جادوگر صرف موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شہید ہوگئے۔ کتاب اللہ یعنی توریت تو فرعون کے ڈوبنے کے بعد آئی۔ بہت صحابہ وہ ہیں جو عین جنگ میں حضور انور کو دیکھ کر ایمان لائے اور فوراً شہید ہوگئے انہیں قرآن مجید کی خبر بھی نہ ہوئی۔ ایک نماز نہیں پڑھی۔ ایک روزہ نہ رکھا مگر آن کی آن میں مومنین عارف غازی شہید ہوگئے مگر اس کی مثال نہ ملے گی کہ کوئی شخص بغیر نبی کو مانے جانے صرف کتاب اللہ کے ذریعہ مومن بن گیا ہو۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں **تلقف** کیوں فرمایا **تاکل** یا **تقضم** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** تاکہ پتہ لگے کہ عصا ان تمام چیزوں کو بغیر چبائے نگل گیا۔ چبانے میں دیر لگتی۔ **تاکل** فرمانے سے یہ بات معلوم نہ ہوتی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں **تلقف** مضارع کیوں ارشاد ہوا **القفت** ماضی ارشاد کیوں نہ ہوا یہ واقعہ تو ہو چکا ہے۔ ماضی فرمانا مناسب تھا۔ **جواب:** تاکہ معلوم ہو کہ عصا نے یہ سارا سامان یکدم نہیں نگل لیا بلکہ جلدی جلدی ایک کرکے نگلا۔ اس طرح نگلنے سے عجیب ہی سماں بندھا ہوگا اور اس میں موسیٰ علیہ السلام کی شان عالی کا پتہ لگا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں **مایافکون** اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ **عصیهم یا حبالهم** کیوں نہ فرمایا وہ مختصر ہوتا۔ **جواب:** وہ جادوگر مختلف قسم کے سامان لائے تھے۔ رسے' بلے' بانس وغیرہ اور ان سے مختلف قسم کے اژدہے' پتلے سانپ اور دریائی سانپ بنائے تھے۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ عصا شریف ان کے یہ سارے سامان نگل گیا یہ مقصد صرف **عصیهم یا حبالهم** فرمانے سے حاصل نہ ہوتا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **یافکون** مضارع کیوں ارشاد ہوا افکوا ماضی کیوں نہ فرمایا۔ **جواب:** یہ جادوگر ان چیزوں پر ہمیشہ جادو کیا کرتے تھے ان کا یہی سامان ان کے کمال سحر کا سرمایہ تھا جو آج عصا شریف کے ذریعہ فنا ہوا۔ وہ لوگ گویا آج لٹ گئے تھے یہ بتانے کے لئے مضارع استمراری ارشاد ہوا۔ اس لئے آگے ارشاد ہوا **وبطل ماکانوا یعملون** جن چیزوں پر وہ جادو کیا کرتے تھے وہ آج فنا ہوئیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کے مقابل جادو کام نہیں کرتا مگر حضور ﷺ پر لبید ابن اعصم کے جادو نے اثر کر دیا جس کے اتار کے لئے سورہ فلق و ناس نازل ہوئیں۔ یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں جادو کا معجزے سے مقابلہ ہوا تھا' جادو فیل ہو گیا وہاں مقابلہ نہ تھا بلکہ چوروں کی طرح چھپ کر کیا گیا تھا۔ وہاں ایسا اثر ہوا جیسے تلوار یا تیر یا زہر کا اثر نبی کے جسم پر ہو جاتا ہے۔ لہٰذا ان واقعات میں تعارض بالکل نہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں جادوگروں کے متعلق **غلبوا** اور **انقلبوا** اور **صغرین** ارشاد ہوا حالانکہ جادوگر نہ تو ذلیل ہوئے تھے انہیں تو ایمان کی وجہ سے عزت مل گئی نہ وہ وہاں سے واپس ہوئے۔ یہ فرمان عالی واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں فرعونیوں کا ذکر ہے نہ جادوگروں کا یعنی فرعون اور فرعونی لوگ ہی مغلوب ہوئے وہ ہی ذلیل ہو کر اپنے گھروں کو پلٹے کچھ وہاں ہی کچل کر مرے۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہ رہے۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ جادوگروں نے سجدہ تو پہلے کیا اور ایمان بعد میں لائے حالانکہ اس کے برعکس چاہئے تھا کہ ایمان پہلے لاتے سجدہ بعد میں کرتے کہ ایمان عقیدہ ہے سجدہ عمل۔ **جواب:** جادوگروں کا یہ سجدہ اطاعت کا تھا' عبادت کا نہ تھا یعنی اے موسیٰ علیہ السلام ہم نے اب تک تو آپ کا مقابلہ کیا اب ہم آپ کے فرماں بردار بنتے ہیں اور سجدے ہی کی حالت میں اپنے ایمان کا اعلان کیا یعنی یہ کلام سجدے میں پڑے پڑے کیا اگر سجدہ عبادت

www.alahazratnetwork.org

ہوتا تو اس میں **سبحان ربی الاعلی** کہتے۔ **آٹھواں اعتراض**: یہ سجدہ کس طرف ہوا اور باوضو ہوا یا بغیر وضو۔ **جواب**: اس کی تفصیل کہیں دیکھی نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ جادوگر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سجدے میں گرے۔ انہیں اپنا قبلہ مقصود بنایا ان پر وضو وغیرہ کی پابندی نہ تھی کیونکہ وہ ابھی حالت کفر میں تھے۔ یہ سجدہ کفر سے پھرنے' ایمان میں داخل ہونے کی علامت بنایا جیسے ایک موقعہ پر کفار نے حضرت خالد بن ولید اور ان کے ساتھیوں کو سجدہ کرکے اپنی فرماں برداری کا اظہار کیا تھا۔ اس قسم کے سجدے تمام شرائط سے آزاد ہوتے ہیں۔ **نواں اعتراض**: جادوگروں نے اپنے اس اقرار میں اللہ تعالیٰ کی دو صفتیں بیان کیں۔ ایک **رب العالمین** دوسری **موسی و ھارون** حالانکہ یہ دونوں حضرات عالمین میں داخل تھے۔ عالمین کے بعد ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی پھر کیوں ذکر کیا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک عالمانہ' دوسرا عاشقانہ۔ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ رب العالمین ہونے کا دعویٰ فرعون کرتا تھا اگر یہ لوگ صرف رب العالمین کہتے تو فرعون کہہ سکتا تھا کہ یہ لوگ مجھ پر ایمان رکھنے کا اعلان کر رہے ہیں اس لئے **رب موسی وھارون** کہا تاکہ اب فرعون یہ نہ کہہ سکے۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ **رب العالمین** میں توحید کا اقرار ہے اور **رب موسی وھارون** میں ایمان کا اقرار۔ رب تعالیٰ کو عالم اور عالم کی چیزوں کے ذریعہ پہچاننا توحید ہے اور نبی کی معرفت پہچاننا ایمان ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم ابلیس کی طرح موحد نہیں ہیں بلکہ مومن ہیں۔ **دسواں اعتراض**: جادوگروں نے موسیٰ اور ہارون دونوں کا ذکر کیوں کیا۔ **رب موسی** کہہ دینا کافی تھا۔ **جواب**: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ فرعون کہہ سکتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کا رب میں ہوں کیونکہ میں نے ان کی پرورش کی ہے جب ساتھ ہی ہارون علیہ السلام کا بھی ذکر کردیا تو اس کا منہ بند ہو گیا جواب عاشقانہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے جناب ہارون علیہ السلام کو نبوت ملی۔ یعنی رب ربوبیت خاصہ کی تجلی جناب موسیٰ کے ذریعے حضرت ہارون پر پڑی جادوگروں نے کہا کہ ہم اس پر ایمان لائے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بلاواسطہ رب ہے اور حضرت ہارون کا بواسطہ موسیٰ علیہ السلام رب ہے اور اب دونوں کے ذریعہ ہمارا رب ہے یہ ترتیب تصوف کی اصل ہے۔ رب نے انہیں شریعت بھی بخشی' طریقت بھی عطا کی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ حضرات انبیاء کا خالق و مالک ہے اور حضرات انبیاء کرام رب تعالیٰ کے مظہر اتم رب نے نبیوں کو بنایا۔ نبیوں نے رب کو بتایا اس کا راہ دکھایا اگر رب تعالیٰ نبیوں کو پیدا نہ کرتا تو یہ حضرات موجود نہ ہوتے اگر نبی رب کو ظاہر نہ کرتے تو وہ ہم لوگوں پر ظاہر نہ ہوتا۔ اس کنز مخفی کو ظاہر کرنے والے حضرات انبیاء ہیں۔ یہ حضرات مختلف طریقوں سے رب کو ظاہر کرتے ہیں کسی پر مہر سے کسی پر قہر سے۔ موسیٰ علیہ السلام نے ان جادوگروں پر رب ظاہر فرمایا غلبہ و قہر سے کہ جادوگروں کی مغلوبیت ان کے ایمان و عرفان کا ذریعہ بن گئی۔ حق کا غلبہ باطل کی مغلوبیت ہے۔ حق کا ظہور ہو تو باطل کافور ہوتا ہے اس مغلوبیت پر ہزار ہا غالبیتیں قربان ہو جاویں۔ جادوگر مغلوب ہو کر سجدے میں گرے۔ پانی آیا تیمم گیا۔ سورج نکلا رات گئی بارش آئی خشکی گئی۔ ایمان آیا طغیان گیا۔ عرفان آیا غفلت گئی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ رب وہ ہے جسے نبی رب کہیں۔ رب العالمین فرمانے کے بعد **رب موسی وھارون** کہنے میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ہم اس پر ایمان لائے جس نے عالمین کو بنایا۔ جسے حضرات موسیٰ و ہارون نے رب بتایا۔ نبی کی زبان' ایمان' عرفان کی چابی ہے جہاں نبی کا کرم ہو وہاں دوئی نہیں رہتی۔ اعلیٰحضرت

www.alahazratnetwork.org

قدس سرہ نے فرمایا۔

آب آمد وہ کے اور میں تیمم برخاست
مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اعلا تیرا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں حق و باطل رلاملا ہوتا ہے۔ نبی ان میں فرق کرتے ہیں۔ دیکھو جادوگروں کے جادو کا بطلان جناب کلیم کے ذریعہ کھلا۔ ملائکہ اور ابلیس دونوں عابد تھے ان میں سچا جھوٹا ممتاز نہ تھا۔ حضرت آدم نے کھوٹے کو کھوٹا کھرے کو کھرا کر دکھایا۔ نبی کا یہ فرق تاقیامت جاری رہے گا۔ سجدے سجود قرآن خوانی وغیرہ نبی کے ذریعہ ان کی حقیقت معلوم ہوتی ہے کہ کس کی عبادت کھری ہے کس کی کھوٹی۔

قَالَ فِرْعَوْنُ اٰمَنْتُمْ بِهٖ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّ هٰذَا لَمَكْرٌ مَّكَرْتُمُوْهُ فِی

کہا فرعون نے کیا ایمان لائے تم ان پر اس کے بغیر کہ اجازت دوں میں تم کو بیشک یہ البتہ فریب ہے جو

فرعون بولا تم اس پر ایمان لے آئے قبل اس کے کہ میں تم کو اجازت دوں یہ تو بڑا جعل ہے جو

الْمَدِیْنَةِ لِتُخْرِجُوْا مِنْهَاۤ اَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ لَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ

جاری کیا تم نے اس شہر میں تاکہ نکال دو تم اس شہر سے اسکے باشندوں کو پس عنقریب جان لوگے تم البتہ کاٹوں گا میں

تم سب نے شہر میں پھیلایا ہے کہ شہر والوں کو اس سے نکال دو تو اب جان جاؤ گے قسم ہے کہ میں

وَ اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ لَاُصَلِّبَنَّكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

ہاتھ تمہارے اور پاؤں تمہارے دو طرف سے پھر البتہ سولی دوں گا میں تم کو سب کو

تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا پھر تم سب کو سولی دوں گا

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں جادوگروں کو ایمان کی نعمت ملنے کا ذکر ہے۔ اب ان کو صبر و شہادت کا درجہ ملنے کی تمہید ارشاد ہو رہی ہے۔ گویا ایک نعمت کا ذکر ہو چکنے کے بعد دوسری نعمت کی عطا کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعون و فرعونیوں کی ذلت و رسوائی کا ذکر ہوا اب ان کی ڈھٹائی بے حیائی کا تذکرہ ہے کہ اس قدر ذلت کے بعد ان کی اکڑ نہ گئی بجائے پست ہونے کے جادوگروں سے اکڑنے انہیں دھمکانے لگے کیونکہ ان کے نصیب میں اور زیادہ ذلت بلکہ ہلاکت لکھی تھی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں جادوگروں کے ایمان کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان کی آزمائش و امتحان کا تذکرہ ہے کہ جتنا کامل ایمان ہوتا ہے اتنا ہی سخت امتحان لیا جاتا ہے۔ آزمائش بقدر درجات۔

تفسیر: **قال فرعون**۔ ظاہر ہے کہ فرعون کا جادوگروں سے یہ کلام میدان مقابلہ میں نہیں ہوا کہ وہاں کا تو نقشہ یہ ہو گیا تھا کہ جادوگر سجدہ میں پڑے اپنے ایمان کا اعلان کر رہے تھے اور فرعون و فرعونی لوگ ٹوپی جوتے چھوڑ کر بھاگ رہے تھے وہاں تو

www.alahazratnetwork.org

فرعون کو اپنا ہی ہوش نہ رہا تھا۔ جادوگروں سے کیا کہتا بلکہ جب گھر پہنچ کر اس کے ہوش و حواس ٹھکانے آئے اور اسے جادوگروں کے ایمان و اخلاص کے اعلان کی خبر ملی تب اس نے ان جادوگروں کو پھر جمع کیا اور ان سے یہ گفتگو کی۔ میدان مقابلہ کا نقشہ تو یہ تھا کہ **وانقلبوا صغرین**۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ گفتگو براہ راست فرعون نے کی، کسی سے کہلوایا نہیں اور اس کا مقصد اپنے لوگوں کے سامنے اپنی شرمندگی مٹانا تھا تاکہ انہیں دکھائے کہ میں اب بھی یہ ظلم و ستم کر سکتا ہوں۔ اس واقعہ سے میری خدائی میں فرق نہیں آیا۔ اس کلام میں روئے سخن جادوگروں سے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے تو اس کی روح کانپتی تھی۔ **امنتم بہ** ہماری قراءت میں **امنتم** ایک ہمزہ سے ہے، یہاں بھی اور سورہ طٰہٰ و شعراء میں بھی۔ مگر امام کسائی، ابوبکر، حمزہ وغیرہم کی قرآۃ میں **ءامنتم** دو ہمزہ سے ہے یہاں بھی اور دوسری سورتوں میں بھی۔ ان حضرات کی قراءت پر تو معنی ظاہر ہیں۔ ہماری قراءت میں اس کا مقصد یا تو سوال ہی ہے۔ سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے جیسے **ان لنا لاجرا**" میں تھا یا یہ خبر ہے، مگر ڈانٹ ڈپٹ اور اظہار غضب کے لئے۔ (کبیر، روح المعانی۔ بیان وغیرہ) **امنتم بہ** میں ہ کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں اور با صلہ کی ہے جیسے **امنت باللہ** میں کیونکہ نبی پر ایمان ایسا ہی ضروری ہے جیسے اللہ تعالیٰ پر۔ یا اس کا مرجع رب موسیٰ ہے کہ انہوں نے کہا تھا۔ رب موسیٰ و ھرون (معانی) پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے **امنتم لہ۔ انہ لکبیر کم** وہاں دونوں ضمیریں موسیٰ علیہ السلام کی طرف راجع ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **بہ** کا مرجع عصا ہو اور ب سببیہ یعنی کیا تم موسیٰ علیہ السلام پر یا رب موسیٰ پر ایمان لے آئے یا کیا تم عصا کی وجہ سے مومن ہو گئے۔ **قبل ان اذن لکم** اس کا تعلق **امنتم** سے ہے۔ **قبل** بمعنی بغیر ہے نہ کہ بمعنی پہلے۔ جیسے **قبل ان تنفد کلمات ربی** میں **قبل** بمعنی بغیر ہے۔ **اذن** بمعنی اجازت ہے نہ کہ بمعنی اطلاع یا حکم یعنی بغیر میری اجازت تم موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کیوں لے آئے۔ فرعون نے جادوگروں سے یہ کلام علانیہ کیا سارے لوگوں کو سنا کر۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ تم لوگ میری رعایا بلکہ نوکر ہو، تم کوئی کام میری اجازت کے بغیر نہیں کر سکتے۔ ایسے ہی تم ایمان بھی میری اجازت کے بغیر نہیں لا سکتے۔ تمہارے افعال، اعمال، عبادات، اعتقادات سب کچھ میری اجازت سے ہونے چاہئیں کیونکہ میں تمہارے قلب و قالب کا مالک ہوں۔ اس کا نام ہے فرعونیت۔ **ان ھذا لمکر** اس میں فرعون نے جادوگروں کا دوسرا قصور بیان کیا۔ **ھذا** سے اشارہ ہے جادوگروں کی شکست اور بعد میں سجدہ کرنے اور سجدے میں اعلان ایمان کرنے کی طرف۔ **مکر** کی نسبت جب بندے کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں فریب، دھوکا دہی یعنی تمہارا ایک قصور تو یہ ہے کہ تم میری اجازت کے بغیر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ دوسرا قصور یہ ہے کہ تم نے شکست حقیقتہ" نہیں کھائی بلکہ اپنی بناوٹی شکست لوگوں کو دکھائی ہے، پھر تم نے اپنا سجدہ بھی دکھایا۔ اپنا اعلان ایمان بھی سنایا۔ **مکرتموہ فی المدینۃ** یہاں **مکرتم** میں خطاب جادوگروں سے بھی ہے اور جناب موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے بھی۔ مدینہ سے مراد یا تو مصر ہے تب مطلب یہ ہوگا کہ تم نے اسکندریہ پہنچنے سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے یہ مشورہ کر لیا تھا کہ ہم تمہارے مقابلہ میں دانستہ طور پر ہار جائیں گے یا مدینہ سے مراد ہے اسکندریہ، تب اس کا مطلب یہ ہے کہ تم لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے پہلے اجازت مانگی پھر کرتب دکھائے۔ معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام تمہارے خفیہ استاد ہیں تم سب ان کے شاگرد تم نے استاد کی رعایت کر کے یہ سب کچھ کیا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام آٹھ دس سال مصر کے باہر مدین

www.alahazratnetwork.org

میں حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس رہے۔ فرعون نے الزام لگایا کہ اس زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام نے اعلیٰ درجہ کا جادو سیکھا پھر ان لوگوں کو سکھلایا ہے وہ استاد ہیں یہ لوگ شاگرد دوسری جگہ ہے **انہ لکبیرکم الذی علمکم السحر** یہی بات وہ یہاں کہہ رہا ہے **لتخرجوا منہا اھلہا** یہ متعلق ہے **مکر تموہ** کے '**منہا**' کا مرجع مدینہ ہے۔ **اھل** سے مراد ہیں قبطی لوگ یعنی تمہارا اور تمہارے استاد موسیٰ علیہ السلام کا منشاء یہ ہے کہ میں تم سے مرعوب ہو کر مصر وغیرہ کی سلطنت سے دستبردار ہو جاؤں اور تم میری قوم قبطیوں کو اس علاقہ سے نکال دو اور خود یہاں راج کرو۔ فرعون کی یہ ساری گفتگو اپنے لوگوں پر اپنا رعب قائم رکھنے کے لئے ہے۔ **فسوف تعلمون** اس میں دھمکی ہے۔ **تعلمون** کا مفعول **بہ عاقبتہ امرکم** پوشیدہ ہے یعنی تم عنقریب اپنے اس جرم کا انجام جان لوگے بلکہ دیکھ لوگے اس میں اجمال ہے۔ جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔

لاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف یہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔ عربی میں قطع کے معنی ہیں کاٹنا۔ تقطیع کے معنی ہیں خوب ہی کاٹنا۔ لہٰذا اس کے معنی ہوئے تمہارے ہاتھ پاؤں خوب ہی کاٹوں گا یا اس طرح کہ صرف پنجے یا تلوے نہیں کاٹوں گا بلکہ پورے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا یا اس طرح کہ ستھرے چھرے سے دیر تک کاٹتا رہوں گا تاکہ تم کو بہت ہی تکلیف ہو۔ رب مصری عورتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وقطعن ایدیھن** انہوں نے جمال یوسفی دیکھ کر اپنے ہاتھ دیر تک کاٹے اور خوب ہی کاٹے۔ کھال، گوشت، ہڈی سب کاٹ ڈالی۔ **کم** میں خطاب صرف جادوگروں سے ہے' نہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام سے تو بات کرنے کی ہمت نہ تھی۔ **خلاف** سے مراد ہے دو طرفہ یعنی ایک طرف کا تمہارا ہاتھ کاٹوں گا دوسری طرف کا پاؤں۔ جیسے کہ اسلام میں ڈاکو کی سزا ہے علماء فرماتے ہیں کہ اس طرح ہاتھ پاؤں کٹوانے کی سزا فرعون نے ایجاد کی اس سے پہلے کسی نے کسی کو یہ سزا نہ دی تھی۔ **ثم لاصلبنکم اجمعین** یہ معطوف ہے **اقطعن** پر' چونکہ ہاتھ پاؤں کاٹنے کے بہت عرصہ بعد سولی دینا تھا اس لئے **ثم** بولا۔ **اصلبنکم** بنا ہے **صلب** سے' بمعنی سولی دینا۔ اس سے ہے **صلیب**۔ جس پر سولی دی جائے۔ سولی دینے کے طریقے مختلف تھے۔ فرعون کی سولی کا طریقہ یہ تھا کہ ملزم کو کسی درخت سے باندھ دیتا تھا حتی کہ وہ سسک سسک کر مرجاتا۔ اس نے ان جادوگروں کو کھجور کے درختوں پر سولی دی۔ دوسری جگہ ہے **لا صلبنکم فی جذوع النخل** بعض نے فرمایا کہ گلے میں پھندا ڈال کر مار دینا سولی تھا جسے آج پھانسی کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: فرعون جب اس میدان سے سخت شکست کھا کر بدحواسی میں بھاگا۔ گھر پہنچ کر ہوش ٹھکانے آئے اور اسے پتہ لگا کہ جادوگر تو سجدے میں گر کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو اسے اپنی قوم کے سامنے سخت شرمندگی ہوئی تب اس نے اپنی شرمندگی مٹانے کے لئے جادوگروں کو پھر جمع کیا مگر اس دفعہ موسیٰ علیہ السلام اس مجمع میں نہ تھے۔ ان سے بولا کہ تم لوگ میری رعایا ہو۔ میری اجازت کے بغیر تم کوئی کام نہیں کر سکتے۔ تم میری بغیر اجازت ایمان لائے تمہارا ایک قصور تو یہ ہے۔ دوسرا قصور تمہارا یہ ہے کہ تم نے شکست اور موسیٰ علیہ السلام نے فتح نہیں پائی ہے بلکہ تم نے اس مقابلہ سے پہلے مصر میں یا مقابلہ کے وقت اسکندریہ میں ایک سازش کر لی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام تم سب کے استاد ہیں تم سب ان کے شاگرد۔ تم نے دیدہ دانستہ یہ

www.alahazratnetwork.org

کھیل رچایا ہے تاکہ تمہاری ظاہری شکست دیکھ کر میں اپنی سلطنت سے دستبردار ہو جاؤں اور میری قوم قبطیوں کو تم اس علاقہ سے نکال کر خود راج کرو ایسا ہرگز نہ ہوگا۔ میں تم کو تمہارے کیے کی سزا دوں گا تم اپنی سزا عنقریب جان لوگے۔ میں پہلے تو تمہارے دو طرفہ ہاتھ پاؤں کٹواؤں گا یعنی ایک طرف کا ہاتھ' دوسری طرف کا پاؤں پھر تم کو درخت میں سولی دوں گا۔ تم میں سے ایک کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ خیال رہے کہ انسان سلطان اور حکام کا ماتحت بھی ہے۔ غلام مولی کا بھی' نوکر آقا کا بھی' بیٹا ماں باپ کا بھی' امتی نبی کا بھی اور بندہ رب کا بھی مگر بادشاہ' مولی و آقا کا راج صرف ظاہری اعضاء پر ہوتا ہے وہ بھی وقتی۔ اس کا دل و دماغ وغیرہ ان سے آزاد ہے لیکن نبی کا راج امتی پر' رب کی حکومت بندے پر ہر طرح اور ہر وقت ہر عضو پر ہے۔ آنکھ' کان' زبان' دماغ پر حضور کا راج ہے پھر سونا جاگنا' بلکہ جینا مرنا حضور کے زیر حکم ہے اس لئے مرنے کے بعد اللہ رسول کے احکام بندوں پر جاری ہیں۔ فرعون بادشاہ تھا مگر بن گیا خدا۔ اس لئے اس نے جادوگروں سے یہ کہا کہ تم نے میری اجازت کے بغیر دل میں حضرت موسیٰ کی محبت کیوں قائم کی۔ دماغ میں ان کی عظمت کیوں سوچی' سر سجدہ میں کیوں رکھا' زبان سے وہ کلمات کیوں کہے۔ تمہارے یہ اعضاء یعنی دل' دماغ' سر' زبان میری ملکیت ہیں۔ تم نے انہیں میری اجازت کے بغیر کیوں استعمال کیا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان اور ایمانیات بلکہ نیک اعمال سے روکنا فرعون کام ہے اور سخت جرم ہے۔ یہ فائدہ **قال فرعون** سے حاصل ہوا نیکی کرنا کرانا' اس کی رغبت دینا سب پر اجر و ثواب ہے۔ اس سے روکنا اس پر ناراض ہونا سخت جرم ہے اس پر عذاب ہے یوں ہی گناہ کرنا کرانا اس کی رغبت دینا اس سے خوش ہونا سب ہی گناہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** فرائض کے لئے ماں' باپ یا بادشاہ کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ لہذا نماز' حج فرض وغیرہ ماں باپ بلکہ بادشاہ کی اجازت کے بغیر بلکہ ان کے منع کرنے پر بھی ادا کرنا لازم ہے۔ یہ فائدہ بھی **قبل ان اذن** سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرعونی جادوگر بغیر کسی سے پوچھے ہی سجدے میں گر گئے اور ایمان لائے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان پر بدگمانی حرام ہے' نبی پر بدگمانی کفر اور طریقہ فرعون ہے۔ یہ فائدہ **ان ھذا لمکر** سے حاصل ہوا کہ فرعون نے ان مومنین اور موسیٰ علیہ السلام پر بدگمانی کی اور ایمان سے محروم رہا۔ اس نے اتنے بڑے اور اہم واقعہ کو سازش قرار دیا۔ یہ فائدہ بھی **ان ھذا لمکر** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کافر کی علامت یہ ہے کہ وہ ایمان' ایمانیات اور نیک اعمال کو نقصان دہ سمجھتا ہے کہ ان چیزوں سے میری دنیا تباہ ہو جاوے گی۔ مومن ان چیزوں کو دنیا و آخرت میں فائدہ مند جانتا ہے۔ یہ فائدہ **لتخرجوا منھا** سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے وعدہ کیا تھا کہ تو ایمان لا تو تیرا ملک' تیری جوانی' تیرے مرتے دم تک برقرار رہیں گے مگر پھر بھی اسے اپنے ملک جانے کا دھڑکا لگا تھا نیز آپ نے فرمایا تھا کہ میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے۔ جس سے معلوم ہو گیا تھا کہ آپ کا ارادہ مصر میں رہنے کا بھی نہ تھا چہ جائیکہ وہاں سلطنت کرنا مگر فرعون کو اپنے ملک کا خوف و خطرہ تھا۔ یہ ہے اس کا کفر۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنوں کا سخت امتحان ہوتا ہے۔ جس پر وہ فضل و کرم فرمائے وہی کامیاب ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **لاقطعن** سے حاصل ہوا کہ یہ جادوگر کلمہ پڑھتے ہی آفات میں مبتلا ہو گئے۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کی آزمائش کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ بندے کے سامنے مصیبت پیش کر دی جائے۔ بندہ اپنے کو اس میں ڈالنے کے لئے تیار ہو جائے کہ مصیبت دور کر دی جائے کہ تم کامیاب ہو۔ جیسے حضرت ابراہیم کے لئے نمرود کی آگ اور حضرت اسماعیل کے لئے ذبح۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرے یہ کہ اس مصیبت میں مبتلا کردیا جائے جیسے حضرت زکریا و **یحییٰ** علیہما السلام کا قتل ہو جانا' ان جادوگروں کا امتحان یا پہلی قسم کا تھا اگر فرعون نے انہیں سولی وغیرہ نہ دیا یا دوسری قسم کا اگر انہیں سولی دے دی۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: قبل ان اذن۔ سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر جادوگر فرعون سے پوچھ کر ایمان لاتے تو وہ اجازت ضرور دے دیتا اور پھر ان پر کوئی سختی بھی نہ کرتا۔ انہوں نے بغیر اجازت لئے ایمان کیوں اختیار کیا اور اپنے کو ہلاکت میں کیوں ڈالا یہ تو درپردہ خود کشی ہوئی۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک وہ جو عام مفسرین نے دیا کہ یہاں **قبل** کا معنی پہلے نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں بغیر۔ قرآن مجید میں **قبل** بغیر کے معنی میں آیا ہے۔ **قبل ان تنفذ کلمت ربی** دوسرا وہ جو قاضی نے دیا کہ فرعون کے منہ سے یہ گھبراہٹ میں نکلا جس سے اس کی الوہیت کی نفی ہو گئی کیونکہ وہ دعوی خدائی کرتا تھا اور کہہ یہ رہا ہے کہ تم میری اجازت ایمان سے پہلے ایمان کیوں لائے۔ موسیٰ علیہ السلام پر' جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر جادوگر اجازت لے کر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتے تو فرعون ان سے کچھ نہ کہتا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف بلا رہے تھے۔ یہ جواب تفسیر کبیر نے نقل فرمایا۔ **دوسرا اعتراض**: فرعون نے اس سزا کی دھمکی صرف جادوگروں کو کیوں دی۔ موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو کیوں نہ دی حالانکہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کا استاد کہا۔ تعجب ہے کہ شاگردوں پر غضب اور استاد سے خاموشی۔ **جواب**: اس نے دوبار عصا کا معجزہ دیکھ لیا تھا اس لئے اس کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کا رعب بیٹھ گیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے تصور سے اسے بخار چڑھتا تھا تو آپ کو دھمکی کیسے دیتا۔ آگے آرہا ہے کہ اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام سے کچھ کیوں نہیں کہتا تو اس نے جواب دیا کہ میں بنی اسرائیل کے بچوں کو ذبح کرتا رہوں گا۔ **تیسرا اعتراض**: اس نے یہ کیوں کہا کہ میں تمہارے ہاتھ پاؤں خلاف یعنی مختلف طرف سے کاٹوں گا۔ چاروں ہاتھ پاؤں کٹوانے کی دھمکی کیوں نہ دی۔ زیادہ سختی تو اس میں تھی۔ **جواب**: غالباً" وہ یہ چاہتا تھا کہ جادوگر چلتے پھرتے رہیں۔ لوگ انہیں دیکھ کر عبرت پکڑیں اگر چاروں ہاتھ پاؤں کٹوا دیتا یا ایک ہی طرف سے کٹوا دیتا ہاتھ یا دونوں پاؤں کٹوا تا تو وہ چلنے پھرنے کے قابل نہ رہتے اس کا منشاء پورا نہ ہوتا۔ کچھ عرصہ کے بعد انہیں سولی دی۔ اس لئے اس نے یہ کہا۔ آج اسلام میں ڈاکوؤں کے ایک گروہ کی سزا یہ ہے تاکہ وہ چلتے پھرتے رہیں اور لوگ انہیں دیکھ کر عبرت پکڑیں غرضیکہ وہ مردود بہت دور کی سوچ کر یہ کہہ رہا تھا۔ **چوتھا اعتراض**: فرعون نے جادوگروں کو یہ سزا دی یا نہیں قرآن مجید میں دھمکی کا تو ذکر ہے مگر یہ ذکر کیوں نہیں کہ اس نے سولی دے دی۔ **جواب**: اس کے متعلق مفسرین کے دو قول ہیں' بعض نے فرمایا کہ وہ اس پر قادر نہیں ہوا ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ **انتما و من اتبعکما الغلبون**۔ یعنی تم دونوں اے موسیٰ و ہارون اور تمہارے متبعین غالب رہو گے اور جادوگر ان کے متبع تھے وہ مغلوب نہ ہوئے' غالب رہے مگر یہ دلیل کمزور ہے بسا اوقات انسان قتل ہو کر بھی غالب رہتا ہے۔ جس اس کے قتل کا منشا پورا ہو جاوے۔ امام حسین قتل ہو کر یزیدیوں پر غالب رہے۔ بعض انبیاء کرام کفار کے ہاتھوں قتل ہوئے جیسے زکریا و **یحییٰ** علیہما السلام حالانکہ رب نے فرمایا ہے **لاغلبن انا و رسلی**۔ نیز اگر صرف دھمکی دی تھی تو وہ یہ دھمکی موسیٰ علیہ السلام کو بھی دے سکتا تھا۔ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس نے انہیں سولی دے دی۔ ان کی دلیل وہ آیت ہے **اتذر موسیٰ و قومہ** اس کے درباریوں نے اس سے کہا کہ تو نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم کو کیوں چھوڑ دیا یعنی ان جادوگروں کی طرح

www.alahazratnetwork.org

انہیں بھی سولی کیوں نہیں دیتا اگر جادوگروں کو چھوڑ دیا ہوتا تو وہ لوگ ان کا بھی ذکر نہ کرتے کہ تو انہیں صرف دھمکی دے کر کیوں رہ گیا سولی کیوں نہیں دیتا۔ نیز اس موقعہ پر جادوگروں نے صبر کی دعا کی جیسا کہ آگے آرہا ہے۔ نیز سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جادوگروں کو سولی دے دی گئی (دیکھو تفسیر کبیر و بیضاوی)۔ **پانچواں اعتراض**: دو طرفہ ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی دینا فرعون کی ایجاد کردہ سزا ہے پھر اسلام نے اسے جاری کیوں رکھا کہ ڈاکو کو اسلام یہ سزائیں دیتا ہے۔ **جواب**: پختہ اینٹ کا موجد فرعون ہے۔ اس نے کہا تھا۔ **فاوقدلی یھامٰن اوقدی علی الطین** مگر آج سب لوگ پختہ اینٹ استعمال کرتے ہیں۔ مومنوں کو سولی دینا بلا قصور فرعونی کام ہے مگر اس سزا کے مستحق کو سولی دینا انصاف ہے نیز فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنا اور سولی دینا دونوں سزائیں جمع کر دیں۔ اسلام نے کسی مجرم کے لئے یہ دونوں سزائیں جمع نہیں فرمائیں۔

تفسیر صوفیانہ: نفس کی پہلی بیماری ہے گناہوں سے لاپرواہی۔ اگر یہاں ہی اسے نہ روکا گیا' آزاد چھوڑ دیا گیا تو اس بیماری کا دوسرا درجہ آتا ہے گناہوں پر دلیری۔ کہ بے جھجک اعلانیہ گناہ کرے اگر اس درجہ میں بھی اس کا علاج نہ کیا گیا' اسے آزاد رہنے دیا گیا تو اس کا تیسرا درجہ آتا ہے گناہوں پر ضد کہ اسے روکنے والے برے اور پاگل و دیوانہ معلوم ہوں اپنے گناہوں کو اچھا سمجھے' نیکیوں کو برا تصور کرے' اگر یہاں بھی اسے آزاد چھوڑا گیا تو چوتھا درجہ آتا ہے دوسروں کو گناہ پر مجبور کرنا۔ نیک کاروں سے دشمنی کرنا' یہ درجہ قریباً" لاعلاج ہے۔ جادوگر اس بیماری کے دوسرے یا تیسرے درجہ پر تھے کہ جب انہیں حضرت موسیٰ کلیم اللہ جیسا حکیم مطلق مل گیا ان کا مرض دور ہو گیا مگر فرعون اس بیماری کے چوتھے درجہ میں تھا کہ وہ دوسروں کو کفر و شرک پر مجبور کرتا تھا اور مومنین صالحین کا دشمن تھا۔ اسے ان جادوگروں کا ایمان' ان کی توبہ مکر و فریب' فساد محسوس ہوا اور اس نے ان حضرات کو روکنے کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دی۔ یہ نہ سمجھو کہ فرعون ایک تھا وہ ختم ہو چکا۔ اب بھی بہت سے فرعون موجود ہیں بلکہ ہمارا نفس خود ایک فرعون ہے جو ہمارے ساتھ رہتا ہے۔ شعر

نفس ما ہم کمتراز فرعون نیست
لیکن اورا عون و مارا عون نیست

ہر زمانہ میں مختلف فرعونوں کے لئے مختلف رنگ کے موسیٰ پیدا ہوتے رہتے ہیں اپنا شیخ کامل ہمارے فرعون نفس کے لئے موسیٰ ہیں' جو شریعت کے عصا سے نفس امارہ کے فریبوں کے سانپوں کو ہلاک کرتے رہتے ہیں آخر کار نفس کو شریعت کی اتباع پر مجبور کر دیتے ہیں۔

قَالُوْٓا اِنَّآ اِلٰى رَبِّنَا مُنْقَلِبُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَمَا تَنْقِمُ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاٰيٰتِ

کہا جادوگروں نے بیشک ہم طرف رب کے اپنے لوٹنے والے ہیں اور نہیں ناراض ہوتا ہے تو ہم سے مگر اسلئے کہ ایمان لائے ہم

بولے ہم اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں اور تجھے ہمارا کیا برا لگا۔ یہی نا کہ ہم اپنے رب کی نشانیوں پر

www.alahazratnetwork.org

رَبِّنَا لَمَّا جَآءَتْنَا ؕ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

ساتھ نشانیوں کے اپنے رب کی جب آئیں وہ ہمارے پاس ۔ اے رب ہمارے ڈال دے ہم پر صبر اور ہمیں وفات دے مسلمان کرکے	
ایمان لائے جب وہ ہمارے پاس آئیں ۔ اے رب ہمارے ہم پر صبر انڈیل دے اور ہمیں مسلمان اٹھا	

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کی دھمکیوں کا ذکر تھا جو اس نے جادوگروں کو دیں۔ اب ان جادوگروں کی لاپرواہی کا ذکر ہے کہ انہوں نے ان دھمکیوں کا کوئی اثر نہیں لیا۔ نہایت لاپرواہی سے اسے جواب دیا گویا ظالم کے ظلم کا ذکر پہلے ہوا مظلوم کے صبر کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کے غیظ و غضب کی وہ وجہ بیان ہوئی جو اس نے بیان کی کہ تم میری اجازت کے بغیر ایمان لائے۔ مجھے اس سے غصہ ہے۔ اب اس کے غیظ و غضب کی واقعی وجہ بیان ہو رہی ہے جو ان جادوگروں نے بیان کی کہ تو کافر ہے ہم مومن۔ کافر کو مومن پر غصہ آتا ہی ہے گویا غلط و مصنوعی وجہ کے بعد درست اور واقعی وجہ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں پیش آنے والی مصیبتوں' آفتوں کا ذکر تھا جو جادوگروں پر منڈلا رہی تھیں یعنی ہاتھ پاؤں کٹنا' سولی پانا۔ اب ان کے علاج کا ذکر ہے یعنی جادوگروں کا رب تعالیٰ سے صبر کی دعا کرنا کہ انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے یہ شکایت نہ کی کہ ایمان لانے کی وجہ سے ہم پر مصیبتیں آرہی ہیں بلکہ رب تعالیٰ سے صبر کی توفیق مانگی۔ ایمان پر موت کی دعا کی گویا مارنے کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا اور مرنے کی تیاری' شوق شہادت کا ذکر ان آیات میں ہے کہ جادوگر بولے۔

ستمگر ادھر آ ہنر آزمائیں   تو تیر آزما ہم جگر آزمائیں

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں متکبر فرعون کی انا کا ذکر تھا جس نے اسے فنا کر دیا کہ اس نے یہی کہا کہ میں ایسا کروں گا میں ایسا کروں گا اس کی میں اسے لے ڈوبی۔ اب ان جادوگروں کے عجز و انکسار والی فنا کا ذکر ہے جس کے ذریعہ انہیں غیر فانی بقا ملی۔ اس میں تاقیامت انسانوں کو تعلیم فنا ہے۔

تفسیر: قالوا یہ جادوگروں کا جواب ہے جو انہوں نے فرعون کو دیا۔ **قالوا** کا فاعل سارے جادوگر ہیں کہ سب نے بذات خود جواب دیا۔ روئے سخن کفار سے ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ اس سوال و جواب کے وقت موسیٰ علیہ السلام وہاں موجود نہ تھے ورنہ آپ ہی جواب دیتے۔ اس میں جادوگروں کی ہمت' جرأت' دلیری کا ذکر ہے کہ نہ تو انہوں نے یہ کہا کہ ہم موسیٰ علیہ السلام سے پوچھ کر تجھے جواب دیں گے' نہ یہ کہا کہ آپس میں مشورہ کر کے کچھ کہیں گے نہ کسی طرح جھجکے نہ ہمت ہاری والی بات کی' نہ اس مصیبت کے رفع کی دعا کی نہ کرائی کہ یہ امتحان ہے۔ شاید یہ دعا کرنا بے صبری میں شمار ہو جاوے۔ عبدیت کے اظہار کے موقعہ پر رب سے خوب دعائیں کرنا چاہئیں ہر چھوٹی بڑی چیز اس سے مانگو حتیٰ کہ جوتا کا تسمہ ٹوٹ جائے وہ بھی مانگو مگر امتحان کے وقت دعا نہ کرنا بہتر ہے کہ کہیں یہ دعا بے صبری میں شمار نہ ہو جاوے بلکہ بے دھڑک فوراً" دو ٹوک جواب دیا کہ ہم تو مومن ہو چکے۔ تجھ سے جو ہو سکے کر لے۔ دوسری جگہ ہے۔ **فاقض ما انت قاض** تجھ سے جو فیصلہ ہو سکے کر لے۔

اللہ کے بندوں کو آتی نہیں روباہی

www.alahazratnetwork.org

تقید نہیں کیا۔ سوچنے کے لئے وقت نہ مانگا کم ہمتی کی بات نہ کی یہ تھا صحبت کلیم الٰہی کا اثر۔ **انا الی ربنا منقلبون** یہ قالوا کا مفعول بہ ہے۔ اس جملہ کے تین معنی کئے گئے۔ ایک یہ کہ **ربنا** سے پہلے **رحمته** یا جنت یا قرب پوشیدہ ہے۔ یعنی تیری مہربانی ہے کہ جلد ہی ہم کو شہید کر دے۔ ہم اس دار البلاء سے نکل جاویں کیونکہ اس طرح شہادت کی موت مر کر ہم اپنے رب کی رحمت 'اس کی مغفرت' اس کی جنت 'اس کے قرب کی طرف لوٹیں گے۔ جس وقت فرعون نے جادوگروں کو یہ دھمکی دی تو رب تعالیٰ نے انہیں جنت' وہاں کی نعمتیں 'ان کے جنتی گھر دکھائے۔ وہ یہ نعمتیں دیکھ کر دیوانہ وار یہ کہہ اٹھے کہ جلدی ہم کو سولی دے۔ ہم تو جنت میں جلد پہنچنا چاہتے ہیں۔ اب ہم کو زندگی بار ہے۔ (روح المعانی۔ در منثور) دوسرے یہ کہ آخر کار ہم نے رب کی طرف لوٹنا ہی ہے خواہ اب شہادت کی موت سے مریں یا پھر اپنی طبعی موت سے مریں۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہو گا جانا ایک دن	سب کو ہے ہونا **خلقناکم** کا صدمہ ایک دن
اے عزیزو تم کو لمبی عمر کی ہے کیوں ہوس	جب فنا ٹھہری تو پھر کیا سو برس کیا ایک دن

ایک عربی شاعر اس کے متعلق کہتا ہے۔

ومن لم یمت بالسیف مات   تعددت الاسباب والموت واحد

تیسرے یہ کہ ہمیں تجھے دونوں کو دنیا سے جانا' رب کی طرف لوٹنا ہے۔ وہاں ہمارا تیرا فیصلہ ہو گا۔ آج جو تجھے کرنا ہے کر لے۔ شعر

الی دیان یوم الدین   و عندالله تجتمع الخصوم

پہلی دو صورتوں میں **انا** سے مراد صرف جادوگر ہیں اور اس تیسری صورت میں **انا** سے مراد جادوگر اور فرعون و فرعونی لوگ سب ہیں۔ (روح المعانی) یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہم طبعی موت مرے تو قیامت کے بعد رب کی بارگاہ میں حاضری نصیب ہو گی اگر شہادت کی موت مرے تو مرتے ہی اس دربار کی حاضری میسر ہو جاوے گی کیونکہ شہید کے معنی ہیں مشہود یعنی حاضری والا۔ مر کر فورا" آستانہ عالیہ پر حاضر ہو جانے والا۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ ہم مومن مر کر اپنے وطن کی طرف لوٹیں گے یعنی پردیس سے اپنے دیس میں جائیں گے اسی لئے **منقلبون** کہا۔ وطن لوٹنے پر خوشی ہوتی ہے نہ کہ غم۔ خیال رہے کہ رجوع کے معنی بھی ہیں لوٹنا' واپس ہونا اور انقلاب کے معنی بھی ہیں لوٹنا واپس ہونا لیکن بھی ان میں فرق یہ کیا جاتا ہے کہ جیسے آئے تھے ویسے ہی جانا رجوع ہے اور کچھ بدل کر جانا انقلاب **منقلبون** کہہ کر اشارہ یہ کیا کہ ہم آئے تھے مومن مگر دنیا میں آکر کافر' ساحر اور نہ معلوم کیا کیا ہو گئے اور اب انشاء اللہ جا رہے ہیں صابر' شہید ہو کر۔ اے فرعون! تو اپنی فکر کر غرضیکہ یہ کلام بہت ہی بلیغ ہے۔ **وما تنقم منا الا ان امنا بایت ربنا** یہ جادوگروں کا دوسرا نیا کلام ہے لہٰذا اس کلو او ابتدائیہ ہے **تنقم** بنا ہے **نقم** سے۔ جو **ضرب یضرب** کا مصدر ہے اس کے معنی ہیں ناراض ہونا۔ برا لگنا۔ **منا** کی ضمیر سارے جادوگروں کی طرف ہے۔ **ان امنا** یا تو **تنقم** کا مفعول بہ ہے یا مفعول لہ۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے کوئی جرم قتل کی سزا کا نہیں کیا۔ تجھ کو ہمارا ایمان لانا برا لگا۔ ایمان تو اچھی چیز ہے جیسے کہ کسی شاعر نے کہا۔

لا عیب فیہم الا ان ضیوفہم
تعاب بنسیان الاحبتہ والوطن

www.alahazratnetwork.org

یعنی میرے ممدوحین میں اور تو کوئی عیب نہیں اس کے سوا کہ ان کے مہمان اپنے دوستوں اور وطن کو بھول جاتے ہیں۔ شاعر نے ان کی مہمان نوازی کو فرضی عیب گنا۔ یا وہ جادوگر کہہ یہ رہے ہیں کہ ہم نے اور تو کوئی قصور نہیں کیا اس کے سوا کہ اپنے رب کی آیات پر ایمان لائے حالانکہ یہ خوبی ہے۔ آیات سے مراد موسیٰ وہارون علیہما السلام کی ذات ان کے فرمان عالی، عصا کا معجزہ، ان دونوں کا غلبہ، اپنی مغلوبیت، عصا کا اتنی وزنی چیزیں نگل جانا اور پھر اس میں ماشہ بھر کا اضافہ نہ ہونا۔ یہ سب آیات الٰہیہ ہیں۔ بہرحال اس سے توریت کی آیات مراد نہیں کہ ابھی توریت نہیں آئی تھی بہرحال اس کلام کا منشاء اپنی پوزیشن صاف کرنا ہے اور فرعون کو تبلیغ کرنا کہ ہم مظلوم ہو کر جا رہے ہیں مگر تو ظالم ہو کر جائے گا ہم پر تیرا وار چند منٹ کا ہو گا مگر تجھ پر عذاب تا ردائمی۔ اب بھی باز آجا۔ **ربنا افرغ علینا صبرا** "یہ نیا کلام ہے جس میں جادوگروں نے فرعون کی دھمکی کا جواب دیا یہ بھی قالوا کا مقولہ ہے۔ وہ حضرات فرعون کو جواب دے کر اپنے رب کی طرف متوجہ ہو کر یہ عرض کرنے لگے ظاہر یہ ہے کہ انہوں نے یہ دعا دل میں نہیں مانگی بلکہ بلند آواز سے فرعون کو سنا کر مانگی تاکہ وہ جان لے کہ ہم اس ایذا میں مظلوم ہیں، فرعون ظالم، ظالم کا انجام خرابی ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان سب نے یہ دعا اپنے دل میں مانگی ہو جسے رب تعالیٰ نے تمام دنیا پر ظاہر فرما دیا کہ رب تعالیٰ مومن کی چھپی نیکی کو کسی نہ کسی طرح ظاہر کر دیتا ہے۔ حتیٰ کہ چہرے کے نور سے بھی۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان میں سے ایک نے یہ دعا آواز سے مانگی ہو اور باقی سب نے آمین کہی ہو کیونکہ آمین بھی دعا ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ سب نے فرعون کو سنانے کے لئے یہ دعا آواز سے کی۔ **ربنا** کی تحقیق پہلے اور تیسرے پارہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے دعا سے پہلے اللہ تعالیٰ کو رب کے نام سے پکارنا بہت ہی اچھا ہے۔ **افرغ** بنا ہے **افراغ** سے جس کا مادہ ہے **فرغ**، بمعنی خالی کر دینا۔ اسی سے ہے **فراغت** اصطلاح میں برتن اوندھا کر کے اس کا پانی وغیرہ بہا دینا افراغ کہلاتا ہے کہ اس سے برتن خالی ہو جاتا ہے۔ **صبر کو تشبیہ** دی رحمت کے پانی سے جب پانی کسی کے اوپر سے بہایا جاوے تو سارا بدن دھل کر پاک وصاف ہو جاتا ہے۔ پورا غسل ہو جاتا ہے ان کا کہنا یہ تھا کہ ہم عمر بھر کے پاپی گنہگار ہیں اب ہمارا آخری وقت ہے ہم پر صبر ایسے بہا کہ ہمارے سارے گناہ دھل جاویں ہم پاک وصاف ہو جاویں۔ ہمارا کوئی رونگٹا صبر سے خشک نہ رہ جائے۔ ہم آنے والی مصیبت کو برداشت کر لیں۔ صبر کی تفسیر، اس کی قسمیں دوسرے پارہ میں، **وبشر الصبرین**۔ کی تفسیر میں عرض کر دی گئیں کہ صبر گناہوں سے، صبر نیکیوں پر۔ صبر مصیبتوں میں ہوتا ہے۔ یہاں آخری صبر مراد ہے۔ **صبرا** کی تنوین تعظیم کی ہے یعنی ہم پر عظیم الشان صبر بہادے۔ جس کے نتیجہ میں ہم کو تو مل جائے۔ دوسری دعا یہ کی **وتوفنا مسلمین** ہم کو اپنا مطیع بنا کر موت دے کہ ایمان، توکل، صبر و رضا پر ہم سولی پر جان دیں۔ **توفی** بنا ہے وفات سے۔ وفات کے معانی اور اس کے اقسام تیسرے پارہ میں **یعیسی انی متوفیک** کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ یہاں، بمعنی موت ہے۔ اسلام و ایمان کبھی تو ہم معنی ہوتے ہیں کبھی ان میں کچھ فرق ہوتا ہے کبھی ایمان اسلام کے ضمن میں ہوتا ہے۔ یہاں یہی تیسری صورت مراد ہے یعنی ہم کو ایمان، اپنی اطاعت، صبر وغیرہ پر موت نصیب کر۔ **توفنا** فرما کر یہ بتایا کہ ہماری موت، بطش یعنی پکڑ کی موت نہ ہو نہ فنا کی موت ہو بلکہ وفات کی موت ہو کہ ہم صرف زندگی کے دن اپنی غذا وغیرہ پوری کر کے نہ مریں بلکہ اپنا مقصد حیات پورا کر کے مریں۔ **مسلمین** کہہ کر اشارۃً "یہ بتایا کہ جب ہم کو موت آئے تو ہم کوئی نیکی، تیری اطاعت کا کام کر رہے ہوں کم از کم اتنا کہ تیرا ذکر تیرا نام لے رہے ہوں اس لئے بجائے مومنین کے مسلمین کہا۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: جادوگر فرعون کی یہ دھمکی سن کر بولے کہ ہم کو تیری دھمکیوں کی پروا نہیں کیونکہ اس صورت میں ہماری موت شہادت کی ہوگی اور ہم دار الفرار سے نکل کر دار القرار کی طرف 'دار المحن سے نکل دار الامن کی طرف' تیرے پاس سے چھوٹ کر اپنے رب کی رحمت کی طرف جائیں گے۔ ایسی کامیاب موت پر ہزاروں زندگیاں قربان ہوں اتنا سن لے کہ ہم نے کوئی قصور نہیں کیا ہے۔ جس سے ہم سزائے موت کے مستحق ہوں۔ ہمارا جرم صرف یہ ہے کہ ہم نے اپنے رب کی آیات پر یا آیات کے ذریعہ پر ایمان لائے۔ یہ ایمان کمال ہے عیب نہیں۔ یہ کہہ کر وہ اسی جگہ اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر عرض کرنے لگے کہ مولی اب تو ہم پر صبر بہادے۔ جس سے ہم نہا کر پاک و صاف ہو جاویں اور ہم کو ایمان' اپنی اطاعت پر موت نصیب فرما۔ سیدنا عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ فرعون نے اس طرح پہلے تو ان کے ہاتھ پاؤں کٹوائے پھر انہیں دریائے نیل کے کنارے کھجوروں کے درختوں پر سولی دی۔ مولانا فرماتے ہیں کہ۔

ساحراں چوں حق او بشنا ختند — دست و پادر جر مهادر باختند (روح المعانی)

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفر میں بزدلی ہے' ایمان میں ہمت و جرات ہے۔ دیکھو یہ جادوگر ایمان لانے سے پہلے فرعون سے کس قدر ڈرتے تھے مگر ایمان لاتے ہی کیسے دلیر ہو گئے کہ ان کے دلوں میں فرعون کا کوئی خوف و ہراس نہ رہا۔ یہ فائدہ **قالوا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان اور خوف خدا عشق رسول' ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **قالوا** سے ہی حاصل ہوا کہ ان جادوگروں کے سامنے فرعون نے ہاتھ پاؤں کاٹنا' سولی دینا پیش کیا' انہیں ان کی مطلقاً" پروا نہیں ہوئی۔ عشق ہر مشکل کو آسان کر دیتا ہے آسان و مشکل میں فرق کرنا اور مشکلات سے گھبرانا عقل کا کام ہے۔ عشق ان چیزوں سے آزاد ہے۔ شعر

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

تیسرا فائدہ: موت بہرحال آنی ہے خواہ قتل کے ذریعہ آئے یا کسی اور ذریعہ سے بلکہ راہ خدا میں قتل کی موت دوسرے ذریعہ سے موت سے آسان ہے۔ مہینوں' برسوں' بستر علالت پر ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دینے سے پانچ منٹ کے قتل سے جان دینا آسان ہے۔ یہ فائدہ **منقلبون** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کفر وارتداد کی وجہ سے قتل برحق ہے اور قاتل حاکم کو اس پر ثواب ہے۔ بلا قصور قتل ظلم ہے اور ایمان کی وجہ سے قتل کفر ہے کہ اس سے قاتل کافر ہوگا۔ یہ فائدہ **وما تنقم منا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مومن کامل کی پہچان یہ ہے کہ اس سے کفار ناخوش ہوں۔ یہ فائدہ بھی **ماتنقم** سے حاصل ہوا۔ جو کافروں کو خوش رکھنے کی کوشش کرے وہ کامل مومن نہیں۔ دیکھو حضرات صحابہ پر آج تک کفار تبرا کر رہے ہیں۔ **چھٹا فائدہ:** یہ جادوگر فرعون کے قول کے مطابق شہید کئے گئے کہ اولا" ان کے ہاتھ پاؤں کاٹے گئے پھر سولی دیئے گئے۔ یہ فائدہ **افرغ علینا صبرا**" سے حاصل ہوا۔ اگر وہ قتل سے بچ گئے ہوتے تو صبر کی دعا کے کیا معنی نیز آگے آرہا ہے کہ فرعون کے درباریوں نے فرعون سے کہا کہ تو نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو کیوں چھوڑ دیا۔ انہیں قتل کیوں نہیں کرتا اگر جادوگر بچ گئے

www.alahazratnetwork.org

ہوتے تو وہ ان کا نام بھی لیتے۔ **ساتواں فائدہ**: نبی کی صحبت ایک آن میں وہ کام کرتی ہے جو برسوں کی عبادت نہیں کرتی۔ دیکھو فرعونی جادوگر چند ساعات میں مومن 'صحابی' عارف 'صابر' شہید سب کچھ بن گئے اگر وہ سالہاسال عبادات کرتے تو انہیں یہ کمالات حاصل نہ ہوتے۔ **آٹھواں فائدہ**: بڑے درجے والا مومن بھی اپنے پر بھروسہ نہ کرے۔ اللہ سے استقامت کی دعا کرے جب تک کہ خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہو جاوے تب تک چین نہ کرے۔ اللہ سے اس کے عذاب اس کی بے نیازی سے ڈرتا رہے۔ یہ فائدہ **توفنا مسلمین** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: کبھی اسلام۔ معنی ایمان بھی آتا ہے۔ یہ فائدہ **مسلمین** فرمانے سے حاصل ہوا کہ انہوں نے بجائے مومنین کے مسلمین کہا مگر مراد مومنین ہی ہے۔ **دسواں فائدہ**: جب مصیبت آ پڑے یا آنے کا اندیشہ ہو تب صبر کی دعا کرے۔ بلاوجہ صبر کی دعائیں نہ مانگو کہ اس میں درپردہ مصیبت کی دعا ہے۔ دیکھو جب جادوگروں کو اپنے قتل کا یقین ہو گیا تب انہوں نے صبر کی دعا کی۔ سجدے میں گر کر صرف ایمان کا اعلان کیا۔ اس وقت صبر کی دعا نہ کی کہ اس وقت آفت سامنے نہ تھی۔ **گیارہواں فائدہ**: جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کا امتحان لے تو بندے کو چاہئے کہ صبر کی اور امتحان میں کامیابی کی دعا کرے۔ آفت ٹلنے کی دعا نہ کرے۔ دیکھو اس موقعہ پر جادوگروں نے صبر کی دعا کی' اس آفت کے ٹلنے کی دعا نہ کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے اس کے ٹالنے کی کوشش بھی نہ کی کہ پھر فرعون کو عصا کے ذریعہ ڈرا دھمکا کر اسے اس ارادے سے باز رکھتے۔ یہ ہے راضی برضا رہنے کی جیتی جاگتی تفسیر۔ حضور ﷺ نے شہادت حسین کی خبر دی مگر اس آفت کے ٹلنے کی دعا نہ کی بلکہ عرض کیا کہ **مولی اعط حسینی صبرا" جمیلا" واجرا" جزیلا"** خدایا میرے حسین کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا کر۔

اعتراضات: **پہلا اعتراض**: فرعونی جادوگر نہ تو اسرائیلی تھے نہ مصری پھر وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان کیوں لائے۔ موسیٰ علیہ السلام نہ ان کے نبی تھے نہ یہ لوگ آپ کے امتی کہ آپ صرف اسرائیلیوں اور مصریوں کے نبی تھے۔ **جواب**: ہر نبی پر ایمان لانا چاہئے۔ دیکھو ہم لوگ محمدی مسلمان ہیں مگر سارے نبیوں پر ہمارا ایمان ہے۔ امت نہ ہونے کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان کی شریعت کے احکام ان لوگوں پر جاری نہیں ہو سکتے۔ گزشتہ انبیاء کرام اگرچہ خاص خاص جماعتوں کے نبی ہوئے مگر انہوں نے ایمان کی دعوت سب کو دی ہاں اپنے احکام صرف انہیں پر جاری کئے جن کے وہ نبی تھے۔ یہ فرق خیال میں رہنا چاہئے۔ اسی لئے جادوگروں نے سجدے میں گر کر کہا **امنا برب العلمین** اور یہاں کہا **امنا بایت ربنا**۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جادوگر قتل نہیں کئے گئے بلکہ اپنی طبعی موت سے ان کی وفات ہوئی کیونکہ انہوں نے کہا **وتوفنا مسلمین** قتل کی موت کا نام وفات نہیں ہوتا نیز رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ فرمایا تھا۔ **لا یصلون الیکما بایتنا انتما ومن اتبعکما الغلبون** کہ فرعونی لوگ ہمارے ان نشانیوں کی وجہ سے تم تک کو ایذا نہ پہنچا سکیں گے۔ تم اور تمہارے سارے متبعین غالب ہو جاؤ گے اگر یہ جادوگر سولی دے دیئے گئے تو وہ غالب کہاں رہے۔ (نوٹ) یہ اعتراض ان لوگوں کا ہے جو جادوگروں کے قتل کا انکار کرتے ہیں۔ **جواب**: وفات ہر موت کو کہتے ہیں خواہ قتل سے ہو یا طبعی طور پر۔ فرماتا ہے۔ **یتوفکم ملک الموت الذی** اور فرماتا ہے **توفتہ رسلنا** اور فرماتا ہے **اللہ یتوفی الانفس حین موتھا** ان آیات کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ اور ملک الموت اور دوسرے فرشتے صرف طبعی موت مرنے والوں کو موت

www.alahazratnetwork.org

دیتے ہیں 'مقتولین کو نہیں دیتے اگر جادوگر اپنی طبعی موت سے مرے تو انہوں نے صبر کی دعا کیوں مانگی۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے دو وعدے فرمائے۔ ایک یہ کہ فرعون تم کو تکلیف نہ پہنچا سکے گا۔ یہ وعدہ صرف ان دونوں بھائیوں سے ہے۔ **لایصلون الیکما** دوسرا وعدہ غلبہ کا ہے وہ ان دونوں بزرگوں سے بھی ہے اور ان سارے متبعین سے بھی۔ وہاں غلبہ سے مراد ہے دینی غلبہ' دلائل کا غلبہ۔ واقعی قوم موسیٰ علیہ السلام اس لحاظ سے فرعونیوں پر غالب رہی۔ رہا دنیاوی اقتدار' یہ فرعون کو بہت عرصہ اسرائیلیوں پر حاصل رہا وہ ان کے بچے قتل کراتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ **سنقتل ابناء هم** اور کہتا تھا **وانافوقهم قاهرون** (روح المعانی) **تیسرا اعتراض**: تم نے کہا کہ فرعون نے پہلے تو جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹوائے پھر کچھ عرصہ بعد انہیں سولی دی تاکہ لوگ ان کے کٹے ہاتھ پاؤں دیکھ کر عبرت پکڑیں مگر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جادوگر صبح کو کافر اور فاسق تھے مگر شام کو مومن' صالح اور شہید ہوئے (تفسیر خازن) تمہارا یہ قول اس فرمان کے خلاف ہے۔ **جواب**: کسی تفسیر یا تاریخ میں ان کی سولی کی تاریخ نہیں ملتی اگر اسی دن اس نے سولی بھی دے دی تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے اس نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ ان لوگوں کو ہاتھ پاؤں کے کٹنے کے کچھ عرصہ بعد سولی دی جاوے پھر اس کا خیال بدل گیا۔ حالات کی رفتار دیکھ کر اسے پتہ لگا کہ جادوگروں کے زیادہ زندہ رہنے سے دین موسوی کی تبلیغ ہی ہوگی اس لئے اس نے اسی دن شام کو سولی دے دی اس لئے اس کا **ثم لاصلبنکم** کہنا بھی صحیح ہوا اور حضرت ابن عباس کا فرمان بھی صحیح ہے کہ انہیں اسی دن سولی دے دی گئی۔ بہرحال یہ دونوں باتیں صاف ہیں۔ ان میں تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: جادوگروں نے سجدہ میں گر کر کہا تھا۔ **امنابرب العلیمن** اور فرعون کے جواب میں کہا **امنابایات ربنا** یعنی وہاں کہا کہ ہم رب العالمین پر ایمان لائے۔ یہاں کہا کہ ہم اپنے رب کی آیتوں' نشانیوں پر ایمان لائے اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے پھر وہاں رب تعالیٰ کو رب العالمین اور رب موسیٰ وہارون کہا۔ یہاں اپنا رب کہا اس کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: اس وقت انہوں نے اپنے ایمان کا ابتدائی اعلان کیا تھا اس لئے رب تعالیٰ کی معرفت موسیٰ وہارون علیہما السلام سے کرائی اگر اس وقت **ربنا** کہتے تو فرعون کہتا کہ یہ مجھ پر ایمان رکھنے کا اعلان کر رہے ہیں ان سب کا رب میں ہوں اس اعلان کے بعد سب کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ لوگ رب موسیٰ وہارون پر ایمان لا چکے۔ اب **ربنا** کہنے میں کوئی دھوکا مغالطہ نہ تھا اس لئے **ربنا** کہا۔ خیال رہے کہ **امنابربنا** میں ب صلہ کی ہی ہے کہ ہم اپنے رب پر ایمان لائے مگر **بایت ربنا** میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ب صلہ کی ہو کہ اپنے رب کی آیات یعنی حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات پر ایمان لائے۔ دوسرے یہ کہ ب سببیہ ہو یعنی ہم رب کی آیات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے کیونکہ بذریعہ نبی خدا کو جاننا' پہچاننا ایمان ہے ان کے علاوہ دوسرے ذریعہ سے رب کو جاننا' ماننا پہچاننا توحید تو ہے مگر ایمان نہیں۔ نجات کا مدار توحید پر نہیں ایمان پر ہے۔ ان حکمتوں سے یہ فرق بیان ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: موت مومن کے لئے ربانی تحفہ ہے کافر کے لئے مصیبت۔ موت مومن کو اپنے محبوب یعنی رب تعالیٰ سے ملاتی ہے کافر کو اس کے محبوب یعنی دنیا سے چھڑاتی ہے۔ اس لئے مومن ہنستا ہوا مرتا ہے کافر روتا ہوا۔ مومن موت کو پکڑتا ہے' کافر کو موت پکڑتی ہے۔ دیکھ لو جب فرعون نے جادوگروں کو سولی کی خبر دی تو انہوں نے ہائے وائے نہ کی بلکہ دوست کی ملاقات پر خوشی کی۔ **اناالی ربنا منقلبون** یہ ہے مومن کی موت۔ مومن کی جان زندگی میں جسم میں قید ہوتی ہے۔ مر کر یہ

www.alahazratnetwork.org

پنچھی آزاد ہو جاتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

جانہا ء بستہ اندر آب و گل ۔ چوں رہند از آب و گلہا شاد دل

در ہوائے عشق حق رقصاں شوند ۔ ہمچو قرص بدر بے نقصاں شوند

چوں نقاب تن برفت از روئے روح ۔ از لقائے دوست دارد صد فتوح

میزند جاں در جہان آبگوں

نعرہ یالیت قوم یعلمون

یعنی جب جان اس مٹی و پانی کے پنجرے سے آزاد ہوتی ہے تو رب تعالیٰ کے عشق میں رقص کرتی ہوئی جاتی ہے جیسے چاند بادل سے نکل کر زیادہ چمکدار نظر آتا ہے۔ روح اس بدن سے نکل کر اور چمک جاتی ہے جب روح کے منہ سے جسم کا نقاب اٹھتا ہے تو یار کو دیکھ کر اس کو بہت خوشی ہوتی ہے۔ شعر۔

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے ۔ قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

مہندی پس کر رنگ دیتی ہے۔ مومن مر کر رنگ دیتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفار کا وہ غیظ و غضب جو مومن کے ایمان کی وجہ سے ہو وہ اللہ کی رحمت ہے۔ مومن راضی ہی رہیں کافر ناراض ہی رہیں تو اچھا۔ مومن کے لئے یار کی رضا میں اغیار کے غضب میں اللہ کی رضا ہے۔ مصیبتوں پر صبر یار پر بے صبری اچھی ہے۔ جادوگروں نے یہی دعا کی کہ مولیٰ ہم کو فرعون کی مصیبت پر صبر دے۔ اپنا مسلم، مطیع اور اپنا بے صبر رکھ۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے صدقہ میں یہ نعمت 'دنیا سے بے رغبتی' اپنا شوق' خوف' اور اطاعت اور اپنی عبادات کا ذوق نصیب کرے۔

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰی وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا

اور کہا ایک گروہ نے فرعون کی قوم سے کیا چھوڑتا ہے تو موسیٰ کو اور قوم کو ان کی تاکہ فساد پھیلائیں

اور قوم فرعون کے سردار بولے کیا تو موسیٰ اور اس کی قوم کو اس لئے چھوڑتا ہے کہ وہ زمین میں فساد

فِی الْاَرْضِ وَيَذَرَكَ وَاٰلِهَتَكَ ؕ قَالَ سَنُقَتِّلُ اَبْنَآءَهُمْ وَنَسْتَحْیٖ

زمین میں اور چھوڑیں تجھ کو اور تیرے معبودوں کو اس نے کہا کہ ہم قتل کریں گے بیٹوں کو انکے

پھیلائیں اور موسیٰ تجھے اور تیرے ٹھہرائے ہوئے معبودوں کو چھوڑ دے بولا اب ہم انکے بیٹوں کو قتل

نِسَآءَهُمْ ۚ وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قٰهِرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

اور زندہ رکھیں گے ہم عورتوں کو ان کی اور بیشک ہم اوپر ان کے غالب ہیں۔

کریں گے اور ان کی بیٹیاں زندہ رکھیں گے اور ہم بیشک ان پر غالب ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس معاملہ کا ذکر ہوا جو فرعون نے جادوگروں سے کیا یعنی قتل کی دھمکی۔ پھر قتل کرا دینا اب اس معاملہ کا ذکر ہے جو اس نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا یعنی ان سے ڈرنا گھبرانا اور ان کا کچھ نہ بگاڑ سکنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کے اس ظلم کا ذکر ہوا جو اس نے وقتی طور پر جادوگروں پر کیا اب اس کے اس ظلم کا ذکر ہے جو اس نے بنی اسرائیل پر دوبارہ شروع کر دیا یعنی ان کے بچوں کا قتل اور بچیوں کو لونڈی بنا لینا گویا اس خاص لوروقتی ظلم کے بعد اس کے عام اور دائمی ظلم کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جادوگروں کی دعا صبر و استقامت کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ کی اس حفاظت کا ذکر ہے جو اس نے اپنے نبیوں موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی فرمائی کہ فرعون ان کی ایذا کی ہمت نہ کر سکا کہ رب ان سے وعدہ فرما چکا تھا۔ **لا یصلون الیکما** **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعون کی بددماغی کا ذکر ہوا کہ اس نے جادوگروں سے ایسے متکبرانہ کام و کلام کئے۔ اب فرعون کے اہالی موالیوں کی بددماغی کا ذکر ہے کہ وہ فرعون سے بدتر تھے یعنی فرعون کی بددماغی کے بعد اس کے ماحول کی گندگی کا ذکر ہے کہ اس فرعون کی بددماغی کی وجہ اس کا گندہ ماحول تھا۔

تفسیر: وقال الملا من قوم فرعون۔ ابن جریر نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ جب جادوگروں نے سجدہ میں گر کر اپنے ایمان کا اعلان کیا تو چھ لاکھ تماشائی ایمان لے آئے۔ دیکھو تفسیر روح المعانی' خازن صاوی وغیرہ۔ اس پر گھبرا کر فرعونیوں نے فرعون سے یہ کہا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام عطاء نبوت کے بعد مصر میں تشریف لا کر سیدھے فرعون کے دربار میں پہنچے کسی اور کو نہ تبلیغ کی نہ معجزات دکھائے پھر آپ کا جادوگروں سے مقابلہ ہوا پھر جادوگروں کے سجدہ میں گرنے پر چھ لاکھ اسرائیلی ایمان لائے۔ **قال** میں روئے سخن فرعون سے ہے۔ **ملا** سے مراد ہے سرداروں کی جماعت۔ قوم فرعون سے مراد ہیں قبطی لوگ کیونکہ فرعونی لوگ قبطی کہلاتے تھے' اسرائیلی لوگ سبطی' فرعون نے جادوگروں کو تو ان کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر سولی دلوا دی مگر ان چھ لاکھ اسرائیلیوں سے کچھ نہ کہا اس پر اس کے ارکان دولت نے فرعون سے یوں خطاب کیا۔ **اتذر موسیٰ و قومہ** یہ قال کا مقولہ ہے۔ **تذر** میں خطاب فرعون سے ہے۔ موسیٰ علیہ السلام میں حضرت ہارون بھی شامل ہیں اور **قومہ** سے مراد ہیں وہ چھ لاکھ اسرائیلی جو میدان مقابلہ میں ایمان لا چکے تھے اور جو برابر ایمان لا رہے تھے۔ قوم سے بنی اسرائیلی مراد ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے نسبی ہم قوم تھے۔ خیال رہے کہ **اتذر** سوال یا تو تعجب کا ہے یا انکار کا یا رغبت دینے کا یعنی اے فرعون ہم کو حیرت ہے کہ تو نے جادوگروں کو تو سولی دے دی اور موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل کو چھوڑ دیا۔ انہیں قتل نہیں کیا۔ کیا تو ان کو ایسے ہی چھوڑے رکھے گا۔ انہیں قتل نہ کرے گا اگر ایسا ہے تو حیرت ہے۔ **لیفسدوا فی الارض** یہ عبارت متعلق ہے **تذر** کے۔ اس میں لام انجام و عاقبت کا ہے۔ جس کے بعد ان پوشیدہ ہے۔ فساد سے مراد ہے دینی فساد بھی یعنی فرعون کی عبادت نہ کرنا لوگوں کو شرک سے روکنا اللہ کی عبادت پر لگا دینا اور دنیاوی فساد بھی یعنی فرعون سے بغاوت کرنا۔ لوگوں کو بغاوت پر ابھارنا۔ الارض سے مراد یا تو مصر کی زمین ہے یا فرعون کی ساری مملکت کی زمین یعنی تیرے ان کو چھوڑنے کا نتیجہ یہ ہو گا کہ یہ لوگ زمین مصر یا تیری مملکت میں فساد پھیلائیں گے۔ **ویذرک والھتک** اس جملہ کی بہت ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ **یذرک** معطوف ہے **یفسدوا** پر۔ چونکہ وہاں ان پوشیدہ ہے اس لئے یہ بھی نصبی حالت میں

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ ہماری قراءت میں **الھتک** ہے جمع **الہ** کی۔ بعض قرائتوں میں **الاھتک** ہے الوہیت کے ہم معنی اس قراءۃ کے معنی یہ ہیں کہ حضرت موسیٰ تجھ کو اور تیری عبادت' تیری معبودیت کو ترک کیے رہیں۔ ہماری قراءت کے معنی یہ ہیں کہ تجھ کو اور تیرے معبودوں کو ترک کیے رہیں اس میں گفتگو ہے کہ فرعون کے معبودوں سے کون سے معبود مراد ہیں۔ صحیح و قوی قول یہ ہے کہ اس نے اپنے نام کے بہت سے بت بنوا کر علاقہ میں بھیجے ہوئے تھے اور وہاں کے باشندوں کو حکم دیا تھا کہ ان کی عبادت کیا کریں۔ خلاصہ یہ کہ مصر کے باشندوں کو حکم تھا کہ خود فرعون کو پوجیں۔ مصر کے آس پاس کے لوگوں کو حکم تھا کہ چونکہ تم روزانہ فرعون تک نہیں پہنچ سکتے' لہٰذا تم اس کے نام کے بتوں کو پوجو۔ اس لئے وہ کہا کرتا تھا کہ **انا ربکم الاعلی** میں تمہارا بڑا رب ہوں یعنی وہ بت چھوٹے رب ہیں' میں بڑا رب ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ فرعون خود ستاروں کو پوجتا تھا یہ سمجھ کر کہ زمینی چیزوں کے رب وہ ہیں اور لوگوں سے اپنی پرستش کراتا تھا۔ کہتا تھا کہ انسانوں کا رب میں ہوں مگر یہ قول قوی نہیں کیونکہ فرعون نے کسی کی عبادت نہ کی بلکہ لوگوں سے اپنی عبادت کرائی۔ وہ کہا کرتا تھا کہ **ماعلمت لکم من الٰہ غیری**۔ نیز اگر وہ خود ستاروں کی پرستش کرتا ہوتا تو وہ رب اعلیٰ کیسے کہلاتا۔ اس کے متعلق اور بہت سے قول ہیں مگر پہلا قول بہت قوی ہے۔ **قال سنقتل ابناءھم**۔ یہ فرعون کا جواب ہے مگر ان کے سوال کے بالکل ہی خلاف اس نے درباریوں کی بات کاٹتے ہوئے کہا کہ ہم بنی اسرائیل کے بچوں کا قتل پھر شروع کردیں گے۔ جواب کا مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ہم آہستہ آہستہ ان کی قوم کو ختم کردیں گے۔ اس طرح کہ ان کے بچوں کا ذبح پھر شروع کردیں گے نہ ان کی قوم بڑھے گی نہ ہمارا مقابلہ کرے گی (کبیر)۔ خیال رہے کہ فرعون نے اسرائیلی بچوں کا قتل بند کردیا تھا جب سے موسیٰ علیہ السلام نے اس کے گھر میں ہوش سنبھالا تھا۔ آج سے پھر اس حرکت کے شروع کرنے کا اعلان کردیا۔ دیکھو اس کی بزدلی کہ موسیٰ علیہ السلام اور موجودہ بنی اسرائیل کے قتل کی ہمت نہیں کرتا جو اس کے نزدیک واجب القتل تھے۔ بے قصور بچوں کے ذبح کا اعلان کردیا۔ فرعون جب موسیٰ علیہ السلام کو دیکھتا تھا خوف سے گھبرا جاتا تھا۔ **و نستحی نساءھم**۔ یہ عبارت معطوف ہے سنقتل پر۔ اس میں دوسرے ظلم کا ذکر ہے **نستحی** کے معنی ہیں ہم ان کو زندہ چھوڑیں گے۔ انہیں قتل نہ کریں گے۔ خیال رہے کہ یہاں ابناء کے مقابل بنات نہ کہا بلکہ نساء کہا اس لئے کہ وہ اسرائیلی لڑکیوں کو زندہ اس لئے رکھتا تھا کہ یہ پوری عورتیں ہو کر ہماری خدمات کریں۔ آئندہ کے لحاظ سے انہیں نساء کہا۔ لہٰذا اس پر یہ سوال نہیں ہو سکتا کہ ابناء کا مقابل بنات ہے نہ کہ نساء اور نساء کا مقابل رجال ہے نہ کہ ابناء۔ علت قتل بچوں کی ابیت ہے نہ کہ مرد ہونا اور لڑکیوں کو زندہ رکھنے کی وجہ ان کا آئندہ عورتیں بننا ہے نہ کہ فی الحال لڑکی ہونا۔ **وانا فوقھم قاھرون**۔ یہ عبارت معطوف ہے **نستحی** پر۔ انا سے مراد فرعون اور اس کی ساری قبطی قوم ہے۔ فوق سے مراد مکانی بلندی نہیں بلکہ درجہ کی بلندی مراد ہے۔ قاھرون بنا ہے قہر سے۔ معنی غلبہ جملہ اسمیہ بول کر اس نے یہ بتایا کہ جیسے ہم بنی اسرائیل پر موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے غالب تھے ایسے ہی اب بھی غالب ہیں۔ ہمارے قہر اور ہمارے غلبہ میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ ہم نے کچھ دن کے لئے عارضی طور پر اسرائیلی بچے ذبح کرنے بند کردیئے تھے۔ وہ اپنی جماعت کو یہ سمجھا رہا ہے کہ اسرائیلی لوگ مصر میں فساد بالکل نہیں پھیلا سکتے۔ ہم کو ان کی بالکل پرواہ نہیں ہے یہ ہمارے ہر طرح محکوم ہیں۔ ہم ان کے ہر طرح حاکم ہیں ہم کو ان کی بالکل پرواہ نہیں جیسے کہ اس

www.alahazratnetwork.org

سے پہلے نہ تھی۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: جب فرعون نے جادوگروں کے ہاتھ پاؤں کٹوا کر انہیں سولی دے دی تو اس کے درباری بولے کہ فرعون! ہم کو تعجب اور افسوس اس پر ہے کہ تو نے جادوگروں کو تو سولی دے دی مگر جو اصل فسادی ہیں جن کی وجہ سے جادوگر ہمارے پنجے سے نکل گئے یعنی موسیٰ علیہ السلام اور ان کی نسبی قوم بنی اسرائیل تو ان سے کچھ نہیں کہتا تو انہیں یوں ہی چھوڑے رہے گا ان سے کچھ نہ کہے گا تاکہ یہ لوگ ہمارے ملک میں فساد پھیلاتے پھریں۔ جادوگروں کی طرح اور لوگوں کو مومن بنالیں اور تجھے اور تیرے نام پر بنائے ہوئے بتوں کی عبادت نہ کریں نہ لوگوں کو عبادت کرنے دیں۔ بول تو ان کے متعلق کیا کہتا ہے۔ فرعون نے ان کی بات کاٹ کر کہا کہ تم فکر نہ کرو جیسے موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے ہم اسرائیلی بچوں کو ذبح کر دیتے تھے' بچیوں کو چھوڑ دیتے تھا تاکہ اسرائیلیوں کی نسل ختم ہو جاوے اور ان کی لڑکیاں جوان ہو کر ہماری خدمت کریں۔ یہی قتل ہم پھر شروع کر دیں گے جیسے ہم پہلے ان پر غالب تھے ویسے ہی اب بھی ہر طرح غالب ہیں ذبح کا کچھ عرصہ بند رہنا ایک عارضی چیز تھی۔ ہم ان کی قوم بڑھنے نہ دیں گے تاکہ آئندہ یہ لوگ خود ہی فنا ہو کر رہ جائیں۔ ہم کو ان کی کوئی پرواہ نہیں۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: فرعون حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بلکہ بنی اسرائیل سے بے حد مرعوب ہو چکا تھا اس لئے اس نے اپنے درباریوں کی بات کا کوئی جواب نہ دیا بلکہ اوندھی بات کہی جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ**: فسادی لوگ علماء' صلحاء بلکہ حضرات انبیاء کو فسادی کہتے ہیں ان کے نزدیک اصلاح فساد ہے اور فساد اصلاح۔ یہ فائدہ **لیفسدوا** سے حاصل ہوا۔ آج بھی بے دین فسادی لوگ علماء دین کو فسادی کہتے ہیں اور تبلیغ دین کو فساد کہتے ہیں۔ یہ سبق بڑا پرانا ہے۔ **تیسرا فائدہ**: فرعون صرف اپنی ہی پرستش نہیں کراتا تھا بلکہ اپنے نام کے بتوں کی پرستش بھی کراتا تھا۔ یہ فائدہ **الهتک** سے حاصل ہوا کہ **اله** کے معنی اس کے بنائے ہوئے بت ہیں نہ کہ اس کی پرستش کے بت کہ وہ کسی بت کی پرستش نہیں کرتا تھا۔ **چوتھا فائدہ**: اپنے کو دوسروں پر غالب سمجھنا' دوسروں کو اپنا مغلوب جاننا' رب تعالیٰ پر نظر نہ رکھنا' فرعونی تکبر ہے مومن کے دل میں عجز و نیاز ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عجز کار انبیاء اولیاء است ۔۔۔ عاجزی محبوب درگاہ خدا است

پانچواں فائدہ: بے دین بڑا ہی بے عقل ہوتا ہے۔ عقل دین سے ملتی ہے۔ یہ فائدہ حاصل ہوا **سنقتل ابناءهم** سے۔ دیکھو فرعون کے نزدیک اگر جرم و قصور تھا تو موسیٰ علیہ السلام کا یا ان کی وجہ سے ان کی قوم کا تھا مگر قتل کسے کرنا چاہ رہا ہے' بے قصور بچوں کو نیز جب موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو چکے تو اب بچوں کو قتل کیوں کرا رہا ہے۔ جن کی رکاوٹ کے لئے بچے قتل کرائے وہ تو پیدا ہو چکے اور فرعون کا غرور خاک میں مل چکا اب اسرائیلی بچوں کو قتل کیوں کرا رہا ہے۔ یہ ہے اس بے دین کی بے وقوفی۔ **چھٹا فائدہ**: بے دین اپنی عزت و آبرو قائم کرنے یا قائم رکھنے کے لئے ہزارہا خون کر دینا گوارا کر لیتا ہے پھر بھی اسے عزت نہیں ملتی۔ یہ فائدہ بھی **سنقتل ابناءهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اب فرعون کا ان بے قصور اسرائیلی بچوں کو قتل کرانا صرف اپنی آبرو رکھنے کے لئے تھا کہ لوگوں میں میری خدائی میری عزت قائم رہے مگر پھر بھی قائم نہ رہی۔ دیکھو کیسا ذلیل و خوار ہو کر مرا اور اب تک اس پر کیسی پھٹکار پڑ رہی ہے عزت وہ ہے جو اللہ رسول کے دروازے سے ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **العزة لله**

www.alahazratnetwork.org

ولرسولهٖ وللمؤمنین۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: یہاں جو فرعون کا جواب بیان ہوا وہ اس کے درباریوں کے سوال کے مطابق نہیں انہوں نے کہا تھا کہ جڑ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم ہے تو انہیں کیوں قتل نہیں کرتا اس نے جواب دیا کہ ہم اسرائیل کے بچوں کو ذبح کریں گے۔ سوال ان کے قتل کا تھا نہ کہ بچوں کے قتل کا۔ **جواب:** اس کا جواب تفسیر کبیر نے تو یہ دیا کہ ہم اس قوم کے بچوں کو قتل کریں گے تاکہ یہ قوم نہ رہے نہ بڑھے نہ ہمارا مقابلہ کرے۔ ہم اس قوم کو اس طرح ختم اور فنا کردیں گے۔ ہم نے یہ عرض کردیا کہ فرعون نے یہ جواب صرف اپنی شیخی شان برقرار رکھنے کے لئے دیا وہ اس سوال سے حیران ہوگیا۔ اس پریشانی حیرانی میں جواب دے بیٹھا۔ **دوسرا اعتراض:** فرعون اپنی پرستش لوگوں سے کراتا تھا وہ کسی کی پرستش نہیں کرتا تھا پھر **الھتک** کہنا کیونکر درست ہوا کہ تیرے معبودوں کو لوگ چھوڑ دیں گے۔ **جواب:** مفسرین نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں۔ 1۔ فرعون خود ستاروں کو پوجتا تھا۔ یہ سمجھ کر کہ زمین کا معبود میں ہوں' آسمان کے معبود یہ تارے ہیں اور لوگوں کو بھی ان دونوں کی پرستش کا حکم دیتا تھا کہ میری بھی عبادت کرو' اور میرے معبودوں یعنی تاروں کی بھی۔ 2۔ فرعون خود گائے پوجتا تھا۔ لوگوں کو کہتا تھا کہ مجھے بھی پوجو' میری تجویز کردہ گایوں کو بھی اسی لئے آگے چل کر بنی اسرائیل گائے پرست ہوگئے۔ 3۔ فرعون نے مصر سے دور والوں کے لئے اپنے نام کے چھوٹے بڑے بت بنادیئے تھے اور مصر والوں کو حکم دیتا تھا کہ روزانہ خود مجھے پوجو۔ علاقہ کے لوگوں سے کہتا تھا کہ تم روزانہ میرے پاس نہیں پہنچ سکتے تو تم میرے نام کے بتوں کو پوجو۔ لہٰذا **الھتک** کے معنی یہ ہیں کہ تیرے بنائے ہوئے اور بتائے ہوئے بتوں کو چھوڑ دیں۔ فقیر کے نزدیک یہ ہی تیسری تحقیق قوی ہے۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ بھی یہی بتا رہا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** فرعون نے لڑکوں کے لئے تو ابناء کہا اور لڑکیوں کے لئے نساء کہا یہ کیوں؟ ابناء کا مقابل بنات ہے اور نساء کا مقابل رجال ہے۔ یا تو رجال و نساء کہتا یا ابناء اور بنات کہتا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ نساء کہنے میں ان بچیوں کو چھوڑ دینے کی وجہ کا بیان ہے کہ میری یہ چھوڑی ہوئی بچیاں آگے چل کر نساء بنیں گی جو ہماری خدمات کے قابل ہوں گی۔ اس لئے میں انہیں قتل نہ کروں گا۔ **چوتھا اعتراض:** جیسے بچیاں جوان عورتیں ہو کر فرعون کی خدمت کرتیں ایسے ہی اسرائیل کے بچے جوان مرد بن کر فرعون کی خدمت کرتے تو وہ انہیں کیوں قتل کراتا تھا۔ **جواب:** موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے تو جناب موسیٰ کی آمد روکنے کے لئے لڑکوں کو قتل کراتا تھا مگر جب وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہوسکا تو اسرائیلی بچے اس لئے قتل کراتا تھا کہ اسرائیلی قوم باقی نہ رہے۔ آگے چل کر فنا ہوجاوے کہ قوم مردوں سے بنتی ہے صرف عورتوں سے نہیں بنتی۔ وہ قوم کو فنا کرنا چاہتا تھا مگر خود ہی فنا ہوا۔ **پانچواں اعتراض:** فرعون نے آخر میں یہ کیوں کہا کہ **وانا فوقھم قاھرون۔** ہم ان پر غالب ہیں یہ تو ظاہر ہے کہ وہ بادشاہ تھا۔ اسرائیلی اس کی رعایا تھے۔ بادشاہ رعایا پر غالب ہوتا ہے پھر یہ کہنے کی ضرورت کیا تھی۔ **جواب:** لوگوں نے دوبار فرعون کی بے بسی' مجبوری' معذوری موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں دیکھ لی تھی اسے میدان مقابلہ سے ٹوپی جوتی چھوڑ کر گوز لگاتا بھاگتا ہوا دیکھا تھا۔ فرعون اپنی یہ خفت مٹانے کے لئے لوگوں سے کہتا تھا کہ میری اس بے بسی اور بدحواسی کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ میں مغلوب ہوگیا ہوں۔ وہ تو وقتی چیز تھی۔ میں پہلے کی طرح اسرائیل پر غالب' ظالم' ہر طرح قاہر ہوں۔ میری عزت میں کوئی کمی نہیں آئی اس لئے کہہ رہا ہے **وانا فوقھم قاھرون۔**

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: خدا کا خوف' نبی کی ہیبت' دلوں سے کفر و گندگی نکال دیتی ہے مگر جب' جبکہ دل میں تکبر و غرور نہ ہو۔ عجز و انکسار ہو۔ جادوگروں کے دلوں میں کفر' فسق وغیرہ سب کچھ تھا مگر بفضلہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام کے مقابل تکبر و غرور نہ تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نبی کی ہیبت دل میں چھائی' خوف خدا دل میں آیا بس پھر کیا تھا۔ عمر بھر کا کفر و عناد دل میں سے نکل گیا۔ فرعون کے دل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہیبت تو آئی وہ دوبار آپ کے مقابلہ میں بھاگا مگر چونکہ اس کے دل میں تکبر و غرور تھا اس لئے وہ ہیبت خوف خدا پیدا نہ کر سکی۔ لہٰذا اس کے دل سے نہ کفر نکلا نہ فسق و فجور۔ ہاں ہوا یہ کہ اس کی نخوت و غرور کا رخ اور محل استعمال بدل گیا بجائے موسیٰ علیہ السلام کے اسرائیلی بچوں کی طرف اس کا رخ ہو گیا۔ اس لئے کہتا ہے **وانا فوقهم قاهرون** موسیٰ علیہ السلام آپ کا عصا تو ایک ہی ہیں مگر جادوگروں اور فرعون کے دل دو قسم کے ہیں۔ اس لئے یہ فرق حال ہے کہ وہاں سجدے ہو رہے ہیں یہاں نخوت و غرور۔ **لطیفہ**: مشرقی پاکستان میں 1971ء میں چار ماہ سے فساد' لوٹ مار آتشزدگی وغیرہ عام ہو رہی تھی۔ ملک کے حالات قابو میں نہیں آتے تھے۔ تین ارب روپے کا مالی نقصان کیا۔ جانی نقصان اس کے علاوہ ہے کہ اچانک اللہ نے رحمت کی مارشل لاء کا اعلان ہوا۔ جلدی سب ٹھیک ہو گئے صرف مارشل لاء کے نام کی ہیبت نے گرتے ہوئے پاکستان کو بچا لیا۔ بڑے بڑے سرکش غائب ہو گئے جب مارشل لاء کے نام میں یہ ہیبت ہے کہ بڑے بڑے سرکش سیدھے ہو گئے تو اگر ہمارے دلوں میں اللہ رسول کے نام کی ہیبت آ جائے تو ہمارے نفس امارہ سرکش' یونہی شیاطین وغیرہ سب دب جاویں۔ فتح مکہ کے دن ہیبت مصطفیٰ کام کر رہی تھی کہ مکہ معظمہ میں فاتحین کا داخلہ امن و امان کے ساتھ ہوا کہ ایک خون نہ بہا۔ کسی کا مال و آبرو برباد نہ ہوئے۔ یہ ہے ہیبت نبی۔ آج پاکستان میں ایک مارشل لاء کے نام سے مطالبے' جلوس' ہڑتالیں' توڑ پھوڑ سب بند ہیں صرف نام نے کام کر دیا۔ اللہ کرے خدا رسول کے نام کی ہیبت ہمارے دلوں کو سیدھا کر دے۔ اللہ نصیب کرے۔ مسلمان کو چاہئے کہ دو چیزیں ذہن میں رکھے۔ ایک یہ کہ نبی ﷺ کو اللہ نے بہت قوتیں قدرتیں بخشی ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور ہمارے ہر حال سے ہر وقت خبردار ہیں۔ ان شاء اللہ پھر گناہ کی ہمت نہیں پڑے گی۔

قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا ۚ اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ ۙ قف
فرمایا موسیٰ نے واسطے قوم کے اپنی مدد مانگو اللہ سے اور کرو صبر تحقیق زمین اللہ کی ہے
موسیٰ نے اپنی قوم سے فرمایا اللہ کی مدد چاہو اور صبر کرو بیشک زمین کا مالک اللہ ہے۔
يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۸﴾ قَالُوْٓا اُوْذِيْنَا
وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہے اپنے بندوں میں سے اور انجام ہے واسطے پرہیزگاروں کے کہا انہوں نے
اپنے بندوں میں سے جسے چاہے وارث بنائے اور آخر میدان پرہیزگاروں کے ہاتھ ہے بولے ہم ستائے گئے

مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِیَنَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا ؕ قَالَ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ

ایذا دیئے گئے ہم پہلے سے اس کے کہ آویں آپ ہمارے پاس اور پیچھے سے اس کے کہ آئے آپ ہمارے پاس فرمایا

آپکے آنے سے پہلے اور آپکے تشریف لانے کے بعد کہا قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو

یُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَیَسْتَخْلِفَكُمْ فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

قریب ہے رب تمہارا کہ ہلاک کرے دشمن کو تمہارے اور خلیفہ بنائے تم کو اس زمین میں پس نظر فرمائے کہ کیسے عمل کرتے ہو تم

ہلاک کرے اور اس کی جگہ زمین کا وارث تمہیں بنائے پھر دیکھے کیسے کام کرتے ہو

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں فرعون کے مشورہ ظلم کا ذکر ہوا اب بنی اسرائیل کے مشورہ صبر کا تذکرہ ہے۔ یعنی ظالموں کے مشورہ کے بعد مظلوموں کے مشورہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعون کے نئے ظلم کے آغاز کا تذکرہ تھا۔ اب اس کے مقابل تقوی و طہارت اور صبر وغیرہ کا ذکر ہو رہا ہے گویا زہر کے بعد تریاق کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں کی پناہ کا ذکر ہوا کہ وہ لوگ اپنی پناہ یعنی فرعون کے پاس فریادی ہوئے۔ اب بنی اسرائیل کی پناہ کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ اپنی پناہ موسی علیہ السلام کے پاس پناہ لینے آئے اور آپ نے انہیں تسلی دی۔ گویا جھوٹی پناہ کے بعد سچی پناہ کا ذکر ہے یعنی دامن نبی کا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ فرعون نے کہا کہ میں اسرائیل کو ہلاک کردوں گا اب فرمایا جارہا ہے کہ موسی علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا رب خود فرعون و فرعونیوں کو ہلاک کردے گا یعنی جھوٹی دھمکی کے بعد سچی دھمکی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **قال عسی ربکم ان یهلک عدوکم**۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی ہلاکت کا ذکر تھا جس کا ارادہ فرعون نے کیا۔ اب بنی اسرائیل کی خلافت کا ذکر ہے۔ جس کا وعدہ موسی علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے کیا۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیت میں فرعون کا جھوٹا دعوی نقل فرمایا گیا۔ **وانا فوقهم قاهرون** ہم بنی اسرائیل پر غالب ہیں۔ اب اس کے اس دعوی کی تردید کی جارہی ہے کہ ہمیشہ غلبہ متقین و پرہیز گاروں کا ہوتا ہے گویا جھوٹے دعوے کے ذکر کے بعد سچے رب کے سچے وعدے کا ذکر ہو رہا ہے کہ متقی کی تکلیف اور فاسق کا غلبہ عارضی ہوتے ہیں۔

تفسیر: **قال موسی لقومه** اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کہ فرعونیوں کے اس مشورہ کی خبر بنی اسرائیل کو پہنچی تو وہ موسی علیہ السلام کے پاس فریادی ہوئے کہ اب ہم کیا کریں۔ تب آپ نے یہ فرمایا۔ قول یعنی کلام بہت قسم کا ہوتا ہے۔ دھمکی کا' تسلی کا' وعدہ کا' وعید کا' خبر کا' انشاء کا وغیرہ وغیرہ۔ موسی علیہ السلام کا یہ قول یا تسلی کا ہے یا وعدے کا جو بھی ہو ہے رب تعالی کی طرف سے۔ تسلی بھی اس کی طرف سے' وعدہ بھی اس کی طرف سے۔ زبان موسی علیہ السلام کی ہے' فرمان رب تعالی کا ہے' قوم سے مراد ہیں مومنین بنی اسرائیل جو اسرائیلی ابھی ایمان نہ لائے تھے یا جو قبطی ایمان لے آئے تھے' ان سے یہ کلام نہیں' جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ **استعینوا باللہ واصبروا** یہ قالوا کا مقولہ ہے۔ اس میں آپ نے بنی اسرائیل کو دو

www.alahazratnetwork.org

حکم دیے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا اور صبر کرنا چونکہ اللہ کی مدد پہلے ہوتی ہے' صبر' عبادت' تقویٰ بعد میں۔ اس لئے مدد مانگنے کا ذکر پہلے ہوا صبر کا بعد میں۔ ہم جو نیک کام کریں رب کی مدد سے کرتے ہیں۔ صبر تین قسم کا ہوتا ہے طاعات پر صبر' گناہوں سے صبر' آفت و بلاؤں میں صبر۔ یہاں تیسری قسم کا صبر مراد ہے۔ اس میں فرمایا گیا کہ ابھی تم پر فرعونی آفات اور آئیں گی مگر صبر کو ہاتھ سے نہ دینا۔ صبر تین قسم کا ہوتا ہے۔ مجبوری کا صبر' اخلاق کا صبر' رحم و کرم کا صبر۔ جب ظالم سے بدلہ لینے کی طاقت نہ ہو اور صبر کیا جاوے۔ یہ ہے مجبوری کا صبر۔ بدلہ لینے کی طاقت ہو مگر معاف دے دی جائے' یہ ہے اخلاق کا صبر اور ظالم پر باوجود اس کے ظلم کرنے کے رحم و کرم ہو' اسے نعمتیں دی جاویں' یہ ہے رحم و کرم کا صبر۔ آخری قسم کا صبر رب کی صفت ہے کہ وہ کافروں' مشرکوں' اپنے دشمنوں کو بھی روزی دیتا ہے۔ انہیں جلد ہی پکڑ نہیں کرتا۔ اسی لئے اس کا نام صبور ہے۔ دوسری قسم کا صبر خاص بندوں کے لئے ہے کہ قدرت کے باوجود مجرم کو جرموں کی سزا نہ دینا۔ پہلی قسم کا صبر مجبور و معذور لوگوں کا ہے یہی قسم یہاں مراد یعنی فرعون کی سختی پر صبر کرو گھبرا نہ جاؤ۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس مصیبت کے نکلنے یا فرعون کی ہلاکت کی دعا نہ کی۔ آپ جانتے تھے کہ یہ وقت امتحان کا ہے اس وقت ایسی دعا کرنا شاید بے صبری میں شمار ہو جاوے۔ ان دو حکموں کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو دو بشارتیں دیں چنانچہ فرمایا۔ **ان الارض للہ** یہ ان۔ بشارتوں کی تمہید ہے اور فرعون کے قول کی تردید۔ وہ کہتا تھا کہ زمین مصر میری اپنی ہے میں اس کا مالک و مختار ہوں اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا کہ اس مضمون کا منکر فرعون موجود تھا۔ زمین سے مراد یا تو مصر کی زمین ہے جس کے ملکیت نامہ کا فرعون دعویٰ کرتا تھا یا ساری زمین ہے چونکہ فرعون آسمانوں پر اپنی ملکیت کا دعویٰ نہیں کرتا تھا اس لئے ان کا ذکر نہیں۔ **للہ** میں لام ملکیت کا ہے نفع کا نہیں اور ملکیت سے حقیقی دائمی لازوال ملکیت مراد ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے **یورثہا من یشاء من عبادہ** یہ ہے موسیٰ علیہ السلام کا پہلا وعدہ بنی اسرائیل سے یعنی عنقریب اس زمین کے مالک و حاکم تم بنائے جاؤ گے۔ خیال رہے کہ یہاں وراثت سے مراد شرعی وراثت نہیں کہ وہ تو رشتہ دار کو ملتی ہے۔ اسرائیلی لوگ فرعون کے قرابت دار نہ تھے بلکہ اس سے مراد سلف کے بعد خلف کا مالک ہونا ہے یعنی اگلوں کے عذاب کے بعد پچھلوں کا مالک زمین بننا بھی کسی کے عوض کسی کو دینا' وراثت کہا جاتا ہے۔ جنتی لوگ کہیں گے۔ **اور ثنا الارض** اللہ نے ہم کو زمین جنت کا وارث بنایا یعنی کافروں کا جنتی حصہ ہم کو بخشا جیسے ہمارا دوزخ کا حصہ کافر کو دیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وراثت کے معنی ہیں جانشینی جیسے علماء وارث رسول ہیں یعنی جانشین۔ کسی کی فنا کے بعد اس کی چیز کا مالک رہنا اس معنی سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا وارث ہے۔ **انا نحن نرث الارض** کسی کی چیز کا اس کی غیر موجودگی میں مالک بننا جیسے جنتی مومن کا کافر کے جنتی حصے کا مالک ہونا۔ چنانچہ جنتی کہیں گے **اور ثنا الارض** کسی کے مال کا اس کے مرنے کے بعد رشتہ کی بنا پر مالک ہونا یہاں وراثت تیسرے معنی میں ہے۔ وراثت مال کی بھی ہوتی ہے' حال کی بھی' کمال کی بھی' **من عبادہ** میں من' بعضیت کا ہے یا **من یشاء** کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنے جن بندوں کو چاہے زمین کا مالک کرے۔ **والعاقبۃ للمتقین** یہ موسیٰ علیہ السلام کا دوسرا وعدہ ہے۔ عاقبت سے مراد عالم برزخ اور قیامت و بعد قیامت ہے چونکہ وہاں کی بھلائی برائی دنیاوی عقاید و اعمال کا نتیجہ ہیں اس لئے اسے عاقبت کہا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ عاقبت سے مراد دنیا ہی کا انجام ہو کہ اگرچہ کبھی عارضی غلبہ کفار و بدکار کو بھی مل جاتا ہے مگر آخر کار غلبہ ابرار کو ہوتا ہے۔ متقی کی تعریف' اس کے اقسام ان

www.alahazratnetwork.org

اقسام کے احکام ہم پہلے پارے کے شروع میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ اس سے مراد مومنین صالحین ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ تم لوگ مومنین صالحین بنو اور اسی حال پر رہو تو دنیا بھی تمہاری ہے اور آخرت بھی تمہاری یا یہ دنیاوی مشکلات عارضی ہیں آخر کار کامیاب تم ہی ہو۔ **قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا** یہ وہ عرض و معروض ہے جو اسرائیلیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کی۔ قالوا کے متعلق دو باتیں خیال میں رہیں ایک یہ کہ بنی اسرائیل نے یہ فریاد نہ تو فرعون سے کی کیونکہ اس موذی سے رحم کی انصاف کی کوئی امید نہ تھی نہ براہ راست خدا تعالیٰ سے کی کیونکہ وہ لوگ جانتے تھے کہ جب رب تعالیٰ براہ راست ہم سے کچھ نہیں سنتا تو براہ راست ہماری کیسے سنے گا۔ حضرت موسیٰ ہمارے اور رب کے درمیان برزخ کبریٰ ہیں۔ اس لئے انہوں نے حضرت موسیٰ سے فریاد کی کہ ہماری آپ تک رسائی ہے آپ کی رب تک۔ جیسے حضور کے صحابہ بارش وغیرہ کی دعا حضور سے کرواتے تھے حتیٰ کہ حضرت جبریل بھی مدینہ کی زمین میں آکر دعائیں مانگتے حضور سے آمین کہلواتے تھے۔ دوسرے یہ کہ یہ فریاد بعض اسرائیلیوں نے کی سب قوم کے نمائندہ بن کر' اس لئے اسے ان سب کی عرض قرار دیا گیا اور قالوا فرمایا۔ **اوذینا** بنا ہے ایذا سے · بمعنی ستانا یعنی ہم ستائے گئے یا ستائے جاتے رہے اس ایذاء سے مراد ہے بنی اسرائیل کو فرعون کا غلام بنائے رکھنا' ان سے طرح طرح کے ظالمانہ ٹیکس وصول کرنا ان کو نہایت دشوار اور ذلیل کاموں پر لگانا۔ انہیں نظر حقارت سے دیکھنا پھر ان کے اسی ہزار بچے ذبح کرانا نجومیوں کی اس خبر سے کہ بنی اسرائیل میں ایک بچہ پیدا ہو گا جس سے تیرا ملک برباد اور تو ہلاک ہو گا۔ دعا کرنے کے چند طریقے ہیں۔ صراحۃً "مانگنا" اپنے دکھ درد کہنا' داتا کی تعریف کرنا۔ داتا کے مال و اولاد کو دعائیں دینا۔ داتا کے سامنے سائلانہ چہرہ لے کر خاموش کھڑا ہو جانا' داتا کی خوشی میں شریک ہو جانا۔ ان لوگوں نے مانگنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا یعنی دکھ درد کہنا۔ ظاہر یہ ہے کہ **تاتینا** میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت شریف مراد ہے **تاتی** بنا ہے **اتیان** سے · بمعنی آنا۔ نبی کی دنیا میں تشریف آوری اور ہی شان کی ہوتی ہے اس لئے اسے ولادت نہ کہا بلکہ اتیان سے تعبیر کیا۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے بھی ان بزرگوں کی تشریف آوری کو بعثت' ارسال' مجیء فرمایا ہے۔ لہٰذا بنی اسرائیل کا آپ کی آمد کو **تاتینا** کہنا **ولدت** نہ کہنا بالکل درست ہے۔ **ومن بعد ما جئتنا** قوی یہ ہے کہ یہاں مجی یعنی آنے سے مراد ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا نبی بن کر مدین سے مصر میں تشریف لانا۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد اور آپ کے فرعون کی گود میں پہنچ جانے کے بعد اسرائیلی بچوں کا ذبح بند ہو گیا تھا۔ ان کی ڈیوٹی بھی آدھی کر دی تھی یعنی آدھے دن کام لیا تھا' باقی آدھا دن انہیں آرام کرنے کی چھٹی دیتا تھا مگر جادوگروں کے ایمان لانے کے بعد اس مردود نے پھر اسرائیلیوں کی ڈیوٹی دگنی کر دی اور ان کے بچوں کے ذبح کا اعلان کر دیا۔ وہ حضرات یہ عرض کر رہے ہیں۔ اس عرض کا مقصود موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے ناراضی نہیں ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام نے مدین سے تشریف لا کر ان سے وعدہ فرمایا تھا کہ تم پر اب اللہ کا بڑا کرم ہو گا وہ سمجھے کہ فوراً" ہو گا مگر فرعون کی طرف سے یہ اعلان ہو گیا تو گھبرا کر عرض کرنے لگے چونکہ فرعون نے بچوں کے ذبح کا اعلان کر کے فوراً" اس پر عمل شروع کر دیا اس لئے **اوذینا صیغہ ماضی** بالکل درست ہے۔ خیال رہے کہ اتیان اور مجی دونوں ہم معنی ہیں۔ ان میں کوئی فرق نہیں تکرار سے بچنے کے لئے پہلے انہوں نے کہا **تاتینا** بعد میں **جئتنا**۔ بعض نے کہا کہ زمانہ اور مکان کی آمد کو اتیان کہتے ہیں اور مجی اجسام و جواہر کی آمد کو۔ بعض نے کہا کہ آسانی سے آنے کو اتیان

www.alahazratnetwork.org

کہتے ہیں اور مطلقاً" آنے کو بھی کہا جاتا ہے (معانی) یہاں یہ کوئی فرق نہیں ہو سکتا جیسا کہ ظاہر ہے **قال عسی ربکم ان یھلک عدوکم** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے آپ کا عسیٰ فرمانا یا تو امید دلانے کے لئے ہے یا اس واقعہ کا قرب بیان کرنے کے لئے۔ کریموں کا امید دلانا بھی یقین دلانے کے لئے ہوتا ہے اس لئے عسیٰ فرمانا مناسب ہے۔ **یھلک** سے مراد ہے عذاب سے ہلاک کرنا۔ دشمن سے مراد فرعون اور سارے فرعونی لوگ ہیں یعنی یہ اسم جنس ہے یعنی امید ہے یا قریب ہی ہے کہ تمہارا رب اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن فرعونیوں کو ہلاک کر دے۔ **و یستخلفکم فی الارض** یہ عبارت معطوف ہے **یھلک** پر۔ استخلاف کے معنی فرعون کے بعد اسرائیلیوں کو خلیفہ سلطان بنانا۔ الارض سے مراد زمین مصر ہے چونکہ اسرائیلیوں کی سلطنت فرعونیوں کے پیچھے ہوگی لہٰذا اسے استخلاف کہنا بالکل درست ہے چونکہ موجودہ سارے اسرائیلی اس وقت موجود نہ ہوں گے۔ بعض تو فرعون کی ہلاکت سے پہلے وفات پاجائیں گے۔ بعض مصر کی خلافت و سلطنت ملنے سے پہلے وفات پاچکے ہوں گے۔ اس لئے عسیٰ فرمانا بالکل مناسب ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں مصر کے بادشاہ ہوئے مگر قرآن مجید کی دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی اسرائیلی سلطان ہوئے۔ فرماتا ہے **واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا** کیونکہ انہی کو ذلیل کیا گیا تھا یہی سلطان ہوئے (معانی و کبیر وغیرہ) لہٰذا ظاہر یہ ہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے یہ دونوں وعدے اس وقت موجودہ بنی اسرائیل سے تھے جو رب نے پورے فرمادیئے۔ **فینظر کیف تعملون** یہ عبارت معطوف ہے **یستخلف** پر چونکہ اسرائیلیوں کے ان اعمال کو دیکھنا انہیں خلافت دینے کے فوراً" بعد ہوگا۔ اس لئے ف ارشاد ہوئی یہ بھی خیال رہے کہ نظر کے بہت معنی ہیں۔ غور و فکر' آنکھ سے دیکھنا' انتظار کرنا' دیکھنا' جاننا' یہاں آخری دو معنی میں سے کوئی معنی مراد ہیں کیونکہ پہلے تین معنی سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ (کبیر) **کیف تعملون** سے یہ بتایا کہ رب تعالیٰ تمہارے اعمال کو بھی دیکھے گا اور اعمال کی کیفیت کو بھی۔ اس فرمان عالی کا مقصد یا تو یہ ہے کہ تم سلطنت پاکر آزاد نہ ہو جانا' بلکہ رب کے مطیع و فرمانبردار بن جانا۔ یا مقصد یہ ہے کہ تم فرعون سے آزادی اور سلطنت پاکر آزاد نہ ہو جانا یا مقصد یہ ہے کہ تم فرعون سے آزادی اور سلطنت پاکر بربادی کے کام کرو گے (از روح المعانی) تم اس وقت بدترین مخلوق ہو جاؤ گے اور ایسا ہی ہوا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اشارہ بالکل درست ثابت ہوا۔

خلاصہ تفسیر: فرعون کے اس مشورہ کی خبر اسرائیلیوں کو ہوئی تو وہ گھبرا کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آکر عرض گذار ہوئے تب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ میں تم کو دو حکم دیتا ہوں اور دو خوش خبریاں۔ حکم تو یہ ہیں کہ اللہ سے مدد مانگو فرعون کے مقابل اور فرعونی مصیبتوں اور آفتوں پر صبر کرو۔ صبر سے ہر مشکل حل ہو جاتی ہے۔ خوش خبریاں یہ ہیں کہ زمین مصر فرعون کی ملک نہیں یہ تو عارضی بادشاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ملک ہے وہ ہی مالک حقیقی ہے۔ سلف کے بعد خلف کو اگلوں کے بعد پچھلوں میں سے جن بندوں کو چاہے اس کا مالک بنادے۔ وہ فرعون کے بعد تم کو مالک بنائے گا۔ دوسری خوش خبری یہ ہے کہ عالم آخرت کی خوبیاں پرہیزگاروں یعنی مومنوں متقیوں کے لئے ہیں۔ دنیا تو کبھی فاسقوں بلکہ کافروں کو بھی مل جاتی ہے مگر آخرت پاکبازوں کے لئے ہی ہے۔ اسرائیلی بولے کہ اے موسیٰ! فرعون نے تمہاری پیدائش سے پہلے ہم پر بہت ستم توڑے اور اب جبکہ تم نبی ہو کر

www.alahazratnetwork.org

مدین سے ہمارے پاس تشریف لائے تو پھر شروع کر دیئے۔ درمیان میں کچھ روز کسی قدر ہم کو چین ملا تھا۔ ہم تو اس کے ظلم و ستم سے تنگ آ چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا 'نہ گھبراؤ' عنقریب وقت آتا ہے کہ تمہارا رب 'اللہ تعالیٰ تمہارے دشمن فرعون کو سخت عذاب سے ہلاک کر دے گا اور اس کے بعد پھر اس زمین کا بادشاہ تم کو بنائے گا مگر بادشاہت پا کر تم خود سرنہ بن جانا۔ وہ تمہارے اعمال بلکہ اعمال کے احوال دیکھے گا وہ عطاء تمہارا امتحان ہو گی۔ خیال رہے کہ اکثر انسان آرام میں سرکش ہو جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اس موقعہ پر موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے اس مصیبت کے دفع فرما دینے کی دعا نہ کی بلکہ بنی اسرائیل کو صبر کی تلقین فرمائی کیونکہ یہ بھی ان کا امتحان تھا۔ امتحان ٹالا نہیں جاتا بلکہ دیا جاتا ہے۔ کامیابی کی دعا کی جاتی ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اپنے دکھ درد کی شکایت نبی سے کرنا جائز ہے کیونکہ وہ حضرات بحکم پروردگار دافع البلیات 'شافی الامراض ہیں۔ یہ فائدہ **موسیٰ لقومہ** سے اور **قالوا اوذینا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل فرعون کا مشورہ ظلم سن کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس فریادی ہوئے مرض کی شکایت حکیم سے 'ظلم کی شکایت حاکم سے کر سکتے ہیں کہ یہ لوگ ان کے دفعیہ کے لئے من جانب اللہ مقرر ہیں۔ ایسے ہی ہر مصیبت میں فریاد نبی ولی سے کر سکتے ہیں۔ میاں محمد صاحب فرماتے ہیں۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ ولیاں دے آئی
ولی دعا کرن جس ویلے' مشکل رہے نہ کائی

بلکہ فرعون اور فرعونی لوگ ہر مصیبت میں موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرتے تھے۔ آپ دعا فرماتے تھے تو مصیبت دفع ہو جاتی تھی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **قالو یموسی ادع لنا ربک بما عھد عندک** اس کی تفصیل ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مصیبت میں دو کام کرنے چاہیں 'انشاء اللہ مصیبت دفع ہو گی ایک تو اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا' دوسرے صبر کرنا۔ گھبرانا' رب کی ناشکری کرنا مصیبت کو دوگنا کر دیتے ہیں۔ یہ فائدہ موسیٰ علیہ السلام کے فرمان **استعینو** اور **اصبروا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر چیز کا مالک حقیقی رب تعالیٰ ہے کوئی کسی چیز کا بھی مالک حقیقی نہیں۔ یہ فائدہ **ان الارض للہ** سے حاصل ہوا جو کسی بندہ کو کسی چیز کا ایک آن کے لئے مالک حقیقی مانے وہ مشرک ہے۔ اللہ کے مالک کر دینے سے بندے ہر چیز کے مالک ہو سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **یورثھا** سے حاصل ہوا۔ اسی لئے بندہ اپنی مملوکہ چیزوں کو فروخت بھی کر سکتا ہے اور عاریتہ" ہبتہ" کرایہ پر دے سکتا ہے یہ سب ملکیت کے احکام ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** دنیا نیک و بد 'مومن و کافر سب کو مل جاتی ہے مگر آخرت کی خوبیاں صرف نیک کاروں کو ملیں گی۔ یہ فائدہ **العاقبتہ للمتقین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ عاقبت سے مراد آخرت ہو۔ **پانچواں فائدہ:** دنیاوی تکالیف مومن کے لئے عارضی ہوتی ہیں۔ انجام اس کے لئے بہتری ہوتا ہے کافر کے لئے دنیاوی آرام و کامیابیاں عارضی ہوتی ہیں۔ اس کا انجام خراب ہی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **العاقبتہ للمتقین** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ عاقبت سے مراد انجام ہو۔ **چھٹا فائدہ:** بنی اسرائیل پر فرعونی مظالم زیادہ تر موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے اور مدین سے لوٹنے کے بعد ہوئے۔ درمیان میں اس کے ظلم کچھ کم ہو گئے تھے۔ پہلے تو موسیٰ علیہ السلام کی آمد روکنے کے لئے پھر دوسری بار صرف اپنا بھرم رکھنے کے لئے کہ ہم اسرائیلیوں پر غالب ہیں۔ یہ فائدہ **من قبل** اور **من بعد**

www.alahazratnetwork.org

سے حاصل ہوا بلکہ آپ کی ولادت سے پہلے بھی ذبح اولاد کے قانون میں میں اس نے ترمیم کردی تھی کہ ایک سال بچے ذبح کراتا تھا ایک سال نہیں کراتا تھا۔ ذبح کے سال موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ معافی کے سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اسی لئے آپ کی والدہ کو آپ کی پیدائش پر مصیبت پیش آئی حضرت ہارون کی پیدائش پر پیش نہ آئی۔ **ساتواں فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ جب رب تعالیٰ اسے عزت، دولت، حکومت دے تو رب تعالیٰ کی بندگی اور زیادہ کرے۔ اس زمانہ میں رب کو بھول نہ جاوے۔ یہ فائدہ **فینظر کیف تعملون** سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا چاہئے کسی اور سے نہ مانگنا چاہیے۔ دیکھو ارشاد ہے **استعینوا باللہ** پھر تم لوگ نبیوں، ولیوں سے مدد مانگتے ہو نرے مشرک ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے جوابات ہم بارہا دے چکے ہیں۔ خصوصاً "سورۃ فاتحہ کی تفسیر **وایاک نستعین** کے تحت۔ نبیوں، ولیوں کی مدد در حقیقت رب تعالیٰ ہی کی مدد ہے جیسے آج ڈاکٹروں، حاکموں، مالداروں سے مدد مانگنا شرک نہیں کہ مدد رب کی ہوتی ہے اس کے مظہر یہ لوگ ہوتے ہیں۔ حضرات انبیاء کرام نے بارہا انسانوں سے مدد مانگی ہے **من انصاری الی اللہ** اور **اعینونی** ہم کو ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم ہے **وتعاونوا علی البر والتقوی۔ ان تنصروا اللہ ینصرکم** وغیرہ۔ اسکی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہے **الارض للہ** زمین صرف اللہ تعالیٰ کی ہے مگر دوسرا ارشاد ہے۔ **خلق لکم مافی الارض جمیعا** "زمینی چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں۔ وہاں بھی لام ہے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: یہاں لام ملکیت حقیقیہ کا ہے۔ اس آیت میں لام نفع کا ہے یعنی ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملک ہے مگر اس سے نفع بندے اٹھاتے ہیں۔ رب تعالیٰ نفع اٹھانے سے پاک ہے، بے نیاز ہے۔ **تیسرا اعتراض**: بنی اسرائیل کے ان شکووں سے معلوم ہو رہا ہے کہ ان کو موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری ناپسند بلکہ ناگوار تھی کہ وہ کہہ رہے ہیں کہ آپ کی ایک تشریف آوری سے پہلے بھی ہم پر مصیبت آئی اور دوسری تشریف آوری کے بعد بھی ہم مصیبتوں میں پھنسے۔ یہ ناگواری کفر ہے نبی کی تشریف آوری اللہ کی نعمت ہے۔ نعمت سے ناراضی کفر ہے۔ **جواب**: اس کا جواب تفسیر کبیر خازن وغیرہ نے یہ دیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اسرائیلیوں سے نصرت الہی اور فرعون کی تباہی کا وعدہ فرمایا تھا وہ سمجھے کہ ان باتوں کا ظہور ابھی چند دنوں میں ہو جائے گا مگر انہوں نے دیکھا یہ کہ بہتر ہزار جادوگر سولی دے دیئے گئے۔ ہمارے متعلق یہ مشورے ہو گئے۔ ہمارے بچوں کی ذبح کی اسکیم پھر بن گئی تب انہوں نے گھبرا کر یہ کہا کہ آپ نے تو ہم سے ہلاکت فرعون کا وعدہ فرمایا تھا مگر ہلاکت تو ہماری ہو رہی ہے۔ آپ کے وعدہ کا مطلب کیا ہے۔ **لہٰذا** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ان کے وعدے کی تفصیل و تفسیر کرانا ہے نہ کہ ان کی تشریف آوری سے ناراضی۔ **چوتھا اعتراض**: **اوذینا** ہے ماضی، جس کے معنی ہیں ہم ستائے گئے۔ واقعی اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے پہلے تو ستائے جا چکے تھے مگر آپ کے مدین سے تشریف لانے کے بعد تو ابھی ان پر کوئی ظلم نہیں ہوا تھا۔ صرف مشورہ ہی ہوا تھا تو ماضی کہنا اس کے لئے کیسے درست ہوا۔ **جواب**: اسرائیلیوں کی یہ عرض و معروض یا تو ذبح شروع ہو جانے کے بعد ہوئی یا انہیں خبر تھی کہ فرعون جو ارادہ کر لیتا ہے اس پر فوراً "عملدرآمد کرتا ہے چونکہ یہ ذبح یقینی تھا اس لئے اسے ماضی سے تعبیر کیا۔ رب فرماتا ہے **ونفخ فی الصور** حالانکہ نفخ صور قیامت میں ہوگا۔ **پانچواں**

www.alahazratnetwork.org

اعتراض: موسیٰ علیہ السلام نے ہلاکت فرعون' خلافت بنی اسرائیل کو عسیٰ سے کیوں بیان فرمایا۔ یہ دونوں چیزیں تو یقینی تھیں۔ **جواب**: مفسرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں عسیٰ امید دلانے کے لئے ہے اور کریم کا امید دلانا یقینیات پر ہوتا ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما "محمودا"** حالانکہ حضور انور کو مقام محمود یقیناً "ملنا ہے۔ دوسرے یہ کہ عسے فرمانا اس واقعہ کے ہونے کے لئے نہیں بلکہ موجودہ اسرائیلیوں کے پانے کے لئے ہے یعنی اے اسرائیلیو ں ممکن ہے کہ تم لوگ یہ فرعون کی ہلاکت اپنی خلافت پالو اس وقت تک تم لوگ زندہ رہو کیونکہ اس ہلاکت اور خلافت کے وقت تک ان میں سے بعض وفات پاچکے ہوں گے۔ **چھٹا اعتراض**: **فینظر** کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کا ان کے اعمال کو دیکھنا ان کے عمل کے بعد ہو گا حالانکہ رب تعالیٰ کی صفات قدیم ہیں وہ ہمیشہ سے سمیع و بصیر و علیم و خبیر ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: رب کی صفات قدیم ازلی واجب ہیں مگر اس کے فعل ایسے نہیں۔ یہاں فعل نظر مراد ہے نہ کہ صفت نظر جیسے رب تعالیٰ ازلی ابدی رازق ہے مگر اس نے زید کو رزق جب دیا جب کہ زید پیدا ہو چکا۔ اسی طرح وہ بصیر و خبیر تو ہمیشہ سے ہے مگر ان کے کاموں کو دیکھنا کاموں کے بعد ہوا۔ **ساتواں اعتراض**: بنی اسرائیل فرعون کے عزیز و قرابتدار نہیں تھے اور میراث صرف عزیز قرابتداروں ہی کو ملتی ہے پھر یہاں **یورثھا** فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب**: یہاں میراث سے مراد شرعی میراث نہیں بلکہ اس کے معنی صرف یہ ہیں کہ اگلے کے بعد پچھلے لوگ چیزوں کے مالک ہوں جسے کہتے ہیں خلف بعد سلف۔ اس لحاظ سے میراث فرمانا بالکل درست ہوا کیونکہ بنی اسرائیلی فرعون کے بعد مصر کے مالک ہوئے ایک معنی سے خود رب تعالیٰ کو مخلوق کا وارث کہا گیا ہے۔ **وانت خیر الورثین**۔

تفسیر صوفیانہ: اے انسان فرعون اور فرعونی لوگ ایسے ہی موسیٰ اور بنی اسرائیل سب تیرے اندر ہیں تیرا نفس گویا فرعون ہے۔ خواہشات باطلہ' غصہ' غرور گویا اس کی قوم ہے۔ تیری روح گویا موسیٰ ہے۔ تیرا دل' عقل' سر گویا بنی اسرائیل ہے۔ تیری بشریت گویا مصر کی زمین ہے۔ دنیا' شیطان' طبیعت گویا فرعونی الہ ہیں۔ فرعونی نفس سے اس کی قوم' خواہشات' غضب و غرور نے کہا کہ تو نے موسیٰ روح اور ان کی قوم قلب و عقل کو کیوں چھوڑ رکھا ہے یہ تو بشریت میں فساد پھیلائیں گے' وہ تجھ کو' تیرے گھڑے ہوئے معبودوں دنیا و شیطان کی عبادت نہ کریں گے تو فرعون نفس بولا کہ ہم روح و قلب کے صفات اور ان کے نیک اعمال کو ریا' فخر کی چھری سے ذبح کرتے رہیں گے۔ جس سے ان کے اعمال باطل ہو جائیں گے اور ہم ان کی لڑکیوں یعنی ان کی صفات کو باقی رکھیں گے جن سے اعمال پیدا ہوں ہم ان پر مکر' حیلہ' فریب کے ذریعہ غالب ہیں تو موسیٰ روح نے اپنی قوم عقل و دل سے کہا کہ تم دونوں نفس پر جہاد کرنے میں اللہ کی مدد اور صبر سے کام لو۔ بشریت کی زمین کا مالک رب ہے جسے چاہے مالک بنادے۔ اچھا انجام' سعادت سعیدوں کے لئے ہے۔ تب قوم روح نے موسیٰ روح سے کہا کہ تیری واردات آنے سے پہلے ہم کو نفسانی عیوب نے ستایا اور تیری واردات آنے کے بعد بھی ہم ستائے گئے تب روح نے فرمایا کہ تم گھبراؤ نہیں اللہ تعالیٰ نفس اور نفسانی عیوب کو الہامات ربانیہ کے ذریعہ فنا کر دے گا اس کی ایذا تم سے دور کردے گا پھر اس بشریت پر تمہاری خلافت ہو گی کہ قلب و روح یہاں حکومت کریں گے پھر دیکھے گا کہ اے قلب' اے عقل تم کس طرح اس میں عبودیت کے اعمال کرتے ہو اور اس کی ربوبیت کا حق کیونکر ادا کرتے ہو تمہیں ہوشیار رہنا چاہئے۔ (روح البیان)۔

www.alahazratnetwork.org

وَلَقَدْ اَخَذْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِیْنَ وَنَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ

اور البتہ تحقیق پکڑ لیا ہم نے فرعون کی آل کو ساتھ قحط سالیوں کے اور کمی سے پھلوں کی تاکہ وہ

اور بے شک ہم نے فرعون والوں کو برسوں کے قحط اور پھلوں کے گھٹانے سے پکڑا کہ کہیں وہ

یَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ فَاِذَا جَآءَتْهُمُ الْحَسَنَةُ قَالُوْا لَنَا هٰذِهٖ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ

نصیحت پکڑیں پھر جب آتی ان کے پاس بھلائی تو کہتے واسطے ہمارے ہے یہ اور اگر پہنچتی ان کو

نصیحت مانیں پھر جب انہیں بھلائی ملتی تو کہتے یہ ہمارے لئے ہے اور جب برائی پہنچتی تو

سَیِّئَةٌ یَّطَّیَّرُوْا بِمُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗ ؕ اَلَاۤ اِنَّمَا طٰٓىِٕرُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ وَ

کوئی برائی تو بد فالی لیتے وہ ساتھ موسیٰ کے اور ان کے جو کہ ساتھ تھے ان کے خبردار ہو کہ بد فالی انکی نزدیک

تو موسیٰ اور اس کے ساتھیوں پر بد شگونی لیتے۔ سن لو ان کے نصیبے کی شامت تو اللہ کے ہاں

لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۱﴾

اللہ کے ہے اور لیکن بہت سے ان میں کے نہیں جانتے

ہے لیکن ان میں اکثر کو خبر نہیں۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان مصیبتوں آفتوں کا ذکر ہوا جو فرعون کی طرف سے بنی اسرائیل پر آئیں۔ اب ان آفات کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے فرعون پر نازل ہوئیں گویا ظلموں کے بعد ظالموں کی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی یہ خبر بیان ہوئی کہ فرعون کو رب تعالیٰ کو ہلاک فرمائے گا۔ اب ان کی ہلاکت کا ذکر ہو رہا ہے گویا پیش گوئی کا ذکر پہلے ہوا اس کے ظہور کا ذکر اب ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی خلافت بنی اسرائیل کی بشارت کا ذکر ہوا۔ اب اس کی تمہید کا بیان یہاں سے شروع ہو رہا ہے کہ پہلے فرعون پر مصیبتیں آئیں پھر ہلاک ہوا پھر اسرائیل وہاں کے مالک و سلطان بنے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ہلاکت فرعون کا ذکر ہوا اب اس ہلاکت کی نوعیت کا تذکرہ ہے کہ وہ ایک دم ہلاک نہیں کیا گیا' بلکہ بڑی مصیبتوں اور آفتوں کے بعد۔

تفسیر: **ولقد اخذنا ال فرعون**۔ چونکہ اگلا مضمون نہایت ہی اہم ہے' نیز ان آفات کے عذاب الٰہی ہونے کے فرعونی لوگ منکر تھے وہ ہر مصیبت کے متعلق کہتے تھے کہ یہ اتفاقی چیز ہے نیز حضور انور کے زمانہ کے بہت سے کفار اس واقعہ کے منکر تھے ان وجوہ سے اسے لام اور قد تحقیق سے شروع فرمایا۔ **اخذ** کے معنی ہیں پکڑنا مگر یہاں ہاتھ پکڑنا لینا مراد نہیں بلکہ پکڑ فرمانا' آفات میں مبتلا کرنا' سزا دینا مراد ہے۔ ہلاکت کی پکڑ بطش کہلاتی ہے اور مطلق پکڑ **اخذ** یہاں ہلاکت کی پکڑ مراد نہیں بلکہ عارضی پکڑ مراد ہے **ال** اور **اهل** دونوں کے معنی ہیں والا مگر ان دونوں لفظوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ **اهل** عاقل' غیر عاقل

دونوں کی طرف نسبت ہو جاتا ہے مگر **آل** صرف عاقل کی طرف مضاف ہوتا ہے کہہ سکتے ہیں اہل بیت' اہل علم' اہل زید مگر آل بیت یا آل علم نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ اہل کی نسبت بڑے چھوٹے سب کی طرف ہو جاتی ہے مگر آل کی نسبت کسی بڑے کی طرف ہوتی ہے۔ آل رسول یا آل سلطان ہی کہا جاتا ہے۔ آل زید یا آل بکر نہیں کہتے۔ فرعون چونکہ دنیاوی وجاہت والا تھا لہٰذا اس کی طرف آل مضاف ہوا۔ لفظ آل تین معنی میں آتا ہے۔ اولاد' گھر میں رہنے والے بیویاں بچے وغیرہ' متبعین' ماتحت۔ یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی فرعونی لوگ کیونکہ فرعون کے اولاد نہ تھی اس کی بیوی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے عذاب سے محفوظ رکھا وہ انہیں ان واقعات سے پہلے چو میخ کر کے شہید کر چکا تھا۔ لہٰذا تیسرے معنی ہی مراد ہیں یعنی فرعون کے متبعین لہٰذا آل رسول حضور انور کی ساری امت ہے یعنی ہم نے قبطیوں کو اپنے عذابوں میں پکڑ لیا یا تو ان عذابوں سے اسرائیلی محفوظ رہے یا ان کے دل ان تکالیف سے متاثر نہ ہوئے۔ ان کے دلوں میں چین و سکون رہا یا یہ عذاب صرف قوم فرعون پر آئے تھے۔ رہے بنی اسرائیل تو وہ ان کی وجہ سے مصیبت میں پھنسے لہٰذا یہ مصیبتیں صرف قبطیوں کے لئے عذاب تھیں' اسرائیلیوں کے لئے رحمت۔ **بالسنین** یہ متعلق ہے **اخذنا** سے۔ سنین جمع ہے سنہ کی۔ سنہ اور ارض اگرچہ مونث ہیں مگر انکی جمع واؤ نون سے آتی ہے مذکر کی طرح سنین' ارضین۔ سنہ کے معنی ہیں سال یا برس مگر اصطلاح میں قحط کے سال کو سنہ کہتے ہیں۔ حتیٰ کہ اس سے مشتق ہے **تسنته** ایک شاعر کہتا ہے **رجال مكتهمسنتون عجاف** یعنی مکہ کے لوگ قحط میں مبتلا اور دبلے پتلے ہیں۔ (خازن) ایک اور شاعر کہتا ہے۔ شعر

دعائى من نجد فان سنينه　　　لعبن بنا شيبا و شيبنا بنا مردا

حضور انور نے دعا کی تھی۔ **اللهم اجعل هاسنين كسن يوسف** بہر حال خصب کہتے ہیں ارزانی کو' جذب کہتے ہیں قحط سالی کو۔ سنہ' بمعنی جذب آتا ہے چونکہ فرعونیوں پر قحط سالی برسوں رہی اس لئے سنین جمع ارشاد ہوا۔ **ونقص من الثمرت**۔ یہ معطوف ہے سنین پر۔ ثمرات سے مراد مطلقاً" پھل ہیں' دانوں کے علاوہ۔ ولنہ پیٹ بھرنے کے کام آتا ہے جیسے گندم' چنا وغیرہ۔ پھل لذت کے لئے کھائے جاتے ہیں جیسے انگور' انار وغیرہ۔ دیہات میں تو دانے کا قحط ہو گیا' شہروں میں پھلوں کا۔ لہٰذا دیہات سے دانے شہر میں نہیں آتے تھے اور شہروں سے پھل دیہات میں نہیں جاتے تھے حتیٰ کہ کھجور کے درخت پر صرف ایک کھجور لگتی تھی (معانی' کبیر وغیرہ) بارش ہوتی نہ تھی حتیٰ کہ کنوئیں خشک ہو گئے تھے۔ دریا میں پانی نہ رہا تھا۔ **لعلهم يذكرون** اس فرمان میں اس قحط وغیرہ کی حکمت کا ذکر ہے۔ **لعل** بمعنی تاکہ ہے۔ **يذكرون** اصل میں **يتذكرون** تھا۔ ت کا ذال میں ادغام ہو گیا یعنی فرعونیوں پر یہ عذاب اس لئے بھیجے گئے کہ وہ لوگ نصیحت پذیر ہوں کیونکہ انسان آفتوں مصیبتوں میں رب کی طرف رجوع' توبہ وغیرہ کرتا ہے اس جگہ تفسیر خازن نے کہا کہ فرعون کی عمر کل چھ سو بیس سال ہوئی جن میں چار سو سال اس نے سلطنت مصر کی۔ اپنے دور حکومت میں 220 سال تک۔ اس سے پہلے کبھی اس نے کوئی بیماری' بھوک' فکر وغیرہ نہیں دیکھی اس لئے وہ دعوٰئے خدائی کر بیٹھا۔ خیال رہے کہ دوسری عذاب والی قوموں کو اس قدر ڈھیل نہیں دی گئی جتنی ڈھیل فرعون کو دی گئی کہ اسے چھ بار مختلف عذاب آئے اور ہر عذاب کے بعد وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتا کہ **لئن كشفت عنا الرجز لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنى اسرائيل**۔

www.alahazratnetwork.org

اگر اس بار آپ نے عذاب دفع کردیا تو ہم سب آپ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ کے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دیں گے اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مردود نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پرورش کیا تھا اصل پرورش کرنے والی حضرت آسیہ تھیں۔ انہیں رب نے ایمان صبر شہادت سب کچھ دیا۔ **فاذا جاءتھم الحسنتہ** یہاں سے فرعونیوں کی سخت غفلت و انتہائی سرکشی کا ذکر شروع ہو رہا ہے۔ **اذا** کے معنی ہیں جب بھی یعنی یہ ظرف دائمی کے لئے ہے۔ **جاءت** ارشاد ہوا کہ وہ محض رب کی طرف سے عطیہ تھیں۔ **ھم** کا مرجع وہ فرعونی لوگ ہیں جن کو قحط سالی وغیرہ سے پکڑا گیا تھا۔ الحسنۃ سے مراد دنیاوی بھلائیاں ہیں چارہ پھلوں کی فراوانی' مال مویشی کی کثرت' رزق میں وسعت' ارزانی' مال کی فراوانی' امن' عافیت' تندرستی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے حسنہ کے یہی معنی بیان فرمائے (کبیر) غرضیکہ اس سے وہ حسنہ مراد نہیں جو **ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ** میں حسنہ سے مراد ہے یعنی توفیق خیر' ہدایت وغیرہ۔ **قالوالنا ھذہ** یہ اذا کی خبر ہے۔ یہاں بھی قالوا کے معنی ہیں وہ کہتے تھے۔ ظاہر ہے کہ زبانی کہنا مراد ہے۔ لنا میں لام استحقاق کا ہے۔ **ھذہ** میں اشارہ مذکورہ حسنہ کی طرف ہے یعنی جب فرعونیوں کو دنیاوی بھلائی پہنچی تھی تو وہ کہتے تھے یہ ہم کو ہمارے استحقاق سے ملی ہے۔ ہم اس کے مستحق ہیں کیونکہ صدیوں سے ہم کو یہ نعمتیں ملتی رہی ہیں یا کہتے تھے کہ یہ نعمتیں ہماری کوششوں کا نتیجہ ہیں۔ ہم نے محنت کرکے یہ سب کچھ کمائی ہیں۔ غرضیکہ رب تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے تھے۔ **وان تصبھم سیئتہ** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی **ان** عموم کے لئے ہے یعنی اگر کبھی۔ خیال رہے کہ خوبی کے لئے اذا ارشاد ہوا' برائی کے لئے ان۔ خوبی کے لئے **جاءت** ارشاد ہوا' برائی و مصیبت کے لئے **تصب** نیز وہاں الحسنہ معرف باللام ارشاد ہوا یہاں سیئۃ نکرہ ان تین فرقوں سے تین باتیں بتائی گئیں۔ 1۔ ان پر نعمتیں اکثر آتی تھیں' مصیبتیں کبھی کبھی۔ 2۔ نعمتیں رب کا کرم و مہربانی ہوتی تھیں کہ دنیا میں کفار پر بھی کرم ہے۔ مصیبتیں ان کی اپنی بلائی ہوئی۔ 3۔ نعمتیں اعلیٰ درجہ کی آتی تھیں' مصیبت معمولی۔ یہ ہے اس کریم کی شان بندہ نوازی کرم پروری۔ سیئہ سے مراد ہے قحط سالی' بیماریاں' مال مویشی میں کمی دوسری تکالیف۔ **یطیروا بموسے ومن معہ** یہ ان **تصبھم** کی خبر یہاں بھی **یطیروا** مضارع دوام کے لئے ہے یعنی بدفالی' بدشگونی لیتے تھے۔ خیال رہے کہ **یطیروا** اصل میں **یتطیروا** تھا باب تفعل سے ت کلام میں ادغام ہوا

گیا۔ اس کا مصدر **تطیر** ہے مادہ **طیر** بمعنی پرندہ' چڑیاں۔ **تعطیر** کے معنی ہیں پرندے اڑانا۔ اہل عرب چڑیوں پرندوں سے نیک و بدفالی لیتے تھے جب کسی کام کو چلتے تو راہ میں جو چڑیا یا کبوتر ہو اسے اشارے سے اڑاتے اگر داہنی طرف اڑ جاتا تو اسے نیک فالی سمجھتے اور اسے سانح کہتے تھے اگر بائیں طرف اڑتا تو اسے منحوس سمجھتے۔ گھر لوٹ آتے' کام کو نہ جاتے اسے بارح کہتے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

زجبرت بھا طیرا شمالی فان یکن ہواک الذی تھوی یھبک اجتنابھا

پھر **تطیر** بدفالی لینے کو کہا جانے لگا وہی محاورہ یہاں استعمال ہوا ہے۔ حضور فرماتے ہیں **لاطیرۃ وک ھامتہ** اسلام میں پرندے اڑانا' بدفالی لینا کچھ بھی نہیں محض وہم ہے۔ **من معہ** میں من سے مراد حضرت ہارون اور مومنین بنی اسرائیل ہیں کیونکہ قبطی ایمان لائے نہ تھے۔ ایک دو آدمی جو ایمان لائے تھے انہوں نے اپنا ایمان چھپایا ہوا تھا ظاہر نہیں کرتے تھے لہٰذا

www.alahazratnetwork.org

معیت سے ہمراہی یعنی مراد دین کی ہمراہی ہے یعنی جب فرعونیوں پر کوئی مصیبت آتی تھی تو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھی مومنین سے بدشگونی لیتے تھے۔ کہتے تھے کہ جب سے یہ لوگ ہمارے ملک میں ظاہر ہوئے تب سے ہم پر مصیبتیں بلائیں آنے لگیں یعنی وہ خود تو تھے منحوس مگر ساتھ اندھے بھی تھے کہ مبارک بندوں کو منحوس کہتے تھے۔ نبی اور ان کے صحابہ بڑی برکتوں والے ہوتے ہیں جہاں ان کے قدم پڑ جاویں وہ جگہ برکت والی ہو جاتی ہے۔ **الا انما طئرهم عند الله** یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے۔ جس میں فرعونیوں کی بکواس کی پر زور تردید کی گئی ہے چونکہ اس زمانہ میں فرعونی لوگ اور آئندہ بھی کفار اس مضمون کے منکر تھے اور ہونے والے تھے اس لئے اسے الا اور انما سے شروع فرمایا۔ طائر کے معنی ہیں نحوست، ھم کا مرجع فرعونی لوگ ہیں۔ **عند** سے پہلے **من** پوشیدہ ہے یعنی وہ کفار منحوس خود ہیں اور ان کی نحوست رب کی طرف سے ہے۔ جو ان پر لازم ہے۔ کفر نحوست ہے، ایمان و اسلام مبارک نعت اور ہو سکتا تھا کہ **طائر** بمعنی حصہ ہو۔ تو عند سے پہلے من پوشیدہ نہیں یعنی منحوس وہ خود ہیں اور ان کی نحوست اللہ کی طرف سے ہے۔ جو ان پر لازم ہو چکی یا ان کی نحوست کا حصہ اللہ کے پاس محفوظ ہے۔ جس کی سزا انہیں ضرور ملے گی۔ بعض قراءتوں میں **طیرهم** ہے۔ **طیر** یا تو **طائر** کی جمع ہے یا اسم جنس بلکہ طائر بھی اسم جنس ہے جو واحد جمع دونوں پر بولی جاتی ہے۔ ابن اعرابی کہتا ہے۔

کانه تهتان یوم ماطر علی رء وس کرء وس طائر

دیکھو اس شعر میں طائر جمع ہے اس لئے اس جمع کا مضاف الیہ بنا (معانی) **ولکن اکثرهم لا یعلمون** یہ طائرھم پر معطوف ہے چونکہ بعض قبطی اپنی گمراہی و نحوست جانتے تھے مگر مانتے نہ تھے مگر بہت قبطی اس سے بے خبر تھے۔ وہ مومنین ہی کو منحوس جانتے تھے اس لئے یہاں **اکثرهم** فرمایا یا بعض قبطی ایمان لا چکے تھے، وہ تو موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کو بڑا ہی مبارک جانتے مانتے تھے اس لئے **اکثر** فرمانا درست ہوا **یعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے۔ ضمیر یعنی بہت سے قبطی اپنی نحوست کو جانتے نہیں۔ اس لئے وہ موسیٰ علیہ السلام اور مومنین کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو دو خبریں دی تھیں۔ قبطیوں کی ہلاکت کی، سبطیوں یعنی بنی اسرائیل کی خلافت کی۔ ان کی ترتیب یہ تھی کہ پہلے ہلاکت فرعون ہو، پھر خلافت بنی اسرائیل۔ فرعون کی ہلاکت اچانک ہوئی بلکہ پہلے تو ان پر ہلکے عذاب مختلف شکلوں میں بھیجے گئے پھر بڑے عذاب۔ چھوٹے عذاب یہ تھے کہ ان پر کئی سال کی قحط سالی پھلوں کی کمی مسلط کی گئی کہ گاؤں میں دانے کم کر دیئے گئے شہروں میں پھل تاکہ اب بھی انہیں نصیحت ہو اور ایمان لے آئیں کیونکہ عموماً انسان مصیبتوں، آفتوں میں پھنس کر توبہ کر لیتا ہے مگر وہ لوگ ایسے سرکش تھے کہ ان سب سے ان کی آنکھیں نہ کھلیں بلکہ ان کا کفر و سرکشی اور زیادہ ہو گئی کہ جب کبھی ہم ان کو آرام دیتے، ارزانی چیزوں کی فراوانی وغیرہ تو وہ کہتے کہ یہ آرام و راحت ہماری اپنی چیزیں ہیں۔ ہم اس کے مستحق ہیں نیز یہ آرام ہماری اپنی کوششوں سے ہیں اور جب کبھی ان پر آفت و مصیبت آتی تو کہتے یہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں کی نحوست سے ہیں۔ جب سے وہ مصر میں ظاہر ہوئے ہیں تب سے ہم پر یہ آفات آ رہی ہیں حالانکہ درحقیقت ان کی یہ آفات ان پر اللہ کی طرف سے عذاب کے طور پر تھیں۔ مگر ان میں کے اکثر لوگ یہ جانتے تھے کہ نبی اور مومنین تو برکت والے ہوتے ہیں ان کی برکتوں سے مصیبتیں دفع ہوتی ہیں آتی نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

لطیفہ: ابن ابی حاتم نے اور حکیم ترمذی نے نوادر الاصول میں حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی کہ ان آفات کے دوران ایک بار مصر کے کنوئیں تالاب حتی کہ دریائے نیل بالکل خشک ہوگئے مصری لوگ فرعون کے پاس آکر بولے کہ تو خدا بنتا ہے تو پانی دے وہ بولا کل پانی ملے گا رات کو ٹاٹ کا لباس پہن کر دریائے نیل پر گیا۔ سجدہ میں گر کر بولا کہ اے رب ایہ تو واقعہ ہے کہ تو رب ہے میں بندہ ہوں تو قادر ہے میں مجبور ہوں۔ میں اس کا اقرار کرتا ہوں میری عزت رکھ لے۔ سجدہ میں تھا کہ اس نے پانی کی آواز سنی سر اٹھایا تو دریائے نیل میں پانی آرہا تھا اٹھا اور اپنے گھر پہنچا۔ دریا بھر چکا تھا پھر خدا ہی بنا رہا۔ (روح المعانی)

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجی ہوئی آفتوں مصیبتوں میں بھی صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ آفتیں در حقیقت انسان کو بیدار کرنے' اسے رب تعالیٰ کے دروازے پر لگانے کے لئے آتی ہیں۔ یہ فائدہ **لقداخذنا** سے حاصل ہوا۔ ہماری نافرمانیاں ناشکریاں' آفات آنے کی وجہ ہیں۔ رب فرماتا ہے **مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم** اگر تم شکر گذار رہو تو رب تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔ وہ تمہارا رب ہے۔ دشمن نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** جسے نبی کے دروازے سے ہدایت نہ ملے' اس کہیں سے نہیں مل سکتی۔ دیکھو دنیاوی آفتیں ذریعہ ہدایت ہیں مگر فرعون کو ان سے ہدایت نہ ملی کیونکہ وہ جناب موسیٰ کلیم اللہ کے دروازہ کا ٹھکرایا ہوا تھا۔ فرعونیوں نے ان آفتوں سے اور زیادہ کفر کمایا کہ انہیں موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے بتایا۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کی خدمات کفار بلکہ جانوروں کو بھی فائدہ دے دیتی ہے۔ یہ فائدہ **ولقداخذنا** سے حاصل ہوا کہ فرعون کو یہ ڈھیل اور اولاً'' مصیبتیں بھیجی گئی کہ وہ ایمان لائے یہ رعایت اس لئے ملی کہ اس نے حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو دوست کہا تھا۔ ابولہب نے حضور انور کی ولادت کی خوشی کی تو سوموار کے دن اس کے عذاب میں تخفیف ہوتی ہے اور انگلی سے اسے پانی ملتا ہے۔ ہدہد جانور مگر حضرت ابراہیم کا خدمت گار ہے تو وہ بڑا مبارک جانور مانا گیا' حضرت سلیمان کا خاص درباری ہوا اور اس کے ذریعہ ملکہ بلقیس بلکہ سارے یمن کو ایمان ملا۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں' یونہی نیک اعمال کو منحوس جاننا کفار کا کام ہے۔ ہمارے گناہ منحوس ہیں وہ حضرات تو مبارک ہیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ **وجعلنی مبرکا این ماکنت** بلکہ ان سے نسبت رکھنے والی چیزیں' برکت والی ہوتی ہیں۔ انہیں تبرک کہا جاتا ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کی قمیص یا زمزم کا پانی۔ یہ فائدہ **یطیروا بموسی** سے حاصل ہوا۔ یہود مدینہ نے بھی ایک بار کہا تھا کہ جب سے مکہ معظمہ سے مسلمان مدینہ آئے' مدینہ والوں پر آفات قحط سالیاں آگئیں۔ یہ وہی طریقہ ہے فرعونی۔ **مسئلہ:** اللہ تعالیٰ برکت والا تبرک اللہ رب العلمین اس کے خاص بندے مبارک **وجعلنی مبرکا**'' جس چیز کو مبارک بندے سے نسبت ہو وہ مبارک **انا انزلنہ فی لیلۃ مبرکۃ** **مسئلہ:** اگر کسی مبارک چیز میں منحوس چیزیں شامل کر دی جاویں تو اس سے ان کی برکت میں فرق نہ آوے گا۔ سونا یا موتی کیچڑ میں لتھڑ جاوے تو سونا ہی ہے۔ حضور انور نے اسی کعبہ اور صفا و مروہ کا طواف فرمایا جس میں بت رکھے ہوئے تھے۔ مبارک چیزوں' مبارک بندوں کو منحوس کہنا طریقہ فرعونی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** دنیاوی راحت و آرام کو اپنی کوششوں کا نتیجہ سمجھنا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ **لنا ھذہ** سے حاصل ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ راحت و آرام کو رب کا فضل سمجھے۔ تکالیف و مصیبتوں کو اپنے گناہوں کا نتیجہ جانے۔ **چھٹا فائدہ:** ان آیات سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ مذکورہ عذاب فرعونیوں پر مسلسل نہیں آئے بلکہ کبھی وہ ان میں مبتلا ہوتے تھے اور کبھی

www.alahazratnetwork.org

چھوڑ دیئے جاتے تھے تاکہ وہ ان آفتوں کے آنے جانے پر غور کر کے توبہ کر لیں۔ یہ فائدہ **فاذا جاء تھم الحسنتہ** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** ایک ساعت کی فکر برسوں کے ذکر سے افضل ہے۔ فکر بہت طرح کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد۔ حضور کی نعت' اپنے گناہوں میں غور رب کے انعام و کرام میں تفکر سب ہی اس میں داخل ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** جسمانی ہمراہی کے لئے ضروری ہے کہ وقت اور جگہ میں ہمراہی ہو مگر روحانی ہمراہی میں قیدیں نہیں۔ تاقیامت مسلمان حضور کے ساتھ ہیں **والذین معہ** یہ فائدہ **ومن معہ** سے حاصل ہوا کہ رب نے فرعون کو حضرت موسیٰ کا ساتھی نہ کہا اگرچہ وہ عرصہ تک حضرت موسیٰ کے ساتھ رہا۔ مومنین کو ان کا ساتھی فرمایا۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سالیوں وغیرہ سے پکڑا حالانکہ مصر میں اسرائیلی بھی تھے اور موسیٰ و ہارون علیہم السلام بھی۔ نبی اور مومنین کے ہوتے بستی پر عذاب نہیں آیا کرتے پھر ان حضرات کے ہوتے قبطیوں پر یہ عذاب کیوں آ گئے۔ **جواب:** یہ قانون غیبی مہلک عذابوں کے لئے ہے' یہ عذابات مہلک نہ تھے بلکہ تکلیف دہ تھے' وہ بھی اسباب کے ماتحت تھے ہاں جب غرق فرعون کا وقت آیا تو حضرت موسیٰ و ہارون و مومنین کو قبطیوں سے الگ کر دیا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** جب مصر میں قحط سالی کی بلا آئی تو بنی اسرائیل بھی اس بلا میں مبتلا ہو گئے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ ہم نے آل فرعون کو قحط سے پکڑا وہ تو سب ہی پکڑے گئے۔ **جواب:** اس کے چند جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اس زمانہ قحط میں بنی اسرائیل کو ذکر اللہ غذا کا کام دیتا تھا۔ انہیں اس ذکر کی برکت سے قحط کی تکلیف محسوس نہ ہوتی تھی جیسے خروج دجال کے وقت مومنوں کے جانور' کھیتیاں' مال متاع' تباہ ہو جائے گا مگر ذکر اللہ ان کی غذا ہو گا۔ دوسرے یہ کہ اگر بنی اسرائیل کو قحط سے تکلیف ہوئی بھی ہو تو وہ ان کے لئے عذاب نہیں بلکہ ان کے لئے بلندی درجات کا ذریعہ تھی۔ تکلیف اور چیز ہے' رب تعالیٰ کی پکڑ کچھ اور۔ جیسے بچوں کا ذبح' اس آفت میں اسرائیلی گرفتار تھے مگر عذاب میں گرفتار نہ تھے۔ ان کی آزمائش تھی۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ قحط وغیرہ سے صرف فرعون کی اولاد یا اس کے گھر والے ہی پکڑے گئے کہ فرمایا **ولقد اخذنا ال فرعون** تو کیا باقی کفار اس سے بچے رہے۔ **جواب:** یہاں **آل** ' بمعنی اولاد یا ' بمعنی اہل خانہ نہیں بلکہ ' بمعنی متبعین ہے یعنی سارے قبطی کفار۔ رب فرماتا ہے **واذ نجینکم من ال فرعون** ہم کہتے ہیں۔ صلی اللہ علیہ والہ وسلم یہاں بھی آل ' بمعنی امت ہے نہ کہ صرف اولاد یا ازواج۔ اس لئے **اولادہ وزوجہ** نہیں آتا **الہ** آتا ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **انما طٰئرھم عند اللہ** ان کی نحوست رب تعالیٰ کے ہاں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعض چیزیں منحوس ہیں مگر حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں کوئی چیز منحوس نہیں۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔

جواب: حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ جن چیزوں کو کفار منحوس سمجھتے ہیں جیسے بعض جانور یا کانا آدمی یا الو وغیرہ۔ ان میں کوئی چیز منحوس نہیں ہے۔ کفر' شرک' اپنے بداعمال یقیناً" منحوس ہیں بلکہ کفار کا زمانہ اور عذاب کا زمانہ تک منحوس ہے۔ رب فرماتا ہے **فی یوم نحس مستمر مسئلہ:** اسلام میں نیک فال لینا جائز ہے۔ بدفالی بدشگونی لینا حرام ہے۔ نیک فال یہ ہے کہ ہم کسی کام کو جا رہے ہیں۔ کسی نے پکارا او' رشید' او سعید۔ ہم نے خیال کیا کہ اچھا نام سنا ہے انشاء اللہ کامیابی ہے۔ حضور ﷺ نے بارش کی نماز کے موقعہ پر اپنی چادر الٹ کر اوڑھی تاکہ یہ بارش کی فال ہو۔ حضور انور نے برے نام رکھنے سے منع فرمایا کہ برے

www.alahazratnetwork.org

نام میں برکت نہیں ہوتی۔ **حکایت**: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک شخص آیا۔ آپ نے پوچھا۔ تیرا نام کیا ہے۔ بولا جمرہ (انگارہ) فرمایا تیرے باپ کا نام کیا ہے بولا شہاب (شعلہ) فرمایا تیرا قبیلہ کون سا ہے بولا حرقہ۔ فرمایا تیری بود و باش کہاں ہے بولا حرہ میں فرمایا جا تیرے گھر میں آگ لگ چکی ہے اس نے جا کر دیکھا تو واقعی آگ لگ چکی تھی۔ **حکایت**: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو کسی کام کے لئے بلایا۔ جب وہ آیا تو اس کا نام پوچھا وہ بولا ظالم ابن سرقہ۔ فرمایا تو ظلم کرتا ہے تیرا باپ چوری۔ ہم تجھ سے کام نہیں کرائیں گے۔ حضور انور برے نام اچھے ناموں سے تبدیل کر دیتے تھے۔ فرماتے ہیں بیمار نہ بنو ورنہ بیمار ہو جاؤ گے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گفت پیغمبر کہ رنجوری بلاغ
رنج آرد تا بمیرد چوں چراغ

اس کی بحث۔ تفسیر روح البیان میں دیکھو۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت میں کیوں ارشاد ہوا کہ **اکثرھم لایعلمون** اکثر فرعونی یہ نہیں جانتے تھے۔ **جواب**: اس لئے کہ بعض فرعونی لوگ در پردہ ایمان لا چکے تھے وہ جانتے تھے کہ یہ مصیبتیں خود فرعونیوں کی بد عملیوں کا نتیجہ ہیں مگر وہ اکثر کفار ہی تھے اس لئے **اکثرھم** فرمایا گیا یا اکثر اس لئے فرمایا کہ عموماً لوگ دنیاوی آفات کو ظاہری اسباب کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اپنے گناہوں کی طرف نسبت نہیں کرتے۔ ہوا لگی تو زلزلہ ہو گیا نزلہ سے بخار آ گیا یہ نہیں کہتے کہ مجھے میرے گناہوں کی شامت سے بخار آ گیا۔ (تفسیر خازن وغیرہ)۔

تفسیر صوفیانہ: خدا رسی کے لئے بہت سواریاں ہیں۔ خدا کا خوف' نبی کی محبت' دنیاوی بلیات یہاں کے عیش و آرام' مخلوق میں غور و فکر وغیرہ مگر آخری تین سواریاں اگر سیدھی چلیں تو رب تک پہنچا دیں' اگر ٹیڑھی چلیں تو دوزخ تک' تکالیف میں صبر' آرام میں شکر' مخلوق میں یہ فکر کہ ان کو کس نے پیدا فرمایا' کیسے پیدا کیا' ان کا بنانے والا بڑا ہی کارساز ہے وغیرہ وغیرہ رب تک پہنچاتے ہیں لیکن تکلیف میں بے صبری' آرام میں عیش پرستی' مخلوق کو خالق مان لینا یہ دوزخ کا راستہ ہے۔ رب تعالیٰ نے فرعونیوں کو آفات و بلیات کی سواریاں اپنے تک پہنچنے کے لئے دیں۔ فرمایا **لعلھم یذکرون** اس سے پہلے انہیں عیش و آرام کی سواری بھی اس لئے عطا ہوئی مگر انہوں نے ان سواریوں کو غلط استعمال کیا کہ راحتوں کو اپنا کمال سمجھا اور مصیبتوں کو مومنین' صالحین کا وبال جانا۔ اس لئے یہ سواریاں انہیں دوزخ میں لے گئیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فال اور طیرہ دونوں میں علامات کے ذریعہ (انجام) کا پتہ لگایا جاتا ہے مگر طیرہ (بدشگونی) حرام ہے اور فال حلال بلکہ سنت کیونکہ حیوانی روح سے انسانی روح قوی تر ہے۔ انسان کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ انجام کا پتہ دے سکتے ہیں۔ جانور اور ان کی بولیاں' ان کی حرکتیں انجام کا پتہ نہیں دیتیں پھر انسانوں میں جو باکمال انسان ہیں' ان کی ذات اور حالات' ان کی طرف منسوب چیزیں برکت والی ہیں۔ ان سے نیک فال لینا بہت ہی اچھا ہے۔ (از روح) بعض لوگ کہتے ہیں کہ جانور غراب (کوا) اچھا نہیں کہ اس نے نوح علیہ السلام کی نافرمانی کی۔ آپ نے اسے کشتی میں حکم دیا کہ اڑتا ہوا جا پانی کا پتہ لگا۔ وہ گیا پھر لوٹ کر نہ آیا۔ اس کا نام اچھا نہیں۔ اسی سے ہے غربتہ' اس سے ہے غراب البین وغیرہ (از روح) حدیث پاک میں ہے کہ گرگٹ کو جہاں پاؤ مار دو کہ یہ دشمن ابراہیم علیہ السلام ہے کہ نمرود کی آگ کو پھونکیں مارتا تھا تاکہ روشنی ہو جاوے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کے مقبول بندے مبارک اور جس وقت یا جگہ یا چیز کو ان

www.alahazratnetwork.org

سے نسبت ہو جاوے۔ وہ مبارک۔ حتی کہ ان کی فاتحہ کی شیرینی تبرک ہے اور مردود بندے منحوس چیز گویا جس جگہ اور وقت کو ان سے نسبت ہو جاوے وہ منحوس۔ قوم ثمود کی زمین ان کا کنواں منحوس ہے۔ اس کی صد ہا مثالیں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقبول بندوں کے خلاف کفار کی بکواس کا جواب خود رب تعالیٰ دیتا ہے۔ دیکھو فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو منحوس کہا تو رب تعالیٰ نے ان کا خود جواب دیا۔ **الا انما طٰئرھم عند اللہ** دیکھو حضور انور سے ابولہب نے کہا تھا تیرا ہاتھ ٹوٹے تو رب نے جواب دیا۔ **تبت یدا ابی لھب** ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ جاویں۔

وَقَالُوْا مَهْمَا تَاْتِنَا بِهٖ مِنْ اٰيَةٍ لِّتَسْحَرَنَا بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ
اور کہا انہوں نے جو لاوے تم ہمارے پاس کوئی نشانی تاکہ جادو کرو تم ہم پر اس کے ذریعہ پس نہیں ہیں ہم تم
اور بولے وہ تم کیسی بھی نشانی لے کر ہمارے پاس آؤ کہ ہم پر اس سے جادو کرو ہم کسی طرح تم پر
بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۲﴾ **فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ**
پر ایمان لانے والے پس بھیجا ہم نے اوپر ان کے سیلاب اور ٹڈیاں اور جوئیں اور
ایمان لانے والے نہیں تو بھیجا ہم نے ان پر طوفان اور ٹڈی اور گھن (یا کلنی یا جوئیں)
وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ مُّفَصَّلٰتٍ فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا
مینڈک اور خون نشانیاں تفصیل کی ہوئی پس غرور کیا انہوں نے اور تھے وہ
اور مینڈک اور خون جدا جدا نشانیاں تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ
قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۱۳۳﴾
قوم قصور کرنے والی۔
مجرم قوم تھی۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں پر دو آفتوں کے نزول کا ذکر ہوا تھا۔ انوں کا قحط پھلوں کی کمی اور ساتھ ہی ان کی ایک ہٹ دھرمی کا تذکرہ ہوا یعنی موسیٰ علیہ السلام کی طرف نحوست کو منسوب کرنا۔ اب ان کی دوسری ہٹ دھرمی کا ذکر ہے یعنی ان عذابوں کو موسیٰ علیہ السلام کا جادو کہنا اور اپنے کفر پر قائم رہنے کا اعلان کرنا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں پر معمولی عذابوں کا ذکر ہوا قحط سالی پھلوں میں کمی اب اس سے سخت تر عذابوں کا ذکر ہے یعنی طوفان ٹڈی خون وغیرہ کا عذاب گویا معمولی جھڑک کے بعد کچھ کڑی پکڑ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان عذابوں کا تذکرہ ہوا جنہیں فرعونی اتفاقی حادثات کہہ سکتے ہیں کہ قحط سالی پھلوں میں کمی بارش کی کمی یا

www.alahazratnetwork.org

ناموافق ہوا، زمین کی کمزوری سے ہوئی۔ اب ان غیبی عذابوں کا ذکر ہے جن کو کسی حادثہ کی طرف نسبت نہیں کر سکتے یعنی جوں، خون، مینڈک، وغیرہ کا عذاب۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں انہی تکالیف کا ذکر ہوا جن کا اثر بنی اسرائیل پر بھی پڑ جاتا تھا یعنی قحط سالی، پھلوں کی کمی۔ اب ان عذابوں کا ذکر ہے جو خالص فرعونیوں پر وبال بنا تھا، اسرائیلی بالکل محفوظ رہے۔ خون، جوں، مینڈک وغیرہ۔

تفسیر: وقالوا مهما تاتنا به من اٰیة یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ یا یہ معطوف ہے **یطیروا** پر اور واؤ عاطفہ ہے۔ **قالوا** کا فاعل فرعون اور فرعونی لوگ ہیں۔ **مهما** اسم شرط ہے مبتداء ہے اور اگلا مضمون شرط و جزاء ہو کر اس کی خبر۔ **مهما** کے دو معنی ہیں جب بھی اور جو کچھ یہاں، بمعنی جو کچھ ہے کیونکہ اس کی تفسیر میں **من ایة** ارشاد ہوا۔ **مهما** کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ ایک مستقل لفظ ہے کسی سے بنا نہیں ہے۔ عموم کی زیادتی بیان کرنے کے لئے آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ بنا ہے مہ اور ما سے۔ مہ اسم فعل ہے، بمعنی ٹھہرو اور ما شرطیہ ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ اصل میں ماما تھا۔ درمیان والے الف کو 'ہ' بنا دیا گیا۔ پہلا ما شرطیہ ہے۔ دوسرا ما ابہام و عموم کے لئے۔ عربی شعراء نے بمعنی جب بھی استعمال کیا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

و انک مهما تعط بطنک سؤله
و فرجک تالا منتهی الرم اجمعا (معانی)

اس لئے منطقی لوگ اسے بمعنی کلما موجبہ کلیہ کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ **تاتنا** میں خطاب موسیٰ علیہ السلام سے ہے۔ **من ایة مهما** کا بیان ہے اس قحط اور پھلوں کی کمی کو آیت یا معجزہ کہنا ان کی طرف سے بطور مذاق و دل لگی تھا۔ فرعونی لوگ اسے معجزہ مانتے ہی نہ تھے وہ تو اسے اتفاقیات کہتے تھے یا موسیٰ علیہ السلام کا جادو آیت سے مراد یا موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور ید بیضا ہے یا مذکورہ قحط سالی اور پھلوں کی کمی یا دونوں چیزیں۔ **لتسحرنا بها** یہ عبارت تاتنا سے متعلق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **به** اور **بها** دونوں ضمیروں کا مرجع مهما ہے چونکہ مهما لفظاً مذکر ہے معنیً مونث اس لئے مذکر و مونث دونوں ضمیریں اس کے لئے آگئیں بعض نے فرمایا کہ **به** مهما کی طرف لوٹتی ہے **اور بها** آیت کی جانب یعنی فرعونیوں نے عصا، ید بیضا، قحط سالی، پھلوں کی کمی دیکھ کر کہا کہ موسیٰ علیہ السلام آپ جو بھی معجزہ ہمارے پاس لائیں گے تاکہ اس کے ذریعہ ہم پر جادو کر دیں اور ہم کو اپنا امتی مومن بنائیں تو **فما نحن لك بمؤمنين** یہ عبارت مهما کی خبر ہے اس کی ف جزائیہ ہے۔ **لك** کا تعلق مومنین سے ہے یعنی ہم تو آپ پر ایمان نہیں لائیں گے۔ ہم آپ کو نبی نہیں مانیں گے۔ ہم آپ کی تصدیق نہیں کریں گے کیونکہ ہم اپنے کفر میں بڑے پختہ ہیں اس پر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں ان پر یہ دعا فرمائی جس سے وہ پانچ عذاب ان لوگوں پر آئے

www.alahazratnetwork.org

بمعنی گھومنا' چکر لگانا' پھیرنا اسی سے ہے طواف۔ رب فرماتا ہے **فطاف علیھا طائف من ربک وھم نائمون** الف نون زائد ہیں جیسے غفران' قرآن اور فرقان ہیں پانی کی طغیانی کو اسی لئے طوفان کہتے ہیں کہ وہ شہروں اور بستیوں کو گھیر لیتا ہے یہاں طوفان سے مراد یا تو سیلاب ہے زیادہ بارش کی وجہ سے' یا دریا چڑھ آنے کی وجہ سے یا اس سے مراد طاعون ہے یا چیچک کی وبا حضرت عائشہ صدیقہ نے اس کی تفسیر موت سے کی۔ فرماتی ہیں کہ یمنی زبان میں طوفان موت کو کہتے ہیں۔ ابو قلابہ نے چیچک سے تفسیر کی۔ طاعون اور چیچک پہلے فرعونیوں پر ہی آئی۔ اس سے پہلے دنیا والے اسے جانتے بھی نہ تھے مگر قوی یہ ہے کہ پانی کا طوفان ہے کیونکہ روایات میں ہے کہ پانی فرعونیوں کے کھیتوں' باغوں' گھروں میں کھڑا ہو گیا جو کھڑے آدمی کے منہ تک پہنچتا تھا جو بیٹھتا یا لیٹتا تھا وہ ڈوب جاتا تھا اس لئے وہ برابر سات دن تک کھڑے رہے پھر عجیب بات یہ تھی کہ ہر پست قد اور دراز قد کے منہ تک پانی تھا۔ اسرائیلیوں کے مکان بالکل صاف اور خشک تھے۔ ان پر یہ عذاب سات دن رہا۔ ہفتہ کے دن سے ہفتہ تک۔ **والجراد** یہ معطوف ہے **الطوفان** پر۔ **ارسلنا** کا مفعول ہے عربی میں **جراد** بمعنی ٹڈی ہے جسے پنجابی میں مکڑی کہتے ہیں۔ جراد جمع' جرادة واحد یہ دو قسم کی ہوتی ہے۔ بحری (دریائی) بری (خشکی) کی اس کا زرد پیلا ہوتا ہے مادہ کالی۔ یہ حلال ہے اس کے ذبح کی ضرورت نہیں۔ کھیتوں کو سب سے زیادہ نقصان یہی پہنچاتی ہے یہ جانور بہت بیماریوں کا علاج ہے۔ جس کا پیشاب بند ہو جاوے وہ بڑی ٹڈی کی دھونی لے۔ انشاء اللہ پیشاب کھل جاوے گا اگر بارہ ٹڈیاں لے کر ان کے سر اور پر علیحدہ کر دیئے جاویں اس پر تھوڑی سی آس گھاس ملائی جاوے پھر اسے پیا جاوے تو استسقاء کی بیماری جاتی رہتی ہے۔ بحری مکڑی کا گوشت جزام کے لئے مفید ہے (روح البیان) اللہ تعالٰی کی بڑی مخلوق مکڑی ہے۔ **والقمل** ہماری قراءت میں قمل قاف کے پیش اور میم کے شد سے ہے۔ ایک قراءۃ میں قمل ق کے فتح اور میم کے سکون سے ہے (روح المعانی) بمعنی گھن (سسری) جو گندم وغیرہ کو لگ کر اسے برباد کر دیتی ہے۔ مفسرین نے قمل کی تین تفسیریں کی ہیں۔ گھن' چچڑی' (کلینی) جو جانوروں کے خصوصاً" گائے بھینس کے جسم سے چمٹی ہوئی اس کا خون چوستی رہتی ہے۔ جوں' خواہ کپڑوں کی جوں ہو' خواہ سر کے بالوں کی' چچڑی کی قوت سامعہ بہت ہی قوی ہوتی ہے۔ وہ ایک دن کی راہ سے اونٹ کی پاؤں کی آہٹ سن لیتی ہے اس تک پہنچ کر اسے چمٹ جاتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ قمل کھیت تباہ کرنے والے کیڑے (روح البیان) عام مفسرین نے اس کے معنی جوں کئے جوں کی چند خصوصیات یاد رکھو۔ 1۔ اسے پکڑ کر زندہ چھوڑ دینا حافظہ کمزور کرتا ہے یہاں شامی نے فرمایا کہ ترش سیب کھانا' چوہے کا جھوٹا کھانا' جوں زندہ چھوڑ دینا نسیان پیدا کرتا ہے 2۔ حاملہ عورت کے متعلق اگر معلوم کرنا ہو کہ پیٹ میں لڑکا ہے یا لڑکی تو جوں پر اس عورت کے دودھ کا قطرہ ٹپکا کر کسی انسان کی ہتھیلی میں رکھو اگر جوں اس دودھ سے نکل جائے تو لڑکی ہے اگر نہ نکل سکے تو لڑکا۔ 3۔ جس کا پیشاب بند ہو گیا ہو تو اس کے بدن کی جوں پیشاب کی نالی میں ڈالو۔ انشاء اللہ پیشاب آجاوے گا۔ 4۔ ریشمی کپڑے میں جوں نہیں پڑتی اس لئے خارش کی بیماری اور جوں کی زیادتی میں مرد کو ریشم پہننا جائز ہے۔ حضور انور نے عبدالرحمن بن عوف اور زبیر ابن عوام کو جوں کی شکایت پر ریشم پہننے کی اجازت دی تھی۔ 5۔ حضور انور کے جسم و لباس پر مکھی کبھی نہ بیٹھی۔ آپ کو جوں نے کبھی تکلیف نہ دی۔ 6۔ جس کا خون خراب ہو اس کے کپڑوں' بدن میں جوں نہیں پڑتی۔ جذامی یا جسے جذام ہونے والا ہو اسے جوں نہیں پڑے گی **والضفادع** یہ معطوف ہے القمل پر۔ ضفدع جمع ہے ضفارع کی۔ بمعنی مینڈک۔ نر مینڈک کو

www.alahazratnetwork.org

ضفدع کہتے ہیں مادہ مینڈکی کو ضفدعہ۔ مینڈک بہت قسم کے ہوتے ہیں بعض خشکی کے ہیں بعض تری کے۔ بعض بالکل خاموش' بعض بولنے والے' جو بولتے ہیں ان کی آواز ان کے کانوں کے نیچے سے نکلتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مینڈک اللہ تعالیٰ کا بہت ہی ذکر کرتا ہے۔ اس کی تسبیح سبحان الملک القدوس ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ مینڈک کو نہ مارو کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آتش نمرود بجھانے کی کوشش کرتا رہا تھا۔ مینڈک میں عجیب کرشمے ہیں۔ 1۔ اگر کوئی عورت دریائی مینڈک کا منہ چیر کر اس میں تین بار تھوک دے پھر اسے پانی میں پھینک دے تو اسے پھر حمل قائم نہ ہوگا۔ 2۔ اگر مینڈک کا خون کسی عضو پر لیپ کر دیا جائے تو وہاں بال نہ اگیں گے 3۔ اگر کسی باغ یا گھر میں مینڈک بہت شور مچاتے ہوں تو وہاں پانی کی سطح پر طشت اوندھا کر کے رکھ دیا جاوے تو چپ ہو جائیں گے۔ دیکھو تفسیر روح البیان۔ مینڈک کا تیل قوت باہ کے لئے مفید ہے۔ **والدم** یہ معطوف ہے الضفادع پر۔ یہ فرعونیوں پر پانچواں عذاب تھا کہ ان کی ہر چیز میں بالکل تازہ خون بھر گیا ان پانچوں عذابوں کی تفصیل ابھی انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں آوے گی۔ **ایت مفصلت** یہ مذکورہ پانچوں چیزوں کا حال ہے۔ آیات جمع ہے آیت کی۔ معنی نشانی (معجزہ) یعنی یہ پانچوں عذاب فرعونیوں کے لئے ہماری قدرت کی نشانیاں ہیں۔ یا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کو مفصلات فرما کر یہ بتایا کہ یہ پانچوں عذاب ان پر یکدم نہیں آئے بلکہ آگے پیچھے اور کچھ فاصلے سے آئے۔ اس میں گفتگو ہے کہ ان میں فاصلہ کتنا ہوتا تھا (تفسیر خازن و روح البیان) نے فرمایا کہ ہر دو عذاب کے درمیان ایک ماہ کا فاصلہ ہوتا تھا۔ عذاب سات دن رہتا تھا پھر سکون ایک ماہ مگر تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ پانچوں عذاب دس سال میں آئے۔ احمد نے کتاب الزہد میں نوف شامی سے روایت کی کہ بیس سال میں یہ عذاب دکھائے گئے۔ بہرحال یہ عذاب نہ تو یکدم آئے نہ مسلسل بلکہ فاصلوں سے۔ **فاستکبروا** اس فرمان عالی میں ان عذابوں کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ وہ لوگ ایسے سرکش تھے کہ ان عذابوں میں مبتلا ہو کر بھی ایمان نہ لائے' موسیٰ علیہ السلام کے آگے نہ جھکے چنانچہ ہر عذاب کے موقعہ پر فرعون موسیٰ علیہ السلام سے وعدہ کرتا تھا کہ اگر اب کے عذاب دفع ہو گیا تو ہم ایمان قبول کرلیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے ساتھ بھیج دیں گے پھر جب عذاب دفع ہو جاتا تو اپنے وعدے سے پھر جاتے جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے **وکانوا قوما مجرمین** یہ جملہ نیا ہے جس میں فرعونیوں کا حال بیان کیا گیا ہے یعنی پوری فرعونی قوم عادی مجرم و سرکش تھی اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے وعظ' عذاب' معجزات سے وہ راہ راست پر نہ آئے چونکہ قوم جمع ہے اس لئے اس کی صفت مجرمین جمع آئی۔

خلاصہ تفسیر: فرعونی لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے چار معجزے دیکھے۔ عصا' ید بیضا' فرعونیوں پر سخت قحط سالی' پھلوں میں کمی مگر وہ ایمان نہ لائے بلکہ سرکشی سے موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ آپ خواہ کتنے اعلیٰ معجزات ہم کو مسحور کرنے کے لئے دکھائیں' ہم اپنے دین میں ایسے پختہ ہیں کہ آپ پر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے تب موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی اے رب کریم فرعون سخت سرکش' باغی' عنادی ہے۔ اس کی قوم نے بڑی بد عہدی کی ہے تو ان پر ایسے عذاب بھیج جو فرعونیوں کے لئے نقمتہ (سزا) ہوں' میری قوم کے لئے عظتہ "(نصیحت) اور بعد والوں کے لئے عظتہ نصیحت ہوں۔ بس آپ کی یہ بد دعا کرنی تھی کہ سب سے پہلے ان پر پانی کا عذاب (طوفان) آیا۔ جو فرعونیوں کے گھروں میں قریباً "قد آدم بھر گیا' کھیتوں' باغوں میں کھڑا ہو گیا ہر چھوٹے بڑے فرعونی کے گلے گلے پہنچ گیا' شنبہ سے شنبہ تک رہا۔ کوئی فرعونی بیٹھ نہ سکا جو بیٹھا یا نیند میں جھونکا کھا کر گرا ڈوب

www.alahazratnetwork.org

گیا مگر لطف یہ تھا کہ اسرائیلیوں کے گھر بالکل محفوظ تھے آخر فرعونی اور فرعونیوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بہت خوشامد کی ایمان لانے، قوم اسرائیل کو آزاد کرنے کا مضبوط وعدہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے دعا فرمائی۔ طوفان دفع ہوا۔ اللہ کی شان کہ پانی خشک ہونے کے بعد ان کے باغوں میں پھل، کھیتوں میں دانے پہلے سے کہیں زیادہ پیدا ہوئے تو بولے کہ یہ عذاب نہ تھا بلکہ یہ رحمت تھی اس نے ہمارے باغوں، کھیتوں میں کھاد کا کام دیا۔ ہم تو ایمان نہیں لاتے۔ ایک ماہ، یا ایک سال، یا کچھ کم و بیش آرام سے رہے پھر ان پر ٹڈیوں کا عذاب بھیجا گیا۔ پہلے ٹڈیاں ان پر بادل کی طرح چھا گئیں۔ دھوپ ختم ہو گئی پھر سارے مصر و علاقہ مصر پر گری تو ایک گز اونچا فرش لگ گیا۔ کھیتیاں، باغات، مکانوں کے کواڑ بلکہ مکانوں کی چھتیں، فرعونیوں کے کپڑے بلکہ ان کے سارے سامان حتی کہ کواڑوں وغیرہ کی کیلیں بھی کھا گئیں مگر بنی اسرائیل ان سے بالکل محفوظ رہے آخر کار فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں پھر عاجزی کرنے آئے۔ ایمان تقویٰ اختیار اور ظلم ختم کر دینے کا وعدہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام جنگل میں تشریف لے گئے۔ عصا شریف سے چو طرفہ اشارہ کیا فوراً" ٹڈیاں چو طرفہ پھٹ گئیں جہاں سے آئی تھیں وہاں چلی گئیں۔ سارا علاقہ صاف ہو گیا جب فرعونی لوگ اپنے کھیتوں باغوں میں پہنچے تو دیکھا کہ قدرے دانہ اور پھل باقی تھے بولے یہ بقیہ پھل دانہ ہم کو کافی ہیں ہم ایمان نہیں لاتے، پہلے سے بھی زیادہ سرکش اور بد عمل ہو گئے۔ یہ عذاب بھی ایک ہفتہ رہا تھا۔ ایک ماہ یا ایک سال یا کچھ کم و بیش آرام سے رہے پھر رب تعالیٰ نے ان پر جوؤں کا عذاب بھیجا تو برا حال ہو گیا اس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام ایک ریت کے ٹیلہ پر گئے وہاں عصا مارا تو ریت کے ذرے، جوؤں کی شکل میں تبدیل ہو کر فرعونیوں میں پھیل گئے ان کے کھیت، باغات فرعونیوں کے بال کھال سب کچھ چاٹ گئے اگر فرعونی کرتہ جھاڑتا تو دو چار سیر جوئیں جھڑ پڑتیں اور پھر اتنی کی اتنی ہی رہتیں فرعونیوں کے سر مونچھیں، بھوؤں، ہاتھ، پاؤں کے بال تک چٹ گئیں۔ کھانا پکاتے وقت دیگچی جوؤں سے بھر جاتی، آٹا جوؤں سے پر ہو جاتا۔ یہ عذاب بھی سات دن رہا مگر اسرائیلی محفوظ رہے آخر کار فرعونی چیخ پڑے۔ موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں عاجزی کرتے ہوئے حاضر ہوئے روئے، تھتھئے، چلائے۔ ایمان و تقویٰ کا وعدہ کیا آخر کار موسیٰ علیہ السلام کو رحم آ گیا۔ دعا فرمائی اس عذاب سے نجات پائی۔ نجات پاتے ہی بولے کہ واقعی موسیٰ علیہ السلام بڑے جادوگر ہیں کہ انہوں نے عصا سے ریت کے ذروں کو جوئیں بنا دیا۔ ایمان نہ لائے، پہلے سے بھی زیادہ خبیث بن گئے۔ ایک ماہ یا ایک سال آرام سے گزرے کہ ان پر مینڈکوں کا عذاب آ گیا۔ فرعونیوں کے گھروں، کنوؤں، کھانا، پانی میں مینڈک ہی مینڈک تھے جہاں فرعونی بیٹھتا اس کے چو طرفہ ایک ایک گز اونچے مینڈک ہوتے۔ بات کرنے کے لئے منہ کھولتا تو مینڈک اس کے منہ میں داخل ہو جاتا۔ کھانے کے لئے منہ کھولتا تو لقمہ پیچھے مینڈک پہلے منہ میں پہنچ جاتا۔ پکتی ہانڈیوں، پانی سے بھرے گھروں میں مینڈک ہی مینڈک تھے آخر کار فرعونی پھر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں روتے پیٹتے، آہ و زاری کرتے حاضر ہوئے بولے اے موسیٰ! اس بار تو ہم مر گئے۔ دعا کرو کہ یہ عذاب دفع ہو آپ نے دعا کی تو رب نے ایک غیبی ہوا بھیجی جس نے سارے مینڈکوں کو دریا میں پھینک دیا۔ عذاب دور ہوتے ہی پھر اپنے وعدے سے پھر گئے۔ پہلے سے زیادہ خبیث ہو گئے۔ ایک ماہ یا ایک سال بعد آخری پانچواں عذاب خون کا آیا۔ یہ پچھلے سب عذابوں سے سخت تھا اولاً" دریائے نیل کا پانی تازہ خالص خون بنا پھر کنوؤں، گھروں، لوٹے، گلاس کا پانی خون بنا پھر ہانڈی کا شوربا خون اب فرعونی پیاسے مرنے لگے تو درختوں کے پتے چباتے تاکہ ان کے رس سے پیاس بجھائیں مگر ان سے بھی خون ہی نکلا۔

www.alahazratnetwork.org

اسرائیلی اس عذاب سے بالکل محفوظ تھے۔ فرعون نے حکم دیا کہ ایک پلیٹ میں قبطی اور اسرائیلی ایک ساتھ کھانا کھائیں تو یہ حالت ہوئی کہ قبطی کی جانب خون اور سبطی کی طرف شوربا پھر فرعون نے حکم دیا کہ سبطی یعنی اسرائیلی اپنے منہ میں پانی شوربا لے کر قبطی کے منہ میں اس کی کلی کردے تب یہ معلوم ہوا کہ اسرائیلی کے منہ میں پانی یا شوربا اور قبطی کے منہ میں پہنچتے ہی خون ہوتا تھا۔ اللہ نے قبطیوں کو اتنا ذلیل کیا کہ ان کے منہ میں اسرائیلیوں سے کلی کرادی اس سے پہلے وہ اسرائیلیوں کے ساتھ کھانا تو کیا ان کو اپنے ساتھ بٹھانا بھی گوارا نہیں کرتے تھے مگر تھے بدنصیب اس لئے ان کی آنکھیں ان سے بھی نہ کھلیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جس کے دل میں نبی کی عظمت نہ ہو اسے کوئی چیز حتی کہ عذاب الٰہی بھی ایمان نہیں دے سکتے۔ یہ فائدہ **فما نحن لک بمؤمنین** میں **لک** فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرعون اور فرعونی لوگ اتنے معجزات عذاب دیکھ کر ایمان نہ لائے کیونکہ ان کو موسیٰ علیہ السلام سے عقیدت نہ تھی جب رب تعالیٰ ایمان کی توفیق کسی کو دیتا ہے تو پہلے اس کے دل میں پیغمبر کا وقار پیدا کرتا ہے۔ نبی کے وقار سے خدا تعالیٰ کی ہیبت' ایمانیات' وقعت دل میں جاگزیں ہوتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کفر و شرک کا اصل سبب نبی کا مقام نہ پہچاننا ہے' نبی اور جادوگر میں' معجزے اور جادو میں فرق نہ کرنا ہے۔ یہ فائدہ **لتسحرنا بہا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ مذکورہ پانچ عذاب صرف فرعونیوں پر آئے تھے۔ بنی اسرائیل ان سے محفوظ رہے تھے۔ یہ فائدہ **فارسلنا علیہم** میں **علیہم** فرمانے سے حاصل ہوا البتہ یہ چیزیں فرعونیوں پر عذاب بھی تھیں اور قبطیوں' سبطیوں کے لئے معجزات موسوی بھی۔ اس لئے رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کی تعداد نو فرمائی ہے کہ ارشاد فرمایا **و لقد اتینا موسی تسع ایت بینت** دو عصا و ید بیضا۔ دانوں کا قحط' پھلوں کی سخت کمی اور پانچ عذاب جو اس آیت میں مذکور ہیں نیز یہاں انہیں آیات فرمایا گیا کہ فرمایا **ایت مفصلت**۔ **چوتھا فائدہ:** فرعون بدترین کافر و ظالم تھا مگر جتنی ڈھیل اسے دی گئی اتنی کسی قوم کو نہیں دی گئی کہ پہلے اس پر ہلکے عذاب' قحط' پھلوں کی کمی بھیجی گئی پھر پانچ بار میں پانچ سخت عذاب بھیجے گئے پھر بہت عرصہ کے بعد اسے ہلاک کیا گیا کیونکہ یہ موسیٰ علیہ السلام کا مربی تھا کہ آپ کو اس نے پرورش کیا تھا اس لئے اس کو بچنے کے بہت ذریعے دیئے گئے۔ دوسری ہلاک شدہ قوموں کو اتنے مواقع نہیں دیئے گئے۔ یہ فائدہ **فارسلنا علیہم الطوفان** فرمانے سے حاصل ہوا۔ نبی کی خدمت کافر کو بھی کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا دیتی ہے۔ ابو طالب نے ایمان قبول نہیں کیا مگر حضور ﷺ کی خدمت کی وجہ سے وہ دوزخ میں نہیں رہیں گے بلکہ اس سے باہر رہیں گے ان کا عذاب بھی ہلکا ہوگا **پانچواں فائدہ:** کافر کو کوئی عبادت نفع نہیں دیتی مگر نبی کی خدمت' نبی کی ولادت کی خوشی منانا اسے بھی کچھ نہ کچھ فائدہ دے دیتی ہے۔ ابولہب نے حضور انور کی ولادت کی خوشی منائی تو اسے بھی پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ دیکھو بخاری شریف' کتاب الرضاع۔ **چھٹا فائدہ:** فرعونیوں پر گزشتہ دو عذاب یعنی دانوں کا قحط' پھلوں کی کمی تو ایک ساتھ آئے تھے' مگر یہ پانچ عذاب آگے پیچھے آئے کچھ فاصلے سے یعنی لگاتار مسلسل بھی نہ آئے۔ یہ فائدہ **مفصلات** فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان دونوں کے متعلق مفصلات نہ فرمایا مگر یہاں مفصلات ارشاد ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** فرعونیوں کے ان پانچ عذابوں میں ترتیب یہ تھی کہ پہلے ان پر طوفان آیا پھر ٹڈی دل' پھر جوں' پھر مینڈک' پھر خون۔ یہ فائدہ اس آیت کی ترتیب بیانی سے حاصل ہوا۔ ان ہی سے ہر اگلا عذاب پچھلے عذاب سے قوی ہوتا تھا۔

www.alahazratnetwork.org

آٹھواں فائدہ: جو شخص نبی کے آگے نہ جھکے گا اسے کبھی ایمان نہیں مل سکتا' اکڑ سے پکڑ ہوتی ہے۔ یہ فائدہ **فاستکبروا** سے حاصل ہوا کہ فرعونی لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے آگے نہ جھکے تو کافر رہے۔ شعر

وہ ہے آنکھ ان کا جو منہ تکے وہ ہیں لب ،و محو ہوں نعت کے
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ہو ان پہ نثار ہے

اعتراضات: پہلا اعتراض: فرعونی لوگ ان عذابوں کو موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ مانتے ہی نہ تھے پھر انہوں نے انہیں آیتہ کیوں کہا **مهماتاتنابایته۔ جواب:** محض مذاق اور دل لگی سے یعنی جن چیزوں کو آپ معجزہ کہتے ہیں مگر واقعہ میں جادو ہیں۔ اس لئے وہ ساتھ ہی کہتے تھے **من ایته لتسحرنا۔ دوسرا اعتراض:** قوم لوط و ثمودیوں ہی قوم نوح وغیرہ تو اتنے اہتمام سے ہلاک نہیں کی گئیں جس اہتمام سے فرعون کو ہلاک کیا گیا۔ اس میں فرق کی کیا وجہ ہے کہ پہلے اس پر دو عذاب ہلکے آئے' قحط وغیرہ پھر پانچ عذاب ترتیب وار' پھر بہت عرصہ کے بعد ڈبویا گیا۔ اتنے بڑے ظالم و کافر کو ڈھیل کیوں دی گئی۔ **جواب:** اس ڈھیل کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں۔ 1۔ اگرچہ فرعون بدترین کافر تھا مگر اس نے موسیٰ علیہ اسلام کی پرورش کی تھی۔ آپ پر بہت مال خرچ کیا اور عرصہ تک آپ سے بہت محبت کرتا رہا۔ ان وجوہ سے اسے یہ ڈھیل ملی۔ 2۔ فرعون سخی بہت تھا حتی کہ اس کے مطبخ میں روزانہ ایک ہزار بکرے ذبح ہوتے تھے۔ جب اس کی ہلاکت کا وقت قریب ہوا تو ہامان نے اسے خیرات بند کر دینے کا مشورہ دیا چنانچہ اس نے کم کرتے کرتے آخر کار خیرات بالکل ہی بند کر دی حتی کہ اس کے ڈوبنے کے دن اس کے باورچی خانہ میں صرف ایک بکرا ذبح ہوا تھا وہ بھی صرف اپنے گھر کے لئے۔ اتنے دن تک اسے اس کی خیرات بچائے رہی۔ 3۔ بعض روایات میں ہے کہ وہ اکثر رات کی تنہائیوں میں توبہ کرتا۔ رب کی بارگاہ میں اپنی بندگی' اس کی ربوبیت کا اقرار کر لیتا تھا اس سے عارضی طور پر بچ جاتا تھا۔ رب فرماتا ہے **وماکان اللہ معذبہم وھم یستغفرون** اس کا حوالہ ابھی تفسیر میں حدیث شریف سے پیش کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** ان عذابوں کو موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کیوں قرار دے دیا گیا۔ گذشتہ قوموں پر عذاب آئے مگر وہ عذاب ان کے نبیوں کے معجزات نہیں کہلائے کہ یہاں فرمایا گیا۔ **ایت مفصلت** دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ **ولقد اتینا موسی تسع ایت بینت۔ جواب:** واقعی یہ عذابات عجائبات کا مجموعہ تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کہلائے۔ خیال تو کرو کہ پانی کا طوفان مصر میں اس طرح آیا کہ قبطیوں کے گھروں میں پانی قد آدم کھڑا ہو گیا اور اسرائیلیوں کے گھر خشک' حالانکہ دونوں کے مکانات ملے جلے' رلے ملے تھے۔ ایک پلیٹ میں شوربا ہے مگر قبطی کی طرف خون اور اسرائیلی کی طرف شوربا۔ لذیذ پانی' اسرائیلی کے منہ میں پانی مگر جب اس پانی کی کلی قبطی کے منہ میں کر دے تو خون۔ ٹڈیاں قبطیوں کو پریشان کریں' اسرائیلیوں کو ان کی خبر بھی نہ ہو اور موسیٰ علیہ السلام کے اشارہ پر غائب ہو جائیں۔ یہ ہیں ان کے معجزات ہونے کی وجوہ۔ یہ خبریں محض عذاب نہ تھیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام کی طرف بلانے کی دعوتیں تھیں محض عذاب تو غرق فرعون کے وقت آیا۔

تفسیر صوفیانہ: اگر انسان اللہ کا غلام بن جائے تو دنیا کی چیزیں اس کی خدام ہیں ہر چیز اس کی خدمت کرتی ہے اور اگر نبی کے

www.alahazratnetwork.org

آستانہ سے باغی ہو جاوے تو دنیا کی ہر چیز اس کے مقابل اللہ کا لشکر ہے وہ چاہے تو پانی کے قطروں' ٹڈی' جوں'' مینڈک وغیرہ معمولی اور کمزور مخلوق کے ذریعہ بڑے سے بڑے جابر بادشاہوں کے ہوش بگاڑ دے۔ دیکھو فرعون وہ جابر شخص تھا کہ اپنے کو خدا کہتا تھا مگر جوں' ٹڈی وغیرہ کی تاب نہ لا سکا۔ انسان کو چاہئے کہ اپنی حقیقت کو پہچانے تاکہ رب کی معرفت نبی کی عظمت اس کے دل میں جاگزیں ہو کہ یہ ہی انسانی زندگی کا مقصد ہے ہم اور ہماری کمزوریاں' مجبوریاں رب تعالیٰ کا پتہ ہیں۔ حکایت: مامون الرشید بادشاہ منبر پر خطبہ دینے' اپنا کلام سنانے کھڑا ہوا۔ ایک مچھر اس کی آنکھوں کے سامنے پھرنے لگا۔ مامون داہنے ہاتھ سے مارے تو وہ بائیں طرف ہو جاوے' یہ بایاں ہاتھ ہلائے تو مچھر دائیں طرف ہو جاوے۔ اسے بات کرنا مشکل ہو گئی آخر اس نے ایک اپنی گفتگو یہ کہتے ہوئے بند کر دی کہ خدا تعالیٰ نے مچھر کیوں پیدا کیا جو اتنا پریشان کرتا ہے۔ حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ مچھر اس لئے پیدا کیا گیا کہ تجھے اپنی حقیقت معلوم ہو جاوے۔ اس نے تجھ جیسے بادشاہ کی بولتی بند کر دی' تجھے بات نہ کرنے دی' تجھ میں رب کی معمولی مخلوق کے مقابلہ کی طاقت نہیں تو کون ہے۔ جو اللہ یا اس کے نبی کا مقابلہ کر سکے وہاں زور نہیں چلتا زاری کام آتی ہے۔ شعر

زور را بگذار' زاری را بگیر   رحم سوئے زاری آید اے فقیر

صوفیاء فرماتے ہیں کہ معجزے کا مقصد صرف ایک ہے یعنی نبی کی نبوت کا ثبوت جیسے سرکاری کام کے لئے وردی پیٹی بلہ' معجزے سے خدا تعالیٰ یا ایمان یا قوانین اسلام نہیں پہچانے جاتے۔ یہ تمام کچھ نبی سے پہچانے جاتے ہیں پھر معجزات تین طرح کے ہوتے ہیں۔ بعض وہ جو صرف دلیل نبوت ہوں' بعض وہ جو اس کے ساتھ کفار کے لئے تکلیف دہ بھی ہوں' بعض وہ جو دلیل ہونے کے ساتھ' اطاعت والوں کو آرام دہ بھی ہوں۔ عصا اور ید بیضا صرف دلیل نبوت تھا۔ عصا نے نہ کسی کو کاٹا نہ ہلاک کیا یہ چھ معجزات فرعونیوں کے لئے تکلیف دہ بھی تھے۔ ہمارے حضور کے بعض معجزات کھانے پانی وغیرہ میں برکات۔ یہ دلیل نبوت بھی تھے اور مومنین کے لئے آرام دہ بھی۔ جو لوگ ان معجزات کے ذریعہ اپنا عجز و نیاز' نبی کی قدرت و طاقت پہچان لیتے ہیں وہ مومن صحابی عارف بن جاتے ہیں جو اپنی اکڑ میں رہتے ہیں وہ مردود بارگاہ ہو جاتے ہیں۔ جادوگر صرف ایک معجزہ یعنی عصا دیکھ کر اپنی کمزوری حضرت موسیٰ کی قوت جان گئے وہ سب کچھ بن گئے۔ فرعون اپنی اکڑ میں رہا مار آیا' وہاں اکڑ پر پکڑ ہے۔

وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوْا يٰمُوْسَى ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ

اور جب کبھی نازل ہوتا اوپر انکے عذاب تو بولتے اے موسیٰ دعا کیجئے واسطے ہمارے رب اپنے اس وجہ

اور جب ان پر عذاب پڑتا کہتے اے موسیٰ ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کرو اس عہد کے سبب جو اس کا

لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ مَعَكَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ﴿۱۳۴﴾

کہ عہد کیا اس نے پاس آپکے البتہ اگر دور کر دیں آپ ہم سے یہ عذاب تو ایمان لائیں گے ہم آپ پر اور ضرور بھیج دیں گے ہم ساتھ

تمہارے پاس ہے بیشک اگر تم ہم سے عذاب اٹھا دوگے تو ہم ضرور تم پر ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو تمہارے ساتھ

www.alahazratnetwork.org

فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ اِلٰۤى اَجَلٍ هُمْ بٰلِغُوْهُ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

آپکے بنی اسرائیل کو۔ پس جب دور کر دیتے ہم عذاب ان سے اس وقت تک کہ پہنچنے والے تھے وہ اس پر تو اچانک وہ پلٹ جاتے تھے
کر دیں گے۔ پھر جب ان سے عذاب اٹھا لیتے ایک مدت کیلئے جس تک انہیں پہنچنا ہے جبھی وہ پھر جاتے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں پر عذابات مذکورہ کے اسباب کا ذکر تھا فرعونیوں کی سرکشی' ان کا کفر و عناد' اب ان آیات میں مذکورہ عذابات کے دفع ہونے کے سبب کا تذکرہ ہے۔ یعنی فرعونیوں کا موسے علیہ السلام کے سامنے عجز و نیاز کرنا' دعا کی خواہش کرنا گویا مرض کے اسباب کے ذکر کے بعد شفا کے اسباب کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں کے تکبر و غرور کا ذکر ہوا۔ **فما نحن لک بمؤمنین** اب ان آیات میں ان کے اس غرور کے خاک میں مل جانے اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے سرنیاز رگڑنے کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ نبی کے مقابل کسی کی فرعونیت نہیں چلا کرتی۔ اس میں بھی لوگوں کو تعلیم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان قدرتی عذابوں کا ذکر ہوا جو فرعون کی کسی تدبیر سے نہیں ٹل سکے۔ اب دعا موسوی کی تاثیر کا ذکر ہے کہ یہ عذاب جو کسی تدبیر سے نہ ٹل سکتے تھے۔ ایک دعا موسوی نے انہیں ٹال دیا تاکہ پتہ لگے کہ نبوت کا فیض دنیا کی تمام تدبیروں سے بڑھ کر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ فرعونیوں پر مذکورہ عذابات نہ تو ایک دم جمع ہو کر آئے نہ مسلسل بلکہ آگے پیچھے آئے اور ہر دو عذابوں کے درمیان فاصلہ تھا۔ آیات مفصلات۔ اب اس فاصلہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کوئی چیز پہلے عذاب کو ختم کر دیتی تھی اور دوسرے عذاب کو آنے نہ دیتی تھی گویا یہ آیات پچھلی آیات کی تفصیل ہیں۔

تفسیر: ولما وقع علیھم الرجز عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس آیت میں لما عموم شرط کے لئے ہے۔ بمعنی **کلما** یعنی جب کبھی۔ چونکہ ان عذابوں کا نزول آسمانی اسباب سے تھا اس لئے **وقع** ارشاد ہوا۔ وقوع کہتے ہیں اوپر سے نیچے گرنے کو اور چونکہ یہ عذابات ان پر اچانک آتے تھے اس لئے نزول نہیں فرمایا' وقع فرمایا' وقع سے بتایا کہ وہ عذابات آسمانی تھے' زمینی نہ تھے۔ زمینی تکالیف کو انسان دفع بھی کر لیتا ہے مگر آسمانی عذاب میں بالکل بے بس ہو تا ہے۔ دریا کا پانی بند وغیرہ سے روکا جا سکتا ہے آسمانی پانی کسی سے نہیں رکتا۔ جہاں انسانی تدبیر بیکار ہو جاتی ہے وہاں نبی کی دعا کام بناتی ہے۔ ان عذابوں سے فرعونی بے بس ہوئے تو موسیٰ علیہ السلام ہی طرف بھاگے چونکہ یہ عذابات صرف قبطیوں پر آتے تھے' اسرائیلی ان سے محفوظ رہتے تھے اس لئے **علیھم** ارشاد ہوا۔ **الرجز** میں الف لام عہدی ہے اور اس سے گزشتہ پانچ عذابوں کی طرف اشارہ ہے **رجز** بمعنی عذاب ہے چونکہ یہ اسم جنس ہے کہ ایک اور بہت پر بولا جا سکتا ہے اس لئے **رجز** واحد سے پانچوں مذکورہ عذابوں کو بیان فرمایا گیا یعنی قبطیوں پر جب بھی یہ مذکورہ عذاب آپڑتے تھے۔ یہ تفسیر حسن' قتادہ' مجاہد وغیرہم کی ہے مگر ابو عبداللہ فرماتے ہیں کہ **لما** بمعنی **اذا** ہے اور **رجز** سے مراد ان پانچ عذابوں کے علاوہ چھٹا عذاب ہے۔ وہ عذاب سرخ رنگ کا برف تھا جو قبطیوں پر برسا جس سے بہت قبطی ہلاک ہو گئے۔ ابن جبیر فرماتے ہیں کہ رجز بمعنی طاعون ہے جو ان پانچ عذابوں کے بعد فرعونیوں پر پھیلی جس سے ایک دن میں ستر ہزار قبطی ہلاک ہو گئے حتی کہ ان کو دفن نہ کیا جا سکا۔ ان کی لاشیں ویسے ہی پڑی رہیں (روح المعانی)

خازن' کبیر وغیرہ) مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ **قالوایموسی** میں **لما** عموم شرط کے لئے تھا۔ معنی جب' بھی ایسے ہی **قالوا** ماضی استمراری ہے یعنی کہتے تھے۔ اس کا فاعل فرعون اور فرعونی سب ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام کو نہ تو اپنے دربار میں بلا کر یہ کہتا تھا نہ راستہ چلتے ملاقات کر کے یہ کہتا تھا بلکہ سب آپ کے دروازے پر آکر یہ عرض و معروض کرتے تھے کیونکہ سائل داتا کے در پر جاتے ہیں نیز وہ ایک ایک دو دو کر کے نہ آتے تھے' بلکہ سارے مل کر ہجوم کر کے آتے تھے۔ اسی لئے **قالوا** جمع ارشاد ہوا۔ نبیوں' ولیوں کے دروازہ پر بھیڑ در حقیقت رب کے دروازہ پر بھیڑ ہے اس وقت کوئی کسی کا نمائندہ نہیں ہوتا تھا۔ رب چاہتا ہے کہ میرے پیاروں کے دروازوں پر فریادیوں بھکاریوں کی بھیڑ لگی ہو اور فریاد رسی کے لئے شور مچا ہو۔ البتہ جناب کلیم کے دروازے پر وقتی بھیڑ تھی مگر محبوب کے دروازے پر دائمی بھیڑ ہے۔ اس زمانہ میں پیغمبر کو نام لے کر پکارنا ممنوع نہ تھا اس لئے مومن و کافر سب ہی نبی کو نام لے کر پکار لیتے تھے یہ تو ہمارے حضور ﷺ کی شان ہے کہ آپ کو نام لے کر پکارنا ممنوع ہے **لاتجعلوادعاءالرسول** لہذا ان کا اس طرح پکارنا بے ادبی کے لئے نہ تھا۔ وہ بے ادبی کرتے بھی کیسے' وہ تو اپنی غرض کے لئے حاضر ہوئے تھے۔ **ادع لنا ربک** یہ **قالوا** کا مقولہ ہے۔ اس عرض و معروض میں قبطیوں کے اپنے سارے عقیدوں سے پھر جانے کا ذکر ہے۔ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کو اپنا رب مانتے تھے نہ موسیٰ علیہ السلام کو نبی۔ نہ وہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنے کے قائل تھے مگر اس عرض و معروض میں دعا کے بھی قائل ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بھی اور رب تعالیٰ کی الوہیت کے بھی' اور موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ عظمیٰ ہونے کے بھی کہ خود رب سے انہوں نے دعا نہ کی بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے دعا کے لئے کہا پھر ربنا نہ کہا ربک کہا یعنی وہ رب جسے آپ رب کہتے ہیں' وہ رب نہیں جسے ہم رب کہتے ہیں یعنی فرعون کیونکہ اس کی ربوبیت تو ہم کو معلوم ہو گئی وہ تو خود مصیبتوں میں گرفتار ہے یہی فرعون کا بھی حال ہوا کہ وہ اپنے سارے دعوے چھوڑ بیٹھا۔ موسیٰ علیہ السلام کی ساری باتیں مان گیا۔ سچ ہے ڈنڈا وہ کام کرتا ہے جو برسوں کا وعظ نہیں کرتا چونکہ صراحتہ" ان باتوں کا اقرار نہیں تھا لہذا یہ عرض و معروض ان لوگوں کا ایمان نہ بنی نہ وہ اس سے مومن ہوئے جیسے آج بہت سے کفار حضور انور کی نعت لکھتے پڑھتے ہیں مگر اس سے مومن نہیں ہو جاتے مومن بننے کے لئے کلمہ پڑھنا اور ساری باتوں کا صاف اقرار کرنا ضروری ہے۔ **بما عهد عندک** مزے کی بات تو یہ ہے۔ اس میں نبوت موسوی اور آپ کے قرب خصوصی کا صراحتہ" ذکر ہے۔ سب مانتے ہیں کہ اس میں ب توسل کی ہے یعنی اس کے وسیلہ سے آپ دعا کریں مگر گفتگو اس میں ہے کہ **ما** سے کیا مراد ہے۔ قوی قول یہ ہے کہ **ما** مصدریہ ہے اور عہد سے مراد نبوت ہے۔ **عهد** کا فاعل رب تعالیٰ ہے' **عندک' عهد** کا ظرف ہے چونکہ نبوت بھی نبی اور رب کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے اس لئے نبوت کو عہد کہا گیا کہ نبی نے رب تعالیٰ سے تبلیغ کرنے' تبلیغ میں جو مشقتیں پڑیں انہیں برداشت کرنے کا وعدہ کیا ہوتا ہے اور رب تعالیٰ نے نبی سے ان کی حفاظت' ان کی عزت و عظمت باقی رکھنے' ان کی دعائیں قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے چونکہ وہ عہد وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے اس لئے **عندک** ارشاد ہوا یعنی **عهدا ثابتا عندک** یعنی اے موسیٰ علیہ السلام اپنی نبوت کے وسیلہ سے آپ ہمارے لئے رب سے دعا فرمادیں یعنی ہمارے وسیلہ آپ ہیں اور آپ کا وسیلہ آپ کی نبوت ہے (معانی) بعض مفسرین نے فرمایا کہ **بما عهد** میں ب قسم کی ہے معنی یہ ہیں کہ آپ کو آپ کی نبوت کی قسم ضرور ہمارے لئے دعا کریں (معانی)۔ ہو سکتا ہے کہ **عهد** سے مراد وہ خصوصی

www.alahazratnetwork.org

دعا ہو جو حضرات انبیاء کرام کو رب تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتی ہے کہ اگرچہ ان کی ساری دعائیں مقبول ہیں مگر رب تعالیٰ کا ان سے وعدہ ہوتا ہے کہ آپ ہم سے ایک دعا کرنا جو ضرور قبول ہوگی جس کے متعلق حضور انور فرماتے ہیں کہ سارے نبیوں نے اپنی دعا یہاں مانگ لی مگر میں نے وہ دعا قیامت کے لئے محفوظ رکھی ہے۔ اس سے اپنی امت کی شفاعت کروں گا مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ خیال رہے کہ قبطی لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کا مقبول الدعاء ہونا بارہا آزما لیا تھا کہ آپ کی دعا سے قحط دور ہوا' باغوں میں پھل لگے اور دوسرے عذاب نمبروار دور ہوئے۔ اس لئے وہ یہ کہہ رہے تھے۔ (روح المعانی) **لئن کشفت عنا الرجز** یہ فرعون اور فرعونیوں کا دوسرا کلام ہے جس میں دفع عذاب کے شکریوں کا ذکر ہے اس میں لام تاکید کا ہے ان شرطیہ۔ **کشفت** بنا ہے **کشف** سے۔ معنی دور کرنا' کھولنا چونکہ یہاں کشف کے ساتھ رجز کا ذکر ہے نہ کہ غطاء و یا غشاوہ کا۔ لہٰذا معنی دور کرنا ہے۔ اس عذاب دور کرنے کو موسیٰ علیہ السلام کی طرف نسبت کیا کہ اگر اے موسیٰ علیہ السلام ہم سے آپ عذاب دور کریں کے اس نسبت پر نہ تو موسیٰ علیہ السلام نے کوئی اعتراض فرمایا' نہ رب نے عتاب کیا بلکہ رب اور کلیم دونوں نے اس نسبت کو جائز رکھا بغیر ترمیم ان کی بات مانی۔ **عنا** سے مراد قبطی ہیں کیونکہ اسرائیلیوں پر تو یہ عذاب آتے ہی نہ تھے۔ **الرجز** سے مراد وہ ہی عذاب ہیں جن میں وہ مبتلا ہوتے تھے اور جن کے دفع کرنے کی دعا کراتے تھے۔ **لنؤمنن لک** یہ لئن کشفت کی جزاء ہے اور قبطیوں کا پہلا وعدہ۔ ایمان سے مراد شرعی ایمان ہے یعنی باقاعدہ کلمہ پڑھ کر مومنین کی جماعت میں آجانا اب تک انہیں لغوی ایمان حاصل تھا' شرعی ایمان حاصل نہ تھا۔ **لک** میں لام یا تو بمعنی ب ہے یعنی ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ یا لام اپنے ہی معنی میں ہے یعنی ہم آپ کے توسل سے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئیں گے۔ یہ بات خیال میں رہے۔ **ولنرسلن معک بنی اسرائیل** یہ عبارت معطوف ہے لنؤمنن پر۔ اس میں دوسرے وعدہ کا ذکر ہے چونکہ موسیٰ علیہ السلام نے قبطیوں سے مطالبہ یہی کیا تھا کہ **ارسل معی بنی اسرائیل** میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دے اور میں انہیں ان کے آبائی وطن فلسطین لے جاؤں اس لئے انہوں نے یہی کہا یہ نہ کہا کہ ہم آپ کی اور اسرائیلیوں کی بڑی عزت کریں گے یہاں ہی رکھیں گے' انہیں بڑے عہدے دیں گے یعنی ہم کو آپ کا مطالبہ منظور ہے۔ آپ عذاب دفع کریں ہم اسرائیلیوں کو آزاد کریں۔ **فلما کشفنا عنهم الرجز** یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام ان کے لئے دعا کرتے تھے تو ہم ان کی دعا کی وجہ سے عذاب دور کر دیتے تھے۔ اس جملہ کے اس کے مطابق معنی ہیں جو پہلے جملوں کے کئے گئے یعنی جب ہم قبطیوں سے عذاب دور کر دیتے تھے موسیٰ علیہ السلام کی دعا' آپ کے عرض، معروض سے۔ (خازن) **الی اجل هم بالغوه** یہ متعلق ہے کشفنا کے' اجل سے مراد ہے فرعونیوں کے ڈوبنے' ہلاک ہونے کی میعاد جو عند اللہ مقرر تھی اس سے پہلے یہ لوگ ہلاک کئے جانے والے نہ تھے یعنی ان عذابوں کا دور کرنا ایک عارضی چیز تھی۔ ہلاکت کے وقت تک ان کا پہنچنا ضروری تھا۔ اجل طے شدہ وقت کو کہتے ہیں۔ اس لئے موت کو اجل کہتے ہیں۔ **اذا هم ینکثون** یہ خبر ہے **فلما کشفنا** کی۔ **اذا** بمعنی اچانک ہے یعنی مفاجاتیہ ہے۔ **ینکثون** بنا ہے **نکث** سے بمعنی نقض یعنی مضبوط وعدہ توڑنا یعنی وہ فرعونی لوگ عذاب دفع ہوتے ہی اپنے کئے ہوئے وعدے توڑ دیتے تھے کہ نہ تو خود ہی ایمان لاتے تھے اور نہ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کرتے تھے۔ **نکث** کے لغوی معنی ہیں کاتے ہوئے سوت کو ادھیڑ دینا پھر اصطلاح میں مضبوط وعدہ توڑنے کو

www.alahazratnetwork.org

نکث کے لئے ہے۔ وہ معنی یہاں مراد ہے۔ **ینکثون** کا مفعول پوشیدہ ہے **عہدھم یا مواعیدھم** چونکہ مذکورہ وعدے فرعون کرتا تھا فرعونیوں کی معرفت اس لئے عہد توڑنے کو سب کی طرف منسوب کیا گیا۔

خلاصہ تفسیر: مذکورہ عذابوں کے آنے اور ان کے اٹھ جانے کی تفصیل یہ ہے کہ جب ان عذابوں میں سے کوئی عذاب فرعونیوں پر آتا تھا تو وہ اسکی تاب نہ لاکر موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں آتے تھے۔ بعض بلاواسطہ اور بعض دوسرے کے ذریعہ سے۔ اور عرض کرتے تھے کہ اے موسیٰ علیہ السلام اپنے اس رب سے جس کو آپ رب کہتے ہیں ہمارے لئے اپنی نبوت کے توسل سے یا جو رب نے آپ سے دعا قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اس وعدے کے وسیلے سے دعا کریں جو وعدہ آپ کے پاس محفوظ ہے اگر آپ یہ عذاب ہم سے دور کردیں گے تو ہم آپ سے دو وعدے کرتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے اپنے کفر و شرک سے توبہ کرلیں گے۔ دوسرے یہ کہ ہم آپ کی قوم بنی اسرائیل کو آزاد کردیں گے کہ آپ جہاں چاہیں انہیں لے جائیں۔ اے محبوب ان کی ڈھٹائی کا یہ حال تھا کہ ہم جب بھی ان سے عذاب دفع فرماتے حالانکہ دفع فرمانا بھی عارضی طور پر ہوتا تھا تاکہ وہ اپنی ہلاکت کے وقت تک بچے رہیں اس وقت ہلاک ہوں۔ تو وہ عذاب اٹھتے ہی اپنے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ دیتے تھے کہ نہ تو ایمان لاتے تھے نہ بنی اسرائیل کو آزاد کرتے تھے۔ خیال رہے کہ دو قوموں سے آئے ہوئے عذاب دفع ہوئے ہیں قوم یونس علیہ السلام سے تو بالکل ہٹ گیا اور قوم فرعون سے عارضی طور پر ہٹ گیا۔ باقی کسی قوم سے آیا ہوا عذاب نہیں ٹلا کیونکہ یہ دونوں قومیں ان عذابوں کے موقعہ پر پیغمبر کی طرف بھاگیں۔ قوم یونس تو مستقل بھاگی کہ ان پر ایمان لے آئی۔ قوم فرعون نے عارضی طور پر کلیم اللہ کی طرف پناہ لی کہ ایمان کا وعدہ کیا مگر پورا نہ کیا جس طرح کی نبی کی پناہ لی اسی طرح کی پناہ ملی۔ مستقل اور عارضی۔ معلوم ہوا کہ نبی کی پناہ بڑی کام آتی ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے گزشتہ قوموں کے کام یا کلام جو قرآن میں نقل فرمائے ہیں اگر ساتھ ہی عتاب یا عذاب کا ذکر ہے تو ہم کو ان سے بچانے روکنے کے لئے نقل فرمائے جیسے **لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح ابن مریم** اور اگر ان کے ساتھ رحم و کرم کا ذکر ہے تو ہم سے کرانے کے لئے ذکر فرمائے۔ یہاں فرعونیوں کا کلام رحمت کے ساتھ ذکر کیا کہ **فلما کشفنا عنھم العذاب** اس کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو! تم بھی آفات میں نبی کا وسیلہ اختیار کیا کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ ایمان بالشرط یوں ہی تقویٰ بالشرط باطل ہے۔ جس کا کوئی فائدہ نہیں مگر چونکہ موسیٰ علیہ السلام کا واسطہ بیچ میں تھا اس لئے اس مشروط ایمان پر بھی ان سے عذاب دفع ہوتے رہے۔ یہ دفع عذاب ان کے اس غلط وعدے پر نہ تھا بلکہ دعاء موسوی پر تھا۔

فائدے: ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** فرعون اور سارے فرعونی دل سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے قائل ہو چکے تھے صرف زبان سے انکار کرتے تھے۔ یہ فائدہ **یموسی ادع لنا** سے حاصل ہوا اگر یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی الوہیت موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے پہلے کی طرح انکاری ہوتے فرعون کو رب مانتے تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کیلئے کیوں عرض کرتے فرعون سے جاکر فریاد کرتے۔ **دوسرا فائدہ:** مصیبت و آفات دفع کرانے کے لئے بزرگوں کے آستانہ پر حاضری دینا ان سے دعا کرانا انسانی فطرت کا تقاضا ہے جو اس سے روکتا ہے وہ فطرت کا مقابلہ کرتا ہے۔ دیکھو فرعونی لوگ کافر تھے مگر فطری تقاضے کی بنا پر موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتے تھے جو اس سے منع کرے وہ فرعون اور فرعونیوں سے بھی بدتر ہے۔ وسیلہ اولیاء

www.alahazratnetwork.org

وسیلہ انبیاء ایسا مسئلہ ہے جس کے کافر بھی قائل ہیں۔ **تیسرا فائدہ**: رب کے کام مقبول بندوں کی طرف نسبت کئے جا سکتے ہیں۔ یہ فائدہ **لئن کشفت** سے حاصل ہوا۔ دیکھو آیا ہوا عذاب دفع کرنا اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر فرعونی لوگ موسیٰ علیہ السلام سے کہتے تھے کہ اے موسیٰ آپ ہم سے یہ عذاب دفع کردیں اور نہ موسیٰ علیہ السلام انہیں اس سے منع کرتے تھے نہ ان کا رب۔ حضرت ربیعہ ابن کعب اسلمی نے حضور انور سے جنت مانگی کہ عرض کیا **اسئلک مرافقتک فی الجنته** یارسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں (مسلم شریف)۔ **چوتھا فائدہ**: دل سے اللہ رسول کو مان لینا' زبان سے اقرار نہ کرنا ایمان نہیں۔ دلی اعتراف کے ساتھ زبانی اقرار ایمان کے لئے ضروری ہے۔ یہ فائدہ **لنؤمنن لک** سے حاصل ہوا کہ عذاب دفع ہونے پر ہم ایمان لائیں گے حالانکہ دل سے وہ آپ کو نبی مان ہی چکے تھے ورنہ دعا کرانے نہ آتے۔ **پانچواں فائدہ**: ایمان کے ارکان میں نبی پر ایمان رکن اعلیٰ ہے کہ اصل ایمان نبی کو ماننا ہے۔ جس میں سارے ایمانیات آجاتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **لنؤمنن لک** سے حاصل ہوا کہ ان لوگوں نے **لنؤمنن بربک یا بالقیامته یا بالملئکته** نہ کہا۔ اے موسیٰ ہم آپ پر ایمان لائیں گے اور جب موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے تو توحید' قیامت' فرشتے وغیرہ سب پر ایمان لے آئے۔ **چھٹا فائدہ**: حضرات انبیاء کرام بڑے عالی ظرف ہوتے ہیں۔ بڑے موذیوں ظالموں کو بھی دعائیں دے دیتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام اور آپ کی قوم پر فرعون نے بہت ظلم کئے تھے مگر وہ جب بھی دعا کے لئے حاضر ہوتا آپ دعا کر دیتے تھے۔ یہ تو جلال والے پیغمبر کا کرم ہے تو رحمت للعالمین کے خلق کا کیا پوچھنا۔ حضور انور نے ہند' وحشی' عکرمہ ابن ابوجہل کو یک دم معافی دے دی اگر ہم جیسے گنہگار حضور سے بھیک مانگیں تو ضرور ملے گی۔ **ساتواں فائدہ**: رب نہیں چاہتا کہ اس کے نبی پر کسی کافر کا احسان رہ جائے۔ ان کا احسان ہر کافر و مومن پر ہے۔ دیکھو فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پرورش پر خرچ کیا تھا موسیٰ علیہ السلام نے چھ دفعہ اس سے عذاب دفع کرا دیا۔ **آٹھواں فائدہ**: انبیاء کرام کے اوصاف کا وسیلہ پکڑنا بھی جائز ہے۔ یہ فائدہ **بما عهد** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ عہد سے مراد نبوت ہو کہ نبوت نبی کی صفت ہے۔ اسی کے توسل سے دعا کرائی جا رہی ہے لہٰذا یوں دعا کرنا کہ الٰہی محمد مصطفیٰ ﷺ کی مقبول نمازوں محبوب سجدوں کا صدقہ ان کی کالی کملی ان کی زلفوں کے طفیل ہمارے گناہ بخش دے۔ بالکل درست ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کی ذات' نبی کی صفات' نبی کے کام بلکہ نبی سے نسبت رکھنے والی چیزوں کے وسیلہ سے دعا کرنا قبولیت کا ذریعہ ہے۔ حضرات صحابہ نے حضور کے چچا حضرت عباس کے وسیلہ سے حضور کی قبر انور کے وسیلہ سے بارش کی دعائیں کی ہیں بلکہ حضور کے لباس کے وسیلہ سے شفا حاصل کی ہے اس کے لئے ہماری کتاب وسیلہ اولیاء کا مطالعہ کرو۔ **نواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں سے قبولیت دعا کا وعدہ فرمالیا ہے۔ یہ فائدہ **بما عهد** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ عہد سے مراد قبولیت دعا کا وعدہ ہے حتیٰ کہ اگر وہ حضرات قانون سے وراء کی دعا مانگیں رب وہ بھی قبول کر لیتا ہے۔ رب تعالیٰ انہیں مافوق القانون احکام دیتا ہے۔ وہ عمل کرتے ہیں کہ اپنے بچہ کو ذبح کرو' اپنے کو نمرود کی آگ میں ڈال دو' اپنے بیوی بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ دو وغیرہ تو وہ بھی فوق القانون دعائیں مانگ لیتے ہیں۔ رب قبول کرتا ہے کہ خدایا مجھے اپنا دیدار دے۔ **رب ارنی** رب نے یہ نہ فرمایا نہ دکھائیں گے بلکہ فرمایا تم دیکھ نہیں سکو گے۔ خدایا مجھے مردے جلا کر دکھا خدایا آسمان سے غیبی دستر خوان اتار۔ کہ قانون ہے کہ پانی آسمان سے آئے گندم

www.alahazratnetwork.org

زمین میں پیدا ہو' پکے' روٹی پکے یہاں۔ مگر موسیٰ آسمان پر ہی گندم بو' وہاں ہی پسے وہاں ہی روٹیاں پکیں۔ فرمایا منظور ہے **انی منزلها** یا جیسے بانجھ بوڑھی عورتوں سے بچہ پیدا ہونا **والدوانا عجوز عقیم** یہ گنہگار احمد یار اپنے محبوب مختار کی بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ حضور اگر مجھ سیاہ کار کی بخشش قانون سے وراء بھی ہو' تب بھی مجھے بخشوا لو۔ رب آپ کی دعا قانون سے وراء بھی قبول فرماتا ہے۔

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی   مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

دسواں **فائدہ**: پیغمبر کی دعا کافروں کے متعلق قبول ہو جاتی ہے۔ ان کی دعا کفار سے بھی آفت ٹال دیتی ہے۔ یہ فائدہ **فلما کشفنا** سے حاصل ہوا تو مومنوں کو کیوں فائدہ نہ دے گی وہ حضرات دافع البلاء ہوتے ہیں۔ دیکھو فرعونیوں کی ایک بلا نہیں بلکہ بہت سی بلائیں موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹلتی رہیں جو شخص کلمہ پڑھ کر یہ کہے کہ پیغمبر کی دعا سے کچھ نہیں ہوتا وہ فرعون اور فرعونیوں سے بھی بدتر ہے کہ فرعونیوں کو دعاء موسوی پر یقین تھا۔ کافر کو کوئی عبادت نفع نہیں دیتی مگر نبی کی دعا نفع دیتی ہے۔

گیارہواں **فائدہ**: کافر اپنی بدبختی کی وجہ سے نبی کی دعا کا فائدہ محفوظ نہیں رکھتا اسے ضائع کر دیتا ہے۔ یہ فائدہ **الی اجل هم بالغوه** سے حاصل ہوا نبی کا کام ہے فائدہ دینا۔ ہمارا کام ہے اس فائدہ کو محفوظ رکھنا۔ بادش کا کام ہے دانہ کھیتوں میں پیدا کر دینا مگر دانہ کو محفوظ رکھنا کسان کا کام ہے۔ ان فیوض کی حفاظت کا ذریعہ نبی کی اطاعت اور فرمانبرداری ہے۔ شکر نعمت کی قید ہے۔

بارہواں **فائدہ**: اللہ تعالیٰ کا جو عذاب نبی کے منگانے ان کی بددعا سے آوے' اسے کوئی تدبیر نہیں ٹال سکتی۔ یہ فائدہ **هم بالغوه** سے حاصل ہوا۔ دیکھو فرعونیوں سے یہ مذکورہ عذاب آتے اور ٹلتے رہے مگر غرق کا عذاب نہیں ٹلا کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا سے آیا تھا۔ ان عذابوں کو رب صرف وعدہ ایمان سے ٹالتا رہا مگر ڈوبنے کا عذاب فرعون کے ایمان لانے' اس کے اعلان کرنے پر بھی نہیں ٹلا کہ وہ کہتا رہا **امنت انه لآ اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل** کیونکہ وہ عذاب موسیٰ علیہ السلام کا منگایا ہوا تھا۔ یہ ہی مطلب ہے اس شعر کا

خدا جس کو پکڑے چھڑا لیں محمد   محمد جو پکڑیں چھڑا کوئی نہیں سکتا

دیکھو فرعونیوں پر رب تعالیٰ کے بھیجے ہوئے عذاب موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ٹلتے رہے' رب دور فرماتا رہا مگر موسیٰ علیہ السلام کا منگایا ہوا عذاب رب نے فرعون کی کلمہ پڑھ لینے کے باوجود دفع نہیں فرمایا۔ دوسرا کوئی مارے تو ماں سے شکایت کرو مگر جب ماں ہی مارے تو بچہ کسے پکارے۔ **تیرھواں فائدہ**: اللہ رسول سے کیے ہوئے وعدے توڑنا بدترین جرم ہے۔ یہ فائدہ **اذا هم ینکثون** سے حاصل ہوا بلکہ کسی بندے سے وعدہ کرنا اللہ رسول کا نام لے کر' رب کی قسم کھا کر نبی کو ضامن بنا کر۔ اس کا توڑنا بھی سخت جرم ہے اس پر کفارہ واجب ہے۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: فرعونی لوگ جب موسیٰ علیہ السلام سے دعا کرانے حاضر ہوتے تھے تو انہیں بے ادبی سے نام لے کر کیوں پکارتے تھے۔ انہیں یا نبی اللہ یا رسول اللہ کیوں نہیں کہتے تھے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ان کے محاورہ میں نام لے کر پکارنا بے ادبی نہ تھی۔ وہ تو فرعون بادشاہ کو یا فرعون کہہ کر پکارتے تھے۔ دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے گھر میں پرورش پائی یہ لوگ آپ کے بچپن شریف سے ہی نام لے کر پکارتے تھے۔ اسی عادت کی

www.alahazratnetwork.org

بناپر انہوں نے یاموسیٰ کہا تیسرے یہ کہ وہ لوگ کافر تھے اور کفار پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ یہ تو ہمارے حضور کا کمال ہے کہ جن لوگوں میں حضور انور نے پرورش پائی انہوں نے بھی حضور انور کو نام لے کر نہ پکارا یارسول اللہ یاحبیب اللہ ہی کہہ کر پکارا جیسے حضرت عباس وغیرہ۔ **دوسرا اعتراض**: فرعونی لوگ تو فرعون کو اپنا رب جانتے مانتے تھے پھر موسیٰ علیہ السلام سے کس رب سے دعا منگواتے تھے کہ **ادع لنا ربک**۔ **جواب**: وہ لوگ یا تو فرعون کو زمین کا خدا مانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو آسمان کا رب یا وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات دیکھ کر دل میں فرعون کی ربوبیت کے انکاری ہوچکے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ربوبیت 'موسیٰ علیہ السلام کی نبوت پر ایمان لاچکے تھے اسی عقیدے کی بنا پر یہ کہتے تھے۔ **تیسرا اعتراض**: اگر وہ لوگ توحید اور موسوی رسالت کے دل سے اقراری ہوگئے تھے تو مومن ہوگئے پھر وہ یہ کیوں کہتے تھے کہ اگر آپ نے عذاب دفع کردیا تو ہم مومن ہوجائیں گے۔ **جواب**: وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو جان پہچان گئے مگر صراحتہً نہ مانے تھے۔ ایمان جاننے پہچاننے کا نام نہیں 'نبی کو نبی ماننے کا نام ہے بلکہ زبان سے اقرار کرنا ایمان کی شرط ہے۔ کفار عرب حضور کو جانتے تھے مگر چونکہ مانتے نہ تھے لہذا کافر رہے۔ **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم**۔ **چوتھا اعتراض**: **بما عھد عندک** کیوں ارشاد ہوا۔ **عھد** کے بعد ب اور الی آتا ہے **عند** نہیں آتا۔ **جواب**: یہاں صرف عہد کرنا مراد نہیں بلکہ عہد کا موسیٰ علیہ السلام کے پاس محفوظ رہنا مراد ہے یعنی رب تعالیٰ نے آپ سے قبولیت دعا کا وعدہ کیا ہے اور وہ وعدہ ختم نہ ہوچکا بلکہ باقی ہے یعنی ایک دو دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ نہ تھا بلکہ ساری دعاؤں کی قبولیت کا وعدہ تھا اس وعدے کے توسل سے آپ دعا کریں۔ آپ ہمارے لئے وسیلہ ہیں اور وہ عہد و پیمان آپ کے لئے وسیلہ دعا ہیں۔ **پانچواں اعتراض**: تم نے کہا کہ اس عرض و معروض سے پتہ لگا کہ نبیوں ولیوں سے دفع بلا کے لئے دعا کرانا نہیں دافع البلیات جاننا جائز ہے یہ تو فرعونیوں کا عقیدہ تھا وہ مشرک و کافر تھے ان کے قول و فعل سے مسلمان دلیل کیسے پکڑ سکتے ہیں۔ **جواب**: فرعونی لوگ یہ عرض و معروض موسیٰ علیہ السلام سے کرتے تھے اور ان کی اس عرض کو نہ تو موسیٰ علیہ السلام شرک کہتے تھے نہ خدا تعالیٰ بلکہ موسیٰ علیہ السلام یہ سن کر ان کے لئے دعا کردیتے تھے اور رب تعالیٰ عذاب دور فرمادیتا تھا لہذا ان کے یہ الفاظ دو جگہ رجسٹری ہوگئے۔ بارگاہ کلیم الٰہی میں اور بارگاہ الٰہی میں۔ ان رجسٹریوں سے پتہ لگا کہ یہ عرض کرنا بالکل جائز تھا۔ بعض صحابہ نے حضور انور سے جنت مانگی۔ مصیبتوں کے دفع کرنے کے لئے عرض کیا۔ اس کے حوالے ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **چھٹا اعتراض**: تم نے کہا کہ کفار کو بھی نبی کی دعا فائدہ پہنچا دیتی ہے مگر نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے لئے دعاء نجات کی جو قبول نہ ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے لئے دعا مغفرت کی جو منظور نہ ہوئی۔ ہمارے حضور انور نے اپنے چچا ابوطالب کی مغفرت کی دعا کی جو منظور نہ ہوئی پھر تم نے یہ کیوں کہا۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی اور دوسرا تفصیلی۔ جواب اجمالی تو یہ ہے کہ ہماری یہ گفتگو دنیاوی مصیبتیں ٹلنے یا اخروی عذاب ہلکا ہونے کے متعلق ہے کہ پیغمبری دعا سے کفار سے بھی دنیاوی آفات ٹل جاتی ہیں۔ کفار مکہ سخت قحط میں گرفتار ہوچکے تھے۔ حضور انور کی دعاء سے بارش ہوئی 'ارزانی آئی حضور کی برکت سے ابوطالب کا اخروی عذاب ہلکا ہوا۔ ابولہب کو اس کے مرنے کے بعد سخت عذاب کے باوجود کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے (بخاری شریف) مگر اخروی بخشش چونکہ کفار کے لئے ناممکن ہے فیصلہ الٰہی کے خلاف ہے اس لئے اسے کوئی نہیں دلاسکتا۔ وہ حضرات اولاً تو اس کی دعا کرتے

www.alahazratnetwork.org

نہیں اور اگر کرنا چاہیں تو انہیں روک دیا جاتا ہے کہ آپ یہ دعا نہ کریں۔ **یابرهیم اعرض عن هذا انه قد جاء امر ربک وانهم اتیهم عذاب غیر مردود** جواب تفصیلی یہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے کنعان کے لئے دعاء نجات نہیں کی جب آپ نے عرض کیا کہ **ان ابنی من اهلی** اس وقت اسے ڈوبے ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے اسے مچھلیاں کھا کر ہضم بھی کر چکی تھیں کیونکہ آپ کی یہ عرض کشتی سے اترتے وقت ہے۔ اس عرض کا مقصود وہ ہے جو ہم نے اپنے حاشیہ القرآن میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھ سے قوم کہے گی کہ آپ نے تو خبر دی تھی کہ آپ کے گھر والے غرق سے محفوظ رہیں گے۔ آپ کا بیٹا کیوں ڈوب گیا تو میں قوم کو کیا جواب دوں گا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آزر کے لئے دعاء مغفرت کی مگر آزر کے وعدہ ایمان کی بنا پر رب فرماتا ہے۔ **وماکان استغفار ابراهیم لابیه الا عن موعدة وعدها ایاه** آزر نے اپنا وعدہ پورا نہ کیا' دعا نے اپنا اثر نہ کیا۔ حضور کی دعا ابو طالب کے لئے کچھ ترمیم سے قبول ہوئی کہ ان کو دوزخ سے بچا لیا گیا۔ آگ کے جھیرے میں رکھا گیا اور آئندہ کے لئے حضور انور کو اس دعا سے منع فرما دیا گیا تاکہ لوگ یہ مسئلہ معلوم کرلیں کہ مشرکین و کفار کے لئے دعاء مغفرت نہیں کرنی چاہئے۔ یہ واقعہ بھی تبلیغ ہے۔ **ساتواں اعتراض۔ الی اجل هم بالغوه**' سے معلوم ہوا کہ فرعونیوں پر عذاب آنا اور جانا طے شدہ پروگرام کے مطابق تھا پھر موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا اس سے کیا تعلق اور ان کا فرعونیوں پر کیا احسان۔ اللہ ہی نے عذاب بھیجے' اس نے ہی دفع کئے۔ **جواب:** اس کا جواب الزامی تو یہ ہے کہ ہماری بیماریاں' ان کے علاج' پرہیز پھر بیماریوں کا جانا سب رب کے پروگرام کے مطابق ہے تو پھر حکیم کا ہم پر کیا احسان ہے۔ یوں ہی بیماری پیدائش پرورش مطابق پروگرام کے ہے تو حکیم' ماں باپ کا ہم پر کتنا احسان ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ دعاء موسوی بھی پروگرام کے مطابق تھی کہ دعا سے عذاب جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیاوی آفات دل کی گندگی کا گرم علاج ہیں جیسے گندے لوہے کے لئے آگ اور نبی کی دعا اس کا سرد علاج جیسے گندے کپڑے کے لئے پانی و صابن۔ ان دونوں چیزوں سے غافل دل بیدار گندا دل ستھرا ہوتا ہے۔ بڑے بڑے سرکش آفتوں میں پھنس کر بندے بن جاتے ہیں مگر جس دل کی سیاہی اصلی ہو اور گندگی ذاتی اور جو دل بذات خود کوئلے کی طرح کالا ہو جائے تو یہ دونوں چیزیں وہاں بھی اپنا اثر تو دکھا دیتی ہیں مگر عارضی طور پر کہ یہ عارضہ مٹتے ہی وہ دل پھر اپنی اصلی سیاہی پر آجاتا ہے۔ کالا کوئلہ آگ میں رہنے سے سرخ ہو جاتا ہے اس پر چونا پڑ جاوے تو سفید نظر آتا ہے مگر پانی سے دھلنے یا بجھنے میں پھر اپنا رنگ دکھاتا ہے۔ فرعون اور فرعونیوں کے دل اصلی کالے تھے ان پر دنیاوی آفات کی تپش نے اثر تو کیا۔ یوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاؤں نے اپنا رنگ دکھایا مگر وہ اثر و رنگ ٹھہر نہ سکا کیونکہ عارضی رنگ اصلی رنگ کو نہیں مٹاتا۔ اسی لئے جب انہیں تھوڑی سی بھی راحت ملی تھی تو وہ اپنی اصلی کیفیت کی طرف لوٹ جاتے تھے۔ اب پڑھو **فلما کشفنا عنهم** اس کے برعکس مومن کی غفلت گنہگاری عارضی ہوتی ہے وہ تھوڑی "تکلیف" پا کر ایک دن اللہ والوں کی صحبت پا کر توبہ کر لیتا ہے اور اپنے اصلی رنگ یعنی ایمان کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ دیکھو حضرت عمر کو جناب سعید بن زید اور ان کی بہن کے دو لفظوں نے جگا دیا پھر حضور انور کی نگاہ کرم نے فاروق اعظم بنا دیا۔ فرعونی جادوگروں کے لئے موسوی نگاہ کی ایک جھلک کام کر گئی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرعونیوں کے لئے دافع بلا حضرت موسیٰ کی دعا ہوتی تھی ورنہ شرط پر معلق ایمان بالکل معتبر نہیں۔ اسی لئے فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا

غرق ہو گیا۔ قارون دھنستے وقت بار بار ایمان و تقویٰ کا اعلان کرتا رہا۔ موسیٰ علیہ السلام برابر زمین سے کہتے رہے **خذیہ** اسے پکڑ لے وہ دھنستا چلا گیا۔ سراقہ ابن مالک کو جب زمین نے پکڑا تو حضور انور نے زمین سے چھوڑنے کو فرمایا تو چھوڑ دیا گیا۔ یہ ہے نبی کی دعا کا فیض ہماری دعائیں ساری نیکیاں گویا صفر ہیں۔ نبی ﷺ عدد اگر صفر عدد سے ملے تو سب کچھ ہے۔ عدد مٹا دو تو نرا صفر کچھ نہیں۔

فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ فَاَغْرَقْنٰهُمْ فِی الْیَمِّ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ كَانُوْا

پس بدلہ لیا ہم نے ان سے تو ڈبو دیا ہم نے ان کو گہرے دریا میں بوجہ اس کے کہ تحقیق انہوں نے جھٹلایا

تو ہم نے ان سے بدلہ لیا تو انہیں دریا میں ڈبو دیا اس لئے کہ ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے اور

عَنْهَا غٰفِلِیْنَ (۱۳۶)

آیتوں کو ہماری اور تھے وہ ان سے غافل

ان سے بے خبر تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر ہوا جن سے فرعونیوں پر آئے ہوئے عذاب ٹل گئے۔ اب موسیٰ علیہ السلام کی اس بد دعا کا ذکر ہے جس نے فرعون کو مع اس کی قوم کے ہلاک کیا گویا نبی کی دعا کے ایک رخ کا ذکر پہلے ہوا دوسرے رخ کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ پہلی دعائیں ڈوبتوں کو ترانے والی تھیں اور اسی زبان کی یہ بد دعا غرق کرنے والی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ان چھوٹے عذابوں کا ذکر ہے جو آئے اور گئے۔ اب اس بڑے عذاب کا ذکر ہے جو آیا مگر گیا نہیں بلکہ فرعونیوں کو لے گیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرعونیوں کی بد عہدیوں کا ذکر ہوا کہ ایمان لانے کا وعدہ کر کے پھر جاتے تھے۔ اب ان بد عہدیوں کے نتیجہ کا تذکرہ ہے گویا جرم کا ذکر پہلے تھا اس کی سزا کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **فانتقمنا منهم** یہ جملہ گزشتہ جملوں پر معطوف ہے لہٰذا ف عاطفہ ہے مگر صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے "فورا" کے لئے نہیں۔ کیونکہ فرعونیوں پر عذاب گزشتہ مذکورہ عذابوں سے عرصہ کے بعد آیا۔ ان کے "فورا" بعد نہیں آیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ ف بمعنی "فورا" ہی ہو مگر "فورا" سے مراد اس جہان کا "فورا" نہیں بلکہ دوسرے عالم کا "فورا" ہے کہ وہاں کا ایک دن یہاں کا ایک ہزار سال ہے یا احساس کے لحاظ سے "فورا" مراد ہے کیونکہ گذشتہ دراز زمانہ بھی کم محسوس ہوتا ہے گویا فرعون کو محسوس یہ ہوا کہ "فورا" ہی عذاب آ گیا۔ انتقام بنا ہے **نقمته** سے جیسے انعام **نعمته** سے۔ انتقام مقابل ہے انعام کا (مدارک)۔ انتقام کے لغوی معنی ہیں نعمت چھین لینا عذاب دینا (خازن) عرف میں برائی کے عوض سزا کا نام انتقام ہے یعنی بدلہ لینا اس کا اصل

www.alahazratnetwork.org

من آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کے نافرمانوں' انہیں ستانے والوں سے ان کا بدلہ لیتا ہے۔ وہ اپنا بدلہ نہیں لیتا اور ان کے خادموں کو بدلہ دیتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یوں ہی حضرات انبیاء اپنا بدلہ کسی سے نہیں لیتے بلکہ رب کے مجرم سے بدلہ لیتے ہیں۔ **منهم** میں **هم** کا مرجع فرعونی لوگ ہیں یعنی کافر قبطی۔ خیال رہے کہ یہاں بدلہ سے مراد فرعون کے کفر' دعوی خدائی' موسیٰ علیہ السلام کو ستانا' اسرائیلیوں کے بچوں کو عرصہ تک ذبح کرتے رہنا' جادوگروں کو ان کے ایمان لانے پر سولی دینا ان سب جرموں کا بدلہ مراد ہے عرصہ کے سارے جرموں کا بدلہ اس کا غرق ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے مظلوم بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے یعنی محبوب' مغضوب' مظلوم لوگوں کا بدلہ ان سے لیا۔ خیال رہے کہ دنیا کی مصیبتیں کافروں کے لئے بدلہ ہوتی ہیں۔ غافلوں کے لئے بیدار کرنا' محبوبوں کے لئے درجات بڑھانا فرعون پر گزشتہ چھ عذاب جگانے کے لئے آئے' یہ بدلہ کے لئے' ہلاک کرنے کے لئے۔ **فاغرقنهم فی الیم** یہ عبارت **انتقمنا** کی تفسیر ہے لہٰذا اس میں ف تفسیریہ ہے اس صورت میں کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ف تفریع کی ہے یا عطف کی۔ وہ فرماتے ہیں کہ **انتقمنا** کے معنی ہیں ہم نے بدلہ لینے کا ارادہ فرمایا کیونکہ ڈبونا ہی تو ان کا بدلہ تھا پھر وہ بدلہ پر متفرع یا معطوف نہیں ہو سکتا۔ پہلی تفسیر قوی ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے۔ **ونادی نوح ربه فقال رب** کیونکہ فقال رب تفسیر ہے نادی کی وہاں بھی ف تفسیریہ ہے (معانی) **یم** یا تو سریانی لفظ ہے جسے عربی میں منتقل کیا گیا ہے یا عربی لفظ ہے بنا ہے ام سے' معنی مقصد و ارادہ۔ اسی سے ہے تیمم مٹی کا ارادہ کرنا اس کے معنی ہیں گہرا دریا جس کی تھاہ کا پتہ نہ لگے یا دریا کی خطرناک موجیں یا دریا کا وسط یعنی منجدھار۔ بعض کا خیال ہے کہ صرف کھاری دریا کو ہی یم کہتے ہیں۔ میٹھے کو نہیں کہتے مگر یہ غلط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **فاقذفیه فی الیم** دریائے نیل جس میں موسیٰ علیہ السلام کو ان کی والدہ نے تابوت میں رکھ کر بہایا اسے یم فرمایا گیا حالانکہ دریائے نیل میٹھا ہے (معانی' خازن)۔ ہاں یہاں یم سے مراد کھاری ہے کیونکہ فرعون بحر قلزم میں ڈبویا گیا وہ کھاری ہی ہے۔ گہرے سمندر میں لوگ قصد و ارادہ کرکے جاتے ہیں اس

لئے اسے یم کہا جاتا ہے (مدارک) خیال رہے کہ بحر کی جمع ابحر بھی آتی ہے اور ابحار بھی مگر یم کی جمع مطلقاً" نہیں آتی نہ جمع تکسیر نہ جمع سالم (معانی)۔ خلاصہ یہ ہے کہ دوسری قوموں پر عذاب آئے۔ فرعونیوں پر عذاب آیا نہیں بلکہ وہ خود عذاب کے پاس گئے کیونکہ مصر میں یوسف علیہ السلام نبی اور ان کے بھائیوں کی قبریں تھیں۔ **بانهم کذبوا بایتنا**۔ اس میں فرعونیوں کو غرق کرنے کے سبب قریب کا ذکر ہے کہ اگرچہ رب تعالیٰ نے فرعون کے سارے جرموں' سارے ظلموں کا بدلہ لیا مگر اس بدلہ لینے کی وجہ اس کا آیات الٰہیہ کا جھٹلانا تھا اگر وہ ایمان قبول کر لیتا تو سارے جرم معاف کر دیئے جاتے' کسی کا بدلہ نہ دیا جاتا۔ **کذبوا** میں مبالغہ ہے کہ انہوں نے عملاً" قولاً" فعلاً" ہر طرح جھٹلایا اور عرصہ تک جھٹلایا۔ آیات سے مراد توریت کی آیتیں نہیں کہ توریت تو اس کے ڈوبنے کے بعد آئی بلکہ اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے معجزات' آپ کے فرمان بلکہ خود موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ نبی آیات الٰہیہ ہوتے ہیں۔ **وکانوا عنها غفلین**۔ یہ عبارت معطوف ہے **کذبوا** پر اور اس میں ڈوب جانے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔ **عنها** کی ضمیر کا مرجع یا تو آیات ہیں تو غفلت سے مراد بے خبری نہیں بلکہ بے پرواہی ہے کیونکہ وہ لوگ ان آیات سے بے خبر نہ تھے وہ سب دیکھ چکے تھے۔ نیز اللہ تعالیٰ بے خبر کو عذاب نہیں دیتا اور یا اس سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا بدلہ اور غرق کا عذاب۔ تو غافل' معنی بے خبر ہے کیونکہ فرعونی لوگ یہ نہیں جانتے تھے کہ ہم کو ڈبو کر ہلاک کر دیا جاوے گا۔

www.alahazratnetwork.org

وہ سمجھتے تھے کہ جیسے گذشتہ عذاب عارضی اتفاقی تھے' آئے اور گئے۔ ایسے ہی ہم پر آئندہ یا تو عذاب آئے گا نہیں اور اگر آیا تو یوں ہی گذر جائے گا چنانچہ جب فرعون کو ڈوبنے کا یقین ہو گیا تو چلا اٹھا کہ **امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل** لہٰذا آیت بالکل واضح ہے کہ یہ غفلت بھی جرم ہے۔

خلاصہ تفسیر: جب فرعون اور فرعونی لوگ مذکورہ بالا عذابوں سے نہیں سنبھلے ہر بار ایمان وغیرہ کا وعدہ کرتے اور توڑتے رہے آخر کار ہم نے ان سے ان کی ساری بے ایمانیوں وعدہ خلافیوں سارے جرموں سارے ظلموں کا بدلہ ایک بار ہی لے لیا کہ انہیں گہرے دریا یعنی بحر قلزم میں ڈبو دیا۔ انہوں نے بہت جرم و ظلم جمع کر لئے تھے مگر اس سزا کا سبب قریب یہ ہوئے کہ وہ ہماری نشانیوں کو قولاً "عملاً" جھٹلاتے رہے اور باوجودیکہ موسیٰ علیہ السلام انہیں بار بار عذاب و ہلاک سے ڈراتے رہے مگر وہ اس سے غافل یا بے پرواہی رہے۔ یہ غفلت اور بے پرواہی سخت جرم ہے۔ غرق فرعون کا مفصل واقعہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ کل رات کو بنی اسرائیل کو اپنے ہمراہ لے کر مصر سے نکل جاؤ۔ بنی اسرائیل کی عورتوں نے قبطی عورتوں سے ان کا زیور مانگا۔ بولیں کہ کل ہم نے ایک شادی میں جانا ہے ان کی مراد شادی سے اپنی نجات تھی۔ قبطی عورتیں یہ ہی مروجہ شادی سمجھیں۔ انہوں نے بہت زیور دے دیا۔ موسیٰ علیہ السلام راتوں رات چھ لاکھ بنی اسرائیلیوں کو لے کر مصر سے روانہ ہو گئے جن میں مرد عورتیں بچے سب ہی تھے۔ سورج نکلنے پر فرعون کو ان کی روانگی کی خبر ہوئی۔ وہ مع بارہ لاکھ قبطیوں کے اسرائیلیوں کو پکڑنے نکلا جب موسیٰ علیہ السلام بحر قلزم کے کنارہ پر پہنچے تو پیچھے سے فرعون بھی پہنچ گیا۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب کیا بنے گا۔ آگے سمندر ہے پیچھے فرعون۔ ہم تو پکڑے گئے فرمایا ہرگز نہیں! میرے ساتھ میرا رب ہے حکم الٰہی آیا کہ آپ سمندر میں لاٹھی ماریں۔ آپ نے لاٹھی ماری تو سمندر میں بارہ خشک راستے بن گئے جن میں بے تکلف اسرائیلی داخل ہو گئے۔ یہ بارہ قبیلے تھے۔ ہر قبیلہ ایک راستے پر چل دیا۔ سمندر میں پانی دیواروں کی طرح کھڑا ہو گیا یہ تماشہ فرعون دیکھ رہا تھا آخر کار اسرائیلی بخیریت پار گذر گئے اور فرعونی لوگ سارے کے سارے دریا کے پیٹ میں داخل ہو گئے تب سمندر کے پانی کو حکم الٰہی پہنچا کہ مل جا چنانچہ پانی مل گیا اور سارے فرعونی ڈوب

گئے۔ اس کی تفصیل پہلے پارہ میں گزر چکی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم کی بنا پر مجرم قوم کو ہلاک کرنے سے پہلے چھوٹے عذاب بھیجتا ہے یہ چھوٹے عذاب بڑے عذاب کی اطلاع ہوتے ہیں جو ان سے سنبھل گیا وہ بچ گیا جو نہیں سمجھا وہ مارا گیا۔ دیکھو فرعون کو ڈبونے سے پہلے رب تعالیٰ نے اس پر سات عذاب بھیجے جب وہ باز نہ آیا تو آخر میں ہلاک کیا گیا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

تو مشو مغرور بر حلم خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا بدلہ ظالموں سے خود لیتا ہے۔ یہ فائدہ **فانتقمنا منھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو

www.alahazratnetwork.org

فرعونیوں نے ظلم کیا اسرائیلیوں پر مگران کا بدلہ لیا رب تعالٰی نے۔ یوں ہی جو کوئی اللہ کے مقبولوں سے اچھا سلوک کرتا ہے تو اس کا اجر رب تعالٰی دیتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر

خواہی کہ خدائے بر تو بخشد
باخلق خدا بکن نکوئی

تیسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی قبروں کی برکت سے بستیوں پر عذاب نہیں آتے ان کی قبریں گنہگار بستی کے لئے گویا تعویذ ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **اغرقنھم فی الیم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قوم عاد و ثمود، قوم لوط و شعیب پر عذاب ان کے گھروں ہی میں آئے کہ وہ بھی ہلاک ہوئے ان کی بستیاں بھی اجاڑ دی گئیں مگر فرعونیوں پر عذاب مصر میں نہ آیا بلکہ انہیں مصر سے دور نکال کر بحر قلزم میں ڈبو دیا گیا۔ مصر آج تک آباد ہے' اس لئے کہ وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر' ان کے مغفور و مرحوم بھائیوں کی قبریں تھیں۔ آج قریباً" ہر شہر میں اللہ والے اور ان کی قبریں ہیں۔ ان کی برکتوں سے ہم گنہگار اور ہمارے گھر بچے ہوئے ہیں بلکہ حضور انور ﷺ کی قبر شریف ساری زمین کو بھی عام عذابوں سے بچائے ہوئے ہے۔ **وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔** **چوتھا فائدہ:** عذاب الٰہی صرف نبی کے جھٹلانے انہیں ستانے ان کی بددعا لینے پر آتا ہے اس کے سوا انسان کیسے ہی گناہ کرے عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدہ **بانھم کذبوا بایتنا** سے حاصل ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

ہیچ قوم را خدا رسوا نہ کرد
تادل صاحب دلے نہ آمد بدرد

دیکھو فرعون شرک' کفر' دعویٰ خدائی' بے قصور بچوں کا ذبح' یہ سب کچھ کرتا رہا مگر عذاب کب آیا جب اس نے موسیٰ کو جھٹلایا۔ **پانچواں فائدہ:** کافر جب مسلمان ہو جائے تو اللہ تعالٰی اس کے کفر کے زمانے کے سارے گناہ معاف کر دیتا ہے حتی کہ اس کے بعض مظالم بھی۔ یہ فائدہ بھی **بانھم کذبوا** سے اشارۃً" حاصل ہوا۔ دیکھو اگر فرعون ایمان لے آتا تو اس نے زمانہ کفر میں جو بچے قتل کرائے تھے۔ اسرائیلیوں پر ظلم ڈھائے تھے' سب معاف ہو جاتے۔ کفار مکہ نے زمانہ کفر میں مسلمانوں پر بہت ظلم کئے مگر جب وہ ایمان لائے تو سب معاف ہوئے حتی کہ ابو سفیان بلکہ وحشی بلکہ ہند کے سارے ظلم و ستم امیر حمزہ پر وحشیانہ ظلم سب معاف ہو گئے۔ اب ان کو مسلمان کہتے ہیں رضی اللہ عنھم۔ ہاں زمانہ کفر کا لیا ہوا قرض' مارا ہوا پیسہ معاف نہیں ہو سکتا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا کیونکہ گذشتہ قتلوں کا بدلہ نہیں ہو سکتا مگر قرض کی ادائیگی ہو سکتی ہے۔ **مسئلہ:** زمانہ کفر میں بندوں کے مارے ہوئے حقوق اگر قابل ادا ہیں تو اسلام لانے کے بعد ادا کرنے پڑیں گے جیسے مالی حقوق' قرض' امانت' گروی وغیرہ جو مار لئے گئے ہوں اور اگر ناقابل ادا ہوں تو وہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں جیسے قتل یا زخمی کرنا کہ یہ دونوں اگرچہ حق العباد ہیں مگر اسلام لانے کے بعد معاف ہو جائیں گے یونہی اگر کفر و اسلام کی جنگ میں مسلمان کافر کے ہاتھ سے مارا جائے پھر یہ کافر مسلمان ہو جائے' تو قاتل و مقتول دونوں جنتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ یہ فرق خیال میں رہے۔ **چھٹا فائدہ:** بے پرواہی والی غفلت جرم ہے اس پر سزا ہے کی اتفاقی غفلت معاف ہے۔ یہ فائدہ **کانوا عنھا غفلین** سے حاصل ہوا کہ فرعون کو اس کی غفلت پر سزا ملی۔ **مسئلہ:** اگر کوئی شخص اتفاقاً" سو تا رہ جاوے اور نماز قضا ہو جائے تو گنہگار نہیں مگر جو دانستہ طور پر رات کو بلاوجہ جاگتا رہے پھر صبح کو نماز قضا ہو جاوے تو گنہگار ہے کہ اس غفلت میں اس کی بے پرواہی کو دخل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** یہاں **فانتقمنا** ف سے ارشاد ہوا۔ ف، معنی فوراً ہوتی ہے مگر فرعون بہت عرصہ کے بعد ڈوبا۔ اس نے برسوں تک تو اسرائیلی بچے ذبح کئے پھر برسوں موسیٰ علیہ السلام کو دکھ دیئے۔ جادوگروں کو سولی دی۔ حضرت آسیہ کو چومیخہ کیا پھر ان واقعات کے سالہا سال کے بعد غرق ہوا تو ف فرمانا کیونکر درست ہوا۔ یہاں ثم فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** یا تو یہاں ف، معنی پھر ہے نہ کہ فوراً یا چونکہ دنیا کے بہت سے سال رب کے ہاں ایک پل کے ہوتے ہیں۔ فرماتا ہے **ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون** اس لئے ف ارشاد ہوا۔ یعنی یہاں کا فوراً نہیں بلکہ رب کے نزدیک کا فوراً ہے اور ہو سکتا ہے کہ فرعون کے احساس کا فوراً مراد ہو کیونکہ پچھلا دراز زمانہ بھی چھوٹا معلوم ہوتا ہے بلکہ ایک ہی وقت ایک کے لئے بڑا ہوتا ہے دوسرے کے لئے چھوٹا۔ ایک ہی رات سونے والے کے لئے چھوٹی محسوس ہوتی ہے بیمار جاگنے والے کے لئے دراز جو محبوب کے ساتھ ہو اسے پل بھر کی محسوس ہوتی ہے۔ قیامت کا دن کفار غافلوں کے لئے پچاس ہزار سال کا ہوگا مومنوں کے لئے چار رکعت کی بقدر کیونکہ وہ محبوب کے دیدار میں مست ہوں گے۔ معراج کی رات حضور انور نے ہزاروں سال کا سفر کیا مگر واپسی پر بستر گرم پایا اور زنجیر ہلتی ہوئی۔ یعنی یہاں ایک آن۔ حضرت عزیر علیہ السلام کو سو سال مردہ رکھا گیا۔ زندہ ہونے پر دیکھا کہ انگور کے رس پر ایک آن گذری تھی کہ وہ خراب نہیں ہوا تھا اور مردہ گدھے پر سو سال کہ اس کی ہڈیاں بھی سفید ہو گئی تھیں۔ **دوسرا اعتراض:** بدلہ لینا رب تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ معافی دینا اس کی شان ہے پھر **فانتقمنا** کیوں ارشاد ہوا کہ ہم نے فرعونیوں سے بدلہ لیا۔ **جواب:** ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینا عین انصاف ہے۔ اسے چھوڑ دینا ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعونیوں سے اسرائیلی مظلوم بچوں، مومن جادوگروں کا بدلہ لیا۔ یہ عین انصاف تھا نیز موذی کو سزا دینا ضروری ہے۔ سانپ کو مار دینا ضروری، زندہ چھوڑ دینا لوگوں پر ظلم ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے فرعونیوں کو صرف آیات الٰہیہ کے انکار کی سزا دی کہ فرمایا **کذبوا بایتنا** تو اس کے سارے مظالم معاف کر دیئے۔ **جواب:** اس کے سارے جرم و قصور کی ہی سزا دی گئی مگر آیات کا انکار اس سزا کا قریبی سبب ہوا۔ دوسرے جرم دور کے سبب۔ ہر عاقل بالغ مسلمان پر نماز فرض ہے مگر وقت پر۔ تو عقل و بلوغ نماز کی فرضیت کا دور کا سبب ہے اور وقت قریب کا سبب۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ فرعونیوں کو ان کی غفلت کی سزا دی گئی مگر دوسری جگہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ غافل پر عذاب نہیں بھیجتا۔ **وما کان ربک لیھلک القریٰ بظلم واھلھا غافلون۔** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فوائد میں گزر گیا کہ بے خبری کی غفلت معاف ہے مگر بے پرواہی کی غفلت پر پکڑ ہے۔ فرعونیوں کی غفلت بے خبری کی نہ تھی بلکہ بے پرواہی کی تھی۔ لہٰذا سزا ملی، بے خبری اور جھٹلانا جمع نہیں ہو سکتے۔ خبر پہلے ہوتی ہے جھٹلانا بعد میں۔ لہٰذا ساری آیت درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جس کے محبوب پر احسان محب پر احسان ہے بلکہ جسے محبوب سے نسبت ہو اس کے ساتھ سلوک محب پر احسان ہے جس کا بدلہ محب دیتا ہے یوں ہی محبوب سے بدسلوکی محب پر بدسلوکی ہے جس کا بدلہ محب لیتا ہے کسی کے بچہ کو ہم روپیہ دیں یا اس کی شادی میں کچھ خرچ کر آویں یا کسی موقعہ پر اس بچہ کے کمیوں نوکروں پر خرچ کر آویں تو یہ اس بچہ کے باپ پر سلوک ہے جس کا بدلہ وہ باپ ہزارہا موقعوں پر دیتا ہے یوں ہی کسی کے بچہ کو قتل کر دیا مار دیا تو بدلہ میں اس کا باپ سزا دیتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

حکومت کے نوکر کی بے حرمتی کرو تو حکومت سزا دیتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں ان کی خدمت ان پر خرچ اللہ تعالیٰ پر قرض ہے۔ جو بڑھا بڑھا کر رحم کو وصول ہو گا۔ **ان شاء اللہ من ذا الذی یقرض اللہ قرضا حسنا فیضعفہ لہ اضعافا کثیرۃ**۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے محبوب بندے بنی اسرائیل ان محبوب کے منسوب۔ ان کے بیٹے ان منسوبوں کے چہیتے پیارے، فرعون اور اس کی ذریت نے ان منسوبوں پر ظلم کیا تو اللہ نے ان سب کا بدلہ لیا کہ ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام بلکہ ان کے متبعین آیات الہیہ تھے۔ فرعونی ان کے آیات الہیہ ہونے سے غافل تھے۔ انہوں نے ان آیات کو جھٹلایا اس کا برا انجام دیکھ لیا۔ رب کا کرم چاہئے تو اس کے بندوں سے اچھا سلوک کرو۔ خدمت کا نتیجہ رحمت ہے۔ غفلت و نفرت کا نتیجہ نقمت یعنی عذاب ہے۔ **فانتقمنا** سبق دے رہا ہے۔

وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِيْنَ كَانُوْا يُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَا

اور وارث بنایا ہم نے اس قوم کو جو کمزور سمجھی جاتی تھی زمین کے مشرقوں کا اور اس کے مغربوں

اور ہم نے اس قوم کو جو دبا لی گئی تھی اس زمین کے پورب و پچھم کا مالک کر دیا جس میں ہم نے

رِبَهَا الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنٰى عَلٰى بَنِيْٓ

کا وہ زمین کہ برکت دی ہم نے اس میں اور پورا ہو گیا فرمان رب کا تمہارے اچھا اوپر

برکت رکھی۔ اور تیرے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا۔

اِسْرَاۗءِيْلَ ڏ بِمَا صَبَرُوْا ۭ وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهٗ

بنی اسرائیل کے اس وجہ سے کہ صبر کیا انہوں نے۔ اور ہلاک کر دیا ہم نے وہ جو کرتا تھا فرعون اور اس کی قوم

بدلہ ان کے صبر کا۔ اور ہم نے برباد کر دیا جو کچھ فرعون اور اس کی قوم بناتی اور جو

وَمَا كَانُوْا يَعْرِشُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اور وہ جو چھتے تھے وہ لوگ

چنائیاں اٹھاتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: گذشتہ آیت میں فرعون کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب ہلاکت کی نوعیت کا تذکرہ ہے کہ ساری برباد شدہ قوموں کی بستیاں بھی ایسی اجاڑ دی گئیں کہ کبھی آباد ہی نہ ہوئیں کیونکہ وہاں سے نبی اور مومنین نکال لئے جاتے تھے۔ مگر اتنی بڑی مجرم قوم کو ایسے ہلاک کیا گیا کہ مصر کی بستی قائم رہی اسے بھی بنی اسرائیل

www.alahazratnetwork.org

سے آباد کیا گیا جس میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے کیونکہ اس میں اولیاء یا انبیاء قبروں میں آرام فرماتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ظالم فرعونیوں کی سزاؤں اور آخر کار ان کی ہلاکت کا ذکر ہوا اب مظلوم بنی اسرائیل کی دنیاوی جزاؤں کا ذکر ہو رہا ہے گویا تصویر کا ایک رخ دکھانے کے بعد دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** گذشتہ پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے اس وعدے کا ذکر فرمایا گیا تھا جو آپ نے بنی اسرائیل سے کیا تھا یعنی زمین مصر کی حکومت اسرائیلیوں کو ملنا **ان الارض للہ** اب اس وعدہ کے پورا ہونے کا تذکرہ ہو رہا ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام نے ایسی حالت میں فرعون اور فرعونیوں کی ہلاکت' بنی اسرائیل کی حکومت کی خبر دی جب اسے عقل نہیں مانتی تھی پھر وہ سب کچھ آنکھوں نے دیکھ لیا تاکہ پتہ لگے کہ نبی قیامت' جنت' دوزخ کے متعلق جو خبریں دیتے ہیں وہ سچی ہیں۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ان برکتوں کا ذکر ہوا جو فرعونی لوگ عارضی طور پر حاصل کر لیتے تھے کہ ان سے عذاب ٹل جاتے تھے پھر ان کی وعدہ خلافیوں کی وجہ سے آجاتے تھے اب آپ کی اس مستقل برکت کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی یعنی مشرق و مغرب کی حکومت کا مل جانا۔

تفسیر: واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون۔ یہ عبارت یا تو معطوف ہے **اغرقنہم** پر اور واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ اور واؤ ابتدائیہ۔ **اورثنا** بنا ہے ورث یا ارث سے جس کے لغوی معنی ہیں کسی کی موت کے بعد دوسرے کا اس کی املاک کا مالک بننا۔ شرعی ارث میں رشتہ داری شرط ہے چونکہ بنی اسرائیل ملک مصر وغیرہ کے مالک بنے فرعون کی ہلاکت کے بعد اس لئے واورثنا ارشاد ہوا ملکنا نہیں فرمایا۔ قوم سے مراد بنی اسرائیل ہیں چونکہ لفظ قوم لفظاً" واحد ہے معنی" جمع اس لئے اس کی صفت الذین جمع لائی گئی چونکہ فرعون ہر سال بلکہ ہر ماہ بلکہ ہر دن نت نئے طریقوں سے اسرائیلیوں کو دبا تا انہیں ذلیل کرتا رہتا تھا اس لئے **کانوا یستضعفون** ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ ان کے بچوں کو ذبح کرتا تھا۔ ان کی عورتوں کو اندرون خانہ کاموں میں لگا تا تھا۔ مردوں سے نہایت ذلیل اور سخت کام لیتا تھا ان پر بھاری ٹیکس' بیگار وغیرہ ان کے علاوہ تھے۔ اس ایک کلمہ میں وہ سب باتیں ذکر فرما دیں۔ اس طرح بیان فرمانے میں اللہ کے لطف و کرم کا ذکر ہے اس لئے الیہود یا بنی اسرائیل نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی تاکہ پتہ لگے کہ کمزوروں' ذلیلوں کو زور عزت دے دینا' رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ظہور ہے۔

مشارق الارض و مغاربھا۔ یہ عبارت اورثنا کا دوسرا مفعول ہے اس کا پہلا مفعول القوم تھا چونکہ ہر دن کا مشرق و مغرب جدا گانہ ہوتا ہے اس لئے قرآن مجید میں انہیں جمع بھی ارشاد فرمایا جاتا ہے اور چونکہ مشرق و مغرب دو دو کنارے ہیں جہاں پہنچ کر سورج کا طلوع و غروب پلٹ جاتا ہے اس لئے مشرقین و مغربین تثنیہ ارشاد ہوتا ہے اور چونکہ ان کی سمت ایک ایک معین ہے اس لئے اسے مشرق و مغرب واحد بولا جاتا ہے۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہاں ارض سے کونسی زمین مراد ہے اور کون سے بنی اسرائیل اس کے مالک ہوئے یہ ہی جو مصر سے نکلے تھے یا ان کی اولاد۔ اس کے متعلق مفسرین کے پانچ قول ہیں۔ 1۔ ارض سے مراد زمین مصر ہے اور موسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ہی یہی نکلے ہوئے لوگ مصر میں پہنچے اور پورے مصر اور اس کے علاقہ کے مالک ہوئے۔ یہ قول ہے ابو شیخ کا جسے وہ حضرت لیث بن سعد سے روایت فرماتے ہیں۔ 2۔ ارض سے مراد زمین مصر و شام دونوں ہیں جن پر فرعون کا قبضہ تھا اور یہی نکلنے والے اسرائیلی اس کے مالک ہوئے۔ 3۔ ارض سے مراد صرف زمین شام ہے۔ یہ قول ہے حسن' قتادہ' زید بن اسلم کا۔ 4۔ ارض سے مراد بیت المقدس ہے اور اس کے مالک یہ نکلنے والے اسرائیلی نہیں ہوئے

www.alahazratnetwork.org

بلکہ ان کی اولاد ہوئی انہوں نے قوم عمالقہ کو برباد کر کے وہاں قبضہ کیا موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت عرصہ بعد۔ 5- ارض سے مراد ساری روئے زمین ہے بنی اسرائیلی اس کے مالک ہوئے زمانہ سلیمانی میں کیونکہ حضرت سلیمان تمام روئے زمین کے بادشاہ ہوئے۔ (معانی، صاوی، کبیر خازن وغیرہ) مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ قرآن مجید میں دوسری جگہ فرعونیوں کے متعلق ارشاد ہوا **کم ترکوا من جنت و عیون** اور اسرئیلیوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ **کذلک واورثنھا قوما آخرین**۔ ان آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ فرعونی لوگوں کے باغات و چشمے و عمارات پر بنی اسرائیل نے قبضہ کیا نیز انہیں اسرائیلیوں کو فرعونیوں نے ذلیل کیا تھا نہ کہ ان کی اولاد کو نیز قرآن مجید نے دوسری جگہ فرمایا **و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا** ان وجوہ سے ترجیح اس کو ہے کہ یہ ہی بنی اسرائیلی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات شریف میں مصر میں داخل ہوئے اور فرعون کی ساری املاک کے مالک ہوئے۔ (از کبیر و صاوی) جناب کلیم کی اطاعت سے بنی اسرائیل کو دنیا و دین دونوں جہان کی نعمتیں عطا ہوئی۔ نبی کی اطاعت سے صرف دین نہیں ملتا بلکہ دنیا و دین دونوں ملتے ہیں۔ **التی برکنا فیھا** یہ عبارت یا تو صفت ہے مشارق و مغارب کی یا ارض کی۔ عام مفسرین نے اسے ارض کی صفت کہا مگر بعض نے کہا کہ یہ مشارق و مغارب کی صفت ہے کیونکہ اگر ارض کی صفت ہو تو موصوف اور صفت کے درمیان فاصلہ ہو جاوے گا مغاربھا کا یہ درست نہیں جیسے کوئی کہے **ام امر ھند و ابوھا العماقتہ** (صاوی، معانی) مگر عام مفسرین اسے ارض کی صفت مانتے ہیں وہ کہہ سکتے ہیں کہ مغاربھا ارض کا اجنبی نہیں اگر زمین سے مراد ہے زمین بیت المقدس تو برکت سے مراد ہے حضرات انبیاء کرام کا وطن ہونا۔ وہاں ان کے مزارات ہوتا ہے اور اگر زمین شام مراد ہے تو برکت سے مراد ہوگی وہاں کے پھل، فروٹ باغات، نہریں وغیرہ اور اگر زمین مصر مراد ہے تو برکت سے وہ زیب و زینت، عمارات، باغات نہریں وغیرہ مراد ہوں گی جو فرعون نے وہاں بنا رکھے تھے۔ رب فرماتا ہے **کم ترکوا من جنت و عیون** اور ہو سکتا ہے کہ برکت سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کی قبور ہوں بہرحال مصر کی زمین بھی کئی وجہ سے مبارک ہے۔ اسے فرعون کے منحوس قدم اس مرتبہ سے نہ نکال سکے۔ **و تمت کلمت ربک الحسنی** یہ عبارت معطوف ہے اورثنا پر۔ سارے قرآن مجید میں کلمت لمبی ت سے صرف یہاں ہی آیا ہے۔ باقی ہر جگہ کلمۃ گول ت سے آیا۔ یہاں تمام مقابل نقصان کا نہیں ہے بلکہ بمعنی پورا ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ کلمت رب سے مراد اللہ کا وعدہ ہے جو بنی اسرائیل سے فرمایا گیا حسنی کلمہ کی صفت ہے حسنی فرما کر بتایا کہ وہ وعدہ کرم تھا وعید عذاب نہ تھی اس وعدہ سے یا تو وہ وعدہ مراد ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے کیا تھا **ان یھلک عدوکم و یستخلفکم فی الارض** چونکہ نبی کی بات رب تعالیٰ کا فرمان ہوتا ہے اس لئے کلمہ رب فرمایا گیا۔ یا رب کا یہ وعدہ ہے **و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض و نجعلھم ائمۃ و نجعلھم الورثین** ایک قراءت میں کلمات ربک الحسنی ہے یعنی کلمات جمع اور حسنی واحد جیسے رب کا فرمان **مارب اخری**۔ (معانی) **علی بنی اسرائیل** یہ صفت ہے کلمت کی یہاں علی نقصان کے لئے نہیں بلکہ لزوم کے لئے ہے یعنی اللہ کا اچھا وعدہ جو بنی اسرائیل پر لازم ہو چکا تھا وہ پورا ہو گیا کہ فرعونی ہلاک ہو گئے اور یہ لوگ ان کی املاک کے مالک ہو گئے۔ **بما صبروا** یہ عبارت متعلق ہے تمت کے اس میں ب سببیہ اور ما مصدریہ ہے صبر سے مراد ہے بنی اسرائیل کا فرعون کی مصیبتوں پر عرصہ تک صبر کرنا جب اللہ تعالیٰ کا وعدہ

www.alahazratnetwork.org

پورا ہوا ان کے سخت مصیبتوں پر صبر کئے رہنے کی وجہ سے کہ ان کا صبر اس وعدے کے پورا ہونے کا ذریعہ بنا جیسے مجاہدین بدر کا صبر اللہ تعالیٰ کے وعدہ نصرت کا سبب بنا۔ **ودمرنا ماکان یصنع فرعون وقومہ** یہ عبارت معطوف ہے اورثنا پر۔ دمرنا تدمیر سے ہے۔ جس کی اصل دمار ہے۔ معنی ہلاکت۔ ما سے مراد فرعون' ہامان اور اس کے دوسرے امراء کے محل اور بلند تکیں ہیں اور اس کی وہ لمارت جو اس نے ہامان سے بنوائی تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کے خدا کو اس پر چڑھ کر دیکھوں۔ خیال رہے کہ ان عمارات کا تباہ ہونا کسی زلزلہ یا طوفان کی وجہ سے نہ ہوا بلکہ عرصہ تک ویران پڑے رہنے' مرمت نہ ہونے کی وجہ سے ہوا اس سے پتہ لگا کہ بنی اسرائیل مصر میں بہت عرصہ کے بعد پھر آباد ہوئے عرصہ تک مصر ویران پڑا رہا چونکہ فرعون مسلسل یہ عمارات بنواتا رہا اور مرتے وقت تک ان کی مرمت کراتا رہا اس لئے **یصنع** مضارع ارشاد ہوا۔ **وماکانوا یعرشون** یہ معطوف ہے **ماکان یصنع** پر **یعرشون** بنا ہے **عرش** سے۔ معنی چھت اس سے یا تو مکانات کی مضبوط چھتیں بنانا مراد ہے یا انگور وغیرہ کی بیلیں چھانے کے لئے چھتیں بنانا مراد ہے دوسرے معنی قوی ہیں کیونکہ مکانات کی چھتوں کا ذکر تو **کان یصنع** میں ہو چکا یعنی ہم نے فرعونیوں کی عمارات بھی ہلاک کر دیں اور ان کے باغات وغیرہ بھی کہ وہ سب عرصہ تک ویران رہنے کی وجہ سے برباد ہو گئے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ ہم نے فرعونیوں کو غرق فرمانے کے بعد اس زمین مصر کا بادشاہ اس قوم کو بنا دیا جسے فرعونیوں نے عرصہ تک دبائے رکھا اپنا غلام بنائے رکھا پھر یہ بھی خیال رہے کہ ہم نے انہیں یہ زمین مشرقوں مغربوں کے ساتھ اس کے سارے اطراف و جوانب عطا فرما دیئے جن میں ہم نے بڑی برکتیں دے رکھی تھیں کہ اسے فرعونیوں نے خوب آباد سرسبز و شاداب بنایا تھا اور وہاں اولاد یعقوب کی قبور واقع تھیں وہ وہاں ہی مدفون تھے۔ آپ کے رب نے جو بنی اسرائیل سے اچھا وعدہ فرمایا تھا وہ ان کے صبر و برداشت و تحمل کی وجہ سے پورا ہو گیا اور ہم نے فرعونیوں کی عمارات ان کے باغات باغوں کے انتظامات سارے کے سارے تباہ و برباد کر دیئے کہ نہ کوئی ان کا دیکھنے بھالنے والا رہا نہ وہ قائم رہیں نہ فرعون رہا نہ اس کے ظلم۔ اس پر لعنت دائمی رہی۔

نہ زیاد کا وہ ستم رہا نہ یزید کی وہ رہی جفا
جو رہا تو نام حسین رہا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

یوں ہی نہ ابو جہل رہے گا نہ ابو لہب۔ ان جیسے لوگوں پر تاقیامت پھٹکار رہے گی۔ سورج آپ ہی کا چڑھے گا چرچے تمہارے اور تمہارے غلاموں ہی کے ہوں گے۔ خیال رہے کہ مصر بربادی سے محفوظ رہا کیونکہ وہاں اولیاء اللہ دفن ہیں یعنی اولاد یعقوب یوں ہی جس دل میں محبت اولیاء ہو وہ برباد نہیں ہوتا۔ مکہ معظمہ آباد رہا۔ اصحاب فیل پر عذاب باہر ہی آیا کیونکہ اسے اللہ کے خلیل نے آباد کیا تھا۔ مدینہ منورہ آباد تو کیا طاعون کی بیماری' بے وقت بارش' پانی کی طغیانی اور ہزارہا آفات سے محفوظ ہے کیونکہ وہاں اللہ کے حبیب جلوہ گر ہیں تو جس دل کو' جس گھر کو' جس قبر کو' جس جگہ کو حضور انور آباد کریں وہ تاقیامت آباد ہی رہے۔ ان واقعات میں بہت نصیحت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حقیقی مالک الملک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بندے اس کی عطا سے عارضی طور پر ملک اور املاک کے مالک ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **واورثنا القوم** سے حاصل ہوا۔ کوئی قوم کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ اس ملک یا اس گھر یا اس چیز کا میں دائمی مالک ہو گیا۔ فرعون کا ملک بنی اسرائیل کو دے دیا گیا اب بھی دن رات بادشاہ نا کلین بدلتے رہتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اپنے بعض بندوں کو اپنے ملک کا اپنی چیزوں کا مالک کر دیتا ہے۔ ہم اپنی چیزوں کو فروخت بھی کر سکتے ہیں' کرایہ پر بھی دے سکتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی **واورثنا القوم** سے حاصل ہوا۔ اسی طرح رب تعالیٰ بعض بندوں کو ملکوت کا مالک بنا دیتا ہے انہیں ملکوت دکھا دیتا ہے۔ فرماتا ہے **وکذلک نری ابرھیم ملکوت السموت والارض** اور فرماتا ہے **وسخرنا له الریح۔ تیسرا فائدہ:** زمین مصر بڑی برکت والی ہے کیونکہ وہاں اولاد یعقوب علیہ السلام کی قبور ہیں وہ حضرات خود بھی مبارک ہوتے ہیں۔ **وجعلنی مبرکا" این ماکنت** اور ان کی قبور بھی مبارک ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ التی بارکنا فیھا کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ارض سے مراد زمین مصر ہے۔ **چوتھا فائدہ:** جس زمین میں بزرگان دین رہتے ہوں وہ مبارک ہے اگرچہ وہاں کفار اشرار بھی ہوں یعنی اخیار کی برکت اشرار کی نحوست سے نہیں مٹتی۔ یہ فائدہ بھی التی بارکنا سے حاصل ہوا۔ دیکھو زمین مصر میں فرعون' ہامان' اور بڑے بڑے شیاطین تھے مگر رب تعالیٰ نے اسے زمین کے متعلق فرمایا۔ **بورکنا** مکہ معظمہ میں ابو جہل وغیرہ بہت کافر تھے۔ مدینہ منورہ میں عبد اللہ ابن ابی وغیرہ بہت منافق تھے مگر اس کے باوجود مکہ تو معظمہ رہا اور مدینہ منورہ رہا ایک پیارے محبوب ﷺ کے قدم پاک کی برکت سے۔ لہٰذا اجمیر اور بغداد شریف ہیں اگرچہ وہاں کفار رہتے ہوں' کفر کرتے ہوں بلکہ جس زمین میں اللہ کا بندہ آئندہ آکر بسنے والا ہو وہ پہلے ہی سے مبارک ہے۔ حضرت سلیمان نے زمین مدینہ کی اس وقت تعظیم کی جبکہ ایک ہزار برس کے بعد وہاں حضور انور ﷺ آباد ہونے والے تھے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے نبیوں' ولیوں کا وعدہ خود رب تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ان کا فرمان کلمۃ اللہ ہوتا ہے' جو ہو کر رہتا ہے۔ یہ فائدہ کلمۃ ربک سے حاصل ہوا کہ بنی اسرائیل سے موسیٰ علیہ السلام نے غلبہ کا' فرعون کی بربادی کا وعدہ فرمایا۔ رب نے فرمایا۔ **تمت کلمت ربک** تمہارے رب کی بات پوری ہوئی ان حضرات کی زبان کن کی کنجی ہوتی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** کبھی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا ظہور خاص اسباب سے ہوتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کے اس وعدے کا ظہور بنی اسرائیل کے صبر سے ہوا۔ یہ فائدہ **بماصبروا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** بنی اسرائیل اگرچہ مصر میں آئے' وہاں کے مالک ہوئے مگر فوراً" نہ آئے۔ انہوں نے فرعونی محلات وغیرہ پر قبضہ نہیں کیا۔ وہ تو ویران ہو کر برباد ہو چکے تھے۔ یہ فائدہ **دمرنا ماکان یصنع فرعون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** یونہی بنی اسرائیل نے فرعون کے باغات وغیرہ استعمال نہ کئے وہ بھی اجڑ چکے تھے۔ بنی اسرائیل مصر میں ایک عرصہ کے بعد پہنچے۔ یہ فائدہ **وماکانوا یعرشون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ یعرشون کے معنی ہوں وہ انگوروں کے لئے چھت بناتے تھے۔ فرعونیوں نے یہ عمارات باغات چھوڑے تھے مگر بنی اسرائیل نے ان کے بعد برتے نہیں لہٰذا یہ آیت کریمہ اس کے خلاف نہیں کہ **کم ترکوامن جنت وعیون**

اعتراضات: **پہلا اعتراض:** بنی اسرائیل فرعونیوں کے رشتہ دار نہ تھے پھر ان کے مال کے وارث کیوں بنے ورثہ تو رشتہ

www.alahazratnetwork.org

سے ملتا ہے پھر اورثنا فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب**: یہاں وراثت سے شرعی وراثت مراد نہیں ہے۔ جس میں رشتہ و قرابت ضروری ہوتا ہے بلکہ یہاں اس کے معنی ہیں کسی کی موت کے بعد اس کی چیزوں کا مالک بننا۔ لہٰذا اس میں قرابت کی ضرورت نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت میں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ **القوم الذین کانوا یستضعفون** صرف الیہود یا بنی اسرائیل فرمادینا کافی تھا۔ وہ مختصر بھی تھا۔ **جواب**: اتنی دراز عبارت میں رب تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا عظیم الشان بیان ہوا کہ وہ کمزوروں کو قوی کرنے' مملوکوں کو مالک کرنے' پرجا کو راجہ بنانے پر قادر ہے۔ جس سے مکہ معظمہ کے کمزور مسلمانوں کو تسلی ہو اور وہ بھی اللہ کی رحمت کے امیدوار ہو جاویں۔ نیز یہ بتانا مقصود تھا کہ اسرائیلی بذات خود ضعیف و ناتواں نہ تھے۔ نبی زادے ناتواں نہیں ہوا کرتے بلکہ انہیں کمزور سمجھا گیا تھا۔ فرعونیوں نے اپنی حماقت سے انہیں ضعیف جانا ہوا تھا۔
تیسرا اعتراض: اس آیتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل مصر کے مالک نہ ہوئے تھے بلکہ زمین فلسطین کے مالک بنائے گئے تھے کیونکہ ارض کے متعلق ارشاد ہوا **برکنا فیھا** برکت والی زمین فلسطین کو فرمایا گیا ہے **الذی برکنا حولہ** نوٹ: یہ دلیل ان کی ہے۔ جو کہتے ہیں اسرائیلی مصر میں نہیں پہنچے تھے بلکہ فلسطین میں پہنچے تھے۔ **جواب**: حق یہ ہی ہے کہ وہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ حیات شریف میں ہی مصر میں واپس آئے اور وہاں آباد ہوئے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ زمین مصر اس لئے برکت والی تھی اور ہے کہ یہاں یوسف علیہ السلام کی قبر شریف تھی۔ دوسرے اولاد یعقوب وہاں ہی قبروں میں محو خواب ہیں بلکہ زمین فلسطین کو بھی مبارک اسی لئے کہا گیا کہ وہ آرام گاہ انبیائے کرام ہے حتی کہ مقام خلیل الرحمن میں ستر ہزار نبی آرام فرما ہیں۔ فقیر نے زیارت کی ہے اس قول کی چند دلیلیں ہیں۔ 1- یہاں بنی اسرائیل کو اس زمین میں فرعون کا وارث فرمایا **واورثنا القوم** ظاہر ہے کہ فرعون مصری کا بادشاہ تھا۔ اس کی وراثت بنی اسرائیل کو مصر ہی میں ملی۔ 2- یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے اسی قوم کو اس زمین کا وارث بنایا جو بہت کمزور سمجھی جاتی تھی جو دبالی گئی تھی۔ ظاہر ہے کہ کمزور اور دبائے ہوئے لوگ یہی بنی اسرائیل تھے جو فرعون کے زمانہ میں تھے۔ فلسطین فتح کرنے والے تو ان لوگوں کی اولاد تھے جنہوں نے قوم عمالقہ سے جنگ کر کے فلسطین پر سلطنت کی۔ 3- یہاں ارشاد ہوا کہ آپ کے رب کا اچھا وعدہ بنی اسرائیل پر پورا ہوا۔ ظاہر ہے کہ رب نے انہی موجودہ بنی اسرائیلیوں سے وعدہ فرمایا تھا **عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم و یستخلفکم** نہ کہ ان کی اولاد سے 4- یہاں ارشاد ہوا **بما صبروا** یعنی بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے ہم نے ان کا وعدہ پورا کر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ صبر انہی اسرائیلیوں نے کیا تھا نہ کہ ان کی اولاد نے انہی کو اس صبر کا بدلہ ملا۔ 5- یہاں بنی اسرائیل کے مالک بنانے کے ساتھ فرعون کی عمارات' باغات کی تباہی کا ذکر فرمایا **و دمرنا ما کان یصنع** جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ جو چیز فرعون کی تباہ کی گئی اسی کی زمین وغیرہ کا بنی اسرائیل کو مالک بنایا گیا۔ 6- دوسری جگہ ارشاد باری ہے **و نرید ان نمن علی الذین استضعفوا۔ و نری فرعون و ھامن و جنودھما منھم ما کانوا یحذرون۔**

شام و فلسطین: شام و فلسطین بالکل ملے ہوئے علاقے ہیں۔ شام کا دارالخلافہ دمشق ہے اور فلسطین کا دارالخلافہ عمان۔ ان میں موٹر سے چند گھنٹے کا راستہ ہے۔ حدیث شریف میں شام کے بڑے فضائل آئے ہیں چنانچہ ابن ابی شیبہ نے حضرت ابو ایوب انصاری سے روایتہ کی کہ برکتیں شام کی طرف ہجرت کر جائیں گی۔ ابن عساکر نے حمزہ ابن ربیعہ سے روایت کی کہ

سارے نبی یا شام میں رہے یا شام میں گئے یا شام کی انہیں سیر کرائی گئی۔ (معراج النبی)۔ احمد نے عبد اللہ ابن حوالہ سے روایت کی کہ میں نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ حضور میرے لئے کوئی شہر تجویز کریں جہاں میں رہوں۔ فرمایا تم شام میں رہو وہ اللہ کی بہترین زمین ہے جہاں آخر میں نیک بندے پہنچ جائیں گے۔ ابن عساکر نے واثلہ ابن اسقع سے روایت کی کہ میں نے حضور انور کو فرماتے سنا کہ شام کو اختیار کرو کہ وہ اللہ کی چھانٹی ہوئی منتخب زمین ہے۔ حاکم نے حضرت ابن عمر سے روایت کی کہ ایک زمانہ ایسا آوے گا کہ اللہ کے نیک بندے شام کی طرف کھچ جاویں گے۔ احمد ' ترمذی ' طبرانی ' ابن حبان ' حاکم نے زید بن ثابت سے بروایت صحیح روایت کی کہ مبارک ہے شام حضور نے فرمایا۔ عرض کیا گیا کیوں۔ فرمایا وہاں فرشتے اپنے پر پھیلائے ہوئے سایہ کر رہے ہیں (معانی) شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دار الہجرت ہے۔ شام ہی میں قیامت قائم ہوگی مگر خیال رہے کہ زمین شام و فلسطین کی یہ عظمتیں زمین حرمین طیبین کے ماسواء پر ہیں۔ مدینہ منورہ اور مکہ معظمہ کے بعض طبقے عرش اعظم سے افضل ہیں۔ شام کو شام کہنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ اسے سام ابن نوح نے بسایا یا یہ کہ وہ مکہ معظمہ سے جانب شام یعنی بائیں واقع ہے جیسے یمن جانب یمین داہنی طرف ہے یا یہ کہ وہاں پہاڑ مثل شامات کے واقع ہیں یعنی سرخ و سفید مٹی کی طرح۔ شام کا حدود اربعہ یہ ہے عریش مصر ' منشہ ' فرات اور قبر حود علیہ السلام۔ ان چار حدود کے درمیان کی زمین شام ہے۔ **چوتھا اعتراض:** نحوی قاعدہ سے **التی بر کنا** **الارض** کی صفت نہیں ہو سکتی کیونکہ الارض اور التی کے درمیان ہے **و مغاربھا** اور موصوف و صفت کے بیچ میں کوئی فاصلہ نہیں چاہئے۔ **جواب:** بعض صاحبوں نے فرمایا کہ التی صفت ہے مشارق و مغارب کی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ صفت ارض کی ہے مگر مغاربھا اجنبی نہیں موصوف و صفت میں اجنبی کا فاصلہ ممنوع ہے کیونکہ مغارب و مشارق ارض کے کنارے ہی تو ہیں۔ نیز مغاربھا میں ھا ضمیر الارض کی طرف ہے۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا۔ **بما صبروا** جس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا بنی اسرائیل کے صبر کی وجہ سے مگر یہ سمجھ میں نہیں آتا اللہ کے وعدے کسی کے صبر یا بے صبری پر موقوف نہیں پھر **بما صبروا** فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب:** وعدہ کا ظہور اسباب سے ہوتا ہے جیسے ماں باپ کے سبب سے ہماری پیدائش ' بیماریوں کے ذریعہ ہماری موت ' غذا و دوا کے ذریعہ ہمارا زندہ رہنا یہ سب ارادہ الٰہی وعدہ الٰہی ہیں مگر ان کا ظہور مذکورہ اسباب سے ہے۔ **چھٹا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ **و دمرنا ما کان** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود مصر پر عذاب آیا جس سے مصر بھی تباہ کر دیا گیا حالانکہ مصر محفوظ رہا فرعونیوں کو باہر نکال کر ہلاک کیا گیا۔ **جواب:** فرعونی مصنوعات ' عمارات ' باغات کی بربادی کسی غیبی عذاب سے نہیں ہوئی بلکہ عرصہ تک ویرانی کی وجہ سے ہوئی کہ فرعونی ہلاک ہو گئے اسرائیلی پہنچے نہیں اس لئے باغات سوکھ گئے۔ عمارات گر کر ختم ہو گئیں۔ **ساتواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعونی چیزیں نہیں برتیں وہ برباد ہو گئیں مگر دوسری آیات اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل نے فرعون کی متروکہ چیزیں واپس آکر استعمال کیں۔ ان میں تعارض ہے۔ **جواب:** فرعون کی متروکہ زمین اسرائیلیوں نے برتی مگر عمارات باغات نہیں برتے۔ لہذا دونوں باتیں درست ہیں اس لئے یہاں **یصنع** اور **یعرشون** فرمایا گیا اور وراثت کے متعلق مشارق الارض و مغاربھا ارشاد ہوا جس سے معلوم ہوا کہ زمین کے اطراف بنی اسرائیل نے برتے اور فرعونی مصنوعات ان کے واپس پہنچنے سے پہلے برباد کر دی گئیں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ ہے کہ طاقت وروں کو ہلاک کر دیتا ہے ان کی جگہ کمزوروں کو قائم فرماتا ہے۔ جہاں زاری ہے وہاں رحمت باری ہے کچھ دن آزمائش کے ہوتے ہیں۔ بظاہر قلب انسانی کمزور ہے نفس امارہ تگڑا مگر جب رب تعالیٰ کا فضل دستگیری کرے تو فرعونی نفس اور فرعون کے فرعونی صفات مغلوب ہوتے ہیں اور موسیٰ قلب اور صفات قلب کے اسرائیلی اس کے وارث۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاں اللہ والوں کے قدم اور ان کی قبریں ہوں وہ جگہ ایسی مبارک ہو جاتی ہے کہ اسے فرعونیوں کی نحوست منحوس نہیں کر سکتی۔ ان حضرات کو جس زمین جس زمان جس آن سے نسبت ہو جاوے وہ مبارک ہو جاتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ **وجعلنی مبرکا این ما کنت** وہ جہاں بھی ہوں مبارک ہیں ایسے ہی جس دل میں اللہ والوں کا گزر ہو جاوے تو وہ قلب و قالب مبارک ہو جاتے ہیں اگرچہ دل گنہگار ہو قلب مجرم ہو مگر ان کی برکت ان تمام گناہوں کی نحوست پر غالب آجاتی ہے۔ جب بزرگوں کے قدم سے زمین کے دن پھر جاتے ہیں اسے درجے مل جاتے ہیں تو جس مبارک پیٹ میں وہ رہیں اس کے درجے کیوں نہ بڑھیں گے۔ اس لئے کسی نبی کی والدہ کافرہ نہیں ہو تیں۔ صوفیاء کے نزدیک صبر افضل ہے شکر سے کہ صبر اللہ کی رحمتوں کی چابی ہے۔ **الصبر مفتاح الفرج**۔ بنی اسرائیل سے اللہ تعالیٰ نے فتح و نصرت کا وعدہ فرمایا تھا مگر اس وعدے کا ظہور ان لوگوں کے صبر کے ذریعہ سے ہوا۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ يَّعْكُفُوْنَ عَلٰٓى اَصْنَامٍ
اور گزار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے پس آئے وہ اوپر ایک قوم کے جو ٹھہرے ہوئے تھے اوپر
اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا پار اتارا تو ان کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا کہ اپنے بتوں کے آگے
لَّهُمْ ۚ قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ ۭ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ
اپنے بتوں کے بولے اے موسیٰ بناؤ واسطے ہمارے معبود جیسے واسطے انکے معبود ہیں فرمایا بیشک تم لوگ ایسی
آسن مارے تھے بولے اے موسیٰ ہمیں ایک خدا بنا دے جیسا ان کے لئے اتنے خدا ہیں بولا تم ضرور جاہل لوگ
تَجْهَلُوْنَ ﴿١٣٨﴾ اِنَّ هٰٓؤُلَاۗءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٩﴾
قوم ہو جو جہالت کرتے ہو بیشک یہ لوگ ہیں کہ ہلاک کی ہوئی ہے وہ چیز ہے کہ وہ بیچ جس میں اور باطل ہے وہ جو عمل کرتے تھے وہ لوگ
ہو یہ حال تو بربادی کا ہے جس میں یہ لوگ ہیں اور جو کچھ کر رہے ہیں نرا باطل ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بحر قلزم میں پیش آنے والے واقعات کا ذکر ہوا یعنی فرعونیوں کا ڈوبنا اسرائیلیوں کی نجات اب بحر قلزم سے پار کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے گویا فرعون کا قصہ ختم ہو جانے کے بعد اسرائیلیوں کا قصہ شروع فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرعونیوں کے ڈبو دیے جانے کا

www.alahazratnetwork.org

ذکر ہوا اب اسرائیلیوں کی نجات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے گویا تصویر کا ایک رخ دکھانے کے بعد دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ بحر قلزم میں فرعونی ڈبو دیئے گئے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نہ تھے اب ارشاد ہے کہ اسی بحر قلزم سے اسرائیلی پار نکل گئے کیونکہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھے۔ دریا ایک لوگوں کے حال مختلف تاکہ تا قیامت مثال قائم ہو جاوے کہ دنیا کے سمندر سے وہی محفوظ رہے گا جس کے ہاتھ میں نبی کا دامن ہو گا ورنہ دنیا اسے لے ڈبو دے گی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے نبی اسرائیل پر انعامات کا ذکر ہوا اب بنی اسرائیل کی سرکشیوں اور احسان فراموشیوں کا تذکرہ ہے تاکہ حضور ﷺ اور مومنوں کو تسلی دی جاوے کہ اسرائیلی پہلے سے ہی سرکش ہیں۔ اپنے نبی کی موجودگی میں سرکشی سے باز نہ رہے تو آپ کے زمانہ میں ان کی سرکشی عجیب بات نہیں۔ **لطیفہ**: ایک یہودی نے حضرت علی سے کہا کہ آپ لوگ اپنے نبی کے بعد آپس میں لڑ پڑے۔ ابھی تو تمہارے نبی کا پانی بھی خشک نہیں ہوا۔ جناب علی نے برجستہ جواب دیا کہ تم اسرائیلی تو اپنے نبی کی موجودگی میں جھگڑ پڑے تھے جبکہ تمہارے پاؤں بحر قلزم کے پانی سے خشک نہیں ہوئے تھے۔ اس پر اسرائیلی بہت شرمندہ ہوا۔ (مدارک)

تفسیر: وجوزنا ببنی اسرائیل البحر ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے جس میں اسرائیلیوں کے متعلق نئے قصہ کا آغاز ہے **جاوزنا** بنا ہے مجاوزہ سے بمعنی آگے بڑھ جانا اس کے بعد ب متعدی کرنے کے لائی گئی تو معنی ہوئے بڑھا دینا پار لگانا۔ بحر سے مراد ہے بحر قلزم جنہوں نے اس سے مراد لیا دریائے نیل انہوں نے سخت غلطی کی دیکھو تفسیر روح المعانی اور روح البیان۔ قلزم ایک بستی کا نام ہے جو مکہ معظمہ اور مصر کے درمیان ہے اس کے نام سے اسے سمندر کا نام بحر قلزم ہوا۔ (روح البیان) جیسے بحر ہند، بحیرہ عرب، بحر فارس وغیرہ یہ واقعہ محرم کی دس تاریخ جمعہ کو ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی ہلاکت کی خوشی میں روزہ رکھا اب تک یہود عاشورہ کو روزہ رکھتے ہیں۔ (خازن) اسلام میں بھی پہلے یہ روزہ فرض رہا اب بھی سنت ہے اس خوشی میں ...... **فاتوا علی قوم** یہ عبارت معطوف ہے جاوزنا پر ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ بنی اسرائیل کے پار ہونے پر پیش آیا یہ لوگ فوراً مصر واپس نہ آئے بلکہ شام یا کسی اور طرف روانہ ہو گئے۔ تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان لوگوں کو مقام ریف یا مقام رقہ میں جو سمندر سے قریب ہے ایک قوم ملی یہ لوگ یا تو کنعانی تھے جن سے جنگ کرنے کا موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا تھا یا عمالقہ تھے یا قبیلہ لخم ابن عبدالبر نے لخم کو ترجیح دی یہ لوگ لخم ابن عدی ابن عمرو ابن سبا کی اولاد تھے۔ (معانی، خازن، بیضاوی، کبیر وغیرہ) بنی اسرائیل ان لوگوں پر گزرے تھے کہ ان کی بستی دوران سفر انہیں راہ میں پڑی تھی وہاں ٹھہرے نہ تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ یہی بتا رہا ہے بہرحال بنی اسرائیل دراز سفر میں جا رہے تھے کہ ان کی بستی پر گزرے۔

یعکفون علی اصنام لھم یہ عبارت صفت ہے قوم کی۔ **یعکفون** بنا ہے عکف یا عکوف سے بمعنی ٹھہرنا، کسی جگہ جم کر بیٹھ جانا۔ اسی سے ہے اعتکاف یعنی روزے دار کا مسجد میں آ کر ٹھہر جانا وہاں سے نہ نکلنا۔ یہاں عکف سے مراد یا تو بتوں کی عبادت پر قائم رہنا ہے یہ اس ساری قوم کا حال تھا یا اس سے مراد بتوں کے سامنے آسن مار کر بیٹھ جانا ہے یہ کام ان کے خاص پنڈتوں کا تھا۔ اصنام جمع ہے صنم کی بمعنی بت صنم اور وتن کبھی ہم معنی ہوتے ہیں۔ کبھی صنم مجسمہ بت کو کہتے ہیں اور وثن فوٹو وغیرہ کو یہ بت یا تو گائے تھی یا گائے کے پتھر کے مجسمے یا پیتل کی گائیں (معانی) یہ بچھڑا پرستی کی پہلی بنیاد تھی یعنی اسرائیلی دوران

www.alahazratnetwork.org

سفر میں ایک ایسی قوم پر گزرے۔ جو بچھڑا پرستی پر قائم تھی یا بچھڑے کے سامنے ان کے پنڈت وغیرہ آسن مارے بیٹھے تھے تو **قالوا یموسی** حق یہ ہے کہ یہ قول ان سارے اسرائیلیوں کا نہیں ان میں ستر حضرات تو خاص اولیاء میں سے تھے۔ حضرت یوشع علیہ السلام تو بعد میں نبی ہوئے (از تفسیر کبیر) چونکہ اکثر لوگوں نے یہ کہا تھا اس لئے **قالوا** ارشاد ہوا۔ ان کی شریعت میں نبی کو نام لے کر پکارنا ممنوع نہ تھا اس لئے **یموسی** کہا۔ **اجعل لنا الھا کما لھم الھتہ** اس عبارت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے ان لوگوں نے اپنے لئے پتھر پیتل کے بچھڑے معبود بنالئے ہیں' آپ بھی ہمارے لئے کوئی الہ بنا دیجئے۔ ہاتھ آپ کا سر ہمارے ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ ہم کو کسی چیز کی پرستش کی اجازت دے دیجئے۔ تجویز آپ کی ہو عبادت ہماری ہو۔ دوسرے معنی زیادہ ظاہر ہیں۔ خیال رہے کہ ان کا یہ کلام کفر و ارتداد نہیں ہوا ورنہ موسیٰ علیہ السلام انہیں ارتداد کی سزا دیتے اور دوبارہ ایمان لانے کا حکم دیتے۔ دیکھو آگے چل کر بنی اسرائیل نے بچھڑا پوجا تو انہیں رب کی طرف سے سخت سزا دی گئی۔ انہوں نے کہا کہ آپ کوئی بت ہمارے لئے تجویز فرمادیں جسے ہم قبلہ بنا کر سامنے رکھیں اور اس کے ذریعہ رب تعالیٰ کی عبادت کریں (از کبیر) نیز انہوں نے خود کوئی مورتی وغیرہ بنا کر اس کی پرستش شروع نہیں کر دی بلکہ موسیٰ علیہ السلام سے اس کی اجازت چاہی۔ امام بغوی کا قول تفسیر خازن نے نقل فرمایا کہ ان کا یہ قول رب کی توحید میں شک کی بنا پر نہ تھا اس لئے آپ نے اس کا جواب نرم دیا کہ ارشاد فرمایا۔ **قال انکم قوم تجھلون** یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جواب ہے۔ آپ کا یہ فرمان یا تو جھڑک کے طور پر ہے یا تعجب کے لئے ہے۔ **تجھلون** فرمایا۔ **جاھلون** نہ فرمایا کیونکہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی سرکشیاں' جہالتیں بارہا دیکھ چکے تھے اور آئندہ بھی دیکھنے والے تھے وہ لوگ جہالتیں نت نئی کرتے ہی رہتے تھے۔ **تجھلون** کا مفعول ارشاد نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وہ لوگ عقاید' اعمال' احوال میں ہر طرح کی جہالت کرتے تھے۔ ابھی فرعونیوں کا انجام ان پر عتاب الٰہی دیکھ چکے تھے خود اپنے پر اللہ تعالیٰ کی کرم نوازیاں' مہربانیاں بارہا آزما چکے تھے۔ فرعونیوں کے شرک اور فرعون پرستی بھی ان کو معلوم تھی یہ بھی خبر تھی کہ ان پر اس بت پرستی کی وجہ سے عذاب آیا پھر خود ہی اس بت پرستی کی اجازت مانگ رہے ہیں اس سے بڑھ کر اور جہالت کیا ہو گی۔ **لطیفہ** ترمذی نے بروایت ابو واقد قریش فرمایا کہ جب حضور انور ﷺ غزوہ حنین میں مع صحابہ کرام تشرف لے گئے تو راستہ میں مشرکین کے ایک درخت پر گزر ہوا جس پر مشرکین اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے اس درخت کی پرستش کی نیت سے اس درخت کا نام ذات انواط تھا تو حضور کے ساتھ بولے یا رسول اللہ! ہمارے لئے بھی کوئی ذات انواط درخت مقرر فرمادیں ان لوگوں کی طرح حضور انور نے ارشاد فرمایا سبحان اللہ! تم نے مجھ سے وہ کہا جو اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ان کفار کی طرح ہمارے لئے بھی کوئی معبود مقرر فرمادیں پھر فرمایا تم لوگ یعنی مسلمان پچھلی امتوں کے نقش قدم پر چلنے لگے (ترمذی' خازن) **ان ھولاء متبر ما ھم فیه** اس فرمان عالی میں ان مشرکین کے عقائد کی برائی ان کے اعمال کے نقصان کا ذکر ہے **ھولاء** سے اشارہ اسی بت پرست قوم کی طرف ہے۔ **متبر** بنا ہے **تبار** سے بمعنی ہلاکت۔ رب فرماتا ہے **ولا تزد الظالمین الا تبارا** اور فرماتا ہے۔ **تبرنا تتبیرا** ریزہ ریزہ شدہ سونے یا لوہے کو تبر کہتے ہیں (کبیر) اس سے مراد ان بت پرستوں کے باطل عقیدے ہیں یعنی جن عقائد میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کے لئے بقاء نہیں۔ عنقریب یہ لوگ اور ان کے عقائد سب کچھ برباد و ہلاک ہو جائیں گے۔ ان کے بت انشاء اللہ ہمارے ہاتھوں ہی توڑے

www.alahazratnetwork.org

جائیں گے (مساق) **وباطل ماکانوایعملون** یہ عبارت معطوف ہے خبر ہے۔ اس فرمان میں ان بت پرستوں کے اعمال کا ذکر ہے پہلے ان کے عقائد کا ذکر ہوا۔ اسے مراد یا توبت ہیں تب عمل سے مراد ان کا ضد ریعنا ہے یا ان کی اور بد عملیاں یعنی جو اعمال یہ دنیا میں کرتے رہے وہ سب کے سب غلط ہیں۔ ان کا کوئی نفع انہیں نہ ملے گا بلکہ الٹا نقصان ہی اٹھاویں گے اگرچہ ان کی نیت یہ ہی ہو کہ ہم ان بتوں کے ذریعہ رب تعالیٰ کو راضی کرتے ہیں یہ بت ہم کو رب تک پہنچاتے ہیں اگر تم نے ان جیسے عقیدے و اعمال اختیار کئے تو تمہارا انجام بھی یہی ہونا ہے غرضیکہ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ آخرت میں ان کے کفریہ عقائد برباد ہو جائیں گے۔ قبر و حشر میں ساتھ نہ رہیں گے اور ان کی نیکیاں باطل ہو کر وہاں کام نہ آئیں گی۔ دوسرا یہ کہ دنیا میں ان کافرین کے اعمال برباد ہو جائیں گے ہم ہی انہیں ختم کریں گے دونوں تفسیریں حق ہیں۔

خلاصہ تفسیر: فرعون کا انجام تو وہ ہوا جو ہم نے بیان فرمایا اب بنی اسرائیل کا حال سنو یہ فرعون کی غرقابی اپنی سلامتی' دریا کا چیرنا' ان کا خیریت سے پار لگ جانا سب کچھ دیکھ کر سمندر پار ہو کر ابھی کچھ آگے ہی گئے تھے کہ راستہ میں مقام ریف یا مقام رقہ میں پہنچے۔ وہاں کے کنعانی یا لخمی لوگوں کو بچھڑا پرستی کرتے اس کے آگے دو زانو بیٹھے' آسن مارے دیکھا تو ان کے دل میں بت پرستی کا شوق پیدا ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام سے بولے کہ اے موسیٰ ہم کو بھی اجازت دیجئے کہ ہم بھی بچھڑا پرستی کریں یا آپ ہی ہمارے لئے کوئی بت تجویز فرما دیجئے کہ ہم اس کی پرستش کیا کریں یا آپ اپنے ہاتھ سے ہمارے لئے بچھڑے کے مجسمے بنا دیجئے تاکہ ہم ان کی طرح اسے پوجیں۔ ہم کو ان کا یہ عمل بڑا پسند آیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے نہایت حیرت سے فرمایا کہ تم ایسی قوم ہو کہ جہالتیں کرتے ہی رہتے ہو۔ تم نے سمندر سے پار ہونے پر بلکہ خشک سمندر میں پہنچ کر جہالت کی باتیں کیں کہ تم سب ایک راستہ سے نہ گزرے' تمہارے ہر قبیلے نے الگ راستہ مانگا پھر تم نے مجھے پریشان کیا کہ مجھ سے کہا ہمیں دوسرے قبیلوں کی خبر نہیں تو پانی کی دیواروں میں تمہارے لئے روزن کئے گئے اب تم نے یہ غضب کیا کہ ابھی ابھی اللہ کا عذاب فرعونیوں پر اور اس کی رحمت اپنے پر دیکھ کر آ رہے ہو اور پھر اسی کام کی اجازت چاہتے ہو جس سے وہ لوگ ہلاک ہوئے' تم عجیب قوم ہو' جہالتیں کرتے ہی رہتے ہو۔ یہ لوگ جن بتوں کو پوجتے ہیں' عنقریب یہ بت ہمارے ہاتھوں ہی مٹائے جائیں گے۔ تم بت شکن ہو' بت پرست کیوں بنتے ہو ان بت پرستوں کے اعمال محض بے فائدہ باطل اور نقصان دہ ہیں۔ خیال رہے کہ یہ بت پرست قوم عمالقہ تھے۔ اسی قوم پر بنی اسرائیل نے جہاد کیا موسیٰ علیہ السلام کے بعد۔ نیز اس قوم کو بنی اسرائیل کے ہاتھوں ہلاک کیا گیا۔ آپ کا یہ فرمان اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے یہ بھی خیال رہے کہ یہ عرض و معروض کرنے والے سارے لوگ نہ تھے۔ ان میں حضرت ہارون و یوشع و کالب ابن یوحنا اور بہت سے اولیاء کاملین بھی تھے۔ یہ عرض ان عوام اسرائیلیوں نے کی تھی جو ابھی راسخ الایمان نہ تھے جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں بحوالہ بیان کر چکے ہیں۔ یہ بات خوب خیال میں رہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: بچھڑا پرستی' گائے کی پرستش بہت پرانی بیماری ہے۔ اس کی ابتداء قوم عمالقہ سے ہوئی ان سے بنی اسرائیل نے سیکھی ان سے ہندوستانی ہندوؤں نے یہ عمل شروع کیا۔ یہ فائدہ **یعکفون علی اصنام** سے حاصل ہوا۔ حیرت ہے کہ ان بے وقوفوں نے گائے جیسے کمزور' بے کس' بے بس جانور کو معبود کیسے سمجھ لیا۔ اس میں کونسی طاقت و قوت دیکھی۔ **دوسرا فائدہ**: انسان بڑا ہی بھولنے والا' زود فراموش ہے۔ دیکھو

www.alahazratnetwork.org

اسرائیلیوں نے عرصہ تک فرعونیوں کے مظالم سے پھر انہیں ڈوبتے دیکھا اپنے پر رب تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں دیکھیں مگر اس کے باوجود سمندر سے نکلتے ہی شرک و بت پرستی کی خواہش کرنے لگے۔ یہ فائدہ **اجعل لنا الٰھا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: نبوت کا فیضان نبی کی صحبت کا اثر سب کو یکساں نہیں پہنچتا۔ دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کی صحبت سے بہت اسرائیلی اولیاء اللہ بن گئے۔ حضرت ہارون و یوشع اور کالب ابن یوحنا جیسے حضرات نبی بن گئے مگر بہت سے لوگ ایسے کچے رہے کہ بہت جلد کفر و شرک کی طرف مائل ہو گئے۔ یہ فائدہ بھی **اجعل لنا الٰھا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کفر کا وہم و خیال اس کی طرف میلان کفر نہیں بلکہ ارادہ کفر کفر ہے۔ یہ فائدہ **تجھلون** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے بت پرستی کی خواہش کرنے والوں کے متعلق **تجھلون** فرمایا **تکفرون** یا **کفرون** نہیں فرمایا نہ انہیں مرتد قرار دیا نہ انہیں دوبارہ مسلمان کیا نہ ان پر عذاب الٰہی آیا۔ خیال رہے کہ ارادہ کفر کچھ اور چیز ہے' خیال کفر اور میلان الی الکفر کچھ اور چیز ہے۔ ان کے احکام جدا گانہ ہیں۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو علم غیب بخشا تھا کہ آپ نے بنی اسرائیل کو قوم عمالقہ کے انجام ان کی ہلاکت و بربادی کی خبر دی اور پھر بعد میں ایسا ہی ہوا۔ یہ فائدہ **ھؤلاء متبر** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: الٰہ وہ ہے جو ہمیں بنائے۔ وہ الٰہ نہیں ہے جسے ہم بنائیں۔ یہ فائدہ بھی **قوم تجھلون** سے حاصل ہوا کہ آپ نے ان بیوقوفوں سے فرمایا کہ تم نرے جاہل ہو کہ کہتے ہو **اجعل لنا الٰھا** ہمارے لئے معبود بنا دے۔ جو بنایا جاوے وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: قوم عمالقہ صرف گائے پوجتی تھی جیسا کہ تفاسیر سے ثابت ہے تو اصنام جمع کیوں فرمایا۔ صنم فرمانا چاہیے تھا۔ **جواب**: وہ لوگ گائے بھی پوجتے تھے بچھڑا بھی۔ گائے کے مجسمے بھی پتھر پیتل' تانبے کے' یہ تھے ان کے مختلف بت جیسے ہندوستان کے ہندو' کہ وہ گائے کے مجسمے بھی پوجتے ہیں۔ لہٰذا اصنام جمع فرمانا بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: اگر یہ اسرائیلی بچھڑے کو قبلہ کی طرح بنانا چاہتے تھے کہ اسے سامنے رکھ کر سجدہ کریں مگر اللہ کو سجدہ کریں نہ کہ بچھڑے کو تو اس میں کیا حرج تھا آخر مسلمان بھی کعبہ کو سامنے رکھ کر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کیوں منع فرمایا (آریہ سماج)۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم پہلے پارہ میں دے چکے ہیں کہ مسلمان کا سجدہ اللہ کو ہوتا ہے' کعبہ کی طرف ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کعبہ اٹھا کر اور جگہ رکھ دیا جائے تو اسے کوئی سجدہ نہ کرے مگر مشرک کا سر مورتی کی طرف جھکتا ہے کہ جدھر مورتی ادھر پجاری کا سر۔ لہٰذا مورتی یا بچھڑا مشرک کا الٰہ ہے' کعبہ مسلمان کا الٰہ یا معبود نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: ارادہ کفر بھی کفر ہے۔ جب اسرائیلیوں نے اس کا ارادہ کر لیا اور موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ ہمارے لئے معبود بنا دیں تو وہ کافر ہو گئے۔ لہٰذا اچھا یہ تھا کہ موسیٰ علیہ السلام انہیں دوبارہ مسلمان کرتے' انہیں کفر کی سزا دیتے۔ **جواب**: وہاں ارادہ کفر نہ تھا بلکہ بت پرستی کا خیال تھا اس کی پسندیدگی تھی۔ انہیں یہ خبر نہ تھی کہ بت پرستی کفر ہے اس لئے وہ مرتد نہ ہوئے۔ ہاں بے سمجھ کم عقل ہوئے کہ اتنی موٹی بات نہیں سمجھ سکے اس لئے انہیں جاہل کہا کافر نہ کہا۔ **چوتھا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جاہلون کیوں نہ فرمایا' تجھلون مضارع کیوں فرمایا۔ **جواب**: آپ نے تجھلون فرما کر یہ بتایا کہ تم ہمیشہ جہالت' سرکشی کی باتیں کرتے رہتے ہو۔ تمہاری عادت ہے جہالت کی باتیں' جہالت کے کام کرنا۔ یہ مقصد جاہلون فرمانے سے حاصل نہ ہوتا۔ **پانچواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے ان بت پرستوں کے متعلق دو باتیں فرمائیں: متبر اور باطل۔ ان دونوں میں کیا فرق ہے نیز

www.alahazratnetwork.org

ماھم فیه اور **ماکانوایعملون** میں کیافرق ہے۔ **جواب**: ان کے فرق ابھی تفسیر میں عرض کیے گئے کہ متبر کے معنی ہیں ہلاک و برباد' باطل کے معنی ہیں بیکار بے فائدہ **ماھم فیه** سے مراد ان لوگوں کی بد عقیدگی ہے۔ اور **ماکانوا یعملون** سے مراد ان کے اعمال ہیں۔ یعنی ان کی بد عقیدگیاں ان کے لئے ہلاکت ہیں۔ اور ان کے اعمال برباد ہیں۔ جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ چونکہ بد عقیدگی بڑا جرم ہے' بد عملی اس کے بعد ہے۔ اس لئے بد عقیدگی کے متعلق سخت لفظ فرمایا اور بد عملی کے لئے ہلکا لفظ۔ لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔ **چھٹا اعتراض**: ایمان فطری جو میثاق کے دن ملا تھا اور ایمان بعد موت۔ ان کے ذریعہ نجات کیوں نہیں ملتی۔ دنیا میں آکر جو ایمان حاصل ہو وہی ذریعہ نجات ہے اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس لئے کہ ان دونوں ایمانوں میں نبی کا واسطہ نہیں۔ میثاق ایمان میں براہ راست رب سے ایمان ملا تھا اور بعد موت آنکھوں سے دیکھ کر' اس لئے ان سے نجات نہیں۔ دنیا میں ایمان نبی کی زبان سے ہے یعنی ایمان بالغیب لہذا بخشش کا ذریعہ ہے اگر کوئی دنیا میں ساری ایمانیات مان لے مگر نبی سے تعلق نہ رکھے شیطان کی طرح تو اس کی بھی نجات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے سخت بیماری سے شفا حاصل ہو جانے کے بعد جسم میں نقاہت و کمزوری رہتی ہے جس کی وجہ سے معمولی سی ہوا' ذرا سی بد پرہیزی نقصان دیتی ہے اور نقاہت جاتے رہنے پر انسان ہر طرح قوی ہو جاتا ہے۔ مخالف ہوا وغیرہ کا مقابلہ کر لیتا ہے ایسے ہی مرض کفر کے جاتے رہنے پر دلی نقاہت باقی رہتی ہے کہ ذرا سی بے احتیاطی پر انسان بہک جاتا ہے۔ یہ اسرائیلی مومن تو ہو گئے تھے مگر ابھی تک ان میں کفر کے بعد والی نقاہت اور ضعف باقی تھا جس کی وجہ سے یہ لوگ ان بت پرستوں کو دیکھ کر پھسل گئے اور کفر کی طرف راغب ہو گئے چونکہ حکیم مطلق جناب کلیم اللہ ساتھ تھے اس لئے انہوں نے سنبھال لیا نیز انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے اس کفر کی اجازت چاہی کفر کیا نہیں اس لئے درست ہو گئے۔ انسان کو چاہئے کہ مرتے دم تک کسی کامل کی نگاہ میں رہے تاکہ وہ پھسلنے پر ہمیں سنبھالتا رہے۔ نہ معلوم کب اور کس طرح شیطان ہم کو بہکا دے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر !!
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

بڑے میلے بڑی بھیڑ میں اگر بچہ اپنے مربی کی انگلی چھوڑ دے تو گم ہو جاتا ہے۔ دنیا ایک میلہ ہے اگر ہم مرشد کامل کا دامن چھوڑ دیں تو گمراہ ہو جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ فرعونی جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے جادو کرنے کی اجازت مانگی تو ان کے لئے جادو رحمت بن گیا کہ وہ اس میں شکست کھا کر ایمان والے ہو گئے۔ ان اسرائیلیوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کفرو شرک کرنے کی اجازت مانگی تو ان کے لئے یہ اجازت مانگنا اللہ کی رحمت ہو گیا کہ وہ لوگ اس سے بچ گئے۔ اتباع اور اجازت شیخ بڑی چیز ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

بمے سجادہ رنگیں کن گرت پیر مغاں گوید
کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزلہا

ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی

www.alahazratnetwork.org

اگر نہ ہو تو مسلماں ہے کافر و زندیق

ایمان ہم کو میثاق کے دن ملا تھا۔ دنیا میں آتے وقت تک ہمارے ساتھ رہا پھر دنیا میں ساتھ پھر ان شاء اللہ قبر و حشر میں ساتھ جاوے گا۔ مومن جو نیکیاں کرلیتا ہے وہ بھی ایمان کی برکت سے ساتھ جاتی ہیں۔ اسی وجہ سے مومن قبر میں رب تعالیٰ دین اور نبی کو پہچان لیتا ہے۔ کافر کو کفر دنیا میں آکر ملتا ہے کہ وہ پیدائش تک فطرت پر تھا پھر مرنے سے پہلے چھوڑ جاتا ہے کہ مرتے وقت اسلام کی حقانیت کا اقرار کرلیتا ہے پھر کافر کی نیکیاں اس کے ساتھ نہیں جاتیں گناہ ساتھ جاتے ہیں۔ مومن کی نیکیاں ساتھ جاتی ہیں گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا کہ **انھؤلاء متبر ماھم فیہ وبطل ماکانوا یعملون۔**

قَالَ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْكُمْ اِلٰهًا وَّهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ
فرمایا کیا خدا کے غیر کو تلاش کروں میں تمہارے لیے معبود حالانکہ بزرگی دی اس نے تم کو سارے جہانوں پر اور جبکہ نجات دی ہم
کہا کیا اللہ کے سوا تمہارا اور کوئی خدا تلاش کروں حالانکہ اس نے تمہیں زمانہ بھر پر فضیلت دی اور یاد کرو جب ہم
مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ ۚ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَ
نے تم کو متبعین فرعون سے جو چکھاتے تھے تم کو سختی عذاب کی سو قتل کرتے تھے بیٹوں کو تمہارے اور
نے تمہیں فرعون والوں سے نجات بخشی کہ تمہیں بری مار دیتے تمہارے بیٹے ذبح کرتے اور
يَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۱۴۱﴾ ع
زندہ رکھتے تھے بیٹیوں کو تمہاری اور اس میں آزمائش تھی طرف سے رب تمہارے کے بڑی۔
تمہاری بیٹیاں باقی رکھتے اور اس میں تمہارے رب کا بڑا فضل ہوا۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کے ایک واہیات مطالبہ کا ذکر ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا اور معبود کی تلاش۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس کی چار طرح تردید فرمائی۔ ان میں سے دو تردیدوں کا ذکر پہلے ہوا یعنی اسرائیلیوں کا محض جاہل ہونا اور کفار کے عقاید و اعمال کا باطل ہونا اور دو تردیدوں کا ذکر ان آیات میں ہے یعنی اسرائیلیوں کو دنیا بھر پر فضیلت دینا اور انہیں فرعونیوں سے نجات دینا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کے جلالی جوابوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیات میں آپ کے جمالی جوابات کا تذکرہ ہے چونکہ فطرت انسانی بمقابلہ جمال کے جلال کو زیادہ مانتی ہے اسلئے جلال کا ذکر پہلے ہوا جمال کا بعد میں۔ یہ ترتیب نہایت موزوں ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایک جواب تو وہ مذکور ہوا جس کا تعلق اسرائیلیوں سے تھا ان کا جاہل 'بے عقل' بے شعور ہونا اور ایک جواب وہ مذکور ہوا جس کا تعلق بت پرست قوم سے تھا یعنی ان کے عقاید کا باطل ہونا' اعمال کا برباد ہونا۔ اب ایسے دو جوابوں کا ذکر ہے جس کا تعلق باری تعالیٰ کی ذات کریم سے ہے یعنی اس کا بنی اسرائیلیوں پر خاص کرم و فضل فرمانا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کو جاہل فرمایا گیا۔ جاہل بھی ایسا جو مسلسل جہالتیں کرے۔ اب اس جہالت کی تفصیل و تشریح فرمائی جا رہی ہے۔ گویا یہ آیتیں گزشتہ

www.alahazratnetwork.org

آیات کی شرح ہیں یعنی تم لوگ ایسے جاہل ہو کہ اپنے منعم کے احسانات کو بہت جلد بھول جاتے ہو۔ رب کی مسلسل نعمتیں دیکھو۔ اپنی نافرمانیوں میں مسلسل غور کرو۔

تفسیر: قال اغیر اللہ ابغیکم الھا۔ فرمان عالی موسیٰ علیہ السلام کے جوابات کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے کہ آپ نے اپنی گفتگو کے سلسلہ میں یہ بھی فرمایا۔ چونکہ جواب کی روش بدل گئی کہ پہلے جاہلانہ جواب تھا اب جہاد۔ اس لئے قال دوبارہ ارشاد ہوا یعنی موسیٰ علیہ السلام نے وہ بات بھی کی اور یہ بات بھی۔ **اغیر اللہ** میں ہمزہ انکاری سوال کے لئے ہے یا تعجب کے لئے۔ قرآن مجید میں دون کی طرح غیر بھی کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ دشمن' اجنبی' بے تعلق' ماسواء یہاں آخری معنی میں ہے یعنی ماسوا اللہ کیونکہ کسی ماسوا اللہ کی عبادت نہیں کوئی ماسوا اللہ معبود نہیں نہ فرشتہ نہ نبی نہ کوئی اور مخلوق **ابغی** بنا ہے بغاوت سے بھی بمعنی سرکشی اور بغی سے بھی بمعنی تلاش و جستجو۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ **کم** سے پہلے لام پوشیدہ ہے۔ اصل میں **ابغی لکم** تھا۔ رب فرماتا ہے **یبغونکم الفتنۃ** وہاں بھی اصل میں **یبغون لکم** تھا (تفسیر کبیر) **الھا** یا تو ابغی کا مفعول ہے اور غیر اللہ اس کا حال مقدم یا غیر اللہ ابغی کا مفعول ہے تھا اور **الھا** اس کا حال (معانی) **وھو فضلکم علی العلمین** یہ عبارت لفظ اللہ سے حال ہے۔ لہٰذا واو حالیہ۔ **فضل** بنا ہے فضیں سے جس کا مادہ فضل یا فضیلت ہے بمعنی بزرگی۔ عالمین سے مراد یا تو اس زمانہ کے جہان والے ہیں تب فضیلت سے مراد مطلق بزرگی ہے کیونکہ واقعی اس زمانہ میں بنی اسرائیل جہان والوں سے افضل تھے جیسے آج حضور انور کی امت جہان والوں سے افضل ہے یا فضیں سے مراد ہے مذکورہ نعمتیں عطا فرمانا یعنی اسرائیلیوں کے لئے سمندر چیرنا۔ ان کی خاطر فرعون کو ہلاک فرمانا۔ فرعونیوں کے ملکے عذابوں سے اسرائیلیوں کو محفوظ رکھنا جیسے خون' مینڈک وغیرہ اس صورت میں عالمین سے مراد تا قیامت جہان والے ہیں کیونکہ یہ نعمتیں کسی اور امت کو نہیں ملیں (خازن' روح البیان' کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ یہاں العالمین سے فرشتے اور انبیاء کرام علیحدہ ہیں یہ استثناء عقلی (روح المعانی) کیونکہ عام مسلمان فرشتوں سے افضل نہیں۔ **واذ انجینکم من ال فرعون** یہ جملہ علیحدہ ہے۔ اس کا واو ابتدائیہ ہے۔ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے' موسیٰ علیہ السلام کا نہیں جیسا کہ اگلے کلام کی روش سے معلوم ہوا۔ یہاں **اذکرو** فعل پوشیدہ ہے یعنی وہ وقت یاد کرو' یاد رکھو یا اس وقت کا چرچا و تذکرہ کرو۔ اس میں خطاب یا تو حضور انور ﷺ کے زمانہ کے بنی اسرائیل سے ہے یا ان بنی اسرائیل سے جنہوں نے مذکورہ مطالبہ کیا تھا کہ ہمارے لئے ایک معبود بنا دیجئے اس صورت میں رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ وحی بھیجی اور موسیٰ علیہ السلام نے ان اسرائیلیوں سے فرمایا۔ یہ پوری آیت پہلے پارہ میں گزر چکی اس کی پوری تفسیر وہاں مطالعہ کرو۔ آل فرعون سے مراد فرعون کی پولیس اور فوج ہے جو بنی اسرائیل کو ستانے پر مسلط تھی۔ آل کے معنی آل اور اہل میں فرق بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ **یسومونکم سوء العذاب** یہ عبارت یا تو آل فرعون سے حال ہے یا اس کی صفت۔ **یسومون** بنا ہے سوم سے بمعنی طلب کرنا اور پہنچانا کہا جاتا ہے سام السلعۃ۔ اس نے سامان طلب کیا۔ (روح البیان)۔ سوء العذاب میں صفت مضاف ہے موصوف کی طرف۔ اصل میں عذاب سوء تھا۔ یہاں سوء صفت مشبہ ہے یہ کبھی مصدر بھی ہوتا ہے یعنی فرعونی لوگ تم کو سخت عذاب دیتے تھے۔ عذاب کا ماخذ' اس کے معنی پہلے پارہ میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ **یقتلون ابناءکم** یہ عبارت سوء العذاب کا بیان

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ **یقتلون** باب تفعیل ارشاد ہوا تاکہ پتہ لگے کہ وہ عرصہ تک تمہارے بیٹے چن چن کر ڈھونڈ ڈھونڈ کر ذبح کرتے رہے۔ اس ذبح کی وجہ پہلے بیان کی جاچکی ہے کہ اسے کاہنوں نے خبر دی تھی کہ بنی اسرائیل کا ایک بچہ بڑا ہو کر تیری سلطنت کا خاتمہ کر دے گا وہ بولا کہ میں ان کے کسی بچے کو بڑا ہونے ہی نہ دوں گا چونکہ یہ بچے لڑکپن میں بلکہ پیدا ہوتے ہی ذبح کر دیئے جاتے تھے اس لئے **ابناءکم** فرمایا۔ **رجالکم** نہ فرمایا۔ **ویستحیون نساءکم** یہ عبارت معطوف ہے **یقتلون** پر صرف لڑکیوں کا زندہ رہنا لڑکوں کا نہ ہونا بھی ماں باپ کے لئے عذاب ہوتا ہے۔ اس لئے اسے بھی عذاب کے سلسلے میں بیان فرمایا چونکہ وہ چاہتا تھا کہ یہ لڑکیاں جوان ہو کر قبطیوں کی خدمت کریں۔ اس لئے یہاں بنات نہ فرمایا بلکہ نساء فرمایا کہ زندہ چھوڑنے کی وجہ ان بچیوں کا آگے چل کر عورتیں بننا تھا۔ **وفی ذالکم بلاء من ربکم عظیم** یہ جملہ علیحدہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے ذالکم میں اشارہ یا تو گزشتہ سارے عذابوں مصیبتوں کی طرف ہے یا ان تمام انعامات کی طرف جو پہلے مذکور ہوئے۔ پہلی صورت میں بلاء بمعنی محنت ہے۔ دوسری صورت میں بمعنی نعمت لفظ بلاء دونوں پر بولا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وبلونھم بالحسنات والسیات** خلاصہ یہ ہے کہ بلاء بمعنی آزمائش آتا ہے۔ آزمائش محنت سے بھی ہوتی ہے اور نعمت سے بھی۔ عظیم صفت ہے بلاء کی اور من ربکم اسی بلاء کی پہلی صفت ہے یعنی ان مذکورہ مصیبتوں میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارا بڑا امتحان تھا۔ یا ان نعمتوں اس نجات میں تمہارے رب کی طرف سے تم پر بڑا فضل و کرم تھا تم ان باتوں پر غور کرو اور اسی کی اطاعت کرو۔ تم بڑے ناسمجھ ہو کہ رب تعالیٰ تم پر ایسے انعام و اکرام کرے اور تم اس کی ایسی نافرمانی کرو۔

خلاصہ تفسیر: جب بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے بت سازی اور بت پرستی کی اجازت کی درخواست کی تو پہلے آپ نے ملامت کی پھر کفر اور کفار کا انجام بتایا پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے وہ انعامات یاد دلائے جو ان پر خصوصیت سے ہوئے چنانچہ فرمایا کہ اے بیوقوفو! کیا میں تمہارے لئے ماسوی اللہ کو خدا بناؤں تمہارے لئے کوئی اور خدا تلاش کروں۔ اس کے کرم و احسانات تم پر بے شمار ہیں۔ اسی نے اے اسرائیلیو! آج تم کو زمانہ بھر پر بزرگی دی ہے کہ تم کو اولاد انبیاء کیا۔ تمہاری خاطر سارے قبطیوں کو ڈبویا۔ تمہارے لئے سمندر چیرا۔ تمہارے محلوں، تمہاری گلی کوچوں میں قبطیوں پر عذاب آئے تم محفوظ رہے۔ رب نے فرمایا کہ اے اسرائیلیو! تم ہمارا یہ احسان بھی یاد کرو کہ تم فرعونیوں کے ہاتھوں گرفتار تھے۔ وہ تم کو طرح طرح کے عذاب دیتے تھے حتیٰ کہ تمہارے چھوٹے بچوں کو تمہارے سامنے ذبح کرتے تھے۔ تمہاری بچیوں کو زندہ چھوڑتے تھا تاکہ وہ جوان ہو کر ان کی خدمت گار بنیں۔ ہم نے تم کو ان سے نجات دی، اس میں تمہاری آزمائش ہے کہ دیکھیں تم ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرتے ہو یا نہیں۔ تم پر لازم ہے کہ ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو۔ تم بجائے شکر کے الٹی نافرمانی کرتے ہو اور اس قدر جلد بت پرستی کی کوشش کرتے ہو۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند ایک فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** خدا وہ نہیں جو تلاش کرکے بنایا جاوے اور جس کا خدا بننا ہماری تلاش پر موقوف ہو بلکہ خدا وہ ہے جس کی رحمت بندوں کو تلاش کرے۔ یہ فائدہ **ابغیکم** سے حاصل ہوا کہ لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا۔ **اجعل لنا الھا** ہمارے لئے خدا بناؤ۔ آپ نے **ابغیکم** فرمایا۔ اور فرمایا **وھو فضلکم** یہ ہے اس کی رحمت کی تلاش۔ **دوسرا فائدہ:** نبی کی قوم ہونا نبی کی اولاد ہونا فضیلت کا باعث ہے۔ یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

وھو فضلکم سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کی بزرگی کا سبب یہ تھا کہ وہ آل یعقوب علیہ السلام تھے اور موسے علیہ السلام کے ہم قوم ایسے ہی آج سید حضرات افضل ہیں کہ وہ حضور انور کی اولاد ہیں بشرطیکہ مومن ہوں۔ ایمان چھوڑ دینے پر نہ مومن رہتا ہے نہ سید۔ قابیل اور کنعان نبی کے بیٹے تھے مگر بدتر خلق ہوئے۔ **تیسرا فائدہ:** گناہ کی وجہ سے نسبی فضیلت نہیں جاتی رہتی۔ موتی کیچڑ میں لتھڑ کر موتی ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **فضلکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کا موسیٰ علیہ السلام سے کہنا کہ ہمارے لئے کوئی رب تلاش کرو' سخت گناہ تھا جس پر آپ نے سخت عتاب فرمایا مگر اس کے باوجود وہ بنی اسرائیل عالمین سے افضل رہے۔ نسبی فضیلت کو کفر مٹا دیتا ہے۔ دیکھو کشتی نوح میں گدھوں' کتوں کو جگہ تھی مگر کافر بیٹے کنعان کو جگہ نہ تھی۔ **چوتھا فائدہ:** کفر کا خیال' وہم' کفر نہیں۔ ارادہ کفر' رضا با لکفر اور خیال کفر میں فرق ہے۔ پہلی دونوں چیزیں کفر ہیں اور خیال کفر' کفر نہیں۔ یہ فائدہ **وھو فضلکم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان اسرائیلیوں نے کفر و بت پرستی کا خیال کیا مگر انہیں عالمین سے افضل فرمایا گیا وہ افضل ہی رہے **پانچواں فائدہ:** الوہیت وہ چیز ہے جو نہ کسی کے بنانے سے بنے نہ رائے عامہ سے۔ الہ وہ ہے جو سب کو بنائے کوئی اسے نہ بنائے۔ یہ فائدہ **اغیر اللہ ابغی** سے حاصل ہوا۔ قوم نے کہا تھا **اجعل لنا الھا** ہمارے لئے معبود بنا دو۔ بلکہ نبوت بلکہ خاص ولایت بھی نہ کسب سے حاصل ہو نہ کسی کی رائے سے۔ یہ عطا ربانی ہے۔ حق یہ ہے کہ ولایت کسبی وہبی میں کسب اور نظر کو دخل ہے مگر ولایت عطائی میں کسی چیز کو دخل نہیں۔ حضرت مریم پیدائشی ولی تھیں بغیر کسب کے اور حضرت آصف بن برخیا علم کے ذریعہ ولی ہوئے۔ **وقال الذی عندہ علم من الکتب** ہاں یہ ہوا ہے کہ کسی نبی کی دعا سے اللہ نے کسی کو نبی بنایا۔ جیسے حضرت ہارون علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ کی نعمتوں کو یاد رکھنا عبادت ہے۔ خواہ قول سے یاد رکھے یا عمل سے۔ یہ فائدہ **اذ انجینکم** سے حاصل ہوا کہ اس سے پہلے **اذکروا** پوشیدہ ہے۔ اب تک نجات بنی اسرائیل کی یادگار میں عاشورہ کا روزہ سنت ہے۔ لہذا حضور کی ولادت' معراج وغیرہ کی یادگاریں منانا عبادت ہے۔ دو چیزیں یاد رکھنی چاہئیں اپنا گزرا وقت اگرچہ بہت پرانا ہو' اور اللہ کی نعمت اگرچہ بہت پہلے ہو چکی ہو کہ ان دو باتوں سے دل میں تکبر نہیں پیدا ہو گا اور اللہ تعالیٰ کے شکر کی توفیق ملے گی۔ دیکھ لو آج ظہر و عصر کی نماز میں امام قراءۃ آہستہ کرتا ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنا وہ گزرا وقت یاد رہے کہ جب وہ کفار کے غلبہ کی وجہ سے ان وقتوں میں اونچی آواز سے نماز نہیں پڑھ سکتے تھے اور آج رمضان میں بہت عبادت کی جاتی ہے کیونکہ اس مہینہ میں قرآن کی نعمت ملی۔ بقر عید میں قربانی اور نماز ادا کی جاتی ہے کیونکہ اس تاریخ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل کو امتحان میں کامیابی کی نعمت ملی۔ **ساتواں فائدہ:** اتباع کرنے والوں کو آل کہا جاتا ہے۔ یہ فائدہ من آل فرعون سے حاصل ہوا کہ فرعونی پولیس و فوج کو آل فرعون فرمایا گیا۔ لہذا ہر متقی مسلمان آل رسول ہے' اس معنی سے۔ **آٹھواں فائدہ:** اولاد کا ماں باپ کے سامنے قتل اللہ کی بڑی آزمائش ہے جو اس آزمائش میں پورا اترے اس کا بڑا درجہ ہے۔ یہ فائدہ **بلاء من ربکم عظیم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسرائیلیوں کے بچوں کے قتل کو بلاء عظیم فرمایا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ذبح کے لئے فرمایا **ان ھذا لھو البلؤ المبین** غور کرو کہ حضرت امام حسین کا درجہ اللہ کے ہاں کتنا بلند ہو گا جن کی گود میں علی اصغر تین دن کے پیاسے تیر سے قتل کئے گئے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔ **نواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی بلاء عظیم یعنی بڑی آزمائشیں ہیں اس آزمائش

www.alahazratnetwork.org

میں کوئی کوئی پورا اترتا ہے۔ یہ فائدہ بھی بلاء من ربکم عظیم سے حاصل ہوا جبکہ ذالکم سے مراد نجات دینا ہو۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: اللہ کے ہاں نسب کوئی چیز نہیں۔ افضلیت اعمال سے ہے۔ رب فرماتا ہے **ان اکرمکم عنداللہ اتقکم**۔ بد عمل سید سے نیک اعمال والا غیر سید افضل ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے۔ اولاد نبی ہونا اللہ کی خاص رحمت ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیتہ میں خطاب کفار عرب سے ہے کہ کفر کے ہوتے نسب سے شرافت نہیں ملتی۔ یا اس آیتہ کا مقصد یہ ہے کہ اولاد رسول اپنے کو اعمال سے بے نیاز نہ جانے بلکہ دوسروں سے زیادہ نیکیاں کرے ورنہ بنی اسرائیل کو عالمین سے افضل کیوں فرمایا گیا جب کہ وہ بت پرستی کی خواہش بھی کر چکے تھے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب الکلام المقبول فی طہارۃ نسب الرسول دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** کیا بنی اسرائیل فرشتوں سے نبیوں سے بھی افضل تھے کیونکہ عالمین میں تو یہ حضرات بھی داخل ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک ظاہری دوسرا تحقیقی۔ ظاہری جواب تو یہ ہے کہ یہاں العالمین سے فرشتے اور انبیاء خارج ہیں۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے اسرائیلی انبیاء بھی داخل ہیں اور واقعی انسان رسول سارے فرشتوں بلکہ رسول فرشتوں سے بھی افضل ہوئے۔ لہٰذا فرمان عالی بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** کیا بنی اسرائیل حضور ﷺ اور حضرات خلفاء راشدین فاطمہ زہرا' عائشہ صدیقہ اور امت محمدیہ سے بھی افضل ہیں کہ العلمین میں یہ سب داخل ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ہم نے بہت تفصیل سے پہلے پارہ میں دے دیا ہے کہ العالمین سے مراد اس زمانہ میں موجودہ مخلوق ہے۔ یہ حضرات بعد میں دنیا میں تشریف لائے۔ حضور ﷺ افضل الخلق ہیں اور حضور کی امت افضل الام۔ **جعلنکم امتہ وسطا**۔

دیر میں سب سے تو بڑا' تجھ سے بڑی خدا کی ذات
قائم تیری ذات سے سارا نظام کائنات!!

چوتھا اعتراض: اگر اولاد نبی ہونا افضلیت کا باعث ہے تو چاہیے کہ سارے انسان افضل ہوں کیونکہ سب آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور وہ تو نبی ہیں۔ **جواب:** واقعی انسان دوسری مخلوق سے افضل ہے۔ **ولقد کرمنا بنی ادم** خیال رہے کہ یہاں حقیقت انسانیہ کا ذکر ہے نہ کہ افراد انسانی کا یعنی انسانیت افضل ہے ملکیت سے یہ افضلیت مطلقہ ہے جو اولاد آدم ہونے کی وجہ سے مطلقاً" انسان کو دوسری مخلوق پر حاصل ہے پھر ان انسانوں میں بعض کسی نبی کی اولاد ہیں کہ دوسرے ان کی اولاد نہیں جیسے بنی اسرائیل کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں دوسرے لوگ نہیں۔ یا آج سید حضرات جو حضور انور کی اولاد ہیں دوسرے لوگ نہیں۔ اسی نسب کی وجہ سے وہ دوسرے انسانوں سے افضل ہیں۔ غرض کہ مطلق افضلیت اور خصوصی افضلیت میں فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض:** **یسومونکم** اور **یقتلون** اسی طرح **یستحیون** حال ہے۔ حالانکہ یہ واقعات تو پہلے ہو چکے تھے جیسا کہ **انجینا** ماضی سے معلوم ہوا۔ **جواب:** کبھی گزشتہ واقعہ کو ذہن نشین کرنے کے لئے حال سے بیان کر دیتے ہیں۔ جیسے **احمل فوق راسی خبزا** یا جیسے **انی اعصر خمرا** یا جیسے **انی اری فی المنام انی اذبحک** یہ سب ماضی ہیں جنہیں حال سے بیان فرمایا اور اردو میں کہا جاتا ہے میں نے خواب میں دیکھا کہ میں فلاں جگہ جا رہا ہوں' فلاں سے یہ کہہ رہا ہوں۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیتہ میں ابناء کا مقابلہ نساء سے کیوں فرمایا۔ یا تو ابناء کے مقابلہ میں بنات فرمایا جاتا یا نساء کے

www.alahazratnetwork.org

مقابلہ میں رجال ارشاد ہوتا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کی وجہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ فرعون بنی اسرائیل کی لڑکیاں اس لئے زندہ چھوڑتا تھا کہ وہ جوان ہو کر ماں باپ پر بوجھ پڑیں اور فرعونیوں کی خدمت کریں۔ یہ دونوں باتیں ان کے جوان ہو جانے نساء بن جانے پر مبنی تھیں۔ نساء فرمانے میں چھوڑنے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے مگر فرعون اپنی اسکیموں میں بری طرح ناکام رہا۔

تفسیر صوفیانہ۔ اللہ تعالیٰ کی تلاش و جستجو اس کی رضا کی طلب بہترین عبادت ہے اور اس کی تلاش کے ٹھکانے حضرات انبیاء کرام کے آستانے ہیں مگر غیر خدا کو خدا بنا کر اس کی تلاش انتہائی حماقت و جہالت ہے۔ نبی کے آستانہ پر غیر خدا کی تلاش بڑی محرومی ہے۔ نبی سے خدا مانگو بلکہ خدا سے بھی خدا کو مانگو۔ شعر

محمد از تو می خواہم خدا را خدایا از تو عشق مصطفیٰ را

پیغمبر کے دروازے ایمان و عرفان' رحمت رحمان کی دکانیں ہیں جہاں سے اس قسم کے سودے ملتے ہیں 'عقیدت و محبت کی رقم لے جاؤ اعلیٰ درجے کے سودے خرید و۔ ان کے در سے شرک و کفر بت سازی و بت پرستی مانگنا ایسا ہی ہے جیسے سونے چاندی کی دکان سے سبزی گوشت مانگنا۔ جیسی دکان ویسے سودے۔ اس لئے آپ نے فرمایا **اغیر اللّٰہ ابغی** دیکھو حضور انور سے کفار نے عذاب مانگا تو حضور سے کہلوا دیا گیا کہ میرے پاس وہ نہیں جو تم مانگتے ہو اگر میرے پاس تمہاری مانگی چیز ہوتی تو اب تک فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ مطلب یہ ہی ہے کہ میں رحمت والا نبی ہوں میرے پاس عذاب کہاں میری دکان میں رحمت کے سودے ہیں۔

شرافت کا تقاضا یہ ہے کہ جس قدر رب کے احسانات زیادہ ہوں اسی قدر بندے کا شکر زیادہ ہو کہ شکر نعمت کی قید ہے۔ اس سے نعمت ٹھہرتی بلکہ زیادہ ہوتی ہے۔ **لئن شکرتم لازیدنکم** صوفیاء فرماتے ہیں کہ بزرگوں سے نسب اور نسبت دونوں اللہ کی دائمی نعمتیں ہیں۔ دیکھو بنی اسرائیل کو یہ نعمتیں دائمی حاصل تھیں۔ فرعونیوں سے نجات وقتی نعمت تھی۔ پہلی نعمت کی وجہ سے وہ اس زمانہ میں عالمین سے افضل ہوئے۔ دوسری نعمت سے وہ امن و امان میں رہے مگر وہ ان نعمتوں کو ہضم نہ کر سکے 'بد ہضمی کا شکار ہوئے تو اب وہ اسرائیلی بدترین خلق ٹھہرے۔ اللہ نعمت دے تو اسے سنبھالنے کی توفیق بھی بخشے رب تعالیٰ کبھی دے کر آزماتا ہے' کبھی چھین کر۔ بندہ کو چاہئے کہ ہر قسم کی آزمائش میں پورا اترے وہی کامل ہے۔ بنی اسرائیل کو رب نے مصیبتوں راحتوں سے آزمایا۔ وہ اس آزمائش میں آخر کار فیل ہوئے۔ اس کا نتیجہ آج دیکھا جا رہا ہے۔

وَوٰعَدْنَا مُوْسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِيْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِيْنَ

اور وعدہ دیا ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا اور پورا کیا ہم نے ان کو ساتھ دس کے پس پورا ہوا وعدہ ان کے رب

اور ہم نے موسیٰ سے تیس رات کا وعدہ فرمایا اور ان میں دس اور بڑھا کر پورا کیا تو اس کے رب کا وعدہ پوری

لَيْلَةً وَقَالَ مُوْسٰى لِاَخِيْهِ هٰرُوْنَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ

کا چالیس رات سے اور فرمایا موسیٰ نے بھائی اپنے ہارون سے کہ نیابت کرو تم میری قوم میں میری اور درستی کرنا اور نہ پیروی کرنا

چالیس رات کا ہوا اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا میری قوم پر میرے نائب رہنا اور اصلاح

www.alahazratnetwork.org

سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۴۲﴾
کی راستہ فساد والوں کے
کرنا اور فسادیوں کی راہ کو دخل نہ دینا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں پر اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت کا ذکر فرمایا گیا یعنی فرعونیوں سے انہیں نجات دینا۔ اب ان کو دوسری اعلیٰ نعمت عطا فرمانے کا تذکرہ ہے یعنی انہیں توریت عطا فرمانے کی تمہید گویا ضرر دفع فرمانے کے بعد نعمت خاصہ عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان نعمتوں کا ذکر ہوا جو بنی اسرائیل کو براہ راست عطا ہوئیں۔ عذابوں سے محفوظ رکھنا ان کے دشمن قبطیوں کو ان میں مبتلا فرمانا۔ اب ان نعمتوں کا تذکرہ ہے جو ان لوگوں کو ان کے نبی موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ عطا ہوئیں یعنی رب تعالیٰ سے قرب خصوصی اور اس سے ہم کلامی کہ نبی پر انعام ان کی ساری قوم پر انعام ہے۔ ہمارے حضور کی معراج ہم سب پر رب تعالیٰ کا احسان عظیم ہے۔ نبی پر انعام امت کے لئے باعث فخر ہے اور امت پر انعام نبی کے لئے باعث خوشی۔ دیکھو حضور انور ام حرام بنت ملحان کے گھر اپنی امت کے مجاہدوں کو بادشاہی شان میں خواب میں دیکھا تو خوش ہوئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو تمام جہانوں پر بزرگی دی۔ اب اس بزرگی کی ایک وجہ کا ذکر ہے کہ ان کے نبی کو کلیم اللہ بنایا اور اسرائیلیوں کو کلیم اللہ کی قوم بنایا۔ اونچوں سے نسبت اونچا کر دیتی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ ان مذکورہ نعمتوں کا شکریہ ادا کریں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ خود موسیٰ علیہ السلام شکریہ ادا کرنے کے لئے کوہ طور پر بلائے گئے۔

تفسیر: وواعدنا موسی ثلثین لیلۃ حضرات انبیاء کرام کو وحی تین طرح کی ہوتی ہے۔ وحی دوامی، وحی منامی، وحی مقامی، جو بذریعہ فرشتہ بیداری میں ہوتی رہتی ہے وہ وحی دوامی ہوتی ہے ان کی خوابیں وحی منامی اور جو کلام کسی جگہ پر بلا کر کیا جاوے وہ وحی مقامی ہے۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو طور پر بلا کر خاص کلام فرمانا۔ یا حضور انور کو معراج میں قاب قوسین میں بلا کر کلام فرمانا۔ **فاوحی الی عبدہ ما اوحی۔** موسیٰ علیہ السلام سے یہ وعدہ وحی دوامی سے ہوا۔ قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واو ابتدائیہ ہے۔ ہماری قراءۃ میں **وعدنا** او پر کھڑے الف سے ہے یعنی باب مفاعلہ کا ماضی۔ جس کے معنی ہوتے ہیں دو کا ایک دوسرے سے کسی چیز کا وعدہ کرنا چونکہ اس موقع پر رب نے موسیٰ علیہ السلام سے توریت دینے کا وعدہ کیا اور ان سے تیس دن روزے اعتکاف، عبادات کا وعدہ لیا گویا رب کریم اور موسیٰ کلیم نے الگ الگ چیزوں کا وعدہ کیا۔ لہٰذا **واعدنا** باب مفاعلہ سے ارشاد ہوا۔ (روح المعانی) ایک قراءۃ میں **وعدنا** ہے واو پر زبر فتحہ سے ضرب کا ماضی۔ تو معنی بالکل واضح ہیں پہلے سے نفع بخش چیز دینے کی خبر کو وعدہ کہتے ہیں اور نقصان دہ چیز کی خبر کو وعید۔ اس کا ماضی **اوعدنا** آتا ہے باب افعال سے۔ موسیٰ عجمی نام ہے۔ اسکی پوری تحقیق ہم پہلے پارہ میں کر چکے ہیں کہ یہ بنا ہے **مو** سے۔ معنی پانی اور **سا** سے۔ معنی ساگوان کی لکڑی مگر عربی میں استرہ کو موسیٰ کہا جاتا ہے۔ وہ اسم مفعول ہے اس کا فعل۔ معنی مونڈنا اس۔ میس سے ہے۔ معنی تیز حرکت چونکہ

www.alahazratnetwork.org

استرا مونڈنے کا آلہ بھی ہے اور ہر سر پر حرکت بھی کرتا ہے اس لئے اسے موسیٰ کہا جاتا ہے۔ (روح البیان) ثلاثین دوسرا مفعول ہے **وعدنا** کا اور لیلۃ اس کی تمیز۔ خیال رہے کہ عربی میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں نیز عربی مہینہ شروع ہوتا ہے چاند دیکھ کر۔ چاند رات میں دیکھا جاتا ہے نیز رات وصال کا وقت ہے دن فراق کا۔ نیز رات سجدہ سجود اور خصوصی مناجات کا وقت ہے دن روزے کا وقت۔ ان وجوہ سے تیس دن نہ فرمایا بلکہ تیس راتیں ارشاد ہوا۔ تیس راتوں سے مراد ہے ذیقعدہ کا پورا مہینہ۔ **واتممنٰھا بعشر** یہ عبارت معطوف ہے **وعدنا** پر۔ اس کی ترتیب یہ ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام کو پہلے تیس دن طور پر رہنے وہاں روزے 'چلے' عبادات کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب یہ مدت پوری ہوئی اور رب سے کلام کرنے اس سے توریت لینے کا وقت آیا تو موسیٰ علیہ السلام نے مسواک کرلی تاکہ منہ سے کسی طرح کی مہک نہ آوے۔ فرشتوں نے یا خود رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ روزے دار کے منہ کی مہک مشک سے زیادہ پیاری ہوتی ہے تم نے مسواک کیوں کرلی۔ اچھا اب دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہی خوشبو پیدا ہو۔ تب توریت عطا ہو گئی۔ لہٰذا بجائے تیس رات کے چالیس رات پورے ہوئیں۔ اس لئے اس طرح بیان فرمایا گیا کہ تیس کا ذکر علیحدہ دس کا علیحدہ۔ سورہ بقرہ میں ہے کہ اربعین لیلۃ۔ وہاں اجمال ہے اور یہاں تفصیل۔ چنانچہ دسویں ذی الحجہ تک آپ نے وہاں روزے رکھے اور اسی تاریخ کو آپ رب تعالیٰ کی ہم کلامی سے مشرف بھی ہوئے توریت بھی آپ کو دی گئی (خازن بیان 'معانی وغیرہ) **اتممنا** ' معنی زدنا ہے یعنی ہم نے تیس راتوں پر دس راتیں اور زیادہ فرما دیں ورنہ تیس کا عدد دس سے کامل نہیں ہوتا وہ تو خود ایک کامل عدد ہے۔ (از روح البیان) **فتم میقات ربہ اربعین لیلۃ** یہ عبارت گزشتہ مضمون کا تتمہ ہے۔ ف محض تاخیر کے لئے ہے **تم** بنا ہے تمام سے ' معنی پورا ہونا۔ تمام اور کمال میں فرق ہم **الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ میقات ' معنی وقت ہے مگر وقت تو ہر وقت و زمانہ کو کہہ دیتے ہیں اور میقات کسی خاص مقرر کام کے وقت کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے میقات حج کہ اس زمانہ میں ارکان حج ادا کئے جاتے ہیں چونکہ یہ زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عبادات اور رب تعالیٰ کی عنایات کے لئے مقرر ہوا تھا اس لئے اسے میقات فرمایا اور چونکہ یہ تقرر خود رب تعالیٰ نے کیا تھا اس لئے اسے میقات ربہ فرمایا۔ اربعین لیلۃ میقات کا حال ہے۔ بعض نے فرمایا کہ تم ' معنی بلغ ہے اور میقات اس کا فاعل 'اربعین لیلۃ مفعول (روح البیان) خیال رہے کہ یہ فرمان عالی اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ہے کہ شاید دس راتیں انہی تیس میں کی ہیں جیسے کہا جاتا ہے **اتممت العشرۃ بدرھمین** یعنی دو درہم سے دس کو پورا کیا یعنی یہ دو درہم دس کے علاوہ نہیں۔ اس بیان سے معلوم ہوا کہ یہ دس راتیں ان تیس راتوں سے علاوہ تھیں جن سے وہ چالیس بن گئیں یعنی ان کے رب کا مقرر کردہ وقت چالیس راتیں ہو کر پورا ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے **تلک عشرۃ کاملۃ وقال موسیٰ لاخیہ ھرون اخلفنی** اس فرمان عالی میں شروع واقعہ کی طرف رجوع ہے ' معنی کہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر میں جاتے وقت۔ **ھرون اخیہ** کا بدل یا بیان ہے۔ ہارون ' یہ لفظ عجمی ہے۔ ہماری قرآت میں ہارون نون کے فتحہ سے ہے۔ ایک قرآۃ میں ہارون نون کے پیش سے ہے۔ اصل میں یا ہارون تھا۔ (روح المعانی) **اخلف** بنا ہے **خلف** سے ' معنی پس پشت کسی کا نائب ہونا چونکہ موسیٰ علیہ السلام کو رب نے رسالت بھی دی تھی اور اسرائیل کی ریاست بھی۔ ان پر سیاست بھی بخشی تھی۔ حضرت ہارون کی طرف صرف

www.alahazratnetwork.org

رسالت عطا ہوئی۔ ریاست و سیاست عطا نہ ہوئی۔ حضرت ہارون نبوت میں اصل تھے' رسالت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تابع تھے۔ اس لئے آپ نے جناب ہارون کو ریاست یا سیاست میں اپنا خلیفہ بنایا ورنہ نبی دوسرے نبی کا خلیفہ نہیں ہوتا۔ (روح البیان و معانی) اس لئے حضرت ہارون کو قرآن مجید نے موسیٰ علیہ السلام کا وزیر فرمایا۔ صرف موسیٰ علیہ السلام کو معجزات اور کتاب عطا ہوئی صرف ان سے ہی رب نے کلام فرمایا۔ (معانی) یہ بات خیال رہے۔ **فی قومی**۔ یہ متعلق ہے **اخلفنی** کے۔ قومی سے مراد امت ہے کہ بنی اسرائیل صرف موسیٰ علیہ السلام کی ہی امت تھے۔ نسبی قوم مراد نہیں کہ اس معنی سے بنی اسرائیل حضرت ہارون کی بھی قوم تھے۔ قوم بہت قسم کی ہوتی ہے۔ نسبی' ملکی' پیشہ کی' دینی' زبانی وغیرہ مگر ایک معنی سے امت نبی کی قوم ہوتی ہے۔ **واصلح**۔ یہ معطوف ہے **اخلفنی** پر یہ بنا ہے **اصلاح** سے۔ معنی درست رکھنا یا درست کرنا یعنی میرے پیچھے ان کے عقاید درست رکھنا۔ یہ بہکنے نہ پائیں۔ جب میری موجودگی میں ایک خدا اپنانے کا مطالبہ کر بیٹھے تو میرے پیچھے کیا کریں گے یا ان کے اعمال درست کرتے رہنا یہ بدکاریوں میں گرفتار نہ ہو جائیں۔ آپ کے یہ اندیشے درست ثابت ہوئے۔ **ولا تتبع سبیل المفسدین**۔ یہ عبارت معطوف ہے **اصلح** پر سبیل سے مراد رائے' مشورہ ہے۔ مفسدین سے مراد وہ اسرائیلی ہیں جن کی طبیعت میں شر تھا جسے موسیٰ علیہ السلام بارہا آزما چکے تھے۔ ان شرپسندوں کا سردار سامری تھا یعنی اے ہارون ان میں جو شرپسند لوگ ہیں ان کے مشورہ پر عمل نہ کرنا یہ بری باتوں کو اچھی کر کے دکھاتے ہیں اس وصیت و نصیحت سے معلوم ہو رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا اندیشہ بالکل درست تھا۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈوبنے سے پہلے بنی اسرائیل سے مصر میں وعدہ فرمایا تھا کہ جب تمہارا دشمن ہلاک ہو جاوے گا تو تم کو رب تعالیٰ اپنی کتاب عطا فرمائے گا جس میں کرنے نہ کرنے کے احکام تفصیل وار بیان ہوں گے۔ فرعون کی ہلاکت کے بعد جب آپ قوم کو لے کر بخیریت تمام شام میں پہنچے تو اپنے رب سے اس کتاب کے متعلق دعا کی تب رب نے حکم دیا کہ آپ طور پر آئیں اور وہاں تیس دن کا چلہ کریں تب ہم آپ کو توریت عطا فرماویں گے (خازن' روح البیان و معانی و کبیر' بیضاوی وغیرہ) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام حسب الحکم طور پر پہنچے۔ وہاں تیس روزے وصال کے طریقہ پر رکھے کہ نہ دن میں کچھ کھایا نہ رات میں۔ مسلسل دن رات کے روزے رکھے۔ (روح البیان) جب تیس دن پورے ہوئے اور آپ خاص پہاڑ طور پر حاضر ہونے لگے تو دل میں خیال آیا کہ شاید میرے منہ سے مہک آ رہی ہو اور میں دربار خداوندی میں جا رہا ہوں۔ یہ سوچ کر مسواک کر لی۔ پھر پہاڑ پر پہنچے تو فرمان الٰہی آیا کہ اے موسیٰ تمہارے منہ سے وہ خوشبو کیوں جاتی رہی جو پہلے آتی تھی۔ عرض کیا کہ مولیٰ! میں نے مسواک کر لی ہے۔ فرمایا وہ خوشبو ہم کو مشک و عنبر سے پیاری ہے۔ اب دس روزے اور رکھو تاکہ پھر وہی خوشبو تمہارے منہ میں پیدا ہو۔ چنانچہ آپ نے دس روزے اور رکھے۔ اس طرح چالیس دن کا چلہ پورا کیا۔ یکم ذیقعدہ سے روزے شروع کئے اور دسویں ذی الحجہ کو چلہ پورا فرمایا۔ اسی دن توریت عطا ہوئی یعنی دسویں ذی الحجہ کو مگر بعض محققین و مفسرین نے فرمایا کہ توریت ماہ رمضان میں عطا ہوئی۔ ہم اس کے متعلق پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے طور کی طرف چلتے وقت اپنے بھائی جناب ہارون کو تین ہدایتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ میری غیر موجودگی میں تم میرے نائب ہونا۔ میری امت بنی اسرائیل کا بہت ہی خیال رکھنا۔ دوسرے یہ کہ ان لوگوں کے عقاید درست رکھنا' بگڑنے نہ دینا' انہیں برے

www.alahazratnetwork.org

کاموں سے روکتے رہنا۔ تیسرے یہ کہ ان لوگوں میں جو فسادی لوگ ہیں ان کا کوئی مشورہ کوئی رائے نہ ماننا کہ یہ فسادی لوگ ہیں یہ فسادی کا مشورہ دیں گے۔ جیسا کہ مجھے تجربہ ہو چکا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام بڑے درجے والے نبی ہیں۔ اللہ کے کلیم اور بنی اسرائیل کے پہلے صاحب کتاب نبی ہیں مگر ہمارے حضور ﷺ اللہ کے حبیب ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کتاب لینے طور پر جاتے ہیں مگر قرآن حضور کے پاس حضور کے گھر میں آیا۔ شعر

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسیٰ
تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

دوسرا فائدہ: دن سے رات افضل ہے کہ دن فراق کا وقت ہے۔ یہ فائدہ **ثلثین لیلتہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں راتوں کا ذکر فرمایا دنوں کا نہیں۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو چالیس کا عدد بڑا پیارا ہے۔ یہ فائدہ **واتممنھا بعشر** سے حاصل ہوا۔ ہم نے چالیس کے عدد کی خصوصیات اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں بیان کئے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں بچے پر ہر انقلاب چالیس دن میں آتا ہے پھر بعد ولادت نفاس کی انتہائی مدت چالیس دن' انسان کی عمر کی پختگی چالیس سال میں ہوتی ہے۔ حضرات انبیاء کرام کو عموماً" نبوت چالیس سال کی عمر میں ملی۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا۔ **اربعین لیلتہ۔ چوتھا فائدہ:** حضرات صوفیاء صفائی قلب کے لئے چلے کرتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیتہ کریمہ ہے۔ ہمارے حضور ﷺ نے اولاً" چھ مہینے غار حرا میں چلے کئے پھر وحی شروع ہوئی۔ یہ فائدہ بھی اربعین لیلتہ سے حاصل ہوا۔ چلے میں عبادت' ترک دنیا' لوگوں سے علیحدگی' گوشہ نشینی سب کچھ ہوتی ہے وہ سب اس آیتہ سے ثابت ہوا۔ موسے علیہ السلام کو یہ چلہ خود ان کے وطن میں نہ کرایا گیا نہ کسی شہر میں بلکہ طور پہاڑ پر جو بستیوں سے دور خشک پہاڑ ہے جہاں علیحدگی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** سلطان کی غیر موجودگی میں وزیر کا نائب سلطان بننا اور اس کے پیچھے اس کے کام سرانجام دینا سنت انبیاء سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ **اخلفنی فی قومی** سے حاصل ہوا۔ ہمارے حضور ﷺ جب غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو حضرت عبد اللہ ابن ام مکتوم کو مسجد نبوی شریف کا امام اور حضرت علی المرتضیٰ کو مدینہ پاک میں اپنا قائم مقام بنا کر تشریف لے گئے۔ **چھٹا فائدہ:** نائب خلیفہ کا تقرر پہلے چاہئے سلطان کی روانگی بعد میں تاکہ ملک خلیفہ سے خالی نہ رہے۔ یہ فائدہ بھی **اخلفنی** سے حاصل ہوا کہ موسے علیہ السلام نے سفر شروع فرمانے سے پہلے اپنا خلیفہ مقرر فرمایا۔ اس لئے حضور انور کے دفن پر خلیفہ کا تقرر مقدم کیا گیا کہ دو شنبہ کو حضور کی وفات ہوئی اور چہار شنبہ کو دفن۔ اس دوران میں خلیفہ کا تقرر ہو گیا۔ اب بھی بادشاہ کے فوت ہو جانے پر دوسرا صدر یا بادشاہ پہلے مقرر ہو جاتا ہے بعد میں پہلا سلطان دفن کیا جاتا ہے۔ خدا کی شان کہ یہ قانون آج کفار میں بھی جاری ہے جب کسی ملک کا بادشاہ دوسرے ملک جاتا ہے تفریح' سفر یا سیر یا کسی اور کام کے لئے تو پہلے اتنے دن کے لئے اپنا نائب مقرر کرتا ہے پھر روانہ ہوتا ہے۔ یوں ہی جب ہر ملک کا بادشاہ مرتا ہے تو دفن سے پہلے اس کی جگہ دوسرا سلطان مقرر ہوتا ہے پھر پہلے کو دفن کیا جاتا ہے۔ **ساتواں فائدہ:** یہ عارضی سلطان بعد میں اصلی سلطان نہ بنے گا اس کے لئے علیحدہ چناؤ ہو گا۔ دیکھو حضرت ہارون اس موقعہ پر چالیس دن کے لئے موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ بنے مگر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام آپ کے خلیفہ ہوئے۔ لہٰذا

غزوہ تبوک میں حضرت علی کے خلیفہ ہونے کی وجہ سے یہ لازم نہیں کہ آپ ہی حضور کے بعد بلافصل خلیفہ ہوں۔ عارضی چند روزہ خلافت اور ہے دائمی خلافت کچھ اور' عارضی چند روزہ خلیفہ حضرت علی ہوئے' دائمی خلیفہ حضرت ابو بکر صدیق ہوئے۔ **آٹھواں فائدہ**: مبلغ کو چاہئے کہ صرف ایک بار تبلیغ کر دینے پر اکتفانہ کرے بلکہ قوم کے افعال و احوال پر نظر رکھے کہ وہ بگڑنے نہ پائے۔ یہ فائدہ **اصلح** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: خلافت نبوی نبوت کے خلاف نہیں یعنی نبی دوسرے نبی کا خلیفہ ہو سکتا ہے مگر یہ خلافت نبوت میں نہ ہوگی بلکہ سیاست وغیرہ میں ہوگی کیونکہ نبوت نہ تو کسی عمل سے ملتی ہے نہ میراث سے نہ ہبہ سے نہ کسی اور ذریعہ سے۔ یہ تو محض عطاء ربانی ہے۔ رب فرماتا ہے **اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ**۔ یہ فائدہ بھی **اخلفنی** سے حاصل ہوا۔ نبی خلیفۃ اللہ ہوتے ہیں ان کے وزیر وغیرہ خلیفہ نبی۔ **دسواں فائدہ**: نبی کی امت نبی کی قوم ہے۔ یہ فائدہ **قومی** سے حاصل ہوا۔ لہٰذا سارے مومن حضور انور کی قوم ہیں حضور سرکار ان سب کے حامی و لی ہیں ﷺ۔ **گیارھواں فائدہ**: نبی کسی امتی کا حکم نہیں مان سکتے کہ وہ حاکم ہوتے ہیں امت محکوم۔ رب فرماتا ہے۔ **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ**۔ مگر مومنین کی رائے ان کا مشورہ قبول فرما سکتے ہیں۔ شریر کفار کا مشورہ بھی قبول نہیں فرماتے۔ یہ فائدہ **ولا تتبع سبیل المفسدین** سے حاصل ہوا کہ سبیل سے مراد رائے مشورہ ہے اور مفسدین سے مراد شرارتی اسرائیلی۔ رب مومنوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وشاورھم فی الامر**۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں چالیس راتوں کو الگ الگ کر کے کیوں بیان فرمایا۔ تیس کا علیحدہ دس کا علیحدہ۔ سورہ بقرہ کی طرح اربعین ہی کیوں نہ فرمادیا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ تیس اور دس کے تعین میں فرق تھا کہ اولاً "تیس راتوں کا وعدہ تھا پھر موسیٰ علیہ السلام کے مسواک کر لینے پر دس کا اضافہ ہوا اگر یہ تفصیل نہ کی جاتی تو یہ فرق معلوم نہ ہوتا کہ نبی کے عمل سے احکام شرعیہ بدل جاتے ہیں۔ نیز پھر سورہ بقرہ کی آیت کی شرح نہ ہوتی۔ **دوسرا اعتراض**: ہماری قراءت میں **وعدنا** ہے باب مفاعلہ سے جس کے معنی ہیں ایک دوسرے سے وعدہ کرنا مگر وہاں وعدہ صرف رب کی طرف سے تھا کہ ہم تم کو توریت دیں گے تو یہ باب کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ کبھی باب مفاعلت یکطرفہ کے لئے بھی آتا ہے کہا جاتا ہے **قاطعت اللص** میں نے چور کا ہاتھ کاٹا۔ یہاں یک طرفہ کے لئے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں دو طرفہ وعدہ تھا کہ رب تعالیٰ نے عطاء توریت کا وعدہ فرمایا اور موسیٰ علیہ السلام نے رب سے طور پر چلہ' روزہ عبادت وغیرہ کا وعدہ کیا۔ بہر حال **وعدنا** بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: رب نے یہاں فرمایا۔ **واتممنھا بعشر** ہم نے اسے دس دن سے پورا فرمادیا حالانکہ یہ دس دن تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک عمل شریف کی وجہ سے ہوئے انہیں رب نے اپنی طرف کیوں منسوب فرمایا۔ **جواب**: تاکہ معلوم ہو کہ نبی کے افعال رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان کی خطائیں بھی رب کی طرف سے ہوتی ہیں۔ ان خطاؤں میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ سارے عالم کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام کی ایک خطا کا صدقہ ہے۔ حضور انور کی فجر نماز قضا ہوئی۔ یہ قضا رب کی طرف سے ہوئی اس سے صدہا احکام شرعیہ ثابت ہوئے۔ اس قضا پر ہماری لاکھوں ادائیں قربان ہوں۔ تیری قضا قضائے رب' تیری ادا ادائے رب۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں تیس اور دس راتوں کا ذکر فرما کر چالیس کی تصریح فرمائی یہ کیوں؟ بالکل ظاہر ہے کہ تیس اور دس چالیس ہی

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہیں۔ اس میں کیا حکمت ہے؟ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ تاکہ کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ یہ آخری اس تیس میں شمار ہیں بلکہ یہ دس ان تیس کے علاوہ ہیں جن سے مل کر چالیس کا عدد پورا ہوا۔ **پانچواں اعتراض**: حضرت موسے علیہ السلام نے جناب ہارون علیہ السلام کو اپنا خلیفہ کیوں بنایا۔ ہر نبی مستقل ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا خلیفہ نہیں ہو سکتا پھر یہ خلافت کیسی۔ **جواب**: یہاں خلافت نبوت میں نہ تھی بلکہ ریاست و سیاست میں تھی یا آپ مستقل نبی تھے اور رسالت میں موسیٰ علیہ السلام کے اس وقت کے خلیفہ تھے۔ **چھٹا اعتراض**: حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہیں اور نبی ہمیشہ اصلاح ہی کرتے ہیں پھر آپ نے کیوں فرمایا **اصلح** لوگوں کی اصلاح کرو۔ **جواب**: صرف تاکید کے لئے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ **ولکن لیطمئن قلبی**۔ (تفسیر کبیر)۔ **ساتواں اعتراض**: نبی کبھی کسی فسادی کی اتباع نہیں کیا کرتے پھر آپ نے ہارون علیہ السلام سے یہ کیوں فرمایا کہ **ولا تتبع سبیل المفسدین**۔ **جواب**: یہ فرمان عالی دوسرے لوگوں کو سنانے کے لئے ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے۔ **یایھا النبی اتق اللہ** یا فرماتا ہے۔ **ولا تتبع کل حلاف مھین** بہت جگہ کہنا کسی سے ہوتا ہے سنانا کسی اور کو۔ **آٹھواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام کے اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ روزے میں مسواک کرنا ممنوع ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے روزے میں مسواک کی تو رب تعالیٰ نے ان سے دس روزے اور رکھوائے پھر احناف اسے جائز کیوں کہتے ہیں۔ (شوافع)۔ **نوٹ**: امام شافعی کے ہاں روزے میں دوپہر کے بعد مسواک کرنا ممنوع و مکروہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک بلا کراہت جائز بلکہ ہر وضو کی سنت ہے۔ یہ اعتراض حضرات شوافع کا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی۔ الزامی جوابات یہ ہیں کہ پھر چاہئے کہ مسواک روزے کی توڑنے والی ہو مگر یہ مذہب آپ کا بھی نہیں۔ 2۔ چاہیے کہ روزے میں مسواک کر لینے سے دس روزے بطور کفارہ رکھنے پڑیں مگر یہ مذہب آپ کا بھی نہیں۔ 3۔ چاہیے کہ روزے میں مسواک ہر وقت ممنوع ہو مگر آپ کا مذہب یہ ہے کہ دوپہر کے بعد ممنوع ہے اس سے پہلے بلا کراہت جائز۔ 4۔ چاہئے کہ روزے میں مسواک بالکل حرام ہو مگر آپ کا یہ مسلک نہیں۔ آپ دوپہر کے بعد جائز مانتے ہیں مگر مکروہ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کی خصوصیات سے تھا کہ مسواک کر لینے پر دس روزے اور رکھوائے جائیں۔ اس وجہ سے ان کا چلہ چالیس دن کا پورا ہوا۔ انہیں طور پر حاضری زیادہ میسر رہے ورنہ مسواک کرنے سے روزہ دار کی خلوف نہیں جاتی رہتی۔ وہ تو معدہ خالی ہونے سے پیدا ہوتی ہے نہ کہ دانتوں کے میل سے۔ یہ خلوف بہر حال رہتی ہے مسواک کرو یا نہ کرو۔ خلوف اور بخر میں بڑا فرق ہے۔ بخر منہ کی بو جو بیماری یا دانتوں کے میل سے پیدا ہوتی ہے۔ خلوف وہ جو معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ سے محسوس ہوتی ہے۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام اس سفر میں جاتے وقت رب تعالیٰ کا ذکر کرنا بھول گئے۔ حضرت ہارون کے حوالہ اپنی قوم کو کر گئے۔ اس کا انجام یہ ہوا کہ تیس دن کے بعد قوم بچھڑا پرست ہو گئی مگر ہمارے حضور ﷺ نے اپنی امت خدا کے حوالہ کی کہ عرض کیا۔ **اللہ خلیفتی علی امتی**۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بفضلہ تعالیٰ آج تک آپ کی امت بت پرست نہ بنی۔ دیکھو یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف علیہ السلام کی وداع کرتے وقت انہیں اپنے بیٹوں کے حوالے کیا تو برسوں کے لئے جدائی ہو گئی پھر جب دوسری بار غلہ لینے بیٹوں کو بھیجا تو بنیامین کو اللہ کے حوالے کیا کہ فرمایا۔ **فاللہ خیر حافظا** اس کی برکت

سے بچھڑے یوسف بھی مل گئے۔ انسان کو چاہئے کہ ہر چیز اللہ کے سپرد کرے۔ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر مسلسل تیس دن بغیر کھائے پئے گزارے کیونکہ یہ وقت عبادت تھا مگر جناب خضر سے ملاقات کرنے جب گئے تو ایک دن بغیر کھائے نہ گزار سکے کہ فرمایا۔ **اتنا غداء نا لقد لقینا من سفرنا ھذا نصبا** کہ وہ امتحان تھا (روح البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کی طرف سے پہلے ہی چالیس دن مقرر تھے مگر ان کا ظہور ترتیب وار ہوا۔ اولاً "تیس" پھر دس کیونکہ چالیس میں عجیب راز ہیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چالیس دن اخلاص سے عبادات کرے تو اس کے دل میں حکمت کے سرچشمے ظاہر ہوتے ہیں۔ نیز چالیس میں چار دہائیاں ہوتی ہیں اور اسلام میں چار میں بڑے کمالات ہیں۔ ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

چار رسل، فرشتے چار، چار کتب ہیں دین چار — سلسلے دونوں چار چار لطف عجب ہے چار میں

آتش و آب خاک و باد سب کا انہی سے ہو ثبات — چار کا سارا ماجرا ختم ہے چار یار میں

چلے میں خلقت سے علیحدگی رب سے تعلق اس چلہ کی جان ہے۔ اس لئے رب نے موسیٰ علیہ السلام کو علیحدگی میں بلایا۔ ہمارے حضور نے غار حرا میں چلہ فرمایا۔ خلوت و تنہائی فیضان الٰہی کے لئے اکسیر ہے۔ حضرت احمد ابن حضرویہ نے رب تعالیٰ کو خواب میں دیکھا۔ رب نے فرمایا اے احمد سب لوگ مجھ سے چاہتے ہیں مگر بایزید مجھ کو چاہتا ہے۔ ابراہیم ابن ادھم فرماتے ہیں کہ میں نے خواب میں حضرت جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے میں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت جبریل نے فرمایا کہ یہ فہرست محبین کے ناموں کی ہے میں نے کہا کہ اس کے نیچے میرا نام محبین الٰہی کے محبین میں لکھ لو۔ غیبی آواز آئی کہ اے جبریل ابراہیم کا نام محبین الٰہی میں لکھو اور سر فہرست لکھو۔ غرضیکہ رب تعالیٰ سے قرب کا بہترین ذریعہ مخلوق سے خلوت ہے۔ (از روح البیان)

وَلَمَّا جَآءَ مُوْسٰی لِمِیْقَاتِنَا وَکَلَّمَہٗ رَبُّہٗ ۙ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْۤ اَنْظُرْ اِلَیْکَ ؕ قَالَ

اور جبکہ آئے موسیٰ واسطے وعدے کے اپنے اور کلام کیا ان سے رب نے انکے عرض کیا اے رب میرے دکھا دے مجھ کو

اور جب موسیٰ ہمارے وعدے پر حاضر ہوا اور اس سے اس کے رب نے کلام فرمایا عرض کی اے میرے رب مجھے اپنا دیدار

لَنْ تَرٰىنِیْ وَلٰكِنِ انْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهٗ فَسَوْفَ تَرٰىنِیْ ۚ

دیکھوں میں طرف تیرے، فرمایا ہرگز نہیں دیکھو گے تم مجھ کو اور لیکن دیکھو تم طرف پہاڑ کے پس اگر ٹھہرے وہ جگہ پر اپنی پس عنقریب

دکھا کہ میں تجھے دیکھوں۔ فرمایا تو مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکے گا ہاں اس پہاڑ کی طرف دیکھ پس اگر اپنی جگہ پر ٹھہرا رہا

فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًّا وَّخَرَّ مُوْسٰى صَعِقًا ۚ فَلَمَّاۤ اَفَاقَ

دیکھو گے تم مجھ کو پس جب تجلی کی رب نے ان کے واسطے پہاڑ کے تو کر دیا اس کو ٹکڑے اور گر گئے موسیٰ بیہوش ہو کر پس جب ہوش آیا

تو عنقریب تو مجھے دیکھ لے گا پھر جب اس کے رب نے پہاڑ پر اپنا نور چمکایا اسے پاش پاش کر دیا اور موسیٰ گرے بیہوش

قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۳﴾

بولا تو بولے پاکی ہے تیری توبہ کی میں نے طرف تیرے اور میں پہلا ہوں مسلمانوں میں سے۔

پھر جب ہوش ہوا بولے پاکی ہے تجھے میں تیری طرف رجوع لایا اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور کی طرف سفر پھر وہاں چلہ کشی کا ذکر ہوا۔ اب چلہ کشی کے بعد کے واقعات کا ذکر ہے۔ گویا تمہید کا ذکر پہلے ہوا مقصود کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان مختلف مشقتوں کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام نے راہ خدا میں اٹھائیں۔ فرعونیوں کی طرف سے تکالیف، خود بنی اسرائیل کی سرکشی، سفر میں چلنے، قوم کی فکر اب ان انعامات کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ کی طرف سے جناب کلیم کو عطا ہوئے۔ گویا کام کے بعد انعام کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر ہوا جو رب تعالیٰ نے فرمایا وہ موسیٰ علیہ السلام نے کیا۔ اب ارشاد ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے کہا رب نے کیا۔ گویا ماننے کا ذکر پہلے ہوا منوانے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ محبت کی ابتدا ماننے سے ہوتی ہے۔ اس کی انتہا منوانے پر۔

تفسیر: ولما جاء موسى لميقاتنا یہ عبارت نیا جملہ ہے۔ **لما** بمعنی اذا شرطیہ ہے۔ **جاء** سے مراد موسیٰ علیہ السلام کا اپنی عبادت گاہ سے طور پہاڑ پر کلام ربانی سننے، توراۃ لینے کے لئے حاضر ہونا ہے جہاں پہلے یعنی تیس دن پہلے پورے ہونے پر حاضر ہوئے تھے یعنی وادی سینا سے طور سینا پر حاضری **لميقاتنا** میں لام بمعنی ب ہے جیسے **اقم الصلوة لدلوك الشمس** یا **اتينه عشر من الشهر۔ میقات** بمعنی وقت ہے اس سے مراد چالیس دن پورے ہونے کا وقت ہے چونکہ یہ وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوا تھا۔ اسی لئے اسے **لميقاتنا** فرمایا۔ (از روح البیان ومعانی وغیرہ) یعنی جب موسیٰ علیہ السلام ہمارا مقرر کردہ وقت پورا کر لینے پر وادی سینا سے طور سینا پر آئے۔ ظاہر یہ ہے کہ طور پر آپ اکیلے گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ اور کوئی نہ تھا۔ جیسا کہ **جاء** اور **ارنی** اور **انظر** وغیرہ کے واحد فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اس وقت آپ کے ساتھ ستر آدمی اور تھے مگر پہلا قول قوی ہے۔ **وكلمه ربه** یہ عبارت **جاء** پر معطوف ہے۔ کلمہ تفعیل فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ سلسلہ کلام دیر تک باقی رہا۔ **ہ** فرما کر یہ بتایا کہ یہ کلام بلا واسطہ جبریل تھا۔ اسی وجہ سے آپ کا لقب کلیم ہے۔ فرشتے کے واسطے سے کلام تو ہر نبی سے ہوتا رہا۔ خیال رہے کہ عطاء نبوت کے وقت بھی رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا اور آج عطاء توریت کے وقت بھی کلام کیا پہلے کلام کی تفصیل سورہ طٰہٰ شریف میں ہے۔ اس کلام کی تفصیل بھی قرآن مجید میں ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ سے فرمایا کہ تمہاری قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا وغیرہ **ربه** فرما کر یہ بتایا کہ یہ کلام نہایت ہی کرم و رحمت کا خلوت میں تھا۔ جیسا کہ مہربان پالنے والا اپنے پیارے پلنے والے سے کرتا ہے۔ ظاہر یہ ہی ہے کہ یہ کلام ایسے ہی تھا جیسے دنیا میں ایک دوسرے سے ہوتا ہے مگر فرق یہ ہوتا تھا کہ لگاتار تھا۔ بیچ میں سانس کے لئے وقفہ نہ تھا۔ نیز کسی خاص جہت سے نہ تھا ہر طرف سے تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہر تن سے کلام سنا یعنی از سر تا پا آپ گویا کان بن چکے تھے۔ ہر جگہ کلام سن رہا تھا ہر طرف سے۔ (روح البیان وصاوی وغیرہ) یہ واقعہ نویں بقر عید جمعرات کے دن ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

عطاء توریت دسویں بقر عید جمعہ کو (صاوی) اس کے متعلق یہ ایک قول ہے۔ خیال رہے کہ اس کلام فرمانے کا مطلب یہ نہیں کہ پہلے رب خاموش تھا آج جناب کلیم اللہ سے کلام کیا پھر خاموش ہو گیا۔ رب تعالیٰ خاموشی سے پاک ہے۔ بلکہ ہوا یہ کہ موسے علیہ السلام کے کان شریف سے حجاب اٹھا دیئے گئے جس سے وہ کلام قدیم آپ نے سن لیا جو ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔ اس کی کیفیت نامعلوم ہے (صاوی) **قال رب ارنی انظر الیک** یہ عبارت **لما** کی جزا ہے۔ اس میں **ارنی** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ **جمالک** یا **ذاتک** '**انظر** جواب ہے **ارنی** کا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نبیوں کی دعائیں نقل فرمائیں۔ کہیں تو اس لئے کہ اور لوگ بھی یہ دعا مانگا کریں کیونکہ یہ نبی کی دعا ہے جیسے **ربنا ظلمنا انفسنا** اور کہیں اس لئے کہ دوسرے لوگ یہ دعا نہ مانگیں۔ یہ دعائیں نہیں مانگ سکتے۔ جیسے **ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء**۔ یہاں موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعا دوسروں کو روکنے کے لئے نقل فرمائی گئی کہ کوئی یہ دعائے دیدار نہ کرے۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام نے یہاں واحد متکلم کے صیغے عرض کئے ربنا نہ کہا رب کہا۔ یوں ہی **ارنی** اور **انظر** دونوں واحد متکلم کے صیغے آئے۔ روایت اور نظر دونوں کے معنی ہیں دیکھنا مگر روایت عام ہے نظر خاص کیونکہ روایت خواب 'خیال' دل میں الہام 'نظر وغیرہ سب کو کہا جاتا ہے مگر نظر صرف آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **وارنا مناسکنا** اور فرماتا ہے **انی اری فی المنام**۔ لہذا 'ارنی اور **انظر** دونوں ایک نہیں۔ یعنی اے میرے رب! مجھے اپنی ذات یا اپنا جمال دیدار دکھاوے کہ میں اپنی آنکھ سے تجھے دیکھ سکوں یعنی صرف دل یا خیال کا دیدار نہیں مانگتا بلکہ آنکھ کا دیدار چاہتا ہوں کہ جیسے تو نے میرے کان سے حجاب اٹھا دیا تو میں نے تیرا کلام قدیم سن لیا۔ ایسے ہی میری آنکھ سے پردہ ہٹا دے تاکہ تیرا جمال دیکھ لوں کیونکہ جس کا کلام سنا جا سکتا ہے اس کا دیدار بھی کیا جا سکتا ہے (صاوی) اس میں گفتگو ہے کہ جناب کلیم نے دیدار کی آرزو کیوں کی۔ حق یہ ہے کہ محض شوق اور عشق الہی میں کی کہ آپ اس کے کلام سے ایسے محظوظ ہوئے کہ سبحان اللہ۔ تو خیال فرمایا کہ جس کے کلام میں ایسی لذت ہے اس کے دیدار میں کیا لطف ہو گا اس لئے بے تکلف یہ عرض کر دیا۔ اس کے علاوہ اور توجیہات بالکل لغو ہیں جن کا نقل کرنا بھی اچھا نہیں۔ یہاں دو باتوں پر دھیان رہے ایک یہ کہ اللہ والے کبھی قانون کے وراء کی دعا کر لیتے ہیں تو نہ وہ گنہگار ہوتے ہیں نہ رب ان کی دعا کو رد کرتا ہے۔ دنیا میں دیدار الہی کی دعا قانون کے وراء کی دعا ہے۔ اگر ہم یہ دعا کریں تو گنہگار ہو جاویں۔ مگر ان کی شان وراء ہے۔ دوسرے یہ کہ انتظار و محنت 'عبادات کے بعد خوشی حاصل ہو' اس میں بڑا مزہ آتا ہے۔ اس بار کلام الہی بہت محنت 'سفر وغیرہ کے بعد' عبادات 'انتظار کے بعد میسر ہوا تو اس کی بہت لذت آئی' تب دیدار کی تمنا کی۔ تیسرے یہ کہ جناب کلیم کی یہ دعا عشق الہی 'شوق دیدار الہی میں تھی لہذا محبوب تھی۔ ستر اسرائیلیوں نے جو کہا تھا **لن نومن لک حتی نری اللہ جھرۃ** وہ موسیٰ علیہ السلام پر بے اعتقادی کی وجہ سے تھا لہذا عتاب آگیا۔ ایک ہی لفظ مختلف نیتوں سے مختلف تاثیر رکھتا ہے۔ **قال لن ترنی** یہ آپ کی عرض و معروض کا جواب ہے مگر ایسا نازو انداز والا جواب ہے کہ اس سے شان کلیمی کا پتہ چلتا ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تم کو ہم نہیں دکھائیں گے بلکہ فرمایا کہ تم نہ دیکھ سکو گے پھر یہ بھی نہ فرمایا کہ کبھی نہ دیکھ سکو گے بلکہ فرمایا کہ ابھی نہ دیکھ سکو گے کیونکہ لن دوام و ہمیشگی نہیں چاہتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **ولن یتمنوہ ابدا بما قدمت ایدیھم** یعنی اہل کتاب موت کی ہرگز تمنا نہ کریں گے۔ کب۔ اب اس زندگی میں۔ ورنہ قیامت میں تو وہ تمنائے موت کریں گے۔ **یملک**

لیقض علینا ربک ایسے ہی یہ ہے۔ یہاں رویت بمعنی نظر ہے یعنی یہاں ان آنکھوں سے نہ دیکھو گے۔ خواب وخیال کشف سے دیکھنے کی نفی نہیں کی۔ اس میں گفتگو ہے کہ موسیٰ علیہ السلام ابھی کیوں نہ دیکھ سکیں گے۔ 1۔ یا اس لئے کہ اس زندگی میں خدا کا دیدار خلاف قانون ہے۔ قیامت اور بعد قیامت ان کے غلام مومنین بھی رب کو دیکھیں گے۔ 2۔ یا اس لئے کہ بیداری میں ظاہری آنکھوں سے زمین پر رہ کر خدا کا دیدار خلاف قانون ہے۔ اس آنکھ میں تو سورج دیکھنے کی بھی تاب نہیں پھر خالق سورج کو کیسے دیکھ سکتی ہیں۔ معراج میں حضور انور نے معراج میں دوسرے عالم جاکر رب کا دیدار کیا وہ عالم ہی دوسرا تھا۔ 3۔ بشریت کے حجاب میں رہ کر رب کا دیدار خلاف قانون ہے۔ حضور انور نے معراج میں جب رب کا دیدار کیا تو اس وقت حضور نے لباس بشریت اتار دیا خود سراپا نور ہو گئے تھے پھر نور نے نور کو دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام اس وقت اس مقام پر نہ تھے۔ 4۔ دیدار الہٰی کا دروازہ حضور انور کی آنکھوں پر کھلنے والا ہے۔ دروازہ کھلنے سے پہلے دوسرا دیدار نہیں کر سکتا۔ جیسے قیامت میں حضور انور سے پہلے کوئی نبی بھی کسی کی شفاعت نہیں کرے گا ایسے ہی جب حضور انور دیدار الہٰی کا دروازہ کھول دیں گے تب دوسرے بھی دیدار کر سکیں گے۔ 5۔ قیامت سے پہلے جمال رب کے لئے کسی ایسے آئینہ کی ضرورت ہے جو جلال کو جمال کر کے دکھادے جیسے سورج دیکھنے کے لئے گہرے رنگ والا دھاشیشہ۔ وہ آئینہ صرف رخ پاک مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جس کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو حضور کی معراج کی رات رب کا دیدار کرادیا گیا۔ حضور انور نے بار بار رب کو دیکھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے بار بار حضور کے رخسار کے ذریعہ رب کا دیدار کیا۔ وہ آئینہ ابھی تشریف نہیں لایا تھا۔ اس وقت دنیا کی کوئی بڑی سے بڑی چیز بھی اس تجلی کی تاب نہیں رکھتی تھی۔ نہ فرشتہ نہ کوئی اور مخلوق۔ عشاق کہتے ہیں کہ خود رب نے اپنا جمال وکمال حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم میں دیکھا جیسے مصنف اپنا علمی کمال اپنی اعلیٰ کتاب میں دیکھتا ہے۔ اعلیٰ کاریگر اپنی کاریگری اپنی مصنوع میں ملاحظہ کرتا ہے۔ حضور مخلوق بلکہ خالق کے لئے بھی آئینہ کمال کبریا ہیں۔ **ولکن انظر الی الجبل** یہ عبارت **لن ترانی** پر معطوف ہے۔ اس فرمان عالی میں موسیٰ علیہ السلام کی دوسری طرح عزت افزائی ہے کہ آپ کی خواہش محض "رد نہیں فرمائی بلکہ انہیں بتا کر سمجھا کر بلکہ دکھا کر ثابت کیا کہ آپ کی آنکھوں میں ہمارے جمال کی تاب نہیں۔ اگرچہ رب کے **لن ترانی** فرمانے سے ہی انہیں اس کا علم الیقین ہو گیا تھا مگر رب نے چاہا کہ انہیں اس مسئلہ کا عین الیقین بلکہ حق الیقین ہو جائے جیسے حضرت ابراہیم کو مردہ جلا کر دکھایا۔ **انظر** میں آنکھ سے دیکھنے کا حکم ہے۔ **جبل** سے مراد یا تو کوہ زبیر ہے جو اس وقت بہت ہی بڑا پہاڑ تھا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ کوہ طور ہے جس کے دامن میں کھڑے ہو کر آپ رب تعالیٰ سے یہ عرض معروض کر رہے تھے۔ اسی کو ترجیح ہے (صاوی۔ روح المعانی۔ روح البیان وغیرہ) غالباً آپ کلام الہٰی کی لذت میں ایسے محو تھے کہ سامنے والے پہاڑ سے بھی بے توجہ تھے۔ **انظر الی الجبل** کہہ کر پہاڑ کی طرف متوجہ کر دیا۔ انسان محویت میں اپنے کو بھی بھول جاتا ہے۔ جیسے مصری عورتیں جنہوں نے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ یعنی اے موسیٰ! آپ کے ہمارے درمیان یہ پہاڑ واسطہ ہے۔ ہم اس پر اپنی تجلی ڈالتے ہیں آپ اس پر اپنی نظر ڈالیں۔ یہ پہاڑ ہماری تجلی تمہاری نگاہ کا مرکز ہے۔ اس سے پتہ لگا کہ یہاں رب کا دیدار کسی آئینہ سے ہو سکتا ہے بلاواسطہ نہیں۔ یہی قانون قدرت ہے۔ **فان استقر مکانہ فسوف ترانی**۔ اس عبارت میں ایک ممکن کو دوسرے ممکن پر معلق فرمایا گیا ہے۔ **استقر** بنا ہے **استقرار** سے۔ اس کا مادہ **قرار** ہے بمعنی ٹھہرا رہنا ہٹ نہ جانا پھٹ نہ جانا کانپ نہ جانا۔ اس کا فاعل وہی

www.alahazratnetwork.org

زبیریا طور پہاڑ ہے جسے جمال یار کا آئینہ بنایا گیا۔ مکان - بمعنی جگہ۔ یہاں جگہ سے پہاڑ کی جگہ مراد ہے۔ **سوف ترانی** سے معلوم ہو رہا ہے کہ اگر پہاڑ اپنی جگہ ٹھہرا رہتا تو موسیٰ علیہ السلام کو علیحدہ دیدار کرایا جاتا۔ صرف اس پہاڑ کے دیکھنے پر کفایت نہ ہوتی۔ اس تجلی کے لئے پہاڑ کو اس لئے منتخب کیا گیا کہ وہاں اس وقت سب سے قوی و مضبوط مخلوق پہاڑ ہی تھا۔ جب تجلی الٰہی پر وہ نہ ٹھہر سکا تو دوسری چیزیں کیا ٹھہرتیں۔ اس سے حضور انور کی قوت معلوم ہوتی ہے کہ تجلی الٰہی کو حضور نے جھیلا۔ خیال رہے کہ یہاں پہاڑ کا ٹھہرنا ممکن تھا نا ممکن نہ تھا۔ لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا دیدار الٰہی ممکن ہی تھا کہ ممکن پر جو چیز موقوف ہو ممکن ہی ہوتی ہے۔ انشاء اللہ اس کا ثبوت ابھی آ رہا ہے۔ **سوف** قرب بیان کرنے کے لئے ہے۔ اس سے مراد زندگی شریف میں رب کا دیدار ہے۔ ورنہ قیامت میں سب ہی اور بعد وفات بعض خاص بندے دیدار کریں گے۔ **فلما تجلی ربہ للجبل** ف سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فرماتے ہی تجلی کا واقعہ ہوا ان دونوں میں کوئی فاصلہ نہ ہوا ورنہ **ثم** آتا۔ تجلی کا مادہ جلوت ہے۔ بمعنی ظہور۔ اس سے ہے جلوہ اور جلوت۔ علماء فرماتے ہیں کہ پہاڑ پر رب نے اپنی صفاتی تجلیوں سے ایک تجلی کی جھلک ڈالی۔ بعض احادیث میں ہے کہ یہ جھلک چھنگلی کے آدھے پورے کے برابر تھی (بیان۔ معانی) بعض روایت میں ہے کہ سوئی کے ناکے کے برابر تھی۔ (صاوی) **للجبل** میں لام - بمعنی علی ہے۔ **جبل** سے مراد وہی زبیریا طور پہاڑ ہے۔ اس تجلی ڈالنے کی حقیقت ہمارے خیال سے وراء ہے۔ بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ سورج کی شعاع آئینہ میں پڑے اور وہ شیشہ آتشی ہو کہ اس سے کپڑے وغیرہ میں آگ لگ جائے۔ یا کوئی شیشہ خود ہی پھٹ جائے یا جیسے کسی چیز پر بیٹری سے شعاع ڈالی جائے جس سے وہ شے پھٹ کر فنا ہو جائے۔ آج کل سائنس نے ایسی زہریلی شعاعیں ایجاد کی ہیں جن سے شہر کے شہر فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ تو مخلوق کا حال ہے۔ پھر خالق کی شان اس سے وراء ہے **جعلہ دکا** یہ **لما** تجلی کی پہلی جزاء ہے۔ غور کرو کہ یہاں **اندک** یا **تدلک** نہ فرمایا بلکہ **جعلہ دکا** فرمایا۔ یعنی وہ پہاڑ خود نہ پھٹا بلکہ رب نے اس کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ اس کا پھٹنا رب کے فعل سے ہوا اور ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ جو بنائے وہ ممکن ہی ہوتا ہے۔ نہ تو واجب بنانے کے لائق ہے نہ محال (غیر ممکن) جب پہاڑ کا ریزہ ریزہ ہونا ممکن ہوا تو اس کا قائم رہنا بھی ممکن ہوا۔ (خزائن۔ روح البیان) یہ گفتگو بے ہی بہت نفیس۔ خیال میں رکھنی چاہئے۔ **دکا**" مصدر ہے - بمعنی کوٹنا **دک** - بمعنی ریزہ ریزہ کرنا یہاں - بمعنی اسم مفعول ہے **مدکوک** اس میں گفتگو ہے کہ پہاڑ کو کس طرح سے پاش پاش کیا۔ بعض نے فرمایا کہ پہاڑ میں دراڑیں راستے پیدا ہو گئے۔ یعنی رہا ایک ہی مگر پھٹا ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ وہ ریت کی طرح ہو گیا ذرہ ذرہ۔ بعض نے فرمایا کہ اس کے سات حصے ہو گئے۔ ایک حصہ تو وہاں ہی رہا تین حصے اڑ کر مکہ معظمہ پہنچے جن سے وہاں تین پہاڑ قائم ہو گئے۔ ثور، ثبیر، حراء اور تین حصے مدینہ منورہ پہنچے جن سے تین پہاڑ وہاں قائم ہو گئے۔ احد، ورقان، رضویٰ۔ (تفسیر روح البیان۔ صاوی، ابن کثیر وغیرہ) **وخر موسی صعقا**" یہ عبارت معطوف ہے **جعلہ** پر اور یہ تجلی مذکورہ کا دوسرا نتیجہ ہے۔ **خر** بنا ہے **خرور** سے خرور اور سقوط دونوں کے معنی ہیں گرنا مگر سقوط میں دھماکہ ہوتا ہے خرور میں یہ لازم نہیں۔ یعنی دھم سے گر جانا سقوط ہے۔ **صعقا**" صفت مشبہ ہے **صعقتہ** کا۔ بمعنی غشی و بے ہوشی۔ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حسن نے معنی غشی کئے۔ بعض نے معنی کئے موت۔ مگر پہلا قول صحیح ہے کہ آگے ارشاد ہے **فلما افاق**۔ اور ظاہر ہے کہ **افاقہ** غشی کے بعد ہو سکتا ہے نہ کہ موت کے بعد یعنی تجلی پڑی پہاڑ پر ادھر کلیم اللہ کی نگاہ پڑی

www.alahazratnetwork.org

پہاڑ پر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر پہاڑ پھٹا ادھر موسیٰ علیہ السلام غش کھا کر گرے۔ آج ہسپتالوں میں بعض چیزیں دکھا کر بیمار کو بے ہوش کرکے اپریشن کر دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اس کا انکار نہ چاہیے۔ حق یہ ہے کہ آپ ایک دن بے ہوش رہے۔ جمعرات کو غشی طاری ہوئی' جمعہ کو افاقہ ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ ایک ہفتہ غشی رہی یعنی دوسرے جمعہ کو افاقہ ہوا۔ واللہ ورسولہ اعلم (از روح البیان۔ وغیرہ) خیال رہے کہ غشی چند وجہ سے ہوتی ہے۔ ضعف بیماری۔ جیسے حضور انور نے وفات کے قریب تین بار مسجد میں تشریف لانے کا ارادہ کیا مگر غشی آ گئی۔ بہت خوشی کی غشی جیسے حضرت بلال کو جب حضرت صدیق اکبر خرید کر حضور کی بارگاہ میں لائے تو حضرت بلال حضور کو دیکھ کر غش کھا کر گر گئے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی ملاقات حضرت یوسف علیہ السلام سے ہوئی تو دونوں باپ بیٹا غش کھا کر گرے۔ بہت غم کی غشی جیسے حضرت فاطمہ حضور انور ﷺ کی وفات پر غش کھا گئیں۔ زیادہ حیرت برداشت نہ ہونے کی غشی۔ لذت کی زیادتی کی غشی۔ موسیٰ علیہ السلام کو یہ غشی یا تو خوشی کی غشی تھی یا لذت کی زیادتی کی' یا متحمل نہ ہونے کی۔ آخری احتمال قوی ہے۔ **فلما افاق** اس فرمان عالی سے معلوم ہوا کہ اس وقت موسیٰ علیہ السلام صرف بے ہوش ہوئے تھے آپ کی وفات نہ ہوئی تھی۔ ورنہ بجائے **افاق** کے **بعثنا احی** فرمایا جاتا۔ یہاں ف صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے نہ کہ فوراً" کے لئے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کو فوراً" ہوش نہ آیا تھا بلکہ ایک دن یا ایک ہفتہ کے بعد آیا۔ افاقہ کے معنی ہیں بیماری کے بعد صحت۔ غشی کے بعد ہوش آنا۔ **قال سبحنک تبت الیک۔** اس کلام میں کچھ عرض کرنے سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد ہے **سبحنک** کہ بارگاہ الٰہی میں عرض کرنے کا یہ ادب ہے۔ یعنی اے میرے رب تو پاک ہے مخلوق کی صفات و حالات سے اور اس سے کہ ہماری نگاہیں تجھے دیکھیں بلکہ تو ہمارے خیال و گمان و وہم کے احاطہ سے پاک ہے۔ میں آئندہ تیرے دیدار کی آرزو سے توبہ کرتا ہوں۔ ایسا آئندہ کبھی نہ کروں گا۔ خیال رہے کہ یہ توبہ گناہ سے تو یہ نہیں بلکہ اس مطالبہ سے توبہ ہے۔ جس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام تحمل نہ کر سکیں۔ شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند   عارفاں از اطاعت استغفار

وانا اول المؤمنین۔ اس کلام میں موسیٰ علیہ السلام نے اپنی شان اور رب تعالیٰ کے خاص احسان کا ذکر فرمایا۔ یہاں اولیت سے مراد حقیقی اولیت نہیں بلکہ اضافی اولیت ہے کیونکہ اول المومنین تو حضور ﷺ ہیں۔ یعنی عالم ارواح میں پہلے مومن' پہلے عارف' رب کے پہلے عابد حضور ہی ہیں۔ **ھو الاول والاخر** اور عالم اجسام میں پہلے عارف پہلے مومن حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ یعنی اپنی جماعت اپنی امت میں پہلا مومن میں ہوں۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تیری ذات یہاں دنیا میں دیکھنے سے وراء ہے۔ اس پر مشاہدہ کر کے پہلا ایمان لانے والا میں ہوں کہ مجھ سے پہلے کسی نے یہ نظارہ نہ کیا جو میں نے کیا اس صورت میں اول سے حقیقی اولیت مراد ہے۔ (از روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام اس بار توریت لینے طور پر پہنچے اور انہوں نے عبادات و ریاضات' چلے کی دوسری مدت یعنی چالیس دن پورے کرنے صحراء طور میں۔ پھر یہ دوسری مدت پوری کرکے طور پر ہماری بارگاہ میں حاضر ہوئے اور رب تعالیٰ نے حسب وعدہ ان سے کلام فرمایا تو اس کلام کی لذت میں وہ ایسے محو ہوئے کہ انہیں رب تعالیٰ کے دیدار کا شوق پیدا ہو گیا۔ انہوں نے خیال فرمایا کہ جب اس کے کلام میں یہ لطف و لذت ہے تو اس کے دیدار میں کیسی فرحت کیسی لذت کیسا سرور ہو گا۔

www.alahazratnetwork.org

نہایت ہی شوق کی حالت میں عرض کر بیٹھے کہ مولی مجھے اپنی ذات اپنا جمال اپنا دیدار دکھاوے۔ اس طرح کہ دکھانے والا تو ہو اور ان آنکھوں سے تجھے دیکھوں۔ رب نے فرمایا کہ اس وقت تم مجھے نہ دیکھ سکو گے۔ اس دنیا میں ان آنکھوں سے ہمارا دیدار کرنا ممکن تو ہے مگر بے خلاف قانون۔ کوئی اس کی تجلی کو یہاں نہیں جھیل سکتا۔ وہ آنکھ تو اس کے بنائے ہوئے سورج کی تاب نہیں لاتی 'خیرہ ہو جاتی ہے۔ تو ہمارے سامنے کیا ٹھہرے گی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ سامنے والا پہاڑ طور یا زبیر جو بہت مضبوط و طاقت ور ہے تم اس پر نظر کرو' ہم اس پر تجلی ڈالتے ہیں اگر یہ پہاڑ تجلی پڑنے پر اپنی جگہ ٹھہرا رہے تو ہم تم کو بھی اپنا دیدار دے دیں گے۔ چنانچہ رب موسیٰ نے اپنی تجلی صفات میں ایک تجلی کی جھلک سی پہاڑ پر ڈالی۔ وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام کی نظر تھی تو سماں یہ بندھا کہ ادھر تو پہاڑ پھٹ کر ٹکڑے ہو گیا یا اس طرح کہ ریت بن گیا یا اس طرح کہ اس میں شگاف پڑ گئے۔ ادھر موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے۔ پھر جب عرصہ کے بعد انہیں ہوش آیا تو ان کے مبارک منہ شریف سے جو پہلا لفظ نکلا وہ یہ تھا کہ مولا تو دکھائی دینے سے پاک بلکہ تو وہم و فکر کے احاطہ سے وراء ہے۔ شعر

تو دل میں تو آتا ہے ، سمجھ میں نہیں آتا
پہچان گیا میں تری پہچان یہی ہے

ایسی ایسی دعا ایسی التجا سے میری توبہ۔ میں کبھی یہ التجا نہ کروں گا۔ میں پہلا مومن ہوں جس نے یہ نظارہ دیکھ کر یقین کیا کہ تو کسی کو دکھائی دینے سے پاک ہے اوروں کو اس کا یقین ہونا چاہئے۔ مجھے اس کا عین الیقین بلکہ حق الیقین حاصل ہو گیا۔ نوٹ: روایات میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام سے اس کلام کا وقت آیا تو آپ نے غسل کیا اعلیٰ لباس پہنا۔ رب العالمین نے سات سات کوس ارد گرد میں اندھیرا کر دیا۔ اس علاقہ سے شیطان 'جانور' کیڑے مکوڑے نکال دیئے حتی کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ رہنے والے فرشتوں کو بھی آپ سے الگ کر دیا۔ آپ پر آسمان کے دروازے کھول دیئے۔ آپ نے سب کا ملاحظہ فرمایا۔ عرش کو دیکھا۔ لوح پر قلم چلنے کی آواز سنی۔ پھر رب سے ہم کلامی کی (روح البیان 'خزائن العرفان وغیرہ) رب نے آپ سے بارہ سو کلمات میں کلام کیا۔ آپ نے ہمہ تن گوش بن کر ہر رونگٹے سے یہ کلام سنا۔ یہ کلام زبان پر بربسمہ میں ہوا۔ بعض روایات میں ہے کہ تمام زبانوں میں کلام فرمایا۔ (روح المعانی) بعض روایات میں ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام اس واقعہ کے بعد اپنی قوم میں واپس گئے تو جو بھی آپ کو دیکھتا' بے ہوش ہو جاتا تھا۔ بلکہ روح المعانی نے یہاں فرمایا کہ چالیس دن تک موسیٰ علیہ السلام کے رخ پاک کی یہ حالت رہی کہ جو آپ کو دیکھتا مر جاتا تھا اور آپ سات کوس سے چیونٹی دیکھ لیتے تھے اندھیری رات میں۔ (معانی) اس واقعہ سے پتہ لگا کہ موسیٰ علیہ السلام کی طاقت برداشت پہاڑ سے بھی زیادہ تھی کہ پہاڑ کے ٹکڑے اڑ گئے مگر آپ کا کوئی عضو ضائع نہ ہوا۔ عقل خراب نہ ہوئی' دیوانگی و جنوں طاری نہ ہوئے۔ صرف عارضی طور پر غشی آئی۔ یہ ہے طاقت کلیمی۔

دیدار الٰہی

دیدار الٰہی کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ دنیا میں ان آنکھوں سے بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن بھی ہے واقع بھی۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے اس موقعہ پر رب کو دیکھا' دیکھنے کے بعد بے ہوش ہو گئے۔ یہ قول شیخ ابراہیم کورانی کا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

(روح المعانی) دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کا دیدار بالکل ناممکن ہے۔ اسے نہ تو کوئی اس دنیا میں دیکھ سکے' نہ مرنے کے بعد' نہ قیامت میں' نہ جنت میں۔ یہ قول معتزلہ کا ہے۔ تیسرے یہ کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن تو ہے مگر واقع نہیں۔ مرنے کے بعد بعض مقبولین کو دیدار ہوتا ہے' قیامت میں مومنین کو یونہی جنت میں دیدار ہو گا۔ نیز حضور انور نے معراج کی رات ذات الٰہی کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ یہ قول اہلسنت کا ہے۔ یہی قول صحیح و قوی ہے۔ یہی ہمارا مذہب ہے۔ دلائل حسب ذیل ہیں۔ 1۔ ناممکن چیز کی دعا مانگنا حرام ہے جیسے کوئی کہے کہ خدایا مجھے خدا بنا دے یا مجھے اب حضور انور کے بعد نبی بنا دے وغیرہ اور انبیاء کرام حرام سے معصوم ہیں اگر دیدار الٰہی ناممکن ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام بھی اس کی دعا و تمنا نہ کرتے۔ آپ کا دعائے دیدار کرنا اس کے ممکن ہونے کی دلیل ہے۔ 2۔ اس دعا پر رب العالمین نے کوئی عتاب نہیں فرمایا۔ اگر یہ ناممکن ہوتا تو اس پر عتاب آتا۔ 3۔ اللہ تعالیٰ نے اس دیدار کو ایک ممکن چیز پر موقوف فرمایا کہ اگر پہاڑ تجلی کے بعد ٹھہرا رہا تو تم بھی دیدار کر لینا۔ پہاڑ کا ٹھہرا رہنا ممکن تھا کہ اس کے پھٹ جانے کے متعلق فرمایا۔ **جعلہ دکا**" جو شے مجہول ہو وہ ممکن ہوتی ہے۔ جب پہاڑ کا پھٹنا ممکن ہوا تو اس کا ٹھہرا رہنا بھی ممکن تھا۔ 4۔ یہاں رب تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ **لن تستطیع** بلکہ فرمایا **لن ترانی**۔ یعنی دیدار کے وقوع کی نفی کی' امکان کے وقوع کی نفی نہیں فرمائی۔ 5۔ اللہ تعالیٰ نے معراج میں حضور انور کو اپنا دیدار دیا۔ حضور فرماتے ہیں۔ **ان اللہ تعالی اعطی موسی الکلام و اعطانی الرویتہ و فضلنی بالمقام المحمود و الحوض المورود**۔ یہ حدیث روح المعانی نے اس جگہ بغیر ضعیف کے نقل فرمائی۔ اس کی تائید اس آیت سے ہے۔ **ما زاغ البصر و ما طغی** اور **و لقد راہ نزلتہ اخری** وہاں دیدار الٰہی مراد ہے نہ کہ دیدار حضرت جبرئیل کیونکہ وہاں ہے **فاوحی الی عبدہ ما اوحی**۔ حضور انور خدا کے بندے ہیں نہ کہ حضرت جبریل کے۔ 6۔ رب تعالیٰ بعد موت شہداء کو دیدار دیتا ہے اور اس نے خصوصیت سے حضرت جابر کے والد عبداللہ کو دیدار دیا بعد شہادت **کلمہ بہ کفاحا**" (حدیث)۔ 7۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس پر تعجب کی کیا بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے خلت جناب ابراہیم کو اور کلام حضرت موسیٰ کو اور اپنا دیدار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو بخشا۔ (تفسیر خازن۔ سورۃ النجم) 8۔ حضرت ابن عباس' ابوذر' کعب' حسن' ابو ہریرہ' احمد بن حنبل وغیرہم حضرات کا مذہب ہے کہ معراج میں حضور انور نے اپنے سر کی آنکھوں سے رب کو دیکھا۔ حضرت انس' قتادہ' بلکہ عبداللہ ابن عمر کا یہی قول ہے (خازن' سورۃ النجم)۔ 9۔ رب تعالیٰ کفار کے متعلق فرماتا ہے۔ **کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون**۔ وہ قیامت میں اپنے رب سے حجاب میں رہیں گے۔ جس سے پتہ لگا کہ مومن بے حجاب رب کا دیدار کریں گے کہ دیدار سے محرومی کفار پر عذاب ہو گا۔ 10۔ رب تعالیٰ مومنوں کے متعلق فرماتا ہے۔ **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربھا ناظرۃ**۔ قیامت میں بعض چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ 11۔ حدیث شریف میں ہے کہ جنتی اپنے رب کو اس طرح دیکھیں گے جیسے آج چودھویں رات کا چاند۔ دیکھا جاتا ہے جبکہ ابر و غبار نہ ہو۔ لہٰذا تم نماز فجر اور نماز عصر کی پابندی کرو (حدیث)۔ بہرحال دیدار الٰہی احادیث و آیات قرآنیہ' اقوال صحابہ و ائمہ مجتہدین سے ثابت ہے۔ اس کا انکار محض بے دینی ہے۔ اس کی نفی پر کوئی قوی دلیل نہیں' نہ آیت نہ حدیث۔ 12۔ بلکہ عقل کا تقاضا بھی ہے کہ دیدار الٰہی قیامت و جنت میں مومنوں کو نصیب ہو کہ رب فرماتا ہے۔ **لھم فیھا ما یشاءون**۔ جنتی لوگ جو چاہیں گے وہ پائیں گے۔ جیسے موسیٰ علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام کو رب کا کلام سن کر دیدار کا شوق ہوا۔ انشاء اللہ وہاں رب کا کلام سن کر ضرور شوق دیدار ہو گا جو پورا کیا جائے گا۔ اس کے ناممکن ہونے پر کوئی دلیل قائم نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کسی کا کلام یا آواز سن کر اس کا عشق اور اس کے دیدار کا شوق پیدا ہونا۔ عشق دیدار پر موقوف نہیں گفتار سے بھی ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ **کلمہ ربہ قال رب ارنی** سے حاصل ہوا۔ لہذا مومن کو چاہئے کہ کلام اللہ اور کلام رسول اللہ پڑھا اور سنا کرے تاکہ ان کی محبت دل میں پیدا ہو۔ یہ محبت تمام کامیابیوں کی چابی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جس سے محبت و عشق و دیدار منع ہے اس کا کلام اس کی آواز بھی نہ سنے کہ یہ عمل ایک حرام کام کا ذریعہ ہے۔ لہذا عورتوں کے گانے ان کی لوچ دار باتیں ان کی آواز نہ سنے۔ رب فرماتا ہے **فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض** اے بیبیو اجنبی مردوں سے نرم لوچ دار بات نہ کرو کہ اس سے دل بیماری والے لالچ کریں گے اجنبی عورت کی آواز بلکہ ان کے زیوروں کی آواز کا بھی پردہ چاہئے۔ شعر

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

تیسرا فائدہ: عشق الہی میں دیدار الہی کی خواہش ثواب ہے مگر نبی پر بے اعتقادی کی بنا پر دیدار کی تمنا کفر ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا **لن نؤمن لک حتی نری اللہ جھرۃ**۔ ان پر عذاب آگیا۔ **فاخذتھم الصعقۃ** مگر موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الہی کی خواہش کی شوق و عشق الہی میں آپ کا درجہ اور بلند ہو گیا۔ ایک ہی چیز ایک کے لئے ایمان ہے دوسرے کے لئے کفر۔ شعر

موسیا آداب داناں دیگر اند　　سوختہ جاناں و داناں دیگر اند

چوتھا فائدہ: دنیاوی زندگی میں بحالت بیداری ان آنکھوں سے خدا کا دیدار ممکن ہے اگرچہ واقع نہیں۔ یہ فائدہ **لن ترانی** اور **فان استقر** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔ **مسئلہ:** خواب میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن بھی ہے واقع بھی۔ ہمارے حضور ﷺ نے بہت بار خواب میں خدا کو دیکھا۔ امام اعظم ابو حنیفہ نے ایک سو بار رب کو خواب میں دیکھا۔ یہاں تفسیر روح المعانی میں فرمایا کہ میں نے تین بار رب کو خواب میں دیکھا۔ ان خوابوں کی تفصیل و تاریخ و ترتیب بیان کی (روح المعانی)۔ **پانچواں فائدہ:** نبی پر عارضی طور پر غشی بے ہوشی طاری ہو سکتی ہے ہاں انہیں دیوانگی، دائمی غشی نہیں ہو سکتی کہ یہ چیزیں تبلیغ کے لئے مانع ہیں۔ یہ فائدہ **خر موسی صعقا**" سے حاصل ہوا۔ البتہ حدیث قرطاس میں حضرت عمر کا کہنا **اھجر استفھموہ** بالکل درست ہے یعنی حضور انور نے کاغذ منگایا۔ حضرت عمر نے کہا کہ پوچھو کیا حضرت پر غشی ہے اس میں یہ فرما رہے ہیں یا واقعی کاغذ کی طلب ہے۔ **چھٹا فائدہ:** بعض اولیاء اللہ مجذوب ہوتے ہیں۔ ان کی مجذوبیت کی اصل یہی آیت ہے۔ وہ حضرات **خر موسی صعقا**" کے مظہر ہوتے ہیں۔ نیز مصری عورتوں کا جمال یوسفی دیکھ کر ہاتھ کاٹ لینا مجذوبیت و محویت کی اصل ہے۔ **ساتواں فائدہ:** مجذوب فقراء پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ بھی **خر موسی صعقا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام ایک دن رات یا ایک ہفتہ بے ہوش رہے۔ اس زمانہ میں آپ نے کوئی عبادت نہ کی نہ ان عبادات کی قضا کی۔ نیز مصری عورتوں پر اپنے ہاتھ کاٹ لینے کی سزا جاری نہ ہوئی۔ جب مستان جمال یوسفی مستی و

www.alahazratnetwork.org

بے خودی میں ہاتھ کاٹ بیٹھیں اور انہیں درد محسوس نہ ہوا تو ان مستان جمال الٰہی کا کیا پوچھنا۔ ابھی گجرات میں ایک مست فقیر کے پاؤں پر ٹریکٹر گزر گیا جس سے اس کی ہڈیاں بالکل ٹوٹ گئیں مگر وہ نہ رویا نہ چیخا۔ علاج کے لئے ہسپتال گیا۔ پولیس نے ٹریکٹر والے کو پکڑا تو یہ مست بولا کہ اسے چھوڑ دو کسی اور کو تکلیف ہوئی ہوگی مجھے نہیں ہوئی۔ اس مست کا نام سائیں یوسف ہے۔ میں نے اسے دیکھا نہایت اطمینان سے بیٹھا ہوا پایا۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی ضد پوری فرماتا ہے اگرچہ وہ قانون سے وراء کی دعا کریں۔ یہ فائدہ **فلما تجلی ربه** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے قانون سے وراء کی خواہش کی یعنی دیدار الٰہی جو خلاف قانون ہے۔ **لاتدركه الابصار**۔ مگر رب نے ان کی بات قبول کی اور خود ان سے اقرار کرالیا کہ آئندہ ایسی خواہش نہ کروں گا۔ وہ حضرات رب کے احکام جو قانون سے وراء ہوں، مان لیتے اور ان پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔ اپنا بچہ ذبح کرو، اپنے کو آگ نمرود میں ڈالو۔ اپنے بیوی بچوں کو بے آب و دانہ جنگل میں چھوڑ آؤ وغیرہ تو ان کی خلاف قانون دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں۔ اس کی تفسیر وہ حدیث ہے۔ **لو اقسم على الله لابره**۔ **نواں فائدہ** توبہ سے پہلے رب تعالیٰ کی حمد سنت انبیاء ہے۔ یہ فائدہ **سبحنك** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے توبہ سے پہلے **سبحنك** عرض کیا۔ یہ ہی دعاؤں کا حال ہے کہ دعا سے پہلے حمد الٰہی بلکہ درود شریف پڑھے، توبہ کرے پھر دعا مانگے۔ انشاء اللہ قبول ہوگی۔ **دسواں فائدہ**: نبی اپنی امت میں پہلے صاحب ایمان ہوتے ہیں۔ پھر امت والے بعد کے مومن بلکہ ان کے صدقہ کے مومن ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ **انا اول المسلمين** فرمانے سے حاصل ہوا۔ نیز نبی اور امت کے ایمان میں کئی طرح فرق ہوتا ہے۔ اس کی تحقیق ہم تیسرے پارہ میں آخر سورۂ بقرہ **امن الرسول بما انزل اليه** کی تفسیر میں کرچکے ہیں۔ وہاں مطالعہ کرو۔

اعتراضات: پہلا اعتراض: موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کسی اور نبی کو کلیم اللہ ہونے کا درجہ کیوں عطا نہ ہوا۔ اس میں ان کی کیا خصوصیت ہے۔ **جواب**: مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ نعمت بقدر مشقت ملتی ہے۔ جناب موسیٰ نے راہ خدا میں مشقتیں بہت زیادہ برداشت کیں۔ آپ کی قوم پر آپ کی وجہ سے بہت آزمائشیں آئیں۔ بچوں کا ذبح وغیرہ۔ اس کا انعام بھی ان کو خصوصیت سے یہ عطا ہوا۔ مگر حقیر کے نزدیک یہ جواب کچھ ضعیف سا ہے۔ زیادہ مشقتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اٹھائیں۔ حتی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ **واذ ابتلى ابرهيم ربه بكلمت فاتمهن**۔ ہمارے حضور نے جو مشقتیں راہ خدا میں اٹھائیں۔ وہ تو بیان سے باہر ہیں۔ حق یہ ہے کہ یہ داد حق ہے۔ جس پر جیسا کرم ہو جاوے۔ **دوسرا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی تو عطاء نبوت کے وقت بھی سنا تھا جیسا کہ سورۂ طٰہٰ میں ہے۔ اس وقت دیدار کا شوق آپ کو کیوں نہ ہوا۔ آج کیوں ہوا۔ **جواب**: یا اس لئے کہ اس وقت کلام اچانک ہوا تھا اور ختم ہو گیا تھا۔ اس بار چالیس دن عبادات کراکے پر لطف کلام فرمایا گیا تھا۔ ان عبادات اور روزہ حاضری کی وجہ سے لذت زیادہ آئی۔ عبادات سے لذت بڑھ جاتی ہے۔ جنت کی نعمتوں کا جو لطف مومنین متقین کو آوے گا وہ حور و غلمان اور اس جماعت کو نہ آوے گا جو جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی۔ یوں ہی مومنہ جنتی عورتوں کا حسن حوران بہشتی سے زیادہ ہوگا کہ ان پر عبادات کا حسن بھی ہوگا جیسا کہ ہم نے اس تفسیر میں پہلے تحقیق کی ہے۔ آج پابند شریعت متقی مسلمان کے وعظ و نعت خوانی میں جو مزہ آتا ہے وہ خلاف شرع واعظین و نعت خوانوں کے وعظ و نعت میں نہیں آتا۔ بزرگوں کے آستانہ کی روکھی سوکھی روٹی میں جو لذت ہوتی ہے وہ اوروں کے پلاؤ زردہ میں نہیں ہوتی۔

غرضیکہ عبادات الٰہی کام کلام بولنے سننے کھانے پینے سونے جاگنے بلکہ جینے مرنے میں لذت پیدا کر دیتی ہے بلکہ اگر مجمع میں ایک آدمی بھی کامل ہو تو سارے مجمع میں رنگ لگ جاتا ہے۔ مگر حق یہ ہے کہ یہ عشق و شوق بھی رب کی طرف سے تھا۔ جب چاہا دل میں پیدا کر دیا۔

میری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے!
قدم یہ اٹھتے نہیں اٹھائے جاتے ہیں!

گفت اللہ گفتنت لبیک ماست ایں گداز و سوز و دردت پیک ماست

تیسرا اعتراض: رویۃ اور نظر دونوں کے معنی ہیں دیکھنا پھر **ارنی انظر الیک** کیسے درست ہوا۔ **انظر** جواب کیسے بنا **ارنی** کا۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ رویۃ عام ہے۔ خواب میں دیکھنا دل سے دیکھنا (کشف) خیال میں دیکھنا آنکھ سے دیکھنا سب کو رویۃ کہتے ہیں مگر **نظر** صرف آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس فرق کی وجہ سے **انظر الیک** جواب بن گیا **ارنی** کا۔ گویا یہ **ارنی** کی شرح ہے۔ دوسرے یہ کہ **ارنی** کا فاعل رب تعالیٰ ہے **انظر** کا فاعل موسیٰ علیہ السلام یعنی دکھا تو اور دیکھوں میں۔ ایسا نہ ہو کہ تو دکھائے مگر میں نہ دیکھوں۔ اس فرق کی وجہ سے جواب بن گیا اسی لئے آپ نے **ارٰی** نہیں فرمایا بلکہ **انظر** فرمایا یعنی میں آنکھ سے تجھے دیکھوں۔ **چوتھا اعتراض**: **لن ترانی** سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی کبھی نہیں ہوا نہ زندگی میں نہ بعد وفات نہ جنت میں۔ جب انہیں دیدار نہیں تو اور کس کو ہو سکتا ہے (منکرین دیدار)۔ دیکھو **لا ترانی** نہ فرمایا بلکہ **لن ترانی** فرمایا جو مستقبل کے لئے آتا ہے۔ **جواب**: یہ غلط ہے کیونکہ **لن** مستقبل کے لئے تو آتا ہے مگر نفی کی ہیشگی کے لئے نہیں آتا اگر ابداً بھی فرمایا جاتا تب تمہارا سوال درست ہوتا۔ **پانچواں اعتراض**: رب تعالیٰ فرماتا ہے **لا تدرکہ الابصار** رب کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں معلوم ہوا کہ رب کا دیدار ناممکن ہے (منکرین دیدار)۔ **جواب**: اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ دیکھنا اور ہے **ادراک** یعنی پا لینا کچھ اور یہاں دیکھنے کی نفی نہیں بلکہ نگاہوں سے پا لینے کی نفی ہے احاطہ کر کے دیکھنا پانا ہے بغیر احاطہ دیکھنا نظر ہے تم سمندر کو سورج کو قدرے دیکھ تو لیتے ہو مگر انہیں پاتے نہیں ان کا احاطہ نہیں کرتے۔ انسان یا درخت کو دیکھتے ہیں تو اسے نظر سے گھیر بھی لیتے ہیں کہ اس کا حدود اربعہ کر لیتے ہیں اتنا لمبا اتنا چوڑا اتنا موٹا رب تعالیٰ کو اس طرح دیکھنا ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ **الابصار** میں لام عہدی ہے یعنی یہ دنیاوی آنکھیں رب کا دیدار نہیں کر سکتیں جنت میں آنکھیں ہی دوسری ہوں گی ان کی قوت ہی کچھ اور ہو گی ان سے رب کا دیدار ہو گا۔ تیسرے یہ کہ **الابصار** میں لام استغراقی ہے یعنی ساری آنکھیں اسے نہیں دیکھ سکتیں صرف مومنین کی آنکھیں اسے دیکھیں گی اس کی تفسیر وہ آیات ہیں **الی ربہا ناظرۃ** یا **انہم عن ربہم یومئذ لمحجوبون** لہٰذا دونوں آیات درست ہیں۔ **چھٹا اعتراض**: ام المومنین عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ حضور انور نے رب کا دیدار نہیں کیا پھر تم دیدار کے قائل کیسے ہو گئے (معتزلہ)۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں (1) ام المومنین عائشہ صدیقہ تو جسمانی معراج کا بھی انکار فرماتی ہیں حالانکہ مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کو معراج جسمانی ہوئی چونکہ آپ جسمانی معراج کا انکار فرماتی ہیں تو دیدار کا بھی انکار کرتی ہیں کہ دیدار تو معراج میں ہوا ہم چونکہ معراج جسمانی کے قائل ہیں تو دیدار کے بھی قائل ہیں۔ (2) صرف عائشہ صدیقہ دیدار کا انکار فرماتی ہیں مگر

www.alahazratnetwork.org

حضرت ابن عباس' ابوذر' کعب' حسن' ابو ہریرہ' احمد ابن حنبل' انس' قتادہ' عبد اللہ ابن عمر جیسے جلیل القدر صحابہ و تابعین فرماتے ہیں کہ دیدار الٰہی حضور انور نے کیا تو ظاہر ہے کہ اس بارے میں جمہور صحابہ کا قول مانا جاوے گا (3) ام المومنین عائشہ صدیقہ نفی دیدار کی روایت پیش نہیں فرماتیں بلکہ آیت **لاتدرکہ الابصار** سے استدلال کرتی ہیں یہ ان کا اپنا اجتہاد صحابہ مذکورین حضور انور کا فرمان پیش فرماتے ہیں اور ظاہر ہے کہ روایت کے مقابل صرف روایت و اجتہاد معتبر نہیں (۱) ام المومنین معراج جسمانی اور دیدار کا انکار فرماتی ہیں وہ حضرات ان کا اثبات فرماتے ہیں جب ثبوت و نفی میں تعارض ہو تو ثبوت کو ترجیح ہوتی ہے کیونکہ نفی بے خبری کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے (5) ام المومنین فرماتی ہیں کہ معراج کی رات میں حضور انور کے پاس حجرے میں تھی۔ تمام رات حضور انور میرے حجرے میں رہے کہیں نہ گئے پھر آپ کو معراج کیسے ہو گئی حالانکہ حضور کو معراج جناب ام المومنین کے نکاح میں آنے سے پہلے ہوئی ہے یعنی ہجرت سے پہلے ام ہانی کے مکان سے۔ جس کا پتہ انہیں نہ لگا غرضیکہ معراج اور دیدار کا انکار آپ اس لئے فرماتی ہیں کہ آپ کو اس کی خبر نہ ہوئی۔ **ساتواں اعتراض:** مسلم شریف کی روایت ہے کہ کسی نے حضور انور سے پوچھا کہ کیا آپ نے رب کو دیکھا تو حضور نے فرمایا **نورانی اراہ** وہ تو نور ہے میں اسے کیسے دیکھوں معلوم ہوا کہ حضور انور نے رب کا دیدار نہیں کیا۔ **جواب:** اس حدیث کی عبارت معترض نے درست نہیں پڑھی ترجمہ بھی غلط کیا یہ عبارت ہے **نورانی اراہ** میں نے اسے دیکھا ہے وہ نور ہے یعنی **انی** مرکب ہے۔ **انا ادری** متکلم سے **اری** حال ہے مگر بمعنی ماضی جیسے **یذبحون ابناء کم** اس لئے کہ مسلم شریف میں اس حدیث سے متصل انہیں ابوذر کی روایت یوں ہے۔ **رایت نورا** (مسلم کتاب الایمان ۹۹) یہ حدیث تمہاری پیش کردہ حدیث کی شرح ہے نووی نے تمہاری پیش کردہ حدیث کی ایک قراءۃ یوں بیان کی **نورانی اراہ** میں نے اسے دیکھا ہے وہ نورانی ہے لہٰذا یہ حدیث ان احادیث کے خلاف نہیں جو ہم نے ابھی دیدار الٰہی کے ثبوت میں پیش کیں نہ آیت دیدار کے خلاف۔ **آٹھواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ نور ہے **اللہ نور السموٰت والارض** اور ہماری آنکھیں نور کو نہیں دیکھ سکتیں۔ دیکھو فرشتے روح نور ہیں جو آنکھ کو نظر نہیں آتے تو خدا تعالیٰ کیسے نظر آسکتا ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں وہ خالق نور ہے کیونکہ نور یا تو وہ جسم ہے یا وہ عرض جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے اور رب تعالیٰ جسم ہونے اور عرض ہونے دونوں سے پاک ہے نووی نے شرح مسلم میں ای ۹۹ میں **نورانی اراہ** کی شرح میں فرمایا **ومن المتخیل ان تکون ذات اللہ تعالٰی نورا" اذا النور من جملتہ الاجسام واللہ یجل عن ذلک ھذا مذھب جمیع ائمتہ المسلمین** یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کا نور ہونا غیر ممکن ہے کیونکہ نور جسم ہے رب جسمانیت سے پاک ہے یہ مسلمانوں کے سارے اماموں کا مذہب ہے یہی عبارت تفسیر خازن میں سورہ والنجم کی تفسیر زیر آیت **لقد رای من ایت ربہ الکبری** کی ہے۔ تفسیر بیضاوی نے سورہ نور **اللہ نور السموٰت والارض** کی تفسیر میں فرمایا کہ نور ایک کیفیت ہے جو خود ظاہر ہو دوسروں کو ظاہر کرے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ کی ذات نور نہیں۔ آیت کریمہ اللہ نور السموٰت میں نور بمعنی منور ہے یعنی وہ آسمانوں زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ **نواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ رنگ اور سمت و جہت سے پاک ہے اور اس کے بغیر آنکھ دیکھ نہیں سکتی آنکھ در حقیقت رنگت ہی کو دیکھتی ہے۔ **جواب:** دیدار کی یہ شرطیں اس جسمانی محدود آنکھ کے لئے ہیں

www.alahazratnetwork.org

معراج میں حضور انور کی آنکھ ان کمزوریوں سے وراء تھی نیز جنت میں ہر جنتی کی آنکھ اس کمزوری سے پاک کردی جاوے گی۔ اس عالم کو اس جہان پر قیاس نہ کرو بعض اولیاء اس دنیا میں احوال و اعمال کو ان کی شکلوں میں دیکھ لیتے ہیں غرضیکہ دیدار الٰہی برحق ہے مگر اس کی کیفیت نامعلوم ہے دیدار الٰہی کی مکمل بحث انشاء اللہ سورہ والنجم میں ہوگی۔ یہاں بطور اختصار کچھ عرض کیا گیا نہ معلوم میری عمر وفا کرے یا نہ کرے اور سورہ والنجم شریف کی تفسیر لکھنا مجھے میسر ہو یا نہ ہو۔ رب تعالیٰ توفیق دے اور قبول فرمائے۔ **دسواں اعتراض**: کیا موسیٰ علیہ السلام کی تمنا دیدار کرنا گناہ تھا اگر تھا تو نبی معصوم نہیں اگر نہیں تھا تو بہ کس سے کی کہ عرض کیا **تبت الیک** توبہ تو گناہ سے ہوتی ہے۔ **جواب**: ہماری توبہ گناہ سے ہوتی ہے حضرات انبیاء و اولیاء کی توبہ نیکی کرنے پر بھی ہوتی ہے آپ نے اس جرات سے توبہ کی یعنی اے مولیٰ اب تمنائے دیدار کی جرات و ہمت کبھی نہ کروں گا۔ توبہ کی بہت قسمیں ہیں۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند! عارفاں از اطاعت استغفار!

گناہ کے لئے چند شرطیں ہیں (1) رب تعالیٰ کی طرف سے ممانعت ہونا (2) ممانعت یاد ہونا اس ممانعت کے سمجھنے میں غلطی نہ کرنا اسے صحیح طور پر سمجھنا۔ ان کے بغیر گناہ نہیں ہوتا اگر ممانعت کے سمجھنے میں غلطی کی تو خطا ہے اگر یاد نہ رہے تو نسیان یعنی بھول ہے یہاں رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو آرزوئے دیدار سے منع کب کیا تھا کہ تم دیدار نہ مانگنا نیز اگر یہ گناہ ہوتا تو اس پر عتاب آتا انہیں یہ نظارہ دکھایا نہ جاتا۔ **گیارھواں اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں کہا کہ میں پہلا مومن ہوں پہلے مومن تو حضرت آدم علیہ السلام ہیں کہ وہ پہلے نبی ہیں۔ **جواب**: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے ایک یہ کہ یہاں اولیت اضافی مراد ہے یعنی اپنی قوم میں پہلا مومن میں ہوں اور لوگ میرے بعد بلکہ میرے تابع ہو کر مومن ہوں گے دوسرے یہ کہ تیرے جمال تجلی کو دیکھ کر ایمان لانے والا سب سے پہلا میں ہوں آپ سے پہلے کسی نبی سے نہ رب نے کلام فرمایا نہ تجلی دکھائی اس صورت میں اولیت سے حقیقی اولیت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام سے بھی کلام فرمایا اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ سے بھی مگر حضرت موسیٰ کلام کے طالب تھے حضور ﷺ کلام بلکہ متکلم کے بھی مطلوب اس لئے ان دونوں کلاموں میں کئی طرح فرق ہے ایک فرق یہ کہ

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسیٰ تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام گئے تھے حضور ﷺ بلائے گئے تھے۔

طور اور معراج کے قصے سے ہوتا ہے عیاں!
اپنا جانا اور ہے ان کا بلانا اور ہے!

تیسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام سے صرف کلام ہوا۔ محبوب ﷺ کو اولاً دیدار دکھایا پھر کلام سنایا۔

ابن یعقوب کو اللہ نے صورت بخشی ید بیضا کی کلیم اللہ کو نعمت بخشی
ہر نبی کو کوئی رحمت کوئی نعمت بخشی میری سرکار کو بے پردہ زیارت بخشی

چوتھے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیدار کی تمنا کی مگر محبوب ﷺ کو رب نے تقاضوں سے بلایا دیدار دکھایا۔

تبارک اللہ شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو وہ جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

کسی دل جلے عاشق نے کیا خوب کہا ہے۔

ارنی بگوید آنکس کہ بگفت **لن ترانی**   تو بایں جمال و خوبی سر طور گر خرامی!

اے محبوب! اگر طور پر تم اسی خوبی و جمال سے جاؤ تو **لن ترانی** فرمانے والا **ارنی** فرمائے۔ پانچویں یہ کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے اہتمام سے طور پر گئے اور حضور کے لئے سواری، لباس، بلانے والی برات وغیرہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے۔ چھٹے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے پہاڑ کو دیدار کے لئے آڑ بنایا آپ کے لئے ہر آڑ پہاڑ وغیرہ ہٹا دی گئی بغیر واسطہ دیدار دکھایا۔ ساتویں یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک تجلی صفت کی تاب نہ لاسکے حضور انور نے عین ذات کا نظارہ کیا پلک بھی نہ جھپکی **مازاغ البصر وماطغیٰ**۔

موسیٰ زہوش رفت بیک پرتو صفات   تو عین ذات می نگری در تبسمی!

صوفیاء فرماتے ہیں کہ عشق وہ چیز ہے جو خاکی کو خاک سے افلاک پر پہنچاتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

جسم خاک از عشق بر افلاک شد!   کوہ در رقص آمد و چالاک شد!
عشق جان طور آمد عاشقا   طور مست و خر موسیٰ صعقا

بعد قیامت کوہ طور، کعبہ معظمہ، مسجد نبوی، بیت المقدس جنت میں رکھے جائیں گے۔ دیکھو روح البیان یہی مقام۔ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ہویت وخودی باقی رکھتے ہوئے خدا کا دیدار مانگا تو عرض کیا ارنی جس میں متکلم ہے تو دیدار نہ کرسکے۔ حضور انور نے معراج میں اپنی انا فنا کردی لباس بشریت اتار کر نور ہو کر نورانی جوڑا پہن کر حاضری دی۔ بے سوال بے حجاب یار کو دیکھا بلکہ اپنے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو بار بار دیدار کرایا۔ اسی لئے موسیٰ علیہ السلام امت مصطفوی کے متعلق نماز کم کرانے کے بہانے بار بار حضور انور کو بارگاہ قدس میں بھیجتے رہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خدا است   منعکس در وے ہمہ خوئے خدا است

اللہ تعالیٰ کا روا اس کی ہر خو یعنی ذات وصفات ان سب کا آئینہ ذات پاک مصطفیٰ ہے ان کو دیکھا تو خدا کو دیکھا ان کے پاس آئے تو خدا کے پاس آئے ان کے ہاں سے نکالے گئے تو خدا کے ہاں سے نکالے گئے۔ آئینہ صرف ظاہری اعضاء کا عکس لیتا ہے اندرے صرف اندرونی اعضاء کا حضور انور وہ آئینہ خدا نما ہیں جو رب تعالیٰ کی ذات، ظاہر وباطن صفات سب ہی کا عکس لوگوں پر ظاہر کرتا

قَالَ یٰمُوْسٰۤی اِنِّی اصْطَفَیْتُكَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَ بِكَلَامِیْ ﳲ فَخُذْ

کہا رب نے اے موسیٰ بے شک میں نے چن لیا تم کو اوپر لوگوں کے ساتھ پیغامات کے اپنے اور ساتھ کلام کے اپنے پس

فرمایا اے موسیٰ میں نے تجھے لوگوں سے چن لیا اپنی رسالتوں اور اپنے کلام سے تو لے جو میں نے

www.alahazratnetwork.org

مَآ اٰتَيْتُكَ وَكُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

لے لو وہ جو دوں میں تم کو اور ہو جاؤ تم شکر گزاروں میں
تجھے عطا فرمایا اور شکر والوں میں ہو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں اس نعمت کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام نے مانگی مگر اسے پا نہ سکے یعنی دیدار الٰہی اب ان نعمتوں کا ذکر ہے جو آپ نے نہ مانگیں مگر رب نے اپنے فضل سے عطا فرمائیں یعنی رسالت و کتاب اور کلام بلاواسطہ اس میں بندوں کو تعلیم دی گئی کہ اگر رب تعالیٰ تمہاری کوئی دعا قبول نہ کرے تو اس کی ان نعمتوں میں غور کرو جو اس نے تم کو بغیر مانگے دی ہوئی ہیں اس پر رب کا شکر کرو دیکھو موسیٰ علیہ السلام آگ لینے گئے مگر انہیں نبوت دی گئی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی توبہ کا ذکر ہوا اب اس توبہ پر خصوصی انعام کی عطا کا ذکر ہو رہا ہے گویا موسیٰ علیہ السلام کے عمل کا ذکر پہلے ہوا۔ رب کی عطا خصوصی کا ذکر اب ہے۔ رب کو موسیٰ علیہ السلام کی یہ ادا پسند آئی کہ انہوں نے دیدار نہ ملنے پر رب کی شکایت نہیں کی بلکہ قصور کی نسبت اپنی طرف کرکے توبہ کی آپ نے یہ جرات کیوں کی اس میں بندوں کو تعلیم ہے۔ دعا قبول نہ ہونے پر رب کی شکایت نہ کیا کرو اپنے قصوروں میں غور کرکے توبہ کیا کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے ایک تکلیف دہ واقعہ کا ذکر ہوا کہ آپ نے دیدار کی تمنا کی جو پوری نہ ہوئی اس سے آپ کو غم ہوا اب اس غم و رنج کے دفعیہ کا ذکر ہے کہ ہم نے انہیں دوسری نعمتیں ایسی بخشیں جن سے ان کا غم غلط ہو جاوے گویا زخم کے بعد مرہم کا ذکر ہے بلکہ بہت سے مرہموں کا۔ اس میں بندوں کو تعلیم ہے کہ اگر رب تعالیٰ تمہاری کوئی دعا قبول نہ کرے تو غمگین نہ ہوں۔

تفسیر: قال یموسی یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کے ہوش میں آجانے کے بعد کا ہے کیونکہ بے ہوشی یا غشی کی حالت میں نہ وحی آئی نہ الہام نہ کشف وغیرہ۔ نبی پر نیند میں خواب یا وحی آسکتی ہے مگر غشی میں یہ وحی بھی نہیں آسکتی بیداری میں تین قسم کی وحی آسکتی ہیں۔ وحی جلی، کشف، الہام اور موسیٰ علیہ السلام کے لئے بے واسطہ کلام غرضیکہ بیداری کی وحی بہت قسم کی ہے نیند میں وحی صرف ایک تھی یعنی سچی خواب۔ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کو ان کے ناموں سے پکارا پھر ان پکاروں کو اسی طرح نقل فرمادیا یہ ہمارے حضور کی خصوصیت ہے کہ رب تعالیٰ نے حضور کو صفات عالیہ سے پکارا **یایھا النبی یایھا الرسول** خیال رہے کہ رب تعالیٰ کا حضرات انبیاء کرام کا پکارنا صرف اظہار کرم کے لئے ہوتا ہے اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے نہیں ہوتا کہ وہ حضرات ہر وقت متوجہ الی اللہ رہتے ہیں کسی وقت اس سے غافل نہیں ہوتے تم جیسے غافلوں کو پکارنا بیدار کرنے کے لئے ہوتا ہے کفار کو پکارنا اظہار غضب کے لئے۔ دوسرے نبیوں کے نام ان کے والدین نے ان کی پیدائش کے بعد رکھے **محمد** وہ نام ہے جو رب نے رکھا اور عالم کی پیدائش سے پہلے رکھا **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ انی اصطفیتک علی الناس** یہ عبارت **قال** کا مفعول ہے **اصطفاء** کی تحقیق تیسرے پارہ میں **و اصطفک علی نساء العلمین** کی تفسیر میں کی جاچکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ لفظ بنا ہے صفو سے۔ معنی صاف شفاف باب افتعال میں آکر

www.alahazratnetwork.org

اس کے معنی ہوئے بین لینا چن لینا چھانٹ لینا یعنی صاف صاف لے لینا گندے چھوڑ دینا۔ شریعت میں یہ ایک خاص درجہ ہے جو خاص بندوں کو عطا ہوتا ہے یہ چناؤ بہت قسم کا ہے اعلیٰ قسم کا چناؤ ہمارے حضور کا ہوا حتیٰ کہ آپ کا نام شریف مصطفےٰ ہوا۔

ذات ہوئی انتخاب وصف ہوئے لا جواب نام ہوا مصطفےٰ تم پہ کروڑوں درود!

حضور کی ذات سارے صفات سارے اعمال سارے احوال مصطفےٰ ہیں یعنی پچنے ہوئے۔ چونکہ اس میں بزرگی دینے کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے بعد **علی** آیا موسیٰ علیہ السلام کا یہ چناؤ صرف انسانوں پر تھا فرشتے اس سے خارج تھے اس لئے کہ وہ رب کے رسول بھی ہیں اور بلاواسطہ رب سے کلام بھی کرتے ہیں اس لئے **علی الناس** فرمایا **علی الخلق** نہیں فرمایا (تفسیر روح البیان) یا یوں کہو کہ انسان ساری مخلوق میں افضل **ولقد کرمنا بنی ادم** اور موسیٰ علیہ السلام ان انسانوں میں سب سے افضل لہٰذا آپ مخلوق میں افضل ہوئے۔ **الناس** میں الف لام عہدی ہے اس سے مراد یا تو بنی اسرائیل ہیں یا اس زمانہ کے سارے لوگ کیونکہ آپ حضرت ہارون سے افضل تھے کہ توریت کلام الٰہی عصاء وغیرہ آپ ہی کو ملے۔ حضرت ہارون آپ کے متبع آپ کے وزیر تھے اس سے پتہ لگا کہ موسیٰ علیہ السلام حضرت خلیل اللہ اور محمد مصطفےٰ ﷺ سے افضل نہ تھے یہ ایسا ہے جیسے بنی اسرائیل سے کہا گیا **وانی فضلتکم علی العلمین**۔

مسئلہ: اس پر ساری امت کا اجماع ہے کہ حضور ﷺ افضل المرسلین سید الخلق اجمعین ہیں بعد خدا حضور ہی کا درجہ ہے۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات

قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات!

مگر اس میں اختلاف ہے کہ حضور انور کے بعد درجہ کس نبی کا ہے۔ بعض علماء نے فرمایا کہ حضور کے بعد موسیٰ علیہ السلام کا درجہ ہے مگر ترجیح اسے ہے کہ حضور انور کے بعد درجہ ہے حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کے دلائل انشاء اللہ اپنے مقام پر بیان ہوں گے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الناس سے سارے انسان مراد ہیں اور جزوی فضیلت کا یہاں ذکر ہے یعنی کلیم الٰہی کی عظمت صرف موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی کہ آپ کے سواء کسی نبی نے زمین پر رہ کر اللہ تعالیٰ سے بلاواسطہ کلام نہیں کیا۔ **برسلتی و بکلامی**۔ ہماری قراءۃ رسالات جمع ہے ایک قرات میں ہے **برسالتی** واحد (روح المعانی) رسالۃ مصدر ہے مصدر اگرچہ واحد جمع دونوں پر بولا جاتا ہے مگر مختلف نوع بیان کرنے کے لئے جمع بھی آجاتا ہے جیسے ضربات بہت قسم کی چوٹیں۔ یہاں، معنی اسم مفعول ہے یعنی بھیجی ہوئی خبریں اس سے مراد ہے توریت شریف کی آیات کیونکہ ہر آیتہ ایک علیحدہ پیغام ہے یا اس سے مراد توریت کی تختیاں۔ **کلامی** سے مراد ہے بلاواسطہ رب تعالیٰ کا کلام فرمانا یا رب سے کلام کرنا اللہ ای متکلم یا تو کلام کا فاعل مضاف الیہ ہے یا مفعول۔ کیونکہ آپ سے پہلے کسی نبی کو کتاب نہ دی گئی بعض کو صحیفے دیئے گئے کتاب والے پہلے نبی آپ ہیں نہ آپ سے پہلے کسی نبی سے بلاواسطہ کلام ہوا اس لئے **برسلتی** اور **کلامی** فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ **برسلتی** میں ب سببیہ ہے یعنی اے موسیٰ میں نے تم کو اپنی توریت اپنے بلاواسطہ کلام کے ذریعہ لوگوں سے افضل کیا ان ہی سے چن لیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ آپ کی عزت و عظمت توریت اور کلام ربانی کی وجہ سے ہے۔ خیال رہے کہ اس

www.alahazratnetwork.org

کے برعکس قرآن مجید کو حضور انور سے عزت ملی کہ آپ پر اترا اور حضور کا قرآن مجید سے شرف زیادہ ہوا۔ اسی لئے قرآن مجید مکی مدنی ہوا اس میں آیات سکتے رفعے رکوع حضور کی وجہ سے بنے بلکہ اس میں سوز و گداز حضور کے پڑھنے کی وجہ سے پیدا ہوا۔ حکیم ترمذی اور بیہقی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے مرفوعاً روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے تین دن میں ایک لاکھ چالیس ہزار کلمات موسیٰ علیہ السلام سے فرمائے جن میں سے کچھ حسب ذیل ہیں (1) اے موسیٰ زہد و تقویٰ سے بہتر انسان کا کوئی عمل نہیں (2) اے موسیٰ مجھ سے بہت قریب کرنے والی چیز حرام سے بچنا ہے (3) اے موسیٰ بہترین عبادت میرے خوف سے رونا ہے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے رب اے مخلوق کے مالک اے قیامت کے مالک اے ذوالجلال والاکرام ان لوگوں کو جزا کیا ملے گی فرمایا اے موسیٰ زاہدین کے لئے میری جنت حلال ہے۔ حرام سے پرہیز کرنے والوں کے لئے بے حساب بخشش ہے۔ میرے خوف سے رونے والوں کے لئے میں خود ہوں ان کا رفیق اعلیٰ (روح المعانی) روح المعانی نے اور بہت سے کلام نقل فرمائے **فخذما اتیتک** یہ عبارت معطوف ہے گزشتہ پر او رف عاطفہ یا یہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اور ف جزائیہ **خذ** کے معنی ہیں لو قبول کرو یا سنبھالو محفوظ رکھو **اتیتک** سے مراد یا توریت شریف ہے یا جناب کلیم کے سارے درجات و مراتب یعنی اے موسیٰ جو توریت یا جو درجات آپ کو دیئے گئے انہیں مضبوطی سے سنبھالے رہنا کوئی کام کوئی حرکت، جنبش ایسی نہ کرنا جو تمہارے درجہ کے خلاف ہو نعمت پانے سے نعمت سنبھالنا مشکل ہے۔ **وکن من الشکرین** یہ عبارت معطوف ہے **خذ** پر یا تو یہ دوسرا حکم ہے یا **خذما اتیتک** کا بیان یعنی ان نعمتوں کو اس طرح سنبھالو کہ ان کا شکریہ ادا کرتے رہو کہ شکر سے نعمت ضائع نہیں ہوتی بلکہ زائد ہوتی ہے شکر کے معنی اس کے اقسام شکر قولی، عملی اور دلی پھر ان کے احکام و درجات دوسرے پارہ میں **واشکروالی ولا تکفرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ابن ابی شیبہ نے بروایت کعب روایت کی کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ اس کے شکر کا طریقہ تو ہی مجھے بتا فرمایا کہ پڑھتے رہو **لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ لہ الملک ولہ الحمد وھو علی کل شیءٍ قدیر**۔ (روح المعانی) یہ شکر قولی ہے رہے شکر عملی وہ تو بے انتہا ہیں۔

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام غشی سے ہوش میں آئے اور وہ کلمات توبہ وغیرہ کے عرض کئے تو رب تعالیٰ نے جواب میں نہایت کرم نوازی سے فرمایا کہ اے موسیٰ اگرچہ ہم نے تم کو اپنا دیدار ہزار ہا حکمتوں کی بنا پر نہیں دیا مگر تم کو اور بہت سی نعمتیں بخشیں۔ ان ہی سے ایک یہ ہے کہ ہم نے تم کو تمام موجودہ انسانوں میں سے چن لیا خاص فرمایا کہ تم کو آیات توریت اور تختیاں عطا فرمائیں اور تم سے بلاواسطہ کلام فرمایا تم کو کلیم اللہ کا لقب دیا کہ تم نے ہمارا کلام خود ہم سے سنا تم ان نعمتوں کو ان درجات کو مضبوطی سے سنبھالے رہنا تمہارے اعمال احوال افعال ایسے ہوں جو تمہاری شان کے لائق ہوں اور تم ہمیشہ جنانی لسانی ارکانی ہر طرح کا شکر ادا کرتے رہنا۔ **روایت** ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کلام فرمایا تو اس وقت آپ اونی جبہ پہنے ہوئے تھے۔ جس میں بٹن کے بجائے کانٹے ببول کے تھے کمر پر پٹکا تھا طور کی ایک چٹان سے ٹیک لگائے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام لذت کلام سے بے خودی کی حالت میں پکار اٹھے کہ مولیٰ تو قریب ہے کہ تجھ سے مناجات (سرگوشی) کروں یا تو دور ہے کہ تجھے منادات (پکارنا) کروں فرمایا اے موسیٰ میں اپنی یاد کرنے والوں کا ہم نشین ہوتا ہوں اس کلام کے بعد جو آپ کے چہرہ انور کو دیکھتا

www.alahazratnetwork.org

تھا بے ہوش ہو جاتا تھا چنانچہ پھر آپ نے وفات تک اپنے چہرے پر نقاب رکھا ایک دن آپ کی زوجہ نے عرض کیا کہ میں آپ کے دیدار سے محروم ہوں آپ نے نقاب اٹھایا تو آپ کے چہرے سے سورج کی سی شعاعیں نمودار ہوئیں جس کی آپ تاب نہ لا سکیں آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا بولیں دعا کریں کہ میں جنت میں بھی آپ کی بیوی رہوں فرمایا اگر اس کی آرزو ہے تو میرے بعد کسی سے نکاح نہ کرنا کہ عورت اپنے آخری خاوند کے ساتھ ہوگی (روح البیان) اسی لئے حضور ﷺ کی ازواج حضور کی وفات کے بعد کسی سے نکاح نہیں کر سکتیں **ولا ان تنکحوا ازواجہ من بعدہ ابدا۔**

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ ان کا دل میلا نہیں ہونے دیتا یہ فائدہ **انی اصطفیتک** سے حاصل ہوا دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو دیدار الٰہی میسر نہ ہونے کا غم ہو سکتا تھا رب تعالیٰ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے میرے کلیم میں نے تم کو بڑے بڑے درجات سے نوازا ہے یہ کلام تسلی کے لئے ہے اگر وہ حضرات کسی مومن کی شفاعت کریں تو ناممکن ہے کہ رب ان کی شفاعت قبول نہ فرمائے ان کا دل میلا ہونے دے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کی دھلیں   کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا

اگر حضور چاہیں تو ہم جیسے کمزوروں کا بیڑا پار لگوا دیں ہم جیسے فاجروں فاسقوں کو متقی بنا دیں۔ شعر اعلیٰ حضرت۔

ایک میں کیا مرے عصیاں کی حقیقت کتنی   مجھ سے سو لاکھ کو کافی ہے اشارہ تیرا

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی خصوصی درجہ عطا فرمایا جس سے وہ حضرات دوسروں سے ممتاز ہوئے۔ یہ فائدہ **انی اصطفیتک** سے حاصل ہوا چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو توریت اور اپنی ہم کلامی سے نوازا مگر خیال رہے کہ حضور ﷺ کی اس میں شان نرالی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضرت موسیٰ علیہ السلام جناب ہارون علیہ السلام سے افضل ہیں کہ آپ سلطان ہیں اور حضرت ہارون وزیر اعظم قرآن مجید میں ہے **"وزیرا من اھلی"** بلکہ اپنے ماں باپ بلکہ حضرت خضر علیہ السلام سے بھی افضل کہ وہ حضرات بھی الناس میں داخل ہیں یہ فائدہ علی الناس سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** موسیٰ علیہ السلام پہلے صاحب کتاب اور صاحب شریعت پیغمبر ہیں گذشتہ بعض نبیوں کو صحیفے عطا ہوئے یہ فائدہ **برسلتی** سے حاصل ہوا کہ رسالۃ سے مراد توریت شریف کی آیات ہیں اس سے مراد صرف نبوت نہیں کہ نبوت تو آپ سے پہلے اور نبیوں کو بھی عطا ہو چکی تھی۔ **پانچواں فائدہ:** جسے اللہ تعالیٰ کوئی خصوصی درجہ عطا کرے اسے چاہئے کہ وہ اس درجہ کو سنبھالے نعمت ملنا اور چیز ہے اور نعمت سنبھالنا کچھ اور یہ فائدہ **فخذ ما اتیتک** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ ہر مومن کو چاہئے کہ اپنے ایمان و اعمال کی حفاظت کرے مگر حق یہ ہے کہ۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم   الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

سلامتی ایمان و اعمال بھی مدینہ والے سرکار کے کرم سے ہو سکتی ہے سفر دراز ہے منزل دور ہے راستہ پر خطر ہے قدم قدم پر ڈکیتی کا اندیشہ ہے جب خیریت سے یہ سب کچھ پل صراط کے پار ہو جاویں تب سمجھیں کہ محنت ٹھکانے لگی۔

www.alahazratnetwork.org

راہ پر خار ہے کیا ہونا ہے پاؤں انگار ہے کیا ہونا ہے

چھٹا فائدہ: ہر شخص کو نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے پھر جیسی نعمت ویسا شکر یہ شکر نعمت کو سنبھالنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ فائدہ **وکن من الشکرین** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کا اصطفاء یعنی چناؤ ہوا تو چاہئے کہ ان کو بھی مصطفیٰ کہا جاوے حالانکہ مصطفےٰ صرف۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو کہا جاتا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ وصف اور چیز ہے لقب کچھ اور لقب رب تعالیٰ کی طرف سے خصوصی عطا ہے دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں **واخلق لکم من الطین کھیئتہ الطیر** مگر آپ کو کسی معنی سے خالق نہیں کہہ سکتے۔ دوسرے یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو خاص اصطفاء عطا ہوا برسالاتی و بکلامی مگر حضور ﷺ کو مطلق اصطفاء عطا ہوا کہ آپ کا ہر وصف ہر حال ہر عمل مصطفےٰ یعنی چنا ہوا ہے لہذا یہ لفظ مصطفےٰ حضور ہی کے لئے بجتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور انور اور موسیٰ علیہ السلام کے چناؤ میں چند طرح فرق ہے کلیم اللہ کا چناؤ وقتی تھا حضور کا چناؤ دائمی ازلی ابدی۔ موسیٰ علیہ السلام کا چناؤ خاص جگہ کے لئے تھا حضور انور کا چناؤ ہر جگہ کے لئے۔ موسیٰ علیہ السلام کی ذات کا چناؤ ہوا حضور انور کی ذات آپ کے اوصاف آپ کے افعال احوال حتیٰ کہ آپ کے کھانے پینے سونے جاگنے نکاح کرنے حتیٰ کہ آپ کے شہر مدینہ منورہ کا چناؤ ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو رب نے اپنے کلام کے لئے چنا حضور انور کو اپنی ذات کے لئے چنا کہ حضور رب کے ہیں اور رب حضور کا حتیٰ کہ جو حضور کا ہو جاوے وہ بھی رب کا ہے بادشاہ کچھ موتی اپنے دوستوں بال بچوں کے لئے چنے اور ایک شاندار موتی اپنے تاج میں لگانے کے لئے چنے ان چناؤ میں بڑا فرق ہے۔ **دوسرا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نبی ہیں اور نبی فرشتوں سے افضل ہوتے ہیں پھر **علی الناس** کیوں ارشاد ہوا۔ **علی الخلق** کیوں نہ فرمایا۔ **جواب**: اس کے کئی جواب ہیں آسان جواب یہ ہے کہ انسان دوسری مخلوق سے افضل ہے۔ **و لقد کرمنا بنی ادم** جب موسیٰ علیہ السلام دوسرے انسانوں سے افضل ہوئے تو ساری خلقت سے افضل ہوئے۔ **تیسرا اعتراض**: جب موسیٰ علیہ السلام سارے انسانوں سے افضل ہوئے تو چاہئے کہ حضور ﷺ سے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے بھی افضل ہوں مگر تم کہتے ہو کہ حضور ﷺ سید المومنین ہیں (یہودی) **جواب**: **الناس** میں الف لام استغراقی نہیں بلکہ عہدی ہے۔ آپ اس زمانہ کے سارے لوگوں سے افضل تھے نہ کہ تمام زمانہ کے لوگوں سے۔ **چوتھا اعتراض**: زمانہ موسوی میں حضرت خضر علیہ السلام بھی موجود تھے تو کیا آپ ان سے بھی افضل ہیں اگر افضل ہیں تو آپ ان کی شاگردی کرنے کیوں گئے۔ **جواب**: واقعی موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر سے افضل ہیں کہ آپ صاحب شریعت صاحب کتاب صاحب کلام نبی ہیں۔ خضر علیہ السلام میں یہ خصوصیات نہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی خصوصیت سے عطا ہوا یہ ان کی جزوی فضیلت ہے انشاء اللہ ہم سولہویں پارے کی تفسیر میں عرض کریں گے کہ موسیٰ علیہ السلام نے شاگردی کی خواہش کی مگر شاگردی کی نہیں صرف چند حرف کے کہ

www.alahazratnetwork.org

مجھ سے کوئی بات مت پوچھنا حالانکہ شاگرد تو پوچھنے کیلئے ہوتے ہیں استاد بتانے کے لئے اس قید سے پتہ لگا کہ آپ شاگرد نہیں بنا رہے ہیں بعض باتیں دیکھ کر واپس آگئے بلکہ خضر علیہ السلام نے آپ کو اپنا شاگرد نہیں بننے دیا اسی لئے کڑی شرط لگالی یہ سب کچھ من اللہ تعالیٰ تھا۔ خیال رہے کہ خضر علیہ السلام ہمارے حضور کے امتی اور صحابی ہیں بیعت الرضوان میں حضور انور سے بیعت کر چکے ہیں انشاء اللہ اس کی تحقیق ہم سورہ الفتح شریف کی آخری آیات کی تفسیر میں کریں گے اگر اللہ تعالیٰ نے اتنی زندگی اور توفیق بخشی **وما ذلک علی اللہ بعزیز**۔ **پانچواں اعتراض**: **رسالتہ** مصدر ہے جو واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے پھر رسالات جمع کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ جب مصدر کی نوعیتیں بیان کرنا ہوں تو جمع لایا جاتا ہے **جلستہ جلسات' یا ضربتہ' ضربات**۔ یہاں رسالتوں کی بہت سی نوعیتیں بتانا مقصود ہیں چونکہ کلام ایک ہی نوعیت کا تھا اس لئے وہ واحد ہی لایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے الست کے دن ہر نبی کو کسی نہ کسی کمال کے لئے منتخب فرمایا تھا دنیا میں تشریف لانے پر ان کے اس انتخاب کا ظہور ہوا۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو رسالت و کلام کے لئے منتخب فرمالیا گیا تھا جس کا ظہور طور کے اس واقعہ پر ہوا اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کو اپنے دیدار خاص کے لئے منتخب فرمایا تھا جس کا ظہور معراج کی رات ہوا **اصطفیتک** فرمانے میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ اے موسیٰ تمہارا یہ انتخاب آج نہیں بلکہ پہلے ہی ہو چکا ہے۔ دوسرا یہ کہ تمہارا انتخاب تو ہوا ہے کلام کے لئے اور تم مانگ رہے ہو دیدار یہ تو تمہارے انتخاب کے علاوہ کی چیز ہے تمہیں کیسے عطا ہو یہ تو کسی اور ہی کا حصہ ہے۔ ہم نے جو تم کو رسالت' کلام وغیرہ عطا کیا اسی کو قبول کرو اسی پر قناعت کرو۔ تمہارے خمیر میں اس کی طاقت شامل کی گئی ہے ہاں اس نعمت کا شکریہ ادا کرو تو تم کو عنقریب دیدار بھی عطا کیا جاوے گا کہ **لئن شکرتم لازیدنکم** شکر پر زیادتی نعمت کا وعدہ ہے وہ زیادتی کیا ہے رب کا دیدار فرماتا ہے **للذین احسنوا الحسنی و زیادۃ** نیک کاروں کے لئے جنت بھی ہے اور زیادتی بھی۔ زیادتی کیا ہے رب کا دیدار جو محض اس کے فضل سے ملے گا اور اے موسیٰ تم اکیلے ہی شکر نہ کرو بلکہ شکر بھی کرو اور شاکرین کی جماعت میں داخل ہو (از روح البیان مع زیادہ)۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِن كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

اور تحریر فرمادی ہم نے واسطے ان کے تختیوں میں ہر چیز کی نصیحت (وعظ) اور تفصیل ہر چیز کی بس اے

اور ہم نے اس کے لئے تختیوں میں لکھ دی ہر چیز کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل اور فرمایا اے موسیٰ اسے

فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَأْخُذُوا بِأَحْسَنِهَا ۚ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ (145)

ساتھ طاقت کے اور حکم دو قوم کو اپنی پس اچھی خبر ہی اس کے قریب ہی دکھاؤں گا میں تم کو گھر بدکاروں کا

مضبوطی سے لے اور اپنی قوم کو حکم دے کہ اس کی اچھی باتیں اختیار کریں عنقریب ہی تمہیں دکھاؤں گا بے حکموں کا گھر

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اے موسیٰ ہم نے تم کو اپنی رسالتوں سے چن لیا اب ان رسالتوں اور پیغامات کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے یعنی وہ رسالتیں کیا تھیں توریت شریف کی آیتیں گویا یہ آیت گذشتہ آیت کی تفصیل ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اے موسیٰ ہم نے تم کو اپنے کلام سے چن لیا ایک کلام وقتی طور پر تھا جو طور پر ہوا دوسرا کلام دائمی جو توریت میں آپ سے کہا گیا وقتی کلام کے ذکر کے بعد دائمی کلام کی عطا کا ذکر ہے گویا تقریری کلام کے بعد تحریری کلام کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو حکم تھا کہ ہمارے اس چناؤ کو مضبوطی سے پکڑو اب اس مضبوطی سے پکڑنے کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ اس کتاب کو پختگی سے تھامو **فخذها بقوة**۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کو شکر کرنے کا حکم دیا گیا کہ **کن من الشکرین** اب اس شکر کی تفصیل فرمائی جارہی ہے کہ خود بھی توریت پر عمل کرو اور اپنی قوم کو بھی عمل کا حکم دو **وامر قومک** ہر چیز ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے نبوت کا شکریہ یہ ہے کہ لوگوں کو ہدایت دی جاوے علم دین کا شکریہ ہے کہ تبلیغ دینی کی جاوے۔

تفسیر: وکتبنا له ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ **قال یموسی** پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ ہو چونکہ توریت موسیٰ علیہ السلام کو ایک دم اور لکھی ہوئی ملی وہ قرآن مجید کی طرح جبریل علیہ السلام کی زبانی حسب توقع حسب ضرورت نہ عطا ہوئی اس لئے **کتبنا** ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ توریت کی تحریر ایک تو لوح محفوظ میں ہوئی وہ تو زمین و آسمان کے بننے سے پہلے ہوئی ساری آسمانی کتب اس میں لکھی گئیں **بل هو قرآن مجید فی لوح محفوظ** اور ایک تحریر توریت کی تختیوں میں ہوگی یہ یکم ذی الحجہ کو شروع ہوئی نویں کو ختم ہوئی دسویں کو عطا ہوئی اس تحریر کے قلم چلنے کی آواز موسیٰ علیہ السلام سنتے تھے (خازن) یہاں یہ ہی دوسری تحریر مراد ہے جیسا کہ فی الالواح سے ظاہر ہے یہ تحریر حضرت جبریل علیہ السلام نے بحکم خداوندی اس قلم سے کی جس سے ذکر لکھا گیا تھا نور کی نہر سے روشنائی لی گئی (خازن۔بیان) اس کے متعلق اور کئی روایات ہیں چونکہ یہ تحریر رب تعالیٰ کے حکم سے ہوئی تھی اس لئے **کتبنا** ارشاد ہوا یعنی ہم نے لکھی۔ قرآن مجید ستائیسویں رمضان کی شب یعنی شب قدر میں سارا کا سارا لوح محفوظ سے نقل کر کے پہلے آسمان پر بیت العزت میں لایا گیا رب فرماتا ہے **شهر رمضان الذی انزل فیه القرآن** اور فرماتا ہے **انا انزلنه فی لیلة القدر** پھر پہلے آسمان بیت العزت سے تیئیس سال میں حضور انور پر اتارا گیا۔ **له** کی ضمیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے یعنی **لاعطاءه** ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دینے کے لئے یہ کتاب لکھی ورنہ عمل کے لئے تو سارے بنی اسرائیل کے لئے لکھی گئی تھی یا یوں کہو کہ قوم کے لئے عمل کے واسطے لکھی موسیٰ علیہ السلام کے لئے عمل اور علم تمام علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ ہر شے کی تفصیل کے لئے لکھی گئی لہٰذا **له** فرمانا بالکل درست ہے یا یوں کہو کہ براہ راست تو موسیٰ علیہ السلام کے لئے لکھی گئی ان کے واسطے ان کے وسیلے سے دوسروں کے لئے کہ کتاب پر عمل نبی کراتے ہیں اس لئے قرآن مجید کے متعلق کہیں ارشاد ہے کہ اے محبوب ہم نے آپ پر ہی اتارا ہے اے مسلمانو ہم نے تم سب پر یا تم سب کی طرف اتارا مختلف نسبتیں مختلف اعتبار سے ہیں **فی الالواح** اس کا تعلق **کتبنا** سے ہے الواح جمع ہے لوح کی، معنی تختی اس میں بہت گفتگو ہے کہ یہ تختیاں کس چیز کی تھیں۔ کتنی تھیں اور کتنی بڑی تھیں اس کے متعلق علماء کرام کے بہت قول ہیں۔ (1) حسن بصری فرماتے ہیں کہ لکڑی کی تھیں (2) کلبی فرماتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

بہترین زبرجد کی تھیں (3) سعید ابن جبیر کہتے ہیں کہ سرخ یاقوت کی تھیں (4) ابن جریج کہتے ہیں کہ زمرد کی تھیں (5) بعض علماء فرماتے ہیں کہ بیری کی لکڑی کی تھیں (6) وھب کہتے ہیں کہ پتھر کی تھیں ان تختیوں کی تعداد میں بھی گفتگو ہے ا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ سات تھیں 2۔ فراء کہتے ہیں کہ صرف دو تھیں یہاں دو پر الواح جمع بولا گیا ہے جیسے **فقد صغت قلوبکما** میں دو دلوں کو قلوب جمع فرمایا۔ 3۔ وھب فرماتے ہیں کہ کل دس تھیں۔ 4۔ مقاتل کہتے ہیں کہ کل نو تھیں۔ 5۔ ربیع ابن انس کہتے ہیں کہ جب توریت اتری ہے تو ستر اونٹ کا وزن تھیں۔ توریت شریف صرف چار صاحبوں نے حفظ کی موسیٰ علیہ السلام۔ یوشع ابن نون۔ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام (خازن' روح المعانی وغیرہ) عام مفسرین فرماتے ہیں کہ ان تختیوں کی لمبائی موسیٰ علیہ السلام کے قد کے برابر دس ہاتھ تھی (روح البیان' خازن وغیرہ) مگر احتیاط یہ ہے کہ ان امور میں بحث نہ کی جاوے ان پر کوئی صریحی نص وارد نہیں ہوئی (تفسیر کبیر) توریت شریف میں بہت چیزیں تھیں مگر دو چیزیں بہت اہم تھیں ایک تو **من کل شیء موعظتہ** اس عبارت کی ترکیب یہ ہے کہ اس میں من زائدہ ہے۔ بعضیت کے لئے اور **کل شیء کتبنا** کا مفعول ہے موعظہ بیان ہے **کل شیء** کا اور **کل شیء** سے مراد احکام شرعیہ ہیں جن پر حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی عمل فرماویں اور بنی اسرائیل بھی یعنی ہم نے توریت پر یہ حکم شرعی لکھا جو ان سب کے لئے وعظ و نصیحت تھا (روح البیان)۔ خیال رہے کہ توریت شریف سے پہلے آسمانی صحیفے مختلف پیغمبروں پر آئے مگر ان میں دعائیں اخلاقی باتیں وغیرہ تھیں۔ باقاعدہ شرعی احکام توریت شریف میں آئے ان میں عبادات' معاملات' جرموں پر سزائیں وغیرہ سب کچھ تھا جیسا کہ **من کل شیء** سے معلوم ہو رہا ہے توریت شریف میں دوسری اہم خبر یہ تھی کہ **وتفصیلا لکل شیء** اس عبارت میں تفصیل معطوف ہے **موعظتہ** پر **لکل شیء** متعلق ہے تفصیل کے۔ تفصیل کے معنی ہیں ہر چیز کو علیحدہ علیحدہ بیان فرمانا یہ بنا ہے فصل سے۔ بمعنی جدائی علیحدگی یہاں **کل شیء** سے مراد سارے واقعات عالم ہیں اس سے مراد احکام شرعیہ نہیں ہو سکتے کیونکہ ان کا ذکر تو پہلے **من کل شیء** سے ہو چکا مگر یہ تفصیل و رموز و اشارات ہی تھی جو موسیٰ علیہ السلام اور ان کے کرم سے خاص علماء نے ہی سمجھیں ہر ایک نہ سمجھے۔

روایت: بیہقی نے دلائل الاعجاز میں اور طبرانی نے حضرت محمد ابن یزید ثقفی سے روایت کی کہ قیس ابن خرشہ اور کعب احبار نے ایک ساتھ سفر کیا راہ میں مقام صفین پر گزرے وہاں کعب احبار ٹھہر گئے ادھر ادھر دیکھا پھر بولے کہ اس زمین میں مسلمانوں کی ایسی خونریزی ہو گی کہ ایسی کہیں نہ ہو گی قیس بولے کہ یہ تو علوم غیبیہ سے ہے تمہیں کیسے معلوم ہوا کعب بولے زمین کا کوئی چپہ کوئی حصہ نہیں جس پر واقع ہونے والے قیامت تک کے واقعات توریت میں نہ لکھے ہوں۔ ہر واقعہ توریت میں موجود ہے (روح المعانی) اس روایت سے پتہ لگا کہ توریت میں علوم غیبیہ کی تفصیل تھی صرف شرعی احکام ہی نہ تھے یہ تحقیق خیال میں رہے **فخذھا بقوۃ** یہ عبارت معطوف ہے **کتبنا** پر اور ف عاطفہ ہے اس کے بعد **امرنا** یا **قلنا** پوشیدہ ہے۔ **خذ** میں خطاب ہے موسیٰ علیہ السلام سے توریت کو لینے سے مراد ہے اس کے احکام پر عمل کرنا اس کے ارشادات میں غور کرنا۔ ممکن ہے کہ اسے حفظ کرنا بھی مراد ہو چونکہ توریت کے احکام بہت سخت تھے اور سارے کے سارے یکدم آ گئے تھے نیز اس کے اشارات بہت باریک تھے اس کا حفظ کرنا بہت ہی مشکل تھا ان وجوہ سے فرمایا گیا **بقوۃ** اور خطاب کیا گیا صرف موسیٰ علیہ السلام کو

www.alahazratnetwork.org

یعنی اے موسیٰ آپ اپنی پوری قوت و طاقت سے توریت کے احکام پر عمل کریں اس کے اشارات میں غور کریں اس کی غیبی خبریں معلوم کریں اسے حفظ کریں یہ حکم آپ کو ہے اسرائیلیوں کو نہیں **وامر قومک یاخذو باحسنھا** معطوف ہے **خذھا** پر **امر** سے مراد ہے وجوبی تاکیدی حکم یعنی تم بنی اسرائیل سے کہو کہ یہ توریت کتاب اللہ ہے جو مجھے رب نے تنہائی میں دی اور یہ بھی کہو کہ اس پر عمل کریں یہ سب کچھ ایک تمہاری زبان سے ہو گا۔ **قومک** سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی نسبی قوم یعنی بنی اسرائیل ہیں کیونکہ توریت صرف انہیں کے لئے آئی تھی وہ ہی اس کے مکلف تھے یہاں پکڑنے سے مراد ہے عمل کرنا کہ عمل کرنا سب پر فرض تھا اس کے اشارات میں غور کرنا صرف موسیٰ علیہ السلام اور علماء پر ضروری تھا عوام پر نہ تھا احسن یا تو بمعنی حسن ہے لہٰذا اس سے سارے احکام شرعیہ مراد ہیں کہ وہ سب ہی اچھے تھے یا احسن اپنے ہی معنی میں ہے تب اس کی بہت توجیہیں ہیں۔ (1) فرائض و واجبات تو احسن تھے۔ اولاً ہر عمل کرنا فرض تھا۔ نوافل و مستحبات حسن تھے ان پر عمل کرنا فرض نہ تھا صرف ثواب تھا (2) توریت کے عزیمت والے احکام احسن تھے یعنی بہت ہی اچھے اور رخصت والے احکام حسن یعنی اچھے تھے ان پر عمل فرض نہ تھا (3) صرف فرائض ادا کرنا احسن تھا اور فرائض و نوافل و مستحبات جمع کرنا حسن تھا (4) مجرم کو معاف کر دینا اس کے ظلم پر صبر کرنا احسن تھا۔ بدلہ لینا حسن تھا (از خازن و روح البیان وغیرہ) یا شریعت کے احکام احسن تھے جن پر عمل لازم تھا اور طریقت کے احکام جن پر عمل بہتر تھا حسن نماز میں رکوع سجود فرض ہے دلی اخلاص سے نماز پڑھنا حسن۔ دوزخ سے بچنے جنت حاصل کرنے کے لئے نماز پڑھنا احسن ہے رضاء الٰہی کیلئے حسن۔ گرمی کے روزے احسن تھے سردی کے روزے حسن (روح المعانی) بہرحال توریت کے سارے احکام اچھے تھے مگر بعض صرف اچھے اور بعض بہت ہی اچھے چونکہ توریت پوری کی پوری حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی تھی اور توریت کے الفاظ معانی بنی اسرائیل کو ملے وہ اس کے اسرار تک نہ پہنچ سکتے تھے اس لئے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **فخذھا** اور بنی اسرائیل کے لئے فرمایا **یاخذ وا باحسنھا** یہ فرق یاد رہے۔ **ساوریکم دار الفسقین** اس فرمان عالی میں توریت پر عمل کرنے پر بشارت ہے یا عمل نہ کرنے پر دھمکی لہٰذا **فاسقین** سے مراد یا تو فرعونی لوگ ہیں اور **دار فاسقین** سے مراد ملک مصر یعنی اگر تم توریت پر عامل رہے تو عنقریب مصر اور فرعونی عمارات کا تم کو مالک بنا دوں گا تم کو وہاں بساؤں گا یا فاسقین سے مراد گزشتہ ہلاک شدہ قومیں ہیں قوم عاد و ثمود وغیرہ اور دار فاسقین سے مراد ان کی اجڑی بستیاں ہیں یا دار فاسقین سے مراد دوزخ کے طبقے ہیں جہاں کفار رکھے جائیں گے یعنی اگر تم نے نافرمانی کی تو تم کو عبرت کے لئے ہلاک شدہ قوموں کی اجڑی بستیاں دکھاؤں گا یا بعد قیامت تم کو دوسرے کفار کے ساتھ دوزخی طبقوں میں رکھا جاوے گا (تفسیر خازن۔ روح المعانی۔ بیان۔ کبیر وغیرہ) بہرحال یہ فرمان ترغیب و ترہیب دونوں کا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ دار فاسقین سے مراد جبارین اور قوم عمالقہ کی بستیاں ہیں اور دکھانے سے مراد اسرائیلیوں کو وہاں داخل کر دینا ہے فاتحانہ شان سے اور وہاں کا بادشاہ بنا دینا (روح المعانی) یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ہوا حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں۔ تو منشا یہ ہے کہ جیسے جنگ سے پہلے فوج کو جنگ کی ٹریننگ دی جاتی ہے ایسے ہی مومن کو چاہئے کہ جہاد سے پہلے روحانی ٹریننگ کرے گناہ سے کنارہ کشی ذکر اللہ کی کثرت لہٰذا یہ بھی جنگ کی روحانی تیاری ہے ذکر اللہ تقویٰ وہ ہتھیار ہے جو مومن کے پاس ہے کافر کے پاس نہیں یعنی اے اسرائیلیو چونکہ تم کو قوم جبارین پر فتح دینا ان کے

www.alahazratnetwork.org

ملک کا بادشاہ بنانا ہے لہذا تم توریت پر عمل کرو۔ خیال رہے کہ ایک قراءۃ میں **ساوریکم** ہے واؤ کے ساتھ یہ لفظ یا توری سے بنا۔ معنی اشارۃ "بتانا دکھانا" اسی سے ہے **توریہ** یا بنا ہے **رای** سے باب افعال میں اس کا مصدر اراءۃ ہے اس میں واؤ زائدہ ہے جیسے **اهریق** میں ہ زائدہ ہے یہ اصل میں **ساوریکم** تھا اور ہو سکتا ہے کہ **ارٰی** کے پیش کو اشباع کیا گیا یعنی کھینچ کر پڑھا گیا ہو جس سے واؤ بن گیا جیسے قرآن مجید میں ہے **ویخلدفیہمهانا** یکھو فیہ کی ضمیر کا کسر کھینچ کر پڑھا جاتا ہے جس سے ی کی آواز پیدا ہوتی ہے یا **اوریکم** تھا و ہمزہ سے بقاعدہ صرفی دو سرا ہمزہ واؤ بن گیا۔

خلاصہ تفسیر: ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے اس موقعہ پر توریت تختیوں میں لکھی توریت میں دو چیزیں خصوصی طور پر تھیں سارے شرعی احکام کی نصیحت یہ بنی اسرائیل کے عمل کے لئے تھی دوسرے ہر چیز کی تفصیل جن میں علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ رموز و اشارات وغیرہ یہ موسیٰ علیہ السلام اور علماء بنی اسرائیل کے لئے تھی ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ آپ توریت کو مضبوطی سے پکڑلیں کہ اس پر پوری طور پر عمل کریں اس کے علوم اپنے سینہ میں جمع کریں اور اپنی قوم بنی اسرائیل کو حکم دیں کہ توریت میں عام احکام اچھے ہیں مگر بعض احکام بہت ہی اچھے۔ ان بہت ہی اچھے احکام پر ضرور بالضرور عمل کریں کہ وہ واجبات اور فرائض ہیں باقی اچھے احکام پر بھی کریں تو اچھا ہے کہ وہ مستحبات و نوافل ہیں اگر انہوں نے توریت پر عمل کیا تو ہم ان کو فرعونیوں کی بستی مصر کا بادشاہ بنادیں گے یہ انعام تو دنیا میں ملے گا اور اخروی انعام اس کے علاوہ ہے۔

حکایت: حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام جب توریت لائے اور اس کا مطالعہ کیا تو رب سے عرض کیا کہ مولیٰ میں نے توریت میں ایک امت کا ذکر پڑھا کہ وہ خیر الامم ہوگی اچھی باتوں کا حکم کرے گی بری باتوں سے منع تمام کتب پر ایمان لائے گی ہمیشہ جہاد کرے گی حتی کہ دجال سے جہاد کرے گی خدایا وہ امت مجھے دے فرمایا اے موسیٰ وہ امت محمد مصطفےٰ ﷺ ہے عرض کیا مولیٰ ایک ایسی امت کا ذکر پڑھا جو رب تعالیٰ کی بہت حمد کرے گی۔ سورج کی رفتار کی پیمائش کرے گی ہر ارادے پر انشاء اللہ کہے گی مولیٰ وہ امت مجھے دے فرمایا وہ امت محمد مصطفےٰ ہے عرض کیا مولیٰ میں نے ایسی امت کا ذکر بھی پڑھا جو اپنی قربانیاں کفارات و صدقات خود کھایا کرے گی نبیی آگ سے جلوایا نہ کرے گی رب ان کی مانے گا وہ امت مجھے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا مولیٰ ایک امت کا میں نے ذکر پڑھا کہ وہ رب کی مانے گی رب ان کی مانے گا وہ قیامت میں شفاعت کرے گی اسی کی شفاعت قبول ہوگی مولیٰ وہ امت مجھے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا میرے مولیٰ ایسی امت کا ذکر بھی میں نے پڑھا جو سفر میں بلندی پر چڑھتے وقت تکبیر کہے گی نشیب میں اترتے وقت حمد کریگی ساری زمین اس کی مسجد ہوگی مٹی اس کی طہارت کا ذریعہ (تیمم) ان کے چہرے ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکیں گے وہ امت مجھے دے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا اے مولیٰ ایسی امت کا ذکر بھی میں نے پڑھا جو نیکی کا ارادہ کرنے پر ایک نیکی کا ثواب پائے گی اور کرلینے پر دس گنا سے سات سو گنا تک ثواب پائے گی وہ امت مجھے دے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے عرض کیا میں نے ایسی امت کا ذکر بھی پڑھا ہے جن کی کتاب ان کے سینوں میں ہوگی ان کی نماز کی صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح ہوں گی وہ مسجدوں میں ذکر الٰہی ایسا کرے گی جیسے شہد کی مکھیاں تو انہیں پیار اوہ تجھے پیاری وہ امت مجھے دے دے فرمایا وہ امت محمدیہ ہے آخر میں عرض کیا کہ مولیٰ پھر تو مجھے محمد مصطفےٰ کے اصحاب میں سے کردے اس سوال پر رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وہ بشارتیں دیں جو یہاں مذکور ہیں **انی**

www.alahazratnetwork.org

اصطفیتک علی الناس سے **دار الفسقین** تک اس پر موسیٰ علیہ السلام بہت ہی خوش ہوئے (تفسیر خازن) مقاتل کہتے ہیں کہ توریت کی ابتدا میں یہ تھا کہ میں اللہ رحمن و رحیم ہوں میرا شریک کسی کو نہ بناؤ ڈکیتی نہ کرو زنا نہ کرو۔ ماں باپ کی نافرمانی نہ کرو۔ (روح البیان)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن مجید توریت سے زیادہ افضل زیادہ عام ہے چند وجہ سے (1) توریت لکھی ملی قرآن مجید پڑھا ہوا نازل ہوا پڑھنے سے وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو لکھنے سے نہیں حاصل ہوتے (2) توریت ایک دم آئی قرآن آہستہ آہستہ تیئیس سال میں (3) توریت کی آیاتؐ کا شان نزول کوئی نہ تھا مگر قرآنی آیات کے مختلف شان نزول ہیں کہ بہت سے احکام کی آیتیں حضرات صحابہ سے کسی واقعہ پر ہوئیں جیسے تیمم کی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہونے پر نازل ہوئی تاکہ تاقیامت لوگوں پر ان حضرات کا احسان رہے (4) توریت شریف صرف بنی اسرائیل کے لئے آئی قرآن ساری خدائی کے لئے (5) توریت شریف ایک خاص وقت تک کے لئے آئی قرآن مجید ہمیشہ کے لئے (6) توریت میں صرف احکام یا علوم غیبیہ تھے قرآن میں شفا بھی ہے ہر مرض کی دوا بھی۔ رب فرماتا ہے **وننزل من القران ما ھو شفاء ورحمۃ للمومنین** قرآن مجید میں سوز و گداز بھی ہے کہ بغیر سمجھے ہوئے پڑھو جب بھی تڑپا رتا ہے فرماتا ہے **تری اعینھم تفیض من الدمع**۔ (7) توریت پر عمل کرنے سے دار فاسقین کی حکومت کا وعدہ ہوا قرآن پر عمل کرنے سے ساری روئے زمین پر حکومت کا وعدہ ہوا **وعد اللہ الذین امنوا وعملوا الصلحت یستخلفنھم فی الارض** وغیرہ (8) توریت کی ترتیب اس کا جمع فرمانا رب کی طرف سے ہوا مگر قرآن مجید کی ترتیب حضور انور نے دی تاکہ حضور کے علم غیب کا پتہ لگے کہ مدینہ میں بیٹھے ہوئے لوح محفوظ کو دیکھتے ہیں کہ وہاں کی ترتیب کے مطابق کیا۔ فائدہ **کتبنا۔ موعظتہ تفصیلا** اور **وامر قومک** سے حاصل ہوا غرضیکہ جیسے حضور سید الانبیاء افضل الرسل ہیں ویسے ہی حضور کا قرآن افضل الکتب ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کتاب اللہ صرف نبی کے لئے آتی ہے پھر نبی کے ذریعہ ان کی تفسیر سے امت کو ملتی ہے یہ فائدہ **وکتبنا لہ** سے حاصل ہوا غرضیکہ نبی نزول کتاب کا منتہا ہوتے ہیں اور تبلیغ کتاب کا مبدا۔ **تیسرا فائدہ:** کتاب اللہ کی حفاظت نبی کے ذریعہ سے ہوتی ہے نبی اسے مضبوط پکڑتے ہیں تو کتاب محفوظ رہتی ہے یہ فائدہ اشارۃً **"فخذھا بقوۃ** سے حاصل ہوا اسی لئے نبوت منسوخ ہوتے ہی کتاب منسوخ ہو جاتی ہے ہمارے نبی کی نبوت منسوخ نہیں تو قرآن مجید بھی منسوخ نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کتاب اللہ پر عمل نبی کے حکم سے فرض ہوتا ہے جس آیت پر عمل کرنے سے نبی روک دیں اس پر عمل حرام ہوتا ہے یہ فائدہ **وامر قومک** سے حاصل ہوا قرآن مجید میں ایسی آیات موجود ہیں جن پر عمل نہیں ہوتا کیوں اس لئے کہ نبی نے منع فرمادیا۔ قرآن مجید کے بعض احکام پر عمل سب پر فرض جیسے **اقیموا الصلوۃ** بعض احکام پر عمل کچھ لوگوں پر ہے سب پر نہیں جیسے **واتوا الزکوۃ** بعض احکام پر عمل صرف بہتر ہے جیسے قرض کی تحریر بعض احکام پر عمل صرف جائز جیسے احرام سے فارغ ہونے پر شکار کرنا یہ تمام فرق نبی نے کئے۔ توریت کا کتاب اللہ ہونا یہ نبی کی صرف ایک زبان سے ثابت اس پر عمل نبی کے فرمان سے ہے۔ اس کی نفیس بحث ہم پہلے پارے میں **ماننسخ من ایتہ** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** توریت شریف کی تختیاں، قلم روشنائی تحریر یا لکھائی سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے تھا اسے انسانی

www.alahazratnetwork.org

صنعت سے بچایا گیا تھا یہ فائدہ **کتبنا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** توریت شریف میں شریعت موسوی کے سارے احکام موجود تھے اور اس میں سارے علوم غیبیہ بھی تھے۔ احکام شرعیہ بنی اسرائیل کے لئے اور علوم غیبیہ اسرار الٰہیہ موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاص خدام کے لئے یہ فائدہ دو جگہ **کل شیء** فرمانے سے حاصل ہوا ایک تو **موعظۃ** کے ساتھ دوسرے تفصیل کے ساتھ کہ فرمایا **وتفصیلا لکل شیء**۔ **ساتواں فائدہ:** کتاب اللہ کے متعلق کسی امتی کا علم نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ نبی ساری کتاب کے پورے عالم ہوتے ہیں امتی اس کے کچھ حصے کے دیکھو یہاں موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا **خذھا بقوۃ** پوری توریت پوری قوت سے لے لو مگر بنی اسرائیل کے متعلق ارشاد ہوا **یاخذوا باحسنھا** پوری کتاب نہیں بلکہ اس کا ایک حصہ لو یہاں **بقوۃ** بھی ارشاد نہیں ہوا۔ قرآن کو جیسا حضور ﷺ نے جانا اور سمجھا ویسا انسان تو کیا حضرت جبریل نے بھی نہ جانا نہ سمجھا۔ حضور کے لئے قرآن **تبیانا لکل شیء** تھا یعنی ہر چیز کا بیان اور پھر پڑھایا خاص رحمٰن نے فرماتا ہے **الرحمٰن ○ علم القراٰن**۔ **آٹھواں فائدہ:** کتاب اللہ پر عمل کرنے سے اخروی ثواب کے علاوہ دنیا میں عزت عظمت بلکہ سلطنت حکومت ملتی ہے یہ فائدہ **ساوریکم دار الفسقین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** کتاب اللہ کو چھوڑنے کا وبال بھی دنیا میں بھی آجاتا ہے اخروی سزا علاوہ ہے یہ فائدہ **ساوریکم دار الفسقین** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ جب بھی کسی انسان سے کلام کرتا ہے تو نبی کے ذریعہ سے کرتا ہے بے واسطہ نبی نہیں کرتا بلکہ کتاب اللہ کے ذریعہ اور کبھی کتاب اللہ کے علاوہ نبی کی زبان کے ذریعہ یہ فائدہ بھی **ساوریکم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے یہ خطاب موسیٰ علیہ السلام کی معرفت کیا۔

مسئلہ: توریت میں نور، ہدایت، نصیحت، علوم غیبیہ وغیرہ سب تھے اس پر نبیوں نے عمل کیا۔ **یحکم بھا النبیون** قرآن مجید میں یہ تمام صفات موجود ہیں ان کے علاوہ قرآن مجید شفاء ہے۔ اس میں سوز و گداز ہے یہ ناقابل نسخ ہے اس کے حافظ ہوتے ہیں۔ اس پر قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام عمل کریں گے۔ معراج کی رات سارے نبیوں نے بیت المقدس میں اور سارے فرشتوں نے بیت المعمور میں قرآن والی نماز پڑھی لہٰذا قرآن مجید توریت سے افضل ہے۔

پہلا اعتراض: جو توریت شریف سارے بنی اسرائیل کے لئے تھی تو **وکتبنا لہ** کیوں فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے لکھی۔ **جواب:** اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو دینے کے لئے لکھی واقعی عطاء کتاب صرف نبی کو ہوتی ہے۔ عمل ساری امت کرتی ہے **لہ** فرمانا عطا کے لحاظ سے ہے۔ کتاب اللہ بلا واسطہ نبی کو ملتی ہے ان کے واسطے سے امت کو یا کتاب اللہ کے سارے مضامین نبی کو ملتے ہیں تھوڑے مضامین امت کو اسی لئے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا **فخذھا** اور بنی اسرائیل کے متعلق فرمایا **یاخذوا باحسنھا**۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ توریت شریف میں بھی کل علوم غیبیہ کی تفصیل تھی اور قرآن مجید میں بھی تفصیل **کل شیء** ہے فرماتا ہے **وتفصیل کل شیء** لازم آیا کہ توریت و قرآن یکساں ہیں اور حضور ﷺ کی طرح موسیٰ علیہ السلام کو بھی سارے علوم غیبیہ عطا ہوئے ہوں پھر حضور اعلم الخلق نہ رہے (وہابی)۔ **جواب:** یہاں عطاء توریت کے وقت کا ذکر ہے اس وقت واقعی اس میں سارے احکام بھی تھے اور سارے علوم غیبیہ کی تفصیل بھی مگر یہ دوسری چیز رہی نہیں جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں گرا دیں تو **تفصیل کل شیء** اٹھالی گئی۔

رب فرماتا ہے **فلما سکت عن موسی الغضب اخذ الالواح وفی نسختها ھدی ورحمة للذین ھم لربھم یرھبون**۔ دیکھو اب اس میں صرف ہدایت و رحمت ہی رہ گئی تفصیل نہ رہی مگر قرآن مجید میں تفصیل تھی بھی اور رہی بھی۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیۃ کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام سے کہا گیا **خذھا بقوة** اور قوم کو حکم ہوا **یاخذوا باحسنھا** بیان میں فرق کیوں ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کو ساری توریت کا علم عطا ہوا۔ بنی اسرائیل کو احکام توریت کا یہ فرق ظاہر فرمانے کے لئے بیان میں فرق ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **یاخذوا باحسنھا** توریت کی اچھی باتیں لے لو کیا توریت میں کچھ باتیں بری بھی تھیں اگر نہیں تھیں تو احسن کی قید کیوں لگائی گئی۔ **جواب**: یہ احسن قبیح کا مقابل نہیں بلکہ حسن کا مقابل ہے توریت شریف میں سارے احکام اچھے تھے مگر بعض بہت ہی اچھے بعض احکام عزیمت تھے بعض رخصت بعض جائز بعض مستحب بعض واجب بعض فاضل بعض افضل جیسے ظالم سے قصاص لینا جائز تھا معاف کرنا بہتر بدلہ لینا جائز صبر کرنا بہتر بعض نے فرمایا کہ احسن بمعنی حسن ہے (تفسیر صاوی) جیسے **ولذکر اللہ اکبر** (کبیر) روح المعانی نے اس کے اور بہت جوابات دیئے ہیں یہ جوابات کافی ہیں۔ **پانچواں اعتراض**: ارشاد ہوا **ساوریکم** یہ قاعدہ صرفی سے درست نہیں۔ **ساریکم** چاہئے بغیر واؤ کے اب افعال کا مضارع۔ **جواب**: اس لفظ کی تین قراء تیں ہیں **ساورثکم** ث سے یعنی میں تم کو وارث بناؤں گا (صاوی) **ساریکم** چاہے بغیر واؤ کے (جلالین) ہماری قراءۃ **ساوریکم** ہے واؤ اور ی سے اس کی چار وجہیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہ لفظ **رای** سے نہیں بلکہ **وری** سے ہے۔ یا اس میں واؤ زائدہ ہے۔ یا یہ واؤ نہیں ہے بلکہ الف کا پیش کھینچ کر پڑھا گیا ہے۔ جس سے واؤ محسوس ہوتا ہے جیسے **یخلد فیه** میں ہ کا کسرہ کھینچ کر پڑھا جاتا ہے تو ی محسوس ہوتا ہے۔ **چھٹا اعتراض**: تم نے کہا کہ **لکل شیء** میں ہر چیز سے مراد ہے سارے علوم غیبیہ مگر بہت سے مفسرین نے **کل شیء** سے مراد لئے ہیں دینی احکام یعنی توریت میں سارے شرعی احکام تھے نہ کہ سارے واقعات عالم۔ لہٰذا اس سے تمہارا مدعا ثابت نہیں ہوتا۔ **جواب**: **کل شیء** عام ہے قرآن مجید کے عام کو مشہور حدیث بھی خاص نہیں کر سکتی چہ جائیکہ کسی مفسر کی اپنی رائے وہ مفسرین اس تخصیص کے لئے نہ کوئی آیۃ پیش کرتے ہیں۔ نہ حدیث متواتر۔ لہٰذا ان کا یہ قول قابل قبول نہیں نیز سارے احکام کا ذکر تو **من کل شیء موعظة** میں ہو چکا اگر **تفصیلا لکل شیء** میں بھی وہ ہی مراد ہوں تو آیۃ میں بے فائدہ تکرار ہو گی لہٰذا یہ ہی بات درست ہے کہ **من کل شیء** سے سارے شرعی احکام مراد ہیں اور **تفصیلا لکل شیء** سے سارے واقعات عالم' امور غیبیہ' اسرار الٰہیہ تاکہ آیۃ میں تکرار نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ: کتاب اللہ ایک ہوتی ہے مگر اس کی عبادات ہدایت مختلف ہر بالغ مومن کے لئے بدنی عبادات ہیں۔ مالی عبادات امیر مومن کے لئے۔ سیاسی انتظامی احکام حکام اور سلاطین کے لئے۔ اس کے رموز علماء کے لئے اس کے اسرار خاص اولیاء کے لئے اس کے اشارات نبی کے لئے ہیں غرضیکہ شریعت دلیل والوں کے لئے طریقت دل والوں کے لئے۔ حقیقت روحانی لوگوں کے لئے۔ معرفت سر والوں کے واسطے اس جانب اس آیت کریمہ میں اشارہ ہے کہ **من کل شیء موعظة** بنی اسرائیل کے لئے تھے اور **تفصیلا لکل شیء** موسیٰ علیہ السلام اور ان کے خاص خدام کے لئے کتاب ایک ہے مگر

www.alahazratnetwork.org

اس کے مضامین مختلف پھر ان مضامین کو حاصل کرنے والے اشخاص مختلف ہیں سمندر کا پانی سب کے لئے ہے مگر وہاں کے موتی خاص غوا صین کے لئے۔ عنبر وغیرہ مخصوص جماعت کے لئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومن کے لئے طلب حلال دنیا حسن ہے طلب آخرۃ احسن۔ پھر طلب مولی اور بھی احسن۔ عاشق کو چاہئے کہ طلب مولی میں رہے۔ اس لئے ارشاد ہوا **یاخذوا باحسنھا** جو لوگ طلب آخرت چھوڑ کر طالب دنیا بن گئے ان کی جگہ دوزخ ہے وہ ہیں فاسقین میں۔ انہیں کے متعلق ارشاد ہوا **ساوریکم دار الفسقین** طالبین آخرت کی جگہ جنت ہے اور طالبین مولی کی جگہ **فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر** حافظ فرماتے ہیں۔

سایہ طوبیٰ و دلجوئی حور ولب حوض بہوائے سر کوئے تو برفت از یادم
نیست برلوح دلم جز الف قامت دوست چہ کنم حرف دگر یاد نداد استادم

یعنی اے محبوب تمہاری یاد کی وجہ سے میں جنت حور و قصور طوبیٰ حوض سب کچھ بھول گیا میری دل کی تختی پر تیری دراز قامت کا الف تو ہے اس کے سوا کچھ نہیں کہ مجھے استاد ازل نے اور کچھ یاد کرایا ہی نہیں میں اس میں گویا مجبور ہوں۔ کتاب اللہ گویا خدا رسی کی مضبوط رسی ہے۔ جس کا اوپری کنارہ نبی کے ہاتھ میں ہے اور نچلا کنارہ امت کے ہاتھ میں۔ اس رسی کو نبی پکڑے سب کو اٹھانے اوپر چڑھانے کے لئے امت پکڑنے کے لئے ہے اوپر چڑھنے کے لئے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا کہ توریت کو مضبوطی سے پکڑو اور بنی اسرائیل سے بھی کہا گیا کہ اسے پکڑو مگر پکڑنے کی نوعیت میں فرق ہے پھر جتنا دل بھاری اس میں اتنی رسی مضبوط چاہئے۔ خیال رہے کہ نیچے والے کو صرف رسی نہیں چڑھاتی بلکہ کھینچنے والے کی طاقت و قوت چڑھاتی ہے یوں ہی کتاب اللہ خود رب تک نہیں پہنچاتی نبی کا زور پہنچاتا ہے اس لئے فرمایا **فخذھا بقوۃ** کیونکہ قوت موسوی سے لوگ رب تک پہنچیں گے یا یوں سمجھو کہ کتاب کو استاد بھی چھوتا ہے شاگرد بھی مگر استاد پڑھانے کے لئے شاگرد پڑھنے کے لئے۔

سَاَصۡرِفُ عَنۡ اٰیٰتِیَ الَّذِیۡنَ یَتَکَبَّرُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ بِغَیۡرِ الۡحَقِّ ؕ وَ اِنۡ

عنقریب پھیروں گا میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو غرور کرتے ہیں زمین میں بغیر حق کے اور دیکھتے

اور میں اپنی آیتوں سے انہیں پھیروں گا جو زمین میں ناحق اپنی بڑائی چاہتے ہیں اور اگر سب نشانیاں

یَّرَوۡا کُلَّ اٰیَۃٍ لَّا یُؤۡمِنُوۡا بِہَا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الرُّشۡدِ لَا یَتَّخِذُوۡہُ

ہیں وہ ہر نشانی کو تو نہ ایمان لائیں گے وہ ان پر اور اگر دیکھیں وہ راستہ ہدایت کا تو نہ بنائیں وہ اسے

دیکھیں ان پر ایمان نہ لائیں اور اگر ہدایت کی راہ دیکھیں اس میں چلنا پسند نہ کریں اور اگر گمراہی کا راستہ نظر

سَبِیۡلًا ۚ وَ اِنۡ یَّرَوۡا سَبِیۡلَ الۡغَیِّ یَتَّخِذُوۡہُ سَبِیۡلًا ؕ ذٰلِکَ بِاَنَّہُمۡ کَذَّبُوۡا

راستہ اور اگر دیکھیں وہ راستہ گمراہی کا تو بنا لیتے ہیں اس کو راستہ یہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ہوئے

پڑے تو اس میں چلنے کو موجود ہو جائیں یہ اس لئے کہ انہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان سے بے خبر بنے اور جہل

بِاٰیٰتِنَا وَكَانُوْا عَنْهَا غٰفِلِیْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَلِقَآءِ

وہ ان سے غافل اور وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو اور ملنے کو آخرت سے ضبط ہو گئے اعمال

نے ہماری آیتیں اور آخرت کے دربار کو جھٹلایا ان کا سب کیا دھرا اکارت گیا

الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ؕ هَلْ یُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۷﴾ ع

ان کے نہیں سزا دیئے جائیں گے وہ مگر اس کی جو وہ کرتے تھے

نہیں سزا دیئے جائیں گے وہ مگر اس کی جو وہ کرتے تھے.

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں بیان ہوئیں جو بنی اسرائیل کو عطا ہوئیں اب بنی اسرائیل کی ناشکری کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہوں نے ان کی ناقدری کی گویا کریم کی عطا کے بعد بندوں کی ناقدری کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں مفید نعمتیں عطا فرمانے کا ذکر ہوا اب ان عیوب کا تذکرہ ہے جن کی وجہ سے ان نعمتوں سے فائدہ حاصل نہیں کیا جاسکتا یعنی تکبر و غرور نبی کے فرمانوں سے سرکشی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمتوں کا ذکر ہوا کہ انہیں اللہ کے کلام اللہ کی کتاب سے نوازا گیا اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جس قوم سے پالا پڑا وہ بڑی ہی سرکش تھی گویا نبی کی شان کے بعد قوم کی سرکشی کا تذکرہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ پیغمبر کا فیض ہر ایک کو نہیں ملتا اس کے لئے عجز و انکسار تواضع کی ضرورت ہے۔

تفسیر: **ساصرف عن ایتی الذین یتکبرون فی الارض بغیر الحق**۔ اس جملہ کی پانچ تفسیریں ہیں۔ (1) آیات سے مراد وہ معجزات ہیں جو فرعونیوں کو دکھائے گئے ید بیضاء عصا اور چھوٹے عذاب جو بڑے سے پہلے آئے اور **الذین** سے مراد فرعونی لوگ ہیں **الارض** سے مراد زمین مصر ہے (تفسیر صاوی)۔ (2) آیات سے مراد آیات توریت اور **الذین** سے مراد سرکش بنی اسرائیل ہیں اور **الارض** سے مراد زمین فلسطین ہے جہاں اسرائیلی غرق فرعون کے بعد آباد کئے گئے۔ (3) آیات سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے معجزات ہیں اور **الذین** سے مراد بنی اسرائیل ہیں **الارض** سے مراد زمین فلسطین ہے۔ (4) آیات سے مراد توریت کی آیات نعت جن میں حضور انور کے فضائل کا ذکر ہے اور **الذین** سے مراد ہے حضور انور کے زمانہ میں موجود بنی اسرائیل اور **الارض** سے مراد ہے زمین مدینہ۔ (5) آیات سے مراد ہیں آیات قرآنیہ **الذین** سے مراد ہیں سارے متکبر انسان الارض سے مراد ہے ساری زمین۔ یہ پانچ تفسیریں ہیں پہلی تین تفسیروں میں **قال** پوشیدہ ہے یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا تھا موسیٰ علیہ السلام سے لہٰذا **ساصرف** کا مستقبل ہونا اس زمانہ کے لحاظ سے ہے آخری دو تفسیروں میں **قال** کی ضرورت نہیں **ساصرف** کا مستقبل ہونا موجودہ وقت کے لحاظ سے ہے (از خازن وغیرہ) بلکہ خازن نے ایک تفسیر اور بھی کی ہے کہ آیاتی سے مراد زمین و آسمان کی مخلوق میں اللہ کی نشانیاں اور **الذین** سے عام متکبر لوگ مراد ہیں **اصرف** بنا ہے صرف سے بمعنی پھیر دینا یہاں دل و دماغ کا پھیر دینا مراد ہے کہ انسان آیات سنے اور دیکھے مگر ان میں غور نہ کرے اس کے دل کا رخ ادھر نہ ہو۔ تکبر کی نسبت جب انسان کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بہ **تکلف** اپنے کو بڑا جاننا کہ ہو چھوٹا مگر اپنے کو سمجھے

www.alahazratnetwork.org

برا یہ عیب ہے اور جب اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بہت ہی بڑا یا بہ عمل تکلف کے لئے بھی آتا ہے اور زیادتی کے لئے بھی **فی الارض** فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ رہتے تو ہیں زمین میں مگر ان کا دماغ ہوتا ہے آسمان میں اگر یہ بہت بڑے ہیں تو آسمان میں پہنچ کر دکھائیں **انک لن تخرق الارض ولن تبلغ الجبال طولا**۔ تکبر چند قسم کا ہوتا ہے۔ اللہ رسول کے مقابل تکبر یہ کفر ہے۔ مسلمانوں کے مقابل تکبر کرنا یہ حرام ہے کفار کے مقابل اپنے کو بڑا جاننا خصوصاً" جہاد کے موقعہ پر یہ تکبر عبادت ہے پہلے دو تکبر ناحق ہیں تیسرا تکبر حق ہے اس لئے بغیر الحق ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ تکبر کے نتیجہ میں رب تعالیٰ اس کے دل و دماغ کو آیات کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتا۔ صرف کا خلق رب کی طرف سے ہوتا ہے اس لئے **ساصرف** فرمایا گیا **وان یروا کل ایتہ لا یومنوا بھا** یہ عبارت معطوف ہے۔ **یتکبرون** پر عطف تفسیری ہے جس نے تکبر کی شرح کر دی **یروا** میں رویت سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا اور ممکن ہے کہ مطلقاً" جاننا معلوم کرنا مراد ہو تو دیکھنا مناسب ہی اس میں داخل ہو گا **کل آیتہ** میں وہی چھ احتمال ہیں جو ابھی عرض کئے گئے **بھا** کی ب یا صلہ کی ہے یا سببیہ یعنی ان آیتوں پر ایمان نہ لائیں گے یا ان آیتوں کے ذریعہ اللہ رسول پر ایمان نہیں لائیں گے **وان یروا سبیل الرشد لا یتخذوہ سبیلا**"۔ یہ عبارت معطوف ہے **وان یروا** پر اس عبارت میں ان کی بد عقیدگی کا ذکر تھا اس میں ان کی بد عملی کا تذکرہ ہے۔ ہماری قراءۃ میں رشد کے پیش شین کے سکون سے ہے۔ حمزہ اور کسائی کی قراءۃ میں **رشد** ہے ر اور شین کے فتحہ سے ایک قراءۃ میں رشاد ہے تینوں کے معنی ہیں ہدایت جیسے **سقم۔ سقم۔ سقام** تینوں کے معنی ہیں مرض بعض نے فرمایا کہ رشد پیش سے درستی ہے اور رشد فتحہ سے دین پر استقامت ہے (روح المعانی) یہاں **سبیل الرشد** سے مراد ہدایت اور اصلاح ہے یعنی یہ لوگ اگر ہدایت اور خدا رسی کا راستہ آنکھوں دیکھ لیں تب بھی اسے اختیار نہیں کرتے ان کے دل یہ راستہ قبول نہیں کرتے **وان یروا سبیل الغی یتخذوہ سبیلا**" یہ عبارت پہلے **وان یروا** پر معطوف ہے اس میں کفار کا دوسرا حال مذکور ہے **سبیل غی** کے معنی ہیں گمراہی کا راستہ اس سے مراد ان کے کافرانہ مشرکانہ اعمال ہیں چونکہ ان کے اعمال کے ساتھ بد عقیدگی ہوتی تھی اس لئے اسے گمراہی کی راہ فرمایا جس گناہ کو انسان نیکی سمجھ کر کرے وہ گمراہی ہے یعنی اگر یہ کافر کوئی راستہ گمراہی کا دیکھتے ہیں تو اسے بے دھڑک اختیار کر لیتے ہیں بلکہ اسے خدا رسی کا ذریعہ اور رب کا راستہ سمجھتے ہیں **ذلک بانھم کذبوا بایتنا** اس عبارت میں ان کی مذکورہ بد عقیدگیوں بد عملیوں کی وجہ بتائی گئی ہے۔ یعنی کفار کی یہ حرکتیں اس لئے ہیں کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے رہتے ہیں آیات سے مراد ہیں وہ عقلی دلائل جو اسلام کی حقانیت' کفر کے جھوٹے ہونے پر رہبری کرتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے آیات توریت یا آیات قرآنیہ مراد ہوں (از روح المعانی و خازن وغیرہ) مگر قوی یہ ہے کہ یہاں آیات سے مراد عقلی دلائل اور انبیاء کرام کے معجزات ہیں پہلی آیات سے مراد آیات کتاب تھیں لہٰذا اس میں دور نہیں۔ **وکانوا عنھا غفلین**۔ یہ عبارت **کذبوا** پر معطوف ہے۔ غفلت سے مراد دیدہ دانستہ بے خبر رہنا ہے یعنی وہ جان بوجھ کر آیات الٰہی سے بے توجہ رہے یہ غفلت بے علمی کی نہیں بلکہ بے توجہی کی ہے **والذین کذبوا بایتنا و لقاء الاخرۃ**۔ یہ نیا جملہ ہے جس میں ان کی مذکورہ حرکتوں کا نتیجہ بتایا گیا ہے جب **الذین کفروا** گناہ کے ساتھ آئے تو اس سے انس و جن سے سب مراد ہوتے ہیں کیونکہ دوزخ سب جن و انس کے لئے ہے اور جب **الذین** ایمان و

www.alahazratnetwork.org

تقوی کے ساتھ ہو تو اس سے مراد صرف انسان ہوں گے کیونکہ جنت صرف انسانوں کے لئے ہے لہٰذا یہاں **الذین** سے سارے کافر جن و انس مراد ہیں **کذبوا** سے مراد ہے دلی و زبانی یا ان میں سے کسی چیز سے جھٹلاتے رہنا حتی کہ ایسی حالت پر موت آ جائے **ایتنا** سے مراد یا توریت و انجیل کی آیتیں ہیں یا قرآن مجید کی آیتیں یا حضور ﷺ کے معجزات ہیں کہ ان میں سے ہر چیز رب کی معرفت "آیۃ" و نشانی ہے یا خود حضور انور کی ذات کریمہ کہ حضور انور از سر تاپا اللہ کی نشانی ہیں بلکہ حضور کا ہر عضو ہر حال صدہا نشانیوں کا مجموعہ ہے۔ آخرت سے مراد یا تو قیامت ہے یا جنت دوزخ وغیرہ یہ پوری عبارت مبتدا ہے اور **حبطت اعمالھم** خبر اعمال سے سے مراد کفار کی نیکیاں ہیں جیسے غریبوں کی دستگیری کرنا حاجی کی خدمت کرنا مقروضوں کے قرض ادا کرنا وغیرہ۔ **حبط** سے مراد ہے ان کی جزا نہ ملنا بخشش نہ ہونا۔ خیال رہے کہ کافر کی نیکیوں سے اس کے عذاب میں کمی ہو سکتی ہے مگر نجات ناممکن ہے نجات کے لئے ایمان شرط ہے۔ اعمال میں بدنی مالی مجموعہ بدنی و مالی سب ہی داخل ہیں۔ کافر کے سارے نیک اعمال ضائع ہیں۔ **ھل یجزون الا ما کانوا یعملون** یہاں **ھل** استفہام انکاری ہے جزا، معنی سزا ہے عمل سے مراد ہے برے اعمال یعنی ان کے نیک اعمال تو برباد ہو جائیں گے مگر بد عملیاں باقی رہیں گی۔ خیال رہے کہ کفر سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں۔ گناہ باقی رہتے ہیں اور ایمان سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں کفر کے زمانہ کی نیکیاں اب قبول ہو جاتی ہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لہٰذا پہلے اعمال سے نیک اعمال مراد ہیں اور ان اعمال سے برے اعمال مراد ہیں لہٰذا آیۃ ظاہر ہے ہو سکتا ہے کہ عمل میں بد عقیدگیاں بھی داخل ہوں کہ یہ بھی عمل ہے۔ یاد رکھو کافر و مشرک کو اس کی بد عملیوں کی سزا ضرور ملے گی وہ آخرت کے لحاظ سے مکلف ہے یوں ہی اسے نیک اعمال نہ کرنے کی بھی سزا ملے گی کہ تم نے نماز کیوں نہ پڑھی یہ فرمان ان سب کو شامل ہے وہ خود کہیں گے **لم نک من المصلین۔ لہٰذا کانوا یعملون** میں ترک نماز وغیرہ سب کچھ داخل ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیۃ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ بیان کرتے ہیں۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا کہ آیات توریت میں ایمان عرفان ہدایت وغیرہ سب کچھ ہے مگر ان سے فائدہ سب نہیں اٹھائیں گے جو لوگ اس زمین فلسطین میں ناحق غرور و تکبر کریں گے آپ سے آپ کے احکام سے منہ موڑیں گے باطل طور پر اپنے کو بڑا جانیں گے ہم ان کے دل توریت سے اس طرح پھیر دیں گے کہ انہیں آیات میں غور کرنے کی توفیق ہی نہ دیں گے اگر وہ تمہارے سارے سارے معجزے دیکھ لیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے ان کا حال یہ ہے کہ ہدایت کی راہ کبھی اختیار نہیں کرتے گمراہی کو فوراً قبول کر لیتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے تو ہیں مگر ان کی عظمتوں سے جان بوجھ کر بے خبر بنے رہتے ہیں۔ یہ قانون خیال میں رکھیں کہ جو ہماری آیتوں کا انکار کرے آخرت کا منکر ہو اس کی ساری نیکیاں برباد ہیں جس کی کوئی جزا نہیں ہے اور سارے گناہ برقرار ہیں کہ ان کو سزا ضرور ملے گی نیز ہم بغیر گناہ کسی کو سزا نہیں دیتے۔ مومن کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی بے نیازی سے ڈرتا رہے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنے گھر میں رکھا مگر اسے ایمان نہ ملا اس گھر میں حضرت آسیہ تھیں موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے ایمان اور ایمانیات سے مالا مال ہو گئیں۔ یوں ہی فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے بہت سے معجزے دیکھے۔ عصا ید بیضا خون مینڈک مکڑی جوں کے عذاب مگر ایمان نہ لایا جادو کر صرف دو گھڑی

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر رہے اور آپ کا صرف ایک معجزہ دیکھا عصا' ید بیضا وغیرہ کچھ نہ دیکھا مگر مومن عارف سب کچھ بن گئے یہ ہے رب کی بے نیازی کی شان حضور والے دور اور دور والے حضور۔ وجہ فرق یہ تھی کہ فرعون نے اپنے کو موسیٰ علیہ السلام سے بڑا جانا جادوگروں نے اپنے عجز و انکسار کا اقرار کیا تکبر روحانی بخار ہے۔ جس سے دل آنکھیں کان سب بیکار ہو جاتے ہیں اس کا بہترین علاج یہ ہے کہ انسان اپنی ابتداء اور انتہا میں غور کرے پہلے بھی خاک تھا آئندہ بھی خاک ہو گا تو زندگی میں تکبر کیسا۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: بندوں کی ہدایت بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور گمراہی بھی اسی کی طرف سے ہے اچھی چیزوں کی طرف میلان اور ان سے رکاوٹ۔ بندوں کو چاہیئے کہ ہمیشہ رب سے ہدایت کی دعا کریں۔ یہ فائدہ **ساصرف** سے حاصل ہوا۔ یہ آیۃ معتزلہ کے مقابلہ میں اہل سنت کی قوی دلیل ہے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے **ومن یضلله فلاهادی له**۔ **دوسرا فائدہ**: اگر توفیق خداوندی دستگیری نہ کرے تو آیات قرآنیہ دل میں اترتی ہی نہیں صرف کان تک پہنچتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی **عن ایتی** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: تکبر و غرور بد ترین عیب ہے اس کی وجہ سے انسان ایمان' ہدایۃ وغیرہ تمام ربانی نعمتوں سے محروم ہو جاتا ہے یہ فائدہ **الذین یتکبرون** سے حاصل ہوا۔ سب کو شیطان گمراہ کرتا ہے اور شیطان کو تکبر و غرور نے گمراہ کیا جیسا کہ **ابی واستکبر وکان من الکفرین** سے معلوم ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: تکبر حق بھی ہوتا ہے اور ناحق بھی ناحق تکبر یا حرام ہے یا کفر مگر حق تکبر عبادت ہے اس سے انسان میں کفار کے مقابل جرات ہمت اور دنیا میں خودداری پیدا ہوتی ہے مسلمانوں کے مقابل تکبر حرام ہے اللہ رسول کے سامنے تکبر کفر مگر جہاد میں کفار کے مقابل مجاہد غازی کا تکبر عین عبادت ہے۔ یہ فائدہ **بغیر الحق** فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: آیات سے ہدایت نہیں ملتی آیات ذریعہ ہدایت ہیں اگر رب کا کرم شامل حال ہو تو ہدایت ملتی ہے۔ یہ فائدہ **ان یروا کل ایته** سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے **یضل به کثیرا ویهدی به کثیرا**۔ **چھٹا فائدہ**: اگر نبی کا فیضان دل پر وارد نہ ہو تو وہاں قرآن اور آیات الہیہ نہیں پہنچتے پہلے نبی کا فیضان آتا ہے پھر قرآن اس لئے کافر کو کلمہ پڑھا کر مسلمان کرتے ہیں پھر قرآن پڑھاتے ہیں۔ یہ فائدہ **لا یتخذوه سبیلا** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: کفر سے نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں کافر کتنی ہی نیکیاں کرے مگر جنتی نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **حبطت اعمالهم** سے حاصل ہوا ہاں یہ ہو گا کہ کافر کا عذاب اس کی نیکیوں کی وجہ سے ہلکا ہو جاوے جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے نوشیرواں' حاتم طائی' کافر تھے مگر ان کا عذاب ہلکا ہے نوشیرواں کا اس کے انصاف کی وجہ سے حاتم طائی کا اس کی سخاوت کی وجہ سے۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کفار کے ناسمجھ بچوں کو یوں ہی انہیں جو دیوانگی پاگل پن میں جئے اس میں مرے دوزخ نہ دے گا کیونکہ انہوں نے کفر یا بد عمل نہ کئے یہ فائدہ **هل یجزون الا ما کانوا یعملون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: کافر کی بد عملیاں قائم رہتی ہیں جن کی اسے سزا ملے گی۔ یہ فائدہ بھی **الا ما کانوا یعملون** سے حاصل ہوا کہ یہاں جزاء بمعنی سزا ہے۔ **دسواں فائدہ**: کافر دنیا میں ایمان کا بھی مکلف ہے اور ایمان کے بعد نیک اعمال کرنے کا بھی کہ اسے حکم ہے کہ ایمان لائے اور ایمان لا کر نیکیاں کرے قیامت میں اسے کفر کی بھی سزا ملے گی اور نماز وغیرہ ادا نہ کرنے کی بھی یہ فائدہ بھی اشارۃ "**الا ما کانوا یعملون**" سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ**:

www.alahazratnetwork.org

جیسے نیک اعمال کا ثواب دوسرے کو بخشا جا سکتا ہے ایسے گناہ کا عذاب دوسرے کو نہیں بخشا جا سکتا کہ وہاں تو اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے یہ فائدہ بھی **هل يجزون الا ما كانوا يعملون** سے حاصل ہوا غرضیکہ دوزخ صرف کسبی ملے گی مگر جنت کسبی بھی ہو گی وہبی عطائی بھی۔ **بارھواں فائدہ**: کسی کافر کو کوئی مسلمان اپنے نیک اعمال کا ثواب نہ بخشے اگر بخشے گا تو پہنچے گا نہیں یہ فائدہ **حبطت اعمالهم** سے حاصل ہوا جب ان کے اپنے نیک اعمال ہی ضبط ہیں تو دوسرے کے اعمال انہیں کیسے پہنچیں۔

پہلا اعتراض اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ غرور کرنے والوں کو آیات الٰہیہ میں غور کرنے کی توفیق نہیں ملتی تو چاہئے کہ غیر متکبر لوگ ہدایت پر ہوا کریں حالانکہ بہت سے متواضع اور منکسر المزاج لوگ بھی کافر رہتے ہیں تو یہ آیۃ کیسے درست ہوئی۔ **جواب**: آیت کا مطلب یہ ہے کہ متکبر ہی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے روکے جاتے ہیں کہ ان کے دل ادھر متوجہ نہیں ہوتے پھر یہ متکبرین سردار اپنے ماتحتوں کو ایمان سے روکتے ہیں جیسے شیطان کو براہ راست رب کی طرف سے پھٹکار ہوئی پھر شیطان دوسروں کو بہکا کر گمراہ کرتا ہے یہ ہی حال کفار کے سرداروں ماتحتوں کا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **يتكبرون** کے ساتھ بغیر حق کیوں ارشاد ہوا تکبر تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتا ہے۔ **جواب**: حق والوں کے مقابل تکبر ناحق ہے مگر ناحق والوں کے مقابل تکبر بالکل حق بلکہ باعث ثواب ہے یعنی حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ مومنین کے مقابل تکبر کرنا اپنے کو ان سے اونچا جاننا کفر ہے کیونکہ وہ حضرات حق ہیں مگر کفار سے اپنے کو اونچا جاننا خصوصاً" میدان جہاد میں یہ ہے تو تکبر مگر ہے عبادت کیونکہ کفار ناحق ہیں ان کے مقابل تکبر حق ہے۔ لہٰذا بغیر حق فرمانا بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں تکبر کے ساتھ **فی الارض** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: اس میں اشارۃً" یہ بتایا کہ زمین سب سے زیادہ عجز و انکسار والی ہے اور سب سے نیچی ہے کہ پانی 'ہوا' آگ' آسمان وغیرہ سب اس سے اونچے ہیں تو آدمی کو چاہئے کہ تکبر نہ کرے کہ اس کی اصل بھی مٹی ہے آخر کار مٹی ہونے والا ہے اور رہتا بھی ہے زمین پر پھر تکبر کیوں کرتا ہے۔

اے برادر چو عاقبت خاک است　　خاک شو پیش از آنکہ خاک شوی!

چوتھا اعتراض: اس آیۃ کریمہ میں تین جگہ **ان يروا** ارشاد ہوا ایک کے بعد **لا يومنوا بها** ارشاد ہوا دوسری کے بعد **لا يتخذوه سبيلا** ارشاد ہوا تیسرے کے بعد **يتخذوه سبيلا** ارشاد ہوا ان تینوں میں کیا فرق ہے۔ **جواب**: پہلی جگہ ان کی بدعقیدگیوں کا ذکر ہے دوسری جگہ ان کے نیک اعمال قبول نہ کرنے کا تذکرہ ہے تیسری جگہ ان کے برے اعمال کرنے کا تذکرہ ہے غرضیکہ ان کے تین جرم تین طرح ذکر فرمائے گئے۔ چونکہ ایمان نہ لانا تمام بدعملیوں کی اصل ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا دوسرے عیوب کا ذکر بعد میں فرمایا گیا۔ **پانچواں فائدہ**: اس آیۃ میں دور معلوم ہوتا ہے کہ آیات پر ایمان نہ لانے کی وجہ بیان ہوئی آیتوں کا جھٹلانا دیکھو اوپر ارشاد ہے **وان يروا كل اية لا يؤمنوا بها** اور آخر میں ارشاد ہوا **ذلك بانهم كذبوا بايتنا** سبب اور مسبب ایک ہی ہے اس کو دور کہتے ہیں۔ **جواب**: پہلی آیات سے مراد ہے کتاب اللہ کی آیتیں اور آخر میں آیات سے مراد ہیں حضرات انبیاء کرام کی ذات ان کی صفات ان کے معجزات۔ مطلب یہ ہے کہ چونکہ کفار نے ہمارے نبیوں ان کی صفات ان کے معجزات کا انکار کیا اس وجہ سے وہ آیات قرآنیہ وغیرہ پر ایمان نہیں لا سکتے کہ نبی پر ایمان تمام پر ایمان کا ذریعہ ہے نبی کا انکار ساری چیزوں کے انکار کا ذریعہ ہے اللہ تعالیٰ ان کے آستانے سے جدا نہ کرے۔

www.alahazratnetwork.org

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے　　　بے کسی لوٹ لے خدا نہ کرے

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **کانوا عنہا غفلین** وہ لوگ غافل رہے دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ غافلوں کو سزا نہیں دیتا تو چاہئے کہ یہ لوگ سزا کے مستحق نہ ہوں۔ **جواب**: غفلت کی دو وجہ ہوتی ہیں۔ ایک نبوت کے احکام کسی تک نہ پہنچنا اس وجہ سے ان پر مطلع نہ ہونا۔ دوسرے اپنی کوتاہی یعنی احکام نبی سے لاپرواہ رہنا ان میں غور نہ کرنا۔ پہلی غفلت پر رب تعالیٰ پکڑ نہیں فرماتا مگر دوسری غفلت پر ضرور پکڑ فرماتا ہے یہاں یہی دوسری غفلت مراد ہے۔ **ساتواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے کفر کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضبط ہو جاتی ہیں مگر احادیث سے ثابت ہے کہ کفار کو بھی ان کی نیکیوں کا پھل مل جاتا ہے حتی کہ ابولہب کو حضور انور کی ولادت کی خوشی کی وجہ سے دوزخ میں پانی ملتا ہے (بخاری شریف) یہ آیت اس حدیث کے مخالف معلوم ہوتی ہے۔ **جواب**: ضبطی اعمال کا مطلب ہے دوزخ سے نجات نہ پا سکنا۔ جنت میں نہ جا سکنا۔ رہا عذاب ہلکا ہو جانا یا دنیاوی نعمتیں مل جانا یہ کفار کے نیک اعمال سے بھی ہو سکتا ہے۔ سخی یا عادل کافر کنجوس یا ظالم کافر کے مقابل ہلکے عذاب میں ہوں گے۔ جیسے حاتم طائی یا نوشیرواں یا ہمارے حضور کے چچا ابو طالب کہ ان سب کے عذاب ہلکے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسان میں قدرت نے دو قسم کی آگ ودیعت رکھی ہے ایک آگ تکبر و غرور کی دوسری آگ عشق و محبت کی۔ دونوں قسم کی آگ کا کام ہے جلا دینا فنا کر دینا۔ تکبر کی آگ ایمان 'عرفان' نیک اعمال وغیرہ تمام چیزوں کو جلا کر خاکستر بنا دیتی ہے۔ مگر عشق رسول 'محبت نبی کی آگ دل کے تمام عیوب فنا کر ڈالتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **العشق نار تحرق ما سوی المحبوب**۔ عشق وہ آگ ہے جو محبوب کے ماسوا سب کو جلا ڈالتی ہے بلکہ لطف یہ ہے کہ عشق رسول کی آگ تکبر و غرور کی آگ کو بھی جلا دیتی ہے یعنی آگ کو آگ جلا دیتی ہے۔

اے عشق تیرے صدقہ جلنے سے چھٹے سستے　　　جو آگ بجھا دے گی وہ آگ لگائی ہے!

یہ ہی آگ انسان کے سارے کس بل نکال دیتی ہے اسے بالکل سیدھا کر دیتی ہے۔

اقبال عشق نے ترے سب بل دیئے نکال　　　مدت سے آرزو تھی کہ سیدھا کرے کوئی

سارے نفسانی فرق و امتیاز کو عشق کی آگ ہی جلا کر فنا کرتی ہے۔ شیطانی لوگوں کی صحبت وہ تیلی ہے جس کے لگتے ہیں تکبر کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور رحمانی لوگوں کی صحبت ان کے ارشادات بلکہ ان کی نگاہ وہ تیلی ہے جس سے عشق رسول کی آگ بھڑک اٹھتی ہے بندہ عشق رسول کی آگ میں فنا ہو کر بقاباللہ کا درجہ پاتا ہے پھر کہتا ہے۔

بلاد اللہ ملکی تحت حکمی　　　ووقتی قبل قلبی قد صفالی

اس کا تکبر بالکل برحق ہوتا ہے اس آیت کریمہ میں پہلے قسم کے ناجائز تکبر کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا کہ جو لوگ زمین میں ناجائز تکبر و غرور کریں گے انہیں آیات الہیہ سے محروم رکھا جاوے گا کہ وہ اللہ کی ساری آیات دیکھ کر ایمان نہ لائیں گے کیونکہ پتھر میں کیل نہیں گڑھتی۔ ٹھنڈے لوہے میں ہتھوڑا اثر نہیں کرتا۔ ان کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ ہدایت سے متنفر گمراہی کی طرف مائل ہیں۔ ہدایت کی ساری نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے گمراہی کو بغیر نشانی بغیر دلیل کے قبول کر لیتے ہیں۔ اس ناجائز تکبر کا یہ نتیجہ ہے آگ کھیت یا باغ کو جلا سکتی ہے مگر اسے آباد نہیں کر سکتی تکبر آگ ہے جو ایمان کی کھیتی جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

یہ نہیں کہا کہ ہم متکبرین سے آیتوں کو پھیر دیں گے بلکہ یہ فرمایا کہ ہم آیتوں سے متکبرین کو پھیر دیں گے۔ مطلب واضح ہے کہ ایسے متکبرین تک آیتیں تو پہنچیں گی مگر ان کے دل و دماغ آیت تک نہیں پہنچیں گے۔ اندھے کے پاس سورج کی شعاعیں دھوپ تو پہنچتی ہیں مگر اندھا روشنی شعاعوں دھوپ تک نہیں پہنچتا۔ نیز بعض متکبرین قرآنی آیات کے الفاظ تک نہیں پہنچتے جیسے ابوجہل وغیرہ اور بعض متکبرین الفاظ تک تو پہنچ جاتے ہیں مگر مضامین اور فیوض تک نہیں پہنچتے جیسے بے دین علماء جو ہمیشہ قرآن سے بے دینی ہی لیتے ہیں یہ ہی حضور انور کے جمال کا حال ہے۔

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا!   بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ سبیل رشد یعنی صراط مستقیم وہ ہے جو رب تک پہنچائے اس کی علامت یہ ہے کہ (1) اولیاء اللہ اس راہ پر چلتے ہوں۔ رب فرماتا ہے **صراط الذین انعمت علیہم** (2) اس کی منزل مقصود رب تعالیٰ ہو رب فرماتا ہے **ان ربی علی صراط مستقیم** (3) اس میں نشان ہدایت حضور محمد مصطفےٰ ہوں ﷺ رب فرماتا ہے **انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم**۔ جس راہ پر یہ تین نشان ہوں وہ سبیل رشد ہے وہ صراط مستقیم ہے۔ مختلف پلیٹ فارموں پر یک رنگ ریل گاڑیاں کھڑی ہیں مگر تم یہ دیکھو کہ انجن کا رخ کدھر ہے۔

وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰى مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ

اور بنایا قوم نے موسیٰ کی پیچھے سے ان کے اپنے زیوروں سے بچھڑا یعنی ایک جسم کہ جس کے لئے آواز تھی

اور موسیٰ کے بعد اس کی قوم اپنے زیوروں سے ایک بچھڑا بنا بیٹھے بے جان کا دھڑ گائے کی طرح آواز کرتا

اَلَمْ يَرَوْا اَنَّهٗ لَا يُكَلِّمُهُمْ وَلَا يَهْدِيْهِمْ سَبِيْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَكَانُوْا

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کہ بیشک وہ نہیں کلام کرتا ان سے اور نہیں ہدایت دیتا ان کو راستہ کی بنا لیا ان لوگوں

کیا نہ دیکھا کہ وہ ان سے نہ بات کرتا ہے اور نہ انہیں کچھ راہ دیتا ہے اسے لیا اور وہ

ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۸﴾ وَلَمَّا سُقِطَ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا ۙ قَالُوْا لَئِنْ

نے اس بچھڑے کو اور تھے وہ ظالم۔ اور جب ڈالا گیا ہاتھوں کے بل اور دیکھا انہوں نے کہ بیشک گمراہ ہو گئے وہ

ظالم تھے اور جب وہ گرے اپنے ہاتھوں پر اور سمجھے کہ ہم بہکے۔ بولے اگر ہمارا رب

لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

تو بولے کہ البتہ اگر نہ رحم کرے گا ہم پر رب ہمارا اور نہ بخشے گا ہم کو تو البتہ ہو جاویں گے ہم نقصان والوں میں سے

ہم پر مہر نہ کرے اور ہمیں نہ بخشے تو ہم تباہ ہوئے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کا طور پر جانا وہاں انہیں توریت ملنا وغیرہ نعمتوں کا ذکر ہوا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پیچھے ان کی قوم نے کیا کیا گویا نبی کے انعامات کے ذکر کے بعد قوم کی بد کرداریوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** اب تک قبطیوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے اسرائیلیوں کی آزادی کا ذکر ہوا اب ان کی روحانی بربادی کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ انہیں یہ آزادی راس نہ آئی وہ گمراہ ہو گئے گویا عطاء نعمت کے بعد اس نعمت کی ناشکری کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ متکبرین لوگ آیات الٰہیہ سے محروم رہتے ہیں ان میں غور نہیں کرتے اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے کہ دیکھو بنی اسرائیل اللہ تعالیٰ کی بہت سی آیات دیکھ کر بھی بت پرست ہو گئے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ کا ذکر تھا اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: واتخذ قوم موسی۔ یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے **اتخاذ** کے معنی ہیں بنانا۔ ڈھالنا عقیدے میں کسی کو کچھ سمجھنا یہاں بنانے یا ڈھالنے کے معنی میں ہے کیونکہ آگے اس کا مفعول عجلا جسدا آ رہا ہے اگرچہ ڈھالنے والا صرف سامری تھا مگر چونکہ قریباً سارے اسرائیلیوں نے اس کی اس کام میں مدد کی تھی نیز وہ اس حرکت سے راضی تھے اس لئے ساری قوم کی طرف یہ کام منسوب کیا گیا قوم موسیٰ سے مراد آپ کی نسبی قوم یعنی بنی اسرائیل ہے نہ کہ مذہبی قوم کیونکہ بچھڑا پوجا کر یہ لوگ مرتد ہو چکے تھے مرتد آدمی مومن خاص کر نبی کا مذہبی امم قوم نہیں ہو سکتا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت ہارون علیہ السلام کے سوا باقی سارے بنی اسرائیلی بچھڑے کی پرستش میں پھنس چکے تھے اسی لئے آپ نے بعد میں صرف حضرت ہارون کے لئے دعا کی **رب اغفر لی ولاخی** لہٰذا یہاں قوم سے مراد ساری قوم مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اکثر لوگ اس شرک میں گرفتار ہو گئے تھے کچھ محفوظ بھی رہے لہٰذا یہاں قوم سے مراد اکثر قوم ہے یہ دوسرا قول قوی ہے (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ) خیال رہے کہ سامری کا نام موسیٰ تھا اس کی ماں اسے ایک پہاڑی پر پھینک گئی تھی جس کا نام سامرہ تھا چونکہ یہ حرام کا تھا اللہ تعالیٰ نے اس کی پرورش کے لئے حضرت جبریل کو مقرر فرمایا اس لئے اس کا نام موسیٰ جبریل ہے اور لقب سامری اللہ کی شان ہے کہ فرعون کے گھر پرورش پانے والے موسیٰ تو نبی اور کلیم ہوئے اور حضرت جبریل کی آغوش میں پرورش پانے والا موسیٰ کافر بے دین ہوا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اذا لمرء لم يخلق سعيد امن الازل   فقد خاب من ربى و خاب المومل

فموس الذى رباه جبريل كافر   و موسى الذى رباه فرعون مرسل

دیکھو تفسیر صاوی یہ ہی مقام بہر حال بچھڑا بنانے والا موسیٰ جبریل یعنی سامری تھا لیکن قوم کی اس کی مددگار اس کی حرکات سے راضی **من بعدہ من حلیهم۔** یہ دونوں جار مجرور متعلق ہیں **اتخذ** کے پہلا **من** ابتدائیہ ہے دوسرا **من** تبعیضیہ **بعدہ** کے معنی ہیں بعد ذہابہ حلی جمع ہے **حلیتہ** کی یا **حلی** کی جیسے **تدی** کی جمع **تدی** ہے حلی کے معنی ہیں زیور یعنی جو آراستگی کے لئے پہنا جاوے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ زیور فرعونیوں کا تھا جو اسرائیلی ایک شادی کے بہانہ سے ان سے مانگ لائے تھے۔ غرق فرعون سے ایک دن پہلے۔ تاکہ فرعونی لوگ اپنے اس زیور کو چھینے کے لئے اسرائیلیوں کا پیچھا کریں اور بحر قلزم میں غرق ہوں۔ بعض نے فرمایا کہ فرعونیوں کے ڈوبنے کے بعد سمندر نے ان کا سارا زیور کنارہ پر پھینک دیا جسے بنی اسرائیل نے اٹھا لیا۔

www.alahazratnetwork.org

یہ سارا زیور اب بنی اسرائیل کے قبضہ میں تھا بلکہ یہ سب اس سب کے مالک ہو چکے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ونعمة كانوا فيها فكهين كذلك واورثنها قوما** ''اٰخرین۔ بہرحال یہ زیور مال غنیمت نہ تھا کہ اسرائیلی اس کے مالک نہ ہو سکتے۔ یہ وراثت کا تھا (تفسیر کبیر) بعض نے فرمایا کہ یہاں زیور کی نسبت بنی اسرائیل کی طرف صرف قبضہ کی ہے ملکیت کی نہیں (روح المعانی) بہرحال سامری نے سارے اسرائیلیوں سے زیور جمع کیا **عجلا** '' **جسدا** '' **له خوار** یہ **اتخذ** کا مفعول ہے **عجل** کہتے ہیں گائے کے بچے یعنی بچھڑے کو اور گھوڑی کے بچے کو مہر گدھی کے بچے کو جحش بکری کے بچے کو حمل بھیڑ کے بچے کو جدی شیر کے بچے کو شبل ہاتھی کے بچے کو دغفل کتے کے بچے کو جرو ہرنی کے بچے کو خشف بجو کے بچے کو فرعل گوہ کے بچے کو وسیم سور کے بچے کو خنوص سانپ کے بچے کو حریش' شتر مرغ کے بچے کو رال' مرغی کے بچے کو فروج' چوہے کے بچے کو درص اور گھونس کے بچے کو حسل کہتے ہیں (روح المعانی) **عجل** کی جمع **عجاجیل** آتی ہے اس کے مادہ کو **عجله** کہا جاتا ہے چونکہ بنی اسرائیل نے اس کی پرستش میں جلدی کی تھی اس سے بچھڑے کا نام عجل ہوا۔ انہوں نے اس کی پرستش چالیس دن کی جس کی سزا میں یہ لوگ چالیس سال میدان تیہ میں قید رہے (روح البیان) **جسدا** یا تو عجل کا بدل ہے یا عطف بیان یا صفت۔ اس کے معنی ہیں جسم۔ بعض نے فرمایا کہ جسم عام ہے اور **جسد** خاص بعض نے فرمایا کہ رنگت والے جسم کو جسم کہتے ہیں مگر بے رنگ والے کو جسد جیسے ہوا (روح المعانی) جسد فرما کر یہ بتایا کہ وہ محض بچھڑے کا مجسمہ نہ تھا جیسے آج ہندو گائے بیل کا مجسمہ' پتھر' پیتل کا بنا لیتے ہیں بلکہ کھال گوشت ہڈی خون وغیرہ کا مجموعہ تھا جیسے سوڈا کاسٹک پڑتے ہی میدہ' تیل وغیرہ صابن بن جاتے ہیں ان کی حقیقت تبدیل ہو جاتی ہے ایسے ہی حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کے نیچے کی خاک اس سونے کے بچھڑے میں پڑتے ہی اس کی حقیقت تبدیل ہو گئی کہ خوار' جسد کی صفت ہے یعنی وہ محض بے جان جسم ہی نہ بنا بلکہ اس میں زندگی پیدا ہو گئی وہ آواز کرنے لگا۔ خیال رہے کہ بچھڑے کی آواز کو خوار کہتے ہیں بکری کی آواز کو ثغاء بھیڑ کی آواز کو لیاء اور بکرے کی شہوت والی آواز کو نبیب کتے کی آواز کو نباح۔ شیر کی آواز کو زئیر' بھیڑیے کی آواز کو عواء اور وعوعہ' سور کی آواز کو قباع' بلی کی آواز کو مواء' گدھے کی آواز کو نہیق' گھوڑے کی آواز کو صہیل' اونٹنی کی آواز کو رغاء' ہاتھی کی آواز کو صئی' ہرنی کی آواز کو نغم اور خرگوش کی آواز کو ضغیب' باز کی آواز کو صرصرہ' شکرہ کی آواز کو عقعقہ' کبوتر کی آواز کو ھدیر' قمری کی آواز کو ھجھے' چڑیا کی آواز کو سقسقہ' کوے کی آواز کو نعیق اور نعیب مرغ کی آواز کو زقاء' مرغی کی آواز کو نقیقہ' سانپ کی آواز کو فحیح' مینڈک کی آواز کو نقیق' ٹڈی کی آواز کو حریر' چوہے کی آواز کو صئی کہتے ہیں (روح المعانی) غرضکہ **جسدا** فرما کر یہ بتایا کہ وہ محض سونے کا مجسمہ نہ تھا بلکہ سونا گوشت پوست ہی تبدیل ہو گیا تھا جس سے وہ واقعی بچھڑا بن گیا تھا اور **له خوار** فرما کر یہ بتایا کہ وہ محض بے جان جسم نہ تھا بلکہ زندگی والا تھا آواز دیتا تھا **الم یروا انه لا یکلمهم ولا یهدیهم سبیلا** ''۔ اس فرمان عالی میں یہود کی انتہائی حماقت اور بے عقلی کا ذکر ہے ہمزہ اظہار بے وقوفی کے لئے سوال فرمانے کا ہے اور رویت سے مراد یا تو دل کا غور ہے یا آنکھوں سے دیکھنا۔ **ہ** کی ضمیر بچھڑے کی طرف ہے۔ کلام سے مراد ہے سوال جواب کے طور پر کلام گفتگو کرنا **ھم** فرما کر یہ بتایا کہ ان سے کلام نہیں کرتا۔ صرف آواز کرنا اور چیز ہے گفتگو کرنا کچھ اور۔ یوں ہی وہ انہیں دنیاوی یا اخروی راستہ نہیں بتاتا اگر کوئی بھولا بھٹکا مسافر اس سے راستہ پوچھے تو وہ بتا نہ سکے آخرت کا راستہ بتانا تو بڑی بات ہے جب اس کی مجبوری

www.alahazratnetwork.org

معذوری کا یہ حال ہے تو وہ محض بے جان جماد ہوا جملو خدا کیسے ہو سکتا ہے یہ ایسی موٹی بات ہے جسے بے عقل دیوانے بھی سمجھ سکتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے کلام بھی کرتا ہے اور انہیں ہدایت بھی دیتا ہے بواسطہ انبیاء کرام عموماً اور بذریعہ کشف' الہام' سچی خواب خصوصاً" **اتخذوہ وکانوا ظلمین** یہاں **اتخذوہ** میں ان بچھڑا پرستوں کی ساری حرکتوں کا ذکر ہے وہ لوگ بچھڑے کو سجدے بھی کرتے تھے اس کے آگے باجے بھی بجاتے تھے اس کے ارد گرد گھومتے ناچتے گاتے بجاتے بھی تھے (روح البیان) جب وہ بولتا تو سب اس کے آگے سجدے میں گر جاتے اور جب وہ چپ ہو جاتا تو یہ لوگ گانے بجانے ناچنے لگتے تھے۔ (روح المعانی) یہاں ظالم ۔ بمعنی مشرک و کافر و فاسق ہے **کانوا** یا تو ۔ بمعنی صار وا ہے یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی وہ کافر ہو گئے یا کافر تھے ان کا ظلم ایک قسم کا نہ تھا بہت قسموں کا تھا کہ بچھڑا بنانے سے پہلے ان میں سرکشی بت پرستی کا مادہ تھا اسی لئے انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہمارے لئے کوئی معبود بنا دیجئے اور بچھڑا بناتے وقت وہ مشرک ہوئے اور بچھڑا بنانے کے بعد بدکار ہوئے کہ بھنگڑا ناچ کرنے لگے شور و پکار کرنے لگے ظالم ۔ بمعنی سرکش' مشرک' بدکار۔ **و لماسقط فی ایدیھم** اس فرمان عالی میں ان پجاریوں کے دوسرے حال کا ذکر ہے یہاں عرب کا ایک خاص محاورہ استعمال ہوا ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے **سقط فی ھم وایدیھم** شرمندہ و نادم آدمی اپنا ہاتھ منہ سے چباتا ہے اس کا منہ اور دانت اس کے ہاتھ کی انگلیوں پر کاٹنے کے لئے واقع ہوتے ہیں۔ **فی بمعنی علی** ہے (صاوی) **یا سقط** کا فاعل لازم ہے بہرحال **سقط** معروف کو مجہول بنایا گیا اور **فی ایدیھم** اس کا نائب فاعل کر دیا گیا جیسے **مر بزید** یعنی جب ندامت و شرمندگی ان کے ہاتھوں پر واقع ہوئی یا ان کے دانتوں نے ان کے ہاتھوں کو چبایا یعنی وہ شرمندہ ہوئے اپنے ہاتھ چبانے لگے اپنے کئے پہ سخت نادم ہوئے۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ پجاری حضرت موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے ہی اپنے کئے پر نادم ہو گئے تھے مگر اس ندامت کا ظہور موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ محاورہ نزول قرآن سے پہلے عرب میں مشہور نہ تھا اس لئے اس عبارت کی توجیہ میں بہت دشواری محسوس کی گئی بعض نے کہا کہ **سقط سقاط** سے بنا ہے ۔ بمعنی بہت گناہ بعض نے کہا کہ **سقط** سے بنا **سقطہ** وہ شبنم ہے جو سردیوں میں زمین پر پھیلی ہوتی ہے بعض نے کہا کہ اس کا کوئی مصدر نہیں ہے نہ گردان ہے۔ یہ افعال غیر منصرفہ میں سے ہے (روح المعانی) **وراوا انھم قد ضلوا**۔ یہ عبارت معطوف ہے **سقط** پر اور دوسری شرط ہے رویۃ سے مراد ہے دلی یقین۔ **ضلال** سے مراد کفر ہے یعنی انہیں یقین ہو گیا کہ وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے کافر ہو چکے **قالوا لئن لم یرحمنا ربنا ویغفر لنا لنکونن من الخسرین**۔ یہ مذکورہ شرطوں کی جزا ہے۔ قول سے مراد یا تو دلی قول ہے یعنی سوچنا یا زبانی قول یعنی زبان سے کہنا رحمت پہلے ہوتی ہے بخشش بعد میں آقا کو مجرم غلام پر پہلے رحم آتا ہے پھر اس کا قصور معاف کرتا ہے **خاسرین** بنا ہے **خسارہ** سے ۔ بمعنی پورا نقصان جس میں اصل پونجی بھی جائے اور تاجر کا گھربار بھی نیلام ہو جاوے (دیوالیہ) یعنی انہوں نے دل میں سوچا یا زبان سے اقرار کیا کہ اگر رب تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے ہمارے یہ گناہ نہ بخشے تو ہم بڑے نقصان میں رہیں گے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سب کچھ موسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری سے پہلے ہی ہوا کیونکہ آپ کی واپسی کا ذکر تو آگے ہو رہا ہے اور یہ غور و خوض ان میں سے بعض نے کیا مگر تفسیر روح المعانی' خازن وغیرہ نے فرمایا کہ یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی پر ہوا اور ان سب نے یہ کہا۔ ترتیب بیانی ترتیب واقعہ

www.alahazratnetwork.org

کے خلاف ہے واللہ ورسولہ اعلم۔ بہر حال ان کو اپنی حرکتوں پر شرمندگی ہوئی۔ توبہ کے دو رکن ہیں۔ دل سے اپنے کئے پر شرمندگی اور زبان سے معافی کے الفاظ **وراوانهم قدضلوا** میں دلی شرمندگی کا ذکر ہے اور **قالوا** میں زبانی الفاظ کا یا تو انہوں نے لوگوں سے یہ کہا تاکہ علانیہ گناہ کی علانیہ توبہ ہو یا موسیٰ علیہ السلام سے یہ کہا تاکہ اللہ کے نبی ان کی توبہ کے گواہ بن جاویں۔ خیال رہے کہ ان کی یہ توبہ قبول ہوئی اس لئے قرآن مجید میں بغیر تردید کے ذکر کی گئی اگلا واقعہ قتل کا یہ اس گناہ کا کفارہ تھا توبہ اور کفارہ میں فرق ہے جیسے روزہ رمضان توڑنے والا توبہ بھی کرے اور کفارہ کے ساتھ روزے بھی رکھے چونکہ فرعونی جادوگر کافر تھے مگر مرتد نہ تھے ہی لئے ان پر کفارہ نہ ہوا یہ لوگ مرتد تھے۔ ان پر کفارہ لازم ہوا۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام تو طور پر توریت لینے' رب سے کلام کرنے گئے ادھر قوم موسیٰ نے یہ غضب کیا کہ ان کی غیر موجودگی میں اپنے اس زیوروں سے بچھڑا بنالیا جو فرعونیوں سے حاصل کیا تھا وہ صرف سونے کا مجسمہ نہ تھا بلکہ اس کا جسم گائے کا تھا کھال گوشت و پوست وغیرہ کا مجموعہ پھر بے جان نہ تھا بلکہ جاندار تھا چنانچہ وہ بچھڑے کی طرح آواز نکالتا تھا یہ لوگ عجیب چیز دیکھ کر اس کی پرستش کرنے لگے۔ انہوں نے یہ نہ سوچا کہ وہ بچھڑا نہ تو ان سے گفتگو کرتا ہے' صرف بے معنی آواز دیتا اور چیز ہے گفتگو اور سوال جواب کچھ اور چیز اور نہ ہی وہ دنیاوی' اخروی ہدایت دیتا ہے وہ تو محض جمادات' حیوانات میں سے ہے ان لوگوں نے ہر طرح سے اسے معبود بنایا کہ جب وہ بولتا تو اس کے سامنے سجدہ میں گر جاتے جب خاموش ہوتا تو اس کا طواف کرنے لگتے اس کے آگے ناچتے کودتے گاتے بجاتے تھے اچھلتے کودتے تھے وہ اپنی ان حرکتوں کی وجہ سے نرے ظالم یعنی فاسق و کافر تھے پھر جب انہیں اپنے کئے پر سخت شرمندگی ہوئی اور وہ سمجھے کہ ہم تو گمراہ ہو گئے خواہ موسیٰ علیہ السلام کی واپسی سے پہلے کہ ان میں بعض لوگ شرمندہ ہو گئے یا موسیٰ علیہ السلام کی واپسی کے بعد کہ سب ہی توبہ کر گئے تو بولے کہ اگر رب تعالیٰ ہم پر رحم نہ کرے ہم کو نہ بخشے تو ہم بالکل تباہ ہو جائیں گے کہ ہماری دنیا بھی برباد ہو جاوے گی اور آخرت بھی۔ غرضکہ وہ وہ بایں الفاظ توبہ کرنے لگے۔ خیال رہے کہ موسیٰ جبریل یعنی سامری بڑا کاریگر بھی تھا اور بنی اسرائیل میں مانا ہوا بھی۔ اس نے سب اسرائیلیوں سے کہا کہ اپنا فرعونی زیور میرے حوالہ کرو انہوں نے حوالہ کر دیا اس نے بچھڑا بنایا اس کے منہ میں وہ مٹی ڈالی جو حضرت جبریل کی گھوڑی کی ٹاپ سے مس ہوئی تھی اس سے سونے کا بچھڑا اصل بچھڑا بن گیا۔ زندہ ہو کر آواز کرنے لگا سامری بولا کہ خدا یہ ہے اس کی پرستش کرو سب اس کی پرستش میں گرفتار ہو گئے۔ اسے سجدے کرنے لگے اس کے آگے ناچنے کودنے گانے بجانے تھرکنے لگے اس کا پورا واقعہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ کے صحابہ جناب موسیٰ علیہ السلام کے اصحاب سے کہیں افضل ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام صرف چالیس دن ان سے غائب رہے تو یہ سارے ہی بت پرست ہو گئے مگر اصحاب رسول اللہ برسوں حضور انور سے جدا رہے مگر دین پر پورے قائم رہے۔ دیکھو مہاجرین حبشہ کے حالات یوں ہی وہ ضعفاء مومنین جو ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہیں پہنچ سکے۔ یہ فائدہ **واتخذ قوم موسی** سے حاصل ہوا فقط قوم موسیٰ میں غور کرو۔ **دوسرا فائدہ:** گناہ کرنا کرانا گناہ میں مدد کرنا اس سے راضی ہونا سب جرم ہے۔ یہ فائدہ قوم موسیٰ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ بچھڑا صرف سامری نے بنایا تھا مگر رب نے ساری قوم کو بنانے والا بتایا کیونکہ وہ لوگ یا مددگار تھے یا اس سے راضی یہ ہی حال

www.alahazratnetwork.org

نیکیوں کا ہے کہ نیکی کرنا کرانا اس سے راضی ہونا سب نیکی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** کوئی شخص اولاد رسول ہونے صحبت یافتہ نبی ہونے نیز اپنے علم و عمل پر نازاں ہو کر بروں کی صحبت اختیار نہ کرے کہ بری صحبت اچھوں اچھوں کا بیڑا غرق کر دیتی ہے یہ فائدہ بھی قوم موسیٰ فرمانے سے حاصل ہوا کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے اکثر نبی انہیں میں آئے موسیٰ علیہ السلام کے برسوں کے ساتھی تھے انہوں نے فرعون کو ڈوبتے اور جادوگروں کو سجدے میں گرتے دیکھا اور بہت سے معجزے دیکھے مگر سامری کی چند روزہ صحبت نے انہیں برباد کر دیا ہم لوگ اس سے عبرت پکڑیں۔ **چوتھا فائدہ:** بزرگوں کے تبرکات کایا پلٹ دیتے ہیں ان کی برکت سے حقیقت بدل جاتی ہے۔ دیکھو حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کی خاک نے سونے کے بچھڑے کو سچ مچ کا بچھڑا بنادیا یعنی سونے کو گوشت ہڈی کھال بال میں تبدیل کر دیا اور اس میں روح ڈال دی یہ فائدہ **عجلا جسدا** سے حاصل ہوا ہمارے حضور کا نام اکسیر اعظم ہے انسان کی کایا پلٹ دیتا ہے۔

چونام این است نام اورچہ باشد! گرامی تر بود ازہرچہ باشد!

پانچواں فائدہ: کافر حربی کا مال اگر مسلمان کے قبضہ میں آجاوے تو مسلمان اس کے مالک ہو جائیں گے یہ فائدہ **من حلیھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے فرعون کے زیوروں کا مالک بنی اسرائیل کو قرار دیا۔ **چھٹا فائدہ:** اس مٹی کی برکت سے سونا حقیقتہ "بچھڑا بن گیا تھا اور اس میں زندگی پیدا ہو گئی یہ فائدہ **جسدا**" اور **لہ خوار** سے حاصل ہوا کہ **خوار** گائے کی آواز کو کہتے ہیں نہ کہ سیٹی وغیرہ کو نیز عجل اصل بچھڑے کو کہتے ہیں نہ کہ بچھڑے کے مجسمہ کو۔ **ساتواں فائدہ:** جھوٹے نقلی صوفیوں کا قوالیوں وغیرہ میں ریاکاری کا ناچنا کودنا دھمال کرنا وجد کی سی شکل بنانا حرام ہے کہ یہ انہیں بت پرست اسرائیلیوں کی نقل ہے وہ لوگ بچھڑے کے آگے گاتے ناچتے تھے۔ مسلمان کو سکون و اطمینان چاہیے حضرات صحابہ کرام حضور انور کی بارگاہ میں ایسے ادب و سکون سے بیٹھتے تھے **کان علی روسھم الطیر** گویا ان کے سروں پر چڑیاں ہیں جیسا کہ احادیث شریف میں ہے حضور انور کی مجلس شریف میں سکون' وقار' ادب و احترام تھا (تفسیر روح البیان) اس جگہ روح البیان نے وجد' رقص' قوالی وغیرہ پر بہت گفتگو کی ہے مگر ان کی یہ گفتگو نقلی بناوٹی رقص اور وجد کے متعلق ہے بعض دل والے صوفیاء جو فنافی الرسول کے درجہ میں ہیں جن کا وجد غیر اختیاری ہے۔ ان کا حکم جداگانہ ہے رب تعالیٰ ایسے دل والوں کے متعلق فرماتا ہے **واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع** اور فرماتا ہے **تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم** ان بزرگوں کے لئے قوالی ایسی ہے جیسے مریض کے لئے دوا۔ خلاصہ یہ ہے کہ قوالی وغیرہ درد دل کی دوا ہے جسے یہ درد نصیب ہو وہ یہ دوا اپنے بے درد نہ پیئے۔ ہم نے اس کی مکمل بحث جاء الحق حصہ اول میں کی ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** کلام بھی رب تعالیٰ کی صفت ہے اس کا انکار کفر ہے یہ فائدہ **لا یکلمھم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بچھڑے کی الوہیت کی نفی فرمائی اس کے کلام نہ کرنے سے اگر رب تعالیٰ بھی کلام نہ فرماتا تو وہ بھی **الٰہ** نہ ہوتا۔ **نواں فائدہ:** گناہ پر پچھتانا اپنے کو مجرم سمجھنا رب تعالیٰ سے معافی کی درخواست کرنا ہمارے اسلام میں توبہ ہے کہ گزشتہ دینوں میں صرف یہ کام توبہ نہ تھے۔ یہ فائدہ **ولما سقط۔ قالوا لئن لم یرحمنا** سے حاصل ہوا دیکھو بخاری۔ اسرائیلیوں نے یہ سب کچھ کیا مگر توبہ کے لئے انہیں اپنے کو قتل کے لئے پیش کرنا پڑا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: یہ زیور فرعونیوں کا تھا نہ کہ اسرائیلیوں کا اسرائیلی تو ان سے عاریۃً "مانگ کر لائے تھے۔ پھر **حلیہم** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں قوی اور آسان جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ زیور بنی اسرائیل کے لیتے وقت تو عاریت تھے مگر فرعونیوں کی ہلاکت کے بعد اسرائیلیوں کی ملک بن گئے جیسا کہ حربی کفار کے مال کا حال ہوتا ہے قرآن کریم ان تمام چیزوں کے متعلق فرماتا ہے **واورثنھا قوما" اخرین**۔ یہ جواب تفسیر کبیر نے دیا۔ **دوسرا اعتراض**: بنی اسرائیل نے شادی کا جھوٹا بہانہ کیوں کیا اور فرعونیوں کا زیور کیوں لیا جھوٹ بولنا پرایا مال دھوکہ سے لینا ہر حال برا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا کہ یہ جھوٹ نہ تھا بلکہ یا تو تھا شادی سے مراد تھی خوشی کا دن اور واقعی خوشی غرق فرعون کی سارے اسرائیلیوں کو تھی۔ زیور مانگنے میں بہت حکمتیں تھیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ فرعونی لوگ اپنا زیور وصول کرنے کے لئے اسرائیلیوں کا پیچھا کریں۔ بحر قلزم پر انہیں پائیں اور اس ذریعہ سے ہلاک کئے جائیں ورنہ ممکن تھا کہ فرعون ان کا پیچھا نہ کرتا نیز اس رات اسرائیلی فرعونیوں کے ہاں خدمت کے لئے نہ جائیں بلکہ مصر سے روانہ ہو جائیں فرعونیوں کو رات بھر اطمینان رہے کہ وہ اپنی شادی میں مصروف ہیں یہ سب کچھ حکم رب العالمین سے کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض**: اسرائیلی وہ زیور فرعونیوں سے مانگ کر لائے تھے اور عاریت امانت ہوتی ہے جس کا یہ مانگنے والا مالک نہیں ہوتا حضور انور نے ہجرت میں حضرت علی کو ساتھ نہ لیا ان سے فرمایا کہ ان خونخوار کفار کی امانتیں میرے پاس ہیں تم وہ ادا کرکے آنا اور امانت قرض تو حربی کافر کا بھی ادا کیا جاوے گا پھر موسیٰ علیہ السلام نے یہ زیور اسرائیلیوں کے پاس کیوں رہنے دیا۔ **جواب**: چونکہ فرعونی سارے ڈوب کر ہلاک ہو گئے تھے کہ ان کے بچے عورتیں تک ختم کر دیئے گئے تھے تو اب یہ مال امانت نہ رہا بلکہ کفار کا متروکہ مال ہو گیا ایسے متروکہ مال کے مسلمان مالک ہو جاتے ہیں حضور انور اور مسلمان بنی قریظہ اور بنی نضیر کے مالوں کے مالک ہوئے۔ کفار مکہ زندہ تھے لہذا ان کی امانتیں ادا کی گئیں۔ کافر حربی کا مال غنیمت اور جبرا" چھینا ہوا اور چھوڑا ہوا یعنی متروکہ مال مسلمان کو حلال ہے۔ **چوتھا اعتراض**: یہ بچھڑا صرف سامری نے بنایا تھا مگر رب نے فرمایا **اتخذ قوم موسی** ساری قوم نے نہ بنایا تھا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں (1) ایک شخص کا کام ساری قوم کی طرف نسبت کیا جا سکتا ہے جیسے کوئی ایک پٹھان ایک کام کرتا ہو تو کہا جاتا ہے کہ پٹھان یہ کرتے ہیں (2) یہاں بنانے سے مراد ڈھالنا گھڑنا نہیں بلکہ اسے معبود بنانا اس کی پرستش کرنا ہے یہ سب نے کیا (3) واقعی بنایا تھا صرف سامری نے مگر بنوایا تھا سب نے چنانچہ سب نے اپنے قبضہ کا زیور اس کے حوالہ کیا بنانے میں اس کی مدد کی اس کے اس کام سے راضی ہوئے لہذا سب کو بنانے والا قرار دیا گیا۔ **چوتھا اعتراض**: یہ بچھڑا سچ مچ بچھڑا نہ تھا نہ اس میں زندگی پیدا ہوئی تھی بلکہ بچھڑے کا مجسمہ تھا جیسے آج کل ہندو لوگ پتھر پیتل کی پوری گائے کا مجسمہ بنا کر اس کی پرستش کرتے ہیں اس کی ناک میں سامری نے ایسے سوراخ رکھے تھے کہ اس میں ہوا داخل ہو کر نکلتی تو اس سے سیٹی کی سی آواز نکلتی تھی۔ **نوٹ**: یہ اعتراض معتزلہ کا ہے جو عموما" معجزات و کرامات کے منکر ہیں ایسی باتیں ان ہی کو سوجھتی ہیں (از تفسیر کبیر وغیرہ)۔ **جواب**: یہ آیت کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے قرآن کریم نے اسے عجل یعنی بچھڑا فرمایا بچھڑے کا مجسمہ بچھڑا نہیں کہلاتا۔ نیز اسے جسد فرمایا بچھڑے کا مجسمہ بچھڑے کا جسم نہیں کہلاتا۔ نیز سیٹی کی آواز کو خوار نہیں کہا جاتا۔ خوار خاص گائے کی آواز کو کہتے ہیں نیز سورہ طٰہٰ میں ہے کہ سامری نے موسیٰ علیہ السلام سے

www.alahazratnetwork.org

عرض کیا **فقبضت قبضتہ "من اثر الرسول فنبذتھا** میں نے حضرت جبریل کے آثار قدم پر سے ایک مٹھی مٹی لے لی تھی وہ میں نے اس بچھڑے کے منہ میں ڈال دی جس سے معلوم ہوا کہ یہ سارا کرشمہ اس مٹھی بھر مٹی کا تھا نہ کہ ناک کے سوراخوں کا۔ **پانچواں اعتراض**: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مٹھی بھر خاک پڑتے ہی سونا گوشت پوست ہڈیاں رگیں وغیرہ سب کچھ بن جاوے بچھڑے میں یہ سب چیزیں ہوتی ہیں۔ **جواب**: یہ تبدیلیاں قرآن سے بھی ثابت ہیں اور عقلی دلائل سے بھی۔ حضرت عزیر کا گدھا مٹی ہو چکا تھا مگر آپ کے سامنے وہ پورا گدھا بنا حضرت ابراہیم کے پرندے آپ کے بلانے پر اصل چڑیاں بنے۔ حضرت مریم کے سامنے کھجور کا خشک ڈنڈا آپ کا ہاتھ لگنے سے سبز کھجور بنا اور فوراً "اس نے پھل دیئے آج سرکا میل جوں اور چارپائی کا میل کھٹمل بن جاتا ہے۔ حضرت مسیح مٹی کا پرندہ بناتے پھونک مارتے تھے تو اصل چڑیا بن جاتی تھی یہ سارے واقعات قرآن مجید میں صراحتہ "مذکور ہیں اللہ تعالیٰ ہر طرح قادر ہے۔ **چھٹا اعتراض**: قبور اولیاء انبیاء بھی نہ کسی سے کلام کریں نہ کسی کو ہدایت دیں وہ بھی سامری کے بچھڑے کی طرح ہیں تم ان پر کیوں سر جھکاتے ہو۔ **جواب**: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ قرآن مجید کعبہ معظمہ 'صفا مروہ پہاڑ' آب زمزم بلکہ خود خدا تعالیٰ نہ ہم سے کلام کرتا ہے نہ براہ راست ہدایت دیتا ہے تم ان کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔ **جواب**: تحقیقی یہ ہے کہ گفتگو بچھڑے کو خدا یا معبود ماننے والوں سے ہے تعظیم دوسری چیز ہے۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ رسولوں فرشتوں کے ذریعہ ہم سے کلام کرتا ہے جیسے بادشاہ حکام یا چپڑاسیوں کے ذریعہ ہم سے کلام کرتا ہے۔

ساتواں اعتراض: ساری قوم نے بچھڑا پوج لیا تھا یا اکثر نے اس آیتہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سواء جناب ہارون کے سب نے ہی پوجا۔ **جواب**: اس میں دو قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ اکثر نے پوجا تھا تھوڑے لوگ اس سے محفوظ رہے تھے۔ رب فرماتا ہے **ومن قوم موسی امتہ یھدون بالحق وبہ یعدلون** جس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں قوم موسیٰ کی ایک جماعت حق پر رہی (تفسیر کبیر) نیز توبہ کے لئے پجاریوں کو غیر پجاریوں کے ہاتھوں قتل کرایا گیا اگر سب نے پرستش کر لی ہوتی تو یہ کیونکر ہوتا۔ **آٹھواں اعتراض**: مفسرین **سقط فی ایدیھم** کے معنی کرتے ہیں وہ لوگ شرمندہ ہوئے اس کے معنی تو یہ ہیں کہ گرایا گیا ان کے ہاتھوں میں اس کو شرمندگی سے کیا تعلق۔ **جواب**: قرآن مجید نے یہاں عرب کا ایک خاص محاورہ استعمال فرمایا ہے وہ لوگ ندامت و شرمندگی کے لئے یہی عبارت استعمال کرتے ہیں اس میں **فی بمعنی علی** یعنی جب ان کے سر ان کے ہاتھوں پر گرائے گئے شرمندہ آدمی اپنا سر جھکا کر اپنے ہاتھوں پر رکھ لیتا ہے یا یہ لفظ سقط سے نہیں بلکہ سقط وغیرہ سے ہے۔ دیکھو ہماری تفسیر جو ہم نے ابھی کی بہر حال عرب کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔ **نواں اعتراض**: اس آیتہ کریمہ میں بچھڑے کی الوہیت کی نفی کی دو دلیلیں ارشاد ہوئیں۔ اس کا لوگوں سے کلام نہ کرنا اور کسی کو ہدایتہ نہ دینا اللہ تعالیٰ لوگوں سے کلام نہیں کرتا نہ انہیں ہدایتہ دیتا ہے ہم نے اس کا کلام کبھی نہیں سنا تو چاہئے کہ وہ الہ نہ ہو۔ **جواب**: رب تعالیٰ بواسطہ فرشتہ نبیوں سے اور بواسطہ نبی ہم سب سے کلام بھی فرماتا ہے اور ہدایت بھی دیتا ہے۔ بچھڑے میں یہ کمال کہاں اس آیتہ کی تفسیر وہ آیت ہے **لہ دعوۃ الحق والذین یدعون من دونہ لا یستجیبون لھم** اگر رب ہم سے کلام نہ فرمائے ہم کو ہدایت نہ دے تو ہم سب گمراہ ہو جاویں حضرات انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کی ہستی اس کی الوہیت کی دلیلیں ہیں رب وہ ہے جسے حضرات انبیاء کرام

www.alahazratnetwork.org

رب کہیں۔ **دسواں اعتراض**: اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ چونکہ بچھڑا کلام وہدایت نہیں کرتا اس لئے وہ **الٰہ** نہیں تو حضرات انبیاء کرام ہم سے کلام بھی کرتے ہیں ہم کو ہدایت بھی دیتے ہیں تو چاہئے کہ وہ حضرات الٰہ ہوں۔ **جواب**: آیتہ کریمہ کا منشاء یہ ہے کہ بچھڑا تو تم سے بھی بدتر ہے کہ تم ایک دوسرے سے گفتگو بھی کرتے رہتے ہو اور ایک دوسرے کو راستہ بھی بتاتے رہتے ہو۔ بتوں میں تو یہ بھی قوت وطاقت نہیں وہ بت تو تم پرستش کرنے والوں سے بھی کمزور ہیں پھر تمہارے معبود کیسے بن گئے یہ مطلب نہیں کہ جو کلام کرے راہ دکھائے۔ وہ خدا ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ: یہ بچھڑا دو چیزوں کا مجموعہ تھا فرعونی سونا اور حضرت جبریل علیہ السلام کی گھوڑی کے ٹاپ کی خاک۔ یہ خاک بڑی ہی متبرک تھی اس خاک کو سامری منافق نے استعمال کیا کہ یہ بچھڑے کے منہ میں ڈالی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خاک نے اپنا اثر کر دیا کہ سونے کو گوشت و پوست وغیرہ بنا دیا اور اس میں زندگی پیدا کر دی مگر اس کی زندگی سے بنی اسرائیل کے دل مردے ہو گئے یعنی بچھڑے کی زندگی لوگوں کی موت کا باعث بنی کیونکہ سونا فرعون کا صحبت یافتہ تھا اور اس خاک کا استعمال کرنے والا ایک منافق تھا اسی لئے اس سے لوگوں کو ہدایت نہیں ملی گمراہی ملی۔ اگر یہ ہی خاک شریف موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل پر استعمال کرتے تو وہ سب اس کی برکت سے عارف باللہ بن جاتے۔ جس سے پتہ لگا کہ قرآن وحدیث ضرور متبرک ہیں مگر ان کے ذریعہ علم دین ملنے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ معلم عالم دین ہو عالم بے دین نہ ہو دوسرے یہ کہ طالب علم کی فطرت خراب نہ ہو اگر ان دونوں شرطوں میں ایک میں فرق ہو تو وہ پڑھائے گا قرآن مگر سکھائے گا بے دینی اس کے وعظ ونصیحت سے لوگ دین سے بیگانہ ہو جائیں گے لہٰذا چاہئے کہ علم دین عالم دین سے سیکھو اس بچھڑے کی آواز سے لوگوں کی عقل ماری گئی کہ فقط بے معنی آواز سن کر اسے خدا مان بیٹھے انہوں نے یہ غور نہ کیا اگر ہر آواز دینے والی چیز خدا ہو جاوے تو ہر بانسری اور باجا خدا ہو جاوے۔ موسیٰ علیہ السلام کے تشریف لانے پر ان کی آنکھیں کھلیں **وراوا انھم قد ضلوا** بری اور اچھی صحبتوں کا اثر حیوانات بلکہ نباتات و جمادات پر بھی پڑتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سامری کے بچھڑے اور حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی میں بڑا فرق ہے اگرچہ وہ اونٹنی بھی نبی کا معجزہ تھی اور یہ بچھڑا بھی حضرت جبریل کی کرامت مگر وہ اونٹنی حضرت صالح علیہ اسلام کی حمایت ان کی تائید کے لئے تھی۔ مگر یہ معجزہ نبی کے مقابلہ میں بنایا گیا تھا اس لئے بچھڑے کی تعظیم کفر ہوئی اور اونٹنی کی تعظیم ایمان۔ گنگا کا اور زم زم کا پانی دونوں اللہ کی مخلوق ہیں مگر زمزم کی نسبت نبی سے ہے گنگا کی نسبت بتوں سے ایسے ہی جو عالم قرآن وحدیث کے ذریعہ حضور کی اہانت کرے وہ سامری کا بچھڑا ہے جو حضور کی حمایت کرے وہ اونٹنی صالح علیہ السلام کی ہے۔ **سقط فی ایدیھم** کے معنی یہ ہیں کہ ڈالی گئی ہدایت ندامت ان کے ہاتھوں میں یعنی اور رب نے ہدایت بخشی۔ چونکہ ہدایتہ اور دعا کے مقبول الفاظ عرشی نعمتیں ہیں جو فرشی بندوں کو ملتی ہیں اس لئے اسے سقوط فرمایا یعنی گرنا چونکہ اچانک یہ ہدایتہ آئی تھی آہستگی سے نہیں۔ اس لئے نزول نہ کہا چونکہ لینا پکڑنا اکثر ہاتھ سے ہوتا ہے اس لئے **فی ایدیھم** فرمایا یعنی جب انہیں رب کی طرف سے ہدایتہ دی گئی اور معافی مانگنے کے الفاظ القاء کئے گئے تو دل میں وہ شرمندہ ہوئے اور زبان سے انہوں نے یہ الفاظ کہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَلَمَّا رَجَعَ مُوسٰۤى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۙ قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُوْنِیْ

اور جب لوٹے موسیٰ طرف اپنی قوم کے سخت غصہ میں غمگین فرمایا برا ہے وہ جو پیچھے کیا تم نے

اور جب موسیٰ اپنی قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا ہوا جھنجلایا ہوا کہا تم نے کیا بُری جانشینی کی

مِنْۢ بَعْدِیْ ۚ اَعَجِلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ ۚ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ

میرے میرے پیچھے کیا جلدی کی تم نے حکم سے رب اپنے کے اور ڈال دیں تختیاں اور پکڑا سر

میرے بعد کیا تم نے اپنے رب کے حکم سے جلدی کی اور تختیاں ڈال دیں اور اپنے بھائی کے سر کے بال

یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ ؕ قَالَ ابْنَ اُمَّ اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ ۖؗ

اپنے بھائی کا کھینچتے ہوئے انہیں طرف اپنی کہا اے بیٹے میری ماں کے بیشک قوم نے کمزور سمجھا مجھے اور قریب تھے

پکڑ کر اپنی طرف کھینچنے لگا کہا اے میری ماں جائے قوم نے مجھے کمزور سمجھا اور قریب تھا کہ

فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (۱۵۰) قَالَ رَبِّ

کر قتل کر دیتے مجھ کو پس نہ طعنہ دلاؤ مجھ پر دشمنوں سے اور نہ کرو مجھ کو ساتھ قوم ظالم کے کہا اے رب میرے

مجھے مار ڈالیں تو مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا اور مجھے ظالموں میں نہ ملا عرض کی اے میرے

اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ وَاَدْخِلْنَا فِیْ رَحْمَتِكَ ۖؗ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (۱۵۱)

بخش دے مجھ کو اور میرے بھائی کو اور داخل کر تو ہم کو اپنی رحمت میں اور تو زیادہ رحم والا ہے سارے رحم والوں سے

رب مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے اور ہمیں اپنی رحمت کے اندر لے لے اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی کا ذکر ہوا اب اس بد عملی کی سزا کے بیان کی تمہید ہو رہی ہے گویا جرم کے ذکر کے بعد اس کی سزا کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت ہارون علیہ السلام کی نرم دلی، تحمل و برداشت کا ذکر ہوا کہ ان کی نرمی طبیعت سے بنی اسرائیل نے غلط فائدہ اٹھایا کہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بچھڑا بنا لیا اسے پوج لیا اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سخت گیری آپ کی ہیبت خداداد کا ذکر ہے کہ آپ کے تشریف لاتے ہی سارے شرک پسند یہودی سیدھے ہو گئے۔ **تیسرا تعلق:** گزشتہ آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے وہاں رہنے کے ساتھ بنی اسرائیل کی آپ کے پیچھے بد عملیوں کا ذکر ہوا اب موسیٰ علیہ السلام کے واپس آنے اور اپنی قوم میں رہنے کے مشاغل کا تذکرہ ہے گویا جناب کلیم اللہ کے جانے کے بعد ان کے آنے کے واقعات کا ذکر ہو رہا ہے کہ گئے تھے انتہائی شوق ذوق میں واپس ہوئے انتہائی غیظ و غضب میں۔

تفسیر: ولما رجع موسی الی قومه ۔ یہ نیا جملہ ہے لہذا واؤ ابتدائیہ لوٹنے سے مراد ہے توریت شریف لے کر واپس

آنا۔ قوم سے مراد ساری وہ قوم ہے جو آپ کے پیچھے فلسطین میں رہ گئی تھی ان میں حضرت ہارون علیہ السلام بھی تھے ان میں پجاری بھی تھے اور اس سے محفوظ رہنے والے حضرات بھی۔ لہٰذا قوم سے مراد سارے بنی اسرائیل ہیں چونکہ آپ اس وقت سیدھے اپنی قوم کے پاس پہنچے تھے۔ پہلے اپنے گھر نہ گئے تھے اس لئے **الی وطنہ یا الی بیتہ** فرمایا نیز اگلا مضمون بھی قوم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے قوم ہی کا ذکر کیا **غضبان اسفا** "یہ دونوں رجع کے فاعل موسی سے حال ہیں یا **غضبان** موسی کا حال ہے اور **اسفا** غضبان کا حال۔ غضبان بنا ہے غضب سے **اسفا** بنا ہے **اسف** سے۔ اسی سے ہے **اسیف** حضرت عائشہ صدیقہ نے حضور کی خدمت میں عرض کیا تھا۔ **ان ابابکر رجل اسیف** اس میں گفتگو ہے کہ غضب اور اسف میں کیا فرق ہے اس کے متعلق چند قول ہیں۔ (۱) غضب ہر غصہ کو کہتے ہیں مگر اسف بہت سخت غصہ کو لہٰذا اسفا بیان ہے غضبان کا۔ غضب اور اسف دونوں بالکل ہم معنی ہیں لہٰذا اسفا تاکید ہے غضبان کی (3) غضب بمعنی غصہ ہے اور اسف بمعنی غم۔ خیال رہے کہ غضب سے غم ہوتا ہے اور کبھی غم سے غضب یعنی اپنی قوم پر آپ کو غصہ بھی تھا اور ان کی حرکت سے غم بھی (4) ماتحت کے عمل پر غضب ہوتا ہے اور اپنے سے اعلی کے عمل پر اسف یعنی رنج و غم موسی علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی حرکتوں پر غصہ ہوا اور خدا تعالی کی ڈھیل پر رنج و غم ہوا (معانی۔ کبیر۔ خازن وغیرہ) یا بچھڑا پوجنے والوں پر آپ کو غصہ آیا اور مومنین کی سستی سے آپ کو غم ہوا یا اس کے برعکس۔ اللہ تعالی نے اس جگہ موسی علیہ السلام کے تین حالات بیان فرمادیئے۔ دل کا حال غضبان اسفا۔ زبان شریف کا حال **قال بئسما خلفتمونی** ہاتھ شریف کا حال **والقی الالواح** چونکہ دل بادشاہ ہے باقی اعضاء رعایا دل میں محبت ہو تو زبان سے الفاظ آنکھوں سے نظر اور طرح کی نکلتی ہے اس لئے پہلے دل کا حال بیان ہوا پھر زبان و ہاتھ کا چنانچہ ارشاد ہے **قال بئسما خلفتمونی من بعدی** اس فرمان عالی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں خطاب بچھڑے کے پجاریوں سے ہے اس صورت میں **ما** موصولہ ہے اس سے مراد ان کی پرستش ہے معنی یہ ہیں کہ برے ہیں وہ کام جو تم نے میرے پیچھے میری غیر موجودگی میں کئے۔ **خلفتمونی** تم نے میرے پیچھے کئے **من بعدی** میری غیر موجودگی میں۔ یا یہ خطاب ہے حضرت ہارون اور ان کے ساتھی مومنین سے جو اس پرستش سے محفوظ رہے تو **ما** مصدریہ ہے اور معنی یہ ہیں کہ تم نے میری غیر موجودگی میں میری نیابت بری طرح کی کہ تبلیغ نہ کی۔ بت پرستوں سے نرمی برتی آپ نے طور پر جاتے وقت حضرت ہارون سے کہا تھا **لاخیہ ھرون اخلفنی فی قومی** تفسیر کبیر نے دوسری توجیہ کو ترجیح دی بعض نے پہلی توجیہ کو (روح المعانی وغیرہ) یعنی اے ہارون اور مومنین تم نے قوم کی فطرت بھی دیکھ لی تھی کہ فرعون سے نجات پاتے ہی ایک قوم کو بچھڑا پوجتے دیکھا تو بولے **اجعل لنا الھا کما لھم الھتہ** اے موسی ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو جیسے کہ ان کے لئے معبود ہیں اور میری تبلیغ بھی دیکھی تھی کہ میں نے کس طرح انہیں سیدھا رکھا پھر تم نے انہیں پرستش کرنے دی (خازن)۔ نبی کی خلافت دو قسم کی ہوتی ہے وقتی اور دائمی موسی علیہ السلام نے اس موقعہ پر حضرت ہارون وغیرہ کو وقتی خلیفہ کہا تھا آپ کے بعد دائمی خلیفہ یوشع علیہ السلام ہوئے تھے یہاں وقتی خلافت کا ذکر ہے جو چند روزہ تھی۔ **اعجلتم امر ربکم** اس میں خطاب بچھڑا پرستوں سے ہے اس میں الف انکاری بلکہ عتاب کے سوال کا ہے اس عبارت کی ترکیب میں بہت گفتگو ہے روح المعانی نے فرمایا کہ اصل عبارت یوں تھی **عن اعجلتم عجا امر کم ربکم** کیونکہ تعجیل کے بعد **عن** آتا ہے یعنی کیا

www.alahazratnetwork.org

تم نے اس چیز سے جلدی کی جس کا تم کو رب نے حکم دیا تھا یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انتظار۔ جب موسیٰ علیہ السلام کو طور سے واپسی میں کچھ دیر لگ گئی تو سامری بولا کہ موسیٰ علیہ السلام کی وفات ہو چکی آؤ تم کو خدا میں دکھاتا ہوں اس کی عبادت کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **عجلتم** ۔ معنی **ترکتم** ہے یعنی کیا تم نے اپنے رب کا حکم چھوڑ دیا۔ خیال رہے کہ عجلت اور سرعت دونوں کے معنی ہیں جلدی مگر وقت سے پہلے کسی کام کو کرنا عجلت ہے اور وقت میں پھرتی سے کام لینا سرعت۔ اسی لئے اکثر عجلت کی برائی کی جاتی ہے اور سرعت کی تعریف ایک شاعر کہتا ہے۔ کہ

تعجیل کار شیاطیں بود!

مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں کبھی عجلت ۔ معنی سرعت آجاتا ہے کہ **عجلت الیک رب لترضی** یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ **عجلتم** ۔ معنی **سبقتم** ہے اسی لئے اس کے بعد **عن** نہیں آیا بعض نے فرمایا کہ **عجلتم** ۔ معنی **ترکتم** ہے اور **امر ربکم** سے مراد ہے ایمان و تقویٰ کا حکم یعنی کیا تم نے اپنے رب کا حکم بہت جلدی چھوڑ دیا کہ چالیس دن کے اندر تم لوگ مرتد' بچھڑے کے پجاری بن گئے **والقی الالواح** یہ عبارت معطوف ہے **قال بئسما** پر قوی یہ ہی ہے۔ اس کا حال ہونا ضعیف ہے **القی** بنا ہے **القاء** سے ۔ معنی ڈالنا' پٹخنا' پھینکنا۔ الواح جمع ہے لوح کی ۔ معنی تختی اس سے توریت شریف کی تختیاں مراد ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تختیاں اتنی تھیں جو ہاتھوں میں اٹھائی جاسکتی تھیں اگر ساٹھ ستر اونٹ کا وزن ہوتیں تو ڈالنے یا پھینکنے کی کیا صورت ہوتی ڈالنے میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ آپ نے پھرتی سے رکھیں جو حس میں پھینکنا معلوم ہوا (روح المعانی) پھینکنا حسی تھا نہ کہ حقیقی دوسرے یہ کہ واقعی آپ نے ہاتھ سے گرا ہی دیں مگر توہین کے لئے نہیں بلکہ جوش غضب میں بے اختیاری طور پر یہ کام سرزد ہوا بے خودی میں' اور غصہ محض اللہ کے لئے تھا یا سامری پر غصہ آیا کہ اس نے بچھڑا بنایا کیوں۔ یا قوم پر کہ انہوں نے پوجا کیوں۔ یا ہارون علیہ السلام پر کہ انہوں نے لوگوں کو پرستش سے منع کیوں نہیں کیا۔ تیسرا احتمال زیادہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے موسیٰ علیہ السلام بہت ہی تیز مزاج تھے حتیٰ کہ سخت غصہ میں آپ کے سر کی ٹوپی جل جاتی تھی (روح المعانی) خیال رہے کہ گرا دینے سے توریت کے سات حصے اٹھائے گئے جن میں تفصیل **کل شی** تھی اور علم غیب تھا صرف ایک حصہ باقی رہا جس میں وعظ و نصیحت' حلال و حرام تھا (خازن۔ مدارک۔ بیضاوی۔ روح المعانی وغیرہ) یہ بات خوب یاد رکھی جائے توریت آئی تھی تو اس میں علوم غیبیہ اور تفصیل **کل شی** بھی تھے مگر جو باقی رہی تو اس میں صرف احکام تھے۔ **واخذ براس اخیہ یجرہ الیہ** یہ عبارت معطوف ہے **القی الالواح** پر اس میں موسیٰ علیہ السلام کے دوسرے عمل کا ذکر ہے **راس** یعنی سر سے مراد ہے سر کے بال پٹے یا زلفیں۔ **اخیہ** سے مراد ہیں حضرت ہارون علیہ السلام جو آپ کے سگے بھائی تھے آپ سے تین سال عمر میں زیادہ تھے مگر رتبہ موسیٰ علیہ السلام کا بڑا تھا کہ آپ سلطان تھے اور حضرت ہارون وزیر یہاں صرف سر کے بال پکڑنے کا ذکر ہے مگر سورہ طہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ہارون کے سر کے بال بھی پکڑے اور ڈاڑھی بھی **قال ابن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی** خیال رہے کہ اس عمل میں بھی حضرت ہارون کی توہین مقصود نہیں بلکہ جس جوش اور جھنجلاہٹ میں آپ نے توریت کی تختیاں ڈالیں اس جوش میں حضرت ہارون سے یہ سلوک کیا۔ **یجرہ** حال ہے **اخذ** کے فاعل سے۔ یہ بنا ہے **جر** سے ۔ معنی کھینچنا' گھسیٹنا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے کوہ

www.alahazratnetwork.org

طور پر ہی موسیٰ علیہ السلام کو خبر دے دی تھی کہ بچھڑا سازی سامری نے کی ہے مگر آپ نے حضرت ہارون پر یہ سختی کی اس الزام میں کہ اے ہارون تم نے انہیں ان حرکات سے روکا کیوں نہیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ اس عتاب میں قوم کو ڈرانا مقصود تھا کہ وہ یہ حالات دیکھ کر اپنے کرتوت سے جلد توبہ کریں سوچیں کہ جب حضرت ہارون پر یہ عتاب ہو رہا ہے تو بچھڑا پرستی کرنے والوں کا کیا حال ہو گا یہ توجیہ بہت ہی نفیس ہے حضرت ہارون آپ کے اپنے بھائی تھے بھائی بھی بڑے اور نبی بھی اپنوں پر عتاب دوسروں کے لئے عبرت ہوتا ہے **قال ابن ام** اس عبارت میں **قال** کا فاعل حضرت ہارون ہیں علیہ الصلوۃ والسلام چونکہ آپ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی ہیں اس لئے اس کے معنی ہو سکتے ہیں کہا۔ چونکہ آپ حضرت موسیٰ سے عمر میں بڑے ہیں اس لئے معنی ہو سکتے ہیں فرمایا چونکہ آپ وزیر ہیں اور موسیٰ علیہ السلام سلطان اس لئے معنی ہو سکتے ہیں عرض کیا قرآن مجید میں یہ **قال** ایسا ہے۔ جس میں تین احتمال ہیں ابن سے پہلے یا پوشیدہ ہے اور ام کے بعد **ی** متکلم اصل میں **یا ابن امی** تھا ہماری قراءت میں ام میم کے فتح سے ہے ایک قراءۃ میں **ام** میم کے کسرہ سے ہے حضرت ہارون جناب موسیٰ کے حقیقی بھائی ہیں والد کا نام عمران ہے ماں کا نام یوحانذ بنت ۔ صمر ابن لاوی ہے بعض نے فرمایا کہ ان کا نام محیانہ ہے یا کہ یارضا یا بازخت بہر حال ہیں حقیقی بھائی مگر صرف ماں کا نام لیا کیونکہ ماں کے نام میں محبت کے جوش مارنے کی تاثیر ہے اس نام سے دل میں محبت و راحت کا دریا جوش مارنے لگتا ہے غصہ ختم ہو جاتا ہے اردو گیتوں میں بھائی کو ماں جایا بلکہ میا جایا کہا جاتا ہے جیسے رسول کا نام محبت کا سرچشمہ ہے کسی مسلمان سے لڑائی میں کہہ دو اے میرے رسول کے امتی دیکھو پھر کیا نظارہ ہوتا ہے کیونکہ ماں کے سینہ سے دودھ ملا ہے حضور انور کے سینہ سے قرآن و ایمان ملا ہے بلکہ رب تعالیٰ کو مہربان کرنے کے لئے حضور کا نام اکسیر ہے۔ اس نام کی تاثیر ہے ملانا نام مبارک میں دو میم ہیں جس سے دونوں ہونٹ مل جاتے ہیں حضور مخلوق کو خالق سے اور مخلوق میں بعض کو بعض سے ملاتے ہیں حضرت سفینہ کے سامنے جب شیر غرا کر آیا تو آپ نے شیر سے کہا **انا مولیٰ رسول اللہ** (مشکوٰۃ) صرف اس خطاب سے ہی موسیٰ علیہ السلام کا جوش ختم ہو گیا **ان القوم استضعفونی**۔ یہ ہے **قال** کا اصل مقولہ قوم سے مراد بچھڑے کے پجاری اسرائیلی ہیں نہ کہ مومنین۔ پجاری بہت زیادہ تھے مومنین بہت تھوڑے استضعاف کے معنی ہیں کسی کو کمزور سمجھنا خواہ وہ واقع میں کمزور ہو یا نہ ہو حضرت ہارون واقع میں بہت قوی تھے کہ اللہ کے نبی تھے مگر ظاہری اسباب۔ جماعت جتھا ان بچھڑا پرستوں کے پاس زیادہ تھا اس لئے انہوں نے حضرت ہارون کو کمزور محسوس کیا **و کادوا یقتلوننی** یہ عبارت معطوف ہے **استضعفونی** پر اور کمزور سمجھنے کا نتیجہ بیان کر رہی ہے یعنی میں نے انہیں بت پرستی سے روکا تو وہ میرے دشمن ہو گئے میرے قتل کے درپے ہو گئے **فلا تشمت بی الاعداء۔ تشمت** بنا ہے **شماتت** سے۔ جس کے معنی ہیں دشمن کی مصیبت پر خوشی یا طعنہ۔ اعداء سے مراد وہ بچھڑا پرست اسرائیلی ہیں اگرچہ وہ لوگ حضرت ہارون کے عزیز و قرابت دار تھے مگر کفر و شرک کی وجہ سے آپ نے انہیں دشمن کہا یعنی اے بھائی میرے ذریعہ دشمنوں کو نہ خوش کرو یا انہیں طعنہ دینے کا موقعہ نہ دو انہیں۔ مجھ پر نہ ہنساؤ کہ وہ سمجھیں کہ حضرت ہارون کے بھائی بھی ان پر ناراض ہو گئے۔ بھائیوں میں چل گئی اس سے میرا وقار ان کی نظر میں اور بھی کم ہو جائے **ولا تجعلنی مع القوم الظلمین** یہ عبارت معطوف ہے **لا تشمت** پر یعنی اے بھائی مجھے عتاب میں ظالم قوم کا ساتھی نہ بناؤ کہ ان کے ساتھ مجھ پر بھی عتاب کرو۔ خیال رہے کہ یہاں ہمراہی صرف عتاب میں مراد ہے عقیدہ یا اعمال میں

www.alahazratnetwork.org

ہمراہی مراد نہیں یا یہ مطلب ہے کہ آپ مجھے ظالمین میں سے نہ سمجھیں کہ میں نے تبلیغ نہ کر کے اپنے پر ظلم کیا اور ان بت پرستوں نے بت پرستی کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا اے بھائی واقعہ یہ نہیں ہے (معانی) کبھی جعل ۔ معنی سمجھنا بھی آتا ہے رب فرماتا ہے **وجعلوا الملئکتہ الذین ھم عباد الرحمن**۔ اب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے جلال اور حضرت ہارون کے ملال کا اثار فرمانے کا ذکر ہوا کہ آپ نے ماں کا نام لیا' ابن ام اب اس اثار کے نتیجے کا ذکر ہو رہا ہے کہ ماں کا نام سنتے ہی حضرت موسیٰ کا جلال جمال میں تبدیل ہو گیا بجائے غضب کے رحمت کا دریا جوش مارنے لگا چنانچہ ارشاد ہوا۔ **قال رب اغفرلی ولاخی** یہ موسیٰ علیہ السلام کا فرمان بطور جواب ہے آپ نے حضرت ہارون سے کوئی معذرت نہ کی بلکہ انہیں اپنی دعا میں شامل کر کے ان کو جواب بھی دے دیا اور ان کے زخمی دل پر مرہم بھی رکھ دیا اللہ کا نام زخمی دلوں کا مرہم ہے۔ اعلیٰ حضرت نے کیا خوب فرمایا۔

اے بہ یادت نالہ مرغ سحرا اے کہ نامت مرہم زخم جگر

غرضکہ خدا کا نام نبی کی دعا مرحم زخم جگر ہوتی ہے رب فرماتا ہے **ان صلوتک سکن لھم** حضور کی دعا سے دلوں کو چین و سکون ملتے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس موقعہ پر نہ آپ سے کوئی گناہ ہوا نہ حضرت ہارون سے حضرات انبیاء کرام کا دعا مغفرت فرمانا امت کو تعلیم دینے کے لئے ہوتا ہے نیز۔

عابداں از گناہ توبہ کنند! عارفاں از عبادت استغفار

نیز اس دعا سے تمام قوم کو بتا دیا کہ آپ اپنے بھائی پر ناراض نہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ آپ نے یہ دعا بلند آواز سے مانگی جو حضرت ہارون نے بھی سنی اور قوم نے بھی۔ جسے سن کر حضرت ہارون کو تسلی ہوئی دشمنوں کو مایوسی بعض موقعہ پر اونچی آواز سے دعا کرنا اچھا ہے۔ عام حالات میں آہستہ رب فرماتا ہے **ادعوا ربکم تضرعا وخفیتہ۔ وادخلنا فی رحمتک**۔ یہ عبارت معطوف ہے **اغفرلی** پر اور یہ دوسری دعا ہے۔ رحمت سے مراد کوئی خاص رحمت ہے یا بلندی درجات یا خصوصی قرب ہے ورنہ ایمان 'عرفان' نبوت 'کتاب الٰہی کی عطاء 'کلام الٰہی کی عزت تو آپ کو پہلے ہی سے حاصل تھیں۔ اس دعا میں اپنے اور حضرت ہارون کے لئے ایک ہی ضمیر سے دعا کی گئی **ادخلنی واخی** نہ فرمایا جس سے بے انتہا مہربانی ظاہر ہوتی ہے **وانت ارحم الرحمین**۔ یہ دعا کا تتمہ ہے کہ دعا کو حمد الٰہی پر ختم کیا تاکہ پتہ لگے کہ دعا کے بعد حمد سنت انبیاء ہے یعنی اے مولیٰ تیرے بہت سے بندے رحمت و کرم کا پیکر ہیں۔ ماں باپ بعض دوست 'خویش و اقارب رحیم ہوتے ہیں مگر تو تمام رحیموں سے بڑھ کر رحمت والا ہے کہ سب کی رحمتیں محدود ہیں۔ تیری رحمت غیر محدود اسی لئے ہم تجھ سے یہ دعائیں کر رہے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ادھر قوم کی بچھڑا پرستی کا حال تم نے سن لیا ادھر موسیٰ علیہ السلام کا حال سنو آپ طور سے اپنی قوم اسرائیلیوں کی طرف غصہ میں بھرے ہوئے جھنجلائے ہوئے لوٹے کیونکہ اس واقعہ کی اطلاع انہیں طور پر ہی مل چکی تھی آپ نے اولاً کافر یا مومن قوم سے خطاب کیا فرمایا تم نے میرے پیچھے جو کام کئے وہ بہت ہی برے ہیں یا اے مومن اسرائیلیو تم نے میرے پیچھے میری نیابت بڑی بری طرح کی کہ میری طرح بت پرستوں کو تبلیغ نہیں کی۔ کیا تم لوگوں نے اپنے رب کے حکم سے جلد بازی کی کہ میرے واپس آنے کا انتظار نہیں کیا یہ فرمایا اور سخت غصہ کی حالت میں توریت کی تختیاں ڈال دیں اور ادھر اپنے بھائی

www.alahazratnetwork.org

ہارون کے سر کے بال پکڑ کر اپنی طرف کھینچے کہا کہ تم نے بت پرستی روکنے میں سستی کیوں کی۔ جناب ہارون نے کہا اے میرے ماں جائے پہلے میری بات تو سن لے میں نے تبلیغ میں بالکل سستی نہیں کی قوم نے مجھے بہت ہی کمزور سمجھا۔ میری جان کے پیچھے پڑ گئے وہ تو مجھے قتل ہی کرنے لگے تھے اب تم تو مجھ پر ان دشمنوں کو نہ ہنساؤ کہ تمہاری باتیں سن کر لوگ کہیں گے کہ دونوں بھائیوں میں چل گئی مجھے ان ظالموں کا ساتھی نہ بناؤ میں نے کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی کہ مولیٰ مجھے بھی بخش دے اور میرے اس بھائی کو بھی اور ہم دونوں کو اپنی خصوصی رحمتوں میں داخل فرما ہماری خطاؤں سے درگذر فرما تو سارے رحم والوں سے بڑھ کر رحم والا ہے ہم پر رحم کر تیری رحمت سے کوئی بے نیاز نہیں اور تیری رحمت کسی سے دور نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ کے لئے غصہ کرنا سنت انبیاء ہے اس پر بڑے اجر و ثواب کی امید ہے موسیٰ علیہ السلام کا یہ غیظ و غضب خالص اللہ تعالیٰ کے لئے تھا **الحب للہ والبغض للہ** بڑی عبادت ہے یہ فائدہ **غضبان اسفا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: صرف اپنی اصلاح کافی نہیں دوسروں کو ہدایت دینا بھی ضروری ہے یہ فائدہ **بئسما خلفتمونی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ یہ خطاب مومنین سے ہو۔ **تیسرا فائدہ**: اصحاب موسیٰ علیہ السلام سے حضور انور کے صحابہ افضل ہیں یہ فائدہ **بئسما خلفتمونی من بعدی** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس میں خطاب بچھڑا پرستوں سے ہو۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو صرف دس دن کی دیر لگی تو آپ کے ساتھ رہنے والے اسرائیلی بت پرست بن گئے۔ حضور سید عالم ﷺ بارہا عرصہ تک مدینہ منورہ سے باہر رہے مگر صحابہ کرام کی کسی عبادت میں فرق نہ آیا۔ حضور کی وفات کے بعد صحابہ نے ہی اسلام کو سنبھالا اسے پھیلایا جس کی مثال نہیں ملے گی۔ خلافت حیدری میں صحابہ میں اجتہادی خطا کی بنا پر جنگیں ہوئیں مگر کوئی عقیدہ اسلامیہ سے نہ پھرا ان جنگوں میں بھی **رحماء بینھم** کی جھلک تھی اس کے لئے ہماری کتاب امیر معاویہ کا مطالعہ کرو۔ **چوتھا فائدہ**: جوش اور بے خودی کی حالت کے افعال پر شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے۔ دیکھو توریت شریف کتاب تھی اس کی تختیاں قابل احترام تھیں ان کی توہین خلاف ایمان مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ گرادیں اور رب کی طرف سے عتاب نہ ہوا کہ یہ سب کچھ جوش اور بے خودی میں ہوا اور وہ جوش اور بے خودی رب کے لئے تھی۔ ایک صحابی نے نماز مغرب کی امامت کی نشہ میں تھے۔ سورہ کافرون کی تلاوت کی اور چاروں جگہ **لا** چھوڑ گئے جس سے معنی کفریہ بن گئے مگر اس پر کچھ عتاب نہ ہوا صرف یہ فرمایا گیا کہ آئندہ نشہ میں نماز کے قریب بھی نہ جانا یہ امام حضرت علی تھے رضی اللہ عنہ۔ یہ رعایت کیوں ہوئی اس لئے کہ بے خود بے ہوش تھے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے فرمایا۔

ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے — اس میں روضہ کا سجدہ ہو کہ طواف

لہٰذا مجذوب فقیروں کے اقوال و اعمال پر پکڑ نہیں ان کے جذب والے اقوال و اعمال نہ کرو یہ واقعہ اس قاعدے کی اصلی دلیل ہے۔ خیال رہے کہ کہ اللہ کے رسول اللہ کی کتاب سے افضل ہوتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام توریت کی تختیوں سے افضل تھے۔ کلام اللہ اور کتاب اللہ کا فرق یاد رکھو۔ **پانچواں فائدہ**: بادشاہ وزیر کو ماں باپ اولاد کو استاد شاگرد کو پیر مرید کو اگر بے قصور بھی سزا دے دیں تو ان پر قصاص لازم نہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون پر بلا قصور سختی کی مگر بعد میں نہ ان

www.alahazratnetwork.org

سے معافی مانگی نہ انہیں قصاص دیا نہ رب نے ان چیزوں کا حکم دیا صرف دعا میں انہیں شریک کر لیا۔ ایسی حالت میں چھوٹے بڑے کا فرق بھی اٹھ جاتا ہے کہ حضرت ہارون علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام سے عمر میں تین سال بڑے تھے مگر واقعہ یہ پیش آگیا۔ ایوب علیہ السلام نے اپنی بے قصور بیوی یعنی رحمت کو سو کوڑے مارنے کی قسم کھالی جب تندرست ہوئے تو رب نے فرمایا **وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولا تحنث**۔ آپ انہیں جھاڑو مار دو قسم نہ توڑو۔ اس سختی پر عتاب نہ فرمایا۔ **چھٹا فائدہ**: ماں کے نام میں عجیب تاثیر ہے اس نام سے دل میں محبت جوش مارتی ہے کیونکہ ماں نے بچپن میں اپنا دودھ پلایا ہوتا ہے اس دودھ کی یہ تاثیر ہے۔ یہ فائدہ ابن ام فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت ہارون نے جناب موسیٰ کا غصہ دور کرنے کے لئے انہیں ام ' ماں کی طرف نسبت کیا نہ تو **اخی** کہا نہ **ابن ابی** نہ نام لیا اس وجہ سے کہ ماں کا حق زیادہ ہے ماں کی رضا میں رب تعالٰی کی رضا ہے۔

حکایت: حضور انور کے زمانہ میں ایک شخص کی جان کنی کا وقت آیا تو اس کی زبان سے کلمہ طیبہ نہ نکل سکا۔ لوگوں نے بارگاہ نبوت میں یہ ماجرا عرض کیا۔ حضور انور تشریف لائے آتے ہی کلمہ پڑھانے کی کوشش کی مگر زبان نے کام نہ کیا حضور انور نے پوچھا کہ کیا یہ نماز روزے میں سستی کرتا تھا عرض کیا گیا کہ وہ ان کا بہت ہی پابند تھا فرمایا کہ یہ اپنے ماں باپ کا نافرمان تو نہ تھا لوگوں نے کہا ہاں نافرمان تھا۔ فرمایا اس کی ماں کو بلاؤ وہ آئی ملاحظہ فرمایا کہ وہ کانی اور بہت بوڑھی تھی حضور انور نے فرمایا اپنے اس بیٹے کو معافی دے دے وہ بولی میں معاف نہ کروں گی اس نے مجھے بہت ستایا ہے مجھے طمانچہ مار کے کانا کر دیا۔ فرمایا اچھا لکڑیاں اور آگ لاؤ ہم اسے جلائیں گے اس بوڑھی کے سامنے۔ کیونکہ تو اسے معاف نہیں کرتی وہ بولی حضور میں نے معاف کیا میں نے معاف کیا میں نے اسے نو ماہ پیٹ میں رکھا دو سال دودھ پلایا اس لئے نہیں کہ یہ میرے سامنے آگ میں جلے ماں کا یہ کہنا تھا کہ مرنے والے کی زبان پر کلمہ جاری ہو گیا (روح البیان) دوستو جب ماں جس کی رحمت اولاد پر معمولی سی ہے اپنے بچہ کو آگ میں نہیں جلنے دیتی تو رب ارحم الراحمین سے امید ہے کہ ہم گنہگاروں کو آگ میں نہیں جلائے گا معافی دے گا۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں ؎

لطف خدا بیشتر از جرم ماست نکتہ سربستہ چہ دانی خموش

ولا طمع مہر از لطف بے نہایت دوست کہ مہر سر محمد زا لطف بے نہایت او

(روح البیان)

ساتواں فائدہ: جب حالات ہوں اور جان کا خطرہ ہو تو تبلیغ نہ کرنا گوشہ نشینی اختیار کر لینا بھی جائز ہے یہ فائدہ **وکادوا یقتلوننی** سے حاصل ہوا دیکھو ہارون علیہ السلام نے جب حالات بگڑتے دیکھے تو بچھڑا پرستوں سے علیحدگی اختیار کر لی اور آپ کے اس عمل پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ **آٹھواں فائدہ**: رعب و دبدبہ رب کی طرف سے کسی کسی کو ملتا ہے دیکھو قوم اسرائیل حضرت ہارون علیہ اسلام سے نہ دبی بلکہ ان کے مقابلہ میں آگئی مگر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایسی مرعوب ہوئی کہ آپ نے ان کا بنایا پوجا ہوا بچھڑا ان کے سامنے جلا دیا مگر وہ خاموش دیکھتے رہے انہیں حکم دیا کہ اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دو تو سب ہی گردنیں پیش کر کے بیٹھ گئے جیسا کہ پہلے پارہ میں گزر چکا یہ تھا رعب و دبدبہ کلیم اللہی۔ ہمارے حضور کا رعب مومن کے دل میں اب تک ہے بڑے بڑے بہادر نام پاک سن کر کانپ جاتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی حاضری کے موقعہ پر پہلے سلام شریف میں

www.alahazratnetwork.org

بڑے بڑوں کے حواس گم ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ حضور کا رعب ہر مومن کے دل میں اور بھی زیادہ کرے۔ علماء کو چاہئے کہ ہمیشہ حضور کی شان امت کو سنایا کریں تاکہ دلوں میں ہیبت پیدا ہو اسی ہیبت پر ایمان کی بنیاد قائم ہے۔ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو محبوبیت کا معجزہ بھی دیا تھا **والقیت علیک محبۃ منی** اور رعب کا بھی جو یہاں مذکور ہے مگر یہ دونوں معجزے ان کی حیات شریف تک تھے حضور کے یہ دونوں معجزے اب تک ہیں اور قیامت تک رہیں گے۔ جس کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ **نواں فائدہ:** اسلامی بادشاہ حکام 'سید' استاد حتی کہ ہر گھر بار والا آدمی حضور انور کا خلیفہ ہے ہر شخص غور کرے کہ میں نے حضور انور کی اچھی خلافت کی یا بری خلافت اگر خود بھی ٹھیک رہا اور اپنے بال بچوں ماتحتوں کی اصلاح بھی کی تو اچھا خلیفہ ہے اگر ان باتوں سے غافل رہا تو برا خلیفہ یہ فائدہ **بئسما خلفتمونی** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ:** دعا عام بھی کرنی جائز ہے اور خاص بھی مگر سنت یہ ہے کہ ابتدا اپنے سے کرے یہ فائدہ **رب اغفرلی ولاخی** سے حاصل ہوا۔ حضرت خلیل نے دعا کی **رب اغفرلی ولوالدی وللمؤمنین یوم یقوم الحساب**۔ **گیارہواں فائدہ:** دعا کے آداب میں سے یہ ہے کہ شروع بھی کرے رب تعالیٰ کی حمد سے اور ختم بھی کرے حمد پر دو طرفہ حمد ہو بیچ میں عرض مدعا ہو۔ یہ فائدہ **رب** اور آخر میں **انت ارحم الرحمین** فرمانے سے حاصل ہوا پھر حمد الٰہی کرے جو اپنے مدعیٰ کے مطابق ہو۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے رب سے مغفرت مانگی تو ربوبیت' رحمت سے اس کی حمد کی اگر کسی پر بددعا کی جاوے تو القہار الجبار کہا جاوے۔ **بارھواں فائدہ:** مرتد و کافر مومن کے دشمن ہیں اگرچہ رشتہ دار قرابت والے ہی ہوں۔ یہ فائدہ **فلا تشمت بی الاعداء** سے حاصل ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے بچھڑا پرست اسرائیلیوں کو دشمن کہا حالانکہ وہ لوگ آپ کے ہم نسب تھے۔ **تیرھواں فائدہ:** جیسے ماں باپ کو اپنی اولاد کی جسمانی تکلیف سے دکھ ہوتا ہے یوں ہی نبی کو امتی کے گناہوں سے رشتہ روحانی کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے۔ یہ فائدہ اس آیت سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی دیکھ کر بہت ہی صدمہ ہوا۔ فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم** جیسے روح کو جسم پر عضو کی تکلیف کی خبر ہے یوں ہی حضور کو امتی کے ہر دکھ درد کی خبر ہے۔ ابھی آخر جولائی 1971ء میں امریکہ نے اپالو پندرہ چاند پر بھیجا جس میں تین آدمی ہیں چاند زمین سے دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل ہے مگر وہاں سے امریکہ والے ان کے دلوں کی دھڑکن کی آواز سن رہے ہیں ان کے لباس میں سوراخ ہو گیا وہ سو رہے تھے انہیں امریکہ سے جگایا اور بتایا کہ تمہارے کپڑے میں سوراخ ہو گیا۔ آکسیجن ضائع ہو رہی ہے یہ ہے نار اور سائنس کی طاقت تو نبی کے نور کی طاقت کیسی ہو گی۔

پہلا اعتراض: توریت شریف کلام الٰہی ہے اس کی بے ادبی کفر ہے اس کی تختیاں پٹخنا اس کی سخت بے ادبی ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نبی نے یہ کام کیوں کیا۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کو پٹخنا کفر ہے۔ **جواب:** قرآن مجید کو پٹخنا؛ الٹا کفر ہے جبکہ توہین کی غرض سے ہو وہاں یہ خیال بھی نہ تھا۔ آپ کا یہ عمل جوش غضب میں ہوا جب کہ آپ بے خود ہو گئے تھے ایسی حالت میں شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ **دوسرا اعتراض:** حضرت ہارون علیہ السلام نبی ہیں اور نبی کی ادنیٰ توہین کفر ہے پھر موسیٰ علیہ السلام نے ان کی توہین کیوں کی نیز وہ موسیٰ علیہ السلام کے بڑے بھائی ہیں بڑے بھائی کا احترام ضروری ہے۔ **جواب:** اس کا جواب وہی ہے جو ابھی پہلے اعتراض کے جواب میں عرض کیا گیا کہ ہوش میں جو نہ ہو وہ کیا نہ کرے نیز موسیٰ علیہ السلام درجہ میں

www.alahazratnetwork.org

حضرت ہارون سے بڑے ہیں کہ جناب ہارون صرف نبی ہیں مگر آپ نبی بھی ہیں رسول بھی صاحب کتاب بھی صاحب معجزات بھی کلیم اللہ بھی۔ نیز آپ سلطان ہیں حضرت ہارون وزیر۔ آپ ہی کی دعا سے جناب ہارون نبی ہوئے ان وجوہ سے آپ بڑے ہیں اگر بڑا چھوٹے پر سختی کرے تو اس میں اس کی توہین نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض**: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام اصل واقعہ سے بے خبر تھے ورنہ آپ بجائے سامری کے بے قصور بھائی پر غصہ کیوں کرتے معلوم ہوا کہ آپ کو علم غیب نہ تھا۔ **جواب**: قرآن کریم فرما رہا ہے کہ آپ کو سارے واقعہ کا علم کوہ طور پر ہی ہو چکا تھا۔ رب تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی تھی کہ **اضلھم السامری** انہیں سامری نے گمراہ کر دیا آپ کا حضرت ہارون سے یہ برتاؤ دوسروں کو دکھانے دھمکانے ڈرانے کے لئے تھا کہ جب بے قصور بھائی پر آپ اس درجہ ناراض ہیں صرف تبلیغ میں کوتاہی کے احتمال سے پھر ہمارا کیا حال ہو گا۔ ہم تو بڑے ہی مجرم ہیں یا یوں کہو کہ جیسے توریت کی تختیوں کا گرا دینا انتہائی جوش میں ہوا ایسے ہی یہ عمل بھی اسی وجہ سے ہوا۔ **چوتھا اعتراض**: تم نے کہا کہ استاد سے شاگرد کا پیر سے مرید کا باپ سے اولاد کا نبی سے امتی کا قصاص نہیں لیا جاتا مگر حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک صحابی کے سامنے اپنے کو قصاص کے لئے پیش فرمایا کہ تو مجھ سے اپنا بدلہ لے لے۔ وہ حدیث تمہارے اس قول اور قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب**: حضور انور کا اپنے کو قصاص کے لئے پیش فرمانا انتہائی عدل کا اظہار اور امت کی تعلیم کے لئے ہے وہاں بھی آپ پر قصاص لازم نہ تھا خود اپنے کو پیش فرما دیا بطور تبرع قصاص لازم ہونا اور چیز ہے غیر لازم چیز کو اختیار فرمانا کچھ اور۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے قوم کی بگڑتی ہوئی حالت دیکھ کر اپنی جان کا خطرہ محسوس فرما کر خاموشی اور گوشہ نشینی اختیار کی قوم کو شرک و بت پرستی کرنے دی مگر حضرت زکریا و یحیی علیہما السلام نے تبلیغ احکام کرتے ہوئے شہادت اختیار کر لی کہ اس زمانہ کا بادشاہ اپنی سوتیلی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا تھا آپ نے اسے روکا اور شہید کر دیئے گئے ان انبیاء کرام کے عملوں میں یہ فرق کیوں ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ حضرت زکریا و یحیی علیہما السلام نے عزیمت پر عمل کیا اور حضرت ہارون نے رخصت پر دونوں جائز ہیں اور یہ سارے حضرات اللہ کے پیارے ہیں دوسرے یہ کہ حضرت زکریا و یحیی علیہما السلام سے بادشاہ نے اس نکاح کے جواز کا فتویٰ مانگا تھا جو آپ نے نہ دیا بلکہ اسے حرام ہی کہا اور شہید کر دیئے گئے۔ حضرت ہارون علیہ السلام نے بھی زبانی تبلیغ برابر کی بت پرستی کی حمایت نہ کی ہاں ان بت پرستوں سے جنگ نہیں کی کیونکہ جہاد کے اسباب آپ کے پاس نہ تھے۔ لہٰذا ان دونوں بزرگوں کے عمل میں کوئی فرق نہیں۔ عزیمت اور رخصت کا فرق ہمارے فتاویٰ میں ملاحظہ کرو۔ **چھٹا اعتراض**: جہاد کے اسباب تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس بھی نہ تھے آپ بھی ساری قوم کے سامنے گویا اکیلے ہی تھے پھر آپ نے بت پرستی کیسے بند کر دی یہی کام حضرت ہارون نے کیوں نہ کیا۔ **جواب**: موسیٰ علیہ السلام کا رعب اور دبدبہ خاص عطیہ ربانی تھا آپ کی ہیبت سے وہ لوگ مرعوب ہو گئے حتیٰ کہ آپ نے بچھڑا ان کے سامنے ذبح کیا اسے جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا دریا میں بہا دیا۔ سامری اور ساری قوم دیکھتی رہی کچھ نہ بولی بلکہ سب نے آپ کے فرمان پر اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دیا یہ تھی ہیبت کلیم الٰہی علیہ الصلوۃ والسلام۔ **ساتواں اعتراض**: اگر یہ دونوں حضرات بالکل حق بجانب تھے کسی سے کوئی قصور سرزد نہ ہوا تھا تو دعاء مغفرت کے کیا معنی کہ عرض کیا۔ **رب اغفرلی ولاخی** معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون سے بھی گناہ ہوا کہ قوم کو

www.alahazratnetwork.org

بت پرستی سے نہ روکا اور موسیٰ علیہ السلام سے بھی کہ انہوں نے اپنے بڑے بھائی کو ذلیل کیا اور توریت کی تختیاں پٹک دیں۔

نوٹ ضروری: آج کل بعض بے دین عصمت انبیاء کے منکر ہیں یہ اعتراض انہیں کا ہے وہ لوگ بڑی بدتمیزی سے یہ اعتراض کرتے ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر گناہ کر کے ہی استغفار پڑھی جاتی ہے تو ہم ہر نماز کے آخر میں سلام سے پہلے پڑھتے ہیں **رب اغفر لی و لوالدی** اور روزہ افطار کے وقت پڑھتے ہیں۔ **اللھم لک صمت و علی رزقک افطرت فاغفر لی ماقدمت وما اخرت** حج کے ہر رکن کے ادا کے وقت استغفار پڑھی جاتی ہے تو چاہئے کہ نماز روزہ حج وغیرہ ساری عبادات گناہ ہو جائیں نیز حضور ﷺ استنجاء سے فارغ ہونے پر استغفار پڑھتے تھے بلکہ ہر مجلس میں سو سو بار استغفار پڑھتے تھے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ۔۔

زاہداں از گناہ توبہ کنند! عارفاں از اطاعت استغفار!

حضرات انبیاء کرام کی دعاء مغفرت گناہوں کی بناء پر نہیں ہوتی اس کی اور صدہا وجہیں ہوتی ہیں ورنہ حق العبد کی معافی خود حق والے سے مانگی جاتی ہے صرف استغفر اللہ کہنے سے اس کی معافی نہیں ہوتی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جناب ہارون سے معافی مانگنا پڑتی یا انہیں قصاص دینا لازم ہوتا صرف **رب اغفر لی** فرمانا کافی نہ ہوتا یہ جواب خوب اچھی طرح سمجھ لو۔ خلاصہ یہ ہے کہ استغفار کی چند صورتیں ہوتی ہیں (1) گناہ کر کے معافی مانگنا (2) نیکی کر کے معافی مانگنا کہ خدایا یہ نیکی تیری بارگاہ کے لائق نہیں ہوئی (3) ایسے ہی عام حالات میں استغفار پڑھتے رہنا جیسے کہ صبح کو 70 بار استغفار پڑھنا گھر میں اتفاق اور رزق میں برکت کا ذریعہ ہے (4) کسی کو دعا دینے اسے خوش کرنے کے لئے دعاء مغفرت کرنا یعنی دعا دے کر اسے راضی کرنا یہاں چوتھی قسم کا استغفار ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جب بندے کو اللہ تعالیٰ سے بہت قرب ہو جاتا ہے تو معاملہ یہ ہوتا ہے کہ لوگ جرم کرتے ہیں رب کا اور غصہ آتا ہے بندہ کو بندہ اپنے رب کی طرف سے بدلہ خود لیتا ہے۔ دیکھو ان **بچھڑا پرست** اسرائیلیوں نے شرک کر کے رب کا جرم کیا تھا مگر غیظ و غضب کسے ہوا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اسکے برعکس جب کوئی قوم جرم کرتی ہے اس بندے کا تو غضب ہوتا ہے رب تعالیٰ کو فرماتا ہے **فلما اسفونا انتقمنا منھم** اور فرماتا ہے **لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی** یہاں تک کہ **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون** دیکھو انسان بے ادبی کرے حضور انور کی اور اعمال ضبط کرے رب تعالیٰ یوں ہی جو قوم راضی کرتی ہے اس کے بندہ کو تو انعام دیتا ہے خدا تعالیٰ۔ فرماتا ہے **فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم** میری اتباع کرو رب تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ مولانا فرماتے ہیں۔۔

منبر و محراب سازم بہر تو! درمحبت قہر من در قہر تو

یہ غیظ و غضب رب تعالیٰ کو بہت ہی محبوب ہے کہ یہ **البغض للہ** اور **الغیظ للہ** ہوتا ہے اس غصہ و غضب کی حالت میں جو فعل اس بندہ خاص سے سرزد ہوتے ہیں وہ بھی خدا کو پیارے ہوتے ہیں کہ یہ سب اس پیارے بندے کی ادائیں ہوتی ہیں اور پیاری کیفیت میں سرزد ہوتی ہیں۔ دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے اسی **الغضب للہ** کی حالت میں توریت کی تختیاں بھی پھینک دیں اور حضرت ہارون نبی اللہ کے ساتھ یہ مذکورہ معاملہ بھی کیا مگر رب تعالیٰ کو جناب کلیم اللہ کے یہ اعمال ایسے

www.alahazratnetwork.org

محبوب ہوئے کہ انہیں بغیر تردید و ملامت قرآن کریم میں نقل فرمایا یہ نقل محبوبیت کی علامت ہے۔ رب کے پیارے بندوں کو منالو رب راضی ہو جاتا ہے۔ اور اس منانے والے کے جرموں پر نظر نہیں فرماتا بلکہ اس کی نسبت پر نظر فرما کر مہربانی ہی کرتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبی کو ضعیف و کمزور سمجھنا کفار کا طریقہ ہے اور ایسا سمجھنے والے رب کے دشمن ہیں۔ دیکھو اس آیتہ میں **استضعفونی** فرما کر انہیں دشمن قرار فرمایا **فلا تشمت بی الاعداء** یہی اسرائیلی دشمن نبی قرار دیئے گئے۔

حکایت: ایک فاحشہ عورت اپنے یار کے ساتھ بازار میں جا رہی تھی۔ سڑک پر کیچڑ تھی سامنے سے ایک مست فقیر ننگے پاؤں آ رہا تھا جب وہ اس کے پاس سے گزرا تو کیچڑ کی چھینٹیں اس فاحشہ کے کپڑوں پر پڑیں اس کے یار نے اس مست کو طمانچہ مارا مست کو خبر بھی نہ ہوئی۔ جب یہ دونوں اپنے گھر کی چھت پر چڑھنے لگے تو اس کے یار کا پاؤں پھسلا گر کر مر گیا۔ کسی نے اس مست سے کہا کہ تو نے تو خون کر دیا تجھے طمانچہ مارنے والا گر کر مر گیا۔ مست بولا اس میں تعجب کی کیا بات ہے فاحشہ کے کپڑے خراب ہوئے تو اس کے یار کو غصہ آیا۔ جب اس نے مجھے مارا تو میرے یار میرے پروردگار کو غضب آیا اس نے بدلہ لے لیا یہ تو یاروں کا

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ
تحقیق وہ جو کہ بنایا جنہوں نے بچھڑا عنقریب پہونچے گا انہیں غضب طرف سے ان کے رب کے اور خواری
بے شک وہ جو بچھڑا لے بیٹھے عنقریب انہیں ان کے رب کا غضب اور ذلت پہنچنا ہے دنیا کی
فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾ وَ الَّذِیْنَ عَمِلُوا
زندگی دنیا میں اور اسی طرح سزا دیتے ہیں ہم جھوٹ گھڑنے والوں کو اور وہ لوگ جنہوں نے عمل
زندگی میں اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں بہتان بازوں کو اور جنہوں نے برائیاں کیں اور
السَّیِّاٰتِ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِهَا وَ اٰمَنُوْۤا٘ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ
کیئے برے پھر توبہ کی پیچھے سے اس کے اور ایمان لائے تحقیق رب آپ کا بعد اس کے البتہ
کے بعد توبہ کی اور ایمان لائے تو اس کے بعد تمہارا رب بخشنے
رَّحِیْمٌ ﴿۱۵۳﴾
بخشنے والا رحم والا
والا مہربان ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس رنج و غم کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام کو اسرائیلیوں کی بچھڑا پرستی سے ہوا اب اس عتاب یا عذاب کا ذکر ہے جو خود ان شرک کرنے والوں پر ہوا گویا بچھڑا پرستی کے دو نتیجے ہوئے جن میں سے ایک کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان خوش نصیب

www.alahazratnetwork.org

لوگوں کا ذکر ہوا جو بچھڑا پرستی سے محفوظ رہے جیسے حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے متبعین کہ ان پر اللہ کی رحمتیں ہوئی اب ان لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اس میں پھنس گئے گویا محفوظین کے بعد مردودین کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** بچھڑا پرستی کے موقعہ پر اسرائیلیوں کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جنہوں نے یہ حرکت قطعاً نہ کی دوسرے وہ جنہوں نے بچھڑا پرستی کی مگر بعد میں توبہ کرلی۔ تیسرے وہ جو اس پر قائم رہے اور بغیر توبہ مرے جیسے سامری اور اس کے بعض ساتھی۔ پچھلی آیات میں پہلی جماعت کا ذکر ہوا اب ان دو آیتوں میں آخری دو جماعتوں کا ذکر ہے ایک آیتہ میں تیسری جماعت کا اور دوسری آیتہ **ثم تابوا** میں دوسری جماعت کا۔

تفسیر: ان الذین اتخذوا العجل۔ چونکہ اس آیتہ کے مضمون کے موجودہ اور گذشتہ یہودی منکر تھے وہ اپنے کو اس جرم کے باوجود جنت کا ٹھیکیدار سمجھتے تھے کہتے تھے **لن یدخل الجنتہ الا من کان ھودا**" اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا لفظ **الذین** یعنی وہ لوگ کبھی عظمت و احترام کے لئے ہوتا ہے اور کبھی حقارت و ذلیل کرنے کے لئے اس کا پتہ اگلے مضمون سے لگتا ہے چونکہ یہاں بچھڑا پوجنے ان پر غضب آنے وغیرہ کا ذکر ہے لہٰذا یہاں **الذین** حقارت و ذلیل کرنے کے لئے ہے **اتخذوا العجل** میں چار احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اس سے مراد وہ یہودی ہیں جنہوں نے بچھڑا پوجا بعد میں توبہ کی یا نہ کی یہ لوگ چھ لاکھ آٹھ ہزار تھے اور بارہ ہزار وہ تھے جو اس لعنت سے محفوظ رہے۔ خیال رہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بحر قلزم سے چھ لاکھ بیس ہزار اسرائیلی پار گئے تھے جن میں سے کل بارہ ہزار بچھڑا پرستی سے محفوظ رہے باقی چھ لاکھ آٹھ ہزار اس میں پھنس گئے (تفسیر صاوی) دوسرے یہ کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے بچھڑا پرستی کی اور اس پر مرگئے توبہ نہ کی جیسے سامری اور اس کے کچھ ساتھی۔ تیسرے یہ کہ اس سے پجاریوں کی اولاد مراد ہے خواہ کبھی ہوں۔ ماں باپ کے کام اولاد کی طرف عموماً" منسوب ہوتے ہیں۔ چوتھے یہ کہ اس سے مراد حضور انور کے زمانہ کے موجودہ یہودی ہیں بنی نضیر بنی قریظہ۔ اگرچہ بچھڑا پرستی کا واقعہ ان یہود مدینہ سے ہزارہا سال پہلے ہو چکا تھا مگر چونکہ یہ یہودی ان بچھڑا پرستوں کے حمایتی تھے ان کے اس عمل کی تائید کرتے ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے اس لئے انہیں پجاریوں میں شمار کیا گیا یوں ہی پرانے نیک کاروں کے حمائتی ان کے مداح اگرچہ صدہا سال بعد پیدا ہوں مگر انہیں میں شمار کئے جائیں گے۔ ان چار احتمالوں کی بنا پر غضب اور ذلت میں بھی چار احتمال ہوں گے۔ عام مفسرین نے پہلا احتمال اختیار کیا اور غضب سے مراد لیا توبہ کرنے والوں کا قتل اور ذلت سے مراد لیا ان توبہ کرنے والوں کے سامنے بچھڑا ذبح ہو کر دریا میں بہایا جانا مگر ابن جریج نے دوسرا احتمال اختیار فرمایا اور حضرت عبداللہ ابن عباس نے چوتھے قول کو ترجیح دی انہوں نے غضب سے مراد لیا۔ بنی قریظہ کا مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہونا اور ذلت سے مراد لیا بنی نضیر کا حجاز سے نکالا جانا جو حضور ﷺ کے زمانے میں پھر خلافت فاروقی میں واقع ہوا (تفسیر خازن۔ کبیر وغیرہ) فقیر کے نزدیک پہلا قول کچھ ضعیف سا ہے کیونکہ توبہ کرنے والوں کا ذکر تو دوسری آیتہ میں نہایت رحمت و کرم کے ساتھ ہے۔ **ان ربک من بعدھا لغفور رحیم** پھر ان پر غضب و ذلت کے کیا معنی نیز تائبین کا قتل ہونا ان کے لئے فخر و عزت کا باعث تھا ان کی موت شہادت کی موت ہوئی اسے غضب یا ذلت کیسے کہا جا سکتا ہے لہٰذا قول دوم قوی ہے کہ اس سے مراد شرک پر مرنے والے اسرائیلی ہیں۔ نیز انہیں رب نے مفترین فرمایا **وکذلک نجزی المفترین** تائبین مفتری جھوٹے نہ رہے تھے وہ تو

www.alahazratnetwork.org

مخلصین مومنین ہو کر مرے۔ ان کا قتل افتراء کی سزا نہ تھا بلکہ توبہ تھا۔ **اتخذوا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے **الھا** "اس کی تفسیر وہ آیتہ ہے **ھذا الھکم والہ موسی فنسی** یعنی جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود سمجھ لیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں **اتخاذ** سے مراد ہے بچھڑا ڈھالنا بنانا سامری نے بنایا تھا سارے پجاریوں نے اس کی مدد کی تھی کہ اسے اپنا سونا دیا تھا اس طرح اس کا تعاون کیا تھا اس صورت **اتخذوا** کا دوسرا مفعول پوشیدہ نہیں صرف ایک ہی مفعول **العجل** کافی ہے۔ (روح المعانی)

سینالھم غضب من ربھم و ذلتہ فی الحیوۃ الدنیا جیسے **ان الذین** کی چار مذکورہ تفسیریں ہیں ایسے ہی غضب اور **ذلتہ** کی چار تفسیریں ہیں جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا چونکہ دوسری تفسیر قوی ہے کہ اس سے مراد وہ ہیں جو بغیر توبہ اس شرکیہ عقیدے پر مرے جیسے سامری اور اس کے ہم نوا تو غضب سے مراد یا تو مرے بعد اور قیامت میں عذاب الٰہی ہے اور ذلت سے مراد دنیا میں انکی رسوائی، خواری لوگوں کی پھٹکار ہے اس صورت میں **حیوۃ الدنیا** کا تعلق صرف ذلت سے ہے اور یا غضب سے مراد دنیاوی عذاب جیسے سامری کا لوگوں سے کہتے پھرنا کہ **لا مساس** کہ جو کوئی اس سے چھو جاتا تو اسے بھی بخار آجاتا اور سامری کو بھی۔ بقیہ تفسیریں ابھی کچھ پہلے عرض کی گئیں **وکذلک نجزی المفترین** ظاہر یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے **ذالک** میں اشارہ ہے مذکورہ غضب و ذلتہ کی طرف مفترین سے مراد ہیں تمام وہ لوگ جو اسلام میں جھوٹے عقیدے ایجاد کریں۔ یعنی ہمارا یہ قانون ہے کہ ہم جھوٹے عقیدے گھڑنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں کہ ان پر غضب اور ذلت نازل ہوگی۔ ابو قلابہ فرماتے ہیں کہ تا قیامت یہ سزا ہر بدعتی کو ملتی رہے گی مالک ابن انس فرماتے ہیں کہ ہر بدعتی اپنی موت پر ذلت و خواری دیکھے گا۔ خیال رہے کہ بدعتی وہ ہے جو دین میں برے عقیدے گھڑے (تفسیر خازن) یہاں تک ان کا ذکر ہوا جو بچھڑا پرستی کے عقیدے پر ہی مرے **والذین عملوا السیئات ثم تابوا** اس میں بنی اسرائیل کی تیسری جماعت کا ذکر ہے جو بچھڑا پرستی کے بعد تائب ہوگئے اور ایمان پر مرے یا شہید ہوئے **عملوا** فرما کر بتایا کہ خواہ ایک دوبار گناہ کئے ہوں یا عرصہ تک اور **سئیات** جمع فرما کر بتایا کہ ایک دو گناہ کئے ہوں یا بہت سے پھر خواہ دلی گناہ کئے ہوں یعنی بد عقیدگیاں یا بدنی گناہ یعنی بد عملیاں **ثم** فرما کر بتایا کہ خواہ کتنے ہی عرصہ کے بعد توبہ کرے، بہرحال قبول ہے فوراً "توبہ کرنا شرط قبول نہیں۔ پرانا پاپی بھی توبہ کر سکتا ہے۔ توبہ کے معنی اس کے اقسام ہر قسم کے احکام ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔ ہمارے اسلام میں توبہ کی شرائط بہت آسان ہیں گزشتہ دینوں میں یہ شرائط بہت سخت تھیں چنانچہ اس موقعہ پر بچھڑا پرست قتل کئے گئے یہ قتل یا تیاری قتل ان کی توبہ ہوئی **من بعدھا** یہ متعلق ہے **تابوا** کے **ھا** کا مرجع **سیات** ہے یہاں بھی بعدیت میں بڑی گنجائش ہے گناہ کے فوراً "بعد توبہ کرے یا عرصہ بعد غرضکہ موت سے پہلے توبہ کرے قبول ہے رب تعالیٰ توبہ کی توفیق دے **وامنوا** یہ عبارت معطوف ہے **تابوا** پر کفر سے توبہ کے لئے دو شرطیں ہیں ایک تو کفریہ عقیدے سے بیزار ہو جانا دوسرے اسلامی عقائد اختیار کر لینا اس لئے **تابوا** کے بعد **امنوا** کا ذکر ہوا ایمان کے معنی اس کے ارکان و شرائط پہلے پارہ کے شروع میں عرض کئے جا چکے ہیں **ان ربک من بعدھا لغفور رحیم** یہ عبارت **والذین** کی خبر نہیں بلکہ پوشیدہ خبر کی دلیل ہے خبر تو **یغفر لھم** ہے **بعدھا** میں ہا کی ضمیر یا **سیات** کی طرف ہے یا توبہ و ایمان کے مجموعہ کی طرف۔ غفور بنا ہے غفران سے رحیم رحمت سے غفران اور رحمت میں کئی طرح فرق ہے جو بارہا بیان کیا جا چکا ہے یعنی اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ اور ایمان کے بعد بخشنے

www.alahazratnetwork.org

والا بھی ہے مہربان بھی چونکہ ان اسرائیلیوں نے توبہ کرلی لہذا ان کے گناہ بخش دیئے گئے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیۃ کریمہ کی چار تفسیریں ہیں جن میں سے ایک تفسیر قوی اور آسان ہے ہم اس کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جن لوگوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنالیا کہ اس کی عبادت کرتے رہے اس پر مرتے دم تک قائم رہے توبہ نہ کی انہیں عذاب اخروی تو مرے بعد ہوگا دنیا میں ان پر دو عذاب نازل ہوں گے ایک اللہ تعالیٰ کا سخت غضب کہ وہ عزت والے تھے ذلیل ہو جائیں گے ان کا جسم بیماری اور وبا بن جائے گا کہ ان کا سردار سامری لوگوں کے پاس بیٹھ نہ سکے گا ان سے مل جل نہ سکے گا جو اسے چھو جاوے گا تو دونوں بخار میں جتلا ہو جائیں گے۔ دوسرے سخت ذلت و رسوائی کہ ان کا بنایا ہوا بچھڑا خود ان کے سامنے ذبح کر کے جلا کر راکھ بنا کر دریا میں بہا دیا جاوے گا اور یہ دیکھتے رہیں گے کچھ نہ کہہ سکیں گے۔ ان کے ساتھی اپنے کو موسیٰ علیہ السلام کے حوالہ کر کے اپنی گردنیں قتل کے لئے جھکا دیں گے۔ ہمارا یہ قانون ہے کہ جو اللہ پر بہتان باندھتے ہیں ہم انہیں ایسی ہی سخت سزائیں دیا کرتے ہیں۔ رہے دوسرے پجاری جنہوں نے بت پرستی اور رب کی نافرمانی' سامری کی اطاعت وغیرہ کرتوتی مگر پھر وہ اپنے کرتوتوں پر نادم ان سے تائب ہو گئے اور دوبارہ ایمان لائے تو ہم ان کے سارے گناہ بخش دیں گے کیونکہ ہم بخشنے والے غفور بھی ہیں اور رحم فرمانے والے رحیم بھی۔ گناہ کتنے ہی سنگین ہوں مگر ہماری بخشش گناہوں سے بڑی ہے۔ ابو نواس کہتا ہے۔

يا رب ان عظمت ذنوبی كثرة   فلقد علمت بان عفوك اعظم
ان كان لا يرجوك الا محسن   فبمن يلوذو يستجير المجرم

اے مولیٰ اگرچہ میرے گناہ بڑے بھی ہیں اور بہت بھی مگر مجھے یقین ہے کہ تیری معافی ان سب سے زیادہ بڑی ہے اگر صرف نیک کاری تجھ سے آس لگا سکتے ہیں تو اے مولیٰ مجرم کس کی پناہ لیں اور کہاں جاویں۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔

ولما قسا قلبی وضاقت مذاهبی   جعلت الرجاء ربی لعفوک سلما!
تعاظمنی ذنبی فلما قرنته   لعفوك ربی كان عفوك اعظما!

اے مولیٰ جب میرا دل سخت ہو گیا اور تمام راستے بند ہو گئے تو میں نے اپنی امید کو تیری معافی تک پہنچنے کے لئے زینہ بنالیا۔ مجھے اپنے گناہ بہت ہی بڑے محسوس ہوئے مگر جب میں نے ان گناہوں کو تیری معافی سے ملایا تو تیری معافی بہت ہی عظیم الشان پائی۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

انا مذنب انا مخطی انا عاصی!   هو غافر هو راحم هو عافی
قابلتين ثلثة بثلثة   وستغلبن اوصافه اوصافی

میں گنہگار خطاکار بدکار ہوں وہ بخشن ہار رحیم اور معافی دینے والا ہے میں نے اپنے تین عیوب کا اس کے تین اوصاف سے مقابلہ کیا تو اس کے رحم کے اوصاف کو دیکھا کہ میرے عیوب پر غالب ہوں گے غرضکہ کوئی مجرم رب سے مایوس نہ ہو (معانی)

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** گناہ کرنے والا کرانے والا اس میں تعاون کرنے والا سب ہی مجرم ہیں بلکہ یہ سب ایک ہی زمرہ میں داخل ہیں یہ فائدہ **الذین اتخذوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ بچھڑا ڈھالنے والا

www.alahazratnetwork.org

صرف سامری تھا مگر رب نے سارے اسرائیلیوں کو بنانے والا قرار دیا کہ **اتخذوا** جمع ارشاد فرمایا کیونکہ وہ سب اس حرکت میں سامری کے مددگار تھے یہ ہی حال نیکیوں کا ہے کہ نیکی کرنے والا کرانے والا اس میں مدد دینے والا سب ہی ثواب کے مستحق ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی گناہوں کا وبال دنیا میں بھی آجاتا ہے کہ مجرم پر اس کے گناہوں کی وجہ سے دنیا میں عذاب آجاتے ہیں یہ فائدہ **سینالھم** اور **فی الحیوۃ الدنیا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** گناہوں کا انجام ذلت ہے اس کے برعکس نیکیوں کا انجام دونوں جہان میں عزت و عظمت ہے یہ فائدہ **وذلۃ فی الحیوۃ الدنیا** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **چوتھا فائدہ:** اعتبار کا خاتمہ کا ہے زندگی خواہ کیسی ہی ہو یہ فائدہ **اتخذوا العجل** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ **اتخذوا** کے معنی ہیں مرتے دم تک بچھڑے کو معبود سمجھا فرمایا نبی ﷺ نے **الامر بالخواتیم** اعتبار خاتمہ کا ہے۔ **پانچواں فائدہ:** قانون الٰہی ہے کہ شرک کے موجد کو رسوا کیا جاتا ہے یہ فائدہ **نجزی المفترین** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** ایسا کوئی گناہ نہیں جس کی توبہ نہ ہو ہر گناہ حتی کہ کفر شرک بھی قابل معافی ہے یہ فائدہ **عملوا السیئات** سے حاصل ہوا ہاں جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کفر سے توبہ ایمان ہے۔ فسق سے توبہ تقویٰ ہے۔ غفلت کی توبہ بیداری ہے پھر ہر توبہ کے لئے ایک وقت ہے اگر توبہ وقت میں ہو تو انشاء اللہ ضرور قبول ہوتی ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اگر دیر سے توبہ کی جاوے مگر ہو صحیح اور وقت میں تو بھی قبول ہے یہ فائدہ **ثم تابوا** میں **ثم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ **ثم** دیر کے لئے آتا ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

اے کہ پنجاہ رفت در خوابی! مگر ایں پنج روز دریابی!

لہٰذا پر انا پاپی بھی رب کی رحمت سے ناامید نہ ہو جب خدا تعالیٰ توفیق دے توبہ کرے۔ **آٹھواں فائدہ:** توبہ گناہ کے بعد چاہئے گناہ سے پہلے توبہ کیسی۔ گناہ میل ہے توبہ اس کا صابن کپڑا پہلے میلا ہوتا ہے بعد میں دھویا جاتا ہے یہ فائدہ **تابوا من بعدھا** سے حاصل ہوا لہٰذا قسم توڑنے کا کفارہ توڑنے کے بعد ہونا چاہئے نہ کہ اس سے پہلے (حنفی) شوافع کے ہاں کفارہ پہلے بھی دیا جاسکتا ہے۔ **نواں فائدہ:** گناہوں سے توبہ کے لئے ایمان شرط ہے کافر کی توبہ گناہ بھی قبول نہیں۔ یہ فائدہ **وامنوا** سے حاصل ہوا کہ توبہ کے ساتھ ایمان کا ذکر ہوا توبہ گویا صابن ہے ایمان پانی' صابن بغیر پانی کپڑے پر لگتا ہی نہیں۔ **دسواں فائدہ:** توبہ سے صرف بخشش ہی نہیں ہوتی بلکہ رحمت بھی ہوتی ہے یعنی معافی کے ساتھ انعام ملتا ہے یہ فائدہ **لغفور رحیم** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ توبہ مقبول کی توفیق دے۔

پہلا اعتراض: بچھڑا پرستوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ **سینالھم غضب** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت ان پر غضب اور ذلت کا عذاب آیا نہ تھا بلکہ آنے والا تھا اگر ان سے مراد وہ بچھڑے کے پجاری ہی ہوتے تو مستقبل کا صیغہ ارشاد نہ ہوتا بلکہ ماضی فرمایا جاتا کیونکہ ان پر تو عذاب آچکا تھا معلوم ہوا کہ اس سے بچھڑا پرستوں کی اولاد مراد ہے یعنی حضور انور کے زمانہ کے یہود (حضرت ابن عباس) جناب ابن عباس کی یہ دلیل تفسیر کبیر وغیرہ نے نقل فرمائی۔ **جواب:** یہاں خطاب حضور ﷺ سے نہیں بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور یہ فرمان عالی کوہ طور کا ہے جبکہ رب تعالیٰ نے حضرت کلیم کو قوم کے اس جرم کی خبر دی ساتھ ہی بتادیا یعنی اے موسیٰ تمہاری قوم شرک میں گرفتار ہو گئی اور ان کو ہم یہ سزائیں دیں گے لہٰذا آیت واضح ہے۔

دوسرا اعتراض: ان دونوں آیتوں میں دو متضاد باتیں فرمائی گئیں۔ پہلی آیت میں فرمایا کہ ہم ان کو ضرور سزائیں دیں گے

www.alahazratnetwork.org

دوسری میں ارشاد ہوا کہ ہم انہیں بخش دیں گے **لغفور رحیم** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا پہلی آیۃ میں روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو بغیر توبہ کئے بچھڑا پرستی پر قائم رہتے ہوئے فوت ہوئے اور دوسری آیۃ میں وہ لوگ مراد ہیں جو توبہ کرکے اپنے جرم کی معافی کرا بیٹھے لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں ہاں اگر پہلی آیۃ میں سارے بچھڑا پرست مراد ہوں تائبین بھی اور غیر تائبین بھی جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا تب تعارض ہوگا۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں **ثم تابوا** ارشاد ہوا جس سے معلوم ہوا کہ دیر بعد بھی توبہ قبول ہے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **ثم یتوبون من قریب** جس سے معلوم ہوا کہ توبہ گناہ کے فوراً بعد کی جاوے تب قبول ہوتی ہے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: وہاں تمہاری پیش کردہ آیۃ میں عنقریب سے مراد ہے موت سے پہلے اور توبہ سے مراد ہے کفر سے توبہ واقعی کفر و شرک سے توبہ موت سے پہلے مقبول ہے۔ موت کے وقت ملائکہ عذاب دیکھ کر توبہ کرنا قبول نہیں دیکھو فرعون عذاب غرق دیکھ کر ایمان لایا جو قبول نہ ہوا۔ یہاں اس آیۃ میں تعارض نہیں۔

مسئلہ: کفر سے توبہ غرغرہ سے پہلے چاہئے۔ غرغرہ کی حالت میں ایمان لانا قبول نہیں گناہوں سے توبہ غرغرہ بلکہ بعد غرغرہ بلکہ قیامت میں بھی قبول ہوگی یہ سب کچھ احادیث سے ثابت ہے۔ **چوتھا اعتراض**: بچھڑا پرستوں نے جرم تو ایک کیا تھا مگر فرمایا گیا **والذین عملوا السیات** جنہوں نے بہت گناہ کئے یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: یا تو وہ روزانہ چالیس دن تک بچھڑا پوجتے رہے ہر دن کی پرستش علیحدہ جرم تھی یا انہوں نے سامری کو سونا دیا یہ جرم پھر بچھڑا بنانے میں مدد کی یہ جرم پھر اس کی پوجا کی یہ جرم پھر اس کے سامنے بھنگڑا ناچے گاتے بجاتے رہے۔ بعض صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفر تمام گناہوں کی جڑ ہے بلکہ کافر کی ہر عادت بلکہ ہر نیکی کو جرم بنا دیتا ہے کہ اس کا کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا جرم ہے لہٰذا **عملوا السیئات** فرمایا گیا اس کے برعکس مومن کی عادات عبادات ہیں کہ وہ ہر کام عبادت کرنے کے لئے کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نفس انسان گویا سامری کا بچھڑا ہے اور نفس پرست گویا اس کے پجاری ہیں۔ رب فرماتا ہے **افرء یت من اتخذ الٰھہ ھواہ** بدترین عابد وہ ہیں جو عابدین **ھوا** ہوں جو لوگ اس بچھڑے کے پجاری بن کر جئے وہ شہوات میں پھنس کر غضب الٰہی کے مستحق ہوں گے اور برے عیوب میں گرفتار ہو کر دنیا و آخرت میں ذلیل ہوں گے۔ بندہ نفس کبھی عزت نہیں پاتا۔ بعض دعویدار کرتے ہیں نفس کی پوجا اور اسے سمجھتے ہیں خدا رسی کا ذریعہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھتے ہیں ایسے بہتان والوں کو ہمیشہ ذلت و غضب کا عذاب ہوگا ہاں جو لوگ **ھوی** سے توبہ کرکے **ھدی** کی طرف رجوع کریں۔ طغیان سے عرفان کی طرف کفران سے شکر کی طرف دوڑیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سارے گناہ بخش دے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ دو طرح کی ہے توبہ ظاہری اور توبہ باطنی۔ شریعت میں ظاہر گناہوں سے توبہ کرنا اعضاء کو طاعات میں لگا دینا ظاہری توبہ ہے اور دل کو غفلت سے ذکر کی طرف پھیرنا توبہ باطنی ہے کہ اگر کسی وقت زبان خاموش بھی ہو تو دل خاموش نہ ہو۔ نفس کی توبہ ہے اسے دنیاوی تعلق سے علیحدہ کرکے رجوع الی اللہ میں مشغول کر دینا عقل کی توبہ ہے باطنی آیات اور آثار کی حقیقت میں غور کرنا۔ روح کی توبہ یہ ہے کہ اس پر معرفت الٰہی کی تجلی پڑے۔ سر کی توبہ ہے کہ دنیا و عقبی سے منہ موڑ کر مولیٰ کے ساتھ مشغول ہونا۔ مولانا فرماتے ہیں۔

گر سیہ کردی تو نامہ عمر خویش — توبہ کن زانہا کہ کردستی تو پیش
عمر اگر بگذشت بیخش این دم است — آب توبہ دہ اگر او بے نم است
چوں بر آرند از پشیمانی انین! — عرش لرزد از انین مذنبین!

توبہ کی قبولیت کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنے گناہ کا کفارہ ادا کرے کہ نیکیاں گناہوں کو مٹادیتی ہیں جو گناہ سرزد ہو جاوے اس کے بعد نیکی ضرور کرلی جاوے۔

حکایت: بنی اسرائیل میں ایک شخص نے گائے کے سامنے اس کا بچہ ذبح کیا اس کا ہاتھ خشک ہو گیا۔ کسی علاج سے آرام نہ آیا کچھ عرصہ بعد ایک چڑیا کا بچہ اپنے گھونسلے سے گر گیا ماں تڑپنے لگی اس نے وہ بچہ اٹھا کر گھونسلے میں رکھ دیا ماں کو چین آ گیا اللہ تعالیٰ نے اس کا خشک ہاتھ درست کر دیا یہ ہے توبہ اور اس پر رب تعالیٰ کی رحمت (روح البیان) ہمارے گناہوں سے ہم پر سختیاں آتی ہیں توبہ سے رحمتیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ دوسری آیت **والذین عملوا السیئات** کے تین جز ہیں ایک **والذین عملوا السیئات** اس میں بندوں کے جرموں کا ذکر ہے یعنی دل کی بیماری کا دوسرا جز **ثم تابوا** اس میں مذکورہ بیماری کے علاج اور دوا کا تذکرہ ہے یہ دونوں کام بندوں کے ہیں تیسرا جز **ان ربک** اس میں اس علاج کے نتیجہ کا ذکر ہے اور رب کی رحمتوں کا۔ ان تینوں جزوں دل میں اتنی وسعت ہے جو بیان نہیں ہو سکتی۔ **الذین** میں قیامت تک کے سارے مجرم داخل ہیں کوئی ہوں کہیں ہوں کبھی ہوں۔ **عملوا** میں وسعت کہ ایک بار گناہ کریں یا کرتے رہیں۔ **سیئات** میں وسعت کہ دل کے اور ظاہری اعضاء کے کسی طرح کے گناہ کریں **تابوا** میں وسعت کہ کبھی بھی توبہ کریں بشرطیکہ ایمان پر قائم رہیں۔ **ربک** فرما کر یہ بتایا کہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔ اس لئے کہ تمہارے رب ہیں جو ہمارے دروازہ پر ہم کو رب محمد سمجھ کر آوے اس کے لئے ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی غفور کے معنی ہیں وہ ذات جس کو بخشنے کی عادت قدیم ہے اور رحیم کے معنی وہ جس کو رحم کرنے کی قدیمی عادت ہے یعنی اے بندو تم کو تو گناہ کرنے کی دس بیس سال کی عادت ہے مجھے بخشنے کی ہمیشہ سے عادت غفور وہ جو بندوں کو وہ نہ دے جو ان کے لائق ہے یعنی سزا و غضب۔ رحیم وہ جو بندوں کو وہ دے جو اس کی شان کے لائق ہے گناہ پر سزا نہ دینا مغفرت ہے کبھی گناہ کا ذکر نہ کرنا نامہ اعمال سے مٹا دینا رحمت یوسف علیہ السلام کا بھائیوں سے فرمانا **لاتثریب علیکم الیوم** بخشش تھی پھر والد صاحب سے کوئیں کا ذکر نہ کرنا بیل کا ذکر کرنا رحمت تھا۔ یا گناہ پر سزا نہ دینا مغفرت ہے گناہ کو نیکی میں تبدیل کر دینا رحمت **فاو لنکیبدل اللہسیاتھم حسنات**۔

وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُّوْسَى الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ ۚ وَفِيْ نُسْخَتِهَا
اور جب ٹھہر گیا موسےٰ سے غصہ تو اٹھالیں انہوں نے تختیاں اور ان کی عبارت میں
اور جب موسےٰ کا غصہ تھما تختیاں اٹھالیں اور ان کی تحریر میں

www.alahazratnetwork.org

هُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُوْنَ

ہدایت اور رحمت تھی واسطے ان لوگوں کے جو کہ اپنے رب سے خوف کرتے ہیں

ہدایت اور رحمت ان کے لئے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو غصہ آنے کا ذکر ہوا اب آپ کے غصہ جانے کا تذکرہ ہے کہ بنی اسرائیل کی بچھڑا پرستی پر آپ کو سخت طیش و غصہ آیا اور ان کی معذرت پر غصہ جاتا رہا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کاموں کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السلام سے غصہ میں ظاہر ہوئے اب آپ کے ان اعمال کا تذکرہ ہے جو غصہ فرو ہونے کے بعد آپ سے ظاہر ہوئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کو توریت ملنے آپ سے گر جانے کا ذکر ہوا اب توریت کے اٹھانے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی گذشتہ آیات میں یہ بتایا گیا تھا کہ توریت جب ملی تھی تو اس میں کیا کیا تھا اب ارشاد ہے کہ جب اٹھائی گئی تو اس میں کیا بچا تھا گویا اترنے کے وقت کا ذکر فرمانے کے بعد اٹھانے کے وقت کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: **ولما سكت عن موسى الغضب اخذ الالواح** یہ عبارت نئی ہے یہاں سے نیا واقعہ شروع ہو رہا ہے۔ ہماری قراءت میں **سکت** ہے **سکوت** سے مشتق باب نصر کا ماضی مطلق۔ ایک قراءت میں سکت ہے تفعیل کا ماضی مطلق مجہول ایک قراءۃ میں اسکت ہے باب افعال کا ماضی مجہول ایک قراءۃ میں سکن ہے **نون** سے مگر ہماری قراءۃ زیادہ مشہور ہے (معانی) خیال رہے کہ سکوت کے معنی ہوتے ہیں خاموش ہو جانا چپ ہو جانا یعنی کلام ختم کر دینا اور صمت کے معنی ہیں منہ بند کر لینا **سکت** اور صمت کا یہ فرق خیال رکھنا چاہئے (کبیر) سکون کے معنی ہیں ٹھہر جانا جوش یا حرکت کا بند ہو جانا یہاں یا تو سکت بمعنی سکن ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ اس معنی پر ہے یا اپنے ہی معنی پر ہے بطور تشبیہ سکون کو سکوت فرمایا گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت درحقیقت یوں تھی **لما سكت موسى من الغضب** مگر اسے برعکس فرمایا گیا جیسے کہا جاتا ہے **ادخلت القلنسوة في راسي** حالانکہ سر ٹوپی میں جاتا ہے سر میں ٹوپی نہیں جاتی (خازن۔ کبیر۔ روح المعانی) جناب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ کس نے رفع کیا۔ اس میں نفیس قول ہیں۔ (1) حضرت ہارون علیہ السلام کی معذرت نے (2) اسرائیلیوں کے وعدہ توبہ نے کہ ہم شرمندہ ہیں اس حرکت سے توبہ کر لیں گے (3) بلاواسطہ خود رب تعالیٰ نے (روح المعانی) خیال رہے کہ غصہ تین طرح کا ہوتا ہے۔ شیطانی' نفسانی' رحمانی' نیکیوں سے اور نیکوں پر غصہ شیطانی ہے جو اکثر حرام ہوتا ہے کبھی کفر۔ ذاتی معاملات میں ایک دوسرے پر غصہ نفسانی ہے کبھی جائز کبھی ناجائز۔ برائیوں اور بروں پر غصہ رحمانی ہے یہ عبادت ہے موسیٰ علیہ السلام کو غصہ رحمانی آیا شرک و کفر دیکھ کر۔ اس غصہ میں انسان سے جو کام سرزد ہوں وہ سب رحمانی ہیں لہٰذا موسیٰ علیہ السلام کا تختیاں ڈالنا اپنے بھائی پر سختی کرنا بھی رحمانی کام تھے کہ رحمان کے لئے تھے پھر غصہ جانا بھی تین طرح کا ہوتا ہے سکون شیطانی' سکون نفسانی اور سکون رحمانی موسیٰ علیہ السلام کا یہ سکون غضب رحمانی یعنی رحمان کے لئے تھا جو قوم کی توبہ سے ہوا اب جو کام اس سکون سے ہوں گے وہ بھی رحمانی ہیں۔ یہاں **اخذ** بمعنی اٹھا لینا ہے **الواح** سے مراد وہی پھینکی ڈالی

www.alahazratnetwork.org

ہوئی تختیاں ہیں جن میں توریت لکھی ہوئی تھی۔ اس سے مراد باقی ماندہ تختیاں ہیں کیونکہ ڈال دینے پر دو تہائی حصہ اٹھالیا گیا تھا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد ساری ڈالی ہوئی تختیاں ہیں نہ کوئی تختی ٹوٹی نہ اٹھائی گئی مگر پہلی توجیہ قوی ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا جوش جاتا رہا تو آپ نے ڈالی ہوئیں تختیاں اٹھالیں **وفی نسختھا ھدی ورحمۃ** اس جملہ میں واؤ حالیہ ہے اور یہ جملہ الواح کا حال ہے **نسخۃ** مصدر ہے۔ بمعنی مفعول یہ بنا ہے **نسخ** سے۔ بمعنی نقل کرنا جیسے خلقۃ۔ بمعنی مخلوق جو کتاب دوسری کتاب سے من وعن نقل کی جاوے وہ نسخہ ہے اور نقل کرنے والا ناسخ اب نسخ۔ بمعنی تحریر و کتابت استعمال ہوتا ہے چونکہ توریت کی تختیوں میں توریت شریف لوح محفوظ سے من وعن ویسے ہی نقل کی گئی تھی جیسی اس میں تھی لہٰذا اسے نسخہ فرمایا گیا۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے تختیوں کو ڈال دینے پر یہ سب تختیاں ٹوٹ پھوٹ گئی تھیں اور نا قابل فہم ہو گئی تھیں اس لئے موسیٰ علیہ السلام نے پھر چالیس روزے رکھے۔ تب آپ کو دو تختیوں میں توریت دی گئی چونکہ ان دو تختیوں میں پچھلی تختیوں کی توریت نقل کر دی گئی تھی اس لئے اسے نسخہ کہا گیا (خازن۔ کبیر۔ معانی روح وغیرہ) **واللہ ورسولہ اعلم** بہر حال نسخہ فرمانا بالکل درست ہے۔ مولانا عطار حضور کی نعت میں فرماتے ہیں۔

نسخہ کونین را دیباچہ اوست جملہ عالم بندگان و خواجہ اوست

یعنی عالم اجسام ایک نسخہ کتاب ہے۔ جو عالم ارواح سے نقل کیا گیا اس نسخہ کا دیباچہ جس لئے یہ کتاب شروع کی گئی اور تمام جہان براتی ہے دولہا حضور ہیں تمام جہان غلام ہے آقا حضور ہیں۔ سلطان کی طفیل اس کے نوکر بھی دولہا کے طفیل اس کے براتی بھی دعوت کھالیتے ہیں ہم سب بندگان ہیں حضور خواجہ یعنی دولہا یا سلطان ہیں۔ **ھدی** اور **رحمۃ** مبتدا موخر ہے **ھدی** سے مراد ہے گمراہی سے ہدایت۔ رحمۃ سے مراد ہے عذاب سے رحمت اور چھٹکارا (کبیر) یعنی اب ان تختیوں میں یہ دو چیزیں رہ گئی تھیں۔ ہدایت اور رحمت بیان **کل شیٔ** اٹھالیا گیا تھا یوں ہی تفصیل **کل شیٔ** اس میں نہ رہی تھی **للذین ھم لربھم یرھبون** یہ عبارت متعلق ہے **ھدی** اور **رحمۃ** سے **للذین** میں لام صلہ یا نفع کا ہے چونکہ کتاب اللہ کی ہدایت اور رحمت صرف مومنین خائفین کے لئے مفید ہوتی ہے۔ کفار و منافقین اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اس لئے **للذین** ارشاد ہوا اور **لربھم** میں لام تعدیہ کا ہے اس کا تعلق **یرھبون** سے ہے جیسے **ان کنتم للرؤیا تعبرون** کبھی مقدم مفعول پر لام لگا دیتے ہیں (خازن۔ کبیر۔ معانی وغیرہ) خوف ہر ڈر کو کہتے ہیں اور **رھبت** انتہائی ڈر کو لہٰذا خوف **رھبت** سے عام ہے ان دونوں میں اور کئی طرح فرق کئے گئے ہیں۔ یہ فرمان عالی ایسا ہی ہے جیسے **ھدی للمتقین** میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے نیز اس میں بتایا گیا کہ توریت موسیٰ علیہ السلام کے لئے ہدایت نہ تھی وہ تو ہدایت یافتہ پیدا ہوئے تھے۔

خلاصہ تفسیر: جب موسیٰ علیہ السلام کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور جوش جاتا رہا اس لئے کہ حضرت ہارون علیہ السلام نے معذرت بہت نفیس طریقہ سے کر دی یا اس لئے کہ بچھڑے کے پجاریوں نے توبہ مقبول کا وعدہ کر لیا یا اس طرح کہ رب تعالیٰ نے آپ کو سکون قلب عطا فرما دیا تو آپ نے وہ تختیاں نہایت احترام سے اٹھالیں اب ان تختیوں کی شان یہ تھی کہ ان کے نسخے ان کی تحریر و

www.alahazratnetwork.org

کتابت میں اللہ سے ڈر رکھنے والوں کے لئے اچھے عقیدے اچھے اعمال کی ہدایت بھی اور ان کے لئے رحمت بھی یعنی دوزخ سے بچنے کا ذریعہ بھی تھی تفصیل **کل شی** اور بیان **کل شی** باقی نہ رہا تھا مگر یہ رحمت وہدایت ان لوگوں کے لئے تھی جو اپنے رب کی رضا کے لئے اس سے ڈرتے ہیں نہ کہ محض ریاکاری کے لئے۔ اخلاص کا خوف رحمت کا ذریعہ ہے۔ خیال رہے کہ نبی سب کچھ رب کے ہاں سے لے کر پیدا ہوتے ہیں دنیا میں انہیں جو کچھ عطا ہوتا ہے در حقیقت اس کا ظہور ہوتا ہے اسی لئے عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ۔ نبی صاحب کتاب نماز زکوۃ والا ہوں حالانکہ آپ کو کتاب نماز وغیرہ بہت عرصہ بعد ملیں غرضکہ عطا کی جگہ اور ہے دنیا ظہور کی جگہ ہے دیکھو تڑکا پھر سویرے اجیالا پھر ہلکی پیلی دھوپ پھر تیز دھوپ یہ سب کچھ سورج کے ظہور کے حالات ہیں سورج میں مکمل نور پہلے ہی موجود ہے اس لئے ارشاد ہوا کہ توریت ان ڈرنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت تھی یہ نہ فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کی غضب کی آگ بجھانے کے لئے توبہ' معذرت اکسیر ہے دنیا کی آگ' پانی مٹی وغیرہ سے بجھتی ہے۔ وہ آگ آنکھوں کے پانی دل کے اخلاص کچی توبہ سے بجھتی ہے یہ فائدہ **ولماسکت** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام کا غصہ حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کے ارادہ توبہ سے ٹھنڈا ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قوم کی بچھڑا پرستی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اتنا غصہ آیا تھا کہ آپ میں حالت جذب پیدا ہو گئی تھی اسی جذب کی حالت میں مذکورہ افعال آپ سے سرزد ہوئے۔ بے خودی کے اعمال پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ بھی **لماسکت** سے حاصل ہوا جس سے معلوم ہوا کہ سکون اور سکوت اب حاصل ہوا۔ بعض صوفیاء حالت جذب میں ایسے کلام اور ایسے کام کر لیتے ہیں جو عقل و نقل کے خلاف ہوتے ہیں مگر ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے۔ ان سب کا ماخذ یہ ہی آیت ہے۔ سبحانی ما اعظم شانی اور اسی طرح **مافی جبتی الا اللہ** وغیرہ اس جذب کے نتیجے ہیں آپ نے ہوش آتے ہی احترام و ادب سے تختیاں اٹھالیں۔ **تیسرا فائدہ:** جب موسیٰ علیہ السلام کو توریت دی گئی تو اس میں ہدایت' رحمت' نصیحت ہر چیز کی تفصیل ہر چیز کا بیان سب کچھ تھا مگر جب موسیٰ علیہ السلام نے تختیاں گرا دیں اور پھر اٹھالیں تو اس میں ہدایت و رحمت تو رہ گئی مگر تفصیل اور **کل شی** کا بیان اٹھا لیا گیا یہ فائدہ **فی نسختہا ھدی ورحمتہ** سے حاصل ہوا دیکھو ابھی پچھلے رکوع میں توریت کے متعلق اشارہ تھا **وکتبنا لہ فی الالواح من کل شی** اور ارشاد ہوا تھا **وتفصیلا لکل شی** مگر یہاں ان دونوں چیزوں کا ذکر نہیں یہاں صرف **ھدی** اور **رحمتہ** ارشاد ہوا۔ مگر قرآن مجید **تفصیل لکل شی** آیا بھی تھا اور رہا بھی۔ **چوتھا فائدہ:** نبی کو اپنی امت کی بد عملی بد عقیدگی پر غصہ آتا ہے ان کی توبہ سے وہ غصہ دور ہو جاتا ہے یہ فائدہ مذکورہ دونوں واقعات سے حاصل ہوا اگر مسلمان گناہ کرتے وقت یہ خیال کرے کہ اس سے میرے نبی ناراض ہوں گے تو انشاء اللہ گناہ کی ہمت نہ کرے رب فرماتا ہے **عزیز علیہ ما عنتم**۔

پہلا اعتراض: یہاں غصہ کے لئے **سکت** کیوں ارشاد ہوا **سکن** کیوں نہیں فرمایا گیا غصہ ساکن ہوتا ہے ساکت یعنی خاموش نہیں ہوتا۔ خاموشی کلام سے ہوتی ہے سکون حرکت و جوش سے ہوتا ہے۔ **جواب:** مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں جن میں سے بعض جواب ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے ایک یہ کہ یہاں سکوت بمعنی سکون ہے کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

ایک قراء امیں سکن ہے۔ دوسرے یہ کہ سکت اپنے ہی معنی میں ہے مگر حقیقتہً اس کا فاعل غضب نہیں بلکہ موسیٰ علیہ السلام ہیں اور عبارت میں قلب ہے یعنی موسیٰ علیہ السلام پہلے غصہ میں اپنے بھائی کو اور دوسروں کو بہت عتاب فرمارہے تھے مگر جب آپ خاموش ہوگئے کیونکہ غصہ جاتا رہا۔ تیسرے یہ کہ یہاں غصہ کے ٹھہر جانے کو سکوت یعنی خاموشی فرمایا اس میں استعارہ ہے استعارہ کی بحث اور اس کے اقسام علم بلاغت میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **وفی نسختھا** توریت تو تختیوں میں تھی وہ نسخہ نہ تھی نسخہ تو کاغذ پر ہوتا ہے۔ نسخہ کے معنی ہیں نقل کی ہوئی چیز خواہ کاغذ پر ہو یا کسی اور چیز پر چونکہ توریت شریف لوح محفوظ سے ان تختیوں میں نقل کی گئی تھی من وعن بالکل مطابق اس لئے اسے نسخہ فرمایا گیا **تیسرا اعتراض**: سیدنا عبداللہ ابن عباس وغیرھم مفسرین کا قول تو یہ ہے کہ توریت کی کوئی تختی نہ ٹوٹی نہ کم ہوئی جتنی اور جیسی تختیاں عطا ہوئی تھیں ویسی ہی موسیٰ علیہ السلام نے اٹھالیں پھر توریت میں سے **تفصیل کل شیء** اور **کل شیء موعظتہ** کیسے ختم ہوگیا۔ **جواب**: ان بزرگوں کا قول یہ ہے کہ تختیاں کم نہ ہوئیں مگر ان کے مضامین کم ہوگئے ان میں سے بعض مضامین اٹھا لئے گئے یہ کسی نے نہیں کہا کہ مضامین پورے کے پورے باقی رہے کہ یہ قرآن کریم کے صراحۃً خلاف ہے جیسا کہ ابھی فوائد بلکہ تفسیر میں بھی عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت میں فرمایا گیا کہ توریت میں ہدایت اور رحمت تھی رب سے ڈرنے والوں کے لئے تو کیا دوسروں کے لئے وہ ہدایت و رحمت نہ تھی نیز ہدایت و رحمت کی ضرورت زیادہ گمراہوں کو ہوتی ہے اللہ سے ڈرنے والے تو پہلے ہی سے ہدایت پر ہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں چونکہ کتاب اللہ کی ہدایت و رحمت سے فائدہ متقی ہی اٹھاتے ہیں اس لئے انہیں کا ذکر فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: غصہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک حلم و بردباری نہ ہونے کی وجہ سے یہ غصہ عیب ہے کہ اس کی بنا کمزوری پر ہے کہ انسان اپنے نفس سے دب جاوے۔ دوسرا غصہ اللہ تعالیٰ کے لئے کہ اس کے مخالفین پر طیش آجاوے یہ غصہ کمال ہے کہ اس کی بنا رضاء ذوالجلال ہے ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ پہلا غصہ نفسانی بدلہ پر ابھارتا ہے۔ غصہ ور اپنا بدلہ لینے پر ٹھنڈا ہوجاتا ہے مگر دوسرا غصہ مجرم کی توبہ پر ٹھنڈا ہوتا ہے۔ یہ غصہ سنت انبیاء و اولیاء ہے جسے **البغض للہ** کہا جاتا ہے موسیٰ علیہ السلام کا غصہ یہ ہی دوسری قسم کا تھا اسی لئے حضرت ہارون کی معذرت اور قوم کے وعدہ توبہ پر ختم ہوگیا۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جو کہے کہ موسیٰ علیہ السلام میں حلم و بردباری نہ تھی وہ کافر ہے کہ نبی کو عیب لگاتا ہے (صاوی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ انسان کا دل گویا زمین ہے خوف الٰہی اس کا ہل ہے۔ جس سے یہ زمین قابل کاشت بنتی ہے آنکھیں گویا کنواں ہیں جن سے ایک زمین کو پانی دیا جاتا ہے توبہ تخم ہے۔ جس کی کاشت کی جاتی ہے توریت رحمت بھی تھی ہدایت بھی مگر اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے جن کے دل کی زمین میں خوف کے ہل نے نرمی پیدا کردی ہو **رھبوت** بہتر ہے **رحموت** سے کیونکہ غسل پہلے ہوتا ہے لباس و زیور بعد میں خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ تمہارا پالا ہوا کتا تمہارے ہاتھ سے سو بار مار کھائے پھر تم اسے ٹکڑا دکھاؤ تو دم ہلاتا آجاتا ہے۔ یہ صفت ہے خاشعین کی اے بندے اگر تجھ پر رب ہزار بار سختی کرے مگر تو **حی علی الصلاۃ** کی آواز پر دوڑا ہوا مسجد میں آجا حافظ کہتے ہیں۔

وفا کنیم ملامت کشیم و خوش باشیم   که در طریقت ما کافری است رنجیدن

www.alahazratnetwork.org

مولانا فرماتے ہیں۔

لا تخافوا ہست نزل خائفاں ہست درخوراز برائے خائف آں

ہر کہ ترسد اورا ایمن کنند مر دل ترسندہ را ساکن کنند

آنکہ خوفش نیست چوں گوئی مترس درس چہ دہی نیست او محتاج درس

غرضکہ یہ آیت غضب اللہ اور خوف باللہ کی جامع ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام ہر نیک مجلس میں تشریف فرما ہوتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ **ابغونی فی ضعفاء کم** مجھے اپنے ضعیفوں میں ڈھونڈ لیا کرنا اور مومنوں کی اچھی باتیں سن کر اچھے اعمال دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور ہر بری مجلس میں شیطان ہوتا ہے۔ فرمایا حضور نے کہ جب اجنبی مرد و عورت خلوت کریں تو تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ بدر اور ہجرت کی رات کفار کی مجلس شوری میں شیطان رائے دینے آیا تھا شیخ نجدی بنکر ہماری ہر مجلس میں رب ہوتا ہے **مایکون من نجوی ثلثة الا هو رابعهم** غار ثور میں حضور نے صدیق سے کہا تھا **ان اللہ معنا** آج شروع اگست ۱۹۶۹ء میں اپالو ۱۱ کے تین خلاباز جب چاند کے سفر سے واپس آ رہے تھے تو ابھی وہ زمین سے دو لاکھ میل دور تھے کہ امریکہ میں سائنس دانوں کی کانفرنس میں یہ خلاباز بذریعہ ٹیلی ویژن شریک ایک دوسرے سے باتیں کر رہے تھے اور مشورہ دیتے تھے یوں ہی نبی اپنی امت کی نیک مجلسوں میں شریک ہوتے ہیں جن کی آنکھ میں ٹیلی ویژن ہو وہ دیکھ بھی لیتی ہے۔

وَاخْتَارَ مُوسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِيْنَ رَجُلًا لِّمِيْقَاتِنَا ۚ فَلَمَّآ اَخَذَتْهُمُ

اور چھانٹ لئے موسیٰ نے قوم میں سے اپنی ستر (۷۰) مرد واسطے وعدہ گاہ کے ہماری، پس جب پکڑ لیا انکو

اور موسیٰ نے اپنی قوم سے ستر مرد ہمارے وعدے کے لئے چنے پھر جب انہیں زلزلے نے لیا

الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ اَهْلَكْتَهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِيَّايَ ؕ

زلزلہ نے عرض کیا اے رب میرے اگر چاہتا تو تو موت دے دیتا انہیں اس سے پہلے اور مجھے کیا موت دیتا ہے

موسیٰ نے عرض کی اے رب میرے تو چاہتا تو پہلے ہی مجھے اور انہیں ہلاک کر دیتا کیا تو ہمیں اس

اَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَآءُ مِنَّا ۚ اِنْ هِيَ اِلَّا فِتْنَتُكَ ؕ

تو ہم کو اس وجہ سے جو کیا بیوقوفوں نے ہم سے، نہیں ہے یہ مگر فتنہ (آزمائش) تیرا گمراہ کرتا ہے

کام پر ہلاک فرمائے گا جو ہمارے بے عقلوں نے کیا وہ نہیں مگر تیرا آزمانا تو اسے بہکائے

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِيْ مَنْ تَشَآءُ ؕ اَنْتَ وَلِيُّنَا فَاغْفِرْ لَنَا

تو اس سے اس کو جسے تو چاہے اور ہدایت دیتا ہے تو جسے چاہے تو والی ہے ہمارا پس بخشدے

جسے چاہے اور راہ دکھائے جسے چاہے تو ہمارا مولیٰ ہے تو ہمیں بخش دے

www.alahazratnetwork.org

وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الْغٰفِرِيْنَ (۱۵۵)

تو ہم کو اور رحم کر او پر ہمارے اور تو بہتر ہے بخشنے والوں سے
اور ہم پر مہر کر اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ ٹھنڈا ہونے کا ذکر ہوا اب غضب الٰہی کے جوش کے ٹھنڈا ہونے کا ذکر ہے گویا ان کے غضب فرو ہونے کے بعد رب تعالیٰ کے غضب فرو ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کے جرم کا ذکر ہوا اب ان کی توبہ کی تمہید ہو رہی ہے کہ انہوں نے توبہ کے لئے اپنے نمائندے طور پر بھیجے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ توریت میں ہدایت بھی باقی رہی اور رحمت بھی۔ اب اس ہدایت و رحمت کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ اس رحمت کی برکت سے بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوئی گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعویٰ کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے غصہ فرو ہونے کا ذکر ہوا جو بھائی کی معذرت اور قوم کی شرمندگی سے ہوا اب رب تعالیٰ کے غضب کی آگ ٹھنڈی ہونے اس کے راضی ہونے کا تذکرہ ہے چونکہ نبی کی رضا رب کی رضا کا ذریعہ ہے اور ذریعہ مقصود سے پہلے ہوتا ہے جیسے وضو نماز سے پہلے ہے اس لئے پہلے موسیٰ علیہ السلام کے غضب فرو ہونے کا ذکر ہوا۔ **ولما سکت عن موسی الغضب** اب اس کے بعد رب کے غضب فرو ہونے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: واختار موسی قومه یہ آیت کریمہ انتہائی مجمل ہے اس لئے مفسرین نے اس کے متعلق بہت گفتگو کی ہے۔ وجہ اجمال یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اپنے ساتھ دو بار ستر اسرائیلیوں کو لے گئے ہیں ایک جب جبکہ آپ رب تعالیٰ سے کلام کرنے توریت لینے وہاں گئے تو اکیلے نہ گئے بلکہ ستر کو ساتھ لے گئے۔ دوسرے بچھڑا پرستی کے بعد مجرموں کی طرف سے بطور نمائندہ معذرت کرنے کے لئے ستر آدمیوں کو ساتھ لے گئے پہلے موقعہ پر ان ستر نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم کو آپ پر اعتماد نہیں آپ ہم کو رب کا دیدار کرا دیں وہ ہمارے سامنے ہو کر ہم سے آپ کی نبوت وغیرہ کے متعلق بغیر حجاب کلام فرمادے تب وہ ستر کے ستر ہلاک کئے گئے اور دوسری بار بچھڑا پرستی کے جرم میں یہ نمائندے ہلاک کئے گئے کیونکہ یا تو ان لوگوں نے بھی یہ پرستش کی تھی یا انہوں نے پجاریوں کو روکنے میں نرمی کی تھی۔ اب گفتگو یہ ہے کہ یہاں کونسا واقعہ بیان ہو رہا ہے پہلا یا دوسرا بعض مفسرین نے فرمایا کہ پہلا واقعہ بیان ہو رہا ہے ان کی دلیل وہ آیت ہے **فقالوا ارنا الله جهرة فاخذتهم الصعقة بظلمهم ثم اتخذوا العجل** وہاں بتایا گیا کہ اس واقعہ کے بعد بچھڑا پرستی ہوئی مگر امام سدی وغیرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں پہلے میقات کا ذکر ہے اور اس آیت میں دوسرے میقات اور دوسرے واقعہ کا ذکر ہے یہ واقعہ دوبار ہوا ہے (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہما) فقیر بلکہ عام مفسرین کے نزدیک یہ دوسرا قول ہی قوی ہے کیونکہ یہاں اس سے پہلے بچھڑا پرستی کا ذکر ہوا اور بعد میں بھی اسی کا تذکرہ ہے درمیان میں یہ واقعہ دوسرا بیان ہو تو تسلسل کے خلاف ہوگا تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی اسکو ترجیح دی ہے۔ اختار بنا ہے اختیار سے جس کا مادہ ہے خیر۔ اختیار کے معنی ہیں خیر خیر کو چھانٹ لینا اصطلاح میں اس

www.alahazratnetwork.org

کے معنی ہوتے ہیں منتخب کرلینا چن لینا **قومہ** سے پہلے **من** پوشیدہ **من قومہ** تھا اختیار کے بعد عموماً "**من**" پوشیدہ ہوتا ہے جیسا کہ ان شعروں میں ہے۔

منا الذی اختیر الرجال سماحته ۔۔۔ وجودا" اذاھب الریاح الزعازع

فقلت له اختر قلوما سمینته ۔۔۔ ونابا" علا بامثل نابک فی الحیا

ان دونوں شعروں میں اختیر اور اختر کے بعد **من** پوشیدہ ہے **قومہ** سے مراد یا تو پجاری اسرائیلی ہیں یا وہ جو پوجا سے محفوظ رہے تھے۔ دوسرا احتمال قوی ہے **سبعین رجلا** "یہ مفعول ہے اختار کا۔ واقعہ یہ تھا کہ اس وقت بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے آپ نے ہر قبیلہ سے چھ چھ آدمی طور لے جانے کے لئے منتخب کئے تو ہو گئے بہتر آپ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے ستر آدمی لانے کا حکم دیا ہے تم میں سے دو صاحب نکل جاؤ جو میرے ساتھ نہ جائیں۔ اس پر کوئی آمادہ نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ رہ جانے والوں کو وہ ہی درجہ و ثواب ملے گا جو میرے ساتھ جانے والوں کو ملے گا اس پر حضرت یوشع ابن نون اور کالب ابن یوحنا ٹھہر گئے باقی ستر آدمی آپ کے ساتھ گئے یہاں اس کا ذکر ہے **لمیقاتنا** ہم ابھی عرض کر چکے ہیں کہ میقات دو ہوئے ہیں ایک میقات کلامی جس میں موسیٰ علیہ السلام کو توریت عطا ہوئی اس موقعہ پر آپ نے دیدار الٰہی کی آرزو کی۔ دوسرا میقات معذرت یا میقات توبہ جو عطاء توریت اور بچھڑا پرستی کے بعد ہوا۔ قوی یہ ہے کہ یہاں یہ ہی دوسرا میقات مراد ہے۔ لفظ میقات وقت سے بنا ہے۔ بمعنی مقرر کرنا میقات کے معنی ہیں مقرر کردہ جگہ یا مقرر کردہ وقت۔ چنانچہ حج و عمرہ میں احرام باندھنے کی جگہ کو میقات کہتے ہیں۔ یعنی احرام کے لئے مقرر کردہ جگہ یہاں یا تو وقت معین مراد ہے یا جگہ مقررہ اعلیٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ نہایت جامع ہے جس میں دونوں احتمال ہیں اگر میقات سے مراد مقرر جگہ ہو تو اس سے مراد طور اور اس کے آس پاس کا جنگل وادی سینا ہے اور اگر وقت مقرر معنی ہوں تو اس سے مراد دو تاریخیں ہیں جن میں وہاں پہنچنا مقرر ہو چکا تھا اس سے مراد طور اور وادی سینا ہے جہاں موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا ہوئی پھر وہاں ہی موسیٰ علیہ السلام سے چلہ کرایا گیا۔ وہاں ہی توریت شریف عطا ہوئی اسی جنگل میں موسیٰ علیہ السلام کو نعلین شریف اتارنے کا حکم ہوا تھا **فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی** چونکہ اس جنگل میں خصوصیات تھیں اس وجہ سے میقات توبہ قرار دیا گیا۔ **فلما اخذتھم الرجفته** یہ عبارت معطوف ہے **واختار** پر اس میں ف صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے فوراً" کے معنی میں نہیں **ھم** کا مرجع وہ ہی ستر آدمی ہیں کہ زلزلہ اور موت انہیں پر وارد ہوئے موسیٰ علیہ السلام محفوظ رہے **رجفته** کے معنی ہیں زلزلہ خواہ بادل کی گرج سے ہو یا ویسے ہی مگر ہر زلزلہ کو **رجفه** نہیں کہتے بلکہ مہلک اور فنا کرنے والوں کو کہتے ہیں چونکہ اس زلزلہ سے وہ ستر کے ستر مر گئے تھے اس لئے اسے **رجفه** فرمایا گیا حق یہ ہے کہ ان ستر کو موت آگئی تھی محض غشی نہ ہوئی تھی جیسا کہ **اتھلکنا** سے معلوم ہو رہا ہے۔ انہیں زلزلہ سے کیوں موت دی گئی یا اس لئے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم آپ کو نہ مانیں گے جب تک رب کو دیکھ نہ لیں یا اس لئے کہ بچھڑا پرستوں کو روکنے میں سستی کی تھی۔ دوسری وجہ قوی ہے جیسا کہ ابھی ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہ واقعہ میقات توبہ کا ہے نہ کہ میقات کلامی کا۔ **قال رب لو شئت اھلکتھم من قبل** یہ عبارت **اخذتھم** کی جزا ہے موسیٰ علیہ السلام نے یہ عرض معروض اپنی دعا کی تمہید کے طور پر کی۔ اس میں رب تعالیٰ کی قدرت تامہ کا ذکر ہے **لو شئت** فرما کر یہ عرض کیا کہ زندگی

www.alahazratnetwork.org

پوری ہونے عمر ختم ہونے کا تو پابند نہیں تو اگر چاہے تو بندوں کی عمر ختم ہونے سے پہلے ہی انہیں ہلاک کردے چاہے تو اور مہلت دے دے تو بڑی قدرتوں والا ہے **اھلکتھم** سے معلوم ہوا کہ ان سب کی موت واقع ہو گئی تھی صرف بے ہوش نہ ہوئے تھے **من قبل** سے مرادیا تو مطلقاً "پہلے" ہے یا بچھڑا پرستی کا وقت ہے یا یہاں طور پر پہنچنے سے پہلے کا وقت مراد ہے **وایای** یہ معطوف ہے **ھم** ضمیر پر اور مفعول ہے **اھلکت** کا اس سے مراد موسیٰ علیہ السلام کی اپنی ذات بابرکات ہے اور **من قبل** سے مرادیا تو وہ وقت ہے جب آپ نے دیدار الٰہی کی تمنا کی تھی اور آپ پر غشی آ گئی تھی یا مراد ہے غرق فرعون کا دن۔ مقصد یہ ہے کہ اے مولیٰ اگر تو چاہتا تو ان کو اس وقت ہلاک کر دیتا جب یہ لوگ بچھڑا پرستوں سے الگ نہ ہوئے ان سے ملے رہے انہیں منع کرنے میں سستی کرتے رہے اور مجھے اس وقت وفات دے دیتا جب میں طور پر غش کھا کر گرا تھا یا اے مولیٰ اگر تو چاہتا تو انہیں اور مجھے سب کو فرعون کے ڈوبتے وقت ہی فنا کر دیتا مگر تو نے ایسا نہ کیا ہم پر رحم کیا اب بھی ہم کو تیری رحمت کی امید ہے رحم فرما تو رحیم ہے تو کریم ہے اب بھی رحم فرما کیونکہ ان لوگوں کی موت میری بدنامی کا ذریعہ ہو گی کہ لوگ کہیں گے کہ موسیٰ علیہ السلام ان سب کو مروا آئے میں کسے کسے جواب دوں گا **اتھلکنا بما فعل السفھاء منا** یہ دعا کی دوسری تمہید ہے اس میں الف انکاری سوال کے لئے ہے یعنی اے مولا ہم کو یقین ہے کہ تو ہمیں ہلاک نہ فرمائے گا بلکہ ہلاک شدگان کو میری دعا سے زندہ فرمادے گا موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کو ہلاک شدگان میں داخل فرمایا تاکہ رحمت الٰہی کا دریا جوش میں آجاوے۔ یعنی مولیٰ میں بھی اسی جماعت میں داخل ہوں ان کی ہلاکت میری وفات ہے **سفھاء** سے مرادیا تو دیدار الٰہی کی تمنا کرنے والے ہیں کہ یہ تمنا ان سب نے نہیں کی تھی بلکہ بعض نے کی تھی مگر ہلاک ہوئے سب یا اس سے مراد بچھڑا پوجنے والے ہیں مگر دوسری بات قوی ہے کیونکہ یہ واقعہ میقات توبہ کا ہے **سفھاء** جمع ہے **سفیہ** کی یعنی بے وقوف اور ہلکی عقل والے نادان ناسمجھ اس کی تحقیق پہلے پارے کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ **منا** سے مراد ہے قوم بنی اسرائیل یعنی اے مولیٰ مجھے تیری رحمت و کرم سے امید قوی ہے کہ تو ان ستر کو جن میں میں بھی شامل تھا ان نادانوں جہلا کی وجہ سے ہلاک نہ کرے گا نہ ہلاک رکھے گا کہ یہ معاملہ میری عزت کا ہے **ان ھی الا فتنتک** یہ نیا جملہ ہے اس میں پہلے جملہ کی تاکید ہے **ھی** کا مرجع یا تو ان ستر کی ہلاکت ہے یا ان لوگوں کا دیدار الٰہی کی تمنا کرنا ہے یا قوم کی بچھڑا پرستی ہے۔ **فتنہ** کے معنی آزمائش بھی ہیں جیسے **انما اموالکم و اولادکم فتنۃ** اور فساد بھی جیسے **الفتنۃ اشد من القتل** یہاں معنی آزمائش ہے اگرچہ ایسا دو معنی والا لفظ جس سے ایک اچھے ہوں دوسرے معنی خراب اللہ تعالیٰ کے لئے بولنا منع ہے مگر آپ نے مقام ناز میں یہ عرض کیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **ھی** کا مرجع خود فتنہ ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے **ان ھو الا زید** اس میں **ھو** کا مرجع خود زید ہے (روح البیان) یہاں تفسیر روح المعانی نے عجیب بات فرمائی کہ ابن ابی حاتم نے بروایت راشد ابن سعد نقل کیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ بچھڑے میں روح کس نے ڈالی فرمایا میں نے۔ عرض کیا کہ مولیٰ پھر تو نے ہی ان پجاریوں کو گمراہ کیا رب نے فرمایا کہ اے میرے کلیم میں نے اس بچھڑے کے ذریعہ لوگوں کے دل کی پختگی و خامی کو ظاہر فرمایا۔ گویا بچھڑا بنی اسرائیل کے دلوں کا آئینہ تھا جس نے ان کے دلوں کا حال بتا دیا بلکہ دکھا دیا **تضل بھا من تشاء** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے جو فتنہ کا بیان کر رہی ہے یا اس کا حال ہے یا **فتنتک** کے کاف کا حال ہے **بھا** میں ب سببیہ ہے ہا کا مرجع فتنہ ہے یعنی اے رب کریم تو جسے چاہے اس فتنہ کے ذریعہ

گمراہ کردے جو اس فتنہ میں گرفتار ہو جاوے وہ ہلاک ہو جاوے یا جو اس پر صبر نہ کرے یا جو راضی برضانہ ہو یا جو تیرے اس امتحان پر زبان اعتراض دراز کرے وہ گمراہ ہو جاوے (روح المعانی) **وتھدی من تشاء** جتنے معنی **تضل** کے کئے گئے اس کے مقابل اتنے ہی معنی اس عبارت کے ہوں گے یعنی جسے تو چاہے ہدایت دے یا ہدایت پر رکھے جو اس فتنہ سے الگ رہے یا جو راضی برضا رہے یا جو تیرے امتحان پر اعتراض نہ کرے اسے تو ہدایت دیتا ہے وغیرہ چونکہ ہدایت کا ذریعہ رب کا فضل ہے نہ کہ فتنہ اس لئے یہاں **بھا** نہ فرمایا گیا **انت ولینا** یہ بھی آئندہ دعا کی تمہید ہے ولی کے معانی ہم دوسرے مقام پر عرض کر چکے ہیں یہ لفظ یا تو ولی ۔ بمعنی قرب سے بنا ہے یا ولایت ۔ بمعنی ملکیت و تصرف سے یا ولی ۔ بمعنی حفاظت و نصرت سے یعنی اے مولی تو ہمارا ناصر ہمارا حافظ دینی دنیاوی کاموں میں متولی ہے یا تو ہم سے ہماری جانوں سے زیادہ قریب ہے **فاغفر لنا وارحمنا** یہ اصل دعا ہے اس میں ف ترتیب کی ہے یعنی چونکہ تو ہمارا والی وارث حافظ ناصر ہے لہٰذا ہم کو بخش دے ہم پر رحم کر۔ اس دعا میں آپ نے اپنی ذات کو ان سب کے ساتھ شامل فرمایا تاکہ جلد قبول ہو یعنی میں بھی اس جماعت میں داخل ہوں اس لئے مجھ پر مع ان کے رحم فرما۔ خیال رہے کہ مغفرت خطا بخشنے کو کہا جاتا ہے اور رحمت عطاء انعام کو یعنی ہمارے خطاؤں کو معاف کر اور ہم پر اپنے کرم کی بارش فرما یہاں تفسیر خازن نے عجیب بات فرمائی فرمایا کہ آپ کا مقصد یہ ہے کہ مولی ان لوگوں سے بچھڑا پرستی یا طلب دیدار کا جرم ہوا اور مجھ سے یہ خطا ہو گئی کہ میں نے **ان ھی الا فتنتک** کہہ دیا یہ لفظ شاید تیری شان کے لائق نہ ہو ان کے وہ جرم بخش دے میری یہ خطا معاف فرمادے اور مجھے اور انہیں اپنی رحمت دے انہیں ان کے حال کے لائق اور مجھے میری شان کے لائق رحمتیں عطا فرما۔ **وانت خیر الغفرین** یعنی تیرے بندے بھی اپنے ماتحتوں کو بخشتے ان پر رحم کرتے ہیں مگر تو ان سب سے زیادہ بخشنے والا ہے دنیا میں اکثر لوگ بخشش و رحمت کسی غرض سے کرتے ہیں مگر تیری یہ رحمتیں بے غرض ہیں لوگ تو ایک دو جرم بخشتے ہیں مگر تیری بخشش انتہاء سے وراء ہے۔

گنہ رضا کا حساب کیا وہ اگرچہ لاکھوں سے ہیں سوا   مگر اے عفو تیرے عفو کا تو حساب ہے نہ شمار ہے

خلاصہ تفسیر: اس واقعہ کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل میں سے ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانے کے لئے منتخب فرمایا جو اپنی ساری قوم کے نمائندہ بن کر پجاریوں کی طرف سے معذرت کریں یہ ستر آدمی ان لوگوں میں سے لئے جو اس پرستش سے محفوظ رہے تھے ان لوگوں نے یہ غضب کیا کہ طور پر پہنچ کر رب تعالیٰ کے دیدار کی تمنا کی یا چونکہ ان لوگوں نے پجاریوں کو اس جرم سے روکنے میں کچھ سستی کی تھی اور ان کے ساتھ رہنا سہنا نہ چھوڑا تھا ان سے گلے ملے رہے۔ اس وجہ سے ان پر ایک چیخ آئی جس سے زلزلہ پیدا ہوا اور وہ ستر کے ستر ہلاک ہو گئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے جب یہ حادثہ دیکھا تو خیال فرمایا کہ اگر اب میں اکیلا اپنی قوم میں واپس گیا تو میری قوم تو پہلے ہی سرکش اور بدگمان ہے وہ مجھ پر الزام لگائے گی کہ ان ستر کو میں ہلاک کرا آیا تب آپ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور نہایت عجز و انکسار سے عرض کیا کہ اے میرے مولیٰ تو قادر مطلق ہے اگر تو چاہتا تو ان لوگوں کو طور پر آنے سے پہلے ہی قوم کے سامنے ہلاک کر دیتا بلکہ اگر تو چاہتا تو مجھے بھی وفات دے دیتا تاکہ مجھے پھر ان کے قتل کی تہمت نہ لگتی تو چاہتا تو بحر قلزم میں ہم سب کو موت دے دیتا تو چاہتا تو بچھڑا پوجتے وقت لوگوں کو مار دیتا اب یہاں جو انہیں ہلاک فرمایا میرے مولیٰ اس میں میری آبرو کا خطرہ ہے ان کی ہلاکت تیری بڑی سخت اور کڑی آزمائش ہے یا

www.alahazratnetwork.org

ان لوگوں کی بچھڑے کی پرستش تیری آزمائش ہے اس آزمائش کے ذریعہ تو جسے چاہے گمراہ کرے کہ وہ تیری آزمائش پر اعتراض کرکے کافر ہو جاویں اور جسے چاہے ہدایت دے کہ وہ تیری حکمتوں کا اقرار کرکے ہدایت میں اور ترقی کر جاویں اے مولی کیا بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ تو بعض کے قصور کی وجہ سے ہم سب کو فنا کر دے مجھے تیرے کرم سے امید ہے کہ تو ایسا نہ کرے گا بچھڑا پرستی دوسروں کی ہے یہ لوگ اس سے محفوظ رہے ہیں۔ میرے مولی تو ہمارا اولی وارث حافظ و ناصر ہے ہم سب کو بخش دے کہ ہمارے قصوروں سے درگزر فرما اور ہم پر کرم کی نظر اور رحمت فرما تیرے بندے بھی اپنے ماتحتوں پر رحم کرم کرتے ان کے قصوروں سے درگزر کرتے ہیں مگر تو ان سب سے بڑا رحیم و کریم ہے کہ ان کی رحمت و کرم وقتی ہوتی ہے تیری دائمی ان کی رحمت و کرم خصوصی اور کسی غرض سے ہوتی ہے اور تیرا رحم و کرم عمومی اور بے غرض ہے۔

فائدے: اس آیتہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** تمام گناہوں میں رب تعالی کا بھی مجرم ہوتا ہے اور نبی کا بھی کہ نبی کو گناہ سے تکلیف ہوتی ہے رب کی نافرمانی گویا دونوں کی نافرمانی ہے اس لئے توبہ کے لئے نبی سے بھی معافی چاہئے اور رب تعالی سے بھی بلکہ نبی سے پہلے معافی چاہئے کہ ان کی معافی رب کی معافی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب تعالی نے موسی علیہ السلام کی رضا کا ذکر پہلے کیا **ولما سکت عن موسی الغضب** اور اپنی رضا کا ذکر بعد میں۔ اور حقوق العباد مارنے میں انسان تین جرم کرتا ہے۔ رب تعالی کا نبی کا اور حق والے انسان کا وہاں توبہ کے لئے تین معافیاں حاصل کرنا ضروری ہے ہم لوگ جو گناہ کرکے حضور سے معافی مانگتے ہیں اس کی اصل یہ آیتہ ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی توبہ کی قبولیت میں دیر کی جاتی ہے اس دیر میں ہزارہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **واختار موسی** سے حاصل ہوا کہ ان بچھڑا پرستوں کی توبہ بہت شرائط سے بہت عرصہ میں قبول ہوئی۔ دیکھو آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو برس بعد قبول ہوئی۔ حضرت کعب ابن مالک کی توبہ پچاس دن بعد قبول ہوئی ابو لبابہ کی توبہ بہت عرصہ بعد قبول ہوئی۔ پوری مجرم قوم کی طرف سے بعض خاص لوگوں کا توبہ کرنا ان کا نمائندہ بن کر بارگاہ الہی میں حاضر ہونا درست ہے یہ فائدہ **سبعین رجلا** سے حاصل ہوا کہ بچھڑا پرستی کی تھی لاکھوں نے ان کی طرف سے معذرت کرنے صرف ستر آدمی طور پر گئے لہذا بزرگوں کے ذریعہ توبہ کرنا ان سے دعا کرانا جائز اور بڑی پرانی سنت ہے۔ موجودہ کچہریوں کی وکالتوں کی اصل یہ آیت ہے کل قیامت میں اس وکالت کا ظہور اس طرح ہو گا کہ حضور ﷺ جن گنہگاروں سیہ کاروں پر کرم فرمائیں گے انہیں بارگاہ الہی میں پیش ہونے ہی نہ دیں گے۔ ہم کو اپنے پیچھے رکھ کر معافی وغیرہ کرا دیں گے بلکہ حضور کو رسول اللہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہاں دنیا میں رب تعالی ہمارے سامنے نہیں اور حضور کے ذریعہ ہم سے کلام احکام فرماتا ہے اگر رب تعالی ہمارے سامنے ہو تا تو رسول کی ضرورت نہ ہوتی اسی طرح حضور کو **رسولکم** یا **رسولنا** اس لئے کہا جاتا ہے کہ قیامت میں گنہگاروں کو پس پشت رکھ کر رب تک ہماری عرض و معروض پہنچائیں گے بخشوائیں گے۔ **تیسرا فائدہ:** پیغمبر کو اختیار ہوتا ہے کہ جس کام کے لئے جسے چاہیں منتخب کرلیں یہ انتخاب بالواسطہ رب تعالی ہی کی طرف سے ہوتا ہے یہ فائدہ **واختار موسی** سے حاصل ہوا لہذا حضور ﷺ نے جس عہدے کے لئے جسے منتخب فرمایا درست کیا جناب عثمان کو حدیبیہ کے موقع پر اپنی طرف سے صلح کی بات چیت کرنے کو حضور نے منتخب کیا بلکہ تاقیامت دین کی مختلف خدمات کے لئے مختلف جماعتوں شخصوں کا انتخاب حضور کی طرف سے ہوتا رہے گا خدا کرے ہم گنہگار

www.alahazratnetwork.org

بھی کسی انتخاب میں آجائیں۔

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ پاک　　　　میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

غرضکہ نبی بھی مخلوق کے بارگاہ الہی میں دسیلہ ہیں اور ولی بھی مگر نبی کا انتخاب رب کی طرف سے ہوتا ہے اور ولی کا انتخاب نبی کی طرف سے ہے۔ **چوتھا فائدہ** توبہ کے لئے کسی خاص مقام پر خاص تاریخ میں جانا بالکل درست ہے یہ فائدہ **لمیقاتنا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام معذرت کرنے کیلئے طور پر خاص وقت ہی لے گئے ایک موقعہ پر رب نے بنی اسرائیل کو حکم دیا تھا کہ **ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطۃ** بیت المقدس میں جاکر کہو کہ معافی دے لہٰذا بعض لوگوں کا بعض بزرگ مقامات پر جاکر دعائیں مانگنا بالکل درست ہے۔ خیال رہے کہ چند جگہ توبہ و عبادات جلد قبول ہوتی ہے زندہ ولی کے پاس **ھنالک دعا زکریا ربہ** حضرت مریم کے پاس زکریا علیہ السلام نے دعا مانگی۔ بزرگوں کی قبروں کے پاس **ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطۃ** دیکھو بیت المقدس میں نبیوں کی قبریں تھیں وہاں جاکر توبہ کرنے کا بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا۔ کسی بزرگ کی عبادت گاہ یا چلہ گاہ پر جاکر جیساکہ اس آیت سے معلوم ہوا **واختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا** حضور انور نے صفا مروہ پہاڑوں پر ان کے درمیان راستہ میں کہیں چل کر کہیں بھاگ کر دعائیں مانگی ہیں سعی کرتے وقت کیونکہ یہ حضرت ہاجرہ کا مقام ہے۔ حضرت امام شافعی دعا کرنے کے لئے مصر سے بغداد امام اعظم کے مزار پر حاضر ہوتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی بعض کے قصور کی وجہ سے بے قصوروں پر بھی عتاب بلکہ بلائیں آجاتی ہیں۔ یہ فائدہ **اخذتھم الرجفۃ** سے حاصل ہوا۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں بروں کی صحبت سے بچو۔ بچھڑا پرستی اور لوگوں نے کی تھی مگر ان کی صحبت میں رہنے کی وجہ سے ان لوگوں پر بھی عتاب ہو گیا۔ **پانچواں فائدہ:** نبی کی دعا سے تقدیر بدل جاتی دن پھر جاتے ہیں کبھی مردے جی جاتے ہیں یہ فائدہ **رب لو شئت** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا سے ان ستر مردوں کو زندہ کیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** اگر رب تعالیٰ چاہے تو ہم کو ہماری عمر ختم ہونے سے پہلے بھی موت دے سکتا ہے عمر وغیرہ کے پابند ہم ہیں رب تعالیٰ پابند نہیں یہ فائدہ **لو شئت اھلکتھم من قبل** سے حاصل ہوا۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ اگر تو چاہتا تو ہم سب کو آج سے پہلے وفات دے دیتا حالانکہ ابھی ان سب کی عمریں باقی تھیں۔ **ساتواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ سے بندہ امید کبھی نہ توڑے اسی کا دروازہ بے آس والوں کی آس ہے یہ فائدہ **اتھلکنا** کے سوال سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ مولیٰ کیا یہ ہو سکتا ہے کہ تو ہم سب کو بعض کے جرموں کی وجہ سے ہلاک کر دے یعنی مجھ کو امید قوی ہے کہ تو ایسا نہ کرے گا معلوم ہوا کہ ستر آدمیوں کے مرجانے کے باوجود آپ نے رب تعالیٰ سے امید نہ توڑی۔ **آٹھواں فائدہ:** بعض الفاظ ایسے ہیں جو اللہ کے مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کر سکتے ہیں۔ دوسرا کہے تو بے دین ہو جاوے جیسا نہ ویسی بولی یہ فائدہ **الا فتنتک** سے حاصل ہوا۔ ہم اگر لفظ فتنہ کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو بے دین ہو جاویں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

در حق او مدح در حق توذم!　　　　در حق او شد در حق تو سم

ہم لوگ اللہ تعالیٰ کے لئے لفظ فتنہ بمعنی آزمائش بھی نہیں بول سکتے۔ **نواں فائدہ:** امتحان میں سب ہی پاس نہیں ہوا کرتے

www.alahazratnetwork.org

بعض قبل بھی ہو جاتے ہیں بلکہ قبل زیادہ ہوتے ہیں یاس کوئی کوئی ہوتا ہے دیکھو یہاں تضلل اور تہدی دونوں کا ذکر ہے بلکہ گمراہی کا ذکر پہلے ہے ہدایت کا ذکر بعد میں۔ **دسواں فائدہ**: دعا مانگنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے بھی اللہ کی حمد کرے بعد میں بھی بیچ میں عرض مدعا کرے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی دعا کے ختم پر فرمایا **وانت خیر الغفرین**۔ **گیارھواں فائدہ**: جیسی دعا ہو اس قسم کی رب کی حمد کرے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے مغفرت کی دعا کی تو آخر میں فرمایا **انت خیر الغفرین** کہیں فرمایا **انت خیر الرزقین** وغیرہ دعاء مغفرت کے لئے رب کی صفت غفاریت کا ہی ذکر چاہئے رب کے بہت نام اسی لئے ہیں کہ ہر قسم کا حاجت مند اپنی حاجت کے موافق نام سے یاد کرے۔ **بارھواں فائدہ**: بزرگوں کے چلہ گاہوں کے پاس کھڑے ہو کر دعا مانگنا وہاں جا کر توبہ کرنا بڑی پرانی سنت ہے وہاں سفر کر کے جانا زیارت کرنا سب سنت قدیمہ ہے یہ فائدہ **لمیقاتنا** سے حاصل ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام ان ستر شخصوں کو وہاں طور پر توبہ کے لئے سفر کرا کر لے گئے جہاں آپ چلہ کر چکے تھے۔ غرضکہ یہ چار جگہ توبہ کی میقات ہیں۔

پہلا اعتراض: یہ ستر آدمی ہلاک نہیں بلکہ بے ہوش ہوئے تھے کیونکہ ابھی ان کی عمریں باقی تھیں۔ وہ لوگ ہوش میں آ کر موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ واپس آ گئے عمر ختم ہونے سے پہلے موت ناممکن ہے۔ رب فرماتا ہے **اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعتہ ولا یستقدمون** (بعض منکرین معجزات)۔ **جواب**: ہم اس اعتراض کا جواب تیسرے پارہ میں تفصیل سے دے چکے ہیں۔ یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ تمہاری پیش کردہ آیت میں قانون خداوندی کا ذکر ہے اور یہاں اور ان جیسی دوسری آیات و احادیث میں قدرت خداوندی کا ذکر ہے قانون کے پابند ہم ہیں رب تعالیٰ نہیں وہ بڑی قدرتوں والا ہے اسی لئے وہاں **لا یستاخرون** اور **لا یستقدمون** ارشاد ہوا کہ بندے اپنی کوشش اپنے زور سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتے اگر رب تعالیٰ آگے پیچھے کرے تو وہ قادر ہے عزیر علیہ السلام اور ان کا گدھا ایک سو سال وفات یافتہ رہے پھر زندہ کئے گئے اس کی پوری تحقیق تیسرے پارہ کی تفسیر میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا **اتھلکنا بما فعل** یہ تو رب تعالیٰ پر اعتراض ہے خدا پر اعتراض نبی کی شان سے بعید ہے کہ یہ خلاف ایمان ہے۔ **جواب**: یہ عرض کرنا اعتراض نہیں بلکہ رحم کی درخواست ہے نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں۔ یعنی اے مولیٰ کیا ہو سکتا ہے کہ تو ہم کو اسی طرح ہلاک کر دے نہیں ایسا نہیں ہو سکتا کہ تو کریم و رحیم ہے ہم کو تیری رحمت و کرم سے بڑی امیدیں ہیں مانگنے کے ڈھنگ مختلف ہوتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: جناب کلیم نے عرض کیا **ان ھی الا فتنتک** اس میں سخت گستاخی ہے فتنہ کو رب کی طرف نسبت کرنا بارگاہ الوہیت کی بے ادبی ہے پھر اتنے بڑے پیغمبر نے کیوں کی ہم کسی شریف انسان کو فتنہ گر یا فتنہ انگیز نہیں کہہ سکتے چہ جائیکہ رب تعالیٰ کی ذات۔ **جواب**: عربی زبان میں فتنہ کے معنی ہیں امتحان آزمائش عامہ۔ بلاء ابتلاء ہر آزمائش کو کہتے ہیں مگر فتنہ عام آزمائش کو۔ رب فرماتا ہے **انما اموالکم واولادکم فتنتہ** نیز یہاں فتنہ کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف خلق کی نسبت ہے یعنی یہ تیرا قائم کردہ امتحان ہے۔ جس میں کوئی کوئی کامیاب ہوگا۔ اگر ان تین باتوں میں کوئی بات بے ادبی یا رب تعالیٰ پر اعتراض کی ہوتی تو آپ صرف **فاغفر** نہ فرماتے بلکہ ایمان کی تجدید کرتے کہ رب پر اعتراض کفر ہے اور کفر صرف ایمان سے دور ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: آخر موسیٰ علیہ السلام نے ان ستر صاحبوں کی اتنی پر زور شفاعت کیوں کی۔ موت تو

www.alahazratnetwork.org

ہر شخص کو آنی ہی ہے جب بھی آئے۔ **جواب**: اس لئے کہ یہاں آپ کی عزت کا سوال تھا اگر آپ اکیلے قوم میں واپس جاتے تو وہ لوگ آپ کو ان کے قتل کا الزام لگاتے۔ رب تعالیٰ کو نبی کی عزت کا بہت پاس ہوتا ہے اس لئے رب نے ان مردوں کو زندہ فرما کر آپ کے ساتھ بھیجا۔ اتنا بڑا کام صرف آپ کی عزت و عظمت کے لئے ہوا دیکھو یوسف علیہ السلام کی عزت محفوظ رکھنے کے لئے عالمگیر قحط سالی بھیجی وہ بھی مسلسل سات برس کی۔ **پانچواں اعتراض**: اس کی کیا وجہ ہے کہ اصحاب موسیٰ عرصہ تک آپ کے ساتھ رہنے کے باوجود صرف چالیس روز کی جدائی میں بچھڑا پرست بن گئے مگر حضور کے صحابہ ایک آن حضور کی صحبت میں رہ کر ایسے پختہ ہو گئے کہ انہیں دنیا کی کوئی تکلیف کوئی لالچ ایمان سے ہٹا نہ سکی جیسے حضرت بلال یا ابو جندل یا ابو ذر غفاری۔ **جواب**: اس لئے کہ قرآن مجید کو رب نے ایسی ایک صفت بخشی ہے جو کسی آسمانی کتاب کو نہ بخشی یعنی وردو دل سوز و گداز وغیرہ اور اپنے محبوب کو ایک ایسی صفت بخشی جو کسی نبی کو نہ بخشی یعنی محبوبیت مطلقہ مسلمانوں کو رب نے عشق رسول بخشا کسی امت کو ان کے نبی کا ایسا عشق نہ بخشا اس عشق کی جلوہ گری ہے کہ مومن گمراہ نہیں ہوتے۔ **چھٹا اعتراض**: موسیٰ علیہ السلام نے قوم کی بت پرستی دیکھی تو بہت ہی غضب و غصہ کا اظہار فرمایا پھر ان ستر کے مرجانے پر بھی آپ کو جوش آ گیا مگر ہمارے حضور کو کبھی نہ غصہ آیا نہ جوش۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو بڑا وسیع ظرف اور عالی ہمتی عطا فرمائی ہے دیکھ لو موسیٰ علیہ السلام کو تجلی صفت کی برداشت نہ ہوئی بے ہوش ہو گئے مگر ہمارے حضور نے عین ذات کی زیارت کی تبسم فرماتے رہے یہ ہے ہمت و ظرف۔ سمندر کا پانی پتھر پڑنے سے گدلا نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے مقبول بندوں پر دو وقت آتے ہیں نیاز کا اور ناز کا نیاز کی گفتگو کا انداز اور ہوتا ہے اس میں ادب و احترام انتہا درجہ کا ہوتا ہے مگر ناز کی گفتگو کا طریقہ بلکہ الفاظ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ اس میں جوش عشق کی جھلک ہوتی ہے یہ آیت کریمہ ناز و نیاز کی جامع ہے ادب اور جوش عشق دو جداگانہ چیزیں ہیں جوش عشق میں شرعی احکام مرتب نہیں ہوتے کہ بندہ بے خود ہوتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ (از روح البیان)

گفتگو عاشقاں درکار رب　　　　جوشش عشقست نے ترک ادب
ہرکہ کرد از جام حق یک جرعہ نوش　　　　نے ادب ماند درو عقل و ہوش!

اس آیت کریمہ میں **اتھلکنا** اور **ان ھی الا فتنتک** یوں ہی **تضل بھا** ان سب عرض و معروض میں حضرت عشق کی جلوہ گری ہے ان میں الفاظ، طرز ادا کچھ اور ہی ہیں اور **انت ولینا** اور **فاغفر لنا** اور **وارحمنا** اور **انت خیر الغفرین** میں نیاز مندی کا ظہور ہے اس کے الفاظ طرز ادا جداگانہ ہے ان مقبولوں کی دونوں ادائیں رب کو پیاری ہیں اس لئے رب نے ان کا ذکر بغیر تردید فرمایا پتہ لگا کہ دونوں ادائیں قبول ہیں۔ صوفیاء کے نزدیک عفو سزا معفرت ہے عطا و کرم رحمت ہے چونکہ ضرر کا دفع پہلے ہے نفع کے حصول پر۔ اس لئے یہاں مغفرت کا ذکر پہلے ہوا رحم کا بعد میں۔ عوام گناہ کر کے مغفرت مانگتے ہیں خواص نیکی کر کے۔ وہ کہتے ہیں کہ مولیٰ ہماری نیکیاں تیرے دربار کے لائق نہیں معافی دے دے **فاغفر لنا** میں دونوں مغفرتوں کا ذکر ہے نبی کی شرکت بلکہ نبی کے نام سے عیبوں کے عیب چھپ جاتے ہیں۔ اس لئے **فاغفر لنا** میں آپ نے اپنے کو سب میں شامل فرمایا کریم بندے اپنے ماتحتوں کے جرم بخش دیتے ہیں مگر رب کریم مجرموں کے جرم بخش کر

www.alahazratnetwork.org

انہیں نیکیوں میں تبدیل فرما دیتا ہے کہ ہر جرم پر بجائے سزا کے عطا فرماتا ہے **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات** اس لئے آپ نے رب کو **خیر الغفرین** کہا یعنی تمام بخشنے والوں سے بڑھ کر بخشنے والا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے آم ملتے ہیں باغ میں دانہ ملتا ہے کھیت میں پانی کنوئیں میں دوا ہسپتال میں ملتی ہے ایسے ہی قبولیت اور عبادت کی برکت اللہ والوں کی چلہ گاہوں سے ملتے ہیں۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے چلہ گاہ کو میقات توبہ قرار دیا گیا اگرچہ رب تعالیٰ کی رحمت ہر جگہ ہے مگر ملتی ان جگہوں پر ہے۔ سارے تار میں پاور ہے مگر روشنی وہاں ملتی ہے جہاں بلب ہو اس سے طریقت کے بہت مسائل نکلتے ہیں۔

وَاكْتُبْ لَنَا فِي هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ اِنَّا هُدْنَآ اِلَيْكَ
اور لکھ تو واسطے ہمارے اس دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بے شک ہم نے رجوع کیا طرف تیرے
اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی لکھ اور آخرت میں بے شک ہم تیری طرف رجوع لائے فرمایا
قَالَ عَذَابِيْ اُصِيْبُ بِهٖ مَنْ اَشَآءُ وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ
فرمایا رب نے سزا میری پہنچاتا ہوں میں وہ اسے جسے چاہتا ہوں اور رحمت میری نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو
میرا عذاب میں جسے چاہوں دوں اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے
فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا
پس عنقریب لکھوں گا میں وہ رحمت واسطے ان کے جو پرہیزگاری کرتے ہیں اور دیتے ہیں زکوٰۃ حالانکہ وہ
تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لئے لکھ دوں گا جو ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر
يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٥٦﴾
ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں
ایمان لاتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** موسیٰ علیہ السلام نے ستر آدمیوں کی ہلاکت دیکھ کر چار دعائیں مانگیں جن میں سے دو کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا مغفرت اور رحمت اور بقیہ کا ذکر اس آیت میں ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہ ذکر ہوا کہ گمراہی اور ہدایت اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے اب موسیٰ علیہ السلام کی اس دعا کا ذکر ہے کہ مولیٰ ہم کو گمراہوں میں سے نہ بنا ہدایت یافتگان میں سے بنا۔ گویا کریم کی دین کا ذکر ہو چکا اب بندہ کی مانگ کا ذکر ہے اور اس میں مانگنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔

مانگنے کا طریقہ ہے اس طرح مانگو ... در کریم سے بندہ کو کیا نہیں ملتا

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ **انت ولینا** تو ہمارا والی ہے اب موسیٰ علیہ السلام کی طلب کا ذکر ہے کہ جب تو ہمارا مولیٰ ہے ہم بندے ہیں تو بندوں کا کام ہے مانگنا مولیٰ کا کام ہے دینا گویا ذکر ولایت کے بعد ثبوت ولایت کا تذکرہ ہے کہ دوسرے ولی مانگنے والوں سے گھبراتے ہیں مگر رب کریم مانگنے والوں سے خوش ہوتا ہے۔

تفسیر: واکتب لنا یہ عبارت معطوف ہے گزشتہ پچھلی عبارت پر لہٰذا اس کا واؤ عاطفہ ہے۔ **اکتب** بنا ہے **کتابتہ** سے کتابت کے کئی معنی ہیں لازم کر دینا' لکھ دینا' مقدر کر دینا۔ یہاں سارے معنی درست ہیں یعنی ہمارے لئے لازم کر دے' لکھ دے یا لکھ لے' ہمارے مقدر میں کر دے۔ خیال رہے کہ ہمارے اعمال و احوال کی تحریریں چار ہیں۔ ایک لوح محفوظ میں قلم قدرت سے جو عالم بننے سے پہلے ہو چکی۔ بچے کی پیشانی میں جب بچہ ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے۔ ہر سال شب قدر میں یہ تحریر فرشتوں کے صحیفوں میں ہوتی ہے سال بھر کے واقعات و حالات کی۔ انسان کے نامہ اعمال میں عمل کر چکنے کے بعد۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہاں یہ چوتھی تحریر مراد ہے یعنی ہم کو نیک اعمال کی توفیق دے کہ ہم نیکیاں کریں اور تو ہمارے نامہ اعمال میں لکھے۔ باقی مفسرین نے فرمایا کہ کتابتہ سے مراد ہے لازم و ثابت کر دینا۔ یعنی ہم پر نیکیاں لازم فرما دے ہم کو توفیق خیر دے **لنا** میں لام نفع کا ہے یا لزوم کا۔ **لنا** فرما کر آپ نے اپنی ذات کریم کو مسلمانوں میں شامل فرما دیا تاکہ آپ کی شمولیت کی برکت سے ان لوگوں کے حق میں دعا قبول ہو جاوے ورنہ آپ کے لئے تو حسنہ یعنی بھلائی اول ہی سے لکھی جا چکی تھی نبوت سے بڑھ کر کونسی بھلائی ہو سکتی ہے پھر صاحب توریت صاحب کلام الٰہی ہونا اس پر سونے پر سہاگہ ہے۔ **فی ھذہ الدنیا** یہ عبارت یا تو متعلق ہے **اکتب** کے یا **حسنتہ** کے پہلا احتمال قوی ہے چونکہ دنیا سامنے ہے آخرت غائب اس لئے دنیا کے لئے **ھذہ** ارشاد ہوا دنیا کے لفظی معنی اس کی حد ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ دو قبروں یعنی ماں کے پیٹ اور قبر کے درمیان دنیا ہے۔ بعد موت سے دوسرا صور پھونکنے تک برزخ ہے۔ اور دوسرے نفخہ سے ابدالآباد تک آخرت۔ اعمال کی جگہ دنیا ہے۔ انشاء اللہ آرام کی جگہ برزخ ہے اور انعام کی جگہ آخرت۔ اسی لئے دنیا کی زندگی ان دونوں زندگیوں سے چھوٹی ہے کہ کام کم کریں آرام و انعام زیادہ۔ **حسنتہ** قوی یہ ہے کہ یہ اکتب کا مفعول ہے اور **فی ھذہ الدنیا** اسی اکتب کا متعلق تھا۔ **حسنتہ** صفت مشبہ ہے اور اس کا مصدر **حسن** ہے۔ معنی خوبی و نیکی۔ اس کا مقابل ہے **سیئتہ** معنی برائی و بدی اسکی تنوین تعظیم کی یعنی بڑی خوبی عطا فرما چونکہ **حسنتہ** اسم جنس ہے لہٰذا اس میں تمام نیکیاں خوبیاں داخل ہیں۔ اچھی زندگی جسے **حیوۃ طیبتہ** کہا جاتا ہے۔ حلال اور وسیع روزی' ایمان پر استقامت' نیک اعمال کی توفیق۔ اچھا خاتمہ۔ علم دین' گناہوں سے حفاظت۔ مقبولوں کی صحبت ان سے محبت وغیرہ' عشاق کے نزدیک دنیا کی بھلائی یہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز **حسنہ** بن جائے حتی کہ کھانا' پینا' سونا جاگنا' جینا مرنا و کاندار ی نوکری کرنا وغیرہ۔ یہ جب ہو سکتا ہے جبکہ ہر کام سنت رسول کی نقل کے لئے کیا جاوے۔ **وفی الاخرۃ** یہ عبارت معطوف ہے **فی ھذہ** پر یہاں حسنہ پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے حسنہ کا ذکر ہو چکا **آخرۃ** سے یا تو برزخ اور قیامت اور بعد قیامت تمام ہی مراد ہیں تو آخرت کی بھلائی سے چند بھلائیاں مراد ہوں گی برزخ کے امتحان میں کامیابی وہاں کامیابی کے بعد آرام و چین۔ قیامت کی وحشت و دہشت سے حفاظت' حساب کی آسانی' نامہ اعمال داہنے ہاتھ میں ملنا' چہرہ سفید ہونا'

رب تعالیٰ کی نظر کرم و رحمت' پل صراط سے بہ آسانی گزر- پھر جنت میں داخلہ' دنیاوی اعمال کا اچھا بدلہ- رب تعالیٰ کا دیدار و رضا وغیرہ یا آخرت سے مراد ہے بعد قیامت کی زندگی تو آخرت کی بھلائی سے آخری بھلائیاں مراد ہوں گی یعنی جنت اور وہاں کی نعمتیں غرضکہ یہ دعا بہت ہی جامع ہے۔ ہم نمازوں کے آخر میں دعا مانگتے ہیں۔ **ربنا اتنا فی الدنیا حسنتہ و فی الاخرۃ حسنتہ و قنا عذاب النار** اس کا ماخذ جناب کلیم اللہ کی یہ دعا ہے نیز قرآن مجید اور حدیث شریف میں ہم کو یہ دعا سکھائی گئی ہے۔ **انا ھدنا الیک** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **اکتب لنا** کی وجہ ہے **نا** سے مراد موسیٰ علیہ السلام اور طور پر آپ کے ساتھ آنے والے وہ ستر آدمی جو وہاں زلزلہ سے ہلاک کئے گئے جن کا ذکر ابھی ہو چکا یا سارے بنی اسرائیل مراد ہیں۔ **ھدنا** بنا ہے **ھود** سے ۔ معنی لوٹنا توبہ کرنا ایک شاعر کہتا ہے۔

انی امرء مما جنیت ھائد

عرب کے بعض بلیغ کہتے ہیں۔

یا راکب الذنب ھد ھد واسجد کانک ھد ھد

یعنی اے گنہگار توبہ کر توبہ کر اور ہدہد کی طرح سجدے کرتا رہ۔ یہاں **ھدنا** یا تو معروف ہے یا مجہول یعنی ہم تیری طرف لوٹے یا لوٹائے گئے کہ تیری رحمت نے ہم کو تیری طرف لوٹایا کہ میں نے تیرے دیدار کی دعا سے توبہ کرلی۔ ان حاضرین نے اس کلام سے توبہ کی کہ **لن نؤمن لک حتی نری اللہ** اور سارے اسرائیلیوں نے بچھڑا پرستی سے توبہ کی (معانی بیضاوی وغیرہ) یعنی چونکہ ہم سب نے تیری بارگاہ میں توبہ کی تیری طرف رجوع کیا اور تو اپنے دروازہ سے کسی تائب کو محروم نہیں لوٹاتا اس لئے ہم پر رحم فرما (روح البیان) **قال عذابی اصیب بہ من اشاء** اس فرمان عالی میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا جواب ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اے موسیٰ ہمارے پاس چار چیزیں ہیں۔ عذاب' رحمت عام جس کا ظہور دنیا میں ہے۔ رحمت خاصہ جس کا ظہور آخرت میں ہوگا رحمت خاص الخاصہ جو صرف امت محمدیہ کو عطا ہوگی اس خبر میں عذاب کا ذکر ہے **من اشاء** میں **من** سے مراد مجرم گنہگار بندے ہیں اس میں نیک کار بندے داخل نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم جس مجرم کو چاہیں گے عذاب دیں گے جسے چاہیں گے بخش دیں گے یہ مطلب نہیں کہ جس متقی' ولی نبی کو چاہیں گے عذاب دیں لہٰذا مطلب واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں اس تفسیر کی بنا پر عذاب سے مراد اخروی عذاب ہے اور **من اشاء** سے مراد گنہگار مومن ہیں کیونکہ کفار پر ضرور عذاب دائمی ہوگا کسی کافر کی بخشش نہ ہوگی۔ رہے گنہگار مومن ان کو یا رحمت بخشش یا شفاعت کے پانی سے صاف و پاک کرکے یا دوزخ کی آگ میں بٹھا کر میل دور کرکے جنت کے قابل بنایا جاوے گا جیسے مسجد میں آنے نماز پڑھنے کے لئے اولاً غسل یا وضو کرایا جاتا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ **یغفر لمن یشاء و یعذب من یشاء** اور ہو سکتا ہے کہ عذاب سے مراد دنیاوی غیبی عذاب ہو اور **من اشاء** سے مراد کفار ہوں یعنی دنیاوی عذاب ان کفار پر آئیں گے جنہیں ہم عذاب دینا چاہیں دیکھ لو قوم شعیب علیہ السلام پر کم تولنے کی وجہ سے۔ قوم لوط پر خباثت کی بنا پر عذاب آئے اب بھی کفار یہ جرم کر رہے ہیں مگر عذاب نہیں آتے معلوم ہوا کہ مشیت پر موقوف ہیں رحمت عامہ کے متعلق ارشاد ہوا کہ **و رحمتی وسعت کل شیئی** اس فرمان عالی میں رحمت سے مراد رب تعالیٰ کی رحمت عامہ ہے جس کا ظہور دنیا میں ہو رہا ہے جیسے زندگی' صحت' دھوپ' ہوا' رزق' لباس وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

ان کی تفصیل ہم بسم اللہ کی تفسیر الرحمٰن الرحیم میں کر چکے ہیں۔ ان نعمتوں کے لحاظ سے رب کا نام رحمٰن ہے۔ **کل شئی** سے مراد ہر مومن کافر، متقی، فاسق انسان بلکہ سارے جن وانس، حیوانات، جمادات وغیرہ مخلوق ہے کیونکہ کوئی مخلوق اس کی اس رحمت سے خارج نہیں۔ خیال رہے کہ عذاب کے متعلق **اصیب بہ** ارشاد ہوا مضارع سے مگر یہاں وسعت ماضی ارشاد ہوا جس سے معلوم ہوا کہ رحمت الٰہی رب کا کرم ہے اور عذاب الٰہی ہمارے گناہوں کے سبب سے ہے عذاب خاص وقت میں آتا ہے مگر رحمت میں وسعت کا ذکر ہوا یہ بھی خیال رہے کہ رحمت بھی اللہ کے ارادہ سے ہی ہے اور عذاب بھی مگر رحمت میں اس کا ذکر نہیں ہوا جس سے پتہ لگا کہ رحمت عذاب پر سبقت لئے ہوئے ہے (از معانی)۔ **فساکتبھا للذین یتقون** اس فرمان عالی میں رحمت کی دوسری قسم یعنی رحمت خاصہ کا ذکر ہے جیسے ایمان، عرفان، توفیق خیر، قبر میں کامیابی حشر میں نجات، جنت کا داخلہ وغیرہ **یتقون** بنا ہے تقویٰ سے ۔ معنی ڈرنا یا بچنا تقویٰ کے معنی اس کے اقسام وغیرہم **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ تقویٰ کے دو رکن ہیں ممنوعات شرعیہ سے بچنا احکام پر عمل کرنا جسے ان دونوں کی توفیق ملے وہ کامل متقی ہے یعنی رحمت خاصہ صرف پرہیزگاروں کے نامزد کروں گا۔ **ویؤتون الزکوۃ** یہ عبارت معطوف ہے **یتقون** پر اور صلہ ہے **الذین** کا اگرچہ تقویٰ میں زکوۃ بھی داخل تھی مگر چونکہ یہودی اول درجہ کے بخیل تھے اور بخیل ہیں انہیں زکوۃ بہت ہی گراں تھی اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا **والذین ھم بایتنا یؤمنون** چونکہ ایمان ساری عبادات کی صحت اور قبولیت کی شرط اول ہے اس لئے اس کا ذکر آخر میں بطور حال فرمایا آیت سے مراد کتاب اللہ کی ساری آیتیں نبی کے سارے معجزات اور ان کے سارے فرمان ہیں یعنی یہ رحمت خاصہ ان لوگوں کو ملے گی جو پرہیزگار بھی ہوں ایماندار بھی چونکہ ساری اسلامی عبادتیں وقت مقرر پر ہیں جیسے نماز کے ارکان قیام رکوع وغیرہ مگر ایمان دائمی جیسے نماز کے لئے طہارت ستر عورت قبلہ کو منہ کہ اول سے آخر تک چاہئے یوں ہی ایمان اول سے آخر تک ضروری کہ سانس کی طرح ہر وقت دل میں رہے اس لئے ایمان کا ذکر تقویٰ اور زکوۃ کے بعد فرمایا یعنی جو یہ کام کریں مگر بشرطیکہ آخر دم تک مومن رہیں۔

خلاصہ تفسیر بطور پر ستر آدمیوں کی ہلاکت دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں چند دعائیں کیں جن میں سے تین دعاؤں کا ذکر پچھلی آیت میں ہوا ایک کا اشارۃً "**اتھلکنا**" دو کا صراحۃً "**فاغفر لنا وارحمنا**" دو دعاؤں کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہے چنانچہ آپ نے عرض کیا کہ خدایا ہماری ساری قوم یعنی بنی اسرائیل کے مقدر میں دنیا کی خاص بھلائی بھی لکھ دے اور آخرت کی بھلائی بھی کر دنیا میں ہم کو خیر کی توفیق اچھا ذکر تمام قوموں پر شرف عطا فرما۔ آخرت میں معفرت، رحمت، دوسروں پر اظہار شرف عطا کر۔ کیونکہ ہم سب نے اے مولیٰ تیری طرف رجوع کر لیا ہے کہ بچھڑا پرستوں نے اپنے اس جرم سے توبہ کر لی ہے۔ ان ستر آدمیوں نے جنہوں نے تیرے دیدار کا تقاضا کیا تھا اس سے رجوع کر لیا حتیٰ کہ میں نے جو تیرے دیدار کا شوق کیا تھا اس سے توبہ کر لی کہ میں عرض کر چکا ہوں **سبحنک تبت الیک** مولیٰ جب ہم سب تیری طرف رجوع کر چکے ہیں تو اپنے کرم سے تو بھی ہماری یہ دعا قبول فرما اس کے جواب میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے موسیٰ ہمارے پاس ایک تو عذاب ہے اور تین رحمتیں ہمارے عذاب کا معاملہ یہ ہے کہ ہم کسی بے قصور کو عذاب نہیں دیتے قصور والوں میں سے جس کو چاہتے ہیں عذاب دیتے ہیں جس کو چاہتے ہیں بخش دیتے ہیں۔ رہی میری رحمتیں تو ہماری رحمت عامہ، رزق، صحت، دنیا کی دوسری نعمتیں

www.alahazratnetwork.org

یہ تو ہر بندہ کو گھیرے ہوئے ہیں کہ ہر مومن کافر مطیع اور نافرمان کو پہنچ رہی ہیں۔ رہی دوسری رحمت یعنی رحمت خاصہ عرفان اور اپنا قرب وغیرہ یہ ہم ان کے مقدر میں کرتے ہیں جو پرہیزگار ہوں خصوصاً زکوۃ دیتے ہوں ساتھ ہی وہ ہماری ساری آیات پر ایمان رکھتے ہوں کہ کوئی نیکی بغیر ایمان قبول نہیں ہوتی لہٰذا تمہاری یہ دعا ان خاص لوگوں کے حق میں قبول ہے کہ ہم متقیوں کو اس رحمت سے نوازیں گے تمہاری دعا کچھ ترمیم کے ساتھ قبول ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: نبی کی شفاعت برحق ہے دنیا میں اور آخرت میں اس شفاعت کی برکت سے اللہ کی رحمتیں ملتی ہیں یہ فائدہ **واکتب لنا** سے حاصل ہوا دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی ساری قوم کے لئے دنیا و آخرت کی دعا فرمائی جو قدرے ترمیم سے قبول ہوئی اور قوم کے کام آئی۔ **دوسرا فائدہ**: نبی اپنی قوم کے مختار مطلق ہوتے ہیں کہ ان کی طرف سے بارگاہ الٰہی میں عرض معروض کرتے ہیں اور رب تعالیٰ کا جواب ان تک پہنچاتے ہیں یہ فائدہ **انا ھدنا الیک** سے حاصل ہوا انشاء اللہ حضور انور کی مختاری قیامت میں ہر ایک دیکھ لے گا۔ **تیسرا فائدہ**: بہتر یہ ہے کہ رب تعالیٰ سے دنیا اور دین دونوں کی بھلائی مانگے صرف ایک بھلائی پر قناعت نہ کرے یہ ہی سنت انبیاء ہے یہ فائدہ **فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: دوسری دعاؤں سے جامع دعا مانگنا بہتر ہے۔ جس کے الفاظ تھوڑے ہوں معنی وسیع یہ فائدہ **حسنۃ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حسنہ لفظ تو نہایت ہی مختصر ہے مگر اس میں ہر بھلائی داخل ہے۔ **پانچواں فائدہ**: اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کرنا بہتر ہے یہ فائدہ **انا ھدنا الیک** سے حاصل ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام نے رجوع الی اللہ کے وسیلہ سے دین و دنیا کی بھلائی رب سے مانگی اور جب ہمارے اعمال جن کی مقبولیت مشکوک ہے وسیلہ دعا اور وسیلہ کرم بن سکتے ہیں تو وہ نبی کریم ﷺ جو یقیناً مقبول محبوب ہیں ان کا توسل بالکل برحق ہے بلکہ حضور انور وسیلہ عظمیٰ ہیں جس کا ظہور انشاء اللہ کل قیامت میں ہو گا کہ لوگ اپنے اعمال لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر نہیں ہوں گے۔ حضور کو پہلے تلاش کریں گے پھر حضور کے دامن میں چھپ کر بارگاہ میں حاضر ہوں گے۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے دیکھو یہاں عذاب کے لئے **اصیب** مستقبل ارشاد ہوا اور رحمت کے لئے وسعت ماضی نیز عذاب کے لئے **من** فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ عذاب صرف جن و انس کو ہو گا مگر رحمت کے لئے **کل** فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ رحمت ہر عاقل غیر عاقل کو پہنچتی رہے گی۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت خاص انسانوں کو ہی ملتی ہے نہ تو عام مخلوق کو ملتی ہے نہ عام انسانوں کو یہ فائدہ **للذین یتقون** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: تقویٰ کے لئے ایمان ایسا شرط ہے جیسے نماز کے لئے طہارت یعنی نیک اعمال کرنا برے اعمال سے بچنا جب ہی مفید ہے جبکہ یہ کام کرنے والا مومن ہو ایمان مدار قبولیت بلکہ مدار جواز ہے یہ فائدہ **بایتنا یؤمنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: موسیٰ علیہ السلام نے اپنی اس دعا میں **اکتب** کیوں فرمایا کہ ہمارے لئے بھلائی لکھ **اتنا** کیوں نہ کہا کہ ہمیں بھلائی دے۔ **جواب**: قولی عطا سے تحریری عطا افضل بھی ہوتی ہے اور پختہ بھی یعنی تو ہمارے نصیب میں دین و دنیا کی خوبیاں لکھ دے تاکہ ہمارے لئے وہ لازم ہو جاویں یا یہ معنی ہیں کہ تو ہم کو بھلائی کی توفیق دے اور جب ہم بھلائی کریں تو توا سے ہمارے نامہ اعمال میں لکھ دے عمل بھی اور اس کی اخروی جزا بھی جب رب سے مانگے تو خوب اچھی چیز مانگے اس کے ہاں کی

www.alahazratnetwork.org

کس چیز کی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس دعا میں دنیا کی بھلائی کا ذکر آخرت کی بھلائی سے پہلے کیوں ہوا آخرت کی بھلائی افضل ہے افضل کا ذکر پہلے چاہئے تھا۔ **جواب:** اس اعتراض کا مکمل جواب ہم دوسرے پارہ کی تفسیر میں دے چکے ہیں کہ دنیا کی بھلائی آخرت کی بھلائی کا ذریعہ ہے نیک اعمال کرو تو جنت پاؤ ذریعہ کا ذکر پہلے ہوا اصل مقصود کا ذکر بعد میں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ گناہوں سے معصوم اور محفوظ مخلوق کو بھی عذاب دیا جا سکتا ہے کہ فرمایا گیا **اصیب بہ من اشاء** لہذا فرشتوں، نبیوں، ولیوں کو بھی عذاب ہو سکتا ہے (بعض گستاخ وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم مسئلہ امکان کذب کی تحقیق میں دے چکے ہیں دیکھو پہلا پارہ آیت **ان اللہ علی کل شیء قدیر** یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس آیت میں **من** سے مراد ہر مکلف گنہگار ہے یعنی جس گنہگار مسلمان کو ہم چاہیں گے عذاب دیں گے اسے انبیاء کرام خاص اولیاء اللہ سے کوئی تعلق نہیں ورنہ یہ آیت ان تمام آیات کے خلاف ہو جاوے گی جن میں مقبول بندوں سے اللہ کے وعدوں کا ذکر ہے جیسے **وکلا وعد اللہ الحسنیٰ** یا جیسے **وعد اللہ الذین امنوا** اللہ تعالیٰ جھوٹ وعدہ خلافی سے پاک ہے۔ **چوتھا اعتراض:** موسیٰ علیہ السلام نے یہ کیوں عرض کیا کہ **واکتب لنا فی ھذہ الدنیا حسنۃ** کیا رب نے انہیں دین و دنیا کی بھلائی نہیں دی تھی وہ تو نبی ہیں نبی کو ہر قسم کی بھلائی عطا ہوتی ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہو سکتے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ در حقیقت آپ کی یہ دعا قوم کے لئے تھی اپنے کو اس میں داخل فرمایا تاکہ دعا زیادہ قابل قبول ہو جاوے دیکھو ہم اپنی دعا کے آگے پیچھے درود شریف پڑھتے ہیں حضور کو دعائیں دیتے ہیں کیوں؟ تاکہ حضور کے نام کی شمولیت سے ہمارا کام بن جاوے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کریمہ کے دو جزوں میں اختلاف ہے۔ **رحمتی وسعت کل شیء** سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت سب کو ملتی ہے پھر فرماتا ہے **فساکتبھا للذین یتقون** جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت صرف پرہیزگاروں کو ملتی ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اللہ کی رحمت کئی قسم کی ہے رحمت عامہ' دنیاوی رزق وغیرہ سب کو ملتی ہے مگر رحمت خاصہ مومنوں متقیوں کو پہلے جز میں رحمت عامہ کا ذکر ہے دوسرے جز میں رحمت خاصہ کا تذکرہ ہے لہذا دونوں جز بالکل حق ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** تقویٰ میں سارے نیک اعمال کرنا اور سارے گناہوں سے بچنا داخل ہے پھر اس کے بعد زکوۃ کا ذکر کیوں ہوا کہ فرمایا **یتقون ویؤتون الزکوۃ**۔ **جواب:** بنی اسرائیل بڑے کنجوس تھے زکوۃ و خیرات سے بہت ہی بچتے تھے اس لئے زکوۃ کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام آپ تو سارے اسرائیلیوں کے لئے رحمت خاصہ کی دعا فرما رہے ہیں مگر ہمارا قانون یہ ہے کہ ہم رحمت خاصہ متقیوں خصوصاً "سخیوں' زکوۃ دینے والوں کو عطا فرمایا کرتے ہیں یہ کنجوس اس رحمت کے مستحق کیسے ہو سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دین موسوی جب تک منسوخ نہ ہوا تھا تب تک یہودیت اللہ کی نعمت تھی جس پر فخر کیا جا سکتا تھا اس کے ذریعہ دعائیں کی جاتی تھیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے بطور شکر عرض کیا **انا ھدنا الیک** اور اس کو قبولیت دعا کا ذریعہ بنایا مگر جب سے وہ دین منسوخ ہوا تب سے یہودیت لعنت بن گئی اب جو اپنے یہودی ہونے کا اقرار کرے وہ کافر ہے سردیوں میں آگ راحت ہے گرمیوں میں تکلیف دہ۔ اس کا خیال رہے رب نے یہاں عذاب کے مقابل رحمت کا ذکر کیا نہ کہ ثواب کا کیونکہ عذاب وہ سزا ہے جو کسی جرم پر دی جاوے بغیر جرم سزا ظلم ہے۔ رب ظلم سے پاک ہے مگر رحمت وہ ہے جو بغیر استحقاق کرم کیا

www.alahazratnetwork.org

جاوے وہاں عمل کی شرط نہیں اس میں بتایا کہ عذاب بغیر عمل نہیں ہو تاہاں رحم و کرم بغیر عمل بھی ہو گا اللہ کی وہ رحمت جو ہمیشہ ہر چیز کو گھیرے ہے۔ جس کا کوئی کنارہ یا حد نہیں وہ میرے محبوب ﷺ ہیں جن کے متعلق ارشاد ہوا **ورحمتی وسعت کل شیء** حضور ہر چیز کو محیط ہیں جیسے سورج اپنی نورانیت سے دنیا بھر کو گھیر لیتا ہے از آدم تا قیامت ہر ایک کو حضور کی رحمت سے حصہ ملا اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** حضور انور کے سوا کوئی رحمت تمام عالموں کے لئے نہیں کسی اور رحمۃ للعلمین نہیں کہہ سکتے۔ سورج بارش آسمان و زمین سمندر ان کی حدیں ہیں مگر حضور کی رحمت کی کوئی حد نہیں۔ **لہذا کل شیء** سے مراد ہر ماسوی اللہ' جنت اور وہاں کی مخلوق' فرشتے' جن و انس وغیرہ ہیں مقصد یہ ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم تو صرف اپنی جماعت کے لئے دعاء رحمت کر رہے ہو مگر میری رحمت یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ عالم کو ایسے گھیرے ہوئے ہیں کہ جس کا میں رب ہوں اس کے لئے وہ رحمت ہیں۔ میرا نام ہے رب العالمین ان کا نام ہے رحمۃ للعالمین ان کی رحمت عامہ سارے عالم کو ملے گی اور ان کی رحمت خاصہ مومنین متقین کو عطا ہوگی۔ ان کی تشریف آوری پر دنیا میں عمیمی عذاب آنا بند ہو جائیں گے تم کو چاہئے کہ ان کے توسل سے ہم سے دعا کیا کرو۔ خلاصہ فرمان یہ ہے کہ اے موسیٰ میری رحمت عامہ تو ہر چیز کو گھیرے ہے اس کے لئے دعا کرو یا نہ کرو۔ ایسی کوئی چیز نہیں جس کا میں رب ہوں اور محمد مصطفیٰ اس کے لئے رحمت نہ ہوں۔ رہی رحمت خاصہ جس کی آپ نے دعا کی ہے دنیا و آخرت کی بھلائی وہ ہم آپ کی امت کو دیں گے بشرطیکہ ان میں تین صفات ہوں تقویٰ' سخاوت' ایمان۔ اور خاص الخاص رحمت وہ امت محمدیہ کے لئے محفوظ رکھی گئی ہے وہ کسی دوسری امت کو نہیں مل سکتی اس کا ذکر آگے آرہا ہے۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ

وہ لوگ جو پیروی کریں گے اس رسول کی نبی کی ماں والے کی کہ پائیں گے وہ اس کو لکھا ہوا

وہ جو غلامی کریں گے اس رسول بے پڑھے غیب کی خبریں دینے والے کی جسے

مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَ الْاِنْجِیْلِ٘ یَاْمُرُهُمْ

نزدیک اپنے توریت اور انجیل میں حکم کریں گے وہ

لکھا ہوا پائیں گے اپنے پاس توریت اور انجیل میں وہ انہیں بھلائی

بِالْمَعْرُوْفِ وَ یَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ یُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ

رسول ان کو اچھی بات کا اور منع کریں گے وہ ان کو برائی سے اور حلال کریں گے وہ واسطے

کا حکم دے گا اور برائی سے منع فرمائے گا اور ستھری چیزیں ان کے لئے حلال فرمائے گا اور گندی چیزیں

وَ یُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓىٕثَ وَ یَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِیْ

ان کے طیب چیزیں اور حرام کریں گے وہ ان پر بری چیزیں اور اتار دیں گے وہ ان سے بوجھ ان کے اور وہ

انہیں حرام کرے گا اور ان پر سے وہ بوجھ اور گلے کے پھندے جو ان پر تھے اتارے گا

www.alahazratnetwork.org

كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا

طوق جو تھے اوپر ان کے پس وہ لوگ جو ایمان لائیں ان پر اور عزت کریں ان کی اور مدد کریں انکی

تو وہ جو ان پر ایمان لائیں اور اسے مدد دیں اور اس نور کی

النُّوْرَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ ۙ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۱۵۷)

اور پیروی کریں اس نور کی جو اتارا جاوے گا ساتھ انکے وہ ہی کامیاب ہیں۔

پیروی کریں جو اس کے ساتھ اترا وہ ہی بامراد ہوئے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہوا اب اسی قبولیت کا تتمہ ارشاد ہو رہا ہے کہ آپ کی دعا قبول ہے اور اس کا تکملہ و تتمہ یہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہوا مگر کچھ ترمیم کے ساتھ۔ اس قبولیت میں ایک اور ترمیم فرمائی جا رہی ہے کہ ہم آپ کی قوم کو دین و دنیا کی بھلائی دیں گے مگر اس شرط سے کہ وہ نبی آخر الزمان پر ایمان لائیں ان کی مدد خدمت و تعظیم کریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی دو رحمتوں کا ذکر ہوا ایک رحمت عامہ۔ جو ہر چیز کو گھیرے ہے **رحمتی وسعت کل شیء** دوسری رحمت خاصہ۔ جو صرف مومن متقیوں کو پہنچتی ہے اب رب کی تیسری رحمت کا ذکر ہے جو صرف امت محمدیہ پر ہوگی۔ گویا رحمت خاصہ کے لئے تین شرطوں کا ذکر ہوا۔ تقویٰ، زکوۃ، ایمان اور رحمت عامہ کے لئے ایک شرط کا ذکر ہے اتباع محمد رسول اللہ گویا تینوں دعائیں کچھ ترمیم سے قبول ہوئیں۔

تفسیر: **الذین یتبعون** ظاہر یہ ہے کہ **الذین** گزشتہ **الذین** یعنی **للذین یتقون** کا بیان ہے پہلے تین صفتوں کا بیان ہوا تقویٰ، زکوۃ دینا، آیتوں پر ایمان رکھنا اب چوتھی صفت کا بیان ہے یعنی حضور ﷺ کی اتباع کرنا یعنی رحمت خاصہ کے حقدار وہ ہیں جو ان چار صفتوں سے موصوف ہوں اور ہو سکتا ہے کہ یہ **الذین** ایک پوشیدہ فعل کا فاعل یا مفعول ہو یعنی خاص الخاص رحمت وہ لوگ پائیں گے یا ہم ان کو دیں گے **الذین** سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور ﷺ کا زمانہ پائیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے مسلمان مراد ہوں خواہ بنی اسرائیل ہوں یا کوئی اور پہلے معنی زیادہ ظاہر ہیں کہ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ قوی یہ ہے کہ **یتبعون** معنی مستقبل ہے یعنی اتباع کریں گے کب حضور انور ﷺ کے زمانہ میں کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں حضور انور کی اتباع ناممکن تھی کہ اس وقت دین محمدی آیا ہی نہ تھا یوں ہی اس آیت کے سارے مضارع، معنی مستقبل ہیں۔ **یجدونہ۔ یامرھم۔ یحل۔ یحرم** وغیرہ یہ بات بہت اچھی طرح خیال رہے لہٰذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے اس پر اعتراض نہیں۔ اتباع صرف حضور ﷺ کی ہے۔ اللہ تعالیٰ یا حاکم و عالم کی اتباع نہیں اور اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہے حضور ﷺ کی بھی اور حاکم و علماء کی بھی۔ دیکھو آیت کریمہ **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی** کسی کا فرمان بغیر تحقیق ماننا اطاعت ہے کسی کی نقل بغیر سوچے سمجھے کرنا اتباع۔ حضور انور کے اقوال کی پیروی اطاعت افعال کریمہ کی نقل اتباع دونوں ہی ضروری ہیں۔ **یتبعون** کا فاعل وہ ہی بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور کا زمانہ پائیں، تو

www.alahazratnetwork.org

الذین سے مراد تھے اس کے بعد حضور ﷺ کے نو صفات عالیہ ارشاد ہوئے چنانچہ فرمایا گیا۔ **الرسول النبی الامی** یہ آخر تک مفعول ہے **یتبعون** کا اس میں حضور کے تین صفات ہیں رسول 'نبی' امی' رسول اور نبی میں چند طرح فرق کیا جاتا ہے۔ ۱۔ اللہ کی نسبت سے حضور رسول ہیں اور مخلوق کی نسبت سے نبی یعنی رسول الخالق ہیں اور نبی الخلق ہیں چونکہ رسالت نبوت سے افضل ہے اس لئے رسول کا ذکر پہلے ہوا نبی کا بعد میں رب فرماتا ہے **وکان رسولا نبیا**" لہذا نبوت منسوخ ہو سکتی ہے رسالت منسوخ نہیں ہو سکتی گذشتہ انبیاء کرام اب نبی نہیں رسول اللہ اب بھی ہیں **امنت باللہ وملئکتہ وکتبہ ورسلہ**۔ 2۔ صاحب کتاب پیغمبر رسول ہیں اور عام پیغمبر نبی اس لئے نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں اور رسول تین سو تیرہ۔ 3۔ غیبی خبریں دینے والے پیغمبر نبی ہیں جہاں عقل کی رسائی نہ ہو۔ اور فیوض ربانی دینے والے پیغمبر رسول ہیں یعنی نبی ہیں پیغام رساں اور رسول ہیں فیضان رساں حضرت جبریل نے بی بی مریم سے کہا تھا **انما انا رسول ربک لاھب لک غلما" زکیا**۔ پھر رسول یعنی فیضان رساں دو طرح کے ہیں بے اختیار' بااختیار' بے اختیار حضرت جبریل ہیں کہ قرآن میں انہیں رسول فرمایا بے اختیار۔ اور بااختیار رسول انسانوں کے رسول۔ اس لئے لوگ انسانی رسولوں کے امتی ہوئے حضرت جبریل کا امتی کوئی نہیں۔ پھر تین سو تیرہ رسولوں میں سب کی فیض رسانی محدود تھی خاص وقت اور خاص قوم کے لئے۔ ہمارے حضور کی فیض رسانی غیر محدود ہے کہ حضور نے سب کو ہمیشہ فیض دیا اور دیں گے چھوٹا ڈول بڑا ڈول' ٹیوب ویل اور دریا بادل سب ہی پانی دیتے ہیں مگر ان کے دین میں فرق ہے۔ 4۔ رسول و نبی دونوں ہم معنی ہیں ان میں کوئی فرق نہیں۔ 5۔ اللہ کی طرف سے تبلیغ کرنے والا رسول ہے۔ اللہ کے نزدیک بڑی شان بڑے درجہ والا نبی ہے یعنی نبی **نبوۃ** سے بنا' معنی بلندی درجات (تفسیر روح المعانی و کبیر) یا نبی **نبا** سے بنا' معنی خبر۔ نبی خبر والا یعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبر رکھنے والا یا خبر لینے والا اس کی تفصیل ہماری کتاب مواعظ نعیمیہ میں مطالعہ کرو **امی** کی تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ بنا ہے **ام** اور یا نسبتی سے ام سے مراد یا تو **ام القری** یعنی مکہ معظمہ ہے امی' معنی مکی ہے یعنی مکہ میں پیدا ہونے والے یا **ام** بنا ہے **امۃ** عربیہ سے۔ جو لکھنے پڑھنے سے عموما" علیحدہ تھے یعنی بے پڑھے لکھے۔ جماعت میں پیدا ہونے والے یا **ام**' معنی ماں ہے یعنی شاندار ماں والے کہ جناب آمنہ جیسی شان والی بی بی جو محمد مصطفیٰ کی ماں ہیں نہ پیدا ہوئی نہ پیدا ہو۔ بے مثال نبی کی بے مثال ماں رضی اللہ عنہا یا **امی** کے معنی ہیں ماں کے پیٹ سے عالم و عارف پیدا ہونے والے جن کے دامن پر کسی کی شاگردی کسی کی مریدی کسی سے فیض لینے کا دھبہ نہیں۔ شعر

لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

نگار من کہ بمکتب نرفت و خط نہ نوشت بغمزہ مسالہ آموخت و صد مدرس شد

قلم اعلیٰ جن کا خادم ہو لوح محفوظ جس کی کتاب ہو اللہ کے نوشتہ پر جس کی نظر ہو وہ کس کا شاگرد ہو۔ یا **ام**' معنی اصل ہے رب فرماتا ہے **وعندہ ام الکتب** یعنی عالم کی اصلیت والا شعر۔

تو اصل وجود آمدی از نخست دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

دیکھو تفسیر روح البیان حضور رسول بھی ہیں' نبی بھی' امی بھی ﷺ **الذی یجدونہ مکتوبا عندھم فی التورتہ**

www.alahazratnetwork.org

والانجیل یہ حضور ﷺ کی چوتھی صفت ہے یہاں بھی **یجدون** معنی مستقبل ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام کو حضور کے یہ صفات سنائے گئے تب انجیل نہیں آئی تھی نہ لوگوں نے اس میں حضور کے صفات پڑھے تھے **یجدون** کا فاعل وہی بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور کے زمانہ میں موجود ہوئے اور ان کے بعد والے اسرائیلی۔ توریت و انجیل میں حضور انور کے نام آپ کے کام آپ کے صفات آپ کے احوال بالتفصیل موجود تھے **عندھم** یا تو ظرف ہے **یجدون** کا یا **مکتوبا**" کا **عندھم** فرما کر یہ بتایا کہ حضور انور کی ذات و صفات ہر وقت ان کے پاس حاضر رہیں گی کسی وقت ان سے غائب نہ ہوں گی۔ (روح المعانی) حضور کا نام ان میں ایسا مشہور و معروف ہو گا کہ وہ حضور کے نام کے وسیلہ سے جنگوں میں فتح' بیماریوں میں صحت' مصیبتوں میں نجات' آفتوں میں رہائی کی دعائیں کیا کریں گے۔ رب فرماتا ہے **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا** توریت و انجیل کے لفظی معنی اور یہ کہ یہ لفظ عربی ہیں یا عبرانی اگر عربی ہیں تو ان کے لغوی معنی کیا ہیں ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

پیش زانکہ نقش احمد رو نمود ۔۔۔ نعت لوہر گبرا تعویذ بود
سجدہ می کروند کے رب بشر ۔۔۔ درعیاں اویش ہرچہ زودتر
نقش اوی گشت اندر رلہ شاں ۔۔۔ در دل درو گوش در افواہ شاں!
ایں ہمہ تعظیم و تفخیم وودار ۔۔۔ چوبدیدند شی بصورت بردباد
قلب آتش دید وروم شد سیاہ ۔۔۔ قلب را در قلب کے بود است راہ!

یعنی حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کا نام سارے کفار کا تعویذ تھا وہ سجدے کر کے دعائیں مانگتے تھے کہ مولیٰ انہیں جلد سے جلد بھیج ان کے دلوں' کانوں' زبانوں میں حضور کا نام نقش تھا۔ جب حضور انور تشریف لئے آئے تو ان کے منہ کالے پڑ گئے جیسے کھوٹا سکہ آگ دیکھ کر روسیاہ ہو جاتا ہے بلکہ موجودہ انجیلوں میں بھی اس قدر تحریفوں کے بعد حضور کی پیش گوئیاں موجود ہیں جیسا کہ ہم فوائد میں عرض کریں گے ان شاء اللہ **یامرھم بالمعروف وینھھم عن المنکر** یہ نبی ﷺ کے پانچویں چھٹے اوصاف کا ذکر ہے یا تو نیا جملہ ہے یا **الرسول** سے یا **یجدونہ** کی ضمیر سے حال ہے اس میں حضور کا ایک وصف بیان ہوا اچھی باتوں کا حکم فرمانا خواہ قولی ہو یا عملی قوت و طاقت سے ہو یا محض وعظ اور نصیحت سے ہر اچھا قول' فعل' عقیدہ معروف ہے اس کی صدہا قسمیں ہیں عقائد اسلامیہ' عبادات' معاملات' اخلاقیات' سیاسیات غرضکہ کلمہ طیبہ سے لے کر ماں باپ کی اطاعت بلکہ راستہ سے تکلیف دہ چیز ہٹانے تک کے سارے کام اس میں داخل ہیں یوں ہی اس کے مقابل ہر بری بات برا عقیدہ' بد معاملگی' بد خلقی وغیرہ تمام چیزیں منکر میں داخل ہیں حضور انور کا فرمان عالی کہ معروف ہے تعظیم امر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ۔ نہایت جامع فرمان ہے (از تفسیر کبیر) یہاں بھی **یامر** اور **ینھی** معنی مستقبل ہے کیونکہ جب موسیٰ علیہ السلام کو یہ بتایا گیا تب حضور ﷺ کا نہ ظہور ہوا تھا نہ آپ کی تبلیغ جاری ہوئی تھی۔ حضور انور کی تبلیغ تین طرح کی ہے تبلیغ عمل یہ تو پیدا ہوتے ہی شروع ہو گئی۔ تبلیغ قولی یہ ظہور نبوت سے شروع ہوئی۔ تبلیغ بالواسطہ جو حضور کے خلفاء اور تاقیامت علماء' اولیاء حضور کی نیابت میں حضور کی تبلیغ کرتے رہیں گے۔ اس قسم کی تبلیغ سواء حضور انور کے کسی نبی نے نہیں کی تھی نیز جن اچھی

www.alahazratnetwork.org

چیزوں کا حضور نے حکم اور جن سے انہوں نے منع فرمایا وہ ہمیشہ کے لئے اچھی اور بری ہیں یہ بھی حضور انور کی خصوصیت ہے گزشتہ نبیوں نے وقتی بھلائی کا حکم دیا تھا اور وقتی برائی سے منع فرمایا تھا جس کا ذکر اگلے مضمون **یحل لھم الطیبات** میں ہے **یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث** یہ عبارت معطوف ہے **یامرھم** پر اس میں حضور ﷺ کی ساتویں آٹھویں صفت کا ذکر ہے **یحل** بنا ہے احلال سے ۔ بمعنی حلال کر دینا **یحرم** بنا ہے تحریم سے ۔ بمعنی حرام کر دینا ان دونوں فعلوں کا فاعل وہ ہی الرسول اور النبی ہے جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی حضور محمد مصطفیٰ ﷺ۔ طیب ' حلال یوں ہی خبیث اور حرام کا فرق ہم ساتویں سیپارے کے شروع میں **لاتحرموا طیبات ما احل اللہ لکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں وہاں مطالعہ کرو یہاں اتنا سمجھ لو کہ پاک اور دل پسند چیزیں طیب ہیں اور طبیعت کو ناپسند چیزیں خبیث ہیں جن سے دل نفرت کرے وہ اگرچہ شرعاً" حرام نہ ہو طیب نہیں بنی اسرائیل پر اونٹ کا گوشت گائے بکری کی کچھ چربیاں ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کر دی گئی تھیں اور شراب جیسی گندی چیز عیسائیوں پر حلال تھی یہ مذکورہ حرمت و حلت خدا کا عذاب تھا۔ حضور ﷺ نے جلوہ گر ہو کر اونٹ وغیرہ کو یہود پر حلال کیا اور شراب کو عیسائیوں پر حرام فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوئی اور حضور انور کا احسان۔ اللہ حضور انور کو حلال و حرام کا مالک کرے گا۔ دیکھ لو ایک فی صدی چیزیں قرآن مجید نے حرام و حلال کیں اور ننانوے فی صدی حدیث نے۔ **ویضع عنھم اصرھم** یہ عبارت معطوف ہے **یحل لھم** پر اس میں حضور ﷺ کی نویں صفت کا بیان ہے **یضع** بنا ہے **وضع** سے ۔ بمعنی رکھنا اگر اس کے بعد **علی** آئے تو ۔ بمعنی لادنا ہوتا ہے اور اگر **عن** آئے تو ۔ بمعنی اتارنا ہے یہاں ۔ بمعنی اتارنا ہوتا ہے **اصر** ناقابل برداشت بوجھ جو ہلنے نہ دے یعنی وہ نبی اہل کتاب سے ان کے ناقابل برداشت بوجھ اتاریں گے۔ اس بوجھ سے مراد ہے ان کے دین کے سخت احکام جن میں وہ دبے ہوئے تھے جیسے نجس کپڑے یا نجس عضو کو کاٹ ڈالنا' مال غنیمت کو جلا دینا' ہفتہ کے دن شکار حرام ہونا گنہگار عضو کا کاٹ دینا حتی کہ بد نظری ہونے پر آنکھ پھوڑ دینا۔ عمد و خطا ہر قسم کے قتل میں صرف قصاص واجب ہونا دیت یعنی خون بہانہ ہونا یہ تمام احکام یہود کے دین میں تھے حضور انور نے ختم فرمائے۔ **والاغلال التی کانت علیھم** یہ عبارت معطوف ہے **اصرھم** پر اور **یضع** کا مفعول ہے **اغلال** جمع ہے **غل** کی ۔ بمعنی گردن کا طوق اور طوقوں سے مراد یا تو وہ ہی سخت احکام مذکورہ ہیں اور یہ **اصر** کا عطف تفسیری ہے یا اس سے مراد ہے مشکل اور ناقابل برداشت عبادات جیسے ترک دنیا' معمولی غذائیں کھانا' معمولی لباس پہننا وغیرہ جب بنی اسرائیل نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ٹاٹ پہنتے ہاتھ گردن سے باندھتے اپنے کو ستون سے بند ھواتے۔ یہ تھے ان کے طوق (روح المعانی) بعض عیسائی راہب اپنے جسم پر کوڑے لگواتے ہیں تاکہ آہ و بکا کریں اور ان کے گناہ معاف ہوں۔ حضور ﷺ نے تشریف لا کر یہ تمام مصیبتیں دور فرمائیں۔ بچھڑا پرستی سے توبہ کرنے کے لئے ہزارہا اسرائیلی قتل ہوئے اب صرف زبانی توبہ کافی ہے غرضکہ اب راجہ ہی اور ہے راج ہی نرالا ہے۔ رحمت والے کا راج ہے رحم و کرم کا دور دورہ ہے یہاں تک تو حضور انور کے تو اوصاف ارشاد ہوئے اب ان کے متبعین کے چار اوصاف بیان ہو رہے ہیں چنانچہ ارشاد ہے **فالذین امنوا بہ** یہ ان کی پہلی صفت ہے **الذین** سے مراد یا تو حضور انور کے زمانہ کے اسرائیلی ہیں یا سارے ہی انسان یا سارے جن و انس کہ حضور انور سارے عالم کے نبی ہیں کسی خاص قوم یا خاص ملک یا خاص وقت کے لئے نبی نہیں ایمان میں سارے اسلامی عقائد داخل ہیں اللہ کی وحدانیت '

www.alahazratnetwork.org

انبیاء کرام اور تمام کتابوں کی صداقت' فرشتوں' دوزخ' جنت' قیامت وغیرہ کی حقانیت غرضکہ یہ ایک کلمہ بہت جامع ہے چونکہ حضور علیہ السلام ایمان کا رکن اعلیٰ ہیں کہ آپ کا ماننا سارے ایمانیات کا ماننا ہے آپ کا انکار ہے درحقیقت تمام کا انکار ہے اس لئے یہاں آپ ہی کا ذکر ہوا **بہ** فرمایا اللہ کی وحدانیت قیامت فرشتوں وغیرہ کا ذکر نہیں ہوا۔ خیال رہے کہ حضور انور پر ایمان چھ قسم کا ہے (1) میثاق کے دن سارے لوگ حضور پر ایمان لائے جب اللہ نے سب کے سامنے نبیوں سے حضور کے متعلق عہدو پیمان لیا **واذاخذ اللہ میثاق النبین**۔ (2) دنیا میں سارے نبیوں کی بشارتوں کی وجہ سے ان کی امتیں حضور پر ایمان لائیں پہلے کا نام ایمان شاقی ہے اس کا نام ایمان بشارت۔ (3) حضور کی ولادت کے بعد اعلان نبوت سے پہلے لوگ آپ کو دیکھ کر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب اور ورقہ ابن نوفل (4) اعلان نبوت کے بعد کافر دل سے آپ پر ایمان لائے مگر زبان سے انکاری رہے (5) اعلان نبوت کے بعد مومن دل و زبان سے آپ پر ایمان لائے۔ (6) حضور کے پردہ فرمانے کے بعد لوگ آپ کے نام پر ایمان لائے یہ دونوں ایمان شرعی ہیں یہ ہی دونوں یہاں مراد ہیں کیونکہ ایک قسم کا ایمان تو ان اسرائیلیوں کو بھی حاصل تھا۔ **وعزروہ** یہ مومنین کی دوسری صفت ہے **عزروا** بنا ہے تعزیر سے۔ معنی منع کرنا روکنا اسی لئے سزا کو تعزیر کہتے ہیں کہ وہ لوگوں کو جرموں سے روکتی ہے۔ اصطلاح میں اس کے معنی ہیں تعظیم و توقیر کرنا۔ کہ کسی کی تعظیم انسان کو معظم کی نافرمانی اس کی بے ادبی سے روکتی ہے بلکہ تمام برائیوں سے بچنا نیک اعمال کرنے کی صرف ایک وجہ ہے وہ ہے حضور کی ہیبت حضور کی تعظیم و توقیر کہ اس سے ایمان ملتا ہے اسی سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے بلکہ اس سے شیطان بھاگتا ہے شیطان کسی چیز سے اتنا نہیں بھاگتا جتنا حضور انور کے ادب و احترام و تعظیم سے بھاگتا ہے۔ جس کے دل میں حضور کی ہیبت ہوگی اس کی ہیبت لوگوں کے دلوں میں ہوگی آزمالو۔ بہرحال تعظیم و توقیر کو تعزیر فرمانا بالکل درست ہے **ونصروہ** یہ مومنوں کی تیسری صفت ہے **نصروا** بنا ہے **نصر** سے۔ معنی مدد کرنا حضور سے دشمنوں کو دفع کرنا آپ کے دین کی خدمت کرنا۔ خیال رہے کہ مدد کی دو قسمیں ہیں۔ خادمانہ مدد اور مخدومانہ مدد سپاہی اپنی جان سے بادشاہ کی مدد کرتا ہے مگر خادمانہ۔ بادشاہ سپاہیوں کی مدد فرماتا ہے مال سے ہتھیاروں سے تنخواہ سے مگر مخدومانہ۔ یوں ہی امت حضور کی مدد کرتی ہے خادمانہ اور حضور انور امت کی مدد کرتے ہیں مخدومانہ یہاں پہلی قسم کی مدد یعنی خادمانہ مراد ہے۔ رب فرماتا ہے **ان تنصروا اللہ ینصرکم** اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا بندے مدد کرتے ہیں خادمانہ رب مدد فرماتا ہے ربوبیت کی مخدومانہ مدد لہٰذا **نصروہ** بالکل درست ہے خیال رہے کہ حضور کی تعظیم اور حضور کی مدد تاقیامت جاری ہے حضور کے نام کی حضور کی سنتوں کی۔ جس کو حضور سے نسبت ہو اس کی تعظیم حضور انور ہی کی تعظیم ہے جیسے **کلوا واشربوا** مطلق ہے سواء ممنوعہ چیزوں کے ہر کھانا پینا درست ہے ایسے ہی **عزروہ** مطلق ہے سواء ممنوعہ تعظیم کے ہر طرح ان کی تعظیم کرو انہیں خدا یا خدا کا بیٹا نہ کہو سجدہ نہ کرو باقی ہر طرح کی تعظیم کرو جس کی طرف ایمان رہبری کرے پھر جیسے ایمان چھ طرح کا تھا ایسے ہی حضور کا ادب و احترام بھی چھ قسم کا ہے بعض وہ تعظیم جو دنیا بننے سے پہلے فرشتوں نے کی بعض وہ جو نبیوں نے کی بعض وہ جو نبیوں کی امتوں نے کی مگر یہاں وہ تعظیم مراد ہے جو حضور انور کے زمانہ میں صحابہ نے اور حضور کے بعد تاقیامت مسلمان کریں گے جیسا کہ مضمون سے ظاہر ہے ان تعظیموں کی بہت تفصیل ہے جو ہمیشہ سے حضور کی ہوتی رہی ان پر آیات قرآنیہ شاہد ہیں۔ یوں ہی تاقیامت زبان سے قلم سے خون نے حضور کے دین کی مدد حضور ہی کی مدد ہے لہٰذا تاقیامت

www.alahazratnetwork.org

مجاہدین' شہداء' علماء' اولیاء سب حضور ہی کے خدمت گار مددگار ہیں اللہ سب کو نصیب کرے **واتبعوا النور الذی انزل معه** یہ مومنین کی چوتھی صفت ہے ہم اتباع اور اطاعت کا فرق بارہا بیان کر چکے ہیں اطاعت حاکم کی ہوتی ہے مگر اتباع حاکم کی بھی ہوتی ہے حکم کی بھی یہاں اتباع حکم مراد ہے اور **فاتبعونی** میں حاکم کی اتباع مراد ہے حضور انور کے سواء کسی حاکم کی اتباع نہیں نہ خدا تعالیٰ کی نہ سلطان کی نہ عالم کی نہ پیر کی ہاں ان سب کی اطاعت ہوگی۔ نور سے مراد حضور انور کی ساری وحی ہے خواہ وحی جلی یعنی قرآن ہو یا وحی خفی یعنی حدیث خواہ حضور کے الہامات ہوں خواہ حضور کے اجتہادات ہوں خواہ عام ارشادات اسی لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی اور اسی لئے **انزل علیه** نہ فرمایا بلکہ **انزل معه** فرمایا چونکہ حضور کی ہر قسم کی وحی دلوں کی روشنی ہے اسی لئے اسے نور فرمایا **اولئک هم المفلحون** یہ **فالذین امنوا** کی خبر ہے اس کی تفسیر پہلے پارہ میں **اولئک هم المفلحون** کی تفسیر میں عرض کی گئی یہاں اتنا سمجھ لو کہ مومنوں کی عظمت و عزت افزائی کے لئے **اولئک** کا بعید کا اشارہ فرمایا گیا **هم** فرما کر حصر کی خبر دی کہ انہیں کو زندگی میں مرتے وقت قبر میں' حشر میں بعد حشر کامیابی عطا ہوگی اس لئے **یفلحون** مضارع نہیں ارشاد ہوا بلکہ **هم المفلحون** جملہ اسمیہ فرمایا گیا۔

خلاصہ تفسیر: موسیٰ علیہ السلام کی دعا کچھ ترمیم کے ساتھ قبول فرماتے ہوئے رب تعالیٰ نے آخر میں ارشاد فرمایا کہ اے موسیٰ ہماری خاص الخاص رحمت ان لوگوں یا ان بنی اسرائیل کے لئے لکھی جاوے گی جو اس نبی آخر الزمان کی اتباع کریں گے جن کی یہ نو خصوصی صفات ہیں۔ (1) وہ اللہ کے رسول ہیں (2) ساری مخلوق کے نبی ہیں (3) ام القریٰ یعنی مکہ معظمہ کے رہنے والے' ماں کے شکم سے عالم اور صاحب درجات ہیں (4) ان کے نام ان کے اوصاف حمیدہ حتی کہ ان کا حلیہ شریف توریت میں بھی ہوگا انجیل میں بھی ان کے نام' کام اوصاف' احوال بنی اسرائیل کو یاد ہوں گے (5) وہ لوگوں کو اچھی باتوں کا حکم کریں گے (6) بری باتوں سے روکیں گے۔ بنی اسرائیل پر جو طیب ستھری چیزیں ان کی سرکشی کی وجہ سے حرام کردی گئی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت گائے بکری کی اکثر چربیاں وغیرہ وہ سب ان پر حلال کریں گے (7) جو گندی چیزیں ان پر عارضی طور پر حلال تھیں جیسے شراب وغیرہ وہ سب ہمیشہ کے لئے حرام کردیں گے۔ بنی اسرائیل پر جو سخت تر شرعی احکام جاری تھے جیسے چہارم مال زکوۃ یا نجس کپڑے کا جلانا یا نجس عضو کا کاٹ ڈالنا وغیرہ ان سب کو ختم فرمادیں گے غرضکہ ان کا وجود باجود حلال مشکلات دافع بلیات ہوگا وہ صاحب عطایا دافع بلایا شافع برایا ہوں گے۔ اے موسیٰ تمہارے بنی اسرائیل کے لوگ اور ان کے علاوہ باقی اور جو کوئی دنیا کا فرد بشر یہ چار کام کرے کہ ان پر ایمان لائے ان کی ان کے نام کام ان سے نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم و توقیر کرے ان کی ان کے دین کی جان و مال قول قلم سے غرضکہ کسی طرح سے ان کی مدد کرے جو نور ان کے ساتھ اترے گا قرآن یا حدیث یا ان کے الہام' خواب' اجتہادات وغیرہ کی اتباع کرے تو یہ لوگ دنیا میں مرتے وقت قبر میں حشر میں ہمیشہ ہر طرح کامیاب ہوں گے۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں حضور انور کے نو اوصاف بیان ہوئے جن میں سے تین تو حضور کی صفتیں ہیں۔ رسول' نبی' امی۔ ان کو مضارع سے بیان نہیں کیا اور چھ حضور کے افعال کریمہ انہیں مضارع سے بیان فرمایا۔ صفت دائمی ہوتی ہے فعل وقتی جیسے زبان کا کام ہے بولنا اور اس کی صفت ہے بولنے کے لائق ہونا گنگ نہ ہونا۔ حضور انور کے یہ چھ کام ظہور نبوت کے بعد ہوئے مگر رسول' نبی' امی وہ صفت ہیں جو اول خلقت سے آپ کے لئے ثابت تھیں اور اب بھی ثابت ہیں آدم علیہ السلام نے پیدا

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہی عرش پر لکھا دیکھا **لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔** عیسی علیہ السلام نے بشارت دی **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** آج ہم کلمہ پڑھتے ہیں **محمد رسول اللہ** صفت رسالت دائمی ہے یہ ہی حال نبوت اور امی ہونے کا ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ جن لوگوں نے حضور کا بچپن دیکھا اور ایمان لائے ظہور نبوت سے پہلے فوت ہو گئے یا جو کسی جہاد میں آپ کو دیکھ کر ایمان لائے اور فوراً شہید ہو گئے وہ سب کامیاب ہیں جیسے حضور انور کی والدہ بحیرہ راہب ورقہ بن نوفل کیونکہ انہوں نے **الذی انزل معہ** کی اتباع کرلی حضور کی پیدائشی فضیلتیں بھی **الذی انزل معہ** میں داخل ہیں اسی لئے یہاں **الذی انزل علیہ الیہ** نہ فرمایا بلکہ **معہ** فرمایا۔

حضور کے نام اور گذشتہ کتب میں آپ کی بشارتیں

حضور ﷺ کے بہت سے نام آپ کے اوصاف آپ کے حالات آپ کا حلیہ شریف توریت انجیل زبور اور نبیوں کے صحیفوں میں مذکور تھے چنانچہ تفسیر صاوی شریف میں اسی جگہ ہے کہ حضور انور کا نام شریف زبان سریانی میں جو توریت کی زبان ہے منحمنا ہے جس کے معنی ہیں **محمد**۔ خواجہ حسن بصری نے کعب احبار سے روایت کی کہ حضور انور کا نام شریف اہل جنت کے نزدیک عبدالکریم ہے دوزخیوں کی زبان پر عبدالجبار عرش والوں کی زبان پر عبدالمجید باقی تمام فرشتوں کی زبان پر عبدالحمید اور سارے نبیوں کی ہاں عبدالوہاب ہے۔ شیاطین کے منہ پر عبدالقاہر جنات کی زبان پر عبدالرحیم پہاڑوں میں عبدالخالق خشکیوں میں عبدالقادر دریاؤں میں عبدالمہیمن کیڑے مکوڑوں کی زبان پر عبدالغیاث وحشی جانوروں کی زبان پر عبدالرزاق توریت میں موذ موذ انجیل میں طاب طاب زبور میں فاروق باقی آسمانی صحیفوں میں عاقب ہے۔ رب کے ہاں **طٰہٰ** اور **محمد** (صاوی)۔

ابن سعد دارمی نے اپنی مسند میں بیہقی نے دلائل النبوت میں اور ابن عساکر نے سیدنا عبداللہ ابن سلام سے روایت کی کہ توریت میں حضور کے اوصاف یوں بیان ہوئے اے نبی ہم نے آپ کو شاہد مبشر نذیر امی لوگوں کا محافظ بنا کر بھیجا تم میرے بندے میرے رسول ہو میں نے تمہارا نام متوکل رکھا تم نہ تو سخت دل ہو نہ سخت زبان نہ بازاروں میں شور مچانے والے برائی کا بدلہ برائی سے نہ دو گے بلکہ درگذر اور معافی سے کام لو گے اللہ انہیں وفات نہ دے گا حتی کہ ان کے ذریعے ٹیڑھی ملت کو سیدھا کردے گا اور حتی کہ لوگ کہنے لگیں گے **لا الہ الا اللہ** رب تعالیٰ ان کے ذریعہ اندھی آنکھیں بہرے کان پردے والے دل کھول دے گا۔ اسی کی مثل بخاری نے حضرت عبداللہ ابن عمرو سے روایت کی۔ ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت سہیل مولیٰ خیثمہ سے روایت کی کہ میں نے انجیل میں حضور انور کے اوصاف یوں پڑھے کہ وہ نہ تو پستہ قد ہیں نہ دراز قد گورا رنگ ہیں دو زلفوں والے ہیں ان کے دو کاندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے وہ صدقہ قبول نہ کریں گے اونٹ اور خچر پر سوار ہوں گے اپنی بکری خود دودھ لیا کریں گے پیوند والے کپڑے پہن لیں گے۔ حضرت اسماعیل کی اولاد سے ہوں گے ان کا نام احمد ہو گا بیہقی نے دلائل النبوت میں بروایت وھب ابن منبہ نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زبور میں فرمایا کہ اے داؤد تمہارے بعد ایک نبی آئیں گے جن کا نام احمد اور محمد ہو گا وہ میری نافرمانی کبھی نہ کریں گے میں ان پر ناراض کبھی نہ ہوؤں گا ان کی امت مرحومہ ہو گی انہیں نوافل کا ثواب نبیوں کی طرح دوں گا ان پر نبیوں کے سے فرائض لازم کروں گا۔ قیامت میں اس امت کا نور نبیوں کے نور کے

www.alahazratnetwork.org

مثل ہو گا میں ان پر گزشتہ نبیوں کی طرح ہر نماز کے لئے وضو ہر جنابت سے غسل حج جہاد فرض کروں گا اے داؤد میں نے محمد اور امت محمد کو تمام نبیوں تمام امتوں پر چھ چیزوں سے عظمت دی ہے ان کی بھول چوک معاف ہو گی وہ جو بھی گناہ کر کے توبہ کریں گے توانہیں بخش دوں گا اور وہ جو کام آخرت کے لئے کریں گے میں اس کا عوض انہیں دنیا میں بھی دوں گا جب وہ مصیبتوں میں **اناللہ** پڑھیں گے توانہیں بڑا ثواب دوں گا۔ ان کی دعائیں قبول کروں گا یہ عبارت بہت وسیع ہے دیکھو تفسیر روح المعانی یہ ہی مقام اور تفسیر خازن) بلکہ توریت و انجیل میں حضور انور کی امت کے فضائل حضور کے صحابہ کرام کے کارنامے مذکور ہیں۔ رب صحابہ کرام کے متعلق فرماتا ہے۔ **ذلک مثلھم فی التورتہ ومثلھم فی الانجیل** کعب احبار نے توریت کی ایک دراز آیت کا ترجمہ عربی میں یوں کیا **مولدہ مکتہ و ھجرتہ بطیبتہ و ملکہ بالشام و امتہ حمادون** یہ حدیث دراز ہے یعنی ان آخری نبی کی ولادت گاہ مکہ ہے اور ہجرت گاہ طیبہ اور ان کا ملک شام میں ہو گا ان کی امت اللہ کی بہت حمد کرے گی۔ اس حدیث میں امیر معاویہ کی سلطنت کا ذکر ہے کیونکہ آپ پہلے سلطان اسلام ہیں اور آپ کا دارالخلافہ دمشق ملک شام تھا خلافت خلفاء ثلثہ کی مدینہ منورہ ہی رہی علی مرتضی کی عراق یعنی کوفہ میں امارت معاویہ شام میں اسے فرمایا **ملکہ بالشام** دیکھو **مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین بروایت دارمی**۔

موجودہ انجیلوں میں ہزارہا تبدیلیوں کے باوجود اب بھی ایسی آیتیں موجود ہیں جن میں حضور انور کی پیشگوئیاں ہیں۔ چنانچہ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور 1931ء کی چھپی ہوئی یوحنا کی انجیل باب چودہ آیت سولہ میں ہے اور باپ سے درخواست کروں گا تو وہ تمہیں دوسرا مددگار بخشے گا کہ ابد تک تمہارے ساتھ رہے گا۔ مددگار بر حاشیہ ہے وکیل یا شفیع۔ ظاہر ہے کہ عیسی علیہ السلام کے بعد شفیع ہمارے حضور کے سوا کوئی نہیں آیا جس کا دین منسوخ نہ ہو پھر اسی یوحنا کی انجیل باب انتیس آیت تیس میں ہے اس کے بعد میں تم سے باتیں نہ کروں گا کیونکہ دنیا کا سردار آتا ہے اور مجھ میں اس کا کچھ نہیں۔ اسی کتاب کے باب سولہ آیت سترہ میں ہے لیکن میں سچ کہتا ہوں کہ میرا جانا تمہارے لئے فائدہ مند ہے کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہ آوے گا لیکن اگر جاؤں گا تو اسے تمہارے پاس بھیج دوں گا۔ اسی باب کی تیرھویں آیت میں ہے لیکن جب وہ یعنی سچائی کی روح آویگا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائے گا اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے نہ کہے گا لیکن جو کچھ سنے گا وہی کہے گا اور تمہیں آئندہ کی خبریں دے گا (خزائن العرفان)۔

انجیل شریف کی ان آیات میں غور کرو کہ ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کتنے صفات بیان ہوئے آپ کا آخری نبی ہونا۔ آپ کے دین کا منسوخ نہ ہونا آپ کا شفیع المذنبین رحمتہ للعالمین ہونا۔ آپ کا دائمی زندہ ہونا یعنی مسئلہ حیوۃ النبی۔ آپ کا اپنی طرف سے کچھ نہ کہنا جو رب سے سننا وہی کہنا **وماینطق عن الھوی ۝ ان ھوالاوحی یوحی ۝** آپ کا غیبی علوم پر مطلع ہونا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالی کی خاص الخاص رحمت جیسے اشرف امم ہونا۔ قیامت میں آثار وضوء سے اعضاء چمکنا۔ جنت میں پہلے داخل ہونا وغیرہ صرف اس امت محمدیہ کے لئے ہے اس رحمت میں کوئی امت داخل نہیں۔ یہ فائدہ **الذین یتبعون** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: حضور انور کی لاکھوں صفات ہیں ان

www.alahazratnetwork.org

سب میں صفت رسالت افضل صفت ہے یہ فائدہ رسول کو نبی پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا اسی لئے کلمہ طیبہ میں حضور کو رسول اللہ کہا جاتا ہے نبی اللہ یا اور صفت سے یاد نہیں کیا جاتا۔ ہم رسول اور نبی کے بہت سے فرق ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں رسول فیضان رساں نبی پیغام رساں۔ **تیسرا فائدہ:** گزشتہ کتب میں حضور انور کے اوصاف حمیدہ بلکہ حضور کی امت حضور کے صحابہ کرام کے صفات مذکورہ ہیں مگر اس امت کے عیوب وہاں مذکور نہ تھے صفات ہی مذکور تھے یہ فائدہ **یجدونہ مکتوبا**" سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ایمان کا اعلیٰ رکن حضور ﷺ کا ماننا ہے اسی پر مومن ہونے کا مدار ہے یہ فائدہ **یتبعون الرسول** اور **فالذین امنوابہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں دوسری ایمانیات کا ذکر نہیں ہوا توحید وغیرہ کا۔ چنانچہ دین بنتا ہے نبوت سے ہم میں اور اہل کتاب میں اختلاف صرف نبوت میں ہے توحید وغیرہ میں نہیں یوں ہی یہودیت نصرانیت' داؤدیت میں اختلاف نبوت ہی میں رہا۔ **پانچواں فائدہ:** حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حرام و حلال فرمانے کا اختیار دیا ہے آپ اپنے خداداد اختیار سے چیزیں حلال و حرام کرتے ہیں یہ فائدہ **یحل** اور **یحرم** فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو اس آیت میں ان دونوں فعلوں کا فاعل حضور انور کو قرار دیا اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب **سلطنت مصطفےٰ** کا مطالعہ کرو۔ **چھٹا فائدہ:** حضور ﷺ نے خود اہل کتاب کے لئے طیب چیزیں حلال فرمادیں چنانچہ دیکھو کہ اسرائیلیوں پر ہفتہ کے دن شکار کرنے سے عذاب الٰہی آگیا مگر اب اس شکار پر عذاب نہیں آتا وہ بھی اس عذاب سے محفوظ ہو گئے یہ فائدہ **یحل لھم** میں **لھم** فرمانے سے حاصل ہوا جبکہ **لھم** کی ضمیر اہل کتاب کی طرف ہو اور اگر **لھم** کا مرجع سارے انسان ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ انسانوں کے لئے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزیں حرام حضور کو احکام **شرعیہ** کا مالک بنایا گیا قرآن مجید نے صرف سور حرام کہا وہ بھی اس کا گوشت باقی ساری محرمات کتا بلا گدھا وغیرہ اور سور کی چربی کلیجی گردہ وغیرہ حضور نے حرام کئے۔ **ساتواں فائدہ:** جن چیزوں کو حضور نے حلال طیب کر دیا وہ طیب ہیں خواہ عقل مانے یا نہ مانے اور جن چیزوں کو حضور نے حرام کر دیا وہ خبیث ہیں خواہ دل مانے یا نہ مانے لہٰذا بکری طیب ہے کتا خبیث۔ زکوٰۃ طیب ہے سود خبیث۔ **آٹھواں فائدہ:** خدا رسی کا ذریعہ طیب چیزوں کا حرام کر لینا نہیں نہ حرام کو حلال کر لینا بلکہ اسکا ذریعہ صرف ایک ہے یعنی حضور انور کی اتباع **فاتبعونی یحببکم اللہ** لہٰذا بھنگی چرسی بے نماز فقیر ہرگز رب تک نہیں پہنچتے وہ شیطان تک پہنچتے ہیں اگرچہ ساری عمر وہ گوشت نہ کھائیں اچھا کپڑا نہ پہنیں۔ **نواں فائدہ:** حضور ﷺ بحکم پروردگار تکوینی آفات بھی دفع کر سکتے ہیں کہ تکوینی بوجھ بھی آفت ہی ہیں لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حضور ہم سے آفتیں دور کرتے ہیں ہمارے بوجھ ہلکے کرتے ہیں خواہ احکام کے بوجھ ہوں یا گناہوں کے بوجھ حضرات صحابہ حضور کے بال شریف حضور کے لباس' ناخن بلکہ اس مشکیزہ کے منہ سے شفاء اور برکتیں حاصل کرتے تھے جس سے حضور کا منہ مبارک لگا تھا۔ حضرت یوسف و عیسیٰ علیہما السلام کا دافع بلا مشکل کشا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ۔ ابری الاکمہ والابرص۔** **دسواں فائدہ:** حضور ﷺ کی تعظیم و توقیر حضور کا ادب و احترام ہر وقت ہر طرح فرض ہے اس کے لئے کسی ثبوت یا نقل کی ضرورت نہیں جو تعظیم اسلام میں حرام نہ ہو وہ کرو انہیں سجدہ نہ کرو رکوع نہ کرو باقی ان کے ہاتھ پاؤں چومیں ان کے لئے باادب کھڑے ہوں یہ فائدہ **وعزروہ** کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا جیسے **کلوا** اور **اشربوا** مطلق ہے ہر حلال کھانا پینا جائز ہے ایسے ہی **عزروہ** مطلق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور کے بہت سے

www.alahazratnetwork.org

آداب قرآن مجید میں سکھائے فرماتا ہے محبوب سے **راعنا** نہ کہو **انظرنا** کہو۔ فرماتا ہے رسول سے آگے نہ بڑھو۔ فرماتا ہے ان کے حضور چلا کر نہ بولو۔ فرماتا ہے انہیں عام الفاظ سے نہ پکارو بھیا چچا نہ کہہ کر۔ فرماتا ہے کہ اگر وہ تمہاری دعوت کریں تو کھانا تیار ہونے سے پہلے ان کے گھر نہ پہنچ جاؤ۔ فرماتا ہے جب کھانا کھا چکو تو وہاں بیٹھ کر باتیں نہ کرو ان کی نہایت نفیس تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔ **گیارھواں فائدہ:** جس چیز کو حضور انور سے نسبت ہو اس کی بھی تعظیم و توقیر ادب و احترام چاہیے یہ فائدہ بھی **وعزروہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا کیونکہ سارے مسلمانوں پر تاقیامت حضور کا ادب لازم ہے مگر مذکورہ بالا آداب صرف صحابہ کرام ہی کر سکے ہم جیسوں کو میسر نہ ہوئے ہم کو یہ میسر ہے کہ حضور کی ہر نسبت کا ادب کریں ان کے ذکر کا ادب ان کے شہر کا ادب ان کے نام کا ادب ان کی تاریخ ولادت کا ادب سب ہی چاہئیں میلاد میں قیام' نام پاک پر انگوٹھے چومنا۔ مدینہ پاک کی مٹی چومنا سب ہی اس **عزروہ** میں داخل ہیں امام مالک کبھی مدینہ منورہ میں گھوڑے پر سوار نہ ہوئے ہمارے امام اعظم جب حاضر ہوئے تو حدود مدینہ میں استنجے کو نہ بیٹھے بلکہ اتنے دن تک کھانا پینا ہی ترک دیا تاکہ پیشاب پاخانہ کی حاجت نہ ہو اسی لئے آپ نے وہاں اپنا قیام مختصر کیا بعض خوش نصیب لوگ زمین مدینہ میں جوتا نہیں پہنتے ننگے پاؤں ہی ان مبارک گلیوں میں پھرتے ہیں یہ بھی **عزروہ** پر عمل کیا۔ خیال رہے کہ خود رب تعالیٰ نے دوسرے مقامات میں اس کی تفصیل فرمائی ہے فرماتا ہے مجھے اس شہر کی قسم جس میں تم تشریف فرما ہو۔ فرماتا ہے محبوب تمہاری عمر کی قسم۔ فرماتا ہے تمہارے زمانہ پاک کی قسم' والعصر۔

والعصر ہے تیرے زماں کی قسم و لعمرک ہے تیری جاں کی قسم والبلد ہے تیرے مکاں کی قسم تیرے رہنے کی جا کا کیا کہنا

فرماتا ہے جو اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے گا وہ دل کا پرہیزگار ہے۔ صفا مروہ پہاڑ' ہدی کا جانور اللہ کی نشانیاں ہیں کیوں اس لئے کہ انہیں ایک نسبت ہے ان کی نفیس تفصیل ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔ خیال رکھو کہ بے ادب بد نصیب باادب خوش نصیب۔ **بارھواں فائدہ:** حضور انور کی خادمانہ مدد ہر مسلمان پر لازم ہے یہ مدد مطلق ہے مالی' جانی' بدنی' قلمی' زبانی' عملی ہر قسم کی مدد اس میں داخل ہے یہ فائدہ **نصروہ** کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ تعلیم دینی' جہاد' شہادت' دینی کتب کی تصنیف سب ہی حضور کی خدمت ہے جو تاقیامت جاری رہے گی۔ **تیرھواں فائدہ:** حضور انور صرف قرآن مجید نہیں لائے بلکہ اس کے سواء اور نور بھی لائے قرآن تو چالیس سال کی عمر شریف میں آنا شروع ہوا مگر اپنی پیاری ادائیں پیاری باتیں خدا بھاتی صورت و سیرت جن پر دل فدا ہوں' وہ اشارے کنائے اپنے ساتھ لائے ان سب کی اتباع کامیابی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **واتبعوا النور** فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی نیز یہاں **انزل علیہ** نہ فرمایا کہ وہ تو قرآن و حدیث کے لئے ارشاد ہوتا ہے بلکہ **انزل معہ** فرمایا۔

بھولی بھالی شکل نورانی خلقت دیکھ کے ہوئی دیوانی! سب نبیوں سے ہیں نرالے آئے محمد رحمتوں والے

وہ خود نور ہیں ان کی ہر ادا نور **اللھم صل علی سیدنا محمد و الہ و صحبہ و سلم** **چودھواں اعتراض:** اللہ کے بندوں کی مدد برحق ہے یہ نہ شرک ہے نہ کفر دیکھو رب نے میثاق کے دن حضرات انبیاء سے عہد لیا **لتؤمنن بہ ولتنصرنہ** تم نبی آخر الزمان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا اس آیت میں بتایا کہ مومن کامل وہ ہیں جو ان نبی آخر الزمان کی تعظیم کریں اور ان کی مدد کریں اگر بندوں سے مدد لینا شرک ہو تو ان آیات کے کیا معنی۔ **پندرھواں فائدہ:** اب دین و دنیا کی کامیابی صرف حضور انور کی پیروی سے مل سکتی ہے حضور کو چھوڑ کر کامیابی حاصل کرنا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دوسرا خدا ہونا

ناممکن یہ فائدہ **اولئک ھم المفلحون** میں **ھم** فرمانے سے حاصل ہوا جو حصر کا فائدہ دے رہا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیتہ کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت بیان ہوئی ہے یا اس کا رد۔ قبولیت کا ذکر تو ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کے لئے حسنہ یعنی بھلائی مانگی مگر فرمایا گیا کہ ہم یہ حسنہ اس قوم کے لئے لکھیں گے جو اس نبی آخر الزمان کی امت ہے اگر رد کے لئے ہے تو نبی کی دعا رد کیسے ہوئی۔ **جواب**: اس آیت کریمہ میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت قدرے ترمیم کے ساتھ مذکور ہے آپ نے عرض کیا تھا کہ میری ساری قوم کے لئے بھلائی تحریر فرمادے فرمایا گیا کہ ہم آپ کی قوم میں سے اس کے لئے بھلائی تحریر فرمائیں گے جو نبی آخر الزمان کا زمانہ پائیں ان پر ایمان لائیں غرضکہ ایک قید لگا کر دعا قبول فرمائی۔ حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھیوں کا مومن اور صحابی رسول بن جانا کعب احبار کا مومن اور تابعی بن جانا اسی دعا موسوی کی قبولیت کا ظہور ہے۔ **دوسرا اعتراض**: آخر وہ کونسی بھلائی ہے جو اتنی قیدوں کے ساتھ بندوں کو دی جاوے گی کیا موسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کو رب نے نہیں دی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی پچھلی آیتہ کی تفسیر میں عرض کیا گیا ہے کہ رب کی رحمت تین قسم کی ہے ایک رحمت عامہ جو ساری مخلوق کو عطا ہوئی اس کے لئے فرمایا گیا **ورحمتی وسعت کل شیء** جیسے دنیاوی رزق، زندگی، وجود۔ دوسری رحمت خاصہ جو صرف مومنوں کو عطا ہوئی جس کے متعلق ارشاد ہوا **للذین یتقون** جیسے خداترسی، عرفان وغیرہ تیسری رحمت خاص الخاص جس کے متعلق ارشاد ہوا **الذین امنوا بہ وعزروہ** جیسے افضل امم ہونا ان کے احکام آسان اور انعام زیادہ ہونا ان کے لئے ساری زمین مسجد اور مٹی کا مطہر ہونا جس پر تیمم کیا جائے آخرت میں آثار وضو سے اعضاء وضو چمکنا۔ سب امتوں سے اول جنت میں داخلہ یہ رحمت امت محمدیہ سے خاص ہے اس کا ذکر اس آیتہ میں ہے لہذا آیات واضح ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان حضور کے مددگار ہیں پتہ لگا کہ جیسے ہم کو حضور کی مدد کی ضرورت ہے ایسے ہی حضور کو ہماری مدد کی ضرورت ہے ہم اور حضور برابر ہوئے۔ (وہابی) **جواب**: مدد دو طرح کی ہوتی ہے کرم کی اور خدمت کی کرم کا مددگار مربی کہلاتا ہے خدمت کا مددگار خادم۔ ماں بچہ کو پالتی ہے تو وہ مربیہ ہے پھر جوان ہوکر ماں باپ کی پرورش کرے تو خادم۔ حضور ہماری مدد پہلی قسم کی کرتے ہیں ہم حضور کی مدد دوسری قسم کی۔ نیز ہم حضور کی مدد کے ہر وقت محتاج ہیں حضور انور ہماری خدمت سے بے نیاز اگر وہ خدمت لے لیں تو ان کا کرم **فان اللہ ھو مولٰہ وجبریل وصالح المؤمنین والملئکتہ بعد ذلک ظہیر** دیکھو رب فرماتا ہے **ان تنصروا اللہ ینصرکم** اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا کیا تم اپنے کو خدا کی برابر کہو گے۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **مکتوبا" عندھم فی التورتہ** اس فرمان عالی میں **عندھم** کیوں فرمایا **مکتوبا" فی التورتہ** کافی تھا۔ **جواب**: تاکہ معلوم ہو کہ حضور انور کے نام کام آپ کے اوصاف صرف توریت و انجیل میں ہی نہ ہوں گے جنہیں طاق یا الماری میں رکھ دیں بلکہ ان کے دلوں ان کے خیالوں میں بھی ہوں گے کہ ان کے نام کے وسیلے سے دعائیں مانگا کریں گے ان کا نام بطور تعویذ ان کے سر اور گلے میں رہا کرے گا **وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا**۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ نبی آخر الزمان خبیث و گندی چیزیں لوگوں پر حرام کریں گے تو وہ چیزیں اگر خبیث تھیں تو پچھلے نبیوں کے دین میں حلال کیوں رہیں کیا وہ نبی خبیث چیزیں کھلاتے رہے تھے۔ **جواب**: وہ چیزیں واقعی گندی خبیث تھیں مگر اس

www.alahazratnetwork.org

زمانہ میں انسان پر بھی ابتدائی دور ہی تھا یہ چیزیں چھوڑ نہیں سکتا تھا اور ان حضرات کے دین بھی ابھی کمال کو نہ پہنچے غرضکہ نہ تو انسان کامل ہوا تھا نہ دین حضور انور کی تشریف آوری پر انسانیت اپنے کمال کو پہنچی ملت اپنے کمال کو لہٰذا یہ عارضی حلال حرام کر دی گئی جیسے بچہ اولاً ماں کا دودھ پیتا ہے مگر عارضی طور پر چند دن کے لئے یوں ہی شراب وغیرہ حرام ہونے کے قابل تھی کہ خبیث بلکہ ام الخبائث تھی مگر اس زمانہ میں فطرت انسانی اس کے چھوڑنے پر آمادہ نہ تھی حتی کہ شروع اسلام میں بھی حلال رہی پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دی گئی **الیوم اکملت لکم دینکم** **پانچواں اعتراض**: یہاں **انزل معه** کیوں ارشاد ہوا **الذی انزل علیه** کیوں نہیں فرمایا۔ **جواب**: یہاں نور سے مراد صرف قرآن مجید نہیں ہے بلکہ حضور انور کے فرمان بلکہ حضور کی ساری ادائیں مراد ہیں یہ چیزیں حضور انور اپنے ساتھ ہی لائے تھے۔ حضور کی نورانیت نزول قرآن پر موقوف نہیں ان وجوہ سے **معه** ارشاد ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: تم لوگ حضور اکرم کو شرعی احکام یعنی حرام و حلال کا مالک مانتے ہو یہ شرک ہے شرعی احکام کا مالک رب تعالیٰ ہے۔ **جواب**: تم لوگ دنیاوی بادشاہوں اور حکام کو دنیاوی قوانین کا مختار و مالک مانتے ہو کہ انہیں پھانسی دینے عمر قید دینے جرمانہ کرنے کا اختیار ہے۔ حضور انور دینی سلطان ہیں وہ دینی قوانین کے مالک ہیں مگر رب کے مالک کرنے سے۔ پورا مالک وہی ہوتا ہے جو دوسرے کو مالک کر سکے۔

تفسیر صوفیانہ: رسالت اور نبوت میں دوسرے انبیاء کرام مشترک ہیں مگر امی ہونا وہ صفت ہے جو سواء حضور انور کے کسی کو عطا نہ ہوا امی بنا ہے ام سے بمعنی اصل حضور انور اصل مخلوق ہیں کہ جو کچھ بنا حضور سے بنا ہے اس لئے آپ کو امی کہا جاتا ہے۔

تم سے جہان کا وجود تم سے کھلا باب جود　　　تم سے بنا جو بنا تم پہ کروڑوں درود

دیکھو مکہ معظمہ کو ام القری کہا جاتا ہے کہ وہ بستیوں کی اصل ہے اور لوح محفوظ کو ام الکتاب کہ وہ تمام کتابوں کی اصل ہے یوں ہی حضور ام الموجودات ہیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب　　　گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

رسالت کا تعلق ظاہر سے ہے نبوت کا تعلق باطن سے امی ہونے کا تعلق حقیقت سے۔ عوام حضور سے فیضان رسالت لیتے ہیں خواص فیضان نبوت اور خواص الخاص فیضان امیت فرمایا **علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل** حضور انور کی صفت یہ ہے کہ حضور معروف یعنی طلب حق کا حکم دیتے ہیں اور منکر یعنی طلب ماسوی اللہ سے منع کرتے ہیں آپ طیبات یعنی خدا رسی کے ذریعے لوگوں کے لئے حلال کرتے ہیں خبیثات یعنی رب سے غافل کرنے والی چیزیں حرام فرماتے ہیں اور وہ محبوب لوگوں کے بوجھ یعنی خدا رسی کی مشکلات کو دفع فرماتے ہیں تو جو بھی حضور کی اطاعت کریں وہ حضور سے نور لیں کہ حضور خود بھی نور ہیں اور جب خلق کی طرف آئے تو نور وحدت اپنے ساتھ لائے جس نے یہ نور حضور انور سے لیا وہ دونوں جہان میں کامیاب ہو گیا۔ (روح) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسم پاک محمدی حضرت آمنہ کی گود جناب عبداللہ کے گھر سے دنیا کو ملا مگر نور محمدی اور حقیقت محمدیہ نے عرش اعظم سے فرش پر نزول فرمایا اور اپنے ساتھ فیوض ربانی لایا جسمانیت کے لحاظ سے جاء بعث ارسل ارشاد ہوتا ہے اور حقیقت محمدیہ کے اعتبار سے **انزل** اور **نزل** ارشاد ہوتا ہے چنانچہ یہاں ارشاد ہوا **النور الذی انزل معه**

www.alahazratnetwork.org

دوسری جگہ ارشاد ہے **قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا یتلو علیکم** حضور کی صورت فرشی ہے سیرت عرشی صورت بشری ہے سیرت ملکی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور نے رب تعالٰی کی ایسی حمد کی جیسی کسی نے نہ کی اور قیامت میں ایسی حمد کریں گے جیسی کوئی نہ کر سکے گا اس لئے آپ کا نام شریف احمد ہے یوں ہی رب تعالٰی نے حضور کی ایسی حمد کی جیسی کسی نے نہ کی اس لئے آپ کا نام محمد ہے رب نے کئی طرح حضور کی حمد کی (1) براہ راست نبیوں کو حضور کی حمد سنائی یعنی نعت فرمانے والا رب سننے والے رسول اس قسم کی حمد کا ذکر یہاں اس آیت میں بھی ہے اور وہاں بھی **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** (2) گزشتہ کتب میں آپ کے اوصاف حمیدہ کا ذکر (3) نبیوں سے انکی امتوں کے سامنے حضور کی تعریف کرانا (4) تاقیامت مسلمانوں بلکہ کفار سے حضور انور کی نعت خوانی کرانا۔ (5) قیامت میں حضور کی نعت خوانی کرانا (6) قیامت میں خود تمام مخلوق کے سامنے حضور کی نعت ارشاد فرمانا (7) دنیا میں لکڑی پتھر چرند پرند سے حضور کی نعت خوانی کرانا۔ یہاں پہلی قسم کی نعت ہو رہی ہے (8) اور چھ کے متعلق ارشاد ہے **عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا** صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دن رات سورج کے حالات کا نام ہے دھوپ اور چاندنی دونوں سورج کے نور ہیں بلاواسطہ نور دھوپ کہلاتی ہے بواسطہ چاند نور کو چاندنی کہا جاتا ہے۔ یوں ہی از حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ تمام انبیاء حضور ہی کی طرف سے مبلغ تھے جنکے نام مختلف تھے بلاواسطہ دین کا نام اسلام ہے لہٰذا یامرھم بالمعروف بہت وسیع ہے یعنی اول خلقت سے آخر تک حضور انور ہی مبلغ ہیں اگرچہ پچھلے نبیوں کے دین اور ان کے احکام جداگانہ تھے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا الَّذِىْ
فرماؤ اے لوگو بے شک میں رسول ہوں اللہ کا طرف تمہارے سب کے وہ اللہ کہ اسی کی ہے بادشاہی
تم فرماؤ اے لوگو میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں کہ آسمان و زمین کی بادشاہی
لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ
آسمانوں اور زمین کی نہیں ہے کوئی لائق عبادت سوا اس کے زندہ کرتا ہے اور موت
اسی کو ہے اسی کے سوا کوئی معبود نہیں جلائے اور مارے
فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِ النَّبِىِّ الْاُمِّىِّ الَّذِىْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ
دیتا ہے پس ایمان لاؤ اللہ اور رسول پر اس کے جو خبریں دینے والا بے پڑھا ایمان لاتے ہیں اللہ پر
تو ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول بے پڑھے غیب بتانے والے پر کہ اللہ اور اس کی
وَكَلِمٰتِهٖ وَاتَّبِعُوْهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۸﴾
اور باتوں پر اس کی اور پیروی کرو اس کی تاکہ ہدایت پاؤ تم
باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور انکی غلامی کرو کہ راہ پاؤ

تعلق: اس کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت کا ذکر ہوا مع کچھ ترمیم کے کہ اے موسیٰ تمہاری قوم ہی سے جو آخری نبی پر ایمان لائے گا وہ رحمت خاص الخاص کا مستحق ہو گا اب اس ترمیم کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ ساری خلقت کے نبی ہوں گے ان کی نبوت تمہاری طرح کسی قوم اور کسی وقت کسی جگہ سے خاص نہیں جو بھی ان کے دامن میں چھپے گا رحمت الٰہی سے حصہ پائے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کے مضمون سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید حضور انور کے ذریعہ صرف بنی اسرائیل ہی خاص رحمت پائیں گے دوسرے نہیں اب یہ وہم دفع فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں جو بھی ان کے دامن کرم سے وابستہ ہو جاوے وہ ہی یہ خوبیاں پائے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضور انور کی نبوت عامہ کا اعلان فرمایا جو گزشتہ زمانہ میں ہوا تھا اب حضور انور کی زبان سے وہ اعلان کچھ تفصیل کے ساتھ کرایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ گزشتہ نبیوں میں حضور انور کا چرچا خود رب تعالیٰ نے کر دیا تھا انہیں اور ان کی امتوں کو حضور انور کا منتظر بنا دیا تھا اب ارشاد ہے کہ حضور انور نے بھی ان نبیوں کا چرچا کیا حضور ان کی رسالت پر ایمان رکھیں گے ان کے نام 'کام' مراتب' درجات' احوال کا اعلان فرمائیں گے۔

نزول: یہود کی ایک جماعت تھی جنہیں عیسوی کہا جاتا تھا اس کا سردار عیسیٰ اصفہان تھا اس جماعت کا عقیدہ تھا کہ حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نبی برحق ہیں مگر آپ صرف اہل عرب کے نبی ہیں بنی اسرائیل کے نبی نہیں گزشتہ نبیوں کی طرح آپ کی نبوت ایک خاص ملک خاص قوم کے لئے ہے اس آیت کریمہ میں ایسے عقیدے کی تردید ہے (تفسیر کبیر)

تفسیر: قل یایھا الناس یہاں قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن سارے انسانوں یا سارے جن و انس سے ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ تعمیر فرما کر چار آوازیں دیں کہ اے اللہ کے بندو اللہ کے گھر کی طرف چلو وہ آوازیں تاقیامت روحوں نے سن لیں اس کا اثر تاقیامت یہ ہو گا کہ حاجی لوگ جوق در جوق حج و عمرہ کے لئے دوڑتے رہیں گے رب فرماتا ہے **واذن فی الناس بالحج** اسی طرح حضور انور نے ایک دو بار اپنی نبوت کا یہ اعلان فرما دیا اور بفضلہ تعالیٰ ساری روحوں نے سن لیا اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تاقیامت لوگ مسلمان ہوتے رہیں گے یہ اس **قل** کا اثر ہے **الناس** میں الف لام استغراقی ہے جس میں سارے انسان داخل ہیں چونکہ بقیہ مخلوق انسان کے تابع ہے جب حضور سارے انسانوں کے نبی ہیں تو ساری مخلوق کے ہی نبی ہوئے اس لئے یہاں خطاب صرف انسانوں سے ہوا ورنہ حضور انور ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ رب فرماتا ہے **لیکون للعلمین نذیرا** اور فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمتہ للعلمین** ( ) یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ **الناس** میں جنات بھی داخل ہیں کیونکہ **ناس** بنا ہے **ناس ینوس** سے بمعنی حرکت و جنبش کرنے والی چیز۔ دیکھو قرآن کریم میں رجال 'انسان مردوں کے لئے بھی بولا گیا ہے اور جن مردوں کے لئے بھی فرماتا ہے **وانہ کان رجال من الانس یعوذون برجال من الجن** بہر حال یہاں **الناس** سے مراد یا تو سارے انسان ہیں یا سارے انس و جن ہیں ان میں سے کوئی خارج نہیں۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ **ناس** اسم جنس ہے اس کل واحد انسان ہے **انی رسول اللہ الیکم جمیعا**" یہ فرمان عالی **قل** کا مقولہ ہے چونکہ حضور کی رسالت کے بہت لوگ منکر تھے اس

www.alahazratnetwork.org

لئے اسے **ان** حرف تحقیق سے شروع فرمایا حضور نبی بھی ہیں رسول بھی شفیع بھی رحمۃ للعالمین بھی مگر صفت رسالت تمام صفات سے اعلیٰ و افضل ہے کہ یہ واسطہ کبریٰ ہے مخلوق و خالق کے درمیان اس لئے یہاں رسول اللہ فرمایا گیا اور جہاں آپ کی تشریف آوری کی بشارت دی ہے وہاں لفظ رسول ہی ہے **لقد جاء کم رسول** یا جیسے **ابعث فیھم رسولا**" یا جیسے **مبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد** نیز کلمہ طیبہ میں ہے **محمد رسول اللہ**۔ حضور اللہ کے رسول ہیں فیض لینے والے۔ اور مخلوق کے رسول ہیں فیض دینے والے۔ لہٰذا آپ کو رسول اللہ بھی کہتے ہیں اور **رسولکم** بھی۔ **جمیعا**" **الیکم** کی ضمیر کا حال ہے یا تاکید **جمیعا** فرما کر یہ بتایا کہ کوئی انسان کسی وقت میں کسی حالت میں حضور کی رسالت سے نہیں نکل سکتا۔ حتیٰ کہ ہر شخص زندگی میں موت کے وقت قبر میں حشر میں جنت میں حضور کی نبوت کے گھیرے میں ہے سب رشتے ٹوٹ جائیں گے مگر حضور انور کی غلامی کا رشتہ نہیں ٹوٹے گا غرضکہ جس کا خدا رب ہے اسکے حضور رسول ہیں ﷺ **الذی لہ ملک السموت والارض**۔ یہ لفظ اللہ کی صفت یا حال ہے یعنی آسمان و زمین اللہ تعالیٰ کا ملک ہے وہ بادشاہ حقیقی ہے اسی طرح آسمان و زمین میں میری نبوت ہے بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ وزیر اعظم کی وزارت ہر اس جگہ ہوتی ہے جہاں سلطان کی سلطنت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہے حضور رحمۃ للعالمین ملک اور ملکوت کا فرق اور سماوات کو جمع ارض کو واحد فرمانے کی وجوہ ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ جو عام مخلوق دیکھ سکے وہ ملک ہے جیسے زمین و آسمان اور ان کی ظاہری چیزیں چاند سورج تارے وغیرہ۔ ملکوت وہ جو عوام کی نظروں سے غائب ہو جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ۔ جبروت وہ اسرار الٰہیہ جو خواص سے بھی غائب ہوں خاص الخاص بندے ان پر مطلع ہوں جیسے روح اور عالم انوار عالم امر۔ لاہوت رب تعالیٰ کی ذات و سارے صفات جنہیں کما حقہ' رب ہی جانتا ہے **ماعرفناک حق معرفتک** اس کی تحقیق تفسیر صاوی پارہ گیارہ سورہ یونس میں **ماتکون فی شان وما تتلو منہ من قران** کی تفسیر میں دیکھو۔ خیال رہے کہ یہاں **لہ** میں لام ملکیت تامہ کا ہے اور **خلق لکم مافی الارض** میں لام نفع کا یہاں لام کے معنی ہیں کا اور وہاں لام کے معنی ہیں لئے' رب تعالیٰ سارے ملک کا مالک حقیقی مالک تام ہے جسے چاہے اپنا ملک دے دے **تؤتی الملک من تشاء** اس نے حضرت سلیمان کو ساری زمین جن و انس بلکہ ہوا بارش کا مالک بنا دیا **فسخرنا لہ الریح** اسی نے ہمارے حضور کو دونوں جہان کا مالک کر دیا **انا اعطینک الکوثر۔ لہ ملک السموت** بہت جامع ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت علیحدہ جملہ ہے یا تو **اعنی** پوشیدہ فعل کا مفعول ہے یا **ھو** پوشیدہ کی خبر وہ فرماتے ہیں کہ اسے لفظ **اللہ** کی صفت یا بدل بنانے میں موصوف صفت میں فاصلہ ہوگا مگر یہ وجہ کچھ قوی نہیں کیونکہ فاصلہ اجنبی کا نہیں ہے (روح المعانی) **لا الہ الا ھو یحی و یمیت** اس فرمان عالی کی بھی وہ نحوی ترکیبیں ہیں جو **لہ ملک السموت** کی ہیں **لا الہ الا ھو** کی مکمل تفسیر ہم تیسرے پارہ آیۃ الکرسی کی تفسیر میں کر چکے ہیں اس سے متصل **یحی و یمیت** کی تفسیر بھی **قال ربی الذی یحی و یمیت** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آسمانوں اور زمین یعنی سارے عالم اجسام کی حقیقی ملکیت اور الوہیت میں لزوم ہے یا عالم کی حقیقی ملکیت رب تعالیٰ کی الوہیت کی دلیل ہے۔ نہ اس کے سوا کوئی عالم کا حقیقی مالک ہے نہ اور کوئی معبود وہی مالک الملک ہے وہی معبود الملک ہے وہی زندگی و موت کا خالق ہے وہی زندہ رکھتا ہے اور موت دیتا ہے زندگی بخشنا زندہ رکھنا موت دینا پھر مردہ رکھنا

www.alahazratnetwork.org

اس کی صفت ہے جب وہ ان صفات سے موصوف ہے تو اس پر ایمان لانا اس کی عبادت کرنا اس کے بھیجے ہوئے نبیوں کی اطاعت کرنا ضروری ہے **فامنو باللّٰہ ورسولہ** یہ فرمان عالی گزشتہ مضمون کا گویا نتیجہ ہے اور **قل** کا مقولہ لہٰذا اس میں ف عقیب کی ہے۔ ایمان کی تعریف اسکے ارکان ایمان اور توحید میں فرق ایمان کے درجے اس کے مرتبے نبی اور امتی کے ایمان میں فرق ہم تفصیل سے سورہ بقر کے آخری رکوع میں **امن الرسول بما انزل الیہ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں پچھلی آیت میں صرف رسول پر ایمان لانے کا ذکر ہوا **فالذین امنوا بہ** اور یہاں اللہ رسول دونوں پر ایمان لانے کا ذکر ہے اللہ تعالیٰ کی الوہیت حضور ﷺ کی رسالت پر ایمان لانا ضروری ہے قرآن مجید میں جہاں الرسول یا کہیں **رسولہ** فرمایا جاتا ہے وہاں اس سے مراد حضور ﷺ ہوتے ہیں گزشتہ نبیوں پر اجمالی اور حضور ﷺ پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے **النبی الامی الذی یؤمن باللّٰہ وکلمتہ** اس فرمان عالی میں **رسولہ** کی تین صفات کا ذکر ہوا آپ کا نبی ہونا امی ہونا اور آپ کا اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات پر ایمان لانا نبی اور امی کے معنی ابھی پچھلی آیت میں عرض کیے گئے کہ رسول کے معنی ہیں فیضان رساں اور نبی کے معنی ہیں پیغام رساں۔ نبی رسول سے عام ہے ہمارے حضور نبی بھی ہیں رسول بھی مرسل بھی مگر امی ہونا صرف ہمارے حضور کی خصوصی صفت ہے حضور انور کا ایمان باللہ درجہ حق الیقین کا ہے ہمارا ایمان باللہ علم الیقین کے درجہ کا کلماتہ میں چند احتمال ہیں۔ (1) اس سے مراد آیات قرآنیہ ہیں کہ ہر آیۃ کلمۃ اللہ ہے (2) اس سے مراد گزشتہ ساری آسمانی کتابیں ہیں بلکہ ان کے سارے احکام ہیں کہ وہ سب اللہ کے کلمے یعنی اللہ کی باتیں ہیں (3) اس سے مراد گزشتہ نبیوں کے سارے صحیفے بلکہ ان کے سارے تبلیغی قول ہیں (4) اس سے مراد سارے گزشتہ نبی ہیں جن کی ہر بات گویا کلمہ الٰہی ہے اس لحاظ سے وہ حضرات خود کلمات اللہ ہیں (5) اس سے مراد حضرت عیسیٰ و موسیٰ علیہما السلام ہیں یعنی جناب کلمۃ اللہ اور کلیم اللہ۔ خیال رہے کہ ان سب پر حضور ﷺ بلاواسطہ ایمان لائے پھر آپ کے واسطے سے تمام مسلمان ایمان لائے ہم اس کی تحقیق تیسرے پارہ میں **امن الرسول بما انزل الیہ من ربہ والمؤمنون** کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ ان سب پر حضور کا ایمان بلاواسطہ ہے حضور انور کا ایمان بالشہادۃ ہے ہم لوگوں کا ایمان بالغیب وغیرہ **واتبعوہ لعلکم تہتدون** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فامنوا باللّٰہ** پر اور اس میں دوسرا حکم ہے روئے سخن سارے انسانوں کی طرف ہے یعنی اے لوگو ان رسول پر ایمان بھی لاؤ اور ان کی اتباع بھی کرو ان دونوں چیزوں سے تم ہدایت پاؤ گے اتباع اور اطاعت و عبادت کے فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں ہمارا ایمان سارے نبیوں پر ہے مگر اتباع صرف حضور ﷺ کی۔

خلاصہ تفسیر یہ آیت کریمہ نعت مصطفیٰ حمد خدا نیز کلام نبوی اور کلام الٰہی کا مجموعہ ہے **انی رسول اللّٰہ الیکم جمیعا** حضور کی نعت ہے اور **یحیی ویمیت** تک رب کی حمد اور یہاں تک رب کا کلام بواسطہ زبان رسول ہے اور **فامنوا باللّٰہ** سے **تہتدون** تک کلام ربانی بلاواسطہ ہے لہٰذا یہ آیت نہایت جامع آیت ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ سارے جن و انس یا تاقیامت سارے انسانوں میں اعلان فرما دو کہ میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہوں۔ اللہ کی یہ شان ہے کہ سارے آسمانوں اور زمین کا وہ ہی مالک حقیقی ہے وہ معبود برحق ہے اس کے سوا نہ کوئی ان چیزوں کا مالک حقیقی ہے نہ کوئی سچا معبود وہ ہی مخلوق کو زندہ کر تا زندہ رکھتا ہے وہ ہی انہیں موت دیتا ہے زندگی و موت اسی کے قبضہ میں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اتنے فرمان میں حضور انور کی معرفت کرائی گئی ہے حمد الٰہی کے ذریعہ یعنی میں اس رب کا رسول بھی مطلق ہوں جس کی یہ صفات ہیں تو پہچان لو کہ میں کیسا رسول ہوں جب سلطان کی سلطنت دونوں جہان میں ہے تو میری وزارت بھی دونوں جہان میں ہے جب یہ ہے کہ رب مطلق ہے تو اس کا رسول بھی مطلق۔ اور جیسے رب کے سواء کوئی معبود نہیں ایسے ہی میرے سواء کوئی خاتم النبیین سید المرسلین امام الاولین نہیں کہ نہ تو الوہیت میں تعدد ہو سکتا ہے نہ ختم نبوت وغیرہ میں اور جیسے ہر شخص زندگی میں اور میرے بعد رب کا بندہ ہے کیونکہ وہ ہی زندگی اور موت دیتا ہے ایسے ہی ہر شخص زندگی اور مرے بعد میرا امتی ہے میں اس کا نبی ہوں مرنے پر دنیاوی سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں مگر رب سے بندگی کا رشتہ اور حضور سے امتی ہونے کا رشتہ نہیں ٹوٹتا لہٰذا اللہ تعالیٰ کی یہ تینوں صفات حضور انور کی رسالت عامہ کا ثبوت ہیں۔ تم سب اللہ تعالیٰ پر بھی ایمان لاؤ اور اس کے اس رسول پر بھی جو حسب ذیل صفات سے موصوف ہیں وہ رسول بھی ہیں نبی بھی امی بھی یعنی پیدائشی عالم بہ علم لدنی وہ اللہ تعالیٰ پر پہلے ایمان لانے والے ہیں اس کے سارے رسولوں یا ساری کتابوں پر اول مومن ہیں تم سب ان کی اتباع بھی کرو اگر تم ان رسول پر ایمان لا کر ان کے متبع ہوئے تو امید کرو کہ تم ہدایت پا جاؤ گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: حضور ﷺ تا قیامت سارے انس بلکہ سارے جن وانس بلکہ ساری مخلوق کے نبی رسول ہیں سب پر آپ کی اطاعت و فرمانبرداری لازم ہے یہ فائدہ **یایھا الناس** اور **الیکم جمیعا** فرمانے سے حاصل ہوا یہ رسالت عامہ حضور کی وہ خصوصی صفت ہے جو حضور کے سواء کسی کو نہ ملی حضور کی نبوت زمین و زمان کی قیود سے آزاد ہے۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ کے مقبول بندے موجود معدوم دور نزدیک تمام سے خطاب فرما سکتے ہیں سب کو پکار سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کا کلام سب کو سنا دیتا ہے یہ فائدہ بھی **ایھا الناس** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضور انور نے اس میں موجودہ آئندہ تمام انسانوں بلکہ جن انس کو پکارا جن میں سے بہت لوگ حضور سے دور تھے بہت ابھی پیدا نہ ہوئے تھے قیامت تک پیدا ہونے والے تھے۔ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ معظمہ بنا کر سارے انسانوں کو حج کی دعوت دی سب کو اللہ تعالیٰ نے سنا دی تا قیامت اس دعوت پر لبیک کی آوازیں آ رہی ہیں۔ **تیسرا فائدہ**: اگرچہ حضور ساری مخلوق کے نبی بھی ہیں شفیع بھی مگر رسالت عامہ حضور کی خصوصی صفت ہے یہ فائدہ **رسول اللہ الیکم جمیعا**" سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: ساری مخلوق کا اصل انسان ہے باقی سب چیزیں انسان کے تابع ہیں جو اس کے لئے بنائی گئیں۔ یہ فائدہ **یایھا الناس** فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضور انور اگرچہ جہان بھر کے رسول ہیں مگر خطاب فرمایا گیا صرف انسانوں سے کہ جب حضور انسانوں کے رسول ہوئے تو ساری مخلوق کے ہی رسول ہوئے۔ **پانچواں فائدہ**: کوئی جن وانس کسی درجہ پر پہنچ جاوے حضور کی نبوت سے کسی حالت میں نکل نہیں سکتا سارے اولیاء حتی کہ چار زندہ نبی حضرت عیسیٰ و ادریس، الیاس، خضر علیہم السلام اسی طرح اصحاب کہف سب کے سب حضور کے امتی ہیں حضور ان سب کے رسول ہیں یہ فائدہ **جمیعا**" فرمانے سے حاصل ہوا۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل   اس کی قاہر ریاست پہ لاکھوں سلام

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ زمین و آسمان کا خالق و مالک ہے اس کے یہ رسول زمین و آسمان کے نبی و رسول ہیں جہاں خدا کی خدائی ہے

www.alahazratnetwork.org

وہاں حضور انور کی بادشاہی ہے یہ فائدہ **لہ ملک السموت والارض** سے حاصل ہوا کہ حضور انور کی رسالت عامہ کا ذکر فرمانے کے بعد رب تعالیٰ کی وسعت سلطنت کا ذکر فرمانا اسی حکمت سے ہے۔ **ساتواں فائدہ:** اب تاقیامت کوئی شخص حضور انور پر ایمان لائے بغیر رب تک نہیں پہنچ سکتا۔ اب خدا رسی کا ذریعہ صرف اور صرف حضور ﷺ ہیں یہ فائدہ **فامنوا باللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** حضور ﷺ اللہ تعالیٰ اور سارے نبیوں، ساری کتابوں پر ایمان لائے مگر حضور انور کے ایمان اور ہمارے ایمان میں بڑا فرق ہے یہ فائدہ **یؤمن باللہ وکلمتہ** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ دیکھو اس آیت کی تفسیر جو ابھی کی گئی اور تفسیر نعیمی آخر سورہ بقر۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ صرف انسانوں کے رسول ہیں باقی مخلوق کے نہیں کہ ارشاد ہوا **یایھا الناس**۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا **ناس** سے یا تو سارے انس و جن مراد ہیں یا صرف انسان چونکہ انسان ساری مخلوق سے افضل ہے **ولقد کرمنا بنی آدم** اور ساری مخلوق کی اصل کہ تمام مخلوق اسی کی خاطر بنی جب حضور انسان کے نبی ہوئے تو ساری مخلوق کے نبی ہوئے ورنہ یہ آیت اس آیت کے خلاف ہوگی **لیکون للعلمین نذیرا** اور **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین**۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید میں دوسری جگہ ہے **کافۃ للناس بشیرا ونذیرا** اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضور صرف انسانوں کے رسول ہیں۔ **جواب:** وہاں ذکر نبوت کا نہیں بلکہ بشارت و نذارت کا ہے واقعی حضور انور جنت کے بشیر صرف انسانوں کے لئے ہیں کہ جنت انسانوں کے سواء کسی کو عطا نہ ہوگی۔ جنت کا ثواب اور وہاں کی نعمتیں صرف انسانوں کے لئے ہیں۔ خیال رہے کہ جنت کا ثواب صرف انسانوں کے لئے دوزخ کا عذاب صرف جنات اور انسانوں کے لئے ہے **لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین** باقی مخلوق کے لئے ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ شرعی احکام کے مکلف صرف جن و انس ہیں باقی مخلوق فرشتوں وغیرہ پر شرعی احکام جاری نہیں۔ ہاں ساری مخلوق پر حضور کا ادب و احترام حضور کی اطاعت حضور پر ایمان لانا ضروری ہے اس لحاظ سے وہ سب حضور کے امتی ہیں حضور ان سب کے نبی اس لئے کنکروں پتھروں درختوں جانوروں نے حضور کا کلمہ پڑھا حضور کے حکم پر درخت چل کر حاضر ہوئے اشارہ سے چاند پھٹا سورج لوٹا' بادل آیا اور برسا اشارہ پر ہی کھل گیا فرشتے ہمیشہ حضور پر درود شریف پڑھتے ہیں یہ ہے ان سب کے امتی ہونے اور حضور انور کے ان سب کا نبی ہونے کی دلیل لہٰذا حضور حضور نبی الخلق ہیں بلکہ عالم ارواح میں حضور سارے نبیوں رسولوں کے بھی نبی ہیں **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** قیامت اور جنت میں سارے نبی اور ان کی امتیں حضور کا کلمہ پڑھیں گی۔ **تیسرا اعتراض:** حضور انور رسول' نبی' شفیع حبیب سب کچھ ہیں لاکھوں صفات سے موصوف ہیں پھر یہاں اور اکثر اہم جگہ آپ کو رسول کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ رسول حضور انور کا منصب بیان فرماتا ہے جیسے دنیاوی بادشاہوں کے بعض محکمے داخلی ہوتے ہیں بعض خارجی مگر محکمہ تعلق عامہ اور محکمہ مواصلات سب سے اہم محکمہ ہے کہ اس سے تمام ممالک ایک دوسرے سے وابستہ رہتے ہیں بلکہ ان کے ذریعہ سلطان اور رعایا کا تعلق قائم رہتا ہے ایسے ہی ملک' ملکوت' جبروت' لاہوت سب رب تعالیٰ ہی کے ہیں مگر ان میں تعلق قائم فرمانے والا بلکہ بندوں کو رب سے اور رب کو بندوں سے ملانے والا محکمہ رسالت ہے یہ محکمہ مواصلات ہے اس وجہ سے آپ کو ایسے موقعوں

www.alahazratnetwork.org

پر رسول کہا جاتا ہے۔ رب بندوں سے جو کلام کرتا ہے انہیں جو دیتا ہے رسول کے واسطے سے دیتا ہے بندے رب سے جو عرض معروض کرتے ہیں جو اس سے لیتے ہیں وہ رسول کے واسطے سے۔ دیکھو مزے دار گفتگو بنی اسرائیل کی رب سے بواسطہ موسی علیہ السلام **قالوا ادع لنا ربک یبین لنا** آپ جواب میں فرماتے ہیں **انہ یقول انہا بقرۃ صفراء** جو ان کے توسط کے بغیر رب تک پہنچنا چاہے وہ حضور کو رسول ہی نہیں مانتا۔ **چوتھا اعتراض**: تم نے کہا کہ سارے عالم کی نبوت صرف حضور ﷺ کو عطا کی مگر قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنات بلکہ ہواؤں کے بھی نبی تھے کہ فرماتا ہے **یعملون لہ ما یشاء من محاریب و تماثیل** اور فرماتا ہے **فسخرنا لہ الریح** پھر تمہارا یہ قول کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: حضرت سلیمان علیہ السلام ان تمام کے نبی نہ تھے حکومت نبوت اور چیز ہے حکومت سلطنت و سیاست کچھ اور چیز نیز اطاعت تکوینی اور چیز ہے اطاعت تشریعی کچھ اور چیز۔ اس لئے آپ نے جنات وغیرہ سے اپنی خدمات تو لیں مگر انکو اپنے دین کی دعوت نہ دی وہ تمام اپنے کفر پر رہتے ہوئے آپ کی خدمات کرتے تھے مگر یہی سب حضور کا کلمہ پڑھتے ہوئے حضور کی اطاعت کرتے تھے (از روح البیان)۔ **پانچواں اعتراض**: حضرت آدم علیہ السلام سارے انسانوں کے نبی تھے اور حضرت نوح علیہ السلام بھی۔ اس لئے حضرت نوح کی مخالفت کی وجہ سے سارے انسان غرق کر دیئے گئے جو کشتی میں باقی بچے وہ سب آپ کے امتی ہوئے پھر سارے انسانوں کا نبی ہونا حضور انور کی خصوصیت نہ رہا۔ **جواب**: واقعی وہ دونوں حضرات اس وقت کے موجودہ انسانوں کے نبی تھے مگر تا قیامت انسانوں کے نبی نہ تھے ہمارے حضور تا قیامت سارے انسانوں ساری مخلوق کے نبی ہیں جیسا کہ ہم نے **یایہا الناس** کی تفسیر میں ابھی عرض کیا لہٰذا تمام انسانوں کا نبی ہونا ہمارے حضور کی خصوصیت ہے دیکھو عیسی علیہ السلام نے فرمایا تھا **ورسولا الی بنی اسرائیل** جس سے معلوم ہوا کہ آپ صرف بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت کریمہ میں بعد میں یہ کیوں فرمایا **الذی لہ ملک السموت والارض** حضور کی رسالت کے بعد اللہ کی حمد کا ذکر کیوں ہوا یا تو حمد ہوتی ہی نہ یا پہلے ہوتی۔ **جواب**: یہ فرمان عالی حضور انور کی رسالت عامہ کی گویا دلیل ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ میں اللہ کا رسول اعظم (بڑا رسول) ہوں جیسے وزیر اعظم کی وزارت تا حد مملکت ہوتی ہے ایسے ہی رسول اعظم کی رسالت تا حد الوہیت ہے کہ خدا جس کا رب ہے حضور اس کے رسول ہیں ورنہ حضور رسول اعظم کیسے ہوں گے۔ **ساتواں اعتراض**: اس آیت کریمہ میں دو مضمون علیحدہ طریقوں سے بیان ہوئے ہم کو حکم دیا کہ **امنوا باللہ و رسولہ** اور حضور انور کی صفت بیان فرمائی **یؤمن باللہ و کلمتہ** یعنی اے لوگو! تم اللہ رسول پر ایمان لاؤ۔ اور رسول اکرم اللہ اور کلمات اللہ پر ایمان لاتے ہیں۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس فرق بیان سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور حضور کے ایمانوں کا فرق بیان فرمادیا کہ اے لوگو تم تو اللہ رسول پر ایمان لاؤ یعنی اللہ کو رسول کی معرفت سے جانو پہچانو مانو اور رسول کی یہ صفت ہے کہ وہ بلا واسطہ اللہ تعالیٰ اور اس کے کلمات یعنی سارے نبیوں ساری کتابوں پر بلا واسطہ مشاہدہ سے ایمان لاتے ہیں چونکہ دونوں ایمانوں کی نوعیت میں فرق تھا اس لئے بیانوں میں فرق ہوا ہم اس کی تفصیل سورہ بقرکے آخر میں **امن الرسول** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کرام کے مشرب میں **یایہا الناس** میں از حضرت آدم تا روز قیامت سارے انسان داخل ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

حضرات انبیاء اوران کی امتیں سب کے سب حضور کی امت ہیں حضوران سب کے رسول حضور انور کا یہ اعلان رب تعالیٰ نے گزشتہ لوگوں کو بھی سنادیا اور آئندگان کو بھی یہ اعلان لولا" رب تعالیٰ نے میثاق کے دن سب میں کیا کہ فرمایا **ثم جاءکم رسول مصدق لما معکم** بعد میں حضور انور سے اس آیت میں کرایا اس اعلان کا نتیجہ تھا کہ سارے نبی اپنے اپنے مقام سے بیت المقدس میں پہنچے حضور کے پیچھے نماز پڑھی پھران سب نے اپنے اپنے روحانی آسمانی مقام پر حضور کا استقبال کیاان سب نے حضور ہی کی اطاعت بالواسطہ کی تھی سارے آسمان و زمین اللہ کا ملک ہیں حضور انور اللہ کے اذن سے اس ملک کے مالک ہیں ادھر اعلان ہے **لا الہ الا ھو** ادھر اعلان ہے کہ **لا رسول الا ھو** یعنی اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور اب حضور کے سواء کوئی رسول نہیں وہ رب حضور کی معرفت دلوں کو ایمان کی زندگی اور کفر کی موت دیتا ہے جیسے سورج کے ذریعہ زمین کو دن اور رات دیتا ہے دن کا ذریعہ بھی سورج ہے اور رات کا ذریعہ بھی سورج۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کتے کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھو اپنی رسی کتے کے ہاتھ میں نہ دو۔ یوں ہی اپنے نفس امارہ کی رسی اپنے ہاتھ میں رکھو اپنی رسی نفس امارہ کے ہاتھ میں نہ دو اپنے کو حضور انور کے ہاتھ میں دو **واتبعوہ لعلکم تھتدون** اگر تم نے یہ عمل کرلیا تو رب تک پہنچ جاؤ گے حضور کی سنتوں کی اتباع ہی انسان کی نجات کا ذریعہ ہے حضرت شیخ محی الدین اکبر فرماتے ہیں کہ میں نے حضور کی تمام سنتوں پر عمل کیا سواء ایک کے کہ میرے کوئی بیٹی نہ تھی۔ جس کا نکاح میں اپنے کسی عزیز سے کردیتا حضرت بایزید بسطامی ایک صاحب کرامات شخص کی ملاقات کو گئے دیکھا کہ اس نے مسجد کے قبلہ کی طرف تھوکا آپ نے اسے سلام بھی نہ کہا اور واپس آگئے فرمایا کہ یہ سنت کا تارک ہے۔ امام احمد ابن حنبل فرماتے ہیں کہ میں ایک جماعت میں تھا کہ لوگ ننگے ہو کر حمام میں گھس گئے میں حضور کی سنت پر عمل کرتے ہوئے تہبند باندھ کر گیا۔ رات کو میں نے غیبی اعلان سنا کہ اے احمد رب نے تمہارے سارے گناہ بخش دیئے اور تمہیں لوگوں کا امام بنادیا اس سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے۔ میں نے پوچھا تم کون ہو فرمایا میں جبریل ہوں۔ فرشتے حضور انور کی عظمت کرتے ہیں اور حضور کی وجہ سے حضور کی امت کی حضور کے قرآن کی بلکہ جس قبر پر قرآن پڑھا جاوے اس قبر کا ادب و احترام کرتے ہیں۔

حکایت: مثنوی شریف کے دفتر سوم کے آخر میں ایک عجیب حکایت لکھی **'حکایت مندیل در تنور داشتن'** کہ حضرت انس کے ہاں صحابہ کرام کی دعوت تھی عین کھانے کے وقت کپڑے کا دستر خوان جب بچھانے لگے تو وہ میلا تھا آپ نے اپنی خادمہ کو حکم دیا کہ اسے جلتے ہوئے تنور میں ڈال دو مہمانوں نے تعجب کیا اور دھوآں نکلنے خوان جلنے کا انتظار کرنے لگے مگر دیکھا یہ کہ چند لمحوں کے بعد اسے آگ سے نکالا تو وہ بالکل محفوظ تھا البتہ اس کا میل کچیل جل چکا تھا۔ دستر خوان صاف ہو گیا تھا سب نے کہا۔

قوم گفتند اے صحابی عزیز چوں نہ سوزید و منقہ گشت نیز
گفت زانکہ مصطفےٰ دست و دہاں پس بما لید اندریں دستار خواں

انہوں نے پوچھا کہ اے صحابی رسول یہ جلا کیوں نہیں فرمایا ایک دفعہ حضور انور نے اس دستر خوان سے اپنا منہ و ہاتھ شریف پونچھ لئے تھے جب سے یہ آگ میں جلا نہیں کرتا فرماتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اے دل ترسندہ از نار عذاب باچناں دست و دہن کن انتساب
چوں جمادے راکند تشریف دار جان عاشق راچرا خواہد گشاد

اے دل اگر تجھے عذاب کی آگ سے ڈر لگتا ہے تو ان ہاتھوں اور ہونٹوں سے نسبت قائم کر جب ان کی نسبت نے کپڑے کو جلنے سے بچالیا تو عاشق رسول کو جلنے سے کیوں نہیں بچائے گی (روح البیان) اب پڑھو۔ **واتبعوہ لعلکم تھتدون۔**

وَمِنْ قَوْمِ مُوْسٰۤى اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَ بِهٖ یَعْدِلُوْنَ

اور حضرت موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو ہدایت دیتی ہے ساتھ سچائی کے اور اسکے ساتھ عدل کرتی ہے
اور موسیٰ کی قوم سے ایک گروہ ہے کہ حق کی راہ بتاتا اور اسی سے انصاف کرتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں سرکش بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا ذکر ہوا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی غیر موجودگی میں بچھڑا پرستی کی اور ساتھ جانے والوں نے سرکشی۔ حتیٰ کہ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا تھا **اتھلکنا بما فعل السفھاء منا** اب مطیع و فرمانبردار اسرائیلیوں کا ذکر ہے۔ جو حق پر قائم رہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا اور رب تعالیٰ کے جواب کا ذکر ہوا جس سے دھوکہ ہو سکتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی امت کو کسی قسم کی رحمت نہیں عطا ہوئی اب یہ وہم دفع فرمایا جا رہا ہے اور ارشاد ہو رہا ہے کہ قوم موسیٰ علیہ السلام کو بھی ایک اعلیٰ رحمت عطا ہوئی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے جواب میں ذکر ہوا کہ ہم اپنی رحمت آخری نبی کی امت کے لئے لکھیں گے اب ارشاد ہے کہ قوم موسوی میں بھی بعض لوگ امت محمدی بنے اور اس مذکورہ رحمت کے مستحق ہوئے گویا دعاء موسوی قبول ہوئی۔

تفسیر: ومن قوم موسی امتہ۔ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے قوم موسیٰ سے مراد آپ کی نسبی قوم یعنی اولاد یعقوب علیہ السلام (بنی اسرائیل) اس معنی سے حضرات انبیاء کرام نے اپنی کافر برادری کو یا قوم کہہ کر پکارا جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ امت کے معنی امت کی قسمیں ان قسموں کے احکام ہم پارہ **سیقول** میں **جعلنکم امتہ وسطا**" کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں امت سے کیا مراد ہے اس میں چند قول ہیں (1) اس سے مراد وہ بنی اسرائیل ہیں جو حضور انور پر ایمان لائے صحابی بن گئے جیسے حضرت عبد اللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کہ اگرچہ یہ لوگ چند ہی تھے مگر چند بلکہ ایک شخص کو بھی امت کہا جاسکتا ہے رب فرماتا ہے **ان ابرھیم کان امتہ قانتا** کہ وہاں ایک ذات یعنی ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمایا (کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے **من اھل الکتب امتہ قائمتہ یتلون ایت اللہ اناء الیل** (2) اس جماعت سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے وہ اسرائیلی ہیں جو صحیح معنی میں آپ کے مطیع

www.alahazratnetwork.org

و فرمانبردار رہے بچھڑا پرستی وغیرہ سے محفوظ رہے اس صورت میں **یھدون** اور **یعدلون** گزشتہ واقعہ کے بیان کے لئے ہے یہ حال بمعنی ماضی استمراری ہے یعنی **کانوا یھدون**۔ (3) موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد یوشع علیہ السلام آپ کے خلیفہ ہوئے اس زمانہ تک بنی اسرائیل کسی قدر ٹھیک رہے مگر یوشع علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کا حال بد تر ہو گیا۔ کفر قتل انبیاء وغیرہ ان کا عام شغل ہو گیا۔ چنانچہ ابن جریر وغیرہ نے ابن جریج سے روایت کی کہ بنی اسرائیل بارہ گروہ تھے جنہوں اسباط کہا جاتا تھا ان میں سے گیارہ تو بد ترین حالت میں گرفتار ہو گئے ایک گروہ نے جو حق پر قائم تھا بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ کہ مولیٰ ہم ان لوگوں سے بیزار ہیں ہم کو ان سے الگ کر دے حق تعالیٰ نے انہیں ایک غیبی طریقہ سے چین کے آخری حصہ میں پہنچا دیا اور فرمایا کہ تم یہاں الگ تھلگ آباد رہو حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ وہ جو آیتہ ہے **وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض فاذا جاء وعد الاخرۃ جئنا بکم لفیفا** وہاں زمین سے مراد یہی زمین چین ہے اور **وعد الاخرۃ** سے مراد قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول وہ قوم اب بھی چین کے ایک حصہ میں آباد ہے مگر مخلوق کی نگاہ سے پوشیدہ حضور انور معراج کی رات وہاں تشریف لے گئے انہیں اپنا کلمہ پڑھا کر مسلمان بنایا اور انہیں قرآنی آیات و اسلامی احکام سکھائے یہاں **امتہ** سے وہ لوگ مراد ہیں (روح المعانی) روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ) مگر یہ آخری قول کچھ ضعیف سا ہے پہلے دو قول قوی ہیں، بہر حال بنی اسرائیل میں ایک جماعت تھی یا ہے یا رہے گی جن کی صفت یہ ہے کہ **یھدون بالحق** یہ عبارت **امتہ** کی صفت ہے امت لفظاً" واحد ہے مگر معنی جمع اس لئے **یھدون** جمع ارشاد ہوا **یھدون** بنا ہے ہدایتہ سے ہدایت کے معنی اس کی قسمیں ان قسموں کے احکام ہم **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہاں اس کے معنی ہیں ہدایت دیتے ہیں لوگوں کو تبلیغ کرتے ہیں۔ جن سے مراد یا تو توریت شریف کے صحیح احکام ہیں۔ جن میں ترمیم تبدیل نہ کی گئی تب اس کے معنی ہوں گے ہدایت دیتے تھے کیونکہ اب توریت کے اصلی احکام بھی حق نہ رہے وہ منسوخ ہو گئے یا حق سے مراد احکام اسلامیہ ہیں تو **یھدون** کے معنی ہیں کہ لوگوں کو احکام اسلامیہ کی ہدایتہ دیتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ **بنا ہو ھدی** سے بمعنی طریقہ یعنی طریقہ حق اختیار کرتے ہیں **وبہ یعدلون** یہ عبارت معطوف ہے **یھدون** پر اور **امتہ** کی دوسری صفت **بہ** کا مرجع حق ہے اور اس کو **یعدلون** پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا **یعدلون** بنا ہے **عدل** یا **عدالت** سے بمعنی انصاف کرنا یعنی وہ آپس کے معاملات میں صرف حق یعنی احکام اسلامیہ سے عدل و انصاف کرتے ہیں شرعی فیصلے کرتے ہیں مقدمات میں کسی پر ظلم نہیں کرتے ان کی کچہری صحیح معنی میں عدالت ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس آیتہ کریمہ کی تین تفسیریں ہیں دو قوی اور ایک کچھ ضعیف ہم ان میں سے نہایت قوی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی ساری قوم گمراہ نہیں ہوئی بلکہ ان کی قوم یعنی بنی اسرائیل میں ایک جماعت ایسی ایمان والی بھی ہے۔ جو خود بھی حق یعنی سلام سے وابستہ ہے اور دوسروں کو بھی حق پر آنے حق پر رہنے کی ہدایت کرتی ہے یعنی ہادی اور مہدی ہے اس جماعت کے عقیدے اعمال عبادات معاملات اسلامی ہیں اور وہ جب کسی کا فیصلہ کرتے ہیں تو اسلام کے موافق کرتے ہیں جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور سارے وہ اسرائیلی جو حضور ﷺ پر ایمان لائے جناب کلیم اللہ کی اولاد ہیں اور جناب حبیب اللہ کے صحابی جانباز رضی اللہ عنہم موسیٰ علیہ السلام کی مذکورہ دعا کا ظہور ان کے

www.alahazratnetwork.org

حق میں ہو احدیث شریف میں ہے کہ تین شخصوں کو دوہرا ثواب ملتا ہے ایک وہ اہل کتاب جو پہلے اپنے نبی پر ایمان رکھتا ہو پھر مجھ پر ایمان لائے دوسرا وہ غلام جو اپنے مولی کی خدمت بھی کرے اور اپنے رب کی عبادت بھی تیسرے وہ جو اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس کو دینی تعلیم دے پھر اس سے نکاح کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مشرکین و کفار مومن کے نسبی ملکی ہم قوم ہو سکتے ہیں ہاں دینی قوم صرف مومن ہی ہوں گے یہ فائدہ **ومن قوم موسی** سے حاصل ہوا کہ رب تعالٰی نے کافر اسرائیلیوں کو موسی علیہ السلام کی قوم فرمایا۔ **دوسرا فائدہ**: ایک چھوٹی جماعت بلکہ ایک دو شخصوں کو بھی امت کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ **امتہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی مراد ہوں قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو امت فرمایا **ان ابرھیم کان امتہ قانتا للہ**۔ **تیسرا فائدہ**: کامیابی کے لئے دو چیزیں چاہئیں خود حق پر رہنا اور دوسروں کو حق پر رکھنا جو صرف اپنی اصلاح کرے اپنے ماتحتوں عزیزوں قوم کی ہدایت کی پرواہ نہ کرے وہ پورا کامیاب نہیں یہ فائدہ **یعدلون** فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ امت محمدیہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ ساری کی ساری گمراہ نہیں ہو گی اس میں ایک فرقہ حق پر رہے گا مگر اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل بھی سارے گمراہ نہ ہوئے ان میں ایک جماعت حق پر قائم رہی یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب**: بنی اسرائیل موسوی رہ کر ہدایت پر قائم نہیں رہے کہ وہ دین منسوخ ہو گیا ان میں سے جو حق پر قائم رہے وہ ہی تھے جو حضور ﷺ پر ایمان لائے امت محمدیہ کی یہ خصوصیت ہے کہ ان میں ایک جماعت محمدی رہتے ہوئے حق پر ہوں گے کہ دین منسوخ نہیں لہٰذا آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں اور اگر اس آیت کے معنی یہ ہوں کہ موسی علیہ السلام کے زمانہ میں اسرائیلیوں کی ایک جماعت حق پر تھی تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں کہ ان کی ہدایت ایک خاص وقت میں تھی حضور کی امت کا ہدایت پر رہنا تا قیامت ہے۔ **دوسرا اعتراض**: اگر یہاں امت سے مراد موسی علیہ السلام کے زمانہ کے اسرائیلی ہوں تو **یھدون** اور **یعدلون** حال کا صیغہ کیونکر درست ہو گا پھر تو یہ دونوں صیغے ماضی چاہئے تھے کیونکہ یہ واقعہ گزرے ہوئے زمانہ کا ہے۔ **جواب**: عربی میں قاعدہ ہے کہ آئندہ کی یقینی خبروں کو ماضی سے تعبیر کر دیا جاتا ہے یوں ہی گزشتہ واقعہ کا دوام بتانے کے لئے اسے حال سے تعبیر فرمایا جاتا ہے اس قاعدے سے یہاں حال کا صیغہ ارشاد ہوا ہماری اردو میں بھی گزشتہ واقعہ سامنے لانے کے لئے اسے حال سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اگر یہاں امت سے مراد وہ اسرائیلی ہیں جو چین کے کنارے بسا دیئے گئے ہیں اور وہ قیامت تک رہیں گے تب یہ کیسے درست ہو سکتا ہے آج ہوائی جہازوں کے ذریعہ انسان نے زمین کا گوشہ گوشہ چھان مارا بلکہ چاند میں پہنچ کر اسے کھود کر وہاں کی مٹی پتھر لے آیا مگر ان لوگوں کا کہیں پتہ نہیں معلوم ہوا کہ یہ بات محض من گھڑت ہے اس علاقہ میں کوئی قوم نہیں۔ **جواب**: یہ بات محض غلط ہے کہ جو چیز سائنس کے ذریعے نظر نہ آوے وہ ہے ہی نہیں۔ اصحاب کہف، سکندری دیوار۔ اس کے پیچھے قوم یاجوج ماجوج کی آبادی۔ اسی زمین پر موجود ہیں مگر آج تک کسی سائنس نے انہیں نہیں دیکھا بلکہ ہوا۔ روح۔ موجود ہے کہیں نہیں دیکھی گئی بلکہ ہوا اور پانی میں

www.alahazratnetwork.org

ایسے باریک کیڑے (جراثیم) ہیں جو خوردبین سے بھی نہیں دیکھے جاتے انسان کی ریڑھ کی ہڈی میں ایسے باریک اجزا ہیں جو کسی طرح نظر نہیں آتے وہ نہ گلتے سڑتے جلتے ہیں نہ ان میں فرق ہو جنہیں عجب الذنب کہا جاتا ہے جن پر قیامت میں اجسام بنائے جائیں گے یہ سب چیزیں ابھی تک سائنس کے ذریعہ دیکھی نہ جاسکیں چیونٹی کی آواز ہے وہ بولتی ہے مگر کسی آلہ سے نہیں سنی گئی جن کے ہونے کی اللہ رسول نے خبر دی وہ ہیں اور ضرور ہیں اگرچہ ہم کو نظر نہ آویں۔ **چوتھا اعتراض:** اگر یہاں امت سے مراد چین میں رہنے والے اسرائیلی ہیں تو ان پر حضور علیہ السلام معراج کی رات میں صرف ایک بار گزرے۔ جس وقت کوئی شرعی حکم نہ آیا تھا کچھ آیات قرآنیہ آئی تھیں پھر نہ وہاں حضور انور تشریف لے گئے نہ آپ کی طرف سے کوئی مبلغ پہنچا تو وہ لوگ اسلامی احکام نماز، روزہ، زکوٰۃ، قربانی وغیرہ پر عمل کیسے کرتے ہیں کیا انہیں یہ سب کچھ معاف ہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر روح البیان نے یہ دیا ہے کہ حضور انور کو جسمانی معراج صرف ایک بار عطا ہوئی مگر روحانی معراج بارہا عطا ہوئی اور حضور انور روحانی طور پر ان کے پاس بارہا تشریف لے گئے انہیں احکام شرعیہ کی تبلیغ فرماتے رہے بلکہ حضور کا جسم اقدس ایک لمحہ میں وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک آپ کی نظر پہنچے حضور کے لئے نزدیک اور دور یکساں ہیں حضور کا فیض ہر جگہ ہر وقت ہے وہ لوگ بھی اس فیض سے محروم نہیں اب ان میں علماء، اولیاء صالحین سب ہیں وہاں اسلام کا آفتاب اپنی پوری طاقت سے چمک رہا ہے (روح البیان) بلکہ اگر غور کیا جاوے تو اب بھی ظاہری ہدایت قرآن و حدیث، علماء دین سے ہم کو ملتی ہے مگر جنانی اور دلی ہدایت حضور انور سے براہ راست نصیب ہوتی ہے بارہا کا تجربہ ہے کہ ہم کسی مسئلہ میں اٹک جائیں مسئلہ کتابوں سے حل نہ ہو تو حضور انور خواب میں یا الہام سے یا اور ذریعوں سے بتا سمجھا دیتے ہیں۔ حضور انور کی پہنچ ہر جگہ ہر وقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: موسیٰ علیہ السلام کی قوم کی انتہائی ترقی یہ تھی کہ وہ حق یعنی توریت کے الفاظ و معانی و احکام کی لوگوں کو ہدایت کریں اور اس توریت کے ذریعہ مقدمات کے فیصلے وغیرہ کیا کریں مگر یہ مقام امت محمدیہ کی ابتدائی منزلوں میں سے ہے ان کا انتہائی مقام یہ ہے کہ حضور انور کی ذات والاصفات میں اپنی انا کو فنا کر ڈالیں اور ان کا حال یہ ہو جاوے کہ **کنت انا سمعو بصر و لسانہ فبی یسمع و بی یبصر و بی ینطق** کہ اللہ اس فنافی الرسول بندے کے کان، آنکھیں اور زبان بن جاوے پھر بندہ اللہ کی طاقت سے دیکھے سنے اور بولے اس مقام پر سوا اسی امت امین کے اور کوئی نہ پہنچا دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے رب کے دیدار کا شوق کیا مگر پورا نہ کیا گیا کہ وہ ابھی **فنافی الذات** کے درجہ پر نہ تھے فرمایا گیا کہ اے موسیٰ تم مجھ کو اپنے سے دیکھنا چاہتے ہو یہ نہ ہو سکے گا مجھے وہ دیکھے گا جو مجھ کو مجھ سے میرے لئے دیکھے۔ جس کا حال یہ ہو کہ۔

وہی ہے اول وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اسی کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے

اسی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام نے آرزو کی تھی کہ مولیٰ مجھے محمد مصطفیٰ کی امت میں سے کر دے تمنا کیوں کی یار کے دیدار کے شوق میں۔ مولانا اسمٰعیل حقی صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

مصطفیٰ را انبیاء امت شدند جملہ در زہر بودے او برند!
پایہ ایں امت مرحومہ بیں کے بقاو بین ارباب یقیں!

www.alahazratnetwork.org

رفتش بین الامم چوں آفتاب درمیان انجم اے عالی جناب
پیشہ کن اے حقی شرع ایں نبی تانہ باشد فوت از مطلبی

(روح البیان)

وَقَطَّعْنٰهُمُ اثْنَتَیْ عَشْرَةَ اَسْبَاطًا اُمَمًا ؕ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰی مُوْسٰۤی اِذِ
اور کاٹ دیا ہم نے ان کو بارہ جماعتوں میں اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کے جبکہ
اور ہم نے انہیں بانٹ دیا بارہ قبیلے گروہ گروہ اور ہم نے وحی بھیجی موسیٰ کو جب اس

اسْتَسْقٰىهُ قَوْمُهٗۤ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۚ فَانْۢبَجَسَتْ
پانی مانگا ان سے قوم نے ان کی یہ کہ مارو ساتھ لاٹھی اپنے کے پتھر کو پس پھوٹ پڑے
سے اس کی قوم نے پانی مانگا کہ اسی پتھر پر اپنا عصا مارو اس میں سے بارہ

مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ وَ ظَلَّلْنَا
اس سے بارہ چشمے بیشک جان لیا ہر جماعت نے اپنے پینے کی جگہ کو اور سایہ کیا ہم
چشمے پھوٹ نکلے ہر گروہ نے اپنا گھاٹ پہچان لیا اور ہم نے ان پر ابر کا سائبان کیا اور

عَلَیْهِمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَیْهِمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰی ؕ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ
نے اوپر ان کے ساتھ بادل کے اور اتارا ہم نے اوپر ان کے من اور سلویٰ کھاؤ تم لوگ ان پاکیزہ
ان پر من و سلویٰ اتارا کھاؤ ہماری دی ہوئی پاک چیزیں اور انہوں

مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ (۱۶۰)
چیزوں میں سے جو روزی دی ہم نے تم کو اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے
نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا لیکن اپنی ہی جانوں کا برا کرتے تھے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بنی اسرائیل میں ایک جماعت حق پر قائم رہی اب ارشاد ہے کہ ان کی باقی جماعتیں سرکش تھیں گویا ایک جماعت کی ہدایت 'عدالت کے بیان کے بعد بقیہ کی سرکشی 'گمراہی کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موسیٰ علیہ السلام کی ایک خاص دعا کا ذکر ہوا اور ساتھ کچھ ترمیم کے ساتھ اس کی قبولیت کا تذکرہ ہوا اب اس ترمیم کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ لوگ سخت سرکش تھے ان رحمتوں کے لائق امت محمدیہ ہے جو اطاعت شعار 'وفادار ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کی سرکشیوں کا ذکر ہوا اب ان پر جو گرفت کی گئی ان کا بھی ذکر ہے اور اس گرفت میں جو کرم ان کے شامل حال رہے ان کا بھی تذکرہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: وقطعنهم اثنتی عشرۃ اسباطا" امما" یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واو ابتدائیہ ہے۔ **قطعنا** بنا ہے **تقطیع** سے جس کا مادہ ہے **قطع** بمعنی ٹکڑا لہٰذا **تقطیع** کے معنی ہیں ٹکڑے ٹکڑے کرویا متفرق گروہوں میں بانٹ دینا اگر بمعنی **صیرنا** ہے تو اس کے دو مفعول ہیں پہلا **ھم** ہے دوسرا **اثنتی عشرۃ** یعنی ہم نے ان کو بنادیا بارہ گروہ اور اگر اپنے ہی معنی میں ہے تو ایک ہی مفعول ہے یعنی **ھم** اور **اثنتی عشر' ھم** کا حال ہے اور **اسباطا اثنتی عشرۃ** کا بدل اور امم اسباط کا بدل یہ ترکیب یاد رہے اس ترکیب سے آیتہ پر کوئی اعتراض نہیں کر سکتا۔ خیال رہے کہ **ھم** کا مرجع قوم موسیٰ ہے نہ کہ **امتہ** کیونکہ یہ بانٹ و تقسیم ساری قوم کی تھی نہ کہ صرف فرمانبردار جماعت کی چونکہ قوم معنی جمع ہے اس لئے **ھم** ضمیر جمع ارشاد ہوئی۔ خیال رہے کہ اسباطا" **اثنتی عشرۃ** کی تمیز نہیں ورنہ جمع نہ آتی سبطا" واحد آتی۔ کیونکہ گیارہ سے انیس تک کی تمیز واحد آتی ہے بلکہ اس کا حال ہے۔ اسباط جمع ہے سبط کی۔ بمعنی پوتی پوتے اس کے ہم معنی ہے حفید۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ بیٹے کی اولاد حفید ہے بیٹی کی اولاد سبط (صاوی) یعنی ہم نے قوم موسیٰ کو بارہ قبیلوں میں بانٹ دیا بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے تھے آپ کے بارہ بیٹے تھے ہر بیٹے کی اولاد کو سبط کہا جاتا تھا لہٰذا آپ کی اولاد بارہ اسباط یعنی بارہ خاندان ہوئی ان خاندانوں کی تقسیم غرق فرعون کے بعد ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ہو گئی ہو کیونکہ بنی اسرائیل غرق فرعون کے وقت چھ لاکھ سے بھی زیادہ تھے یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ اسباطا" لفظا" جمع ہے مگر معنی واحد کیونکہ بہت سے سبط مل کر ایک قبیلہ ہوتا ہے لہٰذا یہ **اثنتی عشرۃ** کی تمیز ہو گیا۔ اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ بنی اسرائیل ایسے سرکش تھے جو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ بھی جمع نہ ہوئے ان میں نسبی فرق باقی ہی رہا۔ یا یہ مطلب ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کو ان کی سرکشی کی وجہ سے بارہ فرقوں میں بانٹ دیا۔ ان میں عداوت ڈال دی اس کی تفسیر وہ آیت کرتی ہے۔ **والقینا بینھم العداوۃ والبغضاء الی یوم القیمتہ۔ واوحینا الی موسی اذ استسقہ** یہ واقعہ سورہ بقر میں تفصیل سے گزر چکا ہے وہاں ہی اس کی تفسیر بہت تفصیل سے کر دی گئی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو قوم جبارین سے جہاد کرنے کا حکم دیا اور بارہ آدمیوں کو بیت المقدس بھیجا کہ جاسوسی کر کے اس قوم کے حالات دیکھ کر آئیں مگر انہیں تاکید کی کہ جو کچھ دیکھیں وہ صرف ہم سے کہیں عام اعلان نہ کریں سواء دو صاحبوں یعنی حضرت یوشع اور کالب کے باقی نے جبارین کی شہ زوری کا اعلان کر دیا جس سے اسرائیلی بزدل ہو گئے اور جہاد سے انکار کر دیا۔ اس پر یہ لوگ ایک میدان میں قید کر دیئے گئے اس میدان کا نام **تیہ** ہے چالیس سال یہ لوگ وہاں قید رہے جب یہ اس میدان میں گھرے تو موسیٰ علیہ السلام سے لوگوں نے بھوک پیاس کی شکایت کی۔ آپ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تب آپ کو یہ حکم دیا گیا۔ قوم سے مراد یہ ہی اسرائیلی ہیں جو میدان **تیہ** میں قید ہوئے تھے ظاہر یہ ہے کہ وحی سے مراد شرعی وحی ہے جو بذریعہ فرشتہ آپ کو کی گئی اور ہو سکتا ہے کہ وحی بمعنی الہام یعنی دل میں ڈالنا ہو یعنی جب موسیٰ علیہ السلام سے اسرائیلیوں نے پانی مانگا پینے نہانے وغیرہ کے لئے تو ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی۔ خیال رہے کہ عصا کے متعلق موسیٰ علیہ السلام کو وحی تین بار تین جگہ کی گئی پہلے تو وادی سینا میں عطاء نبوت کے وقت کہ اسے پھینکو' سانپ بنانے کے لئے۔ دوسری بار جادوگروں سے مقابلہ کے وقت میدان مقابلہ میں کہ پھینکو یہ تمام جعلی سانپوں کو کھا جاوے گا۔ تیسرے اس جگہ کہ پتھر کو اس سے مارو پانی نکالنے کے لئے۔ غرضکہ دست موسوی اور عصا تو وہ ہی ایک تھا مگر نیت و ارادے میں فرق تھا

www.alahazratnetwork.org

سانپ بنانے کے ارادے سے پھینکتے تو سانپ بنتا سانپوں کے نگلنے کی نیت سے پھینکتے تو نگل جاتا پانی نکالنے کے لئے مارا تو پانی نکلا ہمارے حضور نے انگلی کا اشارہ چاند پھاڑنے کے لئے کیا تو وہ پھٹ گیا۔ درختوں کو بلانے کے لئے کیا تو وہ آ گئے پھر اسی انگلی سے اشارہ چاند جوڑنے درختوں کو واپس کرنے کے لئے کیا تو اس طرح ہوا اصل چیز ارادہ نبی ہے۔ **ان اضرب بعصاک الحجر** یہ عبارت مفعول ہے **او حینا** کا اس کی تفسیر بھی سورہ بقر میں ہو چکی ہے کہ موسی علیہ السلام کی لاٹھی اصل میں جنتی اس درخت کی تھی جسے آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لائے تھے۔ یہ عصا حضرات انبیاء کرام میں منتقل ہوتا ہوا آتا رہا حتی کہ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس پہنچا آپ نے جب بکریاں چرانے کی خدمت موسی علیہ السلام کے سپرد کی تو یہ عصا آپ کو دیا اس عصا شریف کی پوری تاریخ سورہ بقر میں ملاحظہ کرو پتھر کے متعلق بہت گفتگو ہے کہ کون سا تھا بعض نے فرمایا کہ وہی تھا جو موسی علیہ السلام کے کپڑے لے کر بھاگا تھا یہ انسان کے سر کے برابر تھا چوکور تھا مرمر تھا **واللہ اعلم** (صاوی۔ روح) یعنی ہم نے موسی علیہ السلام کو وحی کی کہ اپنے عصا سے اس پتھر کو مارو آپ نے مارا اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ پتھر میں احساس تھا وہ موسی علیہ السلام کے ارادے اور نیت کو جانتا تھا اسے مارنا ایسا تھا جیسے آقا کا اپنے غلام کو کسی کام کو حکم دینا اس لئے یہ نہ فرمایا کہ لاٹھی کو پتھر پر مارو بلکہ فرمایا کہ پتھر کو لاٹھی سے مارو۔ **فانبجست منہ اثنتا عشرۃ عینا** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **فضرب بھا** الذاف جزائیہ ہے **انبجاس** کا مادہ **بجس** ہے۔ بمعنی پھوٹنا۔ بہنا۔ خیال رہے کہ سورہ بقر میں ہے **فانفجرت انفجار اور انبجاس** دونوں ہم معنی ہیں مگر بعض اہل لغت نے فرمایا کہ ایجاس ہلکا معمولی طور سے بہنا اور انفجار شراٹے سے بہنا چونکہ پتھر سے یہ چشمے معمولی طور سے بہتے ہوئے نکلتے تھے آگے چل کر نہر کی شکل اختیار کر لیتے تھے، خوب بہتے تھے اس لئے دونوں لفظیں درست ہیں۔ (روح المعانی) **منہ** میں **من** ابتدائیہ ہے **ہ** ضمیر پتھر کی طرف ہے یعنی عصا مارتے ہی پتھر سے بارہ چشمے بہ نکلے ان بارہ چشموں کے رخ الگ الگ سمت میں تھے تاکہ ہر قبیلہ اپنی نہر سے پانی لے چنانچہ ارشاد ہے **قد علم کل اناس مشربھم** یہ عبارت بیان ہے بارہ چشموں کا **اناس** جمع ہے **ناس** کی مشرب۔ بمعنی گھاٹ ہے۔ یعنی پانی پینے پانی لینے کی جگہ چونکہ بنی اسرائیل کے ہر قبیلہ میں بہت آدمی تھے اس لئے **اناس** فرمایا یعنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلہ نے اپنا گھاٹ جان پہچان لیا تھا کہ ہر قبیلہ اپنے ہی گھاٹ پر جاتا تھا دوسرے قبیلہ کی گھاٹ پر نہ جاتا تھا کیونکہ وہ آپس میں بہت لڑتے جھگڑتے تھے۔ دو قبیلے ایک ساتھ کھا پی نہیں سکتے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر قبیلہ نے اپنے لئے کنواں کھودا ہوا تھا جس میں اس چشمے کا پانی جمع ہوتا تھا یہ لوگ اپنے ہی کنوئیں سے پانی لیتے تھے۔ **وظللنا علیھم الغمام** یہ رب تعالیٰ کی دوسری نعمت کا ذکر ہے جو اسرائیلیوں کو میدان **تیہ** میں عطا کی گئی کہ دن میں ان پر ہلکا بادل سایہ کئے رہتا تھا تاکہ دھوپ سے جل نہ جائیں رات کو ان پر ایک نورانی ستون نازل ہوتا تھا جس کی روشنی میں یہ لوگ رات میں کام کاج کرتے تھے۔ **غمام** عموماً ہلکے سفید بادل کو کہتے ہیں جس سے بارش تو نہ ہو مگر سایہ ہو اس لئے یہاں سحاب ارشاد نہ ہوا غمام فرمایا گیا (از روح البیان) **وانزلنا علیھم المن والسلوی** یہ اس تیسری نعمت کا ذکر ہے جو انہیں میدان **تیہ** میں عطا ہوئی یعنی ان کی غذا کا انتظام فرمانا اس کی تفسیر سورہ بقر پارہ **الم** میں گزر چکی کہ **من** ایک لذیذ حلوہ تھا جو رات کو شبنم کی طرح برس جاتا تھا۔ صبح کو یہ سارے میدان میں اسے جما ہوا پاتے تھے اسے کھرچ کر اٹھاتے کھاتے تھے **سلوی** ایک خاص چڑیا تھی جسے سمانی کہا جاتا ہے جو

www.alahazratnetwork.org

عام چڑیوں سے بڑی اور کبوتر سے چھوٹی ہوتی ہے چونکہ انسان اس کے گوشت کے ہوتے دوسرے گوشت کی طرف رغبت نہیں کرتا یہ گوشت بہت ہی لذیذ ہوتا ہے **الانسان یمیل بہ من سائر الادام۔ سلو** معنی بے نیازی بے پرواہی (روح البیان) بہرحال اسیر، میٹھا حلوہ اور نمکین کباب اعلیٰ درجے کے مل جاتے تھے۔ اچھا خاصہ گذارہ ہوتا تھا یہ کھانا نہ قبض کرتا تھا نہ دست آور تھا نہ اور کوئی بیماری پیدا کرتا تھا۔ اس کے حاصل کرنے میں کوئی مشقت ہوتی تھی غرضکہ عجیب نعمت تھی بلکہ اسے **من** اس لئے کہتے تھے کہ یہ بطور احسان بغیر تکلیف مل جاتا تھا ادھر رب کی طرف سے اعلان تھا کہ **کلوا من طیبت مارزقنکم** اس کی تفسیر بھی سورہ بقر میں کی جاچکی ہے یہاں چند باتیں سمجھ لو ایک یہ کہ رب نے ان لوگوں کو صرف کھالینے کی اجازت دی تھی اسے جمع کرنا کل کے لئے اٹھا رکھنا ممنوع تھا ہر دن نیا روز تھانئی روزی۔ اسی لئے **کلوا** فرمایا۔ دوسرے یہ کہ یہ دونوں چیزیں اللہ کی لذیذ مزےدار رزق میں سے تھیں کڑواہٹ ترشی ہیکاپن نام کو نہ تھا اچھی خوشبو اچھا رنگ اچھا مزہ اس لئے **من طیبات** ارشاد ہوا۔ تیسرے یہ کہ یہ دونوں چیزیں ان لوگوں کے لئے حلال تھیں ان میں حرمت کا شائبہ نہ تھا چوتھے یہ کہ یہ دونوں چیزیں کسی طرح نقصان دہ نہ تھیں ہر مزاج والے کو موافق تھیں جیسے پانی جو ہر بلغمی 'سوداوی' صفراوی' گرمی' سردی والے مزاج والوں کو موافق ہے۔ ان وجوہ سے فرمایا گیا **مارزقنکم** بہرحال **من** اور **سلوی** ان کے لئے بڑی نعمت تھی **وما ظلمونا** ان اسرائیلیوں نے **من و سلوی** جیسی نعمت کی قدر نہ کی بجائے شکریہ ادا کرنے کے کفران نعمت کیا کہ پہلے تو اسے بچا کر کل کے لئے رکھا جس سے وہ خراب' بدبودار ہو گیا پھر موسیٰ علیہ السلام سے شکایت کرنے لگے کہ **لن نصبر علی طعام واحد** ہم ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکیں گے ان حرکتوں سے انہوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا **و لکن کانوا انفسھم یظلمون** انہوں نے خود اپنی جانوں پر ہی ظلم کیا کہ ان کی حرکتوں سے **من و سلوی** بند ہوا۔ رب تعالیٰ کا ان پر عتاب ہوا تا قیامت دنیا میں ان پر پھٹکار پڑی یہاں روح البیان نے فرمایا کہ تمام کھانوں کا آخرت میں حساب ہو گا مگر من وسلوی کا کوئی حساب اخروی نہ تھا اسی اعلیٰ نعمت کی ناشکری کر کے انہوں نے اپنا ایک نقصان نہیں بہت سے نقصان کر لئے ان تمام کی تفسیر پہلے پارہ میں ہو چکی ہے۔

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ نے اس آیتہ کریمہ میں بنی اسرائیل کے ایک بہت پرانے واقعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ جس سے ان پر اللہ تعالیٰ کی متواتر مہربانیاں ظاہر ہو رہی ہیں اور ان کی مسلسل نافرمانیاں۔ اس کا مقصد حضور نبی کریم ﷺ کو تسکین دینا ہے کہ موجودہ اسرائیلیوں کی ریشہ دوانیوں' مخالفتوں سے ملول نہ ہوں ان کا دستور تو ہمیشہ سے یہ ہی رہا ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد ہیں اس لئے انہیں بارہ قبیلے کر دیا گیا تھا ہر بیٹے کی اولاد ایک قبیلہ یہ لوگ ایک سنگین جرم کی بنا پر ایک لق و دق جنگل **تیہ** میں چالیس سال کے لئے قید کر دیئے گئے کہ وہاں سے نکلنے کے لاکھ جتن کئے مگر نہ نکل سکے دن بھر جہاں سے نکلتے اور چلتے رہتے شام کو وہاں ہی ہوتے تھے وہاں ان کو کھانا پانی سایہ کی سخت ضرورت پیش آئی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کی موسیٰ علیہ السلام نے ہم سے عرض کیا تو ہم نے حضرت کلیم سے فرمایا کہ فلاں پتھر میں اپنا عصا مارو آپ نے عصا مارا اس سے فوراً" پانی کے بارہ چشمے پھوٹ پڑے جو الگ الگ نالیوں کی شکل میں بہنے لگے۔ ہر قبیلہ کے لئے ایک نالہ مقرر کر دیا گیا۔ ہر قبیلہ نے اپنے نالہ سے پانی لینا شروع کر دیا کیونکہ وہ اگر ایک نہر سے پانی لیتے تو آپس میں لڑ پڑتے

www.alahazratnetwork.org

اس کے علاوہ ہم نے دن میں ان پر ہلکا سفید بادل مقرر فرمادیا جو برستا نہ تھا مگر انہیں دھوپ سے محفوظ رکھتا تھا اگر یہ بادل مقرر نہ ہوتا تو یہ لوگ وہاں بھن جاتے اس کے علاوہ ہم نے ان کی غذا کے لئے نہایت لذیذ میٹھا حلوہ **من** اور نمکین لذیذ کباب **سلوی** عطا فرمایا اور ان سے فرمادیا کہ یہ ہماری پاکیزہ حلال مزے دار بے ضرر روزی ہے اسے بے روک ٹوک کھاتے رہو نہ یہ نقصان کرے گی نہ ختم ہوگی مگر صرف کھانا کل کے لئے نہ بچانا کہ یہ توکل کے خلاف ہے۔ مگر وہ وہاں بھی نافرمانی سے باز نہ آئے چوری چوری بچاکر رکھنے لگے انہوں نے اس حرکت سے ہمارا تو کچھ نہ بگاڑا اپنا ہی نقصان کرلیا کہ وہ اس نعمت سے محروم ہوگئے ہمارے عذاب میں گرفتار بھی اور ان پر لعنت پائیدار بھی پڑی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے انسان کو مختلف ذریعوں سے الگ الگ جماعتوں میں تقسیم فرمادیا ہے۔ زبان 'ملک' پیشہ 'نسب ان سب میں سے نسب سب سے مقدم ہے۔ جس نے انسان کو مختلف قبیلوں میں بانٹ دیا۔ یہ فائدہ **قطعناھم** سے حاصل ہوا اس کی تائید وہ آیت فرمارہی ہے **وجعلنا کم شعوبا" و قبائل لتعارفوا** جیسے آباد زمین کو مختلف ملکوں شہروں پھر شہروں کو مختلف محلوں کوچوں میں تقسیم فرمایا ہے ایسے ہی انسان کو تقسیم فرمایا گیا ہے۔ ان بکھرے ہوئے انسانوں کو صرف نبی کی اتباع جمع کرسکتی ہے نبی وہ ذات ہے جو انسانوں کی تمام تفریقیں دور کردیتی ہے **واعتصموا بحبل اللہ جمیعا** یہ فائدہ **قطعناھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: کبھی انسانوں کے گناہ ان کی بدکاریوں کی وجہ سے ان میں بغض و عداوت پیدا ہوجاتے ہیں یہ بھی اللہ کا عذاب ہے قوم کا اتفاق **اللہ** کی رحمت ہے یہ فائدہ **قطعنا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کی نعمتیں اللہ کے مقبول بندوں سے مانگنا درست ہے اور ان بندوں سے دعا کرانا کہ خود ان سے کہیں وہ رب سے۔ میری تیرے آگے تیری رب کے آگے یہ سب کچھ بڑی پرانی سنت ہے یہ فائدہ **استسقہ قومہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو پانی اللہ کا رزق ہے مگر بنی اسرائیل نے مانگا موسیٰ علیہ السلام سے رب تعالیٰ نے اسے شرک نہ کہا بلکہ اسے غیبی طریقہ سے پانی دیا۔ **چوتھا فائدہ**: اگرچہ **اللہ تعالیٰ** اس پر قادر ہے کہ ہر چیز بندوں کو بلا واسطہ خود ہی دے دے مگر اس کا قانون یہ ہے کہ بندوں کے توسل ان کے وسیلہ و سبب سے دے دیکھو اس موقعہ پر اسرائیلوں کو پانی خود نہ دیا بلکہ حضرت موسیٰ کے ہاتھ آپ کے عصا اور پتھر کا واسطہ درمیان میں رکھا کہ ہاتھ اور عصا کلیم اللہ کا ہو پتھر بھی خاص ہو ان ذریعوں سے انہیں رب کا پانی ملے۔ اس سے وسیلہ اولیاء کا مسئلہ حل ہوگیا۔ جناب ایوب علیہ السلام کو شفاء دی تو خود ان کے پاؤں کے ذریعہ پیدا شدہ پانی سے جناب مریم کی زچگی کی مشکل حل فرمائی تو انہیں کا ہاتھ خشک کھجور سے لگوایا اس سے درخت کو سبز کیا اس میں پھل لگائے وہ انہیں کھلائے۔ **پانچواں اعتراض**: عصا موسوی صرف ایک معجزہ نہ تھا بلکہ بہت سے معجزات کا مجموعہ تھا وقت پڑنے پر سانپ بن جاتا تھا۔ رات کو بیڑی کی طرح روشنی دیتا تھا۔ ضرورت کے وقت رسی ڈول کا کام دیتا تھا اور اس موقعہ پر پتھر سے پانی نکالنے کا ذریعہ بنا۔ ہمارے حضور کے منہ شریف کا لعاب دکھتی آنکھ کا سرمہ تھا کھاری کنوئیں میٹھے کردیتا تھا۔ ٹوٹی ہڈی کو جوڑنے والا سریش تھا۔ **چھٹا فائدہ**: بنی اسرائیل پہلے سے فسادی اور جھگڑالو ہیں دیکھو یہ لوگ ایک دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد تھے مگر اس کے باوجود ایک جگہ سے پانی نہیں لے سکتے تھے کہ پانی پر جمع ہونے سے کشت و خون کرتے یہ فائدہ **قد علم کل اناس مشربھم** سے حاصل ہوا کہ ان کے بارہ قبیلوں کے لئے بارہ چشمے

www.alahazratnetwork.org

جاری کئے گئے ہر قبیلہ کا الگ چشمہ حضور انور نے بالکل اجنبیوں کو ماں جایا بھائی بنا دیا۔

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ جو ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کے میٹ دیئے تری فہم و ذکا کا کیا کہنا

ساتواں فائدہ: اکثر اللہ تعالیٰ کے عتاب میں بھی رحم و کرم شامل ہوتا ہے دیکھو بنی اسرائیل میدان **تیہ** میں بطور عتاب قید کئے گئے تھے مگر اس میدان میں ان کے لئے کھانے 'پانی' روشنی 'سایہ کا ایسا اعلیٰ انتظام فرمایا گیا کہ سبحان اللہ یہ فائدہ **وانزلنا علیهم المن** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ کی نافرمانی کی نحوست سے اکثر نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ دیکھو اسرائیلیوں نے حکم الٰہی نہ مانا **من و سلوی** کل کے لئے بچایا تو اس کا آنا بند ہو گیا یہ فائدہ **انفسهم یظلمون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے معجزات حضور انور کے معجزات سے افضل تھے۔ دیکھو ہمارے حضور کی لاٹھی سے کبھی پانی کے چشمے نہ نکلے عصا موسوی نے یہ کرشمہ کر کے دکھا دیا (بعض نیچری)۔ **جواب**: عصا موسوی نے پتھر سے پانی نکالا پتھروں سے پانی نکلا کرتا ہے ہمارے حضور نے اپنی انگلیوں سے پانی نکالا اور لعاب شریف ہانڈی میں پڑا تو اس میں گوشت 'شوربے وغیرہ کے چشمے پھوٹ پڑے اعلیٰ حضرت نے خوب کہا۔

عصاء کلیم اژدہائے غضب تھا گروں کا سہارا عصاء محمد

دوسرا اعتراض: یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ زمین **تیہ** میں شبنم جم کر حلوہ بن جائے۔ یہ آیت عقل کے خلاف ہے۔ **جواب**: جو رب سیپ میں بارش کا قطرہ جما کر موتی بنا سکتا ہے۔ ماں کے رحم میں منی کا قطرہ جما کر انسان بنا سکتا ہے وہ رب میدان تیہ میں شبنم جما کر حلوہ بھی بنا سکتا ہے اللہ کی قدرتوں کا انکار عقل کے خلاف ہے۔ **تیسرا اعتراض**: بنی اسرائیل اس چالیس سال کے عرصہ میں پہنتے کیا تھے کھانے کے لئے تو **من سلوی** اترا پہننے کے لئے کپڑے کہاں سے برستے تھے۔ **جواب**: ہم اس کی تحقیق پہلے پارے میں کر چکے ہیں کہ یہ اسرائیلی جو لباس پہنے ہوئے **تیہ** میں قید ہوئے تھے وہ ہی لباس ان کے جسم پر چالیس سال تک رہا نہ پھٹا نہ میلا ہوا اور جو ان کے بچے اس دوران میں پیدا ہوئے وہ قدرتی لباس میں پیدا ہوئے اور کھال کی طرح وہ لباس بھی جسم بڑھنے کے ساتھ بڑھتا تھا یہ مکمل بحث وہاں ہی ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض**: اگر قوم کا اختلاف لڑائی جھگڑے اللہ کا عذاب ہے تو اس عذاب میں حضور انور کے صحابہ بھی مبتلا تھے کہ ان کی آپس میں بہت جنگیں ہوئیں۔ **جواب**: صحابہ کرام کی لڑائیاں نفسانی یا خاندانی یا نسلی نہ تھیں وہ بھی اللہ کے لئے تھیں ہر فریق کا خیال تھا کہ دوسرا فریق اسلامی قانون کے خلاف ہے نفسانی خاندانی جنگیں عذاب ہیں اللہ کے لئے لڑنا بھڑنا رحمت اس کی تحقیق ہماری کتاب امیر معاویہ پر ایک نظر میں ملاحظہ کرو غرضکہ اسرائیلی اپنے نبی سے لڑتے تھے۔ صحابہ کرام نبی کے لئے لڑے ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نبی کا ساتھ میسر ہونا اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے کہ اس سے مشکلیں حل 'مصیبتیں دور ہوتی ہیں اگر قید خانہ میں ان کا ساتھ ہو تو وہ قید خانہ چمن بن جاتا ہے اور اگر چمن میں نبی کا دامن چھوٹ جاوے تو چمن قید خانہ ہو جاتا ہے۔ دیکھو بنی اسرائیل پر عتاب تھا کہ وہ **تیہ** میں قید کر دیئے گئے تھے مگر اس عتاب میں بھی کرم کی تجلی تھی کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا

www.alahazratnetwork.org

انہیں قرب میسر رہا کہ آپ بھی ان کی حل مشکلات کے لئے **تیہ** میں قیام فرما رہے اس ساتھ کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہر مصیبت میں موسیٰ علیہ السلام سے عرض کرتے تھے وہ فوراً حل ہو جاتی تھی۔ حضرت کلیم اللہ کی ہی برکت تھی کہ بنی اسرائیل کو **تیہ** میں سایہ و نور، من سلویٰ، پانی جیسی نعمتیں میسر ہوئیں۔ مومن دنیا کے قید خانہ میں رہ کر حضور انور کے دامن کے سایہ میں رہتا ہے۔ قرآن و حدیث اسے من و سلویٰ کی طرح ملتا رہتا ہے طریقت کے پانی سے سیراب ہوتا رہتا ہے۔ مومن کی قبر حضور انور کی تشریف آوری سے جنت کا باغ بن جاوے گی وہاں اسے جنت کی ہوائیں وہاں کی روزیاں ملیں گی غرضکہ مسلمان دنیا میں قبر میں آخرت میں حضور کے دامن کے سایہ میں ہیں اور رہیں گے ہر طرح کی نعمتوں سے نوازے جاتے ہیں۔ حضرت صدیق اکبر سے پوچھو کہ غار ثور میں تم تین دن حضور انور کے ساتھ رہے تم نے کیا پایا تو وہ جواب دیں گے کہ۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

انہوں نے وہاں اللہ کو پالیا کہ حضور انور نے فرمایا اے ابو بکر بظاہر ہم یہاں دو ہیں مگر حقیقت میں ہم تین ہیں کہ اللہ تعالیٰ بھی ہمارے ساتھ ہے قرآن کریم نے فرمایا **لاتحزن ان اللّٰہ معنا**

الصدق فی الغار والصدیق لم یرا وھم یقولون ما فی الغارمن ادم

یعنی کفار تو سمجھے کہ غار میں کچھ نہیں مگر حقیقتہً غار میں صدق بھی تھا صدیق بھی ایمان بھی تھا مومن بھی وہاں چھوٹے سے غار میں دونوں جہان سمائے ہوئے تھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقام **تیہ** میں موسیٰ علیہ السلام بھی جلوہ گر رہے اور اسرائیلی بھی مگر اسرائیلی مشکل میں پڑنے کے لئے رہے اور موسیٰ علیہ السلام مشکل آسان کرنے کے لئے بحالت نزع مومن کے پاس حضور انور تشریف فرما ہوتے ہیں نزع کی شدت ہلکی کرنے کے لئے اعلحضرت فرماتے ہیں۔

یا الٰہی بھول جاؤں نزع کی تکلیف کو — شادیٔ دیدار حسن مصطفیٰ کا ساتھ ہو

اچھوں کا ساتھ اچھوں کے تبرکات اچھوں کا نام حلال مشکلات ہوتا ہے **تیہ** میں پھنسے ہوئے اسرائیلیوں نے حضرت کلیم سے یوسف علیہ السلام نے اندھے کنوئیں میں حضرت ابراہیم خلیل کی قمیص کے ذریعہ مشکلات پر قابو پایا ان کی مشکلیں آسان ہوئیں آج حضور انور کے نام سے مصیبتیں دفع ہوتی ہیں کسی نے کیسا پیارا شعر کہا ہے۔

منگتیاں دی ہون قطاراں تیرا دربار ہووے — غم ہوون لکھ ہزاراں دسدا غم خوار ہووے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقام **تیہ** کا من و سلویٰ اس لئے طیب تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے انہیں نسبت تھی آب زمزم حضور کی انگلیوں والا پانی، حضرت ایوب علیہ السلام کے قدم سے نکلنے والا پانی، حضرت مریم کے نیچے جو چشمہ پانی کا تھا۔ تمام پانیوں سے افضل ہے۔ یوں ہی عیسیٰ علیہ السلام کے دسترخوان، بنی اسرائیل کا یہ من و سلویٰ طیب و مبارک ہے کیونکہ ان سب کو اللہ کے مقبولوں سے نسبت ہے معلوم ہوا کہ بزرگوں کے لنگر ان کی فاتحہ کے کھانے تبرک ہوتے ہیں یعنی برکت والے کیونکہ مبارک بندوں سے نسبت رکھتے ہیں۔ جناب مسیح فرماتے ہیں **وجعلنی مبرکا این ماکنت** مبارک بندہ کی ہر چیز مبارک ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذْ قِيْلَ لَهُمُ اسْكُنُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ وَقُوْ

اور جب کہا گیا واسطے ان کے کہ رہو اس بستی میں اور کھاؤ تم اس میں سے جہاں کہیں چاہو تم اور کہو

اور یاد کرو جب ان سے فرمایا گیا اس شہر میں بسو اور اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور کہو گناہ

لُوْا حِطَّةٌ وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيْٓئٰتِكُمْ سَنَزِيْدُ

معافی اور داخل ہوؤ تم اس کے دروازے میں سجدہ کرتے بخش دیں گے ہم واسطے تمہارے خطائیں تمہاری

اترے اور دروازے میں سجدہ کرتے داخل ہو ہم تمہارے گناہ بخش دیں گے عنقریب نیکوں کو زیادہ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ

عنقریب زیادہ دیں گے ہم نیکو کاروں کو پس بدل دیا انہوں نے کہ ظلم کیا ان میں سے قول سوائے اس کے جو کہا گیا

عطا فرمائیں گے تو ان کے ظالموں نے بات بدل دی اس کے خلاف جس کا انہیں حکم تھا تو ہم

لَهُمْ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع

واسطے ان کے پس بھیج دیا ہم نے بڑا عذاب طرف سے آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ ظلم کرتے تھے

نے ان پر آسمان سے عذاب بھیجا بدلہ ان کے ظلم کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر ہوا جو **تیہ** میں قید ہونے سے پہلے انہوں نے کیں انہیں کی وجہ سے وہ قید کئے گئے اب ان کی وہ نافرمانیاں بتائی جا رہی ہیں جو انہوں نے اس قید سے آزاد ہو کر کیں تاکہ پتہ لگے کہ اس قدر قید بھگتنے کے بعد بھی ان کی سرکشی میں فرق نہیں آیا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی ان رحمتوں کا ذکر ہوا جو قید کی حالت میں ان پر کی گئیں اب اسرائیلیوں کی ان نافرمانیوں کا ذکر ہے جو انہوں نے قید میں یہ رحمتیں نعمتیں دیکھ کر کیں۔ گویا رب تعالیٰ کی رحمتوں کے ذکر کے بعد ان کی سرکشی کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اسرائیلیوں کی قید و بند کا ذکر ہوا اب بتایا جا رہا ہے کہ یہ قید و بند ان کے گناہوں کی معافی کا ذریعہ نہ بنی معافی تو توبہ کرنے سے ملتی لہٰذا انہیں توبہ کا حکم دیا گیا مگر انہوں نے توبہ نہ کی۔

تفسیر: واذقیل لھم یہ عبارت نیا جملہ ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے **اذ** سے پہلے **اذکر** یا **اذکرو** پوشیدہ ہے جس میں خطاب یا تو نبی کریم ﷺ سے ہے یا مسلمانوں سے یعنی اے محبوب یہ تذکرہ انہیں سناؤ یا اے مسلمانو یاد کرو یا یاد رکھو **اذ** اسی **اذکر** پوشیدہ کا مفعول ہے یعنی وہ وقت جب کہ یہ واقعہ ہوا تھا قیل میں قول کا فاعل رب تعالیٰ ہے کیونکہ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا تھا **واذقلنا** رب کا یہ فرمان بواسطہ نبی یوشع علیہ السلام کے تھا **لھم** میں **ھم** ضمیر انہیں **تیہ** میں قید شدہ اسرائیلیوں کی طرف ہے۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا کیونکہ بنی اسرائیل کو

www.alahazratnetwork.org

بیت المقدس میں داخلہ کا حکم حضرت کلیم اللہ کی وفات کے بعد ہوا تھا جیسا کہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے **اسکنوا ھذہ القریتہ** یہ عبارت قیل کا نائب فاعل ہے سورہ بقر میں ہے **ادخلوا** یہاں ہے **اسکنوا** مگر ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں ان اسرائیلیوں کو بیت المقدس میں داخل ہونے اور داخلہ کے بعد وہاں ہی رہنے کا حکم تھا کہ وہاں سے قوم جبارین کو نکالو تم داخل ہو جاؤ اور وہاں ہی بسو' آباد ہو جاؤ ایک حکم کا ذکر وہاں تھا دوسرے کا ذکر یہاں ہے **ھذہ القریتہ** سے مراد بیت المقدس ہے جس پر اس وقت قوم جبارین قابض تھی ان کا سردار عوج ابن عناق تھا اس قوم کا نام عمالقہ تھا یہ قوم' قوم عاد کی بقیہ تھی (روح البیان وغیرہ) بعض مفسرین نے فرمایا کہ بستی سے مراد اریحا بستی ہے جو بیت المقدس کے قریب ہی ہے **وکلوا منھا** یہ عبارت معطوف ہے **اسکنوا** پر **اسکنوا** حکم وجوبی تھا اور یہ حکم اجازت کا ہے سورہ بقر میں **فکلوا** تھا **ف** کے ساتھ تھا اور یہاں **وکلو** ہے واؤ کے ساتھ ہے کیونکہ وہاں اس شہر میں داخلہ کا ذکر تھا اور وہاں کھانا پینا داخلہ کے بعد ہوتا ہے مگر یہاں رہنے سہنے کا حکم ہے اور کھانا پینا رہنے سہنے کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے وہاں **ف** مناسب تھی یہاں واؤ مناسب ہے **منھا** اصل میں **من ثمارھا** تھا ثمار کو پوشیدہ کر دیا گیا یعنی اس بستی کے پھل فروٹ کھاؤ تم کو اجازت ہے **حیث شئتم** یہ عبارت **کلوا** کا ظرف ہے یعنی اس بستی میں جہاں کہیں چاہو کھاؤ پیو تم کو منع کرنے والا کوئی نہ ہوگا کیونکہ وہاں تمہارا راج ہوگا۔ خیال رہے کہ سورہ بقر میں **رغدا** بھی تھا یعنی خوب سیر ہو کر کیونکہ وہاں بستی میں داخلہ کا ذکر تھا اور کسی جگہ داخلہ پر وہاں کی چیزیں خوب رغبت سے بھی کھائی جاتی ہیں' خوب سیر ہو کر بھی یہاں رہنے سہنے کا ذکر ہے جہاں انسان رہتا سہتا ہے پھر وہاں اتنی رغبت سے چیزیں نہیں کھایا کرتا لہذا وہاں **رغدا** فرمانا مناسب یہاں نہ فرمانا ہی مناسب ہے **وقولوا حطتہ وادخلوا الباب سجدا** یہ عبارت معطوف ہے **وکلوا منھا** پر سورہ بقر میں ترتیب بدلی ہوئی ہے وہاں یوں ہے **وادخلوا الباب وقولوا حطتہ** مگر دونوں کا مقصد و مطلب ایک ہی ہے واؤ ترتیب نہیں چاہتا مقصد یہ ہے کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے اور یہ کہتے جاؤ۔ اس کی تفسیر' تفصیل سے سورہ بقر میں عرض کی جا چکی ہے کہ دروازے سے مراد یا تو شہر بیت المقدس کا دروازہ ہے یا اریحا شہر کا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس دروازے سے مراد کسی شہر کا دروازہ نہیں بلکہ مسجد اقصیٰ کا خاص دروازہ ہے جسے باب الحطہ کہا جاتا ہے۔ اکثر مسلمان اس دروازہ سے مسجد اقصیٰ میں داخل ہوتے ہیں۔ اس سے داخل ہونے کو مغفرت کا ذریعہ سمجھتے ہیں جیسے مسجد نبوی شریف میں ستون ابولبابہ کے پاس توبہ کرتے ہیں اور پاکستان میں پاک پتن شریف میں بہشتی دروازے سے داخلہ کو ذریعہ نجات سمجھتے ہیں مگر یہ تو تفسیر قوی نہیں کیونکہ بیت القدس کی مسجد اقصیٰ اور باب الحطہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی تعمیر ہے' موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں نہ یہ مسجد بنی تھی نہ اس کا دروازہ باب الحطہ۔ ظاہر یہ ہے سجدا' سے سجدہ کرتے ہوئے جھکے ہوئے داخل ہونا مراد ہے اس کے متعلق اور کئی قول ہیں جیسا کہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں **یغفر لکم خطیئتکم** یہ عبارت **ادخلوا** امر کا جواب ہے اسی لئے **یغفر** کو جزم ہوا **لکم** میں لام نفع کا ہے **خطیئات** جمع قلت ہے **خطاء** کی سورہ بقر میں **خطایاکم** فرمایا گیا تھا یعنی **خطاء** کی جمع کثرت ان دونوں عبارتوں کا مقصد یہ ہے کہ ہم تمہارے سارے گناہ بخش دیں گے خواہ تھوڑے ہوں یا بہت۔ گویا زیادہ گناہوں والوں کے لئے **خطایاکم** ارشاد ہوا اور تھوڑے گناہ والوں کے لئے **خطیئتکم** فرمایا (تفسیر کبیر) خطاء سے مراد گناہ ہیں دانستہ ہوں یا نادانستہ چھوٹے ہوں یا بڑے یعنی خطاء عمد کا مقابل نہیں بلکہ صواب کا مقابل ہے اچھے کام صواب برے کام خطاء۔ حقوق العباد کو نکالنے کے لئے خطاء ارشاد

www.alahazratnetwork.org

ہوا کیونکہ بندے کے مارے ہوئے حق بغیر صاحب حق کے معاف کئے معاف نہیں ہوتے **سنزید المحسنین** یہ جملہ نیا ہے یعنی **یغفر** پر معطوف نہیں اس لئے یہاں واؤ عاطفہ نہیں لایا گیا سورہ بقر میں ارشاد ہوا تھا **و سنزید المحسنین** واؤ عاطفہ کے ساتھ وہاں مطلب یہ تھا کہ اگر تم نے یہ دونوں کام کر لئے' سجدہ کرتے ہوئے داخل شہر ہونا اور حطۃ کہنا تو ہم گنہگاروں کے گناہ معاف کریں گے اور بے گناہوں' نیک کاروں کے درجے بلند ثواب' زیادہ کریں گے کیونکہ جس عمل سے گنہگاروں کے گناہ معاف ہوتے ہیں اس سے نیک کاروں کے درجے بڑھتے ہیں جیسے مسجد کی طرف قدم ڈالنا نماز کے لئے۔ یوں ہی جن کاموں سے مصیبت زدوں کی مصیبتیں دور ہوتی ہیں اس سے راحت والوں کی راحت بڑھتی ہے جیسے قبر پر پھول یا سبزہ اور یہاں مطلب یہ ہے کہ خود انہیں گنہگاروں کو دو نعمتیں دیں گے اولاً" ان کے گناہوں کی معافی پھر جب یہ معافی کے بعد محسن بن جائیں گے تو زیادہ ثواب لہٰذا دونوں آیتیں اپنے مقام پر درست ہیں (از تفسیر کبیر) **فبدل الذین ظلموا منھم** یہ عبارت **قیل لھم** پر معطوف ہے چونکہ یہ واقعہ اس فرمان عالی کے فوراً" بعد ہے اس لئے **ف** ارشاد ہوئی جس کے معنی ہوتے ہیں فوراً" اس میں ان اسرائیلیوں کی سرکشی کا بیان ہے کہ یہ لوگ چالیس سال کی قید و بند کے بعد بھی سیدھے نہ ہوئے رب تعالیٰ کی فرمانبرداری نہ کی بدل' فرما کر یہ بتایا کہ ان لوگوں نے رب کے فرمان کو بالکل ہی بدل ڈالا کہ بجائے سجدہ کناں داخل ہونے کے چوتڑوں پر گھسٹتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اور بجائے حطۃ (معافی) کے حنطۃ کہنے لگے۔ عمل و قول ہر طرح کی مخالفت کی **الذین ظلموا** فرما کر بتایا کہ وہ لوگ پہلے سے ظلم و معصیت کے عادی ہو چکے تھے پہلے ہی سے ظالم تھے **منھم** فرما کر بتایا کہ سب نے یہ حرکت نہیں کہ بلکہ صرف عادی مجرموں نے کی مگر اکثر یہ ہی لوگ تھے۔ خیال رہے کہ یہاں ظلم سے مراد اسرائیلیوں کے گذشتہ گناہ اور نافرمانیاں موسیٰ علیہ السلام کی قدم قدم پر مخالفت ہے۔ جیسا کہ گذشتہ آیات میں ذکر کیا گیا **قولا غیر الذی قیل لھم** یہ عبارت **بدل** کا مفعول ہے **قولا** فرما کر یہ بتایا گیا کہ وہ خاموشی سے داخل نہ ہوئے بلکہ کچھ کہتے ہوئے گئے اور **غیر الذی** فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایسی بات کہتے گئے جو ہماری بتائی ہوئی بات کے بالکل ہی غیر تھی الفاظ' معنی' مقصد سب ہی بدل دیا اسی لئے سوا نہ فرمایا غیر فرمایا **قیل لھم** فرما کر بتایا کہ اس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کی بھی نافرمانی کی اور اپنے نبی کی بھی کہ حطۃ وہ لفظ تھا جو رب تعالیٰ نے پیغمبر کے واسطے سے انہیں بتایا تھا **فارسلنا علیھم رجزا من السماء** ان لوگوں نے صرف الفاظ بدلے ہی نہیں بلکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اس وقت گناہوں کی معافی مانگنا بے موقعہ ہے ہم کو تو گندم کی ضرورت ہے اور مانگیں معافی لہٰذا بجائے حطۃ کے حنطۃ فی سبتۃ یا کچھ اور لفظ کہے چونکہ اللہ رسول کے حکم کو غلط سمجھ کر یہ حرکت کی لہٰذا کافر ہو گئے اس لئے ان مرتدین پر عذاب الٰہی آ گیا۔ سورہ بقرہ میں **انزلنا** فرمایا گیا تھا۔ بمعنی اتارنا یہاں **ارسلنا** ارشاد ہوا۔ بمعنی بھیجنا' چھوڑنا یعنی ان پر عام وبا چھوڑی' بھیجی کہ پہلے وبا ایک دو پر آئی پھر عام اسرائیلیوں پر گویا وہاں ابتدا کا ذکر تھا یہاں انتہا کا (از تفسیر کبیر) رجز کے معنی ہیں عذاب یہاں اس سے مراد عام طاعون ہے **من السماء** فرما کر یہ بتایا کہ یہ عذاب آسمانی تھا جو ان کے کسی داؤں سے ٹل نہ سکا عرشی عذاب کو فرشی تدبیریں دفع نہیں کر سکتیں۔ وہ لوگ طاعون سے ایک ساعت میں چوبیس ہزار ہلاک ہوئے **بما کانوا یظلمون** یہ عبارت متعلق ہے **ارسلنا** کے اور اس میں اس عذاب کی وجہ کا ذکر ہے۔ **کانوا یظلمون** فرما کر یہ بتایا کہ وہ لوگ دائمی عادی ظالم تھے ہم نے اس سے پہلے بہت دفعہ در گزر کی اب ان تمام گذشتہ ظلموں کی

www.alahazratnetwork.org

انہیں سزا دے دی یہ طاعون ان کے تمام گذشتہ ظلموں کا نتیجہ تھی یہاں **یظلمون** ارشاد ہوا سورہ بقر میں **یفسقون** فرمایا گیا ظلم کا تعلق مجرم کی اپنی ذات سے ہے اور **فسق** کا تعلق رب تعالیٰ کے فرمان سے یعنی وہ رب کے حکم سے نکلتے رہے اپنے نفسوں پر ظلم کرتے رہے لہٰذا دونوں فرمانوں میں تعارض نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ اہل عرب تورات کو وہ وقت بھی یاد دلاؤ جب کہ وہ میدان **تیہ** سے چالیس سال کے بعد رہا ہوئے تو رب تعالیٰ نے اپنے نبی یوشع علیہ السلام کی معرفت ان سے فرمایا کہ تم اریحاء کی بستی میں جہاں پہلے عمالقہ آباد تھے چین سے رہو بسو اور وہاں کے پھل فروٹ جن کے باغات پہلے قوم عمالقہ کی ملک تھے جہاں چاہو جتنے چاہو کھاؤ تم کو شرعی روک ٹوک کوئی نہیں کہ حربی کفار کا مال نمازی مومنین کے لئے غنیمت ہے حلال ہے یا بیت المقدس میں رہو سو اور وہاں کے پھل فروٹ خرید کر کھاؤ پیو اور ان سے یہ بھی فرمایا کہ اس شہر کے دروازے میں جب داخل ہو تو اس کا احترام کرتے ہوئے سجدہ کناں جانا اور یہ کہنا کہ خدایا معاف دے۔ ہم تم سے وعدہ فرماتے ہیں کہ تمہارے سارے گناہ معاف فرمادیں گے اور بے گناہ لوگوں کے درجے بلند کریں گے انہیں اپنے فضل و کرم سے زیادہ رحمتیں دیں گے۔ یا خود تم کو بعد توبہ کے محسن نیک کار بنادیں گے تمہیں بہت زیادہ رحمتیں عطا فرمائیں گے۔ مگر چالیس سالہ قید و بند برداشت کر چکنے کے باوجود ان کی سرکشی کا یہ حال تھا کہ ان میں سے ظالموں نے یا ان ظالموں نے ہماری بتائی ہوئی بات بتایا ہوا عمل بالکل ہی بدل دیئے انہوں نے وہ کہا جو ہمارے بتائے ہوئے کے بالکل ہی غیر تھا کہ بجائے حطۃ کہنے کے حنطۃ کہا یعنی بجائے معافی مانگنے کے گندم مانگی ان ظالموں نے ہماری بتائی ہوئی بات کو غلط اور بے موقعہ سمجھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے ان پر ایک آسمانی عذاب (طاعون) بھیجا جس سے وہ ہزاروں کی تعداد میں یک وقت ہلاک ہوگئے یہ ان کے گزشتہ اور موجودہ ظلموں کی سزا تھی۔

خیال رہے کہ یہ واقعہ سورہ بقر پارہ **الم** میں بھی مذکور ہے مگر وہاں کی آیتہ اور یہاں اس آیتہ میں آٹھ طرح فرق ہے۔(1) وہاں تھا **واذ قلنا ادخلوا ھذہ القریۃ** اور یہاں ہے **واذ قیل لھم اسکنوا ھذہ القریۃ**۔ یعنی وہاں **قلنا** تھا یہاں **قیل** وہاں داخلہ کا ذکر یہاں رہنے سہنے کا ذکر (2) وہاں تھا **فکلوا** ف سے یہاں ہے **وکلوا** واؤ سے (3) وہاں تھا **رغدا** یعنی خوب سیر ہو کر یہاں یہ لفظ نہیں (4) وہاں **ادخلوا الباب** پہلے تھا اور **حطۃ** کہنے کا ذکر بعد میں مگر یہاں اس کے برعکس۔(5) وہاں تھا **خطایاکم** یہاں ہے **خطیئتکم** (6) وہاں تھا **وسنزید المحسنین** واؤ کے ساتھ مگر یہاں واؤ نہیں ہے (7) وہاں تھا **فانزلنا علی الذین ظلموا** اور یہاں **فارسلنا علیھم**۔ یعنی وہاں انزال تھا اور یہاں ارسال (8) وہاں تھا **بما کانوا یفسقون** اور یہاں ہے **یظلمون**۔ یعنی وہاں ان کے فسق کا ذکر تھا یہاں ظلم کا۔ ان آٹھ فرقوں کی حکمت ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے مطالعہ کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بیت المقدس میں رہنا سہنا اللہ کی بڑی نعمت ہے کیونکہ وہ نبیوں کا شہر ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں اس کا ذکر بطور انعام و احسان کیا مدینہ والے بڑے ہی خوش نصیب ہیں کہ دیار محبوب میں رہتے ہیں ان کے شہر میں جینا بھی رحمت ہے اور مرنا بھی رحمت۔

پس مرگ مری مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی
میسر گر مجھے دو گز مدینہ کی زمیں ہوتی

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: کفار کی متروکہ جائداد کے مسلمان خصوصاً" غازیان اسلام مالک ہو جاتے ہیں یہ فائدہ بھی **اسکنوا ھذہ القریۃ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ وہاں اس بستی میں پہلے قوم عمالقہ آباد تھی رب نے اسرائیلیوں سے فرمایا کہ اس بستی میں تم رہو سہو۔ رب فرماتا ہے **واورثنا القوم الذین کانوا یستضعفون مشارق الارض و مغاربھا** وہاں **اورثنا** فرمایا یعنی ہم نے وارث کر دیا۔ **تیسرا فائدہ**: حربی کفار کی ہلاکت یا انہیں نکال دینے کے بعد ان کے کھیت کے دانے باغات کے پھل مسلمان خصوصاً" غازیان اسلام کھا پی سکتے ہیں یہ فائدہ **وکلوا منھا** سے حاصل ہوا۔ یوں ہی ان کی تمام چیزیں مومنین استعمال کر سکتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ**: جس شہر میں اللہ کے مقبول بندے رہتے ہوں یا وہاں ان کی قبریں ہوں اس شہر کی تعظیم چاہئے یہ فائدہ **ادخلوا الباب سجدا** سے حاصل ہوا۔

حرم کی زمیں اور قدم رکھ کے چلنا ارے سر کا موقعہ ہے او جانے والے

پانچواں فائدہ: توبہ اور عبادت بزرگوں کے شہر میں زیادہ اور جلد قبول ہوتی ہے یہ فائدہ **وقولوا حطۃ** سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ بیت المقدس میں جا کر توبہ کرو۔ وہ خوش نصیب ہیں جو مسجد نبوی میں نمازیں پڑھنے کا موقع پائیں۔ **چھٹا فائدہ**: جب گنہ گاروں پر اللہ تعالٰی کرم فرماتا ہے تو صرف ان کے گناہ ہی معاف نہیں فرماتا بلکہ انہیں درجات و برکات بھی عطا فرماتا ہے یہ فائدہ **سنزید المحسنین** سے حاصل ہوا۔ اس کے کرم سے گناہ گار نیک کار اور بدکار پرہیزگار بن جاتے ہیں بلکہ ان کی برائیاں بھلائیوں میں بدل جاتی ہیں **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات و کان اللہ غفورا رحیما**۔

گناہ گار پہ جب لطف آپ کا ہو گا! کیا بغیر کیا بے کیا کیا ہو گا!

ساتواں فائدہ: ماثورہ منقولہ دعاؤں وظیفوں کے الفاظ بالکل نہ بدلنا چاہیں بلکہ اپنے شیخ نے جو الفاظ کسی عمل کے بتائے ہوں ان میں بالکل فرق نہیں کرنا چاہئے یہ فائدہ **فبدل الذین ظلموا** سے حاصل ہوا کہ رب نے تبدیل کرنے والوں کو ظالم فرمایا کہ انہوں نے بجائے حطۃ کے حنطۃ کہا تھا یعنی معافی مانگنے کا انہیں حکم تھا مگر انہوں نے بجائے معافی کے گندم مانگی۔ **آٹھواں فائدہ**: طاعون ان بنی اسرائیل کے لئے عذاب تھی مسلمانوں کے لئے رحمت کہ جو مسلمان طاعون میں صبر کرے شہر چھوڑ کر نہ بھاگے اس سے مر جائے تو شہید ہے۔ یہ فائدہ **رجزا من السماء** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں وہاں یعنی بیت المقدس میں رہنے کا ذکر تو پہلے ہے اور دروازے سے جانے کا حکم بعد میں حالانکہ داخلہ پہلے ہوتا ہے رہنا بعد میں یہ ترتیب غلط ہے۔ **جواب**: عربی زبان میں واؤ ترتیب کے لئے آتا ہی نہیں صرف جمع کے لئے آتا ہے رب فرماتا ہے **واسجدی وارکعی** دیکھو یہاں سجدے کا ذکر پہلے ہے رکوع کا بعد میں حالانکہ نماز میں رکوع پہلے ہوتا ہے سجدہ بعد میں۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ ان اسرائیلیوں کو چار حکم دیئے گئے یہ بھی کہ اس بستی میں رہو یہ بھی کہ وہاں کھاؤ پیو یہ بھی کہ حطۃ کہو یہ بھی کہ دروازہ شہر میں سجدہ کرتے جاؤ۔ رہی یہ بات کہ کون سا کام پہلے کرو کونسا بعد میں اس کا ذکر نہیں اور ہو سکتا ہے کہ **وادخلوا الباب** کا واؤ عاطفہ نہ ہو حالیہ ہو۔ معنی یہ ہوں کہ تم بیت المقدس میں رہو اس حال میں کہ وہاں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو چکے ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ اس صورت میں **ادخلوا** سے پہلے **قیل** پوشیدہ ہو گا۔ **دوسرا اعتراض**: آیت کریمہ میں یہ فرمانا کہ **وکلوا منھا حیث شئتم** بے فائدہ ہے جہاں انسان رہتا

www.alahazratnetwork.org

ہے وہاں کھاتا پیتا بھی ہے جب انہیں اس بستی میں رہنے کا حکم دیا گیا تو کھانے کے حکم کی کیا ضرورت تھی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس بستی میں قوم عمالقہ کا مال و متاع تھا فرمایا گیا کہ تم یہ بستی فتح کرنے پر عمالقہ کے سامان اور سارے مال و متاع کے مالک ہو گے تم کو وہ مال کھانا استعمال کرنا شرعاً" درست ہو گا کہ ان کے استعمال سے نہ تو شریعت تم کو روکے گی کہ وہ حلال ہیں نہ قوم عمالقہ منع کر سکیں گے کیونکہ وہ بستی چھوڑ چکے ہوں گے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا کہ ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے تو کیا ان کے عمداً" گناہ معاف نہ ہوں گے صرف وہ گناہ معاف ہوں گے جو ان سے خطاً" سرزد ہو گئے ہوں اگر ایسا ہے تو عمداً" گناہوں کی معافی کا کیا ذریعہ ہے۔ **جواب**: ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہاں خطاء عمد کا مقابل نہیں بلکہ صواب کا مقابل ہے لہذا اس میں بھول چوک عمد اور خطا سارے گناہ داخل ہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگہدار مارا از راہ خطا! خطا در گذار و صوابم نما!

لہذا ہر گنہگار خطاکار ہے خواہ عمداً" گناہ کرے یا خطاء"۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **نغفر لکم خطیئاتکم** اور **خطیئات** خطا کی جمع قلت ہے جو نو تک بولی جاتی ہے تو ان کے صرف نو گناہ ہی معاف ہوں گے زیادہ نہیں اگر ایسا ہے تو زیادہ گناہ والے کس دروازہ پر جائیں۔ **جواب**: یہاں **خطیئات** ارشاد ہوا اور سورہ بقرہ میں **خطایاکم** ارشاد ہوا یعنی جمع کثرت ان دونوں آیتوں میں یہ بتایا گیا کہ تھوڑے گناہ والوں کو بھی معافی دے دی جائے گی اور زیادہ گناہ والوں کو بھی بعض لوگ تھوڑے گناہ والے ہوتے ہیں بعض زیادہ دونوں کو شامل فرمانے کے لئے دو عبارتیں ارشاد ہوئیں۔ **پانچواں اعتراض**: **رجز** کے ساتھ **من السماء** کیوں ارشاد ہوا ہر بلا آسمان سے ہی آتی ہے یہ لفظ بے فائدہ ہے۔ **جواب**: جیسے بعض رحمتیں ظاہری اسباب کے ذریعہ آتی ہیں بعض ان کے بغیر دیکھو دانے پھل بھی اللہ کی نعمتیں ہیں مگر اسباب کے ماتحت ہم کو ملتی ہیں اور ہوا دھوپ وغیرہ بھی نعمتیں ہی ہیں مگر ان میں ہمارے اسباب کو دخل نہیں یوں ہی بعض عذاب اسباب کے ماتحت آتے ہیں جیسے قتل سے موت اور بعض اسباب کے بغیر **من السماء** فرما کر یہ بتایا کہ وہ عذاب ان اسباب سے وراء بھیجا گیا تھا جو کسی تدبیر سے ٹل نہیں سکتا اس میں عذاب کی شدت بتانا مقصود ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ایلوا شہد کو خراب کر دیتا ہے زہر غذا کو ہلاکت کا باعث بنا دیتا ہے ایسے ہی انسان کی سرکشی اور ضد اللہ کی نعمتوں کو عذابوں میں تبدیل کر دیتی ہے دیکھو ان اسرائیلیوں کے لئے بیت المقدس میں سجدہ کناں جانا توبہ کرنا وہاں رہنا سہنا اللہ کی بہت سی رحمتوں نعمتوں کا ذریعہ تھا کہ اس سے ان کو دنیا میں اعلیٰ غذائیں ملتیں **وکلوا منہا حیث شئتم** اور آخرت میں بخشش اور زیادتی درجات مگر ان بد نصیبوں نے اپنی ضد و ہٹ سے یہ دونوں نعمتیں کھو دیں بلکہ عذاب میں تبدیل کر لیں۔ بد نصیب کو مقدس شہر اچھوں کا قرب بزرگوں کی اولاد ہونا عذاب الٰہی سے نہیں بچا سکتا۔ اسرائیلیوں کا یہ واقعہ تاقیامت سب کے لئے باعث عبرت ہے۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

www.alahazratnetwork.org

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

اور سوال کرو ان سے اس بستی کے متعلق جو تھی دریا کے سامنے۔

اور ان سے حال پوچھو اس بستی کا کہ دریا کے کنارے تھی جب وہ ہفتہ کے بارے

اِذْ يَعْدُوْنَ فِى السَّبْتِ اِذْ تَاْتِيْهِمْ حِيْتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ

جبکہ حد سے بڑھتے تھے وہ شنبہ کے متعلق جبکہ آتی تھیں ان کے پاس مچھلیاں ان کی ان کے شنبہ

میں حد سے بڑھتے جب ہفتہ کے دن ان کی مچھلیاں پانی پر تیرتی ان کے سامنے آتیں اور جو دن

شُرَّعًا وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ لَا تَاْتِيْهِمْ كَذٰلِكَ نَبْلُوْهُمْ بِمَا

کے دن ظاہر ظہور اور جس دن شنبہ نہ پاتے تو نہ آتی تھیں ان کے پاس یونہی ہم امتحان لیتے تھے ان کا

ہفتہ نہ ہوتا نہ آتیں اسی طرح ہم انہیں آزماتے تھے ان کی بے حکمی

كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۳﴾

اس وجہ سے کہ وہ فسق کرتے تھے

کے سبب

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی اس نافرمانی اور سرکشی کا ذکر تھا جو انہوں نے یوشع علیہ السلام کے زمانہ میں کی تھی اب ان کی اس سرکشی اور نافرمانی کا ذکر ہے جو انہوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کی تاکہ معلوم ہو کہ یہ لوگ بڑے پرانے پاپی اور دوائی سرکش ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اسرائیلیوں کی وہ سرکشی بیان ہوئی جو انہوں نے بیت المقدس میں کی اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جو انہوں نے ایلہ بستی میں کی تاکہ پتہ لگے کہ یہ لوگ جہاں بھی ہوں سرکشی ہی کرتے ہیں نہ انہیں زمانہ کا ادب ہے نہ مکان کا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اسرائیلیوں کی وہ سرکشی بیان ہوئی جس کی سزا میں ان پر طاعون کی وبا بھیج گئی اب ان کی اس سرکشی کا ذکر ہے جسکی سزا میں انہیں بندر بنا دیا گیا گویا ان کی ایک سزا کا ذکر پہلے ہوا دوسری سزا کا ذکر اب ہے تاکہ پتہ لگے کہ یہ لوگ پرانے جوتا خور ہیں ان کی عادت پٹنے مار کھانے کی ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں ان کی یہ نافرمانی بیان ہوئی کہ انہوں نے بیت المقدس میں داخل ہوتے وقت بجائے حطۃ (معافی) کے حنطۃ (گندم) کہی یعنی بجائے معافی مانگنے کے گندم مانگی۔ اب ان کی وہ نافرمانی مذکور ہے کہ انہوں نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار کیا باوجود منع کرنے کے تاکہ معلوم ہو کہ یہ ہمیشہ کے پیٹ پرست ہیں ان کا دین ان کا ایمان صرف پیٹ ہے۔

شان نزول: حضور نبی کریم ﷺ یہود مدینہ سے فرمایا کرتے تھے کہ تم لوگ اپنے باپ داداؤں کے نقش قدم پر ہو کہ انہوں نے ہمیشہ پچھلے نبیوں کی مخالفت کی اور تم میری مخالفت کر رہے ہو تو بولے کہ ہمارے باپ دادے نبیوں کے بڑے ہی فرمانبردار تھے

www.alahazratnetwork.org

حالانکہ وہ جانتے تھے کہ واقعی ان کے باپ دادے اپنے نبیوں کی مخالفت کرتے رہے مگر ان کا خیال تھا کہ ان واقعات کی حضور انور کو یا اہل عرب یا مدینہ والوں کو خبر نہ ہے نہ ہوگی اس لئے اپنے باپ دادوں کی معصومیت کے ڈھنڈورے پیٹتے تھے۔ تب یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی جس میں ان کے پول کھول دیئے گئے اور وہ لوگ حیران ہو کر رہ گئے (تفسیر صاوی) خیال رہے کہ سورہ اعراف مکیہ ہے مگر یہ آٹھ آیات مدنیہ ہیں جن کی ابتداء **وسئلهم** سے ہوتی ہے کہ یہود تو مدینہ میں رہتے تھے ان سے سوال جواب بعد ہجرت ہوئے (تفسیر صاوی)۔

تفسیر وسئلهم یہ عبارت معطوف ہے **واذا قيل لهم اسكنوا** میں جو فعل **اذكر** پوشیدہ ہے اس پر لہذا اس کلواؤ عاطفہ ہے **اسئل** بنا ہے سوال سے سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں **واما السائل فلا تنهر** اور پوچھنا بھی یہاں بمعنی پوچھنا ہے اس میں خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے اور **هم** کا مرجع وہ یہود ہیں جو حضور انور کے زمانہ میں موجود تھے یہ پوچھنا حضور انور کی بے خبری کی بنا پر نہیں بلکہ ان کی دائمی سرکشی کے بیان کے لئے ہے اور حضور انور کے معجزے کے اظہار کے لئے کہ باوجودیکہ حضور نے نہ کسی سے پڑھا نہ پڑھے لکھوں کی صحبت اختیار فرمائی مگر اس کے باوجود ایسے واقعات بیان فرما رہے ہیں جو صرف علماء یہود ہی جانتے تھے اور انہوں نے چھپا لئے تھے یہ حضور انور کا معجزہ ہے (تفسیر کبیر۔ روح البیان وغیرہ) **عن القرية التى كانت حاضرة البحر** یہ عبارت متعلق ہے **واسئل** کے۔ **عن** کے بعد حال یا خبر پوشیدہ ہے قریہ بمعنی بستی ہے خواہ شہر ہو یا گاؤں یہاں شہر مراد ہے یہ کونسی بستی تھی اس میں مفسرین کے چند قول ہیں بعض نے فرمایا کہ وہ **ايله** بستی تھی جو مدین اور طور کے درمیان واقع تھی بعض نے کہا کہ وہ شہر مدین تھا بعض کے نزدیک طبریہ۔ ابن زید کہتے ہیں کہ وہ بستی "مقنا" تھی مدین اور عیسونا کے درمیان (کبیر روح المعانی وغیرہ) بحر سے مراد بحر قلزم ہے حاضرۃ البحر سے مراد ہے کہ وہ اس سمندر کے کنارہ پر واقع تھا یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے ایسی بستیوں والوں کا گزارہ عموماً" مچھلیوں پر ہوتا ہے یہ ہی ان کا حال تھا قریہ سے مراد اس بستی کے باشندے ہیں یا اس سے پہلے اہل پوشیدہ ہے **اذ يعدون فى السبت** یہ عبارت **القرية التى** کا بدل اشتمال ہے ہماری قراءت **يعدون** ہے عین کے سکون سے بنا ہے **عدو** بمعنی حد سے بڑھ جانا ایک قراء میں **يعدون** ہے جو اصل میں **يعتدون** تھا ت دال ہو کر دال میں مدغم ہوگئی ایک قراءت میں ہے **يعدون** اعداد کا مضارع بمعنی تیاری کرنا شکار کے آلات جمع کرنا (روح المعانی) سبت کے معنی ہیں کٹ جانا۔ منقطع ہو جانا۔ ہفتہ کے دن کو سبت اسی لئے کہتے ہیں کہ اس دن میں یہود پر لازم تھا کہ سارے کاروبار' شکار وغیرہ بند رکھیں دنیا سے کٹ جاویں یہ سارا دن عبادت میں گزاریں (روح المعانی وصاوی) یہاں صاوی نے فرمایا کہ یہود کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ جمعہ کو اپنی عبادات کے لئے خاص کرلیں اس دن کوئی دنیاوی کام نہ کریں انہوں نے بجائے جمعے کے ہفتے کو اس کام کے لئے منتخب کیا تو اس کا نام یوم السبت رکھا گیا یعنی یہود کے تمام دین و دنیاوی بھلائیوں سے کٹ جانے کا دن **اذ تاتيهم حيتانهم** یہ عبارت بدل ہے **اذ يعدون** سے **اذ** ظرفیہ ہے یا یہ جملہ **يعدون** کا ظرف ہے **تاتى** بنا ہے **اتى** سے۔ بمعنی آنا یہاں۔ بمعنی ظاہر ہونا کیونکہ مچھلیاں ان کے گھروں میں نہ آتی تھیں بلکہ دریا کنارے میں نمودار ہو جاتی تھیں اپنے سر نکال کر جنہیں یہ دیکھتے تھے **حيتان** جمع ہے **حوت** کی۔ بمعنی مچھلی اصل میں **حوتان** تھا واؤ ساکن اس کے پہلے کسرہ اس لئے واؤی بن گیا جیسے **نينان** جمع ہے **نون** کی چونکہ وہ مچھلیاں ان کے کنارہ پر

www.alahazratnetwork.org

نمودار ہوتی تھیں جنہیں شکار کر لینے کا انہیں حق تھا اس سے ان مچھلیوں کو ان لوگوں کی طرف نسبت کیا گیا کہ فرمایا گیا **حیتانھم** ان کی مچھلیاں ورنہ شکار کرنے سے پہلے وہ ان مچھلیوں کے مالک نہ تھے کیونکہ شکار کا جانور اس کی ملک ہوتا ہے جو اسے شکار کرے **یوم سبتھم شرعا** "اس فرمان عالی میں **یوم سبتھم** تو ظرف ہے **تاتی** کا اور "شرعا" حال ہے **حیتان** کا "شرعا" جمع ہے شارع کی اور شارع بنا ہے **شرع** سے۔ معنی ظاہر ہونا قریب ہونا اسی سے ہے شریعت یعنی اللہ کا کھلا راستہ قریب راستہ۔ اسی لئے کھلے وسیع راستہ کو شارع کہتے ہیں رب فرماتا ہے **شرعتہ" ومنھاجا**" یعنی ہفتہ کے دن مچھلیاں اپنے سر نکال کر ان کے سامنے ہو جاتی تھیں ظاہر ظہور جس سے ان کے منہ میں پانی آ جاتا تھا **ویوم لا یسبتون لا تاتیھم** یہ عبارت معطوف ہے **تاتیھم حیتانھم** پر یوم ظرف ہے **لا یسبتون** کا **لا یسبتون** بنا ہے سبت سے سبت کے معنی ہیں ہفتہ کا دن پانا یعنی جس دن وہ ہفتہ نہ پاتے۔ جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا باقی چھ دن ہوتے تو مچھلیاں ان کے ہاتھ نہ آتیں شکار کرنے کی کوشش کرتے مگر یا بالکل نہ پاتے یا بہت ہی کم پاتے یہ تھا رب تعالیٰ کا بڑا امتحان جس میں وہ قوم فیل ہو گئی **کذلک** اس کا تعلق یا تو **لا تاتیھم** سے ہے یا آئندہ **نبلوھم** سے۔ یعنی ہفتہ کے علاوہ اور دنوں میں اس طرح ظاہر ظہور نہ آتی تھیں یا اسی طرح ہم ان کا امتحان لیتے تھے اس لئے یہاں جیم کی رمز ہے یعنی یہاں ٹھہرنا بھی جائز ہے نہ ٹھہرنا بھی (از روح المعانی) **نبلوھم بما کانوا یفسقون۔ نبلو** بنا ہے **بلو** سے۔ معنی جانچ امتحان۔ اس لفظ کی تحقیق ہم دوسرے پارہ میں **ولنبلونکم** کی تفسیر میں کر چکے ہیں یعنی چونکہ وہ اسرائیلی نافرمان، فسق و فجور کے عادی تھے اس وجہ سے ہم نے انکی یہ آزمائش کی۔ خیال رہے کہ **نبلو** مضارع۔ معنی ماضی ہے گذشتہ واقعہ کو حاضر کر کے دکھانے کے لئے اس طرح ارشاد فرمایا۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ اپنے زمانہ کے یہود مدینہ سے ان یہود کے متعلق تو دریافت کریں جو حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں کنارہ سمندر پر ایلہ بستی میں رہتے تھے ان کا گذارہ مچھلیوں پر تھا اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی کہ ان پر ہفتہ کے دن شکار کرنا حرام تھا۔ واقعہ یہ بنا کہ جب ہفتہ کا دن ہوتا تو سمندر کے کنارے بے شمار مچھلیاں اپنے منہ نکال کر پانی پر نمودار ہوتیں جنہیں یہ لوگ ظاہر ظہور دیکھتے اور جب ہفتہ کے علاوہ اور دن ہوتا تو مچھلیاں غائب ہو جاتیں شکار کی کوشش کرنے پر بھی ان کے ہاتھ نہ لگتیں یا بہت ہی کم لگتیں ان کا یہ امتحان آئندہ عذاب کی تمہید تھا اور آئندہ والا عذاب ان پر اس لئے آیا کہ وہ بڑے پرانے مجرم پاپی عادی فاسق تھے یہ امتحان ان کے عذاب کا ذریعہ بنا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** سوال کرنا ہمیشہ سائل کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی سامنے والے کو شرمندہ کرنے یا اس سے اقرار جرم کرانے کے لئے ہوتا ہے جسے کہتے ہیں پوچھ گچھ کرنا یہ فائدہ **وسئلھم عن القریتہ** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ قیامت میں بندوں سے پوچھ گچھ فرمائے گا مسلمان گنہگاروں سے اقرار کرا کے بخشنے کے لئے اور کافروں سے اقرار کرا کے سزا دینے کے لئے۔ **دوسرا فائدہ:** عربی میں کبھی بستی بول کر بستی والے مراد لئے جاتے ہیں یہ فائدہ **عن القریتہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں خود بستی ایلہ اور وہاں کے در و دیوار کوچہ بازار مراد نہیں بلکہ بستی والے لوگ مراد ہیں یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا **وسئل القریتہ التی کنا فیھا** آپ اس چوری کا واقعہ بستی یعنی مصر سے پوچھ لیں وہاں بھی مصر والے لوگ مراد ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** امت مصطفوی پر

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی کرم ہے کہ اس کے احکام بہت ہی نرم ہیں یہ فائدہ **افیمدون فی السبت** سے حاصل ہوا دیکھو یہود کا معظم دن ہفتہ تھا اسلام کا معظم دن جمعہ ہے مگر ان دونوں دینوں کے احکام میں بہت سے فرق ہیں (1) یہود پر ہفتہ کے سارے دن میں دنیاوی کاروبار شکار وغیرہ حرام تھے مگر اسلام میں جمعہ کے دن صرف اذان جمعہ سے لے کر نماز جمعہ ختم ہونے تک کاروبار حرام دن کے باقی حصہ میں جائز فرماتا ہے **فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ** (2) اذان جمعہ کے بعد بھی اگر کاروبار جمعہ کی تیاری میں مانع نہ ہو تو جائز ہے جیسے کوئی شخص چاہے مسجد کو آتے ہوئے راستہ چلتے چلتے سودا بھی کرلے 'بنی اسرائیل کے لئے یہ بھی حرام تھا۔ (3) مسلمانوں میں جس پر نماز جمعہ فرض نہیں اس پر بعد اذان کاروبار بھی حرام نہیں صرف ان پر حرام ہے جن پر نماز جمعہ فرض ہے بنی اسرائیل میں یہ فرق نہ تھا ان کے ہر مرد و زن بوڑھے جوان بچے دیہاتی شہری تندرست و بیمار پر سارا دن دنیاوی کاروبار شکار وغیرہ حرام تھا اسلام میں دیہاتیوں 'عورتوں 'بچوں 'بیماروں 'مسافروں پر نماز جمعہ فرض نہیں تو ان کے لئے کاروبار حرام بھی نہیں (4) اسلام میں اگر کوئی شہری نماز جمعہ کے وقت گاؤں میں ہو یا سفر میں اس پر جمعہ فرض نہیں تو اس کے لئے کاروبار حرام بھی نہیں اور جو دیہاتی نماز جمعہ کے وقت شہر میں ہو یا مسافر بحالت سفر شہر میں ہو اس پر جمعہ کی نماز فرض نہیں تو اسے کاروبار بھی حرام نہیں (5) اسرائیلیوں نے جب ہفتہ کا یہ احترام نہیں کیا تو ان پر عذاب الٰہی آگیا مگر گنہگار مسلمان اگر جمعہ نہ پڑھیں اور اپنی بدبختی سے یہ فریضہ چھوڑ کر دوسرے کام کریں تو ان پر عذاب نہیں آتا کیونکہ اب رحمۃ للعالمین کا راج ہے اب راجہ اور ہے تو قانون بھی اور۔ **چوتھا فائدہ**: حضور انور کے صحابہ گذشتہ نبیوں کے صحابہ سے کہیں افضل ہیں۔ دیکھو صحابہ داؤد علیہ السلام کا مچھلی کے شکار سے امتحان لیا گیا تو وہ بہت سے فیل ہو گئے جو حیلے بہانوں سے شکار کر بیٹھے اور بندر بنا دیئے گئے مگر جب حضور انور کے احرام والے صحابہ کا شکار کے جانوروں سے امتحان لیا گیا کہ ان احرام والوں کے خیموں میں شکار کے جانور گھس آئے احرام میں شکار کرنا حرام ہوتا ہے تو کسی ایک صحابی نے بھی شکار کرنا تو کیا اس کی طرف آنکھ نہ اٹھائی اس واقعہ کا ذکر اس آیت میں ہے **یایھا الذین امنوا لیبلونکم اللہ بشیء من الصید تنالہ ایدیکم و رماحکم لیعلم اللہ من یخافہ بالغیب** **پانچواں فائدہ**: حضور انور کی تشریف آوری کفار کے لئے بھی رحمت ہے دیکھو زمانہ داؤدی میں اسرائیلیوں نے ہفتہ کے دن شکار کیا تو بندر بنا دیئے گئے اب اگر اسرائیلی یہ ہی حرکت کرتے رہیں تو ان پر دنیا میں عذاب نہیں آتا کیوں اس لئے کہ وہ زمانہ داؤدی تھا یہ زمانہ محمدی ہے۔ **چھٹا فائدہ**: اسلام میں شرعی حیلے جائز ہیں پچھلے دینوں میں حرام تھے دیکھو ان اسرائیلیوں نے مچھلیوں کا شکار حیلہ سے کیا تھا کہ ہفتہ کے دن سمندر کا پانی نالی کے ذریعہ کسی تالاب میں بھر لیتے تھے اور جس میں مچھلیاں بھی آجاتی تھیں پھر اتوار کو ان تالاب میں قید شدہ مچھلیوں کا شکار کر لیتے تھے۔ اس حیلہ پر عذاب میں گرفتار ہو گئے۔ اسلام میں شرعی حیلے بہت ہیں جو شرعاً" جائز ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب جاء الحق اور عالمگیری کتاب الحیل۔

پہلا اعتراض: شکار کا مذکورہ جرم تو زمانہ داؤدی کے اسرائیلیوں نے کیا تھا مگر یہ سوال زمانہ محمدی کے اسرائیلیوں سے ہو رہا ہے جو ان سے صدہا سال کے بعد پیدا ہوئے جرم تو کوئی کرے اور اس کا سوال کسی سے ہو یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔
جواب: یہ موجودہ اسرائیلی ان مجرموں کے ہم قوم بھی تھے ان کے حمایتی بھی ان کی حرکات کی تائید کرنے والے بھی اور

www.alahazratnetwork.org

حالیتوں سے مجرموں کا سوال ہو جاتا ہے بلکہ یہ موجودہ اسرائیلی اپنے ان مورث اعلیٰ اسرائیلیوں کے اس جرم کے انکاری تھے وہ کہتے تھے کہ یہ واقعہ ہوا ہی نہیں تب ان سے یہ خطاب ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: سبت ایک دن کا نام ہے اس سے فعل یسبتون کیونکر مشتق ہو گیا جامد اسم سے اشتقاق کیسی۔ **جواب**: اولاً "سبت کو معنی مصدری میں کیا گیا۔ معنی ہفتہ کا دن پانا پھر اس سے یہ فعل مشتق ہوا اسے مصدر فعل کہتے ہیں جیسے جمعہ لفظ جامد ہے مگر اس سے مجہول فعل بنا لیا جاتا ہے۔ کبھی پورے جملہ سے مصدر بنا لیا جاتا ہے پھر اس سے فعل مشتق کر لیتے ہیں جیسے **انا للہ وانا الیہ رجعون** اس پورے جملے سے مصدر بنایا **استرجاع** پھر اس سے فعل بنایا **استرجع** **تیسرا اعتراض**: کسی کا امتحان وہ لیتا ہے جو اس کی حالت سے بے خبر ہو اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اسے بندوں کے امتحان لینے کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا تفصیلی جواب دوسرے پارہ میں **ولنبلونکم بشیء من الخوف** کی تفسیر میں ہم کر چکے ہیں کہ یہ قاعدہ ہی غلط ہے کہ امتحان صرف ممتحن کی بے خبری کی وجہ سے ہوتا ہے بلکہ اس کے اور مقصد بھی ہوتے ہیں جیسے خود اس کا منہ بند کرنا جس کا امتحان لے کر اسے فیل کیا گیا ہے یا دوسروں کا منہ بند کرنا جس کو امتحان میں پاس کر کے انعام و اکرام دینا ہے غرضکہ امتحان کے بہت مقصد ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا دار گویا ایلہ بستی والے ہیں اور دنیا گویا بحر قلزم ہے اللہ کی یاد کے اوقات گویا سبت یعنی ہفتہ کا دن ہے دنیاوی مشغلے اور اللہ سے غافل کرنے والی چیزیں گویا اس دریا دنیا کا شکار ہے ہم کو حکم ہے کہ اے دنیا والو ہماری یاد کے اوقات میں یہ شکار نہ کرنا رمضان میں دن میں کھانا پینا نماز کے اوقات میں دکانداری کرنا جمعہ کی اذان ہو جانے پر کاروبار کرنا سخت منع ہے مگر بندوں کا امتحان یہ لیا کہ قدرتی طور پر ان ہی مبارک اوقات میں یہ مشاغل زیادہ نمودار ہوتے ہیں نماز کے وقت گاہک زیادہ آتے ہیں اور رمضان شریف میں نفس کھانے پینے کی زیادہ خواہش کرتا ہے دوسرے اوقات میں کم۔ یہ رب کی طرف سے سخت امتحان ہے ایسے واقعات ہمارے گناہوں کی کثرت ‘غفلت کا نتیجہ ہیں یہ نہ سمجھو کہ ایلہ والے ختم ہو چکے ہم سب ایلہ والے ہیں ہمارے سامنے دنیا کا سمندر ہے اس سمندر میں بہت شکار ہیں۔ رب تعالیٰ ہم سب کا بیڑا پار لگائے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمًا ۙاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ
اور جب بولی ایک جماعت ان میں سے کہ کیوں نصیحت کرتے ہو ایسی قوم کو کہ اللہ ہلاک فرمانے والا ہے
اور جب ان میں سے ایک گروہ نے کہا کیوں نصیحت کرتے ہو ان لوگوں کو جنہیں اللہ ہلاک کرنے والا ہے
اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَ
جسے یا عذاب دینے والا ہے جسے سزا سخت وہ بولے معذرت کرنے کے لئے طرف رب تمہارے کے اور
یا انہیں سخت عذاب کرنے والا ہے بولے تمہارے رب کے حضور معذرت کرنے کو اور

www.alahazratnetwork.org

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
تاکہ وہ خوف کریں
شاید انہیں ڈر ہو

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ایلہ والوں کی ایک خاص سرکشی کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ سرکشی ان سب نے نہیں کی بعض نے کی بعض ایسے جرم سے محفوظ رہے گویا سرکشی کے بعد سرکشوں کا تقرر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایلہ والوں کے سخت امتحان کا ذکر ہوا اب اس امتحان میں پاس یا فیل ہونے والوں کا ذکر ہے کہ بعض لوگ فیل ہوئے بعض پاس پھر پاس ہونے والوں میں بعض فسٹ ڈویژن پاس یعنی انہیں منع کرنے والے اور بعض تھرڈ ڈویژن یعنی خاموش رہنے علیحدہ رہنے والے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو رب کے عذاب کے مستحق ہوئے اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو اس عذاب سے بچ گئے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔ خیال رہے کہ ایلہ والے تین گروہ ہو گئے تھے ایک صائدین جو اس گناہ میں مبتلا ہوئے مبتلا رہے۔ دوسرے واعظین جنہوں نے آخر دم تک ان لوگوں کو اس جرم سے روکنے کی کوشش کی تیسرے ساکتین جنہوں نے نہ تو شکار کیا نہ شکاریوں کو منع کیا یہاں اس آیت میں ان آخری دو جماعتوں کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا **اذیعدون فی السبت** اور **یعدون** کا فاعل اہل قریہ تھے جس سے شبہ ہوتا تھا کہ ساری بستی والے صائد یعنی شکاری بن گئے اور سب پر عذاب آیا اب اس شبہ کو دفع فرمایا جا رہا ہے کہ بعض لوگ ہی شکاری بے کل نہیں بنے۔

تفسیر: واذقالت امة منهم یہ عبارت معطوف ہے **اذیعدون** پر نہ کہ **اذتاتیهم** پر لہذا یہ واؤ عاطفہ ہے اور **اذکر** فعل کا مفعول **امة** سے مراد ساکتین لوگ ہیں جنہوں نے نہ شکار کیا نہ ان شکاریوں کو منع کیا بلکہ خاموش رہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اولاً تو ان لوگوں نے بھی وعظ و نصیحت کی مگر جب دیکھا کہ ان کا وعظ ان مجرمین میں کوئی اثر نہیں کرتا بلکہ وہ الٹا اثر لیتے ہیں اس لئے وہ اب خاموش ہو گئے مگر تیسری جماعت برابر وعظ و نصیحت کرتی رہی **واللہ اعلم** چونکہ یہ ساکتین یعنی خاموش رہنے والے ان شکاریوں کے عزیز قرابت دار تھے اس لئے **منهم** فرمایا گیا یعنی وہ لوگ ان مجرموں میں سے ہی تھے انہیں کے عزیز اہل قرابت تھے **لم تعظون قوما** یہ عبارت **قالت** کا مفعول ہے۔ تعظون کے دو معنی ہو سکتے ہیں تم کیوں نصیحت کرتے ہو یا کیوں نصیحت کئے جا رہے ہو اگر یہ لوگ بالکل ہی خاموش رہے تھے تو اس کے معنی ہوں گے کیوں نصیحت کرتے ہو اور اگر پہلے یہ بھی وعظ کرتے تھے بعد میں خاموش ہو گئے تو معنی ہوں گے کیوں نصیحت کئے جا رہے ہو ہماری طرح تم بھی خاموش کیوں نہیں ہو جاتے **قوما** مفعول ہے تعظون کا اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اس قوم کو شکار چھوڑنے کی نصیحت کیوں کرتے ہو کیا فائدہ ہے **اللہ مهلکهم او معذبهم عذابا شدیدا** یہ عبارت صفت ہے **قوما** کی اس عبارت میں شکاریوں کی دو سزاؤں کا ذکر ہوا وہ بھی ان کے ساتھ۔ انہیں ہلاک کر دینا انہیں سخت سزا دینا ہلاکت سے مراد ہے انہیں تباہ کر دینا اسی طرح کہ ان کا تخم مٹ جاوے ان کے صرف قصے کہانیاں رہ جاویں اور **معذبهم** سے مراد ہے انہیں سخت

تکلیف وہ سزا دینا جس سے یہ ہلاک نہ ہوں مگر سخت تکلیف میں مبتلا ہو جاویں بعض نے فرمایا کہ **مهلكهم** سے مراد ہے دنیاوی عذاب اور **معذبهم** سے مراد ہے آخروی عذاب یعنی ایسی قوم کو تم کیوں نصیحت کرتے ہو جنہیں اللہ تعالیٰ دنیا میں عنقریب ہلاک و برباد فرمانے والا ہے اور آخرت میں دوزخ کا سخت عذاب دینے والا یا انہیں دنیا میں بھی عذاب دینے والا ہے اور آخرت میں بھی یا صرف آخرت میں عذاب دے گا دنیا میں نہیں "غالباً" ان لوگوں کو اندازہ ہو گیا تھا کہ یہ لوگ توبہ کرنے والے نہیں ان کا خاتمہ کفر پر ہو گا ان کا یہ قول کفر سے رضا کی وجہ سے نہ تھا بلکہ ان کفار سے مایوسی کی وجہ سے تھا اس جملہ کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں مگر یہ تفسیر قوی ہے **قالوا معذرة "الى ربكم** یہ ناصحین کا جواب ہے جو انہوں نے ساکتین کو دیا ان حضرات نے اپنی تبلیغ و نصیحت کی دو وجہیں بتائیں پہلی وہ جو یہاں ارشاد ہوئی ہماری قراءۃ میں **معذرة** "ت کے فتحہ سے ہے یہ بلغ پوشیدہ کا مفعول لہ ہے یعنی ہم تبلیغ کرتے ہیں معذرۃ و عذر خواہی کے لئے ایک قراءۃ میں **معذرة** ت کے پیش سے ہے یعنی ہماری تبلیغ معذرت ہے۔ معذرۃ مصدر ہے۔ معنی عذر اس کے دو معنی ہوتے ہیں ایک تو اپنی مجبوری جس کی وجہ سے گناہ سرزد ہوا یہ معنی یہاں مراد نہیں دوسرے اپنے فرض منصبی کی ادائیگی یعنی سبکدوشی وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی اگر قیامت میں ہم سے سوال ہوا کہ ان لوگوں نے شکار کیوں کیا تو ہم عرض کر سکتے ہیں کہ مولیٰ ہم نے اپنا فرض تبلیغ ادا کر دیا یہ لوگ نہیں مانے (از تفسیر کبیر) یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ معذرت کے تین معنی ہیں (1) جرم کا انکار کہ میں نے نہیں کیا (2) جرم کی وجہ کہ میں نے یہ کیوں کیا مجھے کیا مجبوری تھی یا یہ نیکی کیوں نہ کی رکاوٹ کیا تھی (3) آئندہ نہ کروں گا۔ تیسرے معنی توبہ ہیں لہٰذا ہر توبہ معذرت ہے مگر ہر معذرت توبہ نہیں اس کے بعد **من** آتا ہے مگر چونکہ یہاں انتہاء کے معنی اس میں شامل ہیں لہٰذا اس کے بعد **الى** آیا **ولعلهم يتقون** یہ تبلیغ کی دوسری وجہ بیان کی گئی۔ تقویٰ سے مراد شکار سے توبہ کر لینا ہے۔ یعنی ہم ان شکاریوں کی ہدایت سے مایوس نہیں دل اللہ کے قبضہ میں ہیں شاید ان کا دل ہماری تبلیغ سے پھر جاوے اور توبہ کر لیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہماری تبلیغ وعظ و نصیحت بیکار نہیں یا تو ان پر اثر کرے گی اگر نہ کرے تب ہم اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سرخرو ہو جائیں گے ہم پر تبلیغ نہ کرنے کی پکڑ نہ ہو گی خیال رہے کہ یہاں لعل یقین کے لئے نہیں بلکہ امید موہوم کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر: ایلہ والے تین گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو شکار کرنے لگے دوسرے وہ جو ان سے علیحدہ ہو گئے اور انہیں بہت منع کرتے رہے حتیٰ کہ دوسرے محلوں میں چلے گئے۔ اپنے اور ان کے درمیان میں دیوار بنالی تیسرے وہ جنہوں نے خاموشی اختیار کی نہ تو خود شکار کیا نہ شکاریوں کو منع کیا اس آیت میں ان آخری دو گروہوں کی گفتگو کا ذکر ہے جو انہوں نے آپس میں کی چنانچہ خاموش رہنے والے مبلغین سے بولے کہ تم لوگ ان عادی مجرموں کو کیوں سمجھاتے ہو ان کی تبلیغ میں وقت کیوں ضائع کرتے ہو یہ لوگ اپنی بدکاری سے باز آنے والے نہیں اللہ تعالیٰ یا تو انہیں ہلاک کرے گا یا ان کو سخت مصیبتوں میں گرفتار کرے گا ان کے کرتوت پتہ دے رہے ہیں کہ اب ان پر کچھ نہ کچھ وبال آنے والا ہے تب مبلغین بولے کہ ہمارے اس تبلیغ سے دو مقصد ہیں ایک تو قیامت کی پکڑ سے بچ جانا کہ ہم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ کہہ سکیں گے کہ مولیٰ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا تھا یہ لوگ نہ مانے دوسرے یہ کہ شاید یہ سب یا ان میں سے کوئی ہماری بات مان لیں اور اس حرکت سے توبہ کر کے متقی بن جاویں غرضکہ ہماری یہ کوشش انشاء اللہ رائیگاں نہ جاوے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مجرمین بدکاروں سے علیحدہ رہنا اچھا ہے ان کے ساتھ گھلے ملے رہنا خطرناک ہے اس میں اندیشہ ہے کہ ان پر جو عذاب آوے اس میں یہ بھی گرفتار ہو جاوے چکی گندم کے ساتھ گھن کو بھی پیس دیتی ہے یہ فائدہ بنی اسرائیل کے اس مذکورہ بالا عمل سے حاصل ہوا کہ ناصحین شکاریوں سے علیحدہ ہو گئے رب فرماتا ہے **فلا تقعد بعد الذکری مع القوم الظلمین**۔ **دوسرا فائدہ**: جس قوم کی ہدایت سے مایوسی ہو جاوے اس کو تبلیغ نہ کرنا خاموشی اختیار کرنا جائز ہے ممنوع نہیں یہ فائدہ **لم تعظون** سے حاصل ہوا کہ ساکتین نے تبلیغ سے خاموشی اختیار کی مگر رب نے اس خاموشی پر عذاب یا عتاب نہ فرمایا رب فرماتا ہے **علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اهتدیتم**۔ **تیسرا فائدہ**: متقی مومن اپنی فراست سے غیبی آئندہ کی بات جان لیتا ہے یہ فائدہ **اللہ مهلکهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو خاموش رہنے والے اسرائیلیوں نے جان لیا کہ ان پر عذاب آنے والا ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا حضور انور فرماتے ہیں **اتقوا فراسة المؤمن فانه ینظر بنور اللہ** مومن کی فراست و دانائی سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ **چوتھا فائدہ**: یہ ساکتین کی جماعت شکاریوں کے شکار سے راضی نہ تھی بلکہ ان سے بیزار تھی اس لئے ان پر عتاب یا عذاب نہ ہوا یہ فائدہ **اللہ مهلکهم** سے حاصل ہوا اگر وہ اس شکار سے راضی ہوتے تو ان کے متعلق یہ رائے قائم نہ کرتے۔ **پانچواں فائدہ**: جس شخص یا جس قوم کی ہدایت سے ناامیدی ہو اس کو بھی ہدایت تبلیغ نصیحت وعظ کرنا بہتر ہے اس کے دنیاوی اور اخروی فائدوں کی امید ہے یہ فائدہ **معذرة الی ربکم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالٰی نے ان مبلغین کا جواب جس میں اس تبلیغ کے فوائد کا ذکر ہے نقل فرمایا بغیر تردید۔ ہمارے حضور ﷺ نے ابوجہل ابولہب امیہ وغیرہم کفار کو ان کے مرتے وقت تک تبلیغ اسلام کی حالانکہ ان کے متعلق فرمادیا گیا کہ **ختم اللہ علٰی قلوبهم و علٰی سمعهم** اور ان کے متعلق خبر دے دی گئی تھی **سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم لا یؤمنون** اس کے باوجود حضور انور سے فرمایا گیا **یایها النبی بلغ ما انزل الیک من ربک**۔ **چھٹا فائدہ**: ایسے لوگوں کو تبلیغ کرنے سے اگرچہ ان لوگوں کو فائدہ نہ ہو مگر مبلغ کو تبلیغ کا ثواب ضرور ملے گا یہ فائدہ بھی **معذرة الی ربکم** سے حاصل ہوا معذرت کے معنی ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے رب تعالٰی نے اپنے محبوب ﷺ سے فرمایا **سواء علیهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم** دیکھو وہاں **سواء علیک** نہ فرمایا کیونکہ حضور انور کو انہیں تبلیغ فرمانے کا ثواب ملے گا ڈاکٹر مایوس مریض کا علاج کرے اسے فیس اور دوا کی قیمت ضرور ملے گی۔ **ساتواں فائدہ**: بدسے بدتر کافر کے ایمان سے بالکل مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ جب تک کہ اس کے کفر پر مرنے کی وحی نہ آجاوے اللہ تعالٰی قادر مطلق ہے وہ جسے چاہے ہدایت دے دے یہ فائدہ **لعلهم یتقون** سے حاصل ہوا کہ مبلغین نے کہا کہ شاید یہ شکاری لوگ متقی بن جاویں اگرچہ اسباب کے لحاظ سے مایوسی ہے مگر رب کی رحمت سے ضرور آس ہے۔

پہلا اعتراض: اللہ تعالٰی نے ساکتین اور مبلغین دونوں کے مختلف قول نقل کئے مگر تردید کسی کی نہ فرمائی ان میں سے کس کا قول درست تھا شکاریوں کو تبلیغ کرنا اچھا تھا یا ان سے علیحدگی بہتر۔ **جواب**: دونوں کام درست تھے مگر علیحدگی جائز تھی تبلیغ بہتر تھی لہٰذا دونوں درست تھے اس لئے کسی کی تردید نہیں فرمائی۔ **دوسرا اعتراض**: ان ساکتین کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ شکاریوں

www.alahazratnetwork.org

پر اللہ کا عذاب آنے والا ہے کہ وہ ہلاک ہونے والے ہیں یہ بات تو غیبی چیز تھی انہیں کیا خبر تھی کہ آئندہ کیا ہوگا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی فائدوں میں گذر گیا کہ ان کی فراست تھی مومن کی فراست الہام الہی ہوتی ہے چنانچہ ان کی یہ فراست بالکل درست ہوئی۔ **تیسرا اعتراض:** ان لوگوں نے کہا کہ **مهلكهم او معذبهم** ہلاکت اور عذاب تو ایک ہی چیز ہے پھر او کہہ کر کیوں ارشاد فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ہلاکت سے مراد ہے انہیں فنا کر دینا اور عذاب سے مراد ہے اخروی عذاب لہٰذا آیتہ کے الفاظ میں تکرار نہیں۔ **چوتھا اعتراض:** معذرۃ کے بعد **الٰی** کیوں آیا اس کے بعد تو **من** آنا چاہئے تھا۔ **جواب:** چونکہ یہاں معذرت میں انتہا کے معنی شامل ہیں معنی یہ ہیں کہ ایسی عذر خواہی جو رب کی بارگاہ تک پہنچے اس لئے **الٰی** فرمانا بالکل مناسب ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: جن دو جماعتوں کا یہاں ذکر ہوا اور ان کے قول یہاں نقل ہوئے ان میں سے ایک جماعت یعنی ساکتین نے رخصت پر عمل کیا کہ جن کی ہدایت سے مایوسی ہو ان کو تبلیغ نہ کرنے کی رخصت ہے اور دوسری جماعت یعنی مبلغین نے عزیمت پر عمل کیا کہ ایسوں کو بھی تبلیغ کرنا ان کی ایذا رسانی پر صبر کرنا عزیمت ہے۔ جس پر بڑے اجر کی امید ہے پہلی جماعت کی معافی ہے دوسری کو بڑا انعام مگر ذرا غور کیا جاوے تو پہلی جماعت یعنی ساکتین کی نظر تکوین پر تھی اور دوسری جماعت کی نظر تشریع پر چنانچہ جو کچھ پہلی جماعت کے منہ سے نکلا ہو بہو ویسا ہی ہوا کہ رب نے انہیں سخت عذاب دیا اور ہلاک بھی کیا کہ پہلے انہیں بندر بنا کر ذلیل و خوار کیا کئی دن تک انہیں دربدر پھرایا پھر بعد میں انہیں اس طرح ہلاک فرمایا کہ ان کی نسل بھی نہ چلی یہ ہے اللہ والوں کے منہ سے نکلی ہوئی بات کا انجام۔

بزرگوں کی زباں اللہ کی تقدیر ہوتی ہے ۔۔۔ کبھی وہ پھول ہوتی ہے کبھی شمشیر ہوتی ہے

لطیفہ: بخاری مسلم میں کچھ فرق کے ساتھ قصاص اسنان کے باب میں روایت کی کہ ربیع نے کسی لونڈی کا دانت توڑ دیا لونڈی کے مالک نے قصاص مانگا حضور انور نے قصاص کا حکم دیا تو انس ابن نضر نے عرض کیا **لا والذی بعثک بالحق لا یکسر ثنیتہ** اللہ کی قسم ربیع کا دانت نہیں توڑا جاوے گا۔ حضور انور نے فرمایا کتاب اللہ القصاص جناب انس نے پھر عرض کیا **لا والذی بعثک بالحق لا یکسر ثنیتہ** کئی بار یہ عرض معروض کیا آخر کار لونڈی کے مولی نے دیت منظور کر لی تب حضور نے فرمایا **ان من عباد اللہ من لو اقسم علی اللہ لابرہ** اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرمادے۔ صوفیاء کرام اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں کہ حضرت انس کا حضور انور سے عرض کرنا کہ اللہ کی قسم ربیع کے دانت نہ توڑے جائیں گے یہ فرمان عالی کا انکار نہیں بلکہ تکوین کو دیکھ کر تھا اور حضور انور کا فرمان عالی شرعی قانون بتانے کے لئے تھا پھر جب مقابل لوگوں نے فدیہ قبول کر لیا اور ربیع کے دانت بچ گئے تب حضور انور نے فرمایا کہ بعض اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ پوری فرمادے یعنی اے انس تم نے قسم کھائی تھی اللہ نے پوری کر دی یہ ہے مقبولوں کی زبان۔

www.alahazratnetwork.org

فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖۤ اَنْجَیْنَا الَّذِیْنَ یَنْهَوْنَ عَنِ السُّوْٓءِ وَ اَخَذْ

پس جب بھول گئے وہ بات کہ نصیحت کئے گئے تھے وہ جس کی تو نجات دی ہم نے ان کو جو روکتے تھے

پھر جب بھلا بیٹھے جو نصیحت انہیں ہوئی تھی ہم نے بچا لئے وہ جو برائی سے منع کرتے تھے

نَا الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بِعَذَابٍۭ بَىٕیْسٍۭ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ﴿۱۶۵﴾ فَلَمَّا

برائی سے اور پکڑ لیا ہم نے ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا سند بگاڑنے والے عذاب سے اس وجہ کہ وہ اطاعت سے نکلتے

اور ظالموں کو برے عذاب میں پکڑا بدلہ ان کی نافرمانی کا پھر جب انہوں نے

عَتَوْا عَنْ مَّا نُهُوْا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـٕیْنَ ﴿۱۶۶﴾

تھے۔ پس جب سرکشی کی انہوں نے اس سے کہ منع کئے گئے تھے تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ تو بندر دھتکارے ہوئے

ممانعت کے حکم سے سرکشی کی ہم نے ان سے فرمایا ہو جاؤ بندر دھتکارے ہوئے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ایلہ والوں کے سخت جرم اور ان کی بدترین سرکشی کا ذکر ہوا اب ان کی سخت سزا کا تذکرہ ہے گویا دلی بیماری کے ذکر کے بعد اس کے انجام و نتیجہ کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان دو جماعتوں کا ذکر ہوا جو مذکورہ بالا جرم یعنی ہفتہ کے دن شکار کرنے سے محفوظ رہے اب ان دونوں محفوظ جماعتوں کی نجات کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ساکتین کی ایک پیش گوئی بیان ہوئی کہ انہوں نے کہا تھا کہ ان شکاریوں کو اللہ تعالیٰ ہلاک و برباد کرے گا یا انہیں سخت سزا دے گا اب ان کی پیش گوئی کے ظہور کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **فلما نسوا ما ذکروا به** اس فرمان عالی میں **ف** بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے کیونکہ یہ واقعہ جواب ارشاد ہو رہا ہے گذشتہ مذکورہ واقعہ کے بہت عرصے کے بعد ہوا یہاں نسیان بمعنی بھولنا نہیں مقابل عمد کا بلکہ بمعنی لاپرواہ ہو کر چھوڑ دینا ہے (معانی وغیرہ) کیونکہ یہ شکاری لوگ نصیحتوں کو بھول نہیں گئے تھے بلکہ لاپرواہ ہو گئے تھے ان کی نصیحت کو ان سنی بنا دیتے تھے اور برابر شکار کرتے تھے۔ **ما** سے مراد وہ وعظ و نصیحت ہے جو ناھین کرتے رہتے تھے **ذکروا** بنا ہے **تذکیر** سے جس کا مادہ ذکر ہے بمعنی نصیحت اور وعظ یعنی جب مجرم شکاری ناھین کی نصیحت جان بوجھ کر بھلا بیٹھے کہ اس سے بالکل بے پرواہ ہو گئے تو **انجینا الذین ینھون عن السوء** یہ عبارت **لما** کی جزاء ہے **انجینا** بنا ہے نجات سے اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ بچالینا، نکال لینا یہاں بمعنی بچالینا ہے کیونکہ ان لوگوں کو عذاب پہنچا ہی نہیں یہ نہ ہوا کہ عذاب پہنچا پھر انہیں اس میں سے نکال لیا **ینھون** بنا ہے نہی سے بمعنی روکنا منع کرنا اس میں وہ دونوں مذکورہ جماعتیں داخل ہیں یعنی ساکتین (خاموش رہنے والے) اور ناھین کیونکہ ساکتین بھی ان سے بیزار تھے حتی کہ ان کے محلوں سے نکل کر دوسرے محلوں میں جا بسے تھے جیسا کہ ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے انشاء اللہ۔

لطیفہ: ایک بار حضرت عبداللہ ابن عباس روتے تھے اور فرماتے تھے کہ خبر نہیں ساکتین کا کیا حال ہوا وہ بچے یا ہلاک ہوئے تو

www.alahazratnetwork.org

آپ کے آزاد کردہ غلام جناب عکرمہ نے عرض کیا کہ آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں وہ لوگ بھی ان شکاریوں کے عمل سے بیزار و متنفر تھے وہ بھی نہی کرنے والوں میں داخل ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے انکی ہلاکت کا علیحدہ ذکر نہیں فرمایا لہٰذا **الذین ینھون** میں یہ دونوں جماعتیں داخل ہیں اس پر حضرت ابن عباس بہت ہی خوش ہوئے اور عکرمہ کو حلہ (قیمتی جوڑا) عطا فرمایا اور کہنے لگے **بحت الساکتہ بخت الساکتہ** واقعی ساکتین بھی نجات پا گئے (معانی۔ خازن وغیرہ) **عن السوء** میں **سوء** سے مراد ہفتہ کے دن کا شکار ہے **واخذنا الذین ظلموا** یہ عبارت معطوف ہے **انجینا** پر اور **فلما نسو** کی جزا **الذین ظلموا** سے مراد شکار کرنے والے مجرمین ہیں **ظلموا** ماضی دائمی کے معنی میں ہے یعنی جو ظلم کرتے رہے کیونکہ انہوں نے صرف ایک بار شکار نہ کیا تھا بلکہ عرصہ تک کرتے رہے تھے رب نے بہت عرصہ انہیں ڈھیل دی **بعذاب بئیس** یہ عبارت متعلق ہے **اخذنا** کے عذاب بمعنی سزا **بئیس** ہماری قراءت میں بروزن فعیل ہے بنا ہے بوس سے بمعنی شدۃ و سختی **بئیس** بمعنی شدید یعنی ہم نے ظالم شکاریوں کو سخت عذاب میں گرفتار کیا اس میں گفتگو ہے کہ وہ سخت عذاب کیا تھا ظاہر یہ ہے کہ یہ عذاب بندر بنانے کے سوا کچھ اور تھا سخت بیماریاں ناداری وغیرہ جب وہ اس پکڑ پر بھی باز نہ آئے تب بندر بنا کر ہلاک کئے گئے کیونکہ یہ عذاب تو ان کے نسیان کی سزا قرار دیا گیا اور بندر بنا کر ہلاک کرنا ان کی سرکشی کی سزا قرار دیا گیا جس کا ذکر آگے ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے وہ ہی بندر بنانے والا عذاب مراد ہے اور عطف تفسیری یعنی وہ آیتہ کریمہ اس کی تفسیر ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے (دیکھو تفسیر بیضاوی۔ روح المعانی وغیرہ) **بما کانوا یفسقون** یہ عبارت متعلق ہے **اخذنا** کے اور اس کی وجہ بیان فرما رہی ہے۔ فسق کے معنی اس کے اقسام و احکام پہلے پارے میں بیان ہو چکے یعنی اس وجہ سے ہم نے انہیں سخت عذاب میں مبتلا کیا کہ وہ عرصہ دراز سے فسق و فجور اور نافرمانیوں میں مبتلا تھے۔ کسی ناصح کی بات پر کان ہی نہ دھرتے تھے **فلما عتوا عما نھوا عنہ** اس فرمان عالی میں ان کے دوسرے جرم کا ذکر ہے **عتو** بنا ہے **عتو** سے بمعنی سرکشی یا مقابلہ یعنی پہلے تو وہ بزرگوں کی وعظ و نصیحت سے صرف لاپرواہ رہے ہم نے انہیں ڈھیل دی جب انہوں نے اس ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ناصحین کا مقابلہ کیا اپنے جرم کو اچھا کہا ان کے وعظ و نصیحت کو برا لہٰذا نسیان اور سرکشی میں فرق ظاہر ہے۔ نسیان یعنی بے پرواہی گناہ کی پہلی سیڑھی ہے اور سرکشی و طغیان آخری سیڑھی خیال رہے کہ **عما نھو** میں **ترک** پوشیدہ ہے اصل عبارت یوں ہے **عن ترک ما نھو عنہ** کیونکہ شکاریوں نے شکار کے چھوڑنے سے سرکشی کی نہ کہ شکار سے یعنی شکار چھوڑنے میں اپنی ذلت اور بے عزتی سمجھی شکار پر فخر کرنے لگے (معانی) **قلنا لھم کونوا قردۃ خسئین** یہ عبارت **فلما عتوا** کی جزا ہے **قلنا** میں قول سے مراد تکوینی فرمان ہے جیسے **اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون** میں قول سے مراد تکوینی قول یعنی ارادہ کرنا چاہنا ہے یعنی ہم نے ارادہ فرما لیا چاہ لیا کہ وہ بندر ہو جائیں قول تکلیفی مراد نہیں (معانی و کبیر وغیرہ) **قردۃ** جمع ہے اور واحد مذکر **قرد** ہے اس کا مونث **قردۃ** ہے د کے سکون سے اس کی جمع **قردۃ** ہے **ق** کے کسرہ اور د کے فتح سے جیسے قرتہ کی جمع قرب ہے (روح البیان) قرد معنی نر بندر اور قردہ معنی مادہ بندریا **خاسئین** بنا ہے خساء سے بمعنی دور کانا رحمت سے دور کرنا پھٹکارنا خاسئین رحمت الٰہی سے دور ہو جانے والے یہ قردۃ کی صفت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام مجرم بندر بنا دیئے گئے بعض نے کہا کہ ان کے جوان تو بندر کر دیئے گئے اور بوڑھے سور مجاہد کا قول ہے کہ ان کے

www.alahazratnetwork.org

دل بندر جیسے نا سمجھ بنادیئے گئے تبدیلی شکل نہ ہوئی بلکہ تبدیلی دل ہوئی مگر یہ قول بالکل باطل ہے (روح المعانی و تفسیر بیضاوی وغیرہ) خیال رہے کہ بندر سارے جانوروں میں زیادہ سمجھ دار ہوتا ہے آج کل یورپ والے اس سے انسانوں کے کام لیتے ہیں نیز ہر زمانہ میں لاکھوں انسان ایسے ہوتے رہے ہیں جو ہدایت قبول نہیں کرتے پھر صرف ان شکاریوں کے متعلق فرمایا کہ ان کے دل بندروں کے سے نا سمجھ کردیئے غلط ہے یہ ہی صحیح ہے کہ ان کی شکلیں بندروں کی سی کردی گئیں سواء مجاہد کے کسی مفسر نے دلی مسخ مراد نہیں لیا۔ خیال رہے کہ بندروں کو لوگ پالتے بھی ہیں ان سے محبت بھی کرتے ہیں مگر وہ لوگ ایسے بندر بنے کہ ان سے کوئی محبت نہ کرے، ہر ایک دور دور کرے اس لئے **خاسئین** فرمایا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ ان کے جسموں سے ایسی بدبو آتی تھی کہ کوئی انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہرنے دیتا تھا بہر حال **خاسئین** فرمانا بالکل درست ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان شکاری مجرمین نے پہلا جرم تو یہ کیا کہ نصیحت کرنے والے، اعلٰین کی نصیحت سے بے پرواہ ہوگئے جب ان کی بے پرواہی حد سے بڑھی ناصحین نصیحت کرتے رہے اور یہ برابر شکار کرتے رہے تو ہم نے نصیحت کرنے والوں کو ان سے بیزار رہنے والوں کو تو عذاب سے محفوظ رکھا اور ظالم شکاریوں کو ان کی نافرمانی پر جمے رہنے کی وجہ سے برے عذاب میں گرفتار کیا۔ بیماری ناداری وغیرہ مگر جب وہ اس پر بھی جرموں سے باز نہ آئے بلکہ وہ حکم خداوندی یعنی شکار کی ممانعت سے اور بھی زیادہ سرکش ہوگئے کہ ناصحین کا مذاق اڑانے لگے اپنے جرم کو اچھا ناصحین کی **نصیحت** کو غلط سمجھنے لگے تو ہم نے انہیں بندر بنادینے کا ارادہ فرمالیا چنانچہ ہم نے فرمایا کہ بن جاؤ بندر مگر بندر بھی ایسے نہیں کہ لوگ تم سے **محبت** کریں، تمہیں پالیں پرورش کریں بلکہ ایسے بندر بنو کہ لوگ تم سے نفرت کریں تم کو دور کاریں اپنے پاس نہ پھٹکنے دیں۔

تفصیلی واقعہ: یہ تو پہلے بیان ہوچکا ہے کہ بنی اسرائیل پر ہفتہ کے دن شکار سخت حرام تھا مگر رب کی طرف سے ان کا سخت امتحان یہ ہوا کہ ہفتہ کے دن تو مچھلیاں بہت زیادہ سمندر میں نمودار ہوتی تھیں سطح سمندر مچھلیوں کے منہ سے سیاہ ہوجاتی تھیں پھر جہاں ہفتہ گزرا کہ مچھلیاں غائب ہوگئیں عرصہ تک تو یہ لوگ صبر کیے رہے پھر ان میں سے ایک آدمی نے ہفتہ کے دن ایک مچھلی پکڑ کر اس کے منہ میں مضبوط دھاگا باندھا اور اسے سمندر میں چھوڑ دیا مگر دھاگا کا دوسرا کنارہ کنارہ سمندر پر ایک کیل سے باندھ دیا جس سے وہ مچھلی بھاگ نہ سکی پھر اسی دھاگے کے ذریعہ اتوار کے دن اسے پکڑ لیا اور غور کیا کہ ہمارے اس کام پر عذاب آتا ہے یا نہیں۔ عذاب کوئی نہ آیا تو اگلے ہفتہ دو مچھلیاں اس طرح شکار کیں پھر بھی عذاب نہ آیا جب انہیں عذاب نہ آنے کا یقین ہوگیا تو عام طور پر لوگ اسی دھاگہ کے ذریعہ شکار کرنے لگے اور مچھلی کی تجارت خوب چمک گئی پھر انہوں نے خیال کیا کہ دھاگہ سے شکار کرنے میں دشواری ہوتی ہے تو سمندر کے قریب بڑے بڑے حوض کھودے اور ان کے ذریعہ شکار کرنے لگے جیسا کہ ابھی پچھلی آیتہ میں ذکر کیا گیا۔ ان شکاریوں کی تعداد میں بڑا اختلاف ہے۔ قوی یہ ہے کہ ستر ہزار تھے بستی والے تین گروہ بن گئے دوسرے دو گروہ یعنی ساکتین اور ناصحین ان شکاریوں کے محلوں سے چلے گئے علیحدہ اپنے محلے بنائے بیچ میں دیوار کھینچ لی ایک دن ان لوگوں نے دیکھا کہ دیوار کے پیچھے سے نہ تو کوئی نکلا نہ ان کے محلوں میں کچھ کاروبار ہورہا ہے نہ چہل پہل ہے نہ کسی کی آواز تب یہ دونوں جماعتیں دیوار پر چڑھیں دیکھا کہ اس طرف نرے بندر بھرے پڑے ہیں، جو چو طرف دوڑتے پھرتے ہیں انہیں دیکھ کر وہ ان کے پاس دم ہلاتے آنکھوں سے آنسو بہاتے آئے ان لوگوں نے کہا کہ بولو ہم تم کو منع کرتے تھے تم سے

www.alahazratnetwork.org

بیزار تھے مگر تم نے ہماری ایک نہ مانی یہ بندر سمجھتے جانتے پہچانتے تھے مگر منہ سے کچھ بول نہ سکتے تھے آخر کار تین دن کے بعد ہلاک کر دیئے گئے یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں ہوا (تفسیر روح المعانی و روح البیان وغیرہ)۔

فائدے: اس آیتہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شکاری اسرائیلیوں نے دو جرم کئے تھے جن کی انہیں دو سزائیں ملیں پہلا جرم تو یہ کہ انہوں نے ناصحین کی نصیحت کی پرواہ نہیں کی ان کی باتوں پر کان نہیں دھرا اس کی سزا میں ان پر بیماری قحط وغیرہ آئیں مگر ان سے ناصحین و ساکتین محفوظ رہے دوسرے یہ کہ بعد میں ان شکاریوں نے اپنے جرم کو اچھا سمجھا ناصحین کا مذاق اڑایا ان کے فرمان کو غلط جانا اس کی سزا میں وہ سارے کے سارے بندر بنا دیئے گئے یہ فائدہ **فلما نسوا** اور **فلما عتوا** میں دو جگہ **لما** فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی اس آیتہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ مجرم کو جلد نہیں پکڑتا پہلے بہت ڈھیل دیتا ہے جب مجرم کا پیالہ بھر جاتا ہے تب پکڑتا ہے یہ فائدہ **قلنا لهم** سے حاصل ہوا انسان کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی ڈھیل سے دھوکہ نہ کھائے بلکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ گناہوں پر انسان کو نعمتیں ملتی ہیں وہ نعمتیں رب تعالیٰ کے سخت عذاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے فرماتا ہے **فلما نسوا ما ذكروا به فتحنا عليهم ابواب كل شیء**۔ **تیسرا فائدہ:** جو شخص گناہوں اور گنہگاروں دونوں سے الگ رہے انشاء اللہ وہ عذاب سے محفوظ رہے گا یہ فائدہ **انجينا الذين ينهون** سے حاصل ہوا اہل بروں کے ساتھ رہنا خطرناک ہے۔ **چوتھا فائدہ:** شکل و صورت کی تبدیلی جسے مسخ کہتے ہیں ممکن بلکہ واقع ہے یہ فائدہ "**كونوا قردة**" سے حاصل ہوا لیکن تبدیلی روح ناممکن ہے یعنی روح انسانی جسے نفس ناطقہ کہتے ہیں اس میں تبدیلی ناممکن ہے یعنی روح انسانی بندر کی روح نہیں بن سکتی جسے اواگون کہتے ہیں اواگون کا عقیدہ کفر ہے دن رات شکل کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے جسم انسانی قبر میں مٹی بن جاتا ہے ہوا پانی اور پانی ہوا یوں ہی آگ ہوا اور ہوا آگ بن جاتے ہیں ان سب میں تبدیلی جسم ہے اور تبدیلی روح نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کی لاٹھی سانپ بن جاتی تھی اور پھر سانپ لاٹھی۔

مسئلہ: جو لوگ جانوروں کی شکل میں مسخ ہوئے وہ انسانوں کی سی سمجھ بوجھ رکھتے تھے اپنے عزیزوں کو پہچانتے تھے ان کی باتیں سمجھتے تھے ان کو جواب نہیں دے سکتے تھے اگر انہیں یہ چیزیں نہ ہوتیں تو تکلیف انہیں قطعاً محسوس نہ ہوتی اور بغیر تکلیف عذاب کیسا۔ آریوں کے اواگون میں یہ بات نہیں دنیا میں جو جانور پیدا ہوتے ہیں انہیں خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کبھی انسان تھے ہمارے یہ جرم تھے ان کی وجہ سے ہم کو یہ سزا ملی۔ **مسئلہ:** جو قوم مسخ ہو جاوے اس کی نسل نہیں چلتی چند روز بعد ہلاک کر دی جاتی ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے لہٰذا موجودہ بندر اس قوم کی اولاد میں سے نہیں وہ تو فنا کر دی گئی۔ **مسئلہ:** جس مومنہ عورت کا خاوند مسخ ہو جاوے تو اگر مسخ ہو کر پتھر لکڑی بن جاوے تو وہ عورت عدت وفات گزارے اور اگر خاوند جانور بن گیا ہے تو عورت عدت طلاق گزارے اور اگر مسخ ہو کر انسان ہی رہے جیسے حسین تھا بدشکل بن گیا تو نکاح قائم ہے اس مسئلہ کی تفصیل اور دلائل ہمارے فتاویٰ نعیمیہ میں ملاحظہ کرو۔

پہلا اعتراض: ان آیتوں میں دو جگہ **فلما** ارشاد ہوا ہے مع اپنی جزاؤں کے۔ بتایا جاوے کہ ان شکاری مجرموں پر نسیان کا عذاب کیا آیا اور سرکشی کا عذاب کیا آیا۔ **جواب:** ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس کے متعلق مفسرین کی دو تفسیریں ایک یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

دونوں جرموں کی سزا آخر میں ایک ہی دی گئی یعنی بندر بنا دینا اس صورت میں **فلما عتوا** پہلی آیۃ کی تفسیر یا تفصیل ہے دوسرے یہ کہ پہلے جرم یعنی نسیان کی سزا اجمالاً" بیان ہوئی۔ بیماری قحط یا اور کوئی رنج و غم وغیرہ اور سرکشی کی سزا بندر بنا دینا۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہے **فلما نسوا** جب وہ بھول گئے یہ لوگ بھولے کیسے ناصحین تو برابر ان کے وعظ و نصیحت کرتے تھے نیز بھول چوک پر سزا نہیں دی جاتی بھول اور خطا معاف ہے پھر انہیں بھول پر سزا کیوں دی گئی۔ **جواب**: ابھی ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں نسیان بمعنی لاپرواہی ہے یا لاپرواہی سے بھلا دینا لہٰذا یہ دونوں اعتراض اس پر وارد نہیں ہوتے۔ خیال رہے کہ بھول اور خطا کی معافی اسلامی قانون ہے گزشتہ دینوں میں ان پر بھی پکڑ تھی۔ **تیسرا اعتراض**: ان آیتوں میں دو جماعتوں کا ذکر ہوا منع کرنے والوں کی نجات اور شکار کرنے والوں کی سزا تیسری جماعت یعنی خاموش رہنے والی جماعت کا کیا حال ہوا۔ **جواب**: قوی یہ ہے کہ ان کی بھی نجات ہو گئی وہ بھی **ینھون عن السوء** کی جماعت میں داخل ہیں گناہ سے منع کرنا تین طرح کا ہوتا ہے ہاتھ سے 'زبان سے 'دل سے یعنی دل سے بیزار ہونا متنفر ہونا۔ خیال رہے کہ عام مفسرین محدثین صحابہ کا یہی قول ہے کہ ساکتین نجات پا گئے۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس اولاً" تو فرماتے تھے کہ وہ بھی گرفتار عذاب ہوئے پھر اس بارے میں خاموشی اختیار فرمائی پھر رجوع فرما کر یہی فرمایا کہ ان کی بھی نجات ہو گئی۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم نے ان سے فرمایا کہ بندر بن جاؤ۔ کیا وہ خود اپنے ارادے سے بندر بنے اگر بنے تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہاں **قلنا** سے شرعی حکم مراد نہیں بلکہ تکوینی حکم مراد ہے یعنی ارادہ فرمالینا جیسے **ان یقول لہ کن فیکون** لہٰذا اس میں نہ تو ان سے خطاب ہے نہ ان کے اختیار کو دخل۔ **پانچواں اعتراض**: ان لوگوں کے دل بندروں کی طرح بے سمجھ کر دیئے گئے تھے نہ کہ ان کی صورتیں بندروں کی سی ہو گئیں یہ تو ہو نہیں سکتا (مرزائی وغیرہ)۔ **جواب**: یہ اس آیۃ کی تفسیر نہیں بلکہ تحریف ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ قرآنی آیات قرآنی الفاظ کو ظاہری معنی سے پھیرنا بلا سخت ضرورت جائز نہیں ورنہ شریعت ہی ختم ہو جاوے گی صلوۃ و صوم' حج و زکوۃ کے الٹے پلٹے معنی کر لو۔ ساری عبادات ختم ہو گئیں۔ دوسرے یہ کہ بندر بے وقوف نہیں ہوتا وہ تو سارے جانوروں سے زیادہ چالاک ہوتا ہے تیسرے یہ کہ بے وقوف تو پہلے ہی تھے پھر اب ان کو بے وقوف بنانے کے کیا معنی۔ چوتھے یہ کہ پہلے بھی اور بعد میں بھی کفار ناسمجھ ہوتے رہے اور ہوتے رہیں گے پھر خصوصیت سے ان کے متعلق فرمانا کہ بندر ہو جاؤ کیونکر درست ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: انسان کا بندر بن جانا غیر ممکن ہے اگر وہ لوگ واقعی بندر بن گئے تھے تو آریوں کا آواگون کا عقیدہ درست ہے کہ پہلے سارے انسان ہی تھے بعد میں اپنے اعمال کے مطابق مختلف جانور بن گئے جو آج نظر آ رہے ہیں اب بھی انسان جیسے عمل کرے گا ویسی ہی جون میں آوے گا۔ **جواب**: مسخ صورت بالکل حق ہے اور آواگون بالکل باطل۔ چند وجوں سے ایک یہ کہ مسخ میں صرف صورت کی تبدیلی ہوتی ہے جو کہ ممکن بلکہ واقع ہے اور آواگون میں تبدیلی روح کی ہوتی ہے جو کہ ناممکن ہے۔ دوسرے یہ کہ مسخ میں ممسوخ کی نسل نہیں چلتی مگر آواگون میں اس جانور کی نسل چلتی ہے۔ تیسرے یہ کہ مسخ میں ممسوخ کو اپنی پچھلی زندگی اس زندگی کے حالات یاد ہوتے ہیں جن پر وہ پچھتاتا اور تکلیف محسوس کرتا ہے لوگوں کی باتیں سنتا سمجھتا ہے مگر بول نہیں سکتا مگر آواگون میں یہ کوئی بات نہیں لہٰذا مسخ تو جرم کی سزا بن سکتی ہے مگر آواگون سزا نہیں بن سکتی۔ چوتھے یہ کہ مسخ میں شکل کی تبدیلی قدرتی طور پر معجزانہ انداز سے ہوتی ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

جسم انسانی جسم حیوانی بن جاتا ہے مگر اواگون میں قانونی طور پر یہ تبدیلی ہوتی ہے کہ جسم انسانی تو فنا ہو گیا پھر نر و مادہ جانور کے ذریعہ بچہ پیدا ہوتا ہے بعد میں جوان و بوڑھا یہ محض باطل پانچویں یہ کہ اگر اواگون حق ہو تو چاہیے تھا کہ دنیا میں انسان برابر گھٹتے رہتے کیونکہ انسان ہی تو جانور بن کر آرہے ہیں اور اس مناسبت سے جانور بڑھتے رہتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ انسان برابر بڑھ رہے ہیں تو پھر جانور کہاں سے آرہے ہیں۔ چھٹے یہ کہ اگر بدکار انسان اپنے گناہوں کی وجہ سے جانور بن کر آتے ہیں تو بتاؤ کہ وہ نیک کار انسان جنہوں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہمیشہ اچھے اعمال ہی کئے جیسے نبی ولی یا تمہارے رشی منی مرنے کے بعد کس شکل میں دنیا میں آتے ہیں ایسی زندگی دکھاؤ جس میں خالص عیش ہو تکلیف کا شائبہ بھی نہ ہو دنیا میں ایسی زندگی کوئی نہیں شاہ سے لے کر گدا تک سب ہی رنج و غم میں مبتلا رہتے ہیں لہذا دنیا دار العمل ہے دار الجزاء نہیں آخرت دار الجزاء ہے جہاں تکلیف بھی خالص ہے آرام بھی خالص۔ **ساتواں اعتراض**: مسخ کفر پر ہی ہوتا ہے یا گناہوں پر بھی ہوتا ہے۔ **جواب**: مسخ ایک طرح کا دنیاوی تعیبی عذاب ہے اور عذاب الٰہی نبی کو رنج و غم پہنچانے سے آتا ہے خواہ وہ کفر پر غم کریں یا گناہ پر قارون بظاہر مومن تھا صرف زکوۃ نہیں دیتا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام کو اس سے غم ہوا تو قارون زمین میں دھنسا دیا گیا۔

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد تادلے صاحب دلے نہ آمد بدرد!

قوم شعیب کم تولنے پر قوم لوط اغلام کرنے پر ہلاک کی گئی یہ چیزیں گناہ ہیں مگر چونکہ ان سے نبی کو دکھ پہنچا تو عذاب آگیا۔ **آٹھواں اعتراض**: اگر خاوند مسخ ہو جاوے بیوی ہو تو اس کا نکاح باقی رہے گا یا نہیں اگر نہیں تو عورت عدت وفات گزارے یا عدت طلاق۔ **جواب**: اگر خاوند مسخ ہو کر انسان ہی رہے مثلاً خوبصورت تھا گناہوں کی وجہ سے بدشکل ہو گیا تو نکاح قائم ہے اور اگر انسان کی شکل پر نہ رہے تو اگر بے جان لکڑی پتھر بن گیا ہے تو عورت عدت وفات گزارے جیسے اساف کو پتھر بنا دیا گیا تھا اور اگر جانور بن گیا ہے تو چونکہ وہ غیر جنس ہو گیا اور غیر جنس سے انسان کا نکاح نہ تو منعقد ہوتا ہے نہ باقی رہتا ہے لہذا یہ نکاح فسخ ہو گیا اور فسخ نکاح کی عدت طلاق کی ہے۔ خیال رہے کہ نہ تو حضرت سلیمان کا نکاح جناتی سے ہوا تھا نہ حضرت علی کا یہ سب غلط محض ہے انسان کا نکاح بکری گائے بھینس جناتی وغیرہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ غیر جنس ہیں۔ **نواں اعتراض**: یہاں قردۃ کے ساتھ **خاسئین** کا ذکر کیوں ہوا جب وہ بندر بنا دیئے گئے تو در کارے ہوئے خود ہی ہو گئے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ بندروں کو بعض لوگ پال لیتے ہیں ان کی خاطر کرتے ہیں مگر وہ ایسے بندر بنے کہ ان کے پاس کوئی آدمی ٹھہر نہیں سکتا تھا ان میں سخت بدبو تھی لہذا انہیں ہر ایک دھتکارتا تھا کوئی انہیں اپنے پاس نہیں ٹھہرنے دیتا تھا اس لئے فرمایا **خاسئین**۔

تفسیر صوفیانہ: مسخ صورت اللہ کا عذاب ہے مگر مسخ سیرت یعنی دل مسخ کر دینا اس سے بدتر عذاب ہے یہ عذاب تاقیامت آتا رہے گا کہ انسان کا دل اچھائی سے برائی کی طرف مائل ہو جاوے ان اسرائیلیوں نے ناجائز طور پر مچھلی کھائی تو مسخ صورت کے عذاب میں گرفتار ہوئے جو کوئی ناجائز طور پر کسی انسان کی جان یا مال کا شکار کرے اس کا دل مسخ ہو جاتا ہے جسم انسانی گویا ایلہ بستی ہے جو بشریت کے دریا کے کنارہ واقع ہے انسانی صفات گویا اس بستی کے باشندے ہیں یہ صفات انسانی تین قسم کے ہیں۔ صفات روحانی۔ صفات جنانی (قلبی) صفات نفسانی۔ ان سب کو بشری دواعی کے شکار سے منع کیا گیا یہ صفات کی تین قسمیں ہو گئیں صفات روحانیہ تو اس شکار سے باز رہے بلکہ دوسروں کو منع بھی کرتے رہے اور جنانی صفات خاموش رہے مگر نفسانی

www.alahazratnetwork.org

صفات نے یہ شکار کرلیا اور کررہے ہیں۔ اے انسان یہ شکار دن رات خود تیرے اندر ہو رہا ہے اپنا انجام سوچ لے۔ جس پر صفات نفسانی کا غلبہ ہے اس کے لئے ہلاک ہے۔ جس پر روحانی صفات کا غلبہ ہے اس کے لئے درجات ہیں اور جس پر جنّاتی صفات کا غلبہ ہے ان کے لئے درکات میں مولانا فرماتے ہیں۔

نفس تو تا مست و تازہ و فرید   وانکہ روحت خلسہ نعیمی ندعد
کہ علاما تست زاں دیدار نور   التجا فی منک عن دارالغرور

وَاِذۡ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَيَبۡعَثَنَّ عَلَيۡهِمۡ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ مَنۡ يَّسُوۡمُهُمۡ
اور جب اطلاع دی رب نے تمہارے البتہ ضرور بھیجے گا اوپر ان کے روز قیامت تک اسے۔ جو چکھائے گا انہیں
اور جب تمہارے رب نے حکم سنادیا کہ ضرور قیامت کے دن تک ان پر ایسے کو بھیجتا رہوں گا جو
سُوۡٓءَ الۡعَذَابِ ؕ اِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيۡعُ الۡعِقَابِ ۖۚ وَاِنَّهٗ لَغَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۱۶۷﴾
سختی عذاب کی   تحقیق رب تمہارا البتہ جلد عذاب والا ہے اور تحقیق وہ البتہ مغفرت والا رحم والا ہے
انہیں بری مار چکھائے۔ بیشک تمہارا رب ضرور جلد عذاب والا ہے اور وہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں یہود کی بد عملیوں ان کی سرکشیوں کا ذکر ہوا اب ان کی دائمی ذلت و خواری کا تذکرہ ہے گویا وقتی بد عملیوں کے ذکر کے بعد دنیاوی دائمی سزا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں یہود کی وقتی سزا کا ذکر ہوا یعنی ان کا بندر بن جانا اور ہر طرف سے پھٹکارا جانا اب ان کی دائمی سزا یعنی تاقیامت ذلت و خواری کا تذکرہ ہو رہا ہے گویا بتایا یہ جارہا ہے کہ ان کی دنیاوی سزا اس وقت ختم نہیں ہوگی بلکہ ان کی قوم پر ابدالاباد تک پھٹکار پڑتی رہے گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں یہود کے مخصوص عذاب کا ذکر تھا یعنی خاص جماعت کے عذاب کا اب ان پر عمومی عذاب کا تذکرہ ہے یعنی ساری قوم پر لعنت و پھٹکار کا۔

تفسیر: **واذتاذن ربک** یہ جملہ نیا ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **اذ** سے پہلے **اذکر** فعل پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب آپ موجودہ بنی اسرائیل سے یا مومنین سے یا تمام لوگوں سے تذکرہ کرو **تاذن** بنا ہے **اذن** سے ۔ بمعنی اطلاع باب تفعل باب افعال کے معنی میں ہے یعنی آذن 'اعلان عام فرمایا سب کو اطلاع دے دی جیسے **توعد** ۔ بمعنی **ایعاد** آتا ہے (بیضاوی وغیرہ) یا بنا ہے **اذن** ۔ بمعنی ارادہ سے یعنی رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا اپنا ذکر **ربک** سے فرمایا تاکہ حضور ﷺ کی قدر و منزلت اور آپ کی محبوبیت معلوم ہو کہ رب تعالیٰ اپنا ذکر اپنے محبوب کے پتہ سے فرماتا ہے اس میں اور بہت حکمتیں ہیں غالباً" رب تعالیٰ کا یہ اعلان زبور' انجیل اور انبیاء کرام کی معرفت کیا گیا تھا **لیبعثن علیھم** یہ **اذتاذن** کا جواب ہے **اذتاذن** میں قسم کے معنی تھے یہ قسم کا جواب ہے **یبعثن** بنا ہے بعث سے اگر اس کے بعد **فی** یا **الی** ہو تو پیغام بری یا رحمت کے لئے بھیجنا مراد ہوتا ہے جیسے

www.alahazratnetwork.org

ابعث فیھم رسولا اور اگر اس کے بعد **علٰی** ہو تو قہر و غضب کے لئے مسلط کرنا مراد ہوتا ہے یہاں یہ ہی مراد ہے **ھم** سے مراد نہ تو بندر بن جانے والے یہودی ہیں کہ ان کی نسل ہی نہ چلی نہ وہ خود زندہ رہے اور نہ ناصحین اور ساکتین اور بنی اسرائیل مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ ان پر تو رب تعالیٰ کی رحمتیں نازل ہوئیں بلکہ اس سے مراد ان کے ہم قوم یہودی ہیں تاقیامت جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **الی یوم القیمۃ** یہ عبارت متعلق ہے **لیبعثن** کے اور **یوم القیمۃ** سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کا زمانہ ہے کہ آپ کی تشریف آوری قیامت کی بڑی علامت ہے اس وقت سے گویا قیامت شروع ہو جاوے گی کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام یہود کیا سارے کفار کو فنا کر دیں گے صرف اسلام باقی رکھیں گے لہٰذا یہود پر تخت سلاطین مقرر ہوتے رہیں گے جن کے درمیان وقفے ہوا کریں گے کیونکہ **یبعثن** استمرار کے لئے ہے جیسے ہم کو رونا آیا کرتا ہے یا آتا رہتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہر آن آتا ہے **من یسومھم سوء العذاب** یہ **یبعثن** کا مفعول ہے **من** سے مراد بادشاہ سلاطین ہیں **یسوم** بنا ہے **سوم** سے بمعنی چکھانا ہے مگر ہر چکھانے کو **سوم** نہیں کہتے بلکہ ناقابل برداشت چیز کسی پر ڈالنے کو **سوم** کہا جاتا ہے اسی لفظ کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں **یسومونکم سوء العذاب** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **سوء العذاب** سے مراد وہ دنیاوی سختیاں ہیں جو یہود کی طاقت سے زیادہ ہوں جیسے قتل، قید ان پر جزیہ مقرر کرنا انہیں غلام بنا کر رکھنا چنانچہ یہود پر حضرت سلیمان علیہ السلام سلطان مقرر ہوئے ان کے بعد **بخت نصر، سنجاریب** پھر رومی سلاطین پھر مجوسی سلاطین حتی کی حضور انور کے زمانہ تک یہود مجوسیوں کے باج گذار رہے۔ پھر حضور ﷺ پھر حضرت عمر ؓ کہ حضور انور نے انہیں مدینہ منورہ سے خیبر کی طرف نکالا پھر حضرت عمر نے خیبر سے بھی نکالا اب ہمارے زمانہ میں ہٹلر نے جرمنی سے یہود کو نکالا ان کی حرکتیں ہی ایسی ہیں کہ کوئی سلطنت انہیں اپنے ملک میں رکھنے پر آمادہ نہیں ہوتی اب امریکہ بلکہ کسی بھی سلطنت نے انہیں اپنے ملک میں نہ رکھا بلکہ انہیں فلسطین میں مسلمانوں کے سینہ پر بسایا جو اب مسلمانوں کے لئے ناسور بن گئے انشاء اللہ یہ واقعات یہود کی کسی بھی ذلت کا پیش خیمہ ہیں۔ اللہ سچا اس کے رسول سچے قرآن سچا اس کے وعدے سچے مگر شعر:

اے رضا ہر کام کا ایک وقت ہے　　　دل کو بھی آرام ہو ہی جائے گا

یہ تو یہود کے دنیاوی عذاب کا ذکر تھا ان کے اخروی عذاب کے متعلق ارشاد ہے **ان ربک لسریع العقاب** عذاب آخرت یہود پر اس دنیاوی عذاب کے علاوہ ہوگا جو ان کی موت سے شروع ہوگا عذاب موت پھر عذاب قبر پھر عذاب حشر پھر عذاب صراط، پھر عذاب دوزخ پچھلے عذاب تو ہوتے اور ختم ہوتے رہیں گے عذاب دوزخ دائمی ہوگا یہ نہ سمجھو کہ یہ واقعات دور ہیں نہیں بلکہ قریب ہیں قیامت قریب ہے اللہ حسیب ہے لیکن یہ تمام رسوائیاں ذلت سخت سزا ہی ان کے لئے کہ جو کفر پر مر جاویں لیکن جو یہود ایمان قبول کر لیں تو **وانہ لغفور رحیم** اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے ان کے سارے گذشتہ گناہ معاف فرما دے گا اور وہ رحیم بھی ہے انہیں آئندہ اپنی رحمتوں کرم نوازیوں سے نوازے گا لہٰذا ابھی کچھ بھی نہیں بگڑا ہے توبہ کریں۔ شعر

در عفو باز است آکنوں بکوب　　　کہ سودے نہ دارد فغان زیر چوب

مغفرت و رحمت یوں ہی غفار اور غفور میں فرق ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہ آیت عذاب و ثواب کی جامع ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ آپ اپنے زمانہ کے یہود کو یا سارے لوگوں سے ذکر کر دیں کہ سرکش بنی اسرائیل کے

www.alahazratnetwork.org

عذابوں کا سلسلہ اس مسخ پر ختم نہیں ہو گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ نبیوں ان کے صحیفوں ان کی کتابوں کے ذریعہ اعلان فرما دیا تھا کہ چونکہ یہ لوگ عادی مجرم ہیں اس لئے تاقیامت ان پر سخت بادشاہ مسلط ہوتے رہیں گے جو انہیں سخت تکالیف دیا کریں گے۔ قتل 'غارت' دیس نکالا 'غلام بنانا ان پر جزیے مقرر کرنا ان سے سخت تر کام لینا وغیرہ چنانچہ ان پر بخت نصر جیسے بادشاہ مسلط ہوئے جنہوں نے انہیں تباہ کر کے رکھ دیا یہ سلسلہ وقفہ وقفہ سے تاقیامت یعنی عیسیٰ علیہ السلام کی تشریف آوری تک رہے گا پھر یہ دنیاوی عذاب ہی انہیں نہ ہوں گے موت و قبر و حشر کے عذاب اس کے علاوہ ہیں ان عذابوں کو وہ دور نہ سمجھیں اللہ تعالیٰ جلد عذاب دینے والا ہے لیکن اگر یہ توبہ کریں تو ہم ان کے سارے گناہ بھی معاف کر دیں گے اور ان پر رحم و کرم کی بارشیں بھی فرمائیں گے کیونکہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔ یہاں تفسیر صاوی نے لکھا کہ بخت نصر مثلاً "**بعلبک**" کے' دو اسموں سے مرکب ہوا ہے بخت ' معنی بیٹا نصر ایک بت کا نام تھا اس کی ماں اسے جن کر نصرت کے پاس ڈال گئی تھی لوگوں نے اسے وہاں سے پایا اس لئے اسے بخت نصر یعنی نصرت کا بیٹا کہنے لگے۔ یہ **بعلبک** کی طرح غیر منصرف ہے **علمیت** اور ترکیب منع صرفی کی وجہ سے (تفسیر صاوی) یہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوا۔

فائدے۔ اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: شخصی یا قومی ماتحتی غلامی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے اور آزادی خود مختاری اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے یہ فائدہ **لیبعثن علیهم** سے حاصل ہوا کہ یہود پر خدا کا عذاب یہ بیان ہوا کہ وہ ہمیشہ دوسری قوموں کے رعایا بن کر رہیں گے مگر خیال رہے کہ آزادی اور بے قیدی میں بڑا فرق ہے آزادی رحمت ہے اور بے قیدی عذاب۔ **دوسرا فائدہ**: ظالم بادشاہ ظالم حکام کا تسلط اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے۔ جس سے سرکشوں کو سزا دی جاتی ہے۔ حضرت سعدی فرماتے ہیں۔ شعر۔

چوں خواہد کہ ویراں کند عالمے نہد ملک در پنجہ ظالمے!

یہ فائدہ **یسومهم سوء العذاب** سے حاصل ہوا یہود پر **بخت نصر 'سنجاریب** سلاطین روم مسلط ہوئے ان کے جرموں کی پاداش میں۔

حکایت: کسی شخص نے ایک پرچہ حجاج ابن یوسف کو کسی ذریعہ سے پہنچایا جس میں لکھا تھا یا حجاج عمر اے حجاج تو حضرت عمر بن جا حجاج نے ہنس کر جواب دیا کہ **تبذر و تعمر**۔ تم ابوذر غفاری بن جاؤ میں عمر بن جاؤں گا۔ خیال رہے کہ نیک لوگوں پر ظالم حاکم مقرر ہونا رب کا امتحان ہے۔ جس کی وجہ سے وہ صبر کریں اور اجر پائیں ایک ہی چیز گنہگاروں کے لئے عذاب ہوتی ہے نیک کاروں کے لئے رحمت لہٰذا آیت واضح ہے جیسے طاعون۔ **تیسرا فائدہ**: یہود کے متعلق فیصلہ الٰہی ہو چکا ہے کہ وہ تاقیامت سخت گیر سلاطین حکام کے پنجہ میں پھنستے رہیں گے اگر کبھی انہیں سلطنت دی گئی تو وہ ایک عارضی چیز ہو گی آخر کار پھر محکومیت یہ فائدہ **الی یوم القیمة** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: کبھی باپ داداؤں کی سرکشی کا نتیجہ اولاد کو بھی بھگتنا پڑتا ہے خصوصاً جبکہ اولاد ان سے راضی ہو دیکھو ہفتہ کو شکار کیا خاص ایلہ والوں نے مگر اس کی یہ سزا تاقیامت ان کے ہم قوم اسرائیلی بھگتیں گے یوں ہی کبھی نیک کار باپ داداؤں کی نیکی کا نتیجہ ان کی اولاد کو بھی مل جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وکان ابوهما صالحا**

پانچواں فائدہ: بنی اسرائیل پر دنیا کے یہ مذکورہ عذاب ان کی پوری سزائیں بلکہ انہیں آخرت میں بھی دوزخ کی سزا دی جاوے

www.alahazratnetwork.org

گی یہ فائدہ **لسریع العقاب** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یوں ہی نیک مومن کو کبھی دنیا میں بھی آرام مل جاتے ہیں مگر یہ آرام اس کو پورا انعام نہیں پورا انعام تو آخرت میں ملے گا۔ **چھٹا فائدہ**: بڑے سے بڑا مجرم اگر توبہ کرے تو اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں توبہ وہ صابن ہے۔ جس سے میلا دل پاک و صاف ہو تا ہے یہ فائدہ **وانہ لغفور رحیم** سے حاصل ہوا مگر خیال رہے کہ جیسا گناہ و یسی توبہ اس کی تفصیل ہم اس تفسیر میں توبہ کے بیان میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ ایسا کریم و رحیم ہے کہ توبہ کرنے والوں کے صرف گناہ ہی معاف نہیں فرماتا بلکہ اس کے علاوہ اپنی رحمتوں کی بارشیں بھی کرتا ہے یہ فائدہ غفور کے بعد رحیم فرمانے سے حاصل ہوا ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر

اے کریم از ما جفا از تو وفا   اے رحیم از ما خطا از تو عطا!

پہلا اعتراض: اس آیت معلوم ہوا کہ ایلہ کے باشندے، جو بندر بنا دیئے گئے تھے ان کی نسل چلی اسی نسل پر تاقیامت سخت گیر بادشاہ مسلط ہوں گے ورنہ **لیبعثن علیھم** فرمانا کیسے درست ہوا۔ **جواب**: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ **لیبعثن علیھم** میں **ھم** سے مراد ایلہ والے لوگ نہیں بلکہ ان کے ہم قوم یہود ہیں اگر ان مسخ شدہ لوگوں کی نسل چلتی تو وہ بندر ہی ہوتی بندروں پر تخت بادشاہ مقرر ہونے کے کیا معنی ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ان مسخ شدہ لوگوں کی وہ اولاد جو ان کے مسخ ہونے سے پہلے ہو چکی تھی اور وہ شکار سے محفوظ رہی ان پر تاقیامت سخت سلاطین مقرر ہوں۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا کہ یہود پر تاقیامت سخت بادشاہ مقرر ہوں گے جو انہیں بہت سخت تکالیف دیں گے مگر قیامت سے پہلے دجال کے ساتھ یہود ہوں گے جنہیں دجال کی وجہ سے بہت ہی ترقی ہو گی پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: وہ یہود دجال کی پیروی کر کے یہود نہ رہیں گے بلکہ دجال کو خدا مان کر اپنے مذہب سے نکل جائیں گے ان کی ترقی یہود کی ترقی نہیں بلکہ دجال کے گروہ کی ترقی ہو گی پھر وہ ترقی بھی محض دھوکہ اور عارضی ہو گی چالیس دن کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور مومنین کے ہاتھوں سارے قتل کر دیئے جائیں گے نہایت خواری سے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود قیامت تک دوسروں کے ماتحت رہیں گے مگر آج فلسطین میں یہود کی بادشاہت قائم ہو گئی اور وہ مسلمانوں کے لئے ناسور بن گئے ہیں انہوں نے مسجد اقصیٰ کا حصہ جلا دیا قرآن مجید کی یہ خبر درست نہیں ہوئی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ ان کی یہ سلطنت شان و شوکت محض عارضی اور چند روزہ ہے اور اب بھی انہیں چین نصیب نہیں اور اب ساری دنیا کے یہودی فلسطین میں جمع ہو رہے ہیں اور وہاں ہی آباد ہو رہے ہیں تاکہ یہاں ہی آسانی سے فنا کئے جاسکیں ان کی یہ سلطنت ان کے دنیا سے سمٹ آنے یہاں جمع ہو جانے کا ذریعہ ہے پھر ان کا یہ اجتماع ان کی مکمل تباہی کا ذریعہ ہو گا حدیث شریف میں یہود کے عروج اور پھر زوال کی خبریں موجود ہیں اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان پر سخت سلاطین مقرر کرتے رہیں گے یہ سلسلہ قائم رہے گا درمیان میں وقفہ بھی ہوا کرے گا اللہ تعالیٰ اس گنہگار کا یہ خیال صحیح کر دے اور میں اپنے کانوں سے ان ظالموں کی تباہی و بربادی سن لوں اس وقت عرب پر یہود نے بہت ظلم کئے ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: دنیا میں یہ اتار چڑھاؤ تو ہر قوم کے لئے ہے کبھی عروج کبھی زوال پھر اس میں یہود کی کیا خصوصیت۔ جس کی وجہ سے ان کے متعلق فرمایا **لیبعثن علیھم** دیکھ لو قریباً ڈیڑھ سو سال ہندوستان کے مسلمان انگریزوں کے غلام رہے اب آزاد ہوئے اور پاکستان بنا ہندوستان کے مسلمان اب بھی ہندوؤں کے غلام ہیں رب فرماتا ہے و

www.alahazratnetwork.org

تلک الایام نداولها بین الناس۔ جواب: مومنوں کے لئے غلام بننا ان کی عارضی حالت ہے۔ جو ان کی اپنی غلطیوں نااتفاقیوں غفلتوں عیاشیوں کا نتیجہ ہے ان کا اصل حال۔ بفضلہ تعالیٰ سلطنت ہے **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** پھر اس گئے گزرے زمانہ میں بھی مسلمان شخصی طور پر غلام ہیں قومی لحاظ سے اب بھی سلطان ہیں بیس سے زیادہ حکومتیں مسلمانوں کی اب بھی ہیں **اقامھا اللہ وادامھا** یہود کی سلطنت عارضی ہے ان کا اصل حال غلامیت ہے نیز ان کی سلطنت شخصی ہے اور غلامیت قومی اس عارضی سلطنت کا حال انشاء اللہ عنقریب معلوم ہو جاوے گا اللہ تعالیٰ سچا ہے اس کے رسول سچے غلطیاں ہماری اپنی ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت کے آخر میں عتاب کو مغفرت و رحمت کے ساتھ جمع کیوں فرمایا اجتماع ضدین کی طرح معلوم ہو رہا ہے۔ **جواب:** اللہ تعالیٰ سرکش کفار کے لئے سریع العقاب ہے اور مومنوں کے لئے غفور رحیم مقصد یہ ہے کہ اے یہودیو اگر تم یہودی رہے تو ہم تمہارے لئے سریع العقاب ہیں اور اگر تم اتنے جرم کرنے کے بعد اب بھی اس رحمت والے رسول پر ایمان لے آؤ تو سب کچھ بخش دیں گے تم پر رحم کریں گے کیونکہ ہم غفور بھی ہیں رحیم بھی۔

تفسیر صوفیانہ: سرکشی وہ خاردار درخت ہے جو بویا جاتا ہے ایک بار مگر کانٹے دیتا ہے ہمیشہ اور رب کی اطاعت و فرمانبرداری وہ باردار درخت ہے جو بویا جاتا ہے ایک بار مگر پھل دیتا ہے بونے والے کی اولاد در اولاد اس کے دوست و احباب اس کے پھل کھاتے رہتے ہیں بنی اسرائیل نے مخالفت انبیاء اور سرکشی کا درخت خاردار بویا اب تاقیامت اس کے کانٹے ان کی نسل کو چبھتے رہیں گے بخت نصر کیر بادشاہوں کا مسلط ہونا ان کی مستقل حکومت قائم نہ ہونا ان کا ذلیل و خوار رہنا ان میں اولیاء صالحین کبھی نہ ہونا یہ سب کچھ اس درخت خاردار کے کانٹے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ شیطان کو قیامت تک زندگی دی گئی تاکہ وہ سرکشوں کو سخت عذاب یعنی رب تعالیٰ سے دوری گمراہی میں پھنسا رہنا عبودیت اور صراط مستقیم سے الگ رہنا وغیرہ چکھاتا رہے اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے کہ وہ مجرموں کو ڈھیل دیتا رہتا ہے تاکہ وہ اور گناہ زیادہ کرلیں یہ ڈھیل اس قہار جبار کا سخت عذاب ہے آخرت کا عذاب دوزخ اس کے علاوہ ہے۔ وہ غفور رحیم بھی ہے کہ جو قلب و روح، نفس کی اتباع سے رجوع کرے اللہ کی طرف آئے تو اسے بخش دیتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سخت عذاب والا ہے دنیا میں مومنوں پر کہ انہیں دنیا میں مختلف بلاؤں آزمائشوں بھوک جان و مال کے نقصان میں مبتلا کرتا رہتا ہے اور غفور رحیم بھی کہ انہیں ان بلاؤں پر صبر کی توفیق دیتا ہے تاکہ یہ بلائیں ان کے گناہوں کا کفارہ ہو جاویں اور یہ دنیا سے پاک و صاف جائیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر:

نہ یوسف کہ چنداں بلا دید بند — چو حکمش رواں گشت و قدرش بلند
گنہ عفو کرد آل یعقوب را — کہ معنی بود صورت خوب را
بکر دار بدشاں مقید نہ کرد — بضاعات مزجات شاں رد نہ کرد
زلطفت ہمہ چشم داریم نیز — مرایں بے بضاعت بہ بخش اے عزیز

یوسف علیہ السلام نے نہ تو اپنے بھائیوں کو جب وہ غلہ لینے آئے قید کیا نہ گذشتہ ظلموں کا ان سے بدلہ لیا نہ ان کی کھوٹی پونجی رد فرمائی اے مولیٰ وہ تو عزیز مصر تو ان کا رب عزیز عالمین، ہم بے پونجی والوں کو بھی بخش دے ہمارے کھوٹے اعمال رد نہ فرما ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

کف من الناس جانبا وارض باللہ صاحبا

قلب الناس کیف شئت تجد ہم عقا ربا

دنیا والوں سے دور رہو اللہ والوں کے ساتھ رہو دنیا والوں کو الٹ پلٹ کر دیکھو انہیں زہریلے بچھو ہی پاؤ گے۔

وَقَطَّعْنٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اُمَمًا ۚ مِنْهُمُ الصّٰلِحُوْنَ وَمِنْهُمْ دُوْنَ ذٰلِكَ
اور بکھیر دیا ہم نے ان کو زمین میں جماعت جماعت ان میں سے بعض نیک ہیں اور بعض علاوہ اس کے
اور انہیں ہم نے زمین میں متفرق کر دیا گروہ گروہ ان میں کچھ نیک ہیں اور کچھ اور طرح کے
وَبَلَوْنٰهُمْ بِالْحَسَنٰتِ وَالسَّيِّاٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ
اور آزمائش کی ہم نے ان کی ساتھ اچھائیوں اور برائیوں کے تاکہ وہ لوٹیں
اور ہم نے انہیں بھلائیوں اور برائیوں سے آزمایا کہ وہ رجوع لائیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر بیرونی عذاب کا ذکر ہوا یعنی سخت گیر سلاطین و حکام کا ان پر مسلط ہونا اب اندرونی عذاب کا ذکر ہے یعنی ان کا دنیا میں بکھر جانا ان کا شیرازہ بند حانہ رہنا گویا بیرونی عذاب کے بعد اندرونی عذاب کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اسرائیلیوں پر ایسے بادشاہ مسلط ہوں گے جو انہیں سخت مار دیں گے اب اس سخت مار کی کچھ تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ ان کو ایک جگہ نہ رہنے دیں گے بلکہ انہیں دیس نکالے دیں گے جس سے یہ لوگ دنیا میں بکھر جائیں گے گویا یہ آیت پچھلی آیت کے اجمال کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کے آخر میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ جلد سزا دینے والا بھی ہے اور غفور رحیم یعنی بخشنے والا مہربان بھی اب بتایا جا رہا ہے کہ جلد سزا کسے دے گا اور مغفرت و رحمت کس پر کرے گا گویا عذاب ثواب کا ذکر پہلے ہوا اور ان کے مستحقین کا ذکر اب ہو رہا ہے کہ **منہم الصلحون و منہم دون ذلک**

تفسیر: وقطعنہم فی الارض امما" یہ جملہ نیا ہے لہذا اس کا واو ابتدائیہ ہے **قطعنا** بنا ہے قطع سے۔ بمعنی کاٹ دینا ٹکڑے ٹکڑے کر دینا بکھیر دینا یہاں تیسرے معنی میں ہے یعنی بکھیر دینا متفرق کر دینا اگرچہ یہ کام گذشتہ سلاطین نے کیا مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے کیا اس لئے اس کی نسبت رب تعالیٰ نے اپنی طرف کی **ہم** کا مرجع سارے اسرائیلی ہیں نہ بندر بن جانے والے کیونکہ وہ تو دنیا میں جیتے ہی نہیں تین دن بعد فنا کر دیئے گئے زمین سے مراد ساری آباد روئے زمین ہے عرب ہو یا عجم یورپ ہو یا ایشیاء **امما**" حال ہے **ہم** ضمیر کا یہ جمع ہے **امتہ** کی امت کے بہت معنی ہیں امام جیسے **ان ابرھیم کان امتہ قانتا للہ حنیفا**" جماعت و گروہ" مخلوق جیسے **الا امم امثالکم** یہاں بمعنی جماعت ہے بنی اسرائیل تمام روئے زمین پر شخصی طور پر نہ بکھیرے گئے کہ ایک شخص یہیں دوسرا وہیں بلکہ جماعتی طور پر بکھیرے گئے کہ ان کی ایک جماعت کہیں دوسری کہیں ان سب کو یکجا نہ ہونے دیا گیا تاکہ ان میں طاقت و قوت نہ آنے پائے اجتماع میں طاقت ہے یہاں **فی الارض** فرما کر یہ بتایا

www.alahazratnetwork.org

کہ ان اسرائیلیوں کا منتشر ہونا صرف عقیدہ میں ہی نہ تھا بلکہ زمینی علاقوں میں بھی تھا کہ ان کے فرقے بھی بہت ہو گئے اور الگ الگ علاقوں میں بٹ بھی گئے سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ زمین کا کوئی آباد حصہ مشکل ہی سے ملے گا جس میں یہود کی جماعت نہ ہو ان کے اس فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حالت بنی اسرائیل کی تاقیامت رہے گی اور ہو سکتا ہے کہ اس آیت میں گزشتہ حال کا ذکر ہو کہ ہم نے آپ سے پہلے اے محبوب انہیں زمین میں بکھیر دیا تھا لہٰذا حضور انور کے زمانہ میں یا آپ کے بعد اگر ان کا اجتماع کسی جگہ ہو جاوے تو اس فرمان عالی کے خلاف نہیں **منهم الصلحون** یہ عبارت **امما** کی صفت ہے لہٰذا **منهم** کا مرجع وہ ہی امم ہے اور من ۔ بعضیت کیلئے ہے **صالحون** بنا ہے صلاح سے ۔ بمعنی درستی یہاں درستی سے مراد ہے ایمان و اعمال کی درستی یعنی ان اسرائیلی جماعتوں میں بعض لوگ مومن متقی ہیں اس میں گفتگو ہے کہ وہ کون لوگ ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ حضرت عیسی علیہ السلام تک بعض اسرائیلی ایمان و تقوی پر قائم رہے ان میں سے اکثر چین کے آخری حصہ میں پائے گئے بعض نے فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو حضور انور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کی بشارتیں لوگوں کو دیتے تھے اور حضور انور کی تشریف آوری پر حضور پر ایمان لے آئے جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور انکے ساتھی اور حضور انور کے بعد حضرت کعب احبار اور ان کے ساتھی جو ایمان و تقوی کے اول درجہ میں رہے حضور انور نے جناب ابن سلام کے متعلق فرمایا کہ جسے جنتی آدمی کے دیکھنے کا شوق ہو وہ انہیں دیکھ لے **ومنهم دون ذلک** اس عبارت کی نحوی ترکیب میں بہت ہی گفتگو کی گئی ہے قوی ترکیب یہ ہے کہ **منهم** ایک پوشیدہ لفظ کے متعلق ہو کر خبر مقدم ہے اور **دون ذلک ناس** پوشیدہ کی صفت ہے چونکہ دون ظرفیہ کے لئے لازم ہے نیز اس کا مضاف الیہ **ذلک** مبنی ہے اس لئے اسے نصب ہوا ورنہ یہ پیش کی جگہ میں ہے کہ **منهم** کی مبتدا کے سلسلہ میں ہے (روح المعانی و بیان) اس کے علاوہ اس کی اور بہت ترکیبیں کی گئی ہیں اس میں گفتگو ہے کہ **دون ذلک** سے کون لوگ مراد ہیں اس میں چند احتمال ہیں۔ 1۔اس سے مراد کفار بنی اسرائیلی ہیں۔ 2۔اس سے مراد فساق اسرائیلی ہیں جن کے عقیدے درست ہوں مگر عمل خراب۔ 3۔اس سے مراد کفار فساق سب ہیں تیسرا احتمال قوی ہے کہ یہ مقابل **صالحون** کے ہے بہر حال سارے اسرائیلی یکساں نہیں نہ سب اچھے ہیں نہ سب برے **وبلونهم بالحسنات والسيئات** ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں سارے اسرائیلیوں کا حال بیان فرمایا گیا ہے **بلونا** بنا ہے **بلوی** سے یا بلاء سے ۔ بمعنی جانچ و امتحان اس لفظ کی تحقیق ہم دوسرے پارے میں **ولنبلونکم بشیء من الخوف والجوع** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ظاہر یہ ہے کہ **هم** کا مرجع کافر و فاسق اسرائیلی ہیں جیسا کہ آگے **یرجعون** فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے اور ہو سکتا ہے کہ **هم** کا مرجع سارے اسرائیلی ہوں صالحین بھی اور **دون ذلک** والے بھی کیونکہ رب تعالے کی طرف سے آزمائش نیک و بد مومن و کافر سب ہی کی ہوتی ہے حسنات سے مراد دنیاوی نعمتیں ہیں جیسے ارزانی' تندرستی' مال' اولاد' امن عافیت وغیرہ اس لئے اسے جمع فرمایا گیا اور سیات سے مراد دنیاوی مصیبتیں ہیں جیسے قحط سالی' بیماری' تنگدستی۔ ملکی آفات و انقلابات یعنی ہم نے اسرائیلیوں کو مذکورہ نعمتوں اور مصیبتوں سے آزمایا **لعلهم یرجعون** یہ عبارت **بلونا** کی حکمت کا بیان ہے **لعل** ۔ بمعنی شاید نہیں کیونکہ رب تعالیٰ اس سے پاک ہے وہ **علم الغیب والشهادة** ہے **هم** سے مراد یا تو کافر و فاسق اسرائیلی ہیں یا نیک و بد سارے ۔ رجوع سے مراد ہے رب

کی طرف رجوع کرنا کفر و فسق سے توبہ کرکے یا اللہ کی طرف راجع رہنا یعنی تاکہ برے اسرائیلی اپنی حرکتوں سے توبہ کرکے تعالیٰ کی طرف رجوع کریں اچھے بن جاویں اور اچھے لوگ اس رجوع الی اللہ پر قائم رہیں رجوع کئے رہیں کیونکہ اللہ کی نعمتیں رغبت کا ذریعہ ہیں جس کا نتیجہ شکر ہے اور مصیبتیں رہبت یعنی خوف کا ذریعہ ہیں جس کا نتیجہ گناہوں سے توبہ ہے کوئی شکر کے ذریعہ رب تک پہنچتا ہے کوئی صبر کے راستہ سے اس لئے نعمتیں اور رحمتیں آفتیں سب پر آتی رہتی ہیں۔

خلاصہ تفسیر بنی اسرائیل کی مسلسل سرکشیوں بدکاریوں کی وجہ سے ہم نے انہیں زمین میں یکجا نہیں رکھا بلکہ انہیں زمین کے متفرق حصوں میں ایسا بکھیر دیا کہ ان کی کوئی جماعت کہیں اور کوئی جماعت کہیں تاکہ یہ کہیں بھی قوت و طاقت نہ پکڑ سکیں دنیا میں کمزور رہیں اے محبوب ﷺ سارے اسرائیلیوں کا ایک حال نہیں ان میں سے بعض صالح ہیں یعنی مومن دیندار متقی پرہیزگار رہے وہ لوگ جو آپ کا زمانہ پاکر ایمان لے آئے اگرچہ وہ تھوڑے ہیں اور ان میں بعض اس کے سواء اور حال پر ہیں کہ کافر' بدکار' سرکش وہ زیادہ ہیں ہم نے ان کا زم و گرم ہر طرح سے امتحان لیا کبھی ان کو دنیاوی عیش و عشرت رزق کی فراوانی ارزانی' صحت جسمانی اولاد' مال سب کچھ عطا فرمائیں کبھی ان پر گرانی رزق کی تنگی بیماری' تنگدستی وغیرہ مسلط کی تاکہ وہ لوگ رجوع الی اللہ کریں جن میں شکر گزاری کا مادہ ہے وہ نعمتوں کے ذریعہ اور جس میں صبر کا مادہ ہے وہ آفتوں کے راستے ہم تک پہنچیں ہم سے دور نہ بھاگیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قوم کا اتفاق' تنظیم' اتحاد اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور نااتفاق قوم کا بکھرا ہونا رب تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ **وقطعناھم فی الارض** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** نیک اعمال کا نتیجہ قوم کا اتحاد و اتفاق ہے بدکاریوں کا نتیجہ قوم کی نااتفاقی اور بکھرا ہوا ہونا ہے اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی توفیق دے مسلم قوم میں اتفاق و اتحاد پیدا کرے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار میں رلے ملے نہ رہیں بلکہ اپنے محلے علیحدہ بنائیں ہو سکے تو اپنی بستیاں اپنا ملک علیحدہ کریں جس میں وہ یکجا رہیں کہ اس سے قوم میں قوت ہوتی ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واوحینا الی موسی واخیہ ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا واجعلوا بیوتکم قبلۃ واقیموا الصلوۃ** اے قوم موسیٰ فرعونیوں میں رلے ملے نہ رہو اپنے محلے الگ بناؤ اپنے گھر آمنے سامنے یکجا بناؤ اس کا تجربہ بارہا ہو چکا ہے یہ فائدہ بھی **وقطعناھم فی الارض** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** زمین کے ہر خطہ میں کچھ نہ کچھ یہودی پائے جاتے ہیں اور پائیں جائیں گے زمین کا آباد کوئی ملک ان سے بمشکل ہی خالی ہو گا یہ فائدہ بھی **قطعناھم فی الارض** سے حاصل ہوا بعض نے فرمایا کہ یہ واقعہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے ہوا کہ یہودی ہر خطے میں رہے بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے یہود ایک جگہ مجتمع نہ رہے متفرق رہے یہ ضروری ہوا کہ زمین کے ہر خطہ میں موجود ہوں۔ **پانچواں فائدہ:** سارے اسرائیلی گمراہ نہیں ہوئے بعض ان میں سے ایمان و تقویٰ پر قائم رہے آخر کار حضور انور پر ایمان لے آئے اگرچہ وہ تھوڑے تھے یہ فائدہ **منھم الصالحون** سے حاصل ہوا اگر اب کوئی شخص اسرائیلی ہو یا غیر اسرائیلی یہودی رہ کر نیک و صالح نہیں ہو سکتا کہ اب ایمان و صلاح صرف اسلام میں ہے۔ **چھٹا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نیک و بد بندوں کا امتحان فرماتا ہے اس سے گھبرانا نہیں چاہئے جو اس

میں پاس ہوا وہ ہی کامیاب رہا یہ فائدہ **وبلونھم** سے حاصل ہوا اس کی تحقیق ہم دوسرے پارے میں **ولنبلونکم بشیء من الخوف** کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** رب کی آزمائش صرف بلاؤں کے ذریعہ ہی نہیں ہوتی بھی نعمتوں راحتوں آسائشوں کے ذریعہ سے بھی ہوتی ہے جو ان کو پاکر غافل نہ ہو گیا وہ مرد کامل ہے یہ فائدہ **بالحسنت والسیئات** سے حاصل ہوا بلکہ بلاؤں کے امتحان سے نعمتوں کا امتحان بہت سخت ہے بلاؤں میں اکثر انسان متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے مگر نعمتوں میں اکثر غافل۔

بادہ نوشیدن و ہشیار نشستن سہل است گر بہ دولت رسی ہشیار نشینی مردی

شراب پی کی ہوشیار رہنا آسان ہے مگر دولت پا کر ہشیار رہنا بہت ہی دشوار ہے۔

ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو وہ کتنا ہی صاحب فہم و ذکا

جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

اس لئے یہاں بالحسنات کا ذکر پہلے ہوا کہ یہ ہی امتحان سخت تر ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** سارے امتحانوں کا اصل مقصد رجوع الی اللہ ہے کہ بندہ رب کی طرف متوجہ رہے کبھی اس سے غافل نہ رہے یہ فائدہ **لعلھم یرجعون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یہودی کبھی کسی جگہ مجتمع نہ ہوں گے بکھرے ہی رہیں گے کہ ارشاد ہوا **وقطعناھم فی الارض** مگر اب دیکھا جا رہا ہے کہ فلسطین میں دنیا بھر کے یہودی جمع ہو رہے ہیں انہوں نے وہاں اپنی ریاست قائم کر لی یہ آیت کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** ان کا اجتماع ان پر رب تعالیٰ کا دوسرا عذاب ہے انشاء اللہ یہاں اس لئے جمع ہو رہے ہیں کہ ان کو مسلمان بہ آسانی ہلاک کر سکیں ایک وقت آوے گا جبکہ ان کا تخم دنیا سے مٹ جاوے گا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے ان سے مسلمانوں کی سخت جنگ ہوگی جس میں یہ اس طرح مارے جائیں گے کہ اگر یہودی کسی پتھر کی آڑ میں چھپے گا تو پتھر پکارے گا کہ اے مسلمان میرے پیچھے یہودی ہے اسے مار دے یہ اجتماع انشاءاللہ اسی پیش گوئی کے پورا ہونے کی تمہید ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین کے ہر خطہ میں یہودی رہیں گے مگر دیکھا جا رہا ہے کہ بہت خطوں میں نہیں نیپال پاکستان وغیرہ میں یہودی کا نام بھی نہیں حضور انور کے زمانہ میں مکہ معظمہ اور اس کے علاقہ میں ایک یہودی نہ تھا پھر یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہیں آسان جواب یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ کا مطلب یہ نہیں کہ ہر طبقہ زمین میں یہودی ہوں گے بلکہ مطلب یہ ہے کہ لوگ ایک جگہ نہ رہیں گے بکھیر دیئے جائیں گے کوئی کہیں کوئی کہیں اب تک ایسا ہی ہوتا رہا اب بھی حکومتیں بعض قوموں کو بکھیر دیتی ہیں تاکہ وہ یکجا ہو کر قوت نہ پکڑ لیں ہندوستان نے سکھوں کو بکھیر دینے کی بہت کوشش کی تارکین وطن سکھوں کو مختلف صوبوں میں آباد کیا۔ **تیسرا اعتراض:** نحوی قاعدے سے **منھم دون ذلک** درست نہیں کیونکہ **منھم** بھی ظرف ہے اور **دون ذلک** بھی ظرف مبتدا اور خبر دونوں ظرف نہیں ہو سکتے۔ **جواب:** یہ قاعدہ ہی غلط ہے مبتدا خبر دونوں ظرف ہو سکتے ہیں اگر ان سے معنی درست ہوں علامہ تفتازانی نے فرمایا کہ ہم نے ایسی ترکیبیں عرب میں بہت دیکھی ہیں (روح البیان) ہاں بعض نحوی کہتے ہیں کہ ایسی صورت میں پہلے ظرف کو خبر مقدم مانو اور آخری ظرف کو مبتداء موخر مگر اس تکلف کی کوئی ضرورت نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: اگر **دون ذلک** خبر ہے یا خبر پوشیدہ کی صفت ہے تو اسے فتح کیوں ہوا اسے پیش چاہئے تھا کہ مبتدا کی خبر کو پیش ہوتا ہے۔ **جواب:** چونکہ **دون** کے لئے ظرفیت کے معنی لازم ہیں اور ظرف کو ہمیشہ فتحہ ہوتی ہے اس لئے اسے یہاں بھی فتحہ ہی رہا تاکہ اس کا لازم اس سے جدا نہ ہو جاوے رب فرماتا ہے **لقد تقطع بینکم** دیکھو اس آیت میں **بینکم** فاعل ہے **تقطع** کا مگر اسے فتح ہی رہا پیش نہ آیا کیونکہ بین لازم الظرفیہ ہے ہاں اگر بین یا دون پر من جارہ آجاوے تو اسے جر آجاتا ہے جیسے **من بین ایدیھم** یا جیسے **من دون اللہ** لیکن ان پر پیش کبھی نہیں آتا یہ جواب خیال میں رہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کعبہ معظمہ تک پہنچنے کے بہت راستہ ہیں، بحری، بری، فضائی پھر یہ راستہ جدہ براستہ، بحرین براستہ بغداد وغیرہ یونہی کعبہ والے رب تک پہنچنے کے بہت راستے ہیں اطاعت، شکر، صبر، محبت، عشق وغیرہ ان میں سے دو راستے بہت عام ہیں ایک شکر کا دوسرا صبر کا بلکہ یوں سمجھو نعمتوں والا راستہ شکر کی سواری سے طے ہوتا ہے اور بلاؤں آفتوں والا خاردار راستہ صبر کی سواری سے بنی اسرائیل کے سامنے یہ دونوں راستے کر دیئے گئے انہیں فرعون کے بعد تخت و تاج کا مالک بنا دیا گیا اور بخت نصر وغیرہ کے ہاتھوں مصیبتوں میں ڈالا گیا انہیں امیری بھی دی گئی فقیری بھی مگر انہوں نے نعمتیں پا کر بجائے شکر کے یوں کہا **ان اللہ فقیر ونحن اغنیاء** یعنی اللہ فقیر ہے ہم غنی اور تنگدستی پا کر بولے **ید اللہ مغلولۃ** اللہ کے ہاتھ بندھ گئے وہ روزی دینے کے لائق نہ رہا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بجائے رحمن تک پہنچنے کے جہنم کی بزان تک پہنچے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حسنات سے مراد طاعات ہیں اس سے بھی بندے کا امتحان ہوتا ہے اگر اس پر فخر کرے تو مارا گیا شکر کرے تو پار لگ گیا شیطان اپنی عبادات کی وجہ سے ہی ہلاک ہوا اس پر فخر کرنے لگا اور سیات سے مراد گناہ معاصی ہیں اس سے بھی بندے کا امتحان ہوتا ہے اگر ان پر توبہ کرتا رہا روتا رہا پار لگ گیا۔ اگر رب کی رحمت سے مایوس ہو گیا یا غافل رہا مارا گیا آدم علیہ السلام کی بڑی کامیابی گندم کھانے سے ہوئی کہ یہ خطا رونے آنسو بہانے خوف خدا اور توبہ و اخلاص کا ذریعہ بنی اور پھر یہ توبہ وغیرہ خلافت الہیہ کا وسیلہ ہوئیں (از روح البیان) جس گناہ کے بعد توبہ نصیب ہو وہ اس نیکی سے اچھا جس سے فخر پیدا ہو۔

فَخَلَفَ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ خَلۡفٌ وَّرِثُوا الۡكِتٰبَ يَاۡخُذُوۡنَ عَرَضَ هٰذَا

بس پیچھے آئے ان کے بعد پیچھے آنے والے جو وارث ہوئے کتاب کے لیتے ہیں وہ سامان اس

پھر ان کی جگہ ان کے بعد وہ ناخلف آئے کہ کتاب کے وارث ہوئے اس دنیا کا مال لیتے ہیں اور

الۡاَدۡنٰى وَيَقُوۡلُوۡنَ سَيُغۡفَرُ لَنَا‌ ۚ وَاِنۡ يَّاۡتِهِمۡ عَرَضٌ مِّثۡلُهٗ يَاۡخُذُوۡهُ‌ ؕ

حقیر چیز کا اور کہتے ہیں کہ عنقریب بخش دیئے جائیں گے ہم اور اگر آئے ان کے پاس سامان اس کی مثل تو لے

کہتے ہیں کہ اب ہماری بخشش ہو گی اور اگر ایسا ہی مال ان کے پاس اور آئے تو لے لیں

www.alahazratnetwork.org

اَلَمۡ یُؤۡخَذۡ عَلَیۡہِمۡ مِّیۡثَاقُ الۡکِتٰبِ اَنۡ لَّا یَقُوۡلُوۡا عَلَی اللّٰہِ اِلَّا

کیا ان پر نہیں لیا گیا ان پر مضبوط وعدہ کتاب کا یہ کہ نہ کہیں خدا تعالےٰ پر مگر

کیا ان پر کتاب میں عہد نہ لیا گیا کہ اللہ کی طرف نسبت نہ کریں مگر

الۡحَقَّ وَ دَرَسُوۡا مَا فِیۡہِ ؕ وَ الدَّارُ الۡاٰخِرَۃُ خَیۡرٌ لِّلَّذِیۡنَ یَتَّقُوۡنَ ؕ

حق بات اور پڑھا انہوں نے وہ جو اسی میں ہے اور آخری جگہ اچھی ہے واسطے ان کے جو

حق اور انہوں نے اسے پڑھا اور بیشک پچھلا گھر بہتر ہے پرہیزگاروں کو

اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۱۶۹﴾

ڈرتے ہیں تو پس کیا نہیں سمجھتے تم

تو کیا تمہیں عقل نہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ آیات میں اگلے اسرائیلیوں کا تذکرہ تھا اب اس آیت میں پچھلے اسرائیلیوں کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ سارے زہریلے ہیں خواہ اگلے ہوں یا پچھلے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ گذشتہ اسرائیلیوں نے ہفتہ کے دن مچھلیوں کا شکار کیا تو ہلاک کئے گئے اب ارشاد ہے کہ موجودہ اسرائیلی توریت کے ذریعہ انسانوں کا شکار کرتے ہیں ان کا مال ناجائز طور پر رشوت کے ذریعہ کھاتے ہیں گویا ان کے وقتی شکار کے ذکر کے بعد ان کے دائمی شکار کا ذکر ہے اور شکار بھی کس کا انسانوں کا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ گذشتہ اسرائیلی جب گناہ کرتے تھے تو کبھی ڈر بھی جاتے تھے اب ارشاد ہے کہ موجودہ اسرائیلی ایسے ڈھیٹ ہیں کہ بدترین گناہ کرتے ہیں اور اکڑتے ہیں کہ ہم پر کوئی وبال نہ پڑے گا سب گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

تفسیر: فخلف من بعدھم خلف یہ عبارت معطوف ہے **وقطعناھم** پر ف مطلقاً "بعدیت بیان کرنے کے ہے بمعنی فوراً" نہیں۔ **خلف** یا تو بنا ہے خلافت سے بمعنی پیچھے آنا یا پیچھے ہونا اس سے ہوتا ہے خلیفہ یا بنا ہے **خلوف** سے بمعنی بگڑنا" بدل جانا اسی سے ہے خلوف فم الصائم روزہ دار کی منہ کی بو۔ یہاں بنا ہے خلوف سے کیونکہ آگے ناخلف اولاد کا ذکر ہے چونکہ خلف میں آنے کے معنی ملحوظ ہیں اس لئے اس کے بعد من ارشاد ہوا **بعدھم** میں **ھم** کا مرجع یا تو صالحون ہے یا سارے مذکور اسرائیلی خلف سکون سے اور خلف لام کے فتحہ سے دونوں صفت مشبہ ہیں خلف بمعنی پیچھے کے مگر ان میں فرق یہ ہے کہ خلف لام کے فتحہ سے بمعنی لائق اور معتبر جانشین کے ہوتا ہے۔ اور خلف سکون لام سے بمعنی نالائق برے جانشین ہوتا ہے یعنی ناخلف اولاد یہاں دوسرے معنی میں ہے کبھی اس کے برعکس بھی استعمال ہوتا ہے۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

شعر

لنا القدم الاولی الیک و خلفنا لاولنا فی طاعتہ اللہ تابع

www.alahazratnetwork.org

دیکھو یہاں **خلفنا** میں **خلف** لائق جانشینی کے لئے بولا گیا یہاں شاعر کہتا ہے۔ شعر

ذھب الذین یعاش فی اکنافھم و بقیت فی خلف کجلد الاجرب

یہاں **خلف** بمعنی نالائق اولاد استعمال ہوا (از خازن۔ معانی۔ کبیر وغیرہ) یعنی ان مذکورہ اسرائیلیوں کے بعد ان کے نالائق جانشین ہوئے **ورثوا الکتب** یہ عبارت صفت ہے خلف کی **ورثوا** بنا ہے وراثت سے یا **ارث** سے۔ جس کے معنی ہیں کسی کے مرے بعد اس کے مال کا مالک ہونا یہ مصدر ہے حسب حسب کا بھی خود اس مستقل مال کو بھی وراثت یا ارث کہہ دیتے ہیں بمعنی میراث یہ تو ارث کے لغوی معنی تھے پھر استعمال میں کسی کی چیز کا درست مالک ہو جانا بھی ارث کہا جانے لگا چنانچہ جنتی لوگ دوزخ والے کفار کا جنتی حصہ لیں گے اسے بھی ارث کہا گیا ہے **واورثنا الارض** پھر کسی کے حال یا کمال میں اس کا جانشین ہونے کو ارث کہا جاتا ہے یہاں یہ ہی تیسرے معنی مراد ہیں **الکتاب** سے مراد توریت ہے۔ جس پر یہود ایمان رکھتے ہیں یعنی **اگلے** اسرائیلیوں کی موت کے بعد توریت ان کے پچھلوں کو ملی اور یہ توریت کے عالم بنے امام حسن کی قراءت میں **ورثوا** ہے توریث سے ماضی مجہول یعنی وہ لوگ توریت کے وارث بنائے گئے۔ **یاخذون عرض ھذا الادنی** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا **ورثو** کے فاعل کا حال ہے **یاخذون** سے مراد ہے ان کا رشوتیں لینا اور توریت کے احکام بدل دینا یعنی احکام توریت کے عوض مال لینا مضارع فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ حرکت دائمی ہے وہ یہ کرتے رہتے ہیں عرض کے لغوی معنی ہیں عارضی چیز جو قریب الفناء ہو اس کے لئے بقاء نہ ہو اسی سے ہے عرض مقابل جوہر کا۔ استعمال میں عرض کے سکون سے بمعنی سامان ہوتا ہے یعنی روپیہ پیسہ کے علاوہ دوسری دنیاوی چیزیں کپڑا برتن وغیرہ یعنی متاع اور عرض کے فتحہ سے ہر دنیاوی چیز خواہ روپیہ پیسہ یا اور کوئی مال (بیان و معانی) **ھذا** سے اشارہ ہے موجودہ عالم کی طرف۔ الادنی صفت ہے موصوف پوشیدہ یعنی **الشیئ** کی یہ یا تو **دنو** سے بنا ہے بمعنی قرب یعنی قریب **الفناء یا دناءۃ** سے بمعنی حقارت و خساست جس میں کوئی بھلائی نہ ہو اس سے مراد دنیا ہے کیونکہ دنیا قریب الفناء بھی ہے اور آخرت کے مقابلہ میں خسیس اور حقیر بھی یعنی وہ لوگ احکام توریت کے عوض دنیاوی سامان لیتے رہتے ہیں **ویقولون سیغفر لنا** یہ عبارت معطوف ہے **یاخذون** پر اس میں ان کی بد عقیدگی یعنی رب تعالیٰ پر امن کا ذکر ہے معطوف علیہ میں ان کی بد عملی یعنی توریت پر رشوت لینے کا ذکر تھا قول سے مراد یا تو دلی قول ہے یعنی سوچنا یا خیال کرنا یا زبانی قول یعنی جب ان کو کوئی ان کی اسی رشوت ستانی پر ملامت کرتا ہے تو وہ یہ کہہ دیتے ہیں کہ یہ کام ہے تو گناہ مگر ہماری اس پر پکڑ نہ ہوگی کیونکہ ہم نبیوں کی اولاد میں **نحن ابنؤا اللہ واحباؤہ** ہم اللہ کے بیٹے اللہ کے پیارے ہیں ہم پر عذاب یا عتاب کہاں ہم تو سمندر کی طرح ہیں کہ سمندر گندگی پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا ہم گناہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتے مگر ان کی حالت یہ ہے کہ **وان یاتھم عرض مثلہ یاخذوہ** یہ عبارت حال ہے یا تو **یقولون** کے فاعل **ھم** سے یا **لنا** کی ضمیر سے اس میں ان کے اصرار گناہ کا ذکر ہے اور حرص دنیا کا بھی یعنی اس ملامت اور ان کے اس جواب کے بعد بھی ان کی حالت یہ ہے کہ اگر پھر بھی ایسی تحریف توریت اور رشوت ستانی کا موقعہ آجاوے تو ہرگز نہیں چوکتے بلکہ حکم توریت بدل دیتے یا چھپا لیتے ہیں اور اس کے عوض روپیہ اور دیگر سامان لے لیتے ہیں توبہ نہیں کرتے یہ ہے گناہ پر ضد اور اصرار جس سے گناہ صغیرہ بھی کبیرہ بن جاتا ہے چہ جائیکہ یہ رشوت ستانی تو بذات خود کبیرہ بلکہ کفر ہے **الم یؤخذ علیھم میثاق الکتاب** یہ عبارت

www.alahazratnetwork.org

نیا جملہ ہے اس میں سوال انکاری ہے ان سے اقرار کرانے کے لئے خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں **علیھم** کا تعلق **لم یؤخذ** سے نہیں بلکہ میثاق سے ہے۔ کیونکہ **اخذ** علی نہیں چاہتا۔ رب فرماتا ہے **واذاخذ اللہ میثاق النبین**۔ میثاق کے معنی ہے وعدہ۔ عہد اور میثاق میں فرق ہم تیسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں **الکتاب** سے مراد توریت شریف ہے یہاں توریت میں اسرائیلیوں سے عہد لینے سے مراد ہے ان کو تاکیدی حکم دینا جو یہودی دین اختیار کرتا تھا وہ توریت کے احکام ماننے کا عہد کرتا تھا جیسے آج جو مسلمان ہوتا ہے تو وہ احکام قرآنی احکام نبوی ماننے ان پر عمل کرنے کا عہد کرتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ خیال رہے کہ یہاں میثاق کی اضافت کتاب کی طرف فی کی ہے اصل عبارت یوں ہے المیثاق المذکور فی الکتاب (روح المعانی) یہ بات خیال میں رہے **ان لا یقولوا علی اللہ الا الحق** یہ عبارت یا تو میثاق الکتاب کا عطف بیان ہے یا اس کا بدل یا ان سے پہلے ب جارہ پوشیدہ ہے اور یہ میثاق کے متعلق ہے (معانی) **لا یقولوا** میں لا نفی کا بھی ہو سکتا ہے اور نہی کا بھی دونوں معنی درست ہیں حق باطل کا مقابل ہے جیسے صدق کذب کا مقابل یعنی ان کو توریت شریف میں تاکیدی حکم دیا گیا تھا کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف حق بات منسوب کرنا جو توریت میں لکھا ہو اس کے متعلق یہ کہنا کہ رب تعالیٰ نے یہ فرمایا ایسا نہ کرنا کہ حکم تو خود گھڑ لو اور کہو یہ کہ توریت میں یہ ہے رب نے یہ حکم دیا ہے **درسوا ما فیہ** یہ عبارت معنی معطوف ہے **ان لا یقولوا** پر (معانی) اور ہو سکتا ہے کہ یہ معطوف ہو **لم یؤخذ** پر اور یہ بھی مذکورہ سوال کے ماتحت ہو تب معنی یہ ہوں گے کہ کیا ان لوگوں سے یہ عہد و پیمان نہیں لیا گیا تھا اور کیا ان لوگوں نے یہ حکم اس کتاب میں پڑھا نہ تھا یعنی حکم دیا بھی گیا تھا اور انہوں نے یہ حکم پڑھ بھی لیا یہ اس سے بے خبر نہ تھے پہلے جز میں حکم کا ذکر ہے اس میں ان کی اطلاع اور خبر کا ذکر کہ یہ لوگ احکام سے بے خبر نہیں خبردار یہ جان بوجھ کر جرم کر رہے ہیں۔ **والدار الاخرۃ خیر للذین یتقون** یہ جملہ نیا ہے جس میں رشوت خور اسرائیلیوں کی نفسانی اندیشوں کا جواب دیا گیا ہے وہ ڈرتے تھے کہ اگر ہم توریت کے صحیح احکام سنائیں تو ہماری آمدنی اور سرداری جاتی رہے گی اس میں واؤ ابتدائیہ ہے دار آخرۃ سے مراد ہے عالم برزخ۔ محشر اور محشر کے بعد کا زمانہ ابد الآباد تک۔ خیر صفت مشبہ ہے۔ بمعنی اسم تفضیل اس کے بعد **من الدنیا وما فیہا** پوشیدہ ہے تقویٰ سے مراد ہے برے عقیدوں برے اعمال سے بچنا اچھے اعمال اختیار کرنا اور ممکن ہے تقویٰ سے مراد ہو تحریف اور رشوت سے بچنا کہ وہ لوگ انہیں جرموں کے مجرم تھے پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں کہ اس میں یہ معنی بھی آجاتے ہیں اس سے ثابت ہوا کہ غیر متقیوں کے لئے وہ عالم دنیا سے زیادہ خطرناک ہے اگر یہ لوگ رشوت ستانی تحریف توریت سے باز نہ آئے تو آگے ان کے لئے مصیبت ہی مصیبت ہے **افلا تعقلون** اس میں خطاب ان اسرائیلیوں سے ہے جن سے توریت میں مذکور عہد لیا گیا تھا اس جملہ میں غائب سے حاضر کی طرف التفات ہے کہ **یتقون** غائب کا صیغہ تھا اور **تعقلون** حاضر جمع کا یعنی اے مذکور اسرائیلیو تم میں اتنی بھی عقل نہیں کہ نعمت باقی فانی سے اور رحمت لازوال زائل سے اچھی ہوتی ہے پھر تم ان حرکتوں سے باز کیوں نہیں آتے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں گذشتہ اسرائیلیوں کے ناخلف جانشینوں کے عیب بیان ہوئے رشوت لے کر احکام توریت بدل دینا۔ (2) پھر ڈھٹائی سے کہتے رہنا کہ ہمارا یہ گناہ معاف کر دیا جاوے گا اس پر ہماری پکڑ نہ ہو گی۔ (3) اس جرم پر قائم

www.alahazratnetwork.org

رہنا کہ جب رشوت ملے لے لینا حکم شرعی بدل دینا۔ (4) یہ سارے جرم ناواقفی بے خبری سے نہیں بلکہ دیدہ و دانستہ کرتے رہنا چنانچہ ارشاد ہے کہ جن اسرائیلیوں کا تم نے حال پڑھا اور سنا ان کے بعد ان کے ناخلف نالائق جانشین ہوئے جنہیں بطور وراثت کتاب کا علم اور کتاب توریت کی خدمت سپرد ہوئی انہوں نے یہ غضب ڈھایا کہ دنیاوی ادنیٰ مال و متاع لینے اور حکم توریت بدلنے لگے اور جب کوئی ان کو ان کی اس حرکت پر ملامت کرتا ہے تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم تو اولاد انبیاء ہیں اللہ کے پیارے ہیں ہم کوئی گناہ کریں ہماری پکڑ نہ ہوگی سب کو بخش دیا جائے گا ہم اس سمندر کی طرح ہیں جو گندگی پڑ جانے سے گندا نہیں ہوتا ہم کوئی گناہ کریں گنہگار نہیں ہوتے۔ شریعت کے احکام اور ممانعتیں تو امت کے لئے ہیں ہم تو اولاد ہیں پھر ان کی ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ لوگوں کی تنبیہ کرنے کے بعد بھی جب انہیں رشوت ملتی ہے تو لے لیتے ہیں احکام الٰہیہ بدل دیتے ہیں یعنی ان جرموں پر ڈٹے رہتے ہیں غور تو کرو کیا ہم نے توریت میں ان لوگوں سے یہ عہد نہ لیا تھا کہ جھوٹی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب نہ کیا کریں حق بات ہی اس کی طرف نسبت کریں جو توریت میں حکم ہو وہی بیان کریں اور کیا یہ لوگ اس عہد و پیمان سے بے خبر ہیں نہیں انہیں سب کچھ معلوم ہے ان بد نصیبوں نے یہ سمجھا کہ حق بات کہنے سے صحیح احکام کی تبلیغ کرنے سے ہماری چودھراہٹ ہماری آمدنی میں فرق پڑ جاوے گا۔ اللہ کے بندوں مومن متقی بنو۔ پرہیزگار مومنوں کے لئے آخرت دنیا سے کہیں بہتر ہے کہ دنیا قلیل ہے آخرت کثیر اور دنیا فانی ہے آخرت باقی تو تم اتنی سی بات سمجھتے کیوں نہیں بے سمجھ سے بے سمجھ بھی جانتا ہے کہ فانی سے باقی بہتر ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مال کی طرح کمال' حال' علم وغیرہ کی بھی میراث جاری ہوتی ہے یہ فائدہ **ورثوالکتاب** سے حاصل ہوا علماء دین کو وارث رسول نائب رسول کہا جاتا ہے اس خطاب کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہو سکتی ہے دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے متاخرین علماء یہود کو ان کے متقدین علماء کا وارثین کتاب فرمایا۔ **دوسرا فائدہ:** بزرگوں کی اولاد یا بزرگوں کا نائب ہونا ان کے لئے مفید ہے جو ان کے سے کام نیک کریں ورنہ یہ چیزیں رب کا عذاب ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے ان وارثین علماء کو ناخلف فرمایا یہ فائدہ **خلف** فرمانے سے حاصل ہوا ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

یوں تو سید بھی ہو مرزا بھی ہو افغان بھی ہو — تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!

تیسرا فائدہ: مال و دولت لے کر آیات الٰہیہ کی تحریف کرنا احکام شریعت بدلنا بد ترین کفر ہے کہ اس میں رشوت ستانی بھی ہے گمراہی بھی گمراہ گری بھی یہ فائدہ **یاخذون عرض ھذا الادنی** سے حاصل ہوا اس آیت کریمہ کی تفسیر وہ آیت ہے **ولا تشتروا بایتی ثمنا" قلیلا"** ان دونوں آیتوں میں یہ مراد ہے۔

مسئلہ: قرآن مجید چھاپ کر فروخت کرنا قرآن کی تعلیم' دم' تعویذ فتوی کی تحریر پر اجرت لینا جائز ہے کہ یہ جائز کام کی اجرت ہے حضرات خلفاء راشدین نے اپنی خلافت کے زمانہ میں بیت المال سے تنخواہ لی خلافت پر سواء حضرت عثمان کے۔ حالانکہ خلافت اسلامیہ خصوصا" خلافت راشدہ بہترین دینی کام ہے اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں اس آیت **لا تشتروا بایتی** کی تفسیر میں کر چکے ہیں نیز ہمارے فتاوی میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا فائدہ:** حرام آمدنی ایک عارضی چیز بھی ہے۔ جس میں برکت نہیں

www.alahazratnetwork.org

اور ادنیٰ یعنی حقیر اور قریب الفناء بھی دیکھو رب تعالیٰ نے اسے عرض بھی فرمایا اور ادنیٰ بھی۔ اس کے برعکس حلال روزی اللہ تعالیٰ کی اعلیٰ نعمت ہے خصوصاً" جبکہ وہ اللہ کی راہ میں خرچ ہو وہ دولت غیر فانی لازوال ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **والباقیات الصالحات** اور فرماتا ہے **وماعند اللہ باق** باقی خدا کرے دولت اچھی راہ سے آئے اور اچھی راہ جائے۔ **پانچواں فائدہ**: مغفرت کی امید پر گناہ کرنا کفر ہے کہ یہ امید نہیں بلکہ رب تعالیٰ پر امن اور بے خوفی ہے یہ فائدہ **سیغفر لنا** سے حاصل ہوا نیکی کرنا اور ڈرنا کمال ایمان ہے گناہ کرنا اور بے پرواہ ہونا خوف نہ کرنا بد ترین کفر ہے۔ **چھٹا فائدہ**: بزرگوں کی اولاد ہونے پر فخر کرنا اور گناہ پر دلیر ہو جانا کفر ہے کہ چونکہ ہم فلاں بزرگ کی اولاد ہیں ہمارے گناہ معاف ہو جائیں گے یہ فائدہ بھی **سیغفر لنا** سے حاصل ہوا یہ وہ ہی طریقہ یہود ہے جو کہتے تھے **نحن ابناء اللہ واحباءہ** ایمان و تقویٰ کے ساتھ بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کی رحمت ہے کفر و الحاد کے لئے بزرگوں کی اولاد ہونا اللہ کا عذاب ہے قابیل اور کنعان ابن نوح کی مثالیں سامنے ہیں آج اس بیماری میں بہت سے مسلمان گرفتار ہیں رب تعالیٰ اپنا خوف نصیب کرے۔ **ساتواں فائدہ**: گناہ کرنا ایک گناہ ہے اور گناہ پر گناہ کئے جانا یعنی اس پر اصرار کرنا ڈبل گناہ یہ فائدہ **وان یاتھم** سے حاصل ہوا خیال رہے کہ ہر گناہ صغیرہ ہمیشہ کرنے سے کبیرہ بن جاتا ہے رب فرماتا ہے **ولم یصروا علی مافعلوا** اور گناہ کبیرہ بار بار کرنے سے اکبر یعنی بہت بڑا بن جاتا ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: انسان کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے ہی اسلام کے سارے احکام کا پابند ہو جاتا ہے اور اس پابندی کا رب تعالیٰ سے عہد و پیمان کر لیتا ہے پھر وہ عہد توڑنا بد عہدی ہے یہ فائدہ **ان لا یقولوا علی اللہ الا الحق** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے سخت تر ہے کہ جاہل اپنی بے خبری کی وجہ سے شاید چھٹکارا پا جاوے مگر عالم کیا عذر کرے گا نیز عالم گناہ کر کے اسے جائز ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے جاہل نادم ہو جاتا ہے نیز بد عمل عالم دوسروں کو بھی بد عمل بنا دیتا ہے کہ اس کے معتقد اس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہ فائدہ **ودرسوا** سے حاصل ہوا۔ **گیارہواں فائدہ**: آخرت مومن متقی کے لئے دنیا سے کہیں بہتر ہے کہ وہاں اس کے لئے راحت ابدی ہے اور کافر بدکار کے لئے کہیں بد تر ہے کہ وہاں اس کے لئے عذاب دائمی ہے یہ فائدہ **خیر للذین یتقون** سے حاصل ہوا اسی لئے حدیث شریف میں فرمایا گیا کہ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت۔ **بارھواں فائدہ**: جو عقل دین نہ سمجھائے خدا تک نہ پہنچائے وہ بے عقلی ہے عقل کا بڑا مقصد اللہ رسول کو اس کے ذریعہ منا لینا ہے یہ فائدہ **افلا تعقلون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: میراث تو مال کی ہوتی ہے وہ بھی میت کے خاص قرابتداروں کو ملتی ہے مگر یہاں کتاب کو میراث فرمایا گیا اور یہ میراث گذشتہ عالموں کی طرف سے پچھلوں کو دیئے جانے کا ذکر فرمایا یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: یہ غلط ہے بلکہ مال کے علاوہ اعمال، کمال، احوال، علم وغیرہ کی بھی میراث ہوتی ہے مالی میراث جسمانی قرابت داروں کو ملتی ہے باقی میراثیں دلی، روحانی قرابتداروں کو ملتی ہیں اگرچہ وہ جسماً" بالکل اجنبی ہو اعمال خیر میں ہر مومن حضور انور کا وارث اور علم دین میں ہر عالم دین حضور انور کا وارث ہے پچھلے اسرائیلی اگلوں کے دلی روحی قرابت دار تھے **حسبا**" قریبی ہوں یا نہ ہوں اس لئے وہ اگلوں کے وارث بنے۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر دنیاوی مال لینا حرام ہے دیکھو اسرائیلیوں کی بے دینی کے سلسلے میں ذکر ہوا **یاخذون** ثواب بھی علماء قرآن پڑھانے نماز پڑھانے تعویذ دم پر اجرتیں لیتے ہیں وہ سب بھی مجرم ہونے

www.alahazratnetwork.org

چاہیں۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ وہ لوگ توریت بدلنے یا اس کے احکام چھپانے کا معاوضہ لیتے تھے یہ دونوں کام حرام تھے تو ان پر معاوضہ لینا بھی حرام تھا اس کی تفسیر وہ آیت ہے **یحرفون الکلم عن مواضعہ**۔ الحمد للہ آج علماء دین یہ کام نہ کرتے ہیں نہ انشاء اللہ کریں گے ان مذکورہ خدمات تعلیم وغیرہ پر اجرت لینا ایسا ہی ہے جیسے قرآن مجید لکھنے چھاپنے پر اجرت لینا یا قرآن مجید کی تجارت کرنا۔ **تیسرا اعتراض**: اللہ تعالیٰ سے معافی و بخشش کی امید رکھنا عبادت ہے مگر اس آیت میں اسے گناہ قرار دیا گیا کہ اسرائیلیوں کے گناہوں کے سلسلے میں اسے گنایا **ویقولون سیغفر لنا** اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اگر نادانی سے گناہ ہو جاوے پھر بخشش کی امید پر توبہ کی جاوے تو یہ عبادت ہے قرآن کریم اس کی تصریح فرماتا ہے **انما التوبۃ علی اللہ للذین یعملون السوء بجھالۃ ثم یتوبون من قریب** مگر بخشش کی امید پر گناہ کرنا کہ آؤ شراب پی لیں اللہ بخش دے گا یہ کفر ہے کہ اس میں دین کا مذاق اڑانا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بے خوفی۔ **چوتھا اعتراض**: یاتھم عرض مثلہ میں **مثلہ** سے کیا مراد ہے۔ **جواب**: یہاں مثلہ میں حرام ہونے میں مثلیت مراد ہے نہ کہ مقدار مال میں یعنی اس سوال و جواب کے بعد اگر پھر بھی اسی جیسا حرام رشوت کا مال ان کے پاس آجائے تو پھر کتاب اللہ کو بدل کر اسے چھپا کر مال وصول کر لیتے ہیں یعنی وہ ڈھیٹ ہیں گناہ پر جمے ہوئے ہیں گویا اس فرمان عالی میں ان کے دوسرے گناہ کا ذکر ہے گناہ پر قائم رہنا۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ دار آخرت متقیوں کے لئے بہتر ہے تو کیا متقیوں کے لئے دنیا بہتر نہیں ان کے لئے تو دنیا و آخرت دونوں ہی بہتر ہیں **ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ** پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: اس کا مطلب یہ ہے کہ متقیوں کے لئے آخرت دنیا سے اچھی ہے یعنی ان کی دنیا اچھی ہے کہ دار العمل ہے اور آخرت اس سے بھی اچھی ہے کہ وہ دار الجزاء ہے یعنی کھیت بونے اس کی خدمت کی جگہ دنیا اور پھل توڑنے آرام پانے کی جگہ آخرت ہے اللہ تعالیٰ نصیب کرے۔

تفسیر صوفیانہ: خوش نصیب آدمی معمولی حقیر چیز سے بڑا فائدہ حاصل کر لیتا ہے عقل مند کسان گندے کوڑے کو کھیت میں ڈال کر دانے کے ڈھیر کما لیتا ہے مگر بد نصیب بے وقوف اعلیٰ چیز سے بھی بڑا نقصان ہی اٹھاتا ہے اناڑی آدمی سمندر سے موتی نہیں نکالتا بلکہ اس میں اپنی زندگی کا موتی برباد کر دیتا ہے توریت شریف اللہ کی پہلی شاندار کتاب تھی۔ موسیٰ علیہ السلام اللہ کے کلیم اور پہلے صاحب کتاب نبی اس توریت کے ذریعہ بہت خوش نصیب لوگ اولیاء کاملین بن گئے جیسے آصف بن برخیا وغیرہ مگر یہ بد نصیب لوگ جن کا اس آیت میں ذکر ہے انہوں نے بدبختی ہی لی کہ اس کتاب کے ذریعہ دین بیچ کر دنیا لی۔ اللہ تعالیٰ کی شان غفاری سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ اس پر پھول کر اس کی مغفرت کو دیکھ کر گناہ کرنے پر دلیر ہو گئے جس سے ان کی دنیا بھی خراب ہو گئی آخرت بھی انہوں نے مواہب ربانیہ کو مال و جاہ حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا۔ شعر

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل
کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را!

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِیْنَ یُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتٰبِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ

اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کی انہوں نے نماز بیشک ہم نہیں ضائع کرتے

اور وہ جو کتاب کو مضبوط تھامتے ہیں اور انہوں نے نماز قائم رکھی ہم نیکوں کا بیشک نہیں

الْمُصْلِحِیْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَ اِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَاَنَّهٗ ظُلَّةٌ وَّ ظَنُّوْۤا اَنَّهٗ

ثواب نیک کاروں کا اور جبکہ ہم نے اوپر کیا پہاڑ اوپر ان کے گویا وہ شامیانہ ہے اور گمان

گنواتے اور جب ہم نے پہاڑ ان پر اٹھایا گویا وہ سائبان ہے اور سمجھے کہ ان پر گر پڑے گا تو لو جو ہم

وَاقِعٌۢ بِهِمْ ۚ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۱﴾

کیا انہوں نے کہ بیشک وہ گرنے والا ہے ان پر پکڑو جو دیا ہم نے تم کو ساتھ قوت کے اور ذکر کرو اس کا جو اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ

نے تمہیں دیا زور سے اور یاد کرو جو اس میں ہے کہ کہیں تم پرہیزگار ہو جاؤ

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ان بد نصیب اسرائیلیوں کی سزا کا ذکر ہوا جنہوں نے توریت شریف ضائع کر دی اسے دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا دولت کے لئے کتاب میں تحریف کی اب ان خوش نصیب بنی اسرائیل کا ذکر ہے جنہوں نے توریت شریف سے صحیح فائدہ اٹھایا اسے ضائع نہ کیا اسے سنبھالا جیسے سیدنا عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے گویا مجرموں کے بعد محرموں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان اسرائیلیوں کا ذکر تھا جنہوں نے اپنی کتاب توریت بگاڑ دی اب امت محمدیہ کا ذکر ہے جنہوں نے قرآن مجید کو سنبھالا اور اسے خدا رسی کا ذریعہ بنایا جیسا کہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے معلوم ہو گا انشاء اللہ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ان اسرائیلیوں کا ذکر تھا جنہوں نے توریت کو دنیا رسی کا ذریعہ بنایا اب ان کا ذکر ہے جنہوں نے اس توریت کو مصطفےٰ رسی کا اور جناب مصطفیٰ کو خدا رسی کا ذریعہ بنایا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اسرائیلیوں نے توریت کو سنبھالا نہیں اب دوسری آیت میں ذکر ہے کہ انہوں نے اسے بخوشی قبول ہی نہیں کیا انہیں جبراً منوائی گئی تھی۔ گویا بقاء کتاب کے بعد عطاء کتاب کا ذکر ہے تاکہ پتہ لگے کہ جس چیز کو بخوشی قبول نہیں کیا جاتا اس کی قدر بھی نہیں ہوتی۔ **پانچواں فائدہ**: پچھلی آیات کے آخر میں ارشاد ہوا کہ متقی پرہیزگاروں کے لئے آخرت بہتر ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ متقی وہ ہے جو اللہ کی کتاب مضبوطی سے پکڑ لے کتاب اللہ کے بغیر کسی ذریعہ سے متقی نہیں بن سکتے گویا پہلے بتایا کہ آخرت کی بھلائی کا مستحق کون ہے جو متقی ہو۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ متقی کون ہے وہ ہے جو کتاب الٰہی کو مضبوط تھامے نماز قائم کرے وغیرہ۔

شان نزول: یہ پہلی آیت ان علماء یہود کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے نہ تو رشوتیں لیں نہ توریت شریف میں تحریف کی بلکہ صحیح معنی میں یہودیت پر قائم رہے اور حضور انور کا زمانہ پا کر توریت شریف کی روشنی میں حضور پر ایمان لے آئے جیسے بعد ہجرت حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی اور زمانہ فاروقی میں حضرت کعب احبار اور ان کے ساتھ رضی اللہ عنہم اجمعین

www.alahazratnetwork.org

(تفسیر خازن)۔

تفسیر: والذین یمسکون بالکتب ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **الذین یمسکون** مبتداء ہے اس کی خبر پوشیدہ ہے **لانضیع اجرھم** اور **انا لانضیع** اس خبر کی علت ہے مگر بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ عبارت معطوف ہے **للذین یتقون** پر لہذا اس کا واؤ عاطفہ ہے۔ اس صورت میں **الذین** جر کی حالت ہے اور **للذین یتقون** کی تفسیر ہے عام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس **الذین** سے مراد خاص یہود ہیں جو اصلی یہودیت پر قائم رہے اور کتاب سے مراد۔ توریت شریف۔ ہے مگر عطاء فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حضور ﷺ کی امت ہے اور **الکتاب** سے مراد قرآن مجید ہے رب تعالیٰ نے یہود پر مسلمانوں کی فوقیت دکھائی ہے مگر پہلی تفسیر قوی ہے کہ پچھلی آیت میں بھی اسرائیلیوں کا ہی ذکر تھا اور اگلی آیت میں بھی انہیں کا ذکر آرہا ہے (از روح المعانی) ہماری قراۃ میں **یمسکون** سین کے شد سے ہے باب تفعیل سے مگر ابو بکر و حماد کی قراۃ میں **یمسکون** باب افعال سے ہے اور حضرت ابن مسعود کی قراۃ میں **استمسکو** ہے باب استفعال کا ماضی اور ابی ابن کعب کی قراۃ میں مسکو ہے حماد فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں امساک باب افعال سے بہت جگہ ارشاد ہوا ہے فرماتا ہے **فامساک بمعروف** اور **امسک علیک زوجک** اور **فکلوا مما امسکن علیکم** مگر ظاہر ہے **یمسکون** باب تفعیل سے ہو تو اس میں ایسا مبالغہ ہو گا جو باب افعال میں نہیں۔ معنی ہوں گے جو خوب مضبوطی سے کتاب کو پکڑے رہتے ہیں عقائد و اعمال اس کے مطابق اختیار کرتے ہیں رشوت لے کر اس میں تحریف نہیں کرتے اپنے کو کتاب کے سانچے میں ڈھالتے ہیں کتاب کو اپنی رائے و عقل کے سانچے میں نہیں ڈھالتے ان کی اس حالت کا دوام بتانے کے لئے مضارع ارشاد ہوا (از تفسیر کبیر۔ روح المعانی) **واقاموا الصلوۃ** یہ عبارت معطوف ہے **یمسکون** پر اگرچہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنے میں نماز کی پابندی بھی آگئی تھی مگر چونکہ نماز سارے اسلامی احکام میں اہم ترین حکم ہے، جو نماز قائم کرے وہ دین کو سنبھال لیتا ہے ان وجوہ سے نماز کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ کیا چونکہ کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا ہر وقت سوتے جاگتے چلتے پھرتے بلکہ جیتے مرتے ضروری ہے اور نماز مقررہ اوقات میں پڑھی جاتی ہے اس لئے وہاں **یمسکون** مضارع ارشاد ہوا یہاں **اقاموا** ماضی ارشاد ہوا نماز پڑھنے اور قائم کرنے کے بہت فرق ہم شروع سورہ بقر **یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں اگر **الذین** سے مراد بنی اسرائیل ہیں تو یہاں **الصلوۃ** سے مراد نماز موسوی ہے اور اگر وہاں اس سے مراد مسلمان ہیں تو یہاں **الصلوۃ** سے مراد اسلامی نماز ہے **انا لانضیع اجرا لمصلحین** یہ فرمان عالی تو **الذین یمسکون** کی خبر ہے تو **المصلحین** کے بعد **منھم** پوشیدہ ہے جس سے اس کا تعلق مبتداء سے قائم ہے یا **المصلحین** کا الف لام ربط کا کام دے رہا ہے یا یہ خبر نہیں بلکہ پوشیدہ خبر کی وجہ ہے (روح المعانی) مصلحین سے مراد ہیں اپنے عقیدے اپنے معاملات اپنی عبادات ٹھیک رکھنے والے کہ کامل مصلحین وہی ہیں **واذنتقنا الجبل فوقھم** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے واؤ کے بعد **اذکر** یا **اذکرو** پوشیدہ ہے **نتقنا** بنا ہے **نتق** سے **نتق** کے معنی ہیں اکھیڑنا ہٹانا اٹھانا۔ یہاں آخری معنی میں ہے **نتق** کے معنی ہیں اٹھانا بعض نے فرمایا کہ معنی اکھیڑنا ہیں بعض نے فرمایا کہ اس کے معنی ہیں اکھیڑ کر اٹھانا (از تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) مگر قوی یہ ہی ہے کہ معنی اٹھانا ہے پہاڑ سے

www.alahazratnetwork.org

مراد طور پہاڑ ہے بعض حضرات نے مختلف پہاڑ مراد لئے مگر صحیح یہ ہی ہے کہ طور پہاڑ مراد ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ورفعنا فوقهم الطور** اس آیت نے **نتق** کے معنی اور پہاڑ کی تعیین فرمادی **فوقهم** بھی یہ ہی بتا رہا ہے کہ **نتق** ۔ بمعنی اٹھانا ہے **كانه ظلة** یہ عبارت متعلق ہے **نتقنا** کے **ظلة** بنا ہے **ظل** سے ۔ بمعنی سایہ ظلہ سائبان شامیانہ یعنی جیسے سائبان ساری قوم پر ہوتا ہے اور سروں سے قریب ہوتا ہے یوں ہی طور پہاڑ ان سب پر چھا گیا اور وہ بادل کی طرح زیادہ اونچا نہ تھا بلکہ ان کے سروں کے قریب تھا شامیانہ کی طرح یہ دو باتیں بتانے کے لئے سائبان سے تشبیہ دی گئی۔ خیال رہے کہ چھت، شامیانہ خیمہ سب **ظلة** ہیں یعنی سایہ کرنے والی چیز **وظنوا انه واقع بهم** یہ عبارت معطوف ہے **نتقنا** پر اس لئے واؤ عاطفہ ہے اور **ظن** ۔ بمعنی یقین ہے نہ کہ ۔ بمعنی گمان یا وہم **بهم** میں **ب** ۔ بمعنی علیٰ ہے یعنی انہیں یقین ہو گیا کہ پہاڑ ان پر گر جاوے گا اور وہ دب کر مر جائیں گے کیونکہ اتنی وزنی چیز بغیر کسی پر رکھے ہوئے بغیر کسی سے لٹکے ہوئے کیسے ٹھہر سکتی ہے فضا اسے سنبھال نہیں سکتی۔ **خذوا ما اتينكم بقوة** یہاں **خذوا** سے پہلے **قلنا** پوشیدہ ہے یعنی ہم نے ان اسرائیلیوں سے فرمایا یا تو فرشتہ کی زبان پر یا موسیٰ علیہ السلام کی زبان پر **خذوا** کے معنی ہیں یعنی قبول کرو مانو **ما** سے مراد ہے توریت شریف چونکہ کتاب اللہ نبی کی معرفت امت ہی کو دی جاتی ہے ان سے یہ عمل کرانا مقصود ہوتا ہے اس لئے **اتينكم** فرمانا اور دوسری جگہ **واتينا موسى الكتب** فرمانا درست ہے ان دونوں میں کوئی اختلاف یا تعارض نہیں۔ **بقوة** کا تعلق **خذوا** سے ہے یعنی اس کتاب کو اپنی طاقت و قوت سے پکڑو اس کے سخت احکام پر عمل کرو۔ واقعہ یہ ہوا تھا کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو توریت شریف پہلی بار دکھائی اور سنائی تو ان لوگوں نے ماننے اور عمل کرنے سے انکار کر دیا ان پر اچانک بہت اور سخت تر احکام آ گئے جس سے وہ گھبرا گئے تب انہیں منوانے کے لئے یہ عمل کیا گیا یہ واقعہ سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے **واذكروا ما فيه** یہ عبارت معطوف ہے **خذوا** پر ذکر سے مراد ہے یاد رکھنا عمل کرنے کے لئے **ما** سے مراد سارے احکام ہیں عقائد کے ہوں یا اعمال کے **فيه** کی ضمیر الکتاب کی طرف ہے یعنی جو احکام سخت ہوں یا نرم اس کتاب میں وہ سارے کے سارے یاد رکھو ان پر عمل کرو **لعلكم تتقون** یہ فرمان علّت **خذوا** اور **اذكروا** کی وجہ ہے یا مقصد لعل بندوں کے لحاظ سے ۔ بمعنی شاید ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے ۔ بمعنی تاکہ۔ تقویٰ کے معنی ڈرنا بھی ہیں اور بچنا بھی یہاں ۔ بمعنی بچنا ہے اس کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی تم آگ دوزخ سے یا اپنی برائی خصلتوں بد عقیدگیوں سے بچ جاؤ یا بچے رہو کہ توریت پر عمل، تقویٰ و پرہیزگاری کی اصل ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا کہ اس پہلی آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک وہ کہ یہ آیت مسلمانوں کی تعریف و توصیف میں ہو دوسرے وہ کہ یہ اصل یہودیت پر قائم رہنے والے اسرائیلیوں کے متعلق ہو دوسری بات قوی تر ہے ہم اس تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اب تک جن اسرائیلیوں پر عذاب ہوا یہ وہ تھے جنہوں نے توریت میں تبدیلی کی اس پر رشوتیں لیں۔ مگر وہ اسرائیلی جو توریت شریف کو مضبوطی سے تھامے رہے اس کے بتائے ہوئے عقائد و اعمال اختیار کئے رہے ان کے دین میں جو نماز تھی اسے صحیح طور پر ہمیشہ پڑھتے رہے حتیٰ کہ جب وقت ملا تو نبی آخر الزمان پر ایمان لے آئے ہم ایسوں کو ثواب ضرور دیں گے کیونکہ ہم کریم ہیں رحیم ہیں کسی کا اجر و ثواب برباد و ضائع نہیں کیا کرتے جو کچھ حالات عام اسرائیلیوں کے تم نے

www.alahazratnetwork.org

سنے یہ تو بعد کے ہیں انہوں نے ابتداء میں ہی سرکشی کی تھی کہ جب موسیٰ علیہ السلام توریت لائے اور انہوں نے سارے اسرائیلیوں کو سنائی تو وہ کہہ بیٹھے کہ **سمعنا و عصینا** ہم نے سن تو لی مگر عمل نہ کریں گے تب ہم نے ان پر طور پہاڑ اپنی جگہ سے اکھیڑ کر ان کے سروں پر لا کھڑا کیا جو شامیانہ کی طرح سارے لوگوں پر چھا گیا اور ان کے سروں سے قریب ہو گیا انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہم پر گراہی جاتا ہے پھر ہم نے ان سے کہا کہ جو احکام تم کو دیئے جا رہے ہیں انہیں خوب مضبوطی سے قبول کرو اور اس کتاب میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھو عمل کرو تاکہ تم متقی پرہیزگار ہو۔

لطیفہ: جب طور پہاڑ ان لوگوں پر مسلط کیا گیا تو یہ لوگ اظہار اطاعت کے لئے سجدہ میں گر گئے اور بولے کہ مولیٰ ہم نے سب کچھ قبول کر لیا مگر سجدہ الٹے رخسارہ پر کیا نگاہ پہاڑ کی طرف رکھی کہ کہیں ہم پر گر نہ جاوے اب بھی یہود بائیں رخسارہ پر ہی سجدہ کرتے ہیں کہتے ہیں کہ ہم کو اسی طرح کے سجدے نے پہاڑ سے بچایا تھا سب کا سجدہ پیشانی پر ہوتا ہے مگر یہود کا سجدہ رخسار پر (تفسیر کبیر)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کامیابی کا ذریعہ کتاب اللہ کو ماننا اس پر عمل کرنا ہے اس کے بغیر کتنی ہی نیکیاں کرے وہ محض بیکار ہے یہ فائدہ **والذین یمسکون** سے حاصل ہوا دیکھو اس آیت میں پہلے فرمایا **یمسکون بالکتاب** پھر فرمایا **واقاموا الصلوۃ**۔ **دوسرا فائدہ:** جب تک توریت و انجیل منسوخ نہیں ہوئی تھیں تب تک ان کو مضبوطی سے پکڑنا ان پر عمل کرنا ہدایت تھی اب ان پر عمل گمراہی ہے مثلاً انجیل میں شراب حلال کی گئی تھی اب جو اسے حلال جانے کافر ہے ہاں ان کے عقائد ان کے غیر منسوخ اعمال پر اب عمل ہو گا مگر اس لئے کہ یہ قرآن کے احکام ہیں دیکھو توریت و انجیل میں حضور انور پر ایمان لانے کا حکم تھا اس حکم پر اب بھی عمل واجب ہے قرآن کریم نے بھی یہ ہی حکم دیا **اٰمنوا باللہ ورسولہ** یہ فائدہ بھی **یمسکون بالکتاب** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن مجید تاقیامت لائق عمل ہے ہر شخص پر واجب ہے کہ اسے اپنا دستور العمل بنائے یہ فائدہ الکتاب کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الکتاب سے مراد قرآن مجید ہو۔ **چوتھا فائدہ:** تمام دینی کاموں میں نماز بہت اہم چیز ہے یہ فائدہ **اقاموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے **یمسکون بالکتاب** کے ساتھ بیان فرمایا مگر خیال رہے کہ نماز پڑھ لینا کمال نہیں بلکہ نماز قائم کرنے کا حکم دیا۔ **پانچواں فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ کسی نیکی کے بلاوجہ ضائع ہونے کا خیال بھی نہ کرے کہ رب نے ضائع نہ کرنے کا وعدہ فرمالیا ہے اس کے وعدے سچے ہیں وعدہ خلافی ناممکن ہے یہ فائدہ **انا لا نضیع** فرمانے سے حاصل ہوا خیال رہے کہ نیکیوں کا ضائع ہونا خود انسان کی اپنی غلطی سے ہوتا ہے رب فرماتا ہے **ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون**۔ **چھٹا فائدہ:** کفار بدکار کے نیک اعمال ضائع و برباد ہیں ان میں قبولیت کے پھل پھول نہیں لگتے کہ ان پر ثواب ملے یہ فائدہ **اجر المصلحین** سے حاصل ہوا کہ ضائع نہ کرنے کے لئے مصلحین کی قید لگائی رب فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلنٰہ ھباء منثورا**۔ **ساتواں فائدہ:** جبراً مانی ہوئی قبول کی ہوئی چیز کا بقا نہیں دل سے مانی ہوئی چیز کا بقا ہے دیکھو مسلمانوں نے قرآن دل سے مانا بحمدہ تعالیٰ اب تک مان رہے ہیں اور ان شاء اللہ مانتے قبول کرتے رہیں گے بنی اسرائیل نے توریت ڈر کر مانی تھی بہت جلد اسے چھوڑ بیٹھے یہ فائدہ **واذ نتقنا** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

پہاڑ کو اس کی جگہ سے اکھیڑ دے اسے اٹھاوے اور پھر وہاں ہی قائم کر دے۔ ہمارے یہ فائدہ بھی **واذنتقنا الجبل** سے حاصل ہوا۔ لہذا حضور کا یہ فرمان بالکل درست ہے کہ اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں یہ بھی درست ہے کہ حضور عالی کے فرمان پر درخت چل کر آئے ان تمام احادیث کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ **نواں فائدہ**: قرآن مجید کا تیئس سال میں آہستگی سے آنا اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت ہے کہ اس سے مسلمانوں کو سارے احکام پر عمل کرنا آسان ہو گیا یہود کے توریت پر عمل سے انکار کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ان پر یکدم سارے احکام آ گئے یہ فائدہ بھی **واذنتقنا الجبل** کے واقعہ سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا اس کو یاد رکھنا اس پر عمل کرنا پرہیز گار بننے دوزخ سے بچنے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **لعلکم تتقون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کتاب الٰہی کو مضبوطی سے پکڑتے ہی ساری عبادات آ گئیں پھر اس کے بعد **اقامو الصلوۃ** کیوں فرمایا گیا نماز توریت میں مذکور نہ تھی۔ **جواب**: نماز کا ذکر علیحدہ یا تو اس لئے کیا گیا کہ نماز سارے شرعی احکام میں اہم ہے اگرچہ یہ ہے آسان مگر نفس پر زیادہ گراں ہے رب فرماتا ہے **وانها لكبيرة** یا اس لئے کہ نماز کی پابندی ساری عبادات معاملات کو آسان کر دیتی ہے چونکہ کتاب توریت کو مضبوطی سے پکڑنا مشکل کام تھا اس لئے فرمایا کہ نماز قائم کرو تاکہ تم پر یہ مشکل آسان ہو جاوے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں **یمسکون** مضارع ارشاد ہوا اور **اقاموا** ماضی اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: یا اس لئے تاکہ معلوم ہو کہ کتاب اللہ کو مضبوط تھامنا ہر وقت ضروری ہے اور نماز ادا کرنا کبھی کبھی کہ پنجگانہ نماز دن رات میں پانچ بار جمعہ کی نماز ہفتہ میں ایک بار عید کی نماز سال میں ایک بار یا اس لئے کہ **واقاموا** حال ہے **یمسکون** کے فاعل سے یعنی کتاب اللہ مضبوطی سے تھامیں اس حال میں کہ نماز کے پابند ہوں۔ خیال رہے کہ دین موسوی میں نماز تھی روزانہ وار بھی ہفتہ وار بھی سالانہ بھی مگر ان کے ہاں روزانہ نمازیں دن رات میں دو تھیں اس کا کچھ ذکر پہلے پارہ میں ہو چکا ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نیک کاروں کی نیکیاں برباد نہیں کرتا جس سے پتہ چلا کہ گنہگاروں کی نیکیاں برباد ہوں گی حالانکہ اپنے پرائے کسی کی نیکیاں برباد کرنا خلاف انصاف ہے کسی سے کام کرا کر مزدوری نہ دینا بہر حال برا ہے مزدور خواہ کافر ہو یا مومن۔ **جواب**: اگر مزدور ہمارے بتائے ہوئے کام کے خلاف کام کرے وہ مزدوری کا نہیں سزا کا مستحق ہوتا ہے ہم نے دیوار بنانے کو کہا اس نے اسی جگہ کنواں کھود دیا تو اس کو مزدوری ملنا کیسا ہم نے کہا کہ میری زمین میں مکان بناؤ اس نے دوسرے کی زمین میں بنایا اسے یہ مزدوری کیوں جائے۔ نیز گھنا ہوا تخم سبزہ نہیں پیدا کرتا جس عمل میں کفر و شرک غداری کا ڈنک لگا ہو وہ مقبول نہیں ہوتا۔ **چوتھا اعتراض**: پہاڑ اکھیڑنے کے ساتھ یہ کیوں فرمایا کہ **کانه ظلة** یہ معنی تو **فوقهم** فرمانے سے حاصل ہو چکے تھے اوپر والی چیز سائبان کی طرح ہوتی ہے۔ **جواب**: یہ فرما کر دو باتیں بتائیں ایک یہ کہ پہاڑ ساری قوم پر چھا گیا تھا جیسے شامیانہ۔ اگر گرتا تو سارے ہی دب کر مر جاتے چنانچہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا سایہ ایک کوس تک تھا ہر چہار طرف دوسرے یہ کہ وہ پہاڑ شامیانہ کی طرح ان کے سروں سے بہت قریب تھا آسمان یا بادل کی طرح دور نہ تھا ایک اشارہ کی دیر تھی کہ ان سب کا ڈھیر ہو جاتا یہ معانی صرف **فوقهم** سے حاصل نہ ہوتے۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ جو کچھ ہم نے تم کو دیا انہیں مضبوطی سے پکڑو اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی صرف **خذوا** کہنا کافی تھا۔ **جواب**: اس فرمان عالی میں اس جانب

اشارہ تھا کہ توریت کے سارے احکام تمہارے لئے قابل عمل رہیں گے ان میں ترمیم تنسیخ نہ ہوگی انہیں خوب مضبوطی سے پکڑنا کہ ان میں سے ایک بھی نہ چھوٹے اور کبھی نہ چھوٹے تم پر لازم ہے۔ ہمارے قرآن مجید کی طرح نہ تھا کہ کلام الٰہی کے احکام نرم آئے پھر آہستہ آہستہ سختی کی گئی جیسے شراب کی حرمت یا روزے کی فرضیت میں ہوا بلکہ نماز میں بھی یہ ہی ترتیب رہی۔

تفسیر صوفیانہ: کتاب الٰہی کو دیکھنا اور ہے پڑھنا کچھ اور اسے چھونا اور ہے پکڑنا اور مگر مضبوط پکڑنا کچھ اور ہی چیز ہے اعلیٰ درجہ ہے مضبوط پکڑنے کا۔ ظاہری مادی چیز کو بہت مضبوط پکڑنا ہو تو دانت سے پکڑتے ہیں مگر روحانی نورانی چیز کو مضبوط پکڑنا ہو تو دل سے پکڑتے ہیں کہ جسم عمل کرے اور دل اس کو پسند کرے بلکہ محبت کرے بنیاد والی دیوار مضبوط ہوتی ہے عشق و محبت والی اطاعت قوی اس لئے یہاں **یمسکون** فرمایا یہ ہی حال نماز کا ہے کہ صرف جسم سے ارکان نماز ادا کر لینا نماز پڑھتا ہے مگر دل کے خشوع و خضوع کے ساتھ ارکان ادا کرنا نماز قائم کرنا ہے ستون قائم ہے تو چھت قائم ستون اگر گر گیا چھت کیسے رہے۔ شعر

خانہ دین خویش را حج خدا بر ستون نماز کرد بنا

بے نگے ناستوں بجائے بود خانہ دین حق بجائے بود

صوفیاء کے نزدیک مصلح وہ ہے جو اپنے قول، فعل، عمل، عقیدہ، ظواہر، سرائر وغیرہ سب کو اس طرح درست کرے کہ وہ نور الٰہی فیض ربانی قبول کرنے کے قابل ہو جاوے، دشوار کام اصلاح ہے۔ اصلاح یعنی قابلیت و صلاحیت کے بعد کمال حاصل ہو سکتا ہے جب لوہا گرم ہو کر مڑنے کی صلاحیت پالے تو اسے جو چاہو بنالو اس صلاحیت و قابلیت کے لئے نگاہ شیخ کامل ضروری ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو یا تو خوف سے مانا جاتا ہے یا ذوق سے یا شوق سے خوف سے ماننا ناقص ہے کہ خوف جانے میں ماننا بھی ختم ہو جاوے گا مگر ذوق یا شوق سے ماننا کامل ہے اس کے لئے فنا نہیں مسلمانوں نے قرآن مجید ذوق یا شوق سے مانا وہ اس پر قائم رہے بنی اسرائیل نے مانا تھا خوف سے اس لئے وہ توریت کو چھوڑ بیٹھے بلکہ بگاڑ بیٹھے اللہ تعالیٰ ذوق و شوق نصیب کرے۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ

اور جب لیں رب نے تمہارے آدم کی اولاد سے ان کی پیٹھوں سے ان کی ذریت اور گواہ بنایا

اور اے محبوب یاد کرو جب تمہارے رب نے اولاد آدم کی پشت سے ان کی نسل نکالی اور انہیں

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا یَوْمَ

ان کو اوپر جانوں ان کے کہا نہیں ہوں میں رب تمہارا وہ بولے ہاں گواہ بنے ہم کہ کہو تم دن قیامت کے

خود ان پر گواہ کیا کیا میں تمہارا رب نہیں سب بولے کیوں نہیں ہم گواہ ہوئے کہ کہیں قیامت کے

الْقِیٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِیْنَ (172)

کہ بیشک تھے ہم اس سے بے خبر۔

دن کہو کہ ہمیں اس کی خبر نہ تھی۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اس عہدو پیمان کا ذکر ہے جو بنی اسرائیل سے عطاء توریت کے وقت جبراً لیا گیا پہاڑ سے ڈرا کر اب اس عہدو پیمان کا ذکر ہے جو سارے انسانوں سے بخوشی لیا گیا تھا یعنی میثاق کے دن گویا خاص اور جبری عہدو پیمان کے بعد عام اور خوشی والے عہد کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر حجت قائم کی گئی تھی کہ انہوں نے عہدو پیمان ہم سے کئے پھر انہیں توڑ کر عذاب کے مستحق ہوئے اب اس آیت میں سارے انسانوں پر حجت قائم فرمائی گئی ہے کہ تم سب ہم سے عہدو پیمان کر گئے ہو اگر اس کی خلاف ورزی کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی تھی جو کتاب الٰہی کو مضبوطی سے تھامیں اور نماز قائم کریں اب اس تعریف کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ وفادار لوگ ہیں جنہوں نے میثاق والا عہد پورا کیا۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں حضور ﷺ کی نبوت آپ کے علم غیب سے ثابت کی گئی کہ بنی اسرائیل کا ابتدائی واقعہ توریت ملنے اور ان کے انکار کرنے پھر پہاڑ اکھیڑے جانے کا بیان فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ جو باتیں بنی اسرائیل نے چھپادی تھیں وہ حضور انور پر روشن ہیں اب اس آیت میں اس سے بڑھ چڑھ کر حضور کا علم غیب بیان ہو رہا ہے کہ حضور انور پر انسان کی اول پیدائش کے وقت کے واقعات پوشیدہ نہیں کہ جو میثاق کے دن رب نے عہدو پیمان لیا وہ بھی حضور انور سے مخفی نہیں گویا حضور انور کا ایک معجزہ بیان فرمانے کے بعد دوسرا عجیب تر معجزہ بیان ہو رہا ہے۔ جس نبی پر عالم کی ابتداء اتنی ظاہر ہے اس پر بنی اسرائیل کی ابتداء انتہا کیسے چھپ سکتی ہے (تفسیر صاوی)۔

تفسیر: واذاخذ ربک قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور یہ **اذکر** پوشیدہ کا مفعول ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ معطوف ہے **واذنتقنا الجبل** پر لہٰذا واؤ عاطفہ ہے مگر پہلی بات ظاہر ہے (معانی) اگر یہ **اذنتقنا** پر معطوف ہے تو یہ بنی اسرائیل پر دوسرا الزام ہے کہ انہوں نے میثاق کے دن ہم سے یہ وعدہ کیا تھا مگر دنیا میں جا کر یہود تو عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان بیٹھے جیسے کہ توریت ماننے کا عہد کر کے اسے توڑ بیٹھے **اذ** ظرف ہے مگر **اذکر** کا مفعول **بہ** ہے یعنی اے محبوب ان لوگوں سے اس وقت کا ذکر کرو۔ خیال رہے کہ یہاں **اخذ** ارشاد ہوا اخرج یا اظہر ارشاد نہ ہوا تاکہ اس عہدو پیمان کی عظمت لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے کہ اس **اخذ** میں انسان کی اشرفیت اس کے خاص چناؤ کی طرف اشارہ ہے کہ وہ خلافت الٰہیہ کے لائق ہے اس لئے اس کے ساتھ **ربک** ارشاد ہوا تاکہ حضور انور کی عظمت بھی اشارۃً معلوم ہو کہ ہم نے لوگوں سے یہ عہدو پیمان اس شان سے لیا کہ ہم اے محبوب تمہارے رب ہیں وہ مجھے اس طرح جانیں مانیں پہچانیں کہ میں رب محمد ہوں۔ (از روح المعانی) گویا اس عہد میں اپنی الوہیت کے ساتھ محمد مصطفےٰ ﷺ کی نبوت کے اقرار کا ضمنی ذکر ہے **من بنی آدم** یہ عبارت **اخذ** کے متعلق ہے بنی آدم سے مراد انسان ہے کیونکہ بشر انسان آدمی کی طرح بنی آدم بھی انسان کا نام بن چکا ہے لہٰذا اس میں آدم علیہ السلام بھی داخل ہیں کیونکہ پہلے تو انہیں کی پشت سے ان کی اولاد نکالی گئی پھر اولاد کی پشت سے ان کی اولاد اسی طرح تا روز قیامت (تفسیر صاوی وغیرہ) **من ظھورھم** یہ عبارت **من بنی آدم** سے بدل بعض ہے ظہور جمع ہے ظہر کی۔ معنی پشت (پیٹھ) بچہ اولاً باپ کی پیٹھ میں رہتا ہے پھر وہاں سے منتقل ہو کر ماں کے پیٹ میں چونکہ تمام کو

www.alahazratnetwork.org

باپ کی پیٹھوں سے نکالا گیا تھا نہ کہ ماں کے پیٹ سے اس لئے ظہور فرمایا اور **ھم** ضمیر مذکر ارشاد ہوا بیٹے بیٹیاں سب ہی نکالی گئیں اس فرمان عالی سے عیسیٰ علیہ السلام مستثنٰی ہیں کیونکہ آپ کو جناب مریم کے پیٹ سے نکالا گیا اور پھر وہاں ہی منہ کے راستے سے واپس کیا گیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے نیز اس سے وہ انسان علیحدہ ہیں جو بچپن میں فوت ہو گئے یا نامرد رہے یا جن کی شادی نہ ہوئی جیسے عیسیٰ علیہ السلام یا جن کے اولاد نہ ہوئی۔ جن کے اولاد ہونے والی تھی ان کی پشت سے اولاد نکالی گئی (تفسیر روح البیان وغیرہ) **ذریتھم** یہ **اخذ** کا مفعول ہے **ذریت** بنا ہے **ذر** سے۔ معنی چھوٹی سے چیونٹی اسی سے ہے ذرہ اولاد کو ذریت اس لئے کہتے ہیں کہ وہ میثاق کے دن چھوٹی چیونٹی کی شکل ظاہر ہوئی تھی اس میں لڑکے لڑکیاں سب داخل ہیں۔ خیال رہے کہ فقط روحیں نہیں نکالی گئی تھیں کیونکہ باپ کی پشت میں اولاد کا مادہ رہتا ہے نہ کہ روح وہ تو ماں کے پیٹ میں چار ماہ گزر جانے پر عالم ارواح سے لاکر ڈالی جاتی ہے اس دن اولاد کا مادہ **جز لایتجزی** نکالا گیا اس میں وہ روح ڈالی گئی جو آئندہ دنیا میں ڈالی جانے والی تھی ان کو عقل و ہوش سننے دیکھنے سمجھنے کی قوت دی گئی جیسا کہ ایک وقت پہاڑوں میں بولنے کی طاقت دی گئی کہ انہوں نے داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح کی۔ کنکروں نے حضور پر درود شریف پڑھا درخت حضور کے حکم پر چل کر آئے اونٹوں نے حضور کو سجدہ کیا یہ تمام واقعات اس بنا پر تھے کہ ان چیزوں میں عقل و ہوش و گوش پیدا فرما دیئے گئے (تفسیر کبیر وغیرہ) لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں حق یہ ہے کہ ذریت میں حضرات انبیاء کرام بھی داخل ہیں کیونکہ یہ عہد ربوبیت ان سے بھی لیا گیا تھا بلا دلیل ان حضرات کو اس سے علیحدہ سمجھنا درست نہیں **واشھدھم علی انفسھم** یہ عبارت معطوف ہے **اخذ** پر **اشھد** کا فاعل رب تعالیٰ ہے **ھم** کا مرجع **ذریت** کیونکہ لفظ ذریت اگرچہ مونث ہے مگر اس کے معنی مذکر جمع ہیں کہ اس کے معنی ہیں اولاد۔ انفس جمع ہے نفس کی نفس کے بہت معنی ہیں خون' جان' نفس امارہ' نفس مطمئنہ' نفس لوامہ' ذات' یہاں بمعنی ذات ہے اگر **انفسھم** کا مطلب یہ ہے کہ ایک دوسرے پر گواہ تب تو گواہی اپنے معنی میں ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ ہر شخص اپنے پر گواہ تو گواہی بمعنی اقرار ہے چونکہ یہ گواہی یا اقرار بہت لوگوں پر قیامت میں ان کے خلاف کام آوے گی اس لئے یہاں **علی** ارشاد ہوا یعنی ان سب کو ایک دوسرے پر گواہ بنایا ہر ایک سے اقرار و عہد لیا۔ **الست بربکم** یہاں **قال** پوشیدہ ہے ظاہر یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان سب پر اپنی تجلی ڈالی اپنا جمال دکھایا اور پھر ان سے یہ سوال کیا بعض مفسرین نے فرماتے ہیں کہ کفار پر تجلی قہر ڈالی اور مومنین پر تجلی رحمت (روح المعانی) **الست** میں سوال سوال انکاری ہے جو نفی پر داخل ہوا جس سے یہ ثبوت بن گیا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ عالم ارواح میں روحوں کی پرورش فرماتا تھا اور عالم اجسام میں ان ذرات کی جو آج اپنے باپوں کی پشت سے ظاہر ہوئے یہ ربوبیت ظاہر تھی اور ہے اور رہے گی لہٰذا یہ سوال بالکل درست ہے یعنی مجھے دیکھ لو اور بولو کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں ضرور ہوں۔ **قالوا بلی شھدنا** یہ ان سب کا جواب ہے سب سے پہلے حضور انور نے **بلی** فرمایا پھر آپ سے سن کر دوسرے انبیاء کرام نے پھر باقی تمام لوگوں نے مگر مومنین نے تو بخوشی **بلیٰ** کہا اور کفار و منافقین و مشرکین نے ناچار مجبوراً "**بلی**" کہا اس لئے بعض علماء فرماتے ہیں کہ مومنین کے چھوٹے بچے جو مر جائیں وہ جنتی ہیں کہ وہ میثاق والے ایمان پر دنیا میں آئے اسی پر مرے مگر کفار کے چھوٹے مر جانے والے بچے دوزخی ہیں کہ وہ میثاق کے دن والے نفاق و کفر پر پیدا ہوئے اس پر مرے مگر یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے کہ **کل مولود یولد علی الفطرۃ** ہر بچہ فطری

اسلام یعنی میثاق والے عہد و پیمان پر پیدا ہوتا ہے **فابواہ یھودانہ او ینصرانہ او یمجسانہ** پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا عیسائی یا مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سب نے بخوشی **بلٰی** کہا تھا اور کفار کے نا سمجھ بچے دوزخی نہیں۔ خیال رہے کہ بلٰی میں منفی کا اقرار ہوتا ہے اور **نعم** میں نفی کا اقرار یعنی **نعم** کے معنی یہ ہوتے کہ ہاں تو ہمارا رب نہیں ہے یہ عین کفر ہوتا **بلٰی** کے معنی ہوئے کہ ہاں تو ہمارا رب ہے یہ ایمان ہوا (روح البیان و معانی وغیرہ) **بلٰی** تو جواب ہے **الست بربکم** کا اور **شھدنا** یا تو اس اقرار کا بیان ہے تو **بلٰی** پر وقف نہیں اور یا اقرار کا نتیجہ ہے تب **بلٰی** پر وقف ہے اس لئے **بلٰی** پر جیم کا وقف ہے۔ لفظ **بلٰی** کی تحقیق۔ کہ یہ ایک ہی لفظ ہے یا یہ اصل میں بل تھا الف زیادہ کیا گیا پھر وہ الف تانیث کا ہے جیسے تحت اور ربت کی ت یا تانیث کا نہیں یہاں روح المعانی میں دیکھو۔ **ان تقولوا یوم القیٰمتہ** توی یہ ہے کہ یہ عبارت **اخذ ربک** اور **اشھدھم** کا مفعول **لہٗ** ہے یا تو ان سے پہلے لا پوشیدہ ہے یا ان سے پہلے **کراھتہ** پوشیدہ یہ فرمان عالی یا تو یہود مدینہ سے ہے جو حضور انور کے زمانہ میں تھے یا اس وقت یعنی عہد و پیمان لیتے وقت سب سے ارشاد ہوا تھا یعنی ہم نے تم سے یہ عہد و پیمان اس لئے کیا تاکہ تم قیامت کے دن عذر نہ کر سکو اور یہ نہ کہہ سکو **انا کنا عن ھذا غفلین** یہ عبارت **تقولوا** کا مفعول ہے **کنا** سے مراد ہے کہ ہم دنیا میں بے خبر رہے **ھذا** سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت الوہیت توحید بلکہ ایمان کی کہ طرف اشارہ ہے یعنی خداوندا! ہم شرک و کفر میں مبتلا رہے بے قصور ہیں ہمیں خبر تھی ہی نہیں کہ تو ہی ہمارا رب ہے تیرے سواء اور کوئی رب نہیں اور اے رب کریم تو بے خبر کو پکڑتا نہیں ہم کو چھوڑ دے عذاب نہ کر۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ کی تفسیر میں معتزلہ فرقے نے عموماً اور بعض اہل سنت مفسرین نے خصوصاً بہت گفتگو کی ہے کسی نے کہا کہ یہ محض ایک خیالی چیز ہے جو بطور تصور کفار پر پیش کی گئی ہے کسی نے کہا کہ حضرات انبیاء کرام کا بھیجنا ہی گویا یہ اقرار ہے کسی نے کہا کہ یہ کلام حالیہ ہے نہ کہ مقالیہ ظاہری اقرار وغیرہ نہ تھا ہم بفضلہ تعالیٰ اس آیت کی وہ تفسیر عرض کرتے ہیں جو جمہور مفسرین اور عام صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمرو ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کی ہے اور جس کی تائید حدیث مرفوع صحیح سے ہے اور جو بالکل ظاہر آیت کے مطابق ہے جس میں کسی تاویل اور ایچ پیچ کی ضرورت نہیں اللہ تعالیٰ نے تین عہد و پیمان لئے تھے ایک تو اپنی ربوبیت کا جو عام انسانوں سے لیا گیا دوسرا حضور ﷺ پر ایمان لانے کا جو حضرات انبیاء کرام سے لیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبین** تیسرا عہد کتاب اللہ کو نہ چھپانے لوگوں تک پہنچا دینے کا یہ عہد علماء بنی اسرائیل سے لیا گیا جس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **واذ اخذ اللہ میثاق الذین اوتوا الکتب لتبیننہ للناس ولا تکتمونہ** یہاں اس آیت میں پہلے عہد کا ذکر ہے اے محبوب ﷺ آپ ان لوگوں سے اس واقعہ کا ذکر کرو جبکہ اللہ تعالیٰ نے مکہ معظمہ کے علاقہ میں عرفات پہاڑ کے پیچھے میدان نعمان میں آدم علیہ السلام کی پشت پر دست قدرت پھیر کر ان سے ان کی اولاد نکالی پھر اولاد سے ان کی اولاد پھر ان سے ان کی اولاد حتی کہ تا قیامت پیدا ہونے والے لوگ اسی ترتیب سے نکالے جس ترتیب سے پیدا ہوں گے یہ سب چیونٹیوں کی شکل میں تھے پھر ان پر اپنی تجلی ڈالی اپنا جمال دکھا کر ان سے فرمایا کہ بولو کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہاں تو ہی ہمارا رب ہے ہم اس کی گواہی دیتے ہیں یعنی اقرار کرتے ہیں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے یہ عہد و پیمان اس لئے لے لیا تاکہ تم قیامت میں یہ نہ کہہ سکو کہ اے مولیٰ تیری ربوبیت سے

بے خبر ہے ہمیں معافی دے دے کریم بے خبر مجرم کو پکڑا نہیں کرتے۔

تحقیقات: امام قطب الدین شعرانی نے اپنی کتاب **القواعد الکشفیہ فی الصفات الالٰھیہ** میں اس واقعہ کے متعلق بارہ تحقیقات سوال و جواب کی شکل میں بیان فرمائیں ہم ان کا ترجمہ پیش کرتے ہیں (از صلاوی) **سوال 1**- یہ عہد و پیان کس جگہ لیا گیا۔ **جواب**: حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ عرفات پہاڑ کے متصل میدان نعمان میں توبہ قبول ہو چکنے کے بعد۔ بعض نے فرمایا مقام سراندیب میں جہاں آدم علیہ السلام اتارے گئے۔ امام کلبی کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ اور طائف کے درمیان۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ جنت میں ہی لیا گیا آپ کے زمین پر آنے سے پہلے **سوال 2**- اس **ذریت** کو کیسے نکالا گیا؟ **جواب**: حدیث صحیح میں ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت آدم کی پشت پر اپنا دست قدرت پھیرا جس سے وہ روحیں آپ پر رونگٹے کی جڑوں سے چیونٹیوں کی شکل میں ایسے نکلیں جیسے پسینہ یا ساتھ میں میل نکلتا ہے مگر ہاتھ کا پھیرنا وہ تھا جو رب کی شان کے لائق تھا پھر آدم کی اولاد سے ان کی اولاد اسی طرح تاقیامت انسان نکالے گئے۔ **سوال 3**- ان لوگوں نے **بلیٰ** کیسے کہا؟ **جواب**: حق یہ ہے کہ اس زبان **قال** سے کہا جس سے آج باتیں کرتے ہیں اسی وقت انہیں تمام اعضاء عقل ہوش نطق وغیرہ سب کچھ بخش دیا گیا تھا۔ **سوال 4**- جب وہاں سب نے یہ اقرار کر لیا تھا تو دنیا میں آ کر بعض لوگوں کافر کیوں ہوئے سب ہی مومن ہونے چاہئے تھے۔ **جواب**: حکیم ترمذی نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مومنوں پر رحمت کی تجلی ڈالی تو انہوں نے بخوشی **بلیٰ** کہا وہ دنیا میں مومن ہوئے کفار و منافقین پر غضب کی تجلی ڈالی تو انہوں نے صرف خوف سے **بلیٰ** کہہ دیا وہ دنیا میں کافر رہے (یہ حکیم ترمذی کی رائے ہے)۔ **سوال 5**- یہ عہد کسی کو یاد بھی رہا یا نہیں؟ **جواب**: ہاں بعض بندوں کو یاد رہا حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھے وہ عہد و پیان سارا کا سارا یاد ہے سہل تستری فرماتے ہیں کہ میں نے اسی دن سے اپنے مریدوں شاگردوں کو پہچان لیا کسی نے ذوالنون مصری سے پوچھا کہ کیا وہ عہد آپ کو یاد ہے فرمایا گویا اب بھی وہ آواز کانوں میں گونج رہی ہے جسے میں سن رہا ہوں (روح البیان) ہمارے پنجاب کے حضرت قبلہ پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ فرماتے ہیں۔ شعر

قالوا بلیٰ تے کل دی گل اے اساں اگے ہی پریت لگائی

مہر علی جدوں بیٹھے سن دتی سی میم گواہی!

ہاں عام لوگ دراز زمانہ ہونے کی وجہ سے بھول گئے انہیں حضرات انبیاء کرام اور آسمانی کتب و صحیفوں نے یاد دلایا اب یاد آئے چاہے نہ آئے ماننا ضرور ہے۔ **سوال 6**- اس وقت یہ چیونٹیاں شکل انسانی میں تھیں یا کسی اور شکل میں؟ **جواب**: اس کے متعلق کوئی صریحی نص نہیں ملی ہاں یہ معلوم ہے کہ ان میں سننے دیکھنے بولنے سمجھنے کی طاقت دی گئی تھی روح انسانی ان میں ڈالی گئی۔ **سوال 7**- ان جسموں میں روح کب ڈالی گئی پشت سے نکلنے سے پہلے یا بعد میں۔ **جواب**: ظاہر یہ ہے کہ پشت میں ہی روح ڈال دی گئی وہ ایسے زندہ نمودار ہوئے جیسے آج ماں کے پیٹ سے بچہ زندہ نکلتا ہے کیونکہ انہیں فرمایا گیا **ذریتھم** اور قرآن مجید میں جاندار اولاد کو ذریت کہا جاتا ہے جیسے **انا حملنا ذریتھم فی الفلک المشحون** یا جیسے **ومن ذریتنا امتہ مسلمتہ لک** خیال رہے کہ روح انسانی چار بار جسموں میں پڑتی ہے ایک میثاق کے دن دوسرے ماں کے پیٹ میں پھر موت کے وقت نکال لی جاتی ہے پھر قبر میں سوال و جواب کے لئے پھر محشر میں صور پھونکتے وقت جس کے بعد

www.alahazratnetwork.org

جنت دوزخ میں نہ نکالی جائے گی ہاں بعض گنہگار مومن دوزخ میں مردہ کردیئے جائیں گے پھر نکال کر جنت میں بھیجے جائیں گے۔ **سوال 8**-یہ عہد لینے میں فائدہ کیا ہے۔ **جواب**: تاکہ دنیا میں آکر بد عہدی بے وفائی کرنے والوں کو قیامت میں پکڑا جاوے انہیں اس پر کوئی عذر نہ ہو۔ **سوال 9**-ان لوگوں کو جب اپنے اصول یعنی باپوں کی پشت میں واپس کیا گیا تو کیا پہلے ان کی روح نکالی بعد میں واپس کیا یا واپس لوٹ جانے کے بعد روح نکالی۔ **جواب**: ظاہر یہ ہے کہ پہلے روح نکالی بعد میں واپس لوٹایا جیسے بچہ ماں کے پیٹ سے جان لے کر زمین پر آتا ہے مگر قبر میں جان نکل دیئے جانے کے بعد جاتا ہے قبر میں جا کر جان نہیں نکالی جاتی۔ **سوال 10**-ان لوگوں کی روحیں اب نکل جانے کے بعد کہاں گئیں۔ **جواب**: جہاں سے لائی گئیں تھیں وہاں ہی لوٹائی گئیں ظاہر یہ ہی ہے حقیقت حال خدا جانے۔ **سوال 11**-یہاں تو یہ فرمایا گیا کہ اولاد آدم کی پشت سے انکی ذریت نکالی گئی یہ نہ فرمایا کہ خود آدم علیہ السلام کی پشت سے بھی ان کی اولاد نکالی گئی اس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**: یہ بات ویسے بھی بغیر بتائے معلوم ہوگئی کہ پہلے اولاد آدم ان کی اپنی پشت سے نکلی پھر اس اولاد کی اولاد ان کی پشت سے اگر یہ لوگ حضرت آدم کی پشت سے نہ نکلتے تو ان کی اولاد کیسے کہلاتے اور بنی آدم ان پر صادق کیسے آتا۔ **سوال 12**-وہ کاغذ کہاں رکھا گیا جس میں یہ عہد و پیمان درج ہے۔ **جواب**: حدیث شریف میں ہے کہ وہ عہد نامہ سنگ اسود میں محفوظ ہے سنگ اسود خانہ کعبہ میں نصب ہے کل قیامت میں یہ پتھر اس طرح آئے گا کہ اس کے آنکھیں زبان منہ وغیرہ سب کچھ ہوگا اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب ﷺ کو اولین و آخرین کا علم بخشا دیکھو انسان کی ابتداء آفرینش کے وقت کی خبریں حضور انور کی معرفت دنیا کو دیں یہ فائدہ **واذ اخذ** میں **اذکر** پوشیدہ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: انسان اشرف الخلق ہے دیکھو یہ عہد و پیمان صرف انسان سے لیا گیا نہ فرشتوں سے لیا گیا نہ حور و غلمان سے نہ جنات سے نہ کسی اور مخلوق سے یہ فائدہ من بنی آدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: عورت سے مرد افضل ہے دیکھو ذریت انسان کو ان کی ماؤں کے پیٹ سے نہ نکالا گیا بلکہ باپوں کی پیٹھ سے نکالا گیا معلوم ہوا کہ باپ اولاد کی اصل ہے یہ فائدہ **من ظهورهم** فرمانے سے حاصل ہوا اس لئے نسب باپ سے چلتا ہے نہ کہ ماں سے۔ **چوتھا فائدہ**: انسان کا اقرار گویا اس کی اپنے متعلق گواہی ہے دیکھو رب نے اس اقرار کو گواہی فرمایا **اشهدهم على انفسهم** اس لئے شریعت نے اقرار کو گواہی مانا ہے زنا کا ثبوت یا چار گواہوں سے ہوتا ہے یا چار اقراروں سے یہ فائدہ **واشهدهم على انفسهم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **انفسهم** سے مراد خود ان کی اپنی ذات ہوں۔ **پانچواں فائدہ**: یہ عہد ربوبیت سارے انسانوں سے لیا گیا حتی کہ حضرات انبیاء کرام سے بھی اور ہمارے حضور ﷺ سے بھی یہ فائدہ **ذريتهم** کے اطلاق سے حاصل ہوا حتی کہ جو بچے دنیا میں پیدا ہوتے ہی فوت ہو جاتے ہیں ان سے بھی یہ عہد لیا گیا ہاں جو مرے ہوئے پیدا ہوتے ہیں یا کچے گر جاتے ہیں وہ اس عہد میں شامل نہ تھے کہ وہ ذریت نہیں۔ **چھٹا فائدہ**: اس عہد ربوبیت سے زیادہ اہم اور سنگین وہ عہد تھا جو حضرات انبیاء کرام سے حضور ﷺ کے متعلق لیا گیا کیونکہ یہاں صرف **بلىٰ** پر کفایت کی گئی مگر وہاں ارشاد ہوا **قال ءاقررتم واخذتم على ذلكم اصرى** تو سب نے عرض کیا **قالوا اقررنا قال فاشهدوا وانا معكم من الشهدين** اس کی تفسیر ہم بفضلہ تعالیٰ تیسرے پارہ میں کر چکے ہیں۔ **ساتواں فائدہ**: لفظ **بلىٰ** سے منفی شئی کا اقرار ہو جاتا ہے اور **نعم** سے نفی کا اقرار

www.alahazratnetwork.org

اگر کوئی کسی سے کہے **اما طلقت زوجتک** کیا تو نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی تھی وہ جواب میں کہہ دے **بلیٰ** تو یہ طلاق دینے کا اقرار ہو گا اور اس سے طلاق واقع ہو جاوے گی۔ **آٹھواں فائدہ**: نبی کا یاد دلایا ہوا واقعہ دیکھے ہوئے کی طرح یقینی ہوتا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں یہ فائدہ **عن ھذا غافلین** سے حاصل ہوا جس میں غفلت کی نفی فرمائی گئی حالانکہ وہ واقعہ ہم میں سے کسی کو یاد نہیں۔

پہلا اعتراض: جب یہ عہد و پیمان کسی کو یاد ہی نہ رہا تو اس کے لینے سے فائدہ کیا تھا یہ بے فائدہ کام کیوں کیا۔ **جواب**: جب ماں اپنے جوان بیٹے کو اس کے بچپن کی باتیں سناتی ہے تو وہ جوان بلاچون و چرا مان لیتا ہے کیونکہ اسے ماں پر اعتماد ہے یوں ہی جب حضرات انبیاء کرام نے آسمانی کتابوں سے وہ بھولا ہوا عہد یاد دلایا تو ہم کو بھی چاہیے کہ بلا تامل مان لیں یہ بات بے فائدہ جب ہوتی جب یاد بھی نہ دلائی جاتی۔ **دوسرا اعتراض**: کیا اس دن کا ایمان یعنی ایمان روز میثاق شرعاً معتبر ہے اور کیا تمام انسان اس دن مومن ہو گئے تھے۔ **جواب**: اس ایمان پر شرعی احکام مرتب نہیں لہٰذا کفار کے نومولود بچوں کو مومن نہ کہا جاوے گا نہ ان کی نماز جنازہ ہو نہ انہیں مومنوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے بلکہ وہ اپنے باپ دادا کے تابع ہوں گے ورنہ جوان ہونے پر انہیں مرتد کہا جاوے گا کیونکہ وہ ایمان فطری سے پھرے ایمان شرعی سے نہیں پھرے ایمان شرعی وہ ہے جس کا انسان دنیا میں آکر **مکلف** ہوتا ہے ہاں بعض صورتوں میں اس فطری ایمان کے بنا پر نجات کی امید ہے چنانچہ کفار کے ناسمجھ بچے جو فوت ہو جاویں وہ اس ایمان کی بناء پر دوزخ سے نجات پائیں گے جیسا کہ قول قوی ہے۔ **تیسرا اعتراض**: بہت سے علماء فرماتے ہیں کہ کفار کے ناسمجھ فوت شدہ بچے جہنم میں جائیں گے بلکہ بعض احادیث میں بھی یہ ہی وارد ہے اس قول کی بنا پر انہیں ایمان فطری کی بنا پر نجات کیوں نہ ملی۔ **جواب**: اس بارے میں احادیث مختلف ہیں بعض میں ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر دوزخ میں جائیں گے بعض احادیث میں ہے کہ وہ بڑے ہو کر جیسے کام کرتے ویسے ہی اس کی سزا جزا۔ بعض میں ہے کہ وہ جنتیوں کے خادم ہو کر جنت میں رہیں گے قوی یہ ہے کہ آخری حدیث ناسخ ہے پچھلی احادیث منسوخ ہیں اس ہی کی تائید آیات قرآنیہ سے ہے رب فرماتا ہے۔ **انما تجزون ما کنتم تعملون** اور فرماتا ہے **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** وہ حضرات یہ کہتے ہیں کہ میثاق کے دن بعض نے تو بخوشی کہا بعض نے ناخوشی سے جنہوں نے ناخوشی سے **بلیٰ** کہا وہ دوزخی ہیں مگر یہ قول قوی نہیں حضور انور ﷺ نے فرمایا **کل مولود یولد علی الفطرۃ** اس **بلیٰ** کہنے کو فطرت قرار دیا اگر ان کا یہ کہنا منافقت ہوتا تو منافقت کو فطرت نہ کہا جاتا۔ **چوتھا اعتراض**: یہ اقرار خود آدم علیہ السلام سے بھی کرایا گیا تھا یا فقط ان کی اولاد سے ہی۔ **جواب**: ظاہر یہ ہے کہ ان سے نہیں کرایا گیا کیونکہ **اشھدھم** کی ضمیر ذریت کی طرف ہے نیز آدم علیہ السلام اس سے پہلے مسجود ملائکہ ہو چکے تھے اس جسم کے ساتھ اللہ کی عبادات کر چکے تھے وہ تو اس کا اقرار پہلے ہی کر چکے تھے قولاً بھی عملاً بھی۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام باپ سے پیدا ہوئے کیونکہ ذریت آدم میں وہ بھی داخل ہیں ان سب کے متعلق ارشاد ہوا **من ظھورھم** انہیں باپ کی پیٹھوں سے نکالا معلوم ہوا کہ وہ بھی اپنے باپ کی پیٹھ میں تھے۔ **جواب**: اکثر کلیات سے بعض افراد علیحدہ ہوتے ہیں اس قاعدے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام علیحدہ ہیں دیکھو رب فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** ہم نے انسان کو مخلوط نطفہ سے پیدا کیا اس قاعدے سے

حضرت آدم و حوا علیحدہ ہیں کہ وہ کسی کے نطفہ سے پیدا نہ ہوئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرماتا ہے **ان مثل عیسی عنداللہ کمثل آدم خلقہ من تراب چھٹا اعتراض**: اس آیت سے آریوں کا آواگون ثابت ہوتا ہے کیونکہ انسانوں کی روحیں میثاق کے دن اور جسموں میں ڈالی گئیں پھر نکالی گئیں دنیا میں اور جسموں میں ڈالی گئیں اسکو تناسخ کہتے ہیں یعنی ایک روح کا مختلف جسموں میں رہنا۔ **نوٹ**: یہ اعتراض تفسیر کبیر نے معتزلہ کی طرف سے وارد کیا ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی ایک تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو حشر و نشر یوں ہی مسخ سے بھی تناسخ ثابت ہو جاوے گا کہ دنیا میں روح انسانی اور جسم میں تھی جنت یا دوزخ میں وہ ہی روح اور جسم میں ہوگی جو اس جسم سے مختلف ہوگا کہ دوزخی لوگ کتے بلے گدھے کی صورت میں ہوں گے جنتی لوگ سب جوان حسین ہوں گے نیز جو لوگ بندر سور بنا دیئے گئے ان کی روح پہلے جسم انسانی میں تھی پھر دوسرے جسموں میں داخل ہوئی۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جسموں کے اصل اجزاء ایک ہیں عارضی اجزاء میں فرق ہوا دیکھو نطفہ، مضغہ، بچہ پھر جوان پھر بوڑھاپہ تمام اجسام شکل و شباہت میں مختلف ہیں مگر اصل اجزاء سب ایک ہی ہیں اس لئے ہم کہتے ہیں کہ یہ بوڑھا وہ ہی ہے جو پہلے بچہ تھا پھر جوان ہوا اب بوڑھا ہو گیا نیز تناسخ نام ہے روح کی تبدیلی کا کہ ایک ہی روح کبھی نفس انسانی بنے پھر کتے بلے کا نفس بن جاوے یہ نا ممکن ہے جسم کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

ساتواں اعتراض: جو ذریت میثاق کے دن نکالی گئی اس میں عقل ہوش گوش کیسے آ گئے بچوں میں یہ چیزیں نہیں ہوتیں عرصے کے بعد آتی ہیں جب ان میں یہ کچھ نہ تھا تو انہوں نے رب کا کلام سنا سمجھا کیسے اور جواب کیونکر دیا۔ **جواب**: اللہ کے قانون پر بھی ایمان لاؤ اور اس کی قدرت پر بھی اس دنیا کے لئے قانون یہ ہی ہے کہ پیدائش کے عرصہ بعد یہ قوتیں ملیں مگر وہ قادر ہے کہ پیدا فرماتے ہی یہ سب کو بخش دے آدم و عیسیٰ علیہما السلام کو یہ سب پیدا فرما کر عطا فرما دیا اس نے حضرت سلیمان کی چیونٹی اور ہدہد کو عقل بخش دی اس نے اونٹوں لکڑیوں کو عقل بخش دی کہ انہوں نے حضور کو سجدہ کیا کلمہ پڑھا (کبیر)۔ دیکھو آدم و حوا علیہم السلام پیدا ہوتے ہی بلوغ عقل ہوش گوش حتی کہ معرفت الٰہی سب ہی رکھتے تھے نیز جب قیامت میں سب اٹھیں گے تو سارے انسان عاقل بالغ ہوں گے وہاں دنیا کی طرح کسی کی گود میں پرورش نہیں پائیں گے اس دنیا کے احکام و حالات اور ہیں وہ بھی عوام کے لئے دوسری دنیا کے حالات ہی اور ہیں چونکہ ابھی یہ مضمون پورا نہیں ہوا اس لئے ابھی تفسیر صوفیانہ نہیں کی جاتی انشاء اللہ اگلی آیت میں پورے مضمون کی صوفیانہ تفسیر عرض ہوگی۔

اَوْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اَشْرَكَ اٰبَآؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْۢ بَعْدِهِمْ
یا تم لوگ یہ سمجھو کہ کفر اس کے اور کچھ نہیں کہ شرک کیا باپ دادوں نے ہمارے اس سے پہلے اور تھے ہم اولاد پیچھے سے انکے
یا کہو کہ شرک تو پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا اور ہم انکے بعد بچے ہوئے تو کیا تو ہمیں اس پر ہلاک
اَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ۝ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ
تو کیا تو ہلاک فرماتا ہے ہم کو اس وجہ سے جو کیا ظالموں نے اور اسی طرح ہم تفصیل وار بیان کرتے ہیں
فرمائے گا جو اہل باطل نے کیا اور ہم اسی طرح آیتیں رنگ رنگ سے بیان کرتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۷۴﴾
آیتیں اور تاکہ لوٹیں وہ سب لوگ
اور اس لئے کہ کہیں وہ پھر آئیں

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں میثاق کے دن کے ایک عہد و پیمان کا ذکر ہوا اور ساتھ ہی اس کی ایک حکمت بیان ہوئی **ان تقولو یوم القیمتہ** اب اس عہد و پیمان کی دوسری حکمت بیان ہو رہی ہے رب تعالیٰ کے اس کام میں بہت سی حکمتیں تھیں جو سلسلہ وار بیان ہو رہی ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے اس عذر کا ذکر تھا جو وہ اپنے متعلق کر سکتے تھے کہ ہم نے شرک و کفر کیا مگر بے خبری میں کیا بے خبر کو سزا نہیں ہونی چاہئے۔ اب ان کے اس عذر کا ذکر ہے جو وہ اپنی بے عملی کے متعلق کر سکتے تھے کہ بد عملیاں ہم نے نہ کیں شرک و کفر ہم سے سرزد نہ ہوا دوسرے کے جرم کی سزا ہم کو نہ ملنی چاہئے گویہ بد عملی کے ذکر کے بعد بے عملی کے عذر کا ذکر ہے کہ یہ دونوں عذر ان کے ختم کر دیئے گئے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کے اپنے شرک و کفر کے متعلق ایک عذر کا ذکر ہوا یعنی اپنی غفلت اب ان کے دوسرے عذر کا ذکر ہے یعنی تقلید مشرکین کہ موجد ہمارے باپ دادا تھے ہم موجد نہ تھے بلکہ ان کے مقلد تھے۔ ہم بے قصور ہیں ہم ان کی تقلید سے بے بچتے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کے اس عذر کا ذکر ہوا جو وہ سارے کے سارے کر سکتے تھے اولین ہوں یا آخرین موجدین ہوں یا مقلدین اب ان کی اس معذرت کا تذکرہ ہے جو ان کے پچھلے یعنی مقلدین کرتے گویا عام عذر کے بعد انکی خصوصی معذرت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **او تقولوا** یہ عبارت معطوف ہے **ان تقولوا** پر لہذا یہاں بھی یا تو کراہتہ پوشیدہ ہے یا **لا** مقدر اس **تقولوا** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اس میں روئے سخن کفار کے ان بچوں سے ہے جو خورد سالی میں ناسمجھ رہ کر فوت ہو گئے وہ بھی دوزخ میں جائیں گے اور اگر وہ یہاں کا مذکورہ عذر کریں گے تو ان کو وہی عہد و میثاق والا عہد یاد کرا دیا جاوے گا یہ ان لوگوں کا قول ہے جو کفار کے ناسمجھ بچوں کو دوزخی مانتے ہیں ان کے ماں باپ کے کفر کی وجہ سے۔ دوسرے یہ کہ اس میں خطاب کفار کی ان اولاد سے ہے جو اپنے باپ دادوں کی دیکھا دیکھی شرک و کفر کرتے رہے انہوں نے کبھی اسلام و توحید کے متعلق سوچا اور غور کیا ہی نہیں پہلا قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ ناسمجھ بچے دیوانے پاگل نہ **مکلف** ہیں نہ کسی خطاب قرآنی میں داخل **تقولوا** میں بھی خطاب ہے اس میں بھی وہ داخل نہیں سارے خطابات قرآنیہ عقل و ہوش والوں سے ہیں مشرکین دو قسم کے ہیں ایک موجدین شرک دوسرے مقلدین یہاں مقلدین سے خطاب ہے۔ خیال رہے کہ شرک، قتل، گانا بجانا، ڈھول طبلہ وغیرہ اور زنا کا موجد اول قابیل ابن آدم ہے کہ اس نے ان چیزوں کی بنیاد شیطان کی تعلیم سے رکھی جیسا کہ ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں رب کی شان ہے کہ باپ یعنی آدم علیہ السلام ایمان، ایمانیات، عبادات کے موجد بیٹا کفر و الحاد و فسق و فجور کا موجد **یخرج المیت من الحی** یہاں بھی قول سے مراد قیامت کے دن کا قول ہے جب رب تعالیٰ انہیں دائمی سزا کا حکم سنائے **انما اشرک اباؤنا من قبل** یہ عبارت **تقولوا** کا مفعول اس کا مقولہ ہے پہلی تفسیر کی بنا پر معنی ہیں کہ ہمارے باپ دادوں

www.alahazratnetwork.org

نے ہی شرک کیا ہم نے نہ کیا ہم تو لڑکپن ہی میں فوت ہو گئے دوسری تفسیر کی بنا پر معنی یہ ہیں کہ شرک و کفر ہمارے باپ دادوں نے ہی ایجاد کیا وہ بھی پہلے مشرک تھے انہوں نے ہی پہلے شرک کیا ہم نے نہ کیا ہم تو ان کی دیکھا دیکھی شرک' کفر کرتے رہے۔ خیال رہے کہ یہاں **انما** حصر اضافی کے لئے ہے نہ کہ حصر حقیقی کے لئے یعنی ہمارے لئے موجد شرک وہ تھے ہم نہ تھے ورنہ حقیقی موجد شرک تو قابیل ہے کہ پہلا مشرک وہ ہی ہے **من قبل** یا تو **اشرک** کا ظرف ہے یا تابعین کا ظرف ہو کر **اباؤنا** کی صفت پہلا احتمال قوی ہے **قبل** کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے یعنی **من قبلنا** یہ تحقیق خیال میں رہے اس سے سارے اعتراض اٹھ جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ من قبل کا مضاف الیہ پوشیدہ ہے اصل میں **من قبلنا** تھا اس لئے **قبل** پیش پر مبنی ہے کہ اس کا مضاف الیہ لفظوں میں پوشیدہ ہے۔ حقیقت ہی مراد ہے **وکنا ذریۃ من بعدھم** یہ عبارت **انما اشرک** پر معطوف ہے اور **تقولوا** کا مفعول' معطوف علیہ میں اپنے باپ دادا کا قصور مند ہونا بیان کیا اور اس عرض معروض میں انہوں نے اپنا بے قصور ہونا بیان کیا **کنا** کے معنی ہیں تھے ہم دنیا میں یا ہیں ہم **ذریۃ** سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلام عاقل کفار کا ہے جیسا کہ ہم ابھی پچھلی آیت میں عرض کر چکے کہ **ذریت** سمجھدار اولاد کو کہا جاتا ہے **بعدھم** میں **بعد** سے مراد یا تو زمانی بعدیت ہے یا رتبہ کی بعدیت یعنی ہمارے باپ دادے پہلے شرک و کفر ایجاد کر کے چلے گئے ہم ان کے زمانہ کے بعد دنیا میں پہنچے ان کے رسوم و رواج پھیلے ہوئے دیکھے ہم نے بھی وہ ہی کام کئے یا وہ دنیا میں پہلے پہنچے ہم ان کے بعد پہنچے ان کی گود میں پلے بڑھے جو کچھ ہم نے انہیں کرتے دیکھا وہ ہی ہم نے بھی کیا **افتھلکنا بما فعل المبطلون** یہ بھی انہیں کی گفتگو ہے ان کی عذر خواہی کا تتمہ اس میں سوال انکاری ہے **تھلک** میں ہلاکت سے مراد موت دینا نہیں کہ دوزخ میں کسی کافر کو موت نہ آوے گی بلکہ اس سے مراد دائمی عذاب ہے **بما** میں **ب** سببیہ ہے **ما** سے مراد شرک و کفر بد عملیوں کی ایجاد ہے نہ کہ خود کفر و شرک کہ یہ جرم تو خود انہوں نے بھی کئے تھے **مبطلون** سے مراد ان کے باپ دادے ہیں کفر و شرک کے موجدین جن کے عقیدے 'اعمال' افعال' احوال سب ہی باطل تھے یعنی اے رب رحیم و کریم کیا تو ہم کوان جھوٹے کفار موجدین کفر کی بد عملیوں کی وجہ عذاب دے گا۔ نہیں ہرگز نہ دے گا کہ ہم بے قصور ہیں اصل مجرم تو وہ موجدین ہیں۔ دوسری تفسیر والوں نے اس کے یہ معنی کئے کہ کفار کے بچے گرفتاری کے وقت کہیں گے کہ خدایا ہم تو بچپن ہی میں مر گئے جرم تو ہمارے باپ دادوں نے کئے کیا تو ہم کو ان کے جرم میں پکڑے گا مگر پہلی بات بہت قوی ہے **وکذلک نفصل الایت** یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کا خود اپنا قول ہے یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **کذلک** دو جز سے مرکب ہے کاف تشبیہ اور **ذالک** اسم اشارہ اس **ذالک** سے مذکورہ بیان کی طرف اشارہ ہے اس سے پہلے ایک مختصر سی عبارت پوشیدہ مان لی جاوے تو بہتر ہے **کما بینا ھذا** اور **نفصل** بنا ہے **تفصیل** سے جس کا مادہ ہے **فصل** بمعنی جدائی تفصیل مقابل ہے اجمال کا آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں یعنی جیسے ہم نے یہ مذکورہ بالا باتیں صاف صاف بیان فرما دیں اسی طرح ہم ہر قسم کی آیات قرآنیہ عقائد کی ہوں یا اعمال کی اعمال میں عبادات کی ہوں یا معاملات سب کی سب تفصیل وار ایک دوسری سے جدا جدا کر کے بیان فرماتے ہیں صرف اجمال پر کفایت نہیں ہوتی **ولعلھم یرجعون** یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا کسی پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ اصل عبارت یوں ہے **لیقفوا علی ما فیھا** (روح البیان) **لعل** کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

بندوں کے لحاظ سے امید کے لئے ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی نسبت سے بمعنی تاکہ یعنی ہم تفصیل وار آیات اس لئے بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ لوگ ان کے مضامین پر مطلع ہوں اور تاکہ اپنے بدحالات سے نیک اعمال کی طرف رجوع کریں تاکہ وہ ہماری طرف رجوع کریں کفر سے ایمان کی طرف طغیان سے عرفان کی جانب فسق سے تقویٰ کی طرف دنیا سے آخرت کی طرف مخلوق سے خالق کی طرف نفسانیات سے روحانیات کی جانب اس طرح کہ گزشتہ پر نادم ہوں آئندہ اپنی اصلاح کریں۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! میثاق کے دن یہ عہد و پیمان تم سے اس لئے گئے تاکہ تم قیامت میں بوقت حساب نہ تو یہ کہہ سکو کہ مولیٰ ہم توحید و اطاعت سے بے خبر تھے اگر خبردار ہوتے تو پختہ مومن بنتے ہم بے قصور ہیں اور نہ یہ کہہ سکو کہ مولیٰ شرک و کفر بدعملیاں ہمارے باپ دادوں نے ایجاد کیں ہم تو ان کے بعد دنیا میں آئے ہم نے ماحول گندا پایا ایمان و اسلام سے خبردار نہ تھے ہم کفار یا کفار کی اولاد تھے جو انہیں کرتا دیکھا وہی ہم نے کیا تو اے مولیٰ قصور تو ان موجدین کا ہے نہ کہ مقلدین کا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ تو رحیم و کریم ہم کو ہمارے باپ دادوں کے جرم میں پکڑے ان قصورواروں کو پکڑ ہم بے قصوروں کو چھوڑ دے جیسے ہم نے یہ واقعہ میثاق صاف صاف بیان فرما دیا ایسے ہی ہم ہر قسم کی آیات عقائد' اعمال' عبادات' معاملات' معاش' معاد' اخلاقیات' ملکی سیاسیات کی آیات تفصیل وار صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ لوگ ان میں غور کریں اور کفر سے ایمان کی طرف طغیان سے عرفان کی جانب بدکاری سے نیک کاری کی طرف نفس امارہ سے روح کی سمت رجوع کریں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: شرعی احکام میں بے خبری معتبر نہیں یعنی کوئی بے خبر رہ کر رب کے عذاب سے چھوٹ نہیں سکتا ہر شخص پر فرض ہے کہ بقدر ضرورت دینی مسائل سیکھے یہ فائدہ **انما اشرک اباؤنا** سے حاصل ہوا آج حکومت اپنے قوانین مشتہر کر دیتی ہیں اس کے بعد خلاف ورزی کرنے والے کا یہ عذر نہیں سنتی کہ ہم کو اس قانون کی خبر نہ تھی رب تعالیٰ نے بذریعہ نبی' علماء' قرآن مجید' احادیث نبویہ اپنے قوانین مشتہر فرما دیئے اب بے خبری عذر نہیں۔ **دوسرا فائدہ**: عقائد میں باپ دادوں کی تقلید درست نہیں اللہ تعالیٰ نے عقل دی ہے خود تحقیق کرو اور درست عقیدے اختیار کرو یہ فائدہ **وکنا ذریۃ من بعدھم** سے حاصل ہوا محض تقلید سے دین اختیار نہ کرو تقلید صرف فروعی مسائل میں کی جا سکتی ہے وہ بھی جب جبکہ وہ حکم نص میں وارد نہ ہوئے ہوں۔ **تیسرا فائدہ**: اگرچہ ایجاد گناہ سخت تر جرم ہے مگر بعد میں دوسرے لوگ یہ گناہ کرنے والے بھی مجرم ہوں گے وہ یہ عذر نہیں کر سکتے کہ ہم اس گناہ کے موجد نہیں یہ فائدہ **افتھلکنا بما فعل** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: چونکہ قرآن مجید میں دلائل' ڈر' امید ہر طرح کی آیات موجود ہیں اور قرآن مجید نہایت جامع کتاب ہے یہ فائدہ **نفصل الایت** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: قیامت میں کفار اپنے ماں باپ اور اہل قرابت سے بیزار ہو جائیں گے انہیں جھوٹا فریبی مکار باطل پرست کہیں گے یہ فائدہ **فعل المبطلون** سے حاصل ہوا کہ کفار موجدین کفر یعنی اپنے سرداروں کو مبطلین یعنی جھوٹے باطل پرست کہیں گے یہ شان تو مومنین کی ہو گی کہ ان کی محبتیں جیسی دنیا میں تھیں ویسی قائم رہیں گی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہو جائیں گی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقین**

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ کے عرض و معروض سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ معذرت مشرکین کے وہ چھوٹے ناسمجھ بچے کریں گے جو ناسمجھی میں مر گئے جنہیں بد عقیدگی یا بد عملی کا وقت ہی نہ ملا اور وہ بھی دوزخ میں جائیں گے کہ ان کی یہ عرض قبول نہ ہوگی کیونکہ ارشاد ہوا **انما اشرک اباؤنا** اے باپ دادوں نے شرک کیا یعنی ہم نے نہیں کیا اس آیت سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ کفار کے بچے جو بچپن میں فوت ہو جاویں وہ کافر ہیں دوزخی ہیں (بعض علماء) **جواب:** ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے کہ یہاں **اشرک** کے معنی ہیں شرک و کفر ایجاد کیا اور مطلب یہ ہے کہ ہم شرک کرنے میں بے قصور ہیں کہ ہم تو بری رسوم جو پڑ چکی تھیں اس کے عامل ہوئے اسی لئے **من قبل** ارشاد ہوا نیز یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ مولی ہم نے شرک نہیں کیا اپنے سے شرک کی نفی نہیں کی لہذا قوی یہ ہے کہ یہ معذرت عاقل بالغ کفار کی طرف سے ہوگی جو گزشتہ مشرکین کے مقلد تھے نیز اگر یہ معذرت ان کے بچوں کی ہو تو وہ بظاہر اس میں حق بجانب ہوں گے کہ میرے مولی تیرا قانون یہ ہے کہ بغیر جرم کئے تو سزا نہیں دیتا ہم نے کوئی جرم کرنا تو کیا جرم کا خیال بھی نہیں کیا پھر ہم سزا کس چیز کی پا رہے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** کیا یہ عذر و معذرت صرف مشرکین ہی کریں گے دوسرے کفار نہ کریں گے آخر دوزخ میں تو ہر کافر جاوے گا مشرک ہو یا اور قسم کا کافر۔ **جواب:** ہم نے بارہا عرض کیا ہے ان جیسی آیات میں شرک بمعنی کفر ہوتا ہے یعنی نوع سے جنس مراد ہوتی ہے ہر کافر کا یہی

معاملہ ہوگا دیکھو رب فرماتا ہے کہ مشرک نہ بخشیں گے اس کے سوا جسے چاہیں گے بخش دیں گے تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ باقی سارے کافر بخش دیئے جائیں نہیں بلکہ کفر نہ بخشیں گے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** یونہی رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح مشرکوں سے نہ کرو **ولا تنکحوا المشرکین حتی یؤمنوا** وہاں بھی یہ ہی مطلب کہ کفار سے نہ کرو خواہ مشرک ہوں یا اور کسی قسم کے کافر۔ **تیسرا اعتراض:** کیا کفار کی طرح گنہگار مومن بھی شکایت کریں گے کہ ہمارے جرموں کے موجد ہمارے سردار تھے اور انہیں کو سزا ملنی چاہئے۔ **جواب:** نہیں ان مجرموں کی سزا کی نوعیت ہی کچھ اور ہوگی ان میں کوئی کسی کا دشمن نہ ہوگا کوئی کسی کی شکایت نہ کرے گا شفاعت کرے گا۔ لعن طعن شکایت وغیرہ کفار ہی کریں گے ایک دوسرے کی۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے بظاہر یہ عہد و پیمان اپنی ربوبیت کا لیا مگر در حقیقت حضور ﷺ کی نبوت و رسالت کا بھی عہد لیا کیونکہ یہاں **واذ اخذ اللہ** نہیں فرمایا بلکہ **واذ اخذ ربک** فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ ہم نے لوگوں سے یہ کہا کہ پہلے ہم کو رب محمد مانو پھر اپنا رب مانو کیونکہ رب تعالیٰ کو رب ماننا اس وقت ایمان بنتا ہے جب اسے نبی کی معرفت ان کے توسل سے مانا جاوے اللہ تعالیٰ دنیا میں تو موجود کو موجود سے پیدا فرماتا ہے مگر اس دن معدوم کو معدوم سے پیدا فرمایا کہ اس وقت نہ تو یہ پیتھیں تھیں نہ ان کی ذریت رب نے ان معدومات کو اس دن وقتی طور پر اس حالت کے لائق وجود بخشا اس وقت ارواح تین صف کی تھیں پہلی صف سابقین کی دوسری صف اصحاب میمنہ یعنی داہنے والوں کی تیسری صف اصحاب مشئمہ یعنی بائیں والوں کی انہیں وجود روحانی بخشا لباس روحانی پہنایا اور ان کے اعضاء میں قوت روحانی دی جس سے انہوں نے رب کو دیکھا اس کا فرمان سنا اسے جواب دیا سابقین نے روحانی دل سے اس کریم سے محبت کی اور بولے کہ تو ہمارا رب ہے تو ہی موجود ہے تو ہی

www.alahazratnetwork.org

مقصود ہے تو ہی معبود ہے تو ہی محبوب ہے ہم تیری محبوبیت 'ربوبیت 'مقصودیت کا اقرار کرتے ہیں- میمنہ والوں نے کہا کہ تو ہمارا رب ہے معبود ہے- ہم تیرے سواء کسی کی عبادت نہ کریں گے مگر مشئمہ والوں نے رب کا یہ فرمان حجاب سے سنا کہ ان کے دلوں پر بدبختی کا غلاف تھا آنکھوں پر انانیت کا پردہ رب کو دیکھتے کیسے مجبوراً بولے کہ تو ہمارا رب ہے یہ ہی فرق آج دنیا میں دیکھا جارہا ہے اللہ تعالیٰ نے عدم میں کسی سے کلام نہ کیا سواء حضرت انسان کے کہ انہیں اسی حالت میں وجود اور وجود سب ہی بخشا اس وقت وہ ہی اپنے پیاروں کی آنکھ 'کان' زبان تھا وہ ہی ان کی قوتیں تھا یہ عہد اجنبیوں سے لیا گیا الزام دینے کو جس کا ذکر یہاں ہے مومنین سے لیا گیا احسان جتانے کو نائبین سے لیا گیا تڑپانے کو وہ ہی تڑپ تا قیامت رہے گی ان کے کانوں میں دم بدم یہ آواز آ رہی ہے انہیں تڑپا رہی ہے حضور ﷺ کا جمال بلکہ ان کا نام یہ ہی شان رکھتا ہے کہ کسی کے لئے زبان بندی کا انتظام ہے کسی کے لئے رب تعالیٰ کا انعام ہے کسی کے تڑپانے کا انتظام ہے مولانا فرماتے ہیں-

مصطفیٰ آئینہ روئے خداست منعکس دروے ہمہ خوئے خدا است

آئینہ ظاہر کو دکھاتا ایکسرے باطن کو نمودار بناتا ہے مگر ذات مصطفےٰ وہ آئینہ ہے جو رب کا ظاہر باطن سب کچھ دکھاتا ہے ان کا جمال ان کا نام بے قرار بناتا ہے-

وہ دکھا کے شکل جو چل دیئے تو دل ان کے ساتھ رواں ہوا
نہ وہ دل ہے اور نہ دلربا رہی زندگی سو وہ بار ہے

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْۤ اٰتَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاَتْبَعَهُ

اور تلاوت کرو ان پر خبر اس کی کہ دی ہم نے اسے آیتیں اپنی پس نکل گیا وہ ان سے پس پیچھے

اور اے محبوب انہیں اس کا احوال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیتیں دیں تو وہ اس سے صاف

الشَّيْطٰنُ فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ہوا اس کے ابلیس پس ہو گیا وہ بھٹکے ہوؤں سے

نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگا تو گمراہوں میں ہو گیا-

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے- **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں عام کفار کی وعدہ خلافیوں بدعہدیوں کا ذکر ہوا کہ انہوں نے یوم میثاق والا عہد توڑ دیا اب ایک خاص شخص بلعم باعورا کی بدعہدی بے وفائی کا ذکر ہے جو اس نے رب سے کیے ہوئے خاص وعدہ کو توڑا گویا عام جرم کے بعد خاص آدمی کے خاص جرم کا ذکر ہو رہا ہے جو پہلے جرم سے بدتر ہے- **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں کافروں غافلوں کے ایسے وعدے توڑنے کا ذکر تھا جسے وہ بھول چکے حضرات انبیاء کرام نے یاد دلایا اب ایک عالم فاضل عاقل کے ایسے وعدے توڑنے کا ذکر ہے جو اسے یاد تھا بلکہ اس کے سامنے تھا یہ وعدہ خلافی سخت تر تھی- **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ان اصلی کفار کا ذکر ہے جو اول سے کافر ہوئے اب اس مرتد کا ذکر ہے جو پہلے مومن تھا

www.alahazratnetwork.org

عارف ولی صوفی عالم تھا بعد میں ملحد بے دین مرتد وغیرہ سب کچھ بنا گویا اصل کافروں کے بعد مرتد کافر کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر: واتل علیھم ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت نیا جملہ ہے اور اس کا واؤ ابتدائیہ ہے مگر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ جملہ معطوف ہے **واذا اخذ ربک** کے پوشیدہ فعل **اذکر** پر لہٰذا اس کا واؤ عاطفہ ہے یعنی وہ واقعہ بیان کرو اور یہ واقعہ تلاوت کرو۔ اتل بنا ہے تلاوت سے تلاوت اور قراۃ اور ذکر کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ شاندار محترم خبر کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے چونکہ یہ واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے اور اس کا تعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عظمت و احترام سے ہے اس لئے **اتل** ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب حضور ﷺ سے ہے نہ کہ ہر قرآن پڑھنے والے سے یعنی یہاں ہم کہے دیتے ہیں سنا آپ دیں ہم بتانے والے تم سنانے والے یا یہ مطلب ہے کہ اے محبوب یہ واقعہ تمہارے علم میں تو پہلے سے ہی ہے ہم آیات میں یہ واقعہ اس لئے بیان فرماتے ہیں کہ آپ انہیں سنائیں یہاں **علی** فوقیت و بلندی کے لئے نہیں بلکہ **اتل** کا صلہ ہے **ھم** کا مرجع یا تو کفار قریش ہیں جو مکہ معظمہ میں رہتے تھے اور یہ سورۃ بھی مکیہ ہے یا اس کے مرجع عرب کے یہودی ہیں کہ وہ بھی مکہ معظمہ آتے جاتے رہتے تھے مشرکین مکہ کو حضور انور کے خلاف بھڑکاتے رہتے تھے۔ دوسرا احتمال قوی ہے کہ پہلے سے یہود کا ہی ذکر چلا آ رہا ہے تو مناسب ہے کہ یہاں بھی ان سے ہی خطاب ہو (خازن و معانی وغیرہ) **نبا الذی اتینہ ایتنا** یہ عبارت **اتل** کا مفعول **بہ** ہے عربی میں **نبا** عظیم الشان خبر کو کہتے ہیں یعنی خبر عام ہے **نبا** خاص اسی سے ہے نبی۔ بمعنی غیبی خبریں دینے والا اس لئے ہر مخبر یا خبر رساں ایجنسی کو نبی نہیں کہا جاتا **الذی اتینہ** میں بہت گفتگو ہے کہ اس سے کون شخص مراد ہے اور آیات سے کون سی آیتیں مراد اس میں چند قول ہیں (1) اس سے مراد امیہ ابن صلت ہے جو گزشتہ کتب کا عالم تھا لوگوں میں بہت مقبول تھا وہ آس لگائے بیٹھا تھا کہ نبی آخر الزمان میں ہی ہوؤں گا جن کا ذکر پچھلی کتب میں ہے جب حضور انور کو یہ درجہ عطا ہوا تو حسد کی آگ میں جل بھن گیا آخر کار کافر ہو کر مرا اس کے متعلق حضور انور نے فرمایا کہ **آمن شعرہ وکفر قلبہ** یعنی اس کے اشعار مومنوں کے سے ہیں اور اس کا دل کافر ہے یہ قول ہے سیدنا عبداللہ ابن عمر سعید ابن مسیب اور زید ابن اسلم کا (2) یہ آیت عامر راھب کے متعلق نازل ہوئی جسے حضور انور عامر فاسق فرماتے تھے یہ اسلام سے پہلے بڑا عابد و زاہد تھا حضور انور کے جلوہ گر ہونے پر کافر ہوا اس نے منافقین مدینہ کو کہہ کر مسجد ضرار بنوائی یہ ہی قیصر روم کے پاس پہنچا اسے حضور انور پر حملہ کرنے کی رغبت دی وہاں ہی مردود ہو کر مرا یہ سعید ابن مسیب کا دوسرا قول ہے (3) اس سے مراد منافقین اہل کتاب ہیں جو حضور انور کو جانتے پہچانتے تھے آپ پر ایمان نہ لائے یہ قول حسن اور نافع کا ہے (4) اس سے مراد ہر وہ کافر ہے جو حضور انور کو جان پہچان کر آپ پر ایمان نہ لائے یہ قول قتادہ عکرمہ اور ابو مسلم کا ہے (5) اس سے مراد بلعم باعورا ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں تھا۔ مومن صوفی، عالم اسم اعظم کا جاننے والا مقبول الدعاء تھا مگر آخر عمر یہ موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے مردود کافر لعنتی ہو کر مرا یہ قول ہے حضرت عبداللہ ابن عباس، ابن مسعود کا، اور عام صحابہ و مفسرین کا یہ ہی قول ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی) اس کا واقعہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض ہو گا اس صورت میں آیات سے مراد توریت شریف کی آیتیں ہوں گی ان کے دینے سے مراد ہے آیات کا علم دینا عالم بنانا گزشتہ تین قولوں کی بنا پر آیات کے وہ معنی کئے جائیں گے جو ان کے مناسب ہوں **فانسلخ منھا** یہ عبارت معطوف ہے **اتینہ** پر یہاں **ف**۔ بمعنی "فوراً" نہیں بلکہ۔ بمعنی پھر ہے **انسلاخ** کا مادہ ہے **سلخ**

جس کے معنی ہیں مذبوحہ جانور کی کھال اتارنا جس سے کھال کا ایک ریزہ بھی باقی نہ رہے گوشت وغیرہ نمودار ہو جاوے **منھا** کا مرجع آیات ہیں **انسلخ** فرما کر چند باتیں بتائیں گئیں (i) اس کے سینہ سے آیات نہیں نکلیں وہ علم بھول نہیں گیا بلکہ وہ خود آیات سے نکل گیا کہ ان کا منکر ہو گیا (ii) عند اللہ وہ کافر ہی تھا اس پر ایمان اور علم کا غلاف تھا جو لوگوں کو نظر آتا تھا اب اس کی حقیقت نظر آ گئی وہ غلاف اتر گیا جیسے جانور سے کھال اتر جاوے تو اس کا گوشت وغیرہ نظر آتا ہے (iii) اس میں ایمان، تقوی کا شائبہ بھی نہ رہا وہ نرا کافر ہو گیا **فاتبعہ الشیطن** یہ عبارت معطوف ہے **فانسلخ** پر **ف** سے چند باتیں بتائی گئیں (1) اب تک شیطان اس کے قریب بھی نہ آتا تھا کہ وہ کسی کی روحانی حفاظت میں تھا اب جب کہ وہ ایمان سے نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا (2) اور لوگوں کے پاس شیطان کبھی کبھی آتا ہے اپنی ذریت کو ان کے پیچھے لگائے رکھتا ہے مگر اس کے پیچھے خود شیطان لگ گیا سمجھ لو کہ اس کی گمراہی کا کیا حال ہو گا جب گمراہ کن قوی تو گمراہ بھی بدتر (3) وہ ایسا بے ایمان ہو گیا کہ شیطان بھی اس کا تابع ہو گیا وہ شیطان کا بھی متبوع اس کا استاد بن گیا ایک شاعر کہتا ہے۔

و کلن فی من جند ابلیس فارتقی!   بہ الحال حتی صار ابلیس من جندہ

وہ پہلے شیطان کے لشکر میں تھا اب اتنی ترقی کر گیا کہ شیطان اس کے لشکر میں بھرتی ہو گیا (روح المعانی) **فکان من الغوین** یہ اس کے انجام کا ذکر ہے کہ وہ بہکنے کے بعد سنبھلا نہیں اس حال پر مرا اور دائمی عذاب کا مستحق ہو گیا پہلے وہ ہادی مہدی تھا اب گمراہ ضال غوی ہو گیا پہلے ہدایت کا امام تھا اب غوایۃ کا امام ہو گیا۔ عبارت، غوایت ضلالت کے بہت سے فرق ہم نے سورہ فاتحہ کی تفسیر **ولا الضالین** کے تحت بیان کئے ہیں اور بھی کئی جگہ ان کا ذکر ہو چکا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا ہے کہ اس آیت کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں جن میں سے قوی تفسیر وہ ہے جو حضرت عبد اللہ ابن عباس اور ابن مسعود و عام صحابہ و مفسرین نے کی ہم اسی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب ﷺ آپ ان سرکش یہود اور عام کفار کو اس بلعم ابن باعورا کا واقعہ اس واقعہ کی آیات تلاوت کر کے تفسیر فرما کر سنا دیں جسے ہم نے توریت اور دوسرے صحیفوں کی آیتوں کا علم بخشا اس کے دل پر علم کے دروازے کھول دیئے حتی کہ اسے اسم اعظم سکھا دیا وہ اس بڑے درجے پر پہنچ کر ان تمام صفات سے یکسر نکل گیا کہ اسے ان میں سے کسی چیز سے کوئی تعلق نہیں رہا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابلیس اس کے پیچھے لگ لیا اور وہ اس قدر ہدایت کے بعد اول درجہ کا گمراہ و بے دین ہو گیا یہ واقعہ بڑے بڑوں کی آنکھ کھولنے کے لئے کافی ہے۔

بلعم باعورا کا واقعہ: حضرت موسی علیہ السلام کے زمانہ میں بنی اسرائیل کا ایک بڑا عالم صوفی پیر تھا جس کا نام بلعم یا بلعام ابن باعورا تھا یہ تھا تو اسرائیلی مگر جبارین کی بستی میں رہتا جو ملک شام میں واقع تھی اس کی بیوی اسی قوم جبارین سے تھی بلعم اس وقت کا بڑا ولی، عالم، صوفی تھا اللہ تعالی کا اسم اعظم جانتا تھا مقبول الدعا تھا اپنے گھر میں بیٹھ کر عرش اعظم کو دیکھا کرتا تھا لوگوں کو علم سکھاتا تھا اس کے درس میں بارہ ہزار طلباء ہوتے تھے جو اس کا بتایا ہوا سبق لکھ لیتے تھے اس کی ہیبت لکھی جاتی تھی (تفسیر صاوی) غرضکہ وہ انتہائی عروج کو پہنچا ہوا تھا۔ حضرت موسی علیہ السلام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اس علاقہ پر حملہ کرنے اسے فتح فرمانے کے لئے جب کنعانی علاقہ میں داخل ہوئے جو شام کے علاقہ میں واقعہ تھا تو قوم جبارین جمع ہو کر اس کے پاس آئی اور کہا کہ

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ علیہ السلام تیز مزاج ہیں اور ان کے ساتھ لشکر جرار ہے اگر وہ ہمارے علاقہ پر قابض ہو گئے تو تمہاری خیر نہیں تو ان کے لئے بددعا کر کہ وہ یہاں داخل نہ ہونے پائیں بلعم بولا کہ وہ اللہ کے نبی ہیں ان پر کسی کی بددعا کا اثر نہیں ہو سکتا بلکہ میری دنیا و دین برباد ہو جائیں گے یہ لوگ بلعم کی بیوی کے پاس گئے اسے بہت تحفے تحائف دیئے اور اس کے ذریعہ بلعم کو تحفے پہنچائے پھر بلعم کی بیوی نے اس پر زور دیا کہ تو یہ کام کر اس نے پہلے استخارہ کیا جس میں اسے اس حرکت سے روکا گیا مگر اس کی زوجہ اور قوم نے پھر دوبارہ استخارہ کرنے کو کہا اس نے کہا اس بار خاموشی رہی کوئی جواب نہ آیا یہ لوگ بولے کہ اب کی بار تجھے منع نہیں کیا گیا معلوم ہوتا ہے کہ رب نے تجھے اس کی اجازت دی دے آخر کار بلعم ایک گدھی پر سوار ہو کر ایک پہاڑی میں گیا قوم ساتھ تھی اور موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے لئے بددعا اور اس قوم کے لئے دعائیں کرنے لگا مگر قدرت خداوندی سے ہوا یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کی بجائے اس کے منہ سے اپنی قوم کا نام نکلتا تھا اور اپنی اس قوم کی بجائے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کا نام زبان پر آتا تھا قوم بولی تو یہ کیا کر رہا ہے وہ بولا میں مجبور ہوں میری زبان قابو میں نہیں اس وقت اس کی زبان باہر نکل پڑی سینہ پر لٹک کر آرہی اور وہ کتے کی طرح ہانپنے لگا پھر وہ لوگوں سے بولا کہ میری دنیا و دین دونوں تباہ ہو گئے اب تم ایک تدبیر کرو جس سے بنی اسرائیل تباہ ہو جاویں وہ یہ کہ اپنی خوبصورت لڑکیاں سجا بنا کر لشکر موسوی میں چھوڑ دو اور انہیں ہدایت کر دو کہ جو اسرائیلی تم کو ہاتھ لگائے تو اسے منع نہ کرو جب ان میں زنا پھیل جاوے گا تو وہ ہلاک ہو جاویں گے کہ زنا سے آفتیں آتی ہیں۔

ابر نہ آید از پئے منع زکوٰت! واز زنا افتد وبا اندر جہات

ان لوگوں نے یونہی کیا چنانچہ ایک لڑکی کستی بنت صور کو ایک اسرائیلی زمری ابن شلوم (جو شمعون ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد کا سردار تھا) نے پکڑا موسیٰ علیہ السلام نے منع فرمایا اس نے چھپ کر اس سے زنا کیا اس پر اسرائیلیوں میں طاعون پھیل گیا ستر ہزار اسرائیلی فوت ہو گئے ادھر ایک بہت قوی اسرائیلی فخاص ابن عیزار ابن ہارون کو جب یہ پتہ چلا تو اس نے ان دونوں زانی زانیہ کو عین موقعہ پر اپنے نیزہ میں چھید کر اٹھایا اور بہت ذلت سے انہیں ہلاک کر دیا تب وہ طاعون ختم ہوا ادھر بلعم کا یہ حال ہوا کہ یہ اسم اعظم شریف بھول گیا معرفت و ایمان اس کے سینہ سے نکل گئے اس نے دیکھا کہ میرے سینہ سے ایک سفید کبوتر کی مثل پرندہ نکل کر اڑ گیا جسے لوگوں نے دیکھا سب سمجھ گئے کہ اس کا ایمان گیا اس آیت میں اور اگلی آیت میں یہ واقعہ مذکور ہے (روح المعانی، کبیر، خزائن، تفسیر صاوی وغیرہ)۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ایمان اور قرب الٰہی صرف علم سے نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملتا ہے دیکھو بلعم بڑا عالم، عابد، صوفی سب کچھ تھا مگر مارا گیا اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم فرمائے۔ **دوسرا فائدہ:** نبی کا مقابلہ ان کی مخالفت ایمان و اعمال سلب ہو جانے کا ذریعہ ہے ابلیس اور بلعم ابن باعوراء کے حالات سے عبرت پکڑنی چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** ایمان و عرفان ملنا اور چیز ہے ان کا سنبھالنا کچھ اور چیز اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کا ایمان سلامت رکھے دیکھو بلعم کے پاس سب کچھ تھا مگر رہا کچھ بھی نہیں۔ **چوتھا فائدہ:** کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ سمجھے یہ بڑی جگہ اور بڑوں کے پاس بھی پہنچ جاتا ہے یہ فائدہ **فاتبعہ الشیطن** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ شیطان بلعم کے پیچھے پڑ گیا دیکھو جنت محفوظ مقام تھا آدم علیہ السلام معصوم مگر وہاں بھی اس مردود نے اپنا داؤ مار دیا ہم نہ تو محفوظ جگہ میں ہیں نہ خود معصوم

www.alahazratnetwork.org

محفوظ پھر اس سے کیسے بچ سکتے ہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اگر انسان ٹھیک رہے تو فرشتوں سے افضل ہو جاوے اگر بگڑے تو شیطان کا استاد ہو جاوے یہ فائدہ **فاتبعه الشیطان** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ شیطان بھی بلعم کا تابع ہو گیا۔ انسان اپنی عقل سے ایسے گناہ ایجاد کرتا ہے جو شیطان کو بھی نہ سوجھیں مشین کے ذریعہ مکھن نکال کر ڈیری فارم کا دودھ فروخت کر دینا۔ دیسی گھی میں ولائتی گھی ملا کر فروخت کرنا۔ دیسی سونے میں ولائتی سونے کی ملاوٹ کرنا وغیرہ حرکات ابلیس نہ کر سکا یہ انسان ہی کے حصہ میں آئیں اگر رب کا فضل شامل حال نہ ہو تو انسان کے لئے **اسفل السفلین** ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جو علم رب تک نہ پہنچائے وہ مفید نہیں علم معرفت والا مفید ہے یہ نعمت خاص ربانی عطیہ ہے یہ فائدہ **اتیناہ ایاتنا** سے حاصل ہوا علم بے معرفت درخت بے پھل ہے بادل بغیر بارش ہے بلعم کے علم کے متعلق قرآن کریم نے دوسری جگہ فرمایا **واضله الله علی علم و ختم علی قلبه** معرفت والے علم کے متعلق ارشاد ہے **وقل رب زدنی علما** اور ارشاد ہے **انما یخشی الله من عباده العلمؤا**۔ **ساتواں فائدہ:** قانون ربانی یہ ہے کہ ظاہر پر حکم جاری فرمایا جاتا ہے دیکھو رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بلعم کا انجام گمراہی ہے مگر جب تک کہ وہ گمراہ ہوا نہیں تب تک اسے ظاہری عظمت و بزرگی دی گئی یہ فائدہ **فکان من الغوین** سے حاصل ہوا۔ ابلیس مردود ہونے سے پہلے مقرب بارگاہ تھا حالانکہ اس کا انجام خراب ہونے والا تھا جب اس نے سرکشی کی تب مردود کیا گیا اس فائدہ کو خیال میں رکھو اس سے شریعت و طریقت کے بہت سے اشکال دور ہو جائیں گے رب کا علم اور رب کا قانون یہ دو چیزیں ہیں۔ **آٹھواں فائدہ:** بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ برائی کو بندہ کی طرف نسبت کیا جاوے اور بھلائی کو رب کی طرف اگرچہ سب کچھ رب کے ارادہ سے ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ **اتیناہ ایاتنا** ہم نے اسے اپنی آیات عطا فرمائیں۔ عطاء آیات کو رب کی طرف سے نسبت کیا گیا پھر ارشاد ہوا **فانسلخ منها** وہ ان آیات سے نکل گیا نکلنے کو بلعم کی طرف منسوب فرمایا گیا۔ جناب خلیل نے فرمایا **واذا مرضت فهو یشفین** بیمار میں ہو تا ہوں تو شفا رب دیتا ہے حضرت خضر نے فرمایا **فاردت ان اعیبها** میں نے چاہ کہ کشتی کو عیب دار کر دوں۔ اللہ تعالیٰ ادب کی توفیق دے۔

از خدا خواہیم توفیق ادب!　　بے ادب محروم ماند از فضل رب

پہلا اعتراض: جب رب تعالیٰ جانتا تھا کہ بلعم کا انجام خراب ہو گا تو پہلے اسے علم، تصرف قرب کیوں عطا فرمایا اسے پہلے ہی سے مردود کیا ہوتا۔ **جواب:** ابلیس اور بلعم دونوں کے واقعات میں تاقیامت لوگوں کے لئے مثال قائم فرمانا ہے تاکہ تاقیامت مولوی، صوفی، پیر، مشائخ غور کر لیں کہ نبی کی مخالفت سے سب کچھ برباد ہو جاتا ہے اس لئے اسے عالم، صوفی، پیر، مقرب بنا کر مارا ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر!
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

اس لئے صوفیاء فرماتے ہیں باخدا دیوانہ و با مصطفیٰ ہوشیار باش۔ ابلیس حضرت آدم علیہ السلام کی گستاخی کر کے مارا گیا اور بلعم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کی وجہ سے برباد ہو گیا۔ بجلی کے پاور کو ہاتھ لگانے سے شاہ و گدا امیر و وزیر کی جان جاتی رہتی ہے نبوت کے پاور پر ہاتھ ڈالنے سے عالم، صوفی، پیر، روشن ضمیر کا ایمان جاتا رہتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** بنی اسرائیل میں زنا کیا

www.alahazratnetwork.org

ایک شخص نے اور طاعون کے ذریعہ ستر ہزار اسرائیلی کیوں ہلاک کر دیئے گئے قصور تو ایک نے کیا تھا۔ **جواب:** قانون قدرت یہ ہے کہ کبھی ایک مقبول کی برکت سے پوری قوم کا بیڑا ترجاتا ہے اور کبھی ایک مردود کی وجہ سے ساری قوم مصیبت میں پڑجاتی ہے اگر ایک مسافر کشتی کا تختہ توڑدے تو سارے کشتی کے سوار ڈوب جاتے ہیں رب فرماتا ہے **واتقوا فتنتہ "لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصتہ"** **تیسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **فانسلخ منہا** وہ آیات سے نکل گیا چاہیے تھا کہ کہا جاتا **فانسلخت منہ** وہ آیات بلعم سے نکل گئیں الٹا کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کی حکمت ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ بتانا یہ تھا کہ اس میں آیات الٰہیہ کا نشان تک نہ رہا قلب قالب عمل عقیدے سب ہی بگڑ گئے نیز ہم نے اس سے آیات نہ چھینیں بلکہ وہ خود اپنی حرکات کی وجہ سے آیات سے محروم ہو گیا اس لئے **انسلخ** فرمانا بلعم کو اس کا ذمہ دار ٹھہرانا ہی بہتر تھا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **انسلخ منہا** کے بعد ارشاد ہوا۔ **فاتبعہ الشیطان** مگر واقعہ یہ تھا کہ پہلے شیطان اس کے پیچھے پڑا پھر وہ آیات سے نکلا ترتیب برعکس کیوں رکھی گئی۔ **جواب:** **فاتبعہ الشیطان** میں **اگر ف** علت کی ہو تب تو کوئی اعتراض نہیں کہ پھر آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ وہ آیات سے نکل گیا اس لئے کہ شیطان اس کے پیچھے پڑ گیا اور **اگر ف** عقبیہ ہو۔ معنی پس یا پھر تو مقصد یہ ہے کہ بلعم کو اس کے نفس اس کی بیوی اس کی قوم نے گمراہ کیا جب وہ ان ذریعوں سے گمراہ ہو گیا اب شیطان اس کے پیچھے گیا اس طرح کہ وہ شیطان کا استاد بن گیا اور شیطان اس کا شاگرد اس کا مرید ہو کر اس کے پیچھے لگا وہ شیطان کا بھی استاذ ہو گیا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بلعم اولاً "نبی تھا پھر وہ گمراہ ہو گیا یہ درست ہے۔ **جواب:** یہ محض غلط ہے اس لئے تفسیر کبیر نے اسی جگہ اس قول کی تردید بھی کر دی اور اس آیت سے استدلال کیا **اللہ یعلم حیث یجعل رسالتہ** نبی کبھی گمراہ ہو سکتا ہی نہیں اللہ تعالیٰ نبوت کے لئے انہیں کو منتخب کرتا ہے جو گمراہ نہ ہو سکیں۔ عالم' عابد' صوفی' عارف حتی کہ فرشتے بہک سکتے ہیں جیسے ہاروت ماروت مگر مخلوق الٰہی میں نبی ایسے بندے ہیں جو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے **ان عبادی لیس لک علیہم سلطن** کیونکہ یہ حضرات رب کی طرف سے ہادی بنا کر بھیجے جاتے ہیں اگر وہ خود ہی ہدایت پر نہ رہیں تو ہادی کون ہو اگر سورج ہی سیاہ ہو جاوے تو دنیا کو کون چمکاوے۔

تفسیر صوفیانہ: نیک بختوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خفیہ الطاف ہیں جو نہ آنکھوں نے دیکھے نہ کانوں نے سنے نہ کسی کے دل میں آئے یوں ہی بد نصیبوں کے لئے رب کی طرف سے خفیہ بلائیں ہیں جو کسی چیز سے دفع نہیں ہو سکتیں نہ اپنے علم سے نہ کسی بڑائی سے انسان کو چاہئے کہ کسی اعلیٰ درجہ پر پہنچ کر بھی ان بلاؤں سے اپنے کو محفوظ نہ سمجھے دنیا میں زیادہ مشغولیت یہاں کے عیش و عشرت ان بلاؤں کا دروازہ ہیں اور دنیا سے علیحدگی نفس امارہ کی مخالفت شہوات سے دوری الطاف الٰہیہ کا دروازہ ہیں سب سے پہلے اس بلعم نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کا انکار کیا بلکہ اس پر کتاب لکھی پہلا دہریہ اس کے متعلق پہلے کتاب لکھنے والا بلعم ہے (روح البیان) جب ایمان و عرفان ملے رب کی طرف سے اس پر مہر لگے نبی کی نگاہ سے تب اس کی حفاظت ہوتی ہے اگر اس کا کرم ہو تو بہرام جیسے آتش پرست کو دیندار بنادے اگر اس کا قہر ہو تو بلعم جیسے عابد زاہد کو کتے سے بدتر کردے۔

آں راہبری از صومعہ سر و برگبراں انگی ۔۔۔ دین راکشی از بتکدہ سر حلقہ مرداں کنی
چون و چرا در کار عقل زبوں را کے رسد ۔۔۔ فرماں دہ مطلق توئی حکمے کہ خواہی آں کنی

www.alahazratnetwork.org

وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنٰهُ بِهَا وَلٰكِنَّهٗۤ اَخْلَدَ اِلَى الْاَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ

اور اگر چاہتے ہم تو البتہ اونچا کر دیتے اس کو ان آیتوں کے ذریعہ اور لیکن وہ گر رہا طرف زمین کے اور پیچھے ہوا وہ اپنی

اور ہم چاہتے تو آیتوں کے سبب اسے اٹھا لیتے مگر وہ تو زمین پکڑ گیا اور اپنی خواہش کا تابع ہوا تو اس کا حال کتے کی

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ اِنْ تَحْمِلْ عَلَیْهِ یَلْهَثْ اَوْ تَتْرُكْهُ یَلْهَثْ ذٰلِكَ

خواہش کے پس کہاوت اس کی کتے کی کہاوت کی طرح ہے اور اگر لادے تو اس کے اوپر تو ہانپے وہ یا چھوڑ دے

طرح ہے تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے اور چھوڑ دے تو زبان نکالے یہ حال ہے ان کا جنہوں نے

مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاقْصُصِ الْقَصَصَ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (176)

تو اسکو تو ہانپے یہ کہاوت ہے اس قوم کی جنہوں نے جھوٹا سمجھا ہماری آیتوں کو پس قصے بیان کرو تم تاکہ وہ غور کریں

ہماری آیتیں جھٹلائیں تو تم نصیحت سناؤ کہ کہیں وہ دھیان کریں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بلعم ابن باعورا کے گمراہ ہو جانے کا ذکر تھا اب اس کے گمراہ رہنے کا تذکرہ ہے کہ وہ پھر ہدایت پر نہ آیا اس کے دل پر کفر کی مہر لگ گئی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بلعم کی گمراہی کا ذکر تھا اب گمراہی کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ باوجود آیات الہیہ رکھنے کے وہ گمراہ کیوں ہو گیا نفسانی خواہش کی اتباع کی وجہ سے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں بلعم کے بہت اونچا ہونے فرشتوں پر بڑھ جانے کا ذکر ہوا اب اس کے ایک دم بے حیا ہو جانے اور کتے کی طرح بلکہ اس سے بھی بدتر ہونے کا تذکرہ ہے۔ جو رب اونچا کر سکتا ہے وہ نیچا بھی کر سکتا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیت میں بلعم کا قصہ مذکور ہوا اب اس قصہ کے ذکر کی حکمت کا بیان ہے کہ **لعلهم یتفکرون** لوگ اس میں غور و خوض کریں۔ دنیا کی بڑائی پر نہ بھولیں۔

تفسیر: ولو شئنا لرفعنه بها یہ نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **شئنا** کا مفعول پوشیدہ ہے **عظمته رفعته** وغیرہ **لرفعنه بها** کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں مگر قوی تفسیر یہ ہے کہ یہ **لو** کا جزا ہے اور **رفع** یعنی بلندی سے مراد ہے مرتبہ اور درجہ کی بلندی **ہ** کا مرجع بلعم ہے **بہا** میں **ب** سببیہ ہے **ھا** کا مرجع آیات الہیہ ہیں جو بلعم کو دی گئی تھیں (روح المعانی) یعنی اگر ہم بلعم کو اونچا کرنا چاہتے تو اس کا درجہ اس کا مرتبہ ان آیات کی وجہ سے بہت اونچا کر دیتے کہ ان پر عمل کرنے ان پر قائم رہنے کی توفیق دیتے اس کا خاتمہ ایمان پر کرتے ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد وہ خصوصی نعمتیں ہیں جو بلعم کو عطا ہوئیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اسم اعظم کا علم اور اس کا متبول الدعا ہونا قوم میں اسکی عزت و عظمت بے حد ہونا یا اس سے ابراہیمی صحیفوں کی آیتیں مراد ہیں (روح البیان) اور ممکن ہے کہ اس سے توریت شریف کی آیتیں مراد ہوں یعنی ان کا کامل علم **ولكنه اخلد الى الارض** یہ عبارت بھی نیا جملہ ہے اس کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے **فلم نشا رفعه** (روح البیان)۔ **اخلد** بنا ہے **خلد** سے۔ معنی ٹھہر جانا لازم پکڑ لینا اسی سے ہے **خلود**۔ معنی ہمیشگی **خلدین فیها ابدا** پھر اس کرنے

جھکنے کو خلود کہنے لگے جس کے بعد اٹھانا نہ ہو یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں اس لئے اس کے بعد **الی** ارشاد ہوا **الارض** سے مراد یا تو دنیا ہے چونکہ دنیا کی ہر چیز زمین سے پیدا ہوتی ہے اس لئے زمین بول کر دنیا مراد لی گئی بعض مفسرین نے ارض سے مراد ذلت و خواری لی ہے کیونکہ ذلیل آدمی زمین پر پڑا رہتا ہے۔ یعنی لیکن وہ تو دنیا کی طرف جھک گیا گر گیا کہ پھر وہاں سے نہ اٹھا بعض نے فرمایا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی طرف جھک گیا یہ سمجھ کر کہ وہ یہاں ہمیشہ رہے گا (روح المعانی) یا وہ عزت والا تھا ذلت کے گڑھے میں گر گیا اس بنا پر ہم نے اسے اونچا کرنا نہیں چاہا **واتبع ھواہ** یہ بلعم کا دوسرا جرم ہے جو پہلے جرم کی وجہ ہے اتباع کے معنی ہیں پیچھے چلنا **ھوا** کے لفظی معنی ہیں خالی ہونا **افئدتھم ھواء** یا گرنا **او تھوی بہ الریح** نفسانی خواہش کو **ھوا** اس لئے کہتے ہیں کہ وہ نفع سے خالی بھی ہوتی ہے اور انسان کو ذلت و خواری کے گڑھے میں گراتی بھی ہے یعنی وہ **ھدی** کو چھوڑ کے ھوی کے پیچھے لگ لیا دنیا سے مراد تھے قوم کے تحفے تحائف **ھوی** سے مراد ہے اپنی بیوی کی ضد پوری کرنا **فمثلہ کمثل الکلب** اس فرمان عالی میں بلعم کے دونوں مذکورہ جرموں کے انجام کا ذکر ہے اس میں ف جزائیہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **لما کان کذالک۔ مثل** م اور ث کے فتح سے اس کے معنی کہاوت بھی ہیں اور حالت و کیفیت بھی یہاں دوسرے معنی میں ہے تمام جانوروں میں ذلیل تر جانور کتا ہے کہ وہ گندگی بھی کھاتا ہے اور اپنی قے بھی نیز اسے حلال گوشت سے زیادہ پسند مردار گوشت ہے۔ اپنی قوم کا دشمن ہے۔ بہت حریص ہے کہ دو کتے ایک جگہ نہیں کھا سکتے یعنی بلعم کی حالت کتے کی سی ہو گئی مگر کتے کے حالات میں سے بدترین حالت کی طرح کہ **ان تحمل علیہ یلھث** اور **تترکہ یلھث** یہ عبارت یا تو **مثلہ** کا بیان ہے یا **الکلب** کا حال تحمل بنا ہے حمل سے جس کے معنی ہیں بوجھ لادنا بھی اٹھانا بھی حملہ کرنا بھی یہاں تیسرے معنی مراد ہیں کیونکہ کتے پر نہ تو کوئی بوجھ لادتا ہے نہ وہ اسے اٹھاتا ہے حملہ کرنے سے مراد ہے اسے لاٹھی مار کر دور کرنا بھگانا **یلھث** بنا ہے **لھث** سے جس کے معنی ہیں کتے کا زبان باہر نکال کر ہانپنا دوسرے جانور تو سخت گرمی یا محنت میں ہانپتے ہیں مگر زبان نہیں نکالتے کتا آرام میں بھی زبان باہر نکال کر ہانپتا رہتا ہے اس ذریعہ سے سانس لیتا ہے **او تترک** معطوف تحمل علیہ پر ہے ترک سے مراد ہے اسے نہ مارنا دفع نہ کرنا یعنی بلعم کا حال اس کتے کا سا ہو گیا کہ اگر اسے دھتکار کر ہانکو تو بھی زبان باہر لٹکا کر ہانپے اور اگر اسے پیار کر کے پاس بٹھاؤ تو بھی یہ ہی کرے بعض مفسرین نے فرمایا کہ چونکہ بلعم کی زبان بھی کھنچ کر اس کے سینے پر آ پڑی تھی جیسا کہ پچھلی آیت کی تفسیر میں کہا گیا اس لئے اسے کتے کی اس حالت سے تشبیہ دی گئی (بیضاوی، مدارک وغیرہ) **ذلک مثل القوم الذین کذبوا بایتنا** یہ نیا جملہ ہے جس میں یہ بتایا گیا کہ یہ مت سمجھنا کہ یہ حالت صرف بلعم کی ہوئی ہم کو اس سے کوئی تعلق نہیں تا قیامت جو شخص اور جو قوم اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے گی وہ اس طرح ذلیل و خوار تباہی میں گرفتار ہو گی **ایاتنا** سے مراد کتاب اللہ کی آیات نبی کے معجزات بلکہ خود نبی کی ذات سب ہی ہیں کہ ان سب سے اللہ تعالیٰ کی شان معلوم ہوتی ہے۔ حضور انور سراپا آیات الٰہیہ ہیں کہ آپ کی ہر ادا ہر صفت آیۃ الٰہیہ ہے یہ عیب آج تک یہود میں چلا آرہا ہے کہ ان کی فطرت کتے کی سی ہے (روح البیان) **فاقص القصص** اس فرمان عالی میں خطاب نبی ﷺ سے ہے یہاں **ف** جزائیہ ہے اور یہ جملہ پوشیدہ شرط کی جزا ہے **القصص** میں الف لام عہدی ہے یعنی یہ قصہ یہ واقعہ **قصص** مصدر ہے۔ معنی مفعول جیسے سلب۔ معنی مسلوب (روح المعانی) یعنی جب یہ معلوم ہو گیا کہ بلعم کی مثال ہر منکر

www.alahazratnetwork.org

آیات پر چسپاں ہے تو آپ یہ واقعہ لوگوں کو سنائیے انہیں بتائیے **لعلهم يتفكرون** یہ اقصص کا مفعول **له** ہے۔ یعنی آپ انہیں یہ واقعہ سنا تاکہ وہ لوگ اپنے دل میں سوچیں کہ کہیں ہم تو بلعم کی طرح نہیں ہیں ہم پر تو یہ مثال صادق نہیں آ رہی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اگر ہم بلعم پر رحم و کرم کرنا چاہتے تو اسے ان آیات کے ذریعہ بہت اونچا کر دیتے کہ عالم باعمل صوفی بے بدل رہتا اسی حالت میں مرتا اور اس کا درجہ بہت ہی اونچا ہو جاتا وہ فرشتوں سے بڑھ جاتا لیکن وہ تو اونچا ہو کر دنیا کی طرف جھک گیا۔ ذلت و خواری کی زمین پکڑ گیا کیونکہ اپنی نفسانی خواہش کے پیچھے چل پڑا لوگوں کے تحفے تحائف اس کی بیوی کی ضد اسے لے بیٹھی۔ انجام یہ ہوا کہ اس کی حالت کتے کی سی ہو گئی کہ اسے در کارو نکالو مارو تو بھی وہ زبان نکالے ہوئے ہانپے اور اگر اسے پچکارو کچھ کھلاؤ تو بھی اس کا یہ ہی حال بلعم کی بھی زبان باہر نکل پڑی وہ کتے کی طرح ہانپتا ہی رہا یہ حالت صرف بلعم کی نہیں بلکہ جو بھی ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کی حالت بھی یہ ہی ہے کہ وہ صورت میں انسان ہیں سیرت میں ذلیل و خوار کتے لہٰذا اے محبوب یہ واقعہ انہیں سناؤ تاکہ یہ سب خصوصاً یہود غور کریں اور اپنے حال میں تامل کریں سوچیں کہ کہیں وہ تو بلعم کے نقش قدم پر نہیں چل رہے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** صرف قرآن جاننے قرآن پڑھنے سے بلندی نہیں ملتی یہ تو رب کے فضل و کرم سے ملتی ہے۔ منافقین بھی قرآن پڑھتے تھے یہ فائدہ **لوشئنا لرفعناه** سے حاصل ہوا کہ اگر ہم چاہتے تو اسے آیات الہیہ کے ذریعہ بلندی بخشتے۔ **دوسرا فائدہ:** اگر دل میں نبی سے عداوت ہو تو قرآن اس کے لئے مفید نہیں دیکھو بلعم حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جب مخالف ہو گیا تو اسے آیات کام نہ آئیں۔ اس واقعہ سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو حضور انور سے عداوت رکھ کر لوگوں کو قرآن سناتے پھرتے ہیں دل میں نبی کی الفت آتی ہے پہلے بعد میں قرآن مجید کا نور داخل ہوتا ہے ہم نے عرض کیا ہے۔

وہ جس کو ملے ایمان ملا ایمان تو کیا رحمٰن ملا   قرآن بھی جب ہی ہاتھ آیا جب دل نے وہ نور ہدیٰ پایا

تیسرا فائدہ: نبی کا گستاخ عالم کتے کی طرح ذلیل و خوار ہے اسے نہ دنیا میں عزت ملے نہ آخرت میں دیکھو۔ بلعم اللہ تعالیٰ یا فرشتوں وغیرہ کا منکر نہ تھا وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مخالف ہوا تو رب نے اسے کتے کی بدترین حالت سے تشبیہ دی۔ **چوتھا فائدہ:** انسان اگر سیدھا چلے تو فرشتوں سے افضل ہے اور اگر برا چلے تو کتے جیسا خسیس ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں۔

لهت الكلاب لنا كانت مجاورة   وليتنا مانرى محسن نرى احدا

ان الكلاب لتهدا فى مرا بضها   والناس ليس بها و شرهم ابدا

حضرت فقیہ ابوالمسعود قدس سرہ اپنے نفس کے متعلق فرمایا کرتے تھے۔

الكلب احسن عشرة   وهوالنهايته فى الخاسه

محسن ينازغ فى الريا   سته فيل اوقات الرياسه

خلاصہ یہ ہے کہ شریر پڑوسی کٹ کھنے کتے سے بدتر ہے کہ کتے کے شر سے بچنا آسان ہے مگر شریر انسان کی شر سے بچنا مشکل ہے جو شخص ریاست کے قابل نہ ہو اور ریاست طلب کرے وہ کتے سے بڑھ کر خسیس ہے (روح المعانی)۔ **پانچواں فائدہ:** علماء

www.alahazratnetwork.org

سوء اور عابدین سوء، بتوں اور بت پرستوں سے بدتر ہیں دیکھو رب تعالیٰ نے بتوں اور بت پرستوں کو مکھی اور مکڑی سے تشبیہ دی ہے مگر برے عالم وعابد کو کتے سے تشبیہ دی (معانی) عالم دین ملائکہ سے افضل ہے کہ اس کے متعلق ارشاد فرمایا **انما یخشی اللّٰہ من عبادہ العلمٰؤا۔**

نوٹ ضروری: یہاں تفسیر روح المعانی نے ایک خط نقل فرمایا جو حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی نے امام فخرالدین رازی کو لکھا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مبارک ہیں وہ علماء جنہیں اللہ تعالیٰ علم دین پھیلانے کے لئے منتخب کرے اولیاء زمانہ پر لازم ہے کہ ایسے علماء کی دعا خیر سے مدد کریں اللہ تعالیٰ عالم کو **ھوی** (نفسانی خواہش) سے محفوظ رکھے کیونکہ **ھوی** کا ایک قطرہ علم کے سمندر کو گدلا کردیتا ہے۔ جو عالم **ھوی** سے بچ گیا وہ ہی صحیح معنی میں وارث نبی جانشین رسول ہے ﷺ ایسے عالم کا علم عمل خیر ہیں اور عمل خیر علم میں سرایت کرجاتا ہے افکار کے برہان ہیں اور اسرار کے لئے عیاں ہیں جہاں عیاں ہے وہاں برہان کی ضرورت نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** علم دین بلندی درجات کا ذریعہ ہے اور رب تعالیٰ کا فضل شامل حال ہو تو قرآن سے بہتر ذریعہ عزت دنیا میں اور کوئی نہیں یہ فائدہ **لرفعنا بھا** سے حاصل ہوا کہ **بھا** میں ب سببیہ ہے رب فرماتا ہے۔
یرفع اللّٰہ الذین امنوا منکم والذین توالعلم درجت علم دین خدمت دین میں دولت عزت وقار سب کچھ ہے۔

سگ درگاہ احمد شو کہ یابی صد وقار اینجا	زر اینجا دولت اینجا عزت اینجا افتخار اینجا
بہ طیبہ چون در آیم باہزاراں شوق بر خوانم	سر اینجا سجدہ اینجا زندگی اینجا قرار اینجا

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سب کی ہدایت پسند فرماتا ہے مگر سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتا محبت ارادہ اور مشیت میں بڑا فرق ہے دیکھو سب کو ایمان لانے کا حکم ہے **امنوا باللّٰہ ورسولہ** مگر سب کے ایمان کا ارادہ نہیں یہ فائدہ **لوشئنا** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم چاہتے تو بلعم کو اونچا کردیتے جس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے بلعم کو نیچا کرنا چاہا جب رب نے ہی اسے نیچا کردیا تو وہ بے قصور ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ہم تیسرے پارے کے شروع میں مسئلہ تقدیر کے بیان میں دے چکے ہیں زیر آیۃ **ولوشاء اللّٰہ ما اقتتلوا** یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں اس جگہ یہ بھی ارشاد ہے **ولکنہ اخلد الی الارض واتبع ھواہ** یعنی بلعم کی گمراہی کے دو سبب ہوئے ایک بلعم کا زمین پکڑ جانا دوسرے اپنی خواہش کے پیچھے چلنا یہ دونوں کام اس نے اپنے اختیار سے کئے اس اختیار پر اس کی پکڑ ہے کا خالق اللہ ہے سب بندہ خلق اور کسب کا فرق وہاں تیسرے پارہ میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** بدترین جانور تو سور ہے نہ کہ کتا تو رب تعالیٰ نے بلعم کو کتے سے کیوں تشبیہ دی۔ **جواب:** بدترین جانور تو سور ہے مگر ذلیل ترین حقیر ترین جانور کتا ہے۔ سور بے حیائی میں مشہور ہے کہ اپنی مادہ کے لئے خود دوسرا لاتا ہے مگر کتا خباثت میں مشہور ہے اگر یہ دیوانہ ہو کر کسی کو کاٹ لے تو سانپ کے زہر سے کہیں زیادہ خطرناک اس کا زہر ہوتا ہے باقی اس کی خباثتیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کرچکے گھر میں اگر بلا ضرورت کتا پلا ہو تو رحمت کے فرشتے نہیں آتے سور کے متعلق کسی حدیث میں یہ سزا مذکور نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** حضور انور نے طالب دنیا کو کتے سے کیوں تشبیہ دی ہے

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں **الدنیا جیفتہ وطالبہا کلاب** دنیا مردار ہے اور طالب دنیا کتے ہیں کوے بھی مردار کھاتے ہیں۔ **جواب:** اس لئے کہ کتا مردار خور بھی ہے مگر ساتھ ہی حریص بھی اور اپنی قوم کا دشمن بھی۔ دو چار من کا مردار ہو اکیلا کتا ہو وہ اتنا گوشت کھا نہیں سکتا مگر دوسرے کتے کو آنے نہیں دیتا اس پر غراتا ہے مگر ایسے موقعہ پر کوا شور مچا کر دوسرے کوؤں کو بلا کر کھاتا ہے دنیادار انسان کا بھی یہ ہی حال ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ میں ہی کماؤں کھاؤں دوسرا نہ کمائے نہ کھائے لہٰذا طالب دنیا کتا ہے کوا نہیں جتنی وہ حرص کرتا ہے اتنا کھا نہیں سکتا۔ حضور انور کا ایک ایک لفظ انمول موتی ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** جب کتا ایسی ذلیل اور بے قدر چیز ہے تو اصحاب کہف کے غار کے دروازے پر اسے کیوں رکھا گیا اور اسے ایسی عزت کیوں دی گئی کہ اس کا ذکر حرمت کے ساتھ قرآن مجید میں آیا۔ **جواب:** دو وجہ سے ایک یہ کہ کتا باوجود اتنی ذلت و خواری کے رکھوالی خوب کرتا ہے اسے ان حضرات کا چوکیدار اور دربان بنایا گیا۔ دوسرے اس لئے کہ حضرات اولیاء اللہ کی عزت و عظمت ان کے فیض و برکت کو کھانا مقصود ہے کہ ان کی صحبت و خدمت کی وجہ سے کتے جیسے حقیر جانور کو عزت و درازیٔ عمر کھانے پینے سے بے نیازی دنیا کی ہر طرح کی راحت سردی گرمی سے حفاظت جیسی نعمتیں مل جاتی ہیں تو جو انسان اولیاء اللہ کے آستانہ کی خاک ہو جاوے اسے کیا کچھ نہ ملے گا دیکھو حضور انور کا قرین یعنی ساتھ رہنے والا شیطان اس پر بھی اللہ کا کرم ہوا کہ وہ مسلمان ہو گیا جیسا کہ حدیث شریف ہے **ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلا یامرنی الا الخیر** (حدیث شریف) جب حضور انور کے قرب نے اس شیطان کی حقیقت بدل دی تو جو خدام بارگاہ اس حکیم مطلق کے ساتھ سایہ کی طرح رہے انہیں کیا کچھ نہ ملا ہو گا۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں کتے کی اس حالت کا ذکر کیوں ہوا کہ اگر تو اس پر حملہ کرے تو زبان نکالے نہ کرے تو زبان نکالے اس تذکرہ میں کیا حکمت ہے۔ **جواب:** یا اس لئے کہ بلعم کا حال اس وقت یہ ہی ہو گیا تھا کہ زبان باہر نکل پڑی تھی ہر وقت ہانپتا رہتا تھا یا اس لئے کہ جب کتا اس طرح ہانپتا ہے تو اس وقت وہ کوئی کام نہیں کر سکتا نہ تو شکار کر سکتا ہے نہ کھا پی سکتا ہے یوں ہی حریص و طماع عالم و عابد سواء زبان چلانے بے معنی الفاظ بولنے کے اور کچھ نہیں کر سکتا نہ اس کے کلام میں اثر نہ صحبت میں فیض وہ اللہ کی زمین پر صرف بوجھ ہی ہوتا ہے یہ شخص دنیاداروں کے سامنے اپنے فضائل و کمالات میں ہی زبان چلاتا رہتا ہے اس کے ذریعے اپنے نفس کی حرص پوری کرتا ہے یہ محض بے فائدہ۔ نیز ہانپنے والا کتا ہر وقت ہانپتا ہی رہتا ہے یوں ہی حریص عالم و عابد ہمیشہ حرص کے پیچھے پھرتا رہتا ہے غرضکہ حریص عالم و عابد کو بہت طرح ایسے کتے سے مشابہت ہے (تفسیر کبیر)

تفسیر صوفیانہ: روح انسانی کا میلان عالم علویات کی طرف ہے نفس امارہ کا میلان سفلیات کی جانب علم و عبادت گویا انسان کے غیبی پر ہیں جیسے پرندہ پروں کے ذریعہ اوپر چڑھتا ہے اور انہیں پروں سے نیچے گرتا ہے اگر علم و عمل کا تعلق روح سے ہو جاوے تو یہ دونوں پر انسان کو وہاں پہنچاتے ہیں جہاں فرشتے نہ پہنچیں علم کی وجہ سے حضرت آدم مسجود ملائکہ ہوئے خلیفتہ اللہ بنے **وعلم ادم الاسماء کلہا** یہ تھی عالم بالا کی طرف پرواز اور زیادتی علم و فضل ہی کی وجہ سے شیطان **اسفل السفلین** میں پہنچا اگر علم کے ساتھ عشق رسول خوف خدا وابستہ ہو جاویں تو یہ اوپر کی طرف پرواز کراتے ہیں اگر علم کے ساتھ حرص و طمع لالچ مل جاویں تو پھر یہ ہی علم و عمل اسے نیچے گراتے ہیں بلعم باعور اس قدر وسیع علم کے باوجود ہانپنے والا کتا بن گیا حرص کی وجہ سے حالانکہ وہ دولتمند تھا مگر قوم کے تحفے تحائف اسے لے ڈوبے شاہین اور گدھ دونوں کے پاس پر ہیں مگر

www.alahazratnetwork.org

شاہین اپنے پروں سے اوپر کی طرف جاتا ہے اور گدھ اپنے پروں سے مردار پر گرتا ہے۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں ۔۔۔ شاہین کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مومن سعید اپنے علم و عمل سے حضور ﷺ تک پھر ان سے رب تک پہنچتا ہے مومن کی شان یہ ہوتی ہے۔

نام نامی رہے ان کا ورد زبان' ذکر ہوتا رہے سانس چلتا رہے

آخری وقت ہو ان کے قدموں میں سر' دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

سَآءَ مَثَلًا الْقَوْمُ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ اَنْفُسَهُمْ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ (177)

بری ہے کہاوت میں وہ قوم جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور اپنی نفسوں پر ہی وہ ظلم کرتے تھے

کیا بری کہاوت ہے ان کی جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور اپنی ہی جانوں کا برا کرتے تھے

مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِیْ ۚ وَ مَنْ یُّضْلِلْ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ (178)

وہ کہ ہدایت دے اسے اللہ بس وہ ہی ہدایت والا ہے۔ اور وہ کہ گمراہ کردے اسے اللہ بس یہ لوگ ہی گھاٹے والے ہیں

جسے اللہ راہ دکھائے تو وہ ہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو وہ ہی نقصان میں رہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ بلعم کی طرح ہر کافر آیات جھٹلانے والے کا حال ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جس نے اپنا حال ایسا کیا اس نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا اپنا ہی بگاڑا گویا پہلے کفار کے برے حال کا ذکر تھا اب اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بلعم ابن باعورا کا انجام بیان ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہدایت صرف اپنے علم و عمل سے کسی کو نہیں ملتی یہ تو عطیہ ربانی ہے گویا ایک واقعہ کے ذکر کے بعد اس سے شرعی بلکہ عقائد کا مسئلہ مستنبط کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں بلعم باعورا کا اتار چڑھاؤ بیان ہوا اب ارشاد ہے کہ دنیا میں پورا اختیار و ارادہ ہے جو اچھے سے اچھے کام کرے مگر اس کے پاس رہے کچھ نہیں گویا خسارہ مال سے خسارہ اعمال سخت تر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ محبوب آپ ان لوگوں کو یہ واقعات سنائیں اب ارشاد ہے کہ یہ واقعات سنانے کے بعد ان سب کی ہدایت کا یقین نہ کریں ہدایت دینا ہمارا کام ہے آپ کو بہرحال تو اب تبلیغ ملے گا مگر ان میں سے سب ہدایت نہ پائیں گے گویا پہلے علاج کا ذکر ہوا اب اس انجام کا ذکر ہے (روح المعانی)۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: ساء مثلا" یہ جملہ نیا ہے چونکہ اس کا تعلق پچھلے مضمون سے ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ نہ لایا گیا عربی جاننے والے بخوبی جانتے ہیں کہ **ساء** اور **حبذا** برائی بیان کرنے کے لئے آتے ہیں اس کا استعمال چند طرح ہوتا ہے یہاں اس کا فاعل **ھو** ہے جس کی تمیز ہے مثلاً" یہاں مثل یا تو بمعنی کہاوت ہے تو مطلب یہ ہے کہ کفار کے لئے بد سے بد تر کہاوت زبان لٹکا کر ہانپتے ہوئے کتے کی طرح ہے اس سے زیادہ بری کہاوت نہیں ہو سکتی اور یا **مثل** بمعنی حالت و کیفیت ہے یعنی سب سے بد تر حالت کفار کی ہے اگرچہ وہ دنیا میں بظاہر اچھی حالت میں نظر آویں **القوم الذین کذبوا بایتنا** یہ عبارت نحوی ترکیب سے **ساء مثلا** کا مخصوص ہے یا تو اس کا مبتداء ہے یا **ھو** پوشیدہ کی خبر ہے۔ خیال رہے کہ **القوم** سے پہلے **مثل** پوشیدہ ہے کیونکہ فعل ذم کا فاعل تمیز اور مخصوص ایک ہی چاہئے چونکہ قوم لفظاً تو واحد ہے مگر معنیً جمع ہے اس لئے **الذین** اور **کذبوا** جمع فرمایا گیا۔ آیات سے مراد قرآنی آیات کتب الٰہیہ کی آیتیں اور حضور علیہ السلام کے معجزات ہیں کہ یہ سب معرفت الٰہیہ کی نشانیاں ہیں۔ **وانفسھم کانوا یظلمون** یہ عبارت یا تو **کذبوا** پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ **انفس** جمع ہے **نفس** کی بمعنی ذات یا جان اسے **یظلمون** پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی وہ لوگ صرف اپنی جانوں یا ذاتوں پر ہی ظلم کرتے ہیں اس کا وبال خود ان ہی پر پڑے گا چونکہ انسان پر سب سے زیادہ حق اس کی اپنی نفس اپنی ذات اپنی جان کا ہے کہ نیک عقیدے نیک کام کر کے اسے دوزخ سے بچائے جنت کا حقدار بنائے اس لئے سب سے بڑا ظالم وہی ہے جو خود اپنے نفس کا حق مارے اسے ستائے **من یھد اللہ فھو المھتدی** یہ عبارت گزشتہ مضمون کی تائید اور تاکید ہے **من** سے مراد سارے انسان ہیں **یھد** میں ہر قسم کی ہدایت داخل ہے ہدایت ایمان ہدایت اعمال ہدایت افعال ہدایت احوال۔ ہدایت سے مراد راہ دکھانا ہدایت کی آیات اتار دینا نہیں ہے کہ یہ تو سب کے لئے کر دیا گیا ہے بلکہ اس سے مراد ہے ہدایت قبول کرنے کی توفیق دینا یہ کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ فضل و کرم فرمائے چونکہ ہدایت ایک ہی چیز ہے کہ تمام گمراہیوں برائیوں سے بچنا اور **من** لفظاً واحد اس لئے **ھو** اور **مھتدی** واحد ارشاد ہوا **مھتدی** کے معنی ہیں ہدایت پانے والا یعنی **مھدی** متعدی ہے اور **مھتدی** لازم یعنی جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دے کہ اسے ہدایت قبول کرنے کی توفیق بخشے۔ ہدایت پانے والا صرف وہی ہے یہ نعمت بغیر اللہ تعالیٰ کے کرم کے نہیں ملتی **ومن یضلل فاولئک ھم الخسرون** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں بھی **من** سے مراد انسان ہیں کیونکہ فرشتے وغیرہ گمراہ نہیں ہوتے۔ **من** لفظاً" اگرچہ واحد ہے مگر معنیً جمع کہ اس سے مراد سارے گمراہ لوگ ہیں اور گمراہیاں بہت سی قسم کی ہیں گمراہ بہت طرح کے لوگ الوہیت کے منکر، جنت، دوزخ، قیامت کے منکر، نبوت کے منکر کسی خاص نبی کے انکاری پھر مومنین میں بد عمل لوگ بد عملیاں بہت سی قسم کی ہیں یوں ہی اس کا خسارہ اور نقصان بہت طرح کا۔ خیال رہے کہ گمراہ کرنے سے مراد یہ نہیں کہ اسے گمراہ رہنے کا حکم دے یا اس تک آیات نہ بھیجے کہ یہ تو ناممکن ہے بلکہ اس سے مراد ہے اس کو ہدایت قبول کرنے کی توفیق نہ دینا خود اس کی اپنی حرکتوں کی وجہ سے اس کے دل میں گمراہی پیدا کرنا وغیرہ لہٰذا آیت واضح ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرے وہی ہی پورے خسارہ والا ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو قوم اللہ کی آیتوں یعنی اللہ کے کلام اس کے نبیوں ان نبیوں کے فرمان ان کے معجزات کو غلط کہے یا انہیں نہ مانے اس کی حالت بہت ہی بری ہے اس پر بد ترین جانور کی مثال صادق آتی ہے۔ جس سے نقصان ہی ہو کوئی فائدہ نہ ہو ایسے لوگ

www.alahazratnetwork.org

کسی کا کچھ نہیں بگاڑتے اپنے پر ہی ظلم کرتے ہیں اپنا ہی بگاڑ لیتے ہیں کہ اپنے کو دائمی عذاب کا مستحق کر لیتے ہیں اے اللہ کے بندو بلعم کا واقعہ سن کر یہ یقین کر لو کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے یہ نعمت صرف اپنی کوشش اپنے علم و عبادات سے نصیب نہیں ہوتی یہ تو خاص عنایت ربانی ہے۔ جس پر وہ کرم کردے وہ ہدایت پر ہوگا ہدایت پر رہے گا اور جسے وہ گمراہ کردے کہ اس کی حرکتوں کی وجہ سے اسے بہکادے تو وہ پورے پورے نقصان میں ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفار کی برائی کرنا ان کی بری مثالیں دینا ان کے بتوں ان کے بزرگوں کی برائی بیان کرنا سنت الہیہ ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہود کے سردار بلعم ابن باعورا کو ہانپتے ہوئے کتے سے تشبیہ دی بلعم ان کا بڑا پادری پوپ تھا دوسری جگہ ولید ابن مغیرہ کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے **عتل بعد ذلک زنیم** ان برائیوں کے بعد وہ حرامی بھی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** تمام کفروں کی جڑ نبی ان کے فرمان ان کے معجزات کا انکار کرنا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ رب تعالیٰ کا انکار کرتا ہے یہ فائدہ **الذین کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے جو محض اس کے کرم اس کی مہربانی سے حاصل ہوتی اپنے علم، عمل، زور، طاقت وغیرہ سے حاصل نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ **من یھدی اللہ** سے حاصل ہوا۔ ہم نماز کی ہر رکعت میں پڑھتے ہیں **اھدنا الصراط المستقیم** یعنی ہدایت کی دعا مانگتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** ہدایت اور گمراہی سب رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے ارادے سے ہے یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے **والقدر خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ** یہ فائدہ **ومن یضلل** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: قرآن مجید فرماتا ہے **ولا تسبوا الذین یدعون من دون اللہ فیسبوا اللہ عدوا بغیر علم** کفار کے جھوٹے معبودوں کو برا نہ کہو ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کی شان میں گستاخی کریں گے مگر یہاں رب تعالیٰ نے بلعم کو کتے کی طرح فرمایا آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے بہت جواب ہیں قوی جواب یہ ہے کہ وہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ یہ بلعم والی آیت اور دوسری آیات ہیں یا یوں کہو کہ بلا ضرورت انہیں برا نہ کہو **ضرورۃ** کہہ سکتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** کسی کو کتا گدھا وغیرہ کہنا تہذیب کے خلاف ہے اس سے اپنا منہ ہی گندا ہوتا ہے قرآن مجید نے جو کہ اعلیٰ درجہ کی مہذب کتاب ہے یہ طریقہ کیوں اختیار فرمایا۔ **جواب:** جی ہاں یہ آج کل کی فرنگی تہذیب کے خلاف ہوگا مگر یہ مہذب لوگ جب اپنی ذات کا معاملہ آپڑے تو یہ تعلیم بھول جاتے ہیں اپنی ذاتی معاملات میں برداشت کرو مگر اللہ کے رسول کے دشمنوں کو اچھی طرح برا کہو ہم تو نماز میں پہلے شیطان کو برا کہتے ہیں پھر تلاوت شروع کرتے ہیں **اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم** قرآن مجید کی پوری ایک سورت ابولہب اور اس کی بیوی ام جمیل کی برائی میں آئی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ گمراہ کرتا ہے دوسری آیات میں ہے کہ شیطان گمراہ کرتا ہے کونسی بات درست ہے۔ **جواب:** دونوں باتیں درست ہیں شیطان گمراہ کرتا ہے اس طرح کہ وہ بندے کو گمراہی کی رغبت دیتا ہے اسباب جمع کرتا ہے اللہ تعالیٰ ان اسباب کے جمع ہونے پر اس میں گمراہی پیدا کر دیتا ہے۔ خالق رب ہے کاسب بندہ ہے گمراہ کن ابلیس ہے۔ مقتول کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ فلاں قاتل نے اسے مارا اور یہ بھی کہ رب نے اسے مارا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اللہ کی نعمتوں کا شکریہ ان کی بقا بلکہ زیادتی کا ذریعہ ہے ناشکری زوال نعمت کا سبب پھر ہر نعمت کا شکریہ علیحدہ ہے اللہ کے نبی ان کے معجزات ان کے احکام فرمان اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں بلکہ اعلیٰ نعمتیں کہ دنیاوی نعمتیں فانی ہیں وہ نعمتیں باقی جو ان کا شکریہ ادا کرے گا انشاء اللہ ایمان پر قائم رہے گا جو ان کی ناشکری کرے گا اس سے چھین لی جائیں گی یہاں ارشاد ہے کہ جھٹلانے والوں نے جو آیات کا شکریہ ادا نہ کیا اس لئے وہ اپنے نفس پر ظالم ہوئے ان کا حال خراب ہوا جسے اللہ ہدایت دے کہ شکر کی توفیق دے وہ ہدایت پر قائم رہے گا اور جسے اللہ گمراہ کرے کہ شکر کی توفیق نہ ملے وہ پورے نقصان میں رہے گا کہ وہ ہدایت کھو بیٹھے گا۔ ایک نبی نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ مولیٰ بلعم ابن باعورا کی گمراہی کا سبب کیا ہوا فرمایا کہ اس نے اپنے علم و عمل کا شکر کسی دن ادا نہ کیا اگر وہ ایک بار بھی شکر کر لیتا تو میں اسے نہ گراتا جب برادران یوسف علیہ السلام نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو جناب یوسف کی زندگی صحت بلکہ سلطنت و حکومت کی خبر دی تو آپ نے پوچھا کہ وہ کس دین پر ہیں انہوں نے عرض کیا **علی دینک و دین ابائک ابرھیم واسحق** وہ اسی دین پر ہیں جو تمہارا تمہارے باپوں اور حضرت اسحاق و ابراہیم علیہ السلام کا ہے تب آپ سجدے میں گرے اور بولے آج میری دی ہوئی تعبیر پوری ہوئی اللہ نے نعمت پوری کر دی اللہ کے بندوں کا معاملہ خطیر (خطرناک) ہے عمر قصیر ہے عمل میں تقصیر ہے حساب لینے والا بصیر و خبیر ہے اگر وہ بخش دے تو **ذالک علی اللہ یسیر** الٰہی بندہ حقیر کی امید حقیر پوری کرا دے سمیع و بصیر (از روح البیان) اللہ تعالیٰ بغیر نبی کے وسیلہ کسی کو کسی کے نیک عمل کو پوچھتا بھی نہیں اگر نبی کا وسیلہ میسر ہو تو اپنے فضل سے بدعمل بھی بخش دیتا ہے کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر نبی کے دروازے سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ ۖ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ

اور البتہ تحقیق پیدا کئے ہم نے واسطے دوزخ کے بہت جنات اور انسان میں سے کہ ان کے دل ہیں کہ نہیں سمجھتے وہ

اور بے شک ہم نے جہنم کے لئے پیدا کئے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں

بِهَا ۡ وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا ۡ وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا ؕ

ان سے اور واسطے ان کے آنکھیں ہیں کہ نہیں دیکھتے وہ ان سے اور واسطے ان کے کان ہیں کہ نہیں سنتے

اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

وہ ان سے یہ لوگ مثل جانوروں کے ہیں بلکہ وہ زیادہ گمراہی میں ہیں یہ لوگ وہ غافل بے خبر ہیں

ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ یہ لوگ وہ غافل بے خبر ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بلعم اور اس جیسے لوگوں کا ذکر ہوا کہ وہ ہدایت پر آکر گمراہ ہو گئے اب اس آیت کریمہ میں اس بہکنے کی وجہ کا تذکرہ ہے کہ ان کی پیدائش دوزخ کے لئے تھی لہذا ان کی وہ ہدایت عارضی تھی جو ذرا سی وجہ سے جاتی رہی۔ **دوسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا تھا کہ صحیح ہدایت یافتہ وہ ہے جسے اللہ ہدایت دے اور حقیقی گمراہ وہ ہے جسے اللہ گمراہ کرے اب اس کی تفصیل کی جارہی ہے گویا یہ آیتہ کریمہ پچھلی مجمل آیتہ کی تفصیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے گمراہ کرنے کے معنی یہ ہیں کہ اسے دوزخ کے لئے پیدا کیا جاوے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ہدایت اور گمراہی کا ذکر تھا اب ان میں سے قابل اعتبار کا ذکر ہے معتبر گمراہی یا ہدایتہ وہ ہی ہے جس پر وہ پیدا کیا گیا اور جس پر اس کا خاتمہ ہوتا ہے زندگی کے حالات کا کوئی اعتبار نہیں گویا ہدایت و گمراہی کی جنس کا پہلے ذکر تھا اس کی خاص نوع کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: ولقد ذرانا لجهنم چونکہ اس آیتہ کا مضمون بہت مشکل ہے عوام کی عقل سے وراء ہے۔ بے عقل لوگ اس کا انکار کر دیتے ہیں اس لئے اسے لام اور قد کے ساتھ موکد کیا گیا **ذرا** کے لغوی معنی ہیں کثرت' زیادتی' یا پھیلاوا اسی سے ہے **ذریت** یعنی انسان و جن کی نسل جو بہت ہو اور پھیلی ہو مگر اصطلاح میں یہ بمعنی خلق و جعل آتا ہے کہ پیدائش پھیلاوے کا ذریعہ ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں (روح البیان) **لجهنم** میں لام مقصد یا حکمت کا نہیں بلکہ عاقبت اور انجام کا ہے لہذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ **وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون** (تفسیر روح المعانی' خازن و روح البیان وغیرہ) جہنم اللہ تعالیٰ کے سخت جیل خانہ کا نام ہے یہ اصل میں چاہ غم تھا۔ بمعنی گہرا کنواں یا جہنام تھا کہا جاتا ہے بیر جہنام یعنی بہت ہی گہرا کنواں چونکہ اس کا کنارہ اور تھا میں فاصلہ پچھتر سو سال کا ہے یعنی زمین و آسمان کے فاصلہ سے بہت زیادہ کہ زمین و آسمان میں فاصلہ صرف پانچ سو سال کا ہے اس لئے اسے جہنم کہا جاتا ہے اس میں گرم و ٹھنڈے دونوں قسم کے طبقے ہیں جنہیں حرور اور زمہریر کہتے ہیں حرور گرم زمہریر ٹھنڈا (روح البیان) یعنی ہم نے دوزخ میں جانے وہاں جانے کے کام کرنے کے لئے پیدا کیا **کثیرا" من الجن والانس** یہ عبارت **ذرانا** کا مفعول ہے کثرت سے مراد اضافی کثرت ہے کیونکہ جن و انس میں فی ہزار نو سو ننانوے دوزخی ہیں اور ایک جنتی (حدیث شریف) من الجن میں **من** یا تو کثیرا کے بیان کے لئے یا بعضیت کے لئے۔ جن کے معنی ہیں چھپی مخلوق اسی سے ہے جنت' جنون' جنین' جند وغیرہ چونکہ جنات انسانوں کی نگاہ سے چھپے ہوئے ہیں لہذا انہیں جن کہا جاتا ہے انس کے معنی ہیں ظاہر ہونا اسی لئے دیکھنے کو ایناس کہا جاتا ہے **آنس من جانب الطور نارا** یا جیسے **انی انست نارا** چونکہ انسان ظاہر مخلوق ہے ظاہری زمین پر رہتی ہے اسی لئے اسے انس کہا جاتا ہے چونکہ جنات پیدائش میں انسان سے بہت پہلے ہیں کہ یہ آدم علیہ السلام سے کہیں پہلے پیدا ہو چکے تھے نیز ان کی عمریں انسانوں سے کہیں زیادہ ہیں نیز ان کی جسمانی قوتیں انسانوں سے کہیں بڑھ کر ہیں اگر یہ چاہیں تو انسان سے زیادہ نیک اعمال کریں اس لئے جن کا ذکر پہلے ہوا انس کا بعد میں جن ناری مخلوق ہے انسان خاکی (روح البیان)۔ خیال رہے کہ انسانوں کی طرح جنات بھی احکام شرعیہ کے مکلف ہیں۔ ہمارے حضور جیسے سارے انسانوں کے نبی ہیں ایسے ہی سارے جنات کے نبی۔ اس لئے آپ کا لقب ہے رسول الثقلین۔ گزشتہ انبیاء کرام جیسے خاص حلقے کے انسانوں کے نبی ہوتے تھے ایسے ہی خاص حلقے جنات کے (از روح البیان) غرضکہ جنات

www.alahazratnetwork.org

میں اولیاء علماء صالحین ہیں مگر نبی رسول صرف انسانوں میں سورہ احقاف میں ہے کہ جنات نے قرآن سن کر اپنی قوم سے کہا **انا سمعنا کتبا انزل من بعد موسی** جس سے معلوم ہوا کہ وہ توریت کے ماننے والے تھے اور اب قرآن پر ایمان لائے **لھم قلوب لا یفقھون بھا** یہ آیتہ کثیرا کی صفت یا اس کا حال ہے اس میں **لھم** خبر مقدم ہے اور **قلوب** مبتداء موخر جس سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ ناسمجھ دل صرف کفار کے ہی ہیں رہے مومنین ان کے دل خدا کے فضل سے سمجھ والے ہیں قلوب جمع ہے قلب کی قلب کے معانی ہم پہلے پارہ میں **فی قلوبھم مرض** کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں کہ یہ ایک لطیفہ ربانی ہے اس کی جگہ وہ پارہ گوشت ہے جسے ہم دل کہتے ہیں **لا یفقھون بھا۔ قلوب** کی صفت ہے فقہ کے لغوی معنی ہیں سمجھ **فقہ** ق کے کسرہ سے سمجھا **فقہ** ق کے پیش سے عالم فقیہ ہوگیا اب اصطلاح میں دینی سمجھ دینی علم کو فقہ کہتے ہیں یہاں **لا یفقھون** کا مفعول **بہ** پوشیدہ ہے آیات اللہ یا خیر یا ہدایت یعنی ان جہنمیوں کے پاس دل تو ہیں مگر وہ ان دلوں سے آیات الٰہیہ نہیں سمجھتے خیر و شر میں فرق نہیں کرتے **ولھم اعین لا یبصرون بھا** یہ عبارت پہلے جملہ **لھم قلوب** پر معطوف ہے اور کثیرا کی دوسری صفت یا حال **اعین** جمع ہے **عین** کی۔ معنی آنکھ **لا یبصرون** کا مفعول **بہ** بھی پوشیدہ ہے آیات اللہ یا دلائل التوحید یا طریق الحق یعنی ان کی آنکھیں ایسی ہیں جو دنیاوی چیزیں دیکھتی ہیں مگر آیات الٰہیہ راہ حق نہیں دیکھتیں حالانکہ وہ ان کے سامنے ہیں **ولھم اذان لا یسمعون بھا** یہ عبارت **لھم اعین** پر معطوف ہے اور کثیرا کی تیسری صفت یا تیسرا حال **اذان** جمع ہے **اذن** کی۔ معنی کان یعنی ان کے پاس ایسے کان ہیں جن سے وہ دنیاوی آوازیں تو سنتے ہیں مگر حق کی آواز نبی کے وعظ اللہ کا کلام نہیں سنتے۔ خیال رہے کہ یہ لوگ سب کچھ دیکھتے سنتے تو تھے مگر پروانہ کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ ان سے فائدہ نہیں اٹھاتے تھے اس لئے ارشاد ہوا کہ وہ دیکھتے سنتے ہی نہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

وعوراء الکلام صممت عنھا! وانی ان اشاء بھا سمیع

خیال رہے کہ ان تینوں جملوں میں دل، آنکھیں، کان ہونے کا ثبوت ہے مگر ان کے کام کی نفی پھر ہر جگہ الگ الگ **لھم** ارشاد ہوا ایک ہی **لھم** پر کفایت نہیں اس سے ان کی اول درجہ کی بدنصیبی بیان فرمائی کہ یہ لوگ اپنے ان اعضاء سے وہ کام نہیں لیتے جن کیلئے یہ اعضاء پیدا کئے گئے صرف دنیاوی کاموں میں صرف کرتے ہیں لہٰذا **اولئک کالانعام** یہ لوگ جانوروں کی طرح ہیں کہ جیسے جانور اپنے ان تینوں اعضاء سے صرف دنیاوی عیش کی چیزیں دیکھتے سنتے سمجھتے ہیں آیات الٰہیہ میں استعمال نہیں کرتے ایسے ہی یہ لوگ ہیں کہ اپنی ساری قوتیں دنیا حاصل کرنے میں ہی صرف کرتے ہیں دنیا کے لئے بڑے عقلمند ہیں مگر آخرت کے لئے بالکل بے وقوف۔ خیال رہے کہ انعام جمع نعم کی۔ معنی چوپایہ جیسے گائے بکری اونٹ بعض نے فرمایا کہ صرف اونٹ نعم ہے۔ **بل ھم اضل** یہاں **بل** ترقی کے لئے ہے یعنی کفار جانوروں سے بڑھ چڑھ کر گمراہ ہیں انہیں جانوروں سے بدتر فرمانے کی چند وجہیں ہیں (1) جانوروں کے دل آنکھ کان میں آیات الٰہیہ سمجھنے دیکھنے سننے کی قوت ہی نہیں ہے اگر وہ نہ سمجھیں تو معذور ہیں کفار کے ان اعضاء میں یہ قوت ہے پھر وہ اس سے کام نہیں لیتے لہٰذا وہ جانوروں سے بدتر ہیں (2) جانور اپنے بھلے برے کو جانتا پہچانتا ہے بھلے کو حاصل کرتا ہے برے سے بھاگتا ہے۔ بھینس سبز چارہ شاملہ کھالیتی ہے دودک (زہریلی بوٹی) پر منہ نہیں لگاتی مگر یہ لوگ مفید و مضر میں کوئی فرق نہیں کرتے سب کو ہضم کرلیتے ہیں (3) جانور اپنے مالک کے اشاروں پر چلتا پھرتا

www.alahazratnetwork.org

الفتاء مقتضا ہے مگر یہ کفار اپنے مالک کے احکام نہیں مانتے۔

ہاں ہاں مانے تک تک مانے اور چکارے ہوئے کھڑا
کے کبیر سنو تھیں ساوھو تجھ مورکھ سے بیل بھلا!

(4) جانور بے سمجھ ہو کر گناہ یا کفر نہیں کرتا کافر سمجھدار ہو کر یہ سب کچھ کر لیتا ہے کسی جانور نے دعوی خدائی نہیں کیا انسان نے کیا (5) جانور اپنے مالک روزی کھلانے والے کو پہچانتا ہے اس کی اطاعت کرتا ہے اس کا مقابلہ نہیں کرتا مگر کافر جس کا کھاتا ہے اس کی نافرمانی بلکہ اس کی غداری کرتا ہے جن وانس کے سوا باقی تمام چیزیں مطیع فرمان ہیں۔

دریغ آدمی زادہ بر محل! کہ باشد چو انعام بل ہم اضل

بہر حال نافرمان انسان جانور سے بدرجہا بد تر ہے۔ **اولئک ھم الغفلون** یہ فرمان عالی گزشتہ فرمان کی وجہ اور علت ہے الغافلون سے مراد ہے پورے غافل یعنی یہ لوگ پورے غافل ہیں انہیں اپنے انجام کی کچھ خبر نہیں۔ جانور اپنی خدمت اپنی ڈیوٹی پر کمربستہ رہتا ہے مگر انہیں کچھ فکر نہیں رب کی نعمتیں کھاتے ہیں مگر ان نعمتوں کا حق تو کیا ادا کر سکتے ہیں ان کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔

خلاصہ تفسیر: ہم نے بہت جن وانس ایسے پیدا کئے ہیں جن کا انجام دوزخ ہے کہ وہ بہر حال دوزخ کے کام کریں گے اور دوزخ میں جائیں گے ان کی حالت یہ ہے کہ ان کے پہلو میں دل ہیں مگر دل سے اللہ کی آیات خیر و شر کی باتیں نبی کی تعلیم کو نہیں سمجھتے ان کی سمجھ صرف دنیا تک محدود ہے اسی طرح ان کے پاس کان ہیں مگر وہ کانوں سے ہدایت کی باتیں نبی کے فرمان غور سے نہیں سنتے سن کر اڑا دیتے ہیں یوں ہی ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر ان آنکھوں سے آیات الہیہ بغور نہیں دیکھتے ان سب اعضاء ان کی قوتوں کو صرف دنیا میں یا کہ نبی کی مخالفت میں صرف کرتے ہیں یہ لوگ صورت میں انسان ہیں سیرت میں جانوروں کی طرح ہیں کہ انہیں سواء کھانے پینے عیش و عشرت کے اور کچھ کام ہی نہیں بلکہ غور کرو تو جانوروں سے بھی بدتر ہیں کہ جانور کھاتا پیتا ہے تو مالک کا کام بھی کرتا ہے معمولی غذا کھا کر بہت بھاری کام انجام دیتا ہے مالک کے اشاروں پر چلتا ہے کوئی جانور کبھی رب کا گناہ نہیں کرتا ان میں یہ کوئی بات نہیں یہ تو بالکل غفلت میں گرفتار ہیں ان کا یہ حال ہے کہ۔

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اگرچہ سارے انسانوں کی پیدائش کا مقصد عبادت الہی ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** مگر ان میں سے بہت کم لوگ اس مقصد کو پورا کرتے ہیں اکثر جن و انس سرکش ہیں جن کا انجام دوزخ ہے۔ یہ فائدہ **ولقد ذرانا لجھنم** سے حاصل ہوا تھوڑے لوگ اللہ رسول کے مطیع ہیں رب فرماتا ہے **وقلیل من عبادی الشکور** بندگان شکر گزار تھوڑے ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: جن وانس کے سوا کوئی مخلوق دوزخ میں سزا پانے کے لئے نہ جائے گی یہ فائدہ **من الجن والانس** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **لاملئن جھنم من الجنۃ والناس اجمعین** **تیسرا اعتراض**: حق یہ ہے کہ مومن صالح جنات کے لئے جنت نہیں جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے جیسا کہ گذشتہ آیۃ میں سورہ احقاف شریف کے حوالہ سے ثابت کیا۔ مومن جنات کی جزا

www.alahazratnetwork.org

یہ ہے کہ وہ دوزخ سے بچ جاویں وہ مٹی کر دیئے جاویں گے۔ **چوتھا فائدہ:** جو زبان حمد الٰہی نعت مصطفوی میں تر نہ ہو وہ گونگی ہے جو کان اللہ رسول کے فرمان نہ سنے وہ بہرے ہیں جو آنکھ اللہ کی آیات حضور کا منہ نہ تکے وہ اندھی ہے جو دل ان میں غور نہ کرے وہ بے عقل ہے اگرچہ دنیاوی کاموں میں وہ بڑا تیز ہو یہ فائدہ **لایفقھون** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ ایسوں کے متعلق فرماتا ہے **صم بکم عمی فھم لایرجعون** اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔

وہ ہے آنکھ ان کا جو منہ تکے وہ ہی لب جو محو ہوں نعت کے
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ان پہ نثار ہے

جو چیز اپنا مقصد پورا نہ کرے وہ برباد کر دی جاتی ہے گائے بھینس جب بالکل سوکھ جائیں تو ذبح کر دی جاتی ہیں بیکار گھڑی پھینک دی جاتی ہے۔ **پانچواں فائدہ:** بندہ مومن فرشتوں سے افضل ہے۔ کافر جانوروں سے بدتر یہ فائدہ **بل ھم اضل** سے حاصل ہوا مومنین کے متعلق رب فرماتا ہے **اولئک ھم خیر البریۃ** اور کافروں کے متعلق فرماتا ہے **اولئک ھم شر البریۃ** کشتی نوح میں جانوروں کے لئے جگہ تھی مگر کافر کنعان کے لئے نہ تھی جو نبی زادہ تھا مومن کے لئے نبی زادگی رحمت ہے کافر کے لئے نبی زادہ ہونا اللہ کا عذاب ہے۔ **چھٹا فائدہ:** غفلت کی زندگی کفار کا طریقہ ہے بیداری ہوشیاری کی زندگی مومن کا طریقہ بعض خوش نصیب سوتے میں بھی جاگتے ہیں بعض بدنصیب جاگتے میں بھی سوتے ہیں بلکہ خوش نصیب مر کر بھی جیتے ہیں بدنصیب جی کر بھی مرے ہوتے ہیں یہ فائدہ **اولئک ھم الغافلون** سے حاصل ہوا۔

بہرہ از مملکت ہست و نصیبے از دیو ترک دیوے کن و بگذر .بفضیلت ز ملک

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اکثر جن و انس دوزخ کے لئے پیدا کئے گئے مگر دوسری جگہ قرآن کریم فرماتا ہے **وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون** سارے جن و انس اللہ کی عبادت کے لئے پیدا ہوئے دونوں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب:** دونوں آیتیں صحیح ہیں یہاں اس آیت میں **لجھنم** میں لام عاقبت اور انجام کا ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں لام مقصد و حکمت کا اللہ تعالیٰ نے سارے جن و انس کو اس مقصد و حکمت سے پیدا فرمایا کہ سب اللہ کی عبادت کریں مگر اکثر نے اس مقصد کو پورا نہ کیا اکثر کا انجام دوزخ ہے کہ انہوں نے بدکاریاں کرکے اپنے کو دوزخ کا مستحق کر لیا جیسے کارخانہ جو تا بناتا ہے پاؤں میں پہننے کے لئے ٹوپی سر پر اوڑھنے کے لئے یہ ہے ان کے بنانے کا مقصد کوئی پاگل جو تا سر سے باندھ لے ٹوپی پاؤں میں پہن لے یہ ہوا ان دونوں کا غلط انجام جو خود پہننے والے کی اپنی غلطی کا نتیجہ ہے لام انجام کی مثال اس آیت میں ہے **ربنا انک اتیت فرعون وملاءہ زینتہ واموالاً فی الحیوۃ الدنیا ربنا لیضلوا عن سبیلک** دیکھو رب تعالیٰ نے فرعونیوں کو مال دیا تھا نیکیاں کرنے کے لئے مگر فرمایا گیا **لیضلوا عبادک** تاکہ تیرے بندوں کو گمراہ کریں یہ ہوا ان کا اپنا استعمال اور مال کا انجام۔

لہ ملک ینادی کل یوم لدوا للموت و ابنوا للخراب

جنے جاؤ موت کے لئے عمارتیں بنائے جاؤ بربادی کے لئے موت اور بربادی ان چیزوں کا انجام ہے دوسرا شاعر کہتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

و للموت تغذوالوالدات سخی لها　　　كما لخراب الدهر تبنی المساكن
اموالنا لذوی المیراث نجمعها　　　ودورنا لخراب الدهر نبنیها
وام سماک فلا تجزعی　　　فللموت ما تلد الوالده

ان سب اشعار میں لام انجام کے ہیں ورنہ کوئی شخص وارثوں کے لئے مال جمع نہ کرتا مگر اس کا انجام یہ ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض** اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے تو چاہئے تھا کہ زیادہ جن وانس جنتی ہوتے تھوڑے دوزخی مگر معاملہ بر عکس ہے۔ **جواب:** واقعی دوزخی بہت ہی تھوڑے ہیں کیونکہ سارے فرشتے حور وغلمان اور دوسری مخلوق جن انس سے کہیں زیادہ ہیں ان میں سے کوئی دوزخی نہیں صرف جن وانس ہی کافر دوزخی ہیں ساری مخلوق کو ملا کر دیکھو تو دوزخی بہت ہی تھوڑے ہیں (روح البیان) اس کی رحمت واقعی غضب پر زیادہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس میں کیا حکمت ہے کہ دوسری مخلوق میں کوئی دوزخی نہیں مگر جن وانس میں دوزخی زیادہ ان دونوں گروہوں میں یا تو دوزخی ہوتے ہی نہیں یا ہوتے تو مگر بہت کم ہوتے۔

جواب: اس میں صدہا حکمتیں ہیں ہم صرف دو حکمتیں عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ اس میں رب تعالیٰ کی بڑی بے نیازی کا اظہار ہے کہ انسان جو اشرف الخلق ہے جس میں نبی رسول آئے اسی کا بر عکس یہ ہے کہ دوزخ بھی اس سے بھری جاوے گی یہ اونچا ہے تو بہت اونچا نیچا ہے تو بہت نیچا کوئی اپنی بلندی اور اونچائی پر ناز نہ کرے اس کی پناہ مانگے دوسرے یہ کہ دنیا میں اعلیٰ چیز کم ہوتی ہے ادنیٰ چیز زیادہ سونا کم ہے ریت بہت زیادہ دودھ دہی کم ہے پانی زیادہ اگر اعلیٰ چیز بھی ادنیٰ کی طرح زیادہ ہوتی تو اس کی قدر نہ ہوتی۔

اگر ہر شب شب قدر بودے　　　شب قدر بے قدر بودے

جسم میں بال بہت ہیں مگر دل دماغ صرف ایک ایک اسی قاعدے سے مومن جنتی تھوڑے ہیں کافر دوزخی زیادہ تاکہ وہ زیادہ ان تھوڑوں کا فدیہ بنیں (بیان)۔ **چوتھا اعتراض:** جب جنات کی پیدائش آگ سے ہے **خلقتنی من نار و خلقتہ من طین** تو انہیں دوزخ کی آگ میں تکلیف کچھ بھی نہ ہوگی آگ میں آگ مل جاوے گی۔ **جواب:** جیسے انسان مٹی سے بنا ہے مگر اسے مٹی سے تکلیف پہنچ جاتی ہے کہ ڈھیلا مارو تو زخمی بلکہ مردہ ہو جاتا ہے اسے مٹی میں دبا دو تو دم گھٹ کر مرجاتا ہے یوں ہی جنات کو دوزخ کی آگ سے تکلیف ہوگی یوں کہو جیسے انسان مٹی سے بنا ہے مگر مٹی ہے نہیں گوشت پوست وغیرہ ہے یوں ہی جنات آگ سے بنے ہیں مگر وہ آگ ہیں نہیں ان کے اجسام ہیں لہٰذا یہ بدلی ہوئی آگ اسی موجودہ آگ سے تکلیف پائے گی یا یوں کہو کہ عذاب روح کو ہوگا اور روح آگ سے نہیں بنی جیسے ہمارے مٹی کے قالب میں روح رہ کر مٹی سے ایذا پاتی ہے ایسے ہی آگ کے قالب میں رہ کر آگ سے تکلیف پائے گی (روح المعانی)۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے پاس دل، کان، آنکھیں ہیں مگر وہ نہ تو سمجھتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں حالانکہ یہ تو واقع کے خلاف ہے وہ تو خوب سمجھتے بولتے دیکھتے ہیں۔ **جواب:** جن چیزوں کے سمجھنے سننے دیکھنے کے لئے یہ اعضاء دیئے گئے تھے وہ باتیں نہیں سمجھتے نہیں سنتے نہیں دیکھتے اگرچہ اور سب کچھ سمجھتے دیکھتے ہیں لہٰذا وہ نادان بہرے اندھے ہوئے جو گائے بھینس دودھ نہ دے، کھائے خوب اور گوبر پیشاب خوب کرے وہ ذبح کر دی جاتی ہے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیۃ کریمہ میں کفار کو جانوروں سے بدتر کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اس

www.alahazratnetwork.org

کی بت وبھیں ابھی تفسیر میں بیان کی گئیں جو اشرف ہو کر ادنیٰ بن جاوے اس سے بدتر ہے جو ادنیٰ ہو اور ادنیٰ رہے۔ جو نوری ہو کر ناری بن جاوے وہ اس سے بدتر ہے جو خاکی ہو کر خاکی رہے اور خاک میں مل جاوے۔

نور الہ گر نہ ہو انساں میں جلوہ گر — کیا قدر اس خمیرہ ماء مدر کی ہے
نور الہ کیا ہے محبت حبیب کی! — جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

گائے بھینس جئیں تو اپنے دودھ گھی سے نفع پہنچائیں مریں تو اپنے گوشت ہڈی بال وغیرہ سے نفع دیں یہ بدنصیب انسان جئے تو مخلوق کو ستائے مرے تو دو گز زمین گھیرے اس کا گوشت پوست وغیرہ سب بیکار۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کا دل ایک صاف آئینہ ہے غفلت و انکار اس کے گرد و غبار جن سے یہ دھندلا ہو کر آخر کالا ہو جاتا ہے تصدیق اور رجوع الی اللہ اس آئینہ کی میقل ہے دل قرآن کے صاحب قرآن بلکہ رحمان کے رہنے کی جگہ ہے آنکھیں کان زبان قرآن کی گزرگاہیں ہیں ان سب کو صاحب قرآن کے لائق رہو سلطان گندی جگہ میں رہتا نہیں گندے راہ سے گزرتا نہیں۔

غبار ہوا چشم غفلت بدوخت — سموم ہوا کشت عمرت بسوخت
بکن سرمہ غفلت از چشم پاک — کہ فردا شوی سرمہ در چشم خاک
در چشم از پئے صنع باری نکوست — زعیب برادر فرو گیر دوست
گزرگاہ قرآن و پند است گوش — بہ بہتان و باطل شنیدن مکوش

لفار عاقلین نے اپنے یہ اعضاء غفلت اور گناہوں کی کثرت سے بیکار کر دیئے یہ ہی اعضاء ہدایت کا ذریعہ تھے اب انہیں ہدایت ملے تو کیسے اب ان کے دل حضور انور کی باتیں سمجھتے ہیں تردید کرنے کے لئے حضور کے معجزات دیکھتے سنتے ہیں مگر انکار کرنے کے لئے یہ سننا نہ سننے و دیکھنا نہ سمجھنے سے بدتر ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق رنگ برنگی پیدا کی ہے بعض لوگ قرب و محبت کے لئے پیدا ہوئے وہ اہل اللہ ہیں اللہ کے حسن و جمال کے مظہر وہ اللہ کی طاقت سے اللہ کی خبریں سمجھتے دیکھتے سنتے ہیں وہ رب کا کمال پہچانتے کلام سنتے جمال دیکھتے ہیں۔ بعض لوگ جنت کے لئے پیدا کئے گئے وہ دلائل قدرت سمجھتے دیکھتے بولتے ہیں بعض دوزخ کے لئے پیدا کئے گئے وہ جانوروں سے بدتر ہیں کیونکہ جانوروں میں تو یہ استعداد تھی نہیں ان بدنصیبوں میں تھی مگر ضائع کر دی۔ جو دل کاشانہ یار ہونا چاہئے تھا اسے انہوں نے پاخانہ اغیار بنا لیا (روح البیان) اللہ تعالیٰ ہم کو پہلی جماعت سے بنائے کہ وہ ہمارا ہو ہم اس کے ہوں۔ بڑا جرم غفلت ہے بڑی نیکی عزلت یعنی خلق سے علیحدگی۔ جس مکان میں مکین نہ ہو وہ برباد ہے۔ جس دوکان میں سودا نہ ہو وہ بے کار۔ جس مسجد میں نمازی نہ ہو وہ ویران۔ جس دل میں اللہ کا خوف رسول اللہ کا عشق نہ ہو وہ ویران ہے۔

آباد وہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے — جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

ہر چیز کی آبادی الگ الگ سامان سے ہوتی ہے رب تعالیٰ ہمارے دل آباد کرے ویران گھر میں سانپ بچھو کوڑا رہتا ہے۔ جس دل میں وہ نہ رہیں اس میں حسد بغض وغیرہ ہزارہا کوڑے کچرے رہتے ہیں حضور کعبہ میں آئے بت وہاں سے بھاگے اس کعبہ دل میں حضور آجاویں تو عیوب نکل جاویں سارے کمالات حاصل ہو جاویں۔ جس جسم میں جان پڑ جاوے اسے آنکھوں کا نور کانوں کی قوت سامعہ دل کی دھڑکن نبض کی حرکت زبان میں بولنے کی طاقت سب کچھ میسر ہو جاتی ہے اگر جان نکل جاوے تو یہ ساری

www.alahazratnetwork.org

طاقتیں ختم ہو جاتی ہیں ایسے ہی جس دل میں وہ جانِ ایمان جلوہ گر ہو جاویں تو ساری خوبیاں اسے مل جاتی ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا ۖ وَذَرُوا الَّذِيْنَ يُلْحِدُوْنَ فِيْٓ اَسْمَآ
اور ہیں اللہ کے ہی بہترین نام پس پکارو اسے ان ناموں سے اور چھوڑ دو ان کو جو بے دینی
اور اللہ ہی کے ہیں بہت اچھے نام تو اسے ان سے پکارو اور انہیں چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں
ئِهٖ ۭ سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸۰﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ
کرتے ہیں ناموں میں اس کے عنقریب سزا دیئے جائیں گے اس جرم کی جو وہ کرتے تھے۔ اور ان میں سے جنہیں
حق سے نکلتے ہیں وہ جلد اپنا کیا پائیں گے اور ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتائیں
بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ ﴿۱۸۱﴾
پیدا کیا ہم نے ایک گروہ ہے جو ہدایت دیتے ہیں ساتھ حق کے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔
اور اس پر انصاف کریں جو ہدایت دیتے ہیں ساتھ حق کے اور اس کے ساتھ انصاف کرتے ہیں۔

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ دوزخی جن وانس میں وہ ہیں جو غافل ہوں یعنی اللہ کے ذکر سے غافل ہوں اب ارشاد ہے کہ اے لوگو غافل نہ رہو اللہ کا ذکر کرو اس کے اچھے نام ہیں ان سے اسے یاد کرو گویا دوزخی ہونے کی وجہ کا ذکر پہلے ہوا جنتی ہونے کے ذریعہ کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیۃ میں ارشاد ہوا کہ دوزخیوں کے پاس دل' آنکھیں' کان تو ہیں مگر بے کار اب ارشاد ہے کہ ان اعضاء کو کار آمد بناؤ کہ ان سے یار کو یاد کرو اس کے پیارے ناموں سے اس کے عزت والے عظمت والے ناموں کو سمجھو بولو اور سنو گویا اس آیت میں اس چیز کا ذکر ہے جس سے ہمارے اعضاء کار آمد ہیں یعنی اللہ کا ذکر اس کے اچھے ناموں سے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ جسے اللہ ہدایت دے وہ ہی ہدایت یافتہ ہیں اب ارشاد ہے کہ اس سے ہدایت لینے کا ذریعہ اسے اچھے ناموں سے یاد کرنا یاد رکھنا ہے۔

آباد وہ ہی دل ہے کہ جس میں تمہاری یاد ہے — جو یاد سے غافل ہوا ویران ہے برباد ہے

شانِ نزول: ایک صحابی نے نماز کے بعد یا اللہ یا رحمٰن کہہ کر رب سے دعا کی تو ایک کافر غالباً وہ ابو جہل تھا اپنے یاروں سے بولا کہ **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی دعوی تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایک اللہ کی عبادت کرتے ہیں مگر وہ پکارتے ہیں دو معبودوں کو اللہ کو اور رحمان کو اس کی تردید اور ان صحابی کی تائید میں یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن و روح البیان)۔

تفسیر: **وللہ الاسماء الحسنی** اس عبارت میں لام خصوصیت کا ہے اور **للہ** خبر مقدم ہے اور **الاسماء**

www.alahazratnetwork.org

الحسنیٰ پچھلا مبتدا جس سے حصر کا فائدہ ہوا لہٰذا اس عبارت کے چند معنی ہوئے (1) صرف اللہ تعالیٰ کے نام ہی اچھے ہیں جو اس نے خود اپنے لئے معین فرمائے اور نبیوں کے ذریعے اپنے بندوں کو بتائے۔ باقی رب کے جو نام اور لوگوں نے اپنی عقل سے گھڑ لئے وہ اچھے نہیں اس کے اچھے ناموں سے اسے یاد کرو ان خود ساختہ ناموں سے بچو (2) اللہ تعالیٰ کے نام صرف اچھے نام ہی ہیں برے نام اس کے نام ہی نہیں اچھے ناموں سے اسے یاد کرنا ذکر اللہ ہے جس پر ثواب ہے۔ برے ناموں سے یاد کرنا جرم و گناہ ہے (3) اچھے نام صرف وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ ہیں دوسروں کے خود ساختہ نام اچھے نہیں اس نے اپنے جس بندے جس قوم کو جو نام دیئے وہ اچھے ہیں اس کے مقابلہ میں جو کسی کا نام رکھا جاوے وہ برا ہے پہلے دو معنی قوی ہیں کہ اگلے مضمون کے بالکل مطابق ہیں تیسرے معنی بعید ہیں کہ ان کا تعلق اگلے مضمون سے کسی قدر تاویل سے ہو گا اسماء جمع ہے اسم کی یہاں اسم بمعنی نام ہے خواہ علم ہو یا اسم اور علم خواہ علم ذات ہو یا علم صفات یا علم افعال غرضکہ یہاں اسم نہ تو فعل کا مقابل ہے نہ علم کا حسنیٰ مونث ہے احسن کا چونکہ اسماء جمع تھا اس لئے اس کی صفت الحسنیٰ مونث آئی نام کا اچھا برا ہونا اس کے معنی کے اچھے یا برے ہونے سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کی ذات ایک ہے مگر اس کے صفات بے شمار لہٰذا اس کا اسم ذات ایک ہے اللہ باقی اسماء صفاتیہ بے شمار رحمان رحیم وغیرہ پھر اسماء صفاتیہ کی بہت قسمیں ہیں کیونکہ صفات کی بہت قسمیں ہیں صفات حقیقیہ، صفات اضافیہ، صفات سلبیہ وغیرہ لہٰذا الاسماء الحسنیٰ ایک دریا ہے ناپید اکنار **فادعوہ بہا** یہ عبارت یا تو ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **لما کان کذالک** تو ف جزائیہ ہے یا پہلے جملہ **وللہ** پر معطوف ہے اور ف عاطفہ ہے جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر جائز ہے **ادعوا** بنا ہے دعاء سے۔ بمعنی پکارنا یا۔ بمعنی دعا مانگنا یعنی جب اس کے نام سارے اچھے ہیں تو اسے انہیں اچھے ناموں سے پکارو یا انہیں اچھے ناموں سے اس سے دعا مانگو مگر خیال رہے کہ جیسی دعا مانگنا ہو اسے ویسے ہی نام سے پکارو یا رزاق ہم کو روزی دے اے رحمان ہم پر رحم کر اے شافی الامراض بیماروں کو شفا دے اے قہار کفار کو ہلاک کر یہ نہ کہو اے قہار ہم پر رحم کر یا اے رحمان

کفار پر غضب کر غرضیکہ جیسی حاجت کے لئے عرض کرنا ہو ویسے ہی نام سے اسے پکارو **وذروا الذین یلحدون فی اسمائہ** یہ دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت **فادعوا** پر معطوف ہے **ذرو** کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ وہ امر ہے جس کا مصدر یا ماضی وغیرہ نہیں آتا صرف مضارع اور امر و نہی ہی آتا ہے جیسے **وتذرون ماخلق لکم ربکم** یا جیسے **لا تذرن ودا ولا سواعا** "**الذین**" سے پہلے تسمیہ پوشیدہ ہے۔ (مدارک) الذین سے مراد کفار مشرکین اور تمام وہ لوگ ہیں جو رب تعالیٰ کے نام اپنی رائے سے رکھتے اس میں فلاسفہ بھی داخل ہیں جو رب تعالیٰ کو مبداء فیاض، علت، مستقد وغیرہ کہتے ہیں۔ یلحدون بنا ہے لحد سے۔ میل کجی یا کج روی اس لئے بغلی قبر کو لحد کہتے ہیں کہ وہ سیدھی نہیں ہوتی بلکہ ایک طرف کو بھری ہوتی ہے ملحد۔ بمعنی عادی عن الحق۔ رب فرماتا ہے **ومن یرد فیہ بالحاد**۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کج روی کی تین صورتیں ہیں (1) اللہ تعالیٰ کے خاص نام کسی مخلوق کو دینا جیسے کفار عرب اپنے بتوں کو لات، عزیٰ، منات کہتے یعنی الٰہ سے لات عزیز سے عزیٰ، منان سے منات یا جیسے مسیلمہ کذاب نے اپنا نام رحمان رکھ لیا تھا (2) خدا تعالیٰ کے وہ نام رکھنا جو اس کی شان کے خلاف ہیں جیسے اسے ابو المسیح یعنی مسیح کا باپ کہنا یا اسے روح القدس کہنا یا اسے رام، ایشور، پر بھو پرماتما کہنا حتیٰ کہ جو نام لغۃً درست بھی ہوں مگر ان کا استعمال کرنا رب کی بے ادبی ہو وہ بھی اس میں داخل ہیں اسے **ربنا** یا کہ رب الکعبہ یا کہ رب

www.alahazratnetwork.org

محمد کہو اسے رب الحمر یا رب کلاب نہ کہو کہ اگرچہ وہ کتے گدھے کا خالق ہے مگر ان کی طرف نسبت کرنا اس کی بے ادبی ہے (3) جن ناموں کے معنی معلوم نہ ہوں یوں ہی جن ناموں کے معنی اعلیٰ بھی ہوں ادنیٰ بھی وہ رب تعالیٰ کے لئے بولنا یہ بھی الحاد فی الاسماء ہے لہذا اسے شافی کہو طبیب نہ کہو یوں ہی اسے عالم کہو معلم نہ کہو اسے ذارع کہو حارث نہ کہو کہ حارث کسان کو بھی کہتے ہیں یوں ہی معلم اور طبیب پیشہ ور مدرسین اور حکیم ڈاکٹروں کو کہا جاتا ہے (تفسیر کبیر و خازن' معانی وغیرہ) یہ بھی یاد رکھو کہ بعض صفات رب تعالیٰ کے لئے قرآن مجید سے ثابت ہیں مگر ان کے الفاظ رب تعالیٰ کا نام نہیں بن سکتے دیکھو مکروا و مکر اللہ یوں ہی **یخادعون اللہ و ھو خادعھم** یوں بھی **قل ای شی اکبر شھادۃ قل اللہ** قرآن مجید میں ہے مگر اسے مکار یا خادع یا شی نہیں کہہ سکتے (روح المعانی) اس کی پوری تفصیل تفسیر کبیر و روح المعانی و روح البیان وغیرہ میں اسی جگہ دیکھو **سیجزون ما کانوا یعملون** یہ رب تعالیٰ کے ناموں میں الحاد کرنے کی سزا کا بیان ہے اور مسلمانوں کو تنبیہ ہے کہ اس حرکت سے بچو ایسا نہ ہو کہ وہ بھی اس سزا کے مستحق ہو جاویں یعنی رب کے ناموں میں کجروی کرنے والے عنقریب سزا دیئے جائیں گے یا تو برزخ اور آخرت میں یا دنیا میں بھی غرضکہ اللہ کے ناموں میں کج روی کرنے والے کا انجام برا ہے **وممن خلقنا امۃ** اس سے پہلے کافرین غافلین ملحدین کا ذکر ہوا اس کے مقابل ہادین مہتدین عادلین کا ذکر ہے یہ جملہ **ولقد ذرانا** پر معطوف ہے لہذا واؤ عاطفہ ہے اس میں **من** بعضیت کا ہے اور **من** سے مراد یا تو انسان ہیں یا جن وانس دونوں یہاں **امۃ** سے مرا امت محمدیہ ﷺ ہے چنانچہ ابن جریر وغیرہ نے ابن جریج سے روایت کی کہ حضور ﷺ نے یہ آیت تلاوت کی اور فرمایا **ھذہ امتی** یہ میری امت ہے انہیں ابن جریر نے جناب قتادہ سے روایت کی کہ حضور ﷺ جب بھی یہ آیت پڑھتے تو فرماتے **ھذہ لکم** یہ آیت تم لوگوں کے لئے ہے (روح المعانی) خیال رہے کہ یہ ہی آیت امت موسوی کے لئے بھی آئی ہے **ومن قوم موسیٰ امۃ یھدون بالحق وبہ یعدلون** مگر وہاں بھی وہ ہی موسوی لوگ مراد ہیں جو حضور انور پر ایمان لا کر مسلمان ہو گئے **یھدون بالحق** یہ عبارت **امۃ** کی صفت ہے **یھدون** بنا ہے ہدی سے بمعنی رہبری کرنا ہدایت کرنا اہتدا ہدایت پانا حق کے معنی اس کے اقسام اور حق و صدق میں فرق بارہا بیان ہو چکے ہیں **وبہ یعدلون** یہ عبارت **یھدون** پر معطوف ہے اور **امۃ** کی دوسری صفت **یھدون** میں عام امت کا ذکر ہے اور **بہ یعدلون** میں خاص کا یعنی حکام' سلاطین اور علماء کا یعنی ہماری مخلوق میں وہ لوگ بھی جو لوگوں کو حق کی ہدایت کرتے ہیں اور اگر وہ حاکم یا سلطان یا عالم یا شیخ بن جاویں تو حق سے ہی فیصلے اور انصاف کرتے ہیں حق سے مراد قرآن مجید ہے یا قرآن و حدیث اجماع و قیاس سب کچھ یا حق سے مراد ذات پاک مصطفیٰ ﷺ۔

خلاصہ تفسیر اللہ تعالیٰ کے مبارک ناموں کا ذکر قرآن مجید کی چار سورتوں میں ہے پہلی سورۃ تو یہ اعراف اس کی یہ آیتہ دوسری سورہ بنی اسرائیل کا آخری رکوع **قل ادعوا اللہ او ادعوا الرحمٰن ایاما تدعو فلہ الاسماء الحسنیٰ**۔ تیسری سورہ طٰہٰ کا پہلا رکوع **اللہ لا الہ الا ھو لہ الاسماء الحسنیٰ** چوتھے سورہ حشر کا آخر **ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ** (کبیر) چنانچہ یہاں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کے نام بہت اچھے ہیں یا اللہ تعالیٰ کے سارے نام اچھے ہی ہیں کہ ہر نام کے معنی بہت اعلیٰ ہیں لہذا اے لوگو اسے انہیں ناموں سے پکارو یہ نام تم کو نبی

www.alahazratnetwork.org

کے ذریعے ملیں گے ان ناموں کو چھوڑ دو جو ٹیڑھے چلنے والوں نے اس ذات کریم کے لئے اپنی طرف سے گھڑ لئے چنانچہ رحمن رحیم کریم وغیرہ کہو ا۔ ے رام کشن یا پر بھو وغیرہ نہ کہو اس کے ناموں میں ایسے کج رو لوگ عنقریب برزخ و آخرت میں یا دنیا میں بھی سخت سزا دیئے جائیں گے۔ خیال رکھو کہ بہت جن وانس دوزخی ہیں جو دوزخیوں کے سے کام کرتے ہیں مگر لوگوں میں ایک جماعت یعنی امت محمدیہ ایسی ہے، جو ہمیشہ دوسروں کو حق یعنی قرآن و حدیث کی یا حضور محمد مصطفٰے ﷺ کی طرف ہدایت دیتی ہے اور اگر وہ سلطان حاکم یا عالم بن جاوے تو حق سے ہی فیصلہ کرتی ہے انہیں کی برکت سے دنیا قائم ہے یہ جماعت تاقیامت رہے گی۔

اللہ تعالے کے نام

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ننانوے (99) نام ہیں، جو انہیں یاد کرے یاد رکھے وہ جنتی ہے۔ وہ نام شریف یہ ہیں۔ **ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو' الرحمٰن' الرحیم' الملک' القدوس' السلام' المومن' المھیمن' العزیز' الجبار' المتکبر' الخالق' الباری' المصور' الغفار القھار' الوہاب' الرزاق' الفتاح' العلیم' القابض' الباسط' الخافض' الرافع' المعز' المذل' السمیع' البصیر' الحکم' العدل' اللطیف' الخبیر' الحلیم' العظیم' الغفور' الشکور' العلی' الکبیر' الحفیظ' المقیت' الحسیب' الجلیل' الکریم' الرقیب' المجیب' الواسع' الحکیم' الودود' المجید' الباعث' المحی' الممیت' الحی' القیوم' الواجد' الماجد' الواحد' الصمد' القادر' المقتدر' المقدم' الموخر' الاول الاخر' الظاہر' الباطن' الوالی' المتعالی' البر' التواب' المنتقم' العفو' الروف' مالک الملک' ذوالجلال و الاکرام' المقسط' الجامع' الغنی' المغنی' المانع' الضار' النافع' النور' الھادی' البدیع' الباقی' الوارث' الرشید' الصبور۔** عمل: جو شخص دعا اس طرح مانگے کہ اولا" کہے **اللھم انی اسئلک یا رحمٰن یا رحیم** پھر سارے نام شریف پڑھے پھر ناموں کے بعد پڑھے **ان تصل علٰی سیدنا محمد و الہ و ان ترزقنی و جمیع من یتعلق بی بتمام نعمتک و دوام عافیتک یا ارحم الراحمین۔** پھر دعا مانگے انشاء اللہ بامراد ہو گا کبھی دعا رد نہ ہو گی (روح البیان)

خیال رہے کہ رب تعالیٰ کے یہ ننانوے نام تو وہ ہیں جن کے یاد کرنے ورد رکھنے پر جنت کا وعدہ ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے اور بہت نام ہیں چنانچہ ابوبکر بن عربی بعض صوفیاء سے روایت کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ کے کل نام ایک ہزار ہیں بعض نے فرمایا کہ اس کے نام چار ہزار ہیں بعض نے فرمایا کہ رب کے نام بے شمار ہیں نہ ہماری حاجتوں کی انتہا نہ اس حاجت روا کے ناموں کی حد۔ یہ ہی قوی ہے (روح المعانی) یہ بھی خیال رہے کہ حضور ﷺ کے اتنے ہی نام ہیں جتنے رب تعالیٰ کے نام ہیں (مدارج النبوۃ) کیونکہ گنہگار لئیم ایک ہے اور کریم دو اللہ کریم اس کے نبی کریم۔

www.alahazratnetwork.org

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

نہ ہماری عجز وانکساری کی حد نہ کریموں کے ناموں کا شمار

اللہ کے ناموں کے احکام: اللہ کے ناموں کے متعلق چند قوانین یاد رکھنے چاہئیں۔ جو بہت مفید ہیں (1) اللہ تعالیٰ کا ایک نام ذاتی ہے یعنی اللہ باقی نام صفاتی جیسے زبان عبرانی میں ایل اللہ کا ذاتی نام تھا باقی صفاتی اسی سے ہے اسرائیل 'جبرائیل' میکائیل وغیرہ۔ عربی اور عبرانی زبانوں کے سواء کسی زبان میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام کوئی نہیں۔ لفظ اللہ کے ذاتی نام ہونے کے دلائل ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر میں بسم اللہ کے تحت بیان کر چکے کہ اللہ ہمیشہ موصوف ہو کر آتا ہے کسی اسم کی صفت ہو کر نہیں آتا نیز یہ کسی سے مشتق نہیں۔ دوسرے نام مشتق ہیں اس کی تحقیق میں عقل حیران ہے وغیرہ (2) قوی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نام توقیفی ہیں یعنی اس کو صرف ان ہی ناموں سے یاد کیا جاوے۔ جو قرآن مجید یا حدیث شریف میں مذکور ہیں یا جن پر امت رسول اللہ کا اجماع ہو گیا کہ علماء و مشائخ نے وہ نام اختیار کیا جیسے لفظ خدا کہ تمام علماء و مشائخ نے یہ نام اختیار کیا کسی نے اس کا انکار نہ کیا (روح المعانی)۔ (3) اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام بہت ہیں جن کا شمار نہیں مگر وہ چند قسم کے ہیں بعض وہ جو صفات حقیقیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے موجود وغیرہ بعض وہ جو صفت اضافیہ پر دلالت کرتے ہیں جیسے اول آخر یا جیسے سمیع 'بصیر' علیم وغیرہ بعض صفات سلب والے جیسے غنی 'صمد وغیرہ اور بھی اقسام ہیں۔ جو یہاں ہی تفسیر کبیر نے وغیرہ بیان فرمائیں۔ (4) اللہ تعالیٰ کے نام تو توقیفی ہیں مگر اس کی صفات توقیفی نہیں ہر شخص اپنے جذبہ کے مطابق اس کی حمد و ثنا کرے مگر ایسی حمد کرے۔ جو اس کی شان کے خلاف نہ ہو دیکھو حضور ﷺ نے رب تعالیٰ کو حیی یعنی حیاوالا ستیر یعنی پردہ پوش فرمایا مگر یہ دونوں لفظ اللہ کے نام نہیں اس کی صفات ہیں (روح المعانی) (5) اللہ تعالیٰ کے بعض نام مشترک ہیں۔ جو بندوں کے نام ہیں اور رب کے بھی مگر مختلف معنی سے جیسے علی 'کبیر' سمیع 'بصیر' کریم 'رحیم' عزیز 'لطیف' خالق وغیرہ۔ تفسیر کبیر نے خالق کو اسماء مشترکہ سے مانا اس کے بعض نام خاص ہیں۔ رب تعالیٰ کے ساتھ مخلوق پر نہیں بولے جاتے جیسے رحمن قدیم' واجب الوجود' ارحم الراحمین' اکرم الاکرمین' خالق السموات والارضین وغیرہ (6) بعض صفات اللہ تعالیٰ کے لئے قرآن یا حدیث سے ثابت ہیں مگر ان کو اللہ تعالیٰ کا نام نہیں کہا جا سکتا جیسے شئی 'حارث' زارع' رامی' مستہزی وغیرہ (روح المعانی) (7) جس لفظ کے معنی معلوم نہ ہوں یوں ہی جس لفظ کے معنی اعلیٰ بھی ہوں ادنیٰ بھی وہ اللہ تعالیٰ کے لئے نہ بولو لہذا اسے جوادو کہو سخی نہ کہو اسے شافی الامراض کہو طبیب نہ کہو (کبیر) حتی کہ اعلحضرت قدس سرہ نے فرمایا کہ اللہ میاں نہ کہو کہ لفظ میاں عورت کے شوہر کو بھی کہا جاتا ہے (8) اللہ تعالیٰ کے بہت سے ناموں کے اول میم آتا ہے جیسے منان' مالک' ملک' مقتدر وغیرہ۔ جو اسے اللھم کہہ کر پکارے اس نے گویا ان تمام ناموں سے پکارا اسی لئے اکثر دعاؤں کے اول اللھم کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے **قل اللھم مالک الملک**۔ (9) جو شخص اپنی دعا میں پانچ بار **ربنا** کہہ کر رب کو پکارے انشاء اللہ اس کی دعا قبول ہو گی دیکھو قرآن مجید میں ایک جگہ پانچ بار **ربنا** ہے **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** اس کے بعد ہے **فاستجاب لھم ربھم** (10) اسم اپنے مسمی کا عین نہیں ہوتا بلکہ غیر ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ ایک ہے مگر اس کے نام بہت اگر نام مسمی کا عین ہو تو لازم آتا کہ اللہ تعالیٰ نعوذ باللہ بہت ہوں (تفسیر کبیر)۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے بہت نام ہیں مگر سارے ناموں کے

www.alahazratnetwork.org

معنی بہت ہی اچھے ہیں اس کا کوئی بے معنی نہیں یوں ہی کسی کے معنی برے نہیں یہ اسلام کی خصوصیت ہے کہ اس میں رب کے نام نہایت نفیس معنی والے ہیں دوسرے مذہبوں میں رب کے نام یا تو بے معنی ہیں جیسے ہندوؤں کے ہاں اوم خدا نام ہے مگر یہ گیت شروع کرنے کی ایک آواز ہے جس سے گویا اپنی سرتال درست کرتا ہے اس کے لغوی معنی کوئی نہیں یا ان کے معنی رب کی شان کے خلاف جیسے عیسائیوں کے ہاں رب کو آسمانی باپ یا روح القدس کہا جاتا ہے یہ فائدہ **الاسماء الحسنی** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: اللہ کو پکارنا یوں ہی اس کو پکار کر دعا مانگنا رب کو بہت پسند ہے یہ فائدہ **فادعوہ بہا** کی دو تفسیروں سے حاصل ہوا کہ دعا کے معنی پکارنا بھی ہیں اور دعا مانگنا بھی یہ پکارنا اپنی عبدیت اس کی ربوبیت کے اظہار کے لئے ہے نہ اس لئے کہ وہ ہم سے بے خبر ہے جب ہم اسے پکاریں گے تو اسے خبر ہوگی۔ **تیسرا فائدہ**: حاجت مند اپنی حاجت کے مطابق اسے نام سے پکارے اس لئے اس کے نام بہت ہیں کیونکہ ہمارے کام ہماری حاجتیں بہت ہیں یہ فائدہ بھی **فادعوہ بہا** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی ادنیٰ سے ادنیٰ توہین یا اسے معمولی نام سے پکارنا یا اللہ کے نام کسی مخلوق کو دینا کفر ہے یہ فائدہ **یلحدون فی اسمائہ** سے حاصل ہوا بعض جاہل پیر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے بے ادب گستاخ ہوتے ہیں ان سے دور بھاگو حتی کہ اسے عاقل، طبیب، فقیہ، سخی نہ کہو (تفسیر کبیر) بعض لوگ اللہ میاں کہتے ہیں یہ بھی غلط ہے اسے اللہ تعالیٰ کہو۔ **پانچواں فائدہ**: انشاء اللہ دنیا میں ہمیشہ حق پرستوں کی جماعت رہے گی دنیا میں ان سے خالی نہ ہوگی اس کو باطل پرست دبا یا مٹا نہ سکیں گے یہ فائدہ **امتہ یہدون بالحق** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: اہل حق جس مسئلہ پر اجماع و اتفاق کرلیں وہ حق ہے اجماع مسلمین معتبر ہے یہ فائدہ **وبہ یعدلون** سے حاصل ہوا (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ)۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ خالق مشترک ناموں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ کا بھی نام ہے اور بعض بندوں کا بھی تو خدا تعالیٰ کے سواء کوئی اور بھی خالق ہے یہ تو صریحی شرک ہے۔ **جواب**: یہ اسی مقام پر تفسیر روح المعانی نے فرمایا ہے مگر اللہ تعالیٰ خالق ہے بمعنی ہستی بخشنے والا نیست کو ہست کرنے والا پیدا کرنے والا بندہ خالق ہے بمعنی صورت گھڑنے والا شکل بنانے والا۔ رب فرماتا ہے **وتخلقون افکا** اور فرماتا ہے **اخلق لکم من الطین کہیئۃ الطیر** اور فرماتا ہے **فتبارک اللہ احسن الخالقین** ان سب آیتوں میں خلق بمعنی صورت گری ہے جیسے رب اللہ تعالیٰ کا نام ہے بمعنی حقیقی پالنے والا مگر قرآن مجید میں بعض بندوں کو رب فرمایا گیا ہے جیسے کہ **کما ربیانی صغیرا** یا جیسے **ارجع الی ربک** یہاں رب سے مراد مجازی عارضی پرورش کرنے والا۔ **دوسرا اعتراض**: عام مسلمان اللہ تعالیٰ کو خدا کہتے ہیں یہ نام نہ قرآن مجید میں آیا ہے نہ حدیث شریف میں یہ بھی اس آیت کی زد میں آتا ہے **یلحدون فی اسمائہ** اللہ کے نام توقیفی ہیں پھر اسے خدا کیوں کہا جاتا ہے۔ **جواب**: ہم ابھی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں کہ اس نام پر مسلمانوں کا اجماع ہوگیا ہے اجماع بھی شریعت کی حجت ہے۔ لہذا دوسرے منصوص ناموں کی طرح یہ بھی رب تعالیٰ کا نام ہے اور اگر اسے رب تعالیٰ کا نام نہ مانا جائے اس کے اوصاف میں سے ایک وصف ہو یعنی مالک کا ترجمہ فارسی میں مالک کو خدا کہتے ہیں چنانچہ کشتی کے مالک کو ناخدا گھر کے مالک کو کتخدا کہتے ہیں تب تو کوئی سوال ہی نہیں جیسے حفیظ کا ترجمہ نگہبان ناصر کا ترجمہ مددگار کہ یہ اللہ کے نام نہیں اس کے پاک اوصاف ہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سارے نام اچھے ہیں مگر اس کے نام جبار قہار

www.alahazratnetwork.org

بھی ہیں یہ دونوں نام معنی کے لحاظ سے اچھے نہیں کسی پر جبر یا قہر کرنا تو برا ہے پھر اس کے یہ نام کیوں ہیں۔ **جواب:** جبار قہار کے معنی ظالم نہیں جبار کے معنی ہیں جبر۔ نقصان یعنی تلافی کر دینے والا کہ ایک نیکی کی برکت سے صدہا گناہ معاف فرما دیتا ہے قہار معنی غالب ہے کہ ساری مخلوق اس کے زیر فرمان ہے لہٰذا یہ نام بہت ہی پیارے گنہگاروں کے سہارے اور رشاندار ہیں۔

چوتھا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ قیامت تک اللہ والوں کا ایک گروہ رہے گا **امتہ یھدون بالحق** مگر حدیث شریف میں ہے کہ قیامت جب قائم ہوگی تو روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا یہ آیت اس حدیث کے خلاف ہے۔ **جواب:** وقت قیامت میں ہی شمار ہے لہٰذا قیامت تک واقعی ایک گروہ حق پر رہے گا مگر قیامت کے زمانہ میں کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہوگا آیت و حدیث مطابق ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کا ذاتی نام یعنی اللہ اس کی کسی صفت سے مشتق نہیں نہ رب کسی سے بنا نہ اس کا ذاتی نام کسی سے بنا۔ ذاتی نام اس کی ذات کا پتہ ہے لیکن اس کے صفاتی نام ان میں سے بعض تو اس کی حقیقی صفت سے بنے ہیں وہ غیر مخلوق ہیں کیونکہ اس کی ذاتی صفات قدیم ہیں جیسے حیوۃ' سمع' بصر' کلام' علم' قدرت' ارادہ اور بعض فعل صفات سے بنے وہ مخلوق ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کے فعل مخلوق ہیں۔ جب رب نے مخلوق کو پیدا کیا تو اسے خالق کہا گیا جب مخلوق کو روزی دی تو رازق جب بیماروں کو شفا دی تو شافی ہاں وہ ان تمام افعال پر قادر ہمیشہ سے تھا لہٰذا اس کے سارے نام اچھے ہیں اے لوگو تم اللہ کو اس کے اچھے ناموں سے پکارتے رہو تاکہ تم اخلاق الٰہیہ سے موصوف ہو جاؤ یا رزاق انشاء اللہ تم خود غنی اور محتاج پرور ہو جاؤ گے۔ انسان کا دل ایک صاف شفاف شیشہ ہے جو ماسوی اللہ کے تعلق سے دھندلا ہو جاتا ہے اس کی صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اس کے نام کا ورد ہے فرمایا **فادعوہ بھا** انسان خدا تعالیٰ کا ذکر اس کے محبوب کی اطاعت کرتے کرتے اس کا مظہر بن جاتا ہے حتیٰ کہ اس کے اعضاء پر خدائی افعال صادر ہونے لگتے ہیں۔ حدیث قدسی ہے **کنت لہ سمعا" وبصرا فبی یسمع وبی یبصر** اس کا نام بے چینیوں کا چین ہے بے سہاروں کا سہارا جس دل و زبان پر اس کا نام نہ ہو وہ ہوس 'حرص' شہوت دنیا طلبی کا مرکز بن جاتا ہے وہ انسان غافلوں کے زمرہ میں آجاتا ہے جو یار کا نام ورد میں رکھتا ہے ان کے متعلق یہاں ہی ارشاد ہوا **وممن خلقنا امتہ یھدون بالحق** (روح البیان)

حکایت: کسی مست جمال سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کے نام ننانوے کیوں ہوئے پورے سو کیوں نہیں ہوئے علماء اور مشائخ اس کی بہت باریک وجہیں بیان کرتے ہیں مگر اس مست نے کہا کہ سو کا نمبر اپنے محبوب ﷺ کے لئے خالی رکھا گیا کیونکہ حضور انور بذات خود اسم اللہ ہیں نام مسمی یعنی نام والے کا پتہ ہیں حضور انور اللہ تعالیٰ کے سراپا مکمل پتہ ہیں ہم اس کی تحقیق بسم اللہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ حضور انور اسم اللہ ہیں **وللہ الاسماء الحسنیٰ**۔

زبان بے زباں بن کر بے نشاں ہو کر وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا ہو کر

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾ وَاُمْلِيْ

اور وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو قریب ہی ہم انہیں ڈھیل دیں گے اس جگہ سے کہ نہیں جانیں گے

اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں جلد ہم انہیں آہستہ آہستہ عذاب کی طرف لے جائیں گے جہاں

لَهُمْ ۚ اِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ ﴿۱۸۳﴾ اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا ۜ مَا بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ

اور ڈھیل دوں گا میں انہیں بے شک تدبیر میری زبردست ہے۔ اور کیا انہوں نے غور نہ کیا کہ نہیں ہے ان کے ساتھی کو

سے خبر بھی نہ ہوگی اور میں انہیں ڈھیل دوں گا بے شک میری خفیہ تدبیر بہت پکی ہے کیا سوچتے نہیں کہ ان کے صاحب

اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸۴﴾

کوئی دیوانگی نہیں ہیں وہ مگر ڈرانے والے ظاہر ۔

کو جنون سے کوئی علاقہ نہیں وہ تو صاف ڈر سنانے والے ہیں ۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** ابھی پچھلی آیتہ میں اس جماعت کا ذکر ہوا جو حق پر قائم ہے عدل و انصاف کرتی ہے اب اس کے مقابل ان لوگوں کا ذکر ہے جو حق سے ہٹی ہوئی ہے آیات الہیہ جھٹلاتی ہے تاکہ لوگ پچھلی جماعت سے ہوں اس جماعت سے نہ ہوں چیزوں کی پوری پہچان ان کی ضدوں سے ہوتی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حکم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو اس کے اچھے ناموں سے پکارو انہیں ناموں سے اس سے دعا مانگو اب رب کو نہ پکارنے اسے اچھے ناموں سے یاد نہ کرنے یا اس سے دعا نہ مانگنے کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ ان کا ہر قدم دوزخ کی طرف اٹھ رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہوا کہ وہ اعلیٰ صفات سے موصوف ہے۔ عیوب سے پاک ہے اب اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی بے عیبی کا ذکر ہو رہا ہے **مابصاحبکم من جنتہ** کہ بے عیب رب نے بے عیب نبی کو اپنا محبوب بنایا۔

شان نزول: ان آیات کے شان نزول چند ہیں (1) کفار مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت دکھ دیتے تھے آپ کا مذاق اڑاتے تھے اس کے باوجود عیش و عشرت میں تھے وہ کہتے تھے کہ ہم سے رب راضی ہے ہمارے ان جرموں سے خوش ہے تب ہی تو ہم کو مال تندرستی دے رکھی ہے ان کے اس دھوکہ کو دفع فرمانے کے لئے پہلی آیتہ **سنستدرجھم** نازل ہوئی (خازن و معانی) (2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم شروع زمانہ تبلیغ میں ایک رات صفا پہاڑ پر کھڑے ہو کر صبح تک لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے۔ رات میں ایک گھڑی بھی آرام نہ کیا اس پر کفار مکہ بولے کہ **محمد** (صلی اللہ علیہ وسلم) مجنون دیوانہ ہو گئے ہیں کہ تمام رات باتیں کرتے رہے اس پر آیتہ **اولم یتفکروا** نازل ہوئی (3) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی تو آپ کی حالت اس وقت عجیب ہو جاتی تھی چہرہ انور سرخ ہو جاتا تھا سردی کے موسم میں پسینہ آ جاتا تھا لبی سانس خراٹ جاری ہو جاتا تھا اس حالت کو دیکھ کر کفار مکہ کہتے تھے کہ آپ پر جنون و دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے ان کی تردید میں آیتہ **اولم یتفکروا** نازل ہوئی (کبیر روح المعانی خازن وغیرہ) غرضکہ رب تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

نے اپنے محبوب کی صفائی میں کفار کو جواب دیا۔

تفسیر: والذین کذبوا بایاتنا بعض مفسرین نے فرمایا کہ الذین سے مراد قریش ہیں جن کے متعلق یہ آیۃ نازل ہوئی مگر حق یہ ہے کہ ہر کافر منکر اس سے مراد ہے کیونکہ اگرچہ شان نزول اس کا خاص ہے مگر عبارت عام کذبوا کے معنی ہیں خوب جھٹلایا یا اس طرح کہ مرتے دم جھٹلاتے رہے اور کفر پر مرے یا اس طرح کہ قول و عمل سے جھٹلاتے رہے یا اس طرح کہ خود بھی جھٹلایا اور لوگوں کو بھی کافر بنایا یا انہیں کفر پر جمایا آیات سے مراد یا تو آیات قرآنیہ ہیں یا حضور انور کے معجزات یا خود حضور ﷺ کیونکہ آپ کی ہر ادا اللہ کی آیت ہے یا عام آیات مراد ہیں ان تینوں کو شامل **سنستدرجھم** یہ خبر ہے الذین کی یہ بنا ہے استدراج سے جس کا مادہ درج ہے جس کے کئی معنی ہیں۔ سیڑھی کے تختے یا زینہ کے درجے 'استدراج سیڑھی کے درجوں کے ذریعہ کسی کو نیچے سے اوپر پہنچانا یا اوپر سے آہستگی کے ساتھ نیچے اتارنا یعنی آہستگی سے منتقل کرنا۔ (2) بچہ کے قدم جو قریب قریب پڑیں جن سے بچہ آہستہ آہستہ چلے۔ لپیٹنا تہ کرنا کہا جاتا ہے اورج الکتاب اس نے کتاب لپیٹ دی۔ اصطلاح میں ہر آہستہ منتقلی کو استدراج کہتے ہیں وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں (کبیر، خازن، معانی وغیرہ) یعنی ہم آہستگی سے دوزخ کی طرف لے جائیں گے کہ ان کا ہر سانس ہر قسم ہر حال دوزخ کی طرف جانے کا ذریعہ ہوگا اور ان کی یہ روانگی ایسی ہوگی کہ **من حیث لا یعلمون** یہ عبارت ایک پوشیدہ لفظ "کائنا" کے متعلق ہے جو کہ استدراجا" مصدر پوشیدہ کی صفت ہے یعنی اس طریقہ سے انہیں دوزخ کی طرف لے جائیں گے کہ انہیں اس کا پتہ بھی نہ چلے اس کی صورت یہ ہوگی کہ وہ گناہ کریں گے ہم انہیں نعمت دیں گے جس سے وہ سمجھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کو ہمارا یہ گناہ پسند ہے تب ہی تو ہم کو نعمت ملی اس پر وہ اور گناہ کریں گے ہم اور نعمت دیں گے اس پر وہ اچھی طرح گناہوں سرکشیوں میں پھنس جائیں گے کہ اچانک ان کو پکڑ لیا جاوے گا۔

حکایت: خلافت فاروقی میں شاہ فارس کسریٰ کا سنہری خزانہ بے شمار سونا مدینہ منورہ میں لایا گیا کہ مدینہ منورہ سونے سے بھر گیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ مجھے تو وہ مستدرج نہ بنانا جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور یہ ہی آیۃ کریمہ تلاوت کی (تفسیر کبیر و روح المعانی) **واملی لھم** یہ عبارت معطوف ہے **نستدرجھم** پر مگر اس میں سین کا عمل نہیں کیونکہ استدراج تو آہستہ آہستہ ہوتا ہے مگر املاء میں آہستگی نہیں املاء بنا ہے ملی سے بمعنی دراز مدت قرآن کریم میں ہے **واھجرنی ملیا۔ املاء** کے معنی دراز مدت تک مہلت دینا یعنی ہم ان کو دراز مدت تک مہلت دیں گے کہ ان کی عمریں لمبی کردیں گے جس سے وہ دھوکہ کھائیں گے کہ ہماری یہ بد عملیاں درازی عمر کا سبب ہیں رب تعالیٰ اس پر ہم سے راضی ہے (تفسیر کبیر) اس تفسیر سے پتہ لگا کہ استدراج اور املاء دونوں علیحدہ علیحدہ سزائیں ہیں دونوں ایک نہیں۔ **ان کیدی متین** یہ ان دونوں مذکورہ عذابوں کا بیان یا ان کی وجہ ہے لفظ **کید' خداع' مکر** قریبا" ہم معنی ہیں جب یہ بندے کی طرف منسوب ہوں تو ان کے معنی ہوتے ہیں فریب یا دھوکہ دینا کسی کو پھنسانا جو بد ترین عیب ہے مگر جب ان کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف ہو تو ان کے معنی ہوتے ہیں خفیہ تدبیر جو کہ اعلیٰ درجہ کی صفت ہے مگر موافق تدبیر کو **کید** نہیں کہا جاتا بلکہ مخالف تدبیر کو یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ متین بنا ہے متانۃ سے بمعنی قوۃ۔ شدت اسی لئے گھوڑے کی قوی پیشانی یا قوی پیٹھ کو متن کہا جاتا ہے یعنی ہماری خفیہ تدبیر کفار کے خلاف بہت ہی مضبوط و قوی ہے **اولم یتفکروا** یہ عبارت ایک پوشیدہ کلام پر معطوف

www.alahazratnetwork.org

ہے اس میں الف سوال کا ہے اور سوال یا تعجب و حیرت دلانے کے لئے ہے یا اظہار انکار کے لئے اس میں روئے سخن انہیں کفار کی طرف ہے، جو کہتے تھے کہ حضور ﷺ معاذ اللہ دیوانہ ہیں یا ان پر دیوانگی کا دورہ پڑتا ہے فکر کے معنی ہیں سوچنا غور کرنا ذکر و فکر کے معنی ان میں فرق ہم دوسرے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں اس کا متعلق پوشیدہ ہے فی صفات النبی ﷺ یا فی احوالہ و افعالہ و اقوالہ یعنی کیا ان لوگوں نے حضور ﷺ کے صفات حضور کے حالات حضور کے اقوال و افعال میں کبھی غور نہیں کیا ان لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ پہلے یہ ہی لوگ حضور کو صادق الوعد' امین کہا کرتے تھے انہوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ ایسا فصیح و بلیغ کلام ربانی سناتے ہیں کہ اس کے مقابل ایک آیت بنانے سے تمام عرب و عجم کے فصحاء بلغاء عاجز ہیں۔

ترے آگے یوں ہی لچے دبے فصحاء عرب کے بڑے بڑے
کے کوئی منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

کیا مجنون کے حالات ایسے ہوتے ہیں **مابصاحبھم من جنتہ** یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت کا مفعول ہے **لیعلموا یا یستیقنوا صاحبھم** سے مراد حضور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں چونکہ حضور انور عمر بھر مکہ معظمہ میں رہے کبھی باہر سے نہ آئے کبھی باہر نہ رہے نہ عرصہ کے لئے گئے مکہ معظمہ میں بھی ان سے چھپ کر نہ رہے ان کے سامنے ان کے ساتھ رہے اس لئے صاحبھم فرمایا **من جنتہ** میں **من** تنکیریہ ہے، جو جنۃ نکرہ پر داخل ہوا جس سے بہت ہی عموم کا فائدہ حاصل ہوا یعنی ان سرکار میں مطلقاً جنوں کا کوئی شائبہ بھی نہیں **جن** کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ یہ بمعنی چھپنا آتا ہے اسی سے ہے جنت' جنات' جنین' جنون اور جنہ سب میں چھپنے کے معنی ملحوظ ہیں، جنون وہ بیماری جس سے عقل چھپ جاوے، جو عقل چھپ جاوے، جو عقل و خرد کو ڈھک لے یہاں یہ ہی مراد ہے۔ نیند' غشی خفت' عقل' دیوانگی میں بڑا فرق ہے نبی پر نیند طاری ہوتی ہے موسیٰ علیہ السلام پر کچھ وقت کے لئے غشی طاری ہوئی **فخر موسی صعقا** مگر خفت عقل یعنی کم عقل ہونا اور جنون و بے عقلی سے وہ حضرات محفوظ و مامون ہوتے ہیں **ان ھو الا نذیر مبین** یہ عبارت گویا پچھلے دعویٰ کی دلیل ہے کہ وہ محبوب مجنوں کیسے ہو سکتے ہیں وہ تو میرے نبی میری طرف مقرر کردہ بشیر و نذیر ہیں ان کے دم سے ایمان' اسلام' قرآن' عرفان بلکہ لقاء رحمان وابستہ ہیں اگر وہ ہی دیوانہ ہوں تو عالم روحانیات کا نظام درہم برہم ہو جاوے۔ خیال رہے کہ حضور انور بشیر بھی ہیں نذیر بھی مگر نذیر پہلے ہیں بشیر بعد میں جبکہ لوگ ایمان قبول کر لیں نذیر کافر و مومن سب کے لئے ہیں مگر بشیر صرف مومنوں کے لئے ان وجوہ سے یہاں صرف نذیر فرمایا گیا حضور انور کی بشارت و نذارت بہت قسم کی ہیں جیسا بندہ ویسی اس کے لئے بشارت و نذارت ہے **لیکون للعالمین نذیرا** حضور تمام جہانوں کے لئے نذیر ہیں اور انبیاء' صالحین' مومنین' اولیاء پھر اولیاء میں غوث' قطب وغیرھم تمام کے لئے مختلف رحمتوں کے بشیر ہیں ﷺ۔

خلاصہ تفسیر ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے کفار پر دو سخت عذابوں کا ذکر فرمایا بعد میں اپنے محبوب ﷺ سے کفار کے ایک طعن کو رفع کیا اور آپ کی ایک صفت کاملہ کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشاد ہوا کہ جن لوگوں نے ہماری آیات قرآنیہ یا محبوب کے معجزات ان کی ذات والا صفات کو خوب جھٹلایا ہم ان پر دو طرح غضب نازل فرمائیں گے ایک یہ کہ انہیں نہایت آہستگی سے عذاب کی طرف لے جائیں گے اسی طرح کہ انہیں خبر بھی نہ ہو کہ وہ جتنے گناہ بد کاریاں غداریاں کرتے رہیں گے ہم ان پر دنیاوی

www.alahazratnetwork.org

نعمتیں نازل فرماتے رہیں گے وہ لوگ اس عیش و عشرت سے سمجھیں گے کہ رب تعالیٰ ہم سے راضی ہے ہمارے یہ کام اچھے ہیں یہ نعمتیں ہم کو بطور انعام مل رہی ہیں دوسرے یہ کہ انہیں ڈھیل دیں گے ان کی عمریں دراز ان کی تندرستی و صحت میں زیادتی کردیں گے تاکہ اور زیادہ جرموں کا انبار لگالیں۔ خیال رکھو کہ کفار کے خلاف ہماری خفیہ تدبیریں بہت ہیں قوی و مضبوط ہیں ہماری ڈھیل سے کوئی دھوکہ نہ کھائے یہ جو ہی میرے محبوب کو مجنون دیوانہ کہتے ہیں کیا انہوں نے کبھی ان کے صفات' افعال' اقوال' احوال میں غور نہیں کیا یہ تو چالیس سال سے انہیں میں رہتے سہتے ہیں ان کے تمام حالات ان کفار پر روشن ہیں یہ ہی لوگ پہلے ان محبوب کو صادق الوعد اور بہت کچھ القاب دیا کرتے تھے ان کے کلام فصاحت نظام ان کا غیبی خبریں بتارہی ہیں کہ ان میں جنون کا شائبہ بھی نہیں اور ہو بھی کیسے سکتا ہے وہ تو میرے مقرر کردہ نبی رسول بشیرو نذیر ہیں دیوانہ آدمی یہ فرائض انجام نہیں دے سکتا ہم نبی کو تمام مخلوق سے زیادہ عقل و دانش عطا فرماتے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** کفر کی بہت قسمیں ہیں اور ساری قسمیں سخت جرم ہیں مگر ان سب میں نبی کا انکار ان کے معجزات کو جھٹلانا سخت تر جرم ہے۔ جس پر عذاب سخت سے سخت آتے ہیں۔ یہ فائدہ **کذبوا بایاتنا** سے حاصل ہوا فرعون رب کا منکر صدیوں رہا مگر جب نبی کا منکر ان کا دشمن بنا تب غرق ہوا نبی کا منکر ہونا بڑی بدنصیبی ہے۔

می توانی منکر یزداں شدن — منکر شان نبی نتواں بدن

اللہ کو دیکھا نہیں ہے مگر نبی کو اس کی شانوں کو آنکھوں سے دیکھا ہے ان کا انکار بڑے اندھے پن کی بات ہے۔ **دوسرا فائدہ:** بدکار کو نعمتیں ملنا عذاب الٰہی ہے کہ ان نعمتوں سے اس کی غفلت اور بدکاری اور بھی زیادہ ہوگی یہ فائدہ **سنستدرجھم** سے حاصل ہوا اس جگہ تفسیر صاوی میں فرمایا کہ جب تم کسی بدکار کو دیکھو کہ اس پر نعمتیں بہت ہیں اور وہ اپنی بدکاری پر قائم ہے تو سمجھ لو کہ وہ مستدرج ہے یعنی ڈھیل دیا ہوا (ایسے سے دور بھاگو)۔ **تیسرا فائدہ:** اپنے حالات میں غور نہ کرنا کہ میں کدھر جارہا ہوں میرے دل کا رخ کدھر ہے یہ بدبختی کی علامت ہے۔ یہ فائدہ **من حیث لا یعلمون** سے حاصل ہوا جیسے مشین کا ڈرائیور ہر وقت مشین کے ہر پرزہ پر نظر رکھتا ہے ایسے ہی انسان کو ہر وقت اپنی ہر حرکت ہر حالت پر نظر رکھنی چاہئے۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی مجرم و بدکار کو بھی لمبی عمر دے دی جاتی ہے۔ جس سے وہ اور زیادہ گناہ کرتا ہے اس کی یہ عمر گناہوں میں گزرتی ہے یہ درازی عمر خدا کا عذاب ہے۔ یہ فائدہ **واملی لھم** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا تھا **انک من المنظرین الی یوم الوقت المعلوم** نیکوں کو نیک اعمال کی وجہ سے دراز عمر عطا فرمائی جاتی ہے وہ عمر اللہ کی رحمت ہے۔ **پانچواں فائدہ:** حضور ﷺ کی صفات عالیہ میں غور کرنا جس سے آپ کی معصومیت آپ کی شان معلوم ہو بڑی عبادت ہے اس میں غور نہ کرنا بڑی غفلت ہے۔ یہ فائدہ **اولم یتفکروا** سے حاصل ہوا دوسری جگہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے **ان تقوموا للہ مثنی و فرادی ثم تتفکروا ما بصاحبکم من جنۃ ان ھو الا نذیر لکم۔ اللہ** کے واسطے تم اکیلے دو کیلے بیٹھ کر سوچو غور کرو تمہارے محبوب میں جو تمہارے ساتھ رہتے ہیں جنون و دیوانگی کا شائبہ بھی نہیں اللہ تعالیٰ یہ فکر و غور نصیب کرے خدا کرے ان کا تصور ایسا پک جاوے کہ ہر طرف وہ ہی نظر آئیں۔

www.alahazratnetwork.org

ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا   تصور میں تیرا رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں

چھٹا فائدہ: اللہ تعالٰی کا یہ خاص کرم ہے کہ حضور ﷺ مکہ معظمہ میں ہی پیدا ہوئے اور وہاں ہی رہے آپ کی زندگی اندرونی بیرونی سب کو دکھاوی گئی جس سے آپ کے متعلق کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش نہ رہی۔ یہ فائدہ **بصاحبھم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ حضور کی پاکیزہ زندگی کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلے حضور انور پر ایمان حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ اندرونی زندگی سے باخبر تھیں ان دونوں حضرات کے اولاً "ایمان لانے سے معلوم ہوا کہ رب نے اپنے محبوب کی زندگی ایسی بے داغ بنائی کہ سبحان اللہ۔ **ساتواں فائدہ:** نبی مجنون بہرے گونگے نہیں ہوسکتے کہ وہ حضرات تبلیغ کے لئے بھیجے جاتے ہیں اور یہ بیماریاں تبلیغ سے رکاوٹ ہیں یہ فائدہ **من جنتہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مرزا قادیانی نبی نہ تھا کیونکہ وہ مراقی تھا مراق جنوں کی ایک قسم ہے اور نبی جنوں سے پاک ہوتے ہیں اس نے خود لکھا ہے کہ مجھے مراق ہے وہ خود اپنی تحریر سے جھوٹا ہے۔ یہ فائدہ بھی **مابصاحبھم من جنتہ** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ **من** اور **جنتہ** کے نکرہ ہونے سے معلوم ہوا کہ نبی کو جنون کا شائبہ بھی نہیں ہوتا۔ **نواں فائدہ:** جھوٹے کو اپنی بات پر قرار نہیں ہوتا وہ خود اپنے خلاف کہہ جاتا ہے کفار عرب کبھی تو حضور انور کو مجنون کہتے تھے کبھی مسحور، کبھی ساحر، کبھی شاعر دیوانہ ساحر یا شاعر کیسے ہو سکتا ہے پتہ لگا کہ وہ جھوٹے تھے۔ **دسواں فائدہ:** حضور انور کو رب نے لاکھوں صفات بخشیں ان سب میں بشارت و نذارت اعلیٰ درجہ کی صفات ہیں آپ کی وہ صفات بالکل ظاہر ہیں یہ فائدہ **نذیر** اور ساتھ ہی مبین فرمانے سے حاصل ہوا۔ **گیارھواں فائدہ:** حضور انور سے کفار کے اعتراض دفع کرنا حضور کی نعت کہنا سنت الیہ ہے دیکھو کفار نے حضور انور کو مجنوں کہا تو رب نے انہیں جواب دیا اور ساتھ ہی کی صفات و نعت بیان فرمائی **ان ھو الا نذیر مبین**۔

دشمن نے ترے جو کچھ ہے کہا اللہ نے اس کا جواب دیا   پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تری شرم و حیا کا کیا کہنا

پہلا اعتراض: یہاں کفار پر دو عذابوں کا ذکر ہوا ایک استدراج دوسرے املاء ان دونوں میں کیا فرق ہے۔ دونوں کے معنی ہیں ڈھیل دینا۔ **جواب:** ان دونوں کا فرق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مجرم کو دنیاوی نعمتیں دے دینا تو استدراج ہے جس سے وہ اور دوزخ سے قریب ہوتا ہے اور جرم کو دراز عمر عطا فرمادینا املاء ہے جس سے وہ اور زیادہ جرم کا ذخیرہ جمع کرے۔ **دوسرا اعتراض:** یہ تو دھوکہ دینا ہوا اور رب تعالٰی دھوکے سے پاک ہے کہ دھوکہ بڑا عیب ہے۔ **جواب:** دھوکہ جب ہوتا جب مجرم کی حرکتوں کو اچھا کہا جاتا اسے رغبت دی جاتی جب رب تعالٰی نے جرموں سے روکا ان کی برائی بیان فرمادی بلکہ اس ڈھیل کا بھی اعلان فرمادیا کہ دیکھو اگر تم کو گناہوں پر نعمتیں ملیں تو وہ نعمتیں نہیں بلکہ عذاب ہیں اس سے دھوکہ نہ کھانا پھر دھوکہ کہاں رہا یہ تو کھرے کھوٹے کی کسوٹی ہوئی جس پر جزا سزا ہوگی۔ **تیسرا اعتراض:** **کید** کے معنی ہیں مکر و فریب دھوکہ دینا یہ عیب ہے پھر اسے اللہ تعالٰی کی طرف نسبت کیوں کیا گیا کہ **ان کیدی متین** رب تعالٰی تو عیوب سے پاک ہے۔ **جواب:** اس کا تفصیلی جواب پہلے پارہ میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ ایک لفظ کے معانی اس کے منسوب الیہ کے لحاظ سے کئے جاتے ہیں آدمی بیٹھ گیا۔ دوکان بیٹھ گئی۔ آنکھ بیٹھ گئی دل بیٹھ گیا تیر نشانہ پر بیٹھ گیا۔ تیری بات میرے دل میں بیٹھ گئی ان سب میں بیٹھ جانے کے معانی الگ الگ کئے جائیں گے یوں ہی لفظ مکر، خداع، کید وغیرہ اگر ان کی نسبت انسان کی طرف ہو تو عیب ہیں لیکن جب ان کی نسبت

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ کی طرف ہو تو ان کے معنی ہوتے ہیں۔ خفیہ تدبیر دیکھو لفظ ظلم قرآن مجید میں کتنے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **ان الشرک لظلم عظیم** یہاں ظلم کے اور معنی ہیں **ربنا ظلمنا انفسنا** اسی طرح **انی کنت من الظلمین** میں ظلم کے کچھ اور معنی ہیں خطا' بھول' **ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ** یہاں ظلم کے اور معنی ہیں ہر جگہ ایک لفظ کے ایک ہی معنی کرنا سخت غلطی ہے لفظ ضلال بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** تم نے کہا کہ نبی کو جنوں نہیں ہو سکتا مگر موسیٰ علیہ السلام کو تجلی الٰہی دیکھنے پر غشی طاری ہوئی غشی بھی تو جنوں کی ایک قسم ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے غشی نیند کی طرح ایک انسانی عارضہ جس میں عقل تو رہتی ہے مگر اس پر ایک غلاف سا آجاتا ہے یہ نبوت کے ہرگز خلاف نہیں پھر ان حضرات کے لئے غشی بھی عارضی تھوڑے عرصہ کے لئے آتی ہے۔ **پانچواں اعتراض:** حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ پر جادو کیا گیا جس سے آپ کی عقل میں فتور آگیا جب ان کو جنوں نہیں ہو سکتا تو جادو کیوں ہو سکتا ہے۔ **جواب:** یہ غلط ہے کہ اس جادو سے حضور انور کی عقل میں فتور آگیا صرف نسیان و بھول زیادہ ہو گئے تھے وہ بھی دنیاوی کاموں میں حضرات انبیاء پر نسیان طاری ہو سکتا ہے۔ خیال رہے کہ جادو کا اثر نبی پر ایسا ہو سکتا ہے جیسے تلوار اور زہر کا اثر جادو بھی ایک موثر چیز ہے مگر جب جادو کا مقابلہ معجزے سے ہو گا تو جادو فیل ہو جاوے گا۔ دیکھو فرعونی جادوگر کلیم اللہ کے مقابل فیل ہو گئے۔ **چھٹا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ صرف ڈرانے والے ہیں اس کے سوا اور کچھ نہیں **ان ھو الا نذیر** حصر کا مفید ہے حالانکہ حضور کو رب تعالیٰ نے لاکھوں صفات بخشے۔ **جواب:** یہاں حصر اضافی ہے۔ جنوں کے مقابل یعنی وہ مجنوں نہیں صرف نذیر ہیں جو رب کی طرف سے نذیر و بشیر ہو وہ مجنوں نہیں ہو سکتا۔ **ساتواں اعتراض:** حضور انور نذیر بھی ہیں بشیر بھی پھر صرف نذیر کیوں فرمایا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ حضور انور اولاً "نذیر ہیں بعد میں بشیر۔ سب کے لئے نذیر ہیں صرف مومنوں کے لئے بشیر نذارت عام ہے بشارت خاص۔

آٹھواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ گنہگاروں بدکاروں کی عمریں دراز کردی جاتی ہیں کہ فرمایا گیا **واملی لھم** مگر حدیث شریف میں ہے کہ نیک اعمال خصوصیت سے اپنے رشتہ داروں سے سلوک کرنے سے عمر و مال بڑھتے ہیں دونوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** متقی مومن کی عمر دراز ہوتی ہے نیک کاری کے لئے تاکہ وہ نیکیاں اور زیادہ کرے بدکار مجرم کو ڈھیل دی جاتی ہے اس کی عمر درازی جاتی ہے بدکاری اور زیادہ کرنے کے لئے حدیث شریف میں پہلی قسم کی درازی عمر کا ذکر ہے اور یہاں اس آیت میں دوسری قسم کی درازی کا ذکر ہے شیطان کو دراز عمر عبادت کے لئے نہیں دی گئی بلکہ بدمعاشی کرنے کے لئے رسی دراز کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کے عذاب بہت قسم کے ہیں ان میں سے سخت تر عذاب استدراج ہے کہ رب نعمت دے مگر شکر بھلادے بندہ نعمت کی طرف مائل ہو منعم کو بھول جاوے بندہ ہر وقت خطا کرے رب اس پر عطا کرے استغفار بھلادے منت مسلسل ہو فتنہ کا خوف نہ ہو ہر جگہ بندہ کا ذکر ہو اسے مکر کا خوف نہ ہو استدراج کی بہت صورتیں ہیں مرید اپنے نفس سے جاہل ہو مرشد کا بے ادب ہو اس کے پاس دعویٰ کی بھرمار ہو مگر دل مقام اغیار ہو پھر اس پر پکڑ نہ ہو تو یہ بھی استدراج ہے امام احمد فرمایا کرتے تھے کہ اللہ کے عدل سے ڈرو اس کا فضل مانگو رب کے مکر سے بے خوف نہ ہو اگرچہ کعبہ میں پہنچ جاؤ دل کا فقر اور انکسار

www.alahazratnetwork.org

اللہ کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ نوٗنے دنوں میں رہتا ہے دنیا کے لئے فرار یعنی بھاگتا ہے دین کے لئے قرار یعنی ٹھہرتا ہے جسے دنیا ملے وہ استدراج میں ہے جسے دین ملے وہ اکمل میں (روح البیان) اللہ تعالیٰ نے حضور کو فرمایا **صاحبهم** حضور انور ہمارے دنوں کے ساتھی روحوں کے ساتھی ایمان کے ساتھی ہیں سچا ساتھ حضور کا ہے باقی سب ساتھ جھوٹے ہیں۔ حضور تو سب کے ساتھ ہیں مگر حضور کے ساتھ کوئی قسمت والا ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق ارشاد ہوا **اذیقول لصاحبه لا تحزن ان اللّٰه معنا** حضرت ابو بکر صدیق وہ خوش نصیب ہیں جنہیں رب نے حضور کا ساتھی کہا اس لئے حضرت صدیق بعد انبیاء افضل الخلق ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھی ہیں۔ حضور مجنوں یعنی چھپائے ہوئے نہیں وہ تو ایسے ظاہر ہیں کہ انہیں عرشی جانیں فرشی جانیں انہیں انسان جانیں جانور پہچانیں انہیں لکڑیاں ذرات قطرے جانیں انہیں چاند سورج تارے پہچانیں وہ نصیر بھی ہیں مبین بھی اس آیت میں حضور انور کی بہت شاندار نعتیں ہیں۔

اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا فِيْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ
اور کیا نہیں غور کیا انہوں نے بادشاہت میں آسمانوں اور زمین کی اور وہ جو پیدا کیں اللہ نے چیز
کیا انہوں نے نگاہ نہ کی آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں اور جو چیز اللہ نے بنائی
وَّاَنْ عَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ قَدِ اقْتَرَبَ اَجَلُهُمْ فَبِاَيِّ حَدِيْثٍۭ بَعْدَهٗ
اور یہ کہ قریب ہے یہ کہ قریب آ چکی ہو موت ان کی پس کس بات پر اس کے پیچھے
اور یہ کہ شاید ان کا وعدہ نزدیک آگیا ہو تو اس کے بعد اور کونسی بات پر یقین
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۸۵﴾ مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ ؕ وَيَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِ
ایمان لائیں گے وہ جو گمراہ کرے اللہ اسے پس نہیں ہے کوئی ہدایت دینے والا اس کو اور چھوڑ دیتا
لائیں گے جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی راہ دکھانے والا نہیں اور انہیں چھوڑتا ہے
هِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
ہے ان کو سرکشی میں ان کی بھٹکتے ہوئے
کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات کریمہ میں آیات قرآنیہ معجزات نبی ﷺ میں غور نہ کرنے انہیں جھٹلانے پر عتاب ہوا اب دنیا کی چیزوں میں غور نہ کرنے پر عتاب ہو رہا ہے گویا تشریعی دلائل کے بعد تکوینی دلائل کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض**: پچھلی آیت میں حضور ﷺ کی ذات و صفات میں غور کر کے آپ کی نبوت

www.alahazratnetwork.org

ماننے کی دعوت دی گئی اب دلائل توحید میں غور کرنے اور رب تعالیٰ کی ذات و صفات ماننے کا حکم دیا جارہا ہے گویا نبوت کے بعد توحید کا ذکر ہے چونکہ نبوت اسلامی توحید ماننے کا ذریعہ ہے اس لئے ذریعہ کا ذکر پہلے ہوا اصل مقصود کا ذکر بعد میں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم ان منکرین کو مہلت دیتے ہیں **واملی لھم** اب ارشاد ہے کہ یہ مہلت اور ڈھیل ہمیشہ نہ رہے گی آخر انہیں موت آوے گی جس پر ہر بیان عیاں ہو جاوے گا گویا مہلت کا ذکر پہلے ہوا اس کی انتہا کا ذکر اب ہے۔

تفسیر۔ اولم ینظروا یہ نیا جملہ ہے اس میں بھی سوال یا تو انکار کے لئے ہے یا تعجب دلانے کے لئے ہے **ینظروا** بنا ہے نظر سے نظر آنکھ سے دیکھنے کو بھی کہتے ہیں یعنی بصارت کو اور دل سے غور کرنے کو بھی یعنی بصیرت کو بھی ظاہر یہ ہے کہ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی سوچنا غور کرنا اسی لئے اس کے بعد فی ارشاد ہوا **الی** ارشاد نہ ہوا چونکہ حضور انور کی صفات عالیہ میں غور کرنا کسی قدر گہری دلیل تھی اور عام مخلوق میں غور بالکل ظاہر دلیل اس لئے وہاں ارشاد ہوا **اولم یتفکروا** اور یہاں ارشاد ہوا **اولم ینظروا** فکر گہری غور و سوچ نظر سرسری غور و سوچ (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ نظر۔ معنی آنکھ سے دیکھنا ہو **فی ملکوت السموت والارض** یہ متعلق ہے **ینظروا** کے ملکوت کے معنی اور ملک و ملکوت میں بہت فرق ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ ملکوت مبالغہ ہے ملک کا جیسے رحمت کا مبالغہ رحموت بڑی رحمت یا **رھبتہ** کا مبالغہ رھبوت بڑا ہی خوف و ڈر ایسے ہی ملکوت کے معنی ہیں بڑا وسیع ملک اس میں گفتگو ہے کہ ملکوت کیا چیز ہے اس میں چند قول ہیں (1) جو کسی سے بنے وہ ملک ہے جو بغیر کسی کے بنے صرف کن سے وہ ملکوت یعنی عالم اجسام ملک ہے عالم امر ملکوت (2) چاند سورج تارے آسمانوں کا ملکوت ہے اور پہاڑ دریا زمین کا ملکوت (3) مخلوق کی ظاہری تکوین ملک ہے باطن تکوین ملکوت لہذا ہمارا جسم ملک ہے ہماری روح ملکوت (4) عالم شہادت ملک ہے عالم غیب ملکوت (5) جس کی ملکیت کا انسان دعویٰ کر سکے وہ ملک ہے جہاں کسی کا دعویٰ نہ چلے وہ ملکوت ہے دیکھو جانور کے جسم کے ہم مالک ہو سکتے ہیں وہ ملک ہے اسکی روح کا کوئی مالک نہیں بجز پروردگار یہ ہے ملکوت عالم کے ظاہری اعضاء پر ہمارا دعویٰ ہے لہذا یہ ملک ہے اس کے دل و دماغ' روح پر کسی کی ملکیت نہیں وہ ہے ملکوت (6) عشاق کی نظر میں حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور محمد مصطفےٰ ﷺ زمین و آسمان بلکہ عرش و کرسی کے ملکوت ہیں باقی لوگ ملک **وما خلق اللہ من شیء** یہ عبارت یا تو ملکوت پر معطوف ہے یا اس کے مضاف الیہ السموت والارض پر من شی میں ساری چیزیں داخل ہیں مگر چونکہ آسمان و زمین اور ان کی ملکوت ایک امتیازی شان رکھتی ہیں اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر پہلے علیحدہ طور پر کیا گیا یعنی کیا یہ لوگ اللہ کی ہر پیدا کی ہوئی چیز یا ہر چیز کی ملکوت میں غور نہیں کرتے ہر چیز کا باطنی ملکوت ہے (روح المعانی) شی کے معانی اس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں **ان اللہ علی کل شی قدیر** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں یہاں شے سے مراد مخلوق و موجود ہے **وان عسی ان یکون قد اقترب اجلھم** یہ عبارت ملکوت پر معطوف ہے فی کے تحت ان دراصل انہ تھا اجل سے مراد ان کی موت ہے بعض نے کہا کہ اس سے مراد قیامت ہے مگر یہ قوی نہیں یعنی وہ اس میں بھی غور نہیں کرتے کہ ممکن ہے کہ ان کی موت قریب آن لگی ہو پھر یہ بات مانیں گے مگر بے کار **فبای حدیث بعدہ یومنون** یہ جملہ نیا ہے ایک پوشیدہ شرط کی جزا اور اس میں ف جزائیہ ہے **لما لم یومنوا بھا** حدیث بنا ہے حدث سے۔ معنی نئی یا نو پید چیز اصطلاح میں بات کو حدیث کہتے ہیں کہ ہر بات زبان سے نئی نکلتی ہے ایک لفظ کے حروف

www.alahazratnetwork.org

ایک ساتھ نہیں بولے جاتے جب پہلا حرف بولتے ہیں تو دوسرا ادا نہیں ہوتا جب دوسرا حرف بولتے ہیں تو پہلا فنا ہو چکتا ہے لہذا ہر بات بلکہ ہر بات کا ہر حرف حدیث یعنی نو پیدا ہے بعدہ میں ہ سے مراد یا تو مذکورہ دلائل ہیں یا قرآن مجید یا حضور ﷺ کے تمام فرمان ہیں یا خود حضور ﷺ ہی مراد ہیں آخری معنی پر ایک حدیث پوشیدہ ہے بعد حدیثہ (روح المعانی) یعنی جب یہ لوگ ان دلائل سے یا قرآن مجید سے یا محبوب ﷺ کے فرمان سے یا خود حضور انور سے ایمان قبول نہیں کرتے تو اب کس بات اور کس کی بات سے ایمان لائیں گے۔ ہدایت کی آخری منزل تو یہ ہے نہ قرآن کے بعد کوئی کتاب آنے والی ہے اور نہ حضور کے بعد کوئی نبی تشریف لانے والے اللہ کی طرف سے آخری ہادی آچکے جو ان کے در سے محروم رہا۔ وہ رب کی رحمت سے محروم رہا **من یضلل اللہ فلا ھادی لہ** اس فرمان عالی کا مقصد حضور ﷺ کو تسکین دینا ہے کہ ان کفار کا ہدایت قبول نہ کرنا اس لئے نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں تاثیر نہیں بلکہ اس لئے ہے کہ ان کی تقدیر میں ہدایت نہیں۔

تہی دستان قسمت راچہ سود از رہبر کامل　　　کہ خضر از آب حیواں تشنہ می آرد سکندر را

اس عبارت کی تفسیر بارہا کی جاچکی کہ اضلال کے معنی کسی کو گمراہی کی رغبت دینا بھی ہیں اس معنی سے شیطان اور برے یار گمراہ کن سردار مضل ہیں اور اس کے معنی گمراہی پیدا کرنا بھی ہیں یعنی بندے کے کسب کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے اس کے دل میں گمراہی پیدا فرمادے جیسے گلے پر چھری چلانے کے بعد مذبوح میں موت پیدا فرمادیتا ہے اس معنی سے اضلال کا فاعل رب تعالیٰ ہے وہی معنی یہاں مراد ہیں **یذرھم فی طغیانھم یعمھون** یہ عبارت معطوف ہے **لاھادی لہ** پر اور **من یضلل** کی جزا ہے ہماری قرآت میں **یذر** ہے ی سے بعض قراءت میں **نذر** ہے نون سے **یعمھون** بنا ہے **عمہ** سے اس کی تفسیر ہم پہلے پارے میں کرچکے ہیں یعنی ایسے ازلی گمراہوں کو ہم ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ حیران و پریشان ہیں پھرتے رہتے ہیں انہیں دل کی تسکین میسر نہیں ہوتی۔

ہر سو دور آنکس زور خویش براند!　　　آنرا کہ نخواند بہ ورکس نہ دواند

یہ بھٹکنا پھرنا ان کے شقی ازلی ہونے کی علامت ہے۔

خلاصہ تفسیر: کیا ان غافل کفار نے آسمان و زمین اللہ کی وسیع ملک میں غور نہیں کیا کہ جس کی سلطنت ایسی وسیع ہے وہ مالک و سلطان کیسی شان والا ہے اور انہوں نے اس میں بھی غور نہیں کیا کہ ممکن ہے کہ ان کی موت قریب ہو ابھی وقت ہے ایمان لانے توبہ کرنے کا انہیں کیا خبر کہ یہ وقت کب ختم ہو جاوے آخری نبی تشریف لاچکے آخری کتاب آچکی اگر اب بھی وہ ہدایت پر نہ آئے تو کب آئیں گے اب ہدایت کہاں سے پائیں گے اے محبوب ان لوگوں کے ایمان نہ لانے پر ملول نہ ہوں اس کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنا چاہے اسے ہدایت کوئی نہیں دے سکتا رب تعالیٰ ایسے لوگوں کو یوں چھوڑ دیتا ہے کہ وہ اپنی سرکشی گمراہی میں بھٹکتے پھرتے ہیں ان کا ٹھور ٹھکانہ کوئی نہیں ہوتا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** علم ہیئت اور علم سائنس بہت اعلیٰ علم ہیں اگر انہیں معرفت الٰہی کا ذریعہ بنایا جاوے کہ ان علوم کے ذریعہ آسمان و زمین اور ان کی چیزوں کا پتہ چلتا ہے جو رب تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہے یہ فائدہ **اولم ینظروا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے روزہ نماز حج وغیرہ عبادت ہے انہیں ادا کرنا چاہئے ایسے

www.alahazratnetwork.org

ہی عالم کی ہر چیز حتیٰ کہ خود اپنے میں غور و فکر کرنا عبادت ہے اسی لئے اس کا رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں جگہ جگہ حکم دیا یہ فائدہ **ملکوت السموات** سے بھی حاصل ہوا اور **ماخلق اللّٰہ من شئی** سے بھی۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ اپنا ملک اپنے بعض بندوں بادشاہوں وغیرھم کو عطا فرمادیتا ہے جن سے بندہ دعویٰ کرتا ہے کہ یہ ملک میرا ہے یہ ملک فلاں کا مگر ملکوت پر قبضہ صرف رب تعالیٰ کا ہی ہے بندے اسے دیکھیں اور ان کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچانیں دیکھو ملک کے متعلق ارشاد ہوا **یوتی ملکہ من یشاء** یا ارشاد ہوا۔ **توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء** مگر ملکوت کے متعلق ارشاد ہوا **اولم ینظروا فی ملکوت السموات** اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ارشاد ہوا **وکذالک نری ابرھیم ملکوت السموات والارض**۔ **چوتھا فائدہ**: ہر شخص کو چاہئے کہ اپنی موت کو قریب سمجھے بلکہ ہر سانس کو آخری سانس جانے اور آخرت کی تیاری کرے یہ فائدہ **ان یکون قد اقترب اجلھم** سے حاصل ہوا۔

ہوائے رفتہ باز آید کہ نہ آید! نسیمے از حجاز آید کہ نہ آید
سر آمد روزگارے ایں فقیرے دگر دانائے راز آید کہ نہ آید

اگر یہ خیال رہے تو انشاء اللہ گناہ کم سرزد ہوں۔ **پانچواں فائدہ**: حضور ﷺ آخری نبی ہیں اور قرآن مجید آخری کتاب حضور انور کے بعد کوئی نبی نہیں قرآن کے بعد کوئی کتاب نہیں اب ہدایت کا ذریعہ صرف اور صرف حضور ﷺ اور قرآن مجید ہے یہ فائدہ **فبای حدیث** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: جو حضور ﷺ کے دروازے سے محروم رہا وہ رب کے ڈر سے بھی محروم یہ ناممکن ہے کہ کوئی حضور کے دروازے سے دھتکارا جاوے اور وہ کسی اور جگہ سے اللہ کی رحمت حاصل کرے یہ بھی **فبای حدیث** سے حاصل ہوا۔

ہے ان کے واسطے کہ خدا کچھ عطا کرے! حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصیر کی ہے!!

ساتواں فائدہ: جس کے جرموں کی وجہ سے اللہ نے اس کے دل پر گمراہی کی مہر کردی وہ کسی صحبت نیک یا کسی کی نصیحت و وعظ سے ہدایت پر نہیں آسکتا صابن سے کوئلہ سفید نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **ومن یضلل اللہ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: جسے رب گمراہ کردے وہ ہر جگہ بھٹکتا پھرتا ہے جسے وہ ہدایت دے دے وہ کسی دروازہ پر نہیں جاتا بلکہ مخلوق اس کے دروازہ پر آتی ہے یہ فائدہ **ویذرھم** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کا کسی بندے سے بے نیاز ہو جانا اسے اس کے حال پر چھوڑ دینا کہ بندہ جرم بلکہ کفر اور معاصی گناہ کرتا رہے اس پر کوئی گرفت نہ ہو یہ اللہ کا قہر ہے اور بندہ کی معمولی بات پر گرفت ہو جاتی اس کریم کی خاص رحمت ہے یہ فائدہ بھی **ویذرھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت آدم علیہ السلام کی ایک بے قصد خطا پر گرفت فرمائی یہ تھا اس کا خاص کرم۔ نوٹ: حج سے واپس آکر پانچ ماہ بعد تفسیر کا کام دوبارہ شروع کیا (مصنف)۔ **دسواں فائدہ**: دل کی بے اطمینانی حیرانی پریشانی کہ بندے کو راستہ نہ سوجھے یہ رب تعالیٰ کا غضب ہے دل کا اطمینان و چین فکر و غم سے آزاد ہونا رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے یہ فائدہ بھی **یعمھون** سے حاصل ہوا جس قدر رب تعالیٰ سے قرب زیادہ اسی قدر دل کو سکون و اطمینان زیادہ فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔

پہلا اعتراض: ابھی پچھلی آیۃ کریمہ میں حضور کی ذات و صفات میں غور کرنے کے متعلق ارشاد ہوا **اولم یتفکروا**

www.alahazratnetwork.org

کیا انہوں نے موچا میں اور یہاں آسمانوں اور زمین میں غور کرنے کے متعلق ارشاد ہوا **اولم ینظروا** انہوں نے دیکھا کیوں نہیں اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی اشارۃ" تفسیر میں گزرا کہ تمام دنیا کے حالات اتنے گہرے نہیں جتنے گہرے حالات و صفات حضور ﷺ کے ہیں عالم ظاہر ہے حضور خفی عالم خفی ہے تو حضور انور اخفی۔ عالم مجمل ہے تو حضور ﷺ متشابہ یہ بتانے کے لئے یہ طریقہ بیان اختیار فرمایا گیا حضور ظہور ہیں اظہر من الشمس ہیں اور خفا ہیں **من کل شیء** ہیں **ھو الظاھر والباطن** کا مظہر اتم ہیں رب کی صفت یہ ہے کہ۔

بے حجابی یہ کہ ہر ذرہ میں جلوہ آشکار　　اس پہ یہ گھونگٹ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے
یار تیرے حسن کو تشبیہ دوں کس چیز سے　　ایک تو ہی دیدہ ہے تیرے سواء نا دیدہ ہے

اس لئے حضور انور کو رب نے نور بھی فرمایا جو آنکھوں دیکھا جاتا ہے۔ **قد جاءکم من اللہ نور** اور برہان بھی فرمایا **قد جاءکم برھان من ربکم** جو عقل سے سوچی جاتی ہے بلکہ حضور کو بصائر بھی فرمایا **قد جاءکم بصائر من ربکم**
دوسرا اعتراض: یہاں پہلے ملکوت کا ذکر ہوا پھر مخلوق کا کہ ملکوت کے بعد فرمایا **وما خلق اللہ** حالانکہ ملکوت بھی تو مخلوق ہے۔

جو تیرے سواء ہے وہ ترا بندہ ہے

اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ مخلوق کے دو معنی ہیں ایک تو نیستی سے ہستی میں لائی گئی چیز اس معنی سے۔ چیز اللہ کی مخلوق ہے دوسرے بالواسطہ بنائی گئی چیز اس معنی سے ملکوت مخلوق نہیں کیونکہ ملکوت وہ جو بلا واسطہ صرف کن سے پیدا ہوئی جیسے عالم ارواح وغیرہ اور مخلوق وہ جو کسی سے بنی جیسے انسان کہ مٹی اور نطفہ وغیرہ سے بنا یہاں مخلوق موجود ہے ہماری روح ملکوت ہے ہمارا جسم مخلوق یوں ہی آسمان و زمین میں بعض چیزیں ملکوت ہیں بعض چیزیں مخلوق جیسے کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **تیسرا اعتراض**: اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی موت کا وقت معلوم ہے اس کا قریب یا دور ہونا بھی معلوم ہے کہ اس نے تو یہ وقت مقرر کئے ہیں پھر یہاں **عسیٰ** کیوں فرمایا گیا یہ لفظ تو شک کے موقعہ پر بولا جاتا ہے۔ **جواب**: یہاں **عسیٰ** فرمانا بندوں کے لحاظ سے ہے یعنی ہر بندہ یہ خیال کرے کہ شاید میری موت قریب ہے اس خیال سے وہ گناہ پر دلیر نہ ہو گا نیکیوں میں دیر نہ کرے گا اسی لئے ان **عسیٰ** کو معطوف کیا گیا **وما خلق اللہ** پر اور اس کا تعلق **اولم ینظروا** سے ہوا۔
چوتھا فائدہ: یہاں **اجلھم** کیوں ارشاد ہوا **اموتھم** کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب**: اجل کہتے ہیں وقت مقرر کو خواہ موت کا وقت ہو یا عذاب کا خواہ تنزل کا خواہ قوموں کے بننے بگڑنے کا ان سب کو شامل کرنے کے لئے بجائے موت کے اجل ارشاد ہوا بہت اونچے درجہ پر پہنچا ہوا شخص یا قوم یہ خیال نہ کرے کہ ہم اونچے ہی رہیں گے ممکن ہے کہ اس کے زوال کا وقت قریب آ چکا ہو ہر کمال کے لئے زوال ہے سوا عزات ذوالجلال کے یا اس کے خاص بندوں کے کہ ان کا سورج ہمیشہ بلندی پر رہتا ہے۔

چراغے راکہ ایزد برفروزد　　کسے کہ تف زند ریشش بسوزد

پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **فبای حدیث بعدہ یومنون** یہاں فبای کتاب کیوں ارشاد نہیں ہوا قرآن مجید کو حدیث نہیں کہا جاتا۔ **جواب**: یہاں حدیث لغوی معنی میں ہے۔ معنی نئی بات اس میں قرآن مجید بھی شامل ہے اور حضور ﷺ

www.alahazratnetwork.org

کے اقوال طیبہ طاہرہ بھی بلکہ حضور کے اعمال احوال 'افعال بلکہ خود حضور ﷺ کی ذات بابرکات شامل ہے کہ وہ بھی تی چیز ہے چونکہ حضور انور کی ذات آپ کی ہر لوا آخری ہدایت گاہ ہے اس لئے یہ ارشاد ہوا اگر کتاب فرمایا جاتا تو یہ عموم حاصل نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ: قدرت نے ہر چیز میں ظاہر بھی رکھا ہے باطن بھی ظاہر کو خلق باطن کو ملکوت کہا جاتا ہے ظاہر بصارت سے دیکھا جاتا ہے باطن بصیرت سے عقل والے لوگ ظاہر خلق سے خالق ہستی کو استدلال سے پہچانتے ہیں مگر قلب والے لوگ ملکوت کے ذریعہ عالم غیب کا شہود یعنی مشاہدہ کرتے ہیں جس سے انہیں ایقان والا بلکہ عیان والا ایمان نصیب ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **وکذالک نری ابراھم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین** اللہ تعالیٰ تا قیامت اپنے خاص بندوں کو عالم کا ملکوت 'ناسوت' جبروت بلکہ لاہوت دکھاتا ہی رہے گا اگر یہ عطائیں نہ ہوں تو انسان و حیوان میں فرق کیا ہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عقول والوں کے لئے استدلال ہے مگر قلوب والوں کے لئے دروج ہے اللہ تعالیٰ ہم کو عقل سلیم بھی عنایت کرے اور قلب مومن بھی نصیب کرے جو ایمان سے ایقان سے محروم رہا وہ طغیان کے جنگل میں سرگرداں رہا اسے ہدایت کیسے ملے۔ (از روح البیان)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَيَّانَ مُرْسٰىهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ ۚ
سوال کرتے ہیں آپ سے قیامت سے کہ کب کو ہے ٹھہرنا اس کا فرماؤ آپ کہ اس کے سوا نہیں کہ علم اس کا میرے رب
تم سے قیامت کو پوچھتے ہیں کہ وہ کب کو ٹھہری ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم تو میرے رب کے پاس ہے
لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔۘ ثَقُلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ لَا تَاْتِيْكُمْ (وقف لازم)
کے پاس ہے نہیں ظاہر کرے گا اس کو وقت پر اس کے مگر وہ بھاری ہے وہ بیچ آسمانوں اور زمین کے نہ آئے گی
اسے وہی اس کے وقت پر ظاہر کرے گا بھاری پڑ رہی ہے آسمانوں اور زمین میں تم پر نہ آئے گی
اِلَّا بَغْتَةً ؕ يَسْـَٔلُوْنَكَ كَاَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا ؕ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ اللّٰهِ
وہ تم پر مگر اچانک سوال کرتے ہیں تم سے گویا کہ تم خوب واقف ہو اس سے تم فرماؤ کہ اس کے سوا نہیں کہ علم اس کا
مگر اچانک تم سے ایسا پوچھتے ہیں گویا تم نے اسے خوب تحقیق کر رکھا ہے تم فرماؤ کہ اس کا علم
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
پاس ہے اللہ کے اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔
تو اللہ ہی کے پاس ہے لیکن بہت لوگ جانتے نہیں۔

تعلق: ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں موت یاد دلائی گئی تھی کہ شاید یہ قریب ہو اب قیامت کے ظہور کا تذکرہ ہے یعنی چھوٹی قیامت یعنی موت کے ذکر کے بعد بڑی قیامت یعنی محشر کا تذکرہ ہے کیونکہ موت اور قیامت وہ دہشت ناک چیزیں ہیں کہ اگر انسان کا دھیان ان کی طرف رہے تو وہ گناہ پر دلیر نہ ہو۔ دوسرا

تعلق: پچھلی آیات میں توحید و رسالت کا ذکر تھا اب انسان کے معاد کا تذکرہ ہے یہ ہی چیزیں اسلام کے ارکان ہیں جن پر اسلام کی عمارت قائم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ ضروری چیزوں سے آنکھیں بند کئے ہوئے ہیں مخلوق میں غور کرکے خالق کو نہیں پہچانتے اب کفار کا دوسرا عیب بیان ہو رہا ہے کہ وہ غیر ضروری بحثیں کرتے رہتے ہیں کہ قیامت کب ہوگی اس کی تاریخ بتایئے گویا کفار کا ایک عیب بیان فرمانے کے بعد ان کے دوسرے عیب کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: اس آیتہ کریمہ کے نزول کے متعلق دو روائتیں ہیں (1) ایک دفعہ سرداران قریش جن میں اکثر حضور ﷺ کے قرابت دار تھے حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور بولے کہ ہم آپ کے رشتہ دار اور بالکل قریبی ہیں عزیزوں سے راز کی بات نہیں چھپائی جاتی آپ ہم کو بتادیں کہ وہ قیامت جس سے آپ ہم کو ڈراتے رہتے ہیں کب اور کس تاریخ کس دن میں آوے گی ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر' خازن- روح البیان' مدارک وغیرہ) (2) حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ دو یہودی حمل ابن ابی قشیر اور سمول ابن زید حضور انور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بولے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو فرمایئے کہ قیامت کب آوے گی کیونکہ ہم کو تو اس کا علم ہے حالانکہ ہم نبی نہیں آپ تو نبی ہیں آپ کو ضرور اس کا علم ہونا چاہئے ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی (کبیر' روح المعانی' روح البیان' صاوی' خازن' بیضاوی وغیرہ)۔

تفسیر: یسئلونک یہ لفظ بنا ہے سوال سے قرآن مجید میں سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں **واما السائل فلا تنهر** اور پوچھنا بھی جیسے **ویسئلونک عن الانفال** جب پوچھنے کے معنی ہوں تو اس کے بعد عن آتا ہے یہاں معنی پوچھنا ہے کہ اس کے بعد عن آ رہا ہے اگرچہ یہ پوچھنے والے ایک دو آدمی تھے مگر چونکہ یہ سوال پوری قوم کی طرف سے تھا اس لئے **یسئلون** جمع ارشاد ہوا۔ خیال رہے کہ ان کا یہ سوال صرف مذاق کے طور پر تھا کہ اگر حضور نہ بتائیں تو ہم کہیں کہ آپ نبی کیسے جو قیامت تک کو نہیں جانتے اور اگر بتادیں تو ہم کہیں کہ قیامت اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کے چھپانے کا حکم ہے ہم پر آپ نے اسے ظاہر کیوں فرمایا غرضکہ یہاں سوال صرف مذاق کے لئے تھا نہ کہ رب تعالیٰ کے خوف کی وجہ سے **عن الساعته** یہ متعلق ہے **یسئلونک** کے ساعت کے لفظی معنی ہیں گھنٹہ یعنی دن رات کا چوبیسواں حصہ کبھی گھڑی کے لئے بھی آتا ہے مگر اصطلاح میں قیامت کو ساعت کہتے ہیں کیونکہ یہ پل بھر میں قائم ہو جاوے گی یعنی اچانک جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یا اس کا حساب و کتاب گھڑی بھر میں ہو جاوے گا نیز وہ دن باوجود پچاس ہزار برس کا ہونے کے اللہ تعالیٰ کے نزدیک گھڑی بھر کا ہے نیز وہ دن ان مومنوں کو جنہیں حضور کے دامن میں جگہ مل جاوے گھڑی بھر کا معلوم ہوگا ان وجوہ سے اسے ساعت کہا جاتا ہے یہ قیامت کا مشہور نام ہے۔ خیال رہے کہ قیامت کے بہت نام ہیں (1) ساعت (2) قیامت (3) قارعہ (4) حاقہ (5) خافضہ (6) رافعہ (7) طامہ (8) صاخہ (9) زلزلہ (10) یوم الفرقہ (11) یوم موعود (12) یوم العرض (13) یوم المفر (14) یوم عسیر۔ یہ نام قرآن مجید میں آئے ہیں ان کے بہت معانی ہیں جن میں سے ہر معنی قیامت میں پائے جاتے ہیں (تفسیر صاوی) یعنی لوگ آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں **ایان مرساها** یہ عبارت **عن الساعته** کا بدل ہے لہٰذا محلاً جر حالت میں ہے قوی یہ ہے کہ ایان لفظ جامد

www.alahazratnetwork.org

ہے کسی سے بنا نہیں اس کے معنی ہیں کب جیسے این کے معنی ہیں کہاں بعض نحوی کہتے ہیں کہ یہ بنا ہے یا ای تن سے ۔ معنی کونسی گھڑی یا ای اوان سے ۔ معنی کونسا وقت ابن جنی کہتے ہیں کہ یہ **ای** کا فعلان ہے (کبیر معانی وغیرہ) **مرسا** مصدر میمی ہے رسا یرسو اکا جس کا مادہ ہے **رسو** لہذا مرسا ۔ معنی ارساء ہے بھاری چیز کے روکنے ٹھہرنے کو ارساء کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا** اور فرماتا ہے **والجبال ارسٰھا** یہاں ایان خبر مقدم ہے اور مرسا مبتداء موخر یعنی کب ہے اس کا قائم ہونا اس کا ٹھہرنا (کبیر بیان معانی وغیرہ) **قل انما علمھا عند ربی** یہ ان کے سوال کا جواب ہے علمھا میں ھا ضمیر کا مرجع قیامت ہے باعتبار وقوع لہذا یہاں مضاف پوشیدہ ماننے کی کوئی ضرورت نہیں یعنی قیامت کا علم تاریخ وقوع کے لحاظ سے صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کوئی شخص اس کے بغیر بتائے کسی علم و عقل کے ذریعہ معلوم نہیں کر سکتا بعض چیزیں وہ ہیں جنہیں انسان عقل و حساب و علوم کے ذریعہ معلوم کر لیتا ہے لہذا قیام قیامت کا علم اسرار الٰہیہ سے ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں۔ خیال رہے کہ اس فرمان عالی میں بتانے کی نفی ہرگز نہیں جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحکم الا للہ** حکم صرف اللہ کا ہے حالانکہ اللہ نے اپنے بعض بندوں کو حاکم بنایا ہے اور فرماتا ہے **انہ ھو السمیع البصیر** صرف اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے حالانکہ اس نے اپنے کرم سے اپنے بندوں کو سمیع و بصیر بنایا ہے حق یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ کو جہاں اور علوم غیبیہ دئے وہاں قیامت کا علم بھی دیا۔ دیکھو تفسیر روح البیان اور تفسیر صاوی۔ یہاں انما فرمانا ہمارے علم و فضل و تخمینہ اٹکل کے اعتبار سے ہے یعنی قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے اسی سے مل سکتا ہے تمہاری عقل تمہارا حساب قیامت کو نہیں بتا سکتے یہ بات خوب یاد رہے **عند ربی** فرما کر یہ بتایا کہ وہ ہے میرا رب میں اس کا خاص مربوب رب اپنے خاص مربوب سے کوئی چیز نہ چھپا رکھتا ہے نہ انکار کرتا لہذا اس نے مجھے علم قیامت دیا تم اس مرتبہ کے مربوب نہیں تمہیں کیسے یہ علم دیا جاوے ہم سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت ہر بندے کے لحاظ سے مختلف ہے جس شان کی ربوبیت سے اس نے **محمد رسول اللہ** کو پالا اس شان سے کسی کی پرورش نہیں کی کہ جو کچھ عطا کے لائق تھا وہ سب حضور کو دے دیا۔

جو ہوتی خدائی بھی دینے کے قابل خدا بن کے آتا وہ بندہ خدا کا

جب خدا ہی حضور سے نہیں چھپا تو کیا قیامت خدا سے بڑھ کر ہے جو حضور سے چھپائی جاوے۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود!

لا یجلیھا لوقتھا الا ھو اس عبارت میں قیامت کو مخفی رکھنے کے دوام و ہمیشگی کا ذکر ہے گویا یہ فرمان عالی بیان ہے **عند ربی** کا یعنی قیامت آنے تک اسے عام لوگوں سے پوشیدہ رکھا جاوے گا **لا یجلی** بنا ہے **تجلیتہ** سے جس کا مادہ **جلاء** ہے ۔ معنی ظہور اس کا مقابل ہے **خفاء** ۔ معنی پوشیدگی **تجلیتہ** ظاہر کرنا ۔ تجلی ظاہر ہونا **الوقتھا** میں لام وقت کے لئے ہے یا ۔ معنی فی ہے جیسے **اقم الصلوۃ لدلوک الشمس** میں بعض کے نزدیک ۔ معنی **عند** ہے یعنی جب قیامت آنے کا وقت آوے گا تو رب تعالیٰ ہی اسے قائم فرمادے گا بغیر بتائے بغیر سنائے قیامت آکر ہی ظاہر ہوگی اس سے پہلے نہیں

www.alahazratnetwork.org

ثقلت فی السموت والارض یہ عبارت یا تو نئی ہے جس میں قیامت کی عظمت وہیبت کا ذکر ہے یا **لا یجلیھا** کا بیان ہے یعنی کفار تو قیامت کا مذاق اڑانے اس کے انکار کرنے میں مشغول ہیں مگر اس کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آسمانوں میں فرشتوں پر زمین میں مومن جن وانس اور تمام جانوروں پر بھاری ہے کہ سب ابھی سے اس کی دہشت سے کانپ رہے ہیں یا مقصد یہ ہے کہ قیامت چھپنے کی وجہ سے سب پر بھاری ہے جس آفت کے آنے کا یقین ہو اس کا وقت نامعلوم ہو وہ بہت بھاری معلوم ہوتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ جب قیامت آوے گی تو آسمانوں اور زمین پر بھاری ہوگی کہ تمام چیزیں فنا ہو جاویں گی اور آسمانوں کے ٹکڑے اڑ جاویں گے زمین تبدیل کردی جاوے گی تارے جھڑ جاویں گے چاند سورج بے نور اور بے قدر ہو جائیں گے اس کا مطالب اور بھی ہو سکتے ہیں (روح المعانی) آسمانوں اور زمین سے مراد یا تو یہاں کے رہنے والے ہیں یا خود وہ ہی **لا تاتیکم الا بغتتہ** " یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ فرمانوں کا بیان ہے یا مستقل علیحدہ جملہ ہے جس میں قیامت کی دوسری شان بتائی گئی ہے **کم** میں خطاب **کافر** قوم سے ہے نہ کہ موجودہ کفار سے نہ مومنوں سے کیونکہ قیامت نہ تو مومنوں پر آئے گی کہ اس وقت مومن سارے وفات پا چکے ہوں گے اور نہ حضور کے زمانہ کے کفار پر کہ ان میں سے کوئی بھی اس وقت نہ ہوگا **بغتتہ** اور **فجاءت** دونوں ہم معنی ہیں۔ بمعنی اچانک جس کی تمہید یا تیاری نہ ہو یعنی تم کافروں جن وانس پر قیامت اچانک آوے گی جس کی آمد کی کوئی نشانی اس وقت نہ ہوگی اگرچہ اس سے پہلے علامات قیامت بہت ظاہر ہو چکی ہوں گی۔ خیال رہے کہ مقصد یہ ہے کہ اگر میں اس کا وقت بتادوں تو اچانک نہ رہے گی اور ارادہ الٰہی یہ ہے کہ اچانک آئے میں ارادہ الٰہی کے خلاف کیسے کر سکتا ہوں اسی وجہ سے **لا تاتیکم** ارشاد ہوا کہ قیامت کفار کے لئے اچانک ہے حضور انور کے اور خاص خدام کے لئے اچانک نہیں جنہیں اس کا وقت بتایا گیا ہے **یسئلونک کانک حفی عنھا** یہ عبارت کفار کی دوسری حماقت بیان کرنے کے لئے لہٰذا یہ نیا جملہ ہے **یسئلون** کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کی جاچکی **حفی** بروزن فعیل صفت مشبہ ہے اس کا مصدر حفی یا حفاوۃ ہے۔ بمعنی بحث کرنا تحقیق کرنا دلائل میں غور کرنا اس میں مبالغہ کرنا اعشیٰ کہتا ہے۔

فان تسئلوا عنی فیا رب سائل — حفی عن الاعشی بہ حیث اصعدا

اسی سے ہے **احفا الشارب** چونکہ حفی میں مبالغہ کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد عن ارشاد ہوا ورنہ علم کے بعد ب آتی ہے نہ کہ عن (روح البیان) **عنھا** کا تعلق حفی سے ہے یعنی آپ سے یہ لوگ قیامت کا وقت ایسے پوچھ رہے جیسے گویا کہ آپ نے اسے خوب تحقیق بحث مباحثہ سے دلائل میں غور کرکے معلوم کرلیا ہے اور یہ بتانے کے قابل ہے کیونکہ جو چیز بحث مباحثہ دلائل سے معلوم کی جاوے وہ بہ شریعت اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے بتانا لازم حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ علم قیامت علم لدنی ہے جس کا اغیار سے چھپانا ضروری ہے اس وجہ سے یہاں **حفی** ارشاد ہو علیم نہ فرمایا گیا عنھا فرمایا گیا بہا نہ فرمایا علیم حفی اور عنھا اور بہا کا فرق خیال میں رہے حفی کے دوسرے معنی ہیں مہربان یعنی محبت میں مبالغہ کرنے والا رب فرماتا ہے **انہ کان بی حفیا** وہ مجھ پر بڑا مہربان ہے اس صورت میں عنھا کا تعلق یسئلونک سے ہے اور حفی کے بعد بہم پوشیدہ یعنی یہ لوگ آپ سے اس قیامت کے متعلق ایسے پوچھ رہے ہیں کہ گویا آپ ان پر بہت ہی مہربان ہیں انہیں بتا ہی دیں گے حالانکہ آپ کا ان سے تعلق ہی کیا ہے کہ وہ اگرچہ آپ کے قرابت دار ہیں مگر روحانی طور پر آپ سے بہت دور ہیں (کبیر معانی بیان وغیرہ) یہ دوسری

www.alahazratnetwork.org

تفسیر سیدنا عبداللہ ابن عباس اور قتادہ سے مروی ہے (معانی) مجاہد اور ضحاک نے فرمایا کہ حفی بمعنی مسرور اور خوش ہے یعنی وہ لوگ یہ بات اس طرح ایسے پوچھتے ہیں کہ گویا آپ اس سوال سے بہت ہی خوش ہیں (معانی) خیال رہے کہ اس آیت میں ایک سوال کو دو دفعہ بیان فرمایا گیا اور دو دفعہ ہی اس کا جواب دیا گیا۔ **قل انما علمها عند ربی** اور دوسرا **قل انما علمها عند اللہ** اس سوال و جواب کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے بعض علماء نے فرمایا کہ پہلا سوال قیامت کا وقت پوچھنے کے لئے ہے اور یہ دوسرا سوال قیامت کے خاص حالات پوچھنے کے لئے جو قابل بیان نہیں (معانی) **قل انما علمها عند اللہ** یہ فرمان عالی پہلے جواب کی تکرار کے لئے ہے وہاں تھا عند ربی یہاں ہے عند اللہ یعنی ان کے ایک سوال کو مکرر فرمایا اس کا جواب بھی مکرر کیا تاکہ سوال و جواب کی اہمیت کا پتہ لگے یا یہ فرمان ان کے دوسرے سوال کا جواب ہے کہ وہ لوگ آپ سے قیامت کے خفیہ حالات پوچھتے ہیں فرمادو کہ ان کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے وہاں سے ہی ملے گا یہ علم تبلیغی نہیں تاکہ ہم تم کو علانیہ بتائیں عند اللہ کی وہ ہی تحقیق ہے جو ابھی عند ربی کی تفسیر میں عرض کی گئی **ولکن اکثر الناس لا یعلمون** اس فرمان عالی میں کفار کی دوسری حماقت و جہالت کا ذکر ہے **لا یعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی بہت سے قیامت کو نہیں جانتے نہیں مانتے نہیں یا اکثر لوگ یہ نہیں مانتے جانتے کہ اس کا وقت ناقابل بیان ہے بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ قیامت کا وقت بتانا نبوت کے لئے لازم ہے جو قیامت کا وقت نہ بتائے وہ نبی ہی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ کفار آپ سے قیامت کے متعلق پوچھتے ہیں کہ وہ کب تک کے لئے ٹھہری ہوئی ہے اس کا ظہور کب ہوگا آپ ان نادانوں کو جواب دے دیں کہ قیامت کے وقت کا علم صرف میرے رب کے قبضہ میں ہے جسے وہ چاہے بذریعہ الہام بتائے کسی بندے کو طاقت نہیں کہ اپنی عقل اپنے علم اپنے حساب دلائل وغیرہ سے معلوم کر سکے یہ اسرار الہیہ میں سے ہے جسے ظاہر نہیں کر سکتا اس کا وقت ہمیشہ صیغہ راز میں رکھا جاوے اسے اللہ تعالیٰ ہی مقررہ وقت پر بغیر لوگوں کو بتائے ظاہر فرمادے گا قیامت اسی وجہ سے آسمان و زمین والوں پر بھاری ہے کہ اس کے وقت کا اعلان نہیں کیا گیا جس ہولناک خبر کا آنا یقینی ہو مگر آنے کا وقت معلوم نہ ہو زیادہ ہیبت ناک ہوتی ہے اے کافرو قیامت صرف تم پر آوے گی اور اچانک آوے گی کہ لوگ اپنے کام کاج میں مشغول ہوں گے کہ قیامت آجاوے گی اگر میں اس کے وقت کا اعلان کردوں تو وہ نہ تو اتنی بھاری رہے نہ اچانک یہ بات ارادہ الٰہی کے خلاف ہے یہ لوگ آپ سے قیامت کا وقت ایسے پوچھتے ہیں جیسے گویا آپ نے اس کی بہت تحقیق کر رکھی ہے دلائل میں غور کر کے بحث و تمحیص سے اسے معلوم کیا ہے تاکہ اس کی اشاعت فرمادیں یا وہ لوگ آپ سے ایسے پوچھتے ہیں کہ گویا آپ ان پر بڑے ہی مہربان ہیں انہیں بتا ہی دیں گے آپ فرمادو کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ ہی بذریعہ وحی لدنی طور پر جسے بتائے تو بتائے اور کوئی اپنی عقل اپنے علم و حساب سے اس کا پتہ نہیں لگا سکتا اکثر لوگ یہ راز جانتے نہیں تو اس کا انکار کر دیتے ہیں کہ کوئی تو قیامت ہی کو نہیں مانتا کوئی اسے اسرار الہیہ میں سے نہیں مانتا کوئی سمجھتا ہے کہ وقت قیامت کا بتانا لوازم نبوت سے ہے جو نہ بتائے وہ نبی نہیں یہ سب جہالت کے خیالات ہیں۔

خیال رہے کہ علم قیامت کے متعلق علماء اہل سنت میں اختلاف ہے عام علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کو قیامت کے وقت کا علم نہیں دیا گیا وہ حضرات اس جیسی آیات کے ظاہری معنی سے دلیل پکڑتے ہیں مگر محققین علماء اور مشائخ کرام

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں کہ حضور انور کو یہ علم بھی عطا ہوا ان حضرات کے دلائل بہت قوی ہیں ہم نے علم قیامت کی تحقیق اپنی کتاب جاء الحق حصہ اول میں کر دی ہے وہاں مطالعہ فرماؤ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس آیت اور اس جیسی باقی آیات میں ایک لفظ ایسا نہیں جس سے اس علم کی نفی ہو یہاں لا اعلم یا ما اعطیت علمہا نہیں فرمایا گیا بلکہ چار باتیں ارشاد ہوئیں۔ (1) قیامت کا علم صرف اللہ کے پاس ہے (2) قیامت کو اس کے وقت پر اللہ تعالیٰ ہی ظاہر فرمائے گا (3) قیامت اپنے مخفی ہونے کی وجہ سے آسمان و زمین میں بھاری ہے (4) قیامت اچانک آوے گی کفار پر ان چاروں باتوں سے یہ نہیں معلوم ہوتا کہ حضور کو اس کا علم نہیں دیا گیا بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عوام کو بتانے سے منع فرمایا گیا کہ یہ علم شریعت نہیں جس کی اشاعت کی جاوے وہ لدنی چیز ہے جس کا چھپانا ضروری ہے اگر اسے شائع فرمادیا گیا تو اس کے بھاری ہونے میں کمی ہو جاوے نیز پھر وہ اچانک نہ رہے گی۔

اس کے علم پر بہت دلائل قائم ہیں (1) فرماتے ہیں ﷺ کہ میں اور قیامت ان دو ملی ہوئی انگلیوں کی طرح ہیں (2) حضور انور نے ایک مجلس میں قیامت تک کے واقعات من و عن تفصیل وار بالترتیب بیان فرمادیئے لہٰذا جس دن آخری واقعہ ہو گا اسی دن قیامت آوے گی (3) حضور انور نے علامات قیامت اس تفصیل سے بیان فرمادیں کہ آج میں کہہ سکتا ہوں کہ ابھی قیامت نہیں آسکتی کیونکہ ابھی نہ دجال آیا نہ سورج مغرب سے نکلا نہ یاجوج ماجوج ظاہر ہوئے نہ عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے (4) حضور انور نے قیامت کا دن بتادیا کہ جمعہ کے دن قائم ہو گی **نوٹ:** (5) بلکہ مشہور یہ ہے کہ حضور انور نے قیامت کا مہینہ بھی بتا دیا کہ محرم میں آوے گی تاریخ بھی بتادی کہ دسویں تاریخ یعنی عاشورہ کے دن آوے گی واللہ و رسولہ اعلم باقی رہ جاتا ہے سن بتانا اس کے بھی اشارات موجود ہیں۔ (6) ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم** کے مبسوطی عدد جناب مہدی کے ظہور کی تاریخ ہیں اور ظہور امام مہدی سے پانچ سو برس بعد قیامت آوے گی (7) فرمایا ﷺ نے کہ گزشتہ امتوں کے مقابلہ میں میری امت کی مدت اتنی ہے جیسے عصر کے وقت سے غروب آفتاب کی مدت (بخاری مسلم عن ابن عمر) (8) فرماتے ہیں ﷺ کہ انسانی دنیا کی عمر سات ہزار سال ہے ہم چھٹے ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ (9) حضرت محی الدین ابن عربی وغیرہم اولیاء اللہ نے اشارات خفیہ سے قیامت کے قیام کی تاریخ بتادی ہے مگر اس کے سمجھنے کے لئے علم باطن درکار ہے یہاں تفسیر روح المعانی نے علم قیامت کے متعلق بہت تفصیلی گفتگو کی ہے۔ فلاسفہ کے اقوال ان کے حسابات لکھے ہیں بہر حال قوی یہ ہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان علوم غیبیہ کی طرح قیامت کا علم بھی عطا فرمایا مگر اس کا اظہار اعلان سے منع فرمایا اس آیت میں اسی اعلان سے روکا گیا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** پوچھ گچھ اور سوال کی حیثیت پوچھنے والے کی نیت سے مختلف ہوتی ہے نیک نیتی سے پوچھنے والا مکمل جواب اور تعریف کا مستحق ہوتا ہے بدنیتی سے پوچھنے والا جھڑکا جاتا ہے یہ فائدہ **یسئلونک** سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن کریم نے مومنوں کے سوالات بھی نقل فرمائے **ویسئلونک عن المحیض** یا جیسے **ویسئلونک ماذا ینفقون** وغیرہ مگر وہاں تسلی بخش جواب دے دیئے گئے یہاں کفار کا سوال نقل فرمایا ان پر عتاب کے لئے اللہ تعالیٰ اچھی نیت نصیب کرے۔ **دوسرا فائدہ:** بے فائدہ سوال سے بچنا چاہئے فائدہ مند سوال ضرور کرنا چاہئے یہ فائدہ **ایان مرسٰہا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** علم قیامت اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے اسے کوئی

www.alahazratnetwork.org

محض عقل، علم، حساب سے نہیں جان سکتا یہ فائدہ **انما علمھا** کے **انما** فرمانے سے حاصل ہوا کہ انما حصر کے لئے آتا ہے جو کوئی علم قیامت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ **چوتھا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے علم قیامت حضور ﷺ کو عطا فرمایا حضور بہ اطلاع الٰہی جانتے ہیں یہ فائدہ **علمھا عند ربی** فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں جواب میں **لا اعلمھا** نہیں فرمایا گیا نیز **عند اللہ یا عند رب العلمین** نہیں ارشاد ہو بلکہ عند ربی ارشاد ہوا دیکھو تفسیر جیسے ارشاد ہوا **وعندہ مفاتح الغیب** **پانچواں فائدہ:** قیامت آخر دم تک مخفی ہی رہے گی کبھی اس کے وقت کا اعلان نہ ہو گا یہ فائدہ **وعندہ لا یجلیھا لوقتھا** اور **بغتتہ** فرمانے سے حاصل ہوا اگر اس کا وقت بتا دیا جاوے تو وہ اچانک کیسے رہے۔ **چھٹا فائدہ:** کسی آفت کا چھپا ہوا ہونا اسے بھاری کر دیتا ہے یہ فائدہ **ثقلت فی السموت** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** قیامت صرف کفار جن وانس پر قائم ہو گی اس وقت روئے زمین پر کوئی اللہ اللہ کہنے والا نہ ہو گا یہ فائدہ **لا تاتیکم** میں **کم** فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب کفار سے ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** عاقل متقی مومن کے لئے کوئی آفت بغتہ یعنی اچانک نہیں وہ ہر دم تیار رہتا ہے۔ یہ فائدہ **لا تاتیکم الا بغتتہ**" سے اشارۃً حاصل ہوا کافر غافل اگر دس سال بھی بیمار رہ کر مرے تو اس کی موت اچانک ہے کہ وہ اس دوران میں ہوا اور دوا کے پیچھے رہتا ہے رب کی طرف متوجہ نہیں ہوتا مومن عاقل اگرچہ ہارٹ فیل ہو کر مرے مگر اس کی موت اچانک نہیں کہ وہ ہر دم تیار رہتا ہے۔ **نواں فائدہ:** علم استدلالی اور علم شریعت اشاعت کے لائق ہیں مگر طریقت کے مسائل لدنی علوم قابل اشاعت نہیں ان کا چھپانا نااہل سے محفوظ رکھنا ضروری ہے یہ فائدہ **علمھا عند ربی** اور **حفی عنھا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ **دسواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ اگرچہ عالمین کا رب ہے مگر اس کی ربوبیت خاصہ صرف حضور انور سے خاص ہے اس لئے رب کی ہر چیز حضور کی اپنی ہے ناممکن ہے کہ کوئی چیز قابل عطا ہو اور حضور کو عطا نہ کی گئی ہو یہ فائدہ رب فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کو علم قیامت نہیں دیا گیا کیونکہ انما حصر کے لئے ہے اگر حضور کو علم قیامت دیا گیا وہ تو انما کے معنی درست نہ ہوں گے پھر تم لوگ حضور انور کو علم غیب کلی کیسے مانتے ہو۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ آیتہ کریمہ میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے حضور کو علم دیئے جانے کی نفی ثابت ہو **لا اعلم** یا **ما اعطیت** نہیں فرمایا گیا واقعی انما حصر کے لئے ہے مگر یہ حصر پاس ہونے کے لئے ہے یعنی علم قیامت صرف اللہ کے پاس ہے حضور انور کو علم قیامت ہے حضور کے پاس علم قیامت نہیں رب تعالیٰ کے پاس حاصل کیا ہوا ہے۔ اس قسم کے حصر قرآن مجید میں بہت ہیں دیکھو ہماری کتاب جاء الحق۔ آیتہ کا مقصد یہ ہے کہ علم قیامت علوم شرعیہ میں سے نہیں جس کی میں اشاعت کروں بلکہ علوم الٰہیہ میں سے ہے جس کے اظہار کی اجازت نہیں نیز علم قیامت بندوں کے عقل و حساب سے حاصل نہیں ہوتا یہ تو خزانہ الٰہی کا موتی ہے جو صاحب اسرار کو دیا جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ قیامت کو اس کے وقت پر رب ہی ظاہر کرے گا ہر کام رب تعالیٰ ہی کرتا ہے قیامت کی کیا خصوصیت ہے۔ **جواب:** اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ قیامت کو آخر دم تک لوگوں پر ظاہر نہیں کیا جاوے گا وہ تو آکر اور قائم ہو کر ہی ظاہر کی جاوے گی یعنی دکھائی جائے گی بتائی نہ جائے گی اس لئے آگے ارشاد ہوا کہ وہ اچانک آوے گی۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابوں

www.alahazratnetwork.org

نے قیامت کی خبر دے دی۔ حضور ﷺ نے علامات سے اسے روز روشن کی طرح ظاہر فرمادیا پھر وہ اچانک کہاں رہی پھر یہ کلام کیونکر درست ہوا کہ **لاتاتیکم الابغتته**۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ خطاب ان کفار سے ہے جو نہ قیامت کو مانتے ہیں نہ نبی کو نہ ان کی خبروں کو ان کے لیے قیامت واقعی اچانک ہوگی کہ بے خیال بے گمان آجاوے گی۔ دوسرے یہ کہ کتابوں نے قیامت آنے کی خبر دی علامات اس کا قرب ظاہر کریں گی مگر اس کی آمد اچانک ہوگی جب کہ لوگ اس سے بالکل بے خبر ہوں گے حتی کہ کوئی اپنے جانوروں کی کھلی درست کر رہا ہوگا کوئی تاجر گاہک کو کپڑا دکھا رہا ہوگا کوئی شخص روٹی کھا رہا ہوگا کہ قیامت آجاوے گی یعنی صور پھونکنے لگے گا۔ اس کا قرب ظاہر ہوگا مگر اس کی آمد اچانک۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیہ کریمہ میں ایک سوال کو دو دفعہ کیوں بیان کیا گیا **یسئلونک عن الساعتہ** اور دوسرا **یسئلونک عنھا** اس تکرار سے کیا فائدہ۔ **جواب**: اس اعتراض کے جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے کہ پہلے ان کے سوال کا ذکر ہوا **یسئلونک عن الساعتہ** پھر ان کے اصرار اور ضد کا ذکر ہوا کہ وہ ایسے یوں ضد کرکے پوچھتے ہیں کہ جیسے آپ انہیں بتا ہی دیں گے یا پہلے ان کے سوال میں قیامت کا ذکر ہوا پھر دوسرے حالات قیامت اسرار قیامت خصوصی رازوں کے پوچھنے کا ذکر ہوا۔ وہ کبھی قیامت کی تاریخ پوچھتے تھے کبھی قیامت کے سربستہ راز یہ تکرار بے فائدہ نہیں ہے اس سوال و جواب کی اہمیت دکھانے کے لئے ہے۔ **پانچواں اعتراض**: یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ قیامت آسمانوں اور زمین پر بھاری ہے کفار یا گنہگار پر نہ کہ آسمان و زمین پر۔ **جواب**: ظاہر یہ ہے کہ آسمانوں اور زمین سے مراد وہاں کے باشندے ہیں فرشتے جن و انس سب پر ہی بھاری ہے اس دن سب ہی فنا کردیے جائیں گے پھر عرصہ کے بعد زندہ ہوں گے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد آسمان و زمین ہی ہوں قیامت کا خوف ان کو بھی ہے کیونکہ اس دن ان سب پر ہی آفت آئے گی کہ آسمان پھٹ جائیں گے زمین توڑ دی جاوے گی۔ زمین و آسمان میں شعور ہے انہیں خوشی و غم رنج و فکر کا احساس سب ہی کو ہے۔ **چھٹا اعتراض**: حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار مجمع صحابہ میں جبریل علیہ السلام شکل انسان میں آئے چند سوال کئے ان میں سے ایک یہ تھا کہ **متی الساعتہ** قیامت کب ہے تو حضور نے جواب میں فرمایا **ماالمسؤل عنھا باعلم من السائل** یعنی سوال کرنے والے سے مسئول زیادہ نہیں جانتا اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور انور کے علم قیامت نہیں وہ حدیث اس آیت کی شرح بتا رہی ہے کہ حضور کو قیامت کا علم نہیں۔ **جواب**: ہم نے اس کا جواب مرآۃ شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح میں دیا ہے نیز جاء الحق میں اس کے بہت جوابات دیے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ حضور انور نے جواب میں یہ نہ فرمایا کہ لا اعلم میں نہیں جانتا بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی جس میں علم کی نفی نہیں بلکہ زیادتی علم کی نفی ہے مطلب یہ ہے کہ اے جبریل قیامت کا علم تم کو بھی ہے۔ مجھ کو بھی مجھے تم سے زیادہ علم نہیں تم مجمع میں یہ سوال کرکے اس سربستہ راز کو ظاہر نہ کراؤ اسی لئے پھر جبریل علیہ السلام نے عرض کیا کہ **اخبرنی عن اماراتھا** اچھا حضور اس کی نشانیاں ہی بتا دیجئے تب حضور انور نے نشانیاں بتائیں نشانیاں واقف سے ہی پوچھی جاتی ہیں ناواقف سے نہیں۔ **ساتواں اعتراض**: قیامت کا دن پچاس ہزار برس کا ہے پھر اسے ساعت کیوں کہتے ہیں ساعت کے معنی ہیں گھنٹہ یا گھڑی بھر پل بھر کا وقت دیکھو روح المعانی یہ نام درست کیسے ہوا۔ **جواب**: یا اس لئے کہ قیامت پل بھر میں قائم ہو جاوے گی یا اس لئے کہ مومنوں کو وہ دن بہت چھوٹا محسوس ہو گا یا اس لئے کہ تمام عالم کا حساب بہت تھوڑے وقت میں لیا

www.alahazratnetwork.org

جاوے گا بہر حال اسے ساعت فرمانا بالکل ہی درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قیامت دو طرح کی ہے جسمانی اور روحانی قیامت جسمانی تین ہیں۔ قیامت صغریٰ یعنی چھوٹی قیامت یہ ہر شخص کی اپنی موت ہے فرمایا نبی ﷺ نے جو مرگیا اس کی قیامت تو آگئی دوسری قیامت وسطیٰ یعنی سارے انسانوں کی موت عالم کی فنا یہ صور کے پہلے نفخہ پر ہوگی۔ قیامت کبریٰ یعنی بڑی قیامت سارے مردوں کا اٹھنا اور سزا و جزا کے لیے بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا یہ صور کے دوسرے نفخے پر ہوگی۔ یہ تینوں قیامتیں جسم سے متعلق ہیں اور جسمانی کہلاتی ہیں قیامت روحانی کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ نفس انسانی فانی فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جائے **موتوا قبل ان تموتوا** کا مظہر بن جاوے کہ موت سے پہلے مرجائے حالت یہ ہو جاوے کہ۔

تجھ ہی میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں　　　مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

جسمانی قیامت میں نیک کاروں کو جنت ملے گی مگر روحانی قیامت میں نیک کاروں کو دنیا ہی میں جنت والا رب مل جاتا ہے وہ دنیا میں رہتے ہوئے بھی جنت میں رہتا ہے خوش نصیب لوگ قیامت کے متعلق زیادہ پوچھ گچھ نہیں کرتے بلکہ قیامت روحانی حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ اس قیامت کے ایسے منتظر ہوتے ہیں جیسے روزہ دار اذان افطار کا لوگ فنا سے ڈرتے ہیں وہ فنا پر مرتے ہیں کفار عرب ان باتوں سے نا آشنا تھے تو وہ بجائے قیامت کی تیاری کرنے کے اس کے متعلق کج بحثی کرتے رہتے تھے

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِىْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ

فرمادو کہ نہیں مالک ہوتا ہوں میں اپنی ذات کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا سوا اس کے جو چاہے اللہ اور اگر ہوں میں خود

تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا خود مختار نہیں مگر جو اللہ چاہے اور اگر میں غیب جان لیا

الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۛ وَمَا مَسَّنِىَ السُّوْٓءُ ۛ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ

جانتا غیب کو تو زیادہ کر لیتا میں بھلائی اور نہ چھوتی مجھ کو برائی نہیں ہوں میں مگر خوشخبری دینے والا

کرتا تو یوں ہوتا کہ میں نے بہت بھلائی جمع کرلی اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی میں تو یہی ڈر

لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝۱۸۸

اور ڈرانے والا واسطے اس قوم کے جو ایمان رکھتی ہو۔

اور خوشی سنانے والا ہوں انہیں جو ایمان رکھتے ہیں۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں حضور ﷺ سے ذاتی علم غیب کی نفی فرمائی گئی تھی اب حضور کی ذات مقدسہ سے ذاتی ملکیت کی نفی فرمائی جارہی ہے کیونکہ یہ دونوں لازم ملزوم ہیں جس کا علم ذاتی ہوگا اس کی ملکیت بھی ذاتی ہوگی اور اس کے برعکس کو علم ذاتی طور پر حاصل نہیں اسے ملکیت ذاتی طور پر بھی حاصل

www.alahazratnetwork.org

نہیں ہو سکتی یہ دونوں چیزیں یعنی ذاتی علم اور ذاتی ملکیت اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتہ کریمہ میں علم قیامت کا ذکر تھا کہ مجھے یا کسی بندے کو بذات خود حاصل نہیں اب مطلقاً علم غیب کا ذکر ہے کہ وہ بغیر تعلیم الٰہی کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا گویا خاص علم غیب کے بعد عام علوم غیبیہ کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتہ میں حضور ﷺ سے صفات الوہیت کی نفی کی گئی تھی اب حضور کے لئے صفات نبوت کا ثبوت کیا جا رہا ہے کہ میں بشیر بھی ہوں نذیر بھی چونکہ نفی ثبوت پر مقدم ہوتی ہے اس لئے یہ مضمون بعد میں بیان ہوا۔

شان نزول: اس آیتہ کریمہ کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں: (1) امام کلبی کہتے ہیں کہ کفار مکہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ حضور آپ سچے نبی ہیں تو ہم کو چیزوں کے آنے والے بھاؤ بتا دیا کریں کہ فلاں چیز سستی ہو گی فلاں چیز مہنگی تاکہ ہم تجارتوں میں خوب نفع کما لیا کریں نیز ہم کو بتا دیا کریں کہ فلاں جگہ قحط پڑے گا فلاں جگہ ارزانی ہو گی تاکہ ہم قحط کے علاقے سے ارزانی کی جگہ منتقل ہو جایا کریں ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی، کبیر، خازن عن ابن عباس) اس صورت میں سورہ اعراف کی دوسری آیات کی طرح یہ آیت بھی مکیہ ہے۔ (2) جب حضور ﷺ غزوہ بنی مصطلق سے واپس ہوئے تو راستہ میں آندھی آئی جس سے نمازیوں کے اونٹ گھوڑے بھاگ گئے حضور ﷺ نے خبر دی کہ آج مدینہ منورہ میں رفاعہ مر گیا اس خبر سے لشکر میں شریک منافقین کو بہت صدمہ ہوا پھر فرمایا کہ لوگو ہماری اونٹنی کہاں ہے تلاش کرو اس پر عبداللہ ابن ابی منافق بولا کہ حضور انور کا عجیب حال ہے کہ مدینہ میں مرنے والے کی تو خبر دے رہے ہیں مگر اپنی اونٹنی کی خبر نہیں حضور انور پر اس کی یہ بکواس بھی نہ چھپی فرمایا کہ بعض منافقین ہمارے علم پر یہ اعتراض کرتے ہیں اچھا ہم بتاتے ہیں کہ ہماری اونٹنی پہاڑی اس گھاٹی میں ہے اس کی نکیل ایک درخت میں الجھ گئی ہے دیکھا گیا تو ایسا ہی تھا اس پر یہ آیتہ کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خزائن العرفان) اس صورت میں یہ آیتہ کریمہ مدنیہ ہے کیونکہ غزوہ بنی مصطلق 5 پانچ ہجری میں ہوا ہے سورہ اعراف مکیہ ہے۔

تفسیر: قل لا املک لنفسی ان جیسی آیات میں **قل** فرما کر یہ بتایا گیا ہے کہ یہ بات کہنے کا حق کسی کو نہیں ہے نہ تو ہم یہ فرمائیں گے نہ کسی کو کہنے کی اجازت دیں گے اس کلام کے لئے صرف تمہاری زبان ہی ہے کہ آپ تواضع انکسار کے طور پر یہ فرماؤ جیسے **قل انما انا بشر مثلکم** یا جیسے حضرات انبیاء کرام نے فرمایا **ربنا ظلمنا انفسنا** یا **انی کنت من الظالمین** یا **فعلتها اذا و انا من الضالین** وغیرہ اسی لئے قرآن کریم نے خود کہیں نہ فرمایا کہ حضور انور بالکل مجبور ہے بس ہیں نہ یہ فرمایا کہ اے مسلمانو تم یہ کہا کرو بلکہ قرآن نے تو حضور کی سلطنت حضور کے اختیارات خداداد کا جگہ جگہ اعلان فرمایا ہے خود حضور انور نے اپنی سلطنت اپنے اختیارات کا اعلان فرمایا ہے دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ در مملکت کبریا میں جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ جس کا اللہ خالق اور اس کے حضور بادشاہ ہیں اور انشاء اللہ ہم خلاصہ تفسیر کچھ یہاں بھی عرض کریں گے۔ **لا املک** میں یا تو ذاتی ملکیت مراد ہے جو بغیر کسی کی عطا کے ہو اور ملکیت و اختیارات کی آیات میں عطائی ملکیت خداداد اختیارات مراد ہیں (تفسیر خازن) یا اللہ تعالیٰ کے مقابل ملکیت مراد ہے کہ رب تعالیٰ مجھے نفع دینا چاہے یا نقصان اور میں اس کا ارادہ ٹال دوں اور اس کے خلاف کروں خدا کا چاہا نہ ہو میرا چاہا ہو جاوے (تفسیر صاوی) یا یہ فرمان محض تواضع اور انکسار کے طور پر ہے جیسے بے گناہ معصوم نبیوں کا فرمان کہ میں گنہگار ہوں میں ظالم ہوں۔ **انی کنت من الظالمین** (تفسیر خازن)

www.alahazratnetwork.org

نفسی کے بہت معنی ہیں ذات' جان' خون' سانس وغیرہ یہاں یا ۔ بمعنی ذات ہے یا ۔ بمعنی جان یعنی میں بذات خود یا رب کے مقابل اپنی ذات یا اپنی جان کے نفع نقصان کا مالک نہیں کہ رب مجھے نقصان دینا چاہے اور میں اس کا ارادہ رد کر کے نفع حاصل کر لوں وغیرہ۔ **نفعا" ولا ضرا"** یہ **لاا ملک** کا مفعول ہے نفع نقصان سے کیا مراد ہے اس میں بہت قول ہیں (1) اس سے وہ ہی نفع و نقصان مراد ہے جس کا کفار نے مطالبہ کیا تھا چیزوں کے بھاؤ' ارزانی' گرانی کی خبر ان مقامات کی خبر جہاں ارزانی گرانی ہے (کبیر)۔ (2) اس سے عام دنیاوی نفع نقصان مراد ہیں کہ فلاں چیز فلاں کام مفید ہے اور فلاں فلاں مضر (کبیر)۔ (3) اس سے دینی نفع نقصان مراد ہیں کہ فلاں شخص کو میری تبلیغ اثر کرے گی اسے تبلیغ کروں فلاں کو اثر نہ کرے گی اسے تبلیغ کر کے پریشان نہ ہوں (کبیر)۔ (4) اس سے آخرت کے اعمال مراد ہیں یعنی میں خود اچھے اعمال کرنے برے اعمال سے بچنے پر قادر نہیں رب کی توفیق سے کرتا ہوں جو کچھ بھی کرتا ہوں (5) بھلائی سے مراد دشمنوں پر غلبہ ہے۔ برائی سے مراد تکالیف' تنگی اور دشمن پر غالب نہ آنا ہے یعنی میں ان چیزوں کا مالک نہیں ورنہ اے منافقو یا اے کافرو تم سب کو مومن بنالیتا اور تم کو حالت کفریہ میں دیکھ کر دکھ نہ اٹھاتا (خزائن العرفان)۔ **الاماشاء اللہ** قوی یہ ہے کہ یہ الا استثناء کا ہے اور ماشاء اللہ مستثنیٰ متصل ہے **ضرا و نفعا** سے اور **لاا ملک** کا مفعول ہے یعنی مگر میں اس نفع نقصان کا مالک ہوں جسے اللہ چاہے اور مجھے مالک بنادے (تفسیر کبیر) اس جملہ میں **ما** موصولہ ہے اور ماشاء اللہ کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی **الذی شاء اللہ تملیکی ایاہ** ہو سکتا ہے کہ ما مصدریہ ہو یعنی **لابمشیتہ اللہ** بہر حال مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ کے چاہنے سے نفع نقصان کا مالک ہوں اپنے لئے بھی اور دوسروں کے لئے بھی جیسا کہ آئندہ خلاصہ۔ تفسیر میں عرض کیا جاوے گا انشاء اللہ بعض مفسرین نے الا کو ۔ بمعنی لکن کہا بعد میں کان پوشیدہ مان کر اس جملہ کو مستثنیٰ منقطع مانا یعنی اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے مگر پہلی ترکیب قوی ہے کہ دوسری آیات اس کی تائید کرتی ہیں **ولو کنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر** اس فرمان عالی میں کفار کے اس مطالبہ کا جواب ہے کہ آپ ہم کو پہلے سے چیزوں کے بھاؤ اس کے اتار چڑھاؤ کی خبر دے دیا کریں اور قحط سالی ارزانی کے مقامات بتادیا کریں تاکہ ہم اس کا انتظام کر کے خوب نفع کمایا کریں اس فرمان عالی کے چند مقصد ہو سکتے ہیں (1) حضور ﷺ کے علم غیب کو رب کے علم کے سامنے کالعدم قرار دیا گیا گویا ہے ہی نہیں کیونکہ حضور کو اللہ کے چاہے بدلنے پر قدرت نہیں (تفسیر صاوی) جیسے کہا جاتا ہے مصرعہ۔

همه نیست اند آنچه هستی توئی!

الٰہی تو ہی ہے تیرے سوا کوئی نہیں یعنی مولیٰ تیری ہستی کے سامنے سب کالعدم اور نیست ہیں (2) یہاں ذاتی اور حقیقی علم کی نفی ہے مخلوق کی ہر صفت مجازی اور عارضی ہے اللہ تعالیٰ کی صفات ذاتی اور حقیقی ہیں (تفسیر صاوی) (3) یہ کلام انکسار اور تواضع کے طور پر ہے (تفسیر خازن) جیسے بڑے سے بڑا عالم کہے کہ میں تو ایک بے علم ہوں (4) یہ آیت اس وقت کی ہے جب حضور انور کو علم غیب عطا نہیں ہوا لہٰذا یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے **عالم الغیب فلا یظھر علیٰ غیبہ احدا**" (تفسیر خازن) ان وجوہ سے آیت کریمہ ان آیات کے خلاف نہیں جن میں حضور کا علم غیب ثابت ہے (تفسیر صاوی و خازن) **لا ستکثرت** بنا ہے استکثار سے ۔ بمعنی زیادہ کر لینا بہت جمع کرنا من زائدہ ہے یا بیانیہ ہے یعنی استکثرت کے مفعول کا بیان ہے خیر سے مراد دنیا کی یا دین کی بھلائیاں ہیں اس سے مراد ہے رب تعالیٰ کے ارادہ کے مقابل بھلائی جمع کر لینا کہ رب بھلائی دینا نہ

www.alahazratnetwork.org

چاہے اور حضور انور اس کے ارادہ کے خلاف بھلائیاں جمع کرلیں یہ ناممکن ہے یعنی اگر مجھے ذاتی اور حقیقی علم غیب ہوتا تو مجھے ذاتی قدرت بھی ہوتی کہ یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں اور اس میں اس پر قدرت رکھتا کہ اللہ کے ارادہ کے خلاف خیر جمع کرلیتا یہ تو ہے نہیں لہٰذا مجھے ذاتی علم غیب بھی نہیں (تفسیر صاوی) لہٰذا یہ آیت ان آیت و احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ رب نے حضور انور کو بہت خیر عطا فرمائی جیسے **انا اعطینک الکوثر** یا جیسے **یوت الحکمته وقد اوتی خیرا کثیرا** وغیرہ۔ **ومامسنی السوء** اس جملہ کی دو ترکیبیں ہیں ایک یہ کہ یہ جملہ نیا ہے اور و او ابتدائیہ سوء سے مراد جنوں ہے یعنی مجھے جنوں نہیں پہنچا دوسرے یہ کہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ جملہ لا املک پر معطوف ہو کر **قل** کا مفعول ہے یعنی یہ بھی فرمادیں کہ مجھے جنون نے مس بھی نہیں کیا نبی کو جنون سے کیا تعلق وہ تو تمام دنیا کے عاقلوں سے بڑے عاقل ہوتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ معطوف ہو **لاستکثرت** پر اور لو کی جزا ہو یعنی میں اگر غیب جانتا ہوتا تو میں بہت خیر بھی جمع کرلیتا اور مجھے کوئی برائی بھی نہ پہنچتی (خازن و صاوی وغیرہ) لہٰذا یہ آیت ان آیات و احادیث کے خلاف نہیں جن میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو دشمنوں کی شر سے بچالیا فرماتا ہے **واللہ یعصمک من الناس** خیال رہے کہ یہاں بھی وہ ہی مراد ہے جو **لا استکثرت من الخیر** میں مراد تھا یعنی اللہ کو چاہی ہوئی مصیبت و برائی سے محفوظ رہتا کہ اس کے ارادے کے خلاف آفات سے بچ جاتا اس صورت میں سوء سے مراد دینی و دنیاوی آفات و تکلیف ہیں **ان انا الا نذیر و بشیر لقوم یومنون** یہ بھی قل کا مقولہ یہاں حصر اضافی ہے حقیقی نہیں اس کا مطلب یہ نہیں کہ میں سواء بشیر و نذیر کے اور صفات سے موصوف نہیں حضور نبی بھی ہیں رسول بھی شفیع بھی ہیں رؤف و رحیم بھی مطلب وہ ہی ہے جو ہم نے عرض کیا کہ میں نہ خدا ہوں نہ خدا سے بے نیاز نہ اس کا مقابل میں اس کا بندہ ہوں نذیر ہوں بشیر ہوں چونکہ نذارت پہلے ہے بشارت بعد میں نیز نذارت سب کے لئے ہے بشارت صرف **مطیعون** کے لئے ان وجوہ سے نذیر کو بشیر سے پہلے بیان کیا چونکہ حضور کی نذارت و بشارت سے فائدہ صرف مومن اٹھاتے ہیں اس لئے **لقوم یومنون** ارشاد ہوا لہٰذا یہ آیۃ کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں **لیکون للعالمین نذیرا** حضور انور سارے جہانوں کے نذیر ہیں فرماتا ہے **کافته للناس بشیرا و نذیرا** حضور سارے انسانوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں۔ خیال رہے کہ سارے نبی بشیر و نذیر ہوئے مگر ان حضرات کی بشارتیں نذارتیں سن کر تھیں حضور کی بشارت و نذارت دیکھ کر ہے اور دائمی ہے لہٰذا نذیر و بشیر کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار جو آپ سے مطالبے کرتے ہیں کہ ہم کو آئندہ کے بھاؤ بتادیا کریں اور گرانی و ارزانی کی جگہ بتاتے رہیں تاکہ ان خبروں سے فائدے اٹھا کر مالدار ہو جائیں ان کے اس مطالبے کا مقصد تو یہ ہے کہ آپ انہیں اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف امیر بنادیں اللہ کے چھپے اسرار کو ظاہر کردیں یہ تو خدا کا مقابلہ ہوا نہ کہ اس کی رسالت و پیغام رسانی اس لئے آپ ان کے جواب میں فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابل تو میں اپنی ذات کے نفع و نقصان کا مالک بھی نہیں کہ رب مجھے نقصان دینا چاہے اور میں اس کے مقابل نفع حاصل کرلوں یا رب مجھے فائدہ دینا چاہے اور میں اس کے خلاف نقصان کر لوں میں تو اسی قدر کا مالک و مختار ہوں جس قدر رب چاہے میری مملکت و اختیار اسی قدر پر ہے اگر میں رب کے مقابل علم غیب رکھتا ہوتا تو میں اس کے ارادے کے خلاف دنیا و دین کی خیر جمع کرلیتا اور مجھے خدا کی بھیجی ہوئی مصیبت بھی نہ پہنچتی مگر ایسا نہ ہے

www.alahazratnetwork.org

نہ ہو سکتا ہے میں نعوذ باللہ رب تعالیٰ کا مقابل نہیں بلکہ اس کی طرف سے نبی رسول ہوں نبی و رسول کا کام بشارتیں اور ڈر پہنچا دینا ہے تم لوگ مجھ سے نبوت کے فیض اور رب تعالیٰ سے مقابلہ کرنے کی باتیں نہ کرو۔

سلطنت مصطفیٰ در مملکت الٰہیہ

ہر چیز کا مالک حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے اس کی عطا کے بغیر کوئی ایک ذرہ کا ایک قطرہ کا مالک نہیں پھر اس کریم نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بعض بندوں کو اپنی چیزوں کا مالک بنایا ہے بندوں کی یہ ملکیت عطائی 'عارضی' مجازی ہے رب تعالیٰ کی ملکیت ذاتی' دائمی 'حقیقی ہے اس عطا ملک کا ذکر قرآن مجید ہوا اور احادیث صحیحہ میں ہے ملاحظہ ہوں آیات قرآنیہ۔

1	قل اللھم ملک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء	کہو اے اللہ اے ملک کے مالک تو جسے چاہے اپنا ملک دے اور جس سے چاہے ملک چھین لے
2	واتینھم ملکا" عظیما	ہم نے اولاد ابراہیم کو بہت بڑا ملک دیا
3	وسخرنا لہ الریح تجری بامرہ	ہم نے سلیمان کے زیر فرمان ہوا کو کر دیا جو ان کے حکم سے چلتی تھی
4	انا مکنا لہ فی الارض واتینا من کل شئی سببا	بے شک ہم نے ذوالقرنین کو زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا
5	واوتیت من کل شی ولھا عرش عظیم	ملکہ بلقیس کو ہر چیز میں سے ملا ہے اور اس کا بڑا تخت ہے
6	ان الارض یرثھا عبادی الصالحون	اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے
7	ومن الجن من یعمل بین یدیہ باذن ربہ	ہم نے حضرت سلیمان کے تابع ایسے جن کر دیئے جو ان کے سامنے ان کے رب کے حکم سے کام کرتے تھے
8	واتاہ اللہ الملک والحکمتہ	اللہ نے داؤد کو ملک بھی دیا اور علم بھی

ان جیسی بہت سی آیات میں رب تعالیٰ کی عطا سے اس کے بندوں کا مالک ہونا ثابت ہے اب حضور ﷺ کے باذن الٰہی ملکیت عامہ کا ذکر سنیے

1	انا اعطینک الکوثر	ہم نے آپ کو کوثر یعنی عالم کثرت عطا فرمادیا (بخاری شریف)
2	ووجدک عائلا فاغنی	ہم نے آپکو بڑی عیال والا پایا تو غنی کر دیا (بخاری شریف)
3	اغنھم اللہ و رسولہ من فضلہ	اللہ رسول نے انہیں اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیا

www.alahazratnetwork.org

4 **ولو انهم رضوا بما اتهم الله و رسوله** — اگر وہ لوگ اللہ رسول کے دیئے سے راضی ہوتے

خود حضور ﷺ اپنے متعلق اپنے رب کی عطا کا کر فرماتے ہیں۔

1 **او تیت مفاتیح خزائن الارض** — مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا فرمائی گئیں

2 **لو شئت لسارت معی جبال الذهب** — اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلا کریں۔

3 **انی اسلک مرافقتک فی الجنه** — یارسول اللہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں (مسلم)

اس کی مفصل اور مدلل بحث ہماری کتاب سلطنت و مملکت کبریا میں ملاحظہ کرو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: کوئی بندہ بذات خود کسی چیز کا مالک و مختار نہیں جسے جو ملکیت و اختیار ملے گا وہ رب تعالیٰ کی عطا سے ملے گا یہ فائدہ لا املک لنفسی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا جب بندے کی اپنی ہستی بھی ذاتی نہیں تو اس کی کوئی صفت ذاتی کیسے ہو سکتی ہے صفات تو مبنی ہیں ذات پر۔ **دوسرا فائدہ**: کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے مقابل کچھ نہیں کر سکتا جو کوئی کچھ بھی کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے ارادے کے ماتحت کرتا ہے بلکہ بندے کا ارادہ رب تعالیٰ کے ارادے کے ماتحت ہے رب فرماتا ہے **وما تشاؤن الا ان یشاء الله** یہ فائدہ **لا املک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: حضور ﷺ اپنے رب کی عطا سے اس کی دین نفع و نقصان کے مالک ہیں جس کو جو چاہیں باذن پروردگار بخش دیں اور جس کو اپنی نظر سے گرا دیں وہ کبھی اٹھ نہ سکے یہ فائدہ **الا ما شاء الله** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر لانے لا املک کی نفی توڑ دی اس کی بہت قوی دلیلیں موجود ہیں دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخلوق کے نفع و نقصان کا مالک بنا دیا اور حضور اللہ کی تملیک سے مالک ہو چکے تاقیامت حضور سے لوگوں کو نفع حاصل ہو رہے ہیں یہ فائدہ **الا ما شاء الله** میں شاء کے ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کے بغیر بتائے کوئی شخص ایک ذرہ ایک پتے کا علم نہیں رکھتا جو شخص جو جانتا ہے اس کی تعلیم سے جانتا ہے یہ فائدہ **ولو کنت اعلم الغیب** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: علم غیب ذاتی کے لئے قدرت ذاتی لازم ہے کیونکہ جس کی ایک صفت ذاتی ہوگی اس کی تمام صفات ذاتی ہوں گی اور ذاتی علم ذاتی قدرت الوہیت کی صفات سے ہیں یہ فائدہ **ولو کنت اعلم میں لاستکثرت من الخیر** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: نبی پر دیوانگی جنون کبھی طاری نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ **وما مسنی السوء** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر ہاں ان کو نیند اور کبھی غشی طاری ہو سکتی ہے رب فرماتا ہے **وخر موسی صعقا** **آٹھواں فائدہ**: حضور ﷺ تمام عالم کے نبی سب کے لئے بشیر بھی ہیں نذیر بھی یہ فائدہ بشیر و نذیر کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: اگرچہ سارے نبی بشیر و نذیر ہیں کہ حضور نے جنت دوزخ بلکہ خود رب تعالیٰ کو دیکھ کر بشارتیں دیں اور ڈرایا یہ فائدہ نذیر و بشیر کی تنوین سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: اگرچہ حضور انور سارے انسانوں بلکہ سارے جہانوں کے بشیر و نذیر ہیں مگر آپ کی بشارت و نذارت سے فائدہ صرف مومنین ہی اٹھاتے ہیں یہ

فائدہ **لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ اپنی ذات کو نفع نقصان نہیں پہنچا سکتے تو دوسروں کو کیا پہنچائیں گے۔ پھر ان سے امید و خوف رکھنا ان سے مانگنا ان کے دروازے پر سائل بن کر جانا نرا شرک ہے اللہ کے سوا نہ کسی سے مانگو نہ کسی سے آس امید رکھو (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رعایا حاکم سے ڈرتی ہے حتی کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے خوف کیا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی** غریب لوگ امیرو سخی سے امید رکھتے ہیں تم لوگ امیروں کے دروازوں پر چندہ کی امید لے کر جاتے ہو رب فرماتا ہے **واما السائل فلا تنهر** حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا **ابری الاکمه والابرص واحی الموتی باذن الله** میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور مردے زندہ کرتا ہوں حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا **اذهبوا بقمیصی هذا فالقوه علی وجه ابی یات بصیرا** میری یہ قمیص لے جاؤ میرے والد کے چہرے پر ڈال دو انکھیارے ہو جائیں گے یہ ہے نفع رب نے ایوب علیہ السلام سے فرمایا **ارکض برجلک هذا مغتسل بارد و شراب** اپنا پاؤں زمین پر رگڑو اس سے پانی کے چشمے پیدا ہوں گے ان سے غسل کرو شفا ہو گی معلوم ہوا کہ بزرگوں کے پاؤں کا دھوون بھی شفا ہوتا ہے ان کی قمیص دافع بلا ہے یہ حضرات ان کے تبرکات نفع دیتے ہیں موسیٰ علیہ السلام سامری پر ناراض ہوئے تو اس سے فرمایا **فاذهب فان لک فی الحیوة ان تقول لا مساس** جاتو اپنی زندگی بھر کہتا پھرے گا کہ مجھے نہ چھونا چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آخری عمر میں سامری کا یہ حال ہو گیا کہ جو اس سے چھو جاوے تو وہ بھی بیمار ہو جاوے اور سامری بھی معلوم ہوا کہ یہ حضرات نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں تمہارا یہ قول ان تمام آیات کے خلاف ہے۔ **جواب:** تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں حقیقی ذاتی ملکیت کی نفی ہے یا رب تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اس کے مقابل نفع نقصان کی ملکیت کی نفی ہے اور ہماری پیش کردہ آیات میں مجازی عطائی ملکیت کا ثبوت لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا الا ماشاء اللہ سوا اس کے جو اللہ چاہے یعنی اللہ کے چاہے سے ہی نفع نقصان کا مالک ہوں تمہارے اعتراض کا جواب خود اس آیت میں موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کو مطلقاً غیب نہیں آپ نے بالکل خیر بھی جمع نہیں کی جب ان کے اپنے پاس خیر نہیں تو تم کو خیر کیا دیں گے (وہابی)۔ **جواب:** اس سوال کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی۔ پہلا الزامی جواب یہ ہے کہ تم بھی علوم غیبیہ حضور انور کے لئے مانتے ہو بلکہ کہتے کہ حضور ﷺ ساری خلقت سے زیادہ علم والے ہیں یہ آیت علم غیب کی بالکل نفی کر رہی ہے یہ آیت تمہارے بھی خلاف ہے جو تم جواب دو گے وہی ہمارا جواب ہے دوسرا الزامی جواب یہ ہے کہ حضور کو رب نے بہت خیر دی بلکہ حضور نے مخلوق کو بہت خیر عطا فرمائی رب فرماتا ہے **ویعلمهم الکتاب والحکمة** ہمارے نبی لوگوں کو علم و حکمت سکھاتے ہیں دوسری جگہ فرماتا ہے **ومن یوت الحکمة فقد اوتی خیرا کثیرا** جسے حکمت دی گئی اسے بہت خیر دی گئی ان دونوں آیتوں سے معلوم ہوا کہ حضور بہت خیر دیتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی ساری آیات میں علم غیب حقیقی ذاتی کی نفی ہے جس سے قدرت ذاتی لازم ہے اور ثبوت علم غیب کی آیات ہیں علم غیب عطائی کا ثبوت ہے دیکھو ابھی کی ہوئی ہماری تفسیر علم غیب کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو اور ملکیت کے

متعلق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ کا مطالعہ کرو۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ آپ صرف نذیر و بشیر ہیں یعنی آپ میں سواء ان دو صفتوں کے اور کوئی صفت نہیں پھر تم حضور کو شفیع المذنبین دافع بلا صاحب عطا کیوں مانتے ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو حضور کو نہ نبی مانو نہ رسول نہ رحمت عالمین حالانکہ یہ صفات قرآن سے ثابت ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **لقوم یومنون** جس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صرف مومنوں کے لئے بشیر و نذیر ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **للعلمین نذیرا** اس سے معلوم ہوا کہ حضور انور صرف جہانوں کے نذیر ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ حضور کی عطا تو عالمین کے لئے ہے مگر عطا سے فائدہ اٹھانا اسے لینا صرف مومنوں کو میسر ہے یہاں مومنوں کے لینے کا ذکر ہے اس آیت میں حضور کی عطا کا تذکرہ ہے سورج سب کو نور دیتا ہے مگر چمگادڑ کی آنکھ نہیں لیتی اس سے سورج کے فیض میں کمی نہیں آتی۔

تفسیر صوفیانہ: حضور ﷺ اللہ کے بندے بھی ہیں اس کے رسول بھی اس کے حبیب بھی۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں ان مختلف صفات کا اظہار ہے۔ اس آیت میں حضور کی عبدیت کا ذکر ہے عبد یعنی بندہ نہ تو اپنا مالک ہوتا ہے نہ اپنے مال کا نہ اپنے نفع نقصان کا سب کچھ اس کے مولیٰ کا ہوتا ہے۔ وہ فنا فی المولیٰ ہوتا ہے جو مولیٰ کھلاتا ہے بندہ وہ کھاتا ہے جو وہ پہناتا ہے یہ وہ ہی پہنتا ہے جب وہ سلاتا ہے تب سوتا ہے یہاں ارشاد ہوا کہ آپ فرما دو کہ میں الا اللہ کا عبد اس کا بندہ اس میں فنا ہوں نہ اپنے نفس کا مالک ہوں نہ اس کے نفع نقصان کا جو وہ چاہتا ہے وہ ہی کرتا ہوں میری مرضی اس کی رضا میں گم ہے ایک عارف کہتا ہے۔

وخصک بالھدی فی کل امر — فلست تشاء الا ما یشاء
ارید وصاله ویرید ھجری — ترکت ما اشاء لما یشاء

میرا علم اس کریم کے حضور فنا ہے میں تو اس کے سامنے اپنے کو بھی نہیں جانتا۔ شان نبوت کا ظہور یہ ہے کہ حضور احکام شرعیہ کے مالک کر دیئے گئے ہیں آپ کے ہاں سے چیزیں حلال بلکہ فرض ہو جاتی ہیں آپ کی نہ سے چیزیں حرام ہو جاتی ہیں۔ رب فرماتا ہے **یحل لھم الطیبت و یحرم علیھم الخبائث** فرماتا ہے **ترجی من تشاء و تری الیک من تشاء** حضرت ابو خزیمہ کی گواہی دو کے برابر کر دی ایک صاحب کو ان کا کفارہ انہیں کو کھلا دیا یہ ہے حضور کی شان نبوت شان محبوبیت یہ ہے کہ حضور اللہ کی ہر چیز کے بعطاء رب مالک ہیں تکوین میں حضور کا ہاتھ ہے حضرت ربیعہ کو جنت بخش دی۔ حضرت عثمان کے ہاتھ حوض کوثر فروخت کر دیا چاند چیر دیا چھپا سورج پھیر لیا۔ کھاری کنوئیں میٹھے کر دیئے دکھتی آنکھ کا دکھ دور کر دیا ٹوٹی ہڈی جوڑ دی وغیرہ۔ یہ ہے شان محبوبیت یہ سب یار کے جلوے ہیں۔

شریک اور حبیب میں کئی طرح فرق

خیال رہے کہ حضور ﷺ اللہ کے شریک نہیں اس کے حبیب ہیں انہیں اللہ کا شریک کہنے میں ہمارا نقصان ہے حضور کی توہین شریک و حبیب میں چند طرح فرق ہے (۱) شریک کبھی ساری چیز کا مالک نہیں ہو سکتا ورنہ وہ شریک نہیں مگر حبیب اپنے

www.alahazratnetwork.org

محب کے سارے مال کا مالک ہوتا ہے۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب ۔۔۔ یعنی محبوب و محب میں نہیں تیرا میرا!!
خالق کل نے آپ کو مالک کل بنا دیا! ۔۔۔ دونوں جہاں ہیں آپ کے قبضہ و اختیار میں!

(2) شریک شرکت کی چیز میں خود مختار نہیں ہوتا بغیر ساتھی کے مشورہ کچھ نہیں کر سکتا مگر حبیب اپنے محب کی چیز میں خود مختار ہوتا ہے حضور باذن الٰہی عرش و فرش پر ماسوی اللہ کے مالک و مختار ہیں۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے ۔۔۔ سرکار بنایا تمہیں مختار بنایا!

حضور نے چاند توڑا تو رب نے یہ نہ فرمایا کہ ہم نے تم کو احکام کی تبلیغ کے لئے بھیجا ہے نہ اس لئے کہ آپ میری چیزیں توڑیں پھوڑیں سورج واپس کیا تو یہ نہ فرمایا کہ تم کو اس لئے نہیں بھیجا کہ میرا نظام عالم بدل دو۔ رات کو دن اور دن کو رات بناؤ یہ ہے محبوبیت (3) شریک کبھی کسی کام میں ضد نہیں کر سکتا اگر ضد کرے گا تو ساتھی کہے گا کہ اپنا حصہ الگ کر لو مگر حبیب اپنے محب پر ضد کر سکتا ہے ضد کر کے اس سے جو چاہے لے سکتا ہے حضور حبیب ہیں ضد فرمائیں کہ حاجی کے سارے گناہ معاف ہو جاویں۔ فرمایا کہ حقوق اللہ معاف کر دیں گے مزدلفہ میں آ کر ضد کی کہ مولیٰ حقوق عبد بھی معاف کر دے وہ معاف کرا لئے یہ ہے محبوبیت۔

دل ایسے پیارے پر صدقے جاں ایسی ضدوں پر ہو قربان
ضد کر کے اپنی امت کو بخشا لیا رحمت والے نے

(4) شرکت ختم ہو سکتی ہے محبت ختم نہیں ہو سکتی ہمارا لخت جگر اکلوتا بیٹا کبھی ہماری محبت سے نہیں نکل سکتا حضور دونوں جہان میں اللہ کی چیزوں کے مالک ہیں۔ حضور کو اللہ کا شریک نہ کہو نقصان میں رہو گے کہ اسلام سے نکل کر مشرک بن جاؤ گے۔ اس میں حضور کی توہین ہو گی کہ حضور کو آدھے مالک ماننا پڑے گا وہ تو خدا کے حبیب ہیں ساری خدائی کے مالک ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ لاالملک لنفسی میں لام نفع کا ہے یعنی میں کونین اور اس کے نفع کا مالک اپنے لئے نہیں بلکہ اے بندو تمہارے لئے مالک ہوں۔

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر ۔۔۔ کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا!
دیون کارن داتا بنا منگن لئی سوالی ۔۔۔ ایسے داتا کی اس چوکھٹ سے کوئی نہ جائے خالی

کریم کے مال میں فقیروں کا حصہ ہوتا ہے۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑہ اے کریم! ۔۔۔ ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

جودو سخا بر گدائے بے نوا

فقیر گنہگار احمد یار عرض کرتا ہے کہ میں نے یہ سطور اور اس آیۃ کی تفسیر مدینہ منورہ سے واپس آ کر لکھی اس بار یعنی 1390ء میں حضور انور نے مجھے مدینہ منورہ میں ساڑھے چار ماہ رکھا اس دوران میں مجھ پر عجیب کرم فرمائیاں ہوئیں جن میں سے

www.alahazratnetwork.org

چند عرض کی جاتی ہیں (1) میں مدینہ منورہ میں پھسل کر گر گیا اپنے ہاتھ کی کلائی کی ہڈی ٹوٹ گئی درد زیادہ ہوا تو میں نے اسے بوسہ دے کر کہا اے مدینہ کے درد تری جگہ میرے دل میں ہے تو تو مجھے یار کے دروازے سے ملا ہے۔

ترا درد میرا درماں ترا غم میری خوشی ہے　　مجھے درد دینے والے تری بندہ پروری ہے

درد تو اسی وقت سے غائب ہو گیا مگر ہاتھ کام نہیں کرتا تھا سترہ دن کے بعد مستشفیٰ ملک یعنی شاہی ہسپتال میں ایکسرے لیا تو ہڈی کے دو ٹکڑے آئے جن میں قدرے فاصلہ ہے مگر ہم نے علاج نہیں کرایا پھر آہستہ آہستہ ہاتھ کام بھی کرنے لگا مدینہ منورہ کے اس ہسپتال کے ڈاکٹر محمد اسماعیل نے کہا کہ یہ خاص معجزہ ہوا ہے کہ یہ ہاتھ طبی لحاظ سے حرکت بھی نہیں کر سکتا وہ ایکسرے میرے پاس ہے ہڈی اب تک ٹوٹی ہوئی ہے اس ٹوٹے ہاتھ سے تفسیر لکھ رہا ہوں میں نے اپنے اس ٹوٹے ہوئے ہاتھ کا علاج صرف یہ کیا کہ آستانہ عالیہ پر کھڑے ہو کر عرض کیا کہ حضور میرا ہاتھ ٹوٹ گیا ہے اے عبداللہ ابن عتیک کی ٹوٹی پنڈلی جوڑنے والے اے معاذ ابن عفراء کا ٹوٹا بازو جوڑ دینے والے میرا ٹوٹا ہاتھ بھی جوڑ دو (2) یہ گنہگار تین مہینہ مدینہ منورہ میں حاضری دے چکا۔ حج کا موقع آیا پتہ لگا کہ حکومت کا قانون یہ ہے کہ جو حاجی مدینہ منورہ کی زیارت کر چکے وہ دوبارہ بعد حج مدینہ منورہ حاضر نہیں ہو سکیں گے میں نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ میں نے یہ سنا ہے لہذا میں حج کو جاتا ہی نہیں۔

کعبہ کو جانے والے کعبہ کو جائیں گے　　ہم یار کی گلی میں ہی کعبہ بنائیں گے

کعبہ والوں نے کعبہ جانا!　　اپنا کعبہ کو چہ جاناں!

دل میں القاء ہوا کہ حج کو جاؤ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اس شرط پر جاؤں گا کہ بدھ کے دن عشاء کی نماز مدینہ منورہ میں پڑھوں چنانچہ جمعہ کو بعد نماز عصر روانہ ہوا اتوار کو حج ہوا بدھ کے دن رمی کے بعد مکہ معظمہ سے چلا اور نماز عشاء مدینہ پاک میں پڑھی راستہ میں چار چوکیاں پڑیں جو تفتیش کرتی تھیں رب کی شان کہ میں ان کو نظر ہی نہ آیا میری کار میں اور سواریوں کی تفتیش ہوئی میری نہ ہوئی یہ ہے کرم نوازی (3) ایک دن بعد نماز فجر عرض کیا یارسول اللہ مجھے قلم پارکر 51 اکیاون ہزار پسند آیا ہے حضور مجھے وہ قلم عطا ہو اسی دن بعد نماز مغرب ابو ہاشم رضا صاحب نے مجھے پارکر (51) پیش کیا بولے میں نے آپ کے لئے خریدا ہے یوں ہی میں نے جو کچھ حضور انور سے مانگا وہی عطا فرمایا اب میں تفسیر اس عطیہ سرکاری قلم سے لکھ رہا ہوں بہت کرم نوازیاں ہوئیں۔ بلکہ حق تو یہ ہے کہ۔

اتنی نوازشیں بھول گئے گزارشیں　　سجدہ ہی کر کے رہ گئے در گہ بے نیاز میں

رب تعالیٰ ان کے آستانہ کا بہ کاری رکھے

ندامت ساتھ لے کر سامنے اے عاصیو جاؤ　　سنا ہے شرمساروں کو وہ شرمایا نہیں کرتے

جو ان کے دامن اقدس سے وابستہ ہیں اے حامد　　کسی کے سامنے وہ ہاتھ پھیلایا نہیں کرتے

www.alahazratnetwork.org

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ

وہ وہ ہے کہ پیدا کیا تم کو اس نے ایک ذات سے اور بنایا اس سے بیوی کو اس کی تاکہ سکون پائے

وہ ہی جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے چین پائے

اِلَیْهَا ۚ فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ ۚ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا

طرف اس کے پھر جب ڈھانپا اس کی بیوی کو تو اٹھایا اس نے بوجھ ہلکا بس گزری وہ ساتھ اس حمل کے پھر جب

پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو اسے لئے پھرا کی پھر جب بوجھل پڑی دونوں

اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۱۸۹﴾ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا

بھاری ہوئی تو دعا کی ان دونوں نے رب سے اپنے البتہ اگر دے تو ہم کو نیک بچہ تو البتہ ضرور ہوں گے ہم

نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہئے بچہ دے گا تو بیشک ہم شکر گزار ہوں گے۔ پھر جب اس نے

صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا ۚ فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹۰﴾

شکر گزاروں سے پس جب دیا رب نے ان دونوں کو نیک بچہ تو بنا لئے ان دونوں نے بہت شریک جس چیز میں جو دیا ان دونوں کو پس بلند و برتر ہے اس

انہیں جیسا چاہئے بچہ عطا فرمایا انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرائے تو اللہ کو برتری ہے ان کے شرک

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں شرک فی الصفات کی تردید پر زور کی گئی تھی کہ کسی کو مالک ذاتی، عالم الغیب ذاتی نہ مانو کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اب شرک فی النسبتہ کی تردید ہے کہ اپنے اور اپنے بچوں کے نام شرکیہ نہ رکھو کہ انہیں عبدالعزیٰ یا عبد۔ غوث یا عبدالحارث نام نہ رکھو گویا ایک قسم کے شرک کی تردید کے بعد دوسرے قسم کے شرک کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ کوئی شخص بذات خود اپنے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں اب اس کی قوی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ ہم تمہارے خالق و مالک ہیں تم اور تمہاری صفات ہمارے قبضہ میں ہیں پھر تم کسی چیز کے ذاتی طور پر مالک کیسے ہو گئے گویا ایک چیز کا دعویٰ پہلے کیا گیا تھا اس کی دلیل اب بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ حضور ﷺ سے مومن لوگ بشارت و نذارت حاصل کرتے ہیں اب ایک گذشتہ واقعہ بیان فرما کر اسے ثابت کیا جا رہا ہے کہ نبی سے فیض صرف مومن لیتے ہیں کوئی شخص اپنے پر اعتماد نہ کرے شیطان نے بڑے بڑوں کی راہ ماردی ہے۔

تفسیر: **هو الذی** اس عبارت میں **هو** مبتداء اور **الذی** اس کی خبر دونوں کے معنی ہیں وہ مگر **هو** سے ذات الٰہی مراد ہے اور الذی سے صفات الٰہی شان الٰہی یعنی وہ اللہ وہ شان والا ہے وہ قدرت والا ہے۔ خیال رہے کہ عالم کی خبریں خود ہم اور ہماری پیدائش اللہ تعالیٰ کی قدرت اس کی شان کی دلیل ہیں اس لئے ارشاد ہوا **هو الذی** یعنی ہماری شان ہماری قدرت دیکھنا ہے تو اپنی پیدائش میں غور کرو ہمارا پتہ لگاؤ تم اور تمہاری پیدائش ہماری دلائل قدرت ہیں۔ **وفی انفسکم افلا تبصرون** تم خود

www.alahazratnetwork.org

اپنے میں تلاش کریں گے دلائل قدرت پائیں گے **خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منہا زوجہا لیسکن الیہا** یہ عبارت الذی کا صلہ ہے اس میں گفتگو ہے کہ **خلقکم** میں کس سے خطاب ہے اور نفس واحدہ یعنی ایک جان سے کون مراد ہے اور زوجہا سے کون مراد (1) جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور نفس واحدہ سے مراد ہے حضرت آدم علیہ السلام اور زوج سے مراد ان کی بیوی حضرت حوا ہیں اور معنی یہ ہیں کہ اے انسانوں اللہ نے تم سب کو ایک ذات جناب آدم علیہ السلام سے پیدا فرمایا اور خود ان سے ان کی بیوی حوا کو بنایا اس طرح کہ ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو بنایا تاکہ آدم علیہ السلام تنہائی کی وحشت سے گھبرائیں نہیں کیونکہ ہر جنس اپنے ہم جنس سے میلان رکھتی ہے۔(2) بعض مفسرین نے فرمایا کہ **خلقکم** میں خطاب قریش سے ہے اور نفس واحد یعنی ایک جان سے مراد ہے قصی ابن کلاب جو قریش کا مورث اعلیٰ ہے اور زوجہا سے مراد قصی کی بیوی ہے اس سے بنانے کے معنی ہیں اس کی جنس سے بنائی یعنی ان کے نکاح میں ان کی بیوی دی۔ رب فرماتا ہے **جعل لکم من انفسکم ازواجا**" وہ آیت اس کی تفسیر ہے۔(تفسیر بیضاوی' خازن' مدارک' کبیر وغیرہ) (3) حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ خلقکم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے اور نفس واحدہ سے مراد ہر شخص کا اپنا باپ ہے اور زوجہا سے مراد ہر باپ کی اپنی بیوی ہے (تفسیر کبیر' خازن خزائن العرفان) خیال رہے کہ نفس مونث ہے مگر یہاں اس سے مراد مذکر ہے اس لئے جعل منہا میں ھا ضمیر مونث لائی گئی اور لیسکن میں صیغہ مذکر ارشاد ہوا منہا میں لفظ نفس مراد ہے اور لیسکن میں اس کے معنی کی طرف اشارہ ہے یوں ہی زوج سے مراد بیوی ہے لہٰذا اس کے لئے ضمیر مونث لائی گئی **الیہا** ہماری یہ تحقیق خوب خیال میں رہے چونکہ خاوند کو سکون اپنی بیوی سے ہوتا ہے اس لئے **لیسکن الیہا** فرمانا بالکل مناسب ہے **فلما تغشاہا حملت حملا خفیفا** غشا بنا ہے غشیان سے بمعنی چھا جانا ہے اسی لئے مدہوشی کو غشی کہتے ہیں کہ وہ عقل پر چھا جاتی ہے پردہ کو غشاوہ کہا جاتا ہے کہ وہ چیز پر چھا کر اسے چھپا لیتا ہے یہاں غشیان سے مراد ہے

اجماع اور صحبت اگرچہ صحبت دو طرفہ ہوتی ہے مگر چھا جانا زوج کی طرف سے ہوتا ہے اتنی عبارت تو لما کی شرط ہے اور **حملت** اس کی جزا **حملا خفیفا** سے مراد ہے نطفہ کا عورت کے پیٹ میں ٹھہر جانا اور رلولا اسے کوئی بوجھ وغیرہ محسوس نہ ہونا یعنی جب خاوند نے اپنی بیوی سے صحبت کی تو اسے حمل ٹھہر گیا جو لولا" بہت ہی ہلکا اور غیر محسوس **تھا مرت بہ** یہ عبارت **حملا خفیفا** کی صفت یا حال ہے مرور سے مراد ہے چلنا پھرنا اور اسے لئے پھرنا یعنی عورت کو ایسا ہلکا پھلکا حمل قائم ہوا کہ وہ بے تکلف اسے اٹھائے پھری **فلما اثقلت دعوا اللہ ربہما** یہ عبارت پچھلے جملہ پر معطوف ہے یہاں بھی وہ تین احتمال ہیں جو خلقکم میں تھے یعنی جب حوا بوجھل ہوئیں ان کے پیٹ کا حمل بھاری ہوا پیدائش قریب ہوئی تو آدم و حوا دونوں نے رب سے دعا کی یا جب قصی کی بیوی بوجھل ہوئی اور پیدائش کا وقت قریب آیا تو قصی اور بیوی دونوں نے رب سے دعا کی یا جب ہر ماں کے جننے کا وقت قریب آتا ہے تو مرد و عورت دونوں رب سے دعا کرتے ہیں (کبیر و خازن وغیرہ) **لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین** یہ عبارت **دعوا اللہ** کی تفسیر ہے یعنی ان دونوں نے یہ دعا مانگی اگر یہاں حضرت آدم و حوا مراد ہوں تو اس دعا کی دو تفسیریں ہیں (1) حضرت آدم اگرچہ جنت میں بھی جناب حوا سے مقاربت کرتے تھے مگر وہاں نہ نطفہ نہ قرار حمل (تفسیر صاوی) مگر جب یہ دونوں زمین پر آئے تو حمل قرار پایا یہ عجیب چیز دیکھ کر آپ دونوں گھبرا گئے اور دونوں نے یہ

www.alahazratnetwork.org

دعا مانگی (2) حضرت حوا کے اس سے پہلے بچے پیدا ہوئے مگر مر گئے اس بار جب حمل ظاہر ہوا تو ان دونوں حضرات نے یہ دعا مانگی فوت شدہ بچوں کے نام عبد اللہ 'عبید اللہ اور عبد الرحمن تھے (تفسیر صاوی)۔ خیال رہے کہ حضرت حوا کو پانچ سو بار حمل رہا ہر بار میں جوڑا پیدا ہوا کل ایک ہزار بچے ہوئے (روح البیان) (3) قصی اور ان کی بیوی نے اس وقت یہ دعا مانگی جب قصی کی بیوی کی زچگی کا زمانہ قریب آیا (4) اے لوگو یا اے مشرکو کافرو تمہارے ماں باپ نے اپنے بچہ ہونے سے کچھ پہلے یہ دعا مانگی یا مانگا کرتے ہیں **صالحا** " سے مراد یا تو بیٹا ہے کیونکہ بیٹا ہونا بھی صالحیت ہے یہ قول حسن کا ہے (روح المعانی 'مدارک 'کبیر وغیرہ) یا اس سے مراد ہے تندرست اور صحیح الاعضاء بچہ۔ جس کا مقابل ہے ناقص الاعضاء کچا بچہ یا نیک و صالح بیٹا یا صاحب نسل بیٹا جس سے ہماری نسل چلے یعنی اگر تو ہم کو ایسا بیٹا دے گا تو ہم شکر گزار بندے ہوں گے کہ تیری بارگاہ میں شکر کے سجدے کریں گے بچہ کو دینی تعلیم دے کر خدمت دین پر لگائیں گے کہ اولاد کا شکریہ یہی ہے **اتھما صالحا" جعلا لہ شرکاء فیما اتھما** اس فرمان عالی میں ان کی دعا کی قبولیت اور بعد میں ان کی بد عہدی اور کفران نعمت کرنے کا ذکر ہے اگر اس سے مراد حضرت آدم و حوا ہوں تو اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں (1) **جعلا** استفہام انکاری کے طور پر ارشاد ہوا جیسے کہ حضرت ابراہیم نے چاند تاروں کو دیکھ کر فرمایا **ھذا ربی** کیا یہ ہیں میرے رب یعنی ہرگز نہیں ایسے یہ ہے یعنی جب حضرت آدم و حوا کو نیک صالح صحیح سالم بچہ رب نے دیا تو کیا انہوں نے اس بچہ میں خدا کا شریک ٹھہرایا کہ اس کا نام مشرکانہ رکھا یا اسے اللہ تعالیٰ کے سواء کسی اور کی طرف سے مانا نہیں ہرگز نہیں (روح المعانی و کبیر وغیرہ) (2) **جعلا** میں مضاف پوشیدہ ہے **جعل اولادھما** یعنی حضرت آدم و حوا کی اولاد نے اللہ کے شریک ٹھہرائے اسی لئے آگے **عما یشرکان** اور **ایشرکون** جمع کے صیغے ارشاد ہو رہے ہیں اگر وہ دونوں حضرات مراد ہوتے تو آئندہ صیغے تثنیہ کے آتے **عما یشرکون** اور **ایشرکان** (تفسیر خازن وغیرہ عن الحسن و عکرمہ) (3) خود آدم و حوا نے مشرکوں کا سا کام کیا کہ اس بچے کا نام عبد الحارث رکھ دیا۔ حارث شیطان کا نام تھا۔ اس امید پر کہ اس نام کے سبب یہ بچہ زندہ رہے یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے (خازن 'بیضاوی 'کبیر 'روح البیان 'ترمذی شریف وغیرہ) مگر شرک فی العبادۃ نہیں بلکہ شرک کا سا کام ہے کہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف کی جائے مگر یہ تفسیر قوی نہیں جیسا کہ ہم انشاء اللہ سوال و جواب میں عرض کریں گے اور اگر اس سے مراد قصی ابن کلاب اور ان کی بیوی ہوں تو معنی یہ ہوں گے کہ ان دونوں نے اپنے بچوں کے نام مشرکانہ رکھے۔ عبد مناف 'عبد شمس عبد العزیٰ اور عبد الدار (روح المعانی) اور اگر مراد سارے کفار و مشرکین ہوں تو مطلب ظاہر ہے کہ مشرکین اولاد تو ہم سے مانگتے ہیں مگر بچہ پیدا ہونے پر شرک و کفر کرنے لگتے ہیں **فتعالی اللہ عما یشرکون** اس فرمان عالی میں ان کے اس مشرکانہ عمل کی تردید ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے برتر ہے اسے ان کی حرکتوں سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیہ کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس میں حضرت آدم و حوا کا ذکر ہے دوسرے یہ کہ اس میں قصی ابن کلاب کا تذکرہ ہے جو قریش کے مورث ہیں۔ تیسرے یہ کہ اس میں عام کفار و مشرکین کا تذکرہ ہے۔ حقیر کے نزدیک یہ آخری تفسیر قوی ہے ہم اس کا خلاصہ بیان کرتے ہیں اے مشرکو! کافرو اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے تم میں سے ہر ایک ایک جان یعنی اس کے باپ سے پیدا کیا اور اس باپ کی جنس سے اس کی بیوی بنائی کہ وہ بھی مرد کی

www.alahazratnetwork.org

طرح انسان ہے غیر انسان نہیں پھر جب یہ دونوں یعنی تمہارے ماں باپ جمع ہوئے اور حمل قائم ہوا اس طرح کہ پہلے تو نطفہ کی شکل میں پیٹ میں رہا جس سے ماں کو کوئی دشواری محسوس نہ ہوئی اور ماں اسے پیٹ میں لئے پھری۔ پھر جب پیٹ میں بچہ بڑا ہوا اور ولادت کا زمانہ قریب ہوا تو ان دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور نذر مانی کہ اے مولیٰ اگر تو ہم کو صحیح سالم زندگی کے لئے عطا فرماوے تو ہم تیرے شکر گزار بندے بنیں گے اس طرح کہ اس بچے کو تیری عطا مانیں گے ایمان لائیں گے بچہ کو مومن بنائیں گے اسے خدمت دین کے لئے وقف کریں گے انہوں نے وعدہ تو یہ کیا تھا مگر عمل یہ کیا کہ جب رب نے انہیں ایسا ہی بیٹا دیا تو بجائے شکر کے شرک کرنے لگے کہ ان میں سے بعض نے کہا کہ خدا ہے ہی نہیں اولاد تو اتفاقاً" اسباب کی وجہ سے ہو جاتی ہے جیساکہ دہریوں کا عقیدہ ہے کوئی بولا کہ ہم کو اولاد چاند تارے سورج دیتے ہیں جیساکہ ستارہ پرست کفار کا عقیدہ ہے کوئی کہنے لگا کہ ہم کو اولاد ہمارے بتوں نے دی جیساکہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے یہ تمام بکواس شرک خالص ہے کہ رب کے عطیہ کو غیر کی طرف نسبت دے کر اسی کی پوجاپاٹ کی جاوے خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں کے شرک سے بلند و بالا ہے ان کی بدعقیدگیوں کی وجہ سے اس کا کچھ بھی نقصان نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اولاد باپ کی ہے اس سے اولاد کا نسب ہوتا ہے ماں سے نسب نہیں یہ فائدہ **خلقکم من نفس واحدۃ** سے حاصل ہوا نفس واحدہ سے مراد باپ ہے لہذا اگر باپ سید ہو اور ماں غیر سید تو اولاد سید ہوگی اور گر ماں سیدانی ہو مگر باپ سید نہ ہو تو اولاد سید نہ ہوگی۔ **دوسرا اعتراض**: انسان کی بیوی انسان ہی ہو سکتی ہے جانور یا جنات نہیں ہو سکتی یہ فائدہ **جعل منھا زوجھا** سے حاصل ہوا کیونکہ زوج سے مراد بیوی ہے یوں ہی انسان عورت کا خاوند انسان ہی ہو سکتا ہے کوئی جانور یا جن نہیں ہو سکتا۔ **تیسرا فائدہ**: بیوی اسی لئے ہے کہ اس سے اولاد حاصل کی جائے اور وہ خاوند کے سکون قلب کا ذریعہ بنے اس طرح کہ اس کا گھر سنبھالے اسے آرام پہنچائے اس لئے نہیں کہ خاوند کو یا اولاد کو کما کر کھلائے یہ فائدہ **لیسکن الیھا** سے حاصل ہوا بیوی بچوں کا خرچہ مرد کے ذمہ ہے دوسری جگہ قرآن فرماتا ہے **وعلی المولود لہ رزقھن وکسوتھن** اگر اس کے برعکس کیا گیا تو فطرت اور قانون الٰہی کے خلاف ہوگا کبھی برکت اور کامیابی نہ ہوگی۔ **چوتھا فائدہ**: جماع اور صحبت اگرچہ فریقین کا کام ہے مگر اس میں مرد فاعل ہے عورت مفعول یہ فائدہ **تغشاھا** سے حاصل ہوا کہ یہاں فاعل مرد کو اور مفعول عورت کو قرار دیا گیا۔ **پانچواں فائدہ**: عموماً" انسان لڑکیوں کے مقابل بیٹوں کو پسند کرتا ہے یہ ممنوع نہیں۔ ہاں لڑکیوں سے گھبرانا انہیں ناقدری اور حقارت سے گھر میں رکھنا یہ برا ہے طریقہ مشرکین حضرات انبیاء کرام نے بیٹے کی دعائیں مانگی ہیں ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی **رب ھب لی من الصالحین** حضرت زکریا علیہ السلام نے دعا کی **رب لا تذرنی فردا" وانت خیر الوارثین** اور دعا کی **فھب لی من لدنک ولیا یرثنی ویرث من ال یعقوب** یہ فائدہ **صالحا**" کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ صالحا" سے مراد بیٹا ہو۔ **چھٹا فائدہ**: عموماً" انسان ناشکرا واقعہ ہوا ہے کہ غرض کے وقت رب کی طرف رجوع کرتا ہے اور کام نکل جانے پر رب کو بھول جاتا ہے بلکہ اس کی نافرمانی کرتا ہے یہ فائدہ **فلما اتاھما صالحا**" سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **واذا انعمنا علی الانسان اعرض ونابجانبہ واذا مسہ الشر۔ فذو دعاء عریض** انسان کو چاہیے کہ ہر حال میں رب

www.alahazratnetwork.org

کے دروازے پر رہے۔

ہر کہ سیمائے راستاں دارد! سر خدمت برآستاں دارد!!

نوٹ ضروری: یہ تمام فائدے ان آیات کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوئے جو کہ قوی ہے۔ **ساتواں فائدہ**: اپنے بچوں کے نام عبد۔ غوث یا عبدالدار رکھنا ممنوع ہے یعنی انہیں بتوں کا بندہ یا بتوں کا خدام نہ کہو یہ اعتقادۃً "یا عملاً" شریک ہے یہ فائدہ **جعلا لہ شرکاء** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہو بیٹے کا نام عبدالحارث رکھنا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ انسان کی پیدائش ماں باپ دونوں سے ہے لہذا عیسی علیہ السلام کو بغیر باپ صرف ماں سے ماننا اس آیتہ کے خلاف ہے رب فرماتا ہے **انا خلقنا الانسان من نطفۃ امشاج** ہم نے انسان کو مخلوط نطفے سے پیدا فرمایا (مرزائی)۔ **جواب**: ان جیسی تمام آیات میں اللہ تعالیٰ کے قانون کا ذکر ہے واقعی انسان کی پیدائش کا قانون یہ ہی ہے حضرت عیسی علیہ السلام کی پیدائش میں اللہ کی قدرت کا ظہور ہے قانون کے پابند ہم ہیں نہ کہ اللہ تعالیٰ اس نے حضرت آدم اور حوا کو بغیر ماں باپ کے پیدا فرمایا حضرت عیسی کے متعلق فرماتا ہے **ان مثل عیسی عند اللہ کمثل ادم** اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب اسرار الاحکام میں ملاحظہ کرو۔ **دوسرا اعتراض**: ترمذی شریف نے بروایتہ سمرہ ابن جندب روایتہ کی یہ واقعہ حضرت آدم و حوا کا ہے ان کے پاس شیطان آیا اس نے جناب حوا کو اور جناب حوا نے آدم علیہ السلام کو رغبت دی کہ ہونے والے بچہ کا نام عبدالحارث رکھیں انہوں نے ایسا ہی کیا رب تعالیٰ نے اس آیتہ کریمہ میں ان پر عتاب فرمایا ہے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم سے یہ شرک واقعہ ہوا وہ دونوں مشرک ہوئے۔ **جواب**: حضرت آدم علیہ السلام نبی ہیں نبی شرک و کفر تو کیا گناہوں سے بھی معصوم ہوتے ہیں ان کی عصمت قرآن مجید سے ثابت ہے۔ یہ حدیث خبر واحد ہے پھر صحیح بھی نہیں ہے اسے ترمذی نے غریب حسن کہا پھر اس میں تعارض بھی ہے بعض روایات میں مرفوع ہے بعض میں موقوف نیز بعض روایات میں ہے کہ حضرت حوا کا یہ پہلا حمل تھا بعض میں ہے کہ یہ پانچواں حمل تھا اس سے پہلے چار بچے فوت ہو چکے تھے اتنے تنقص کے باوجود قرآن مجید کے خلاف ایک عقیدہ اس سے کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے حق یہ ہے کہ یہ واقعہ ان کا نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض** سیدنا عبداللہ ابن عباس اور عام مفسرین نے یہ ہی تفسیر کی ہے پھر اسے کیوں قبول نہ کیا جاوے۔ **جواب**: یہ تفسیر چند وجہ سے ناقابل قبول ہے (1) حضرت آدم نبی معصوم ہیں اور معصوم سے شرک و کفر سرزد نہیں ہو سکتا (2) حضرت آدم ایک بار ابلیس سے دھوکہ کھا چکے تھے اس وجہ سے بہت تکلیف اٹھا چکے تھے اور دوبارہ دھوکہ کیسے کھا سکتے تھے۔ (3) رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو تمام نام سکھا دیئے تھے **وعلم ادم الاسماء کلھا** آپ کو معلوم تھا کہ حارث ابلیس کا نام ہے پھر اپنے بیٹے کا نام عبدالحارث کیسے رکھ سکتے تھے (4) اگر یہ واقعہ حضرت آدم کا ہوتا تو آگے **عما یشرکون** یوں ہی **ایشرکون ما لا یخلق** جمع کے صیغے ارشاد نہ ہوتے بلکہ تثنیہ کے صیغے فرمائے جاتے کیونکہ یہ کام صرف حضرت آدم و حوا دو سے سرزد ہوا تھا (5) اس صورت میں ایشرکون من لا تخلق ارشاد ہوتا نہ کہ ما لا تخلق کیونکہ ابلیس عاقل ہے غیر عاقل نہیں اور **ما** غیر عاقل کے لئے ارشاد ہوتا ہے (6) جب آدم علیہ السلام پر ایک نادانستہ خطا و لغزش کی وجہ سے اتنا سخت عتاب ہوا کہ جنت سے باہر بھیجا گیا تین سو سال تک رب سے کلام و سلام بند رہا تو اگر آپ نے شرک کیا ہوتا تو اس سے زیادہ اس پر عتاب ہوتا مگر کچھ بھی نہ ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہوا کہ یہ کام ان کا تھا ہی نہیں (7) اگر مان لیا جاوے کہ اس جگہ ان دونوں بزرگوں کا ہی ذکر ہے تو **جعلا لہ شرکاء** میں سوال انکاری ہے یعنی کیا انہوں نے خدا کا شریک بنایا ہرگز نہیں جیساکہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں بہرحال یہ تفسیر بالکل فاسد ہے حضرت آدم سے شرک ہرگز صادر نہیں ہو سکتا۔ (تفسیر کبیر) آخری تیسری تفسیر قوی ہے)۔ **چوتھا اعتراض:** بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت میں قصی ابن کلاب مراد ہے ان کا یہ واقعہ ہے انہوں نے ہی یہ شرک کیا تھا تم نے اس تفسیر کو اختیار کیوں نہ کیا۔ **جواب:** قصی ابن کلاب حضور ﷺ کے ساتویں دلوا ہیں اور حضور انور کا نسب شرک و زنا سے پاک صاف محفوظ ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کسی بچے کا نام عبد الحارث رکھ دینا شرک نہیں جب تک کہ یہ عقیدہ نہ ہو کہ وہ میرا رب ہے اور میں اس کا بندہ ہوں فقط یہ نام رکھ دینا فساد عقیدہ کی دلیل نہیں بہرحال تفسیر قوی وہ تیسری ہی ہے جو ہم نے اختیار کی۔ **پانچواں اعتراض:** ان آیات سے معلوم ہوا کہ عبد النبی، عبد الرسول وغیرہ نام رکھنا شرک ہے دیکھو رب تعالیٰ نے عبد الحارث نام رکھنے کو شرک فرمایا **جعلا لہ شرکاء** پھر تم لوگ ان ناموں کو جائز کیوں رکھتے ہو۔ ان ناموں کے معنی ہیں نبی یا رسول کا بندہ ان کی مخلوق یہ کھلا ہوا شرک ہے۔ **جواب:** یہ تفسیر ہی درست نہیں۔ جیساکہ اوپر عرض کیا گیا شرک وہ عقیدے ہیں جو ہم نے خلاصہ تفسیر میں فلاسفہ اور مشرکین کے نقل کئے۔ عبد الرسول، عبد النبی کے معنی ہیں نبی کا خادم نبی کا غلام رب تعالیٰ فرماتا ہے **من عبادکم و امائکم** ایک شاعر کہتا ہے۔

وانی لعبد الضیف ماکان ثاویا

اس شعر میں عبد الضیف کے معنی ہیں مہمانوں کا خادم (تفسیر خازن) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ بندہ کو رب کہہ سکتے ہیں بغیر الف لام **مگر الرب** الف لام سے صرف اللہ تعالیٰ کو کہا جاتا ہے۔

مسئلہ: جو لوگ اسلام میں معظم ہیں ان کی طرف عبد کی نسبت بلا کراہت جائز ہے لہٰذا عبد النبی عبد الرسول نام رکھ سکتے ہیں اور مردودین کی طرف عبد کی نسبت ممنوع حرام ہے لہٰذا عبد ابلیس نہیں کہہ سکتے۔ (تفسیر صاوی)۔ **چھٹا اعتراض:** تم نے جعل منہا زوجہا سے ثابت کیا کہ انسان کا نکاح انسان عورت سے ہی ہو سکتا ہے دوسری مخلوق سے نہیں مگر رب فرماتا ہے **وزوجناہم بحور عین** ہم نے جنتی انسانوں کا نکاح حوروں سے کر دیا حالانکہ حوریں انسان یعنی اولاد آدم نہیں پھر یہ نکاح درست کیسے ہوا۔ **جواب:** یہ احکام اس دنیا کے ہیں جنت دوسری دنیا ہے وہاں کے احکام دوسرے ہیں وہاں غیر جنس سے نکاح درست ہو گا یہاں ذکر اس دنیا کا ہے۔ **ساتواں اعتراض:** حضرت سلیمان علیہ السلام نے ملکہ بلقیس سے نکاح کیا جو جناتی تھی یوں ہی حضرت علی کا نکاح ایک جناتی سے ہوا جس کے پیٹ سے محمد حنیف پیدا ہوئے پھر تمہارا یہ قاعدہ درست کیسے ہوا۔ **جواب:** دونوں باتیں غلط ہیں بلقیس انسان عورت تھی قرآن کریم نے ہدہد کا یہ قول نقل فرمایا **انی وجدت امراۃ تملکہم** جس سے معلوم ہوا کہ وہ عورت تھی امراۃ انسان عورت کو کہتے ہیں۔ حضرت علی کا نکاح کسی جناتی سے نہیں ہوا نہ آپ کے کسی بیٹے کا نام محمد حنیف ہے عہد صدیقی میں قبیلہ بنی حنیفہ سے جنگ ہوئی جو مسیلمہ کذاب کی قوم تھی اس جنگ میں ایک عورت خولہ بنت جعفر قید ہو کر آئی اس کے شکم سے جو لڑکا پیدا ہوا اس کا نام محمد ابن حنفیہ ہوا کہ ان کی ماں حنفیہ تھی۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: انسانی نفوس ایک نفس یعنی آدم علیہ السلام سے پیدا ہوئیں مگر ساری ارواح ایک روح یعنی روح محمدی سے پیدا ہوئیں آدم علیہ السلام ابو البشر ہیں اور حضور ﷺ ابو الارواح خود فرماتے **انما انا لکم کالوالد لولدہ** اور فرماتے ہیں **اول ما خلق اللہ روحی** مولانا فرماتے ہیں۔

گر بصورت من ز آدم زادہ ام　　من بمعنی جد جدا فتادہ ام

(روح البیان)

اللہ تعالیٰ نے فیض نبوت کے ساتھ فیض ولایت کو اس طرح مخلوط فرمایا کہ نبوت کا فیض ولایت کے ذریعہ لوگوں تک پہنچا جیسے سورج کا فیض آتشی شیشہ کے ذریعہ کپڑے کو جلا دیتا ہے طالب کی روح جب اس فیض سے مستفیض ہوتی ہے تو اولاً اسے اپنا انقلاب محسوس نہیں ہوتا پھر آہستہ آہستہ اسے یہ انقلاب محسوس ہونے لگتا ہے صبر والے خوش نصیب لوگ اسے برداشت کر لیتے ہیں کم ظرف اچھے لوگ سے برداشت نہیں کر سکتے خوش نصیب اسے بالکل عطاء ربانی تصور کر کے شکر کے دریا میں غوطہ لگاتے ہیں ان سے کبھی کوئی لفظ شطح کا صادر نہیں ہوتا مگر بد نصیب اسے اپنا کمال سمجھ کر متکبر بن جاتے ہیں یہ لوگ اہل طریقت کے مشرب میں مشرک ہیں کہ انہوں نے اپنی انانیت نفسانیت کو رب کا شریک ٹھہرالیا اللہ تعالیٰ مشرکوں کے شرک سے بالا ہے۔

اَيُشۡرِكُوۡنَ مَا لَا يَخۡلُقُ شَيۡـًٔا وَّهُمۡ يُخۡلَقُوۡنَ ﴿۱۹۱﴾ وَلَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ
کیا شریک کرتے ہیں وہ اس چیز کو جو نہیں پیدا کرتی کسی چیز کو اور وہ خود بنائے جاتے ہیں اور نہیں طاقت رکھتے
کیا اسے شریک کرتے ہیں جو کچھ نہ بنائے اور وہ خود بنائے ہوئے ہیں اور نہ وہ ان کو کوئی مدد
لَهُمۡ نَصۡرًا وَّلَاۤ اَنۡفُسَهُمۡ يَنۡصُرُوۡنَ ﴿۱۹۲﴾ وَاِنۡ تَدۡعُوۡهُمۡ اِلَى الۡهُدٰى لَا يَتَّبِعُوۡ
وہ واسطے ان کے مدد کی اور نہ ہی ذاتوں اپنی کی مدد کرتے ہیں اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کے تو نہیں پیروی
پہنچا سکیں نہ اپنی جانوں کی مدد کریں اور اگر تم انہیں راہ کی طرف بلاؤ تو تمہارے پیچھے نہ آئیں تم
كُمۡ سَوَآءٌ عَلَيۡكُمۡ اَدَعَوۡتُمُوۡهُمۡ اَمۡ اَنۡتُمۡ صَامِتُوۡنَ ﴿۱۹۳﴾
کرتے وہ تمہاری برابر ہے اوپر تمہارے کیا بلاؤ تم ان کو یا تم خاموش رہو۔
پر ایک سا ہے چاہے انہیں پکارو یا چپ رہو۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** یہ آیات پچھلی آیات کی تفصیل ہیں ان آیات میں اجمال تھا ان آیات نے ان کی تفصیل کر دی کیونکہ وہاں پتہ نہیں چلا تھا کہ دونوں ماں باپ کون تھے آیا آدم حوا تھے یا قصی ابن کلاب اور ان کی بیوی یا عام کافر ماں باپ اور انہوں نے شرک کیا کیا صرف یہ کہ اپنے بیٹے کا نام عبد الحارث یا عبد العزیٰ رکھا تھا یا

www.alahazratnetwork.org

غیر اللہ کی عبادت کی تھی ان آیات نے بتادیا کہ وہ مذکورین ماں باپ عام مشرکین و کفار ہیں اور ان کا شرک صرف نام رکھنے کا نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ ہے اس لیے ارشاد ہوا کہ **ایشرکون مالا یخلق** کہ یہ باتیں شرک فی العبادت کی نفی کے لئے کی جاتی ہیں (تفسیر کبیر)۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کی ایک حماقت کا ذکر تھا کہ اولاد تو دے اللہ تعالیٰ مگر یہ اس اولاد کو تاروں یا چاند سورج یا بتوں کا عطیہ سمجھتے ہیں اب ان کی دوسری حماقتوں کا ذکر ہے کہ وہ خالق و مخلوق میں فرق کئے بغیر عبادت کرتے ہیں مخلوق معبود نہیں مگر یہ اسے معبود مانتے ہیں خالق مجبور نہیں مگر یہ اسے مجبور مانتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں یہ بتایا گیا کہ ابلیس، بتوں، چاند تاروں میں اولاد دینے کی طاقت نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ ان میں تو تمہاری برابر بھی طاقت نہیں جو کام تم کر لیتے ہو وہ نہیں کر سکتے۔ عجیب بات ہے کہ عابد قادر اور معبود محض مجبور۔

تفسیر: ایشرکون مالا یخلق شیئا" اس عبارت میں سوال ہے تعجب دلانے کا **یشرکون** میں شرک سے مراد شرک فی العبادۃ ہے یعنی غیر خدا کی پرستش کرنا ما سے مراد ہیں کفار کے بت اور چاند، تارے، سورج وغیرہ کیونکہ **ما** بے عقل چیزوں کے لئے آتا ہے خلق سے مراد ہے نیست کو ہست کرنا **شیئا**" کی تنوین حقارت کے لئے ہے **یشرکون** کا فاعل سارے مشرکین ہیں خواہ بت پرست ہوں یا ستارہ پرست یا چاند و سورج پرست یعنی اے مسلمانوں تعجب تو کرو کہ یہ لوگ ایسی چیزوں کو پوجتے ہیں جو بے جان بے عقل ہیں یعنی ان سے بھی بدتر ہیں کہ یہ جان والے عقل و ہوش و گوش والے ہیں نیز وہ چیزیں ایک ذرہ ایک قطرہ پیدا نہیں کر سکتے پھر وہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں **وهم یخلقون** ظاہر یہ کہ یہ عبارت لا یخلق پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہے جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر جائز ہے چونکہ لفظ **ما** لفظا" واحد ہے معنی میں جمع اس لئے یخلق واحد ارشاد ہوا اور **هم** نیز **یخلقون** جمع کیونکہ ان دونوں میں **ما** کے معنی کا لحاظ ہے۔ خیال رہے کہ مشرکین اپنے بے جان بے عقل بتوں تاروں وغیرہ کو جاندار عقل والا سمجھتے تھے حتی کہ ان کے نام کے بت انسانی شکل کے بناتے تھے اس لئے **هم** اور **یخلقون** جمع مذکر لایا گیا جو کہ عقل والوں کے لئے آتا ہے یہ لوگ بیماریوں کو عورتوں کی شکل میں بنا کر پوجتے ہیں چیچک بیماری کو ماتا۔ ہندوستان ملک کو بھارت ماتا کہتے ہیں ان کی صورتیں عورتوں کی سی بناتے ہیں۔ گنگا جمنا دریاؤں کو گنگا ماتا کہہ کر پوجتے ہیں اس فرمان عالی میں ان کی یہ حماقت ظاہر کی گئی ہے غرضکہ ان کے لئے جمع مذکر کے الفاظ فرمانا ان کے عقیدے کے لحاظ سے ہے (تفسیر خازن، کبیر وغیرہ) ظاہر یہ ہے کہ یہاں **یخلقون** میں خلق سے مراد گھڑنا بنانا ہے اسی لئے یہاں مضارع۔ بمعنی حال کا صیغہ ارشاد ہوا یعنی وہ پتھروں کے بت خود گھڑے جاتے ہیں یہ پجاری خود گھڑتے ہیں کیونکہ مشرکین چاند سورج تاروں کی بھی شکلیں گھڑ کر اپنے بت خانوں میں رکھتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ خلق۔ بمعنی پیدا کرنا ہو اور حال۔ بمعنی ماضی ہو یعنی یہ بت ہماری مخلوق ہیں تم خالق کے ہوتے مخلوق کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان بتوں سے پہلے خالقیت کی نفی کی اب ان کی مخلوقیت کو ثابت فرمایا جو خالق نہ ہو اور مخلوق ہو وہ معبود نہیں **ولا یستطیعون لهم نصرا** یہ عبارت معطوف ہے یا تو **یخلقون** پر یا **لا یخلق شیئا** پر اس میں بتوں کی معبودیت کی نفی کی دوسری وجہ بیان فرمائی جارہی ہے معبود وہ جو اپنے عابدین کی مدد پر قادر ہو خواہ مدد کرے یا نہ کرے مگر بت تو اپنے عابدین کی مدد پر قادر ہی نہیں مدد کرنا تو دور کی بات ہے۔ مدد دو طرح کی ہوتی ہے نافع چیز کا دینا۔ مضر چیز کا دفع کرنا۔ بت یہ دونوں کام نہیں کر سکتے اسی لئے **نصرا** نکرہ ارشاد ہوا کہ ہر قسم کی مدد کی

www.alahazratnetwork.org

نفی ہو جاوے اور ممکن ہے کہ مدد سے مراد ہو۔ عبادت کی مدد یا عبادت پر مدد یعنی ان بتوں میں یہ طاقت نہیں کہ اپنے پجاریوں کی بخشش کرا کے انہیں جنت دے دیں لہذا آیت واضح ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر کوئی بندہ کسی کی مدد کر دے تو اس کی عبادت کی جاوے جیسے بادشاہ' حاکم' حکیم' مالدار لوگ جو رعایا کی بیماریوں کی غریبوں کی مدد کرتے ہیں نہ یہ لازم آتا ہے کہ اگر خدا تعالیٰ کسی موقعہ پر ہماری مدد نہ کرے تو اس کی عبادت نہ کی جاوے **ولا انفسهم ينصرون** اس فرمان عالی میں بتوں کی دوسری کمزوری کا ذکر ہے یعنی وہ تمہاری مدد تو کیا کریں گے وہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے کہ اپنے سے آفتیں دور نہیں کر سکتے۔ مشرکین عرب بتوں پر زعفران' شہد وغیرہ مل دیتے تھے ان پر بے شمار مکھیاں جمع ہو جاتی تھیں۔ بتوں میں یہ طاقت نہ تھی کہ مکھیاں اپنے منہ سے اڑا دیں یا ان کے پاس رکھی ہوئی مٹھائی اگر کتا لے جاوے تو وہ اسے دفع کر دیں مٹھائی بچالیں ایسی کمزور مخلوق کی پرستش کرنا پرلے درجے کی حماقت ہے۔ خیال رہے کہ بتوں کی یہ مجبوریاں ان کی معبودیت کی نفی کے لئے بیان فرمائی گئی ہیں نہ کہ دینی چیزوں کی تعظیم کی نفی کے لئے مسلمان کعبہ معظمہ یا قرآن مجید یا قبروں کی عبادت نہیں کرتے ان کا احترام کرتے ہیں **وان تدعوهم الى الهدى لا يتبعوكم** اس جملہ کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں اور اس کی تفسیریں بھی بہت۔ ہم صرف دو ترکیبیں دو تفسیریں عرض کرتے ہیں (1) **تدعوهم** میں **تدعوا** جمع مذکر حاضر ہے خطاب ہے مشرکین سے پہلے انہیں غائب کے صیغہ سے ذکر فرمایا اب حاضر کے صیغے سے جسے بلاغت میں التفات کہتے ہیں اور **هم** کا مرجع بت ہیں **هدى** سے مراد ہے بتوں سے ہدایت مانگنا ان سے اچھا مشورہ کرنا یعنی اے مشرکو! یہ بت ایسے ناکارہ ہیں کہ اگر تم ان کو ہدایت کی طرف بلاؤ اور کہو اے بتو ہم کو فلاں کام کا مشورہ دو ہماری رہبری کرو تو ہو تمہاری اتنی مدد بھی نہیں کر سکتے تمہاری یہ بات بھی نہیں سن سکتے (2) **تدعوا** میں خطاب ہے نبی کریم ﷺ اور مومنین سے اور **هم** کا مرجع مشرکین ہیں یعنی اے محبوب ﷺ اے مومنو! یہ لوگ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ اگر آپ انہیں ہدایت یعنی دین اسلام کی طرف دعوت دیں اور لاکھ دلائل سے سمجھائیں یہ آپ کی پیروی نہیں کرنے کے (روح المعانی) پہلی تفسیر قوی ہے جیسا کہ ظاہر ہے کہ آگے پیچھے سے مناسب رکھتی ہے **سواء عليكم ادعوتموهم ام انتم صامتون** اس فرمان عالی میں بتوں کی چھٹی مجبوری معذوری کا ذکر ہے یہ نیا جملہ ہے اس میں فرمایا گیا کہ بتوں میں مذکورہ قوتیں تو کیا ہوتیں اس میں تو سننے سمجھے کی بھی قوت نہیں تمہارا انہیں بلانا پکارنا اور ان کے سامنے خاموش رہنا برابر ہی ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس میں بھی خطاب نبی ﷺ اور مومنین سے ہے یعنی آپ لوگوں کا انہیں دعوت اسلام دینا یا خاموش رہنا انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا یکساں ہے کہ انہیں ہدایت نہیں ملتی مگر یہ تفسیر قوی نہیں ورنہ پھر یوں ہوتا **سواء عليهم ادعوتموهم** جیسے رب فرماتا ہے **سواء عليهم ءانذرتهم ام لم تنذرهم** کفار ہدایت پر آئیں یا نہ آئیں مبلغ کو فائدہ تبلیغ پہنچ ہی جاتا ہے کہ وہ تبلیغ کا ثواب پاتا ہے۔ طبیب کو معائنہ کی فیس اور دوا کی قیمت بہر حال ملتی ہے مریض کو دوا سے فائدہ ہو یا نہ ہو یعنی اے مشرکو تم بتوں کو پکارو یا نہ پکارو دونوں حال میں تم انسان ہی ہو اور وہ پتھر ہی ہیں نہ تم میں فرق آوے نہ ان میں (تفسیر کبیر' خازن وغیرہ)۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانوں کیسی حیرت کی بات ہے کہ مشرکین بتوں' چاند' سورج' تاروں کو خدائی شریک مانتے ہیں جو کسی ایک ذرے ایک قطرے کے خالق نہیں بلکہ وہ خود گھڑے جاتے ہیں کہ بت پرست خود انہیں گھڑتے بناتے ہیں جو خالق

www.alahazratnetwork.org

نہیں وہ معبود نہیں جو انسان کے ہاتھ کا گھڑا ہوا ہے وہ انسان سے بد تر ہے پھر انسان کا معبود کیسے ہو گیا دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ چیزیں نہ تو اپنے پجاریوں کی کسی قسم کی مدد کر سکتی ہیں کہ نہ انہیں مفید چیز دے سکیں نہ مصیبت و آفت دور کر سکیں ان کی مدد تو یہ بت کیا کرتے یہ تو خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے اگر ان کے منہ پر مکھیاں بھنکیں تو اڑا نہ سکیں اگر ان کے سامنے سے کھانا کتا اٹھالے جائے یا خود انہیں اٹھالے جائے تو یہ کتے سے بچ نہیں سکتے ان کی کمزوری کا تو یہ حال ہے پھر ان کی بے خبری کی یہ حالت ہے کہ اگر اے بت پرستو تم ان بتوں کو کہو انہیں بلاؤ پکارو کہ ہم کو نیک راستہ بتاؤ ہم کو اچھا مشورہ دو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں تمہاری آواز پر لبیک نہ کہیں تمہارا انہیں پکارنا اور نہ پکارنا تمہارے لئے برابر ہے کہ تم بہرحال انسان قدرت والے دیکھنے سننے والے ہو اور ان کے لئے بھی برابر کہ وہ بہرحال جماد پتھر ہیں نہ سنیں نہ بولیں۔ خیال رہے کہ مذکورہ آیات اگلی آیات میں بتوں کی معبودیت کی نفی کی بہت دلیلیں قائم فرمائی گئیں۔ ان میں چھ دلیلیں تو یہاں ارشاد ہیں باقی اگلی آیات میں ان (1) بتوں کا خالق ہونا (2) انکا مخلوق ہونا (3) ان کا کسی کی مدد نہ کر سکنا (4) ان کا خود اپنی مدد نہ کرنا اپنے کو کسی سے نہ بچا سکنا (5) ان کا کسی کی فریاد نہ سننا (6) انہیں پکارنا نہ پکارنا برابر ہونا۔ یہ تمام دلائل عبادت کے انکار کے لئے ہیں عبادت صرف اس رب کی ہے جو خالق ہے مخلوق نہیں۔ دافع البلاء، مشکل کشا حاجت روا ہے۔ وہ بندوں کی پکار سنتا ہے جو اس سے ہدایت مانگے اسے ہدایت دیتا ہے بذریعہ نبی کتاب دل کے الہام کے۔ یہ قیود اطاعت میں نہیں۔ اطاعت و فرمانبرداری اللہ تعالیٰ کی بھی ضروری ہے نبی کی بھی۔ ہر مومن والی حاکم کی بھی **اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** یوں ہی تعظیم و احترام اللہ تعالیٰ کا بھی ہے اس کے رسول کا بھی اللہ کے مقبول بندوں کا بھی فرماتا ہے **العزۃ للہ ولرسولہ وللمومنین** ان تینوں میں فرق ضروری ہے۔ عبادت کے احکام اطاعت اور ادب و احترام پر جاری کرنا سخت بے دینی ہے۔ یوں ہی مدد مانگنے کے لئے بھی یہ قیدیں نہیں مدد اللہ سے بھی مانگی جائے اس کے رسول سے بھی اور مومن بندوں سے بھی فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین اٰمنوا الذین یقیمون الصلوۃ**۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** انسان اپنے اعمال کا خالق نہیں بلکہ کاسب ہے اگر خالق ہوتا تو معبود ہوتا یہ فائدہ **لا یخلق شیئا** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **خلقکم وما تعملون** **دوسرا فائدہ:** ہر ماسوی اللہ رب تعالیٰ کی مخلوق ہے کوئی ادنیٰ و اعلیٰ چیز اس کی ملکیت اس کی ربوبیت اس کی خالقیت سے علیحدہ نہیں۔

جو تیرے سوا ہے وہ تیرا بندہ ہے

یہ فائدہ **وھم یخلقون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ خلق بمعنی پیدائش ہو۔ **تیسرا فائدہ:** بت پرستوں کے اکثر بت ان کے ہاتھ کے تراشے چھیلے ہوئے ہوتے ہیں اگر وہ چاند تاروں کی پرستش کرتے ہیں تو بھی انکے نام پتھروں کے بت بنا کر پوجتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ:** بے جان، بے عقل، بے فیض چیزوں کی پرستش کرنا اول درجہ کی حماقت ہے۔ جس میں مشرکین مبتلا ہیں یہ فائدہ **ولا یستطیعون** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** مجبوری و معذوری سے مغموم نہ ہونا چاہیے یہ تو اس کی بندگی کی دلیل ہے **عرفت ربی بفسخ عزائمی** یہ فائدہ **سواء علیکم** سے حاصل ہوا۔ انسان کو اپنی نامرادی مجبوری سے مغموم نہ ہونا چاہئے یہ تو اسکی بندگی کی دلیل ہے اگر بندہ اپنے کو عاجز بندہ اور رب تعالیٰ کو قادر رب صحیح طور سے مان لے تو انشاء

www.alahazratnetwork.org

اللہ گناہ کرنے کی جرات نہ کرے۔

پہلا اعتراض: ان آیات سے معلوم ہوا کہ ان جھوٹے معبودوں کی عبادت نہیں کرنی چاہئے جو ہماری مدد نہ کر سکیں جو ہماری فریاد نہ سن سکیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ جو مخلوق ہماری مدد کر سکے جو ہماری سن سکے اس کی عبادت کرلینی چاہیے جیسے فرشتے یا بعض قوت والے انسان اس میں تو شرک کی تعلیم ہے (آریہ)۔ **جواب:** اس اعتراض کے چند جواب ہیں جن میں سے بعض ابھی تفسیر میں عرض کئے گئے (1) ان آیات میں پہلے ذکر ہوا خالق نہ ہونے کا مخلوق ہونے کا پھر ذکر ہوا مدد وغیرہ نہ کرنے کا فرشتے اور قوت والے انسان خالق نہیں ہیں مخلوق ہیں لہذا وہ معبود نہیں ہو سکتے (2) ان آیات کا مقصود ہے بت پرستوں کی حماقت کا بیان کرنا کہ یہ اشرف الخلق یعنی انسان ہونے کے باوجود بدترین اور کمزور بے عقل بلکہ بے جان مخلوق کی عبادت کرتے ہیں ان کا مقصد یہ نہیں کہ جاندار اور فائدہ مند مخلوق کی عبادت کیا کریں (3) یہاں نفع اور مدد سے مراد ہے عبادات کا نفع آخرت میں مدد کرنا یہ بات کسی مخلوق میں ہیں۔ کسی کی عبادت مفید نہیں بجز پروردگار کے۔ **دوسرا اعتراض:** تم لوگ ولیوں کی قبروں کی تعظیم و توقیر کرتے ہو مرے ہوئے ولیوں سے مدد مانگتے ہو حالانکہ یہ ساری باتیں ان میں بھی ہیں وہ خالق نہیں وہ مخلوق ہیں وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے وہ تو خود تمہاری مدد کے حاجت مند ہیں وہ تمہاری پکار نہیں سن سکتے وہ تمہیں ہدایت نہیں دے سکتے پھر تم میں اور کھلے مشرکین میں فرق کیا ہے (وہابی)۔ **جواب:** اس اعتراض کے (2) جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ کہ تم بھی کعبہ معظمہ 'غلاف کعبہ' قرآن مجید 'اپنے مولوی کی بڑی تعظیم و توقیر کرتے ہو تم بھی مصیبت کے وقت حاکموں، حکیموں سے مدد مانگتے ہو تم بھی ہر وقت امیروں سے چندہ مال امداد مانگتے ہو ان میں تمام مذکورہ چیزیں موجود ہیں تم مشرک ہوئے یا نہیں تم میں اور بت پرستوں میں فرق کیا ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ مذکورہ صفات خالق ہونا۔ مخلوق نہ ہونا۔ مددگار ہونا وغیرہ عبادت کے لئے ہیں کہ معبود وہ ہے جو ان صفات سے موصوف ہو اطاعت 'تعظیم' مدد مانگنا وغیرہ کے لئے شرط نہیں دیکھو تعظیم کے متعلق رب فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب** اور فرماتا ہے **ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ** دیکھو صفا مروہ پہاڑیوں ہی ہدی کے جانور خالق نہیں۔ مخلوق ہیں کسی کی فریاد نہیں سن سکتے کسی کی مدد نہیں کر سکتے مگر ان کی تعظیم داخل فی الدین ہے ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ عبادت 'اطاعت' ادب تعظیم اور استعانت یعنی مدد مانگنا ان میں بڑا فرق ہے۔ عبادت صرف خالق کی ہی ہوگی مگر ادب، اطاعت، تعظیم، مدد مانگنا یہ بندوں کی بھی ہو سکتی ہے۔ عبادت اور تعظیم میں فرق کرنا چاہئے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر عبادت صرف اس کی کی جاوے جو ہماری مدد کرے تو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی عبادت بھی نہ کی جائے کیونکہ بہت دفعہ وہ ہماری مدد نہیں کرتا ہماری فریاد نہیں سنتا ہماری دعائیں قبول نہیں کرتا پھر یہ آیت کیونکہ درست ہوئی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مدد کرنے کا ذکر نہیں بلکہ مدد کر سکنے کا ذکر ہے **لا یستطیعون لهم نصرا** رب تعالیٰ ہر شخص کی ہر قسم کی مدد کرنے پر ہر وقت قادر ہے۔ کسی موقعہ پر مدد نہ کرنے میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ بارش برسانا' سورج چمکانا' ہوا چلانا' کھیت میں دانہ پکانا یہ سب رب تعالیٰ کی مدد ہیں ہی ہیں وہ کون بندہ ہے جس کی مدد رب نے نہ کی ہو وہ ہم کو نظر نہیں آتا مگر ہمارے کام سارے بناتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

یاخفی الذات محسوس العطاء — انت کالماء ونحن کالرحی

www.alahazratnetwork.org

انت کالریح و نحن کالغبار یختفی الریح وغیراہ جھار

چوتھا اعتراض: دھریئے۔ جو خدا تعالیٰ کی ذات کے منکر ہیں انہیں اس آیت کریمہ سے تسلی نہیں ہو سکتی وہ کہہ دیں گے کہ نہ بت خالق ہیں نہ خدا تعالیٰ ہے نہ وہ خالق و مالک سمیع و بصیر ہے ہماری فریاد نہ بت سنتے ہیں نہ خدا تعالیٰ سنتا ہے ہماری حاجات نہ بت پوری کر سکتے ہیں نہ خدا تعالیٰ اس آیت سے انہیں کیسے قائل کیا جاوے لہذا یہ آیت مکمل نہیں۔ **جواب:** یہاں روئے سخن مشرکین سے ہے جو خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل تھے۔ عرب میں دھریئے یا تو تھے ہی نہیں یا تھے تو مگر بہت تھوڑے مگر اس آیت سے دھریوں کی تردید بھی ہو سکتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل اتنے زیادہ اور قوی ہیں کہ ان کے ہوتے کسی کو انکار کی مجال نہیں اگر کوئی اندھا ہو کر انکار کرے تو وہ قابل شمار نہیں دنیا کا ہر ذرہ اپنے خالق کی دلیل ہے پھر آسمانی کتابیں اور صحیفے حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء کی ذات والاصفات رب تعالیٰ کے قوی دلائل ہیں سورج کی شعاعیں سورج کی ہستی کی دلیلیں ہیں۔ **پانچواں اعتراض:** اس عبارت میں یکسانیت نہیں ہے کہ ارشاد ہوا **ادعوتموھم** یہ جملہ فعلیہ ہے **ام انتم صامتون** یہ جملہ اسمیہ ہے معطوف اور معطوف علیہ یکساں چاہئیں یوں چاہئے تھا **ام انتم صمتم** تاکہ **دعوتم** کے موافق ہوتا۔ **جواب:** اس صورت میں یہ دوسری آیات کے موافق نہ ہوتی وہاں تھا **یخلقون یشرکون۔ ینصرون** یہاں ہوتا **صمتم** آیات کی مطابقت کے لئے اس طرح ارشاد ہوا نیز پکارنا عارضی حالت ہے خاموش رہنا اصلی حالت ان دونوں حالتوں میں فرق دکھانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان ایک عجیب الخلقت مخلوق ہے اگر رب تعالیٰ اس پر فضل کرے تو جنات و فرشتوں سے بڑھ کر عارف باللہ ہوتا ہے اگر اس کا فضل نہ ہو تو بے عقل جانوروں سے بدتر ہے دیکھو جانور بھی بت پرستی نہیں کرتے وہ بھی ان بتوں کو اپنے سے کمتر جانتے ہیں بارہا دیکھا گیا کہ ایک پتھر کو مشرک سجدہ کرتا ہے اس پر کتا پیشاب کرتا ہے اے عاقل انسان ان بے عقلوں سے سبق لے خالق غیر خالق مالک غیر مالک میں جانور فرق کریں اور تو نہ کرے کتنی غیرت کی بات ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا علیم خبیر، سمیع بصیر ہونا اللہ والوں کو محسوس ہوتا ہے بندہ ایک بار کہتا ہے **یاربی** وہاں سے ستر بار جواب آتا ہے **یا عبدی** بندہ تڑپ کر کہتا ہے۔ **اذنبت** میں نے گناہ کر لیا وہاں سے ستر بار جواب آتا ہے کہ **غفرت** میں نے بخش دیا گناہ کرنا تجھے آتا ہے بخشنا مجھے آتا ہے یہ غیبی آواز مومن مخلص کے دل پر وارد ہوتی ہے اندھا آنکھ والوں کے بتانے پر بات مان لیتا ہے ہم کو چاہئے کہ دل والوں کی باتیں خبریں بغیر چون و چرا مانیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ
تحقیق وہ لوگ کہ پوجا کرتے ہو تم جن کی سوا اللہ کے وہ بندے ہیں تمہاری مثل پس پکارو تم ان کو
بے شک وہ جن کو اللہ کے سوا پوجتے ہو تمہاری طرح بندے ہیں تو انہیں پکارو

www.alahazratnetwork.org

فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۹۴﴾ أَلَهُمْ أَرْجُلٌ يَمْشُونَ

پس چاہیئے کہ جواب دیں وہ تم کو اگر ہو تم سچے کیا پاس ان کے پاؤں ہیں چلتے ہیں وہ ان

پھر وہ تمہیں جواب دیں اگر تم سچے ہو کیا ان کے پاؤں ہیں جن سے چلیں یا ان کے

بِهَا أَمْ لَهُمْ أَيْدٍ يَبْطِشُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ أَعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَا أَمْ لَهُمْ

سے کیا واسطے انکے ہاتھ ہیں کہ پکڑتے ہیں وہ ان سے کیا واسطے ان کے آنکھیں ہیں کہ دیکھتے ہیں وہ ان

ہاتھ ہیں جن سے گرفت کریں یا ان کی آنکھیں ہیں جن سے دیکھیں یا ان کے کان ہیں جن سے سنیں تم

أٰذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَا قُلِ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُونِ فَلَا تُنْظِرُونِ ﴿۱۹۵﴾

سے کیا واسطے انکے کان ہیں کہ سنتے ہیں وہ ان سے فرما دو کہ بلا لو تم اپنے شریکوں کو پھر تدبیر کرو میرے مقابل پھر نہ مہلت دو تم مجھے

فرماؤ کہ اپنے شریکوں کو پکارو اور مجھ پر داؤں چلاؤ اور مجھے مہلت نہ دو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بتوں کی چند مجبوریاں معذوریاں مقہوریاں بیان کی گئی تھیں جن کا تعلق عقل سے تھا اب انہیں بتوں کی وہ مجبوریاں بیان ہو رہی ہیں جن کا تعلق ہمارے حواس سے ہے۔ جو دیکھنے میں آتے ہیں یعنی ان کا بے دست و پا ہونا مقصود وہی ہے کہ ایسے مجبور و مقہور مخلوق کی عبادت کیسی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بتوں کی نیاز مندی محتاجی کا ذکر ہوا اب حضور ﷺ کی بے نیازی کا تذکرہ ہے۔ **قل ادعوا شرکاءکم** مقصود یہ ہے کہ جو رب تعالیٰ سے کنارہ کش نہ رہا جو اس ذات کریم سے وابستہ ہوا وہ سب کچھ ہو گیا۔ مخلوق سے مستغنی ہو گیا لہٰذا بتوں سے بچو اور دامن مصطفوی میں آؤ۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ بتوں میں نہ روحانیت نہ جسمانیت اب بتایا جا رہا ہے کہ پیغمبر کو اللہ تعالیٰ نے بے مثال روحانی قوتیں بخشی ہیں ان کے پاس آنا مفید ہے۔

نزول: مشرکین عرب جب حضور انور ﷺ کے مقابلہ میں دلائل سے عاجز ہوئے تو حضور کو اپنے بتوں سے ڈرانے لگے کہ اگر آپ نے ان کی اہانت ان کی مخالفت کی تو یہ بت آپ کو ہلاک کر دیں گے یا آپ کو جانی مالی سخت نقصان پہنچائیں گے ان کی تردید میں رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا **قل ادعوا شرکاءکم** جس میں حضور انور کی ان چیزوں سے بے پرواہی اور حضور کی غناء قلبی ظاہر کی گئی (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خازن وغیرہ)

تفسیر: **ان الذین تدعون من دون اللہ** چونکہ مشرکین اس مضمون کے انکاری تھے وہ بتوں کو اپنے سے کہیں اعلیٰ مانتے تھے بلکہ ان میں الوہیت یعنی خدائی شان مانتے تھے اس لئے اسے ان سے شروع کیا گیا الذین سے مراد مشرکین کے خود ساختہ لکڑی پتھر مٹی کے بت ہیں اگرچہ مشرکین جنات اور فرشتوں کو بھی پوجتے تھے مگر یہاں وہ داخل نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے چونکہ مشرکین ان بتوں کو عاقل مانتے تھے اس لئے الذین جمع مذکر ارشاد ہوا التی نہ فرمایا گیا یہ گفتگو ان کے عقیدے کی بنا پر ہے تدعون بنا ہے دعا سے دعا قرآن مجید میں چند معنی میں استعمال ہوا ہے بلانا' پکارنا' نام رکھنا' عبادت کرنا' دعا مانگنا یہاں

www.alahazratnetwork.org

بمعنی عبادت کرنا ہے اور اس کا مفعول پوشیدہ ہے اصل میں تدعونھم تھا ممکن ہے کہ نام رکھنے کے معنی ہوں تب اس کے دو مفعول پوشیدہ ہوں گے **تسمونھم الھتہ** (روح المعانی) **دون** کے متعلق بارہا عرض کیا جاچکا ہے کہ یہ بہت معنی میں آتا ہے دور 'علیحدہ' کٹا ہوا مقابل اور علاوہ سوی یہاں بمعنی علاوہ یا سوی یہاں بمعنی علاوہ اور سوا ہے یعنی اے مشرکو وہ بت جن کی تم اللہ کے سواء عبادت کرتے ہو یا جن کو تم اللہ کے سوا **الٰہ** کہتے ہو ان کا نام **الٰہ** رکھتے ہو **عباد امثالکم** یہ عبارت ان کی خبر ہے حق یہ ہے کہ عباد جمع ہے عبد کی بمعنی بندہ یا مخلوق لہذا ہر مخلوق جاندار یا بے جان عاقل یا غیر عاقل اللہ کا بندہ اس کا عبد ہے اور اگر عبد صرف جاندار عقل والے کو کہتے ہوں تو انہیں عباد فرمانا کفار کے عقیدے کی بنا پر ہے کہ وہ بتوں کو عاقل جانتے تھے اور عاقلوں کی سی شکل بناتے تھے۔ امثال جمع ہے مثل کی بمعنی طرح یا مانند یعنی یہ سب تمہاری طرح تمہاری مانند ہمارے بندے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں مخلوقیت 'مملوکیت' بندہ ہونے میں مثل مراد ہے ورنہ انسان پتھر 'مٹی' لوہے پیتل سے کہیں افضل ہے کہ وہ عاقل جاندار سمجھ دار ہے اس لئے آگے ارشاد ہوا **فادعوھم فلیستجیبوا لکم فادعوا** میں ف ترتیب کی ہے اور **فلیستجیبوا** میں ف جواب امر کی یہاں دعا کے معنی یا پکارنا یا بلانا ہیں یا دعا مانگنا اور استجابت کے معنی ہیں پکار کا جواب دینا یا مانگی ہوئی دعا قبول کرنا حاجت روائی کر دینا یعنی چنانچہ تم ان بتوں کو پکار کے دیکھ لو وہ تمہارا جواب تو دے دیں یا تم ان سے دعا مانگ کر دیکھ لو وہ تمہاری دعا قبول تو کرلیں تمہاری حاجت روائی تو کردیں ہر گز نہ کر سکیں گے پھر ایسی مجبور و معذور مخلوق کی عبادت کیسی **الھم ارجل یمشون بھا** اس فرمان عالی کا منشاء یہ ہے کہ ان بتوں کے پاس تو وہ اعضاء ہی نہیں جن میں سننے

دیکھنے چلنے پکڑنے کی طاقت ہوتی پھر وہ تمہاری مدد کر سکیں۔ تمہاری پکار کیسے سنیں۔ اس سلسلہ میں چار اعضاء کا ذکر فرمایا پہلے پاؤں کا پھر ہاتھوں کا پھر آنکھوں کا پھر کانوں کا **الھم** میں سوال انکار کا ہے **لھم** اور **یمشون** کی ضمیریں مذکورہ بتوں کی طرف ہیں **ارجل** جمع ہے رجل کی بمعنی پاؤں چونکہ مشرکین بتوں کے ہاتھ پاؤں آنکھ بناتے تھے مگر ان میں طاقت و قوت نہ تھی اس لئے **یمشون بھا** ارشاد ہوا یعنی تم خود دیکھ بھال لو سوچ لو کہ کیا بتوں کے ایسے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں پاؤں تو ہیں مگر ان میں چلنے کی طاقت نہیں۔ خیال رہے کہ اگر آج مشرکین اپنے بتوں کو بجلی کی طاقت سے چلادیں تو اس کا نام چلنا نہ ہو گا ملنا یا حرکت کرنا ہو گا۔ چلنا تو وہ ہے جو اپنی طاقت سے ہو دوسرے یا دوسری کی طاقت سے حرکت کو چلنا نہیں کہا جاتا لہذا آیت واضح ہے کہ **یمشون** ارشاد ہوا ہے **یتحرکون** یا **ینتقلون** نہیں فرمایا گیا۔ **ام لھم اید یبطشون بھا** یہ فرمان عالی جملہ پر معطوف ہے ام بمعنی بل ہے اور **لھم** سے پہلے سوال کا ہمزہ پوشیدہ ہے **اید** جمع ہے **ید** کی یہ بہت معنی میں آتا ہے۔ **قوۃ** '**رحمت**' **مدد** یہاں آخری معنی میں ہے۔ **بطش** مضبوطی سے پکڑنے کو کہتے ہیں صرف پکڑنے کو اخذ کہا جاتا ہے چونکہ چلنے کا تعلق خود چلنے والے سے ہوتا ہے اور پکڑ کا تعلق دوسرے سے یعنی پکڑی چیز سے اس لئے پاؤں کا ذکر پہلے ہوا ہاتھ کا بعد میں یہاں بھی وہ ہی تحقیق ہے کہ بتوں کے مصنوعی ہاتھ تو تھے مگر ان میں پکڑنے کی طاقت نہ تھی ہاتھ کی نفی مقصود نہیں۔ اس کی طاقت یعنی پکڑ کی نفی مقصود ہے کسی کی مدد عموماً" چل کر پکڑ کر ہوتی ہے یعنی ہاتھ پاؤں 'پاؤں پہلے مظلوم کے پاس پہنچتے ہیں پھر ہاتھ کام کرتے ہیں۔ لہذا پاؤں کے چلنے کا ذکر پہلے اور ہاتھ کے پکڑ کا ذکر بعد میں۔ **ام لھم اعین یبصرون بھا** اس کی تحقیق بھی وہ ہی ہے جو ابھی **ام لھم اید** میں کی گئی کہ بتوں کی مصنوعی آنکھیں تو ہوتی تھیں مگر ان میں روشنی نہ تھی۔ اس روشنی کی نفی

www.alahazratnetwork.org

مقصود ہے قوی یہ کہ نظر بصر اور رویت ہم معنی ہیں۔ اس لئے رب تعالیٰ کے لے قرآن کریم میں ــــــــــــ یہ تینوں لفظ ارشاد ہوئے۔ کبھی ان میں فرق بھی کیا جاتا ہے کہ ظاہر کو دیکھنا نظر ہے غور کر کے دیکھنا بصر یعنی نظر دیکھنا تکنا اور پھر سوجھنا فرماتا ہے **ترٰنهم ينظرون اليك وهم لا يبصرون** یہاں نظر کا ثبوت ہے بصر کی نفی یعنی کیا ان بتوں کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے وہ تم کو تمہاری مصیبتوں کو یا دنیا کی چیزوں کو دیکھیں **ام لهم اٰذان يسمعون بها** اس فرمان عالی کا وہی مطلب ہے جو پہلے ذکر ہوا **اٰذن** جمع ہے اذن کی بمعنی کان بتوں کے مصنوعی کان تھے مگر ان کانوں میں سننے کی طاقت نہ تھی۔ خیال رہے کہ سمع کے معنی سننا استماع کے معنی ہیں کان لگا کر بغور سننا رب فرماتا ہے **فاستمعوا له وانصتوا**۔ خلاصہ یہ ہے کہ نہ تمہاری سنتے ہیں نہ تم کو دیکھتے ہیں نہ تمہاری مدد کو پہنچ سکتے ہیں نہ تمہیں آفات سے بچا سکتے نہ تم کو کچھ دے سکتے ہیں **قل ادعوا شركاءكم** اب تک تو بتوں کی مجبوری کا ذکر تھا اب اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ اس کی مدد کا تذکرہ ہے کہ اگر تم کو میرے رب کی قدرت و قوت دیکھنا ہے تو مجھے اور میری بے نیازی کو دیکھ لو میں اکیلا ہوں بے ساز و سامان ہوں تم جتھے والے ساز و سامان والے ہو تم سب مل جاؤ اور اپنے معبودین باطلہ کو اپنی مدد کے لئے میرے مقابل بلا لو یہاں دعا بمعنی بلانا ہے اور شرکاء سے مراد بت پرستوں کے بت ہیں اس میں حضرت عیسیٰ و عزیر علیہم السلام یا فرشتے داخل نہیں رب فرماتا ہے **فاتوا بسورة من مثله وادعوا شهداءكم** ان جیسی آیات میں یہ دونوں حضرات انبیاء یا فرشتے داخل نہیں ہوتے اگرچہ کفران کو معبود جانتے ان کی پرستش کرتے ہیں وہ حضرات حضور انور کے مقابلہ میں کب آسکتے ہیں اور کب فریب دے سکتے ہیں **ثم كيدون فلا تنظرون** یہ عبارت معطوف ہے **ادعوا** پر اور مفعول ہے قل کا یہاں ثم مہلت اور تراخی کے لئے ہی ہے یعنی پہلے اپنی طاقتیں جمع کرو پھر میرے خلاف تدبیریں سوچو پھر یہ کام کر کے مجھ پر حملہ کرو **كيد** کے معنی مکر و فریب بھی ہیں اور خفیہ تدبیر بھی رب فرماتا ہے **انهم يكيدون كيدا واكيد كيدا** یہاں دونوں معنی درست ہیں۔ نظر کے معنی ہیں دیکھنا مگر انظار کے معنی ہیں مہلت دینا یعنی تم متفق ہو کر سامان جمع کر کے مجھ پر اپنے سارے داؤں برت لو مجھے سنبھلنے کی مہلت نہ دو پھر میرے رب کی قدرت اور اپنے بتوں کی بے بسی کا نظارہ کر لو کہ تم سب میرا بال بیکا نہیں کر سکتے میری تبلیغ میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتے۔ حضور انور کی تو کیا بڑی ہے جس پر حضور نظر کرم فرما دیں اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا

خلاصہ تفسیر: اے مشرکو اللہ کے سوا جن بتوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ تو تم جیسے ہی ہمارے مملوک مخلوق بندے ہیں ان میں الوہیت کا شائبہ بھی نہیں تم انہیں مدد کے لئے بلا کر پکار کر دیکھ لو اگر تم سچے ہو کہ الہ معبود ہیں تو چاہیئے کہ وہ تمہاری پکار سنیں تمہارے بلانے پر تمہارے پاس مدد کو پہنچیں ایسا نہ ہوا ہے نہ ہو تم نے غور نہ کیا کہ کیا بتوں کے پاؤں ہیں جن سے وہ چل سکیں کیا ان کے ہاتھ ہیں جن سے وہ پکڑ سکیں اور تم تک پہنچ کر تمہاری مدد کر سکیں تم کو آفات سے چھوڑا سکیں کیا ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ تمہاری حالت دیکھ سکیں کیا ان کے کان ہیں جن سے وہ تمہاری پکار سن سکیں یہ کچھ بھی نہیں تو وہ تو تم سے بھی بدتر ہوئے کہ تم میں یہ اعضاء اعضاء میں یہ طاقتیں موجود ہیں یہ کفار آپ کو اپنے بتوں سے ڈراتے ہیں کہ اگر آپ نے تبلیغ بند نہ کی تو ہمارے بت آپ کو جانی مالی نقصان پہنچائیں گے آپ ان سے علانیہ طور پر فرما دو کہ تم سارے بت پرست جمع ہو جاؤ اور اپنے بتوں کو بھی بلا لو اور میرے مقابل اپنی ساری قوتیں جمع کر لو تدبیریں سوچ لو پھر جو تم سے ہو سکے میرا بگاڑ لو مجھے سنبھلنے کی بھی

www.alahazratnetwork.org

مہلت نہ دو پھر آزماؤ کہ تم سب میرا کچھ بگاڑ سکتے ہو یا نہیں میرا رب میرے ساتھ ہے تم سب میرا بال بیکا نہیں کر سکتے۔

مصطفےٰ تیری جرات پہ لاکھوں سلام

خیال رہے کہ کفار اس للکار سے خاموش نہ ہوئے انہوں نے حضور کے مقابل اپنی ساری طاقتیں استعمال کر کے دیکھ لیں مگر حضور کو نقصان نہ پہنچا سکے دیکھو تو ہجرت کی شب اللہ نے اپنے حبیب کو ان کی تلواروں کے سایہ میں سے نکال لیا پھر غار ثور میں مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ ان کے شر سے بچالیا یہ ہے اس اعلان کا نتیجہ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** ساری مخلوق انسان' حیوان' نباتات' جمادات اللہ کا بندہ ہونے اس کی مخلوق ہونے اس کے مملوک ہونے میں برابر ہیں کہ کوئی نہ خالق ہے نہ خالق کی برابر نہ اس کا حصہ دار یہ فائدہ **امثالکم** سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری: اس برابری کے باوجود انسان اشرف الخلق ہے **ولقد کرمنا بنی ادم** لہذا عرف میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ انسان گدھے کتے کی مثل ہے یوں ہی حضور انور سے کہلوایا گیا **انما انا بشر مثلکم** اس آیت کی بنا پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ ہم حضور انور کی مثل ہیں یوں ہی حضور ہماری مثل ہیں انسان کو ناطق ہونے سے تمام سے افضل کر دیا حضور انور کو نبی رسول' شفیع المذنبین وغیرہ لاکھوں صفات عالیہ نے سب سے افضل کر دیا۔ تعجب ہے کہ جو لوگ ظاہری صورت' کھانا پینا چلنا پھرنا' سونا' جاگنا' جینا مرنا دیکھ کر کہہ دیتے ہیں کہ ہم حضور انور جیسے ہیں وہ لوگ یہ ہی صفات دیکھ کر یہ کیوں نہیں کہتے کہ ہم ابو جہل' فرعون' قارون جیسے ہیں یا وہ لوگ ہم جیسے ہیں جیسے ایک ایمان نے مومنوں کو سارے کفار سے افضل کر دیا یوں ہی حضور کی لاکھوں صفات نے حضور انور کو سارے مومنوں بلکہ ساری خلقت سے افضل کر دیا۔

لا یمکن الثناء کما کان حقہ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر!!

دوسرا فائدہ: امر ہمیشہ واجب کرنے کے لئے نہیں آتا اور بہت مقاصد کے لئے آتا ہے۔ دیکھو **فادعوا ھم** امر ہے مگر اس امر سے نہ تو کفار کو بتوں کو پکارنے کا حکم دیا گیا نہ اجازت دی گئی بلکہ صرف ان کی حماقت ظاہر کی گئی رب فرماتا ہے **فاتوا بسورۃ من مثلہ** لہذا اس آیت میں کفار کو کفر کی اجازت نہیں دی گئی۔ **تیسرا فائدہ:** مجبوری بندگی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بتوں کی مجبوری دکھا کر ان کی بندگی ثابت کی ان سے الوہیت کی نفی فرمائی بزرگان دین بلکہ حضرات انبیاء کرام کی بعض دعاؤں کا قبول نہ ہونا بلکہ انہیں دعا سے روک دیا جانا ان کی عبدیت ظاہر کرنے کے لئے ہے ورنہ بعض لوگ انہیں خدا مان لیتے یہ فائدہ **الھم ارجل** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ہر سوال بے علمی کی بنا پر نہیں ہوتا اس کے اور مقصد بھی ہوتے ہیں دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے کفار سے پوچھا کہ کیا بتوں کے ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء ہیں یعنی غور کرو کہ نہیں ہیں پھر وہ خدا کیسے ہو گئے۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبولوں خصوصاً" حضرات انبیاء کرام خصوصاً" حضور ﷺ کی ایسی جرات و ہمت عطا فرمائی ہے کہ ان کے دلوں میں ساری مخلوق کی پرواہ نہیں ہوتی یہ فائدہ **قل ادعوا شرکاءکم** سے حاصل ہوا۔ مرزا قادیانی مدعی نبوت تھا مگر ایسا ڈرپوک تھا کہ جان کے خوف سے حج کو نہ جا سکا۔ کفار کی رعایا بن کر رہا اسی حالت میں مرا انہیں کے ملک میں

www.alahazratnetwork.org

دفن ہوا۔ خیال رہے کہ کوئی نبی کسی کافر کی رعایا بن کر اس سے دب کر نہ رہے یا تو کفار کے ملک سے ہجرت فرما گئے یا ان سے مقابلہ کیا اور ان کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے دیکھو حضرت ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے واقعات کہ ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کے ملک سے ہجرت کی **وقال انی ذاھب الی ربی سیھدین** موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کی سلطنت کے ٹکڑے اڑا دیئے۔ **پہلا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کے سوا کسی کو نہیں پکارنا چاہئے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے ان لوگوں پر عتاب فرمایا جو ماسوی اللہ کو پکارتے ہیں **ان الذین تدعون من دون اللہ** تو تمہارا یا رسول اللہ یا غوث کہنا شرک ہے۔ **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے نبیوں کو مومنوں کو جگہ جگہ پکارا تم بھی ہمیشہ ایک دوسرے کو پکارتے ہو تم سب مشرک ہوئے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں بلکہ ان جیسی تمام آیات میں **تدعون** بمعنی **تعبدون** ہے کسی کو پکارنا شرک نہیں بلکہ پوجنا شرک ہے اس کی پوری تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** مشرکین کے بتوں کو عباد کیوں فرمایا گیا ان میں نہ جان ہے نہ عقل پھر انہیں عباد یعنی بندے کیوں فرمایا۔ **جواب:** ساری مخلوق جاندار ہو یا بے جان عاقل ہو یا غیر عاقل اللہ کا عبد یعنی اس کی مخلوق اس کی مملوک ہیں اور اگر عبد بمعنی عابد ہو تب بھی ہر چیز اللہ کی عابد ہے **وان من شیٔ الا یسبح بحمدہ** ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے لہٰذا ان سب کو عبد اللہ کہنا درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بے جان بتوں کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ وہ تم جیسے بندے ہیں ہم یعنی انسان خصوصاً مسلمان علم، عقل، ایمان رکھتے ہیں انسان خلیفۃ اللہ ہے پھر پتھر جانور انسان کی مثل کیونکر ہوئے۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ مثلیت صرف خاص بندہ ہونے میں ہے نہ کہ اور دوسری چیزوں میں جیسے کہا جائے کہ زید شیر کی مثل ہے تو وہاں مثلیت صرف طاقت جرات میں ہے نہ کہ باقی اور چیزوں میں۔ **چوتھا اعتراض:** اس میں فرمایا گیا کہ بتوں کے ہاتھ پاؤں آنکھ کان نہیں لہٰذا ان کی پرستش نہ کی جاوے۔ **الھم ارجل** تو کیا بندر گائے وغیرہ جانوروں کی عبادت کرنی چاہئے کیونکہ ان کے پاس یہ اعضا بھی ہیں ان میں قوتیں بھی۔ **جواب:** اس فرمان عالی میں روئے سخن بت پرست کافروں سے ہے مقصد یہ ہے کہ بت تو تم سے زیادہ کمزور گئے گزرے ہیں ان کی عبادت کرنا پرلے درجہ کی حماقت ہے تم افضل ہو وہ ارذل یہ مطلب نہیں کہ اگر بت میں ہاتھ پاؤں ہوتو اس کی عبادت درست ہے۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے بھی ہاتھ پاؤں کان ہیں دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ چونکہ بتوں کے کان آنکھ وغیرہ نہیں لہٰذا انہیں نہ پوجو اگر رب تعالیٰ کے بھی یہ اعضا نہ ہوں تو اس کی عبادت بھی نہیں چاہئے (مجسمہ یعنی جسمیہ)۔ **نوٹ:** مسلمانوں میں ایک فرقہ جسمیہ ہے وہ خدا تعالیٰ کے لئے سارے اعضاء مانتا ہے یہ اعتراض ان کا ہے۔ **جواب:** تفسیر کبیر نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک وہ ہے جو ابھی کچھ پہلے ہم نے عرض کیا کہ تم ان بتوں سے افضل وہ کہ تم کو ہاتھ پاؤں آنکھ کان دیئے گئے ہیں جن میں چھونے چلنے دیکھنے سننے کی طاقت ہے ان کے پاس تو کچھ بھی نہیں پھر تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ دوسرے یہ کہ بت تمہاری مدد نہیں کر سکتے کہ ان کے پاس یہ اعضاء اور اعضاء میں طاقت نہیں۔ ایسے بیکار محض کی عبادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ میں یہ ساری قدرتیں ہیں مگر بغیر اعضاء کے بغیر۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر جسمیہ کا یہ سوال درست ہے کہ عبادت کا دارومدار ان عضووں پر ہے تو انہیں چاہئے کہ وہ بندروں گائے شیر وغیرہ کی عبادت کیا کریں۔ کیونکہ ان کے پاس یہ اعضاء بھی ہیں ان میں یہ قوتیں بھی

www.alahazratnetwork.org

رب تعالیٰ قرآن سمجھنے کی توفیق دے۔

تفسیر صوفیانہ: بتوں کے پاس یا تو اعضاء نہیں جیسے سارے پتھر یا اعضاء ہیں مگر طاقت نہیں جیسے مختلف پیتل 'لوہے کے مجسم مورتیاں' بت پرستوں کے پاس اعضاء اور اعضاء میں قوتیں ہیں مگر انہیں ان طاقتوں سے فائدہ حاصل کرنے کی قوت نہیں اس لحاظ سے یہ بتوں سے بدتر ہوئے نیز بت بے عقل بے جان ہیں مگر بت پرست جان دار عقل والے ہو کر بے عقل ہو گئے کہ انہوں نے اپنی طاقتیں غلط جگہ صرف کیں اس لئے دوزخ میں بت پرست عذاب پائیں گے اور بت عذاب دیں گے **وقودھا الناس والحجارہ** حضور انور ﷺ نے بت پرستوں کو عزت و عظمت دینا چاہی انہوں نے اٹھانا چاہا تو یہ حضور کے دشمن ہو گئے بتوں کو ذلیل کیا انہیں اوپر سے نیچے گرایا مگر وہ کلمہ پڑھنے لگے چاند سورج تارے کے تابع فرمان رہے۔ بات بالکل برعکس ہو گئی۔ حقانیت ہی جرات و دلیری ہے نفسانیت میں بزدلی اور کم ہمتی ہے۔ دیکھو ایک حقانیت والے بلکہ سراپا حق نبی سارے نفسانیت والوں کو للکار رہے ہیں کہ جو بگاڑ سکتے ہو بگاڑ لو۔

إِنَّ وَلِـۧيَ اللّٰهُ الَّذِيْ نَزَّلَ الْكِتٰبَ ۖ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٩٦﴾
تحقیق میرا مددگار اللہ ہے وہ جس نے اتاری کتاب اور مدد کرتا ہے نیک کاروں کی
بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے اور جنہیں اس کے سوا
وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنْفُسَهُمْ
اور وہ لوگ جنہیں پوجتے ہو تم سوا اس کے نہیں طاقت رکھتے وہ مدد کی تمہاری اور نہ ہی اپنی
پوجتے ہو وہ تمہاری مدد نہیں کر سکتے اور نہ خود اپنی مدد
يَنْصُرُوْنَ ﴿١٩٧﴾ وَإِنْ تَدْعُوْهُمْ إِلَى الْهُدٰى لَا يَسْمَعُوْا ۖ وَتَرٰىهُمْ
جانوں کی مدد کرتے ہیں اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کے تو نہ سنیں وہ اور دیکھو تم
کریں اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کے تو نہ سنیں اور تو انہیں دیکھے
يَنْظُرُوْنَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٩٨﴾
انہیں کہ وہ نظر کرتے طرف تمہارے اور وہ نہیں دیکھتے
کہ وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں اور انہیں کچھ بھی نہیں سوجھتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ بت اور جھوٹے معبود کسی کی کچھ مدد نہیں کر سکتے اب ارشاد ہے کہ معبود برحق اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی دینی مدد بھی فرماتا ہے اور دنیاوی بھی کیونکہ بت مجبور محض ہیں رب تعالیٰ قادر مطلق گویا لا الہ کا ذکر پچھلی آیات میں تھا الا اللہ کا تذکرہ ان آیات میں ہے۔ **دوسرا تعلق**:

www.alahazratnetwork.org

پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ تمہارے مصنوعی معبودوں کے مصنوعی ہاتھ پاؤں ہیں مگر ان میں پکڑنے چلنے کی طاقت نہیں اب اس معبود حقیقی کا ذکر ہے جو ہاتھ پاؤں آنکھ کان وغیرہ اعضاء سے پاک ہے مگر تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کو للکار آگیا تھا کہ تم سب اور تمہارے سارے معبود جمع ہو کر میرا بگاڑ لو یعنی تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ میرا ولی و ارث اللہ تعالیٰ ہے جس کا والی رب ہو اس کا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ تمام دنیا مل کر کچھ نہیں بگاڑ سکتی اب اشارۃً ارشاد ہے کہ میرے مقابلہ میں آکر تمام دنیا اپنا ہی بگاڑے گی کیونکہ جس سے میں راضی اس سے رب راضی جس سے میں ناراض اس سے رب تعالیٰ ناراض۔

تفسیر: **ان ولی اللہ** چونکہ مشرکین عرب حضور ﷺ کے بے یار و مددگار اپنے کو بڑی قوت اور بڑی حمایتوں والا سمجھتے تھے اس لئے اس مضمون کو ان سے شروع فرمایا ان وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں کوئی منکر موجود ہو **ولی** بروزن فعیل صفت مشبہ ہے یا تو ولی سے بنا ہے بمعنی محبت یا قرب یا دوستی ولی کے معنی ہیں محبت کرنے والا قریب یا بنا ہے ولایت سے بمعنی مدد حمایت حفاظت وراثت وغیرہ تو ولی کے معنی ہوئے مددگار حمائتی حافظ و ناصر یا والی وارث۔ یہاں سارے معنی درست ہیں مگر مددگار یا حافظ و حمائیتی کے معنی زیادہ موزوں ہیں یہاں ولی میں تین ی جمع ہو گئی ہیں پہلی ی فعیل کے وزن کی دوسری ی مادہ کلام کلمہ ان دونوں کا ادغام کر دیا گیا اور تیسری ی متکلم کی جو ولی کا مضاف الیہ ہے اس ی کو مفتوح پڑھا جاتا ہے (تفسیر کبیر روح البیان وغیرہ) یہ فرمان عالی **قل ادعوا شرکاءکم** کی وجہ ہے یعنی میں تم کو اور تمہارے معبودوں کو اس لئے للکار رہا ہوں کہ میرا حافظ و ناصر والی وارث اللہ تعالیٰ ہے۔ **الذی نزل الکتاب** یہ عبارت صفت ہے اللہ کی اور وجہ ہے ولایت کی یعنی رب تعالیٰ میرا حافظ اس لئے ہے کہ اس نے مجھ پر قرآن مجید اتارا مجھے اپنا راز دار نبی بنایا تو ضرور وہ اپنے فضل و کرم سے میری حفاظت فرمائے گا یہاں الکتاب میں الف لام عہدی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید ہے کتاب کے معنی اور قرآن مجید کے تیس نام ہم پہلے پارہ میں **ذالک الکتاب** کی تفسیر میں اور دوسرے پارہ میں عرض کر چکے ہیں اگرچہ قرآن مجید اتارنے والے حضرت جبریل ہیں مگر چونکہ جبریل کا کام رب تعالیٰ کا کام ہے اس لئے یہاں نزل کا فاعل رب تعالیٰ کو فرمایا گیا **وھو یتولی الصلحین** یہ فرمان عالی پچھلے مضمون کا تتمہ ہے اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ میرا ولی اس لئے بھی ہے کہ میں اس کے فضل سے صالح ہوں اور صالحین کی مدد فرمانا اس کی عادت کریمہ ہے دوسرے یہ کہ وہ رب میرا حافظ و مددگار ہے اور پھر جو میرے دامن کرم سے وابستہ ہو جاوے یعنی نیک و صالح ہو جاوے حق تعالیٰ اس کا بھی والی و حافظ ہوتا ہے صالحین یا تو بنا ہے صلاح سے بمعنی نیکی عمدگی خوبی یا صلاحیت سے بمعنی لیاقت و قابلیت یہاں دونوں معنی درست ہیں **یتولی** فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی صرف ایک بار ہی مدد نہیں کرتا بلکہ مدد کرتا رہتا ہے یا ہمیشہ انہیں دوست رکھتا ہے حتی کہ ان کی موت کے بعد بھی رب کی محبت و کرم جاری رہتا ہے لہٰذا اگر تم رب کا کرم چاہو تو میرے دامن سے لپٹ جاؤ صالح و نیک یا اس کی محبت کے لائق بن جاؤ **والذین تدعون من دونہ** یہ مضمون ابھی کچھ پہلے گزر چکا مگر وہاں بیان واقعہ کے لئے تھا یہاں مقابلہ کے لئے یعنی میرا رب تو ایسا قوی اور رحیم و کریم ہے اور تمہارے جھوٹے معبود ایسے کمزور اور ناکارہ ہیں چونکہ بت پرست اپنے بتوں کو عاقل سمجھدار جانتے مانتے تھے اس لئے ان کے متعلق الذین ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لئے آتا ہے **تدعون** بنا ہے دعا سے بمعنی عبادت ہے

www.alahazratnetwork.org

دون کے بہت معانی ہیں یہاں ۔ معنی سواء ہے اور اگر دعا ۔ معنی پکارنا یا دعا مانگنا ہو تو دون ۔ معنی مقابل ہے **لا یستطیعون نصرکم** اس کی تفسیر ابھی پہلے گزر گئی مدد نہ کرنا اور چیز ہے اور مدد کی طاقت نہ رکھنا کچھ اور چیز یہاں مدد کی طاقت رکھنے کی نفی فرمائی گئی **ولا انفسھم ینصرون** اس جملہ کا تعلق بھی **لا یستطیعون** سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی ذات اپنی جان کی مدد بھی نہیں کر سکتے اگر ان کا چڑھاوا کوئی اٹھالے جاوے یا ان کے منہ پر مکھیاں ۔ بھنکیں تو وہ کتے سے چڑھاوا چھین نہیں سکتے اور مکھیاں اڑا نہیں سکتے **وان تدعوھم الی الھدی لا یسمعوا** اس کی تفسیر بھی ابھی پہلے ہو چکی کہ اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر تم بتوں کی رہبری کرو کہ یہاں نہ بیٹھو وہاں بیٹھو بارش یا دھوپ سے بچ جاؤ یا فلاں کو اپنا دوست سمجھو فلاں کو دشمن تو تمہاری سن سکتے ہیں۔دوسرے یہ کہ اگر تم انہیں ہدایت دینے کے لئے بلاؤ کہ مہاراج ہم کو اچھی بری باتیں بتاؤ تو وہ کچھ بھی نہ سنیں نہ قبول کریں ایسی ناکارہ چیز کی عبادت کیسی۔ خیال رہے کہ یہاں روئے سخن کفار کی طرف ہے ورنہ حضور ﷺ کے ارشاد پر کنکروں، پتھروں نے کلمہ پڑھا ہے آپ کے اشارہ پر چلے ہیں مگر یہ ان کا کمال نہیں کمال کلمہ پڑھانے والے محبوب کا ہے۔ ﷺ جن کے اشارہ پر سورج لوٹا چاند پھٹا بادل آکر برسا درخت دوڑے آئے پتھروں نے کلمے پڑھے **وترھم ینظرون الیک وھم لا یبصرون** اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **تری** میں خطاب ہر مومن سے ہے اور **ھم** کا مرجع بت ہیں یعنی اے مومن تو بتوں کو دیکھے گا کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں کیونکہ بت پرستوں نے ان کی آنکھیں بنائی ہیں اور آنکھوں میں سفید و سیاہ پتھر ایسے جڑے اور ان میں موتی اس قرینے سے لگائے ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ تجھے دیکھ رہے ہیں کہ آنکھیں کھلی ہوئی ہیں اور تیری طرف ان کی نظر ہے مگر حقیقت میں وہ دیکھتے نہیں کہ آنکھوں میں نور نہیں دوسرے یہ کہ **تری** میں خطاب نبی ﷺ سے ہے اور **ھم** کا مرجع کفار ہیں یعنی اے محبوب تم دیکھ رہے ہو کہ وہ تمہیں دیکھتے تو ہیں مگر صرف ظاہر میں حقیقت میں وہ تم کو نہیں دیکھتے کہ تم کو دیکھنے والی آنکھ ان کے پاس نہیں تمہیں دیکھنے کے لئے صدیقی آنکھ درکار ہے ابو جہل آنکھ نہیں دیکھتی۔ اس لئے وہ صحابی تو کیا مومن بھی نہیں بنتے۔

انداز حسینوں کو سکھائے نہیں جاتے　　　ای لقمی ہوں وہ پڑھائے نہیں جاتے
ہر ایک حصہ نہیں دیدار کسی کا　　　بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ ان آیات کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں ایک آسان واضح تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں فرما دو کہ اے مشرکو تم نے یہ بھی غور کیا کہ میں اکیلا ہو کر تمام دنیا کے کافروں ان کے جھوٹے معبودوں کو مقابلہ کے لئے کیسے للکار رہا ہوں کس طاقت کی بنا پر کہہ رہا ہوں کہ **ثم کیدون فلا تنظرون** مجھ پر داؤں چلا لو مجھے مہلت نہ دو۔ وجہ یہ ہے کہ میرا مددگار میرا والی وارث میرا رب ہے۔ جس نے مجھ پر قرآن مجید اتارا اور مجھے آخری نبی ہونے کے لئے منتخب فرمایا میری تو بڑی شان ہے۔ جو میرے دامن کرم سے وابستہ ہو جاوے۔ صالح و نیک بن جاوے اس کے کرم کے لائق ہو جاوے۔ اللہ تعالیٰ اس کا والی وارث ہے مددگار ہو جاتا ہے اور تمہاری مجبوری بے بسی کی وجہ یہ ہے کہ جن بتوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ نہ تمہاری مدد کر سکیں نہ خود اپنی ان کی مرمت کرنے کے لئے ایک کتا ہی کافی ہے اگر تم ان بتوں کو ہدایت دینے کے لئے بلاؤ تو انہیں خبر نہ ہو اور اے محبوب مشرکین و کفار آپ پر ایمان کیوں نہیں لائے صرف اس لئے کہ آپ انہیں دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کو دیکھ

رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ آپ کو دیکھتے ہی نہیں کیونکہ آپ کو دیکھنے والی نگاہ ان کے پاس نہیں وہ صرف آپ کی بشریت اپنی بصارت سے دیکھتے ہیں انہیں آپ کی نبوت نہیں سوجھتی کہ ان کے پاس بصیرت نہیں۔

عمل: جو شخص یہ آیت **ان ولی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین** صبح شام پڑھا کرے تو انشاء اللہ دشمنوں کے شر سے محفوظ رہے تعداد مقرر نہیں۔ تفسیر روح المعانی والے اسی جگہ فرماتے ہیں کہ میرے والد کو خواب میں کسی بزرگ نے یہ عمل بتایا وہ صبح کو اپنے ورد میں یہ رکھتے تھے (روح المعانی)۔

حکایت: امیر المومنین حضرت عمر ابن عبد العزیز رضی اللہ عنہ نے کبھی کوئی چیز جمع نہ فرمائی کسی نے پوچھا کہ آپ اپنی اولاد کے لئے کیا چھوڑیں گے تو فرمایا کہ میری اولاد صالح ہوئی تو رب تعالیٰ ان کا والی وارث ہے اور یہ ہی آیت پڑھی **وھو یتولی الصالحین** اور اگر وہ مجرم ہیں تو میں مجرموں کا مددگار کیوں بنوں اور وہ آیت پڑھی **فلن اکون ظھیرا للمجرمین** (تفسیر کبیر) اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہماری اولاد کو صالح بنائے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ حضور کے قرآن کا حضور کے احکام کا والی وارث ہے انشاء اللہ انہیں کوئی مٹا نہیں سکتا کیونکہ اس دین پر قرآن مجید پر شرعی احکام پر حضور انور کا ہاتھ ہے اور اللہ تعالیٰ کا حضور کا والی ہے جیسے حضور کے سارے دشمن حضور کا کچھ نہ بگاڑ سکے ایسے ہی حضور کے دین کا کچھ نہیں بگاڑ سکیں گے۔ یہ فائدہ **ان ولی اللہ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جو کوئی حضور کے دامن اقدس سے وابستہ ہو جاوے دنیا اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ علماء دین اولیاء کاملین کا چراغ کسی آندھی سے نہیں بجھ سکتا۔

چراغے راکہ ایزد برفروزد ! کے کش تف زند ریشش بسوزد !

یہ فائدہ **وھو یتولی الصالحین** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن مجید کے لئے حضور انور کا انتخاب اس میں حضور انور کی بہت بڑی عظمت ہے۔

کوئی لا یا زبور انجیل کوئی توریت کتاب کسی کو ملی پر تیرے ہواہ میرے پیارے نبی قرآن کا لانا کیا جانے

یہ فائدہ **الذی نزل الکتب** سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضور کی عظمت نزول قرآن مجید سے ظاہر ہوئی فرماتا ہے **ذکر لک ولقومک** اور قرآن کریم کو حضور سے عظمت حاصل ہوئی کہ حضور کی برکت سے قرآن مجید نسخ سے محفوظ ہو گیا اور سارے عالم کی عالمگیر کتاب بنا کیونکہ کتاب اللہ کا تعلق اور اس کا زمانہ نبوت کے حلق اور زمانہ سے وابستہ ہوتا ہے۔ نبوت موسوی منسوخ ہوئی تو توریت بھی منسوخ ہو گئی سورج ڈوبے تو شعاعیں کہاں ٹھہریں۔ **چوتھا فائدہ:** کبھی نظر اور بصر الگ الگ معنی میں آتے ہیں کہ نظر ظاہری نگاہ کو کہتے ہیں اور بصر باطنی حقیقی نگاہ کو یہ فائدہ **تراھم** اور **وھم لا یبصرون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ **تری** میں خطاب حضور انور سے ہو اور **ھم** سے مراد کفار ہوں ویکھو کفار کے لئے نظر کا ثبوت ہوا بصر کی نفی (از تفسیر کبیر)۔ **پانچواں فائدہ:** پیغمبر کو نظر سے دیکھنا فائدہ مند نہیں بلکہ بصر سے دیکھنا فائدہ مند ہے دیکھو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو اور ابو جہل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نظر سے دیکھا مگر نہ صحابی بنے نہ مومن۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مددگار ولی وارث صرف اللہ تعالیٰ ہے **وھو یتولی الصلحین** تو جو کوئی نبی ولی کو مددگار مانے وہ نرا مشرک ہے اس آیتہ کے خلاف اس کا عقیدہ ہے۔ **جواب:** حقیقی مددگار ولی صرف رب تعالیٰ ہے اس کے خاص بندے اس کی مدد کے مظہر اور مجازی مددگار ہیں۔ دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** اور فرماتا ہے **واجعل لنا من لدنک ولیا" واجعل لنا من لدنک نصیرا** ان آیات میں بندوں کو بھی ولی اور مددگار فرمایا گیا دیکھو حقیقی شافی حقیقی مالک اللہ تعالیٰ ہے لیکن بعض دواؤں کو دافع بخار، قبض کشا، شربت فریاد رس کہتے ہیں بادشاہ کو ملک کا مالک اپنے آپ کو گھر بار کا مالک کہا جاتا ہے نہ آیات میں تعارض ہے اور نہ نبی ولی کو مشکل کشا، حاجت روا ماننا شرک ہے پیاسا کنوئیں پر جائے تو مشرک نہیں یوں ہی گنہگار حضور کے دروازے پر جائے تو مشرک نہیں اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اللہ کے ساتھ **نزل الکتب** کیوں فرمایا کیا رب تعالیٰ قرآن نازل فرمانے سے پہلے مددگار نہ تھا اس نے تو حضور کی مدد ہمیشہ ہی فرمائی۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ چونکہ رب تعالیٰ نے مجھے نزول قرآن کے لئے منتخب کیا اس لئے وہ میرا خصوصی مددگار ہے وہ مجھے دشمنوں میں گھرا نہ رکھے گا۔

محال است چوں دوست دارد ترا که در دست دشمن گذارد ترا

دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت والا بنایا تو کس طرح انہیں فرعون کے شر سے بچایا۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیتہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نیکوں کی مدد فرماتا ہے مگر دیکھا گیا ہے کہ کبھی نیکوں پر بروں کو غلبہ ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ نیکوں کے مقابل بدکاروں کی مدد کرتا ہے زکریا علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو کفار نے شہید کیا امام حسین کو لشکر یزید نے شہید کیا۔

موسیٰ و فرعون، شبیر و یزید! ایں دو طاقت از ازل آمد پدید

پھر یہ آیتہ کیسے درست ہوئی۔ **جواب:** وہ کفار کی مدد نہیں بلکہ انہیں ڈھیل دی گئی ہے جسے کہتے ہیں استدراج مدد تو چیز ہی اور ہے جو اللہ کے مقبولوں کی ہوتی ہے بدکاروں کی وہ فتح عارضی ظاہری ہوتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** اگر اللہ تعالیٰ نیکوں کی مدد فرماتا ہے تو وہ کفار کے ہاتھوں شہید کیوں ہوتے ہیں انہیں ہر جگہ فتح ہی ہونی چاہئے۔ **جواب:** ان حضرات کی شہادت میں بھی رب کی مدد ہے وہ شہید ہو کر جی جاتے ہیں بلکہ لاکھوں کو جلا جاتے ہیں شہادت مومن کی شکست نہیں مہندی پس کر رنگ دیتی ہے شہید مر کر رنگ دیتا ہے۔

قتل حسینؓ اصل میں مرگ یزید ہے! اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

شکست اس کی ہوتی ہے جس کا مقصد حاصل نہ ہو امام حسین شہید ہو کر اپنے مقصد پورا کر گئے فتح ان ہی کی ہوئی۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ نظر اور بصر میں فرق ہے حالانکہ لغت میں نظر، بصر اور رویت تینوں ایک ہی معنی میں آتے ہیں پھر کفار سے نظر کا ثبوت اور بصر کی نفی کیسے صحیح ہوئی۔ **جواب:** اگر یہاں بتوں کا ذکر ہے تب تو مطلب ظاہر ہے کہ تم کو ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے بت دیکھ رہے ہیں کیونکہ ان کی آنکھوں میں چمک، سفیدہ، سیاہی سب کچھ بنا دی گئی ہے مگر واقعہ میں وہ دیکھتے نہیں یہاں نظر کا ثبوت نہیں بلکہ نظر محسوس ہونے کا ذکر ہے جیسے **وتری الناس سکاری وما ھم بسکاری**

www.alahazratnetwork.org

وہ لوگ نشہ میں معلوم ہوں گے۔ حقیقت میں نشہ میں نہیں (تفسیر کبیر) اور اگر بت پرستوں کا ذکر ہے تو اس کا جواب وہ ہے، جو ابھی فائدوں اور تفسیر میں گذرا دیکھنا اور ہے سوجھنا کچھ اور لیکن اگر **یبصرون** بنا ہے بصیرت سے تو بالکل صاف ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ آپ کی بشریت کو دیکھتے ہیں نبوت کو نہیں دیکھتے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نقوش قرآن کی حفاظت گتے کے ذریعے سے الفاظ قرآن کی حفاظت حافظوں قاریوں کے ذریعہ سے ہے احکام قرآن کی حفاظت علماء کے ذریعہ سے اسرار قرآن کی حفاظت صوفیاء کے ذریعہ سے یوں ہی روح قرآن جان قرآن اصل قرآن کی حفاظت حضور محمد مصطفےٰ ﷺ کے ذریعہ سے ہے۔ جس سینہ میں حب رسول نہیں اس میں قرآن مجید ہرگز نہیں رہ سکتا۔

اصل قرآن، روح ایماں مغز دیں ہست حب رحمت للعالمین

اللہ تعالیٰ نے قرآن باقی رکھنا ہے اس لئے وہ حضور ﷺ کا ولی و حامی ہے وہ جانتا ہے کہ میرا قرآن اس سلطان کے ذریعہ باقی ہے پھر رب تعالیٰ حضور انور کا ایسا والی ہوا کہ جو حضور کے دامن سے لگ گیا۔ علماء اولیاء ان کا بھی رب والی ہو گیا حضور کے نام کا اللہ والی حضور کی عزت کا اللہ والی۔ حضور کے کلمہ کا اللہ والی حضور کی نمازوں شرعی احکام کا اللہ والی حضور کے نام لیواؤں کا اللہ والی۔

محمد مصطفےٰ کے باغ کے سب پھول ایسے ہیں کہ بے پانی بھی تر رہتے ہیں مرجھایا نہیں کرتے

جس غلاف میں قرآن رہے وہ غلاف عظمت والا جس سینہ میں صاحب قرآن رہیں وہ سینہ عزت والا۔

تیری عاشقی سے پہلے مجھے کون جانتا تھا میری پوچھ گچھ یہ ساری ترے نام کی بدولت

اس لئے ارشاد ہوا **وھو یتولی الصالحین** صالح وہ ہی ہے جو ان کے قدم سے وابستہ ہے چونکہ مشرکین کفار اس نسبت غلامی سے محروم تھے لہٰذا ان کا مددگار کوئی نہیں نہ رب تعالیٰ نہ ان کے بت مومن کے لئے مددگار اللہ تعالیٰ بھی ہے اور مشرکین کے بت بھی ہیں کہ مومن کے کہنے پر کلمہ پڑھ دیتے ہیں اسلام کی حقانیت کی گواہی دے دیتے ہیں۔ جیسا کہ بہت بزرگوں سے منقول ہے۔

حکایت: شہر متھرا پہلے نرا کفرستان تھا بازار چوک میں دودھ والوں کی دوکانیں تھیں ان میں پتھر کی گائیں کھڑی تھیں ایک فقیر وہاں پہنچا دوکاندار سے پیسہ مانگا وہ بولا کہ اس پتھر کی گائے سے دودھ نکال دے پیسہ لے لے فقیر بولا نہیں میں پتھر کی گائے سے دودھ نکالوں تو مسلمان ہو جا اور اس دوکان کو مسجد بنا دے اس کا نام نبی جی کی مسجد رکھ وہ ہندو راضی ہو گیا فقیر نے اس مورتی سے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں رسول کا امتی ہوں اسلام و کفر کا مقابلہ ہے اللہ کے حکم سے رسول کی مہربانی سے دودھ دے چاروں تھنوں سے دودھ جاری ہو گیا۔ سارے بازار کے سارے برتن دودھ سے بھر گئے بولا کہ اگر تو کہے تو متھرا شہر کو دودھ میں غرق کر دوں دودھ والا ہندو بولا بس بابا میں مسلمان ہوتا ہوں وہ جگہ مسجد بنی اب تک نبی جی کی مسجد بازار میں موجود تھی اب خبر نہیں کیا حشر ہوا (تاریخ متھرا) غرضکہ ہر چیز مومن کی خادم اس کی مددگار ہے۔

مرد مومن مالک خشک و تراست مرد مومن نائب پیغمبر است

مرد مومن را محمد ابتدا است مرد مومن را محمد انتہا است

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء و اولیاء حق تعالیٰ کی شان کے آئینے اس جمال کے مظہر ہیں ان سے امداد لینا ان سے توسل عین توحید ہے اور انوار سے لو اسرار مصحف اسرار سے لو یہ لوگ بعد وفات بھی مدد کرتے ہیں۔

مشو بمرگ زاہد او اہل دل نومید ۔۔۔ کہ خواب مردم آگاہ عین بیداریست

ہم ماں کو اور نظر سے دیکھتے ہیں بیٹی کو اور نظر سے بیوی اور نظر سے یوں ہی حضور کو صدیقی نظر سے دیکھو۔

حکایت: سلطان محمود نے خواجہ ابوالحسن خرقانی سے پوچھا کہ بایزید بسطامی کے متعلق آپ کیا کہتے ہیں فرمایا وہ وہ بزرگ ہیں کہ جو انہیں دیکھ لے سعید ہو جائے۔ سلطان محمود نے کہا کہ ابو جہل نے حضور کو دیکھا سعید نہ ہوا بایزید کو دیکھنے والا سعید کیسے ہو سکتا ہے خواجہ نے فرمایا کہ ابو جہل نے محمد رسول اللہ کو نہ دیکھا اس نے محمد ابن عبداللہ کو دیکھا اگر وہ محمد رسول اللہ کو دیکھ لیتا تو جنتی ہو جاتا۔

برائے دیدن روئے تو چشم دیگرم باید ۔۔۔ کہ ایں چشمے کہ من دارم جمالت را نمی شاید

مولانا نے ایک حدیث کا ترجمہ یوں فرمایا

گفت طوبیٰ من رآنی مصطفےٰ ۔۔۔ والذی یبصر لمن وجہی رای

چوں چراغے نور شمعی را کشید ۔۔۔ ہر کہ دید آنرا یقیں آں شمع دید

ہم چنیں قاصد چراغ از نقل شد ۔۔۔ دیدن آخر لقاء اصل شد

اولیاء اللہ کو عظمت سے دیکھنا گویا حضور ہی کو دیکھنا ہے جبکہ بصیرت سے ہو حضور فرماتے ہیں **من رانی فقد رای الحق** یہ فرمان عالی خواب و بیداری سب کو شامل ہے جس نے حضور کو بیداری یا خواب میں دیکھا یا بالواسطہ یا بلاواسطہ اس نے حضور ہی کو دیکھا ایک چراغ سے سو چراغ روشن کر لو ہر ایک میں پہلے چراغ کا ہی نور ہو گا ان میں سے جس چراغ کو دیکھو پہلے چراغ کا ہی تو دیکھو گے۔ شیطان نہ تو حضور انور کی شکل بن سکتا ہے نہ حضور کے خاص اولیاء یعنی قطب عالم کی شکل بن سکے (روح البیان)

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۱۹۹﴾ وَاِمَّا یَنْزَغَنَّكَ

لو معافی کو اور حکم کرو اچھی بات کا اور منہ پھیر لو بے علموں نادانوں سے اور اگر کبھی پہنچے تجھ کو

اے محبوب معاف کرنا اختیار کرو اور بھلائی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیر لو اور اے سننے والے

مِنَ الشَّیْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۰۰﴾

طرف سے ابلیس کی کوئی اثر پس پناہ لو اللہ کی تحقیق وہ سننے والا جاننے والا ہے

اگر شیطان تجھے کوئی کوچا دے تو اللہ کی پناہ مانگ بے شک وہ ہی سنتا جانتا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کی جہالتوں اور حماقتوں کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے سے کم تر چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اب محبوب ﷺ کو ان کی جہالتوں پر صبر کرنے اخلاق کریمانہ اختیار فرمانے کا حکم دیا گیا کہ آپ ان کی ان حرکتوں سے پریشان نہ ہوں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اشارۃً اللہ تعالیٰ کے

www.alahazratnetwork.org

صبر فرمانے کا ذکر ہوا کہ ایسے سرکشوں کو روزی دیتا ہے ہر طرح کے آرام پہنچاتا ہے اب حضور ﷺ کو اخلاق الٰہیہ اختیار فرمانے کا حکم ہے گویا اخلاق الٰہیہ کے بعد اخلاق محمدی کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی جہالت کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے سے کمتر مخلوق کو پوجتے ہیں اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ اپنے سے افضل و اشرف نبی کی مخالفت کرتے ہیں تو اے محبوب آپ درگذر سے کام لیں گویا ان کفار کی ایک جہالت کے بعد دوسری جہالت کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: جب پہلی آیت **خذ العفو** نازل ہوئی تب نبی ﷺ نے حضرت جبریل علیہ السلام سے فرمایا کہ غصہ کی حالت میں حکم الٰہی کیا ہے تب دوسری آیت **واما ینزغنک** نازل ہوئی (تفسیر کبیر، خازن و تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر: خذ العفو اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں (1) **خذ** بنا ہے **اخذ** سے۔ معنی لینا عفو کے معنی بچی ہوئی فاضل چیز یعنی اسے وصول فرمائیں لوگوں کی ضرورت سے بچے ہوئے مال اور وہ فقراء و مساکین میں تقسیم فرمادیں رب فرماتا ہے **ویسئلونک ماذا ینفقون قل العفو** وہاں بھی عفو سے یہ ہی مراد ہے اس صورت میں یہ فرمان عالی زکوۃ کے حکم سے منسوخ ہو گیا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس کا یہ ہی فرمانا ہے (تفسیر کبیر، روح المعانی، تفسیر خازن وغیرہ) (2) **خذ** کے معنی ہیں قبول فرمایئے اختیار کیجئے۔ عفو کے معنی ہیں درگذر فرمانا۔ یعنی لوگوں کی سختی بدخلقی پر درگذر فرمانا کفر کی سختیوں پر صبر فرمانا اختیار کیجئے اس پر صبر فرمایئے اس صورت میں یہ آیت جہاد کی آیات سے منسوخ ہے یہ فرمان ہے حضرت ابن عمر ابن زبیر۔ عائشہ صدیقہ مجاہد کا رضی اللہ عنہم (خازن، کبیر وغیرہ) شاعر کہتا ہے۔

خذی العفو منی تستدیمی مودتی ولا تنطقی فی سورتی حین اغضب

اس شعر میں عفو۔ معنی نرمی پر درگزر کرنا ہے (3) **خذ** کے معنی ہیں اختیار کرو عفو کے معنی ہیں معافی دینا اپنے قصور مند پر سختی نہ کرنا یعنی اے محبوب لوگوں کو معافی دینا اور گذر اختیار فرماؤ اس صورت میں یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں یہ ہی تفسیر قوی ہے۔ عام مفسرین نے یہ ہی تفسیر کی ہے اور اس صورت میں معافی سے مراد ہے اپنے ذاتی معاملات میں معافی دینا اپنی ذات کے مجرم کو بخش دینا قومی یا دینی مجرم اس میں داخل نہیں اسی لئے آگے ارشاد ہوا **وامر بالعرف** امر کے معنی ہیں حکم دینا عرف کے معنی ہیں معروف چیز یعنی اچھے اعمال اچھے احوال اچھے عقائد بعض نے فرمایا کہ کلمہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** معروف ہے مگر پہلی بات قوی ہے کہ اس میں کلمہ طیبہ بھی داخل ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اللہ سے ڈرنا، صلہ رحمی کرنا، زبان جھوٹ و غیبت سے محفوظ رکھنا، نگاہ کو حرام سے اعضاء کو گناہ سے بچانا (تفسیر روح البیان) **واعرض عن الجاھلین** اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں (1) اعراض سے مراد ہے توجہ نہ کرنا جاہلین سے مراد ہیں کفار یعنی کافروں کی سختی کی طرف دھیان نہ دیں اس صورت میں یہ حکم جہاد کے حکم سے منسوخ ہے (2) جاہلین سے مراد ہیں وہ لوگ جو آداب دربار سے واقف نہیں یعنی ان ناواقفوں کی سخت کلامی سے منہ پھیریں اس پر برانہ مانئے اس صورت میں یہ حکم محکم ہے منسوخ نہیں یہ ہی قوی اور صحیح تر ہے **واما ینزغنک من الشیطان نزغ** یہ فرمان عالی علیحدہ جملہ ہے **اما** بنا ہے **ان** شرطیہ اور **ما** تنکیریہ سے اس کے معنی ہوتے ہیں اگر کبھی **نزغ، نسغ**، نخس تینوں لفظ ہم معنی ہیں جس کے معنی ہیں سوئی یا نیزہ بھالا جسم میں چبھونا جسے اردو میں کہتے ہیں کونچا دینا اگر اس میں خطاب نبی ﷺ سے ہے تو شیطان سے مراد ہے ابلیس کیونکہ حضور کا قرین تو مسلمان ہو چکا ہے جیسا کہ

www.alahazratnetwork.org

حدیث شریف میں ہے اور **نزغ** یعنی کونچے سے مراد ہو گا معمولی وسوسہ اور اگر خطاب ہر مومن سے ہے تو شیطان سے مراد ہے قرین جو خبیث جن ابلیس کی اولاد سے ہر انسان کے ساتھ رہتا ہے کیونکہ عام انسانوں پر براہ راست شیطان عمل نہیں کرتا۔ قرین کے ذریعہ کرتا ہے (روح البیان) یہ دوسری تفسیر ہی قوی ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس کو اختیار فرمایا ہے اس صورت میں **نزغ** سے مراد وسوسے گناہ کے ارادے برے خیالات سب ہی ہیں کہ یہ سب شیطان کی طرف سے ہے **فاستعذ باللہ** یہ عبارت **اما** کی جزا ہے استعاذہ بنا ہے عوذ سے اس کی تحقیق اس تفسیر کے شروع میں **اعوذ باللہ** کی تفسیر میں ہو چکی یعنی اس صورت میں اے مسلمان اللہ کی پناہ مانگ **انہ سمیع علیم** یہ **استعذ** کی وجہ ہے اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ **اعوذ** صرف زبان سے نہ ہو بلکہ دل سے ہو اس لئے سمیع کے ساتھ علیم ارشاد ہوا سمیع کا تعلق ہے پناہ لینے کے الفاظ سے اور علیم کا تعلق ہے پناہ لینے والے کی نیت سے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ پہلی آیت کی تین تفسیریں ہیں اور دوسری کی دو ہم آخری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو نہایت قوی ہے کہ پہلی آیۃ میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو تین اخلاقی باتوں کا حکم دیا اور دوسری آیۃ کریمہ میں ہم مسلمانوں کو ایک اہم بات کا حکم دیا چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب ﷺ آپ معافی و درگزر مجرموں کو بخش دینے کو اختیار فرماؤ مگر اپنے ذاتی معاملات میں رہے دینی اور ملکی قوانین اس میں کسی کی رعایت نہ کرو اچھی باتوں کا سب کو تاکیدی حکم دو موقعہ ملے تو ہاتھ سے ورنہ زبان سے اچھے عقائد اچھے اعمال 'احوال' اچھے افعال سب کو بتاؤ تبلیغ کے سلسلہ میں جاہلوں کی طرف سے اگر آپ کو تکلیف پہنچے تو ان سے چشم پوشی کرو کہ اس میں کامیابی ہے اور اے مسلمان اگر تجھے کبھی شیطان برے وسوسے برے ارادے کا اثر کرے تو تو اس کے شر سے اللہ کی پناہ لے اسی طرح دل سے اس کی طرف متوجہ ہو اور زبان سے **اعوذ باللہ** پڑھ رب تعالیٰ تیرے الفاظ کو سنتا ہے تیری نیت تیرے ارادہ کو جانتا ہے۔ خیال رہے کہ اس آیۃ کی تفسیر حضور ﷺ کے فرمان بلکہ آپ کی زندگی پاک ہے فرماتے ہیں کہ جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو جو تم پر ظلم کرے تم اسے معاف کرو خود اپنے مجرموں کو ایسی معافیاں دیں جن کی مثال دنیا میں نہیں ملے گی فتح مکہ فرما کر قریش خصوصاً" ہندہ 'ابو سفیان' عکرمہ ابن ابو جہل اور وحشی تک کو امان و معافی دے دی بلکہ ان پر جود و کرم کی بارش فرمادی۔

یہ دربار محمد ہے یہاں اپنوں کا کیا کہنا	یہاں سے ہاتھ خالی غیر بھی جایا نہیں کرتے

فائدے: ان دونوں آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حقوق اور معاملات دو قسم کے ہیں ایک وہ جن میں معافی چشم پوشی درگزر کرنی درست ہے جیسے اپنے حقوق خصوصاً" مالی معاملات ان میں حتی الامکان نرمی معافی کی جاوے اس کے متعلق یہ فرمان ہے **خذ العفو** ان کے متعلق رب فرماتا ہے۔ **ولو کنت فظا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک** اور فرماتا ہے **وجادلھم بالتی ھی احسن** دین کی تبلیغ خوش خلقی سے کرنا لازم ہے دوسرے وہ جن میں کسی قسم کی نرمی' معافی جائز نہیں کہ اس سے دنیا میں فساد ہو گا اس کے متعلق ارشاد ہوا **وامر بالمعروف** جیسے چوروں ڈاکوؤں کو سزا دینا مرتدین قاتلین کو قصاص میں قتل کرنا' ظالم سے مظلوم کا بدلہ لینا کہ ان میں نرمی کرنا اخلاق نہیں بلکہ پلپلاپن ہے (تفسیر کبیر) رب فرماتا ہے **یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** اور فرماتا ہے **اشداء**

www.alahazratnetwork.org

علی الکفار رحماء بینھم۔ دوسرا فائدہ: معافی اور درگذر سے عزت بڑھتی ہے مجرم خود شرمندہ ہوتا ہے بلکہ آئندہ کے لئے اس کی اصلاح ہو جاتی ہے بڑوں کا ظرف بھی بڑا ہوتا ہے۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے والد ماجد سے عرض کیا کہ **اخرجنی من السجن** رب نے مجھ پر بڑا احسان فرمایا کہ مجھے جیل سے نکالا وہاں سے نجات دی مگر کنوئیں سے نکلنے کا ذکر نہ کیا کیونکہ بھائی سامنے کھڑے تھے وہ شرمندہ ہو جاتے۔ ابو سفیان ہندہ وغیرہم کے مسلمان ہو جانے پر حضور انور نے کبھی ان کے گذشتہ قصوروں ظلموں کا ذکر تک نہ فرمایا بلکہ عکرمہ کے ایمان لانے پر صحابہ کرام کو حکم دیا کہ کوئی عکرمہ کے سامنے ان کے باپ ابو جہل کو برا نہ کہے یہ ہیں نبی کے ظرف عالی اور ان کے اخلاق کریمانہ کہ اپنے مجرموں کو سزا تو کیا انہیں شرمندہ بھی نہیں کرتے ۔

ندامت ساتھ لے کر سامنے اے عاصیو جاؤ ۔۔۔ سنا ہے شرمساروں کو وہ شرمایا نہیں کرتے

دعا: اے یوسف علیہ السلام کے رب اے محمد رسول اللہ کے رب تیرے ان بندوں نے ایسے مجرموں کو ایسی معافیاں دی ہیں تو تو ان کا رب ہے **ارحم الراحمین** ہے ہم مجرم ہیں انہیں محبوبوں کا صدقہ ہم کو معافی دے دے محشر میں ہم کو رسوا نہ کر ہمارے محمدی ہونے کی لاج رکھ جس لائق ہم تھے وہ ہم نے کرلیا جو تیری شان عالی کے لائق ہے وہ تو کر گناہ ہم نے کرلئے معافی تو دے دے ہمیں وہ نہ دے جس کو ہم لائق ہم کو وہ دے جو تیری شان کریمی کے لائق ہے ہم کو سزا نہ دے معافی دے آمین! ہم اپنے قصور کا اقرار کرتے ہیں رحم خسروانہ کی درخواست۔ **تیسرا فائدہ**: ہم بڑے خوش نصیب ہیں کہ ہمارا رب کریم ورحیم ہے ہمارا نبی رؤف ورحیم ہے۔

یا رب تو کریمہ ورسول تو کریم! ۔۔۔ صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

دنیا میں رب تعالیٰ ہماری سفارش اپنے حبیب سے فرمارہا ہے کہ **خذالعفو** اے پیارے ان گنہگاروں کو معافی دے دیا کرو۔ آخرت میں انشاء اللہ حضور ہماری شفاعت کریں گے کہ اے مولیٰ ان گنہگاروں کو معاف فرمادے اور ظاہر ہے کہ حضور انور رب کی مانتے ہیں اور رب حضور کی مانتا ہے اور مانے گا **ولسوف یعطیک ربک فترضی** اس سے ہم گنہگاروں کو امید ہے کہ انشاء اللہ دو طرفہ معافی ہوگی۔ **چوتھا فائدہ**: لطف یہ ہے کہ حضور انور کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم اپنے حقوق کی معافی دیا کرو۔ اشارہ یہ ہے کہ ہم اپنے حقوق معاف کریں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ حضور کو معافی کا حکم دے اور خود معاف نہ کرے وہ تو فرماتا ہے **لم تقولون مالا تفعلون** پانچواں فائدہ: تبلیغ دینی یعنی اچھائیوں کا حکم دینا برائیوں سے روکنا بہترین عبادت ہے دیکھو رب نے ہم کو تو نماز روزے وغیرہ کا تاکیدی حکم دیا مگر اپنے محبوب ﷺ کو تبلیغ کا تاکیدی حکم فرمایا **وامر بالعرف** لفظ تاکیدی کا خیال رکھنا حضور نے تبلیغ پہلے کی ہے نمازیں بعد میں معراج کے بعد پڑھی ہیں یعنی **یاایھا المدثر قم فانذر** پہلے اتری ہے اور نماز معراج کی رات یعنی تین سال کے بعد فرض ہوئی دوسری عبادات اپنے لئے ہیں مگر تبلیغ امت رسول کے لئے لازم ہے متعدی اچھا عابد اپنی کملی بچاتا ہے مبلغ عالم امت رسول کو پار لگاتا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: بد خلق سخت زبان سخت گیر آدمی سے تبلیغ کا کام نہیں ہوتا۔ تبلیغ میں خوش خلقی نرمی ضروری ہے۔ یہ فائدہ **اعرض عن الجاھلین** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے تبلیغ کا ذکر عفو اور اعراض کے درمیان کیا۔ **ساتواں فائدہ**: تبلیغ میں رکاوٹ ڈالنے والا مبلغ پر

www.alahazratnetwork.org

سختی کرنے والا اگر عالم بھی ہو مگر زا جاہل ہے یہ فائدہ عن الجاہلین فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ جاہل سے تو منہ پھیر لو اور مخالف عالم کے گلے پڑ جاؤ ایسا "عملاً" جاہل ہے۔ **آٹھواں فائدہ:** برے وسوسے برے ارادے کی حالت میں **اعوذ باللہ** پڑھنی چاہیے یہ دفع شیطان اور دفع نقصان کے علاج کے لئے مفید ہے۔

عمل: جس شخص کو وسوسوں کی یا زیادہ اور بے جا غصہ کی بیماری ہو یا نماز میں دل نہ لگتا ہو وہ روزانہ بعد نماز فجر و نماز مغرب گیارہ بار **اعوذ باللہ** اور **لاحول ولا قوۃ** پڑھ کر پانی پر دم کر کے پیا بھی کرے اور دل و دماغ پر چھڑکا بھی کرے اور نماز شروع کرتے وقت بائیں طرف تھتکارے اور لاحول شریف پڑھے انشاء اللہ فائدہ ہوگا۔ مجرب ہے۔ **نواں فائدہ:** اعوذ باللہ پڑھنے میں حضور قلبی چاہیئے دل سے انسان یہ سمجھے کہ میں اپنے کو اللہ کو پناہ میں دے رہا ہوں۔ یہ فائدہ سمیع علیم فرمانے سے حاصل ہوا کہ سمیع کا تعلق ہمارے الفاظ سے ہے علم کا تعلق نیات سے۔ **دسواں فائدہ:** اگر تبلیغ کے موقعہ پر لوگ زیادتی کریں ہم کو ان پر غصہ آوے تو ہم **اعوذ باللہ** پڑھ لیا کریں یہ فائدہ بھی **واما ینزغن** سے حاصل ہوا کہ رب نے تبلیغ کے بعد اس کا ذکر فرمایا یہ ہی سمجھانے کے لئے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی طبیعت سخت تھی آپ جاہلوں سے لڑتے جھگڑتے بھی تھے اور تبلیغ بھی نہیں کرتے تھے اگر پہلے سے آپ کی عادت کریمہ درگذر وغیرہ کی ہوتی تو رب تعالیٰ آپ کو ان چیزوں کا حکم کیوں دیتا حکم اس کو دیا جاتا ہے جو پہلے سے عاقل نہ ہو (آریہ)۔ **جواب:** ان جیسی آیتوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے محبوب تم ان احکام پر قائم رہو رب فرماتا ہے **یاایھا النبی اتق اللہ** تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ حضور انور اس آیت کے نزول سے پہلے تقویٰ و طہارت موصوف نہ تھے۔ فسق و فجور سے شغل رکھتے تھے نعوذ باللہ ہم دعا کرتے ہیں۔ **اھدنا الصراط المستقیم** تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ خدایا ہم گمراہ ہیں ہم کو ہدایت دے مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہم کو ہدایت پر قائم رکھ۔ حضور انور بچپن شریف بلکہ پیدائشی مبلغ ہیں عملی تبلیغ حضور نے پیدا ہوتے ہی کی۔

بھائیوں کے لئے ترک پستاں کریں! بچپنے کی **نصافت** پہ لاکھوں سلام

کفار عرب بچپن شریف سے آپ کو صادق الوعد امین کے لقب دیتے تھے نزول قرآن کے بعد آپ نے قولی تبلیغ شروع فرمائی بلکہ حضور انور نزول قرآن سے پہلے قرآنی عبادت کرتے تھے اعتکاف کی حالت میں پہلی آیت نازل ہوئی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ جاہلوں سے روگردانی کرو تو کیا جھگڑالو عالموں سے ہم الجھا کریں۔ **جواب:** جھگڑالو عالم نرا جاہل ہے وہ علم کے لحاظ سے عالم ہے عمل کے لحاظ سے جاہل لہٰذا **الجاھلین** دونوں کو شامل ہے۔ **تیسرا اعتراض:** بہت مفسرین نے پہلی آیت کے اگلے جز **خذ العفو** اور آخری جز و اعرض عن الجاھلین۔ ان دونوں جزوں کو آیت جہاد سے منسوخ مانا وہ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں یہ آیت ایسی ہے جس کا اگلا پچھلا جز منسوخ بیچ کا جز محکم تو کیا ان کے نزدیک اخلاقی احکام منسوخ ہیں ہم کسی کو معافی نہ دیں اور جاہلوں سے لڑتے پھریں دیکھو تفسیر کبیر۔ **جواب:** معافی دو طرح کی ہوتی ہے دباؤ کی جب کہ ہم ظالم سے بدلہ نہ لے سکیں اور اخلاق کی کہ بدلہ لینے پر قادر ہوں کرم و مہربانی سے نہ لیں دباؤ والی معافی منسوخ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ** یوں ہی جاہلوں سے درگزر کرنا دو قسم کا ہے مجبوری کی بنا پر اور اخلاقی لحاظ سے پہلا

www.alahazratnetwork.org

اعراض اور چشم پوشی منسوخ ہے دوسرا قائم ان مفسرین کے نزدیک یہاں دباؤ مجبوری کی معافی بے بسی کا اعراض مراد ہے لہٰذا دونوں منسوخ ہیں حضور انور نے ابو سفیان، ہندہ وغیرھم کو معافی دی مگر کب جب ان کا زور ٹوٹ گیا اور وہ مومن بن گئے یہ تھی اخلاق اور کرم کی معافی اس کی تعریف ہے بے بسی کی معافی کمزوری ہے۔ خیال رہے کہ ملکی اور دینی دشمن کو معافی دینا معافی نہیں بلکہ لاقانونی ہے۔ جس سے دنیا میں فساد پھیلتا ہے۔

نکوئی بابداں کردن چناں است — کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

حضور انور نے ابو سفیان وغیرھم کو معافی دے دی کہ وہ لوگ حضور کے مجرم تھے مگر فاطمہ مخزومیہ جن سے چوری سرزد ہو گئی تھی انہیں معافی نہ دی ہاتھ کٹوا ہی دیا سفارش کرنے والوں پر ناراض ہوئے کہ یہ قانون کا جرم تھا رضی اللہ عنھم اجمعین۔ **چوتھا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ جب تم کو شیطان کا اثر پہنچے تو اللہ کی پناہ لو مگر دوسری جگہ ارشاد ہے کہ **اذا قرءت القرآن فاستعذ باللہ** جب قرآن پڑھو تو اللہ کی پناہ لو ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ تلاوت قرآن کا وقت تو رحمت کا وقت ہے۔ **جواب**: تلاوت کرتے وقت شیطان دھیان ہٹانے رکاوٹ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اس وقت اعوذ پڑھنا چاہئے جیسے اذان میں **حی علی الصلوۃ** سن کر لاحول پڑھتے ہیں کہ اس وقت شیطان کے دخل کا اندیشہ ہوتا ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ پناہ صرف اللہ تعالیٰ کی ہی لینی چاہئے نبی ولی کی پناہ لینا نرا شرک اور اس کی آیت کے خلاف ہے دیکھو فرمایا **فاستعذ باللہ**۔ **جواب**: نبی ولی کی پناہ رب تعالیٰ ہی کی پناہ ہے انہیں رب عالم کی پناہ بنا کر بھیجا ہے دیکھو بارش میں چھت کی اور دھوپ میں گھنے درخت کی پناہ لیتا یوں ہی بیماری میں طبیب کی اور کوئی ظلم کرے تو حاکم کی پناہ لینا رب ہی کی پناہ ہے مولانا جامی عرض کرتے ہیں۔

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آورده ام! — ہمچو کاہے آمدم کوہے گناہ آورده ام

تفسیر صوفیانہ: غصہ چند قسم کا ہے اللہ کے لئے غصہ جیسے مجاہد کو میدان جہاد میں کفار پر غصہ آتا ہے اپنی ذلت کے لئے غصہ۔ نفس کے لئے غصہ مال کے لئے غصہ وغیرہ جو غصہ اللہ کے لئے ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی نعمت ہے اسے جاری کرنا ثواب ہے۔ جو غصہ نفسانی یا شیطانی ہے وہ شیطان کی طرف سے ہے اسے دفع کرنا معافی دینا ثواب ہے یہاں آخری قسم کے عفو کا ذکر ہے۔ صوفیاء کے نزدیک مومنین کی نیکی جسے معروف یا عرف کہتے ہیں وہ اور ہے مگر عارفین کی نیکی یار کی رضا ہے اگر رب تعالیٰ اور اس کے حبیب گناہ سے راضی ہوں تو وہ گناہ نہیں رہتا نیکی بن جاتا ہے حضرت صدیق کا غار ثور میں اپنے کو سانپ سے کٹوانا۔ حضرت علی کا خیبر میں حضور کی نیند پر نماز قضا کرنا گناہ نہ تھا نیکی تھی جو ہم کو اللہ رسول سے روکے وہ جاہل ہے کہ اللہ رسول کو نہیں جانتا عالم وہ ہے جو یار کا متلاشی ہو ایسے جاہلوں سے منہ پھیر لو اگرچہ وہ عالموں کے لباس میں ہوں جو علم رب سے حجاب بنے وہ جہالت ہے ایسے علم کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔

صد کتاب و صد ورق در نار کن! — روئے دل را جانب دلدار کن

اگر راہ طلب میں شیطان رلہ مارنے کی کوشش کرے تو تو ماسوی اللہ سے اللہ کی طرف بھاگ کہ رب تیری باتیں سنے

www.alahazratnetwork.org

طلب اور دل کا حال جانتا ہے فرماتا ہے **ففروا الی اللہ** شیطان تم کو دیکھتا ہے مگر تم اسے نہیں دیکھتے تو شیطان سے پناہ اس کی لو جو شیطان کو دیکھتا ہے اور شیطان اسے نہیں دیکھتا یعنی رحمان کی چھپے دشمن سے چھپے یار کی مدد لو۔ رب نے شیطان کو آسمان سے روکا مگر حضور ﷺ سے نہ روکا تاکہ حضور انور کی طاقت کا پتہ لگے کہ آپ کا قرین تو مسلمان ہو گیا اور ابلیس بے بس ہو کر رہ گیا آپ پر داؤنہ چلا سکا۔ رات دن کو فنا کر دیتی ہے مگر دل سے نور کو زائل نہیں کرتی۔ دن رات کو فنا کرتا ہے مگر رات سے ظلمت کو فنا نہیں کرتا عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ فرماتے تھے مگر اپنی موت کو دفع نہ کریں گے بلکہ قبول کریں گے یہ تو حضور کی طاقت ہے کہ قرین شیطان سے شیطنت کو زائل کر کے اسے مسلمان بنا لیا اور اپنے مقابل ابلیس کو بے چارہ کر کے رکھ دیا (از روح البیان) مردوں کو زندہ کرنا مسیحی معجزہ تھا مگر تاقیامت موت کو زندگی بنا دینا حضور انور کا معجزہ ہے **بل احیاء ولکن لا تشعرون** صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہمارے نفس شیطان سے زیادہ خطرناک دشمن ہیں کہ شیطان تو لاحول سے بھاگ جاتا ہے مگر نفس امارہ لاحول سے بھی نہیں بھاگتا اس کا مقابلہ صرف اس کی مخالفت سے ہوتا ہے ہمیشہ نفس امارہ کی مخالفت کرو یہ دبا رہے گا۔

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَٰنِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُم

بے شک وہ لوگ جو پرہیزگار ہوئے جب چھو جاتی ہے ان کو کوئی شیطان کی طرف سے تو وہ جاگتے ہیں پس

بے شک وہ جو ڈر والے ہیں جب انہیں کسی شیطانی خیال کی ٹھیس لگتی ہے ہوشیار ہو جاتے ہیں اسی وقت

مُّبْصِرُونَ ﴿٢٠١﴾ وَإِخْوَٰنُهُمْ يَمُدُّونَهُمْ فِى الْغَىِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿٢٠٢﴾

وہ دیکھنے والے ہوتے ہیں اور ان کے بھائی گھسیٹتے ہیں انکو سرکشی میں پھر وہ نہیں کوتاہی کرتے

ان کی آنکھیں کھل جاتی ہے اور وہ جو شیطانوں کے بھائی ہیں شیطان انہیں گمراہی میں کھینچتے ہیں پھر کمی نہیں کرتے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطان کے معمولی اثر اور اس کے علاج کا ذکر ہوا اب اس کے بڑے اثر اور اس کے علاج کا ذکر ہے گویا معمولی بیماری کے بعد سخت بیماری کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں شیطانی وسوسہ کا ایک علاج ارشاد ہوا تھا یعنی **اعوذ باللہ** پڑھنا اب اس بیماری کا دوسرا قوی علاج بیان ہو رہا ہے بیداری دل کی آنکھ کھول کر غور کرنا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں وسوسہ کی بیماری کا علاج ارشاد ہوا اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جو یہ علاج نہ کریں اور اپنی بیماری بڑھالیں گویا علاج نہ کرنے والوں کے نقصانات کا ذکر اب ہے۔

تفسیر: **ان الذین اتقوا** چونکہ اس آیت کریمہ کے مضمون کے کفار و مشرکین منکر تھے اس لئے اسے **ان** سے شروع فرمایا گیا **الذین** سے مراد مکلف انس و جن ہیں کیونکہ فرشتوں وغیرہ کو یہ واقعات پیش ہی نہیں آتے **اتقوا** بنا ہے اتقاء سے اس کا مادہ وقی ہے معنی بچنا یا بچانا یا ڈرنا۔ یہاں تینوں معنی درست ہیں تقویٰ کی تحقیق اس کے اقسام و احکام ہم پہلے سیپارہ میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں کر چکے یعنی جو لوگ ڈرتے ہیں اللہ سے یا جو لوگ کہ بچاتے ہیں اپنے کو گناہوں سے یا ماسوی اللہ سے یا

www.alahazratnetwork.org

جو لوگ کہ بچتے ہیں۔ فسق و فجور سے ان کی صفت یہ ہے **اذا مسھم طائف من الشیطان** یہاں **اذا** ۔ معنی جب یا جب کبھی ہے نزغ اور مس دونوں کے معنی قریب قریب ہی ہیں فرق اتنا ہے کہ چھونے کو نزغ کہتے ہیں اور سخت چھونے کو مس ۔ معنی لپٹنا یا ٹھیس لگنا ہماری قرآت میں طائف ہے مگر ابن کثیر' ابو عمرو' کسائی کی قرات میں طیف ہے **ی** کے سکون **ط** کے فتح سے دونوں معنی ایک ہی ہیں (تفسیر کبیر) اس کا مادہ طیف ہے ۔ معنی آنا جانا یعنی گھومنا گردش کرنا یہاں مراد ہے وسوسہ یا اثر چونکہ یہ بھی آنے جانے والی چیز ہے وسوسہ دل میں ٹھہرتا نہیں اس لئے اسے طائف یا طیف کہتے ہیں **من الشیطان** صفت ہے طائف کی شیطان سے مراد قرین شیطان ہے یعنی جب کبھی انہیں شیطان کی طرف سے وسوسہ کا اثر پہنچے **تذکروا فاذاھم یبصرون** یہ اذا کی جزا ہے **تذکر** کے بہت معنی ہیں بیدار ہو جانا نصیحت حاصل کرنا کرنا ہوشیار ہو جانا اس سے مراد ہے دل کی ابتدائی حالت جو انسان کو برائی سے روکتی ہے **فاذا** میں **اذا** مفاجاتیہ ہے ۔ معنی اچانک **یبصرون** بنا ہے بصارت سے یا بصیرۃ سے ان دونوں میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں یعنی متقی لوگوں کا حال یہ ہے کہ جب انہیں شیطانی اثر پہنچتا ہے تو فوراً ہوشیار ہو جاتے ہیں جاگ جاتے ہیں اور ان کے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور وہ توبہ کر کے ان وسوسوں سے الگ ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ یہ صفت نصیب کرے **واخوانھم یمدونھم فی الغی** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جس میں غیر متقی یعنی کفار فساق کا حال بیان فرمایا گیا ہے تاکہ مومنین اس عیب سے بچیں **اخوانھم** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ **اخوان** سے مراد ہے کفار فساق **ھم** سے مراد ہے کفار و فساق **یمدون** سے مراد ہے ان لوگوں کا ان کو اور بھی زیادہ گمراہ کرنا یعنی شیاطین ان کی اطاعت دیکھ کر اور بھی متکبر ہو جاتے ہیں یا ان فساق و کفار کے شیاطین بھائی انہیں اور بھی زیادہ گمراہی میں گھسیٹتے ہیں کہ پہلے ان سے معمولی گناہ کراتے ہیں پھر بڑے گناہ پھر انہیں بد عقیدہ بنا دیتے ہیں **ثم لا یقصرون** یہ عبارت معطوف ہے **یمدونھم** پر اور **اخوانھم** کی خبر یقصرون بنا ہے قصر سے ۔ معنی رکنا۔ گھٹنا' کمی کرنا سفر کی نماز کو قصر کہتے ہیں کہ اس میں نماز کم ہو جاتی ہے یہاں ۔ معنی کم کرنا یعنی خبیث شیاطین گمراہ انسانوں کو صرف ایک بار بہکا کر خاموش نہیں رہتے بلکہ گمراہ کرنے میں گمراہ رکھنے میں کوئی کمی نہیں کرتے جہاں تک ان کا بس چلتا ہے گمراہ کرتے رہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: دنیا میں لوگ دو قسم کے ہیں پرہیزگار اور بدکار' پرہیزگاروں کا حال یہ ہے کہ جب ان کے دلوں میں شیطانی خیال بھی پیدا ہو جائے انہیں شیطانی وسوسہ چھو بھی جاوے تو ان کے دل فوراً بیدار ہو جاتے ہیں ان کی آنکھیں کھل جاتی ہیں وہ گناہ اور سبب گناہ میں غور کر کے اس سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں بلکہ گناہ کا کفارہ ادا کر دیتے ہیں وہ گناہ ان کے لئے رحمت کا سبب بن جاتا ہے کہ اس کے بعد توبہ' کفارہ' ندامت' آنسو سب نعمتیں میسر ہو جاتی ہیں۔ رہے لاپرواہ بدکار لوگ وہ تو شیاطین کے بھائی برادر ہیں۔ شیطان انہیں ہر طرف گناہوں میں کھینچے گھسیٹے پھرتے ہیں پھر وہ گمراہ کرنے بہکانے میں کمی نہیں کرتے اپنے سے بدتر بنا دیتے ہیں۔

مثالی ہدایت: یہاں تفسیر کبیر نے مثالی ہدایت کے اس آیت کو واضح کیا ہے اگر کوئی شخص تیرے ساتھ بدسلوکی کرے تو شیطان تیرے دل میں تین خیال پیدا کر کے تجھے غصہ دلاتا اور اس سے لڑنے جھگڑنے پر آمادہ کرتا ہے ایک یہ کہ اس نے یہ کام

www.alahazratnetwork.org

بہت ہی برا کیا (2) میں اس سے قوی تر ہوں اسے سزا دے سکتا ہوں (3) وہ مجھ سے کمزور ہے میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ خیالات طائفہ شیطانی اور قتل و خون ریزی کا پیش خیمہ ہیں۔

ان کا علاج: یعنی تذکر اور بصیرت چند خیالات ہیں (1) اس نے جو کچھ برائی کی وہ مقدرات الٰہیہ سے ہے میرے مقدر میں آج یہ تکلیف لکھی تھی یہ شخص اس کا مظہر ہے۔

از خداواں خلاف دشمن و دوست — کہ دل ہر دو در تصرف اوست

گرچہ تیرا از کماں ہمی گزرد — از کماں دار بیند اہل خرد

(2) اگر میں اس سے زیادہ قوت والا ہوں تو میرا رب مجھ سے زیادہ قدرت والا ہے وہ مجھے سزا دے سکتا ہے (3) اگر وہ شخص میرے آگے مجبور ہے میرا کچھ نہیں کر سکتا تو میں رب کے حضور مجبور ہوں (4) ہو سکتا ہے کہ آج میں قادر ہوں وہ مجبور کل وہ قادر ہو جاوے میں مجبور پھر وہ مجھ سے بدلہ لے تو میں کیا کروں گا (5) اگر میں نے اس سے بدلہ لیا تو وہ کام کیا جو خونخوار درندے بھی کرتے ہیں اور اگر میں نے اسے معاف کر دیا تو وہ کام کیا جو اللہ کے نبی و ولی کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام اور حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کی معافیاں۔ انشاء اللہ ان خیالات کے آتے ہی تمام جوش ختم ہو جاوے گا اور وہ شخص تمہارا غلام بن جاوے گا یہ ہے تذکر اور بصیرت (تفسیر کبیر)

فائدے: اس آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** برے خیالات اور وسوسوں سے کوئی محفوظ نہیں یہ تو آتے ہی رہیں گے یہ فائدہ **اتقوا** اور **مسھم** سے حاصل ہوا کہ متقی لوگوں کو شیطانی وسوسے پہنچتے ہیں بزرگان دین فرماتے ہیں کہ وسوسے کمال ایمان کی دلیل ہیں چور بھرے گھر میں جاتا ہے شیطان بھرے دل میں جاتا ہے جو ایمان و عرفان سے بھرا ہو۔ **دوسرا فائدہ:** جیسے ہر جسمانی بیماری کی دوا اللہ نے پیدا فرمائی ہے ایسے ہی ہر روحانی بیماری کا علاج اللہ پیدا فرماتا ہے گناہ کا علاج توبہ حقوق کا علاج کفارہ۔ یوں ہی وسوسوں کا علاج تذکر اور بصیرت ہے۔ جس کا یہاں ذکر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کو چاہیے کہ گناہ سے توبہ بہت جلد کرے یونہی حقوق کا کفارہ جلد دے وسوسہ کا بدلہ جلد کرے یہ فائدہ **فاذا** کی ف اور **اذا** مفاجاتیہ سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا **فاذاھم مبصرون** رب نے اسے متقیوں کی علامت قرار دیا۔ **چوتھا فائدہ:** معمولی وسوسہ کا علاج لاحول شریف ہے بڑے وسوسہ کا علاج صرف لاحول نہیں بلکہ اس کے ساتھ ندامت کفارہ نفس کی مخالفت بھی چاہیے دیکھو رب تعالیٰ نے نزغ کے ساتھ فرمایا **فاستعذ باللہ** اور طائف من الشیطان کے بعد فرمایا **تذکروا** اور **مبصرون**۔ **پانچواں فائدہ** وسوسہ کو قرار نہیں ہوتا یہ دل پر بجلی کی طرح آتے جاتے ہیں جیسا کہ تجربہ ہے کہ ہر ساعت نیا وسوسہ آتا ہے کیونکہ نہ شیطان کو قرار ہے نہ اس کے وسوسوں کو۔ ربانی الہام کے لئے قرار ہے یہ فائدہ طائف فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چھٹا فائدہ:** گمراہ انسان شیطان کے بھائی ہیں وہ صورتاً انسان ہیں سیرت میں شیطان یہ فائدہ **اخوانھم** فرمانے سے حاصل ہوا یہ لوگ شیطان کی ہم جنس ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** ابلیس اور اس کی ذریت شیطانی لوگوں کی گناہوں میں ہر طرح مدد کرتے ہیں یہ فائدہ **یمدونھم فی الغی** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** جس گناہ سے توبہ، نصیحت، گریہ و زاری، ندامت نصیب ہو جائے وہ اس عبادت سے افضل ہے جس سے غرور و تکبر پیدا ہو جاوے۔ حضرت آدم علیہ السلام کا گندم کھانا

www.alahazratnetwork.org

ابلیس کی عبادت سے افضل ہے۔ یہ فائدہ تذکر وا اور **فاذاھم مبصرون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں شیطانی وسوسوں کے دو علاج ارشاد ہوئے۔ **تذکر** اور بصیرت مگر تذکر کو ماضی سے اور بصیرت کو جملہ اسمیہ سے اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: تذکر ابتدا ہے اور بصیرت انتہا ابتدا آنی ہوتی ہے۔ انتہا باقی یعنی وہ حضرات وسوسہ کے وقت تو غور کرتے ہیں پھر عمر بھر محتاط رہتے ہیں اس کے قریب نہیں جاتے ماضی میں حدوث ہوتا ہے جملہ اسمیہ میں دوام۔ **دوسرا اعتراض**: انسان کسی جن کا بھائی 'بیٹا' باپ 'زوج' زوجہ نہیں ہو سکتا کہ یہ رشتے جنسیت چاہتے ہیں جیسے جانور اور انسان میں یہ رشتے نہیں ہو سکتے ایسے ہی جن وانس میں نہیں ہو سکتے پھر کفار فساق کو شیاطین کا بھائی کیوں کہا گیا۔ دوسری جگہ فرمان باری ہے **ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین** یہ آیات واقعہ کے خلاف ہیں۔ **جواب**: یہاں اخوان سے مراد نسبی یا نسلی بھائی نہیں ہیں بلکہ ان کے سے کام کرنے والے ان کی مثل مراد ہیں اہل عرب مثل کو بھائی کہہ دیتے ہیں 'ملکی' وطنی' لسانی پیشہ کے بھائی چارے تو ہمارے ہاں بھی بولے جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے انسان کی فطرت بعض غذائیں قبول نہیں کرتی اگر وہ پیٹ میں پہنچ جاویں تو فوراً" دست یا قے کے ذریعہ نکل جاتی ہیں ایسے ہی مومن متقی کی فطرت شیطانی وسوسوں ابلیسی خیالات کو قبول نہیں کرتی اگر یہ چیزیں کبھی مومن کو پیش آجاویں تو رب کی طرف سے تذکر اور بصیرت کے ذریعہ ان کو نکال دیا جاتا ہے پہلی آیت میں اسی کا ذکر ہے لیکن جو ایمان و تقوی سے خالی ہے وہ شیطان کا ہم نوا ہے اس کا بھائی اس کی اور شیطان کی فطرت ایک ہی ہے یعنی سرکشی اس لئے وہ دونوں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ جیسے یہ سرکش انسان شیطان کا ہم جنس ہے ایسے ہی مومن متقی فرشتوں کے گروہ سے ہے کہ اس کی اور فرشتوں کی فطرت یکساں ہے یہ حضرات بشر صورت ملک سیرت ہوتے ہیں۔ دیکھو حضور انور نے نجد کے متعلق فرمایا کہ **ھنالک یطلع قرن الشیطان** وہاں شیطان کا سینگ نکلے گا ان انسانوں کو شیطان کا سینگ فرمایا کیوں چند وجہ سے (1) جانور کے تمام اعضاء میں سینگ بہت سخت ہوتا ہے بجدی بھی شیطان سے سخت ترین شیطان تو اللہ والوں کے متعلق کہہ چکا **لا غوینھم اجمعین الا عبادک منھم المخلصین** میں تیرے سارے بندوں کو گمراہ کروں گا سوا تیرے خالص بندوں کے اللہ والوں سے شیطان مایوس ہو چکا مگر یہ ہمیشہ اللہ والوں کے ہی پیچھے پڑے رہتے ہیں معلوم ہوا کہ شیطان سے سخت ہیں (2) سینگ والا جانور جب کسی سے لڑتا ہے تو سینگ ہی آگے کرتا ہے اور پیچھے سے سینگ پر اپنا سارا زور لگاتا ہے۔ شیطان بھی جب کسی سے لڑتا ہے تو اپنے چیلوں قرن الشیطان کو ہی سامنے کرتا ہے اور پیچھے سے خود زور لگاتا ہے کہتا ہے لڑے جا نام تیرا کام میرا اب پڑھو **واخوانھم یمدونھم فی الغی** یہ ہے شیطان کی مدد شیطانی لوگوں خصوصا" قرن الشیطان کے لئے (3) جب سینگ والا جانور کسی جگہ میں داخل ہوتا ہے تو پہلے اپنے سینگ کو داخل کرتا ہے پھر بقیہ جسم کو جب دوزخ میں شیطان داخل ہوگا تو پہلے وہ اپنے ان چیلوں کو وہاں داخل کرے گا پھر خود داخل ہوگا اب پڑھو **ثم لا یقصرون** یہ دونوں آیتیں ایمان و طغیان کی رحمانی اور شیطانی جماعتوں کے ذکر کی جامع آیتیں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تکالیف کو نرا دنیا والوں کی طرف سے سمجھنا شیطانی دھوکہ ہے جس سے پریشانی بڑھتی ہے اور ہر دکھ درد تکلف کو رب تعالی کی طرف سے سمجھنا اس کا علاج ہے اور راحت کا ذریعہ اسی لئے فرمایا **اذا مسھم طائف من الشیطان** یہ ہے مرض اور تذکروا فاذاھم مبصرون یہ ہے علاج۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

سائیں تیری روٹھ سے مرا اور کرے نہ کوے ۔ در در کریں سیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں تو ے
سائیں اکھیاں پھیریاں میرا ویری ملک تمام ۔ ذرا سی جھاکی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ اِنَّمَآ اَتَّبِعُ مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ مِنْ

اور جب نہیں لاتے آپ انکے پاس کوئی آیتہ تو کہتے ہیں کیوں نہیں گھڑ لیتے آپ اسے فرماؤ اس کے سوا نہیں کہ پیروی کرتا ہوں میں

اور اے محبوب جب انکے پاس کوئی آیتہ نہ لاؤ تو کہتے ہیں تم نے دل سے کیوں نہ بنالی تم فرماؤ میں تو اس کی

رَّبِّيْ هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰۳﴾

اسکی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے یہ بصیرتیں ہیں میرے رب کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت واسطے اس

پیروی کرتا ہوں جو میری طرف میرے رب سے وحی ہوتی ہے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے آنکھیں کھولنا ہے اور ہدایت اور رحمت

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیتہ میں ارشاد ہوا تھا کہ شیاطین اپنے فرمانبردار انسانوں کے گمراہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے اب اس آیتہ کریمہ میں شیطانوں کے گمراہ کرنے کی ایک خاص نوعیت کا ذکر فرمایا جارہا ہے گویا قاعدہ کلیہ کے بعد اس کی ایک جزئی کا ذکر ہے۔ جو اس کلی کو ظاہر کرتی ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطان کے داؤ اس کے بہکانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جو شیطانی چنگل میں پھنس جاوے وہ قرآن بلکہ صاحب قرآن سے بھی ہدایت نہیں لیتا۔ ہمیشہ کج بحثی ہی کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں شیطان اور شیطانی حرکت کا ذکر تھا اب قرآن والے محبوب اور قرآن مجید کے فیوض و برکات کا تذکرہ ہے گویا بیماری کے بعد حکیم اور علاج کا ذکر ہے کہ **ھذا بصائر**

تفسیر: **واذا لم تاتهم بايته** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **اذا** عموم ظرف کے لئے ہے۔ بمعنی جب کبھی **لم تات** میں خطاب ہے نبی کریم ﷺ سے آیتہ سے مراد یا تو قرآن مجید کی آیت ہے یا کفار کے منہ مانگے معجزات جیسے ہمارے مردوں کو زندہ کرو جو آپ کی نبوت کی گواہی ہمارے سامنے دیں یا مکہ معظمہ کے پہاڑ سونے کے بنادو یا مکہ معظمہ کی زمین کسی دوسری جگہ پہنچادو اس کے عوض قابل کاشت زمین مکہ معظمہ میں منتقل کردو تاکہ یہاں کھیتی باڑی ہوا کرے وغیرہ یعنی جب کبھی نزول آیات کچھ روز کے لئے بند ہو جاتا ہے اور آپ نئی آیتہ کفار مکہ کو نہیں سناتے یا جب آپ کفار کے منہ مانگے معجزات نہیں دکھاتے آیتہ نکرہ فرماکر ہر قسم کی آیت ہر قسم کے معجزہ کو شامل فرمایا **قالوا لولا اجتبيتها** یہ اذا کی جزا ہے **لولا** بمعنی **هلا** ہے یعنی کیوں نہیں (جلالین) اجتباء کے بہت معنی ہیں۔ نکالنا جمع کرنا اسی لئے حوض کو جابیہ کہتے ہیں کہ وہاں پانی جمع کیا جاتا ہے اجتباء کرنا گھڑنا بنانا (روح المعانی) یہاں اگر آیت سے مراد قرآنی آیتہ ہے تو اجتباء بمعنی گھڑنا اور بنانا ہے اور اگر آیت سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات ہیں تو اجتباء کے معنی لینا یعنی آپ خود آیتہ قرآنی گھڑ کیوں نہیں لیتے جیسے اور آیات گھڑتے

www.alahazratnetwork.org

رہتے ہیں نعوذ باللہ یا آپ ہمارا منہ مانگا معجزہ خدا تعالیٰ سے کیوں نہیں لے لیتے آپ تو کہتے ہیں کہ ہم مقبول الدعا ہیں۔ رب تعالیٰ ہماری مانتا ہے تو اس سے دعا کرکے یہ معجزات دکھاؤ کفار کی یہ بکواس انتہائی سرکشی سے تھی۔ **قل انما اتبع مایوحی الی من ربی** یہ ان کے مطالبہ کا جواب ہے اگر آیتہ سے مراد قرآنی آیتہ ہے تب تو مطلب واضح ہے کہ میں قرآنی آیت گھڑا نہیں کرتا بلکہ وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں جو آیتہ نازل ہوتی ہے وہ سنا دیتا ہوں اس کے احکام سمجھا دیتا ہوں اور اگر آیتہ سے مراد معجزہ تھا تب اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ میں رب تعالیٰ سے خود بخود دعا بھی نہیں مانگتا جس دعا کی مجھے وحی ہوتی ہے کہ یہ مانگو وہ مانگتا ہوں چونکہ تمہارے معجزات کی دعا کا مجھے حکم نہیں ہوا۔ اس لئے میں رب سے اس کی دعا نہیں کرتا۔ دوسرے یہ کہ اللہ نے مجھے مختار کل بنایا ہے میں اس کے دیئے ہوئے اختیار سے سب کچھ کر سکتا ہوں مگر کرتا وہ ہی ہوں۔ جس کے کرنے کی مجھے وحی ہو جاوے چونکہ تمہارے مطالبے پورے کرنے کی مجھے وحی نہیں ہوتی لہٰذا میں یہ معجزات نہیں دکھاتا۔ خیال رہے کہ **مایوحی الی** میں قرآن، حضور انور کے الہامات، حضور انور کی خوابیں، حضور انور کے دل کے ارادے، دل کے خیالات سب ہی شامل ہیں اس لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی **یوحی الی**۔ یہ بات خیال میں رکھو **من ربی** فرما کر یہ بتایا کہ اللہ تعالیٰ میرا رب ہے اس کی وحی بھی اس کی ربوبیت کا ظہور ہے ہم یہ پہلے عرض کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جس طرح کی ربوبیت اپنے حبیب کی فرماتا ہے ایسی کسی کی نہیں کرتا۔ وہ سارے عالم کا پالنے والا ہے مگر فرشتوں کو اور طرح پالتا ہے جنات کو اور طرح مومن انسانوں کو اور طرح پالتا ہے کفار کو اور طرح مومنوں میں اولیاء اللہ کو اور طرح پالتا ہے عوام کو

اور طرح اس لئے ہمیں اسے رب العالمین کہا جاتا ہے ہمیں **ربکم** کہیں **ربی** یہاں حضور والی ربوبیت ارشاد ہوئی جیسے حضور انور بے مثال ہیں ایسے ہی حضور انور کی تربیت بے مثال ہے۔ **ھذا بصائر من ربکم** یہ فرمان عالی یا اللہ تعالیٰ کا اپنا ہے اور نیا جملہ یا نبی ﷺ سے کہلوایا ہوا ہے **قل** کا مقولہ اس کا مقصد کفار کے مطالبوں کی تردید ہے یہاں قرآن مجید کی تین صفتیں ارشاد ہوئیں پہلی صفت **بصائر من ربکم** ہے **بصائر** جمع ہے بصیرۃ کی۔ بمعنی دل کی روشنی قرآن مجید چونکہ دل کی روشنی کا سبب ہے اس لئے مبالغہ کے طور پر اسے بصائر فرمایا یا قرآن کریم واقعی خود ہی بصیرت ہے جیسے قرآن مجید نور ہے ویسے ہی بصیرت ہے چونکہ قرآن مجید صدہا آیات کا مجموعہ ہے اس لئے ہذا مفرد کی خبر جمع آئی ورنہ واحد کی خبر واحد ہی آتی ہے (کبیر) چونکہ دل میں بہت قسم کی روشنیاں قرآن مجید سے پیدا ہوتی ہیں یا قرآن مجید کی ہر آیتہ دل کا چراغ ہے ان وجوہ سے قرآن مجید کو بصائر یعنی روشنیاں فرمایا۔ ایمان کی روشنی۔ اعمال کی روشنی، عرفان کی روشنی، خالق و مخلوق کو ظاہر فرمانے والی روشنی، لہٰذا قرآن روشنیاں ہے جیسے سورج ہر عالم و جاہل مومن و کافر کیلئے روشنی ہے ایسے قرآن مجید سارے انسانوں کے دل روشنی ہے اس لئے یہاں **من ربکم** ارشاد ہوا یعنی چونکہ وہ تم سب کا رب ہے اس کی شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اپنے کسی بندے کو اندھیرے میں نہ رکھے اس لئے اس نے قرآن مجید نازل فرمایا تاکہ اس سورج سے سارے انسانوں کے دل روشنی لیں **وھدی ورحمتہ لقوم یؤمنون** اس فرمان عالی میں قرآن مجید کی دو دوسری صفتوں کا بیان ہے جن سے صرف مومن فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ عبارت بصائر پر معطوف ہے **ھدی** کی تفسیر ہم پہلے پارے میں **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں کر چکے ہیں یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید اعمال کی ہدایت صرف مومنوں کو دیتا ہے حضور کی نبوت کی طرف ہدایت سارے انسانوں کو بخشتا ہے یہاں ہدایتہ

www.alahazratnetwork.org

اعمال مراد ہے یوں ہی گناہوں کی معافی کی رحمت ' بخشش ' جنت ' دیدار الٰہی کی رحمت صرف مومنوں کے لئے ہے اور دنیاوی عذاب الٰہی سے بچاؤ کی رحمت سارے لوگوں کے لئے یہاں پہلی ہدایت مراد ہے اس وجہ سے ارشاد ہوا **القوم یؤمنون** اس کی تحقیق **ھدی للمتقین** کی تفسیر میں ہو چکی وہاں مطالعہ کرو۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کامل ہدایت کامل رحمت ان لوگوں کے لئے ہے، جو مومن جئیں اور مومن مریں ایمان پر قائم رہیں اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہیں اس گلشن کو اطاعت خدا اور رسول یا خوف خدا عشق رسول کلپانی دیتے رہیں ان وجوہ سے **للمومنین** ارشاد نہیں فرمایا بلکہ ایک دراز عبارت **لقوم یومنون** ارشاد ہوئی غرضکہ اس مختصر سی عبارت میں بہت نکات ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیۃ کریمہ کی دو تفسیریں ہیں ہم ان دونوں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ (1) جب چند روز کے لئے آیات قرآنیہ کا نزول بند ہو جاتا ہے اور آپ لوگوں کو کوئی آیت نہیں سناتے تو کفار بطور مذاق کہتے ہیں کہ اے محمد ﷺ جیسے روزانہ آپ آیات گھڑ گھڑ کر سنایا کرتے ہیں اب کیوں نہیں گھڑتے آپ چند روز سے خاموش کیوں ہیں آپ ان کے جواب میں تحمل فرماتے ہوئے فرما دو کہ میں وحی الٰہی کا متبع ہوں جس آیۃ کی وحی ہوتی ہے وہ لوگوں کو سنا دیتا ہوں 'پہنچا دیتا ہوں' سمجھا دیتا ہوں بے وقوفو! جتنی آیات میں تم کو سنا چکا بتا چکا یہ سب تمہارے لئے تمہارے رب کی طرف سے دل کے چراغ دل کی روشنیاں ہیں اور خاص مومنوں کے لئے ہر طرح کی ہدایت بھی ہیں اور اللہ کی رحمت بھی جس سے وہ اللہ کے انعام 'معافی گناہ' جنت وغیرہ کے مستحق ہو جاتے ہیں (2) اے محبوب ﷺ کفار مکہ بطور دل لگی و مذاق آپ سے معجزات مانگتے رہتے ہیں کہ ہمارے مردوں کو زندہ کر کے اپنی نبوت کی گواہی دلوا دو۔ مکہ کے پہاڑ سونے کے کر دو وغیرہ اور جب آپ ان کے یہ مطالبے پورے نہیں کرتے تو طعنے دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ آپ اپنے رب سے دعا کر کے یہ معجزات لاتے کیوں نہیں آپ تو بقول اپنے مقبول الدعا ہو رب آپ کی مانتا ہے۔ فرما دو اے محبوب کہ میں اللہ کے فضل اس کی عطا سے یہ سب کچھ کر سکتا ہوں مگر کرتا وہی ہوں دکھاتا وہ ہی معجزہ ہوں جس کے دکھانے کی مجھے بذریعہ وحی جلی یا وحی خفی اجازت مل جاوے میرے رب کی طرف سے اے بیوقوفو! جتنے معجزے میں نے تم کو دکھا دیئے یہ ہی تمام کو آنکھیں کھولنے کے لئے کافی ہیں۔ مومنوں کے لئے ہدایت خاصہ بھی ہیں اور رب تعالیٰ کی رحمت بھی جو ان سے ہدایت نہ لے وہ بڑا ہی بدنصیب ہے نبوت صرف منہ مانگے معجزات دکھانے کیلئے نہیں ہوتی وہ ہدایت کے لئے ہوتی ہے۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مسلمان کو چاہئے کہ جاہل کی جہالت کا جواب تحمل اور بردباری سے دے کہ یہ دعوت حق کا بہترین طریقہ ہے۔ شہد کا ایک قطرہ بہت سی مکھیوں کو اپنے میں پھانس لیتا ہے اور سرکہ کا ایک گھڑا دو مکھیوں کو بھی نہیں پھانس سکتا۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے بدتمیز بے ادب کفار کے مذاق دل لگی کا جواب کس پیارے طریقہ سے اپنے محبوب سے دلوایا۔ سبحان اللہ۔ **دوسرا فائدہ:** حضور ﷺ کے کمالات کا انکار ان کا مذاق اڑانا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ **لولا اجتبیتھا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ کفار حضور کے مقبول الدعا ہونے کا مذاق اڑاتے ہوئے انکار کرتے تھے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے۔

تو جو چاہے تو ابھی میل مرے دل کے دھلیں ۔۔۔ کہ خدا دل نہیں کرتا کبھی میلا تیرا !!!

www.alahazratnetwork.org

ناممکن ہے کہ حضور انور کسی چیز کو دل سے چاہیں اور رب نہ دے اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو حضور انور نے صرف دل سے چاہا تھا کہ ہمارا قبلہ کعبہ بن جاوے فوراً" بنا دیا گیا **فلنولینک قبلتہ "ترضنھا**۔ **تیسرا فائدہ**: حضور انور صرف قرآن کریم کے متبع نہیں بلکہ جو کچھ رب کی طرف سے وحی ہو اس سب کی اتباع فرماتے ہیں یہ فائدہ **اتبع ما یوحی الی** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو سرکار نزول قرآن سے پہلے بھی وحی الہی کے متبع تھے راست گوئی' پاک بازی' روزہ' اعتکاف' صدقہ و خیرات امانت داری' صدق مقال' اکل حلال سب پر عامل تھے یہ ہے **اتبع مایوحی الی** کی تفسیر عملی ﷺ۔ **چوتھا فائدہ**: حضور . عطاء الہی عالم کے مختار مطلق ہیں سب کچھ کر سکتے ہیں مگر کرتے وہ ہی ہیں جس میں رب کی رضا ہو جو سرکار کنکروں' پتھروں سے اپنا کلمہ پڑھوالیں کیا وہ مردے زندہ کر کے نہیں پڑھوا سکتے جو انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیں کیا وہ زمین مکہ سے چشمے جاری نہیں کر سکتے فرماتے ہیں کہ اگر ہم چاہیں تو سونے کے پہاڑ ہمارے ساتھ چلیں یہ فائدہ **اتبع ما یوحی الیٰ** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ سارے جہان کا رب ہے مگر حضور ﷺ کا خصوصی رب ہے جس ربوبیت سے حضور کو پالتا ہے اس سے کسی اور کو نہ پالا نہ پالے یہ فائدہ **من ربی** فرمانے سے اشارۃً" حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: حضور انور سوا وحی الہی کسی چیز اور کسی شخص کے متبع نہیں ہم لوگ کھانے پینے میں ماں باپ کی ادب میں باپ کی علم میں استاذ کی اور بہت چیزوں میں دنیا کے عاقلوں کی اتباع کرتے ہیں حضور انور کا دامن ان تمام اتباعوں سے پاک ہے۔ یہ فائدہ **انما اتبع** سے حاصل ہوا کیونکہ **انما** حصر کے لئے آتا ہے حلیمہ دائی کی گود میں کبھی ان کا بایاں پستان نہ چوسا وہ حلیمہ کے بچے کے لئے چھوڑا یہ ہے اتباع وحی الہی۔ **ساتواں فائدہ**: ہم لوگ وحی الہی پر عمل حضور انور کی اتباع دیکھ کر کر سکتے ہیں براہ راست نہیں کر سکتے۔ دیکھو **اقیموا الصلوۃ** کی اتباع پہلے حضور انور نے کی پھر ہم نے حضور کا عمل حضور کی اتباع دیکھ کر اس آیۃ پر عمل کیا۔ حضور کا عمل اس آیۃ کی زندہ جاوید جیتی جاگتی تفسیر ہے اگر حضور کا عمل نہ ہوتا تو ہم اس آیۃ پر ہر گز عمل نہ کر سکتے یہ فائدہ بھی **انما اتبع** سے حاصل ہوا کہ وحی پر اتباع صرف حضور کریں گے۔ حضور کی اتباع یا حضور کو دیکھ کر قرآن کی اتباع ہم کریں گے۔ **آٹھواں فائدہ**: قرآن حدیث اگرچہ سارے عالم کی ہدایت کے لئے آئے مگر اس سے فائدہ صرف مومن اٹھا سکتے ہیں یہ فائدہ **لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: قرآن مجید حضور ﷺ کے لئے ہدایت نہیں حضور انور تو پہلے ہی سے ہدایت یافتہ تھے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا یہ فائدہ بھی **لقوم یومنون** سے حاصل ہوا۔ **دسواں فائدہ**: اگرچہ قرآن مجید سارے مومنوں کیلئے بصیرت' ہدایت' رحمت ہے مگر جیسا مومن ویسی اس کے لئے رحمت و ہدایت یہ فائدہ **بصائر ھدی** اور **رحمتہ** اور پھر **قوم** کے نکرہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیۃ کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی ﷺ اجتہاد نہیں فرما سکتے نہ قیاس کرتے ہیں نہ کچھ اپنی طرف سے کہتے ہیں صرف قرآن کی پیروی کرتے ہیں ہم کو بھی صرف قرآن کی پیروی چاہئے (تفسیر روح المعانی) یہ اعتراض روح المعانی نے بعض بے دینوں کا نقل کیا۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **مایوحی** سے مراد صرف قرآن مجید نہیں بلکہ ساری وحی الہی ہے خواہ قرآن ہو خواہ خواب خواہ الہام خواہ اجتہاد سے حاصل کردہ مسائل حضور کی یہ تمام چیزیں وحی الہی ہیں اس لئے القرآن نہ فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت **مایوحی الی** ارشاد ہوئی دیکھو نمازوں کی اذان صحابہ کے

www.alahazratnetwork.org

خواب سے جاری ہوئی حضور کی تصدیق کی وجہ سے۔ **دوسرا اعتراض: ھذا** مبتدا ہے اور واحد ہے بصائر اس کی خبر ہے اور جمع ہے نحوی قاعدے سے یہ جائز نہیں واحد کی خبر واحد چاہئے پھر یہاں ایسا کیوں ہوا۔ **جواب: ھذا** سے مراد قرآن مجید ہے اور قرآن مجید میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ 6666 آیات ہیں۔ ہر آیت مومن کے لئے بصیرت بھی ہے رحمت بھی ہدایت بھی اس وجہ سے بصائر جمع ہذا کی خبر بن گیا گویا ہذا لفظاً واحد ہے معنی جمع۔ **تیسرا اعتراض:** قرآن مجید ساری مخلوق کے لئے ہدایت و رحمت ہے۔ پھر یہاں مومنوں کی قید کیوں لگائی۔ **جواب:** ہدایت کر سکنا بھی قرآن مجید کی صفت اور ہدایت کر دینا بھی۔ ہدایت کر سکنا سارے انسانوں بلکہ جنات کے لئے بھی ہے مگر ہدایت کر دینا یہ صفت صرف مسلمانوں کے لئے ہے یہاں دوسری صفت مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: محض عقل کا کام ہے جرح کرتے رہنا عشق کا کام ہے اتباع۔ اس آیت کریمہ میں عقل و عشق کا بہترین اجتماع ہے **لولا اجتبیتھا** میں عقل کا ذکر ہے اور **انما اتبع** میں حضرت عشق کی جلوہ گری پھر عقل دو قسم کی ہے ایک وہ جو قلب کی یار ہو دوسری وہ جو صرف قالب کی مددگار ہو۔ پہلی عقل رحمانی ہے دوسری نفسانی۔ یہ ہی حال علم کا ہے۔

علم اگر برتن زنی مارے بود! علم اگر بردل زنی یارے بود!
عقل زیر حکم دل یزدانی است چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

قرآن مجید ایسی عقل والوں کے لئے بصائر یعنی روشنی بلکہ روشنیاں ہیں گویا علم الیقین والوں کو بصیرت کا کام دیتا ہے اور عین الیقین والوں کے لئے ہدایت کا اور حق الیقین والوں کے لئے رحمت کا۔ سن کر ماننا علم الیقین ہے دیکھ کر جاننا عین الیقین اور اس میں داخل یا فنا ہو کر جاننا ماننا حق الیقین جیسے بارش کا پانی سیپ کو موتی بخشتا ہے باغ کو پھل پھول اور کھیت کو دانے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قرآن کی رحمت عامہ سارے عالم کے لئے ہے کہ اس کے آنے سے دنیا میں عذاب الٰہی آنا بند ہو گئے امن و امان کا دور دورہ ہو گیا۔ رحمت خاصہ صرف مسلمانوں کے لئے کہ انہیں ہدایت مل گئی۔ یہ ہی حال قرآن والے محبوب ﷺ کا ہے حضور رحمتہ للعالمین بھی ہیں اور بالمومنین رءوف رحیم بھی لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۲۰۴﴾
اور جب تلاوت کیا جاوے قرآن پس بغور سنو تم اسے اور چپ رہو تاکہ تم رحم کئے جاؤ
اور جب قرآن پڑھا جاوے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں قرآن مجید کے فیض دینے کا ذکر ہوا کہ یہ بصیرت ہدایت رحمت دینے والا ہے اب اس سے یہ فیوض لینے کی شرط بیان ہو رہی ہے کہ اس کو یہ فیض ملے گا جو اس کا ادب و احترام کرے گا اس کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ جب اس کی تلاوت ہو تو خاموشی سے کان لگا کر سنو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی

www.alahazratnetwork.org

آیۃ میں ارشاد ہوا کہ قرآن کریم اس قوم کیلئے رحمت ہے جو ایمان رکھتی ہو اب فرمایا جا رہا ہے کہ ایمان رکھنے کے لئے صرف اسے مان لینا ہی کافی نہیں بلکہ قرآن کا ادب و احترام بھی ضروری ہے گویا ایمان اعتقادی کے بعد ایمان عملی جو ایمان اعتقادی کی دلیل ہے بیان ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیۃ میں کفار کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ ہمیشہ آیات کا مطالبہ ہی کرتے رہتے ہیں نازل شدہ آیات کی طرف دھیان نہیں دیتے اب مسلمانوں کو ہدایت دی جا رہی ہے کہ تم نازل شدہ آیات کو بغور سنا کرو آئندہ کے مطالبات میں اپنا وقت ضائع نہ کیا کرو۔

شانِ نزول: ایک بار حضور ﷺ نے صحابہ کرام کو با جماعت نماز پڑھائی ایک انصاری نے حضور کے پیچھے کچھ قرات کی تب ہی یہ آیت کریمہ **واذا قری القرآن** نازل ہوئی اور صحابہ کو حضور کے پیچھے نماز میں قراۃ میں یکدم منع فرما دیا گیا (روح المعانی بحوالہ عبد ابن حمید، ابن ابی حاتم، سنن بیہقی عن مجاہد)۔ خیال رہے کہ شروع اسلام میں نماز میں دنیاوی باتیں بھی کی جاتی تھیں اور امام کے پیچھے قراۃ بھی پھر **وقوموا للہ قنتین** سے نماز میں کلام یعنی باتیں کرنا منسوخ ہوا (مسلم) پھر اس آیۃ سے نماز میں امام کے پیچھے قرات منسوخ ہوئی جیسا کہ ابھی شانِ نزول سے معلوم ہوا۔ ابن جریر نے حضرت بن مسعود سے روایت کی کہ آپ نے لوگوں کو نماز پڑھائی تو بعض لوگوں نے آپ کے پیچھے قراءۃ قرآن کی آپ نے سلام پھیرنے کے بعد فرمایا کہ کیا اب تک تم لوگوں نے یہ آیت نہیں سمجھی **واذا قری القرآن** (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ اس آیت کے شانِ نزول کے متعلق اور چار روائتیں ہیں مگر وہ قوی نہیں جیسے (1) صحابہ کرام حضور انور کے پیچھے نماز میں بلند آواز سے قراءۃ کرتے تھے انہیں اس عمل سے روکنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی مگر یہ درست نہیں اولاً تو اس لئے کہ مقتدیوں کی بلند آواز سے قراءۃ کہیں ثابت نہیں ورنہ مسجد میں شور مچ جایا کرتا دوسرے اس لئے کہ یہاں ہے استمعوا خاموش رہو یہ نہیں ہو تاکہ آہستہ پڑھو (2) یہ آیت نماز میں دنیاوی بات چیت منسوخ کرنے کے لئے آئی مگر ابھی ہم بحوالہ مسلم شریف عرض کر چکے کہ نماز میں کلام منسوخ ہوا ہے **وقوموا للہ قانتین** سے (3) کفار قرآن سن کر شور مچاتے تھے انہیں اس حرکت سے روکنے کے لئے یہ آیت اتری مگر یہ غلط ہے کیونکہ کفار شرعی احکام کے مکلف نہیں نیز اگر کفار قرآن مجید بغور سن بھی لیا کریں خاموش رہ کر پھر بھی وہ اللہ کے رحم و کرم کے مستحق نہیں اللہ کا رحم صرف مومنوں پر ہی ہو گا (4) یہ آیۃ خطبہ جمعہ کے متعلق نازل ہوئی اور یہاں قرآن سے مراد خطبہ جمعہ ہے چونکہ خطبہ میں قرآن مجید کی آیات بھی ہوتی ہیں اس لئے اسے قرآن فرمایا گیا مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ یہ آیت مکیہ ہے اور جمعہ اور خطبہ جمعہ بعد ہجرت آئے۔ خطبہ میں سکوت و خاموشی حدیث شریف سے واجب ہے دیکھو تفسیر خازن وغیرہ غرضکہ اس آیۃ کے نزول کے متعلق پہلا قول قوی ہے۔

تفسیر: **واذا قری القرآن** حق یہ ہے کہ اگرچہ اس آیۃ کا نزول نماز کے مقتدیوں کے لئے ہے مگر چونکہ الفاظ عام ہیں اس لئے **اذا** کے معنی ہیں جب کبھی خواہ نماز میں یا نماز سے باہر قرآن پڑھا جاوے مگر فرق یہ ہے کہ مقتدیوں پر اس وقت قرآن سننا خاموش رہنا فرض عین ہے مگر خارجی تلاوت پر فرض کفایہ کہ اگر ایک بھی اس پر عمل کرے تو سب کا ادا ہو گیا جیسے نماز جنازہ (شامی وغیرہ) **قری** فرما کر یہ بتایا گیا کہ جب پڑھنے والا تلاوت کیلئے پڑھے تب یہ حکم ہے اگر کسی اور مقصد سے پڑھے تو نہ خاموشی واجب ہے نہ خاموش رہنا جیسے استاذ کے سامنے شاگرد قرآن سیکھنے کے لئے پڑھے کہ وہ قرآن پڑھتا نہیں سیکھتا یا یاد کرتا

www.alahazratnetwork.org

ہے نیز اگر بھکاری بھیک مانگنے کے لئے قرآن پڑھے تو اس وقت خاموش رہنا واجب نہیں کہ وہ تلاوت نہیں کر رہا ہے بلکہ قرآن کو بھیک کا کاسہ بنا رہا ہے بلکہ بھکاری کو خاموش کر دینا ضروری ہے کہ وہ قرآن کی توہین کر رہا ہے قرآن سے مراد پوری آیت قرآن ہے کہ تلاوت قرآن اس کا نام ہے اسی لئے شاگرد استاذ کو قرآن سناتے وقت **اعوذ باللہ** نہیں پڑھتا (شامی) تلاوت کے وقت اعوذ پڑھنا چاہئے۔ رب فرماتا ہے **اذا قرات القرآن فاستعذ باللہ** یہ فرق ہے تلاوت اور علم یعنی سیکھنے میں نیز سلام کا جواب دینا فرض ہے مگر بھکاری کے سلام کا جواب ضروری نہیں کہ وہ سلام نہیں بلکہ بھیک مانگنا ہے یہ تحقیق خیال میں رہے نیز جب مسلمان آدمی قرآن پڑھے تب سننا خاموش رہنا فرض ہے اگر جانور یا فونوگراف یا ٹیپ ریکارڈ یا ریڈیو سے قرآت ہو تو اس کے لئے خاموشی وغیرہ فرض نہیں کہ یہ تلاوت نہیں اس لئے ان ذریعوں سے سجدہ کی آیت سنی جاوے تو سجدہ واجب نہیں ان جیسے مسائل ایک لفظ **قری القرآن** سے حاصل ہوئے۔ **فاستمعوا لہ وانصتوا** یہ عبارت جزا ہے **اذا قری** کی اس میں خطاب مومنوں سے ہے کہ شرعی احکام انہیں پر جاری ہیں استماع بنا ہے سمع سے سمع کے معنی ہیں سننا باب افتعال میں آکر اس کے معنی ہیں توجہ سے سننا کان لگا کر دل اور طرف سے ہٹا کر سننا **لہ** کلام یا نو معنی لئے ہے یا معنی الی یعنی طرف یا صلہ کہ جس کے معنی کوئی نہیں یعنی اس کیلئے اس کی طرف کان لگاؤ یا اسے کان لگا کر سنو تیسرے معنی قوی ہیں اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ بھی اسی پر ہے **انصتوا** باب افعال کا امر ہے اس کا مادہ **نصت** ہے نون کے پیش سے معنی خاموشی (روح المعانی) خیال رہے کہ ہر خاموشی کو سکوت کہتے ہیں مگر کچھ سننے کے لئے خاموشی کو **نصوت** لہٰذا سکوت عام ہے نصوت خاص (روح البیان) یہ دونوں صیغے فرضیت کے ہیں مگر مقتدیوں کے لئے فرض عین کے دوسروں کے لئے فرض کفایہ یہ خوب خیال رہے مقتدی کے لئے بہرحال خاموشی فرض ہے خواہ قرات امام آہستہ کر رہا ہو یا آواز سے مگر خارجی تلاوت جب آواز سے ہو تو یہ حکم ہے **لعلکم ترحمون** یہ گزشتہ حکم کی علت ہے خیال رہے کہ **لعل** رب تعالیٰ کی نسبت سے معنی تاکہ ہوتا ہے اور بندوں کی نسبت سے معنی شاید اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے جو ترجمہ فرمایا کہ وہ دونوں معنی کو شامل ہے رحم کے معنی اس کے اقسام ان اقسام کے مستحقین کے نام رحم اور فضل میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں کیونکہ اس کے شان نزول کے متعلق بہت قول ہیں جیسا شان نزول ویسی تفسیر ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی ہے اے مسلمانو جب کبھی قرآن مجید کی تلاوت کی جاوے کہ کوئی مسلمان پڑھے تو تم اسے کان لگا کر سنو اس وقت اپنا دھیان صرف قرآن مجید کی طرف کر لو کسی اور طرف توجہ نہ کرو اور بالکل خاموش رہو اس میں قرآن مجید کا ادب ہے تمہیں کیا خبر شاید اسی ادب کی وجہ سے تم سب پر اللہ تعالیٰ رحمت فرمادے۔

قراءت خلف الامام یعنی امام کے پیچھے سورہ فاتحہ

احناف کے نزدیک امام کے پیچھے سورہ فاتحہ یا کوئی آیت قرآن پڑھنا حرام معنی مکروہ تحریمی ہے خواہ نماز جہری ہو جیسے فجر، مغرب، عشاء، جمعہ، عیدین یا سری جیسے ظہر، عصر دوسرے اماموں کے نزدیک امام **ولا الضالین** کہہ کر خاموش رہے مقتدی اس وقت پڑھیں۔ غیر مقلدوں کے نزدیک مقتدی امام کے ساتھ ہی سورہ فاتحہ پڑھے امام کی قرآت کی بالکل پرواہ نہ کرے اس

www.alahazratnetwork.org

بارے میں مذہب حنفی نہایت ہی قوی ہے ہم نے اس کی کی مکمل بحث اپنی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں کر دی ہے یہاں اس میں سے کچھ مختصراً عرض کرتے ہیں۔ امام کے پیچھے مقتدی کو قرآنی قرآت کرنا حرام ہے دوسرے کے ہاں فرض حرمت پر حسب ذیل دلائل ہیں۔

(1) یہ ہی آیت کریمہ کہ اس میں مقتدیوں کو امام کے پیچھے تلاوت سے روکا گیا نماز خواہ کوئی ہو (2) فرمایا نبی ﷺ نے مقتدی جس کا کوئی امام ہو تو امام کی قراۃ اس کی قراءت ہے (3) فرماتے ہیں ﷺ امام اسی لئے ہے کہ اس کی پیروی کی جاوے وہ جب تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو جب قراءت کرے تو خاموش رہو (4) ایک شخص نے حضور انور کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی تو ایک صاحب نے انہیں روکا انہوں نے حضور سے شکایت کی فرمایا وہ ٹھیک کہتے ہیں امام کی قراءۃ مقتدی کی قراءت ہے (5) ایک دفعہ حضور انور نے نماز پڑھائی تو بعض صحابہ نے حضور کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھی بعد سلام فرمایا کہ تم مجھ سے قرآن میں جھگڑتے کیوں ہو (6) اکثر صحابہ کا یہ ہی فرمان ہے کہ امام کے پیچھے مطلقاً" قراءۃ نہیں چنانچہ عبداللہ ابن عبس 'عبداللہ ابن عمر' زید ان ثابت' عبداللہ ابن مسعود کا یہ ہی فرمان ہے (7) حضرت عمر اور سعد فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے کچھ تلاوت کرے اس کے منہ میں پتھر ہو (8) امام شعبی فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کرنے پر اکثر صحابہ کا اجماع ہے (10) حضرت عبداللہ ابن مسعود نے کچھ لوگوں کو امام کے پیچھے تلاوت کرتے سنا تو فرمایا کہ کیا تم نے ابھی تک یہ آیت نہ سمجھی **اذاقری القرآن فاستمعوا له وانصتوا** (11) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قراءا نہیں (12) امام سرخس نے فرمایا کہ امام کے پیچھے تلاوت کرنے سے اس کی نماز فاسد ہو جاتی ہے بہت صحابہ کے نزدیک جن میں حضرت ابن ابی وقاص شامل ہیں (13) حضرت انس فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کا منہ آگ سے بھر جاوے (ابن جنان) (14) حضرت عبداللہ ابن مسعود اور جناب علقمہ فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کے منہ میں خاک (طحاوی)۔ (15) حضرت زید ابن ثابت فرماتے ہیں کہ جو امام کے پیچھے تلاوت کرے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ (16) حضرت عبداللہ ابن معقل صحابی فرماتے ہیں کہ آیت **واذا قری القرآن فاستمعوا** قراءت خلف۔ الامام کے متعلق نازل ہوئی لہٰذا جب امام قرآت کرے تو تم سنو اور خاموش رہو (بخاری) (17) عطا ابن یسار نے حضرت زید ابن ثابت سے امام کے پیچھے قرآت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا امام کے پیچھے بالکل تلاوت نہیں (مسلم) ان تمام احادیث کے مکمل حوالے تفسیر روح المعانی اور ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم اور صحیح البہاری شریف میں ملاحظہ کریں ان مذکورہ دلائل کے علاوہ اور بہت احادیث اس بارے میں موجود ہیں دیکھو جاء الحق حصہ دوم۔

عقلی دلائل: عقل کا تقاضا ہے کہ امام کے پیچھے تلاوت فرض نہیں ممنوع ہے دلائل حسب ذیل ہیں (1) جو رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو اسے رکعت مل جاتی ہے اور سورہ فاتحہ مقتدی پر فرض ہوتی تو اس فرض کے رہ جانے پر رکعت نہ ملتی جیسے رکوع رہ جانے پر رکعت نہیں ملتی۔ مگر شرط یہ ہے کہ یہ شخص تکبیر تحریمہ کہے پھر بقدر ایک تسبیح قیام کرے پھر رکوع میں جائے تاکہ تکبیر تحریمہ اور قیام دونوں فرض ادا ہو جاویں (2) اگر سورہ فاتحہ امام کے پیچھے پڑھنا فرض ہے تو بتاؤ کہ اگر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ رہا ہے کہ امام نے رکوع کر دیا اب یہ کیا کرے آیا فاتحہ پوری کرے رکوع میں نہ ملے یا فاتحہ چھوڑ دے رکوع میں مل جاوے مگر جواب

حدیث سے ہو (3) اگر مقتدی سورہ فاتحہ پڑھ رہا تھا کہ امام نے کہا **ولا الضالین** تو یہ آمین کہے یا نہ کہے جواب حدیث سے ہو (4) اگر کوئی وفد بادشاہ سے ملنے جاوے تو سلام آداب سب عرض کرتے ہیں مگر عرض معروض ان سب کی طرف سے ایک شخص ہی کرتا ہے یوں ہی نماز باجماعت میں اللہ کے بندے وفد بن کر حاضر بارگاہ الٰہی ہوتے ہیں تو قیام رکوع سجدہ التحیات اب ہی ادا کریں مگر عرض معروض یعنی تلاوت صرف امام کرے۔

نوٹ ضروری: یہ دلیل حضرت امام اعظم نے ان لوگوں پر پیش کیا جو آپ سے اس مسئلہ پر مناظرہ کرنے آئے تھے اسی پر مناظرہ ختم ہو گیا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** عبادات کی بلکہ ایمان کی اصل اور روح ادب ہے بے ادبی سے عبادت بے روح ولا جسم ہے یہ فائدہ **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر چیز کا ادب علیحدہ ہے اس کی شان کے لائق یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تلاوت قرآن کا ادب یہ سکھایا گیا کہ اس وقت خاموشی اور توجہ اختیار کرو۔ نماز کا ادب یہ ہے کہ نمازی کے سامنے سے نہ گذرو قرآن مجید کا ادب یہ ہے کہ اس کی طرف پیٹھ نہ کرو اس سے اونچے نہ بیٹھو اسے بے وضو نہ چھوؤ بے غسل نہ پڑھو۔ یوں ہی حضور انور ﷺ کا ادب روح ایمان ہے حضور کے نام کا ادب' حضور کے فرمان کا ادب کہ حدیث ادب سے بیٹھ کر پڑھو پڑھاؤ' حضور کے مدینہ کا ادب' مدینہ کی گلیوں کوچوں کا ادب' وہاں کے انسانوں کا ادب' وہاں کے جانوروں کا ادب' وہاں کی چیزوں کا ادب یہ آیتہ ان تمام ادبوں کی اصل ہے صحابہ کرام حضور کی مجلس میں سر جھکا کر خاموش بیٹھتے تھے **کان علی رءوسہم الطیر** جب قرآن مجید کے کاغذ اس کے گتے اس کے جزدان بلکہ اس کی رحل کا ادب ہے تو حضور کا ادب کیا ہونا چاہئے اس لئے قرآن مجید نے حضور کی مجلس حضور سے عرض معروض کرنے حضور کے گھر شریف پر دعوت کھانے کے ادب سورہ حجرات' سورہ احزاب میں بیان فرمائے دیکھو ہماری کتاب سلطنت مصطفی۔ یا اللہ ہم کو اپنے محبوب کا پورا ادب نصیب فرما کہ یہ ادب تمام آداب کی اصل ہے حضور کا بے ادب نہ خدا تعالیٰ کا ادب کرتا ہے نہ قرآن کریم کا نہ کسی اور دینی چیز کا۔

از خدا خواہیم توفیق ادب! بے ادب محروم ماند از فضل رب

تیسرا فائدہ: تلاوت قرآن مجید کے وقت دو کام فرض ہیں کان لگا کر توجہ سے سننا' خاموش رہنا۔ یہ فائدہ استمعوا اور انصتوا سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جہاں لوگ سو رہے ہوں یا اپنے کام کاج میں مشغول ہوں۔ وہاں اونچی آواز سے تلاوت نہ کرو کہ یا تو ان کے کام کاج میں حرج ہو گا یا پھر وہ خاموش نہ رہ کر گنہگار ہوں گے (روح المعانی) لہٰذا لاؤڈ اسپیکر پر تراویح' شبینہ وغیرہ ہرگز نہیں پڑھنا چاہیے کہ لوگ بے خوابی کی وجہ سے تنگ ہوتے ہیں اور بہت سے لاؤڈ اسپیکروں کی آواز ٹکرا کر بہت ہی بری صورت پیدا کرتی ہے نیز لاؤڈ اسپیکر پر سجدہ کی آیت سارے شہر والے سنتے ہیں مگر سجدہ تلاوت نہیں کرتے اس ترک فرض کا وبال کتنا سخت ہے سوچ لو۔ **پانچواں فائدہ:** چند شخصوں کا ایک وقت بلند آواز سے قرآن مجید کی تلاوت کرنا سخت ممنوع ہے جیسا کہ آج کل ختم وغیرہ پر حفاظ کرتے ہیں یا تو ایک صاحب پڑھیں باقی سنیں یا سب لوگ آہستہ پڑھیں۔ یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** اور **انصتوا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** مقتدی امام کے پیچھے ہرگز قرآن مجید کی تلاوت نہ کرے نماز خواہ سری ہو یا جہری یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

فاستمعوا اور **انصتو** سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: مسبوق جسکی اگلی رکعات جماعت سے رہ گئی ہوں وہ جب اپنی رکعتیں پوری کرے تو قرات کرے کہ اب وہ مقتدی نہیں۔ **مسئلہ**: لاحق جو اول سے جماعت میں تھا پچھلی رکعتیں علیحدہ پڑھیں وہ اپنی رکعتیں پڑھتے وقت تلاوت ہرگز نہ کرے کیونکہ وہ اب بھی حکماً مقتدی ہے یہ مسئلہ خیال میں رہے۔ مسافر امام کے پیچھے مقیم مقتدی نے نماز پڑھی تو جب یہ اپنی دو رکعتیں پوری کرے تو انہیں بغیر تلاوت پڑھے۔ **ساتواں فائدہ**: ذکر بالجہر جائز ہے بلکہ بسا اوقات بہتر ہے یہ فائدہ بھی **فاستمعو** اور **انصتوا** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ قرآن جب ہی سنا جا سکتا ہے جب کہ بلند آواز سے پڑھا جاوے۔ یہ بات یاد رہے۔ **آٹھواں فائدہ**: مکتب میں بیک وقت اونچی آواز سے قرآن مجید پڑھ بھی سکتے ہیں اور یاد بھی کر سکتے ہیں کیونکہ وہ تلاوت یعنی قراءۃ قرآن نہیں کرتے حفظ قرآن یا تعلیم قرآن کرتے ہیں یہ فائدہ **قری القران** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ**: جیسے تلاوت قرآن عبادت ہے جس پر بڑا ثواب ہے ایسے ہی قرآن مجید سننا بھی عبادت ہے جس کا بڑا ثواب ہے یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ حضور ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب کو حکم دیا کہ **مجھے** قرآن پڑھ کر سناؤ اور حضور سن کر روئے۔ **دسواں فائدہ**: قرآن مجید میں غور و فکر کرنا بھی عبادت ہے بلکہ قرآن دیکھنا بھی ثواب ہے یہ فائدہ بھی **فاستمعوا** سے حاصل ہوا۔ خوش نصیب ہے وہ عالم جس کی زندگی قرآن مجید سوچنے اس سے مسائل نکالنے میں گزرے۔ **گیارھواں فائدہ**: قرآن مجید کے سننے غور کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ خاص رحمتیں نازل فرماتا ہے یہ فائدہ **لعلکم ترحمون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں امام کے پیچھے قراءت ممنوع نہیں ہوئی بلکہ دنیاوی بات چیت ممنوع ہوئی پہلے نماز میں باتیں کرنا جائز تھا لہٰذا امام کے پیچھے سورہ فاتحہ ضرور پڑھی جاوے (غیر مقلد)۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی ہم تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ مسلم شریف میں ہے کہ نماز میں کلام اس آیت سے منسوخ ہوا **وقوموا للہ قنتین** لہٰذا یہ آیت قراءت خلف الامام روکنے کے لئے نازل ہوئی۔ **دوسرا اعتراض**: حدیث شریف میں ہے کہ **لا صلوۃ لمن لم یقرا بفاتحۃ الکتاب** جو سورہ فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص خواہ اکیلا ہو خواہ امام خواہ مقتدی سب کو نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنی فرض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے بہت تفصیلی جوابات ہم نے اپنی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیئے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ اگر اس حدیث کا وہ ترجمہ ہے جو تم نے کیا تو یہ حدیث اس آیت کریمہ کے بھی خلاف ہے **واذ قری القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا** اور مسلم شریف وغیرہ کی ان احادیث کے بھی خلاف ہے کہ **واذا قرء فانصتوا** لہٰذا یہ حدیث ناقابل عمل ہے اور اگر اس کا مطلب وہ ہے جو احناف کرتے ہیں اور جو حضور ﷺ نے خود بیان فرمائے تو یہ حدیث تمہارے خلاف ہے یعنی بغیر سورہ فاتحہ نماز کامل نہیں ہوتی خواہ خود پڑھے یا اس کا امام پڑھے امام کی قراءۃ مقتدی کی اپنی قراءۃ ہے اسی لئے رکوع مل جانے سے رکعت مل جاتی ہے کیوں اس لئے کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی ہے باقی جوابات جاء الحق دوم میں مطالعہ کرو۔ **تیسرا اعتراض**: اگر اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ قرآن پڑھا جاوے تو سب خاموش رہیں تو مصیبت آجاوے گی۔ آج ریڈیو پر تلاوت ہوتی ہے بچے مدرسہ میں قرآن مجید کا سبق یاد کرتے ہیں حافظ قرآن مجید حفظ کرتے ہیں سب بلند آواز سے کرتے ہیں تو اب کوئی بھی نہ بول سکے نہ کچھ اور کام کر سکے لہٰذا آیت کے معنی یہ ہیں کہ تلاوت قرآن پر شور نہ مچاؤ

کفار کی طرح۔ خاموش رہواسے سورہ فاتحہ سے کوئی تعلق نہیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا تفصیلی جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ ان سب صورتوں میں قراۃ قرآن نہیں بلکہ تعلیم قرآن یا حفظ قرآن ہے اس پر تلاوت قرآن کے احکام جاری نہیں یوں ریڈیو میں انسان کی بعینہ آواز نہیں لہٰذا یہ بھی قرآۃ نہیں یہ آیت کریمہ مقتدی کی قرآۃ کے متعلق ہی نازل ہوئی نیز بیرون نماز کی تلاوت کا سننا فرض کفایہ ہے فرض عین نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اچھا ہم نے مانا کہ نمازی مقتدی امام کی قرات سے خود خاموش رہے تو ظہر و عصر میں امام کی قرآت سنی نہیں جاتی تو چاہیے کہ اس میں مقتدی قراءت کر لیا کرے کیونکہ وہاں خاموشی کی وجہ نہیں پائی جاتی۔ **جواب:** آیتہ کریمہ میں سننے کو خاموشی کی وجہ نہیں بتایا گیا یہ نہیں کہ سننے کے لئے چپ رہو بلکہ دو مستقل حکم دیئے سنو اور چپ رہو لہٰذا مقتدی کو بہر حال خاموش رہنا چاہیے خواہ سنے یا نہ سنے۔ **پانچواں اعتراض:** اگر یہ آیت کریمہ مقتدی کو تلاوت سے روکنے کے لئے آئی ہے تو تم بیرون نماز یہ احکام کیوں جاری کرتے ہو۔ **جواب:** اس لئے کہ آیتہ کریمہ کے الفاظ عام ہیں احکام الفاظ کے عموم پر جاری ہوتے ہیں نہ شان نزول کے خصوص پر اس قاعدے کے بہت دلائل اصول فقہ میں ملاحظہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: چونکہ قرآن مجید کا فیضان بہت ہے کہ یہ بصائر بھی ہے رحمت بھی ہادی بھی نیز اس کی نسبت بہت قوی کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اس لئے اس کا احترام بھی بہت کہ اس کے نقوش کو بے وضو چھونا حرام اس کے کاغذ کی طرف پیٹھ کرنا ممنوع اس کے جزدان اس کی رحل کا بھی احترام ہے اس کے الفاظ کی قرات کے وقت دنیاوی کلام حرام تو اس کے لانے والے محبوب ﷺ کا احترام بھی ایمان کی جان ہے کیونکہ قرآن مجید اس بادل کے قطرات یا اس سورج کی شعاعیں ہیں ان محبوب کی زبان قرآن کی کان ہے حضور کا فیضان قرآن کے فیضان سے زیادہ ہے اور قوی ہے قرآن قاری بناتا ہے حضور ﷺ اپنے دیکھنے والے کو صحابی بناتے ہیں یہ آیتہ حضور کے ادب و احترام کی قوی دلیل ہے۔ تلاوت قرآن کے وقت سامعین کو خاموش اور توجہ کا حکم دینا صاف بتا رہا ہے کہ قرآن میں غور کرنا چاہیے جو شخص جس غور کے لائق ہے وہ ہی غور کرے۔

صوفیاء فرماتے ہیں کہ علماء دین کے سینے اور زبان و ہونٹ قابل صد احترام ہیں کہ ان سے قرآن کے مضامین پڑھتے ہیں۔
صوفیاء فرماتے ہیں کہ تلاوت قرآن کے وقت اپنی ظاہری زبان بھی بند رکھ تاکہ ظاہری کان میں قرآن پہنچے اور باطنی زبان بھی بند رکھ تاکہ اپنے باطنی کان سے باطنی قرآن سنو تب تم پر رحم کیا جاوے گا کہ اپنے اعضاء میں ربانی تو تیں پاؤ کے **فکنت سمعہ فیسمع بی** کی جلوہ گری ہو۔

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور ذکر کرو اپنے رب کا دل میں اپنے عاجزی کرتے ہوئے اور ڈر سے نہ کر آواز والے کلام سے

اور اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بے آواز نکلے زبان سے

بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغٰفِلِيْنَ ﴿۲۰۵﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ عِنْدَ رَبِّكَ	
سویرے اور شام کے وقت اور نہ ہو تم غافلوں میں سے تحقیق وہ لوگ جو نزدیک ہیں تیرے	
صبح اور شام اور غافلوں میں سے نہ ہونا بے شک وہ جو تیرے رب کے پاس ہیں	
لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيُسَبِّحُوْنَهٗ	
رب کے وہ غرور نہیں کرتے عبادت سے اس کی اور تسبیح کرتے ہیں	
اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور اس کی پاکی	
وَلَهٗ يَسْجُدُوْنَ ﴿۲۰۶﴾	ع ۲۴
اور اس کو سجدہ کرتے ہیں	
بولتے ہیں اور اسکو سجدہ کرتے ہیں۔	

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں قرآن مجید کے احکام بیان ہوئے وہ بھی ایک طرح کا ذکر الٰہی ہے اب تلاوت کے علاوہ دوسرے ذکروں کے احکام کا ذکر ہے گویا اہم ذکر کے بعد دوسرے اذکار کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی میں ذکر بالجہر کا ذکر ہوا کہ جب تلاوت بلند آواز سے ہو تو سننے والے یہ ادب کریں اب ذکر خفی کا ذکر ہے گویا زبانی ذکر کے بعد جنانی ذکر کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں دوسروں کو ذکر سنانے کا ذکر تھا۔ اب خود اپنے نفس اپنے دل کو ذکر سنانے کا تذکرہ ہے یعنی شاخ کا ذکر فرمانے کے بعد جڑ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فیوض اور اس کی تلاوت کے آداب کا ذکر تھا جو صرف انسان ہی کرتا ہے اب عام ذکر الٰہی کا ذکر ہے۔ جو فرشتے بھی کرتے ہیں **ان الذین عند ربک**۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیت میں سننے والوں کو حکم تھا کہ تلاوت قرآن کے وقت خاموش رہو اب انہیں کو حکم ہے کہ ہاں دل میں اللہ کا ذکر کرتے رہو گویا قرآن مجید سنتے وقت بھی اللہ کا ذکر دل میں کر سکتے ہو صرف زبان پر خاموشی کی مہر لگاؤ۔ **چھٹا تعلق**: پچھلی آیت میں فرض نماز باجماعت کا ذکر تھا کہ اس میں امام قراءت کرے اور مقتدی خاموشی سے سنیں اب فرض کے علاوہ سنن 'نوافل نماز کا ذکر ہے کہ اس میں ہر شخص ذکر اللہ اپنے دل میں یعنی آہستگی سے کرے (روح المعانی) چونکہ ان نمازوں میں تلاوت۔ تسبیح' التحیات' درود شریف و دعا بست سے ذکر ہوتے ہیں اور سارے ہی آہستہ اس لئے **واذکر ربک** فرمایا۔

نزول: کفار مکہ اس لئے بھی اسلام قبول نہ کرتے تھے کہ اسلام میں رب تعالیٰ کو سجدہ کرنا پڑتا ہے اس میں ہماری توہین ہے۔ چنانچہ وہ کہا کرتے تھے **انسجد لما تامرنا وزادھم نفورا** ان کی تردید میں آیت کریمہ **ان الذین عند ربک** نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ کفار کی یہ نفرت ان کے رب تعالیٰ سے دور ہونے کی وجہ سے ہے۔ جنہیں قرب الٰہی میسر ہے وہ اس سے نفرت نہیں کرتے وہ تو اس پر فخر کرتے ہیں (روح البیان)۔

www.alahazratnetwork.org

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تفسیر: واذکر ربک فی نفسک قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے مگر روح المعانی نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے یہ فرمان عالی معطوف ہو **قل انما اتبع** پر اور واؤ عاطفہ ہو۔ **اذکر** بنا ہے ذکر سے اس کے بہت معنی ہیں جن کی تفصیل ہم **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں۔ معنی یاد کرنا تذکرہ کرنا ہے **اذکر** میں خطاب یا تو نبی ﷺ سے ہے یا ہر مسلمان سے یا ہر سنت و نفل پڑھنے والے نمازی سے مگر دوسرا احتمال قوی ہے کہ خطاب ہر مسلمان سے ہے **ربک** فرما کر ذکر کی وجہ بیان فرمادی کہ چونکہ ہم تمہارے پالنے والے ہیں لہذا ہمارا حق ہے کہ تم ہم کو یاد کرو یاد رکھو تفسیر خازن نے فرمایا کہ اللہ کا ذکر امید سے بھی ہوتا ہے اور ڈر سے بھی **ربک** فرما کر امید والے ذکر کی طرف اشارہ کیا۔ چاہیے یہ کہ زندگی میں خوف غالب ہو اور مرتے وقت امید غالب (خازن) نفس کے بہت معنی ہیں ذات' دل' خون' نفس امارہ' نفس مطمئنہ' نفس لوامہ وغیرہ یہاں۔ معنی دل ہے۔ دل میں ذکر اللہ کرنے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ آہستہ آواز سے اللہ کا ذکر ہو کہ وہ آواز اپنے کان تک تو پہنچ سکے دوسرے تک نہ پہنچے جسے ذکر خفی کہتے ہیں اگر اتنی آواز بھی نہ پیدا ہوئی تو وہ ذکر نہیں بلکہ فکر ہے اس پر لفظ کے احکام' طلاق' نکاح' ذبح وغیرہ جاری نہیں ہوتے دوسرے یہ کہ زبان پر ذکر ہو دل میں سوچ سمجھ تدبر خشوع و خضوع ہوں کہ یہ ذکر کا مغز ہے (تفسیر کبیر و روح البیان وغیرہ) جو شخص بغیر معنی سمجھے ذکر کرے وہ لطف ذکر نہیں پاتا بغیر معنی سمجھے خرید و فروخت کرایہ کے الفاظ زبان سے بولے تو نہ تجارت ہو نہ کرایہ (کبیر) **تضرعا" وخیفتہ** یہ دونوں لفظ مصدر ہیں۔ معنی اسم فاعل اور **اذکر** کے فاعل سے حال تضرع بنا ہے **ضراعتہ** سے۔ معنی عاجزی' انکسار اور گڑگڑانا **خیفتہ** اصل میں **خوفتہ** تھا بروزن **فعلتہ** چونکہ واؤ سے پہلے کسرہ تھا لہذا ی بن گیا ذکر کے وقت انسان کو تین خوف چاہئیں ایک گزشتہ کا کہ نہ معلوم میرا نام جنتیوں کی فہرست میں لکھا جا چکا ہے یا دوزخیوں کی دوسرے موجودہ کا کہ نہ معلوم یہ ذکر قبول ہے یا نہیں تیسرے آئندہ کا کہ نہ معلوم میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا نہیں قبر کے امتحان میں پاس ہوں گا یا فیل حشر میں میری نجات ہوگی یا پکڑ غرضکہ ذکر کرو اور ڈرو وہ بارگاہ فخر یا اکڑ کی نہیں **ودون الجهر من القول** اس عبارت کی بہت ترکیبیں ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ معطوف ہے فی نفسک پر اصل عبارت یہ ہے **ومتکلما بکلام هو دون الجهر** اور **من القول** اس کلام کا بیان ہے یعنی اتنی آواز سے اللہ کا ذکر کرو جو جہر یعنی چیخ و پکار سے کم ہو۔ دون کے بہت معنی ہیں۔ سواء' دور' علیحدہ' کم' نہ کہ۔ یہاں۔ معنی کم ہے۔ جہر اس آواز کو کہتے ہیں جو اپنے علاوہ دور کا آدمی بھی سنے لیکن بہت زور سے ضرورت سے زیادہ بہت چیخنا جس سے تکلیف اپنے کو بھی ہو دوسرے کو بھی یہ تو ہر جگہ بہت ہی برا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ذکر اللہ کے وقت تمہارے دل میں عجز و انکسار ہو اور تمہاری آواز میں کمی اور نرمی ہو **بالغدو والاصال** یہ عبارت ظرف ہے **واذکر** کا۔ اس میں ذکر الٰہی کا وقت مستحب بیان فرمایا گیا ب۔ معنی فی ہے **غدو** اصل میں **غدوو** ہے بروزن فعول اس کا واحد **غدوة** ہے غدوہ کہتے ہیں نماز فجر سے سورج نکلنے تک کے وقت کو فرماتا ہے **غدوها شهر ورواحها شهر** بعض نے فرمایا کہ **غدو** مصدر ہے **غدا یغدو** کا مگر پہلا قول قوی ہے کیونکہ آگے آصال جمع ہے (از صاوی و روح البیان) بلکہ کبھی شروع دن کو کہتے ہیں مگر اس میں سورج نکلنے تک کی قید نہیں اسی سے ہے **غداء**۔ معنی ناشتہ فرماتا ہے۔ **اتنا غداءنا** آصال جمع ہے اصل کی بروزن

www.alahazratnetwork.org

فعل یہ جمع ہے اصیل کی۔ اصیل دن کا آخری حصہ یعنی عصر کے بعد سے سورج ڈوبنے تک چونکہ فعیل کی جمع بروزن افعال نہیں آتی۔ اس لئے اسے جمع الجمع مانا گیا مگر قوی یہ ہے کہ یہ قاعدہ غلط ہے آصال جمع ہے اصیل کی جیسے ایمان جمع ہے یمین کی (روح المعانی)۔ خیال رہے کہ صبح و شام فرماکر سارے اوقات مراد لئے یعنی ہر وقت اللہ کو یاد کرو یا چونکہ ان دو وقتوں میں نوافل منع ہیں اس لئے فرمایا کہ ان وقتوں میں اللہ کے دوسرے ذکر کرو تاکہ تمہارا کوئی وقت ذکر سے خالی نہ رہے یا چونکہ ان دو وقتوں میں بڑا بھاری انقلاب ہوتا ہے کہ صبح کو رات جاتی ہے دن آتا ہے۔ رات آتی ہے نور جاتا ہے۔ تاریکی آتی ہے جاگنے کا وقت قریباً ختم ہوتا ہے۔ سونے کی تیاری ہوتی ہے گویا جینے کے بعد مرنا آرہا ہے ان وجوہ سے ان وقتوں میں اللہ کا ذکر ضرور کرو (تفسیر کبیر' روح البیان و معانی وغیرہ) نیز یہ وقت عموماً" فراغت کے ہوتے ہیں اس وقت ذکر میں دل خوب لگتا ہے لہذا اسے غنیمت جانے اللہ اللہ کرے (معانی) **ولا تکن من الغفلین** یہ عبارت یا تو نئی ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا معطوف ہے **اذکر** پر تو واؤ عاطفہ ہے اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہو سکتی ہیں (1) ان دونوں وقتوں میں زبان سے ذکر کرو دل میں بیداری رکھو۔ غافل نہ ہو زبان اذکار میں مشغول ہو دل یار میں لگا ہو یعنی غفلت لاپرواہی سے ذکر نہ کرو (2) ان دونوں وقتوں میں خصوصیت سے ذکر کرو مگر غافل کسی وقت بھی نہ ہو ہر آن رب کی طرف دھیان رکھو۔ غفلت کرنا تو کیا غافلوں کی جماعت سے بھی نہ بنو **ان الذین عند ربک** مسلمانوں کو ذکر اللہ کے حکم کے بعد اس کی رغبت دینے کے لئے مقرب بندوں کا ذکر فرمایا الذین سے مراد فرشتے ہیں عند سے مراد مکانی قرب نہیں کہ اللہ تعالیٰ مکان و زمان سے پاک ہے بلکہ رتبہ عزت و شرف کا قرب مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے وزیر بادشاہ کے پاس ہے یا فلاں بادشاہ کے پاس اتنی فوج ہے یا یہ مطلب ہے کہ فرشتے دو قسم کے ہیں مدبرات امر جو ہمارے پاس رہتے ہیں ان کی بہت قسمیں ہیں۔ جان نکالنے والے' رحم میں بچہ بنانے والے نیک و بد اعمال لکھنے والے وغیرہ دوسرے ملائکہ

مقربین جو صرف عبادت کرتے ہیں زمین پر نہیں آتے یہاں مقربین مراد ہیں لہذا عند ربک فرمایا گیا ربک فرماکر یہ بتایا کہ بمقابلہ فرشتوں کے تم پر اللہ کے کرم زیادہ ہیں کہ تم کو ذکر و فکر کا ثواب ملے گا فرشتوں کو کچھ نہیں پھر بھی وہ عبادات میں مشغول رہتے ہیں اور تم غافل رہو تو کتنے افسوس کی بات ہے

همه از بهر تو سر بسته و فرما نبردار ۔۔۔ شرط انصاف نه باشد که تو فرماں نه بری

اور ہو سکتا ہے کہ الذین سے مراد حضرات انبیاء و صالحین و اولیاء ہوں **لا یستکبرون عن عبادته** یہ عبارت الذین کی خبر ہے استکبار بنا ہے کبر سے اس کے معنی ہیں اپنے کو بڑا جاننا یعنی تکبر و غرور کرنا عبادت سے مراد بدنی عبادت ہے کیونکہ فرشتے مالی عبادت نہیں کرتے یعنی مقرب فرشتے بھی اللہ کی عبادات سے تکبر نہیں کرتے اس کے حضور عبادات گزار رہے ہیں **ویسبحونه وله یسجدون** یہ عبارت معطوف ہے لا یستکبرون پر اس میں عام کے بعد خاص کا ذکر ہے کیونکہ عبادت تسبیح و سجدہ بھی داخل ہیں۔ تسبیح کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی عیوب سے پاکی بیان کرنا اس کی قدوسیت کا ذکر کرنا۔ **له یسجدون** میں **له** کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا یعنی مقرب فرشتے صرف اللہ تعالیٰ ہی کو سجدہ کرتے ہیں تسبیح قولی عبادت ہے سجدہ فعلی عبادت۔ یعنی فرشتے باوجود مقرب بارگاہ ہونے کے عبادت یعنی قیام' رکوع' تکبیر بھی کرتے رہتے ہیں اور ہمیشہ اس کی پاکی بولتے ہیں صرف اسی کو سجدے کرتے ہیں۔ یہاں قرآن مجید کا پہلا سجدہ تلاوت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنوں کو اپنے ذکر کا حکم دیا پانچ صفات کے ساتھ (1) ذکر دل میں ہو (2) عاجزی سے ہو (3) ڈر اور خوف کے ساتھ ہو (4) زیادہ چیخ کر نہ ہو درمیانی آواز سے ہو۔ صبح شام ہوا کرے۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مومن اپنے رب کو جس نے تجھ کو قسم قسم کی نعمتوں سے پالا اور پال رہا ہے اور پالے گا اپنے دل میں یاد کیا کر مگر عاجزی زاری کے ساتھ یہ سمجھتے ہوئے کہ میں اپنے رب کو کماحقہ نہ تو یاد کر سکتا ہوں نہ اس کی نعمتوں کا شکریہ ادا کر سکتا ہوں۔ میرا ذکر محدود ہے اس کی نعمتیں غیر محدود ہیں وہ رب جلیل ہے میں بندہ ذلیل ہوں وہ کریم ہے میں کمیں ہوں

تو کریمی من کمینہ بندہ ام! بر کمینی ہائے خود شرمندہ ام

خوف اور ڈر کے ساتھ گزشتہ کا خوف کہ نہ معلوم میں دوزخیوں کے زمرہ میں لکھا جا چکا ہوں یا جنتیوں کے گروہ میں موجودہ کا خوف کہ نہ معلوم میری عبادات اور ذکر قبول ہے یا نہیں آئندہ کا خوف کہ نہ معلوم میرا خاتمہ ایمان پر ہو گا یا کفر پر قبر میں کامیاب ہوؤں گا یا نہیں حشر میں نجات پاؤں گا یا پکڑا جاؤں گا بہت بلند آواز سے ذکر نہ کر جس سے تجھے چیخنے کی تکلیف ہو دوسروں کو تیری چیخ سننے کی شام سویرے میرا ذکر کر کہ ان وقتوں کا ذکر قبول ہے کیونکہ ان دونوں وقتوں میں دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے دل کو قدرے فراغت ہوتی ہے دنیا میں انقلاب ہوتا ہے کہ رات جا رہی ہے دن آرہا ہے۔ اپنی زندگی غفلت میں نہ گزار بیدار ہو اور ہوش کر پھر یہ وقت نہ ملے گا غور کر کہ مقرب فرشتے جو کبھی گناہ نہیں کرتے جن کو عبادات کا ثواب نہیں ملتا ان کا یہ حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی ذلت نہیں جانتے۔ فخر سے اس کی عبادت کرتے ہمیشہ اس کی تسبیح و تقدیس بیان کرتے ہیں ہمیشہ سجدے سجود کرتے رہتے ہیں تو بھی ان کا یہ حال سن کر سجدہ میں گر جا تاکہ ان سے مشابہت حاصل کرے

و تشبھو ان لم تکونوا مثلھم ان التشبہ بالکرام فلاح

اگر اچھے نہ ہو تو اچھوں کی سی شکل بنالو اچھوں کی شکل بنانا بھی کامیابی ہے۔

نوٹ ضروری: قرآن مجید میں کل چودہ سجدے ہیں جن میں سے دو میں اختلاف ہے بارہ میں اتفاق سورہ حج کا دوسرا سجدہ احناف کے ہاں نہیں مگر امام شافعی اور امام محمد کے ہاں ہے اور سورہ ص کا سجدہ احناف کے ہے مگر شوافع کے ہاں نہیں مگر ہیں چودہ کل کے نزدیک یہ پہلا سجدہ ہے چونکہ اس میں فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے تو ہم بھی اس وقت سجدہ میں گر جاویں۔ احناف کے نزدیک سجدہ کی آیتہ پر سجدہ واجب ہے پڑھنے والے پر بھی سننے والے پر بھی نماز میں ہو یا نماز سے باہر فوراً کرے یا دیر سے مگر بلاوجہ دیر نہ کرنا چاہیے کھڑے سے سجدہ میں آئے اور پھر کھڑا ہو جائے۔

مسئلہ: سجدہ تلاوت میں وضو اور رو بقبلہ ہونا۔ نیت ضروری ہے مگر معین کرنا ضروری نہیں کہ یہ فلاں آیتہ کا سجدہ ہے۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سجدہ کی آیتہ آہستہ پڑھے تاکہ دوسروں پر سجدہ واجب نہ ہو جاوے۔ **مسئلہ:** اگر ایک آیت جگہ میں بار بار تلاوت کرے تو ایک ہی سجدہ واجب ہو گا لیکن اگر جگہ بدلتی رہے تو سجدے متعدد واجب ہوں گے ہر قرات پر ایک سجدہ اس کے باقی احکام بہار شریعت اور دیگر کتب فقہ میں دیکھو۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیتہ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اللہ کا ذکر بہترین عبادت ہے اس کا حکم اس کے فائدے قرآن کریم میں بہت جگہ بیان ہوئے علماء فرماتے ہیں کہ اللہ کا ذکر شہادت فی سبیل اللہ اور جہاد سے بھی افضل ہے کیونکہ جہاد اور شہادت والا جنت پاتا ہے اور اللہ کے ذکر والا رب تعالیٰ کی ہم نشینی حدیث قدسی میں ہے کہ میں اپنے ذاکرین کا جلیس ہم نشین ہوں۔ رب کا شہود جنت کے حصول سے افضل ہے۔ (روح البیان) لہٰذا غازی مجاہد کو چاہئے کہ ہاتھ میں تلوار بندوق وغیرہ رکھے منہ میں ذکر اللہ شہید کو چاہئے کہ اللہ کے ذکر میں جام شہادت نوش کرے۔

نام نامی رہے ان کا وروزباں ذکر ہوتا رہے سانس چلتا رہے
آخری وقت ہو ان کے قدموں میں سر دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

ذکر کے اقسام احکام فوائد ہم دوسرے پارے میں **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں اور انشاء اللہ کچھ تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے۔ **دوسرا فائدہ:** اکثر اوقات ذکر خفی ذکر جلی سے افضل ہوتا ہے کہ اس میں ریا کا احتمال نہیں یہ فائدہ **فی نفسک** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

نوٹ ضروری: بعض لوگوں کے لئے ذکر جلی افضل ہے بعض کے لئے ذکر خفی یوں ہی بعض اوقات میں ذکر جلی افضل ہوتا ہے بعض اوقات میں ذکر خفی افضل یوں ہی بعض ذکر جلی افضل ہیں بعض خفی افضل اس لئے بعض آیات و احادیث ذکر جلی کا حکم دے رہی ہیں بعض ذکر خفی کا رب فرماتا ہے **فاذکروا اللہ کذکرکم اباءکم او اشد ذکرا** ذکر جلی و خفی کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق جلد اول میں دیکھو۔ دو نمازوں میں تلاوت خفی ہے ظہر و عصر اور تین نمازوں میں جمعہ و عیدین میں تلاوت جلی ہے۔ عید الفطر میں تکبیر تشریق آہستہ کہتے عید گاہ کو جاؤ اور عید الاضحیٰ میں بلند آواز سے نماز جمعہ و عیدین' حج علانیہ ادا کرو' نماز تہجد خفیہ۔ اذان' تکبیر' تلبیہ بلند آواز سے کو بعض ذکر پوشیدہ۔ ذکر یا بھرسے تاحد آواز ہر چیز ذاکر کے ایمان کی گواہ ہو جاتی ہے۔ غافلوں کو ذکر کی توفیق ملتی ہے شیطان بھاگتا ہے وغیرہ وغیرہ خفی کا ذکر کا نقشہ یہ ہوتا ہے۔

دل میں ہو یاد تری گوشہ تنہائی ہو! پھر تو خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

اور ذکر جلی میں یہ رنگ ہوتا ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو!

تیسرا فائدہ: ذکر اللہ حضور قلب کے ساتھ چاہئے۔ غافل دل کا ذکر گویا درخت بے پھل ہے یہ فائدہ **فی نفسک** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضور قلبی سے ذکر اللہ کرو۔

گر بہ اوائے نماز تو نہ شوی بے نقاب! ہست رکوعم حجاب ہست سجودم حجاب

چوتھا فائدہ: ذکر کے وقت عاجزی' زاری خشوع' خضوع چاہئے دل میں تکبر و غرور نہ ہو کہ ہم بڑے ذاکر شاغل ہیں یہ فائدہ **تضرعا**" سے حاصل ہوا۔

مدت سے مجھ کو اپنی عبادت پہ ناز تھا! بس دم نکل گیا جو سنا بے نیاز ہے

پانچواں فائدہ: ذکر کرے اور ڈرے کہ نہ معلوم قبول ہوا یا نہیں تفسیر کبیر میں ہے کہ ایک بزرگ نے فرمایا کہ شکر بھی شرک

ہے میں نے اس کا مطلب یہ بیان کیا کہ جو اللہ کی نعمتوں کا مقابلہ شکر سے کرے کہ مولیٰ نعمتیں تیری شکریہ میرا وہ مشرک ہے مقابلہ کیسا اپنے قصور کا اقرار کرو یہ نہ کہو کہ کھول کھاتا لے نمازیں دے جنت۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی! حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا!

یہ فائدہ **خیفتہ** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: تلاوت یا ذکر ضرورت سے زیادہ آواز سے کرنا جس سے ذاکر اور سامعین کو تکلیف پہنچے ممنوع ہے یہ فائدہ **دون الجھر** سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: یوں تو ہمیشہ ہی اللہ کا ذکر چاہئے مگر صبح و شام کے وقت خصوصیت سے ضرور ذکر اللہ کرے مشائخ کرام اکثر وردو وظیفے بعد نماز فجر و مغرب و عصر بتاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ **آٹھواں فائدہ**: اللہ والوں کی نقل بنانا بھی مقبول ہے دیکھو اس آیت میں فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور یہاں ہم کو بھی سجدہ تلاوت کرنا لازم ہے تاکہ ان سے تشبیہ ہو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ذکر خفی واجب ہے ذکر جلی حرام ہے دیکھو ارشاد ہوا **واذکر ربک فی نفسک اذکر** صیغہ امر کا ہے امر وجوب کے لئے آتا ہے لہٰذا اتمہار اذکر کے حلقے کرنا یا حق 'یا ھو نیز نعرہ رسالت لگانا حرام ہے (وہابی)۔ **جواب**: اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو اذان 'حج کا تلبیہ 'بقر عید میں تکبیر تشریق 'نماز مغرب 'عشاء جمعہ 'عیدین میں قراءۃ سب کچھ ہی خفیہ ہونا چاہئے کسی موقعہ پر جہر نہ ہو تم بھی نعرہ تکبیر لگاتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **فی نفسک** کے ایک معنی یہ بھی ہیں کہ دل سے ذکر کرو غفلت سے نہ کرو دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ بعض لوگوں کے لئے یا بعض وقت یا بعض ذکر میں خفا بہتر ہے یہاں ان ہی کا ذکر ہے۔ دیکھو تفسیر اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔ **دوسرا اعتراض**: **فی نفسک** کے بعد **دون الجھر** کیوں فرمایا یہ معنی تو **فی نفسک** سے معلوم ہو گئے تھے۔ **جواب**: **فی نفسک** کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ دل سے ذکر اللہ کرو دوسرے یہ کہ اپنے دل میں ذکر اللہ کرو کہ آواز نہ پیدا ہو اور **دون الجھر** کے معنی یہ ہیں کہ ضرورت سے زیادہ تکلیف دہ آواز نہ پیدا ہو لہٰذا مضمون میں تکرار نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: شام کے وقت کو اصیل کیوں کہتے ہیں۔ **جواب**: یہ اصل میں **وصیل** وصل کا صفت مشبہ ہے۔ معنی ملنے والا چونکہ شام کے وقت آج کی تاریخ کل کی تاریخ سے ملی ہوتی ہے اس لئے اسے اصیل کہتے ہیں یعنی دوسرے سے ملا ہوا وقت دیکھو تفسیر کبیر۔ **چوتھا اعتراض**: اللہ کا ذکر تو ہر وقت ہی چاہئے پھر یہاں صبح شام کی قید کیوں لگائی **بالغدو والاصال**۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو صبح شام سے مراد ہے ہمیشہ

رب فرماتا ہے **النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا**۔ مطلب یہ ہے کہ اگرچہ صبح و شام کے وقت نماز منع ہیں مگر ذکر الٰہی منع نہیں وہ ان اوقات میں بھی کرو یا اس وقت کا ذکر دوسرے وقتوں کے ذکر سے افضل ہے کہ اس وقت فرشتے دن و رات کے جمع ہوتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **ان قرآن الفجر کان مشھودا**۔

تفسیر صوفیانہ: ذکر خفی مبتدین کے لئے بھی بہتر ہے اور منتہی لوگوں کے لئے بھی اپنے ذکر کو ریا سے بچانے کے لئے آہستہ ذکر کرے اور منتہی غیرت کی وجہ سے ذکر خفی کرے کہ محبت کامل ہو تو غیرت بن جاتی ہے پھر بندہ نہیں چاہتا کہ میرے منہ سے یار

کا نام اغیار سنیں۔ بندہ جب مولیٰ میں فنا ہو جاتا ہے تو اس کی ہر چیز اغیار سے چھپائی جاتی ہے فرمایا نبی ﷺ نے **من عرف اللہ کل لسانہ** جو عارف ہوا اس کی زبان گونگی ہو گئی (کبیر)

حکایت: ایک بزرگ اپنے مریدوں کو چلہ کراتے بعد فراغت اس کے سامنے اللہ کے 99 نام پڑھتے پھر پوچھتے کہ کس نام پر تیرے دل کی کیفیت بدلی وہ جو نام بتاتا فرمائے اسی نام کو دل میں پکار اسی کا فیض تجھ کو ملے گا (تفسیر کبیر) رب کا نام دل میں اتارے کہ سوا اس کے کسی کی نیت نہ کہو۔

صحبت حور نخواہم کبود عین قصور　　باخیال تو اگر یاد کرے پروازم!

رب کو دل سے یاد کرنے کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے قول ' فعل ' اخلاق اور ذلت سے رب کو اسطرح یاد کرے کہ نفس کے اعمال بدل کر شریعت کے سانچہ میں ڈھل کر رب کے اعمال بن جاویں اور بندہ اخلاق الٰہیہ سے موصوف ہو جاوے ذاکر کی ذلت فنا فی اللذات ہو کر باقی باللذات ہو جاوے پہلے بہ تکلف زاری کرے پھر خود دل میں خوف پیدا ہو گا اور بندہ انوار الٰہیہ سے منور ہو جاوے گا۔ صبح ازل شام ابد میں ذاکر مانا جاوے گا پھر ذاکر مذکور ذکر سب ایک ہی نظر آوے گا تم اس سے غفلت نہ کرو کہ ذاکر و مذکور اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ جنہیں رب سے قرب ہے ان میں تکبر و غرور نام کو بھی نہیں رہتا وہ ہمیشہ سر بسجود رہتے ہیں وہ بندگان مخلصین سے ہوتے ہیں۔

زینت تو بس کہ کمر بندگی!　　تاج تو در سجدہ سرافگندگی

(روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ صبح شام کا ذکر اسی لئے افضل ہے کہ وہ فرشتوں کے اجتماع کا وقت ہے اس آخری آیت پر سجدہ تلاوت واجب کہ یہاں مقبولوں کے سجدے کا ذکر ہے پتہ لگا کہ مقبولوں کے پاس ذکر اللہ افضل ہے اس ذکر سے جو ان سے علیحدہ ہو کر کیا جاوے نماز باجماعت اسی لئے افضل ہے بزرگوں کے مزارات کے پاس تلاوت نماز ذکر و فکر ' شغل اسی لئے افضل ہے کہ وہاں بندہ مقبول کا قرب ہے **ادخلوا الباب سجدا و قولوا حطۃ**۔

آیاتہا ۷۵　سُوْرَةُ الْاَنْفَالِ مَدَنِيَّةٌ　رکوعاتہا ۱۰

آیت ' رکوع ' سورت ' منزل ان سب کے معانی ان کے اقسام و احکام ہم سورہ فاتحہ کے اول میں بیان کر چکے ہیں اس سورۃ کا نام انفال ہے کیونکہ اس کے شروع میں لفظ انفال مذکور ہے نیز اس میں انفال یعنی غنیمتوں کے احکام بیان ہوئے ہیں یہ سورۃ مدینہ ہے یعنی بعد ہجرت نازل ہوئی اس میں پچھتر آیتیں ہیں اور دس رکوع ہیں اس کی دو آیتیں مکیہ ہیں (1) **واذ یمکر بک الذین کفروا** (2) **یاایھا النبی حسبک اللہ و من اتبعک** کہ یہ آیت حضرت عمر کے ایمان

www.alahazratnetwork.org

لانے پر نازل ہوئی ان جناب کا ایمان ہجرت سے کہیں پہلے تھا۔

خیال رہے کہ تمام سورتوں کی ترتیب خود حضور نبی کریم ﷺ نے دی تھی سواء سورہ انفال کے کہ اس کو سورہ اعراف کے بعد سورہ توبہ سے پہلے حضرت عثمان غنی نے اپنے اجتہاد سے رکھا یہ آپ کا اجتہاد تھا نیز سورہ توبہ کے اول بسم اللہ نہ لکھی یہ بھی حضرت عثمان غنی کا اجتہاد تھا بعض صحابہ خصوصا" حضرت عبد اللہ ابن عباس نے حضرت عثمان غنی سے دو سوال کئے (1) یہ کہ سورہ اعراف اور سورہ توبہ کی آیات ایک سو سے زائد ہیں اور سورہ انفال کی آیات سو سے کم پھر آپ نے یہ چھوٹی سورۃ ان بڑی سورتوں کے بیچ میں کیوں رکھی (2) ہر سورت کے اول آپ نے بسم اللہ لکھی ہے سورہ توبہ کے اول کیوں نہ لکھی۔ حضرت عثمان نے اس کی بہت وجہیں بیان فرمائیں۔ جن میں سے ایک وجہ کا خلاصہ یہ ہے کہ مجھے اس میں اشتباہ ہو گیا کہ سورہ انفال اور سورہ توبہ ایک ہی سورت ہے یا دو نیز سورہ انفال کے مضامین سورہ توبہ کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں حضور انور نے اس کی ترتیب دی نہیں ان وجوہ سے میں نے انفال اور توبہ کو ملایا اور ایک ہونے اور دو ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے نام الگ الگ رکھے مگر بیچ میں بسم اللہ نہ لکھی (بخاری شریف، تفسیر روح المعانی اور جلال الدین سیوطی) اس کی نفیس بحث اس جگہ روح المعانی میں دیکھو۔

تعلق: اس سورہ اعراف سے چند طرح کا تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی سورت میں اعراف کا ذکر تھا جو جنت دوزخ کے سواء ایک عارضی مقام ہو گا اس سورت میں نفل یعنی مال غنیمت کا ذکر ہے جو جہاد کے اصلی مقصود یعنی خدمت دین اور جنت و رضاء الہی کے علاوہ ایک عارضی چیز ہے۔ **دوسرا تعلق**: سورہ اعراف میں اطاعت الہی کا اجمالی حکم تھا **وامر بالعرف** اس سورت میں احکام الہی کی تفصیل ہے گویا تقوی کا اجمالی حکم دے کر اب تفصیل فرمائی جا رہی ہے (معانی)۔ **تیسرا تعلق**: سورہ اعراف میں عموما" پچھلے نبیوں اور ان کی کافر قوموں کا ذکر تھا اس سورت میں حضور نبی کریم ﷺ اور آپ کی کافر قوم کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق**: سورہ اعراف میں قرآن مجید کے دین کا ذکر تھا کہ وہ بصائر، ہدایت اور رحمت ہے اب اس سورۃ میں ان مومنوں کا ذکر ہو گا جو قرآن مجید سے مذکورہ فیوض لیتے ہیں۔ **انما المومنون الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم**۔ گویا دینے والے کے بعد لینے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اس کی تفسیر سورہ فاتحہ سے پہلے **اعوذ باللہ** کی تفسیر کے بعد کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ سورہ نمل شریف میں پوری آیۃ نہیں بلکہ آیت کا جزء ہے اور سورتوں کے شروع میں پوری آیۃ ہے امام شافعی وغیرہ کے ہاں ہر سورۃ کے اول میں نازل ہوئی اس لئے وہ جہری نمازوں میں بسم اللہ بھی اونچی آواز سے پڑھتے ہیں ہمارے امام اعظم کے ہاں صرف ایک سورۃ کے اول میں نازل ہوئی پھر ہر سورت میں مکرر کردی گئی اس لئے ہمارے ہاں تراویح میں حافظ کسی ایک سورت میں بسم اللہ اونچی آواز سے پڑھتا ہے۔ سورۃ توبہ کے اول میں حضرت عثمان غنی کا بسم اللہ نہ لکھنا مذہب حنفی کی تائید کرتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِۚ فَاتَّقُوا

سوال کرتے ہیں لوگ آپ سے غنیمتوں سے فرمائیے کہ غنیمتیں اللہ کی ہیں اور رسول کی بس ڈرو اللہ سے

اے محبوب تم سے غنیمتوں کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ غنیمتوں کے مالک اللہ و رسول ہیں تو اللہ سے

اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَيْنِكُمْ۪ وَ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ

اور درستی کرو اپنے درمیان والی کی اور فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اسکے رسول کی اگر ہو تم

ڈرو اور اپنے آپس میں میل رکھو اور اللہ رسول کا حکم مانو اگر ایمان

مُّؤْمِنِيْنَ ①

ایمان والے

رکھتے ہو۔

تعلق: اس آیت کا سورہ اعراف کی آخری آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو عبادات خصوصاً" تسبیح و تہلیل ذکر و فکر کا حکم دیا گیا تھا اب مسلمانوں کی درستی معاملات آپس میں اچھے تعلقات رکھنے کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ تقوی کے دو رکن ہیں ایک عبادت دوسرے معاملہ ایک رکن کا ذکر فرمانے کے بعد دوسرے رکن کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں قرآن کریم کے متعلق ارشاد ہوا کہ یہ بصائر ہے ہدایت ہے رحمت ہے اب قرآن مجید سے فیض لینے کی شرائط کا ذکر ہو رہا ہے کہ اللہ رسول کی اطاعت کرو تب ہی تم قرآن سے رحمت و ہدایت لے سکتے ہو۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بدنی عبادات کا ذکر ہوا اب جہاد 'غنیمت وغیرہ کا ذکر ہے جو ان عبادات کا ذریعہ ہے کہ جہاد سے ہی نماز وغیرہ قائم ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں (1) غزوہ بدر کے موقعہ پر نبی کریم ﷺ نے جب مال غنیمت تقسیم فرمایا تو ایسے آٹھ حضرات کو بھی حصہ دیا جو غزوہ بدر میں شریک نہ تھے حضور انور کے حکم سے اور دوسری خدمات انجام دیتے رہے۔ جن میں تین مہاجر تھے اور پانچ انصاری تین مہاجر تو حضرت عثمان ابن عفان حضرت طلحہ اور سعید ابن زید تھے۔ حضرت عثمان تو حضور انور کی صاحبزادی رقیہ کی تیمارداری میں مشغول تھے جو آپ کی زوجہ تھیں اور سخت بیمار تھیں اور حضرت طلحہ اور سعید ابن زید کو حضور نے جاسوسی کے لئے بھیجا ہوا تھا پانچ انصاری ابولبابہ مروان ابن عبد المنذر 'عاصم 'حارث ابن حاطب 'حارث ابن صمہ 'خوات ابن جبیر تھے جو حضور انور کے حکم پر مختلف ڈیوٹیوں میں مامور تھے بعض حاضرین بدر نے سوچا کہ جب یہ حضرات جنگ میں شریک نہیں ہوئے تو انہیں غنیمت میں حصہ کیوں دیا گیا اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (کبیر) (2) بدر کی غنیمت کے متعلق غازیان بدر میں گفتگو ہوئی کہ یہ کسے دی جاوے صرف مہاجرین کو یا صرف انصار کو یا دونوں کو تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (مدارک 'خازن) (3) بدر میں جوان حضرات تو جہاد میں مشغول رہے بڈھے حضرات ان کی پشت پناہ بن کر پیچھے رہے جیسا کہ جنگوں میں ہوتا ہے تقسیم غنیمت کے وقت مجاہدین نے کہا کہ صرف ہم کو ملنی چاہئے کہ جہاد ہم نے ہی کیا

www.alahazratnetwork.org

ہے بڈھوں نے کہا کہ ہم بھی حقدار ہیں کہ ہم تمہارے پشت و پناہ تھے وقت پڑنے پر ہم تمہارے کام آتے تب یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر خازن) (4) بدر میں حضور ﷺ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کسی کافر کو مارے گا تو مقتول کا سامان قاتل کو دیا جاوے گا۔ اس کا گھوڑا جوڑا وغیرہ تقسیم غنیمت کے وقت۔ اس کے متعلق صحابہ میں گفتگو ہوئی کہ سلب یعنی مقتول کا مال غنیمت میں شامل کیا جاوے یا صرف قاتل کو دیا جاوے تب یہ آیت نازل ہوئی۔ ابن عمرو انصاری اور سعد ابن معاذ انصاری میں اختلاف ہوا تب یہ آیت نازل ہوئی (خازن) (5) کفار کے بعض مال بغیر جہاد مسلمانوں کے قبضہ میں آجاتے تھے جیسے بنی قریظہ اور بنی نضیر کے متروکہ مال جائیدادیں ان کے متعلق صحابہ میں گفتگو ہوئی کہ ان کی تقسیم کیسے ہو یہ مال غنیمت ہے یا نہیں اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس کا ہے (تفسیر کبیر) (6) مال غنیمت میں پانچواں حصہ حضور ﷺ کا ہوتا تھا چار حصے مجاہدین غازیوں کے اس خمس کے متعلق گفتگو ہوئی کہ یہ کہاں خرچ کیا جاوے تب یہ آیۃ نازل ہوئی یہ قول مجاہد کا ہے (کبیر) یہ چھ روایات خیال میں رہیں انہی کے مطابق آیۃ کی تفسیریں ہوں گی۔

تفسیر: یسئلونک عن الانفال۔ یسئلون بنا ہے سوال سے سوال کے معنی مانگنا بھی ہیں پوچھنا بھی جب اس کے بعد عن آئے تو بمعنی پوچھنا ہوتا ہے وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں اس کا فاعل اصحاب بدر ہیں جن کے پوچھنے پر یہ آیت نازل ہوئی۔ انفال جمع ہے نفل کی بمعنی زائد چیز اسی لئے بعض عبادات کو نفل کہتے ہیں کہ وہ فرائض سے زیادہ ہیں پوتے کو نفل کہا گیا ہے کہ وہ بیٹے سے زائد اولاد ہے رب فرماتا ہے **ویعقوب نافلۃ** ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو یعقوب بخشے ان کی طلب سے زائد بخشے کہ انہوں نے صرف بیٹا مانگا تھا ہم نے پوتا بھی دیا یہاں نفل سے مراد یا تو غنیمت کا مال ہے جو جہاد میں کفار سے جبراً چھینا جاوے کیونکہ وہ بھی مقصد جہاد سے زائد ہوتا ہے غازی صرف ثواب کے لئے جہاد کرتا ہے یہ مال اسے رب نے علاوہ دے دیا یا اس سے مراد وہ زائد حصہ جو امام بطور انعام مقرر فرمادے کہ جو شخص اس قلعہ میں پہلے داخل ہوا سے سر کرے اسے ہم اتنی غنیمت زائد دیں گے یا مراد وہ خمس یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ ہے جو حضور ﷺ کے لئے خاص ہوتا تھا جیسا کہ شان نزول کی مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ غنیمت کا مال مراد ہے اکثر مفسرین کا یہ ہی خیال ہے۔ اعلیٰ حضرت نے بھی یہ ترجمہ کیا۔ خیال رہے کہ مال غنیمت اور قربانی کا گوشت صرف مسلمانوں کے لئے حلال کیا گیا۔ پچھلی امتوں کے لئے حرام تھا انہیں حکم تھا کہ یہ سارا مال پہاڑ پر رکھ دو غیبی آگ آتی تھی اسے جلا جاتی تھی یہ جلانا قبولیت کی علامت تھی اس وجہ سے بھی غنیمت کو نفل کہا جاتا ہے یعنی ہمارے لئے زائد عطیہ یعنی اے محبوب غازیان بدر آپ سے غنیمت یا خمس یا سلب یا کفار کے متروکہ مال یا ان کی متروکہ جائداد کے متعلق پوچھتے ہیں۔ ضحاک نے اس آیت کے معنی یہ کئے ہیں کہ لوگ آپ سے غنیمتوں میں حصہ مانگتے ہیں ان کے نزدیک عن بمعنی من ہے اور سوال کے معنی ہیں مانگنا مگر یہ قول قوی نہیں (تفسیر خازن) **قل الانفال للہ والرسول** یہ ان حضرات صحابہ کے سوال کا جواب ہے اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **للہ** میں لام ملکیت ہے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے تو معنی یہ ہوئے کہ غنیمت حضور انور کی ملک ہے اس صورت میں یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ آیت ہے **واعلموا انما غنمتم من شیء فان للہ خمسہ** اس لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت ناسخ بھی ہے منسوخ بھی ناسخ تو ہے مال غنیمت کو جلا دینے کے حکم کی کہ پچھلی امتوں میں مال غنیمت جلا دیا جاتا تھا منسوخ اس لئے

www.alahazratnetwork.org

کہ اب چار خمس مجاہدین کے ہوں گے ایک خمس حضور ﷺ کا دوسرے یہ کہ الانفال سے مراد ہے غیمتوں کا حکم پھر **للہ** برکت کے لئے فرمایا گیا اور معنی یہ ہیں کہ غنیمت کے مالوں کا حکم رسول اللہ کے اختیار میں ہے کوئی مجتہد قیاس سے اس کا حکم نہ دے۔ تیسرے یہ کہ انفال سے مراد ہے غنیمت کا خمس اور لام ملکیت کا ہے یعنی غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ رسول کا ہے حضور اس کے مالک ہیں چوتھے یہ کہ انفال سے مراد ہے مال سلب یا انعام مقرر کردہ اور معنی یہ ہیں کہ اس کا اختیار اللہ رسول کو ہے جب چاہیں جتنا چاہیں مقرر فرمادیں۔ پانچویں یہ کہ انفال سے مراد ہے کفار کا متروکہ مال ان کی متروکہ جائداد جو بغیر جنگ مسلمانوں کو مل جائیں ان صورتوں میں یہ آیت محکم ہے (تفسیر روح البیان' خازن' کبیر وغیرہ) اس صورت میں آیت **واعلموا انما غنمتم** اس آیت کا بیان ہے ناسخ نہیں۔ **فاتقوا اللہ و اصلحوا ذات بینکم** اس فرمان عالی میں ف جزائیہ ہے اور یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب اس کا حکم اللہ رسول کے سپرد تو تم لوگ آپس میں نہ جھگڑو اللہ سے ڈرو اس کے رسول کے حکم پر راضی ہو جاؤ اور اپنے آپس کے معاملات کی اصلاح کرلو۔ اصلحوا بنا ہے اصلاح سے ' بمعنی درست کرنا خرابی دور کرنا ذات مونث ہے ذو کا ' بمعنی والا اصل میں ذوت تھا واؤ الف بن گیا بین سے مراد ہیں وہ حالات جو لوگوں کے درمیان واقع ہوں یعنی آپس کے حالات جیسے دل کے حالات کو ذات الصدور برتن والی چیزوں کو ذات نار کہتے ہیں یعنی آپس کے حالات کی اصلاح درستی کرو میل جول رکھو اسی مال کے متعلق آپس میں لڑو جھگڑو نہیں **واطیعوا اللہ و رسولہ** یہ خاص پر عام کا عطف ہے کیونکہ آپس کا میل جول بھی اللہ رسول کا حکم ہے اطاعت خدا اور رسول میں یہ بھی داخل ہے۔ اطاعت کے معانی اور اطاعت و عبادت میں اور اطاعت و اتباع میں نفیس فرق بارہا بیان ہو چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ خدا تعالیٰ کی اطاعت کی طرح حضور ﷺ کی اطاعت مطلقاً" ہر مومن پر لازم ہے رسول کی نسبت رب کی طرف ہے لینے کی' ہماری طرف ہوتی ہے دینے کی اللہ کے رسول کی طرف یعنی اللہ سے فیض لینے والے رسول۔ ہمارے رسول یعنی ہم کو فیض دینے والے اللہ کی نعمتیں پہنچانے والے رسول **ان کنتم مؤمنین** اس شرط کا تعلق گزشتہ تینوں حکموں سے ہے تقویٰ' اصلاح اور اطاعت یعنی اگر تم مومن کامل ہو تو اللہ سے ڈرو بھی آپس میں میل جول بھی رکھو اور اللہ رسول کی فرمانبرداری بھی کرو کہ یہ چیزیں تقاضا ایمان بھی ہیں اور مومن کامل ہونے کی نشانیاں بھی۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی چھ تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک قوی اور صحیح تر تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ترجمہ کے بھی مطابق ہے۔ اے محبوب ﷺ مجاہدین بدر اسلام کے پہلے غازی آپ سے غیمتوں کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان کا حکم کیا ہے کیونکہ بدر پہلا اسلامی جہاد ہے اور یہ غنیمت پہلی غنیمت ہے اس لئے یہ ان کے احکام سے بالکل بے خبر ہیں آپ جواب میں ارشاد فرمادو کہ غیمتیں اللہ رسول کی ہیں ان کے احکام براہ راست وہ ہی بیان فرمائیں گے کسی کی رائے کسی کے قیاس کو ان میں دخل نہیں وہ جس طرح تقسیم کریں جسے جتنا دیں جہاد میں شریک نہ ہونے والوں کو حصہ دیں تو انہیں اختیار ہے مجاہدین میں سے بعض کو بعض سے زیادہ دیں۔ سلب یا نفل کی شکل میں تو وہ مختار ہیں تم بلاچون وچرا ان کے حکم پر سر جھکادو اگر تم مومن کامل ہو تو تین کام کرو۔ اللہ سے ڈرو' کسی کی طرف سے دل میں میل نہ رکھو ہر مسلمان کی طرف سے دل صاف رکھو' بہر حال اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو تمہارے یہ اعمال تمہارے ایمان

www.alahazratnetwork.org

کامل کی دلیلیں ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مال غنیمت کا حلال ہونا اس امت کی خصوصیت ہے اس سے پہلے کسی نبی کی امت کے لئے یہ حلال نہ ہوا یہ فائدہ **یسئلونک** سے حاصل ہوا کہ صحابہ کرام غنیمت کی تقسیم سے بالکل بے خبر تھے اس لئے اس کے متعلق حضور انور سے بہت پوچھ گچھ کرتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** جہاد کا اصل مقصد تبلیغ دین ہے اس کا فائدہ رضاء رب العالمین ہے مال غنیمت مل جانا ایک زائد نفع ہے یہ فائدہ انفال کے نام سے حاصل ہوا کہ اس کے معنی ہیں زائد شے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور شرعی احکام خصوصاً" مال غنیمت کی تقسیم میں باذن الٰہی مختار مطلق ہیں جس طرح چاہیں احکام جاری فرمائیں یہ فائدہ للہ والرسول فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں **للہ** فرمانا برکت کے لئے ہے **والرسول** ملک واختیار کے لئے۔ **چوتھا فائدہ:** مال غنیمت بہت ہی طیب وطاہر ہے کہ اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف بھی ہے اور حضور ﷺ کی طرف بھی کہ یہ رب کا خاص عطیہ ہے اور حضور ﷺ کا تقسیم فرمودہ یہ فائدہ بھی **للہ والرسول** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** اللہ کے ساتھ حضور انور کا ذکر بغیر فاصلہ کرنا جائز ہے دیکھو للہ والرسول میں یوں ہی **اطیعوا اللہ والرسول** میں اللہ رسول ملا کر فرمایا گیا لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول نے غنی کر دیا اللہ رسول نے ہم کو ایمان وعرفان نعمت دو جہان عطا فرمائیں یہ شرک نہیں۔ **چھٹا فائدہ:** حضور ﷺ مالک ومختار ہیں اگر چاہیں تو زمین مدینہ کو میدان بدر بنا دیں چاہیں تو غیر مجاہد کو مجاہد بنا دیں جسے جو چاہیں بنا دیں غیر حاضر کو حاضر کر دیں حاضر کو غیر حاضر دیکھو حضرت عثمان غزوہ بدر کے موقعہ پر مدینہ میں رہے مگر انہیں حضور نے بدر میں حاضر بنا دیا غنیمت کے مال میں مجاہدین کی برابر انہیں حصہ دیا جو لوگ مجاہدین سے پیچھے رہے اگرچہ انہوں نے جہاد نہ کیا تلوار نہ چلائی زخم نہیں کھائے۔ تیر وکمان نہیں اٹھائے مگر انہیں غازی مجاہد بنا دیا اور برابر کا حصہ دیا صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت عثمان غنی حدیبیہ میں موجود نہ تھے حضور کے حکم سے مکہ مکرمہ گئے ہوئے تھے ان کے پیچھے بیعت رضوان ہوئی تو حضور انور نے اپنے ایک ہاتھ کے متعلق فرمایا کہ یہ ہاتھ عثمان کا ہے اور یہ دوسرا ہاتھ محمد رسول اللہ کا ہاتھ ہے میں خود عثمان کی طرف سے بیعت کرتا اور بیعت لیتا ہوں یہ ہے میرے شہنشاہ کی بادشاہی رب خالق ومختار نے حضور کو مالک ومختار بنایا ہے۔ **اللھم صل وسلم وبارک علیہ۔ ساتواں فائدہ:** اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی ہوگی حضور ﷺ کی بھی عالم وحاکم دین کی بھی مگر اتباع صرف حضور کی ہوگی نہ اللہ تعالیٰ کی نہ کسی عالم وشیخ وحاکم کی یہ فائدہ **اطیعوا اللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے **فاتبعونی** وہاں اللہ تعالیٰ نے اپنا یا کسی حاکم وعالم کا ذکر نہیں فرمایا۔ **آٹھواں فائدہ:** تقویٰ دل کی صفائی اللہ رسول کی اطاعت ایمان کی دلیل ہے یہ فائدہ **ان کنتم مؤمنین** سے حاصل ہوا۔ **نواں فائدہ:** حضور کی اطاعت مطلقاً" واجب ہے خواہ عقل میں آئے یا نہ آئے اگر حضور ایسا حکم دیں جو ہم کو قرآن کے حکم کے خلاف معلوم ہو تب بھی حضور کی اطاعت کی جاوے یہ فائدہ **اطیعوا اللہ ورسولہ** فرمانے سے حاصل ہوا اس کی بہت مثالیں کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو حضرت ابو خزیمہ انصاری اکیلے کی گواہی دو کی برابر فرمادی۔ حضرت علی کے لئے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح ممنوع کر دیا حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی وغیرہ۔ **دسواں فائدہ:** کامل زندگی اس کی ہے جس کا دل کدورت بغض عداوت وغیرہ سے پاک وصاف ہو یہ فائدہ **اصلحوا ذات بینکم** سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہو۔ **گیارھواں فائدہ**: جہاد میں غازیوں اور ان کے معاونوں کا ثواب اور غنیمت کا حصہ برابر ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور ﷺ کے فیصلہ سے ناراض ہوتے تھے۔ دیکھو حضور نے غازیوں معاونوں کو غنیمت کا برابر کا حصہ دیا تو صحابہ ناراض ہوئے اور حضور کے فیصلہ سے ناراضی کفر ہے (روافض)۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کو خبر دی **انی جاعل فی الارض خلیفته** ہم زمین میں اپنا نائب خلیفہ بنانے والے ہیں تو فرشتوں نے اس پر اعتراض کیا اور اپنا استحقاق بیان کیا اور رب پر اعتراض کفر ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ وہاں اور یہاں بدر میں نہ تو اعتراض تھا نہ ناراضی بلکہ اس عمل کی حکمت پوچھنا مقصود تھا اس لئے رب تعالیٰ نے فرمایا **ویسئلونک** لوگ آپ سے پوچھتے ہیں یہ نہ فرمایا کہ آپ پر اعتراض کرتے ہیں نہ انہیں توبہ کا حکم دیا نہ دوبارہ کلمہ پڑھ کر تجدید ایمان کا۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال غنیمت صرف اللہ رسول کا ہے کسی کا اس میں کوئی حق نہیں **الانفال للّٰہ والرسول** حالانکہ وہ تو غازیوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اگر انفال سے مراد کفار کی متروکہ جائیداد یا سلب یا نفلی انعام یا خمس ہے تب تو آیت پر کوئی اعتراض نہیں اور اگر اس سے مراد مال غنیمت ہے تو معنی یہ ہیں کہ ان میں حکم اللہ رسول کا ہے جو چاہیں حکم دیں کسی کو قیاس وغیرہ کرنے کا حق نہیں للہ میں لام ملکیت کا نہیں بلکہ اختیار کا ہے۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فاسق فاجر اور کینہ ور آدمی مومن نہیں کافر ہے ترک اطاعة ایمان مٹا دیتا ہے کیونکہ یہاں ایمان کو ان کاموں پر معلق کیا گیا کہ ارشاد ہوا **ان کنتم مؤمنین** جب موقوف علیہ نہ رہا تو موقوف بھی نہ رہا جب اطاعت نہ رہی تو ایمان بھی نہ رہا جیسے جب چھت نہ رہی تو چھت کی معلق چیزیں بھی نہ رہیں (تفسیر کبیر)۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ہیں ایک الزامی باقی تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے گناہ کبیرہ کرنے والوں کو مومن فرمایا دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں ان اعمال کو ایمان پر معلق کیا ہے نہ کہ ایمان کو مذکورہ اعمال پر **ان کنتم مؤمنین** شرط ہے وہ اعمال جزا اور جزا شرط پر معلق ہوتی ہے نہ کہ برعکس تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں کمال ایمان مراد ہے تو ان اعمال کا نہ کرنے والا کامل مومن نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: تقویٰ اللہ رسول کی اطاعت دلوں کی صفائی تو سارے انسانوں کی کرنی چاہئے پھر مومن کی شرط کیوں لگائی۔ **جواب**: اس لئے کہ ان اعمال کا ثواب صرف مومن کو ملے گا اگر کوئی کافر ایمان تو نہ لائے خوف خدا کا دعویٰ کرے دل صاف رکھے حضور کے بہت ارشادات عالیہ پر عمل کرے وہ ثواب کا مستحق نہیں لہٰذا آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کی زندگی و اعمال سب ہی گویا انفال ہیں جو رب کی طرف سے ہمارے استحقاق کے بغیر ملے ہیں کامل مومن وہ ہے جس کے انفال یعنی انفاس و اعمال اللہ رسول کے لئے ہوں بولے تو اللہ کے لئے لکھے تو اللہ رسول کے لئے حال یہ ہو

لب تو میرے ہیں مگر ان پر کرم ہے تیرا انگلیاں میری ہیں پر ان میں قلم ہے تیرا

تقویٰ اختیار کرو یعنی غیر اللہ سے بچو 'حرص دنیا' بھائیوں پر حسد اور دوسری دلی بیماریوں سے دل کو صاف رکھو کہ یہ چیزیں نور ایمان کو دل میں نہیں آنے دیتیں اگر تم حقیقی مومن ہو کہ تمہارا نام الست کے دن مومنوں کی فہرست میں آگیا ہے تو اللہ رسول

www.alahazratnetwork.org

ے احکام بلاچون وچرا قبول کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے درخت کے پتے پھل پھول زمین میں دبی ہوئی جڑ کی زندگی کی دلیل ہیں یوں ہی ظاہری تقوی اطاعت خدا اور رسول دل میں چھپے ہوئے ایمان کی دلیل ہے لہذا **ان کنتم مؤمنین** فرمانا بالکل حق ہے اللہ نے حضور انور کو یہ قوت وقدرت بخشی ہے کہ حضرت عثمان غنی کے لئے مدینہ کو بدر بنادیں ان کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ کے ذریعہ خدا کا ہاتھ بنادیں کہ خود فرمادیں کہ یہ میرا ہاتھ عثمان کا ہاتھ ہے اور رب کہے کہ محبوب تیرا ہاتھ میرا ہاتھ ہے **یداللہ فوق ایدیھم** لہذا حضور کو یہ اختیار بھی دیا کہ جس کے لئے جس جگہ کو چاہیں مدینہ بنادیں بلکہ چاہیں تو ہمارے سینہ کو مدینہ بنا دیں انہیں سب کچھ بنانا آتا ہے۔

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ　　نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَ اِذَا تُلِیَتْ
اس کے سوا نہیں کہ مومن وہ ہیں کہ جب ذکر کیا جاوے اللہ کا تو ڈر جائیں دل ان کے اور جب تلاوت کی جاویں
ایمان والے وہ ہی ہیں کہ جب اللہ یاد کیا جاوے ان کے دل ڈر جاویں اور جب ان پر اس کی آیتیں پڑھی
عَلَیْهِمْ اٰیٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِیْمَانًا وَّ عَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ ۚۖ ② الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ
ان پر آیتیں اس کی تو بڑھادیں ایمان ان کے اور رب اپنے پر ہی توکل کریں　وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں
جاویں ان کا ایمان ترقی پائے　اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کریں　وہ جو نماز قائم رکھیں
الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ③ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا
نماز کو اور اس میں سے جو دیا ہم نے انہیں خرچ کرتے ہیں　یہ ہی لوگ ہیں ایمان والے سچے ان ہی کے
اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ میں خرچ کریں　یہ ہی سچے مسلمان ہیں ان کے لئے درجے
لَهُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَ مَغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ④
واسطے ہیں درجے نزدیک رب کے ان کے اور بخشش اور روزی کرامت والی
ہیں ان کے رب کے پاس اور بخشش ہے اور عزت کی روزی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ کسی کی طرف سے دل میں میل نہ رکھو **واصلحوا ذات بینکم** اب اس کا نتیجہ بیان ہو رہا ہے کہ پھر تمہارے دل میں خوف الٰہی ہیبت الٰہی پیدا ہوں گے۔ جو ایمان کی روح ہے۔ **وجلت قلوبھم** **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں اللہ رسول کی

www.alahazratnetwork.org

اطاعت کا اجمالی حکم دیا گیا اب اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے **الذین یقیمون الصلوۃ** پچھلی آیت میں ایمان کی ظاہری علامات ارشاد ہوئیں۔ تقویٰ' آپس کا میل جول' اطاعت خدا و رسول' اب ایمان کی اصل حقیقت کا ذکر ہے دل میں ہیبت الٰہی ہونا تلاوت قرآن پر ایمان کا ترقی پانا رب تعالیٰ پر پورا توکل ہونا نماز و زکوۃ کا پابند ہونا وغیرہ۔

تفسیر: انما المؤمنون انما حصر کے لئے ہے **المؤمنون** سے مراد کامل مومن ہیں ہم ایمان کی حقیقت چھٹے پارہ کے شروع میں عرض کر چکے ہیں۔ **یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ** کی تفسیر میں اگرچہ فرشتے اور بعض جنات بھی مومن ہیں مگر قرآن مجید میں جب مومن مطلق آتا ہے تو اس سے مراد انسان مومن ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں نمازیں قائم کرنا' زکوۃ دینا انسان مومنوں کی ہی صفات ہیں **الذین اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم** یہ عبارت آئندہ سے مل کر **المؤمنون** کی خبر ہے ظاہر یہ ہے کہ **ذکر اللہ** سے مراد اللہ کی ذات و صفات کا ذکر ہے بعض نے فرمایا کہ اللہ کے عذاب کا ذکر مراد ہے مگر پہلا قول قوی ہے ذکر اللہ کے معنی اس کے اقسام و احکام ہم دوسرے پارے **فاذکرونی اذکرکم** کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ **اذا** عموم وقت کے لئے ہے۔ بمعنی جب کبھی' خوف' خشیت' تقویٰ اور وجل قریب المعنی ہیں مگر اکثر وجل۔ بمعنی ہیبت ہوتا ہے خوف اکثر سزا کے ڈر کو بولا جاتا ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ شاعر کہتا ہے۔

لعمرک ما ادری وانی لا وجل — علی اینما تعدوالمنیته اول (کبیر)

قلوبھم میں **ھم** کا مرجع مومنین ہیں ان میں اولیاء' گنہگار' ابرار' اخیار سب ہی شامل ہیں کہ رب کی ہیبت سب کے ہی دلوں میں ہے بلکہ جس قدر ایمان قوی اسی قدر ہیبت الٰہی زیادہ **واذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا** یہ مومنین کاملین کی دوسری صفت ہے یہاں بھی اذا عموم وقت کے لئے ہے۔ بمعنی جب کبھی آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں جیسا کہ **تلیت** میں تلاوت عام ہے خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے ایمان کی زیادتی سے مراد مقدار کی زیادتی نہیں کہ ایمان میں مقدار کی زیادتی کمی نہیں ہوتی بلکہ کیفیت کی زیادتی مراد ہے علم الیقین' عین الیقین' حق الیقین یہ مرتبے ہیں ان ہی میں ترقی ہوتی ہے یا یہ مطلب ہے کہ آیات نازل ہوتی رہتی ہیں یہ ان کی تصدیق کرتے رہتے ہیں یعنی مصدق بہ کی زیادتی ایمان کی زیادتی ہے **وعلی ربھم یتوکلون** یہ مومنون کی تیسری صفت ہے **علی ربھم** کو **یتوکلون** پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ توکل کے معنی اس کے اقسام بارہا بیان ہو چکے کہ توکل دو قسم کا ہے اسباب والا اور ترک اسباب والا اسباب والے توکل کو یوں بیان کیا جاتا ہے۔

گر توکل می کنی درکار کن — کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

یعنی وہ لوگ اپنے رب پر ہی توکل و بھروسہ کرتے ہیں۔ **الذین یقیمون الصلوۃ** یہ مومنوں کی چوتھی صفت ہے پچھلی تین صفتیں دلوں کی تھیں یہ صفات جسم کی ہیں نماز پڑھنے اور نماز قائم کرنے میں فرق ہم پہلے پارے میں **یقیمون الصلوۃ** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں نماز ہمیشہ پڑھنا' صحیح پڑھنا' بروقت پڑھنا' دل لگا کر پڑھنا یہ نماز قائم کرنا اللہ نصیب کرے **ومما رزقنھم ینفقون** یہ مومنوں کی پانچویں صفت ہے اس کی تفسیر بھی پہلے پارہ میں اس آیت کے ماتحت ہو چکی ہے اللہ توفیق دے تو ہر روزی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرے صرف مال کی ہی زکوۃ پر کفایت نہ کرے پھر صرف ایک دو بار پر قناعت نہ

www.alahazratnetwork.org

کرے بلکہ ہمیشہ خرچ کرے ایک جگہ میں خرچ نہ کرے بلکہ ہر جگہ ہر اچھے مقام پر خرچ کرتا ہے ہر جگہ دانہ ڈالے نہ معلوم کون دانہ کب اگ جاوے اس لئے اسلام نے صرف زکوۃ نہ رکھی بلکہ اس کے ساتھ اور صدقات بھی جاری فرمائے اسی ایک جملہ میں یہ تمام باتیں بیان فرمادیں **اولئکھم المؤمنون حقا** جن میں یہ پانچ صفات ہوں وہ سچے مومن ہیں حق کے معنی ہیں درحقیت یا سچے یا پکے یا مضبوط تینوں معنی درست ہیں یعنی یہ لوگ ہی درحقیقت مومن ہیں یا یہ ہی لوگ سچے مومن ہیں حقا" کے نصب میں بہت احتمال ہیں یا یہ مومنون کا حال ہے یا احق پوشیدہ کا مفعول مطلق جیسے رب فرماتا **اولئکھم الکافرون حقا** اب ان کے تین انعام بیان ہو رہے ہیں۔ **لھم درجات عند ربھم** اس فرمان عالی میں **لھم** کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا درجات جمع درجتہ" کی عربی میں درجہ کے دو معنی ہیں سیڑھی اور منزلت و طبقہ جب بمعنی سیڑھی ہو تو اس کی جمع درج بروزن فعل آتی ہے اور جب معنی منزلت و طبقہ ہو تو اس کی جمع درجات آتی ہے یہاں بمعنی قرب و منزلت ہے (روح البیان) عند سے مراد قرب مکانی نہیں بلکہ قرب رتبی ہے یا تو اس سے مراد جنت کے طبقے ہیں جو بعد قیامت ملیں گے یا دنیا میں ایمانی عرفانی درجے مراد ہیں فرمایا نبی علیہ السلام نے کہ جنت کے سو درجات ہیں ہر دو درجوں کے درمیان فاصلہ اتنا ہے جتنا آسمان و زمین کے درمیان فاصلہ ان درجات کو رب کی طرف نسبت فرمانا ان کی عزت افزائی کے لئے ہے اور یہ بتانے کے لئے کہ ان کو ان درجات کا ملنا یقینی ہے کہ رب کا وعدہ ہے (روح المعانی) **ومغفرۃ ورزق کریم** یہ عبارت معطوف ہے درجات پر اور دوسرے دو انعاموں کا اس میں ذکر ہے مغفرۃ سے مراد ہے تمام چھوٹے بڑے گناہوں خطاؤں کی بخشش اور رزق کریم سے مراد ہے جنت یا جنت کی نعمتیں عربی میں ہر قابل تعریف کو کریم کہتے ہیں (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کہ رزق کریم سے مراد ہو دنیا میں حلال طیب روزی یا نیک اعمال کی توفیق کہ یہ بھی روحانی روزی ہے۔ بہرحال اس عبارت کے بہت معانی ہو سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے کامل و کامیاب مومنوں کی پانچ صفات بیان فرمائیں تین روحانی اور جنانی اور دو جسمانی اور ان کے تین خصوصی انعام بیان کئے چنانچہ فرمایا کہ پیارے کامل قابل قدر مومن وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاوے خواہ اس طرح کہ دوسرا شخص انہیں ذکر سنائے یا اس طرح کہ وہ دوسروں کو سنائیں یا اس طرح کہ خود اپنے دل یا زبان سے ذکر اللہ کریں تو ان کے دل ہیبت الہی اور جلال کبریائی سے ڈر جاویں اور جب ان کے سامنے آیات الٰہیہ یعنی قرآن مجید کی تلاوت کوئی کرے تو ان کی کیفیت ایمان میں ترقی ہو جاوے ایمان تازہ ہو جاوے اور وہ حضرات ہمیشہ صرف اپنے رب پر ہی بھروسہ کرتے ہیں کبھی اسباب پر عمل کر کے اور کبھی اسباب سے بھی بے نیاز ہو کر ان کا جسمانی حال یہ ہے کہ ہمیشہ صحیح طور پر دل لگا کر ہر وقت نماز ادا کرتے ہیں اور ہماری ہر دی ہوئی روزی سے ہماری راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں جو ان پانچ صفات سے موصوف ہیں وہ ہی درحقیقت سچے پکے مخلص مومن ہیں انہیں رب کے ہاں درجات کی عطا ہے ان سے تمام گناہوں خطاؤں کی بخشش کا وعدہ ہے اور ان کے لئے دنیا و آخرت میں عزت کی روزی ہے۔

حکایت: کسی نے خواجہ حسن بصری سے پوچھا کہ کیا آپ مومن ہیں آپ نے جواب دیا کہ ایمان دو طرح کا ہے ایک تو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، کتابوں، رسولوں، قیامت کو ماننا اس معنی سے میں مومن ہوں دوسرا وہ ایمان جو اس آیت میں مذکور ہے **اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم** مجھے پتہ نہیں کہ میں اس ایمان سے موصوف ہوں یا نہیں (تفسیر کبیر) یہ ہے خوف

الٰہی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اللہ تعالیٰ کی ہیبت اور جلال کبریائی سے خوف علامت ایمان ہے جس قدر ایمان قوی اسی قدر یہ خوف زیادہ یہ فائدہ **وجلت قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: اگرچہ مومن کو ہر وقت ہی خوف خدا رہتا ہے مگر ذکر خدا مضراب کا کام دیتا ہے کہ اس وقت اس خوف کا ظہور ہوتا ہے ظہور ایسی ستار میں آواز ہر وقت ہے ریکارڈ میں آواز بھری ہے مگر مضراب یا سوئی لگانے پر اس آواز کا ظہور ہوتا ہے یہ فائدہ **اذا ذکر اللہ** سے حاصل ہوا اس لئے ذکر اللہ کی بہت تاکید ہے۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ کی یہ ہیبت اور خوف و جلال دنیا سے بے خوفی اور اطمینان قلب کا ذریعہ ہے دیکھو یہاں ارشاد ہے **وجلت قلوبھم** مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لا خوف علیھم** اور ارشاد ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** یوں ہی آخرت کی بے چینی دنیا کا چین ہے آخرت کا غم دنیا کی خوشی ہے۔

لی حبیب عربی مدنی قرشی که بود درد و غمش مایہ شادی و خوشی

چوتھا فائدہ: قرآن مجید خود پڑھنا بھی اچھا ہے اور دوسرے سے پڑھوا کر سننا بھی اچھا ہے یہ فائدہ **واذا تلیت علیھم** سے حاصل ہوا حضور ﷺ نے حضرت ابی ابن کعب سے فرمایا کہ مجھے رب نے حکم دیا کہ تم سے قرآن مجید پڑھوا کر سنوں اس پر حضرت ابی رو پڑے کہ رب نے میرا نام لیا مشکوۃ یہ بھی ثابت ہے کہ حضور انور نے قرآن مجید پڑھوا کر سنا اور اس آیت کریمہ پر روئے **وجئنا بک علی ھؤلاء شھیدا** قرآن سننا سنانا بہترین مشغلہ ہے۔ **پانچواں فائدہ**: ایمان میں زیادتی کمی ہوتی ہے یہ فائدہ **زادتھم ایمانا**" سے حاصل ہوا مگر یہ زیادتی کیفیت ایمان میں ہوگی نہ کہ مقدار ایمان میں یعنی کوئی آدھا یا پاؤ مسلمان نہیں سارے مسلمان پورے مسلمان ہیں مگر کوئی ناقص مومن ہے کوئی کامل اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ہوں مسلماں گرچہ ناقص ہی سہی اے کاملو ماہیت پانی کی یم سے نم میں ہرگز کم نہیں

چھٹا فائدہ: مومن اگرچہ اسباب اختیار کرتا ہے مگر توکل صرف خالق اسباب پر ہی کرتا ہے یہ فائدہ **علی ربھم یتوکلون** سے حاصل ہوا دوسری جگہ فرمان ہے **خذوا حذرکم** **ساتواں فائدہ**: مومن کسی درجہ میں پہنچ کر اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا بلکہ اعمال صالحہ کمال ایمان کا ذریعہ ہیں یہ فائدہ **الذین یقیمون الصلوۃ** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: عشق و محبت یوں ہی خوف و خشیت والا ایمان پختہ ہے اور انشاء اللہ لازوال صرف اطاعت والا ایمان جو ان صفات سے خالی ہو وہ خطرہ میں ہے یہ فائدہ **ھم المؤمنون حقا** سے حاصل ہوا جبکہ حق کے معنی ہوں پختہ مضبوط۔ **فائدے**: **مما رزقنھم ینفقون** سے پانچ فائدے حاصل ہوئے اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنا چاہئے نہ کہ دوسرے کا' حلال مال خرچ کرے نہ کہ حرام' بعض مال خیرات کرے نہ کہ کل' ہر کار خیر میں مال خرچ کرے صرف زکوۃ پر قناعت نہ کرے' خیرات ہمیشہ کرتا رہے ایک بار پر قناعت نہ کرے ہم اس کی تفصیل پارہ **الم** کے شروع میں اسی آیت کے تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **چودھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کو دنیا میں بھی درجات عطا فرماتا ہے اور آخرت میں بھی۔ ان درجات کی عظمت وہی جانے یہ فائدہ درجات کی جمع اس کے نکرہ ہونے اور مطلق ہونے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **پندرھواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ اپنے مقبولوں کو عزت کی روزی عطا فرماتا ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہ فائدہ رزق کریم سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نصیب کرے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کے دل ڈر جاتے ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہوا **بذکر اللہ تطمئن القلوب** اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا صوفیانہ۔ جواب صوفیانہ تو ہم تفسیر صوفیانہ میں عرض کریں گے جواب عالمانہ یہ ہے کہ اللہ کے ذکر سے اللہ کا خوف آخرت کا خوف پیدا ہوتا ہے مگر دنیاوی تکالیف سے امن و چین حاصل ہوتا ہے رب سے خوف دنیا سے بے خوفی کا ذریعہ ہے اس آیت میں دنیاوی امور میں امن و اطمینان مراد ہے اور اس آیت میں اللہ کا خوف مراد۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کے ذکر سے مومنوں کو خوف حاصل ہوتا ہے مگر دوسری آیت میں ہے **لاخوف علیھم ولاھم یحزنون** اللہ والوں کو نہ خوف ہے نہ غم دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب پہلے اعتراض کے جواب سے حاصل ہوا کہ اللہ والوں کو اللہ کا خوف ہوتا ہے انہیں دنیا اور دنیا والوں کا خوف نہیں ہوتا خدا کا خوف غیر خدا کے خوف سے نجات کا ذریعہ ہے۔ **تیسرا اعتراض**: مگر موسیٰ علیہ السلام کو فرعون سے اور طور پر سانپ سے ڈر ہوا کہ انہوں نے عرض کیا **ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا** وہ اللہ والے نبی بھی تھے اور اللہ کے ذاکر بھی۔ **جواب**: وہ خوف ایذا تھا نہ کہ خوف اطاعت **لاخوف** میں اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کرو۔ **چوتھا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن سے مومن کے ایمان زیادہ ہو جاتے ہیں مگر متکلمین فرماتے ہیں کہ ایمان میں زیادتی کمی نہیں ہوتی وہ تو ایک بسیط چیز ہے چنانچہ فقیہ ابو اللیث سمرقندی نے اپنی تفسیر میں سیدنا ابو ہریرہ سے روایت کی کہ بنی ثقیف کا وفد نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا پوچھا یا رسول اللہ کیا ایمان میں زیادتی کمی ہوتی ہے فرمایا نہیں ایمان دل میں مکمل ہی آتا ہے نقصان ایمان کفر ہے آیت و حدیث میں تعارض ہے (روح المعانی)۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ ایمان مقدار میں نہیں زیادہ کم ہو سکتا کوئی شخص آدھا یا پاؤ مومن نہیں ہوتا سارے قرآن کا منکر بھی پورا کافر ہے اور ایک آیت کا منکر بھی پورا کافر ہے۔

ہاں کیفیت میں زیادتی کمی ہوتی ہے ایمان نام ہے اللہ رسول پر یقین کا اور یقین کے کئی مرتبے ہیں علم الیقین، عین الیقین، حق الیقین اس لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ مجھے مردے زندہ کر کے دکھا دے فرمایا کیا تمہارا اس پر ایمان نہیں تو فرمایا **بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی** یہاں کیفیت ایمان کی زیادتی مراد ہے لہٰذا کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میرا ایمان نبی یا جبریل کے ایمان کی طرح یا اس کی برابر ہے فرمایا نبی ﷺ نے کہ اگر سارے زمین والوں کا ایمان ابو بکر کے ایمان سے تولا جاوے تو ابو بکر کا ایمان وزنی ہو گا (تفسیر کبیر) یعنی حضرت صدیق کی معرفت ایسی بہت قوی ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندوں کو صرف رب تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہئے تو ولیوں، نبیوں کے دروازوں پر جانا ہرگز نہ چاہئے کہ یہ توکل علی اللہ کے خلاف ہے۔ **جواب**: اس کے کئی جواب ہیں جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم کو بھی بیماری قرض داری مظلومیت میں حکیموں امیروں، حاکموں کے پاس نہ جانا چاہئے۔

تیری اگلے تو حکیموں سے کرے استمداد ۔۔۔ یا محمد سے بگڑتی ہے طبیعت تیری

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان کے دروازوں پر خود رب بھیج رہا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک** تیسرا جواب

www.alahazratnetwork.org

یہ ہے کہ نبیوں ولیوں کے آستانے خدا تعالیٰ کا دروازہ ہیں ان کے پاس جانا اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔

ہر کہ خواہد ہم نشینی با خدا — او نشیند در حضور اولیاء
چوں شدی دو راز حضور اولیاء — آں چناں داں دور گشتی از خدا

خیال رہے کہ توکل دو طرح کا ہے ترک اسباب والا وہ کوئی کوئی کرتا ہے کبھی کبھی حضور انور سید المتوکلین بھی فرماتے مگر حضور نے اسباب اختیار فرمائے دوسرا اسباب والا کہ اسباب پر عمل ہو مسبب اسباب پر نظر ہو حضور انور نے میدان بدر میں مجاہدین کو پہنچایا پھر رب پر توکل فرمایا۔ **چھٹا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ان پانچ صفات سے جو موصوف ہوں وہ سچے مومن ہیں **هم المؤمنون حقا** تو کیا کوئی جھوٹا مومن بھی ہوتا ہے سارے مومن ہی سچے مومن ہیں۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ حقا کے بہت معنی ہیں ایک معنی پختہ بھی ہیں یعنی ان حضرات کا ایمان بفضلہ تعالیٰ پختہ اور لازوال ہے بخیریت منزل مقصود پر پہنچے گا ان کے بغیر ایمان خطرہ میں ہے نیز مومن دو قسم کے ہیں قومی مومن اور مذہبی مومن صرف قومی مومن جھوٹے مومن ہیں جیسے منافقین کہ قوما" وہ مومن تھے اس لئے ان پر جہاد نہ ہوا حضرات صحابہ قومی مومن بھی ہیں اور مذہبی مومن بھی یہاں حقا سے یہ ہی مذہبی مومن مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: نور ایمان کی شان یہ ہے کہ دل کو نرم آنکھوں کو تر رونگٹے کھڑے کر دیتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مومن تلاوت قرآن پر رونے لگتا ہے **تری اعینهم تفیض من الدمع** اس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں **تقشعر منه جلود الذین یخشون ربهم** ان کے ایمان کی کیفیت میں زیادتی ہو جاتی ہے مگر یہ حال ابتدائی ہے انتہا والوں کا حال اس کے علاوہ ہوتا ہے انہیں اطمینان قلب سکون چین عطا ہوتا ہے وہ تلاوت قرآن ذکر اللہ کی تاب رکھتے اس کا تحمل کرتے ہیں ان کے لئے فرمایا گیا **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** تالاب میں پتھر پھینکو تو اس میں تلاطم مچ جاتا ہے وہ پتھر سمندر میں ڈالو تو وہاں جنبش بھی نہیں ہوتی پتھر ایک ہے مگر پانی کی گہرائیوں میں فرق ہے۔

حکایت: ایک جماعت حاضر بارگاہ ہو کر ایمان لائی انہوں نے قرآن سنا تو تڑپ گئے آہ و بکاء کرنے لگے ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ شروع اسلام میں ہم بھی ایسے تھے **ثم قست قلوبنا** پھر ہمارے دل پختہ و مضبوط ہو گئے (روح البیان) اس فرمان عالی میں ادھر ہی اشارہ ہے۔

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک پر تو صفات — تو عین ذات می نگری و در تبسمی

ابتداء میں تلاطم و شور ہے انتہاء میں سکون و اطمینان ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان ایک نور ہے جو مومن کے دل میں روزن کی بقدر رہتا ہے قرآن دل کے روزن کو وسیع کر دیتا ہے جس سے نور ایمان زیادہ داخل ہوتا ہے یہ معنی ہیں **زادتهم** کے ایمان کے اس مقام پر پہنچ کر مومن اسباب سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

ہر کہ اودر بحر مستغرق شود — فارغ او کشتی واز زورق شود
غرقہ دریا بجز دریا نہ دید — غیر دریا ہست مردے ناپدید

کشتی پر نظر اس کی ہوتی ہے جو سمندر کے اوپری سطح پر ہو جو اس میں غوطہ لگا کر تہ کو پہنچ جاوے وہ کشتی کا محتاج نہیں (روح

البیان) اب رہا **وعلی ربهم یتوکلون** ایمان دو طرح کا ہے عقلی اور عشقی عقلی ایمان کو زوال کا خطرہ ہے کیونکہ اس کی بنیاد دلیل پر ہے دلیل ٹوٹی ایمان کی عمارت بھی منہدم ہو گئی مگر عشقی ایمان دولت لازوال ہے کہ اس کی بنیاد دل پر ہے دل کے لئے بقاء ہے اس کے ایمان کے لئے بھی بقاء ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں　　　عشق پر ایمان کی بنیاد رکھ

ان دل والوں کے لئے رب نے فرمایا **اولئک هم المؤمنون حقا** اللہ والو اللہ رسول کو دل سے مانو انہیں دل میں رکھو دل میں سواء ان کے کوئی نہ رہے۔

عشق آمد عقل خود بے چارہ شد　　　صبح آمد شمع خود ناکارہ شد

عشق رسول خوف خدا یہ دونوں وہ نعمتیں ہیں جن کے آنے سے تمام ظلمتیں خود بخود دور ہو جاتی ہیں بلکہ اپنی انانیت بھی عشق سے ہی ختم ہوتی ہے۔

آب آمد وہ کہے اور میں تیمم برخاست　　　مشت خاک اپنی ہو اور نور کا اہلا تیرا

كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ۪ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ
جیسے نکالا تم کو رب نے تمہارے گھر سے تمہارے ساتھ حق کے اور تحقیق ایک ٹولہ مسلمانوں میں سے
جس طرح اے محبوب تمہیں تمہارے گھر سے حق کے ساتھ برآمد کیا اور بیشک مسلمانوں کا ایک
لَكٰرِهُوْنَ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى
البتہ ناپسند کرنے والا تھا جھگڑا کرتے تھے تم سے سچی بات میں پیچھے اس کے کہ ظاہر ہو چکی گویا وہ لے
گروہ اس پر ناخوش تھا سچی بات میں تم سے جھگڑتے تھے بعد اس کے کہ ظاہر ہو چکی گویا وہ
الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝
جائے رہے ہیں طرف موت کے حالانکہ وہ دیکھتے ہیں
آنکھوں دیکھی موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیات میں غازیان بدر کے اس اختلاف کا ذکر ہوا جو غزوہ سے فارغ ہونے کے بعد تقسیم غنیمت میں واقع ہوا کہ بعض نے کہا کہ صرف لڑنے والوں کو ہی دی جاوے غیر حاضرین یا معاونین کو نہ دی جاوے اب انہیں غازیوں کے اس اختلاف کا ذکر ہے جو غزوہ بدر سے پہلے واقع ہوا کہ بعض نے کہا کہ ہم عیر یعنی ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کریں نفیر یعنی ابو جہل کی جماعت سے جنگ نہ کریں جیسا کہ آگے معلوم ہو گا گویا انتہاء غزوہ بدر کا ذکر پہلے ہوا ابتدائی اختلاف کا ذکر اب ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کامل مومنوں کے کامل توکل کا ذکر ہوا اجمالاً اب اس توکل کی تفصیل ایک مثال دے کر سمجھائی جا رہی ہے کہ غزوہ بدر میں مومن تھوڑے تھے ان میں

www.alahazratnetwork.org

بعض کو اس جنگ سے اختلاف تھا مگر متوکلین نے توکل علی اللہ کیا کفار پر غالب آئے اور اختلاف کرنے والوں کو بھی درست کرایا جیسے حضرت صدیق اکبر اور فاروق اعظم اور مقداد ابن اسود اور سعد ابن معاذ جیساکہ آئندہ معلوم ہوگا۔ **تیسرا تعلق:** ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کامل الایمان مومنوں کو رب کی طرف سے رزق کریم یعنی عزت والی روزی عطا ہوتی ہے اب غزوہ بدر کے واقعہ سے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ نے ان حضرات کو باوجود بے اسباب اور کم تعداد کے کیسی غنیمت عطا فرمائی۔

نزول: یہ آیت کریمہ ابتداء واقعہ بدر کے متعلق نازل ہوئی **واقعہ یہ تھا** قریش کا قافلہ ابو سفیان کی سرکردگی میں مکہ معظمہ سے شام تجارت کے لئے گیا جہاں اس قافلہ کو بہت ہی نفع ہوا یہ نفع ان لوگوں نے مسلمانوں کے مقابل جنگی تیاریوں پر خرچ کرنا تھا یہ قافلہ براستہ مدینہ منورہ مکہ معظمہ واپس لوٹا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اس کی خبر دی اور فرمایا کہ اس میں صرف چالیس آدمی ہیں جن میں ابو سفیان، عمرو ابن عاص مخرم ابن نوفل جیسے سردار بھی ہیں ان کے پاس مال تجارت بہت زیادہ ہے صحابہ نے بے تامل اس قافلہ کا راستہ روک لینے اور اس سے سارا مال چھین لینے کا ارادہ کیا اس مقصد کے لئے تین سو تیرہ حضرات بہت بے سرو سامانی میں مدینہ سے نکلے جن میں ستر اونٹ سوار تھے اور صرف دو حضرات گھوڑے سوار زبیر اور مقداد آٹھ تلواریں تھیں چھ زرہیں یہ حضرات ادھر سے روانہ ہوئے ادھر ابو سفیان نے یا تو بھانپ لیا یہ کسی جاسوس نے انہیں خبر کردی انہوں نے ضمضم ابن عمرو غفاری کو کچھ اجرت دے کر مکہ معظمہ دوڑایا کہ ابو جہل سے کہہ دے کہ جلد اپنے اس قافلہ کی مدد کو پہنچے ابو جہل یہ خبر سن کر آگ بگولہ ہو گیا اس نے کعبہ معظمہ کی چھت پر چڑھ کر اہل مکہ کو للکارا کہ تمہارا قافلہ خطرے میں ہے جلد اس کی مدد کو روانہ ہو چنانچہ ساڑھے نو سو جنگی بہادر سامان جنگ سے لیس یہاں سے روانہ ہونے لگے ادھر حضرت عاتقہ بنت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ ایک اونٹ سوار مقام ابطح میں آیا اور اس نے تین سو بار اونچی آواز سے کہا کہ اے غدارو اپنی قتل گاہوں کی طرف چلو سب لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے پھر اس نے ابو قبیس پہاڑ سے ایک چٹان اکھیڑ کر فضا میں پھینکی وہ چٹان فضا میں پہنچ کر پاش پاش ہوئی اور اس کے ٹکڑے ہر گھر میں گرے حضرت عاتقہ نے یہ خواب اپنے بھائی حضرت عباس سے کہی انہوں نے اپنے دوست ولید ابن عتبہ سے کہی عتبہ نے اپنے دوست ابو جہل سے بیان کی ابو جہل ہنس کر بولا کہ عبدالمطلب کی اولاد میں اب تک تو مرد نبی بنے اب عورتیں بھی نبی بننے لگیں اس نے اس خواب پر کوئی دھیان نہ دیا ساڑھے نو سو شہسوار بہت سامان جنگ سے لیس نکلے انہیں نفیر کہتے ہیں ابو سفیان کا قافلہ عیر کہلاتا ہے یہ قافلہ نفیر۔ ان لوگوں کو اپنی فتح پر اتنا یقین تھا کہ اپنے ساتھ شراب کے گھڑے ناچنے والی عورتیں بھی لے گئے تھے کہ مسلمانوں کو صفحہ ہستی سے مٹا کر مدینہ میں شرابیں پئیں گے اور ناچ ناچ کر جشن منائیں گے ادھر ابو سفیان نے مدینہ منورہ والا راستہ چھوڑ کر بحرین والا راستہ اختیار کیا اور اپنے قافلہ کو مکہ معظمہ پہنچا دیا ابو جہل کو کہلا بھیجا کہ چونکہ ہمارا قافلہ بخیریت مکہ پہنچ گیا ہے اس لئے تم لوگ واپس آجاؤ مگر ابو جہل نے اکڑ کر کہا کہ بہادر لوگ جب جنگ کے لئے نکل پڑتے ہیں تو بغیر کچھ کئے واپس نہیں ہوتے ابو سفیان تم ہم سے آملو ہمارے جشن میں شرکت کرو چنانچہ یہ چالیس آدمی بھی ابو جہل سے جا ملے اور اب ان کی تعداد نو سو نوے ہو گئی اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم وادی ذوقرآن میں مع ان صحابہ کے تشریف فرما تھے حضور نے ان حضرات سے فرمایا کہ عیر چاہتے ہو یا نفیر یعنی ابو سفیان سے جنگ چاہتے ہو یا ابو جہل کی

www.alahazratnetwork.org

جماعت سے اکثر نے عرض کیا کہ ہم عیر چاہتے ہیں کیونکہ ہم جنگ کی تیاری کر کے مدنیہ منورہ سے نہیں چلے حضور نے فرمایا کہ عیر تو گیا اب نفیر سے دو دو ہاتھ کرنا ہیں اسی پر ان لوگوں نے کہا کہ حضور عیر کے پیچھے چلئے نفیر کو چھوڑیئے حضور انور اس پر ناراض ہوئے حضرت ابو بکر و عمر رضی اللہ عنہما نے ان لوگوں کے سامنے بہت ہی دل کش اور دل نشین تقریر فرمائی جس پر ان حضرات کو جوش آگیا حضرت مقداد ابن اسود کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ آپ کو جہاں رب بھیجے چلیں ہم آپ کے ساتھ ہم حضرت موسیٰ کے ساتھی نہیں جو آپ سے کہہ دیں کہ **اذھب انت وربک فقاتلا انا ھھنا قاعدون** کہ آپ اور آپ کا رب جائیں دونوں جہاد کریں ہم تو یہاں ہی بیٹھے رہیں گے بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ **اذھب انت وربک فقاتلا انا معکما مقاتلون**۔ آپ اور آپ کا رب جنگ کے لئے جائیں ہم آپ کے ساتھ جہاد کریں گے اس پر حضور انور بہت خوش ہوئے پھر حضرت سعد ابن معاذ اٹھے بولے۔

تعالیٰ اللہ یہ شیوہ ہی نہیں ہے باوفاؤں کا پیا ہے دودھ ہم لوگوں نے غیرت مند ماؤں کا

یا رسول اللہ اگر حضور ہم کو سمندر میں کود جانے کا حکم دیں تو ہم کو کوئی عذر نہ ہو گا بے دھڑک کود جائیں گے اس پر حضور انور بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ چلو اللہ پر توکل کر کے یہ کفار انشاء اللہ سخت شکست پائیں گے میں کفار کے قتل گاہ کو دیکھ رہا ہوں پھر جنگ بدر کا واقعہ پیش آیا جو ہم پچھلے پارہ میں تفصیل وار بیان کر چکے ہیں اس آیت کریمہ میں اس واقعہ کا ذکر ہے اس کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی دیکھو تفسیر روح البیان' روح المعانی' کبیر' خازن' مدارک وغیرہ۔

تفسیر: کما اخرجک ربک اس عبارت کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **کما** میں کاف تشبیہ کا ہے' ما موصولہ ہے یا مصدریہ اور یہ عبارت ایک پوشیدہ عبارت کی خبر ہے مطلب یہ ہے کہ غنیمت بدر کی آپ نے جو تقسیم کی ہے وہ ایسے ہی حق ہے جیسے آپ کا غزوہ بدر کے لئے اپنے گھر سے نکلنا برحق تھا اور ان لوگوں کا اس تقسیم کو پسند نہ کرنا ایسے ہی ہے جیسے آپ کے بدر کی طرف روانگی کو ناپسند کرتے تھے اور تقسیم غنیمت جو آپ نے کی ہے یا کرنا چاہتے ہیں ایسے ہی فائدہ مند ہے جیسے آپ کی روانگی بدر کی طرف اور غزوہ فرمانا مفید ہوا غرضکہ رب تعالیٰ نے تقسیم غنیمت کو تشبیہ دی ہے بدر کی روانگی سے یا مفید ہونے میں یا ان لوگوں کے ناخوش ہونے میں یا برحق ہونے میں یہ معنی بالکل واضح اور آسان ہیں تفسیر خازن اور کبیر نے اس کے اور بہت معنی کئے ہیں حتیٰ کہ فرمایا کہ یہاں کاف ۔ بمعنی علیٰ ہے یا ۔ بمعنی افیا قسم کا ہے مگر یہ سب تکلف ہے خیال رہے کہ حضور ﷺ کی مدینہ منورہ سے بدر کی طرف روانگی یا تو حضرت جبریل کے عرض کرنے پر تھی یا خود اپنی رائے شریف سے بہرحال تھی رب کی طرف سے کیونکہ حضرت جبرائیل کا عرض کرنا وحی ہے اور خود حضور انور کے دل میں پیدا ہونا الہام اور وحی خفی ہے لہٰذا یہ فرمانا بالکل درست ہے کہ آپ کو آپ کے رب نے روانہ کیا رب فرما کر باریک اشارہ اسی طرف ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو کہیں بھیج کر اس سے لاپرواہ نہیں ہو جاتا کیونکہ وہ رب ہے دیکھو حضرت موسیٰ کلیم اللہ کو فرعون کے پاس بھیجا تو ان کی کیسی شاندار حفاظت فرمائی کہ اس مردود نے جن کی خاطر اسی ہزار بچے ذبح کئے انہیں خود اپنی گود میں پالا یہ ہے رب کی شان ربوبیت۔ **من بیتک بالحق** اس فرمان عالی میں من بیتک کا تعلق ہے اخرج سے اور بالحق متعلق ہے متلبعا کے حال ہے **اخرجک** کے کاف سے (روح البیان معانی وغیرہ) بیت سے مراد یا تو حضور انور کا مدینہ والا وہ گھر ہے جس میں آپ

www.alahazratnetwork.org

رہتے تھے خواہ جناب عائشہ صدیقہ کا حجرہ ہو یا کسی اور بیوی صاحبہ کا اور ہو سکتا ہے کہ خود مدینہ منورہ مراد ہو کہ مدینہ حضور انور کا دائمی گھر ہے عربی میں بیت وطن کو بھی کہتے ہیں (تفسیر بیضاوی) **وان فریقا من المومنین لکارھون** یہ فرمان عالی گزشتہ فرمان کا حال ہے لہذا واؤ حالیہ ہے فریق فرما کر یہ بتایا کہ سارے حضرات ناخوش نہ تھے کچھ لوگ وہ بھی تھوڑے سے جیسا کہ فریقا" کی تنکیر سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ تنوین کمی بیان کرنے کے لئے ہے ان حضرات کو مومن فرما کر یہ بتایا کہ یہ حضرات اسی ناخوشی کی وجہ سے ایمان سے نہ نکل گئے مومن ہی رہے۔ کیونکہ یہ ناخوشی حضور انور کے فعل شریف سے ناراضی کی وجہ سے نہ تھی کہ یہ تو کفر ہے بلکہ اپنے بے سروسامان اور تیار نہ ہونے کی وجہ سے تھی یہ خیال رہے کہ یہ جملہ اخرجک سے حال مقدرہ ہے یعنی آگے چل کر ناخوش ہونے والے تھے جیسے **فادخلوھا خالدین** میں خالدین حال مقدرہ ہے کیونکہ ان کی ناخوشی مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت نہ تھی اس وقت تو وہ بہت خوش تھے کہ ابو سفیان کے ساتھی تھوڑے تھے اور مال کافی سے زیادہ بلکہ جب انہیں یہ خبر لگی کہ ابو سفیان تو مکہ معظمہ پہنچ گئے اب بجائے عیر کے ابو جہل کے نفیر سے جنگ کرنا ہے تب ناخوش ہوئے کہ ہم تو کچھ سمجھ کر آئے تھے اور ہو گیا کچھ یہ ناخوشی ایسی تھی جیسے بیمار کڑوی دوا سے کراہت کرتا ہے صرف طبعا" نا پسندیدگی ہے **یجادلونک فی الحق** یہ عبارت **لکارھون** کی ضمیر سے حال ہے یا **کارھون** کا بیان جدال سے مراد مقابلہ اور مخالفت کا جھگڑا نہیں بلکہ عرض و معروض کرنا مراد ہے رب فرماتا ہے **قد سمع اللہ قول التی تجادلک فی زوجھا** یہ جدال کفر نہیں ناز ہے۔ ناز نازبردار پر ہی ہوتا ہے اس کا فاعل وہ ہی ناخوش حضرات ہیں حق سے مراد ہے بجائے عیر کے نفیر سے جہاد کرنا۔ خیال رہے کہ جھگڑے سے مراد انکار نہیں بلکہ یہ عرض کرنا ہے کہ ہم مدینہ منورہ سے اس کے لئے تیار ہو کر نہیں روانہ ہوئے ہم بالکل بے سروسامان ہیں ہمارے مقابل بہت سازوسامان والے کفار ہیں لہذا ہم کو عیر کے مقابل ہی لے چلئے نفیر کے مقابل نہ کیجئے چونکہ حضور انور کا ہر قول ہر فعل حق ہے اس لئے فی الحق ارشاد ہوا یعنی حقانیت تمہاری سمجھ پر موقوف نہیں جو ان کی زبان حق ترجمان سے نکلے وہ ہی حق ہے تمہاری عقل میں آئے یا نہ آئے **بعد ما تبین** یہ ظرف ہے **یجادلونک** کا اس میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ ظاہر ہونے سے مراد ہے حضور ﷺ کا فتح کی خبر دے دینا کہ یہ جو سامان لائے ہیں ہم کو دینے کے لئے لائے ہیں انشاء اللہ یہ ہماری غنیمت ہو گا اور میں ان لوگوں کی قتل گاہ دیکھ رہا ہوں اس بشارت کے سننے کے بعد انہیں کسی قسم کا کوئی دغدغہ نہ رہنا چاہئے تھا مگر ان کا تو یہ حال ہوا کہ **کانما یساقون الی الموت** اس فرمان عالی میں ان حضرات کی غیر اختیاری حالت کا بیان ہے یساقون بنا ہے سوق سے۔ معنی پیچھے سے ہانکنا آگے سے کھینچنے کو قود کہتے ہیں اس لئے گاڑی بان کو سائق اور ڈرائیور کو سواق کہتے ہیں اور آگے سے کھینچنے والے کو قائد کہا جاتا ہے موت سے مراد موت کی جگہ ہے یعنی مذبح **وھم ینظرون** یہ یساقون کی ضمیر ھم سے حال ہے یعنی اس وقت ان کو کفار مکہ کے سامنے جانا اتنا بھاری معلوم ہو رہا تھا جیسے انہیں پھانسی گھر پھانسی دینے کے لئے یا مذبح میں ذبح کرنے کے لئے لے جایا جا رہا ہو اس تشبیہ سے ان حضرات کی صفائی بیان کی گئی کہ جیسے پھانسی یا مذبح میں جاتے وقت بے اختیاری بے قراری اور گھبراہٹ ہوتی ہے ایسے میں ان لوگوں کی یہ بے قراری بے اختیاری تھی کیونکہ یہ لوگ جنگ سے ناواقف اور اس وقت بے سروسامان تھے اور باقاعدہ جنگ کی تیاری کر کے نہ آئے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بدر کی غنیمت کی تقسیم پر غازیان بدر کی جھجکاہٹ سے ملول نہ ہوں ان کی یہ جھجکاہٹ ایسی ہی ہے جیسے کہ جب آپ کو رب تعالیٰ نے مدینہ منورہ سے کفار قریش کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا اور پھر بجائے ابو سفیان کے قافلہ کے ابو جہل کے لشکر سے مقابلہ کی نوبت آئی جماعت صحابہ سے کچھ لوگ اس مقابلہ سے جھجکانے لگے یہ لوگ اس برحق جنگ میں آپ سے جھگڑتے تھے حالانکہ ان کو معلوم ہو چکا تھا کہ انشاء اللہ فتح مسلمانوں کی ہو گی آپ نے اس کی پیش گوئی بھی کر دی تھی سرداران کفر کے قتل ہونے کی جگہ بھی بتادی تھی اس وقت ان کا حال ایسا تھا جیسے پھانسی والے ملزم کو پھانسی گھر لے جایا جارہا ہو یا جیسے جانور کو ذبح کرنے کے لئے مذبح لے جایا جارہا ہو وہ وہاں کا سامان قتل دیکھتا ہو اور گھبراتا ہو ایسے ہی یہ لوگ کفار کی تعداد ان کے سازو سامان سن کر گھبرا گئے تھے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور انور کے سارے کام رب کی طرف سے ہیں اس لئے ان پر اعتراض کرنا کفر ہے یہ فائدہ **اخرجک** سے حاصل ہوا کہ مدینہ منورہ سے حضور انور خود روانہ ہوئے مگر رب نے فرمایا کہ ہم نے روانہ کیا۔

سنگ ریزہ ے زند دست جناب مارمیت ازرمیت آید خطاب

دوسرا فائدہ: مدینہ منورہ حضور کا گھر ہے کعبہ بیت اللہ ہے مدینہ بیت رسول اللہ ہے یہ فائدہ **من بیتک** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے سارے مدینہ کو حضور کا گھر فرمایا دیکھو اس کی دوسری تفسیر مدینہ منورہ میں اس لئے عشاق کے دل رہتے ہیں کہ یہ محبوب خانہ ہے۔

میرا دل زار مدینہ میں ہے میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے

تیسرا فائدہ: حضور انور کا ہر فعل ہر ادا ہر حرکت و سکون حق ہے بلکہ حضور انور خود سراپا حق ہیں یہ فائدہ بالحق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** کسی حکم شرعی سے طبعی ناپسندیدگی نہ کفر ہے نہ گناہ کہ یہ بے اختیاری چیز ہے دیکھو رب تعالیٰ نے ان حضرات کو مومن فرمایا جو ابو جہل کی جماعت یعنی نفیر سے جہاد کرنے سے ناخوش تھے ناخوشی اور چیز ہے برا سمجھنا کچھ اور چیز۔ **پانچواں فائدہ:** جھگڑنا جھگڑ جھگڑ کر حضور انور سے غلامانہ عرض کرنا ان سے جھگڑ جھگڑ کر لگنا نہ کفر ہے نہ گناہ دیکھو ان صحابہ کے متعلق رب نے فرمایا **یجادلونک** مگر انہیں مومن کہا نیز انہیں توبہ کا حکم نہ دیا لہذا طلب قرطاس کے موقعہ پر حضرات صحابہ میں جو اختلاف رائے ہوا وہ نہ کفر تھا نہ گناہ رائے دینے کا اختلاف گناہ نہیں۔ اسی طرح حضرت علی و معاویہ کا اختلاف گناہ نہیں کہ جب نبی سے اختلاف رائے گناہ نہیں تو حضرت علی سے اختلاف رائے کفر یا گناہ کیسے ہو سکتا ہے اس کی پوری بحث ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ **چھٹا فائدہ:** رب تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر عتاب فرماتے ہوئے بھی ان کی حمایت کرتا ہے ان پر عتاب بھی کرم ہوتا ہے یہ فائدہ **کانما یساقون الی الموت** سے حاصل ہوا کہ رب نے اس فرمان عالی میں ان کی کراہت کی نوعیت بیان فرمائی کہ وہ ایسی تھی جیسے موت کا سامان دیکھ کر کراہت غیر اختیاری ہوتی ہے اس خطا کے قربان جس کی رب حمایت فرمائے۔ **ساتواں فائدہ:** اس موقعہ پر سارے صحابہ نے اختلاف رائے نہ کیا تھا بلکہ بہت تھوڑے حضرات نے یہ فائدہ **وان فریقا من المؤمنین** سے حاصل ہوا اس کی توہین کا خیال چاہئے ان میں سے بہت حضرات نے ان لوگوں کو سمجھا

www.alahazratnetwork.org

کر قوی دل بہادر بنادیا جیسا کہ ابھی نزول میں عرض کیا گیا اس موقعہ پر حضرت مقداد اور حضرت سعد ابن عبادہ نے عرض و معروض کر کے بہت کچھ کمالیا۔ مصرع

کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ حضور انور کے فرمان و عمل سے نفرت کرتے تھے یہ نفرت کفر ہے لہذا وہ مومن نہ تھے رب فرماتا ہے **لکرھون** (روافض) **جواب:** تعجب یہ ہے کہ رب تعالٰی تو انہیں مومن فرما رہا ہے اور تم انہیں کافر کہتے ہو فرماتا ہے **فریقا من المؤمنین** معترض نے کراہت اور نفرت میں فرق نہیں کیا کراہت کے معنی اور اس کے اقسام و احکام بہت ہیں شرعی حکم سے نفرت کفر ہے طبعی غیر اختیاری ناخوشی نہ کفر ہے نہ گناہ جیسے ہم کو موت سے کراہت ہے حالانکہ وہ حق ہے آنی ہے بولو کیا یہ کراہت موت کفر ہے اسی لئے رب تعالٰی نے اس کراہت کو موت کی کراہت سے تشبیہ دی **کانما یساقون الی الموت** **دوسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بزدل تھے دیکھو بدر کے موقعہ پر کفار کے مقابلہ کی ہمت نہ کرتے تھے۔ **جواب:** حضور کے صحابہ جیسے بہادر، دلیر، جانباز رسول اللہ پر فدائی کبھی آسمان نے نہ دیکھے یہ ہی صحابہ تھے جنہوں نے بدر و حنین کے معرکہ سر کئے یہ ہی صحابہ تھے جنہوں نے قادسیہ یرموک جیسے میدان فتح کئے جن میں کفار سات لاکھ تھے مسلمان چالیس ہزار۔ صحابہ ہی وہ جماعت ہے جسے رب نے دین پھیلانے قرآن جمع کرنے اپنے محبوب کی ہمراہی و صحبت کے لئے منتخب کیا ان پر اعتراض رب تعالٰی پر اعتراض ہے انہیں بزدل کہنے والے ذرا اپنے گریبان میں منہ ڈالیں کہ انہوں نے دین کے لئے کونسا کارنامہ کیا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** رب تعالٰی نے اس واقعہ کے متعلق بالحق اور بعد ما تبین کیوں فرمایا فتح بدر تو بعد میں ظاہر ہوئی اس وقت اسے تبین کیوں کہا بھی تو بظاہر مسلمانوں کی شکست تھی کہ اسباب جنگ اور تعداد وغیرہ ہر طرح سے یہ کم تھے رب نے فرمایا **اذ نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ** **جواب:** اس لئے کہ حضور انور نے فتح کی بشارت دے دی تھی بلکہ سرداران کفر کے قتل کی جگہ تک بتادی تھیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور نے ایک چھڑی سے میدان بدر میں خطوط کھینچ کر جگہ معین کردی تھی کہ کل فلاں یہاں مارا جاوے گا اور فلاں یہاں قسم ہے رب کی کہ کوئی کافر حضور انور کی بتائی ہوئی جگہ سے ایک بال ادھر ادھر نہ مرا ٹھیک اسی جگہ قتل ہوا یہ ہے حضور انور کی غیب دانی اور یہ ہیں تبین کے معنی۔

تفسیر صوفیانہ: اے مومن یہ نہ سمجھ کہ غزوہ بدر صرف ایک بار ہو کر ختم ہو چکا خود تجھ میں میدان بدر موجود ہے جہاں مومنین اور کفار کی جنگ ہوتی رہتی ہے رب تعالٰی نے تجھے وطن وجود سے بدر جود کی طرف نکالا جہاں صفات جمال و جلال کی تجلیاں پڑ رہی ہیں اس تجلی کے وقت بعض مومن یعنی قلب روح کراہت کراتے ہیں کہ انہیں فنا تو نظر آتی ہے مگر بعد فنا بقاء کی طرف دھیان نہیں جاتا انہیں یہ فنا فی اللہ ہونا موت کی طرح بھیانک نظر آتا ہے مولانا فرماتے ہیں۔

شیر دنیا جوید شکاری و برگ ۔۔۔ شیر مولی جوید آزادی و مرگ
چونکہ اندر مرگ بیند صد وجود ۔۔۔ ہمچو پروانہ بسوزد اند وجود!
کل شی ء ھالک جز وجہ او ۔۔۔ چوں نہ در وجہ او ہستی مجو

www.alahazratnetwork.org

ہر کہ اندر وجہ ما باشد فنا کل شیء ھالک نہ بود جزا

زانکہ در الا است اواز لا گذشت ہر کہ درالاست او فانی نگشت

دنیا کا شیر یہاں کا شکار اور برگ و بار ڈھونڈتا ہے مگر مولی کا شیر آزادی اور فنا ڈھونڈتا ہے کیونکہ وہ اس فنا میں ہزار زندگیاں دیکھتا ہے وہ اس فنا کی شمع پر پروانہ کی طرح قربان ہو جاتا ہے پھر اس پر کل شیء ھالک کا قانون جاری نہیں ہوتا جو فنافی اللہ ہوا اسے ہلاک کون کرے۔ جو الا اللہ میں پہنچا وہ لا یعنی نیستی سے گزر گیا جو الا میں گم ہو لو وہ کبھی فنا نہ ہوا سبحان اللہ اس میں مولانا نے **بل احیاء و لکن لا تشعرون** کا نقشہ کھینچ دیا۔ نفی کی نفی ثبوت بن جاتی ہے موت نفی ہے اور فنافی اللہ نفی کی نفی ہے لہذا اسے بقا ہی ملے گی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نبی خصوصاً حضور ﷺ بذات خود بھی حق ہیں ان کا ہر قول و فعل حق ہے حتی کہ گذشتہ انبیاء کرام سے جو لغزشیں یا خطائیں صادر ہوئیں وہ بھی حق تھیں رب کی طرف سے تھیں۔ جن پر بہت اچھے نتیجے برآمد ہوئے سارے عالم کا ظہور حضرت آدم کی خطاء کی برکت سے ہے اب پڑھو **یجادلونک فی الحق**۔

وَاِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
اور جب وعدہ فرماتا تھا تم سے اللہ دو ٹولوں میں سے ایک کا کہ بیشک وہ تمہارے واسطے ہے اور
اور یاد کرو جب اللہ نے تمہیں وعدہ دیا تھا کہ ان دونوں گروہوں میں ایک تمہارے لئے ہے اور تم یہ چاہتے
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ
پسند کرتے تھے تم یہ کہ تحقیق غیر کانٹے والا ہو تمہارے لئے اور ارادہ کرتا تھا اللہ کہ حق کر دکھائے
تھے کہ تمہیں وہ ملے جس میں کانٹے کا کھٹکا نہیں اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے کلام سے سچ کو سچ کر دکھائے اور کافروں
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۙ﴿۷﴾ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸﴾
حق کو اپنے فرمانوں سے اور کاٹ دے جڑ کافروں کی۔ تاکہ حق کو دکھائے حق کو اور باطل کو دکھائے باطل کو اگرچہ ناپسند کریں مجرم لوگ
کی جڑ کاٹ دے کہ سچ کو سچ کرے اور جھوٹ کو جھوٹا کر دے برا مانیں مجرم

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں غازیان بدر میں سے بعض کے خوف و ڈر کا ذکر ہوا کہ ہم تھوڑے اور بے سروسامان ہیں گھر سے اتنی بڑی جنگ کے لئے نہیں نکلے تھے ہم ان پر فتح کیسے پائیں گے اب رب تعالیٰ کے وعدہ فتح کا تذکرہ ہے گویا صحابہ کے خوف کے ذکر کے بعد خوف دفع کرنے والی چیز کا تذکرہ ہے زخم کے بعد مرہم کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ان صحابہ نے اس غزوہ بدر کو اپنے لئے موت سمجھا اس لئے اس سے ہچکچائے اب ارشاد ہے کہ یہ جنگ ان کے لئے زندگی اور کفار کے لئے موت ہوئی گویا ان کے خیال کے بعد اصل حقیقت کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضور ﷺ کی حقانیت کا ذکر ہوا کہ ان کا ہر فعل ہر عمل بلکہ ہر خیال حق ہے اب اسی حقانیت کی

www.alahazratnetwork.org

وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ ان کا ہر عمل رب کے ارادے سے ہوتا ہے اس کا انجام صحابہ بلکہ ساری مخلوق کے لئے اچھا ہوتا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ حق ظاہر ہونے کے بعد یہ لوگ آپ سے جھگڑتے ہیں اب حق ظاہر ہونے کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ اللہ نے ان سے وعدہ فتح فرمایا اگرچہ یہ وعدہ حضور نے کیا تھا مگر حضور کا وعدہ رب کا وعدہ اس لئے اسے ظہور قرار دیا گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی شرح یا اس کی تفصیل ہے۔

تفسیر: واذیعدکم اللہ اس فرمان عالی میں اذ ظرفیہ ہے اور یہ عبارت **اذکروا** پوشیدہ کا مفعول ہے چونکہ یہ نیا جملہ اس لئے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے **یعد** بنا ہے وعد سے کسی اچھی چیز کا امیدوار بنانا وعدہ ہے بری اور خطرناک چیز سے ڈرانا **وعید** اللہ تعالیٰ کے وعدے ایسے سچے ہیں کہ ان کا خلاف ہونا بالکل ناممکن ہے اگرچہ وعدہ غازیان بدر سے حضور ﷺ نے کیا تھا مگر چونکہ حضور انور کا وعدہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے اس لئے **یعدکم اللہ** ارشاد ہوا **احدی الطائفتین** یہ عبارت **یعد** کا دوسرا مفعول **احدی** مونث ہے واحد کا خلاف قیاس' دو ٹولوں سے مراد عیر اور نفیر ہیں عیر ابو سفیان کا قافلہ جس میں صرف چالیس آدمی تھی اور نفیر ابو جہل کی جماعت جس میں لولا "نو سو پچاس پھر ایک ہزار آدمی ہو گئے تھے جو سارے مسلح تھے دو ٹولوں میں سے ایک سے مراد نفیر ہے یعنی رب تعالیٰ نے تو اپنے محبوب کے ذریعہ تم سے دو ٹولوں میں سے ایک یعنی نفیر کا وعدہ کیا تھا کہ **انہا لکم** یہ عبارت بدل اشتمال ہے **احدی الطائفتین** کا **لکم** میں لام تسلط کا ہے یا خصوصیت کا یعنی ابو جہل کی نفیر جماعت تمہارے لئے مکہ سے بھیجی گئی ہے تم ان پر پورے طور پر مسلط ہو گے کہ ان کے چوٹی کے سرداروں کو قتل کرو گے اور بہت کو قید اور ان کا مال غنیمت بنا کر لو گے یہ مطلب خوب دھیان میں رہے کہ رب نے تم سے ان دو ٹولوں میں سے ایک یعنی نفیر کا وعدہ کیا مگر تمہارا یہ حال تھا کہ اس وعدہ کے باوجود **تودون ان غیر ذات الشوکتہ تکون لکم** یہ عبارت معطوف ہے **یعدکم** پر **تودون** بنا ہے **ود** سے بمعنی چاہنا پسند کرنا رغبت کرنا ذات مونث ہے ذو کا شوکت بنا ہے شوک سے بمعنی کانٹا ایک خاردار درخت کو بھی شوک کہتے ہیں نیز نیزہ کی نوک کو بھی شوک کہا جاتا ہے کہ وہ کانٹے کی مشابہ ہے اصطلاح میں سختی' تیزی اور ہتھیار کو شوک کہتے ہیں ذات الشوکہ تو ابو جہل کی جماعت یعنی نفیر تھی اور غیر ذات الشوکہ ابو سفیان کی جماعت یعنی عیر تھی یہاں بھی لکم میں لام تسلط کا ہے یعنی اس وعدے کے باوجود تم یہ ہی پسند کرتے تھے کہ تمہارا مقابلہ ابو سفیان کے قافلہ سے ہو جس کے پاس نہ ہتھیار ہیں نہ زیادہ تعداد تاکہ تمہیں تکلیف نہ پہنچے **ویرید اللہ ان یحق الحق** اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کے ارادے اس کے وعدے کی حکمت کا بیان ہے۔ **یحق** بنا ہے احقاق سے بمعنی حق ظاہر کر دینا اس کی حقانیت لوگوں کو دکھا دینا الحق سے مراد اسلام اور اس کی حقانیت ہے یعنی اگر تم ابو سفیان کے قافلہ پر قابو پا لیتے تو اسلام کی حقانیت ظاہر نہ ہوتی یہی کہا جاتا کہ چونکہ یہ قافلہ چھوٹا سا تھا اس کے پاس سامان جنگ تھا نہیں اس لئے مار کھا گیا اب اس کے برعکس ہوا کہ تم نے باوجود اپنی کمی اور بے سامانی کے ایسے لشکر جرار کو قابو میں کر لیا انہیں شکست فاش دے دی پتہ چلا کہ تمہارے پاس روحانی طاقت ہے **بکلماتہ** یہ فرمان متعلق ہے یحق کے کلمات سے مراد یا تو وہ وحی الٰہی ہے جو حضور انور کو اس کے متعلق کی گئی یا حضور انور کے فرمان عالیہ کہ کل فلاں یہاں مارا جاوے گا اور فلاں کافر یہاں یا وہ احکام الٰہیہ مراد ہیں جو غزوہ میں امداد کرنے والے فرشتوں کو دیئے گئے جن کا ذکر اگلی آیات میں ہے **ویقطع دابر الکافرین** یہ عبارت

www.alahazratnetwork.org

معطوف ہے **یحق الحق** پر اور یرید کا مفعول۔ دابر بنا ہے دبر سے ، معنی پیچھے دابر پیچھے آنے والی چیز اصطلاح میں جڑ کو دابر کہتے ہیں کہ جب درخت کو جڑ سے کاٹتے ہیں تو پہلے شاخیں کاٹتے ہیں پھر تنا پھر سب سے پیچھے جڑ الکافرین سے مراد کفار مکہ ہیں یعنی ہم چاہتے تھے کہ کفار مکہ کی جڑ کٹ جاوے اگر تم ابو سفیان کے قافلہ پر حملہ کرتے تو سردار کفر صرف ابو سفیان مارے جاتے اب تو کفار مکہ کے چوٹی کے بہت سے سردار مارے گئے اور قید ہوئے بعد میں مسلمان ہوئے کفر کی جڑ تو اب کٹی **لیحق الحق** یہاں یحق ارادے کا مفعول تھا یعنی ہم نے حق کو ظاہر کرنے کا ارادہ کیا اور یہاں غزوہ بدر کے نتیجہ کا ذکر ہے یعنی یہ جنگ حق و باطل میں فیصلہ کن جنگ ہوئی لہذا عبارت میں تکرار نہیں۔ (روح المعانی وغیرہ) **ویبطل الباطل** یہ معطوف ہے یحق پر ابطال سے مراد ہے جھوٹ و بطلان کو ظاہر فرمادینا اور الباطل سے مراد ہے کفار مکہ کا کفر یعنی اس جنگ کا دوسرا مقصد کفر کا بطلان ظاہر کرنا تھا یہ اسی صورت میں ہوا کہ تم کو ابو جہل جماعت سے بھڑا دیا گیا **ولو کرہ المجرمون** یہاں مجرمون سے مراد کفار مکہ ہیں **کرہ** سے مراد ہے دلی نفرت یا خلاف توقع شکست یعنی اگرچہ کفار مکہ تمہاری فتح اور اپنی شکست سے سخت متنفر تھے یا یہ واقعہ ان کی امید کے بالکل خلاف ہوا وہ تو تم کو مٹا کر جشن منانے شراب پینے رقص و سرود کی مجلسیں قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے مگر ہوا یہ کہ پہلے ہلہ میں ہی دو بچوں کے ہاتھوں ابو جہل قتل ہوا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو وہ وقت بھی یاد کرو یا یاد رکھو کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ تو کفار کی دو جماعتوں میں سے ایک جماعت یعنی ابو جہل نفیر کا تم سے وعدہ فرمارہا تھا کہ تم اس جماعت پر تسلط حاصل کرو گے کہ ان کو قتل و قید کرو گے ان کا مال غنیمت بنا کر لو گے مگر تمہارا یہ حال تھا کہ تم اس جماعت سے بھڑنا چاہتے تھے جو غیر مسلح تھوڑی سی تھی یعنی ابو سفیان کا قافلہ تم چاہتے تھے کہ بس یہ ہی ہمارے قابو میں آجاوے گا مگر حق تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ تمہاری جنگ اس مسلح جماعت سے ہو پھر تم ان پر فتح پاؤ اللہ کے حکم سے اسلام کی حقانیت ظاہر ہو دنیا کو کہنا پڑے کہ یہ فتح صرف حقانیت کی طاقت سے ہوئی اور کفر کی جڑ کٹ جاوے کہ تمہارے ہاتھوں سرداران کفر قتل ہوں اور کفار کی ہمت ٹوٹ جاوے یہ فائدے اس قافلہ پر حملہ کی صورت میں حاصل نہ ہوتے لہذا ہم نے تم کو ابو جہل کی جماعت سے بھڑا دیا تاکہ حق کا حق ہونا اور باطل کا باطل ہونا ظاہر ہو جاوے اگرچہ یہ شکست کفار کو بڑی ہی بری معلوم ہوئی اور ان کی یہ شکست ان کی توقع کے بالکل خلاف ہوئی۔

حکایت: جب ابو جہل نے مکہ معظمہ میں بدر کے لئے اپنی جماعت جمع کی تو بڑے بڑے سرداروں کو اس لشکر میں شامل کیا ابو لہب کے سوا باقی قریباً سارے ہی سردار لشکر میں شامل ہوگئے۔ ابو لہب نے اپنی طرف سے عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو بھیج دیا رات میں یہ بھرتی ہوئی صبح کو روانگی تھی کہ کسی نے کہا کہ تمہارے سردار تو چل دیئے مکہ خالی کئے جارہے ہو ممکن ہے کہ تمہارے پیچھے مکہ پر قبیلہ بنی بکر ابن عبد مناف ابن کنانہ ٹوٹ پڑے اور تمہارے گھروں بچوں بیویوں کو تباہ کر ڈالے کیونکہ ان سے ہماری پرانی دشمنی ہے قریب تھا کہ یہ لشکر تتر بتر ہو جاوے کہ ابلیس سراقہ ابن مالک ابن جعشم کی شکل میں ان کے پاس آیا سراقہ قبیلہ بنی بکر کے سردار تھے اور بولا کہ تم ایک بڑے نیک کام کے لئے جارہے ہو میں تم کو اطمینان دلاتا ہوں کہ میرا قبیلہ بنی بکر تمہارے پیچھے مکہ پر کوئی حملہ نہ کرے گا بلکہ تمہاری مدد کرے گا یہ سنتے ہی ان لوگوں نے خوشی کے نعرے لگائے اور جنگ کے لئے تیار ہوگئے (تفسیر خازن) در حقیقت ان سب کے سروں پر موت سوار تھی یہ ہی ابلیس اسی جنگ بدر کے موقعہ پر خاص بدر

www.alahazratnetwork.org

کی رات شیخ نجدی کی شکل میں کفار مکہ کے پاس پہنچا اور رات بھر انہیں جنگ کی چالیں سکھاتا رہا جس کا پورا واقعہ قرآن مجید میں مذکور ہے صبح کے وقت کفار کو میدان جنگ میں ساتھ لایا مگر فرشتے نازل ہوتے دیکھ کر بھاگا جب کفار نے اسے روکنا چاہا کہ تو تو ہمارا معاون بنا تھا اب وقت پر کہاں بھاگا جاتا ہے تو بولا **انی اری مالا ترون انی اخاف اللہ رب العلمین**۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ رب تعالیٰ کے نائب اس کے کار مختار ہیں کہ حضور کا وعدہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہے یہ فائدہ **یعدکم اللہ** سے حاصل ہوا کہ یہ وعدہ ان حضرات سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا مگر رب تعالیٰ فرمایا **یعدکم اللہ** اللہ تعالیٰ نے تم سے وعدہ کیا۔ **دوسرا فائدہ:** طبیعت انسانی ظاہری عیش و آرام چاہتی ہے حقیقت پر نظر کسی کسی کی ہوتی ہے یہ خواہش جرم نہیں اور نہ اس پر پکڑ ہے یہ فائدہ **وتودون** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان غازیان بدر کی یہ خواہش بیان فرمائی مگر اسے جرم قرار نہ دیا بلکہ انہیں سے اتنا بڑا کار خیر کرایا انہیں کے سر اس فتح کا سہرا رکھا۔ **تیسرا فائدہ:** کبھی ظاہری مصیبت و تکلیف کا انجام بڑا شاندار ہوتا ہے مصیبت پر جلد گھبرانا نہیں چاہئے انجام کا انتظار کرنا چاہئے یہ فائدہ **یحق الحق** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** غزوہ بدر اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حضور ﷺ کے معجزے کا بڑا نمونہ تھی اس میں چند باتیں بے مثال ہوئیں (1) مسلمانوں کا جنگ کے لئے بالکل تیاری نہ کرنا کفار کا پوری تیاری سے میدان میں آنا (2) مسلمانوں کی تعداد بہت تھوڑی ہونا کفار کی تعداد تگنی سے بھی زیادہ ہونا (3) مسلمانوں کا بالکل بے سرو سامان ہونا کفار کا ہر طرح سازو سامان' آلات جنگ سے مسلح ہونا (4) مسلمانوں میں اکثر کا ناتجربہ کار ہونا کفار کا تجربہ کار جنگ آزمودہ ہونا (5) حضور ﷺ کا پہلے ہی فتح کی بشارت دے دینا (6) حضور ﷺ کا ایک دن پہلے خط کھینچ کر ہر کافر کے قتل گاہ کا تعین فرما دینا پھر اس کافر کا اس جگہ مارا جانا ایک انچ ادھر ادھر نہ ہونا (7) جنگ شروع ہونے سے پہلے ابو جہل کا دو ناتجربہ کار بچوں کے ہاتھ قتل ہونا اور نقشہ جنگ کا مومنوں کے موافق ہو جانا (8) اس جنگ میں بڑے بڑے سرداروں کا مارا جانا (9) مسلمانوں کے ہاتھوں ستر کفار کا مارا جانا ستر کا قید ہو جانا (10) مسلمانوں کی مدد کے لئے آسمان سے فرشتوں کا اترنا وغیرہ وغیرہ ان وجوہ سے قرآن کریم نے اس غزوہ کا ذکر جگہ جگہ کیا ہے اور اسے رب تعالیٰ کی قدرت کی نشانی قرار دیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ آرام طلب عیش پسند تھے دیکھو ایسے نازک موقعہ پر انہیں عیر کی طلب تھی جس میں تکلیف نہ ہو رب فرماتا ہے **وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم**۔ **جواب:** اگر یہ حضرات آرام طلب عیش پسند تھے تو بدر کی جنگ اس کے علاوہ بڑی بڑی جنگیں فتح کس نے کیں انہوں نے ہی کیں یہ ان کی آرام طلبی نہ تھی بلکہ تیاری جنگ نہ کرنے کی وجہ سے عرض کیا تھا کہ ہم کو فی الحال موقعہ تیاری کا دیا جاوے حکم نبی پا کر انہیں جانبازوں نے فتح کی۔ **دوسرا اعتراض:** کیا رب تعالیٰ نے غازیان بدر کو اختیار دیا تھا کہ چاہیں تو عیر یعنی ابو سفیان کے قافلہ سے لڑیں اور چاہیں تو نفیر یعنی ابو جہل کے جنگجو بہادروں سے اگر نہیں دیا تو اس کے کیا معنی کہ **اذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین** اور اگر اختیار دیا تھا کہ وہ حضرات تو عیر سے جنگ چاہتے تھے انہیں نفیر سے لڑنے پر مجبور کیوں کیا گیا اختیار و جبر میں تعارض ہے۔ **جواب:** اس آیت سے اختیار دینا ثابت نہیں ہوتا۔ آیت کے معنی یہ ہیں کہ ہم تو تم سے ایک ٹولہ کا وعدہ کرتے تھے یعنی نفیر کا اور تم دوسرے ٹولہ کو چاہتے تھے یعنی عیر کو جس میں تم کو کوئی دشواری نہ ہو۔ **تیسرا اعتراض:** غزوہ بدر سے حق

وباطل میں فرق کیسے ہوا دن رات جنگیں ہوتی رہتی ہیں جن میں بعض کو فتح بعض کو شکست ہوتی ہے پھر اس کا ذکر اتنے اہتمام سے کیوں ہوتا ہے ابھی جنگ عظیم میں جو جرمن اور انگریزوں میں ہوئی ہزارہا آدمی مارے گئے ابھی امریکہ نورویت نام میں جنگ ہو رہی ہے روزانہ سینکڑوں ہلاک ہو رہے ہیں۔ **جواب**: جنگ بدر کی اہمیت اور اس کی بے مثالی ہم ابھی چوتھے فائدے کے ماتحت عرض کر چکے ہیں کہ تھوڑے سے ناتجربہ کاروں بے سامان لوگوں کا جو کہ تیاری کر کے نہ آئے تھے۔ ایسے تجربہ کار تیار لشکر جرار سے مقابلہ پھر دو بچوں کا ابو جہل کو مارنا۔ غیبی فرشتوں کا مدد کے لئے آنا مکہ کے بڑے بڑے سرداروں کا مارا جانا یہ حق و باطل کا فیصلہ نہیں تو اور کیا ہے۔ **چوتھا اعتراض**: جنگ بدر سے کفار کی جڑ تو نہیں کٹی کفار تو اب تک موجود ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ **ویقطع دابر الکافرین** رب تعالیٰ کافروں کی جڑ کاٹ دے۔ **جواب**: الکافرین سے مراد کفار مکہ ہیں واقعی اس جنگ میں ان کی جڑیں کٹ گئیں کہ بڑے بڑے سردار مارے گئے جو بچے وہ آخر کار ایمان لے آئے بہت وہ تھے جو جنگ بدر کا حال دیکھ کر دل سے ایمان لے آئے مگر اس کا اظہار بعد میں کیا جیسے حضرت عباس **پانچواں اعتراض**: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صحابہ خصوصاً غازیان بدر مجرم لوگ تھے فرماتا ہے **ولو کرہ المجرمون** انہوں نے ہی کراہت کی تھی۔ **جواب**: یہ ترجمہ ہی غلط ہے المجرمون سے مراد کفار مکہ ہیں جو مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے انہیں کو یہ شکست بہت ناپسند ہوئی کہ وہ کچھ سمجھ کر آئے تھے اور ہو گیا کچھ اور حق و باطل کا یہ فیصلہ مومنوں کے لئے تو بہت ہی خوشی کا سبب ہوا وہ لوگ اس فتح سے کراہت کیوں کرتے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عالم جسمانیات میں پانی کھانے وغیرہ کے مختلف ڈپو ہیں کہ پانی کنوئیں، تالاب، دریا بادل وغیرہ سے ملتا ہے مگر آگ کے لئے قدرت نے کوئی ڈپو پیدا نہیں کیا آگ کا نہ کہیں کنواں نہ تالاب نہ سمندر بلکہ یہ ہر جسم میں قدرت نے ودیعت رکھی ہے کوئی تیلی لگانے والا مل جاوے اس کے لگتے ہی وہ چیز آگ بن جاتی ہے یوں ہی عالم روحانیات میں اطاعت گویا روحانی پانی ہے۔ جس کا ڈپو علماء دین اور دینی کتب یا اور مقدس مقامات ہیں مگر عشق رسول کی آگ کے لئے نہ کتابیں ہیں نہ مدرسے نہ معلمین یہ تو قدرت نے ہر دل میں رکھی ہے **وفی انفسکم افلا تبصرون** اس کے لئے کوئی تیلی لگانے والی نگاہ چاہیے تو دل خود ہی بھڑک اٹھتا ہے یہ حضرات غازیان بدر اول درجے کے مطیع تھے فرمانبردار تھے مگر جب میدان بدر میں پہنچے تو ان میں عشق رسول کی آگ دبی ہوئی تھی انہوں نے اطاعت کی نگاہ سے عیر اور نفیر کو دیکھا اور عیر کو نفیر پر ترجیح دی مگر اللہ کے حبیب ﷺ کے ایک لفظ اور ایک نظر نے تیلی کا کام دیا دلوں میں دبی آگ بھڑک اٹھی بجلی بن کر کفار پر گری اور چند گھنٹے میں انہیں بھسم کر کے رکھ دیا عقل میں اگر مگر ہے عشق ان کاوشوں سے آزاد ہے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی

اس عقل و عشق کی جنگ میں کفار کی جڑ کٹ گئی اور مومنوں کی جڑ اور بھی قائم ہو گئی یہ آیت کریمہ عقل و عشق کی جامع ہے۔

www.alahazratnetwork.org

إِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ أَنِّي مُمِدُّكُم بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

جب کہ مدد مانگتے تھے تم رب سے اپنے پس قبول کر لی رب نے تمہاری بیشک میں امداد دینے والا ہوں تم کو

جب تم اپنے رب سے فریاد کرتے تھے تو اس نے تمہاری سن لی کہ میں تمہیں مدد دینے والا ہوں ہزار

مُرْدِفِينَ ﴿٩﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ وَلِتَطْمَئِنَّ بِهِ قُلُوبُكُمْ ۚ وَمَا

ایک ہزار فرشتوں سے آگے پیچھے اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے مگر بشارت اور تاکہ مطمئن ہو جائیں دل تمہارے

فرشتوں کی قطار سے اور یہ تو اللہ نے نہ کیا مگر تمہاری خوشی کو اور اس لئے کہ تمہارے دل چین پائیں

النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِندِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿١٠﴾ ع ۵

اور نہیں ہے مدد مگر اللہ کے پاس سے تحقیق اللہ غلبہ والا حکمت والا ہے۔

اور مدد نہیں مگر اللہ کی بیشک اللہ غالب حکمت والا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جنگ بدر کا مقصد بیان ہوا حق کی حقانیت اور باطل کے بطلان کا اظہار اب اس کی صورت بیان ہو رہی ہے کہ یہ کیسے ہوا ان غازیوں کی دعا اور آسمانی مدد بھی اس میں شامل تھی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں غازیان بدر کی عارضی ہچکچاہٹ کا ذکر تھا جو کفار کی ظاہری شان دیکھ کر پیدا ہو گئی تھی اب ان کے اصلی ذاتی استقلال اور اس استقلال پر رحمت خداوندی کا تذکرہ ہے یعنی غیبی، آسمانی مدد کا آنا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کے وعدہ کا ذکر ہوا **واذیعدکم اللہ احدی الطائفتین** اب اس وعدہ کے پورا ہونے کا ذکر ہے کہ یہ وعدہ آسمانی امداد سے پورا کیا گیا۔

نزول: مسلم شریف، احمد، ابو داؤد، ترمذی نے حضرت عبداللہ ابن عباس سے روایت کی وہ فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر ابن خطاب نے خبر دی کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضور ﷺ نے اپنے صحابہ کی قلت اور بے سروسامانی ملاحظہ فرمائی ادھر کفار کی کثرت اور ان کے سازو سامان کو دیکھا تو اپنے عریش میں قبلہ رو ہو کر دعا کی الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر اے میرے رب اگر تو نے میری اس ٹوٹی پھوٹی جماعت کی مدد نہ کی تو روئے زمین پر تیری عبادت کبھی نہ ہو گی ہاتھ پھیلائے ہوئے یہ عرض کرتے رہے حتی کہ کندھے مبارک سے چادر شریف گر گئی۔ حضرت ابوبکر صدیق نے چادر کندھے شریف پر ڈالی اور حضور سے لپٹ گئے عرض کی یا رسول اللہ آپ نے دعا کافی کر لی رب تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا اس پر یہ آیۂ کریمہ نازل ہوئی (روح البیان، معانی، کبیر، خازن، بیضاوی، صاوی وغیرہ) اس کے بعد حضور انور کے پاس حضرت ابوبکر صدیق بیٹھ گئے۔ حضور انور پر کچھ غنودگی سی طاری ہوئی پھر بیدار ہوئے اور فرمایا اے ابوبکر اللہ کی مدد آ گئی وہ دیکھو جبریل امین اپنے گھوڑے کی لگام تھامے آ رہے ہیں (خازن)۔

تفسیر: اذتستغیثون ربکم اس جملہ کی بہت تفسیریں ہیں اس میں اذیا تو یحق الحق کا ظرف ہے یا **اذیعدکم اللہ** کا بیان۔ مگر قوی یہ ہے کہ یہ **اذکرو** پوشیدہ فعل کا مفعول **بہ** ہے یعنی اس وقت کو یاد کرو جب کہ **تستغیثون** تا ہے

www.alahazratnetwork.org

استغاثتہ سے جس کا مادہ غوث ہے۔ معنی مدد **استغاثتہ** مدد مانگنا اگرچہ مدد صرف حضور انور نے مانگی تھی مگر چونکہ حضور انور اپنی امت کے امام ہیں امام کا کام ساری جماعت کا کام ہوتا ہے قراۃ الامام لہ قراۃ۔ اس لئے **تستغیثون** جمع ارشاد ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس دعا پر نمازیوں نے آمین کہی تھی اور آمین بھی دعا ہے اس لئے جمع ارشاد ہوا بعض نے فرمایا کہ غزوہ بدر کے موقعہ پر صحابہ کرام نے دعا کی تھی جس کے الفاظ یہ تھے **ای رب انصرنا علٰی عدوک یا غیاث المستغیثین اغثنا** اس آیت میں اس دعا کا ذکر ہے (روح البیان) یعنی اے ہمارے رب ہم کو اپنے دشمن پر فتح دے اے فریادیوں کی فریاد سننے والے۔ مگر پہلا قول قوی ہے چونکہ اس دعا میں لفظ رب تھا اس لئے **ربکم** فرمایا نیز جس دعا میں پانچ بار **ربنا** کہا جاوے وہ جلد قبول ہوتی ہے۔ رب کہہ کر جو دعا مانگی جاوے وہ جلد قبول ہوتی ہے اسی لئے ارشاد ہوا **فاستجاب لکم** رب نے تمہاری دعا فوراً" قبول فرمائی ف۔ معنی فوراً" ہے استجابت کے معنی جواب دینا بھی ہیں اور قبول کرنا بھی یہاں۔ معنی قبول کرنا ہے لکم میں لام نفع کا ہے کم میں خطاب سارے غازیان بدر سے یا حضور ﷺ سے اور جمع فرمانا تعظیم کے لئے یا یہ مطلب ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کی دعا تمہارے نفع کے لئے قبول فرمائی **انی ممدکم بالف من الملئکۃ مردفین** اس عبارت میں **انی**۔ معنی بانی ہے اور یہ استجاب کا بیان ہے ممد بنا ہے امداد سے۔ معنی مدد دینا اس موقعہ پر پہلے ایک ہزار فرشتے نازل ہوئے پھر تین ہزار پھر پانچ ہزار پورے کر دیئے گئے لہٰذا یہ آیت ان آیات کے خلاف نہیں جن میں تین ہزار یا پانچ ہزار فرشتوں کے نزول کا ذکر ہے **مردفین** حال ہے ملئکۃ سے یہ لفظ بنا ہے **ردف** سے۔ معنی پیچھے ہونا رب فرماتا ہے **ردف لکم** ایک گھوڑے پر دو سوار ہوں تو پیچھے والے کو ردیف کہتے ہیں چونکہ یہ فرشتے ایک ساتھ بھیڑ کی شکل میں نہ تو آئے تھے نہ اس طرح کھڑے ہوئے تھے بلکہ آگے پیچھے لائن لگائے ہوئے آئے اور غازیوں کے ساتھ کھڑے ہوئے نیز وہ سب ایک دم نہ آئے بلکہ پہلے ایک ہزار پھر دو ہزار پھر ان کے پیچھے اور دو ہزار اس لئے مردفین ارشاد ہوا۔ دوسرا جملہ ارشاد ہوا مسومین نشان والے کیونکہ وہ سب فرشتے جنگی وردی پیٹی میں تھے یعنی سپاہیانہ لباس میں **وما جعلہ اللہ الا بشری** اس فرمان عالی میں فرشتے بھیجنے کی حکمت کا ذکر ہے یعنی یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہ آئے تھے اس کے لئے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا ایک فرشتے نے قوم لوط کی بستیاں الٹ کر رکھ دیں ایک فرشتے نے چیخ مار کر قوم صالح علیہ السلام کی بستی ہلاک کر دی بلکہ یہ نزول ملئکہ چند حکمتوں سے ہوا ایک یہ کہ اس سے تم کو خوشی ہوئی کہ جب تم نے فرشتوں کا نزول سنا تو تمہارے مرجھائے ہوئے چہرے کھل گئے اور تم کو اپنی فتح کفار کی شکست کا یقین ہو گیا۔ دوسری حکمت یہ کہ **ولتطمئن بہ قلوبکم** قوی یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے بشری پر چونکہ غازیوں کا اطمینان اصل مقصود تھا اور بشارت اس کے تابع اس لئے اسے اتنی دراز عبارت سے بیان فرمایا مفرد پر جملہ کا اور جملہ پر مفرد کا عطف جائز ہے رب فرماتا ہے **لترکبوھا وزینۃ** (روح المعانی) یعنی ان فرشتوں کے نزول کا اثر یہ ہو گا کہ اس سے تمہارے دلوں کو چین و امن نصیب ہو گا۔ جہاد میں دل کا چین بہت ضروری ہے اگرچہ وہ فرشتے دیکھنے میں نہ آئیں گے مگر اس کا اثر تمہارے دلوں پر ضرور پڑے گا یہ پروگرام تو ظاہری اہتمام کے لئے ہے حقیقت یہ ہے کہ **وما النصر الا من عند اللہ** مدد اور فتح اللہ تعالٰی کی طرف سے ہی ہے فرشتے اور یہ تمام کاروائیاں صرف سبب فتح ہیں منصور وہ جسے اللہ فتح دے لہٰذا مومن کو چاہئے کہ رب کے کرم پر نظر رکھے **ان اللہ عزیز حکیم** یہ فرمان عالی

www.alahazratnetwork.org

وما النصر کی دلیل ہے یعنی اللہ تعالیٰ غالب بھی ایسا کہ جسے چاہے اسے غالب کرے اور حکمت والا بھی کہ اگر جنگ میں فتح دیتا ہے اس میں حکمت ہے اور اگر کسی کو شکست دیتا ہے تو اس میں بھی کوئی حکمت۔

خلاصہ تفسیر اے غازیان بدر وہ وقت بھی یاد رکھو یاد کرو جب کہ تم کو یقین ہو گیا کہ ہم کو ابو جہل کے نفیر سے جنگ کرنا ہے تو تم نے یا تمہارے نبی نے تمہارے لئے تمہارے رب سے فتح کی دعا مانگی عرض کیا کہ اے مولیٰ تو نے جو مجھ سے وعدہ کیا ہے وہ پورا فرما اگر تو نے اس جماعت کی مدد نہ کی تو پھر دنیا میں تیری عبادت کوئی نہ کرے گا کہ یہ امت آخری امت ہے تو رب تعالیٰ نے فوراً" تمہاری دعا قبول فرمائی اور تم کو خبر دی کہ میں ایک ہزار فرشتوں سے تمہاری مدد کرتا ہوں جو لگاتار صف بستہ آگے پیچھے تمہارے پاس پہنچ رہے ہیں چنانچہ ابن جریر نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ حضرت جبریل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی جماعت لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے داہنی طرف اترے اس جانب حضرت ابو بکر صدیق تھے اور حضرت میکائیل علیہ السلام ایک ہزار فرشتوں کی جماعت لے کر حضور انور کی بائیں طرف اترے اس طرف میں تھا (روح المعانی) یہ خیال رہے کہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہیں آئے تھے اس کے لئے تو ایک فرشتہ ہی کافی تھا بلکہ اس کے چند فوائد تھے (1) ان کی آمد سے تمہارے مرجھائے چہرے کھل جاویں یاس کے بعد آس بندھ جاوے (2) ان کی آمد سے تمہارے دلوں کو اطمینان و چین نصیب ہو جاوے (3) ان فرشتوں کی عزت افزائی ہو کہ وہ حضور انور کی قیادت میں سپاہی بنے (4) تمہاری عزت افزائی ہو کہ تم فرشتوں کے ساتھ ہو کر کفار سے لڑے (5) ہمارے محبوب کی عظمت کا ظہور ہو کہ اور جرنل کرنل صرف انسانوں کے لشکر کی کمان کرتے ہیں حضور انور وہ شان والے افسر ہیں کہ فرشتوں کی بھی کمان فرماتے ہیں۔ مدد تو صرف رب کی طرف سے ہے وہ ہی غالب ہے حکمت والا ہے۔ خیال رہے کہ دو غزوات میں فرشتے نازل ہوئے ہیں ایک غزوہ بدر میں دوسرے غزوہ حنین میں مگر بدر میں مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ بھی کی ہے حنین میں نہیں کی۔ صحابہ فرماتے ہیں ہم بدر میں ایک کافر پر تلوار اٹھاتے تھے تلوار اس کی گردن تک نہیں پہنچتی تھی کہ اس کا سر کٹ کر گر جاتا تھا ایک صحابی نے آواز سنی اقدم یا حیزوم یعنی اے حیزوم آگے بڑھ کر حضور انور نے فرمایا کہ حیزوم حضرت جبریل کے گھوڑے کا نام ہے۔ خندق کے موقعہ پر بھی فرشتے آئے ہیں مگر اس وقت باقاعدہ جہاد نہیں ہوا بدر میں بعض صحابہ نے ان فرشتوں کو سفید عمامہ باندھے شکل انسانی میں دیکھا بلکہ انہیں اترتے بھی بعض نے دیکھا سیدنا ابو اسید ابن مالک ابن ربیعہ نابینا ہو چکنے کے بعد فرمایا کرتے تھے۔ اگر میری آنکھیں ہوتیں تو میں تم کو وہ جگہ دکھاتا جہاں فرشتے اترے تھے (خازن) فقیر حقیر احمد یار عرض کرتا ہے کہ میں نے کئی بار بدر شریف کی حاضری دی ہے ہر بار میں مجھے وہ جگہ دکھائی گئی جہاں فرشتے اترے تھے وہاں اب کچا ٹیلہ ہے بدر کنوئیں سے قریباً" دو فرلانگ دور وہاں ایک بار رات کے وقت اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مشہور سلام پڑھا گیا جب یہ شعر پڑھا۔

جاں نثاران بدر و احد پر درود　　　حق گزاران بیعت پہ لاکھوں سلام

تو پڑھنے والوں نے طبل جنگ کی آواز سنی جو پانچ منٹ تک جاری رہی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** مومن کو چاہئے کہ اللہ کی نعمت کو ہمیشہ یاد رکھے اور یاد کیا کرے لوگوں سے اس کا تذکرہ کیا کرے کہ یہ اس کی نعمت کا شکریہ ہے یہ فائدہ **اذ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس سے پہلے

www.alahazratnetwork.org

اذکروا پوشیدہ ہے رب فرماتا ہے **واما بنعمۃ ربک فحدث** عرس بزرگان میلاد شریف وغیرہ کا یہی منشا ہے اللہ کی نعمت کو یاد رکھنا۔ دوسرا فائدہ: حضور ﷺ اپنی امت کے امام ہیں حضور انور کے کام امت کے لئے کار آمد ہیں یہ فائدہ **تستغیثون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہ دعا حضور انور نے مانگی ہو دیکھو تفسیر۔ **تیسرا فائدہ**: مومن کو چاہئے کہ یوں تو ہمیشہ اللہ کا ذکر اس سے دعائیں کیا کرے مگر خصوصیت سے جہاد کے وقت اور آفات کے موقعہ پر ذکر اللہ دعائیں وغیرہ بہت اہتمام سے کیا کرے یہ فائدہ **تستغیثون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کا فاعل غازیان بدر ہوں۔ رب فرماتا ہے **اذا لقیتم فئۃ فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون** جب تم دشمن سے بھڑو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کا ذکر بہت کیا کرو تاکہ تم کامیاب رہو اللہ کا ذکر وہ ہتھیار ہے جو مومن کے پاس ہے کفار کے پاس نہیں۔ **چوتھا فائدہ**: دعا میں اللہ تعالیٰ کو رب کہہ کر پکارنا بہت ہی بہتر ہے یہ فائدہ ربکم سے حاصل ہوا سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جس دعا میں ربنا پانچ دفعہ کہا جاوے انشاء اللہ قبول ہوگی اور آپ نے دلیل میں وہ آیت پیش فرمائی **ربنا ما خلقت ھذا باطلا** کہ وہاں پانچ بار ربنا ہے پھر **فاستجاب لھم** ہے دیکھو اس آیت کی تفسیر۔ **پانچواں فائدہ**: مسافر کی غازی کی دعا بفضلہ تعالیٰ بہت قبول ہوتی ہے اور جو کوئی مسافر بھی ہو غازی بھی تو اس کی دعا انشاء اللہ تیر بہدف ہے یہ فائدہ فاستجاب لکم کی ف سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ تعالیٰ ابھی فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کی مدد فرماتا ہے یہ فائدہ **انی ممدکم** سے حاصل ہوا ابھی 1965ء انیس سو پینسٹھ عیسوی میں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہوئی اس میں شکل انسانی میں کچھ اجنبی صورتیں دیکھی گئیں۔ حضرات اولیاء اللہ کو مدد فرماتے لوگوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ ابوجہل نے مرتے وقت حضرت عبداللہ ابن مسعود سے پوچھا کہ سفید عمامے والے اجنبی لوگ کون تھے جو تمہارے ساتھ مل کر جنگ کر رہے تھے آپ نے فرمایا وہ فرشتے تھے دیکھو پاکستان کی جنگ کے موقعہ پر دمشق میں حضرت بلال کی قبر سے حی علی الجہاد کی آواز سنی گئی۔ مدینہ منورہ میں بزرگوں نے خواب میں حضور انور کو تیزی سے روانہ ہوتے ہوئے دیکھا پوچھا حضور کہاں جا رہے ہیں فرمایا پاکستان جہاد کے لئے یہ خبریں اس زمانہ میں اخبارات اور رسالوں میں چھپیں ہندو قیدی مسلمان غازیوں سے پوچھتے تھے کہ وہ سبز پوش سپاہی کہاں ہیں جو تمہارے ساتھ ہم سے جنگ کر رہے تھے۔ **ساتواں فائدہ**: بدر میں فرشتوں کا نزول مسلمانوں کی ہمت افزائی عزت افزائی کے لئے تھا نہ کہ کفار کو ہلاک کرنے کے لئے یہ فائدہ **الا بشری** اور **ولتطمئن بہ قلوبکم** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**: رحمت کے فرشتوں کے اترنے سے مومن کے دل کو اطمینان ہوتا ہے اگرچہ وہ نظر نہ آئیں یہ فائدہ بھی **ولتطمئن بہ قلوبکم** سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے **تتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا** جنگ میں دل چین کی سخت ضرورت ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بدر میں فرشتے ایک ہزار نازل ہوئے مگر دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ تین ہزار آئے تھے اور ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ ہزار آئے ان آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اولاً ایک ہزار فرشتے پھر تین ہزار کئے گئے پھر ان کی نفری پانچ ہزار کر دی گئی۔ **دوسرا اعتراض**: وہ فرشتے آگے پیچھے کیوں آئے یکدم کیوں نہ آئے۔ فرمایا گیا **مردفین**۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ فرشتے بھیڑ کی طرح نہ آئے بلکہ صف بستہ سپاہی کی طرح آئے جیسا کہ جنگ میں ہوتا ہے نیز تین بار میں ان کا آنا یہ بھی

مومنوں کی ہمت افزائی کے لئے تھا بار یار کمک پہنچے تو لشکر کی ہمت بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** جب فرشتے غازیان بدر کو نظر ہی نہ آئے تو انہیں بشارت اور دل کا اطمینان کیسے نصیب ہوا۔ **جواب:** حضور ﷺ کی خبر سے نیز بعض صحابہ نے انہیں دیکھا نیز ان کے نزول کا اثر دلوں کا اطمینان تھا نظر آئیں یا نہ آئیں یہ اثر آج بھی کبھی کبھی محسوس ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض:** جب فرشتوں کے ذریعہ کفار کو ہلاک کرانا نہ تھا تو انہیں اتارا کیوں یہ کام تو بے فائدہ ہوا۔ **جواب:** اس نزول ملائکہ میں بہت حکمتیں تھیں (1) مسلمانوں کو بشارت فتح دینا (2) غازیوں کے دلوں میں سکون عطا ہونا (3) ان فرشتوں کی عزت افزائی کیونکہ جیسے تمام صحابہ میں بدری صحابہ سب سے افضل ہیں یوں ہی فرشتوں میں بدری فرشتے سب فرشتوں سے افضل ہیں۔ (4) حضور انور کی عظمت و عزت کا اظہار کہ حضور کے ماتحت سپاہی فرشتے بھی ہوئے۔

جن و ملک ہیں ان کے سپاہی رب کی خدائی میں ان کی شاہی
اونچے اونچے یہاں جھکتے ہیں سارے انہیں کا منہ تکتے ہیں

(5) خود غازیان بدر کی عزت افزائی ہمت افزائی کہ وہ حضرات فرشتوں کے ہمدوش ہیں ان کے ساتھی ہیں: جس محبوب اعظم کے غلام فرشتوں کے ہم پلہ ہیں تو محبوب کا مقام کہاں ہوگا غور کرلو۔

کس ندانست کہ منزل گہ محبوب کجا است ایں قدر ہست کہ بانگ جرس می آید

پانچواں اعتراض: کفار مکہ کو رب نے بالکل ہلاک کیوں نہ فرمادیا ان کے جرم تو قوم فرعون وغیرہ سے کسی طرح کم نہ تھے بدر میں فرشتے آئے مگر کافروں کو ہلاک نہ کیا۔ **جواب:** اس لئے کہ حضور انور رحمت عالم ہیں آپ کے آنے سے دنیا میں کفار پر عمومی عذاب آنا بند ہو گیا بدر میں جو مارے گئے وہ تو مارے گئے باقی بچے ہوئے سارے کفار بعد میں ایمان لائے اور انہوں نے اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں حضور نے کفر کو مٹایا کافروں کو ہلاک نہ فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: فرشتوں کی مدد تاقیامت برحق ہے وہ مجاہد غازیوں کی بھی مدد کرتے ہیں اور اکیلے اکیلے مومنوں کی بھی اگرچہ وہ دیکھنے میں نہیں آتے مگر کام کر جاتے ہیں ہر شخص ہر وقت مجاہد ہے وہ نفس امارہ شیطان اور شیطانی لوگوں سے جہاد کرتا رہتا ہے اور رب تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کی مدد بھی آتی رہتی ہے۔ بنی اسرائیل کو اطمینان دل ایک خاص قسم کی ہوا سے دیا جاتا تھا' جسے نسیم کہتے ہیں۔ حضور کی امت کو خاص فرشتوں کے ذریعہ حضرت ابوبکر صدیق کو جب ہجرت کے موقعہ پر غار ثور میں حضور کے متعلق گھبراہٹ ہوئی تو رب نے ان کے دل پر سکینہ اتاری **فانزل اللہ سکینتہ علیہ** اس سکینہ سے خائف کو سکون' غمگین کو تسلی مجاہد کو قوت نصیب ہوتی ہے اگر کسی موقعہ پر سکینہ نازل نہ ہو تو اس میں قصور ہمارا ہوتا ہے۔

ہر خلل کاندر عمل بینی ز نقصان دل است رخنہ اندر قصر بینی از قصور قیصر است

ضعیفوں کی دعا سکینہ کے نزول کا سبب ہے دیکھو صحابہ نے دعا کی تو فوراً ملائکہ نازل ہوئے۔

دعا ضعیفان امیدوار زبازوئے مردے بہ آید بہ کار

صدق مقال اکل حلال اللہ رسول کی قیل و قال نزول سکینہ کا ذریعہ ہے تاقیامت جاری رہے گا۔

www.alahazratnetwork.org

إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِّنْهُ وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُم مِّنَ السَّمَاءِ مَاءً

جب ڈھانپتا تھا تم کو اونگھ سے امن کے لئے اس کی طرف سے اور اتارتا تھا اوپر تمہارے آسمان سے

جب اس نے تمہیں اونگھ سے گھیر دیا تو اس کی طرف سے چین تھی اور آسمان سے تم پر

لِّيُطَهِّرَكُم بِهِ وَيُذْهِبَ عَنكُمْ رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَىٰ

پانی تاکہ پاک کرے تم کو اس سے اور لے جاوے تم سے پلیدی شیطان کی اور تاکہ ڈھارس

پانی اتارا کہ تمہیں اس سے ستھرا کرے اور شیطان کی ناپاکی تم سے دور فرمائے اور

قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ ﴿۱۱﴾

باندھے اوپر دلوں کے تمہارے اور ثابت کرے اس سے قدموں کو

تمہارے دلوں کی ڈھارس بندھائے اور اس سے تمہارے قدم جمائے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں غازیان بدر کی روحانی غیبی مدد کا ذکر ہوا یعنی فرشتوں کا نزول اب ان ہی بزرگوں کی جسمانی ظاہری مدد کا ذکر ہے یعنی اس موقعہ پر غازیوں پر اونگھ کا طاری کرنا' بارش برسانا گویا غیبی امداد کے بعد شہودی مدد کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ فرشتوں کے ذریعہ مسلمانوں کے دل مطمئن ہوگئے اب اس اطمینان قلبی کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ انہیں اس موقعہ پر اونگھ آگئی اور ظاہر ہے کہ اونگھ اطمینان میں ہی آتی ہے گویا دعوے کے بعد دلیل کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ غازیان بدر نے رب تعالیٰ سے مدد مانگی رب نے قبول فرمائی اب اس قبولیت کے ثبوت میں چھ ظاہری دلیلیں بیان ہو رہی ہیں۔

نزول: جب نبی کریم ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں قریب بدر دو شخص ملے ان سے حضور انور نے پوچھا کہ کیا یہاں سے ابو سفیان کا قافلہ گذرا تھا وہ بولے ہاں رات کے وقت گذرا تھا ان دونوں کو مسلمانوں نے کفار مکہ کے حالات معلوم کرنے کے لئے پکڑ لیا ان دونوں میں سے ایک تو ابو رافع تھے یعنی حضرت عباس کا غلام دوسرا اسلم تھا عقبہ ابن ابی معیط کا غلام صحابہ نے ابو رافع سے پوچھا کہ اس جنگ کے لئے مکہ معظمہ سے کتنے لوگ نکلے ہیں وہ بولا کہ قریباً سارے ہی نکل پڑے ہیں حضور انور نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر کے ٹکڑے ہماری طرف پھینک دیئے ہیں پھر ابو رافع سے پوچھا کہ کیا کچھ لوگ واپس بھی لوٹ گئے وہ بولا ہاں جب ابو سفیان کے قافلہ کی بخیریت نکل جانے کی خبر ملی تو اخنس ابن سرجی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ واپس لوٹ گیا یہ شخص بنی زہرہ کا سردار تھا حضور انور نے اس دن ابی کو لقب دیا اخنس کا کیونکہ وہ اپنی قوم سے کٹ گیا اتنی تحقیق کے بعد یہ حضرات بدر کی طرف روانہ ہوئے تو دیکھا کہ کفار مکہ وہاں پہلے سے پہنچ چکے ہیں اور انہوں نے وادی بدر کے اچھے صاف میدانی علاقہ پر قبضہ کرلیا ہے جہاں پانی ہے مسلمان بدر کے ریتے والے حصہ میں اترے جہاں پانی نہ تھا ان حضرات کو اس وقت دو

www.alahazratnetwork.org

دشواریاں پیش آئیں ایک پانی کا نہ ہونا سخت پیاس دوسرا ریتے میں پاؤں دھنس جانا اچھی طرح چل نہ سکنا اس موقعہ پر شیطان بہ شکل انسانی ان غازیوں کے پاس آیا اور الگ الگ ایک ایک سے ملا بولا کہ تم کہتے ہو کہ تم حق پر ہو اللہ کے پیارے ہو تمہارے نبی سچے ہیں یہ عجیب حقانیت ہے کہ رب نے تم کو خشک اور ریتے والے علاقہ میں اتار اب نتیجہ یہ ہوگا کہ جب تم پیاس سے بدحال ہو جاؤ گے تو کفار نہایت آسانی سے تم کو شکست فاش دے دیں گے تم میں سے کوئی گھر واپس نہ جاوے گا کہ تم پیاسے ہو گے کفار تازہ دم۔ اس پر ان میں سے بعض حضرات کو سخت فکر ہوئی ادھر دریائے رحمت الٰہی جوش میں آیا اور خوب موسلا دھار بارش ہوئی جس سے ریتہ جم کر نہایت اچھی زمین بن گیا اور صحابہ نے اسی حصہ میں لمبی چوڑی حوض نما جگہ بنائی جس میں پانی بھر گیا ان لوگوں نے تالابوں کی طرح اسے استعمال کیا ادھر کفار والا حصہ پھسلن ہو گیا جس سے انہیں چلنا پھرنا دشوار ہو گیا مومنوں کو اس بارش سے اتنی خوشی ہوئی جو بیان سے باہر ہے سب کے دل مطمئن ہو گئے اور یہ بارش ان کو فتح کا پیش خیمہ معلوم ہوئی اس موقعہ پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (روح البیان)۔

تفسیر: **اذ یغشیکم النعاس** یہ اذ بھی ظرف ہے ۔ معنی جبکہ یہ فرمان عالی یا تو پہلے اذ سے تعلق رکھتا ہے جو **اذ تستغیثون** میں ہے یا پوشیدہ **اذکر** کا مفعول ہے یا یحق الحق کا ظرف ہماری قراءت میں **یغشی** شین کے شد سے ہے باب تفعیل کا مضارع ایک قراءت میں **یغشی** باب افعال سے ہے اس کا مادہ ہے غشی ۔ معنی چھا جانا گھیر لینا اسی لئے پردہ کو غشا وہ کہتے ہیں اور بے ہوشی کو غشی کہ وہ بھی چھپا لیتی ہے اور چھا جاتی ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور کم میں خطاب غازیان بدر سے ہے یہ کم ۔ یغشی کا مفعول اول ہے اور نعاس دوسرا مفعول۔ نعس یوں ہی **سنتہ** کے معنی ہیں اونگھ جو نیند کا پیش خیمہ ہوتی ہے **امنتہ منہ** یہ فرمان عالی **یغشی** کا مفعول لہ ہے چونکہ **یغشی** اور **امنتہ** دونوں کا فاعل رب تعالیٰ ہی ہے اس لئے مفعول لہ کا لام حذف ہو گیا **منہ** کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے یعنی وہ وقت یاد رکھو جب رب تعالیٰ نے تم پر اونگھ طاری کر دی تم کو اپنی طرف سے سکون قلبی اور چین دینے کے لئے۔ خیال رہے کہ ترتیب بیانی ترتیب واقعی کے خلاف ہے کیونکہ بارش جنگ سے ایک دن پہلے آئی تھی اور یہ اونگھ خاص جنگ کے وقت جب سب صف بستہ ہو چکے تھے یہ نیند اللہ کی قدرت حضور ﷺ کا خاص معجزہ تھی کیونکہ ایسی شدت میں نیند نہیں آیا کرتی بلکہ آئی ہوئی اڑ جایا کرتی ہے مگر ان غازیوں کا یہ حال تھا کہ صف قتال میں کھڑے ہوئے ایسے اونگھ رہے تھے کہ ان کے ہاتھوں سے تلوار گر گر جاتی تھی مگر یہ اونگھ ایسی غفلت کی نہ تھی کہ کفار ان کو غافل پا کر حملہ کر دیتے بلکہ امن و سکون کی تھی اور وقتی تھی اس کے بعد پھر یہ لوگ جنگ کے لئے اور بھی تیار ہو گئے **و ینزل علیکم من السماء ماء** یہ دوسری نعمت کا ذکر ہے جو جنگ سے ایک دن پہلے ہو چکی تھی یعنی تیز بارش کا ہو جانا یہاں تنزیل آہستگی کے معنی میں نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے یعنی خوب اچھی طرح شراٹے کی بارش برسانا علیکم فرما کہ یہ بتایا کہ اس بارش کے مقصود اعظم تم تھے تمہارے لئے کی گئی تھی اس لئے یہ بارش صرف بدر میں ہوئی دوسری جگہ نہ ہوئی **من السماء** کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ آسمان کی طرف سے بارش نازل کی ورنہ بارش بادل سے آتی ہے نہ کہ آسمان سے **لیطھرکم بہ** یہ فرمان عالی بارش کی حکمت کا بیان ہے پاک کرنے سے مراد ہے جسمانی پاکی کہ بے وضو لوگ وضو کر لیں جن کو غسل کی حاجت ہو گئی تھی وہ غسل کر لیں **ویذھب عنکم رجز الشیطن** یہ بارش کی دوسری حکمت کا بیان ہے

www.alahazratnetwork.org

رجز الشیطان سے مراد شیطان کا وہ وسوسہ ہے جو اس نے مومنین کے دلوں میں ڈالا تھا کہ اگر تم حق پر ہوتے تو تم کو خشک ریتلے میدان میں رب تعالیٰ کیوں اتارتا جب رب نے بارش برسا کر اس میدان کو ہموار کر دیا تو دلوں سے یہ وسوسہ جاتا رہا۔ قرآن مجید میں لفظ رجز طاعون بیماری کو بھی کہا گیا ہے اور گندگی و ناپاکی کو بھی یہاں دوسرے معنی مراد ہیں **ولیربط علی قلوبکم** یہ بارش کی تیسری حکمت کا بیان ہے ربط کے لفظی معنی ہیں باندھنا قوت کو اس لئے ربط کہتے ہیں کہ اس سے دل بندھ جاتا ہے اڑا اڑا نہیں پھرتا وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی تاکہ رب تمہارے دلوں کو قوت دے شیطان نے یہ کہا تھا کہ کفار تم پر جب حملہ کریں گے جب تم پیاس سے ادھ مرے ہو چکے ہو گے اور نہایت آسانی سے تم کو فنا کر دیں گے اس سے بعض صاحبوں کے دل گھبرا گئے تھے اس بارش سے یہ وہم یہ اندیشہ ختم ہو گیا ان کے دل قوی ہو گئے سبحان اللہ رب تعالیٰ کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ بارش آئندہ فتح کی نیک فال بھی ہوئی اس لئے اسے قوت قلوب کا ذریعہ فرمانا بالکل درست ہوا **ویثبت بہ الاقدام** یہ بارش کی چوتھی حکمت کا بیان ہے یعنی اس بارش کے ذریعہ ریتہ جم کر ہموار زمین ہو جاوے اور تمہارے قدم اس پر بخوبی جمنے لگیں تم کو چلنا پھرنا آسان ہو جاوے تم کو پاؤں دھنسنے کی دشواری محسوس نہ ہو جنگ میں اس کی بھی سخت ضرورت ہوتی ہے اس سے بھی غازیوں کی ہمت اور زیادہ ہو گی تجربہ ہے کہ ریتہ جب بارش سے جم جاتا ہے تو بہترین سڑک بن جاتا ہے جو لک کی سڑک سے بھی بہتر ہوتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں قدم جمانے سے مراد ہے صبر اور دل کی قوت کیونکہ کمزور دل والے آدمی کے قدم ٹھہرتے نہیں بلکہ وہ بہت جلد بھاگ جاتا ہے مقابلہ میں ڈٹتا نہیں (تفسیر خازن) مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ یہ معنی تو **لیربط علی قلوبکم** میں آ گئے تھے۔ بہر حال اس بارش میں بہت حکمتیں تھیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے مجاہدین بدر پر سات خصوصی عنایتیں کیں ایک غیبی باقی چھ ظاہر ظہور غیبی عنایت تو فرشتوں کا نزول اور ظاہری نعمت ان پر عین جہاد کے وقت اونگھ طاری فرمانا' بارش برسانا انہیں طہارت و پاکیزگی عطا فرمانا' شیطانی وسوسے دور کر دینا' ڈھارس بندھوا دینا' ان کے قدم ثابت فرما دینا' فرشتوں کا ذکر تو پچھلی آیت میں ہوا باقی کا ذکر اس آیت میں ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے مجاہدین بدر ہمارا یہ احسان بھی یاد رکھو کہ تم بدر کے میدان میں جہاد کے لئے کھڑے تھے کہ تمہارے دل کو ہم نے ایسا چین دیا کہ تم کو اونگھ آ گئی اس کے علاوہ تم پر آسمان سے خوب تیز تراٹے کی بارش برسائی جس سے تم نے غسل اور وضو کیا پاک صاف ہو گئے اور اس کی وجہ سے شیطانی وسوسہ تمہارے دل سے دور ہو گیا کہ اگر ہم حق پر ہوتے تو ہم کو خشک اور ریتلا میدان کیوں ملتا اور اس بارش سے ہی تمہارے دل مضبوط ہو گئے کہ یہ بارش تمہاری فتح و نصرت کا پیش خیمہ تھی اور اس بارش کے ذریعہ تمہارے قدم ٹھہر گئے کہ اس سے ریتہ جم کر اچھی سڑک کی طرح ہو گیا جس پر تم کو چلنا پھرنا آسان ہو گیا غرضکہ ہم نے تم پر وہاں نعمتوں کے دریا بہا دیئے۔ خیال رہے کہ غزوہ احد میں بھی مومنوں پر اونگھ طاری ہوئی تھی مگر وہ اونگھ مخلصین اور منافقین میں فرق کرنے کے لئے کہ مخلصین تو اونگھ رہے تھے اور منافقین ان حالات کی بنا پر سخت پریشان تھے مگر یہاں بدر میں اونگھ مومنوں کو اطمینان و چین دینے کے لئے تھی کیونکہ بدر میں کوئی منافق شریک نہیں ہوا یہ تو سارے مخلصین ہی تھے احد میں مجبوراً" منافقین بھی پہنچ گئے تھے رب احد کے متعلق فرماتا ہے **ثم انزل علیکم من بعد الغم امنۃ نعاسا" یغشی طائفۃ منکم و طائفۃ قد اھمتھم انفسھم**۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد، مناظرہ اور دوسری آفات میں اونگھ اللہ کی رحمت ہے کہ اس سے دل کو اطمینان اور مقابلہ کی ہمت پیدا ہوتی ہے مگر نماز مطالعہ وغیرہ میں اونگھ شیطان کی طرف سے ہے حضرت ابن مسعود کا یہ فرمان ہے (تفسیر خازن) **دوسرا فائدہ:** جہاد کے موقعہ پر بارش اللہ کی رحمت ہوتی ہے اور فتح کی بشارت ہے یہ فائدہ **ولیربط علی قلوبکم** سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ:** کوئی شخص اپنے کو شیطان سے محفوظ نہ جانے دیکھو غازیان بدر، صحابی، غازی، نمازی سب کچھ تھے مگر شیطان ان سے بھی نہ چوکا ان کے دلوں میں بھی وسوسے ڈال دیئے یہ فائدہ **رجز الشیطان** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** جہاد میں ثابت قدمی اللہ کی بڑی نعمت ہے چھوٹی جماعت جو ثابت قدم ہو بڑی مگر اکھڑی جماعت پر فتح پا لیتی ہے یہ فائدہ **ویثبت بہ الاقدام** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ **امنتہ** مفعول لہ ہے **یغشیکم** فعل کا مگر **یغشیکم** کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور **امنتہ** کا فاعل صحابہ کرام جب فعل اور مفعول لہ کے فاعل الگ ہوں تو مفعول لہ کلام پوشیدہ نہیں ہو سکتا تو یہاں لامن چاہئے تھا نہ کہ **امنتہ** **جواب:** اس اعتراض کے تفسیر روح المعانی نے بہت جوابات دیئے ہیں مگر قوی جواب یہ ہے کہ **امنتہ** کے معنی امن پانا نہیں بلکہ امن دینا ہیں اس صورت میں اس کا فاعل بھی رب تعالیٰ ہے جب ان دونوں کا فاعل ایک ہے تو لام پوشیدہ کر دیا گیا (معانی) **دوسرا اعتراض:** یہاں **ینزل** فرمانے سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ بارش تھوڑی تھوڑی عرصہ تک ہوتی رہی مگر واقعہ اس کے خلاف ہے وہ بارش تو یکدم ہوئی تھی پھر **ینزل** باب تفعیل سے کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں **باب** تفعیل مبالغہ کے لئے ہے آہستگی کے لئے نہیں یعنی خوب بارش بھیجی لہٰذا مطلب واضح ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کو بھی شیطانی پلیدی یعنی شرک و کفر پہنچی ورنہ اس کے دفعہ کرنے کے کیا معنی حضرات اہل بیت ہی وہ ہیں جو ہر گناہ سے معصوم ہیں (رافضی) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس قسم کی آیت اہل بیت کے لئے بھی آئی ہے فرمایا ہے **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت و یطھرکم تطھیرا** جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسی آیات میں رجز یا رجس سے مراد بد عقیدگی نہیں بلکہ اس سے مراد شیطانی وسوسے یا برے خیالات ہیں اس وسوسہ کا ذکر ہم نے ابھی نزول کے بیان میں کر دیا بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں **یطھرکم** سے مراد بے وضوئی سے پاک کرنا ہے اور رجز الشیطان سے مراد بے غسلی کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے بدر کے موقعہ پر بعض غازیوں کو احتلام ہو گیا تھا پانی نہ ہونے سے وہ غسل نہ کر سکے تھے مگر جو تفسیر ہم نے عرض کی وہ قوی بھی ہے اور ظاہر بھی۔ **عمل:** جو شخص سوتے وقت اپنی انگلی سے اپنے سینہ پر لکھ لیا کرے "عمر" تو انشاء اللہ احتلام نہ ہو گا کیونکہ احتلام شیطان کے اثر سے ہوتا ہے اور وہ حضرت عمر کے نام سے بھاگتا ہے (روح البیان) مگر یہ عمل خواب والے احتلام کے لئے ہے بیماری میں جو بغیر خواب احتلام ہو جاتا ہے اس کے لئے یہ عمل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: بنی اسرائیل کو ایک جہاد کے موقعہ پر تابوت سکینہ کے ذریعہ سکون قلبی عطا ہوا تھا فرماتا ہے **ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم** جناب صدیق اکبر کو غار ثور میں ہجرت کی رات بذریعہ فرشتے کے سکینہ و اطمینان دیا گیا فرماتا ہے **فانزل اللہ سکینتہ علیہ** غازیان بدر کو ملائکہ اور بارش اور اونگھ کے ذریعہ امن و سکون بخشا گیا ان

www.alahazratnetwork.org

حضرات کا سکون بنی اسرائیل کے سلون سے قوی تر ہے انہیں اتنا سکون دیا کہ عین جنگ میں انہیں نیند آگئی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ پانی، خوف سے امن بھوک پیاس سے حفاظت اللہ کی بڑی نعمتیں ہیں جب توکل قوی ہوتا ہے تو انسان مطمئن ہوتا ہے یہ توکل بدروالی بارش ہے جو مومن کے دل پر پڑتا ہے اے مومن تو شیر ہے شیر میں تین خصوصی صفات ہیں بھوک پر صبر کہ خواہ کتنا ہی بھوکا ہو مگر دوسرے کا مارا شکار نہیں کھاتا پیاس پر صبر کر خواہ کتنا ہی پیاسا ہو مگر کتے کا جھوٹا نہیں پیتا اللہ پر توکل کہ اپنا کیا ہوا شکار دیر ہو چکنے کے بعد دوسرے وقت نہیں کھاتا بلکہ دوسرے جانوروں کے لئے چھوڑ دیتا ہے اپنے میں یہ صفات پیدا کرو شعر۔

علی المرا ان یسعی لتحسین حالہ   ولیس علیہ ان یسا عدہ الدھر

مسلمانوں کی مدد کرنا سنت انبیاء بھی ہے سنت ملائکہ بھی مسلمان کو ستانا ہر کانہ طریقہ ابلیس ہے (روح البیان)۔

توانگرا دل درویش خود بدست آور   کہ مخزن زر و گنج درم نخواھد ماند

رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔

إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا

جبکہ وحی کرتا تھا رب تمہارا طرف فرشتوں کے بے شک میں ساتھ ہوں تمہارے پس ثابت رکھو تم

جب اے محبوب تمہارا رب فرشتوں کو وحی بھیجتا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تم مسلمانوں کو

سَأُلْقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَ

ان لوگوں کو جو ایمان لائے ڈال دوں گا میں دلوں میں انکے جنہوں نے کفر کیا رعب پس مارو تم اوپر گردنوں

ثابت رکھو عنقریب میں کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈالوں گا تو کافروں کی گردنوں سے

اضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ﴿١٢﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ۚ وَمَن

کے اور مارو ان میں سے ہر ایک کے ہر جوڑ پر یہ بوجہ اس کے ہے کہ انہوں نے مخالفت کی اللہ کی

اوپر مارو اور ان کی ایک ایک پور پر ضرب لگاؤ یہ اس لئے کہ انہوں نے اللہ اور اس

يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٣﴾ ذَٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ

اور رسول کی اس کے اور جو مخالفت کرے اللہ کی اور رسول کی اس کے پس تحقیق اللہ سخت عذاب والا

کے رسول سے مخالفت کی اور جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرے تو بیشک اللہ کا عذاب

وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ ﴿١٤﴾

ہے یہ ہے پس چکھو تم اسے اور تحقیق واسطے کافروں کے عذاب ہے آگ کا

سخت ہے یہ تو چکھو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ کافروں کو آگ کا عذاب ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں بدر میں فرشتوں کی آمد کا ذکر ہوا اب ان کی ڈیوٹی اور کارکردگی کا تذکرہ ہے کہ وہ فرشتے یوں ہی نہیں بھیجے گئے بلکہ ان کے ذمہ کچھ خدمات بھی کی گئی تھیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں بدر میں فرشتوں کی حاضری کا ذکر تھا اب بتایا جارہا ہے کہ ان فرشتوں کی شان یہاں کی حاضری سے دوبالا ہو گئی کیونکہ اس وقت ہم بھی ان کے ساتھ تھے **انی معکم** تو سمجھ لو کہ بدری صحابہ کی شان کیسی بلند و بالا ہو گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فتح غزوہ بدر کے ایک رکن کا ذکر تھا مسلمانوں کے دلوں میں ہمت و جرات دینا اب اسی فتح کے دوسرے رکن کا ذکر ہے یعنی کفار کے دلوں میں رعب و ہیبت کا پیدا فرمانا **سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب** **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں مسلمانوں پر کرم خداوندی کی وجہ بیان ہوئی یعنی اللہ رسول کی فرمانبرداری اب کفار کی شکست کی اصل وجہ بیان ہو رہی ہے یعنی اللہ رسول کی مخالفت **شاقوا اللہ و رسولہ** تاکہ تاقیامت مسلمان یاد رکھیں کہ اللہ رسول کی اطاعت سے قدم باہر نکالنا شکست کھا جانے کا ذریعہ ہے۔

تفسیر: **اذ یوحی ربک الی الملئکۃ** قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے اور **اذ** سے پہلے **اذکر** یا **اذکروا** پوشیدہ ہے **یوحی** بنا ہے وحی سے جس کے لغوی معنی ہیں خفیہ اشارہ یا دل میں ڈالنا رب فرماتا ہے **اوحی ربک الی النحل** اور فرماتا ہے **واوحینا الی ام موسی** ہم نے شہد کی مکھی کے دل میں ڈال دیا۔ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی ماں کے دل میں ڈال دیا شریعت میں وحی وہ کلام ہے جو بواسطہ فرشتہ نبی سے کیا جاوے ملائکہ سے مراد وہ فرشتے ہیں جو بدر میں مسلمانوں کی مدد کے لئے بھیجے گئے تھے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں وہ وقت یاد دلاؤ جب آپ کے رب نے بدر والے فرشتوں سے فرمایا تھا ان کے دل میں ڈالا تھا **انی معکم** یہ عبارت **یوحی** کا مفعول ہے اس کا مقصد یہ نہیں کہ فرشتوں کو کفار سے ڈر تھا یہ ڈر دفع کرنے کے لئے یوں فرمایا بلکہ ان کی عزت افزائی مقصود ہے یعنی اے فرشتو تمہارے بدر میں آنے سے تمہاری یہ عزت ہو گئی کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ہمارا کرم ہماری مہربانی تمہارے ساتھ ہے **فثبتوا الذین امنوا** اس جملہ میں ف جزائیہ ہے اور یہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب ہم تمہارے ساتھ ہو گئے تو تم یہ خدمت انجام دو کہ ان غازیان بدر مومنین کو ثابت قدم رکھو ثابت قدم رکھنے میں چند احتمال ہیں۔ (1) تم شکل انسان میں ان مومنین سے ملو اور انہیں فتح کی بشارت دو تاکہ ان کے دل قوی ہوں۔ (2) ان مومنوں کے دل میں الہام کرو کہ اللہ کی مدد آنے والی ہے کیونکہ جیسے شیطان انسان کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے جس سے انسان پریشان ہو جاتا ہے یوں ہی فرشتہ انسان کے دل میں الہام کرتا ہے۔ جس سے اس کے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ (3) ان مومنین کے ساتھ مل کر کفار سے جہاد کرو ان مومنوں کی مدد کرو جس سے ان کے دل قوی ہوں۔ (4) بحالت جنگ شکل انسانی میں سپاہیانہ شان سے ان کے ساتھ صف جہاد میں کھڑے ہو ان کی جماعت بڑھاؤ تاکہ ان کے دل قوی ہوں (تفسیر خازن) مومنوں سے مراد غازیان بدر ہیں **سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب** اس میں رب تعالیٰ نے اپنا کام بتایا کہ اے فرشتو مومنوں کو ہمت دو ہم کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیں گے **الذین کفروا** سے مراد بدر میں آنے والے کفار ہیں رعب **ر** اور **ع** دونوں کے پیش سے بھی آتا ہے اور **ر** کے پیش **ع** کے سکون سے بھی ہماری قراءت میں یہ ہی ہے اس کے معنی چند ہیں ڈر، دل کی ہیبت۔ لمبائی میں چیرنا۔ کہا جاتا ہے رعبت السنام میں نے اونٹ کو کوہان کو چیر دیا۔ بھرنا۔ کہا جاتا ہے

www.alahazratnetwork.org

رعبت السیل الوادی' سیلاب نے جنگل بھر دیا یہاں ' معنی ہیبت ہے (روح المعانی) **فاضربوا فوق الاعناق** یہ عبارت یا تو **فثبتوا** کی تفسیر ہے تو ف تفسیریہ ہے یا ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے تو ف جزائیہ ہے بعض نے فرمایا کہ **اضربوا** میں خطاب غازیان بدر سے ہے۔ مگر قوی یہ ہے کہ یہاں بھی خطاب فرشتوں سے ہی ہے **اضربوا** کا مفعول پوشیدہ ہے **هم** اس سے مراد کفار مکہ ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے **فوق** یا تو ' معنی علی ہے یا اپنے معنی میں ہے یعنی اے فرشتوں تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار کی گردنوں کے اوپر یعنی کھوپڑی پر چوٹ مار دینا جس سے وہ مرجائیں یا ان کی گردنوں پر مارو کہ انہیں قتل کر دو **واضربوا منهم كل بنان**۔ یہ عبارت پہلے **اضربوا** پر معطوف ہے اس میں جنگ کی دوسری چوٹ کا ذکر ہے اس میں **منهم كل بنان** کا حال ہے بنان جمع ہے **بنانته** کی ' معنی جوڑ' پورے' ہاتھ پاؤں کی انگلیاں' خود انگلیاں ظاہر یہ ہے کہ یہاں مطلقاً "جوڑ مراد ہے خصوصاً" ہاتھ کے جوڑ جن کے بیکار ہو جانے سے انسان لڑنے کے قابل نہ رہے نیز تلوار اور کوئی ہتھیار نہ اٹھاسکے یعنی اے فرشتو ان کفار کو ہلاک کرنے کیلئے گردن پر یا گردن کے اوپر کھوپڑی پر چوٹ مارو اور انہیں بیکار کرنے کے لئے ان کے جوڑوں پر چوٹ لگاؤ **بانهم شاقوا الله ورسوله ذالك** میں اشارہ ہے گزشتہ قتل اور چوٹ مارنے کی طرف **بانهم** میں **ب** سببیہ ہے **هم** کا مرجع وہ ہی مذکورین کفار ہیں **شاقوا** بنا ہے شق سے ' معنی کروٹ یا جانب چونکہ مخالف اپنے مقابل کے دوسری جانب یعنی سامنے ہو جاتا ہے اس لئے اسے شاقہ کہا جاتا ہے جیسے کہ دشمن کو عدو کہتے ہیں جو بنا ہے **عدو** سے ' معنی حد سے بڑھ جانا چونکہ دشمن دوستی کی حد سے بڑھ کر دشمنی کی حد میں آجاتا ہے اس لئے اسے عدو کہا جاتا ہے بروزن فعول یعنی حد سے نکل جانے والا (روح المعانی و کبیر وغیرہ)۔ خیال رہے کہ کفار خدا تعالیٰ کے دشمن نہ تھے اسے تو اپنا رب مانتے تھے اسے اللہ اکبر کہتے تھے اس کی عبادت کرتے تھے مگر چونکہ حضور انور کے دشمن تھے اور حضور کی دشمنی خدا تعالیٰ کی دشمنی ہے اس لئے شاقوا اللہ ورسولہ ارشاد ہوا مقصد یہ ہے کہ اے فرشتو تمہارا ان کفار سے لڑنا کسی اور وجہ سے نہیں صرف اس وجہ سے ہے کہ یہ لوگ اللہ رسول کے دشمن ہیں صحابہ اللہ رسول کے دوست ہیں تو صحابہ کی حمایت میں کفار سے جنگ کرو **ومن يشاقق الله ورسوله فان الله شديد العقاب** یہ فرمان عالی یا تو مذکورہ قتل و مار کی وجہ سے ہے یا اس میں آخرت کے عذاب کا ذکر ہے یعنی جو اللہ رسول کا مخالف ہو تو اسے صرف دنیاوی عذاب ہی نہیں دیا جاتا بلکہ اسے سخت آخرت کا عذاب دیا جاوے گا کیونکہ اللہ کا عذاب بہت ہی سخت ہے **ذلكم فذوقوه وان للكفرين عذاب النار** اس فرمان عالی کی نحوی ترکیبیں بہت ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **ذالكم** سے پہلے **ذوقوا** فعل پوشیدہ ہے اور **فذوقوا** اس پوشیدہ فعل کی تفسیر ہے اور وان ا للکفرین میں واؤ ' معنی مع ہے معنی یہ ہیں کہ اے کافرو یہ مذکورہ عذاب تو دنیا میں چکھ لو اس کے ساتھ ہی تم کو آخرت میں دوزخ کا عذاب بھی ہے دنیا کا عذاب تو نہایت ہی ہلکا ہے اس لئے اس کے لئے چکھنا ارشاد ہوا اصل عذاب تو آخرت کا ہے (روح المعانی) چونکہ وہ دنیاوی عذاب سارے کافروں کو ہے اس لئے **ذلكم** جمع ارشاد ہوا یا اس جمع سے اشارہ مذکورہ بہت سے عذابوں کی طرف ہے یعنی چکھو ان عذابوں کو آگ کا عذاب ان کے سوا ہے اس کے علاوہ اس جملہ کی اور بھی ترکیبیں اور تفسیریں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ آپ اپنے جاں نثار صحابہ غازیان بدر کو یہ بھی یاد کراؤ یا ان سے اس کا ذکر بھی کرو کہ جو فرشتے

www.alahazratnetwork.org

ان کی مدد کے لئے بدر میں بھیجے گئے تھے ہم نے ان سے بذریعہ وحی ؔالہام کہہ دیا تھا کہ اے فرشتو اس میدان بدر میں جانے کی برکت سے تم کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں تم ہمارے مقرب خاص ہو گئے اب تمہارا کام تو یہ ہے کہ ان غازی مومنوں کی ہمت بڑھاؤ انہیں ثابت قدم رکھو کہ تم ان کے دل میں ڈال دو کہ فتح تمہاری ہے بلکہ شکل انسان میں ان کے سامنے جا کر فتح کی بشارت کا اعلان کر دو ہمارا کام یہ ہے کہ وقت جنگ ہم کفار بدر کے دلوں میں ان تھوڑے بے سرو سامان مسلمانوں کی ہیبت ڈال دیں گے یہ دونوں کام تو جنگ شروع ہونے سے پہلے ہوں گے پھر جب جنگ شروع ہو جاوے تو تم مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار کی کھوپڑیوں پر بھی چوٹ لگاؤ جس سے وہ ہلاک ہو جاویں اور ان کے جوڑ جوڑ پر بھی مارو جس سے وہ اگرچہ ہلاک نہ ہوں مگر بیکار ہو جاویں آئندہ جنگ کے قابل نہ رہیں تم ان کو یہ سزا اس لئے دو کہ انہوں نے اللہ رسول کی مخالفت کی ہے اور ہمارا قانون یہ ہے کہ جو اللہ رسول کا مخالف ہو اسے اللہ تعالٰی سخت عذاب دیتا ہے اے کافرو تم بدر کا یہ عذاب تو ابھی دنیا میں چکھ لو چونکہ تم کافر ہو لہذا تمہارا آگ کا عذاب اس کے علاوہ ہے۔ خیال رہے کہ غزوہ بدر سترہ (17) رمضان جمعہ کے دن 2 ہجری میں واقع ہوئی۔ فرشتوں نے مسلمانوں کے ساتھ مل کر جنگ کی بہت صحابہ نے اس کا مشاہدہ کیا اس میں ستر کفار مارے گئے اور ستر گرفتار ہوئے حضرت عباس ابن عبدالمطلب کو حضرت ابوالیسر کعب ابن عمرو سلمی نے گرفتار کیا حضور انور نے حضرت ابوالیسر سے پوچھا کہ تم دبلے پتلے آدمی ہو اور جناب عباس بھاری بھر کم تم نے انہیں کیسے گرفتار کر لیا وہ بولے کہ اس کام میں میری مدد ایسے شخص نے کی جسے میں نے اس سے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور اب بھی نظر نہیں آرہا ہے اس کی شکل ایسی ایسی ہے حضور انور نے فرمایا تمہاری مدد فرشتے نے کی وہ فرشتہ تھا (تفسیر خازن)۔

ابولہب کی موت حضرت ابو رافع جو حضرت عباس کے غلام ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے گھر میں اسلام تو ہجرت نبوی سے پہلے ہی داخل ہو چکا تھا حضرت عباس اپنا اسلام کفار مکہ کے خوف سے ظاہر نہ کر سکتے تھے حتی کہ وہ بدر میں کفار کے ساتھ بھی انہیں کے خوف سے چلے گئے تھے ابولہب نے اپنی جگہ عاص ابن ہشام ابن مغیرہ کو بھیج دیا تھا مگر خود مکہ معظمہ میں سخت بے چین و بے قرار تھا جب بدر میں کفار کی شکست کی خبریں پہنچیں تو اس کی بے قراری اور بھی بڑھ گئی یہ کمزور سا آدمی تھا زمزم کے پاس بیٹھا ہوا اپنے تیر سیدھے کر رہا تھا میری مولات ام الفضل یعنی حضرت عباس کی بیوی میرے پاس بیٹھی تھیں کہ ابولہب بھی آگیا شور مچا کہ بدر سے ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب واپس آئے ہیں وہ بھی ابولہب کے پاس آ گئے اور کفار جمع ہو گئے ابولہب نے ان سے پوچھا کہ تم بدر کی جنگ کا چشم دید واقعہ مجھے سناؤ ابن حارث نے سارا واقعہ بدر سنایا اس دوران میں یہ کہا کہ ہم نے مسلمانوں کے ساتھ سفید عمامے والے چت کبرے گھوڑوں پر سوار ایسے لوگ دیکھے جنہیں کبھی نہ دیکھا تھا یہ آسمان و زمین کے درمیان فضا سے اترتے تھے ابو رافع کہتے ہیں کہ یہ سن کر میرے منہ سے نکلا کہ یہ تو آسمانی مدد تھی اس پر ابولہب مجھ پر پل پڑا مجھے زمین پر پٹخ دیا میرے سینہ پر بیٹھ گیا اس پر ام الفضل کو غیرت آئی کہ میرے غلام کو کیوں مار رہا ہے انہوں نے ایک چوب اٹھا کر ابولہب کے سر میں ماری جس سے وہ زخمی ہو گیا اور بولیں کہ کیا تو ابو رافع کو اس لئے مار رہا ہے کہ اس کا مولی عباس قید ہو گیا ابھی میں تو موجود ہوں ابولہب ان سے کچھ نہ کہہ سکا میرے سینہ سے اتر کر زخمی حالت میں چلا گیا پھر قدرتی طور پر اس کے پاؤں میں ایک زہریلا دانہ نکلا جس سے وہ ساتویں دن مر گیا (تفسیر خازن) معلوم ہوا کہ غلام کی بے عزتی سے مولی کو غیرت آتی ہے یونہی

www.alahazratnetwork.org

ہماری بے عزتی سے ہمارے آقا ﷺ کو غیرت آئے کی ہم بے مالک نہیں ہم مالک والے ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** غازیان بدر کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے وہ اللہ کے نہایت ہی مقبول بندے ہیں: جو مومن ان کے ساتھ ہو جاوے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھی ہو جاتا ہے یہ فائدہ **انی معکم** سے حاصل ہوا کہ جب وہ فرشتے ان غازیوں کے ساتھ ہو گئے تو اللہ ان کے ساتھ ہو گیا اور ان غازیوں کے ساتھ اللہ اس لئے ہو گیا کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ ہو گئے۔ شعر۔

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اسکی ہوئی — ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

ہر کہ خواہد ہم نشیند باخدا — او نشیند در حضور اولیاء

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو یہ طاقت دی ہے کہ وہ مومنوں کا دل مضبوط رکھتے ہیں ان کے قدم جما دیتے ہیں جس پر نظر کرتے ہیں اس کے دل کو سکون ہو جاتا ہے یہ فائدہ **فثبتوا** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر تو حضور ﷺ کی نگاہ ان کی نظر کی تاثیر کا کیا کہنا۔

جس کی تسکیں سے روتے ہوئے ہنس پڑیں — اس تبسم کی عادت پہ لاکھوں سلام

تیسرا فائدہ: فرشتوں کے ذریعہ سکون و چین مسلمانوں کو نصیب ہوتا ہے حضور انور کی شان اس سے وراء ہے آپ کو سکون و چین براہ راست رب تعالیٰ نے دیا ہے یہ فائدہ **الذین امنوا** سے حاصل ہوا حضور انور کے ذریعہ تو مومنوں بلکہ فرشتوں اور جن وانس کو سکون ملتا ہے حضور کے ذریعہ تو جانوروں لکڑیوں شیر خوار بچوں کو چین و سکون ملا ان کی یاد سے غم دور ہوتے ہیں۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو — جب یاد آگئے ہیں سب غم بھلا دیئے ہیں۔

رب فرماتا ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب** ذکر اللہ حضور ﷺ ہیں **قد انزل اللہ الیکم ذکرا رسولا**

چوتھا فائدہ: جیسے فوج کی کثرت ہتھیاروں مددگاروں کی زیادتی دشمن کے دلوں میں رعب پیدا کرتی ہے ایسے ہی دل کے ایمان تقویٰ سے دشمن کے دل میں رعب پیدا ہوتا ہے یہ فائدہ **سالقی فی قلوب** سے حاصل ہوا دیکھو بدر میں غازی تھوڑے تھے اور بے سروسامان مگر کفار کے لشکر جرار کے دل میں ان کا رعب چھا گیا ان کی قوت ایمان سے۔ **پانچواں فائدہ:** جنگ میں مومنوں کے دل میں سکون اور کفار کے دل میں رعب ہونا اللہ کی بڑی ہی مہربانی ہے یہ دو چیزیں اگر جمع ہو جاویں تو انشاء اللہ مسلمانوں کی فتح یقینی ہے۔ **چھٹا فائدہ:** جنگ کا فن مبارک ہے اس کا ماخذ یہ ہی آیت ہے اس فن میں مقابل کے سر اور جوڑوں پر چوٹ مارنا ہی سکھایا جاتا ہے یہ فائدہ اعناق اور کل بنان سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** غزوہ بدر میں فرشتوں نے مسلمان غازیوں کے ساتھ کفار سے جنگ کی یہ فائدہ **فاضربوا** سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب فرشتوں سے ہے جو حضرات فرماتے ہیں کہ جنگ نہ کی وہ کہتے ہیں کہ **فاضربوا** میں خطاب مسلمانوں سے ہے بہت صحابہ فرماتے ہیں کہ ہم کافر کو مارنے کا ارادہ کرتے تھے ہماری تلوار اس کی گردن پر نہیں پہنچتی تھی اور اس کی گردن کٹ جاتی تھی چنانچہ ابو داؤد مازنی سہیل ابن حنیف وغیرہ غازیان بدر نے حضور انور سے یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا یہ فرشتوں کی مدد تھی (تفسیر خازن)۔ **آٹھواں فائدہ:** غزوہ میں مسلمان کافروں سے صرف اس لئے لڑیں کہ یہ اللہ رسول کے دشمن ہیں اس کے سوا اور کوئی نیت نہ ہو انشاء اللہ فتح ہو گی یہ

www.alahazratnetwork.org

فائدہ **بانھم شاقوا اللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا یوں ہی جہاد میں کلمۃ اللہ بلند کرنے اللہ رسول کی رضا کے لئے جائے اپنی نام وری ملک گیری غنیمت حاصل کرنے کی نیت ہرگز نہ ہو کہ وہ چیزیں خود حاصل ہو جائیں گی گندم بوؤ بھوسہ خود ملے گا۔ **نواں فائدہ:** حضور ﷺ کی مخالفت و دشمنی رب تعالیٰ کی مخالفت اس سے دشمنی ہے یہ فائدہ **شاقوا اللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا دیکھو کفار صرف حضور انور کے دشمن تھے مگر رب نے فرمایا اللہ رسول کے دشمن یوں ہی حضور کا دوست رب کا دوست ہے۔ **دسواں فائدہ:** آگ کا عذاب صرف کفار کے لئے ہے گنہگار مومن گناہوں سے پاک وصاف ہونے کے لئے وہاں رکھے جائیں گے یہ فائدہ **للکافرین** کو عذاب النار پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کو کفار کا خوف تھا کیونکہ رب نے فرمایا **انی معکم** تم ڈرو مت میں تمہارے ساتھ ہوں جیسے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا **لا تخافا اننی معکما** کافروں سے ڈرنا فرشتوں کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس فرمان عالی کا مقصد وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کر دیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس غزوہ میں ان صحابہ کے ساتھ ہو اور وہ حضرات ہمارے محبوب کے ساتھ ہیں اور میں اپنے محبوب کے ساتھ ہوں تو اس دور کی نسبت کی وجہ سے میں تمہارے بھی ساتھ ہوں۔

مجھے ہے دل سے الفت دل کو تم سے تم کو غیروں سے
میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں چاہوں غیروں کو

دوسرا اعتراض: جب حضور انور سے دلوں کو چین ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے تو حضور کے ہوتے فرشتوں کی کیا ضرورت تھی کیا حضور دل کے چین کے لئے کافی نہ تھے فرشتوں سے کیوں فرمایا **فثبتوا الذین امنوا** (وہابی) **جواب:** اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ کے ہوتے فرشتوں کی کیا ضرورت تھی کیا رب تعالیٰ انہیں سکون و چین دینے کے لئے کافی نہ تھا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ تارے سورج سے نور لے کر دنیا کو دیتے ہیں اس وقت فرشتے حضور انور کا یہ فیض سکون مومنوں کو دے رہے تھے اللہ نے حضور انور کو ایمان عرفان عزت چین سکون قرار کا مرکز بنایا ہر ایک کو ہر نعمت اس مرکز سے ملتی ہے بلاواسطہ ہو یا واسطہ سے۔

ایک تم ہی تو آس ہو قلب گنہگار میں
تم ہی ہو چین اور قرار ہر دل بے قرار میں

تیسرا اعتراض: فرشتوں کو کفار کی گردنوں پر ان کے جوڑوں پر مارنے کی کیا ضرورت ہے وہ تو سارے کفار کو آن کی آن میں فنا کر سکتے ہیں پھر ان سے یہ کیوں فرمایا کہ ان کی گردنوں پر اور جوڑوں پر مارو۔ **جواب:** اس کا جواب پچھلی آیت میں دیا جا چکا ہے کہ بدر میں فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہیں آئے تھے کہ بچے ہوئے کفار ایک دن مومن ہونے والے اور اسلام کی خدمت کرنے والے تھے صرف غازیوں کی ہمت افزائی عزت افزائی اور ان کے کام کی تکمیل کے لئے آئے تھے کہ غازی نے کافر پر تلوار اٹھائی اور فرشتہ نے گردن کاٹ دی۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت میں **للکافرین** کو پہلے لایا گیا ہے اور عذاب النار کو پیچھے جس سے حصر کا فائدہ ہوا تو کیا گنہگار مومن دوزخ میں نہیں جائیں گے حالانکہ مومن کو قتل کرنے والا ازروئے قرآن دوزخ میں جاوے گا **ومن یقتل مؤمنا متعمدا فجزاؤہ جھنم** یوں ہی شرابی جواری زانی دوزخی ہیں ازروئے حدیث۔ **جواب:** بے شک گنہگار مومن دوزخ میں عذاب نہ دیئے جائیں گے بلکہ گناہوں سے پاک وصاف کئے جائیں گے پھر وہاں سے

www.alahazratnetwork.org

نکال لئے جائیں کے بھٹی میں کوئلہ جلنے کو جاتا ہے اور سونا صاف ہونے کو۔ **پانچواں اعتراض**: ان آیات میں ثابت قدمی کو فرشتوں کی طرف نسبت کیا گیا کہ فرمایا گیا **ثبتوا** اور رعب ڈالنے کو رب کی طرف کہ ارشاد ہوا **سالقی** اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**: اس میں غازیان بدر کی عزت افزائی ہے کہ اے فرشتو یہ غازی ہمارے کام کے لئے نکلے ہیں تو ان کا ایک کام تم کرو انہیں ثابت قدم رکھنا اور ان کا دوسرا کام ہم کرتے ہیں دشمن کے دل میں رعب ڈال دینا سبحان اللہ کیا کرم نوازی ہے بھلا کوئی ٹھکانا ہے بندہ نوازی کرم پروری کا کہ اپنے لئے فرمایا رؤف رحیم اور اپنے حبیب کے لئے فرمایا **وبالمومنین رءوف رحیم** یعنی ہم منگتے ایک اور داتا دو۔

یا رب تو کریمی و رسول تو کریم　　　صد شکر کہ ہستیم میان دو کریم

یہ ساری بہاریں اس دولہا کے دم کی ہیں۔

ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی چہل پہل
وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہیں کے دم کی بہار ہے

تفسیر صوفیانہ: بدر اکبر کا واقعہ ایک دفعہ ہو چکا نصیب ور لوگ بہت کچھ لے گئے مگر بدر اصغر تا قیامت قائم ہے دنیا گویا بدر کا میدان ہے مومنوں کے دل گویا غازیوں کا لشکر ہے ان کے نفس امارہ اور ابلیس اور اس کی ذریت گویا کفار بدر کی فوج ہے مومن کے دل اس فوج سے برسر پیکار ہیں اللہ تعالیٰ اس جنگ میں اپنے غیبی فرشتے ان پر نازل فرماتا ہے انہیں حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو دنیاوی مصیبتوں تکالیف شیطانی اثرات نفس امارہ کے خطرات کے مقابل ثابت قدم رکھو کہ ان کے قدم ڈگمگا نہ جائیں دوسرا کام میرا ہے کہ ان کے مقابل تمام دشمنوں کو مرعوب و مغلوب کروں گا مومن ہزار مصیبتوں میں گھر کر نہیں گھبراتا کہ اس پر اللہ رسول کا ہاتھ ہے حکم ہے کہ ان ر کلونوں کو فنا اور بیکار کرو تم اللہ رسول کے دھڑے کے ہو یہ مقابل شیطان کے دھڑے کے ہیں **اولئک حزب الشیطن**۔ مومن کے ایمان کا رعب ساری خلق پر ہوتا ہے حضرت عمر کے حکم سے دریائے نیل جاری ہوا اور آج تک جاری ہے آپ کے حکم سے زمین نے چوسا ہوا تیل اس کی مالکہ کو واپس کر دیا اگل دیا حضرت سفینہ کے سامنے شیر دم ہلاتا ہوا چلا تو تم خدا کے ہو جاؤ خدائی تمہاری ہے۔

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ　　　کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر اللہ کی معیت چاہتے ہو تو ان کے ساتھ رہو جو رسول اللہ کے ساتھ ہیں اللہ کی معیت بہت قسم کی ہے مدد کی ہمراہی' رحمت و کرم کی ہمراہی' قرب خاص کی ہمراہی' محبت کی ہمراہی' غضب و قہر کی ہمراہی یہاں محبت و کرم کی ہمراہی مراد ہے۔

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا لَقِيْتُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا زَحْفًا فَلَا تُوَلُّوْهُمُ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے جب ملو تم ان لوگوں سے جو کافر ہوئے تو منہ پھیرو تم ان سے
اے ایمان والو جب کافروں کے لام سے تمہارا مقابلہ ہو تو انہیں پیٹھ نہ دو

www.alahazratnetwork.org

الْاَدْبَارَ ﴿۱۵﴾ وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا

پیٹھیں ۔ اور وہ جو پھیرے گا ان سے اس دن پیٹھ اپنی مگر داؤں چلتے ہوئے جنگ کا

اور جو اس دن انہیں پیٹھ دے گا مگر لڑائی کا ہنر کرنے کو یا اپنی جماعت میں جا ملنے کو

اِلٰى فِئَةٍ فَقَدْ بَآءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ

یا ملنے والا طرف لشکر کے پس بے شک لوٹا وہ غضب میں اللہ کی طرف سے اور ٹھکانہ اس کا

تو وہ اللہ کے غضب میں پلٹا اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا بری

وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۶﴾

دوزخ ہے اور بری ہے واپسی کی جگہ

جگہ پلٹنے کی

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مومنوں کو بدر میں ثابت قدم رکھنے ان پر فرشتے نازل فرمانے کا ذکر ہوا اب ان نعمتوں پر شکریہ کا حکم دیا جارہا ہے یعنی جہاد میں ڈٹ کر ثابت قدم رہنا پیٹھ نہ دکھانا۔ ہر نعمت کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار پر حملہ کا حکم دیا تھا ان کی کھوپڑیوں اور ہر جوڑ پر چوٹ مارو اب حکم دیا جارہا ہے کہ کبھی انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ کیونکہ اس مار کی شرط تمہاری ثابت قدمی ہے گویا مقصودی عبادت کا ذکر پہلے ہوا تھا اس کی شرط اول یعنی استقامت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ کافروں کے لئے آگ کا عذاب ہے۔ اب ارشاد ہے کہ انہیں اس آگ تک اے مسلمانوں تم پہنچاؤ کہ ان سے ڈٹ کر مقابلہ کرو انہیں جہنم رسید کرو گویا کفار کا ٹھکانہ ذکر فرمانے کے بعد انہیں ٹھکانے تک پہنچانے کا ذکر ہے۔ جس کی شرط مسلمان غازیوں کی استقامت ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں بحالت جہاد استقامت کے فوائد بیان ہوئے اب ان آیات میں بحالت جہاد گھبرا جانے کے نقصانات کا تذکرہ ہے۔ **فقد باء بغضب من اللہ** گویا مفید چیز کے فوائد کے بعد مضر چیز کے نقصانات کا ذکر ہے۔

تفسیر: **یایھا الذین امنوا** قوی یہ ہے کہ یہ خطاب صرف غازیان بدر سے نہیں بلکہ تاقیامت سارے مسلمانوں سے ہے کیونکہ کفار سے جہاد تاقیامت جاری ہے تو یہ احکام جہاد بھی تاقیامت جاری ہیں جہاد کا تعلق کچھ شرائط کے ماتحت سارے مسلمانوں سے ہے تو یہ خطاب بھی انہی سارے مسلمانوں سے ہی ہے **اذا لقیتم الذین کفروا زحفا** یہاں اذا ظرفیہ ہے۔ بمعنی شرط اسی لئے **فلا تولوھم** میں ف جزائیہ آئی **لقیتم** سے مراد ہے جہاد میں کفار سے مڈھ بھیڑ اور مقابلہ ہونا روح البیان نے فرمایا کہ یہاں **لقیتم** ۔ بمعنی ادرکتم ہے یعنی جب تم کفار کو اپنے مقابلہ میں آتا دیکھو **کفروا** میں سارے حربی کفار داخل ہیں اہل کتاب ہوں یا مشرکین منافق یا ذمی کفار مراد نہیں کہ اسلامی حاکم پر ان کی حفاظت لازم ہے **زحفا** یا تو **لقیتم** کے فاعل سے حال ہے یا الذین کفروا سے حال زحف مصدر ہے ۔ بمعنی اسم فاعل زاحفین اس کی جمع زحوف آتی ہے زحف کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہیں چھوٹے بچے کا گھٹنے کے بل گھسیٹنا پھر ہر سست رفتاری کو زحف کہنے لگے اب اصطلاح میں بڑے بھاری لشکر کو زحف کہتے ہیں جو باجود تیز رفتاری کے آہستہ چلتا محسوس ہو کہ بڑی چیز کی تیز رفتاری سست محسوس ہوتی ہے رب فرماتا ہے **وتری الجبال تحسبها جامدة وهی تمر مر السحاب** (روح المعانی) یعنی جب تم عظیم الشان لشکر بن کر کفار سے ملو یا کفر کے ٹڈی دل لشکر سے تمہارا مقابلہ ہو **فلا تولوهم الادبار** یہ **اذا لقیتم** کی جزا ہے **لا تولو** بنا ہے **تولیته** سے جس کا مادہ ولی۔ بمعنی قرب ہے باب تفعیل۔ بمعنی سلب ہے تو معنی ہوئے دور ہونا پھرنا یہاں۔ بمعنی پھیرنا ہے ادبار جمع ہے دبر کی۔ بمعنی انسان کے جسم کا نچلا حصہ گذشتہ کل کو دابر اور درخت کی جڑ کو دابر کہا جاتا ہے **ان دابر هؤلاء مقطوع** مصبحین یعنی کفار کی طرف پیٹھ نہ کرو بھاگنا تو در کنار پیٹھ پھیرنا بھی جرم ہے **لا تولو** دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے پہلا مفعول **هم** ہے دوسرا الادبار یعنی ان کو پیٹھ نہ دو انہیں پیٹھ نہ دکھاؤ **ومن یولهم یومئذ دبره** اس فرمان عالی میں اس جرم کی سزا کا ذکر ہے **من** سے مراد ہے غازی مومن **یولهم** میں **هم** سے مراد اپنے مقابل کفار ہیں **یومئذ** سے مراد ہے جہاد کا دن یعنی جو مسلمان غازی جہاد کے دن کفار کو پیٹھ دکھائے چونکہ پیٹھ دکھانے کی تین صورتیں ہیں ایک تو مقابلہ سے بھاگنے کے لئے جو کہ جرم ہے دوسرے دو وجہیں اور بھی ہیں، جو جائز ہیں اس لئے ارشاد ہوا **الا متحرفا" لقتال** یہ ان دو جائز وجہوں میں سے ایک وجہ ہے الا کے معنی ہیں بغیر متحرفا **یول** کی ضمیر سے حال ہے متحرف بنا ہے **حرفته** سے۔ بمعنی تدبیر یا جنگی چال لقتال متعلق ہے متحرفا" کے جنگی چال کے لئے بھاگنے کی چند صورتیں ہیں۔ 1۔ غازی لشکر کفار کے مقابلہ سے بھاگا اس کے پیچھے ایک دو کافر بھاگے جب وہ اپنے لشکر سے الگ ہوئے یہ فورا" اچانک پلٹا اور انہیں قتل کر دیا۔ 2۔ یہ جگہ خطرناک ہوئی تھی غازی یہاں سے بھاگ کر محفوظ جگہ پہنچا وہاں سے حملہ کر دیا حضرت عبد اللہ ابن جبیر نے یہ بھی معنی کئے ایک شاعر کہتا ہے۔

نفر ثم نکر والحرب کرو فر

ہم بھاگیں گے پھر لوٹیں گے جنگ بھاگنے لوٹنے کا نام ہے۔ حضرت علی کا لقب ہے حیدر کرار یعنی پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا شیر ببر (از خازن معانی کبیر وغیرہ)۔ 3۔ غازی یہاں سے بھاگے ان کے پیچھے کفار کی صف دوڑی جب وہ دوڑنے کے لئے تتر بتر ہوئی کہ اچانک ان پر پلٹ کر حملہ کر دیا سب کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ 4۔ غازی کفار کے سامنے سے بھاگے اور کفار کے پیچھے پہنچ کر ان پر حملہ آور ہو گئے غرضکہ یہ سب جنگی چالیں ہیں الحرب خدعة جنگ نام ہے دھوکہ کا بعض نے فرمایا کہ متحرف بنا ہے حرف سے۔ بمعنی کنارہ یا علیحدگی یعنی جنگ کے لئے مقابلہ سے علیحدہ کنارہ پر ہو کر لڑے **او متحیزا الی فئته** یہ عبارت معطوف ہے متحرفا" پر متحیز بنا ہے یا تو حاز یحوز سے تو یہ باب تفعیل سے ہے اصل میں متحیوز تھا واو ی بن کر ی میں مدغم ہو گیا اگر حازی یحیز سے ہے تو یہ باب تفعیل سے ہے (از کبیر) بہر حال حوز یا حیز کے معنی ہیں جمع ہونا یا ملنا اب ملنے کے لئے کسی سے ہٹنے کو بھی حوز یا حیز کہتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے **فئته** کے معنی ہیں جماعت گروہ یعنی غازی اس لئے میدان سے بھاگے کہ یہاں وہ اکیلا تھا اس کی جماعت یا امیر دوسری جگہ تھے یہ وہاں پہنچ کر کفار سے لڑے تب بھی گنہگار نہیں **فقد باء بغضب من الله** یہ عبارت جزا ہے **من یولهم** کی اس میں اسی جرم کی دنیاوی سزا کا ذکر ہے باء بنا ہے بوء سے۔ بمعنی لوٹنا ب۔ بمعنی مع ہے (ساتھ) یعنی ایسا شخص جو سوا ان دو وجہوں کے جہاد میں کفار کے مقابلہ سے بھاگا تو وہ اللہ کا غضب لے کر لوٹا شکست بدنامی کفار

www.alahazratnetwork.org

کی غلامی اپنی جماعت کا وقار ختم ہو جانا سخت گناہ ہے **وماوٰہ جھنم** یہ اس کی اخروی سزا کا بیان ہے ماوٰی بنا ہے اوی سے بمعنی لوٹنا ماوٰی کے معنی ہیں لوٹنے کی جگہ یعنی ٹھکانہ یعنی ایسے بزدل کا ٹھکانہ آخرت میں دوزخ ہے **وبئس المصیر** دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ مصیر اور ماوٰی کے ایک ہی معنی ہیں یعنی خیال رکھنا کہ دوزخ بہت ہی بری جگہ ہے سزا پانے والوں کے لئے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت میں میدان جہاد سے ہٹنے وہاں سے پیٹھ پھیرنے کی تین صورتیں بیان فرمائی گئیں جن میں سے ایک گناہ کبیرہ ہے اور دو جائز چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے مسلمانو جب تم کفار کے لشکر جرار سے بھڑو یا اس کے مقابل جاؤ تو خیال رکھنا کہ اس وقت انہیں پیٹھ نہ دکھانا بھاگ نہ جانا جو کوئی جہاد کے دن کفار کے مقابلہ سے بھاگے گا وہ دنیا میں تو اللہ کا غضب لے کر لوٹے گا کہ موت تو اسے وقت پر ہی آوے گی مگر ایسی حرکت سے وہ گناہ' بدنامی' مسلم قوم کی رسوائی' کفار کی جرات بڑھ جانا' مسلمانوں کی ہمت ٹوٹ جانا وغیرہ کا داغ لے کر لوٹے گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ دوزخ ہو گا دوزخ مجرم کے لئے بڑی ہی بری جگہ ہے جس کا عذاب برداشت سے باہر۔ ہاں دو صورتیں ہیں جن میں یہ کام جائز ہے ایک یہ کہ غازی کا یہ ہٹنا کسی جنگی چال کی بنا پر ہو مثلاً" اس لئے کہ غازی بھاگے کچھ کافر اس کے پیچھے بھاگیں جب وہ اپنی فوج سے کٹ جائیں تو یہ اچانک پلٹ کر ان پر حملہ کر کے انہیں قتل کر دے یا ان کے سامنے سے بھاگے تاکہ پیچھے سے جا کر ان پر ٹوٹ پڑے یا اپنا بھاگنا دکھا کر انہیں مطمئن کر دے رات کو ان پر شب خون مارے وغیرہ دوسرے یہ کہ غازی تھوڑے تھے سامنے لشکر کفار بہت تھا اسلامی لشکر اور جگہ تھا یہ یہاں سے بھاگ کر اپنے لشکر سے جا ملے پھر ان سے مل کر بڑا حملہ کر دے یہ دونوں صورتیں جائز بلکہ ثواب ہیں کہ یہ بھاگنا نہیں بلکہ جہاد کی ایک چال ہے۔

روایت: بخاری نے ادب المفرد میں اور احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ اور ترمذی' ابن ماجہ نے حضرت عبداللہ ابن عمر سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ نے ہم کو ایک لشکر میں بھیجا وہاں ہمارے قدم اکھڑ گئے ہم مدینہ منورہ گئے مگر شرم سے حضور اقدس کی خدمت میں نہ آسکے کہ ہم کس منہ سے سامنے جائیں۔

در اقدس پہ میرا دل ہے لرزاں
کہ ان کا سامنا ہے اور میں ہوں!

آخر کار جھجکتے کانپتے حاضر ہوئے فجر سے پہلے کا وقت تھا فرمایا کون ہم نے عرض کیا حضور ہم ہیں بھگوڑے فرمایا تم فرار یعنی بھگوڑے نہیں بلکہ عکار یعنی اپنی پناہ کے پاس آنے والے ہو پھر فرمایا **انا فئتہ المسلمین** میں مسلمانوں کی پناہ ہوں۔

دوسری روایت: خلافت فاروقی میں ایک شخص قادسیہ کے میدان سے بھاگ کھڑا ہوا حضرت امیر المومنین عمر ؓ کی بارگاہ میں حاضر ہوا بولا میں تو ہلاک گیا جہاد سے بھاگ آیا فرمایا میں تیری پناہ ہوں تو اپنی پناہ کے پاس آیا ہے (روح المعانی) خیال رہے کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حکم صرف غازیان بدر کے لئے تھا دوسرے غازیوں پر یہ سختی نہیں کیونکہ اس غزوہ میں حضور انور بنفس نفیس موجود تھے نیز وہ پہلا غزوہ تھا اگر اس وقت یہ سختی نہ کی جاتی تو بڑی بدنامی ہوتی حضرت قتادہ' حسن' ضحاک کا یہ ہی قول ہے (خازن' کبیر وغیرہ) محمد ابن سیرین کہتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کو حضرت ابو عبیدہ کے قتل کی خبر پہنچی تو فرمایا کاش وہ

میرے پاس آجاتے میں مسلمانوں کی پناہ ہوں (خازن) بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس آیت کی چند صورتیں ہیں جن میں ایک صورت منسوخ ہے۔

منسوخ صورت یہ ہے کہ کفار مومنین سے دوگنے سے زیادہ ہو جائیں تو مسلمان ان کے مقابل سے ہٹ سکتے ہیں ناسخ یہ آیت ہے **الئن خفف الله عنكم و علم ان فيكم ضعفا فان يكن منكم مائته صابرة يغلبوا مائتين** یہ قول عطاء ابن ابی رباح کا ہے (خازن) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ حکم تاقیامت بعینہٖ باقی ہے کسی حالت میں بھی مسلمان غازی کو کفار کے مقابلہ سے بھاگنا جائز نہیں ڈٹا رہے اگرچہ شہید ہو جاوے کیونکہ **یایها الذین امنوا** سب کو شامل ہے (تفسیر خازن) حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اگر ایک مسلمان تین کافروں سے جہاد میں بھاگا تو وہ بھگوڑا نہیں اگر دو کافروں سے بھاگا تو بھگوڑا ہے ترجیح اسی قول کو ہے اکثر علماء کا یہی قول ہے (خازن، بیضاوی)۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جہاد میں دو چیزیں بہت ضروری ہیں اللہ کا ذکر اور ثابت قدمی انشاء اللہ فتح قدم چومے گی رب فرماتا ہے **اذا لقيتم فئته فاثبتوا واذكروا الله كثيرا لعلكم تفلحون** یہ فائدہ **فلا تولوهم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** استقامت ہر برحق جہاد میں چاہئے خواہ کفار سے ہو یا مرتدین سے یا باغیوں سے یا خوارج سے ہاں باغیوں سے جنگ میں یہ رعایت ہوگی کہ ان کے بھاگتوں کا پیچھا نہ کیا جاوے گا ان کا مال غنیمت نہ بنایا جاوے گا ان کے قیدیوں کو لونڈی غلام نہ بنایا جاوے گا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جناب معاویہ رضی اللہ عنہ سے جنگ کے وقت یہ ہی حکم دیا تھا اور فرمایا تھا **اخواننا بغوا علينا** یہ ہمارے بھائی ہیں ہم سے بغاوت کر بیٹھے اور جنگ جمل میں ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب ہتھیار ڈال دیے تو ان کے ساتھ وہ برتاؤ کیا جو بیٹا اپنی ماں سے کرتا ہے۔ مرتد مردوں کو صرف قتل ہے یا اسلام۔ اسلام میں مرتدہ عورتوں کے لئے قید بھی ہے اس کے لئے حضرت ابوبکر صدیق کا عمل مشعل راہ ہے جو آپ نے جنگ یمامہ پر کیا کہ حضرت خولہ بنت جعفر لونڈی بنائی گئیں پھر آزاد کر کے حضرت علی کے نکاح میں دی گئیں۔ یہاں کفار سے جہاد کا ذکر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** جہاد میں دشمن کو دھوکہ دینا جائز بلکہ ثواب ہے مثلاً دھوکے کے لئے بھاگ جانا پھر پلٹ کر اچانک حملہ کر دینا اپنی تھوڑی فوج کو بہت ظاہر کر دینا وعدہ خلافی اور جھوٹ وہاں بھی حرام ہے یہ فائدہ **الا متحرفا لقتال** سے حاصل ہوا حیدر علی والی میسور نے انگریزی فوج کے مقابلہ میں دس ہزار لڑکیوں کو وردی پہنا کر ہاتھوں میں لکڑی کی بندوقیں دے کر کھڑا کر دیا اس سے جنگ جیت لی حضور فرماتے ہیں **الحرب خدعته** **چوتھا فائدہ:** غازی کا اپنے مقابل کفار سے بھاگ کر اپنی جماعت سے جا ملنا بالکل جائز ہے کہ یہ بھاگنا نہیں بلکہ قوت حاصل کرنا ہے یہ فائدہ **او متحيزا** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے یہ فائدہ **فقد باء بغضب** سے حاصل ہوا حضور انور نے گناہ کبیرہ گنائے ان میں **تولی یوم الزحف** بھی فرمایا یعنی جہاد کے دن بھاگنا اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **چھٹا فائدہ:** بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی جہاد میں بزدلی سے بھاگنا بھی انہی گناہوں میں سے ہے یہ فائدہ **بغضب من الله** اور **ماوہ** جہنم سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد میں بھاگ جانے والا سخت گنہگار غضب الٰہی کا مستحق اور دوزخی ہے تو حضرت عثمان غنی اور بہت سے صحابہ غزوہ احد میں بھاگ گئے تھے وہ سب دوزخی ہیں (روافض)۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گناہ کی معافی کا اعلان فرمادیا کہ ارشاد فرمایا **ان الذین تولوا منکم یوم التقی الجمعٰن - و لقد عفا اللہ عنھم** اب ان حضرات پر اعتراض کرنا ایسا ہی ہے جیسے آدم علیہ السلام پر گندم کھانے کا اعتراض یہ مذکور عذاب جب ہے جب رب نے معافی نہ دی ہو۔ **دوسرا اعتراض**: معافی کا اعلان احد والوں کے لئے تو ہو گیا مگر غزوہ حنین میں بھی صحابہ کے قدم اکھڑ گئے تھے اور وہ بھاگ پڑے تھے وہ اس آیت کے حکم میں داخل ہیں کہ ان پر غضب الٰہی بھی ہے اور وہ دوزخی بھی (روافض)۔ **جواب**: اس اعتراض کا جواب اس آیت میں موجود ہے جہاں یہ واقعہ مذکورہ ہے یعنی سورہ توبہ میں چنانچہ ارشاد ہے **ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ علیٰ رسولہ و علی المومنین و انزل جنودا** "یعنی اولاً" ان کے پاؤں اکھڑ گئے پھر رب نے جمادیئے۔ وہی لوگ لوٹے ان پر رب نے سکینہ اتارا انہیں کی مدد کے لئے فرشتے اترے انہوں نے جنگ فتح کی بعد کی استقامت کفارہ بن گئی مذکور سزا جب ہے جبکہ توبہ کفارہ نہ ہوا ہو۔ **تیسرا اعتراض**: بہت دفعہ غازی بھاگنے پر مجبور ہو جاتا ہے جبکہ اپنا قتل سامنے نظر آ رہا ہو۔ عجیب بات ہے کہ بہرحال غازی پر بھاگنا حرام ہو آگے بڑھتا یا کھڑا رہتا ہے تو خطرہ جان ہے پیچھے ہٹتا ہے تو خطرہ ایمان یعنی سامنے موت ہے پیچھے دوزخ اتنی سختی تو شان رحمت سے بعید ہے۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہ آیت کریمہ یا تو صرف بدر کے غازیوں کے لئے تھی یا کسی مذکورہ صورت اس آیت سے منسوخ کہ **الئٰن خفف اللہ** ایسے وقت غازی کو چاہیے کہ یہ نیت کرے کہ ابھی تو بھاگا جاتا ہوں انشاء اللہ اور صورت سے حملہ کروں گا تب اس فرمان عالی میں داخل ہو گا **او متحیزا الی فئۃ** علماء فرماتے ہیں کہ ایسے نازک اور خطرناک موقعہ پر ڈٹ جانا عزیمت ہے اور ہٹ جانا رخصت۔ **چوتھا اعتراض**: بھاگ جانے والا غازی کافر نہیں گنہگار ہے اور دوزخ ٹھکانہ کافر کا ہے نہ کہ گنہگار مومن کا پھر اس کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ **ماوٰہ جھنم** مومن خواہ کیسا ہی مجرم ہو اس کا انجام نجات و رہائی ہے۔ **جواب**: یہ فرمان عالی ایسا ہی ہے جیسے ارشاد ہوا کہ جو شخص کسی مومن کو عمداً" قتل کرے تو **فجزاؤہ جھنم خالدا فیھا و غضب اللہ علیہ و لعنہ و اعدلہ** کہ اس سے مراد ہمیشہ رہنا نہیں بلکہ بہت دیر تک رہنا ہے یا یہ قانونی سزا ہونی چاہئے کیونکہ جرم بہت سنگین ہے معافی و کرم دوسری چیز ہے اس کے لئے وہ آیت ہے **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** اللہ تعالیٰ کفر نہ بخشے گا اس کے سواء جسے چاہے بخش دے گا۔

پانچواں فائدہ: یہاں **زحفا**" کی قید کیوں لگائی کہ جب تم کفار کے لشکر جرار سے ملو یا تم لشکر جرار ہو کر ان سے ملو کیا لشکر نہ ہو تو حکم کچھ اور ہو گا۔ **جواب**: یہ قید لگا کر موجودہ بلووں کو نکال دینا مقصود ہے یعنی یہ حکم جہاد کے لئے ہے لیکن اگر کسی جگہ نہتے مسلمانوں پر کفار ٹوٹ پڑیں جیسے آج ہندوستان میں ہو رہا ہے تو مسلمان وہاں سے جان بچانے کے لئے بھاگ سکتے ہیں بلکہ ایسی مجبوری کی حالت میں تو منہ سے کفر بول دینا اور جان بچالینا جائز ہے۔ رب فرماتا ہے **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** سیدنا جندع ابن صمیرہ لیثی کا واقعہ اس کے متعلق مشہور و معروف ہے کہ وہ کفر بول کر مکہ سے جان بچا کر مدینہ منورہ پہنچے تھے اور فرماتا ہے **و من الناس من یشری نفسہ ابتغاء مرضات اللہ** یہ ان کے متعلق ہے جو اپنا مال کفار مکہ کو

دے کر مدینہ منورہ پہنچے تھے خود حضور انور ﷺ نے کفار مکہ سے غار ثور میں پناہ لی۔

مسئلہ: جہاد سے بھاگنے والا فاسق ہے اس کی گواہی قبول نہیں تاوقتیکہ توبہ نہ کرے حضور انور نے گناہ کبیرہ ستر گنائے ہیں ان میں جہاد سے بھاگنا بھی ہے (تفسیر روح البیان)۔ **چھٹا اعتراض**: دھوکہ دینا بڑی ہی بری بات ہے اسے کوئی ملت والا اچھا نہیں کہتا پھر اسلام نے جہاد میں دھوکہ کیوں جائز رکھا رب نے فرمایا **متحرفا" لقتال** اور حضور انور نے فرمایا **الحرب خدعته**۔ **جواب**: کسی کو نقصان پہنانے کے لئے دھوکہ دینا برا ہے مگر کسی کے شر سے بچنے کے لئے دھوکہ سے اس کی زد سے نکل جانا عقلا" نقلا" ہر طرح درست ہے جہاد میں اس قسم کا دھوکہ کفار کا زور توڑنے اور کفار کا شر مٹانے اور کم سے کم خون بہا کر فتح اسلام حاصل کرنے کے لئے بہانہ ہے بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ: غازی کو چاہئے کہ کفار کے مقابلہ میں دو عقیدے اور چند صفات لے کر جائے۔ عقیدہ-1- بزدلی سے آئی ہوئی موت ٹل نہیں جاتی-2 بہادری سے موت وقت سے پہلے نہیں آجاتی نیز غازی شیر کا سا بہادر دل لے کر جائے جو مقابلہ سے بھاگنا جانتا ہی نہیں وہ کرار ہے فرار نہیں۔ کبر میں چیتے کی طرح جو ہر ایک کو اپنے مقابل کمزور جانتا ہے بہادری میں گوہ کی طرح جو اپنے سارے اعضاء سے لڑتی ہے بھاری ہتھیار اٹھانے میں چیونٹی کی طرح ہو جو اپنے سے کئی گنا زیادہ بوجھ اٹھالیتی ہے ثابت قدمی میں پتھر کی طرح ہو جو اپنی جگہ سے ہٹنا جانتا ہی نہیں موقع کی تلاش میں مرغ کی طرح ہو صف میں ثابت قدمی میں خشوع خضوع والے نمازی کی طرح۔ امیر کی اطاعت میں مقتدی نمازی کی طرح ہو جس کی ہر حرکت و سکون امام کے تابع ہوتے ہیں اگر یہ صفات لے کر غازی میدان میں جاوے گا تو انشاء اللہ فتح و ظفر پائے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ میدان جہاد خوش نصیبوں کے لئے کچھ پانے کا مقام ہے شہادت یا فتح اور غنیمت اور بد نصیبوں کے لئے گنانے کی جگہ ہے خوش نصیب غازی مر کر بھی جی جاتا ہے بد نصیب بھگوڑا جی کر بھی مر جاتا ہے کہ پھٹکار و لعنت سے جیتا ہے دوزخ مجرموں کے لئے برا ٹھکانہ ہے مگر شفاعت کرنے والے مومنوں کے لئے شفاعت خانہ ہے کہ وہ حضرات بے دھڑک وہاں کو دکر دوزخی مسلمانوں کو نکالیں گے۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

پس نہیں قتل کیا تم نے انہیں اور لیکن قتل کیا انہیں اللہ نے اور نہیں پھینکی تم نے اور لیکن اللہ نے پھینکی

تو تم نے انہیں قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی تم نے

وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِيْنَ مِنْهُ بَلَآءً حَسَنًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۷﴾

اور تاکہ دے وہ مسلمانوں کو اپنی طرف سے عطیہ اچھا تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے

نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی اور اس لئے کہ مسلمانوں کو اس سے اچھا انعام عطا فرمایا ہے بے شک اللہ

www.alahazratnetwork.org

ذٰلِكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ مُوْهِنُ كَيْدِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۸﴾
یہ اور بے شک اللہ کمزور کرنیوالا ہے فریب کافروں کا
سنتا جانتا ہے یہ تو لو اور اس کے ساتھ یہ ہے کہ اللہ کافروں کا داؤ سست کرنیوالا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں غازیان بدر کی اس امداد کا ذکر ہوا جو فرشتوں کے ذریعہ کی گئی اب ان ہی غازیوں کی اس مدد کا ذکر ہے جو بلاواسطہ خود رب نے کی **ولکن اللہ رمی** **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی پوری اطاعت و فرمانبرداری کا حکم دیا گیا تھا اب اس کے نتیجہ اور انعام کا ذکر ہے کہ تم نے یہ عمل کیا تو تم کو فنافی اللہ کا درجہ نصیب ہوا کہ تمہارے کام رب کے کام قرار پائے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں خطرناک حالات میں بھی ثابت قدمی کا حکم دیا گیا اب اس استقامت کا انجام بیان ہو رہا ہے یعنی مومنوں کی قوت اور کفار کی کمزوری **ان اللہ موھن کید الکفرین** **چوتھا اعتراض**: پچھلی آیات میں غزوہ بدر کے موقعہ پر آسمانی امداد کا ذکر تھا اب مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ اس فتح کو اپنی طاقت و قوت کا نتیجہ نہ سمجھو اور فخر نہ کرو بلکہ رب تعالیٰ کا کرم جانو اور اس پر اس کا شکر کرو گویا فخر سے روکا شکر کا حکم دیا۔

شان نزول: جب حضور ﷺ نے بدر میں غازیوں کو اتارا تو دو شخص حضور انور کی خدمت میں لائے گئے اسلم جو بنی حوج کا غلام تھا ابو یسار جو بنی عاص ابن سعد کا غلام تھا انہیں غازیان بدر پکڑ کر حضور کے پاس لائے ان سے حضور انور نے پوچھا کہ کفار مکہ کتنی تعداد میں ہیں وہ بولے بہت ہیں مگر ہم کو پوری گنتی نہیں معلوم فرمایا روزانہ کتنے اونٹ ان کی خوراک کے لئے ذبح ہوتے ہیں وہ بولے ایک دن دس دوسرے دن نو حضور انور نے فرمایا کہ وہ نو سو اور ایک ہزار کے درمیان ہیں پھر پوچھا کہ ان میں سردار ان قریش کتنے ہیں وہ بولے کہ عتبہ ابن ربیعہ' شیبہ ابن ربیعہ' ابوالبختری ابن ہشام' حکیم ابن حزام' حارث ابن عامر' طعمہ ابن عدی' نضر ابن حارث' عمرو ابن ہشام یعنی ابو جہل' امیہ ابن خلف' نبیہ ابن حجاج' منبہ ابن حجاج' سہیل ابن عمرو یہ بارہ تو چوٹی کے سردار ہیں باقی ان کے علاوہ ہیں حضور انور نے فرمایا کہ مکہ نے اپنے جگر پارے نکال پھینکے ہیں پھر عرض کیا اے میرے رب یہ قریش یہاں فخر و تکبر کرتے آئے ہیں انہوں نے تیرا مقابلہ کیا تیرے نبی کو جھٹلایا تو نے مجھ سے جس فتح کا وعدہ فرمایا ہے وہ پورا کر پھر جناب علی سے فرمایا کہ مجھے ایک مٹھی خاک دو آپ نے پیش کی حضور انور نے شاہت الوجوہ کہہ کر وہ خاک کفار کی طرف پھینکی تو سارے کفار کی دونوں آنکھوں میں وہ دھول پڑ گئی بلکہ نتھنوں اور منہ میں بھی۔

میں تیرے ہاتھوں کے صدقے کیسی کنکریاں تھیں وہ
جس سے سارے کافروں کا دفعتہ" منہ پھیر گیا

یہ واقعہ فتح بدر کا پیش خیمہ ہوا پھر چند گھنٹوں میں مسلمانوں نے ستر کافر مار دیئے اور ستر گرفتار کر لئے ان کے اپنے 13 غازی شہید ہوئے جو بدر میں آرام فرما رہے ہیں اس فتح کے بعد غازیان بدر آپس میں باتیں کرنے لگے کوئی کہتا کہ میں نے فلاں کافر کو یوں مارا کوئی کہتا میں نے فلاں کو یوں قید کیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن) اس کو تفسیر کبیر' بیضاوی' صاوی' مدارک' روح

www.alahazratnetwork.org

المعانی، روح البیان وغیرہم نے بیان کیا مگر تفصیل خازن میں ہے۔ 2-یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر نازل ہوئی۔ کہ حضور ﷺ نے قلعہ کے دروازے پر تیر چلایا تو اس سے قلعہ کے اندر ابن ابی الحقیق ہلاک ہوا 3-یہ آیت غزوہ احد کے موقعہ پر نازل ہوئی کہ ابی ابن خلف اولا" بدر میں قید ہوا یہاں سے فدیہ دے کر رہا ہوا پھر حضور سے بولا کہ میں نے آپ کو قتل کرنے کے لئے ایک گھوڑا پالا ہے جسے میں بذات خود گھاس دانہ پانی دیتا ہوں اس پر بیٹھ کر آپ کو قتل کروں گا حضور نے فرمایا انشاء اللہ میں تجھے قتل کروں گا چنانچہ یہ مردود اس گھوڑے پر سوار حضور انور کی طرف دوڑا آیا مسلمان غازی اس کے مقابل آئے حضور نے فرمایا اسے مجھ تک آنے دو حضور انور نے اس پر نیزہ سے حملہ کیا جس سے اس کی ایک پسلی ٹوٹ گئی زخمی ہو کر اپنے ساتھیوں کے پاس آیا وہ بولے کوئی بات نہیں معمولی زخم ہے آرام ہو جائے گا ابی ابن خلف بولا کہ زخم تو معمولی ہے مگر زخم لگانے والا بڑا قوی ہے محمد کا مارا کبھی بچ نہیں سکتا پھر وہ کتے کی طرح بھونکتا ہوا مر گیا۔ 4-یہ آیت کریمہ غزوہ حنین کے موقعہ پر نازل ہوئی حضور انور نے اس دن بھی ایک مٹھی خاک کفار کی طرف پھینکی جس سے ان ساروں کی آنکھوں میں دھول ہی دھول ہو گئی مگر قوی پہلا قول ہے کہ یہ آیت غزوہ بدر میں نازل ہوئی (تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی)۔

تفسیر: **فلم تقتلوھم** اس فرمان عالی میں ف یا تو جزاء کی ہے اور اس کا تعلق پچھلے مضمون سے ہے یعنی جب بدر میں ہماری مدد تمہارے شامل حال رہی نبی پاک کا حضور فرشتوں کا نزول تمہارے دلوں میں چین و قرار کفار کے دلوں میں رعب اور قرار یہ سب چیزیں ہماری طرف سے تھیں تو تم نے کفار کو مستقل طور پر قتل نہ کیا یا یہ ف وجہ بیان کرنے کی ہے (علیہ) یعنی تم اس فتح بدر پر فخر نہ کرو کیونکہ کفار کو تم نے قتل نہ کیا مستقل طور پر **تقتلوا** میں خطاب غازیان بدر سے ہے مگر سنانا سارے مسلمانوں کو ہے کہ کبھی نیکی کو اپنی طرف سے نہ جانیں رب کا کرم سمجھیں **ھم** کا مرجع کفار مکہ ہیں جو بدر میں مسلمانوں کے مقابل آئے اے مسلمانو رب تعالیٰ کا شکر کرو کیونکہ **ولکن اللہ قتلھم** یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے یعنی انہیں اللہ نے درحقیقت قتل کیا کیونکہ اس نے تمہیں جرات و ہمت دی کفار کے دلوں میں رعب ڈالا اس لئے آسمان سے فرشتے اتارے۔ خیال رہے کہ یہ گفتگو حقیقت پر مبنی ہے یعنی حقیقتہً "فاتح تم نہیں ہم ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ یہ سارے کام تو غازیوں نے ہی کئے تھے مگر مجازاً" **ومارمیت اذرمیت** یہ عبارت پچھلی پوری عبارت پر معطوف ہے اس میں خطاب ہے نبی کریم ﷺ سے مگر طریقہ بیان اس میں بدلا ہوا ہے وہاں مسلمانوں سے قتل کی صرف نفی کی گئی تھی یہاں حضور انور سے پھینکنے کی نفی بھی ہے **مارمیت** اور ثبوت بھی **اذرمیت** اس میں بہت ہی لطف ہے رمیت کے مفعول پوشیدہ ہے اگر یہ آیت بدر، حنین، یا احد کے متعلق ہے تو اس کا مفعول کنکریاں یا خاک ہے جو مٹھی بھر حضور انور نے پھینکی تھی اور اگر خیبر کے موقعہ پر اتری ہے تو اس کا مفعول وہ تیر ہے جو حضور انور نے دروازہ خیبر سے چلایا او۔ اس سے ابن ابی الحقیق قتل ہو گیا قوی یہ ہے کہ یہ بدر کا واقعہ بیان ہو رہا ہے اور کنکریاں یا خاک ارکا مفعول ہے۔ خیال رہے کہ رمی کے دو کنارے ہیں ابتداء پھینکنے والے سے ہوتی ہے اور انتہا پہنچنے پر اس خاک پھینکنے کی ابتدا حضور انور کے ہاتھ سے ہوئی اس کے متعلق ارشاد ہوا **اذرمیت** اور انتہا یہ ہوئی کہ یہ کافر کی آنکھوں میں پڑ گئی یہ رب کی طرف سے اس کے متعلق ارشاد ہے **مارمیت** یعنی جب تم نے مٹھی بھر کنکریں پھینکیں تو ان کفار کی آنکھوں میں تم نے نہیں ڈالیں بلکہ ہم نے ڈالیں لہذا مطلب واضح ہے نفی اور چیز کی ہے ثبوت دوسری چیز کا اس کی اور

www.alahazratnetwork.org

بہت تفسیریں ہیں کچھ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جائیں گی **ولکن اللہ رمی** اس کا عطف **مارمیت** پر ہے رمی کا مطلب وہ ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ کفار کی آنکھوں میں رب نے ڈالا اس نے پہنچائی یا ہاتھ تمہارے تھے قوت ہماری تھی کام تمہارا تھا اذن ہمارا تھا چونکہ تم ہمارے محبوب ہو تمہارا ہر کام ہمارا کام ہے تمہارا پھینکنا ہمارا پھینکنا ہے اور ہمارا اکرم فرمانا تمہارا اکرم فرمانا ہے **ویزکیھم** جب بندے کو رب تعالیٰ سے قرب زیادہ ہو جاتا ہے تو رب کے کام کو بندہ کہتا ہے کہ یہ میرا کام ہے **احی الموتی باذن اللہ** اور بندے کے کام کو رب کہتا ہے کہ میرا کام ہے یہاں یہ ہی رنگ ہے **ولیبلی المؤمنین منہ بلاء حسنا**" یہ عبارت یا تو معطوف رمی پر اسی صورت میں **لیبلی** متعلق ہے **لیمحق الکافرین** پوشیدہ پر یا اعتراضیہ ہے اور یہ جملہ معترضہ اور **لیبلی** ایک پوشیدہ عبارت کے متعلق ہے **وفعل ذالک لیبلی** خیال رہے کہ لیبلی بنا ہے بلاء سے معنی آزمائش رب تعالیٰ آفتوں کے ذریعہ سے بندوں کو آزماتا ہے اور نعمتوں کے ذریعہ بھی یہاں دوسری قسم کی آزمائش مراد ہے رہبر کہتا ہے۔

جزی اللہ بالاحسان مافعل بکم فابلا ھما خیر البلاء الذی یبلی

اہل عرب قوت سے جنگ کرنے کو بھی **بلاء حسنا** کہتے ہیں اور صبر جمیل کو بھی یعنی اللہ تعالیٰ نے بدر کی تمام کاروائیاں اس لئے کیں کہ کافروں کو مٹائے اور مومنوں کو اپنی طرف سے بطور آزمائش اچھی نعمتیں عطا فرمادے (روح المعانی) فتح نصرت' غنیمت' کفار کے دلوں میں آئندہ کے لئے ہیبت مومنوں کے دلوں میں جرات وہمت چنانچہ بدر کے بعد کے تمام غزوات اس فتح بدر کا نتیجہ تھے کہ مسلمانوں کے حوصلے بلند ہو چکے تھے **ان اللہ سمیع علیم** یہ عبارت یا تو گذشتہ کی علت ہے یا اس کا نتیجہ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی مانگی ہوئی دعائیں سنتا بھی ہے اور ان کے دل کا' مسلمانوں کے دلوں کا حال خوب جانتا ہے وہ جانتا ہے کہ اگر مسلمان بدر میں شکست کھا گئے تو آئندہ کے لئے ان کی ہمت پست ہو جاوے گی اس لئے انہیں یہ شاندار فتح و کامرانی عطا فرمائی **ذالکم** اس سے اشارہ تمام مذکورہ نعمتوں کی طرف ہے اس لئے جمع لایا گیا یہ یا تو **خذوا** پوشیدہ کا مفعول ہے یعنی ابھی یہ نعمتیں تو لو اگلی نعمتیں آئندہ ملیں گی یا المقصود پوشیدہ کی خبر ہے یعنی ہمارا مقصد یہ ہی ہے تو **ذالکم** سے اشارہ **بلاء حسنا** کی طرف ہے یعنی کہ تم کو انعام دینا ہی مقصود ہے **وان اللہ موھن کید الکفرین** یہ عبارت **ذالکم** پر معطوف ہے اور المقصود کی خبر یعنی اس جنگ کے مقصود دو ہیں ایک تم کو انعام و اکرام سے نوازنا دوسرے کفار کے فریب و مکر کو کمزور رکھنا **موھن** بنا ہے ایمان سے جس کا مادہ وھن ہے یعنی سستی و کمزوری **کید** اور **مکر و خداع** قریبا" ہم معنی ہیں۔ کافرین سے مراد یا تو کفار قریش ہیں جو بدر میں مسلمانوں سے لڑنے آئے تھے یا سارے کفار عرب یا دنیا بھر کے تاقیامت کفار تیسرے معنی زیادہ قوی ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے بدر کے غازیو اس فتح بدر کفار کے قتل اور غنیمت کے حصول کفار کو قید کرنے پر فخر نہ کرو اسے اپنا کمال نہ سمجھو کیونکہ در حقیقت انہیں تم نے قتل و قید نہیں کیا تم نے غنیمت حاصل نہیں کی تم نے بدر کا میدان نہیں جیتا بلکہ اللہ کا شکر کرو کیونکہ اسی نے کفار کو در حقیقت قتل کیا اسی نے تمہیں فتح دی کہ اسی نے تم کو جرات دی انہیں مرعوب کیا فرشتوں نے تمہاری مدد کی اور اے محبوب جب تم نے بدر میں کفار کی طرف مٹھی بھر کنکریاں پھینکیں تو کفار کی آنکھوں میں تم نے نہ ڈالیں

www.alahazratnetwork.org

بلکہ ہم نے ڈالیں پھینکنا تمہارا کام تھا پہنچانا ہمارا کام یا بہ ظاہر تم نے پھینکیں مگر در حقیقت ہم نے پھینکیں کیونکہ ہاتھ تمہارا تھا زور ہمارا تھا کام تمہارا تھا پیغام ہمارا تھا مٹھی تمہاری تھی اس پر تجلی ہماری تھی بظاہر انگارا جلاتا ہے مگر در حقیقت وہ آگ جلاتی ہے جو انگارے میں جلوہ گر ہے بظاہر ریڈیو کی پٹی بولتی ہے مگر در حقیقت بولنے والا بولتا ہے روشنی بظاہر بلب دیتا ہے مگر در حقیقت پاور دیتا ہے جو بلب میں جلوہ گر ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ اگر بلب کا واسطہ نہ ہو تو پاور ہم کو روشنی ہرگز نہیں دے گا اگر فرج یا ہیٹر کا واسطہ نہ ہو تو پاور ہرگز سردی گرمی نہ دے گا اعلحضرت نے کیا خوب فرمایا۔

سنگریزہ ے زند دست جناب ۔۔۔ مارمیت اذرمیت آید خطاب
تابد گر شرح این مجمل کنم ۔۔۔ جز تحیر ہیچ نبود حاصلم!

یہ سب کچھ اس لئے کیا گیا تاکہ اللہ کفار کا زور توڑے اور مومنوں کو اپنی طرف سے اچھی عطائیں دے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب کی دعائیں سننے والا ہے اور حالات کی نزاکت جاننے والا وہ جانتا تھا کہ اگر بدر میں مسلمانوں کو فتح نہ دی تو آئندہ ان کی ہمتیں پست اور کفار کی جراتیں بڑھ جائیں گی اے مومنو اللہ کی یہ نعمتیں تو لے لو اگلی نعمتیں آئندہ ملیں گی اللہ تعالیٰ کفار کے فریب کمزور کرنے والا ہے وہ اپنے داؤ چلاتے رہیں گے مگر مسلمانوں کو ترقی ہوتی رہے گی کیوں نہ ہو کہ اسلام محمد مصطفےٰ کا پھلتا پھولتا باغ ہے۔

محمد مصطفےٰ کے باغ کے سب پھول ایسے ہیں ۔۔۔ کہ بے پانی بھی تر رہتے ہیں مرجھایا نہیں کرتے

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: مومن اپنی کسی نیکی پر فخر نہ کرے بلکہ رب کا شکر کرے کیونکہ نیکی بندہ خود نہیں کرتا رب تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوتی ہے تو کرتا ہے یہ فائدہ **فلم تقتلوهم** اور **لكن الله قتلهم** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: اگر نیت خیر ہو تو اللہ تعالیٰ مومن کی بے مثل مدد فرماتا ہے۔ جو دیکھی جاتی ہے یہ فائدہ بھی **لكن الله قتلهم** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: اگر رب کرم کرے تو ابابیل سے فیل مروادے اگر کرم نہ کرے تو فیل بھی ابابیل کو نہ مار سکے بدر میں تھوڑے نہتے مسلمانوں کے ہاتھوں بڑے لشکر جرار کو شکست فاش دے دی یہ فائدہ بھی **لكن الله قتلهم** سے حاصل ہوا اپنے محبوب پر کرم کیا تو انہیں مکڑی کے جالے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ کفر کی یلغار سے بچالیا (غار ثور میں) فرعون پر قہر کیا تو اس کے قلعہ کی دیواریں بھی اسے نہ بچاسکیں۔

گلستان کند آتشے برخلیل ۔۔۔ گروہ بہ آتش برد آب نیل

چوتھا فائدہ: حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے محبوب اکبر ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور انور کے کام کو اپنا کام قرار دیا یہ فائدہ **ولكن الله رمى** سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: اللہ کے بندوں میں خدائی طاقت ہوتی ہے وہ رب کی قوت سے دیکھتے سنتے بولتے چلتے پھرتے ہیں اعضاء ان کے ہوتے ہیں مگر ان اعضاء میں زور رب کا یہ فائدہ بھی **لكن الله رمى** سے حاصل ہوا فرماتا ہے **كنت انا بصره الذى يبصر بى و سمعه الذى يسمع بى** (حدیث قدسی) میں اس کے آنکھ کان وغیرہ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا سنتا ہے۔ **چھٹا فائدہ**: اللہ کی نعمتیں بھی اللہ کی آزمائش ہیں انسان اس سے دھوکہ نہ کھائے یہ فائدہ **ليبلى المؤمنين** سے حاصل ہوا کہ رب نے بدر کی فتح و غنیمت کو بلا یعنی آزمائش قرار دیا وہ لے کر بھی آزماتا ہے اور دے کر بھی بہت کم ہیں جو اللہ کی نعمتیں ہضم کر سکیں اللہ تعالیٰ توفیق شکر دے۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ کبھی مومنوں کو ان کی

www.alahazratnetwork.org

نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی دیتا ہے آخرت کا انعام اس کے علاوہ ہے یہ فائدہ **ذالکم** سے حاصل ہوا کہ یہ فتح و ظفر ابھی لے لو یعنی آخرت کے انعام باقی ہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: ہمیشہ کفار مومنوں کے خلاف تدبیریں مکرو فریب کرتے رہیں گے مگر اللہ تعالیٰ مومنوں کو ان کے فریب سے بچاتا رہے گا بشرطیکہ مومن صحیح مومن ہوں یہ فائدہ **موھن کیدالکافرین** سے حاصل ہوا امام حسین شہید ہوئے مگر یزید کا فریب ان پر نہ چلا آپ نے اپنا کام پورا کر دیا۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

پہلا اعتراض: بدر میں کفار کو قتل غازیوں نے ہی کیا تھا اس لئے وہ غازی کہلائے مگر قرآن کریم فرما رہا ہے **فلم تقتلوھم** تم نے انہیں قتل نہیں کیا یہ بات تو خلاف واقعہ ہے۔ **جواب**: یہاں حقیقتہً "بذات خود قتل کرنے کی نفی ہے یعنی ان کا قتل تمہاری طاقت سے باہر تھا در حقیقت ہم نے ہی انہیں قتل کیا بظاہر اور ہوتا ہے حقیقت کچھ اور لہٰذا آیت واضح ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **وما رمیت اذ رمیت** یعنی حضور انور سے کنکریاں پھینکنے کی نفی بھی ہے اور ثبوت بھی یہ اجتماع نقیضین کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: علماء کرام اور صوفیاء عظام نے اس اعتراض کے بہت جوابات دیئے ہیں آسان جواب یہ ہے کہ **ما رمیت** میں کفار کی آنکھوں تک پہنچانے کی نفی ہے اور **اذ رمیت** میں ہاتھ سے پھینکنے کا ثبوت یعنی جب آپ نے اپنے دست اقدس سے کنکریاں پھینکیں تو ان کی آنکھوں میں آپ نے نہ ڈالیں ہم نے ڈالیں لہٰذا نفی اور جز کی ہے ثبوت دوسری جز کا لہٰذا اجتماع نقیضین نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: اس آیت میں قتل کفار کی نفی غازیان بدر سے کی گئی اور کنکر پھینکنے کی نفی حضور انور سے کی گئی مگر ان دونوں میں فرق اس طرح کیا گیا حضور کے متعلق **اذ رمیت** بھی ارشاد ہوا یعنی پھینکنے کا ثبوت بھی مگر غازی مومنوں کے متعلق **اذ قتلتم** ارشاد نہیں ہوا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**: ان دونوں نفی کے مقصد میں فرق ہے اس فرق کو دکھانے کے لئے بیان میں فرق ہوا مسلمانوں سے قتل کی نفی کا مقصد ان کا فخر دور فرمانا ہے یعنی تم اس فتح پر فخر نہ کرو شکر کرو اور حضور انور سے رمی کی نفی کا مقصد حضور کی محبوبیت آپ کا فنافی اللہ ہونا دکھانا ہے حضور انور نے تو فخر کیا ہی نہ تھا جتایا یہ گیا کہ آپ نے کنکر پھینکے تو ہیں مگر چونکہ فنافی اللہ کے درجہ پر فائز ہیں اس لئے آپ کا کام ہمارا کام ہے دفع فخر اور ثبوت محبوبیت میں بڑا فرق ہے اس کے متعلق صوفیاء کرام عجیب و غریب نکات بیان فرماتے ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: اللہ تعالیٰ نے فتح بدر کو بلا کیوں فرمایا بلا تو آفت کو کہا جاتا ہے۔ **جواب**: بلا کے معنی ہیں آزمائش اسی سے ہے ابتلاء رب فرماتا ہے **ولنبلونکم بشیء من الخوف** وہ بھی اسی سے ہے رب تعالیٰ کی نعمتیں بھی بندے کی آزمائش ہیں۔ رب فرماتا ہے **اما الانسان اذا ما ابتلٰہ ربہ فاکرمہ و نعمہ فیقول ربی اکرمن** دیکھو اس آیت میں رب نے اکرام و انعام کو ابتلاء یعنی آزمائش فرمایا بلکہ یہ آزمائش مصیبت کی آزمائش سے سخت ہے کہ آفت و مصیبت میں انسان جلد متوجہ **الی اللہ** ہو جاتا ہے مگر عیش و آرام میں اکثر غافل ہو جاتا ہے تکلیف میں صبر کا امتحان ہے راحت و آرام میں شکر کا امتحان۔ **پانچواں اعتراض**: اس آیت میں رب تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ فرمایا **ان اللہ موھن کیدالکافرین** اللہ کفار کی تدبیروں کو سست کرنے والا ہے مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ کفار کی تدبیریں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت جاری ہیں اور وہ کامیاب ہیں تو یہ وعدہ کیونکر پورا ہوا۔ **جواب**: اگر اس آیت میں کفار عرب مراد ہیں اور خطاب صحابہ کرام سے ہے تب تو مطلب ظاہر ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

کفار عرب نے مسلمانوں کے خلاف ایڑی چوٹی کے زور لگائے مگر ناکام ہوئے سارے عرب میں صحابہ چھا گئے اور اگر سارے مسلمانوں سے خطاب ہے اور کفرین سے مراد سارے کفار ہیں تو اس آیت کی تفسیر وہ آیت ہے **وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین** اگر مسلمان سچے مومن ہیں تو ان کے مقابل کفار کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے یا یہ مطلب ہے کہ تاقیامت کفار کی تدبیریں اسلام کو مٹانے کے لئے ناکام ہوں گی اس کا مشاہدہ آج بھی ہو رہا ہے اسلام اور اس کے سارے احکام بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہیں اور رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: ہر چیز اللہ تعالیٰ کی عبد ہے مگر حضور ﷺ عبدہ ہیں عبد اور عبدہ میں چند طرح فرق ہے 1- عبد وہ جو اللہ کی رضا چاہے عبدہ وہ کہ اللہ اس کی رضا چاہے **ولسوف یعطیک ربک فترضی** 2- عبد وہ جو اپنی عبدیت پر ناز کرے کہ میں اللہ کا بندہ ہوں عبدہ وہ جس کی عبدیت پر دست قدرت ناز کرے رب فرماتے ہیں کہ میں وہ ہوں کہ محمد رسول اللہ کا رب ہوں۔ 3- عبد وہ کہ اس کی شان رب سے ظاہر ہو عبدہ وہ کہ رب کی شان اس سے ظاہر ہو 4- عبد وہ جو کسی کے لئے بنے عبدہ وہ جس کے لئے دوسرے بنیں **لولاک لما خلقت الافلاک** 5- عبد وہ جو رب سے ملنا چاہے عبدہ وہ کہ رب اس سے ملنا چاہے سبحان الذی اسری بعبدہ 6- عبد وہ جو رحمت رب کے پاس جاوے مگر عبدہ وہ کہ رحمت رب اسے تلاش کرے اس کے پاس آئے۔

کلام لینے کو جاتے تھے طور پر موسیٰ   تمہارے گھر میں خدا کا کلام آتا ہے

7- عبد وہ جو کچھ نہ ہو عبدہ وہ جو کچھ نہ ہو کر سب کچھ ہو 8- عبد وہ جو کسی سے بنے عبدہ وہ جس سے سب کچھ بنے **انا نور من نور اللہ وکل الخلائق من نوری** 9- عبد وہ جو اپنے کام کو خود ذمہ دار ہو عبدہ وہ جس کے ہر کام کی رحمت رب ذمہ دار ہو **فلما قضی زید منها وطرا زوجناکها** 10- عبد وہ کہ کرنا بھی اس کا ہو اور کام بھی اس کا ہو عبدہ وہ کہ کرنا تو اس کا ہو مگر کام رب کا ہو یعنی مصدر اس کی ذات ہو حاصل مصدر رب کا کرم ہو۔ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے حضور انور کے عبدہ ہونے کی جھلک دکھائی ہے صحابہ سے فرمایا کہ تم نے بدر میں جہاد قتال فتح وغیرہ کو کیا ہی نہیں جو کچھ کیا وہ در حقیقت رب نے کیا تم سبب ہو رب مسبب ہے مسبب کے آگے سبب ہیچ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہرچہ خواہد آں مسبب آورد   قدرت مطلق سببہا بر آورد

از مسبب می رسد ہر خیر و شر   نیست اسباب و وسائط را اثر

ایں سببہا بر نظر ہا پردہ است   کہ نہ ہر دیدار صنعش را سزا است

دیدہ باید سبب سوراخ کن   تا حجب را بر کند از بیخ و بن

تا مسبب بیند اندر لامکاں   ہرزہ بیند جہد و اسباب و دکان

یعنی سبب پردہ ہے مسبب پردہ دار ہے سبب نقاب ہے مسبب درون حجاب ہے اس پردہ کی آڑ کو پھاڑ دو اور دیکھ لے جمال یار للہذا وہاں فعل صحابہ کی بالکل نفی فرما دی حضور ﷺ سبب ہیں مگر مسبب سے وابستہ حجاب ہیں مگر یار کو دکھانے والے حجاب نہ کہ یار کو چھپانے والے جیسے ہلکا بادل حجاب بن کر سورج کو دکھا دیتا ہے صاف سورج پر نظر نہیں ٹھہرتی اس حجاب میں یار نظر آ رہا ہے اس

www.alahazratnetwork.org

لئے فرمایا کہ تم نے کنکر پھینکے مگر تمہارے اس کام میں یار کی تجلی نظر آرہی ہے کہ وہ ہم نے پھینکے۔ صوفیاء فرماتے ہیں **مارمیت لکبن رمیت باللہ** یعنی تم نے تم بن کر نہ پھینکا بلکہ تم نے قدرت الہیہ کا مظہر بن کر پھینکا تمہارا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے اس لئے حضور کی بیعت اللہ کی بیعت **انما یبایعون اللہ ید اللہ فوق ایدیھم** بندہ محل آفات ہے اور عبدہ آفات سے منزہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مارمیت اذرمیت گفت حق ۔ کار حق ہر کارہا دارد سبق
گربہ پرانیم تیراں نی زماست ۔ ماکمان و تیر اندازش خداست
تا نہ شد مغلوب کس ایں سرنہ یافت ۔ گر تو خواہی آں طرف باید شتافت

عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ چراغ کو ہوا بجھاتی ہے اور چراغ ایمان چراغ تقویٰ کو ہوا یعنی تکبر بجھاتا ہے اپنے کاموں کو رب کی بارگاہ کا ہدیہ بناؤ قیمتی ہو جائیں گے انگور کا خوشہ بازار میں چند پیسوں کا ہوتا ہے لیکن اگر وہ بادشاہ کریم کی بارگاہ کا ہدیہ بن جاوے اور وہ کریم سلطان قبول کرے تو اس کی قیمت لاکھوں روپے بن جاتی ہے اس پر بڑی بڑی جاگیریں انعام مل جاتی ہیں یہ چیز کی قیمت نہیں بلکہ سلطان کی نظر کی قیمت ہے اپنے اعمال کو حضور تاجدار کونین کا تحفہ بناؤ لاکھوں پاؤ گے بازار کی قیمت اور ہے دربار یار کی قیمت کچھ اور ہے۔

حکایت: ایک شخص نے کئی سال عبادت کی قبول نہ ہوئی دعا مانگی رد ہو گئی بولا اے نفس اگر تو کچھ ہوتا تو تیری دعا قبول ہوتی تو کچھ بھی نہیں یہ کہنا تھا کہ غیب سے آواز آئی تیری یہ ساعت اور یہ بات برسوں کی عبادت سے افضل ہے کہ قبول ہو گئی۔

در رہ ما شکستہ دلی مجر مند و بس ۔ بازار خود فروشی ازاں سوئے دیگر است

ہمارے بازار میں صرف عجز و نیاز خریدا جاتا ہے غرور فروشی کے بازار دوسرے ہیں۔ حضرت ربیعہ ابن کعب نے صرف وضو کرایا تھا کہ فرمایا اے ربیعہ جو چاہو مجھ سے مانگو' عرض کیا حقیقت میں حضور کی ہمراہی حضور سے مانگتا ہوں فرمایا کچھ اور بھی مانگو بولے یہ کافی ہے یہ ہے تحفہ یار کی قیمت کہ وضو کرانے پر ایمان تقویٰ عرفان وغیرہ ہر جگہ سے نجات سب کچھ مل گیا۔ صوفیاء کی نزدیک بلاء حسن یہ ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔

إِنْ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَإِنْ تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ

اگر تم فتح مانگتے ہو پس بے شک آئی تمہارے پاس فتح اور اگر باز رہو پس وہ بہتر ہے واسطے تمہارے اور اگر

اے کافرو اگر تم فیصلہ مانگتے ہو تو یہ فیصلہ تم پر آ چکا اور اگر باز آؤ تو تمہارا بھلا ہے اور اگر تم پھر

تَعُودُوا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَأَنَّ

لوٹو گے تم تو لوٹیں گے ہم اور ہرگز نہیں دفع کرے گی تم سے جماعت تمہاری کچھ بھی اگرچہ زیادہ ہو اور تحقیق

شرارت کرو تو ہم پھر سزا دیں گے اور تمہارا جتھا تمہیں کچھ کام نہ دے گا چاہے کتنا ہی بہت ہو اور اس

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۹﴾ ع ۵/۱۶
اللہ ساتھ ہے مسلمانوں کے
کے ساتھ ہے کہ اللہ مسلمانوں کے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں فتح مکہ کا نقشہ کھینچا گیا اب اس کا نتیجہ کفار کو سنایا جا رہا ہے کہ تم لوگ اس بے مثال فتح و کامرانی سے یہ نتیجہ نکالو اور ایمان قبول کرو۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فتح بدر کا ذکر ہوا جو ہو چکی اب اگلی فتوحات کی خبر دی جا رہی ہے **وان تعودوا نعد** کہ ہم آئندہ بھی مسلمانوں کو فتح دیں گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بدر میں فرشتے نازل ہوئے مدد کے لیے اب ارشاد ہے کہ ہم بھی مومنوں کے ساتھ تھے اور ہیں اور رہیں گے لہٰذا ان کو ایسی ہی شاندار فتحیں میسر ہوتی رہیں گی۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ بدر میں فتح مسلمانوں کی دعا سے ہوئی **اذ تستغیثون ربکم** اب ارشاد ہے کہ یہ فتح خود کفار مکہ کی اپنی دعا سے ہوئی کہ انہوں نے دعا کی تھی کہ ہم میں سے جو حق پر ہو اے اللہ اسے فتح دے ہم نے حق والوں کو فتح دے دی۔

شان نزول: جب کفار مکہ اپنے وطن سے بدر کی طرف چلے تو ابو جہل نے کعبہ شریف کا پردہ پکڑ کر دعا کی کہ یا رب ہمارا دین پرانا ہے محمد مصطفےٰ ﷺ کا دین نیا ان دونوں دینوں میں سے جو دین تجھے پیارا ہو اس کو فتح دے اے میرے رب ان دونوں جماعتوں میں جو ہدایت پر ہو تو اس کی مدد کر اے اللہ ہم میں اور محمد میں (ﷺ) جو تیرا مجرم ہو جو حق قرابت توڑنے والا ہو آج تو اسے ذلیل کر دے اس کے متعلق یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئی (روح المعانی' خازن' روح البیان' مدارک' تفسیر کبیر وغیرہ) اس مردود نے خود اپنے پر ہی یہ دعا کر لی جو رب نے قبول فرمالی اور وہ نہایت ذلیل ہو کر مارا گیا۔ یہ قول حسن اور مجاہد کا ہے۔ 2۔ غزوہ بدر سے پہلے مسلمانوں نے فتح و نصرت کی دعا کی اللہ نے فتح دے دی۔ پھر بعد فتح تقسیم غنیمت اور قیدی کفار سے فدیہ لینے کے متعلق آپس میں اختلاف کرنے لگے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اتری یہ قول حضرت عطا اور حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہما کا ہے (تفسیر روح المعانی و کبیر' خازن' مدارک) مگر پہلی روایت قوی ہے ظاہر آیت اس کے مطابق ہے۔

تفسیر: **ان تستفتحوا** ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب کفار مکہ سے ہے جیسا کہ ہم شان نزول میں ایک روایت اس کے متعلق بیان کر چکے ہیں یہاں **ان** شک یا تردد کے بیان فرمانے کے لئے نہیں کیونکہ وہ لوگ یہ دعا تو یقیناً" مانگ چکے تھے بلکہ فقط معلق کرنے کے لئے ہے۔ معنی چونکہ۔ فتح کے معنی فیصلہ بھی ہیں اور فتح و ظفر بھی یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں یعنی اگر تم ہمارا فیصلہ مانگتے ہو کہ خدایا فیصلہ فرمادے ہمارے اور مسلمانوں کے درمیان یا اگر تم حق کی فتح مانگتے ہو کہ خدایا جو حق پر ہو اس کی فتح ہو۔ دوسری روایت کی بنا پر خطاب مسلمانوں سے ہے کہ اے غازی مسلمانوں اگر تم نے ہم سے فتح مانگی لہٰذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں اول تفسیر قوی ہے **فقد جاء کم الفتح** یہ عبارت جزاء ہے **ان** کی اگر کم میں خطاب ہو کفار مکہ سے تو مطلب یہ ہو گا کہ تمہارے سامنے حق والوں کی فتح آگئی جو تم نے مانگی تھی یا تمہارے پاس ہمارا فیصلہ آگیا یہ فتح ہمارا عملی فیصلہ ہے حق و باطل کے درمیان اور اگر خطاب غازیان بدر مومنین سے ہے تو معنی ظاہر ہیں کہ اے مسلمانو تمہاری فتح ہو گئی یہ بات خیال میں رہے مگر

www.alahazratnetwork.org

پہلی تفسیر قوی ہے غرضکہ اس جملہ کی بھی تین تفسیریں ہیں۔ **وان تنتھوا فھو خیر لکم** اس فرمان عالی میں اگر خطاب مشرکین مکہ سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ اے مشرکو! اگر تم بد عقیدگی اور ہمارے نبی کی مخالفت سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و دین میں بہتر ہے کہ تم دنیا میں قتل و قید سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں عذاب دوزخ سے اور اگر خطاب غازیان بدر سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم آئندہ تقسیم غنیمت وغیرہ میں اختلاف سے علیحدہ رہو تم تمہارے واسطے بہت ہی بہتر ہے کہ ہر قدم پر فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی (تفسیر کبیر) مگر پہلی تفسیر قوی ہے **وان تعودوا نعد** یہ عبارت معطوف ہے **ان تنتھوا** پر یعنی اے مشرکو! اگر تم پھر ہمارے نبی کے مقابلہ میں مکہ معظمہ سے لوٹ کر آؤ گے تو ہم پھر تم کو ایسی ہی عبرت ناک سزا دیں گے اور مسلمانوں کو تم پر فتح دیں گے اور اگر خطاب مومنین سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ اگر تم آئندہ پھر کسی مسئلہ میں اختلاف کرو گے تو ہم پھر تم پر عتاب فرمائیں گے (تفسیر کبیر و روح المعانی) **ولن تغنی عنکم فئتکم شیئا** یہ عبارت معطوف ہے **نعد** پر اور جزا ہے **ان تعودوا** کی اگر اس میں خطاب ہے کفار سے تو معنی ظاہر ہیں کہ جیسے بدر میں تمہاری بڑی تعداد و زیادہ سامان جنگ کچھ کام نہ آیا تم شکست کھا گئے یوں ہی آئندہ جنگوں میں ہو گا کہ تم باوجود کثرت کے مغلوب ہو گے رب نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا۔ حنین' خندق' فتح مکہ میں اور خلافت فاروقی میں تو کمال ہی ہو گیا کہ جنگ قادسیہ' یرموک میں سات لاکھ کفار پر صرف چالیس ہزار مسلمانوں نے فتح پائی یہ ہے اس آیت کی زندہ و جاوید تفسیر اور اگر خطاب مسلمانوں سے ہے تو مطلب یہ ہے کہ تمہاری فتح و نصرت میرے محبوب کی غلامی میں ہے اگر تم نے بال برابر ان کی اطاعت سے قدم باہر کیا تو تم کو فتح نصیب نہ ہو گی اور تمہاری جماعت کچھ کام نہ آئے گی (کبیر) اس کا ظہور احد میں اور کچھ ظہور حنین میں ہوا مگر تفسیر اول قوی ہے **وان اللہ مع المؤمنین** یہ جملہ مستقل ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے ہمراہی سے مراد مکانی یا علمی ہمراہی نہیں کیونکہ مکانی ہمراہی سے رب تعالیٰ پاک ہے نہ علمی ہمراہی مراد ہے کہ رب تعالیٰ علم و قدرت سے ہر بندہ کے ساتھ ہے ہر مومن و کافر اس کے علم اس کی قدرت میں ہے بلکہ رحمت و کرم کی ہمراہی مراد ہے یعنی رب تعالیٰ کی رحمت اس کا کرم ہمیشہ مومنین کے ساتھ ہے پھر ان کا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان رحمتہ اللہ قریب من المحسنین** غرضکہ رب تعالیٰ کی غضب و قہر کی ہمراہی کفار کے ساتھ خاص ہے اور رحم و کرم کی ہمراہی مومنوں کے ساتھ خاص اور علم و قدرت کی ہمراہی سب کے ساتھ۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو بہت قوی اور ظاہری آیت کے مطابق ہے۔ اے کفار مکہ چونکہ تم نے خود کعبہ معظمہ کا غلاف پکڑ کر ہم سے حق و باطل کا فیصلہ مانگا ہے کہ تم نے بدر کو روانہ ہوتے وقت کہا تھا کہ اے اللہ اس جنگ میں حق و باطل کا فیصلہ کر دے ہم دونوں فریق میں سے جو حق پر ہو اسے فتح دے اور جو باطل پر ہو اس کو شکست دے تمہاری طلب کے مطابق تمہارے سامنے ہمارا فیصلہ آ گیا کہ حق والے مسلمانوں کی فتح ہو گئی اور تم جھوٹوں کی شکست فاش اگر تم اب بھی کفر اور نبی کی مخالفت سے باز آجاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے کہ تم آئندہ قتل و قید سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں عذاب سے محفوظ رہو گے اور اگر تم پھر ایسی ہی حرکتیں کرو گے تو ہم پھر تم کو بدر جیسی ہی سزائیں دیں گے تم کو تمہاری جماعت ہمارے غضب اور شکست سے بچا نہ سکے گی جیسا کہ تم نے آزما لیا خواہ کتنی ہی بڑی جماعت ہو خیال رکھو کہ اللہ کی رحمت اس کا کرم ہمیشہ مومنوں کے ساتھ ہے اور رہے گا کیونکہ وہ نبی

www.alahazratnetwork.org

کے ساتھ ہیں اور رحمت الٰہی بھی نبی کے ساتھ ہے لہٰذا رحمت الٰہی ان کے ساتھ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** جنگ بدر در حقیقت حق و باطل کا فیصلہ تھی وہاں فتح حقانیت کی دلیل تھی اور شکست باطل ہونے کی دلیل یہ فائدہ **جاءکم الفتح** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ فتح سے مراد فیصلہ ہو۔ **دوسرا فائدہ:** کبھی مجرم اپنے خلاف دعا کر لیتا ہے اپنی ناسمجھی کی وجہ سے یہ فائدہ **ان تستفتحوا** سے حاصل ہوا کفار مکہ نے در حقیقت اپنی شکست کی بددعا خود ہی کر لی کہ انہوں نے کہا کہ خدایا جو حق پر ہو اسے فتح دے اس دعا نے ہی ان کا بیڑہ غرق کر دیا۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں کبھی کافر کی دعا بھی قبول ہو جاتی ہے یہ فائدہ **فقد جاءکم الفتح** سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ نے جو دعا کی وہ ہی قبول ہوئی **فقد جاءکم** کی **ف** سے پتہ لگا کہ اس فتح میں کفار مکہ کی دعا کا بھی اثر تھا۔ **چوتھا فائدہ:** انسان کے ایمان و نیک اعمال سے خود اس کا اپنا ہی بھلا ہے اللہ رسول کا کوئی نفع نہیں وہ ہم سے بے نیاز ہیں یہ فائدہ **فھو خیر لکم** سے حاصل ہوا یوں ہی کسی کے کفر و بدعملی سے اللہ رسول کا نقصان نہیں خود اس کا اپنا نقصان ہے وہ ہم سے بے نیاز ہیں بلکہ ہمارے نیک بن جانے میں اللہ رسول کا ہم پر احسان ہے۔ **پانچواں فائدہ:** رب تعالیٰ تاقیامت مومنوں کا حامی و ناصر ہے مسلمان جب بھی اللہ کے لئے کفر سے جنگ کریں انشاء اللہ فتح پائیں گے یہ فائدہ **ان تعودوا نعد** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جنگ لشکر کی بڑی تعداد یا زیادہ سامان جنگ سے نہیں جیتی جاتی اللہ تعالیٰ کی رحمت مہربانی سے جیتی جاتی ہے یہ فائدہ **ولن تغنی** سے حاصل ہوا غزوہ حنین میں مسلمانوں کی تعداد بنی ہوازن سے زیادہ تھی انہیں خیال ہوا کہ آج ہوازن کو مار لیں گے ہم تعداد میں بہت ہیں پہلے حملہ ہی میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے ان میں بھاگڑ پڑ گئی پھر اللہ نے کرم کیا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ثم ولیتم مدبرین ثم انزل اللہ سکینتہ** غرضکہ غزوہ حنین ہم کو بہت سبق دیتا ہے مومن کی نظر ہمیشہ رب پر چاہئے۔

پہلا اعتراض: کفار مکہ نے کعبۃ اللہ میں مذکورہ دعا تو مانگی ہی تھی پھر رب نے **ان تستفتحوا** ان کے ساتھ کیوں فرمایا ان تو شک کی جگہ بولا جاتا ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں **ان** شک دلانے کیلئے نہیں بلکہ صرف معلق کرنے کے لئے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر میں تیرا باپ ہوں تو میری فرمانبرداری کر حالانکہ باپ کو اپنے باپ ہونے کا یقین ہے یہ **ان** بمعنی چونکہ ہے۔ **دوسرا اعتراض:** کفار مکہ نے اپنی فتح مانگی تھی مگر ہوئی مسلمانوں کی پھر ان کی دعا پوری کیسے ہوئی اور **فقد جاءکم الفتح** کی ف کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** نیت تو ان کی یہ ہی تھی مگر ان کے الفاظ یہ تھے کہ جو حق پر ہو اس کی فتح ہو ان کے یہ الفاظ قبول ہوئے نہ کہ نیت۔ **تیسرا اعتراض:** کفار خصوصاً کفار مکہ حضور انور کو دل سے برحق مانتے تھے **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم** پھر انہوں نے مذکورہ دعا کیوں مانگی کہ خدایا حق والے کی فتح ہو۔ **جواب:** اپنی فوج کو دھوکہ دینے کو کہ وہ لوگ سمجھیں کہ واقعی یہ لوگ اپنے کو حق پر جانتے ہیں اور یہ جنگ میں حق بجانب ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں **فھو خیر لکم** کیوں ارشاد ہوا ایمان لانا کفر سے باز آنا تو بہتر ہی بہتر ہے خود ان کے لئے بھی ان کے بال بچوں عزیزوں کے لئے بھی کہ وہ انہیں دیکھ کر ایمان قبول کر لیں۔ **جواب:** اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے ایمان لانے میں

www.alahazratnetwork.org

اللہ رسول کا بھلا نہیں وہ تم سے بے نیاز ہیں بلکہ تمہارا بھلا ہے سورج سے روشنی لیتے ہیں سورج کا بھلا نہیں بلکہ ہمارا اپنا بھلا ہے یہ **لکم** اللہ رسول کی نسبت سے ہے نہ کہ دوسرے اور کی نسبت سے۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ تعالیٰ ت سب کے ہی ساتھ ہے فرماتا ہے **وھو معکم این ما کنتم** اور فرماتا ہے **ما یکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم** یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں رحم و کرم کی ہمراہی مراد ہے کفار کے ساتھ ہمراہی غضب و قہر کی ہے ساری مخلوق کے ساتھ ہمراہی علم و قدرت کی ہے لہذا آیات میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے لوگو اگر تم اپنے دلوں کے قفل صدق و اخلاص اور ترک ماسوی اللہ کی چابی سے کھولنا چاہتے ہو تو جان لو کہ تمہارے کھولنے کا ذریعہ آ چکا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات سے ہمیشہ تجلی بندوں پر ڈال رہا ہے فرق تم میں ہے کہ کبھی حجاب میں ہو جاتے ہو اپنے دل کے دروازے خود بند کر لیتے ہو اور تجلی سے محروم ہو جاتے ہو اگر تم ماسوی اللہ کی طلب سے باز رہو تو وہ تمہارے ہر ماسوی اللہ سے بہتر ہے اگر تم پھر دنیا کی ٹیپ ٹاپ کی طرف لوٹے تو ہم پھر تم پر تمہاری نفسانی صفات کو غالب کر دیں گے پھر ہمارے مقابل ساری دنیا اور دنیا کی زیب و زینت کچھ کام نہ آوے گی۔ دنیا کی نعمتیں اگرچہ بہت ہوں مگر اخروی ایک نعمت کے برابر نہیں ہو سکتیں اخروی نعمتیں اللہ والوں کو ملتی ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان اسلام تسلیم احکام کا انجام نجات ہے باطل کو اگرچہ اول امہال (مہلت) ہے مگر آخر کار اس کے لئے زوال و اضمحلال ہے اللہ کے ولیوں سے جنگ نبی سے جنگ کی طرح خطرناک ہے رب تعالیٰ کو یاد کرو وہ تم کو یاد کرے گا۔

واذا السعادۃ لاحظتک عیونھا نم فالمخاوف کلھن امان
امطر بھا العنقاء فھی حبالتہ واقتدیھا الجوزاء فھی عنان

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَاَنْتُمْ		
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے فرمانبرداری کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ پھرو ان سے حالانکہ		
اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور سن سنا کر اس سے		
تَسْمَعُوْنَ ﴿۲۰﴾	**وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿۲۱﴾**	
تم سنتے ہو	اور نہ ہو تم ان لوگوں کی طرح جنہوں نے کہا سن لیا ہم نے حالانکہ وہ نہیں سنتے	
نہ پھرو	اور ان جیسے نہ ہونا جنہوں نے کہا ہم نے سنا اور وہ نہیں سنتے	

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار سے کہا گیا تھا کہ اللہ رسول کی مخالفت سے باز آؤ ورنہ پچھتاؤ گے تمہارا انجام تم کو عذاب سے بچا نہ سکے گا اب روئے سخن مسلمانوں سے ہے کہ آئندہ کے لئے تم بھی محتاط رہو۔ اللہ رسول کی نافرمانی سے بچو ان کی نافرمانی کا انجام خراب ہے گویا نافرمانوں کی فرمانبرداری کی طرف بلانے کے بعد

فرمانبرداروں کو فرمانبرداری پر قائم رکھا جارہا ہے فرمانبردار ہونا کافی نہیں بلکہ فرمانبردار رہنا ضروری ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں غزوہ بدر کا عجیب و غریب واقعہ بیان ہوا جو اللہ کی قدرت حضور ﷺ کے معجزے کی کھلی نشانی ہے اب مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم نے یہ جنگ اللہ رسول کی فرمانبرداری سے جیتی ہے نہ کہ تعداد اور کثرت سامان سے آئندہ بھی یہ ہتھیار یعنی فرمانبرداری اپنے ساتھ رکھو ہمیشہ فتح پاؤ گے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار سے فرمایا گیا تھا ان تعودوا نعد اگر تم پھر شرارت کرو گے تو ہم پھر سزا دیں گے اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ اے مسلمانو! اگر تم آئندہ پھر اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو ہم پھر تم کو فتح و نصرت دیں گے یہ تو ابھی ابتدا ہے غرضکہ دو رخوں میں سے ایک رخ کے بعد دوسرے رخ کی جھلک دی جارہی ہے تاکہ مومن اس سے بچیں اور یہ عمل اختیار کریں۔

تفسیر: **یاایھاالذین آمنوا** ان جیسی آیات میں ندا ہم جیسے غافلوں کو جگانے کے لئے ہے اور کفار کو پکارنا اظہار غضب کے لئے حضور ﷺ کو پکارنا اظہار کرم کے لئے چونکہ اللہ رسول کی اطاعت واجب ہونا ایمان کی وجہ سے ہے اس لئے اطاعت کے حکم سے پہلے ایمان کا ذکر کیا نیز رب کے نزدیک انسانوں کی دو ہی قومیں ہیں مومن و کافر۔ باقی دوسری قومیں صرف دنیاوی جان پہچان کے لئے ہیں اس لئے **الذین امنوا** کے پیارے خطاب سے ہم کو پکارا جاتا ہے۔ دوسری قوموں کو ان کے نسبی ناموں سے پکارا یابنی اسرائیل وغیرہ مگر ہم کو ایمان کی صفت یعنی نسبتی نام سے نیز ہم کو مومنین کہہ کر نہیں پکارا بلکہ **الذین امنوا** ماضی کے صیغہ سے پکارا تاکہ پتہ لگے کہ ایمان ہماری اصلی صفت نہیں رب کا عطیہ ہے ہمارا عارضی حال ہے جس کے زائل ہونے کا خطرہ اس صفت کو زوال سے بچانا چاہتے ہو تو اللہ رسول کی اطاعت کرو۔ خیال رہے کہ ایمان سے مراد تبلیغی ایمان نہ کہ فطری ایمان لہٰذا اس خطاب میں فرشتے داخل نہیں اور ہو سکتا ہے کہ مومن جن، فرشتے، مومن انسان سب ہی داخل ہوں مگر پہلی بات قوی ہے جیسا کہ آیت کریمہ کے اگلے مضمون سے ظاہر ہے **اطیعوا اللہ ورسولہ** یہ فرمان عالی اس نداء کا مقصود ہے اطاعت کا مادہ طوع ہے۔ بمعنی خوشی جس کا مقابل ہے کرھا "طوعا" اور کرہا" اب اصطلاح میں بخوشی فرمانبرداری کو اطاعت کہا جاتا ہے جبری اطاعت پر ثواب نہیں ملتا یہ اطاعت تو منافقین بھی کر لیتے تھے۔ خیال رہے کہ اللہ رسول کی احکام شرعیہ میں اطاعت صرف مسلمانوں پر فرض ہے۔ حکم ایمان کی اطاعت کافروں پر فرض ہے جیسے مخاطبین ویسی اطاعت۔ خلاصہ یہ کہ ایمان کی بہت قسمیں ہیں ان **نداؤں** میں ایمان شرعی مراد ہوتا ہے اطاعت بہت قسم کی ہے خوشی سے ناخوشی سے پھر تشریعی احکام میں اطاعت اور تکوینی احکام میں طاعت تشریعی میں حکم ایمان میں اطاعت، حکم عبادات و معاملات میں اطاعت ان جیسی آیات میں آخری اطاعت مراد ہے اسی اطاعت پر ثواب ہے مسلمانوں کی رعایا کفار ملکی احکام میں اسلامی احکام کی اطاعت کرتے ہیں مگر ثواب نہیں پاتے۔ یہ تفصیل خیال رہے **ولا تولوا عنہ** مسلمانوں کو یہ دوسرا حکم ہے **تولوا** بنا ہے تول سے۔ بمعنی منہ پھیرنا توجہ ہٹانا **عنہ** میں **ہ** کا مرجع رسول ﷺ ہیں چونکہ اطاعت تو رسول اللہ کی ہی ہوتی ہے اس کے ضمن میں خدا کی اطاعت بھی ادا ہو جاتی ہے اللہ کا ذکر صرف برکت کے لئے کیا جاتا ہے اس لئے یہاں عنھما نہ فرمایا بلکہ **عنہ** ارشاد ہوا (تفسیر روح البیان، معانی، کبیر، بیضاوی وغیرہ) بعض نے فرمایا کہ عنہ کا مرجع اطاعت یا جہاد یا امر خداوندی ہے مگر قوی یہ ہی ہے کہ اس کا مرجع رسول ہیں۔ رب فرماتا ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ** یعنی اللہ کے رسول سے بھی دل کا رخ نہ پھیرو۔ خیال رہے کہ

www.alahazratnetwork.org

حضور اللہ کے رسول بھی ہیں ساری مخلوق کے رسول بھی پھر مومنوں کے بھی رسول ہیں کافروں کے بھی مومنوں میں اولیاء اصفیاء غوث وقطب کے بھی رسول ہیں ہم گنہگاروں کے بھی ان سے منہ کیسے پھیرا جا سکتا ہے **وانتم تسمعون** یہ عبارت **لاتولو** کے فاعل **انتم** سے حال ہے **تسمعون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی القرآن یا آیت القرآن یعنی حالانکہ تم اے مومنو قرآن آیات قرآنیہ سنتے رہتے ہو کہ وہ تم کو اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے اگر تم ان سے روگردانی کرو گے تو چونکہ تم باخبر نافرمان ہو گے سخت سزا پاؤ گے۔ **ولاتکونوا کالذین قالوا سمعنا** اس فرمان عالی میں مسلمانوں کو تیسرا حکم دیا گیا کاف تشبیہ کا ہے **الذین** سے مراد منافقین ہیں کاف فرما کر یہ بتایا کہ منافق ہونا تو کیا تم صورت، سیرت، عادات، افعال میں ان کی مثل بھی نہ ہو تو کہ بروں کی طرح ہونا ان کا ہم شکل ہونا بھی برا ہے **قالوا سمعنا** فرما کر یہ بتایا کہ منافقین سننے کا صرف زبانی دعوی کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ **وھم لایسمعون** وہ بالکل سنتے نہیں کیونکہ وہ قرآن مجید حضور انور کے فرمان احکام اطاعت کے لئے نہیں سنتے بلکہ ان میں عیب نکالنے یا کفار تک پہنچانے جاسوسی کرنے کے لئے سنتے ہیں کان سے سنتے ہیں دل سے انکار کرتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **وقالوا سمعنا وعصینا** اے مسلمانو تم کان سے سننا زبان سے کہنا طعنا ہم اطاعت کریں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جو ہماری بارگاہ سے ایمان کی نعمت پا چکے مومنوں کے زمرہ میں داخل ہو چکے اس کی حفاظت اس طرح کرو کہ ہمیشہ ... طرح اللہ تعالی اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرتے رہو اور کبھی کسی حال میں ہمارے رسول سے دل کا رخ نہ پھیرو ان سے دھیان نہ ہٹاؤ جبکہ تم قرآن اس کے احکام سنتے رہتے ہو کہ وہ تم کو اطاعت رسول کا حکم دے رہا ہے اگر تم یہ سنتے جانتے ہوئے اطاعت سے باہر ہو گئے تو سخت سزا پاؤ گے اور یہ خیال رکھنا کہ تم صورت، سیرت، عادات، حالات کسی چیز میں ان منافقوں کی طرح مت ہونا جو صرف زبان سے کہتے ہیں کہ یا رسول اللہ ہم نے قرآن آپ کے فرمان احکام سب کچھ سن لئے مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ ان میں سے کچھ بھی نہیں سنتے وہ اطاعت کے لئے نہیں سنتے بلکہ قرآن وحدیث میں عیب نکالنے کفار کی جاسوسی کرنے کے لئے سنتے ہیں ایسا سننا در حقیقت نہ سننا ہے یہ سننا نفع نہیں دیتا بلکہ انہیں مضر ہوتا ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شریعت کے احکام صرف مسلمانوں پر جاری ہیں کفار پر نہیں اس لئے کافر مسلمان ہونے پر زمانہ کفر کی نمازیں روزے قضا نہیں کرتا نہ اس زمانہ کی زکوۃ دیتا ہے کیونکہ قضا اس پر واجب ہوتی ہے جس پر ادا واجب ہو یہ فائدہ اس آیت کو **یاایھا الذین امنوا** سے شروع فرمانے سے حاصل ہوا کفار پر صرف ایمان لانا فرض ہے ایمان کے بعد احکام کی اطاعت۔

نوٹ ضروری: جو کفار مسلمانوں کی رعایا ہیں ان پر سیاسی وملکی احکام کی اطاعت کرنا لازم ہے مذہبی احکام میں وہ آزاد ہیں لہذا وہ بت پرستی، شراب نوشی، سود خوری کر سکتے ہیں کہ یہ ان کے مذہبی احکام ہیں مگر چوری، ڈکیتی، رشوت خوری نہیں کر سکتے کہ یہ ملکی انتظامات ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** ایمان ہمارا اپنا کمال نہیں بلکہ خاص عطیہ رب ذوالجلال ہے یہ فائدہ **امنو** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے **یاایھا المومنون** نہ فرمایا بلکہ **یاایھا الذین امنوا** فرمایا دیکھو تفسیر۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان خواہ

www.alahazratnetwork.org

کتنے ہی اونچے درجہ کا ہو ولی ہو قطب ہو غوث ہو اس پر اللہ رسول کی اطاعت واجب ہے کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر ان کی فرمانبرداری سے نہیں نکل سکتا یہ فائدہ **اطیعوا اللہ و رسولہ** مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: اللہ رسول کی اطاعت خوش دلی سے چاہیے ناخوشی کی جبری اطاعت پر کوئی ثواب نہیں یہ فائدہ لفظ اطاعت سے حاصل ہوا کہ یہ بنا ہے **طوع** سے بمعنی خوشی' رضامندی قالب کے ساتھ قلب کی اطاعت بھی ضروری ہے۔ **پانچواں فائدہ**: حضور کی اطاعت اللہ کی اطاعت کی طرح بہرحال چاہیے خواہ کیسا ہی حکم دیں بغیر چون وچرا مان لو خواہ قرآن مجید کے موافق حکم دیں یا اس کے خلاف حضرت علی کو فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرے نکاح سے منع فرما دیا تو ان کے لئے اس زمانہ میں دوسرا نکاح حرام رہا اگرچہ قرآن نے چار بیویوں کی اجازت دی ہے یہ فائدہ **ورسولہ** کے واؤ سے حاصل ہوا اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں دیکھو۔ **چھٹا فائدہ**: اطاعت و فرمانبرداری صرف حضور انور کی لازم ہے ان جیسی آیات میں اللہ کا ذکر تمہید یا برکت کے لئے ہوتا ہے یہ فائدہ **لاتولوا عنہ** میں ضمیر واحد لانے سے حاصل ہوا (تفسیر بیضاوی' کبیر' روح المعانی' خازن وغیرہ) اللہ کی اطاعت حضور انور کی اطاعت میں داخل ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ**۔ **ساتواں فائدہ**: مومن کو چاہیے کہ کسی وقت کسی حال میں حضور انور سے بے توجہ نہ ہو حتیٰ کہ نماز میں بھی توجہ حضور انور کی طرف رکھے یہ فائدہ **لاتولوا عنہ** سے حاصل ہوا دل کا رخ ہر وقت حضور کی طرف چاہیے۔ **آٹھواں فائدہ**: عالم کا گناہ جاہل کے گناہ سے بدتر ہے اسے سزا بھی سخت ہوگی یہ فائدہ **وانتم تسمعون** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **نواں فائدہ**: بغیر عمل وعظ وغیرہ سننا بیکار ہے علم کا اصل مقصود عمل ہے یہ فائدہ **ولا تکونوا کالذین** سے حاصل ہوا دیکھو حضور انور کے فرمان مخلص مومنین بھی سنتے تھے اور منافقین بھی مگر رب تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا **وھم لا یسمعون** یہ سنتے ہی نہیں کیونکہ وہ قبول کے لئے نہیں سنتے تھے ایسا علم انسان کے لئے وبال ہے۔ **دسواں فائدہ**: اپنے متعلق زبانی شیخی نہیں مارنی چاہیے کہ ہم ایسے ہم ویسے اس بارگاہ میں کہنے کی ضرورت ہی نہیں جیسے ہم ہیں اللہ رسول خوب جانتے ہیں یہ فائدہ **قالوا سمعنا** میں **قالوا** فرمانے سے حاصل ہوا منافقین کہتے پھرتے تھے کہ ہم حضور کی سنتے ہیں مانتے ہیں مخلصین کو ان دعووں کی ضرورت بھی نہ تھی۔

پہلا اعتراض: حضور ﷺ ساری خدائی کے نبی ہیں **کافۃ للناس بشیرا و نذیرا** آپ کی شان ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعلمین** آپ کی شان ہے تو چاہیے کہ ساری مخلوق پر آپ کی اطاعت واجب ہو پھر اطاعت کی آیات میں خطاب صرف مسلمانوں سے کیوں ہوتا ہے اس آیت کو **یا ایھا الذین امنوا** سے شروع کیوں فرمایا۔ **جواب**: بے شک آپ کی اطاعت سب پر واجب ہے **وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ** مگر جیسا بندہ ویسی اس کی اطاعت کفار پر آپ کی اطاعت ایمان بھی واجب ہے کہ وہ آپ پر ایمان لائیں مسلمانوں پر آپ کی اطاعت اعمال و عبادات میں ضروری ہے حتی کہ چاند' سورج' کنکروں' پتھروں پر آپ کی اطاعت ادب احترام حکم ماننے میں ضروری ہے دیکھو اشارہ چاند پھٹنا اشارہ پر ڈوبا سورج لوٹنا' اشارہ پر جانوروں' پتھروں نے کلمہ پڑھا یہ اس مخلوق کی اطاعت ہے چونکہ یہاں احکام شرعیہ میں اطاعت کا حکم ہے اسی لئے مومنوں کو خطاب ہوا اسی اطاعت پر ثواب و جزا ہے۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں اولاً "تو فرمایا گیا اللہ رسول کی

www.alahazratnetwork.org

اطاعت کرو پھر ارشاد ہوا **ولا تولوا عنه** ان رسول سے نہ منہ پھیرو کیونکر درست ہوا چاہیے تھا کہ یوں فرمایا جاتا **ولا تولوا عنهما** ان دونوں یعنی اللہ رسول سے نہ پھیرو یہ فرق عبارت کیا۔ **جواب:** اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ درحقیقت اطاعت صرف رسول کی ضروری ہے اللہ کی اطاعت رسول کی اطاعت کے ضمن میں آجاتی ہے اللہ کی اطاعت کا ذکر برکت یا تمہید کے لئے ہے نیز روگردانی صرف رسول سے ہو سکتی ہے اللہ تعالیٰ سے نہیں ہو سکتی اس لئے منہ فرمانا درست ہوا قرآن مجید اس کی مثالیں بہت ہیں فرماتا ہے **استجیبوا للّٰه وللرسول اذا دعاكم** اس میں اولاً" اللہ رسول کا ذکر ہے اور دعا صیغہ واحد ہے کیونکہ حضور ہی بلاتے ہیں اللہ تعالیٰ کسی کو براہ راست نہیں بلاتا فرماتا ہے **مهاجرا الى اللّٰه ورسوله** انسان ہجرت کرکے حضور کے پاس پہنچ سکتا ہے نہ کہ اللہ کے پاس اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔ فرمایا ہے **يخادعون اللّٰه والذين امنوا** یہاں اللہ نے نام اپنا لیا مگر مراد ہے رسول اللہ (خازن) ایسے ہی یہاں ہے۔ **تیسرا اعتراض: لا تولوا** کے بعد یہ کیوں فرمایا کہ **وانتم تسمعون** کہ جب تم سنتے ہو تو رسول سے منہ نہ پھیرو کیا بغیر سنے منہ پھیرنا درست ہے۔ **جواب:** اس لئے کہ عالم کا گناہ جاہل سے بدتر ہوتا ہے یعنی تم قرآن مجید اس کے احکام برابر سن رہے ہو قرآن مجید تم کو حضور کی اطاعت کا حکم دے رہا ہے اب اگر تم روگردانی کرو گے تو سخت مجرم ہوؤ گے جس کو قرآن اور صاحب قرآن ﷺ کی خبر ہی نہ ہو وہ اسلام قبول نہ کرنے پر مجرم نہ ہوگا کہ اسے اسلام کی خبر ہی نہیں اس لئے اصحاب فترت جیسے حضور انور کے والدین ماجدین وغیرہم کے لئے صرف عقیدہ توحید کافی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** منافقین حضور انور کے فرمان عالی سنتے تھے۔ بہرے نہ تھے پھر ان کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ **وهم لا يسمعون** وہ سنتے نہیں یہ بات تو واقعہ کے خلاف ہے۔ **جواب:** سننے کی بہت قسمیں ہیں نکتہ چینی کے لئے کسی کی بات سننا' جاسوسی کے لئے سننا' نفرت کے ساتھ سننا' قبول کرنے اطاعت کرنے کیلئے سننا' پیار و محبت کی بنا پر جیسے آپ اپنے پیارے بچوں کی بھولی بھالی باتیں سنتے ہیں یہاں قبول یا محبت کے لئے سننے کی نفی ہے واقعی منافقین اس طرح حضور کا کلام نہ سنتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: جن آیات میں ظاہری عبادات و اطاعات کا حکم ہے اور ایمان والوں سے خطاب ہے وہاں ایمان سے مراد شرعی تکلیفی ایمان مراد ہوتا ہے اس سے فرشتے خارج ہوتے ہیں کہ ان کا ایمان فطری ہے مگر حضور کے عشق' ادب' احترام والی آیتوں میں ایمان سے ایمان سے مطلق ایمان مراد ہوتا ہے خواہ تکلیفی ہو یا فطری جیسے اے ایمان والو اپنی آوازیں رسول کی آواز سے اونچی نہ کرو یا ایمان والو نبی کے گھر میں بغیر اجازت نہ جاؤ یا اے ایمان والو نبی سے آگے نہ بڑھو یا اے ایمان والو نبی کے بلانے پر آجاؤ ان جیسی آیات میں فرشتے کیا چاند' سورج' کنکر' پتھر' جانور تک داخل ہیں سب پر حضور کا ادب و احترام لازم ہے۔

یہ ادب کہ بلبل بے نوا کبھی کھل کے کر نہ سکے نوا
نہ ہوا کو تیز روش روانہ چھلکتی نہروں کی دھار ہے

اطاعت ڈر کی بھی ہوتی ہے لالچ کی بھی محبت کی بھی ان جیسی آیات میں محبت والی اطاعت کا حکم ہے کہ انسان دماغ اور عقل کی آنکھیں بند کرلے محبوب کا حکم مانے ﷺ۔ خیال رہے کہ نماز شریعت میں سلام کے وقت منہ کعبہ سے پھر جاتا ہے اور نماز ختم ہو جاتی ہے مگر نماز محبت میں دل کا رخ حضور سے کبھی نہیں پھرتا اور وہ نماز کبھی ختم نہیں ہوتی جسم کی نماز کا قبلہ کعبہ مگر عشق کی

www.alahazratnetwork.org

روح دل کی نماز کا قبلہ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں یہ نماز تو مرے بعد بھی ختم نہ ہوگی رب فرماتا ہے **هم فی صلوتهم دائمون** مشتاق ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں ان مشتاق سے فرمایا گیا کہ ولاتولوا عنه ان نبی سے عاشقو رخ نہ پھیرو ہمیشہ ان کی نظروں میں رہو انہیں تکتے رہو۔

یہ کوچہ حبیب ہے صحن حرم نہیں ۔۔۔ سر رکھ دیا تو سر کا اٹھانا حرام ہے

لطف یہ ہے کہ یہاں غلاموں کو حکم ہے کہ **لاتولوا عنه** ان نبی سے رخ نہ پھیرو منہ نہ موڑو ادھر حضور کو حکم ہے **لاتعد عيناك عنهم** اے محبوب ان غلاموں سے اپنی آنکھیں نہ پھیرو امت تمہیں تکتی رہے تم امت پر نظر فرماتے رہو۔

روح نماز ہے یہی اصل نماز ہے یہی ۔۔۔ میں ترے سامنے رہوں تو مرے سامنے رہے

اور فرمایا **اخفض جناحك للمومنين** اے محبوب مومنوں کے لئے اپنے رحمت کے پر کھلے اور جھکے رکھو کہ یہ تمہاری پناہ و امان میں رہیں اے مسلمان حضور کے سواء تیرا ٹھکانہ تیری پناہ کہیں نہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور کے منہ سے نکلا ایک ایک لفظ مومن و کافر، صدیق و زندیق، مخلص و منافق کے کانوں میں پہنچ کر سینے میں اتر کر مختلف اثر دکھاتا ہے منافقوں کا نفاق ازلی کافروں کا کفر اور زیادہ کرتا ہے مخلصین کا ایمان بڑھاتا ہے۔ حضرت صدیق و فاروق کے سینے میں بیش قیمت موتی بناتا ہے علماء کے سینوں کو رحمت کا تالاب بناتا ہے پانی ایک ہے مگر اثرات مختلف ہیں۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللّٰهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ٢٢ وَلَوْ

تحقیق بدترین جانوروں میں نزدیک اللہ کے وہ بہرے گونگے ہیں جو عقل نہیں رکھتے اور اگر

بیشک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک وہ ہیں جو بہرے گونگے ہیں جن کو عقل نہیں اور اللہ اگر ان

عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُونَ ٢٣

جانتا اللہ ان میں خیر تو البتہ سناتا ان کو اور اگر سناتا ان لوگوں کو تو البتہ پھر جاتے یہ لوگ حالانکہ وہ منہ موڑنے والے ہوتے

میں کچھ بھلائی جانتا تو انہیں سنا دیتا اور اگر سنا دیتا جب بھی انجام کار منہ پھیر کر پلٹ جاتے

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا اب ان کے فرمان عالی سننے کا حکم ہے جو اطاعت کے لئے لازم و ضروری ہیں گویا نماز اطاعت کے بعد وضو سماع کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقین کے نہ سننے کا ذکر تھا **وهم لايسمعون** اب ان کے بدترین مخلوق ہونے کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ انسان ہو کر گدھوں کتوں سے بدتر ہیں گویا جرم کے بعد اس کے نتیجہ کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں منافقین کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ نبی کی بات قبولیت کے لئے نہیں سنتے اب ارشاد ہے کہ اس کی وجہ کیا ہے گویا روحانی بیماری کا ذکر فرمانے کے بعد اس بیماری کی وجہ کا تذکرہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: ایک بار کفار مکہ نے حضور ﷺ کی بارگاہ عالی میں عرض کیا کہ یارسول اللہ اگر آپ سچے رسول ہیں تو ہمارے مورث اعلیٰ ابن کلاب اور دوسرے مردوں کو زندہ کر کے ہمارے سامنے کر دیں وہ ہم سے کہیں کہ آپ سچے رسول ہیں تو ہم آپ پر ایمان لے آویں کیونکہ قصی بہت نیک اور سچا آدمی تھا ہمیں اس پر اب بھی اعتماد ہے۔ اس پر آیت **لوعلم اللہ** نازل ہوئی (تفسیر خازن، کبیر، بیضاوی، روح المعانی) 2 قبیلہ بنی عبدالدار ابن قصی نے ایک بار حضور ﷺ سے عرض کیا تھا کہ اے محمد (ﷺ) ہم آپ کی باتیں سننے سے بہرے اور کلمہ پڑھنے سے گونگے ہیں ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یہ سارے غزوہ احد میں مارے گئے سواء دو صاحبوں کے ایک مصعب ابن عمیر دوسرے سوید ابن حرملہ کہ یہ دونوں اسلام لائے (روح المعانی) 3۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہ آیت منافقین اہل کتاب کے متعلق نازل ہوئی جو اس قسم کی بکواس کرتے تھے (روح المعانی)۔

تفسیر: ان شر الدواب عند اللہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے چونکہ اس مضمون کے انکاری سارے کفار و مشرکین تھے اس لئے اسے "ان" سے شروع فرمایا گیا **شر** مصدر بھی آتا ہے اور صفت مشبہ۔ بمعنی اسم تفصیل بھی یعنی اس کے معنی ہیں شرارت: و خیر کا مقابل اور شریر ترین بد ترین یہ بھی خیر کا مقابل ہے خیر کے بھی دو معنی ہیں یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی بد ترین دواب جمع ہے دابۃ کی جس کا مادہ دب ہے۔ معنی زمین پر چلنا مشی پاؤں سے چلے یا پیٹ پر رینگے لغت میں ہر جاندار کو دابۃ کہتے ہیں رب فرماتا ہے **ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا** مگر اصطلاح میں ہر چار ہاتھ پاؤں والے جانور کو دابۃ کہا جاتا ہے جیسے بکری گائے وغیرہ اس سے انسان خارج ہے یہاں دواب کے دونوں معنی درست ہیں عند اللہ مراد ہے اللہ کا فیصلہ اللہ کا حکم (روح البیان و معانی وغیرہ) **الصم البکم الذین لا یعقلون** اس فرمان عالی میں کفار کے تین عیوب بیان ہوئے ہیں۔ بہرے گونگے اور ناسمجھ بے عقل **صم** اور **بکم** کی تفسیر ہم شروع پارہ **الم** میں کر چکے ہیں **صم بکم عمی** کی تفسیر میں یہاں دو باتیں سمجھ لو ایک یہ کہ انسان کی جو طاقت و قوت اپنے مقصد میں استعمال نہ ہو وہ کالعدم ہے گویا کہ ہے ہی نہیں کفار نے اپنی قوت سماع قوت گویائی سمجھ بوجھ حق سننے حق بولنے حق سمجھنے میں صرف نہیں کیں تو گویا ان میں یہ طاقتیں تھیں ہی نہیں دوسرے یہ کہ اگر کوئی شخص بہرا گونگا ہو مگر سمجھ بوجھ رکھتا ہو وہ اشارہ وغیرہ سے ہدایت پا جاتا ہے راستہ معلوم کر لیتا ہے مگر جو ساتھ ہی پاگل دیوانہ بے عقل بھی ہو وہ کسی طرح ہدایت پر نہیں آسکتا کفار کا یہی حال ہے۔ خیال رہے کہ انسان پہلے حق بات سنتا ہے پھر بولتا ہے سننے میں سیکھنا ہے بولنے میں سکھانا سیکھنا سکھانے سے پہلے ہوتا ہے اس لئے یہاں **صم** پہلے ارشاد ہوا اور **بکم** بعد میں یعنی وہ کفار جو حق سننے سے بہرے حق بولنے سے گونگے حق سمجھنے سے دیوانے پاگل ہیں وہ سارے جانوروں سے بدتر ہیں کیونکہ جانوروں میں عقل نہ تھی ان میں عقل تھی مگر اس سے کام نہیں لیا نیز جانوروں نے اپنے حواس اپنے کام میں صرف کئے وہ مالک کی اطاعت کرتے ہیں ان کفار نے یہ بھی نہ کیا لہذا یہ جانوروں سے بدتر ہوئے چونکہ یہاں ذکر کافر انسانوں کا ہے لہذا **الذین** اور **لا یعقلون** عاقل کے صیغے استعمال ہوئے۔ **ولو علم اللہ فیھم خیرا** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واو ابتدائیہ ہے یہاں علم الٰہی کی نفی فرما کر واقعہ کی نفی فرمائی گئی ہے کیونکہ واقعہ ملزوم ہے علم الٰہی اس کے لئے لازم واقعی خیر کو رب تعالیٰ ضرور جانتا ہے جو واقعہ میں نہ ہو اس کا ہونا رب تعالیٰ ہرگز نہیں جانتا کہ غیر واقعی کو واقعی جاننا جہالت اور بے علمی ہے لہذا آیت کریمہ واضح ہے **فیھم** میں **ھم** کا مرجع وہ بہرے گونگے کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ

www.alahazratnetwork.org

پکا خیر سے مراد ایمان کی قابلیت اور اپنی قوتوں کو ہدایت کی اتباع میں صرف کرنا ہے جزا کی تنکیر قلت و کمی بیان فرمانے کے لئے ہے یعنی اگر ان میں ذرہ بھر بھی بھلائی ہوتی تو رب تعالیٰ اسے ضرور جانتا کیونکہ وہ ان کا خالق ہے وہ ہر ایک بندے کی قوت و قابلیت کو جانتا ہے **لاسمعهم** یہ فرمان عالی جزا ہے **لوعلم** کی **السمع** کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور **هم** سے مراد وہی کفار ہیں اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے حق یا حضور عالی کے فرامین یا ان کے باپ داداؤں کا اٹھ کر آنا اور ان کے سامنے حضور کی گواہی دینا یہ تیسرے معنی وہی ہیں جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا یعنی اگر اللہ تعالیٰ ان کفار کے دلوں میں قبول اسلام کی لیاقت جانتا تو ان کے مردہ باپ کو زندہ فرما کر ان کی گواہی انہیں سنا دیتا۔ اس کی قدرت سے یہ کچھ بعید نہ تھا **ولو اسمعهم** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے اور سنانے سے مراد ہے اس حالت میں سنانا کہ ان میں قبولیت کی قابلیت نہ ہو اور مردے آ کر کلمہ پڑھ جاویں یعنی اگر ہم اس حالت میں ان کو یہ معجزہ دکھا بھی دیں اور انہیں مردوں کی گواہی سنا بھی دیں **تو لتولوا وهم معرضون** یہ **ولو اسمعهم** کی جزا ہے یہاں تولی سے مراد ہے حضور انور کے پاس سے چلا جانا اور اعراض سے مراد ہے آپ کی تعلیم سے منہ پھیرنا اسے قبول نہ کرنا یعنی پھر بھی یہ اسلام قبول نہ کرتے بلکہ اسے جادو کہتے ہوئے آپ کے پاس سے بھاگ جاتے اور پھر ان پر عذاب آ جاتا کہ منہ مانگے معجزہ پر ایمان نہ لانا عذاب کا باعث ہے لہٰذا ان کے مطالبے پورے نہ کرنا بھی اس لئے کہ حضور رحمت ہیں ﷺ۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ وہ لوگ جو حق سننے سے بہرے ہوں حق بولنے سے گونگے حق سمجھنے سے بے عقل ہوں وہ سارے جانوروں، کتوں، گدھوں، سوروں تک سے بدتر ہیں کہ انہیں اللہ نے حواس اور عقل دی مگر انہوں نے انہیں صحیح مصرف میں خرچ نہ کیا عقل نہ ہونا مضر نہیں عقل ہو اور اسے دین کا ذریعہ نہ بنانا سخت جرم ہے اے محبوب ﷺ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں میں خیر یعنی توفیق ایمان جانی ہی نہیں اگر اللہ ان میں توفیق جانتا تو ان کے مطالبے پورے فرما دیتا ان کے مرے باپ دادے زندہ کر کے ان سے کلمہ پڑھوا کر حضور انور کی تصدیق کرا کر انہیں سنا دیتا اگر ہم اس طرح ان کو آپ کا یہ معجزہ دکھا بھی دیں تب بھی ایمان نہ لائیں گے بلکہ آپ کو جادوگر اور اس معجزے کو جادو کہتے ہوئے آپکے پاس سے چلے جائیں گے اور پھر ان پر عذاب الٰہی آ جاوے گا کیونکہ منہ مانگا معجزہ دیکھ کر ایمان نہ لانا عذاب الٰہی کا باعث ہے اور ہم یہ چاہتے نہیں کہ آپ کی تشریف آوری کے بعد دنیا میں غیبی عذاب آئے انہوں نے کنکروں، پتھروں، جانوروں کو کلمہ پڑھتے دیکھا سنا پھر ایمان نہ لائے تو مردوں کا زندہ ہو کر کلمہ پڑھنا انہیں کیسے ایمان دے سکتا ہے لہٰذا آپ ان مطالبوں پر دھیان نہ دیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اگر انسان عقل سے دین دار نہ بنے تو جانوروں، سوروں، کتوں، گدھوں سے بدتر ہے یہ فائدہ **شر الدواب** سے حاصل ہوا کیونکہ دواب میں سارے جانور داخل ہیں کیا تمہیں خبر نہیں کہ نوح علیہ السلام کی کشتی میں کتوں، گدھوں، سوروں، سانپوں، بچھوؤں کے لئے جگہ تھی مگر کافروں کے لئے نہ تھی رب فرماتا ہے **من کل زوج اثنین واهلک الا من سبق القول** شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

بہائم خموشند و گویا بشر | پراگندہ گوئے بہائم بتر
بنطق است و عقل آدمی زادہ فاش | چو طوطی سخن گو ناداں مباش

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: اگر انسان اپنے حواس و عقل صحیح معنی میں استعمال کرے تو فرشتوں سے بڑھ جاوے رب فرماتا ہے **ولقد کرمنا بنی ادم** یہ فائدہ بھی **ان شر الدواب** سے اشارۃً حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جو شخص اپنے حواس و عقل کو دین کے لئے استعمال نہ کرے وہ بہرا گونگا اور دیوانہ ہے جو شر اپنا مقصد پورا نہ کرے وہ شر شر ہی نہیں یہ فائدہ **الصم البکم** سے حاصل ہوا اللہ کے نزدیک فوت شدہ شہید زندہ ہیں **بل احیاء ولکن لا تشعرون** اور زندہ کافر مردہ ہیں اموات غیر احیاء۔ **چوتھا فائدہ:** لفظ لو شرط و جزا کی نفی پر دلالت نہیں کرتا صرف ان میں لزوم چاہتا ہے یہ فائدہ **لو علم اللہ** اور **لو اسمعھم** سے حاصل ہوا کیونکہ اگر لو شرط جو جزا کی نفی چاہے تو پہلے لو سے معلوم ہو گا کہ اللہ نے کفار میں خیر نہ چاہی اور انہیں نہ سنایا اور دوسرے لو سے معلوم ہو گا کہ انہیں رب نے نہ سنایا اور ان کفار نے حضور سے منہ نہیں پھیرا اور اعراض نہیں کیا یہ معنی بالکل فاسد ہیں پہلے لو سے معلوم ہو گا کہ کفار میں خیر نہیں اور دوسرے لو سے معلوم ہوا کہ ان میں خیر نہیں (تفسیر کبیر) نحوی حضرات کہتے ہیں کہ لو شرط و جزا دونوں کی نفی بتاتا ہے مگر اکثر فقہاء فرماتے ہیں کہ یہ صرف معلق ہونا بتاتا ہے شرط و جزا کے ہونے نہ ہونے سے بالکل خاموشی ہوتی ہے (کبیر و روح المعانی) حدیث شریف میں ہے **نعم الرجل صھیب لو لم یخف اللہ لم یعصہ** اگر لو دونوں کی نفی بتاتا تو اس کے معنی ہوتے کہ حضرت صہیب رب سے ڈرتے بھی ہیں اور گناہ بھی کرتے ہیں (کبیر) یہ بحث خوب یاد رہے عجیب اور نفیس۔ **پانچواں اعتراض:** جب تقدیر میں ایمان نہ ہو تو اسے کسی معجزے سے ایمان نہیں ملتا یہ فائدہ **لتولوا** سے حاصل ہوا دیکھو جو کفار مرے باپ دادوں کے زندہ کرنے ان کے کلمہ پڑھنے کا مطالبہ کرتے تھے وہ اپنی آنکھوں سے کنکروں، پتھروں کو کلمہ پڑھتے دیکھ چکے تھے ان کی گواہیاں سن چکے تھے مگر ایمان نہ لائے ان معجزات کو جادو ہی کہتے رہے رب تعالیٰ توفیق خیر دے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفار کو جانوروں سے بدتر فرمایا تو کیا وہ دوسری مخلوق سے بدتر نہیں دوسری جگہ رب تعالیٰ ان کے متعلق فرماتا ہے **اولئک ھم شر البریہ** کفار ساری مخلوق سے بدتر ہیں دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب:** کافر جانوروں سے بھی بدتر ہیں اور دوسری مخلوق سے بھی یہاں صرف جانوروں کا ذکر ہے دوسری آیت میں ساری مخلوق کا تذکرہ تعارض کوئی نہیں یہاں مقصود یہ ہے کہ جانوروں کے پاس حواس نہیں عقل نہیں کفار کے پاس حواس بھی ہیں عقل بھی مگر اس کے باوجود یہ جانوروں سے بدتر ہیں لہٰذا مقصد ظاہر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں کفار کے تین عیب بیان ہوئے بہرے، گونگے، بے عقل مگر طرز بیان میں فرق ہے **صم** اور **بکم** مفرد لفظ اور **یعقلون** مضارع ہے اس فرق کی وجہ کیا ہے بے عقل کو بھی غیر عاقلین سے بیان فرما دیا جاتا ہے یا **صم بکم** کے بھی مضارع ارشاد ہوتے۔ **جواب:** چند وجہ سے ١- **صم** اور **بکم** اسم جامد ہیں عقل جامد نہیں اس سے صیغے اور گردان ہو سکتی ہے۔ 2- **لا یعقلون** صلہ ہے **الذین** کا اور صلہ ہمیشہ جملہ ہوتا ہے **صم بکم** صلہ نہیں۔ 3 کفار مکہ کو اپنی عقل پر ناز تھا کہ دنیا میں ہم سے بڑھ کر عاقل کوئی نہیں تو ان سے عقل کی نفی کی بہت شدت کے ساتھ **لا یعقلون** میں تجدد ہے یعنی ہر آن ہر ساعت میں وہ نئی بے عقلی میں مبتلا ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ تو ہر چیز کا جاننے والا ہے **بکل شیئ علیم** پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ اللہ اگر ان میں خیر جانتا یہ تو علم الٰہی کی نفی ہوئی یوں کہنا چاہیے کہ اگر ان میں خیر ہوتی تو انہیں سنا دیتا اس طرز بیان کی وجہ کیا ہے۔ **جواب:** اس

www.alahazratnetwork.org

صورت میں دعویٰ مع دلیل ہے کیونکہ جو چیز واقع میں ہے تو لازم ہے کہ رب اس کو جانے لہٰذا جو چیز واقع ہی نہیں ہے لازم ہے کہ رب اسے نہ جانے لازم کی نفی ملزوم کی نفی کی دلیل ہوئی جب رب نے ان میں خیر نہ جانی تو یقیناً" ان میں خیر نہیں ہے جیسے ہم کہیں کہ اگر دھوپ ہوتی تو دن نکل آتا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اگر دھوپ ہوتی تو سورج نکلا ہوا ہوتا تو دن نکل آتا (از روح البیان)۔ **چوتھا اعتراض**: یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ کفار کے مرے باپ دادے جی کر حضور کی گواہی دیتے اور پھر بھی کفار نہ مانتے پھر تو ماننے پر مجبور ہو جاتے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ **لو اسمعھم لتولوا**۔ **جواب**: یقیناً" ایسا ہی ہوتا رب تعالیٰ کی خبر سچی ہے مردوں کے کلام سے زیادہ تعجب ناک کنکروں' پتھروں' جانوروں کا کلمہ پڑھنا ہے کفار مکہ نے یہ معجزات دیکھتے تھے مگر ایمان نہ لائے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے یہ معجزہ بھی دکھایا کہ مردے زندہ کرکے ان سے اپنا کلمہ پڑھوالیا **واحی الموتیٰ باذن اللہ** مگر یہ بدنصیبوں نے نہ مانا انسان بگڑے تو بڑا ضدی بن جاتا ہے۔ **پانچواں اعتراض**: تولی اور اعراض دونوں ایک ہی ہیں پھر تولو کے ساتھ معرضون کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: ان دونوں میں بڑا فرق ہے منہ پھیرنا اعراض ہے اور چلا جانا تولی مطلب یہ ہے کہ وہ منہ پھیر کر چل دیتے آپ کی بات نہ سنتے۔

تفسیر صوفیانہ: تمام بھلائیوں کی خبر عشق رسول ہے اور تمام برائیوں کی جڑ عداوت رسول جب دل میں حضور کی عداوت ہو تو عقل' کان' زبان سب پر پردے پڑ جاتے کوئی چیز کام نہیں کرتی بلکہ الٹا کام کرتی ہے۔ اللہ عشق رسول دے تو بغیر کان' زبان' عقل کے بھی کامیابی ہو جاتی ہے۔ جانوروں کے پاس کان' زبان تھے عقل نہ تھی کنکروں' پتھروں میں یہ کچھ بھی نہ تھا مگر وہ بے عقلی کے باوجود حضور کو پہچانتے تھے اور کنکر پتھر بغیر کان حضور کی سنتے تھے اور بغیر زبان کلمہ پڑھتے تھے کیونکہ عشق رسول ان سب کو رب نے دیا تھا ستون حنانہ کا فراق رسول میں رونا اس عشق کی جلوہ گری تھی کفار عشق رسول سے خالی تھے تو عاقل ہو کر دیوانے ہو گئے کان ہوتے ہوئے بہرے زبان ہوتے ہوئے گونگے ہوئے اور تمام جانوروں سے بدتر۔ اس آیت کریمہ میں خیر سے مراد محبت رسول ہے یعنی اگر کفار میں عشق کی چنگاری ہوتی تو صرف شعلہ دکھانے کی دیر تھی حضور کی ہر ادا پر ایمان لاتے' بے درد بندہ اگر کچھ سن بھی لے تو اس پر قائم نہیں رہتا۔ مومن بن کر مرتد ہو جاتا ہے عشق و محبت والے کی آنکھ' کان' زبان بلکہ ہاتھ پاؤں میں ربانی طاقتیں آ جاتی ہیں۔ بخاری نے حدیث قدسی نقل فرمائی کہ رب فرماتا ہے کہ میں اس کان' آنکھ' ہاتھ' پاؤں' زبان بن جاتا ہوں جس سے بندہ سنتا دیکھتا چھوتا' چلتا ہے اسی عشق کی برقی طاقت سے حضرت آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیس یمن سے فلسطین لے آئے عشق وہ پاور ہے کہ جس چیز سے کنکشن اس کا ہو جائے اس میں اپنا کمال دکھا دیتا ہے۔

مرحبا اے عشق خوش سودائے ما   اے علاج جملہ علتہائے ما!

عشق رسول اتباع رسول سے حاصل ہوتا ہے کسبی طور پر اور کسی عاشق رسول کی صحبت اس کی نظر سے حاصل ہوتا ہے عطائی طور پر کسی عشق دیرے سے عطائی عشق آتا" فانا" میسر ہو جاتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ وَاعْلَمُوْٓا

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے قبول کرو اللہ کا اور اسکے رسول کا بلانا جب وہ رسول بلائیں تم کو

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول کے بلانے پر حاضر ہو جب رسول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں

اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ وَاَنَّهٗٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۲۴﴾

اس لئے کہ وہ زندگی بخشتے ہیں تم کو اور جان لو کہ تحقیق اللہ آڑ واقع کر دیتا ہے درمیان انسان کے اور اسکے دل کے اور یہ کہ

زندگی بخشے گی اور جان لو کہ اللہ کا حکم آدمی اور اسکے دلی ارادوں میں حائل ہو جاتا ہے اور یہ کہ تمہیں اس کی طرف اٹھنا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت میں کفار کی بد بختیوں کا ذکر ہوا کہ وہ باوجود کان' زبان' عقل رکھنے کے بہرے گونگے اور بے عقل ہیں کیونکہ انہوں نے ان چیزوں سے فائدہ نہیں اٹھایا اب مسلمانوں کو حکم ہے کہ تم اس سے عبرت پکڑو اپنی ہر قوت اللہ کی اطاعت میں صرف کرو اس کی صورت یہ ہے کہ نبی ﷺ کے بلاوے پر حاضر ہو جاؤ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار بہرے گونگے اور بے عقل ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ زندہ نہیں ہیں ان اعضاء سے مردہ فائدہ نہیں اٹھاتا وہ مردہ ہیں کیونکہ زندگی تو حضور انور بخشتے ہیں وہ ہی جان کی جان اور ایمان کی روح ہیں **لما یحییکم** جب کفار ان محبوب سے بے تعلق ہو گئے تو ان میں زندگی کہاں سے آئے اور جب زندگی نہیں تو ان اعضاء سے فائدہ کیسے اٹھائیں گویا پہلے کفار کی بے بسی کا ذکر ہوا اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر کفار اپنے مردہ باپ دادوں کو زندہ ہوتے دیکھ بھی لیں ان سے توحید و رسالت کی گواہی سن بھی لیں تب بھی وہ منہ پھیر کر چل دیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی کہ ایمان مردوں کے کلمہ پڑھنے سے نہیں ملتا بلکہ آستانہ رسول ان کی اطاعت سے ملتا ہے اے مومنو تم یہاں سے نہ ہٹو۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** ابھی کچھ پہلے اطاعت کے حکم پر مسلمانوں کو صفت ایمان کے ساتھ پکارا گیا تھا اب اجابت کے حکم پر بھی انہیں اسی صفت سے پکارا گیا چند وجوں سے بار بار رب تعالیٰ کے پکارنے سے بندے کو وہ لذت آتی ہے جو بیان سے باہر ہے لطف یہ ہے کہ ادھر سے ہم اسے بار بار پکارتے ہیں ادھر سے وہ ہم کو بار بار پکارتا ہے ہر بار پکار میں نیا لطف ہوتا ہے۔ 2۔ اس ندا میں یہ بتایا جاتا ہے کہ تم لوگ ہو مومن اور ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ مومن اللہ رسول کی اطاعت بھی کرے ان کی اجابت یعنی قبولیت بھی کرے وہ ڈیوٹی والا نوکر ہے اپنی ڈیوٹی پوری کرے۔ 3۔ چونکہ اللہ رسول کی اطاعت ان کی اجابت نفس پر گران اور دشوار ہے تو رب تعالیٰ پہلے مومنوں کو اس خطاب سے مست شراب الست کر دیتا ہے پھر حکم سناتا ہے تاکہ اس مستی میں یہ کام آسان ہو جائیں جیسے اپریشن سے پہلے ٹیکہ لگا دیا جاتا ہے جس سے اپریشن کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی۔ ہم ایمان و توحید کا فرق بارہا بیان کر چکے ہیں کہ اللہ رسول کو ملانے کا نام ایمان ہے انہیں الگ سمجھنے کا نام کفر ہے **یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ** ان کے لئے قرآن کا فتویٰ ہے **اولئک ھم الکافرون حقا** ظاہر یہ ہے کہ **الذین امنوا** سے مراد حضرات صحابہ کرام

www.alahazratnetwork.org

ہیں کہ حضور انور کا پکارنا اور اس پکار پر دوڑے آنا انہیں کو میسر تھا ہمارے ایسے نصیب کہاں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد تا قیامت مسلمان ہوں تو اگلے مضمون کی تفسیر کچھ اور ہی ہو گی **استجیبوا للہ وللرسول** اس فرمان عالی میں **استجیبوا**۔ بمعنی **اجیبوا** ہے یعنی باب استفعال۔ بمعنی باب افعال ہے (خازن وکبیر) تفسیر صاوی نے فرمایا کہ اس میں س اور ت زائد ہے اس کے معنی ہیں حاضر بارگاہ ہو جانا بلانے پر آجانا اس صورت میں خطاب صحابہ کرام سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد ہو حکم ماننا یا حضور کے بلانے سے عام معنی مراد ہوں کہ حضور انور ہی بلائیں بالواسطہ یا حضور انور کا کوئی نوکر نائب بلائے جیسے سلطان اسلام یا نماز کا موذن اس صورت میں یہ خطاب سارے مسلمانوں سے ہے یہاں اللہ تعالیٰ کا ذکر برکت کے لئے ہے مقصود بہ یہ ہے کہ رسول اللہ کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ کیونکہ رب تعالیٰ بلاواسطہ کسی کو نہیں پکارتا یا یوں کہو کہ **وللرسول عطف تفسیر** ہے **للہ** پر مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ یعنی رسول اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاؤ اس لئے ارشاد ہوا کہ **اذا دعاکم** صیغہ واحد کا **دعواکم** نہ ارشاد نہ ہوا۔ **اذا** کے معنی ہیں جب کبھی دعا کا فاعل رسول اللہ ہیں کم میں خطاب سارے صحابہ کرام سارے اہل بیت عظام سے ہے خواہ وہ کسی درجے کے ہوں اور ہو سکتا ہے کہ خطاب سارے

مسلمانوں سے ہو تب **دعاکم** کا مطلب وہ ہو گا جو ابھی عرض کیا گیا یعنی جب کبھی رسول تم کو بلائیں فوراً" حاضر ہو جاؤ خواہ تم نماز میں ہو یا کسی دینی دنیاوی کام میں سب کچھ اسی طرح چھوڑ دو حاضر ہو جاؤ۔ **لما یحییکم** عام مفسرین اس جملہ کی تفسیروں کرتے ہیں کہ **لما** میں لام۔ بمعنی **الی** ہے یا صلہ کا ہے یا موصولہ ہے یا نکرہ کا معنی شئ یحییکم فاعل ما ہے معنی جب تم کو رسول کسی ایسے کام کے لئے بلائیں جو تم کو زندگی بخشے خواہ اسے قرآن مراد ہو کیونکہ قرآن مومنوں کو روحانی زندگی بخشتا ہے **اوحینا الیک روحا" من امرنا** یا مراد جہاد ہو کہ وہ قوموں کی زندگی کا ذریعہ ہے یا اس سے مراد سارے اسلامی عقائد و اعمال کہ ان سے بندے کو دائمی زندگی ملتی ہے عروہ ابن زبیر کا یہی قول ہے یا مراد ایمان ہے کہ اس سے دونوں جہان میں زندگی امن نصیب ہوتی ہے یا مراد شہادت فی سبیل اللہ ہے کہ شہید بحکم قرآن زندہ ہیں **بل احیاء ولکن لا تشعرون**۔ لیکن اس تفسیر پر دو سخت دشواریاں لازم آتی ہیں ایک یہ کہ اس صورت میں حضور انور کے ہر بلانے پر حاضری لازم نہیں رہتی بلکہ بعض بلانے پر لازم ہوتی ہے۔ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر بلانے پر حاضری لازم ہے جیسا کہ حضرت ابی ابن کعب اور سعید ابن معلی کی بخاری شریف والی حدیث سے معلوم ہوتا ہے جسے ہم خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ دوسرے یہ کہ پکار سننے والے کو کیسے معلوم ہو گا کہ حضور مجھے کسی کام کے لئے بلا رہے ہیں آیا یہ کام زندگی بخشنے والا ہے اور مجھ پر حاضری ہے یا دوسرا کوئی اور کام ہے اور مجھ پر حاضری لازم نہیں **لہذا** اس فرمان کی قوی تفسیر فقیر کے نزدیک یہ ہے کہ **لما**۔ بمعنی **لانہ** ہے اور **یحییکم** کا فاعل رسول ﷺ ہیں اور معنی یہ ہیں کہ رسول جب تم کو بلائیں فوراً" حاضر ہو جاؤ کیونکہ رسول تم کو زندگی بخشتے ہیں لہذا ان کا حق تم پر یہ ہے کہ ان کی ہر پکار پر لبیک کہتے دوڑے آؤ اس تفسیر کی تائید تفسیر کبیر سے ہوتی ہے کہ وہاں فرمایا کہ حضور انور کے ہر حکم پر دوڑے آنا ضروری ہے کسی شرط کی قید نہیں اور حضرت ابی ابن کعب کی حدیث سے انہوں نے اس پر دلیل پکڑی۔ **واعلموا ان اللہ یحول بین المرء وقلبہ** یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے اس جملہ میں مذکور حکم کی وجہ حکمت بیان فرمائی گئی **یحول** بنا ہے حول سے۔ جس کے لغوی معنی ہیں گھومنا کہا جاتا ہے **یحول علیہ الحول**

www.alahazratnetwork.org

سال اور برس کو اس لئے حول کہتے ہیں کہ وہ گھوم گھوم کر آتا ہے پھر درمیان میں آجانے آڑ بن جانے کو حول کہنے لگے اس لئے پردہ کو حائل کہتے ہیں اسی سے ہے **حیلولتہ مرء** سے مرد صرف انسان ہے مرد ہو یا عورت اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں 1۔ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے دل میں ہدایت داخل نہیں ہوتی یا داخل شدہ ہدایت نکل جاتی ہے۔ 2۔ اللہ تعالیٰ کا قہر و غضب بندے اور اس کے دل کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے۔ جس کی وجہ سے کان سے سنا ہوا قرآن یا حضور کے معجزات اور آنکھ سے دیکھے ہوئے دلائل ایمان دل میں نہیں اترتے اور دل ہدایت سے محروم رہتا ہے۔ 3۔ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان موت کی آڑ واقعہ کر دیتا ہے کہ اسے موت دے دیتا ہے۔ جس سے بندہ اپنی دلی کیفیات سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ 4 اللہ تعالیٰ انسان اور اس کی دلی تمناؤں کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے کہ اس کی آرزوئیں باوجود کوشش کے پوری نہیں ہوتیں گویا دل سے مراد دلی تمنائیں ہیں۔ ظرف بول کر مظروف مراد ہے جیسے کہا جاتا ہے سال الوادی جنگل بھر گیا یعنی جنگل میں پانی بھر گیا۔ 5 قلب سے مراد عقل ہے رب فرماتا ہے **ان فی ذالک لذکری لمن کان لہ قلب** یہ قول مجاہد کا ہے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کی عقل کے درمیان آڑ واقع کر دیتا ہے کہ اسے پاگل دیوانہ بنا دیتا ہے۔ 6۔ قلب سے مراد قرب الہی ہے یعنی دل کی ایک خاص کیفیت یعنی اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے قرب کے درمیان آڑ ڈال دیتا ہے کہ اسے اپنے سے دور کر دیتا ہے دربار عالی سے نکال دیتا ہے کہ متقی دل فاسق و فاجر بن جاتا ہے۔ 7 اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان ہے یعنی اس کے دل سے بھی قریب ہے۔ رب فرماتا ہے **نحن اقرب الیہ من حبل الورید** (تفسیر کبیر وغیرہ) بہرحال مقصد یہ ہے کہ موقعہ غنیمت جانو اللہ رسول کی اطاعت کر لو پھر موقعے بار بار نہیں ملتے زندہ مردہ ہو جاتا ہے عاقل پاگل ہو جاتا ہے اچھے خیالات دم کے دم میں بدل جاتے ہیں اس لئے نیکیوں میں جلدی کرو **وانہ الیہ تحشرون** یہ عبارت معطوف ہے **ان اللہ** پر اور **اعلموا** کا مفعول ہے یعنی یہ بھی جان لو یقین رکھو کہ دنیا میں ہمیشہ رہنا نہیں آخر کار بارگاہ الہی میں پیش ہو گے پھر پچھتاؤ گے۔

اے اونا سمجھ قربان ہو جا ان کے قدموں پر
یہ موقع زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کی بارہ تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو ہمارے نزدیک قوی ہے اے وہ مومنین جنہیں محبوب کی بارگاہ میں حاضری کا شرف حاصل ہے اس آستانہ عالیہ کا ایک ادب یاد رکھو کہ جب بھی تم کو اللہ یعنی اس کے رسول بلائیں تو تم جس حال میں بھی ہو فوراً حاضر ہو جاؤ خواہ نماز پڑھتے ہو یا کوئی اور کام کرتے ہو اس لئے کہ رسول ﷺ کا تم پر یہ احسان ہے کہ وہ تم کو زندگی عطا کرتے ہیں اور وقت عطا کرتے ہیں کہ تمہارا ایمان' عرفان' تقویٰ' خداری قلب و قالب کی ساری نعمتیں قرآن' فرقان سب اسی دروازے کی بھیک ہیں ایسے محسن اعظم کی ایسی ہی فرمانبرداری چاہئے یہ حکم تم کو اس لئے دیا جاتا ہے کہ دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی آن کی آن میں متقی دل فاسق بن جاتا ہے دیر لگانے میں اندیشہ ہے کہ دل بدل جائے۔ اطاعت کا ارادہ نافرمانی میں تبدیل ہو جاوے یوں ہی تم کو موت کی خبر نہیں ممکن ہے کہ حاضری میں دیر کرو اور موت آجاوے اور تم نافرمان بن کر مرو لہٰذا جلدی کرو یہ بھی خیال رکھو کہ دنیا دائمی چیز نہیں آخر تم کو بارگاہ

www.alahazratnetwork.org

الٰہی میں پیش ہونا ہے چاہیے کہ اچھے کام کرتے مرو تاکہ اچھی حالت میں اچھوں کے ساتھ تمہارا حشر ہو بخاری شریف نے حضرت سعید ابن معلی سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں نماز پڑھ رہا تھا مجھے رسول اللہ ﷺ نے پکارا میں نے جواب نہ دیا پھر میں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا یعنی نماز پوری کرنے کے بعد یارسول اللہ میں نماز پڑھ رہا تھا حضور نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ اور رسول کے بلانے پر حاضر ہو۔ دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت ابی ابن کعب نماز پڑھتے تھے حضور نے انہیں پکارا انہوں نے جلدی نماز ختم کر کے حاضر بارگاہ ہو کر سلام عرض کیا۔ حضور انور نے فرمایا تم کو جواب دینے حاضر ہونے سے کس چیز نے روکا عرض کیا حضور میں نماز میں تھا حضور انور نے فرمایا کیا تم نے قرآن پاک میں یہ نہیں پڑھا **استجیبوا اللہ وللرسول اذا دعاکم** عرض کیا ہاں اب آئندہ ایسا نہ ہوگا (خزائن العرفان' خازن' ترمذی شریف وغیرہ) بلکہ حدیث شریف میں یہاں تک آتا ہے کہ حضور انور نے ایک صحابی کے دروازے پر آواز دی وہ اپنی بیوی سے مشغول تھے بغیر فراغت اسی طرح اٹھ کر حاضر ہو گئے فرمایا **لعلنا اعجلناک** شاید ہم نے تم کو جلدی ہٹا دیا عرض کیا ہاں فرمایا تم پر غسل واجب ہو گیا اس قسم کی روایات ہماری کتاب سلطنت مصطفےٰ میں دیکھو یہ ہے اس آیت کریمہ پر عمل بلکہ اس کی عملی نہ مٹنے والی تفسیر۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضرات صحابہ بڑے خوش نصیب ہیں کہ انہیں حاضری بارگاہ میسر تھی آداب حاضری انہیں نصیب تھے یہ فائدہ **یاایھا الذین امنو** کی تفسیر سے حاصل ہوا ہمیں یہ کہاں نصیب۔

جو ہم بھی واں ہوتے خاک گلشن لپٹ کے قدموں سے لیتے اترن
مگر کریں کیا نصیب میں تو یہ نامرادی کے دن لکھے تھے!!

دوسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام کو بہت سی عبادات وہ میسر ہوئیں جو ہم کو نہیں ہوئیں جیسے حضور انور کا دیدار حضور کی خدمت حضور کے پکارنے بلانے پر حاضری حضور کے دربار کے آداب یہ فائدہ بھی **الذین امنوا** کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد حضرات صحابہ ہیں لہذا کوئی شخص کسی درجے میں پہنچ کر صحابی تک نہیں پہنچ سکتا نبی کی شان تو بہت بلند ہے۔ **تیسرا فائدہ:** حضور انور کا بلانا اللہ تعالےٰ کا بلانا ہے کیونکہ رب تعالیٰ بلاواسطہ کسی کو نہیں بلاتا یہ فائدہ **للہ وللرسول** فرمانے اور بعد میں دعا واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** مومن کسی حالت میں ہو ضروری ہے کہ حضور انور کے بلانے پر فوراً حاضر ہو جاوے حتی کہ اگر نمازی بحالت نماز حضور کی پکار سنے تو اسی حالت میں خدمت اقدس میں حاضر ہو جاوے یہ فائدہ **اذا دعاکم** میں **اذا** کے عموم سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: اگر نمازی بحالت نماز حضور انور کے بلانے پر خدمت اقدس میں حاضر ہو اور جس کا حضور حکم دیں وہ بھی کرے جب بھی وہ نمازی میں رہے گا پھر جتنی رکعات رہ گئی تھیں وہ ہی پڑھے (تفسیر روح المعانی و تفسیر بیضاوی) یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ نماز بھی حضور کی پکار پر حاضری ہے تو یہ حاضری دوسری حاضری سے نہیں ٹوٹ سکتی۔ فقیر کہتا ہے کہ اگر نمازی کا وضو ٹوٹ جاوے تو وضو کر آنے سے نماز نہیں ٹوٹی تو حاضری بارگاہ سے نماز کیوں ٹوٹے کہ وہ دل اور روح کا وضو ہے۔ نماز کی حالت میں

www.alahazratnetwork.org

حضور کو سلام کرنا واجب ہے **السلام علیک ایہا النبی** دوسرے کو سلام کرنا نماز توڑ دیتا ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمن اور سلطنت مصطفےٰ میں دیکھو۔ **مسئلہ:** چند صورتوں میں نماز توڑ دینا چاہئے۔ اماں کے بلانے پر نفل نماز توڑ دے جبکہ اسے خبر نہ ہو کہ میرا بیٹا نماز پڑھ رہا ہے۔ 2 اگر کوئی شخص بے خبری میں چھت سے یا کنویں میں گر ا جارہا ہے تو نماز توڑے اور اسے بچائے۔ 3۔ اگر نمازی کا گھوڑا بھاگا جاتا ہے یا ریل چھوٹی جارہی ہے یہ پیچھے نماز پڑھ رہا ہے وغیرہ مگر ان صورتوں میں نماز ٹوٹ جاوے گی دوبارہ پڑھنی ہوگی اس کی تفصیل شامی میں دیکھو۔ **پانچواں فائدہ:** حضور انور ﷺ مومنوں کو دائمی اور نہ مٹنے والی زندگی بخشتے ہیں یہ فائدہ **لما یحییکم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جو حضور کے دامن سے وابستہ ہو گیا وہ موت سے بھی فنا نہیں ہوتا اور جو ان سے جدا ہوا وہ جیتے جی بھی مردہ ہے۔

لا تعجبن الجهول حلته فذاک میت و ثوبه کفن

جاہلے کان بعلم زندہ نہ شد میش داں و مسکنش مدفن

از جنازہ نشاں جنازہ او جا مہائے تنش بجائے کفن

یعنی جاہل جیتے جی مردہ ہے اس کے اعلیٰ کپڑے کفن ہیں اس کی کوٹھی اس کا مدفن (قبر) ہے زمین کی زندگی بارش سے ہے دل کی زندگی علم دین سے اور علم دین حضور انور سے (روح البیان)۔ **چھٹا فائدہ:** حدیث پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا قرآن مجید پر عمل کرنا کیونکہ قرآن و حدیث ایک زبان ایک ہی لب سے ادا ہوئے یعنی حضور کی زبان ان کے لب اور دہان سے جن الفاظ کے **متعلق** حضور نے فرمادیا کہ یہ قرآن ہے ہم نے انہیں قرآن مان لیا اور جن **کلمات کے متعلق** فرمادیا کہ یہ حدیث ہے ہم نے انہیں حدیث مان لیا زبان ایک ہے مگر کلام کی نوعیتیں دو بلانے والے حضور ہی ہیں کبھی اپنا نام لے کر کبھی رب کا نام لے کر یہ فائدہ بھی **للہ والرسول** کے بعد دعا صیغہ واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ حضور انور کا فرمانا کہ یہاں آؤ امر ہے اور اس کا قبول کرنا اس آیت کے بموجب ضروری ہے کہ ارشاد ہوا **استجیبوا۔ آٹھواں فائدہ:** انسان خیر کی توفیق کو غنیمت جانے اور نیکی میں جلدی کرے دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی مسلم شریف نے بروایت حضرت عبداللہ ابن عمرو حدیث نقل کی کہ فرمایا نبی ﷺ نے کہ انسان کا دل رحمان کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہے جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اور پھر فرمایا اے دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دل اپنی اطاعت پر جماوے حضرت انس فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ **مقلب القلوب ثبت قلبی علی دینک** اے دلوں کے پھیرنے والے میرا دل اپنے دین پر جماوے۔ یہ فائدہ **یحول بین المرء و قلبه** سے حاصل ہوا جبکہ آڑ سے مراد ہو توفیق کا زائل ہو جانا۔ **نواں فائدہ:** انسان زندگی کا ہر لمحہ غنیمت سمجھے موت کو قریب جانے اور نیکی میں جلدی کرے نہ معلوم موت کب آجاوے یہ فائدہ بھی **یحول** سے حاصل ہوا جبکہ حائل سے مراد موت ہو دیکھو تفسیر۔ **دسواں فائدہ:** تقویٰ کی اصل قیامت وہاں کے حساب کو یاد رکھنا ہے جو اس دن کی پیشی وہاں کے حساب کا خیال رکھے وہ انشاءاللہ گناہ کرنے کی ہمت نہیں کر سکتا یہ فائدہ **الیه تحشرون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں **استجیبوا** ارشاد ہوا باب استفعال جس کے معنی ہیں حاضری یا قبولیت مانگو تم نے معنی کئے حاضر

www.alahazratnetwork.org

ہو جاؤ یا قبول کرو یہ معنی غلط ہیں۔ جیسے **استعینوا** کے معنی ہیں مدد مانگو نہ کہ مدد کرو۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر صاوی نے یہ دیا کہ یہاں **استجیبوا** باب افعال سے ہے سین اور ت زائدہ ہے جیسے **اھریقوا** میں **اریقوا** ہے اس میں ہ زائدہ ہے باقی مفسرین نے فرمایا کہ یہاں باب استفعال طلب کے لئے نہیں بلکہ مبالغہ کے لئے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ فوراً بلا دغدغہ حاضر ہو جایا کرو حروف کی زیادتی معنی کی زیادتی کا سبب ہے۔ بہر حال یہ معنی **اجیبوا** ہے مبالغہ کے معنی پیدا کرنے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** اس آیت کریمہ میں اللہ اور رسول دو ذاتوں کا ذکر ہوا مگر دعا صیغہ واحد ارشاد ہوا نحوی قاعدہ سے دعوا فرمانا چاہئے تھا یہ کیوں ہوا۔ **جواب:** اس کے جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوئے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے بلانے والے صرف رسول ہیں انہیں کے اعتبار سے دعا واحد ارشاد ہوا معنی یہ ہیں کہ جب رسول اللہ تم کو بلائیں تو فوراً" حاضر ہو جاؤ یا یوں کہو کہ اگرچہ بلانے والے دو ہیں۔ اللہ رسول مگر بلاوا ایک ہے کہ خدا تعالیٰ کا بلاوا حضور نبی کے ذریعہ سے ہے یا یوں کہو کہ بلاوے دو ہیں مگر ان دونوں بلاووں کی زبان و دہان ایک ہی یعنی زبان و دہان مصطفےٰ ﷺ ان وجوہ سے دعا واحد ہی آنا چاہئے تھا۔ **تیسرا اعتراض:** اگر یہ بات ہے تو دعا کا فاعل رب تعالیٰ کو کیوں نہیں مانتے کہ اسکا بلانا اصل ہے رسول کا بلانا فرع رسول کو فاعل کیوں مانتے ہو۔ **جواب:** چند وجہ سے ایک یہ کہ رسول قریب ہے **دعاکم** سے لفظ اللہ دور اور ضمیر لوٹا کرتی ہے قریب کی طرف دیکھو۔ رب فرماتا ہے **اغناھم اللہ و رسولہ من فضلہ** یہاں بھی ذکر ہوا اللہ رسول کا مگر من فضلہ میں ضمیر آئی واحد چونکہ رسول ضمیر سے قریب ہے اس لئے یہ ضمیر رسول کی طرف لوٹی دوسرے یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی مومن کو نہ بلاتا ہے نہ پکارتا ہے رسول ہی بلاتے پکارتے ہیں خواہ اپنی طور سے بلائیں پکاریں یا رب تعالیٰ کی طرف سے لہٰذا دعا کی ضمیر رسول ہی کی طرف لوٹنی چاہئے کہ اس میں دونوں پکاریں شامل ہو جائیں گی۔ **چوتھا اعتراض:** عام مفسرین نے آیت کریمہ کے معنی یہ کئے کہ جب تم کو اللہ رسول اس کام کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے جیسے کلمہ، قرآن، جہاد، شہادت، نیک اعمال، علم وغیرہ تب تم حاضر ہو جاؤ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ہر بلاوے پر حاضر ہو جانا ضروری نہیں۔ **جواب:** ان مفسرین کی طرف سے یہ جواب دیا جا سکتا ہے کہ یہ قید احترازی نہیں بلکہ بیان واقعہ کی ہے یعنی وہ جس کام کے لئے بھی تم کو بلائیں گے وہ تم کو زندگی ہی بخشنے کا خواہ دینی کام کے لئے بلائیں خواہ اپنے ذاتی کام کے لئے کیونکہ وہ محبوب سراپا دین ہیں ان کا ہر کام ہر ارشاد عین دین ہے تمہارے لئے زندگی بخش ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے **من ذالذی یقرض اللہ قرضا" حسنا** وہاں بھی حسن کی قید بیان کی ہے احترازی نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کو جو قرض دیا جاوے گا وہ حسن ہی ہو گا قبیح یا برا نہ ہو گا ہم تفسیر میں عرض کر چکے کہ ہمارے نزدیک اس فرمان کے یہ معنی قوی ہیں کہ رسول تم کو زندگی بخشتے ہیں اور یہ حکم کی وجہ کا بیان ہے اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں۔ **پانچواں اعتراض:** حضور انور کسی کو زندگی کیسے دے سکتے ہیں وہ تو خود زندہ نہ رہے وفات پا گئے لہٰذا یہ ترجمہ غلط ہے (بے ادب وہابی)۔ **جواب:** جو حضور انور کو مردہ کہے اس کا اپنا دل، دماغ، ایمان مردہ ہے وہ زندہ تھے زندہ ہیں زندہ رہیں گے بلکہ جس پر وہ نگاہ کرم پڑ جائے وہ نہیں مرتا ایک صوفی کہتے ہیں۔

میں مردی تو جگ مرے مرے میری بلائے — بچے پیر کا بالکا مرے نہ مارا جائے!

رب فرماتا ہے شہداء کے لئے **بل احیاء** اللہ والوں کی موت ان کی زندگی کو فنا نہیں کر سکتی سورج ڈوب کر چھپ جاتا ہے مٹ

www.alahazratnetwork.org

نہیں جاتا حضور وفات پاکر ہم سے چھپ گئے ہیں مٹ نہیں گئے سورج چھپ کر بھی دنیا کے کام بناتا ہے رات بناتا ہے تارے چمکاتا ہے نماز مغرب عشاء تہجد فجر کے اوقات بناتا ہے حضور انور قبر انور میں رہ کر ہم سے چھپ کر ہمارے سارے دینی و دنیاوی کام بنا رہے ہیں ایمان عرفان تقوی بلکہ عالم کا بقا حضور سے ہے اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب مرآت باب الجمعہ میں حدیث فنبی اللہ حی یرزق کی شرح میں دیکھو خدا آنکھ دے تو وہ آج بھی دیکھے جاسکتے ہیں ان کی آوازیں اب بھی دلوں پر وارد ہوتی ہیں جو محسوس ہوتی ہیں۔ **چھٹا اعتراض:** یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالٰی انسان کے دل پر آڑ یا پردہ ڈال دے یا خود آڑ بن جائے یہ تو اس کی شان کے خلاف ہے کہ لوگوں کے دلوں تک ہدایت نہ پہنچنے دے وہ کریم تو غافلوں کے پردے اٹھاتا ہے نہ کہ خود ڈالے۔ **جواب:** **یحول بین المرء** میں پردے ڈالنے کی نسبت رب تعالٰی کی طرف خلق کی ہے نہ کسب کی جیسے چھری گلے پر چلا دینے سے اللہ مذبوح و مقتول میں موت پیدا کر دیتا ہے ایسے ہی جب انسان غفلت والے کام کرتا ہے دنیا میں پھنستا ہے تو رب تعالٰی دل میں غفلت پیدا کر دیتا ہے دوسری جگہ فرماتا ہے **کلا بل ران علی قلوبہم ما کانوا یکسبون** دل کی غفلت کی وجہ بندوں کے کسب کو فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: یہاں **الذین امنوا** میں مومن جن وانس سارے فرشتے سارے نباتات جمادات حتی کہ چاند تارے سورج بھی اس میں داخل ہیں سواء بعض جن وانس کے کوئی مخلوق کافر نہیں سب مومن ہیں رب فرماتا ہے **وان من شیء الا یسبح بحمدہ** ان سب کو حکم ناطق دیا جا رہا ہے جب اور جس ساعت میں پکاریں حاضر ہو جاؤ جس کا حکم دیں فوراً تعمیل ارشاد کرو کیونکہ تم سب کی حیات و بقاء انہیں کے طفیل ہے اس آیت پر عمل تھا کہ اشارہ پاتے ہیں چاند پھٹا **اقتربت الساعۃ وانشق القمر** ڈوبے ہوئے آئے کلمہ پڑھتے حاضر ہوئے کنکروں پتھروں کو حکم دیا تو بول پڑے کلمہ شہادت پڑھنے لگے۔ جانوروں کو بلایا تو وہ سجدہ کرتے حاضر ہوئے غرضکہ اس سلطان کونین کا حکم سب پر جاری و طاری و ساری ہے۔ **استجیبوا اللہ** کا اعلان ہو چکا ہے چونکہ مخاطبین کی ان فہرست میں انسان سرفہرست تھا اس کو بہکانے والے بہت ہیں اس لئے خصوصیت سے اسے مخاطب فرما کر ارشاد ہوا کہ اے انسانوں تمہاری عمریں چھوٹی ہیں تم کو پہنچنا ہے اعلیٰ درجہ پر لہٰذا تم بہت احتیاط سے اطاعت و اجابت کرو ایسا نہ ہو کہ دل پر کوئی ایسی افتاد پڑے کہ توفیق خیر جاتی رہے اس پر توجہ رکھو آخر تم سب نے رب تعالٰی کی بارگاہ میں جمع ہونا ہے تم نے اونچا ہونا ہے تو اونچے اعمال لے کر آؤ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کی اجابت سر اسرار ہے حضور کی اجابت ظواہر ہے اللہ کی اجابت روح کی شہود کیلئے ہے قلوب کی شواہد کے لئے۔ اسرار کی مشاہدہ کے لئے خفی کی فنا فی اللہ کے لئے حضور انور کی اجابت اقوال افعال احوال سب میں ہی چاہئے یہاں اجابت اختیار کرو تاکہ تم انابت الی اللہ نصیب ہو۔

وَاتَّقُوْا فِتْنَةً لَّا تُصِيْبَنَّ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْكُمْ خَآصَّةً ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ

اور ڈرو تم فتنے سے جو ہرگز نہیں پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا تم میں سے خاص کر اور جانو کہ تحقیق اللہ

اور اس فتنہ سے ڈرتے رہو جو ہرگز تم میں خاص ظالموں ہی کو نہ پہنچے گا اور جان لو کہ اللہ کا عذاب

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿٢٥﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ

سخت عذاب والا ہے اور یاد کرو وہ وقت جبکہ تم تھوڑے تھے کمزور سمجھے ہوئے تھے زمین میں تم

سخت ہے اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے ملک میں دبے ہوئے تھے ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ

تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَآوَاكُمْ وَأَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمْ مِنَ

خوف کرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پس پناہ دی تم کو اس نے اور قوت دی تم کو اس نے ساتھ

تمہیں اچک نہ لے جائیں تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے زور دیا اور

الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٢٦﴾

مدد اپنی کے اور روزی دی تم کو پاکیزہ چیزوں تاکہ تم شکر کرو

ستھری چیزیں تمہیں روزی دیں کہ کہیں تم احسان مانو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ رسول کے بلائے حاضر ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا اب اس کے خلاف ورزی کرنے پر سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگر اس پر عمل نہ کرو گے تو عام فتنہ میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں اندرونی روحانی جنانی آفت کا ذکر فرمایا گیا تھا یعنی توفیق خیر نہ رہنا اس وجہ سے نیکیاں بند ہو جانا اب ظاہری 'اندرونی' جسمانی آفت کا ذکر ہے یعنی عام فتنہ میں مبتلا ہو جانا جس سے نیک اعمال کا موقع نہ ملے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی پکار پر حاضری کا حکم دیا گیا اب اس انعام و احسان کا ذکر ہے جو رب نے حضور انور کے ذریعہ ہم کو عطا کئے یعنی قلت کے بعد کثرت 'کمزوری کے بعد قوت خوف و ڈر کے بعد امن **واذکروا اذانتم**

نزول: آیت کریمہ **واتقوافتنتہ** کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں ایہ آیت حضرت علی 'عمار' طلحہ 'زبیر وغیرہم کے متعلق نازل ہوئی جس میں ان لڑائیوں کی خبر دی گئی جو بعد میں ان میں آپس میں ہوئیں جیسے جنگ جمل اور صفین وغیرہ روایت ہے کہ ایک بار حضرت زبیر جناب علی مرتضیٰ سے بہت محبت سے باتیں کر رہے تھے حضور ﷺ نے پوچھا کہ اے زبیر کیا تم علی سے محبت کرتے ہو عرض کیا اتنی محبت جتنی اپنے بچوں عزیزوں سے کرتا ہوں فرمایا اس وقت کیا ہو گا جب تم علی سے جنگ کرو گے (تفسیر کبیر 'خازن وغیرہ) امام سدی نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ **واذکروا اذانتم** غزوہ بدر کے متعلق نازل ہوئی (کبیر)۔ 3۔ یہ آیت کریمہ **واتقوافتنتہ** ان اوقات ان فتنوں کے متعلق نازل ہوئی جن کے متعلق حضور انور نے خبر دی تھی کہ اس میں بیٹھا رہنے والا کھڑے رہنے والے سے بہتر ہو گا اور کھڑا رہنے والا دوڑنے والے سے غنیمت ہو گا (خازن)۔

تفسیر: **واتقوافتنتہ** یہ فرمان یا تو معطوف ہے **واعلموا** پر تو واو عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے تو واو ابتدائیہ ہے **اتقوا** میں خطاب یا صحابہ کرام سے ہے یا سارے مسلمانوں سے دوسری بات قوی ہے یہاں تقویٰ بمعنی ڈرنا ہے **فتنہ** یا تو بمعنی

www.alahazratnetwork.org

آزمائش ہے یا بمعنی آفت ناگہانی یا بمعنی آپس کا جنگ وجدال یا بمعنی گناہ جو عذاب کا سبب ہو (خازن کبیر) **لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصتہ** یہ عبارت صفت ہے **فتنتہ** کی اگر فتنہ سے مراد گناہ تھا **لا تصیبن** کا فاعل اس گناہ کا وبال ہے یعنی دنیاوی آفات اور ظلموا میں ظلم سے مراد گناہ ہے اگر فتنہ سے مراد آپس کی لڑائیاں ہیں تو **لا تصیبن** کا فاعل خود وہ ہی ہیں یا ان کا اثر اور ظلموا سے مراد وہ جو اس لڑائی میں مشغول ہوں **خاصتہ** یا تو ظلموا کے فاعل کا حال ہے یا **لا تصیبن** کے فاعل کا حال ہے خیال رہے کہ **لا تصیبن** اگرچہ نفی ہے مگر بمعنی نہی ہے اس لئے اس پر نون تاکید آگیا ورنہ نون تاکید نفی پر نہیں آیا کرتا جو نفی امر کے جواب میں آتی ہے وہ بمعنی نہی ہوتی ہے جیسے رب فرماتا ہے **ادخلوا مساکنکم لا یحطمنکم** سلیمان و جنودہ دیکھو **لا یحطمن** نفی بمعنی نہی ہے اس لئے اس میں نون تاکید آگیا یعنی اے صحابہ رسول یا اے امت رسول اس آفت ناگہانی یا اس آزمائش رب یا اس آپس کے جنگ وجدال کشت وخون سے ڈرو جو صرف گنہگاروں، خطاکاروں کو ہی نہیں پہنچے گی بلکہ سب کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی یا ان گناہوں سے بچو جن کا وبال صرف گنہگاروں پر ہی نہ پڑے گا بلکہ اپنی لپیٹ میں بے گناہوں کو بھی لے لے گا **واعلموا ان اللہ شدید العقاب** یہ عبارت یا تو معطوف ہے **اتقوا** پر یا نیا جملہ ہے یعنی یہ بھی یقین رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے کبھی وہ دنیا میں بھی بعض خطاؤں پر سزا دے دیتا ہے۔ خوف کے بعد امید کا قہر کے بعد کرم و مہر کا ذکر ہوتا ہے کہ **واذکروا اذ انتم قلیل** اذ فرمان عالی میں وہ ہی دونوں احتمال ہیں کہ یا تو **اعلموا** پر معطوف ہے یا نیا جملہ ذکر کے معنی یاد کرنا بھی ہیں اور یاد رکھنا بھی تذکرہ کرنا بھی اس میں خطاب یا حضرات صحابہ سے ہے یا مہاجرین سے یا تمام اہل عرب سے اور ہو سکتا ہے کہ سارے مسلمانوں سے ہو کہ پہلے مسلمانوں کے وہ ہی حالات تھے جو یہاں مذکور ہیں یا غازیان بدر سے ہو کہ وہ اسی جنگ میں تھوڑے تھے قلیل سے مراد ہے تعداد و شمار میں تھوڑے **مستضعفون فی الارض** یہ عبارت یا تو **انتم** کی دوسری خبر ہے یا قلیل کی صفت استضعاف کے معنی ہیں کمزور سمجھا جانا ارض سے مراد یا زمین مکہ ہے یا زمین بدر یا زمین عرب یا ساری زمین جیسا **انتم** میں خطاب ویسے الارض کے معنی قلیل میں تعداد کی کمی بیان ہوئی اور اس میں سامان کی کمی بیان ہوئی اور اس میں سامان کی کمی حالات کی ناموافقت اسباب کا نہ ہونا بیان ہوا یعنی اے مہاجرین تم زمین مکہ میں کمزور سمجھے جاتے تھے کہ قریش تمہیں بہت ضعیف و ناتواں جان کر تم پر ظلم کرتے تھے یا اے صحابہ تم زمین عرب میں کمزور سمجھے جاتے تھے یا اے اہل عرب تم کو روم و فارس والے بہت ہی کمزور سمجھتے تھے یا اے روئے زمین کے مسلمانو تم کو ساری زمین میں بہت کمزور شمار کیا جاتا تھا **تخافون ان یتخطفکم الناس** یہ فرمان عالی بھی یا تو **انتم** کی تیسری خبر ہے یا قلیل کی دوسری صفت اس میں مسلمانوں کی تیسری حالت کا ذکر ہے جتنے احتمال **مستضعفون** میں تھے اتنے ہی احتمال اس میں ہیں **تخطف** کے معنی ہیں اچانک کوئی چیز چھین لینا یعنی اچک لینا یا اچانک کسی کو قتل کر دینا یا اچانک گھروں سے نکال دینا وغیرہ **الناس** سے مراد یا کفار مکہ ہیں یا کفار بدر جو مسلمانوں کے مقابل مکہ معظمہ سے آئے یا فارس و روم کے کفار یا سارے کفار یعنی اے غازیان بدر تم کو خطرہ تھا کہ کفار بدر تمہیں اچانک فنا کر دیں یا اے مہاجرین مکہ تم کو ڈر تھا کہ قریش مکہ تم کو اچانک ہلاک کر دیں یا اے عرب والو تم تھراتے تھے کہ روم و فارس کی طاقتیں تم کو پامال کر ڈالیں تمہارے یہ حال تھے کہ اچانک تم پر ہماری نعمتیں نازل ہوں پہلی یہ کہ **فاواکم** یہ فرمان عالی معطوف ہے **انتم** قلیل پر ف عاطفہ ہے اس کے معنی ہیں پس فوراً "معنی

www.alahazratnetwork.org

نہیں یعنی صرف بعدیت کے لئے ہے فورا" کے لئے نہیں اوا بنا ہے اوی سے ۔ معنی پناہ اسی سے ہے ماوی ۔ معنی پناہ گاہ رب فرماتا ہے او آوی الی رکن شدید۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ فرمان ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہو اور ف جزائیہ کلام میں بھی احتمالات وہ ہیں جو پہلے عرض کئے گئے۔ یعنی اے مہاجرو رب نے تم کو مدینہ منورہ میں پناہ دی یا اے غازیان بدر رب نے تم کو دامن رحمت میں پناہ دی یا اے عرب والو تم کو رب نے دامن محبوب میں پناہ دی کہ ان کی برکت سے تم نے روم و فارس عہد فاروقی میں فتح کئے **وایدکم بنصرہ** یہ فرمان عالی معطوف ہے اوا کم پر ایدینا ہے اید سے ۔ معنی قوت تائید قوت دینا یعنی اے مہاجرو اللہ نے تم کو انصار کے ذریعہ قوت دی یا اے غازیان بدر اللہ نے تم کو فرشتوں کے ذریعہ قوت اور فتح دی یا اے عرب والو اللہ نے تم کو روم و فارس پر فتح و نصرت بخشی ورنہ کہاں یرموک کے سات لاکھ عیسائی اور کہاں تم چالیس ہزار یا اے روئے زمین کے مسلمانوں اللہ نے تمہاری مدد کی کہ دنیا نے تمہارا وجود مان لیا پہلے تو تم کو کفار کچھ سمجھتے ہی نہ تھے **ورزقکم من الطیبات** یہ تیسرے احسان کا بیان ہے رزق میں ساری جسمانی روزیاں داخل ہیں۔ غذا، لباس، روپیہ پیسہ وغیرہ طیبات جمع ہے طیبۃ کی۔ معنی پاکیزہ ستھری اس سے مراد ہوتا ہے مزے دار لذیذ یعنی اے مہاجرو تم کو مدینہ منورہ میں مزے دار غذائیں پھل فروٹ وغیرہ عطا فرمائیں تم کو انصار کے مال سے غنی کر دیا انصار نے تم کو اپنے مال میں برابر کا شریک کر لیا۔ اے غازیان بدر تم کو غزوہ بدر میں مال غنیمت بعد میں مال فدیہ عطا فرمایا تم پہلے وہ ہو جن کے لئے غنیمت حلال ہوئی تم سے پہلے کسی کے لئے حلال نہیں ہوئی تھیں یا اے عرب والو تم کو عرب و عجم کا حاکم بنا کر ہر جگہ کی مزیدار چیزیں دیں ان سب کرم نوازیوں کا مقصد یہ ہے کہ **لعلکم تشکرون** کہ تم بھی ہمارا احسان مانو ان نعمتوں کا شکریہ ادا کرو شکر کے معانی اور اس کے اقسام و احکام ہم دوسرے پارے میں **واشکروالی ولا تکفرون** کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں جیسی نعمت ویسا شکریہ۔ شکر سے نعمت بڑھتی ہے کفران یعنی ناشکری سے گھٹتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے مسلمانو ہمیشہ ایسے عام فتنہ سے ڈرتے رہو کہ جو صرف ملزم و مجرم کو نہیں پکڑتا بلکہ اپنی لپیٹ میں تمام قصوروار اور بے قصوروں کو لے لیتا ہے ایسی حرکتیں نہ کرو جن سے ایسے فتنے رونما ہوں۔ یہ خیال رکھو کہ رب تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے جو کبھی دنیا میں بھی نازل ہو جاتا ہے اللہ کا یہ فضل بھی ہمیشہ یاد رکھو کہ پہلے تم تھوڑی تعداد میں تھے روئے زمین کے کفار تم کو کمزور و ضعیف سمجھتے تھے تمہارا کوئی ٹھکانہ نہ تھا تم کو ہر دم کھٹکا لگا رہتا تھا کہ کبھی ہم کو دنیا کے کفار اچانک فنا نہ کر دیں اللہ تعالیٰ نے تم پر کئی کرم کئے ایک یہ کہ تم بے ٹھکانوں کو ٹھکانہ دیا۔ دوسرے یہ کہ تم کو ہر موقع پر غیب سے مدد بھیجی اور تیسرے یہ کہ تم کو حلال روزیاں مختلف قسم کی عطا کیں یہ تمام کرم نوازیاں اس لئے کیں کہ تم ان پر فخر نہ کرو بلکہ شکر کرو جیسی نعمت ویسا شکریہ۔ خیال رہے کہ چند موقعوں پر عام مصیبت آجاتی ہے۔ جس میں قصوروار اور بے قصور سب گرفتار ہو جاتے ہیں۔ 1۔ جب کہ کچھ لوگ گناہ کریں باقی لوگ ان کے گناہ سے راضی ہوں۔ 2۔ جبکہ عام لوگ گناہ کریں اور دوسرے لوگ قادر ہوتے ہوئے انہیں منع نہ کریں۔ 3۔ جبکہ بہت بھاری اکثریت گناہوں میں گرفتار ہو جائے۔ بہت کم لوگ بچے رہیں۔

احادیث: امام بغوی نے بروایت عدی ابن عدی کندی روایت کی کہ فرمایا رسول ﷺ نے کہ اللہ تعالیٰ خواص کے گناہ سے

www.alahazratnetwork.org

عوام پر عذاب نہیں بھیجتا حتی کہ جب یہ حالت ہو جاوے کہ لوگ علانیہ گناہ کریں اور دوسرے انہیں روکنے پر قادر ہوں مگر نہ روکیں جب یہ حال ہو گا تو عام لوگ عذاب میں گرفتار ہو جائیں گے۔ ابوذر نے جریر ابن عبداللہ سے روایت کی کہ فرمایا رسول ﷺ نے جس قوم میں گناہ کئے جاویں دوسرے لوگ اس روکنے پر قادر ہوں مگر نہ روکیں تو اللہ تعالیٰ ان کی موت سے پہلے ان پر عذاب بھیجے گا (تفسیر خازن) بعض روایات میں اس عذاب کی مثال یوں دی گئی ہے کہ اگر لوگ کشتی میں سوار ہوں ایک شخص کشتی کا تختہ توڑنے لگے دوسرے اسے نہ روکیں وہ توڑنے میں کامیاب ہو جاوے تو سب ہی ڈوبیں گے یہ احادیث اس آیت کی شرح ہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اگرچہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے عام غیبی عذاب آنا بند ہو گئے پتھر برسنا، صورتیں مسخ ہونا، زمین لوٹ جانا مگر دوسرے ظاہری عام عذاب اب بھی آسکتے ہیں جیسے وبائی بیماریاں، زلزلے، آپس میں کشت و خون لڑائیاں فساد وغیرہ یہ فائدہ **واتقوا فتنۃ** سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** علماء کو چاہیے کہ کبھی تبلیغ میں کوتاہی نہ کریں ورنہ وہ بھی سب کے ساتھ گرفتار بلا ہو جائیں گے وہ یہ نہ خیال کریں کہ لوگ گناہ کرتے ہیں تو کریں ہم کو کیا ہم تو نیکیاں کر رہے ہیں گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں اگر ایک **شخص** کشتی توڑ دے تو سارے سوار ڈوب جاتے ہیں یہ فائدہ **لا تصیبن الذین ظلموا** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** انسان امن و عافیت کو غنیمت جانے اس زمانہ میں جس قدر نیکیاں ہو سکے کرے اور امن عامہ کی دعا کرتے رہے۔ حضور سید عالم ﷺ اکثر عفو اور عافیت کی دعا کرتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی مل جاتی ہے ماں باپ کا نافرمان دنیا میں چین نہیں پاتا، زنا کی کثرت سے بلائیں ٹوٹتی ہیں۔ زکوۃ ادا نہ کرنے سے وقت پر بارشیں نہیں آتیں اس کا ظہور اب بھی ہو رہا ہے ابھی جنوبی امریکہ میں زلزلہ آیا ہے جس میں پچاس ہزار آدمی ہلاک اور ساڑھے چار لاکھ بے گھر ہو گئے یہ زلزلہ جون 1970ء کی تاریخوں میں آیا ان بے گھروں کو غذا اور دوائیں پہنچانا مشکل ہو گیا ہے کیونکہ زلزلے سے دریاؤں میں طوفان آگیا ہے یہ پانی میں گھرے ہوئے ہیں اللہ کی پناہ۔

پانچواں فائدہ: مومن کو چاہیے کہ اپنا گزرا وقت یاد رکھے تاکہ اس میں تکبر و غرور نہ پیدا ہو یہ فائدہ **واذکروا اذ انتم قلیل** سے حاصل ہوا دیکھو نماز ظہر و عصر کی نماز میں قراءۃ آہستہ کی جاتی ہے تاکہ ہم کو اپنا وہ وقت یاد رہے جو ہم ان نمازوں میں تلاوت قرآن آواز سے نہیں کر سکتے تھے۔ کفار مکہ کے خوف سے کہ ان وقتوں میں کفار گلی کوچوں بازاروں میں پھیلے ہوتے تھے۔ **چھٹا فائدہ:** زمین مدینہ بڑی ہی مبارک ہے کہ اس نے مہاجرین بلکہ خود حضور سید العالمین ﷺ کو آڑے وقت میں پناہ دی گویا یہ مسلمانوں کی جاہ پناہ ہوگی جبکہ اسلام ہر طرف سے سمٹ کر مدینہ میں پہنچ جاوے گا جیسا کہ احادیث میں ہے۔

مدینہ کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں ، فقیروں کے ٹھہرانے والے

ساتواں فائدہ: انصار مدینہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑے ہی درجہ والے ہیں یہ حضرات مہاجرین بلکہ حضور ﷺ کے محسن مہمان نواز ہیں ان کی خدمات جلیلہ کو رب تعالیٰ نے اپنی تائید قرار دیا۔ یہ فائدہ **وایدکم بنصرہ** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ:** مدینہ منورہ کی غذائیں پانی ہوائیں دوائیں سب طیبات ہیں وہاں کی خاک تک شفاء و دافع ابتلا ہے یہ فائدہ **رزقکم من الطیبات** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ آیت میں خطاب مہاجرین سے ہو اور طیبات سے مدینہ منورہ کی

www.alahazratnetwork.org

غذائیں ہو انہیں مراد ہوں اب بھی جو لذت وہاں کے گوشت' دودھ' دہی' پانی' سبزی' روٹی میں ہے وہ دنیا کے کسی خطے کی چیزوں میں نہیں جا کر کھا کر دیکھو اور اللہ تعالیٰ پھر نصیب فرمادے۔ **نواں فائدہ**: مدینہ منورہ میں رہنا بسنا وہاں مرنا دفن ہونا اللہ کی بڑی نعمت ہے اللہ جسے یہ نصیب کرے ایمان اور ادب کے ساتھ اس پر اللہ کا بڑا کرم ہے یہ فائدہ بھی **فاوالکم** سے حاصل ہوا۔

پس مرون مٹی ٹھکانے خوب لگ جاتی — میسر گر مجھے دو گز مدینہ میں زمین ہوتی
کر ایسی موت آئے تو کیا پوچھنا مرا — میں خاک پر نگاہ دربار کی طرف!

دسواں فائدہ: مال غنیمت غازیوں کے لئے نہایت طیب و طاہر روزی ہے یہ فائدہ **من الطیبات** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد بدر کی غنیمت ہو۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں پر بھی دنیا میں عذاب عام آسکتے ہیں بلکہ آئیں گے مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** جس سے معلوم ہوا کہ حضور کی تشریف آوری سے عذاب آنا بند ہو گئے آیات میں تعارض ہے۔ **جواب**: تمہاری پیش کردہ آیت میں وہ عذاب مراد ہے جو قوم کو بالکل ہلاک کر دے جسے کہتے ہیں عذاب استیصال جس کے متعلق رب کا فرمان ہے **ان دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین** کہ صبح کو ان کی جڑ کاٹ دی جاوے گی یہاں اس آیت میں تکلیف دہ فتنہ مراد ہے جو مسلمانوں کو تکلیف میں ڈال دے یا اس سے بہت لوگ ہلاک ہو جاویں قوم کی تباہی اور چیز ہے تکلیف دوسری چیز یا وہاں اس آیت میں خلاف عادت غیبی عذاب مراد ہیں جیسے آسمان سے پتھر یا آگ برسنا' صورتیں مسخ ہو جانا' زمین کا تختہ الٹ جانا ایسے عذاب عام نہ آئیں گے یہاں عادی عذاب مراد ہیں جیسے بیماریاں' آپس کی لڑائیاں ملک میں فساد ظالم بادشاہ لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔ **دوسرا اعتراض**: اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ عذاب مجرم و غیر مجرم دونوں پر آئیں گے مگر دوسری آیت میں ہے **علیکم انفسکم لا یضرکم من ضل اذا اھتدیتم** یعنی اے مسلمانوں اپنی فکر کرو اگر تم ہدایت پر رہو تو گمراہ ہونے والے تمہیں کوئی نقصان نہ دیں گے دوسری جگہ **لا تزر وازرۃ وزر اخری** کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔ تیسری جگہ ارشاد ہے **وعلیھا ما اکتسبت** ہر ایک پر اپنے ہی اعمال کا وبال ہے یہ آیت ان آیات کے خلاف ہے۔ **جواب**: یہ عام عذاب عام طور پر جب آتا ہے جبکہ عام لوگ گناہ کریں اور دوسرے لوگ باوجود طاقت کے انہیں منع نہ کریں مجرم جرم کرنے کے خطاوار اور یہ لوگ منع نہ کرنے کے مجرم ہیں ہر ایک اپنے جرم کی سزا پاتا ہے یا مجرمین تو جرم کے مجرم اور دوسرے لوگ ان کے ساتھ رہنے کے مجرم ایسی بستی سے نکل جانا چاہئے یا یوں کہو کہ یہ عذاب مجرموں کے لئے سزا ہے اور غیر مجرموں کے لئے رحمت کہ ان کو آخرت میں اس کا اجر و ثواب دیا جاوے گا جیسے حکومت باغی قوم کے شہر کو بمباری سے تباہ کر دے تو اس میں جو وفادار دوچار ہوتے ہیں ان کو تباہ شدہ مکان وغیرہ کا معاوضہ دے دیا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ اس آیت میں ارشاد ہے **اذا اھتدیتم** جب تم ہدایت پر رہو یعنی اپنے فرائض پورے کرو تو تم کو مجرمین نقصان نہ دیں گے۔ تبلیغ دینی اور برائیوں سے روکنا بھی تو ایک فریضہ ہے جس نے یہ ادا نہ کیا وہ ہدایت پر نہیں رہا بہرحال آیات میں تعارض نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں رب تعالیٰ نے ہم پر تین احسان جتائے تمہیں پناہ دی قوت دی طیب روزی دی مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **لا تمنن** کسی کو کچھ دے کر احسان نہ جتاؤ احسان جتانا اگر برا ہے تو رب نے کیوں جتایا اگر

www.alahazratnetwork.org

اچھا ہے تو ہم کو اس سے منع کیوں فرمایا۔ **جواب**: دل دکھانے طعنہ دینے کے لئے احسان جتانا برا ہے عبادات کرنے شکریہ کی رغبت دینے کیلئے احسان جتانا تبلیغ ہے بہت اچھا ہے اس لئے آخر میں ارشاد ہوا **لعلکم تشکرون** دونوں آیتیں درست ہیں ان میں تعارض نہیں۔ **چوتھا فائدہ**: یہاں ارشاد ہوا کہ وہ وقت یاد کرو جب تم تھوڑے تھے مسلمان تو اب بھی تھوڑے ہیں۔ دنیا کی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد تہائی ہے اور بہت ملکوں میں مسلمان اقلیت میں ہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: تم نے پاؤ آیت پڑھی یہاں ارشاد ہوا ہے کہ تم تھوڑے تھے کمزور تھے خوف زدہ تھے اب مسلمان اگرچہ تعداد میں تھوڑے ہیں مگر بہت پر غالب بھاری ہیں نیز مسلمان کفار کے مجموعہ سے کم ہیں مگر ہر کافر جماعت سے بحمدہ تعالیٰ زیادہ ہیں جیسا کہ آج کل کے شمار سے ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو چاہئے کہ اپنے سارے اعضاء سے نیکیاں کرائیں اور ان کو گناہوں سے بچائیں جیسے مجرموں کی صحبت سے غیر مجرم آفات میں گرفتار ہو جاتے ہیں جہاں عذاب آتا ہے وہاں جانور اور بچے بھی ہلاک ہو جاتے ہیں یونہی خطاکار اعضاء کی وجہ سے غیر خطاکار اعضاء پر آفت آجاتی ہے زبان چلتی ہے سر پر جوتا پڑتا ہے کیونکہ وہ زبان کا پڑوسی ہے مردہ کی صحبت مردہ کر دیتی ہے زندہ کی صحبت زندہ کرتی ہے۔

اے خنک آں مردہ کز خود رستہ شد در وجود زندہ پیوستہ شد!
وائے آں زندہ کہ با مردہ نشست مردہ گشت و زندگی از وے بجست!
حق ذات پاک اللہ الصمد کہ بود بہ مار بد از یار بد!
مار بد جانے ستاند از سلیم یار بد آرد سوئے نار مقیم

یعنی مبارک ہے وہ مردہ جو زندوں کے ساتھ بیٹھ کر زندہ ہو جاوے۔ منحوس ہے وہ زندہ جو مردہ کے ساتھ رہ کر اپنی زندگی ختم کر دے برے سانپ سے برا ساتھی بدتر ہے کہ برا سانپ صرف جان لے کر چھوڑ دیتا ہے مگر برا ساتھی دوزخ کی دائمی آگ میں پہنچاتا ہے۔ دائمی عذاب لاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نعمتوں کا بقا چاہتے ہو تو ان کا شکر ادا کرو۔

شکر نعمت نعمت افزوں کند کفر نعمت از کفت بیرون کند

کھاؤ کم مگر شکر اور اطاعت زیادہ کرو کھانے کے چار فرض ہیں حلال ہونا۔ یہ جاننا کہ یہ رب کا عطیہ ہے رب جو دے اس پر راضی رہنا اس کھانے سے جو بدن میں طاقت ہو اسے گناہوں میں خرچ نہ کرنا اور چار سنتیں ہیں۔ اول میں بسم اللہ پڑھنا' آخر میں الحمد للہ پڑھنا' کھانے سے پہلے اور بعد ہاتھ دھونا اور بایاں پاؤں بچھا کر داہنا کھڑا کر کے کھانا' چار ہی ان کے مستحبات ہیں اپنے سامنے سے کھانا' چھوٹا لقمہ لینا' خوب چبانا' دوسرے کے لقمے نہ دیکھنا اور دو اس کی دوائیں ہیں گرے ہوئے لقمہ کو اٹھا کر صاف کر کے کھا لینا' برتن صاف کر کے چاٹ لینا' دو مکروہات ہیں کھانا' سونگھنا' کھانے میں پھونکیں مارنا ان سے بچو گرم کھانا مزے دار ہے مگر ٹھنڈے میں برکت ہے بندے کو چاہئے کہ اکل حلال صدق مقال اختیار کرے اس لئے طیبات کے ساتھ ارشاد ہوا **لعلکم تشکرون** (از روح البیان)۔

www.alahazratnetwork.org

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ وَاَنْتُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ خیانت کرو اللہ اور رسول کی اور نہ خیانت کرو اپنی امانتوں میں حالانکہ
اے ایمان والو اللہ اور رسول سے دغا نہ کرو اور نہ اپنی اماتنوں میں دانستہ
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۷﴾ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَاۤ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗۤ اَجْرٌ
تم جانتے ہو اور جان لو کہ اس کے سوا نہیں کہ تمہارے مال اور تمہارے بال بچے فتنہ ہیں اور تحقیق اللہ
خیانت اور جان رکھو کہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد سب فتنہ ہے اور اللہ کے پاس
عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾
اس کے پاس ثواب ہے بڑا
بڑا ثواب ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں حلال طیب روزی کا ذکر ہوا اب خیانت سے منع فرمایا جارہا ہے کیونکہ خیانت سے روزی حرام ہو جاتی ہے۔ حلال نہیں رہتی۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت میں وقتی اور عام فتنہ کا ذکر ہوا **واتقوافتنته** "اب شخصی اور ہروقت کے فتنہ کا ذکر ہے یعنی زن و فرزند۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت میں ایسے فتنہ کا ذکر ہوا جس سے بچنا ڈرنا ضروری ہے اب اس فتنہ کا ذکر ہے جس میں رہنا ضروری ہے مگر اس کے شر سے بچنا لازمی یعنی مال و اولاد۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیت میں بندوں کو اپنی نعمتوں کے شکر کا حکم دیا گیا اب اس ذکر کی تفصیل کی جارہی ہے یعنی اللہ رسول کی خیانت سے بچنا مال و اولاد کے شر سے دور رہنا۔

شان نزول: اس آیت کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ایک انصاری ہارون ابن منذر جو بنی عوف ابن مالک قبیلہ سے تھے ان کی کنیت ابولبابہ تھی ان کا گھربار بال بچے یہود مدینہ بنی قریظہ کے محلہ میں رہتے تھے۔ غزوہ خندق کے بعد حضور انور نے بنی قریظہ کا اکیس دن محاصرہ رکھا اور وہ تنگ آگئے تو انہوں نے بنی نضیر کی طرح حضور سے صلح کرنی چاہی حضور انور نے انکار کیا اور فرمایا کہ اگر چاہو تو سعد ابن معاذ کو ہمارے اور اپنے درمیان حکم بنالو انہوں نے کہا کہ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیا جاوے ہم ان سے مشورہ کرلیں چنانچہ حضور انور نے انہیں بنی قریظہ کے پاس بھیجا انہوں نے ان سے پوچھا کہ اگر ہم سعد ابن معاذ کو حکم بنالیں تو ہمارے متعلق وہ کیا فیصلہ کریں گے۔ تمہارا کیا خیال ہے ابولبابہ نے اپنے حلق پر اپنی انگلی پھیر دی یعنی تم سب کے قتل کا فیصلہ ہو گا انہیں اپنے بال بچوں گھربار کی فکر تھی کہ بنی قریظہ انہیں پریشان نہ کریں مگر اشارہ کرتے ہی خیال آیا کہ میں نے اللہ رسول کی خیانت کی کہ ان کا راز ظاہر کر دیا مسجد نبوی میں آئے اور ایک ستون سے اپنے کو باندھ دیا اور بولے اب مجھے حضور کھولیں گے تو کھلوں گا ورنہ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا میں نے بڑا قصور کیا ہے حضور انور کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا گیا۔ حضور انور نے فرمایا کہ اگر ابولبابہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کی معافی کی دعا کر دیتا اب وہ براہ راست رب کے پاس حاضر ہو گئے

www.alahazratnetwork.org

اب وہاں کے فیصلہ کا انتظار کرنا چاہیے ابولبابہ سات دن بھوکے پیاسے بندھے رہے حتی کہ غشی آگئی تب ان کی توبہ قبول ہوئی لوگوں نے کہا کہ تمہاری توبہ قبول ہو گئی اب تم اپنے کو کھول لو وہ بولے ہرگز نہیں بلکہ مجھے حضور انور اپنے ہاتھ سے کھولیں تو کھلوں گا تب حضور انور نے انہیں اپنے ہاتھ مبارک سے کھولا اس پر یہ آیات نازل ہوئی (تفسیر خازن) اب اس ستون کو استوانہ توبہ بھی کہتے ہیں اور اسطوانہ ابولبابہ بھی لوگ وہاں کھڑے ہو کر توبہ کرتے نوافل پڑھتے ہیں اس توبہ قبول ہونے پر ابولبابہ حضور کی خدمت میں آئے اور بولے کہ مجھ سے گناہ گھر بار مال و متاع کی محبت نے کرایا اچھا میں وہاں کا رہنا سہنا چھوڑتا ہوں اور اپنا سارا مال فقراء میں خیرات کرتا ہوں (خازن، کبیر، معانی وغیرہ)۔ 2۔ بعض سادہ لوح مسلمان حضور انور کی مجلس شریف میں کوئی اسکیم سنتے یا جنگی تدبیریں معلوم کرتے تو محض اپنی سادہ لوحی سے اس کا تذکرہ یا تو یہود مدینہ سے کر دیتے یا منافقین سے اور منافقین یہود کو پہنچا دیتے تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (خازن، کبیر، معانی وغیرہ)۔ 3 امام سدی فرماتے ہیں کہ ایک بار حضور انور نے خبر دی کہ ابوسفیان مع قافلہ کے فلاں جگہ ہیں خفیہ چلو اور ان کا راستہ روک لو ایک صاحب نے یہ خبر ابوسفیان کو لکھ دی کہ تم بچ کر کہاں جاؤ گے تم پر حملہ ہونے والا ہے تب یہ آیت نازل ہوئی (خازن، معانی وغیرہ) 4۔ یہ آیت کریمہ حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے فتح مکہ کے موقع پر مشرکین مکہ کو ایک خط ایک مکہ والی مشرکہ عورت کے ذریعہ بھیجا جس میں حضور انور کے ارادوں کی اطلاع دے دی وہ عورت حضور انور نے پکڑوا کر اس سے خط چھنوا کر منگالیا۔ حضرت عمر نے حاطب کے قتل کی اجازت مانگی مگر نہ دی گئی ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (کبیر وغیرہ)۔

تفسیر: یاایھا الذین امنوا اس خطاب شریف میں نہ تو حضور ﷺ داخل ہوتے ہیں کیونکہ آمنو کے معنی ہیں جو ایمان لے چکے حضور انور ایمان کسی بندہ سے لیتے نہیں بلکہ وہ ایمان دیتے ہیں ایمان کا ایک کنارہ یعنی لینا ہم سے قائم ہے دوسرا کنارہ یعنی دینا حضور انور سے قائم نہ منافقین اس میں داخل ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے ایمان حضور سے لیا ہی نہیں صرف اسلام ظاہر کیا فرماتا ہے **لاتقولوا امنا ولکن تقولوا اسلمنا** ہم اسلام اور ایمان میں فرق بارہا بیان کر چکے ہیں۔ حق یہ ہے کہ اس میں تا قیامت سارے مومنوں سے خطاب ہے کیونکہ اگرچہ اس کا نزول خاص ہے مگر عبارت عام نیز اگلا حکم بھی سب سے متعلق ہے **لاتخونوا اللہ والرسول۔ لاتخونو** بنا ہے خون سے معنی کمی اس کا مقابل ہے وفی، معنی پورا دینا **وابراھیم الذی وفی** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں دو قسم کی خیانتوں سے روکا اللہ رسول کی خیانت تو ایک چیز ہے اور مومنوں کی خیانت علیحدہ چیز ہے کیونکہ اللہ کی خیانت تو ہو سکتی ہی نہیں رسول اللہ ﷺ کی خیانت ہی ہو سکتی ہے اور اس کے نزول کے موقعہ پر بعض لوگوں نے حضور انور کی بھی خیانت کی تھی اسے رب نے اپنی خیانت قرار دیا مگر بعض محققین نے فرمایا کہ یہاں تین خیانتوں سے روکا گیا اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کرنا اس کی دی ہوئی طاقتوں کو اسکی نافرمانی میں صرف کرنا غنیمت کے مال میں تقسیم سے پہلے تصرف کرنا اللہ کی خیانت ہے حضور انور کے راز دشمنوں میں پھیلا دینا جاسوسی کفار کرنا رسول اللہ کی خیانت ہے ان دونوں سے اس خبر میں منع کیا گیا خیانت صرف مال میں نہیں ہوتی۔ راز، اعمال، اعضاء اور ان قوتوں میں بھی ہوتی ہے یہ فرمان عالی شریعت اور طریقت دونوں کے جامع ہے **وتخونوا اماناتکم** یہ عبارت پہلے تخونوا پر معطوف ہے اور اس کے ماتحت ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں پوشیدہ ہو ان جیسی وجوہ سے یہاں تخونون نہیں ارشاد ہوا نون اعرابی گرا دیا گیا چونکہ اس امانت

www.alahazratnetwork.org

میں بہت چیزیں داخل ہیں۔ مالی امانت راز کی امانت عزت و آبرو کی امانت اسلئے امانات جمع ارشاد ہوا یعنی کسی مسلمان کا مال نہ مارو کسی کا خفیہ راز فاش نہ کرو کسی مسلمان کی عزت نہ گراؤ اسے ذلیل نہ کرو۔ بہرحال اس ایک فرمان میں بہت سے احکام داخل ہیں۔ **وانتم تعلمون** یہ عبارت **لاتخونو** کی قید ہے خیانت دانستہ ہو یا نادانستہ بہرحال جرم ہے ہم نے کسی کی امانت لی ادا کرنا بھول گئے تب بھی وہ خیانت ہے یاد آنے پر فوراً ادا کرو بلکہ اس **لاتعلمون** کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی تم خیانت کا وبال جانتے ہو یا تم جانتے ہو کہ حلق پر انگلی پھیر دینا بھی عملی خیانت ہے یا تو جانتے ہو کہ کفار کو خفیہ خط بھیج کر راز مسلمانوں کے بتا دینا بھی خیانت ہے (تفسیر خازن) لہٰذا اس کا تعلق تینوں خیانتوں سے ہے اور **لاتعلمون** اسی خیانت کی قید ہے **اللہ ورسولہ اعلم باسرارہ** اس فرمان عالی کے بعد ان خیانتوں کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ تم خیانت کیوں کر بیٹھتے ہو چنانچہ ارشاد ہوا **واعلموا انما اموالکم واولادکم فتنہ** یہاں بھی خطاب ہے انہیں مسلمانوں سے جن سے خطاب **لاتخونون** تھا یعنی تا قیامت سارے مسلمانوں سے یہاں **اعلموا** میں علم۔ بمعنی یقین ہے **انما** حصر کے لئے ہیں۔ اموال سے مراد ہر قسم کے مال ہیں جائداد غیر منقول اور منقول مال یوں ہی اولاد میں بیٹی' بیٹے' پوتی' پوتے' نواسی' نواسے سب ہی داخل ہیں ان مال و اولاد سے مراد وہ مال و اولاد ہیں جن میں دل لگا کر انسان اللہ رسول کو بھول جائے انہیں کو فتنہ فرمایا گیا فتنہ یا۔ بمعنی آفت و بلاء ہے کہ انسان ان کی وجہ سے اللہ رسول سے غافل بلکہ ان کا نافرمان ہو جاتا ہے جو مال و اولاد خدا رسی کا ذریعہ بنے وہ اس حکم سے الگ ہے **فتنہ یا** محض آزمائش و امتحان ہے تب اس سے مراد سارے مال و اولاد ہیں غافل کرنے والے اب تک پہنچانے والے اس لئے اس کی تفسیر میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے ابو لبابہ اور حاطب ابن ابی بلتعہ کی اولاد مراد ہیں کہ ان ہی کی وجہ سے ان سے یہ گناہ سرزد ہوئے یعنی فتنہ۔ بمعنی بلا دوسرے یہ کہ اس سے مراد تمام مسلمانوں کے سارے مال و اولاد ہیں کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش ہیں انسان مال و اولاد کی ناجائز محبت میں خیانت بلکہ چوری بلکہ ڈکیتی کر بیٹھتا ہے۔ **وان اللہ عندہ اجر عظیم** یہ عبارت معطوف ہے **انما اموالکم** پر اور مفعول ہے **اعلموا** کا اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اگر اپنے مال و اولاد کی پرواہ نہ کرتے ہوئے رب کو راضی کرو گے تو اس کے پاس بڑا اجر پاؤ گے دوسرے یہ کہ اگر تم اپنے مال و اولاد کی خوشنودی رب کا ذریعہ بناؤ گے تو اس کا بڑا ہی اجر و ثواب پاؤ گے۔ خلاصہ یہ کہ تم اگر اس آزمائش میں کامیاب ہوئے تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے اگر فیل ہوئے تو نقصان میں رہے دونوں راستے تمہارے لئے ہیں جو چاہو اختیار کرو۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جو ہمارے نبی سے ایمان لے چکے اب تم ایمان بچانے کی کوشش کرو چنانچہ تین چیزوں سے بچے رہو ایک تو اللہ تعالیٰ کی امانتوں میں خیانت نہ کرو اس کے دیئے ہوئے قرآن' ایمان' ظاہری باطنی اعضاء کی طاقتیں تو تیں سب تمہارے پاس رب کی امانتیں ہیں ان میں خیانت نہ کرو یہ نعمتیں اس کام میں خرچ کرو جن کے لئے یہ دی گئی ہیں نہ اس کے رسول کی خیانت کرو کہ ان کی سنتیں ان کے راز ان سے کئے ہوئے وعدے سب رسول کی سنتیں ہیں ان میں خیانت نہ کرو انکا حق ادا کرو پھر آپس میں ایک دوسرے کی امانتیں ادا کرو ان میں خیانت نہ کرو مسلمانوں کی جان' مال' عزت' آبرو تمہارے پاس ان کی امانتیں ہیں انہیں برباد نہ کرو ورنہ تم مومن قوم کے خائن ہو جو کچھ ان بھولے بھالے صحابہ سے سرزد ہوا ان کے مال و اولاد کی محبت میں ہوا لہٰذا خیال رکھو کہ تمہارے ہر قسم کے مال و اولاد جن کی محبت میں پھنس کر تم نے یہ حرکتیں کیں یہ تمہارے دین و

www.alahazratnetwork.org

ایمان کے لئے آفتیں ہیں اس سے اپنے دین و ایمان کو بچاؤ یا تمہارے مال و اولاد اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائشیں ہیں اس آزمائش میں کامیاب رہو مال و اولاد کے مقابل رضاء الٰہی حاصل کرو اس کے پاس عظیم الشان دائمی اجر و ثواب تمہارے لئے موجود ہے یا اپنے مال و اولاد کو خدا رسی کا ذریعہ بناؤ بجائے آڑ کے آڑ کو پھاڑنے والا بناؤ بڑا ثواب پاؤ گے۔ فرمایا نبی ﷺ نے جو تمہارے پاس امانت رکھے اس کی امانت کرو اگر وہ تم سے خیانت کرے تو تم اس کے عوض خیانت نہ کرو (ابو داؤد' ترمذی' خازن' عن ابی ہریرہ) ام المومنین جناب عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ ایک بار ایک بچہ حضور انور کی خدمت میں لایا گیا تو اسے بوسہ دیا اور فرمایا کہ تم بخیل اور بزدل کر دیتے ہو خولہ بنت حکم فرماتی ہیں کہ حضور انور کی خدمت میں حضرت حسن یا حسین لائے گئے تو آپ نے انہیں اپنی گود میں لے لیا اور فرمایا کہ تم اللہ کی ریحان ہو مگر تم ہی بزدل' بخیل' بلکہ جاہل کر دیتے ہو (ترمذی و خازن) یعنی عموماً ماں باپ تمہاری وجہ سے کنجوس جہاد میں بزدل ہو جاتے ہیں یہ ہی نمازی کا دھیان ہٹاتے ہیں۔

شب چو عقد نماز بر بندم چہ خورد بامداد فرزندم
زن و فرزند و فکر جامہ و قوت بازت آرد ز سیر در ملکوت

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** بڑے سے بڑے گناہ سے انسان کافر نہیں گنہگار ہو جاتا ہے جب تک کہ عقیدہ فاسد نہ ہو یہ فائدہ خیانت کرنے والوں کو **الذین آمنوا** سے خطاب فرمانے سے حاصل ہوا رب نے قاتل کو مومن فرمایا ہے **وان طائفتان من المومنین اقتتلوا** **دوسرا فائدہ:** خیانت خواہ کسی کی ہو سخت جرم ہے یہ فائدہ **لا تخونوا اللہ و رسولہ** سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ان تمام خیانتوں میں اللہ تعالیٰ کی خیانت بدترین جرم ہے پھر رسول اللہ ﷺ کی خیانت پھر مومنوں کی خیانت یہ فائدہ یہاں ترتیب بیان سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** ضروری ہے کہ گناہ ہو جائے تو حضور انور کی بارگاہ میں حاضر ہو حضور کی معرفت رب سے عرض معروض کرے بغیر واسطہ رب کی بارگاہ میں حاضری خطرناک ہے یہ فائدہ اس آیت کے پہلے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضور کی بارگاہ میں حاضر ہو حضور کی معرفت رب سے عرض معروض کرے بغیر واسطہ رب کی بارگاہ میں حاضری خطرناک ہے یہ فائدہ اس آیات کے پہلے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضور انور نے ابو لبابہ کے متعلق فرمایا کہ اگر وہ میرے پاس آ جاتے تو میں ان کے لئے دعاء مغفرت فرماتا یعنی چونکہ وہ براہ راست رب کی بارگاہ میں پہنچے تو اب وہاں کی مغفرت کا انتظار کریں۔ **پانچواں اعتراض:** اللہ رسول کے احکام نہ ماننا بھی خیانت ہے ان کی فرمانبرداری کرنا امانت داری ہے رب تعالیٰ امین بننے کی توفیق دے یہ فائدہ **لا تخونوا اللہ والرسول** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** آپس کی امانتیں بہت قسم کی ہیں۔ مال' راز' عزت و آبرو وغیرہ ان سب میں امانتداری چاہئے یہ فائدہ امانات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** مال و اولاد اکثر گناہوں غفلتوں کا سبب بن جاتے ہیں یہ فائدہ **اموالکم و اولادکم فتنۃ** سے حاصل ہوا دیکھو حضرت ابو لبابہ اور حاطب ابن ابی بلتعہ سے جو قصور سرزد ہوئے وہ صرف مال و اولاد کی محبت میں ہوئے وہ حضرات جاسوس نہ تھے۔ **آٹھواں فائدہ:** اگر مومن مال و اولاد کی وجہ سے رب تعالیٰ سے غافل نہ ہو تو بڑے ثواب کا مستحق ہے ایسی اولاد و مال اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ اجر عظیم سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ فرمایا نبی ﷺ نے کہ تین چیزیں وہ ہیں جن کا ثواب مومن کو مرے بعد بھی ملتا رہتا ہے صدقہ جاریہ جیسے مسجد' پل'

www.alahazratnetwork.org

سرائے نیک اولاد جو اسے دعا خیر سے یاد کرتی رہے۔ علمی خدمات جیسے دینی کتاب دینی شاگرد۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام خائن تھے خیانت بڑا ہی گناہ ہے تو تم ان سب کو عادل کیوں کہتے ہو کہ **الصحابتہ کلهم عدول**۔ **جواب:** ہم حضرات صحابہ کرام کو معصوم نہیں مانتے بلکہ عادل مانتے ہیں عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے اللہ تعالٰی انہیں گناہ پر قائم نہیں رہنے دیتا اس واقعہ میں غور کر لو کہ انہوں نے کیسی توبہ کی۔ **دوسرا اعتراض:** صحابہ نے جیسے ان موقعوں پر خیانت کی ویسے ہی حضور انور کے پردہ فرمانے پر بھی خیانت کی ہوگی۔ خلافت حضرت علی کا حق تھا مگر دوسروں نے لے لیا (شیعہ)۔ **جواب:** حضرات صحابہ ایسے امین ہیں کہ انہیں رب تعالٰی نے قرآن مجید کی امانت داری کیلئے چن لیا کہ جمع قرآن انہیں سے کرایا اگر وہ خائن ہیں تو قرآن مجید مشکوک ہو جائے گا **نعوذ باللہ** خائن وہ ہوتا ہے جس کی عادت خیانت ہو جو ایک بار خیانت کرکے فوراً توبہ کرے وہ خائن نہیں اگر جناب صدیق و فاروق و عثمان غنی خائن ہوں تو ان کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے حضرات اہل بیت ان کی بیعت کرکے گنہگار ہوں گے پھر تو انہیں چاہیے تھا کہ حضرت حسین کی طرح مقابلہ میں ڈٹ جاتے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں امانات جمع فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک آدھی امانت کی خیانت جائز ہے بہت سی امانتوں کی خیانت ممنوع ہے امانت واحد فرمانا چاہیئے تھا۔ **جواب:** آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ امانات میں سے کسی امانت میں خیانت نہ کرو جیسے کہا جاوے کہ تم گناہوں سے بچو تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ دو ایک گناہ کر لیا کرو زیادہ گناہوں سے بچو۔ **چوتھا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان بوجھ کر خیانت منع ہے تو کیا بغیر جانے خیانت جائز ہے گناہ بہرحال گناہ ہے خواہ جان کر ہو یا نادانستہ۔ **جواب:** آیت کا مطلب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اے مومنو تم جانتے ہی ہو کہ خیانت کا انجام کیا ہے یعنی یہ عقلاً نقلاً ہر طرح گناہ ہے اور اگر وہی مطلب ہو کہ دانستہ طور پر خیانت نہ کرو تو بھی مطلب واضح ہے کہ دانستہ خیانت تو خیانت ہے نادانستہ طور پر جو واقع ہو وہ خیانت نہیں عمد اور خطاء کے قتلوں میں فرق ہے تو ان دونوں خیانتوں میں فرق کیوں نہ ہوگا۔ **پانچواں اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال و اولاد فتنہ آفت بلا ہیں مگر حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ یہ چیزیں اللہ کی نعمتیں ہیں آیت و احادیث میں تعارض ہے۔ **جواب:** واقعہ میں تو یہ چیزیں نعمتیں ہیں لیکن ان کے غلط استعمال سے یہ ہی چیزیں وبال ہیں اگر مومن ان میں پھنس کر رب سے غافل ہو جاوے تو دنیا میں

لہٰذا آیت و حدیث دونوں برحق ہیں بلکہ ہر نعمت کا یہی حال ہے کہ غلط استعمال سے وہ زحمت بن جاتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: امانت داری اللہ کی بڑی نعمت ہے مگر اس کی حفاظت بہت ہی دشوار ہے ایسی دشوار کہ زمین و آسمان اس کا تحمل نہ کر سکے کہ رب نے ان پر امانت پیش کی انہوں نے معذوری ظاہر کی **فابین ان یحملنها** امانت ہی وہ نعمت خداوندی ہے کہ حضور انور نبوت سے پہلے ہی امین کے نام سے مشہور ہوئے جو مال و اولاد رب سے غافل کریں وہ منحوس ہیں اور جو رب سے قریب کر دیں وہ عبادات میں مدد کریں وہ ہر زبان میں محمود اور ہر انسان کے نزدیک محبوب مولانا فرماتے ہیں۔

مال رو کز بہر دیں باشی حمول　　　نعم مال صالح خواندش رسول
چونکہ مال و ملک را از دل براند　　　زاں سلیماں خویش جز مسکیں نخواند

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء فرماتے ہیں کہ امانتدار کتا خائن انسان سے بہتر ہے یہاں ارشاد ہے کہ اے وہ ارواح و قلوب جو نور ایمان سے منور ہو چکے اور عرفان کی سعادتوں کے لئے تیار ہو چکے اللہ کی خیانت نہ کرو کہ دین کو دنیا کے شکار کیلئے جال نہ بناؤ اور رسول کی خیانت نہ کرو کہ سنت کے مقابل بدعت پر عمل کرو اور اپنی امانتوں میں بھی خیانت نہ کرو کہ محبت الٰہی اور محبت رسول کو محبت دنیا میں تبدیل کر دو جو کوئی اللہ رسول والا ہو کر دنیا میں توجہ رکھے وہ خائن ہے جس کی سزا میں وہ اللہ کی رحمتوں سے محروم رہے گا تم جانتے ہو کہ دین کو دنیا کے عوض فروخت کرنا خسارہ کا سودا ہے جو مال و اولاد یار سے آڑ بن جاوے وہ فتنہ ہے اس کے ذریعہ منافق موافق اور صدیق و زندیق میں فرق ہو جاتا ہے اللہ کے نزدیک بڑا اجر ہے تم جھوٹی چیزوں میں پھنس کر بڑی نعمت سے محروم کیوں ہوتے ہو۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے اگر ڈرو تم اللہ سے تو بنا دے گا وہ واسطے تمہارے فرق والی چیز
اے ایمان والو اگر اللہ سے ڈرو گے تو تمہیں وہ دے گا جس سے حق کو باطل سے جدا کر لو
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۲۹﴾
اور مٹا دے گا تم سے گناہ تمہارے اور بخش دے گا واسطے تمہارے اور اللہ بڑے فضل والا ہے
اور تمہاری برائیاں اتار دے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں مال و اولاد کے فتنہ کا ذکر ہوا اب تقویٰ کے ذکر جو اس فتنہ سے بچائے گویا بیماری کے ذکر کے بعد علاج و دوا کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیتوں میں تین قسم کی خیانتوں سے مسلمانوں کو روکا گیا اب ارشاد ہے کہ اگر تم نے تقویٰ یعنی خیانتوں سے پرہیز اختیار کیا تو تم کو تین بڑی نعمتیں عطا ہوں گی فرقان، کفارہ، مغفرت گویا عمل کا ذکر پہلے ہوا اور عمل کی اجرت کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ بڑے فضل والا ہے اب اس سے فضل حاصل کرنے کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے یعنی تقویٰ اختیار کرنا گویا داتا کریم کی عطا کے فقیروں کو بھیک مانگنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔

تفسیر: **یاایھا الذین امنوا** اس فرمان عالی میں قیامت تک کے مسلمانوں سے خطاب ہے ان جیسی آیات میں حضور ﷺ داخل نہیں ہوتے چونکہ ایمان سارے اعمال پر مقدم ہے اس لئے اس مضمون کو ایمان سے شروع فرمایا چونکہ تقویٰ و پرہیز گاری ایمان کا زیور ہے اس لئے اس کے بعد تقویٰ کا ذکر ہوا ایمان بہت قسم کا ہوتا ہے علم الیقین والا ایمان عین الیقین والا اور حق الیقین والا یہ فرمان سب کو شامل ہے جیسا ایمان ویسا تقویٰ لہٰذا یہ آیت بڑی جامع ہے **ان تتقوا اللہ** یہاں ان شک کے لئے نہیں بلکہ معلق کرنے کے لئے ہے تقویٰ کے معنی اس کے اقسام و احکام بارہا بیان ہو چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ تقویٰ دو قسم کا ہے تقویٰ ظاہری یعنی جسم کا تقویٰ اور تقویٰ باطنی یعنی دل کا تقویٰ، تقویٰ ظاہری کے دو رکن ہیں۔ گناہوں سے بچنا اور نیکیاں کرنا تقویٰ باطنی یعنی دل کا تقویٰ ہے **شعائر اللہ** کی تعظیم و توقیر کرنا رب فرماتا ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من**

www.alahazratnetwork.org

تقوی القلوب یہاں یہ تینوں تقویٰ مراد ہیں چونکہ تقویٰ کی ابتداء خوف خدا پر ہوتی ہے اس کی انتہا عشق خدا پر اس لئے **ان تتقوا** کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمایا گیا گویا خوف ابتداء ہے ذوق و شوق درمیانی حالت اور عشق و سوز انتہا تقویٰ کے تین انعامات کا ذکر فرمایا پہلا انعام **یجعل لکم فرقانا**" **یجعل** بنا ہے **جعل** سے۔ معنی پیدا کرنا بنانا دینا یہاں دوسرے معنی میں ہے **لکم** میں لام نفع کا ہے یا صلہ کا فرقان بنا ہے فرق سے۔ معنی چھانٹ فرقان چھانٹ کرنے والی چیز اس لئے قرآن مجید کو فرقان کہا جاتا ہے کہ وہ حق و باطل میں چھانٹ کرنے والی کتاب ہے یعنی رب تم کو فرقان چھانٹ عطا فرمائے گا فرقان سے کیا مراد ہے اس میں چند قول ہیں۔ 1۔ دل کا نور جس سے مومن حق و باطل میں فرق کر لیا کرے یہ قول ابن جریج اور ابن زید مفسرین کا ہے۔ 2۔ مسلمانوں کی فتح و نصرت جہادوں مناظروں میں کامیابی جس سے مسلمانوں کو عزت کفار کو ذلت ہو حق و باطل میں چھانٹ ہو یہ قول فراء کا ہے اسی لئے غزوہ بدر کے دن کو یوم الفرقان فرمایا گیا یوم الفرقان یوم التقی الجمعان۔ 3۔ دین و دنیا میں مسلمانوں کی نجات کفار کی پکڑ یہ قول امام سدی کا ہے۔ 4۔ شبہات و وہمیات سے نجات کہ مومن یقین پر کافر شبہات میں رہتے ہیں یہ قول مقاتل کا ہے۔ 5۔ مومنوں کی شہرت کا ان کا دبدبہ ان کی ہیبت کفار کی ذلت یہ قول محمد ابن اسحاق کا ہے اس لئے صبح صادق کو فرقان کہتے ہیں جیسے طلع الفرقان یعنی طلع الفجر 6۔ مومن کے دل کا نور جس سے وہ مخلص و منافق میں چھانٹ کرے۔

بندہ مومن کی پیشانی کا نور کب چھپا رہتا ہے پیش ذی شعور

بہرحال اس فرمان عالی کے بہت مطلب ہو سکتے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ یہ سارے معنی مراد ہوں کہ رب تعالیٰ متقی مومن کو یہ تمام صفات عطا فرماتا ہے۔ ساری نعمتیں بخشتا ہے (تفسیر روح المعانی، بیان، خازن، مدارک، کبیر وغیرہ) **ویکفر عنکم سیاتکم** یہ دوسرے انعام کا ذکر ہے یہ عبارت معطوف ہے **یجعل لکم** پر اور ان شرطیہ کی جزا **یکفر** کا مادہ کفر ہے۔ معنی چھپانا یا مٹانا یا انکار کرنا اس لئے اللہ تعالیٰ کی ناشکری کو کفران اور اسلام کے کسی عقیدے کے انکار کو کفر کہتے ہیں ایک دوا کا نام کافور ہے کہ اپنی تیز خوشبو سے دوسری خوشبوؤں کو چھپا لیتا ہے چونکہ اس میں چھپانے مٹانے کے لئے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد **عن** ارشاد ہوا **سیات** جمع ہے سیہ کی جس کا مادہ **سوء** معنی برائی یہ بروزن فیعلہ ہے واؤ "ی" بنکر ی میں مدغم ہو گیا قصداً گناہ کو سیئہ کہا جاتا ہے بغیر قصد گناہ کو خطاء (روح البیان) کبھی گناہ صغیرہ کو سیہ کہا جاتا ہے رب فرماتا ہے **ان تجتنبوا کبائر ما تنھون عنہ نکفر عنکم سیاتکم** اور کبھی۔ معنی دنیاوی تکالیف آتا ہے یہاں مطلقاً" گناہوں کے معنی میں ہے اس سے حقوق العباد خارج ہیں کہ وہ بغیر ادا کئے یا حق والے کے معاف کئے نہیں معاف ہوتے۔ **ویغفر لکم** یہ تیسرے انعام کا ذکر ہے یہ عبارت یکفر پر معطوف ہے۔ غفر کا مادہ غفر ہے۔ معنی بخش دینا اس کا مفعول پوشیدہ ہے **ذنوبکم** اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مفعول بھی سیات ہو ان دو انعاموں میں کئی طرح فرق کیا گیا ہے۔ 1۔ دنیا میں تمہارے گناہ چھپائیں گے آخرت میں بخش دیں گے (روح المعانی) **واللہ ذو الفضل العظیم** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ وعدوں کی پختگی کا اعلان ہے یعنی اللہ تعالیٰ بڑے فضل و کرم اور مہربانی والا ہے وہ بندوں کو ان کے استحقاق کے بغیر یا استحقاق سے زیادہ دے دیتا ہے پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ تم سے وعدہ فرمائے اور پورا نہ کرے تم لینے والے بنو ہم دینے کو تیار ہیں فضل کے معنی اس کے اقسام اور فضل و رحم میں فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے مومنو اگر تم اللہ سے ڈرتے رہو کہ اس کے احکام پر عمل کرو اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچتے رہو تو اللہ تعالیٰ تم کو تین خصوصی نعمتیں عطا فرمادے گا۔ 1 تمہارے دل میں وہ نور اور ہدایت دے گا جس سے تم دنیا میں بھلے برے کاموں میں یا بھلے برے آدمیوں میں فرق کر لیا کرو گے تمہارا دل تم کو فتویٰ دے گا کہ یہ کام اچھا ہے اسے کرو یہ کام برا ہے اس سے بچو یا یہ آدمی اچھا ہے اس سے میل ملاپ رکھو یہ برا ہے اس سے دور بھاگو یا تم کو ہر میدان میں وہ فتح اور تمہارے دشمنوں کو وہ شکست دے گا جو حق و باطل میں چھانٹ کر دیا کرے گی۔ 2 اس تقویٰ کی برکت سے تمہارے سارے گناہ مٹا دے گا تم کو پاک و صاف فرمادے گا۔ 3 تمہارے عیوب چھپالے گا تم کو عزت و عظمت دونوں جہاں میں بخشے گا تم یہ خیال بھی نہ کرنا کہ رب تعالیٰ اپنے یہ وعدے پورے نہ فرمائے وہ بڑے فضل و کرم والا ہے وہ تو بغیر استحقاق یا استحقاق سے زیادہ نعمتیں بخشتا ہے تو کیسے ممکن ہے کہ اپنے وعدے پورے نہ کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: انسان کو چاہئے کہ پہلے اپنے عقیدے ٹھیک کرے پھر اعمال درست رکھے کہ عقیدہ کا تعلق دل سے ہے اعمال کا تعلق بدن سے دل بادشاہ ہے بدن اس کی رعایا بادشاہ درست ہو تو رعایا کو ٹھیک کر لیتا ہے یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر تقویٰ کا۔ **دوسرا فائدہ**: کافر پر نیک اعمال کرنا فرض نہیں برے اعمال حرام نہیں کہ یہ دونوں چیزیں تقویٰ ہیں اور تقویٰ کا حکم ایمان کے بعد ہے لہذا اس پر نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ فرض نہیں شراب سور وغیرہ حرام نہیں یہ فائدہ بھی اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا اگر یہ حکم شرعی ہے جس کا تعلق دنیا سے ہے لہذا کافر مومن ہونے کے بعد زمانہ کفر کی نمازیں قضا نہ کرے گا اس زمانہ میں شراب پینے سور کھانے کی سزا نہ پائے گا آخرت میں کفار کو کفر کی سزا بھی ملے گی اور بد عملیوں کی بھی **قالوا لم نک من المصلین و لم نک نطعم المسکین**۔ **تیسرا فائدہ**: اللہ تعالیٰ مومن متقی کو دل کا نور عطا فرماتا ہے جس سے وہ برے بھلے کاموں کو پہچان لیتا ہے اس کا مفتی اس کے سینہ میں رہتا ہے یعنی اس کا دل یہ فائدہ **یجعل لکم فرقانا**" سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**: بعض خوش نصیب بندے وہ ہیں جنہیں تقویٰ بلکہ ایمان سے پہلے ہی یہ فرقان عطا ہو جاتا ہے حضرت ابو بکر صدیق قبول اسلام سے پہلے بھی شراب ہونے زنا وغیرہ کے قریب بھی نہ گئے فرماتے ہیں کہ میرا دل کہتا تھا کہ یہ چیزیں بری ہیں کیوں نہ ہو تا وہ تو ازل سے حضور انور کی خصوصی صحبت کے لئے منتخب ہو چکے تھے وہ الست کے دن سے **یاایھا الذین امنوا** کے خطاب سے مشرف ہو چکے تھے۔ **پانچواں فائدہ**: متقی مومن انسان کی شکل دیکھتے ہی پہچان لیتے ہیں کہ یہ دوزخی ہے یا جنتی ایک بزرگ فرماتے تھے کہ میں انسان کے نقش قدم کو دیکھ کر اس کا جنتی دوزخی ہونا معلوم کر لیتا ہوں یہ فائدہ **فرقانا**" کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہو برے بھلے آدمی میں فرق کرنا تو کیسے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ کو منافقین و مخلصین کی پہچان نہ ہو حضرت عمر کا نام و لقب ہی فاروق ہے یعنی اچھے برے کاموں اچھے برے لوگوں میں فرق کرنے والے اس لقب شریف کا ماخذ یہ آیت کریمہ بھی ہے۔

حکایت: خلافت عثمانی میں حضرت انس امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہم کے دربار میں حاضر ہوئے راہ میں کسی اجنبیہ

www.alahazratnetwork.org

عورت پر نگاہ پڑ گئی جب خدمت عالیہ میں پہنچے تو فرمایا کہ بعض حضرات ہمارے ہاں اس حالت میں آتے ہیں کہ ان کی آنکھ میں زنا کا اثر ہوتا ہے۔ حضرت انس تڑپ گئے بولے کہ کیا ابھی وحی بند نہ ہوئی فرمایا یہ وحی نہیں بلکہ مومن کی فراست ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں **اتقوا فراسته المومن فانه ینظر بنور الله** مومن کی فراست و دانائی سے ڈرو وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے یہ ہے **فرقانا**" کی تفسیر۔ **چھٹا فائدہ**: جس شخص کا دل قدرتی طور پر اچھے کاموں اچھے لوگوں کی طرف راغب ہو اور برے کاموں برے لوگوں سے متنفر ہو تو وہ بفضلہ تعالیٰ مومن متقی ہے یہ فائدہ بھی **فرقانا**" سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ متقی مومنوں کو دشمنوں پر جہاد میں فتح دیتا ہے اگر فتح چاہئے تو ایمان مضبوط تقویٰ پختہ اختیار کرو یہ فائدہ فرقانا" کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ فرقان سے مراد ہو مومنوں کی فتح و نصرت جو حق و باطل میں فرق کردے فرماتا ہے **اذا لقیتم فئته فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا** ایمان و تقویٰ وہ روحانی ہتھیار ہیں جو کفار کو میسر نہیں اللہ کے وعدے سچے ہیں۔ **آٹھواں فائدہ**: قوت ایمان اور تقویٰ سے دشمن کے دلوں میں قدرتی ہیبت پیدا ہوتی ہے یہ ہیبت خداداد بھی اللہ کی نعمت ہے یہ فائدہ فرقان کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا کہ فرقان کے معنی شہرت و ہیبت ہوں۔ **نواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ نیک اعمال کی برکت سے مومن کے گناہ معاف فرمادیتا ہے یہ فائدہ **ویکفر عنکم سیاتکم** سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان الحسنات یذھبن السیئات** بلکہ کبھی اس کی برائیاں خوبیوں میں گناہ نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں رب فرماتے ہیں **فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات تقوی اللہ** کی بڑی نعمت ہے۔ **دسواں فائدہ**: اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنے وعدوں سے بڑھ کر عطا فرماتا ہے یہ فائدہ **وذو الفضل العظیم** سے حاصل ہوا کہ اس فرمان عالی میں تین انعامات کے بعد رب نے اپنے فضل و کرم کا ذکر فرمایا جس میں بتایا کہ ان تین نعمتوں کا وعدہ ہے باقی ہمارا افضل بڑا ہے تمہیں کیا خبر کہ ہم تم کو ان کے علاوہ اور کیا کیا دیں گے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ **ان تتقوا اللہ** ان شک کے لئے آتا ہے اللہ تعالیٰ شک اور تردد سے پاک ہے پھر اس نے **ان** کیوں ارشاد فرمایا۔ **جواب**: ان محض معلق کرنے کے لئے بھی آتا ہے جیسے کہا جائے کہ اگر سورج نکلے گا تو دن نکل آئے گا حالانکہ سورج کا نکلنا بھی یقینی ہے دن نکلنا بھی یقینی صرف یہ بتانا ہے کہ دن کا نکلنا سورج کے طلوع ہونے پر لازمی ہے اس پر موقوف ہے وہ ہی یہاں ہے مقصد یہ ہے کہ یہ تین نعمتیں تمہارے ایمان و تقویٰ پر معلق ہیں اگر یہ چاہیں تو متقی مومن بنو۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں وعدہ فرمایا گیا کہ متقی مومن کو حق و باطل میں تمیز عطا ہوگی ہم نے بڑے نمازی لوگ شریعت سے بالکل بے خبر پائے پھر یہ وعدہ ربانی کیونکر درست ہوا۔ **جواب**: تقویٰ صرف نماز پڑھنے کا نام نہیں بلکہ اس کے لئے کچھ اور چیزیں بھی ضروری ہیں ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ جسمانی تقویٰ اللہ رسول کے سارے احکام ماننے کا نام ہے جس کے دو رکن ہیں ممنوعہ چیزوں سے رک جانا۔ 2 فرائض و سنت پر عمل کرنا۔ دوسرا تقویٰ ہے روحانی یا جنانی یعنی اللہ کی محبوب چیزوں کا دل سے ادب و احترام کرنا جسے اللہ تعالیٰ یہ نصیب کرے تو انشاء اللہ اسے یہاں کے مذکورہ انعامات ضرور ملیں گے۔

تیسرا اعتراض: کفارہ سیئات اور مغفرت میں کیا فرق ہے۔ **جواب**: ان میں چند فرق ابھی تفسیر میں ہم نے عرض کئے کہ گناہ مٹانا کفارہ سیئات ہے ہمارے عیوب چھپانا مغفرت ہے یا بڑے گناہ معاف فرمانا کفارہ سیئات ہے چھوٹے گناہ بخش دینا مغفرت ہے

www.alahazratnetwork.org

پرانے گناہ معاف فرمادینا کفارہ سئیات ہے نئے گناہ معاف فرمادینا مغفرت وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ مضمون مکرر نہیں۔ **چوتھا اعتراض**: مذکورہ تین انعامات کے بعد **واللہ ذو الفضل العظیم** کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**: تاکہ بتایا جاوے کہ فقط ان تین انعامات پر ہی کفایت نہیں یہ تو تمہارے ایمان و تقویٰ کی گویا اجرت ہے ہم بڑے فضل والے ہیں ان کے علاوہ اپنی مہربانی سے تم کو اور بہت کچھ دیں گے روزی میں برکت' دنیا و آخرت میں عزت' چہرے کا نور' اپنی جنت اور وہاں خاص مقام بلکہ انشاء اللہ اپنا دیدار جو سب سے بڑی نعمت ہے ان سب چیزوں کا ذکر قرآن کریم میں متعدد مقامات پر ہے مثلاً" فرماتا ہے **ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا" ویرزقہ من حیث لا یحتسب** یا فرماتا ہے **وجوہ یومئذ ناضرۃ الی ربہا ناظرۃ** یا فرماتا ہے **ھدی للمتقین**۔

تفسیر صوفیانہ: تقویٰ دو طرح کا ہے شریعت کا تقویٰ یعنی اللہ سے بقدر طاقت ڈرنا اس کا ذکر اس آیت میں ہے **فاتقوا اللہ ما استطعتم** طریقت کا تقویٰ اللہ سے ڈرنا جیسا رب کا حق ہے اس کا ذکر اس آیت میں ہے **واتقوا اللہ حق تقاتہ** صوفیاء کے نزدیک متقی وہ ہے جو ہر حال میں رب کو اپنا امان جانے اپنی ذات کو رب کی ذات میں اپنی صفات کو رب کی صفات میں اپنے اعمال و افعال کو رب کے افعال میں اس طرح گم کر دے کہ حالت یہ ہو جاوے کہ۔

تجھ میں میں ایسا سما جاؤں کہ میں ہی نہ رہوں   مجھ میں تو ایسا سما جائے تو ہی تو ہو جائے

غرضکہ اپنے کو اس میں گم کر دے گناہوں سے بچنا دنیا سے بچنا غافل کرنے والی چیزوں سے بچنا تقویٰ کی ابتدائی منزلیں ہیں اس کی انتہا ہے خود اپنے سے بچنا انا کو فنا کر دینا۔

گم شدہ چوں سایہ نور آفتاب   یا چو بوئے گل و زا اجزائے گلاب

اس آیت کریمہ میں تقویٰ کو بندوں کی طرف نسبت فرمایا اور فرقان کو رب کی طرف کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کی بھلائی چاہتا ہے تو اسے اپنے لئے بنالیتا ہے اور اس کے دل میں عالم قدسی کا چراغ روشن فرمادیتا ہے جس سے بندہ حق و باطل وجود و عدم' حدوث و قدم میں فرق کرنے لگتا ہے اس نور سے وہ اپنے عیوب دیکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ اے موسیٰ پانچ باتیں یاد رکھو اصل دین ہیں جب تمہیں خبر ہے کہ میرا ملک لازوال ہے تو چاہئے کہ تمہاری اطاعات بھی لازوال ہوں۔

ہمہ تخت و ملکے پذیرد زوال   بجز ملک فرمان دہ لازوال

چونکہ میرے خزانے فانی نہیں تو تم روزی کا غم نہ کھاؤ۔

در دائرہ قسمت ما نقطہ تسلیم   لطف آنچہ تو اندیشی و حکم آنچہ تو فرمائی

چونکہ ابلیس مرا نہیں لہٰذا اس سے امن میں نہ رہو ہمیشہ احتیاط رکھو۔ 4۔ چونکہ اپنی مغفرت پر بھروسہ نہیں لہٰذا دوسروں کی عیب جوئی نہ کرو۔

مکن بنامہ سیاہی ملامت من مست   کہ آگہ است کہ تقدیر بر سرش چہ نوشت

جب تک جنت میں نہ پہنچ جاؤ تب تک ہمارے امتحان سے بے خوف نہ ہو عاقل کو چاہئے کہ آخر عمر تک تقویٰ میں کوشش کرے تاکہ اللہ اسے حق و باطل کے معیار بنادے اور اس کے فانی وجود کو اپنے غیر فانی نور سے چھپائے اپنے جمال و جلال میں

www.alahazratnetwork.org

اسے جگہ دے اللہ بڑے فضل والا ہے اس کا بڑا فضل یہ ہے کہ ہماری انا کو فنا کرے بقاء عطا فرمائے (از تفسیر روح البیان)

وَاِذْ يَمْكُرُ بِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِيُثْبِتُوْكَ اَوْ يَقْتُلُوْكَ اَوْ يُخْرِجُوْكَ
اور جب داؤ سوچتے تھے تمہارے متعلق وہ لوگ جو کافر ہوئے تاکہ قید کریں تم کو یا قتل کریں تم کو یا نکالیں
اور اے محبوب یاد کرو جب کافر تمہارے ساتھ مکر کرتے تھے کہ تمہیں بند کریں یا شہید کر دیں یا نکال
وَيَمْكُرُوْنَ وَ يَمْكُرُ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ۝
تم کو اور وہ داؤں کھیلتے تھے اور تدبیر فرماتا تھا اللہ اور اللہ بہتر تدبیر والوں سے ہے
دیں اور اپنا سا مکر کرتے تھے اور اللہ اپنی خفیہ تدبیر فرماتا تھا اور اللہ کی خفیہ تدبیر سب سے بہتر ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے اب اس فضل و کرم کے ثبوت میں ایک عجیب واقعہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ جو ہجرت رسول ﷺ کے موقعہ پر واقع ہوا۔ **دوسرا تعلق:** گزشتہ پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں پر ایک خاص فضل و کرم کا ذکر ہوا تھا **واذکروا اذانتم قلیل** اب اس فضل ربانی کا تذکرہ ہے۔ جو حضور ﷺ پر خصوصی طور پر ہوا یعنی حضور انور کو ایسے نازک موقعہ پر شر کفار سے محفوظ رکھنا جو بالواسطہ سارے مسلمانوں پر کرم ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا تھا کہ اگر مومن متقی بن کر رہیں تو انہیں فرقان عطا فرمایا جاوے گا اب اسی فرقان کی عطا کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ فرقان کے معانی ہم اس جگہ بیان کر چکے ہیں ہجرت کا یہ واقعہ فرقان الٰہی ہی تو تھا۔

شان نزول: جب مسلمان مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے دوسرے علاقوں میں جا بسے اور وہاں بہ فراغت رب کی عبادت کرنے لگے تو کفار مکہ کے دلوں میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی کہ یہ لوگ ہمارے پنجہ ستم سے کیوں نکل گئے پھر ایک حج کے موقعہ پر بارہ انصار مدینہ نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی دوسرے سال حج کے موقعہ پر (۷۰) انصار نے بیعت کی جسے بیعت عقبہ کہتے ہیں یہ خبر کفار مکہ کو لگ گئی تو وہ اور بھی آگ بگولہ ہو گئے آخر کار یہ لوگ ایک دن سرداران قریش قصی ابن کلاب کے گھر میں جمع ہوئے۔ جو اب دارالندوہ بن چکا تھا۔ یعنی کمیٹی گھر (معانی) ان لوگوں میں عتبہ ابن ربیعہ' شیبہ ابن ربیعہ' ابو جہل' ابو سفیان' طعمہ ابن عدی' نضر ابن حارث' ابو البختری' ابن ہشام' زمعہ ابن اسود' حکیم ابن حزام' نبیہ ابن حجاج' منبہ ابن حجاج' اور امیہ ابن خلف خصوصی مہمان تھے یہ لوگ بولے کہ اب کیا کرنا چاہیے محمد (ﷺ) کا معاملہ ہمارے قابو سے باہر نکلا جا رہا ہے ان کے اثرات دوسرے علاقوں میں پہنچ رہے ہیں ابھی بات یہاں تک ہوئی تھی کہ ایک سفید ریش بوڑھا دروازہ پر آ کھڑا ہوا حاضرین نے پوچھا کہ تو کون ہے اور ہماری اس خصوصی میٹنگ میں کیوں آیا ہے کہا میں شیخ نجدی ہوں مجھے تمہارا اس اجتماع کا یہاں آ کر

www.alahazratnetwork.org

پتہ لگا تو میں بھی تم کو اچھا مشورہ دینے آگیا ہوں تم کو میرے مشوروں سے بہت فائدہ پہنچے گا یہ لوگ بولے کہ آپ بھی تشریف لے آیئے (یہ ابلیس تھا) جو ان میں شامل ہو گیا اب بات آگے چلی ابلیس سے یہ سب کچھ کہا گیا ابلیس یعنی شیخ نجدی بولا کہ اپنے مشورے پیش کرو پہلے ابوالبختری ابن ہشام بولا کہ مسلمانوں پر سختیاں کرکے ہم دیکھ چکے کچھ نہ بنا اب ہم کو محمد مصطفے ﷺ کا انتظام کرنا چاہیے میری رائے یہ ہے کہ ان کو ایک گھر میں قید کرکے دروازہ پتھروں سے چن کر بند کر دیا جاوے تاکہ وہ وہاں ہی ہلاک ہو جاویں اس پر شیخ نجدی بولا کہ یہ رائے ٹھیک نہیں کیونکہ ان کی قوم بنی ہاشم ان کو جبراً وہاں سے نکال لیں گے اور مکہ میں خانہ جنگی نہ ہو جاوے جس سے محمد (ﷺ) کو فائدہ پہنچے یہ رائے رد ہو گئی اس کے بعد ہشام ابن عمرو جو قبیلہ بنی عامر ابن لوی سے تھا اٹھا بولا کہ انہیں ایک اونٹ پر سوار کرکے مکہ سے اتنی دور نکال دو کہ پھر وہ مکہ کا رخ نہ کر سکیں اور ہم کو اس آفت سے نجات ملے۔ شیخ نجدی بولا کہ یہ رائے بھی ٹھیک نہیں کیونکہ تم دیکھتے ہو وہ کیسے فصیح اللسان سیف زبان صاحب تاثیر ہیں کہ اپنی باتوں سے خلق کے دل موہ لیتے ہیں جو ان کی سن لیتا ہے وہ ان کا ہو جاتا ہے اگر تم نے ان کو مکہ سے نکال دیا تو وہ کسی اور جگہ جا کر وہاں کے لوگوں کو مسلمان کر لیں گے پھر ان کی مدد سے تم پر حملہ آور ہو جائیں گے اور تم کو مکہ سے نکال دیں گے تم تو اپنی ہلاکت کی تدبیر کر رہے ہو چنانچہ یہ رائے بھی رد ہو گئی پھر ابوجہل اٹھا بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ قریش کے ہر خاندان سے چند بہادر نوجوان تلوار آبدار لے کر یکدم حضور انور پر ٹوٹ پڑیں اور انہیں قتل کر دیں یہ نہ پتہ لگے کہ قاتل کون ہے آخر کار بنی ہاشم سارے قبیلوں سے لڑ نہ سکیں گے خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے ہم قبیلے والے چندہ کرکے ادا کر دیں گے۔ شیخ نجدی بولا یہ رائے بہت ہی اچھی ہے یہ شخص بہت ذی رائے معلوم ہوتا ہے چنانچہ یہ قرارداد پاس ہوئی اور کفار مکہ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے گھروں کو چلے گئے ادھر حضرت جبریل امین نے حضور انور ﷺ کو اس سارے واقعہ کی خبر دی اور حضور انور کو ہجرت کر جانے کے لئے کہا چنانچہ ایک رات کفار قریش ننگی تلواریں لئے حضور انور کا گھر گھیر لیا حضور انور نے بحکم الٰہی حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے ساتھ لیا اور حضرت مرتضیٰ کو فرمایا کہ تم میرے بستر پر آج کی رات سو رہو تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ کفار تمہارا بال بیکا نہ کر سکیں گے ابھی قاتل جلادوں کی امانتیں میرے پاس ہیں ان کی امانتیں ادا کرکے میرے پاس مدینہ منورہ چلے آنا۔ حضرت علی بخوشی راضی ہو گئے اور حضور انور یہ آیت پڑھتے ہوئے گھیرہ کفار سے صاف نکل گئے **انا جعلنا فی اعناقھم اغلالا۔ (الی قولہ) فاغشینٰھم فھم لا یبصرون** اور حضرت ابوبکر صدیق کو ہمراہ لے کر غار ثور میں تشریف لے گئے ادھر یہ کفار حضرت علی کو حضور انور سمجھتے ہوئے گھر گھیرے کھڑے رہے صبح صادق کے وقت جب حضرت علی بستر پاک سے اٹھے تو کفار علی کو دیکھ کر حیران رہ گئے پوچھنے لگے کہ اے علی محمد کہاں ہیں ﷺ آپ نے فرمایا رب جانے یہ لوگ حضور انور کی تلاش میں دیوانہ وار چو طرفہ پھیل گئے ادھر حضور انور ﷺ مع یار غار حضرت صدیق اکبر کے ثور پہاڑ کے ایک غار میں جلوہ گر ہو گئے بحکم الٰہی فوراً غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا اور ایک کبوتری نے انڈے دے دیئے بعض کفار یہاں بھی تلاش کرتے ہوئے پہنچ گئے مگر جالا اور انڈے دیکھ کر اندر داخل نہ ہوئے حضور انور نے اس غار میں تین دن قیام فرمایا پھر مدینہ منورہ روانہ ہوئے (تفسیر خازن' بیضاوی' کبیر روح المعانی و بیان' مدارک وغیرہ) راستہ میں پھر سراقہ کا واقعہ پیش آیا جو مشہور ہے یہ آیت کریمہ جو واقعہ بیان ہو رہی ہے اس کے متعلق نازل ہوئی۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: **واذیمکربک** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **اذیمکر** ایک پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہے **اذکر** یاذکر پوشیدہ کا یعنی اے محبوب آپ وہ وقت یاد کریں یا لوگوں کو یاد دلائیں - خیال رہے کہ یہ آیت مدنیہ ہے جس میں مکہ معظمہ کے ایک واقعہ کا ذکر ہے **یمکر** بنا ہے مکر سے جب اس کا فاعل کفار ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں داؤ' فریب' وہ ہی یہاں مراد ہے چونکہ یہ سازش بہت دیر تک ہوتی رہی جس میں مختلف لوگ تدبیریں پیش کرتے رہے اس لئے **یمکر** مضارع استعمال ہوا چونکہ ان ساری سازشوں کا تعلق حضور انور کی ایذاء سے تھا اس لئے بک ارشاد ہوا یعنی آپ کے متعلق لوگ مکر و فریب کرتے تھے **الذین کفروا** یہ **یمکر** کا فاعل ہے اس میں کفار اور ابلیس سارے کا فر داخل ہیں کیونکہ اس سازش میں شیطان بھی برابر کا شریک تھا چونکہ یہ سب کفر میں یکساں تھے اس لئے دونوں کے لئے **الذین کفروا** ارشاد ہوا **الیثبتوک** یہ متعلق ہے **یمکر** کے **یثبتو** بنا ہے **ثبت** سے جس کے معنی ہیں روک۔

فقلت و یحکم ما فی صحیفتکم **قالوا الخلیفته امس مثبتا" رجما"**

عرب کہتے ہیں **ضربه حتی اثبته لا حراک به** (روح البیان) اس فرمان عالی میں ابوالنجری کی اس رائے کی طرف اشارہ ہے کہ حضور انور کو ایک مکان میں قید کر دیا جائے اس کے بعض ہم خیالوں نے یہ بھی کہا تھا کہ انہیں ہاتھ پاؤں باندھ کر رکھا جاوے بعض نے کہا تھا کہ انہیں چوٹیں لگا کر بیکار کر دیا جائے کہ وہ چل پھر نہ سکیں ایک ہی جگہ رہیں اسی ایک لفظ میں یہ سب باتیں ارشاد فرمادی گئیں **او یقتلوک** اس فرمان عالی میں ابو جہل کی اسی رائے کی طرف اشارہ ہے کہ سارے قبیلوں کے آدمی مجموعی طور پر حضور کو شہید کر دیں جیسا کہ شان نزول میں بیان ہوا یہ ہی رائے پاس ہوئی تھی **او یخرجوک** اس میں ہشام ابن عمرو کی رائے کی طرف اشارہ ہے کہ حضور انور کو اونٹ پر سوار کر کے مکہ سے نکال دیا جاوے جیسا کہ ابھی شان نزول میں بیان ہوا یہ رائے بھی شیخ نجدی یعنی ابلیس نے رد کر دی تھی **و یمکرون و یمکر اللہ** اس فرمان عالی میں ان سب کی تدبیروں کی کمزوری اور رب تعالیٰ کی تعبیر کی قوت کا ذکر یعنی وہ سب تو اپنی سی تدبیریں سوچتے تھے جیسے خود کمزور شیطان کمزور اس کی رائے کمزور **ان کید الشیطان ضعیفا** ادھر اے محبوب آپ کی حمایت میں آپ کے بچانے میں آپ کی حفاظت میں یا کفار کی ہلاکت میں ہم خفیہ تدبیر فرمارہے تھے اس میں گفتگو ہے کہ رب کی اس تدبیر سے کون سی تدبیر مراد ہے 1- اس سے مراد ہے حضور انور کو بروقت ان کی سازشوں کی خبر دینا 2- یا حضور انور کو گھیرا ڈالنے والوں کی جماعت کے بیچ سے صحیح سلامت نکال لینا 3- یا غار ثور کے دروازے پر مکڑی کا جالا کبوتری کے انڈے لگا دینا- 4- یا بدر میں کفار مکہ کو میدان بدر کی طرف پہنچا دینا 5- یا بدر کی جنگ سے پہلے کفار کی نگاہ میں مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی نظر میں کفار مکہ کو تھوڑا کر دکھانا **و یقللکم فی اعینهم** 6- بدر میں دو بچوں کے ہاتھوں ابو جہل کو قتل کرا دینا 7- غزوہ احزاب یعنی خندق میں تیز ہوا کے ذریعہ کفار کا سارا لشکر تتر بتر فرمادینا وغیرہ ہو سکتا ہے کہ یہ سارے ہی واقعات مراد ہوں (از روح المعانی) **واللہ خیر الماکرین** یہ جملہ نیا ہے یہاں خیر بمعنی بہتر نہیں بلکہ یا تو بمعنی قوی ہے مقابل ضعیف کا یا خیر مقابل ہے شر کا **الماکرین** میں الف لام یا تو استغراقی ہے یعنی سارے فریب کرنے والوں سے اللہ قوی ہے وہ بہت کمزور ہیں یا عہد خارجی ہے اور مراد وہی دار الندوہ میں جمع ہونے والے سازشی کفار ہیں یعنی وہ سب تدبیریں سوچنے والے بدترین خلق ہیں کہ محبوب کے خلاف تدبیریں سوچتے ہیں ہم خیر

www.alahazratnetwork.org

ہیں ہمارے سارے کام خیر ساری تدبیریں خیر کہ ہم محبوب کی حمایت و حفاظت میں تدبیریں خفیہ فرماتے ہیں لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے (خازن)

خلاصہ تفسیر: اے محبوب ﷺ ہم آپ پر اور آپ کی طفیل آپ کی امت پر بڑے ہی فضل و کرم فرمانے والے ہیں آپ اس کے ثبوت میں اپنی امت کو وہ وقت یاد دلاؤ جب آپ کے خلاف سرداران قریش بلکہ ان کے ساتھ ان سب کا استاد مورث اعلیٰ ابلیس مکر تدبیریں سوچتے تھے کوئی کہتا تھا کہ آپ کو قید کر دیں یا آپ کو باندھ دیں کوئی کہتا تھا کہ آپ کو قتل کر دیں کوئی کہتا تھا کہ آپ کو دیس نکالا دے دیں غرضکہ اپنی اپنی سی تدبیریں وہ تو آپ کے خلاف سوچ رہے تھے اور آپ کا رب آپ کے متعلق حفاظتی تدبیریں فرما رہا تھا آپ نے دیکھ لیا کہ وہ کمزور تدبیروں والے تھے ہم قوی اور قوی تدبیر والے کہ ہم نے آپ کو کس شان سے انکی بھیڑ میں سے نکالا اور غار ثور جانے کے ذریعہ بچالیا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** شیطان اگرچہ سارے جہاں پر نظر رکھتا ہے مگر اس کا ہیڈ کوارٹر علاقہ نجد ہے یعنی وہ نجد میں رہتا ہے یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ خود اس نے اپنے کو شیخ نجدی کہا اپنا پتہ خود بتایا حضور انور ﷺ نے نجد کے متعلق ارشاد فرمایا **وھنالک تطلع قرن الشیطان** وہاں سے شیطان کا گروہ یا شیطان کا سینگ نکلے گا۔

لطیفہ: سینگ والے جانور کے سارے جسم میں سینگ ہی سخت تر ہوتے ہیں اسی طرح یہ قرن الشیطان خود شیطان سے سخت تر ہیں کہ وہ تو کہہ چکا **الا عبادک منھم المخلصین** میں تیرے بندوں کو نہیں بہکا سکوں گا مگر یہ قرن الشیطان ہمیشہ ان مخلصین کے پیچھے ہی پڑے رہتے ہیں وہ مخلصین سے مایوس ہے یہ لوگ مایوس نہیں نیز سینگ والا جانور جب کسی سے لڑتا ہے تو انہیں قرن الشیطان کو آگے لگاتا ہے خود پیچھے سے زور لگاتا ہے دیکھو بدر وغیرہ میں کفار مکہ کو مشورے دے کر الگ ہو گیا کفار کو آگے کر دیا نیز یہ جانور جب کہیں داخل ہوتا ہے تو پہلے اپنے سینگ داخل کرتا ہے پھر باقی جسم یوں ہی جب شیطان دوزخ میں جائے گا تو پہلے انہیں قرن الشیطان کو داخل کرے گا پھر سب سے آخر میں خود جائے گا حضور انور کے سارے فرمان ہزارہا حکمتوں پر مبنی ہوتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** شیطان اپنے پیروکاروں کی امداد کرتا ہے کہ انہیں مشورے وغیرہ دیتا ہے کبھی دیکھنے میں بھی آتا ہے یہ فائدہ بھی اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ کے پاس شیطان شیخ نجدی بن کر آیا لہٰذا ضروری ہے کہ اللہ کے مقبول بندے اپنے غلاموں کی ہر وقت مدد کریں بلکہ کبھی اپنی زیارت بھی کرا دیتے ہیں ابھی 1965ء کی جنگ پاکستان و ہندوستان کے موقعہ پر غازیان اسلام نے حضرت امام حسین 'داتا گنج بخش کو غازیوں میں دیکھا خود حضور انور اس جہاد میں تشریف فرما تھے جیسا کہ اسی زمانہ کے اخبارات میں شائع ہوا تھا جنگ بدر میں ملائکہ امداد کے لئے آئے اور کیوں نہ ہو کہ راہزن کے توڑ کے لئے راہبر کا زور ضروری ہے ورنہ ہم کمزور بندے کیسے پار لگیں۔

کیوں کہوں بیکس ہوں میں کیوں کہوں بے بس ہوں میں
تم ہو میں تم پر فدا تم پہ کروڑوں درود!

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ: کفار کفر میں ابلیس کے ساتھ ہیں ان کا درجہ مقام ایک ہے یہ فائدہ **الذین کفروا** سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں ابلیس اور کفار قریش کو ایک الذین اور ایک کفروا سے بیان فرمایا اس طرح انشاءاللہ حضور انور کے دامن کرم میں حضور کے غلام رہتے ہیں۔ رب تعالیٰ دنیا و دین میں ان کے غلاموں کو ان سے جدا نہ کرے گا۔

عاصیان وابستہ دامان تو اے پناہ ما غریباں السلام
اے زہ قسمت کہ تو برما حریص جملہ عالم برتو قرباں السلام

چوتھا فائدہ: کفار ہمیشہ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں جب وہ حضور انور سے باز نہ رہے تو دوسروں کا کیا کہنا یہ فائدہ **وافیمکر بک** سے حاصل ہوا مسلمان کبھی ان سے غافل نہ رہیں۔ **پانچواں فائدہ:** اب یہ آیت کریمہ دشمن کے مقابل بہت کام آتی ہے دشمنوں میں گھرا ہوا انسان اس آیت کی برکت سے ان کے زغہ سے نکل جاتا ہے **وجعلنا من بین ایدیھم۔(الی) فاغشیناھم فھم لا یبصرون** اس فقیر نے اس بار یعنی 1369ء کے حج کے موقع پر اچھی طرح آزمایا۔ **چھٹا فائدہ:** نبی کے خلاف ان کے دین کے خلاف سازشیں کرنا شیطانی لوگوں کا کام ہے نبی کی خدمت ان کی حفاظت ان کے دین کی حفاظت ان کی عزت و حرمت کے لئے تدبیریں کرنا رحمان اور رحمانی لوگوں کی سنت ہے یہ فائدہ **یمکرون** اور **یمکر اللہ** سے حاصل ہوا یہ دونوں سنتیں تاقیامت جاری رہیں گی **اولئک حزب الشیطان** اور **اولئک حزب اللہ** سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ حزب اللہ یعنی رحمانی نور میں رکھے آمین۔

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید این دو طاقت از ازل آمد پدید

نبی پر تیر نہ چلاؤ۔ نبی کی جانب سے تیر چلاؤ اپنا علم و فکر زور قلم نبی پر صرف نہ کرو بلکہ نبی کی طرف سے کفار کے مقابل صرف کرو۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔

فان ابی ووالدتی و عرضی بعرض محمد منکم وقاء

ساتواں فائدہ: اگر سب مل کر رب کا مقابلہ کریں تو سب فیل ہوں گے رب کی تدبیر غالب رہے گی یہ فائدہ **واللہ خیر الماکرین** سے حاصل ہوا دیکھو کفار کی تلوار نے حضور انور کا کچھ نہ بگاڑا اور مکڑی کے جالے کبوتری کے انڈے نے حضور کی حفاظت کرلی کیونکہ یہ رب کی تدبیر کا مظہر تھی یوں ہی جس کو حضور انور اپنے دامن میں لے لیں دنیا والے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔

ڈھونڈھا ہی کریں صدر قیامت کے سپاہی وہ کس کو ملے جو ترے دامن میں چھپا ہو!

آٹھواں فائدہ: امانت خواہ دوست کی ہو یا دشمن کی یا قاتل خونخوار کی اس کا ادا کرنا شرعاً واجب ہے دیکھو حضور ﷺ نے حضرت علی کو ہجرت میں اپنے ساتھ نہ لیا تاکہ وہ ان خون خواروں دشمنوں کی امانات ادا کرکے آویں جو ان کی امانتیں حضور انور کے پاس تھیں غنیمت اور چیز ہے قرض اور امانت دوسری چیز۔ **نواں فائدہ:** حضور ﷺ اللہ کے فضل سے ایسے کریم امین ہیں کہ دشمن بھی آپ کو امین مانتے تھے اپنی امانتیں حضور کے پاس رکھتے تھے دیکھو یہی خونخوار دشمن جو حضور انور کے خون کے پیاسے تھے قتل کے درپے تھے انکی امانتیں اس وقت بھی حضور کے پاس تھیں حضور کو صادق الوعد امین کہتے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: کفار کا مکر اور رب کا اپنے محبوب کو بچانا گزشتہ زمانہ میں ایک بار ہو چکا تھا پھر اسے **یمکر** حال کے صیغہ سے کیوں ارشاد فرمایا۔ **جواب**: اس جیسے موقعہ پر مضارع ۔ معنی ماضی استمراری ہوتا ہے یعنی وہ مکر کرتے تھے اللہ بچاتا تھا لہذا یہ فرمان بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض**: یہ واقعہ ماضی میں صرف ایک دفعہ ہوا تو ماضی استمراری بھی کیونکر درست ہوئی وہ تو دوام و ہمیشگی چاہتی ہے پھر معنی استمراری بھی کیونکر درست ہوئے۔ **جواب**: اسی رات کفار کے مکر بار بار اور طرح طرح کے ہوئے رب تعالیٰ کی حفاظتی تدبیریں بھی بار بار اور طرح طرح کی ہوئیں اس لئے استمرار درست ہوا اولاً حضور کے خلاف مشورہ کرنا اور رب تعالیٰ کا اپنے حبیب کو اس کی اطلاع دے دینا پھر حضور انور کا گھر گھیر لینا ادھر رب کا اپنے حبیب کو انکی بھیڑ میں سے سلامت نکال لینا پھر کفار کا حضور انور کی تلاش میں غار ثور تک پہنچ جانا ادھر رب کا اپنے حبیب کو بذریعہ جالے اور انڈوں کے بچا لینا پھر حضرات سراقہ ابن مالک کا حضور انور تک پہنچ جانا ادھر رب کے حکم سے زمین کا گھوڑے کو کمر تک دھنسا لینا پھر حضور انور کے حکم شاہانہ سے زمین کا ان کو چھوڑنا حضور انور کا انہیں کسریٰ شاہ فارس کے کنگن عطا فرمانا یہ سب دو طرفہ یعنی شیطانی اور رحمانی تدبیریں تو تھیں جو مسلسل جاری رہیں لہذا ماضی استمراری بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا **واللہ خیر الماکرین** اللہ کی تدبیر ان کی تدبیروں سے زیادہ بہتر ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کفار کی تدبیریں بھی اچھی تھیں مگر رب کی تدبیر زیادہ اچھی حالانکہ کفار کی تدبیریں بہت بری تھیں پھر آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب**: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں خیر یا تو ۔ معنی قوی اور مضبوط ہے اس کا مقابل ضعیف اور کمزور ہے یا خیر مقابل شر کا ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے **ان کید الشیطن کان ضعیفا** لہذا آیت کریمہ بالکل واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کفار کی تدبیریں ظلم و باطل ہیں اللہ واحد قہار کی تدبیریں حق و صواب ہیں کفار کی تدبیریں حیلہ اور عجز ہیں خالق کی تدبیریں حکمت و قدرہیں لہذا خلق کی تدبیریں خالق کی تدبیروں کے مقابل زائل و باطل ہیں رب کی تدبیریں دائم و قائم ہیں۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

سحر با معجزہ پہلو نہ زند ایمن باش　　　سامری کیست کہ دست از ید بیضا ببرد

دوسرے نے کہا۔

صعوہ کو با عقاب سازو جنگ　　　دہد از خون خود پرش رارنگ

حضور کی ہجرت کے موقع پر سب ایک جانب تھے یعنی حضور انور کی دشمنی پر۔ رب حضور کی حمایت پر۔ سب مغلوب رہ گئے ابو جہل نے حضور انور کو قتل کرنا چاہا خود بدر میں قتل کیا گیا نہایت ذلت و خواری سے اور مسلمان اس کے شر سے بچا لئے گئے اللہ کے دوستوں دشمنوں کے یہ رنگ تاقیامت رہیں گے کہ دشمن مکر و فریب کرتے رہیں گے رب تعالیٰ انہیں بچاتا رہے گا۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا قَالُوْا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَآءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هٰذَآ ۙ
اور جب تلاوت کی جاتی ہیں اوپر ان کے آیتیں ہماری تو کہتے ہیں بے شک سن لیں ہم نے اگر چاہیں ہم تو البتہ
اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جائیں تو کہتے ہیں ہاں ہم نے سنا ہم چاہتے تو ایسی ہم بھی کہہ دیتے

www.alahazratnetwork.org

إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣١﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَٰذَا هُوَ

تحقیق کہہ لیں ہم مثل اس کے نہیں ہیں یہ مگر کہانیاں اگلوں کی اور جب کہا انہوں نے اے اللہ اگر ہو یہ ہی پاس سے

یہ تو نہیں مگر اگلوں کے قصے اور جب بولے کہ اے اللہ اگر یہی (قرآن) تیری طرف سے حق ہے

الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِنَ السَّمَاءِ أَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٣٢﴾

تیرے پس برسا دے اوپر ہمارے پتھر طرف سے آسمان کے یا لا ہم پر عذاب دردناک

تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا یا کوئی دردناک عذاب ہم پر لا

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں کفار عرب کے اس مکر و فریب کا ذکر ہوا جس کا تعلق حضور انور کی ذات کریمہ سے تھا۔ قید، قتل وغیرہ اب انہیں کافر کے اسی مکر و فریب کا ذکر ہے۔ جس کا تعلق حضور انور کے دین سے ہے یعنی لوگوں کے دلوں میں قرآن و اسلام کی طرف سے شبہات ڈالنا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیت کریمہ میں صاحب قرآن ﷺ کے خلاف مکر کا ذکر تھا اب خود قرآن مجید کے خلاف مکر کا ذکر ہو گویا قرآن ناطق (حضور ﷺ) پر فریب کے بعد اس خاموش قرآن کے خلاف فریب کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**: گزشتہ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ایمان و تقویٰ سے فرقان ملتا ہے۔ جس سے انسان حق و باطل میں فرق و تمیز کر سکے اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے کہ ان کے بغیر بجائے فرقان کے طغیان و کفران ملتا ہے دیکھو کفار مکہ کو نہ تو قرآن ماننے کی توفیق ملی نہ صحیح دعا مانگنے کی کہ بجائے ہدایت کے عذاب مانگنے لگے۔

شان نزول: ان دونوں آیتوں کے شان نزول علیحدہ ہیں پہلی آیت کا شان نزول یہ ہے کہ قبیلہ بنی عبدالدار میں ایک شخص تھا نضر ابن حارث ابن علقمہ جو بسلسلہ تجارت فارس و روم حیرہ (علاقہ کوفہ) وغیرہ جایا کرتا تھا اور وہاں اہل فارس کو رستم اسفندیار وغیرہم کے قصے کہتے سنتے دیکھا کرتا تھا اس نے وہ قصے یاد کئے اور وہاں سے کتاب کلیلہ دمنہ وغیرہ خرید کر ساتھ لایا نیز اس نے یہود نصاریٰ کو سجدے سجود عبادات کرتے دیکھا تو مکہ معظمہ آکر کفار سے بولا کہ محمد مصطفیٰ ﷺ تم کو قوم عاد و ثمود کے قصے سناتے ہیں آؤ میں تم کو رستم اسفندیار کے قصے سناؤں وہ تم کو قرآن دکھاتے ہیں دیکھ لو میرے پاس کلیلہ دمنہ کی کتاب ہے وہ اپنی امت کو رکوع سجود کا حکم دیتے ہیں میں یہود و نصاریٰ کو یہ کام کرتے دیکھ کر آیا ہوں اگر یہ برحق ہیں تو میں اور یہود و نصاریٰ بھی برحق ہیں اس کی تردید میں پہلی آیت **واذا تتلی علیهم** نازل ہوئی (تفسیر خازن، روح البیان، معانی، کبیر، مدارک، بیضاوی وغیرہ) 2- جب نضر بن حارث نے یہ بکواس کی تو حضرت عثمان ابن مظعون نے اس سے کہا کہ بدنصیب اللہ سے ڈر و محمد مصطفیٰ ﷺ بالکل حق فرماتے ہیں وہ سچے ہیں ان کا کلام بھی سچا تو نضر بولا کہ میں بھی سچا ہوں اور میرا یہ کلام بھی سچا وہ کہتے ہیں لا الہ الا اللہ میں بھی کہتا ہوں لا الہ الا اللہ ہاں کہتا ہوں کہ ملائکہ بنات اللہ یعنی فرشتے اللہ کی لڑکیاں ہیں پھر بولا کہ الٰہی اگر قرآن اور محمد مصطفیٰ ﷺ کے فرمان سچے ہیں تو مجھ پر اور میری قوم پر مثل قوم لوط کے آسمانی پتھر برسا دے یا قوم صالح و قوم ہود کی طرح کا عذاب بھیج دے اس

www.alahazratnetwork.org

کی اس دعا پر دوسری آیت کریمہ **واذقالوا اللھم** نازل ہوئی (خازن' بیضاوی' کبیر' روح البیان وغیرہ) خیال رہے کہ نضر ابن حارث وہ بد بخت ازلی کافر ہے۔ جس کے متعلق قرآن کریم میں دس سے زیادہ آیتیں نازل ہوئی یہ دو آیتیں اور آیت کریمہ سال سائل بعذاب واقع وغیرہ۔ غزوہ بدر میں تین شخصوں کو حضور انور نے قتل کیا طعمہ ابن عدی' عقبہ ابن ابی' معیط' نضر ابن حارث یعنی اس کا نہ مانگا عذاب اس پر بدر میں نازل ہوا جو مانگا وہ پایا (خازن وغیرہ) بعض روایات میں ہے کہ یہ دعا ابو جہل نے مانگی تھی بعض مفسرین نے کہا کہ یہ دعا بہت قریشیوں نے مانگی ہو سکتا ہے کہ نضر ابن حارث نے اولاً" یہ دعا کی ہو پھر اسکی دیکھا دیکھی ابو جہل نے پھر اسے دیکھ کر دیگر قریش نے (از روح البیان)۔

تفسیر: **واذا تتلی علیھم ایاتنا** یہ نیا جملہ ہے اذا ظرفیہ معنی شرط ہے **علیھم** سے مراد نضر ابن حارث اور اس کی قوم کفار ہیں آیات سے مراد قرآنی آیات ہیں حضور نبی کریم ﷺ اور حضرات صحابہ مسلمانوں کو بھی قرآن سناتے تھے اور کفار کو بھی اور سب کو بھی یہاں دوسری تلاوت مراد ہے یعنی کفار کے سامنے انہیں سنانے کے لئے تلاوت قرآن اتنی عبارت شرط ہے **قالوا قدسمعنا** یہ اس کی جزا ہے اگرچہ یہ کلام صرف نضر ابن حارث کا تھا مگر چونکہ وہ اپنی قوم کا پیشوا تھا وہ سب اس کے اس قول سے راضی تھے اس لئے **قالوا** جمع ارشاد ہوا یعنی ان سب نے یہ کہا **قدسمعنا** میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ اے مسلمانو ہم کو بار بار قرآن کیوں سناتے ہو ہم نے سن لیا اب نہ سناؤ ہم ایمان لانے والے نہیں دوسرے یہ کہ ہم نے قرآن جیسے قصے کہانیاں فارس میں سن لئے ہیں اب ہم کو ان کے سننے کی ضرورت نہیں رستم اسفندیار کلیلہ دمنہ کے قصے تمہارے قرآن کے قصوں سے مزے دار ہیں **لو نشاء لقلنا مثل ھذا** یہ نضر کی دوسری بکواس ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا بے مثال کلام نہیں اس کی مثل بن سکتی ہے ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں یہ محض اس کی شیخی تھی ورنہ حضور انور نے دس سال تک سارے کفار کو للکارا کہ **ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ** مگر ان کا حال یہ تھا کہ۔

ترے آگے یوں ہی لپے دبے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کے کوئی منہ میں زباں نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں!

ان سب نے مل کر قرآن کی ایک سورۃ کی مثل نہ بن سکی مثل بھی صرف ظاہری یعنی قرآن جیسی فصیح و بلیغ عبارت اس کا باطنی مثل غیبی خبریں' انوار' اسرار' ہدایت' سوز و گداز وغیرہ میں مثل اس کے تو وہ قریب بھی نہ پہنچ سکتے تھے نضر کا مطلب یہ ہے کہ ہم سے اب تک اس کی مثل اس لئے نہ بنی کہ ہم نے بنانا چاہا ہی نہیں اگر چاہ لیتے تو بنا لیتے۔ **ان ھذا الا اساطیر الاولین** اس کا یہ کلام یا تو نیا ہے۔ جس میں قرآن مجید کو عیب لگایا گیا ہے کہ یہ گویا ناول ہے پرانوں کے پرانے دل چسپ قصے یا **لقلنا مثل ھذا** کی دلیل ہے یعنی چونکہ یہ محض قصے ہیں رستم و اسفندیار کے قصوں کی طرح اس لئے میں بھی اس جیسی کتاب بنا سکتا ہوں قصے کہانیاں بنا لینا گھڑ لینا کیا مشکل ہے نعوذ باللہ اساطیر جمع ہے اسطورہ کی جس کا مادہ سطر ہے سطر کا ترجمہ ہے لائن' صف جیسے درختوں کی' نمازیوں کی' غازیوں کی' کتب کی سطر اس کی جمع اسطر' سطور' اسطار ہے اور جمع کی جمع اساطیر ہے جیسے احدوثہ کی جمع احادیث یا اکذوبہ کی جمع اکاذیب ہے (روح المعانی' صاوی) اولین سے مراد حضور انور سے پہلے گذرے ہوئے لوگ ہیں یعنی قرآن مجید میں غیبی خبریں نہیں بلکہ گذرے ہوؤں کے قصے کہانیاں ہیں **واذقالوا اللھم** یہ ان کا دوسرا کلام ہے پہلے کلام میں خطاب

مسلمانوں سے تھا اس کلام میں بظاہر خطاب رب سے ہے مگر در حقیقت سنانا ہے مسلمانوں کو اور اپنی قوم کفار کو تاکہ مسلمان قرآن مجید کی طرف سے شک میں پڑ جائیں اور کفار کفر پر خوف جم جاویں کہ واقعی اگر قرآن حق ہوتا تو اس دعا پر انکاری لوگوں پر عذاب کیوں نہ آجاتا۔ خدا کی پناہ شیاطین کے دھوکوں سے **ان کان ھذا ھو الحق** یہ عبارت اللھم کا مقصد دعا ہے اس میں ان شرطیہ ہے کان فعل ناقصہ ھذا اس کا اسم ھو صرف فاصلہ کے لئے ضمیر فصل ہے الحق کان کی خبر ایک قراءۃ میں ھو الحق ہے حق کے پیش سے تب ھو مبتداء ہے الحق اسکی خبر پھر جملہ کان کی خبر ھذا سے اشارہ ہے قرآن مجید کی طرف ھو کی زیادتی سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اے اللہ اگر یہ قرآن ہی حق ہے ہماری کتابیں جھوٹی یا اگر یہ اسلام ہی حق ہے ہمارا دین جھوٹا **من عندک** یہ عبارت الحق کا حال یا اس کی صفت ہے اس سے پہلے **نازلا** "یا **ثابتا**" پوشیدہ ہے عند سے مراد مکانی نزدیکی نہیں یعنی اگر یہ قرآن سچا ہے تیری طرف سے نازل شدہ یا اگر اسلام برحق ہے تیری طرف سے تو **فامطر علینا حجارۃ من السماء** یہ ان کان کی جزاء ہے اس کی علت پوشیدہ **لانا لم نومن بہ** یعنی تو ہم پر آسمان سے غیبی پتھر برسا دے قوم لوط کی طرح کیونکہ ہم اس پر ایمان نہیں لائے اور پچھلی قومیں جب اپنے نبیوں ان کی کتابوں پر ایمان نہیں لاتے تھے تو ان پر غیبی عذاب آجاتے تھے پتھر وغیرہ **او ائتنا بعذاب الیم** یہ معطوف ہے **فامطر علینا** پر عذاب الیم سے مراد ہے غیبی پتھروں کے سواء اور کوئی سخت عذاب جیسے زلزلہ، غیبی چیخ، طوفان باد و باراں مسخ صورت جیسے پچھلی امتوں پر آئے یعنی یا تو ہم پر قوم لوط کی طرح پتھر برسا دے یا کوئی اور دردناک عذاب قوم شعیب قوم صالح قوم ھود کی طرح بھیج دے اس دعا سے ان کے دو مقصد تھے ایک تو اپنی قوم کو اپنا یقین اپنی پختگی دکھانا کہ ہم کو اپنے مذہب کی حقانیت اسلام کے بطلان پر پورا پورا یقین ہے دوسرے مسلمانوں کو شبہات میں ڈالنا اپنی قوم کو کفر پر جمانا کہ ان کے دلوں میں یہ بس جاوے کہ اگر قرآن مجید یا اسلام برحق ہوتا تو ان کے کفار پر ضرور ضرور عذاب آجاتے کیونکہ مکہ معظمہ کی دعا قبول ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان کفار خصوصاً نضر ابن حارث وغیرہم کی ڈھٹائی کا یہ حال ہے کہ اب ان کے سامنے ہماری آیات قرآنیہ تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان جیسے قصوں کہانیوں کی کتابیں بہت سنی ہیں ہم تو فارس و روم وغیرہ جاتے رہتے ہیں ایسی کہانیوں سے ہمارے کان بھرے ہوئے ہیں قرآن مجید میں کوئی کمال نہیں اگر ہم چاہتے تو اب تک ایسی کتاب ہم بھی بنا لیتے ہم نے اب تک چاہا ہی نہیں قرآن مجید کو قابل توجہ سمجھا ہی نہیں ایسی کتاب بنائی ہی نہیں کیونکہ یہ کتاب پرانی کہانیوں کا مجموعہ ہے گویا ایک ناول ہے۔ جس میں پچھلے لوگوں کی کہانیاں ہیں وہ وقت بھی یاد رکھیں جب کفار مکہ بولے کہ الٰہی اگر یہ قرآن برحق ہے تیری طرف نازل ہوا ہے اور ہم نے اسے مانا نہیں تو ہم پر بھی وہی عذاب بھیج جو ان قوموں پر آئے ہم پر آسمانی پتھر برسا یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر نازل فرما یہ سب کچھ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لئے تھا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** قرآن مجید صرف مسلمانوں کو ہی نہ سنایا جائے بلکہ کفار فساق و دشمنان دین کو بھی سنایا جاوے وہ مانیں یا نہ مانیں کہ اس میں تبلیغ بھی ہے اور کفار پر اتمام حجت بھی یہ فائدہ **واذا تتلی علیھم** سے حاصل ہوا کہ **علیھم** کا مرجع کفار ہیں جو اسلام سے سخت متنفر تھے مگر حضرات صحابہ بلکہ خود نبی کریم ﷺ انہیں قرآن سناتے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** قرآن مجید سے سیر ہو جانا طریقہ کفار ہے اس کا مشتاق رہنا اس سے کبھی سیر نہ ہونا

www.alahazratnetwork.org

طریقہ مومنین یہ فائدہ **قد سمعنا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کا مطلب یہ ہو کہ ہم نے قرآن بہت سن لیا اب بس کرو مومن انشاء اللہ مرے بعد قبر میں بھی تلاوت کرے گا اس سے کبھی سیر نہ ہو گا بلکہ اس سے جنت میں کہا جاوے گا **اقرا فارتق** پڑھتا جا اور چڑھتا جا۔ **تیسرا فائدہ**: قرآن مجید کے متعلق یہ کہنا کہ ہم نے اسی جیسی کتابیں بہت سنی ہیں کفر ہے اور طریقہ کفار یہ فائدہ **قد سمعنا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کے معنی یہ ہوں کہ ہم نے فارس و روم میں اس جیسے قصے بہت سنے ہیں۔ قرآن مجید بے مثل کتاب ہے۔ **چوتھا فائدہ**: کافر بہت شیخی خورہ اور نرا ناکارہ ہوتا ہے زبان کا تیز عمل کا ناکارہ یہ فائدہ **لو نشاء لقلنا مثل ھذا** سے حاصل ہوا سارے کفار عرب مل کر بھی ایک آیت قرآن مجید کی مثل نہ بنا سکے مگر کہتے یہ ہی رہے کہ اگر ہم چاہتے تو سارے قرآن کی مثل بنا دیتے ہم نے چاہا ہی نہیں۔ **پانچواں فائدہ**: قرآن مجید کے صرف الفاظ دیکھنا اس کے صرف ظاہری قصوں پر نظر کر کے دوسری کتابوں کو اس کی مثل کہنا کسی ظاہری باطنی بے مثل خوبیوں میں غور نہ کرنا کفر ہے اور کفار کا طریقہ یہ فائدہ **ان ھذا الا اساطیر** سے حاصل ہوا یوں ہی حضرات انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء کے ظاہری حالات کھانے پینے وغیرہ کو دیکھ کر ان کی ہمسری کا دعویٰ کرنا۔ مومن حضور کے اندرونی صفات عالیہ بے مثالیہ میں غور کر کے پکارتا ہے۔

تجھے ایک اللہ نے اک بنایا تو ہر وصف میں لا شریک لہ ہے

یہ ہی بولے سدرہ والے دونوں جہاں کی تھالے کبھی میں نے دیکھ ڈالے ترے پایہ کا نہ پایا

تجھے اس نے اک بنایا

چھٹا فائدہ: کافر دعا بھی اوندھی ہی مانگتا ہے اسے مانگنا بھی نہیں آتا دیکھو نضر ابن حارث نے دعا کیا مانگی کہ الٰہی اگر قرآن حق ہے تو ہم پر پتھر برسا عذاب دردناک بھیج مانگنا یوں چاہئے تھا کہ اگر قرآن حق ہے تو ہم کو اس کے ماننے کی توفیق و ہدایت دے رب تعالیٰ درست مانگنے کی بھی توفیق دے مومن دعا یوں مانگتا ہے۔

جو دل بخشا ہے مولیٰ بخش دے الفت محمد کی جو آنکھیں دی ہیں دکھلا دے مجھے صورت محمد کی

ساتواں فائدہ: کافر پہلے بارگاہ رسالت میں بے ادب اور ڈھیٹ بنتا ہے پھر بارگاہ الٰہی میں دیکھو کفار عرب پہلے تو حضور انور سے کہتے تھے کہ اگر آپ سچے نبی ہیں تو ہم پر عذاب لائیں پھر بڑھ کر رب سے یہی کہہ بیٹھے **او ائتنا بعذاب الیم** حضور کے بے ادب کبھی بھی رب تعالیٰ کا باادب نہیں ہو سکتا یوں ہی انسان پہلے حضور کا ادب کرتا ہے پھر یہ ادب رب کے ادب تک پہنچتا ہے حضور انور کا ادب والا کبھی خدا تعالیٰ کا بے ادب نہیں ہو سکتا۔ **آٹھواں فائدہ**: بد نصیب آدمی اللہ تعالیٰ کی ڈھیل حضور ﷺ کی رحمت سے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے خوش نصیب ان چیزوں سے بہت ہی فائدہ اٹھاتا ہے نضر ابن حارث کو یہ خبر تھی کہ حضور انور رحمت عالمین ہیں آپ کے ہوتے عذاب الٰہی نہیں آتا اس رحمت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بد دعا کی کہ مولیٰ ہم پر پتھر برسا وہ جانتا تھا کہ عذاب الٰہی آتا نہیں میری بات بن جائے گی مگر انجام یہ ہوا کہ بدر میں کتے کی موت مارا گیا۔ انسان کو چاہئے کہ موقعہ غنیمت جانے جو کرنا ہے نیک اعمال جلد کرے نہ معلوم کب موقعہ ہاتھ سے نکل جائے۔ **نواں فائدہ**: اپنے لئے بد دعا کرنا عذاب مانگنا طریقہ کافر ہے مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ اچھی دعا کرے کلمہ نیک منہ سے نکالے یہ فائدہ **فامطر علینا** سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہو البعض لوگ اپنی جان' اولاد' مال کے لئے بد دعائیں کرتے ہیں یہ سخت ممنوع ہے ممکن ہے کہ وقت قبولیت کا ہو اور بد دعا لگ جاوے۔

پہلا اعتراض: جب نضر ابن حارث اپنی اور اپنی قوم کی بے بسی برابر دیکھ چکا تھا کہ سارا عرب قرآن مجید کے مقابلہ سے بکسر عاجز ہے تو پھر کیسے کہتا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو اس کی مثل بنالیں یہ بات تو بالکل خلاف واقعہ تھی۔ **جواب:** محض ڈھٹائی اور بے حیائی سے حیاء و شرم تو ایمان سے ملتی ہے جب ایمان نہیں تو یہ ربانی نعمتیں کیسے ملیں۔ **دوسرا اعتراض:** قرآن مجید فرماتا ہے **یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم** مشرکین قریش حضور انور کو ایسا پہچانتے ہیں جیسا اپنے بیٹوں کو جب انہیں خبر تھی کہ حضور سچے نبی قرآن مجید سچی کتاب ہے پھر وہ اس بد دعا کی ہمت کیسے کرتے تھے کہ ہم پر پتھر برساوے۔ **جواب:** وہ لوگ یہ بھی جانتے تھے کہ حضور رحمت عالمین ہیں آپ کی موجودگی میں دنیاوی عذاب نہیں آسکتا اس اطمینان پر یہ بد دعائیں کرکے لوگوں کو اپنی حقانیت سمجھاتے تھے ان کی بد دعائیں انکی معرفت کی دلیلیں ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** کفار قریش نبیوں ان کی قوموں ان پر عذابوں کے تو قائل تھے ہی نہیں پھر وہ ایسے عذاب کیوں مانگتے تھے جو ان قوموں پر آئے تھے۔ **جواب:** کفار عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے نبیوں ان کی امتوں ان پر آئے ہوئے عذابوں سے خبردار تھے اس لئے بد دعائیں کرتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: کفار دعوی کرتے تھے کہ ہم نے قرآن سن لیا مگر در حقیقت وہ کچھ نہیں جانتے تھے اگر سنتے تو یہ نہ کہتے کہ قرآن قصے کہانیوں کا مجموعہ ہے قرآن سنا تھا جنات نے جو پکار اٹھے کہ ہم نے وہ قرآن سنا جو **یھدی الی الرشد** قرآن سننے کے لئے کان میں ایمان کی طاقت چاہئے یوں ہی حضور انور کی صحیح معنی سے دیکھنے کے لئے ایمان والی آنکھ چاہئے یوں ہی اس کے مقابلہ کا دعوی کرنا محض جھوٹ ہے کہ نہ خدا کی مثل کچھ ہے نہ اس کی صفات کی مثل قرآن کلام الہی صفت الہی ہے اس کی مثل کیسی نہ قرآن کی مثل ممکن ہے نہ قرآن والے محبوب کی مثل ممکن ہے اسی ناسمجھی کی وجہ سے وہ اپنے لئے بد دعائیں کرتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

چوں کتاب للہ بر آمدھم بر آں ... ایں چنیں طعنہ زدند آں کافراں
کہ اساطیر است و افسانہ نژند ... نیست تعمیقی و تحقیق بلند!
کو دکان خرد فہمش مے کنند ... نیست جز امر پسند و ناپسند
ذکر یوسف ذکر زلف پر خمش ... ذکر یعقوب و زلیخا و غمش
ظاہر است و ہر کسی پے برو ... کو بیاں کہ گم شود دروی خرد

جیسے جانور یا نا سمجھ بچے کلام الفاظ و آواز میں سنتے ہیں اس کی تہہ تک نہیں پہنچتے یوں ہی کفار کلام کی تہہ تک نہیں پہنچتے وہ صرف یہ ہی سمجھتے ہیں کہ یہ یوسف زلیخا وغیرہ ہم قصوں کا مجموعہ کہانیوں کی کتاب ہے رب تعالی اپنے کلام کی بھی فہم عطا فرمادے۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ

اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے انہیں حالانکہ آپ ان میں ہیں اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا انہیں حالانکہ

اور اللہ کا کام نہیں کہ ان پر عذاب کرے جبتک اے محبوب تم ان میں تشریف فرما ہو اور اللہ انہیں عذاب

يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَمَا لَهُمْ اَلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللّٰهُ وَهُمْ يَصُدُّوْنَ عَنِ الْمَسْجِدِ

وہ بخشش مانگتے ہیں اور کیا ہے واسطے ان کے یہ کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ حالانکہ وہ روکتے ہیں حرمت

کرنے والا نہیں جبتک وہ بخشش مانگ رہے ہیں اور انہیں کیا ہے کہ اللہ ان پر عذاب نہ کرے وہ تو مسجد حرام

الْحَرَامِ وَمَا كَانُوْٓا اَوْلِيَآءَهٗ ۭ اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ

والی مسجد سے اور نہیں ہیں وہ دوست اس کے نہیں ہیں اس کے دوست مگر پرہیزگار اور لیکن بہت سے

سے روک رہے ہیں اور وہ اس کے اہل نہیں اس کے اولیاء تو پرہیزگار ہی ہیں مگر ان میں اکثر

لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

ان میں سے نہیں جانتے ہیں ۔

کو علم نہیں ۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کا اپنے لئے دعاء عذاب کرنے کا ذکر ہوا اب اس دعا کے نتیجہ کا ذکر ہے کہ ان کی یہ بددعا منظور نہ ہوئی گویا کفار کے عمل کے بعد رب تعالیٰ کے ردعمل کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار مکہ کے استحقاق عذاب کا ذکر تھا کہ وہ زمین حرم میں کعبۃ اللہ کے پاس کھڑے ہو کر اپنے لئے عذاب مانگتے ہیں اب اس کے باوجود عذاب نہ آنے کی وجہ کا ذکر ہے یعنی حضور انور کی ان میں موجودگی گویا بہت سے اسباب عذاب کے بعد ایک حفاظت عذاب کا ذکر ہوا جو ان سب پر غالب ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی سرکشی اللہ تعالیٰ پر امن کا ذکر تھا جو عین کفر بلکہ سب ہزار کفر ہیں اور کفر دنیاوی عذابوں کا سبب ہے ان کے بچاؤ کی وجہوں کا تذکرہ ہے یعنی حضور انور کی ان میں موجودگی اور دعاء و استغفار وغیرہ۔

تفسیر: وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں کفار مکہ کو عذاب سے مہلت دینے کا ذکر ہے **لیعذبھم** میں لام جحود کا ہے جو کان منفیہ کی خبر پر آتا ہے اگر **یکون بمعنی کان** ہو جاوے تب بھی اس کی خبر میں لام آجاتا ہے بعض کے نزدیک یہ لام زائدہ ہوتا ہے بعض کے نزدیک غیر زائدہ اصل عبارت یوں ہے **ماکان اللہ مرید الیعذبھم** اس عبارت کی چند تفسیریں ہیں۔ ۱۔ **لیعذبھم** اور **فیھم** دونوں ضمیریں کفار مکہ کی طرف ہیں اور حضور انور کے ان کفار میں ہونے کے معنی ہیں حضور کا بنفس نفیس ان میں تشریف فرما ہونا تو معنی یہ ہیں کہ جب تک آپ مکہ

www.alahazratnetwork.org

معظمہ میں تشریف فرما ہیں کفار پر عذاب نہ آوے گا آپ کے یہاں سے ہجرت فرمانے کے بعد ان پر عذاب بدر وغیرہ میں قتل وقید وغیرہ مسلط ہو گا مگر یہ تفسیر قوی نہیں کیونکہ کفار مکہ نے غیبی آسمانی عذاب مانگا تھا جیسے غیبی پتھر برسنا صورتیں تبدیل ہو جانا وغیرہ نہ کہ زمینی عادی عذاب۔ 2۔ یہ دونوں ضمیریں سارے مکہ والوں کی طرف لوٹتی ہوں اور ان میں حضور انور کے ہونے سے مراد ہو حضور کا بلاواسطہ ان میں ہونا یا بالواسطہ ان میں ہونا اس طرح کہ مسلمان وہاں رہیں اور عذاب سے مراد ہو غیبی آسمانی عذاب یعنی ہم مکہ والوں پر عذاب نہ بھیجیں گے جب کہ ان میں آپ یا آپ کے معتقد مومنین رہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا** اگر مکہ سے مسلمان نکل جاتے تو ہم ان پر عذاب بھیج دیتے۔ 3۔ ان دونوں ضمیروں سے مراد ہیں سارے تاقیامت انسان جن میں کفار مکہ بھی داخل ہیں اور حضور انور کے ان میں ہونے سے مراد ہے روحانی طور پر ان میں رہنا اور عذاب سے مراد ہے غیبی آسمانی عذاب جو پچھلی امتوں پر آئے یعنی ہم تاقیامت غیبی عذاب نہیں بھیجیں گے جبکہ اے محبوب آپ ان میں جلوہ گر ہیں کہ کوئی گھڑی آپ سے دنیا خالی نہیں ہر جگہ آپ موجود ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **یا ایھا الناس قد جاء کم برھان من ربکم** اور وہ آیت کہ **لقد جاء کم رسول**۔ یا **قد جاء کم من اللہ نور** وغیرہ فقیر کے نزدیک یہ تیسری تفسیر قوی تر ہے کیونکہ حضور انور کی تشریف آوری سے تاقیامت دنیا میں عام غیبی عذاب آنا بند ہو گئے ورنہ ہمارے گناہ گزشتہ عذاب والی قوموں سے کہیں زیادہ ہیں لہٰذا یہ فرمان عالی حضور انور کی رحمت عالم ہونے حضور کے ہر جگہ جلوہ فرما ہونے کی قوی دلیل ہے **وما کان اللہ معذبھم وھم یستغفرون** یہ عبارت معطوف ہے پہلے **ما کان اللہ** پر اس میں ان پر عذاب نہ آنے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے لیکن پہلے جملہ میں تاکید تھی جو اس میں نہیں کہ وہاں تھا **لیعذبھم** لام جحود اور مضارع کے ساتھ یہاں ہے **معذبھم** بغیر لام کے اور بجائے مضارع کے اسم فاعل اس فرمان عالی کی بھی چند تفسیریں ہیں۔ 1۔ **معذبھم** اور **وھم** دونوں ضمیریں کفار مکہ کی طرف ہیں اور استغفار سے مراد ہے خود ان کا اپنا استغفار پڑھنا یعنی اللہ انہیں عذاب دینے والا نہیں حالانکہ وہ ہم سے معافیاں مانگتے رہتے ہیں کیونکہ وہ طواف وحج اور دوسرے موقعوں پر استغفر اللہ یا سغفر اللہ کہا کرتے تھے مگر یہ تفسیر قوی نہیں کیونکہ کفار کی نہ عبادت قبول ہے نہ استغفار رب فرماتا ہے **وقدمنا الی ما عملوا من عمل فجعلناہ ھباء منثورا**" نیز جب وہ کفار خود اپنے منہ سے عذاب مانگ رہے تھے تو ان کی استغفار ختم ہو گئی نیز جب ان کی استغفار سے عذاب آخرت نہیں ہٹتا تو عذاب دنیا کیسے ہٹ سکتا ہے۔ 2۔ **معذبھم** کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے اور **ھم یستغفرون** کی ضمیر ان مومنوں کی طرف جو مکہ معظمہ میں رہتے سہتے اور رب تعالیٰ کی بارگاہ میں معافی مانگتے رہتے تھے چونکہ وہ مومنین بھی ان کفار کی قوم تھے انہیں میں رہتے سہتے تھے اس لئے ان کی استغفار کی برکت سے یہ بھی عذاب سے بچ گئے۔ 3۔ معذبھم کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے اور **ھم** کی ضمیر ان کی مومن اولاد کی طرف جو ابھی تک ان کے پشتوں میں تھی جو پیدا ہو کر ایمان لانے والی اور استغفار پڑھنے والی تھی اس لئے ان کا شمار انہیں میں ہوا۔ 4۔ یہ دونوں ضمیریں کفار مکہ کی طرف ہی ہیں مگر استغفار سے مراد ان میں سے اکثر کا آئندہ مسلمان ہو کر توبہ واستغفار کرنا یعنی اللہ تعالیٰ انہیں عذاب دینے والا نہیں کیونکہ یہ آئندہ استغفار کریں گے اگر یہ اس بددعا کی وجہ سے ہلاک کر دیئے جاویں تو یہ طے شدہ پروگرام کیسے ظاہر ہو (روح المعانی کبیر خازن وغیرہ)۔ 5۔ محمد ابن اسحاق نے فرمایا کہ یہ دونوں قول بھی خود کفار مکہ کے ہیں یعنی وہ

www.alahazratnetwork.org

یہ بھی کہتے ہیں کہ خدایا ہم پر آسمانی عذاب بھیج اور یہ بھی کہتے ہیں کہ ان پر عذاب نہیں آسکتا کیونکہ حضور انور رحمۃ عالمین ہیں اور وہ تو تم میں موجود ہیں نیز ہم ہمیشہ مغفرت کی دعائیں کرتے ہیں دعاء مغفرت سے عذاب ٹل جاتے ہیں (خزائن العرفان) اس آیت میں آت بالکل واضح ہے اور مقصد بالکل ظاہر اس صورت میں اگلی آیت ان کے ان خیالات کی تردید ہے **ومالهم الا يعذبهم الله** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے واو ابتدائیہ ہے اور ما۔ معنی ای شی ہے **لهم** اس کی خبر اور **الايعذبهم** اس کا بیان ہے یعنی ان کفار کے لئے عذاب سے مانع کون چیز ہے جس کی وجہ سے اللہ انہیں عذاب نہ دے اللہ ضرور انہیں عذاب دے گا اس میں گفتگو ہے کہ یہاں عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے بعض نے فرمایا کہ اس سے بدر کے دن کا قتل و قید مراد ہے جو ان پر نازل ہوا جبکہ حضور انور ان میں سے نکل کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ چلے گئے بعض نے فرمایا کہ فتح مکہ کے دن کا عذاب مراد ہے جو کفار کو پہنچا کر حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے جو کفار کو پہنچا حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس سے آخرت کا عذاب مراد ہے بہرحال پچھلی آیت میں دنیاوی عذاب کی نفی تھی جو غیبی آسمانی ہو اس آیت میں اس کے علاوہ عذاب کا ثبوت ہے (تفسیر کبیر) **وهم يصدون عن المسجد الحرام** یہ عبارت حال ہے **هم** ضمیر سے جو **لايعذبهم** میں ہے **يصدون** بنا ہے صد سے ۔ معنی روک آڑ اس کا مفعول پوشیدہ ہے **النبى والمؤمنين يصدون** نیا تو۔ معنی حال استمراری ہے یعنی یہ لوگ نبی ﷺ اور مسلمانوں کو حرم کعبہ میں عبادت کرنے سے برابر روک رہے ہیں چنانچہ مسلمان وہاں با جماعت نماز بھی نہیں پڑھ سکتے بلکہ ظہر و عصر میں جبکہ کفار گلی کوچوں میں پھیلے ہوتے ہیں اونچی آواز سے تلاوت بھی نہیں کر سکتے انہیں مجبوریوں کی وجہ سے یہ حضرات ہجرت پر مجبور ہو گئے یا۔ معنی مستقبل ہے اور اس روکنے سے مراد حدیبیہ کے سال مسلمانوں کو عمرہ سے روکنا ہے یعنی وہ مومنوں کو مسجد حرام میں آنے اور عمرہ کرنے سے روکنے والے ہیں (روح المعانی) لفظ حرام کے معانی ہم دوسرے پارے کے شروع میں عرض کر چکے ہیں کہ یہاں ۔ معنی محترم اور حرمت والا ہے یا وہ جگہ جہاں جنگ جدال قتال و شکار حرام ہے۔ **وماكانوا اولياءه** یہ عبارت **يصدون** کے فاعل **هم** سے حال ہے اولیاء جمع ولی کی ہے جس کا مادہ ولایت ہے اسی سے ہے متولی **ه** کی ضمیر مسجد حرام کی طرف ہے یعنی یہ کفار مسجد حرام کے نہ متولی ہیں نہ اس کے انتظام کے مستحق انہیں بت پرستی یا وہاں کے انتظام کا کوئی حق نہیں اس فرمان عالی میں کفار کے اس قول کی تردید

ہے کہ **ونحن ولاة الحرم وولاة البيت** ہم بیت اللہ اور حرم شریف کے والی و متولی ہیں اس کی تفسیر وہ آیت ہے **انما يعمر مساجد الله من يؤمن بالله** اللہ کی مسجدیں صرف مسلمان ہی آباد کر سکتے ہیں **ان اولياؤه الا المتقون** یہ فرمان عالی دلیل ہے **وماكانوا** یہاں بھی اولیاء ۔ معنی متولی والا ہے **ه** کا مرجع وہ ہی مسجد حرام ہے متقین سے مراد مومنین ہیں جو شرک و کفر سے بچے رہتے ہیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ دونوں جگہ **ه** کی ضمیر رب کی طرف ہے اور اولیاء ۔ معنی دوست ہے یعنی یہ لوگ اللہ کے دوست نہیں اس کے دوست تو متقی پرہیز گار مسلمان ہی ہیں (روح المعانی وغیرہ) **ولكن اكثرهم لايعلمون** یہ عبارت معطوف ہے **ماكانوا** پر یعنی اکثر کفار یہ بات نہیں جانتے کہ وہ باطل پر ہی ہیں یا یہ کہ انہیں مسجد حرام کی تولیت کا حق نہیں یا یہ کہ وہ مسلمانوں کو روکنے میں غلطی کرتے ہیں اکثر اس لئے فرمایا کہ بعض کفار یہ سب کچھ سمجھتے تھے ضد سے مانتے نہ تھے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیات کی بہت تفسیریں ہیں جن میں سے ہم ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو زیادہ قوی ہے۔ اے محبوب ﷺ یہ لوگ اپنے منہ سے اپنی ہلاکت مانگ رہے ہیں مگر ہم اس کے باوجود ان پر بھی آسمانی عذاب نازل نہیں فرمائیں گے اس لئے کہ آپ ان میں تشریف فرما ہیں آپ رحمت عالم ہیں آپ کے ہوتے اگر ان پر عذاب آ جائے تو آپ کی رحمت کا ظہور کیسے ہو اور ان پر عذاب نہ آنے کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ ان میں مومنین صالحین بھی ہیں وہ دن رات اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے ہیں ان کی دعاو استغفار کی برکت سے یہ کفار عذاب سے بچے ہوئے ہیں یہ تو دنیاوی عذاب کا حال ہے رہا عذاب آخرت یا دنیاوی عذاب عادی وہ تو ان پر آ کر رہے گا کیوں نہ آئے ان کا حال تو یہ ہے کہ وہ نبی ﷺ اور مومنوں کو مسجد حرام میں عبادات سے روکتے ہیں جو ایسی حرکتیں کرے وہ کیوں عذاب نہ پائے حالت یہ ہے کہ یہ لوگ مسجد حرام کی تولیت وہاں کے انتظام کے مستحق نہیں مسجد حرام کی تولیت اس کا استحقاق تو صرف مومن مسلمانوں کو ہے۔ بہت کفار یہ راز سمجھتے نہیں کہ اگرچہ بعض یہ سب کچھ جانتے ہیں محض ضد سے انکاری ہیں انہیں پتہ ہے کہ مسجد حرام آخر کار مسلمانوں کی تولیت میں آوے گی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** حضور ﷺ دنیا کے لئے اللہ کی رحمت اللہ کی امان ہیں کہ حضور کی وجہ سے دنیا میں عام عذاب الٰہی نہیں آتے یہ فائدہ **وانت فیہم** سے حاصل ہوا دیکھو جن گناہوں کی وجہ سے گزشتہ قوموں پر عذاب آئے وہ سب گناہ بلکہ ان سے زیادہ آج ہو رہے ہیں مگر آسمانی عذاب نہیں آتے کیوں صرف حضور انور کی موجودگی کی وجہ سے۔ **دوسرا فائدہ:** حضور انور پردہ فرمانے کے بعد بھی ہم میں موجود ہیں حضور کا فیضان آپ کی وفات سے بند نہیں ہوا یہ فائدہ بھی **وانت فیہم** سے حاصل ہوا اگر حضور بعد وفات ہم میں نہ رہتے تو عذاب الٰہی پاس ہمارے ساتھ ہم میں ہیں یہ فائدہ بھی **وانت فیہم** سے حاصل ہوا اگر حضور ہم میں ایک آن کے لئے نہ رہیں تو عذاب الٰہی آ جائے ہم صرف حضور انور کی وجہ سے عذاب سے بچے ہوئے ہیں رب فرماتا ہے **وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین** اور فرماتا ہے **ان رحمت اللہ قریب من المحسنین** حضور انور رحمت عالمین ہیں اور رحمت ہم سے قریب ہے درود ہو اس پر جس کا وجود باجود سراپا رحمت ہے۔ **چوتھا فائدہ:** حضرت ابوبکر صدیق عمر فاروق کی قبروں میں عذاب نہیں کیونکہ حضور انور ان کے پاس بلکہ ان کے ساتھ ہیں وہ آغوش رسول میں سو رہے ہیں جو انہیں عذاب میں مانے وہ اس آیت کا انکاری ہے روضہ رسول میں نور ہی نور ہے وہاں نار کا کیا کام۔ **پانچواں فائدہ:** حضور کی ذات بابرکات دنیا میں کفار کے لئے بھی رحمت ہے کہ وہ حضور کی وجہ سے امن میں ہیں یہ فائدہ **لیعذبہم** کی **ہم** ضمیر سے حاصل ہوا جبکہ وہ کفار کی طرف ہو تو پھر مسلمانوں پر رحمت رسول کا کیا پوچھنا۔

دوستاں را کجا کنی محروم تو کہ بادشمناں نظر داری

چھٹا فائدہ: توبہ و استغفار کی برکت سے عذاب الٰہی نہیں آتے یہ فائدہ **وہم یستغفرون** سے حاصل ہوا حضرت عبد اللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ہم میں دو امانتیں ہیں اللہ کے نبی اور استغفار اللہ کے نبی نے پردہ فرمالیا استغفار قیامت تک باقی ہے (کبیر) ترمذی نے بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعری نقل فرمایا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ نے میری امت کے لئے دو امانتیں

www.alahazratnetwork.org

اتاریں اور یہ ہی آیت پڑھی ہم پردہ فرمائیں گے مگر استغفار قیامت تک رہے گی (خازن) یعنی ہم وفات پاکر تم کو محسوس نہ ہوں گے مگر توبہ و استغفار سے تم کو محسوس رہیں گے یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ کافر کی توبہ و استغفار بھی دنیا میں ان سے عذاب دفع کر دیتی ہے ان کے صدقات و خیرات اور دوسرے اچھے کام ان سے بلائیں ٹال دیتے ہیں اگرچہ آخرت میں یہ اعمال انہیں کچھ کام نہ دیں گے اور آیت کریمہ **فجعلناه هباء منثورا** آخرت کے متعلق ہے (صاوی)۔ **ساتواں فائدہ**: سارے درود وظیفے یا احادیث شریفہ سے ثابت ہیں یا بزرگوں کے قول یا عمل سے استغفار وہ دعا ہے۔ جس کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا اس کے فائدے قرآن میں بتائے گئے اس کلوقت قرآن نے بتایا چنانچہ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ استغفار امان ہے سورہ نوح میں اس کے فائدے ارشاد ہوئے اس سے گناہوں کی معافی ہوتی ہے وقت پر بارشیں آتی ہیں۔ مال کی کثرت اولاد میں برکت ہوتی ہے اس سے نہروں میں پانی باغوں میں پھل پھول کی کثرت ہوتی ہے **یرسل السماء علیکم مدرارا** دوسرے مقام پر ہے **وبالاسحار هم یستغفرون** مومنین صبح تڑکے استغفار کرتے ہیں لہٰذا استغفار بہترین دعا ہے انسان نے سب سے پہلی دعا استغفار سے کی ہے کہ آدم علیہ السلام نے جنت میں عرض کیا **وان لم تغفر لنا وترحمنا**۔ **آٹھواں فائدہ**: مومنوں کی استغفار سے کفار کو بھی امن مل جاتی ہے ان سے بھی عذاب دفع ہو جاتے ہیں یہ فائدہ **وهم یستغفرون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ **هم** سے مراد مومنین ہوں تو دوسرے غافل گنہگار مسلمانوں کو ضروری اس سے فائدہ پہنچے گا۔ **نواں فائدہ**: نیک اولاد کا فائدہ ماں باپ کو ہر وقت پہنچتا ہے اس اولاد کی پیدائش سے پہلے بھی پیدا ہونے کے بعد بھی اور ان کے مرے بعد بھی اور جب بھی جبکہ اولاد زندہ رہے ماں باپ مرجاویں یہ فائدہ **وهم یستغفرون** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ **هم** سے مراد کفار کی وہ اولاد ہے جو ان کی پیٹھوں 'پیٹوں میں ہے۔ **دسواں فائدہ**: جو شخص بارگاہ الٰہی میں مومنوں کی فہرست میں آگیا وہ اپنے کفر کے زمانہ میں کتنے ہی گناہ کرے مگر اس پر عذاب ہلاکت نہ آئے گا آخر کار وہ توبہ کر کے ایمان پر مرے گا یہ فائدہ **وهم یستغفرون** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کے معنی یہ ہوں کہ وہ آئندہ استغفار کریں گے۔ **گیارھواں فائدہ**: مسلمانوں کو بلا عذر شرعی مسجد سے روکنا سخت جرم عذاب الٰہی کا باعث ہے یہ فائدہ **وهم یصدون** سے حاصل ہوا۔ **بارھواں فائدہ**: کوئی کافر کسی مسجد کا متولی نہیں ہو سکتا مسجد کی تولیت مسلمانوں کا حق ہے یہ فائدہ **وما کانوا اولیاءه** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کے معنی یہ ہوں کہ کفار مسجد حرام کے متولی نہیں رب فرماتا ہے **انما یعمر مساجد الله من امن بالله**۔ **تیرھواں فائدہ**: کوئی کافر یا فاسق اللہ کا ولی نہیں ہو سکتا ولایت الٰہی ایمان و تقویٰ سے میسر ہوتی ہے یہ فائدہ **ان اولیاءه الا المتقون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کے معنی یہ ہوں کہ اللہ کے اولیاء صرف پرہیزگار لوگ ہیں رب تعالیٰ اولیاء اللہ کے متعلق فرماتا ہے **الذین امنوا وکانوا یتقون** اچھی بارگاہ کے لئے اچھے بندے منتخب ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور کی موجودگی میں کفار پر عذاب نہیں آسکتا مگر بدر وغیرہ جہادوں میں حضور انور موجود تھے اور کفار پر قتل و قید فدیہ وغیرہ کا عذاب آگیا تو یہ آیت کیسے درست ہوئی۔ **جواب**: اگر اس آیت میں عذاب سے دنیاوی عذاب مراد ہے قتل و قید وغیرہ تو **انت فیهم** کے معنی یہ ہیں کہ جب تک آپ مکہ معظمہ میں بود و باش

www.alahazratnetwork.org

رکھیں گے تب تک ان پر یہ عذاب نہ آئیں گے بدر وغیرہ میں حضور انور نہ کفار میں تھے نہ ان کے ساتھ تھے نہ ان کے پاس تھے بلکہ مومنوں کے پاس ان کے ساتھ اور ان میں تھے کفار سے دور جان نکل جانے پر جسم گل سڑ جاتا ہے خدا کرے وہ جان ایمان اور ایمان جان ﷺ ہم میں رہیں اپنے دامن میں رکھیں پھر امان ہی امان ہے۔

خوف نہ کر ذرا رضا تو تو ہے عبد مصطفٰے   تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

دوسرا اعتراض: اگر حضور انور تاقیامت ہم میں موجود ہیں اور دنیا میں عذاب الٰہی نہیں آسکتے تو دن رات قتل و غارت، زلزلے، تباہ کن سیلاب وغیرہ دنیا میں کیوں آتے رہتے ہیں **لہٰذا** یا تو حضور رحمت عالم نہیں اور یا آپ ہم میں موجود نہیں۔ **جواب**: اس صورت میں عذاب سے مراد غیبی عام تباہ کن عذاب ہے یہ واقعی تاقیامت نہ آوے گا تمہارے ذکر کردہ عذاب یا تو غیبی نہیں یا عام نہیں۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں پہلی آیت میں کفار پر عذاب نہ آنے کی خبر ہے مگر دوسری میں عذاب آنے کی خبر ہے کہ ارشاد ہوا **وما لهم الا یعذبهم** آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**: اس اعتراض کے چند جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گئے ایک یہ کہ غیبی آسمانی عام عذاب کی نفی پہلی آیت میں ہے اور دنیاوی خاص عذاب آنے کا ثبوت دوسری آیت میں جیسے جنگوں میں قتل و قید یا قحط سالی وغیرہ دوسرے یہ کہ حضور انور کے مکہ معظمہ میں رہتے بستے ہوئے عذاب آنے کی نفی ہے مگر وہاں سے ہجرت فرمالینے کے بعد عذاب آنے کا ثبوت تیسرے یہ کہ پہلی آیت ان کافر کا مقولہ ہے۔ جس میں عذاب کی نفی ہے دوسری آیت ان کی تردید میں رب تعالیٰ کا اپنا فرمان۔ جس میں عذاب آنے کی خبر ہے چوتھے یہ کہ پہلی آیت میں واقعہ کا ذکر ہے۔ جس میں عذاب نہ آنے کی خبر ہے دوسری آیت میں ان کے استحقاق کا ذکر یعنی اس پر عذاب آئے گا نہیں مگر یہ لوگ اس کے مستحق ضرور ہیں۔ **چوتھا اعتراض**: پہلی آیت میں عذاب نہ آنے کی دو وجہ بیان ہوئیں حضور ﷺ کی ان میں موجودگی اور دعاء استغفار مگر موجودگی کے متعلق تو **لیعذبهم** فرمایا مضارع سے اور استغفار کے متعلق **معذبهم** ارشاد کیا اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب**: **لیعذب** میں عذاب کی نفی میں مبالغہ نہیں اور **معذبهم** میں مبالغہ نہیں معنی یہ ہیں کہ اے محبوب آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب دینا اللہ کی شان نہیں اللہ تعالیٰ کے لئے لائق نہیں اور استغفار کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ عذاب دینے والا نہیں ان دونوں میں وہ ہی فرق ہے جو حضور انور کی شان عالی اور ہماری استغفار میں فرق ہے۔ **پانچواں اعتراض**: اگر **وهم یستغفرون** میں **هم** سے مراد مومنین یا کفار کی اولاد ہو تو ضمیروں میں سخت اختلاف ہو گا کہ **معذبهم** میں **هم** سے مراد کفار ہیں اور **وهم یستغفرون** میں **هم** سے مراد دوسرے لوگ اسے نحوی لوگ انتشار ضمائر کہتے ہیں یہ فصاحت کے بالکل خلاف ہے۔ **جواب**: چونکہ مومنین مکہ اور کفار کی اولاد ان کفار کی ہم قوم ہم وطن برادری والے تھے وہ بالکل غیر نہ تھے گویا ان کا دنیاوی جز تھے اس لئے اختلاف ضمیر نہیں ہوا۔ **چھٹا اعتراض**: تمہاری پیش کردہ حدیث اور قول ابن عباس سے ثابت ہوا کہ حضور انور بعد وفات دنیا کے لئے امان نہ رہے اب صرف استغفار امان ہے مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور انور تاقیامت امان ہیں۔ **جواب**: ان احادیث میں ایسا ایک لفظ نہیں جس کے معنی ہوں کہ بعد وفات حضور امان نہیں ان احادیث کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں امانوں میں سے حضور انور چھپ گئے ہم کو محسوس نہیں ہوتے استغفار باقی و محسوس ہے درخت کی جڑ چھپ کر بھی فیض دیتی ہے رات میں سورج چھپ کر فیض دیتا ہے چاند تارے ظاہر ہو کر۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ :یہ آیات کریمہ بہت ہی پر لطف ہیں ان میں اللہ کی رحمت کا اس کے عذاب پر سبقت لے جانے اس پر غالب آجانے کا ذکر ہے سبقت رحمتی علی غضبی کا بیان ہے۔ دیکھو ان کفار پر عذاب آنے کے اسباب جمع تھے ان کا کفر و شرک ان کا نبی اور مومنوں کو ایذا دینا ان کا شان الہی میں بکواس بکنا۔ ان کا حرم شریف میں کعبہ معظمہ کے غلاف میں سنگ اسود اور چاہ زمزم کے پاس اپنے لئے بد دعائیں کرنا ان سب حرکتوں کا تقاضا تھا کہ عذاب آجاوے مگر ایک ذات کریم جسے رحمۃ للعالمین کہتے ہیں اس کی موجودگی کا تقاضا تھا کہ عذاب نہ آئے ان سب پر اسی ایک کا غلبہ ہوا اور عذاب نہ آیا انہیں دو چیزوں کا ذکر ان دو آیتوں میں ہے کعبہ معظمہ صرف اسے امان دیتا ہے۔ جو اس میں داخل ہو جاوے **من دخلہ کان امنا** مگر دامن مصطفےٰ کی امان عام ہے ہر دور و قریب کو ہر وقت امان دیتا ہے **وماکان اللہ لیعذبھم وانت فیھم** اس لئے حضور کو رحمت عالمین کہا جاتا ہے نہ کہ کعبہ کو یا قرآن کو دامن مصطفےٰ کی امان سے ساری مخلوق ہر وقت فائدہ اٹھا رہی ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور ہم سے نہیں بلکہ ہم حضور سے ہیں مگر ہاں حضور ہم میں ہیں کہ ہمارے دل وایمان و جان ہیں ایسے ہی جیسے جسم میں جان۔ جان سارے جسم کی محافظ حضور سارے عالم کے محافظ ہیں حضرت شیخ آفندی فرماتے ہیں کہ عالم کا انتظام آپ کے وجود شریف سے قائم ہے کہ حضور مظہر ذات کبریا ہیں عالم کے بقا کی اکسیر اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپکو عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آسمان پر نہ رکھا بلکہ زمین پر رکھا نور آنکھ میں رہے دل پہلو میں رہے جان جسم میں رہے حضور انور ایمان میں رہیں تو ان چیزوں کی بہار ہے۔

دہر میں سب سے تو بڑا تجھ سے بڑی خدا کی ذات
قائم ہے تیری ذات سے سارا نظام کائنات

انشاء اللہ حضور کے غلام زندگی قبر حشر پل صراط ہر جگہ میں عذاب سے امان میں رہیں گے کہ ہر جگہ ان میں حضور جلوہ گر ہیں۔ مولانا عطار فرماتے ہیں۔

خویشتن را خواجہ عرصات گفت انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ و استغفار نجات کا ذریعہ ہے استغفار کی روح گذشتہ پر ندامت آئندہ کے لئے باز رہنے کا پورا ارادہ ہے۔ مولانا فرماتے ہیں

گفت حق کا مرزش از من می طلب کاں طلب مر عفو را باشد سبب
از پئے از ہر گناہ ار بشنوی ہست استغفار تریاق قوی!

نادم کو شرمندہ نہیں کیا جاتا

ندامت ساتھ لے کر عاصیو تم سامنے جاؤ سنا ہے شرمساروں کو وہ شرمایا نہیں کرتے

صوفیاء کے نزدیک ولی اللہ وہ ہے جو متقی **باللہ عما سواہ ھو** یعنی جو رب کا ہو سب کا نہ ہو اکثر اولیاء خود اپنے آپ کو ولی نہیں جانتے حالانکہ وہ ولی ہوتے ہیں **ولکن اکثرھم لایعلمون** مزہ اس میں ہے کہ بندہ اپنے کو نہ جانے اپنے خالق کو جانے (از روح البیان)۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَّتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ

اور نہیں ہے نماز ان کی پاس بیت اللہ کے مگر سیٹی اور تالی ۔ پس چکھو تم عذاب اس وجہ

اور کعبہ کے پاس ان کی نماز نہیں مگر سیٹی اور تالی تو اب عذاب چکھو بدلہ اپنے کفر کا ۔ بیشک کافر

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۵﴾ إِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنْفِقُوْنَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ

سے کہ تم کفر کرتے تھے ۔ تحقیق وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا خرچ کرتے ہیں مال اپنے تاکہ روکیں

اپنے مال خرچ کرتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے روکیں تو اب انہیں خرچ کریں گے پھر وہ ان

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ

وہ راستے سے اللہ کے ۔ پس عنقریب خرچ کریں گے وہ یہ مال پھر ہونگے وہ اوپر ان کے ندامت پھر

پر پچھتاوا ہونگے پھر مغلوب کر دیئے جائیں گے ۔ اور کافروں کا حشر

كَفَرُوْا إِلٰى جَهَنَّمَ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۶﴾

پھر مغلوب بنا دیئے جائیں گے اور وہ لوگ کفر کیا جنہوں نے طرف دوزخ کے جمع کئے جائیں گے

جہنم کی طرف ہو گا ۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار مکہ کا کعبہ معظمہ میں بیہودہ دعاؤں کا ذکر تھا کہ وہ لوگ وہاں نہ مانگنے والی دعائیں مانگتے ہیں اب ان کا اسی کعبہ میں بے ہودہ اور لغو نمازوں کا ذکر ہے کہ وہ کعبہ معظمہ میں لو اکرنے والی نماز نہیں پڑھتے کھیل کود کو نماز و عبادت سمجھ کر کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار مکہ کا ایک جرم بیان ہوا کہ وہ کعبہ سے صحیح نماز پڑھنے والے مومنوں کو روکتے ہیں اب ان کا دوسرا قصور بیان ہو رہا ہے کہ خود صحیح نماز نہیں پڑھتے غلط بیہودہ حرکات نماز سمجھ کر وہاں کرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں وعدہ الٰہی ہوا کہ ان پر دنیاوی عذاب نہ آوے گا اب وعید کا ذکر ہے کہ ان پر اخروی عذاب ضرور آوے گا **فذوقوا العذاب** گویا وعدہ کے بعد وعید کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار مکہ اسلام کی اشاعت روکنے کے لئے جانی بدنی قوی کوششیں کر رہے ہیں مگر ناکام ہوں گے اب ارشاد ہے کہ وہ اس مقصد کے لئے مالی کوششیں کر رہے ہیں ان میں بھی ناکام ہوں گے ان کا مال جائے گا اور کام نہ بنے گا۔ **پانچواں تعلق**: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کعبہ کے متولی اور اللہ کے دوست کفار نہیں ہو سکتے صرف متقی مومن ہو سکتے ہیں اب کفار کی بدعملیاں بتا کر اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ایسے لوگ واقعی اس عہدے کے لائق نہیں۔

شان نزول: کفار عرب کعبہ معظمہ کا طواف بالکل ننگے ہو کر کرتے تھے مرد بھی عورتیں بھی اور بحالت طواف ہاتھوں سے تالیاں منہ میں انگلی دے کر سیٹیاں بجاتے جاتے تھے ان حرکتوں کو بہترین عبادت سمجھتے تھے نیز قبیلہ بنی عبد الدار کے لوگوں کا یہ لوگوں کا طریقہ تھا کہ جب حضور انور کعبہ معظمہ کے پاس نماز پڑھتے تو یہ لوگ حضور کے دائیں بائیں جمع ہو جاتے پھر تو تالیاں

www.alahazratnetwork.org

بجاتے کچھ سیٹیاں اور اپنی اس حرکت کو عبادت اور باعث ثواب سمجھتے کہ ہم نے حضور انور کی نماز اپنی اس نماز میں چھپالی ان کے متعلق پہلی آیت **کان صلوتهم** نازل ہوئی (تفسیر خازن روح البیان وغیرہ) نمبر 2 جنگ بدر میں لشکر کفار کا کھانا بارہ آدمیوں کے ذمہ تھا جو وہ باری باری سے دیتے تھے ابو جہل ابن ہشام عتبہ ابن ربیعہ شیبہ ابن ربیعہ ابن عبد شمس نبیہ ابن حجاج منبہ ابن حجاج ابو البختری ابن ہشام نضر ابن حارث حکیم ابن حزام ابی ابن خلف زمعہ ابن اسود حارث ابن عامر ابن نوفل عباس ابن عبد المطلب۔ یہ سب قریش تھے ان میں سے ہر شخص اپنی باری پر دس اونٹ ذبح کرتا تھا اور لشکر کفار کو کھلاتا تھا نیز جنگ احد کے موقعہ پر ابو سفیان ابن حرب نے بہت سے کفار کو کرایہ پر جنگ کے لئے تیار کیا ان پر چالیس اوقیہ سونا خرچ کیا ایک اوقیہ چالیس مثقال کا ہوتا ہے ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ان لوگوں کے متعلق دوسری آیت **ینفقون اموالهم** نازل ہوئی (خازن روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ جنگ بدر میں ان بارہ آدمیوں میں سے دو صاحب ایمان لے آئے حضرت عباس ابن عبد المطلب اور حکیم ابن حزام باقی کافر رہے دیکھو تفسیر خازن یہ مقام۔

تفسیر **وما کان صلوتهم عند البیت** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے کان کے تین معنی ہیں تھا ہے رہا یہاں۔ معنی تھا ہے یا۔ معنی ہے **صلوة** سے مراد وہ حرکت ہے جسے کفار عرب نماز سمجھ کر کرتے تھے نہ کہ اسلامی نماز بیت سے مراد پوری مسجد حرام شریف ہے چونکہ وہاں پہنچ کر انسان بیت اللہ شریف سے بالکل قریب ہو جاتا ہے اس لئے نیز بیت اللہ شریف کے پاس گناہ دوسری جگہوں کے گناہوں سے بہت سخت ہے ان وجوہ سے عند البیت ارشاد ہوا **الا مکاء و تصدیة** یہ فرمان عالی استثناء ہے **صلوتهم** سے **مکاء** بروزن فعال اسم صوت ہے لغت میں **مکاء** منہ کی بے معنی آواز کو کہتے ہیں عرب میں ایک سفید چڑیا کا نام مکاء ہے کیونکہ وہ سیٹی دیتی ہے اس کی سیٹی کو بھی مکاء کہتے ہیں (خازن کبیر) تصدیہ یا تو صدی سے بنا ہے صدی پہاڑ یا گنبد کی صدا و باز گشت کو کہتے ہیں یا صدد سے۔ بمعنی کھٹکھٹانا اس کی ایک دال ی سے بدل گئی اب اس کے معنی ہیں تالی یعنی یہ لوگ کعبہ اللہ شریف کے پاس جاکر بے ہودہ حرکات کرتے ہیں سیٹی اور تالیاں بجانا اسے نماز سمجھتے ہیں آج بھی ہندو مندروں میں گھنٹے بجانے دیوالی میں آگ جلانے ہولی میں ناچ کھیل کود رنگ چھینکنے کو عبادت سمجھتے ہیں شاید یہ حرکات وہاں سے چلی آرہی ہیں **فذوقوا العذاب** یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور اس سے پہلے **فیقال لهم** پوشیدہ ہے یعنی جب ان کا حال یہ ہے تو ان سے کہا جاوے گا کہ یہ عذاب چکھو۔ ذوق کے لفظی معنی ہیں چکھنا مگر اب۔ بمعنی برداشت کرنا تحمل استعمال ہوتا ہے عذاب سے مراد یا تو بدر وغیرہ کا قتل و قید وغیرہ ہے یا بعد قیامت دوزخ کا عذاب مراد یا دونوں مراد **بما کنتم تکفرون** یہ عبارت ذوقوا کے متعلق ہے اس میں ب سببیہ ہے یا **تعدیه** کفر سے مراد یا تو ان کے سارے کافرانہ مشرکانہ عقیدے ہیں یا بیت اللہ شریف کے پاس تالیاں سیٹیاں بجانا اور اسے عبادت سمجھنا دوسرا احتمال قوی تر ہے کہ اسکا یہاں ذکر ہے **ان الذین کفروا** چونکہ کفار اگلے مضمون کے انکاری تھے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا **ان الذین کفروا** سے مراد یا سارے کفار ہیں یا کفار بدر کے وہ بارہ شخص جو لشکر کفار کو کھانا دیتے تھے دوسرا احتمال قوی ہے کہ یہ آیت انہیں کے متعلق نازل ہوئی کفروا کے معنی ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے معنی ہوں جو علم الٰہی میں کافر ہوئے کہ ان کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا اس صورت میں اس سے حضرت عباس اور حکیم ابن حزام علیحدہ ہونگے کیونکہ یہ حضرات جنگ بدر میں آکر نادم نہ ہوئے

www.alahazratnetwork.org

بلکہ انہیں یہاں ہی ایمان ملا جس کا اظہار دوسرے موقعہ پر ہوا ان کے لئے بدر کا میدان ایمان کی دکان بن گیا ان وجوہ سے **الذین کفروا** فرمانا اور **الکافرین** نہ فرمانا نہایت ہی مناسب ہوا **ینفقون اموالھم** یہ عبارت ان کی خبر ہے چونکہ کفار بدر روزانہ برابر مال خرچ کرتے رہے نیز ان کا خرچ کرنا صرف بدر میں ہی نہ ہوا بلکہ ہر جنگ کے موقعہ پر ہوا اسلئے **نفقوا** ماضی مطلق ارشاد نہ ہوا بلکہ **ینفقون** مضارع ارشاد ہوا یعنی خرچ کرتے رہتے ہیں نیز چونکہ جنگوں میں اپنے ہر قسم کے مال خرچ کرتے تھے اونٹ کپڑا زرہ خود ہتھیار سب کچھ ہی لڑنے والوں کو دیتے تھے اسی وجہ سے اموال جمع ارشاد ہوا **لیصدوا عن سبیل اللہ** یہ عبارت متعلق ہے **ینفقون** کے اس میں ان کے خرچ کا مقصد بیان فرمایا گیا یعنی اسلام کو پھیلنے سے روکنا **لیصدو** میں لام ؛ معنی کے ہے یعنی تاکہ اس میں ان کے خرچ کا ولی مقصد بیان کیا گیا صد اور سد دونوں کے معنی ہیں روکنا اس لئے دیوار کو سد کہتے ہیں کہ وہ باہر والے کو اندر آنے سے روکتی ہے اس کے بعد عباد اللہ مفعول پوشیدہ ہے سبیل اللہ سے مراد ہے خدا رسی کا ذریعہ یعنی دین اسلام یعنی وہ اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو اسلام سے روکیں کہ کفار کو مسلمان نہ ہونے دیں اور مومنوں کو مرتد کرکے کافر بنالیں ہمیشہ کفار مسلمانوں سے یہ ہی دو مقصد لیکر لڑتے ہیں **فسینفقونھا** اس میں غیبی خبر ہے ظاہر یہ ہے کہ اس فعل کا فاعل کفار عرب ہیں جو حضور انور کے زمانہ میں جنگوں میں خرچ کرتے رہے اور ہو سکتا ہے کہ تاقیامت کفار اس کا فاعل ہوں پہلا احتمال قوی ہے کہ یہ آیت انہیں کے متعلق آئی ہے ہا کا مرجع اموال ہے **ثم تکون علیھم حسرۃ** اس فرمان عالی میں کفار کے خرچ کے انجام کا ذکر ہے چونکہ یہ انجام عرصہ بعد ظاہر ہونے والا تھا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا **تکون** کا اسم اموال ہیں اگرچہ خرچ کرنا ندامت ہے مگر مبالغہ کے طور پر خود اموال کو کے طور پر خود اموال کو ندامت فرمایا حسرۃ بنا ہے حسر سے ؛ معنی کھلنا چونکہ ندامت سے اصل کھل جاتا ہے اس لئے اسے حسرت کہتے ہیں یعنی ان کفار پر انکے یہ مال ہی حسرت اور ندامت و شرمندگی ہوں گے کہ وہ مال خرچ بھی کریں گے اور ان کا مدعی بھی حاصل نہ ہوگا اسلام کا زور ان سے نہ رک سکے گا یہ لوگ اپنے مال مسلمان غازیوں کے حوالہ کرجائیں اس میں بھی غیبی خبر ہے اور اگر یہ تاقیامت واقعات کا ذکر ہو تو بھی معنی ظاہر ہیں کہ کفار کی تمام کوششوں کے باوجود اسلام فنا نہیں ہوسکے گا رب فرماتا ہے **واللہ متم نورہ ولو کرہ الکافرون**

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

ثم یغلبون اس فرمان عالی میں تیسری غیبی خبر ہے ترتیب نہایت شاندار ہے کہ پہلے کفار مسلمانوں کے مقابل جنگوں میں اپنے مال خرچ کریں گے پھر شرمندہ ہوں گے کہ شکستیں کھاکر لوٹیں گے پھر ایک وقت وہ آئیگا کہ مومنین ان پر غالب ہوں گے ان کے شہروں ملکوں پر قبضہ کریں گے کفار کو یا بھاگنا یا مسلمان ہونا پڑ گیا رب نے اپنا یہ وعدہ پورا فرمادیا کہ اولاً "بدر وغیرہ جنگوں میں کفار نے شکست کھائی آخر کار مسلمانوں نے مکہ معظمہ فتح فرمایا **والذین کفروا الی جھنم یحشرون** اس فرمان عالی میں دوسرے انجام کا ذکر ہے یعنی مغلوبیت کے بعد کفار دو گروہ ہو جائیں گے ایک گروہ مسلمان ہو جائے گا وہ عذاب آخرت سے بچ جائیگا دوسرا اپنے کفر پر اڑا رہیگا اس اڑی جماعت کا انجام یہ ہے کہ یہ سب دوزخ میں جمع کردیئے جائیں گے یا قیامت میں جمع کرکے دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے بخلاف گنہگار مسلمانوں کے کہ اگر وہ دوزخ میں سزا پائے گئے بھی تب بھی اکیلے اکیلے

www.alahazratnetwork.org

جائیں جمع نہ کیے جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر کفار عرب اپنے کو کعبۃ اللہ کا متولی اور اللہ کا دوست کہتے ہیں مگر ان کا اپنا حال یہ ہے کہ اپنے گھروں بازاروں میں جو حرکتیں کرتے ہیں وہ تو ایک طرف خود بیت اللہ شریف میں آکر سیٹیاں تالیاں بجاتے ننگے طواف میں یہ حرکتیں کرتے ہیں اور ان حرکتوں کو نماز سمجھ کر اس پر اپنے کو ثواب کا مستحق سمجھتے ہیں ان کی ان حرکتوں کا انجام یہ ہوگا کہ ان سے کہا جاوے گا کہ آج اپنے کفر و سرکشی بدعملی کی وجہ سے دوزخ کا عذاب خوب چکھو ان کفار کا حال یہ ہے کہ یہ لوگ اسلام دشمنی کے جوش میں لوگوں کو سلام سے روکنے مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کے لئے ہر طرح کا مال جنگوں وغیرہ میں خرچ کرتے رہیں گے مگر اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہوسکے اسلام پھلے پھولے گا ان کے لئے ان کے یہ خرچ کئے ہوئے مال ہی شرمندگی اور ندامت کا باعث بنیں گے اولاً "مسلمانوں کے ہاتھوں شکستیں کھائیں گے پھر ان کے مقابل مغلوب ہو جائیں گے مگر یہ حال ان کا ہے جو یہ سب کچھ دیکھ کر کافر ہیں نیک روحیں آخر کار مسلمان ہو کر کامیاب ہوں گے کفر پر اڑے رہنے والے جمع ہو کر دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے وہاں ہمیشہ کا عذاب پائیں گے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** گناہ ہر جگہ گناہ ہے مگر اشرف مقامات پر سخت گناہ کہ اس میں رب تعالیٰ کی نافرمانی بھی ہے اور ان مقدس مقامات کی بے حرمتی بھی یہ فائدہ عند البیت سے حاصل ہوا کہ رب العالمین نے بیت اللہ شریف کے پاس تالی بجانے سیٹی بجانے کا ذکر فرمایا ان پر غضب ظاہر فرمانے کے لئے۔ **دوسرا فائدہ:** عقل انسان عبادات میں محض ناکارہ ہے عبادات پیغمبر کی تعلیم سے ہی معلوم ہو سکتی ہے یہ فائدہ **مکاؤ** اور تصدیہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو عرب کے بڑے عقلاء فضلاء نے اپنی عقل سے رب کو راضی کرنا اس کی عبادات کرنا چاہا اس کے لئے تالی سیٹی برہنہ طواف تجویز کیا عقل سے دنیا بن سکتی ہے دین نہیں بن سکتا اب بڑے عاقل ہندو گانے بجانے رنگ پھینکنے بھنگڑا کرنے کو عبادت سمجھے بیٹھے ہیں جیسا کہ ان کے بڑے دنوں میں دیکھا جاتا ہے مسلمانوں میں جاہل پیر فقیر بھنگ چرس پینے اور ناچنے گانے طبلہ سارنگی کو عبادات سمجھتے ہیں یہ ہے عقل پر چلنے کا نتیجہ اللہ کی عبادت کرنا ہے تو نبی سے سیکھو۔ **تیسرا فائدہ:** تالی سیٹی بجانا محض کھیل کود تماشہ اور طریقہ کفار ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیے آج کل مسلمان عیسائیوں کی نقل میں جلسوں تقریروں میں بجائے سبحان اللہ یا ماشاء اللہ کہنے کے تالیاں بجاتے ہیں وہ حضرات اس آیت کریمہ سے عبرت پکڑیں کہ یہ طریقہ کفار ہے حضرات

صحابہ کرام ایسے موقعوں پر جوش میں تکبیر لیتے تھے سبحان اللہ ماشاء اللہ کے نعرے ان کے منہ سے سنے جاتے تھے۔ **چوتھا فائدہ:** دوزخ میں کفار کو سخت قسم کا عذاب ہوگا گنہگار مومنوں کو ہلکا عذاب کفار کی رسوائی بھی ہوگی مومن انشاء اللہ اس سے محفوظ رہیں گے یہ فائدہ **بما کنتم تکفرون** سے حاصل ہوا کہ یہاں عذاب سے خاص کافروں والا عذاب مراد ہے کفار میں بھی دشمن رسول کا عذاب بہت ہی سخت ہے خدام رسول کا عذاب کچھ ہلکا ابو طالب اور ابو لہب کا عذاب یکساں نہیں۔ **پانچواں فائدہ** ہمیشہ کفار اسلام دشمنی میں جانی مالی کوششیں کرتے رہیں گے مگر انشاء اللہ رہیں گے اس کا ظہور آج تک ہو رہا ہے یہ فائدہ **ینفقون اموالھم** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** متقی مومن انشاء اللہ عمر و مال خرچ کر کے پچھتاتا نہیں کیونکہ وہ یہ سب نی

www.alahazratnetwork.org

سبیل اللہ خرچ کرتا ہے وہ جو بڑے نفع والا تاجر ہے ان خرچوں پر حسرت و افسوس کافر کے لئے ہے کہ وہ یہ سب کچھ سبیل اللہ سے روکنے کے لئے کرتا ہے یہ فائدہ **علیھم حسرۃ** میں **علیھم** کو **حسرتہ** پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں حصر کے معنی ہیں۔ **ساتواں فائدہ:** دوزخ میں جمع ہو کر جانا وہاں جمع ہو کر رہنا کفار کے لئے خاص ہے مومن اس سے محفوظ ہوں گے اگر گنہگار مومن دوزخ میں گیا بھی تو اکیلا جائے گا اکیلا رہے گا رسوائی سے بچے گا دیکھو یہاں دوزخ میں جمع ہونا کفار کا عذاب قرار دیا گیا کہ فرمایا گیا **والذین کفروا**۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفار کی سیٹیوں تالیوں کو نماز کیوں کہا گیا یہ تو محض کھیل تماشا ہیں ان میں نماز کا کوئی رکن موجود نہیں۔ **دوسرا اعتراض** بڑے بڑے بزرگان دین سے قوالی سننا ثابت ہے حالانکہ قوالی میں تالیاں ڈھول سارنگی ہارمونیم وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے پھر وہ حضرات قوالی کو عبادت سمجھ کر سنتے ہیں یہ لوگ تو ان کفار سے بدتر ہیں کہ وہ صرف سیٹی تالی بجانے کو عبادت سمجھتے تھے یہ اتنی خرافات کو عبادت جانتے ہیں (بعض بے درد)۔ **جواب:** واقعی جو بزرگ ہیں اور قوالی سنتے ہیں وہ قوالی کو عبادت نہیں سمجھتے نماز روزہ وغیرہ سے غافل نہیں ہوتے بلکہ وہ اسے عشق رسول خوف خدا حاصل ہونے کا ذریعہ بھی اچھا ہوتا ہے جیسے طبل جہادیوں ہی افطار و سحری کا نقارہ نکاح کے وقت کا دف سب اچھی چیزیں ہیں کہ اچھی چیزوں کا ذریعہ ہیں کفار صرف ان حرکتوں کو اپنی نماز سمجھتے تھے جیسا کہ **الا مکاء** میں **الا** فرمانے سے معلوم ہوا جو پیر فقیر تارک نماز بد عمل بھنگی چرسی دن رات ڈھول ڈھماکے میں مشغول ہو وہ پیر نہیں شیطان ہے۔

کار شیطاں می کند نامش ولی گر ولی ایں است لعنت بر ولی

حضور انور صلے اللہ علیہ وسلم نے نکاح کے وقت دف بجانے کا حکم دیا ایک لونڈی نے حضور انور کے سامنے دف بجا کر اپنی منت پوری کی قوالی کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق میں ملاحظہ کرو قوالی ایک درد کی دوا ہے درد والا یہ دوا لے بے درد اس سے الگ رہیں۔ **تیسرا اعتراض:** اس آیت سے معلوم ہوا کہ تالی سیٹی بجانا کفر ہے کہ فرمایا گیا **بما کنتم تکفرون** حالانکہ یہ ایک گناہ ہے پھر آیت کا مطلب کیا ہے۔ **جواب:** تالی سیٹی کو نماز سمجھنا کفر ہے کفار مکہ کا یہ ہی عقیدہ تھا اسی لئے ارشاد ہوا **وماکان صلوتھم**۔ **چوتھا اعتراض** یہاں ارشاد ہوا **ثم یغلبون** کفار مغلوب ہوں گے مگر اب تو اس کے برعکس ہے کفار غالب آ رہے ہیں مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں اس آیت کا وعدہ پورا کیوں نہیں ہوتا **جواب:** یہاں صرف کفار غالب آ رہے ہیں مسلمان ہر جگہ مغلوب ہیں اس آیت کا وعدہ پورا کیوں نہیں ہوتا **جواب: یہاں** صرف کفار مکہ کے متعلق یہ ارشاد ہوا ہے وہ لوگ واقعی آخر کار مغلوب ہو گئے اور اگر تمام کفار مراد ہوں تو بھی واقعی دینی لحاظ سے کفار ہمیشہ مغلوب ہیں اسلام غالب ہے **یظھرہ علی الدین کلہ** مسلمان جہاں بھی مغلوب ہوئے اپنی شرکتوں غداریوں بد عملیوں کی وجہ سے **وانتم الاعلون ان کنتم مومنین**۔ **پانچواں اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **الی جھنم یحشرون** چاہیے تھا کہ **فی جھنم** ارشاد ہوتا کیونکہ کفار دوزخ میں جمع کئے جائیں گے نہ کہ دوزخ کی طرف۔ **جواب:** کفار کا اجتماع دو جگہ ہوگا ایک تو دوزخ میں جاتے وقت کہ انہیں کنارہ دوزخ پر کھڑا کر کے سوال جواب فرما کر اس میں دھکیلا جائے گا دوسرے دوزخ میں جا کر ان کا اجتماع اور آپس میں دھول جوتا لعن و طعن ہو گا یہاں پہلے اجتماع کا ذکر ہے مومنوں کا اجتماع بھی دو جگہ ہو گا جنت کے

www.alahazratnetwork.org

دروازے پر جب وہاں سب جمع ہو جائیں گے حضور کی تشریف آوری کا انتظار ہو گا دوسرے جنت میں پہنچ کر وہاں بعض اجتماع دائمی ہوں گے بعض وقتی

تفسیر صوفیانہ: کفر و گناہ عذاب الٰہی کا ذریعہ ہیں توبہ استغفار رحمت و مغفرت کا وسیلہ ہیں گناہوں کے میل کے لئے گویا پانی اور صابن ہے جہاں توبہ وہاں طہارت و پاکیزگی نہیں اپنے دل کی مسجد کا متولی کسی اللہ والے کو بناؤ کعبۃ اللہ کو بیٹی تانی سے محفوظ رکھو دل کی مسجدوں کو دنیاوی شور شغب سے محفوظ رکھو کعبہ دل کی نماز خوف خدا اور عشق رسول ہے کعبہ کو کفار و مشرکین اور برے اعمال سے بچاؤ کعبہ دل کو دنیاوی تعلقات اور برے مشاغل سے محفوظ رکھو یہ تمام خوبیاں حضور انور کے فیض سے حاصل ہوں گی اگرچہ اب صحبت رسول میسر نہیں مگر صحبت سنت رسول تو میسر ہے یہ صحبت تاقیامت باقی ہے کفار اپنے دلوں کی مسجدوں میں دنیاوی شور و شغب ہی کو جگہ دیتے ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جنگ بدر میں ابو جہل نے بھی مال خرچ کیا اور اس کے ساتھ اسی لشکر پر حضرت عباس نے بھی مگر ابو جہل کا یہ خرچ ندامت و حسرت بنا مگر حضرت عباس کا یہ خرچ کرامت کا ذریعہ بنا کہ ابو جہل ہار کر ذلت و خواری سے مارا گیا مگر حضرت عباس یہاں ہار کر واقعہ جیت گئے کہ یہ شکست ہی ان کے ایمان و تقویٰ کا ذریعہ بنی ابو جہل مغلوب ہو اکفر پر مارا گیا حضرت عباس غالب رہے کہ آخر کار مومن بن گئے کام ایک تھا مگر انجام مختلف اس لئے اس آیت میں حسرت و ندامت مغلوبیت کو کفار سے خاص فرمایا گیا جس بربادی سے یار ملے وہ حقیقت میں آبادی ہے اور جس آبادی سے یار ناراض ہو وہ بربادی ہے کوئی کسی کام پر کسی مشغلہ پر مگر آخرت میں ان کا اجتماع دائمی ہو گا یہاں اجتماع کفر یا ایمان کی بنا پر ہو گا نوری نوریوں کے ساتھ ہوں گے ناری ناریوں کے ساتھ پھر جس کو جس سے محبت ہو گی اس کے ساتھ اسی کا حشر ہو گا اب پڑھو **الی جهنم يحشرون۔**

لِيَمِيزَ اللّٰهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضَهُ عَلٰى
تاکہ چھانٹ دے اللہ برے کو اچھے سے اور کر دے خبیث کو اس کے بعض کو اوپر بعض کے بس
اس لئے کہ اللہ گندے کو ستھرے سے جدا فرما دے اور نجاستوں کو تلے اوپر رکھ کر سب ایک ڈھیر
بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلَهُ فِي جَهَنَّمَ ۚ أُولٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٣٧﴾
تہہ بہ تہہ کر دے اس کو سب کو پھر کر دے اس کو دوزخ میں یہ ہیں وہ لوگ خسارہ پانے والے
بنا کر جہنم میں ڈال دے وہی نقصان پانے والے ہیں تم کافروں سے فرماؤ
قُلْ لِّلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ۚ وَإِنْ يَعُودُوا فَقَدْ
کہو آپ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا کہ اگر باز آجائیں تو بخش دیئے جائیں گے واسطے ان کے وہ جو گزر چکے
اگر وہ باز رہے تو جو ہو گزرا وہ انہیں معاف فرما دیا جائے گا

ع ۱۸

www.alahazratnetwork.org

مَضَتۡ سُنَّتُ الۡاَوَّلِیۡنَ ﴿۳۸﴾

اور اگر وہ پھریں تو بے شک گزر چکا طریقہ اگلوں کا

اور اگر پھر وہی کریں تو اگلوں کا دستور گزر چکا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے کچھ عیوب کا ذکر ہوا اب کفار کے پیدا کرنے ان میں یہ عیوب پیدا کرنے کی حکمتوں کا تذکرہ ہے جس سے معلوم ہو کہ کفار برے ان کے عیوب برے ہیں مگر ان سب کا پیدا کرنا برا نہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے ناجائز اور اسلام دشمنی میں مال خرچ کرنے کا ذکر تھا اس کے دنیاوی نتیجہ کا بیان تھا اب اس خرچ کے اخروی انجام کا تذکرہ ہے کہ یہ خرچ دنیا میں ندامت کا باعث ہے آخرت میں جہنم میں جانے کا ذریعہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے دوزخ میں جمع ہونے کا ذکر ہوا اب اس اجتماع کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ خبیث خبیث کے ساتھی ہیں۔

تفسیر: لیمیز اللہ الخبیث من الطیب: اس عبارت شریفہ میں لام۔ معنی کے ہے یعنی تاکہ اس کا تعلق یا تو گذشتہ آیت کے اس مضمون سے ہے کہ کفار بیت اللہ میں تالیاں سیٹیاں بجاتے ہیں یا اس سے کہ وہ بے جا خرچ کرکے نادم ہوں گے یا اس سے کہ وہ مغلوب ہوں گے یا اس سے کہ وہ دوزخ میں جمع کئے جائیں گے لہذا اس فرمان عالی کی چار تفسیریں ہیں ہماری قراءت لیمیز ہے ی کے سکون سے بروزن **ینیع ملازیمیز حمزہ** کسائی اور یعقوب کی **قراءت لیمیز** ہے ی کے شد سے باب تفعیل سے۔ بہرحال یہ لفظ بنا ہے میز سے۔ معنی علیحدگی اور چھانٹ اسی سے امتیاز اور تمیز خباثت اور نجاست دونوں کے معنی ہیں گندگی اس کے مقابل طہارت اور طیب دونوں کے معنی ہیں پاکی ستھراپن مگر عموماً ظاہری گندگی کو نجاست کہتے ہیں اور ظاہری پاکی کو طہارت اور روحانی و باطنی گندگی کو خباثت کہا جاتا ہے اور باطنی پاکی و صفائی کو طیب پیشاب پاخانہ نجاست ہے حرام مال مردار جانور خبیث یہاں خبیث و طیب سے مراد یا تو کفار و مومنین ہیں یا خبیث سے مراد کفار کا وہ مال جو اسلام کو نقصان پہنچانے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں خرچ ہو اور طیب سے مراد مومن کا وہ مال جو اسلام کی اشاعت حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں خرچ ہو یا خبیث سے مراد کفار کے سارے بد اعمال اور طیب سے مراد مومنین کے سارے نیک اعمال لہذا اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں یعنی کفار کعبہ معظمہ میں اس لئے سیٹی و تالیاں بجاتے ہیں یا کفار اس لئے اسلام کے مقابل مال خرچ کرتے ہیں یا وہ اس لئے نادم و مغلوب ہوں گے یا وہ دوزخ میں اس لئے جمع کئے جائیں گے تاکہ اللہ تعالے خبیث کفار طیب مومنین میں یا کفار کے خبیث مالوں مومنین کے طیب مالوں میں یا کفار کے خبیث اعمال اور مومنوں کے طیب اعمال میں چھانٹ کر دے (از تفسیر خازن و روح المعانی) **و یجعل الخبیث بعضہ علی بعض:** یہ عبارت معطوف ہے لیمیز پر ظاہر یہ ہے کہ یجعل۔ معنی۔ ضم ہے اور علی۔ معنی الی (روح المعانی) یعنی دنیا میں یا قیامت میں یا دوزخ میں اللہ تعالیٰ بعض کفار کو بعض کے ساتھ ملا دے ان تک پہنچا دے کہ سارے کفار جمع ہو کر دوزخ میں جائیں **فیرکمہ جمیعا:** یہ عبارت معطوف ہے یجعل پر یرکم بنا ہے رکوم سے۔ معنی چھانتہ بہ تہ کرنا اسی سے ہے سحاب مرکوم اور جیش مرکوم اس سے مراد ہے

www.alahazratnetwork.org

کفار کی کثرت بھیڑ کہ اولاً ہر قسم کے کافر الگ الگ جمع کئے جاویں پھر ان سب کو دوزخ میں پہنچایا جاوے **فیجعلہ فی جھنم** یہ عبارت معطوف ہے فیر کم پر چونکہ کفار کا اجتماع پہلے ہوگا اور ان سب کا دوزخ میں داخلہ بعد میں اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی یعنی پہلے انہیں دوزخ کے کنارہ پر جمع کرے پھر اس ساری بھیڑ کو دوزخ میں داخل کرے **اولئک ھم الخاسرون** یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ مضمون کا نتیجہ ہے یا اس کی وجہ خسارہ وہ نقصان والی تجارت ہے جس میں اصل رقم بھی برباد ہو جاوے ھم حصر کے لئے ہے یعنی کفار ہی پورے خسارہ والے ہیں رہے گنہگار مومن وہ اگرچہ نقصان والے تو ہیں مگر خسارہ والے نہیں لہٰذا حصر بالکل درست ہے **قل للذین کفروا** یہ نیا جملہ ہے جس میں لطف و کرم ظاہر فرما کر کفار کو دعوت اسلام دی گئی قل میں خطاب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے ہے اور حضور کے ذریعہ تاقیامت مبلغین اسلام سے ہر مبلغ مذکورہ وعدے کفار سے کرکے نہایت نرمی سے کفار کو دعوت اسلام دے کفروا سے مراد سارے کافر ہی ہیں خواہ وہ ہوں جو کفر پر مرنے والے خواہ وہ ہوں جن کے مقدر میں ایمان لانا ہے یہ وعدہ اور وعدہ کی یہ شرط سب ہی کے لئے ہے **ان ینتھوا یغفر لھم ما قد سلف** یہ پوری عبارت قل کا مقولہ ہے ان صرف معلق کرنے کے لئے آتا ہے اس میں شرط و جزا کا جوڑیا ممکن ہونا ضروری نہیں لہٰذا اس میں وہ کفار بھی داخل ہیں جن کا کفر سے باز رہنا ناممکن ہو جن کا کفر پر مرنا فیصلہ الٰہی میں آچکا انتہا کے معنی یہاں باز رہنا ہیں نہ کہ انتہا پر پہنچ جانا مراد ہے کفر و شرک یا حضور کی اور مسلمانوں کی دشمنی سے باز آجانا ظاہر یہ ہے کہ **ما سلف** سے مراد سارے گذشتہ گناہ کفر شرک اس زمانہ کے چھوٹے بڑے سارے گناہ ہیں اور شرعی حقوق سارے حقوق ہیں رہے حقوق العباد وہ اس سے خارج ہیں اس کا ضرور خیال رہے سلف سے مراد سارے گذشتہ قصور ہیں خواہ نئے ہوں یا پرانے **وان یعودوا فقد مضت سنۃ الاولین** یہ عبارت معطوف ہے **ان ینتھو** پر عود سے مراد یا تو لوٹنا ہے یعنی اسلام لانے کے بعد پھر کفر و مرتد ہو جانا یا کفر و شرک اور عداوت رسول پر اڑا رہنا ہے (روح المعانی) **فقد مضت** در حقیقت ان یعودوا کی جزا نہیں بلکہ جزا کی وجہ کا بیان ہے سنت بمعنی طریقہ ہے جس سے مراد عادت الٰیہ ہے کفار پر عذاب بھیجنے کی اولین سے مراد گذشتہ کفار ہیں جنہوں نے حضرات انبیاء کے مقابلہ میں پے در پے شکست پائی یعنی اگر یہ لوگ کفر پر اڑے رہے تو ان پر عذاب نازل ہوگا کہ مومنوں کو فتح دی جاوے گی اور انہیں ذلت و خواری کی شکست خیال رہے کہ اس قسم کی سنت کو رب تعالیٰ سے بھی نسبت ہے اس کی جاری فرمائی ہوئی ہے اور ان کفار سے بھی کہ ان میں جاری کی گئی ہے یہاں دوسری نسبت کے لحاظ سے اسے **سنۃ الاولین** کہا گیا اور **سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل** میں اور **لا تجد لسنتنا تحویلا** میں پہلی نسبت کے لحاظ سے رب تعالیٰ کی طرف منسوب فرمایا گیا لہٰذا آیت ان آیات کے خلاف نہیں۔

خلاصہ تفسیر مذکورہ کفار یہ مذکورہ عیوب اس لئے کرتے ہیں یا کل قیامت میں دوزخ کے کنارے اس لئے جمع کئے جائیں گے تاکہ اللہ تعالیٰ خبیث آدمیوں کو طیب و طاہر آدمیوں سے چھانٹ دے یا گندے برے کاموں کو اچھے نیک طیب کاموں سے چھانٹ دے پھر اس چھانٹ کے بعد بعض خبیثوں کو بعض کے ساتھ جمع فرمادے کہ یہ اپنی زیادتی کی وجہ سے تہ بہ تہ ہو جاویں ایک دوسرے پر پھر اس ساری بھیڑ کو دوزخ میں ڈال دے اے محبوب یہ لوگ پورے نقصان میں رہے کہ انہوں نے اپنی اصلی پونجی بھی برباد کر دی کہ اپنی زندگی کے لحات گناہوں بد عقیدگیوں میں گذارے عمر کے لحات خرچ کر دئے اعمال کا ذخیرہ جمع نہ

www.alahazratnetwork.org

کیا اے محبوب صلے اللہ علیہ وسلم اور اے اسلام کی تبلیغ کرنے والے مسلمان کفار کو تو یہ آیتیں یا ان کا یہ انجام سنا کر انہیں اللہ کی رحمت کا امیدوار بھی بنا دے ان سے کہدے کہ اگرچہ تم ہر طرح کے گناہ کر چکے لیکن اگر اب بھی تم اپنی مذکورہ حرکتوں سے باز آجاؤ کفر چھوڑ کر ایمان فسق چھوڑ کر تقوی اختیار کر لو تو تمہارے سارے گذشتہ گناہ شرک و کفر بد عملیاں سب معاف کر دی جائیں گی تمہارے گناہوں سے ہماری مغفرت زیادہ ہے اور اگر تم ضد پر اڑے رہے تو تم کو گذشتہ امتوں کے انجام کی خبر ہے کہ تمام کفار خائب و خاسر ناکام رہے اور ان کے مقابل مومنوں کو رب نے فتح و نصرت دی تمہارا بھی یہی انجام ہو گا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ:** انسان کی چھانٹ قومیت و طنیت زبان وغیرہ سے نہیں بلکہ صرف اور صرف ایمان و اعمال سے ہے سارے مومن ایک قوم ہیں اگرچہ زبان وطن قومیت میں مختلف ہوں اور سارے کافر علیحدہ مومن سے علیحدہ ہیں اگرچہ وطن و زبان میں یکساں ہوں یہ فائدہ **لیمیز اللہ** سے حاصل ہوا کہ یہاں چھانٹ کا ذریعہ خباثت اور طیب کو قرار دیا گیا

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

جو کوئی مسلمانوں میں قومیت ملک زبان کو چھانٹ کا ذریعہ بنائے مسلمانوں کو اس سے بکھیرے وہ فطرت الہیہ کا مقابلہ کرتا ہے انشاء اللہ کامیاب نہ ہو گا۔ **دوسرا فائدہ:** قیامت میں کافر کافروں کیساتھ ہو گا اگرچہ دنیا میں اجنبی ہوں مومنوں کے ساتھ نہ ہو گا اگرچہ اس کے عزیز ہوں یہ فائدہ **فیرکمہ جمیعا** سے حاصل ہوا اسی طرح انشاء اللہ مومن مومنوں بلکہ ولیوں بلکہ حضور محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہو گا رب فرماتا ہے **اولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین** جب ساتھ ایسا ہے تو پھر غم کا ہے کا

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو — کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانیوالے۔

تیسرا فائدہ: اگر گنہگار مومن کچھ روز کے لئے دوزخ میں گیا تو بھی کفار کے ساتھ نہ جائیگا اکیلا جائے گا یہ فائدہ **فیجعلہ فی جہنم** سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** خاسر یعنی دیوالیہ گھاٹے والا صرف کافر ہے گنہگار مومن اگرچہ نقصان میں ہے مگر دیوالیہ نہیں یہ فائدہ **ھم الخاسرون** کے حصر سے حاصل ہوا نقصان اور خسارہ کا فرق بیان ہو چکا۔ **پانچواں فائدہ:** مبلغ کو چاہیئے کہ صرف ڈراوے ہی تبلیغ نہ کیا کرے بلکہ بشارتیں وغیرہ بھی کیا کرے یہ فائدہ **قل للذین کفروا** سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ:** جن کفار کا کفر پر مرنا یقینی ہے تبلیغ انہیں بھی کی جاوے اس پر ثواب ملے گا یہ فائدہ الذین کفروا کے عموم سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ:** اسلام کی برکت سے کفر کے زمانہ کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ فائدہ **یغفر لہم ما سلف** سے حاصل ہوا چنانچہ زمانہ کفر کی عبادات کی قضا نہ کرے بحالت جہاد اس کے ہاتھ سے جو مسلمان شہید ہوئے انکا قصاص یا دیت ادا نہ کرے گا بلکہ ان جرموں کا گناہ بھی معاف ہو جاوے گا نیز اس زمانہ کی شراب خوری سود خوری وغیرہ بھی معاف ہو جاوے گی۔ **مسئلہ:** اگر کسی جہاد میں کافر حربی مسلمان غازی کا مال لوٹ لے گیا یا غازی نے اس کا مال لے کر غنیمت بنایا پھر یہ مسلمان ہو گیا تو دو طرفہ مال کی واپسی واجب نہیں (از روح المعانی) **مسئلہ:** اگر کافر ذمی نے چند سال کا جزیہ ادا نہیں کیا پھر مسلمان ہو گیا تو یہ جزیہ معاف ہو جاوے گا (روح المعانی)۔ **مسئلہ:** اگر کافر نے کسی کا قرض دینا ہے یا اس کے پاس کسی کی چوری ڈکیتی غصب

www.alahazratnetwork.org

امانت کامال ہے وہ مسلمان ہو گیا تو اسے یہ مال واپس کرنا ہوں گے (از روح المعانی) **مسئلہ:** اگر کافر نے زمانہ کفر میں چوری ڈکیتی وغیرہ جرم کئے پھر وہ مسلمان ہو گیا تو اس پر چوری ڈکیتی کی سزا ہاتھ کاٹنا یا سولی دینا جاری نہ ہو گی (روح المعانی) **مسئلہ:** اگر کفر غلام مسلمان ہو جاوے تو وہ غلامیت سے آزاد نہ ہو گا بلکہ بدستور اپنے مولیٰ کا غلام رہے گا یہ تمام اور اس کے علاوہ اور بہت سے مسائل **یغفر لهم ماسلف** سے حاصل ہوئے۔ **آٹھواں فائدہ:** مرتد کی ساری نیکیاں برباد ہو جاتی ہیں جو اس نے زمانہ اسلام میں کی تھیں یہ فائدہ **وان یعودوا** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب عود کے معنی ہوں اسلام سے پھر جانا۔ **مسئلہ:** وہ گنہگار جس نے عمر بھر گناہ کئے ہوں مرتد ہو جاوے پھر توفیق خداوندی سے دوبارہ مسلمان ہو تو اس کے سارے گناہ معاف ہو گئے یہ مذہب امام مالک کا ہے (روح المعانی) ان کے نزدیک ہر کفر کے گناہ اسلام لانے سے معاف ہو جاتے ہیں کفر اصلی ہو یا کفر طاری۔ **مسئلہ:** اگر کسی مسلمان پر نمازیں روزے واجب تھے جو اس نے ادا نہ کئے پھر وہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو اس پر وہ نماز روزے قضا کرنا واجب ہے اس دوبارہ اسلام سے پہلے اسلام کے زمانہ کے حقوق شرعیہ معاف نہ ہوں گے (خانیہ روح المعانی)۔ **مسئلہ:** کسی مسلمان پر حد قذف (تہمت کی سزا) یا چوری کی سزا یا قتل کا قصاص تھا وہ مرتد ہو گیا پھر دوبارہ مسلمان ہوا تو یہ سزائیں معاف نہ ہوں گی یوں ہی اگر زمانہ ارتداد میں یہ جرم کئے پھر مسلمان ہوا تب بھی وہ سزا پائے گا (روح المعانی۔ **مسئلہ:** اگر مسلمان پر شراب نوشی کی سزا تھی وہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو اب وہ سزا معاف ہو گی خلاصہ یہ ہے شراب خوری کے سوا باقی سزائیں باقی رہیں گی اس کے متعلق اور بہت سے احکام خانیہ تفسیرات احمدیہ روح المعانی میں اس جگہ دیکھو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مسلمانوں سے اور مسلمان کفار سے چھٹے ہوئے ہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ بعض مسلمان مسلمانوں سے کٹے چھٹے رہتے ہیں کفار سے گھلے ہے تو یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **جواب:** اگر اس آیت میں آخرت کا ذکر ہے تب تو کوئی اعتراض نہیں کہ کافر و مومن کی چھانٹ وہاں ہو گی اور اگر دنیا کا ذکر ہے تو مسلمانوں کی کفار سے یہ دوستیاں محض عارضی ہیں آخر کار کفار سے چھٹ جانا پڑتا ہے جیسے مسلمانوں کے آپس کی دشمنیاں عارض ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا **اولئک هم الخاسرون** جس سے معلوم ہوا کہ صرف کفار ہی خسارہ و نقصان میں ہیں حالانکہ گنہگار مومن بھی نقصان میں ہیں پھر حصر کیونکر درست ہوا۔ **جواب:** گنہگار مومن نقصان میں تو ہے مگر خسارہ میں نہیں کہ اس کے عقیدے درست ہیں جو نقصان اصل پونجی کو ختم کر دے وہ خسارہ ہے اصل پونجی ایمان ہے جسے انسان عالم ارواح سے ساتھ لایا ہے ہاں اس نے اپنے اعضاء کو نقصان میں ڈالا کہ ان سے نیکیاں نہ کیں لہٰذا حصر بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض:** تم نے کہا کہ یہ کفر سے سارے کافر مراد ہیں ازلی ہو یا عارضی یہ درست نہیں ازلی کافر کے لئے اگر نہیں کہا جا سکتا اس کا ایمان تو ممکن ہی نہیں۔ **جواب:** ان کے معنی ہیں اگر یہ صرف معلق کرنے کے لئے آتا ہے خواہ ممکن ہو یا ناممکن کہا جا سکتا ہے کہ اگر زید گدھا ہو تو ضرور رینگنے لگے حالانکہ دونوں باتیں ناممکن ہیں رب فرماتا ہے **ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین** اگر خدا کے بیٹا ہو تو اسے پہلے میں پوجوں حالانکہ دونوں باتیں ناممکن ہیں۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں ارشاد ہوا کہ اگر کفار ایمان قبول کر لیں تو ان کے سارے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جاویں تم نے یہ قیود کہاں سے لگائیں کہ فلاں گناہ معاف ہو گا فلاں نہیں حضرت عمرو ابن عاص کی روایت ہے کہ حضور انور نے ان سے فرمایا **الاسلام یهدم ماکان**

www.alahazratnetwork.org

قبلہ ہاں جی ماں لہ اسلام سے پہلے کے سارے گناہ مٹا دیتا ہے یوں ہی حج و ہجرت (مسلم) تم نے یہ قیود قرآن و حدیث کے خلاف کیوں لگائیں۔ **جواب:** اس اعتراض کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ یہ قیدیں استثناء عقلی کے طور پر ہیں جیسے قرآن مجید میں ہے کہ نماز مسلمانوں پر فرض ہے مگر اس سے بچے دیوانے ناپاک عورتیں علیحدہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: مومن روحانی نورانی مخلوق ہے کافر نفسانی ظلمانی مخلوق روح نفس سے نور تاریکی سے الگ چھپے ہوئے ہیں جیسے نور و تاریکی میں یگانگت نہیں ہو سکتی ذاتی طور پر بیگانگت ہے ایسے ہی مومن اور کافر میں ذاتی بیگانگت و جدائی ہے آیت کریمہ **لیمیز اللہ الخبیث** میں اسی بیگانگت کا ذکر ہے مومن وطن زبان رنگ و بو نسل وغیرہ کی قیدوں سے آزاد ہے مومن کا وطن اللہ کا وطن اللہ کے سارے ملک ہیں کیونکہ وہ اللہ تعالے کی مخلوق ہیں اور جناب مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مملوک مومن اللہ کا بندہ نبی کا امتی ہے لہذا اللہ نبی کی ساری چیزیں اس کی اپنی ہیں۔

خندید و دست خویش بہ شمشیر برد گفت ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدا ماست

عرش و فرش مومن کی ملک ہیں مومن کی قوم مسلمان ہے اس کا وطن مدینہ منورہ ہے اس کی اپنی زبان عربی ہے یہ وطن اور زبانیں جسمانی اور عارضی ہیں نماز و اذان خطبہ میں سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے بعد موت سب کی زبانیں عربی ہوں گی صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب تعالے نے انسان میں روح اور نفس کو مخلوط کر دیا ہے اور اعمال کی استعداد اس کی اصل پونجی ہے مومن متقی نفع کا تاجر ہے کہ اس نے روح نفس دونوں سے نفع کمایا اور غافل گنہگار مسلمان اس نے روح کا نفع کمایا نفس کا نقصان مگر کافر خسارہ میں ہے کہ اس کی روح اور نفس دونوں خسارہ میں رہے انسان اپنی بے وقوفی سے رب تعالے سے بھاگتا ہے وہ کریم ہے کرم سے اسے بلاتا ہے کہ مرتے وقت تک میرے پاس آجا میں تجھے معافی دے دوں گا رب تعالیٰ ہم کو لبیک کہنے حاضر بارگاہ ہونے کی توفیق دے۔

وَقَاتِلُوهُمْ حَتّٰى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَّيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ فَاِنِ انْتَهَوْا

اور جنگ کرو تم ان سے حتی کہ نہ ہو فتنہ اور ہو جائے دین تمام کا تمام اللہ کا پس اگر باز آجائیں

اور ان سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فساد باقی نہ رہے اور سارا دین اللہ ہی کا ہو جائے

فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (۳۹) وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ

وہ بے شک اللہ اس کو جو کرتے ہیں وہ دیکھنے والا ہے اور اگر منہ پھیریں وہ پس جان لو کہ بے شک

اگر وہ باز رہیں تو اللہ ان کے کام دیکھ رہا ہے اور اگر وہ پھریں تو جان لو کہ اللہ تمہارا مولیٰ

مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيرُ (۴۰)

اللہ تمہارا والی ہے وہ اچھا والی ہے اور اچھا ہے مدد والا۔

ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی اچھا مدد گار۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ خبیث کفار طیب مومنوں سے الگ ہیں ان میں اتحاد و اتفاق ناممکن ہے اب طیب مومنوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ کفار پر جہاد کریں تاکہ خبیث کا زور ٹوٹے وہ طیب بندوں کو دبا نہ سکے گویا خبیث کی ذات کا ذکر فرما کر اس کے احکام یا اس کے دفع کی تدبیر کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار خسارہ والے ہیں آپ کو ان پر جہاد کرنے کا حکم ہے جس میں مومن کا نفع ہی نفع ہے اور کفار کا گھاٹا ہی گھاٹا گویا یہ آیت گھاٹے کی تفسیر اس کی تفصیل ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ اگر کفار کفر سے باز نہ آئے تو انہیں پچھلے کفار کا انجام یاد رکھنا چاہئے اب اس انجام کا ذکر ہے کہ ان پر جہاد ہوگا جس میں مسلمانوں کی فتح اور ان کی شکست فاش یہ تو دنیاوی انجام ہے اخروی انجام اس کے علاوہ۔

نزول: حضرت عروہ ابن زبیر فرماتے ہیں کہ ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ میں مسلمان کفار مکہ کے ہاتھوں سخت فتنوں مصیبتوں آزمائشوں میں مبتلا تھے حتی کہ حضور انور نے انہیں حبشہ وغیرہ کی طرف ہجرت کرجانے کا حکم دیا یہ مسلمانوں پر پہلا فتنہ تھا پھر انصار مدینہ نے حضور انور کے ہاتھ شریف پر پہلی بیعت عقبہ کی اس خبر پر کفر مکہ اور زیادہ جل گئے اور مکہ میں جو مسلمان باقی تھے انہیں اور زیادہ ستانے لگے حضور انور کی ہجرت کے بعد جو کمزور مسلمان مکہ معظمہ رہ گئے ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑ دیئے ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر)

تفسیر: وقاتلواهم یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے یا معطوف ہے **قل للذین** پر اور واؤ عاطفہ ہے **قاتلو** بنا ہے قتال سے ۔ بمعنی ایک دوسرے سے بالمقابل لڑنا یعنی جہاد اس میں خطاب یا تو حضرات صحابہ سے ہے اور **هم** سے مراد کفار عرب میں یا سارے کفار خواہ عرب ہوں یا عجم یا خطاب سارے قومی مسلمانوں سے ہے جو تاقیامت ہوں گے اور **هم** سے مراد سارے کفار ہیں لہذا اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں اس کے نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلی تفسیر قوی ہے **حتی لا تکون فتنة** اس فرمان عالی کی بھی تین تفسیریں ہیں اگر **قاتلوهم** میں کفار عرب سے لڑنے کا حکم صحابہ کو دیا گیا ہے تو حتی انتہا کے لئے ہے اور فتنہ سے مراد ہے کفر و شرک یعنی کفار عرب سے اس وقت تک جہاد کرو کہ عرب میں شرک و کفر بالکل باقی نہ رہے کیونکہ عرب میں خصوصاً حجاز مقدس میں اسلام کے سواء کسی دین کے رہنے کی اجازت نہیں یا تو وہ کفار عرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں یا قتل کردیئے جائیں جزیہ وغیرہ ان کے لئے نہیں اور اگر **قاتلوهم** میں خطاب سارے مومنوں سے ہے اور **هم** سے مراد دیگر ملکوں کے کفار تو یا تو حتی ۔ بمعنی کے ہے یعنی تاکہ اور یا **فتنة** سے مراد کفر کا زور ہے جس سے مسلمان کو اسلام پر قائم رہنا عبادات کرنا مشکل ہو جائے یعنی اے صحابہ تم کفار عرب سے یہاں تک جہاد کرو کہ عرب میں کوئی کافر نہ رہے یا اے مسلمانو تم کفار سے جہاد کرو مگر مال عزت حاصل کرنے کے لئے نہیں بلکہ اس لئے کہ کفر کا زور ٹوٹے یا اس نیت سے تم جہاد کرو کہ کفار کو ایمان ملے اب خواہ وہ مسلمان ہوں یا نہ ہوں جزیہ دے کہ تمہاری رعایا بن جائیں ان کی مرضی مگر تمہاری نیت وہ ہی ہو تو تم کو ثواب ملے گا فرمایا نبی ﷺ نے **امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا اله الا الله** یہاں بھی یا تو الناس سے مراد کفار عرب ہیں یا حتی ۔ بمعنی کے ہے نہ کہ ۔ بمعنی انتہا یہ تفسیریں یاد رہیں **ویکون الدین کله لله** یہ عبارت

www.alahazratnetwork.org

معطوف ہے **لا تکون** پر حتی کے ماتحت ہے اس کی بھی تفسیریں ہیں جو ابھی گزریں کہ اگر کفار عرب پر جہاد مراد ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اس ملک میں سواء دین الٰہی یعنی اسلام کے اور کوئی دین نہ رہے اور اگر عام کفار پر جہاد مراد ہے تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ کا دین مغلوب نہ رہے کفار مسلمانوں کو نہ ستا سکیں نہ انہیں عبادات سے روک سکیں غالب دین اللہ کا ہی ہو جاوے اس پر عمل کرنے سے کوئی کسی کو روک نہ سکے **وان انتھو فان اللہ بما یعملون بصیر** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے یعنی کفار کا باز آجانا اس جملہ کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **انتھو** کا فاعل کفار عرب ہوں تو باز آجانے سے مراد کفر و شرک سے باز آجانا ہے دوسرے یہ کہ اس کا فاعل دوسرے ملک کے کفار ہوں تو باز آجانے سے مراد مسلمانوں سے لڑنے بھڑنے سے باز آجانا بھی ہے یعنی کفر کا زور ٹوٹ جانا **فان اللہ** ان کی خبر نہیں لہٰذا اس کی ف جزائیہ نہیں بلکہ یہ عبارت پوشیدہ جزا کی وجہ ہے اور فان کی ف تعلیلیہ ہے یعنی اگر کفار کفر سے باز آجائیں تو اللہ تعالیٰ انہیں گزشتہ کفر و گناہ کی معافی دے دے گا اور ان کے کفر کے زمانہ کی نیکیوں کا ثواب دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے سارے گزشتہ موجودہ آئندہ اعمال کو دیکھ رہا ہے اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں یعقوب کی قراءت ہے **تعملون** ت سے اور اس میں مجاہد مومنین سے خطاب ہے یعنی اگر اے مجاہدو تمہارے حملہ کرنے سے پہلے ہی کفار مسلمان ہو جائیں یا ہتھیار ڈال دیں تو بھی رب تعالیٰ تم کو جہاد کا ثواب دے گا کیونکہ وہ تمہارے جسمانی 'دلی' روحانی اعمال کو دیکھ رہا ہے تمہاری نیتوں سے خبردار ہے ان کے ایمان لانے ہتھیار ڈالنے کا ثواب تم کو عطا فرمائے گا (از روح المعانی) **وان تولوا فاعلموا ان اللہ مولکم** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فان انتھوا** پر **تولو** کا فاعل وہ ہی کفار عرب یا دوسرے عام کفار ہیں اس فرمان عالی میں ایک مسئلہ ارشاد ہوا یعنی اگر کفار مومن بن جانے یا ہتھیار ڈال دینے کے بعد اسلام سے یا تمہاری اطاعت سے پھر جاویں کہ تم پر سرکشی کریں یا یہ مطلب ہے کہ اگر وہ کفر و سرکشی سے باز نہ آئیں بلکہ تم سے جنگ کرنے پر آمادہ ہو جاویں (خازن' روح المعانی) اس کی جزا **فاعلموا** نہیں بلکہ پوشیدہ ہے یعنی تم جہاد پر تیار ہو جاؤ یہ یقین کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارا والی وارث ہے مولیٰ بنا ہے ولی یا ولایت سے یہ مصدر میمی۔ بمعنی اسم فاعل ہے اس کے معنی ہیں مددگار' سید' متولی یہ اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور اس کے بندوں کی بھی فرماتا ہے **فاللہ مولاہ و جبریل و صالح المومنین۔ نعم المولی و نعم النصیر** یہ فرمان عالی مولاکم کا بیان ہے **نعم** کا فاعل **المولی** اور **النصیر** ہے اس کا مخصوص بالمدح ہو پوشیدہ ہے یعنی اچھا والی اچھا مددگار رب تعالیٰ ہی ہے کہ اس کی ولایت اس کی مدد کے ہوتے ہوئے تم کو کسی کی ولایت و مدد کی حاجت نہیں اور تم کسی سے مغلوب نہیں ہو سکتے ان شاء اللہ تم غالب و فاتح رہو گے مولیٰ اور والی یوں ہی نصیر اور ناصر کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان آیات کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے دو تفسیروں کا خلاصہ عرض کرتے ہیں ۔ ۱۔ اے جماعت صحابہ تم کفار عرب سے جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ اس مبارک خطہ میں کفر و شرک بالکل نہ رہے اس طرح کہ وہ یا تو اسلام قبول کر لیں یا عرب چھوڑ دیں یا قتل کر دیئے جاویں اس خطہ میں صرف اسلام رہے یہاں سارا دین اللہ تعالیٰ کا ہو جاوے یعنی اسلام لیکن اگر کفار تمہارے حملہ سے پہلے ہی کفر سے باز آ کر اسلام میں داخل ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کو بہت ثواب دے گا ان کے سارے گناہ بخش دے گا کیونکہ رب تعالیٰ ان کے سارے اعمال دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں

www.alahazratnetwork.org

کفر پر اڑے رہیں تو تم جہاد پر تیار ہو جاؤ یقین کرو کہ تمہارا مدد گار اللہ تعالیٰ ہے وہ سارے مولاؤں سے بہتر مولیٰ ہے اور سارے مددگاروں سے اچھا مددگار اس کی مدد کے ہوتے ہوئے تم کسی غیر کی مدد کے حاجت مند نہیں۔2۔ اے مسلمان غازیو تم تاقیامت کفار پر جہاد کرتے رہو یہاں تک کہ ان کے کفر کا زور ٹوٹ جاوے ان کا فتنہ یعنی مسلمانوں پر دباؤ نہ رہے اللہ کا دین بھی آزاد دین ہو جائے لیکن اگر کفار بغیر جہاد ہی کفر سے باز آجائیں مسلمان ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ ان کے سارے گناہ معاف فرمادے گا اور انہیں بے کراں حساب دے گا کیونکہ وہ ان کے سارے نیک و بد اعمال کو دیکھ رہا ہے اور اگر وہ اسلام سے منہ موڑیں تو تم ان پر جہاد کرو اللہ پر توکل جان کہ وہ تمہارا والی ہے وہ ہی اچھا والی اچھا مددگار ہے تمہیں کسی غیر کی حاجت نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**: اسلامی قانون سے ملک عرب میں سوائے اسلام کے دوسرا دین نہیں رہ سکتا یہ فائدہ **حتی لاتکون فتنة** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ فتنہ سے مراد کفر و شرک ہو اور **قاتلوهم** میں **هم** سے مراد کفار عرب ہوں۔ **دوسرا فائدہ**: کفار عرب سے جزیہ قبول نہ ہو گا ان کے لئے دو ہی راستے ہیں قتل یا اسلام یہ فائدہ بھی لاتکون فتنہ کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: ملک عرب کے علاوہ باقی تمام جہان میں جہاد کا مقصود کفار کو مٹانا کفر و شرک کو فنا کرنا نہیں ہوتا صرف کفر کا زور توڑنا مقصود ہوتا ہے یہ فائدہ **لاتکون فتنة** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ فتنہ سے مراد کفر کا زور ہو وہاں کفار کے لئے تین راستے ہیں اسلام 'جزیہ' یا قتل 'اس کی تفسیر وہ آیت ہے **حتی یعطوا الجزیة عن ید وهم صاغرون**۔ **چوتھا فائدہ**: جہاد میں غنیمت حاصل کرنے ملک جیتنے اپنی ناموری وغیرہ کسی چیز کی نیت نہ کی جاوے صرف بلندی اسلام کی نیت سے جہاد ہونا چاہئے یہ فائدہ **حتی تکون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ حتی۔ معنی کے ہو جیسا کہ ابھی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**: جب مقصد جہاد پورا ہو جاوے مثلاً کفار مسلمان ہو جاویں یا جزیہ قبول کرلیں پھر ہرگز تلوار استعمال نہ کی جاوے فوراً امان دے دی جاوے یہ فائدہ **حتی لایکون** میں حتی کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ انتہا کے لئے ہو۔ **چھٹا فائدہ**: اسلام کی برکت سے زمانہ کفر کے سارے گناہ معاف ہو جاتے ہیں یہ فائدہ **بمایعملون بصیر** سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔ **ساتواں فائدہ**: غازی مومن کو چاہئے کہ بھروسہ اللہ پر کرے نہ کہ صرف ہتھیار اور ظاہری اسباب پر۔ بھروسہ اللہ پر وہ ہتھیار ہے جو مسلمان کے پاس تو ہے کفار کے پاس نہیں یہ فائدہ **نعم المولی** اور **نعم الرسول** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اگر جزیرہ عرب میں کفار کو رہنے کی اجازت نہیں تو یہ دین میں جبر ہوا یعنی کفار کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کیا حالانکہ رب فرماتا ہے **لااکراہ فی الدین**۔ **جواب**: جبر جب ہوتا جبکہ انہیں صرف اسلام کا حکم دیا جاتا انہیں اختیار ہو گا کہ عرب سے نکل جاویں یا اسلام قبول کرلیں جیسے دوسرے ملکوں کے کفار کو اجازت ہے کہ جزیہ دیں یا مسلمان ہو جاویں۔ **دوسرا اعتراض**: آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ عرب میں کفار کو رہنے کی اجازت نہیں یہ تو ظلم ہے۔ **جواب**: اس کی حکمتیں ہماری کتاب اسرار الاحکام میں ملاحظہ کرو یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ جیسے بعض مقامات اللہ تعالیٰ نے اپنے بنا لئے ہیں وہاں کے داخلہ پر سخت پابندیاں ہیں جیسے مسجد کعبہ معظمہ کہ وہاں گندے انسان یا گندگی والے کو داخلہ کی اجازت نہیں منہ میں بدبو ہو کپڑے

بدبودار ہوں۔ حقہ' پیاز' لہسن کھا کر وہاں نہیں جا سکتے ایسے ہی اللہ تعالٰی نے عرب کو اشاعت اسلام کا مرکز بنایا اسے اپنے دین اپنے رسول کے لئے خاص کر لیا وہاں کفار کو رہنے کی اجازت نہیں اب بھی حکومتوں کے دار الخلافہ میں بعض ایسی پابندیاں ہوتی ہیں جو دوسری جگہ نہیں ہوتیں ہم نے رام پور' جونا گڑھ وغیرہ میں بعض مقامات وہ دیکھے جہاں صرف پگڑی والوں کو جانے کی اجازت تھی جبکہ یہ اسلام ریاستیں تھیں بعض مقامات پر فوٹو گرافروں کے جانے کسی کو کیمرہ لے جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ سارا دین اللہ کا ہی ہو اس کا مطلب کیا ہے دین تو آدھا پاؤ ہوتا ہی نہیں۔ **جوب**: اس کا مطلب ابھی تفسیر میں گزر گیا اس کے دو مطلب ہیں۔ 1 سارے ملک عرب میں دین اللہ کا ہی ہو یعنی اسلام دوسرا دین نہ ہو۔ 2۔ پورا غلبہ صرف اللہ کے دین اسلام کو ہی ہو جاوے کسی دین کا غلبہ نہ رہے کوئی کافر کسی مسلمان کو عبادات سے روک نہ سکے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ تعالٰی ہی مولٰی وہ ہی مددگار ہے اور اچھا مددگار ہے اس کی مدد کے ہوتے کسی مدد کی ضرورت نہیں پھر تم نبیوں ولیوں کی مدد کیوں لیتے ہو۔ **جواب**: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ صرف اللہ تعالٰی ہی شافی الامراض ہے صرف اللہ تعالٰی ہی حاکم ہے پھر تم بیماری میں طبیب سے ظلم کے موقعہ پر حاکم سے مدد کیوں لیتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بندے کی مدد اللہ تعالٰی ہی کی مدد ہے بندہ اس کی مدد کا مظہر ہے فرماتا ہے **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا** دیکھو اس آیت میں مددگار تین مقرر فرمائے اللہ رسول سارے متقی مومن فرماتا ہے **فان اللہ ھو مولٰہ وجبریل وصالح المومنین والملئکۃ بعد ذٰلک ظہیر** وہاں چار مولٰی فرمائے اللہ تعالٰی حضرت جبریل متقی مومنین فرشتے وہ آیات گویا اس آیت کی تفسیر یا تفصیل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جہاد کفار تو کسی خوش نصیب مومن کو کبھی نصیب ہوتا ہے مگر جہاد نفس نانجار ہر مومن کو ہر وقت میسر ہے نور ہدایت دل و جان کے ہتھیار ہیں تاریکی و گمراہی نفس امارہ کے اوزار یہاں قلب و روح کو حکم ہے کہ تم نفس امارہ اور اس کے ساتھیوں سے ایمان و صدق کی تلوار کے ذریعہ جنگ کرتے رہو حتی کہ نفس و ہوا کا فتنہ جاتا رہے یہ تم کو خدا رسی سے روک نہ سکے تم میں سارا دین اللہ کا ہی ہو جاوے وجود ختم موجود گم ہو جاوے تاکہ جو حاصل ہو تم میں انا نہ رہے فنا آجاوے اگر نفس امارہ اپنی رکاوٹوں سے باز آجاوے وہ امارہ سے مطمئنہ میں تبدیل ہو جاوے تو اللہ تعالٰی عبودیت اور صدق دل کی اس کو جزا دے گا وہ نفس کا ہر حال دیکھ رہا ہے لیکن اگر نفس اور اس کے ساتھ سرکشی کریں اور اطاعت سے منہ پھیریں تو اے قلب و روح تم یقین رکھو کہ اللہ تمہارا والی ہے وہ اس جہاد نفس میں تمہاری مدد کرے گا وہ تمہارا مولٰی ہے تم اس تک پہنچنے میں اس کی مدد لو وہ تمہارا مددگار ہے تم سے تمام وہ چیزیں دفع فرماوے گا جو اس تک پہنچنے میں رکاوٹ ہیں دین کے کام میں بے دینی سے مدد نہ لو

در کار دین زمردم بے دیں مدد مخواہ ‌ ‌ ‌ از ماہ نخشب مطلب نور صبح گاہ
دوستی نفس را بگذار و بگزر از نفس ‌ ‌ ‌ ہمچو مردان طالب حق باش نے جویا نفس

رب تعالٰی اس قال کو حال بنادے جہاد نفس کی توفیق دے۔

اللہ تعالٰی کا شکر ہے کہ **تفسیر نعیمی** نواں پارہ 11 شوال 1388ھ 1/69-1 بدھ کے دن شروع ہوا اور آج 8 جمادی الاول 1390ھ مطابق 13 جولائی 1970ء دوشنبہ کے دن 9 بجے صبح بخیر و خوبی ختم ہوئی رب تعالٰی قبول فرمائے اسے صدقہ جاریہ

www.alahazratnetwork.org

کرے، جو کوئی فقیر کی اس حقیر خدمت سے فائدہ اٹھائے وہ مجھ گنہگار سیہ کار کو دعا خیر سے یاد کرے رب تعالٰی بہ طفیل محبوب کریم ﷺ مجھے اپنے حبیب کا عشق اپنا خوف تقوی کی زندگی ایمان پر خاتمہ نصیب کرے اپنے محبوب ﷺ کے غلاموں کے ساتھ حشر نصیب کرے۔

وصلے اللہ تعالٰے علٰی حبیبه و خیر خلقه و نور عرشه سیدنا محمد و اٰله و اصحابه و بارک وسلم

احمد یار خان نعیمی- اشرفی- بدایونی وارد حال گجرات مغربی پاکستان

(8 جمادی الاولی 1390ھ یوم دوشنبہ مبارکہ)

www.alahazratnetwork.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

38 اردو بازار ★ لاہور

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب .... تفسیر نعیمی (پارہ دہم)

مصنف .... حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات 509

کمپوزنگ .... مسلم کمپوزنگ سنٹر 4/C داتا دربار مارکیٹ لاہور

پرنٹر .... پیر بھائی پرنٹرز

ناشر .... مکتبہ اسلامیہ 38 اردو بازار لاہور

www.alahazratnetwork.org

فہرست

نمبر شمار	صفحہ	عنوان
۱	۹	واعلموا انما غنمتم من شئی
۲	۹	تقسیم غنیمت صرف اسلام میں شروع ہوئی
۳	۱۱	نبی کریم اور عثمان غنی کا نسب نامہ
۴	۱۲	مسکین وفقیر کا فرق
۵	۱۳	کفار کے متروکہ مال کی قسمیں اور حکم
۶	۱۴	مومنین کی شان نبی کریم کے طفیل ہے
۷	۱۵	حدیث متواتر سے نسخ قرآن جائز ہے
۸	۱۶	اذ انتم بالعدوۃ الدنیا
۹	۲۱	بدر کے قیدیوں میں صدیق اکبر کی رائے کا فائدہ
۱۰	۲۱	اذ یریک ھم اللہ فی منامک
۱۱	۲۲	نبی کریم کو خواب میں کون سی چیز دکھائی گئی
۱۲	۲۷	خواب اور نظر نگاہ کا فرق
۱۳	۲۷	یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم فئۃ
۱۴	۲۸	جہاد کے چار آداب
۱۵	۳۳	نعرۂ تکبیر ونعرۂ رسالت بھی ذکر اللہ ہے
۱۶	۳۴	ولا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم
۱۷	۳۸	بطر فخر اور نفاق کا فرق
۱۸	۳۹	کس نیکی پر ثواب ملتا ہے کس پر نہیں
۱۹	۳۹	و اذ زین لھم الشیطان
۲۰	۴۰	کفار بدر سے شیطان کی ملاقات کا واقعہ
۲۱	۴۲	عقبہ کی وجہ تسمیہ
۲۲	۴۳	شیطان وفرشتے شکلِ انسانی میں آسکتے ہیں
۲۳	۴۴	شیطان بدر میں کس وجہ سے ڈر کر بھاگا
۲۴	۴۴	محبت کی قسمیں
۲۵	۴۵	اذ یقول المنفقون والذین فی
۲۶	۴۶	بدر اور صلح حدیبیہ میں منافق نہ گئے
۲۷	۴۹	ولو تری اذیتوفی الذین کفروا
۲۸	۵۱	کتنے فرشتے کس طرح جان نکالتے ہیں
۲۹	۵۳	کافر اور مومن کی موت میں فرق
۳۰	۵۴	کداب ال فرعون والذین من قبلھم
۳۱	۵۶	ال کا معنی
۳۲	۶۰	ذکر اللہ اور نعمت اللہ کی کون قدر کرتا ہے
۳۳	۶۰	کداب ال فرعون (الخ) کذبو بایت اللہ
۳۴	۶۱	نبی علیہ السلام الوہیت و ربوبیت خدا کی آیت ہیں
۳۵	۶۳	کفر کی قسمیں اور ان میں فرق
۳۶	۶۵	الذین عھدت منھم
۳۷	۷۱	صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کی سن ہجری
۳۸	۷۲	ولا یحسبن الذین کفروا
۳۹	۷۵	کس مومن کے گھر جن نہیں جاتے
۴۰	۷۵	ظلم کی اقسام
۴۱	۷۶	تیاری جہاد کی فضیلت

www.alahazratnetwork.org

۴۲	۷۹	بڑا جہاد نفس سے ہے
۴۳	۷۹	و ان جنحوا للسلم فاجنح لها
۴۴	۸۴	کافر خود صلح چاہیں تو قبول کرو خود نہ جھکو
۴۵	۸۶	نبی پاک اور امتی کی ماں باپ کی دعا میں فرق
۴۶	۸۷	محبت پیدا کرنے کا مجرب عمل
۴۷	۸۸	یا ایها النبی حسبک الله
۴۸	۸۸	شانِ نزول حضرت عمر کا ایمان اور اس وقت کتنے مسلمان ہو چکے تھے۔
۴۹	۸۹	ابوجہل یعنی عمرو ابن ہشام حضرت عمر کا سگا ماموں تھا۔
۵۰	۹۲	حضرت عمر کے فضائل
۵۱	۹۵	یاایها النبی حرض المومنین
۵۲	۹۶	حث اور تحریض و رغبت کا فرق
۵۳	۹۷	مومن کی لڑائی جہاد کیوں کافر کی جنگ کیوں
۵۴	۹۹	فرض کفایہ اور فرض عین کا ایک فرق
۵۵	۱۰۳	ما کان لنبی ان یکون له
۵۶	۱۱۰	اللہ کے وعدوں کا خلاف ناممکن ہے
۵۷	۱۱۱	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مثل سورج کبھی جلال کبھی جمال ہیں
۵۸	۱۱۲	یا ایها النبی قل لمن فی ایدیکم
۵۹	۱۱۶	نبی کریم کی نگاہ پاک اندھیرے اجالے، دور و نزدیک ہر وقت دیکھ سکتی تھی اور ہے
۶۰	۱۱۸	ان الذین امنوا وهاجروا وجاهدوا
۶۱	۱۲۰	نبی کریم کے والدین طیبین کے مزارات کہاں ہیں اور کیوں ہوئے اس کی وجہ
۶۲	۱۲۲	مہاجرین صحابہ کا درجہ انصار سے زیادہ ہے
	۱۲۳	چھ وجہ سے ولی کے پانچ معنی
۶۳	۱۲۵	والذین کفروا بعضهم اولیاء بعض
۶۴	۱۲۷	مسلمانوں کی آپس کی دشمنی فرقہ پرستی اور کفار سے محبت تباہی ہے
۶۵	۱۳۰	والذین امنوا من بعدوها جروا
۶۶	۱۳۵	سورئہ توبہ مدنیہ
۶۷	۱۳۵	سورۂ توبہ کے دس نام اور ان کی وجہ
۶۸	۱۳۵	سورہ توبہ میں بسم اللہ شریف کیوں نہیں لکھی گئی
۶۹	۱۳۷	صدیق اکبر خلیفہ برحق اور علی مرتضیٰ ان کے وزیر ہیں۔
۷۱	۱۳۷	براة من الله ورسوله
۷۲	۱۳۹	نکتہ عجیبہ حضرت علی جلال الٰہی کے مظہر صدیق اکبر جمال الٰہی کے
۷۳	۱۴۰	سِیرٌ سریٰ اور سیخ کا لغوی فرق
۷۴	۱۴۵	و اذان من الله ورسوله
۷۵	۱۴۷	علم نحو کو کس نے مرتب کیا
۷۶	۱۵۰	الا الذین عهدتم من المشرکین
۷۷	۱۵۴	فاذا انسلخ الاشهر الحرم
۷۸	۱۵۵	نسخ قرآن، حدیث اور اجماع امت سے جائز ہے
۷۹	۱۵۷	تو مسلم مرد و عورت نماز کب پڑھیں زکوٰۃ کب دیں۔
۸۰	۱۶۰	وان احد من المشرکین استجارک
۸۱	۱۶۲	دین و عقائد میں تقلید جائز نہیں

www.alahazratnetwork.org

نمبر	صفحہ	مضمون
۸۲	۱۶۴	کیف یکون للمشرکین عهد عندالله
۸۳	۱۶۷	کیف و ان یظهروا علیکم لا یرقبو فیکم
۸۴	۱۷۱	ابوطالب دل کے مومن تھے
۸۵	۱۷۲	لا یرقبون فی موسن الا و لاذمه
۸۶	۱۷۶	و ان نکثوا ایمانهم من بعد عهدهم
۸۷	۱۸۰	نبی کریم کے گستاخ کو ضرور قتل کیا جائے گا اگرچہ توبہ کرے
۸۸	۱۸۰	نعلین پاک اور بال شریف کی گستاخی کفر ہے۔
۸۹	۱۸۳	قاتلوهم یعذبهم الله بایدیکم
۹۰	۱۸۷	ذاتی دشمن کی موت پر خوشی منع ہے دینی دشمن کے مرنے پر خوشی منانا سنت انبیاء و حکم ربی ہے۔
۹۱	۱۸۷	ام حسبتم ان تترکوا و لما یعلم الله
۹۲	۱۹۱	ما کان للمشرکین ان یعمروا مسجد الله
۹۳	۱۹۲	گیارہ طریقے سے مسجد کی آبادی ہوتی ہے
۹۴	۱۹۴	کون لوگ مسجد کی آبادی کے اہل ہیں
۹۵	۱۹۵	حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد میں چراغاں کیا
۹۶	۱۹۵	کن صحابہ نے مسجد نبوی میں کیا زینت کی
۹۷	۱۹۸	اجعلتم سقایة الحاج
۹۸	۲۰۱	کعبہ، قرآن لفظی، عرش فرش سب سے افضل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
۹۹	۲۰۳	الذین امنوا و هاجروا و جاهدوا
۱۰۰	۲۰۹	سب سے بڑا درجہ صحابہ کا ہے
۱۰۱	۲۱۰	خادم اور متخادم کا فرق
۱۰۲	۲۱۰	یا ایها الذین امنوا لا تتخذو اباء کم
۱۰۳	۲۱۲	ولایت ومحبت کا فرق۔ ولی کے معنی
۱۰۴	۲۱۵	یہود و نصاریٰ عورت سے کس مسلمان کا نکاح حرام ہے
۱۰۵	۲۱۵	حقوق اللہ وحقوقِ رسول سب سے مقدم ہیں
۱۰۶	۲۱۸	تمام مسلمانوں کی نسبت بھی نبی کریم سے ہے اور نسب بھی
۱۰۷	۲۱۸	لقد نصرکم الله فی مواطن کثیرة
۱۰۸	۲۱۹	غزوۂ حنین کا واقعہ
۱۰۹	۲۲۲	حنین سے پہلے اسی ۸۰ غزوات ہوئے اور اسی ۸۰ کا عدد کثیر ہے
۱۱۰	۲۲۳	آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سب جہان سے زیادہ بہادر ہیں۔
۱۱۱	۲۲۵	عادل کسے کہتے ہیں معصوم صرف انبیا اور ملائکہ ہیں۔
۱۱۲	۲۲۵	ثم انزل الله سکینته علی رسوله
۱۱۳	۲۲۷	مقامِ جعرانہ کی وجہ تسمیہ
۱۱۴	۲۳۰	یا ایها الذین امنوا انما المشرکون نجس
۱۱۵	۲۳۲	حرم شریف کے حدود اربعہ
۱۱۶	۲۳۳	کفار کے نجس ہونے کے متعلق چند قول
۱۱۷	۲۳۳	کفار جسماً ناپاک یعنی نجس العین نہیں حنفی مسلک اور اس کے دلائل

www.alahazratnetwork.org

۱۱۸	۲۳۴	نجس اور نجس کا فرق
۱۱۹	۲۳۷	قاتلوا الذین لایومنون باللہ
۱۲۰	۲۳۹	ید بمعنی ہاتھ کتنے معنی میں استعمال ہوتا ہے
۱۲۱	۲۴۰	جزیہ کے احکام
۱۲۲	۲۴۴	وقالت الیھود عزیز بن اللہ
۱۲۳	۲۴۵	یہودیوں اور عیسائیوں کو یہود و نصاریٰ کیوں کہتے ہیں۔
۱۲۴	۲۴۹	اتخذوا احبارھم ورھبانھم
۱۲۵	۲۵۴	یریدون ان یطفئوا نور اللہ بافواھھم
۱۲۶	۲۵۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور کس وجہ سے ہیں۔
۱۲۷	۲۵۶	اکمال اور اتمام کا فرق
	۲۶۲	یاایھاالذین آمنو کثیرا
۱۲۸	۲۶۵	ابوذر غفاری اور امیر معاویہ کا مناظرہ
۱۲۹	۲۶۸	یوم یحمی علیھا فی نار جھنم
۱۳۰	۲۶۹	بخیل کے تین اعضا کیوں داغے جائیں گے کم و بیش کیوں نہیں
	۲۷۱	ان عدۃ الشھود
۱۳۱	۲۷۲	قمری شمسی مہینوں کا تذکرہ
۱۳۲	۲۷۳	ہجرت کس مہینہ میں ہوئی سنہ ہجری سنت فاروقی ہے۔
۱۳۳	۲۷۵	اسلامی مہینوں کے نام اور وجہ تسمیہ
۱۳۴	۲۷۶	سب سے افضل مہینے کون سے ہیں
۱۳۵	۲۷۸	انما النسیی زیادۃ فی الکفر
۱۳۶	۲۸۰	مہینہ بدلنے کا موجد کون ہے
۱۳۷	۲۸۴	یا ایھا الذین امنوا مالکم اذاقیل لکم
۱۳۸	۲۸۶	سورۂ توبہ کا نام سورۂ توبہ کیوں ہے
۱۳۹	۲۸۶	غزوہ تبوک نبی کریم کا آخری جہاد ہے
۱۴۰	۲۸۷	دنیا آخرت کے مقابل بہت تھوڑی ہے چند وجہ سے
۱۴۱	۲۹۰	الا تنصروہ فقد نصرہ اللہ
۱۴۲	۲۹۱	پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کا واقعہ
۱۴۳	۲۹۴	حضرت عمر کا رشک
۱۴۴	۲۹۵	ثانی اثنین کی عجیب عددی تحقیق
۱۴۵	۲۹۶	اللہ تعالیٰ کی ہمراہی کتنی طرح کی ہے
۱۴۶	۲۹۷	فضائل صدیق اکبر
۱۴۷	۳۰۱	چار خلفاء چار صفات کے مظہر اتم ہیں
۱۴۸	۳۰۲	انفروا خفافا وثقالا
۱۴۹	۳۰۶	لو کان عرضا قریبا وسفرا قاصدا
۱۵۰	۳۰۸	جھوٹی قسمیں کھانے کا وبال اور نقصان
۱۵۱	۳۱۰	نبی کریم سے جہان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں
۱۵۲	۳۱۰	عفا اللہ عنک لم اذنت لھم
۱۵۳	۳۱۱	عفو کے چھ معنی
۱۵۴	۳۱۱	تین چیزوں سے سختی سے بچو
۱۵۵	۳۱۵	اللہ تعالیٰ کس کو کس طرح جانتا ہے
۱۵۶	۳۱۶	انما یستاذنک الذین لایومنون
۱۵۷	۳۲۰	تحقیق و تدقیق کا فرق
۱۵۸	۳۲۲	لو خرجو کم مازادو کم الاخبالا
۱۵۹	۳۲۴	خیال کے سات معنی
۱۶۰	۳۲۹	ومنھم من یقول اذن لی
۱۶۱	۳۳۲	نبی کریم کی رضا کے بغیر مدینے پاک میں رہنا گناہ بلکہ کفر ہے
۱۶۲	۳۳۴	ان تصبک حسنۃ تسوھم

www.alahazratnetwork.org

۱۶۳	۳۳۸	غم اور فخر تکبر اور بے صبری سے بچنے کا طریقہ
۱۶۴	۳۴۰	قل هل تربصون بنا الا احدى الحسنيين
۱۶۵	۳۴۵	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کی تاثیر گناہ کو نیکی تکلیف کو راحت بنا دیتا ہے۔
۱۶۶	۳۴۵	وما منعهم ان تقبل منهم نفقاتهم
۱۶۷	۳۵۱	خلافتِ صدیقی میں منکرینِ زکوٰۃ نہ تھے بلکہ مانعین زکوٰۃ پیدا ہوئے
۱۶۸	۳۵۲	مال اولاد کی محبت تین طرح کی ہے
۱۶۹	۳۵۲	ہلاک کرنے والی تین چیزیں
۱۷۰	۳۵۲	ويحلفون بالله انهم لمنكم
۱۷۱	۳۵۵	شروع سے ہی مسلمان دو قسم کے ہیں دینی اور قومی
	۳۵۷	ومن هم من يلمزك
۱۷۲	۳۵۹	لمز همز کے معنی اور اس کا فرق
۱۷۳	۳۶۲	ذکرِ الٰہی کی قسمیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ
۱۷۴	۳۶۳	انما الصدقات للفقراء والمساكين
۱۷۵	۳۶۴	فقیر اور مسکین کا لغوی ترجمہ اور ان کا فرق
۱۷۶	۳۶۸	زکوٰۃ کی حکمتیں
۱۷۷	۳۷۳	و منهم الذين يؤذون النبي
۱۷۸	۳۷۷	نبی کریم سب کی سنتے ہیں مگر مانتے صرف مومنوں کی ہیں
۱۷۹	۳۷۸	امنوا کے ساتھ ب اور لام کا فرق
۱۸۰	۳۸۱	يحلفون بالله لكم ليرضوكم
۱۸۱	۳۸۴	اللہ رسول کو ملانا ایمانِ کامل ہے
۱۸۲	۳۸۴	نبی کریم کی رضا سب پر مقدم ہے
۱۸۳	۳۸۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کی طرف سے قربانی اور حج کرنا جائز ہے۔
۱۸۴	۳۸۶	يحذر المنفقون ان تنزل عليهم سورة
۱۸۵	۳۹۴	المنافقون و المنافقات بعضهم من بعض
۱۸۶	۳۹۵	منافقوں کی تعداد
۱۸۷	۳۹۶	وعدہ اور وعید کا فرق۔ جہنم کے معنی
۱۸۸	۴۰۰	كالذين من قبلكم كانوا اشد منكم
۱۸۹	۴۰۵	مومن دنیا میں تیرتا رہتا ہے اور کافر ڈوبتا ہے۔
۱۹۰	۴۰۶	الم ياتهم نبا الذين من قبلهم
۱۹۱	۴۰۷	چھ ہلاک شدہ کافر قوموں کے نام و سکونت
۱۹۲	۴۱۱	والمومنون والمومنات بعضهم
۱۹۳	۴۱۲	ولی کے معنی اور امر بالمعروف کسے کہتے ہیں
۱۹۴	۴۱۶	کافر کبھی آپس میں مخلص دوست نہیں ہوتے ان کی محبتیں سیاسی ہیں
۱۹۵	۴۱۷	اللہ تعالیٰ نمازیوں کو پانچ نمازوں سے پانچ رحمتیں عطا فرمائے گا۔
۱۹۶	۴۱۸	وعدالله المومنين والمومنت

www.alahazratnetwork.org

بحضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

www.alahazratnetwork.org

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ

اور جانو تم کہ تحقیق چیز جو غنیمت بناؤ تم پس تحقیق اللہ کا ہے پانچواں حصہ اُسکا

اور جان لو کہ جو کچھ غنیمت لو تو اس کا پانچواں حصہ خاص اللہ اور رسول

وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَ الْمَسٰکِیْنِ وَابْنِ

اور اُنکے رسول کا اور رشتہ داروں کا اور یتیموں اور محتاجوں اور

اور قرابت والوں اور یتیموں اور محتاجوں اور

السَّبِیْلِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا یَوْمَ

مسافروں کا ہے اگر ہو تم ایمان رکھتے اللہ پر اور وہ جو اتارا ہم نے اوپر بندے اپنے

مسافروں کا ہے اگر تم ایمان لائے ہو اللہ پر اور اس پر جو ہم نے اپنے

الْفُرْقَانِ یَوْمَ الْتَقَی الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۱﴾

کے دن فرق کے وہ دن کہ ملیں دو جماعتیں اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

بندے پر فیصلہ کے دن اتارا جس دن دونوں فوجیں ملی تھیں اور اللہ سب کچھ کرسکتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جہاد کا ذکر ہوا وقاتلوهم حتى لا تكون فتنة (الخ) اور اکثر جہاد میں فاتحین کو مال غنیمت بھی ملتا ہے۔ لہذا اب تقسیم غنیمت کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار اور ان کے مالوں کو خبیث فرمایا گیا تھا۔ اب ارشاد ہے کہ اگر ان کا مال جہاد میں بطور غنیمت آئے تو تمہارے لئے طیب ہے۔ بشرطیکہ اس کی تقسیم درست ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مسلمانوں تمہارا والی تمہارا ناصر اللہ تعالیٰ ہے اب اس ولایت ونصرت کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ وما انزلنا على عبدنا (الخ)

شانِ نزول: عام علماء فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ غزوہ بدر کے موقع پر نازل ہوئی۔ جب بعد فتح تقسیم غنیمت کا وقت آیا چونکہ اس سے پہلے کبھی مال غنیمت تقسیم نہ ہوا تھا۔ از حضرت آدم تا حضرت عیسیٰ علیہ السلام تمام گذشتہ دینوں میں مال غنیمت پہاڑ پر رکھ دیا جاتا تھا۔ اگر اس میں خیانت نہ ہوتی تو سفید رنگ کی غیبی آگ آتی اور اسے جلا ڈالتی۔ یہ علامت قبولیت تھی۔ بدر میں پہلا موقع تھا کہ مال غنیمت غازیوں میں تقسیم ہوا۔ اس لئے اس تقسیم کے طریقہ میں گفتگو ہوئی۔ تب یہ

www.alahazratnetwork.org

آیت کریمہ اتری۔ مگر امام واقدی فرماتے ہیں کہ یہ آیہ کریمہ غزوہ بنی قینقاع کے موقع پر آئی کیونکہ سب سے پہلے بنی قینقاع سے خمس لیا گیا۔ بدر کی غنیمت سے خمس لیا ہی نہ گیا۔ خیال رہے کہ یہ غزوہ قینقاع غزوہ بدر سے ایک ماہ تین دن بعد ہوا ہے یعنی ہجرت کے بیس مہینے بعد شوال کو ہوا جبکہ غزوہ بدر ۱۷ رمضان ۲ھ جمعہ کو ہوا تھا۔ (روح البیان۔ کبیر۔ روح المعانی وغیرہ)

تفسیر: **واعلموا انما غنمتم من شیء** قوی یہ ہے کہ جملہ نیا ہے، کسی جملہ پر معطوف نہیں لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے نہ کہ عاطفہ اعلموا میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے بر مذہب حنفی کیونکہ تقسیم غنیمت کا طریقہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی شریف میں ہی تھا، بعد کو نہ رہا۔ جیسا کہ انشاء اللہ عنقریب معلوم ہوگا۔ امام شافعی کے ہاں تاقیامت مسلمان غازیوں سے ہے کیونکہ ان کے ہاں یہ طریقہ تقسیم تاقیامت جاری ہے۔ اعلموا کے معنی ہیں جان لو اور یاد رکھو۔ جاننے سے مراد یقیناً جاننا۔ **انما** میں ما کافہ نہیں جیسا کہ عموماً ہوا کرتا ہے بلکہ ماصولہ ہے بمعنی وہ تو چاہئے تھا کہ ان سے الگ لکھا جاتا جیسا کہ ان ما توعدون لات میں ہے۔ مگر چونکہ رسم الخط عثمانی میں ماان سے ملا کر ہی لکھا گیا ہے، اس لئے تاقیامت ایسا ہی لکھا جاتا رہے گا۔ قرآن کریم کے رسم الخط میں بھی صحابہ کی پیروی لازمی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ما سے مراد ہر منقولی چیز ہے، چھوٹی ہو یا بڑی۔ مفتوحہ زمین اس سے خارج ہے کہ وہ مجاہدین میں تقسیم نہیں ہوتی ورنہ سارے مفتوحہ ملک مجاہدین میں بٹے ہوتے۔ غنم بنا ہے غنم سے غین کے پیش نون کے سکون سے بمعنی نفع وکامیابی **الغرم و بالغنم** اصطلاح شریعت میں غنیمت وہ منقولی مال ہے جو کفار سے مسلمان قہر و غلبہ سے حاصل کریں۔ لہٰذا اگر چہ دو چار مسلمان دار الحرب میں گھس کفار سے مال چھین لائیں یا جو مال کفار سے لڑے بغیر حاصل ہو، جیسے صلح سے یا کفار کے خود بھاگ جانے سے، وہ فیئ ہے۔ غنیمت میں اس کی تقسیم غنیمت کی طرح نہ ہوگی۔ یوں ہی جزیہ، فدیہ سے حاصل شدہ مال غنیمت نہیں۔ یوں ہی سب یعنی جہاد میں مقتول کافر کا بدنی مال، جوڑا گھوڑا وغیرہ اگر حاکم اس انعام کا اعلان کر دے کہ غنیمت میں سارا مومن قاتل کو ملے گا۔ یہ تفصیل خیال میں رہے من شیئ کا بیان ہے۔ اس میں **شیء** کا عموم بیان ہوا۔ کچھ شئ چھوٹی ہو یا بڑی حتیٰ کہ سوئی دھاگہ تک خیال رہے کہ قیدی کفار بھی مال غنیمت ہیں۔ اس میں امام کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔ (روح المعانی وغیرہ) **وان للہ خمسہ** یہ عبارت ایک پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے، اصل میں یوں تھا **فحکمہ ان للہ خمسہ** اس لئے ان مفتوح آیا چونکہ ما غنمتم میں شرط کے معنی تھے۔ اس لئے خبر میں ف جزائیہ آئی۔ ایک قراۃ میں فان الف کے کسرہ سے ہے تو اس سے پہلے مبتدا پوشیدہ نہیں۔ عام فقہاء فرماتے ہیں کہ یہاں اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے جیسے رب کا فرمان **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** اللہ کا ذکر صرف برکت کے لئے ہے (تفسیر بیضاوی) روح المعانی۔ یا حضور انور کی عظمت دکھانے کے لئے کہ رب تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ کو اپنا حصہ فرمایا۔ یہ ہی حق ہے۔ بعض نے غنیمت کو حصہ کرنے کا حکم دیا۔ ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے نام کا حصہ علیحدہ کیا جاوے جو کعبہ معظمہ اور دوسری مساجد پر وہاں کے اماموں اور خطیبوں پر خرچ ہوگا۔ یہ قول ابو العالیہ کا ہے (تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی) مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ اس صورت میں خمس کے چھ حصے ہو جائیں گے۔ حالانکہ قرآن کریم پانچ کر رہا ہے۔ بعض نے کہا اللہ تعالیٰ کا حصہ تو نکالا جائے گا مگر وہ حضور ﷺ ہی کے حصہ میں شامل کر دیا جائے گا مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس صورت

www.alahazratnetwork.org

میں حضور انور کا حصہ خمس نہ رہے گا بلکہ اس سے زیادہ ہو جائے گا۔ یہ درست نہیں۔ بہر حال یہ فرمان عالی برکت اور حضور ﷺ کی عظمت کے اظہار کے لئے ہے لہٰذا اس کے معنی ہوئے کہ غنیمت کا پانچواں حصہ اللہ کی راہ کے لئے ہے۔ اس کی تفصیل آگے ہے کیونکہ یہ لام نہ تو ملکیت کا ہو سکتا ہے نہ نفع کا، کہ رب تعالیٰ تو دونوں جہان کا مالک ہے اور نفع اٹھانے سے پاک ہے (معانی) بہر حال یہ حکم اجمالی جس کی تفصیل میں پانچ چیزیں ارشاد ہوئیں۔ پہلی چیز ہے وللرسول۔ یہ معطوف ہے اللہ پر اس میں لام ملک کا ہے اور الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ شاید کوئی خیال کر لیتا کہ جیسے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے، ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صرف برکت کے لئے ہے۔ اس لئے للرسول علیحدہ لام کے ساتھ ارشاد ہوا تا کہ پتہ لگے کہ للہ میں لام اور مقصد کے لئے تھا اور للرسول میں لام اور مقصد کے لئے۔ وہاں ملکیت نہ تھی یہاں ملکیت مراد ہے قرآن مجید میں الرسول سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ ساری غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں گے۔ ایک حصہ اللہ رسول کا، باقی چار حصے مجاہدین کے پھر اس پانچویں حصے کے پانچ حصے ہوں گے جن میں ایک حصہ یعنی ساری غنیمت کا پانچواں حصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ حضور انور یہ حصہ اپنی ازواج پاک اور اپنی ضروریات پر خرچ کرتے تھے۔ ہر بیوی صاحبہ کو سال کا خرچہ کھجوریں وغیرہ عطا فرما دیتے تھے جو باقی بچتا وہ آئندہ جہاد پر خرچ کرتے تھے۔ تیر، تلوار، مجاہدین پر دوسرا حصہ۔ ولذی القربیٰ۔ یہ عبادت معطوف ہے للرسول پر۔ شاید کوئی کہتا کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حصہ میں شامل ہوں گے۔ انہیں علیحدہ حصہ نہ دیا جائے گا۔ اس لئے یہاں علیحدہ لام ارشاد ہوا۔ (روح البیان ومعنی وغیرہ) ذی کے معنی ہیں والا۔ قربیٰ مصدر ہے بمعنی قرابت ذی قربیٰ قرابتہ دار۔ اس سے حضور ﷺ کے قرابت والے۔ رشتہ دار مراد ہیں۔ مگر ہر رشتہ دار نہیں بلکہ وہ جنہوں نے حضور انور کا آڑے وقت میں ساتھ دیا۔ حضور انور کا نسب شریف یہ ہے۔ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب بن عبد مناف ابن قصی ابن کلاب ابن مرہ ابن کعب ابن لوی ابن غالب ابن فہر ابن مالک ابن نضر ابن کنانہ نضر ابن کنانہ کی اولاد قریش کہلاتی ہے۔ ہاشم کی اولاد بنی ہاشم کہے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ قرشی ہاشمی ہیں۔ عبد مناف کے کل چار بیٹے تھے جن میں عبداللہ۔ ابو طالب حمزہ۔ عباس اور ابولہب حارث زبیر بہت مشہور ہیں۔ یہ تمام لوگ ہاشمی کہلاتے ہیں کہ ہاشم کی اولاد میں ہیں۔ حضرت عثمان عبد الشمس کی اولاد سے ہے۔ آپ کا نسب یہ ہے عثمان ابن عفان ابن ابی العاص ابن امیہ ابن عبد شمس ابن عبد مناف اور جبیر ابن مطعم نوفل کی اولاد سے۔ حضور انور نے خیبر کی غنیمت کا خمس بنی ہاشم اور بنی مطلب کو تو دیا۔ حضرت عثمان اور جبیر کو نہ دیا۔ ان دونوں حضرات نے شکایت کی کہ بنی ہاشم تو واقعی ہم سے افضل ہیں کہ ان میں آپ ﷺ پیدا ہوئے مگر بنی مطلب کا اور ہمارا رشتہ حضور ﷺ سے یکساں ہے پھر حضور ﷺ نے بنی مطلب کو کیوں دیا۔ ہم کو کیوں نہ دیا۔ حضور ﷺ نے جواب دیا کہ بنی مطلب اور بنی ہاشم دونوں نے اسلام کی اشاعت ہماری مدد میں بڑا حصہ لیا ہے باقی دو قبیلوں نے نہیں لیا (روح المعانی وغیرہ) اس سے پتہ لگا کہ یہاں قربیٰ سے مراد قرابت کا قرب نہیں بلکہ نصرت وقرابت دونوں قرب ہیں خیال رہے کہ جہاں نسب نصرجمع تھے وہاں خمس تھا اس اہل قرابت کو قرابت کی وجہ سے یہ حصہ دیا جاتا تھا خواہ وہ فقیر ہوں یا غنی والیتمیٰ۔ یہ

www.alahazratnetwork.org

معطوف ہے ذی القربیٰ پر یتیم وہ نابالغ انسان جس کا باپ فوت ہو چکا ہو۔ یہاں یتامیٰ سے مراد عام مسلمان یتیم ہیں۔ خواہ قرابت رسول والے ہوں یا ان کے علاوہ۔ ظاہر یہ ہے کہ دوسرے یتیم مراد ہیں کیونکہ قریبی یتیم ذی القربیٰ میں داخل ہیں۔ مراد اس سے یتیم فقیر ہیں۔ چونکہ شبہ تھا کہ یتیم کو حصہ نہ ملے کیونکہ اس نے جہاد نہ کیا۔ اس شبہ کو دفع فرمانے کے لئے اس کا ذکر خصوصیت سے فرمایا۔ (روح المعانی) والمسکین وابن السبیل مسکین اور فقیر کا فرق بیان ہو چکا ہے کہ مسکین وہ جس کے پاس مال بالکل نہ ہو۔ فقیر وہ جس کے پاس مال نصاب سے کم ہو۔ وابن السبیل وہ راہگیر مسافر یہ اگر چہ اپنے گھر میں غنی ہو مگر بحالت سفر غریب ہو تو اسے بھی اس خمس سے حصہ ملے گا۔ ان کنتم امنتم باللہ یہ جملہ نیا ہے۔ جس کی جاز پوشیدہ ہے اس لئے یہ خطاب حضرات صحابہ سے ہے یعنی اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس حکم پر ایمان بھی لاؤ۔ عمل بھی کرو۔ غنیمت کا پانچواں حصہ اس طرح تقسیم کرو۔ خیال رہے کہ ان فرمانا شک وتردد کے لئے نہیں بلکہ رغبت دلانے کے لئے ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کرو۔ وما انزلنا علی عبدنا یوم الفرقان۔ یہ عبارت معطوف ہے باللہ پر اس میں ما انزلنا سے وہ غیبی مدد۔ فرشتے اور حضور ﷺ کے معجزات مراد ہیں جو بدر میں واقع ہوئے۔ عبدنا سے مراد حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور ﷺ کو عبدنا فرمانا آپ ﷺ کی انتہائی عزت افزائی ہے۔ اس میں یہ بتایا گیا کہ غزوہ بدر کی ساری فتوحات معجزات ملائکہ کا نزول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خاطر ہے تم لوگوں نے ان سے فائدہ اٹھایا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ ان کے طفیل ہے۔ ایک قرأۃ میں عبدنا ہے۔ عین اور ب کے پیش سے جمع عبد کی۔ اس صورت میں اس سے سارے غازی مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں عبدنا بمعنی اسی جنس سے جس سے مراد غازیان بدر ہیں۔ (معانی) مگر یہ ضعیف ہے ورنہ علیکم چاہئے تھا کہ پہلے کنتم آمنتم صیغہ خطاب سے ارشاد ہوا۔ یوم الفرقان سے مراد بدر کا دن ہے چونکہ اس دن مومن اور کافر کی چھانٹ ہوگئی۔ اسلام کی حقانیت کا ظہور ہوا اس لئے اسے یوم الفرقان کہا گیا۔ یعنی چھانٹ اور فرق کا دن۔ یوم التقی الجمعن یہ عبارت یوم الفرقان کا بدل یا اس کا بیان ہے۔ جمعان سے مراد کفار ومومنین کے لشکر۔ التقی کے معنی جنگ کے لئے ملے۔ چونکہ بدر کی غیبی امداد پر ایمان لانا اسی کا باعث تھا کہ اس کی غنیمت کی تقسیم منشاء الٰہی کے مطابق ہو۔ کیونکہ یہ فتح اور غنیمت اللہ نے دی ہے۔ واللہ علی کل شئی قدیر یہ عبارت نیا جملہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو تم بدر کا واقعہ دیکھو اور سنو اور میری قدرت کاملہ کا اقرار کرو کہ وہ ایسی قدرت والا کہ اس نے تین سو تیرہ نہتوں سے ایک ہزار ہتھیار بند بہادروں کو شکست دے دی وہ چاہے تو ابابیل سے فیل کو ہلاک کر دے۔ ان باتوں پر غور کرو اور پڑھو ان اللہ علی کل شئی قدیر اس آیت کی مکمل تفسیر ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غازیان بدر یقین رکھو۔ جان لو کہ جہاد میں تم نے جو بھی منقول مال چھوٹا بڑا۔ کفار سے بطور غنیمت حاصل کیا اس کے پانچ حصے کرو ایک حصہ اللہ کے نام کا۔ باقی چار حصے غازیوں کی ملک۔ اللہ کے حصے کے پانچ حصے کیے جائیں گے ان میں سے ایک حصہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے جسے وہ اپنی ذات، اپنے گھر والوں پر صرف کریں اور دوسرا حصہ ان محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ان قرابتوں کا ہے جو نسب اور نصرت میں ان کے قریب ہیں۔ امیر ہوں یا غریب اور تیسرا

www.alahazratnetwork.org

حصہ عام یتیموں کا چوتھا حصہ عام مسکینوں کا اور پانچواں حصہ راہ گیر مسافروں کا۔ اے صحابہ اگر تمہارا اللہ تعالیٰ پر ایمان ہو۔ اور اس فتح و نصرت فرشتوں کے نزول پر بھی ایمان ہو جو بدر کے دن اس بندہ خاص پر نازل ہوئے اور ان کے صدقہ تم سب پر تو تم ضرور اس حکم پر عمل کرو۔ بدر کا دن حق و باطل میں فیصلہ کن اور فرق کا دن ہے اس دن دو جماعتیں بھڑی تھیں۔ مومنوں کی اور کافروں کی۔ تم اس دن کی فتح و نصرت پر غور کرو۔ اور پڑھو اللہ تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے۔ جس نے تین سو تیرہ نہتے کمزور مسلمانوں کے ہاتھوں ایک ہزار ہتھیار بند پہلوانوں کو شکست دے دی۔ جس نے دو کم سن ناتجربہ کار بچوں کے ہاتھوں ابو جہل جیسے سرکش کو قتل کرا کے اس کا غرور خاک میں ملا دیا۔ وہ چاہتے تو ابابیل سے فیل مروا دے۔ کمزوروں سے بہادروں کو ہلاک کرا دے اس پر بھروسہ کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مال غنیمت تھوڑا ہو یا زیادہ زمانہ نبوی میں اس کے پانچ حصے ہوتے تھے چار حصے مجاہدین کے اور ایک حصہ اللہ کا۔ یہ فائدہ ماہ اور من شئی سے حاصل ہوا۔ اسلام میں مجاہدین کی تنخواہ نہیں ہوتی۔ غنیمت سے انہیں حصہ ملتا ہے مسئلہ غنیمت وہ مال ہے جو جہاد میں جبراً کفار سے چھینا جاوے اور مال منقول ہو۔ زمین غلام اس سے خارج ہیں۔ ان دونوں میں یہ تقسیم نہ ہوگی۔

مسئلہ: جو مال دو چار مسلمان دار حرب میں جا کر کفار سے چھین لاویں احناف کے ہاں وہ غنیمت نہیں ان میں یہ تقسیم نہیں ان کے احکام جداگانہ ہیں۔ مسئلہ سلب اور صفی میں تقسیم جاری نہ ہوگی سلب مقتول کافر کے جسم کا مال گھوڑا۔ جوڑا۔ ہتھیار۔ یہ سب کچھ اس کے قاتل غازی کو ملے گا۔ امام شافعی کے یہاں بہر حال۔ احناف کے ہاں جبکہ امام نے جہاد کے وقت اس انعام کا اعلان کر دیا ہو۔ صفی وہ مال ہے جسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لئے پسند فرمائیں۔ اس لئے ایک بی بی صاحبہ کا نام صفیہ ہے یعنی منتخب شدہ بی بی۔

مسئلہ: اس پر مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں غنیمت کے اس خمس کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ چھ حصوں کا قول شاذ و نادر ہے ان پانچ حصوں کی تقسیم یوں تھی۔ ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ دوسرا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابۃ کا۔ تیسرا یتیموں کا۔ چوتھا مسکینوں کا۔ پانچواں مسافروں کا۔ اس آیت میں یہ ہی ذکر ہے۔

مسئلہ: حضرت امام شافعی کے نزدیک حضور انور کی وفات کے بعد یہ ہی تقسیم باقی ہے۔ مگر حضور انور کا حصہ مسلمانوں کی مصلحتوں پر صرف ہوگا۔ یا جہاں سلطان مناسب سمجھے اور قرابت داروں کا حصہ اس طرح بنی ہاشم اور بنی مطلب پر صرف ہوگا۔ بنی عبد شمس اور بنی نوفل کو نہ ملے گا۔ مگر ہمارے امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک حضور انور کی وفات شریف سے یہ دونوں حصے ختم ہو گئے۔ اب خمس کی تقسیم تین حصوں میں ہوگی۔ یتیموں۔ مسکینوں۔ مسافروں پر۔ ہاں ان تینوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل قرابۃ مقدم رکھے جائیں گے۔ (تفسیر احمدی روح البیان مدارک وغیرہ) امام اعظم کے دلائل حسب ذیل ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

1۔ حضرت خلفاء راشدین نے حضور ﷺ کی وفات شریف کے بعد خمس کی تقسیم اس طرح کی حتیٰ کہ حضرت ابوبکر صدیق نے بنی ہاشم سے فرمایا کہ ہم اس خمس سے تمہارے فقرا کو دیں گے۔ کنواروں کی شادیاں کردیں گے۔ جس کے پاس خادم نہ ہوگا اسے خادم دیں گے۔ مگر تمہارے مالدار لوگ یوں ہی یتیم مالداروں کا حصہ کچھ نہیں۔ (روح المعانی۔ احمد وغیرہ)

2۔ اہل قرابت رسول کا حصہ صرف قرابت داری کی وجہ سے نہ تھا۔ ورنہ حضرت عثمانؓ اور حضرت جبیرؓ کو بھی ملتا بلکہ حضور انور کی مدد کرنے کی بنا پر ہے وامدونی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ختم ہوگئی تو ان کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔

3۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے صفی ختم ہوگیا۔ کہ جو حضور ﷺ پسند فرمائیں وہ حضور ﷺ کا یوں ہی آپ ﷺ کا خمس کا حصہ بھی ختم ہوگیا۔ (معانی)

4۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی خلافت میں خمس ان تین ہی حصوں میں تقسیم فرمایا۔ (مدارک تفسیر ابن عباس ان حضرات کا یہ عمل اس آیت کی تفسیر ہے۔

لطیفہ: خمس کے متعلق شیعہ فرقہ کا عجیب عقیدہ ہے۔ ان کے نزدیک اس کے چھ حصے ہوں گے۔ جن میں اگلے تین یعنی اللہ کا حصہ نبی کا حصہ اور نبی کے اہل قرابتہ کا حصہ امام برحق کا حصہ ہے جو قائم مقام رسول کے ہے۔ باقی تین حصے یتیم مسکین، مسافر یہ سب قرابتہ رسول کے لئے خاص ہیں۔ جنہیں ان کے یتیموں مسکینوں، مسافروں کو ملیں گے۔ ان کو چاہئے کہ اگلے تین حصے امام مہدی کے پاس غار سر من رامیں بھیج دیا کریں۔ جہاں وہ چھپے بیٹھے ہیں۔ کیونکہ وہ ہی قائم مقام رسول ہیں۔ (روح المعانی)

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضور ﷺ کے صدقہ میں خاص مومنین کا بڑا درجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کے حصہ کو اپنا حصہ فرمایا۔ یہ فائدہ للہ خمسہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ قرابتہ دار جو حضور ﷺ کے مددگار اور معاون رہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑے ہی عزت وشان والے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے غنیمت کے خمس میں حصہ دار بنایا۔ یہ فائدہ ولذی القربی سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو قرابتہ دار دشمن رہے وہ ساری مخلوق میں بدترین۔ دیکھو ابولہب حضور ﷺ کا چچا تھا مگر سخت دشمن تھا۔ اس کی برائی میں پوری سورہ نازل ہوئی کسی کافر کے لئے پوری سورہ قرآن میں نہ آئی سواء ابولہب کے۔

چوتھا فائدہ: غنیمت کے خمس میں درست تقسیم ایمان کی علامت ہے۔ یہ فائدہ ان کنتم امنتم باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ:** غزوہ بدر کے واقعات یعنی فرشتوں کا نزول ہے۔ حضور ﷺ انور کا ایک دن پہلے کفار کے قتل کی جگہ کی خبر دے دینا۔ چھوٹے بچوں کا ابوجہل کو قتل کرنا۔ تھوڑے سے مسلمانوں کا کفار کی بڑی اور مضبوط جماعت پر غالب آنا اللہ تعالیٰ کی وہ نشانی قدرت ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے یہ فائدہ وما انزلنا علی عبد (الخ) سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹا فائدہ: حضرات صحابہ ان کے حالات ان کے صفات رب تعالیٰ کی قدرت کا نمونہ ہیں۔ انہیں دیکھو اور رب کی قدرت کا پتہ لگاؤ۔ یہ فائدہ اس آیت کے آخر میں واللہ علی کل شئی قدیر فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: تقسیم غنیمت کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ ہے۔ سورہ انفال کی پہلی آیت میں قل الانفال للہ والرسول (الخ) اور یہاں اس جگہ اور سورہ حشر میں ما افاء اللہ علی رسولہ (الخ) مگر سورہ انفال کے شروع میں اس کے انفال فرمایا۔ یہاں غنیمت اور سورہ حشر میں لفظ فی۔ مگر ان آیتوں میں سخت تعارض ہے کیونکہ شروع انفال میں صرف دو مصرف بیان ہوئے للہ وللرسول۔ یہاں پانچ یا چھ سورہ حشر میں بھی چھ یا پانچ۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: یہ آیت سورہ حشر کی آیت کے تو بالکل موافق ہے۔ دونوں جگہ مصارف یکساں بیان ہوئے صرف لفظ غنیمت اور فی میں فرق ہے مگر وہاں بھی فی سے مراد غنیمت ہے رہی سورہ انفال کی پہلی آیت اسے تفسیر احمدی میں اس آیت سے منسوخ مانا ہے مگر یہ جواب قوی نہیں۔ حق یہ ہے کہ وہ آیت مجمل ہے اور یہ آیت اعلموا انما الخ سے اس کی تفصیل ہے۔ وہاں صرف یہ بتانا تھا کہ غنیمت کی تقسیم کا اختیار اللہ و رسول کو ہے یہاں ان کے اختیارات کا اظہار ہے لہٰذا آیات میں تعارض نہیں۔

دوسرا اعتراض: قرآن کریم کی اس آیت نے رسول اور ذی قربیٰ کا خمس میں حصہ مقرر فرمایا اور یہ نہ کہا کہ یہ حکم حضور انور کی زندگی شریف میں ہے بعض میں نہ رہے مگر خلفاء راشدین نے حضور ﷺ کے بعد صرف تین حصے رکھے دو ختم کر دیئے تو کیا صحابہ کو قرآن کریم کی آیت منسوخ کرنے کا اختیار تھا۔ قرآن کریم فعل صحابہ سے منسوخ نہیں ہو سکتا تا قیامت پانچ حصے ہیں۔ (شافعی)

جواب: اس کا جواب تفسیر احمدی نے یہ دیا ہے کہ فعل صحابہ حدیث متواتر ہے اور حدیث متواتر سے قرآن کریم کا نسخ جائز ہے بلکہ بہت جگہ واقع ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے شوافع کے ہاں جائز نہیں۔ مگر فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ خلفاء رشدین کا وہ فعل اس آیت کا نسخ نہیں بلکہ اس کا بیان ہے کہ یہ تقسیم ایک شرط کے ماتحت تھی جب وہ شرط ختم ہوگئی تو حکم بھی ختم ہو گیا۔ یعنی ذی قربیٰ کا حصہ حضور ﷺ کی امداد کی بنا پر تھا۔ وہ امداد تو ختم ہو چکی تو حصہ بھی ختم ہو گیا۔ جیسے قرآن کریم میں زکوٰۃ کے مصارف مؤلفۃ القلوب کا بھی ذکر ہے مگر عہد فاروقی میں انہیں نکال دیا گیا کیوں۔ اس لئے کہ وہ وجہ نہ رہی جس سے انہیں مصرف قرار دیا گیا تھا۔ یعنی ضعف اسلام۔

تیسرا اعتراض: یہاں ایمان کے دو رکن بیان ہوئے۔ اللہ تعالیٰ اور بدر کے دن خصوصی واقعات کا ارشاد ہوا۔ ان کنتم امنتم باللہ وما انزل (الخ) حالانکہ ایمان کے ارکان۔ اللہ، رسول، کتاب، قیامت، وغیرہ کو ماننا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: وہ سارے ارکان امنتم باللہ میں داخل فرمائے گئے۔ اللہ پر ایمان وہ ہی رکھتا ہے جو اس کے رسول فرشتے قیامت وغیرہ پر ایمان رکھے۔ چونکہ غازیان بدر اس دن کے کرشمے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے اور یہاں ذکر بھی اس بدر کی غنیمت تقسیم کرنے کا ہے اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا کہ اس کی تقسیم میں اس رب کا اس کے رسول کا حکم مانو جن کے فضل و کرم سے تم کو یہ شاندار فتح نصیب ہوئی۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: بدر میں رب کی رحمتیں سارے غازیوں پر ہی اترتی تھیں۔ پھر ان کو علی عبدنا فرمایا کہ ہمارے بندے محمد مصطفیٰ ﷺ پر اتریں۔

جواب: ایک قراۃ میں علی عبدنا ہے۔ عین اور ب کے پیش سے عبد کی جمع تب تو کوئی اعتراض نہیں بعض علماء نے فرمایا کہ عبد سے مراد جنس عبد ہے یعنی سرے غازیان اسلام۔ تب بھی کوئی اعتراض نہیں لیکن اگر عبدنا سے مراد حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔ تب ظاہر ہے کہ اللہ کی رحمتیں بدر کی فتوحات وغیرہ بلاواسطہ تو حضور ﷺ پر اتریں۔ حضور انور ﷺ کے واسطہ سے دوسروں پر مقصود بالذات حضور انور ﷺ ہیں۔ اور سب حضور ﷺ کے طفیلی۔ لہٰذا آیت واضح ہے۔

پانچواں اعتراض: خمس کے جو مصارف بیان ہوئے کیا ان سب پر خمس تقسیم کرنا ضروری ہے۔ یعنی حضور انور ﷺ یا بعض پر بھی صرف کیے جا سکتے ہیں۔

جواب: تفسیر روح البیان نے اس جگہ بحوالہ تحفہ بیان فرمایا کہ یہ تینوں مصارف خمس ایسے ہیں جیسے مصارف زکوٰۃ کہ سب پر صرف کرو۔ تب بھی جائز ہے اور اگر ان میں سے کسی ایک پر صرف کرو تب بھی درست ہے۔ کیونکہ یہ مصرف ہیں ان میں استحقاق نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں یہاں کی ساری نعمتیں دنیا والوں کو عمر میں سب کچھ گویا مال غنیمت ہے جو ہم کو رب تعالیٰ کی طرف سے بطور عطیہ ملی ہے۔ شعر۔

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر ‏ ‏ ‏ زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نہ ماند

اس سب کو صرف نفس پر خرچ نہ کر بلکہ اس کے چھ حصے کرو۔ ایک حصہ اللہ کے لئے کہ اس وقت میں اللہ کے فرائض ادا کرو۔ ایک حصہ اس کے رسول کے لئے کہ ان کی سنتیں ادا کرو۔ ایک حصہ حضور ﷺ کے قرابتداروں اولیاء اللہ مشائخ عظام علماء کرام کے لئے کہ ان کی طاعت وفرمانبرداری کرو۔ فرماتا اطیعو الله و اطیعو الرسول و اولی الامر منکم ہے یہ ہے۔ اس غنیمت کی تقسیم ایک یتیم یعنی نفس کے لئے کہ یہ دنیا میں یتیم ہے ایک حصہ اپنے روح کے لئے کہ یہ اس دنیا میں گویا مسافر ہے اس کا وطن آخرت ہے۔ ایک حصہ اپنے دل کے لئے گویا یہ مسکین ہے۔ اپنی زندگی اور یہاں کی ساعتوں یہاں کی نعمتوں کو ان سب پر تقسیم کرو۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اے انسان تو اور تیری حقیقت گویا بدر کا میدان ہے۔ جس میں دو جماعتیں نفسانی اور روحانی قوتیں جمع ہیں۔ ایک دن ان کے فرق کا ہے۔ جب نفس و روح میں چھانٹ ہو جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جو چاہے کہ متفرقین کو جمع کرے یا جمع کو متفرق فرمادے۔

اِذْ اَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوٰى
جب تم بیچ کنارہ قریب میں تھے اور وہ بیچ کنارہ دور کے اور
جب تم نالے کے اس کنارے تھے اور کافر پرے کنارہ اور قافلہ

www.alahazratnetwork.org

وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ ۚ وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعٰدِ ۙ

قافلہ نیچے تھا تم سے اور اگر تم وعدہ کر لیتے تو البتہ جھگڑتے تم وعدہ میں

تم سے ترائی میں اور اگر تم آپس میں کوئی وعدہ کرتے تو ضرور وقت پر برابر نہ پہنچتے

وَلٰكِنْ لِّيَقْضِيَ اللّٰهُ اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ۙ لِّيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ

اور لیکن تاکہ پورا کردے اللہ وہ کام جو تھا کیا ہوتا تاکہ ہلاک ہو وہ جو ہلاک ہو

لیکن یہ اس لئے کہ اللہ پورا کرے جو کام ہوتا ہے کہ جو ہلاک ہو دلیل سے ہلاک ہو

عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى مَنْ حَيَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۙ﴿۴۲﴾

کھلی دلیل سے اور زندہ رہے وہ جو زندہ رہے روشن دلیل سے اور تحقیق اللہ سننے والا جاننے والا ہے

اور جو جیئے دلیل سے جیئے اور بے شک اللہ ضرور سنتا جانتا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ بدر میں فتح وغیرہ صرف عطیہ ربانی تھا نہ کہ تمہاری کوشش کا نتیجہ۔ اب اس کی دلیل دی جارہی ہے۔ کہ ظاہری اسباب بدر میں تمہارے خلاف تھے اس کے باوجود تم کو فتح ہوئی گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا۔ اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ بدر میں دونوں لے جمع ہوئے۔ اب اس جمع ہونے کا نقشہ کھینچ کر دکھایا جارہا ہے کہ تم کدھر تھے اور کفار کدھر گویا جنگ کا ذکر پہلے ہوا نقشہ جنگ اب بتایا دکھایا جارہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں غزوہ بدر کو فرقان اور اس کے دن کو یوم الفرقان کہا گیا اب اس نام کی وجہ کا ذکر ہے کہ وہ حق و باطل کفر و ایمان کی چھانٹ کیونکر بنی گویا نام پچھلی آیت میں بتایا نام کی وجہ اب ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: اذا انتم بالعدوة الدنیا ۔ یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے یا دوسرا بدل یا بیان ہے یوم الفرقان کا پہلی صورت میں یہ اذکرو پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہے اور دوسری صورت میں انزلنا کا ظرف انتم میں خطاب ہے غازیان بدر سے بے معنی فی ہے۔ عدوہ عین کے فتح سے بھی آتا ہے۔ اس کے کسرہ اور پیش سے بھی۔ ہماری قراۃ میں عین کے پیش سے ہے اس کے معنی ہیں کنارہ۔ جانب جب بارش کا پانی جنگل کے کنارہ سے بڑھ جائے تو سیلاب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کنارہ جنگل کو عدوہ کہا جاتا ہے۔ یعنی آگے بڑھنے کی حد (صاوی) یہ بنا ہے عدو سے بمعنی بڑھنا۔ الدنیا بنا ہے دنو سے بمعنی قرب اس کا مذکر ادنیٰ ہے مادہ دنو بمعنی قرب دنیا بمعنی قریب ترین۔ اس سے مراد بدر کا وہ کنارہ ہے جو مدینہ منورہ سے قریب ہے۔ یہ ریتلا تھا۔ جس میں پاؤں دھنستے تھے چلنا پھرنا مشکل تھا۔ نیز پانی بالکل نہ تھا ان وجوہ سے مسلمانوں کو سخت دشواری تھی۔ وھم بالعدوۃ القصوی یہ

www.alahazratnetwork.org

عبارت معطوف ہے وانتم بالعدوۃ (الخ) پر ہم سے مراد وہ کفار مکہ ہیں جو اپنے قافلہ کو جس کے سردار ابوسفیان تھے آ ئے تھے اور اب باقاعدہ جنگ کے لئے بدر میں پہنچائے گئے تھے عدوہ قصوی میں قصوی مونث ہے اقصی کا بمعنی دور۔ رب فرماتا ہے من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ اس کا مادہ قصو ہے بمعنی دوری۔ یہاں بھی قیاس یہ ہی تھا کہ یہ بھی دنیا کی طرح قصیا ہوتا یعنی وادی سے بدل جاتا مگر خلاف قیاس واؤ باقی رہا۔ جیسے قود میں واؤ باقی رہا (روح البیان) اس سے مراد بدر کا وہ حصہ ہے جو مدینہ منورہ سے دور ہے اور مکہ معظمہ سے قریب اس حصہ میں زمین پختہ تھی جس پر چلنا آسان تھا اور ادھر پانی بھی کثرت سے تھا۔ اس لئے انہیں جنگ کرنا نہایت آسان تھا۔ والرکب اسفل من کم یہ عبارت معطوف ہے وھم بالعدوۃ (الخ) پر اس میں الرکب کے بعد فی موضع پوشیدہ ہے اسفل اس موضع کی صفت ہے الرکب جمع راکب کی بمعنی سوار۔ اب اصطلاح میں قافلہ کو رکب کہتے ہیں۔ یہاں قافلہ سے مراد ابوسفیان کا وہ قافلہ ہے جو شام سے تجارت کر کے آ رہا تھا۔ جسے بچانے کے لئے کفار مکہ آ ئے تھے۔ اسفل سے مراد کنارہ سمندر ہے جو بدر سے تین میل دور ہے چونکہ کنارہ سمندر بدر سے نیچے یعنی نشیبی علاقہ ہے اس لئے اسے اسفل فرمایا گیا۔ منکم میں خطاب غازیان بدر صحابہ سے ہے اس فرمان عالی میں کفار کی تیسری قوت کا ذکر ہے کہ انہیں اس قافلہ کی کمک پہنچ سکتی تھی کہ وہ ان سے صرف تین میل کے فاصلہ پر تھے۔ تمہارا مددگار سوائے رب کے کوئی نہ تھا۔ تمہاری کمک سوائے فرشتوں اور کسی طرف سے نہیں آ سکتی تھی۔ تم سے مدینہ بہت دور تھا۔ ولو تواعدتم لا ختلفتم فی المیعدہ۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں اس پروگرام اور اس نقشہ جنگ کی ایک حکمت کا ذکر ہے۔ تواعدتم بنا ہے معاودۃ سے بمعنی ایک دوسرے سے وعدہ کرنا۔ اس سے مراد ہے مسلمانوں کا کفار سے وعدہ جنگ کرنا اختلفتم کے معنی ہیں۔ وعدہ خلافی کرنا۔ یعنی حالات تمہارے متعلق ایسے خطرناک تھے کہ اگر اس جنگ کے لئے پہلے سے وعدے ہوتے تو تم کفار کی یہ قوتیں دیکھ کر وقت مقررہ پر میدان میں نہ پہنچتے اور نہ یہ جنگ ہوتی نہ حق و باطل کا یہ فیصلہ ہوتا۔ ولکن لیقضی اللہ امرا کان مفعولا اس عبارت سے پہلے ایک پوری دراز عبارت پوشیدہ ہے مااختلفتم عن القتال بل جمع بینکم بغیر میعاد یعنی تم یہ تاریخ نافذ نہ کر سکے۔ تم دونوں جماعتیں بغیر فیصلہ جمع ہو گئیں۔ اللہ نے اپنا فیصلہ پورا کرنا تھا۔ مفعولا سے مراد ہے کہ جو علم الٰہی میں طے ہو چکا تھا۔ وہ ہو کر رہے۔ لیھلک من ھلک عن بینۃ اس عبارت کی آسان ترکیب یہ ہے کہ لیھلک (الخ) بدل یا بیان ہے لیقضی کا اور عن بینۃ میں عن بمعنی بعد ہے جیسے رب تعالیٰ کے اس فرمان عالی میں عما قلیل لیصبحن نادمین کہ وہاں بھی عن بمعنی بعد ہے۔ ہلاکت سے مراد ہے کافر کہ کفر بھی روحانی ہلاکت ہے۔ (روح البیان) یعنی بدر کا یہ واقعہ اچانک اس لئے ہوا کہ اب بدر کا واقعہ دیکھنے کے بعد بھی جو کافر ہے وہ روشن دلیل دیکھنے کے بعد کافر ہے اسے اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل مل جاوے پھر کافر ہے تاکہ اچھی طرح اللہ تعالیٰ کی پکڑ میں آ جاوے۔ ویحیی من حی عن بینۃ یہ عبارت معطوف ہے لیھلک (الخ) پر اس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ اس میں حیات یعنی زندگی سے مراد ہے ایمان من سے مراد ہے مومن یعنی مومن ایمان پر قائم ہے اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل قائم ہونے کے بعد۔ وان اللہ لسمیع علیم اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ واقعہ بدر سے لوگوں کے ایمان و کفر کا فرق مخلوق پر ظاہر ہوگا۔ رب تعالیٰ تو ہر چیز کو

www.alahazratnetwork.org

جانتا ہے اس کے ہر قول کو سنتا ہے اس بدر کے واقعہ کے بعد لوگوں پر اس کا ظہور ہوگا خیال رہے کہ ایمان و کفر دونوں قول اور اعتقاد پر شامل ہے رب تعالیٰ ہر ایک کا ایمانی و کفریہ قول سنتا ہے اور ہر ایک کے کفر و ایمان کے اعتقاد کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غازی مسلمانوں تم بدر کا وہ واقعہ یاد رکھو کہ جب ظاہری اعتبار سے تمہارے پاس فتح کے اسباب نہ تھے اسباب فتح کفار کو حاصل تھے چنانچہ تم تو بدر کے اس کنارے پر اترے جو مدینہ منورہ کی طرف اس سے قریب ہے جہاں زمین ریتلی ہے۔ جس میں چلنا پھرنا بھی مشکل ہے اس میں پاؤں دھنستے ہیں پھر اس کنارہ پر پانی بھی نہیں اور کفار نے بدر کے دوسرے کنارہ پر پڑاؤ ڈالا جہاں کی زمین سخت اور ہموار ہے جس پر چلنا پھرنا آسان۔ پھر وہاں پانی بکثرت موجود۔ اس پر طرہ یہ کہ کفار کا قافلہ ابوسفیان کا قافلہ ان سے بہت قریب تھا۔ صرف تین میل کنارہ سمندر تھا جس کی کمک کفار کو پہنچ چکی تھی۔ تم کو یہ بھی حاصل نہ تھا یہ جنگ اچانک اور تمہاری تیاری کے بغیر ہوئی اگر پہلے سے جنگ کا پروگرام بنتا تو حالات تمہارے ایسے خلاف تھے کہ تم وقت پر جنگ کے لئے آنے کی ہمت نہ کرتے۔ اپنی یہ بے سامانیاں اور کفار کے یہ سامان دیکھ کر تم ہمت ہار جاتے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے تم کو اچانک ہی کفار سے بھڑا دیا تاکہ جو چیز رب کے پاس طے ہو چکی تھی اس کا ظہور ہو جاوے۔ ان حالات کے ماتحت تمہاری شاندار فتح رب تعالیٰ کی قدرت اسلام کی حقانیت کفر کے بطلان کی کھلی دلیل ہے اب اس کے بعد جو کافر رہے گا وہ محض ہٹ دھرمی سے کافر رہے گا۔ اسلام کی حقانیت کی کھلی دلیل دیکھ کر اور جو ایمان لائے گا وہ روشن دلیل دیکھ کر ایمان لائے گا۔ یہ سب کچھ تم پر ظاہر کرنے کے لئے ہے اللہ تعالیٰ تو ہر ایک کی ہر بات کو سنتا ہے۔ ہر ایک کے دل کے اعتقادات کو جانتا ہے۔ چنانچہ غزوہ بدر سے پہلے رب تعالیٰ نے بارش بھیجی جس کا پانی ادھر مومنین نے حوضوں میں بھر لیا اور ریت جم کر بہترین زمین ہوگئی جس پر چلنا پھرنا نہایت ہی آسان ہوگیا۔ ادھر کفار کی طرف کی زمین پھسلن بن گئی۔ جس پر چلنا پھرنا مشکل ہوگیا۔ یہ بارش مومنوں کے لئے نیک فال ثابت ہوئی اور پہلے بلہ میں ابوجہل مارا گیا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: غزوہ بدر رب تعالیٰ کو بڑا ہی محبوب و پیارا ہے اس کے غازی رب کو بڑے پسند کہ رب نے اس کا نقشہ جنگ کھینچ کر دکھا دیا اور اس کے حالات بہت تفصیل سے بیان فرمائے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کی حکمت ہمارے خیال سے وراء ہے اگر چہ ہم سمجھ نہ سکیں۔ دیکھو بدر کے موقعہ پر اچانک لڑائی ہو جانا عقل کے نزدیک بہت تکلیف دہ تھا۔ مگر انجام اس کا بہت شاندار ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ عسی ان تکرھوا شیا وھو خیر لکم

تیسرا فائدہ: جب اسباب کی طرف سے بندہ کو ناامیدی ہوتی ہے تب دریائے رحمت الٰہی جوش میں آتا ہے۔ دیکھو غزوہ بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی اور اسباب کی طرف سے مایوسی انتہا کو پہنچی کہ مسلمانوں کی جماعت تھوڑی، سپاہی ناتجربہ کار اور ہر ہتھیار کی بہت ہی کمی۔ پھر ان کی طرف کی زمین ریتلی اور ناہموار۔ پھر ادھر پانی کی کمی۔ پھر کمک پہنچنے کی کسی طرف سے

www.alahazratnetwork.org

امید نہیں۔ اس کے برعکس کفار کے پاس یہ سب کچھ بہت اعلیٰ دیکھ لو کہ رب کی رحمت نے کیسی دستگیری مسلمانوں کی کی سبحان اللہ۔

چوتھا فائدہ: غزوہ بدر قدرت الٰہی کی بڑی نشانی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت کی بڑی دلیل یہ فائدہ عن بینۃ سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ایمان جان و دل کی زندگی ہے کفران کی مت۔ کافر زندہ رہ کر بھی مردہ ہے مومن مر کر جیتا ہے جسم کی زندگی جان سے ہے اور جان کی زندگی ایمان سے ہے یہ فائدہ لیھلک اور یحیی فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: دنیا اوئی کا مونث ہے اور قصویٰ اقصیٰ کا مونث دنیا کا مادہ دنو ہے اور قصوی کا مونث قصو پھر کیا وجہ ہے کہ دنیا میں واؤ ی ہو گیا مگر قصوی میں واؤ باقی رہا۔

جواب: بعض قراتوں میں قصوی سے ہے ہماری قرات قصوا واؤ سے ہے چونکہ قصوا اسم بھی ہے صفت بھی اس لئے ان دونوں میں فرق کرنے کے لئے ایک واؤ کو ی سے بدلا گیا۔ دوسرے میں نہیں (بیضاوی) دیکھو خود ہی واؤ یا سے تبدیل نہ ہو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام بزدل بھی تھے اور وعدہ خلاف بھی دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں ارشاد فرمایا کہ اگر بدر کی تاریخ و مہینہ پہلے سے طے ہو جاتا تو صحابہ وعدہ خلافی کرتے اور جنگ میں حاضر نہ ہوتے۔ ولو تواعدتم لا خلفتم فی المیعاد (شیعہ)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر جناب علی رضی اللہ عنہ کی شجاعت کیسے ثابت ہوئی۔ کیونکہ لا خلفتم میں سب غازیوں سے خطاب ہے حضرت علی ان سے علیحدہ نہیں کئے گئے جواب تحقیقی یہ ہے کہ آیت کریمہ کا مقصد بدر میں مسلمانوں کی بے سروسامانی دکھانا ہے اور کفار کا بہت ساز و سامان والا بتانا مقصود ہے نہ کہ صحابہ کی بزدلی دکھانا۔ یہ آیت تو ان کی بہادری دکھا رہی ہے کہ ان ہی ناتجربہ کار نہتے تھوڑے۔ مٹھی بھر صحابہ نے ایسے تجربہ کار لشکر جرار کے مقابل میں شاندار فتح حاصل کی۔ بتانا یہ ہے کہ حالات جنگ مسلمانوں کے ایسے خلاف تھے کہ ایسے موقعہ پر کفار کے مقابلہ میں آنا آسان نہ تھا۔ اس لئے رب تعالیٰ نے ان حضرات پر عتاب نہیں فرمایا بلکہ ان کی تعریف فرمائی۔

تیسرا اعتراض: فتح بدر کے متعلق یہاں ارشاد ہوا کان مفعولا۔ حالانکہ یہ فتح تو جنگ کے بعد ہوئی نہ کہ پہلے پھر اسے یہاں مفعولا کیوں فرمایا گیا۔

جواب: یہاں فتح سے مراد علم الٰہی میں کیا ہوا وعدہ ہے یعنی جس فتح کے واقع ہو جانے کا فیصلہ ہو چکا تھا اس کا فیصلہ ہو جائے اس لئے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے ترجمہ فرمایا جو کام ہونا ہے یعنی یہ اسم مفعول بمعنی ماضی نہیں بلکہ بمعنی مستقبل ہے۔

چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ نے غزوہ بدر کو بینہ کیوں فرمایا یعنی روشن دلیل۔ حضور انور ﷺ کے سارے معجزات روشن دلیل تھے جو بھی انہیں دیکھ کر کافر رہا وہ روشن دلیل دیکھ کر ہی مرا پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: حضور انور کے دوسرے معجزات میں کفار غور کرتے ہی نہ تھے اور انہیں دیکھتے ہی نہ تھے مگر فتح بدر وہ معجزہ ہے جو انہیں دیکھنا پڑ گیا۔ اس بدر کی وجہ سے حضرت عباس جیسے لوگ ایمان لائے اس کے بعد بھی جو کافر رہا واقعی وہ بڑا بد بخت تھا۔ خیال رہے کہ ستر کفار جو بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہوئے اور حضرت صدیق اکبر کی رائے پر فدیہ لے کر چھوڑے گئے وہ سارے ہی مسلمان ہو گئے۔ بلکہ بعد میں انہوں نے شاندار خدمات اسلام انجام دیں۔ یہ ہوا حضور انور ﷺ کا معجزہ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کھلی کرامت۔ ان وجوہ سے بھی یہ فتح بدر بینہ ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے میدان بدر کے دو کناروں پر دو مختلف جماعتیں جمع ہوئی تھیں۔ ایک جماعت رحمانی دوسری جماعت شیطانی اگر یہ اجتماع نہ ہوتا تو حق و باطل کا فیصلہ نہ ہوتا یوں ہی اے انسان تیرے ایک کنارہ پر نفس امارہ مع اپنی فوج کے ہے دوسرے کنارہ پر قلب و روح مع اپنی فوج کے موجود ہے۔ نفس کی کمک کے لئے شیطان مع اپنی فوج موجود ہے۔ والرکب اسفل منکم اگر نفس و روح کا تجھ میں اجتماع نہ ہوتا تو روح کو ترقی اور نفس کو تنزل کے ذریعہ حق و باطل کا فیصلہ نہ ہوتا اور روح یہ خطاب کیسے سنتی فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اس جنگ کی وجہ سے روح دنیا کی قید سے نکل کر جنات نعیم میں کیسے داخل ہوئی۔ یہ حالت تو مومنین صالحین کی ہے رہے اشقیاء جو دوزخ کے لئے منتخب ہو چکے ان کا حال ان محبوبین کے خلاف ہے۔ اللہ تعالٰی نے ہر انسان میں ترقی کی استعداد بھی رکھی ہے اور تنزل کی بھی جس تعداد کو استعمال کرلو تمہاری مرضی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے بدر کے دو کنارے تھے ایک کنارہ قریب والا دوسرا کنارہ دور والا اے انسان تیرے بھی دو کنارے ہیں۔ ایک دین والا جو اللہ سے قریب ہے۔ دوسرا دنیا والا جو اللہ سے دور ہے۔ قریبی کنارہ میں اللہ کی رحمتیں ہیں۔ دور والے کنارہ میں اللہ کے عذاب قریب والے کنارہ کی حفاظت کر۔ اس کنارہ پر اولیاء اللہ بلکہ حضور محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہیں۔ ملائکہ رحمت کا نزول اسی کنارہ پر ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا

جب دکھاتا تھا آپ کو اللہ وہ کافر خواب میں آپ کے تھوڑا اور اگر دکھاتا آپ کو اللہ ان کافروں

جبکہ اے محبوب اللہ تمہیں کافروں کو تمہاری خواب میں تھوڑا دکھاتا تھا اور اے مسلمانوں اگر وہ تمہیں بہت کر کے

لَّفَشِلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ ۗ إِنَّهُ

کو بہت تو البتہ بزدل ہو جاتے تم اور البتہ جھگڑتے تم اس کام میں اور لیکن اللہ نے سلامت

دکھاتا تو ضرور تم بزدلی کرتے اور معاملہ میں جھگڑا ڈالتے مگر اللہ نے بچالیا۔ بیشک

عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿٤٣﴾ وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ الْتَقَيْتُمْ

رکھا بیشک وہ جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کو اور جب دکھایا تھا تم نے ان کافروں کو جب

وہ دلوں کی بات جانتا ہے اور جب لڑتے وقت تمہیں کافر تھوڑا کرکے دکھائے اور تمہیں

www.alahazratnetwork.org

فِىٓ اَعۡيُنِكُمۡ قَلِيۡلًا وَّيُقَلِّلُكُمۡ فِىٓ اَعۡيُنِهِمۡ لِيَقۡضِىَ اللّٰهُ اَمۡرًا

ملے تم تمہاری آنکھوں میں تھوڑا اور کم کرتا تھا تم کو ان کی آنکھوں

ان کی نگاہوں میں تھوڑا کیا اور اللہ پورا کرے جو کام ہونا ہے

كَانَ مَفۡعُوۡلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرۡجَعُ الۡاُمُوۡرُ ﴿۴۴﴾ ع

میں تاکہ فیصلہ فرمادے اللہ اس کام کا جو ہے کیا ہوا اور اللہ کی طرف سب کاموں کا رجوع ہے

اور اللہ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سب کام۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کچھ نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جو خاص غزوہ بدر کے دن مسلمانوں کو عطا ہوئیں اب بعض ان نعمتوں کا ذکر ہے جو بدر کے غزوہ سے کچھ پہلے عطا ہوئیں۔ گویا کچھ وقتی نعمتوں کا ذکر فرمانے کے بعد ہیشگی نعمتوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ غزوہ بدر اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے ظہور کا دن ہے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اس غزوہ میں غیبی قدرتی وہ کام ہوئے جو عقل انسانی سے وراہیں یعنی بڑی جماعت کا تھوڑا نظر آنا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ غزوہ بدر کے بعد جو مومن ہوگا۔ وہ اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ وہ رب کی روشن دلیل دیکھ کر مومن ہوگا اور جو کافر رہے گا وہ پرلے درجے کا بدبخت ہوگا کہ وہ نشان قدرت دیکھنے کے بعد بھی کافر رہے گا اب اس نشان کا ذکر ہے جس کی وجہ سے بدر بینہ یعنی اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔

تفسیر: اذ یریکھم اللہ فی منامک قلیلا یہ عبارت یا تو نیا جملہ ہے تو اذ ایک پوشیدہ فعل اذکر کا مفعول بہ ہے یا اذ انتم بالعدوۃ الدنیا کا بدل ہے یا یوم الفرقان کا بدل یا اس کا بیان۔ ان صورتوں میں یہ علیحدہ جملہ نہیں۔ یری بنا ہے اراء سے جس کا مادہ رای ہے رای دو مفعول چاہتا ہے جب باب افعال میں آیا تو تین مفعول کی طرف متعدی ہوا۔ پہلا مفعول ک ہے دوسرا ھم تیسرا قلیلا۔ یری فرمایا کہ یہ بتایا گیا کہ حضور انور ﷺ کو یہ خواب دکھانے والا رب تعالیٰ ہے ک میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ھم کا مرجع کفار بدر ہیں منام مصدر ہے نوم کا بمعنی خواب۔ رب فرماتا ہے انی اری فی المنام انی اذبحک حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ یہاں منام سے مراد ہے آنکھیں۔ کیونکہ وہ نیند کی جگہ ہیں۔ منام اسم ظرف ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیداری میں یہ دیکھا تھا۔ (معانی۔ خازن کبیر) اس لئے بیداری کو منامہ کہا جاتا ہے کہ نیند بیداری کی حالت میں آتی ہے۔ (معانی) مگر پہلی تفسیر قوی کہ یہاں بمعنی خواب ہے۔ قلیلا یا تو یریک کا تیسرا مفعول ہے یا ھم کا حال۔ یعنی اے محبوب وہ وقت یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں کفار کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی۔ حضور انور ﷺ نے یہ خواب دیکھ کر غازیان بدر سے فرمایا اس سے مومنوں کے دل بہت قوی ہوگئے۔ بولے کہ حضور ﷺ کا خواب غلط نہیں

www.alahazratnetwork.org

ہوسکتا۔ کفار تھوڑے ہی ہوں گے۔ خیال رہے کہ یا تو کفار کی کمزوری کم ہمتی حضور علیہ السلام کو کم تعداد کی شکل میں دکھائی گئی۔ جیسے یوسف علیہ السلام کو گیارہ بھائی تاروں کی شکل میں اور ماں باپ چاند سورج کی شکل میں دکھائے گئے۔ یا بادشاہ مصر کو قحط سال کے سات سال بالیوں کی شکل میں خواب میں دکھائے گئے۔ یا حضور علیہ السلام کو وہ کفار خواب میں دکھائے گئے۔ جو کافر مرنے والے تھے۔ واقعی وہ تو بہت تھوڑے تھے کہ اکثر کفار بدر آخر مسلمان ہوگئے۔ (معانی۔ بیان خزائن العرفان وغیرہ) لہٰذا حضور کا خواب بالکل صحیح تھا۔ ولو اراکھم کثیرا تفشلتم ولتنازحتم فی الامر ۔اس فرمان عالی میں اس خواب کی حکمت کا ذکر ہے اس میں خطاب غازیان بدر سے ہے یعنی اے غازیو اگر رب تعالیٰ اپنے محبوب کے ذریعہ تم کو کفار کی تعداد زیادہ دکھادیتا تو اس کے دو خطرناک نتیجے ہوتے ایک تمہارا ہمت ہار جانا اور جہاد کے لئے جرأت نہ کرنا۔ دوسرے تمہارا جہاد سے پہلے ہی آپس میں اختلاف کر بیٹھنا کہ کوئی قرار کی رائے دیتا کوئی فرار کی۔ کوئی کہتا کہ ڈٹ جاؤ۔ تھوڑی جماعتیں اللہ کے حکم سے بڑی جماعتوں پر غالب آجاتی ہیں۔ کوئی کہتا کہ اس حالت میں کفار سے لڑنا اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ لا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ لہٰذا مدینہ منورہ واپس چلو اور جہاد کے وقت مسلمانوں کا آپس میں جھگڑنا شکست کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ فشل کے معنی ہیں بزدلی۔ اور تنازع بنا ہے نزع سے بمعنی کھینچنا، علیحدہ کرنا، جھگڑے میں ہر شخص دوسرے کو اس کی رائے اس کے خیال سے ہٹاتا ہے۔ اس لئے اسے نزاع اور تنازع کہا جاتا ہے۔ ولکن اللہ سلم اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کے خاص احسان کا ذکر ہے سلم کا مفعول اور متعلق دونوں پوشیدہ ہیں یعنی اللہ نے تم کو اختلاف رائے اور بزدلی سے اس خواب شریف کی برکت سے محفوظ رکھا۔ نبی کا یہ خواب تمہارے لئے صدہا رحمت کا باعث ہوا۔ انہ علیم بذات الصدور یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کی حمد ہے ذات مونث ہے ذو کا صدور جمع ہے۔ صدر بمعنی سینہ مراد ہے۔ دل جو سینہ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ دل والی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ اسے تمہارے دلوں اور مجبوریوں معذوریوں کا پورا پورا علم تھا۔ اس لئے اس کریم ورحیم نے یہ انتظام فرمایا یہاں تک تو اس خواب کا ذکر ہوا جو جہاد بدر سے پہلے حضور انور علیہ السلام کو دکھایا گیا۔ اب ایک اور رحمت وکرم کا ذکر ہے۔ واذ یریکموھم فی اعینکم قلیلا یہ عبارت معطوف ہے ویریکھم اللہ الخ پر۔ یہاں دکھانے سے مراد ہے بیداری میں دکھانا اور خطاب ہے غازیان بدر سے۔ ھم سے مراد کفار بدر ہیں۔ اعین جمع ہے عین کی بمعنی آنکھ یعنی اے غازیو! وہ نعمت بھی یاد رکھو جب کہ رب تعالیٰ نے تم کو بحالت بیداری تمہاری نظروں میں کفار کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی۔ حتیٰ کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود نے صف جہاد میں کھڑے ہوئے کفار کی صفوں کو دیکھ کر اپنے برابر والے غازی سے کہا کہ کفار غالباً ستر ہوں گے اس نے کہا حد درجہ ایک سو ہوں گے۔ (عام تفاسیر) خیال رہے کہ جیسے رب تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ بھینگے کو ایک کو دو دکھادے بلکہ ایک کو آٹھ دس دکھادے ایسے ہی وہ اس پر قادر ہے کہ دو بلکہ دس بیس دکھادے کہ بعض نظر آئیں بعض نہ آئیں۔ مسلمانوں کو کفار کی تعداد کم نظر آنا اللہ کی ان پر رحمت تھی۔ ویقللکم فی اعینھم یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے اس میں جنگ بدر کی ابتداء کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین وکفار کی نظر میں غازیوں کی تعداد تھوڑی دکھائی حتیٰ کہ ابوجہل اس وقت اپنی صفوف میں اپنے ساتھیوں سے بولا کہ محمد علیہ السلام اور ان کے ساتھی کلہ جزور یعنی اونٹ کا کھاجا ہیں

www.alahazratnetwork.org

اہل عرب یہ کلمہ کسی چیز کی کمی بیان کرنے کے لئے بولتے تھے۔ پھر بولا کہ ان سے جنگ کرنے کی کیا ضرورت ہے انہیں تو ویسے ہی رسیوں سے باندھ لو یعنی ان سے جنگ ہماری توہین ہے پھر بولا کہ اب لگے ہاتھوں مسلمانوں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جڑ سے ہی اکھیڑ دو (تفسیر خازن، معانی، روح البیان وغیرہ) مگر جب جنگ شروع ہو گئی تو کفار کو یہ مسلمان اپنے سے کہیں زیادہ نظر آنے لگے۔ یا اس طرح کہ انہیں وہ فرشتے بھی دکھائی دیئے جو مسلمانوں کی مدد کے لئے اترے یا یہ مسلمان ہی بہت زیادہ محسوس ہوئے۔ یہ رب تعالیٰ کا کفار پر عذاب تھا۔ اگرچہ پہلے ہی کفار مسلمانوں کو اپنے سے زیادہ اور طاقتور دیکھ لیتے تو شاید جنگ کی ہمت نہ کرتے اور منشاء الٰہی پورا نہ ہوتا۔ رب نے اس منشا کا ذکر یوں فرمایا۔ لیقضی اللہ امرا کان مفعولا یعنی یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے طے شدہ پروگرام کا فیصلہ کر دے اسے ظاہر فرما دے جو ہونا ہے وہ ہو کر رہے گا۔ کان مفعولا کی تحقیق ابھی پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کی گئی۔

خلاصہ تفسیر: غزوہ بدر کے موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تین معجزات ظاہر فرمائے جن سے غازیوں کی بڑی ہی ہمت افزائی ہوئی ایک یہ کہ جنگ س پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں کفار بدر کو بہت تھوڑی تعداد میں دیکھا۔ حضور انور نے یہ خواب غازیوں سے بیان فرمائی۔ مسلمان خوش ہو کر بولے کہ نبی ﷺ کا خواب وحی الٰہی ہوتا ہے وہ بہت تھوڑے ہی ہیں۔ اس سے غازیوں کی ہمت خوب بڑھ گئی۔ دوسرے یہ کہ جنگ کا وقت آیا اور دو طرفہ صفیں آراستہ ہوئیں تو مسلمانوں کو بھی کفار بہت ہی کم محسوس ہوئے حتیٰ کہ سیدنا عبداللہ ابن مسعود نے اندازہ لگایا کہ وہ کل ستر ہیں۔ بعض نے بہت بڑا اندازہ لگایا کہ ایک سو ہیں۔ حالانکہ وہ ایک ہزار تھے اور غازی بولے کہ دیکھو حضور ﷺ کا خواب برحق ہوا۔ اور ان کے حوصلے اور بلند ہو گئے۔ تیسرے یہ کہ اس وقت کفار کو بھی مسلمانوں کی تعداد بہت کم محسوس ہوئی حتیٰ کہ ابوجہل بولا کہ اس مٹھی بھر لشکر سے لڑنا کیا۔ اسے تو یوں ہی رسیوں سے باندھ کر مکہ لے چلو۔ اس پر کفار جنگ کی ہمت کر کے مقابلہ میں آ گئے۔ جب جنگ چھڑ گئی تو یہ مسلمانوں کو بہت زیادہ نظر آنے لگے۔ جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی مگر اب کیا ہوتا ہے۔ جنگ چھڑ چکی تھی۔ اس آیت کریمہ میں اس واقعہ کا یہاں ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب یہ واقعہ بھی یاد فرماؤ یا یاد رکھو یا لوگوں کو یاد دلاؤ۔ جبکہ جنگ سے پہلے رب تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خواب میں کفار کی تعداد بہت تھوڑی دکھائی۔ آپ ﷺ نے غازیوں سے یہ خواب بیان کی تو ان کی ہمتیں بلند ہو گئیں۔ اگر ہم آپ ﷺ کے ذریعہ ان کی کثرت غازیوں کو ظاہر کر دیتے تو ان غریبوں کے حوصلے پست ہو جاتے اور یہ آپس میں اختلاف کر بیٹھتے کہ غزوہ کریں یا نہ کریں، ان کا اس نازک وقت میں یہ اختلاف تباہ کن ہوتا۔ ہم تو دلوں کا حال جانتے ہیں۔ رب نے اپنے محبوب کی خواب کے ذریعہ سے تم کو ان ہلاکتوں سے بچا لیا اور اے غازیان بدر تم ہمارا وہ کرم یاد رکھو کہ عین جنگ کی صفیں بنتے وقت ہم نے تم کو کفار کی تعداد تھوڑی دکھائی تاکہ تم دلیر ہو جاؤ۔ ادھر کفار کو تمہاری تعداد تھوڑی دکھائی تاکہ وہ میدان سے بھاگ نہ جائیں۔ تم دونوں میں جنگ ہو اور ہمارا فیصلہ شدہ کام ظاہر ہو کر رہے۔ خیال رکھو کہ فتح و نصرت بلکہ ساری چیزوں کا رجوع رب کی طرف ہے لہٰذا ہمیشہ اس پر توکل کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب شریف بھی مومنین کے لئے مشکل کشا و دافع بلا ہے کہ فتح بدر کا سہرا حضور ﷺ کے اس خواب شریف پر ہے۔ جس کا خواب دافع بلا ہو تو وہ خود خواب والا کیسی شان والا ہوگا۔ یہ فائدہ اذیریکھم اللہ الخ سے حاصل ہوا۔ شعر

تمہیں شافع بنایا تمہیں دافع بنایا تمہیں قاسم عطا یا کوئی تم سا کون آیا

اس لئے رب نے یہ خواب حضور انور کو دکھایا۔ غازیوں کو نہ دکھایا۔

دوسرا فائدہ: حضرت انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب رب کی طرف سے ہوتا ہے وہاں شیطان کو دخل نہیں۔ گویا وہ بھی وحی الٰہی ہے۔ جس پر شرعی احکام جاری ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ یریکھم اللہ سے حاصل ہوا کہ خواب دکھانے والا رب تعالیٰ تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام خواب دیکھ کر ذبح فرزند پر آمادہ ہو گئے۔

تیسرا فائدہ: ہمیشہ نبی کا خواب سچا ہوتا ہے۔ وہاں غلطی کا احتمال ہی نہیں۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے تین گنا کفار کو تہائی دیکھا واقعی اصل کافر تہائی ہی تھے۔ باقی سارے مسلمان ہوئے۔ یہ فائدہ قلیلا سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: بحالت جنگ کفار کا دباؤ بڑھ جانے پر جنگ کی ہمت نہ کرنا گناہ نہیں۔ اس کی اجازت ہے۔ ہاں بہتر یہ ہے کہ ایسی حالت میں جان دے دے مگر جنگ سے نہ ہٹے۔

پانچواں فائدہ: نبی سے اختلاف رائے جرم نہیں نہ اس پر عتاب ہو یا یہ فائدہ ولتنازعتم سے حاصل ہوا کہ اسے بھی رب نے بغیر عتاب بیان فرمایا۔ فرشتوں نے رب تعالیٰ سے اختلاف رائے کیا کہ عرض کیا اتجعل فیھا من یفسد (الخ) حضور انور ﷺ کی رائے تھی کہ جنگ احد مدینہ منورہ میں رہ کر مدافعانہ کی جاوے مگر کثرت رائے یہ ہوئی کہ باہر نکل کر کی جاوے حضور انور ﷺ نے ان کی رائے کا احترام کیا۔

چھٹا فائدہ: مجتہدین کا اختلاف اچھا ہے، بر انہیں اس میں کوئی مجتہد گنہگار نہیں ہوتا یہ فائدہ بھی لتنازعتم سے حاصل ہوا! دیکھو اگر غازیان بدر میں جنگ کرنے نہ کرنے میں اختلاف ہوتا تو جنگ کی رائے دینے والے اس آیت سے دلیل پکڑتے من فئة قليلة غلبت كثيرة اور مخالفین اس آیت سے دلیل پکڑتے کہ لا تلقوا بايديكم الى التهلكة کوئی مجرم نہ ہوتا۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ چھوٹی چیز کو بڑی دکھادے اور بڑی چیز کو چھوٹی کر کے دکھادے! تمام قوتیں رب کے قبضے میں ہیں یہ فائدہ و یقللکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: غازی مسلمان کو چاہئے کہ فتح و نصرت اللہ کی طرف سے سمجھیں، اس کے لئے کوشش و تیاری ضرور کریں مگر اس کے باوجود رب سے بے نیاز نہ ہوں! یہ فائدہ و الى الله ترجع الامور سے حاصل ہوا۔ شعر

گر توکل می دوکان کن کسب کن پس تکیہ بر جبار کن

پہلا اعتراض: نبی کی خواب وحی ہوتی ہے! جس میں غلطی کا امکان نہیں پھر حضور انور ﷺ کی بدر والی خواب غلط کیسے

www.alahazratnetwork.org

ہو گئی کہ کفار بدر بہت تھے مگر حضور انور کو کم دکھائے گئے!

جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گذر گئے کہ خواب شریف بالکل صحیح تھی۔ اس کی تعبیر بالکل درست تھی تعداد کی کمی سے مراد تھی ان کی ہمت و جرات کی کمی یعنی کیفیت کی مقدار کی شکل میں ملاحظہ فرمایا کہ ان کی ہمت سوسوا سو آدمیوں کی سی ہے یا یہ خواب حقیقت پر مبنی تھی کہ ان ایک ہزار میں کفر پر مرنے والے بہت تھوڑے ہیں ان میں سے بہت لوگ اسلام قبول کریں گے، خواب میں اکثر اشارات ہوتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ بزدل تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جھگڑتے تھے۔ دیکھو ارشاد لفشلتم ولتنازعتم یہ دونوں چیزیں عیب ہیں۔ (شیعہ)

جواب: یہ آیت تو ان دونوں چیزوں کی صحابہ سے نفی کر رہی ہیں۔ کیونکہ لو مثبت شرط و جزاء دونوں کی نفی کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ خواب شریف میں کفار زیادہ دکھائے جاتے تو تم لوگ کم ہمت ہو جاتے اور جھگڑتے یعنی ان میں سے کچھ بھی نہیں ہوا۔ تعجب ہے حضرت صحابہ کی بہادری پر وہ لوگ اعتراض کرتے ہیں جو دنیا بھر میں سب سے زیادہ بزدل ہیں۔

تیسرا اعتراض: دوسری آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت صحابہ نے جاگتے ہوئے بہت کافروں کو کم دیکھا۔ خیند ناممکن ہے۔ سامنے قریب کی چیز بہت سی ہو تو کم کیسے نظر آ سکتی ہے حالانکہ آنکھوں میں کوئی بیماری نہ ہو!

جواب: یہ حکم ربانی حضرت صحابہ کو بعض کفار نظر نہ آئے آج بھی گھبراہٹ میں سامنے کی چیز کچھ نظر آتی ہیں۔ کچھ نہیں آتیں بلکہ بعض دفعہ کچھ بھی نظر نہیں آتا۔ ہماری تمام قوتیں تابع فرمان الٰہی ہیں بعض حالات میں ہماری زبان مزا نہیں محسوس کرتی اور کبھی غلط محسوس کرتی ہے! کڑوی چیز میٹھی معلوم ہوتی ہے اور میٹھی چیز کڑوی اور ہوسکتا ہے کہ حضرات صحابہ کی آنکھوں نے بھی اس دن حقیقت کو دیکھا ہو نہ کہ صرف اشخاص کو! انہیں وہ ہی کافر نظر آئے ہوں جو کفر پر مرنے والے تھے!

چوتھا اعتراض: کسی چیز کو غلط دکھانا دھوکہ بازی ہے یہ رب کی شان کے خلاف ہے پھر رب نے ایسا کیوں کیا!

جواب: دھوکہ بازی نہیں بلکہ مومنوں کی امداد ہے اگر اس ذریعہ سے ان کی ہمت بڑھنے اور اچھی طرح ہمت سے اللہ کی راہ میں جہاد کریں! اگر دھوکہ ہی ہو تو بھی جنگ میں دھوکہ جائز ہے۔ حدیث شریف میں ہے الحرب خدعۃ تاکہ خونریزی کم ہو۔ مگر خیال رکھنا کہ دھوکا، جھوٹ، وعدہ خلافی ان تینوں میں فرق ہے۔ صرف دھوکہ جائز ہے جھوٹ وغیرہ اس وقت بھی حرام ہے۔

پانچواں اعتراض: پھر کفار بدر کو مسلمان پہلے تھوڑے بعد میں زیادہ کیوں نظر آئے۔

جواب: اس لئے کہ انہوں نے اولاً صرف مسلمان غازی دیکھے جو واقعی ان کی تہائی سے بھی کم تھے۔ پھر فرشتے بھی دیکھے جو مسلمان کی مدد کے لئے آئے جن کی تعداد پانچ ہزار تھی۔

چھٹا اعتراض: فرشتے نوری مخلوق ہیں پر کفار کو نظر کیسے آ گئے؟ ہماری آنکھیں نہیں دیکھ سکتی تھیں۔

جواب: جب وہ اپنی اصلی شکل میں ہوں تو واقعی نظر نہیں آتے مگر جب وہ شکل انسانی میں ہوں تو بخوبی نظر آ سکتے ہیں! بدر

میں فرشتے شکل انسانی میں تھے! گھوڑوں پر سوار! جبہ دستار پہنے، ہتھیار بند۔
تفسیر صوفیانہ: بدر میں کفار کے نور نظر نے غلطی کی بہت تھوڑا دیکھا! یہ غلطی مومنوں کے لئے رحمت تھی! کفار پر عذاب! نور عقل کا بھی یہ ہی حال ہے مومن کا نور عقل حق کو حق دیکھتا ہے!! باطل کو باطل! مگر کفار کا نور نظر غلط دیکھتا ہے۔'' کہ دنیا کو جو بہت تھوڑی ہے زیادہ محسوس کرتا ہے! آخرت کو جو بہت زیادہ ہے تھوڑا دیکھتا ہے! یوں ہی اللہ کی نعمتوں کو تھوڑا اس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو بہت زیادہ محسوس کر کے بے صبری ناشکری کرتا ہے۔ مومن دنیا کو حقیر وقلیل دیکھتا ہے! آخرت! کو عظیم وکثیر۔ مومن اپنے گناہوں کو زیادہ اور اپنی نیکیوں کو کم! یوں ہی اللہ کی نعمتوں کو زیادہ اپنی اطاعتوں، شکر گزاریوں کو کم محسوس کرتا ہے! یہ ہے خدا بینی والی عقل! اللہ تعالیٰ وہ نصیب کرے حضور انور ﷺ کی خواب صحابہ کرام کی بیداری کی نگاہ حقیقت پر مبنی تھی۔ اس جگہ تفسیر روح المعانی نے خواب اور نظر نگاہ پر بہت اعلیٰ درجہ کی بحث کی ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے دماغ کی آنکھ کے لئے بعض چیزیں مضر ہیں! جو روشنی کم کرتی ہیں! بعض مفید ہیں جن سے روشنی تیز ہوتی ہے اسی طرح نور قلبی کے لئے بعض چیزیں مضر ہیں جن سے وہ نظر کمزور ہوتی ہے! حسد! لالچ کینہ یہ دل کی روشنی دھندلی کرتے ہیں! جب زور کر جائیں تو دل کو اندھا کر دیتے ہیں والکن تعمی القلوب التحافی الصدور مقبولین خدا کی بارگاہ سے محبت اللہ رسول کی اطاعت آخرت کے امور میں غور۔ یہ وہ سرمہ ہے جس سے قلب کی روشنی تیز ہوتی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

سرمہ کن درچشم خاک اولیا تا بہ بینی زابتدا تا انتہاء

یہ مقام بہت بلند ہے اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کے صدقہ ہم کو چشم حقیقت بین عطا کرے آمین۔''

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ
اے لوگو جو ایمان لائے جب ملو تم کسی لشکر سے پس جمے رہو اور ذکر کرو اللہ کا
اے ایمان والو جب کسی فوج سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور اللہ کی یاد
كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿٤٥﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا تَنَازَعُوْا
بہت تاکہ تم کامیاب رہو اور فرمانبرداری کرو تم اللہ کی اور اسکے رسول کی
بہت کرو کہ تم مراد کو پہنچو اور اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو اور آپس میں
فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ
اور نہ جھگڑا کرو ایک دوسرے سے ورنہ پست ہمت ہو جاؤ گے اور اکھڑ جائے ہوا تمہاری اور صبر
جھگڑو نہیں کہ پھر بزدلی کرو گے اور تمہاری بندھی ہوئی ہوا جاتی رہے گی اور صبر کرو

www.alahazratnetwork.org

الصّٰبِرِیْنَ ﴿۴۶﴾
کرو تحقیق اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے
بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان غیبی امدادوں کا ذکر ہوا جو خاص طور پر بدر میں غازیوں پر نازل ہوئیں اب ان دو عملوں کا ذکر ہے اگر غازی وہ کرلیا کریں تو ان پر غیبی امداد نازل ہوا کرے۔ جہاد میں ثابت قدمی اور اللہ کا بہت ذکر گویا خصوصی امداد کے بعد عمومی امداد کا وقتی امداد کے بعد دائمی امداد کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق پچھلی آیت میں غازیان بدر سے فرمایا گیا تھا کہ کفار اس وقت بہت تھے مگر تمہیں تھوڑے نظر آئے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی کہ ان کے پاس ذکر اللہ کا ہتھیار نہ تھا جس سے انہیں قلت ذلت اور شکست ہوئی۔ اے مسلمانو! تم ذکر اللہ سے غافل نہ رہنا کہ تم تھوڑے ہو کر بھی بہت ہو۔

تیسرا تعلق پچھلی آیات میں اختلاف اور جھگڑے کا ذکر ہوا تھا کہ اگر ہمارے نبی کی خواب کی مدد نہ ہوتی تو تم آپس میں جھگڑ پڑتے۔ اب ارشاد ہوا ہے کہ آئندہ یہ خواب نہ ہوگی مگر تم بہت احتیاط رکھنا کہ یوں تو کبھی مگر خصوصاً بحالت جہاد آپس میں اختلاف نہ کرنا۔ اللہ رسول کی اطاعت کرنا انشاء اللہ فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی۔

تفسیر یاایها الذین امنوا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں مسلمان کو جہاد فی سبیل اللہ کے چار آداب سکھائے۔ ثابت قدمی، ذکر اللہ، اللہ کے رسول کی اطاعت و اتفاق و اتحاد چونکہ جہاد اور جہاد صبر نفس پر بہت دشوار تھا اس لئے اس مضمون کو پیاری ندا سے شروع فرمایا گیا تاکہ اس خطاب کی لذت سے جہاد آسان ہو جاوے۔ نیز ایمان کا ذکر فرما کر یہ بتایا کہ یہاں کفار سے جہاد مراد ہے نہ کہ آپس میں لڑائی بھڑائی کیونکہ مومن کی شان یہ ہے کہ اپنے بھائی مسلمان سے نہ لڑے بھڑے اس کی لڑائی یا کفار سے ہو یا مرتدین سے یا خوارج یا باغیوں سے۔ ان جنگوں کے خلفاء راشدین کی جنگیں نمونہ ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جنگیں کفار اور مرتدین سے ہوئیں۔ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما کی جنگیں صرف کفار سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی جنگیں باغیوں اور خوارج سے ہوئیں۔ حق یہ ہے کہ اس میں خطاب اگرچہ صحابہ کرام خصوصاً غازیان بدر سے ہے مگر حکم تا قیامت سارے مسلمانوں سے کیونکہ عبارت عام ہے۔ اذا لقیتم فئة یہ عبارت ندا کا مقصود ہے اذا عموم ظرف کے لئے ہے بمعنی جب کبھی لقیم بن ہے لقاء سے اور بزوال عموماً جنگ میں دشمن سے بھڑنے کو کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی) فئة کے معنی ہیں جماعت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد اسلام یا سلطانِ اسلام سے پھر جانے والی جماعت کو فئہ کہا جاتا ہے یہ بنا ہے فاؤت سے بمعنی قطعت فیہ کٹ جانے والی جماعت۔ اسلام سے کٹ جانے والی شیطان سے فاثبتوا۔ یہ جہاد کا پہلا ادب ہے۔ یہ بنا ہے ثبات سے بمعنی جم جانا ثابت قدم رہنا پیٹھ نہ پھیرنا۔ خیال رہے کہ کفار کا دباؤ بڑھ

www.alahazratnetwork.org

جانے پر ان کے مقابلہ سے ہٹ کر اپنی فوج سے مل جانا یا امیر لشکر کے پاس پہنچ جانا بھی ثابت قدمی کی ایک صورت ہے لہذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں اور متحرفاً لقتال۔ یہاں دشمن کے مقابلہ سے بزدل ہو کر بھاگ جانا مراد ہے (دیکھو خازن کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ جب اپنی فتح کی امید ہو تو تب تو ثابت قدمی فرض ہے۔ مقابلہ سے ہٹنا گناہ کبیرہ جسے حدیث شریف میں تولی یوم الزحف فرمایا گیا ہے اور جب حالت ایسی خطرناک ہو جاوے کہ معاذ اللہ اپنی شکست اور یہاں ٹھہر نے سے موت یقینی ہو تو ڈٹا رہنا مستحب ہے۔ بہت ہی ثواب کا باعث۔ یہ مسائل کتب فقہ میں دیکھو۔ واذکروا اللہ کثیرا یہ جہاد کا دوسرا ادب ہے یعنی اس وقت اللہ کا ذکر۔ اس میں گفتگو ہے کہ اس ذکر سے کیا مراد ہے یا نعرہ تکبیر لگانا مراد ہے کہ اس سے کفار کے دل میں ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو جہاد سے پہلے کوئی خاص ذکر بتا دیتے تھے کہ یہ زبان پر جاری رکھو جیسے امت ..... اس سے مومن کی پہچان رہتی تھی کہ گرد و غبار کے اندھیرے میں مومن پہچانا جائے اور مسلمان کے ہاتھوں نہ مارا جائے۔ ابھی ۶۵ء کی جنگ میں پاکستانی فوج نے نعرہ مارا یا علی۔ اس نعرہ کی ہیبت سے بھارتی فوج کا سپاہی رام مر گیا ہیبت کی وجہ سے۔ یہ واقعہ اخبارات میں آیا۔ یا اس سے مراد فتح و نصرت کی دعا جیسے اللھم اقتلھم اللھم اھزمھم یا یہ دعا اللھم ثبت اقدامنا و انصرنا علی القوم الکفرین یا اس سے مراد دل میں اللہ کا خیال کرنا اور فتح نصرت کی امید کرنا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سارے ہی ذکر مراد ہیں کہ ذکر عام ہے (از روح المعانی و کبیر وغیرہ) غرضکہ جہاد کا نقشہ یہ کہ ہاتھ میں تلوار ہو زبان پر ذکر یار لعلکم تفلحون یہ ان دونوں باتوں کہ ظاہر ہے کہ لعل امید کے لئے ہے۔ یعنی اس امید پر یہ دونوں کام کرو۔ کہ کو فلاح و کامیابی حاصل ہو۔ اس فرمان عالی میں اشارۃً یہ بتایا گیا ہے کہ خطرناک حالات پریشانیوں میں اللہ کا ذکر کمال ہے اور کامیابی کا پیش خیمہ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

ولقد ذکرتک و الرماح نواھل منی و بیض الھند تشرب من دم
فودت تقبل ابسو نلانھا برقت کبارق تعزک التبسم

(روح المعانی)

میں نے تجھے اس وقت یاد کیا جب نیزے کھچے ہوئے تھے اور ہندی تلواریں میرا خون چوس رہی تھیں یعنی دل چاہتا تھا کہ ان کھچی ہوئی تلواروں کو چوم لوں اس لئے کہ ان کی چمک محبوب کے تبسم کی طرح تھی واطیعوا اللہ و رسولہ یہ عبادت معطوف ہے۔ اذکروا اللہ پر اس میں جہاد کا تیسرا ادب سکھایا گیا ہے۔ اگرچہ اللہ رسول کی اطاعت ہر وقت ضروری ہے مگر بحالت جہاد بہت ضروری ہے کہ اب موت سامنے ہے۔ خدا کرے ان کی اطاعت میں جان نکلے۔ تو یہ بہترین موت ہے۔ شعر

نکل جائے دم تیرے قدموں کے نیچے یہی دل کی حسرت یہی آرزو ہے

اس میں اشارہ فرمایا گیا کہ جہاد اپنی ناموری یا غنیمت حاصل کرنے یا محض ملک گیری کی نیت سے نہ ہو۔ محض اللہ رسول کی اطاعت و فرمانبرداری کے لئے ہو۔ اخلاص مومنوں کی تلواروں کی تیز دھار ہے جس کے سامنے انشاء اللہ کفر نہیں ٹھہر سکتا۔ ولا تنازعوا یہ عبارت معطوف ہے اطیعوا اللہ پر اس میں جہاد کے چوتھے ادب کی تعلیم ہے۔ لڑنا جھگڑنا اگرچہ ہمیشہ ہی برا ہے مگر

www.alahazratnetwork.org

بحالت جہاد گناہ بھی ہے اور سخت خطرناک بھی کہ دشمن سامنے ہے۔ وہ تمہارے آپس کے اختلاف و جھگڑوں سے فائدہ اٹھا جاوے گا۔ آج کفار کا قلو ہے کہ لڑاؤ اور فتح پاؤ، راج کرو۔ اس مختصر سے فرمان میں بہت باتیں بتادی گئیں آپس میں سپاہی نہ لڑیں، فوج اپنے سردار سے نہ لڑے نہ جھگڑا کرے اس کا ہر جائز حکم مانے۔ تفشلوا یہ عبارت یا تو لاتنازعوا ہی کا جواب ہے لہٰذا اس سے پہلے ان پوشیدہ ہے یا اس پر معطوف ہے اور جزی حالت میں ہے۔ اس کا مادہ فشل ہے بمعنی بزدلی یعنی ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے یا بزدل نہ ہو یا آپس میں جھگڑو نہیں اس خوف سے کہ بزدل ہو جاؤ کیونکہ جھگڑا اور نااتفاقی بزدلی کا سبب ہے۔ وتذهب ریحکم یہ عبارت معطوف ہے تفشلوا پر ریح کے معنی ہیں ہوا۔ یہاں اس سے مراد ہے شوکت و شان اردو میں عزت و شان قائم ہو جانے کو کہا جاتا ہے فلاں کی ہوا بندھ گئی۔ اس کے برعکس کو کہا جاتا ہے اس کی ہوا اکھڑ گئی۔ یہ بھی محاورہ عرب کا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

اذا ھبت ریاحک فاغتنمھا فان لکل خافقة سکون
ولا تغفل عن الاحسان فیھا فما تدری السکون متی یکون

قتادہ اور ابن زید کہتے ہیں کہ اس سے مراد فتح و نصرت کی ہوائیں ہیں جو اللہ تعالیٰ مجاہدین پر کرم فرماتے ہوئے بھیجتا ہے یا اس سے مراد فتح و نصرت ہے یا مراد ہمت و جرأت یعنی تمہارے آپس کے جھگڑے کا دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔ کفار کے دلوں میں تمہاری جو دھاک بیٹھی ہے وہ جاتی رہے گی۔ واصبروا یہ پانچواں حکم ہے صبر اگرچہ ہر وقت ہی ضروری ہے مگر جہاد میں تو بہت ضروری۔ صبر کڑوا ہے مگر اس کا پھل بہت میٹھا۔ صبر کے معانی اس کے اقسام و احکام دوسرے پارے کی تفسیر میں عرض ہو چکے ہیں۔ ان اللہ مع الصبرین یہ صبر کے حکم کی وجہ کا بیان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا فضل صبر والوں کے ساتھ ہے۔ ساتھ ہونے کے معنی اور ہمراہی کی قسمیں رب تعالیٰ کی معیت کی کیا صورت ہے۔ ہم یہ سب باتیں پارۂ دوم میں زیر آیت ان اللہ مع الصابرین عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر : رب تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں غازی مسلمانوں کو کفار کے مقابلہ کے لئے پانچ روحانی ہتھیار عطا فرمائے جن میں سے تین حملہ کرنے کے لئے ہیں اور دو ان کے بچاؤ کے لئے۔ ثابت قدمی، اللہ کا ذکر، اللہ رسول کی اطاعت، یہ کفار پر حملہ کے لئے روحانی ہتھیار ہیں اور اتحاد، تنظیم صبر یہ دونوں دفاعی ہتھیار۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ اے مومنو! جب بھی تمہاری مڈھ بھیڑ لشکر کفار یا لشکر اشرار سے ہو تو ان کے مقابلہ میں ثابت قدم رہو کہ کفار اچھی جگہ سے ہٹے تو ہٹے تمہارے قدم نہ ڈگمگائیں اور اس وقت تمہاری زبان پر اللہ کا ذکر بہت ہو کہ جہاد کے دوران نماز کی پابندی ہو عین قتال کے وقت نعرۂ تکبیر نعرۂ رسالت تلاوت قرآن دعاؤں وغیرہ سے تمہاری زبانیں تر ہوں۔ حالت یہ ہو کہ ہاتھ کار ول، دل یار ول، دہست بہ کار دل بہ یار۔ اگر تم نے یہ عمل کئے تو امید کرو کہ تم کامیاب ہو گے اس کے ساتھ ہی اللہ رسول کی فرمانبرداری کرو۔ اس کی اطاعت ہر وقت ہی ضروری ہے مگر جہاد جیسی نازک حالت میں بہت ہی ضروری نیز تمہارا جہاد کسی دنیاوی لالچ سے نہ ہو صرف اللہ رسول کی اطاعت دین کی حمایت کے لئے ہو۔ اس موقع پر تم نہ تو آپس میں لڑو جھگڑو اور نہ تم اپنے حاکم افسر سے لڑو جھگڑو ورنہ تم

www.alahazratnetwork.org

بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری بندھی ہوا جاتی رہے گی۔ تمہارا رعب دشمن کے دل سے نکل جاوے گا۔ دشمن تمہارے اختلاف سے فائدہ اٹھائے گا۔ اس وقت میں بہت صبر سے کام لو۔ یقین رکھو کہ اللہ کی رحمتیں صبر والوں کے ساتھ ہیں۔ جب وہ تم پر رحمت کرے تو کون ہے جو تمہیں نقصان پہنچائے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں خصوصاً غازیوں پر بہت ہی مہربان ہے کہ انہیں جنگ کی تدبیریں بتاتا ہے کیونکر نہ ہو کہ یہ امت اگرچہ گنہگار ہے مگر محبوب کی ہے۔ شعر

مجرم ہوں روسیہ ہوں اور لائق سزا ہوں لیکن حبیب کا ہوں مجھ پر عتاب کیسا

دوسرا فائدہ: جہاد صرف مسلمان کر سکتے ہیں۔ کفار کی جنگ کا نام نہیں۔ وہ نرا فساد ہے۔ یہ فائدہ مومنوں کو ندا فرمانے سے حاصل ہوا کہ جب رب نے پہلے ندا دی پھر جہاد کی تدبیریں بتائیں۔

تیسرا فائدہ: جہاد صرف کفار یا اشرار پر ہوگا اگر مسلمان آپس میں لڑیں گے تو وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ اس کے یہ احکام نہیں۔ یہ فائدہ فئة فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر مسلمانوں کی آپس کی جنگوں کا یہ حکم ہے کہ فاصلحوا بینهما ان میں صلح کراؤ۔

مسئلہ: باغی جماعت سے بھی سلطان اسلام جنگ کرے۔ اس کا ذکر اس آیت میں ہے۔ **فقاتلوا التی تبغی حتی تفیء الی امر اللہ** بغاوت کرنے والی جماعت سے جنگ کرو حتیٰ کہ وہ اس حکم الٰہی کی طرف لوٹ آئے۔

مسئلہ: مگر باغیوں سے جنگ میں وہ سختی نہیں جو کفار سے جہاد میں ہے چنانچہ باغیوں کے قیدی لونڈی غلام نہ بنیں گے۔ ان کا مال غنیمت اس طرح تقسیم نہ ہوگا۔ ان کے بھاگنے کا پیچھا نہ کیا جاوے گا۔ اس کی مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ برتاؤ ہے جو انہوں نے جنگ صفین میں حضرت امیر معاویہ کی جماعت اور جنگ جمل میں حضرت عائشہ صدیقہ کی جماعت سے کیا۔ صفین والوں کے متعلق فرمایا۔ **اخواننا بغوا علینا** یہ ہمارے بھائی ہیں ہم پر بغاوت کر بیٹھے اور حضرت عائشہ صدیقہ کے اونٹ کے پاؤں کاٹے گئے جس سے اونٹ گرا۔ ہودج نیچے آیا تو فوراً خیمہ ڈال دیا۔ مزاج مبارک کی خیریت پوچھی اور بہ احترام سے اپنے شہزادوں کو مدینہ منورہ تک پہنچانے کے لئے ساتھ روانہ کیا۔

راہ حق میں تھی دوڑ بھاگ ان کی شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ جہاں کر دیا نرم نرما گئے وہ

مسئلہ: مرتدین پر جہاد میں بہت سختی ہے۔ ان سے صلح جزیہ وغیرہ کچھ بھی قبول نہیں۔ ان کے لئے دو ہی صورتیں ہیں۔ قتل یا اسلام۔ ان کے لئے رب فرماتا ہے۔ **تقاتلونهم او یسلمون** اس کی تفسیر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ برتاؤ ہے جو آپ نے مسیلمہ کذاب کے معتقدین اور زکوٰۃ کے منکرین سے کیا۔ یہ سب واقعات ان جیسی آیات کی تفسیر میں ہیں۔

چوتھا فائدہ: جنگ کی دعا نہ کرو مگر جب آپڑے تو ڈٹ کر لڑو۔ یہ فائدہ اشارۃ **اذا لقیتم فئة** سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں فائدہ: کبھی دشمن کو حقیر نہ جانو۔ اس کے مقابلہ کی تیاری پوری کرو۔ لڑو تو جم کر لڑو۔ یہ فائدہ اشارۃ فاثبتوا سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ و من رباط الخیل۔

چھٹا فائدہ: اللہ کا ذکر بہترین عبادت ہے۔ یوں تو ہمیشہ ہی کرے، مگر خاص حالات خصوصاً آفات و بلیات میں زیادہ کرے۔ یہ فائدہ واذکروا کثیراللہ سے حاصل ہوا۔ یہ وہ روحانی ہتھیار ہے جو کفار کے پاس نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ انسان کبھی بھی اپنے دل وزبان کو اللہ کے ذکر سے خالی نہ رکھے۔ اگر کوئی شخص مشرق سے مغرب تک مال کی سخاوت کرتا جاوے۔ دوسرا مغرب سے مشرق تک جہاد کرتا جاوے۔ ان دونوں سے اللہ کا ذکر افضل ہے۔ (تفسیر کبیر)

ساتواں فائدہ: جہاد اللہ رسول کی خوشنودی کے لئے ہو اس میں نام نمود یا دنیوی لالچ کو بالکل دخل نہ ہو۔ یہ فائدہ اطیعوا اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا۔ آج کل مجاہدین کی خوش طبعی کے لئے گانے ناچ اور دوسرے کھیل تماشے کئے جاتے ہیں۔ خود غازی صاحبان اس زمانہ میں نماز کی پروانہیں کرتے۔ یہ سخت غلطی ہے۔ اس موقع پر نمازوں اور ذکر اللہ کی کثرت چاہئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عین جنگ کی حالت میں نماز کی جماعت بھی نہ چھوڑی۔ نماز خوف پڑھی جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ شعر

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز	قبلہ رو ہو کے کھڑی ہو گئی سب قوم حجاز
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز	نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے	تیرے دربار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

اللہ تعالیٰ صحابہ کرام جیسی نماز ان جیسا جہاد نصیب کرے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ رسول کی اطاعت سے قوم میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوتا ہے۔ ان کی نافرمانی قومی نااتفاقی کا سبب ہے۔ یہ فائدہ اس سے حاصل ہوا کہ اطاعت کے حکم کے بعد لاتنازعوا ارشاد فرمانے سے۔ آج تنظیم واتحاد کا ڈھنڈورا پیٹنے والے قوم کو پکا مسلمان بنانے کی کوشش کریں پھر اتحاد کا تماشہ دیکھیں۔

نواں فائدہ: نااتفاقی سے قوم کا رعب جاتا رہتا ہے۔ اتفاق سے قوم کی شوکت وعظمت دشمنوں کے دلوں میں ہیبت پیدا ہوتی ہے۔ یہ فائدہ تذھبوا ریحکم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ ریح یعنی ہوا سے مراد شوکت و ہیبت ہو۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو فتح کے لئے رحمت کی ہوا بھیجتا ہے جو فتح و نصرت کی بشارت لاتی ہے۔ یہ فائدہ ریحکم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہوا ہو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے پوروا ہوا سے فتح دی گئی اور قوم عاد پچھوا ہوا سے ہلاک کی گئی۔ اس سے غزوۂ خندق کی طرف اشارہ ہے۔ حضرت نعمان ابن مقرن فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اول دن میں جہاد کرتے تھے۔ اگر ایسا ممکن نہ ہوتا سورج ڈھلنے کے بعد جہاد فرماتے۔ جب ہوائیں چلتیں رحمت اترتی (ابوداؤد) مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ ذرات زمین و آسمان لشکر حق اندگاہ امتحان

www.alahazratnetwork.org

ابر از دیدی کہ با طوفان چہ کرد — باد را دیدی کہ با عاداں چہ کرد

زمین و آسمان کا ہر ریزہ رب تعالیٰ کا لشکر ہے۔ سلطان لشکر سلطان کے دوستوں کا استقبال کرتا ہے اور دشمنوں کا استقبال (بربادی) دیکھو قوم عاد ہوا سے قوم نوح پانی سے ہلاک کی گئی۔

گیارہواں فائدہ: صبر ہر حال میں چاہئے۔اس کے بڑے نفعے ہیں۔ دیکھو تفسیر پارہ دوم۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بحالت جہاد غازی کو ڈٹ جانا چاہئے۔ کسی صورت میں ہٹنا یا بھاگنا نہ چاہئے۔مگر دوسری آیت میں ہے **ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا** جس سے معلوم ہوا کہ عین جنگ میں دوصورتوں میں مقابلہ سے بھاگ جانا بالکل جائز ہے۔ جنگی تدبیر کے لئے پیچھے ہٹنا یا بچھڑے ہوئے غازی کا اسلامی لشکر سے مل جانے کے لئے۔ یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ثابت قدم رہنے کی تین صورتیں ہیں۔ایک وہاں سے نہ ہٹنا، دوسرے جنگی چال کے تحت غیر محفوظ مقام سے ہٹ کر محفوظ جگہ پہنچ جانا، وہاں سے جنگ کرنا، تیسرے یہ کہ غازی کسی موقع پر اکیلا رہ جائے اپنی فوج سے کٹ جائے اپنی فوج سے ملنے کے لئے وہاں سے ہٹ جائے۔ یہ آخری دوصورتیں تمہاری پیش کردہ آیت میں مراد ہیں اور پہلی صورت اس آیت میں مذکور ہے۔ لہذا آیات میں تعارض نہیں۔ پہلی صورت میں پھر تفصیل ہے۔ ایک حالت میں ہٹنا حرام ہے۔ دوسری صورت میں ہٹنا جائز ہے۔نہ ہٹنا اور وہاں ہی قتل ہونا بہتر۔ (دیکھو تفسیر)

دوسرا اعتراض: تم نے ذکر اللہ کی تفسیر میں نعرہ تکبیر بھی داخل مانا کہ بوقت جہاد نعرہ بھی لگایا جائے مگر حدیث شریف میں ہے کہ غزوہ خیبر کے موقع پر صحابہ نے نعرۂ تکبیر لگایا تو حضور انور ﷺ نے اسی وقت سختی کے ساتھ منع فرمایا۔تمہاری یہ تفسیر اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: وہاں حضرات صحابہ نے جہاد میں جاتے وقت راستہ میں نعرہ مارا تھا اور حضور ﷺ کا یہ ارادہ تھا کہ دشمن کو ہمارے آنے کی خبر نہ ہو اور اچانک ان پر جا پڑیں۔ انہیں سنبھلنے کا موقع نہ دیں۔ بغیر خون خرابہ کے خیبر فتح ہو جائے۔ اس وقت نعرہ مارنا مصلحت کے خلاف تھا اس لئے منع فرمادیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر نعرہ مارنا مصلحت کے خلاف ہو تو خفیہ ذکر کریں اور مفید ہو تو نعرہ لگائیں کبھی نعرہ سے دشمن کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں دل دہل جاتے ہیں لہذا واذکروا اللہ کا اطلاق بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ یہ آیت تاقیامت مسلمانوں کے لئے ہے مگر اطیعوا اللہ ورسولہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف صحابہ کرام کے لئے ہے کیونکہ انہیں میں حضور انور ﷺ ہوتے تھے۔ انہیں کو جہاد کے احکام دیتے تھے، وہ ہی ان احکام کی اطاعت کرتے تھے۔

جواب: اللہ رسول کی براہ راست اطاعت واقعی ان حضرات ہی کو میسر تھی۔ اگر بالواسطہ اطاعت تاقیامت مسلمانوں کو میسر ہے۔عالم، شیخ، امیر کی اطاعت حضور ﷺ ہی کی اطاعت ہے۔ فرماتے ہیں **من یطع الامیر فقد اطاعنی** جس نے اپنے حاکم مومن کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی۔ اب غزوہ میں سے اپنے سپہ سالار امیر جیش کی اطاعت کرنی چاہئے اب

www.alahazratnetwork.org

بھی فوج کو حکم ماننا بہر حال ضروری ہوتا ہے ورنہ انتظام نہیں رہ سکتا۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کا جہاد فئة کافرة یا فئة باغیة پر ہوتا ہے۔ فئة کافرہ باغیة دو طرح کی ہے۔ ظاہری اور باطنی۔ ظاہری پر ظاہری جہاد تلوار والا ہوتا ہے مگر باطنہ ہمارا نفس امارہ۔ اس کے مددگار ہیں اس آیت کریمہ میں اشارہ فئة کافرة باطنیة یعنی نفس امارہ پر جہاد کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ اس جہاد کرنے کے لئے تم چار ہتھیار استعمال کرو۔ پہلا ہتھیار، دین پر سنت رسول پر ثابت قدمی کہ مرتے وقت تک سنت رسول کو مضبوطی سے تھامے رہو۔ نفس امارہ اس ہتھیار سے زیر ہوتا ہے۔ دوسرا ہتھیار ہے اللہ کا ذکر کثرت سے کرنا خواہ زبانی ذکر ہو یا جنانی۔ یعنی پاس انفاس یا روحانی یعنی سلطان الاذکار کہ ہر رونگٹا اللہ کا ذکر ہو۔ لیکن زبانی ذکر حضور قلبی کے ساتھ چاہئے۔ خصوصاً متبرک راتوں متبرک دن اور متبرک ساعتوں میں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فجر کی نماز مسجد میں باجماعت ادا کرے پھر اس جگہ ذکر اللہ میں مشغول رہے۔ اشراق کے نفل پڑھ کر وہاں سے نکلے تو اسے حج و عمرہ کا ثواب ملتا ہے۔ فرمایا تامۃ تامۃ تامۃ پورے کا پورے کا پورے کا۔ بعض صوفیاء کے نزدیک ذکر خفی سے ذکر جلی یعنی زبانی ذکر افضل ہے کہ اس کی تحریر کاتبین اعمال فرشتے کرتے ہیں۔ اس میں عمل زیادہ ہے اس سے دوسروں کو ذکر کی رغبت پیدا ہوتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد افضل چیز ہے۔ اس لئے جہاد کا غبار اور دوزخ کا دھواں ایک جسم پر جمع نہ ہوگا مگر جہاد کفار جہاد اصغر ہے اور جہاد نفس نابکار جہاد اکبر۔ اس لئے اس جہاد کا مقتول شہید ہوتا ہے اور جہاد نفس کا مقتول صدیق۔ ظاہر ہے کہ صدیق شہید سے بہتر ہے۔ جہاد کی کامیابی تین چیزوں پر موقوف ہے۔ ثابت قدمی، رب تعالیٰ کی بہت یاد، دل کا اخلاص ہے کہ اس میں ملک گیری کی نیت نہ ہو نا غنیمت حاصل کرنے کی رب تعالیٰ نصیب کرے۔

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِن دِيَارِهِم بَطَرًا وَرِئَآءَ
اور نہ ہو تم مثل اُن لوگوں کے جو نکلے گھروں اپنے سے اکڑتے ہوئے اور دکھلاوے
اور ان جیسے نہ ہونا جو اپنے گھر سے نکلے اتراتے اور لوگوں کے دکھانے کو
النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ
کیلئے لوگوں کو اور روکتے ہوئے راستے سے اللہ کے اور اللہ اسکو جو وہ عمل
اور اللہ کی راہ سے روکتے ۔ اور ان سب کے کام اللہ کے
مُحِيطٌ ﴿٤٧﴾
کرتے ہیں گھیرے ہے
قابو میں ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان جسمانی عیوب کا تھا جن سے غازیوں کو بچانا چاہئے اب جنانی روحانی عیوب کا ذکر ہوا کہ وہ اللہ رسول کی اطاعت کے لئے جہاد کرتا ہے لہذا وہ غازی۔ اب کفار کے مقصد کا ذکر ہے کہ وہ جو مومن خصوصا غازی کے لئے زہر قاتل ہیں یعنی فخر تکبر ریا کاری۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مومن کے جہاد کا ذکر ہے کہ وہ لڑتا ہے فخر ریا کاری اللہ کی راہ سے روکنے کے لئے لہذا وہ مزا فسادی ہے تا کہ مومن اس کی نیت سے بچیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہ اپنے پیارے بندوں صابرین کے ساتھ ہے۔ اب ان کے مقابل بے صبروں شیخی خوروں کا ذکر ہے جن کے ساتھ بجائے خدا کی رحمت کے خدا کا غضب ہے۔ اے مسلمانو خیال رکھو کہ تم کو ان سے بچنا ہے۔

شانِ نزول: جب کفار مکہ ابوجہل کی سرکردگی میں ابوسفیان کے قافلہ کی حفاظت کے ارادہ سے روانہ ہوئے مقام جحفہ میں پہنچے تو ابوجہل کو دو قاصد ملے۔ ایک قاصد ابوسفیان کا۔ اس نے کہا کہ ابوسفیان مع قافلہ بخیریت تمام مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ اب تمہارے آگے بڑھنے کی ضرورت نہیں واپس مکہ آ جاؤ، ہمارا منشاء پورا ہو گیا۔ دوسرا قاصد خفاف کنانی کا جو ابوجہل کا گہرا دوست تھا۔ اس نے بہت بڑے تحفے اپنے بیٹے کے ہمراہ بھیجے اور پیغام بھیجا کہ تم کو ہماری مدد کی ضرورت پڑے تو ہم بہت بڑی فوجی امداد ہتھیار وغیرہ سب کو حاضر کریں۔ ابوجہل نے دوسرے قاصد کو تو جواب دیا کہ ہم لوگ بہت ہیں۔ ہمارے پاس سامان بہت ہے۔ ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں سے نپٹ لیں گے (کبیر) اور ابوسفیان کے قاصد کو جواب دیا کہ ہم بہادر لوگ ہیں بدر میں جا کر دم لیں گے کیونکہ آج کل وہاں میلا لگا ہے سارے عرب کے لوگ جمع ہیں وہاں اپنی بہادری دکھائیں گے مسلمان کا نام صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ پھر یہ سب کچھ کر چکنے کے بعد وہاں شرابیں پئیں گے کباب کھائیں گے۔ رنڈیاں ہمارے ساتھ ہیں انہیں نچا کر جشن منائیں گے۔ اے ابوسفیان تم بھی مع قافلہ کے یہاں پہنچو یہ نظارہ قابل دید ہوگا۔ یہاں عیش کے سارے سامان جمع ہیں۔ الحمد للہ کہ اس موذی نے بجائے شراب کے اپنا خون پیا۔ رنڈیوں کے گانے کی بجائے ان پر پیٹنے والیاں روئیں۔ اللہ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے خدام کا بول بالا کیا۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ ان کا بول بالا کرے۔ (خازن، روح البیان، معانی، مدارک، بیضاوی وغیرہ) اس واقعہ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو تکبر و غرور سے روکا گیا۔

تفسیر: ولا تکونوا قوی یہ ہے کہ یہ جملہ نیا ہے جس میں واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے یہ فرمانِ عالی معطوف ہو ولا تنازعوا (الخ) پھر او واؤ عاطفہ اس میں خطاب تا قیامت غازی مومنوں سے ہے اور ولا تکونوا کی ممانعت دائمی ہے یعنی غازی مسلمانو! جہاد میں نہ تو آپس میں لڑو جھگڑو اور نہ ان متکبرین کی طرح ہو کہ اگر اس کا نزول خاص موقع پر ہوا مگر الفاظ عام ہیں۔ کالذین خرجوا من دیارھم اگر لاتکونوا تامہ ہے تو یہ عبارت اس کے متعلق ہے اور اگر ناقصہ ہے تو یہ

www.alahazratnetwork.org

عبارت اس کی خبر ہے الذین سے مراد کفار مکہ ہیں جو مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بدر روانہ ہوئے۔ خرجوا فرما کر یہ بتایا کہ یہ لوگ گھروں سے نکلتے وقت ہی متکبر تھے۔ دیار جمع دار ہے دار کے معنی گھر۔ دیار بمعنی گھروں عرف میں دیار بمعنی شہر ملک ملک وطن بھی آتا ہے۔ یہاں لغوی معنی میں ہے۔ بطرا و رئآء الناس یہ دونوں یا خرجوا کا مفعول ہیں تب تو اپنے معنی میں ہیں یا خرجوا کے فاعل سے حال تو یہ دونوں اسم فاعل کے معنی میں ہیں یعنی وہ نکلے اتراتے اور دکھلاوے کے لئے یا اتراتے اور دکھلاوا کرتے ہوئے۔ بطر کے معنی ہیں طغیان فی النعمۃ یعنی اللہ کی نعمتیں پا کر سرکش ہونا۔ نعمتوں کو رب کی مخالفت میں خرچ کرنا یعنی فخر سے اترانا اور تکبر کرنا۔ ریاء الناس میں اشارہ ابوجہل کے اس قول کی طرف ہے جو اس نے کہا تھا کہ آج کل بدر میں سالانہ میلا لگا ہے ہماری بہادری سارے عرب والے دیکھیں گے اور ہماری دھاک سارے عرب کے دلوں پر بیٹھ جاوے گی۔ بدر میں سالانہ میلا لگا کرتا تھا۔ ۲ ہجری رمضان وہاں میلا لگا ہوا تھا۔ (کبیر وغیرہ) و یصدون عن سبیل اللہ یہ عبارت معطوف ہے بطرا پر اور یا تیسرا مفعول ہے۔ خرجوا کا تب بمعنی اسم فاعل ہے یعنی صادین یا تیسرا حال ہے کہ بطر اور ریا دونوں اسم مضارع کے معنی میں ہو کر حال تھے چونکہ پہلے ان میں دو عیب اترانا اور ریاکاری دائمی تھے اس لئے انہیں مضارع کے صیغہ سے استعمال نہیں کیا اور اللہ کی راہ سے روکنا ہمیشہ صادر نہیں ہوتا تھا بلکہ جب سے حضور ﷺ نے اعلان نبوت کیا تب سے وہ یہ جرم کرنے لگے اس لئے اسے مضارع استمراری سے بیان کیا جیسے کلبھوا باسط ذراعیہ بالوصید میں کتے کی دائمی حالت بیان فرمائی گئی اور قل من یرزقکم میں رب تعالیٰ کا ان کو رزق دیتا رہنا بیان ہوا لہذا مضارع ارشاد ہوا (کبیر) ایسی صورت میں مضارع معطوف ہو سکتا ہے اسم پر چونکہ کفار کے منشا اس جنگ سے دو تھے ایک تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنا دوسرے بقیہ عرب کو اسلام سے روکنا کہ ہماری شوکت مسلمانوں کی بے بسی دیکھ کر لوگ مسلمان رہنے سے گھبرا جائیں اس لئے یصدون عن سبیل اللہ ارشاد ہوا کہ و اللہ بما یعملون محیط۔ یہ نیا جملہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ ان کے سارے دلی بدنی کھلے چھپے ارادے اور نیتیں گھیرے میں لئے ہوئے ہے کہ اس کا علم اور قدر اعمال و عاملین اللہ کے علم و قدرت کے گھیرے میں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے غازی مسلمانو! تم جہاد میں نہ تو آپس میں لڑنا جھگڑنا اور نہ ان کفار مکہ ابوجہل وغیرہ کی طرح ہونا جو بدر کی طرف اپنے گھروں سے اتراتے اکڑتے فخر تکبر کرتے مسلمان کو اسلام سے پھیرتے لوگوں کو اسلام سے روکتے ہوئے روانہ ہوئے۔ تم نے ان کا انجام دیکھ لیا کہ ان کی چوٹی کے ستر سردار مارے گئے اور ستر سردار قید ہوئے۔ انہوں نے بدر میں شرابیں نہ پئیں بلکہ اپنے خون کے پیالے پئے ان کے سامنے رنڈیوں نے گایا شور مچایا نہیں بلکہ ان کی نعشوں پر ان کی عورتوں نے رویا پیٹا۔ ان کی نعشیں خاک و خون میں لوٹیں۔ ان واقعات سے عبرت پکڑو تم جہاد میں عجز و انکسار اللہ کا ذکر آنکھوں میں آنسو دل میں خشوع و خضوع لے کر حاضر ہوا کرو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مومن خصوصاً غازی کو چاہئے کہ کفار کے طریقے سے بھی دور بھاگے۔ یہ فائدہ و لا تکونوا کالذین فرمانے

www.alahazratnetwork.org

سے حاصل ہوا کہ یہاں یہ نہ فرمایا کہ تم اتراؤ نہیں بلکہ فرمایا کہ تم اترانے والوں کی طرح بھی نہ ہو۔

دوسرا فائدہ: تمام عبادات خصوصاً جہاد کے وقت اپنی عجز و انکساری پر بھروسہ نہ کرنا۔ رب کے کرم پر بھروسہ کرنا مومن کا وہ ہتھیار ہے جس کے سامنے کفار تو کیا شیطان بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ فخر تکبر ذلت کا پیش خیمہ ہے۔

مسئلہ: ہمیشہ خصوصاً جہاد میں کفار کو ذلیل و کمزور سمجھنا ایمانی قوت اپنے کو قوی جاننا عبادت ہے جو اپنے کو کمزور سمجھ کر میدان میں آئے گا مار کھا جائے گا۔ حضرت علی جب میدانِ جہاد میں آتے تو کفار کو للکارتے۔ شعر

ان الذی سمتنی امی حیدر

یہ بہادری ہے۔ بہادری اور تکبر و غرور میں فرق ہے۔ اللہ کی نعمت پر خوشی شکر ہے۔ **فبذالک فلیفرحوا** اپنے کمال پر فخر و اکڑ کی خوشی تکبر ہے۔ **لاتفرح ان اللہ لا یحب الفرحین۔**

تیسرا فائدہ: کوئی نیکی لوگوں کو دکھلانے انہیں خوش کرنے کے لئے کرنا ریاکاری ہے جس سے ثواب یا کم ہو جاتا ہے یا بالکل جاتا رہتا ہے مگر حضور انور ﷺ کو دکھانے انہیں راضی کرنے کے لئے کرنا عین اخلاص ہے اور کمال خشوع جس سے اس عمل کی قیمت بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے **واللہ و رسولہ احق ان یرضوہ** یہ فائدہ ریاء الناس میں الناس کی قید لگانے سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: اگر کسی نیکی کا اعلان اس لئے کیا جاوے کہ دوسرے بھی یہ کریں تو وہ ریا نہیں بلکہ تبلیغ ہے۔ اگر اپنی ناموری کے لئے اعلان کرے تو ریاء جو شرک اصغر ہے یہ مسئلہ بھی ریاء الناس سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ **ان تبدوا الصدقات فنعما ھی۔**

چوتھا فائدہ: ایک ہی میدان میں مومن و کافر جنگ کرتے ہیں مگر مومن اللہ رسول کا نام بلند کرنے کو اور کافران کا بند کرنے کو اور بند میں صرف لام کا فرق ہے مگر اس فرق سے مومن کی جنگ جہاد ہے کافر کی جنگ فساد۔

نکتہ: بلند اور بند میں صرف لام کا فرق ہے اور لام کے عدد ہیں تیس۔ قرآن مجید کے سپارے بھی تیس ہیں۔ انشاء اللہ بلند کرنے والوں کو پورے قرآن یعنی تیس پاروں کا فیضان حاصل ہے اور بند کرنے والے قرآن کے فیض سے یکسر محروم ہیں۔ اب پڑھو۔ **ویصدون عن سبیل اللہ** نکتہ بلند اور بلند کا یہ ہی فرق تقریروں جلسوں مدرسوں اور تصنیفات میں بھی ہے جو تقریر تحریر تصنیف تالیف اللہ رسول کا ذکر بند کرنے کے لئے ہو وہ کفار بدر کے جنگ کی طرح محض فساد ہے اور جو تصنیف تحریر تقریر مدرسہ جلسہ اس کا نام بلند کرنے کے لئے وہ بدر کے جہاد کی طرح عبادت ہے۔

پانچواں فائدہ: ریاکاری، اترانا، اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا یہ وہ بدعملی ہے جس کی سزا کفار کو بھی ملے گی خواہ دنیا میں بھی یا آخرت میں۔ دنیا میں بعض کو آخرت میں سب کو۔ یہ فائدہ **بما یعملون محیط** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اولیاء صالحین کاملین مقبولین کے نیک اعمال میں بھی غور کرے۔ ان کی اتباع کرنے کے لئے۔ اور کفار و مشرکین کی بدعملیوں میں غور تامل کرے ان سے بچنے کے لئے یہ فائدہ اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: بد انسان اور اس کا ہر اچھا برا کام اللہ تعالیٰ کے علم قدرت کے گھیرے میں ہے۔ وہ گھیرے ہوئے ہے اور ہم گھرے۔ لہٰذا اس سے کوئی کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ اس کے غضب سے بچنے کے لئے صرف ایک صورت ہے۔ توبہ اور بعد میں اس کی اطاعت۔

پہلا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ لاتکونوا کالذین (الخ) صرف یہ ہی کہہ دیا جاتا کہ فخر وریا نہ کرو۔

جواب: اس طرح ارشاد فرمانے میں ممانعت کا خوب مبالغہ ہوگا یعنی غرور وریاء کرنا تو کیا معنی تم متکبرین اور ریاکاروں کی طرح بھی نہ ہو۔ جیسے ارشاد باری ہے لاتقربوا الزنا یعنی زنا کے قریب بھی نہ جاؤ۔ یا فرمان الٰہی ولا تقربا من هذه الشجرة نیز اس میں اشارۃً بتلایا گیا ہے کہ تم لباس وضع قطع احوال افعال متکبرین کے سے اختیار نہ کرو۔

دوسرا اعتراض: یہاں بطرا ارشاد ہوا فخر کیوں نہ فرمایا۔ بطر فخر نفاق میں کیا فرق ہے۔

جواب: بطر میں نعمتوں کا انکار قولی یا عملی اور نعمتوں کا بری جگہ برتنا شرط ہے۔ فخر میں یہ بات نہیں۔ نیز بطر میں عمل کا لحاظ ہے اور نفاق میں عقیدے کا لحاظ یعنی برے کام چھپا کر اچھے کام ظاہر کرنا بطر ہے۔ برے عقیدے چھپا کر اچھے عقیدے ظاہر کرنا نفاق ہے۔ بطر کے متعلق ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ریاء یعنی لوگوں کو دکھانا برا ہے مگر اسلام میں بہت نیکیوں کا اعلان ضروری ہے۔ پنجگانہ نماز، جمعہ، عیدین، اعلانیہ جماعت سے پڑھو۔ حج کو اعلانیہ جاؤ لبیک لبیک کا شور کرتے۔ یہ اعلان برا کیوں نہ ہوا۔

جواب: اعلان اور ریاء میں فرق ہے۔ ریاء یہ ہے کہ نیکی کی جائے، لوگوں کو خوش کرنے اور ان میں اپنی ناموری حاصل کرنے کے لئے۔ یہ برا ہے۔ عبادت کا اعلان کبھی تبلیغ کے لئے بھی ہوتا ہے اور کہ دوسروں کو اس کام پر رغبت ہو۔

چوتھا اعتراض: نحوی قاعدہ سے یصدون معطوف نہیں ہوسکتا بطرا پر کیونکہ یصدون جملہ فعلیہ ہے اور بطرا مصدر۔ فعل کا عطف فعل پر ہوسکتا ہے نہ کہ مفرد پر۔

جواب: قرآن مجید قانون نحوی کا پابند نہیں بلکہ قوانین قرآن کے پابند ہیں۔ مذکورہ نحوی قانون تب ہے جب کہ اس میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ یہاں اس فرق میں فائدہ عظیم ہے۔ بطرا، ریاء کا مصدر ہونے اور یصدون کا فعل مضارع ہونے میں وہ فوائد ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کئے۔

تفسیر صوفیانہ: نفس کے عیوب انسان کی نیکیوں کو برائیوں میں تبدیل کر دیتے ہیں۔ اترانا۔ ریا یعنی نام ونمود کی نیت سے لوگوں کو راہ خدا سے روکنے کا ارادہ یہ وہ نفسانی برائیاں ہیں جن سے ہر نیکی بدی بن جاتی ہے۔ اخلاص وہ نفسانی صفت ہے جس سے گناہ نیکی بن جاتی ہے۔ انکسار والے کا گناہ اخلاص سے قریب ہے۔ فخر وتکبر والا نیکی اخلاص سے دور ہے۔ (تفسیر کبیر) ریا دو قسم کی ہے۔ ریاء فی العمل اور ریاء فی تحسین العمل۔ ریاء فی العمل یہ ہے کہ انسان نفس العمل ریاء کے لئے

www.alahazratnetwork.org

کرے کہ اگر کوئی دیکھے تو نیکی کرے ورنہ نہ کرے۔ ریاء فی تحسین عمل یہ ہے کہ اکیلے میں معمولی سا کرے لوگوں کے سامنے خوب اچھی طرح کردے پہلی صورت میں خود عمل کا ثواب نہ ملے گا دوسری صورت میں اصل عمل کا ثواب ملے گا۔ اس خوبی کا نہ ملے گا جو ریاء کے لئے کی۔ ریاء کار عمل ایسا ہے جیسے جسم موٹا ہو عقل و ہوش بالکل نہ ہو۔ حضرت حسان فرماتے ہیں۔ شعر

لاباس بالقم من طول و من عظم جسم البغال و احکام العکافیر

حکایت: ایک بزرگ نے اپنی کھڑکی میں بیٹھے ہوئے سورۂ طٰہٰ شریف کی تلاوت کی۔ رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ ایک نورانی لمبا چوڑا کاغذ لائے جس میں اس کی سورۂ طٰہٰ لکھی ہے اس کے ہر لفظ پر دس نیکیاں لکھی ہیں مگر ایک لفظ کے نیچے کوئی نیکی نہیں لکھی ہے انہوں نے اس شخص سے اس کی وجہ پوچھی وہ بولا کہ اس وقت کھڑکی کے نیچے سے ایک آدمی گزرا تھا تو اس نے اسے خوش کرنے کے لئے یہ لفظ خوش الحانی سے ادا کیا یہ ریاء تھی اس لئے اس کا ثواب بالکل نہیں لکھا گیا۔ (روح البیان) شیخ سعدی فرماتے ہیں شعر۔

دگر سیم اندودہ باشد نحاس توان خرج کردن بر ناشناس

مند آب زرجان من پر پشیز کہ صراف دانا نہ گیرد بہ چیز

یعنی تانبہ پر سونے کا ملمع کرو تو انجان اس سے دھوکا کھا جاوے گا مگر دانا اسے پھینک دے گا بلکہ تجھے مجرم قرار دے گا۔ پیسہ سونے کا ملمع کردینے سے اشرفی نہیں بن جاتا۔ اسے صراف قبول نہیں کرتا۔ رب تعالیٰ کے ہاں تو بڑی چھان بین ہے۔ اخلاص اختیار کرو۔

وَاِذْ زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ

اور جب آراستہ کردیے واسطے شیطان نے کام اُن کے اور کہا کہ نہیں ہے کوئی غالب

اور جبکہ شیطان نے ان کی نگاہ میں انکے سب کام بھلے کر دکھائے اور بولا آج تم پر

مِنَ النَّاسِ وَاِنِّیْ جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَآءَتِ الْفِئَتٰنِ نَكَصَ

آنیوالا تم پر آج لوگوں میں سے اور تحقیق میں امن دینے والا ہوں تم کو پس جب دونوں

کوئی شخص غالب آنیوالا نہیں اور تم میری پناہ میں ہو تو جب دونوں لشکر آمنے سامنے ہوئے الٹے پاؤں

عَلٰى عَقِبَيْهِ وَقَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّنْكُمْ اِنِّیْٓ اَرٰى مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ

لشکروں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو وہ لوٹا اوپر ایڑیوں اپنی کے اور کہا میں دور ہوں تم سے تحقیق

بھاگا اور بولا میں تم سے الگ ہوں میں وہ دیکھتا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتا میں اللہ سے ڈرتا ہوں

www.alahazratnetwork.org

اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰهَ ؕ وَاللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ۠ ع

میں دیکھ رہا ہوں وہ جو انہیں دیکھتے تم بیشک میں خوف کرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت عذاب والا ہے

اور اللہ کا عذاب سخت ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کا ایک عیب بیان ہوا یعنی جنگ کے لئے اتراتے اکڑتے ہوئے گھروں سے نکلنا اب ان کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یعنی شیطان کی حمایت اس کی حفاظت میں جنگ کے میدان میں پہنچنا کہ اللہ کی حفظ و امان میں تاکہ مسلمان اس عیب سے بھی بچیں۔

دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیت میں غازیوں مومنوں کو بحالت جہاد اللہ رسول کی اطاعت کا خصوصی حکم دیا گیا۔ اب اطاعت کا انجام بیان ہو رہا ہے یعنی عین وقت پر ساتھ چھوڑنا آخر کار شکست ہو جانا تاکہ مسلمانوں کو اللہ رسول کی اطاعت پر رغبت ہو۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیت میں غازیوں کو بہت ذکر الٰہی کرنے کا حکم دیا گیا تھا تاکہ اس کی برکت سے شیطان دور رہے اب اس کے مقابل ان کا انجام بیان ہو رہا ہے جو جنگ میں اپنے ساتھ شیطان کو شریک کرتے ہیں تاکہ مومن ذکر اللہ سے غافل نہ ہوں۔ یہ جہاد خالص اللہ رسول کا کام ہو۔

نزول: کفار مکہ مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے بدر کی طرف روانہ ہوئے۔ راستہ میں بنی بکر ابن کنانہ کی بستی پڑی۔ ان کی بنی کنانہ سے بڑی پرانی دشمنی تھی کیونکہ انہوں نے بنی کنانہ کا ایک آدمی قتل کیا تھا جس کے بدلہ کا بنی کنانہ کی طرف سے انہیں سخت خطرہ تھا۔ انہیں یہاں پہنچ کر خیال آیا کہ ہم سب جگہ خالی کر کے چل دیں ایسا نہ ہو کہ موقع غنیمت جان کر بنی کنانہ ہمارے گھروں پر ٹوٹ پڑیں ہمارے خالی کئے گھر والوں اور مکانوں کو لوٹ لیں اور ہمارے باقی ماندہ عورتوں بچوں کو قتل کر دیں۔ قریب تھا کہ یہ لوگ اس خطرہ سے مکہ معظمہ واپس لوٹ جائیں اگر ابلیس نہ پہنچتا۔ ابلیس اس قبیلے کے سردار سراقہ ابن مالک ابن جعشم کی شکل میں اپنی بڑی جماعت کے ساتھ جھنڈا ہاتھ میں لئے ان کے پاس پہنچا اور بولا کہ میں بنی کنانہ کا سردار ہوں اور یہ میرا قبیلہ بنی کنانہ ہے۔ تم چونکہ بڑے اچھے کام کے لئے جا رہے ہو اس لئے تمہارے پاس میں خود مع اپنی جماعت کے تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں۔ تم بالکل نہ ڈرو ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ اس سے ان لوگوں کی ہمت اور بڑھ گئی۔ ان کے تکبر وغرور میں اضافہ ہو گیا حتیٰ کہ خاص غزوۂ بدر کا دن آ گیا۔ ابلیس لشکر کفار کے ساتھ تھا جب دو طرفہ صف آرائی ہوئی تو اس مردود کا ہاتھ حارث ابن ہشام کے ہاتھ میں تھا اور جو صف آرائی کر رہا تھا۔ شیطان نے مسلمانوں کی حمایت کے لئے غیب سے فرشتے اترتے دیکھے۔ یہ ان سے گھبرا گیا اور حارث کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ نکال کر بھاگنے لگا۔ حارث بولا کہ ایسے نازک وقت میں تو ہم کو کیوں چھوڑتا ہے۔ ابلیس حارث کے سینہ پر ہاتھ مار کر بولا۔ میرا کام اتنا ہی تھا کہ تم سب کو یہاں پہنچا

www.alahazratnetwork.org

دوں۔ اب تم اور مسلمان جانیں۔ میں وہ چیز دیکھ رہا ہوں جو تمہیں نظر نہیں آتی۔ میں یہ چلا۔ یہ کہا اور چلتا بنا۔ اس سے بھی کفار کی ہمت ٹوٹ گئی۔ اس آیت کریمہ میں اسی کا ذکر ہے۔ (تفسیر کبیر۔ خازن۔ خزائن۔ روح المعانی۔ بیان۔ بیضاوی۔ مدارک۔ تفسیر ابن عباس وغیرہ)

تفسیر: **و اذ زین لھم الشیطن** ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اور اس کی واؤ ابتدائیہ ہے۔ اذ سے پہلے یاذکر پوشیدہ ہے اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یعنی اے محبوب اپنے غلاموں سے یہ تذکرہ کرو یا اذکروا پوشیدہ ہے اور خطاب ہے مسلمانوں سے یعنی اے مومنو یہ واقعہ یاد رکھو تاکہ تم کو عزت حاصل ہو۔ زین بنا ہے تزین سے بمعنی اچھا کر کے دکھانا۔ اور راستہ ظاہر کرنا۔ یہ حق بھی ہوتا ہے اور باطل بھی۔ اگر اس کا فاعل رب تعالیٰ یا اس کے محبوب ہوں تو صحیح دکھانا مراد ہوگا (جیسے **حبب الیکم الایمان و زینہ فی قلوبکم**) اے مسلمانو! رب نے تم کو ایمان پیارا بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں آراستہ کر دیا۔ اچھا کر کے دکھا دیا اور اگر اس کا فاعل شیطان یا شیطانی لوگ ہوں تو غلط آراستگی مراد ہوتی ہے۔ یہاں دوسرے معنی مراد ہیں لہم کا مرجع کفار مکہ ہیں جو بدر میں مسلمانوں کے مقابلہ میں آئے تھے۔ الشیطان سے مراد ابلیس ہے جو کہ سراقہ ابن مالک ابن جشم کی شکل میں کفار کے پاس پہنچا تھا۔ **اعمالھم** یہ زین کا مفعول ہے۔ حق یہ ہے کہ اعمال سے مراد کفار کے سارے جسمانی، جنانی اور روحانی اعمال ہیں لہٰذا اس میں ان کے شرکیہ عقائد بت پرستی مسلمانوں کو ستانا اور اب ان کے مقابلہ کے لئے بدر میں جانا سب ہی داخل ہیں۔ شیطان نے کفار مکہ سے کہا تھا کہ چونکہ تم بڑے اچھے کام کے لئے نکلے ہو لہٰذا میری قوم بنی کنانہ اس وقت تمہاری مدد کرے گی۔ **و قال لا غالب لکم الیوم من الناس** شیطان نے کفار مکہ کو دو دھوکے دیئے۔ پہلا دھوکہ یہ ہے۔ خیال رہے کہ لانفی ہے غالب اس کا اسم اور لکم سے پہلے کائن پوشیدہ ہے۔ وہ اس کی خبر الیوم سے مراد ہے۔ یہ وقت یہ زمانہ من الناس حال ہے کائن کی خبر سے۔ الناس مراد ہیں غازیان بدر (تفسیر روح البیان) یہ ترکیب خیال میں رہے یعنی وہ یوں کہ اس معرکہ میں مسلمان تم پر غالب نہیں آسکتے کیونکہ تم زیادہ ہو وہ تھوڑے۔ تم ہتھیار بند ہو وہ نہتے۔ تم تجربہ کار جنگی بہادر لوگ ہو وہ لوگ ناتجربہ کار۔ تم جنگ کی تیاری کر کے آئے ہو وہ کسی اور ارادے سے آئے تھے۔ اچانک جنگ ان پر آپڑے گی جس کے لئے وہ تیار نہ تھے اور نہ ہیں۔ ان وجوہ سے وہ تم پر غالب نہیں آسکتے۔ تم ہی غالب آؤ گے۔ اس مردود نے فریقین کے سارے حالات بتا دیے۔ اس کا دوسرا فریب یہ تھا۔ **و انی جار لکم** یہ عبارت معطوف ہے لا غالب (الخ) پر جار بنا ہے جیر سے بمعنی پناہ یا مدد اس سے ہے۔ **ویجرکم من عذاب الیم** اس لئے پڑوسی کو جار کہتے ہیں کہ وہ آفت کے وقت امان کا ذریعہ بنتا ہے۔ یعنی بڑی بات یہ ہے کہ میں اپنی قوم کے ساتھ تمہارا حمایتی اور مددگار ہوں۔ تم تو پہلے ہی بہت مضبوط ہو۔ میری حمایت سے تمہاری تعداد اور مضبوطی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ **فلما ترأت الفئتن** اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ ابلیس کی یہ چکنی چپڑی باتیں اس وقت تک رہیں جب تک دونوں فوجیں مقابل نہ ہوئیں۔ لما ظرف بمعنی شرط ہے تراءت بنا ہے رای سے بمعنی آنکھوں سے دیکھنا باب تفاعل میں آکر اس میں مقابلہ کے معنی پیدا ہوئے یعنی ایک دوسرے کو دیکھا مراد ہے مقابلہ میں آئے۔ فئتن سے مراد ہے کفار و مومنین کے لشکر۔ اس کے

www.alahazratnetwork.org

بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی جب کافر و مومن فوجیں ایک دوسرے کے مقابل آئیں اور شیطان نے مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کو نازل ہوتے دیکھا تو نکص علی عقبیہ یہ لما کی جزا ہے نکص کے معنی ہیں الٹے پاؤں لوٹنا چونکہ اس طرح لوٹنے میں انسان ایڑیاں استعمال کرتا ہے اس لئے عقبیہ ارشاد ہوا۔ عقب کے معنی ہیں پیچھے۔ اصطلاح میں ایڑی کو عقب کہا جاتا ہے کہ یہ قدم کے پیچھے ہوتی ہیں یعنی جب مومن کافر لشکر مقابل ہوئے اور شیطان نے غیبی مدد یعنی فرشتوں کا نزول دیکھا تو وہاں سے الٹے پاؤں لوٹا۔ و قال انی بریٓ منکم یہ عبارت معطوف ہے نکص الخ پر۔ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی جب شیطان الٹا لوٹنے لگا تو حارث بن ہشام اسے پکڑ کر کہنے لگا کہ تو ہم کو ایسے نازک موقع پر چھوڑے دیتا ہے ابھی تو کیا کہہ رہا تھا اور اب کیا کر رہا ہے تو شیطان نے حارث کو یہ جواب دیا۔ بری کے معنی ہیں الگ یا دور۔ منکم سے خطاب سارے کافروں سے ہے یعنی میں تمہاری حمایت سے دور ہوں۔ تمہارا، تمہاری مدد کا ذمہ داری نہیں۔ انی اریٰ مالا ترون یہ بری کی وجہ کا بیان ہے۔ اریٰ سے آنکھوں سے دیکھنا مراد ہے۔ ما سے مراد آسمانی مدد ہے یعنی فرشتوں کا نزول یعنی میں تم سے اس لئے الگ ہو رہا ہوں کہ میں وہ چیزیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔ انی اخاف اللہ یہ عبارت شیطان کے بھاگنے کی دوسری وجہ کا بیان ہے کہ مجھے خدا سے ڈر لگتا ہے۔ خیال رہے کہ خوف سے مراد وہ خوف خدا نہیں جو مومن کو ہوتا ہے جس سے ایمان قوی ہو جاتا ہے اور اللہ رسول کی اطاعت کی توفیق ملتی ہے بلکہ خود اس خوف سے مراد ہے اپنی ہلاکت یا اپنی ذلت رسوائی یا فرشتوں کے ہاتھ سے مار کھانے کا خوف جیسے شہاب سے شیطان کو مارا جاتا ہے یعنی اگر میں تمہارے ساتھ رہا تو فرشتوں کے ہاتھوں بھی مار کھاؤں گا۔ واللہ شدید العقاب یہ کلام یا تو شیطان کا ہے جو وہ کافروں سے کہہ رہا تھا کہ اللہ بہت سخت عذاب والا ہے اس کا سخت عذاب تو مجھ سے پوچھو کہ سجدہ نہ کرنے پر ہزار ہا سال سے پھٹکارا جا رہا ہوں۔ آخرت کا عذاب اس کے علاوہ ہے یا یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے لوگو اللہ کا عذاب اتنا سخت ہے کہ شیطان بھی اس سے ڈرتا ہے اے لوگو تم بھی ڈرو۔

خلاصہ تفسیر: اے مومنو! وہ وقت بھی یاد کرو یا یاد رکھو جبکہ شیطان نے بدر میں آنے والے کفار مکہ سے ملاقات کی اور ان کے ساتھ دو کام کیے۔ ایک یہ کہ ان کے کفر شرک حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ وغیرہ تمام برائیوں کی ان کے سامنے تعریف کی کہ تمہارے اعمال بہت ہی اچھے اور جس کام کے لئے تم بدر میں جا رہے ہو وہ بہت ہی اعلیٰ کام ہے۔ دوسرے یہ کہ سراقہ کی شکل بن گیا تھا، انہیں اطمینان دلایا کہ تم میری قوم بنی کنانہ سے کوئی خطرہ محسوس نہ کرو۔ میری قوم تمہارے پیچھے تمہارے گھروں پر حملہ نہیں کرے گی۔ اس کے برعکس میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں تم کو اپنی حفظ و امن میں لیتا ہوں تمہارے ساتھ مل کر مسلمانوں سے جنگ کروں گا۔ اس کی ان باتوں سے کفار اور بھی شیر ہو گئے۔ کہا تو یہ مگر کیا یہ کہ سب جب بدر میں پہنچ گئے اور ایک دوسرے کے مقابل میں مومن و کافر صف آراء ہوئے اور شیطان نے فرشتے اترتے دیکھے تو حارث سے ہاتھ چھوڑ کر الٹے پاؤں بھاگنے لگا۔ جب کفار نے شور مچایا کہ اب اس نازک وقت میں تو ہمیں کس پر چھوڑتا ہے تو بولا کہ میرا تمہارا ساتھ یہاں تک ہی تھا۔ اب میں تم سے بری ہوں تم جانو اور مسلمان۔ میں وہ چیزیں دیکھ رہا ہوں جو تم نہیں دیکھتے۔

www.alahazratnetwork.org

میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ کہیں تمہارے ساتھ میں بھی نہ مارا جاؤں یا مار کھاؤں اللہ کا عذاب بہت سخت ہے۔ روایت میں ہے کہ جب شکست خوردہ کفار واپس مکہ معظمہ پہنچے تو بولے ہم کو سراقہ بن مالک نے مروادیا کہ ہم کو وقت پر دھوکا دیا۔ یہ خبر جب کہ سراقہ کو پہنچی تو وہ قسم کھا کر بولا کہ مجھے تو ان کے جانے کی خبر جب ہوئی جب کہ مار کھا کر مکہ معظمہ لوٹ آئے۔ تب انہیں پتہ لگا کہ وہ شیطان تھا۔ (مدارک، بیضاوی، روح المعانی، خازن وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: شیطان انسانی شکل میں آ سکتا ہے اور لوگوں سے بات چیت کر سکتا ہے۔ یہ فائدہ اذ زین لهم الشیطن سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

دوسرا فائدہ: شیطان کفار وفساق کو ان کی بدعملیاں اچھی کر کے دکھاتا ہے جس پر وہ لوگ فخر کرنے لگتے ہیں اور پھر ان کی اصلاح بہت مشکل ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی اذ زین الخ سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: جو کوئی ہمارے عیبوں کی تعریف کرے ہم کو برائی اور گناہوں کی رغبت دے وہ شیطان ہے اگر چہ شکل انسانی میں ہو۔ یہ فائدہ بھی اذ زین الخ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ رسول کی پناہ سچی ہے باقی ساری پناہیں جھوٹی ہیں۔ یہ فائدہ انی جار لکم سے حاصل ہوا۔ مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ اللہ رسول کی پناہ میں رہے۔ یہ پناہ ان کی اطاعت سے ہوتی ہے۔

پانچواں فائدہ: برے دوست مصیبت میں پھنسا کر الگ ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ نکص اعلی عقبیه سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: شیطان گرچہ انسانی شکل میں ہو مگر نوری مخلوق یعنی فرشتوں کو دیکھ سکتا ہے۔ یہ فائدہ انی اری الخ سے حاصل ہوا کہ اس نے بدر میں اترنے والے فرشتوں کو دیکھا۔

ساتواں فائدہ: شیطان کو بھی اللہ کا خوف ہے۔ وہ اسے قادر مطلق اور سخت عذاب دینے والا جانتا مانتا ہے۔ یہ فائدہ انی اخاف اللہ الخ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: خدا تعالیٰ سے ڈرنا اس کی ذات وصفات کا قائل ہونا ایمان نہیں۔ ایمان ہے نبی کو ماننا۔ یہ بھی فائدہ انی اخاف اور واللہ شدید العقاب سے حاصل ہوا کہ ابلیس ان باتوں کو ماننے کے باوجود مسلمان نہ ہوا کہ وہ حضور انور ﷺ اور مسلمانوں کا دشمن تھا اور ہے۔ خوف، تقویٰ، خشیت میں بڑا فرق ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اکثر تقویٰ اور خشی کا حکم فرمایا۔ اتقوا اللہ اور فرمایا فلا تخشوا هم و اخشون خوف نفرت خوف اطاعت میں فرق بارہا بیان کیا جا چکا ہے۔

پہلا اعتراض: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شیطان شکل انسانی میں بھی آ جاوے اور پھر شیطان بھی رہے۔ یہ تو اجتماع ضدین ہے۔ شیطانیت اور انسانیت علیحدہ جنسیں ہیں اور ہر جنس دوسری جنس کی ضد ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے نوری فرشتوں اور ناری جنات میں تبدیلی شکل کی طاقت دی ہے۔ بارہا حضرت جبریل شکل انسانی میں دیکھے گئے۔ لباس وجسم بھی انسانوں جیسا ہو گیا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فتمثل لها بشرا سویا بخاری وغیرہ کی احادیث

www.alahazratnetwork.org

میں ہے کہ بارہا حضرات صحابہ نے حضرت جبریل کو شکل انسانی میں دیکھا ہے اس صورت میں ان کی صورت انسانی ہو جاتی ہے۔ سیرت و حقیقت وہ ہی اپنی رہتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا سانپ بن جاتا تھا۔ لہٰذا یہ دونوں ضدوں کا اجتماع نہ تھا۔

دوسرا اعتراض: پھر تو آریوں کا آواگون درست ہوا۔ وہ کہتے ہیں کہ انسان مرنے کے بعد مختلف جانوروں کی جون میں آتا ہے حالانکہ یہ عقیدہ کفر ہے۔

جواب: اور یہ حقیقت کا انقلاب مانتے ہیں کہ انسان درحقیقت کتا، گدھا بن جاتا ہے۔ نفس و روح بھی بدل جاتی ہے۔ انقلاب روح ناممکن ہے۔ انقلاب جسم دن رات ہوتا رہتا ہے۔ آگ ہوا بن جاتی ہے ہوا آگ۔ انسان کا جسم گل کر مٹی ہو جاتا ہے۔

تیسرا اعتراض: جب رب تعالیٰ شیطان کو قیامت تک کی زندگی دے چکا تو اسے فرشتوں کو دیکھ کر خوف کس چیز کا ہوا۔ اسے مرنے کا خطرہ تو تھا ہی نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے جواب میں لوگوں نے بہت غوطے کھائے ہیں۔ کسی نے کہا کہ وہ فرشتوں کو دیکھ کر سمجھا کہ قیامت آج ہی ہے۔ کسی نے کہا کہ رب نے اسے یوم معلوم تک مہلت دی ہے۔ شاید وہ دن آج ہی ہے۔ مگر یہ سب جواب کمزور ہیں۔ قوی جواب یہ ہے کہ اسے موت کا خوف نہ ہوا تھا مار کا خوف تھا کہ آج کفار کی شامت آ رہی ہے اگر میں ان کے ساتھ رہا تو میری بھی خیر نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بدر میں شیطان فرشتوں کو دیکھ کر بھاگا۔ فرشتے ہمارے ساتھ ہر وقت رہتے ہیں۔ ساتھ تو ہماری حفاظت کے لئے اور دو ہمارے اعمال کی تحریر کے لئے تو ہمارے پاس شیطان کیسے آ سکتا ہے۔ ان فرشتوں سے کیوں نہیں بھاگتا۔

جواب: بدر میں فرشتے مسلمانوں کی مدد میں اور کفار کو شکست دینے آئے تھے۔ ان کی یہ ڈیوٹی دیکھ کر شیطان بھاگا۔ ہمارے ساتھ کے فرشتے ان کی ڈیوٹی صرف حفاظت یا اعمال کی تحریر ہے۔ اس لئے اسے ان سے کوئی خطرہ نہیں۔ ان وجوہ سے وہ بے خطر ہمارے پاس آتا ہے جیسے وہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کے پاس دھوکہ دینے پہنچ گیا حالانکہ وہاں فرشتے بھی تھے کیونکہ اس جگہ وہ فرشتے اس وقت ڈیوٹی پر نہ تھے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں تین محبتیں ہیں۔ محبت نفسانی، محبت شیطانی، محبت رحمانی۔ محبت نفسانی جو خونی رشتے یا دنیاوی وجہ سے ہو۔ جیسے اولاد بیوی یا اپنے دنیاوی دوستوں سے محبت۔ شیطانی جو مجرموں بے دینوں کی آپس میں ہو۔ محبت رحمانی جو صرف اللہ رسول کے لئے ہو۔ پہلی دو محبتوں کے لئے فنا ہے کیونکہ ان کی اصل کو فنا ہے۔ بلکہ محبت شیطانی بہت جلد عداوت میں تبدیل ہو جاتی ہے مگر محبت رحمانی کے لئے بقا ہے۔ یہ دین و دنیا میں قائم اور باقی ہے۔ شیطان کی اس دن کفار سے محبت شیطانی تھی یعنی ان کی عداوت رسول کی وجہ سے۔ یہ محبت بہت جلد ختم ہو گئی۔ یہ محبت ہلاکت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ اگر اس

www.alahazratnetwork.org

دن شیطان یہ مجبت وحرکت نہ کرتا تو شاید کفار مکہ بنی کنانہ کی بستی سے ہی لوٹ جاتے۔ بدر میں مار نہ کھاتے۔ مگر شیطان کی محبت انہیں بدر میں لائی اور فنا کرگئی۔ یہ محبت اور اس کا انجام یہ تاقیامت تک ہوتا رہے گا اللہ کے بعض بندے نورانی ہیں جن سے ناری شیطان بھاگتا ہے۔ نار نور کے آگے نہیں ٹھہرتے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شیطان عمر کے سائے سے بھاگتا ہے۔ جس گلی میں حضرت عمر جارہے ہوں شیطان اس گلی سے نہیں گزرتا ہے تاکہ اس پر ولایت فاروقی کے نور کی شعاع نہ پڑ جائے اور شیطان مصیبت میں نہ پڑ جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ خوف خدا چند قسم کا ہے۔ ایک وہ خوف جس سے اطاعت الٰہی کا جذبہ پیدا ہو۔ یہ مومن صالحین کو نصیب ہوتا ہے۔ دوسرا وہ خوف جس سے عشق الٰہی پیدا ہو یہ کاملین کو نصیب ہوتا ہے۔ تیسرا وہ خوف جس سے مجرم خدا سے بھاگے یہ خوف طالحین یعنی بدنصیبوں کا ہے۔ شیطان کو اس دن یہ تیسرا خوف ہی ہوا تھا جس سے وہ حضور ﷺ کی خدمت میں نہ آیا بلکہ بھاگ گیا۔

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُ
جب بولے منافق لوگ اور وہ لوگ کہ انکے دلوں میں بیماری ہے دھوکا دے دیا
جب کہتے منافق اور وہ جن کے دلوں میں آزار ہے کہ یہ مسلمان اپنے دین پر مغرور ہیں
لَآءِ دِيْنُهُمْ ۭ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾
ان لوگوں کو دین نے انکے اور وہ جو بھروسہ کرے اللہ پر پس تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا ہے
اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو بے شک اللہ غالب ہے حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں غزوہ بدر کے متعلق شیطان کی رائے کا ذکر ہوا اب اس آیت میں اسی غزوہ بدر کے متعلق شیطانی لوگوں یعنی منافقین وغیرہ کی رائے، ان کی گفتگو کا ذکر ہے گویا استاذ کے بعد شاگردوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بدر کے متعلق کفار کی فوجی برتری کا ذکر تھا جو شیطان کی نظر میں تھی جس سے اس نے فیصلہ کیا تھا کہ کفار ضرور غالب رہیں گے اب اس آیت میں اس بدر کے متعلق مسلمانوں کی فوجی کمزوری کا ذکر ہے جو شیطانی لوگوں کی نگاہ میں تھی جس سے انہیں مسلمانوں کی شکست کا یقین تھا گویا تصویر کا ایک رخ دکھانے کے بعد دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار بدر کا شیطان پر بھروسہ کرنے اور اس کے نتیجہ کا ذکر ہوا اب غازیان بدر کے اللہ تعالیٰ پر توکل کرنے اور اس کے نتیجہ میں شاندار فتح کا تذکرہ ہے گویا غلط بھروسہ کرنے کے بعد صحیح بھروسہ کا ذکر ہے۔

نزول: مدینہ منورہ سے ابوسفیان کا قافلہ روکنے کے لئے تین سوتیرہ غازی مومنین روانہ ہوئے جن میں کوئی منافق شامل نہ تھا سب مخلص مومن تھے۔ مدینہ کے منافقین اس روانگی کے سخت خلاف تھے وہ کہتے تھے کہ مسلمان کفار کے مقابل کبھی غالب

www.alahazratnetwork.org

نہ آسکیں گے۔ پھر جب قافلہ بجائے روکنے کے باقاعدہ جنگ کی صورت پیدا ہو گئی اور مقابلہ میں ایک ہزار آ گئے، کفار آ گئے، قافلہ والے صرف پچاس تھے اور یہ خبر مدینہ منورہ پہنچی تو منافقین بغلیں بجانے اور ان مومنین کو طعنے دینے لگے اور ادھر مکہ معظمہ میں کچھ لوگ ایمان قبول کر چکے تھے مگر اپنے باپ داداؤں اور دوسرے رشتہ داروں کی محبت میں ہجرت نہ کی تھی جیسے قیس ابن ولید ابن مغیرہ، عاص ابن منبہ ابن حجاج، حارث ابن ربیعہ، ابوقیس ابن فاکہ ابن مغیرہ، علی ابن امیہ ابن خلف وغیرہم۔ ان کو مجبوراً قریش کے اس لشکر کے ساتھ بدر میں آنا پڑا۔ ابھی تک ان کے دل میں ایمان مضبوط نہ تھا کبھی کہتے تھے کہ اسلام حق ہے۔ کبھی کہتے کہ کفار سچے ہیں جب یہ لوگ بدر میں پہنچے اور انہیں کفار کی کثرت اور جنگی سامان سے لیس ہونا ادھر مسلمانوں کی کمی اور بے سروسامان ہونا معلوم ہوا تو بولے کہ اسلام بالکل غلط ہے۔ مسلمان بہت بے وقوف ہیں کہ جان بوجھ کر موت کے منہ میں آئے ہیں یہ سب اس حالت میں یہاں بدر میں کفر پر مارے گئے۔ اس آیت کریمہ میں ان ہی دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ یہ بات خوب خیال میں رکھی جاوے بدر میں مسلمانوں کے ساتھ منافق کوئی نہیں آیا تھا۔ (کبیر، خازن روح المعانی وغیرہ)

تفسیر: اذ یقول المنافقون چونکہ یہ فرمانِ عالی گذشتہ آیت پر معطوف نہیں بلکہ اس کا مضمون مستقل ہے اس لئے یہاں واؤ نہیں آیا اور اذ زین لھم الشیطن کا تعلق خرجو من دیارہم سے ہے اس لئے وہاں واؤ لایا گیا (کبیر) یہ عبارت اذکریا اذکرو پوشیدہ فعل کا مفعول بہ ہے بعض نے فرمایا۔ زین یا نکص کا ظرف ہے یا شدید العقاب سے اس کا تعلق ہے (معانی)۔ چونکہ منافقین اولاً تو دل میں کہتے تھے کہ جب دونوں جماعتوں کا اجتماع ہوا تو زبان سے کہنے لگے۔ یہ حال مکہ والے ضعیف الاعتقاد لوگوں کا ہوا کہ مکہ میں رہ کر تو شک میں مبتلا ہوئے تھے اور بدر میں آ کر حالاتِ جنگ دیکھ کر اسلام کے منکر صراحۃً ہو گئے۔ اس لئے بقول مضارع ارشاد ہوا۔ المنافقون سے مراد مدینہ منورہ میں رہ جانے والے منافقین ہیں کہ یہ لوگ غازیوں کی اس روانگی کے خلاف تھے۔ ان میں سے ایک بھی بدر میں نہ آیا۔ خیال رہے کہ غزوہ بدر اور صلح حدیبیہ یہ دو معرکے وہ ہیں جن میں کوئی منافق مسلمانوں کے ساتھ نہ آیا تھا۔ و الذین فی قلوبھم مرض یہ عبارت معطوف ہے المنافقون پر بعض نے فرمایا عطف تفسیری ہے اس سے منافق ہی مراد ہیں۔ کہا جاتا ہے اعجبنی زید و کرمہ اور مرض سے مراد نفاق (معانی) مگر قوی یہی ہے کہ عبارت علیحدہ ہے اس سے مراد ان کے ضعیف الاعتقاد لوگ ہیں جو مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے اور بدر میں کفار کے ساتھ آئے تھے اس سے مراد ان کا ضعف الاعتقاد ہے جیسا کہ ابھی نزول کے بیان میں کہا گیا۔ غر ھؤلاءِ دینھم یہ قال کا مفعول ہے غر بنا ہے غرور سے بمعنی دھوکا الامتاع الغرور اس کا فاعل دین ہے اور مفعول ھولاءِ یعنی ان غازیوں کو ان کے اسلام قرآن نبی نے اور جوش اعتقاد نے دھوکا دے دیا ہے ان کا عقیدہ ہے کہ شہید مرتا نہیں اور فتح اللہ کی مدد سے ہوتی ہے نہ کہ زیادہ تعداد اور بہت تیاری سے۔ یہ باتیں سوچ کر یہ لوگ ایسی خطرناک جنگ میں آ گئے ہیں جس میں ان کی ہلاکت کفار کی فتح یقینی ہے یہ لوگ یہ سوچے سمجھے اپنے گھروں سے نکل پڑے۔ انہیں اپنے اسلام پر ناز ہے اس ناز میں یہ اندھے ہو گئے اور بدر میں آ گئے (از کبیر خازن وغیرہ) و من یتوکل علی اللہ یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمانِ عالی ہے جس

www.alahazratnetwork.org

میں ان دونوں کی تردید ہے۔ توکل کے معنی اور اس کی قسمیں اور کس حال میں کس قسم کا توکل چاہئے۔ یہ سب باتیں بارہا بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں من سے مراد مومنین ہے کافر کا توکل اللہ تعالیٰ پر ہوتا ہی نہیں۔ توکل کے لئے ایمان شرط ہے۔ فان اللہ عزیز حکیم۔ یہ عبارت من یتوکل کی جزا یا شرط نہیں بلکہ پوشیدہ جزاء کیعلت ہے اور ف تعلیلیہ ہے یعنی جو مومن اللہ پر صحیح معنی میں بھروسہ کرے گا تو اللہ اسے کافی ہوگا۔ اسے کوئی مغلوب نہیں کرسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے جس پر وہ کرم کرے اس پر غالب کوئی نہیں آسکتا۔ حکمت والا بھی اس نے اپنے محبوب اور ان کے غلاموں کو اس طرح اس حالت میں بدر پہنچایا اس میں بھی اس کی حکمتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! وہ وقت یاد کرو یا یاد رکھو جب مدینہ کے منافقین اور مکہ کے ضعیف الاعتقاد لوگ پہلے تو اپنے دلوں میں کہتے تھے پھر تمہارے بدر پہنچ جانے پر نقشہ جنگ دیکھ کر زبان سے اعلانیہ کہتے تھے کہ مسلمان بڑے بے وقوف ہیں انہیں اپنے اسلام کے وعدوں سے دھوکہ لگ گیا۔ وہ سمجھ بیٹھے کہ دینی طاقت سے اللہ کے بھروسہ سے جنگیں جیتی جاتی ہیں۔ اس ہی خیال میں سرشار ہو کر ایسی خطرناک جنگ میں آگئے جہاں ان کی ہلاکت کفار کی فتح یقینی ہے نہ ان میں سے کوئی بچے گا اور اب نہ مدینہ کی خیر ہے۔ اے مسلمانو یہ دونوں فریق جھوٹے ہیں۔ ہمارا قانون ہے کہ جو مومن اللہ تعالیٰ پر صحیح توکل کرے تو اللہ اس کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ غالب بھی ہے غالب کرنے والا بھی اور حکمت والا بھی۔ اس کا تم کو اس حالت میں میدان جنگ میں پہنچانا اس میں وہ حکمتیں ہیں جو قیامت تک دنیا جانے گی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ کفار کی باتیں ان کے طعنے ان کی بدگوئیاں یاد رکھیں تاکہ ان سے خود بچے رہیں۔ یہ فائدہ اذ یقول میں اذ سے حاصل ہوا کہ اس سے پہلے اذکروا پوشیدہ ہے۔ نماز ظہر و عصر میں قرآن کی قرأت کا آہستہ ہونا کفار کے ظلم اپنی مجبوری یاد رکھنے کے لئے ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار کو نہ اپنے مذہب پر اعتماد ہوتا ہے نہ رب تعالیٰ پر۔ الحمد للہ مومنوں کو یہ دونوں اعتماد کامل طور پر حاصل ہیں۔ یہ فائدہ غر ھؤلاء (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: شبہ وسوسہ رب پر بے اعتمادی دل کی بیماریاں ہیں رب تعالیٰ ان سے مسلمانوں کو بچائے۔ یہ فائدہ فی قلوبھم مرض سے حاصل ہوا کہ مرض سے مراد شبہ فی الدین ہے۔

چوتھا فائدہ: متوکل غازی مسلمانوں کو بے وقوف کہنا کفار کا طریقہ ہے۔ مومن تو اپنا تن من دھن اسلام پر قربان کرنے میں اپنی سعادت سمجھتا ہے۔ یہ فائدہ سے حاصل ہوا۔ موجودہ مسلمان کہلانے والے کفار بھی اس بیماری میں گرفتار ہیں چنانچہ موجودہ دیوبندیوں کے پیشوا مولوی حسین علی ساکن واں بچھراں ضلع میانوالی نے اپنی کتاب بلغۃ الحیران میں حضرت امام حسین کو اندھا کہا اور لکھا کہ وہ اندھے ہو کر اتنے بڑے یزیدی لشکر کے مقابل جا کھڑے ہوئے۔ اے مسلمانو تم حسین کی طرح مت بن جانا۔ ان کا شعر یوں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

کور کورا نہ مرو در کربلا تا نہ افتی چوں حسین اندر بلا

یہ ہی منافقین والا طعنہ ہے۔ دیکھو ان کا یہ شعر ان کی کتاب بلغۃ الحیرا ن پارہ انتیسواں آیت افمن یمشی مکبا علی وجھہ۔

پانچواں فائدہ: کافر کا اعتماد صرف ہتھیار پر ہے۔ مومن کا اصل اعتماد اپنے پروردگار پر ہے۔ مومن نقع میں ہے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔ شعر

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

توکل علی اللہ کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب اختیار ہی نہ کئے جاویں۔ ضرور کئے جاویں۔ رب فرماتا ہے۔ واعدوا لھم ما استطعتم من قوۃ من رباط الخیل مگر بھروسہ پروردگار پر کیا جاوے۔ رب فرماتا ہے وعلی اللہ فلیتوکل المومنون حضور انور ﷺ نے حضرات صحابہ کو میدان جنگ میں لے جا کر رب پر توکل کیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یقول مضارع کیوں فرمایا گیا۔ قال فرمانا چاہئے تھا کیونکہ منافقوں کا یہ قول تو پہلے ہو چکا ہے۔

جواب: یہاں یقول حال یا استقبال کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی ماضی استمراری ہے یعنی کہتے تھے چونکہ ان کی یہ گفتگو بار بار ہوئی تھی کبھی خلوت میں آپس میں کبھی جلوت میں مسلمانوں کے سامنے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ اس لئے یقول فرمانا ہی مناسب ہوا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ بدر میں منافقین بھی شامل تھے تب ہی تو ان مردودوں نے مومنوں کی کمی بے سروسامانی کفار کی زیادتی اور سامان کی فراوانی دیکھ کر یہ کہا۔

جواب: بالکل غلط ہے۔ اس مبارک غزوہ میں ایک منافق بھی شریک نہ ہوا نہ صلح حدیبیہ میں۔ منافقوں کی یہ بکواس مسلمانوں کے مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت تھی مگر آپس میں خفیہ پھر جنگ تیار ہو جانے کا پتہ لگا تو مسلمانوں سے بھی یہ ہی کہنے لگے اس آیت میں یہ سن کر میدان بدر میں انہوں نے یہ کہا۔

تیسرا اعتراض: یہاں دو جماعتوں کا ذکر کیوں ہوا۔ منافقین اور دل کے بیمار۔ منافقت ہی تو دل کی بیماری ہے۔

جواب: مفسرین کا ایک قول یہ بھی ہے ان کے نزدیک والذین فی قلوبھم (الخ) عطف تفسیری ہے المنافقون کا مرض سے مراد نفاق کی بیماری ہے مگر محققین مفسرین کا یہ قول ہے کہ منافقین تو مدینہ منورہ میں تھے اور بددلی کے بیمار مکہ معظمہ میں، جیسا کہ ابھی نزول کے بیان میں عرض کیا گیا اور مرض سے مراد ہے دل میں وسوسات و شبہات کا رہنا کہ اگر ایسا ہو تو اسلام حق ہے اور اگر ویسا ہو تو کفر برحق ہے ایسا ویسا ہی بیماری ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے فان اصابہ خیر اطمئن بہ فان اصابتہ فتنۃ انقلب علی وجھہ۔

چوتھا اعتراض: منافقین اور دل کے بیماروں میں کیا فرق تھا۔ نفاق بھی تو دل کی بیماری ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: منافقین دل میں پکے کافر تھے زبان کے کلمہ گو۔ یہ بیماری والے ڈھلمل یقین تھے نہ اسلام پر پختہ نہ کفر پر۔ کبھی کہتے کہ اسلام حق معلوم ہوتا ہے کبھی کہتے کہ شاید کفر حق پر ہے۔

پانچواں اعتراض: اس کا کیا مطلب ہے غر ھولاء دینھم ان کو ان کے دین نے دھوکا دے دیا۔ دین دھوکہ کیسے دے سکتا ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ دین سے مراد اسلامی عقیدے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے ہیں۔ شہید مر کر جی جاتا ہے۔ دس مسلمان سو پر اور سو مسلمان ہزار کافروں پر غالب آئیں گے ان یکن منکم عشرون صابرون یغلبو مائتین و ان یکن منکم مالة یغلوا الفا وعدے اللہ رسول نے صرف مسلمانوں کے دل بہلانے جوش دلانے کو کئے ہیں اس کی حقیقت کچھ بھی نہیں۔ رب نے اپنے وعدے سچے کر دکھائے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: میدان بدر میں دو جنگیں ہوئیں۔ کفار کی مومنین سے کفر کی ایمان سے۔ پہلی جنگ کا مقام بدر کا میدان تھا دوسری جنگ کا مقام خود مکہ اور مدینہ بھی تھے۔ اس وقت مومنوں نے یہ دونوں جہاد کئے اور دونوں میں فتح پائی دوسری جنگ نظریاتی تھی منافقین اس روانگی اور کفار کے مقابلہ کو دھوکا اور فریب کہہ رہے تھے۔ مخلصین اسے توکل علی اللہ اعتماد علی رسول اللہ کہتے تھے۔ منافقین کہتے تھے کہ مسلمان دھوکہ کھا گئے۔ مخلصین کہتے تھے کہ ہم سب کچھ پا گئے ہمارے شہید مر کر جی گئے ہیں۔ انہوں نے سب کچھ کھو کر بھی کچھ نہ کھویا۔ نہ مزہ تو کوئی کربلا والے حسین سے پوچھے۔ غازی شہید سب کچھ کھو کر بھی کچھ نہیں کھوتا۔ شعر

جو جوان بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین ‏ ‏ ‏ جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین
ننھی سی قبر کھو کے اصغر کو گاڑ کے ‏ ‏ ‏ شبیر اٹھ کھڑے ہوئے ہاتھوں کو جھاڑ کر

اس راہ میں فناء و بقا ہے کھونا پا جانا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ منافقین و کفار کے دلی مرض کا علاج توبہ استغفار زہد طاعت ورع وتقوی ہے اگر وہ اس کے علاج نہ کریں تو ہالکین میں سے ہوں گے تو ان کی ہلاکت کا اندیشہ ہے۔ دیکھو مکہ کے لوگ جو مسلمان ہو چکے تھے اس مرض کی وجہ سے کافر ہو کر مرے غازیان بدر اپنے روحانی حکیم کے پاس تھے۔ اولاً انہیں بھی کچھ دغدغہ ہوا مگر آخر کار شفاءِ کامل حاصل ہوئی۔ شعر

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد ‏ ‏ ‏ اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست
گر اصحاب دل رفتند و شہر عشق خالی شد ‏ ‏ ‏ جہاں پر شمس تبریز است و مردے کہ جو مولانا

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ یَتَوَفَّى الَّذِیْنَ كَفَرُوا الْمَلٰٓىٕكَةُ یَضْرِبُوْنَ

اور اگر دیکھو تم جب کہ موت دیتے ہیں ان لوگوں کو جو کافر ہوئے فرشتے مارتے ہیں وہ چہروں

اور کبھی تو دیکھے جب فرشتے کافروں کی جان نکالنے میں مار رہے ہیں انکے منہ اور ان کی پیٹھ پر اور

www.alahazratnetwork.org

وُجُوهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ ذٰلِكَ بِمَا

کو ان کے اور پیٹھوں کو ان کی اور چکھو تم عذاب جلنے کا یہ اس وجہ سے ہے جو بھیجے

چکھو آگ کا عذاب۔ یہ بدلہ اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں

قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝

ہاتھوں نے تمہارے اور بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر

پر ظلم نہیں کرتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے جرموں کا ذکر ہوا جو وہ دنیا میں کرتے ہیں اب ان جرموں کی سزا کا ذکر ہے جس کی ابتداء ان کی موت کے وقت سے ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار بدر میدان میں ہی بے یارو مددگار رہ گئے کہ شیطان جو ان کا یار بنا تھا جنگ سے پہلے ہی انہیں پیٹھ دکھا گیا۔ اب ارشاد ہوا کہ کفار موت کے وقت بھی بے یار ہوتے ہیں گویا ان کی دنیاوی بے کسی کے بعد اخروی بے بسی کا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ بدر میں فرشتوں نے مومن غازیوں کی مدد کی اور کفار کو شکست دی۔ اب ارشاد ہے کہ یہ ہی حال موت اور موت کے بعد ہوگا کہ فرشتے مومن کے لئے مددگار بلکہ خدمت گار بن کر آئیں گے اور کفار کے لئے عذاب لے کر۔

تفسیر: ولو تری یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے جیسے ان ماضی کو مضارع کر دیتا ہے ایسے ہی لو مضارع کو ماضی بنا دیتا ہے۔ (روح المعانی) لہٰذا اس کے معنی یہ ہیں اگر تم دیکھتے۔ ترٰی بنا ہے روایت سے یہاں اس سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا اور قوی یہ ہے کہ اس میں خطاب ہر مومن سے ہو سکتا ہے کہ خطاب غازیان بدر سے ہو یعنی اے غازیو تم نے بدر میں تو فرشتوں کا برتاؤ کفار کے ساتھ دیکھ لیا اگر تم وہ برتاؤ ابھی دیکھ لیتے اور خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو دیکھنے سے مراد ظاہری دیکھنا ہے جو دوسروں کو بھی محسوس ہو۔ کیونکہ حقیقت میں تو حضور انور ﷺ ہر شخص کا حال دیکھتے ہیں۔ اذ یتوفی الذین کفروا الملئکۃ یہ عبارت ترٰی کا مفعول یہ ہے بعض نے فرمایا کہ ترٰی کا مفعول پوشیدہ ہے۔ مالھم اور اذا اس پوشیدہ کا ظرف۔ یتوفی بنا ہے وفی سے بمعنی پورا اس سے ہے وفاء عہد۔ وعدہ پورا کرنا توفی کے معنی ہیں پورا کر لینا۔ عرف میں موت دینے کو توفی کہا جاتا ہے کیونکہ موت میں بندے کو پورا پورا واپس لے لیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں توفی تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ نیند دینا سلانا جیسے هو الذی یتوفاکم باللیل موت دینا اللہ یتوفی الانفس حین موتھا پورا لینا یا عیسی انی متوفیک (الخ) بمعنی موت دینا۔ الذین کفروا اس کا مفعول ہے اور الملئکۃ اس کا فاعل یعنی جب

www.alahazratnetwork.org

فرشتے کفار کو موت دیتے ہیں الذین کفروا سے یا تو کفار بدر ہیں جو وہاں مارے گئے سارے وہ کفار جو کفر پر مرے ملائکہ سے مراد حضرت عزرائیل علیہ السلام اور ان کے ساتھی فرشتے جو ان کے ساتھ میت کے پاس پہنچتے اور جان نکالتے ہیں۔ ان کے ساتھ تعاون کرتے ہیں کہ پاؤں کے ناخن سے سینہ تک یہ سب جان کھینچ کر نکالتے ہیں اور پھر سینہ سے حضرت عزرائیل جان نکالتے ہیں جیسا کہ روایات میں ہے۔ یضربون وجوھھم و ادبارھم یہ عبارت یا تو الملئکۃ کا حال ہے یا کفار کا کیونکہ ان دونوں کی ضمیریں موجود ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ الملئکۃ مبتدا ہے اور یضربوا اس کی خبر اور یتوفی کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ (معانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے کہ اس میں کوئی ضمیر پوشیدہ نہیں ماننی پڑتی۔ ضرب سے مراد یا تو ہاتھوں سے طمانچہ مارنا ہے یا گرزوں یعنی ہتھوڑوں سے مارنا مراد ہے۔ وجوہ جمع ہے وجہ کی وجہ بہت معنی میں قرآن مجید میں آیا ہے۔ ذات، چہرہ، توجہ۔ یہاں بمعنی چہرہ ہے ادبار جمع ہے دبر کی بمعنی پچھلا حصہ یعنی پیٹھ۔ وجوہ اور ادبار کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ قوی یہ ہے کہ یہ اپنے ظاہری معنی میں ہیں۔ خواجہ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ایک صحابی نے حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے ابوجہل کی پیٹھ میں تسمہ کا نشان دیکھا فرمایا کہ یہ فرشتے کے کوڑے کا نشان ہے۔ (روح المعانی) و ذوقوا عذاب الحریق۔ یہ عبارت معطوف ہے یضربون پر۔ اس سے پہلے یقولون پوشیدہ ہے یعنی وہ مارتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ آگ کا عذاب چکھو۔ یا تو ان کے طمانچوں اور کوڑوں میں آگ کا اثر ہے جیسے لوہا پتھر سے رگڑے تو آگ نکلتی ہے ایسے ہی جب کوڑا کفار پر پڑتا ہے تو آگ نکلتی ہے جس سے انہیں بہت جلن محسوس ہوتی ہے یا اس سے مراد دوزخ کی آگ ہے جو کفار کی قبر میں پہنچتی ہے یا خود دوزخ ہے جس میں کفار بعد قیامت جائیں گے۔ اس صورت میں ذوقوا کے معنی ہیں آئندہ چکھو۔ خیال رہے کہ چکھنا بمعنی برداشت کرنا ہے یہ کھانے کا مقابل نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ جیل یا پھانسی کا مزہ چکھ۔ اس وقت مردہ دنیا والوں کی بات نہیں سنتا، فرشتوں کی سنتا انہیں دیکھتا ہے۔ جیسے زندگی میں سنتا اسے دیکھتا تھا۔ فرشتوں کو نہ دیکھتا تھا نہ ان کی سنتا تھا اس وقت آنکھوں کانوں میں انقلاب ہو جاتا ہے۔ ذلک بما قدمت ایدیکم یہ کلام بھی ان ہی فرشتوں کا ہے جس میں عذاب مذکور کی وجہ بتائی گئی۔ ذلک سے اشارہ مذکور عذاب کی طرف ہے۔ اس کے لئے اشارہ بعید یعنی ذلک ارشاد ہوا۔ اس عذاب کی عظمت دکھانے کے لئے جیسے ذلک الکتاب لاریب فیہ میں ہے۔ بما میں ب سببیہ ہے۔ ما سے مراد ان کا کفر و شرک ہے کیونکہ قبر میں عذاب جہنم صرف کفر کا ہوگا۔ یوں ہی موت کے وقت کفر ہی کا عذاب ہوتا ہے نہ کہ ہاتھوں پیروں کے اعمال کی صورت میں اصل سزا تو بعد قیامت دوزخ میں ہوگی۔ ایدی جمع ید کی ہے بمعنی طاقت و قوت بمعنی ہاتھ نہیں کیونکہ کفر و شرک دل سے ہوتا ہے نہ کہ ہاتھوں سے (خازن وتفسیر کبیر) رب فرماتا ہے ید اللہ فوق ایدیھم وہاں ید اور ایدی سے مراد قوت و طاقت ہے۔ و ان اللہ لیس بظلام للعبید۔ یہ عبارت معطوف ہے ذوقوا پر اور فرشتوں کا مقولہ ہے کہ اور ہو سکتا ہے۔ یہ علیحدہ جملہ ہو اور اس سے پہلے اعلموا پوشیدہ ہو۔ ظلام بمعنی ظالم ہے یہاں ظلم سے مراد ہے بے قصور کو سزا دے دینا یا کہ مطیع کو وعدے کے مطابق جزا دینا۔ ظلم کے بہت معنی ہیں۔ رب تعالیٰ کے حق میں اس کے یہ ہی معنی ہوتے ہیں۔ عبید جمع ہے عبد کی بمعنی عابد یا مخلوق یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مطلقاً ظلم نہیں کرتا انہیں جو سزا ملتی

www.alahazratnetwork.org

ہے وہ ان کی اپنی حرکتوں کی ہوئی ہے۔ خیال رہے کہ ظلم کے تین معنی ہیں۔ کسی چیز میں بغیر اس کے اجازت تصرف کرنا۔ کسی سے کام کرا کر اس کی طے شدہ اجرت نہ دینا کسی کو بغیر جرم کے سزا دینا۔ پہلے معنی سے تو رب تعالیٰ ظالم ہو سکتا ہی نہیں کہ ہر چیز اس کی اپنی ہے جو چاہے کسی کے متعلق فیصلہ کر دے ان جیسی آیات میں دوسرے یا تیسرے معنی سے ظلم کی نفی کی جاتی ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ رب تعالیٰ نے جس نیکی پر جو ثواب واجر کا وعدہ کیا ہے وہ نیکی بندے سے کرا کے اس کا اجر نہ دے۔ ان اللہ لا یخلف المیعاد یہ بھی ناممکن ہے کہ کسی کو بغیر جرم سزا دے یہ ہی معانی یہاں مراد ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو تم نے کفار کا دنیاوی عذاب فرشتوں کا ان پر سختی فرمانا سن لیا بلکہ بدر میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا اگر تم وہ وقت بھی دیکھتے تو تعجب کرتے جب کہ کافر مرتا وقت ہوتا ہے اور ان کی جان نکالنے کے لئے جناب ملک الموت اور ان کے خدام فرشتے انہیں موت دینے ان کی جان نکالنے کے لئے ان کے پاس آتے ہیں۔ ان کے منہ پر طمانچے ان کی پیٹھوں پر گھونسے یا ان دونوں پر ہتھوڑے مارتے ہیں اور ساتھ ہی کہتے ہیں کہ تو نے دنیا میں بڑی ڈھٹائی کی مہلت کا وقت ختم ہو گیا۔ اب آگ کا عذاب چکھو کہ اب مرتے ہی تیری قبر (عالم برزخ) میں تجھ پر دوزخ کی آگ پہنچے گی۔ اے کافر ہماری یہ مار اور قبر کا یہ عذاب آگ کی جلن اور تپش اس کفر و شرک کی ہے جو تو نے اپنے ارادے اپنی قدرت اپنے اختیار سے دنیا کی زندگی میں اختیار کیا اور انہیں اپنا توشہ آخرت بنا کر آگے بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے تیرے بغیر جرم کے سزا نہیں دی کہ یہ ظلم ہے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کام اس کے مقبول بندے کی طرف نسبت کئے جاسکتے ہیں یہ شرک یا کفر نہیں یہ فائدہ یتوفی الذین کفروا الخ سے حاصل ہوا دیکھو موت دینا رب تعالیٰ کا کام ہے فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا مگر یہاں اسے فرشتوں کی طرف نسبت کیا گیا لہذا یہ کہنا جائز ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو زندگی بخشتے ہیں۔ رب فرماتا ہے لما یحییکم نبی تم کو زندگی بخشتے ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا احی الموتی باذن اللہ میں بحکم الٰہی مردے جلاتا ہوں۔

دوسرا فائدہ: جان نکالنے کے لئے صرف ایک فرشتہ نہیں آتا بلکہ بہت سے فرشتے آتے ہیں جن میں سے ایک سردار یعنی حضرت عزرائیل باقی ان کے مددگار یہ فائدہ الملئکۃ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کافر کو تین وقتوں میں تین قسم کے عذاب ہوتے ہیں جان کنی کے وقت مار دھاڑ لعنت و پھٹکار اور آئندہ تکالیف کی خبر پھر قبر کا عذاب قیامت تک پھر محشر اور اس کے بعد کا عذاب یہ فائدہ یضربون وجوھھم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کفار کو عذاب یقیناً ہوگا یہ برحق ہے۔ یہ فائدہ عذاب الحریق کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پانچواں فائدہ: مومن و کافر کی موت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھو کفار کو مرتے وقت فرشتے مارتے ڈانٹتے آئندہ عذاب سے ڈراتے ہیں مگر مومن سے کہتے ہیں یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ

www.alahazratnetwork.org

مومن وکافر زندگی وموت قبر وحشر میں برابر نہیں۔ لا یستوی اصحاب النار و اصحاب الجنہ۔

چھٹا فائدہ: کفار کے نا سمجھ بچوں کو نہ عذاب قبر ہوگا نہ عذاب حشر ہوگا۔ یہ فائدہ بما قدمت ایدیکم سے حاصل ہوا کہ اس میں فرمایا گیا کہ تجھ پر یہ عذاب تیرے پیشگی بھیجے ہوئے کفر وشرک کی وجہ سے ہے۔ ان بچوں نے کچھ بھی نہیں کیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جان نکالنے والے فرشتے بہت ہیں۔ دیکھو یہاں الملائکہ جمع ارشاد ہوا مگر دوسری آیت میں ہے قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی فرشتہ ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: اس آیت میں ملک الموت جنس ہے جو ایک اور زیادہ سب کو شامل ہے یا یوں کہو کہ وہاں سردار کا ذکر ہے یہاں اس کے ماتحتوں یعنی جان نکالنے والے فرشتوں کا۔ سردار ایک ہے عزرائیل کے ماتحت بہت۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ فرشتے موت دیتے ہیں مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ موت دیتا ہے فرماتا ہے یحیی و یمیت اور فرماتا ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ حقیقتاً موت دیتا ہے۔ فرشتے مجازاً اس کے حکم سے موت دیتے ہیں۔ کارندوں کا کام آقا کا کام ہوتا ہے۔ چپراسی یا سپاہی ملزم کو پکڑ کر لاتا ہے مگر کہا جاتا ہے حاکم نے پکڑ لیا۔ وہاں حقیقت کا ذکر ہے یہاں مجاز کا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کافر کو مرتے وقت فرشتے منہ اور پیٹھ پر مارتے ہیں یا طمانچے یا ہتھوڑے۔ فرشتوں کی مار کی برداشت کون کرسکتا ہے۔ وہ تو پہاڑ کو ماریں تو وہ ریزہ بن جاوے۔ یہ مردہ کیسے برداشت کرلیتا ہے۔

جواب: واقعی یہ مار کافر کی برداشت سے باہر ہے مگر پڑے گی۔ ساری رعایتیں دنیا کی زندگی میں ہیں لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا یہاں کے لئے ہے وہاں کوئی رعایت نہیں کافر نے جرم حد سے بڑھ کر کیا یعنی بغاوت اس کی سزا بھی حد سے باہر ہوگی۔

چوتھا اعتراض: آگ اور جلنے کا عذاب تو بعد قیامت ہوگا فرشتے کافر سے مرتے وقت کیوں کہتے ہیں کہ عذاب آگ کا چکھو۔ یہ کیونکر درست ہے۔

جواب: اگر یہاں دوزخ میں داخلہ مراد ہے تو معنی یہ ہے کہ آئندہ دوزخ کا عذاب چکھنا ہے مومن کو مرتے وقت جنت کی بشارت دی جاتی ہے جو بعد قیامت ملے گی یوں ہی کافر کو یہ ڈرانا مرتے وقت ہوتا ہے اور اگر اس سے مراد ہتھوڑوں کوڑوں کی مار ہے یا قبر کا عذاب تب کوئی اعتراض ہی نہیں۔ خیال رہے کہ قبر میں دوزخ کی آگ عذاب ہے۔ اس طرح کہ آگ وہاں پہنچتی ہے بعد قیامت دوزخ جاکر عذاب پائے گا۔ آگ کا عذاب اور آگ میں عذاب ان دونوں میں فرق ہے۔

پانچواں اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا کہ قبر کا عذاب صرف کافر کو ہوگا مگر حدیث شریف میں ہے کہ بعض مسلمانوں کو

www.alahazratnetwork.org

بھی عذاب قبر ہوگا جیسے پیشاب سے نہ بچنے والا یا چغلی کھانے والا۔ تمہارا کلام کیونکر درست ہوا۔

جواب: وہاں بے شک بعض مسلمانوں کو عذاب قبر ہوتا ہے مگر اس کے عذاب کے اور کافر کے عذاب میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ اس مومن کا یہ عذاب عارضی ہوتا ہے جو کچھ دن بعد کسی نہ کسی ذریعہ سے ختم ہو جاتا ہے جیسے قبر پر کسی بزرگ کا گزر یا زندوں کا ایصال ثواب وغیرہ۔ دوسرے یہ کہ مومن کو خاص عذاب اندھیرے اور قبر کی تنگی کا ہوتا ہے مگر قبر میں دوزخ کی کھڑکی کا کھلنا وہاں آگ کی لو کا عذاب ہونا یہ کفار کے لئے خاص ہے۔

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ بما قدمت ایدیکم ان اعمال کی وجہ سے عذاب ہے جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے حالانکہ کفار کو یہ عذاب ان کے کفر و شرک کی وجہ سے ہوتا ہے اور کفر و شرک ہاتھ سے نہیں کئے جاتے بلکہ دل سے ہوتا ہے۔ پھر یہ کلام درست کیوں ہوا۔

جواب: اس کا جواب تفسیر خازن اور کبیر نے یہ دیا ہے کہ یہاں ہاتھ سے مراد قوت و طاقت ہے یعنی جو تو نے خدا کی دی ہوئی طاقت و قوت سے بجائے عبادت کرنے کے کفر و شرک کیا اس کی سزا یہ ہے قرآن کریم میں ید کے معنی طاقت۔ بہت جگہ استعمال ہوتا ہے ہوسکتا ہے کہ اس سے ارشاد وہ مشترکہ کاموں کی طرف ہو جیسے بت کے سامنے ہاتھ جوڑنا وغیرہ۔

ساتواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ان اللہ لیس بظلام للعبید اور ظلام مبالغہ کا صیغہ ہے معنی یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر بہت بڑا ظلم نہیں کرتا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چھوٹا ظلم کرتا ہے۔ یہ تو صحیح نہیں۔

جواب: یہاں ظلام بمعنی ظالم ہے اس تفسیر میں وہ آیت ہے ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ بعض لوگوں نے کہا کہ جیسے رب تعالیٰ کی عطا بہت بڑی ہے رحم و کرم بھی بہت بڑا ہے اگر وہ ظلم کرتا ہے تو وہ بھی بہت بڑا۔ بڑے کا ہر کام بڑا ہی ہوتا ہے لہٰذا یہ فرمان درست ہے یا یوں کہو بہت ظلم سے مراد بہت لوگوں پر ظلم ہے۔ اگر وہ ظلم کرتا تو بہت بندوں پر کرتا جو اگرچہ ہر بندے پر چھوٹا ہوتا ہے مگر سب بندوں کے ملانے سے بہت بڑا ہو جاتا یا یوں کہو کہ ظلام مبالغہ کا ہے ہی نہیں بلکہ نسبت کا ہے جیسے عطار عطر بیچنے والا، بزاز کپڑا بیچنے والا خواہ تھوڑا بیچے یا بہت (دیکھو تفسیر روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: موت سب کو آنی ہے مگر اس کی نوعیتیں تین ہیں۔ کافر کی موت وارنٹ ہے مومن کی موت سمن اللہ والوں کی موت دعوت نامہ۔ اس آیت کریمہ میں پہلی قسم یعنی وارنٹ والی موت کا ذکر ہے کہ ان کو لات گھونسا بھی ہے ڈانٹ ڈپٹ بھی۔ سمن والی موت میں اگرچہ حاضری ضروری ہوتی ہے مگر الفاظ نرم ہوتے ہیں کہ فلاں تاریخ کو تمہاری گواہی فلاں کچہری میں ہے تم حاضر ہو خرچہ ملے گا۔ مگر دعوت نامہ میں جبر نہیں ہوتی۔ تشریف آوری پر خوشی کا اظہار ہوتا ہے کہ اگر آپ ہمارے ہاں فلاں وقت دعوت میں شرکت کریں تو ہم کو بڑی خوشی ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ حضرات انبیاء کرام کو موت کا اختیار دیا جاتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو تشریف لائیں چاہیں تو دنیا میں ہی رہیں۔ حدیث شریف میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کے پاس ملک الموت حاضر ہوئے اور عرض کیا اجب ربک تو آپ نے انہیں طمانچہ مار دیا۔ یہ طمانچہ مارنا حکم الٰہی سے ناراضی کی وجہ سے نہ تھا

www.alahazratnetwork.org

بلکہ اس لئے تھا کہ انہوں نے دعوت نامہ کو سمن بنا دیا موت کی نوعیت بدل دی جب صیغہ امر کا استعمال فرمایا اس لئے جب رب تعالیٰ نے دوبارہ ملک الموت کو ان کی خدمت میں بھیجا تو ارشاد ہوا کہ آپ بیل کی کھال پر ہاتھ پھیریں فی بال ایک سال عطا ہوگا۔ اب یہ ہوا دعوت نامہ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کافر کی موت ہے اپنے پیاروں سے چھوٹنا اور مومن کی موت ہے پیاروں سے ملنا۔ کافر کے پاس پیارے دنیا اور دنیا والے ہیں مومن کے پاس پیارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام ہیں مومن ہنستا ہوا جان دیتا ہے۔

نشان مرد مومن با تو گویم — قضا آید تبسم بر لب اوست

اللہ تعالیٰ اس موت سے بچائے جو یہاں مذکور ہے۔ وہ موت نصیب کرے جو دوسری جگہ مومن کی موت کا ذکر ہے مومن کی قبر یار کا خلوت خانہ ہے۔ شعر

سنا ہے قبر میں دیدار ہوگا بے حجابانہ — کفن کو پھاڑ کر اٹھیں گے مردے اپنے مدفن میں

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ

مثل طریقہ متبعین فرعون کے اور ان لوگوں کے جو پہلے تھے ان سے انکار کیا انہوں نے اللہ کی آیتوں کا پس پکڑ

جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور وہ اللہ کی آیتوں سے منکر ہوئے اللہ نے انہیں ان کے گناہوں پر پکڑا

فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ شَدِیْدُ الْعِقَابِ(۵۲) ذٰلِكَ

لیا ان کو اللہ نے بوجہ گناہوں کے ان کے تحقیق اللہ قوی ہے سخت عذاب والا یہ اس وجہ سے ہے کہ تحقیق

بے شک اللہ قوت والا سخت عذاب والا ہے

بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ یَكُ مُغَیِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا

اللہ نہیں بدلنے والا اس نعمت کو جو انعام او پر کسی قوم کے یہاں تک کہ بدل دیں وہ جو ان کے نفسوں کا

یہ اس لئے کہ

مَا بِاَنْفُسِهِمْۙ وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌۙ(۵۳)

ہے اور بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے

اللہ کسی قوم سے جو نعمت اسے دی تھی بدلتا نہیں جب تک وہ خود بدل نہ جائیں اور بے شک اللہ سنتا جانتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار مکہ خصوصاً کفار بدر کے دنیاوی اور اخروی عذابوں کا ذکر ہوا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

واقعہ محض اتفاقی نہیں بلکہ ہمارا یہ قانون ہے جو پہلے سے جاری ہوا ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ اس کے لئے فرعون اور ان سے پہلے کہ کفار کا حوالہ دیا جا رہا ہے۔ (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار بدر کی ڈھٹائی کا ذکر ہوا کہ بدر کی نشانیاں دیکھ کر ان سب کو ایمان قبول کر لینا چاہئے تھا مگر نہ کیا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے محبوب آپ ﷺ اس سے غم نہ کریں۔ کفار کا ہمیشہ یہ ہی حال رہا ہے۔ اس کے ثبوت میں فرعون اور دوسرے کفار کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ کفار مکہ کو پہلے بہت عزت دی گئی مکہ معظمہ میں رہنے کی وجہ سے ان کی بہت حرمت کی گئی۔ مگر جب انہوں نے اس سے غلط فائدہ اٹھایا تو انہیں ذلیل کر دیا گیا اب اس کے متعلق فرعون کا واقعہ بیان فرما کر ایک قانون ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ جو قوم اپنا حال بدل دیتی ہے تو رب بھی اپنی نعمت کو زحمت میں بدل دیتا ہے۔ رحمت کا قیام چاہتے ہو تو اطاعت پر قائم رہو۔

تفسیر: کداب ال فرعون یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اس میں مبتدا پوشیدہ ہے۔ داٰبھم داب کے لغوی معنی دائمی عمل جسے انسان ہمیشہ کرے۔ اہل عرب کہتے ہیں فلان یداب فی کذا فلاں او می اس کام میں ہمیشہ رہتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

وما زال تلک الداب حتی تجاولت   ھوازن و ارفضت سلیم و عام

(معانی)

اب اصطلاح میں داب عادت کو کہتے ہیں کہ انسان اپنی عادت پر ہمیشہ ہی عمل کرتا ہے۔ آل بنا ہے اھل سے بمعنی والا کہا جاتا ہے۔ اہل علم، اہل خانہ، اہل مال یعنی علم والا، گھر والا، مال والا وغیرہ۔ آل بڑے انسانوں کی طرف ہی نسبت ہوتا ہے خواہ وہ دنیاوی بڑا ہو جیسے آل فرعون یا دینی دنیاوی بڑائی والا جیسے آل رسول۔ اصطلاح میں آل بمعنی متبع آتا ہے۔ آل فرعون سے مراد اس کی پولیس و فوج نوکر غلام ہیں کیونکہ فرعون لاولد تھا اپنی فوج و پولیس سے ظلم کراتا تھا۔ اسے آل فرعون کہا گیا اس معنی سے حضور ﷺ کے سارے صحابہ بلکہ ساری امت آل رسول ہے۔ اس میں صحابہ اور اہل سنت اور اہل بیت سارے اولیاء و علماء وغیرہم سب ہی داخل ہیں۔ فرعون کے معنی اور یہ کہ یہ لقب تھا بادشاہ مصر کا فرعون موسیٰ کا نام مصعب ابن ریان تھا۔ اس کی عمر اس کے حالات زندگی ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ و الذین من قبلھم یہ عبارت معطوف ہے آل فرعون پر اور مضاف الیہ ہے آل کا ان سے مراد قوم نوح قوم ہود قوم صالح وغیرہم ہیں۔ جو فرعونیوں سے پہلے ہوئے۔ کفروا بایت اللہ یہ عبارت داب آل فرعون الخ کا بیان ہے کفر بمعنی انکار ہے آیات اللہ سے مراد کتب الٰہیہ کی آیتیں و معجزات انبیاء ان کی تعلیمات ہیں کہ یہ سب اللہ کی معرفت کی دلیلیں ہیں انہوں نے ان سب کا انکار کیا اور کرتے ہی رہے۔ فاخذھم اللہ بذنوبھم یہ عبارت معطوف ہے کفروا پر اخذ کے معنی ہیں پکڑنا یہاں عذاب میں گرفتار کرنا ہے۔ ذنوب جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ۔ اس سے مراد دلی گناہ، جسمانی گناہ، معاملات کی خرابی وغیرہ سب ہی ہیں کہ کافر کی پکڑ سب پر ہوتی ہے اگرچہ اس پر

www.alahazratnetwork.org

عبادات فرض نہیں اور بہت سے معاملات کا مکلف نہیں لہٰذا ذنوب جمع فرمانا اور اس پر سیہ داخل فرمانا بالکل درست ہے۔ ان الله قوی شدید العقاب۔ یہ فرمانِ عالی گذشتہ مضمون کی دلیل ہے یعنی اے سننے والے اس عذاب پر تعجب نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ قوت والا بھی ہے، بڑا سے بڑا قوی اس کے آگے عاجز تر ہے اور اس کا عذاب بھی سخت ہے اس پر جو کفر کرے گا نبیوں کو جھٹلائے گا کوئی مجرم اپنی طاقت کے ذریعہ اس عذاب سے نہیں بچ سکتا۔ ذلک بان الله یہ جملہ نیا ہے جس میں ان کفار کے عذاب کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ ذلک سے اشارہ اس مذکورہ دنیاوی برزخی اخروی عذاب کی طرف ہے۔ بان میں بے سیہ ہے یعنی یہ عذاب و پکڑ اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ لم یک مغیرا نعمة انعمها علی قوم یہ عبارت ان کی خبر ہے لم یک اصل میں یکون تھا۔ واؤ تو گر گیا۔ دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے لم یکن رہا پھر نون بھی تخیف کے لئے گرادی گئی کیونکہ لم یکن کا استعمال بہت زیادہ ہے اور جس لفظ کا استعمال زیادہ ہو اس میں تخفیف زیادہ کی جاتی ہے چنانچہ لم یکن اور لم یضن ایسے ہی لم یزن سے نون نہیں گرایا گیا کہ اس کا لم یکن کی طرح استعمال زیادہ نہیں۔ مغیر آبنا ہے تغیر سے بمعنی بدلنا۔ اس بدلنے کی چند صورتیں ہیں۔ نعمت کے بدلے عذاب دینا، نعمت چھین لینا، نعمت میں فرق کر دینا یعنی اعلیٰ کو ادنیٰ بڑی کو چھوٹی کر دینا۔ یہاں تینوں صورتیں مراد ہو سکتی ہیں نعمت سے عام نعمتیں مراد ہیں دینی ہوں یا دنیاوی۔ قوم سے مراد انسان کی ساری قومیں ہیں بڑی ہوں یا چھوٹی حتیٰ کہ نبی کے ہم وطن ہم نسب بلکہ ان کے قرابت دار حتیٰ کہ ان کی اولاد جو بھی اللہ کی نعمت کی ناقدری اور ناشکری کرے گی۔ اس سے نعمت چھین لی جاوے گی۔ حتی یغیروا ما بانفسهم یہ لا یغیر کی انتہا ہے یہاں بدلنے سے مراد ہے اپنی اچھی صفات اچھے حالات کو برے صفات و حالات میں تبدیل کر دینا ما سے یہ ہی مراد صفات و حالات یعنی اللہ تعالیٰ کسی قوم سے اپنی دی ہوئی نعمت نہیں چھینتا یا نہیں بدلتا کہ بجائے نعمت کے ان پر زحمت نازل کر دے۔ حتیٰ کہ وہ اپنے خیالات بدل لیتے ہیں۔ اچھے تھے برے بن جاتے ہیں۔ متقی تھے فاسق یا مومن سے کافر۔ شکر گزار تھے کافر بن جاتے ہیں تو ہماری نعمتیں بھی یا تو چھن جاتی ہیں یا عذابوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ و ان الله سمیع علیم۔ یہ فرمانِ عالی پچھلے مضمون کا تتمہ ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری باتوں کو سننے والا اور تمہارے دلی حالات کو جانتا ہے تمہاری کسی چیز سے بے خبر نہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کفار مکہ کی ضد اور ہٹ دھرمیوں سے غمگین نہ ہوں۔ ان کا حال تو فرعونیوں اور ان سے پہلے والے کفار کی طرح ہے جیسے قوم عاد و ثمود وغیرہ کہ ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے معجزات دیکھے ان کی تعلیمات سنیں ان کو دیکھا اور ذات و صفات سے مطلع ہوئے مگر ان سب کے باوجود انہوں نے ان سب کو ماننے کے بجائے ان کا انکار ہی کیا۔ یہ چیزیں آیاتِ الٰہیہ سے تھیں جن کے ذریعے سے وہ مجھے جان پہچان سکتے تھے بلکہ مجھے پا سکتے تھے اس کا انکار کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ان کے کفر اور بدکاریوں کی وجہ سے مختلف عذابوں میں پکڑ لیا۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے اور ساتھ ہی اس کا عذاب بہت سخت ہے۔ جب پکڑ لیتا ہے تو اس سے کوئی نہ چھوٹ سکتا ہے نہ کسی کو چھوڑا جا سکتا ہے۔ یہ ہی حال ان کا ہونے والا ہے۔ بدر کی شکست وہاں کی ذلت و خواری تو ابتدا ہے۔ اے محبوب ان تمام عذابوں

www.alahazratnetwork.org

اور سزاؤں کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ جو نعمت کسی قوم کو دے دیتا ہے اسے بلاوجہ اس قوم سے چھینتا نہیں حتیٰ کہ وہ خود اپنا حال بدل لیتے ہیں کہ نعمتوں کی قدر نہیں کرتے۔ بجائے شکر کے کفران کرتے ہیں۔ بجائے امانت داری کے خیانت اختیار کرتے ہیں۔ تب ان سے نعمتیں چھنی جاتی ہیں یا عذابوں میں تبدیل کر دی جاتی ہیں۔ کفار مکہ پر ہم نے نعمتوں کی بارشیں کر رکھی تھیں۔ دنیا بھر میں بدامنی مکہ میں امن تھا۔ ان کی حرم میں رہنے کی وجہ سے دنیا بھر میں عزت تھی۔ انہیں قریش خاندان سے کیا تھا پھر آخری سب سے بڑی نعمت یہ دی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو ان میں بھیجا۔ قرآن مجید ان کی زبان میں اتارا۔ حجاج کی خدمت بیت اللہ کی پاسبانی زمزم کی سقایت انہیں بخشی مگر انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی تو آپ نے دیکھ لیا کہ بدر میں یہ کفار کتے کی موت مارے گئے۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات سنتا ہے ہر ایک کا ہر حال جانتا ہے کوئی اپنے کو اس کی پکڑ سے باہر نہ جانے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قیاس شرعی برحق ہے یعنی اصل کا حکم فرع میں جاری کرنا کسی مشترک علت کی وجہ سے۔ یہ فائدہ کداب آل فرعون سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ کفار مکہ فرعونیوں کی طرح سخت عذاب کے مستحق ہیں کہ ان کے جرم مشترک ہیں۔ چنانچہ وہ غرق ہوئے وہ بدر میں قتل ہوئے۔

دوسرا فائدہ: کسی قوم پر عذاب الٰہی بغیر پیغمبر کی مخالفت کے نہیں آیا۔ یہ فائدہ کفروا بآیات اللہ الخ سے حاصل ہوا اس کے بعد فاخذہم اللہ ف سے ارشاد ہوا۔ شعر

ہیچ قومے را خدا رسوا نہ کرد — تا دل صاحب دلے نامد بہ درد

فرعون نے دعویٰ خدائی کیا۔ ہزار ہا بچے بنی اسرائیل کے ذبح کرائے مگر غرق تب ہوا جبکہ موسیٰ علیہ السلام کی بددعا لگی۔

تیسرا فائدہ: اتباع کرنے والوں کو آل کہا جاتا ہے لہٰذا حضور ﷺ کی ساری متقی امت آل رسول ہے۔ یہ فائدہ آل فرعون سے حاصل ہوا کہ اس آیت میں فرعون کی پولیس اس کی فوج کو آل فرعون بنایا گیا۔

چوتھا فائدہ: مردود قوموں کے حالات زندگی پڑھنا عبرت حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے۔ یہ فائدہ آل فرعون فرمانے اور والذین من قبلہم فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضرات انبیاء و اولیاء کے تاریخی حالات پڑھنا ذوق عبادت شوق فرمانبرداری پیدا کرنے کے لئے بھی ضروری ہے۔ اس لئے رب نے ان حضرات کے قصے قرآن مجید میں نقل فرمائے۔

پانچواں فائدہ: ناشکری سے نعمتیں چھن جاتی ہیں۔ شکر سے نعمتیں بڑھ جاتی ہیں۔ یہ فائدہ لم یک مغیرا سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: جو قوم اللہ کی اطاعت رسول کی فرمانبرداری پر قائم رہے ان شاء اللہ اس سے رب کی نعمت نہیں چھنتی۔ یہ فائدہ بھی حتی یغیروا سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: اس کے برعکس جب کوئی قوم اللہ رسول کی اطاعت سے منہ پھیر لیتی ہے تو اس سے نعمتیں چھین لی جاتی

www.alahazratnetwork.org

ہیں اس کی مثال گذشتہ قوموں میں دیکھ لو۔ اہل مکہ کو رب تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں دے رکھی تھیں مگر جب انہوں نے اللہ رسول سے دشمنی کی تو ذلیل کر دیئے گئے۔ نعمتوں کے روکنے کا ذریعہ اللہ رسول کی فرمانبرداری ہے۔ رب فرماتا ہے ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا ما بانفسھم اس کا مطلب خوب سمجھ لو۔

آٹھواں فائدہ: کفار شرعی احکام کے مکلف نہیں اس لئے کوئی کافر مسلمان ہو کر زمانہ کفر کی نماز بھی قضا کرنا اس کو شراب پینے سے حکومت اسلامیہ نہیں روکتی مگر انہیں گناہوں کی سزا ملتی ہے کہ کافر کو کفر و شرک شراب سود نماز سب کی سزا ملے گی۔ یہ فائدہ بذنوبھم فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کی پکڑ، کفر و شرک، چھوٹے بڑے گناہ سب پر ہوگی۔ جب ان پر شرعی احکام جاری ہی نہیں ان پر نماز فرض ہی نہیں۔ جوا، شراب حرام نہیں تو اس پر پکڑ کیسی۔ یہ آیت قانونِ شرعی کے خلاف ہے یہاں بذنوبھم کیوں فرمایا۔

جواب: کفار پر نماز وغیرہ فرض نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بحالت کفر ان پر شرعی ادائے فرض نہیں اور مسلمان ہو جانے پر قضا فرض نہیں۔ یہ حکم شرعی ہے مگر اللہ کے نزدیک ان کو حکم ہے کہ ایمان لاؤ، نماز روزہ وغیرہ ادا کریں، سوٗر، شراب سے بچو۔ اس حکم پر عمل نہ کرنے کی وجہ سے ان پر سب جرموں کی سزا اور عذاب ہوگا۔ شریعت کا فرض حرام اور چیز ہے۔ عند اللہ فرض و حرام اور چیز ہے۔ رب فرماتا ہے۔ ما سلککم فی سقر قالوا لم نک من المصلین (الخ)

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کو قوی شدید العقاب پر کیوں ختم کیا رب کی اور صفات پر کیوں ختم نہ فرمایا۔

جواب: ان صفات کے ذکر فرمانے میں عذاب کا یقین اور سختی بتائی گئی اگر حاکم مجرم کو سزا دے تو اس کی وجہ یا حاکم کی کمزوری ہوتی ہے کہ وہ پکڑنے پر قادر نہ ہو یا اس کی قانون کی پکڑ نرم ہو جس سے مجرم جرموں پر دلیر ہو جائیں۔ رب تعالیٰ قوت والا بھی ہے سخت سزا دینے والا بھی پھر مجرم سزا سے کیسے بچ سکتا ہے۔ اس کے سزا دینے سے بچنے کی صرف ایک ہی صورت ہے توبہ استغفار۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ کی نعمتیں ہماری تبدیلی حالات پر موقوف ہیں۔ یعنی انسان کے کام علت ہوتے ہیں۔ رب کے کام معلول۔ یہ تو ناممکن ہے۔ نیز یہ بتاؤ کہ بعض کفار بڑی نعمتوں میں ہوتے ہیں انہوں نے کون سی نیکی کی ہے۔

جواب: آپ نے اس کا ترجمہ ہی غلط کیا ہے۔ یہاں ارشاد ہوا ہے کہ ہم کسی سے عطا فرمودہ نعمت بلاوجہ نہیں چھینتے۔ جب وہ خود ہی بری حرکتیں کر کے نعمت کو ختم کر دے تو اس کی مرضی۔ نعمت ملنا ہمارے کمال پر موقوف نہیں۔ شعر

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

رب کا کرم ہماری قابلیت پر موقوف نہیں ہاں اس کا عذاب ہمارے گناہوں کی بنا پر ہے۔

چوتھا اعتراض: بے گناہ بچوں پر تندرستی کے بعد بیماریاں کیوں آتی ہیں۔ انہوں نے کیا گناہ کیا۔ حضرت حسین پر کربلا کی مصیبت کیوں آئی انہوں نے کیا گناہ کیا تھا۔

جواب: یہاں ذکر نعمت چھننے عذاب آنے کا ذکر ہے یہ بغیر گناہوں کے نہیں آتا۔ تمہاری ذکر کی ہوئی چیزیں عذاب نہیں

www.alahazratnetwork.org

یہ تو مومن کے لئے رحمتیں ہیں۔

پانچواں اعتراض: قرآن کریم اور احادیث صحیحہ میں آتا ہے کہ کبھی بعض کے گناہوں کی وجہ سے بے گناہوں پر بھی عذاب آ جاتا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة بتایئے کہ ان بے گناہوں سے نعمت عافیت کیوں چھوٹی اور عذاب الٰہی ان پر کیوں آیا۔ وہ آیت اس کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب یہی ہے کہ ایسے بے قصوروں کے لئے یہ عذاب عذاب ہی نہیں بلکہ ترقی درجات کا ذریعہ ہے۔ یہاں ذکر نعمت چھن جانے عذاب آنے کا ہے لہٰذا تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: آیات الٰہیہ یعنی کتاب اللہ کی آیتیں انبیاء کرام کے معجزات ان کی تعلیمات گویا بجلی کا پاور ہیں۔ بجلی کا پاور مختلف چیزوں سے تعلق رکھ کر مختلف بہاریں دکھاتا ہے۔ بلب سے لگے تو روشنی دیتا ہے۔ ہیٹر سے لگے تو گرمی دیتا ہے۔ فریج میں ٹھنڈک پنکھے میں ہوا وغیرہ۔ یوں ہی آیات الٰہیہ نیک بخت دل و دماغ سے تعلق رکھیں تو وہاں تصدیق ایمان بلکہ ٹھنڈک عرفان ایقان سب کچھ پیدا کرتی ہیں لیکن یہ ہی آیات اگر بدبخت سینوں بدنصیب دماغ سے لگیں تو وہاں طغیانی کفران آخر کار عذاب کا باعث ہوتی ہیں۔ ان آیات میں انہیں دوسرے قسم کے لوگوں کا ذکر ہے۔ حضرت امام غزالی فرماتے ہیں کہ جو نعمت کی قدر نہ کرے اس سے نعمت چھن جاتی ہے اس کی نعمت نقمت بن جاتی ہے۔ ولاء بلاء، عزت ذلت، اقبال ادبار، یعنی بیمار بن جاتی ہے۔ اس بے قدری کی اصل غرور و تکبر ہے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر

کسے را کہ پندار در سر بود مپندار ہرگز کہ حق بشنود

جو اللہ کو پہچانے گا۔ وہ اس کی نعمت کی قدر بھی جانے گا نعمت الٰہی کی بے قدری حق کو نہ پہچاننے کی دلیل ہے اللہ کو پہچاننے والا دنیا بلکہ کونین کی طرف توجہ نہیں کرتا کیونکہ اللہ ہر چیز سے افضل و اعلیٰ ہے اور ذکر اللہ ہر شے سے زیادہ لذیذ ہے۔ (روح البیان)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ

مثل طریقہ متبعین فرعون کے اور ان لوگوں کے جو پہلے ہیں ان کے جھٹلایا انہوں نے نشانیوں کو اپنے رب کی

جیسے فرعون والوں اور ان سے اگلوں کا دستور انہوں نے اپنے رب کی آیتیں

فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ ۚ وَكُلٌّ كَانُوْا

پس ہلاک کر دیا ہم نے ان کو اور ڈبو دیا ہم نے فرعونیوں کو اور سارے تھے وہ ظالم تحقیق بدترین جانوروں

جھٹلائیں تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کے سبب ہلاک کیا اور ہم نے فرعون والوں

ظٰلِمِیْنَ ﴿۵۴﴾ اِنَّ شَرَّ الدَّوَآبِّ عِنْدَ اللّٰهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا

میں پاس اللہ کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے انکار کیا

کو ڈبو دیا وہ سب ظالم تھے بے شک سب جانوروں میں بدتر اللہ کے نزدیک

www.alahazratnetwork.org

فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۵﴾

پس	وہ	ایمان	نہیں	لاتے

وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور ایمان نہیں لائے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: آیات میں ذکر ہوا کہ کفار آیات ربوبیت سے انکاری ہیں اب ذکر ہے کہ وہ آیات ربوبیت سے انکار کرتے ہیں گویا ایک قسم کے انکار کے بعد دوسرے قسم کے انکار کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں چھینتا اور نہیں بدلتا جب تک کہ وہ قوم اپنی حالت نہ بدل دے۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو فرعون پر ہم نے بڑے کرم کئے مگر جب وہ ناشکرا ہوا تو ڈوب گیا گویا دعویٰ پہلے ہوا، دلیل اب دی جا رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اللہ کے تحت عذابوں کا اجمالی ذکر ہوا اب اس اجمال کی کچھ تفصیل کی جا رہی ہے۔ گویا یہ آیات ان آیات کی تشریح ہیں کہ وہاں پکڑ کا ذکر تھا یہاں ڈبونے کا۔

تفسیر: کداب ال فرعون والذین من قبلھم اس جملہ کی تفسیر۔ داب کے معنی آل فرعون کی تعیین اور من قبلھم کا مطلب یہ سب کچھ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سے پہلے راہم پوشیدہ ہے جو جملہ ہے اور کداب آل فرعون الخ اس کی خبر وہم میں ضمیر یا تو مشرکین مکہ کی طرف ہے یا انعمنا علی قوم میں جو قوم ہے وہ اس کا مرجع ہے یعنی کفار قریش کا حال فرعونیوں کے حال کی طرح ہے یا ناشکری قوم سے نعمت چھن جاتی ہے جیسے فرعونیوں کا حال ہوا۔ دوسری صورت میں یہ آیت اس قانون قدرت کا ثبوت ہے۔ کذبوا بایت ربھم یہ مضمون ابھی پچھلی آیت میں بیان ہو چکا مگر وہاں تھا کفروا یہاں کذبوا تاکہ معلوم ہو کہ وہاں کفر کے معنی ناشکری نہیں اور وہاں تھا بایات اللہ اور یہاں ہے بایات ربھم تاکہ معلوم ہو کہ وہاں اللہ تعالیٰ کی الوہیت کی نشانیاں مراد تھیں اور یہاں اس کی ربوبیت کی نشانیاں مراد ہیں۔ خیال رہے کہ نبی رب تعالیٰ کی آیت الوہیت بھی ہیں اور آیت ربوبیت بھی۔ ان کا انکار دونوں قسم کی آیتوں کا انکار ہے۔ اس کذبوا بایات ربھم میں فرعونی لوگ بھی داخل ہیں اور دوسرے کفار بھی جیسا کہ آیت کی روشنی سے معلوم ہو رہا ہے۔ فاھلکنھم بذنوبھم چونکہ ان کی ہلاکت جھٹلانے کے بعد بلکہ اس پر مرتب تھی اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی اس ہم کا مرجع قوم فرعون کے سوا دوسری قومیں ہیں یعنی والذین من قبلھم کیونکہ فرعونیوں کی ہلاکت کا ذکر تو آگے آ رہا ہے ان میں سے بعض کی ہلاکت زلزلہ سے بعض کی زمین میں دھنسنے سے بعض کی غیبی پتھراؤ سے بعض کی آندھیوں سے بعض کی صورت تبدیل کرنے سے ہوئی جیسا کہ قرآن مجید میں مختلف جگہ اس کا ذکر ہے یوں ہی کفار قریش کی ہلاکت غزوات بدر وغیرہ میں غازیوں کی تلواروں سے ہوئی (تفسیر خازن) ذنوب کے معنی اس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں ذکر ہوئی۔ و اغرقنا ال فرعون چونکہ ان سب کفار میں

www.alahazratnetwork.org

فرعونی بدترین کافر تھے اور ان کی سزا بھی نہایت عبرت ناک ہوئی اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ ہو گیا فرعون کے ڈوبنے کا واقعہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ **وکل کانوا ظلمین**. یہ فرمانِ عالی نیا ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے کل سے مراد تو سارے فرعونی ہیں یا ان سے پہلے والی قومیں یا وہ ساری قومیں اور کفارِ قریش (معانی) ظالمین بمعنی کافرین ہے اور کافرین سے مراد منکرین شانِ نبی کہ اس کے بغیر عذاب آتا ہی نہیں جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ ان عذابوں کی تفصیل بیان فرمانے کے لئے اس کا نتیجہ بیان فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے **ان شر الدوآب** پہلے ہلاکت شدہ کافروں کا ذکر ہوا اب مطلقاً کفار کا ذکر ہے ہلاکت شدہ ہوں یا دوسرے غیر ہلاکت شدہ۔ چونکہ اس مضمون کے انکاری بہت تھے اور بہت ہیں جن کا خیال ہے کہ انسان اگرچہ کافر ہو مگر جانوروں سے افضل ہے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ شر ہے تو صفت مشبہ مگر بمعنی اسم تفضل ہے یہ بمعنی شرارت ہے یعنی بدتری اشر کے معنی ہوئے۔ بدترین دواب جمع ہے دابۃ کی جس کا مادہ دب ہے بمعنی زمین پر چلنا دابہ کہتے ہیں زمین پر چلنے والے جانوروں کو اس میں انسان بھی داخل ہے۔ اب اصطلاح میں دابہ گھوڑے کو کہا جاتا ہے کہ یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی تمام جان والی زمین پر چلنے والی مخلوق میں بدترین مخلوق عنداللہ معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے علم اس کا فیصلہ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم اس کے فیصلے میں بدترین جانور۔ **الذین کفروا** الذین سے مراد انسان ہیں۔ کفروا سے مراد وہ ہیں جن کا کافر رہنا علم الٰہی میں آ چکا جو اللہ تعالیٰ کے علم میں کفار کی فہرست میں ہیں خواہ مسلمان جئیں یا کافر جئیں۔ کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ **فھم لا یومنون**. یہ کفروا کا بیان ہے یعنی ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا ہے کہ کسی ذریعہ سے ایمان لانے والے نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ فھم میں ف فصیحیہ ہے اس سے پہلے اذا علمت پوشیدہ ہے یعنی تم جان چکے کہ جانوروں سے بدتر وہ کفار ہیں تو جان لو کہ یہ ایمان نہیں لانے کے ان پر رنج و غم نہ کرو اگرچہ انہیں تبلیغ کرو کہ آپ کو اس تبلیغ کا ثواب ملے گا۔

خلاصہ تفسیر: ان کفار کا حال فرعونیوں اور ان سے پہلے والے کفار کے حال کا سا ہے کہ وہ اپنے کفر و شرک اور بدکاریوں میں مبتلا رہے انہوں نے اپنے رب کی نشانیوں، کتابوں، نبیوں، ان کے معجزات کو جھٹلایا چنانچہ وہ اپنے گناہوں کی وجہ سے ہلاک کر دیئے گئے۔ ان کے نشان بھی باقی نہ رہے اور تم کو یہ تو معلوم ہے کہ ہم نے فرعون کے متبعین کو بحرِ قلزم میں ایک عجیب طریقہ سے ڈبویا۔ یہ سارے کے سارے ظالم کافر نبیوں کے انکاری تھے۔ نبی کے انکار کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اس سے پتہ لگا کہ کفار باوجود انسان ہونے کے تمام جانوروں سے بدتر ہیں کہ دنیا میں عذاب ان پر آئے جانوروں پر نہ آئے۔ بعد قیامت دوزخ میں جائیں گے جانور نہ جائیں گے کیونکہ نبی کا مقابلہ انہوں نے کیا جانوروں نے نہ کیا۔ مگر یہ ان کا حکم ہے جو کفر پر مریں ایمان قبول نہ کریں ان کے کفر سے تم ملول نہ ہو۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عذاب یافتہ قوموں کے عذاب سے فرعون کی غرقابی عجیب تر ہے کہ ایک ہی دریا سے اس وقت بنی اسرائیل سلامت نکل گئے اور اسی وقت اسی دریا میں فرعون مع اپنے لشکر کے ڈبو دیا گیا کیونکہ اسرائیلی نبی کے ساتھ تھے وہ نبی سے اور

www.alahazratnetwork.org

دور تھا۔ یہ فائدہ احلکنا کے بعد اغرقنا فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کفر ہلکا ہو یا بھاری، دنیا میں سب کی سزا یکساں ہے ہلکے بھاری کا فرق آخرت میں ہوگا کہ سرداران کفر دوزخ کے بدترین طبقہ میں ہوں گے اور ماتحت ہلکے طبقہ میں۔ یہ فائدہ کل کانوا ظالمین سے حاصل ہوا کہ فرعون اور ہامان سخت ترین کافر اور تمام کے سردار گمراہ کن تھے۔ اس کے ماتحت لوگ ان سے ہلکے مگر سب کو یکساں طور پر غرق کیا گیا۔ دنیاوی عذاب ہلکے بھاری کافر میں فرق نہیں کرتا۔

تیسرا فائدہ: کافر انسان جانوروں حتیٰ کہ کتے سور سے بدترین ہے کیونکہ کوئی جانور کفر بت پرستی نبی کا مقابلہ نہیں کرتا حالانکہ وہ بے عقل ہے یہ انسان عاقل ہو کر یہ حرکتیں کرتا ہے اس لئے اس پر عذاب آتا ہے اور آئے گا۔ جانوروں پر نہیں آتا۔ یہ فائدہ ان شر الدواب (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ اولئک هم شر البریه کفار کو رب نے ساری مخلوق سے بدترین فرمایا ہے کشتی نوح میں جانوروں کے لئے جگہ تھی مگر کنعان کے لئے نہ تھی۔

چوتھا فائدہ: اس کے برعکس مومن انسان ساری مخلوق سے افضل، اس کے لئے جنت اور وہاں کی نعمتیں، مومن جنات اور فرشتوں کے لئے نہیں۔ یہ فائدہ بھی ان شر الدواب (الخ) سے اشارۃً حاصل ہوا اس کی تائید وہ آیت کرتی ہے اولئک هم خیر البریه کہ مومن متقی انسان ساری مخلوق سے خیر ہے۔

مسئلہ: عام متقی انسان ساری مخلوق سے خیر ہے۔ متقی مومنین عام فرشتوں سے افضل ہیں مگر خاص فرشتے جیسے حضرت جبرائیل و میکائیل عام مومنین سے افضل ہیں۔ اس کی مفصل بحث پہلے پارے میں ہو چکی ہے۔

پانچواں فائدہ: شریعت کے احکام ظاہر پر ہیں۔ طریقت کے احکام حقیقت اور باطن پر۔ شریعت فی الحال مومن کو مومن مانتی ہے اور فی الحال کافر کو کافر ان دونوں پر ایسے ہی کام جاری فرماتی ہے مگر طریقت و حقیقت کا حکم اصل پر ہوتا ہے یہ فائدہ عند اللہ سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: اعتبار خاتمہ اور انجام پر ہے جو شخص فی الحال مومن متقی معلوم ہوتا ہے مگر کفر پر مرنے والا ہے وہ بدترین خلق ہے اور جو فی الحال کافر و فاسق معلوم ہوتا ہے مگر اس کا خاتمہ ایمان و تقویٰ پر ہونے والا ہے وہ بہترین خلق ہے۔ یہ فائدہ فهم لایومنون فرمانے سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ خاتمہ ایمان و تقویٰ پر نصیب کرے۔ رب تعالیٰ زندگی و موت ایسی نصیب کرے۔ شعر

نام نامی رہے ان کا ورد زباں، ذکر ہوتا رہے سانس چلتی رہے
آخری وقت ہو ان کے قدموں پہ سر، دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

ساتواں فائدہ: عند اللہ شرک و کفر یکساں جرم ہیں۔ ان میں کوئی بخشش کے لائق نہیں اور ہر کافر ہر مشرک جانوروں سے بدتر ہے۔ یہ فائدہ الذین کفروا فرمانے سے حاصل ہوا۔ آیت کریمہ ان الله لا یغفر ان یشرک به اور دوسری آیت کریمہ ولا تنکحوا المشرکین ان جیسی آیتوں سے شرک سے مراد کفر ہے۔ شریعت کے بعض احکام میں شرک و کفر میں

www.alahazratnetwork.org

فرق ہے۔ یہودی عیسائی کافر ہیں مگر ان کے احکام ہلکے اور موحد کفار مرتدین کے احکام سخت ہیں۔ مشرکین کے احکام کچھ اور یہ فرق شرعی احکام میں ہے۔ یہ بات خیال میں رہے۔

پہلا اعتراض: اس جگہ ایک ہی مضمون مکرر کیوں بیان ہوا۔ دیکھو کداب آل فرعون الخ ابھی کچھ پہلے ارشاد ہو چکا ہے اور اب پھر ارشاد ہوا تکرار بیکار ہوتی ہے۔ پھر یہاں کیوں ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تعلق کے بیان میں عرض ہو چکا ہے کہ وہ آیت مجمل تھی یہ اس کی تفصیل ہے کہ وہاں اخذ تھا یہاں اھلکنا ہے وہاں کفروا تھا یہاں کذبوا ہے وہاں شدید العقاب تھا یہاں اغرقنا ہے پھر تکرار کہاں رہی اور اگر فرق بالکل نہ ہوتب بھی تکرار سے تاکید حاصل ہوتی ہے۔ جس تکرار سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہو قرآن مجید میں ایسی تکرار کہیں نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کافر انسان جانوروں سے بدتر ہے مگر دوسری جگہ ارشاد فرمایا ہے ولقد کرمنا بنی آدم جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مطلقاً انسان عزت والا ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: انسانیت اور افراد انسان میں بڑا فرق ہے۔ انسانیت یعنی حقیقت انسان حقیقت ملکیت سے افضل ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں اس کا ذکر ہے مگر افراد انسان ان کے حالات مختلف ہیں۔ بعض انسان فرشتوں سے افضل ہیں اور بعض جانوروں سے بدتر۔ یہ فرق ہم نے اپنی کتاب عصمت انبیاء میں بیان کیا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفروا ماضی اور لایومنون مضارع کیوں ارشاد ہوا۔ کفر اور بے ایمانی میں کیا فرق ہے۔

جواب: کفروا سے مراد ہے فیصلہ الٰہی میں ان کا کفر جس کا پہلے فیصلہ ہو چکا ہے اور لایومنون میں ان کے آئندہ حال کا ذکر ہے مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ پہلے ہی سے کافر ہیں اور آئندہ کافر ہی رہیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: سارے انسان صورت میں یکساں ہیں مگر سیرت میں بعض طبع والے بعض ہواء نفسانی خواہش والے بعض نبی والے بعض خدا والے ہیں یہ سب صورۃً ایک جنس بلکہ نوع ہیں مگر سیرتاً مختلف نوع بلکہ مختلف جنس ہیں، صورتاً جانوروں سے افضل معلوم ہوتے ہیں مگر سیرتاً جانوروں سے بدتر اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں شرالناس نہ فرمایا بلکہ شرالدواب فرمایا دوسری جگہ ارشاد ہوا۔ اولئک کالانعام بل هم اضل۔ شعر

دریغ آدمی زادہ بر محل　　　　که باشد چوں انعام بل هم اضل

حکایت: مجنوں اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر لیلیٰ کے شہر چلا گیا مگر اونٹنی کا بچہ گھر چھوڑ گیا۔ جب تک مجنوں اونٹنی کی پشت پر جاگتا رہا اسے ہانکتا رہا، اونٹنی سیدھی چلتی رہی مگر رات کو مجنوں اس کی پشت پر سو گیا تو اونٹنی واپس گھر کی طرف چل دی کیونکہ اس وقت سوار کا قبلہ آگے تھا یعنی لیلیٰ اور سواری کا قبلہ پیچھے تھا یعنی اونٹنی کا بچہ کئی بار یہ معاملہ ہوا مجنوں کو دشواری یہ تھی کہ راستہ پیدل طے نہ کر سکتا تھا اب ایک صورت تھی کہ اونٹنی کی پشت پر بیدار رہتا کیونکہ یہاں دونوں کے قبلے الگ الگ سمت پر تھے۔

انسان تیری روح سوار ہے تیرا نفس اس کی سواری مگر نفس کا قبلہ دنیا ہے اور روح کا قبلہ آخرت۔ اگر سوار بیدار رہے تو

www.alahazratnetwork.org

اپنی منزل مقصود پر پہنچ جاوے گا اگر غفلت کرے گا تو نفس تجھے دنیا میں پھنسا دے گا۔ یہ مذکورہ قومیں اس لئے ہلاک ہوئیں کہ انہوں نے غفلت برتی جس سے ان کے نفس نے انہیں دنیا میں پھنسا دیا اور وہ ہلاک ہوئے۔

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ

وہ لوگ جن سے معاہدہ کیا تم نے ان میں سے پھر توڑتے ہیں وہ عہد اپنا ہر بار اور وہ نہیں

وہ جن سے تم نے معاہدہ کیا تھا پھر ہر بار اپنا عہد توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے نہیں

مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۶﴾ فَاِمَّا تَثْقَفَنَّهُمْ فِي الْحَرْبِ

ڈرتے اور اگر پاؤ کبھی تم انہیں جنگ میں بھگاؤ بذریعہ ان کے ان کو

تو اگر تم انہیں لڑائی میں پاؤ تو انہیں ایسا قتل کرو جس سے

فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلْفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِمَّا تَخَافَنَّ

پیچھے ہیں انکے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں اور اگر کبھی اندیشہ کرو تم کسی قوم

ان کے پسماندوں کو بھگاؤ اس امید پر کہ شاید انہیں عبرت ہو اور اگر تم کسی قوم سے دغا کا

مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْۢبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ

سے بد عہدی کا پس پھینک دو طرف ان کے اوپر برابری کے تحقیق اللہ نہیں پسند

اندیشہ کرو تو ان کا عہد ان کی طرف پھینک دو برابری پر بے شک

الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ ع

کرتا بد عہدی والوں کو

دغا والے اللہ کو پسند نہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ سارے کافر ظالم ہیں پھر ان کے بعض کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ اللہ کے نزدیک جانوروں سے بھی بدتر ہیں۔ اب ان کی دوسری برائی ہو رہی ہے کہ وہ ہمیشہ اپنے وعدوں کو توڑتے رہتے ہیں ان وعدوں کا اعتبار نہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عیب بیان ہوئے اب ارشاد ہے کہ مسلمان کو ان کے ساتھ برتاؤ کیسا کرنا چاہیے۔ فاما تثقفنهم گویا دوسرے بروں کی برائی بیان فرمانے کے بعد ان سے معاملات کرنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں خبر دی گئی تھی کہ یہ کفار ایمان نہیں لائیں گے اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ بدعہد معاملہ کے خراب ہیں کفر پر مرنے والوں کی ایک علامت یہ بھی ہوتی ہے گویا پہلے ایک غیبی خبر دی تھی اب اس خبر کی حقانیت کی ایک علامت ارشاد ہو رہی ہے۔

شانِ نزول: مدینہ منورہ میں یہود کے دو قبیلے آباد تھے۔ ایک بنی قریظہ دوسرا بنی نضیر۔ جب ہجرت کر کے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں جلوہ آرائی فرمائی تو بنی قریظہ سے معاہدہ کر لیا کہ وہ حضور انور ﷺ کے مقابل حضور ﷺ کے دشمنوں کو کسی قسم کی مدد نہ دیں بلکہ غیر جانبدار رہیں مگر جب غزوۂ بدر کا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے خفیہ طور پر کفار قریش کو ہتھیار دے دیئے تھے اور ان کی جنگی مدد کی۔ جب اللہ نے مسلمانوں کو کھلی فتح عطا فرمائی اور ان بدبختوں سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو بولے ہم سے غلطی ہو گئی۔ چنانچہ ان سے دوبارہ یہی معاہدہ کیا گیا۔ ان کے دل میں مسلمانوں کی ہیبت بیٹھ گئی کہ سمجھے کہ حضور انور ﷺ سچے نبی ہیں اور اسلام غالب ہو کر رہے گا۔ مگر جب غزوۂ احد میں مسلمانوں کو کچھ تکلیف پہنچ گئی تو یہ پھر شیر ہو گئے حتی کہ ان کا سردار کعب ابن اشرف اپنے ساتھیوں کو لے کر مکہ معظمہ پہنچا اور کفار مکہ کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا۔ اس نے صرف اس پر کفایت نہ کی بلکہ قریباً سارے عرب کے قبیلوں کو ایک فیصلہ کن جنگ کے لئے آمادہ کر لیا جس کے نتیجہ میں غزوۂ خندق جسے غزوۂ احزاب بھی کہتے ہیں کا واقعہ پیش آیا۔ اس کے متعلق یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن وروح البیان، بیضاوی، خزائن العرفان، تفسیر صاوی وغیرہ)

تفسیر: **الذین عهدت منهم** یہ الذین یا تو پہلے الذین کفروا (الخ) کا بدل ہے یا عطف بیان ہے یا اس کی صفت ہے یا ہم پوشیدہ کی خبر ہے یا پوشیدہ فعل کا مفعول بہ (روح المعانی) لہٰذا اس کی پانچ ترکیبیں ہیں اور پانچ ہی تفسیریں عھدت بنا ہے معاہدہ سے جس کا مادہ عہد ہے بمعنی مضبوط وعدہ جس کی حفاظت کی ذمہ داری کی جاوے۔ یہاں عھدت کے معنی ہیں آپ ﷺ نے عہد لیا۔ عھدت کا مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ ہم منهم میں مِن بعضیت کے لئے ہے (روح المعانی) یہاں معاہدہ سے جنس معاہدہ مراد ہے۔ جس کی بہت فردیں ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی وہ بنی قریظہ کفار یہود جن سے آپ ﷺ نے معاہدے کئے ان سے بار بار عہد لئے **ثم ینقضون عهدهم فی کل مرة** یہاں ثم بمعنی پھر ہے چونکہ ان کا معاہدہ توڑنا کچھ عرصہ کے بعد ہوتا تھا لہٰذا ثم ارشاد ہوا۔ یہ ینقضون کا معطوف ہے عاہدت پر اسے مضارع فرما کر بتایا گیا کہ وہ بار بار عہد کرتے تھے بار بار توڑتے تھے بلکہ عہد کرتے وقت توڑنے کی نیت کرتے تھے۔ **کل مرة** یعنی ہر بار سے مراد یا تو ہر بار کا عہد ہے یا ہر بار کی جنگ (روح المعانی) یعنی ہر بار عہد توڑ دیتے تھے یا ہر جنگ کے موقع پر عہد توڑ دیتے ہیں۔ **وهم لا یتقون** یہ عبارت حال ہے۔ ینقضون کے فاعل سے یعنی عہد توڑ دیتے ہیں اس حال میں کہ خدا سے یا دنیا سے لعن طعن سے یا بدعہدی کے بدنما داغ سے یا مسلمانوں کے غالب آ جانے پر مسلط ہو جانے سے نہیں ڈرتے (روح المعانی) انہیں اس عہد شکنی کے بدلہ عار و نار سے خوف نہیں۔ **فاما تثقفنهم فی الحرب** ان کے احوال بیان فرمانے کے بعد ان کے احکام کا ذکر ہے اما بنا ہے ان شرطیہ ما ظرفیہ سے یعنی اگر کبھی تثقفنهم بنا ہے ثقف سے بمعنی پکڑنا فتح پانا (کبیر وغیرہ) ہم سے مراد وہی

www.alahazratnetwork.org

بنی قریظہ ہیں جن کے متعلق یہ آیات آئیں۔ حرب سے مراد مطلقاً جنگ ہے یا غزوہ بنی قریظہ جو غزوہ خندق کے بعد ہوا۔ فشرد بھم یہ عبارت اما کی جزاء ہے اس میں ف جزائیہ ہے شرد بنا ہے تشرید سے بمعنی تفریق یعنی بکھیر دینا، متفرق و پریشان کر کے بھگا دینا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

اطوف بالا باطح کل یوم مخافۃ ان یشرد لی حکیم (معانی)

حضرت ابن مسعود کی قراۃ میں شرذ نقطۂ ذال سے ہے معنی ایک ہی ہیں۔ بھم میں ب سببیہ ہے ہم کا مرجع وہ بنی قریظہ ہی ہیں۔ من خلفھم سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں یا سارے کفار عرب جو بنی قریظہ کی پشت پناہی کرتے تھے یا ان کے بلانے پر ان کے پیچھے لگ گئے اور متفقہ طور پر مسلمان پر حملہ آور ہو گئے یعنی اگر تم بنی قریظہ کی پشت پر قابو پاؤ تو انہیں ایسی سخت سزا دو کہ یہ سارے کفار کے لئے عبرت بن جاویں پھر جمع ہو کر تم پر حملہ نہ کر سکیں۔ انہیں سب کے لئے عبرت بنا دو تا کہ آئندہ ان فتنوں کی آگ ہمیشہ کے لئے بجھ جاوے۔ لعلھم یذکرون۔ یہ اس سزا کی حکمت کا ذکر ہے۔ لعلھم اور یذکرون کی ضمیریں لوٹ رہی ہیں من خلفھم کی طرف لہٰذا مطلب واضح ہے یعنی اس سخت عذاب کا فائدہ یہ ہے کہ ان کا انجام دیکھ کر باقی سارے کفار کو نصیحت مل جاوے کہ وہ آئندہ تم پر حملہ کرنے یا کفر کرنے سے باز آ جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جاوے گا۔ و امام تخافن من قوم خیانۃ یہ دوسرا حکم ہے جس کا تعلق باقی کافر جماعتوں سے ہے کیونکہ بنی قریظہ تو سارے قتل ہی کر دیئے گئے ان کی شوکت ہی ٹوٹ گئی ان سے بدعہدی کا خوف رہا ہی نہیں یہاں ابھی اما نیا ہے اور ان شرطیہ اور ما ظرفیہ ہے قوم سے مراد دوسری کافر قوم ہے جیسے کفار مکہ وغیرہ۔ خیانۃ سے مراد بدعہدی ہے یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر پھر کبھی آپ ﷺ کسی کافر قوم سے جنگ بندی کا معاہدہ کریں مگر آپ ﷺ کو علامات کے ذریعے خطرہ ہو کہ یہ لوگ بھی بنی قریظہ کی طرح ہوں موقع پا کر عہد توڑ دیں گے تو انہیں اس کا موقع نہ دیں بلکہ یہ کریں کہ فانبذ الیھم علی سواء۔ یہ عبارت اما تخافن کی جزا ہے اس میں فا جزائیہ اور انبذ بنا ہے نبذ سے بمعنی پھینکنا۔ رب فرماتا ہے نبذ واہ وراء ظھورھم۔ اس کا مفعول پوشیدہ ہے۔ عھدھم سواء سے پہلے طریق پوشیدہ ہے سواء کے معنی برابر یا ظاہر (خازن) خیال رہے کہ عہد پھینک دینے سے مراد ان کا عہد توڑ دینا اور علی سواء کے معنی ہیں انہیں پہلے سے اس کی خبر دے دینا یعنی ایسے حالات میں ان کفار کو خبر بھیج دو کہ چونکہ ہم کو پتہ چلا ہے کہ تم عہد شکنی کرنا چاہتے ہو ہم لوگ تم کو خبر دیتے ہیں کہ ہمارا تمہارا وہ معاہدہ ختم ہو چکا ہم تم پر حملہ کرنے والے ہیں ہوشیار رہو تا کہ اے محبوب تم پر بدعہدی کا الزام نہ آئے۔ اس حملہ کی خبر میں تم اور وہ برابر ہو جاؤ کہ تم کو بھی اس کی خبر ہو ان کو بھی۔ ان اللہ لا یحب الخائنین۔ یہ انبذ کی وجہ کا بیان ہے یعنی یہ اطلاع اس لئے دے دو کہ آپ ﷺ پر عہد شکنی کا الزام نہ آئے اللہ تعالیٰ عہد شکنی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا یا چونکہ وہ لوگ عہد شکن ہیں اور رب کو عہد شکن پسند نہیں ہوتا اس لئے انہیں خبر دے کر حملہ کرو۔ تم محبوب ہو وہ مردود ان جماعتوں کی جنگ ہوتی ہی رہے گی۔

موسیٰ و فرعون شبیر و یزید این دو طاقت از ازل آمد پدید

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے کہ محبت کی نفی سے بغض کا ثبوت لازم ہے رب تعالیٰ کے لئے کیونکہ رب کے ہاں محبت وعداوت کے درمیان کوئی واسطہ نہیں بندہ یا محبوب ہوگا یا مردود لہٰذا لا یحب کے معنی ہیں بغض (روح المعانی) یہ نکتہ یاد رکھو۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں دو قسم کی دشمنوں کا زور توڑنے کا حکم دیا ہے ایک وہ جو معاہدے کر کر کے توڑ دیتے ہوں دوسرے وہ جن کے معاہدے توڑ دینے کا اندیشہ ہو۔ ابھی اس نے عہد شکنی تو نہ کی ہو مگر علامات سے ان کی بدعہدی کا پتہ لگ گیا ہو چنانچہ ارشاد ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم وہ کفار جن سے آپ ﷺ نے معاہدے کئے مگر وہ ہر بار عہد توڑتے ہی رہتے ہیں نہ تو خدا کا خوف کرتے ہیں نہ دنیا کی لعن طعن سے ڈرتے ہیں انہوں نے پہلا معاہدہ غزوۂ بدر میں توڑا پھر بدر کے بعد معاہدہ کیا تو غزوۂ احد کے بعد توڑا سارے کفار عرب کو تمہارے مقابل حملہ آور بنا دیا۔ ان کی سزا یہ ہے کہ اب جب آپ ﷺ کی ان سے جنگ ہو اور وہ مغلوب ہوں تو صرف ان کے زور توڑنے پر کفایت نہ کرو بلکہ انہیں ایسی مار مارو کہ وہ اپنے دوسرے دوستوں کے لئے عبرت بن جاویں جو کفار ان کی پشت پناہی کے لئے آئے تھے یا آنا چاہا انہیں پتہ لگ جاوے بدعہدوں ظالموں کو بدلہ ایسا دیا جاتا ہے وہ سب بکھر جاویں آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے ایک نہ ہو سکیں۔ چنانچہ غزوۂ خندق کے بعد بنی قریظہ کا مسلمانوں نے محاصرہ کر لیا۔ ان کے باغوں کھیتوں میں آگ لگا دی تاکہ وہ مال کی ایسی بربادی دیکھ کر اپنے قلعوں سے اتر آویں اور اپنے کو مسلمانوں کے حوالہ کر دیں۔ ایسا ہی ہوا کہ وہ نیچے اترے اور حضرت سعد بن معاذ کے فیصلہ پر رضامندی ظاہر کی۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ ان کا ہر بالغ قتل کر دیا جائے۔ ایسا ہی کیا اور مدینہ منورہ کی زمین ان کے وجود نامسعود سے خالی ہوگئی۔ آج کل کی حکومتیں ایسے غداروں پر بمباری کر کے انہیں ان کے بچوں کو ہلاک ان کے مکانات جائیدادوں کو برباد کر دیتی ہیں۔ یہ حضور انور ﷺ کا کام تھا کہ ان کے بچے مکانات باقی رکھے صرف بالغوں کو قتل کیا جو قریباً چھ سو تھے۔ رہے دوسرے قسم کے دشمن ان کے متعلق ارشاد ہوا اے محبوب اگر آپ ﷺ کسی کافر سے معاہدہ کریں جنہوں نے اس سے پہلے کبھی عہد شکنی نہ کی مگر آپ ﷺ کو علامات اور قرینوں سے پتہ لگے کہ یہ عہد توڑنے والے ہیں تو آپ ﷺ انہیں پہلے خبر دے دو کہ ہم کو پتہ لگا ہے کہ تم یہ حرکت کرنا چاہتے ہو لہٰذا مطلع ہو جاؤ کہ فلاں تاریخ تک ہمارا معاہدہ قائم ہے اس کے بعد ہم اس معاہدہ سے بری ہیں۔ تم پر حملہ کر دیں گے یہ پہلے سے اطلاع دینا اس لئے ہے کہ آپ ﷺ پر عہد شکنی کا الزام نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ عہد شکنی کرنے والوں سے سخت ناراض ہے۔ خیال رہے کہ اگر معاہدے کی مدت ختم ہو جائے یا دوسرے فریق نے معاہدے کی کوئی شرط توڑ دی ہو تو اب اسے اطلاع دینے کی ضرورت نہیں فوراً حملہ کر دینا جائز ہے۔ دیکھو صلح حدیبیہ کے موقع پر حضور ﷺ نے کفار مکہ سے دس سال تک جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کیا مگر اس معاہدے کی بہت شرطیں تھیں جن میں سے ایک یہ تھی کہ بنی خزاعہ ہمارے حلیف ہیں اور بنی کنانہ تمہارے حلیف اگر یہ دونوں حلیف آپس میں لڑیں تو ہم میں سے کوئی اپنے حلیف کی مدد نہ کرے مگر کفار مکہ نے یہ عہد توڑ دیا اور بنی خزاعہ کے مقابلے میں اپنے حلیف بنی کنانہ کی مدد کر دی۔ اس بنا پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سال بعد ہی بغیر اطلاع دیئے حملہ کر دیا اور فتح واقع ہوئی۔ (روح المعانی) صلح حدیبیہ ۶ ہجری میں ہوا ہے اور فتح مکہ ۷ ہجری میں ہوئی۔ (مدارج جلد دوم) یہ بات خوب یاد رکھنی چاہئے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قرآن مجید نے ہم کو صرف عبادۃ ہی نہیں سکھائے بلکہ سلطنت کرنے کے طریقے بھی علی وجہ الکمال تعلیم فرمائے۔ شعر

کلام اللہ بھی نام خدا کیا راحت جاں ہے — عصاء پیر ہے تیغ جواں ہے حرز طفلاں ہے

انسان کی زندگی کا ہر شعبہ قرآن مجید نے مکمل فرما دیا ہے۔ یہ فائدہ ان دونوں آیتوں کے مضمون سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: دشمن کے حالات سے باخبر رہنا چاہئے ان سے غافل ہونا اپنے کو ہلاک کرنا ہے۔ یہ فائدہ **ثم ینقضون عہدھم** (الخ) سے حاصل ہوا بہت سی اسلامی سلطنتیں لاپرواہی اور بےخبری کی وجہ سے تباہ ہو گئیں جیسا کہ تاریخ دان حضرات سے مخفی نہیں بلکہ رعایا کے حالات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے۔ ان میں بعض وفادار ہوتے ہیں بعض غدار جن کے دماغ میں بغاوت رہتی ہے۔

تیسرا فائدہ: مومن پر وعدہ پورا کرنا لازم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **واوفوا بالعھد** (الخ) یہ فائدہ بھی **ثم ینقضون عھدھم** سے حاصل ہوا کہ وعدہ خلافی کفار اور ناپرہیزگار کا طریقہ قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: جو بار بار وعدہ خلافی کرے اس کے وعدے کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے بلکہ اب اسے اس جرم کی سزا دینا چاہئے۔ یہ فائدہ فی کل مرۃ فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: وعدہ پورا کرنا کفار پر بھی ضروری ہے وعدہ خلافی ان کے لئے بھی جرم ہے۔ یہ فائدہ **وھم لایتقون** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ ایک طرح کا معاملہ ہے اور معاملات کے مکلف کفار بھی ہیں۔

چھٹا فائدہ: سزائیں نہایت سخت ہونی چاہئیں جن سے دوسروں کو عبرت ہو تاکہ جرم بند ہوں۔ یہ فائدہ **فشرد بھم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رحمت عالم ہیں مگر حضور ﷺ نے سزا میں مجرموں کو سخت سے سخت دیں کہ دنیا کو مجرموں سے خالی کر کے امن وامان قائم کر دینا بھی رحمت ہے۔ آج قوانین نہایت نرم پھر ان کی گرفت بہت ڈھیلی ہے جس کا انجام دیکھا جا رہا ہے کہ بدامنی غنڈہ گردی کا دور دورہ ہے کسی شریف کی عزت محفوظ نہیں کوئی شریف مظلوم انصاف نہیں پا سکتا۔

ساتواں فائدہ: کفار سے جنگ میں ہر وہ جائز طریقہ استعمال کرنا درست ہے جو کفار کی ہمت توڑ دے۔ ان کے جانور ہلاک کرنا، ان کے باغات کھیتوں میں آگ لگانا ان کی جائیدادوں کو تباہ کرنا وغیرہ۔ یہ فائدہ بھی **فشرد بھم من خلفھم** سے حاصل ہوا۔ ہاں عورتوں بچوں کا قتل حرام ہے آج کل کی جنگ میں پہلے عورتیں بچے ہلاک کئے جاتے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: اگر قرین وعلامات سے معلوم ہو جاوے کہ ہمارا دشمن عہد شکنی کرنے والا ہے تو ہم عہد کے پابند نہ ہوں گے۔ پہلے اسے اطلاع دیں گے پھر اس پر حملہ کر دیں گے سانپ کے کاٹنے سے پہلے اس کا سر کچل دو۔ یہ فائدہ **واما تخافن** الخ سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

نواں فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ اپنے وعدے کا بڑا پختہ ہو دیکھو ایسی خائن سرکش قوم پر اچانک حملہ جائز نہیں بلکہ اسے پہلے خبر دے دی جاوے کہ ہم کو پتہ لگا ہے کہ تم بدعہدی کرنے والے ہو لہذا فلاں تاریخ تک ہمارا تمہارا معاہدہ ختم ہے۔ ہم اس تاریخ کے بعد تم پر حملہ کریں گے۔ یہ فائدہ فانبذ الیھم علی سواء سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: خیانت صرف مال میں ہی نہیں ہوتی بلکہ وعدے میں بھی ہوتی ہے۔ وعدہ خلاف شرعاً خائن ہے امین نہیں۔ یہ فائدہ لایحب الخائنین سے حاصل ہوا کہ رب نے بدعہدوں کو خائنین فرمایا یہی حال امانت اور امین کا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غدار باغی ملک وقوم کے دشمن کو پہلی غداری پہلی ملک دشمنی پر نہیں پکڑنا چاہئے بلکہ جب وہ بار بار یہ حرکتیں کریں تب ان کو پکڑا جاوے کہ فرمایا ینقضون عھدھم فی کل مرۃ یہ تو سیاست ملکی کے خلاف ہے گربہ راروز اول باید کشت۔ حضور انور ﷺ نے قریظہ کی بارہا کی عہد شکنی پر انہیں معافی دی آخر میں پکڑا یہ کیوں۔

جواب: ہر وعدہ خلافی بدعہدی بغاوت نہیں جب معمولی سی ہو تو قابل معافی ہے بنی قریظہ نے اولاً وعدہ خلافیاں خفیہ اور شخصی طور پر کیں بعد میں معافی مانگتے رہے۔ جب یہ حرکتیں حد بغاوت کو پہنچیں تب انہیں سزا دی گئی جو قیامت تک کفار کے لئے عبرت بن گئی۔ سخت سزا کے لئے جرم چاہئے خیال رہے کہ حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ میں تشریف لاکر فوراً سلطنت قائم نہ فرمائی بلکہ آہستگی سے پھر بھی دشمنوں کو تاامکان رعایات دی گئیں تاکہ اسلام کو دنیا میں بدنام نہ کیا جاوے کہ اسلام بہت سخت گیر دین ہے اور لوگ اسلام میں داخل ہونے سے ہچکچاہٹ نہ کریں پھر احکام سخت ہوتے رہے منافقوں کی حرکات سے خبردار ہوتے ہوئے ان سے درگزر ہوتی رہی حضرت خدیجہ نے فرمایا کہ نفاق زمانہ رسالت میں تھا آج یا کفر ہے یا ایمان (بخاری مشکوٰۃ شریف آکر باب الکبائر وعلامات النفاق)

دوسرا اعتراض: یہاں کفار یہود کے متعلق ارشاد ہوا وھم لا یتقون یہ لوگ تقویٰ اختیار نہیں کرتے۔ کفار متقی کیسے ہو سکتے ہیں تقویٰ کے لئے ایمان ضروری ہے۔

جواب: یہاں تقویٰ سے مراد شرعی تقویٰ نہیں بلکہ اس سے مراد بدنامی سے بچنا بدعہدی کے انجام سے ڈرنا۔ یعنی یہ لوگ بدعہدیاں کرنے میں نہ تو اپنی بدنامی سے خوف کرتے ہیں نہ اس کے انجام سے ڈرتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: اسلام تو رحمت والا دین ہے پھر اس میں اس قدر سخت سزائیں کیوں رکھی ہیں کہ فرمایا فشرد بھم من خلفھم چور کے ہاتھ کاٹنا، زانی کو سنگسار کر ڈالنا، ڈاکو کے ہاتھ پاؤں کاٹنا، بنی قریظہ کا تخم مٹا دینا۔ یہ سزائیں غیر فطری ہیں۔

جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم نے اپنی کتاب اسرار الاحکام میں دیا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ رحمت کے معنی صرف دودھ پلانا، معافیاں دینا، درگزر کرنا ہی نہیں بلکہ سختی سے مجرموں کو کچل دینا جرموں کا خاتمہ کہ جس سے دنیا میں امن وامان ہو یہ بھی رحمت ہے۔ حکیم کا کڑوی دوائیں پلانا گلا سڑا عضو کاٹ ڈالنا اس کی مہربانی ہے۔ یہ شخص قوم پر فدا کئے جائیں نہ کہ قوم شخص پر۔ ایک دو چوروں کے ہاتھ کاٹ دینے سے اگر ملک میں چوری کا خاتمہ ہو جاوے تو یہ سودا مہنگا نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار سے کیا ہوا معاہدہ ضرورۃً توڑنا پڑ جائے تو پہلے انہیں خبر دی جاوے

www.alahazratnetwork.org

فانبذ الیھم علی سواء مگر خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے معاہدے کو بغیر اطلاع دیئے توڑ دیا کہ دس سال کا معاہدہ تھا مگر جلدی ہی مکہ معظمہ پر حملہ کر دیا۔ اس آیت اور اس عمل شریف میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں اس صورت کا ذکر ہے جبکہ کفار نے عہد شکنی نہ کی ہو۔ اندازہ سے معلوم ہوا کہ وہ ایسا کرنے والے ہیں۔ کفار مکہ نے تو خود عہد شکنی کر دی تھی۔ اب ان کو اطلاع دینا ضروری نہ تھا۔ اس لئے کسی کافر نے اس وقت حضور علیہ السلام پر عہد شکنی کا الزام نہ لگایا بلکہ خود شرمندہ تھے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا و اما تخافن اگر تم کو عہد شکنی کا خوف ہو یعنی اس کا وقوع نہ ہوا ہو صرف اندیشہ ہو۔

پانچواں اعتراض: ایسے خطرناک کفار جن کے متعلق عہد شکنی کا اندیشہ ہو انہیں پہلے سے اپنے ارادہ پر مطلع کیوں کیا جاتا ہے ان پر اچانک حملہ کیوں نہیں کر دیا جاتا حملہ کی اطلاع پہلے سے دینا اصول جنگ کے خلاف ہے یہاں کیوں ارشاد ہوا فانبذ الیھم علی سواء

جواب: یہ اطلاع طے شدہ معاہدہ کے احترام کے لئے ہے تاکہ کفار مسلمانوں پر عہد شکنی کا الزام نہ لگا سکیں۔ وعدہ خلافی اصول جنگ کے بالکل خلاف ہے اس سے اپنا وقار جاتا رہتا ہے آج وعدہ خلافیوں کی وجہ سے بھارت دنیا میں بدنام ہے اور پاکستان کا سر بلند ہے کہ اس نے ہمیشہ کئے ہوئے وعدے پورے کئے۔ اسلام کے اصول بڑے ہی اعلیٰ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمان یہ نہ سمجھ کہ بنی قریظہ ایک کافر قوم تھی جو مدینہ منورہ میں رہتی تھی اب وہ ختم ہو چکی خود تیرے اندر بنی قریظہ موجود ہے یعنی تیرا نفس امارہ اور اس کے برے ساتھی۔ تو ان سے صلح کر کہ وہ دل کے معاملات میں دخل نہ دیں اسے اپنی راہ چلنے دیں اگر نفس اپنی اس صلح پر قائم رہے تو اس سے جنگ نہ کر لیکن اگر وہ بدعہدی کرے تو ایک دوبار اسے معافی دے دے آئندہ کے لئے وفاء عہد کا اس سے وعدہ لے لیکن اگر وہ بار بار عہد شکنی کرے تو اسے ایسی سخت سزا دے کہ آئندہ نہ تو اس کی ہمت رہے وعدہ خلافی کی اور نہ اس کے ساتھیوں کی قوت رہے کہ اجتماعی حملہ کریں تاکہ تیرے دل اور روح کا رستہ صاف رہے اور وہ خیریت سے راہ خدا کی منزلیں طے کر کے یار کے دربار تک پہنچیں اگر تجھے کبھی اپنے نفس کی طرف سے بہکانے راہ مارنے کا خطرہ ہو تو اس سے خطاب کر کہ درست رہ ورنہ تیرا میرا کوئی معاہدہ نہیں ہم تجھ کو سخت سزا دیں گے۔ صوفیاء کرام کے مجاہدات ریاضت اس آیت کریمہ پر عمل ہے وہ حضرات اپنے چلوں اعتکاف میں بہت سی حلال چیزوں سے بچتے ہیں۔ کیوں۔ محرمات سے بچنے کے لئے۔ نفس امارہ علم وعقل کی تلوار سے نہیں مرتا یہ عشق کے خنجر سے ہلاک یا تبدیل ہوتا ہے۔ بلب دیا سلائی سے روشن نہیں ہوتا اس کا تعلق کسی پاور ہاؤس سے کرو تاکہ روشنی دے۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔ شعر

زندگی کچھ اور شے ہے علم ہے کچھ اور شے ... زندگی سوز جگر ہے علم ہی سوز دماغ
علم میں لذت بھی ہے قدرت بھی ہے طاقت بھی ہے ... ایک مشکل ہے کہ ہاتھ نہیں اپنا سراغ
شیخ مکتب کے طریقوں سے کشادہ دل کہاں ... کس طرح کبریت سے روشن ہو بجلی کا چراغ

علم وعقل سے ہر چیز تو ناپی جا سکتی ہے مگر ان سے خود اپنا آپ نہ تو ناپا جاتا نہ تولا جاتا ہے نہ نفس کے فریبوں کا اس سے پتہ چلتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ یہ کام کسی نظر والے کی نظر سے ہوتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَاَعِدُّوْا
اور ہرگز گمان نہ کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ آگے بڑھ گئے بے شک وہ عاجز
اور ہرگز کافر اس گھمنڈ میں نہ رہیں کہ وہ ہاتھ سے نکل گئے بے شک وہ عاجز نہیں
لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ
نہیں کرینگے اور تیار کروان کے لئے وہ جو طاقت رکھو تم طاقت اور باندھنا گھوڑے
کرتے اور ان کے لئے تیار رکھو جو قوت تمہیں بن پڑے اور جتنے گھوڑے
تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ وَاٰخَرِيْنَ مِنْ دُوْنِهِمْ لَا
اور ڈراؤ تم اس سے اللہ کے دشمنوں کو اور اپنے دشمنوں کو اور دوسروں کو سوا ان کے نہیں
باندھ سکو کہ ان سے ان کے دلوں میں دھاک بٹھاؤ جو اللہ کے دشمن اور تمہارے دشمن اور ان کے
تَعْلَمُوْنَهُمْ اَللّٰهُ يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فِيْ
جانتے تم انکو اللہ جانتا ہے انہیں اور وہ چیز جو خرچ کروگے تم راستے میں
سوا کچھ اوروں کے دلوں میں جنہیں تم نہیں جانتے اللہ انہیں جانتا ہے اور اللہ کی راہ میں
سَبِيْلِ اللّٰهِ يُوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۶۰﴾
اللہ کے پوری دی جائے گی تم کو اور تم ظلم نہیں کیے جاؤ گے
جو کچھ خرچ کروگے تمہیں پورا دیا جائے گا اور کسی طرح گھاٹے میں نہ رہو گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان وعدہ خلاف دشمن کفار کا ذکر ہوا جن پر ہم قابو پالیں اور انہیں اس حرکت کی سزا دے سکیں۔ اب ان کفار کا ذکر ہے جو ہمارے سخت تر دشمن ہوں مگر ہمارے قبضہ میں نہ آئیں بلکہ جنگ سے بخیریت لوٹ جاویں۔ ان کے متعلق پیش گوئی فرمائی جارہی ہے کہ وہ بھی عنقریب تمہاری گرفت میں آئیں گے۔

دوسرا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں وعدہ خلاف بدعہد کفار کو سزا دینے کا حکم دیا گیا تھا۔ اب مسلمانوں کو جہاد کی تیاری اپنے میں قوت پیدا کرنے کی تاکید فرمائی جارہی ہے جس سے وہ ان سزاؤں پر قادر ہیں اور جس سے ان کا رعب کفار کے دلوں میں قائم رہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی گذشتہ آیات میں اچانک غزوۂ بدر واقع ہو جانے اور مسلمانوں کے کمزوری وضعف کے باوجود کفار پر غالب آ جانے کا ذکر ہوا۔ اب ارشاد ہے کہ آئندہ جنگ کی تیاری کرو۔ اس قسم کی غیبی نصرت و فتح ہمیشہ نازل نہیں ہوا کرے گی۔ بلکہ تم کو تیار کرنا ہوگی۔ گویا غزوہ بدر میں قدرتی فتح کے بعد آئندہ قانونی فتح کا ذکر ہے (تفسیر کبیر ہے)۔

نزول: اسلامی غزوات خصوصاً غزوۂ بدر مسلمانوں کے مقابل آنے والے کفار تین ٹولے ہوتے۔ بعض وہ جو غازیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ بعض وہ جو اسلامی قیدی ہوئے۔ بعض وہ جو نہ قتل ہوئے نہ قید بلکہ بھاگ جانے میں کامیاب ہوئے۔ ان کے متعلق مسلمانوں کو رنج ہوا کہ یہ لوگ تو ہمارے بدترین دشمن ہیں نکل کیوں گئے۔ ان کے متعلق پہلی آیات ولا تحسبن الخ نازل ہوئی جس میں مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کا یہ بچ جانا عارضی ہے عنقریب تمہارے قبضہ میں آئیں گے۔ (معانی)

تفسیر: **ولا یحسبن الذین کفروا سبقوا** ہماری قرأۃ میں لا تحسبن ی سے ہے۔ اس صورت میں الذین کفروا اس کا فاعل ہے اور انفسہم پوشیدہ اس کا پہلا مفعول ہے اور سبقو دوسرا مفعول یا تحسبن کا فاعل ضمیر پوشیدہ ہے۔ مومنین یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا ہر سمجھنے والا اور الذین کفروا اس کا پہلا مفعول اور سبقوا دوسرا مفعول۔ دوسری قرأۃ لا تحسبن ت سے ہے اس صورت میں الذین کفروا اس کا پہلا مفعول ہے اور سبقوا دوسرا مفعول لہٰذا اس آیت کریمہ کی چار تفسیریں ہیں۔ الذین کفروا سے مراد وہ کفار ہیں جو مسلمانوں کے مقابل جنگوں میں آئے اور نہ قتل ہوئے نہ قید بلکہ بچ کر بھاگ گئے۔ سبقو بنا ہے سبقت سے بمعنی آگے بڑھ جانا۔ مراد ہے قبضہ سے نکل جانا بچ جانا۔ یعنی یہ کفار اپنے متعلق یہ خیال نہ کریں کہ وہ مسلمانوں کے یا رب تعالیٰ کے قبضہ سے نکل گئے یا کوئی مسلمان یہ خیال ہرگز نہ کرے یہ لوگ ہاتھ سے نکل گئے انشاء اللہ یہ لوگ آئندہ مسلمانوں کے قبضہ میں آئیں گے اور ان کے ہاتھوں یا مارے جائیں گے یا قید ہوں گے یا مسلمان ہو جائیں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ وہ رب کے قبضہ سے نہیں نکل گئے اگر کفر پر مرے یا مارے گئے تو دوزخ میں جھونکے جائیں گے۔ یہ خیال رہے کہ سبقوا سے ان پوشیدہ ہے۔ قرآن مجید میں بہت جگہ ان پوشیدہ ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے **افغیر اللہ تامرونی اعبد ایہا الجاھلون** یہاں اصل میں ان اعبد ہے۔ (تفسیر کبیر) **انہم لا یعجزون** یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس لئے ان الف کے کسرہ سے ہے۔ گزشتہ لا تحسبن کی وجہ بیان فرما رہا ہے۔ ایک قرأۃ میں انہم الف کے فتحہ سے ہے تب تو ظاہر ہے کہ یہ علت ہے کیونکہ یہ لوگ عاجز نہیں کر سکیں گے مسلمانوں کو بلکہ وہ خود مسلمانوں کے آگے عاجز ہوں گے یا وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکیں گے۔ وہ تو ہر وقت اس کے قبضہ میں ہیں لہٰذا اے مسلمانو! تم ان کے بچ نکلنے پر غم نہ کرو انشاء اللہ چاند تمہارا ہی چڑھے گا۔ **واعدوا لھم ما استطعتم** یہ جملہ نیا ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ مسلمانو! سارے کفار تم پر غالب آنے والے ہیں لہٰذا تم تیار کرو۔ اعدوا بنا ہے اعداد سے جس کے لغوی معنی ہیں کوئی چیز ضرورت کے وقت کے لئے سنبھال رکھنا (خازن) اصطلاح میں تیاری کرنا، تیاری رکھنا اعداد ہے لہم میں ھم کا مرجع سارے حربی کافر ہیں نہ کہ صرف کفار مکہ اور لہم میں قتال یا حرب پوشیدہ۔ اعدوا میں خطاب تاقیامت مسلمانوں سے ہے اور بقدر طاقت تیاری کرنا فرض کفایہ ہے یعنی اے مسلمانو! تم ہمیشہ کفار سے جہاد کرنے کی بقدر طاقت تیاری رکھو۔ **من قوۃ** یہ عبارت بیان ہے استطعتم کا لہٰذا من بیانیہ ہے

www.alahazratnetwork.org

قوت طاقت کے لئے اس سے مراد جہاد کی طاقت اس میں بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد مضبوط قلعے وغیرہ ہیں یعنی دفاعی قوت سامان جہاد اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ خذوا حذرکم بعض نے فرمایا اس سے مراد ہر قسم کا سامان جہاد ہے یعنی حسب موقع ہتھیار جنگ کا جمع کرنا بنانا ان کے استعمال کا طریقہ سیکھنا وغیرہ لہٰذا اس میں تا قیامت اسلحہ جنگ داخل ہے جیسے آج کل توپ راکٹ ٹینک بلکہ ایٹم بم وغیرہ۔ حدیث شریف میں ہے ان القوۃ الرمی۔ آگاہ رہو کہ قوت رمی ہے (مسلم وغیرہ) رمی کے اصطلاحی معنی ہیں تیر اندازی اور لغوی ہیں پھینکنا۔ کہا جاتا ہے اکلت الرطب و رمیت النواۃ میں نے کھجور کھالی گٹھلی پھینک دی۔ اگر اس حدیث میں رمی بمعنی اصطلاح ہے تو اس زمانہ کے لحاظ سے یہ فرمان عالی ہے جبکہ جنگ تیر تلوار سے ہوتی تھی اور یہ حصر ایسا ہے جیسے الندم ھو التوبۃ و الحج ھو العرفۃ (خازن کبیر وغیرہ) اور اگر رمی لغوی معنی میں ہے تو اس میں تا قیامت تمام ہتھیار داخل ہیں آج کل جنگ میں بم پھینکے جاتے ہیں۔ راکٹ چھوڑے جاتے ہیں۔ اس محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی فصاحت کے قربان جس نے ایک لفظ رمی میں تا قیامت جہادوں کا انتظام فرمادیا۔ و من رباط الخیل یہ عبارت معطوف ہے قوۃ اور ما استطعتم کا دوسرا بیان اگرچہ قوۃ میں یہ بھی داخل تھا مگر اس کی عظمت دکھانے کے لئے اسے علیحدہ بیان فرمایا۔ رباط بروزن فعال ہے مصدر بمعنی اسم مفعول جیسے لباس بمعنی ملبوس اس صورت میں یہاں صفت مضاف ہے موصوف کی طرف یعنی پالے ہوئے باندھے ہوئے گھوڑے یا رباط بمعنی اسم ظرف۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ خیل گھوڑا اور رباط خیل گھوڑی۔ حضرت خالد بن ولید جہاد میں گھوڑی پر ہی زیادہ سوار ہوتے تھے کہ یہ جہاد میں آواز نہیں کرتی اور بہت جم کر میدان میں کھڑی ہوتی ہے۔ اس کی پیٹھ سواری ہے اور اس کا پیٹ نسل کا خزانہ۔ حضرت جبرائیل غرق فرعون کے دن اور فرشتے بدر وغیرہ میں مادہ گھوڑی پر ہی سوار ہو کر موقعہ پر آئے تھے۔ (روح البیان وخازن وغیرہ) بہر حال گھوڑا جہاد کا بہترین آلہ ہے۔ اب بھی جنگوں میں گھوڑوں کی ضرورت رہتی ہے۔ ترھبون بہ عدو اللہ و عدوکم یہ عبارت حال ہے اعدوا کے فاعل سے ترھبون بنا ہے رھب سے بمعنی ڈرانا ہیبت دلانا۔ بہ کا مرجع یا تو اعدوا کا مصدر ہے یا مذکورہ دونوں چیزوں میں سے ہر ایک۔ ب سببیہ ہے عدو اللہ و عدوکم سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں یا تا قیامت سارے حربی کفار جو مسلمانوں کے مقابل آسکیں۔ مقصد یہ ہے کہ صرف جہاد کے وقت یہ تیاری نہ کرو بلکہ ہمیشہ ہی تیاری رکھو اس میں بہت فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ اس تیاری سے تمہارے دشمن کفار کے دلوں میں تمہاری ہیبت بیٹھے گی جس سے وہ تم پر حملہ کرنے کی ہمت نہ کرسکیں گے۔ چونکہ مسلمان اللہ کے دوست ہیں اور کفار مسلمانوں کے دشمن اور دوست کا دشمن اپنا دشمن ہوتا ہے لہٰذا کفار اللہ کے دشمن ہوئے اس لئے انہیں عدو اللہ فرمایا گیا۔ و اخرین من دونھم یہ عبارت معطوف ہے عدو اللہ الخ پر اور ترھبون کا مفعول ہے من دونھم میں من بیانیہ ہے اور یہ آخرین کا بیان ہے۔ دون بمعنی علاوہ یا سواء اور ہم کا مرجع عدو اللہ (الخ) ہے یعنی تیاری جہاد کے ذریعہ اپنے کھلے دشمنوں حربی کفار کو بھی ڈراؤ اور ان کے علاوہ چھپے دشمنوں کو بھی ڈراؤ۔ ان سے مراد یا تو یہود مدینہ ہیں جو بظاہر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر چکے تھے مگر دل میں بہت دشمن تھے یا مراد مدینہ منورہ کے منافقین ہیں جو بظاہر کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے مگر بباطن مسلمانوں کے دشمن کفار کے جاسوس تھے یا اس سے مراد روم و فارس کے کفار ہیں جو ابھی

www.alahazratnetwork.org

مسلمانوں کے مقابل نہ آئے تھے مگر زمانہ صحابہ میں خصوصاً عہد فاروقی میں مقابل آنے والے تھے یا اس سے مراد کفار جن ہیں کہ تیاری جہاد سے ان کے دلوں میں بھی ہیبت بیٹھتی ہے۔ جس گھر میں آلات جہاد یا جہاد کا گھوڑا ہو اس میں جن کفار داخل نہیں ہوتے (روح البیان و معانی و خازن و کبیر وغیرہ) تفسیر خازن نے آخری قول کو ترجیح دی کیونکہ آگے ارشاد ہے **لا تعلمونهم الله يعلمهم** ان دوسرے دشمنوں کو اے مسلمانو! تم نہیں جانتے انہیں تو اللہ ہی جانتا ہے اگر آخرین سے مراد کفار جن ہیں تب اس فرمانِ عالی کا مطلب یہ ہے کہ ان کافر جنات کو تفصیلاً تم نہیں جانتے کہ کون کون جن تمہارے دشمن ہیں۔ یہ تفصیل تو رب تعالیٰ ہی جانتا ہے ہاں تم کو اجمالاً اتنا معلوم ہے تو کفار جن مسلمانوں کے دشمن ہیں اور آخرین الخ سے مراد منافقین یا یہود مدینہ ہیں تو مطلب یہ ہے کہ ان کی دشمنی کو تم نہیں جانتے اگر چہ انہیں جانتے ہو تم یہود کی مصالحانہ گفتگو اور منافقوں کی کلمہ گوئی سے سمجھتے ہو کہ یہ مسلمانوں کے دوست ہیں۔ اور اگر مراد فارس و روم کے کفار ہیں تو مطلب یہ ہے کہ تم کو پتہ نہیں کہ تمہیں ان سے بھی جنگ کرنا ہے اور تمہارے ہاتھوں انہیں شکست ہونا ہے۔ خیال رہے کہ یہاں علم بمعنے معرفت یعنی پہچاننا۔ اس لئے اس کا صرف ایک مفعول آیا (روح البیان) اور خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں۔ حضور انور ﷺ تو ہر ایک کے حال سے ہر وقت خبردار تھے اور ہیں اور رہیں گے۔ حضور ﷺ ہی کے بتانے سے تو مسلمان نے منافقوں کو جانا۔ رب فرماتا ہے **لتعرفنهم فى لحن القول** اے محبوب تم منافقوں کو ان کی روش کلام سے ہی پہچان لیتے ہو۔ **وما تنفقوا من شىء فى سبيل الله يوف اليكم** یہ اس فرمانِ عالی میں تیاری جہاد کا دوسرا فائدہ ارشاد ہو رہا ہے۔ یہاں فی سبیل اللہ سے مراد یا تو جہاد اور تیاری جہاد میں خرچ کرنا ہے یا ہر نیکی کی راہ میں خرچ کرنا جیسے جہاد، رباط، صدقات و خیرات غریب اہل قرابت کی پرورش وغیرہ۔ یوف بنا ہے توفیہ سے۔ جس کا مادہ وفی ہے بمعنی پورا من شئی من تو بیانیہ ہے اور شے کی تنوین کمی بیان کرنے کے لئے یعنی تم ادنیٰ و اعلیٰ چیز یا بڑا چھوٹا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تم کو اس کا عوض پورا پورا دیا جاوے گا۔ دنیا میں بھی کہ تم جہادوں کے ذریعہ مالا مال ہو جاؤ گے اور آخرت میں بھی کہ اس سے تم جنت کے وارث بنو گے۔ **و انتم لا تظلمون**۔ یہ عبارت معطوف ہے یوف الیکم پر ظلم کے بہت معنی ہیں (۱) کسی کے مال میں ناحق تصرف کرنا۔ کسی کا حق مارنا۔ کسی کو بغیر جرم سزا دینا۔ کسی سے وعدہ خیر کر کے پورا نہ کرنا۔ کسی کے حق میں کمی کرنا یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ یعنی ہم تم کو نقصان نہ دیں گے۔ تم سے وعدہ کیا ہوا پورا پورا دیں گے۔ زائد یعنی ہمارے فضل کی انتہا نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرما دیا۔ غریب و مساکین صحابہ کو جہادوں کی برکت سے ملکوں کا مالک بنا دیا۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جنگ بدر وغیرہ میں جو کفار تم سے بچ کر نکل گئے اور بھاگ جانے میں کامیاب ہو گئے ان کے متعلق تم یہ گمان نہ کرو کہ ہمارے قبضہ سے نکل گئے۔ یہ لوگ نہ ہم کو عاجز کر سکیں گے اور نہ تم کو۔ عنقریب اور جہاد ہوں گے۔ یہ یا تو تمہارے ہاتھوں مارے جائیں گے یا قید ہوں گے یا مسلمان ہوں گے۔ خیال رکھو کہ تم بیرونی اور اندرونی دشمنوں میں گھرے ہوئے ہو لہٰذا ہر وقت کفار کے مقابلے کے لئے تیار رہو۔ جو کچھ ہو سکے مدافعانہ، جارحانہ جنگ کے اسباب آلات جمع کرو۔ ان کے استعمال کا طریقہ سیکھو۔ اعلیٰ درجہ کے گھوڑوں کی چھاؤنیاں تیار رکھو۔ وقتاً فوقتاً ان کی مشقیں کرتے رہو اس کا

www.alahazratnetwork.org

فائدہ یہ ہوگا کہ اس سے تمہارے کھلے دشمنوں کفار مکہ وغیرہ کے دلوں میں بھی تمہارا رعب قائم ہوگا اور تمہارے چھپے دشمنوں کے دلوں میں بھی جیسے مدینہ منورہ کے یہود و منافقین وغیرہم جن کی دشمنی کی تم کو خبر نہیں انہیں اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ خیال رکھو کہ تم لوگ جو کچھ بھی راہ خدا جہاد وغیرہ میں خرچ کرو گے تم کو اس کا عوض پورا پورا دیا جاوے گا۔ کچھ کمی نہ کی جاوے گی تو ایسے نفع بخش سودے میں سستی نہ کرو۔

تیاری جہاد: اللہ کی راہ میں کفار سے لڑنے کو جہاد کہتے ہیں اور جنگ کرنے والے کو غازی مجاہد اور جہاد کی تیاری کرنے کو رباط کہتے ہیں اور تیاری کرنے والے کو مرابط۔ جیسے اسلام میں جہاد بڑی اہم عبادت ہے اور مجاہد اول درجہ کا عابد۔ یوں ہی تیاری جہاد بڑی اعلیٰ عبادت ہے اور مرابط اول درجہ کا عابد ہے حتیٰ کہ حساب قبر نہ مجاہد غازی اور شہداء سے ہو اور نہ مرابط فی سبیل اللہ سے قرآن و حدیث میں رباط اور مرابط کے بڑے فضائل وارد ہوئے ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف میں بروایت عقبہ ابن عامر مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ عنقریب روم فتح کرلو گے مگر تیراندازی سے غافل نہ ہو جانا۔ اسی مسلم میں انہیں عقبہ ابن عامر سے مروی ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو تیراندازی سیکھے پھر اسے چھوڑ دے تو وہ ہم میں سے نہیں۔ ابوداؤد شریف میں انہیں عقبہ ابن عامر سے مروی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ایک تیر کی برکت سے اللہ تین شخصوں کو جنت دے گا۔ نیت خیر سے تیر بنانے والا، تیر چلانے والا، اسے مدد دینے والا۔ لہٰذا تیراندازی اور گھوڑا سواری کرو۔ مجھے گھوڑا سواری سے تیراندازی زیادہ پسند ہے۔ مسلم بخاری میں عروہ ابن جعد بارقی سے روایت ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑے کی پیشانی کے بالوں سے تاروز قیامت خیر بندھی ہوئی ہے۔ ثواب اور غنیمت بخاری میں بروایت ابوہریرہ ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو نیت خیر سے گھوڑا پالے تو قیامت کے دن گھوڑے کی لید پیشاب اس کی نیکیوں کے پلے میں ہوں گے۔ بلکہ مسلم بخاری میں انہیں حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ غازی کا گھوڑا اگر رسی توڑ کر بھاگ جائے پہاڑی پر چڑھ جائے تو اس کے نشان قدم تک غازی کے نیکیوں کے پلے میں ہوں گے (خازن) اللہ تعالیٰ نے غازی کے گھوڑوں کی ٹاپ سے جو آواز نکلتی ہے، اس کے ناخن کی پتھروں کی رگڑ سے جو شعلہ نکلتا ہے ان گھوڑوں کی ہانپ ان کی رفتار کی قسم ارشاد فرمائی ہے کہ فرمایا **والعادیات ضبحا فالموریات قدحا** موسیٰ علیہ السلام نے خضر سے پوچھا کہ تم کو کون سے جانور پسند ہیں۔ فرمایا گھوڑا، گدھا اور اونٹ۔ گھوڑا اولوالعزم پیغمبروں کی سواری رہا ہے۔ اونٹ حضرت ہود، صالح، شعیب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری ہے۔ گدھا حضرت عیسیٰ اور عزیر علیہما السلام کی سواری ہے۔ اس کو بعد موت زندہ فرمایا گیا۔ **الی العظام کیف ننشزھا** (الخ) جس گھر میں غازی کا گھوڑا اس کے جنگی ہتھیار ہوں اس میں جنات نہیں آتے۔ (روح البیان)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جو بیمار اچھا ہو جائے یا آفت زدہ آفت سے نکل جاوے وہ اپنے کو اللہ کی پکڑ سے باہر نہ جانے۔ شیر چھوڑ کر آتا ہے اسے دوبارہ پکڑنا بھی آتا ہے۔ یہ فائدہ **ولا یحسبن الذین** سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا خوف ہر حال میں چاہئے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: جن مسلمانوں کو جہاد کی طاقت ہے انہیں جہاد کی تیاری کرنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ واعدوا صیغہ امر فرمانے سے حاصل ہوا کہ امر وجوب کے لئے ہے۔

مسئلہ: عبادت کی تیاری بھی عبادت ہے۔ جس درجہ کی عبادت اسی درجہ کی اس کی تیاری ادا فرض کی تیاری فرض ہے اور واجب کی تیاری واجب سنت کی تیاری سنت جمعہ کی تیاری اس کی رکاوٹیں دور کرنا اسی پر فرض ہے۔ جس پر جمعہ کی نماز فرض ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ و ذروا البیع**

مسئلہ: یوں ہی حرام کام کی تیاری بھی حرام ہے۔ چوری کے لئے سفر کرنا چوری کا سامان جمع کرنا حرام ہے کیونکہ ذریعہ حرام ہے۔

تیسرا فائدہ: تیاری جہاد ہر زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہے۔ جس نوعیت کا جہاد اسی نوعیت کی تیاری۔ یہ فائدہ مااستطعتم سے اور قوۃ و رباط خیل کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس زمانہ میں جہاد کے گھوڑے دوڑانا تیراندازی نیزہ بازی سیکھنا ضروری تھا کہ جہاد انہیں چیزوں سے ہوتا ہے۔ مگر اب بندوق کی نشانہ بازی، توپ چلانا، ہوابازی، راکٹ اندازی، بم برسانے وغیرہ کی مشق تیاری جہاد ہے کہ اب جہاد انہیں چیزوں سے ہوتا ہے۔ یہ فرمان عالی ان سب کو شامل ہے۔

چوتھا فائدہ: حربی کفار کو ڈرانا دھمکانا، انہیں اپنی فضیلت دکھانا، ان سے ہمت و بہادری کی باتیں کرنا سب کچھ جائز بلکہ عبادت ہے۔ یہ فائدہ **ترھبون بہ** (الخ) سے حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ مجاہد غازی کا بحالت جہاد خضاب لگانا جائز ہے تاکہ دشمن اسے بوڑھا نہ سمجھے۔ اس کے دل میں اس کا رعب بیٹھ جاوے ویسے ہر حال میں خضاب ممنوع ہے۔ دشمن کے سامنے اکڑ کر چلنا، بہادری کی باتیں کرنا بھی ثواب ہے کہ اس سے اس کے دل میں رعب بیٹھے گا۔ حضور انور ﷺ نے عمرہ قضاء میں طواف کے تین چکروں میں رمل کا حکم دیا یعنی اکڑ کر پہلوانوں کی طرح چلنا جواب تک قائم ہے۔ یہ ہے **ترھبون بہ عدو اللہ** کی جیتی جاگتی زندہ تفسیر۔ زندہ جاوید۔

پانچواں فائدہ: اس کے برعکس مسلمان بھائی کو ڈرانا دھمکانا، بلاوجہ اس پر رعب جمانا ممنوع ہے۔ مسلمانوں سے میل محبت رکھنا، ان کی دلجوئی کرنا ثواب ہے۔ یہ فائدہ **عدو اللہ و عدوکم** فرمانے سے حاصل ہوا۔ مومنین آپس میں بھائی ہیں دشمن نہیں۔ **انما المومنون اخوۃ**

چھٹا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کا دشمن اللہ کا دشمن ہے۔ یہ فائدہ عدو اللہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار عرب اللہ کے دشمن نہ تھے۔ اس کی تو وہ عبادت کرتے تھے۔ دشمن تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے۔ انہیں رب نے عدو اللہ یعنی اپنا دشمن فرمایا۔ شعر

چوں شدی دور از حضور اولیاء   آں چناں داں دور گشتی از خدا

اس کے برعکس مقبولوں کا دوست خدا کا دوست ہے۔ شعر

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا   او نشیند در حضور اولیاء

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: کھلے کافروں اعلانیہ دشمنوں کی طرح چھپے کافروں خفیہ دشمنوں سے بھی محتاط رہنا انہیں ڈرانا دھمکانا ضروری ہے۔ان کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ضرور چاہئے۔ یہ فائدہ **واخرین من دونھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد منافقین مدینہ ہوں۔

آٹھواں فائدہ: تیاری جہاد سے کافر جن بھی ڈرتے ہیں۔ایسے گھروں میں نہیں جاتے جہاں آلات جہاد ہوں۔ یہ فائدہ **واخرین من دونھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد کافر جنات ہوں۔

نواں فائدہ: جہاد اور تیاری جہاد میں خرچ کرنا اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے جہاد بھی فی سبیل اللہ ہے۔ یہ فائدہ **وما تنفقوا** (الخ) سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: اللہ کی راہ میں خیرات کرنے سے مال کم نہیں ہوتا بلکہ بڑھتا ہے۔ یہ فائدہ **یوف الیکم** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ اس کی توفیق دے۔خصوصاً غازی کے مال میں تو بہت برکتیں ہوتی ہیں۔حضرات صحابہ کرام غزوات اور جہادوں کی برکتوں سے امیر وکبیر بن گئے۔اس کے لئے بخاری شریف حدیث زبیر کا مطالعہ کرو۔

پہلا اعتراض: حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ **القوۃ فی الرمی** یہ عبارت حصر کی مفید ہے یعنی قوت سے مراد صرف تیراندازی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مسلمان غازیوں کو صرف تیراندازی ہی کرنا چاہئے اور کوئی سامان جنگ استعمال نہ کرنا چاہئے پھر موجودہ زمانہ میں جہاد کیونکر ہو سکتے ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ایک یہ کہ حضور انور ﷺ کا وہ ارشاد عالی اسی زمانہ کے لحاظ سے تھا کہ اس وقت جنگ تیر تبر سے ہی عموماً ہوتی تھی اور تیراندازی میں نشانہ بازی بڑا ہی کمال تھا۔دوسرے یہ کہ وہاں حصر ایسا ہی ہے جیسے **الحج عرفۃ** میں ہے یعنی حج صرف وقوف عرفات ہے یعنی حج کا رکن اعلیٰ وقوف ہے۔ ایسے ہی اس وقت جہاد کا رکن اعلیٰ تیراندازی ہی تھا۔تیسرے یہ کہ رمی کے معنی اس حدیث میں صرف پھینکنا یعنی قوت کا مدار اس پر ہے کہ غازی کفار پر پھینک کر مارے جانے والے ہتھیاروں کا استعمال سیکھیں کیونکہ دست بدست جنگ تلوار و نیزہ سے گاہے بگاہے کرنا پڑتی ہے عموماً جنگ دور سے ہوتی ہے۔آج بھی بم راکٹ وغیرہ پھینک کر ہی مارے جاتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: ہماری تیاریٔ جہاد سے کفار کو خوف کیسے ہوگا۔ہم اپنے ملک میں تیاری کریں گے۔کفار اپنے میں رہیں گے۔انہیں اس کا پتہ ہی نہ چلے گا۔ پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ **ترھبون بہ عدو اللہ**

جواب: ہر ملک میں دوسرے ملک کے جاسوس رہتے ہیں جو یہاں کی خبریں وہاں پہنچاتے رہتے ہیں۔ان کے ذریعہ خبریں ضرور پہنچتی ہیں اور آج کل تو سیارے چھوڑ کر بموں کے آزمائشی دھماکے کر کے ایک جگہ کی خبر تمام دنیا میں پہنچادی جاتی ہے لہٰذا یہ فرمان عالی درست ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **آخرین من دونھم** اگر ان سے منافقین مراد ہوں تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ ہماری تیاریٔ جہاد سے منافقین کیوں ڈریں گے ان سے تو ہماری جنگ ہوگی ہی نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: منافقین اور کفار ہماری کمزوری دیکھ کر دل قوی ہوں گے اور کفار سے اپنے تعلقات قائم کر کے ان سے ہم پر حملہ کرانے کی کوشش کریں گے مگر جب ہمارا مرکز مضبوط ہماری فوجی طاقت بہت ہوگی تو ان کو یہ حرکات کرنے کی جرأت نہ ہوگی اور ممکن ہے ہمارا رعب انہیں مخلص مسلمان بنا دے۔ ان باتوں کا مشاہدہ ہم کو آج ہو رہا ہے۔ سلطنت کی کمزوری مرکز کا ضعف خارجی اور داخلی دونوں دشمنوں کو دہرا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت مسلمانوں کا رعب ہے دشمن کے دل میں۔ رب فرماتا ہے سالقی فی قلوب الذین کفروا الرعب (الخ)

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان منافقین کو نہیں پہچانتے تھے۔ ان سے بے خبر تھے دیکھو فرمایا گیا لاتعلمونهم پھر تم لوگ حضور انور ﷺ کے لئے غیب کیسے مانتے ہو۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ آج تم کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ عبداللہ بن ابی منافق تھا اور اس کا بیٹا مخلص مومن۔ تم نے حضور انور ﷺ کے بتانے سے ہی تو جانا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس خطاب میں نہ تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم داخل ہیں نہ خاص صحابہ بلکہ عام مومنین سے خطاب ہے جو ان کی چکنی چپڑی باتیں سن کر دھوکا کھا جاتے تھے۔ اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ تمام عالم کے ایمان کی نبض پر حضور انور کا ہاتھ شریف ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جہاد دو قسم کا ہے۔ جہاد کفار دوسرا جہاد نفس نابکار۔ جہاد کفار تو کسی خوش نصیب کو میسر ہوتا ہے وہ بھی کبھی کبھی مگر جہاد نفس نابکار ہر مومن کو ہر وقت میسر ہے جہاد کفار کی تیاری ظاہری تیر و تفنگ سے ہے مگر جہاد نفس کے لئے دو قسم کے تیر و کمان تیار کرو۔ ایک نالہ سحرگاہی جو عجز و انکسار کے کمان سے نکلے۔ نالہ و فریاد کا تیر نفس امارہ کو زیر کرنے کے لئے اکسیر ہے۔ دوسرے نفسانی خواہشات کو دل سے نکالنا اور توجہ ذوالجلال کی طرف کرنا۔ دل کو دنیا سے خالی کرنا دین سے پُر کرنا جہاد نفس کے لئے اعلیٰ درجہ کی تیاری ہے۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

نیست بر لوح دلم جز الف قامت دوست　　　چہ کنم حرف دگر یاد نہ داد اوستادم

باطنی مجاہد والے کا ذکر و شغل میں مشغول رہنا یہ اس کے لئے قوت جہاد جمع کرتا ہے۔ اس آلہ سے شیطان اور نفس امارہ دونوں ہی ڈرتے ہیں۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کو میسر نہیں۔ یہ وہ ہتھیار ہے جو کارخانہ نبوی میں تیار ہوتا ہے۔ ثابت قدمی اور ذکر اللہ کی کثرت مومن کا بڑا بھاری ہتھیار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یاایها الذین امنوا اذا لقیتم فئة فاثبتو واذکروا اللہ کثیرا لعلکم تفلحون جو کوئی اللہ کے لئے دنیا سے بگاڑے تو رب تعالیٰ اسے دنیا اور زیادہ عطا فرماتا ہے۔ (از روح البیان مع زیادہ)

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ
اور اگر مائل ہوں وہ جانب صلح کے تو مائل ہو تم طرف اس کے اور توکل کرو اللہ پر تحقیق وہ
اور اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھکو اور اللہ پر بھروسہ رکھو۔ بیشک وہی ہے

www.alahazratnetwork.org

هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْٓا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ

سننے والا جاننے والا ہے۔ اور اگر ارادہ کریں وہ یہ کہ دھوکہ دیں آپ کو بس تحقیق کافی ہے

سنتا اور جانتا۔ اور اگر وہ تمہیں فریب دیئے جائیں گے تو بے شک

حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِيْٓ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝

تمہیں اللہ وہ ہے جس نے قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور مسلمانوں سے

اللہ تمہیں کافی ہے وہی ہے جس نے تمہیں زور دیا اپنی مدد کا اور مسلمانوں کا

وَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ ؕ لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّآ

الفت ڈال دی اس نے درمیان دلوں کے ان کے اگر خرچ کرتے تم وہ زمین میں ہے سارا کا سارا تو

اور ان کے دلوں میں میل کردیا اگر تم زمین میں جو کچھ ہے سب کچھ خرچ کردیتے ان کے

اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ؕ

نہ الفت ڈالتے تم درمیان دلوں کے ان کے اور لیکن اللہ نے الفت ڈال دی درمیان انکے

دل نہ ملا سکتے لیکن اللہ نے ان کے دل ملا دیئے

اِنَّهٗ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝

بے شک وہ ہی غالب حکمت والا ہے

بیشک وہ ہی غالب حکمت والا۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو تیاری جہاد اور اپنے میں قوت پیدا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب اس کے انجام کا ذکر ہے یعنی کفار کا مرعوب ہو کر مسلمانوں سے صلح کی درخواست کرنا۔ یہاں اس کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار سے جنگ اور اس کی تیاری کا ذکر ہوا اب صلح اور اس پر آمادگی کا تذکرہ ہے گویا ایک قسم کے جہاد کے بعد دوسرے قسم کے جہاد کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ہنگامی حالات میں تیاری جہاد کا ذکر ہوا اب بحالت صلح اللہ تعالیٰ پر توکل اور جہاد سے غافل نہ ہونے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ایک قسم کی تیاری جہاد کا حکم دیا گیا یعنی اپنے میں قوت پیدا کرنا۔ اب دوسری قسم کا حکم ہے یعنی مسلمانوں کا آپس میں متفق رہنا، آپس کے جھگڑے فساد سے بچنا۔

www.alahazratnetwork.org

نزول: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیات یہود مدینہ بنی قریظہ کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے بارہا حضور انور علیہ السلام سے صلح کی اور توڑی جیسا کہ پچھلی آیات میں ذکر کیا گیا (تفسیر صاوی، روح المعانی، تفسیر خازن، کبیر وغیرہ) یہ ہی قول مجاہد اور امام سدی کا ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ آیات کفار کی کسی خاص قوم کے متعلق نہیں بلکہ عام کفار کے متعلق ہیں تا قیامت۔ خیال رہے کہ مشرکین عرب سے جزیہ نہیں لیا جاتا۔ ان کے لئے اسلام یا تلوار ہے مگر صلح اور امان کا معاہدہ ان سے بھی درست ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے دس سال کے لئے صلح فرمائی۔ لہٰذا یہ آیات منسوخ نہیں بلکہ محکم ہیں۔ سلطان الاسلام اگر مناسب جانے تو اب بھی کفار و مشرکین سے صلح اور جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کر سکتا ہے۔ (صاوی وغیرہ)

تفسیر: **وان جنحوا للسلم فاجنح لها** یہ جملہ نیا ہے جس میں ایک نیا حکم دیا جا رہا ہے یعنی صلح کا۔ لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ جنحوا بنا ہے جنح سے بمعنی مائل ہونا جھکنا اس لئے پرندے کے پر کو جناح کہتے ہیں کہ وہ پر کے ذریعے اڑتے ہوئے زمین کی طرف جھکتا ہے اس کا فاعل وہ ہی کفار ہیں جن کے مقابلہ میں تیاری جہاد کا حکم دیا گیا تھا۔ فاجنح میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا تاقیامت غازی مسلمان سے یا سلطان اسلام سے۔ سلم بمعنی صلح ہے۔ لفظ صلح اگرچہ مذکر ہے مگر سلم مونث اس لئے لہا میں ضمیر مونث اسی کے لئے لائی گئی۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

السلم تاخذ منها ما رضیت به — والحرب تکفیک من انفاسها جرع

دیکھو شاعر نے منہا کی مونث ضمیر سلم کی طرف لوٹائی۔ خیال رہے کہ فاجنح میں امر وجوب کے لئے نہیں بلکہ صرف مباح کرنے کے لئے ہے۔ لہٰذا کفار سے صلح واجب نہیں مباح ہے وہ بھی جبکہ اس میں مسلمانوں کا نفع ہو۔ مرتدین سے صلح جائز نہ جزیہ۔ ان کے متعلق صرف دو ہی چیزیں ہیں قتل یا اسلام۔ رب فرماتا ہے تقاتلونهم اویسلمون حضرت علی نے خوارج سے صلح نہ کی بلکہ جنگ کی۔ آپ نے روافض کو زندہ آگ میں جلایا۔ دیکھو مشکوٰۃ شریف باب قتل اہل الردہ۔ حضرت ابوبکر صدیق نے منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے معتقدین سے صلح کی گفتگو نہ کی بلکہ ان سے بے تامل جہاد کیا۔ **وتوکل علی اللہ** یہ عبارت معطوف ہے فاجنح پر اور جزاء ہے ان جنحوا الخ کی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کفار سے ایسی حالت میں صلح کریں اور ان کے مکروفریب کا خطرہ دل میں نہ لائیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ آپ کو ان کے فریب سے بچائے گا کیونکہ **انہ ھو السمیع**

... توکل علی اللہ کی وجہ بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کا سننے والا ہے ہر کھلی چھپی چیز کا جاننے والا۔ وہ
منکرین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کے معتقدین سے ...
... کے خلاف مشورہ یا ارادے کریں گے تو ان
عبارت معطوف ہے فاجنح پر اور جزاء ہے ان جنحوا الخ کی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کفار سے ایسی حا...
مکروفریب کا خطرہ دل میں نہ لائیں۔ اللہ پر بھروسہ کریں۔ اللہ آپ کو ان کے فریب سے بچائے گا کیونکہ انہ ھو الـ

العلیم یہ فرمان عالی توکل علی اللہ کی وجہ بیان فرما رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر بات کا سننے والا ہے ہر کھلی چھپی چیز کا جاننے والا کفار کے آپس کے مشوروں کو سنتا ہے ان کی نیتوں ارادوں کو جانتا ہے اگر وہ آپ کے خلاف مشورہ یا ارادے کریں تو ان کے ارادے انہیں پر ڈال دے گا۔ آپ پر آنچ نہ آنے دے گا۔ رب تعالیٰ نے اپنے یہ وعدے پورے فرما دیئے تواریخ شاہد میں اس کا بیان یہ ہے **وان یریدوا ان یخدعوک فان حسبک اللہ** یہ عبارت نیا جملہ ہے السمیع العلیم کا بیان ہے۔ یریدوا کا فاعل وہ ہی صلح جو کفار ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے۔ یخدعوک بنا ہے خ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں یخدعون اللہ کی تفسیر میں ہو چکی ہے۔ ان یریدوا کی جزا پوشیدہ ہے اس کی علت ہے ... تعالیٰ ... بر حسب صفت مشبہ ہے بمعنی اسم فاعل اور یہ مضاف ہے کاف خطاب کی طرف لہٰذا

www.alahazratnetwork.org

مضاف الیہ ہے۔ایک شاعر کہتا ہے

انی وجدت من المکارم حسبکم ۔۔۔ ان تلبسوا ح الثیات و تشبعوا

بہر حال اس کے معنی ہیں محسبک کافیک من شرورھم و ناصرک علیھم تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ اس حسبک کے معنی یہ ہیں کہ تم کو اتنا دے گا، اتنا دے گا کہ تم کہو گے بس بس بس بس مجھے کافی ہے کافی ہے۔ فرمایا کہ بہر حال یہ فرمانِ عالی بہت ہی ہمت افزا ہے۔ ھو الذی ایدک بنصرہ و بالمومنین اس فرمانِ عالی میں ثبوت ہے حسبک اللہ کا۔ اس میں ھو سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے اور الذی سے مراد صفت باری تعالیٰ۔ ایدک بنا ہے تائید سے جس کا مادہ ید ہے بمعنی قوت وطاقت بنصرہ میں ب مدد یعنی استعانت کی ہے۔ نصر سے مراد رب کی غیبی مدد جو وقتاً فوقتاً خصوصاً بدر خندق وغیرہ نازک موقعوں پر نازل ہوئی۔ بدر میں فرشتوں کا نزول خندق میں فرشتوں اور تیز آندھی کے ذریعہ مسلمانوں کی فتح۔ مومنین سے مراد یا تو سارے صحابہ ہیں یا غازیانِ بدر یا غازیانِ خندق وحنین یا انصار ہیں کہ رب تعالیٰ ان کے ذریعہ حضور انور ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد فرماتا رہا یعنی آپ کو کافی ہے اللہ تعالیٰ اس کا ثبوت گذشتہ واقعات ہیں۔ جس رب نے آپ کی ایسے نازک موقعوں پر مدد فرمائی کیا وہ آئندہ آپ کی مدد نہ کرے گا۔ ضرور کرے گا لہٰذا اس پر توکل کریں۔ و الف بین قلوبھم یہ عبارت معطوف ہے ایدک پر اور الذی کا صلہ واؤ عاطفہ ہے۔ الف بنا ہے تالیف سے جس کا مادہ الف ہے یا الفتہ۔ الف کے معنی ہیں جمع کرنا۔ اس سے مالوف الفت کے معنی ہیں محبت ہم سے مراد یا تو سارے عرب والے ہیں یا حضرات انصار یعنی اوس وخزرج۔ عرب کی آپس کی عداوتوں اور سختی دل کا یہ حال تھا کہ وہ قبیلوں خاندانوں میں بٹے ہوئے تھے۔ اگر ایک قبیلہ کا آدمی دوسرے قبیلہ کے بچے کو طمانچہ مار دیتا تو دونوں قبیلے تیر تلواروں سے آراستہ ہو کر میدان میں آ جاتے اور بہت خونریز جنگ ہوتی جو صدیوں باقی رہتی۔ مدینہ کے انصار اوس اور خزرج میں ایک سو بیس سال سخت جنگ رہی۔ ان کے ملنے کی کوئی امید ہی نہ تھی۔ درود ہو اس ذات کریم پر جس ایک نے ان سب کو ایک کر دیا۔ ایسا ایک کہ وہ لوگ چند جسم اور ایک دل بلکہ ایک جان بن گئے۔ شعر

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے
جھگڑے تو نے آ کر میٹ دیئے تیری فہم و ذکاء کا کیا کہنا

حضور انور ﷺ کے اس معجزہ کا یہاں ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ذریعہ ان کے دلوں کو ایک کر دیا کہ ہے اس کی مہربانی لو انفقت ما فی الارض جمیعا ما الفت بین قلوبھم اس فرمانِ عالی میں انصار بلکہ تمام اہل عرب کی انتہائی عداوتوں کا ذکر ہے کہ ان کی آپس کی دشمنیاں اس حد تک پہنچ چکی تھیں کہ اے محبوب اگر آپ ﷺ سارے ظاہری اسباب اور ساری دولتیں صرف کر کے انہیں ملانا چاہتے تو یہ نہ ملتے۔ یہ تو ہماری رحمت آپ ﷺ کا معجزہ ہوا کہ چند روز میں یہ مل کر شیر وشکر ہو گئے۔ یہ سب کچھ غیبی ہاتھ سے ہوا۔ یہاں ظاہری اسباب منقطع تھے۔ و لکن اللہ الف بینھم اس فرمانِ عالی میں بینھم فرمایا بین قلوبھم نہ فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے صرف ان کے دل ہی نہ ملائے بلکہ

www.alahazratnetwork.org

قلب قالب روح سب کچھ ملا دیئے پھر صرف چند روز کے لئے عارضی طور پر نہ ملائے بلکہ دنیا وآخرت میں ملا دیئے کہ اب یہ جدا نہیں ہو سکتے۔ اس سے پتہ چلا کہ صحابہ میں عداوت نہ تھی انه عزیز حکیم۔ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ سب اس کے حضور عاجز ہیں۔ تمام کے دل اس کے قبضہ وقدرت میں ہیں وہ حکمت والا بھی ہے کہ اس نے ملک عرب کو بدتر حال پہنچنے کے بعد آپ ﷺ کے ذریعہ ترقی کی اعلیٰ منزل پر بھیج دیا جس سے آپ ﷺ کی عظمت کا پتہ چلے۔ اس میں یہ حکمت تھی۔ غرضکہ فصل کے بعد وصل کے اس واقعہ سے اللہ کی قدرت حضور ﷺ کی عظمت دونوں کا پتہ چلا اور حمد ونعت کے گیت گاؤ۔

خلاصہ تفسیر: اگر کفار تمہاری جنگی تیاری دیکھ کر مرعوب ہو جائیں اور صلح کی طرف جھکیں تم سے صلح کرنی چاہیں تو تم کو بھی اجازت ہے کہ ان کی صلح کی طرف جھکو اور ان سے صلح کرو۔ یہ نہ سوچنا کہ شاید ان کے دل میں دغا ہے فریب کے لئے صلح کر رہے ہیں آگے چل کر دھوکا دیں گے۔ اللہ پر بھروسہ کرو رب تعالیٰ ان کی سرگوشیاں سنتا ان کے دلی ارادے جانتا ہے۔ وہ تم کو ان کے شر سے بچائے گا۔ اگر یہ لوگ تم کو دھوکا دینا چاہیں تو بھی تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے کیونکہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہے۔ اے محبوب اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرت والا ہے جس نے بدر وحنین وغیرہ نازک ترین موقعوں پر تمہاری غیبی امداد بھی کی اور مومنوں کے ذریعہ ظاہری مدد فرمائی۔ جو مومن اب آپ ﷺ کی خدمت پر متفق ہیں ان کے دل اللہ تعالیٰ نے ہی جوڑ دیئے ہیں۔ غور کرو کہ ان کی آپس میں کیسی عداوتیں تھیں۔ ان میں صدیوں سے جنگ چلی آ رہی تھی۔ بات بات پر کٹتے مرتے رہتے تھے اگر آپ ﷺ سارے ظاہری اسباب جمع فرما دیتے۔ دنیا کی ساری دولت خرچ کر دیتے انہیں ملانے کے لئے تب بھی ان کے دل جمع نہ ہوتے۔ یہ تو اللہ کی قدرت آپ ﷺ کا معجزہ ہوا کہ رب نے آپ ﷺ کے ذریعہ ان سب کو ایک دل جان کر دیا۔ ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ سب پر غالب ہے۔ سب کے دل اس کے قبضہ وقدرت میں ہیں حکمت والا بھی ہے۔ عرصہ تک اس نے عرب میں نبی نہ بھیجے جس سے یہ ملک انتہائی بدترین حالت کو پہنچ گیا پھر آپ ﷺ کے ذریعہ آن کی آن میں ان کی کایا پلٹ دی۔ اس میں اس نے اپنی قدرت آپ کی عظمت ظاہر فرما دی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفار سے صلح کرنا۔ ان سے جنگ نہ کرنے کا معاہدہ جائز ہے جبکہ اس میں مسلمانوں کا نفع ہو۔ کفار خواہ عرب کے مشرک ہوں یا وہاں کے اہل کتاب یا عجم کے۔ یہ فائدہ ان جنحوا کے مطلق فرمانے اور فاجنح لها کی اجازت سے حاصل ہوا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین مکہ سے صلح فرمائی بعض حضرات کا خیال ہے کہ مشرکین عرب سے صلح جائز نہیں کیونکہ ان سے جزیہ لینا جائز نہیں یہ قول نہیں۔ ہاں مشرکین عرب سے صلح علی المال یعنی جزیہ پر درست نہیں۔ لہٰذا یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ حضرت مجاہد اور ابن عباس نے اسے منسوخ مانا دیکھو تفسیر روح البیان۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ سلطان اسلام کفار سے جنگ بندی کا معاہدہ دس سال سے زیادہ کا نہ کرے دس سال یا اس سے کم کا کرے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیبیہ میں مشرکین عرب سے دس سال کی جنگ بندی پر صلح فرمائی تھی جو کفار نہ نبھا

www.alahazratnetwork.org

سکے۔ (روح البیان، روح المعانی، تفسیر خازن)۔

دوسرا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ صلح کی درخواست کفار کریں اور مسلمان اسے قبول کریں بلاوجہ سلطان اسلام صلح کی درخواست نہ کرے۔ یہ فائدہ اس شرط و جزاء سے حاصل ہوا۔ وان جنحوا للسلم فاجنح لها اگر کفار صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی جھک جاؤ۔ ضرورت کے احکام دوسرے ہیں۔

تیسرا فائدہ: زمانہ صلح میں کفار پر اعتماد نہ کرے بلکہ رب تعالیٰ پر بھروسہ کرے کفار سے ہوشیار رہے۔ یہ فائدہ متوکل علی اللہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: مرتدین سے نہ صلح جائز ہے نہ جنگ بندی کا معاہدہ۔ ان سے صرف جنگ یا اسلام قبول ہوگا۔ یہ فائدہ وان جنحوا کی ضمیر سے حاصل ہوا کہ وہ اصل کفار کی طرف ہے۔ ہم ابھی تفسیر میں حضرت ابوبکر صدیق کا معاملہ مانعین زکوٰۃ اور مسیلمہ کذاب کو نبی ماننے والوں کے متعلق اور حضرت علی کا معاملہ خوارج اور روافض کے متعلق عرض کر چکے۔ رب تعالیٰ مرتدین کے متعلق فرماتا ہے تقاتلونهم او یسلمون۔

پانچواں فائدہ: اگر ہم مومنین متقی بن کر رہیں تو انشاء اللہ کفار سے دھوکہ نہ کھائیں۔ رب تعالیٰ ہم کو ان کے فریب سے ضرور بچائے۔ یہ فائدہ فان حسبک اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ وعدہ اگرچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر اس کا حصہ انشاء اللہ مومنوں کو بھی ملتا رہے گا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اتقوا من فراسة المومن فانه ينظر بنور الله رب فرماتا ہے تتقوا۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے بدر وغیرہ نازک موقعوں پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دو طرح مدد فرمائی۔ ظاہری اور باطنی یعنی غیبی۔ غیبی مدد تو فرشتوں کے ذریعہ اور ظاہری مدد مسلمانوں غازیوں کے ذریعہ۔ یہ فائدہ بنصره و بالمومنين سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: اللہ کے بندوں سے مدد لینا شرک نہیں۔ نہ ایاک نستعین کے خلاف ہے بلکہ سنت انبیاء ہے یہ فائدہ وبالمومنین سے حاصل ہوا کہ رب نے مومنوں کے ذریعہ حضور ﷺ کی مدد کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا من انصاری الله۔

آٹھواں فائدہ: مسلمانوں کا اتفاق اللہ کی بڑی نعمت ہے اور ان میں آپس میں جنگ و نفاق رب کا عذاب ہے۔ یہ فائدہ الف بین قلوبهم سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب میں اتفاق دے۔

نواں فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کے کام درحقیقت رب تعالیٰ کے ہیں۔ یہ فائدہ بھی الف بین قلوبهم سے حاصل ہوا۔ دیکھو اہل عرب خصوصاً انصار مدینہ اوس اور خزرج کے درمیان صلح اور آشتی حضور انور ﷺ نے کی مگر رب تعالیٰ نے فرمایا الف بین قلوبهم اللہ نے ان کے دل ملا دیئے۔

دسواں فائدہ: دریا کا رخ پھیر دینا، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا، آبادیوں کو ویرانہ میں اور ویرانوں کو آبادیوں میں

www.alahazratnetwork.org

تبدیل کر دینا آسان ہے مگر بگڑی قوم کا بنا دینا، بچھڑے کو ملا دینا بہت مشکل ہے۔ یہ حضور انور علیہ السلام کا خاص معجزہ ہے۔ اتنا بڑا کارنامہ حضور علیہ السلام کے سوا کسی نے نہ کیا۔ یہ فائدہ لو الفقت ما فی الارض (الخ) سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: صحابہ کرام آپس میں متفق تھے ان کے دل ملے ہوئے تھے۔ ایک دوسرے کے دشمن نہ تھے۔ یہ فائدہ ولکن اللہ الف بینھم سے حاصل ہوا۔ ان کے دلوں میں ایک دوسرے سے عداوت کبھی نہ ہوئی کیونکہ ان آیات میں یہ تو فرمایا کہ اللہ نے ان میں آپس میں الفت ڈال دی، یہ نہ فرمایا کہ یہ الفت عارضی ہے عنقریب مٹ جائے گی۔ رب تعالیٰ ان کی شان میں فرماتا ہے۔ اشداء علی الکفار و رحماء بینھم جو ان سے دشمنی ثابت کرے وہ ان آیات کا منکر ہے۔ ان کی آپس کی جنگوں کے متعلق انشاء اللہ ہم اعتراض و جواب میں عرض کریں گے۔

بارہواں فائدہ: سارے صحابہ سچے پکے مخلص مومن ہیں۔ ان میں کوئی کافر یا فاسق نہیں۔ انہیں رب تعالیٰ نے حضور انور علیہ السلام کی مدد کے لئے چنا۔ رب نے ان کے متعلق فرمایا۔ وبالمومنین جس سے معلوم ہوا کہ وہ مومن بھی ہیں اور اللہ کی مدد کا وسیلہ بھی۔ دوسری جگہ فرمایا و کرہ الیکم الکفر و الفسوق و العصیان تیسری جگہ ارشاد ہوا و کلا و عد اللہ الحسنیٰ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

مسئلہ: تمام صحابہ کرام کا مومن متقی، جنتی ہونا تمام مسلمانوں سے افضل ہونا، ان کا معیار ایمان ہونا، آیات قرآنیہ سے صراحۃً ثابت ہے۔ ایمان تقویٰ کی آیات تو یہ ہیں جو ابھی عرض ہوئیں۔ رب فرماتا ہے۔ فان امنوا بمثل ما امنتم فقد اھتدوا اے صحابہ جو تم جیسا ایمان لائے گا وہ ہدایت پر ہوگا اور حضرت ابوبکر صدیق کا صحابی رسول ہونا، رسول اللہ کا ثانی، حضور علیہ السلام کا جانشین اور خلیفہ اول ہونا، بعد رسل سب خلق سے افضل ہونا، بڑا وسیع القلب ہونا، رسول اللہ کا یار غار ہونا، یقینی جنتی ہونا، آپ علیہ السلام کا صدیق ہونا، آپ علیہ السلام کا رب سے راضی ہونا اور رب کا آپ سے راضی ہونا، یہ سب کچھ قرآن کی صریح آیات سے ثابت ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ یہاں اجمالاً وہ آیات عرض کئے دیتے ہیں۔ (۱) ثانی اثنین اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن اس میں آپ کا رسول اللہ کا ثانی یعنی خلیفہ ہونا رسول اللہ کا یار غار ہونا، حضور علیہ السلام کا صحابی ہونا ثابت ہوا۔ خیال رہے کہ اول اور ثانی کے درمیان کوئی عدد نہیں تو رسول اللہ اور صدیق کے درمیان کوئی خلیفہ نہیں۔ وہ بحکم قرآن ثانی ہیں۔ انہیں تیسرا کون کرے۔ (۲) ولا یاتل اولو الفضل منکم و السعۃ اس آیت میں حضرت صدیق کا بعد رسل ساری خلق سے افضل ہونا اور وسیع القلب ہونا ثابت ہوا۔ (۳) والذی جاء بالصدق و صدق بہ اولئک ھم المتقون اس سے حضرت صدیق کا صدیق اور متقی ہونا ثابت ہے۔ (۴) وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی اس آیت سے حضرت صدیق کا جنتی ہونا بعد انبیاء خلق سے بڑا متقی ہونا مخلص ہونا ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق کے فضائل کی آیات ہماری کتاب فہرست القرآن میں مطالعہ فرماؤ۔ آپ کے فضائل سے قرآن بھرا ہوا ہے۔ ہم نے کچھ اشعار آپ کی شان میں عرض کئے ہیں۔

سورۂ نور میں

www.alahazratnetwork.org

ان کا ڈیرہ — اور والیل پر ان کا قبضہ
سورۂ توبہ میں ان کا جلوہ — رضی اللہ تعالیٰ عنہ
سورۂ سجدہ میں تذکرے ان کے — سورۂ فتح میں ان کے چرچے
ان کا ثناخواں خود رب تعالیٰ — رضی اللہ تعالیٰ عنہ
شان ان کی حجرات سے پوچھو — بلکہ شہ لولاک سے پوچھو
بعد نبی مخلوق سے اعلیٰ — رضی اللہ تعالیٰ عنہ

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار صلح کی طرف مائل ہوں تو سلطان اسلام کو صلح کر لینا ضروری ہے کہ ارشاد ہوا فاجنح لھا مگر بعض موقعوں پر صلح مسلمانوں کے لئے نقصان دہ ہوتی ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں امر وجوب کے لئے نہیں مباح فرمانے کے لئے ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا بنصرہ و بالمومنین یہ عبارت مکرر ہے۔ نصر میں اللہ کی مدد آ گئی پھر بالمومنین کیوں ارشاد ہوا۔

جواب: نصرہ سے مراد ہے غیبی مدد جو فرشتوں کے ذریعہ ہوئی اور بالمومنین سے مراد ظاہری مدد جو مسلمانوں کے ذریعہ ہوئی۔ ان دو لفظوں میں دو قسم کی مدد کا ذکر ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومنین حضور علیہ السلام کے مددگار ہیں اور تم کہتے ہو کہ حضور انور علیہ السلام تمام عالم کے مددگار ہیں۔ جو سب کا مددگار ہو اسے دوسرے کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان تنصروا اللہ ینصرکم اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو خدا تمہاری مدد کرے گا۔ جب خدا تعالیٰ سب کا حامی و ناصر ہے تو اسے بندوں کی مدد کی کیا ضرورت ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ مدد دو طرح کی ہے۔ کرم و مہربانی کی مدد دوسری خدمت گزاری اطاعت شعاری کی مدد۔ فوج بادشاہ کی مدد کرتی ہے خدمت کی مدد۔ بادشاہ سپاہیوں کی مدد کرتا ہے مخدومیت اور کرم کی مدد۔ ماں باپ بچے کی مدد کرتے ہیں مہربانی کی پھر جواب بیٹا ماں باپ کی مدد کرتا ہے خادمانہ حیثیت سے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ صل علیہم اپنی امت کو دعائیں دو۔ یہ دعائیں اور نوعیت کی ہیں۔ ہم کو حکم ہے صلوا علیہ اپنے نبی کو دعائیں دو یعنی درود شریف پڑھو۔ یہ دعائیں اور نوعیت کی ہیں۔ ماں باپ اولاد کو دعا دیں تو وہ اور طرح کی دعا ہے۔ بھکاری فقیر دعا دے بھیک لینے کے لئے وہ اور قسم کی دعا ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بچھڑوں کو ملانا بگڑی کو بنانا حضور انور علیہ السلام کا کام نہیں رب کا کام ہے۔ فرمایا گیا کہ اگر آپ دنیا بھر کا مال خرچ کر دیتے تو بھی انہیں نہیں ملا سکتے تھے ہم نے ملا دیا پھر تم اسے حضور انور علیہ السلام کے کمالات سے کیوں شمار کرتے ہو اور کیوں کہتے ہو۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

اس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا   اس نے ذروں کو ملایا اور صحرا کر دیا

جواب: نبی کے معجزات رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں۔ ان کا ظہور نبی کے ہاتھ پر ہوتا ہے۔ سارے عرب کو ملا دینا ان کے بغض و عداوت کو دور کر دینا حضور انور ﷺ کا شاندار معجزہ ہے جو رب کی طرف سے ہے۔ حضور ﷺ کے ہاتھ پر ظاہر ہوا۔ اس آیت کا یہی مقصد ہے کہ یہ کارنامہ دنیاوی اسباب سے نہیں ہوا بلکہ آپ ﷺ نے معجزانہ طور پر کیا۔ اس میں حضور ﷺ کی شان کا اظہار ہے۔

پانچواں اعتراض: تم نے اس آیت سے ثابت کیا کہ حضرات صحابہ آپس میں ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے تھے ان کے دلوں میں الفت تھی۔ مگر جیسا کہ صحابہ میں آپس میں بغض تھا اس کی مثال نہیں ملے گی۔ قتل عثمان، حضرت علی و امیر معاویہ اور عائشہ صدیقہ کی خونریز جنگیں اس کا ثبوت ہیں جن میں پچاس ہزار مسلمان دو طرفہ مارے گئے۔ محبت و الفت میں خونریز جنگ ہوتی ہے؟ بتاؤ الف بینھم کے کیا معنی ہیں (بعض بے دین)

جواب: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔ یہاں اجمالاً اتنا سمجھ لو کہ جنگ و جدال کی تین وجہیں ہوتی ہیں۔ اختلاف دین، عداوت نفسانی اور اختلاف رائے یا کچھ غلط فہمیاں۔ حضرات صحابہ کی آپس کی لڑائیاں دین و عداوت کی نہ تھیں صرف اختلاف رائے کی تھیں۔ یہ جنگ محبت و الفت کے خلاف نہیں۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے یوسف علیہ السلام سے جو برتاؤ کیا، حضرت سارہ زوجہ ابراہیم علیہ السلام نے جناب ہاجرہ و اسماعیل علیہ السلام سے جو برتاؤ کیا وہ سب کو معلوم ہے مگر اس کے باوجود وہ حضرات نہ دشمن نبی ہوئے نہ کافر کہ ان کے یہ عمل اختلاف رائے یا کچھ غلط فہمیوں پر مبنی تھے۔ اس قسم کے اختلاف کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے۔ **وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فاصلحوا بینھما** اگر مسلمانوں کی دو جماعتیں آپس میں لڑ پڑیں تو ان کی صلح کرا دو۔

تفسیر صوفیانہ: دشمن سے صلح کی جاتی ہے اور دوست سے الفت و محبت۔ صلح جسمانی تعلق ہے اور الفت روحانی اور دلی تعلق۔ صلح عارضی چیز ہے اور الفت غیر فانی، دائمی چیز۔ دیکھو ان آیات میں کفار سے صلح کی اجازت دی گئی اور مومن کی آپس کی الفت کی خبر دی گئی جس پر احسان جتایا گیا۔ الفت مودت اور موافقت میں فرق ہے۔ یہاں الفت کا ذکر فرمایا گیا۔ مومنین آپس میں ایسے ہیں جیسے دو ہاتھ ہر ایک دوسرے کو دھوتا ہے اور اس کی مدد کرتا ہے۔ ہر مسلمان مسلمان سے فائدہ حاصل کرتا ہے۔ اللہ کی بڑی نعمت **الحب فی اللہ و البغض اللہ** ہے یعنی اللہ کے لئے محبت کرنا اسی کے لئے عداوت کرنا۔ خیال رہے کہ الفت ایمانی کا یہاں ذکر ہے یہ الفت چند طرح حاصل ہوتی ہے۔ صحبت یعنی مل بیٹھنے سے ایک دوسرے کی خیر خواہی سے۔ سنت رسول کی پیروی سے۔ اس لئے اسلام نے مسلمانوں کے آپس میں مل بیٹھنے کے بہت سے مواقع فراہم کئے ہیں۔ پنجگانہ نمازوں میں محلہ والے، جمعہ میں بستی والے، عیدین میں علاقہ والے، حج میں دنیا والے مسلمان مل بیٹھیں، ان کی الفتیں بڑھیں، صوفیاء فرماتے ہیں کہ بزرگوں کی صحبت اگر الفت کے ساتھ نصیب ہو تو بڑی رحمت ہے۔ اللہ والوں کو الفت و محبت سے دیکھنا بھی عبادت ہے کہ اس سے ان کے اخلاق حاصل ہوتے ہیں۔ ہمیشہ غمگینوں کو دیکھنا ان کے ساتھ رہنا انسان کو

www.alahazratnetwork.org

غمگین کر دیتا ہے۔ یوں ہی مسرور اور خوش دل لوگوں کے ساتھ رہنا خوش دل بنا دیتا ہے۔ جس کا دیدار خوش کر دے اس کی گفتار بھی خوش کرے گی۔ شریر اونٹ سیدھے اونٹوں میں رہ کر سیدھا ہو جاتا ہے۔ ہوا پانی گندگی سے ملے تو گندی ہو جاتی ہے۔ اگر پھول سے تعلق رکھے تو مہک جاتی ہے۔ جب ان بے جان بے شعور چیزوں میں صحبت کا اثر ہو جاتا ہے تو انسان تو جان بھی رکھتا ہے اور شعور بھی۔ اچھوں سے الفت رکھ تو بھی اچھا ہو جاوے گا۔ بروں کی صحبت سے تنہائی اچھی اور تنہائی سے اچھی صحبت اچھی۔

عمل: جن دو شخصوں میں آپس میں دشمنی و عداوت ہو ان کی عداوت دور کرنے کے لئے ھو الذی ایدک سے اللہ عزیز حکیم تک پڑھ کر پانی پر دم کر کے پلایا جاوے۔ چند روز یہ عمل کیا جاوے انشاء اللہ عداوت محبت میں تبدیل ہو جاوے گی۔ مشائخ کا مجرب عمل ہے۔ (روح البیان) بہتر یہ ہے کہ مٹی کے کورے پیالہ میں پانی لیا جاوے اور چالیس دن یہ عمل کرے۔

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللّٰهُ وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٤﴾ ع
اے نبی کافی ہے آپ کو اللہ اور وہ جس نے پیروی کی آپ کی مومنوں میں سے
اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) اللہ تمہیں کافی ہے اور یہ جتنے مسلمان تمہارے پیرو ہوئے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا اللہ پر توکل اور بھروسہ کرو۔ اب ارشاد ہے کہ بندوں سے مدد لینا بندوں کا کافی ہونا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں گویا توکل علی اللہ کا ذکر پہلے ہوا توکل کی تفسیر اب ارشاد ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ آپ ﷺ کو کافی ہے اب ارشاد ہے کہ اللہ بھی آپ ﷺ کو کافی ہے اور مومنین بھی خصوصاً حضرت عمر آپ ﷺ کو کافی وافی ہیں اللہ تو حقیقۃً کافی ہے۔ حضرت عمر مجازاً بحکم پروردگار کافی۔ گویا کفایت کی ایک قسم کا ذکر پہلے ہوا، دونوں قسموں کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے مومنوں کو ایک دل ایک جان شیر و شکر کر دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان سب کو متفق کرنا آپ کی خدمت کے لئے ہے۔ گویا پہلے اتفاق کا ذکر تھا اور اب وجہ اتفاق کا ذکر ہے۔

شانِ نزول، حضرت عمر کا ایمان لانا: اسلام کا شروع دور۔ اب تک صرف انتالیس شخص ایمان لائے ہیں۔ تینتیس مرد اور چھ عورتیں۔ تین دن پہلے حضرت حمزہ ایمان لا چکے ہیں۔ کفار کا مسلمانوں پر ظلم و تشدد حد سے بڑھ چکا ہے۔ بدھ کا دن ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی کہ الٰہی اسلام کو قوت دے یا عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل کے ذریعہ یا عمر ابن خطاب یعنی فاروق اعظم کے ذریعہ۔ حضور انور ﷺ کی یہ دعا حضرت عمر کے حق میں قبول ہوئی اور آپ جمعرات کے دن یعنی اگلے ہی روز ایمان لے آئے۔ اس وقت آپ کی عمر صرف چھبیس سال تھی۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی

www.alahazratnetwork.org

مقام۔ آپ سے پہلے عثمان بن عفان، زبیر بن عوام، عبدالرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، طلحہ ابن عبیداللہ ایمان لا چکے تھے پھر ان کے بعد عامر ابن عبداللہ ابن جراح جنہیں ابوعبیدہ ابن جراح کہا جاتا ہے۔ ابوسلمہ عبداللہ بن اسد اور ارقم بن ارقم، عثمان ابن مظعون مع اپنے دو بھائیوں قدامہ و عبداللہ، عبیداللہ ابن حارث، سعید ابن زید اور ان کی بیوی جناب فاطمہ بنت خطاب یعنی حضرت عمر کی بہن ایمان لائے۔ (مواہب جلد اول ص ۴۶) خیال رہے کہ بی بی خدیجہ کے بعد پہلی بی بی جو ایمان لائیں وہ حضرت ام الفضل زوجہ حضرت عباس ہیں پھر حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق بعض نے حضرت عائشہ کہا مگر یہ غلط ہے کیونکہ حضرت عائشہ کی ولادت ایک قول میں نبوت کے چوتھے سال ہے۔ (مواہب اول ص ۶۴)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ یہ ہوا کہ جب آیت کریمہ انکم و ما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم نازل ہوئی تو ابوجہل نے قریش کو جمع کر کے تقریر کی، بولا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اب تمہارے معبودوں کو گالیاں دینا شروع کر دیں۔ کیا تم میں کوئی ایسا غیرت مند نہیں جو انہیں قتل کر دے۔ میں اسے سو اونٹ انعام دوں گا۔ خیال رہے کہ ابوجہل حضرت عمر کا ماموں تھا کیونکہ آپ کی ماں ابوجہل کی بہن یعنی ہشام کی بیٹی تھی۔ (روح البیان) اور بولا کہ ایک ہزار اوقیہ چاندی بھی ساتھ دوں گا۔ حضرت عمر کھڑے ہو گئے کہ ماموں کیا تو یہ وعدہ پورا کرے گا۔ وہ بولا ضرور، آپ اسے خانہ کعبہ میں ہبل بت کے سامنے لے گئے۔ وہاں اس سے قسم لی کہ وہ یہ وعدہ پورا کرے گا۔ اس وقت کعبہ میں ڈیڑھ ہزار بت تھے۔ ان میں بڑا یہی ہبل تھا۔ آپ نے دہنے ہاتھ میں تلوار پکڑی اور بائیں کندھے پر کمان ڈالی۔ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع مسلمانوں کے دار ارقم میں صفا کے پاس پناہ لئے ہوئے تھے۔ وہاں ہی اللہ کی عبادت کرتے تھے۔ راستہ میں ایک صاحب ملے، پوچھا عمر کہاں جا رہے ہو۔ بولے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کرنے۔ انہوں نے بڑا فساد پھیلایا ہے۔ وہ بولے یہ فساد تو تمہارے گھر تک پھیل چکا ہے۔ پہلے اپنا گھر سنبھالو پھر اور طرف توجہ کرو۔ آپ وہاں سے اپنے گھر کی طرف لوٹ پڑے۔ وہاں آپ کی بہن فاطمہ بنت خطاب اور آپ کے بہنوئی سعید ابن زید سورہ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ آواز دی، دروازہ کھلوایا، اپنی بہن سے پوچھا کیا پڑھ رہی تھیں۔ یہ کہہ کر اپنے بہنوئی سعید سے لپٹ پڑے، خوب مارا۔ بہن چھڑانے آئیں، انہیں بھی زخمی کر دیا۔ بہن بولیں اے عمر ہم تو مسلمان ہو چکے ہیں۔ قرآن مجید پڑھ رہے تھے۔ تم خواہ ہم کو قتل کر دو ہم اسلام سے نہیں پھر سکتے۔ بہن کی اس بات میں نہ معلوم کیا اثر تھا کہ حضرت عمر کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا اور بولے مجھ کو یہ کاغذ دکھاؤ جس پر یہ قرآن لکھا ہے۔ وہ بولیں بھیا ابھی تم شرک کی نجاست میں آلودہ ہو اس کو چھونے کے قابل نہیں۔ حضرت عمر نے غسل کیا اور سورہ طٰہٰ لاالٰہ الا ھو لہ الاسماء و الحسنی تک پڑھا۔ حضرت عمر کے دل پر بجلی سی گری۔ رونے لگے اور یہاں سے دار ارقم کی طرف اسی طرح یعنی شمشیر بہ کف کمان بر کتف روانہ ہوئے مگر اب جانے کی نوعیت کچھ اور ہو گئی۔ دروازہ پر پہنچے۔ کواڑ کھولنے کو کہا۔ حضور ﷺ کے ساتھیوں نے ڈر سے دروازہ نہ کھولا۔ حضرت حمزہ نے جو کل پرسوں ہی ایمان لائے تھے فرمایا دروازہ کھول دو۔ اگر عمر اچھے ارادے سے آئے ہیں تو ہم ان کا احترام کریں گے۔ اگر ارادہ برا ہے تو ہم انہیں کی تلوار سے ان کا سر قلم کر دیں گے۔ دروازہ کھلا حضرت عمر کی نگاہ حسن خداداد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم پر

www.alahazratnetwork.org

پڑی۔ شعر

آنکھوں آنکھوں میں اشارے ہو گئے تم ہمارے ہم تمہارے ہو گئے

حضور انور ﷺ نے حضرت عمر کے دونوں بازو پکڑ کر ہلائے، پوچھا عمر کیا ارادہ ہے۔ عرض کیا قدموں پر قربان ہو کر اسلام لانے کا۔ حضور انور ﷺ نے کلمہ طیبہ پڑھایا۔ مسلمانوں نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا جو مکہ کے بازار میں سنا گیا اور پھر جبریل امین حاضر ہوئے اور یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور عرض کیا یا رسول اللہ اس وقت فرشتوں میں خوشی سے دھوم مچی ہوئی ہے۔ سب حضرت عمر کے ایمان پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ بعض روایات میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے خوشی میں خود تکبیر کہی اللہ اکبر۔ اس وقت حضرت عمر نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کفار جھوٹے معبودوں کو اعلانیہ پوجیں اور ہم سچے خدا کی چھپ کر عبادت کریں۔ چلئے آج خانہ کعبہ میں نماز پڑھیں گے۔ قسم اس رب کی جس نے آپ ﷺ کو نبی بنایا جن مجالس میں، میں کفر ظاہر کیا کرتا تھا، انہیں مجالس میں ایمان ظاہر کروں گا۔ کلمہ طیبہ کا اعلان کروں گا۔ اس دن مسلمانوں نے خانہ کعبہ میں اعلانیہ نماز پڑھی۔ کفار حضرت عمر کی ہیبت سے مسلمانوں کو کچھ کہہ نہ سکے (تفسیر روح البیان، مدارج النبوت ص ۴۵، مواہب الدنیہ جلد اول ص ۵۱) آپ کے ایمان کے متعلق اور بہت روایات ہیں یہ روایت قوی تر ہے۔

نوٹ ضروری: تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عمر کے ایمان لانے پر نازل ہوئی جیسے تفسیر کبیر، خازن، بیضاوی، مدارک، روح البیان، روح المعانی، تفسیر صاوی وغیرہ۔ ان کے نزدیک یہ آیت مکیہ ہے باقی سورہ انفال مدنیہ۔ بعض کے نزدیک یہ آیت غازیانِ بدر کے متعلق نازل ہوئی تو یہ آیت مدنیہ ہے مگر قوی یہ ہے کہ یہ آیت سورۂ فاتحہ کی طرح دو بار نازل ہوئی۔ ہجرت سے پہلے بھی اور بعد بھی۔ لہٰذا یہ مکیہ بھی ہے مدنیہ بھی۔ دیکھو تفسیر صاوی علی الجلالین۔ قوی تر یہ ہے کہ حضرت عمر کے ایمان پر یہ آیت اتری اور مکیہ ہے۔

تفسیر: یاایھا النبی قرآن مجید میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ذاتی نام سے کہیں نہ پکارا یعنی یا احمد یا محمد ﷺ کہیں نہ فرمایا بلکہ آپ ﷺ کو چار صفاتی ناموں سے پکارا ہے۔ ایک جگہ مزمل سے یاایھا المزمل ایک جگہ مدثر سے یاایھا المدثر چار جگہ رسول سے یاایھا الرسول اور باقی جگہ نبی سے یاایھا النبی یہ خطاب بھی ان آخری خطابات سے ہے۔ نبی کے معنی ہیں خبر والا یا خبر دینے والا یا خبر لینے والا یا خبر رکھنے والا۔ چونکہ حضرت عمر کے ایمان کے متعلق حضور انور ﷺ نے خبر اشارۃً دے دی تھی کہ دعا کی تھی کہ مولا اسلام کو عزت و غلبہ دے یا عمر بن خطاب کے ذریعہ۔ اس لئے یہاں نبی کے لفظ سے خطاب بہت مناسب ہوا یعنی اے غیب کی خبر دینے والے یا خبر رکھنے والے۔ حسبک اللہ اس آیت کی تفسیر پچھلی آیت میں گزری کہ جب مصدر بمعنی صفت مشبہ ہے یہ ہے خبر مقدم اور لفظ اللہ مبتداء موخر۔ حسب کے معانی ابھی پچھلی آیت میں گزرے یعنی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کافی وافی ہے۔ ومن اتبعک من المومنین یہ عبارت لفظ اللہ پر معطوف ہے اور حسبک کا مبتدا من سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہے۔ اتباع کے معنی نیز اتباع اور اطاعت میں فرق بار بار بیان ہو چکا۔ من بیانیہ ہے جو من اتبعک کا بیان کر رہا ہے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے اسلام عمر کی خبر اشارۃً پہلے دے دی تھی آپ ﷺ

www.alahazratnetwork.org

کو اللہ بھی کافی ہے اور یہ عمر جنہیں تم نے اسلام کی طرف بلایا ہے جو مطلوب ہے تمہارا اور اسلام کا جو آج آپ ﷺ کا متبع مومن بنا۔ وہ بھی آپ ﷺ کو کافی ہے۔ اس مرد مومن کے ایمان کے بعد آپ ﷺ مخالفت کفار کی پرواہ نہ کریں۔ یہ اکیلا ان سب کے مقابل آپ ﷺ کو کافی ہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تفسیریں دو ہیں کیونکہ اس کے شانِ نزول کے متعلق قول دو ہیں۔ ایک یہ کہ اے نبی غیب کی خبر دینے والے آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ ہر طرح کافی و وافی ہے اور یہ عمر جو آج مومن آپ ﷺ کا متبع ہوا آپ کو کافی ہے۔ اس کے ایمان کے بعد آپ ﷺ تمام کفار و اشرار کا غم نہ کریں۔ دوسرے یہ کہ اے نبی آپ کو اللہ بھی کافی ہے اور غازی یہ جانثاران یا سارے مسلمان بھی آپ ﷺ کو کافی و وافی ہیں۔ آپ ﷺ کفار کی پرواہ نہ کریں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دوسرے مسلمان اسلام کے طالب ہیں۔ جو اسلام کو تلاش کرتے ہیں مگر حضرت عمر اسلام کے مطلوب ہیں جنہیں اسلام بلکہ بانی اسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف دعائیں مانگ مانگ کر بلایا۔ ہم میں اور حضرت عمر میں وہی فرق ہے جو طالب اور مطلوب میں ہوا کرتا ہے۔ شعر

فرق است میہماں آنکہ یارش دوہر ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ با آنکہ چشم انتظارش بر در

... اسلام کے منتظر ہیں اور اسلام حضرت عمر کا منتظر۔ ہم نے عرض کیا۔

رسول اللہ نے فاروق کو اللہ سے مانگا ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ عطاء رب سبحاں حضرت فاروق اعظم ہیں

یہ فائدہ اس آیت کے شانِ نزول سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایمان خالق مخلوق اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک بہت ہی قابل قدر ہے۔ یہ فائدہ اس واقعہ سے حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کے ایمان لانے پر نورانی مخلوق یعنی فرشتوں میں خوشیاں منائی گئیں۔ ادھر مکہ کی سرزمین میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں نے خوشی منائی جیسا کہ ابھی شانِ نزول میں عرض کیا گیا۔ کعبہ بھی حضرت عمر کے ایمان کا منتظر تھا کہ کب عمر ایمان لائیں اور مسلمان میرے نزدیک آ کر اعلانیہ رب کی عبادت کریں۔

تیسرا فائدہ: کبھی شر ذریعہ بن جاتی ہے خیر کا۔ ایک کام شروع ہوتا ہے شر ہو کر ختم ہوتا ہے خیر ہو کر۔ دیکھو حضرت عمر ابوجہل کے پاس سے چلے تھے شر کے لئے مگر حضور انور ﷺ کے پاس پہنچے خیر کے لئے۔ حضور ﷺ کو شہید کرنے چلے مگر نگاہ ناز کے شہید ہو گئے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

چوتھا فائدہ: بندوں پر اعتماد کرنا اللہ پر توکل کے خلاف نہیں۔ یہ فائدہ حسبک اللہ و من اتبعک فرمانے سے حاصل ہوا کہ آپ ﷺ کو اللہ بھی کافی ہے اور مومن بھی کافی۔ حقیقۃً رب تعالیٰ کافی ہے اور مجازاً اس کے بندے کافی۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم کو اللہ رسول کافی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں فائدہ: اللہ کے نیک بندوں کا اللہ کے ساتھ ملا کر ذکر کر سکتے ہیں۔ یہ فائدہ بھی من اتبعک کو لفظ اللہ پر معطوف کرنے سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا کہ اللہ اور مومن آپ علیہ السلام کو کافی ہیں لہذا یہ کہہ سکتے ہیں اگر اللہ رسول نے چاہا تو یہ ہوگا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے فان اللہ مولہ و جبریل و صالح المومنین و الملائکۃ بعد ذلک ظہیر

چھٹا فائدہ: جب حضرت عمر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کافی ہیں بحکم پروردگار تو حضور علیہ السلام کی امت کو بھی کافی ہیں۔ لہذا حضرت عمر سارے مسلمانوں کے حامی، ناصر، کافی، وافی ہیں۔ یہ فائدہ ومن اتبعک (الخ) سے حاصل ہوا۔ واقعی آپ کی ذات اسلام، قرآن، اہل ایمان، سب کو کافی ہوئی۔ انہوں نے اسلام کو اتنا پھیلایا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ شعر

عمر کافی نبی کو حسبک اللہ سے یہ ثابت ہے ہے شاہد جن پہ قرآں حضرت فاروق اعظم ہیں

حضرت عمر کے فضائل: حضرت عمر کے فضائل بے حد بے شمار ہیں۔ ہم برکت کے لئے کچھ عرض کرتے ہیں۔ (۱) تمام مسلمان اسلام کے طالب ہیں۔ حضرت عمر اسلام بلکہ بانی اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے مطلوب اور رب تعالٰی کے خاص عطیہ ہیں جو رب نے اپنے محبوب کو بخشا۔ اس لئے ان کے ایمان پر فرشتوں نے بھی خوشیاں منائیں۔ (۲) اللہ تعالٰی نے حضرت عمر کو حضور انور علیہ السلام کی خاص رفاقت اسلام کی مدد کے لئے چنا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ یہ انتخاب رب کی طرف سے ہے۔ (۳) حضور انور علیہ السلام نے حضرت عمر کے ایمان لاتے وقت ان کے لئے دعا فرمائی کہ الٰہی عمر کے دل میں جو غل وغش ہے اسے ایمان سے بدل دے۔ ان کا دل ایمان سے بھر دے (روح البیان)۔ (۴) حضور انور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے عمر جس راستہ سے تم گزر رہے ہو اس سے شیطان نہیں گزرتا۔ وہ کترا کے دوسری راہ چلا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ دوسروں کے ساتھ شیطان ایسا رہتا ہے کہ خون کے ساتھ گردش کرتا ہے۔ حضرت عمر سے بھاگتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آپ شیطان سے محفوظ ہیں۔ (۵) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ گذشتہ امتوں میں محدثون یعنی الہام والے اولیاء اللہ ہوئے ہیں میری امت میں عمر ہیں۔ (۶) اسلام کے بہت سے احکام قرآن مجید کی بہت سی آیات حضرت عمر کی رائے کے موافق آئیں جیسے پردہ کی آیت، شراب کی حرمت کی آیت، مقام ابراہیم کو مصلٰی بنانے کی آیت وغیرہ۔ حجاج آپ کو سلام و خطبہ پڑھتے وقت عرض کرتے ہیں من وافق رایہ بالوحی و الکتاب عمر ابن الخطاب۔ (۷) ایک بار حضرت عمر نے حضور انور علیہ السلام سے عمرہ کے لئے مکہ معظمہ جانے کی اجازت چاہی تو فرمایا اے میرے بھائی مجھے اپنی دعا میں نہ بھولنا۔ (۸) نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالٰی نے چار وزیروں سے میری مدد کی۔ دو زمین میں اور دو آسمان میں۔ زمین کے وزیر ابوبکر و عمر ہیں۔ آسمان کے وزیر جبریل و میکائیل ہیں۔ (۹) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں رب تعالٰی سے پہلے سلام و مصافحہ حضرت عمر کریں گے (وہ مصافحہ جو اس کی شان کے لائق ہے) (۱۰) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خواب میں دیکھا کہ ایک کنویں پر بے شمار پیاسے جانور جمع ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق نے کنویں سے دو یا تین ڈول نکالے اور انہیں پانی پلایا۔ پھر حضرت عمر نے ڈول ہاتھ میں لیا تو وہ چرسہ بن گیا اور اس قدر پانی نکالا کہ سارے پیاسے جانور سیراب ہو گئے۔ اس خواب میں آپ کی خلافت کی برکات کی طرف اشارہ کیا اور بے شمار آپ کے فضائل ہیں۔ (روح البیان) شعر

www.alahazratnetwork.org

لہ فضائل لا تخفی علی احد الا علی احد لا یعرف القمرا

پہلا اعتراض: سورہ انفال مدنیہ ہے یعنی بعد ہجرت نازل ہوئی اور حضرت عمر کا ایمان ہجرت سے کہیں پہلے ہے پھر یہ آیت ان کے اسلام کے متعلق کیسے ہوسکتی ہے لہٰذا یہ آیت ان کے اسلام کے متعلق نہیں ہے وہ تو اخلاص سے ایمان لائے ہی نہ تھے نفاق سے ایمان لائے تھے۔ (شیعہ)

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں۔ ایک الزامی اور دو تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم لوگ سورۂ دہر سے ان آیات کو حضرت علی حسنین کریمین کی شان میں مانتے ہو **ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا و یتیما و اسیرا** کہ حسنین کریمین بیمار ہوئے تو حضرت علی اور فاطمہ زہرہ نے تین روزوں کی منت مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ دونوں شہزادوں کو شفا دے تو ہم روزے رکھیں گے۔ جب انہیں شفاء ہوئی تو روزے رکھے مگر تینوں دن افطار کے وقت سائلین آگئے۔ انہیں روٹیاں دے دیں اور بھوکے سورہے۔ حالانکہ سورۂ دہر مکیہ ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی جبکہ فاطمہ زہرہ حضرت علی کے نکاح میں بھی نہیں آئی تھیں۔ آپ کا نکاح ۲ ہجری میں ہوا جو تمہارا جواب ہے وہ ہی ہمارا جواب ہے۔ پہلا جواب تحقیقی یہ ہے کہ واقعی سورہ انفال مدنیہ ہے مگر یہ آیت مکیہ ہے یا یہ آیت مکیہ بھی مدنیہ بھی جیسے سورۂ فاتحہ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ منافقین مدینہ منورہ میں تھے مکہ معظمہ میں کوئی منافق نہ تھا کیونکہ مدینہ منورہ میں اسلام کا چاند چڑھ چکا تھا۔ بعض کفار ہیبت اسلام کی وجہ سے ظاہری طور پر کلمہ پڑھ لیتے تھے۔ ہجرت سے پہلے کسی کافر کو کیا مجبوری تھی جو وہ منافقت سے ایمان ظاہر کرتا اور جس وقت حضرت عمر ایمان لائے اس وقت مسلمان بڑی مصیبتوں میں تھے۔ حضرت عمر بھی آخر کار ترک وطن یعنی ہجرت پر مجبور ہوگئے۔ اس وقت تو حضرت عمر کا اسلام قبول فرمانا اپنے کو دہکتی آگ میں ڈالنا تھا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کا ترجمہ یہ نہیں ہے کہ اے نبی تم کو اللہ بھی کافی ہے اور یہ مومن بھی۔ یہ تو عین شرک ہے بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ تم کو اور ان مومنوں کو اللہ کافی ہے۔ بھلا کوئی بندہ کسی کو کافی ہوسکتا ہے۔ (وہابی) یعنی **و من اتبعک** معطوف اللہ پر نہیں بلکہ حسبک کے کاف میں معطوف ہے۔

جواب: تمہارا یہ ترجمہ تمام مفسرین بلکہ اجماع امت کے بھی خلاف ہے اور خود قرآن مجید کے بھی خلاف ہے۔ سارے مفسرین جن میں امام جلال الدین سیوطی نے بھی ترجمہ کیا ہے **حسبک اللہ و حسبک من اتبعک من المومنین** تفسیر صاوی نے فرمایا **و من اتبعک** معطوف ہے علی لفظ اطلاق قرآن کریم فرماتا ہے **فان اللہ ھو مولہ و جبریل و صالح المومنین** اس آیت میں کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

تیسرا اعتراض: جب حضور انور ﷺ کو اللہ کافی و وافی ہے تو دوسرے کافی وافی کی کیا ضرورت ہے۔ کیا خدا کی کفایت میں کچھ کمی ہے جو دوسرے کافی کی ضرورت پڑی۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ شافی، حاکم، حکم ہے تو ڈاکٹروں، کچہری کے حاکموں، حکیموں کی کیا ضرورت ہے۔ کیا خدا کی شفاء حکم میں کچھ کمی ہے جو تم ان لوگوں کے دروازوں پر جاتے ہو۔ رب تعالیٰ حقیقی کافی وافی ہے اس کے بندے مجازی کافی بلکہ

www.alahazratnetwork.org

اس کی کفایت کے مظہر اللہ کی ربوبیت کافی ہے مگر ماں باپ اس کی ربوبیت کے مظہر ہیں۔ کما ابا لی مغیرہ
چوتھا اعتراض: اگر حضرت عمر نبی کو کافی ہیں تو نبی ان کے محتاج ہوئے کہ حضرت عمر ایمان لائیں تو حضور ﷺ کی حاجت پوری ہو اور تم کہتے ہو کہ سارا عالم حضور انور ﷺ کا حاجت مند ہے۔ حضور ﷺ کل کے حاجت روا بہ اذن پروردگار ہیں۔ یہ آیت تمہارے خلاف ہے۔
جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کا مددگار ہے نعم المولی و نعم النصیر مگر فرماتا ہے ان ینصروا اللہ ینصرکم اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد کرے گا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے کہا تھا نحن انصار اللہ ہم اللہ کے مددگار ہیں کیا خدا تعالیٰ بندوں کا محتاج ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ کفایت اور مدد دو طرح کی ہے۔ کرم کی اور خدمت گزاری کی۔ بادشاہ سپاہی کا مددگار ہے حاکم کریم ہو کر اسے تنخواہ دیتا ہے اس کی خبر گیری کرتا ہے مگر سپاہی بادشاہ کا مددگار ہے خادم نوکر ہو کر بادشاہ کو لاکھوں سپاہی مل سکتے ہیں مگر سپاہی کو دوسرا بادشاہ نہیں مل سکتا۔ بادشاہ کا کرم ہے کہ سپاہی کو نوکر رکھ لیا۔ شعر

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی — منت شناس ازو کہ بخدمت گماشتت
تمہارے سینکڑوں ہم سے گدا ہیں — ہمارے آپ ہی اک آسرا ہیں
تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندہ پاک — میں نبی کس کو بناؤں جو خفا تم ہو جاؤ

تفسیر صوفیانہ: گذشتہ نبیوں کے دین ان کی کتابیں باقی نہ رہیں، اول بدل کر فنا ہو گئیں۔ کیونکہ انہیں رب کی طرف سے ہدایت تو دی گئی وہ سب حضرات ہادی مہدی تھے مگر انہیں کفایت نہیں دی گئی یعنی ان کے دینوں کی بقا کی ذمہ داری نہیں لی گئی۔ یہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ رب نے انہیں ہدایت بھی دی کہ ہادی بنایا اور کفایت بھی کہ آپ ﷺ کے دین وقرآن کی ذمہ داری لی۔ فرمایا انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون فرق یہ ہو گیا کہ ان نبیوں کے اصحاب ان کی امتیں ان کے دینوں کی محافظ نہ بن سکیں۔ حضور ﷺ کے دین کا اللہ والی و ناصر تھا تو اس نے صحابہ کرام خصوصاً حضرت عمر کو توفیق بخشی کہ انہوں نے دور دور تک اسلام پھیلایا۔ جمع قرآن کیا تو صحابہ نے۔ لاکھوں کو مسلمان کیا تو صحابہ نے۔ بڑے بڑے ممالک فتح کئے تو صحابہ نے۔ قیصر و کسریٰ جیسے بادشاہوں کی سلطنتیں پاش پاش کیں تو صحابہ خصوصاً حضرت عمر نے۔ پھر صحابہ کے بعد سے تا قیامت رب نے اسلام میں علماء و اولیاء پیدا فرمائے تا کہ دین کا بقا رہے۔ قرآن کی تفسیریں لکھیں تو علماء نے۔ حدیثیں جمع کیں تو علماء نے۔ احادیث کی شرحیں لکھیں تو علماء نے علم فقہ علم اصول علم میراث جمع کئے بلکہ بنائے تو علماء نے ایک نگاہ سے کالے دل منور کر دیئے اولیاء نے روحانی فیض سے دنیا بھر دی اولیاء نے۔ اس آیت میں اسی کا بیان ہے کہ اے نبی تمہارے لئے ہر طرح ہم کافی وافی ہیں۔ اس کا ظہور اس طرح ہو گا کہ ہم نے آپ ﷺ کو وہ صحابہ وہ علماء وہ اولیاء بخشے جو آپ ﷺ کے زمانہ میں اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ کا دین قائم رکھیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

تاقیامت با قیش داریم ما تو مترس از نسخ دین اے مصطفیٰ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ۭ اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

اے نبی ابھارو مومنوں کو جنگ پر اگر ہوں گے تم میں

اے غیب کی خبریں دینوالے مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دو اگر تم میں

عِشْرُوْنَ صٰبِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ

سے بیس (۲۰) صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے دوسو (۲۰۰) پر اور اگر ہوں گے تم میں سے

بیس صبر کرنے والے ہوں گے دو سو پر غالب ہونگے اگر تم میں سو ہوں تو کافروں کے

يَّغْلِبُوْٓا اَلْفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝۶۵

سوتو غالب آئیں گے ہزار پر ان میں سے جنہوں نے کفر کیا بیشک وہ ایسی قوم ہے جو نہیں سمجھتی

ہزار پر غالب آئیں گے اس لئے کہ وہ سمجھ نہیں رکھتے اب اللہ نے تم پر تحقیق

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللّٰهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا ۭ فَاِنْ

اب ہلکا کر دیا اللہ نے تم سے اور جان لیا کہ تحقیق تم میں کمزوری ہے پس اگر

فرمائی اور اسے معلوم ہے کہ تم کمزور ہو تو اگر تم میں سو صبر والے ہوں دو سو پر

يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ

ہوں گے تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے وہ غالب آئینگے دوسو پر اگر ہوں گے تم میں سے

غالب آئیں گے اور اگر تم میں کے ہزار ہوں تو دو ہزار پر غالب ہوں گے

اَلْفٌ يَّغْلِبُوْٓا اَلْفَيْنِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝۶۶

ایک ہزار تو غالب آئیں گے دو ہزار پر حکم اللہ کے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے

اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اے نبی آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ بھی کافی اور اس کے حکم سے مومنین یا حضرت عمر بھی کافی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ مومنوں کی کفایت کا ظہور اس طرح ہوگا کہ آپ ﷺ انہیں جہاد کا حکم دیں۔ جہاد کفایت کے ظہور کا ذریعہ ہے گویا کفایت کے بعد اس کے ظہور کے ذریعہ کا ذکر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا تعلق: گذشتہ آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ نے بڑا کرم فرمایا کہ آپ ﷺ کے ذریعہ انصار یا سارے مومنین کو یک دل یک جان بنا دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے اس اتفاق و اتحاد سے فائدہ حاصل کیجئے۔ انہیں جہاد کی رغبت دیجئے۔ انہیں مجاہد غازی بنایئے۔ گویا شرط جہاد اتفاق و اتحاد کے بعد جہاد کا ذکر ہو رہا ہے۔ وضو کے بعد نماز کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی گذشتہ آیات میں ذکر ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنی مدد اور مومنوں کے ذریعہ آپ ﷺ کو قوت دی۔ اب ارشاد ہے کہ جہاد کیجئے اور مسلمانوں سے کرایئے تا کہ اس نصرت اور تائید غیبی کا ظہور ہو جہاد رب تعالیٰ کے کرم اس کی مدد کے ظہور کا ذریعہ ہے۔ گویا مشروط کے بعد شرط کا ذکر ہے۔ (تفسیر کبیر)

شانِ نزول: عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ بعد ہجرت جب جہاد کا حکم ہوا تو اولاً بدر وغیرہ کے موقع پر مسلمانوں پر لازم کیا گیا کہ اپنے سے دس گنا کفار کے مقابل جہاد میں ڈٹ جایا کریں، ہرگز منہ نہ موڑیں۔ پھر جب مسلمانوں میں قوت بھی آ گئی اور یہ حکم بعض طبیعتوں پر گراں بھی تھا کہ ایک دس سے جہاد کرے تب یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہوا کہ الان خفف اللہ عنکم الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) پہلی آیت میں بھی حکم ہے اور دوسری میں بھی۔

تفسیر: یایھا النبی چونکہ جہاد اسلام میں ایک عظیم الشان عبادت ہے اور اس کی رغبت دینا اس پر آمادہ کرنا بڑی شاندار تبلیغ ہے۔ اس لئے اس آیت کو نداء سے شروع فرمایا۔ کسی حکم کو نداء سے شروع فرمانا اس حکم کے عظیم الشان ہونے کی علامت ہے۔ نبی بنا ہے نباء سے بمعنی خبر یا بنا ہے نبوت سے بمعنی شان و شوکت یا بلندی درجہ لہٰذا نبی کے معنی ہیں خبر والا یا بلند درجہ والا حرض المومنین علی القتال حرض بنا ہے تحریض سے جس کا مادہ حرض ہے بمعنی قرب۔ تحریض کے معنی ہیں قریب کرنا۔ اصطلاح میں رغبت دینے کو تحریض کہتے ہیں۔ حث کے معنی بھی رغبت دینا۔ تحریض کے معنی بھی یہ ہی ہیں۔ مگر تحریض میں زیادہ رغبت دینا مراد ہے۔ ترغیب قولی بھی ہوتی ہے عملی بھی۔ قولی ترغیب وعظ بشارت وغیرہ سے ہوتی ہے عملی ترغیب یہ ہے کہ مجاہدین کو تنخواہ یا غنیمت میں سے حصہ دیا جاوے ان کے پیچھے ان کے بال بچوں کی حفاظت و خدمت کی جاوے۔ بہادروں کی قدردانی کی جاوے مثلاً کسی وقت اعلان کیا جاوے کہ جو کسی کافر کو قتل کرے گا اس کا سامان اس غازی کو ملے گا یا جو کفار کے قلعوں میں پہلے گھسے گا، اسے یہ انعام ملے گا وغیرہ۔ یہ سب تحریض اور ترغیب ہے۔ المومنین سے مراد یا تو غازی صحابہ ہیں یا تاقیامت سارے مسلمان۔ دوسرا قول قوی ہے کیونکہ جہاد تاقیامت باقی ہے تو مجاہدین اور ان کی ترغیب بھی تاقیامت رہے گی۔ القتال سے مراد کفار سے جہاد ہے۔ ان یکن منکم عشرون صبرون یغلبوا مائتین قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی بظاہر خبر درحقیقت امر ہے جیسے والوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین یا جیسے والمطلقات یتربصن بانفسھن ثلثۃ قروء اس آیت کی اصل عبارت یوں ہے ان یکن منکم عشرون فلیصبروا و لیجھدوا فی القتال حتی یغلبوا مائتین (تفسیر کبیر و روح المعانی) چونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اکثر جب یہ چھوٹا لشکر کم از کم بیس دو سو کے مقابل بھیجا کرتے تھے اور سو ہزار کے مقابل اس لئے اس آیت کریمہ میں ان دو عددوں کا ذکر ہوا۔ یوں نہ فرمایا گیا کہ تم اپنے سے دس گنا کفار سے مغلوب نہ ہو گے (تفسیر کبیر) یہ بھی خیال رہے کہ اس میں خطاب مسلمانوں سے ہے نہ کہ حضور

انور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حضور انور ﷺ ذات واحد ہزاروں کے مقابل کافی ہیں۔ (روح المعانی) رب فرماتا ہے لایکلف الا نفسک اور فرماتا ہے یاایھا النبی جاھد الکفار و المنافقین اس لئے منکم صابرون یغلبوا سب صیغے جمع ارشاد ہوئے یہاں مائتین سے مراد دوسو کافر ہیں یعنی اگر تم بیس صابر ہوتو دوسو کفار کے مقابلہ میں ڈٹ جاؤ حتیٰ کہ غالب آ جاؤ و ان یکن منکم مائۃ یغلبو آ الفا من اللذین کفروا یہ عبارت معطوف ہے ان یکن منکم عشرون (الخ) پر یہاں بھی نسبت وہ ہی ایک اور دس کی ہے کیونکہ ہزار سو کا دس گنا ہے جیسے دوسو دس گنا تھا بیس کا۔ اس عبارت میں من الذین کفروا بیان ہے مائتین اور الفا دونوں کا۔ یعنی اے مسلمانو اگر تم بیس ہوتو دوسو کافروں پر اور اگر ایک سو ہوتو ہزار کافروں پر غالب آ ؤ گے لہٰذا اتنے کفار کے مقابلہ سے ہرگز نہ بھاگنا ورنہ سخت گنہگار ہو گے ذالک بانھم قوم لا یفقھون۔ اس فرمانِ عالی میں اس مذکورہ غلبہ کی وجہ ارشاد ہوئی ذلک سے اشارہ ہے مذکورہ غلبہ کی طرف بانھم میں یہ ہے ھم کی ضمیر کفار کی طرف ہے لایفقھون بنا ہے فقہ سے بمعنی سمجھنا۔ اس سمجھ سے مراد دین کو سمجھنا ہے یعنی کفار جنگ کی روح کو نہیں جانتے جنگ کی روح جس سے جنگ جہاد بن جاتی ہے وہ اللہ کے لئے ہے کلمۃ اللہ بلند کرنا۔ وہ صرف دنیا کے لئے لڑتے ہیں، تم اللہ کے لئے لڑتے ہو، ان کی جنگ فساد ہے، تمہاری جنگ جہاد۔ شعر

جنگ کافر فتنہ و غارت گری است　　　جنگ مومن سنت پیغمبری است

انہیں جنگ کو جہاد بنانا نہیں آتا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ الذین امنوا یقاتلون فی سبیل اللہ والذین کفروا یقاتلون فی سبیل الطاغوت فقاتلوا اولیاء الشیطن ان کیدا الشیطن کان ضعیفا (خازن، روح البیان و عام تفاسیر) یا یہ مطلب ہے کہ کفار آخرت کو نہیں جانتے نہیں مانتے، ان کا اصل مقصد صرف دنیا ہے۔ جب وہ جنگ میں دنیا کو برباد ہوتے دیکھتے ہیں تو بھاگ پڑتے ہیں پیٹھ دکھا جاتے ہیں۔ بخلاف مومن کے وہ آخرت کو اصلی زندگی سمجھتا ہے۔ دنیا کو محض فانی یعنی آنی جانی چیز جانتا ہے۔ کفار سے لڑتا ہے تو آخرت کے لئے لہٰذا اگر اسے جہاد میں اپنی دنیا جاتی دکھائی دے تو وہ اس کی پروا نہیں کرتا۔ وہ سمجھتا ہے کہ جس کے لئے میں جنگ کر رہا ہوں وہ تو مجھے انشاء اللہ حاصل ہوتی ہے۔ زندہ بچوں یا شہید ہو جاؤں لہٰذا وہ کسی حالت میں نہیں ہٹتا۔ شعر

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ　　　مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی

لہٰذا کفار کو جہاد کی اصلی سمجھ ہی نہیں۔ جنگ صرف ہتھیار سے نہیں جیتی جاتی، یہ ہمت سے جیتی جاتی ہے اور ہمت اللہ پر توکل حضور ﷺ کے توسل سے نصیب ہوتی ہے۔ الئن خفف اللہ عنکم یہ فرمانِ عالی پچھلے حکم کا ناسخ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ جب پچھلی آیت نازل ہوئی اور مسلمانوں نے اس پر عمل کیا تو ایک بار یا دو بار مہاجرین نے عرض کیا کہ الٰہی ہم بھوکے ہیں ہمارے دشمن شکم سیر، ہم مسافر ہیں ہمارے دشمن گھر اور وطن والے، ہم اپنے گھر بار آل اولاد مال سے نکالے ہوئے ہیں، کفار اپنے گھر بار میں۔ اور انصار نے عرض کیا کہ الٰہی ہم ان معزز مہمانوں کی مہمان نوازی میں مصروف ہیں کفار پر یہ ذمہ داری نہیں ہم پر رحم فرما۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عکرمہ فرماتے ہیں کہ جب مسلمان تعداد میں

www.alahazratnetwork.org

تھوڑے تھے تب یہ پہلا حکم تھا۔ جب بفضلہٖ تعالیٰ تعداد میں بڑھ گئے تب یہ حکم آیا۔ بہر حال یہ آیت پچھلی آیت کی ناسخ ہے۔ (تفسیر کبیر) خفف سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی آیت میں ایک سخت حکم تھا اس آیت میں اس حکم کی تخفیف کی گئی۔ و علم ان فیکم ضعفا یہ آیت معطوف ہے خفف پر اگر واؤ عاطفہ ہے تو اس کا تعلق بھی الئن سے ہے یعنی اب اللہ نے جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے تو علم سے مراد علم ظہور یعنی علم وقوعی ہے جو چیز کے ہو جانے کے بعد دیکھ کر ہوتا ہے اور اگر واؤ حالیہ ہے تو اس سے مراد علم ازلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو پہلے علم تھا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ ضعف ض کے فتحہ سے بھی آتا ہے اور پیش سے بھی۔ ہماری قرأت میں ض کے فتحہ سے ہے۔ یہاں اس سے مراد کمزوری ابدان مراد ہے نہ کہ کمزوری ایمان وایقان۔ خلیل کہتے ہیں کہ ضعف ض کے پیش سے کمزوری بدن ہے اور ضعف ض کے زبر سے کمزوری عقل و کمزوری رائے ہے۔ ایک قرأت میں ضعفا ہے ض اور عین کے زبر سے ضعیف کی جمع یعنی تم میں کمزور لوگ ہیں (معانی) اس کمزوری کی وجہ کیا ہے اس میں چند احتمال ہیں۔ (۱) اب مسلمانوں میں بڈھے بچے بیمار بھی شامل ہو گئے تھے۔ (۲) اب مسلمانوں میں نو مسلمین ضعفاء مومنین بھی شامل ہو گئے جن کا توکل علی اللہ پرانے مومنین کے درجے کا نہ تھا۔ (۳) اب مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ ہو چکی تھی جس وجہ سے ان کا توکل علی اللہ پہلے کا سا نہ رہا جو قلت تعداد کے وقت تھا۔ جس کا ظہور بدر اور حنین کی جنگوں میں ہوا کہ بدر میں تین سو تیرہ نہتوں نے ایک ہزار ہتھیار بند کفار کو مار لیا اور حنین میں مسلمانوں کی تعداد کفار سے کہیں زیادہ تھی مگر ان مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ رب فرماتا ہے ویوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا (تفسیر روح المعانی) مگر یہ کمزوریاں ابدان یا خیالات کی ہیں۔ عقیدے کی نہیں۔ یہ خیال رہے اور یہ بھی یاد رہے کہ ان سب میں خطاب مومنین سے ہے حضور انور ﷺ سے نہیں۔ فان یکن منکم مائة صابرة یغلبوا مائتین یہ فرمانِ عالی خفف اللہ کا بیان ہے۔ اس کا مطلب وہی ہے جو ان یکن منکم عشرون میں بیان ہوا وہاں بھی صبر کی قید تھی۔ یہاں بھی وہی قید ہے یعنی اب اگر مسلمانوں کا مقابلہ دو ہزار کافروں سے ہو جائے تو مسلمانوں پر بھاگ جانا حرام ہوگا۔ مقابلہ میں ڈٹ جاویں امید قوی رکھیں کہ اللہ کے حکم سے ہم ان دگنے کافروں پر غالب رہیں گے یعنی پہلے دس گنا کفار سے ہٹنا جرم تھا۔ اب دوگنا کفار کے مقابلہ سے ہٹنا جرم ہے واللہ مع الصبرین۔ اس فرمانِ عالی سے صابرین کی شان صبر کے فائدہ کا ذکر ہے اس کی تفسیر ہم دوسرے پارہ میں ان اللہ مع الصابرین کی تفسیر میں کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کا کرم اس کی نصرت صبر والوں کے ساتھ ہے۔ مصیبت میں صبر، اطاعت پر صبر، گناہوں سے صبر، ان کی تفصیل دوسرے پارہ میں دیکھو۔ یہاں عام حالت کا صبر اور خصوصاً مصیبت و تکالیف میں صبر والے مراد ہیں۔ صبر تلخ ہے مگر اس کا پھل شیریں ہے۔ شعر

منشین ترش تو از گردش ایام کہ صبر گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

خلاصہ تفسیر: اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم فرما چکے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کی برکت سے مومنین کو متفق کر دیا۔ آپ ﷺ کی مدد اپنی نصرت اور مومنین کے ذریعہ سے کی۔ آپ ﷺ کو ہم بھی کافی ہیں اور یہ مومنین خصوصاً حضرت عمر بھی

www.alahazratnetwork.org

کافی۔ان تمام کرم نوازیوں سے آپ ﷺ پورا پورا فائدہ اٹھائیں۔ان مومنوں کو قولاً فعلاً عملاً جہاد کی رغبت دیں۔ان میں سے مجاہدین کی آخرت کی نعمتوں کی بشارت دیں۔دنیا میں غنیمت عطاؤں سے ان کی ہمت افزائی فرمائیں اور انہیں حکم دیں کہ اپنے سے دس گنا کفار کے مقابلہ سے نہ ہٹیں۔اگر مسلمان بیس ہوں اور کفار دو سو ہوں اور اگر مسلمان سو ہوں کفار ہزار ہوں تو ڈٹ جائیں اللہ کے کرم سے اپنے غلبہ کی امید رکھیں۔انشاء اللہ یہ تھوڑے صابر مسلمان ہی غالب رہیں گے۔اس غلبہ کی وجہ یہ ہے کہ کفار مسلمانوں کے مقابلہ میں جنگ کرنے نہیں آتے۔ان کی جنگ فساد ہے مومنوں کی جنگ جہاد، وہ وطن یا قوم یا مال یا ناموری کے لئے لڑتے ہیں مومن نہ صرف اللہ کے رسول اور دین و قرآن کے لئے لڑتے ہیں۔کفار کی نظر صرف دنیا پر ہے مومن کی نظر صرف آخرت پر۔لہٰذا جہاد مسلمانوں کی جنگ میں ہے کفار کی جنگ میں نہیں۔کفار نا سمجھ قوم ہیں۔اچھا اب ہم اپنا حکم ہلکا کرتے ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ اب اے مسلمانو تم میں بدن، رائے، عقل کی کمزوری ہے کہ تم میں ضعفاء مومنین، بڈھے بیمار بچے بھی ہیں۔اور اب تمہاری تعداد بھی زیادہ ہوگئی ہے جس سے تمہارا پہلا سا توکل نہ رہا۔لہٰذا اب یہ حکم کہ اپنے دوگنوں کفار کے مقابلہ سے نہ ہٹنا۔اگر تم سو صابر ہو تو دو سو کے مقابلہ سے اگر ہزار ہو تو دو ہزار کے مقابلہ میں ڈٹ جانا۔اس امید پر کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر غلبہ دے گا۔صبر سے کام لو، اللہ کی رحمت اس کی نصرت مومنوں کے ساتھ ہے اور رہے گی۔خیال رہے کہ یہاں اباحت اور حرمت کا ذکر ہے کہ پہلے دس گنا کفار کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ہٹنا حرام تھا اب دو گنا کے مقابلہ سے ہٹنا حرام۔اس سے زیادہ کے مقابلہ سے ہٹنا مباح ہے۔اگر اب بھی مومنین اپنے سے صدہا گنا کفار کے مقابلہ میں ڈٹ جائیں صبر سے کام لیں تو ثواب پائیں گے اور اللہ ان کی غیب سے مدد کرے گا۔چنانچہ تفسیر کبیر میں اس جگہ ہے کہ غزوہ موتہ جس میں حضرت جعفر ابن ابی طالب، زید بن حارثہ، عبداللہ ابن رواہ باری باری سے امیر اور شہید ہوئے اس میں مسلمان صرف تین ہزار تھے اور کفار دو لاکھ۔ایک لاکھ رومی اور ایک لاکھ عرب و عجم وغیرہ۔فتوح شام وغیرہ تواریخ میں ہے کہ خلافت فاروقی میں غزوہ یرموک اور قادسیہ میں مسلمانوں کی تعداد چالیس پچاس ہزار تھی اور کفار کی تعداد سات لاکھ مگر مسلمان ڈٹ گئے اور فتح پائی۔ابھی ۱۹۶۵ء، ۶ ستمبر میں بھارت کے مشرکین نے پاکستان پر حملہ کیا۔کفار ۲۵ ہزار تھے ان کے ساتھ ٹینک وغیرہ بہت زیادہ۔مسلمان پانچ ہزار۔ان کے پاس سامان بھی تھوڑا۔یہ صرف لاہور کے محاذ کی تعداد تھی مگر اللہ کے فضل و کرم سے کفار کے دس ہزار سپاہی اور چار سو فوجی آفیسر مارے گئے۔باقی اتنا بے شمار سامانِ جنگ وغیرہ چھوڑ کر بھاگ گئے۔یہ سامان مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔یہ ہے اس آیت کا ظہور جو تا قیامت انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔اس کے علاوہ رن کچھ، چھمب جوڑیاں، سیالکوٹ، قصور وغیرہ کے محاذوں پر جو مسلمانانِ پاکستان کو فتح اللہ نے دی اس کی تفصیل کے لئے دفتر چاہئیں۔

فائدے: ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جہاد اکثر فرض کفایہ ہوتا ہے کبھی فرض عین۔یہ فائدہ حرض المومنین سے حاصل ہوا کیونکہ فرض عین کی صرف رغبت نہیں دی جاتی بلکہ اس کا حکم دیا جاتا ہے۔آج کل بھی جنگ کے ہنگامی حالات میں جبری بھرتی کی جاتی ہے۔عام حالات میں بھرتی کی صرف رغبت دی جاتی ہے۔یہ قانون اس آیت سے بتایا گیا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: مجاہد غازیوں میں ہر طرح دل جوئی ہمت افزائی حکومت اسلامیہ کو کرنی چاہئے جس سے وہ اطمینان سے جہاد کر سکیں۔ یہ فائدہ بھی حرض المومنین سے حاصل ہوا کہ ترغیب قولی بھی ہوتی ہے، عملی بھی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ غازیوں کے بال بچوں کی خود نگرانی فرماتے تھے۔ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے لونڈی غلام تقسیم فرمائے۔ حضرت فاطمہ زہرا نے ایک لونڈی مانگی تو آپ ﷺ نے جواب دیا وہ ان شعروں سے معلوم کرلو۔

ہیں یہ خادم ان یتیموں کے لئے باپ جن کے جنگ میں مارے گئے
تم پہ سایہ ہے رسول اللہ کا آسرا رکھو فقط اللہ کا

آج کل حکومتیں فوجی ملازمین کے بچوں کی تعلیم علاج مفت کرتی ہیں۔ انہیں اچھی پنشن بعض کو تمغہ مربعے جائیدادیں بخشتی ہیں۔ ان سب کا ماخذ یہ آیت کریمہ ہوسکتی ہے۔ بعض بہادر شہیدوں کے نام پر اسکول کالج سڑکیں بنائی جاتی ہیں۔ عزیز بھٹی شہید روڈ، عزیز شہید کالج وغیرہ۔ یہ سب ترغیب کی صورتیں ہیں۔ یہ آیت بہت گہری ہے۔

تیسرا فائدہ: جہاد صرف مومن کریں اس کے لئے ایمان شرط ہے۔ نماز زکوٰۃ حج وغیرہ کی طرح جہاد بھی عبادت ہے اور عبادت بغیر ایمان درست نہیں۔ یہ فائدہ حرض المومنین سے حاصل ہوا کہ مومنوں کو رغبت دو لہٰذا اگر کفار مسلمانوں کے ساتھ مل کر دوسرے کفار سے جنگ کریں یا ان کی مالی جنگی اخلاقی مدد کریں تو مجاہدین اور ان کا یہ عمل جہاد نہیں۔ اگر وہ اس حالت میں مارے جائیں تو شہید نہیں کہ یہ چیزیں ایمان کی شرط سے ہیں۔

چوتھا فائدہ: جہاد کی رغبت دینا مجاہد غازی تیار کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اس سے روکنا شیطانی حرکت ہے اور روکنے والا شیطان ہے جیسے مرزا قادیانی جو کہتا ہے کہ میں نے جہاد منسوخ کر دیا۔ اب جہاد کا خیال کرنا بھی گناہ ہے۔ جہاد کے بغیر مسلم قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔

پانچواں فائدہ: جہاد میں فتح ونصرت زیادتی تعداد پر موقوف نہیں۔ یہ تائید الٰہی سے نصیب ہوتی ہے یہ فائدہ ان یکن منکم عشرون (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی دلیل غزوہ بدر، قادسیہ، یرموک وغیرہ ہیں۔

چھٹا فائدہ: کفار جنگ کے سارے ہتھیار بنا سکتے ہیں مگر دو ہتھیار ایسے ہیں جو صرف مسلمانوں کے پاس ہیں، کفار ان سے محروم ہیں۔ وہ ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ اور اس کا ذکر کثیر۔ یہ فائدہ قوم لا یفقھون سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر رب فرماتا ہے۔ اذا لقیتم فئة فاثبتوا واذکروا اللہ کثیرا۔

ساتواں فائدہ: کفار آپس میں جانوروں کی طرح لڑتے ہیں یعنی صرف نفس اور دنیا کے لئے۔ مومن اللہ کے لئے لڑتا ہے لہٰذا مومن کی جنگ جہاد ہے کافر کی جنگ فساد۔ یہ فائدہ بھی لا یفقھون سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بڑا مہربان ہے۔ ہمارے حال کے مطابق ہم کو احکام دیتا ہے۔ یہ فائدہ الئن خفف اللہ عنکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: مسلمانوں کو اپنے مقابل دوگنے کفار کے مقابلہ سے بھاگنا ممنوع ہے۔ ڈھائی گنا یا تین گنا کفار کے مقابلہ

www.alahazratnetwork.org

سے بھاگنا ممنوع ہے نہ اسے فرار کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے۔ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد فرض نہیں صرف مستحب عبادت ہے جیسے نوافل کیونکہ یہاں ارشاد ہوا **حرض المومنين على القتال** آپ مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دیں۔ رغبت ایک نفلی عبادت کی دی جاتی ہے۔ فرض عبادت کا حکم دیا جاتا ہے یا اس کے نہ کرنے سے ڈرایا جاتا ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ جہاد کبھی فرض عین ہوتا ہے کبھی فرض کفایہ۔ یہ فرمان عالی اس وقت کا ہے جب فرض کفایہ ہو۔ دوسرے یہ کہ فرض عین کی بھی رغبت دی جا سکتی ہے یعنی اس کا حکم بھی دیا جاتا ہے اور رغبت بھی۔ یہاں رغبت ہے۔ دوسری آیات میں حکم و **جاهدو فى سبيل الله. قاتل المشركين يجاهد الكفا و المنافقين و اغلظ عليهم**۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار کو جہاد کرنا نہیں آتا **قوم لايفقهون** مگر آج کل بمقابلہ مسلمانوں کے کفار کو جنگ کرنا زیادہ آتا ہے پھر یہ آیت کیونکر صحیح ہوئی۔

جواب: واقعی کفار کو جنگ کرنا آتا ہے جہاد کرنا نہیں آتا۔ جہاد صرف مسلمانوں ہی کو آتا ہے۔ جہاد وہ جنگ جو اللہ کی راہ میں کفار سے کی جاوے۔ ملک یا مال کے لئے جنگ جہاد نہیں یا یوں کہو کہ کافر جنگ میں بے صبرا ہوتا ہے مومن عموماً صبر والا کیونکہ وہ نفس کے لئے لڑتا ہے مومن اللہ کے لئے۔ وہ سمجھتا ہے کہ جہاد میں مرنا بھی زندگی ہے۔

تیسرا اعتراض: پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان دس گنا کافروں سے مغلوب نہ ہوں گے۔ دوسری سے معلوم ہوا کہ دوگنے سے مغلوب نہ ہوں گے مگر دیکھا جاتا ہے کہ کبھی مسلمان برابر والے بلکہ کم سے بھی مغلوب ہو جاتے ہیں اللہ کا یہ وعدہ غلط کیوں ہو جاتا ہے۔

جواب: جن مفسرین نے دوسری آیت سے پہلی آیت کو منسوخ مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہاں دونوں آیتوں میں وعدہ نہیں ہے بلکہ حکم ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ دوسرے حکم سے پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔ ابو مسلم اصفہانی جو اسے منسوخ نہیں مانتے وہ کہتے ہیں کہ واقعی ہر وعدہ الٰہی ہے مگر اس شرط پر کہ مسلمان نیت و ارادے میں سچے ہوں، صابر ہوں۔ اگر کبھی مسلمانوں کو شکست ہو جاوے تو یا بے صبری کی وجہ سے یا اخلاص کی کمی کے باعث (تفسیر کبیر)

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ ضعیف الایمان تھے۔ دیکھو رب فرماتا ہے فیکم ضعفا (شیعہ)

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر حضرت علی کو ضعیف ایمان ماننا پڑے گا کیونکہ اس میں ان سب سے خطاب ہے کسی کو الگ نہیں دیا گیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں کمزوری سے مراد کمزوری ایمان نہیں بلکہ کمزوری خیال یا کمزوری ابدان ہے۔ یہ کوئی عیب نہیں واقعی جماعت صحابہ میں بیمار، ناتواں، بوڑھے بچے بھی تھے اس لئے لوگوں نے یہاں ضعف یا ضعفا کو ضعیف کی جمع فرمایا ہے اور اسے ضعفا پڑھا ہے ض اور عین کے پیش سے۔

پانچواں اعتراض: کیا پہلے صحابہ قوی تھے بعد میں کمزور ہو گئے کہ پہلے دس کے مقابلہ کرنے کا حکم پھر دو گنے کے مقابل

www.alahazratnetwork.org

لڑنے کا حکم رہ گیا۔

جواب: واقعی جب مسلمان تھوڑے اور نہتے تھے تو ان کا توکل رب تعالیٰ پر بہت زیادہ تھا۔ جب تعداد اور آلات اسباب زیادہ ہو گئے تو توکل کا وہ درجہ نہ رہا۔ نیز پھر ان میں بچے بوڑھے بیمار زیادہ شامل ہونے لگے تب آسانی کر دی گئی۔

چھٹا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ اللہ نے جان لیا کہ تم میں ضعف ہے تو کیا رب تعالیٰ پہلے بے علم تھا؟

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ علم تین طرح کا ہوتا ہے۔ شئی سے پہلے کہ ایسا ہو گا۔ شئی کی موجودگی میں کہ ایسا ہو گیا یا ایسا ہے اور شئی کے فنا ہو چکنے کے بعد کہ ایسا ہوا تھا۔ دوسرے علم کو علم ظہور کہتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے۔ یعنی اللہ نے دیکھ لیا کہ تم میں ضعف و کمزوری ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے **ولما یعلم الله الذین جاهدو منکم و یعلم الصابرین** اللہ نے ابھی تک مجاہدین صابرین کو جانا نہیں یعنی دیکھا نہیں یہ بات خیال میں رہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان بہ لحاظ انسانیت فطری طور پر بے صبرا ہے۔ **خلق الانسان هلوعا اذ امنه الشر جروعا** (الخ) مگر بہ لحاظ ایمان بہت قوی ہے۔ فرماتا ہے **الا المصلین الذین هم علی صلوتهم دائمون** حضور صلی اللہ علیہ وسلم عین ایمان ہیں۔ حضور ﷺ کی محبت خاص کی برکت سے خاص صحابہ اول درجہ کے مومن بن گئے۔ ان کا حال یہ ہے کہ **والذین مع شداء علی الکفار** وہ اپنے توکل فقط اخلاص تام کی وجہ سے بہادروں سے بڑھ کر بہادر ہیں۔ وہ ہر ایک سو کافروں پر بھاری ہیں جس کا ظہور بارہا خصوصاً غزوۂ حنین میں ہوا کہ حضور انور ﷺ اور آپ کے ساتھ خاص جانثار ایسی افراتفری کی حالت میں آگے ہی بڑھتے رہے۔ شعر

سیمرغ جان ما کہ رمیداست از دو کون　　　منت خدا را کہ بجا رام مصطفیٰ است

یہاں پہلی آیت میں مظہریت ایمان کی جھلک ہے اور دوسری آیت میں فطرت انسانی کی جلوہ گری حضور انور ﷺ کے نام میں طاقت ہے۔ ان کی زبان میں طاقت ہے۔

حکایت: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی سے فرمایا کہ تم مصر کے حاکم بنو گے۔ یہ صحابہ ایک جنگ میں حاضر ہوئے۔ کفار نے قلعہ کا دروازہ بند کر لیا۔ مسلمانوں کو محاصرہ میں بہت دشواری ہوئی۔ ان صحابی نے فرمایا کہ مجھے گوپھن میں رکھ کر قلعہ میں پھینک دو۔ میں انشاء اللہ کفار سے لڑ کر دروازہ کھول دوں گا۔ لوگوں نے کہا کہ تم نہتے اکیلے کیا کرو گے بولے مجھ سے حضور انور ﷺ نے وعدہ کیا ہے کہ حکومت مصر کا اور میں ابھی تک وہاں حاکم نہیں بنا ہوں لہٰذا میں ابھی مر نہیں سکتا۔ حاکم بن کر مروں گا۔ اگر میں اب قلعہ میں پھینک دیا گیا تو اگرچہ اکیلا اور نہتا ہوں مگر میں مروں گا نہیں بلکہ ماروں گا۔ یہ ہے قوت ایمان۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اعضاء کے ذریعہ رب تک جانا عمل ہے اور دل کے ذریعہ رب تک جانا نیت ہے۔ جب دل کا مقابلہ عمل سے ہو تو دل غالب رہے گا۔ کیونکہ دل بادشاہ ہے ارکان رعایا۔ کفار کے پاس صرف اعضاء ظاہری ہیں جن سے وہ لڑتے بھڑتے ہیں مومن کے پاس دل ہے۔ جس سے وہ جہاد کرتا ہے۔ لہٰذا مومن قوی ہے کافر سے۔ **ان کید الشیطان کان ضعیفا** (روح البیان) رب تعالیٰ ہم کو حزب اللہ میں داخل کرے حزب الشیطان سے بچائے۔

www.alahazratnetwork.org

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗۤ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ ؕ

نہیں ہے واسطے نبی کے یہ کہ ہوں اس کے لئے قیدی یہانتک کہ خوب قتل کرے زمین میں

کسی نبی کو لائق نہیں کہ کافروں کو زندہ قید کرے جب تک زمین میں ان کا خون نہ بہادے

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا ۖۗ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ

ارادہ کرتے ہو تم سامان کا دنیا کے اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ غالب ہے

تم دنیا کا سامان چاہتے ہو اور اللہ آخرت چاہتا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

حَكِيْمٌ ﴿۶۷﴾ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَاۤ اَخَذْتُمْ

حکمت والا اگر نہ ہوتی تحریر اللہ کی طرف سے گزر چکی تو پہنچتا تم کو اس میں جو لیا

اگر اللہ پہلے ایک بات نہ لکھ چکا ہوتا تو اے مسلمانوں تم نے جو کافروں سے بدلہ کا مال لے لیا

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوْا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖؗ وَّاتَّقُوا

تم نے عذاب بڑا پس کھاؤ تم اس میں سے جو غنیمت پائی تم نے جائز ستھری

اس میں تم پر بڑا عذاب آتا تو کھاؤ جو غنیمت تمہیں ملی حلال پاکیزہ اور اللہ سے ڈرتے رہو

اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۹﴾ ع

اور ڈرو اللہ سے تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مومنوں کو جہاد کے احکام بتائے گئے اور اس کی رغبت دی گئی۔ اب جہاد میں فتح ہو جانے کے بعد کے احکام بیان ہو رہے ہیں گو ابتدائے جہاد کے بعد اس کی دوسری انتہا کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس جہاد کا ذکر تھا جو گذشتہ نبیوں کے دین میں بھی تھا یہاں جہاد کے متعلق ایسی چیز کا ذکر ہے جو کسی آسمانی دین میں نہ تھی، صرف اسلام میں ہے یعنی قیدیوں سے فدیہ اور مال غنیمت حلال ہونا۔ گویا جہاد کے عمومی احکام بیان فرمانے کے بعد اس کے خصوصی حکم کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں جہاد کا ذکر تھا۔ اب مجاہدین کے فضائل کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے مجاہدین کی غلطیاں معاف فرماتا ہے اور ان کی آفات دور کرتا ہے۔ لولا کتاب الخ اور جہاد کی برکت سے مجاہدین کی خطائیں معاف

www.alahazratnetwork.org

کرتا ہے۔

شانِ نزول: پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ جنگ بدر کے موقع پر مومنین کی خواہش یہ تھی کہ ہم ابوسفیان کا قافلہ پکڑ لیں اور ان کا مال چھین لیں اور وہ اس ارادہ سے مدینہ منورہ سے چلے تھے مگر ہوئی جنگ وہ بھی مسلح اور اپنے سے تگنے کفار سے۔ اس کی حکمت بیان کرنے کیلئے پہلی آیت ما کان النبی (الخ) نازل ہوئی کہ بغیر جنگ کے کفار کو قید کر لینا ان کا مال چھین لینا نبی کی شان کے خلاف ہے۔ اس میں ان کی شان ان کی طاقت وقوت ظاہر نہیں ہوتی۔ (۲) غزوۂ بدر میں ستر کافر مارے گئے اور ستر کافر قید ہوئے۔ ان میں بڑے بڑے سرداران قریش تھے۔ جیسے حضرت عباس، عقیل، ہشام، عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق وغیرہم۔ ان قیدیوں کے متعلق حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کرنا چاہئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا کہ یارسول اللہ آخر یہ لوگ آپ ﷺ کے ہم قوم ہیں۔ ممکن ہے آگے چل کر یہ مسلمان ہو جاویں۔ مسلمانوں کو اس وقت روپیہ کی بہت ضرورت ہے۔ لہٰذا ان سے فدیہ لے لیا جاوے اور انہیں چھوڑ دیا جاوے۔ یہ فدیہ کا روپیہ آئندہ جہادوں کی تیاری میں کام آوے گا۔ حضرت عمر نے عرض کیا یارسول اللہ یہ لوگ کفار کے سردار اور کفار کی جڑیں ہیں۔ انہوں نے آپ ﷺ کی ہر طرح مخالفت کی۔ آپ ﷺ کو مکہ معظمہ سے نکالا۔ ان سب کو قتل کر دیا جائے اور ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز کافر کو قتل کرے چنانچہ آپ ﷺ جناب تو عباس کو قتل کریں حضرت علی اپنے بھائی عقیل کو اور میں اپنے ماموں ہشام کو اور جناب ابوبکر اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو۔ جناب عبداللہ ابن رواحہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ان تمام قیدیوں کو ایسے جنگل میں داخل کیا جاوے جس میں سوکھے درخت بہت ہوں پھر اس جنگل کو آگ لگا دی جاوے کہ ان میں سے ایک بھی بچ کر نہ جاوے۔ سارے زندہ جل کر راکھ ہو جاویں۔ حضور انور ﷺ نے خاموشی اختیار فرمائی اور اپنے خیمہ میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر بعد واپس ہوئے۔ ارشاد فرمایا کہ بعض کے دل دودھ سے زیادہ نرم ہوتے ہیں بعض کے دل پہاڑ کی طرح سخت۔ اے ابوبکر تم حضرت ابراہیم و عیسیٰ علیہم السلام کی طرح نرم دل جناب خلیل نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا تھا **فمن تبعی فانه منی و من عصانی فانک غفور الرحیم** اور حضرت عیسیٰ نے عرض کیا **ان تعذبهم فانهم عبادک و ان تغفرلهم فانک انت العزیز الحکیم** اور اے عمر تم حضرت نوح علیہ السلام کی طرح کفار پر سخت ہو کہ انہوں نے عرض کیا تھا **رب لا تذر علی الارض من الکافرین** خدایا زمین میں کوئی کافر گھر والا نہ چھوڑ، اور اے ابن رواحہ تم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح کفار پر سخت گیر ہو کہ انہوں نے فرعون کے متعلق بددعا کی **ربنا اطمس علی اموالهم و اشدد علی قلوبهم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیما** یہ فرما کر حضرت ابوبکر صدیق کی رائے شریف کو ترجیح دی اور تمام قیدیوں کو فدیہ فی کس بیس اوقیہ سونا لے کر چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ عباس کو چالیس اوقیہ کا حکم دیا۔ بیس اپنے اور بیس عقیل کے۔ ایک اوقیہ چالیس دینار کا ہوتا تھا جس کے پانچ سو روپیہ یا سوا سو درہم تقریباً ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر، خازن، خزائن، روح المعانی و بیان وغیرہ) خیال رہے کہ اس موقع پر سوا حضرت عمر اور عبداللہ ابن رواحہ کے باقی تمام صحابہ کی رائے فدیہ لے کر چھوڑنے کی تھی۔ حضور انور ﷺ نے فرما دیا تھا کہ اگر انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تو اگلے غزوے میں ستر

www.alahazratnetwork.org

حضرات تم میں سے شہید ہوں گے۔ان حضرات صحابہ نے بخوشی منظور کیا تھا کہ ہمارے ستر غازی شہید وجنتی ہوں چنانچہ اگلے غزوہ یعنی احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے (تفسیر روح البیان) یہاں تفسیر روح البیان میں ہے کہ ان سب قیدیوں سے فدیہ لیا گیا مگر ابوالعاص اور وہب ابن عمر بغیر فدیہ چھوڑ دیئے گئے اور نضر ابن حارث اور عقبہ ابن ابی معیط قتل کیے گئے۔ واللہ و رسولہ اعلم (روح البیان بحوالہ سیرت حلبیہ)

تفسیر: ما کان لنبی اس فرمان عالی کے دو ترجمے ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ نہیں ہوا کسی نبی کو۔دوسرے یہ کہ نہیں لائق ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یعنی نبی کی تنوین یا تو تنکیری ہے جس میں سارے نبی داخل ہیں۔دوسرے یہ کہ تنوین تعظیم کی ہو یعنی نبیوں کے سردار حضور ﷺ احمد مختار کو لائق نہیں۔بعض نے فرمایا کہ یہاں اصحاب پوشیدہ ہے یعنی حضور ﷺ کے صحابہ کو یہ لائق نہیں کیونکہ اگلی ساری ضمیریں جمع آ رہی ہیں۔تریدون لکم اور اخذتم وغیرہ ابوالدرداء اور ابوحیوۃ کی قرأۃ میں للنبی ہے (روح المعانی) ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض یہ عبارت ماکان کا یا تو فاعل ہے یا اسم موخر۔اسریٰ جمع ہے اسیر کی جیسے جریح کی جمع جرحی اور قتیل کی جمع قتلیٰ پھر اسریٰ کی جمع ہے اساریٰ یعنی جمع کی جمع حتیٰ یکون کے متعلق ہے۔ثخن بنا ہے ثخن یا ثخافت سے بمعنی گاڑھا، غلیظ، کثیف ہونا۔یہاں مراد ہے قتل میں مبالغہ کرنا، کفار کو جنگ میں خوب قتل کرنا، جس میں مسلمانوں کا رعب اور اسلام کی ہیبت کفار کی دل میں بیٹھ جائے اور آئندہ وہ مسلمانوں کے مقابلہ کی ہمت و جرأت نہ کر سکیں یا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بدر میں تم نے قید کرنے میں جلدی کیوں کی۔صرف ستر ہی کیوں قتل کئے اور زیادہ قتل کیوں نہ کئے۔نبی کی شان یہ ہے کہ پہلے کفار کو اچھی طرح قتل کرے پھر جب ان پر دھاک بیٹھ جائے تب کچھ تو قید کرے یہ مطلب موزوں نہیں کیونکہ بدر میں غازی صحابہ نے کفار کے قتل میں بالکل سستی نہ کی جتنے قتل ہو سکتے تھے اتنے ہی کئے دوسرے یہ کہ تم جو چاہتے تھے کہ جنگ واقع نہ ہو ہم ابوسفیان کے قافلہ پر حملہ کر کے انہیں قید کرلیں ان کا مال ضبط کرلیں یہ نبی کی شان کے لائق نہ تھا اس لئے یہ جنگ کرائی گئی کہ خوب قتل ہو کر کفار قید ہوں شان اسلام اسی میں ظاہر ہوئی تھی۔تریدون عرض الدنیا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں آئندہ عتاب کی وجہ بیان ہوئی تریدون میں خطاب نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور نہ حضرت ابوبکر صدیق سے کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ضروری نہ تھا کہ اپنے ہاتھ سے کفار کو قتل کریں (تفسیر کبیر) اور حضرت ابوبکر صدیق نے جو فدیہ لینے کا مشورہ دیا اس سے مقصود تھا کہ یہ مال آئندہ جہادوں میں کام آئے لہٰذا انہوں نے دنیاوی سامان نہ چاہا بلکہ جہاد کا ارادہ کیا (تفسیر روح البیان) لہٰذا یہ خطاب یا تو ان حضرات سے ہے جو جنگ بدر چاہتے ہی نہ تھے بلکہ ابوسفیان کا قافلہ پکڑ کر ان کا مال چھین لینا چاہتے تھے یا ان عام حضرات سے خطاب ہے جو یہ فدیہ لینا اپنی ذات کے لئے چاہتے تھے۔ان کے حق میں یہ مال دنیاوی سامان تھا۔یہ بات خوب یاد رکھی جاوے۔عرض کے معنی ہیں عارضی چیز جو قریب فنا ہو۔سامان دنیا کو عرض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ قریب الفنا ہوتا ہے جو چیز نفس کے لئے ہے وہ عرض دنیا ہے جو اللہ کے لئے وہ آخرت کا سامان ہے۔واللہ یرید الآخرۃ اس فرمان عالی کے دو مقصد ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ بجائے قافلہ ابوسفیان کے جنگ واقعہ ہوئی اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ یہ تھا کہ جنگ واقع ہو اور تم کو آخرت میں جہاد و شہادت کا

www.alahazratnetwork.org

ثواب ملے جو ہمارا ارادہ تھا وہ ہوا۔ اس صورت میں ارادہ اپنے معنی میں ہے۔ دوسرے یہ کہ اس کا فدیہ لینے میں اے عام صحابہ تم نے دنیا کے سامان کا ارادہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند تھی کہ تم کو ثواب آخرت دے اس صورت میں ارادہ بمعنی رضا ہے لہٰذا اس پر یہ اعتراض نہیں کہ اللہ کا ارادہ نہ ہوا۔ مسلمانوں نے فدیہ لے لیا۔ رضا اور ارادہ میں فرق ہے (روح البیان) **و الله عزیز حکیم.** اللہ تعالیٰ غالب ہے جسے چاہے جس پر چاہے جب چاہے غالب کردے۔ دیکھ لو اس نے تھوڑے اور بے سامان غازیانِ بدر کو اتنے بڑے لشکر جرار پر غالب کردیا، حکمت والا ہے۔ اس موقع پر تمہاری تیاری کے بغیر جنگ کرادینے میں اس کی خاص حکمت ہے جو ابھی بیان کی گئی۔ **لولا کتب من الله سبق** اس جگہ یہ آیت کریمہ یقیناً بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق ہے۔ اس میں روئے سخن غازیانِ بدر سے ہے۔ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے قرآن مجید میں لفظ کتاب بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ آسمانی کتاب جیسے یا اصل الکتاب۔ قرآن مجید جیسے ہذا کتاب انزلنا۔ مبارک غلام کو مکاتب کرنا۔ **والذین یبتغون الکتاب مما ملکت ایمانکم و کاتبوھم** لکھنا۔ تحریری حکم وغیرہ یہاں کتاب آخری معنی میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا تحریر حکم نہ ہو چکا ہوتا یا بمعنی لکھنا یعنی اگر اللہ تعالیٰ پہلے یہ نہ لکھ چکا ہوتا۔ ظاہر یہ ہے کہ لکھنے سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہو اور ہوسکتا ہے کہ گذشتہ آسمانی کتب کی تحریر مراد ہو۔ ممکن ہے کہ قرآن مجید کی تحریر مراد ہو پھر اس میں گفتگو ہے کہ کون سی تحریر مراد ہے یا یہ فرمان مراد ہے **ما کان الله لیعذبھم و انت فیھم** جن میں حضور انور ﷺ جلوہ گر ہوں انہیں عذاب نہ دے گا یا یہ کہ بدر کے غازیوں کو عذاب نہ دے گا۔ وہ سب مغفور ہیں یا یہ کہ اجتہادی غلطی پر عذاب نہ دے گا بلکہ اس پر ثواب عطا فرمائے گا یا یہ کہ صریح ممانعت فرمائے بغیر کسی کو عذاب نہ دے گا اس کے متعلق اور بہت قول ہیں دیکھو تفسیر روح المعانی، کبیر، بیان، خازن وغیرہ یہ ہی مقام۔ **لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم.** یہ فرمان عالی لولا کی جزا ہے لمسکم اور اخذتم میں خطاب غازیانِ بدر سے ہے یعنی تم نے جو فدیہ کا مال لے لیا یا جس کے لینے کا فیصلہ کرلیا اس پر تم کو سخت عذاب دیا جاتا۔ عذاب اس وجہ سے ہوتا کہ تم نے بغیر وحی کا انتظار کئے ہوئے اتنا بڑا کام جو از آدم علیہ السلام تا عیسیٰ علیہ السلام کسی نبی کے صحابہ بلکہ ان کی امتوں نے نہ کیا یعنی فدیہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنا تم وحی کا انتظار کرتے ہم براہ راست اس کی اجازت دیتے پھر تم لیتے۔ آخر رب نے قانون یہ ہی بنایا **فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداءً** نیز یہ مالِ فدیہ حرام نہ کیا بلکہ حلال رہا چنانچہ امام محی السنۃ نے روایت کی کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو غازیانِ بدر نے چاہا کہ لئے ہوئے فدیہ کو ہاتھ نہ لگائیں کیونکہ یہ ناجائز ذریعہ سے حاصل ہوا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ **فکلوا مما غنمتم حللا طیبا** (روح المعانی خازن) یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ اگر تم اس فدیہ کا حکم معلوم کرنا چاہتے ہو تو کھاؤ لہٰذا ف جزائیہ ہے کلوبنا ہے اکل سے بمعنی کھانا مراد ہے مطلق استعمال کرنا۔ کھانا ہو یا پینا یا پہننا یا کسی اور طرح استعمال کرنا۔ **لا تاکلوا الربا** **ماغنمتم** سے مراد یہ ہی فدیہ کا مال ہے۔ جس کے متعلق صحابہ کرام کو تردد ہوا تھا۔ فرمایا گیا کہ یہ بھی مال غنیمت ہے جیسے اور غنیمتیں تمہارے لئے حلال ہیں۔ ایسے ہی فدیہ کا مال بھی۔ دوسری غنیمتیں مراد نہیں۔ کیونکہ ان کا حلال ہونا تو اس آیت میں بیان ہوا **واعلموا انما غنمتم من شیئ فان الله**

www.alahazratnetwork.org

خمسه و للرسول (الخ) نیز اسلام میں سب سے پہلے غنیمت وہ تھی جو غزوہ بدر سے پہلے کفار سے حاصل کی گئی اور حضور ﷺ نے صحابہ میں تقسیم فرمائی۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے حضرت عبداللہ ابن جحش کی سرکردگی میں مہاجرین کی جماعت بدر اولیٰ کی موقع پر کفار کے مقابل بھیجی۔ یہ لوگ کفار قریش کے ایک قافلے پر حملہ کر کے ان کا مال چھین لائے اور وہ مال تقسیم کیا گیا۔ وہ پہلی غنیمت تھی (روح البیان) لہٰذا اس آیت میں فدیہ ہی مراد ہے۔ اسے حلال فرما کر یہ بتایا گیا کہ تمہارا یہ عمل یعنی فدیہ لے لینا جرم نہیں اور نہ فدیہ حرام ہوتا۔ چوری، جوا، رشوت حرام کام ہیں تو ان سے حاصل کیا ہوا پیسہ بھی حرام ہی ہوتا ہے۔ طیب فرما کر یہ بتایا کہ اس فدیہ میں حرمت کا شبہ بھی نہیں۔ یہ فدیہ شریعت کو محبوب و مرغوب ہے۔ و اتقوا الله اس فرمانِ عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ آئندہ تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کرو۔ دوسرے یہ کہ اس فدیہ کو حلال و طیب جانو۔ اللہ سے خوف کرو۔ اسے حرام نہ جانو کیونکہ حلال کو حرام سمجھنا تقویٰ کے خلاف ہے۔ ان الله غفور رحیم. اس آیت کو مغفرت اور رحمت کے ذکر پر ختم فرمایا۔ اس کی مغفرت تو یہ ہوئی کہ فدیہ لینے میں جلدی کرنا، وحی کا انتظار نہ کرنا خطا و غلطی تھا جو معاف کر دیا گیا۔ رحمت یہ ہوئی کہ آئندہ کے لئے فدیہ لینا جائز کر دیا گیا کہ آئندہ قیدی آویں تو بے دھڑک ان سے فدیہ لے کر چھوڑ سکتے ہو۔ اب تم کو وحی کی ضرورت نہ ہوا کرے گی (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: یہ تینوں آیتیں یا تو فدیہ کے متعلق ہیں یا پہلی آیت کا تعلق اس سے ہے۔ کچھ مسلمانوں نے بدر کی جنگ سے پہلے چاہا تھا کہ جنگ نہ ہو ابوسفیان کا قافلہ پکڑ لیا جاوے اور باقی دو آیتیں فدیہ لینے کے متعلق ہیں۔ فقیر کے نزدیک دوسرا احتمال قوی ہے اس کا ہم خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اے مسلمانو! نبی کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ بغیر جنگ کچھ کفار کو قیدی کرے اور ان کا مال غنیمت بنائے کیونکہ اس میں پیغمبر کی شان ظاہر نہیں ہوتی۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ کفار بے سامان اور تھوڑے تھے نبی کے ساتھی زیادہ اس لئے ایسا ہوا۔ نبی کی شان یہ ہے کہ اولاً خوب جنگ کریں اور کفار کو اچھی طرح قتل کریں پھر بعد میں انہیں قید کریں جس سے ان کی دھاک اسلام کا رعب کفار پر بیٹھ جاوے جیسا کہ اب ہوا کہ بدر میں ستر سرداران کفار مارے گئے پھر تم نے انہیں قید کیا تم لوگ صرف دنیاوی سامان چاہتے تھے یعنی بغیر لڑے مال مل جاتا۔ مگر ہمارا ارادہ تھا کہ تم کو آخرت کی نعمتیں بخشیں کہ تم غازی ہو تم میں سے چودہ آدمی شہید ہوں اور تمہارا رعب کفار پر چھا جائے۔ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے کہ اس نے تم بے سامان تھوڑوں کو بہت بڑے اور ہتھیار بند کفار پر غالب کر دیا۔ اور حکمت والا بھی ہے۔ یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ جہاد میں سارے کافروں کو قتل کرنا ضروری نہیں اتنے کفار کا قتل ضروری ہے جس سے کفار پر مسلمانوں کا رعب چھا جائے وہ حضرات صحابہ نے بدر میں اچھی طرح کر لیا لہٰذا اثخان پایا گیا۔ اب فدیہ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے کہ اے غازیانِ بدر تم نے وحی الٰہی کا انتظار کئے بغیر کفار سے فدیہ لینے کا فیصلہ کر لیا۔ بعض سے لے لیا اور بعض کو حکم دے دیا کہ مکہ معظمہ سے اپنا فدیہ منگاؤ اور چھوٹ جاؤ۔ یہ تم نے خطا اجتہادی کی۔ ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے کہ غازیانِ بدر کو ہرگز عذاب نہ دیں گے نیز جس قوم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہوں اس پر عذاب نہ آوے گا۔ نیز خطا اجتہادی پر عذاب نہ ہوگا۔ اگر یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا تو تم پر عذاب آ جاتا۔ خیر یہ تو جو ہوا وہ ہوا اب سن لو کہ تمہارا فدیہ لے لینے کا فیصلہ حرام نہیں تا کہ فدیہ

www.alahazratnetwork.org

کا مال تم پر حرام نہ ہو جائے۔ تمہارا یہ کام درست ہوا۔ صرف ہوا یہ کہ تم نے اس میں جلدی کی ہماری وحی کا انتظار نہ کیا۔ (روح المعانی) زیر قولہ ان اللہ غفور رحیم لہٰذا فدیہ کا حاصل کیا ہوا مال تمہارے لئے حلال بھی ہے طیب بھی۔ اسے اچھی طرح کھاؤ پیو کہ یہ مال غنیمت ہے۔ جیسے تمہارے لئے غنیمت حلال کر دی گئی ویسے ہی فدیہ حلال کر دیا گیا۔ آئندہ تقویٰ و پرہیزگاری اختیار کرو اللہ تعالیٰ غفور بھی ہے کہ اس نے تمہاری اس جلدی کی خطا کو معاف کر دیا۔ رحمت یہ ہے کہ آئندہ کے لئے فدیہ لینا بالکل مباح فرما دیا اب کسی قسم کے انتظار کی ضرورت نہ ہوا کرے گی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی حکمت ہوتی ہے۔ ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ ما کان لنبی سے حاصل ہوا کہ مسلمان اس پر خوش تھے کہ بغیر لڑے بھڑے ابوسفیان کا قافلہ پکڑیں ان کا مال چھین لیں مگر ہوا یہ کہ یہ لوگ غازی شہید مجاہد بہادر بنے اور ان کا رعب کفار پر چھا گیا۔ یہ سب کچھ جنگ ہونے سے ہوا۔

دوسرا فائدہ: نبی بڑے بہادر بڑے دلیر ہوتے ہیں۔ بزدلی نبوت کی شان سے بعید ہے۔ رب تعالیٰ ان کی جرأت و ہمت لوگوں پر ظاہر کرنا چاہتا ہے۔ یہ فائدہ حتی یثخن فی الارض سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: نبی کی شان ان کی عظمت کفار کے قتل سے ظاہر ہوتی ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

لا یسلم المسلم اشرف الرفیع من الاذی   حتی یراق علی جوانبہ الدم

نبی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کفار کی جماعتوں کا قتل کرایا گیا۔ عظمت نبی بڑی اہم چیز ہے۔ دیکھو حضرت یوسف کے دامن سے غلامیت کا دھبہ دور کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے جہاں بھر میں سات سال کی عام قحط سالی بھیجی۔ جب ان کے دامن سے یہ داغ دور کر دیا تب بارش بھیجی۔

چوتھا فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اسلام میں بڑی شان ہے کہ بہت دفعہ قرآنی آیات اسلامی احکام آپ کی رائے کی مطابق آئے۔ یہ آیت بھی ان ہی آیات میں سے ہے جو حضرت عمر کی رائے کے مطابق آئیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر اس موقع پر عذاب آتا تو عمر اس سے بچ جاتے (کتب احادیث و تفسیر کبیر و خازن و معانی وغیرہ)

پانچواں فائدہ: بزرگوں کی خطا چھوٹوں کے لئے عطا کا ذریعہ بن جاتی ہے دیکھو حضرت ابوبکر صدیق کی رائے پر بدر کے قیدی فدیہ لے کر چھوڑے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں سے اکثر مومن بلکہ صحابی بنے۔ ان سب پر حضرت صدیق اکبر کا احسان ہوا حتیٰ کہ حضرت عباس، حضرت عبدالرحمٰن ابن ابی بکر، حضرت عقیل بن ابی طالب جیسے حضرات جو آسمان ایمان کے چمکتے ہوئے تارے ہیں ان پر حضرت صدیق کا احسان ہے تمام دنیا کا ظہور حضرت آدم علیہ السلام کی ایک لغزش یعنی گندم کھانے کا نتیجہ ہے۔

چھٹا فائدہ: اصحاب بدر سارے کے سارے جنتی ہیں۔ انہیں دنیا یا آخرت میں عذاب نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ لولا کتب کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ کتاب سے مراد رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو جو بدر والوں کے جنتی ہونے کے متعلق ہوا کہ لوح محفوظ

www.alahazratnetwork.org

میں ان کو جنتی لکھ دیا گیا۔ مسلم بخاری وغیرہما میں حضرت حاطب ابن ابی بلتعہ کے قصہ میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ حاطب کو قتل نہ کرو تمہیں کیا خبر کہ رب تعالٰی نے بدر والوں سے فرمادیا ہے کہ تم جو چاہو کرو ہم نے تم کو بخش دیا (روح المعانی)

ساتواں فائدہ: خطاء اجتہادی معاف ہے۔ مجتہد کو غلطی پر پکڑا نہیں جاتا بلکہ اجتہاد کرنے کا اجر ملتا ہے۔ یہ فائدہ بھی **لولا کتب من اللہ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد ہو رب تعالٰی کا یہ فیصلہ کہ مجتہد کو غلطی اجتہادی پر پکڑا نہ جاوے گا لہٰذا حضرت امیر معاویہ، حضرت عائشہ صدیقہ اور ان کی جماعت والوں پر کوئی عتاب نہیں۔

آٹھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا تشریف فرما ہونا عذاب الٰہی سے امن ہے جو ان کے دامن میں ہے یا قیامت میں ہوگا وہ کونین کے عذاب سے محفوظ ہے۔ یہ فائدہ بھی **لولا کتب من اللہ** کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد رب تعالٰی کا یہ فیصلہ ہو کہ **ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** تو وہ حضرت صدیق و فاروق جو پہلوئے رسول میں گنبد خضرا کے اندر سو رہے ہیں ان کے مراتب کا کیا پوچھنا۔

نواں فائدہ: بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینا انہیں چھوڑ دینا شرعاً بالکل جائز تھا اس پر کوئی سرزنش نہیں۔ یہ فائدہ **فکلوا مما غنمتم** (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالٰی نے فدیہ کے مال کو غنیمت کہا اسے حلال و طیب فرمایا۔ جو شے حرام ذریعہ سے حاصل ہو وہ طیب نہیں بلکہ خبیث ہے جیسے چوری، رشوت، سود کے ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال اگر ذریعہ حرام ہو تو مال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ عتاب کس چیز پر ہوا انشاء اللہ اس کا ذکر ابھی سوال و جواب میں کیا جاوے گا۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالٰی کے ارادہ رضا حکم میں فرق ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اللہ کے ارادے کے خلاف ہو جاوے یا رضاء الٰہی امر الٰہی کے خلاف دن رات ہوتا رہتا ہے یہ فائدہ **واللہ یرید الاخرۃ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: پہلی آیت سے معلوم ہوا کہ بدر میں مسلمانوں نے کفار کو خوب قتل نہ کیا بلکہ گرفتار کرنے کی کوشش کی مال کے لالچ میں۔ اس میں حضور انور ﷺ کی توہین ہوئی کہ آپ ﷺ پر عتاب آیا **ما کان النبی** (الخ)...... (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر آیت کریمہ کا وہ مطلب ہو جو آپ نے بیان کیا تو حضرت علی بھی اس کی زد میں آ جائیں گے کہ وہ بھی بدر میں شریک تھے انہوں نے خوب قتل کیوں نہ کئے۔ ان کو علیحدہ کرنے کی کون سی آیت لاؤ گے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قوی یہ ہے کہ یہ پہلی آیت فدیہ کے متعلق ہے ہی نہیں بلکہ اس کا تعلق بدر کے واقعہ سے پہلے سے ہے جبکہ عام صحابہ کی منشاء یہ تھی کہ ہم کو غیر یعنی قافلہ ابوسفیان مل جائے جس سے بغیر محنت مال اور قیدی ہاتھ میں آ جاویں۔ اس کے متعلق یہ ارشاد ہوا کہ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **و تودون ان تکون غیر ذات الشوکۃ لکم** اس آرزو کی وجہ ظاہر ہے کہ وہ حضرات مدینہ منورہ سے جنگ کی تیاری کر کے نہ چلے تھے۔ ابھی ہم تفسیر خازن کے حوالہ سے تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جہاد میں سارے کافروں کا قتل واجب نہیں جتنا قتل چاہئے تھا وہ حضرات صحابہ بدر میں کر چکے تھے۔ لہٰذا اس آیت میں فدیہ لینے یا قیدیوں کو چھوڑنے کا ذکر نہیں ہے اس کا ذکر اگلی دو آیتوں میں ہے

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے کہ اس خطاب میں حضور انور ﷺ داخل نہیں ہیں۔ حضور انور ﷺ پر جہاد کا انتظام تھا۔ قتل کفار آپ ﷺ کے ذمہ تھا ہی نہیں۔ دیکھو تفسیر کبیر یہی آیت۔ اس سے معلوم ہے کہ حضور انور ﷺ کے تمام جہادوں میں ایک ہزار آٹھ کافر ہلاک ہوئے جن میں ایک شخص خلف ابن امیہ کو حضور انور ﷺ نے اپنے دست اقدس سے قتل کیا۔ اس کی وجہ بھی یہ تھی کہ ہجرت سے پہلے اس نے ایک بار حضور انور ﷺ سے کہا تھا اور تلوار دکھائی تھی کہ میں نے یہ تلوار اے محمد آپ ﷺ کے قتل کے لئے تیار کی ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ انشاء اللہ اسی تلوار سے تو میرے ہاتھ سے دوزخ میں پہنچے گا۔ لہٰذا اس آیت میں حضور ﷺ پر کوئی عتاب نہیں اسی واسطے آگے جمع کے صیغے ارشاد ہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام طالب دنیا تھے۔ دیکھو رب نے تریدون عرض الدنیا فرمایا۔

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر اس کا مقصد وہی ہے جو تم نے کہا تو اس کی زد سے حضرت علی کیسے بچیں گے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ نہ تو دنیا بری ہے نہ دنیا کا سامان برا۔ اللہ نے سب کچھ مسلمانوں کے لئے پیدا فرمایا۔ فرماتا ہے قل هی للذین امنوا فی الحیوة الدنیا خالصة یوم القیامة آیت کا مقصد یہ ہے کہ تم فقط دنیاوی سامان اور قیدی چاہتے تھے۔ رب چاہتا تھا کہ تمہیں یہ بھی دے اور جہاد و شہادت کا ثواب بھی بخشے تم محبوب کے جو ہوئے ہم سے خوب لو۔ دونوں ہاتھوں سے لو۔ طالب دنیا وہ ہے جو دین کے عوض دنیا لے صحابہ کرام سے یہ ثابت نہیں۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ نہ تو فدیہ ناجائز تھا نہ اس کا لینا جرم تھا۔ اگر یہ درست ہے تو صحابہ کرام پر اتنا سخت عتاب کس قصور پر ہوا کہ اگر فیصلۂ الٰہی نہ ہو چکا ہوتا تو تم کو بڑا عذاب پہنچتا۔ بے قصور کو عذاب کیسا۔

جواب: عتاب کی وجہ ہم ابھی تفسیر میں بحوالہ روح المعانی عرض کر چکے وہ فرماتے ہیں من استباحة الفداء قبل ورود الاذن کہ ان حضرات نے وحی الٰہی کا انتظار نہیں کیا اسے اور غنیمت پر قیاس کر کے مباح سمجھ لیا۔ مقصد الٰہی ہے کہ از زمانہ آدم تا زمانہ عیسیٰ علیہما السلام کفار قیدیوں سے فدیہ کسی نبی کی شریعت میں جائز نہ ہوا۔ تم نے اتنا بڑا کام صرف قیاس سے کیوں کر لیا؟ ہمارا حکم آنے پر کیا ہوتا کہ کوئی دین والا تم پر اعتراض نہ کرتا اگر کرتا تو ہم پر کرتا۔ اچھا اب ہم یہ ہی قانون جاری کرتے ہیں کہ فشدوا الوثاق فاما منا بعد و اما فداء کہ آئندہ تم کفار قیدیوں پر یا احسان کر کے چھوڑ دیا کرو یا فدیہ لے کر سبحان اللہ اس سے تو ان کی محبوبیت کا پتہ لگتا ہے۔ خیال رہے کہ لولا کتب من اللہ سبق (الخ) فرمان ایسا ہی ہے جیسے ان کان للرحمن ولد فانا اول العابدین نہ خدا تعالیٰ کے اولاد ہونا ممکن نہ حضور ﷺ کا اس کی عبادت کرنا ممکن۔ ایسے ہی نہ تو رب تعالیٰ کی تحریر کا بدلنا ممکن ہے نہ اصحاب بدر پر عذاب الٰہی آنا ممکن اللہ کے وعدوں کا خلاف ہونا ایسا ہی ناممکن ہے جیسے دو معبود ہونا ان حضرات سے جنتی ہونے کا وعدہ فرما لیا گیا۔

چوتھا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ اس موقع پر حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر عذاب الٰہی آتا تو عمر اس سے بچ

www.alahazratnetwork.org

جاتے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پر بھی عذاب آ جاتا صرف حضرت عمر بچتے (بعض بے دین)۔

جواب: اس حدیث میں روئے سخن صحابہ سے ہے ایسے موقع پر متکلم علیحدہ ہوتا ہے یعنی تمام وہ صحابہ جنہوں نے فدیہ لینے کی رائے دی وہ مبتلا ہو جاتے ہیں چونکہ حضرت عمر نے یہ رائے نہ دی تھی وہ محفوظ رہتے۔ اس حدیث میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا ہے عذاب آنا ممکن ہی نہ تھا۔

پانچواں اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ اس آیت کے نزول پر حضرت ابوبکر صدیق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت روئے ظاہر ہے کہ آپ کا رونا فدیہ لینے کی وجہ سے تھا جو گناہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ نے بھی گناہ کیا آپ ﷺ معصوم نہ تھے۔ (از کبیر)

جواب: یہ گریہ وزاری اس خوف عذاب سے نہ تھی بلکہ خوف خدا سے تھی اور خوف کمال ایمان کی دلیل ہے۔ ایمان جس قدر قوی اسی قدر خوف خدا زیادہ۔ عذاب کا تو احتمال بھی نہ تھا۔ خیال رہے کہ عصمت انبیاء کے منکرین اس آیت سے بھی دلیل پکڑتے ہیں۔ ان کے مکمل جوابات اپنی کتاب قہر کبریا پر منکرین عصمت انبیا میں دیئے گئے۔ وہاں مطالعہ کرو۔ نیز معصوم اور محفوظ کا فرق بھی وہاں ہی دیکھو اور جس قدر یہاں ذکر کیا گیا، عاقل کے لئے کافی ہے۔ گناہ، خطا اور خطا اجتہادی میں بڑا فرق ہے یہاں خطا اجتہادی ہے گناہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ ﷺ کے صدقہ آپ ﷺ کی امت کو بعض نعمتیں ایسی بخشی ہیں جو آپ ﷺ سے پہلے کسی نبی یا کسی امت کو عطا نہ ہوئیں۔ جیسے مال غنیمت کا حلال ہونا، فدیہ کا جائز ہونا، فدیہ کی ابتداء جنگ بدر کے قیدیوں سے ہوئی۔ منشاء الٰہی یہ تھا کہ اتنا بڑا کام یعنی فدیہ کا جائز ہونا جو اس سے پہلے کبھی نہ ہوا۔ ہماری طرف سے ہو نہ کہ صرف صحابہ کے اجتہاد سے۔ ساتھ ہی منشاء یہ بھی تھا کہ ان صحابہ کا احسان ان تمام قیدیوں پر ہو جو ان کے اجتہاد کے ذریعہ رہائی پائیں۔ یہ منشاء بھی تھا کہ قیدیوں کا ایمان لانا ان کا صحابی بننا۔ اسلام کی خدمات کرنا لوح محفوظ میں لکھا جا چکا تھا۔ ان کے ایمان کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ اس کا ظہور ان صحابہ کے ذریعہ سے ہوا۔ ان وجوہ سے یہ واقعہ ہوا ان آیات میں صورۃً عتاب ہے حقیقۃً رحمت و کرم۔ حضور انور ﷺ کی عظمت کبھی جلال سے ظاہر ہوتی ہے کبھی جمال سے۔ سورج کی عظمت سردیوں میں ٹھنڈک سے ظاہر ہوتی ہے گرمیوں میں تپش سے۔ فرمایا گیا کہ جہادوں میں نبی کی عظمت قتل کفار سے ظاہر ہونی چاہئے دوسرے حالات میں رحم و کرم سے۔ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! یہ وقت جلال کے ذریعہ عظمت رسول دکھانا اس حالت میں فدیہ لے کر چھوڑ دینا اس میں جمال کی جھلک آ گئی جو بے موقع ہوئی۔ اس لئے تم پر عتاب ہوا۔ ساتھ ہی حضور ﷺ کی شان یہ ہے کہ جس قوم میں محبوب ہوں وہاں نبی عذاب نہ آئے۔ اس لئے تم پر عذاب نہ آیا۔ اس میں جمالی طور پر عظمت مصطفیٰ کا ظہور ہے۔ یہ آیت کریمہ جلال و جمال کی جامع ہے۔ جلال و جمال دونوں ہی حضور ﷺ کی رحمت ہیں۔ سردی گرمی دونوں موسم سورج کے ذریعہ رب کی رحمت ہے۔ مہربان طبیب کے دونوں کام آپریشن کرنا پھر مرہم رکھنا دونوں اس کی رحمت ہیں۔ آپریشن جلالی مرہم جمالی مگر آپریشن کے وقت مرہم نہ رکھو کہ اس میں جلال میں جمال کا خلط

www.alahazratnetwork.org

ہے پھر ارشاد ہوا کہ چونکہ اس فدیہ میں حضور انور ﷺ کی رائے شریف شامل ہے۔اس لئے یہ تمہارے لئے غنیمت ہے۔ حلال ہے طیب تم اسے بے تکلف کھاؤ ان کے نام سے چیز کی بلکہ انسان کی کایا پلٹ جاتی۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْۤ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰۤى اِنْ

اے نبی فرمادو ان لوگوں سے جو تمہارے قبضے میں ہیں یعنی قیدی لوگ اگر جانے گا اللہ دلوں میں تمہاری

اے غیب کی خبر بتانے والے جو قیدی تمہارے ہاتھ میں ہیں ان سے فرمادو اگر اللہ نے تمہارے دلوں میں

يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّاۤ اُخِذَ مِنْكُمْ وَ

بھلائی تو دے گا تم کو اچھا اس سے جو لیا گیا تم سے اور بخش دے گا تم کو اور اللہ

بھلائی جانی تو جو تم سے لیا گیا اس سے بہتر تمہیں عطا فرمائے گا اور تمہیں بخش دے گا تم کو

يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَاِنْ يُّرِيْدُوْا خِيَانَتَكَ فَقَدْ

بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر ارادہ کریں وہ لوگ دھوکا کا تم سے

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔اور اے محبوب اگر وہ تم سے دغا چاہیں گے تو اس سے پہلے اللہ ہی کی

خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَاَمْكَنَ مِنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝

پس وہ خیانت کر چکے اللہ سے اس سے پہلے پس قبضہ دیدیا ان میں سے بعض پر اور اللہ علم و حکمت والا ہے

خیانت کر چکے ہیں جس پر اس نے اتنے تمہارے قابو میں دے دیئے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے

تعلق: ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بدر کے قیدیوں سے فدیہ کا وہ فائدہ بیان ہوا جو مسلمانوں کو پہنچا یعنی اس کا حلال ہونا، طیب ہونا، مال غنیمت ہونا، غازیوں کے لئے مباح ہونا۔اب اس فدیہ کے اس فائدہ کا ذکر ہے جو خود فدیہ دینے والے قیدی کفار کو پہنچے گا کہ اگر وہ مومن ہو جاویں جو حضور انور سے وعدہ وفائی کریں یعنی آئندہ ان کو اس فدیہ سے کہیں زیادہ مال دنیا میں عطا فرمایا جانا۔آخرت میں بخشش گناہ گویا فدیہ کے نفع کا ذکر پہلے تھا اور دوسرے نفع کا ذکر اب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار قیدی پر اظہار جلال تھا۔اب ان پر اظہار جمال۔گویا زخم کا ذکر وہاں تھا،مرہم کا ذکر اب یہاں ہے یعنی ان کی جان بخشی کا ذکر پہلے ہوا۔اب ان میں بعض کے لئے ایمان بخشی،مال بخشی،گناہ بخشی کا ذکر یہاں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان غازی مسلمانوں کی تسلی تشفی کی گئی جنہوں نے کفار بدر سے فدیہ لیا کہ فرمایا گیا فکلوا مما غنمتم (الخ) اب بدر کے ان قیدیوں کی تسلی تشفی کی جاری ہے جنہوں نے مسلمانوں کو بادل نخواستہ فدیہ دیا کہ مت گھبراؤ تمہیں اس سے زیادہ دیں گے۔ (تفسیر کبیر)

شان نزول: کفار مکہ نے بدر کی طرف چلتے وقت دس شخصوں کے ذمہ ساری فوج کا کھانا ڈالا تھا کہ مکہ معظمہ لوٹتے وقت تک باری باری سے فوج کو کھانا دیں۔ ان میں ایک حضرت عباس ابن عبدالمطلب بھی تھے۔ آپ مکہ معظمہ سے اپنے ساتھ بیس اوقیہ سونا لے کر چلے تھے۔ اسی خرچ کے لئے ان میں سے نو شخصوں نے اپنی اپنی باری پر فوج کو کھانا دیا۔ خاص غزوہ بدر کے دن حضرت عباس کے کھانا دینے کی باری تھی کہ معاملہ درہم برہم ہو گیا۔ ستر کافر مارے گئے۔ ستر قید ہوئے۔ ان میں آپ بھی تھے جو قید ہوئے۔ آپ کا بیس اوقیہ سونا مال غنیمت میں مسلمانوں کے ہاتھ لگا۔ جب ان قیدیوں کو فدیہ دینے کا حکم ہوا تو فی کس بیس اوقیہ چاندی یعنی چالیس درہم فدیہ مقرر ہوا مگر حضرت عباس کے ذمہ ساٹھ یا اسی اوقیہ فدیہ کیا گیا۔ ایک فدیہ ان کا، دوسرے ان کے بھتیجے عقیل ابن ابی طالب کا، تیسرا ان کے بھتیجے نوفل ابن حارث کا بلکہ بعض روایات کی بنا پر چوتھا فدیہ ان کے حلیف عتبہ ابن عمر (روح المعانی) پہلے تو حضرت عباس نے اتنا بھاری فدیہ دینے میں بہت پس و پیش کیا مگر جب کچھ نہ بنا تو عرض کیا کہ وہ بیس اوقیہ سونا جو مال غنیمت میں مجھ سے چھین لیا گیا ہے، وہ اس فدیہ میں کاٹ لیا جاوے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں وہ سونا تو تم ہمارے مقابل فوج کو کھانا دینے، ان کی مدد کرنے کے لئے لائے تھے، وہ ہم کو رب نے دیا ہے۔ فدیہ میں نہ گنے گا۔ حضرت عباس نے سرد آہ بھر کر کہا۔ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اب اپنے چچا یعنی مجھ سے مکہ کی گلیوں میں بھیک منگواؤ گے، میرے پاس کچھ بھی نہیں جو فدیہ دوں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ چچا جان وہ سونا کہاں ہے جو تم نے روانگی کے موقع پر رات کے وقت اپنی بیوی ام الفضل کو دیا تھا اور ان سے کہا تھا کہ اگر میں جنگ میں مارا جاؤں تو یہ سونا تمہارا اور میرے بچوں قثم، عبداللہ، فضل اور عبیداللہ کا ہے۔ آپ حیران ہو کر بولے، یہ خبر آپ کو کس نے دی؟ میں نے تو وہ سونا اندھیری رات میں تنہائی میں دیا تھا۔ فرمایا میرے رب نے خبر دی۔ حضرت عباس اسی وقت دل میں ایمان لے آئے۔ اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ خازن۔ بیضاوی۔ معانی۔ روح المعانی) حضرت عباس نے یہ واقعہ عقیل اور نوفل سے بیان کیا، وہ بھی دل میں ایمان لے آئے۔

تفسیر: یایها النبی قل لمن فی ایدیکم من الاسری چونکہ دوسری آیت کریمہ میں دو شاندار غیبی خبریں حضور انور ﷺ کے ذریعے دی گئی ہیں، جن میں سے ایک کا تعلق دنیا سے ہے اور دوسری کا تعلق آخرت سے ہے، اس لئے پہلے حضور انور ﷺ کو نبی کے خطاب سے پکارا یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام کی خبریں دینے والا۔ لطف یہ ہے کہ اس آیت میں فداء اور قل میں خطاب ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور ایدیکم میں خطاب ہے غازیان بدر سے اور قلوبکم خیرا یوتکم وغیرہ میں خطاب ہے۔ بدر کے قیدیوں سے ایدی جمع ہے ید کی بمعنی قبضہ۔ ید قرآن مجید میں بہت معانی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں بمعنی قبضہ۔ الاسریٰ جمع ہے اسیر کی بمعنی قیدی یعنی اے غیبی خبر دینے والے محبوب۔ بدر کے سارے قیدیوں سے یا جناب

www.alahazratnetwork.org

عباس، عقیل، نوفل وغیرہ سے فرما دو جو آپ ﷺ کا علم غیب آزما چکے۔ فرما دو جو ابھی آپ ﷺ کے صحابہ کے قبضے میں ہیں جن کو فدیہ ادا کرنے کا حکم دے دیا گیا ہے اور انہوں نے سخت مجبوری سے قبول کر لیا۔ **ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا** یہ فرمانِ عالی قل کا مقولہ ہے۔ اس میں اِن شک کرنے کے لئے نہیں بلکہ شک لانے کے لئے ہے۔ یعلم میں علم سے مراد ظہور ہے یا علم بمعنی دیکھنا ہے۔ کسی خبر کا اور دیکھنا کسی شے کا اس کے پیدا ہونے ظاہر ہونے کے بعد ہوتا ہے۔ اگر اس فرمانِ عالی میں خطاب حضرت عباس وغیرہم ان حضرات سے ہے جو بدر میں ایمان لا چکے تھے تو خبر سے مراد ہے ایمان پر قائم رہنا اور اگر دوسرے قیدیوں سے بھی خطاب ہے تو خبر سے مراد ایمان تقویٰ۔ ایمان دل میں رہتا ہے۔ زبانی کلمہ ظاہری نیکیاں منافقین بھی کر لیتے تھے، اس لئے یہاں قلوبکم ارشاد ہوا۔ **یوتکم خیرا مما اخذ منکم** ...... یہ فرمانِ عالی جزا ہے۔ **ان یعلم اللہ** (الخ) کی یوت کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ کم میں خطاب بدر قیدیوں سے ہے جن سے فدیہ لیا گیا۔ یہاں خیر سے مراد ہے بہت سا اور بہت برکت والا حلال طیب مال۔ آخرت کی خیر کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ مما اخذ میں ما سے مراد وہ فدیہ ہے جو ان سے وصول کیا گیا۔ رب تعالیٰ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرما دیا جیسا کہ خلاصہ تفسیر میں عرض کیا جائے گا۔ انشاء اللہ **و یغفر لکم** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے۔ یوتکم (الخ) پر اس میں دوسرے انعام کا ذکر ہے جس کا تعلق آخرت سے ہے۔ یغفر کا مفعول ارشاد نہیں ہوا۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے سارے گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ بدعقیدگیاں ہوں یا بدعملیاں۔ گناہ صغیرہ ہوں یا گناہ کبیرہ۔ نئے ہوں یا پرانے۔ کھلے ہوں یا چھپے۔ غرضیکہ اس ایک فرمان میں بہت وسعت ہے۔ لکم میں لام نفع کا ہے کہ مغفرت میں بندے کا ہی نفع ہے۔ **واللہ غفور رحیم** اس فرمانِ عالی میں مذکورہ دو انعاموں کی دو وجہیں بیان ہوئیں یعنی چونکہ رب تعالیٰ کی مغفرت تمہارے گناہوں سے زیادہ ہے کہ تم عاصی ہو وہ مغفور ہے۔ تمہیں گناہ کرنا آتا ہے، اسے بہت ہی بخشنا آتا ہے۔ لہٰذا وہ تمہارے سب کے سب گناہ معاف فرما دے گا۔ چونکہ وہ رحیم بھی ہے اس لئے تمہیں فدیہ سے کہیں زیادہ مال عطا فرمائے گا۔ تم اس کی عطاؤں پر تعجب نہ کرو۔ **و ان یریدوا خیانتک** اس فرمانِ عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا۔ **یریدوا** کا فاعل وہ ہی بدر کے قیدی ہیں جن کو فدیہ ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ خیانت مقابل ہے امانت کا۔ اس سے کیا مراد ہے۔ اس میں چند قول ہیں (۱) اس سے مراد دین میں خیانت ہے یعنی اگر یہ لوگ یہاں کلمہ پڑھ کر جا رہے ہیں لیکن اگر ان کی نیت اس کلمہ سے دھوکا دینا ہو کہ مکہ معظمہ پہنچ کر پھر کافر بن جاویں۔ (۲) خیانت سے مراد مالی خیانت یعنی یہاں سے وعدہ کر کے جا رہے ہیں کہ ہم فدیہ کا مال مکہ معظمہ جا کر بھیج دیں گے مگر نہ بھیجیں۔ یہاں سے دھوکا دے کر چلے جائیں۔ (۳) حضور انور ﷺ نے ان کفار کو فدیہ کا بھی حکم دیا اور ان سے عہد لیا کہ آئندہ کبھی ہمارے مقابل کفار کی حمایت نہ کرنا۔ ہم سے جنگ نہ کرنا یعنی اگر وہ اس عہد و پیمان میں خیانت کرنے کا ارادہ کریں، بدعہدی کریں۔ بہرحال خیانت سے مراد یا خیانت ایمان ہے یا خیانت عہد و پیمان یا خیانت مالی۔ **فقد خانوا اللہ من قبل** یہ فرمانِ عالی ان یریدوا (الخ) کی جزا نہیں۔ اس کی جزا پوشیدہ ہے۔ یعنی تو آپ ﷺ غم نہ کریں۔ اس کی علت یہ ہے لہٰذا اس میں ف تعلیلیہ ہے یعنی کیونکہ وہ اس سے پہلے اللہ سے خیانت کر چکے ہیں۔ اس خیانت سے مراد بدعہدی ہے۔ اس عہد

www.alahazratnetwork.org

سے مراد یا تو میثاق کے دن کا عہد ہے کہ یہ سب رب سے ایمان لانے کا عہد کر کے دنیا میں آئے مگر ایمان نہ لائے یا مراد وہ عہد و پیمان ہے جو وہ دریا کے سفروں کی مصیبت میں پھنس کر رب سے عہد کرتے تھے۔ لئن انجیتنا من ھذہ لنکونن من الشاکرین یا اولاد کی دعا مانگتے وقت کرتے تھے یعنی لئن اتیتنا صالحا لنکونن من الشاکرین۔ خدایا دریا سے ہم کو اگر تو نجات دے دے تو ہم آئندہ شاکر بندے بن کر رہیں گے یا اگر تو ہم کو نیک بچہ دے دے تو ہم نیک کار بن کر زندگی گزاریں گے۔ مگر رہائی پانے والے یا اولاد ملنے پر پھر کافر رہتے تھے (تفسیر کبیر) خلاصہ یہ ہے کہ جب یہ لوگ یعنی کفار مکہ رب تعالیٰ سے بدعہدی کرنے سے نہیں چوکتے تو اگر آپ ﷺ سے بدعہدی کریں تو آپ ﷺ غم کیوں کریں۔ بدعہدی تو ان کی عادت ہے۔ فامکن منھم اس فرمان عالی میں ایک لطیف اشارہ ہے اور خفیہ وعدہ۔ اس میں ف ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب انہوں نے خیانت کرنے کی عادت ڈال لی تو رب نے ان پر مومنوں کو قابو دے دیا۔ امکن بنا ہے مکنۃ سے بمعنی قدرت یا قابو۔ امکن کے معنی ہیں قابو دے دیا۔ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ مفعول پوشیدہ امکنک یا امکن المومنین منھم من بعضیت کا ہے اور ہوسکتا ہے کہ من زائدہ ہو اور ھم امکن کا دوسرا مفعول ہو۔ یعنی اللہ نے تم کو ان پر قابو دے دیا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے بدر میں مسلمانوں کو کفار پر قابو دے دیا۔ ایسے ہی اگر یہ آئندہ خیانت کریں گے تو ہم انہیں تمہارے قابو میں دے دیں گے۔ پھر تم انہیں قتل و قید کرو گے۔ رب نے اپنا وعدہ پورا فرما دیا۔ جیسا کہ تاریخ اسلام شاہد ہے۔ یہ جملہ مومنوں کے لئے وعدہ ہے۔ کفار کے لئے وعید واللہ علیم حکیم اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے۔ اس سے کفار کی خیانت مسلمانوں کی امانت چھپی ہوئی نہیں اور حکمت والا بھی۔ اگر خیانت والوں کو ڈھیل دے تو اس میں حکمت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مخلوق کو خالق کے احکام کی غیبی چیزوں کی خبر دینے والے محبوب، آپ ﷺ بطور حمایت و کرم ان قیدیوں کو خوش خبری بھی دے دیں اور ڈرا بھی دیں جن سے فدیہ وصول کیا گیا۔ خوش خبری تو یہ دیں اگر یہ لوگ اپنے عہد پر قائم رہے جو مسلمان ہو چکے ہیں وہ اسلام پر ڈٹے رہے جو آپ ﷺ سے فدیہ کا یا آپ ﷺ کے مقابل کفار کی مدد نہ کرنے کا وعدہ کر رہے ہیں اس پر قائم رہے اللہ تعالیٰ کو انہوں نے وعدہ وفا کر کے دکھا دیا تو ان سے دو انعاموں کا وعدہ کرتے ہیں۔ ایک کا دنیا میں اور دوسرے کا آخرت میں۔ دنیا میں انعام یہ ہوگا کہ جتنا فدیہ تم سے لیا گیا ہے، اس سے کہیں زیادہ تم کو عطا ہوگا۔ آخرت میں یہ کہ تمہارے سارے گناہ چھوٹے بڑے نئے پرانے یاد اور بھولے ہوئے بخش دیئے جائیں گے۔ ہم غفور بھی ہیں، رحیم بھی۔ تمہارے گناہوں سے ہماری رحمت کہیں زیادہ ہے۔ فرماتے ہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ کہ رب تعالیٰ کا دنیاوی انعام تو میں نے دیکھ لیا ہے کہ مجھ سے بیس اوقیہ فدیہ میں میرے وصول کئے گئے تھے۔ آج میرے پاس بیس غلام ہیں۔ جن میں سے ادنیٰ درجہ کا غلام بیس ہزار روپیہ کی تجارت کرتا ہے اور مجھے رب نے چاہ زمزم عطا فرما جو مجھے تمام مکہ کے مالوں سے زیادہ عزیز ہے۔ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بحرین سے اسی ہزار درہم آئے۔ حضور انور ﷺ نے وضو فرمایا اور نماز سے پہلے وہ سب تقسیم فرما دیا۔ حضرت عباس کو فرمایا کہ اس قدر کی درہم کی گٹھڑی باندھو جتنی اٹھا کر لے جاسکو لے جاؤ۔ یہ ہے یوتکم خیرا مما اخذ منکم کی تفسیر اور اے محبوب اگر یہ لوگ آپ ﷺ سے خیانت

www.alahazratnetwork.org

یعنی بدعہدی کریں کہ یہاں سے کلمہ پڑھ کر جائیں مکہ پہنچ کر کافر ہو جائیں یا یہاں آپ ﷺ سے غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر کے جائیں وہاں جا کر پھر کفار کی مدد کریں آپ ﷺ کے مقابلہ میں تو آپ ﷺ غم نہ کریں۔ یہ تو رب تعالیٰ سے بھی بدعہدی کرتے رہتے ہیں۔ جب سمندر کے تھپیڑوں میں پھنستے ہیں تو کہتے ہیں خدایا ہمیں اس سے نجات دے، ہم مومن ہو جائیں گے۔ جب اولاد مانگتے ہیں تو کہتے ہیں خدایا اگر تو ہمیں صحیح سالم بچہ دے تو ہم بندہ شاکر بنیں گے۔ مگر کام نکلتے ہی پھر کافر کے کافر رہتے ہیں۔ ایسوں کی بدعہدی کا غم کیا کرنا مگر وہ بھی یاد رکھیں کہ ہم نے بدر میں انہیں مسلمانوں کے قابو میں دے دیا اگر پھر بدعہدی کریں گے تو ہم انہیں پھر مسلمانوں کے قابو میں دے دیں گے۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے، حکمت والا بھی۔ اسے ان کی ساری حرکتوں کا علم ہے۔ ڈھیل میں بڑی حکمت ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دور و نزدیک دن رات اندھیرے اجالے ہر جگہ دیکھ لیتی ہے۔ آپ ﷺ کی نگاہ کے لئے کوئی چیز آڑ نہیں۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضرت عباس نے مکہ معظمہ میں رات کے اندھیرے میں گھر کی چار دیواری میں جو سونا اپنی بیوی ام الفضل کو دیا حضور انور ﷺ نے مدینہ سے وہ واقعہ ملاحظہ فرمالیا۔ اسی نور نظر کو دیکھ کر حضرت عباس ایمان لے آئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وانبئکم بما تاکلون وما تدخرون فی بیوتکم تم جو گھروں میں کھاتے بچاتے ہو میں بتا سکتا ہوں۔ یہ تھی نگاہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور یہ ہے قوت نگاہ محمدی۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب کسی مومن سے اس کی بیوی لڑتی ہے تو جنت سے حور پکارتی ہے کہ اس سے مت لڑ۔ یہ تیرے پاس مہمان ہے۔ عنقریب ہمارے پاس آنے والا ہے۔ یہ ہے حور کی نظر تو اللہ کے نور کی نظر کا کیا کہنا۔ حضور انور ﷺ نے دو قبروں کے متعلق فرمایا کہ ان دونوں قبروں پر عذاب ہو رہا ہے۔ ان میں سے ایک چغل خور تھا دوسرا پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچتا تھا۔ یہ ہے نظر پاک مصطفیٰ (مشکوۃ شریف)

دوسرا فائدہ: حضرت عباس فتح مکہ کے دن کے مومنین میں سے ہیں۔ آپ بدر کے دن اس موقع پر ایمان لائے مگر اپنے ایمان کا اعلان آپ نے فتح مکہ کے دن کیا۔ رب کا ارادہ یہ تھا کہ آپ مکہ معظمہ کے خاتم المہاجرین ہوں۔ آپ سے راہ مدینہ میں حضور ﷺ نے ملاقات کی جبکہ آپ مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ جا رہے تھے۔ حضور ﷺ مع لشکر فتح مکہ کے لئے آ رہے تھے۔ جیسے امیر معاویہ عمرہ قضا میں ایمان لا چکے تھے۔ فتح مکہ کے دن اپنے اپنے ایمان کا اظہار کیا۔ دیکھو ہماری کتاب امیر معاویہ۔

تیسرا فائدہ: مبارک ہے وہ قید و بند جس کے ذریعہ اہل ایمان مل جاوے۔ حضرت عباس بڑے خوش نصیب ہیں ان کے لئے جنگ میں آنا قید ہونا ان کے ایمان کی صحابیت کا ذریعہ بنا۔

چوتھا فائدہ: غزوہ بدر میں جیسے غازیان بدر بڑے درجے والے ہیں۔ ایسے ہی ان میں وہ قید ہونے والے بھی بڑے خوش نصیب ہیں جو مومن ہو گئے۔ حضرات صحابہ بدر کے غازی ہیں وہ لوگ بدر کے مومن کہ ان سے رب نے فدیہ سے بڑھ کر عطا

www.alahazratnetwork.org

کا وعدہ بھی فرمایا اور مغفرت کا بھی۔ یہ فائدہ یوتکم خیرا مما اخذ (الخ) سے حاصل ہوا اگر جو کفار اس غزوہ میں مارے گئے وہ بدترین خلائق ہیں۔ جیسے ابوجہل اور امیہ ابن خلف وغیرہ۔ بدر نے کسی کو بہترین بنا دیا کسی کو بدترین۔

پانچواں فائدہ: کفار کا حرام مال جب غزوہ میں غازیوں کو ملے تو وہ غنیمت اور ان کے لئے حلال ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ فامکن و منہم سے حاصل ہوا کہ رب نے اپنی عطا سے ان کے دیئے ہوئے فدیہ سے خیر فرمایا یعنی تمہارا فدیہ مسلمانوں کے لئے اچھا ہے، حلال ہے، تم کو اس سے اچھا دیا جائے گا۔

چھٹا فائدہ: انسان کسی حالت میں اپنے کو رب تعالیٰ کی پکڑ سے محفوظ نہ جانے۔ نہ معلوم رب کس وقت کس طرح پکڑے۔ یہ فائدہ فامکن منہم سے حاصل ہوا یعنی رب نے انہیں تمہارے قابو میں دے دیا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ان یعلم اللہ فی قلوبکم خیرا (الخ) ان شک کے لئے آتا ہے اور یعلم ہے مستقبل۔ اللہ تعالیٰ یقیناً ہمیشہ سے سب کچھ جانتا ہے پھر اس کے علم کے لئے شک اور مستقبل کیسا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں ان شک دلانے کے لئے ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے شک کے لئے اور علم سے مراد دیکھنا ہے یعنی دیکھ کر جاننا وہ واقعی آئندہ ہی ہوگا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں خطاب کفار مکہ سے ہے جو بدر میں قید ہوئے۔ کافر کے دل میں خیر نہیں ہوتی پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے دل میں خیر جانے گا۔

جواب: یہ آیت ان قیدیوں کے متعلق آئی جو حضور ﷺ کا علم غیب دیکھ کر مومن ہو چکے تھے۔ جیسے حضرت عباس، عقیل وغیرہم۔ خیر سے مراد دین پر استقامت ہے یعنی اگر تم مکہ معظمہ پہنچ کر ایمان پر قائم رہے مرتد نہ ہو گئے لہٰذا آیت واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں سے آگے ارشاد ہوا عقیل وغیرہ یوتکم خیرا مما اخذا تم کو اس سے بہتر دیا جاوے گا جو تم سے لیا گیا۔ اس خیر سے کون سی خیر مراد ہے۔ ابھی تو خیر سے مراد دین پر استقامت تھی۔

جواب: اس خیر سے مراد جزیہ کے مال سے زیادہ مال اور بابرکت مال ہے اور اگر اس میں دارین کی عزت بھی داخل ہو تو ہو سکتی ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اگر کفار آپ ﷺ سے خیانت کریں۔ کفار حضور ﷺ سے خیانت کیا کر سکتے تھے حضور انور ﷺ نے تو کبھی ان کے پاس مال امانت نہیں رکھا۔

جواب: یہاں خیانت بمعنی دغا ہے۔ اس میں خطاب ان قیدی کفار سے ہے جنہوں نے بدر میں حضور انور ﷺ سے وعدہ کیا تھا کہ ہم کبھی آپ ﷺ کے خلاف کسی جنگ میں شرکت نہ کریں گے۔ مقصود یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنا یہ وعدہ پورا نہ کریں تو آپ ﷺ غمگین نہ ہوں یہ تو رب تعالیٰ سے خلاف وعدہ کرتے نہیں چوکتے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ والوں کے ہر کام میں حکمت ربانی ہوتی ہے۔ حضرت عباس واقعہ بدر سے پہلے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے تھے۔ اسلام سے رغبت رکھتے تھے مگر آپ ﷺ کے کفار مکہ پر قرضے تھے جو سارے مکہ بلکہ علاقے میں

www.alahazratnetwork.org

پھنسے ہوئے تھے۔ آپ کو خیال تھا کہ اگر میں مسلمان ہو گیا تو میرا اتنا قرضہ اس کا سود سب مارا جائے گا۔ اس خیال میں رہے کہ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ یہاں ان کے دل میں ایمان خوب جم گیا۔ اب آپ مکہ مکرمہ میں حضور انور ﷺ کی جاسوسی کرتے تھے۔ کفار مکہ کے ارادے خیالات سے حضور انور ﷺ کو خبریں بھیجتے رہتے تھے۔ فتح مکہ کے دن ایمان کا اعلان کیا اور خاتم المہاجرین کا لقب پایا۔ (از روح البیان) اس سے پتہ لگا کہ جو شخص دنیا کی قید سے رہائی چاہے وہ ایمان واخلاص اختیار کرے۔ رب غالب ہے مخلوق مغلوب۔ اس ایمان واخلاص کی برکت سے رب اسے دنیا سے بہتر خیر عطا فرمائے گا۔ یعنی اسے ذکر اللہ تقویٰ کی توفیق دنیا میں اور جنت کی نعمتیں رب کا دیدار حضور انور ﷺ احمد مختار کا قرب آخرت میں عطا فرمائے گا۔ دنیا اور اس کی نعمتیں فانی ہیں۔ آخرت اس کی نعمتیں باقی۔ دنیا کو آخرت کا فدیہ بناؤ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سات چیزوں کی اتباع سات چیزیں پیدا کرتی ہیں۔ نفس کی اتباع ندامت کو فاصبح من النادمین۔ ہوئی کا اتباع رب سے دوری کا۔ واتبع ھواہ فمثلہ کمثل الکلب شہوات کی اتباع کفر کا۔ واتبعوا الشھوات فسوف یلقون غیا فرعون کی متابعت سے دنیا میں غرق آخرت میں حرق واتبعوا امر فرعون فاوردھم النار گمراہ سرداروں کی اتباع سے حسرت یریھم اللہ اعمالھم حسرات شیطان کی اتباع سے دوزخ۔ ان جھنم لموعدھم اجمعین حضور ﷺ کی اتباع سے اللہ کی محبوبیت ہے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ (روح البیان) حضرت عباس کو حضور انور ﷺ کے اتباع سے اللہ تعالیٰ کی محبوبیت نصیب ہوئی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ

تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور جہاد کیا انہوں نے ساتھ اپنے مالوں کے اور اپنی جانوں

بیشک جو ایمان لائے اور اللہ کیلئے گھر بار چھوڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ

کے اللہ کے راستہ میں اور وہ لوگ جگہ دی جنہوں نے اور امداد دی یہ لوگ بعض انکے

سے لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں اور وہ جو ایمان

أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم مِّن

وارث ہیں بعض کے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہ ہجرت کی انہوں نے نہیں ہے

لائے اور ہجرت نہ کی تمہیں ان کا کچھ نہیں پہنچتا جب تک ہجرت نہ کریں۔ اور اگر

وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ۚ وَإِنِ اسْتَنصَرُوكُمْ فِي

واسطے تمہارے ان کی میراث سے کوئی چیز کہ ہجرت کریں وہ اور اگر مدد مانگیں وہ تم

وہ دین میں تم سے مدد چاہیں تو تم پر مدد دینا واجب ہے مگر

www.alahazratnetwork.org

الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ۭ وَ
سے دین میں پس لازم ہے اوپر تمہارے مدد مگر اوپر ایسی قوم کے کہ درمیان تمہارے اور درمیان انکے
ایسی قوم پر کہ تم میں ان میں معاہدہ ہے اور
اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۷۲﴾
عہد و پیمان ہے اور اللہ اسے جو تم کرتے ہو دیکھتا ہے۔
اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ مومن و کافر اگرچہ رشتہ دار ہوں مگر بے تعلق ہیں کیونکہ رشتہ ایمانی قوی ہے اور رشتہ جسمانی ضعیف۔ دیکھو بدر کے یہ واقعات۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ دو مومن اگرچہ اجنبی ہوں ان کا آپس میں کوئی رشتہ نہ ہو مگر وہ رشتہ دار قریبی ہیں جیسے مکہ معظمہ کے مہاجرین اور مدینہ منورہ کے انصار کہ وہ جسمانی لحاظ سے غیر تھے مگر ایک زمانہ میں ایک دوسرے کے وارث بنا دیئے گئے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں خائن کفار اور ان کی خیانتوں کی برائیاں بیان ہوئیں۔ فامکن منھم الخ اب وفا شعار انصار کی وفاداریاں اور ان کے انعام کا ذکر ہے۔ گویا بے وفائی کے بعد وفاداری کا اور بے وفاؤں کے بعد وفاداروں کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالٰی علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے مکہ والے مہاجرو اس نے تمہارے رشتہ دار کفار کو تم سے توڑ دیا اور اجنبی انصار کو تم سے جوڑ دیا۔ اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ گویا علم و حکمت کے دعوے کے بعد اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔

نزول: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت کر کے سرزمین مدینہ کو اپنے قدم سے عزت بخشی تو بہت سے مکہ کے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ منورہ آنے لگے۔ ادھر انصار مدینہ نے ان مہمانوں کی ایسی شاندار دائمی مہمانداری کی جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان مہاجرین اور انصار میں عقد مواخات فرما دیا کہ فلاں مہاجر فلاں انصاری کا بھائی ہے اور فلاں مہاجر فلاں کا بھائی۔ اس مصطفوی بھائی چارہ کی بناء پر ان حضرات کی میراث جاری ہوئی۔ یعنی مہاجر کا انصاری بھائی اس کی میراث لیتا تھا اور انصاری کی میراث اس کا مہاجر بھائی حصہ پاتا تھا۔ غیر مہاجر رشتہ دار مہاجر کی میراث سے حصہ نہیں پاتا تھا۔ یہ حکم فتح مکہ تک جاری رہا۔ پھر فتح پر چونکہ وہ ہجرت ہی بند ہو گئی لہٰذا یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا۔ اس کی ناسخ وہ اگلی آیت ہے۔ والو الانعام بعضھم اولی ببعض یہی قول ہے سیدنا عبداللہ بن عباس حسن سدی، مجاہد، قتادہ اور عام مفسرین کا۔ جمہوری علماء اسی طرح گئے ہیں۔ (روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ) اس آیت میں اس مذکورہ

www.alahazratnetwork.org

میراث کا ذکر ہے اور یہ آیت منسوخ ہے۔
تفسیر: ان الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا باموالھم و انفسھم فی سبیل اللہ چونکہ مہاجرین افضل ہیں، انصار سے جیسا کہ ہم انشاء اللہ فوائد میں عرض کریں گے۔ اس لئے پہلے ان کا ذکر ہوا بعد میں انصار کا۔ یہاں الذین سے صرف وہ مہاجرین مراد ہیں جو فتح مکہ تک مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرتے رہے خواہ براہ راست مکہ سے مدینہ منورہ پہنچ گئے ہوں خواہ مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف چلے گئے ہوں پھر بعد وہاں سے مدینہ منورہ۔ بہر حال ہوں مہاجر مدینہ کیونکہ انصار صرف مدینہ منورہ میں تھے۔ انہیں سے عقد مواخات یعنی بھائی چارہ کرایا گیا۔ اس جملہ میں ان کی چار صفات مذکور ہیں۔ پہلے ایمان کیونکہ ایمان کے بغیر کوئی عبادت ہجرت، جہاد وغیرہ معتبر نہیں۔ پھر ہجرت یعنی ہجرت مدینہ منورہ کی طرف کیونکہ اس وقت میراث کی شرطیں دو تھیں۔ ایمان اور ہجرت۔ رہا جہاد یہ شرط میراث نہیں۔ یہاں اس کا ذکر ان حضرات کی تعریف و توصیف کے لئے ہے۔ مال سے جہاد یہ ہے کہ مجاہد کو سامان جہاد دیا جاوے اور جہاد بالنفس یہ ہے کہ خود جہاد میں شرکت کی جاوے خواہ جنگ کرے یا جنگ کرنے والوں کی خدمت کرے لہٰذا اس میں مقاتلین اور ان کی مرہم پٹی کرنے والے، ان کا کھانا وغیرہ پکانے والے، ان کی پشت پناہی کرنے والے سب ہی مجاہد بالنفس یعنی جانی جہاد کرنے والے ہیں۔ فی سبیل اللہ فرما کر فرمایا کہ جنگ ملک یا مال حاصل کرنے کے لئے نہ ہو۔ رضائے الٰہی اور دین مصطفوی پھیلانے کے لئے ہو۔ آپس میں مسلمان نہ لڑیں کہ وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ جیسا کہ آج کل مسلمان زن زر زمین عزت کے لئے آپس میں لڑتے بھڑتے رہتے ہیں۔ خیال رہے کہ فی سبیل اللہ کا تعلق دونوں جہادوں سے ہے جہاد بالمال سے بھی اور جہاد بالنفس سے بھی چونکہ جہاد بالمال آسان بھی ہے اور ہلکا بھی اس لئے اس کا ذکر پہلے فرمایا اور جہاد بالنفس دشوار بھی ہے اور جہاد بالمال سے سخت بھی، اس لئے اس کا ذکر بعد میں ہوا۔ یعنی ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف ترقی ہے۔ (روح المعانی) والذین اووا و نصروا یہ انصار مدینہ کا ذکر ہے اس میں ان کے دو صفات بیان ہوئے۔ ایک مہاجرین کو اپنے ہاں پناہ دینا انہیں اپنا دائمی مہمان بنالینا دوسرے ہر طرح ان کی کفار کے مقابلہ میں مدد کرنا۔ ان کے ساتھ ہر طرح مشکل میں شریک ہونا۔ چونکہ مہاجرین کو جگہ دینا پہلے ہوا اور مدد کرنا بعد میں، اس لئے پہلے پناہ کا ذکر ہوا بعد میں نصرت کا۔ خیال رہے کہ اگرچہ بادشاہ حبشہ نے بھی مہاجرین کو پناہ دی مگر وہ انصار میں داخل نہ ہوا نہ اس کے یہ احکام ہوئے کیونکہ اس نے شخصی حیثیت سے یہ خدمت کی۔ انصار نے قومی حیثیت سے نیز مہاجرین کا قیام حبشہ میں عارضی ہوا مگر مدینہ منورہ میں دائمی طور پر اس لئے انہی کو انصار کہا گیا، انہیں کے لئے فضائل اور احکام ہوئے۔ انصار دو قبیلے تھے۔ اوس اور خزرج۔ یہ حضرات جناب آمنہ والدہ رسول اللہ کے ننھیالی رشتہ دار تھے۔ اس بنا پر حضرت عبداللہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں بیمار ہو گئے وہاں ہی وفات پائی۔ وہاں ہی محلہ عبداللہ میں آپ کی قبر ہے اور اس رشتہ کی بنا پر جناب آمنہ حضور انور ﷺ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں وہاں سے واپس مکہ معظمہ آ رہی تھیں کہ راستہ میں مقام ابواء میں آپ کی وفات ہو گئی وہاں ہی قبر انور ہے۔ حضور ﷺ کو وہاں سے ہی مکہ معظمہ لایا گیا۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے۔ ان قبیلوں کا نام انصار ہوا کیونکہ انہوں نے دین اسلام اور صحابہ کرام بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شاندار مدد ہر طرح

www.alahazratnetwork.org

کی۔ یہ لفظ یہاں سے لیا گیا۔ نصروا۔ اوو بنا ہے اویٰ سے بمعنی پناہ اسی سے ہے۔ ماویٰ بمعنی پناہ گاہ۔

نکتہ: مہاجرین کی ہجرت جہاد بالمال اور جہاد بالنفس کے بعد انصار کی مدد کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ انہوں نے مہاجرین کی ہر عبادت ہجرت جہاد وغیرہ میں مدد کی۔ اولئک بعضھم اولیاء بعض یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں اولئک پہلا مبتداء ہے اور بعضھم دوسرا۔ اولیاء بعض خبر۔ اولئک سے اشارہ ان دونوں مذکورہ جماعتوں کی طرف ہے۔ مہاجرین و انصار۔ یوں ہی بعضھم میں ہم کی ضمیر دونوں کی طرف ہے۔ اولیاء جمع ہے ولی کی جو ولایت یا ولی بمعنی قرب سے بنا۔ یہاں قرب سے مراد قرابت نسبی نہیں بلکہ قرابت وراثت ہے۔ یہ ہی قول ہے جو حضرت ابن عباس مجاہد وغیرہم کا اور عام مفسرین کا۔ یعنی یہ مہاجرین وانصار ایک دوسرے کے وارث ہیں کہ مہاجر اپنے بھائی انصاری اور انصاری اپنے بھائی مہاجر کا وارث ہے۔ جس کو حضور انور ﷺ نے بھائی بنا دیا تھا اس بنا پر یہ آیت میراث کی آیت سے منسوخ ہے۔ امام اصم نے فرمایا کہ یہاں اولیاء بمعنی وارث نہیں بلکہ معنی مدد ہے اور آیت محکم ہے۔ معنی یہ ہیں کہ مہاجرین وانصار بعض بعض کے یار و مددگار ہیں لیکن یہ معنی اگلے مضمون کے خلاف ہیں۔ دیکھو آگے ولایت کی نفی ہے۔ مالکم من ولایتھم من شی اور نصرت و مدد کا ثبوت ہے۔ فعلیکم النصر جس سے پتہ لگا کہ یہاں ولایت بمعنی مدد نہیں بمعنی وراثت ہے (روح المعانی) والذین امنوا ولم یھاجروا یہ تصویر کا دوسرا رخ اس میں ان حضرات کا ذکر ہے جو مکہ معظمہ میں ایمان تو قبول کر چکے مگر مجبوراً یا بلا مجبوری وہاں ہی رہے۔ وہاں سے مدینہ منورہ کو ہجرت نہ کی گویا ان میں میراث کی ایک شرط نہ مانی گئی یعنی ہجرت۔ ان کا کوئی رشتہ دار مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آ گیا یہ یہاں وفات پا گیا تو مالھم من ولایتھم من شی حتی یھاجروا یہ عبارت والذین امنوا کی خبر ہے لھم کا مرجع۔ وہ غیر مہاجر مومن ہیں۔ یہاں ولایت سے مراد یقیناً میراث ہی ہے نہ کہ نصرت و مدد یا محبت من شی میں من بعضیت کا ہے۔ حتی اس نفی کی انتہا بیان کرنے کے لئے ہے یعنی غیر مہاجرین مومن کو اپنے مہاجر قرابت کی میراث قطعاً نہیں ملے گی۔ تاوقتیکہ وہ خود ہجرت کر کے مدینہ منورہ نہ پہنچ جائے۔ یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ اب مسلمان اپنے مسلمان قرابت دار کا وارث ہوگا۔ خواہ کسی ملک میں ہو بشرطیکہ کوئی مانع نہ ہو جیسے قتل یا غلام ہونا۔ دیکھو ہماری کتاب علم میراث۔ قوی یہ ہے کہ ولایت واؤ کے کسرہ سے ہے ولایت واؤ کے فتحہ سے بادشاہ کا رعایا پر حکومت۔ اسی سے ہے والی جیسے امارۃ سے امیر ایسے ہی ولایت سے والی (روح المعانی) اس فرمان سے شبہ ہوتا تھا کہ شاید مہاجر مومن کا غیر مہاجر مومن سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ غیر مہاجر جیسی مصیبت میں ہوں مہاجر ان سے بے تعلق رہیں۔ اس وہم کو دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا۔ و ان استنصروا کم فی الدین فعلیکم النصر یعنی اگر غیر مہاجر مسلمان کفار سے لڑ پڑیں یا کفار ان پر ظلم کریں اور وہ تم سے مدد مانگیں ان کافروں کے مقابلہ میں تو اے مہاجرو تم پر لازم ہے کہ ان کی مدد کفار کے مقابلہ میں ضرور کرو۔ کفار کی قید کا خیال رہے اگر غیر مہاجر مومنین آپس میں ہی لڑ پڑیں تو تم کسی کی مدد نہ کرو بلکہ ان میں صلح کرا دو۔ یوں ہی الا علی قوم بینکم و بینھم میثاق یعنی اگر غیر مہاجرین مومنین کسی ایسی کافر قوم سے لڑیں جن سے تمہارا معاہدہ ہے کہ تم ان کے مقابل ان کے دشمن کی مدد نہ کرو گے تو اب تم ان غیر مہاجرین کی مدد نہ کرو کہ اس میں بدعہدی ہے بلکہ اس صورت میں ان میں صلح کی کوشش کرو۔

www.alahazratnetwork.org

واللہ بما تعملون بصیر ان تمام احکام پر عمل کرو۔ ہم تمہارے کاموں کو دیکھ رہے ہیں۔ ہماری قائم کردہ حدود نہ توڑو۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں مومنوں کی تین جماعتوں کا ذکر ہوا۔ مہاجرین، انصار، غیر مہاجر مومنین۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اپنے مالوں جانوں سے اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسری جماعت وہ جنہوں نے ان مہاجرین کو اپنے ہاں جگہ دی انہیں اپنا دائمی مہمان بنایا۔ ان کی ہجرت اور جہادوں میں ان کی ہر طرح مدد کی یعنی مدینہ منورہ کے دو قبیلے اوس اور خزرج جن کا نام انصار ہوا یعنی اللہ رسول دین اور مہاجرین کے مددگار۔ یہ دونوں جماعتیں ایک دوسرے کی وارث ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جس مہاجر کو جس انصاری کا بھائی بنا دیا وہ ہی آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہو گئے۔ اگرچہ ان کی آپس میں نسبتی رشتہ داری نہیں ہے۔ وہ لوگ جو مکہ معظمہ میں ایمان تو لائے مگر عذرے یا بے عذر مدینہ منورہ ہجرت کر کے نہ آئے انہیں اپنے رشتہ دار مہاجر کی میراث سے کچھ بھی نہ ملے گا کیونکہ اب میراث کی شرط ہجرت ہے۔ اے مسلمانو! ہمارے اس حکم سے یہ نہ سمجھ لینا کہ مہاجر مومنوں کا غیر مہاجر مومنین سے کوئی تعلق ہی نہیں۔ تعلق ضرور ہے۔ تعلق ایمان۔ لہٰذا اگر غیر مہاجرین مومنین کسی کافر قوم سے لڑیں اور تم سے ان کے مقابلہ میں مدد مانگیں تو ضرور ان کی مدد کرو۔ ہاں اگر وہ ایسی کافر قوم سے لڑیں جن کا تم سے معاہدہ ہے کہ تم ان کے دشمنوں کو مدد نہ دو گے تو تم غیر مہاجر مومنین کی ان کفار کے مقابل مدد نہ کرو۔ یہ وعدہ خلافی اور بدعہدی ہے۔ ہمارے ان سارے احکام پر عمل کرو۔ یقین رکھو کہ ہم تمہارے سارے کام کو دیکھ رہے ہیں۔ تم کو نیک و بداعمال کی سزا و جزا دیں گے۔ ہماری حدود قائم رکھو۔ یہ آیت منسوخ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مہاجرین اور انصار دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے محبوب اور مقبول بندے ہیں مگر مہاجرین انصار سے افضل ہیں۔ چند وجہ سے (۱) مہاجرین انصار سے پہلے ایمان لائے اور حضور انور ﷺ کی خدمت انہیں پہلے نصیب ہوئی۔ (۲) مہاجرین نے برسوں تک کفار مکہ کے ہاتھوں اسلام کی خاطر مصیبتیں جھیلیں یہ بات انصار کو میسر نہیں۔ (۳) مہاجرین نے اسلام کی خاطر وطن چھوڑا ترک وطن بڑی قربانی ہے یہ وصف انصار کو میسر نہ ہوا۔ (۴) قبول دین قبول شریعت مہاجرین کو پہلے میسر ہوا۔ انصار کو بعد میں لہٰذا مہاجرین پیشوا ہیں اور انصار مقتدی (تفسیر کبیر) (۵) خلفائے راشدین خصوصاً حضرت صدیق و فاروق مہاجرین میں ہیں انصار میں نہیں (۶) سب سے بڑی بات یہ ہے کہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم جماعت مہاجرین میں سے ہیں۔ جیسے حضور ﷺ کی ذات سے عرب کو عجم پر انسان کو غیر انسان پر شرف حاصل ہوا یونہی حضور ﷺ کی برکت سے مہاجرین کو انصار پر شرف ہے۔ فائدہ۔ یہ فائدہ اس کی ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انصار سے پہلے مہاجرین کا ذکر فرمایا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

دوسرا فائدہ: دین و دنیا کے کاموں میں اللہ والوں کی مدد لینا انہیں مددگار یا انصار کہنا شرک و کفر نہیں بلکہ جائز سنت صحابہ بلکہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ بندوں کی پناہ لینا توحید کے خلاف نہیں یہ فائدہ اوو نصروا سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا کہ

www.alahazratnetwork.org

انصار نے پناہ دی اور مدد کی اس وجہ سے ان کا نام انصار ہوا یعنی مددگار۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگاروں کو نصاریٰ کہا گیا۔ جب انصار مہاجرین کو پناہ دے سکتے ہیں تو حضور انور ﷺ سارے عالم کی پناہ ہو سکتے ہیں۔ شعر

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان کی — پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گئے

تیسرا فائدہ: قرآن میں ولی بہت معنی میں استعمال ہوا ہے۔ دوست، مددگار، نائب، خلیفہ اور وارث۔ یہ فائدہ **بعضهم اولياء بعض** سے حاصل ہوا کہ یہاں اولیاء بمعنی ورثاء ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کا مالک شریعت کا مالک مسلمانوں کے دین و دنیا کا مالک، زندگی اور موت کے بعد کے احکام کا مالک بنایا ہے۔ آپ ﷺ کا فرمان رب کا قانون ہے۔ دیکھو حضور ﷺ نے اجنبی مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنا دیا اور ان کے سگے باپ بیٹے کو محروم کر دیا تو وہ ہی قانون بن گیا۔ اس آیت نے حضور ﷺ کے اس فرمان کی تصدیق فرمادی کہ فرمایا **مالكم من ولايتهم من شى** یہ ہے حضور ﷺ کی سلطنت پھر جب فتح مکہ کے موقع پر یہ قانون منسوخ فرمادیا تو قیامت تک میراث نسبی رشتہ سے ملے گی۔ اب ہجرت کی شرط نہ رہی۔

پانچواں فائدہ: کسی ملک کے مسلمان جب کفار سے جنگ کریں اور دوسرے ملک کے مسلمانوں سے مدد مانگیں تو ان پر بقدر طاقت مدد دینا لازم ہے کہ تمام جہان کے مسلمان چند قالب اور یک جان ہے۔ جان نے بدن کے سارے اعضاء کو ایک کر دیا۔ آقائے دو جہاں نے سارے جہان کے مسلمانوں کو ایک کر دیا۔ یہ فائدہ **فعليكم النصر** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مسلمان پر وعدہ معاہدہ کی پابندی بہت ہی ضروری ہے۔ اگرچہ کافر و مشرک سے وعدہ کیا ہو۔ یہ فائدہ **الا على قوم بينكم و بينهم ميثاق** سے حاصل ہوا جس میں فرمایا گیا کہ اگر مسلمان ایسی قوم کے مقابل تم سے مدد مانگیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو تو تم مدد نہ کرو کہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔

ساتواں فائدہ: ایمان ساری عبادات سے پہلے ہے۔ بغیر ایمان کوئی عبادت نہ درست ہو نہ قبول۔ یہ فائدہ **امنوا و هاجروا و جاهدوا** کی ترتیب سے حاصل ہوا کہ ایمان کو ہجرت و جہاد وغیرہ سب پر مقدم فرمایا۔

آٹھواں فائدہ: جہاد مال سے بھی ہوتا ہے اور جان سے بھی پھر ہر قسم کے مال سے جہاد ہوتا ہے۔ پیسہ روٹی کپڑا ہتھیار گھوڑا وغیرہ یہ فائدہ **جاهدوا باموالهم و انفسهم** سے حاصل ہوا۔ اور اگر مال و جان دونوں سے جہاد ہو تو سبحان اللہ اس کا بڑا ہی درجہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اس زمانہ میں مہاجر اور انصاری میں میراث اس شرط سے تھی کہ وہ مہاجر مال و جان کا مجاہد بھی ہوتا گویا شرط میراث تین تھیں۔ ایمان، ہجرت، مالی و جانی جہاد۔ مگر تم نے کہا صرف ہجرت میراث کی شرط تھی۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ہجرت شرط میراث تھی جہاد کا ذکر ان کی بزرگی بیان کرنے کے لئے گویا ہجرت شرط احترازی ہے۔ جہاد شرط اتفاقی۔ یہ حدیث سے معلوم ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: یہاں اولیاء بمعنی وارث نہیں بلکہ مددگار ہے اور آیت محکم ہے منسوخ نہیں بلاوجہ آیت کو منسوخ ماننا ٹھیک نہیں۔

نوٹ: یہ بات امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمائی۔

جواب: قوی یہ ہے کہ یہاں ولایت بمعنی مدد نہیں کیونکہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا مددگار ہے۔ پھر صرف مہاجرین و انصار کی قید کیوں لگائی گئی۔ نیز اس آیت میں غیر مہاجر مومنین کے لئے ولایت کی نفی کی گئی اور مدد و نصرت کا حکم دیا گیا کہ ارشاد ہوا مالکم من ولایتھم من شیء پھر فرمایا فعلیکم النصر جس سے معلوم ہوا کہ ولایت بمعنی وراثت ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں فی الدین کی قید کیوں لگائی گئی کہ اگر غیر مہاجر مومن دین میں تم سے مدد مانگیں مسلمان بھائی کی مدد بہر حال کرنی چاہئے۔

جواب: اس لئے کہ اگر مسلمان مسلمانوں ہی سے کسی دنیاوی وجہ سے لڑ پڑیں تو ان کی مدد نہ کی جاوے بلکہ صلح کی کوشش کی جاوے۔

تفسیر صوفیانہ: ایک وقت خاص میں جو مومن ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جاتا تھا وہ مدینہ کے انصار کے مال کا وارث ہو جاتا تھا یہ حکم پھر ختم ہو گیا مگر سلطانِ عشق کا یہ قانون تا قیامت جاری ہے کہ جو مومن وطن نفس سے ہجرت کر کے مدینہ والے سرکار صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کر جاوے جو سارے عالم کے دائمی پناہ اور سب کے ناصر و مددگار ہیں تو انشاء اللہ ان کے کمال کی میراث پائے گا۔ شعر

خلق کے دادرس کل کے فریادرس — کہف روز مصیبت پہ لاکھوں سلام

اگر رسول کی میراث چاہتے ہو تو ہجرت الی الرسول کرو۔ اگر اس ہجرت سے محروم رہے تو اگرچہ روحانی مدد تو وہاں سے پہنچتی ہی رہے گی مگر وراثت رسول میسر نہ ہو گی۔ کعبۃ اللہ اللہ کا گھر ہے۔ رسول اللہ اللہ کے حبیب۔ خالی گھر سے بھیک نہیں ملتی گھر والے سے بھیک ملتی ہے۔ اس لئے کعبہ کے مومنوں کو اس وقت حکم دیا گیا تھا کہ اگر فیضان کی بھیک چاہتے ہو تو کعبہ جسم سے ہجرت کر کے کعبہ دل کے مدینہ میں جا بسو۔ شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے جا کر مدینہ میں — مدینہ ایسی بستی ہے مدینہ ایسی بستی ہے

میراث چند طرح کی ہے۔ میراث مالی جو نسبی رشتہ سے ملتی ہے۔ میراث کمالی جو نسبتی رشتہ سے ملتی ہے۔ میراث حالی جو ہجرت الی الرسول سے نصیب ہوتی ہے کہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر اپنی خودی سے منہ موڑ کر خود اپنے سے بیگانہ ہو کر واصل الی الرسول ہو کر واصل باللہ ہو جاوے۔ جب معمولی آم یا بیری کسی اعلیٰ آم یا بیری سے وابستہ ہو جاتا ہے تو اس کے آم قلمی اور بیر پیوندی ہو کر عجیب شے بن جاتے ہیں۔ یہ ہے ہجرت کا لطف جو مومن وابستہ دامانِ مصطفیٰ ہو جاوے نہ معلوم وہ کیا کیا پائے گا۔

www.alahazratnetwork.org

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا بعض ان کے وارث ہیں بعض کے اگر نہ کرو گے تم یہ تو ہوگا

اور کافر آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں ایسا نہ کرو گے تو زمین میں فتنہ

فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا

بڑا فتنہ زمین میں اور فساد بڑا اور وہ جو ایمان لائے اور ہجرت

اور بڑا فساد ہوگا اور جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑے اور جنہوں

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ اٰوَوْا وَّنَصَرُوْا اُولٰٓئِكَ هُمُ

کی انہوں نے اور جہاد کیا راستہ میں اللہ کی اور وہ کہ پناہ دی انہوں نے اور مدد

نے جگہ دی اور مدد کی وہ ہی سچے ایمان والے ہیں ان کے لئے

الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝

کی یہی لوگ مومن ہیں سچے ان کے لئے ان کے بخشش ہے اور روزی کرم والی

بخشش ہے اور عزت کی روزی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں نمبروار تین خوش نصیب جماعتوں کا ذکر ہوا۔ (۱) جو مومن بھی ہیں اور مہاجر بھی، یہ اول درجہ کے لوگ ہیں۔ (۲) جو مومن بھی ہیں اور انصار بھی یہ دوسرے درجہ کے لوگ ہیں۔ (۳) جو صرف مومن ہیں نہ مہاجر نہ انصاری یہ تیسرے درجہ کے لوگ ہیں۔ اب ان بدنصیبوں کا ذکر ہے جو کسی درجہ کے نہیں یعنی کفار جن کے پاس اصل ایمان ہی نہیں غرضکہ مومنین کی جماعتوں کے بعد کفار کا ذکر ہے گویا روشنی کے بعد اندھیرے کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں حکم یہ تھا کہ اگر مسلمان کفار سے جنگ کریں تو تم مسلمانوں کی مدد کرو۔ اب اس پر عمل نہ کرنے کے برے نتیجہ کا ذکر ہے کہ اگر ایسا نہ کرو گے تو بڑا فتنہ ہوگا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مومن مہاجرین اور انصار کے احکام ارشاد ہوئے تھے۔ اب ان دونوں کے فضائل و مراتب ارشاد ہو رہے ہیں۔ ھم المومنون حقا (الخ) گویا مسائل کے بعد فضائل کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض یہ جملہ نیا ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے الذین کفروا سے مراد یا تو مسلمانوں کے کافر رشتہ دار ہیں جیسے باپ مسلمان ہو اس کے بیٹے کافر اور کفر سے مراد ہر قسم کا کفر ہے۔ عیسائیت ہو یا یہودیت یا بت پرستی بعضھم دوسرا مبتداء ہے اور اولیاء بعض اس کی خبر اولیاء جمع ہے ولی کی بمعنی دوست۔ مددگار اور وارث۔

www.alahazratnetwork.org

سیدنا عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ بمعنی وارث ہے اور مطلب یہ ہے کہ اے مسلمانوں تمہارے نسبتی خویش و اقارب خواہ تم سے کتنا ہی قریبی رشتہ رکھتے ہوں نہ تمہارے وارث ہیں نہ تم ان کے وارث بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ مثلاً باپ مسلمان ہو اس کے بیٹے بیٹی کافر ہوں تو باپ ان کا وارث نہیں وہ باپ کے وارث نہیں۔ ہاں وہ آپس میں ایک دوسرے کے بھائی بہن ہونے کی وجہ سے وارث ہیں لہٰذا اس سے یہ لازم نہیں کہ کفار مختلف دین رکھتے ہوئے بھی ایک دوسرے کے وارث ہوں۔ عیسائی یہودی یا بت پرست کا وارث نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں الذین کفروا والے سارے کفار مراد ہیں۔ خواہ کسی ملت کے ہوں اور اولیاء بمعنی دوست و مددگار ہے یعنی سارے کافر مسلمانوں کے مقابلہ میں ایک دوسرے کے دوست و مددگار ہیں۔ دیکھو مشرکین عرب اور یہود و نصاریٰ مل کر مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے۔ **الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر** یہ جملہ نیا ہے اور شرطیہ ہے۔ الا اصل میں ان لا تھا ان حرف شرط اور **لا تفعلوہ** شرط اور **تکن فتنۃ** (الخ) اس کی جزاء۔ ہ سے مراد سارے مذکورہ بالا احکام فتنہ سے مراد ہے۔ مسلمانوں کا کفار سے خلط ملط ہو جانا اور فساد کبیر سے مراد کشت و خون یعنی اے مسلمانوں اگر تم مسلمان آپس میں ایک دوسرے سے مل جل کر نہ رہے اور تم نے دوسرے ملک کے مسلمانوں کی کفار کے مقابلہ میں مدد نہ کی انہیں پٹتا دیکھ کر خاموش تماشائی بنے رہے تو بہت سے ضعیف مسلمان کفار سے مل جائیں گے۔ تم کمزور ہو جاؤ گے۔ کفار کے حوصلے بڑھ جائیں گے جس سے مسلمانوں کا جینا مشکل ہو جاوے گا۔ **والذین امنوا وھاجروا وجاھدوا فی سبیل اللہ** ان کی کلمات کی تفصیل اور ترتیب ابھی پچھلی آیت میں عرض کی جا چکی ہے کہ ایمان ساری عبادات پر مقدم ہے اور ہجرت جہاد پر مقدم کیونکہ مسلمان کفار کے ملک میں رہ کر جہاد نہیں کر سکتے۔ اس لئے ترتیب میں پہلے ایمان کا ذکر ہوا پھر ہجرت کا پھر جہاد فی سبیل اللہ کا۔ جہاد میں جہاد بالمال اور جہاد بالنفس دونوں شامل ہیں۔ مجاہدین کا پہلے ذکر ہوا انصار کا بعد میں کیونکہ وہ انصار سے افضل ہیں یہ فرمان عالی بلاوجہ مکرر نہیں بلکہ یہاں ان کا ذکر ان کے فضائل بیان کرنے کے لئے ہے۔ **والذین اووا ونصروا** اس میں دوسری جماعت یعنی انصار کا ذکر ہے۔ ان کی دو خدمتوں کا ذکر ہے۔ مہاجرین کو اپنے گھروں میں پناہ دینا اور ان کی ہر طرح مدد کرنا۔ چونکہ مدد بعد میں ہوتی ہے پناہ پہلے اس لئے پناہ کا ذکر پہلے مدد کا ذکر بعد میں۔ مدد میں ہر طرح کی مدد داخل ہے۔ مالی ہو یا جانی۔ **اولئک ھم المومنون حقا** یہ عبارت خبر ہے دونوں والذین کی یعنی سارے مہاجرین و انصار ہی سچے پکے مومن ہیں۔ خیال رہے کہ یہ حصر یا تو اضافی ہے غیر مہاجر مومنین کے مقابلہ میں تو المومنون سے مراد بہت اونچی شان والے مومن ہیں یعنی یہ دونوں جماعتیں غیر مہاجر مومنوں سے زیادہ شاندار مومن ہیں۔ یا حصر حقیقی ہے۔ سارے مومنوں کے مقابلہ میں یعنی تاقیامت سارے مومنوں سے زیادہ شاندار یہ ہی دو جماعتیں۔ کوئی کسی درجے میں پہنچ کر ان کا درجہ نہیں پا سکتا۔ حقا سے مراد یا تو اخلاص ہے یا پختگی یا ایمان مع تقویٰ یا دین پر مضبوطی سے قائم رہنا۔ یعنی یہ دو جماعتیں مخلص مومن ہیں۔ یا اعلیٰ درجہ کے متقی مومن یا دین و دنیا میں مومن جن کے پھسلنے کا اندیشہ نہیں۔ غرضکہ رب تعالیٰ نے ان کے ایمان تقوے اخلاص کی گارنٹی دے دی۔ **لھم مغفرۃ ورزق کریم** اس فرمان عالی میں ان دو بزرگوں کی دو اخروی نعمتوں کا ذکر ہے۔ ایک مغفرۃ دوسری عزت والی وسیع

www.alahazratnetwork.org

روزی۔ مغفرت کی تنوین تعظیمی ہے یعنی ان کے لئے شاندار بخشش ہے جس سے کوئی خطا گناہ باقی نہ رہے۔ ظاہر یہ ہے کہ رزق سے جنت کا رزق مراد ہے کریم سے مراد عزت والا یا بے ضرر اور وسیع روزی جس کا حساب و کتاب کوئی نہ ہو (روح المعانی) اور ہوسکتا ہے کہ رزق سے مراد دنیاوی روزی ہو اور کریم سے مراد ہے جو بغیر کسی کے احسان اور بغیر محتاجی کے عطا ہو۔ حلال ہو۔ اس کے بعد نیک اعمال کی توفیق میسر ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ نعمتیں حضرت صحابہ کرام کو عطا فرمائیں کہ اولاً وہ حضرات عموماً غریب تھے پھر رب نے انہیں مالدار کر دیا۔ پاکیزہ روزی دی کہ انہیں جہادوں میں مال غنیمت بھی بخشا۔ ملک بھی فتح کرائے دنیا میں بھی انہیں سرفرازی بخشی۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ پہلی آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ (۱) حضرت عبداللہ بن عباس کی تفسیر۔ اے مسلمانو تمہارے عزیز و اقارب جو ایمان نہیں لائے کافر ہے نہ وہ تمہارے وارث نہ تم ان کے وارث بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کافر کے وارث ہیں۔ (۲) دوسرے مفسرین کی تفسیر اے مسلمانو تم نے آزما لیا کہ کفار خواہ کتنے ہی آپس میں اختلافات رکھتے ہوں مگر تمہارے مقابلے میں ایک دوسرے کے دوست مددگار معاون ہیں دیکھو مشرکین عرب اور یہودی عیسائی آپس میں بہت مختلف ہیں مگر تمہارے مقابلہ میں غزوہ احزاب وغیرہ کے موقعہ پر سب ایک دوسرے کے دوست بن گئے۔ ہم نے جو احکام دیئے ان سب پر سختی سے عمل کرو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا کفار کو اپنا دوست بنایا یا ان کے ساتھ خلط ملط رہے یا آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے بھڑتے رہے تو زمین میں بڑا فتنہ پھیلے گا۔ ضعفاء مومنین کفار سے مل جائیں گے یا ان کے دلوں میں کفار کا رعب بیٹھ جائے گا۔ جس سے کفار کی ہمتیں بڑھ جائیں گی اور وہ مسلمانوں کو تباہ کر ڈالیں گے۔ تم نے مہاجرین و انصار کے احکام تو سن لئے اب ان کے فضائل سنو۔ وہ لوگ جو ایمان لائے اور ساتھ ہی مکہ چھوڑا۔ مدینہ کے مہاجر بنے اپنی جان و مال سے جہاد کئے فی سبیل اللہ اور وہ انصار مدینہ ضعیفوں نے ان مہاجروں کو اپنے شہر مدینہ اپنے گھروں میں پناہ دی انہیں آباد کیا بسایا۔ ان کی ہر طرح مدد کی یہ دونوں جماعتیں کامل اور پختہ مومن ہیں کہ مومن جئیں گے مومن مریں گے اور مومن اٹھیں گے۔ ان کی کامل بخشش ہے جس سے ان کا کوئی گناہ باقی نہ رہے اور انہیں دنیا میں برزخ میں آخرت میں عزت کی طیب و طاہر روزی عطا ہوتی رہے گی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہیں اگرچہ کتنا ہی عزیز و قریبی رشتہ دار ہو۔ یہ فائدہ اولیاء کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس سے مراد موارث ہو دیکھو ابوطالب کی میراث حضرت علی و عقیل کو نہ ملی۔

دوسرا فائدہ: سارے کافر مسلمانوں کے مقابل ایک ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ یہ فائدہ اولیاء کی دوسری تفسیر سے ہے جبکہ اس کے معنی ہوں دوست یا مددگار۔

تیسرا فائدہ: مسلمانوں کے آپس کے اختلاف یا کفار دوستی بڑے فتنہ و فساد کا سبب ہے یہ فائدہ تکن فتنۃ فی الارض (الخ) سے حاصل ہوا اس کا تجربہ آج ہو رہا ہے۔ خصوصاً فلسطین میں کہ یہود سر پر سوار ہیں اور حکومت اور فدائی آپس میں لڑ

www.alahazratnetwork.org

رہے ہیں تمیں ہزار ہلاک وزخمی ہو چکے ہیں رب تعالٰی مسلمانوں کو ہوش دے اس آیت پر عمل کی توفیق بخشے۔

چوتھا فائدہ: بندوں کی مدد برحق ہے شرک نہیں۔ نیز مصیبت میں بندوں کی پناہ لینا کسی کی پناہ میں آ جانا سنت صحابہ ہے یہ فائدہ اووا ونصروا فرمانے سے حاصل ہوا کہ مہاجرین مکہ انصار مدینہ کی پناہ میں آئے اور ان سے مدد لی لہذا آج اگر ہم گنہگار اپنے رسول کی پناہ لیں اور ان سے مدد مانگیں تو بالکل جائز بلکہ سنت ہے۔ مولانا جامی کہتے ہیں: شعر

یارسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام　ہمچو کاہے آمدم کوہے گنہ آوردہ ام

پانچواں فائدہ: سارے مہاجرین سارے انصار مخلص مومن ہیں ان کے ایمان کی گواہی رب تعالٰی نے دی یہ فائدہ اولئک ھم المومنین سے حاصل ہوا جو انہیں منافق کہے وہ خود منافق مرتد اس آیت کا انکاری ہے رب تعالٰی نے یہاں ان کے ایمان کی گواہی دی۔ دوسری جگہ ان کے تقوٰی کا اعلان فرمادیا۔ والزمھم کلمۃ التقوی اور جگہ انہیں دین وایمان کا معیار فرمایا کہ جو ان کا سا ایمان لائے گا مومن ہوگا۔ فان امنوا بمثل ما امنتم فقد لمتدوا ایک جگہ فرمایا کہ اللہ ان سے راضی ہو چکا رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ اس کے متعلق پوری تفصیل ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

چھٹا فائدہ: سارے مہاجرین اور انصار ایمان پر قائم ہیں ان کے ایمان سے پھر جانے کا خطرہ نہیں وہ دنیا و آخرت میں مومن ہیں یہ فائدہ حقا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ حقا بمعنی ثابتا ہو رب فرماتا ہے اولئک قلوبھم الایمان اللہ نے ان لوگوں کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا۔

ساتواں فائدہ: سارے صحابہ خواہ مہاجر ہوں یا انصار سب ہی عادل متقی اور پرہیز گار ہیں ان میں سے کسی سے کوئی خطا سرزد ہو جائے تو وہ اس پر قائم نہیں رہتے انہیں توبہ نصیب ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ لہم مغفرۃ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: صحابہ سارے برحق عادل متقی معیار ایمان ہیں مگر پھر ان کے درجے مختلف ہیں بعض اعلٰی بعض بہت ہی اعلٰی یہ فائدہ اس مذکورہ ترتیب سے حاصل ہوا کہ رب نے پہلے مہاجرین غازین کا ذکر فرمایا پھر انصار کا رب فرماتا ہے۔ لا یستوی منکم من انفق من قبل الفتح فقاتل اولئک اعظم درجۃ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

پہلا اعتراض: اگر پہلی آیت میں اولیا بمعنی وارثین ہے تو چاہئے کہ سارے کافر ایک دوسرے کے وارث ہوں مشرکین مجوسیوں عیسائیوں یہودیوں اور اس کے برعکس کیونکہ والذین کفروا میں کوئی قید نہیں مگر مسئلہ فقہی یہ ہے کہ مختلف دینوں والے کفار ایک دوسرے کے وارث نہیں۔

جواب: اس کا جواب اشارتا ابھی تفسیر میں دے دیا گیا کہ یہاں مہاجرین مکہ کے وہ رشتہ دار مراد ہیں جو کافر رہے نہ تو ایمان لائے نہ انہوں نے ہجرت کی اور مطلب یہ ہے کہ اے مہاجر مسلمانو! نہ تو تم اپنے کافر رشتہ داروں کے وارث ہو نہ وہ تمہارے بلکہ وہ خود ایک دوسرے کے وارث ہیں وہ سارے مشرک تھے لہذا ایک دوسرے کے وارث تھے۔ روش کلام یہ ہی بتا رہی ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر اس آیت بعضھم اولیاء بعض میں اولیا بمعنی دوست مددگار ہو اور معنی یہ ہوں کہ سارے کفار بعض کے

www.alahazratnetwork.org

دوست مددگار ہیں تو یہ آیت اس آیت کے خلاف ہے۔ **والقنا بینھم العداوة و ابغضاء**

جواب: یہاں مسلمانوں کے مقابل ان کی دوستی مراد ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں ان کی آپس کی واقعی دشمنی مراد ہے یعنی وہ لوگ ہیں تو ایک دوسرے کے دشمن مگر مسلمانوں کے مقابلہ میں سب مل جاتے ہیں۔ مسلمانوں کو کسی پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

تیسرا اعتراض: یہاں دوسری آیت میں ارشاد ہوا **اولئک ھم المومنون حقا** یہی لوگ سچے مومن ہیں تو کیا دوسرے صحابہ یعنی غیر مہاجر مومنین جیسے ابن عباس یا امیر معاویہ ابوسفیان یا فتح مکہ کے دن ایمان لانے والے سچے مومن نہیں نیز تا قیامت کوئی سچا مومن نہیں۔ صرف وہی سچے مومن ہیں حصر کے معنی درست کیسے ہوئے۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ حصر لقا کے لحاظ سے ہی ہے یعنی پکا مومن ہونا مومن رہنا مومن مرنا مومن اٹھنا یقینی صرف ان کے لئے ہے کہ ان سے ان تمام صفات کا وعدہ ہو چکا ہے۔ دوسرے وہ لوگ جو اللہ سے اپنی استقامت اور حسن خاتمہ کی دعائیں کریں لہذا حصر حقیقی ہے۔ دوسرے یہ کہ حصر اضافی ہے منافقین کے مقابلہ میں جو ان حضرات پر طعن کرتے تھے اور کرتے ہیں کہ وہ سچے مومن نہیں یعنی اے منافقو یہ ہی سچے مومن ہیں نہ کہ تم جو ان حضرات پر طعن کرتے ہو۔ تیسرے یہ کہ یہ حصر معیار ہونے کے لحاظ سے یعنی سچے مومن یہ ہی ہیں پھر جو ان کے نقش قدم پر تا قیامت چلے تو وہ بھی ان کے صدقہ سے سچا مومن ہوگا چوتھے یہ کہ یہاں حصر مقلب ہے۔ معنی یہ ہیں کہ یہ لوگ سچے پکے مومن ہیں ان میں کفر وفسق گناہ کا شائبہ بھی نہیں جیسے انما انا بشر کے معنی ہیں۔ بشر ہی ہوں خدا نہیں۔

چوتھا اعتراض: اگر حضرات صحابہ مہاجرین و انصار سارے ہی مومن عادل ہیں تو لھم مغفرة کے کیا معنی بخشش معافی تو گناہوں کی ہوتی ہے۔

جواب: ہم سارے صحابہ کو معصوم نہیں مانتے انہیں عادل مانتے ہیں کہ وہ حضرات گناہ پر قائم نہیں رہتے توبہ کر لیتے ہیں۔ رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ ان کی بخشش کر دیتا ہے۔ نیز بخشش کی بہت سی قسمیں ہیں۔ کفر وشرک کی بخشش جو اسلام قبول کرنے سے ہوتی ہے گناہ کبیرہ کی بخشش جو توبہ سے ہوتی ہے گناہ صغیرہ کی بخشش جو نیک اعمال کی برکت سے ہوتی ہے۔ خطاؤ غلطیوں لغزش سے بخشش۔ آخری قسم کی دو بخششیں حضرات صحابہ بلکہ حضرات انبیاء کرام کو عطا ہوئی ہوں۔ شعر

زاہداں از گناہ توبہ کنند   عارفاں از گناہ استغفار

پانچواں اعتراض: لھم مغفرت میں حصر کے معنی ہیں یعنی ان ہی کو بخشش ہے تو کیا دوسروں کو بخشش نہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی پچھلے اعتراض کے جواب سے معلوم ہو گیا کہ ان کی شان کے لائق بخشش واقعی صرف انہیں کے لئے ہے اللہ تعالیٰ ہمارے گناہ کبیرہ وصغیرہ معاف فرمائے تو ہماری قسمت کھل جائے۔

تفسیر صوفیانہ: کفر بدکاری یوں ہی ایمان وتقویٰ ان میں جوڑنے کی تاثیر بھی ہے اور توڑنے کی بھی۔ گویا قینچی بھی اور سوئی بھی۔ کفر کافر کو سارے کفار سے جوڑ دیتا ہے اور سارے مومنوں سے توڑ دیتا ہے۔ یوں ہی ایمان مومن کو سارے

www.alahazratnetwork.org

مومنوں سے جوڑ دیتا ہے اور سارے کافروں سے توڑ دیتا ہے۔ تقویٰ کا بھی یہی حال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

ناریاں مر ناریاں را طالب اند — نوریا مر نوریاں را جاذب اند

یہاں پہلی آیت میں کفر کے جوڑ توڑ کا ذکر ہے۔ دوسری آیت میں ایمان تقویٰ کے جوڑ توڑ کا تذکرہ سارے کافر بعضھم اولیاء بعض اور مہاجرین و انصار اگرچہ رشتہ جسمانی وطن میں الگ تھے مگر رشتہ ایمان و تقویٰ کی وجہ سے ھم المومنون حقا کے خطاب سے نوازے گئے۔ اگر اچھوں سے ملنا ہے تو ایمان و تقویٰ اختیار کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مغفرت کے لغوی معنی ہیں چھپانا۔ گنہگار کی مغفرت یہ ہے کہ اس کے گناہ چھپا لئے جاویں۔ محبوبوں کی مغفرت یہ ہے کہ رب کی رحمت میں چھپا لئے جاویں کہ انہیں کوئی نہ پہچانے مگر صاحب راز ولی کو ولی پہچانتا ہے۔ رزق کریم دنیا میں تو یہ ہے کہ حلال راستہ سے آئے حلال مقصد کے لئے کھایا جائے اور پیٹ میں پہنچ کر گناہوں سے نفرت عبادات کی رغبت پیدا کرے اور آخرت کا رزق کریمہ ہے جو جنت میں ملے گا۔ جو پیٹ میں پہنچ کر مشک کی طرح جسم سے نکل جاوے۔ ہوا یا نجاست نہ بنے۔ رزق سب کو ہی ملتا ہے مگر رزق کریم کسی کسی کو۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْۢ بَعْدُ وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا مَعَكُمْ فَاُولٰٓئِكَ مِنْكُمْ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی انہوں نے اور جہاد کیا ساتھ تمہارے پس یہ لوگ
اور جو بعد کو ایمان لائے اور ہجرت کی اور تمہارے ساتھ جہاد کیا وہ بھی تم ہی میں سے ہیں۔ اور رشتہ والے
وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ
تم میں سے ہیں اور قرابت والے بعض ان کے زیادہ قرب والے ہیں بعض سے اللہ کی
ایک دوسرے سے زیادہ نزدیک ہیں اللہ کی کتاب میں
اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۧ ع الربع
کتاب میں تحقیق اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے
بے شک اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مہاجرین اولین اور انصار کے فضائل بیان ہوئے۔ اب اس آیت میں ان مہاجرین کے فضائل کا ذکر ہے جنہوں نے ہجرتِ ثانیہ یعنی صلح حدیبیہ کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی گویا ان اول مہاجرین کے بعد دوم نمبر مہاجرین کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: گذشتہ آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اے مہاجرین مدینہ غیر مہاجر مومنین سے تم کو رشتہ میراث والا حاصل

www.alahazratnetwork.org

نہیں۔ مالکم من ولایتھم من شی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر وہ لوگ اب بھی ہجرت کرلیں تو تمہارا تعلق ان سے قائم ہو جاوے گا۔ گویا اس آیت میں اس پچھلی آیت کے حکم کی انتہا کا بیان ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ میراث کی بنا ایمان اور ہجرت و نصرت پر ہے نہ کہ جسمانی رشتہ پر، اب اس حکم کو منسوخ فرمایا جا رہا ہے کہ یہ حکم عارضی تھا۔ اب میراث کی بناء ایمان اور رشتہ جسمانی پر ہے۔ والو الارحام بعضھم اولی ببعض گویا عارضی حکم اٹھا کر دائمی حکم دیا جا رہا ہے۔ (حضرت ابن عباس)

تفسیر: والذین امنوا من بعد و ھاجروا یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے الذین سے مراد مکہ والے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے سارے عرب والے ہوں من بعد میں بعد سے مراد یا تو اس آیت کے نزول کے بعد ہے یا صلح حدیبیہ کے بعد ہے۔ اس کا تعلق ایمان سے بھی ہے اور ہجرت سے بھی اور ہجرت سے مراد مدینہ منورہ کی طرف ہجرت ہے خواہ مکہ معظمہ سے ہو یا حبشہ سے لہٰذا اس میں وہ ہجرت والے حضرات داخل ہیں جنہوں نے پہلے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف یعنی وہ لوگ جو اس آیت کے نزول کے بعد صلح حدیبیہ کے بعد ایمان لائے۔ اور انہوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی و جاھدوا معکم اس فرمانِ عالی میں ان ثانوی ہجرت والوں کی تیسری صفت کا بیان ہے جہاد سے مراد مالی جانی دونوں جہاد ہیں۔ معکم فرما کر یہ بتایا کہ اے اول مہاجرین تم جہاد کرتے ہی رہتے ہو اب جو تم جہاد کرو اس میں یہ ثانوی ہجرت والے تمہارے ساتھ مل کر جہاد کریں کیونکہ تمہارے ساتھ جہاد ان جہادوں سے افضل ہیں جو تمہارے بغیر ہوں تمہارے ہمراہی سے جہاد کا ثواب قبولیت قربِ الٰہی بڑھ جاتا ہے۔ فاولئک معکم یہ عبارت گذشتہ شرط کی جزاء ہے۔ اولئک سے اشارہ انہیں ثانوی ہجرت والوں کی طرف ہے منکم سے پہلے ملحقون پوشیدہ ہے کم میں خطاب مہاجرین اولین سے ہے جن کا ذکر اوپر سے ہوتا چلا آ رہا ہے یعنی ثانوی ہجرت والے تم سے ملحق ہیں۔ دنیا و آخرت میں ان کا شمار تمہاری مقدس جماعت میں ہوگا۔ تمہاری طرح مومن صحابی، مہاجر، مجاہد مانا جائے گا اور ان ربانی وعدوں میں شامل ہوگا جو تم سے کئے گئے۔ واولو الارحام بعضھم اولی ببعض یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اولو جمع ہے ذو کی بمعنی والا ارحام جمع ہے رحم کی۔ رحم عورت کی بچہ دانی کو کہتے ہیں اصطلاح میں نسبی رشتہ کو رحم کہا جاتا ہے کیونکہ یہ رشتے رحم مادر سے ہی تعلق رکھتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں چونکہ نسبی رشتہ سے میراث ملتی ہے دودھ کے رشتہ سے بالکل نہیں اور سسرالی رشتہ سے صرف خاوند بیوی کو اس لئے اولو الارحام ارشاد ہوا۔ اس میں ذی فرض عصبہ اور ذی رحم سارے وارث داخل ہیں جن کی تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دی ہے یہاں صرف اجمالی ذکر ہے۔ اولی بمعنی اقرب ہے یا بمعنی احق یعنی ان رشتہ داروں کے بعض اپنے بعض سے زیادہ قریب ہیں یا زیادہ حقدار ہیں۔ میراث کے مقابلہ اجنبیوں اور دور کے رشتہ داروں کے لہٰذا اب مہاجر و انصار آپس میں ایک دوسرے کے وارث نہ ہوں گے بلکہ میراث کی وجہ نسبی قرابت داری ہوگی۔ یہ آیت پچھلی آیت کی ناسخ ہے۔ سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس کا یہ قول ہے فی کتب اللہ یہ عبارت احق کے متعلق ہے یا بذا ثابت پوشیدہ سے تعلق رکھتی ہے کتاب اللہ سے مراد لوح محفوظ ہے یا قرآن مجید کی سورۃ یا بمعنی حکم اللہ ہے۔ (روح

www.alahazratnetwork.org

البیان) ان اللہ بکل شی علیم اس فرمانِ عالی میں گذشتہ احکام کی حکمت بیان ہوئی کہ اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے اس کے ہر حکم میں حکمت ہے۔ جس وارث کو جتنا دیا حکمت سے دیا اور اب تک جو مہاجرین و انصار کو ایک دوسرے کا وارث بنایا اس میں بھی حکمت تھی اور اب یہ حکم منسوخ فرمایا اس میں بھی حکمت ہے۔ لہٰذا رب کے کسی حکم پر اعتراض نہ کرو۔

خلاصہ تفسیر: مہاجر صحابہ کے چند طبقے ہیں۔ بعض مہاجرین اولین بعض ثانوی ہجرت والے بعض حضرات صاحب ہجرتین یعنی دو ہجرتوں والے کہ پہلے انہوں نے مکہ معظمہ سے حبشہ کی طرف ہجرت کی پھر حبشہ سے مدینہ منورہ کی طرف۔ پچھلی آیات میں مہاجرین اولین کے فضائل بیان ہوئے۔ اب ثانوی ہجرت والوں کے فضائل کا ذکر ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے جماعت صحابہ جو لوگ بھی تمہارے ساتھ ہجرت کے بعد یا حدیبیہ کی صلح کے بعد ایمان لائے اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت اور تمہارے ساتھ جہاد کئے وہ لوگ بھی تمہارے ساتھ ہی ملحق ہیں۔ اللہ کے نزدیک ان کا شمار تمہارے ساتھ ہی ہوگا اور اب یہ قانون جاری کیا جاتا ہے کہ آپس میں نسبی رشتہ دار ایک دوسرے کے وارث ہیں۔ اب تک میراث کا جو حکم تھا وہ عارضی تھا کتاب اللہ میں میراث کا دائمی حکم یہی ہے۔ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ اس نے جو حکم دیا جان کر دیا۔ اب تک میراث کا یہی حکم مناسب تھا۔ اب یہی حکم مناسب ہے۔ اور اب میراث کا جتنا حصہ جس وارث کو دیا اس میں حکمت ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: سارے صحابہ اللہ کے مقبول بندے ہیں مگر ان کے مراتب میں فرق ہے۔ بڑے مرتبہ والے مہاجرین اولین ہیں پھر ثانوی دو ہجرتوں والے پھر انصار۔ اس کی وجہیں ابھی پچھلی آیت میں بیان کی گئیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے او لا الھجرۃ لکنت امرا من الانصار اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم انصار میں سے ہوتے ان مہاجرین میں سب سے اعلیٰ و افضل مہاجر حضرت ابوبکر صدیق ہیں کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کی یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: بعد ایمان کے ہجرت کا درجہ ہے اور ہجرت کے بعد جہاد کا یہ فائدہ ھاجروا کے بعد جاھدوا فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: جو عبادت اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ ادا کی جائے وہ اکیلے یا معمولی لوگوں کے ساتھ والی عبادات سے افضل ہے۔ یہ فائدہ جاھدوا کے ساتھ معکم فرمانے سے حاصل ہوا یعنی صحابہ کرام کے ساتھ جہاد دوسرے جہادوں سے افضل ہے۔ صحابہ علماء، اولیاء صالحین کے ساتھ نماز دوسری نمازوں سے افضل ہے۔ اب سمجھ لو کہ حضرت صدیق کی ہجرت کیسی بے مثال ہجرت ہوگی کہ حضور ﷺ کے ساتھ ہے۔

چوتھا فائدہ: مہاجرین اولین افضل ہیں ثانوی ہجرت والوں سے یہ فائدہ اولئک منکم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے انہیں مہاجرین اولین کے ساتھ ملحق فرمایا۔ ظاہر ہے کہ ملحق سے اصلی افضل و اعلیٰ ہے۔

پانچواں فائدہ: اب وراثت صرف رشتہ داری نسبی سے ہوگی۔ ہجرت سے وراثت منسوخ ہو چکی یہ فائدہ اولوا الارحام

www.alahazratnetwork.org

بعضھم (الخ) سے حاصل ہوا۔
مسئلہ: جسمانی رشتے تین قسم کے ہیں۔ نسبی، رضاعی، سسرالی میراث صرف نسبی رشتوں سے ملتی ہے۔ رضاعی رشتہ سے بالکل نہیں ملتی۔ سسرالی رشتہ سے صرف خاوند بیوی کو ملتی ہے۔
چھٹا فائدہ: نسبی رشتوں میں ذی رحم قرابت داروں کو بھی میراث ملے گی صرف ذی فرض یا عصبہ تک محدود نہ ہوگی۔ ذی رحم وارث کو جب ملے گی جب کہ ذی فرض یا عصبہ کوئی نہ ہو۔ یہ فائدہ واولوا الارحام سے حاصل ہوا (حنفی) ان رشتوں کی تفصیل ہماری کتاب علم المیراث میں ملاحظہ کرو کہ ذی الارحام جیسے ماموں، خالہ، نواسے، بھانجی وغیرہ۔
پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ بعد والے مہاجرین اگلے مہاجرین یعنی مہاجرین اولین سے ملحق تب ہوں گے جب کہ ان میں تین صفات ہوں۔ ایمان، ہجرت اور ان کے ساتھ جہاد تو جن حضرات کو یہ آخری صفت نصیب نہ ہوئی کیا وہ ان سے ملحق نہ ہوں گے بعض حضرات معذوری کی وجہ سے جہاد نہ کر سکے کیا وہ ان سے ملحق نہیں۔
جواب: اس کا جواب ابھی پہلی آیت میں دیا گیا کہ جہاد کی قید اتفاقی ہے احترازی نہیں چونکہ جہاد (اور وہ بھی حضرات صحابہ کے ساتھ رب کی بڑی ہی نعمت ہے) اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر فرمایا۔
دوسرا اعتراض: جہاد تو خود ہی بہت اعلیٰ عبادت ہے پھر اس میں معکم کی قید کیوں لگائی۔ کیا جہاد کے لئے صحابہ کی ہمراہی ضروری ہے۔ اگر ضروری ہے تو صحابہ کے بعد سے قیامت تک جہادوں کا کیا حال ہے۔
جواب: جہاد بذات خود اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے لیکن اگر حضرات صحابہ کرام کے ساتھ میسر ہو جاوے تو اسے اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔ نیز ان کے ساتھ جہاد کرنا ان کی ہمراہی بلکہ ان میں داخل ہونے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ان وجوہ سے معکم کا ذکر فرمایا۔
تیسرا اعتراض: اولوالارحام میں صرف ذی فرض اور عصبہ وارث داخل ہیں ذی رحم داخل نہیں۔ اس لئے کہ یہاں ارشاد ہوا فی کتاب اللہ اور کتاب اللہ سے مراد قرآن مجید کی سورہ نساء ہے وہاں صرف ذی فرض وعصبات کا ہی ذکر ہے لہٰذا اس سے ذوی الارحام کی وراثت ثابت نہیں ہوتی۔ (شوافع)
جواب: ذی رحم قرابت داروں کا میراث پانا صراحۃً حدیث شریف سے ثابت ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے (الخال) وارث من لاوارث کہ ماموں اسکا وارث ہے جس کا کوئی وارث نہ ہو۔ سیدنا عبداللہ ابن مسعود اور بہت سے دوسرے فقہاء صحابہ کا مذہب ہے کہ ذی رحم بھی وارث ہیں ہاں ان کا درجہ ذی فرض اور عصبہ کے بعد ہے۔ یہاں کتب اللہ سے مراد لوح محفوظ ہے یا اللہ کا حکم اس مسئلہ کے دلائل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔
تفسیر صوفیانہ: مکہ شریف اللہ تعالیٰ کا حرم ہے جس کے حدود اربعہ یہ ہیں۔ جانب مشرق چھ میل جانب مغرب بارہ میل جانب جنوب اٹھارہ میل جانب شمال چوبیس میل (روح البیان) ان حدود میں رہنا کعبہ معظمہ کو ایمان کے ساتھ دیکھنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کا وہ حرم ہیں جس کے حدود اربعہ غیر محدود ہیں۔ برکت والا وہ ہے جس کا

www.alahazratnetwork.org

جسم حرم میں مکہ میں ہے اور دل حرم رسول میں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حرم مکہ سے ہجرت فرمائی تو فتح مکہ سے پہلے وہاں مسلمانوں کو بلا عذر رہنا حرام ہو گیا وہاں سے نکلنا عبادت اور جلد نکلنا اعلیٰ درجے کی عبادت ہو گیا۔ چنانچہ جو مسلمان وہاں سے بہت جلد نکل کر حرم رسول میں پہلے پہنچے انہیں مہاجرین اولین کہا گیا وہ مہاجر اول درجہ کے ہوئے ان کا درجہ بہت بلند۔ جنہوں نے وہاں سے نکلنے میں دیر لگائی حرم رسول میں پیچھے پہنچے وہ دوسرے درجہ کے مہاجرین ہوئے انہیں رب تعالیٰ کی طرف سے رعایت ملی کہ اگر وہ اولین مہاجرین کے ساتھ مجاہدہ کریں تو ان سے ملحق ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ حرم مکہ سے حرم رسول یعنی قرب رسول زیادہ اہم ہے۔ مقدس جگہوں سے قرب بڑی نعمت ہے۔ ایسے صاف قلوب سے قرب اللہ کا کرم ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

مسجدے کے اندرون اولیا است — سجدہ گاہ جملہ است آنجا خدا است

آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں — نیست مسجد جز درون سرداراں

یعنی اولیاء اللہ کے دل سارے جہاں کی مسجدیں ہیں۔ خدا وہاں ہی ملتا ہے اینٹ گارے کی مسجدیں مجازی مسجدیں ہیں۔ دل والوں کے دل حقیقی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو سالک صادق ہو تو متاخرین میں سے مگر ایمان ہجرت اور جہاد علی النفس کے قدم سے اگلوں کی طرف دوڑے تو انشاء اللہ وہ متقدمین میں شمار ہو گا۔ اللہ کے ہاں شام سویر انہیں وہاں کے واصل ایک ہی نفس کی طرح ہیں۔ وہ زمان مکان آج اور کل۔ قرب و بعد نیچے اونچے کی قیود سے آزاد ہیں فرماتے ہیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری امت بارش کی طرح ہے جس کے متعلق نہیں کہا جا سکتا کہ اول اچھی یا آخر۔ حضرت حسن علیہ السلام جب سورہ انفال پڑھتے تو کہتے کہ خوشخبری ہو اس امت کے لئے جن کے پیشرو رسول اللہ ہوں، جن کا قلب اسد اللہ ہوں، جن کا جہاد طاعۃ اللہ ہو جن کی مدد ملئکۃ اللہ ہو، جن کا ثواب رضوان اللہ۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ چھبیس رجب محترم ۱۳۹۰ھ اٹھائیس ستمبر ۱۹۷۰ء پیر کے دن دس بجے دوپہر کو تفسیر نعیمی کی سورہ انفال بخیر و خوبی ختم ہوئی اور آج ہی سورہ توبہ شروع ہوئی۔ رب تعالیٰ اس تفسیر کی تکمیل کی توفیق دے اسے قبول فرما کر مجھ گنہگار کے لئے گناہوں کا کفارہ اور صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین آمین یا رب العالمین بجاہ سید المرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم۔

آیاتہا ۱۲۹ — ۹ سُورَۃُ التَّوْبَۃِ مَدَنِیَّۃٌ ۱۱۳ — رکوعاتہا ۱۶

(نمبر ۹) سورة التوبة مدينة (عدد نزل ۱۱۳)

www.alahazratnetwork.org

(نمبر ۹) سورۃ التوبۃ مدنیۃ (عدد نزول ۱۱۳)

۱۷۵۹۰۳	۱۷۵۹۰۶	۱۷۵۹۱۰	۱۷۵۸۹۶
۱۷۵۹۰۹	۱۷۵۸۹۷	۱۷۵۹۰۲	۱۷۵۹۰۷
۱۷۵۸۹۸	۱۷۵۹۱۲	۱۷۵۹۰۴	۱۷۵۹۰۱
۱۷۵۹۰۵	۱۷۵۹۰۰	۱۷۵۸۹۹	۱۷۵۹۱۱

اس سورۃ کے بہت ہی فضائل وارد ہوئے ہیں۔ عاملین زاہدین اس کو اپنے اعمال اور وظائف میں بہت اہمیت دیتے ہیں چنانچہ صحابہ کرام سے مروی ہے کہ جو مسلمان ہر روز بعد نماز اشراق اس سورۃ کو گیارہ بار پڑھے اور حاکم کے سامنے جائے وہ اس سے نرمی کرے اور فرماتے ہیں کہ جو شخص اس سورۃ کے تعویذ کا چلہ کر کے اپنے پاس یا اپنے گھر یا سامان میں رکھے کبھی نقصان نہ ہو اس تعویذ کو پاک پانی میں گھول کر باغ یا کھیت میں ڈالے تو خوب پھل دے۔ احتیاط شرط ہے۔ اس کے کل اعداد ۵۲۸۶۱۵ ہیں۔ چلہ کرنے والے کے لئے ضروری ہے کہ نئے چاند کی پہلی جمعرات سے ہر روز اکتالیس دن تک ۴۱ تعویذ اشراق کے وقت لکھے۔ اس کی چال خانہ نمبر ۱۳ میں ہے۔ تعویذ یہ ہے۔

سورۃ التوبہ مدنیہ وھی مائۃ و تسع و عشرون آیۃ و ستۃ عشر سورہ توبہ مدینہ ہے۔ اس میں سولہ رکوع ایک سو انتیس آیات چار ہزار اختر کلمات دس ہزار چار سو اٹھائیس حروف ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سورہ کی آخری دو آیتیں مکیہ ہیں۔ لقد جاء کم رسول الی لقر (خازن وغیرہ)

اس سورہ کے دس نام ہیں۔ توبہ، براۃ، مقشقشہ، مبعثرہ، فاضحہ، سورہ عذاب، مخزیہ، مدمدمہ، مشردہ، مبشرہ۔ چونکہ اس سورہ میں حضرت کعب بن ابن مالک اور ان کے دو ساتھیوں کی عظیم الشان توبہ کا ذکر ہے، لہٰذا سورہ توبہ ہے۔ چونکہ اس میں مشرکین سے بیزاری اور معاہدات سے علیحدگی کا ذکر ہے لہٰذا براۃ، نیز یہ سورہ نفاق سے براۃ ہے لہٰذا یہ مقشقشہ ہے نیز اس سورہ میں منافقین کی خبریں شائع کی گئی ہیں اور ان سے اس میں مکمل بحث ہے لہٰذا مبعثرہ ہے چونکہ اس سورہ نے منافقین کو رسوا کر دیا لہٰذا فاضحہ اور سورہ عذاب ہے نیز اس میں منافقین کی ہلاکت ہے لہٰذا مدمدمہ ہے نیز اس نے منافقین کی جماعتوں کو بکھیر کر رکھ دیا لہٰذا مشردہ ہے چونکہ اس سورہ نے منافقین کے پردے چاک کر دیئے لہٰذا مبشرہ ہے (تفسیر خازن و تفسیر کبیر) حضرت سعید ابن جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے جناب حضرت عبداللہ ابن عباس سے عرض کیا کہ یہ سورہ توبہ ہے فرمایا بلکہ فاضحہ یعنی منافقوں کو رسوا کرنے والی۔ اس سورہ میں منہم منہم اس قدر ارشاد ہوا کہ میں سمجھا کہ کسی منافق کو رسوا کئے بغیر چھوڑے گی ہی نہیں، دیکھو تفسیر خازن۔ خیال رہے کہ تمام سورتوں کے اول میں بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھی گئی۔ ایک اول سورہ میں دوسری درمیان میں انہ من سلیمان و انہ بسم اللہ الرحمن الرحیم لہٰذا قرآن مجید میں جیسے ایک سو چودہ سورتیں ہیں اتنی ہی بسم اللہ ہیں اس سورہ میں بسم اللہ نہ لکھنے کی چند وجہیں مفسرین نے بیان فرمائی ہیں۔ (۱) کسی نے حضرت عثمان جامع قرآن سے اس کی وجہ پوچھی کہ آپ نے توبہ کو سورہ انفال سے علیحدہ کر کے تو دکھایا ہے مگر بسم اللہ نہیں لکھی۔ اس کی وجہ کیا ہے۔ فرمایا کہ سورہ انفال ہجرت کے ابتدائی زمانہ میں نازل ہوئی اور سورہ انفال آخری دور میں۔ حضور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے

www.alahazratnetwork.org

اس کے اول بسم اللہ لکھنے کا حکم نہ دیا اور ہم پوچھ نہ سکے مگر سورہ توبہ کا مضمون سورہ انفال کے مضمون کے مشابہ تھا کہ یہ دونوں سورتیں ایک ہی سی ہیں۔ یہ بھی احتمال تھا کہ دو ہیں۔ ہم نے ان دونوں احتمالوں کا لحاظ رکھتے ہوئے علیحدہ بھی کیا اور نہیں بھی کیا (ترمذی، ابوداؤد، خازن وغیرہ) اس سے حضرات صحابہ کی انتہائی احتیاط کا پتہ چلا کہ انہوں نے جمع قرآن میں کیسی اہم احتیاط کی ہے۔ (۲) محمد ابن حنیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی شیر خدا سے پوچھا کہ آپ حضرات نے سورہ توبہ کے اول بسم اللہ کیوں نہ لکھی فرمایا کہ سورہ توبہ تلوار کے ذریعہ کفار سے امان اٹھانے کے لئے اتری اور بسم اللہ امان کے لئے ہوتی ہے لہذا نہ لکھی گئی۔ (۳) تمام سورتوں کے نازل کرنے پر حضرت جبریل بسم اللہ پڑھتے تھے مگر سورہ توبہ کے نزول پر نہ پڑھی۔ (۴) حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جمع قرآن کے موقع پر حضرات صحابہ میں اختلاف ہوا۔ بعض کا خیال تھا کہ سورہ انفال اور توبہ ایک ہی سورت ہے یعنی سبع طوال سے بعض کا خیال تھا کہ یہ دو سورتیں ہیں۔ کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا فیصلہ نہیں فرمایا تھا لہذا دونوں جماعتوں کا لحاظ فرما کر علیحدہ نام تو لکھا گیا مگر بسم اللہ نہ لکھی گئی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کے چند حصے ہیں۔ طوال، مئین، مثانی، مفصل۔ اگر انفال اور توبہ ایک سورہ ہو تو یہ طوال میں سے ہوگی کہ اس صورت میں ان کی آیات دو سو چار ہوں گی۔ ۷۵ آیتیں انفال کی ایک سو انتیس توبہ کی۔ (۵) عرب میں دستور تھا اور ہے کہ جب کسی قوم سے معاہدہ چھوڑنے اعلان جنگ کرنے کے لئے خط لکھتے ہیں تو اس کے اول بسم اللہ نہیں لکھتے۔ اس قاعدے سے اس سورہ کے اول میں بسم اللہ نہیں لکھی کہ یہ سورت کفار سے معاہدہ ختم کرنے کے لئے آئی۔ (تفسیر کبیر، خازن، صاوی)۔

مسئلہ: دوران تلاوت میں اگر یہ سورت آ جاوے تو بسم اللہ پڑھنا ابن حجر کے نزدیک حرام ہے۔ امام کے نزدیک مکروہ لیکن اگر اس سورۃ سے تلاوت کی ابتدا کرے تو اکثر علماء کے نزدیک بسم اللہ پڑھے بعض علماء منع فرماتے ہیں۔ ان کے دو مشہور شعر ہیں۔ شعر

و مهما بقبلها او برأت برأة　　　　تنزيلها بالسيف لست مبسملا

ولا بد منها في ابتدائك سورة　　　　سورها وفي الاجزا خير من تلا (صاوی)

تعلق: سورہ انفال میں کفار پر جہاد کرنے ان کا مال غنیمت بنانے پھر اس غنیمت کے تقسیم کرنے کا ذکر تھا اور ظاہر ہے کہ جہاد انہیں کفار پر ہوگا جن سے ہمارا معاہدہ یا صلح نہ ہو سورہ برأت یعنی توبہ میں، ان کفار کا ذکر ہے جن سے معاہدہ ہو چکا تھا۔ اب معاہدہ ختم کرنا ہوا گویا ایک قسم کے کفار کے ذکر کے بعد دوسرے قسم کے کفار کا ذکر ہے۔ نیز سورہ انفال کی آخری آیات میں مسلمانوں کو آپس میں میل محبت رکھنے ان کی آپس کی میراث کے احکام کا ذکر ہوا۔ اب کفار سے بیزار ہوتے پر ان سے تعلقات توڑنے کا حکم ہے۔ گویا جوڑ کے بعد توڑ کا تذکرہ ہے۔ دنیا جوڑ توڑ سے قائم ہے۔ کسی سے جوڑو کسی سے توڑو، زندہ رہو۔

نزول: سورہ برأت شوال ۹ ہجری میں نازل ہوئی۔ فتح مکہ ۸ ہجری میں ہوئی اور حضور ﷺ کا حجۃ الوداع ۱۰ ہجری میں ہے۔ (خازن مدارک، کبیر وغیرہ) فتح مکہ کے بعد ۹ ہجری کا حج کفار عرب نے دس ذیقعدہ کو ادا کیا۔ کیونکہ وہ مہینوں میں ہیر

www.alahazratnetwork.org

پھیر کرتے رہتے تھے۔ اگلے سال یعنی ۱۰ ہجری کا حج صحیح مہینہ صحیح وقت میں ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ ہجری کے حج میں حضرت ابوبکر صدیق کو حج کا امیر بنا کر بھیجا۔ آپ کے پیچھے حضرت علی کو سورۃ برأت کی یہ آیات لوگوں کو سنانے اور ان میں اعلان کرنے کے لئے روانہ کیا۔ اس حج کے حضرت ابوبکر صدیق امیر تھے، حضرت علی مامور حضرت صدیق امام تھے، حضرت علی مقتدی، حضرت ابوبکر صدیق خطیب تھے حضرت علی آپ کا خطبہ لوگوں تک پہنچانے والے۔ اس واقعہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارۃً بتا دیا کہ میرے بعد صدیق خلیفہ ہوں گے اور حضرت علی ان کے وزیر۔ (تفسیر کبیر۔ خازن)

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ
بیزاری ہے جانب سے اللہ اور اس کے رسول کے طرف ان لوگوں کے کہ معاہدہ کیا تم نے مشرکین میں
بیزاری کا حکم سنانا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ان مشرکوں کو جن سے تمہارا معاہدہ تھا
الْمُشْرِكِيْنَ ۝١ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا
سے۔ پس چل پھر لو زمین میں چار مہینے اور جانو کہ بے شک
اور وہ قائم نہ رہے گا زمین میں چلو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو نہیں تھکا سکتے
اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ ۝٢
تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو اور تحقیق اللہ رسوا کرنے والا کافروں کا
اور یہ کہ اللہ رسوا کرنے والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں حکم تھا کہ مسلمان مسلمانوں کے دوست دلی رہیں۔ اب حکم ہے کہ مسلمان کفار سے بیزار اور ان سے علیحدہ رہیں گویا تقویٰ کے ایک رکن یعنی محبت مومنین کا ذکر پہلے ہوا۔ اس کے دوسرے رکن یعنی کفار سے علیحدگی کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں حکم تھا کہ اگر غیر مہاجر مومنین ایسے کفار سے لڑیں جن سے تمہارا معاہدہ ہو اور تم سے مدد مانگیں تو انہیں مدد نہ دو کہ اس میں وعدہ خلافی ہے۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر ایسے کفار خود ہی بدعہدی کریں تو تم بھی عہد توڑ دو۔ گویا مضبوط معاہدہ کے احترام کا ذکر فرمانے کے بعد ٹوٹے ہوئے معاہدہ کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کفار کے دوست ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ خبردار مومن کفار کے دوست نہ بنیں کہ کفار کا انجام رسوائی ہے۔

نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (۱) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کے آس

www.alahazratnetwork.org

پاس کے تمام کفار سے عہد و میثاق کر رکھا تھا کہ تم ہم سے نہ لڑو، ہم تم سے نہ لڑیں۔ نہ ایک دوسرے کو نقصان پہنچائیں نہ کسی جنگ میں ایک دوسرے کے خلاف دشمن کو مدد دیں مگر جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ۹ ہجری میں غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ کے منافقین اور اردگرد کے کفار نے آپس میں سازش کر کے مسلمانوں کے بیوی بچوں کو ستانا ان کے گھروں کو لوٹنا چاہا مگر ناکام رہے پھر مدینہ منورہ میں غازیانِ تبوک کے متعلق پریشان کن خبریں اڑائیں تاکہ ان کے بیوی بچے پریشان ہوں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ انہوں نے عہد توڑا۔ آپ ﷺ بھی عہد توڑ دیں مگر چار ماہ کی مہلت دے دیں۔ (تفسیر کبیر)

(۲) حضور انور ﷺ نے قریباً سارے مشرکین سے معاہدے کئے ہوئے تھے مگر سواء بنوضمرہ اور بنوکنانہ کے باقی سارے کفار نے ہر طرح اپنے عہد توڑ دیئے۔ تب یہ آیاتِ کریمہ نازل ہوئیں جس میں عہد توڑنے والوں کے عہد توڑنے کا حکم دیا گیا۔ نہ توڑنے والوں کے عہد کو پورا کرنے کی تاکید فرمائی گئی۔ (تفسیر کبیر و خزائن العرفان)

(۳) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۶ ہجری میں کفارِ مکہ سے دس سال کے لئے چند شرطوں پر صلح فرمائی جن میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر تمہارے حلیف بنی بکر اور بنی خزاعہ آپس میں لڑیں تو ہم تم دونوں جانب غیر جانبدار رہیں۔ نہ تم بنی بکر کی مدد کرو نہ ہم بنی خزاعہ کی۔ اگلے سال ۷ ہجری میں حضور ﷺ نے عمرہ قضا کیا پھر بنی بکر اور بنی خزاعہ میں آپس میں جنگ ہوئی تو کفار قریش نے اپنے حلیف بنی بکر کی ڈٹ کر مدد کی اور اس معاہدہ کو توڑ دیا۔ تب قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص عمرو خزاعی حضور ﷺ کی خدمت میں فریاد کرتا ہوا حاضر ہوا اور اس نے بہت دردناک قصیدہ پیش کیا جس میں کفارِ مکہ اور ان کی بدعہدی کا ذکر کیا جس کے چند اشعار یہ ہیں۔ شعر

لاھم انی

فاشد محمدا ۔۔۔ حلف ابینا ابیہ الا تلدا

قد کنتم ولدا وکنا والدا ۔۔۔ ثمت اسلمنا و لم ننزع ھدا

فانصر ھداک اللہ نصرا اعتدا ۔۔۔ وادعو عباد اللہ یاتو مددا

فیھم رسول اللہ قد تجردا ۔۔۔ ان سیم خسفا و جھہ تربدا

فی فیلق کالجتر بیجدی مربدا ۔۔۔ ان قریشا اخلفوک الموعدا

وانقضوا میثاقک الموکدا ۔۔۔ وجعلو لی من کدار صدا

وزعمر ان لست ادعوا احدا ۔۔۔ وھم اذل و اقل عددا

ھم بیتونا بالحطیم جھدا ۔۔۔ وقتلونا رکعا وسجدا

یہ بہت ہی بڑا قصیدہ ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یارسول اللہ فریاد ہے کہ کفارِ مکہ نے آپ ﷺ کا عہد توڑ دیا، ہم کو بے یار و مددگار سمجھ کر بنی بکر سے مل کر ہم پر ٹوٹ پڑے ہماری مدد کو پہنچو۔ اس پر حضور انور ﷺ کے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی مدد کا

www.alahazratnetwork.org

وعدہ فرمایا۔ ۸ ہجری میں مکہ معظمہ پر چڑھائی کر کے اسے فتح فرمایا۔ ۹ ہجری میں حج کے موقعہ پر حضرت ابوبکر کو امیر الحج بنا کر بھیجا۔ اس موقعہ پر یہ آیات نازل ہوئیں مگر یہ احتمال قوی نہیں کیونکہ کفار مکہ سارے ہی فتح مکہ کے دن ایمان لا چکے تھے۔ اب ان سے یہ خطاب کیسا۔ اولاً حضور انور ﷺ نے ان آیات کے اعلان کا حکم بھی ابوبکر صدیق کو دیا تھا مگر بعد میں لوگوں نے عرض کیا کہ حضور عرب کا دستور یہ ہے کہ معاہدہ یا معاہدہ کا ختم کرنا یا خود سلطان کرے یا سلطان کا قریبی رشتہ دار اور نہیں۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے اس اعلان کے لئے حضرت علی کو بھیجا جو راستہ میں حضرت صدیق اکبر سے مل گئے۔ جناب صدیق اکبر نے پوچھا کہ اے علی تم امیر بن کر آئے ہو یا مامور۔ عرض کیا کہ امیر تو آپ ہی ہیں مامور بن کر آیا ہوں۔ حج آپ کرائیں گے۔ ان آیات کا اعلان میں کروں گا۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی۔ خازن۔ خزائن وغیرہ) چونکہ حج میں سارے عرب کے قبیلے جمع ہوتے ہیں جن میں عہد توڑنے والے بھی ہیں اور عہد پورا کرنے والے بھی ہیں اور عہد جوڑنے والے بھی اس لئے ان آیات کا اعلان اس موقع پر مناسب ہوا۔

نکتہ عجیبہ: یہاں تفسیر روح المعانی نے عجیب نکتہ بیان کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ساری امت میں رحمت الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ارحم امتی بامتی ابوبکر گویا آپ سراپا جمال ہیں اور یہ آیات نری جلال۔ حضرت علی مظہر جلال ہیں کہ اسد اللہ ہیں۔ شکار شیر ہی کرتا ہے اس لئے ان آیات کا اعلان حضرت علی کے منہ سے جچتا ہے۔ میدانِ عرفات مشابہ ہے میدانِ حشر کے۔ حشر میں جمال بھی ہوگا جلال بھی۔ تو مناسب ہوا کہ اس میدان میں جمال صدیق سے ظاہر ہو اور جلال حضرت علی سے (روح المعانی) حضور ﷺ نے اس موقع پر حضرت صدیق کو حج کا امیر بنایا حضرت علی کو مامور و مقتدی۔ وفات شریف کے موقع پر صدیق کو نمازوں کا امام بنایا تاکہ پتہ لگے کہ حضور ﷺ کے بعد امام اکبر اول خلفاء بھی حضرت صدیق ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

تفسیر: براءة من الله و رسوله اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ساری سورتیں بسم اللہ کی ب سے شروع کیں۔ یہ سورہ لفظ براۃ کی ب سے شروع فرمائی۔ بسم اللہ میں ب ایک کلمہ یعنی حرف جر ہے یہاں ب ایک کلمہ کی جز ہے مگر ابتداء ب سے ہی ہے (روح المعانی) ہماری قرأۃ میں براۃ ت کے پیش سے ہے۔ ہذہ پوشیدہ کی ایک خبر ایک قرأۃ میں براۃ ت کے فتح سے ہے۔ اسمعوا پوشیدہ کا مفعول۔ براۃ کے معنی بیزاری بھی ہے، حفاظت کا ختم ہونا بھی، دور ہونا بھی، علیحدگی کو بھی کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص مقدمہ میں بری ہو گیا یا قرض سے بری ہو گیا۔ فلاں شخص سے بری یعنی بیزار ہوں۔ اس سے الگ ہوں، اُس سے الگ ہوں۔ ذمہ دار نہیں براۃ کی تنوین تعظیمی ہے۔ من الله و رسوله من ابتدائیہ ہے اس لئے اس کے ائی آ رہا ہے جیسے کہا جاتا ہے یہ خط فلاں کی جانب سے ہے فلاں کی طرف۔ لطف یہ ہے کہ براۃ ایک ہے اور اس کے بعد مبتداء دو۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ گویا یہ بیزاری چلی ہے رب کی طرف سے بھی اور اس کے رسول کی طرف سے بھی۔ کیونکہ حضور انور جیسے رب کی رحمتوں کے قاسم ہیں ایسے اس کی ناراضگی کے بھی کہ جس سے حضور بیزار ہو جاویں اس سے رب بھی بیزار ہے۔ کفار نے حضور انور سے عہد شکنی کی تھی رب بھی ان سے بیزار ہو گیا۔ الى الذين عهدتم من المشركين اگر براۃ

www.alahazratnetwork.org

پوشیدہ مبتدا کی خبر ہو تو براۃ موصوف ہے اور من اللہ (الخ) پہلی صفت اور الذین (الخ) دوسری صفت اور یہ اس کی خبر غرضیکہ اس فرمانِ عالی کی بہت سی تفسیریں ہیں۔ ہر تفسیر کا علیحدہ لطف من المشرکین کا بیان ہے۔ ان مشرکین سے مراد یا تو مشرکین مکہ ہیں تو معاہدہ سے مراد صلح حدیبیہ کا۔ معاہدہ سے مراد وہ معاہدہ ہے جسے پہلے مشرکین مکہ نے ہی توڑا مگر یہ احتمال ضعیف ہے کیونکہ آیات فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اور سارے مشرکین مکہ فتح مکہ کے دن ایمان لا چکے تھے۔ پھر ان سے یہ خطاب کیسے ہوسکتا ہے۔ یا مشرکین سے مراد عام مشرکین عرب ہیں اور معاہدہ سے مراد وہ معاہدہ ہے۔ حضور انور ﷺ نے ان سے کیا تھا کہ ہمارے خلاف نہ تو جنگ کرو اور نہ ہم سے جنگ کرنے والوں کی مدد کرو۔ یہ معاہدہ ان لوگوں نے جب توڑا جبکہ حضور انور ﷺ غزوہ تبوک کے لئے گئے ہوئے تھے۔ یا مشرکین سے مراد عموماً وہ مشرکین ہیں جو حضور انور ﷺ سے عہد کر کے توڑ دیتے تھے جیسا کہ شانِ نزول میں عرض کیا گیا۔ بہر حال روئے سخن ان ہی کفار سے ہے جو عہد توڑنے میں پہل کرتے تھے۔ عٰهدتم میں خطاب یا تو صلح حدیبیہ والے صحابہ سے ہے یا عام صحابہ سے۔

نکتہ: اس آیت کریمہ میں براۃ کو نسبت کیا گیا اللہ رسول کی طرف اور معاہدہ کو نسبت کیا گیا مومنوں کی طرف حالانکہ معاہدہ حضور انور ﷺ نے کیا تھا۔ ان نسبتوں میں حضور انور ﷺ کی انتہائی عظمت کا اظہار ہے کیونکہ ٹوٹا ہوا عہد اس قابل نہیں جو حضور ﷺ کی طرف نسبت کیا جاوے۔ ہاں عہد کا توڑنا اس عظمت وجلالت کا اظہار ہے۔ اسے نسبت کیا گیا حضور کی طرف مگر ساتھ ہی رب کا نام لیا تبرکاً یہ بتانے کے لئے کہ حضور انور ﷺ کا کام رب تعالیٰ ہی کا کام ہے۔ جیسے لاتقدموا بین یدی اللہ و رسولہ یا معاہدہ کے وقت ہی اللہ تعالیٰ کو بھی خبر تھی اور حضور انور ﷺ کو بھی کہ کفار یہ عہد نبھائیں گے نہیں۔ ہاں مومنوں کے نباہ کی قوی امید تھی لہٰذا وہ عہد گویا مومنوں نے ہی کیا تھا۔ (روح المعانی)

فسیحوا فی الارض یہ عبارت تو قولوا پوشیدہ کا مفعول ہے یعنی اے گروہ صحابہ یعنی اے گروہ صحابہ ان مشرکوں سے کہہ دو کہ چل پھر لو زمین میں یا کوئی فعل پوشیدہ نہیں تو اس میں التفات ہے کہ پہلے مشرکوں کو غائبانہ الفاظ سے یاد فرمایا پھر خطاب سے۔ سیحوا بنا ہے سیاحت سے جس کے معنی پانی کا زمین میں پھیلنا۔ اصطلاح میں آزادی سے ہر جگہ چلنے پھرنے کو سیاحت کہتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

لو خف ھذا منک ماانتنی   حتی تری خیلہ امامی تسیح (معانی)

غرضیکہ سیر سری اور سیح تینوں میں چلنے پھرنے کے معنی ہیں مگر ان میں بڑا فرق ہے۔ سیر مطلقاً چلنا۔ سریٰ رات میں چلنا اسری بعبدہ لیلا اور سیح آزادانہ چلنا۔ سیحو میں خطاب انہیں کفار سے ہے جن کا معاہدہ ختم ہوا۔ سیحو میں امر مباح کرنے کے لئے ہے۔ الارض سے مراد یا تو زمین عرب ہے یا ساری زمین اگرچہ چلنا پھرنا زمین میں ہی ہوتا ہے مگر ساری زمین میں چلنے کی اجازت ظاہر کرنے کے لئے ارشاد ہوا اربعۃ الشھر یہ ظرف ہے۔ فسیحوا کا چار ماہ کی مہلت اس لئے دی گئی کہ وہ لوگ اس دوران میں اپنے متعلق خوب سوچ بچار کرلیں کہ چار ماہ کے بعد ہمارے لئے یا قتل ہے یا اسلام۔ ممکن ہے کہ وہ سوچ کر مسلمان ہی ہو جائیں۔ یہ مہلت بھی تبلیغ ہے اور رحم خسروانہ کا اظہار۔ اس میں گفتگو ہے چار ماہ سے کوئی سے چار ماہ

www.alahazratnetwork.org

مراد ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس آیت کے نزول کے بعد سے چار ماہ یعنی شوال ذی قعدہ ذی الحج اور محرم کیونکہ یہ آیت شروع شوال ۹ ہجری میں آئی۔ بعض نے فرمایا کہ دس ذی قعدہ سے دس ربیع اول تک کیونکہ اس کا اعلان دس ذی قعدہ کو منیٰ شریف میں حج میں ہوا۔ اس سال عرب میں دس ذیقعدہ کو ہی حج کیا گیا تھا۔ یہ دوسرا قول ہی قوی ہے اس کے متعلق اور بہت قول ہیں۔ (معانی، کبیر، خازن) واعلموا غیر معجزی اللہ اے مہلت یافتہ کافرو! تم یقین رکھو کہ تم اس مہلت کے ذریعہ اللہ رسول سے بچ نہیں سکتے۔ تم کہیں بھی جاؤ ان کی قدرت ان کی پکڑ میں ہو گے۔ یہ نہ سمجھو کہ کہیں بھاگ کر ہم ان سے بچ جائیں گے۔ ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نام اپنا لیا ہو اور مراد رسول اللہ ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ تم رسول اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے کیونکہ انہیں پکڑنا قتل کرنا حضور ﷺ ہی کا کام ہے۔ ان اللہ مخزی الکفرین اگر کافرین سے مراد عام کافر ہوں تو رسوائی سے مراد آخرت کی رسوائی ہو گی اور اگر وہ خاص کفار مراد ہوں جن کا عہد ختم کیا گیا تو رسوائی سے مراد دنیا میں قتل کی رسوائی آخرت میں دوزخ کے عذاب کی رسوائی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کفار کو رسوا کرنے والا ہے اگر رسوائی خواری ذلت سے بچنا ہے تو سچے دل سے ایمان قبول کر لو۔ یہ چار ماہ کی مہلت تم کو رسوائی سے نہیں بچا سکتی۔ اس مہلت میں تم پر خاص مہربانی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اللہ رسول کی طرف سے بیزاری کا اعلان عام ان کفار سے ہے جن سے اے مسلمانو! تم حدیبیہ میں یا دوسرے موقعوں پر معاہدہ کر چکے ہو اور وہ اس معاہدہ پر قائم نہ رہے۔ اس کی خلاف ورزیاں کرتے رہے۔ ان سے اعلانیہ کہہ دو کہ آج سے چار ماہ تک تم زمین میں آزادانہ چل پھر لو سیر و سیاحت کر لو تم کو چار ماہ کی مہلت ہے۔ اس مہلت سے دھوکا نہ کھانا۔ تم اللہ رسول کی پکڑ سے بچ نہیں سکتے۔ کہیں جاؤ نہ خانہ میں قطعہ میں کسی ملک میں رہو گے ان کے قبضہ میں اللہ تعالیٰ عنقریب کافروں کو رسوا کرنے والا ہے۔ دنیا میں قتل سے آخرت میں آگ کے عذاب سے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ۹ ہجری میں دسویں تاریخ منیٰ میں حج کے موقع پر یہ آیات تمام حجاج کو اعلانیہ سنائیں اور چار اعلان کئے۔ (۱) اگلے سال کوئی مشرک حج نہ کرے۔ (۲) کوئی ننگا طواف نہ کرے۔ (۳) جنت میں سوا مومن کے کوئی نہ جائے گا۔ (۴) چار ماہ کے بعد ہمارا کفار سے کوئی عہد نہیں۔ اس کے جواب میں کفار بولے کہ ہماری طرف سے اپنے بھائی (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر کر دو کہ ہم میں ان میں کوئی معاہدہ نہ رہا۔ اب نیزے ہی ہمارا ان کا فیصلہ کریں گے۔ (کبیر خازن وغیرہ) خیال رہے کہ تین صورتوں میں عہد ٹوٹتا ہے۔ ایک یہ کہ کفار کی طرف سے خیانت بدعہدی ظاہر ہو جاوے۔ ان کے ضرر کا اندیشہ ہو۔ دوسرے یہ کہ معاہدہ وقتی ہو اور اس کی میعاد ختم ہو جاوے۔ تیسرے یہ کہ معاہدے میں یہ شرط ہو کہ ہم جب چاہیں گے اس سے علیحدہ ہو جائیں گے۔ (تفسیر کبیر) ان شرطوں کا ذکر آگے آ رہا ہے۔ الا الذین عھدتم من المشرکین ثم لم ینقصوکم (الخ)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضرات صحابہ کرام نے جمع قرآن میں بڑی احتیاط سے کام لیا ہے۔ اس میں شبہات سے بچے ہیں۔ یہ فائدہ سورہ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے سے حاصل ہوا کہ جب ان حضرات کو اس کے مستقل سورہ نہ ہونے کا یقین نہ ہوا اور حضور انور ﷺ نے اس پر بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تو انہوں نے بسم اللہ نہ لکھی اور چونکہ احتمال تھا کہ یہ سورۃ علیحدہ سورۃ ہو تو

www.alahazratnetwork.org

اس کا نام لکھ دیا۔ یہ انتہائی احتیاط ہے۔ یہ فائدہ بسم اللہ نہ لکھنے کی پہلی وجہ سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: قہر اور غضب کے کام پر بسم اللہ (الخ) نہیں پڑھنی چاہئے۔ اس لئے ذبح کے وقت بسم اللہ اللہ اکبر پڑھتے ہیں الرحمن نہیں پڑھتے۔ یہ فائدہ یہاں بسم اللہ (الخ) نہ لکھنے کی دوسری وجہ سے حاصل ہوا کہ بسم اللہ امان کے لئے ہے اور یہ سورۃ امان ختم کرنے کے لئے آئی جیسا کہ حضرت علی کا فرمان ہے۔

تیسرا فائدہ: دربار خدا اور دربار رسول ہے یونہی اس کے برعکس دربار رسول دربار خدا ہے۔ جو وہاں سے ہو وہ یہاں سے ہو جو وہاں سے ہو یہ فائدہ براءة من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ ایک بیزاری عبدا اللہ رسول دونوں کو قرار دیا گیا۔ شعر

نجدا خدا کا یہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر　　جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

چوتھا فائدہ: یونہی اللہ کی رحمتوں کا حال ہے کہ وہ اللہ رسول سے ملتی ہیں۔ ان کا مبداء دونوں آستانے ہیں۔ فرماتا ہے اغناھم اللہ من فضلہ اور فرماتا ہے سیوتینا اللہ و رسولہ من فضلہ بلکہ رب دیتا ہے نبی کریم کے دروازہ سے۔ شعر

بے ان کے واسطے کے خدا کچھ عطا کرے　　حاشا غلط غلط یہ ہوس بے بصر کی ہے

پانچواں فائدہ: جس سے حضور انور ﷺ بیزار ہو جائیں تو ناممکن ہے کہ رب تعالٰی اس سے راضی ہو۔ یہ فائدہ بھی من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کفار عرب نے حضور انور ﷺ سے بدعہدی کر کے حضور ﷺ کو بیزار کیا۔ اللہ بھی بیزار ہو گیا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی گنہگار سے اللہ تعالٰی ناراض ہو تو حضور انور ﷺ شفاعت فرما کر اسے راضی کر دیں کہ وہ دنیا میں اسی لئے تو آئے ہیں کہ کل قیامت میں حضور ﷺ کے ایک سجدہ سے جلال جمال میں اور قہر مہر میں تبدیل ہو جاوے گا۔ محشر کا نقشہ بدل جاوے گا۔ شعر

بھیکا وہ تر کوڑ ہیں جو جانیں گز کو اور　　رب روٹھے گز میل دے گز روٹھے نہیں ٹھور

ہمارے پاس رب کو راضی کرنے والا کوئی کام نہیں۔ انہی کی شفاعت کا بھروسہ ہے۔ شعر

تم قیامت میں بنا دو گے تو بن جائے گی　　ورنہ بگڑی ہوئی باتیں ہیں ہماری ساری

دنیا میں دیکھ لو حضور ﷺ کی تشریف آوری سے رب کے قانونِ حکومت بدل گئے۔ ارشاد ہوا کہ ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم

چھٹا فائدہ: اللہ تعالٰی کی بارگاہ میں حضور انور ﷺ کی بڑی عزت و عظمت ہے کہ جو چیز ان کے آستانہ عالیہ کے لائق نہ ہو وہ ان کی طرف نسبت ہی نہیں کی جاتی۔ یہ فائدہ عھدتم فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار سے معاہدے حضور انور ﷺ نے کئے تھے مگر چونکہ اب وہ معاہدے ٹوٹ گئے تو انہیں مومنوں کی طرف نسبت کیا گیا۔ حضور انور ﷺ کی طرف نہ کیا گیا۔ خیال رہے کہ گناہ حضور ﷺ کے دامن تک نہیں پہنچے مگر گناہ گار ان کے دامن سے ہی وابستہ رہتے ہیں کہ وہ انہیں کو اپنے دامن میں چھپانے کے لئے تو آئے ہیں۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

عاصیاں وابستۂ دامانِ تو اے پناہ ما غریباں السلام
اے زہے قسمت کہ تو بر ما حریض جانِ عالم بر تو قرباں السلام

ساتواں فائدہ: جب کفار کی طرف سے معاہدہ کی خلاف ورزی ہو جائے یا خیانت کا اندیشہ ہو انہیں اطلاع دے کر معاہدہ توڑ دیا جاوے یہ فائدہ فسیحوا فی الارض (الخ) سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: انسان کو چاہئے کہ رب تعالیٰ کی ڈھیل اور مہلت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاوے موقعہ کو غنیمت جانے اور اپنی اصلاح کر کے اسے راضی کرے۔ یہ فائدہ واعلموا انکم غیر معجزی اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کوئی بھی اللہ کے قبضے سے باہر نہیں۔

پہلا اعتراض: تم نے سورہ توبہ کے اول میں بسم اللہ نہ لکھنے کی جو وجہ بیان کی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو سورہ توبہ کی جگہ بتائی کہ کس جگہ رکھی جاوے نہ یہ بتایا کہ یہ الگ سورہ ہے یا نہیں۔ حضرت عثمان غنی نے اپنی رائے سے اسے یہاں رکھا اور انہیں خود شبہ رہا کہ یہ سورہ انفال کا جزو ہے یا الگ سورہ۔ اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ نے سورتوں کی ترتیب خود دی ہے اور اپنی طرف سے اس میں فرق کیا ہے۔ تو ممکن ہے کہ انہوں نے قرآن میں زیادتی کمی بھی کر دی ہو لہذا قرآنِ مجید مشکوک ہے۔ (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جمع قرآن اکیلے حضرت عثمان نے نہیں کیا بلکہ اس کے لئے آپ نے صحابہ کی ایک کمیٹی بنائی جس میں حضرت علی بھی شامل تھے تو یہ الزام ان پر بھی آتا ہے نیز حضرت علی و امام حسنین نے اسی قرآن کو نمازوں میں تلاوت کیا۔ اسی پر عمل کیا۔ اس کی اصلاح کبھی نہیں کی۔ اگر اس کی ترتیب وغیرہ میں غلطی تھی تو انہوں نے درست کیوں نہ کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ترتیب ان دونوں سورتوں کی حضور انور ﷺ نے دی تھی مگر چونکہ حضرت جبریل نے اس کے اول میں بسم اللہ نہیں پڑھی، حضور ﷺ نے بھی اس کا حکم نہیں دیا۔ حضرت علی نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورۃ امان اٹھائے جانے کے لئے آئی۔ یہ ہی قوی ہے اور زیادہ صحیح ہے۔ حضرات صحابہ صرف جامع قرآن ہیں ترتیب ایک ایک لفظ کی حضور ﷺ ہی نے دے دی تھی کہ ہر آیت کے متعلق حضور ﷺ فرما دیتے تھے کہ اسے فلاں آیت کے بعد رکھو (از تفسیر کبیر)

دوسرا اعتراض: تمہارے پیش کردہ واقعے سے معلوم ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جناب حضرت ابوبکر صدیق کو اس حج میں امارت سے معزول کر کے حضرت علی کو امیر بنایا۔ معلوم ہوا کہ جناب صدیق امیری کے لائق نہ تھے تو حضور انور ﷺ نے اولاً انہیں امیر بنایا ہی کیوں۔

جواب: یہ محض غلط ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت صدیق کو معزول کر کے ان کی جگہ حضرت علی کو قائم کیا بلکہ حضرت علی کو ان آیات کا اعلان کرنے کے لئے بھیجا ان وجوہ سے جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ اس واقعہ سے تو حضرت صدیق اکبر کی خلافت اولیٰ کا ثبوت ملتا ہے کہ حضور انور ﷺ نے حج کا امیر بنایا تو آپ کو اور بوقت وفات اپنے مصلے پر کھڑا کیا تو آپ کو۔

www.alahazratnetwork.org

ہم نے عرض کیا ہے۔شعر

اس امامت سے کھلا تم ہو امام اکبر　　　　تھی یہی رمز نبی کہتے ہیں حیدر صدیق

خود حضرت علی نے آپ کی خلافت پر یہی دلیل قائم کی کہ ابو بکر کو حضور ﷺ نے ہمارے دین کا امام بنادیا ہم نے انہیں دنیا کا امام بنالیا۔

تیسرا اعتراض: کیا ہوا عہد توڑنا عیب ہے پھر رب نے عہد کیوں توڑا اور براۃ من اللہ و رسولہ کیوں فرمایا (ہندو)

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اولاً عہد کو توڑنے والے خود مشرکین وکفار تھے یہ تو اللہ رسول کا رحم وکرم ہے کہ انہیں پھر چار ماہ کی مہلت دے دی پہلے سے انہیں آگاہ کردیا۔ دیکھو تفسیر۔

چوتھا اعتراض: مذکورہ عہد مسلمانوں نے بھی کیا تھا اور حضور ﷺ نے بھی پھر عاهدتم کیوں فرمایا کہ اے مسلمانو! جو عہد تم نے کیا تھا۔

جواب: اس لئے کہ وہ عہد ناقص توڑنے کے قابل ہو چکا تھا۔ ناقص چیز رب تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نسبت کے قابل نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نور وابستہ ہے شمع کے ساتھ۔ کوئی شخص شمع گل کر کے یا اس سے دور رہ کر نور حاصل نہیں کرسکتا۔ شمع وسیلہ نور مقصود مگر یہ مقصود اس وسیلہ سے وابستہ ہے یوں ہی حضور انور ﷺ وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ خدا رسی کا کوئی شخص کسی وقت میں حضور ﷺ کا دامن چھوڑ کر رب سے نہیں مل سکتا۔ حضور ﷺ کی مہر وقہر سے رب تعالیٰ کا رحم وقہر وابستہ ہے۔ ناممکن ہے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کو ناراض کر کے رب کو راضی کرے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

منبر و محراب سازم بہر تو　　　　از محبت قہر من در قہر تو

یوں ہی ناممکن ہے کہ جس سے حضور ﷺ راضی ہوں رب تعالیٰ اس سے ناراض ہوں۔ دیکھو کفار مکہ اور کفار عرب نے جب حضور انور ﷺ سے معاہدہ کیا تو وہ رب تعالیٰ کے عہد اور اس کی امان میں آگئے۔ اور جب انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شکنی کی اور حضور ﷺ ان سے بیزار ہوئے تو رب تعالیٰ بھی بیزار ہوا۔ بلکہ اپنی برأت کا اظہار پہلے فرمایا اور حضور ﷺ کی بیزاری کا ذکر بعد میں اور چونکہ وہ کفار اس عہد سے نکل چکے تھے تو اظہار غضب کے لئے اور ٹوٹے ہوئے عہد کو اپنی اور حضور انور ﷺ کی طرف نسبت بھی نہ کیا بلکہ فرمایا عہدتم۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ فرماتے ہیں۔ شعر

ان کے در کا جو ہوا خلق خدا اس کی ہوئی　　　　ان کے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا

اللہ کی ہر رحمت کا کارخانہ حضور ﷺ کی ذات والا صفات ہے پھر ان نعمتوں رحمتوں کی دکانیں حضور ﷺ کے خدام یعنی اولیاء اللہ کے آستانے ہیں۔ کعبہ معظمہ میں حج، مسجدوں میں نمازیں ملتی ہیں مگر یہ سب چیزیں بنتی ہیں کارخانہ قدرت یعنی مدینہ منورہ میں۔ کھیت میں دانہ اور باغ میں پھل بنتے ہیں پھر دکانوں سے ملتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہم نے میثاق کے دن رب سے ایمان اور تقویٰ وشکر کا وعدہ کیا تھا دنیا میں آ کر توڑ دیا۔ رب نے ہم کو مہلت دی کہ اب بھی سمجھ جاؤ تم کو بچپن

www.alahazratnetwork.org

پھر جوانی پھر کہولت (ادھیڑ عمر) پھر بڑھاپا۔ ان چار زمانوں کی مہلت ہے، کسی وقت بھی توبہ کرلو۔ اگر تم نے یہ چارہ ماہ یعنی چار زمانے غفلت میں گزارے تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ کافروں یعنی کفران نعمت کرنے والوں کو رسوائی کی سزا دے گا۔

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ

اور اعلان عام جانب سے اللہ اور اس کے رسول کے طرف لوگوں کے بڑے حج کے دن کہ بے شک

اور منادی پکار دیتا ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے سب لوگوں میں بڑے حج کے دن کہ اللہ بیزار

بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۙ۬ وَرَسُوْلُهٗ ؕ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ

اللہ بیزار ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول پس اگر توبہ کرلو تم پس وہ بہتر ہے واسطے

ہے مشرکوں سے اور اس کا رسول تو اگر تم توبہ کرو تو تمہارا بھلا ہے اور اگر

وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ

تمہارے اور اگر منہ پھیرو تم پس جان لو کہ بے شک تم نہیں ہو عاجز کرنے والے اللہ کو

منہ پھیرو تو جان لو کہ تم اللہ کو تھکا نہ سکو گے اور کافروں

كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ﴿۳﴾

اور خوشخبری دو ان کو کفر کیا جنہوں نے عذاب تکلیف دہ کی

کو خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں مشرکین سے اللہ رسول کی بیزاری کا ذکر تھا اب اس بیزاری کے اعلان کا حکم ہے۔ گویا پچھلی آیت میں واقعی بیزاری کا ذکر تھا۔ یہاں اس واقعی خبر کے اطلاع کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں عہد توڑنے والے کفار سے بیزاری کا ذکر تھا۔ ان کی بدعہدی کی وجہ سے اب سارے مشرکین و کفار سے بیزاری کا ذکر ہے۔ ان کے شرک و کفر کی وجہ سے گویا خاص بیزاری کے بعد عام بیزاری کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں روئے سخن صرف کفار سے تھا۔ الی الذین اب اس آیت میں روئے سخن سارے لوگوں سے ہے۔ مومن ہوں یا کافر۔ عہد توڑنے والے ہوں یا عہد پر پابند کہ فرمایا الی الناس۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ رسول کی بیزاری کا ذکر ہوا اب اس آیت میں اس کے اعلان کے وقت کو اس کی جگہ کا ذکر ہے کہ اے صحابہ تم ہماری بیزاری کا اعلان حج اکبر کے دن مکہ معظمہ میں کرو تاکہ سارے کافر سن لیں۔ ہر جگہ یہ اعلان پہنچ

www.alahazratnetwork.org

جائے۔

تفسیر: و اذان من الله و رسوله یہ فرمان عالی یا تو براة من الله پر معطوف ہے یعنی جملہ کا جملہ عطف تو واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اذان من الله کی وہی نحوی ترکیبیں ہیں جو براة من الله کی تھیں کہ یا تو برأت خبر ہے ہذا پوشیدہ کی یا اذان من الله مبتدا ہے اور من الله (الخ) اس کی خبر۔ اذان یا تو بنا ہے اذن سے الف کے کسرہ سے بمعنی اجازت یا خبر یا بنا ہے اذن الف کے پیش سے بمعنی کان عام اطلاع کو اذان اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں عام لوگوں کو سننے کی اجازت ہوتی ہے سب کے کان میں یہ خبر ڈالی جاتی ہے۔ نماز کی اطلاع کو اس لئے اذان کہتے ہیں کہ اس میں نماز کا اعلان عام ہوتا ہے اور سب کو مسجد میں آنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہ بروزن امان یا عطا (روح المعانی و روح البیان) الی الناس یہ متعلق ہے اذان مصدر کے یا اس کی خبر ہے ناس سے مراد سارے انسان ہیں۔ مومن ہوں یا کافر بد عہد ہوں یا عہد کے پابند۔ یوم بحج الاکبر یہ اذان کا ظرف نہیں بلکہ الی الناس جس کے متعلق ہے اس کا ظرف ہے (روح المعانی) یوم سے مراد یا تو خاص دن ہے نویں یا دسویں ذی الحجہ۔ حج کا پورا زمانہ آٹھویں تاریخ سے تیرھویں تک جیسے کہا جاتا ہے یوم الجمل یا یوم صفین یعنی جنگ جمل جنگ صفین کا زمانہ ایسے ہی یوم حج اکبر یعنی حج کا زمانہ۔ حج اکبر کے متعلق ۶ قول ہیں۔ (۱) ہر حج حج اکبر ہے عمرہ حج اصغر کیونکہ عمرہ میں حج سے کم کام ہوتے ہیں۔ (۲) صرف حج تو حج اصغر ہے اور قرآن حج اکبر یعنی حج و عمرہ ملا کر ادا کرنا۔ (۳) ذی الحجہ کی نویں تاریخ یعنی عرفہ کا دن حج اکبر ہے کیونکہ حج کا بڑا رکن اس دن ادا ہوتا ہے جس پر حج کا دارومدار ہے یعنی وقوف عرفات۔ (۴) بقر عید کا دن یعنی دسویں ذی الحجہ حج اکبر ہے کیونکہ حج کے زیادہ کام قربانی، سر منڈانا، طواف، زیارت، رمی جمرہ عقبہ اس دن ہوتی ہے۔ سارے ایام تشریق حج اکبر ہیں۔ (۵) جو حج جمعہ کو ہو وہ حج اکبر ہے کیونکہ اس دن عیسائیوں یہودیوں مجوسیوں سب کی عیدیں تھیں۔ اتنی عیدوں کا اجتماع کبھی نہیں ہوا مگر یہاں یہ آخری دو معنی مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ اعلان ۹ ہجری میں ہوا جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا۔ اس سال نہ تو حضور انور ﷺ نے حج کیا اور نہ وہ جمعہ کا دن تھا۔ بلکہ دس ذی قعدہ کو ہوا۔ جیسے کفار عرب نے دس ذی الحجہ بنایا ہوا تھا۔ ان کے ماننے ہوئے کے لحاظ سے اسے حج اکبر فرمایا گیا۔ ورنہ واقعہ میں وہ نہ حج کا دن تھا نہ حج کا مہینہ۔ ان الله بری من المشرکین و رسوله ہماری قرأۃ میں ان الف کے فتحہ سے اذان من اللہ کا مفعول۔ حسن اور اعرج کی قرأۃ میں ان الف کے کسرہ سے ہے یا اس لئے کہ اذان میں قول کے معنی ہیں اور قول کے مفعول میں ان کسرہ آتا ہے یا اس لئے کہ یہاں یقول پوشیدہ ہے۔ (معانی) بری صفت مشبہ ہے براۃ بمعنی بیزار سخت ناراض۔ المشرکین سے مراد سارے کفار ہیں تا قیامت کیونکہ اللہ رسول ہر کافر سے بیزار و ناراض ہیں خواہ کسی قسم کا کافر ہو۔ قرآن مجید میں اکثر مشرک بمعنی کافر ہے یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالیٰ صرف مشرکوں سے تو ناراض ہے باقی دھریئے مجوسی یہودی عیسائی سارے کافروں سے راضی ہے۔ ہماری قرآت میں و رسوله ہے پیش سے یہ معطوف ہے بری کی ضمیر ہو پر۔ یعنی اللہ رسول سارے کفار سے بری ہیں۔ یعقوب اور زید کی قرأۃ میں و رسوله فتحہ سے ہے:۔ ان الله بری کے لفظ اللہ پر معطوف۔ یہی قرأۃ حسن ابن ابی اسحاق عیسیٰ ابن عمرو کی ہے یا واؤ بمعنی مع ہے اور رسوله مفعول معہ حسن کی ایک قرأۃ

www.alahazratnetwork.org

ورسولہ کسرہ سے ہے کیونکہ واؤ قسمیہ ہے حرف جار یعنی اللہ مشرکوں سے بیزار۔ اس کے رسول کی قسم جیسے رب نے حضور ﷺ کی عمر آپ ﷺ کے زمانہ، آپ ﷺ کے شہر کی قسمیں قرآن مجید میں فرمائی ہیں۔ ایسے ہی یہاں آپ ﷺ کی قسم ارشاد فرمائی۔ (کبیر، مدارک، روح المعانی) مگر یہ کسرہ کی قراۃ خطرناک ہے کہ اس میں شبہ ہوتا ہے کہ رسولہ معطوف ہے مشرکین پر اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کافروں اور اپنے رسول سے بیزار ہے۔ (یہ صریحی کفر ہے) اس طرح ہرگز نہ پڑھا جائے۔

حکایت: ایک بدوی نے کسی کو اس طرح تلاوت کرتے ہوئے سنا تو بولا کہ اگر رسول اللہ سے اللہ بیزار ہے تو میں بھی بیزار ہوں۔ دوسرے نے اسے گرفتار کر کے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی بارگاہ میں پیش کیا تو بدوی نے وہ قراۃ بیان کی۔ حضرت عمر نے تب حکم دیا کہ علم نحو مرتب کیا جاوے اور اس کی تعلیم دی جاوے۔ (تفسیر مدارک و روح المعانی) بعض روایات میں ہے وہ صاحب ابوالاسود دوئلی تھے جنہوں نے یہ واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا تب آپ نے علم نحو کے کچھ قواعد جمع کئے۔ (معانی) **فان تبتم فھو خیر لکم**:۔ یہ جزا ہے جو گذشتہ جملہ پر مرتب ہے اس لئے ف ترتیب کی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے پہلے ایک شرط پوشیدہ ہے یہ اس کی جزا ہے اور ف جزائیہ تو تبتم میں خطاب سارے کفار سے ہے اور توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی مسلمان ہو جانا۔ اس کلام میں التفاف ہے کہ مشرکین کا نام لیا گیا پھر ان سے خطاب فرمایا گیا۔ خیر سے مراد دونوں جہان میں بہتر یعنی اے کافرو اگر تم کفر سے توبہ کر لو مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے لئے یہ دنیا و آخرت میں بہتر ہے کہ دنیا میں اللہ والوں کی تلوار سے بچ جاؤ گے اور آخرت میں اللہ کی نار سے۔ **وان تولیتم فاعلموا انکم غیر معجزی اللہ** یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے جس میں توبہ نہ کرنے کے انجام کا ذکر ہے یعنی اگر تم نے توبہ سے اسلام سے منہ موڑا اور اپنے کفر پر قائم رہے تو یقین رکھو کہ اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکتے خواہ وہ دنیا میں بھی تم کو عذاب دے اور آخرت میں بھی یا صرف آخرت میں دے۔ **وبشر الذین کفروا بعذاب الیم** یہ جملہ نیا ہے بشر میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یا ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے۔ **الذین کفروا** سے معلوم ہوا کہ مشرکین سے مراد کفار ہیں عذاب الیم سے مراد ہے الم و رنج دینے وا۔ لعذاب یعنی دردناک اس ڈرانے کی خبر کو بشارت فرمانا کفار کو ذلیل کرنے کے لئے ہے یعنی ان ضدی کافروں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو کہ وہ اپنی اس ضد پر بہت مار کھائیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اللہ رسول کی طرف سے سارے لوگوں کو اعلانِ عام ہے جسے وہ اس سال حج اکبر یعنی عرفات کے دن کہتے ہیں عرفہ میں یا قربانی کے دن منیٰ میں تمام کفار تک پہنچا دو کہ اللہ سارے کفار سے ہی بیزار ہے، ان کے کفر کی وجہ سے اور اس کا رسول بھی ان سے بیزار ہے یہ خبر سن کر اگر تم کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاؤ تو تمہارے لئے دنیا و آخرت میں بہتر ہے اس میں تمہارا ہی بھلا ہے نہ کہ اللہ رسول کا وہ تم سے بے نیاز ہیں تم مسلمان ہو کر دنیا میں بھی عزت پاؤ گے اور آخرت میں بھی۔ اور اگر تم یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی اسلام سے منہ پھیرے رہے کفر پر ڈٹے رہے تو جان رکھو کہ تم خدا تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتے اور اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سارے ہی کافروں کو نہایت دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کام وکلام رب تعالیٰ کے کام وکلام ہیں یہ فائدہ اذان من اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کیونکہ یہ اعلان حج کے موقع پر حضور ﷺ کی طرف سے ہوا مگر رب نے فرمایا کہ ہماری طرف سے ہے اور ہمارے رسول کی طرف سے اعلان ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار زمانہ کفر میں جو کام کریں ان میں سے اکثر پر شرعی احکام جاری ہو جاتے ہیں اگرچہ اسلامی قاعدے سے نہ ہوئے ہوں یہ فائدہ حج اکبر کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو ۹ ہجری کا حج کفار نے دسویں ذی قعدہ کو کیا جو کہ اسلامی قاعدے سے غلط تھا کہ اس کی تاریخ نویں بقر عید ہے۔ ذوالحج سے رب نے حج فرمایا لہٰذا کفار کے آپس کے نکاح پر اسلامی احکام جاری ہو جائیں گے۔ اگرچہ وہ اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوئے ہوں۔ ان کی اس نکاح کی اولاد حلالی ہوگی۔ اگر خاوند بیوی مسلمان ہو جاویں تو انہیں دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ وہ کفر کے زمانہ کا نکاح قائم رہے گا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے سیصلی نارا ذات لھب و امرتہ دیکھو ابولہب کی بیوی جمیلہ کو امراۃ فرمایا حالانکہ اس کا نکاح اسلامی قانون کے مطابق نہ ہوا تھا۔

تیسرا فائدہ: اگر فاسق ظالم سلطان ایک آدھ دن آگے پیچھے حج کرادے جبراً تو گنہگار ہوگا۔ مسلمانوں کا حج ہو جاوے گا۔ یہ فائدہ بھی یوم الحج الاکبر فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ۹ ہجری کے غلط حج کو جو ذی قعدہ میں ہوا، حج فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق وعلی مرتضیٰ نے اس میں حج ادا کیا۔

چوتھا فائدہ: اللہ کے ساتھ حضور انور ﷺ کا نام لینا بغیر فاصلہ کے بالکل جائز اور سنت الٰہیہ ہے یہ فائدہ من اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول نے ایمان دیا۔ اللہ رسول بھلا کریں وغیرہ رب فرماتا ہے اغناھم اللہ و رسولہ۔

پانچواں فائدہ: جس سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ناراض یا بیزار ہو جائیں اللہ تعالیٰ بھی اس سے ناراض یا بیزار ہوتا ہے یہ فائدہ ان اللہ بری من المشرکین و رسولہ سے حاصل ہوا لہٰذا جس سے حضور ﷺ راضی ہو جاویں تو اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو جاتا ہے۔

چھٹا فائدہ: جو نیکی مبارک دن یا مبارک جگہ میں کی جاوے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ یہ فائدہ حج اکبر کی پانچویں تفسیر سے حاصل ہوا کہ جو حج جمعہ کو ہو اس کا ثواب ستر حج کے برابر ہے یہ ہی حال ماہ رمضان کا ہے کہ رمضان کا عمرہ حج کے برابر ثواب رکھتا ہے اس مہینہ کی ہر نیکی ستر گنا ہے یونہی اس ماہ میں یا جمعہ کے دن گناہ ستر گنا ہوں کے برابر ہے۔

ساتواں فائدہ: جو نیکی اللہ کے مقبول بندوں کے ساتھ کی جاوے اس کا ثواب بڑھ جاتا ہے۔ یہ فائدہ حج اکبر کی چھٹی تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعنی جس سال حضور ﷺ نے حج کیا وہ حج اکبر تھا کیونکہ نبی اکبر کے ساتھ کیا گیا نماز فجر اور نماز عصر بہت افضل ہیں کیونکہ ان میں دن رات کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے۔ فجر کے متعلق رب فرماتا ہے۔ ان قران الفجر کان

www.alahazratnetwork.org

مشھودا اور عصر کے متعلق فرماتا ہے حافظوا علی الصلوات و الصلوٰۃ الوسطیٰ۔

آٹھواں فائدہ: ہم سب حضور انور ﷺ کے محتاج ہیں حضور ﷺ ہم سے بے نیاز یہ فائدہ فھو خیر لکم سے حاصل ہوا کہ توبہ کرنا اسلام لانا تمہارے ہی لئے بھلا ہے۔ حضور انور ﷺ سورج ہیں۔ ہم سب گویا زمین والے۔ اگر کوئی سورج سے نور نہ لے تو سورج کا کچھ نہیں بگڑتا۔

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن گنہگار کو عذاب الیم یعنی دردناک عذاب سے بچائے گا۔ ذلت رسوائی، دردناک ہمیشہ والا عذاب صرف کفار کو ہے۔ یہ فائدہ وبشر الذین کفروا بعذاب الیم سے حاصل ہوا کہ رب نے عذاب الیم کے لئے الذین کفروا فرمایا۔

پہلا اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کا اعلان ۹ ہجری کے حج میں حضرت علی سے کرا دیا وہ نہ حج تھا کیونکہ دس ذی قعدہ کو ہوا نہ اکبر تھا۔ کیونکہ وہ جمعہ کو ہوا نہ حضور انور ﷺ نے اس سال حج کیا۔ تو یہاں یوم الاکبر فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہاں حج کے معنی پانچویں یا چھٹے نہیں بلکہ یہ عمرہ کے مقابل ہے۔ ہر حج اکبر ہے۔ عمرہ حج اصغر یعنی چھوٹا حج لہٰذا حج اکبر وہی حج تھا جس میں حضرت علی نے ان آیات کا اعلان فرمایا وہ اگرچہ واقعہ میں دس ذیقعدہ کو ہوا مگر چونکہ کفار نے اسے ذی الحجہ مانا تھا ان کے عرف کے لحاظ سے اسے حج فرمایا گیا اور اگر اس سے مراد حضور انور ﷺ کا حج ہو جو ۱۰ ہجری میں ہوا تب بھی حرج نہیں کہ حضور انور ﷺ نے بھی یہ اعلان اپنے حج میں کیا۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ یہ اعلان اے حبیب حج اکبر یعنی اپنے حج میں بھی کر دیں ایک اعلان دوبارہ ہو سکتا ہے۔

دوسرا اعتراض: براٗۃ کے بارے میں ارشاد ہوا الی الذین عھدتم مگر یہاں اذان کے متعلق ارشاد ہوا الی الناس اس فرق کی وجہ کیا ہے۔

جواب: وہاں عہد توڑنے والے کفار سے بیزاری کا ذکر تھا۔ غداری بے وفائی کی وجہ سے۔ لہٰذا ان سے ہی خطاب ہوا یہاں مشرکین و کفار سے بیزاری کا ذکر ہے اس لئے للناس ارشاد ہوا کہ مشرکین کفار مومنین سب ہی سن لیں۔ کفار یہ اعلان سن کر مومن بن جاویں، مشرکین یہ سن کر مومن بن جائیں مومنین یہ سن کر اپنے ایمان پر پختہ ہو جاویں۔ ہمیشہ مومن رہیں۔

تیسرا اعتراض: کیا اللہ رسول صرف مشرکوں سے بیزار ہیں دوسرے کافروں سے راضی ہیں۔ بری من المشرکین کیوں فرمایا گیا۔

جواب: ابھی تفسیر میں کہا گیا کہ ان جیسے مقامات پر مشرکین سے مراد سارے کافر ہوتے ہیں چونکہ عرب میں مشرکین بہت تھے دوسرے کافر تھوڑے اس لئے مشرکین کہا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر مادون ذالک اس آیت کا مطلب یہ ہی ہے کہ اللہ کسی قسم کا کفر نہیں بخشے گا اور فرماتا ہے و لا تنکحوا المشرکین حتی یومنوا

www.alahazratnetwork.org

اس کے معنی یہ ہی ہیں کہ اپنی لڑکیوں کا نکاح کفار سے نہ کرو۔ یہاں تک کہ وہ ایمان لادیں۔

تفسیر صوفیانہ: کعبہ دل تک رسائی حج اصغر ہے اور کعبہ وصال یار تک رسائی حج اکبر ہے۔ نفس امارہ جس میں دنیا کی طرف رغبت ہے گویا مشرک ہے۔ حکم ہو رہا ہے کہ اے مومن جب تو کعبہ وصال میں پہنچے اور تجھے اللہ تعالیٰ یہ حج اکبر نصیب کرے تو اپنے نفس امارہ سے خطاب کر کہ اے نفس تو ابھی تک مشرک ہے تجھ سے اللہ رسول بیزار ہیں اگر تو اس کعبہ کا طواف چاہتا ہے تو شرک سے توبہ کر اپنی انا کو فنا کر نفس مطمئنہ بن جا یہ تیرے لئے بہتر ہوگا اور پھر تجھے خطاب ربانی ہوگا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک لیکن اگر تو اس شرک خفی میں گرفتار رہا تو اللہ کے عذاب کی خبر سن لے یہ ہر حال کعبہ وصال کا طواف اسے نصیب ہوتا ہے جو جذب الٰہی سے مجذوب ہو۔ فرعونی جادوگروں نے سجدہ میں گر کر ایمان قبول کیا فرعون کے ڈرانے پر بولے انا علی ربنا المنقلبون (روح البیان)

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوكُمْ شَيْئًا

سواء ان لوگوں کے کہ عہد کیا تم نے ان سے مشرکین میں سے پھر نہ کمی کی انہوں نے

مگر وہ مشرک جن سے تمہارا معاملہ تھا پھر انہوں نے تمہارے عہد میں کچھ کمی نہ کی اور تمہارے

وَلَمْ يُظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ

تم سے کچھ اور نہیں مدد دی انہوں نے اوپر تمہارے کسی کو پس پورا کرو تم طرف ان کے

مقابل کسی کو مدد نہ دی تو ان کا عہد ٹھہری ہوئی مدت تک پورا کرو بے شک اللہ تعالیٰ

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ﴿۴﴾

عہد ان کا تک مدت ان کی بے شک اللہ پسند کرتا ہے پرہیزگاروں کو

پرہیزگاروں کو دوست رکھتا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان مشرکین کے احکام بیان ہوئے جنہوں نے حضور انور ﷺ سے معاہدہ کر کے توڑ دیا۔ اب ان مشرکین کے احکام بیان ہو رہے ہیں جو اپنے عہد پر قائم رہ گویا غداروں کے بعد وفاداروں کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں براءۃ من اللہ میں بہت اجمال تھا۔ دھوکا پڑتا تھا کہ جن مشرکین سے بھی معاہدہ ہوا ان سب سے براءۃ و بیزاری کا اعلان ہوگیا۔ اب اس اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے کہ وہاں وہ مشرکین مراد ہیں جنہوں نے

www.alahazratnetwork.org

وعدہ شکنی کی ابتداء کی گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیت کی تفصیل ہے یا تفسیر۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں عہد توڑنے والے مشرکین قریش مکہ وغیرہم کو چار ماہ کی مہلت دی گئی تھی۔ فسیحوا فی الارض اربعۃ اشہر اب وفاداروں کو نو ماہ تک کی مہلت کا ذکر ہے گویا غداروں کی موت کے بعد اب وفاداروں کی موت کا ذکر ہے۔

نزول: بنی کنانہ میں ایک قبیلہ تھا بنی ضمرہ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے بھی معاہدہ کیا تھا کچھ شرائط کے ساتھ ان لوگوں نے اپنا معاہدہ من وعن پورا کیا۔ اس اعلان کے وقت ان کے معاہدہ کے نو مہینے باقی تھے۔ اس آیت میں ان کی یہ نو ماہ کی میعاد پوری کرنے کا ذکر ہے۔ یہ آیت کریمہ ان کے متعلق نازل ہوئی۔ (خازن کبیر، روح المعانی، بیان وغیرہ)

تفسیر: الا الذین عهدتم من المشرکین اس عبارت کا تعلق براءة من الله (الخ) سے ہے یا اس آیت سے من المشرکین سے یا فسیحوا میں جو انتم ضمیر پوشیدہ ہے اس سے الا بمعنی لاکن ہے اور یہ مذکورہ چیزوں سے مستثنیٰ منقطع ہے اگرچہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں ایک پوری آیت کا فاصلہ ہو گیا۔ و اذان من الله سے بعذاب الیم تک مگر چونکہ یہ آیت کریمہ بالکل اجنبی نہیں ہے اس سے تعلق رکھتی ہے کہ اس میں بھی بیزاری کا ذکر ہے اور اس میں بھی، اس لئے فاصلہ مضر نہیں (تفسیر روح المعانی وغیرہ) الذین سے مراد وہی بنی ضمرہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اگرچہ اس آیت کا نزول خاص ہے مگر اس کا حکم عام۔ مسلمان اپنا وعدہ پورا کرے خواہ مسلمان سے کیا ہو یا کفار سے جبکہ وہ لوگ عہد شکنی کی ابتداء نہ کریں۔ عهدتم کا مفعول ہ پوشیدہ ہے اصل میں عاهدتموهم تھا۔ من المشرکین میں من یا تو الذین کا بیان ہے یا بعضیت کے لئے ثم لم ینقصوکم شیا۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ عهدتم (الخ) پر ثم فرما کر یہ بتایا کہ باوجودیکہ اس عہد و معاہدہ کو زمانہ گزر گیا مگر انہوں نے عہد شکنی بالکل نہ کی جمہور کی قراۃ ینقصوکم ہے۔ نقصان سے مشتق اس کا پہلا مفعول کم ہے دوسرا شیا یعنی انہوں نے عہد و معاہدہ کی شرطوں میں سے کسی شرط کی کمی نہیں کی ساری پوری کیں۔ حضرت عکرمہ اور عمار کی قراۃ میں ینقضوکم ہے ضا نقطہ سے نقض بنا یعنی اور تمہارے عہد کو بالکل نہ توڑا ہر طرح پورا کیا مگر پہلی قراۃ قوی ہے کہ جمہور کی ہے نیز آگے اس کے مقابل فاتموا آ رہا ہے اتمام نقصان کا مقابل ہے نہ کہ توڑنے کا (معانی) و لم یظاهروا علیکم احدا یہ عبارت معطوف ہے لم ینقصوکم (الخ) پر عہد توڑنے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں براہ راست توڑنا کہ تمہارے مقابلہ میں آ جائیں یا بالواسطہ توڑنا کہ تم سے لڑنے والوں کی فوجی مدد کرنا۔ لم ینقصوکم سے پہلی صورت مراد ہے اور لم یظاهروا (الخ) میں دوسری صورت یعنی انہوں نے براہ راست بھی تم سے جنگ نہ کی اور تمہارے دشمنوں کی مدد بھی نہ کی۔ کفار مکہ نے دوسری قسم کی بدعہدی کی تھی جس کی فریاد رو رو کر عمر ابن سالم نے حضور ﷺ سے یوں کی تھی شعر

لاهم انی ناشد محمدا   حلف ابینا و ابیک الا تلدا

ان قریشا اخلفوک موعدا   و نقضوا ذمامک الموکدا

www.alahazratnetwork.org

هم بیتونا بالحطیم هجدا وقتلونا رکعا و سجدا (تفسیر کبیر)

ولم یظاهروا میں اس طرف اشارہ ہے۔ فاتموا الیهم عهدتم الی مدتهم یہ عبارت الذین عهدتم کی خبر ہے چونکہ اس مبتداء میں شرط کے معنی تھے اس لئے اس کی خبر میں ف جزائیہ لائی گئی۔ اس میں خطاب صحابہ کرام سے ہے لہذا اتموا کا فاعل وہی حضرات ہیں۔ الیهم کا مرجع وہ ہی ضمرہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی۔ عہد کی اضافت ھم کی طرف یا مفعول کی طرف ہے یا فاعل کی جانب اس سے مراد وہ ہی معاہدہ ہے جو حضور انور ﷺ نے ان سے کیا تھا۔ مدت سے مراد نو مہینے ہیں جو اس اعلان کے وقت باقی تھے۔ اگر اور زیادہ مدت ہوتی تو وہ بھی پوری کی جاتی یعنی ان لوگوں کے عہد کی باقی مدت پوری کرو کہ اس زمانہ میں ان سے کچھ نہ کہو۔ انہیں چلنے پھرنے جہاں جاہیں جانے آنے کی عام اجازت دو کیونکہ ان اللہ یحب المتقین اپنا عہد پورا کرنا تقویٰ ہے اور عہد پورا کرنے والے متقی۔ اللہ تعالیٰ کو متقی مسلمان بڑے پیارے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! سارے عہد شکن کفار میں اعلان کر دو کہ تم کو چار ماہ کی مہلت ہے اس عرصہ میں سوچ لو۔ مسلمان ہو جاؤ ورنہ مارے جاؤ گے مگر ان میں سے وہ بنی ضمرہ جن سے تمہارا معاہدہ کچھ شرائط کے ماتحت ہے پھر ان لوگوں نے اس دراز مدت میں معاہدہ کی کوئی شرط نہیں توڑی نہ تو انہوں نے اس عرصہ میں تم سے خود جنگ کی نہ تمہارے یا تمہارے حلیفوں کے مقابل دشمنوں کی کسی طرح مدد کی آدمیوں سے یا سامان جنگ سے بلکہ بالکل علیحدہ رہے ان سے کہہ دو کہ تمہارے واسطے یہ اعلان نہیں ہے۔ تمہارے معاہدہ کی مدت باقی ہے یعنی نو مہینہ وہ ضرور پوری کی جاوے گی۔ یہ وعدہ وفائی مومن متقی کی علامت ہے اللہ تعالیٰ متقی پرہیزگاروں سے بہت محبت فرماتا ہے۔ خیال رہے کہ عہد توڑنے والے کفار کو چار ماہ کی مہلت اور ان لوگوں کو نو ماہ کی مہلت دی گئی۔ ان مدتوں کے ختم ہونے کے بعد ان دونوں کے لئے ایک ہی حکم ہوگا۔ اسلام یا تلوار جیسا کہ آگے آ رہا ہے کیونکہ مشرکین عرب کے لئے جزیہ نہیں ان کے لئے دو ہی چیزیں ہیں۔ اسلام یا قتل۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمان پر اشد ضروری ہے کہ اپنے وعدے اور معاہدے بہر حال پورے کرے۔ خواہ مسلمان سے کئے ہوں یا کفار و مشرکین سے۔ یہ فائدہ الا الذین (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ ہی حال امانت اور قرض کا ہے کہ کافر مشرک کی امانت و قرض ادا کرنا ضروری ہے افسوس کہ آج ہم سے یہ صفات جاتی رہیں ہم بدعہدی، خیانت، قرض مار لینے میں مشہور ہو گئے۔ الا ماشاء اللہ رب تعالیٰ ہماری زندگی قرآنی بنائے۔ شعر

گر تو مے خواہی مسلماں زیستن نیست ممکن جز بہ قرآں زیستن

دوسرا فائدہ: دشمن کا دوست اس کا مددگار اپنا دشمن ہے۔ اس کے ساتھ دشمن والا سلوک کرنا چاہئے ورنہ اپنی زندگی خطرے میں پڑ جاوے گی۔ یہ فائدہ ولم یظاهروا علیکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: دشمن کی مدد خواہ جانی ہو یا مالی یا سامانِ جنگ سے سب کا یہ ہی حکم ہے۔ یہ فائدہ ولم یظاهروا علیکم کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ کفار مکہ نے بنی بکر کی مدد بنی خزاعہ کے مقابلہ سے ہتھیاروں سے ہی کی تھی کہ حضور انور

www.alahazratnetwork.org

ﷺ نے ان پر حملہ فرمادیا اور مکہ معظمہ فتح ہوگیا۔

چوتھا فائدہ: کامل متقی وہ ہے جس کی عبادات بھی کامل ہوں اور معاملات بھی درست ہوں۔ یہ دونوں تقویٰ کے دو پر ہیں جن سے مومن راہ خدا کو از کر طے کرتا ہے اور اللہ رسول تک پہنچتا ہے۔ یہ فائدہ یحب المتقین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عہد پورا کرنے والوں کو متقی فرمایا۔ عبادات آسان ہیں صفائی معاملات مشکل ہے۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ الا الذین عھدتم (الخ) مستثنیٰ ہے براءۃ من اللہ (الخ) سے یا فسیحوا کی ضمیر سے مگر نحوی قاعدہ یہ ہے کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ میں اجنبی کا فاصلہ نہ چاہئے۔ یہاں ایک بڑی آیت و اذان من اللہ (الخ) کا فاصلہ ہوتے ہوئے یہ استثناء کیوں درست ہوا۔ (نحوی)

جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگئے ایک یہ کہ مستثنیٰ منقطع ہے اور الا بمعنی لکن ہے۔ اس میں فاصلہ درست ہے وہ قاعدہ مستثنیٰ متصل کے لئے ہے۔ دوسرا یہ کہ مستثنیٰ متصل میں بھی اجنبی سے فاصلہ جائز ہے اور آیت کریمہ و اذان من اللہ (الخ) اجنبی نہیں کیونکہ وہاں بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بیزاری کا ہی ذکر ہے غدار کفار سے اور اس آیت و اذان من اللہ میں بھی انہی کی بیزاری کا ذکر ہے مضمون قریباً یکساں ہے۔ (روح المعانی)

دوسرا اعتراض: لم ینقصوکم شیا میں ہر قسم کی خلاف ورزی کا ذکر ہوگیا۔ پھر لم یظاھروا علیکم علیحدہ کیوں ارشاد ہوا یہ ایک زائد چیز ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ لم ینقصوکم شیا میں براہ راست خلاف ورزیاں مراد ہیں اور لم یظاھروا (الخ) میں بالواسطہ عہد توڑنا مراد ہے یعنی تمہارے دشمنوں کی تمہارے مقابل یا تمہارے حلیفوں کے مقابل کسی طرح کی مدد نہ کریں لہٰذا یہ عبارت مکرر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ہم سب نے اللہ تعالیٰ سے چند معاہدے کئے ہیں کچھ میثاق کے دن کچھ کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوتے وقت۔ ان معاہدوں میں سے ایک معاہدہ وہ ہے جو یہ نمازی نماز وتر میں کیا کرتا ہے۔ و نخلع و نترک من یفجرک خدایا ہم تیرے دشمنوں کو چھوڑ دیں گے ان سے بے تعلق رہیں گے۔ اب ہم میں سے جو کوئی عبادت نہ کرے یا اللہ کے محبوبوں سے محبت ان کی اطاعت نہ کرے اللہ کے دشمنوں سے نفرت وعداوت نہ رکھے ان سے میل جول رکھے یا ان سے بے تعلق رہے کہ ہمیں کیا۔ وہ جانیں رب جانے۔ وہ رب کے عہد کو توڑتا ہے۔ عذاب الٰہی کا مستحق ہے۔ جسمانی زندگی کے لئے ضروری ہے کہ مفید صحت چیزوں سے تعلق رکھے جیسے غذا، پانی، لباس، مکان اور مضر صحت چیزوں جان کے دشمنوں سے دشمنی رکھے سانپ سے محبت نہ کرے ورنہ جان کھو بیٹھے گا۔ ایسے ہی روحانی زندگی کے لئے اللہ والوں سے محبت ان کی صحبت ان کی اطاعت اختیار کرے اللہ کے دشمنوں کفار و بدکاروں سے نفرت رکھے ورنہ ایمان کھو بیٹھے گا۔ خود گناہ کرنا بھی گناہ ہے اور گناہ کی مدد کرنا بھی گناہ۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا ثم لم ینقصوکم شیاء پھر ارشاد ہوا و لم یظاھروا علیکم احدا یہ آیت کریمہ تقویٰ قلوب کی جامع ہے۔ رب فرماتا ہے۔ و من یعظم شعائر اللہ فانما من التقوی القلوب جب تمہارے عہد

www.alahazratnetwork.org

کو توڑنے والا مجرم ہے تو رب تعالیٰ اس کے رسول سے عہد توڑنے والا کیوں نہ مجرم ہوگا۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ
پس جب نکل جائیں حرام ہونے کے مہینے پس قتل کرو مشرکوں کو جہاں کہیں پاؤ تم ان
پھر جب حرمت والے مہینے نکل جاویں تو مشرکوں کو مارو جہاں پاؤ انہیں پکڑو
وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ
کو اور پکڑو تم ان کو اور قید کرو ان کو اور بیٹھو تم ان کے لئے ہر گھات میں پس اگر
اور قید کرو اور ہر جگہ ان کی تاک میں بیٹھو
مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا
توبہ کریں وہ اور قائم کریں وہ نماز کو اور دیں وہ زکوۃ کو خالی کرو تم
پھر اگر توبہ کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو ان کی
سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۝
راستہ ان کا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے
کی راہ چھوڑ دو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں معاہدہ والے مشرکین کی دو جماعتوں کی امان کا ذکر ہوا۔ غداروں کے لئے چار ماہ عہد پورا کرنے والوں کے لئے بقیہ مدت یعنی ۹ ماہ۔ اب ان مدتوں کے ختم ہو جانے کے احکام کا ذکر ہے گویا امان کے بعد پکڑ کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ امان کے زمانہ میں معاہدین کفار سے کہیں بھی کچھ نہ کہو انہیں آزاد پھرنے دو۔ اب ارشاد ہے کہ یہ زمانہ گزرنے کے بعد انہیں کہیں بھی نہ چھوڑو نہ حل میں نہ حرم میں گویا نہ پکڑنے کے بعد نہ چھوڑنے کا تذکرہ ہے۔ فاقتلوا المشرکین حیث و جدتموھم۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں عارضی امان کا ذکر تھا جس سے کفار دنیا میں چند ماہ امن سے رہ لیں یعنی عہد و پیمان کی امان اب ان کے لئے دائمی امان کا ذکر ہے جس سے وہ دین و دنیا میں ہمیشہ امن و ایمان سے رہیں یعنی ایمان، نماز وغیرہ فان تابوا و اقاموا الصلوۃ (الخ)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: فاذا انسلخ الاشهر الحرم یہ جملہ نیا ہے۔ اذا عموم ظرف کے لئے ہے کیونکہ اس سے پہلے دو قسم کے کافروں کے لئے دو مدتیں بیان ہوئیں۔ غداروں کے چار ماہ اور وفاداروں کے لئے بقیہ ۹ ماہ اب دونوں مدتوں کے گزرنے کے بعد کا حکم ہے لہٰذا اذا سے مراد جب بھی ہے۔ انسلخ بنا ہے انسلاخ سے جس کا مادہ ہے سلخ بمعنی جانور کی کھال کھینچنا جس سے گوشت ننگا ہو جاوے کھال گوشت کو ڈھانپے ہوتی ہے یہ چار ماہ کی مدت ان کو ڈھانپے اپنی امان میں لئے ہوئے تھی۔ اس لئے اس مدت کو کھال سے تشبیہ دے کر انسلاخ ارشاد ہوا (روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ سال، مہینہ، دن وغیرہ زمانہ زمانیات کو اپنے اندر ایسے لئے ہوتا ہے جیسے کھال گوشت کو اس لئے زمانہ کے گزرنے کو انسلاخ کہتے ہیں۔ (روح البیان، معانی، کبیر وغیرہ) عرب کے محاورہ میں مہینہ گزرنے کو انسلاخ شہر کہا جاتا ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

اذا ما سلخت الشهر اهلک شله کافی قاتلا سلخی المشهور اهلالی

الاشہر جمع ہے شہر کی بمعنی مہینہ اس کی پوری شرح پہلے پارے میں کی جاچکی ہے۔ حرم جمع ہے حرام کی حرام کے دو معنی ہیں یا تو وہ حرمت سے بنا بمعنی احترام جیسے بیت الحرام یا مقابل ہے حلال کا۔ اصطلاحاً اشہر حرم چار مہینے ہیں۔ رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم کو شروع اسلام میں اس زمانہ میں جنگ قتل و غارت سب حرام تھی۔ رب فرماتا ہے یسئلونک عن الشهر الحرام قل قتال فيه كبير پھر یہ حرمت منسوخ ہوگئی۔ یا تو اجماع امت سے یا اس حدیث سے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کا محاصرہ کیا بیس محرم کو بلکہ معاہدہ کے مہینے مراد ہیں غداروں کے لئے چار ماہ دس ذی قعدہ سے دس صفر تک اور وفاداروں کے لئے نو مہینے یعنی ماہ رجب تک یہ ہی قول ہے مجاہد اور محققین مفسرین کا بعض نے اس سے وہ مشہور مہینے مراد لئے مگر قول اول قوی ہے۔ (روح المعانی، کبیر، جلالین خازن وغیرہ) اس صورت میں یہ آیت منسوخ نہیں اور اگر اس سے محترم مہینے مراد ہوں تو منسوخ ماننا پڑے گی کیونکہ وہ حکم منسوخ ہو چکا یعنی جب معاہدے والے مہینے گزر جاویں تو تم کو چار چیزوں کی اجازت ہے ایک یہ کہ فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم یہ عبارت جزا ہے فاذا انسلخ کی ظاہر یہ ہے کہ اقتلوا اباحت کے لئے ہے کیونکہ ممانعت کے بعد ہے۔ قتل سے مراد مطلقاً ہلاک کر دینا ہے۔ خواہ دھار دار آلے سے ہو یا کسی اور طرح۔ المشركين سے مراد وہ ہی عہد والے مشرکین عرب ہیں جن سے ترک جنگ کا معاہدہ ہوا تھا اور انہوں نے غداری کی تھی۔ دوسری قسم یعنی وفادار مشرکین کا قتل اس سے خود سمجھ میں آجاتا ہے اور ہو سکتا ہے اس سے دونوں قسم کے معاہدین مشرک مراد ہوں۔ حيث وجدتموهم یہ فاقتلوا کا ظرف مکان ہے۔ اس سے مراد ہے ہر جگہ جہاں وہ ملیں حرم میں یا حل میں۔ (معانی) جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ اس ایک آیت سے معافی، درگذر، چشم پوشی کی ساری آیات منسوخ ہوگئیں۔ علامہ ابن حجر نے فرمایا معافی کی آیات کی ناسخ وہ آیت ہے۔ وقاتلوا المشركين كافة بعض نے فرمایا یہ دونوں آیتیں ناسخ ہیں۔ جمہور علما فرماتے ہیں کہ یہ آیت تمام کفار کے لئے عام ہے لہٰذا سارے جہان کے کفار عربی ہوں یا عجمی، حبشی ہوں یا رومی سب سے قتال جائز ہے بعض وقت ضروری ہے۔ (روح المعانی) دوسرا حکم یہ ہے وخذوهم یہ عبارت واقتلوا پر معطوف ہے پکڑنے سے مراد مشرکین عرب کو قید کرنا ہے نہ کہ غلام بنانا۔ کیونکہ مشرکین عرب کو غلام بنانا جائز نہیں۔ اسی سے

ہے اخیذ بمعنی قیدی مقصد یہ ہے کہ انہیں قید بنا کر اور سوچنے غور کرنے کی مہلت دو شاید وہ غور کے بعد مومن ہو جاویں۔ تیسرا حکم یہ ہے۔ واحصروھم یہ عبارت معطوف ہے خذوھم پر۔ حصر سے مراد ہے ان کا محاصرہ کرنا یعنی اگر وہ اپنے قلعوں یا بستیوں میں پناہ لے لیں تو تم ان قلعوں بستیوں کا محاصرہ کر لو کہ وہ تنگ آ کر یا مسلمان ہو جائیں یا اپنے کو قتل کے لئے پیش کر دیں۔ سیدنا ابن عباس کی یہی تفسیر ہے (خازن) لہٰذا خذوھم اور احصروھم میں فرق ہے۔ واقعدو الھم کل مرصد یہ چوتھا حکم ہے۔ بیٹھنے سے مراد نگہبانی کرنا اور ناکہ بندی کرنا ہے۔ لھم کا مرجع وہی کفار ہیں مرصد اسم ظرف رصد کا۔ بمعنی تاک لگانا، انتظار کرنا کہا جاتا ہے ارصدتہ میں فلاں کی تاک میں منتظر رہا۔ مرصد کا ترجمہ گھات نہایت موزوں ہے یعنی ان کے تمام رستے بند کر دو جن سے وہ کہیں جائیں آئیں۔ خلاصہ یہ کہ انہیں گلی کوچوں یا شہروں گاؤں میں پھرنے کی اجازت نہ دو۔ ان کے سارے راستے بند کر دو احصروا میں قلعوں مکانوں کی ناکہ بندی کا حکم تھا اور اقعدوا (الخ) میں شہروں گاؤں کی ناکہ بندی کا حکم ہے۔ یہ احکام جب ہیں جبکہ وہ کفر پر قائم رہیں لیکن فان تابوا و اقاموا الصلوة و اتوا الزکوة فخلوا سبیلھم یہ تصویر کا دوسرا رخ تھا توبہ سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی مسلمان ہو جانا۔ نماز قائم کرنے سے مراد نماز پڑھنا شروع کر دینا۔ آئندہ پابندی نماز کا عہد کرنا اگر وہ امیر آدمی ہو تو زکوٰۃ دینے کا وعدہ کرنا کیونکہ زکوٰۃ اسلام لانے سے ایک سال بعد واجب ہوگی۔ اگر وہ مالدار ہے۔ اگرچہ روزہ حج وغیرہ ارکان اسلام ہیں مگر چونکہ نماز بدنی عبادات میں اور زکوٰۃ مالی عبادات میں بہت اہم ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا گیا۔ خلاصہ یہ ہے کہ وہ مسلمان ہو جاویں اقراراً بھی عملاً بھی نماز و زکوٰۃ اسلام کا ثبوت ہیں اور ہو سکتا ہے کہ نماز و زکوٰۃ سے مراد سارے ارکان ایمان ہیں۔ دو فرد بول کر سارے ارکان مراد لئے جاویں جیسے یومن باللہ و الیوم الاخر یعنی اگر وہ زبان سے کلمہ پڑھ لیں اور عمل سے اپنے مسلمان ہونے کا ثبوت دے دیں تو فخلوا سبیلھم یہ عبارت جزا ہے فان تابوا (الخ) کی۔ خلو بنا ہے تخلیہ سے بمعنی چھوڑ دینا۔ سبیل سے مراد جنس راستہ یعنی ان کے تمام راستے خالی کر دو انہیں آزاد چلنے پھرنے دو۔ ان سے کوئی تعرض نہ کرو۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لغت عربی میں راستہ خالی کرنے سے مراد ہوتا ہے چھوڑ دینا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر

خل السبیل لمن یبنی المنار بہ وابرز بیروۃ حیث اضطرک القدر

خلاصہ یہ ہے کہ مذکورہ مشرکین و کفار سے کلمہ پڑھتے ہی مسلمان ہوتے ہی ساری آفات ٹل جائیں گی۔ اب وہ نو مسلم اور تم پرانے مسلمان احکام و حقوق میں برابر ہو جاؤ گے۔ ان سے کچھ نہ کہو وہ اور تم آزادی میں برابر ہو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! جب یہ مذکورہ مدت جن میں مشرکین سے جنگ کرنا حرام تھا یعنی غداروں کے چار مہینے اور عہد پورا کرنے والوں کے لئے بقیہ مدت کے نو ماہ گزر جائیں تو تم آزاد ہو۔ انہیں قتل کرو، انہیں قید کرو، ان کے مکانوں، قلعوں کا محاصرہ کرو، ان کے راستوں کی ناکہ بندی کرو کہ وہ نہ تو کہیں نکلنے پائیں، نہ سفر کر سکیں۔ جب ان پر قابو پاؤ مار دو لیکن اگر وہ کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں نماز پڑھنے لگیں اگر امیر ہوں تو سال گزرنے پر زکوٰۃ دینے کا ارادہ کر لیں جس سے ان کے سچے مسلمان ہونے کا ثبوت ہو جاوے تو ان کے راستے کھول دو۔ انہیں چھوڑ دو۔ اب وہ اور تم اسلام میں برابر اور برادر ہو

www.alahazratnetwork.org

گئے ہو۔ یہ حکم تو تم کو دیا گیا۔ ہم بھی وعدہ کرتے ہیں کہ ہم غفور یعنی گناہ بخشنے والے بھی ہیں اور رحیم بھی یعنی رحمتیں دینے والے بھی۔ اب ہم ان کو سزا نہ دیں گے بلکہ رحمتیں دیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مکرہ یعنی مجبور کا ایمان شرعاً معتبر ہے یعنی اگر کافر جنگ کی حالت میں ایمان لائے تو اسے مسلمان مانا جائے گا اگرچہ ڈر سے ہی مسلمان ہوا! یہ فائدہ فان تابوا سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں توبہ کو مطلق رکھا گیا۔ خوشی سے ہو یا جبراً۔

دوسرا فائدہ: نماز اور زکوٰۃ مسلمان ہو جانے کی علامت ہے کیونکہ یہ دونوں کام نیکیوں کی جڑ ہیں۔ یہ فائدہ **واقاموا الصلوۃ** (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: جو کافر قیدی ایمان تو قبول کرلے مگر نماز نہ پڑھے وہ رہائی کا مستحق نہیں۔ یہ فائدہ **خلوا سبیلھم** سے حاصل ہوا کہ آزادی کو نماز پڑھنے پر موقوف رکھا گیا۔

چوتھا فائدہ: کافر پر مسلمان ہوتے ہی نماز فرض ہے۔ نماز سیکھنے کا زمانہ مستثنیٰ نہ ہوگا۔ اگر ظہر کے وقت ایمان لایا تو اسی وقت نماز پڑھے۔ جماعت میں امام کے پیچھے کھڑا ہو جائے۔ اگر نماز سیکھنے میں کچھ دن لگیں تو ان دنوں کی نماز قضا کرے۔ یہ فائدہ **واقاموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا۔ ہاں اگر عورت کافرہ بحالت حیض ونفاس مسلمان ہوئی تو اس پر نماز پاک ہونے پر فرض ہوگی۔

مسئلہ: ہاں نومسلم پر زکوٰۃ فرض ہونے کی دو شرطیں ہیں ایک یہ کہ وہ امیر یعنی صاحب نصاب ہو۔ دوسرے یہ کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس پر سال گزر جائے۔ غرضیکہ جو پرانے مسلمانوں کے احکام ہیں وہ ہی اس نومسلم کے لئے ہوں گے۔

پانچواں فائدہ: اسلام میں نئے اور پرانے مسلمانوں میں فرق نہیں دونوں یکساں مسلمان ہیں۔ جو شخص مسلمان ہوتے ہی مر جائے وہ پرانے مسلمانوں ہی کی طرح اللہ کی رحمتوں کا مستحق ہے۔ یہ فائدہ **ان اللہ غفور الرحیم** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: مشرکین عرب سے جزیہ قبول نہ ہوگا۔ ان کے لئے صرف اسلام یا قتل ہے۔ یہ فائدہ **فان تابوا اقاموا الصلوۃ** سے حاصل ہوا کہ ان کو چھوڑنے کی شرط صرف توبہ اور نماز و زکوٰۃ قرار دی گئی۔ دوسروں کے متعلق ارشاد ہوا **حتی یعطوا الجزیۃ عن یدوھم صاغرون۔**

ساتواں فائدہ: مشرکین عرب کو قید کرنا جائز ہے یہ فائدہ **وخذوھم** (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے چار باتوں کا حکم دیا یعنی قتل، قید، محاصرہ، ناکہ بندی۔ غلام بنانے کی اجازت نہ دی۔

نواں فائدہ: مشرکین عرب کو حل وحرم ہر جگہ قتل کیا جاوے گا یہ فائدہ **حیث وجدتوھم** سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: محترم مہینوں یعنی رجب، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم میں بھی جہاد جائز ہے اور قتل کفار بھی درست۔ ان میں جنگ کی حرمت منسوخ ہو چکی یہ فائدہ **انسلخ الاشھر الحرم** (الخ) سے حاصل ہوا کہ ارشاد ہوا جب معاہدہ کے مہینے گزر جاویں تو مشرکین کو قتل کرو۔ قتل کی مطلقاً اجازت دی جب بھی ہو ان چار مہینوں میں یا ان کے علاوہ۔

www.alahazratnetwork.org

گیارہواں فائدہ: عرب کے اہل کتاب کفار کو غلام بنانا ان پر جزیہ مقرر کرنا سب جائز ہے۔ یہ فائدہ فاقتلوا المشرکین فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار نہ فرمایا مشرکین فرمایا۔ یہ مسائل فقہ کی کتب میں ملاحظہ کرو۔

بارہواں فائدہ: جہاد میں کفار کی شکست کے لئے ہر جائز تدبیر کرنا چاہئے۔ قتل قید محاصرہ وغیرہ یہ فائدہ واقعدوا لھم کل مرصد سے حاصل ہوا کہ فرمایا گیا ہر طرح ان کی تاک میں بیٹھو۔

تیرہواں فائدہ: مومن کی جنگ صرف اللہ کے لئے ہے۔ جس میں نفسانیت کا شائبہ نہیں دیکھو کفار کی عمر بھر کی دشمنی صرف توبہ اور نماز سے ختم ہو گئی۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں اشہر حرم سے مراد محترم مہینے یعنی رجب ذیقعدہ ذی الحجہ محرم اور حکم ہے کہ ان چار ماہ کے بعد مشرکین کو قتل کر دو یہ آیت منسوخ ہے جیسا کہ بعض مفسرین نے فرمایا۔

جواب: یہ تفسیر قوی نہیں اولاً تو اس لئے کہ وہ مہینے مسلسل نہیں۔ رجب اور ذی قعدہ کے درمیان تین مہینے ہیں۔ شعبان رمضان شوال اور انہیں چار ماہ کی مسلسل امان دی گئی تھی۔ دوسرے اس لئے کہ یہ امان کا اعلان دس ذی قعدہ کو ہوا جب کہ مشرکین نے حج کیا۔ اس حساب سے آخر محرم تک دو ماہ بیس دن کی امان ہو گی نہ کہ چار مہینے۔ تیسرے اس لئے کہ بلا ضرورت آیات کو منسوخ کیا جانا مناسب نہیں لہٰذا قوی یہ ہی ہے کہ یہاں اشہر حرم سے مراد وہ ہی چار ماہ ہیں جن کی انہیں امان دی گئی۔

دوسرا اعتراض: یہاں فاقتلو المشرکین کیوں ارشاد ہوا۔ الکافرین کیوں نہ فرمایا گیا۔ کیا جہاد صرف مشرکین پر ہوتا ہے باقی کفار پر نہیں۔

جواب: یہاں جس قسم کے جہاد کا حکم ہے وہ صرف مشرکین عرب پر ہی ہوتا ہے دوسرے کفار یا عجمی مشرکین پر نہیں ہوتا یعنی صرف قتل یا اسلام دوسروں کے لئے قتل۔ جزیہ اور اسلام اور غلام بنانا لہٰذا المشرکین فرمانا بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیۃ میں انہیں چھوڑنے کی تین شرطیں ارشاد ہوئیں توبہ نماز کی پابندی زکوۃ دینا۔ جب یہ تین کام وہ کرلیں تو انہیں چھوڑ دو تو لازم آئے گا کہ انہیں مسلمان ہونے کے بعد بھی ایک سال تک قید رکھا جائے جب سال گزرنے پر زکوۃ ادا کریں تب چھوڑا جائے۔ یہ تو بہت مشکل ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ زکوۃ دینے سے مراد ہے اس کا ارادہ کر لینا نہ کہ فی الحال دینا۔ یہ ارادہ ان کے ایمان کی علامت ہے جیسے رب فرماتا ہے۔ واقیموا الصلوۃ و اتوا الزکوۃ وہاں یہ ہی مراد ہے کہ نماز روزانہ پڑھے زکوۃ سال پر دو یہ فرق یاد رہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب وہ مشرکین نماز پڑھیں تو انہیں چھوڑ دو اور ظاہر ہے کہ کوئی شخص مسلمان ہوتے ہی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اولاً نماز سیکھے گا جس میں کچھ عرصہ لگے گا پھر پڑھے گا تو کیا اس وقت تک اسے قیدی رکھا جائے۔

جواب: ہر نو مسلم کیلئے حکم یہ ہے کہ مسلمان ہوتے ہی نماز پڑھے جماعت میں شریک ہو کر پڑھے جس میں تلاوت نہیں کرتا

www.alahazratnetwork.org

پڑتی۔ عملی ارکان دوسروں کے ساتھ ادا کر سکتا ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ صرف کلمہ پڑھنے پر ہی انہیں نہ چھوڑو بلکہ اطمینان کر لو کہ یہ دل سے مسلمان ہو گیا ہے۔ اس کی علامت نماز شروع کر دینا زکوٰۃ کا ارادہ کر لینا ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بے نمازی کو قتل کر دیا جاوے کیونکہ یہاں تین چیزوں پر کفار کو چھوڑا گیا۔ ایمان، نماز، زکوٰۃ۔ ان میں سے اگر ایک بھی نہ ہوا سے قتل کیا جائے گا۔ (شوافع)

نوٹ: یہ اعتراض بطور دلیل تفسیر کبیر اور تفسیر بیضاوی نے پیش کیا۔ وہ دونوں شافعی ہیں احناف کے ہاں بے نماز قتل نہیں کیا جائے گا کہ وہ گنہگار ہے کافر نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی، دوسرا تحقیقی جواب۔ الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو زکوٰۃ نہ دینے والے کو بھی قتل کیا جائے کہ یہاں اس کا ذکر ہے حالانکہ یہ تمہارا مذہب بھی نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں نماز پڑھنا ان کے ایمان کی علامت قرار دیا گیا کہ جو قیدی کافر کلمہ پڑھ لے نماز نہ پڑھے اسے نہ چھوڑو۔ جب نماز پڑھنے لگے تب چھوڑو۔ علامت اور ہے حقیقت کچھ اور۔ بعض نے ان جیسے اعتراضات کا جواب یہ دیا ہے کہ یہاں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے مراد ہے ان کی فرضیت کا قائل ہونا۔ پھر تو آیت صاف ہے کہ نماز یا زکوٰۃ کا انکار کفر ہے منکر کافر مرتد قابل قتل ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے زکوٰۃ کے منکروں پر چڑھائی کی تھی نہ کہ زکوٰۃ کے تارکوں پر۔ ترک زکوٰۃ کفر نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: انسانی زندگی کے چار دور یعنی بچپن، جوانی، کہولت (ادھیڑ عمر)، بڑھاپا گویا مہلت اور امان کے چار مذکورہ مہینے مبارک ہیں۔ وہ لوگ جو ان میں سے کسی زمانہ میں توبہ کر کے متوجہ الی اللہ ہو جائیں جو یہ زمانے غفلت میں گزار دیں تو ان پر جہاد کرو۔ مشرکین کا قتل ظاہری تلوار سے عاقل نفس پر جہاد باطنی تلوار سے اس کا قتل یہ ہے کہ اس کی خواہش کی چیز اسے نہ دی جاوے اور جو اس پر گراں ہے وہ اس سے کرایا جاوے اسے اس کی طبع اور طبیعت کے خلاف استعمال کیا جاوے۔ کسی نے حضرت امام حسین بن علی صلوٰۃ اللہ وسلامہ علی جدہ وعلیہما سے پوچھا کہ کون سا جہاد افضل ہے۔ آپ مجاہد تک لہو اک اپنی خواہشات پر جہاد کرنا۔ حیث وجدتموہ کا مطلب ہے کہ نفس کو اطاعت میں پاؤ یا گناہ میں، اسے قتل کرو۔ اطاعت میں قتل کے معنی یہ ہیں کہ اسے اس پر قائم رکھو۔ اور اس میں عجب وفخر پیدا نہ ہونے دو۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔ شعر

وراعها وهی فی الاعمال سائمة

و ان هی استحلت المرعی فلاتسم

یعنی جب نیکیاں کر رہا ہو تب بھی اس کی نگہداشت کرو کہ وہ اس چراگاہ میں چرتا رہے اور طرف بھاگ نہ جائے پھر اگر نفس توبہ کرے غفلت چھوڑ کر متوجہ الی اللہ ہو جائے اور نماز یعنی توجہ الی اللہ پر قائم رہے اور زکوٰۃ دے یعنی برے عیوب کو چھوڑ دے تو اس پر تم سختی چھوڑ دو۔ اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے وہ بلاوجہ کسی پر سختی نہیں کرتا۔ (از روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ

اور اگر کوئی مشرکوں میں سے امان مانگے آپ سے تو امان دے دو اسے حتی کہ وہ سن لے

اور اے محبوب اگر کوئی مشرک تم سے پناہ مانگے تو اسے پناہ دے دو کہ وہ اللہ کا

كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۟ ع

کلام اللہ کا پھر پہنچا دو اسے امن کی جگہ اس کی یہ اس وجہ سے ہے کہ تحقیق قوم ہے جو جانتی نہیں

کلام سنے پھر اسے اس کی پناہ کی جگہ پہنچا دو یہ اس لئے کہ وہ نادان لوگ ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کے مضمون سے شبہ ہوتا تھا کہ مذکورین کفار کو مذکورہ مدت گزرنے کے بعد ضرور قتل کیا جاوے گا۔ اب انہیں تبلیغ اسلام نہیں کی جاوے گی کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کافی تبلیغ پہلے ہی کر دی تھی۔ اب اس آیت میں یہ شبہ دور کیا جا رہا ہے کہ نہیں اگر اب بھی وہ تبلیغ کا مطالبہ کریں تو ضرور کی جاوے۔ گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات کی تفصیل یا تشریح و تفسیر ہے۔ جس سے پچھلی آیات واضح ہو جاتی ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی توبہ کا ذکر تھا کہ اگر وہ توبہ کر لیں تو انہیں چھوڑ دو۔ اب توبہ کے ذریعہ کا ذکر ہے جس سے انہیں توبہ نصیب ہو یعنی مسلمانوں کے پاس اٹھنا بیٹھنا اور کلام الٰہی سننا گویا توبہ کے بعد تمہید توبہ کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے لئے دائمی نجات کے ذریعہ کا ذکر تھا یعنی مسلمان ہو جانا نماز وغیرہ پر پابندی کرنا اب انہیں کے لئے عارضی نجات کا ذریعہ ارشاد ہو رہا ہے یعنی کلام اللہ سننے کے لئے مہلت مانگنا کہ جب یہ مہلت گزر جائے تو پھر ان کا خون مباح ہو جائے گا۔ کچھ شرائط کے ماتحت جن کا ذکر ابھی ہوگا۔

تفسیر: وان احد المشركين استجارك ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی علیحدہ جملہ ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ فاقتلوا المشركين پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ ہو ان شرطیہ ہے۔ جس کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے۔ جس کی تفسیر استجارك کر رہا ہے کیونکہ ان شرطیہ کبھی اسم پر داخل نہیں ہوتا۔ ہمیشہ فعل پر آتا ہے۔ المشركين سے مراد وہ ہی مشرکین ہیں جن کی میعاد امان پوری ہو چکی اور ان کا قتل مباح ہو چکا۔ استجار بنا ہے جوار سے بمعنی امان استجارہ امان مانگنا۔ ک میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر یہ حکم تا قیامت باقی ہے بشرطیکہ کسی علامت سے یہ نہ معلوم ہو کہ وہ محض دھوکا دینے اور جان بچانے کے لئے یہ حرکت کر رہا ہے۔ فاجره حتى يسمع كلام الله یہ فرمان عالی جزا ہے۔ وان احد (الخ) کی لہٰذا ف جزائیہ ہے اور اجر کا مصدر اجارہ ہے جس کا مادہ بھی جوار ہے۔ اجارہ کے معنی ہیں امان دینا کبھی یہ اجرۃ سے بنتا ہے جس کے معنی ہوتے ہیں کرایہ کا معاملہ کرنا یہاں وہ نہیں ہے آخر میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ہ کا مرجع وہ ہی

www.alahazratnetwork.org

مشرک ہے۔ حتیٰ انتہا ہے امان دینے کی حتیٰ یسمع فرما کر یہ بتایا کہ اس امان کی کوئی مدت مقرر نہیں جب تک وہ سننے سمجھنے کی خواہش کرے اسے رکھو۔ سننے سے مراد صرف الفاظ سننا نہیں بلکہ سمجھنا غور کرنا کچھ شبہات ہوں تو ان کو دور کرنا سب ہی ہیں۔ کلام اللہ سے مراد یا پورا قرآن مجید ہے یا سورہ توبہ یا جس قدر سے اس کی تسلی ہو جائے اس قدر سننا۔ تفسیر کبیر نے اس تیسرے احتمال کو ترجیح دی۔ خیال رہے کہ یہاں کلام اللہ سے مراد کلام نفسی نہیں بلکہ یہ ہی قرآن مجید ہے جو پڑھا سنا جاتا ہے اور ہوسکتا ہے کہ کلام اللہ میں قرآن مجید حضور انور ﷺ کے ارشادات سب ہی داخل ہوں کہ وہ بھی کلام اللہ ہیں۔ وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی۔ ثم ابلغہ مامنہ میں عبارت معطوف ہے۔ فاجرہ پر ثم فرما کر یہ بتایا کہ بہت عرصہ تک بھی انہیں اپنے پاس رکھو کیونکہ ثم مہلت کے لئے آتا ہے۔ ابلغ کا مطلب یا تو یہ ہے کہ اگر وہ اسلام قبول نہ کرے تو اس کو قتل نہ کرو بلکہ اسے دارالاسلام سے اپنے وطن کی طرف چلا جانے دو یا یہ مطلب ہے کہ اپنے انتظام اسے پہنچا دو۔ مامن اسم ظرف ہے۔ امن کا بمعنی امن کی جگہ اس سے مراد یا اس کا اپنا وطن ہے یا جہاں وہ کہے اور جسے وہ اپنا جاء امن سمجھے۔ ذلک بانھم قوم لا یعلمون اس فرمان عالی میں اس حکم کی حکمت ارشاد ہوئی۔ ذلک سے اشارہ اس حکم کی طرف ہے یا سارے ارشادات کی طرف یعنی یہ حکم یا یہ امان۔ یہ سنان پھر انہیں ان کی پناہ گاہ تک پہنچانا۔ بان میں ب سببیہ ہے۔ ھم کا مرجع مذکور مشرکین ہیں یعنی یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ مشرکین نہیں جانتے کہ اسلام کی حقیقت کیا ہے۔ اس میں کیا خوبیاں بغیر جانے سمجھے یا بغیر بتائے سمجھائے انہیں قتل کر دینا مقصد بعثت کے خلاف ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جن کفار کا زمانہ امن ختم ہو جائے اور ان کا قتل درست ہو جاوے مگر ان میں سے کوئی دلائل اسلام سننے آپ ﷺ کی مجلس پاک میں حاضر رہ کر قرآن کی تعلیم حاصل کرنے اس میں غور کرنے کا شوق ظاہر کرے تو اسے امان دے دو اپنے پاس اس وقت تک رکھو جب تک کہ اس کی تسلی ہو جاوے پھر اگر مسلمان ہو کر ترک وطن اور ہجرت الی المدینہ پر تیار ہو جاوے تو اسے اپنے پاس مستقل رکھو اور اگر مسلمان نہ ہو تو اسے یہاں قتل نہ کرو بلکہ وہ اپنے وطن یا کسی امن کی جگہ جانا چاہے تو اسے وہاں چلا جانے دو یا اسے وہاں پہنچا دو پھر جب کبھی مسلمان کو اس پر قابو ملے تو قتل کر دیں۔

حکایت: ایک مشرک نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اگر اس مقررہ میعاد گزر جانے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کلام اللہ سننے کا ارادہ کرے تو کیا تم اسے قتل کر دو گے فرمایا نہیں اور آپ نے یہ ہی آیت کریمہ تلاوت کی۔ (تفسیر کبیر و معانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مذکور مشرک خود سلطان اسلام سے امان لے اور سلطان کے پاس رہے اس کے ماتحت رہیں اس کے انتظام میں قرآن اور احکام اسلام سنیں یہ درست نہیں کہ کافر مسلمانوں میں پھنس کر کہہ دے کہ ہم کو مہلت دو۔ ہم کسی سے قرآن سن لیں گے۔ یہ فائدہ استجارک اور اجرہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ استاذن اور اذنہ نہیں فرمایا۔ سلطان سے ہی امن لے اور

www.alahazratnetwork.org

اس کی امان میں رہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی پناہ لینا ان سے امان حاصل کرنا بالکل جائز ہے۔ نہ شرک ہے نہ کفر نہ حرام یہ فائدہ بھی۔ استجارک اور اجرہ سے حاصل ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پناہ دیتے ہیں لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں۔ شعر

یا رسول اللہ بدرگاہت پناہ آوردہ ام ۔۔۔ ہمچو کاہے آمدم کوہے گنہ آوردہ ام

یارسول اللہ میں بہت گناہ گار خطا کار ہوں مجھے امان دو روضہ اطہر پر آخری سلام کے بعد عرض کرتے ہیں۔ الامان یا رسول اللہ الایمان یا رسول باللہ الوداع یارسول اللہ الفراق یارسول اللہ۔ اس کا ماخذ یہ آیت ہے جب کفار و مشرکین کو حضور ﷺ کے ہاں پناہ اور امان ملتی ہے تو مومنوں کو کیوں نہ ملے گی۔ شعر

دوستاں را کجا کنی محروم ۔۔۔ تو کہ با دشمناں نظر داری

تیسرا فائدہ: ذمی کی طرح مستامن کافر کو بھی دارالسلام میں امان ملے گی۔ اس کا جان و مال محفوظ ہوگا کہ نہ اسے قتل کیا جائے گا نہ اس کا مال چھینا جاوے گا۔ ہاں فرق یہ ہے کہ ذمی کو دائمی امان ہوگی۔ مستامن کو عارضی ذمی وہ کافر جو ہماری رعایا بن کر ہمارے ملک میں رہے۔ مستامن وہ کافر جو بزرے پر چند روز کے لئے ملک میں آئے یہ فائدہ بھی اجرہ کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: مستامن کو دارالسلام میں ہمیشہ رہنے کی اجازت نہ ہوگی بلکہ میعاد ختم ہو جانے پر اسے سلامتی سے سرحد پار کر دیا جاوے گا۔ یہ فائدہ حتی یسمع اللہ (الخ) سے حاصل ہوا ہاں اگر وہ ذمی بن کر رہنا چاہے اور حکومت اسلامیہ منظور کرے تو اب وہ مستامن نہیں بلکہ ذمی ہے۔

پانچواں فائدہ: مستامن کو تبلیغ احکام کرنی چاہئے شاید وہ مسلمان ہو جائے۔ یہ فائدہ بھی حتی یسمع اللہ (الخ) سے حاصل ہوا بلکہ مسلمانوں کے اعمال ایسے پاکیزہ ہونے چاہئیں کہ لوگ خود بخود اسلام کی طرف کھچے چلے آویں۔ عملی تبلیغ قولی تبلیغ سے زیادہ موثر ہے۔

چھٹا فائدہ: دین اور عقائد میں تقلید کافی نہیں بلکہ اپنی تحقیق سے اسلام قبول کرنا چاہئے یہ فائدہ بھی حتی یسمع کلام اللہ سے حاصل ہوا کہ کافر کو اتنی مہلت دے کہ وہ کلام الٰہی خود سنے سوچے سمجھے اور مسلمان ہو۔ یہ ہے تحقیق اگر تقلید ہوتی تو کہا جاتا کہ جیسے ہم مومن ہیں تو بھی مومن ہو جا۔ یہ بات خوب خیال میں رکھو۔ (تفسیر کبیر)

ساتواں فائدہ: ایسے کافر کی امان کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں جتنی مدت حاکم مقرر کر لے اسے اختیار ہے۔ یہ فائدہ بھی حتی یسمع کلام اللہ سے حاصل ہوا۔ بعض ذہین لوگ جلد سمجھ جاتے ہیں بعض دیر سے۔

آٹھواں فائدہ: مستامن کافر کو جیسے امان و حفاظت سے اپنے ملک میں رکھا جاوے گا ایسے ہی حفظ و امان کے ساتھ اسے سرحد پار کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ ثم ابلغہ مامنہ سے حاصل ہوا۔ اسلام بہت خوددار اور رواداردین ہے۔

پہلا اعتراض: حربی کفار کو اس قدر رعائیں کیوں دی گئی ہیں کہ اگر بحالت جنگ خونخوار کافر کلمہ پڑھ لے تو اسے چھوڑ

www.alahazratnetwork.org

دو۔ اگر چہ وہ قرآن سننے کا وعدہ کرے تو چھوڑ دو۔

جواب: تاکہ پتہ لگے کہ شعر

جنگ مومن سنت پیغمبری است　　　جنگ کافر فتنہ و غارتگری است

مسلمان ملک، مال، عزت کے لئے نہیں لڑتا۔ وہ صرف اللہ رسول کے لئے لڑتا ہے۔ کافروں کو مارنے لوٹنے کے لئے نہیں لڑتا۔ کفر کا زور توڑنے یا کفار کو تبلیغ کے لئے لڑتا ہے۔

دوسرا اعتراض: ان قواعد سے مسلمان کافر پر کبھی فتح نہیں پا سکتے کیونکہ کافر مسلمانوں کو بحالت جنگ بے دریغ قتل کرے مگر جب مسلمان کا اس پر داؤ چلے تو وہ یا تو کلمہ پڑھ دے یا کہہ دے کہ مجھے مہلت دو قرآن سنوں گا۔ اب غازی مسلمان کے ہاتھ قرآن وحدیث نے باندھ دیئے کہ امت قتل کرو یعنی کفار کے ہاتھوں قتل ہو رہو مگر انہیں قتل نہ کرو ان کے لئے بچاؤ کے دو دروازے ہیں۔ (بعض بے دین)

جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر نے اس طرح دیا ہے کہ قرآن مجید نے فرمایا **ذلک بانهم قوم لایعلمون**۔ یہ امان جاہل بے سمجھ سیدھے سادے کفار کے لئے ہے جن کے متعلق ہمارا اندازہ ہو کہ یہ واقع تبلیغ چاہتا ہے مگر جب قرآن سے معلوم ہو کہ یہ چالاک ہے اس تدبیر سے اپنی جان بچا رہا ہے تو اس کا یہ حیلہ نہ مانا جاوے۔ (کبیر) رہا کافر کا کلمہ پڑھ دینا ایسے موقعہ پر اس کے متعلق قرآن کریم نے فیصلہ کر دیا۔ **قل یوم الفتح لا ینفع الذین کفروا ایمانهم و لاهم ینظرون**۔ فتح کے دن نہ کافروں کا ایمان قبول ہو نہ انہیں مہلت دی جائے۔ جن احادیث میں ہے کہ کلمہ پڑھنے پر کافر کو قتل نہ کرو وہاں یہ بھی قید ہے کہ **لایعلمون** والی یعنی اگر قرائن سے معلوم ہو کہ واقعی یہ انجان ہے اور مسلمان ہونا چاہتا ہے چالاک کافر کا حکم یہ نہیں چنانچہ فتح مکہ کے دن جب حضرت خالد ابن ولید کے مقابلہ سے قوم بنی کنانہ بھاگی۔ حضرت خالد نے جب ان پر گھیرا ڈالا تو انہوں نے کلمہ پڑھ دیا جان بچانے کے لئے۔ حضرت خالد نے انہیں قتل کر دیا۔ (جمل۔ خزائن العرفان)

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا حتی **یسمع کلام الله** قرآن مجید سننے سے کیا فائدہ صرف قرآن سننے سے تو ایمان نہیں ملتا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں سننے سے مراد سمجھنے کا منشا ہے لہٰذا اس میں قرآن سننا سمجھنا اس کی تفسیر پر غور کرنا اسلام پر سوال و جواب کرنا سب ہی شامل ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا آفات کی جگہ ہے جہاں قدم قدم پر آفتیں ہیں۔ ایسی جگہ پر کہیں پناہ کی سخت ضرورت ہے۔ جس کے دامن میں آ کر درندوں اور دیگر مہلکات سے امن ہے ہم جیسے گنہگار اکثر شرک خفی میں گرفتار ہیں۔ یہاں اس آیت میں بظاہر خطاب ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر درحقیقت خطاب ہے سارے گنہگاروں سے کہ اے گنہگارو تمہارے لئے امن کی جگہ اگر کوئی ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا آستانہ ہے۔ جو ان کے دامن میں آ گیا وہ رب کے کرم میں آ گیا۔ شعر

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو　　　کہ رستہ میں ہیں جا بجا تھانہ والے

www.alahazratnetwork.org

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کفار شرعی احکام کو نہیں جانتے ایسے ہی نفس اور اس کی صفات اللہ تعالیٰ اور اس کے الطاف کو نہیں جانتے۔ رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے اسے مہلت دی تاکہ وہ رب کی اطاعت کی طرف رجوع کرے (از روح البیان) انسان کو چاہئے کہ مرتے مرتے رجوع الی اللہ کرے ہمارا حال تو یہ ہے شعر

شیخ کبیر لہ ذنوب — تعجز عن الجمل الخطایا

قد بیضت شعرہ اللیالی — وسودت قلبہ الخطایا

مجھ بوڑھے نے اتنے گناہ کئے کہ انہیں اونٹ نہیں اٹھا سکتے میرے بال سفید ہو گئے مگر گناہوں کی وجہ سے دل کالا ہے۔

کَیْفَ یَکُوْنُ لِلْمُشْرِکِیْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ اِلَّا

کیسے ہوگا واسطے مشرکوں کے عہد نزدیک اللہ کے اور نزدیک رسول کے اس کے

مشرکوں کیلئے اللہ اور اس کے رسول کے پاس عہد کیوں کر ہوگا مگر وہ جن سے

الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ

سوا ان لوگوں کے عہد کیا تم نے عزت والی مسجد کے پاس پس جب تک وہ قائم

تمہارا معاہدہ مسجد حرام کے پاس ہوا تو جب تک وہ تمہارے لئے عہد پر قائم رہیں تو تم ان کیلئے

فَاسْتَقِیْمُوْا لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝

رہیں تمہارے لئے پس قائم رہو تم ان کیلئے تحقیق اللہ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے

قائم رہو بے شک پرہیزگار اللہ کو خوش آتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں صحابہ کرام کو کفار سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ دینے کا حکم تھا کہ عہد شکنی تو بری چیز ہے۔ قرآنی تعلیمات کے بھی خلاف ہے۔ **واوفوا بالعہد** (الخ) اس آیت میں اس شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے کہ کفار نے عہد توڑنے میں خود پہل کی لہٰذا اب وہ عہد قابل وفا نہ رہا۔ گویا یہ آیت کریمہ گزشتہ آیات سے ایک شبہ دور کر رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کے مضمون سے شبہ ہوتا تھا کہ حدیبیہ کا معاہدہ حدود حرم شریف میں ہوا تھا۔ حرم بڑی عزت والی جگہ ہے وہاں کی ہر چیز کا احترام ہے تو اس معاہدہ کا بھی احترام کرنا چاہئے تھا۔ اب اس حرمت و احترام کا جواب دیا جا رہا ہے۔ **فما استقاموا لکم فاستقیموا لهم** کہ اگر کفار حرم کی حرمت کا خیال رکھیں تو تم بھی خیال رکھو۔ اشہر الحرام بالشہر الحرام

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مشرکین مکہ کی بدعہدیوں کا ذکر ہوا جو حدیبیہ میں معاہدے کر کے پھر گئے۔ اب دوسرے

www.alahazratnetwork.org

کفار کی بدعہدیوں کا ذکر ہے یہ تعلق اس صورت میں ہے جبکہ یہاں المشرکین دوسرے بدعہد کفار مراد ہوں۔

چوتھا تعلق : گزشتہ آیات میں ایک عہد کا ذکر ہوا جو مشرکین مکہ نے کیا مگر بدعہدی کی اب آئندہ ہمیشہ کے لئے ایک قانون بنایا جا رہا ہے کہ بدعہد کفار کا اعتبار نہ کرو یہ تعلق اس صورت میں ہے کہ المشرکین سے مراد سارے ہی کفار ہوں۔

تفسیر : کیف یکون للمشرکین عهد اس فرمانِ عالی میں کیف سوال کا ہے اور سوال یا تعجب کا ہے یا انکار کا بمعنی لا۔ یہاں یکون بمعنی استقبال ہے۔ ظاہر یہ ہے یکون تامه ہے عہد اس کا فاعل للمشرکین یا تو یکون کے متعلق ہے یا عہد کا حال المشرکین سے مراد یا تو مشرکین مکہ ہیں جنہوں نے حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے معاہدے کئے اور توڑ دیئے یا عرب کے دوسرے قبیلے جو حضور انور ﷺ سے عہد کر کے توڑ چکے تھے یا سارے کفار۔ عہد سے مراد ہے عزت و حرمت والا معاہدہ جس کی مسلمان پابندی کرنے پر مجبور ہوں یعنی مشرکین کے عہد و پیمان قابل اعتبار کیسے ہو سکتے ہیں۔ عند الله و عند رسوله یہ عبارت یا تو ظرف ہے مشرکین کا اور وہ صفت ہے عہد کی یا ظرف ہے یکون کا یعنی اللہ رسول کے نزدیک مشرکین کے عہد و پیمان قابل اعتبار نہیں۔ تم بھی ان کا اعتبار نہ کرو۔ الا الذین عهدتم عند المسجد الحرام یہ عبارت مستثنیٰ ہے عہد سے اور اس سے پہلے عہد پوشیدہ ہے۔ الذین سے مراد قتادہ کے نزدیک مشرکین مکہ ہیں جن سے حدیبیہ میں صلح ہوئی۔ سدی، محمد ابن عباد، محمد ابن اسحاق کے نزدیک وہ بنو خزیمہ، بنو مدلج بنو الدیل ہیں جو بنی بکر کے قبیلے ہیں انہوں نے بھی حدیبیہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد کیا تھا۔ مجاہد کے نزدیک وہ بنی خزیمہ ہیں۔ (تفسیر خازن) عهدتم میں خطاب حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ مسجد حرام سے مراد میدان حدیبیہ ہے جو حدود حرم میں واقعہ ہے۔ گویا کعبۃ اللہ شریف سے قریب ہی ہے۔ خیال رہے کہ حدیبیہ کے میدان کا بعض حصہ حدود حرم میں ہے اس لئے عند المسجد الحرام فرمایا گیا۔ اس فرمانِ عالی سے اس معاہدہ کی عظمت دکھانا مقصود ہے کہ جو کام بھی حرم شریف میں ہو بہت محترم ہو۔ فما استقاموا لكم فاستقيموا لهم یہ عبارت الا الذین (الخ) کا بیان ہے چونکہ گزشتہ عبارت میں شرط کے معنی کی بو تھی اسلئے اس پر ف جزائیہ لائی گئی ما استقاموا میں ما بمعنی مادام ہے جس میں شرط کے معنی ہیں۔ اس لئے آگے فاستقیموا میں ف جزائیہ آئی۔ استقامت سے مراد ہے عہد و پیمان پر قائم رہنا۔ کفار مکہ اولاً کچھ دن اپنے عہد پر قائم رہے۔ حضور انور ﷺ نے بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جب انہوں نے بنی خزیمہ کے مقابل بنی بکر کی مدد کی جو معاہدہ کے خلاف تھی تب حضور انور ﷺ نے فتح مکہ فرمایا اور انہیں چار ماہ کی مہلت دی کہ اس عرصہ میں تم لوگ یا مسلمان ہو جاؤ یا کسی اور ملک میں نکل جاؤ۔ وہ سارے کے سارے مسلمان ہو گئے مگر قوی یہ ہے کہ قریش مراد نہیں کیونکہ ان آیات کا نزول قریش کے عہد توڑنے کے بعد ہوا پھر فما استقاموا کے کیا معنی لہٰذا ان سے مراد بنی ضمرہ ہیں جنہوں نے وفاء عہد کی اور حضور انور ﷺ نے بھی مدت عہد پوری فرمائی اس بنا پر آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں (تفسیر خازن) مطلب یہ ہے کہ جب تک بنو ضمرہ اس عہد پر قائم رہیں اے صحابہ تم بھی قائم رہو کیونکہ ان الله يحب المتقين عہد پورے کرنے والے مسلمان متقی پرہیزگار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو پرہیزگار پیارے ہیں۔ متقی کے معنی اس کے اقسام هدى للمتقين میں عرض ہوئے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! ان مشرکین یا سارے مشرکین کے عہد و پیمان کا اللہ رسول کے نزدیک اعتبار ہی کیسے ہو سکتا ہے کیونکہ انہیں اپنا وعدہ توڑتے دیر نہیں لگتی جیسا کہ تم نے بار با تجربہ کر لیا لہٰذا ان کے ٹوٹے ہوئے عہد و پیمان کو توڑنے میں تم کچھ پس و پیش نہ کرو۔ عہد شکنی کی ابتداء تو یہ کر چکے ہاں مشرکین مکہ کے علاوہ اور جن مشرکوں بنی ضمرہ وغیرہ سے تم نے مکہ معظمہ کے پاس حدود حرم میں عہد کیا اور انہوں نے اب تک کوئی خلاف ورزی نہیں کی تو جب تک وہ اس عہد پر قائم رہیں تم بھی قائم رہو۔ تم توڑنے کی ابتداء نہ کرو کیونکہ وعدہ پورا کرنا تقویٰ ہے اور وعدہ پورا کرنے والے مومنین متقی ہیں۔ رب تعالیٰ پرہیزمتقیوں سے محبت کرتا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عموماً کفار و مشرکین بد عہد اور وعدہ خلاف ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے وعدوں کا اعتبار نہ کریں۔ ان سے ہوشیار رہیں۔ یہ فائدہ کیف یکون (الخ) سے حاصل ہوا۔ ان کی وعدہ خلافیوں کا مشاہدہ آج تک ہو رہا ہے۔

دوسرا فائدہ: جب کفار اپنے عہد کا پاس نہ کریں تو ہم بھی ان کے عہد و پیمان کا لحاظ نہ کریں گے۔ ان کے مجرم اور ذمہ دار وہ ہوں گے نہ کہ ہم۔ یہ فائدہ بھی کیف یکون (الخ) سے حاصل ہوا یعنی جس معاہدہ پر کفار و مسلمانوں کا سمجھوتہ ہو گیا۔ اسے کفار نے کلا یا جزواً توڑ دیا تو اب ہم بھی توڑ دیں گے کہ ابتداء ان کی طرف سے ہوئی جس کی مثال صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ کا واقعہ ہے۔

تیسرا فائدہ: جو عہد و معاہدہ کفار پورا کریں، اس کو ہم بھی پورا کریں گے۔ اس کا توڑنا حرام ہے۔ یہ فائدہ فما استقاموا لکم (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی مثال بنی ضمرہ کا واقعہ ہے کہ انہوں نے حدیبیہ والے معاہدہ کی پابندی کی تو حضور انور اور صحابہ کرام بھی اس پر کاربند رہے۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ سے وعدہ خلافی کرنا رب تعالیٰ سے وعدہ خلافی کرنا ہے اور حضور ﷺ کے وعدے پورے کرنا رب کے وعدے پورے کرنا ہے بلکہ حضور ﷺ سے وعدہ رب سے وعدہ یوں ہی حضور ﷺ کا وعدہ رب کا وعدہ ہے جس سے حضور ﷺ جنتی ہونے کا وعدہ کریں اس سے رب نے وعدہ کر لیا یہ فائدہ عند اللہ و عند رسولہ سے حاصل ہوا کہ حدیبیہ میں کفار کے وعدے حضور ﷺ سے ہوئے تھے۔ حضور انور ﷺ نے انہیں اپنی طرف بھی نسبت فرمایا۔

پانچواں فائدہ: جو مسلمان کافر سے بدعہدی کرے وہ بھی متقی نہیں۔ یہ فائدہ یحب المتقین سے حاصل ہوا۔ افسوس ان مسلمانوں پر جو خود مسلمانوں سے بدعہدی کریں۔ انہیں دھوکا دیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مشرکین کے وعدوں کا اعتبار نہیں مگر آج دیکھا جا رہا ہے کہ بمقابلہ مسلمانوں کے کفار زیادہ زبان کے پابند ہوتے ہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: اس کی وجہ صحبت ہے یعنی ہم کفار کی صحبت میں غدار بدعہد بن گئے اور کفار ہماری صحبت میں رہ کر وفادار بن گئے۔

www.alahazratnetwork.org

ہماری خوبیاں انہوں نے لے لیں، ان کی برائیاں ہم نے اختیار کر لیں۔ مگر اتنا خیال رہے کہ کفار کی یہ عہد پابندیاں اللہ کے خوف سے نہیں بلکہ سیاسی اغراض سے اپنے نفع کے لئے ہوتی ہیں۔

دوسرا اعتراض: حدیبیہ میں جو عہد و پیمان ہوئے تھے ان کے متعلق عند المسجد الحرام کیوں فرمایا وہ جگہ تو کعبہ معظمہ اور حرم شریف سے بہت دور ہے۔

جواب: حرم کے یہی معنی ہیں وہ مسجد جس میں کعبہ معظمہ ہے۔ پورا مکہ شہر حدود حرم جہاں شکار کرنا حرام ہے۔ حدیبیہ کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ حدود حرم میں داخل ہے۔ دوسرا حصہ خارج یعنی حل میں واقع ہے۔ یہ حصہ بمقابلہ دوسرے حصہ کے مسجد حرام سے زیادہ قریب ہے۔ صلح حدیبیہ چونکہ اس حرم والے حصہ میں واقع ہوئی تھی یہ بات بتانے کے لئے یہ ارشاد ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ جب تم سے مشرکین وعدہ وفائی کریں تب تک تم بھی کرو۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ جب وہ وعدے توڑیں تم بھی توڑ دو۔ تعجب ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کو گناہ کرنے کی اجازت دے دی۔ وعدہ خلافی تو گناہ کفار گناہ کریں ہم کیوں کریں (بعض بے دین)۔ کیا اگر کفار جو اشراب زنا پر عامل ہوں تو مسلمان بھی یہ کام کریں۔

جواب: معترض نے آیت کے معنی غلط کئے یہاں ذکر وعدے عہد کا نہیں بلکہ معاہدہ کا ہے یعنی جو عہد دو طرفہ ہوا ہو مسلمان اور کافر سے۔ مگر کافر اس پر قائم نہ رہا اس نے توڑ دیا تو اب مسلمان بھی پابند نہ ہوگا۔ مثلاً جنگ بندی کا معاہدہ دس سال کے لئے ہوا کفار نے دو تین سال کے بعد جنگ چھیڑ دی یا تیاری کر لی تو اب مسلمان خاموش نہ رہیں یہ تو عین انصاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کافر و مومن میں ازلی فرق ہے۔ بندوں نے سب سے پہلے وعدہ میثاق کے دن اپنے رب سے کہا کہ رب کی الوہیت اور اپنی بندگی کا اقرار کیا۔ دنیا میں آ کر کافر نے وہ وعدہ توڑ دیا۔ مومن نے پورا کیا۔ جو خدا کے وعدے پر قائم نہ رہا وہ اے مسلمانو تمہارے وعدے پر کیسے قائم رہے۔ کافر کی وفاء وعدہ اتفاقی عارضی ہے اگر یہ عارضی وفا قائم رہے تو مسلمانو تم بھی اپنے اصلی وفا پر قائم رہو لیکن اگر کافر اس عارضی وفا سے ہٹ جائے اپنے اصلی رنگ یعنی بے وفائی ظاہر کرے تو وہ وعدہ، وعدہ ہی نہیں۔ تم اے مسلمانو! اسے اس کی سزا دو مگر جو کافر اپنی عارضی وفا پر قائم رہے تو اے مسلمانو! تم اپنی اصلی وفا پر ضرور قائم رہو وہ عارضی چیز کو نہیں چھوڑتا تم اپنی اصلی حالت کو کیوں چھوڑو۔ تم عند اللہ متقی ہو۔ اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے

كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً

کیسے ہو اور غالب ہوں وہ تم پر تو نہ خیال کریں تم پر رشتہ داری کا نہ وعدوں کا راضی کر دیتے ہیں وہ تم

بھلا کیونکر ان کا حال تو یہ ہے کہ تم پر قابو پائیں تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا

www.alahazratnetwork.org

یُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ ۚ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝۸

کہ موتہوں سے اپنے اور انکار کرتے ہیں دل انکے اور بہت سے ان کے بدعہد ہیں خرید کی انہوں نے

اپنے منہ سے تمہیں راضی کرتے ہیں ان کے دلوں میں انکار ہے اور ان میں سے اکثر بے حکم ہیں اللہ

اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ؕ

اللہ کی آیتوں کے عوض قیمت تھوڑی پس روکا انہوں نے اللہ کے راستہ بے شک برا

کی آیتوں کے بدلے تھوڑے دام مول لیتے ہیں تو اس راہ سے روکا بیشک وہ بہت ہی برے

اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہے وہ کام جو وہ کرتے ہیں

کام کرتے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مشرکین کے عہد و پیمان کا اعتبار نہیں اب اس کی وجہ کا ذکر ہے کہ موقع پاتے ہی اپنے سارے عہد و پیمان طاق میں رکھ دیتے ہیں گویا دعوے کے بعد دلیل کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں صحابہ کرام کو ان مشرکین پر جہاد کرنے کا حکم دیا گیا تھا جو اپنے وعدے توڑ بیٹھے تھے۔ اب اس آیت میں اس اجازت کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ یہ لوگ اگر موقع پائیں تو تمہاری کوئی رعایت نہ کریں تو تم ان کی رعایت کیوں کرتے ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی گمراہی کا تذکرہ ہوا اب ان کے گمراہ ہونے کا ذکر ہے کہ وہ خود بھی تمہارے دشمن ہیں اور دوسروں کو تمہارا دشمن بناتے ہیں۔ یہ زہریلے سانپ ہیں ان کا سر کچل دینا ہی اچھا ہے۔

نزول: ایک بار ابوسفیان نے عرب کے قبیلوں کو جمع کیا ان کی پر تکلف دعوت کی کھانا وغیرہ کھلانے کے بعد ان سب کو اپنے عہد معاہدے توڑ دینے کی رغبت دی جو انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے تھے کہا کہ اپنے عہد و معاہدے توڑ دو اور متفق ہو کر مسلمانوں کو مٹا دو ان کے متعلق آیت کریمہ اشتروا بایت اللہ (الخ) نازل ہوئی (تفسیر روح البیان)

تفسیر۔ کیف و ان یظھروا علیکم یہاں بھی کیف یا تو تعجب دلانے کے لئے ہے یا انکار کے لئے اس کے بعد ایک فعل پوشیدہ ہے یعنی مشرکین کے عہد و پیمان پر کیونکر اعتماد ہو یا اے مسلمانو! تم ان کے قتال سے کیسے بچتے ہو واؤ حالیہ ہے یظھروا بنا ہے ظہر سے جس کے معنی ہیں اوپر ہونا۔ چڑھنا کہا جاتا ہے۔ ظہرت علی السقف میں چھت پر چڑھ گیا ظاہر ہونا اس سے ظہور فتح و نصرت غلبہ۔ رب فرماتا ہے۔ فاصبحو ظاھرین اور فرماتا ہے یظھرہ علی الدین کلمہ قادر ہونا۔ یہاں

www.alahazratnetwork.org

بمعنی قدرت غلبہ ہے اس کا فاعل مشرکین کی ضمیر ہے (کبیر) یعنی اے مسلمانو تم ان بدعہد مشرکین سے جنگ کرنے میں تامل کیوں کرتے ہو ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر وہ تم پر غلبہ وقدرت پائیں تو لا یرقبوا فیکم الا و لا ذمة یہ عبارت ان یظہروا کی جزا ہے۔ یرقبوا بنا ہے رقب سے بمعنی انتظار کرنا غور کرنا رعایت وحفاظت کرنا۔ رب فرماتا ہے ولم ترقب تولی تم نے میرے کلام کی حفاظت نہ کی اسی سے ہے رقیب اس کا فاعل بھی وہ مشرکین ہیں۔ فیکم میں خطاب مومنین سے ہے الا کے چار معنی ہیں عہد و پیمان ایک شاعر کہتا ہے۔

وجدنا هموا كاذبا الهم و ذو الال و العهد لا يكذب

اس شعر میں ال بمعنی عہد و پیمان ہے قرابت اور رشتہ داری۔ حضرت حسان کہتے ہیں۔

لعمرک ان الک من قریش کال اشعب من لال الشقام

اس شعر میں ال بمعنی رشتہ داری وقرابت ہے اور تیسرے معنی حلف وقسم ہے اوس ابن حجر شاعر کہتا ہے۔ شعر

لولا بنوما لک والالی مرتبة و مالک فیهم الا لاء و اشرف

اس شعر میں الا بمعنی قسم ہے اللہ تعالیٰ کا نام اسی سے ہے ال یعنی ال جیسے جبرئیل اسی سے آل بنا ال عبرانی زبان میں اسم الٰہی ہے جسے عربی میں اللہ کہتے ہیں اس کے بہت معنی کیے گئے (کبیر، معانی) ذمہ بمعنی عہد و پیمان اس کی جمع ہے ذمم یا ذام جس عہد کے توڑنے پر لوگ برا کہیں وہ ذمہ اسی سے ہے اس سے ہے مذموم یعنی برا کیا ہوا اگر یہ مشرکین تم پر غلبہ وموقعہ پائیں تو تمہاری قرابت داری رشتہ داری کا لحاظ کریں نہ اپنے عہد و پیمان کا لہٰذا تم ان پر اعتماد کیوں کرتے ہو۔ رب فرماتا ہے۔ انهم لا ایمان لهم ان کی قسموں کا اعتبار نہیں۔ ان کا موجودہ حال یہ ہے کہ یرضونکم بافواههم و تابی قلوبهم جب وہ تم سے دبے ہوئے تمہارے سامنے مغلوب ہوتے ہیں تو تم کو میٹھی باتوں جھوٹے وعدوں سے خوش کر دیتے ہیں مگر ان کے دلوں میں تمہاری محبت والفت ذرہ بھر نہیں بلکہ ان میں تمہاری طرف سے عداوت کی آگ بھڑک رہی ہے۔ و اکثرهم فسقون یہ جملہ یا تو نیا ہے واؤ ابتدائیہ یا حالیہ ہے یا فاسق بمعنی بدعہد ہے۔ لہٰذا اکثر فرمانا بالکل درست ہے کیونکہ بعض کفار عہد کے پکے بات کے سچے ہیں اگرچہ کافر ہیں جیسے کفار عرب میں بنی ضمرہ جن کا ذکر ابھی پہلے ہوا بمعنی کفر یا بدکاری نہیں۔ اشتروا بایت الله ثمنا قلیلا اس فرمان عالی میں گذشتہ دعویٰ کی دلیل ہے۔ اس آیت کی تفسیر پہلے پارہ میں و لا تشتروا بایاتی ثمنا قلیلا میں گزر چکی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آیات اللہ سے مراد توریت یا انجیل کی آیات نہیں کیونکہ مشرکین عرب اہل کتاب نہ تھے۔ اس سے مراد یا تو آیات قرآنیہ ہیں کہ کفار عرب نے معمولی لالچ میں قرآن کریم کو نہ مانا یا اس سے مراد عہد و پیمان ہیں جن کا پورا کرنا ملت ابراہیم میں بھی ضروری تھا اور مشرکین عرب اسے مانتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اس کی تاکید ہے اور ثمن قلیل سے مراد ابوسفیان کی وہ دعوت ہے اور ان کے لذیذ کھانے جنہیں کھا کر مشرکین نے حضور ﷺ سے کیے ہوئے عہد و پیمان توڑ دیئے جس کا ذکر ابھی نزول میں گزرا لہٰذا آیت واضح ہے۔ دنیاوی دولت کو ثمن کیوں کہا اور قلیل کیوں فرمایا اس کی نہایت نفیس ولذیذ وجوہ پہلے پارے میں دیکھو۔ فصدوا عن سبیله یہ عبارت معطوف ہے۔ اشتروا (الخ) پر

www.alahazratnetwork.org

صدو لازم بھی آتا ہے اور متعدی بھی۔ یہاں دونوں احتمال ہیں۔ اللہ کی راہ سے مراد یا تو دین اسلام ہے جو خداری کا ذریعہ ہے یا عہد و پیان پورا کرنا جس سے رب تعالی راضی ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ اس کی برکت سے ایمان کی توفیق مل جاوے یعنی یہ لوگ اللہ کی راہ وفا عہد یا اسلام سے رک گئے۔ یا انہوں نے دوسروں کو بھی اسلام سے روکا یا بدعہدی پر آمادہ کیا۔ یہ عمل ایسا منحوس ہے۔ **انھم سآ ما کانوا یعلمون** اس فرمان عالی میں ان کی بدعہدی کا نتیجہ سنایا گیا یعنی ان کا عمل بہت ہی برا ہے کہ خود بھی برا اور دوسرے برے کاموں کا ذریعہ۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم ان بدعہد بے وفا مشرکین سے جنگ و قتال سے کیونکر اور کیسے بچتے ہو ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر یہ تم پر قابو پا لیں تو یہ نہ تو تمہاری قرابت داری کا لحاظ کریں نہ اپنے عہد و پیان کا۔ تم سے عہد و پیان کر لیتے ہیں مگر تم سے فوراً جنگ کریں جب وہ تمہارے قبضہ میں ہوتے ہیں تو تم کو چکنی چوپڑی میٹھی نرم باتوں سے خوش کر دیتے ہیں تم سے عہد و پیان کر لیتے ہیں مگر ان کے دل انکاری ہوتے ہیں ان میں سے اکثر بدعہد ہیں۔ کچھ تھوڑے عہد کے پابند انہوں نے تھوڑے سے دنیاوی مال عوت کے کھانے کے عوض اللہ کی آیتیں یعنی ملت ابراہیمی کے عہد پورے کرنے کے فرمان بیچ ڈالے پھر اس کا وبال یہ ہوا کہ یہ خود بھی اسلام سے رک گئے اور دوسروں کو بھی روکنے لگے۔ اگر عہد کی پابندی کرتے تو اس عہد کی برکت سے شاید انہیں ایمان کی توفیق مل جاتی۔ ان کے یہ کام بہت ہی برے ہیں اور بہت برائیوں کا پیش خیمہ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کافر مسلمان کا دوست کبھی نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ اس کا سگا باپ بھائی یا بیٹا، اس پر مسلمان کبھی اعتبار نہ کرے یہ فائدہ وان **یظھروا علیکم** (الخ) سے حاصل ہوا جو کفار حضور انور ﷺ کے خون کے پیاسے ہو گئے تھے۔ وہ قریباً سارے ہی حضور ﷺ کے رشتہ دار تھے۔

دوسرا فائدہ: مسلمان اللہ رسول کے فرمان کے مقابل کسی کے دباؤ رشتہ کی پرواہ نہ کرے اگر ماں باپ یا پیر استاد امیر نماز وغیرہ سے روکیں تو کبھی نہ مانے یہ فائدہ کیف سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ ایک سوراخ سے دوبارہ نہ کاٹا جاوے جہاں سے بے وفائی کا تجربہ ہو چکا ہے اس پر آئندہ اعتماد نہ کرے یہ فائدہ بھی کیف فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو بھارت نے مسلمانوں سے کتنے وعدے کئے مگر سب سے پھر گئے۔

چوتھا فائدہ: اکثر کفار زبان کے میٹھے دل کے کڑوے زہر ہوتے ہیں ایسے لوگ بہت خطرناک ہیں۔ یہ فائدہ یرضونکم بافواھھم سے حاصل ہوا۔ جنہوں نے ہندوؤں بنیوں کو دیکھا ہے انہیں تجربہ ہے کالا سانپ شور نہیں مچاتا چپکے سے کاٹتا اور سلا دیتا ہے۔

پانچواں فائدہ: بعض کفار زبان کے پکے وعدوں کے سچے بھی ہوتے ہیں یہ فائدہ اکثرھم فاسقون سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر مگر ایسے بہت کم ہیں۔

چھٹا فائدہ: دنیاوی نفع کی لالچ میں دین چھوڑ دینا یا دین میں نرمی کرنا طریقہ کفار ہے۔ دین کو مضبوطی سے پکڑو دنیا خود بخود آئے گی۔ دانہ کی تلاش کرو بھوسہ مل جاوے گا۔ یہ فائدہ اشتروا بایات اللہ (الخ) سے ملا۔

ساتواں فائدہ: بعض گناہوں کی نحوست سے انسان ایمان سے محروم ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ فصدوا عن سبیل اللہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اکثر مشرکین عرب بدعہدیوں کی وجہ سے ایمان سے محروم رہے۔

آٹھواں فائدہ: زبان کا کڑوا دل کا صاف اس سے اچھا ہے جو زبان کا میٹھا دل کا بے ایمان ہو۔ یہ فائدہ وتابی قلوبھم سے حاصل ہوا۔ اگر اللہ تعالیٰ کسی کو زبان شیریں دل صاف دونوں عطا فرمائے تو اس کا خاص کرم اور مہربانی ہے۔ رب تعالیٰ نصیب کرے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار مومن کے پکے دشمن ہیں۔ موقع پائیں تو رشتہ داری وغیرہ کا بھی لحاظ نہ کریں مگر ابو طالب نے باوجودیکہ ایمان قبول نہ کیا مگر وہ حضور انور ﷺ کے بڑے خدمت گزار خیر خواہ رہے یہ آیت کریمہ کیونکر درست ہوئی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جوابات ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت خاص بدعہد کفار کے متعلق ہے جنہوں نے حدیبیہ کا عہد توڑا دوسرے یہ کہ اس آیت کریمہ میں کفار کا اصل حال بیان ہو رہا ہے جو کفار مومنوں کے خدمت گزار رہے وہ ان کا عارضی حال ہے۔ جیسے بعض مومن ایک دوسرے کے جانی دشمن ہو جاتے ہیں ان کی یہ دشمنی عارضی ہے۔ تیسرے یہ کہ یہاں ذکر ان کفار کا ہے جو دل و زبان دونوں کے کافر ہیں۔ ابو طالب صرف زبان کے کافر ہے دل میں وہ ایمان رکھتے تھے لیعنی ساتر تھے لہٰذا وہ اس آیت سے خارج ہیں اس لئے ان کی بیوی فاطمہ بنت اسد اور بیٹے علی عقیل وغیرہ مومن ہو گئے انہوں نے کوئی اعتراض نہ کیا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اکثرہم فاسقون۔ بہت سے کافر فاسق یعنی بدکار ہیں حالانکہ سارے کافر ہی فاسق و بدکار ہیں پھر اکثر کیوں فرمایا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہاں فاسق بمعنی بدعہد ہے واقعی بہت سے کافر بدعہد ہوتے ہیں کچھ زبان کے پختہ بھی۔

تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا کہ انہوں نے آیات کے عوض تھوڑی قیمت لے لی ان کے پاس آیات الٰہی تھیں ہی نہیں وہ تو مشرک تھے اہل کتاب نہ تھے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب یہ لوگ اپنے کو ملت ابراہمی کا متبع کہتے اور بہت سے احکام ابراہیمی پر عمل کرتے تھے جیسے مہمان نوازی خدمت کعبہ وغیرہ یہاں آیات اللہ سے مراد وہ ہی ابراہیمی احکام ہیں جو انہوں نے ابوسفیان کی دعوت کھا کر توڑے لہٰذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ فصدوا عن سبیل اللہ انہوں نے اللہ کی راہ سے روکا وہ لوگ کسی کو اسلام سے نہ

www.alahazratnetwork.org

روکتے تھے ہاں خود کافر تھے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔
جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ صدو کے معنی ہیں کو درک گئے اور اگر روکنا مراد ہے تب بھی درست ہے کہ ابوسفیان نے انہیں روٹی کھلا کر بدعہدی کرائی پھر ان لوگوں نے دوسروں کو بدعہدی پر ابھارا۔
تفسیر صوفیانہ دنیا قیمت ہے اور آخرت اصل سامان۔ مبارک وہ جو دنیا سے دین خریدے۔ منحوس ہے وہ جو دین سے دنیا خریدے۔ یہ حرکت ایسا منحوس عمل ہے کہ اس سے بہت سی بدعملیاں پیدا ہوتی ہیں جیسا کہ **فصدوا عن سبیل اللہ** سے معلوم ہوا۔ وفاء عہد اگر کافر بھی کرے تو انشاء اللہ آخر کار مومن ہو جائے گا کہ یہ ازلی نیک بختی کی علامت ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

من ندیدم در جہان جستجو ہیچ اہلیت بہ از خوئے نکو
در پئے خو باش و باخوشخو نشیں خوں پذیری روغن و گل رل میں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ ابن جبل کو حسب ذیل نصیحتیں فرمائیں۔ اے معاذ اللہ سے ڈرو، سچی بات کہو، وعدہ پورا کرو، امانت ادا کرو، خیانت سے بچو، پردیسی پر مہربانی کرو، یتیم پر رحم کرو، بات نرم کرو، ہر ایک کو سلام کرو، حساب آخرت کی تیاری کرو، اپنے کو نرم رکھو اور اے معاذ کسی حکم کو برا نہ کہو۔ سچے کو مت جھٹلاؤ۔ بدکار کی اطاعت نہ کرو، سلطان اسلام کی بغاوت نہ کرو، زمین میں فساد نہ کرو، ہر قسم کے گناہ سے توبہ کرو، چھپے گناہ سے چھپی توبہ کرو، کھلے گناہ سے کھلی توبہ، خود اچھے ہو اور لوگوں کو اچھا بناؤ۔ (روح البیان) شعر

الزم الصدق و التقی و اترک العجب والریاء واعلب النفس و الھوی تروق السوال المنی

لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلًّا وَّلَا ذِمَّةً ۚ وَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُونَ ﴿١٠﴾

نہیں لحاظ کرتے وہ کسی مومن میں رشتہ داری کا اور نہ وعدے کا اور یہ لوگ ہیں حد سے آگے
کسی مسلمان میں نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا اور وہی سرکش ہیں

فَإِن تَابُوا وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَآتَوُا الزَّكٰوةَ فَإِخْوَانُكُمْ

بڑھنے والے پس اگر توبہ کریں اور قائم کریں نماز کو اور دیں زکوۃ پس وہ بھائی ہیں تمہارے
اور نماز قائم رکھیں اور زکوۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی

فِي الدِّينِ ۗ وَنُفَصِّلُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿١١﴾

دین میں اور تفصیل وار بیان کرتے ہیں ہم آیتیں واسطے اس قوم کے جو علم رکھیں
ہیں اور آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں جاننے والوں کے لئے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین عرب حضرات صحابہ کی قرابتہ داریوں ان سے عہد و پیمان کا لحاظ نہیں کرتے موقع ملتے ہی ان سے جنگ انہیں قتل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ سارے کفار تا قیامت کسی مسلمان کی قرابت اور معاہدہ کا لحاظ نہیں کرتے نہ کریں گے لہٰذا تا قیامت مسلمانوں کو ان پر اعتماد نہیں کرنا چاہیے گویا خاص کفار کے بعد عام کفار کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اس لئے وہاں فیکم ارشاد ہوا ہے یہاں فی مومن۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کی اسلام دشمنی بیان ہوئی ہے جنہوں نے حدیبیہ میں مسلمانوں سے معاہدے کئے تھے۔ اب ان کفار کی اسلام دشمنی کا تذکرہ ہے جو ابوسفیان کی دعوت کھا کر مسلمان کے خلاف بھڑ کے یا پہلے ان کی بدعہدی کا ذکر ہوا۔ اب ان کے لالچ کا تذکرہ ہے کہ صرف دو روٹیاں کھا کر برے سے بڑے کام کر لیتے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کی بری خصلتوں کا ذکر ہوا کہ وہ بدعہد لالچی ہیں۔ اب ان عیوب کے علاج کا تذکرہ ہے۔ ایمان، نماز، زکوٰۃ فان تابوا (الخ) کہ اگر یہ لوگ ان صفات کو اختیار کر لیں تو ان تمام عیوب سے نجات پا جاویں گے۔

تفسیر: لا یرقبون فی مومن الا و لا ذمۃ ابھی پچھلی آیت میں لا یرقبون الا اور ذمہ کی تفسیر گزری یہاں اتنا سمجھ لو کہ یرقبون کا فاعل یا تو تا قیامت مشرکین ہیں یا ابوسفیان کے ہاں دعوت کھانے والے عرب کے کافر قبیلے اور ہو سکتا ہے کہ اس کا فاعل وہ ہی بدعہد کفار ہوں جنہوں نے حدیبیہ کے معاہدے توڑے مگر یہاں پہلا احتمال قوی ہے حق یہ ہے کہ مومن سے مراد ہر مومن ہے۔ عربی ہو یا عجمی۔ اس زمانہ کا ہو یا بعد کا۔ کیونکہ وجہ مخالف مومن کا ایمان ہے یعنی تا قیامت کوئی کافر کسی مسلمان کی قرابتداری کسی وعدے عہد و پیمان کا لحاظ نہ کرے گا۔ یہ بات یاد رکھو اس فرمان عالی کا ظہور آج تک ہو رہا ہے ہم آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ موقع پر کافر اپنے سگے بھائی مومن پر ہاتھ صاف کر دیتا ہے۔ و اولئک ھم المعتدون۔ یہ فرمان عالی یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا لا یرقبون پر معطوف ہے اور واؤ عاطفہ اولئک سے اشارہ انہی مذکورین کفار کی طرف ہے معتدون کے معنی ہیں حد سے بڑھنے والے نہ کہ عہد توڑنے والے یہاں حصر اضافی ہے یعنی ان حالات میں وہ مشرکین ہی حد سے بڑھنے والے ہیں نہ کہ مسلمان۔ ان دونوں کی جنگ ہو تو مسلمان کی طرف وہ جنگ جہاد ہو گی اور کفار کی طرف فساد لہٰذا آیت واضح ہے۔ فان تابوا و اقاموا الصلوٰۃ و اتوا الزکوٰۃ اس فرمان عالی میں رحمت الٰہیہ کا اظہار ہے یعنی مشرکین و کفار یہ سب مذکورہ حرکتیں کر چکنے کے بعد تین کام کر لیں تو ان کو دامن کرم میں لینے کو تیار ہیں۔ توبہ کے معنی ابھی پچھلی آیات میں عرض کئے جا چکے ہیں کہ اس سے مراد کفر سے توبہ ہے یعنی ایمان قبول کر لینا مسلمان ہو جانا نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے سے ان کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا ہے اور ان پر عمل کرنے کا پختہ ارادہ کر لینا۔ (روح البیان) چونکہ تمام شرعی احکام ہیں یہ دونوں چیزیں بڑی اہم ہیں کہ نماز بدنی عبادات میں اور زکوٰۃ مالی عبادات میں اہم اس لئے ان دو کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ورنہ سارے ارکان اسلام پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فاخوانکم فی الدین یہ عبارت جزاء ہے فان تابوا کی

www.alahazratnetwork.org

لہٰذا ف جزائیہ ہے۔ اخوانکم خبر ہے ھم پوشیدہ کی اور فی الدین الثابتون سے متعلق ہو کر اخوانکم کی صفت یعنی تو وہ لوگ تمہارے دینی یعنی اسلامی بھائی ہیں کہ اگر چہ تم پرانے مسلمان ہو اور وہ نئے مسلمان مگر اسلام و ایمان میں تم اور وہ برابر ہو کہ سارے احکام تم پر ان پر یکساں ہیں۔ اسلامی ایمانی عزت میں تم اور وہ برابر کے شریک ہیں۔ ونفصل الایٰت لقوم یعلمون. نفصل بنا ہے تفصیل سے بمعنی الگ الگ جداگانہ بیان کرنا اس کے مقابل اجمال ہے آیات سے مراد سارے قرآن مجید کی آیتیں ہیں یا احکام کی آیتیں یا کفار و مشرکین پر جہاد کرنے کی آیتیں یا کفار کے کفر و ایمان دونوں حالتوں کے احکام کی آیتیں اس چوتھے احتمال کی تفسیر کو روح البیان نے اختیار فرمایا لقوم کا تعلق نفصل سے ہے۔ علم سے مراد دینی احکام کا علم ہے یا اجتہاد و مجتہدین یعنی جیسے ہم نے کفار کے ساتھ جنگ و صلح کے عہد باقی رکھنے توڑنے ان کے مسلمان ہو جانے کے بعد کے احکام تفصیل وار بیان کئے اسی طرح ہم دوسری آیات تفصیل وار بیان کرتے ہیں مگر جاہلوں کے لئے نہیں بلکہ علماء مجتہدین کے لئے جن میں آیات سے احکام نکالنے کی طاقت ہے۔ قرآن مجید ان کے لئے مفصل ہے سمندر کے موتی غواص کو ہی ملتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان عہد توڑنے والے کفار ہی پر موقوف نہیں سارے کافروں کا یہی حال ہے کہ وہ کسی مومن کی کبھی رعایت نہیں کرتے نہ قرابت داری کا لحاظ کرتے ہیں نہ اپنے وعدہ و پیمان کا۔ جب انہیں موقع ملے مومنوں کو قتل و غارت ایذا رسانی سے باز نہیں آتے وہ ہی ہر قسم کی حدود سے آگے نکلے ہوئے ہیں مومن کی یہ شان نہیں لہٰذا اے مسلمانو تم ان سے کبھی وفا کی امید نہ رکھنا ان حالات میں اگر تمہاری ان کی جنگ ہو جائے تو فسادی وہ ہیں تم نہیں تم مجاہد ہو لیکن ان مذکورہ حرکات کے باوجود اگر وہ کفر سے توبہ کر کے مسلمان ہو جاویں نماز قائم کرنے، زکوٰۃ ادا کرنے کے معتقد ہو جاویں کہ انہیں فرض جانیں اور ان پر عمل کرنے کا مضبوط ارادہ کریں تو ان کے گذشتہ سارے گناہ معاف اب وہ تمہارے دینی بھائی ہیں کہ تم اور وہ نفس ایمان میں برابر۔ ہم آیات قرآنیہ تفصیل وار بیان کرتے ہیں مگر کس کے لئے؟ علم و اجتہاد والے لوگوں کے لئے۔ ان آیات سے تفصیلی احکام وہی نکالتے ہیں۔ عام مسلمان ان کے واسطے سے معلوم کریں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: تھوڑے پیسوں دنیاوی لالچ سے دین میں تبدیلی کر دینا عہد توڑنا لوگوں کو اچھے راستہ سے روکنا مومنوں کی قرابت داریوں اس سے کئے ہوئے عہد و پیمان کا لحاظ نہ کرنا انہیں ستانا یہ سب کفار کے عیوب ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے بچنا چاہئے۔ یہ فائدہ لایرقبون (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: جب بھی مسلمانوں کی جنگ کفار سے ہو تو مسلمان کی جنگ جہاد ہے کافر کی جنگ جہاد نہیں کیونکہ کافر حد سے نکلا ہوا ہوتا ہے مومن حد میں داخل یہ فائدہ اولئک ھم المعتدون کے حصر سے حاصل ہوا ہے۔

تیسرا فائدہ: مسلمان ہونے کے لئے صرف کلمہ پڑھ لینا ہی کافی نہیں بلکہ ارکان اسلام نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ کی فرضیت کا ماننا بھی ضروری ہے۔ یہ فائدہ و اقاموا الصلوٰۃ (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ۔ مسلمان ہونے کیلئے تمام کفریہ عقیدوں سے توبہ کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ فائدہ فان تابوا سے حاصل ہوا۔
پانچواں فائدہ: اسلامی اخوت و بھائی چارہ عالمگیر اخوت ہے اسلام میں عربی عجمی ہندی سندھی کالے گورے کا فرق نہیں یہی اتفاق کی اخوت ہے ملکی اور قومی اخوتیں عارضی ومحدود ہیں یہ فائدہ اخوانکم سے حاصل ہوا۔
چھٹا فائدہ: مسلمان آپس کے بھائی ہیں نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ یہ فائدہ اخوانکم سے حاصل ہوا کہ اخوانکم میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔
ساتواں فائدہ: نفس ایمان واخوت میں نیا اور پرانا مسلمان دونوں برابر ہیں۔ یہ فائدہ بھی اخوانکم سے حاصل ہوا کہ یہاں پرانے مسلمانوں کو فرمایا گیا کہ یہ نو مسلم تمہارے بھائی ہوں گے۔
آٹھواں فائدہ: اللہ کے نزدیک عالم وہ ہے جس کی نظر آیات پر تفصیلا ہو اس کے بغیر عالم نہیں۔ منطقی فلسفی ہونا آسان ہے مگر عالم دین ہونا مشکل ہے اللہ تعالیٰ عالم دین بنائے یہ فائدہ نفصل الآیات (الخ) سے حاصل ہوا۔
نواں فائدہ: قرآن وحدیث صرف علمائے دین کے لئے ہیں۔ عوام کے لئے علمائے دین کے اقوال ہیں۔ وہ ان کی اطاعت کریں اگر عوام قرآن وحدیث سے مسائل نکالنا شروع کردیں تو بے دین ہو جائیں گے۔ یہ فائدہ لقوم یعلمون سے حاصل ہوا علم طب کی کتابیں کامل حکیموں کے لئے بیماروں کے لئے طبیب کے نسخے۔
پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف کفار ہی حد سے بڑھتے ہیں ان کے سوا کوئی نہیں بڑھتا۔ اولئک هم المعتدون ہم سے حصر حاصل ہوا مگر دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے مسلمان حد سے آگے بڑھ جاتے ہیں۔ بڑے بڑے ظلم کرتے ہیں۔
جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں حصر اضافی ہے یعنی اگر بدعہد کفار سے تمہاری جنگ ہو تو فسادی اور حد سے بڑھنے والے وہ ہوں گے نہ کہ تم یا یہ مطلب ہے کہ ایمان کی حد سے بڑھنے والے صرف کفار ہی ہیں نہ کہ مومن۔
دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہمارے بھائی وہ ہیں جو مومن ہوں نماز بھی قائم کریں اور زکوۃ بھی دیں کیونکہ یہاں بھائی چارہ کو تین شرطوں پر معلق کیا تو کیا بے نمازی اور بخیل مسلمان ہمارے بھائی نہیں۔
جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہیں آسان اور قوی جواب یہ ہے کہ یہاں نماز قائم کرنے زکوۃ دینے سے مراد ہے ان دونوں کاموں کو فرض جاننا۔ اس کی فرضیت کا انکار نہ کرنا اور واقعی جو کلمہ پڑھے مگر نماز زکوۃ کی فرضیت کا منکر ہو وہ ویسا ہی کافر ہے جیسے کلمہ کا انکاری وہ ہمارا بھائی کیسے ہو سکتا ہے نماز کا عمل اور ہے اس کا عقیدہ کچھ اور۔
تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ آیات قرآنیہ تفصیل وار بیان ہوئیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ آیات قرآنیہ بہت مجمل ہیں حتیٰ کہ نماز زکوۃ کی آیات تک میں بہت اجمال ہے صرف صلوٰۃ زکوۃ کا نام ہے تفصیل بالکل نہیں پھر یہ فرمان عالی درست کیونکر ہوا۔
جواب: اس اعتراض کا جواب یہاں موجود ہے۔ لقوم یعلمون یعنی آیات قرآنیہ مفصل ہیں علماء کے لئے نہ کہ عوام کے

www.alahazratnetwork.org

لئے علماء کرام حدیث شریف اور اجتہاد کے ذریعہ احکام شرعیہ قرآن مجید سے ہی نکالتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ایمان نور ہے کفر تاریکی جیسے نور اندھیرے کا بھائی نہیں نور اور اندھیرا کبھی جمع نہیں ہو سکتے ایسے ہی ایمان و کفر کبھی ایک جگہ جمع نہیں ہوتے اور کبھی کافر مومن کا بھائی نہیں ہو سکتا کہ دو ضدیں جمع نہیں ہوتیں اگرچہ مومن خونی وطنی زبانی پیشہ کے رشتوں سے بھائی ہوں مگر یہ بھائی ہونا عارضی اور محدود ہے جو بہت جلد ٹوٹ جاتا ہے اسی لئے یہاں ارشاد ہوا کہ کافر مومن کے رشتہ دار ہونے کا پاس اور لحاظ نہیں کرتا۔ اس وجہ سے مومن بھائی کی میراث کافر کو نہیں ملتی نہ اس کے برعکس۔ اس میں قصور کافر کا ہے۔ اولئک هم المعتدون ایمان گویا سورج ہے نماز، زکوٰۃ اس کی تجلی اور نورانی شعاعیں جو ظاہر جسم پر پڑتی ہیں۔ سورج آسمان پر ہے اس کی شعاعیں زمین پر۔ یوں ہی ایمان دل میں ہے اس کی شعاعیں نماز روزہ زکوٰۃ جسم میں۔ یہ اعمال ظاہری اس باطنی سورج یعنی ایمان کی دلیلیں ہیں اس لئے ارشاد ہوا واقاموا الصلوة و اتوا الزكوة یا یوں کہو کہ ایمان کا تخم دل کی زمین میں ہوتا ہے اس کی شاخیں پھول پھل اعضاء ظاہری ہیں پہلے کشجرة طيبة اصلها ثابت و فرعها فی السماء نمازیں اور زکوٰۃ اس تخم کے پھول پھل یا پھول پھل دار شاخیں ہیں۔ یہ تفصیل علم والوں کو ہی معلوم ہوتی ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ

اور اگر توڑ دیں وہ قسمیں اپنی بعد وعدے کے اپنے اور طعنہ کریں تمہارے دین

اور عہد کر کے اپنی قسمیں توڑیں اور تمہارے دین پر منہ آئیں تو کفر کے سرغنوں سے

دِيْنِكُمْ فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ

میں تو لڑو سرداروں سے کفر کے تحقیق وہ وہی تو ہیں نہیں قسمیں ان کی تاکہ وہ باز آ

لڑو بے شک ان کی قسمیں کچھ نہیں اس امید پر کہ شاید وہ باز آئیں کیا اس قوم سے

يَنْتَهُوْنَ ﴿۱۲﴾ اَلَا تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ

جائیں کیا نہیں جنگ کرو گے تم اس قوم سے کہ توڑیں جس نے قسمیں اپنی اور قصد کیا رسول کو

نہ لڑو گے جنہوں نے اپنی قسمیں توڑیں اور رسول کے نکالنے کا ارادہ کیا حالانکہ انہیں

الرَّسُوْلِ وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ اَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللّٰهُ اَحَقُّ

نکالنے کا اور انہوں نے شروعات کی تم سے پہلی بار کیا ڈرتے ہو ان سے پس اللہ زیادہ حقدار

کی طرف سے پہل ہوئی کیا ان سے ڈرتے ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس سے ڈرو

اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳﴾

ہے کہ ڈرو تم اس سے اگر ہو تم ایمان والے

اگر ایمان رکھتے ہو۔

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بدعہد کفار کی توبہ اور اس کے احکام کا ذکر تھا فان تابوا (الخ) اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ اگر وہ توبہ کریں بلکہ تمہارے دین ہی کو برا کہنے لگیں اعلانیہ تمہارا انکار کریں تو ان کا کیا حکم ہے گویا نرم احکام کے بعد گرم احکام کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بدعہد کافروں کے مومن ہو جانے گذشتہ بدعملیوں سے توبہ کر لینے کا ذکر تھا اب انہیں کہ مرتد ہو جانے کا تذکرہ ہے۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے جبکہ اس آیت میں مرتدین کا ذکر ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان کفار کا ذکر ہوا جو ایک بار عہد کر کے توڑ بیٹھے ان کے احکام بیان ہوئے اب ان کفار کا تذکرہ ہے جو بار بار عہد کر کے قسمیں کھا کر توڑ دینے کے عادی ہو چکے یعنی ایک بار کے مجرموں کے بعد عادی مجرموں کا تذکرہ ہے۔

نزول: اس کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیات ابوسفیان ابن حرب حارث ابن ہشام، سہل ابن عمرو، ابوجہل، عکرمہ بن ابوجہل اور تمام سردارانِ قریش کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے حضور انور ﷺ کو یا تو مکہ میں تنگ کیا تھی کہ آپ ﷺ نکلنے پر مجبور ہو گئے یا حضور انور ﷺ سے حدیبیہ کے عہد کا توڑنا لہذا یہ آیت گذشتہ آیات کا نتیجہ ہے۔ (۲) حضرت مجاہد کہتے ہیں کہ یہ آیات کفار روم و فارس کے متعلق نازل ہوئیں جن پر عہد فاروقی میں جہاد ہوئے ان آیات میں ایک طرف کی پیش بندی کی گئی ہے۔ (۳) حضرت حذیفہ ابن یمان فرماتے ہیں کہ یہ آیات آئندہ قریب قیامت کفار کے متعلق نازل ہوئیں جو دجال کے مدد و معاون ہوں گے (تفسیر خازن و کبیرہ) اور ہوسکتا ہے کہ یہ آیات کفار قریش کے علاوہ دوسرے عرب قبیلوں کے متعلق آئی ہوں جو حضور انور ﷺ سے عہد کر کے پھر گئے یا یہود مدینہ کے متعلق۔

تفسیر: و ان نکثوا ایمانھم من بعد عھدھم یہ عبارت یا معطوف ہے فان تابوا (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد سردارانِ قریش ابوجہل، ابوسفیان وغیرہ ہیں قسم توڑنے سے مراد حدیبیہ کا وعدہ توڑنا ہے مگر یہ قول قوی نہیں کیونکہ ابوجہل غزوہ بدر میں مارا گیا اور ابوسفیان وغیرہ۔ فتح مکہ میں ایمان لا چکے تھے۔ یہ آیاتِ کریمہ فتح مکہ سے ایک سال بعد آئیں لہذا یہ ظاہر ہے کہ اس سے مراد دوسرے کافر قبیلے ہیں جو حضور انور ﷺ اور مسلمانوں سے عہد کر کے توڑ چکے تھے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اگر یہ توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں تو تمہارے بھائی ہیں اور اگر توبہ نہ کریں عہد توڑنے پر قائم رہیں یا آئندہ توڑیں یا مسلمان ہو کر پھر مرتد ہو جاویں تو ان کا حکم یہ ہے۔ نکثوا بنا ہے نکث سے بمعنی بنا ہوا سوت کھول دینا۔ رب فرماتا ہے من بعد قوۃ انکاثا اصطلاح میں وعدہ توڑنے کو نکث کہا جاتا ہے وہ ہی مراد ہے ایمان جمع ہے یمین کی بمعنی داہنا ہاتھ اس کا مقابل ہے یسار (بایاں ہاتھ) اصطلاح میں قسم کو یمین کہتے ہیں یا اس لئے کہ اہل عرب قسم کھاتے وقت داہنا ہاتھ ہلاتے تھے یا اس لئے کہ داہنے ہاتھ میں قوت زیادہ ہوتی ہے قسم سے بھی کلام میں

www.alahazratnetwork.org

قوت ہوتی ہے (تفسیر کبیر) ایک قراۃ میں ایمانہم ہے الف کے کسرہ سے کفر کے مقابل (کبیر) مگر ہماری قراۃ ایمان الف کے فتحہ سے زیادہ مشہور ہے۔ عہد سے مراد وہ عہد و پیمان ہیں جن پر انہوں نے قسمیں کھائی تھیں۔ وطعنوا فی دینکم یہ عبارت معطوف ہے نکثوا (الخ) پر اس میں کفار کا دوسرا عیب بیان ہوا۔ طعن کے لفظی معنی ہیں، نیزہ مارنا مگر کسی کو عیب لگانا طعنہ دینا بھی طعن کہلاتا ہے کہ اس سے بھی زیادہ نیزہ کی طرح گھاؤ لگتا ہے بلکہ اس طعن کا زخم جو دل پر لگتا ہے وہ نیزہ کے زخم سے زیادہ سخت ہوتا ہے حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ شعر

جراحات السنان لھا التیام ولا التیام ما جرح اللسان

چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

دینکم سے مراد اسلام ہے۔ اسلام پر طعنہ کرنے کی چند صورتیں ہیں۔ (۱) اسلامی مسائل پر زبان طعن دراز کرنا (۲) اسلامی عقائد پر طعنے کسنا (۳) کلمہ طیبہ اذان قرآن مجید کعبہ معظمہ کی شان میں گستاخی کرنا (۴) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنا کہ باقی گستاخیوں سے توبہ قبول ہے مگر گستاخی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توبہ بھی قبول نہیں ان کا گستاخ اگر توبہ کر کے اسلام قبول کرے تو اس کا اسلام معتبر ہے مگر اسے بحق رسول قتل کیا جاوے گا اور بعد قتل اس کا نماز جنازہ اور دفن ہوگا کہ مسلمان ہو چکا ہے۔ جیسے کوئی قاتل مسلمان ہو تو اس کا اسلام قبول ہے مگر اسے قصاصا قتل کیا جاوے گا۔ حق رسول حق العبد ہے توبہ سے معاف نہیں ہوتا اور حضور انور ﷺ کی عزت و عظمت کسی مقتول کی جان سے زیادہ ہے کہ دونوں جہان حضور ﷺ کی عظمت کے مقابل مچھر کے پر کے برابر نہیں (کتب فقہ۔ روح البیان) روح المعانی نے بہت نفیس تقریر کی ہے حضور ﷺ کی عظمت کو روح ایمان قرار دیا۔

اصل ایمان روح قرآں مغز دیں ہست حب رحمۃ للعلمین

فقاتلوا ائمة الکفر یہ عبارت جزاء ہے و ان نکثوا کی۔ خیال رہے کہ کفار سے جنگ بہر حال ہو گی خواہ وہ صرف عہد شکنی کریں یا صرف اسلام پر طعن یا دونوں یہاں بجائے ہم کے ائمۃ الکفر فرمایا تاکہ اس جہاد کی اہمیت معلوم ہو ایک سردار کفر کا مار دینا بہت کافروں کے مارنے سے بہتر ہے کہ وہ کفر کی جڑ ہے۔ جڑ کاٹ دو شاخیں خود بخود سوکھ جائیں گی۔ ائمہ جمع ہے امام کی پیشوا بمعنی یہ اصل میں ءأممۃ بروزن افعلۃ جیسے مثال کی جمع ہے۔ امثلہ چونکہ اس میں دو میم جمع ہوئے تو پہلے میم کا کسرہ ہمزہ کر دیا اور دونوں میم کا ادغام کر دیا اب دوسری ہمزہ کو باقی رکھو یہ بھی درست ہے اور اسے ی سے بدل دو اور ایمہ پڑھو یہ بھی درست۔ ہماری قراۃ ائمہ دو ہمزہ سے ہے۔ انھم لا ایمان لھم اس فرمان عالی میں قتال کی وجہ ارشاد ہوئی اور فرمایا گیا کہ اگر اب وہ تم سے عہد و معاہدے کریں قسمیں بھی کھائیں تب بھی قبول نہ کرو کیونکہ تم نے آزما لیا کہ ان کی قسمیں کچھ نہیں ایک قراۃ میں لا ایمان ہے۔ الف کے کسرہ یا کفر کا مقابل ایمان یا امن یومن کا مصدر بمعنی امن دینا (تفسیر کبیر) ہماری قرأت زیادہ مشہور ہے بعض لوگوں نے اس آیت کی بنا پر کہا ہے کہ مرتد کی توبہ قبول نہیں (روح المعانی) مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ آگے ہے لعلھم ینتھون۔ اس عبارت کا تعلق بھی قاتلوا (الخ) سے ہے یعنی تم اس نیت سے جہاد کرو کہ وہ کفار آئندہ اسلام

www.alahazratnetwork.org

پر طعنے کرنے مسلمانوں کو ستانے سے باز رہیں۔ تمہاری نیت اس کے سوا اور کچھ نہ ہونی چاہئے محض ایذا رسانی کے لئے جہاد نہ ہو کہ یہ کام مجاہدین کا نہیں بلکہ موذیوں کا ہے۔ (روح المعانی) الا تقاتلون قوما نکثوا ایمانهم وهموا باخراج الرسول اس فرمان عالی میں مجاہد مسلمانوں کو کفار کی گذشتہ ایذا رسانیاں یاد دلا کر انہیں جہاد کی رغبت دی جا رہی ہے۔ لفظ الا رغبت دینے کے لئے ہے۔ اس میں یہاں بھی گفتگو ہے کہ اس سے کون سے کفار مراد ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اس سے کفار مکہ مراد ہیں اور قسم توڑنے سے مراد حدیبیہ والا عہد توڑنا۔ بنی بکر کی حمایت کرنا اور رسول کے نکالنے سے مراد ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ میں اس قدر تنگ کرنا کہ آپ ﷺ ہجرت پر مجبور ہو گئے مگر یہ تفسیر اس لئے قوی نہیں کہ اس آیت کے نزول کے وقت وہ سب مسلمان ہو چکے تھے۔ کیونکہ یہ آیات فتح مکہ کے ایک سال بعد آئیں کفار مکہ ۸ ہجری میں مومن ہو چکے پھر ان سے جنگ کرنے کے کیا معنی اس لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد یہود مدینہ ہیں جنہوں نے غزوہ احزاب کے موقع پر مسلمانوں سے عہد شکنی کی اور کفار عرب سے مل کر حضور انور ﷺ کو مدینہ سے نکال دینے کی کوشش کی مگر یہ بھی ضعیف ہے کیونکہ اس کے نزول کے وقت یہود مدینہ تو قتل کئے جا چکے تھے اور بنی نضیر مدینہ منورہ سے جلاوطن کر کے خیبر میں آباد کئے جا چکے تھے۔ ان سے جہاد کرنے کے کیا معنی۔ لہٰذا قوی یہ ہی ہے کہ اس سے دوسرے عربی قبائل مراد ہیں جنہوں نے غزوہ احزاب وغیرہ موقعوں پر مدینہ منورہ پر حملہ کیا حالانکہ وہ حضور انور ﷺ سے معاہدے کر چکے تھے۔ ان کی خواہش تھی کہ حضور انور ﷺ کو مدینہ منورہ میں بھی نہ رہنے دیں اس کی تحقیق تفسیر کبیر اور روح المعانی میں دیکھو وهم بدءوكم اول مرة اس فرمان عالی میں کفار کا تیسرا عیب بیان ہوا اگر یہاں کفار مکہ مراد ہیں تو اس ابتداء سے جنگ بدر مراد ہے یعنی انہوں نے ہی تم پر حملہ کی ابتداء کی کہ ان کا قافلہ بخیریت مکہ معظمہ پہنچ گیا تھا مگر وہ جنگ سے نہ رکے اور اگر اس سے یہود مراد ہیں تو ان کا کفار عرب کی امداد کرنا مراد ہے غزوہ احزاب کے موقع پر اور اگر دوسرے قبیلے مراد ہیں تب بھی غزوہ احزاب میں مدینہ منورہ پر حملہ مراد ہے یہ ہی قوی ہے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا۔ اتخشونهم یہ نیا کلام ہے۔ اس کا مقصود بھی مسلمانوں کو جہاد پر رغبت دینا ہے۔ ہم کا مرجع مذکورہ کفار ہیں یعنی اے مسلمانو کیا تم ان کفار سے ڈرتے ہو کہ اگر تم نے ان پر حملہ کیا تو تم کو ان کی طرف سے کوئی آفت و مصیبت پہنچے گی خوف، خشیت، تقویٰ ان سب کا فرق ہم پہلے پارہ میں کر چکے فالله احق ان تخشوه یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی علت ہے لہٰذا اس کی ف تعلیلیہ ہے یعنی ان سے ڈرو اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ ڈرنے کے لائق ہے لہٰذا اس کے حکم پر جہاد کرو ان کفار کی پرواہ نہ کرو۔ ان كنتم مومنين. اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم کامل مومن ہو تو کفار سے نہ ڈرو اللہ سے ڈرو اور ان کفار پر جہاد کرو خیال رہے کہ یہاں ان فرمانا شک کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے نہ صحابہ کرام کا ایمان مشکوک ہے بلکہ اس قسم کی اگر مگر ترغیب کے لئے ہوتی ہے جیسے باپ اپنے بیٹے سے کہے کہ اگر تو میرا بیٹا ہے تو میری اطاعت کر یعنی واقعی تو میرا بیٹا ہے لہٰذا ضرور اطاعت کر۔

خلاصہ تفسیر: وہ بدعہد مشرکین جو توبہ کر کے مسلمان بن جائیں تم نے ان کے کا حکم تو معلوم کر لیا اور اگر وہ مسلمان نہ بنیں اپنے گذشتہ عہد قسمیں توڑیں یا توڑتے رہیں اور تمہارے دین یعنی اسلام پر طعنے کسیں خواہ مسائل پر خواہ عقائد پر خواہ شعائر

www.alahazratnetwork.org

اللہ پر توایسے سرداران کفر سے سختی سے جنگ کرو اور اب ان کی قسموں وعدوں کا اعتبار نہ کرو کہ ان کی قسمیں کچھ نہیں جیسا کہ تم تجربہ دو چکا تمہارے جہاد محض بدلہ لینے انہیں ایذاء دینے کے لئے نہ ہوں بلکہ کفر کا زور توڑنے کے لئے ہوں تاکہ کفار اپنی مذکورہ حرکتوں سے باز آجائیں۔اے مسلمانو تم ایسی قوم سے جنگ کیوں نہیں کرتے جنہوں نے تین زیادتیاں کیں ایک یہ کہ تم سے کئے ہوئے عہد و پیمان ان پر قسمیں توڑیں دوسرے یہ کہ تمہارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکالنے کی کوشش کی غزوہ بدر یا احزاب کے موقع پر تیسرے یہ کہ بدر یا احزاب میں جنگ کی پہل انہوں نے ہی کی۔ان میں سے ہر جرم اس قابل ہے کہ ان سے جنگ کی جاوے انہوں نے تین جرم کئے اے مسلمانو کیا تم ان سے لڑنے میں ڈرتے ہو کہ تم کو یہ مصیبت میں ڈال دیں گے اگر تم پختہ مومن ہو تو اللہ سے ہی ڈرو وہی ڈرنے کے لائق ہے اس کا خوف تمام خوفوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔شعر

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے — ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جو شخص بار بار وعدے اور قسمیں توڑ چکا ہو اس کی قسم کا وعدہ کا آئندہ اعتبار نہ کیا جاوے مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں کاٹا جاتا۔یہ فائدہ وان نکثو (الخ) سے حاصل ہوا یوں ہی جو بار بار مسلمان اور کافر ہوتا رہے اس کے اسلام کا اعتبار نہیں۔

دوسرا فائدہ: جو ذمی کافر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے یا اسلام پر آوازے کسے اس کا عہد ٹوٹ جاوے گا اور اسے قتل کیا جاوے گا۔یہ فائدہ وطعنوا فی دینکم (الخ) سے حاصل ہوا جب ہم مسلمان دوسرے دینوں پر اس قسم کے حملے نہیں کرتے تو دوسرے لوگ ہمارے دین پر حملہ کیوں کریں۔

مسئلہ: ہر قسم کے کفار کی توبہ قبول ہے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرنے والے کی توبہ قبول نہیں اگرچہ اس کے توبہ کرنے سے اسے مسلمان مان لیا جائے گا مگر قصاص کے طور پر اسے قتل ضرور کیا جائے گا جیسے قاتل کافر مسلمان ہو تو اسے قصاص میں ضرور قتل کیا جائے گا مذہب امام مالک یہ ہی ہے اسی پر فتویٰ فقہا حنفیہ دیتے ہیں (کتب فقہ و روح البیان)

مسئلہ: جو شخص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی چیز کی اہانت کرے وہ کافر ہے حتیٰ کہ نعلین شریف حضور ﷺ کے بال مبارک کی توہین کفر ہے۔

حکایت: ہارون رشید بادشاہ کے دستر خوان پر کدو کی ترکاری تھی کسی نے کہا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کدو پسند فرماتے تھے۔ایک اور بانچی بولا کہ لیکن مجھے پسند نہیں امام ابو یوسف نے ہارون رشید سے کہا کہ یہ کافر ہو چکا اگر توبہ کرے تو خیر ورنہ اس کی گردن ماردی جاوے آخر کار اس نے توبہ کی تب اس کی جان بچی (روح البیان) یہ حکم جب ہے جبکہ اہانت کی نیت سے کہے۔

تیسرا فائدہ: جہاد میں یہ کوشش کی جائے کہ سرداران کفر پہلے قتل ہوں اس سے فوج کی ہمت ٹوٹے گی اور بغیر خونریزی فتح

www.alahazratnetwork.org

نصیب ہوگی انشاء اللہ یہ فائدہ فقاتلوا ائمۃ الکفر سے حاصل ہوا غزوہ بدر میں پہلے ہلے میں ابوجہل قتل ہو گیا تو رب نے فرمایا مسلمانوں کو بہت شاندار فتح دی یہ ہی حکم باغی، خوارج اور فسادیوں کا ہے کہ سرغنوں کو پہلے ہی ختم کرو تا کہ فتنہ ختم ہو جاوے آج کل فساد کی جڑوں کی خوشامد کی جاتی ہے اوران کے بہکائے ہوؤں پر گولیاں برسائی جاتی ہیں انجام دیکھ رہے ہو۔

چوتھا فائدہ: کافر کی قسم پر شرعی احکام جاری نہیں یعنی کافر اگر زمانہ کفر میں قسم کھائے اور اسلام قبول کرنے کے بعد توڑ دے تو اس پر کفارہ واجب نہیں یہ فائدہ لا ایمان لھم سے اشارۃً حاصل ہوا شوافع کے ہاں کفارہ اس پر واجب ہے۔ (کبیر، معانی)

پانچواں فائدہ: جہاد کا مقصد کفار کو ہلاک کرنا نہیں نہ مال غنیمت حاصل کرنا نہ محض ملک گیری بلکہ اس کا مقصد صرف کفر کا زور توڑنا ہے جس سے وہ اسلام کی ترقی میں رکاوٹ نہ بنیں مسلمانوں کو نہ ستائیں یہ فائدہ لعلھم ینتھون سے حاصل ہوا۔ دین کی خدمت کی نیت سے جہاد کرو ملک اور غنیمت انشاء اللہ خود ہی حاصل ہوں گے بلکہ جہاد میں کسی کو جبراً مسلمان بنانا بھی درست نہیں۔ رب فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین۔

چھٹا فائدہ: اپنے شہر سے اللہ کے مقبول بندوں کو نکالنے کی کوشش کرنا بڑی بدنصیبی ہے۔ مقبولوں کے دم قدم سے اللہ کی رحمتیں آتی ہیں۔ نبی کو نکالنے کی کوشش کرنا تو کفر ہے یہ فائدہ وھموا باخراج الرسول سے حاصل ہوا۔ کوشش کرو کہ تمہارا محلہ بستی میں کوئی اللہ کا بندہ رہے جس کی برکت سے محلے بستی کی آفتیں دور ہوتی رہیں۔ رب فرماتا ہے ان اللہ یدفع عن الذین امنوا۔

ساتواں فائدہ: جس کافر قوم سے ہمارا معاہدہ ہو چکا ہے اس سے جنگ میں ہم پہل ہرگز نہ کریں اگر وہ پہل کریں تو پھر ہم انہیں ہرگز نہ چھوڑیں یہ فائدہ وھم بدءوکم اول مرۃ سے حاصل ہوا حربی کفار پر ہم بخوشی جنگ میں پہل کر سکتے ہیں یہ بات قادیانیوں کے خلاف ہے۔

آٹھواں فائدہ: مومن کے دل میں اللہ کا خوف چاہئے غیر اللہ کا خوف نہ چاہئے یہ فائدہ فاللہ احق ان تخشوہ سے حاصل ہوا یعنی خوف اطاعت یا خوف نفرت یا خوف ظلم یا خوف ایذاوہ کفار کا بلکہ ہر موذی کا ہو سکتا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے متعلق رب سے عرض کیا تھا اننا نخاف ان یفرط علینا خوف اور اس کی اقسام و احکام پہلے پارہ میں بیان ہو چکے۔

پہلا اعتراض: یہاں قسم توڑنے والوں عہد و پیمان کے خلاف کرنے والوں سے کون کفار مراد ہیں۔ کفار مکہ تو ان آیات کے نزول سے ایک سال پہلے یعنی فتح مکہ میں ایمان لا چکے تھے۔ یہود مدینہ غزوہ احزاب کے بعد قتل یا جلاوطن کئے جا چکے تھے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا ہے کہ قوی یہ ہی ہے کہ حضور انور ﷺ نے عرب کے بہت سے قبیلوں سے معاہدہ کئے ہوئے تھے ان میں سے اکثر اپنے عہد توڑ بیٹھے وہ ہی اس جگہ مراد ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالنے والے تو کفار مکہ ہی تھے وہی یہاں مراد ہونے چاہئیں وھموا باخراج الرسول اور وہ سب تو ان آیات کے نزول سے ایک سال پہلے ایمان لا چکے تھے۔ یہ معمہ کیونکر حل ہو۔

جواب: یہاں نکالنے کا ذکر نہیں بلکہ نکالنے کا ارادہ کرنے کا ذکر ہے۔ کفار مکہ کے متعلق دوسری جگہ یوں ارشاد ہے اذا اخرجة الذین کفرو ثانی اثنین وہاں کفار مکہ مراد ہیں یہاں عرب کے دوسرے قبیلے مراد ہیں جنہوں نے بارہا حضور انور ﷺ کو پریشان کر کے مدینہ منورہ سے نکالنے کی کوشش کی تھی کفار مکہ نے تو نکالنا چاہا ہی نہ تھا۔ انہوں نے قتل کی کوشش کی تھی جو حضور انور ﷺ کے مکہ معظمہ چھوڑنے کا سبب بنی لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر کفار جنگ کی ابتدا کریں تو مسلمان دفاع کر سکتے ہیں وہ خود جارحانہ حملہ نہیں کر سکتے ہیں لہٰذا کبھی مسلمان کو جنگ کی ابتداء نہیں کرنی چاہئے ارشاد ہوا و ھم بد عد کم اول مرة (قادیانی)

جواب: یہاں مجاہدین کا کفار سے جنگ کرنے کا ذکر ہے۔ اوپر سے اس کا ذکر چلا آ رہا ہے من بعد عھدھم اور انھم لا ایمان لھم وغیرہ واقعی ان سے ہم جنگ کرنے کی ابتداء نہ کرتے کہ یہ بدعہدی ہے رہے حربی کفار جن سے ہمارا کوئی معاہدہ نہیں ان پر ہر طرح حملہ جائز بلکہ بعض وقت ضروری ہے رب فرماتا ہے فاتلوا المشر کین کافة

چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ کافر کی قسم شرعاً قسم ہی نہیں نہ اس پر شرعی احکام جاری ہوں لا ایمان لھم مگر قرآن مجید نے فرمایا نکثوا ایمانھم بعد عھدھم انہوں نے اپنی قسمیں توڑ دیں اس پر ملامت بھی فرمائی معلوم ہوا کہ کفار کی قسمیں معتبر ہیں (تفسیر کبیرہ)

نوٹ: امام رازی شافعی ہیں انہوں نے امام اعظم پر یہ اعتراض بہت قوی سمجھ کر کیا ہے۔ شوافع کے ہاں کفار کی قسم معتبر ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اگر کافر زمانہ کفر ہی میں قسم کھائے اور اس زمانہ میں توڑ دے تو تمہارے ہاں بھی اس پر کفارہ نہیں اگر چہ بعدہ مسلمان ہو جائے بتاؤ اس پر وان نکثوا ایمانھم کا حکم تم نے جاری نہ کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ وہاں ایمان (قسم) سے مراد ان کے عقیدے ہیں یعنی جس کو وہ عہد قسم سمجھتے ہیں اور وہ انہیں بھی توڑ دیتے ہیں۔ شرعی قسم مراد نہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار تین حرکتیں کریں تب ان سے جنگ کی جاوے عہد توڑنا نبی کو نکالنے کا ارادہ کرنا کو جنگ کی ابتداء کرنا دیکھو الاتقاتلون قوما نکثوا ایمانھم تو چاہئے کہ اب کسی کافر سے جنگ نہ کی جاوے یہ تین حرکتیں کسی میں جمع نہیں (بعض منکرین جہاد)

جواب: آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دینا کہ ان کفار میں تین وجہیں جہاد کی پائی جاتی ہیں جن میں سے ہر ایک جہاد کی وجہ ہے تو تم ایسے بے دینوں پر جہاد کیوں نہیں کرتے جیسے مہربان باپ کہے کہ میں تیرا باپ ہوں میں نے تجھے پالا تجھے تعلیم دلائی تجھے کاروبار سکھایا تو میری خدمت کیوں نہیں کرتا تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر کوئی باپ یہ کام نہ

www.alahazratnetwork.org

کرے تو اس کی خدمت ہی نہ کی جاوے قرآن کی سچی فہم چاہئے۔

تفسیر صوفیانہ: ظاہری کفار سے کبھی کسی کو جہاد نصیب ہوتا ہے مگر باطنی کافروں یعنی نفس امارہ شیاطین برے یار برے، خیالات سے ہر شخص کو ہر دم جہاد کرنا پڑتا ہے۔ اے انسان تیرا نفس ہی وہ کافر ہے جو تجھ سے بار بار عہد کر کے پھر جاتا ہے تیرے دین یعنی دینی اعمال میں طعنے کرتا ہے کہ نمازیں کیوں پڑھتا ہے وقت ضائع کرتا ہے، زکوۃ و حج میں پیسہ کیوں برباد کرتا ہے کسی اور جگہ یہ پیسہ لگا۔ ائمہ کفر یہ ہی چیزیں ہیں یہ تیرے دل سے رسول کی عظمت کم کر کے ان کی محبت کو نکالنا چاہتا ہے لہٰذا اے مومن کے دل اس پر جہاد کر حتیٰ کہ اس نفس امارہ کی طاقت بالکل ختم ہو جائے اور تجھے بہکانا چھوڑ دے۔ شریعت کی تلوار طریقت کے تیروں سے اس پر ایسا جہاد کر کہ یہ فنا ہو کر نفس مطمئنہ بن جاوے شیطانوں کی کثرت برے لوگوں کی قوت نفسانی خیالات سے خوف سے نہ کر۔ اللہ سے ڈر وہ تیرے لئے کافی ہے۔ مولانا فرماتے ہیں شعر

نفس ما ہم کمتر از فرعون نیست لیک او را عون مارا عون نیست

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ

جنگ کردان سے عذاب دیگا انہیں اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور بے مددگار چھوڑ دیگا انہیں

تو ان سے لڑو اللہ انہیں عذاب دے گا تمہارے ہاتھوں اور رسوا کرے گا اور تمہیں ان پر مدد

عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ

اور مدد کریگا تمہاری اوپر ان کے اور شفا دیگا مسلمان قوم کے سینوں کو اور لے جائیگا

دے گا اور ایمان کا جی ٹھنڈا کریگا اور ان کے دلوں کی گھٹن دور فرمائے گا اور اللہ جس

وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾

غصہ دلوں کا ان کے اور توبہ ڈالتا ہے اللہ اس پر جسے چاہے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

کی چاہے توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں کفار عرب سے جہاد کرنے کی سات وجہیں بیان فرمائی گئی تھیں جن میں سے ہر وجہ جہاد کا سبب تھی۔ بدعہدی، قسمیں توڑنا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ سے نکالنے کی کوشش کرنا، مسلمانوں سے جنگ کی ابتداء کرنا، دین اسلام پر طعنے کرنا، لوگوں کو ایمان سے روکنا، آیات الہیہ کو تھوڑی قیمت پر فروخت کرنا۔ یہ سات چیزیں وہ تھیں جو پائی جا چکی تھیں جن کی وجہ سے جہاد کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا اب ان پر جہاد کرنے کے پانچ فائدے اور نتیجے بتائے جا رہے ہیں جو جہاد کے بعد حاصل ہوں گے۔ کفار کو مسلمانوں کے ہاتھوں عذاب دینا، انہیں رسوا کرنا، مسلمانوں کا مظفر و منصور ہونا،

www.alahazratnetwork.org

مومنوں کا دل ٹھنڈا ہونا، مسلمانوں کے دل کی گھٹن دور ہونا غرضیکہ اسباب جہاد کے بعد فوائد جہاد کا ذکر ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مسلمانوں کو صرف اللہ سے خوف چاہئے اب اس خوف کے نتیجہ کا ذکر ہے اگر خوف خدا نصیب ہو جاوے تو اللہ کی مدد اس کی نصرت انہیں پہنچے گی اور دنیا ان سے ڈرے گی۔
تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو بدعہد کفار سے جہاد کا حکم دیا گیا اب اس کا وہ فائدہ بیان ہو رہا ہے جو مجاہدین کے علاوہ دوسرے ضعیف و کمزور مسلمانوں کو حاصل ہوگا یعنی ان کے دل ٹھنڈے ہونا کہ رب نے کفار کو ہم پر ظلم کرنے کا خوب مزا چکھایا۔
نزول: ہجرت سے پہلے یمن اور سباء کے کچھ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مکہ معظمہ حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے۔ جب یہ لوگ اپنے وطن واپس پہنچے تو اپنے وطن اپنی قوم والوں سے ایذائیں اور تکالیف دیکھیں کہ خدا کی پناہ۔ ان لوگوں نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیام بھیجا کہ حضور ﷺ کفار کی ایذائیں ہماری برداشت سے باہر ہو چکیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا خوش ہو جاؤ کہ کشادگی انشاء اللہ قریب ہے بعد ہجرت حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت کریمہ نازل فرما کر ان یمنی مومنین کے اس واقعہ کو یاد دلایا گیا تاکہ مسلمانوں میں جوش جہاد اور زیادہ ہو۔ (تفسیر روح البیان۔ بیضاوی)
تفسیر: **قاتلوھم یعذبھم اللہ بایدیکم** یہ نیا فرمان عالی ہے جس میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے۔ ھم سے مراد وہ ہی مشرکین عرب ہیں جنہوں نے بدعہدیاں کیں۔ یہاں عذاب سے مراد ہے کفر پر موت دینا جو خود بھی عذاب ہے اور آخرت کے تمام عذابوں کا سبب یعنی اے صحابہ کرام ان بدعہد مشرکین پر جہاد کرو۔ اس جہاد کے پانچ نتیجوں میں سے ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تمہارے ہاتھوں کفر پر مارے جائیں یہ قتل بھی ان پر میرا عذاب ہے۔ **ویخزھم** یہ معطوف ہے **یعذبھم** اور دوسرے نتیجہ کے بیان میں خزی یعنی رسوائی سے مراد ہے کفار کا مسلمانوں کے ہاتھوں قید ہونا (تفسیر معانی) **و ینصرکم علیھم** یہ معطوف ہے۔ **یخزھم** پر اور جہاد کا تیسرا فائدہ یعنی اللہ تعالیٰ اے مسلمانو! تم کو ان پر مدد دے گا کہ تم باوجود کم ہونے بے ہتھیار ہونے کے ان پر فتح پاؤ گے۔ اس سے ہماری قدرت تمہارے نبی کے معجزات کا ظہور ہوگا۔ **و یشف صدور قوم مومنین۔** عبارت معطوف ہے **ینصرکم** پر اور جہاد کا چوتھا فائدہ۔ شفاء سے مراد کلیجہ ٹھنڈا کرنا، دل خوش کرنا، قوم مومنین سے مراد وہ ہی یمن اور سبا کے مسلمان ہیں جو صرف مسلمان ہونے کی وجہ سے کفار کے ہاتھوں سالہا سال تک بہت مصیبتوں میں گرفتار رہے اب جب وہ ان کو قتل ہوتے قید ہوتے دیکھیں گے تو ان کو ٹھنڈک ہوگی کہ رب تعالیٰ نے ان موذیوں سے ہمارا بدلہ لے لیا اس ٹھنڈک کا ثواب تم کو ملے گا کہ مسلمان کو خوش کرنا بھی ثواب ہے۔ **و یذھب غیظ قلوبھم** یہ عبارت معطوف ہے **یشف صدورھم** پر اور جہاد کا پانچواں فائدہ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ ان مسلمانوں کے دلوں کی شفاء کا بیان ہے یعنی شفاء سے مراد ہے ان کا غصہ دور کر دینا مگر قوی یہ ہے کہ یہ علیحدہ چیز ہے دل کی شفا سے مراد تھی ظالم کفار کی سزا اپنی آنکھوں سے دیکھنا اپنا بدلہ دیکھ کر خوش ہونا اور غصہ دور کرنے سے مراد ہے انتظار کی تکلیف دل کی

www.alahazratnetwork.org

گھٹن دور کرنا یعنی سالہا سال سے وہ منتظر تھے کہ کب قہر الٰہی کو جوش آوے گا اور کب ہم ان کو ذلیل ہوتے ہوئے دیکھیں گے۔ لہٰذا وہ اور چیز تھی یہ کچھ اور چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ پانچوں وعدے پورے فرمادیئے اور یہ غیبی خبریں دنیا نے اپنی آنکھوں دیکھ لیں۔ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کھلے معجزات ہیں۔ ویتوب اللہ علی من یشاء اس میں بھی ایک غیبی خبر ہے کہ تمہارے مقابل آنے والے کفار اور تمہارے ہاتھوں قید ہونے والے قیدی سارے ہی کافر نہ رہیں گے بلکہ بعض مومن ہو جائیں گے۔ یہ خبر بھی ہو بہو واقع ہوئی۔ مقصد یہ ہے کہ تمہارا جہاد بعض کفار کے توبہ کا سبب بنے گا۔ واللہ علیم حکیم یعنی اللہ تعالیٰ علم والا ہے اور حکمت والا بھی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کون کس ذریعہ سے اور کب ایمان لاوے گا اور کس وقت کون سا کام ہوگا اور کس کام میں دیر ہوتا ہے اس میں رب کی لاکھوں حکمتیں ہیں لہٰذا بندے کو اس پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے۔ انتظار کرنا چاہئے۔ رحمت کا انتظار بھی عبادت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب کے صحابہ تم وہ سات باتیں تو سن چکے جو کفار پر جہاد کا سبب ہیں۔ اب جہاد کے پانچ فائدے سنو اور ان پر بے تامل جہاد کرو مرضی الٰہی یہی ہے کہ ان بدنصیبوں کو تمہارے ہاتھوں عذاب دے کہ جہاد میں وہ کفر پر مارے جائیں اور برزخ و محشر کے عذاب میں گرفتار ہوں اور چاہتا ہے تمہارے سامنے انہیں رسوا کرے ان کی دنیاوی عزت خاک میں ملا دے کہ وہ مسلمانوں کو ستانے والے تمہارے سامنے قیدی ہو کر پیش ہوں اور تم ان کے فیصلے کرو وہ تمہارے فیصلے پر سر تسلیم خم کریں اور چاہتا ہے کہ تم کو ان پر غیبی امداد کے ذریعے فتح دے دنیا تمہاری فتح دیکھ کر دنگ رہ جائے اور چاہتا ہے کہ جن مسلمانوں کو ان کے ہاتھوں سالہا سال تک تکالیف پہنچیں سخت اذیتیں اور مصیبتیں پہنچیں اب ان مردودوں کے یہ حالات دیکھ کر ان کے کلیجے ٹھنڈے ہوں کہ رب نے ہمارا بدلہ خوب لیا اور چاہتا یہ ہے کہ ان بے کس و بے بس مسلمانوں نے جواب تک انتظار کی گھڑیاں گزاریں ان کے دل گھٹے رہے اب ان کے دلوں کی گھٹن دور ہو گئی۔ یہ سارے فائدے تمہارے جہاد کرنے پر مرتب ہوں گے پھر یہ خیال رکھو کہ تمہارے جہاد کی بدولت بہت سے کافر توبہ کر کے مسلمان ہو جائیں گے یعنی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے اور حکمت والا بھی وہ جانتا ہے کہ کون کب، کہاں اور کس طرح مسلمان ہوگا اور اس کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہیں۔ اب تک مسلمان ان کے ہاتھوں مصیبتوں میں رہے اس میں بھی رب کی حکمت تھی اور اب حالات کے پلٹا کھانے سے ان گرے ہوؤں کو اٹھانے میں بھی حکمت ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفر پر مرنا یا مارا جانا اللہ کا عذاب ہے۔ خود بھی عذاب اور صدہا عذابوں کا ذریعہ۔ یہ فائدہ یعذبکم سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس ایمان پر مرنا یا شہید ہونا اللہ کی رحمت ہے خود بھی رحمت اور ہزار ہا رحمتوں کا ذریعہ۔

دوسرا فائدہ: اللہ والوں کے ہاتھ ان کے آستانے رب تعالیٰ کے قہر کا بھی ذریعہ ہیں اور اس کی رحمتوں کا ذریعہ بھی۔ یہ فائدہ بایدیکم فرمانے سے حاصل ہوا۔ جب کفار کو غازی مومنین صحابہ کے ہاتھوں اللہ کا عذاب ملتا ہے تو مومنوں کو ان کے ذریعہ اللہ کی رحمتیں ملتی ہیں ہاتھ ایک ہیں مگر فقیروں کی جھولیاں جداگانہ بجلی کا پاور ہیٹر میں گرم فریج میں ٹھنڈا۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ: کفار کے لئے مومن کی قید میں آنا رسوائی ہے کہ اس کے تمام کام نفس کے لئے ہوتے ہیں اور وہ مسلمان سے جنگ کرتے ہیں اپنی سربلندی کے لئے۔ ان کا قید ہونا سرنگونی ہے یہ فائدہ ویخزھم سے حاصل ہوا اس کے برعکس مومن مرے تو شہید اگر کفار کے ہاتھوں قید ہو تو صابر ہو اگر مارے تو غازی کیونکہ اس کے سارے کام اللہ کے لئے ہیں رب راضی ہو گیا تو اس کا مقصد حاصل ہو گیا۔

مرے شہید ہو مارے انہیں تو غازی ہو یہ کام وہ ہے کہ ہر طرح سرفرازی ہو

چوتھا فائدہ: موذی کافر کی موت پر خوشی منانا سنت صحابہ بلکہ سنت انبیاء کرام ہے۔ یہ فائدہ ویشف صدور قوم مومنین سے حاصل ہوا۔ عاشورہ کا دن بنی اسرائیل کے لئے عید کا دن تھا ہمارے ہاں بھی اس دن خوشی میں روزہ رکھنا سنت ہے کیونکہ اس دن فرعون غرق ہوا۔

پانچواں فائدہ: اگر کافر قیدیوں کو قید میں اگرچہ توبہ اور ایمان نصیب ہو جاوے تو اس کے لئے یہ قید و بند اللہ کی رحمت ہے کہ جنت کا ذریعہ ہے یہ بظاہر گرفتاری ہے مگر حقیقتاً دوزخ کے عذاب سے رہائی۔ یہ فائدہ و یتوب اللہ علی من یشاء سے حاصل ہوا ہے۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے کیونکہ وہ علیم و حکیم ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے یہ فائدہ علیم حکیم سے حاصل ہوا مصیبت میں صبر کرے کہ اس کا پھل شیریں ہے۔ شعر

منیش عیش ترش تو زگردش ایام کہ صبر گرچہ تلخ است ولیکن بر شیریں دارد

آنکس کہ تو انگرت نمی گرداند او مصلحت تو از تو بہتر داند

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ کفار کا غزوات میں مارا جانا اللہ کا عذاب ہے مگر قرآن کریم میں دوسری جگہ ارشاد ہے **وما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم** آپ ﷺ کے ہوتے اللہ انہیں عذاب نہ دے گا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب تفسیر کبیر و خازن نے یہ دیا ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیات میں عذاب استیصال کی نفی ہے جس میں ساری قوم بالکل تباہ کر دی جاوے۔ جہاد میں بعض کفار کا مارا جانا قومی عذاب نہیں بلکہ شخصی عذاب ہے کہ جس سے بعض کافر مارے جاتے ہیں اور بقیہ لوگ باقی رہتے ہیں مگر فقیر کے نزدیک قوی یہ ہے کہ تمہاری پیش کردہ آیات میں غیبی عذاب کی نفی ہے جیسے آسمان سے آگ برسنا، صورتیں مسخ ہونا کہ حضور انور ﷺ کی تشریف آوری سے وہ بند ہو گئے ظاہری عذاب قتل و غارت وغیرہ باقی۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں وعدہ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو کفار پر فتح و نصرت دے گا وینصرکم علیھم مگر بہت دفعہ مسلمان کفار کے مقابل شکست کھاتے ہیں تو یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: یہاں یہ وعدہ صحابہ کرام سے کیا گیا۔ عرب کے مشرکین کے مقابل شکست، فتح کا جو پورا ہو چکا جیسا کہ علیھم سے

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہو رہا ہے ہمارے متعلق وعدہ مشروط ہے۔ وانتم الاعلون ان کنتم مومنین ہم جب بھی مار کھاتے ہیں ایمانی کمزوری اور آپس کی غداری سے۔ شعر

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ بامن آنچہ کرد است آشنا کرد

اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ ہم جھوٹے ہیں۔ شعر

اللہ کی راہ ہے اب تک کھلی اور نام و نشاں سب قائم ہیں

اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پہ چلنا چھوڑ دیا

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسلمان کفار کے مرنے پر خوش ہوتے ہیں کہ فرمایا ویشف صدور ھم قوم مومنین حالانکہ دشمن کے مرنے پر خوش نہیں ہونا چاہئے۔ آخر مرنا ہم نے بھی ہے۔

اگر بمرد عدو جائے شادمانی نیست کہ زندگانی مانیز جاودانی نیست

جواب: اپنے ذاتی دشمن کی موت پر واقعی خوش نہیں ہونا چاہئے مگر دینی دشمن کے مرنے پر خوشی منانا سنت ہے، عبادت ہے، سنت انبیاء ہے حضور انور ﷺ نے ابوجہل کی موت پر سجدۂ شکر کیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے ڈوبنے پر روزہ شکر رکھا جو آج تک چلا آ رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ بڑی قدرت والا ہے یہ اس کی قدرت ہے کہ کافر مظہر قہر الٰہی ہے مگر اس کے ذریعہ جو مومن کو موت نصیب ہو وہ عین رحمت ہے یعنی شہادت اور مظہر رحمت الٰہی ہے مگر اس کے ذریعہ سے کافر کی موت ہے وہ رب تعالیٰ کا عذاب ہے گویا عذاب ذریعہ رحمت اور رحمت ذریعہ عذاب ہے مومن کا سینہ محبوبوں کی محبت اور دشمنان دین کی نفرت سے بھرا ہونا چاہئے یہ محبت و نفرت ایمان کے دو رکن ہیں ظاہر روح کے دو پر جن سے پرواز کر کے وہ قرب الٰہی میں پہنچتا ہے۔ یہ آیات کریمہ بہت گہری ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم وہ رحمت کا بادل ہیں جن کے سبب بعض لہلہا جاتے ہیں اور بعض کملا جاتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَلَمْ
کیا سمجھ لیا تم نے یہ کہ چھوڑے جاؤ گے تم حالانکہ اب تک نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے
کیا اس گمان میں ہو کہ یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے اور ابھی اللہ نے پہچان نہیں کرائی ان کی جو
يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ
جہاد کیا تم میں سے نہیں بنایا انہوں نے مقابل اللہ کے اور اس کے رسول کے اور نہ مومنین
تم میں سے جہاد کریں گے اور اللہ اور اس کے رسول اور مسلمانوں کے سوا کسی کو اپنا محرم راز

www.alahazratnetwork.org

وَلِيجَةً ۚ وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۶﴾

کے	راز دار	اور	اللہ	خبردار	ہے	اس	سے	جو	تم	کرتے	ہو	

راز نہ بنائیں گے اور اللہ تمہارے کاموں سے خبردار ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جہاد کے پانچ فائدے بیان ہوئے جن کا تعلق مومنین اور کفار سے تھا۔ اب اس آیت میں جہاد کا چھٹا فائدہ بیان ہو رہا ہے جس کا تعلق مومنین اور منافقین سے ہے کہ جہاد میں مومن خدمت دین کے لئے جاتے ہیں۔ منافقین کفار کی جاسوسی کے لئے جہاد گویا ان دونوں میں چھانٹ کا ذریعہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ جہاد کے ذریعہ کفار رسوا ہوں گے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس جہاد کے ذریعے منافقین رسوا ہو کر مخلص مومنین سے چھٹ جائیں گے گویا کھلے کافروں کی رسوائی کے بعد چھپے کافروں یعنی منافقین کی رسوائی کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے، حکیم بھی اس کے ہر کام میں حکمتیں ہوتی ہیں۔ اب جہاد کی خاص حکمت کا ذکر ہے کہ یہ عبادت اگرچہ بعض دلوں پر گراں ہے۔ مگر اس میں بڑی حکمت ہے گویا پچھلی آیت میں ایک دعویٰ تھا اس آیت میں اس کا ثبوت ہے۔

تفسیر: ام حسبتم ان تترکوا ظاہر یہ ہے کہ اس میں خطاب ان ضعفاء مومنین سے ہے جن پر جہاد گراں تھا کہ اس میں تکلیف بہت ہے۔ (روح المعانی) حسبان کے معنی ہیں گمان کرنا۔ خیال باندھنا۔ تترکوا بنا ہے ترک سے بمعنی چھوڑنا یہاں چھوڑنے سے مراد ہے چھوڑے رکھنا۔ جہاد فرض نہ کرنا۔ یعنی کیا تم اس گمان میں ہو کہ تم یوں ہی آزاد چھوڑے جاؤ کہ تم پر جہاد فرض نہ ہو۔ ولما یعلم اللہ الذین جاھدوا ظاہر ہے کہ واؤ حالیہ ہے اور یہ عبارت تترکوا کے فاعل انتم سے حال ہے (روح المعانی) لم کے معنی ہیں نہیں لما کے معنی ہیں اب تک نہیں یعنی لما استغراق زمانہ کے لئے آتا ہے۔ علم سے مراد ظہور اور مشاہدہ کا علم ہے جو کسی چیز کے ہو چکنے کے بعد دیکھ کر حاصل ہوتا ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ علم سے مراد خود معلوم یعنی جہاد ہے (کبیر) کیونکہ سزا و جزاء اللہ کے علم سے نہیں بلکہ معلوم یعنی بندوں کے عمل سے ہے الذین سے مراد مومنین ہیں یعنی ابھی اللہ نے مجاہدین کو جہاد کرتے دیکھا نہیں یا لوگوں کو مجاہدین دکھائے بتائے نہیں۔ ظاہر نہیں کئے یا ابھی تک مجاہدین نے جہاد کیا نہیں۔ ولم یتخذوا من دون اللہ ولا رسولہ ولا المومنین ولیجۃ یہ عبارت معطوف ہے جاھدوا پر اور الذین کا صلہ من دون اللہ (الخ) سے مراد ہیں۔ کفار مشرکین ولیجا بنا ہے ولوج سے بمعنی خول اسی سے ہے یلج۔ رب فرماتا ہے یلج الجمل فی سم الخیاط اصطلاح میں غیر جنس کے داخل کرنے کو دلج کہا جاتا ہے یہ واحد اور جمع سب پر بولا جاتا ہے کبھی

www.alahazratnetwork.org

اس کی جمع ولائج بھی آجاتی ہے (روح المعانی) یہاں اس سے رازدان مشیر صاحب سرمراد ہے یعنی اب تک ان مخلصین کو نہ دیکھا جو اللہ رسول مومنین کے مقابل میں ان کے دشمن کفار کو اپنا رازدار صاحب اسرار نہیں بناتے۔ یہ رازداری مخلص اور منافق کی چھانٹ ہے شاید کوئی طالب علم اللہ سے دھوکا کھاتا یا دھوکہ دیتا کہ اللہ تعالیٰ کو علم غیب نہیں۔ وہ ہر چیز کو اس کے پیدا ہونے کے بعد جانتا ہے جیسے ہشام ابن حکم (کبیر، روح المعانی) یا ہمارے زمانہ میں دیوبندیوں کا سردار مولوی حسین علی واں بھچراں والا (بلغۃ الحیران) اس لئے ارشاد ہوا۔ و اللہ خبیر بما تعملون. اللہ تعالیٰ تمہارے سارے کاموں پر خبردار ہے جو تم کر چکے ہو یا کر رہے ہو یا کرو گے سب اس کے علم میں ہے ان اسباب جہاد وغیرہ کے ذریعہ تم کو بتایا دکھایا جاوے گا۔

خلاصہ تفسیر: اے وہ لوگو جن پر حکم جہاد گراں اور جہاد شاق ہے کیا یہ تم سمجھ بیٹھے ہو کہ تم کو یوں ہی آزاد چھوڑ دیا جاوے جہاد فرض نہ کیا جاوے حالانکہ ابھی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو نہ دیکھا یا نہ ظاہر کیا جو جہاد کریں اور اللہ رسول اور مومنین کے مقابل ان کے دشمن کفار کو اپنا رازدان نہ بنائیں بحالت جہاد ان کی جاسوسی نہ کریں مخلص مومن ہوں۔ ایسے لوگ مخلص مومن ہیں اور جو جہاد سے جی چرائیں یا جہاد میں جا کر مجاہدین کی خبریں کفار کو پہنچائیں ان کی جاسوسی کریں وہ منافقین ہیں اے مسلمانو یہ خیال نہ کرنا کہ ہم تم سے بے خبر ہیں یہ صرف صرف تمہارے لئے ہے ہم تمہارے اعمال کو ہمیشہ سے جانتے ہیں کہ تم کیا کر چکے ہو کیا کر رہے ہو اور کیا کب کرو گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا دار العمل ہے، آخرت دار الجزاء یہاں اعمال سے جی چرانا آرام طلبی کرنا سخت محرومی ہے یہ فائدہ ام حسبتم سے حاصل ہوا یہاں عمل کی کوشش کرو جزا نہ ڈھونڈو وہاں عمل نہ ہوگا انشاء اللہ جزا ہوگی۔

دوسرا فائدہ: مشکل اور دشوار اعمال سے مخلصین و منافقین کی چھانٹ ہوتی ہے مخلص مومن خندہ پیشانی سے انہیں قبول کر لیتا ہے منافق ان سے جی چراتا ہے یہ فائدہ ان تترکوا سے حاصل ہوا کاشت کے زمانہ میں محنت کی پرواہ نہ کرو یہ محنت کا زمانہ ہی ہوتا ہے جب کھیت کاٹنے کا وقت ہو اور زندگی کی کھیتی خیریت سے کٹے تب آرام کر لینا چاہئے اللہ تعالیٰ توفیق دے۔

تیسرا فائدہ: آخرت کی سزا و جزاء اللہ تعالیٰ کے علم کی بنا پر نہیں بلکہ دنیا میں اعمال خیر و شر کی بنا پر ہے جب تک عمل نہ ہو تب تک نہ احکام مرتب ہوں نہ سزا و جزا ہو یہ فائدہ لما یعلم اللہ الذین (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: مسلمان کو کفار کا جاسوس بننا حرام ہے اس پر اجرت لینا حرام یہ فائدہ ولم یتخذوا من دون (الخ) سے حاصل ہوا یہ کام منافق کیا کرتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: کفار کو ملکی اسامیوں پر رکھنا انہیں اپنا رازدار بنانا حرام ہے اور خطرناک بھی یہ فائدہ ولیجہ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لاتتخذوا بطانۃ من دونکم.

چھٹا فائدہ: جیسے اللہ تعالیٰ کی دوسری صفات قدیم اور واجب ہیں ایسے ہی اس کا علم قدیم ہے واجب ہے وہ ہمیشہ سے سب کو جانتا ہے یہ فائدہ خبیر بما تعملون سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرات صحابہ بزدل آرام پسند تحت عبادات خصوصاً جہاد سے گھبراتے تھے اس لئے تو ان کے متعلق اس قسم کی آیات آئیں جن میں انہیں ملامت کی گئی۔ام حسبتم (الخ) (رافضی)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم حضرت علی کے متعلق کیا کہو گے وہ بھی اس زد میں آئیں گے کیونکہ آیت میں ان کا استثناء نہیں کیا گیا جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں خطاب ہے ضعفاء مومنین سے جو نئے نئے مسلمان ہوئے تھے ابھی ان کے دلوں میں ایمان پختہ نہیں ہوا تھا پھر ان جیسی آیات سے وہ بہادر شیر دل ہو گئے کہ ساری فتوحات خصوصاً عہد فاروقی کی فتوحات انہیں نے کیں۔اسلام انہیں نے پھیلایا۔اس آیت میں ان پر عتاب نہیں بلکہ انہیں جہاد پر بھڑ کانا ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو ہر وقت کسی چیز کا علم نہیں۔واقعہ ہو چکنے کے بعد اسے معلوم ہوتا ہے دیکھو یہاں ارشاد ہوالم یعلم اللہ اب تک اللہ نے مجاہدین کو جانا نہیں۔

جواب: اس سوال کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ ان جیسی آیات میں علم سے مراد یا مشاہدہ کا علم ہے جسے علم ظہور کہتے ہیں جو کسی چیز کے دیکھنے کے بعد حاصل ہوتا ہے اس علم پر سزا جزا ہے عام محققین مفسرین نے یہ جواب دیا ہے بعض نے فرمایا کہ یہاں علم سے مراد اعلام ہے یعنی دوسروں کو دکھانا بتانا بعض نے فرمایا کہ یہاں علم سے مراد خود معلوم ہے یعنی ان کا جہاد کرنا وغیرہ۔غرضیکہ یہاں سے علم کی نفی ہرگز ثابت نہیں۔

تیسرا اعتراض: اگر جہاد کے ذریعہ مخلص و منافق کی چھانٹ ہے تو جب جہاد فرض نہیں ہوا تھا ان کی چھانٹ کیسے ہوتی تھی کیا اس وقت یہ دونوں ملے جلے رہتے تھے جیسے ہجرت سے پہلے کے مسلمان۔جہاد تو بعد ہجرت فرض ہوا۔

جواب: اس زمانے میں سارے مخلص ہی تھے ان میں منافق کوئی نہ تھا۔منافقین بعد ہجرت شامل ہوئے جب اسلام کا زور ہوا اور مسلمان ہو کر دنیاوی فوائد بھی حاصل ہونے لگے ہجرت سے پہلے مسلمان ہونا گویا کانٹوں کی سیج پر سونا تھا اور اپنے کو آفات و بلیات میں ڈالنا۔

تفسیر صوفیانہ: قرآن کریم نے بہت جگہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ مومنین کے معاملہ کو رب کا معاملہ قرار دیا دیکھو فرماتا ہے۔ یخدعون اللہ و الذین امنوا۔ منافقین اللہ کو اور مسلمان کو دھوکہ دیتے ہیں اللہ کو دھوکہ دینے سے مراد رسول اللہ کو دھوکہ دینا اور فرماتا ہے ولکن اللہ قتلھم دیکھو مسلمانوں کے فعل کو رب تعالیٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے ایسے یہاں لما یعلم اللہ المجاھدین میں اللہ کے علم سے مراد ہے مومنین کا علم یعنی اے لوگو ابھی حضرات صحابہ نے تمہارا جہاد اور کفار سے علیحدہ ہونا دیکھا نہیں تم کیسے آزاد چھوڑے جاؤ گے تمہارے ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ تم اللہ رسول اور مومنین کے ہو کر رہو۔اللہ تو پہلے ہی سے علیم و خبیر ہے مومن وہ جسے اللہ کے مقبول بندے مومن جانیں۔متقی وہ جسے اللہ کے مقبول متقی کہیں۔رب فرماتا ہے لتکونوا شھداء علی الناس لہذا مومنوں کو اپنا ایمان اپنے نیک اعمال اس لئے دکھانا چاہئیں کہ کل قیامت میں وہ ہمارے ایمان و تقویٰ کے گواہ ہوں۔ان کی گواہی بڑی کام آنے والی چیز ہے۔

www.alahazratnetwork.org

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ

نہیں ہے حق مشرکوں کو یہ کہ آباد کریں وہ مسجدیں اللہ کی گواہی دیتے ہوئے

مشرکوں کو نہیں پہنچتا کہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں خود اپنے کفر کی گواہی دیکر

عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِؕ اُولٰٓىٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْۚۖ وَ فِی النَّارِ

اوپر جانوں اپنی کے کفر کی یہ لوگ ہیں کہ ضبط ہو گئے عمل ان کے اور آگ میں وہ

ان کا سب کیا دھرا اکارت ہے اور وہ ہمیشہ آگ

هُمْ خٰلِدُوْنَ (۱۷) اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ

ہمیشہ رہیں گے اس کے سوا نہیں کہ آباد کرتے ہیں مسجد اللہ کی وہ جو ایمان لائے اللہ پر اور آخری

میں رہینگے اللہ کی مسجدیں وہ ہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان لاتے اور

الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ وَ لَمْ يَخْشَ

دن پر اور قائم کی انہوں نے نماز اور دی زکواۃ اور نہ ڈرے مگر اللہ

نماز قائم رکھتے ہیں اور زکواۃ دیتے ہیں اور اللہ کے سوا کسی

اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰۤى اُولٰٓىٕكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ (۱۸)

سے پس قریب ہے یہ لوگ ہو جائیں ہدایت والوں میں سے

سے نہیں ڈرتے تو قریب ہے کہ یہ لوگ ہدایت والوں میں ہوں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی بدعملیوں کا ذکر ہوا۔ عہد توڑنا، قسمیں پوری کرنا، اسلام پر طعنے کرنا وغیرہ۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے نیک اعمال قابل اعتبار نہیں جیسے بیت اللہ کی خدمت وغیرہ کیونکہ ان کے پاس ایمان نہیں اور بغیر ایمان کے کوئی نیکی قبول نہیں۔ یعنی گناہوں کا ثبوت پچھلی آیات میں تھا نیکیوں کی نفی ان آیات میں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار ان گناہوں کی وجہ سے دین و دنیا میں عذاب کے مستحق ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ اپنی نیکیوں کی وجہ سے عذاب سے بچ نہیں سکتے گویا ان کے گناہوں کے مضر ہونے کا ذکر پہلے اور نیکیوں کے مفید نہ ہونے کا ذکر اب ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ جہاد کفر و اسلام کا فرد مومن میں فرق کرنے والا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

اس کے فرق کے لئے کعبہ کی خدمت مسجد میں رہنا کافی نہیں۔
چوتھا تعلق: اب تک کفار کے ان گناہوں کا ذکر ہوا جو سب کے لئے ہیں جیسے بدعہدی وغیرہ۔ اب ان اعمال کا ذکر ہے جو مومن کے لئے نیکی ہیں کفار کے لئے گناہ جیسے خدمت کعبہ وغیرہ۔
شانِ نزول: غزوہ بدر میں جب کفار مکہ گرفتار ہوئے جن میں حضرت عباس بھی تھے تو غازیان بدر نے انہیں ملامتیں کیں حتیٰ کہ حضرت علی نے جناب عباس سے کہا کہ تم کو شرم نہیں کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں آئے تم نے رشتے دار کا لحاظ بھی نہیں کیا تب حضرت عباس نے حضرت علی سے عرض کیا کہ آپ ہمارے عیوب گنتے ہیں ہمارے اوصاف پر نظر نہیں کرتے حضرت علی نے فرمایا کہ آپ کے اوصاف کیا ہیں فرمایا ہم خادم کعبہ ہیں ہم حاجیوں کی خدمت کرتے انہیں پانی پلاتے ہیں موقع ملے تو کھانا بھی دیتے ہیں ان پر آپ نظر کیوں نہیں کرتے۔ اس موقع پر یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں جن سے حضرت عباس کے خیال کی تردید کی گئی۔ (خازن روح البیان، کبیر، معانی وغیرہ۔)
تفسیر: ماکان للمشرکین اس فرمان عالی میں کان دوام کے لئے یہاں نفی بمعنی نہیں ہے وہ بھی دائمی المشرکین سے مراد سارے ہی کفار ہیں خواہ مشرک ہوں خواہ دہریہ خواہ یہود و نصاریٰ اہل کتاب۔ کان کے بعد حقًا یا جائزًا یا لائقًا یا مناسبًا پوشیدہ ہے یعنی کفار کے لئے نہ جائز تھا نہ ہے اور نہ ہوگا ان کا یہ حق ہی نہیں ان کے لئے یہ کام باعث ثواب نہیں بلکہ باعث عذاب ہے اگرچہ وہ اسے خیال میں ثواب سمجھیں۔ ان یعمروا مسجد اللہ یہ کان کا فاعل یا اس کا اسم موخر ہے یعمروا بنا ہے عمرو سے بمعنی آبادی اسی سے ہے تعمیر۔ عمارت اور انسان کی زندگی کے زمانہ کو بھی اس لئے کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں روح جسم کو آباد رکھتی ہے۔ ہماری قرأۃ میں مساجد اللہ ہے بعض کی قرأۃ میں مسجد اللہ واحد ہے مساجد اللہ سے مراد یا تو ساری دنیا کی ساری مسجدیں ہیں یا مسجد حرام شریف۔ چونکہ وہ تمام مسجدوں کا قبلہ ہے اس کو آباد کرنے والے کو تمام مسجدیں آباد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ (خزائن) یا چونکہ اس مسجد کا ہر حصہ علیحدہ ہے اس کا رخ دوسرے حصوں سے جداگانہ ہے۔ کسی حصہ کا رخ مشرق کو کسی کا مغرب کو کسی کا شمال یا جنوب کو کیونکہ کعبہ بیچ میں واقع ہے۔ یہ بات کسی اور مسجد کو حاصل نہیں (روح البیان) ان وجوہ سے اسے مساجد اللہ کہا گیا یعنی اللہ کی مسجدیں کفار کو نہ جائز تھا نہ ہے نہ ہوگا کہ وہ اللہ کی مسجدیں آباد کریں۔
خیال رہے کہ مسجد آباد کرنے کی گیارہ صورتیں ہیں۔ مسجد تعمیر کرنا، اس میں اضافہ کرنا، اسے وسیع کرنا، اس کی مرمت کرنا اس میں چٹائیاں فرش و فروش بچھانا، اس کی قلعی چونا کرنا، اس میں روشنی و زینت کرنا، اس میں نماز و تلاوت قرآن کرنا، اس میں دینی مدرسہ قائم کرنا، وہاں داخل ہونا، وہاں اکثر جانا آنا، وہاں اذان و تکبیر کہنا، امامت کرنا (تفسیر خازن، کبیر، روح البیان وغیرہ) ان میں سے کوئی کام کفار کے لئے جائز نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ کو بحالت کفر مسجد نبوی کے ستون سے باندھا اور وفد ثقیف کفار کے لئے مسجد شریف میں ٹھہرایا (روح البیان و خازن تفسیر کبیر وغیرہ) شٰھدین علی انفسھم بالکفر یہ عبارت ان یعمروا کے فاعل سے حال ہے گواہی سے مراد عملی گواہی ہے یا قولی بھی۔ انفس جمع ہے نفس کی بمعنی ذات بالکفر سے معلوم ہوا کہ مشرکین سے مراد کفار ہیں اگرچہ کفار اپنے کو کافر یا مشرک نہ کہیں مگر وہ اپنے اعمال سے اپنے کفر کے

www.alahazratnetwork.org

گواہ ہیں۔ بت پرستی تلبیہ میں لاشریک لک لبیک کے بعد الا شریکا واحدا کہنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار کرنا وغیرہ یہ تمام چیزیں ان کے کفر کی گواہی ہیں۔ اولئک حبطت اعمالھم اس فرمانِ عالی میں یا تو حضرت عباس کے قول کا جواب ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم یہ نیکیاں کرتے ہیں فرمایا گیا کہ تمہاری تمام نیکیاں سارے اعمال ضبط ہیں ان کے ان اعمال کا گناہ ہونا یعنی یہ چیزیں ساری نیکیاں حبط ہیں ان کا ذکر ہی نہ کرو یا ما کان المشرکین کی وجہ سے اور حبط اعمال سے مراد ہے ان کے ان اعمال کا گناہ ہونا یعنی یہ چیزیں جن پر تم کو ناز ہے تمہارے لئے گناہ ہیں جیسے گندے گندوں کو مسجد میں جانا وہاں نماز وغیرہ پڑھنا گناہ ہے تم دل کے گندوں کے لئے بھی یہ کام گناہ ہے وفی النار ھم خلدون. یہ فرمانِ عالی یا تو الگ جملہ ہے یا حبطت (الخ) پر معطوف اور اولئک کی خبر یعنی کفار کچھ بھی کریں کعبہ کی خدمت کریں مسجد حرام کو آباد کریں وہ رہیں گے آگ میں ہمیشہ انہیں کوئی عمل آگ کی ہیشگی سے نہیں بچا سکتا۔ انما یعمر مسجد اللہ یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے یہاں تعمیر میں وہ ہی گیارہ احتمال ہیں جو ابھی عرض کئے گئے مساجد اللہ سے مراد یا ساری مسجدیں ہیں یا مسجد حرام شریف انما حصر کے لئے ہیں یہ جملہ یا خبر ہے یا اسلامی قانون یعنی اللہ کی مسجدیں صرف وہ لوگ آباد کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ من امن باللہ و الیوم الاخر یہ عبارت یعمر کا فاعل ہے اللہ کی ذات وصفات بذریعہ نبی ماننا ایمان باللہ اس لئے بالرسول کا ذکر نہیں ہوا۔ رسول پر ایمان عین اللہ پر ایمان ہے اور اس کے برعکس بھی رسول اللہ سے جدا نہیں۔ کلمہ اذان خطبہ تکبیر پڑھ کر دیکھو (تفسیر روح المعانی و خازن، بیضاوی، کبیر وغیرہ) ایمان باللہ ارکان ایمان کا مبداء ہے اور قیامت پر ایمان ارکانِ ایمان کا منتہا۔ دو کناروں کو لیا گیا درمیان کی ارکان انہی میں آگئے لہٰذا یہ آیت ایمانیات کی جامع ہے یہاں مسجدیں آباد کرانے والوں کی چار صفات کا ذکر فرمایا ایک ایمان دوسری اور تیسری و اقام الصلاۃ و اتی الزکوۃ یہ عبارت معطوف ہے امن باللہ پر نماز قائم کرنے زکوۃ دینے کا وہی مطلب ہے جو ابھی کچھ پہلے عرض کئے گئے یعنی نماز قائم کرنے زکوۃ فرض ہونے کا اعتقاد رکھے کہ یہ رکن ایمان ہے اور نماز پڑھنا زکوۃ دینا علامات ایمان ہے۔ و لم یخش الا اللہ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے اقام الصلوۃ پر اور مومنین کی تیسری علامت اس فرمان کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ مسجد بنانے اس کے آباد کرنے میں کسی ملامت وغیرہ کا خوف نہیں کرتے نہ ریا و نام نمود کے لئے مسجد بناتے ہیں۔ صرف خوف خدا سے تعمیر کرتے ہیں اس کا مظہر حضرت ابوبکر صدیق ہیں جنہوں نے شروع اسلام میں کفار کے محلہ کے بیچ میں یعنی اپنے دروازہ پر مسجد بیت بنائی جہاں نوافل اور تلاوت کرتے تھے کفار اس وجہ سے انہیں ایذا دیتے تھے مگر آپ پروانہ کرتے (کبیر) دوسرے یہ کہ اپنے کسی دینی کام میں صرف خدا سے ڈرتے ہیں اور کسی سے نہیں ڈرتے کہ اس کے ڈر سے اسلام چھوڑ دیں تیسرے یہ کہ بتوں سے نہیں ڈرتے جیسا کہ کفار مکہ ڈرتے ہیں جس میں یہ چار صفات جمع ہوں ایمان، نماز، زکوۃ، مخلوق سے بے خوفی۔ فعسے اولئک ان یکونوا من المھتدین. یہاں عسی فرمانا ان بندوں کے لحاظ سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے۔ وہ احتمال اور تردد سے پاک ہے مہتدین سے مراد جنت کی طرف ہدایت پانے والے درحقیقت یہ مومنین کی پانچویں صفت ہے کہ یہ حضرات ایمان و نیک اعمال کے جامع ہونے کے باوجود اپنی ہدایت خداری پر جنت پانے کا یقین

www.alahazratnetwork.org

نہیں کرتے بلکہ امید کرتے ہیں رب کے کرم و رحم کے منتظر رہتے ہیں ان کفار کا کیا حال ہے کہ ڈرتے نہیں اور اکڑتے ہیں۔ کفر و بدکاری کرتے ہیں اور جنت کے مالک بنتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: مشرکین و کفار مسجد حرام کے آباد کرنے کعبہ کی کلید برداری حجاج کی خدمت پر ناز نہ کریں۔ ان کو تو مسجد آباد کرنے کا حق ہی نہیں انہیں یہ کام جائز ہی نہیں جب کہ وہ اپنے شرک و کفر پر خود عملی و قولی گواہیاں دے رہے ہیں بت پرستی بھی کریں اور خدمت کعبہ بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار بھی کریں اور حاجیوں کی خدمت بھی یہ تو ضدین کا اجتماع ہے۔ ان کے سارے نیک کام ضبط ہو چکے یہ بہر حال آگ والے ہیں۔ اس میں انہوں نے ہمیشہ رہنا ہے مسجدیں آباد کرنے کا حق صرف ان لوگوں کو ہے جن میں یہ چار صفات جمع ہوں۔ وہ اللہ پر ایمان رکھیں اس طرح کہ اس کی ذات صفات کو نبی کے ذریعہ سے مانیں اور آخری دن یعنی قیامت کو نبی کی معرفت مانیں ان دونوں عقیدوں یعنی ایمان اور قیامت کے درمیان کے سارے ارکان اسلام کے معتقد ہوں۔ نماز قائم کریں اور زکوۃ دیں ان دونوں کاموں کو فرض جانیں۔ دین میں خدا کے سوا کسی سے نہ ڈریں کہ اس کے ڈر سے دینی یا نیک اعمال چھوڑ دیں۔ ایسے لوگ ہیں جن کے جنتی ہونے کی امید ہے وہ مسجدیں آباد کرنے کے اہل ہیں ان کے لئے یہ کام باعث ثواب ہے کفار کے لئے یہ کام یعنی آبادی مسجد باعث عذاب۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسجدیں تعمیر کرنے کا حق صرف مسلمانوں کو ہے کسی کافر کو یہ حق نہیں لہذا تعمیر مسجد کے لئے کسی کافر سے چندہ نہ لیا جاوے خصوصاً جب کہ وہ اس کے عوض میں اتنا یا اس سے زیادہ مسلمانوں سے اپنے مندروں کے لئے چندہ طلب کرے جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے یہ فائدہ ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مسجد کی چٹائی وہاں روشنی کے لئے تیل امام یا موذن کی تنخواہ مشرک سے قبول نہ کی جاوے۔ یہ سب خرچ مسلمان خود برداشت کریں یہ فائدہ بھی ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کفار کو مسجد میں آنے وہاں ان کو اپنی عبادت کرنے کی اجازت نہ دی جاوے کہ مسجد اسلامی عبادات کے لئے ہے نہ کہ کفر و بت پرستی کے لئے یہ فائدہ بھی ما کان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کفار کو مسجدوں میں بلانا وہاں انہیں منبر پر بٹھا کر تقریر کرانا ان کی تعریفیں کرنا حرام ہے یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ کفار مشرکین بحکم قرآن پاک نجس ہیں انما المشرکون نجس اور مسجدوں کو پاک و صاف رکھنا ضروری۔ رب فرماتا ہے ان طھرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود اس لئے انہیں داخلہ کی اجازت نہ دی جاوے۔ (کبیر)

مسئلہ: مجبوراً یا ضرورتاً کفار کو مسجد میں آنے کی اجازت دینا جائز ہے۔ وہ مسلمان کی اجازت لے کر آ سکتے ہیں۔ لہذا مشرکین راج مزدور یا انجینئر مسجد میں بلائے جا سکتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ثمامہ ابن اثال کو جب وہ مشرک تھے مسجد نبوی کے ستون سے باندھا۔ قبیلہ بنی ثقیف کو جو کفار تھے مسجد نبوی شریف میں ٹھہرایا جیسا کہ ابھی تفسیر میں کہا گیا مگر اس

www.alahazratnetwork.org

صورت میں خیال رہے کہ ان کے کپڑے جوتے بدن گندے نہ ہوں کہ مسجد گندی کریں۔

پانچواں فائدہ: کفار کے لئے مسجدیں بنانا وہاں رہنا وہاں خدمت کرنا ثواب نہیں بلکہ گناہ ہے جیسے جنبی حائضہ کے لئے وہاں داخل ہونا تلاوت کرنا گناہ ہے۔ یہ فائدہ ما کان للمشرکین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کے معنی ہوں کہ کفار کو یہ کام جائز نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں کہا گیا۔

چھٹا فائدہ: کفار کی بنائی ہوئی نہ مسجد ہے نہ اس پر مسجد کے احکام جاری ہوں نہ نماز پڑھنے میں مسجد کا ثواب ہے جیسے مسجد ضرار میں۔ یہ فائدہ ماکان للمشرکین (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مسلمان کے لئے مسجد میں اس کی مرمت کرنا اس کی قلعی چونا کرنا وہاں اعلیٰ فرش بچھانا وہاں روشنی کرنا وہاں بڑی راتوں میں چراغاں کرنا وہاں جھاڑو صفائی کرنا وہاں حاضر ہوتے رہنا اسے آباد رکھنے کا شوق ہونا وہاں دینی تعلیم دینا وہاں دینی مدرسے جاری کرنا سب کام بڑی اعلیٰ عبادات ہیں کہ یہ سب تعمیری یعنی آبادی مسجد میں داخل ہے یہ فائدہ انما یعمر مساجد اللہ سے حاصل ہوا (تفسیر روح البیان وغیرہ)

آٹھواں فائدہ: مسجد بنانے یا اسے آباد کرنے یا وہاں باجماعت نماز ادا کرنے کا شوق صحیح مومن ہونے کی علامت ہے انشاء اللہ ایسے لوگوں کا خاتمہ ایمان پر ہوگا یہ فائدہ انما یعمر مساجد اللہ (الخ) کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ یہ جملہ خبر یہ ہو اور اس کے معنی یہ ہوں کہ اللہ کی مسجدیں وہی آباد کرتے ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں۔

مسئلہ: مسجد کی روشنی انشاء اللہ قبر کی روشنی کا ذریعہ ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے مسجد بیت المقدس کے منارہ پر کبریت احمر کی روشنی کی تھی جس کی روشنی میں بارہ میل مربع تک عورتیں چرخہ کات لیتی تھیں (روح البیان) اسے بخت نصر ظالم نے گل کیا اور یہاں کا سارا سامان بابل لے گیا (روح البیان) مسجد نبوی شریف میں پہلے کھجور کی لکڑیاں جلا کر روشنی کی جاتی تھی پھر حضرت تمیم داری ایک سفر سے قندیلیں تیل اعلیٰ زنجیریں اپنے ساتھ لائے اور مسجد نبوی کے ستون میں آویزاں کیں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اے تمیم داری تم نے ہماری مسجد روشن کی اللہ تمہاری قبر روشن کرے (روح البیان یہ ہی مقام)

مسئلہ: مسجد نبوی میں سب سے پہلے اعلیٰ درجے کے فرش حضرت عمر نے بچھائے تھے اس سے پہلے وہاں بجری تھی۔ سب سے پہلے رمضان کی راتوں خصوصاً ختم قرآن کی رات مسجد نبوی میں شاندار چراغاں حضرت عمر نے کیا جسے حضرت علی نے دیکھ کر کہا اے عمر تم نے مسجد نبوی روشن کی خدا تمہاری قبر منور کرے (روح البیان) مسجد نبوی کی شاندار عمارت سب سے پہلے حضرت عثمان غنی نے بنوائی۔ خیال رہے کہ مسجد میں قندیل جلانے والے تمیم داری ہیں اور پہلے بہت سی قندیلیں روشن کرنے والے حضرت عمر ہیں لہٰذا احادیث میں تعارض نہیں۔

مسئلہ: مسجد کی عمارات وہاں کی زینت وہاں اچھا مصلےٰ اس میں دین اسلام کی زینت ہے یوں قرآن کریم کو بڑے سائز میں چھاپنا اس کی مزین آیتیں سنہری نقشین بنانا اس کی جلد اعلیٰ درجہ کی باندھنا یوں ہی بزرگان دین کی قبور پر گنبد بنانا وہاں

www.alahazratnetwork.org

چادر و پردے ڈالنا سب ۔ ے ہی اچھا ہے کہ اس سے دین کی عزت ہے (روح البیان و شامی) جب ہمارے مکانات عالی شان بننے لگے تو اس سے اللہ کی مسجد بزرگوں کے مقبرے اعلیٰ کیوں نہ ہوں۔

نواں فائدہ: جماعت کی نماز مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔ جماعت سے گھر میں نماز پڑھنے میں جماعت کا ثواب ملے گا مگر مسجد کا نہ ملے گا۔ شعر

دو صد محراب گردو خانہ داری نماز آں بہ کہ دو مسجد گذاری

یہ فائدہ بھی انما یعمر (الخ) سے حاصل ہوا۔ حضرت ابوسعید خدری مرفوعاً فرماتے ہیں کہ تم جسے مسجد میں حاضری کا عادی دیکھو اس کے ایمان کی گواہی دو اور یہی آیت تلاوت فرمائی (ترمذی خازن) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص مسجد میں روشنی کرے صبح و شام مسجد میں آنے کا عادی ہو رب تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی تیار فرمائے گا۔ (مسلم بخاری خازن) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مسجد میں روشنی کرے جب تک اس کا چراغ روشن رہے گا اس کے لئے فرشتے دعاء رحمت کرتے رہیں گے (کبیر) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ زمین میں میرے گھر میری مسجدیں ہیں جو مومن گھر سے وضو کر کے مسجد میں آوے وہ میرا مہمان ہے (کبیر) بہر حال آبادی مسجد اللہ کی بڑی عبادت ہے۔ خدا نصیب کرے۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ کفار کو اسلامی مسجدوں میں اپنی عبادات کرنے کی اجازت نہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ نجران کے عیسائی مسجد نبوی شریف میں آئے اور انہوں نے اس مسجد میں عیسائیوں والی نماز پڑھی۔ حضور انور ﷺ نے نہ روکا نہ کسی صحابی کو روکنے دیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کفار اپنی عبادات ہماری مسجدوں میں ادا کر سکتے ہیں۔ (صلح کلی)

جواب: یہ کہیں ثابت نہیں کہ حضور انور ﷺ نے انہیں اپنی عبادات ادا کرنے کی اجازت دی ہو۔ ہوا یہ کہ جب عیسائی مسجد نبوی میں آئے تو نماز عصر ہو رہی تھی ان لوگوں نے گوشہ مسجد میں اپنی عیسائیوں والی نماز شروع کر دی۔ اخلاق مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز تڑائی نہیں بلکہ پوری کر لینے دی جیسے ایک بدوی نے محراب النبی میں پیشاب کرنا شروع کر دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے پیشاب کر لینے دو بعد میں مسجد دھلوا دی۔ اس سے لازم یہ نہیں کہ مسجدوں کی محرابوں میں پیشاب کرنے کی اجازت ہے۔ ایسے ہی یہاں ہوا کیا کوئی مسلمان گوارا کرے گا کہ ہندو ہماری مسجدوں میں بت رکھیں ان کی پوجا کریں گھنٹ بجائیں پھر تو مسجدیں مندر بن جائیں گی حیرت ہے کہ مندروں گرجاؤں میں ہماری نماز مکروہ و ممنوع ہو مگر ان کی پوجا پاٹ مسجدوں میں جائز ہو۔ رب سمجھ دے۔

دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ کفار مکہ و مشرکین مسجد میں نہ آئیں حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی ثقیف کو مسجد میں ٹھہرایا۔ ثمامہ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھا حالانکہ وہ مشرک تھے بعد میں مسلمان ہو گئے۔ اگر تمہارا مسئلہ درست ہے تو ہندو معمار مزدوروں سے مسجد تعمیر نہ کرائی جائے حالانکہ دن رات یہ کام ہوتا ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ کفار مومنوں کی اجازت کے بغیر مسجد میں نہیں آ سکتے۔ قبیلہ بنی

www.alahazratnetwork.org

ثقیف اور ثمامہ حضور انور ﷺ کی اجازت سے آئے تھے۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ مسجد میں جھاڑو کفار نہیں دے سکتے کہ یہ بھی آبادی مسجد میں داخل ہے مگر حدیث شریف سے ثابت ہے کہ حضور انور ﷺ کی مسجد میں ایک یہودی بچہ حضور ﷺ کے زمانہ پاک میں جھاڑو دیتا تھا تمہارا یہ قول اس حدیث کے خلاف ہے۔

جواب: وہاں حضور انور ﷺ کو علم تھا کہ جھاڑو ہی اس بچے کے ایمان کا ذریعہ بنے گی اور ہوا بھی ایسا ہی۔ یہ خصوصی اجازت تھی۔

چوتھا اعتراض: بحکم قرآن کفار اور مشرکین نجس ہیں وہ احتلام پر نہاتے نہیں تھے پیشاب کے بعد استنجا نہیں کرتے۔ رب فرماتا ہے **انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا** پھر حضور انور ﷺ نے مذکورہ واقعات میں انہیں مسجد میں آنے کی اجازت کیوں دی۔

جواب: ان لوگوں پر طہارت کے شرعی احکام جاری نہیں ہوتے یعنی ان پر منی نکلنے سے غسل پیشاب پاخانہ سے استنجا شرعاً فرض نہیں ہے لہٰذا وہ شرعی نجس نہیں۔ آیت کریمہ انما المشرکین نجس میں نجاست اعتقادی مراد ہے اور مسجد حرام میں نہ آنے سے مراد حج کے لئے نہ آنا ہے اس لئے وہاں نجس میم کے فتحہ سے ہے اور نہ آنے کے ساتھ ارشاد ہے **بعد عامهم هذا** یعنی اس سال کے بعد نہ آئیں لہٰذا اس آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔ ہاں اس کا خیال رکھا جاوے کہ ان کے کپڑے اور جسم تر نجس نہ ہوں کہ مسجد کا فرش نجس ہو جاوے۔

پانچواں اعتراض: آخر اس میں حرج ہی کیا ہے کہ کفار بے تکلیف ہماری مسجدوں میں آجایا کریں اس سے کیوں منع فرمایا گیا ہے ہماری مسجدوں میں وہ اپنی عبادت کریں ان کے مندروں گرجاؤں میں ہم عبادت کریں (صلح کل)۔

جواب: اس کی بہت سی حکمتیں یہاں تفسیر نے ارشاد فرمائیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ مسجدیں اللہ کی توحیدی عبادت کے لئے بنائی گئی ہیں نا کہ شرکیہ عبادت کے لئے۔ ان کا ہماری مسجدوں میں آنا ایسے ہی ہے جیسے ہم باورچی خانہ میں کتے گدھے پالیں۔ ہمارا ان کے مندروں میں عبادات کے لئے جانا ایسا ہی ہے جیسے ہم پاخانہ میں بیٹھ کر روٹی پکائیں دوسرے یہ کہ اجتماع سخت فساد و خونریزی کا ذریعہ ہے۔ ہم نماز پڑھ رہے ہوں وہ اس جگہ مسجد کے اندر باجے گھنٹے بجا رہے ہوں اکثر جگہ مسجد کے باہر باجا بجانے پر فساد ہو جاتے ہیں تو اگر مسجد کے اندر بجیں تو کیا حال ہو۔

تفسیر صوفیانہ: حقیقی مسجدیں اللہ والوں کے دل ہیں جو ہر قسم کے عیوب سے پاک و صاف ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

مسجدے کز اندرونِ اولیا است ... سجدہ گاہے جملہ است آنجا خدا است
آں مجاز است ایں حقیقت اے خراں ... نیست مسجد جز دارون سروراں

www.alahazratnetwork.org

اس لئے مومن کا دل ستانے کو مسجد ڈھانے سے زیادہ گناہ کہا جاتا ہے۔ ایک پنجابی شاعر کہتا ہے۔ شعر

مسجد ڈھاوے مندر ڈھاوے ڈھاوے جو کجھ ڈھیندا — اک مومن دا دل نہ ڈھائیں اس وچ سوہنا رہندا

فرمایا گیا کہ دلوں کی مسجد کو مشرکین یعنی نفس امارہ اور اس کے ساتھیوں سے یوں ہی برے لوگوں سے آباد نہ کراؤ کہ اس میں برے اور بروں کی محبت رہے۔ کیسے ہو سکتا ہے کہ دل میں یار بھی رہے اور اغیار بھی۔ ان مسجدوں کو وہ اللہ والے آباد کریں جو ایمان تقویٰ خوف خدا ساری صفات سے موصوف ہوں۔ یہ لوگ ہدایت حقیقی پر ہیں یہ یار کے پاس ہیں جو ان کے پاس ہیں وہ بھی یار کے پاس ہیں دل کی مسجد کی آبادی ذکر اللہ سے ہے اور ذکر اللہ ذاکرین کی نظر کرم سے نصیب ہوتا ہے اس مسجد کو ان سے آباد کراؤ۔

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
کیا بنالیا تم نے پانی پلانا حاجیوں کو اور آباد کرنا مسجد حرام کو مثل اس کے جو ایمان لایا اللہ اور
تو کیا تم نے حاجیوں کی سبیل اور مسجد حرام کی خدمت اس کے برابر ٹھہرائی جو اللہ
كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ
آخری دن پر اور جہاد کیا اس نے راستے میں اللہ کے نہیں برابر ہیں یہ نزدیک
اور قیامت پر ایمان لایا اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا وہ اللہ کے
عِنْدَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹﴾
اللہ کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظلم والی قوم کو
نزدیک برابر نہیں اور اللہ ظالموں کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کو مسجدوں خصوصاً مسجد حرام کی خدمت کا حق نہیں اب ارشاد ہے کہ کفار یہ کام کریں تو وہ اس کی وجہ سے ان مومنوں کے برابر نہیں ہو سکتے جو ایمان اور جہاد سے مشرف ہوں گویا پہلے فاعلوں کا ذکر تھا اب فعلوں کا تذکرہ ہے یعنی مسجد حرام کی آبادی حجاج کی خدمت اور ایمان و جہاد۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات ایمان، تقویٰ، خوف خدا کا ذکر ہوا جس میں تین صفات ہوں اسے مسجد حرام کی آبادی کا حق ہے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ تین کام مسجد کی آبادی حجاج کی خدمت سے بھی افضل ہیں یعنی وہ مسلمان جسے یہ تین کام کامل درجہ کے حاصل ہیں مگر اسے خدمت بیت اللہ میسر نہیں وہ اس مسلمان سے افضل ہے جسے خدمت کعبہ تو میسر ہے مگر جہاد فی سبیل

www.alahazratnetwork.org

اللہ اور صحبت رسول اللہ میسر نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں یہ ذکر ہوا کہ متقی اللہ سے خوف رکھنے والا مومن اسے ہدایت جنت کی امید ہونی چاہئے۔ فعسی اولئک (الخ) مگر خدمت کعبہ، خدمت حجاج کرنے والے کافر کو یہ امید نہیں کیونکہ ہدایت جنت کا ذریعہ ایمان ہے نہ کہ صرف آبادی کعبہ۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے متعلق مجھے چند روایات ملی ہیں۔ (۱) ایک بار طلحہ ابن شیبہ اور حضرت عباس ابن مطلب اور حضرت علی جمع ہوئے حضرت طلحہ نے کہا کہ مجھے اللہ نے عزت دی ہے کہ میں کعبہ معظمہ کا کلید بردار ہوں چاہوں تو کعبے کے اندر سو رہوں کسی اور کو یہ شرف حاصل نہیں حضرت عباس نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے عزت دی ہے کہ میں زم زم کنویں سے نکالتا ہوں اور حجاج کو پانی پلاتا ہوں۔ سقایا کی خدمت مجھے میسر ہے۔ حضرت علی نے فرمایا کہ مجھے اللہ نے یہ عزت دی ہے کہ میں دونوں قبلوں کی طرف نماز پڑھی ہے۔ حضور ﷺ کی صحبت میں رہا ہوں۔ حضور انور ﷺ کے ساتھ جہاد مجھے میسر ہوئے ہیں گویا کعبہ کی خدمت ان دو نے بیان کی کعبہ کے والی امت کے رکھوالی حضور انور ﷺ کی صحبت حضرت علی نے بیان کی حضرت علی کی تائید میں یہ آیات نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن روح البیان۔ معانی وغیرہ) **خیال** رہے کہ اس وقت حضرت طلحہ اور عباس مومن نہ ہوئے تھے بعد میں حضرات ایمان لائے اور طلحہ کے پاس چابی اور حضرت عباس کے پاس سقایہ زم زم حضور ﷺ نے باقی رکھی جواب تک ان کی اولاد میں ہے (تفسیر صاوی خازن) (۲) غزوہ بدر میں حضرت عباس دل میں ایمان لا چکے تھے ان سے حضرت علی نے فرمایا کہ چچا جان میری طرح تم بھی ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ جاؤ انہوں نے کہا کہ مجھے مکہ معظمہ میں مسجد حرام کا آباد کرنا، حجاج کو پانی پلانا، زم زم کنوئیں سے نکالنا وغیرہ میسر ہیں اگر میں مدینہ منورہ آ گیا تو ان سب سے محروم ہو جاؤں گا۔ ان کی تردید اور حضرت علی تائید میں یہ آیت نازل ہوئی (روح المعانی بروایت مسلم) (۳) ایک بار مشرکین مکہ نے یہود سے کہا کہ ہم لوگ مسجد حرام کی آبادی، حجاج کی خدمت، قیدیوں کو چھڑانا، کعبہ کی نگرانی کرتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی ان تمام فضائل سے محروم ہو چکے ہیں۔ بتاؤ بہتر کون ہے یہود بولے تم لوگ۔ ان کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (۴) حضرت نعمان ابن بشیر فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ جمعہ کا دن تھا بعد نماز فجر کچھ لوگ منبر شریف کے پاس بیٹھے باتیں کر رہے تھے بعض نے کہا کہ حجاج کو پانی پلانا بڑی ہی نیکی ہے بعض نے کہا مسجد حرام کی آبادی بڑی نیکی ہے بعض نے کہا جہاد فی سبیل اللہ بہترین عبادت ہے حضرت عمر نے فرمایا کہ منبر رسول کے پاس شور نہ مچاؤ میں آج بعد نماز جمعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا فیصلہ کرالوں گا اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جہاد کی فضیلت ظاہر کی گئی (روح المعانی، بروایت مسلم، ابوداؤد، ابن جریر، ابن منذر، روح البیان) (۵) عموماً مشرکین مکہ اپنے کو حضرات صحابہ سے افضل کہا کرتے تھے کہتے تھے کہ ہم کو سقایہ حجاج خدمت کعبہ وغیرہ میسر ہے۔ جس سے مسلمان محروم کر دیئے گئے ہیں ان کی تردید میں یہ آیت آئی (روح المعانی) مگر قوی یہ ہے کہ نمبر ۲ اور نمبر ۴ کی روایات درست ہیں کیونکہ مہاجر صحابہ مومنین کا مقابلہ غیر مہاجر صحابہ ساقی حجاج خادم کعبہ مومنین سے کیا گیا ہے نہ کہ کفار سے کیونکہ ارشاد ہے اعظم درجۃ عند اللہ جس سے معلوم ہوتا

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ دونوں درجے والے ہیں مگر مہاجرین مجاہدین مومن بڑے درجے والے اور ظاہر ہے کہ مشرک وکافر عنداللہ درجے والا ہوتا نہیں پھر اعظم درجۃ کے کیا معنی ہیں۔

تفسیر: **اجعلتم سقایۃ الحاج و عمارۃ المسجد الحرام** اس فرمانِ عالی میں سوال انکار یا سرزنش کے لئے ہے جعل بمعنی خلق نہیں کیونکہ انسان کسی چیز کا خالق نہیں ہوتا بلکہ بمعنی صیر ہے یعنی بنانا اور مراد ہے اپنے دل میں ایسا بنانا یا سمجھنا۔ اس میں خطاب ان غیر مہاجر مسلمانوں سے ہے یا مشرکین مکہ سے جو سمجھے ہوئے تھے کہ ایمان و ہجرت و جہاد سے ہماری خدمات کعبہ بہتر ہیں یا برابر ہیں جیسا کہ شانِ نزول کی روایت سے معلوم ہوا۔ سقایا اصل میں مصدر ہے جیسے رعایۃ، روایۃ، عمارت صیاقۃ و قلیۃ اہل عرب اس ظرف کو سقایا کہتے ہیں جس میں پانی بھر کر لوگوں کو پلایا جاتا ہے یعنی سبیل یا پنجابی متی حضرت عباس حج کے موسم میں زمزم میں کشمش بھگو کر ایک بڑے برتن میں رکھ دیتے تھے جس سے حجاج یہ شربت پئیں اور اس پر فخر کرتے تھے (تفسیر صاوی) یہاں ساقیہ سے مراد یا معنی مصدر میں ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ پہلے لحاظ سے ہے ہمارا ترجمہ دوسرا اعتبار سے۔ عمارہ بمعنی آبادی یا خدمت ہے۔ دوسرے اس کا ذکر ابھی پچھلی آیات میں انما یعمر کی تفسیر میں ہو چکی۔ مسجد حرام وہ مسجد مبارک جس میں خانہ کعبہ ہے سقایہ جعلتم کا پہلا مفعول ہے اور دوسرا مفعول **کمن امن باللہ** ہے۔

خیال رہے کہ یہاں لفظ اہل پوشیدہ ہے تاکہ تشبیہ ذات کی ذات سے ہو اس کی تائید حضرت امام باقر، عبداللہ بن زبیر، ابو جعفر وغیرہم کی قرأۃ ہے ان کی قرأۃ میں سقاۃ الحاج وعمرۃ المسجد الحرام ہے سقات جمع ساقی کی جیسے نحاۃ جمع ناہی کی راۃ جمع رامی کی اور عمر عین ومیم کے فتحہ سے جمع عامر کی اس کی قرأۃ میں معنی ہوئے کہ کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے والوں مسجد حرام کو آباد کرنے والوں مومنین مجاہدین کی مثل سمجھ لیا اور ہوسکتا کہ کمن امن میں صفات پوشیدہ ہوں بہر حال یہاں صفت کی تشبیہ ذات سے نہیں (روح المعانی، جلالین، کبیر، روح البیان) **کمن امن باللہ و الیوم الاخر** یہ عبارت جعلتم کا دوسرا مفعول ہے ایمان باللہ کے معنی ابھی پچھلی آیت میں عرض کئے گئے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کو نبی ماننا ایمان ہے لہذا اس میں ایمان بالرسول داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ کو واحد، ستار، غفار وغیرہ اس لئے مانو کہ محمد رسول اللہ نے فرمایا ارکان ایمان کی دو حدیں ارشاد ہوئیں باقی ارکان اس میں آگئے یعنی تولید سے لے کر قیامت تک کے سارے ارکان ایمان کو حضور ﷺ کی معرفت ماننے۔ **و جٰھد فی سبیل اللہ** یہ عبارت معطوف ہے امن باللہ (الخ) پر چونکہ حضرت علی نے حضرت عباس سے جہاد کا ہی ذکر فرمایا تھا اس لئے یہاں بھی خصوصیت ہے سے جہاد کا ذکر فرمایا گیا دوسری عبادات کا ذکر نہیں ہوا نیز اس کا مطلب یہ نہیں کہ غیر مجاہد مومن کافر سے افضل نہیں نفس ایمان کفر سے مومن کافر سے بدرجہا افضل ہے چہ جائے کہ جو صحابی مجاہد ہو **خیال** رہے کہ کفار مکہ یا حضرت عباس نے خدمت کعبہ وغیرہ کو حضور انور ﷺ کی صحبت اور جہاد سے بہتر کہا تھا۔ رب نے ان کے جواب میں فرمایا کہ بہتری تو دور ہے وہ تو ان حضرات کے برابر بھی نہیں۔ چنانچہ فرمایا **لا یستون عند اللہ** یہ دونوں جماعتیں اللہ کے نزدیک برابر بھی نہیں مومن صحابی مجاہد دوسروں سے کہیں افضل ہیں چہ جائیکہ دوسرے ان سے افضل ہیں۔ اس صاف فرمان کے باوجود کفار مکہ نہ مانیں گے وہ اپنے ہی کو افضل کہے جائیں گے کیونکہ **و اللہ لا یھدی القوم الظلمین** اللہ کافر

www.alahazratnetwork.org

قوم کو حق ماننے کی توفیق نہیں دیتا۔ اسلامی مسائل کو حق وہ مانے گا جو پہلے مسلمان بنے گا اس صورت میں یہ فرمان عالی بالکل واضح ہے یا یہاں ظالمین سے وہ کفار مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا اور ہدایت سے مراد ہے مقصود پر پہنچا دینا۔ دینی احکام نبی قبول کر لینا نہ رہبری تو معنی یہ ہوئے کہ جو علم الٰہی میں کافر ہیں انہیں قول رسول فرمان قرآن قبول کرنے کی ہدایت نہیں ملتی۔ ہدایت کے معنی اس کے اقسام ہم اھدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے طلحہ و عباس یا اے قریش مکہ کیا تم نے یہ غضب کیا کہ حجاج کو پانی پلانے اور مسجد حرام شریف کی خدمت کو مومنوں کے اللہ و رسول و آخرت پر ایمان لانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے بہتر سمجھ لیا۔ تم نے سخت غلطی کی۔ تمہارے یہ اعمال مکہ معظمہ میں رہ گئے اور مومنوں کے وہ اعمال مکہ معظمہ سے دور مگر جناب مصطفیٰ کے حضور رہ کر نیز تم یہ مذکورہ اعمال کرنے والے اور مومن حضور ﷺ کی صحبت میں رہنے والے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے سے افضل تو کیا برابر بھی نہیں ہوسکتے۔ تم کعبہ کو دیکھنے والے جو لوگوں کو حاجی بناتا ہے وہ چہرۂ مصطفیٰ دیکھنے والے جو مومن کو صحابی بناتا ہے تم کعبہ کے حرم میں رہنے والے جس کے حدود چند میل ہیں وہ حرم رسول میں رہنے والے جس کے حدود شریف مشرق و مغرب ہیں تم اوس حرم میں رہنے والے جہاں جانور کو شکار سے امن ملتی ہے وہ اس حرم میں رہنے والے جہاں گنہگار کو عذاب سے امن ملتی ہے۔

شعر

خوف نہ کر ذرا رضا تو ہے عبد مصطفیٰ ‏ ‏ ‏ تیرے لئے امان ہے تیرے لئے امان ہے

مگر تم یہ باتیں مانو گے نہیں کیونکہ رب تعالیٰ کافر کو فرمان خدا اور رسول ماننے کی ہدایت نہیں دیتا ہدایت اعمال ہدایت ایمان کے بعد ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مخلص بندوں کی ایسی طرفداری فرماتا ہے کہ جو ان پر اعتراض کرے اس کا خود جواب دیتا ہے دیکھو مشرکین مکہ یا حضرات طلحہ اور عباس نے جانثاران مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی بڑائی بیان کی تو رب نے انہیں جواب دیا اس زمانے میں بذریعہ وحی جواب دیا تھا اب مخلوق کی زبان سے جواب دلوایا جاتا ہے آج کسی مقبول بندے کی کوئی برائی کرے تو دنیا اس کا منہ نوچ لیتی ہے یہ ہے خدا تعالیٰ کا جواب جو تا قیامت جاری رہے گا۔

دوسرا فائدہ: کعبہ کے پاس رہنے سے حضور انور ﷺ کے پاس رہنا افضل ہے۔ دیکھو ان لوگوں نے حضرات صحابہ سے فخریہ طور پر کہا تھا کہ ہم کعبہ کے خدام ہیں۔ رب نے جواب دیا کہ یہ صحابہ میرے محبوب کے خدام امن باللہ ہیں یہ ہی تو فرمایا حضور ﷺ کے غلام کا دوسرا نام مومن ہے کعبہ حاجی بناتا ہے حضور ﷺ مومن کو صحابی بناتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ معظمہ، کتاب اللہ قرآن مجید عرش و فرش سب سے افضل ہیں کہ ان کے صحبت یافتہ کعبہ والوں قرآن والوں سے افضل۔ اس کی مفصل بحث ہماری کتاب مرات جلد ہشتم میں ملاحظہ کرو۔

چوتھا فائدہ: نبی کی اولاد نبی کا رشتہ دار ہونا کمال نہیں بلکہ نبی کا امتی یعنی مومن ہونا کمال ہے۔ دیکھو اس آیت کریمہ میں

www.alahazratnetwork.org

حضور ﷺ کے رشتہ داروں پر مومن مہاجرین و انصار کو فضیلت دی گئی ہے جو حضور ﷺ کے امتی اور مجاہد صحابی تھے کہ فرمایا لا یستون عند اللہ نوح علیہ السلام کے بیٹے کنعان کو ڈبو دیا گیا کہ وہ نبی کا بیٹا تو تھا مگر امتی نہ تھا۔ اجنبی مومنوں کو بچا لیا گیا کشتی میں سوار کر لیا گیا کیونکہ وہ اگرچہ نبی کی اولاد نہ تھے مگر امتی تھے ہاں جسے اللہ تعالٰی نبی سے نسب اور نسبت دونوں عزتیں بخشے تو سبحان اللہ بڑی ہی خوش نصیبی ہے۔

پانچواں فائدہ: ایمان کے بغیر کوئی نیکی کہیں رہنا کہیں رہ کر عبادت کرنا قبول نہیں سب کی قبولیت کے لئے ایمان ایسا ضروری ہے جیسا نماز کے لئے وضو۔ یہ فائدہ کمن امن باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو مشرکین کو ان کے شرک کی وجہ سے مکہ معظمہ میں رہنا کعبہ کی خدمت کرنا وغیرہ کچھ مفید نہ ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا ہے کہ غیر صحابی مومن مجاہد صحابی غیر مجاہد سے افضل ہو کہ یہاں حضرت عباس و طلحہ سے فرمایا گیا کہ مدینہ کے مومن مجاہد تم سے افضل ہیں اگرچہ تم کعبہ کے خدام ہو تو چاہیے کہ قیامت تک مجاہدین مومنین ان صحابہ سے افضل ہوں جو کہ جہاد نہ کر سکے۔

جواب: یہاں صحابہ کے متعلق گفتگو ہے کہ صحابی مجاہد غیر مجاہد صحابی سے افضل ہے اگرچہ غیر مجاہد خادم کعبہ ہی کیوں نہ ہو بعد کے لوگ اگرچہ کتنے ہی نیک ہوں مگر صحابی کے گرد قدم کو نہیں پہنچتے یہاں صحابی کا صحابی سے مقابلہ ہے نہ کہ تمام دنیا کے مجاہدوں غوث و قطب سے۔ ایک صحابی جو ایک آن کے لئے حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھا وہ افضل ہے اس کے دلائل ہماری کتاب امیر معاویہ میں دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اگر یہ آیت کریمہ مشرکین مکہ کے جواب میں آئی جو اپنے کو مومنین صحابہ سے افضل کہتے تھے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اچھے تو وہ بھی ہیں مگر مومن صحابہ ان سے زیادہ اچھے ہوں حالانکہ مشرک تو کسی طرح اچھا نہیں ہو سکتا۔

جواب: اس کا جواب انشاء اللہ اگلی آیت اعظم درجۃ عند اللہ کی تفسیر میں دیا جائے گا یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں مشرکین کے عقیدے پر گفتگو ہو رہی ہے کہ تمہارے عقیدے میں خدمت کعبہ حجاج کو پانی پلانا تمہارے لئے افضل ہے اگر تمہارا یہ خیال درست ہو تب بھی مومنین غازی تم سے افضل ہونے چاہئیں کہ تم جسمانی عبادت کرتے ہو اور وہ دلی عبادت تم آرام کی عبادت کرتے ہو وہ میدان جہاد میں جان مال کی بازی لگاتے ہیں۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ ظالم قوم کو ہدایت نہیں دیتا مگر قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ھدی للعلمین ہیں سارے جہانوں کے لئے ہدایت کیا کفار جہانوں سے الگ ہیں۔

جواب: ہدایت بمعنی راہ دکھانا سب کو ہے مگر ہدایت بمعنی قبول توفیق دینا منزل پر پہنچانا کسی نصیب والے کو میسر ہے قرآن و حدیث کا ہدایت دینا عام ہے مگر ہدایت لینا عام نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں کعبہ والوں اور محبوب والوں کعبہ میں رہنے والے دامن محبوب میں بسنے والوں کے عجیب مناظرے اور عرش والے رب کے عجیب فیصلہ کا ذکر ہے کعبہ والوں نے کہا کہ ہم کعبہ کے حرم میں رہنے والے ہیں

www.alahazratnetwork.org

مدینہ والوں نے کہا ہم محبوب کے حرم میں رہنے والے ہیں انہوں نے کہا ہم خدام کعبہ کے ہیں یہ بولے ہم خدام آستانہ ہیں رب تعالیٰ نے عجیب فیصلہ فرمایا کہ یہ مہاجر وہ لوگ ہیں جنہوں نے جہاد یعنی مشقت فی سبیل اللہ کی اس طرح کہ بمشکل تمام کعبہ کو چھوڑ کر مکہ سے سفر کر کے مدینہ منزل بہ منزل میرے محبوب تک پہنچے گویا مجھ تک پہنچے انہوں نے ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جاوک کی عملی تفسیر کر کے دکھائی۔ شعر

مہاجر چھوڑ کر کعبہ بسے آ کر مدینہ میں ۔۔۔ مدینہ ایسی بستی ہے مدینہ ایسی بستی ہے

یہ دونوں برابر نہیں کہ تم کعبہ والے ہو یہ محبوب والے ہیں تو اللہ والے ہی عشاق کہتے کہ کعبہ میں رہنے والے مدینہ میں رہنا افضل ہے۔ اگرچہ کعبہ کی عبادت کا ثواب زیادہ ہے مگر مدینہ کی عبادات کا قرب الٰہی زیادہ ہے۔

روح نماز ہے یہی اصل نماز ہے یہی ۔۔۔ میں تیرے روبرو رہوں تو میرے روبرو رہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ جہاد فی سبیل کا ایک ڈھانچہ ہے دوسری روح۔ ایک مجاز ہے دوسرا حقیقت جس جہاد سے کفار کو مغلوب کیا جاوے۔ ملک وغنیمت حاصل ہو وہ مجازی جہاد ہے جس میں جہاد سے نفس امارہ کو مغلوب کیا جائے اور عشق رسول خوف خدا میسر ہو وہ جہاد حقیقی ہے۔ والذین جاهدوا فینا لنهدينهم سبلنا ان الله لمع المحسنين اس لئے یہاں ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کو ملا کر ذکر فرمایا۔

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ

وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی جہاد کیا اللہ کی راہ میں مالوں سے اپنے

وہ جو ایمان لائے اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑے

وَاَنْفُسِهِمْ ۙ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ

اور جانوں سے اپنی بڑے ہیں درجے میں نزدیک اللہ کے اور یہ لوگ

اللہ کے ہاں ان کا درجہ بڑا ہے اور وہ ہی مراد کو پہنچے

الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّ

کامیاب ہیں خوشخبری دیتا ہے ان کو رب ان کا رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور

ان کا رب انہیں خوشی سناتا ہے اپنی رحمت اور اپنی رضا اور ان باغوں کی جن میں

جَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ

جنتوں کی ان کیلئے ان میں نعمتیں ہیں ہمیشہ کی ہمیشہ رہیں گے اس میں تحقیق اللہ

انہیں دائمی نعمت ہے ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے بے شک اللہ کے پاس

www.alahazratnetwork.org

اللّٰہَ عِنۡدَہٗۤ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ﴿۲۲﴾
اس کے نزدیک ثواب ہے بڑا
بڑا ثواب ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں یہ تو بتایا گیا ہے کہ مومنین مجاہدین اور دوسرے لوگ برابر نہیں مگر یہ نہ بتایا گیا تھا کہ ان میں افضل کون ہے اور مفضول کون۔ اب اس آیت کریمہ میں اس امر کا فیصلہ کیا جارہا ہے کہ مومن مجاہدین افضل ہیں کہ دوسرے لوگ مفضول گویا یہ آیات گذشتہ آیات کی تفصیل بلکہ تفسیر وتشریح ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ مومن مجاہدین اور دوسرے لوگ برابر نہیں مگر اس کی دلیل بیان نہیں ہوئی تھی کہ کیوں برابر نہیں۔ اب ان آیات میں اس دعوے کی دلیل ارشاد ہے کہ مسجد نبوی مسجد حرام کی آبادی حجاج کی خدمت وغیرہ آرام کی عبادات وغیرہ ہیں جن سے ناموری بھی ہوتی ہے اور دولت بھی ملتی ہے۔ مگر ہجرت و جہاد مشقت والی عبادتیں ہیں تم لوگ اپنی عبادات سے کماتے ہو یہ مہاجرین مجاہدین گنواتے بلکہ لٹاتے ہیں مہاجر وطن گنواتے ہیں اور مجاہد مال و جان لٹاتے ہیں گویا پچھلی آیات میں دعویٰ تھا ان آیات میں اس کی دلیل ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہے کہ مجاہدین اور مومنین اور دوسرے لوگ برابر نہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ دونوں نہ دنیا میں برابر ہیں نہ آخرت میں۔ ان مجاہدین کو دنیا میں رب کی طرف سے بشارتیں ہیں آخرت میں جنت کی نعمتیں وہ بھی اعلیٰ درجہ کی۔ دوسروں کو یہ نصیب نہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ظالمین یعنی کافرین کی پھٹکار کا ذکر تھا کہ اللہ انہیں ہدایت نہیں دیتا۔ اب مومنین مہاجرین کی رحمت کا ذکر ہے کہ اللہ انہیں کیا کیا نعمتیں دیتا ہے۔ گویا محرومین کے بعد مرحومین کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: الذین امنوا و ھاجروا و جاھدوا فی سبیل اللہ باموالھم و انفسھم ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد حضرات صحابہ کرام ہوں جنہیں ایمان شعوری عطا ہوا کہ وہ حضور انور ﷺ کی ذات وصفات معجزات حالات طاعات آنکھوں سے دیکھ کر ایمان لائے بلکہ انہوں نے وہ آنکھ دیکھ لی جس نے خدا کو دیکھا تو ان آنکھوں کے واسطے سے انہوں نے خدا تعالیٰ کو دیکھ لیا۔ اس ایمان میں ان کا کوئی شریک نہیں۔ شعر

جن نیناں نے دلبر دیکھا وہ نیناں تکیاں   تو ملیوں تو دلبر ملیوں جن آساں لگ پیاں

اس ایمان شہودی کی تمنا حضرات ابراہیم نے کی تھی۔ ولکن لیطمئن قلبی اور ہجرت سے مراد ہے مکہ معظمہ سے مدینہ کی طرف بلکہ اپنے طرف سے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنا گویا وطن چھوڑنا حضور ﷺ کو پالینا یہ ہجرت بھی ان کے سوا تا قیامت کسی کو میسر ہوگی نہیں اور جہاد سے بھی حضور انور ﷺ کے ساتھ رہ کر جہاد کرنا مراد ہے اگر شہید ہوں تو

www.alahazratnetwork.org

حضور انور ﷺ کو تکتے تکتے جان نکلے شعر۔

نام نامی رہے ان کا ورد زباں ذکر ہوتا رہے سانس چلتا رہے

آخری وقت ہو ان کے قدموں میں سر دید ہوتی رہے دم نکلتا رہے

ایسا جہاد بھی ان کے سوا کسی کو میسر نہ ہوا۔ سبیل اللہ سے مراد اخلاص تام ہے جس میں دنیا طلبی کو بالکل دخل نہ ہو۔ اموال میں ہر قسم کا مال داخل ہے اور یہاں ان صحابہ کی فضیلت ان صحابہ پر بیان ہو رہی ہے جو ایمان لائے مگر اپنے گھروں میں آرام سے رہے۔ خدمت کعبہ حجاج کی تواضع کو ان کاموں سے افضل سمجھتے رہے اس صورت میں آیت کریمہ بالکل واضح ہے اور اس پر کوئی اعتراض نہیں اور ہو سکتا ہے کہ الذین سے مراد تا قیامت مومنین ہوں اور ہجرت و جہاد سے عام ہجرتیں اور جہاد ہوں تب مقابلہ دوسرے مسلمانوں سے ہوگا یعنی مومنین مہاجرین مجاہد دوسرے ان عام مسلمانوں سے بہتر ہیں جو ہجرت و جہاد نہ کر سکے اب مقابلہ حضرات صحابہ سے نہ ہوگا کیونکہ مقابلہ جنس کا جنس سے ہوتا ہے ہم لوگ اور درجہ کے مومن مہاجر اور مجاہدین حضرات صحابہ کرام کسی اور ہی اعلیٰ درجے کے مومن ہیں۔ ان کے ایک نظر حضور ﷺ کو دیکھنے پر ہمارے عمر بھر کے نیک اعمال قربان ہوں۔ اعظم درجة عند الله یہ فرمان عالی الذین کی خبر ہے اس کی تفسیر میں بہت دشواری محسوس ہوگی ہے توی یہ ہے کہ اگر یہ مقابلہ حضرات صحابہ کا مشرکین عرب سے ہے تو بمعنی عظیم ہے نہ کہ بمعنی تفضیل کیونکہ مشرکین کا اللہ کے نزدیک کوئی درجہ نہیں تا کہ یہ لوگ ان سے بڑے درجہ میں ہوں جیسے افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع ام من لا یهدی (الخ) وہاں احق بمعنی احقیق ہے جیسے قل الله خیر ام عما بشر کون یا جیسے اذالک خیر ام شجرة الذین قوم یا جیسے اصحاب الجنته یومئذ خیر مستقرون و احسن مقیلا ان سب آیات میں لفظ خیر مقابلہ کے لئے نہیں (تفسیر کبیر) اور اگر مجاہد مہاجر و مومنین یا مہاجر و مجاہد صحابہ کا مقابلہ غیر مہاجر غیر مجاہدین مومنین یا صحابہ سے ہے تو اعظم اپنے ہی معنی میں ہے یعنی بہت ہی بڑے دوسرے لوگ کم بڑے۔ درجہ سے مراد مرتبہ، رتبہ، عزت و کرامت ہے نہ کہ مکان منزل (خازن بیان) عند اللہ سے مکان و جگہ کا قرب مراد نہیں کہ رب تعالیٰ جگہ اور مکان سے پاک ہے بلکہ عندیت قرب کی۔ جیسے رب فرماتا ہے و من عنده لا یستکبرون من عبادته. و اولئک هم الفائزون. یہ عبارت حصر کے لئے ہے یعنی صرف یہی لوگ کامیاب ہیں اگر بمقابلہ مشرکین ہے تو مطلب ظاہر ہے کہ صرف یہ لوگ کامیاب ہیں مشرکین کامیاب نہیں۔ اگر چہ وہ کعبہ کی حفاظت کریں یا حاجیوں کی خدمت اور اگر مقابلہ دوسرے مومنین سے ہے تو فوز سے مراد اعلیٰ درجہ کی کامیابی ہے یعنی اگر چہ دوسرے مومن بھی کامیاب ہیں مگر یہ حضرات اول درجہ کے کامیاب فوز کے معنی ہیں دین و دنیا میں کامیابی پانا سعادت پانا مراد کو پہنچنا۔ یبشرهم ربهم برحمة منه یہ ان خوش نصیبوں کی تیسری سعادت ہے۔ مبشر بنا ہے بشارت سے بشارت وہ خوشخبری جس کو سن کر بشرہ یعنی چہرہ کھل جائے یہ مضارع بمعنی حال یا بمعنی استقبال یعنی دنیا میں ہی رب تعالیٰ انہیں خوشخبری دیتا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے یا اس طرح کہ دنیا انہیں ولی مقبول محبوب مانتی ہے ان کے عرس ختم کراتی ہے کہ یہ اللہ کی بشارت ہے یا مرتے وقت فرشتوں کے ذریعے خوشخبری دے گا۔ یا ایتها النفس المطمئنة ارجعی الی ربک یا قیامت میں

www.alahazratnetwork.org

جنت میں براہ راست رب خوشخبری دے گا یا بذریعہ ملائکہ کے رحمت کی تنوین عظمت کی ہے یعنی بڑی ہی رحمت کی۔ اس سے مراد گناہوں کی معافی بے شمار عطیات خسروانہ کی عطا رحمت سے مراد رحمت خاصہ ہے جو ان لوگوں کو عطا ہوگی دوسرے مسلمانوں کو نہیں۔ ورضوان یہ معطوف ہے رحمت سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا کبھی ناراض نہ ہونا خیال رہے کہ اللہ کی رضا دوسری نعمتوں سے بڑھ کر ہے جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس رحمت و رضوان سے مراد یا تو دنیا میں رحمت و رضا کی عطا ہے کہ رب کی رحمت سے انہیں ایمان ملا۔ اعمال خیر کی توفیق ملی پھر وہ عمل قبول ہوئے اور رب تعالیٰ ان سے راضی ہوا یا جنت و رضا مراد ہے۔ رب تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا کہ تم کو ایسی نعمت دوں گا جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے وہ یہ کہ تم سے راضی رہوں گا۔ کبھی ناراض ہوں گا ہی نہیں اللہ نصیب کرے۔ **و جنت لهم فيها نعيم مقيم**. یہ عبارت معطوف ہے رضوان پر چونکہ ایک ایک جنتی کو بہت سی جنت کی نعمتیں عطا ہوں گی اس لئے جنات جمع ارشاد ہوا لہم یا تو جنت کی صفات ہے اور لام ملکیت کا یعنی یہ باغات ان کی ملکیت ہوں گے یا لہم خبر مقدم ہے اور نعیم مقیم مبتدا موخر ہم کا مرجع وہ جنتی لوگ ہیں فیہا کی ضمیر یا جنات کی طرف ہے یا رحمت کی طرف نعیم کے معنی ہیں نعمت یا وہ نعمت جو کامل ہو اور کسی تکلیف سے مخلوط نہ ہو مقیم دائمی کہ نہ نعمت فنا ہو نہ نعمت والے اور نہ نعمت ان سے منتقل ہو نہ وہ نعمت سے نیز کسی نعمت کے لئے کوئی موسم مقرر نہ ہو ہمیشہ رہے نیز کسی نعمت سے جنتی کا پرہیز نہ ہو۔ طبی و شرعی ممانعت نہ ہو۔ **خلدين فيها ابدا** یہ فرمان عالی لہم کی ضمیر سے حال ہے اور یا تو مقیم کا بیان ہے یا تصویر کا دوسرا رخ کہ نعمتیں ہمیشہ رہیں کیونکہ وہ مقیم ہیں اور وہ ہمیشہ رہیں کیونکہ وہ خالدین ہیں فیہا کا مرجع یا جنات ہے یا رحمت یا نعیم ابد فرما کر بتایا کہ خلود بمعنی دوام ہے نہ کہ بمعنی دراز قیام۔ **ان الله عنده اجر عظيم**. یہ فرمان عالی یا پہلے فرمان کی تاکید ہے تو اجر عظیم سے مراد وہ ہی مذکورہ نعمت ہے یا یہ علیحدہ خبر ہے تو اجر عظیم سے مراد مذکورہ نعمتوں کے علاوہ اور نعمتیں مثلاً وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار بلکہ خود رب تعالیٰ کا دیدار جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ عظیم فرما کر بتایا کہ وہ ثواب تمام دنیا سے بڑا تمہارے خیال تمہارے اعمال سے بڑا۔ ابھی تمہارا خیال بھی وہاں تک نہ پہنچے گا انشاء اللہ دیکھ کر ہی معلوم ہوگا۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تین صفات بیان فرمائیں۔ ایمان، ہجرت، مالی جانی جہاد کے مقابلے میں تین عطاؤں کا ذکر فرمایا۔ رحمت، رضوان اور جنت، ان دونوں کی ترتیب ایسی پیاری ہے کہ سبحان اللہ۔ پہلے ایمان کا ذکر فرمایا کیونکہ یہ تمام عبادات کی جڑ ہے۔ پھر ہجرت کا کیونکہ یہ جہاد کی موقوف علیہ ہے کفار میں پھنسے ہوئے مسلمان جہاد نہیں کر سکتے دارالاسلام میں پہنچ کر ہی کر سکتا ہے۔ پھر جہاد کا۔ جہاد میں مالی جہاد کا ذکر پہلے کہ مال اولاً خرچ کیا جاتا ہے اور جانی جہاد کا ذکر بعد میں ہے کیونکہ جان بعد میں ہے یوں ہی جزائیں پہلے رحمت کا ذکر ہوا جو ایمان کی جزاء ہے کیونکہ یہ ایمان پر موقوف ہے اور ایمان کی طرح تمام نعمتوں سے عام بھی پہلے بھی پھر رضوان کا ذکر ہوا جو احسان کی انتہا ہے یہ جہاد کی جزا قرار پائی ہے کہ مجاہد نے جہاد میں مال و جان کی قربانی دی ہے۔ رب نے انہیں اس کے عوض اپنی رضا عطا کی پھر جنتیوں کا ذکر ہوا۔ ہجرت کی جزاء کہ مہاجر نے راہ خدا میں اپنا وطن چھوڑا تو رب نے انہیں بہترین وطن یعنی جنت عطا فرمائی چونکہ

www.alahazratnetwork.org

ہجرت میں اپنی دولت عزیز و اقارب گھر بار ہی چھوڑنا پڑتا ہے اس کے عوض رب نے فرمایا کہ انہیں وہاں کی نعیم مقیم بخشیں (روح المعانی) اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں جیسا کہ ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ کرتے ہیں۔ مہاجر مجاہدین مومن غیر مجاہدین غیر مہاجر کے برابر نہیں کیونکہ جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور ہجرت کی اور اپنے مال و جان سے اللہ کی راہ میں اخلاص سے جہاد کیا وہ اللہ کے نزدیک بہت بڑے درجے والے ہیں۔ یہ ہی لوگ اول درجے کے کامیاب ہیں اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بواسطہ رسول اور بواسطہ زبان خلق بشارت دیتا ہے اور مرتے وقت فرشتوں کے واسطے سے قبر و جنت میں بلاواسطہ بشارت دے گا اپنی رحمت خاصہ کی اپنی رضامندی کی اور ایسی جنتوں کی جو ان دائمی ملک ہوں گی ان کو نہ فنا ہے نہ موسم وغیرہ کی پابندی ادھر یہ لوگ بھی اس میں ہمیشہ رہیں گے نہ وہاں سے نکلیں گے نہ انہیں موت آئے۔ ان کے لئے اللہ کے نزدیک اور بہت بڑے ثواب ہیں۔ رہے غیر مہاجر یا غیر مجاہد مومنین اگرچہ جنتی ہیں مگر ان کے درجے ان کے برابر نہیں۔ رہے مکہ معظمہ کے مشرکین وہ اگرچہ حفاظت کعبہ آبادی مسجد حرام خدمت حجاج کریں وہ ان میں سے کسی ثواب کے مستحق نہیں اولاً تو وہ ایمان سے محروم ہیں دوسرے وہ ایسی عبادتیں کرتے ہیں جن میں تکلیف کوئی نہیں آرام دہ عبادت کے ساتھ ہی مالی آمدنی اور عزت یہ عبادات کے ذریعے کماتے ہیں وہ مومنین گنواتے ہیں کہ ہجرت کر کے اپنے گھر بار مال دولت عزیز و اقارب چھوڑ کے جہاد کر کے اپنا مال اپنی جان قربان کی یہ لوگ ان کے درجہ کو کیسے پہنچ سکتے ہیں۔

فائدے: ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ایمان ہجرت جہاد سے افضل ہے یہ فائدہ مذکورہ ترتیب سے حاصل ہوا کہ ہجرت کا ذکر جہاد سے پہلے ہوا۔

دوسرا فائدہ: مہاجرین صحابہ حضرات انصار سے افضل ہیں کیونکہ انہوں نے اللہ کے لئے ترکِ وطن کیا اس لئے ہمیشہ سے مہاجرین کا ذکر قرآن مجید میں انصار سے پہلے ہوتا ہے۔ من المهاجرین فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر ہجرت نہ ہوتی تو ہم انصار میں سے ہوتے۔ مگر خیال رکھنا کہ انصار کی شان بھی ہمارے وہم و گمان سے وراء ہے یہ ہمارے نبی کے میزبان ہوئے مہاجرین پناہ اسلام کی اشاعت کرنے والے ہیں۔ فرمایا نبی نے کہ ہم نے سب کے احسانات کے بدلے کر دیئے سوا ابوبکر صدیق کے اور انصار کے ان کا بدلہ رب تعالیٰ سے کروایا جائے گا۔

تیسرا فائدہ: جہاد تین طرح کا ہے صرف مالی جہاد جیسے کسی مجاہد کو سامانِ جہاد دے کر محاذ پر بھیجنا۔ صرف جانی جہاد خود میدان میں جانا جیسا مساکین مجاہد کرتے تھے جان و مال دونوں سے جہاد کہ خود بھی میدان میں جانا اور دوسرے مجاہدین کو سامان بھی دینا جیسے حضرت عثمان غنی صدیق اکبر کے جہاد۔ ان سب میں آخری جہاد سب سے افضل ہے یہ تینوں فائدے اولئک اعظم درجة سے بھی حاصل ہوئے۔

چوتھا فائدہ: بہتر یہ ہے کہ جہاد میں ہر قسم کا مال خرچ کرے۔ کھانا، کپڑا، سواری، ہتھیار یہ فائدہ اموالهم جمع فرمانے سے اشارةً حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: جہاد میں صرف ملک گیری، غنیمت، ناموری کی نیت نہ ہو بلکہ محض اللہ رسول کی خوشنودی اس کی رضا کی

www.alahazratnetwork.org

نیت ہو بلکہ ہجرت میں صرف پناہ لینے مال دولت حاصل کرنے کی نیت نہ ہو رضاء الٰہی مقصود ہو یہ فائدہ فی سبیل اللہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

چھٹا فائدہ: حضور انور ﷺ کے کام درحقیقت رب تعالیٰ کے کام ہیں۔ دیکھو ان حضرات کو خوشخبری حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی مگر ارشاد ہوا یبشرھم ربھم جیسا کہ اس کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا۔

ساتواں فائدہ: مخلوق میں اپنا اچھا چرچا اللہ تعالیٰ کی خاص نعمت ہے۔ یہ فائدہ یبشرھم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ بشارت سے مخلوق کی گواہی مراد ہے کہ فلاں شخص ولی ہے مقبول ہے وغیرہ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی واجعل لی لسان صدق فی لاخرین خدایا میرا اچھا چرچا دنیا میں رکھ۔ دیکھ لو آج یہودی عیسائی مسلمان بلکہ ہندو بھی ان کی تعریفیں کر رہے ہیں حتیٰ کہ درود ابراہیمی میں آپ پر درود پڑھا جاتا ہے حضور ﷺ کے ساتھ حج، قربانی، ختنہ، کعبہ معظمہ بلکہ خود شہر مکہ، مقام ابراہیمی، آب زمزم اور سب سے بڑھ کر حضور انور ﷺ جناب ابراہیم کی یادگار ہیں۔ علیہ السلام۔

آٹھواں فائدہ: اللہ کی رضا تمام نعمتوں سے اعلیٰ ہے۔ یہ فائدہ ورضوان کو رحمت کے بعد ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ رضاء الٰہی کے لئے امام حسین رضی اللہ عنہ نے کربلا میں مصیبتیں جھیلیں۔ اس رضا کے لئے جہاد، ہجرت، نمازیں بلکہ ساری عبادتیں کی جاتی ہیں۔

نواں فائدہ: جنت اور وہاں کی نعمتیں یوں ہی جنتی اور ان کا نعمتوں سے فائدہ اٹھانا یہ سب کے سب فنا سے محفوظ ہیں۔ ان سب کے لئے دائمی بقا ہے یہ فائدہ نعیم کو مقیم فرمانے اور جنتیوں کے متعلق خالدین فیھا ابداً فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہ مضمون بہت وسیع ہے۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے تو یہ فرمایا کہ مومن مہاجرین بڑے درجے والے ہیں یہ نہ فرمایا کہ کس سے بڑے ہیں یعنی عظیم اسم تفضیل ہے۔ مفضل تو الذین امنوا ہے مفضل علیہ کون ہے۔

جواب: اگر اعظم بھی عظیم ہے تب تو یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اپنے معنی اسم تفضیل میں ہے تو مفضل علیہ کا ذکر نہیں کیا گیا جس سے معلوم ہوا کہ سب سے اعظم ہیں۔ ایسے موقعوں پر کسی چیز کا پوشیدہ کرنا عموم اور اطلاق کا فائدہ دیتا ہے۔

دوسرا اعتراض: تو کیا آج کل کے وہ مومن جو مہاجر بھی ہوں اور مجاہد بھی وہ ان صحابہ سے افضل ہیں جو مجاہد مہاجر نہ تھے کیونکہ اعظم کے معنی ہیں سب سے افضل۔

جواب: اگر امنوا سے مراد شہودی ایمان یعنی حضور انور ﷺ کو دیکھ کر ایمان لانا ھاجروا سے مراد ہو مدینہ طیبہ ہجرت کر کے حضور ﷺ کے پاس آنا اور جہاد مراد ہو حضور ﷺ کے ساتھ جہاد کرنا۔ حضور کو تکتے تکتے شہید ہونا تب یہ سوال پیدا ہوتا ہی نہیں کیونکہ اب آیت کے معنی یہ ہیں کہ مجاہدین و مہاجرین صحابہ غیر مہاجرین غیر مجاہدین صحابہ سے اعظم ہیں ہم جیسے مجبوروں کا ذکر ہی نہیں اور اگر مطلقاً مومن مہاجر مجاہد لوگ مراد ہوں تو مقابلہ جنس کا جنس سے ہوتا ہے اب معنی یہ ہوں گے عام مہاجر مجاہد مومنین عام غیر مجاہد غیر مہاجرین سے عظیم ہیں اور مہاجر مجاہد صحابہ غیر مجاہد صحابہ سے عظیم ہیں یعنی غیر صحابی کا مقابلہ صحابی سے نہ

www.alahazratnetwork.org

ہوگا۔

لطیفہ: حضرت محدث کچھوچھوی قدس سرہ سے کسی نے پوچھا کہ حضور ﷺ غوث اعظم کا درجہ بڑا ہے یا امام اعظم کا تو جواب دیا کہ غوث اعظم حضرات اولیاء اللہ کے چوٹی کے سردار ہیں اور امام اعظم حضرات علماء فقہا کے چوٹی کے سردار ہیں دونوں کا درجہ بڑا ہے۔ مقابلہ ایک طبقہ کے لوگوں سے ہوتا ہے اگر کوئی پوچھے کہ سپرنٹنڈنٹ پولیس کا درجہ بڑا ہے یا کلکٹر کا تو غلط سوال کرتا ہے یہ دونوں اپنے اپنے محکمہ کے چوٹی کے افسر ہیں ہاں یہ پوچھو کہ تھانیدار کا درجہ بڑا ہے یا سپرنٹنڈنٹ پولیس کا تو سوال درست ہوگا یہ دونوں ایک ہی محکمہ کے افسر ہیں حضرات صحابہ اور طبقے کے مسلمان ہیں جن کے قدم تک دوسروں کے سر کی رسائی نہیں ہوتی ان سے دوسروں کا مقابلہ کیسا۔

تیسرا اعتراض: کیا امام حسین سے حضرت بلال وعثمان فارسی افضل ہیں کہ وہ حضرات مومنین، مہاجر، مجاہد سب ہی کچھ ہیں اور حضرت حسین نہ مہاجر ہیں اور نہ مجاہد۔

جواب: کربلا نے حضرت حسین کو یہ تمام منازل طے کرادیں وہ اس سفر میں بے مثال غازی، بے مثال مہاجر، بے مثال مجاہد بے مثال روزے دار گھر بار راہ خدا میں لٹانے والے ہوئے۔ کون کہتا ہے کہ وہ مہاجر ومجاہد نہ تھے تاقیامت مہاجرین و مجاہدین کی ہجرت وجہاد ان کے قدم کے صدق سے قبول ہوں گے۔ شعر

شاہ است حسین بادشاہ است حسین　　دین است حسین دین پناہ است حسین
جاں داد نہ داد دست و درست یزید　　حقا کہ بناء لا آلہ است حسین

چوتھا اعتراض: اگر اس آیت میں مومن صحابہ کا مقابلہ مشرکین مکہ سے کیا ہے جیسا کہ ایک شان نزول سے معلوم ہو چکا تو عظیم فرمانا کیونکر درست ہو کیونکہ مشرکین کا تو کوئی درجہ عنداللہ ہے ہی نہیں پھر ان سے بڑا درجے والا ہونے کے کیا معنی۔

جواب: مفسرین خصوصاً تفسیر کبیر نے اس کے چند جواب دیئے ہیں۔ (۱) یہ فرمان عالی مشرکین مکہ کے عقیدے کے لحاظ سے ہے جو اپنے کو حفاظت کعبہ عمارۃ مسجد حرام خدمت حجاج کی وجہ سے سب سے بڑا کہتے تھے فرمایا کہ تم سے بڑے مومن مہاجرین ہیں کہ تمہاری عبادات آرام کی ہیں جن میں نفسانی نفع ہے ان کی عبادات مشقت کی ہیں جن میں بظاہری دنیاوی نقصان ہی نقصان ہے۔ (۲) ان آیات کا مقصد یہ ہے کہ یہ مہاجر مجاہدین مومنین دوسرے غیر مہاجر نیز مجاہدین مومنین سے بھی افضل واعظم ہیں تو اے مشرکو تم کس شمار میں ہو۔ (۳) یہاں اعمال کا مقابلہ اعمال سے ہے یعنی اے مشرکو تمہارے مذکورہ اعمال خدمت کعبہ وغیرہ سے ایمان آبادی مسجد حرام سے ہجرت، خدمت حجاج سے جہاد افضل ہے تو اے کافرو تمہارا تو ذکر الٰہی کیا ہے تمہارے یہ اعمال تو بالکل باطل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: حق تعالیٰ نے یہاں تین نعمتوں کا ذکر کیا ہے۔ رحمت، رضوان، جنات، گناہگاروں کے لئے رب تعالیٰ کی رحمت ہے اطاعت شعاروں کے لئے اس کی رضا اور سب مومنوں کے لئے جنات مگر ان میں رحمت کا ذکر پہلے کیا تاکہ گنہگار اس کے امیدوار ہو جائیں پتہ لگے کہ تمام جہان کے گنہگاروں کے گناہوں سے اس کی رحمت زیادہ ہے۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

گنہ ما فزوں شود ز شمار عفوت افزوں تر از گناہ ہمہ
قطرۂ آب رحمت تو بس است شستن نامہ سیاہ ہمہ

دریاء رحمت کا ایک قطرہ ہم سب گنہگاروں کا سیاہ دفتر دھونے کے لئے کافی ہے مگر چاہئے یہ کہ گنہگار رحمت غفار کا طلبگار رہے۔ طلب بڑی اچھی چیز ہے۔ شعر

دنیا داری و آخرت طلبی ایں ناز نجانہ پدر باید کرد

اللہ دین کا خادم بنائے متخادم نہ بنائے۔ خادم وہ جو مخدوم کی خدمت اس کے لئے کرے متخادم وہ جو مخدوم کی خدمت اپنے فائدہ اپنی غرض کے لئے کرے کفار مکہ کعبہ وغیرہ کے خادم نہ تھے متخادم تھے۔ مومنین مدینہ اگرچہ کعبہ سے دور تھے مگر کعبہ کے خادم تھے۔ انہوں نے ہجرت و جہاد کعبہ کی خدمت کے لئے ہی کئے (از روح البیان) عبدیت اور عندیت دونوں ہی اچھی چیزیں ہیں مگر عبدیت سے عندیت یعنی قرب الہی بہت افضل واعلیٰ ہے۔ رب فرماتا ہے ومن عندہ لا یستکبرون اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ ان اللہ عندہ اجر عظیم جس سے اشارۃً بتایا گیا کہ اجر عظیم کے ساتھ ساتھ انہیں عندیت کا درجہ بھی ہوگا اللہ تعالیٰ کے بعض بندے رحمت سے راضی بعض جنت سے بعض رضوان سے اور بعض رحمان سے۔ اس آیت کریمہ میں اشارۃً ان چاروں بندوں کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ آخری لوگ پہلوں سے افضل ہیں اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ باقیوں کے لئے رحمت ورضوان۔ جنات کا ذکر بعد میں فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰبَآءَكُمْ وَ اِخْوَانَكُمْ اَوْلِیَآءَ
اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے نہ بناؤ تم اپنے باپوں اور اپنے بھائیوں کو دوست
اے ایمان والوں اپنے باپ اور بھائیوں کو دوست نہ سمجھو
اِنِ اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْاِیْمَانِؕ وَ مَنْ یَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓىٕكَ
اگر وہ پسند کریں کفر کو ایمان پر اور جو محبت کرے گا ان سے پس
اگر وہ ایمان پر کفر پسند کریں اور تم میں جو کوئی ان سے دوستی کرے گا
هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۲۳ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ وَ اِخْوَانُكُمْ
یہی لوگ ظالم ہیں فرماؤ اگر ہوں تمہارے باپ اور بیٹے تمہارے بھائی
تو وہ ہی ظالموں میں ہے تم فرماؤ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی
وَ اَزْوَاجُكُمْ وَ عَشِیْرَتُكُمْ وَ اَمْوَالُ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَ تِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ

www.alahazratnetwork.org

تمہارے اور بیویوں تمہاری اور کنبہ تمہارا اور وہ مال جو کمائے تم نے اور وہ بیوپار جو ڈرتے

اور تمہاری عورتیں اور تمہارا کنبہ اور تمہاری کمائی کے مال اور وہ سودا جس کے نقصان کا

كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَ

ہو تم اس کے گھاٹے سے اور وہ مکانات کو پسند کرتے ہو تم زیادہ پیارے طرف تمہارے اللہ اور رسول سے اور

تمہیں ڈر ہے اور تمہارے پسند کے مکان یہ چیزیں اللہ اور اس کے رسول

جِهَادٍ فِیْ سَبِیْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ

جہاد سے اس کی راہ میں پس انتظار کرو تم یہاں تک کہ لائے اللہ حکم اپنا اور اللہ نہیں

اور اس کی راہ میں لڑنے سے زیادہ پیاری ہوں تو راستہ دیکھو یہاں تک کہ

لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ ۠﴿۲۴﴾

ہدایت دیتا بدکار قوم کو

اللہ اپنا حکم لائے اور اللہ فاسقوں کو راہ نہیں دیتا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار پر جہاد کرنے کا حکم دیا گیا اب کافر قرابت داروں سے رشتہ توڑ لینے ان سے علیحدہ ہو جانے کا تاکیدی حکم دیا جا رہا ہے۔ گویا اجنبی کفار کے بعد قرابت کفار کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار کی نگرانی کعبہ، تعمیر مسجد حرام، خدمت کعبہ کچھ کام نہ آئے گی اب یہ ارشاد ہو رہا ہے کہ انہیں مومن صحابہ کی قرابت داری بالکل مفید نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مجاہدین مہاجر مومنین بڑے درجے والے ہیں اب ارشاد ہے کہ کفار سے دلی تعلق رکھنے والے لوگ بدترین ہیں گویا تصویر کا ایک رخ پہلے دکھایا گیا دوسرا رخ اب دکھایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول: (۱) جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ معظمہ سے ہجرت فرمائی تو وہاں سے مسلمانوں کو ہجرت کرنا واجب ہو گیا۔ بلا عذر وہاں رہنا حرام ہو گیا۔ اس پر بعض نے ہجرت کا ارادہ کیا تو ان کے بال بچے ان سے لپٹ گئے اور بولے کہ ہم کو بے یار و مددگار کس پر چھوڑے جاتے ہو تمہارے پیچھے ہم برباد ہو جائیں گے اس پر وہ ہجرت سے رک گئے۔ ان کے متعلق پچھلی آیت لا تتخذوا آباءکم نازل ہوئی۔ یہ قول مجاہد کا ہے (خازن، کبیر، روح البیان) مگر یہ قوی نہیں کیونکہ یہ آیات

www.alahazratnetwork.org

فتح مکہ کے ایک سال بعد نازل ہوئیں اس وقت مکہ معظمہ کے سارے باشندے مسلمان ہو چکے تھے اور وہاں سے ہجرت کرنے کا سوال ہی نہ رہا تھا۔ (تفسیر کبیر وخازن وروح البیان) (۲) ایک صحابی حاطب ابن بلتعہ نے فتح مکہ کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارادوں سے کفار مکہ کو ایک عورت کے ذریعے مطلع کرنے کی کوشش کی وہ عورت اور اس کے پاس سے یہ خط پکڑے گئے ان کے متعلق یہ آیات کریمہ (خازن، روح البیان) (۳) جب سورۃ کی گذشتہ آیات نازل ہوئیں جن میں مسلمانوں کو کفار سے تعلق توڑنے ان سے بیزاری کا حکم دیا گیا تو بعض حضرات نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے ہو سکے گا۔ اس سے تو ہمارے تجارتی کاروبار تک تباہ ہو جائیں گے اور اپنے بھائی بھتیجوں کو کیسے چھوڑا جائے گا تو اس پر یہ دونوں آیتیں نازل ہوئیں (خزائن العرفان روح البیان کبیر) (۴) نو شخص پہلے مسلمان ہو کر مدینہ منورہ میں آئے پھر مرتد ہو کر بھاگ گئے ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان مرتدین کے قرابت دار مومنین کو ان سے بے تعلق ہو جانے کا حکم دیا گیا (تفسیر مدارک)

تفسیر: یا ایھا الذین امنوا اگرچہ ان آیات کا نزول ایک خاص جماعت یا خاص شخص کے متعلق ہے مگر اس کا حکم تا قیامت مسلمانوں پر جاری ہے۔ اس لئے الذین امنوا سے صرف حضرات صحابہ مراد نہیں بلکہ تا قیامت سارے مومنین مراد ہیں۔ چونکہ آیات کا حکم نفس پر شاق تھا اس لئے پہلے پیارے القاب سے خطاب کیا پھر حکم سنایا تاکہ خطاب کی لذت سے یہ مشکل حکم آسان ہو جاوے چونکہ ایمان ایک روشنی ہے کفر تاریکی اس لئے صفت ایمان کا ذکر فرمایا کہ کافر اگرچہ تمہارا سگا باپ بیٹا ہو مگر وہ بے تمہاری ضد تم سے اس کا اجتماع نہیں ہو سکتا۔ یہ خطاب نہایت ہی موزوں ہے۔ لا تتخذوا اباء کم و اخوانکم اولیاء یہ ہے وہ حکم جس کے لئے ہم کو پکارا گیا۔ لا تتخذوا عام ہے۔ سمجھنا کہنا دوستوں کا سا برتاؤ کرنا اس میں سب ہی داخل ہے چونکہ یہاں ولایت کا ذکر ہے نہ کہ محبت کا اس لئے صرف باپ و بھائی کا ذکر ہوا ولایت میں محبت اور مدد و نصرت دونوں کا اعتبار ہے (روح المعانی) ولایت وہ محبت ہے جس میں رائے مشورہ مدد سب ہی ظاہر ہے کہ ایسی محبت بیوی بچوں سے نہیں ہوتی اس لئے صرف باپ داداؤں اور بھائیوں کا ذکر ہوا اولیاء جمع ہے ولی کی اس کے بہت معنی ہیں۔ قریب، مددگار، دوست والی وارث وغیرہ یعنی اے مومنو اپنے باپ داداؤں بھائیوں کو اپنا دوست نہ جانو نہ کہو ان سے دوستی و محبت کا برتاؤ نہ کرو ان استحبوا الکفر علی الایمان یہ لا تتخذوا کی شرط موخر ہے۔ استحباب بنا ہے حب سے بمعنی محبت کرنا چونکہ اس میں اختیار اور حرص کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد علی مقابلہ کا آیا یعنی اگر وہ ایمان کے مقابل کفر پسند کریں اسے اختیار کریں اس شرط سے یہ بتایا کہ اگر وہ ایمان کی طرف مائل ہوں اور تم کو امید ہو کہ تمہارے ساتھ رہنے سہنے تمہارے اخلاق کے برتاؤ سے وہ مسلمان ہو جائیں گے تو تم ضرور ان سے محبت کا برتاوا کرو۔ خیال رہے کہ اس آیت کریمہ میں کافر باپ داداوں بھائیوں کی محبت سے منع فرمایا گیا ہے نہ کہ پدری مادری برادر کے حقوق ادا کرنے سے لہٰذا ان کا حق ضرور ادا کیا جائے۔ محبت اور ادائے حق میں بڑا فرق ہے۔ فرماتا ہے وبالوالدین احسانا وہاں والدین مطلق ارشاد ہوا یوں نہ فرمایا وبالوالدین المومنین احسانا یہ بات دھیان میں رہے لہٰذا یہاں نہ تو آیات میں تعارض ہے نہ اس آیت اور ان احادیث

www.alahazratnetwork.org

میں جن میں کافر ماں باپ سے سلوک کا حکم دیا گیا ہے۔ ومن یتولھم منکم فاولئک ھم الظلمون۔ اس فرمان عالی میں ان سے دوستی رکھنے کا نتیجہ ارشاد ہوا اور منکم میں خطاب مومنین سے ہے لفظ ظالم گنہگاروں اور کافروں دونوں کو شامل ہے یعنی جو مسلمان خواہ کسی درجے کا ہو ان کا باپ دادوں سے محبت قلبی زبانی دلی رکھے تو وہ ظالم ہے اگر ان کے عقائد سے محبت رکھے تو خود کافر ہے کہ کفر سے راضی ہونا کفر ہے اگر ان کی ذات سے محبت رکھے تو سخت گنہگار ہے یہاں من کا عموم اور دوستی کے مطلق ہونے کا خیال رہے۔ قل ان کان اباء کم و ابناء کم و اخوانکم و ازواجکم و عشیرتکم اس آیت کریمہ میں آٹھ چیزوں کا ذکر ہے پانچ قرابتدار باپ دادے بیٹے بھائی بیوی کنبہ والے اور تین قسم کے مال۔ کمایا ہوا مال، تجارتی مال، مکانات، کوٹھیاں، بلڈنگیں وغیرہ ان کی ترتیب بڑی پیاری ہے۔ ان پانچ قرابتداریوں میں پہلے تین تو نسبی قرابت دار مذکور ہوئے پہلے باپ دادوں کا ذکر ہوا پھر اولاد کہ ان سے قدرتی طور پر انسان کو بہت محبت ہوتی ہے۔ خصوصاً بیٹے سے آباء میں باپ اور بیٹوں کے مقابلہ میں کم آباء میں باپ دادے اور ابناء میں بیٹے پوتے داخل ہیں۔ اس کے بعد بھائیوں کا ذکر فرمایا کہ ان سے محبت ماں باپ اور بیٹوں کے مقابلہ میں کم ہوتی ہے۔ بھائیوں میں سگے سوتیلے سارے بھائی داخل ہیں کہ یہ قوت بازو ہوتے ہیں۔ نسبی رشتہ داروں کے بعد نکاحی رشتہ داروں یعنی بیویوں کا ذکر فرمایا خیال رہے کہ لفظ ازواج زوج کی بھی جمع ہے اور زوجہ کی بھی۔ یہاں زوجہ کی جمع ہے کیونکہ خطاب مردوں سے ہے۔ عشیرہ سارے کنبہ والے جن سے انسان کا معاشرہ قائم ہے خواہ نسبی ہو یا سسرالی۔ یہ لفظ بنا ہے عشرہ سے بمعنی صحبت یعنی وہ رشتہ دار جن سے عموماً غلط ملط صحبت رہتی ہے۔ و اموال اقترفتموھا یہ معطوف ہے عشیرہ پر اس میں منقولی اور غیر منقولی ہر مال داخل ہے اس لئے اموال جمع ارشاد ہوا۔ اقتراف کے معنی ہیں کسی چیز کو اپنی جگہ سے ہٹانا اصطلاح میں کمانے کو اقتراف کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے دوسرے کا مال اس سے منتقل کر کے اپنے قبضہ میں لایا جاتا ہے کمائی کا ذکر اس لئے فرمایا کہ اپنی محنت سے کمایا ہوا مال انسان کو زیادہ پیارا ہوتا ہے (روح المعانی وتفسیر نور العرفان) ایک قرأۃ میں عشیرات ہے مگر وہ قوی نہیں کیونکہ عشیرہ کی جمع عشائر آتی ہے نہ کہ عشیرات (کبیر) و تجارۃ تخشون کسادھا یہ عبارت معطوف ہے اموال پر تجارت سے مراد یا تو تجارتی مال ہے جو فروخت کرنے کے لئے خریدا گیا ہو یا تجارتی کاروبار و دکانداری کساد بمعنی نقصان گھاٹا معمولی ہو یا بڑا یعنی وہ تجارتی مال یا تجارتی کاروبار جس کے متعلق کو اندیشہ ہو کہ اگر ہمارے تعلقات کفار سے نہ رہے تو مال فروخت نہ ہو گا یا کاروبار میں خسارہ ہو جائے گا کیونکہ انہیں سے تو ہماری تجارت چل رہی ہے۔ و مسکن ترضونھا یہ عبارت معطوف ہے تجارۃ پر مساکین جمع ہے مسکن کی بمعنی جائے سکونت یعنی مکانات کوٹھیاں بلڈنگ جو تم نے بڑے شوق سے بنوائیں ان میں رہنا سہنا بہت مرغوب ہے ہجرت یا جہاد سے ان کے چھوٹ جانے کا اندیشہ ہو۔ احب الیکم من اللہ و رسولہ یہ خبر ہے کان کی اب تک کی ساری مذکورہ چیزیں اس کا اسم تھیں احب تفصیل فرما کر یہ بتایا کہ اللہ رسول اور ان مذکورہ چیزوں سے محبت کرنا برا نہیں ہاں اللہ رسول اور جہاد وغیرہ کے مقابل زیادہ محبت کرنا برا ہے (معانی) اس مقابلہ میں بتایا گیا کہ اللہ رسول سے طبعی محبت زیادہ چاہئے نہ کہ محض عقلی محبت چونکہ جہاد میں اکثر ان پسندیدہ چیزوں کے چھوٹنے کا ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ نماز روزہ

www.alahazratnetwork.org

وغیرہ اس لئے صرف جہاد کا ذکر ہوا نماز وغیرہ کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ و جهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره اس امر یعنی فرمان کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں مگر قوی یہ ہے کہ اس سے مراد دنیاوی یا اخروی عذاب ہے یا کفار کے مقابل مسلمانوں کا مغلوب ہو جانا اپنی دنیاوی آرام طلبی کی وجہ سے یعنی پھر تم انتظار کرو اس وقت کا جب اللہ تعالیٰ کا فرمانِ عالی تم تک پہنچے یعنی تمہاری مغلوبیت کفار کا غلبہ تمہاری شان و شوکت میں کمی آ جانا ان کے دلوں سے تمہارا خوف نکل جانا کیونکہ دنیا میں سپاہی قوم کو عزت سے جینے کا حق ہے اللہ تعالیٰ بزدل اور کمزور قوم کو پسند نہیں کرتا۔ شعر

تن بے جان سے بیزار ہے رب　　　خدا زندہ ہے زندوں کا خدا ہے

واللہ لایهدی القوم الفسقین. یہ فرمانِ عالی گذشتہ حکم کی وجہ ہے یعنی ایسے لوگ فاسق اور حد کے توڑنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ فاسقوں کو دنیا میں عزت و آبرو سے رہنے سہنے کی راہ نہیں دکھاتا دنیا کی عزت دین پر قائم رہنے سے ملتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے ایمان والوں اگر تمہارے باپ یا دادے بھائی بھتیجے ایمان کے مقابل کفر سے محبت کریں کہ اسے اختیار کریں تو تم انہیں اپنا دوست اپنا ولی وارث کسی طرح نہ بناؤ۔ قول عمل ہر طرح ان سے بیگانہ ہو جاؤ۔ خیال رکھو کہ اسی حالت میں جو مسلمان انہیں دوست جانے مانے یا کہے وہ ظالم ہو گیا۔ اگر ان کے کفر سے محبت کرے تو خود کافر ہو گا کہ کفر سے محبت کفر ہے اور اگر ان سے دنیاوی محبت کرے تو سخت گنہگار و فاسق ہو گا۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ سارے مسلمانوں سے اعلانیہ کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ دادے تمہارے بیٹے پوتے تمہارے بھائی بھتیجے تمہاری بیویاں بلکہ تمہارے سارے سسرالی نسبی رشتہ دار کنبے والے اور تمہارے خود اپنے کمائے ہوئے مال اور تمہارے تجارتی کاروباری جس کے متعلق تم کو اندیشہ ہو کہ اگر ہم کفار سے تعلق چھوڑ دیں تو اس میں خسارہ ہو جاوے گا اور تمہاری پسندیدہ کوٹھیاں بلڈنگیں جنہیں تم نے شوق سے رہنے سہنے کے لئے بنایا ہے یہ چیزیں تم کو اللہ رسول سے زیادہ پیارے جہاد فی سبیل اللہ سے زیادہ پسند ہوں کہ ان کی وجہ سے تم اللہ رسول کے فرمان نہ مانو جہاد سے جان چھڑاؤ تو پھر اللہ کے عذاب کا انتظار کرو اس وجہ سے تم بزدل ہو جاؤ گے اور کفار تم پر چڑھ جائیں گے جس سے نہ تمہاری عزت رہے گی نہ وقار کیونکہ ایسے دنیا طلب آرام طلب لوگ فاسق ہیں اللہ تعالیٰ فاسق کو راہ ہدایت دکھاتا ہی نہیں ان کو ہمیشہ الٹی ہی سوجھتی ہے وہ مال عہدہ کفار کی خوشامد کو ہی ترقی و عزت سمجھنے لگتے ہیں۔

فائدے: ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: سب سے بڑھ کر اللہ رسول کا حق ہے کہ اس کے مقابل نہ ماں باپ کا حق ہے نہ کسی اور کا فائدہ لا تتخذوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کافر مومن کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا اگرچہ عزیز رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یہ فائدہ لفظ اولیاء سے حاصل ہوا اس کا تجربہ برابر ہو رہا ہے جیسے تاریکی کو روشنی سے الفت نہیں۔ سانپ کو انسان سے محبت نہیں ایسے ہی کافر کو مومن سے محبت نہیں ہوتی اگر مومن ان سے محبت کرے تو سخت غلطی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ: کافر ماں باپ بھائی بھتیجوں سے محبت کرنا انہیں اپنا دوست سمجھنا غلط ہے مگر ان کے حقوق شرعیہ ضرور ادا کرنے ہوں گے یہ فائدہ بھی اولیاء فرمانے سے حاصل ہوا جیسے کافر قرض خواہ کا قرضہ اس کی امانت ضرور ادا کرنی ہوگی ایسے ہی کافر ماں باپ کے حقوق مادری پدری ضرور ادا کرنے ہوں گے۔ رب فرماتا ہے وبالوالدین احسانا وہاں والدین میں مومن کی قید نہیں اس کے متعلق احادیث شریف بہت ہیں فقہاء کرام نے اس کی بہت تفصیل فرمائی ہے علماء فرماتے ہیں کہ اگر بوڑھے یا بے دست و پا ماں باپ جو مشرک ہوں بت خانہ میں جانا چاہیں تو مسلمان بیٹا نہ پہنچائے کہ یہ کفر پر امداد دینا ہے لیکن اگر بت خانہ سے گھر واپس آنا چاہیں تو لے آئے کہ یہ ان کے ساتھ بھلائی ہے۔

چوتھا فائدہ: اگر کوئی کافر بے خبری سے کفر میں گرفتار ہے اس کے متعلق امید ہے کہ اگر نرمی سے اور محبت سے سمجھایا جاوے تو مومن بن جاوے گا اس سے اخلاق و محبت سے پیش آنا بالکل جائز ہے کہ کافر سے محبت نہیں بلکہ تبلیغ اسلام سے ہے یہ فائدہ ان استحبوا الکفر علی الایمان سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: کفار سے دینی دوستی و محبت کفر ہے اور قومی یا خاندانی محبت حرام بھی ہے خطرناک بھی۔ یہ فائدہ ومن یتولھم منکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: عیسائی اور یہودی عورت سے مسلمان نکاح کر سکتا ہے اور بعد نکاح اس کے حقوق زوجیت بھی ادا کرے مگر نہ اس سے دلی محبت کرے اور نہ اسے اپنا رازدار بنائے جس سے وہ اسے نقصان پہنچا سکے اگر ان احتیاطوں پر قادر ہو تو نکاح کرے ورنہ ہرگز نہ کرے وہ پلید مسلمان جس کے اس نکاح سے کافر بن جانے کا خطرہ ہو اسے یہ نکاح کرنا حرام ہے اس کے لئے شامی وغیرہ کتب فقہ کا مطالعہ کرو۔

چھٹا فائدہ: جب خالق و مخلوق کے حقوق کا مقابلہ ہو جائے کہ مخلوق کا حق ادا کرنے سے خالق کا حق ادا نہ ہو سکے گا تو خالق کا حق مقدم ہے کہ رب کا حق ادا کرے مخلوق کا حق ادا نہ کرے۔ اگر آقا یا ماں باپ نماز کے وقت اپنی خدمت لینا چاہیں جس سے نماز جاتی رہے تو نماز پڑھے ان کی خدمت نہ کرے یہ فائدہ ان کان اباء کم (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: دنیا کی چیزوں سے محبت کرنا حرام نہیں ہاں اللہ رسول کے مقابلہ محبت یا کفر حرام۔ یہ فائدہ احب اسم تفضیل فرما لینے سے حاصل ہوا یہ جائز محبتوں کے متعلق عرض کیا گیا ناجائز محبتیں بہر حال حرام ہیں جیسے اجنبی عورت سے محبت۔

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اسی درجہ کی چاہئے جس قسم اور جس درجہ کی محبت اللہ تعالیٰ سے کرے یہ فائدہ من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں واؤ ارشاد ہوا ف ارشاد نہ ہوئی یعنی فرسولہ نہ فرمایا گیا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے حاصل ہوتی ہے جیسے رب کی اطاعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے نصیب ہوتی ہے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت طبعی چاہئے نہ کہ محض عقلی کیونکہ یہاں باپ دادے اولاد بیویاں

www.alahazratnetwork.org

مال وغیرہ سے مقابلہ کیا گیا ہے اور ظاہر ہے کہ ان چیزوں سے محبت طبعی ہوتی ہے نہ کہ محض عقلی طبیعت اور دل کا رجحان اللہ رسول کی طرف زیادہ چاہئے ان پر دل و جان نچھاور کرنا چاہئے۔ رب تعالیٰ نصیب کرے۔ شعر

ذرہ عشق نبی از حق طلب　　سوز صدیق و علی از حق طلب

تڑپنے پھڑکنے کی توفیق دے　　دل مرتضٰی سوز صدیق دے

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت و عظمت و اطاعت والی چاہئے برابر والی نہ چاہئے یہ فائدہ من اللہ و رسولہ فرمانے سے حاصل ہوا حضور ﷺ سے محبت اللہ کی سی کرو۔

گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضور ﷺ کی محبت ہونا شرک نہیں بلکہ ایمان کا رکن ہے۔ یہ فائدہ بھی و رسول فرمانے سے حاصل ہوا۔

بارہواں فائدہ: دل میں حضور ﷺ کی محبت نہ ہونا کفر ہے جس پر عذاب آ جانے کا اندیشہ ہے۔ یہ فائدہ فتر بصوا (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس پر عذاب سے ڈرایا گیا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا حتی کہ میں اسے اس کی اولاد ماں باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ پیارا نہ ہو جاؤں یعنی نفس ایمان اس محبت پر موقوف ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں پہلی آیت میں صرف دو رشتہ داروں کا ذکر ہوا ہے ابآء کم و اخوانکم تمہارے باپ دادے اور تمہارے بھائی مگر دوسری آیت کریمہ میں پانچ رشتہ داروں اور تین قسم کے مالوں کا ذکر ہوا اس فرق کی وجہ کیا ہے۔

جواب: دو وجہوں سے ایک یہ کہ پہلی آیت کریمہ میں ولایت کا ذکر ہے دوسری میں محبت کا۔ ولایت محبت سے خاص ہے۔ ولایت صرف باپ بھائی سے ہو سکتی ہے یعنی وہ محبت جس میں مدد مشورہ و قوت شامل ہو مگر صرف محبت سے ہو سکتی ہے دوسرے یہ کہ دوسری آیت کریمہ میں اللہ رسول کے مقابلہ میں محبت کا ذکر ہے۔ جو کسی سے بھی جائز نہیں خواہ رشتہ دار ہوں یا انسان یا کوئی اور مخلوق ان وجوہ سے وہاں بہت کا ذکر ہے۔

دوسرا اعتراض: پہلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اگر تمہارے باپ بھائی کفر کو ایمان پر پسند کریں تو انہیں ولی نہ بناؤ تو کیا اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں ولی دوست بنا لینا جائز ہے۔ کفار سے محبت تو بہر حال حرام ہے۔

جواب: اگر ان کے دل میں کفر کی محبت مضبوط نہیں ہے صرف دھوکے میں ہیں اگر انہیں محبت و اخلاق سے تبلیغ کی جاوے تو مسلمان ہو جاویں تو ان سے ضرور محبت کر کے انہیں مسلمان کیا جائے حتی کہ شروع اسلام میں انہیں زکوٰۃ دینا بھی جائز تھی۔ یعنی مولف القلوب۔

تیسرا اعتراض: اگر کفار سے محبت نہیں تو کافرہ اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیوں جائز ہے جب ان سے نکاح ہوگا تو لامحالہ محبت بھی ہوگی۔

جواب: ایسا کمزور دل آدمی جو ادائے حقوق اور محبت میں فرق نہ کر سکے بیوی سے محبت میں گرفتار ہو جاوے اسے عیسائی یا یہودن سے نکاح کرنا ہرگز جائز نہیں کہ اس میں اس کے ایمان کا خطرہ ہے یہ نکاح اسی قوی الایمان کو درست ہے جو اس بیوی

www.alahazratnetwork.org

کے صرف حقوق ادا کرے اور اسے تدبیر سے مسلمان بنانے کی کوشش کرے اس کی محبت میں پھنس نہ جائے اسے اپنا خاص مشیر راز دار نہ بنائے اس سے ملک تباہ ہو چکے ہیں محبت اور ادائے حقوق میں بڑا فرق ہے اسی لئے مسلمان عورت کا نکاح یہودی عیسائی مرد سے جائز نہیں کہ بیوی اس پر قادر نہ ہو سکے گی۔

چوتھا اعتراض: اگر حضور ﷺ کی محبت سارے عزیزوں اور مال وغیرہ سے زیادہ ہونا ایمان کے لئے ضروری ہے تو آج کوئی بھی مسلمان نہیں بڑے بڑے لوگ بال بچوں کی محبت میں پھنس کر حضور انور ﷺ کی بہت سی نافرمانیاں کر لیتے ہیں ایک طرف بیوی بچوں کی ضد ہوتی ہے دوسری طرف حضور ﷺ کا فرمان وہ بچوں کی ضد پوری کرنے کو چوری، رشوت سود وغیرہ لیتے ہیں۔

جواب: تم نے مقابلہ غلط کیا۔ محبتوں کا مقابلہ کفر و ایمان کے موقع پر ہوتا ہے۔ ہم نے جاہل ماں باپ کو دیکھا ہے کہ اگر ان کا اکلوتا بیٹا کافر ہو جائے تو اس پر تھوک دیتے ہیں۔ اس کی شکل نہیں دیکھتے۔ ابھی پاکستان و ہندوستان کی جنگ جب ۱۹۶۵ء میں ہوئی تو جاہل بے علم ماؤں کے اکلوتے لعل شہید ہوئے ان کی لاش ماں کے پاس آئی تو انہوں نے بجائے ماتم کرنے کے اس پر خوشی کی کہ میرا بچہ اللہ رسول کی راہ میں قربان ہوا گجرات کی ایک ماں یہ کہتی سنی گئی کہ میں نے اپنے سوہنے بیٹے کو اپنے سوہنے نبی کے نام پر ان کے دین پر قربان کیا تاکہ قیامت میں میرا حشر حضرت فاطمہ زہرا کی لونڈیوں باندیوں میں ہو۔ یہ غلبہ محبت رسول رہے گناہ وہ کبھی غفلت سے بھی ہو جاتے ہیں کبھی بیمار بد پرہیزی کر کے زیادہ بیمار ہو جاتا ہے حالانکہ اسے جان عزیز ہے بعض صحابہ کو رجم کیا مگر فرمایا گیا انه یحب الله و رسوله یہ اللہ رسول کا پیارا ہے۔ اے اللہ ہم کو اپنا خوف رسول کی محبت نصیب کر۔

تفسیر صوفیانہ: یہ آیات کریمہ اللہ رسول کی محبتوں کی اصل ہیں۔ انسان کے پاس چند چیزیں ہیں جسم نفس دل ارواح نسبی رشتہ داروں سے محبت جسمانی رشتہ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ان کا ذکر ابناء کم و ابناء کم میں ہوا۔ بیوی سے محبت نفسانی رشتہ ہے اس سے خونی رشتہ یعنی نسب نہیں۔ یونہی مال کوٹھیاں باغ وغیرہ سے محبت نفسانی تعلق ہے ان چیزوں میں تمام دنیاوی تعلقات رشتے داخل ہیں مگر اللہ رسول سے محبت روحانی رشتہ کی بنا پر ہے چونکہ روح ان دونوں سے قوی ہے تو چاہئے کہ روحانی محبت بھی ان تمام سے زیادہ ہو۔ یہ ہی مدار ایمان ہے۔ اگر کسی کا نفس و جسم اس کے دل و روح پر غالب ہے اور اسے جسمانی نفسانی رشتہ و تعلق والے اللہ رسول سے زیادہ پیارے ہیں تو وہ کافر مطلق ہے۔ اس میں ایمانی شائبہ بھی نہیں۔ اب پڑھو وہ فرمان عالی لایومن احدکم حتی اکون احب الیه والدهٖ و والده و الناس اجمعین بعض لوگ کہتے ہیں کہ محبت کی پرکھ اطاعت سے ہے۔ وہ یہ شعر پڑھتے ہیں۔

یعص الرسول و انت تظهر حبه	هذا العمری فی العقال بدیع
لو کان حبک صادقا لا طعته	ان لمحب لمن یحب مطیع

www.alahazratnetwork.org

اگر تم اللہ رسول کے سچے محبت والے ہوتے تو ان کی اطاعت کرتے دوست دوست کا مطیع ہوتا۔ یہ قاعدہ درست نہیں منافقین حضور علیہ السلام کی اطاعت کرتے تھے مگر محب نہ تھے بعض لوگ بھی گناہ کر لیتے تھے مگر محب تھے حضور انور حضرت ماعز کو رجم کرایا بعض شراب پینے والوں کو کوڑے لگوائے بعض کے ہاتھ کاٹے مگر ان پر لعنت نہ کرنے دی بلکہ فرمایا کہ اللہ رسول کے پیارے ہیں محبت کی اہل محبت کے نزدیک چند علامات ہیں (۱) محبوب کا زیادہ چرچہ من احب شیا اکثر ذکرہ (۲) محبوب کی عیب جوئی برداشت نہ کرنا (۳) محبوب کی خوبیاں تلاش کرنا، ان کا چرچہ کرنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان تقوموا اللہ مثنی و افرادی ثم تتفکروا ما بصاحبھم من جنة یعنی اے لوگو تم پر جو میرا حق ربوبیت ہے اس خاطر ایک ایک دو دو جمع ہو کر غور کرو کہ تمہارے دل و جان کے ایمان کے ساتھی محمد مصطفیٰ نہیں جنون نہیں۔ پتہ لگا کہ حضور علیہ السلام کے اوصاف میں غور کرنا حق ربوبیت ادا کرنا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے روح ہمارے دلوں کی نسبت بھی ہے نسب بھی نسبت تو یہ کہ ہم مومن ہیں حضور علیہ السلام ایمان ہم بھکاری ہیں حضور داتا۔ نسب یہ کہ حضور علیہ السلام اصل ہیں ہم سب فرع۔ انا نور من نور اللہ و کل الخلق من نوری شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ شعر

تو اصل وجود آمدی از نخست   دگر ہر چہ موجود شد فرع تست

اور محبت یا نسبت سے ہوتی یا نسب سے جب حضور علیہ السلام سے دونوں تعلق ہیں تو ان سے محبت بھی سب سے زیادہ چاہئے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّ یَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ

البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بہت موقعوں میں اور دن

بے شک اللہ نے بہت جگہ تمہاری مدد کی اور حنین کے دن

اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَیْــٴًـا وَّ ضَاقَتْ عَلَیْكُمُ

حنین کے جبکہ پسند آئی تم کو زیادتی تمہاری پس نہ دفع کیا اس نے تم سے کچھ بھی اور تنگ

جب تم اپنی کثرت پر اترا گئے تھے تو وہ تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اتنی وسیع ہو کر

الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۟ۚ (۲۵)

ہوگئی اوپر تمہارے زمین باوجود اسکے کہ فراخ تھی پھر لوٹے تم پیٹھ دے کر پھر گئے

کہ تم پر تنگ ہوگئی پھر تم پیٹھ پھیر گئے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو دین کی خاطر کفار ماں باپ قرابت داروں سے تعلق چھوڑنے کا حکم دیا گیا جو

www.alahazratnetwork.org

فطری طور پر نفس پر گراں تھا۔ اب انہیں اسلامی غزوات خصوصاً غزوہ حنین کا واقعہ یاد دلایا جارہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ کامیابی زیادہ تعداد اور زیادہ مال سے نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہے لہٰذا تم ان کفار سے مل کر اپنی تعداد بڑھانے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم مانگو۔ خلاصہ یہ ایک گراں حکم پچھلی آیت میں دیا گیا اب تسلی اس آیت کریمہ میں دی جارہی ہے۔

دوسرا تعلق : پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ رسول کے مقابلہ میں تجارت اور مکانات کوٹھیوں بلڈنگوں کی محبت سے منع فرمایا گیا اب واقعہ حنین کا ذکر ہے جس میں مسلمانوں کو پہلے ظاہری شکست اور فوراً بعد شاندار فتح ہوئی جس سے پتہ چلا کہ دنیا کی زیادہ محبت ذریعہ ہے ضعف اور کمزوری کا اور دین سے محبت ذریعہ ہے قوت و فتح مندی کا جو دین حاصل کرنا چاہے گا اس کو دنیا خود بخود حاصل ہوگی۔ تم اللہ رسول کی خوشنودی حاصل کرو دنیا تمہارے قدموں میں ہوگی۔

تیسرا تعلق : پچھلی آیات میں حکم دیا گیا تھا کہ اگر تمہارے باپ دادے بھائی بھتیجے ایمان پر کفر کو اختیار کریں تو تم ان سے رشتہ توڑ لو۔ اب اس کی جیتی جاگتی تصویر و تفسیر دکھائی اور بتائی جارہی ہے یعنی غزوہ حنین کا واقعہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دودھ کی ماں حلیمہ سعدیہ ہوازنیہ کی قوم ہوازن سے اللہ کے لئے جنگ کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ لوگ آخر کار مسلمان ہو گئے لہٰذا استقامت تمہارے کافر قرابت داروں کو اسلام کی طرف کھینچ لے گی۔

نزول واقعہ غزوہ حنین : ان آیات کا نزول غزوہ حنین کے متعلق ہے جس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۳ یا ۱۷ رمضان ۸ ہجری میں مکہ معظمہ فتح کیا۔ دس ہزار صحابہ کے لشکر جرار کے ساتھ مکہ معظمہ سے تین دن کی راہ پر طائف کے قریب ایک مقام ہے حنین جہاں کی حضرت حلیمہ تھیں۔ وہاں کے دو قبیلے سخت سرکش تھے ہوازن اور ثقیف ان قبیلوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان و شوکت بہت بڑھتی جارہی ہے۔ اگر یہی حال رہا تو وہ ہم پر بھی غالب آجائیں گے اس لئے ہم دونوں قبیلے متفق ہو کر ان پر حملہ کردیں انہیں پتہ چل جاوے گا کہ ہم کیسے بہادر ہیں۔ غرضکہ وہ دونوں قبیلے مسلمانوں پر حملہ کی تیاری کرنے لگے۔ حضور انور ﷺ نے یہ حالات معلوم کر کے ان پر حملہ کی تیاری کی۔ دس ہزار فاتحان مکہ اور دو ہزار فتح مکہ میں ایمان لانے والے کل بارہ ہزار غازیوں کی جماعت لے کر شروع شوال ۸ ہجری شنبہ کے دن مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے اور دس شوال آٹھ ہجری منگل کے دن مقام حنین میں پہنچے۔ مقابلہ میں ہوازن اور بنی ثقیف دونوں قبیلے آئے۔ ہوازن کا سردار مالک ابن عوف تھا ثقیف کا سردار کنانہ ابن عبد تھا ان دونوں قبیلوں کی تعداد چار ہزار تھی۔ بعض مسلمانوں نے جو غالباً سلمہ ابن سلامہ ابن رقیس انصاری تھے کہا کہ آج ہم کفار سے تین گنا ہیں ہرگز مغلوب نہ ہوں گے۔ یہ قول حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوا کہ ان کی نظر اپنی کثرت پر گئی اللہ کی مدد پر نہ گئی (مدارج النبوۃ، خازن، کبیر، معانی وغیرہ) آخر کار گھمسان کی جنگ ہوئی۔ ہوازن اور ثقیف بھاگ نکلے مسلمانوں نے ان کا پیچھا کیا ان کے ساتھ مال بہت زیادہ تھا مسلمان مال غنیمت جمع کرنے انہیں قید کرنے میں مشغول ہوئے کہ دونوں قبیلوں نے پلٹ کر بہت زور سے حملہ کیا۔ یہ لوگ تیراندازی نشانہ بازی میں بہت ماہر تھے۔ ان کے تیروں کی بارش سے مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے اور ان میں

www.alahazratnetwork.org

بھاگ مچ گئی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مقام پر ڈٹے رہے بلکہ آگے بڑھتے رہے۔ حضور ﷺ کے ساتھ حسب ذیل حضرات تھے۔ عباس بن عبدالمطلب، ابوسفیان ابن حارث ابن عبدالمطلب، جعفر ابن ابوسفیان ابن حارث، علی ابن ابی طالب، ربیعہ ابن حارث، فضل ابن عباس، اسامہ بن زید، ایمن ابن عبید جو حضور و کی حفاظت میں شہید ہو گئے۔ ابوبکر صدیق، عمر ابن خطاب یہ دس حضرات ساتھ رہے۔ حضرت عباس نے اس کے متعلق اشعار کہے ہیں۔ (روح المعانی)

نصرنا رسول الله في الحرب تسعة وقد قد من فد منهم و اقشعوا

وعاشرنا لا في الحمام بنفسه بما مسه في الله لا ينوجع

ان کے علاوہ ایک سو حضرات اور تھے جو جمے رہے مگر وہ حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ تھے اپنے اپنے مرکزوں میں تھے۔ (صاوی) کفار نے حضور انور ﷺ پر یکبارگی حملہ کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرماتے ہوئے خچر سے تلوار سونت کر اترے انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب حضور انور ﷺ کی یہ شجاعت بے مثال دیکھ کر کفار کائی کی طرح پھٹ گئے۔ اس وقت حضرت عباس حضور ﷺ کے خچر کی لگام پکڑے تھے اور ابوسفیان ابن حارث رکاب شریف۔ حکم دیا کہ عباس ان مسلمانوں کو پکارو کہ میں یہاں ہوں تم کہاں جارہے ہو۔ حضرت عباس کی آواز آٹھ میل تک سنی جاتی تھی (صاوی) حضرت عباس نے پکارا اے سورہ بقر والوں اے مدینہ والو رسول اللہ یہاں ہیں ادھر آؤ۔ سب لبیک لبیک کہتے ہوئے لوٹ پڑے اور حضور انور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ایک مٹھی کنکر کفار کی طرف پھینکے جو ان کی آنکھوں میں ایک ایک پڑا اور فرمایا۔ یہ لڑائی گرم ہونے کا وقت ہے۔ پھر جو مسلمانوں نے حملہ کیا تو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کے صدقہ مسلمانوں کو شاندار فتح عطا فرمائی۔ اس غزوہ میں مسلمانوں کو بہت مال غنیمت ہاتھ لگا۔ چھ ہزار قیدی جن میں عورتیں بچے بہت تھے۔ چوبیس ہزار اونٹ۔ بکریوں کا تو شمار ہی نہیں۔ ان قیدیوں میں رسول اللہ کی دودھ کی بہن یعنی حلیمہ کی بیٹی بھی تھیں۔ حضور ﷺ نے ان کا بہت احترام فرمایا انہیں بہت مال دے کر آزاد فرمادیا۔ یہ اپنی قوم میں پہنچیں اور حضور انور ﷺ کے رحم و کرم کا ذکر کیا وہ سب ہی مسلمان ہو کر مدینہ منورہ پہنچے۔ حضور انور ﷺ نے ان کے قیدی واپس فرمادیئے (صاوی وغیرہ) پھر حضور انور ﷺ یہاں سے ہی طائف تشریف لے گئے پھر مقام جعرانہ میں حضور انور ﷺ نے مال غنیمت تقسیم فرمایا۔ یہاں سے ہی حضور ﷺ نے عمرہ کا احرام باندھا اور عمرہ کیا۔ اس موقع پر حضور انور ﷺ نے ابوسفیان بن حرب، صفوان ابن امیہ، عیینہ ابن حصین، اقرع ابن حابس کو سو سو اونٹ عطا فرمائے (خازن) شعر

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا ان کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

خیال رہے کہ اس غزوہ میں فرشتوں کا شریک ہونا ثابت ہے مگر ان کا مسلمانوں کے ساتھ مل کر کفار سے جنگ کرنا ثابت نہیں۔ انہوں نے یہ عمل صرف غزوہ بدر میں کیا حضور انور ﷺ نے حنین سے فارغ ہو کر غزوہ طائف فرمایا۔ اس کا محاصرہ کیا حتی کہ اسے فتح فرماتے ذی قعد کا مہینہ آ گیا۔ غزوۂ طائف میں مسلمانوں کے امیر ابوعامر شہید ہوئے۔ ذی قعد میں جعرانہ سے عمرہ فرمایا پھر غزوہ اوطاس فرمایا۔ اس موقع پر انصار کا وہ واقعہ پیش آیا کہ حضور انور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ لوگ اپنے

www.alahazratnetwork.org

گھر مال غنیمت لے کر جائیں تم محمد رسول اللہ کو لے کر جاؤ (دیکھو مسلم بخاری وغیرہ خازن) اس واقعہ کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔

میں نے آج یکم رمضان ۱۳۹۰ھ مطابق دوم نومبر ۱۹۷۰ء دوشنبہ کے دن یہ واقعہ لکھا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ صدقہ سے فاتح و بدر وحنین کے صدقے ہمارے پاکستان کو قوت دے یہاں امن و امان دے اور یہاں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت قائم فرمائے۔ آمین۔

تفسیر: لقد نصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ ان واقعات کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے انہیں لام اور قد کی تاکید سے شروع فرمایا۔ نصرت سے مراد ہے غیبی امداد خواہ بذریعہ فرشتوں کے ہو یا کفار کے دلوں میں رعب ڈال کر اور مسلمانوں کو ہمت جرأت عطا فرما کر۔ اس میں خطاب حضرات صحابہ کرام مجاہدین سے ہے۔ مواطن جمع ہے موطن کی بمعنی جاء قیام۔ یہاں مراد ہے غزوات کے موقع۔ اس وقت تک اتنے چھوٹے بڑے غزوات وسرایہ ہو چکے تھے جن میں بدر، قریظہ، بنی نضیر، حدیبیہ فتح مکہ وغیرہ مشہور (روح المعانی) مواطن خود جمع منتہی الجموع کثیرہ فرما کر ان کی زیادتی کی اور تاکید فرمادی یعنی اے صحابیو! اللہ تعالیٰ نے بہت سے غزوات کے موقعوں پر تمہاری مختلف صورتوں سے مدد فرمائی ویوم حنین یہ عبارت یا تو اذکروا پوشیدہ فعل کا مفعول ہے یعنی غزوہ حنین کا دن یاد کرو۔ تب تو کوئی اشکال نہیں۔ تفسیر جلالین اور صاوی نے اسی کو اختیار کیا۔ باقی وطن پر معطوف ہے اور نصرکم کا ظرف اگرچہ مواطن ظرف مکان ہے اور یوم حنین ظرف زمان قوی یہ ہے کہ یہ عطف جائز ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ مواطن ظرف زمان بھی ہو سکتا ہے جیسے کہا جاتا ہے مقتل حسین یعنی حضرت حسین کی شہادت کا زمانہ تو بے تکلف عطف جائز ہے۔ اس غزوہ میں فرشتوں کے ذریعہ مدد فرمائی گئی جیسا کہ اگلی آیت میں آرہا ہے۔ اذا اعجبتکم کثرتکم یہ عبارت یوم حنین کا بدل ہے اور اس کا تعلق صرف یوم حنین سے ہے نہ کہ مواطن کثیرۃ سے کیونکہ حضرات صحابہ کو اپنی زیادتی و کثرت تعداد پر ناز صرف حنین کے دن ہی ہوا تھا۔ اعجاب بنا ہے عجب سے بمعنی پسند آنا۔ یہاں اترانے ناز کرنے کا پسند آنا مراد ہے نہ کہ شکریہ کا۔ فلم تغن عنکم شیئا اس فرمان عالی میں ف ہے تو عاطفہ مگر اترانے کا نتیجہ بیان فرمانے کے لئے تسن بنا ہے اغناء سے بمعنی بے نیاز کرنا مگر جب اس کے بعد مفعول آجاوے تو بمعنی دفع کرنا ہوتا ہے وہ معنی یہاں ہیں کیونکہ آگے اس کا مفعول شیئا آرہا ہے۔ خیال رہے کہ اعجبتکم میں بھی کم ضمیر جمع تھی اور یہاں عنکم میں بھی کم ضمیر جمع ہے مگر وہاں ایک دو آدمیوں کا فعل سب کی طرف نسبت کیا گیا کیونکہ اپنی زیادتی پر ناز عام صحابہ نے نہ کیا تھا۔ صرف ایک دو نے کہا تھا۔ یہاں عنکم میں سب سے ہی خطاب ہے یعنی اے جماعت صحابہ جب تم میں سے بعض کو اپنی کثرت پر ناز ہوا تو تمہاری جماعت تمہاری کثرت نے جنگ کی کسی آفت کو تم سے دفع نہ کیا۔ اگر تم ناز نہ کرتے تو یہ ہی جماعت بلکہ بہت چھوٹی جماعت سب کچھ کر لیتی۔ دیکھو بدر میں کیا ہوا۔ وضاقت علیکم الارض بما رحبت یہ فرمانِ عالی معطوف ہے لم تغن (الخ) پر اور دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ الارض سے مراد زمین حنین ہے ما رحبت میں ما مصدریہ ہے ب بمعنی باوجود ہے رحب بمعنی وسعت و فراخی یعنی تم میں بھاگڑ پڑی تو حنین کی زمین باوجود بہت فراخ ہونے کے تم پر تنگ ہو گئی کہ تم کسی جگہ اطمینان

www.alahazratnetwork.org

سے نہ بیٹھ سکے۔ جیسے تنگ جگہ سے انسان بھاگتا ہے تم ایسے بھاگنے لگے۔ خیال رہے کہ اس فرمانِ عالی میں خطاب ان ہی حضرات سے ہے جن کے قدم اکھڑ گئے تھے۔ اس خطاب میں حضور انور سید الاجمعین صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے بعض مخصوص جانثار صحابہ جن کی تعداد ایک سو سے زیادہ تھی جو وہاں جمے رہے وہ اس خطاب میں داخل نہیں کہ وہ تو اطمینان سے اپنی جگہ رہے۔ ثم ولیتم مدبرین۔ یہ عبارت ضاقت علیکم (الخ) کا بیان ہے ثم صرف ترتیب بیانی کے لئے ہے ولیتم بنا ہے تولیۃ سے بمعنی پھرنا۔ مدبرین بنا ہے ادبار سے بمعنی دبر یعنی پیٹھ دکھانا یہ ولیتم کے فاعل سے حال ہے یعنی پھر یہ بھی سن لو کہ تم کفار کی طرف پیٹھ کرتے ہوئے لوٹے کہ اسی میدان میں دوڑتے پھرے۔ یہ انجام ہوا اترانے کا رب کے کرم کا ذکر اگلی آیت میں ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! یہ خیال نہ کرنا کہ کفار سے الگ ہو جانے کی صورت میں ہم تھوڑے اور بے مددگار رہ جائیں گے۔ زیادہ جماعت بڑے کام کی چیز ہے اس گمان میں نہ رہو۔ تم اپنی تاریخ کو دیکھو کہ رب تعالیٰ نے بہت سی جنگوں کے موقعوں پر تمہاری غیبی مدد فرمائی اور تم تھوڑے ہونے کے باوجود کفار کی بڑی جماعت پر غالب آئے دیکھو جنگ بدر، غزوہ بنی نضیر و بنی قریظہ، حدیبیہ، خیبر، تبوک، فتح مکہ وغیرہ اتنی جنگیں ہیں جن میں تم معجزہ کے طور پر غالب آتے رہے۔ زیادہ جماعت کا حال دیکھنا ہے تو غزوۂ حنین کو یاد کرو کہ اس جنگ میں تم بارہ ہزار تھے تمہارے مقابل ہوازن ثقیف صرف چار ہزار۔ تم میں سے بعض لوگوں کو اپنی کثرت پر ناز ہو گیا وہ اتراتے ہوئے بولے کہ آج ہم کفار سے تھکنے ہیں ضرور غالب آئیں گے اس ناز کا انجام یہ ہوا کہ تمہاری زیادتی کچھ کام نہ آئی۔ تمہارے قدم اکھڑ گئے اور تم پر میدانِ حنین باوجود وسیع ہونے کے ایسا تنگ ہو گیا کہ تم کو کہیں قرار نہ پڑا۔ تم یوں ہی ادھر ادھر بھٹکنے لگے کفار سے پیٹھ پھیر کر دوڑ پڑے۔

لطیفہ: سلطان متوکل علی اللہ ایک بار بیمار پڑا اس نے نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے شفا دے تو مالِ کثیر خیرات کروں گا۔ اسے رب نے شفا دی۔ اس نے علماء سے پوچھا کہ مال کثیر کتنا ہوتا ہے۔ میں کتنا خیرات کروں۔ علماء کا اس پر اختلاف رہا۔ اس نے حضرت علی ابن محمد ابن علی ابن موسیٰ کاظم سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا اسی دینار خیرات کرے کہ یہ مثال کثیر ہے۔ آپ نے اس آیت سے دلیل لی۔ فی مواطن کثیرۃ کہ رب نے اسی غزوات کو کثیر فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اسی عدد کثیر ہے جب گنے گئے تو حنین سے پہلے اسی غزوات ہوئے تھی۔ (روح المعانی) تفسیر کبیر نے حنین سے پہلے اسی غزوات گنے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: غزوۂ حنین تمام غزوات میں عجب شان والا ہے۔ اس غزوہ میں قدرت نے تین شانیں دکھائیں۔ اولاً مسلمانوں کی فتح پھر ظاہری شکست پھر کچھ دیر بعد شاندار فتح۔ تین رنگ صرف اسی غزوہ میں ہوئے۔ یہ فائدہ اشارۃً یوم حنین سے ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام اللہ تعالیٰ کے نہایت مقبول بندے ہیں کہ ان کی معمولی خطا پر فوراً تنبیہ کر دی جاتی ہے۔ یہ خاص محبوبیت کی علامت ہے۔ دیکھو حنین میں بعض حضرات نے صرف یہ کہا کہ آج ہم کثرت جماعت کی وجہ سے فتح پائیں

www.alahazratnetwork.org

گے۔فوراً انہیں تنبیہ کر دی گئی کہ اولاً شکست دکھادی۔دیکھو یعقوب علیہ السلام نے جب یوسف علیہ السلام کو اپنے بیٹوں کے ساتھ بھیجا تو اللہ کی امان کا ذکر کرنا بھول گئے تو سال ہا سال کی جدائی ہو گئی۔یہ ہوئی تنبیہ پھر جب بنیامین کو اپنے بیٹوں کے ہمراہ مصر بھیجا تو فرمایا فاللہ خیر حافظاً۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام بھی مل گئے۔ہم جیسے گنہگار سینکڑوں گناہ کریں ادھر کچھ پروانہ کریں کہ ہم میں وہ محبوبیت کہاں یہ فائدہ اذا عجبتکم کثرتکم سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ پر توکل کرے۔اسباب جمع کرے مگر خالق اسباب پر نظر رکھے۔اس کا نتیجہ بہت اچھا ہوتا ہے۔یہ فائدہ اس پورے واقعہ غزوہ حنین سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: جنگ حنین میں جن صحابہ کے قدم اکھڑ گئے وہ سب متقی ہیں اس گھبراہٹ سے وہ ایمان سے نہ نکلے نہ تقوی سے یہ فائدہ نصرکم اور اعجبتکم خطاب کے الفاظ سے حاصل ہوا کہ انہیں رب تعالیٰ نے مومن کر کے خطاب فرمایا پھر انہیں سے یہ معرکہ فتح کرایا جیسا کہ اگلی آیت سے ظاہر ہوگا۔

پانچواں فائدہ: کبھی بعض حضرات کی خطا تمام جماعت کی طرف منسوب ہو جاتی ہے اور اس کا اثر سب پر پڑ جاتا ہے۔یہ فائدہ اعجبتکم (الخ) سے حاصل ہوا کہ حنین میں بعض لوگوں سے غلطی یہ غلطی ہوئی تھی کہ اپنی کثرت پر ناز کر بیٹھے مگر خطاب سب سے ہوا اعجبتکم اور اس کا نتیجہ سب کو دیکھنا پڑا۔اس کا خیال رہے۔

چھٹا فائدہ: ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور تمام خوبیوں سے موصوف ہیں آپ ﷺ بڑے شجاع بڑے بہادر بھی ہیں یہ فائدہ ولیتم مدبرین سے حاصل ہوا کہ اس میں خطاب صرف صحابہ سے ہے اس میں حضور انور ﷺ اور آپ ﷺ کے مخصوص ساتھی داخل نہیں ہیں۔شعر

تھا ایسا رن قضاء آسماں بھی تھرتھراتی تھی　　　محمد تھے کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی

دیکھو ایسے نازک موقع پر حضور ﷺ کے قدم نہ اکھڑے۔سب کے مقابل اکیلے ہی خچر سے اتر پڑے۔ہمارا نبی بہادروں کا بادشاہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساتواں فائدہ: ماں کے عزیزوں قرابت داروں سے سلوک بڑی اچھی چیز ہے۔دیکھو حضور انور ﷺ نے ہوازن کو قیدیوں کو اس لئے آزاد فرما دیا کہ وہ جناب حلیمہ کے ہم قوم تھے حالانکہ حضرت حلیمہ صرف دودھ کی والدہ تھیں اور ابھی ہوازن سے سخت جنگ ہو چکی تھی جیسا کہ نزول میں عرض کیا گیا۔پھر سگی ماں کے مومن قرابت داروں کا کیا پوچھنا۔ان کے ساتھ سلوک ماں، باپ کی خوشنودی کا سبب ہے۔

مسئلہ: جب اپنے قرابت داروں ماں باپ کے حق کا یہ حال ہے تو حضور انور ﷺ کے ماں باپ حضور انور ﷺ کے قرابت داروں کے حق کا کیا پوچھنا۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ غزوہ حنین میں کفار چار ہزار تھے مومن بارہ ہزار پھر کہا کہ ان میں سے چھ ہزار قیدی ہوئے یہ کیسے اگر وہ سارے قید ہو گئے ہوتے تب بھی دو ہزار زیادہ کیسے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: جنگی جوان چار ہزار تھے مگر قید ہونے والے ان کے بچے عورتیں بوڑھے سب ہی تھے۔

دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ غزوۂ حنین سے پہلے اسی غزوات ہو چکے تھے مگر بخاری شریف میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے کل انیس غزوات کئے پھر یہ تمہارا قول کیونکر درست ہوا۔

جواب: مشہور غزوات تو واقعی انیس ہوئے مگر کل غزوات سرایا جھڑپیں وغیرہ سب ملائی جائیں تو واقعی اسی ہیں۔ جیسے بیر معونہ، عرینہ والے اور حضرت خبیب کے قتل کا واقعہ وغیرہ۔ لہٰذا دونوں قول درست ہیں۔

تیسرا اعتراض: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہوازن کے تمام قیدی کیوں چھوڑ دیئے ان میں کیا خصوصیت تھی۔

جواب: اس لئے کہ ہوازن جناب حلیمہ کے ہم قوم اور ہم وطن تھے ان کی نسبت یہ رعایت کی گئی۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضرات صحابہ کرام کا توکل اللہ پر نہ تھا اپنی جماعت و کثرت پر توکل تھا۔ یہ بات مومن کی شان کے خلاف ہے۔

جواب: مقبولوں کی واردات لوگوں کے لئے ہدایت ہوتی ہیں۔ اس واقعہ میں قیامت تک کے مسلمانوں کو توکل کی تعلیم ہے۔ ان کے یہ واردات بھی تبلیغ ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پوری جماعت مل کر بلکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دفع بلا نہیں کر سکتے دیکھو فرمایا گیا فلم تغن عنکم شیا پھر تم کیسے کہتے ہو کہ اولیاء صحابہ یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دافع بلا ہیں۔ غزوہ حنین میں نبی اور صحابہ سب ہی موجود ہیں مگر اولاً ہزیمت ہوگئی۔ (وہابی)

جواب: ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مقبول بندے اللہ کے حکم اس کے ارادے سے دافع البلاء تو کیا دافع جملہ بلا ہیں۔ اس کے بغیر حکم اس کا مقابلہ کر کے کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ شعر

شافع روز جزا تم پہ کروڑوں درود
دافع جملہ بلا تم پہ کروڑوں درود

یہاں یہ بتایا گیا کہ تم نے اپنی نظر ہم سے ہٹا کر زیادتی تعداد پر لگائی تو ہم نے تمہاری فتح نہ چاہی تو تم مشکل میں پڑ گئے۔ پھر جب ہم نے چاہا تو وہی جماعت فاتح حنین بن گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اولیاء اللہ کے متعلق فرماتے ہیں بھم یرزقون و لھم یمطرون لوگوں کو ان کی برکت سے بارشیں اور روزیاں ملتی ہیں۔ رب تعالیٰ ضعفاء مومنین کے متعلق فرماتا ہے جو مکہ معظمہ میں رہ گئے تھے لو تزیلوا لعذبنا الذین کفروا اگر یہ لوگ مکہ سے نکل جاتے تو ہم مکہ والوں کو عذاب دیتے اور فرماتا ہے و ما کان اللہ لیعذبھم و انت فیھم اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا حالانکہ ان میں آپ ﷺ ہیں یہ ہے دفع بلا۔

چھٹا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد سے بھاگنے کو گناہ کبیرہ فرمایا و التولی یوم الزحف حضرات صحابہ غزوۂ حنین سے بھاگ گئے انہوں نے گناہ کبیرہ کیا۔ یہ ہے فسق معلوم ہوا کہ صحابہ فاسق تھے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: جی ہاں گناہ ہوا مگر اس کی معافی کا اعلان بھی ہو گیا اور انہوں نے اس جنگ میں فتح حاصل کر کے کفارہ ادا کر دیا۔ معافی کے بعد اس گناہ کا طعنہ دینا گناہ ہے۔ ہم حضرات صحابہ کو معصوم نہیں مانتے۔ عادل مانتے ہیں۔ عادل وہ جو گناہ پر قائم نہ رہے معصوم صرف حضرات انبیاء کرام یا فرشتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے فوج کی کثرت بغیر اللہ کی مدد کے ملک فتح نہیں کر سکتی اس کثرت پر توکل نہ چاہئے یوں ہی صرف کثرتِ اعمال طاعات عبادات بغیر رضاءِ الٰہی فتح بابِ جنت نہیں کر سکتے۔ اعمال اس کا سبب ہیں نہ کہ علت۔ لہٰذا عابدین زاہدین کو چاہئے کہ اپنے اعمال پر نازاں نہ ہوں بلکہ ہمیشہ اس کے دروازہ پر عجز و نیاز کے ساتھ حاضر رہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

تکیہ بر تقویٰ و دانش در طریقت کافری است　　　راہ رو گر صد ہنر دارد توکل بایدش

اپنے عقل و اعمال پر توکل طریقت میں کفر ہے۔ توکل رب پر چاہئے یہ واقعہ حنین بہت سی باتوں کا سبق دے رہا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ایک ہی بات ایک زبان کے لئے رحمت ہوتی ہے دوسری کے لئے زحمت یعنی تکلیف۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا رب ارنی انظر الیک خدایا مجھے اپنا جمال دکھا میں دیکھوں وہ محبوب رہے بنی اسرائیل نے کہا ارنا اللہ جھرۃ ہم کو اللہ تعالیٰ کا جمال دکھا دو وہ مصیبت میں پڑ گئے۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے بھی فرمایا کہ بارہ ہزار کا لشکر کمی کے باعث مغلوب نہ ہوگا۔ وہ فرمان برحق ہے۔ یہ ہی حنین کے سپاہیوں نے کہا کہ ہم بارہ ہزار ہیں مغلوب نہ ہوں گے وہ تکلیف میں پڑ گئے کیونکہ یہاں دل کا ناز اترانا شامل تھا۔ حضور ﷺ کی انا فانی اللہ تھی لہٰذا احکام میں فرق ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب دریا مردہ را بر سر نہد　　　چوں رود زندہ ز دریا کے رہد

مردہ کو دریا نہیں ڈبوتا۔ زندہ کو غرق کر دیتا ہے۔ اس دریائے معرفت میں نفس مردہ کر کے غوطہ لگاؤ پار ہو جاؤ گے۔ انا کو لے کر کود و گے غوطے کھاؤ گے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ
پھر اتارا اللہ سکینہ اپنا اوپر اپنے رسول کے اور اپنے مومنوں کے اور اتارے
پھر اللہ نے اپنی تسکین اتاری اپنے رسول پر اور وہ لشکر اتارے جو تم نے
وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَذٰلِكَ
لشکر کہ دیکھا نہیں تم نے انہیں اور عذاب ان لوگوں کو کفر کیا جنہوں نے اور یہ ہے
نہ دیکھے اور کافروں کو عذاب دیا اور منکروں کو یہ ہی سزا ہے

www.alahazratnetwork.org

جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ

بدلہ کافروں کا پھر توبہ ڈالے گا اللہ پیچھے اس کے

پھر اس کے بعد اللہ جسے چاہے گا توبہ دے گا اور اللہ

يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾

اوپر اس کے جس کو چاہے گا اور اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

بخشنے والا رحم والا ہے

تعلق: ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیاتِ کریمہ میں مسلمانوں کے حنین میں قدم اکھڑ جانے کا ذکر ہوا۔ اب انہی مسلمانوں کے قدم جم جانے اور میدان جیت لینے کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا غزوہ کا ایک رخ پچھلی آیت میں دکھا گیا۔ دوسرا رخ اب دکھایا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا اجمالی ذکر ہوا لقد نصر کم اللہ (الخ) اب اس اجمال کی تفصیل ہو رہی ہے کہ اس غزوہ میں رب نے تین طرح مسلمانوں کی مدد کی جیسا کہ تفسیر میں عرض ہوگا۔ انشاء اللہ۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ غزوات و جنگ میں صرف لشکر کی زیادتی فتح کے لئے کافی نہیں اب کافی ہونے والی چیزیں جن کی فتح میں ضرورت ہے ان کا بیان ہے یعنی سکینہ اتارنا وغیرہ گویا ناکافی چیزوں کے بعد کافی چیزوں کا ذکر ہے۔

تفسیر: ثم انزل اللہ سکینتہ علی رسولہ و علی المومنین چونکہ یہ واقعہ یعنی سکینہ کا نزول گذشتہ مذکورہ واقعہ سے کچھ دیر بعد ہوا اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا چونکہ یہ اطمینان و سکون غیبی تھا جس کا تعلق عرش عظیم سے تھا اس لئے انزل فرمایا گیا یعنی اوپر سے اتارا اور ایک دم اتارا۔ سکینہ بنا ہے سکون سے بمعنی دلی اطمینان، دل کا چین اس کی تفسیر اور اقسام دوسرے پارہ کے اخیر میں سکینۃ من ربکم کی تفسیر میں گزر چکی۔ یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر یا تو برکت کے لئے ہے دراصل انہیں پر سکون قلبی اتارا جن کو بے قراری بے چینی ہوگئی تھی۔ حضور انور ﷺ تو اول سے ہی مطمئن تھے جیسے رب فرماتا ہے یاایھا النبی اذا طلقتم النساء میں حضور انور ﷺ کا ذکر برکت کے لئے ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کے دل کا چین اور بھی زیادہ فرما دیا چین پر چین نازل کیا جیسے یاایھا النبی اتق اللہ یا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو بے چینی کفار کے سخت حملہ کی وجہ سے تھی۔ حضور انور ﷺ کو رنج و قلق ان مسلمانوں میں ہلچل پڑ جانے کی وجہ سے تمام مفسرین نے دوسری توجیہ کو اختیار کیا۔ مومنین سے مراد یا تو بھاگ جانے والے مومنین ہیں یا اپنے مقام پر ڈٹے رہنے والے یا دونوں تیسرا

www.alahazratnetwork.org

احتمال قوی ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رب تعالیٰ نے سکون اپنے محبوب کو دیا حضرات صحابہ کو دینے کے لئے حضور انور ﷺ کو ملا حضور ﷺ کے ذریعہ سب مسلمانوں کو وانزل جنودا لم تروھا یہ دوسری نعمت ہے جو غازیانِ حنین کو عطا ہوئی۔ چونکہ دلوں کا چین انہیں پہلے دیا گیا جس کی وجہ سے وہ بھاگتے ہوئے لوٹ پڑے اور حضور انور کے گرد جمع ہو گئے پھر فرشتوں کا نزول ہوا اس لئے انہیں جنود یعنی لشکروں سے تعبیر کیا۔ لم تروو فرما کر یہ بتایا کہ صرف مسلمان غازیوں نے انہیں نہ دیکھا۔ حضور انور ﷺ نے بھی دیکھا اور مقابلہ کرنے والے کفار نے بھی۔ جس سے ان کی ہمت ٹوٹ گئی چنانچہ ہوازن قیدیوں نے مسلمانوں سے پوچھا کہ ابلق اور سفید گھوڑوں والے کہا گیا جو جنگ کی حالت میں تمہارے ساتھ تھے۔ خیال رہے کہ ان فرشتوں کی تعداد ایک قول کے مطابق سولہ ہزار تھی۔ یعنی مسلمانوں اور کافروں کے لشکروں کی مجموعی تعداد کے مطابق اس میں اور قول بھی ہیں یہ بھی خیال رہے کہ اس غزوہ میں فرشتوں نے کفار سے جنگ نہ کی بلکہ صرف ان کی ہمتیں توڑ دیں۔ جنگ صرف غزوہ بدر میں کی۔ نیز یہ فرشتے کفار کو ہلاک کرنے نہیں آئے تھے ورنہ ایک کافی تھا۔ و عذب الذین کفروا سے مراد وہ ہوازن وثقیف ہیں جو مسلمانوں کے مقابل آئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ عاب سے مراد ہو آخرت کا عذاب یعنی برزخی سزائیں۔ تو کفروا سے مراد وہ ہوازن وثقیف ہیں جو کفر پر مارے گئے کیونکہ باقی ہوازن تو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ خیال رہے کہ ہوازن شکست کھا کر اوطاس کی طرف بھاگے جہاں ان کے بال بچے اور بہت مال تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پیچھے ابو عامر کی سرکردگی میں لشکر بھیجا وہاں جنگ ہوئی اور وہاں بھی انہوں نے سخت شکست کھائی۔ ان کے بال بچے قید ان کے بے شمار مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ لگے۔ ہوازن کا امیر مالک ابن عوف اوطاس سے طائف بھاگا۔ طائف کا مسلمانوں نے محاصرہ کیا۔ یہاں ابو عامر شہید ہوئے اور طائف فتح ہوا۔ اس دوران میں ماہ ذی قعدہ آ گیا۔ حضور انور ﷺ نے مقامِ جعرانہ میں واپس آ کر یہ غنیمتیں تقسیم فرمائیں۔ جعرانہ ایک عورت ریطہ بنت سعد کا لقب تھا۔ اس کے نام سے یہ مقام جعرانہ کہلاتا ہے۔ یہی عورت دن بھر سوت کات کر رات کو توڑ دیتی تھی جس کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کالتی نقضت غزلھا یہاں سے ہی حضور انور ﷺ نے عمرہ کیا۔ یہاں سے سرخیوں نے عمرہ کیا ہے جسے آج بڑا عمرہ کہتے ہیں۔ (روح البیان) و ذلک جزآء الکفرین۔ ذالک سے اشارہ مذکورہ عذاب کی طرف ہے الکافرین سے مراد جنگ حنین میں مسلمانوں سے لڑنے والے کفار ہیں۔ یا وہاں کفر پر مرنے والے جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا جیسے عذاب میں دو احتمال تھے۔ ایسے ہی یہاں بھی کافرین میں دو احتمال ہیں یہاں تک تو مومنوں پر رب کے فضل کفار پر قہر کا ذکر ہوا اب دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے۔ ثم یتوب اللہ من بعد ذلک علی من یشآء چونکہ ہوازن کے اسلام کا واقعہ فتح حنین سے کچھ دن بعد ہوا اس لئے یہاں ثم ارشاد ہوا توبہ سے مراد ہے اسلام کی توفیق دینا ذالک سے اشارہ مذکورہ غزوہ حنین کے واقعات کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ غزوہ حنین کے بعد جس کافر کو چاہے گا کفر سے توبہ کرنے اسلام قبول کرنے کی توفیق دے گا۔ چنانچہ اس کے بعد ہوازن کے کچھ سردار اپنی قوم کے نمائندے بن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اخلاص سے مسلمان ہوئے۔ حضور انور ﷺ نے ان کے سارے قیدی چھوڑ دیئے کہ بی بی حلیمہ دائی کے ہم وطن ہم

www.alahazratnetwork.org

قوم تھے۔ واللہ غفور رحیم۔ اللہ تعالیٰ بڑا ہی بخشنے والا ہے۔ بڑا ہی مہربان ہے اگر بندہ اس کے دروازہ پر عاجزی کر کے حاضر ہو اور سچی توبہ کرے تو برسوں کے گناہ ایک آن میں معاف کر دیتا ہے اور اس پر ایسی مہربانیاں کرتا ہے کہ اس کے وہم گمان سے وراء ہوں چنانچہ یہ ہی ہوا جو عرصے کے کافر و مجرم تھے، آخرکار مومن ہوئے۔ صحابی ہوئے چنانچہ انہیں کا سردار مالک ابن عوف جو مسلمانوں سے پہلے حنین میں پھر اوطاس میں پھر طائف میں لڑا آخرکار مومن ہوا اور عہد فاروقی میں ملک شام کا بہت سا حصہ اس نے فتح کر کے اسلامی ممالک میں شامل کیا (روح البیان) اس کا حال یہ ہو گیا۔ شعر

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند — فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخش — دیوانہ تو ہر دو جہاں راچہ کند

وہ تو زبانِ حال سے یوں کہتا تھا۔ شعر

ما ہرچہ داشتیم فداء تو کردہ ایم — جاں را اسیر بند ہوائے تو کردہ ایم
ماکردہ ایم ترک خود و ہر دو کون نیز — و لیکہا کہ کردہ ایم برائے تو کردہ ایم

اللہ تعالیٰ ان مقبولوں کے صدقہ ہم کو بھی سچی توبہ نیک اعمال کی توفیق دے آمین۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو تم نے زیادہ لشکر بہت سامان کا تو انجام دیکھ لیا کہ اگر رب کرم نہ کرے تو یہ سامان کچھ نہیں بناتا اب ہماری شان دیکھو کہ ہم نے اس غزوہ حنین میں اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر دل کا چین وسکون غیبی طریقہ سے نازل فرمایا ان کے ذریعہ مسلمانوں کو بخشا کہ حضور ﷺ کے حکم سے حضرت عباس نے پکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو۔ قرآن والو قرآن دینے والے محبوب کی طرف آؤ۔ اس آواز نے صور اسرافیل کا کام کیا سب کے دلوں میں چین آ گیا۔ سب لوٹے اور حضور انور ﷺ کے گرد جمع ہو گئے ادھر رب تعالیٰ نے سولہ ہزار فرشتے نازل فرمائے۔ جن کو مسلمانوں نے تو نہ دیکھا مگر کفار نے دیکھا جس سے ان کے دل ڈر گئے ہمتیں ٹوٹ گئیں یعنی ادھر مسلمانوں کو جرأت و ہمت بخشی ادھر کفار کی ہمتیں پست فرما دیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کفار کو دنیاوی عذاب یعنی شکست نے آ لیا۔ کفار کا بدلہ یہ ہی ہوتا ہے پھر اس کے بعد اللہ نے انہیں کفار کو جو مسلمانوں سے تین جگہ لڑے۔ حنین میں اوطاس میں طائف میں اور تینوں جگہ شکست کھائی توبہ کی توفیق دی کہ یہ ہی کفار مدینہ منورہ حاضر ہو کر مسلمان بنے صحابی بنے بعد میں ان میں سے بعض غازی بنے اللہ تعالیٰ گناہ بخشنے والا بھی ہے رحم و کرم فرمانے والا بھی۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر حال میں خصوصاً جہاد میں دل کا سکون وچین اللہ کی بڑی نعمت ہے گھبرائی ہوئی فوج شکست کھا جاتی ہے۔ مطمئن فوج اگرچہ تھوڑی ہو غالب آ جاتی ہے یہ فائدہ انزل اللہ سکینتہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن کو دنیا و آخرت میں دل کا چین نصیب کرے۔

دوسرا فائدہ: حقیقی چین وہ ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت عطا ہو۔ یہ فائدہ علی رسولہ کے بعد علی

www.alahazratnetwork.org

المومنین فرمانے سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے الابذکر اللہ تطمئن القلوب اس آیت میں ذکر اللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ حضور کا نام ذکر اللہ بھی ہے رب فرماتا ہے ذکرا رسولا اور فرماتا ہے انما انت مذکر۔

تیسرا فائدہ: گناہ کبیرہ سے انسان کافر نہیں مومن ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ علی المومنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان غازیوں کو مومن فرمایا جو اس وقت جہاد سے بھاگ رہے تھے حالانکہ جہاد سے بھاگنا گناہ کبیرہ ہے (روح البیان) خصوصاً جبکہ گناہ کے ساتھ خوف خدا بھی ہو۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

بہوش دامن عفوی بذلت من ست — کہ آب روی شریعت بدمن قد نرود

چوتھا فائدہ: غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر نہ تو گھبراہٹ آئی نہ آپ ﷺ کے قدم پیچھے ہٹے۔ آپ ﷺ کفار کی طرف ہی بڑھتے رہے۔ یہ فائدہ علی المومنین فرمانے سے حاصل ہوا جس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قسم کی سکینہ اتری مومنین پر دوسری قسم کی۔

پانچواں فائدہ: جنگ بدر کی طرح غزوۂ حنین میں بھی فرشتے آئے۔ مسلمانوں کی مدد کے لئے مگر فرق یہ ہے کہ بدر میں فرشتوں نے کفار سے جنگ بھی کی حنین میں جنگ نہ کی۔ یہ فائدہ وانزل جنودا سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: بدر میں مسلمانوں نے فرشتوں کو دیکھا مگر حنین میں مسلمانوں نے نہ دیکھا وہاں کفار کو نظر آئے۔ یہ فائدہ لم ترواھا سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: کفار کے لئے غزوات میں موت عذاب الٰہی ہے مگر مومن کے لئے اللہ کی رحمت۔ وہاں کافر کی موت حرام موت ہے مومن کی موت شہادت ہے یہ فائدہ وعذب الذین کفروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ مومن کی حالت تو یہ ہوتی ہے شعر

مرے شہید ہو مارے انہیں تو غازی ہے — یہ کام وہ ہے کہ ہر طرح سرفرازی ہے
مار آئے تو غازی مر گئے تو شہید — لٹ گئے تو روزہ لوٹ لائے تو عید

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ غزوۂ حنین میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی گھبراہٹ طاری ہو گئی تھی اور آپ ﷺ کے قدم بھی اکھڑ گئے تھے ورنہ آپ پر سکینہ اتارنے کے کیا معنی۔ سکون اس کو دیا جاتا ہے جسے بے چینی ہو۔

جواب: یہ بات عقل و نقل دونوں کے خلاف ہے۔ تمام احادیث و تواریخ میں ہے کہ حضور انور ﷺ اس وقت کفار ہی کی طرف بڑھ رہے تھے نیز اگر حضور انور ﷺ کے قدم اکھڑ گئے ہوتے تو مسلمانوں قدم کہاں اور کیسے جمتے۔ اس سوال کا جواب ہم تفسیر میں دے چکے ہیں کہ حضور انور ﷺ پر سکینہ کا نزول اور قسم کا تھا مسلمانوں پر اور قسم کا۔ سکینہ کے نزول سے حضور ﷺ کا سکون اور بڑھ گیا تھا۔ دیکھو تفسیر۔

دوسرا اعتراض: حضرت سلمہ ابن کوع فرماتے ہیں کہ مررت برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منہزما۔ میں حضور انور ﷺ سے بھاگنے کی حالت میں ملا۔ معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ بھی بھاگڑ میں شریک تھے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: اگر یہ روایت درست ہو تو اس میں منہزماً حضرت سلمہ کا حال ہے نہ کہ حضور انور ﷺ کا حال یعنی اس وقت میں بھاگ رہا تھا (روح البیان) ورنہ مررت نہ کہتے گزرتا وہی ہے جو ٹھہرے ہوئے کے پاس سے ہو۔ دونوں بھاگتے ہوں تو اس کو گزرنا نہیں کہا جاتا۔ معترض کو عقل سے کام لینا چاہئے جیسے حضور ﷺ فرماتے ہیں رایت ربی فی احسن صورۃ میں نے اپنے رب کو اچھی صورت میں دیکھا یعنی اس وقت میری صورت اچھی تھی کہ میں لباسِ نوری میں تھا۔

مسئلہ: جو شخص حضور انور ﷺ کی طرف بھاگنے کی نسبت کرے وہ کافر ہے کہ حضور انور ﷺ کی توہین کرتا ہے۔ حضور ﷺ اشجع الاشجعین ہیں۔ حضور ﷺ جیسا بہادر کوئی پیدا نہیں ہوا (روح البیان)

تیسرا اعتراض: حنین میں جب مسلمانوں نے فرشتوں کو دیکھا ہی نہیں تو ان کے اتارنے کا کیا فائدہ۔

جواب: انہیں کفار نے دیکھا جس سے ان کی ہمتیں پست پڑ گئیں۔ مسلمانوں کے دل قوی ہو گئے۔ اگرچہ فرشتے انہیں نظر نہ آئے۔ نورانی مخلوق نظر نہ آئے جب بھی اس کا اثر دل پر پڑتا ہے۔ ناری ابلیس نظر نہیں آتا اور دل میں اثر کر دیتا ہے۔ نار سے نور کی طاقت زیادہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس موقع پر حضور انور ﷺ نے ایک مٹھی کنکر کفار کی طرف پھینکے جو ان کی آنکھوں پر پڑے۔ فرعون کے مقابلہ کے وقت موسیٰ علیہ السلام نے لاٹھی کو سانپ بنایا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ عصاءِ موسوی سے بڑھ گیا کہ اس معجزہ سے فرعون نے شکست نہیں مانی مگر یہاں تمام کفار نے شکست مان لی۔ رب کے فرشتے مومنین کو نظر نہ آئے مگر ان کی آمد سے مومنوں کے دل مطمئن ہو گئے۔ بصارت نے انہیں نہ دیکھا مگر بصیرت نے دیکھا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سکینہ فرشتوں کی ایک خاص جماعت ہے جو بحکم رب العالمین گھبرائے ہوئے دل کو تھام لیتی ہے جس سے دل کو سکون نصیب ہوتا ہے۔ یہ خاص موقعوں میں خاص بندوں پر نازل ہوتی ہے۔ ان کے اس قول کی تائید اس آیت سے ہوئی ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا اتتنزل علیھم الملئکۃ الا تخافوا و لا تحزنوا (الخ) کبھی بزرگوں کے تبرکات سے سکونِ قلبی حاصل ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے فیہ سکینۃ من ربکم و بقیۃ مما ترک ال موسی و ال ھارون کبھی بزرگوں کی صحبت کبھی اللہ کا ذکر سکینہ ہے۔ الا بذکر اللہ تطمئن القلوب غزوۂ حنین میں ملائکہ لشکر در لشکر حاضر ہوئے یہ اور تھے اور سکینہ کچھ اور یہ سامان مسلمانوں کے سکون کا باعث ہوا کفار کے عذاب کا سبب۔ بہر حال یہ آیت کریمہ بہت جامع آیت ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا یَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ
اے لوگو جو ایمان لا چکے اس کے سوا نہیں کہ سارے مشرک (کفار) ناپاک ہیں پس نہ قریب آئیں
اے ایمان والو مشرک بڑے ناپاک ہیں تو اس برس کے بعد وہ مسجد حرام

www.alahazratnetwork.org

الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا ۚ وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ
مسجد حرام کے پیچھے ان کے اس سال اور اگر خوف کرو تم غریبی کا پس عنقریب غنی
کے پاس نہ آئیں اور اگر تمہیں محتاجی کا ڈر ہے تو عنقریب اللہ تمہیں دولتمند
يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾
کردے گا تم کو اللہ اپنی مہربانی سے اگر چاہے گا بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے
کردے گا اپنے فضل سے اگر چاہے بے شک اللہ علم والا حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں غزوہ کا واقعہ بیان ہوا جس سے پتہ لگا کہ اسباب کے مقابل مسبب الاسباب پر توکل چاہئے اب اس کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ مشرکین مکہ اگر حج کرنے نہ آئیں تو اے مکہ والو تم بھوکے نہ مرو گے۔ رازق رب تعالیٰ ہے نہ کہ مشرکین عرب۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن غازیوں پر نزولِ سکینہ کا ذکر ہوا اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مکہ والو تم مشرکوں کو حج سے روک دو تو تم پر غیبی سکینہ اترے گا۔ وہ واقعہ تمہارے لئے سبق ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے پتہ لگا کہ کفار اللہ کی رحمت سے دور ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ وہ بیت اللہ سے بھی دور ہیں۔ گویا رحمت اللہ سے دور ہونے کے بعد بیت اللہ سے دوری کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: جب ۹ ہجری میں حضرت ابوبکر صدیق کی سرکردگی میں حضرت علی نے سورہ برأت کا اعلان کیا اور فرمایا کہ سال آئندہ سے کوئی مشرک حج نہ کرے نہ کوئی ننگا تو مشرکین عرب نے مکہ کے مسلمانوں سے کہا کہ تم نے ہم کو حج سے تو روک دیا تم بھی اس کا انجام دیکھ لینا۔ کیونکہ حج میں سامانِ تجارت ہم ہی باہر سے لاتے ہیں تمہاری آمدنیاں ہمارے ہی ذریعہ ہوتی ہیں۔ اگر ہم نے آنا چھوڑ دیا تو تم بھوکے مرجاؤ گے۔ اس پر بعض مکہ والے کچھ پریشان ہوئے تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ان کو تسلی دی گئی کہ رازق اللہ ہے اس پر توکل کرو۔ تم کو انشاء اللہ پہلے سے زیادہ روزی عطا فرمائے گا۔ (کبیر، خازن، روح المعانی)

تفسیر: یـایھـا الـذین امنوا چونکہ اس آیت کریمہ کا حکم کہ مشرکین حج وعمرہ کو نہ آئیں فطری طور سے نفس پر شاق تھا کہ بظاہر عام آمدنی انہیں سے ہوتی تھی اور صدیوں سے وہ لوگ حج کرتے تھے ایک دم ان کا حج روک دینا آسان نہ تھا۔ اس مضمون کو پیارے خطاب مبارک ندا سے شروع فرمایا تاکہ اس ندا کی لذت سے اس پر عمل آسان ہوجاوے۔ نیز اس خطاب سے یہ بتایا کہ کفار سے نفرت ایمان کا تقاضا ہے کیونکہ مومن پاک ہے مشرکین ناپاک۔ پاک اور ناپاک کا اجتماع کیسا۔ انما

www.alahazratnetwork.org

المشرکون نجس انما حصر کے لئے ہے اس میں مشرکین کو نجس میں منحصر کیا گیا ہے نہ کہ نجس کو مشرکین میں یعنی یہ معنی نہیں کہ مشرکین ہی نجس ہیں بلکہ معنی یہ ہیں کہ مشرکین نجس ہی ہیں ان میں پاکی کا شائبہ بھی نہیں۔ان جیسی آیات میں مشرکین سے مراد سارے کفار ہوتے ہیں خواہ مشرک ہوں یا عیسائی یہودی۔ (روح البیان) نجس یا تو مصدر ہے نجس ینجس کا تو اس سے پہلے ذو پوشیدہ ہے۔ یا صفت مشبہ بروزن حسن تو کچھ پوشیدہ ماننے کی ضرورت نہیں اور ہوسکتا ہے کہ نجس مصدر ہو اور کچھ پوشیدہ نہ ہو جیسے زید عدل۔ یعنی کفار نری گندگی ہیں۔قوی یہ ہی ہے کہ یہاں نجاست سے مراد عقائد کی نجاست ہے یعنی ان کے عقیدے گندے ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے نجاست حکمی بھی مراد ہو کہ وہ جنابت میں غسل نہیں کرتے ہوسکتا ہے کہ نجاست حقیقی مراد ہو کیونکہ کفار کے کپڑے جسم گندے ہوتے ہیں وہ پیشاب سے پرہیز نہیں کرتے بلکہ گائے کا پیشاب و گوبر کو پاک بلکہ پاکی کا ذریعہ سمجھتے ہیں جیسا کہ آج بھی ہندوؤں میں دیکھا جارہا ہے اسی ہاتھ سے گوبر کا اپلا توڑا پھر وہی ہاتھ پانی اور آٹے میں ڈال دیتے ہیں مگر قوی قول پہلا ہی ہے یعنی عقائد کی گندگی مراد ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یہ ہی احناف کا مذہب ہے۔فلا یقربوا المسجد الحرام اس فرمان عالی میں ف سببیہ ہے یعنی چونکہ وہ نجس ہیں لہذا مسجد حرام کے قریب بھی نہ آئیں۔قریب سے مراد داخل ہونا ہے مبالغہ کے لئے قریب کا ذکر فرمایا جیسے فلا تقربا ھذ الشجرۃ مسجد حرام سے مراد یا تو صرف مسجد حرام شریف ہے یا حدود حرم جس کے حدود اربعہ یہ ہیں براستہ مدینہ تین میل، براستہ عراق سات میل، براستہ طائف و جعرانہ نو میل براستہ جدہ دس میل (روح البیان) قوی یہ ہے کہ حج و عمرہ یا نماز و دیگر عبادات کے لئے کفار کا مسجد حرام میں آنا حرام ہے دنیاوی وجہ سے کچھ دیر کے لئے آسکتے ہیں جیسے سلطان اسلام مکہ میں ہو اور باہر سے کوئی کافر اس سے ملنے آئے تو آسکتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ آگے ارشاد ہے بعد عامھم ھذا اس فرمان عالی میں ہذا سے مراد ہے ۹ ہجری کا سال یعنی اس سال کے بعد اگلے سال نہ آئیں یعنی حج کرنے نہ آئیں اگر مطلقاً آنا منع ہوتا تو سال کی قید نہ ہوتی یعنی اگلے سال سے یہ حج و عمرہ کرنے نہ آئیں یوں ہی اور کسی مسجد میں کفار اپنی عبادات کرنے داخل نہ ہوں کہ اس حکم اور احترام کے کام میں ساری مسجد یکساں ہیں۔و ان خفتم عیلۃ اس فرمان عالی میں مسلمانوں کے شبہ کا جواب ہے۔عیلۃ بنا ہے عیل سے بمعنی بھوک فقر عول بمعنی پرورش ہے اس سے ہے عیال یعنی ماں باپ کے ذریعہ پرورش پانے والے یعنی اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ کفار کو حج سے روک دیئے جانے سے مکہ والے بھوکے مریں گے تو خیال رکھو کہ فسوف یغنیکم اللہ من فضلہ یہ عبارت ان خفتم کی جزا نہیں بلکہ پوشیدہ جزا کی وجہ ہے لہذا ف جزائیہ نہیں بلکہ تعلیلیہ ہے اس میں خطاب انہیں مکہ والوں سے ہے جن کو یہ دھڑکا لگا تھا۔یغنی بنا ہے اغنم سے بمعنی بے نیاز کر دینا۔یعنی اس کا غم نہ کرو کیونکہ عنقریب اللہ تعالیٰ تم کو اپنے فضل و کرم سے تمام کفار سے بے نیاز کردے گا کہ کفار حج کو نہ آئیں اور تم عیش کرو۔انشاء اللہ یہ فرمان عالی شک کے لئے نہیں بلکہ برکت کے لئے ہے جیسے لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ میں ہے اس میں بندوں کو تعلیم دی گئی ہے کہ ہر نعمت کو اللہ تعالیٰ کے کرم سے جانیں اس پر کوئی چیز واجب نہیں نہ کسی کا اس پر حق ہے۔ان شاء ان اللہ علیم حکیم۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کفار کو مکہ معظمہ سے روک دینے میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں جو تم کو بعد میں معلوم ہوں گی

www.alahazratnetwork.org

اورتم کوکس ذریعہ سے روزی ملے گی یہ اللہ کے علم میں ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا فرمادیا چنانچہ اس سے نجد، بتالا، جرش وغیرہ کوایمان کی توفیق بخشی۔ یہ لوگ حج کو آنے لگے اور ساتھ ہی تجارتی سامان لانے لگے۔ ان کی تجارات پہلے سے بھی زیادہ چمک گئیں۔ پھر عہد فاروقی میں تو بہت ملک فتح ہوئے ہر طرف سے مسلمان حج کو آنے لگے۔ اب بھی وہاں دیکھ لو کہ مکہ معظمہ کی سی منڈی بڑے بڑے شہروں میں نہیں اور جو نعمتیں وہاں ملتی ہیں دوسری جگہ دستیاب نہیں ہوتیں۔ یہ ہے وعدۂ ربانی کا ظہور۔

خلاصہ تفسیر : اے مسلمانو! مشرکین و کفار عقائد خیالات کے بڑے گندے ہیں گھونے ہیں لہٰذا اس سال تو انہیں حج کر لینے دو سال آئندہ سے یہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں، نہ حج کریں نہ عمرہ نہ زیارات اگر تم کو یہ خطرہ ہو کہ ان کے حج و عمرہ سے روک دیئے جانے سے ہم لوگ فقیر ہو جائیں گے کیونکہ ہمارا گزارا حج کی آمدنی پر اور باہر سے تجارتی مال آنے پر ہے کفار ہی تجارتی مال لاتے ہیں انہیں سے ہم کو آمدنیاں ہوتی ہیں ان کو روک دیا گیا تو ہمارا کیا بنے گا۔ اس کا خیال نہ کرو۔ انشاء اللہ ہم تم کو غنی و بے نیاز کر دیں گے کہ کفار کے بغیر آئے ہی تمہارے کاروبار خوب چمکیں گے اتنا یاد رکھو کہ اللہ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی ہے وہ جانتا ہے کہ کس کو کیسے پرورش کیا جات ہے۔ اس نے جو کفار کو مکہ معظمہ سے روکا ہے اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔ حافظ شیرازی کہتے ہیں شعر

تو بندگی چو گدایاں بشرط مزد مکن   کہ خواجہ خود روش بندہ پروری داند

خیال رہے۔ کفار و مشرکین کے متعلق چند قول ہیں۔ (۱) یہ لوگ کتے سور کی طرح نجس العین ہیں اگر ان کو ہاتھ لگ جائے تو وضو ٹوٹ جاتا ہے ان کے کپڑے ان کے برتن وغیرہ نجس ہیں ان کا استعمال درست نہیں یہ قول زیدیہ شیعوں کا ہے (تفسیر خازن، روح المعانی و کبیر) ان کا یہ شعر ہے۔

نجس العین کے شود طاہر   سگ و خوک است و میت و کافر

(۲) ان کے جسم تو پاک ہیں مگر یہ کسی مسجد میں کسی وجہ سے کام کے لئے نہیں آسکتے۔ یہ قول امام مالک کا ہے (تفسیر کبیر و روح المعانی) (۳) مشرکین و کفار ہیں تو پاک مگر مسجد حرام میں کسی غرض سے نہیں جاسکتے۔ دوسری مسجدوں میں جاسکتے ہیں۔ یہ قول امام شافعی کا ہے (کبیر) (۴) آدمی مطلقاً پاک ہے خواہ مومن ہو یا مشرک و کافر وہ ہر مسجد میں اور مسجد حرام میں مسلمانوں کی اجازت لے کر داخل ہو سکتے ہیں اپنی عبادات کسی مسجد میں نہیں کر سکتے۔ یہ قول امام اعظم ابو حنیفہ کا ہے۔ یہ ہی قول نہایت قوی ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفار و مشرکین کے عقائد نجس و گندے ہیں نہ کہ جسم۔ وہ مسجدوں میں اپنی عبادت نہیں کر سکتے۔ دوسرے کام کے لئے مسلمانوں کی اجازت سے آسکتے ہیں۔ یہ فائدہ **فلا یقربو المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** سے حاصل ہوا۔ اس مسئلہ پر چند دلائل قائم ہیں۔ (۱) رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی پرورش فرعون کے گھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش

www.alahazratnetwork.org

ابوطالب کے گھر کرائی۔ اگر یہ لوگ کتے سور کی طرح نجس ہوتے تو رب تعالیٰ اپنے نبیوں کی پرورش ان نجس لوگوں کے ہاں نہ کراتا (۲) اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مشرکین اس سال کے بعد اگلے سال سے مسجد حرام کے قریب نہ آئیں۔ معلوم ہوا کہ انہیں حج سے روکا جارہا ہے نہ کہ مطلقاً آنے سے۔ ورنہ فرمایا جاتا کہ آج سے ہی کبھی نہ آئیں۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی کے بچے کو مسجد نبوی شریف میں جھاڑو دینے کی اجازت دی تھی وہ جھاڑو دیا کرتا تھا۔ آخرکار مومن ہو کر فوت ہوا مگر جھاڑو دیتے وقت تو کافر ہی تھا۔ (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار کفار کی ایک جماعت کو مسجد میں اتارا (۵) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین مسجد میں کچہری کرتے تھے وہاں ہی مقدمات طے کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ مقدمات مسلمانوں کے بھی آتے تھے کفار کے بھی وہ بھی مقدمہ کے سلسلہ میں مسجد میں حاضر ہوتے تھے۔ (۶) اگر مشرکین نجس العین ہوں تو مسلمانوں کی زندگی ناممکن ہو جاوے آج اکثر و بیشتر چیزیں امریکہ انگلستان سے آتی ہیں جنہیں ہر ملک کے مسلمان استعمال کرتے ہیں۔ (۷) اگر کفار کا مسجد میں آنا مطلقاً منع ہو تو آج مشکل پڑ جاوے۔ اکثر مستری، مزدور، انجینئر کفار ہوتے ہیں جن سے مسجدیں تعمیر کرائی جاتی ہیں۔ ان کے بغیر کام نہیں چلتا۔ بہرحال مذہب حنفی بہت قوی ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار و مشرکین کو نہ تو مسجد حرام میں حج یا عمرہ کرنے کی اجازت ہے نہ عام مسجدوں میں اپنی عبادات کی اجازت۔ یہ فائدہ **فلا یقربوا المسجد الحرام** (الخ) سے حاصل ہوا تمام مسجدیں احترام اور احکام میں مسجد حرام کی طرح ہی ہیں۔

تیسرا فائدہ: اللہ کے فضل سے کوئی مومن نجس نہیں سب پاک ہیں۔ حتیٰ کہ بے وضو، جنبی، حائضہ بھی خود نجس نہیں اس کی نجاست حکمیہ ہے اگر مومن کے جسم پر گندگی لگ جاوے تب بھی مومن نجس نہیں یہ نجاست بدن پر ہے اور عارضی۔ یہ فائدہ **انما المشرکون نجس** کے انما سے حاصل ہوا۔ انما حصر کے لئے ہے اگر مومن بھی نجس ہو تو انما کا حصر کیا۔ حصر یا دو طرفہ ہے یا اول کا دوسرے میں جیسے **انما الھکم اللہ واحد** میں حصر دو طرفہ ہے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں **المومن لا ینجس**۔

چوتھا فائدہ: اگر مشرک یا کافر کو سات سمندروں میں غسل دیا جاوے تب بھی وہ نجس ہی ہے کیونکہ اس کی نجاست شرک کی وجہ سے ہے اور شرک پانی سے نہیں ایمان سے ہی دھلتا ہے۔ یہ فائدہ **المشرکون** فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ہر قسم کے مشرکین نجس ہیں خواہ وہ دو خدا مانیں یا دو سو۔ یوں ہی ہر قسم کے کفار نجس ہیں خواہ وہ دہریے ہوں یا نبی کے منکر۔ یہ فائدہ **المشرکون** کو جمع استغراقی فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہ لفظ شخصی اور نوعی دونوں قسم کے عموم کے لئے ہے۔

چھٹا فائدہ: مشرک و کافر کی نجاست عارضی نہیں بلکہ ذاتی ہے۔ وہ بذاتِ خود نجس و ناپاک ہے۔ یہ فائدہ نجس جیم کے فتحہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ نجس جیم کے کسرہ سے عارضی ناپاک کو بھی کہتے ہیں۔ کپڑا نجس ہو جاتا ہے جیم کے کسرہ سے مگر پیشاب پاخانہ نجس ہے جیم کے فتحہ سے۔

ساتواں فائدہ: انسان کو مخلوق پر اعتماد نہیں چاہئے بلکہ خالق پر چاہئے۔ یہ فائدہ **یغنیکم اللہ** فرمانے سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

سب کچھ نہیں کر سکتے۔ رب سب کچھ کر سکتا ہے۔ دیکھو مشرکوں کو حج سے روکا تو اہل مکہ بھوکے نہ مرے۔ پاکستان سے کفار سے چلے گئے تو مسلمان بھوکے نہ مرے بلکہ پہلے سے زیادہ مزے میں ہو گئے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ جس کسی کو جو کچھ دیتا ہے محض اپنے فضل و کرم سے دیتا ہے اس پر کسی کا کوئی حق نہیں۔ یہ فائدہ من فضلہ سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: یقینی چیزوں پر بھی انشاء اللہ کہہ لینا تبرک کے لئے جائز ہے۔ یہ فائدہ انشاء اللہ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے اہل مکہ کو غنی فرمانے کا وعدہ فرمایا۔ رب کا وعدہ یقینی مگر ساتھ ہی انشاء اللہ بھی فرما دیا۔ فرماتا ہے لتدخلن المسجد الحرام انشاء اللہ لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ میں انشاء اللہ مسلمان ہوں۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے کسی فعل پر اعتراض کرنا نہیں چاہئے، خواہ سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یہ فائدہ علیم حکیم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: مشرکین کتوں اور سوروں کی طرح نجس العین ہیں ان کھانا وہ سب ہی نجس ہے دیکھو یہاں نجس جیم کے فتحہ سے ارشاد ہوا۔ چنانچہ ابن مردویہ اور ابوالشیخ نے حضرت ابن عباس سے روایت کی کہ حضور انور ﷺ نے فرمایا جو مشرک سے مصافحہ کرے وہ وضو کرے یا ہاتھ ہی دھوئے نیز ابن مردویہ نے بروایت ہشام ابن عروہ سے روایت کی کہ ایک بار حضرت جبریل حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے آپ ﷺ نے مصافحہ کے لئے ہاتھ بڑھایا تو جناب جبریل نے ہاتھ کھینچ لیا۔ فرمایا مصافحہ کیوں نہیں کرتے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ نے ایک یہودی کا ہاتھ پکڑا تھا۔ حضور انور ﷺ نے پانی منگوا کر وضو کیا۔ تب حضرت جبریل سے مصافحہ کیا (تفسیر روح المعانی) معلوم ہوا کہ کفار نجس العین ہیں۔ (زیدی شیعہ)

جواب: یہ روایات صحیح نہیں دو وجہوں سے۔ ایک یہ کہ نجس العین کے چھونے سے نہ وضو ٹوٹے نہ ہاتھ دھونا واجب ہو۔ کتے سور کو چھونے سے وضو نہیں کیا جاتا دوسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرک بادشاہوں کے ہدایا تحفے قبول فرمائے انہیں استعمال کیا نیز حضرات صحابہ کرام غزوات میں کفار کے کھانے کپڑے ان کی چیزیں غنیمت میں لیتے اور استعمال کرتے تھے۔ یہ آیت بتا رہی ہے کہ یہاں نجاست حقیقیہ مراد نہیں کیونکہ یہاں یہ نہ فرمایا گیا کہ انہیں ہاتھ نہ لگاؤ بلکہ ارشاد ہوا کہ اگلے سال سے مسجد حرام واپس نہ آئیں باقی اور کسی چیز سے ممانعت نہیں کی۔ اگر تمہاری پیش کردہ احادیث صحیح بھی ہوں تو وہ حضور انور ﷺ کے ان اعمال شریفہ سے منسوخ ہیں کیا تم یہ ماننے پر آمادہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے کلیم اللہ اور حبیب اللہ کو سالہا سال تک نجس چیزوں سے پالا یعنی فرعون اور کفار مکہ ابوطالب کے کھانے کپڑے سے۔ خدا عقل دے۔

دوسرا اعتراض: کفار کو کسی مسجد میں کام کے لئے آنا درست نہیں ان کا مسجدوں میں داخلہ حرام ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا فلا یقربوا المسجد الحرام اور تمام مسجدیں احکام اور احترام میں برابر ہیں۔ (امام مالک)

جواب: اس آیت میں مشرکین پر صرف ایک پابندی لگائی کہ وہ اگلے سال سے مسجد حرام کے قریب نہ ہوں اگلے سال سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حج کے لئے نہ آئیں لہٰذا ان کا داخلہ اور کاموں کے لئے جائز ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

www.alahazratnetwork.org

شریف ہم ابھی عرض کر چکے کہ مسجد نبوی میں یہودی بچہ جھاڑو دیتا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع نہ فرمایا۔

تیسرا اعتراض: مشرکین و کفار مسجد حرام میں بلکہ حدود مکہ یعنی حرم میں کسی کام کے لئے داخل نہیں ہو سکتے دیکھو ارشاد ہوا

شریف ہم ابھی عرض کر چکے کہ مسجد

یعنی حرم میں کسی کام کے لئے داخل نہیں ہو سکتے دیکھو ارشاد ہوا

مسجد دھوؤ۔ معلوم ہوا کہ حج کے لئے آنے کی ممانعت فرمائی گئی۔ اس کی تفسیر حضرت علی کا وہ اعلان ہے

میں حج کے موقع پر زیر اہتمام حضرت ابوبکر صدیق کیا الا لا بعدک منہ ھذا اس سال کے بعد کوئی

یہاں یہ بھی ارشاد ہے وان خفتم عیلۃ (الخ) اور ظاہر ہے کہ مکہ والوں کو مشرکین کے حج میں نہ

اندیشہ تھا۔

چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ کوئی مومن نجس نہیں ہوتا مگر رب تعالیٰ اہل بیت اطہار کے لئے فرماتا

الرجس اھل البیت اے نبی کے گھر والو رب تعالیٰ کا ارادہ ہے کہ تم سے گندگی دور کرے اگر گندگی نہ تھی

آپ نے ۹ ہجری

حج نہ کرے نیز

سے ہی فقیری کا

عنکم

دور کیسے کی گئی۔

www.alahazratnetwork.org

مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔ کافر سمندروں میں غوطہ دینے غسل دینے سے پاک نہیں ہوتا وہ تو کلمہ طیبہ کے پانی سے پاک ہوتا ہے۔ ہاں نفس امارہ وہ نجس العین ہے جو پانی سے پاک نہیں ہوتا بلکہ اسے عشق رسول کی آگ میں جلا کر اس کی حقیقت تبدیل کر دو۔ پاک ہو جاوے گا۔ پاخانہ پانی سے نہیں بلکہ راکھ بن جانے سے پاک ہوتا ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّ
جہاد کرو ان لوگوں سے جو نہ تو ایمان لائے ہیں اللہ پر نہ آخری دن پر اور نہیں حرام
لڑو ان سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور قیامت پر اور نہیں مانتے اس چیز
مُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ مِنَ
جانتے اسے جو حرام کی اللہ اور اس کے رسول نے اور نہیں اختیار کرتے دین سچا یعنی
کو جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچے دین کے تابع نہیں ہوتے یعنی
الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ
وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب یہانتک کہ دیں وہ جزیہ ہاتھ سے حالانکہ وہ
وہ جو کتاب دیئے گئے جب تک اپنے ہاتھ سے جزیہ نہ دیں
وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾
ذلیل ہوں
ذلیل ہوں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مشرک کے احکام بیان ہوئے کہ انہیں مسجد حرام کے پاس نہ آنے دو۔ ان سے جنگ کرو وغیرہ۔ اب اہل کتاب کے احکام بیان ہو رہے ہیں کہ ان سے صرف جنگ ہی واجب نہیں بلکہ جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے۔ گویا ایک قسم کے کفار کے بعد دوسری قسم کے کفار کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ مشرکین کے حج نہ کرنے سے مکہ والو تم فقیر نہ ہو جاؤ گے۔ اللہ تم کو غنی کر دے گا۔ اب اہل کتاب سے جزیہ لینے کا ذکر ہے جس سے پتہ لگا کہ تم کو جزیہ وغیرہ کے ذریعہ غنی کر دے گا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو جہاد کی رغبت دی گئی تھی اب جہاد کا انجام بتایا جا رہا ہے کہ اس سے مسلمان سلطان بنیں گے کفار ان کی رعایا جو انہیں ٹیکس وغیرہ دے کر ان کے زیر فرمان رہیں گے۔ جہاد بظاہر ہلاکت ہے در حقیقت بقا

www.alahazratnetwork.org

کا ذریعہ۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند قول ہیں۔ مجاہد فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ نے مسلمانوں کو روم کے عیسائیوں سے جنگ کرنے کا حکم دیا۔ تب آپ ﷺ کی تائید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ کلبی فرماتے ہیں کہ یہ آیت بنی قریظہ اور بنی نضیر یہودیوں کے متعلق نازل ہوئی (تفسیر خازن، صاوی) مگر اس پر شبہ ہے کہ سورۂ توبہ کی یہ آیت ۸ ہجری سے پہلے نازل ہوئیں۔ ان کا اعلان ۹ ہجری کے حج میں ہوا اور بنی قریظہ و بنی نضیر کا واقعہ اس سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ اس سورت کی شروع کی چالیس آیات وہ ہیں جن کا اعلان ۹ ہجری حج میں ہوا۔

تفسیر: قاتلوا الذین لا یومنون باللہ و لا بالیوم الاخر اس فرمانِ عالی میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام سے ہے۔ حضور ﷺ کے طفیل سارے جہان کے جہاد کر سکنے والے مسلمانوں سے۔ قاتلو میں جارحانہ اور مدافعانہ دونوں قسم کے جہاد داخل ہیں۔ مسلمانوں کو ہر قسم کے جہاد کی اجازت ہے۔ ہاں پہلے صرف مدافعانہ جہاد کی اجازت تھی۔ و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا (الخ) پھر ہر قسم کے جہاد کی اجازت۔ ان جیسی آیات میں دی گئی الذین (الخ) سے مراد یہود و نصاریٰ ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ یہ دونوں قومیں اگرچہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کو ماننے کی دعویدار ہیں مگر درحقیقت دونوں صحیح طرح نہیں مانتے۔ عیسائی اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا مانتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام کو اور یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو۔ یوں ہی یہودی جنت میں کھانے پینے کی نعمتوں کے منکر ہیں۔ عیسائی جنت میں صرف روحانی داخلہ مانتے ہیں نہ کہ جسمانی نیز یہ لوگ ان دونوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ کے بغیر مانتے ہیں لہٰذا ان پر ایمان نہیں رکھتے بہر حال یہ فرمانِ عالی بالکل درست ہے۔ و لا یحرمون ما حرم اللہ و رسولہ یہ عبارت معطوف ہے لا یومنون پر اس میں یہود و نصاریٰ کے دوسرے دو جرموں کا ذکر ہے۔ یحرمون بنا ہے تحریم سے بمعنی حرام جاننا یا حرام ماننا (الخ) یحرمون کا مفعول ہے ما حرم بنا ہے تحریم سے بمعنی حرام کرنا۔ ظاہر یہ ہے کہ رسولہ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں الرسول یا رسولہ بغیر کسی قید کے آتا ہے وہاں حضور انور ﷺ ہی مراد ہوتے ہیں یعنی ان چیزوں کو حرام نہیں جانتے جنہیں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حرام کیا جیسے سور، مردار، شراب، سود، جوا وغیرہ یا جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث پاک میں حرام کیا جیسے ریچھ، بھیڑیا، شیر وغیرہ کہ وہ یہ سب کھاتے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ رسولہ سے مراد حضور ﷺ موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام ہوں جنہیں یہود و عیسائی رسول مانتے ہیں یعنی جو چیزیں اللہ تعالیٰ نے توریت و انجیل میں حرام کیں اور جو چیزیں ان نبیوں نے حرام کیں انہیں یہ حرام نہیں سمجھتے بلکہ ان کتابوں میں تحریف کر کے حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لیتے ہیں (روح المعانی) خیال رہے کہ آسمانی کتاب کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس میں تحریف کرنا جہاد کا باعث نہیں اگرچہ جرم وہ ہی ہے (روح المعانی) و لا یدینون دین الحق یہ یہود و نصاریٰ کے پانچویں عیب کا بیان ہے الذین (الخ) پر معطوف۔ یدینون بنا ہے دین سے بمعنی اعتقاد و قبول سے دین الحق یا تو یدینون کا مفعول مطلق ہے تو دین بمعنی قبول کرنا یا مفعول بہ تو بمعنی ملت۔ ہے۔ حق یا تو اسماء اللہ میں سے ہے یعنی اللہ کا دین کہ اب صرف اسلام ہی اللہ کا دین

www.alahazratnetwork.org

ہے وہ منسوخ دین اب اللہ کا دین نہ رہے انہیں اختیار کرنا اب کفر ہے۔ یا حق بمعنی ثابت لازم غیر منسوخ ہے اور دین صفت یعنی یہ لوگ اللہ کا دین اسلام یا مضبوط نہ منسوخ ہونے والا دین اختیار نہیں کرتے اور ہوسکتا ہے کہ حق بمعنی سچ ہو باطل کا مقابلہ کہ اب منسوخ دین باطل ہو چکے اسلام ہی حق ہے ان الدین عند اللہ الاسلام یعنی وہ سچا دین اسلام قبول نہیں کرتے۔ من الذین اوتوا الکتب یہ بیان ہے الذین (الخ) کا لہٰذا اس میں من بیانیہ ہے تجنیسیہ کتاب سے مراد جنس کتاب ہے جس میں توریت و انجیل بلکہ زبور سب ہی داخل ہیں لہٰذا الذین سے مراد سارے اہل کتاب کفار ہیں یہود و عیسائی یا داؤدی اس عبارت میں بتایا گیا کہ یہاں مشرکین مراد نہیں کہ اگرچہ جہاد سب پر ہوگا مگر جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جاوے گا مشرکین عرب سے نہیں۔ (عبد الاحناف) شوافع کے ہاں عرب و عجم ہر جگہ مشرکین کا یہی حکم ہے جیسا کہ انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض ہوگا۔ حتی یعطوا الجزیة یہ فرمان عالی قاتلو (الخ) کی انتہا ہے عطا سے مراد قبول کر لینا۔ اپنے ذمہ لازم کر لینا ہے کیونکہ اگر یہود و نصاریٰ جزیہ دینا منظور کرلیں تو ان پر جہاد نہ ہوگا، دینے کا انتظار نہیں کیا جاوے گا۔ جزیہ بنا ہے جزی سے بمعنی بدلہ یعنی اداء قرض۔ چونکہ یہ رقم قتل کا بدلہ ہے کہ اس سے اہل کتاب پر جہاد نہیں ہوتا نیز اس کا ادا کرنا کفار پر ہر سال لازم ہوتا ہے اس لئے اسے جزیہ کہا جاتا ہے اس کی جمع جزی ہے جیسے لحیہ کی جمع لحی۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ لفظ معرب ہے گزیہ کا بمعنی ٹیکس و خراج۔ یعنی یہ لفظ عجمی ہے جسے عربی بنایا گیا (روح البیان و روح المعانی) خیال رہے کہ جزیہ لینا کفار پر ظلم نہیں بلکہ یہ حق حفاظت ہے کہ ہم کفار کی ہر طرح حفاظت کا انتظام کرتے ہیں اس کے معاوضہ میں ان سے ایک حقیر رقم لے لیتے ہیں۔ اس کے مقابل مسلمانوں پر بہت خرچ لازم ہیں۔ زکوٰۃ، قربانی، فطرانہ، دوسرے ضروری چندے۔ آج موجودہ حکومتیں مختلف ٹیکسوں کے بہانے رعایا سے پچاس فی صدی سے زیادہ رقمیں وصول کر لیتی ہیں۔ عن ید یہ متعلق ہے یعطوا کا عربی میں یہ لفظ بہت معنی میں آتا ہے۔ ہاتھ، نقد، ید البدیہ، غلبہ، رحمت و کرم۔ ید اللہ فوق ایدیھم اطاعت و فرمانبرداری، قدرت وغیرہ (روح المعانی) یہی چند احتمال ہیں (۱) ید بمعنی ہاتھ اور اس سے دینے والے کافر کا ہاتھ ہے۔ یعنی کافر خود اپنے ہاتھ سے جزیہ ادا کرے کسی کے ہاتھ نہ بھیجے۔ (۲) ید بمعنی ہاتھ ہے اور ہاتھ سے مراد لینے والے حاکم اسلام کا ہاتھ ہے اور عن سببیہ ہے۔ (۳) ید بمعنی غنی اور عن سببیہ ہے یعنی کافر غنی اپنے غنا کی وجہ سے جزیہ دے فقیر کافر پر جزیہ نہیں۔ (۴) ید بمعنی اطاعت ہے یعنی کفار مسلمانوں کی اطاعت کرتے ہوئے جزیہ دیں نہ کہ سرکشی کرتے ہوئے۔ (۵) ید بمعنی انعام و احسان ہے یعنی کفار احسان کی بنا پر جزیہ دیں کہ مسلمان انہیں قتل نہیں کرتے بلکہ ان کی حفاظت ان کا انتظام کرتے ہیں۔ (۶) ید بمعنی نقد ہے یعنی جزیہ نقد دینا ہوگا۔ اس کا ادھار نہیں۔ امام ابوحنیفہ کے نزدیک پیشگی یعنی شروع سال میں۔ شوافع کے ہاں آخری سال میں (کبیر) (۷) ید بمعنی عجز و انکساری ہے یعنی رعایا کا سا عجز و انکسار کرتے ہوئے جزیہ دیں نہ کہ اکڑتے اور دھونس جماتے۔ (۸) ید بمعنی نعمت ہے یعنی کفار جزیہ کو نعمت سمجھ کر ادا کریں بخوشی اسے بوجھ جرمانہ سمجھ کر نہ دیں کیونکہ وہ اس وجہ سے قتل و غارت سے بچے ہیں۔ (روح المعانی، کبیر) (۹) ید بمعنی غلبہ ہے یعنی مسلمانوں کو اپنا سلطان مانتے اپنے کو رعایا سمجھتے ہوئے جزیہ دیں نہ کہ انہیں محتاج سمجھ کر (معانی) وھم صغرون یہ عبارت حال ہے یعطوا کے فاعل

www.alahazratnetwork.org

ہم سے صاغر بنا ہے صغیر سے بمعنی چھوٹا ہونا، ذلیل وحقیر ہونا، یعنی وہ ادا جزیہ کے وقت اپنا چھوٹا ہونا مسلمان بادشاہ کو اپنے سے بڑا ظاہر کریں اس طرح کہ (۱) سواری پر سے نہ دیں بلکہ نیچے اتر کر دیں۔ (۲) اپنا ہاتھ اونچا کر کے نہ دیں بلکہ لینے والے ہاتھ کی طرح نیچا رکھیں (۳) کسی کے ہاتھ نہ بھیجیں منی آرڈر نہ کریں خود کچہری میں حاضر ہو کر دیں۔ (عام تفاسیر)

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! ان لوگوں پر مدافعانہ اور جارحانہ ہر طرح سے جہاد کرو جو نہ تو صحیح معنی میں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت و جنت و دوزخ پر اور نہ اللہ تعالیٰ کی حرام فرمودہ چیزوں کو حرام جانتے ہیں نہ رسول اللہ کی حرام فرمودہ کو۔ اور نہ وہ سچے غیر منسوخ دین یعنی اسلام کو قبول کرتے ہیں یعنی اہل کتاب سے حتیٰ کہ وہ لوگ اپنے ہاتھ سے نقد جزیہ (ٹیکس) ادا کریں۔ اسی طرح کہ وہ اپنے کو مسلمانوں کی رعایا ان کے سامنے عاجز جانتے ہوئے ٹیکس حاضر کریں نہ کہ اکڑتے ہوئے احسان دھرتے ہوئے تاکہ اسلام کی سربلندی ظاہر ہو۔

احکامِ جزیہ

جزیہ کے متعلق چار چیزیں قابل تحقیق ہیں۔ (۱) جزیہ کی حقیقت کیا ہے۔ (۲) جزیہ کس سے لیا جائے گا۔ (۳) جزیہ کی مقدار کیا ہے۔ (۴) جزیہ کب لیا جائے گا۔

جزیہ کی حقیقت: تمام حکومتیں ہمیشہ سے اپنی رعایا سے کچھ مال بطور ٹیکس وصول کرتی ہیں جس سے ملک کے مختلف انتظامات کئے جاتے ہیں کیونکہ کوئی کام بغیر روپیہ نہیں ہو سکتا اسی طرح اسلامی ممالک میں مسلمانوں سے مختلف طرح کے ٹیکس لئے جاتے ہیں اور کفاروں سے حق سلطنت جو روپیہ وصول کیا جاتا ہے، اسے جزیہ کہتے ہیں۔ یہ روپیہ وصول کر کے ان کو ہر طرح کے شہری حقوق دیئے جاتے ہیں ان کے جان و مال کی حفاظت کی جاتی ہے حتیٰ کہ اگر مسلمان انہیں قتل کر دے تو اسے قصاص میں قتل کیا جاوے گا اور اگر مسلمان ان کی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کٹے گا فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **دماءھم وامو الھم کاموالنا** آج مسلمانوں کو بدنام کرنے والی قومیں اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھیں کہ کتنے قسم کے بھاری ٹیکس اپنی رعایا سے وصول کرتے ہیں۔

جزیہ کس سے لیا جاوے گا: کفار چار قسم کے ہیں۔ مرتدین، مشرکین عرب، اہل کتاب، مشرکین عجم۔ پہلی دو قسموں سے جزیہ قطعاً نہ لیا جاوے گا۔ ان کے لئے یا اسلام ہے یا قتل یعنی مرتدین اور مشرکین عرب۔ اہل کتاب عجمی ہوں تو ان سے بالاتفاق جزیہ لیا جاوے گا اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے ان کے لئے یا اسلام ہے یا جزیہ یا قتل۔ رہے عرب کے اہل کتاب ان سے احناف کے ہاں جزیہ لیا جاوے گا۔ یہ قول امام شافعی کا ہے۔ امام یوسف فرماتے ہیں کہ ان پر جزیہ نہیں۔ ان کے لئے بھی قتل یا اسلام۔ مشرکین عجم۔ ان سے احناف کے نزدیک جزیہ لیا جاوے گا۔ (عند الاحناف) شوافع کے ہاں نہیں۔ امام مالک و اوزاعی فرماتے ہیں کہ سوائے مرتد کے تمام ملکوں کے تمام کفار سے لیا جا سکتا ہے۔ (خازن، کبیر، روح المعانی وغیرہ) رہے مجوس وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں اگرچہ ان کی عورتوں سے نکاح، ان کا ذبیحہ حلال نہیں۔ فرمایا نبی صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم نے کہ مجوس سے اہل کتاب کا سا معاملہ کرو سواء نکاح وذبیحہ کے (خازن، روح المعانی) **خلاصہ** یہ ہے کہ سواء مرتدین اور مشرکین عرب باقی تمام کفار سے جزیہ لیا جاسکتا ہے پھر یہ جزیہ صرف بالغ، غنی، مرد پر واجب ہوگا۔ کافرہ عورتیں، بچے وہ فقیر جو کمائی نہ کرسکیں، یوں ہی غلام پر جزیہ نہیں (خازن، معانی، کتب فقہ) اگر کافر جزیہ مقرر ہونے کے بعد مسلمان ہو جاوے تو اس سے جزیہ ختم ہو جاوے گا۔ احناف کے نزدیک اور جاری رہے گا شوافع کے ہاں (کبیر)۔

جزیہ کی مقدار: جزیہ دو قسم کا ہے۔ ایک وہ جو صلح اور فریقین یعنی سلطانِ اسلام اور کفار کی رضامندی سے طے ہو اس کی مقدار مقدر نہیں جس قدر پر صلح ہو جاوے وہ ہی دینا ہوگا۔ چنانچہ حضور انور ﷺ نے نجران کے عیسائیوں سے بارہ سو جوڑے سالانہ پر صلح فرمائی۔ دوسرا وہ جو سلطانِ اسلام فتح حاصل کر کے خود مقرر کرے اس کی مقدار حسب ذیل ہے۔ (۱) مالدار پر اڑتالیس درہم سالانہ ہر ماہ چار درہم یعنی سوا روپیہ۔ درمیانہ لوگوں پر چوبیس درہم سالانہ یعنی دو درہم (نو آنہ) ماہوار۔ تندرست فقیر جو کمائی کر سکے بارہ درہم سالانہ یعنی ایک درہم (ساڑھے چار آنہ) ماہوار۔ حضرت عمر، عثمان وعلی نے یہ ہی مقرر فرمایا رضی اللہ علیہم اجمعین (روح المعانی)

جزیہ کب لیا جاوے: امام اعظم کے نزدیک پیشگی لیا جاوے یعنی سال یا مہینہ شروع ہونے پر مگر امام شافعی کے ہاں سال یا مہینہ گزرنے پر دیکھو تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی۔ جو کافر آدھا سال بیمار رہے اس سے جزیہ معاف ہے (روح البیان) غور کرو کہ کتنی معمولی رقم کتنے شرائط سے لی جاتی ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: نماز روزے عبادات کی طرح جہاد بھی ایک عبادت ہے جو شرائط پائے جانے کے وقت تا قیامت جاری ہے۔ وہ کبھی منسوخ نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ **قاتلوا الذین** سے حاصل ہوا کہ قاتلوا بھی **اقیموا الصلوة و اتو الزکوة** کی طرح امر ہے۔

دوسرا فائدہ: جہاد جارحانہ بھی جائز ہے اور مدافعانہ بھی۔ اس میں دفاع کی قید نہیں۔ یہ فائدہ **قاتلوا الذین** (الخ) کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ جہاد میں یہ شرط نہیں کہ جب کفار تم پر حملہ کریں تو اس کا دفاع کرنا تم ان پر حملہ نہ کرنا۔

تیسرا فائدہ: سارے کفار پر جہاد کیا جاوے گا۔ خواہ مشرکین ہوں یا اہل کتاب یا دہریئے یا اور کفار۔ یہ فائدہ **لا یومنون** کے عموم سے ہوا۔

چوتھا فائدہ: جو سارے ایمانیات کو اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بغیر واسطہ مانے وہ کافر ہے۔ درحقیقت وہ رب کو مانتا ہی نہیں۔ یہ فائدہ **لا یومنون باللہ** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہود و نصاریٰ جو اللہ، قیامت، سب ہی کو مانتے ہیں مگر قرآن نے فتویٰ دیا کہ **لا یومنون باللہ** (الخ) دیکھو شیطان سارے ایمانیات مانتا ہے مگر کافر ہے کیونکہ وہ نبوت سے الگ ہو کر انہیں مانتا ہے۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حرام و حلال کا اختیار دیا یہ فائدہ **حرم اللہ و رسولہ** فرمانے سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا کہ حرم کا فاعل اللہ اور اس کا رسول۔ دونوں ہیں قرآنی حرام کی ہوئی چیزیں اللہ کی حرام فرمودہ ہیں۔ جیسے سور، شراب، حدیث شریف کی محرمات حضور ﷺ کی حرام کی ہوئی ہیں جیسے کتا، بلا، بندر وغیرہ۔

چھٹا فائدہ: اب اسلام کے سوا سارے دین باطل ہیں صرف اسلام حق ہے۔ یہودیت، نصرانیت، شرک وغیرہ سب ہی باطل ہیں یہ فائدہ و لا یدینون دین الحق سے حاصل ہوا کہ رب نے یہود و نصاریٰ کے متعلق یہ فرمایا کہ وہ دین حق اختیار نہیں کرتے۔ معلوم ہوا کہ ان کے دین اب حق نہیں۔

ساتواں فائدہ: اہل کتاب سے مطلقاً جزیہ لینا جائز ہے خواہ عرب کے ہوں یا عجم کے۔ یہ فائدہ حتی یعطوا الجزیة (الخ) سے حاصل ہوا کہ یعطوا کا فاعل مطلقاً اہل کتاب کو قرار دیا گیا۔

آٹھواں فائدہ: جب کفار جزیہ دینا قبول کرلیں تو ان سے جنگ نہ کی جاوے بلکہ اب ان کی حفاظت کی جاوے۔ انہیں شہری حقوق دیئے جائیں۔ یہ فائدہ حتی یعطوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ حتیٰ انتہا کے لئے ہے۔ جزیہ پر جنگ کی انتہا ہوگی۔

نواں فائدہ: ذمی کافر جزیہ نقد دے گا، ادھار نہیں۔ خود آکر دے گا، کسی آدمی یا منی آرڈر کے ذریعہ نہ بھیجے گا۔ یہ فائدہ عن ید کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: جزیہ ادا کرتے وقت کافر اپنی قومیت ظاہر نہ کرے بلکہ عجز و انکساری کا اظہار کرے۔ اپنا احسان سلطان اسلام پر نہ جتائے بلکہ اس کا احسان مانے کہ اس نے جزیہ قبول کرلیا۔ یہ فائدہ و ھم صاغرون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: کفار پر جہاد صرف مدافعانہ کئے جاویں جارحانہ نہ کئے جاویں یعنی جب وہ ہم پر حملہ کریں تو ہم اپنا بچاؤ کریں ان پر حملہ نہ کریں۔ رب فرماتا ہے و قاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم و لا تعتدوا ان اللہ لا یحب المعتدین اور فرماتا ہے و لا تقاتلوھم عند المسجد الحرام حتی یقاتلوکم فیہ (مرزائی)

جواب: یہ غلط ہے کیونکہ یہاں قاتلوا مطلقاً ارشاد ہوا اس میں دفاع کی قید نہیں۔ تمہاری پیش کردہ آیت ان جیسی آیات جہاد سے منسوخ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف احد اور خندق میں مدافعانہ جہاد کئے باقی تمام جہاد خیبر، تبوک، بلکہ خود بدر بلکہ فتح مکہ، حنین وغیرہ تمام غزوات جارحانہ کئے۔

دوسرا اعتراض: تعجب ہے کہ مسلمان روپیہ لے کر کفر و شرک کی اجازت دیتے ہیں۔ کیا روپیہ ادا کرنے سے کفر درست ہوگیا۔ (ابن راوندی)

جواب: اس کا جواب تفسیر کبیر اور روح المعانی نے یہ دیا ہے کہ جزیہ شرک و کفر کی اجازت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ انہیں قتل سے بچانے اپنے ملک میں رہنے سہنے کی اجازت دینے کے لئے ہوتا ہے۔ دیکھو اس آیت میں جزیہ کو قتال و جہاد کی انتہا قرار دیا گیا کہ قاتلوھم فرمانے کے بعد فرمایا حتی یعطوا الجزیة یہ علیحدہ بات ہے کہ ہمارے ملک میں ذمی کفار کو مذہبی آزادی ہوگی۔ رب فرماتا ہے لا اکراہ فی الدین۔

تیسرا اعتراض: اگر کوئی مسلمان عیسائی یا یہودی ہو جاوے تو کیا اس سے بھی جزیہ لیا جاوے گا کہ وہ بھی اہل کتاب ہو

www.alahazratnetwork.org

گیا۔

جواب: وہ اہل کتاب نہیں بلکہ مرتد ہوتا ہے، مرتد پر جزیہ نہیں۔ اس کے لئے صرف قتل یا اسلام ہے۔ رب فرماتا ہے تقاتلونھم او یسلمون۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار سے جزیہ بھی لیا جا سکتا ہے مگر حضور انور ﷺ نے فرمایا امرت ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الہ الا اللہ یعنی مجھے حکم دیا گیا کہ اس وقت تک لوگوں سے جہاد کروں حتیٰ کہ وہ کلمہ پڑھ لیں جس سے معلوم ہوا صرف اسلام پر جہاد ہوگا۔ جزیہ کوئی چیز نہیں۔ آیت و حدیث میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا تفصیلی جواب ہم نے مرآت شرح مشکوٰۃ میں تفصیل سے دیا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ وہاں الناس سے مراد مشرکین عرب ہیں واقعی ان سے جزیہ نہیں لیا جاتا ان کے لئے صرف اسلام یا قتل ہے یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حدیث شریف میں حتیٰ بمعنی کی ہے بمعنی انتہا نہیں یعنی مجھے یہ حکم ہے کہ جہاد جزیہ دولت ملک حاصل کرنے کے لئے نہ کروں بلکہ اسلام پھیلانے کے لئے کروں۔ اور اس آیت میں حتیٰ انتہا کے لئے ہے لہٰذا آیت و حدیث میں تعارض نہیں۔

پانچواں اعتراض: کفار پر جزیہ لگانا اسلام کا ظلم ہے۔ (عام کفار)

جواب: ابھی تفسیر میں ہم جزیہ کی حقیقت عرض کر چکے کہ یہ ظلم نہیں بلکہ حق حکومت ہے۔ مسلمانوں پر جانوروں وغیرہ کی زکوٰۃ واجب ہے۔ کفار رعایا پر اس کے مقابل بہت معمولی ٹیکس لیا جاتا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہم ان کی حفاظت ان کا ملکی انتظام کرتے ہیں۔ آج حکومتیں رعایا سے بہت قسم کے بھاری ٹیکس لگاتی ہیں۔ تعجب ہے کہ یہ بھاری ٹیکس نہ تو ظلم ہوں اور چند پیسے ماہوار لینا ظلم ہو جاوے۔

چھٹا اعتراض: کیا سارے کفار سے جزیہ لیا جاوے گا یا ان میں سے کوئی مستثنیٰ بھی ہوگا۔

جواب: یہ جزیہ قتال کا مقابل ہے جو قتال کرتے ہیں ان پر جزیہ ہے لہٰذا عورت بچہ بے دست و پا کافر، پوپ، پادری جو دنیا سے الگ تھلگ رہتا ہو، یوں ہی فقیر نا قابل کمائی ان میں سے کسی پر جزیہ نہیں۔ (روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: نفس امارہ گویا کافر ہے قلب گویا مومن، ان کی جنگ ہمیشہ رہتی ہے کیونکہ نفس طالب دنیا ہے اور دل طالب دین دل والوں پر طلب دنیا محبت دنیا حرام ہے کیونکہ محبت دنیا تمام گناہوں کی جڑ ہے جیسے کفار نے دین کے مقابل دنیا قبول کی تو ان پر جہاد جزیہ قائم کیا گیا۔ یوں ہی نفس پر جہاد بھی کرو اس پر جزیہ بھی لگاؤ۔ نفس امارہ کا جزیہ اس کے خلاف اعمال کرنا ہے حتیٰ کہ وہ ذلیل و خوار ہو کر قلب کے تابع ہو جاوے اور عزت و دولت دل کو میسر ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آنچہ در فرعون بود اندر توست   لیک از در ہات و محبوس چیست

آتشت را ہیزم فرعون نیست   زانکہ چوں فرعون او را عون نیست

نفس کو یہاں تک مجبور و مقہور کرو کہ وہ امارہ کے بجائے مطمئنہ بن جائے اور دل کے ماتحت ہو جاوے۔ (روح البیان)

عقل زیر حکم دل یزداں نیست   چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

www.alahazratnetwork.org

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ

اور کہا یہودیوں نے کہ عزیر بیٹے ہیں اللہ کے اور کہا عیسائیوں نے کہ

اور یہودی بولے عزیر اللہ کا بیٹا ہے اور نصرانی بولے مسیح اللہ کا

ابْنُ اللّٰهِ ۭ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ۚ يُضَاهِــــُٔـوْنَ قَوْلَ الَّذِيْنَ

مسیح بیٹے ہیں اللہ کے یہ قول ہے ان کا مونہوں سے ان کے مشابہت کرتے

بیٹا ہے یہ باتیں وہ اپنے منہ سے بکتے ہیں اگلے کافروں

كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ ۭ قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ۝

ہیں وہ ان کے قول کی جنہوں نے کفر کیا پہلے سے غارت کرے انہیں اللہ کیسے اوندھے کیے جاتے ہیں

کی سی بات بناتے ہیں اللہ انہیں مارے کہاں اوندھے کیے جاتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ یہود و نصاریٰ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ قیامت پر اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دونوں جماعتیں اللہ کے لئے بیٹا ثابت کرتی ہیں جو رب تعالیٰ کو اس طرح مانے وہ اللہ کا ماننے والا ہی نہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ عرب کے اہل کتاب سے جزیہ لے سکتے ہو مشرکین سے نہیں اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اگرچہ یہود و نصاریٰ عام مشرکین سے بدترین مشرک ہیں کہ مشرکین تو اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ کہہ کر پوجتے ہیں مگر یہ بدنصیب حضرت عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہہ کر پوجتے ہیں مگر چونکہ یہ لوگ اپنے کو نبیوں کی طرف نسبت کرتے ہیں اگرچہ جھوٹی نسبت ہی نہیں اس لئے ان کے احکام مشرکین سے ہلکے ہیں کہ ان سے جزیہ لیا جا سکتا ہے۔ ان کی عورتیں اور ذبیحہ بھی حلال ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود و نصاریٰ اپنے ہاتھ سے ذلیل ہو کر جزیہ دیا کریں۔ اب اس ذلت کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے ذلیلوں کے سے کام کیے محبوب نبیوں کو خدا کا بیٹا کہا انہیں بدنام کیا۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ان دونوں جماعتوں نے دین اختیار نہیں کیا۔ اب ان کے دین کے ناحق ہونے کا ذکر اس آیت میں فرمایا گیا کہ ان کا دین ایک وقت میں حق تھا۔ انہوں نے منسوخ دین کو بگاڑ کر اختیار کیا یعنی ان کا دین منسوخ بھی ہے بگاڑا ہوا بھی۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں یہود کی

www.alahazratnetwork.org

ایک جماعت حاضر ہوئی۔ سلام ابن مشکم، نعمان ابن اوفی، شاس ابن قیس، مالک بن صیف بعض روایات میں ہے کہ فخاص ابن عازورا جس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے ہم غنی یہ وہ ہی فخاص ہے۔ ان لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم اسلام کیسے قبول کریں اور آپ ﷺ پر ایمان کیسے لائیں آپ ﷺ نے ہمارے قبلہ کی طرف نماز چھوڑ دی یعنی بیت المقدس کی طرف اور آپ ﷺ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے۔ انہیں اللہ کا بندہ کہتے ہیں اگر آپ ﷺ یہ دو کام نہ کرتے تو ممکن تھا کہ ہم ایمان لے آتے ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر خازن، تفسیر کبیر، روح المعانی، روح البیان، صاوی وغیرہ)

تفسیر: وقالت الیھود ظاہر یہ ہے کہ یہود سے مراد سارے یہودی ہیں کہ وہ سب ہی یہ عقیدہ رکھتے تھے اور ہو سکتا ہے کہ یہاں یہود کی وہ جماعت مراد ہو جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت قدس میں مذکورہ گفتگو کرنے حاضر ہوئی۔ انہیں یہود یا تو اس لئے کہتے ہیں کہ یہود ابن یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہیں یا اس لئے کہ انہوں نے انا ھدنا الیک کہہ کر توبہ کی تھی۔ چونکہ یہ ایک جماعت کا نام ہے اس لئے قالت مونث ارشاد ہوا۔ عزیر ابن اللہ یہ قالت کا مفعول اس کا مقولہ ہے خواہ قول سے مراد زبانی قول ہو یا دلی قول یعنی اعتقاد۔ لفظ عزیز اگر عربی لفظ ہے تو منصرف ہے اور اگر عجمی لفظ ہے تو عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف۔ روح المعانی نے فرمایا کہ چونکہ یہ تصغیر ہے اور سوا عربی لفظ کے تصغیر کسی کی نہیں ہوتی لہٰذا یہ منصرف ہے۔ اس کی تنوین نون غنہ میں تبدیل ہو کر ابن کی ب سے مل گئی۔ ہم حضرت عزیر علیہ السلام کا پورا واقعہ تیسرے پارہ میں او کالذی مر علی قریۃ کی تفسیر میں بیان کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ آپ کا نام حضرت عزیر ابن شرحیا ہے۔ یعقوب علیہ السلام کی اولاد سے حضرت لاوی ابن یعقوب کی نسل سے ہیں۔ حضرت ہارون علیہ السلام آپ کے چودھویں دادا ہیں (روح البیان) چونکہ آپ سو برس تک وفات یافتہ رہ کر زندہ ہوئے نیز آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے ایک نابینا بے دست و پا عورت کو شفا دی نیز آپ نے توریت شریف دنیا سے برباد ہو چکنے کے بعد زبانی لکھوا دی ان وجوہ سے انہیں یہود خدا کا بیٹا کہتے ہیں بعض یہود آج کل اس عقیدے کا انکار کرتے ہیں مگر جھوٹے ہیں اپنے کو چھپاتے ہیں۔ وقالت النصری یہ عبارت معطوف ہے وقالت الیھود (الخ) پر۔ عیسائیوں کو نصاریٰ اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ سے طلب مدد کے وقت کہا تھا نحن انصار اللہ ہم ہیں اللہ کے دین یا اللہ کے نبی کے مددگار گویا ناصر کی جمع ہے جیسے حضور انور ﷺ کے ایک صحابہ کی جماعت کا نام انصار ہے۔ اس لفظ کی تحقیق پہلے پارہ میں ہو چکی۔ المسیح ابن اللہ یہ جملہ وقالت کا مفعول یہ اس کا مقولہ ہے۔ مسیح عیسیٰ علیہ السلام کا لقب ہے بمعنی ماسح یعنی چھو کر مردوں کو زندہ اندھوں کوڑھیوں کو تندرست کرنے والے یا مساحت سے بنا بمعنی ہمیشہ سیر و سیاحت میں رہنے والے کہ آپ نے کہیں اپنا گھر نہ بنایا۔ دجال کا لقب بھی مسیح ہے مگر وہاں مسیح بمعنی ممسوح ہے یعنی کانا۔ خیال رہے کہ عیسائیوں کی جماعت یعقوبیہ تو حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتی ہے دوسری جماعت نسطوریہ اور ثالث ثلثہ تیسرا خدا مانتی ہے اور تیسری جماعت ملکانیہ انہیں عین خدا مانتی ہے کہ خدا نے ان میں حلول کر لیا تھا۔ یعقوب ملکان اور نسطور تین شخصوں کے نام ہیں جو ایک یہودی بولص کے شاگرد ہیں۔ بولص عیسائیوں کا بڑا

سخت دشمن تھا۔ وہ بطور فریب عیسائی بن کر عیسائیوں میں عابد زاہد بڑا پادری بن کر رہا لوگوں کی نگاہ سے چھپا رہا اور اس نے انجیل کے تین نسخے تیار کر کے ان تین شاگردوں کو الگ الگ دیئے اور ہر ایک سے کہا کہ اصل انجیل یہ ہے میرے مرنے کے بعد اسی کی تبلیغ کرنا اور عیسیٰ مسیح پر قربانی کے نام سے اپنے کو صلیب کے سامنے ذبح کر لیا۔ اس کے ان تین شاگردوں نے الگ الگ علاقوں میں ان تین مذہبوں کی اشاعت کی جس سے عیسائیوں میں سخت اختلاف لڑائیاں ہوئیں (تفسیر کبیر، خازن، روح المعانی وغیرہ) یہاں انصاری سے مراد یعقوبیہ فرقہ ہے لہٰذا آیات قرآنیہ میں تعارض نہیں کہ اس نے عیسائیوں کے مختلف قول نقل فرمائے۔ **ذلک قولهم** یہ ان کی بکواس کی تردید ہے یعنی یہ وہ بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتے ہیں جس کے معنی دلیل کوئی نہیں۔ گویا مہمل بے معنی الفاظ ہیں جو صرف منہ میں رہتے ہیں اگرچہ ہر بات منہ سے ہی کہی جاتی ہے مگر یہ عرب کا محاورہ ہے کہ ہر بکواس لا یعنی کلام کو کہتے ہیں کہ یہ اس کے منہ کی بات ہے نہ دماغ میں پہنچتی ہے نہ کسی کے دل میں اترتی ہے۔ **بافواههم يضاهئون قول الذين كفروا** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے **ذلک قولهم** (الخ) پر اور مذکورہ اہل کتاب کے دوسرے عیب کا بیان ہے۔ **يضاهئون** بنا ہے مضاہاۃ سے جس کا مادہ ضھی ہے مضاہات بمعنی مشابہت یا موافقت آتا ہے۔ ہ کے بعد کی ہمزہ دراصل ی تھی۔ جس عورت کو نہ حیض آتا ہو نہ اس کے پستان ہوں، اسے امراۃ ضہیا کہتے ہیں یعنی عورت مردوں سے مشابہ (روح المعانی) قوی یہ ہے کہ **يضاهئون** کا فاعل یہود و نصاریٰ دونوں ہیں اور **الذين كفروا** سے مراد ہیں مشرکین جو ان دونوں سے پرانے ہیں۔ یعنی یہ یہود و نصاریٰ اپنے سے پہلے کفار یعنی مشرکین کے عقیدے کے مشابہ ہیں کہ وہ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے ہیں اور یہ نبیوں کو اللہ کا بیٹا۔ رب کے لئے اولاد مانتے ہیں دونوں یکساں ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ **يضاهئون** کا فاعل عیسائی ہیں اور **الذين كفروا** سے مراد یہودی یعنی عیسائی رب کے لئے اولاد مانتے ہیں یہود کے مشابہ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ **يضاهئون** کا فاعل پچھلے یہود و نصاریٰ ہیں اور الذین کفروا سے مراد ان کے معتقدین یعنی یہ پچھلے یہود و نصاریٰ اگلے گزشتہ باپ دادوں کے مشابہ ہیں اور جو وہ کہہ گئے یہ بھی کہتے ہیں صرف ان کی پیروی میں، سوچتے سمجھتے کچھ نہیں۔ **قاتلهم الله** یہ فرمانِ عالی یا اظہارِ غضب کے لئے ہے یا تعجب دلانے کے لئے۔ بددعا کے لئے نہیں کہ رب تعالیٰ دعا یا بددعا دینے سے پاک ہے۔ اہل عرب **قاتله الله** یا کہ **لعنه الله** غصہ ظاہر کرنے کے لئے کہا کرتا ہے یعنی خدا انہیں مارے یا غارت کرے۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا۔ (معانی) بعض نے فرمایا کہ یہ بظاہر بددعا در حقیقت آئندہ کی خبر کہ اللہ تعالیٰ آئندہ انہیں ہلاک کرے گا۔ (روح البیان) **انی یوفکون**. لفظ انی کی تحقیق ہم دوسرے پارہ میں **فاتوا حرثکم انی شئتم** میں کر چکے ہیں کہ یہ کبھی بمعنی کہ ہوتا ہے تو اس میں من کے معنی شامل ہوتے ہیں یعنی کہاں سے جیسے **یا مریم انی لک هذا** یا بمعنی کیف ہوتا ہے یعنی کیسے یا جیسے یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ **یوفکون** بنا ہے افک سے بمعنی پھرنا تہمت کو بھی افک کہا جاتا ہے کہ وہ حقیقت سے پھری ہوتی ہے اس کا نائب فاعل یہود و نصاریٰ دونوں ہیں یعنی ان پر خدا کی مار ہے۔ یہ حقیقت سے پھرے جاتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غور تو فرماؤ کہ یہود تو زبان سے کہتے اور دل سے عقیدہ رکھتے ہیں کہ اللہ کے نبی

www.alahazratnetwork.org

عزیر ابن شرحیا اللہ کے بیٹے ہیں اور یہ عیسائی کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ ابن مریم اللہ کے بیٹے ہیں اور اللہ تعالیٰ اولاد والا ہے۔ یہ بکواس ایسی ہے جو صرف ان کی زبان سے سنی جاتی ہے نہ تو عاقل کے دماغ میں بیٹھے نہ کسی کے دل میں اترے۔ عقل ونقل کا تقاضا کہ مصرع (جو تیرے سوا ہے وہ ہے تیرا بندہ) ابنیت اور عبدیت کبھی جمع نہیں ہوسکتیں۔ یہ دونوں حضرات اللہ کے بندے ہیں نہ کہ اس کے بیٹے۔ یہ دونوں باوجود اہل کتاب ہونے کے اس عقیدے میں پرانے مشرکین کے عقیدے کے مشابہ ہیں۔ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور یہ ان بزرگ نبیوں کو اللہ کا بیٹا مانتے ہیں۔ رب تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں۔ دونوں یکساں ہیں۔ انہیں خدا غارت کرے یہ کہاں بہکے جارہے ہیں کہ توریت وانجیل پڑھ کر اور اپنے نبیوں کی تعلیم جانتے ہوئے ایسے گندے عقیدے رب تعالیٰ کے متعلق رکھتے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ مشرکین سے زیادہ مجرم ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عیسائی اور یہودی ابنیت کے عقیدے میں یکساں ہیں کہ دونوں ایک ایک نبی کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہ فائدہ قالت الیھود اور قالت النصاری (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: یہود ونصاریٰ مشرکین سے بڑھ کر مشرک ہیں۔ کیونکہ مشرکین تو اپنے معبودوں کو خدا کا بندہ مان کر اس کا شریک کہتے ہیں مگر یہ دونوں ان نبیوں کو خدا کا بیٹا مان کر اس کا شریک ٹھہراتے ہیں۔ یہ فائدہ ابن اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے بیٹا بیٹی ماننا ایسا گھنونا عقیدہ ہے جسے کوئی معمولی عقل والا بھی قبول نہیں کرسکتا۔ اس کے وجوہ ہم تیسرے پارہ کی تفسیر میں عرض کرچکے ہیں۔ یہ فائدہ قولھم بافواھھم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: یہود ونصاریٰ دونوں مشرکین سے بالکل مشابہ ان سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ فائدہ یضاھئون (الخ) سے حاصل ہوا مگر چونکہ انہیں نبی سے نسبت حاصل ہے اگرچہ غلط ہی سہی اس لئے ان کے احکام مشرکین سے ہلکے ہوئے۔

پانچواں فائدہ: انسان اگر سیدھا چلے تو فرشتوں سے بڑھ جائے اور اگر ٹیڑھا چلے تو ابلیس سے بدتر ہوجاوے یہ فائدہ انی یوفکون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: عموماً یہودی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا نہیں مانتے مگر قرآن کریم فرماتا ہے کہ وہ انہیں خدا کا بیٹا مانتے ہیں۔ یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: ہم کو کبھی یہود سے ملنے بلکہ انہیں دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا۔ نہ ان سے ہم نے یہ سنا پھر کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ یہ عقیدہ نہیں رکھتے اور اگر کہتے بھی ہوں تو جھوٹے ہیں، اپنے کو چھپاتے ہیں۔ قرآن وحدیث یعنی اللہ رسول سچے ہیں۔

دوسرا اعتراض: قرآن کریم نے عیسائیوں کے عقیدے کا ذکر یہاں اس طرح کیا کہ وہ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں کبھی کہا کہ وہ انہیں تیسرا خدا (ثالث ثلثہ) کہتے ہیں۔ کہیں فرمایا کہ وہ انہیں عین خدا کہتے ہیں۔ انما اللہ عیسی ابن مریم ان میں سے کون سی بات درست ہے اور قرآن کریم میں اختلاف بیان کیوں ہے۔

جواب: قرآن مجید کے یہ تینوں بیان درست ہیں۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ عیسائیوں کے تین فرقے ہیں۔ ایک فرقہ

کا عقیدہ ابن اللہ کا ہے، دوسرے کا خدا تیسرے کا عین اللہ ہونے کا۔ قرآن مجید نے مختلف مقام پر ان کے مختلف فرقوں کا عقیدہ بیان فرمایا۔

تیسرا اعتراض: قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہود و نصاریٰ شرک میں مشرکین کی طرح ہیں کہ فرمایا یضاھئون قول الذین کفروا پھر ان کے احکام مختلف کیوں ہوئے کہ عرب کے یہود و نصاریٰ سے جزیہ قبول کیا گیا۔ ان کی عورتوں سے نکاح ان کا ذبیحہ حلال کیوں ہوا۔

جواب: اس لئے کہ یہ اپنے کو نبی اس کی کتاب کی طرف نسبت کرتے ہیں اس نسبت نے یہ فرق پیدا کر دیا۔ رب تعالیٰ کے فیصلے درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: عالم اجسام میں نسبت سے قومیں بنتی ہیں عالم ارواح میں نسبت سے مردودوں کی طرف نسبت مردود کر دیتی ہے۔ مقبولوں کی طرف اگر نسبت درست ہے تو مقبول بنا دیتی ہے۔ اگر نادرست اور غلط بھی ہے تو بھی کچھ نہ کچھ اپنا رنگ دکھا دیتی ہے۔ دیکھو اس آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود و نصاریٰ کے عقیدے مشرکین کے عقائد کی طرح ہیں کہ وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور یہ اہل کتاب ہو کر حضرت عزیر اور عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مانتے ہیں بلکہ یہ مشرکین سے بدتر ہیں کہ مشرکین تو اپنے اکثر معبودوں کو اللہ کا بندہ مانتے ہیں مگر یہ اپنے معبودوں کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں پھر مشرکین نہ تو کسی نبی کے امتی ہیں نہ کسی آسمانی کتب کے قائل۔ یہ لوگ اپنے کو موسوی یا عیسوی کہیں توریت و انجیل کے قائل ہیں پھر ایسے گندے عقیدے رکھتے ہیں مگر یہ سب کچھ ہوتے ان کے احکام مشرکین سے ہلکے ہیں۔ کیوں۔ اس لئے کہ ان کو اللہ کے محبوب نبیوں سے نسبت ہے اگرچہ غلط ہی سہی۔ جب غلط نسبت کا فیض ہو جاتا ہے تو اگر صحیح نسبت میسر ہو جاوے تو اس کا فیض کا کیا پوچھنا۔

لطیفہ: ایک چور کسی گھر سے چوری کر کے نکلا۔ گھر والے جاگ گئے، شور مچایا محلے والے اس کے پیچھے دوڑے چور گھبرا کر مسجد میں گھس گیا۔ چوری کا مال دروازے پر چھوڑ کر خود مسجد پہنچا اور یوں ہی بے وضو نماز کی نیت باندھ لی۔ پیچھے سے محلے والے پہنچ گئے۔ وہ سمجھے کہ چور تو دیوار پھلانگ کر بھاگ گیا ہے یہ تو کوئی نیک بندہ تہجد پڑھ رہا ہے۔ اوا ادھر ادھر بھاگے اتنے میں چور نے سلام پھیرا۔ بولے صوفی جی کیا تم نے چور کو دیکھا ہے۔ وہ بولا نہیں۔ خیر یہ لوگ مال لے کر واپس ہوئے۔ چور کا دل لوٹ گیا۔ سجدہ میں گر کر بولا کہ مولا میں نے جھوٹی نماز پڑھی مسجد سے جھوٹی نسبت پیدا کی تو صوفی کہلایا۔ اگر سچی نماز پڑھتا تو میرا مقام کیا ہوتا۔ آخرکار توبہ کر کے نیک بندہ بن گیا۔ یہ ہے نسبت کی بہار۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی نسبت عطا فرمائے۔

حکایت: یہ تاریخی واقعہ مشہور و معروف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ معظمہ سے بت نکالے تو سارے بتوں کا کنکریٹ بنوا کر سڑک پر بچھوا دیا کہ اس پر گدھے گھوڑے پیشاب کریں لوگ قدموں سے روندیں مگر جو بت حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے نام کے تھے، انہیں دفن کرا دیا۔ یہ فرق کیوں۔ صرف نام کا احترام نسبت کا لحاظ یہ قاعدہ یاد رہے بہت کارآمد ہے۔

اِتَّخَذُوْۤا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ الْمَسِیْحَ
بنالیا انہوں نے پادریوں کو اپنے اور درویشوں کو اپنے رب سوا اللہ کے اور مسیح
انہوں نے اپنے پادریوں اور جوگیوں کو اللہ کے سوا خدا بنا لیا اور مسیح ابن مریم کو اور انہیں
ابْنَ مَرْیَمَ ۚ وَ مَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِیَعْبُدُوْۤا اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ
بیٹے مریم کو حالانکہ نہیں حکم دیے گئے وہ مگر یہ کہ عبادت کریں معبود ایک کی
حکم نہ دیا تھا مگر یہ کہ ایک اللہ کو پوجیں اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اسے پاکی ہے
سُبْحٰنَهٗ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۳۱﴾
نہیں ہے کوئی معبود سوا اس کے پاکی ہے اس کی اس سے جو شرک کرتے ہیں
ان کے شرک سے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے مشرک ہونے کی ایک وجہ بیان ہوئی یعنی ان کا حضرت عزیر و مسیح کو خدا کا بیٹا کہنا۔ جیسے مشرکین فرشتوں کو خدا تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے ہیں۔ ان دونوں کے مشرک ہونے کی وجہ بیان ہو رہی ہے یعنی ان کا اپنے پوپ پادریوں کو رب کی طرح ماننا جیسے مشرکین اپنے پنڈتوں کو مانتے ہیں کہ ان کی باتیں رب تعالیٰ کے احکام کی طرح قابل عمل جانتے ہیں گویا ان کے اعتقادی شرک بیان فرمانے کے بعد عملی شرک کا ذکر ہو رہا ہے

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود نے ایک نبی کو عیسائیوں نے دوسرے نبی کو خدا کا بیٹا مان لیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان دونوں نے بہت سے اپنے عالموں درویشوں کو خدا کا شریک مانا گویا ایک ایک کو شریک جاننے ماننے کا ذکر فرما کر بہت سوں کو شریک ماننے کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہود اور نصاریٰ کے عقیدے صرف ان کے منہ کی بکواس ہے۔ جس پر نہ کوئی دلیل قائم ہو نہ اس میں کوئی حقانیت۔ اب ان کی اسی قسم کی بکواس کا ذکر ہے۔ جس کا سر ہے نہ پاؤں یعنی اپنے پوپ و پادریوں کو رب کی طرح ماننا۔

تفسیر: اتخذوا احبارھم و رھبانھم اتخذوا بنا ہے اخذ سے بمعنی لینا، پکڑنا، بنانا یہاں بمعنی ماننا عقیدہ رکھنا ہے یعنی دل

میں اعمال میں انہیں کدا پکڑنا اس لئے دو مفعول چاہتا ہے۔ قوی یہ ہے کہ اس کا فاعل یہود و نصاریٰ دونوں ہیں کیونکہ آگے دونوں کے پوپ پادریوں کا ذکر ہے۔ احبار جمع ہے حبر کی ح کے فتحہ یا کسرہ سے اس کی جمع احبار بھی ہے اور حبور بھی۔ یہ ماخوذ ہے تحبیر سے جس کے معنی ہیں حسن بیان۔ یعنی جو اپنا دلی مقصد عمدہ طریقے سے بیان کر سکے یعنی فصیح اللسان۔ یہ لفظ علماء یہود پر بھی بولا جاتا ہے اور علماء اسلام پر بھی۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس کو حبر الامت کہا جاتا ہے (روح المعانی) یہاں مراد علماء یہود ہیں جنہیں آج کل پوپ کہا جاتا ہے۔ رہبان جمع ہے راہب کی جس کا مادہ رہب ہے بمعنی خوف۔ یعنی وہ عابد جس کے چہرے پر خوف و عبادات کے آثار نمودار ہوں۔ رہبانیت ترک دنیا کو کہا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم لا رھبانیہ فی الاسلام یہاں عیسائیوں کے تارک الدنیا پادری مراد ہیں جو اچھا کھانے اچھا پینے اچھا پہننے سے دور رہتے ہیں اور بہت مشقتیں جھیلنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔ احبار و رہبان مفعول اول ہے اتخذوا کا اربابا من دون اللہ یہ اتخذوا کا دوسرا مفعول ہے ارباب جمع ہے رب کی بمعنی پالنے والا۔ یہاں مراد ہے رب کی طرح کیونکہ یہود و نصاریٰ اپنے علماء کو رب نہیں کہتے تھے بلکہ ان کے ساتھ رب کا سا عقیدہ رکھتے تھے مثلاً اللہ رسول کے مقابلہ میں ان کی اطاعت کرنا کہ اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حلال سمجھنا ان کی حلال کی ہوئی چیزوں کو حرام جاننا ان عالموں کے کہنے سے۔ نیز انہیں سجدے کرنا ان سے اپنے گناہ معاف کرانا۔ جیسا کہ اب بھی عیسائیوں میں مروج ہے۔ دون کے بہت معنی ہیں۔ دور، الگ، مقابل، کٹا ہوا، سوا، یہاں یا تو بمعنی مقابل ہے یا سوا۔ و المسیح ابن مریم یہ عبارت معطوف ہے رہبانہم پر۔ حضرت مسیح کو عیسائی خدا کی مثل یعنی خدا کا بیٹا مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ رب کا بیٹا بھی رب ہوگا اس لئے یہ الزام ان پر درست ہے۔ یوں سمجھو کہ وہ لوگ اپنے پوپ و پادریوں کو عملاً رب سمجھتے کہ ان کے ساتھ رب کا سا معاملہ کرتے تھے اور عیسیٰ علیہ السلام کو اعتقاداً اپنا رب مانتے تھے چونکہ عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بغیر باپ کے ہے اس لئے آپ کو ماں کی طرف نسبت کی جاتی ہے۔ و ما امروا الا لیعبدوا الٰھا واحدا اس فرمانِ عالی میں ان دونوں قوموں پر عتاب کا اظہار ہے یعنی توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں ان لوگوں کو یہ ہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ ایک اللہ کی ہی عبادت کریں۔ انہوں نے اللہ کے مقابل دوسروں کو حرام و حلال کرنے کا مالک مان کر انہیں سجدہ کر کے ان سے اپنے گناہ بخشوا کر ان کی عبادت کی۔ یعنی دلی اور اعتقادی عبادت لہٰذا انہوں نے ساری آسمانی کتابوں کی مخالفت کی۔ لا الہ الا ھو اس فرمانِ عالی میں واقعہ کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا واقعی کوئی لائق عبادت نہیں ہر قسم کی عبادت اسی کو لائق ہے اعتقادی عبادت ہو یا بدنی یا مالی۔ سبحنہ عما یشرکون۔ اس فرمانِ عالی میں یہود و نصاریٰ کو صراحۃً مشرک فرمایا گیا اور ان کے مذکورہ عقیدوں کو شرک قرار دیا گیا۔ سبحنہ کے متعلق بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ ایک پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے۔ اصل میں سبحوا ہ سبحانا تھا چونکہ یہ مفعول بہ کی طرف مضاف ہو گیا اس لئے اس کے فعل کا پوشیدہ کرنا واجب و لازم ہو گیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان دونوں جماعتوں کے تمام شرکیہ اعمال سے پاک بے نیاز ہے وہ

وحدہ لاشریک لہ ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ یہود و نصاریٰ کا ایک قسم کا شرک تو سن چکے اب ان کا دوسری نوعیت کا شرک یعنی یہود نے اپنے پوپوں کو عیسائیوں نے اپنے پادری راہبوں کو اللہ کے سوا رب مان رکھا ہے کہ انہیں رب تعالیٰ کے مقابل حرام و حلال کا مالک مانتے، انہیں سجدے کرتے ہیں ان سے اپنے گناہ معاف کراتے ہیں۔ عیسائیوں نے حضرت مسیح ابن مریم کو اعتقاداً بھی رب مان لیا کہ انہیں خدا کا بیٹا مانا غرض کہ یہ لوگ عملاً و اعتقاداً مشرک ہیں حالانکہ توریت و انجیل اور تمام آسمانی کتابوں میں انہیں حکم دیا گیا تھا کہ اعتقادی عملی ہر طرح کی عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہی کریں اس کے سوا کوئی معبود نہیں اللہ تعالیٰ ان کے شرک سے پاک ہے بے نیاز ہے۔ وہ ان کو اس جرم کی سخت سزا دے گا۔ ترمذی میں حضرت عدی ابن حاتم سے روایت کی فرماتے ہیں کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میرے گلے میں سونے کی صلیب تھی۔ فرمایا اے عدی اس بت کو اتار دو اور میں نے حضور انور ﷺ کو سورہ توبہ کی یہ آیت تلاوت کرتے سنا اور فرماتے سنا کہ یہود و نصاریٰ اپنے پوپ پادریوں کو پوجتے نہ تھے مگر جب ان کے پوپ پادری کسی چیز کو حلال کر دیتے تو اسے حلال سمجھ لیتے اور اگر حرام کر دیتے تو اسے حرام سمجھ لیتے (یعنی رب کے حکم کے خلاف) حضرت عبداللہ ابن مبارک فرماتے ہیں۔ شعر

وهل بدل الدين الا الملوک

و احبار سوء و رهبانها (خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ رسول کے حکم کے مقابلہ میں کسی اور کا حکم ماننا اس کے حکم کو اچھا جاننا قرآن و حدیث کے احکام کو ناقابل عمل یا برا جاننا صریح کفر ہے۔ ایسا شخص بدتر ہے اس لئے گویا دوسروں کو الہ مان لیا۔ یہ فائدہ اتخذوا احبارهم (الخ) سے حاصل ہوا۔ افسوس ہے کہ یہ بیماری آج بہت سے کلمہ پڑھنے والوں میں پیدا ہو گئی ہے خصوصاً بھنگی چرسی بے نماز پیروں کے مریدوں میں یہ وہ ہی بیماری ہے جو یہود و نصاریٰ میں تھی اور ہے جسے قرآن مجید نے یہاں بیان فرمایا۔

دوسرا فائدہ: اللہ رسول کے مقابلہ میں کسی اور کی اطاعت کرنا۔ یہ درپردہ اسے الہ بنانا ہے۔ فرماتا ہے من اتخذ الهه هواه

تیسرا فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ پیدا ہوئے یہ فائدہ المسیح ابن مریم فرمانے سے حاصل ہوا۔ اگر آپ کا باپ ہوتا تو یا تو دوسرے نبیوں کی طرح آپ کا صرف نام قرآن مجید میں آتا یا پھر باپ کی طرف آپ کو نسبت کیا جاتا۔ رب فرماتا ہے۔ ادعوهم لاباٰئهم

چوتھا فائدہ: توریت وانجیل بلکہ تمام آسمانی کتب میں توحید اور عبادت کا حکم دیا فروع میں اختلاف ہو سکتا ہے مگر اصول دین ساری کتب کے یکساں ہیں۔ یہ فائدہ توریت و انجیل سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: یہود و نصاریٰ سارے اہل کتاب مشرک ہیں اگرچہ ان کے احکام کھلے مشرکوں سے کچھ ہلکے ہیں یہ فائدہ وما امروا (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: اللہ رسول کے سوا کسی کو حرام و حلال کا مختار ماننا کہ وہ جس چیز کو چاہے حلال کرے جسے چاہے حرام کرے شرک ہے کہ اس نے دوسرے کو رب مان لیا۔ یہ فائدہ اربابًا کی تفسیر سے حاصل ہوا جس کے متعلق ابھی تفسیر میں حدیث شریف پیش کی گئی۔

ساتواں فائدہ: خدا تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدۂ تحیہ کرنا حرام ہے اور سجدۂ عبادت کرنا شرک۔ یہ فائدہ بھی اربابًا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: کسی کو گناہ بخشنے کا مختار ماننا یہ بھی شرک ہے گناہ بخشنا سزا دینا رب تعالیٰ ہی کی صفت ہے یہ فائدہ بھی اربابًا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ عیسائی اپنے ہفتہ بھر کے گناہ تفصیل وار اتوار کے دن پادری صاحب کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ پادری صاحب کہتے ہیں جا بیٹا معاف کر دیئے۔ معاف ہو گئے۔ یہ شرک ہے۔ **مگر خیال رہے** کہ یہ گناہ معاف کرانے کا ذکر ہے حق تو حق والا معاف کرتا ہے۔ قرضہ قرضخواہ سے معاف کراؤ، یوں ہی بخشنا اور بخشوانا ان میں فرق ہے بخشوانا شفاعت ہے جو حضرات انبیاء و اولیاء کے لئے ثابت ہے۔ **وصل علیھم ان صلوٰتک سکن لھم** اور فرماتا ہے **استغفرلہ منک ...... وللمومنین.** وغیرہ۔

نواں فائدہ: عبادت اور اطاعت میں فرق ہے۔ عبادت صرف رب تعالیٰ کی ہو سکتی ہے **لاتعبدوا الا ایاہ** مگر اطاعت اللہ تعالیٰ کی بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی اور حکم والے علماء کی بھی۔ **اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم**۔ یہ فائدہ بھی اربابًا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: شرک عملی بھی ہوتا ہے اعتقادی بھی۔ کسی بندے سے رب کا سا معاملہ کرنا یہ شرک عملی ہے۔ یہ فائدہ اس آیت سے حاصل ہوا کہ احبار و رہبان کو بھی عیسائیوں نے رب بنایا اور مسیح ابن مریم کو بھی مگر احبار و رہبان کو عملی طور پر اور مسیح کو اعتقادی طور پر۔

پہلا اعتراض: تم لوگ بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حرام و حلال کا مالک سمجھتے ہو۔ تم نے بھی حضور ﷺ کو رب مان لیا۔ تم بھی عیسائیوں کی طرح مشرک ہو۔ (دیوبندی وہابی)

www.alahazratnetwork.org

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ تمہارے پیشوا مولوی محمود الحسن صاحب نے بھی فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بعد از خدا مالک احکام ہیں دیکھو اس کا مفصل حوالہ ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ اور جاء الحق حصہ اول میں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بے شک رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مالک احکام بلکہ مالک کونین بنایا **ولایحرمون ما حرم اللہ و رسولہ** معلوم ہوا کہ رسول اللہ حرام کر سکتے ہیں اور فرماتا ہے **ویحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث** ہمارے رسول لوگوں کے لئے طیب چیزیں حلال کرتے ہیں خبیث چیزیں حرام کرتے ہیں۔ اور فرماتا ہے **ولاحل لکم بعض الاحرم علیکم** اس کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں دیکھو۔ عیسائیوں کا اپنے پوپ پادریوں کو حرام و حلال کا مالک سمجھنا شرک ہے کہ رب نے انہیں مالک بنایا نہیں۔ اب وہ جو کچھ حرام و حلال کریں گے رب کے مقابلہ میں کریں گے۔ مومنوں کا حضور ﷺ کو مالک احکام ماننا ایمان ہے کہ رب نے انہیں مالک احکام بنایا اب وہ جو کچھ حکم کریں گے رب کی مرضی سے کریں گے۔ مشرک کا پتھر کی طرف سجدہ کرنا گنگا جل کی تعظیم شرک ہے۔ مسلمان کا کعبہ کی طرف سجدہ کرنا زم زم کی تعظیم کرنا عین ایمان ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔

دوسرا اعتراض: تم بھی عیسائیوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ معاف کراتے ہو۔ شعر

بخش دو میری خطائیں .... بھیج دو اپنی عطائیں .... یا نبی سلام علیک

پڑھا کرتے ہو۔ تم بھی انہی کی طرح مشرک ہو۔

جواب: ہم حضور انور ﷺ سے گناہ نہیں بخشواتے بلکہ حضور انور ﷺ کے مارے ہوئے حقوق بخشواتے ہیں۔ ہر گناہ میں رب تعالیٰ کا بھی حق مارا جاتا ہے اور حضور انور ﷺ کا بھی۔ مثلاً ہمارا نماز نہ پڑھنا رب تعالیٰ کی ناراضی کا باعث ہے حضور انور ﷺ کی تکلیف کا سبب عزیز علیہ ماعنتم اور حق حقدار ہی معاف کرتا ہے۔

تیسرا اعتراض: تم لوگ قرآن و حدیث کے مقابل اپنے امام مجتہد ابو حنیفہ کی بات مانتے ہو تم کو آیات قرآنیہ حدیث نبویہ دکھائیں مگر تم فقہ حنفیہ ہی دیکھتے ہو (غیر مقلد) تم نے امام اعظم کو ارباب من دون اللہ مان لیا۔ دیکھو اس جگہ تفسیر روح المعانی اور تفسیر کبیر نے یہ دکھڑا رویا ہے۔

جواب: ہم حدیث و قرآن کو امام اعظم سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں تمہارے ترجے تفسیر شرح پر اعتماد نہیں کرتے ہم تمہارے مقابل ان کو مانتے ہیں نہ کہ اللہ رسول کے مقابل اس کی نفیس تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھو۔ امام رازی خود شافعی ہیں، ابو موسیٰ حنفی وہ یہ بات کیسے کہہ سکتے ہیں تم ان پر بہتان باندھتے ہو۔ وہ تو موجودہ بے دین پیروں کے معتقدین کے متعلق یہ فرما رہے ہیں دیکھو ان کی تفاسیر یہ ہی مقام۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہر گناہ کفر ہے اور سارے گناہ گار کافر۔ کیونکہ بندہ گناہ کرتے وقت شیطان کو اپنا الہ مان لیتا ہے تب ہی تو اس کی اطاعت کرتا ہے لہٰذا وہ بھی عما یشرکون میں داخل ہے۔ (خوارج)

www.alahazratnetwork.org

نوٹ ضروری: خارجی لوگ فاسق کو کافر مانتے ہیں۔ان کا یہ قول ہے۔
جواب: تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا گنہگار آدمی نہ تو گناہ کو اچھا سمجھتا ہے نہ شیطان کو اپنا پیشوا مانتا ہے وہ اپنے کو گنہگار کہتا ہے۔ شیطان پر پھٹکار ہی کرتا ہے لہذا اس نے شیطان کو الٰہ نہ مانا۔ کسی کے بہکانے میں آ کر گناہ کرنا اور چیز ہے اسے الٰہ ماننا دوسری چیز۔ یہاں تو ان کا ذکر ہے جو پوپ پادری کو اپنا پیشوا سمجھ کر اس کی اطاعت کرتے ہیں۔
تفسیر صوفیانہ: احکام الٰہیہ کے نافذ ہونے کی جگہ حضرات انبیاء کرام ہیں۔ یہ حضرات اللہ کے خلیفہ بلکہ دارالخلافہ ہیں کچھ احکام ان کی زبان سے جاری ہوتے ہیں وہ ربانی احکام ہوتے ہیں اور کچھ احکام ان کے دل سے جاری ہوتے ہیں بطور الہام وہ بھی ربانی ہوتے ہیں۔ قرآن، فرمان، الہام، سب ہی رب کی طرف سے ہیں۔ ان ھو الا وحی یوحی حتیٰ کہ اگر ان کا کوئی حکم کسی کے لئے قرآن کے خلاف بھی ہو تو اس کے لئے وہ ہی حکم ربانی ہے۔ جس کی بہت مثالیں موجود ہیں۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری کی ایک گواہی دو گواہیاں بنادیں، حضرت سراقہ کو سونے کے کنگن پہننے کی اجازت دے دی۔ حضرت علی کے لئے فاطمہ زہرا کی موجودگی میں دوسرا نکاح منع فرمادیا۔ ایک صاحب کے لئے صرف نمازیں ہی رکھیں۔ یہ سب احکام ربانیہ ہیں اور اطاعت رسول میں داخل ہیں۔ مگر اللہ کے دشمن احبار اور رہبان ان کی اطاعت کرنا انہیں ارباب من دون اللہ ماننا ہے۔ ان لوگوں کا مطیع مشرک ہے مگر نبی کا مطیع سچا پکا مومن ہے ہاں جو کسی نبی کو اللہ کا بیٹا کہا اس نے نبی کو الٰہ مان لیا۔ وہ یشرکون میں داخل ہے۔ نبی اللہ، ولی اللہ کی شان اور ہے۔ ولی من دون اللہ کا حال کچھ اور۔ وہ حضرات رب نہیں رب کے حبیب ہیں۔

يُرِيدُونَ أَنْ يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى اللَّهُ إِلَّا أَنْ

ارادہ کرتے ہیں یہ کہ بجھادیں نور اللہ کا مونہوں سے اپنے اور انکار کرتا ہے اللہ

چاہتے ہیں کہ اللہ کا نور منہ سے بجھا دیں اور اللہ نہ مانے گا مگر اپنے نور کا

يُتِمَّ نُورَهُ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُونَ ﴿٣٢﴾ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ

مگر یہ کہ پورا کرے نور کو اپنے اگرچہ ناپسند کریں کافر وہ اللہ وہ ہے جس نے بھیجا رسول

پورا کرنا پڑے برا مانیں کافر وہ ہی ہے جس نے اپنا رسول ہدایت اور سچے دین کے ساتھ

بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ

کو اپنے ساتھ ہدایت کے اور سچے دین کے تاکہ غالب کرے سارے دینوں پر اگرچہ ناپسند

بھیجا کہ اسے سب دینوں پر غالب کرے پڑے برا

www.alahazratnetwork.org

الْمُشْرِكُوْنَ ﴿٣٣﴾
کریں مشرک لوگ
مانیں مشرک

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں یہود و نصاریٰ کا اپنے دینوں میں تبدیلی کرنے انہیں مٹانے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انہیں کی دین اسلام کو مٹانے کے متعلق ناکام کوشش کا تذکرہ ہے۔ گویا ان کے لازم عیوب کے بعد متعدی عیب کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو حکم تھا کہ اہل کتاب سے ذلت کے ساتھ جزیہ لو اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ یہ لوگ اللہ کے عزت والے بندے کو ذلیل کرنے والے، دین کو مٹانے کی کوشش کرتے ہیں گویا حکم پہلے دیا گیا اس کی وجہ اب بیان ہو رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ یہ لوگ ذلیل پوپ پادریوں کو رب کا شریک مان لیتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ یہ ہی بے وقوف اللہ کے عزیز نبی کی مخالفت کرتے ہیں انہیں نبی نہیں مانتے۔ گویا ان کی افراط کا ذکر فرمانے کے بعد تفریط کا تذکرہ ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں یہودیت اور عیسائیت منسوخ دینوں کی کمزوری بتائی گئی کہ اسے لوگوں نے بدل کر رکھ دیا۔ اب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کی پختگی مضبوطی کا تذکرہ ہے یہ کسی مجموعی کوشش سے نہ مٹے نہ بدلا جائے۔ **لیظهره على الدين كله**

تفسیر: **یریدون** یہ جملہ نیا ہے۔ یریدون بنا ہے ارادۃ سے یہاں ضروری ارادہ مراد نہیں بلکہ ارادہ سے کوشش مراد ہے۔ کوشش خواہ قولی ہے یا عملی یا مالی یا قلمی یا تلوار کی۔ کیونکہ اسلام کو مٹانے میں ہر قسم کی کوشش کرتے رہے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ اس کا فاعل مذکورہ دونوں قومیں یہود و نصاریٰ ہیں اور ہوسکتا ہے کہ سارے کفار فاعل ہوں۔ یریدون مضارع استمراری ہے کیونکہ ان کی کوشش دائمی ہے جواب تک دیکھنے میں آ رہی ہے۔ **ان يطفؤا نور الله** یہ عبارت یریدون کا مفعول بہ ہے اطفاء سے بمعنی آگ بجھانا اس طرح کہ آگ کا وجود ختم کر دیا جاوے جس سے اس کی روشنی بھی جاتی رہے مگر محاورہ میں صرف روشنی دور کر دینے کو اطفاء کہتے ہیں۔ خصوصاً جبکہ اس کے بعد چراغ یا نور مذکورہ ہو وہ ہی یہاں مراد ہے چونکہ اسلام قرآن حضور ﷺ کے معجزات بلکہ خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم روحانی نور ہیں اس لئے ان کے مٹانے باطل کرنے کو اطفاء یعنی بجھانا کہا گیا۔ نور وہ جو ظاہر بالذات ہو مظہر للغیر ہو۔ روشنی نور حسی بھی ہوتا ہے جیسے چراغ، سورج، چاند تارے اور معنوی بھی جیسے علم، ایمان، دلائل اور قرآن اور حضور انور ﷺ کی ذات بابرکات اگرچہ سارے نور اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں مگر

www.alahazratnetwork.org

جس کے روشن کرنے میں کسی بندے کی کوشش کو دخل نہ ہو براہ راست رب نے روشن کیا وہ نور اللہ یعنی اللہ کا نور ہے۔ جیسے محسوسات میں سورج چاند تارے اور معقولات میں قرآن مجید اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہاں نور اللہ سے مراد یا دین اسلام ہے یا دلائل توحید یا حضور انور ﷺ کے معجزات تو اس کے بجھانے سے مراد انہیں نہ ماننا نہ دوسروں کو ماننے دینا۔ انہیں مٹا دینا یا اس سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تو بجھانے سے مراد حضور ﷺ کا دین مٹانا، حضور ﷺ کے قرآن کو شائع نہ ہونے دینا، حضور ﷺ کا ذکر روکنا، حضور ﷺ کے فضائل سے چڑ جانا، آپ ﷺ میں عیب نکالنے کی کوشش کرنا، قرآن نے بہت جگہ حضور ﷺ کو نور فرمایا ہے اور نور گر سراج منیر بھی۔ وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں۔ اگلی آیت میں بھی حضور انور ﷺ کا ہی ذکر آ رہا ہے اس لئے ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد حضور انور ﷺ ہیں چونکہ حضور انور ﷺ مال و دولت، ملک و سلطنت وغیرہ کی وجہ سے نہیں چمکے بلکہ انہیں چمکانے والا براہ راست اللہ تعالٰی ہے نیز حضور ﷺ کسی کے بجھائے بجھ نہیں سکتے ان وجوہ سے حضور ﷺ کو نور اللہ فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ کفار ہمیشہ سے حضور انور ﷺ کے پیچھے پڑے رہے اور پڑے رہتے ہیں۔ قرآن اور اسلام کے پیچھے تو بعد میں پڑتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ حضور انور ﷺ شمع اسلام ہیں قرآن وغیرہ اس کی شعاعیں۔ شمع بجھا دو، شعاعیں خود بخود ختم ہو جائیں گی۔ اس کا یہاں ذکر ہے۔ لہٰذا فقیر کے نزدیک نور اللہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ **بافواھھم** یہ فرمان عالی بطوفون کے متعلق ہے اس میں ب مد دکی ہے۔ افواہ جمع ہے فوہ کی بمعنی منہ۔ اس سے مراد یا زبان ہے یا ان کی بکواس۔ اسلام رآن اور حضور ﷺ کے خلاف یا مراد پھونکیں ہوں۔ رب نے ان کی تمام کوششوں کو ان کی منہ سے نکلی ہوئی پھونکیں فرمایا کہ جیسے منہ کی پھونک سورج تک نہیں پہنچتی ایسے ہی ان کی کوشش ذات پاکِ مصطفٰی تک نہیں پہنچتی۔ خیال رہے کہ آگ میں پھونک مارتے ہیں، اسے تیز کرنے کے لئے، چراغ میں پھونک مارتے ہیں اسے بجھانے کے لئے بھی۔ یہاں دوسری قسم کی پھونک مراد ہے، اس لئے نور اللہ ارشاد ہوا۔ **و یابی اللہ الا ان یتم نورہ** یہ فرمان عالی کفار کے ارادہ کو باطل فرمانے کے لئے ہے۔ یابی بنا ہے ابا سے بمعنی انکار نہ کرنا۔ نہ ماننا اور باز نہ رہنا۔ چونکہ اس کا فاعل رب تعالٰی ہے اس لئے اس کے معنی نہ ماننا نہ قبول کرنا ہیں۔ کمال اور تمام کا فرق ہم الیوم اکملت لکم **دینکم** کی تفسیر میں عرض کر چکے کہ ذات کو پورا کرنا کمال ہے صفات کو پورا کرنا اتمام۔ اگر نور سے مراد دین اسلام تو اتمام کے معنی کلمہ طیبہ کا بلند کرنا۔ اسلام کو عزت دینا، اسے دنیا میں پھیلانا اور شائع کرنا ہے اور اگر نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو اتمام سے مراد حضور ﷺ کی عزت تمام دنیا میں ظاہر کرنا۔ آپ ﷺ کا چرچا آپ ﷺ کا ذکر جاری کرنا یعنی اللہ تعالٰی اس کے سوا کچھ اور نہ مانے گا کہ اپنے نور یعنی محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ان کا چرچا ان کا ذکر خیر پورا پورا شائع ہو۔ **ولو کرہ الکفرون**۔ اگرچہ تمام جہان کے سارے کافر اسے ناپسند کریں۔ یہاں ناپسندیدگی سے مراد دل سے ناراض ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے خلاف ہر طرح کی کوشش کریں۔ کافروں سے مراد ہر قسم کے کافر ہیں۔ مشرکین ہوں یا یہودی عیسائی یا مجوسی پارسی وغیرہم کیونکہ اسلام کی مخالفت حضور انور ﷺ کی دشمنی میں سب متفق ہیں مگر کچھ نہ کر سکے ہیں نہ کر سکیں گے۔ رب کے مقابل سب کچھ نہیں کر سکتے۔ **ھو الذی** یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی گویا تفسیر ہے یہاں ہو سے مراد

ذات الٰہی ہے اور الذی سے مراد شان الٰہی رحمت الٰہی ھوالذی وہاں ارشاد ہوتا ہے جہاں رب تعالیٰ اپنی قدرت اپنی خاص رحمت کا ذکر فرماتا ہے چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کی شان بھی ہیں اس کی رحمت بھی۔ اس وجہ سے ھوالذی ارشاد ہوا یعنی اگر میری شان میری رحمت دیکھنی ہے اگر تم نے مجھے جاننا ہے پہچاننا ہے تو اس طرح جانو کہ میں وہ رحمت والا شان والا قدرت والا ہوں جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان تحفوں کے ساتھ بھیجا۔ شعر

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کے شان کے صدقے

میں ہر ہر آن یارب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

ارسل رسوله یہ عبارت الذی کا صلہ ہے۔ ہمارے متعلق قرآن کریم میں ارشاد ہوتا ہے خلقکم و ما تعملون مگر حضور ﷺ کی تشریف آوری کے لئے ارسل، بعث اور جاء ارشاد ہوتا ہے کیونکہ ہم صرف مخلوق ہیں حضور انور ﷺ اللہ کی مخلوق بھی ہیں مبعوث بھی، رسول مرسل بھی۔ نیز ہم سب یہاں اپنے کام کے لئے آئے ہیں، حضور انور ﷺ رب کے کام و احکام کے لئے۔ ہم یہاں بننے کے لئے آتے ہیں، وہ سب کچھ بن کر دوسروں کو بنانے کے لئے۔ ان کا دنیا میں آنا ایسا ہوتا ہے جیسے حاکم کا تبادلہ ہو کر کسی جگہ پہنچنا۔ نبی پیغام رساں کو کہتے ہیں۔ رسول فیضان رساں کو۔ حضرت جبرائیل نے حضرت مریم سے کہا انما انا رسول ربک لاھب لک غلام زکیا یہ ہے رسالت کی شان۔ رسولوں کا تعلق رب تعالیٰ سے لینے کا ہوتا ہے۔ مخلوق سے دینے کا۔ اس لئے انہیں رسول بھی کہا جاتا ہے اور رسولنا یا رسولکم۔ قرآن مجید میں جہاں الرسول یا رسول اللہ یا رسول مطلق ارشاد ہوتا ہے وہاں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ وہ ہی یہاں مراد ہیں۔ بالھدی و دین الحق یہ عبارت پوشیدہ مصحفا یا متلبسا یا ملزوما وغیرہ کے متعلق ہو کر رسول کا حال ہے۔ ہدیٰ سے مراد قرآن مجید ہے اور دین حق سے مراد اسلام ہے یا ہدیٰ سے مراد ہے حضور انور ﷺ کا خود ہدایت یافتہ ہونا اور دین حق سے مراد لوگوں کو ہدایت دینا ہے دین سے مراد ملت ہے الحق یا تو رب تعالیٰ کا نام ہے یعنی اللہ کی پسندیدہ ملت یا حق بمعنی مضبوط، نا قابل نسخ اس معنی سے صرف دین محمدی حق ہے باقی گذشتہ نبیوں کے دین قابل نسخ تھے۔ یعنی رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو قرآن اور اسلام سے موصوف بنا کر بھیجا یا خود ہدایت یافتہ اور لوگوں کا ہادی بنا کر بھیجا۔ لیظھرہ علی الدین کله یہ اس کے متعلق ہے جس میں ارسال کی حکمت ارشاد ہوئی۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں ہیں۔ آسان اور قوی تفسیر یہ ہے کہ یظہر بنا ہے اظہار سے بمعنی غالب کرنا۔ اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔ ہ سے مراد یا دین اسلام ہے یا قرآن یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم الدین میں الف لام جنسی یا استغراقی ہے جس سے دین اسلام کے علاوہ سارے دین مراد ہیں۔ خواہ آسمانی ہوں جیسے یہودیت یا نصرانیت یا نفسانی خود ساختہ دین جیسے شرک، دہریت وغیرہ۔ اگر ہ سے مراد حضور انور ﷺ ہیں تو دین سے مراد سارے دین والے بزرگ ان کے باقی ماننے والے مراد ہوں گے (روح المعانی) یعنی تاکہ اللہ تعالیٰ دین اسلام یا قرآن کو تمام دینوں پر غالب تمام دینوں کا ناسخ کرے۔ خود منسوخ نہ ہو یا حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دینوں کے بانیوں ان کے سرداروں پر غالب کرے کہ ان کا چرچا ان کا ذکر خیر، ان کی عزت ان کی نعت خوانی تمام بانیان دین سے زیادہ ہوں۔ لہٰذا آیت کریمہ

www.alahazratnetwork.org

بالکل واضح ہے کسی تاویل کی ضرورت نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس فرمان کا ظہور قریب قیامت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے بعد ہوگا کہ ساری دنیا میں صرف اسلام ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ یظہر کے معنی ہیں مطلع کریں اور دین سے مراد اسلام ہے اور معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کے اسلام کے سارے اصولی فروعی مسائل پر مطلع کرے۔ مگر پہلی تفسیر قوی بھی ہے آسان بھی جس پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ ولو کرہ المشرکون. اس فرمان عالی میں مشرکین سے مراد یا عرب کے مشرکین ہیں یا تمام جہان کے مشرک یا سارے کفار یا حضور انور ﷺ کی عزت وعظمت سے جلنے والے بے دین کہ وہ کافر و مشرک ہیں یعنی اگر چہ یہ سب جلتے بھنتے رہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان دونوں آیتوں کی چند تفسیریں ہیں۔ نور اللہ سے مراد قرآن ہو یا اسلام یا حضور انور ﷺ کے معجزات یا اسلام کی حقانیت کے دلائل یا خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم ان میں سے قوی اور آسان اور لذیذ تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ دنیا بھر کے کفار دل سے چاہتے ہیں زبان، قلم، دولت، زر، زور سے کوشش کرتے ہیں کہ اللہ کے نور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو اپنی پھونکوں سے بجھا دیں کہ حضور ﷺ کو شہید کر دیں ان کا ذکر بند کر دیں ان کا نام مٹا دیں ان کا قرآن ان کا اسلام ختم کر دیں مگر تمام جہان کی پھونکوں سے سورج سیاہ نہیں پڑتا۔ تمام کفار کی کوششوں سے محمد مصطفیٰ کا چرچا کم نہیں ہوتا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کرنے کے سواء کسی اور چیز سے راضی نہیں ہے۔ اسے ضرور پورا کرے گا۔ اگر چہ کفار اسے ناپسند کریں اور ہر طرح کا زور لگائیں۔ اے میرے بندو اگر تم مجھے جاننا پہچاننا چاہتے ہو تو اس طرح پہچانو کہ اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا رحمت والا کرم فرمانے والا ہے کہ اس نے اپنے رسول، رسولوں کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت سے متصف کر کے مضبوط پائیدار نہ مٹنے والا ناقابل نسخ دین دے کر ساری مخلوق کی طرف ہمیشہ کے لئے بھیجا تا کہ وہ محبوب کو تمام آسمانی اور نفسانی دینوں کے بانیوں پر غالب کرے۔ ہمیشہ غالب رکھے کہ ان کا چرچا ان کے محامد ان کی نعتیں تمام دینوں کے پیشواؤں پر غالب رہیں اگر چہ مشرکین مکہ یا دنیا بھر کے مشرک یا تمام دنیا کے کفار یا حضور ﷺ کے ذکر سے جلنے والے اسے ناپسند کریں۔ شعر

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے دشمن ترے — نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچہ تیرا
عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے — یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کا نور ہیں یعنی اللہ کا روشن کردہ۔ یہ فائدہ نور اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد حضور انور ﷺ ہوں۔ اس کی تفسیر وہ آیات ہیں۔ قد جاءکم من اللہ نور و کتاب مبین اور فرمان عالی سراجا منیرا۔ ملا علی قاری نے موضوعات کبیر کے آخر میں فرمایا کہ قرآن مجید میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمن ہمیشہ سے نبی پاک کو گھٹانے اور دبانے کی سرتوڑ کوشش کر رہے ہیں اور

www.alahazratnetwork.org

کرتے رہیں گے۔ یہ فائدہ یریدون لیطفؤا (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مگر ان میں سے کوئی اپنے اس ناپاک ارادے میں کامیاب نہ ہوگا۔ حضور ﷺ وہ چمکتا سورج ہیں جو سارے کفار کی پھونکوں سے نہیں بجھ سکتے۔ یہ فائدہ الا ان یتم نورہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ کی شان گھٹانے کی کوشش کرنے والے ان کے ذکر سے چڑنے والے ان کی عظمت سے جلنے والے بحکم قرآن کریم کافر ہیں۔ یہ فائدہ ولو کرہ الکافرون سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے جلنے والوں کو کافر کہتا ہے۔ **لیغیظ بھم الکفار** بندوں کو رب پر ناز ہے قدرت کو حضور ﷺ پر۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ جس سے ایمان ملے وہ صرف حضور انور ﷺ ہیں اگر کوئی رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو زمین وآسمان کے ذریعہ جانے وہ موحد ہے مگر مومن نہیں۔ یہ فائدہ ھو الذی (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

وہ آئے اس جہاں میں حسن مطلق کی ادا بن کر   نشانِ بے نشاں بن کر زبانِ بے زباں بن کر

چھٹا فائدہ: ہم سب اللہ کی مخلوق اور اس کے بندے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم بندے بھی ہیں اور مخلوق بھی اور اس کے رسول بھی۔ مخلوق اور مرسل کا فرق ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یہ فائدہ ارسل اور رسولہ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: ہدایت اور سچا دین حضور انور ﷺ سے ایسے وابستہ اور لازم ہیں جیسے سورج سے دھوپ۔ حضور انور ﷺ کو چھوڑ کر نہ کسی کو ہدایت مل سکتی ہے نہ دین حق۔ یہ فائدہ بالھدیٰ کی ب سے حاصل ہوا۔ اگر صرف قرآن سے ہدایت مل جاتی تو حضور انور ﷺ کو کیوں بھیجا جاتا۔

آٹھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کبھی ہدایت اور دین حق سے الگ نہ ہوئے۔ جیسے دھوپ کبھی سورج سے الگ نہیں ہوتی یہ فائدہ بھی بالھدیٰ کی ب سے حاصل ہوا۔ جو کوئی انہیں ایک آن کے لئے گمراہ نہ مانے وہ خود گمراہ بے دین ہے۔ رب فرماتا ہے **ما ضل صاحبکم و ما غوی**۔

نواں فائدہ: اسلام ہی دین حق ہے یعنی ناقابل نسخ دین۔ باقی تمام نبیوں کے دین قابل نسخ تھے، منسوخ ہو گئے۔ یہ فائدہ دین الحق کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ حق سے مراد مضبوط ہو۔ دیکھو تفسیر۔

دسواں فائدہ: اگرچہ کسی جگہ کسی وقت مسلمان کفار سے دب جائیں مگر دینی غلبہ ہمیشہ اسلام ہی کو حاصل رہے گا۔ یہ فائدہ لیظھرہ (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھ لو آج بھی قرآن مجید تمام دینوں کی کتابوں توریت، انجیل، زبور، وید، شاستروں پر غالب ہے۔ اسی قرآن کے حافظ ہیں۔ اسی قرآن کی تفسیریں ایک لاکھ سے زیادہ لکھی جا چکی۔ یہ ہی قرآن سب سے زیادہ چھپتا ہے، یہ ہی قرآن سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، یہ قرآن بغیر سمجھے مزہ دیتا ہے، سننے والوں کو تڑپا دیتا ہے، اسلام کی مسجدیں تمام دینوں کے عبادت خانوں پر غالب ہیں۔ اسلام کا مکہ مدینہ سارے دینوں کے مقدس مقامات پر غالب کہ اس کا حج و زیارت ہر سال ہوتا ہے جس کی مثال نہیں ملتی۔ اسلام کا رمضان ربیع الاول تمام دینوں کی مقدس تاریخوں پر غالب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

گیارہواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام دینوں کے پیشواؤں پر غالب ہیں۔ دیکھ لو، آج بھی جتنا چرچہ جتنی تعتیں حضور ﷺ کی ہیں اتنی کسی کی نہیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ حضور انور ﷺ کی سوانح عمریاں تواریخ لکھی گئیں، حضور ﷺ ہی کے غلاموں میں اولیاء اللہ ہیں اور کسی دین میں نہیں۔ جتنے قصیدے حضور ﷺ کے شہر مدینہ منورہ کے لکھے گئے اتنے کسی کے نہیں لکھے گئے حتی کہ مدینہ پاک کی گلی کوچوں کی وہاں کی ہر چیز کی تواریخ لکھی گئیں۔ یہ ہے لیظھرہ علی الدین کلہ کی تفسیر۔

بارہواں فائدہ: جو حضور انور ﷺ کے ذکر اور عظمت سے جلے وہ کافر بھی ہے۔ مشرک بھی۔ یہ فائدہ الکافرون اور المشرکون سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان بدنصیبوں کو کافر بھی کہا اور مشرک بھی۔

پہلا اعتراض: نور اللہ سے مراد دین اسلام ہے نہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور ﷺ بشر ہیں نور نہیں رب فرماتا ہے قل انما انا بشر مثلکم حضور ﷺ ہماری مثل ہیں ہم تو نور نہیں لہٰذا حضور ﷺ بھی نور نہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسری تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تو تم کہو گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہماری مثل ہیں اور ہم نبی نہ رسول شفیع نہ رحمت للعالمین تو حضور ﷺ بھی کچھ نہیں (معاذ اللہ) جواب تحقیقی یہ ہے کہ مثلکم میں صرف ایک بات میں مثلیت کا ذکر ہے یعنی خالص بشر ہونا، عبد ہونا، کہ الوہیت کا شائبہ نہ ہو، نہ خدا ہیں نہ خدا کے بیٹے۔ نہ اس کے بھائی بھتیجے حضور ﷺ نورانی بشر ہیں۔ حضور ﷺ کے نور ہونے پر بہت آیات بہت سی احادیث وارد ہیں، اس کے لئے ہماری کتاب رسالہ نور دیکھو۔

دوسرا اعتراض: اگر اس آیت میں نور سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو نور پورا کرنے کے کیا معنی۔ کیا حضور ﷺ پہلے ناقص تھے۔

جواب: پورا کرنے سے مراد ہے حضور ﷺ کا ظہور پورا کرنا کہ دنیا میں آپ ﷺ کی دھوم مچ جائے کسی کے روکے آپ ﷺ کا چرچہ آپ ﷺ کا دین نہ رکے، جیسے سورج دوپہر میں تیز چمکتا ہے یہ تیزی اس کے ظہور کی ہے ورنہ وہ تو ہر وقت کا منیر ہے۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ہدایت سے الگ نہ ہوئے۔ مگر قرآن مجید فرماتا ہے ووجدک ضالا فھدی ہم نے آپ ﷺ کو گمراہ پایا تو ہدایت دے دی تمہارا قول اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس آیت کریمہ میں جو کوئی ضالا کے معنی گمراہ کرے، وہ خود گمراہ ہے۔ حضور ﷺ کو گمراہی سے کوئی نسبت نہیں۔ رب فرماتا ہے ماضل صاحبکم و ماغوی تمہارے ساتھ رہنے والے محبوب نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے اس آیت میں ضالا کے معنی ہیں نشان ہدایت یعنی تم کو بہت بلند و بالا نشان ہدایت پایا۔ تمہارے ذریعہ تمام جہان کو ہدایت دے دی۔ اس لئے فھدک نہیں کہ تمہیں ہدایت دی۔

چوتھا اعتراض: رب تعالیٰ فرماتا ہے ماکنت تدری ماالکتب و لا الایمان تم جانتے ہی نہ تھے کہ کتاب کیا ہے اور

www.alahazratnetwork.org

ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ چالیس سال تک حضور انور ﷺ کو ایمان کا بھی پتہ نہ تھا۔ قرآن نے اتر کر حضور ﷺ کو ایمان بتایا اور جسے ایمان کا پتہ نہ ہو وہ گمراہ ہوتا ہے۔ پھر تمہارا یہ دعویٰ کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ حیرت ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تو ماں کی گود میں اپنی نبوت، کتاب الٰہی، نماز، ماں کی خدمت سب کی خبر ہو کہ آپ نے فرمایا قال انی عبداللہ اتانی الکتاب و جعلنی نبیا۔ مگر سید الانبیاء کو ایمان کی خبر نہ ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اس آیت ماکنت تدری میں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت کی نفی ہے درایت کہتے ہیں عقل انداز سے انکل قیاس سے جاننا جس میں غلطی کا اندیشہ نہ ہو۔ واقعی حضور انور ﷺ کو ان چیزوں کا علم انکل قیاس سے نہ تھا بلکہ وحی الٰہی سے تھا یعنی الہام القاء ربانی جو وحی کی قسم ہے قرآن کی پہلی آیت کے نزول کے وقت آپ عبادت واعتکاف میں تھے۔

پانچواں اعتراض: یہاں رب نے وعدہ فرمایا کہ حضور انور ﷺ کو یا اسلام کو تمام دینوں پر غالب کرے گا مگر دیکھا جا رہا ہے کہ بہت جگہ بلکہ قریبا ہر جگہ مسلمان بہت پستی میں ہیں۔ بعض جگہ سے مسلمانوں کا نام ونشان مٹ چکا ہے پھر یہ وعدہ کیسے پورا ہوا۔

جواب: یہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دین اسلام کے غلبہ کا ذکر ہے نہ کہ مسلمانوں کے ہمیشہ دوسری قوموں پر غالب رہنے کا۔ مسلمان غالب رہیں یا مغلوب مسلمانوں کا دین تمام دینوں پر مسلمانوں کا نبی تمام دینی پیشواؤں پر غالب ہیں اور رہیں گے اس کی تفصیل ابھی فائدوں میں ہم نے عرض کر دی ہے۔ مسلمانوں کے لئے ارشاد ہے وانتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

تفسیر صوفیانہ: بعض چیزیں بندوں کی روشن کردہ ہوتی ہیں جیسے چراغ گیس بجلی وغیرہ انہیں بندہ گل بھی کر سکتا ہے اور بعض چیزیں رب تعالیٰ کی روشن کردہ ہیں۔ انہیں سارے بندے مل کر نہیں بجھا سکتے۔ جیسے سورج یوں ہی عالم روحانیات میں بعض اپنی کوشش یا کسی اور کوشش سے چمکتے ہیں، وہ جلد بجھ جاتے ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے روشن کردہ نور ہیں اس لئے انہیں نور اللہ کہا گیا۔ وہ تمام دنیا کی کوششوں سے نہیں بجھ سکتے بلکہ چاند تارے جو سورج سے روشن ہیں انہیں کوئی نہیں بجھا سکتا یوں ہی حضرات صحابہ اور اولیاء اللہ علماء ربانی حضور انور ﷺ سے روشن ہیں انہیں کوئی گل نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ اب تک مشاہدہ ہو رہا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں ہم سب بندوں کو اپنی بندگی رب کی ربوبیت پر ناز ہے کہ ہم رب کے بندے ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ بندے ہیں کہ دست قدرت کو ان پر ناز ہے کہ ہم محمد مصطفیٰ کے رب ہیں۔ رب سے حضور ﷺ کا وجود ہے مگر حضور ﷺ سے رب کا ظہور ہے، اس لئے ارشاد ہوا۔ ھو الذی ارسل رسولہ (الخ) یہاں یہ تو فرمایا کہ رب نے اپنا رسول بھیجا مگر یہ نہ فرمایا کہ کس کے پاس بھیجا تاکہ معلوم ہو کہ سب کے پاس بھیجا۔ خالق کے پاس سے آئے مخلوق کے پاس آئے۔ لقد جاء کم رسول اور لیکون للعلمین نذیرا اور وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین۔ رب کی ربوبیت حضور ﷺ کی نبوت سب کو عام ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و رسل　　اس ہمہ گیر بعثت پہ لاکھوں سلام

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے تحقیق بہت سے پوپ اور راہب (عیسائی درویش)

اے ایمان والو بے شک بہت پادری اور جوگی لوگوں کا مال ناحق کھا جاتے ہیں اور اللہ

لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ

البتہ کھاتے ہیں مال لوگوں کے باطل ذریعہ سے اور روکتے ہیں وہ اللہ کے

کی راہ سے روکتے ہیں اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ

اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِىْ

راستہ سے اور وہ لوگ جو جمع کرتے ہیں سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے

میں خرچ نہیں کرتے اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے ہیں انہیں اللہ کے راستہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۙ

ہیں انہیں اللہ کے راستہ میں پس بشارت دو انہیں درد ناک عذاب کی

انہیں خوشخبری سناؤ درد ناک عذاب کی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ماتحت کتابیوں کا ذکر ہے کہ انہوں نے پوپ پادریوں کو اپنا معبود بنالیا اب ان کے سرداروں کی بدکرداریوں کا ذکر ہے کہ وہ حرام خور ہیں یعنی ان کا آوے کا آوا ہی خراب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں اہل کتاب کے سرداروں کی بدعقیدگی کا ذکر تھا کہ لوگ انہیں رب بناتے ان کی پرستش کرتے ہیں اور یہ منع نہیں کرتے اب ان کی بدعملی کا ذکر ہے کہ یہ لوگ معاملات کے خراب ہیں کہ لوگوں کا مال حرام ذریعوں سے کھاتے ہیں گویا ان کے عقیدے بھی خراب ہیں اور اعمال بھی۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام پر غالب آکر رہیں گے ان کا دین سب دینوں پر غالب آکر رہے گا۔ اب ارشاد ہے کہ اس غلبہ میں رکاوٹیں پیدا کرنے والے پوپ پادری ہیں جو لوگوں کو اسلام سے روکتے ہیں۔ یہ رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔ گویا اسلام کی ترقی کا ذکر پہلے ہوا اس کی رکاوٹوں کا ذکر اب ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اسلام کی ترقی حضور انور ﷺ کے غلبہ سے کفار و مشرکین کراہت کرتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ رشوت خوار سرداری کے بھوکے ہیں، اسلام کے غلبہ سے ان کو خطرہ ہے کہ ہماری رشوتیں بند سرداری ختم ہو جاوے گی۔

تفسیر : یاایھا الذین امنوا اگرچہ اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کے پوپ پادریوں کی بدعملیوں کا ذکر ہے مگر خطاب مسلمانوں سے کیا گیا تاکہ مسلمان ان عیوب سے بچے رہیں۔ یہ رب تعالیٰ کا کرم ہے کہ وہ مسلمانوں کو پکار کر کبھی محبوبوں کے اوصاف سناتا ہے تاکہ ان کی پیروی کریں کبھی مردودوں کے عیوب سناتا ہے تاکہ یہ ان سے بچے رہیں۔ صفت ایمان سے پکار کر یہ بتایا کہ تمہارا تعلق ہم سے اس لئے ہے کہ تم مومن ہو۔ ہمارے حبیب کے غلام ہو۔ اس کے علاوہ اور تمہاری کوئی چیز ہم سے تعلق پیدا کرنے والی نہیں۔ دولت، عزت، اولاد، ملک، زبان وغیرہ۔ اس خطاب میں از حضرات صحابہ تا ہم جیسے گنہگار سب ہی داخل ہیں۔ ان کثیرا من الاحبار و الرھبان اس فرمانِ عالی میں کثیر فرما کر یہ بتایا کہ یہ عیب سارے پوپ پادریوں میں نہیں بلکہ اکثر میں ہیں کہ کچھ تھوڑے اس سے بچے ہوئے بھی ہیں۔ امید ہے کہ وہ بچے ہوئے اسلام قبول کر لیں۔ دیکھ لو حضرت عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یہود کے بڑے پوپ حبر تھے مگر حضور ﷺ پر ایمان لے آئے جو چیز عقل ماردیتی ہے وہ ہے طمع جو اس سے خالی ہو تو امید ہے کہ برائی سے بچ جاوے ابھی کہا جا چکا ہے کہ احبار یہود کے پوپ تھے اور رہبان عیسائی کے راہب تارک الدنیا گوشہ نشین۔ لیاکلون اموال الناس یہ فرمانِ عالی ان کی خبر ہے اکل کے معنی ہیں کھانا، ل سے مراد ہے وصول کر لینا کیونکہ انسان کسی کا مال لے کر کھایا ہی کرتا ہے یا اس کے معنی ہیں استعمال کرنا۔ اموال سے مراد وہ مٹھائیاں ہیں جو ان کے ماتحت انہیں بطور چڑھاوے دیا کرتے تھے یا مطلب یہ ہے کہ وہ پیسہ کپڑا وغیرہ جو اپنے ماتحتوں سے وصول کرتے ہیں اسے بیچ کر کھانا خرید کر کھاتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے فلاں آدمی اپنا مکان جائیداد بیچ کر کھا گیا ایک شاعر کہتا ہے۔ مصرع یاکلن کل لیلۃ وکانا میری اونٹنیاں ہر رات اپنا پالان کھا جاتی ہیں یعنی پالان کی قیمت سے چارہ خرید کر کھلانا پڑتا ہے۔ مگر اموال جمع فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کے مال وصول کرتے تھے۔ الناس سے مراد ان کے ہم مذہب ماتحت ہیں۔ بالباطل اس فرمانِ عالی کا تعلق لیاکلون سے ہے اس میں ب مدد اور ذریعہ کی ہے۔ باطل ہر ناجائز کام ہے جو خود بھی برا ہو اور اس کے ذریعہ سے حاصل کیا ہوا مال بھی حرام۔ یہاں اس سے مراد ہے پوپوں کا رشوتیں لے کر توریت کے احکام بدل دینا یا نرم کر دینا جیسے توریت میں زانی کو سنگسار کر دینے کا حکم تھا مگر انہوں نے امیر زانیوں سے رشوت لے کر اس کی سزا صرف منہ کالا کر کے بازار میں جلوس نکال دینا مقرر کر دیا۔ یا انہوں نے توریت کی وہ آیات چھپائیں جن میں حضور انور ﷺ کی نعت تھی تاکہ ہمارے ماتحت لوگ مسلمان نہ ہو جائیں اور ہماری آمدنیاں بند نہ ہو جائیں۔ بہرحال ان کی چالبازیاں بڑی خطرناک تھیں۔ و یصدون عن سبیل اللہ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے لیاکلون پر یصدون بنا ہے صد سے اس کے معنی روکنا بھی ہیں اور خود رکنا بھی یعنی متعدی بھی ہے لازم بھی۔ سبیل اللہ سے مراد دین اسلام ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد توریت و انجیل کی وہ آیات ہوں جن میں حضور انور ﷺ کی بشارتیں ہیں اور اسلام کے موافق احکام (روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے یعنی یہ سردار لوگوں کو اسلام سے یا توریت کے اصلی احکام سے روکتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں یا خود رکتے ہیں کہ جان بوجھ کر اس طرف نہیں آتے۔ **والذین یکنزون الذھب و الفضۃ** یہ فرمانِ عالی یا تو نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ اور الذین سے مراد وہ مسلمان ہیں جو زکوٰۃ نہیں دیتے چونکہ کنجوس مسلمانوں کی یہ حرکت پوپ پادریوں کی حرکات مذکورہ کی طرح محبت مال کی وجہ سے تھی، اس لئے ان کا ذکر ان پادریوں کے ساتھ کیا اور ہو سکتا ہے کہ یہ عبارت معطوف ہو گذشتہ جملہ پر اور الذین سے مراد وہ ہی مذکورین پوپ پادری ہوں اور اس میں ان کے تیسرے عیب کا ذکر ہے یعنی بخل و کنجوسی مگر پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ شرعاً کفار پر نہ زکوٰۃ ہے نہ اور صدقے۔ یکنزون بنا ہے کنز سے بمعنی جمع کرنا۔ چنانچہ عربی میں موٹی اونٹنی کو ناقہ کناز اللحم کہتے ہیں۔ اس میں دفن کرنا ضروری نہیں دفن کرو یا بنک یا گھر میں رکھو اگر یہ پوپ پادریوں کا ذکر ہے تو کنز سے مراد ہے حرام ذریعہ سے مال حاصل کر کے جمع کرنا اور اگر بخیل مسلمان مراد ہیں تو اس سے مراد مال جمع کرنا اور اس میں سے زکوٰۃ صدقہ واجبہ ادا نہ کرنا۔ (روح المعانی و بیان وغیرہ) ذہب کے لفظی معنی ہیں جانا، جانے والی چیز یعنی ذہاب کا صفت مشبہ مگر محاورہ میں سونے کو ذہب کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی ایک کے پاس رہتا نہیں ہے، بہت جلد جاتا منتقل ہو جاتا ہے نیز یہ جا کر فائدہ دیتا ہے رہ کر نہ کھانے میں آئے نہ پینے میں۔ شرعاً اس کا برتنا بھی حرام ہے۔ فضہ بنا ہے فضی سے بمعنی بکھرنا متفرق ہونا اصطلاح میں چاندی کو فضہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بہت جلد متفرق ہو جاتی ہے۔ (روح البیان) **و لا ینفقونھا فی سبیل اللہ** یہ فرمانِ عالی یکنزون پر معطوف ہے اور کنز کا بیان ہے یعنی کنز جس پر وعیدیں آئی ہیں وہ مال ہے جس میں صدقہ واجبہ نہ نکالا جائے۔ یہاں من پوشیدہ ہے اصل میں **لاینفقون منھا** ہے اس کی تفسیر وہ آیات ہیں۔ **خذمن اموالھم صدقۃ** اور **ومما رزقناھم ینفقون**۔ وغیرہ کیونکہ زکوٰۃ میں سارا مال نہیں دیا جاتا ہے بلکہ کچھ حصہ اگر اس سے زکوٰۃ مراد ہے تو سبیل اللہ سے مراد فقراء مساکین کی خدمت کرنا ہے کیونکہ زکوٰۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے اور اگر خرچ سے ہر صدقہ مراد ہے تو سبیل اللہ سے سارے کار خیر مراد مسجدیں خانقاہیں وغیرہ کی تعمیر بھی اس میں داخل ہے۔ خیال رہے کہ یہاں چاندی سونے سے مراد ان کا نصاب ہے کیونکہ نصاب سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اس میں تمام شرائط زکوٰۃ ملحوظ ہیں جو احادیث شریفہ میں وارد ہیں۔ قرض سے فارغ ہونا سال گزارنا وغیرہ۔ **فبشرھم بعذاب الیم** یہ فرمانِ عالی خبر ہے الذین کی چونکہ اس میں شرط کے معنی تھے اس لئے خبر میں ف لائی گئی۔ یہاں ڈرانے کو بشارت فرمانا انتہائی غضب کے لئے ہے یعنی ایسے بخیلوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری دے دو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو خیال رکھو کہ بہت سے یہود کے پوپ عیسائیوں کے راہب بظاہر مقدس معلوم ہوتے ہیں مگر ان کا حال یہ ہے کہ اپنے ماتحتوں کے مال حرام ذریعوں سے لیتے ہیں کہ ان سے رشوت لے کر شریعت کے احکام بدلتے ہیں تم ان کی طرح ہرگز نہ ہونا یہ بھی خیال رکھنا کہ جو لوگ سونا چاندی جوڑتے رہتے ہیں اس میں سے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے زکوٰۃ نہیں نکالتے، ایسے لوگوں کو سخت دردناک عذاب کی بشارت ہے خیال رہے کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کے خیال میں بالکل ظاہری معنی پر ہے وہ کہتے تھے کہ مسلمان کو حاجت سے زیادہ مال رکھنا حرام ہے جو کھانے پینے سے بچے وہ سب خیرات کر دے۔ وہ یہاں من پوشیدہ نہیں مانتے، بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ شروع اسلام میں یہ ہی حکم تھا کیونکہ

www.alahazratnetwork.org

لوگوں کو اس وقت مال کی سخت ضرورت تھی۔ حتیٰ کہ قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ رکھنا ممنوع تھا۔ جب حکم زکوۃ آ گیا تو یہ حکم منسوخ ہو گیا۔ (دیکھو تفسیر خازن اور روح المعانی) مگر یہ دونوں قول غلط ہیں پہلا تو اس لئے کہ اگر حاجت سے زیادہ مال رکھنا ہی حرام ہو تو زکوۃ حج میراث وغیرہ سارے شرعی احکام ختم ہو جائیں گے کہ یہ کام بغیر مال جمع کئے ہوئے ممکن نہیں۔ دوسرا اس لئے کہ حضرت عثمان غنی اور بعض انصار بڑے مالدار تھے۔ کبھی ان کو یہ حکم نہ دیا گیا کہ اپنا سارا مال خیرات کر دو نہ جبراً ان کا مال فقراء میں تقسیم کیا گیا۔ لہٰذا یہاں بعض مال خیرات کرنا ہی مراد ہے اور صرف صدقہ واجبہ ہی مراد ہے جیسا کہ اسی وعید سے معلوم ہوا۔

لطیفہ: یہاں تفسیر خازن اور روح المعانی نے بیان فرمایا کہ حضرت امیر معاویہ اور حضرت ابوذر غفاری دونوں ملک شام میں تھے اس آیت کے متعلق ان دونوں بزرگوں کا مناظرہ ہو گیا۔ حضرت ابوذر فرماتے تھے کہ ضرورت سے بچا ہوا سارا مال خیرات کر دینا فرض ہے۔ امیر معاویہ کہتے تھے کہ صرف زکوۃ فرض۔ حتیٰ کہ یہ شکایت امیر المومنین عثمان غنی تک پہنچی۔ آپ نے جناب ابوذر کو مدینہ منورہ طلب فرمایا انہیں دیکھ کر حضرات صحابہ جمع ہو گئے اور ان سے مناظرہ کرنے لگے۔ حتیٰ کہ کعب احبار نے فرمایا کہ سخت تر دین یہودیت ہے اور آسان ترین اسلام ہے۔ جب یہودیت میں سارا مال خیرات کرنا فرض نہیں تو اسلام میں کیسے فرض ہو گا۔ حضرت ابوذر کو غصہ آیا، لاٹھی اٹھائی اور حضرت کعب سے بولے بخبر جا یہودی۔ کعب بھاگے اور حضرت عثمان کے پیچھے چھپ گئے مگر ابوذر نے انہیں لاٹھی مار ہی دی جو انہیں یا حضرت عثمان کو لگی ہر طرف سے ابوذر پر سوالات کی بوچھاڑ ہو گئی کہ پھر زکوۃ، فطرہ، میراث، حج کیسے ہوں گے۔ اب یہ حال ہو گیا کہ جہاں ابوذر بیٹھتے لوگوں کا ہجوم ہو جاتا اور یہ ہی بحث چھڑ جاتی تب حضرت عثمان نے مشورہ دیا کہ ابوذر تم مقام ابذہ میں چلے جاؤ۔ چنانچہ آخر دم تک آپ وہاں ہی رہے۔ یہ ہے ابوذر کا واقعہ جسے شیعوں نے بہت کاٹ چھانٹ کر بیان کیا اور اس سے حضرت عثمان کو ظالم وغیرہ کہا ہے۔ دیکھو تفسیر روح المعانی یہ ہی آیت۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ناجائز حرام ذریعوں سے جو مال حاصل کیا جاوے وہ حرام ہے۔ یہ فائدہ بالباطل سے حاصل ہوا لہٰذا رشوت، سود، جوا، مجرم کی غلط وکالت کر کے اس سے اجرت لینا، غلط فتوے، غلط غلط وعظوں کے معاوضے سب حرام ہیں۔ جو مسلمان یہ کام کرے وہ یہودی پوپوں اور عیسائی پادریوں کے سے کام کرتا ہے۔

مسئلہ: حرام کام کی اجرت حرام ہے۔ یوں ہی اپنے پر جو کام فرض عین ہو اس کی اجرت ممنوع۔ جائز مستحب کاموں کی اجرت جائز ہے۔ اس کی تفصیل کتب فقہ میں ملاحظہ کرو۔ گا بجا کر پیسہ کمانا حرام ہے دینا بھی حرام لینا بھی حرام۔

دوسرا فائدہ: کسی کو نیک راستے سے نیک کام سے روکنا بھی حرام ہے۔ یہ فائدہ یصدون عن سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: غلط فتویٰ پر پیسہ لینا حرام کہ حرام کام کی اجرت ہے۔ صحیح مسئلہ بتانے پر اجرت لینا ممنوع ہے کہ مسئلہ بتانا

www.alahazratnetwork.org

فرض ہے۔ اس پر اجرت کیسی۔ ہاں صحیح فتویٰ لکھنے پر اجرت لینا جائز ہے کہ لکھنا فرض نہیں۔ رب فرماتا ہے ولا یضار کاتب و لا شھید یوں ہی امام، تعلیم قرآن، تعویذ وغیرہ پر اجرت لینا جائز ہے۔ یہ مسائل ہم تفصیل سے ولا یضار کاتب و لا شھید کی تفسیر میں عرض کر چکے۔

چوتھا فائدہ: سونا چاندی اور دوسرے قسم کے مال جمع کرنا حرام نہیں ہاں زکوٰۃ نہ دینا جرم ہے تھوڑا مال جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے کنز ہے بہت سارہ مال جس کی زکوٰۃ دی جائے وہ کنز نہیں۔ روایت ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرات صحابہ سمجھے کہ مال جمع کرنا ہی حرام ہے۔ اس پر انہیں بہت فکر ہوئی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ میں اس معمے کو حل کرتا ہوں۔ آپ بارگاہ اقدس میں حاضر ہوئے اور یہ عرض کیا تو نبی کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لئے فرض کی ہے تاکہ بقیہ مال طیب و طاہر ہو جاوے (خازن، معانی)

پانچواں فائدہ: علماء کو چاہئے کہ لوگوں کو گناہوں پر عذاب الٰہی سے ڈراتے رہیں خود بھی خوف خدا دل میں رکھیں۔ یہ فائدہ فبشرھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ تبلیغ کے لئے اللہ سے خوف دلانا امیدوار کرنا ضروری ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں پوپ پادریوں کے عیوب بیان ہوئے تو اس میں خطاب مسلمانوں سے کیوں کیا گیا۔ یا ایھا الذین امنوا یہاں خطاب انہیں پوپوں سے چاہئے تھا۔

جواب: تاکہ مسلمان عبرت پکڑیں اور ان عیوب سے دور رہیں۔

دوسرا اعتراض: سارے ہی پوپ پادری رشوت خوار تھے پھر کثیرا من الاحبار کیوں فرمایا۔

جواب: اس لئے ان میں کچھ پوپ پادری حق پرست بھی تھے جو بالآخر مومن ہو گئے۔ جیسے حضرت عبداللہ ابن سلام وغیرہم۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سونا چاندی یا کوئی سامان جمع کرنا بالکل حرام ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا یکنزون الذھب و الفضۃ جو حاجت سے بچے سب خیرات کر دے۔ دیکھو ارشاد ہوا و لا ینفقونھا یہاں من ارشاد نہیں ہے۔ سارا ہی مال خیرات کرنا ضروری ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صفہ والے ایک صحابی کا انتقال ہوا۔ ان کے سامان سے ایک اشرفی نکلی تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ کا ایک داغ ہے۔ پھر دوسرے صحابی کا انتقال ہوا ان کے سامان میں دو اشرفیاں نکلیں حضور ﷺ نے فرمایا کہ آگ کے دو داغ دیکھو اشرفیوں کو آگ کا داغ فرمایا دوسری حدیث میں ہے کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص مرے بعد پیلی یا سفید چیز چھوڑے یعنی سونا چاندی تو اسے آگ سے داغا جائے گا۔ (سوشل ازم)

جواب: اس کا جواب تفسیر روح المعانی نے یہ دیا کہ ان دونوں صاحبوں نے اپنے کو فقیر ظاہر کیا اور فقراء صحابہ یعنی صفہ والوں میں داخل رہے حالانکہ ان کے پاس ایک دو اشرفیاں تھیں۔ اظہار فقر پر عتاب کیوں نہ ہو۔ نیز دوسری حدیث کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی مرے بعد چھوڑے کہ ان کی زکوٰۃ نہ دی ہو۔ ورنہ حضرت عثمان تو سینکڑوں کیا ہزاروں لاکھوں

کے مالک تھے ان پر عتاب کیوں نہ ہوا۔ نیز سارے مال کی وصیت جائز نہیں تہائی کرسکتا ہے اگر کل مال خیرات کرنا ضروری ہوتا تو کل مال کی خیرات کی وصیت بھی جائز ہوتی۔

تیسرا اعتراض: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میرے پاس احد پہاڑ برابر سونا ہو تو تین دن میں سب خیرات کر دوں۔ دیکھو حضور علیہ السلام نے وہاں بعض خیرات کرنے کا ذکر نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ کل مال خیرات کر دینا چاہئے۔

جواب: یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنا زہد و ترک دنیا تھا جیسے صرف حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال چندہ میں دے دیا۔ قانون شرعی نہ تھا ورنہ صحابہ میں کوئی مالدار نہ ہوتا۔ حضرات صحابہ میں حضرت زبیر ابن عوام بھی تھے جن کی چار بیویاں تھیں ہر ایک کو دو دو لاکھ میراث میں ملے حالانکہ آپ صاحب اولاد بھی تھے اور کچھ وصیت بھی کی تھی۔ دیکھو بخاری شریف یعنی بعد ادائے وصیت آٹھواں حصہ چار بیویوں پر تقسیم ہوا ہر ایک بیوی کو بتیسواں حصہ ملا، حساب لگاؤ کتنا مال چھوڑا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں سونے چاندی دو کا ذکر ہوا مگر ارشاد ہوا **و لا ینفقونھا** چاہئے تھا **و لا ینفقونھما** ھا واحد ہے چاندی سونا دو چیزیں ہیں۔

جواب: **ینفقونھا** میں ھا ضمیر کنز کی طرف ہے نہ کہ سونا چاندی (خازن) لہذا ھا فرمانا بالکل درست ہے۔

پانچواں اعتراض: کفار شرعی احکام کے مکلف نہیں یعنی ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں پھر انہیں زکوۃ نہ دینے پر عذاب کیوں ہوگا جو یہاں مذکور ہے۔

جواب: اگر الذین سے مراد بخیل مسلمان ہیں تب تو کوئی اعتراض نہیں۔ اور اگر اس سے مذکور اہل کتاب مراد ہوں یا وہ بھی اس میں داخل ہوں تو جواب یہ ہے کہ کفار آخرت کے عذاب کے لحاظ سے عبادات کے مکلف ہیں یعنی ان پر فرض ہے کہ ایمان لائیں اور زکوۃ دیں۔ ورنہ کفر کے ساتھ ان عبادات کے ترک کی بھی سزا پائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے انسان کو دل بھی بخشا ہے نفس امارہ بھی۔ ان دونوں کے مختلف دروازے ہیں۔ دل کا دروازہ عقبیٰ کی طرف ہے۔ نفس کا دروازہ دنیا کی طرف۔ حرام روزی نفس کی چابی ہے حرص و ہوس اس چابی کے دندانے۔ جب یہ دروازہ کھل گیا تو انسان میں تمام عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ پوپ پادریوں کا یہی نفس امارہ والا دروازہ کھلا ہوا تھا جس کی وجہ سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ شریف پا کر بھی ایمان نہ لائے۔ کنکروں، پتھروں نے کلمہ پڑھ لیا مگر انہوں نے نہ پڑھا۔ جیسے جانور میں گوشت چربی، کلیجی گردے وغیرہ حلال چیز بھی ہے اور خون حرام بھی ہے۔ اگر خون نکالا جاوے اللہ کے نام پر یعنی اسے صحیح طور پر ذبح کیا جاوے تو باقی گوشت طیب و طاہر ہے اگر خون اسی میں رہ جائے کہ جانور مر جائے یا غلط طریقے سے خون نکالا جائے یا جھٹکے وغیرہ یا غلط ذبح سے تو اس کا گوشت نہ طیب ہے نہ طاہر یوں ہی مال سے زکوۃ نکالو تا کہ بقیہ مال طیب و طاہر بلکہ جنت حاصل کرنے کا ذریعہ بنے۔ اگر زکوۃ نہ نکالی تو بقیہ مال خبیث ہے۔ دوزخ کا ذریعہ، اس لئے یہاں ارشاد ہوا **فبشرھم بعذاب الیم**

www.alahazratnetwork.org

يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَ

جس دن گرم کیا جاویگا او پر اسکے دوزخ کی آگ میں پھر داغی جائیگی ساتھ اسکے پیشانیاں ان کی پسلیاں ان کی پیٹھیں انکی

جس دن وہ تپایا جاویگا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں

ظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

یہ وہ ہے جو جمع کیا تم نے اپنی ذاتوں کے واسطے پس چکھو تم وہ جو جوڑتے تھے تم

انکی یہ وہ ہے جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مال کی زکوۃ نہ دینے والوں کو سخت عذاب سے ڈرایا گیا۔ اب اس عذاب کے وقت کا ذکر ہے کہ وہ عذاب دنیا میں نہ ہوگا جو جلد ختم ہو جاوے بلکہ وہ آخرت میں ہوگا جو بہت ہی دراز زمانہ ہے گویا عذاب کے بعد درازی عذاب کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں بخیلوں کو عذاب الیم کی وعید بیان ہوئی اب اس عذاب کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ وہ عذاب ان کے تین اعضاء کو داغ دے کر ہوگا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں زکوۃ نہ دینے والوں کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ جن اعضاء کو اس مال سے خصوصی فائدہ پہنچا انہی اعضاء کو سخت عذاب دیا جاوے گا۔ گویا عذاب کے بعد محل عذاب کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **یوم یحمی علیھا** لفظ یوم منصوب ہے یا اس لئے کہ بعذاب الیم کا بیان ہے اور بعذاب محلاً منصوب ہے کیونکہ وہ بشر کا مفعول دوم ہے یا یہ یعذبون یا اذکر پوشیدہ کا مفعول بہ ہماری قرأت میں یُحمٰی ی سے ہے بعض قرأتوں میں تُحمٰی ت سے ہے کیونکہ اس کا نائب فاعل نار ہے جو مونث ہے ہماری قرأت میں یُحمٰی ی سے اس لئے ہے کیونکہ نائب فاعل علیھا ہے جو قائم مقام نار کے ہے (روح المعانی) یُحمٰی بنا ہے حمی سے بمعنی گرم۔ رب فرماتا ہے نار حامیہ۔ مراد ہے دھونکنا دوزخ کی آگ بذات خود بہت گرم ہے۔ جب اسے دھونکا گیا تو اس کی گرمی اور زیادہ ہوئی رب کی پناہ علیھا میں ہے ھا کا مرجع بہت دنانیر و دراہم ہیں یہ **الذھب و الفضۃ** سے معلوم ہوئے اس لئے نہ تو علیہ ارشاد ہوا نہ علیھما تثنیہ (روح المعانی) یعنی مذکورہ عذاب انہیں اس دن ہوگا جب سونے چاندی کو تپایا جاوے گا یا ان پر دھونکائی جاوے گی۔ **فی نار جھنم** یہ فرمان عالی متعلق ہے یُحمٰی کے مقصود یہ ہے کہ دوزخ کی آگ ویسے ہی بہت سخت گرم پھر ان مالوں سے وہ آگ دھونکی گئی انہیں دھونکتی آگ میں تپایا گیا تو جان لو کہ گرمی کا کیا حال ہوگا۔ **فتکوی بھا** یہ عبارت معطوف ہے یُحمٰی پر لہذا ف عاطفہ ہے تکوی بنا ہے کوی سے بمعنی داغنا واؤ ی میں مدغم ہو کر کی بن جاتا ہے کی بمعنی داغ بھا میں ب سببیہ ہے اور ہا کا مرجع وہ سونے چاندی کے ڈھیر ہیں جن کا ذکر ہو رہا ہے یعنی داغے جائیں گے ان سونے چاندی سے۔ **جباھھم و جنوبھم و ظھورھم** یہ تینوں تکوی کا نائب فاعل ہیں۔ جباہ جمع جبھۃ کی بمعنی پیشانی جباہ کے معنی ہیں پیشانیاں۔ جنوب جمع ہے جنب کی بمعنی کروٹ پسلیاں ظہور

www.alahazratnetwork.org

جمع ہے ظہر کی بمعنی پیٹھ یعنی اس سونے چاندی کے پترے دوزخ کی آگ میں تپا کر ان کی پیشانیاں دو طرفہ پسلیاں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ خیال رہے کہ بخیل کے ان تین اعضاء کو خصوصاً داغنا دوسرے اعضاء کو نہ داغنا اس میں چند حکمتیں ہیں۔ (۱) بخیل مال جمع کر کے اس میں بخل کر کے تین فائدے حاصل کرتا ہے۔ لوگ میں وجاہت سرخروئی۔ اچھے کھانے، اچھے لباس۔ سرخ روئی چہرے پر ظاہر ہوتی ہے۔ کھانا اس کی کوکھ میں جاتا ہے لباس کا خاص تعلق پیٹھ سے ہے اس لئے ان تین اعضاء کو تپایا داغا جاوے گا۔ دنیا کا عکس۔ (۲) بخیل فقرا کو دیکھ کر اولاً منہ بناتے پیشانی پر شکن ڈالتے ہیں پھر ان سے کروٹیں پھیرتے ہیں پر پیٹھ کر کے چل دیتے ہیں۔ چونکہ فقراء سے نفرت کرنے میں یہ تین عضو کام کرتے ہیں اس وجہ سے یہ تین داغے گئے۔ (۳) جسم کے ان تین حصوں میں اعضاء رئیسہ ہیں۔ سر میں دماغ، پسلیوں اور پیٹھوں میں دل جگر وغیرہ اس لئے ان کا داغنا سخت سزا ہے۔ (۴) پیشانی سامنے ہے کروٹیں یعنی پسلیاں داہنے بائیں اور پیٹھ پیچھے ہے ان چاروں سمتوں پر انہیں عذاب دیا جاوے گا۔ گویا سارے بدن کو ہی عذاب ہوگا۔ کناروں کا ذکر فرمایا۔ کل مراد ہے (۵) بخیل آدمی مال جمع کرتے یا دفن کرتے وقت چوطرفہ دیکھتا ہے کہ کوئی آدمی دیکھتا نہ ہو اوپر نیچے نہیں دیکھتا۔ خدا سے ڈرتا نہیں مخلوق سے ڈرتا ہے اس لئے صرف چار سمتوں سے اسے عذاب دیا اوپر نیچے سے نہ دیا۔ (۶) پیشانی، داغ یا علامت لگانے کی جگہ ہے۔ کروٹیں سخت تکلیف کی جگہ اور پیٹھ حد شرعی سزا لگانے کی جگہ ہے۔ خیال رہے کہ کنجوس کے سارے درہم و دینار ایک پتر بنا کر تپایا جاوے گا۔ اس کی پیٹھ، پیشانی، کروٹیں اتنی وسیع کردی جاویں گی جس پر پتر سما جاوے گا (روح المعانی) ھذا ما کنزتم لا نفسکم یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے یقال لھم ھذا سے اشارہ یا ان عذابوں کی طرف ہے یا سونے چاندی کے پتروں کی طرف۔ کنز کے معنی ابھی عرض کئے جا چکے کہ کنز وہ مال جو جمع کیا جاوے اس کی زکوٰۃ نہ نکالی جاوے۔ انفس فرما کر یہ بتایا کہ تم نے اللہ کے لئے جمع نہیں کیا اپنی جانوں کے لئے کیا تھا نیز تم سمجھے تھے کہ ہمیشہ دنیا میں رہو گے۔ تم کو موت نہیں آوے گی۔ اس سارے مال کو تم استعمال کرلو گے۔ یعنی ان سے فرمایا جاوے گا یا رب تعالیٰ فرمائے گا یا فرشتے کہیں گے کہ یہ سزا اس جرم کی ہے کہ تم نے اپنی جانوں کے لئے اتنا مال جمع کیا اس کی زکوٰۃ نہ نکالی۔ فذوقوا ما کنتم تکنزون۔ اس فرمان عالی میں ذوق یعنی چکھنے سے مراد ہے برداشت کرنا ما سے پہلے عذاب پوشیدہ ہے ما مصدریہ ہے جس کی وجہ سے کنتم اور تکنزون مصدر ہو گئے۔ یعنی اب تم اپنے مال جمع کرنے کی سزا بھگتو، مزہ چکھو تم نے سوچا کچھ تھا مگر ہو گیا کچھ اور۔ بعض نے کہا کہ ما موصولہ ہے جس سے مراد جمع کیا ہوا مال ہے یعنی اس مال کا وبال چکھو جو تم بغیر زکوٰۃ جمع کرتے تھے۔

خلاصہ تفسیر: مذکورہ دردناک عذاب ان بخیلوں کو اس دن ہوگا جب ان کے جمع کردہ سونے چاندی کو یا دوسرے زکوٰتی مال کی قیمت کے سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جاوے گا، ان پر آگ دھونکی جاوے گی پھر اس تپے ہوئے سونے چاندی سے ان کی پیشانیوں، کروٹوں اور پیٹھوں کو برابر داغا جاوے گا۔ جس کی تکلیف ان کی برداشت سے باہر ہوگی اور ساتھ میں رب تعالیٰ کی طرف سے یہ بھی کہا جاوے گا کہ یہ اس جرم کی سزا ہے جو تم نے ہمارے دیئے ہوئے مال کو کنز بنا کر جوڑے رکھا۔ اگر اسے کنز نہ بناتے تو اس مال پر ثواب پاتے اب کنز دفینہ بنانے کا مزہ اچھی طرح چکھو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مال اگر حلال ہو تو اس کی دو وجہیں ہیں اگر اسے اچھی جگہ خرچ کیا جاوے تو خیر مآل (اچھے انجام والا) ہے اگر

www.alahazratnetwork.org

اس سے شرعی حقوق ادا نہ کئے جاویں تو زاوبال ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہ فائدہ یوم یحمی (الخ) سے حاصل ہوا۔ مال میں تین کام ہوتے ہیں۔ کمانا، خرچ کرنا، جوڑنا۔

دوسرا فائدہ: بخیل کو داغ دینے کی سزا قیامت کے دن میں ہوگی۔ اس کے بعد اس کا داخلہ جنت یا دوزخ میں اس کے علاوہ ہوگا۔ یہ فائدہ بھی یوم یحمی (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یوم سے مراد روز قیامت ہے جیسا کہ حدیث شریف میں ہے فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنۃ ثم یری سبیلہ۔ یعنی یہ سزا پچاس ہزار برس والے دن ہوگی پھر وہ اپنا راہ دیکھے گا۔

تیسرا فائدہ: یہ سزا جو یہاں مذکور ہے جانوروں میں بخل کی سزا نہیں بلکہ سونے چاندی میں بخل کی سزا ہے جانوروں میں بخل کرنے کی سزا وہ ہے جو حدیث شریف میں مذکور ہے اس کو الٹا کر اس کے جانوروں کو اس پر گھمایا روندھوایا جائے گا۔

چوتھا فائدہ: مال وقف پر زکوۃ نہیں اگرچہ لاکھوں روپیہ ہوں۔ یہ فائدہ لانفسکم فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ مال وقف کا جمع کرنا اللہ کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اپنے نفس کے لئے۔

پانچواں فائدہ: انسان کی اولاد اس کے عزیز و اقارب گویا اس کی ذات ہیں۔ یہ فائدہ بھی لانفسکم فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ جو آدمی اپنے لئے اپنی اولاد کے لئے یا عزیز و اقارب کے لئے مال جوڑے زکوۃ ادا نہ کرے سب کی یہی سزا ہے۔

چھٹا فائدہ: مال جمع کرنا ممنوع نہیں بلکہ اس کی زکوۃ نہ نکالنا، صداقت میں واجب ادا نہ کرنا جرم ہے یہ فائدہ ما کنزتم سے حاصل ہوا کہ کنزتم فرمایا گیا جمعتم نہ فرمایا گیا جمع اور کنز کا فرق خیال رہے۔

ساتواں فائدہ: اپنی لمبی زندگی کی امید رکھنا لمبی دراز امیدیں باندھنا مومن کی شان نہیں مومن موت کو قریب جانے اور ہر وقت اس کے لئے تیار رہے۔ یہ فائدہ لانفسکم سے اشارۃً حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ انفس سے مراد خود اپنی ذات ہو اور لام نفع کا ہو۔ یعنی تم نے اپنی ذات کے لئے نفعے کے لئے اس امید پر مال کنز بنایا کہ ہم سارا مال اپنے پر خرچ کریں گے قوم ملک دین تا قیامت باقی ہیں ان کے لئے انتظام کرو۔ خود اپنی ذات قریب الفنا ہے اس کے لئے آئندہ کا انتظام یعنی اعمال جمع کرو۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف سونے چاندی میں بخل کرنے والوں کو یہ عذاب ملے گا تو چاہئے کہ آج کل کے بخیلوں کو یہ سزا نہ ملے کیونکہ اب تو لوگ کاغذ کے نوٹ جمع کرتے ہیں۔ کاغذ دوزخ کی آگ میں تپ نہیں سکتا بلکہ وہ جل جاوے گا۔ (بعض نادان)

جواب: نوٹ اگرچہ کاغذ کا ہے مگر سونے کا کام دیتا ہے کہ اس سے تجارات قائم ہیں۔ لہٰذا ان کے احکام ان کا انجام بھی سونے کی طرح ہے چنانچہ چاندی مان کر ان پر زکوۃ واجب ہوتی ہے دنیا میں انہیں چاندی مانا جاتا ہے حتی کہ روپیہ کہا جاتا ہے تو آخرت میں انہیں چاندی سونا بنا دیا جاوے گا۔ یہ تو بنایا پڑا ہے اس سے داغنا آسان ہوگا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف سونے چاندی میں بخل برا ہے۔ باقی چیزوں میں نہ بخل برا ہے نہ اس کی کوئی سزا۔ ان آیتوں میں سونے چاندی کی سزا کا ذکر ہے تپانا داغ دینا وغیرہ حالانکہ زکوۃ تو ہر قسم کے مال پر لازم ہے۔ جانوروں پیداوار وغیرہ۔

جواب: چونکہ اکثر لوگ سونا چاندی ہی جمع کر کے ان کی زکوۃ نہیں دیتے، جانور زمین وغیرہ کسی کسی کے پاس ہوتے ہیں،

اور ان میں بھی کسی پر زکوۃ ہوتی ہے کسی پر نہیں اس لئے خصوصیت سے ان دونوں کا ذکر ہوا حدیث شریف میں باقی مالوں میں بخل کی سزا کا ذکر بہت تفصیل سے ہوا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کنزتم کے ساتھ لانفسکم کیوں ارشاد ہوا۔ مال میں بخل مطلقاً جرم ہے خواہ اپنے نفس کے لئے ہو یا کسی اور کے لئے۔

جواب: اس کی حکمت ابھی فائدوں میں عرض کی گئی کہ اسے وقف مال کو نکالنا مقصود ہے کہ وقف میں زکوۃ نہیں کیونکہ وہ کسی کا ملک نہیں۔ وہ اللہ کے لئے ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن عاقل کو چاہئے کہ اعمال جمع کرنے کی کوشش کرے کہ اعمال پر نہ دنیا میں کوئی ٹیکس ہے نہ زکوۃ۔ نہ آخرت میں عذاب۔ اس میں ثواب ہی ثواب ہے۔ مال، اعمال، احوال، کمال، یہ سب اللہ کی نعمتیں ہیں مگر مال اپنے ساتھ مصیبتیں بہت لاتا ہے۔ اس کا کمانا پھر جمع کرنا پھر خرچ کرنا۔ تینوں مشکل اور تینوں کا حساب دینا ہے۔ کہاں سے کمایا کیسے جمع رکھا زکوۃ دی یا نہ اور کہاں خرچ کیا۔ اگر مال کے اعمال واحوال و کمال جمع ہو جاویں تو بڑی اعلیٰ نعمت ہے ورنہ وبال۔ حضرت عثمان غنی کا مال رحمت تھا۔ ابو جہل کا مال بڑی آفت یعنی مصیبت۔ مال اگر نفس کے لئے ہو تو خراب ہے خدا کے لئے ہو تو ثواب۔ شعر۔

یک درم کاں دہی بدرویشے بہتر از گنج ہائے مدخر است
زآنچہ داری تمتع بردار کاں دگر روزی کسے دگر است

اللہ کی راہ میں خرچ کیا ہوا مال سواری ہوگا۔ مالک سوار جیسا کہ قربانی کے جانور کے متعلق حدیث شریف میں وارد ہے۔ بخل کیا ہوا مال سوار ہوگا اور مالک سواری۔ یہ حدیث شریف میں ہے۔ سخاوت والا مال پھل والا باغ ہوگا۔ کنز یعنی بخل والا مال یا گنجا سانپ یا جسم کو داغنے کا ذریعہ۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ

بیشک تعداد مہینوں کی نزدیک اللہ کے بارہ ہیں مہینے کتاب میں اللہ کی جس دن پیدا کیے اس نے آسمان

بیشک مہینوں کی گنتی اور اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں اللہ کی کتاب میں جب سے اس نے

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذَٰلِكَ الدِّينُ

اور زمین ان میں سے چار ہیں عزت والے یہ ہے دین سیدھا پس ظلم نہ کرو تم ان میں جانوں پر اپنی

آسمان اور زمین بنائے ان میں سے چار حرمت والے ہیں یہ سیدھا دین ہے تو ظلم نہ کرو

الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً

اور جنگ کرو تم مشرکوں سے سب سے جیسے کہ وہ جنگ کرتے ہیں تم سے سب سے اور جان لو کہ تحقیق

ان مہینوں میں اپنی جانوں پر اور مشرکوں سے ہر وقت لڑو جیسا وہ تم سے ہر وقت

www.alahazratnetwork.org

كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٣٦﴾

اللہ ساتھ ہے ڈرنے والوں کے اللہ سے

لڑتے ہیں اور جان لوکہ اللہ پرہیز گاروں سے محبت کرتا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار و مشرکین کے چند عیوب ہوئے۔ رشوتیں لینا دین بدلنا آسمانی کتب کی تحریف کرنا زکوۃ نہ دینا وغیرہ اب ان کے ایک اور خاص عیب کا ذکر ہے یعنی چاند کے مہینوں میں تبدیلیاں کرنا۔ کبھی سال کے بارہ مہینوں کو تیرہ مہینے بنا دینا۔ گویا بلاواسطہ تبدیلی دین کے بعد بالواسطہ تبدیلی دین کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار و مشرکین اپنے مالوں کی زکوۃ نہیں دیتے اور زکوۃ کا تعلق چاند یعنی قمری سال گزرنے سے ہے کہ جب مال اپنے پاس ایک سال قمری بارہ مہینے رہے تو زکوۃ واجب ہے اس لئے اب ان کی وہ حرکات بیان ہوئی ہیں جو ان بارہ ماہ کے متعلق کرتے تھے۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں وعدۂ ربانی تھا کہ ہم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام دینوں پر غالب کریں گے۔ اب اس کا زندہ ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو کفار نے سال کے مہینوں میں فرق و تبدیلیاں کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں درست کر دیا تو ان کی تبدیلیاں ختم ہو گئیں۔ حضور انور ﷺ کی اصلاح بدستور قائم رہی۔

نزول: اہل عرب قمری سال سے اپنے دینی و دنیاوی کام کرتے تھے کہ ملت ابراہیمی میں چاند کے سال کا اعتبار ہے۔ باقی دوسرے لوگ شمسی مہینوں اور شمسی سال سے حساب کرتے تھے قمری سال محرم سے شروع اور ذی الحجہ پر ختم ہوتا ہے۔ شمسی سال جنوری سے شروع اور دسمبر پر ختم ہوتا ہے۔ قمری سال تین سو چپن دن کا ہوتا ہے اور شمسی سال تین سو پینسٹھ دن چھ گھنٹے کا۔ اس لئے ہر سال دس دن کا فرق ان دونوں برسوں میں پڑ جاتا ہے۔ گویا شمسی تین سال ہوں تو قمری تین سال ایک ماہ تقریباً ہو جاتے ہیں اس وجہ سے قمری سال موسم کا پابند نہیں چنانچہ حج کبھی سردی میں آتا ہے کبھی گرمیوں میں۔ اہل عرب اس میں دو دشواریاں محسوس کرتے تھے۔ ایک یہ کہ حج موسموں میں تبدیل ہوتا رہتا تھا، دوسری قوموں کے تمام دن بڑے یکساں موسم میں آتے تھے۔ دوسرے یہ کہ کبھی حج ایسے موسم میں آتا جبکہ تجارتی کاروبار چمکنے کا موقع نہ ہوتا اور ان کا گذران اس موسم کی تجارت پر تھا۔ اس لئے انہیں ایسی صورت میں کم آمدنی ہوتی تھی۔ اس لئے اہل عرب اپنے قمری مہینوں میں ہر سال دس دن کا فرق کرتے اور جب ایک ماہ پورا ہو جاتا تو وہ سال بجائے بارہ ماہ کے تیرہ ماہ کا کر دیتے۔ جیسے مشرکین ہند چند سال کے بعد ایک سال تیرہ مہینہ کا کر دیتے زائد مہینہ کو لوند کا مہینہ کہتے ہیں یعنی کبھی دو ساون یا دو جیٹھ کر دیتے ہیں۔ ان کی تردید کے لئے یہ آیت کریمہ اتری (تفسیر خازن و تفسیر کبیر) انگریزی مہینوں میں ہر چار سال کے بعد ایک سال فروری کا مہینہ ٢٩ دن کا ہوتا ہے باقی سالوں میں اٹھائیس دن کا۔ خیال رہے کہ اہل عرب میں قمری مہینے تو تھے مگر قمری سنہ کوئی نہ تھا بلکہ سال اور برس کو کسی اہم واقعہ کی نسبت سے بیان کرتے تھے۔ جیسے عام الفیل یعنی مکہ معظمہ پر ہاتھیوں کے حملہ کا سال یا عام الحدیبیہ صلح حدیبیہ کا سال یا عام الفتح فتح مکہ کا سال خلافت فاروقی تک یہی دستور رہا۔ ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری نے امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں عرض کیا کہ سنہ مقرر نہ ہونے کی وجہ سے ہم کو سخت دشواری پیش آتی ہے مثلاً آپ کے کسی پرانے خط میں لکھا ہوتا ہے ٧ شعبان تو ہم کو پتہ نہیں لگتا کہ کون سا شعبان کس سال کا شعبان مراد ہے تب حضرت عمر نے سنہ ہجری

www.alahazratnetwork.org

مقرر فرمایا جسے تمام صحابہ نے پسند فرمایا۔ (روح المعانی یہی مقام) اگر چہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی مگر مقدمات ہجرت محرم سے شروع ہوئے اس لئے ہجری سن کا آغاز محرم سے کیا اور اختتام ذی الحجہ پر۔ یہ بات خوب یاد رہے۔ سنہ ہجری سنت فاروقی ہے۔

تفسیر: ان عدة الشهور عند الله چونکہ اس آیت کے مضمون کے اہل عرب عملاً منکر تھے، اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ عدت بمعنی تعداد یعنی پورا عدد ہے۔ الشھور سے مراد قمری سال کے مہینے ہیں یعنی اس میں الف لام عہدی ہے عند الله ظرف ہے۔ اثناء عشر شهرا فی کتب الله یہ عبارت ان کی خبر ہے اس میں اثنا عشر ممیز ہے اور شہرا اس کی تمیز اور فی کتاب الله اگلی عبارت کے ساتھ اثنا عشر کی صفت یا اس کا حال (کبیر) کتب الله سے یا تو لوح محفوظ مراد ہے یہ قول حضرت ابن عباس کا ہے یا قرآن مجید مراد ہے یا کتاب بمعنی حکم ہے جیسے کتب علیکم الصیام یا کتب علیکم القصاص یا کتب ربکم علی نفسه الرحمه حضرت ابن عباس کا قول قوی ہے (تفسیر کبیر و خازن و روح المعانی و بیان وغیرہ)۔ یوم خلق السموات و الارض یہ فرمان عالی اس پوشیدہ لفظ کا ظرف ہے۔ جس کے متعلق تھانی کتاب الله اور صفت اثناء عشر کی۔ اس سے مراد ہے عالم کی پیدائش کی ابتداء یعنی جب سے یہ دنیا بنی تب اسے لوح محفوظ میں یہ مہینے لکھے گئے انہیں قمری بارہ مہینوں سے ہم نے حساب مقرر فرمایا وہ بارہ ان ۴ شعروں میں جمع ہیں (روح البیان) شعر

چوں محرم بگذر و آید نو و تو صفر
پس ربیعین و جمادی و رجب آید بہر
باز شعبان است و ماہ صوم و عید ذوالقعد
بعد ازاں ذی الحجہ نام ماہہا آید بسر

یعنی محرم، صفر، ربیع الاول، ربیع الاخر، جمادی الاول، جمادی الاخر، رجب شعبان، رمضان، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، ان ناموں کے معنی اور وجہ تسمیہ ہم انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ منها اربعة حرم قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی علیحدہ مستقل جملہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اثناء عشر کی صفت یا حال ہے اس جملہ میں منہا خبر مقدم ہے اور اربعۃ موصوف۔ حرم صفت مبتدا موخر منہا میں ہا کا مرجع وہ اثنا عشر شهرا ہے حرم جمع ہے حرام کی بمعنی محروم یا بمعنی حرام یعنی حلال کا مقابل اربعۃ یعنی چار سے مراد ہے، رجب، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ یعنی ان بارہ مہینوں میں سے چار مذکورہ مہینے بڑے ہیں حرمت و عزت والے ہیں کہ ان میں گناہ کرنا سخت جرم ہے اور نیکی کا ثواب بہت زیادہ۔ یا ان چارہ ماہ میں جنگ جہاد حرام ہے دوسرے معنی پر یہ حکم منسوخ ہے۔ اس کا ناسخ اس آیت میں آ رہا ہے کہ اب ہر مہینہ ہر وقت میں جہاد جائز ہے۔ ذلک الدین القیم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ ذالک سے اشارہ یا تو سال میں بارہ مہینے کی طرف ہے یا چار ماہ کے مجموعہ کی جانب دین سے مراد یا تو ملت ابراہیمی ہے کہ ان کی ملت میں قمری بارہ مہینے کا سال تھا اور قیم بمعنی مستقیم یعنی سیدھا یا بمعنی مضبوط ہے یا دین بمعنی حکم و فیصلہ اور قیم بمعنی دائمی یا دین بمعنی حساب ہے قیم بمعنی صحیح (روح المعانی کبیر وغیرہ) یعنی یہ مذکورہ حکم ملت

www.alahazratnetwork.org

ابراہیمی مستقیم اور مضبوط ہے۔ یہ ہمارا دائمی حکم و فیصلہ ہے یا یہ آسان حساب ہے جسے عورتیں بچے اور نا سمجھ لوگ بھی بہ آسانی سمجھ لیتے ہیں کیونکہ اس کی جنتری آسمان پر ہے چاند خود ہی تاریخ بتاتا ہے۔ **فلا تظلموا فیھن انفسکم** یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون پر مرتب ہے اور ف ترتیب کی ہے۔ فیھن سے مراد یہ چار محترم مہینے ہیں اور جانوں پر ظلم سے مراد گناہ کرنا ہے۔ یعنی ان مہینوں میں گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ تو یہ منسوخ ہے یا اس سے مراد یہ سارے مہینے ہیں یعنی ان بارہ مہینوں میں گناہ کر کے اپنے پر ظلم نہ کرو۔ یہ حضرت ابن عباس کا فرمان ہے (روح المعانی و کبیر وغیرہ) ان صورتوں میں یہ فرمان محکم ہے۔ اس کا خیال رہے۔ **و قاتلوا المشرکین کافۃ** یہ فرمانِ عالی یا تو معطوف ہے **فلا تظلموا** (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یعنی ان چار مہینوں میں گناہ نہ کرو۔ اور کفار پر ان مہینوں میں جہاد کرو۔ یہ گناہ نہیں یا یہ نیا حکم ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ قتال سے مراد جہاد ہے نہ کہ فساد کا کشت و خون لہذا حربی کفار سے لڑنا مراد ہو گا نہ کہ ذمی اور امن لے کر آنے والے کفار سے لڑنا کہ وہ جہاد نہیں فساد ہے۔ المشرکین سے مراد ہر قسم کے کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا اہل کتاب یا دہریے وغیرہ کافۃ کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں۔ ہم دو قول عرض کرتے ہیں ایک یہ کہ یہ کفّ یا کف سے بنا۔ اصل کافۃ تھا یا کاففۃ تھا۔ اسم فاعل ہے تب مبالغہ کی جیسے **خاصۃ** یا **عامۃ** اس صورت میں یا تو قاتلوا کے فاعل سے حال ہے یا المشرکین سے یعنی اے مسلمانو تم سب مل کر کفار پر جہاد کرو۔ یا اے مسلمانو! سارے کافروں پر جہاد کرو یا یہ مصدر ہے قتال پوشیدہ کی صفت یعنی قتالا کافۃ جیسے **کافۃ للناس** جو اصل میں تھا۔ **رسالۃ کافۃ للناس** اس لئے یہ مذکر مونث دونوں کے لئے آتا ہے اور کافین اور کافات میں مذکر مونث میں فرق ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ کف کے معنی ہیں روکنا پوری جماعت کو کافہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ زیادتی کو روکتی ہے۔ (کبیر روح المعانی) اس لفظ میں بہت وسعت ہے سارے کفار سے سارے وقتوں میں سارے حالات میں لڑو۔ خواہ محترم مہینے ہوں یا دوسرے اوقات۔ لہذا یہ فرمان ان آیات کا ناسخ ہے جن میں محترم مہینوں میں جہاد سے منع فرمایا گیا جیسے قل قتال کبیر یا منہا اربعۃ حرم وغیرہ (تفسیر صاوی، کبیر، معانی، تفسیر خازن وغیرہ) **کما یقاتلونکم کافۃ** اس کا تعلق **قاتلوا المشرکین** سے ہے یعنی جیسے وہ تم سے ہر زمانہ میں متفق طور پر لڑتے ہیں تمہاری رعایت نہیں کرتے تم بھی ان پر ایسے جہاد کرو اس میں بھی اشارۃً فرمایا گیا کہ ذمی اور مستامن کفار سے جہاد نہیں۔ **واعلموا ان اللہ مع المتقین** اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ جہاد میں تقویٰ اختیار کرو۔ اللہ کی مدد صرف تقویٰ والوں کے ساتھ ہے یہ وہ ہتھیار ہے جو کفار کو میسر نہیں نہ کسی کارخانہ میں بنتا ہے یہ عرشی نعمت ہے جو کارخانہ قدرت میں بنتی مدینہ منورہ کے بازار سے ملتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اللہ کے نزدیک قمری سال کے مہینے بارہ ہیں جو ابتدائے آفرینش سے لوح محفوظ میں تحریر ہیں۔ ان میں زیادتی کرنی کہ کبھی سال کے تیرہ مہینے کر دینا بدترین جرم ہے۔ جس کے مشرکین عرب مرتکب ہیں۔ ان بارہ مہینوں میں چار مہینے رجب، شوال، ذی قعدہ، ذی الحجہ بڑی ہی عزت والے ہیں۔ ان میں گناہ کرنا سخت جرم ہے اور ان میں نیکی کا ثواب بہت زیادہ ہے تو تم ان میں گناہ کر کے اپنے پر ظلم نہ کرو۔ یہ سال کے بارہ مہینے ہونا ان میں چار کا محترم ہونا سیدھا دین (ملت ابراہیمی) ہے اور خیال رکھو کہ ان مہینوں میں کفار سے جہاد کرنا گناہ نہیں لہذا ہر قسم کے کفار سے ہر وقت ہر مہینے جہاد

www.alahazratnetwork.org

کرو۔ جیسا کہ وہ تم سے ہر طرح مل کر لڑتے ہیں۔ ساتھ ہی خیال رکھنا کہ جہاد میں تقویٰ کا دامن تمہارے ہاتھ سے نہ چھوٹنے کیونکہ اللہ کی رحمت اس کی مدد متقیوں کے ساتھ ہے۔ خیال رہے کہ شروع اسلام میں ان مذکورہ چار مہینوں میں جہاد کرنا منع تھا اس آیت سے یہ ممانعت منسوخ ہوگئی۔ اب ہر وقت ہر طرح جہاد ہوگا۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ رمضان میں کیا۔ پھر شوال اور شروع ہوا ذیقعدہ میں حنین فتح اور طائف کا محاصرہ فرمایا۔ جیسا کہ گذشتہ آیات کی تفسیر میں گزر چکا۔ اس عمل شریف سے معلوم ہوا کہ شوال و ذیقعدہ میں جہاد جائز ہے حالانکہ یہ دونوں مہینے ان چار محترم مہینوں میں سے ہیں۔

اسلامی مہینوں کے نام: اسلام میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے اس سے اسلامی احکام وفات کی عدت زکوٰۃ کی فرضیت، روزے، حج وغیرہ وابستہ ہیں۔ ان کے نام بے معنی نہیں۔ بلکہ ان کے پاکیزہ معنی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ **محرم** بنا ہے حرمت سے بمعنی تعظیم چونکہ اہل عرب اس مہینے کی بہت عزت کرتے ہیں اس میں لڑائی بھڑائی بہت بری جانتے تھے کہ بیٹا اپنے باپ کے قاتل کو اس ماہ میں دیکھتا تو اس سے کچھ نہ کہتا تھا۔ اس لئے اسے محرم کہا گیا۔ **صفر**، اس کے معنی ہیں خالی، اس لئے عدد سے خالی جگہ جو نقطہ لگایا جاتا ہے اسے صفر کہا جاتا ہے چونکہ اس مہینے میں اہل عرب کے گھر کھانے پینے کی چیزوں سے خالی ہو جاتے تھے اور انہیں کمائی کے لئے باہر جانا سفر کرنا پڑتا تھا اس لئے اسے صفر یعنی خالی ہونے کا مہینہ کہتے تھے۔ **ربیع الاول**، ربیع کے معنی ہیں بہار۔ اول کے معنی ہیں پہلی جس وقت مہینوں کے نام رکھے گئے تب ان دو مہینوں میں بہار کا موسم تھا اس لئے انہیں ربیع کہا گیا۔ یعنی بہار کا پہلا مہینہ اور دوسرا مہینہ۔ **جمادی اولیٰ**، لفظ جمادی بنا ہے جمد سے بمعنی برف یہ بروزن جباری ہے یعنی جیم پہ پیش اور دال کا فتحہ۔ جب ان مہینوں کا نام رکھا گیا تب سردی سخت تھی، بعض ملکوں میں برف پڑ رہی تھی۔ تالاب وغیرہ جمے تھے اس لئے ان مہینوں کے نام جمادی اول اور جمادی آخر ہوئے۔ **رجب**، اس کے معنی ہیں عزت و عظمت ترجیب بمعنی تعظیم چونکہ اہل عرب خصوصاً قبیلہ مضر اس مہینہ کی بہت ہی تعظیم کرتے تھے، اس لئے اسے رجب کہا گیا۔ احادیث میں اسے رجب مضر یعنی قبیلہ مضر کا محترم مہینہ فرمایا گیا۔ **شعبان**، یہ لفظ بنا ہے شعب سے بمعنی پھیلنا بکھرنا متفرق ہونا۔ رب فرماتا ہے انا جعلنکم شعوبا و قبائل چونکہ اہل عرب عموماً اس مہینہ میں متفرق مقامات پر سفر کر کے چلے جاتے تھے، تلاش رزق اور تجارت وغیرہ کے لئے شعبان کہا گیا۔ **رمضان**، یہ لفظ بنا ہے رمض سے بمعنی تپانا، حرارت پہنچانا، رمضان کے معنی ہوئے بمعنی تپانے والی، چونکہ یہ مہینہ عبادات کرنے والوں گنہگاروں کو تپا کر میل گناہ سے پاک کر دیتا ہے نیک کاروں کو تپا کر قیمتی پرزہ کی طرح بنا دیتا ہے اور محبوبوں کو تپا کر زیور کی طرح بنا کر قرب محبوب کے لائق کر دیتا ہے لہٰذا رمضان کہلاتا ہے۔ نیز اس میں پانچ حرف ہیں۔ ر، میم، ض، الف، نون، یہ پانچ رحمتیں اور عبادتیں لاتا ہے۔ رضائے الٰہی، محبت الٰہی، ضمانِ الٰہی، امانِ الٰہی، نورِ الٰہی، یہ پانچ رحمتیں ہیں۔ روزہ، تراویح، تلاوتِ قرآن مجید، اعتکاف اور شب قدر کی عبادات۔ اس لئے یہ رمضان ہے۔ **شوال**، یہ لفظ شول سے بنا ہے بمعنی اٹھانا بلند کرنا۔ کہا جاتا ہے شالت الناقۃ ذنبھا۔ اونٹنی نے اپنی دم اٹھائی۔

چونکہ یہ مہینہ عموماً گھر بیٹھتے تھے سفر نہ کرتے تھے تیاری حج کے لئے، اس لئے ذیقعد کہا گیا۔ **ذی الحجہ**، اس کی وجہ تسمیہ ظاہر

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ یہ مہینہ حج والا ہے لہٰذا ذی الحجہ ہے۔ ان ناموں کی اور بھی وجوہ بیان کی گئی ہیں۔ (از روح البیان مع اضافہ)۔ خیال رہے کہ سب سے افضل مہینہ رمضان ہے کہ اس کا نام قرآن مجید میں آیا اس کی ہر ساعت عبادت میں گزرتی ہے اس میں نزول قرآن ہوا۔ اس میں اعتکاف وشب قدر ہے پھر ربیع الاول کہ حضور ﷺ کی ولادت کا مہینہ ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم پھر چار حرمت والے مہینے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا میں بہت سے قسم کے مہینے اور سال ہیں مگر سب میں عزت والے مہینے اسلامی ہیں کہ اسلامی احکام انہیں سے جاری ہیں۔ یہ فائدہ عند اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تمام مہینوں کی جنتری زمین پر ہے مگر اسلامی مہینوں کی جنتری آسمان پر ہے کہ چاند یہ تاریخیں بناتا ہے۔ روزے، حج، بعض صورتوں میں طلاق اور وفات کی عدت انہیں سے پوری ہوتی ہیں۔

دوسرا فائدہ: سال کے مہینے صرف بارہ ہیں نہ اس سے کم نہ زیادہ یہ فائدہ اثناء عشر شھرا سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: عربی مہینے بڑے پرانے ہیں کہ رب تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے وقت سے انہیں مقرر فرمایا اور لوح محفوظ میں انہیں ہی لکھا۔ یہ فائدہ یوم الخلق (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: ماہ رجب شوال ذی قعد ذی الحجہ افضل مہینے ہیں۔ ان میں نیکیاں زیادہ کرنی چاہئیں اور گناہوں سے بچنا چاہئے اور حتی الامکان اپنے حساب چاند کے مہینوں سے رکھیں کہ یہ ہی اللہ کو محبوب ہے۔ یہ فائدہ ذلک الدین القیم سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: چار محترم مہینوں میں جہاد کی ممانعت اس آیت کریمہ سے منسوخ ہوگئی۔ اب ہر مہینہ ہر زمانہ میں جہاد جائز ہے۔ یہ فائدہ کافۃ سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس کی تفسیر پھر حضور انور ﷺ کا شوال و ذیقعدہ میں غزوہ حنین غزوہ طائف فرمانا اس تفسیر کی قوی دلیل ہے۔

چھٹا فائدہ: مہینے گھڑیاں دن رات برابر نہیں بعض بعض سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ منھا اربعۃ حرم سے حاصل ہوا۔ تو سارے انسان یکساں کیسے ہو سکتے ہیں۔

ساتواں فائدہ: جہاد ہر قسم کے کفار سے کیا جاوے گا۔ مشرک ہو یا اور قسم کا کافر۔ یہ فائدہ المشرکین بمعنی الکافرین سے ہوا، دیکھو تفسیر۔

آٹھواں فائدہ: جہاد صرف حربی کفار سے ہوگا۔ ذمی یا مستامن سے نہ ہوگا۔ یہ فائدہ کما یقاتلوا لکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: یوں تو ہر مسلمان کو تقویٰ لازم ہے مگر مجاہد کے لئے تقویٰ پرہیزگاری بہت ضروری ہے۔ یہ فائدہ ان اللہ مع المتقین سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: جب سارے مہینے اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو ان مذکور چار مہینوں میں کیا خصوصیت ہے کہ انہیں حرم فرمایا گیا۔ سارے مہینے یکساں چاہئیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے تو انسان اشرف الخلق کیوں ہوا۔ ساری زمین اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہے تو حرمین طیبین اشرف بلاد کیوں۔ سارے دن اللہ کے پیدا کئے ہوئے ہیں تو جمعہ اشرف ایام کیوں ہوا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ **ذلک افضل اللہ یوتیہ من یشاء**۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جس جگہ جس وقت کو کسی محبوب چیز سے نسبت ہو جاوے وہ تا ابد اشرف ہو جاتے ہیں۔ فرماتا ہے کہ **لیلۃ القدر خیر من الف شھر** شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔ کیوں، اس لئے کہ **انا انزلنہ فی لیلۃ القدر** اس رات میں قرآن مجید نازل ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **فلا تظلموا فیھن انفسکم** ان چار مہینوں میں اپنی جان پر ظلم نہ کرو تو کیا باقی آٹھ مہینوں میں ہم ظلم کریں۔

جواب: اس فرمانِ عالی کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ **فیھن** سے مراد بارہ مہینے ہیں یعنی ان بارہ مہینوں میں کبھی بھی گناہ نہ کرو۔ دوسرے یہ کہ ان چار ماہ میں اپنے پر ظلم یعنی جہاد نہ کرو کہ یہ حرام ہے۔ تب یہ اگلے مضمون سے منسوخ ہے۔ تیسرے یہ کہ یوں تو کبھی بھی مگر خصوصیت سے ان چار ماہ میں گناہ نہ کرو کہ ان میں بدترین جرم ہے۔

تیسرا اعتراض: **کافۃ** کے معنی ہیں سارے کافروں سے جہاد کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان چار ماہ میں جہاد کرو لہٰذا یہ فرمانِ عالی اس ممانعت جہاد کا ناسخ کیسے ہوا۔

نوٹ: بعض لوگ اب بھی ان چار مہینوں میں جہاد ممنوع مانتے ہیں، یہ اعتراض ان کا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ **کافۃ** میں بڑی گنجائش ہے۔ ہر قسم کے کافروں سے ہر وقت ہر زمانہ میں ہر طرح جہاد کرو۔ یہ معنی حضور انور ﷺ کے عمل شریف نے معین فرما دیئے کہ شوال اور ذیقعدہ میں حضور ﷺ نے غزوۂ حنین و طائف فرمایا۔

چوتھا اعتراض: یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ **کما یقاتلونکم کافۃ**. کیا اگر کفار ہم سے نہ لڑیں تو ہم بھی جہاد نہ کریں کیا ہم صرف دفاعی جہاد کریں جارحانہ نہ کرنا۔

جواب: ایک یہ کہ ذمی اور مستامن سے جنگ نہ کریں کہ وہ تمہاری امان میں ہیں صرف حربی کفار سے لڑنا جو تم سے جنگ کرتے رہتے ہیں دوسرے یہ کہ چونکہ کفار تم سے ہر وقت لڑتے ہیں اگر تم پر چار ماہ میں جہاد حرام رہا تو تم ان کے ہاتھوں مار کھاؤ گے لہٰذا تم کو بھی اجازت دی جاتی ہے کہ ان سے ہر ماہ ہر زمانہ میں جہاد کرو۔ یہ پابندی ختم ہو گئی۔ جہاد ہر وقت تا روز قیامت جاری ہے۔ یہ نماز روزہ کی طرح کی دائمی عبادت ہے۔ (روح البیان)

تفسیر صوفیانہ: مبارک ہے وہ انسان جو اپنے عمر کی ساری ساعتیں اللہ کے لئے صرف کرے۔ نفس کے لئے کچھ بھی نہ

www.alahazratnetwork.org

کرے مگر ایسے لوگ کم ہیں پھر غنیمت ہیں وہ لوگ جو اپنی نصف ساعتیں رب کے لئے صرف کریں اور نصف نفس کی پرورش اور دنیاوی انتظام کے لئے۔ پھر وہ لوگ بھی نقصان میں نہیں جو اپنے اوقات کے دو حصے دنیا کے لئے اور تہائی حصہ اللہ کے لئے صرف کریں۔ دیکھو سال کے بارہ مہینے ہیں جن میں تہائی یعنی چار ماہ وہ حرم ومحترم ہیں جن کو اللہ کے لئے خاص کرو اس کو دنیا میں صرف کرنا حرام ہے۔ برباد ہے اس کی وہ زندگی جو دنیا طلبی میں صرف ہو۔ یہ تقسیم اوقات دین قیم یعنی سیدھا راستہ ہے اسے مومن کے دل اور دل کے صفات روح اور روح کے صفات جو مثل مومنین کے ہیں تم ہر وقت ہر جگہ اپنے اندرونی مشرکین نفس اور اس کے صفات سے لڑتے رہو۔ کیونکہ وہ ہمیشہ تم سے لڑتے رہتے ہیں۔ وہ تمہارے پیچھے پڑے ہوئے ہیں تم ان سے غافل نہ رہو۔ نفس امارہ سے جنگ یہ ہے کہ ہمیشہ اس کی مخالفت کرو کہ یہ اس سے شکست کھاتا ہے اسی مخالفت نفس کا نام تقویٰ ہے اور ایسا آدمی متقی ہے اللہ تعالیٰ کا کرم اس کی رحمت متقیوں کے ساتھ ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيٓءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ

اس کے سوا نہیں کہ آگے پیچھے ہٹانا اور زیادتی میں کفر گمراہ کئے جاتے ہیں ایسے وہ لوگ جنہوں

ان کا مہینے پیچھے ہٹانا نہیں مگر اور کفر میں بڑھنا اس سے کافر بہکائے جاتے ہیں ایک برس حلال

عَامًا وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُوَاطِـُٔوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ فَيُحِلُّوا مَا

نے کفر کیا حلال سمجھتے ہیں اس کو ایک سال اور حرام سمجھتے ہیں دوسرے سال تاکہ برابر کریں

ٹھہراتے اور دوسرے برس اسے حرام مانتے ہیں کہ اس گنتی کے برابر ہو جائیں جو اللہ نے حرام

حَرَّمَ اللّٰهُ ۚ زُيِّنَ لَهُمْ سُوٓءُ أَعْمَالِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

شمار اس کی جو حرام کیے اللہ نے پس حلال کریں اسے جو حرام کیے اللہ نے آراستہ کیے

فرمائی اور اللہ کے حرام کیے ہوئے حلال کرلیں ان کے برے کام ان کی آنکھوں میں بھلے لگتے

الْقَوْمَ الْكٰفِرِينَ ﴿٣٧﴾

گئے واسطے ان کے اعمال ان کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم کفار کو

ہیں اور اللہ کافروں کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں کفار عرب کی اس بے قاعدگی کا ذکر تھا جو وہ برس کے مہینوں کی تعداد میں کرتے تھے یعنی کبھی بارہ کے بجائے تیرہ کر دیتے تھے اب ان کی اس بے قاعدگی کا ذکر ہے جو وہ مہینوں کے تعین میں کرتے تھے یعنی مہینوں میں تبدیلی کرنا رب کو محرم یا محرم کو ربیع الاول یا رجب کو ذی الحجہ بنا دینا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار تم سے ہر وقت لڑتے ہیں تم بھی ان سے ہر وقت لڑو۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ اگرچہ کفار عرب سال میں چار مہینے کو محترم جان کر جنگ بند کرتے ہیں مگر ان مہینوں میں ردوبدل کرتے رہتے ہیں کہ کبھی محرم کو صفر بنا کر تم لوگوں سے لڑ بھڑ لئے۔ ڈکیتیاں چوریاں کرلیں اور کبھی صفر کو محرم بنا کر اس کا احترام کرلیا۔ لہٰذا وہ تم سے ہر وقت لڑ سکتے ہیں۔ گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں ثبوت۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ چار مہینے محترم ہیں۔ رجب، شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ۔ اب اس کے متعلق کفار کے رویہ کا ذکر ہے کہ وہ محترم مہینوں کا احترام نہیں کرتے بہانہ بنا کر حرمت توڑتے ہیں تم ایسی حرکات نہ کرنا۔

نزول: حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے عبادات حج وغیرہ چاند کے مہینوں میں باقاعدہ ہوتی چلی آرہی تھیں۔ (تفسیر کبیر) ان چار مہینوں میں جنگ، لوٹ، غارت حرام تھی ایک مہینہ یعنی رجب الگ تھا اور تین ماہ مسلسل شوال، ذیقعدہ، ذی الحجہ، جب عرب میں لوٹ مار غارت گری گرم ہوگئی تو ان کو مسلسل تین ماہ تک ان حرکتوں سے باز رہنا بہت شاق ہوا کیونکہ مسلسل نوے دن تک وہ صبر نہیں کرسکتے تھے حتیٰ کہ بنی کنانہ کے ایک شخص نعیم ابن ثعلبہ نے فرمایا کہ جناوہ ابن عوف کنانی نے حضرت ابن عباس سے فرمایا کہ عمرو ابن لحی ابن قمعہ ابن خندف نے اہل عرب سے کہا کہ سال کے چار مہینے محترم سمجھو۔ یہ چار مہینے مقرر کرنا ہمارا کام ہے ہم جس مہینے کو جو نام دے دیں، وہ ہی ہے چنانچہ اگر محرم میں انہیں کسی قوم سے لڑنا ہوتا تو اسے صفر کرلیتے اور صفر کو محرم بنانے لگے۔ چنانچہ ایک شاعر کمیت کہتا ہے۔ شعر

ونحن الناسئون على معد   شهور الحل نجعلها حراما

ایک شاعر کہتا ہے۔ مصرع

ومنا ناسي الشهر القلمس

ان کے متعلق یہ آیت کریمہ اس حرکت سے متعلق نازل ہوئی (روح المعانی و تفسیر خازن) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ کفار عرب کا طریقہ یہ تھا کہ ہر مہینہ دو سال حج کرتے تھے مثلاً دو سال محرم دو سال صفر میں دو سال ربیع الاول میں جب ۹ ہجری میں حضرت صدیق کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حج اور سورہ برأت کا اعلان کرنے بھیجا تو ذی قعدہ میں دوسرے سال حج تھا۔ اگلے سال یعنی ۱۰ ہجری ذی الحجہ میں حج ہوا یعنی بالکل درست ہوا۔

لطیفہ: حضرت آمنہ رضی اللہ حج کے موسم میں گیارہ تارخ کو مقام منیٰ میں حاملہ ہوئیں اور ربیع اول میں حضور کی ولادت باسعادت ہے۔ اس حساب سے صرف تین ماہ حمل کے بنتے ہیں نہ کہ نو ماہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سال کفار عرب نے ماہ رجب کو ذی الحجہ بنا کر حج کیا تھا۔ واقعہ میں رجب تھا ان کی بناوٹ کا ذی الحجہ لہٰذا حساب بالکل درست ہے۔

تفسیر: انما النسئ زيادة في الكفر یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ انما حصر کے لئے ہے یعنی نسی کفر ہے۔ نسی کے معنی ہیں دیر لگانا، وقت پیچھے کرنا اس لئے ادھار کو نسیہ کہا جاتا ہے۔ (خازن معانی، کبیر) یہاں مراد ہے محترم مہینوں کو پیچھے کرنا یعنی محرم کو صفر بنا دینا وغیرہ۔ بعض نے فرمایا کہ یہ مصدر ہے جیسے نسی اس کا فعل للنا ینا ہے جیسے نمی کٹی نہیا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

صفت مشبہ ہے نسی جیسے قتیل یا صریح مگر قوی یہ ہے کہ یہ مصدر ہے۔ کیونکہ آگے اس کی خبر آ رہی ہے زیادۃ جو خود مصدر ہے۔ اگر نسی کو صفت مشبہ مانا تو زیادۃ سے پہلے کچھ پوشیدہ ماننا پڑے گا۔ (روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ نسا بمعنی زیادتی ہے کہا جاتا ہے نسا فی الاجل یعنی سال میں زیادتی کرنا کہ بجائے بارہ ماہ کے تیرہ ماہ کر دینا۔ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ اس کا ذکر تو پچھلی آیت میں ہو چکا (کبیر) یعنی محترم مہینوں میں دیر کرنا۔ انہیں پیچھے ہٹانا محرم کو صفر وغیرہ بنانا۔ کفار عرب کے کفر میں اور زیادتی ہے کہ وہ حرام جانوروں کو حلال سمجھ کر بت پرستی کر کے شراب جوئے کو حلال جان کر کافر تو ہوئے تھے اب اس حرکت سے ان کا کفر اور بڑھ گیا۔ حج بے وقت کیا۔ حرام مہینہ کو صفر بنا کر حلال کر لیا وغیرہ وغیرہ۔ یضل به الذین کفروا یہ عبارت زیادہ کی صفت ہے ہماری قرأت میں یضل مجہول ہے۔ بہ میں ب سببیہ ہے۔ ہ سے مراد ہے زیادۃ یا نسی یعنی نسی اور تاخیر کی وجہ سے وہ اور بھی زیادہ گمراہ کیے جاتے ہیں۔ ظاہر یہ ہے کہ گمراہ کرنے والا شیطان ہے اور گمراہی سے مراد ہے گمراہی میں زیادتی۔ اضافہ کیونکہ گمراہ تو وہ پہلے سے ہی تھے۔ بعض نے فرمایا کہ گمراہ کرنے والا یعنی ان میں گمراہی پیدا کرنے والا۔ رب تعالیٰ ہے (معانی کبیر وغیرہ) یحلونه عاما و یحرمونه عاما یہ زیادتی گمراہی کا بیان ہے یحلون اور یحرمون سے بنا ہے احلال اور تحریم سے بمعنی حلال حرام کر لینا یا حلال و حرام جاننا ماننا سمجھنا۔ ہ کا مرجع نسی ہے بمعنی پیچھے ہٹایا ہوا مہینہ۔ اگر وہ مصدر ہے تو بمعنی مفعول ہے اور اگر صفت مشبہ ہے تو بھی بمعنی مفعول یعنی یہ لوگ ایک سال اس مہینہ کو صفر مان کر حلال جان لیتے ہیں اس میں جنگ لوٹ مار غارت گری حلال سمجھ لیتے ہیں۔ کیسے گمراہ و بے دین ہیں۔ لیوطوا عدة ما حرم الله یہ عبارت متعلق ہے یحلون اور یحرمون کے اور ان دونوں کاموں کی وجہ کا بیان ہے۔ اس میں لام بمعنی کے ہے۔ یواطئوا بنا ہے مواطاۃ سے بمعنی موافقت یا برابری کرنا۔ اس کا فاعل وہ ہی مذکورہ کفار ہیں یعنی الذین کفروا۔ عدة بنا ہے عدد سے بمعنی گنتی، سے مراد ہیں محترم مہینے یعنی وہ لوگ یہ ہیر پھیر کہ محرم کو صفر کر دیا اور صفر کو محرم اس لئے کرتے ہیں تاکہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کی گنتی پوری کر دیں ہر سال میں چار مہینے محترم مان لیں یعنی کہتے ہیں کہ چار مہینے پورے کر دو خواہ کوئی اور بھی ہوں۔ فیحلوا ما حرم الله یہ عبارت یا تو معطوف ہے یواطئوا پر اور ف عاطفہ یا اس پر مرتب ہے اور ف ترتب اور نتیجہ کی ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اللہ کے حرام کئے ہوئے مہینوں کو حلال کر لیتے ہیں۔ مثلاً اگر اس سال محرم کو صفر بنا کر اس میں جنگ وغیرہ کر لی تو محرم کو حلال کر لیا۔ یہ بدعملی بھی ہے اور بدعقیدگی بھی۔ یہ تفسیر یاد رہے۔ زین لهم سوء اعمالهم یہ فرمان عالی ان کے پچھلے گناہوں کفریات کی وجہ سے ہے یا ان کا ایک اور جرم یعنی یہ لوگ مذکورہ حرکتیں کر کے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ کام اچھے ہیں ہم کو ان پر ثواب ملے گا۔ رب تعالیٰ ہماری ان حرکات سے خوش ہے چنانچہ جنادہ ابن عوف جو کفار عرب کا سردار اور اس تبدیلی کا موجد تھا۔ وہ حج کے زمانہ میں اونٹ پر سوار ہو کر اعلان کرتا تھا کہ تمہارے معبود نے اگلے سال محرم کو حلال کر دیا ہے پھر دوسرے سال اعلان کرتا کہ اگلے سال ماہ محرم حرام کر دیا ہے۔ کبھی کہتا کہ لا مرد لما قضیت انا الذی الاعاب و الاحساب یعنی میرے فیصلہ کو کوئی رد نہیں کر سکتا میں بے عیب اور بے نقصان تم کو اس سال مہینوں کے متعلق یہ حکم دیتا ہوں کہ فلاں مہینہ کو ادھر منتقل کرو۔ و کفار کہتے لبیک یعنی حاضر جناب (خازن و روح المعانی) وہ لوگ اس کے اس حکم کو اللہ کا حکم سمجھتے

www.alahazratnetwork.org

اس فرمانِ عالی میں یہ بات ارشاد ہوئی ۔ واللہ لا یھدی القوم الکفرین . اس فرمانِ عالی میں ان کی اس بدعملی کا نتیجہ بیان ہوا کہ اس قسم کے کافروں کو جو کفر کو ایمان گناہوں کو نیکی سمجھیں راہ راست کی ہدایت نہیں دیتا یا جب تک وہ ان عقائد پر قائم رہیں انہیں نیک اعمال کی یا جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ چکا ہے انہیں ایمان کی ہدایت نہیں دیتا۔

خلاصہ تفسیر: سال کے مہینوں کو پیچھے ہٹانا، ان میں تبدیلی کرنا کہ ایک سال ایک مہینہ حج کر لیا دوسرے سال دوسرے مہینہ کو ذی الحجہ کہہ کر اس میں حج کر لیا۔ ایک سال ماہ محرم کو دوسرا مہینہ بنا کر اس میں جنگ چوری ڈکیتی وغیرہ کر لی۔ پھر کسی اور مہینہ کو محترم مہینہ بنا کر ان حرکتوں سے باز رہے۔ یہ کفار کے کفر میں اور صافہ ہے کہ جیسے وہ بت پرستی، مردار، شراب، جوئے وغیرہ کو حلال جان کر کافر ہوئے، ویسے ہی وہ اس حرکت سے اپنے کفر میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس حرکت سے یہ کفار گمراہی میں اضافہ کرتے ہیں کہ ایک ہی مہینہ کو ایک سال حلال بنا لیتے ہیں، اور اس میں جنگ و جدال قتل و غارت و خونریزی کرتے ہیں اور دوسرے ہی سال اسی مہینہ کو محترم بنا کر ان حرکتوں سے باز رہتے ہیں۔ صرف یہ خیال کرتے ہیں کہ چار محترم مہینوں کی سال میں گنتی پوری کر دیں، ان کے تعین کو جو رب تعالیٰ کی طرف سے ہے ختم کر دیں اللہ کے حرام کو حلال کر لیں پھر ابلیس نے ان کی نگاہ میں میں یہ حرکتیں آراستہ کر دیں جس سے وہ یہ حرکتیں اچھی سمجھنے لگے اور خیال کرنے لگے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ان کاموں سے راضی ہے ایسے کافروں کو اللہ تعالیٰ ہدایت نہیں دیتا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: چاند کے مہینوں میں تبدیلی کفر ہے کیونکہ ان سے بہت سی اسلامی عبادات وابستہ ہیں۔ حج، روزے، نماز عیدین، قربانی، فطرہ وغیرہ ان سے وابستہ ہیں۔ مہینوں میں تبدیلی سے یہ تمام عبادتیں غلط ہو جائیں گی۔ یہ فائدہ انما النسئی (الخ) سے حاصل ہوا۔ انگریزی ہندی مہینوں میں تبدیلی نہ کفر ہے نہ گناہ کہ اس سے اسلامی نظام میں خلل نہیں پڑتا۔

دوسرا فائدہ: جیسے اسلامی فرائض کا انکار کفر ہے یوں ہی فرائض کی کیفیات ان کے اوقات کا انکار کفر ہے جو نماز ظہر کی فرضیت کا انکار کرے یا کہے کہ وہ تین رکعات ہیں یا کہے کہ اس کا وقت سورج ڈوبنے پر ہے یہ سب کافر ہیں۔ نماز بھی فرض اس کی رکعات بھی فرض اس کے اوقات بھی فرض ہیں۔ یہ فائدہ بھی انما النسئی (الخ) سے حاصل ہوا کہ کفار عرب مہینوں میں تبدیلی کر کے حج کے وقت میں فرق کرتے تھے جسے قرآن مجید نے کفر فرمایا۔

تیسرا فائدہ: کفر میں زیادتی کمی ہوتی ہے بعض کفر بڑے بھاری ہیں بعض ہلکے یہ فائدہ زیادۃ فی الکفر سے حاصل ہوا لہٰذا ایمان میں بھی زیادتی کمی ہوتی ہے کہ وہ کفر کا مقابل ہے مگر یہ زیادتی کمی مقدار کی نہیں بلکہ کیفیت کی ہے رب تعالیٰ نے مہینوں میں تبدیلی کرنے کو ان کے کفر میں زیادتی قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: تبدیلی مہینہ کی وجہ سے جو حج وغیرہ میں تبدیلی ہوتی تھی اس کے مجرم تبدیلی کرنے والے کفار تھے نہ کہ اس زمانہ کے مومنین۔ یہ فائدہ یضل بہ الذین کفروا سے حاصل ہوا کہ اس جرم کو کفار کے لئے گمراہی فرمایا۔ چنانچہ مکہ مکرمہ میں قیام کے زمانہ میں حضور انور نے ایسے حج کئے یا ۸ ہجری میں حضرت صدیق و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہما نے ذی قعدہ والا حج

www.alahazratnetwork.org

کیا اسے قرآنِ مجید نے یوم الحج الاکبر فرمایا۔ اس کا وبال کفار پر تھا نہ کہ ان حضرات پر۔

مسئلہ: اگر ظالم حکومت ایک دو دن پہلے حج کرا دے تو لوگوں کا حج درست ہے اس کا وبال ظالم حاکم پر ہوگا۔ جس نے یہ تبدیل کیا۔ یہ مسئلہ اس آیت سے نکل سکتا ہے۔

پانچواں فائدہ: جیسے فرائض کی تعداد کی پابندی ضروری ہے ایسے ہی ان کے تعین کی پابندی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص پندرہ روزے ماہ رمضان میں رکھے اور پندرہ کسی اور مہینے میں، وہ کافر ہے۔ روزے پورے مہینے کے رکھے اور رمضان میں رکھے۔ یہ فائدہ لیواطئوا عدۃ ما حرم اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفارِ عرب محترم مہینوں کی تعداد تو پوری کر دیتے تھے مگر تعین خداوندی میں فرق کرتے تھے انہیں کافر گمراہ ان کے اس فعل کو گمراہی فرمایا گیا۔

چھٹا فائدہ: جو شخص اپنے برے اعمال کو اچھا، کفر کو ایمان سمجھنے لگے اس کی اصلاح ناممکن ہے یہ فائدہ زین لھم سوء اعمالھم سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: جو کوئی گناہ کو عبادت سمجھنے لگے اس کی تبلیغ کرے اس کو بھی ہدایت نہیں ملتی۔ یہ فائدہ واللہ لا یھدی القوم الکافرین سے حاصل ہوا۔ اگر آج کوئی پیر کے دن کو جمعہ بنا کر اس دن نماز جمعہ پڑھے یا ربیع الاول کو بقر عید بنا کر قربانی اور نماز عید پڑھے یا اپنے ملک میں کوئی عمارت بنا کر اسے کعبہ کا نام دے کر اس کا حج کرے یا طواف یا کہ کوئی دو پہاڑ صفا مروہ مان کر ان کی سعی کرے یہ سب ایسے ہی کافر ہیں جیسے اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منکر کافر و مرتد ہیں۔

پہلا اعتراض: کفار پر تو یہ اعتراض ہے کہ وہ محترم مہینوں میں تبدیلی کر دیتے تھے مگر مسلمانوں نے تو ان مہینوں کی حرمت ہی ختم کر دی کہ ان میں جہاد و قتال جائز کر دیا یا مسلمان ان سے بڑھ کر بے ادب ہوئے (آریہ)

جواب: یہ فرق ہم نے نہیں کیا خود رب تعالیٰ نے ہی ان مہینوں میں جہاد جائز قرار دیا۔ اس فرقِ حکم کی حکمتیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ رب کے حکم ہم بدلیں تو مجرم ہیں۔ خدا تعالیٰ ہی بدلے تو وہ مالک و مختار ہے۔ رب تعالیٰ کسی بندے کو موت دے تو وہ مالک ہے، ہم اسے مار دیں تو مجرم ہیں، کفار خود اپنی رائے سے حکم خداوندی میں تبدیلی کرتے تھے لہٰذا مجرم تھے۔

دوسرا اعتراض: کفر تو ایک بسیط چیز ہے جس کے اجزاء نہیں پھر اس میں زیادتی کمی کیسی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں زیادتی مقدار مراد نہیں بلکہ زیادتی کیفیت مراد ہے۔ یعنی آدھا پونا کافر کوئی نہیں سب پورے ہی کافر ہیں مگر بعض سخت تر کافر ہیں بعض ہلکے کافر یہی ایمان کا حال ہے کہ بعض ضعیف الایمان مومن بعض قوی الایمان۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافر قوم کو ہدایت نہیں کرتا مگر دیکھا جاتا ہے کہ ہزار کافر مومن ہو جاتے ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یا تو کفار سے وہ کافر مراد ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ چکا۔ ایسے کافروں کو ہدایت نہیں ملتی یا کفار جب تک کافر رہیں انہیں نیک اعمال کی ہدایت نہیں ملتی وغیرہ۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ مہینوں کی تبدیلی سے کافر گمراہ ہوئے کافر تو پہلے ہی گمراہ ہیں پھر انہیں گمراہ کیے جانے کا مطلب کیا۔ اگر وہ پہلے ہدایت پر ہوتے تو گمراہ ہونا درست ہوتا۔

جواب: اس فرمانِ عالی کا مطلب یا یہ ہے کہ اس سے ان کی گمراہی میں اور زیادتی ہو جاتی ہے۔ جیسے ہم دعا کرتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم خدایا ہم کو سیدھے راستہ کی ہدایت دے حالانکہ بفضلہ تعالیٰ ہم ہدایت پر ہیں۔ مسلمان ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ ایک قسم کی گمراہی اور انہیں اب ملتی ہے۔ اس سے پہلے اور بہت سی قسم کی گمراہیوں میں تھے۔ ایک کافر میں بہت گمراہیاں ہوتی ہیں عقائد کی گمراہیاں بھی بہت ہیں، اعمال کی گمراہیاں بھی بہت۔

پانچواں اعتراض: یہاں گمراہی کے لئے کفار کی قید کیوں لگائی جو بھی غلط حج کرے وہ گمراہ ہے اگرچہ اپنے کو مسلمان کہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر کے فوائد میں گزر گیا۔ اس زمانہ میں جو مومنین بھی بے وقت حج کرتے تھے وہ گمراہ نہ تھے بلکہ غلط حج کرنے والے مہینوں میں تبدیلی کرنے والے کفار ہی گمراہ تھے۔ ہجرت سے پہلے حضور انور نے فتح مکہ کے بعد ٨ ہجری میں ابو بکر صدیق نے ذی قعدہ میں بلکہ ولادت پاک سے پہلے جناب آمنہ و عبداللہ و عبدالمطلب وغیرہم نے رجب وغیرہ میں حج کیے وہ مطلقاً گمراہ نہیں ہوئے۔

چھٹا اعتراض: یہاں یہ کیوں فرمایا گیا لیواطئوا عدة (الخ) تاکہ وہ محترم مہینوں کی گنتی پوری کر دیں۔ کیا گنتی پوری کرنا بھی گمراہی ہے۔ یہ تو بالکل برحق ہے۔

جواب: اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ کفار محترم مہینوں کی شمار تو پوری کر دیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے تقرر و تعین کو بگاڑتے ہیں لہٰذا شمار پوری کرنا ان کے لئے کچھ مفید نہیں۔ جیسے کوئی شخص دن رات میں نمازیں پانچ تو پڑھے مگر سورج ڈوبنے پر ظہر عشا کے وقت ہی عصر فجر کے وقت مغرب پڑھے۔ ان ہی وقتوں کو ان نمازوں کے اوقات سمجھے۔ وہ ایسا کافر ہے جیسے نماز کی فرضیت کا منکر کافر۔ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو حلال اور حرام کردہ چیزوں کو حرام جاننا فرضِ عین ہے۔

تفسیر صوفیانہ: کفارِ عرب سال میں چار مہینے محترم سمجھ کر ان میں مخلوق کو ستانے لوٹ مار کرنے قتل و غارت سے باز رہتے تھے مومنوں کو چاہئے کہ سال کے بارہ مہینوں میں زبان، قلم، ہاتھ وغیرہ کے ذریعہ مسلمانوں کی آزاری سے باز رہیں کیونکہ ایذاء کا بدلہ ایذاء ہے رحم کا بدلہ رحم۔ شعر

آزارِ دل خلق مجوے سبھی تا بر نکشد یا ربی نیم شبی
بر مال و جمال خویشتن تکیہ مکن کانرا بشبے برندو ایں را بہ تبی

مخلوق کو نہ ستا ورنہ تیری دعاء نیم شبی آسمان تک نہ پہنچے گی۔ اپنے مال و جمال پر بھروسہ نہ کر مال ایک رات میں اور جمال کو ایک بخار میں ختم ہو جاتا ہے۔ (روح البیان) جس ساعت میں نیک عمل کی توفیق مل جائے وہ ہی ساعت ماہ محرم کی طرح محترم

www.alahazratnetwork.org

ہے اور جس ساعت میں گناہ سرکشی ہو وہ ہی منحوس ہے۔ جیسے سال میں چار مہینے محترم ہیں ایسے ہی دن رات کی چند ساعتیں محترم ہیں۔ پانچ نمازوں کے اوقات تہجد کی گھڑیاں، ناشکرا ہے، وہ جو ان ساعتوں میں تبدیلی کرے کہ انہیں دنیا طلبی یا گناہوں میں صرف کرے اور عبادات و ریاضات کو دوسرے وقت پر موقوف رکھے کہ بڑھاپا آئے گا تو بہ اور عبادت کریں گے۔ جس رات کی قدر کر لو وہ ہی شب قدر ہے۔ شعر

مانگ لے مانگ لے چشم تر مانگ لے — مانگ لے ان کی میٹھی نظر مانگ لے
کل کے آقا کی نگری میں گھر مانگ لے — مانگنے کا مزہ آج کی رات ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے کیا حال ہے تمہارا جب کہا جاتا ہے تم سے کہ نکلو اللہ کی راہ

اے ایمان والو تمہیں کیا ہوا جب تم سے کہا جاوے خدا کی راہ کوچ کرو تو بوجھ کے مارے زمین پر

اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ اِلَى الْاَرْضِ ؕ اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا مِنَ

میں تو بوجھل ہو جاتے ہو تم طرف زمین کے کیا راضی ہو گئے دنیاوی زندگی سے بمقابلہ آخرت کے

بیٹھ جاتے ہو کیا تم نے دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے پسند کرلی اور جیتی دنیا کا اسباب آخرت

الْاٰخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ ﴿۳۸﴾

پس نہیں ہے سامان دنیاوی زندگی کا بمقابلہ آخرت کے مگر تھوڑا اگر نہ نکلو گے تم تو عذاب دے گا

کے نہیں مگر تھوڑا اگر نہ کوچ کرو گے تو تمہیں سخت

اِلَّا تَنْفِرُوْا يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا

تم کو عذاب دردناک اور بدل دے گا قوم کو جو سوا تمہارے ہے اور نہ نقصان دو گے

سزا دیگا اور تمہاری جگہ اور لوگ لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے

تَضُرُّوْهُ شَيْئًا ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۳۹﴾

تم اس کو کچھ اور اللہ اوپر ہر چیز کے قدرت والا ہے

اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عیوب بیان کیے گئے، اب مسلمانوں کو ان پر جہاد کرنے کا حکم دیا جارہا ہے تاکہ دنیا سے یہ عیوب مٹیں گویا عیوب کا ذکر پہلے ہوا اب عیوب مٹانے والے جہاد کا ذکر ہے۔ سورج سے رات دور ہوتی ہے غازی کے جہاد سے کفر وغیرہ زمین سے دور ہوتے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ ہر زمانہ میں جہاد کرو کسی مہینہ میں تم پر روک ٹوک نہیں۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اعلان جہاد ہوتے ہی جہاد کے لئے نکلو مہینے وغیرہ کا بہانہ نہ کرو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جو محبت دنیا کی وجہ سے دین برباد کر لیتے تھے مہینوں کی تبدیلی اسی محبت دنیا کی بنا پر تھی اب مسلمانوں کو محبت دنیا سے روکا جارہا ہے اور آخرت کی طرف مائل کیا جارہا ہے۔

شانِ نزول: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ غزوۂ حنین، اوطاس اور فتح طائف اور عمرہ جعرانہ سے فارغ ہو کر مدینہ منورہ تشریف لائے کچھ قیام فرمایا تو خبر لگی کہ رومی لشکر بڑی تعداد میں شام کے شہر تبوک اور اس کے آس پاس مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے جمع ہوئے ہیں تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان کو پیش قدمی نہ کرنے دیں بلکہ تبوک پہنچ کر وہاں ہی ان پر جہاد کریں اس جہاد کی اعلانیہ تیاری فرمادی۔ اپنے ارادے سے مسلمانوں کو مطلع فرمادیا کہ ہم نے تبوک پر حملہ کرنا ہے اس سے پہلے اکثر مقام جہاد کو ظاہر نہیں فرمایا جاتا تھا بلکہ بطور توریہ حملہ کرنا کہیں ہوتا تھا اور اشارتاً اظہار دوسری طرف کا۔ چونکہ تبوک مدینہ منورہ سے بہت دور چودہ منزل قریباً پانچ سو میل پر تھا موسم سخت گرم تھا، اہل مدینہ کے کھجور کے باغات تیار تھے اس لئے صاف صاف اعلان فرمادیا تاکہ مسلمان پوری تیاری کرلیں۔ یہ جہاد منافقوں پر عموماً اور بعض صحابہ کرام پر خصوصاً گراں (بھاری) معلوم ہوا بہر حال حضور انور نے رجب ۹ ہجری میں تیس یا چالیس ہزار کا لشکر جرار لے کر کوچ فرمایا۔ جس میں دس ہزار گھوڑے تھے۔ اس غزوہ کے موقع پر حضرت عثمان غنی نے دس ہزار مجاہدوں کو مجاہدوں کا سامان جہاد دیا۔ دس ہزار اشرفیاں، نو سو اونٹ، سو گھوڑے مع سامان دیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارا مال چندہ میں دے دیا۔ گھر میں جھاڑو دے ڈالا۔ اس کی مالیت چار ہزار درہم تھی۔ حضرت عمر نے آدھا مال حضرت عبدالرحمن بن عوف نے سو اوقیہ حضرت عباس و طلحہ نے بھی بھاری چندہ دیا۔ عورتوں نے زیور اتار دیے۔ حضور انور نے مدینہ منورہ کے انتظام کے لئے حضرت علی اور محمد ابن مسلمہ انصاری کو چھوڑا۔ اس لشکر میں عبداللہ ابن ابی منافق مع اپنے ساتھیوں کے روانہ تو ہوا مگر ثنیۃ الوداع سے ہی لوٹ آیا۔ اس جہاد میں بڑا جھنڈا حضرت صدیق اکبر کو دیا گیا۔ دوسرا حضرت زبیر کو قبیلہ اوس کا جھنڈا اسید ابن حضیر کو، خزرج کا جھنڈا حباب ابن منذر کو، اس غزوہ کو منافقین تو گئے نہیں بعض مسلمان ارادہ کرتے ہی رہ گئے شریک نہ ہو سکے ان مسلمانوں کے متعلق یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (تفسیر صاوی و خزائن العرفان روح البیان وغیرہ) اس غزوہ کا نام غزوۂ عسرت اور غزوۂ فاضحہ بھی ہے کیونکہ اس موقع پر مسلمان بہت تنگی میں تھے اور اس غزوہ نے منافقوں کو رسوا کر دیا۔ (روح البیان) جب حضور انور تبوک پہنچے تو وہاں پانی کا ایک چشمہ تھا جس میں پانی بہت تھوڑا تھا۔ حضور انور نے اس میں کلی کی جس سے پانی بہت زیادہ ہو گیا۔ اسلامی لشکر اور اس کے تمام جانور سیر ہو گئے۔ ہرقل شاہ محروم نے حضور انور کا مقابلہ نہ کیا۔ رومی فوجیں واپس چلی

www.alahazratnetwork.org

گئیں۔ جنگ کی نوبت نہ آئی۔ حضور انور حضرت خالد ابن ولید کو چار سو سے زیادہ سوار دے کر بھیجا دومۃ الجندل کے حاکم اکیدا پر حملہ کرنے کے لئے۔ نیز فرمایا اسے نیل گائے کے شکار میں ہی پکڑ لو۔ چنانچہ آپ اسے گرفتار کر کے لے آئے۔ حضور انور نے اس پر جزیہ مقرر کر کے اسے چھوڑ دیا۔ یوں ہی ایلہ کے حاکم پر اولاً اسلام پیش کیا جسے اس نے قبول نہیں کیا اسے بھی جزیہ پر چھوڑ دیا گیا۔ یہ جہاد پوری آزمائش کا ذریعہ تھا۔ (خزائن العرفان) حضور انور نے تبوک میں تقریباً بیس دن قیام فرمایا۔ اس موقع پر ایلہ کے حاکم نے حضور انور کو سفید خچر تحفۃً پیش کیا جو قبول فرمالیا گیا حضور انور نے اسے ایک چادر عنایت فرمائی جو اس نے بصد شکریہ قبول کی۔ (صاوی) اس غزوہ سے رہ جانے والے تین صحابہ حضرت کعب ابن مالک بلال ابن امیہ مراہ ابن لوی کا واقعہ ان کا مکمل بائیکاٹ اس غزوہ میں ہوا جن کا ذکر اگلی آیتوں میں آرہا ہے۔ انہیں کی توبہ کا ذکر اس سورۃ میں ہے اس وجہ سے اس سورۃ کا نام توبہ ہے۔ غزوۂ تبوک حضور کا آخری جہاد ہے۔

تفسیر: یایھا الذین امنوا چونکہ غزوۂ تبوک بعض طبیعتوں پر بہت دشوار تھا کہ سفر دراز، موسم گرم، مسلمانوں کے پاس سامان تھوڑا، مقابلہ روم وشام کی جرار فوجوں سے، کھجوریں پکنے ان کے توڑنے کا موقع جس پر سال بھر گزارا اس لئے اس مضمون کو مومنین کے خطاب سے شروع فرمایا کہ اس پیارے خطاب کی لذت سے یہ مشکل آسان ہو اس خطاب میں حضرت صدیق اکبر و فاروق جیسے جلیل الشان صحابہ کرام داخل ہیں۔ مالکم یہ فرمانِ عالی لفظاً سوال ہے حقیقۃً سرزنش یعنی تم کو ہو کیا گیا تم تو وہ ہو جنہوں نے بدر و حنین جیسے معرکے سر کئے جو احد و احزاب جیسے غزوات میں صابر رہے آج اپنی روایت شجاعت دلیری بہادری کیوں نہیں دکھاتے۔ (روح البیان و معانی) اذا قیل لکم کہ جب تم سے کہا جاتا ہے کہ کہنے والے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا حضور کی طرف سے کوئی اعلانِ جہاد کرنے والا یا خود خدا تعالٰی۔ کیونکہ حضور کا قول رب کا فرمان ہے۔ انفروا فی سبیل اللہ یہ ہے قیل کا مقولہ۔ انفروا بنا ہے نفر سے بمعنی کسی ضروری کام کے لئے نکلنا اس سے ہے نفیر یعنی اعلان جہاد یا مجاہدین کی سربکف جماعت۔ یہاں سبیل اللہ سے مراد غزوۂ تبوک ہے جیسا کہ شانِ نزول سے معلوم ہوا۔ اثاقلتم الی الارض یہ فرمانِ عالی اذا قیل کی جزاء ہے۔ اثاقلتم اصل میں تثاقلتم تھا باب تفعل کا ماضی ت کا ث میں ادغام ہوا۔ الف زائدہ اول میں بڑھایا گیا۔ اس کا مادہ ثقل ہے یعنی بوجھ۔ اثاقل کے معنی ہیں بوجھل کر زمین پر بیٹھ رہنا چونکہ اس میں میلان کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد الی ارشاد ہوا ارض سے مراد مطلقاً زمین ہے یا زمین مدینہ کہ اس وقت مدینہ منورہ میں بلا عذر رہنا ممنوع تھا اور ممکن ہے کہ ارض سے مراد دنیا اور اس کی زینت ہو۔ (روح المعانی) اس تیسرے معنی کی تائید اگلے مضمون سے ہو رہی ہے۔ فرمایا گیا۔ ارضیتم بالحیوۃ الدنیا من الاخرۃ اس فرمانِ عالی میں بھی بظاہر سوال ہے درحقیقت عتاب اور سرزنش ہے۔ رضا سے مراد پسند کرنا ہے۔ حیٰوۃ دنیا سے وہ زندگی مراد ہے جو نفس کے لئے جو زندگی آخرت کی تیاری کے لئے ہو وہ تو حیاتِ آخرت اور عین دین ہے۔ من الاخرۃ میں من بمعنی عوض یا بدل ہے رب فرماتا ہے۔ لجعلنا منکم ملائکۃ۔ منکم بمعنی بدلکم (روح البیان و معانی) آخرت سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں جو آخرت میں یعنی بعد موت دوسرے جہاد میں ملیں گے۔ فما متاع الحیوۃ الدنیا فی الاخرۃ الا قلیل۔ ظاہر یہ ہے کہ فی

www.alahazratnetwork.org

میں ف علت اور وجہ کی ہے اور یہ فرمانِ عالی ایک پوشیدہ کلام کی وجہ ہے یعنی تم غلطی کرتے ہو کیونکہ دنیاوی سامان آخرت کے مقابلہ بہت تھوڑا اور حقیر ہے۔ چند وجہ سے (۱) دنیاوی سامان آخرت کے مقابلہ میں بہت کم ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ دنیا آخرت کے مقابل ایسی ہے جیسے کوئی شخص سمندر میں اپنی انگلی ڈالے جس سے انگلی تر ہو جاوے تو انگلی کی تری کو سمندر سے جو نسبت ہے وہ دنیا کو آخرت سے نسبت ہے کہ دنیا کی نعمتیں مصیبتوں سے مخلوط ہیں آخرت کی نعمتیں خالص۔ (۲) دنیا اور اس کی نعمتیں فانی ہیں جو آنا فانا فنا ہو جاتی ہیں آخرت کی نعمتیں ابدالآباد تک باقی خالدین فیھا ابدا لہٰذا چاہیے کہ آخرت کے مقابل دنیا کو قبول نہ کیا جاوے۔ ہاں اگر دنیا آخرت سے وابستہ ہو جاوے تو وہ بھی باقی ہے۔ والباقیات الصالحات یہاں تک جہاد کے فوائد ارشاد ہوئے کہ یہ آخرت ملنے کا ذریعہ ہے اور آخرت دنیا سے بہتر ہے اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جا رہا ہے یعنی جہاد نہ کرنے کا وبال الا تنفروا یعذبکم عذابا الیما ظاہر یہ ہے کہ اس فرمانِ عالی میں خطاب ان حضراتِ صحابہ سے ہے جنہیں غزوۂ بدر بھاری معلوم ہوا اور ہو سکتا ہے کہ تا قیامت سارے مسلمانوں سے خطاب ہو اگر جماعت صحابہ سے خطاب ہے تو گویا غیر واقع چیز پر غیر واقع چیز کو موقوف کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ حضرت حضور عالی کے فرمان پر ضرور جہاد کے لئے نکلے۔ الا حرف استثنا نہیں بلکہ ان شرطیہ اور لا نافیہ کا مجموعہ ہے تنفروا میں نفر سے مراد یا تو غزوۂ تبوک نہ جانا ہے یا آئندہ جہادوں میں۔ ظاہر ہے کہ دردناک عذاب سے مراد دنیاوی عذاب ہو، مسلمانوں کا کمزور ہو جانا، کفار کا غلبہ دنیا میں، فساد، قحط سالیاں وغیرہ کہ جہاد چھوڑنے سے یہ وبال دنیا میں آ جاتے ہیں۔ (روح المعانی وغیرہ) اور ہو سکتا ہے کہ اس سے عذاب آخرت مراد ہو مگر پہلا احتمال قوی ہے کیونکہ فاسق مومن کو بھی آخرت میں کچھ روز کے لئے عذاب ہو گا مگر عذاب الیم نہ ہو گا۔ اس لئے ترک جہاد کی دوسری سزا یہ ہے ویستبدل قوما غیرکم یہ عبارت معطوف ہے یعذبکم (الخ) پر اور جزاء ہے الا کی استبدال کے معنی ہیں کسی کے بدلہ میں دوسرے کو لے آنا۔ قوم سے مراد مسلم قوم نہ کہ کفار غیرکم فرما کر یہ بتایا کہ تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ جو دوسری قوم ہو گی جیسے شام یمن فارس وغیرہ (جیسا کہ سعید ابن جبیر وغیرہم مفسرین سے مروی ہے) یعنی تمہاری جگہ ان میں کوئی قوم اسلام کی خدمت کے لئے مقرر کر دی جاوے گی اور پھر ولا تضروہ شیئا عام مفسرین فرماتے ہیں کہ ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہے مگر تفسیر خازن نے فرمایا کہ اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یعنی تم لوگ اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکو گے۔ اپنا ہی بگاڑو گے۔ ان کا سورج ہمیشہ ہی چمکتا رہے گا۔ واللہ علی کل شیء قدیر یہ فرمانِ عالی گزشتہ مضمون کی وجہ اور علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جس قوم سے چاہے دین کی خدمت لے لے۔ تم اس کے رسول کے، اس کے دین کے محتاج ہو وہ تمہارے محتاج نہیں۔ لہٰذا اگر تم سے خدمت دین لے لی جاوے تو غنیمت جانو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم کو کیا ہو گیا ہے کہ جب تم کو ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے روانگی کا حکم دیتے ہیں تو تم ہمت ہاری باتیں کرتے ہو بوجھل ہو کر زمین کو پکڑے جاتے ہو تم نے ہی بدر و حنین کے میدان جیتے تم نے ہی احد و احزاب کی مشقتیں برداشت کیں۔ اب تم کو کیا ہو گیا ہے کیا تم اخروی ثواب کے مقابلہ میں دنیاوی جہاں کے عیش و آرام میں

www.alahazratnetwork.org

راغب ہو گئے۔ حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ آخرت کے مقابلہ دنیا بہت تھوڑی بھی، فانی بھی اور آفات سے گھری ہوئی بھی۔ آخرت بہت اور باقی اور خالص آرام کی جگہ ہے تم یہ بھی خیال رکھو کہ اگر تم نے ہمارے حبیب کے حکم پر جہاد میں جانا چھوڑ دیا آرام طلب ہو گئے تو تم کو دنیا میں اس کی سزا بھی بھگتنی پڑے گی کہ تم مغلوب دشمن غالب تم محکوم وہ حاکم ہو جائیں گے اور اللہ تعالیٰ تم کو ہلاک کر کے دوسری مسلمان قوم تمہاری جگہ دین کی خدمت کے لئے فرمادے گا جو دین کی خدمت کرے گی تم اللہ رسول کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، اپنا ہی بگاڑو گے۔ دیکھو مکہ معظمہ کے سرداران قریش نے اسلام کا مقابلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی کی تو مدینہ والوں کو خدمتِ دین کے لئے کھڑا کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے جسے چاہے خدمت دین کی توفیق دے۔

نوٹ ضروری: بعض لوگوں نے کہا کہ یہ آیت کریمہ منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ آیت ہے وما کان للمومنین ان ینفروا کافۃ (الخ) کیونکہ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ سارے مسلمانوں کو جہاد کے لئے نکلنا ضروری اس ناسخ آیت نے فرمایا کہ نہیں بلکہ بعض مسلمان نکلیں مگر قوی یہ ہے کہ یہ آیت محکم ہے اس میں خطاب ان لوگوں سے ہے جن کو جہاد میں جانے کا حکم دیا گیا۔ واقعی ان سب پر نکلنا تا قیامت واجب ہے۔ (تفسیر خازن)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمان کسی گناہ سے کافر نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ یاایھا الذین آمنوا سے حاصل ہوا۔ دیکھو جہاد میں سستی کرنا گناہ ہے مگر یہاں سستی کرنے والوں کو مومن فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: شریعت مطہرہ کے بھاری فرمانوں اور سخت عبادات سے غیر اختیاری بوجھ کا محسوس ہونا جسے طبعی کراہت کہتے ہیں یہ فسق بھی نہیں جیسے کسی کو سردی کے موسم میں ٹھنڈے پانی سے وضو بھاری معلوم ہو یا جہاد گراں محسوس ہو۔ یہ معاف ہے۔ یہ فائدہ اثاقلتم الی الارض سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضرات صحابہ کے بوجھل ہونے کا ذکر تو فرمایا مگر نہ تو ان کو فاسق کہا نہ توبہ کا حکم دیا کیونکہ یہ اختیاری طبعی کراہت تھی ہاں کسی حکم سے نفرت کفر ہے۔ یہ فرق خیال رہے۔

تیسرا فائدہ: حضور انور کی رضا کے بغیر زمین مدینہ میں رہنا فائدہ مند نہیں۔ مدینہ اس کے لئے مدینہ ہے جس سے مدینہ والا راضی ہو صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ فائدہ بھی اثاقلتم الی الارض کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ الارض سے مراد زمین مدینہ ہو۔ ان حضرات پر اس لئے عتاب ہوا کہ انہوں نے اس جہاد کے دوران مدینہ منورہ میں رہنا چاہا۔

چوتھا فائدہ: آخرت کے مقابلہ میں دنیا چاہنا اسے راضی ہونا برا ہے۔ یہ فائدہ ارضیتم بالحیوۃ الدنیا (الخ) سے حاصل ہوا۔ ہاں آخرت کے لئے دنیا حاصل کرنا اس لئے دنیا چاہنا کہ یہ آخرت کے اعمال جمع کرنے کا ذریعہ ہے یہ بہت اچھا ہے۔

پانچواں فائدہ: دنیا کتنی بھی زیادہ ہو مگر تھوڑی ہے۔ آخرت کتنی ہو مگر زیادہ ہے۔ یہ فائدہ الا قلیل سے حاصل ہوا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جنت میں کمان رکھنے کی جگہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اور یہ ظاہر ہے کیونکہ باقی اعلیٰ ہے فانی سے۔ خالص ثواب اعلیٰ ہے اس سے جو مصیبتوں سے مخلوط ہو۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹا فائدہ: جہاد چھوڑنا دنیاوی تکالیف اور اخروی سزا کا باعث ہے۔ یہ فائدہ الا تنفروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ دنیا میں سپاہی قوم ہی زندہ رہ سکتی ہے۔ قوم کا غلبہ، دین کی عزت دشمنوں کی مغلوبیت جہاد کے ذریعہ سے ہے۔

ساتواں فائدہ: انشاء اللہ دین اسلام قائم رہے گا۔ ہم رہیں یا نہ رہیں ہم سے پہلے بھی دین تھا، ہمارے بعد بھی رہے گا۔ دین کی گاڑی اللہ رسول کے کرم پر چلتی رہے گی۔ اس کی خدمت کے لئے قومیں پیدا ہوتی رہیں گی اس باغ کے لئے مالی آتے رہیں گے۔ یہ فائدہ ویستبدل قوماً غیرکم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام جہاد کے موقعوں پر بزدلی دکھاتے تھے۔ دیکھو ارشاد ربانی ہے اثاقلتم الی الارض دین میں بزدلی کفر ہے لہٰذا وہ مومن نہ تھے۔ (شیعہ)

جواب: انہیں رب تعالیٰ نے الذین امنوا کہہ کر پکارا پھر انہیں فاسق نہ فرمایا، انہیں توبہ کا حکم نہ دیا جس سے معلوم ہوا کہ ان کی یہ سستی یا طبعی کراہت نہ کفر تھی نہ فسق ہاں انہیں جوش دلانے کے لئے ظاہری عتاب فرمایا۔ اس عتاب میں بھی کرم ہے۔ پھر ان ہی حضرات نے تمام جہادوں میں فتح حاصل کی اسلام پھیلایا۔

دوسرا اعتراض: نماز میں سستی کفر ہے۔ رب فرماتا ہے فویل للمصلین الذین ہم عن صلوتہم ساہون جب نماز میں سستی کفر ہے اور اس کی سزا دوزخ کا ویل ہے تو جہاد میں سستی کفر کیوں نہیں یہاں ارشاد ہوا۔ اثاقلتم الی الارض۔ ساھون اور اثاقلتم میں کیا فرق ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی فوائد میں گزرا کہ کراہت اور نفرت میں فرق ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت میں منافقین کا ذکر ہے جسے رب نے ان الفاظ سے شروع فرمایا اور آیت الذی یکذب بالدین (الخ) وہ بدنصیب نماز کو محض بیکار سمجھتے تھے کہ مسلمانوں کے ڈر سے الٹی سیدھی ادا کر لیتے تھے۔ یہاں طبعی گرانی کا تذکرہ ساھون اور اثاقلتم میں یہ فرق ہے۔ یہ ضرور خیال رہے کہ اس گرانی طبع کے ساتھ جو نیکی کی جاوے اس کا ثواب بہت زیادہ ہوتا ہے۔ جاڑوں کی نماز عشاء فجر کا ثواب یوں ہی بیمار کی مسجد میں حاضری۔ گرمی میں جہاد۔ ان سب کا ثواب کیوں زیادہ ہے۔ اس گرانی کی وجہ سے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی بری چیز ہے۔ اسے پسند کرنا برا۔ یہ تو حضرات انبیاء کرام اولیاء اللہ کو بھی ملتی ہے۔ اگر یہ بری ہے تو انہیں کیوں عطا ہوئی۔

جواب: آخرت کے مقابل دنیا کی زندگی واقعی بری ہے آخرت کے لئے یہ دنیا کی زندگی اچھی ہے کہ یہ دنیا عین دین ہے۔ ان حضرات کی زندگی آخرت کے لئے ہوتی ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد میں سستی کرنے والوں کو عذاب الیم دیا جاوے گا جو کفار کے لئے خاص۔ اگر یہ مومن ہیں تو انہیں کافروں والا عذاب کیوں۔

جواب: یہاں عذاب الیم سے مراد دنیا کی تکالیف ہیں۔ قحط سالی مغلوبیت دشمنوں کا غلبہ وغیرہ۔ واقعی جہاد چھوڑ دینے یا اس میں سستی کرنے سے یہ سزائیں ملتی ہیں جیسا کہ تجربہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: یہاں قوما غیر کم کیوں ارشاد ہوا۔ قوم آخر فرمانا بھی کافی تھا یعنی دوسری قوم۔ وہ لفظ بھی چھوٹا تھا۔

جواب: فرمانِ عالی کا مقصود یہ ہے کہ تمہاری جگہ خدمت اسلام کے لئے جو دوسری قوم لائی جائے گی وہ تمہاری اولاد یا تمہارے بھائی بند بلکہ تمہارے ہم وطن نہ ہوں گے بلکہ بالکل تمہارے غیر ہوں گے جیسے فارسی یمنی لوگ تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ آخر کار ہماری ہی قوم نے خدمت اسلام کی۔

تفسیر صوفیانہ: سفر دو قسم کے ہیں۔ سفر دنیا کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ السفر قطعة من السقر یہ سفر دوزخ کا ٹکڑا ہے۔ سفر آخرت کے متعلق یہاں ارشاد ہوا الا تنفروا (الخ) یعنی نفر کہتے ہیں اگرچہ مسافر دنیا کے سفر میں تکلیف اٹھائے مگر جب گھر پہنچ سب کو بخیریت پائے تو سفر کے رنج وغم بھول جاتا ہے۔ یوں ہی مسافر آخرت جب اس سفر کے بعد ظفر دیکھتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ صبح یا شام اللہ کی راہ میں جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے۔ سفر آخرت بہت طرح کے ہیں۔ طلب علم دین کے لئے، حج کے لئے، جہاد کے لئے، اللہ کے محبوب بندوں کی ملاقات کے لئے سفر۔ سب سفر آخرت ہیں۔ اس سفر سے جی چرانا گویا اثاقل الی الارض یعنی پستی کی طرف جھکنا۔ اس کے لئے زندگی حیات دنیا بلکہ اس کی قلیل متاع (تھوڑا سامان) ہے مسافر آخرت کے لئے زندگی حیات آخرت ہے جسے موت بھی فنا نہیں کر سکتی۔ بل احیاء ولکن لا تشعرون صوفیا فرماتے ہیں کہ جیسے جہاد سے جان چرانے میں تبدیلی ذوات کا خطرہ ہے یوں ہی مجاہدہ نفس سے جان چرانے سے تبدیلی صفات کا اندیشہ ہے کہ ایسا انسان انسانی صفات سے محروم ہو کر اپنے میں شیطانی صفات پیدا کرتا ہے اور اگر انسان مجاہدہ کرتا رہا ہے تو انشاء اللہ اس میں ملکی صفات پیدا ہو جاتے ہیں۔ شعر

خام را طاقت پروانہ پر سوختہ نیست ناز کارانہ رسد شیوۂ جاں افشانی

راحت چھوڑ، مشقت اختیار کرنے سے انسان دینی دنیاوی مرادیں پالیتا ہے۔ (روح البیان)

إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِيَ

اگر نہ مدد کرو گے تم ان کی پس بے شک مدد کی ان کی اللہ نے جب باہر کیا انہیں ان لوگوں نے

اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد فرمائی جب کافروں کی شرارت سے

اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ

جنہوں نے کفر کیا دوسرے دو میں کے جب وہ دونوں تھے غار میں جب کہتے تھے

انہیں باہر تشریف لے جانا ہوا صرف دو جان سے جب وہ دونوں غار میں تھے جب اپنے

مَعَنَا فَأَنزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيَّدَهُ بِجُنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا

www.alahazratnetwork.org

واسطے ساتھی کے اپنے نہ غم کرو تحقیق اللہ ساتھ ہے ہمارے پس اتارا اللہ نے سکون اپنا اس
یار سے فرماتے تھے غم نہ کھا بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے تو اللہ نے اپنا سکینہ اتارا اور

وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا

پر اور مدد کی ان کی ان لشکروں سے کہ نہ دیکھا تم نے انہیں اور کر دی بات
اور ان فوجوں سے اس کی مدد کی جو تم نے نہ دیکھیں اور کافروں کی بات نیچی ڈالی اور

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٤٠﴾

ان کی جنہوں نے کفر کیا نیچی اور بات اللہ کی وہی بلند ہے اور اللہ ہے غالب حکمت والا
اللہ کا ہی بول بالا ہے اور اللہ غالب حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی بے نیازی کا ذکر ہوا کہ وہ اپنے اسلام کو بہر حال پھیلائے گا۔ خواہ تم مدد کرو یا نہ کرو اب اس کا ثبوت واقعہ ہجرت سے دیا جا رہا ہے کہ مکہ والے قریباً سارے ہی اسلام کے خلاف تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کرنا چاہا مگر ناکام رہے اور ان کا دین پھیلا۔ گویا مستقبل کے متعلق دعویٰ پہلے تھا اور ماضی سے اس کا ثبوت اب دیا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر تم جہاد نہ کرو گے تو رب تعالیٰ بجائے تمہاری دوسری قوم سے اسلام کی خدمت لے لے گا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انسانوں پر ہی موقوف نہیں ہم چاہیں تو جانوروں سے اپنے نبی کی حفاظت کا کام لے لیں اس لئے ہجرت کا واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔ جس میں مکڑی والے اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعے اللہ نے اپنے حبیب کی حفاظت فرمائی۔ جانور بھی حضور کے خدام ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر تم نے جہاد سے جی چرایا تو ہم دوسری قوم کو تمہاری بجائے لے آئیں گے اب ارشاد ہے کہ قوم کی بھی کیا ضرورت صرف ایک شخص سے ہی بڑے بڑے کام لے سکتے ہیں۔ دیکھو ہجرت میں صرف یار غار حضرت ابوبکر صدیق سے اپنے حبیب کی وہ خدمت لے لی جو پوری قوم نہیں کر سکتی تھی (کبیر)

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں جہاد کا ذکر ہوا اب ہجرت کا ذکر ہے جو جہاد کی تمہید ہے کہ بغیر ہجرت اکثر جہاد مشکل ہوتا ہے۔

شانِ نزول۔ ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم: یہ آیت کریمہ حضور انور کی ہجرت کے متعلق نازل ہوئی جس کا

www.alahazratnetwork.org

واقعہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ کے ظلم مسلمانوں پر حد سے بڑھ گئے تو حضور انور نے مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دیا اس حکم سے مسلمان مختلف مقامات پر ہجرت کر کے چلے گئے مکہ معظمہ میں صرف حضور انور، حضرت علی، حضرت ابوبکر صدیق اور صہیب رہ گئے یا عورتیں بچے بوڑھے اور ضعیف مسلمان جو ہجرت نہ کر سکے تھے۔ (روح البیان) بلکہ حضرت ابوبکر صدیق بھی حبشہ کی طرف ہجرت کر کے چل دیئے تھے برک الغماد سے ایک سردار کفار ابن دغنہ آپ کو مکہ معظمہ واپس لایا (خازن) پھر حضور انور نے فرمایا کہ ابوبکر صدیق مجھ کو بھی ہجرت کا حکم رب کی طرف سے ملنے والا ہے۔ تم میرے ساتھ ہجرت کرنا۔ حضرت ابوبکر صدیق خوش ہو گئے اور آٹھ سو درہم سے دو اونٹنیاں خرید کر ان کی پرورش کرنے لگے اس ہجرت کے لئے۔ ایک کا نام قصویٰ تھا جس پر حضور انور نے ہجرت میں سواری کی اور آخر تک نبی کریم کی سواری میں رہی اور خلافت صدیقی میں اس کی وفات ہوئی۔ حضور کی دوسری اونٹنی عضباء تھی۔ یہ خلافت فاروقی میں فوت ہوئی۔ قیامت کے دن حضرت فاطمہ اسی پر سوار ہو کر محشر میں پہنچیں گی۔ (روح البیان) اونٹنیوں کی یہ خریداری آخر ذی الحجہ میں ہوئی اس لئے اسلامی سنہ محرم سے شروع ہوتا ہے کہ حضرت صدیق نے ہجرت کی تیاری اسی مہینہ میں شروع کی تھی۔ اگرچہ ہجرت ربیع الاول میں ہوئی۔ جب دو حج کے موقعوں پر مدینہ منورہ کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کے نمائندہ نے حضور انور کے ہاتھ پر بیعت کی پہلے حج میں بارہ نے دوسرے میں ستر نے اس کا پتہ کفار کو چل گیا۔ انہیں خطرہ ہوا کہ اسلام مکہ سے باہر پھیل جائے گا تو انہوں نے دار الندوہ (مشورہ گھر یعنی اپنے ادارہ) میں جو قصیٰ بن کلاب کے گھر میں تھا جمع ہو کر مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اس مشورہ میں ابلیس بھی شیخ نجدی کی شکل میں آیا۔ بولا کہ میں نجدی ہوں تم ایک اچھے کام کے لئے جمع ہوئے ہو میں تم کو اچھا مشورہ دینے آیا ہوں۔ لوگوں نے مختلف رائیں دیں مگر ابوجہل بولا کہ میری رائے یہ ہے کہ مکہ کے دو قبیلوں میں دو دو آدمی ہتھیار بند ہو کر ان کا گھر گھیر لو۔ جب وہ اٹھیں تو سب یکبارگی ان پر حملہ کر کے انہیں شہید کر دو۔ بنی ہاشم سب سے نہ لڑ سکیں گے آخر دیت یعنی خون بہا لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ سارے قبیلے والے وہ ادا کر دیں۔ ابلیس یعنی شیخ نجدی نے اسے پسند کیا اور اتفاق رائے سے یہ بات پاس ہو گئی۔ یہ مشورہ ماہ صفر میں ہفتہ (سنیچر) کے دن ہوا (روح البیان) یہ جگہ وہ ہی تھی جہاں آج حرم شریف میں مصلی حنفی ہے چنانچہ پروگرام کے مطابق تمام قبیلوں سے دو دو آدمی ہتھیار بند ہو کر حضور انور کے دروازہ کو گھیر کر کھڑے ہو گئے ادھر حضرت جبریل نے حضور انور کو یہ سب کچھ بتا دیا۔ حضور انور نے حضرت علی کو اپنی چادر حضرمی سبز رنگ کی عطاء فرمائی جس کی لمبائی چار گز چوڑائی دو گز تھی۔ عطا فرما کر فرمایا کہ علی تم میرے بستر پر لیٹ جاؤ میں تم کو بشارت دیتا ہوں کہ کفار تمہارا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ محاصرہ کرنے والے ایک سو آدمی تھے۔ حضور انور نے ایک مٹھی مٹی لی اور سورہ یاسین کی آیت کریمہ **فاغشیناهم فهم لا یبصرون** تک پڑھی اور ان کی طرف یہ مٹھی بھر خاک پھینکی جو سب کے سروں پر پڑی اور وہ سب حضور انور سے اندھے ہی ہو گئے اور حضور وہاں سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکر صدیق کے گھر پہنچے۔ حضرت ابوبکر صدیق کو ساتھ لیا اور ثور پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے۔ خیال رہے کہ یہ پہاڑ مکہ معظمہ میں موجودہ راستہ سے پانچ میل دور ہے۔ اس پہاڑ کو ثور اس لئے کہتے ہیں کہ ایک بار اس پر ایک شخص ثور ابن عبد مناۃ نے قیام کیا تھا اس کی طرف نسبت سے اسے جبل ثور کہتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ اور اس غار کو غار ثور۔ اس پہاڑ کا اصلی نام اطحل ہے۔ (روح البیان) ادھر جب حضرت علی حضور کے بستر سے اٹھے تو گھر گھیرنے والے کفار آپ کو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دوسری حیرانی یہ ہوئی کہ ہر ایک کے سر پر خاک تھی۔ پوچھا اے علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں گئے۔ آپ نے فرمایا رب جانے ادھر راستہ کا واقعہ یہ ہوا کہ حضرت صدیق کبھی حضور علیہ السلام کے آگے چلتے کبھی پیچھے کبھی دائیں بائیں۔ حضور نے پوچھا اے ابوبکر یہ کیا۔ عرض کیا کہ میں ہوں اکیلا اور سمتیں ہیں چار۔ ہر سمت سے حضور پر دشمن کا خطرہ کہ شاید کوئی آگے گھات لگائے بیٹھا ہو تو میں آگے ہو جاتا ہوں اور کبھی خیال آتا ہے کہ شاید کوئی پیچھے سے آتا ہو تو پیچھے ہو جاتا ہوں۔ پھر دائیں بائیں سے بھی خدشہ دل میں آتا ہے تو دائیں بائیں ہو جاتا ہوں تاکہ جدھر سے بھی حضور پر حملہ ہو تو مجھ پر ہو۔ اللہ تعالیٰ مجھے حضور پر فدا کرے۔ آخر کار حضور انور کو اپنے کندھوں پر لے لیا اور خود پنجوں کے بل اس طرح چلے کہ ہر پنجہ زمین پر رکھ کر گھما دیتے تاکہ پنجہ کا نشان نہ رہ جائے اور کوئی کھوجیا کھوج نہ نکال سکے۔ نہ معلوم حضرت صدیق نے یہ خاردار دشوار راہ گذار کس طرح طے کر کے غار تک حضور کو پہنچایا۔ اے صدیق تیرے ان کندھوں پر تیرے ان پنجوں پر کروڑوں سلام ہوں جب غار کے کنارہ پر پہنچے تو عرض کیا یا رسول اللہ پہلے مجھے غار میں جانے دیں تاکہ میں صاف کروں پھر آپ کو بلاؤں تاکہ اگر کوئی موذی جانور وہاں ہو تو مجھے ہی کاٹے، آپ کو تکلیف نہ پہنچے۔ اندھیرے وحشت ناک غار میں اکیلے گھسے، اس میں بہت سوراخ تھے۔ فرش صاف کیا، چادر مبارک پھاڑ پھاڑ کر سوراخ بند کیے۔ عشق رسول نے جیب و گریبان کی دھجیاں اڑا دیں۔ شعر

عشق نے کیتا حال فقیراں کپڑے کر کر لیراں

بند جا کیتا غار نبی دا اوہ دسدا

ایک سوراخ باقی بچا اس میں اپنے پاؤں کا انگوٹھا لگا کر بیٹھ گئے۔ اب بیٹھک اس طرح ہوئی کہ ایک پاؤں غار کے فرش پر بچھا ہوا دوسرا غار کی طرف اٹھا ہوا۔ اس طرح حضور انور کو بلایا۔ آپ کا سر مبارک بچھے ہوئے زانو پر رکھا اور سلا دیا۔ ان تمام سوراخوں میں سانپ تھے۔ اس انگوٹھے والے سوراخ کے سانپ نے کئی بار آپ کے انگوٹھے کو ڈسا مگر آپ نے انگوٹھا نہ ہٹایا۔ مار غار پر یار غار غالب آیا۔ زہر نے اپنا اثر کرنا شروع کیا۔ تمام جسم میں سنسنی پھیلنے لگی۔ آنکھوں سے اشک رواں ہوئے۔ رخسارہ مصطفیٰ پر گرے، مبارک آنکھیں کھول دیں۔ دیکھا صدیق رو رہے ہیں۔ پوچھا کیا ہے۔ عرض کیا ایک سانپ کئی بار کاٹ چکا ہے۔ فرمایا کہاں۔ عرض کیا پاؤں کے انگوٹھے میں۔ فرمایا دکھاؤ۔ حضور انور نے اپنا لعاب دہن لگا دیا، زہر ختم ہو گیا مگر وفات کے وقت وہ ہی زہر لوٹا جس سے حضرت صدیق کی وفات یعنی شہادت ہوئی۔ (تفسیر خازن) یہ ہے فنافی الرسول کہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات خیبر والے زہر کے لوٹنے سے حضرت صدیق کی وفات غار والے زہر کے لوٹنے سے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ جو لوگ حضرت محمد ابن ابوبکر کی اولاد میں ہیں ان کے پاؤں کے انگوٹھے پر سیاہ تل ہوتا ہے اور انہیں سانپ نہیں کاٹتا۔ عبدالرحمن ابن ابی بکر کا یہ حال نہیں کیونکہ عبدالرحمن اس وقت پیدا ہو چکے تھے محمد بعد کو پیدا ہوئے۔ یہ اثر تا قیامت رہے گا اگر باپ صدیق ہے تو دائیں پاؤں میں ماں صدیقی ہے تو بائیں پاؤں میں اگر دونوں صدیقی

www.alahazratnetwork.org

ہیں تو دونوں پاؤں میں نشان ہوتا ہے۔ فقیر نے مشاہدہ بھی کیا ہے۔ ادھر کفار مکہ ہر چہار طرف تلاش کے لئے نکل پڑے۔ ادھر غار کے منہ پر مکڑی نے جالا تن دیا، کبوتری نے انڈے دے دیئے۔ کفار مکہ کی ٹولیاں ہر طرف دوڑ پڑیں۔ ایک ٹولی جس میں امیہ ابن خلف بھی تھا، وہ اس پہاڑ پر پہنچی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس غار کے منہ پر پہنچی۔ یہ سب لاٹھیوں تلواروں سے مسلح تھے۔ ان میں سے ایک بولا اس غار کے اندر بھی دیکھ لو۔ اس کا نام علقمہ ابن کرز تھا جو فتح مکہ کے دن ایمان لایا۔ امیہ ابن خلف بولا کہ یہ مکڑی کا جالا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پیدائش سے پہلے کا ہے۔ اگر اس میں وہ جاتے تو جالا ٹوٹ جاتا اور انڈے پھوٹ جاتے۔ جب علقمہ اور امیہ یہ باتیں کر رہے تھے تب حضرت صدیق نے بے قرار ہو کر وہ عرض کیا اور حضور انور نے وہ جواب دیا جو یہاں اس آیت کریمہ میں مذکور ہے۔ حضور انور نے اس غار میں تین دن قیام کیا۔ اس عرصہ میں حضرت صدیق اکبر نے غلام مالک ابن فہیرہ اس پہاڑ کے دامن میں جناب صدیق کی بکریاں چراتے تھے۔ شام کو آپ عبداللہ ابن ابی بکر کے گھر سے کھانا پانی یہاں پہنچاتے تھے اور کفار مکہ کی حالات کی خبر روزانہ دیتے تھے۔ جب کفار مایوس ہو کر تھک گئے تب یہ دونوں حضرات اپنے ہمراہ ایک رہبر بنی عبد ابن عدی کو لے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہوئے۔ (خازن، روح البیان)

معجزہ عجیبہ: غار ثور اور راستے میں بہت معجزات دیکھنے میں آئے۔ ان میں سے ایک عجیب معجزہ وہ ہے جو روح البیان نے اس جگہ بیان کیا۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیق کو اس غار میں بہت سخت پیاس لگی۔ پانی موجود نہ تھا۔ حضور انور نے فرمایا جاؤ، غار کے گوشہ میں پانی پی لو۔ یہ گئے تو وہاں پانی کا چشمہ دیکھا جس کا رنگ دودھ سے زیادہ سفید شہد سے زیادہ میٹھا برف کی طرح ٹھنڈا مشک سے زیادہ خوشبودار تھا۔ آپ نے خوب جی بھر کر پیا۔ حضور نے فرمایا یہ کوثر کا چشمہ تھا جو اے ابوبکر تمہارے لئے اللہ نے یہاں بھیجا بذریعہ نہر۔ (۲) حضرت صدیق اکبر نے ان کفار کے چلے جانے کے بعد پوچھا یا رسول اللہ اگر یہ لوگ ہم کو اس وقت دیکھ لیتے تو ہم کہاں جاتے۔ حضور نے فرمایا وہاں جاتے یہ کہہ کر غار کے ایک گوشہ کی طرف اشارہ فرمایا۔ صدیق کی آنکھوں نے دیکھا وہاں سمندر کا کنارہ ہے جس میں کشتی لگی ہوئی ہے۔ (روح البیان) راستہ میں سراقہ ابن مالک کا واقعہ اور اس کے متعلق معجزات حضرت ام معبد کی جھونپڑی میں خشک بکری کے تھنوں سے دودھ نکالنا وغیرہ مشہور ہی ہیں۔ ان کے بیان کرنے سے بہت طویل ہو جاوے گا۔ اتنا سمجھ لو کہ سراقہ ابن مالک نے اس موقعہ پر حضور کی خدمت میں راستہ کے لئے کھانا پیش کیا جو منظور نہ فرمایا۔ ارشاد کیا کہ تم ادھر کسی کو نہ آنے دو تمہاری یہ خدمت کافی ہے اور اس سفر میں ایک شخص نے جو قریبی بستی کا تھا، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر کی خدمت میں جوڑے کپڑے پیش کئے جو قبول ہوئے اور اس کے لئے یہ قبولیت باعث صد افتخار ہوئی۔

حضرت عمر کا رشک: حضرت عمر فرمایا کرتے تھے کہ کاش میری ساری عمر کی نیکیاں حضرت صدیق کی رات کی اور ایک دن کی نیکیوں کی طرح ہو جائیں رات تو غار ثور کی رات دن حضور کی وفات کا دن جب کہ آپ نے اسلام نے ڈوبتی کشتی کو بچا لیا۔ مسئلہ خلافت طے فرما کر مسلمانوں میں خانہ جنگی نہ ہونے دی۔ دیکھو تفسیر خازن۔

www.alahazratnetwork.org

نوٹ ضروری: حضرت ابوبکر صدیق نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالیہ پر چالیس ہزار دینار خرچ کئے (روح البیان) رب نے فرمایا و وجدک عائلا فاغنی۔ اللہ نے حضور کو حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور صدیق کے مال کے ذریعہ غنی فرما دیا۔ اکثر علماء فرماتے ہیں کہ حرمین طیبین کے کبوتر اس کبوتری کی اولاد ہیں جس نے اس رات غار ثور کے منہ پر انڈے دیئے۔

تفسیر: الا تنصروہ اس فرمان عالی میں بھی الا حرف استثنیٰ نہیں بلکہ ان اور لا کا مرکب ہے۔ یعنی اگر نہیں۔ تنصروا میں خطاب یا تو ان صحابہ کرام سے ہے جن کو غزوہ تبوک میں جانے کا حکم دیا گیا یا تاقیامت مسلمانوں سے خطاب ہے۔ ہ کی ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے کیونکہ حضور انور کی مدد قرآن کی اسلام کی بلکہ رحمان کی مدد ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ گذشتہ آیت میں الا تنصروہ میں بھی ہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم تھے تاقیامت حضور کی مدد یہ ہے کہ ان کے دین کے علماء کی مشائخ کی قرآن مجید کی حضور ﷺ کی سنتوں سے خدمت کی جاوے۔ فقد نصرہ اللہ یہ عبارت الا تنصروہ (الخ) کی جزاء نہیں بلکہ پوشیدہ جزاء کی وجہ ہے۔ لہٰذا اس میں ف علت کی ہے یعنی اگر تم محبوب کی مدد نہ کرو گے تو اللہ ان کی مدد کرے گا کیونکہ اس نے محبوب کی ایسے نازک موقع پر مدد کی کہ اذ اخرجہ الذین کفروا یہ عبارت نصرہ اللہ کا ظرف ہے۔ نکالنے سے مراد حضور انور کو اس وقت پریشان کرنا ہے جس سے آپ مکہ معظمہ چھوڑنے وہاں سے ہجرت کر جانے پر مجبور ہو گئے۔ ورنہ حضور کو مکہ معظمہ سے ہجرت کرانے والا رب تعالیٰ تھا۔ حضور وہاں سے روانہ بھی رب کے حکم سے ہوئے تھے اور حضرت صدیق کو ساتھ بھی رب کے حکم سے لیا۔ الذین کفروا سے مراد وہ ہی ابوجہل وغیرہ کفار عرب ہیں جنہوں نے مسلمانوں پر ظلم توڑے حضور کو پریشان کیا۔ ثانی اثنین یہ فرمان عالی اخرجہ کی ضمیر سے حال ہے ثانی کے معنی ہیں دوسرا یعنی دو میں سے ایک نہ کہ دوسرے درجہ والا۔ اور اس سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اثنین سے مراد حضور انور اور صدیق اکبر ہیں۔ یعنی حضور اس حال میں وہاں سے روانہ ہوئے جب آپ صرف دو ہی تھے۔ ایک جناب صدیق دوسرے حضور انور۔ جب اس صورت میں رب نے ان کی مدد کی تو اب تو ان کے خدام بہت ہیں۔ کیا رب ان کی مدد نہ کرے گا۔

نکتہ: جب عدد کے اسم فاعل کی نسبت اپنے برابر والے عدد کی طرف ہو تو وہاں درجہ مراد نہیں ہوتا بلکہ اُن میں کا ایک جیسے ثالث ثلٰثۃ رابع اربعۃ یا ثانی اثنین اور اگر اپنے سے اونچے والے عدد کی طرف نسبت ہو تو مراد درجہ ہوتا ہے جیسے رابع خمسۃ یعنی پانچ میں سے چوتھے درجہ والا۔ یہاں پہلی صورت ہے جب حضور انور ان دو میں کے دوسرے ہوئے تو حضرت صدیق بھی دوسرے ہوئے۔ لطف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان میں تیسرا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور نے فرمایا یا ابابکر ما ظنک اثنین اللہ ثالثہما اس جماعت پر ہماری جانیں فدا جس میں ایک صدیق ہوں ایک رسول اللہ اور ایک خود اللہ تعالیٰ۔

شعر

خدا خود میر مجلس بود اندر لامکاں خسرو محمد شمع محفل بود شب جائے کہ من بودم

روش کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے حضرت صدیق اکبر کو نکالا۔ نکالنے کے وہ ہی معنی کہ پریشان کیا حتیٰ کہ یہ

www.alahazratnetwork.org

دونوں وہاں سے روانگی پر مجبور ہوئے۔ **اذ هما فی الغار** یہ فرمانِ عالی اذ اخرجه کا بدل بعض ہے (روح البیان) **هما** کا مرجع حضور انور اور حضرت صدیق اکبر ہیں۔ الغار سے مراد غارِ ثور ہے جو اب تک زیارت گاہِ خلق ہے۔ فقیر نے بھی اس کی زیارت کی ہے اسی سے ہے یارِ غار دلی دوست گہرے یار کو یارِ غار کہتے ہیں۔ **اذا یقول لصاحبه لا تحزن** یہ فرمانِ عالی اذ اخرجه کا دوسرا بدل ہے۔ یقول کا فاعل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ صاحب سے مراد ابوبکر صدیق ہیں جو حضور کے ہمیشہ کے ساتھی سفر حضر باہر گھر غارِ ثور حتیٰ کہ قبر و حشر کے ساتھی ہیں۔ حضور کا یہ فرمانِ عالی حضرت صدیق اکبر کے اس عرض کے جواب میں ہے کہ اگر کفار اس وقت اپنے قدم دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں۔ **خیال رہے** کہ حضرت صدیق اکبر کو اس وقت اپنا خوف تھا نہ اپنا غم۔ خوف تھا تو حضور کے متعلق غم تھا حضور کا کہ کفار آپ کو ایذا نہ پہنچائیں۔ اپنی جان پہلے ہی فدا کر چکے تھے کہ پاؤں میں سانپ سے کٹوا چکے یعنی ابوبکر تم میرا غم نہ کرو کیونکہ **ان اللہ معنا** یا **لا تحزن** اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ پھر ہم کو کیا پروا ہے یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ **خیال رہے** کہ رب تعالیٰ کی ہمراہی چند طرح کی ہے۔ (۱) قہر و غضب کی **وھو معھم یبیتون مالا یرضی من القول** جب کفار رات میں خفیہ سازشیں کرتے ہیں تو ہم ان کے ساتھ ہوتے ہیں یعنی ہمارا قہر و غضب۔ (۲) رحم و کرم کی **ان اللہ مع الصابرین** یعنی اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔ (۳) خاص مدد و نصرت اور قرب خصوصی یہاں یہ آخری معیت و ہمراہی مراد ہے معنا فرما کر یہ بتایا کہ اے ابوبکر اللہ تعالیٰ میرے ساتھ بھی ہے اور تمہارے ساتھ بھی۔ کیونکہ رب تعالیٰ میرے ساتھ بھی رہتا ہے اور میرے ساتھی کے ساتھ بھی اور جس نوعیت کی ہمراہی میرے ساتھ ہے میرے صدقہ سے اسی قسم کی ہمراہی تمہارے ساتھ جیسا قرب مجھے حاصل میری طفیل ویسا ہی قرب تم کو حاصل ہے۔ جہاں بادشاہ پہنچتا ہے وہاں ہی اس کے تن کے کپڑے پہنچتے ہیں۔ یہ تفسیر یاد رہے۔ اب غور کرو کہ جناب کلیم اللہ نے بنی اسرائیل کی گھبراہٹ کے وقت فرمایا تھا **ان معی ربی سیھدین** اور حضور نے فرمایا **ان اللہ معنا** ان کلاموں میں وہی فرق ہے جو ان متکلموں میں فرق ہے۔ **خیال رہے** کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا **لاتحزن علیھم** یا فرمایا **لایحزنک قولھم ان العزة للہ جمیعا** اور محبوب نے صدیق سے فرمایا۔ **لاتحزن** دونوں جگہ ایک ہی خطاب ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب کے محبوب اکبر ہیں اور حضرت صدیق حضور کے محبوب اکبر۔ جو نسبت حضور کو رب سے قرب کی ہے وہ ہی نسبت صدیق کو حضور سے ہے قرب کی۔ (روح المعانی) **فانزل اللہ سکینته علیه** اس فرمانِ عالی میں ف یا تو جزائیہ ہے اور یہ فرمان پوشیدہ شرط کی جزا یا ف علت کی یہ فرمان گذشتہ علت پر مبنی ہے سکینہ کی تفسیر بہت دفعہ ہو چکی کہ یا فرشتوں کی ایک خاص جماعت کا نام جن کے نزول سے دلوں کو تسکین ہوتی ہے یا غیبی تسلی و سکون ہے۔ علیه کا مرجع حضرت ابوبکر صدیق ہیں کیوں بے چینی انہیں کو تھی حضور کا قلب پاک تو پہلے ہی سے مطمئن تھا (روح البیان و معانی و کبیر وغیرہ) یعنی جب ہمارے محبوب نے صدیق سے یہ کہا تو اللہ نے صدیق کے دل پر سکون و چین اتار دیا محبوب کے اس فرمان کی وجہ سے رب تعالیٰ نے صدیق پر چین و سکون اتارا۔ حضرت ابن عباس کا یہی قول ہے کہ علیه سے مراد صدیق اکبر ہیں۔ (خازن) **و ایده بجنود لم تروھا** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے **فقد نصره اللہ** پر اور اس میں بدر و حنین کے واقعات کی طرف اشارہ ہے **انزل اللہ سکینته** پر

www.alahazratnetwork.org

معطوف نہیں (روح المعانی)۔ جنود سے مراد فرشتوں کے وہ لشکر ہیں جو بدر و حنین میں حضور کی خدمت مسلمانوں کی نصرت کے لئے اترے جنہیں عام طور پر صحابہ نے دیکھا خاص خاص نے انسانی شکل میں دیکھا یعنی اللہ نے بدر و حنین میں بھی اپنے حبیب کی مدد کے لئے فرشتے لشکر کے لشکر اتارے جنہیں تم اے صحابہ دیکھ نہ سکے۔ **و جعل کلمة الذین کفروا السفلیٰ** یہ عبارت گذشتہ سارے مضمون پر معطوف ہے۔ **الذین کفروا** سے مراد یا تو سارے کفار عرب ہیں یا سارے کفار مکہ۔ کلمہ سے مراد ان کے دلوں کے ارادے ان ارادوں کا زبان سے اظہار کہ ہم اسلام کو مٹا دیں گے ان کے دار الندوہ میں مشورے پھر ان کے یہ اعلان کہ جو کوئی ان دونوں حضرات کو قتل کرے یا گرفتار کر کے لائے اسے سو سو اونٹ دیئے جائیں گے۔ سفلی سے مراد ہے ناکام یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کے ارادے ان کی باتیں ان کے اعلانات کو نیچا کر دیا۔ **و کلمة الله هی العلیا** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ کلمۃ اللہ سے مراد یا کلمہ توحید ہے یا دین اسلام یا خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔ فقیر کے نزدیک آخری تفسیر قوی ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے **لیظهره علی الدین کله** حضور انور کلمۃ اللہ بھی ہیں اور کلمات اللہ بھی حضور انشاء اللہ اونچے ہیں اور اونچے رہیں گے۔ اور حضور کی سربلندی سے قرآن مجید اسلام کی سربلندی ہے اللہ انہیں ہمیشہ اونچا رکھے۔ **و الله عزیز حکیم**۔ یہ فرمان عالی گذشتہ سارے مضمون کی وجہ ہے یعنی یہ سب کچھ کیوں نہ ہو اللہ غالب بھی ہے حکمت والا بھی۔ وہ جسے غالب کرے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا اور جسے وہ غالب کرے اس میں اس کی حکمت ہوتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اگر تم میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت ان کی مدد نہ کرو گے تو ان کا نقصان کچھ نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ان کی غیب سے مدد فرمائے گا کیونکہ وہ تو ان کی مدد ایسے نازک وقت میں کر چکا جبکہ کفار مکہ نے انہیں ہجرت کرنے پر مجبور کیا اور آپ اس حال میں مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے کہ صرف دو تھے۔ ایک ابوبکر صدیق اور ایک یہ محبوب جب وہ اس حالت میں غار ثور میں تھے صدیق نے غار کے دروازے پر کفار مکہ کا ہجوم دیکھ کر حضور کی جان پاک پر خطرہ محسوس فرما کر عرض کیا یا رسول اللہ اگر یہ لوگ اپنے پاؤں کی طرف دیکھیں تو ہم کو دیکھ لیں وہ اپنے رفیق غار سے فرمانے لگے غم نہ کر ہمارے دونوں کے ساتھ اللہ ہے۔ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد ہو اس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ محبوب کے یہ فرماتے ہی رب نے صدیق پر غیبی سکون قلبی اتارا۔ جس سے ان کی بے چینی و بے قراری جاتی رہی۔ اس کے علاوہ رب نے جنگ بدر و حنین وغیرہ میں اپنے حبیب کی ایسے غیبی لشکروں (فرشتوں) سے مدد فرمائی جن کو تم نہ دیکھ سکے۔ اللہ نے کفار کے ارادے ان کی باتیں ان کی کوششیں نیچی کر دیں اللہ کا کلمہ محمد رسول اللہ اور ان کا دین دائمی اونچا ہے۔ کیوں نہ ہو۔ اللہ ان کا حامی ہے اور وہ غالب حکمت والا ہے جس کی مدد وہ کرے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا۔

فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ: ساری امت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر اجماع ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں کچھ مٹھی بھر لوگوں کا اسے نہ ماننا اجماع امت کے خلاف نہیں۔ جیسے آج بعض کلمہ گو حضور کو نبی نہیں مانتے اس سے یہ لازم نہیں کہ حضور کے خاتم النبیین یعنی آخری نبی ہونے پر امت کا اجماع نہیں۔ ہم برکت

www.alahazratnetwork.org

حاصل کرنے کے لئے ان جناب کے کچھ فضائل بیان کرتے ہیں۔ آپ کے افضل الخلق ہونے پر بہت آیات ہیں۔ احادیث تو بے شمار ہیں۔ آیات ملاحظہ ہوں (۱) ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعۃ اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے آپ کو فضل یعنی بزرگی والا فرمایا اور منکم میں سارے صحابہ اہل بیت سے خطاب ہے جس سے معلوم ہوا کہ آپ سارے صحابہ و اہل بیت سے افضل ہیں۔ (۲) وسیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی رب نے آپ کو اتقی فرمایا یعنی بعد انبیاء ساری خلقت سے بڑے متقی۔ (۳) ولسوف یرضی اس آیت کریمہ میں رب نے وعدہ فرمایا کہ وہ حضرت صدیق کو اتنا دے گا کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ یہ ہی ارشاد عالی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہے۔ ولسوف یعطیک ربک فترضی۔ (۴) ستدعون الی قوم اولی باس شدید اس آیت کریمہ میں رب العالمین نے اس جہاد یمامہ کے متعلق خبر دی جو حضرت صدیق کے خلاف مسیلمہ کذاب سے ہوا۔ (۵) یہ ہی آیت کریمہ ثانی اثنین اذھما فی الغار اس آیت کریمہ میں حضرت صدیق کے کئی فضائل ارشاد ہوئے وہ رسول اللہ کے ثانی ہیں کیونکہ جب حضور انور کو ثانی فرمایا تو یقیناً وہ بھی ثانی ہوئے۔ وہ حضور انور کے سچے صحابی ہیں یعنی ان کی صحابیت قطعی اور قرآنی آیت سے ثابت ہے اور اللہ تعالیٰ جیسے کرم سے حضور انور کے ساتھ رہے حضور کے صدقہ حضرت صدیق کے بھی ساتھ رہے۔ ان اللہ معنا اس کے علاوہ دوسرے دلائل حسب ذیل ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے اس ہجرت میں حضور کی ہمراہی کے لئے آپ کو منتخب فرمایا۔ اس ہجرت کے سارے معاملات رب کی طرف سے ہی تھے۔ جس ذات کو رب تعالیٰ اپنے محبوب کی اس خاص ہمراہی کے لئے منتخب کرے وہ کس شان کا مالک ہوگا۔ (۲) آپ حضور انور سے کسی جہاد کسی سفر حضر میں جدا نہ ہوئے ہر جگہ ہر وقت سایہ کی طرح ساتھ رہے حتیٰ کہ قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ یہاں روح البیان نے فرمایا کہ حضرت صدیق عالم ارواح میں حضور کے ثانی رہے کہ پہلے حضور کا نور پیدا ہوا پھر آپ کی روح۔ غار میں ثانی خلافت میں ثانی قبر میں ثانی، قیامت میں قبر سے اٹھنے میں ثانی اور بعد انبیاء جنت کے دخول میں اول۔ (۳) حضرت اول مومنین ہیں کہ حضور انور پر سب سے پہلے آپ ایمان لائے (خازن) (۴) آپ کی تبلیغ سے حضرت عثمان، طلحہ، زبیر آپ کے ہاتھ پر ایمان لائے۔ آپ ہی ان کو حضور انور کی خدمت میں لے گئے۔ (خازن) (۵) مرض وفات شریف میں حضور انور ﷺ نے آپ کو ہی اپنے مصلے پر امامت کے لئے کھڑا کیا اور امام سب سے افضل ہونا چاہئے۔ (۶) رب کی طرف سے آپ پر سکینہ نازل ہوا۔ یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ (۷) آپ چار پشت کے صحابی ہیں۔ یہ شرف صرف آپ کو حاصل ہے۔ ماں باپ صحابی، خود صحابی، ساری اولاد صحابی، پوتے نواسے صحابی، جیسے یوسف علیہ السلام چار پشت کے نبی ہیں۔ آپ نے ہی مسجد نبوی شریف کی زمین خرید کر وقف کی جس میں محراب النبی، منبر، ریاض الجنۃ، روضہ رسول ہے (حاشیہ ابن ماجہ) پچاس دینار میں خریدی اور وقف کی۔ (۸) آپ نے سارا مال حضور انور پر اور اسلام پر خرچ کر دیا۔ جب اسلام لائے تو چالیس ہزار دینار یعنی ایک لاکھ روپیہ کے مالک تھے۔ جب ہجرت میں حضور ﷺ کے ساتھ گئے تو چند پیسے اپنے ہمراہ تھے وہ بھی راستہ میں حضور پر خرچ کرنے کے لئے۔ غار ثور میں جسم کے کپڑے بھی نہ رکھے۔ وہ بھی پھاڑ

www.alahazratnetwork.org

پھاڑ کر وہاں کے سوراخ بند کئے۔ غزوۂ تبوک میں گھر میں جھاڑو دے دی سب کچھ حضور ﷺ پر فدا کر دیا۔ (۹) آپ نے ہی اپنی جان حضور ﷺ پر فدا کر دی۔ غار ثور میں کہ پاؤں سانپ سے کٹوالیا۔ (۱۰) آپ نے ہی حضرت بلال اور عامر ابن فہیرہ جیسے شاندار حضرات کو خرید کر آزاد کیا۔ یوں سمجھو کہ ہم سب مسلمانوں کے حضرت بلال آقا اور آپ حضرت بلال کے آقا۔ عامر ابن فہیرہ وہ ہیں کہ جب آپ شہید ہوئے تو آپ کی لاش آسمان پر اٹھالی گئی۔ (بخاری جلد دوم ص ۵۸۷)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: فعل کی نسبت اس کے سبب کی طرف کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ اخرجه الذین کفروا سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور ﷺ کو کفار مکہ نے مکہ معظمہ سے تو نہ نکالا اور نہ نکالنا چاہا وہ تو حضور کو شہید کرنا چاہتے تھے مگر رب نے فرمایا کہ انہیں کفار نے نکالا کیونکہ وہ اس خروج کا سبب تھے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی ساری نعمتیں حضور دیتے ہیں کیونکہ حضور انور سب کا سبب ہیں۔

دوسرا فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رسول اللہ کے ثانی ہیں اور اسلام کے پہلے خلیفہ اور ساری امت رسول میں سب سے افضل ہیں۔ یہ فائدہ ثانی اثنین سے حاصل ہوا کیونکہ ایک اور دو کے درمیان کوئی عدد نہیں ہوتا تو حضور اور صدیق کے درمیان کوئی خلیفہ کیسے ہوسکتا ہے۔

تیسرا فائدہ: سارے صحابہ حضور انور کے عام صحابی ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق حضور کے خاص صحابی اور غار کے یار ہیں۔ یہ فائدہ اذ هما فی الغار سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے جیسے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بدرجہ اولیٰ سے محفوظ ہیں ایسے ہی حضرت صدیق بھی۔ یہ فائدہ ان اللہ معنا سے حاصل ہوا کیونکہ جس نوعیت سے رب تعالیٰ حضور کے ساتھ ہے اسی نوعیت سے حضرت صدیق کے ساتھ اس لئے حضرت کلیم اللہ نے فرمایا تھا کہ ان معی ربی یہ نہ کہا ان معنا ربی کیونکہ ان کے ساتھی اسرائیلوں میں کچھ سرکش بھی تھے جس کے ساتھ رب ہو وہاں بھٹکنا نہیں آ سکتا۔

چھٹا فائدہ: اگر رب کرم کرے محبوب اکرم کو مکڑی کے جالہ اور کبوتری کے انڈوں کے ذریعہ خطرناک دشمنوں سے بچالے اور اگر اس کا قہر ہو تو فرعون کو اس کے محل کی مضبوط دیواریں غرق ہونے سے نہ بچاسکیں۔

ساتواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ سے اونچے ہیں اور اونچے رہیں گے۔ جو انہیں نیچا کرنا چاہے وہ خود نیچا ہوگا۔ یہ فائدہ کلمته الله هی العلیا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ کلمۃ اللہ سے مراد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہوں۔

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کو ہجرت میں اپنے ساتھ اس لئے لیا کہ آپ کو خطرہ تھا کہ اگر یہ مکہ معظمہ میں رہ گئے تو کفار کو ہجرت کی خبر کر دیں گے اور مجھے شہید کرانے کی کوشش کریں گے ان کے شر سے بچنے کے لئے اپنے ہمراہ لے لیا نعوذ باللہ (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ خوارج ملاعنہ کہتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

حضور انور نے اس رات حضرت علی کو اپنے بستر پر اس لئے لٹایا کہ وہ کفار کے ہاتھوں قتل ہو جاویں اور حضور کو ان کے شر سے امن ملے (روح المعانی) یا خوارج کہتے ہیں کہ حضرت علی نے فاطمہ زہرا کو رات میں خفیہ طور پر اس لئے دفن کر دیا کہ انہوں نے حضرت فاطمہ کے رونے سے تنگ آ کر انہیں زہر دے کر مار دیا اور یہ قتل حکومت سے چھپانے کے لئے رات میں بغیر کسی کو اطلاع دیئے دفن کر دیا۔ (نعوذ باللہ) **فما ھو جوابکم فھو جوابنا**۔ شعر

چشم بد اندیش کہ برکندہ باد — عیب نماید ہنرش در نظر

خدا کرے دشمن کی آنکھ پھوٹ جاوے کہ اس کی نظر میں ہنر بھی عیب ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ایسے خطرناک حالت زار پر دشمن کو خبر بھی نہیں کرتے۔ چہ جائیکہ اسے ساتھ لیا جائے۔ ایسے نازک موقعہ پر انتہائی مخلص کو ساتھ لیا جاتا ہے اگر حضرت صدیق حضور کے دشمن تھے تو آپ غار ثور کے اندر سے باہر کھڑے کفار کو پکار کر بتا دیتے کہ حضور یہ ہیں یا اپنے گھر والوں سے کہہ جاتے کہ تم کفار کو یہ خبر دے دینا۔ (نعوذ باللہ)

دوسرا اعتراض: لصاحبہ فرمانے سے حضرت صدیق کی نہ تو صحابیت ثابت ہوتی ہے نہ اس میں کوئی عظمت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے یا صاحبی السجن اے میرے قید کے دو ساتھیو۔ دیکھو کافر قیدیوں کو حضرت یوسف نے صاحبی یعنی اپنا ساتھی فرمایا کیا وہ صحابی ہو گئے۔ ایک جگہ ارشاد ہے **اذ یقول بصاحبہ و ھو یحاورہ انا اکثر مالا وولدا** دیکھو وہاں کافر کو مومن کا ساتھی کہا گیا۔ ارشاد ہے **مایکون من نجوی ثلثۃ الا ھو رابعھم ولا خمسۃ الا ھو سادسھم** دیکھو رب تعالیٰ نے اپنے کو ان تین کافروں کا چوتھا اور پانچ کافروں کا چھٹا فرمایا۔ اس سے وہ کفار مومن یا ولی نہ بنے (روافض)

جواب: اس اعتراض کے بہت جواب تفسیر کبیر اور روح المعانی و خازن وغیرہ نے دیئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں گزرے کہ رب تعالیٰ کی ہمراہی قہر و غضب کی بھی ہوتی ہے علم و قدرت کی بھی اور رحم و کرم کی بھی اور مدد و نصرت و مقرب خاص کی بھی۔ یہاں آخری ہمراہی مراد ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حضور انور نے اس معیت میں اپنے ساتھ صدیق کا ذکر فرمایا۔ ان اللہ معنا یعنی جس نوعیت سے رب تعالیٰ میرے ساتھ ہے اسی نوعیت سے صدیق کے

ات رب تعالیٰ اپنے حبیب کے ساتھ کس نوعیت

ساتھ بھی ہے۔ بتاؤ

ئی ہر طرح کا ساتھی فرمایا۔ روش کلام دیکھنے کی ضرورت ہے۔

حضور کا ساتھی جیسی دلی

رت ابوبکر کو اس وقت غار میں اپنی جان کا بڑا خطرہ تھا اور حضور سے کہتے تھے کہ اب کیا کروں۔ حضور

تیسرا اعتراض:

ﷺ کی فکر نہ تھی۔

جان تو حضور پر پہلے ہی نچھاور کر چکے تھے کہ سانپ سے پاؤں میں کٹوا چکے تھے۔ اگر اپنی جان کا

جواب: غلط ہے۔

والے غار میں اکیلے داخل نہ ہو جاتے خطرہ حضور کی جان کا تھا۔ یہ خطرہ بھی اعلیٰ درجے کی عبادت

خطرہ ہوتا تو ایک وحش

ہے

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: اگر یہ خطرہ برا تھا تو صدیق اکبر کو ہوا کیوں اور اگر اچھا تھا تو حضور انور نے اس سے منع کیوں فرمایا۔ فرمایا لاتحزن کیا اچھی چیز سے بھی روکا جاتا ہے۔ (روافض)

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو جادوگروں کے بنائے ہوئے سانپوں سے خوف ہوا۔ **فاوجس فی نفسہ خیفۃ موسی** رب نے فرمایا **قلنا لا تخف انک انت الاعلی** کہ ڈرو مت غالب تم ہی رہو گے۔ حضرت موسیٰ و ہارون کو فرعون سے خوف ہوا عرض کیا **اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی** ہم کو ڈر لگتا ہے کہ فرعون ہم پر زیادتی کرے گا۔ رب نے فرمایا **لا تخافا اننی معکما** تم دونوں ڈرو مت ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم کے ہدایت پر نہ آنے سے غم ہوتا تھا تو رب نے **لایحزنک قولھم** بتاؤ یہ خوف و رنج اچھا تھا یا برا، اگر برا تھا تو حضرت کلیم و حبیب کو ہوا کیوں۔ اگر اچھا تو رب تعالیٰ نے اس سے منع کیوں فرمایا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ ممانعت شرعی نہیں بلکہ تسکین و تسلی کی ہے وہ خطرہ بھی اچھا اور یہ تسلی و تسکین بھی اچھی۔

پانچواں اعتراض: اللہ تعالیٰ نے سکینہ حضور انور پر اتارا تھا نہ کہ صدیق اکبر پر۔ سکینہ میں ہ کی ضمیر حضور کی طرف ہے۔

جواب: بے قراری اور بے چینی حضرت صدیق کو ہی تھی نہ کہ حضور انور کو۔ جسے بے چینی تھی اس پر سکون اتارنا چاہیے۔ مولانا عطار فرماتے ہیں۔ شعر

خواجہ اول کہ اول یار اوست   ثانی اثنین اذ ہما فی الغار اوست
چوں سکینہ شد زحق منزل بود   گشت مشکل ہاء عالم حل مراد

لطیفہ: اس جگہ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ عجمی روافض اپنے لبادہ میں سر کی جانب سنہری روپہلی دھاریاں لگاتے ہیں۔ اس عقیدے سے کہ یہ اس سانپ کی شکل ہے جس نے حضرت صدیق کو غار میں ڈسا تھا۔ فقیر نے بھی اونجا، سدہ پور اور علاقہ گجرات و کاٹھیاواڑ کے روافض بھوروں کو دیکھا کہ وہ گول ٹوپی پہنتے ہیں جس میں پیلی اور کالی دھاریاں ہوتی ہیں۔ شاید اس سانپ کی صورت بنا کر پہنتے ہوں۔ واللہ اعلم۔ محمد بن ابوبکر کی تعظیم کرتے ہیں کہ ان کے متعلق لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ انہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا۔ ابن لولو یہود جو حضرت عمر کا قاتل ہے اس کا احترام کرتے ہیں۔ یہ ہے توہم پرستی۔ رب تعالیٰ بغض صحابہ سے بچائے۔

تفسیر صوفیانہ: صاحب یعنی ساتھی بہت قسم کے ہیں۔ کاروبار کا ساتھی، سفر کا ساتھی، حضر کا ساتھی پھر جسم کا ساتھی، دل کا ساتھی، خیال کا ساتھی، جان کا ساتھی، ایمان کا ساتھی، پھر مقبولوں کا ساتھی، اللہ کے محبوب کا ساتھی، اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق کو اپنے محبوب کی بہت قسم کی ہمراہیاں عطا فرمائیں۔ آپ حضور کے جان و ایمان ابدان کے ہمیشہ سے ہمیشہ تک ساتھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار صحابیوں کو چار صفات کا مظہر اتم بلکہ سرچشمہ بنایا۔ رفاقت، عدالت، سخاوت، عبادت۔ رفاقت صدیق کو، عدالت فاروق کو، سخاوت عثمان ذی النورین کو اور عبادت علی حیدر کرار کو علی وجہ الاتم عطا فرمائیں۔ حضور انور کی رفاقت کی برکت سے حضرت صدیق کو اللہ کی معیت اور نزول سکینہ بلندی سب کچھ ہی میسر ہو گیا۔ جو حضور انور کا ہو گیا سب کچھ اس کا ہو

www.alahazratnetwork.org

گیا۔ جو ان سے دور ہوا سب سے الگ ہو گیا۔ حضور کلمۃ اللہ ہیں کہ ان کی ہر بات رب کی بات ہے۔ ان کی ہر ادا رب تعالیٰ کی ادا ہے حضور ہی ہمیشہ اونچے ہیں اور ہوں گے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق غار میں حضور کے ساتھ خلوت میں ایسے رہے جیسے حضور انور معراج میں اپنے رب کے ساتھ قاب قوسین پر۔ یہ نماز حضرت صدیق کی معراج تھی رب نے حبیب سے خلوت کرنی تھی تو تمام فرشتوں کو ہٹادیا۔ حضور انور نے صدیق سے خلوت کرنی تھی تو سب کو ہٹادیا۔ یا ان اللہ معنا میں اس طرف اشارہ ہے کہ ہم تم اور اللہ تعالیٰ ازل میں بھی ساتھ رہے اور ابد میں بھی ساتھ ہوں گے۔ اس ہمراہی کا اثر یہ ہوا کہ صدیق زندگی و موت میں کبھی حضور سے جدا نہ ہوئے۔ یہ غار اس وقت عرش سے افضل تھا۔ یہ جگہ معراج صدیق کی تھی۔ شعر

یا طالب اللہ فی العرش الرفیع بہ   لا تطلب العرش ان الجد الغار

یعنی اے اللہ کو عرش پر ڈھونڈنے والے وہ تو اس غار میں ملتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا ان معی ربی حضور نے کہا ان اللہ معنا ان دونوں کلاموں میں زمین آسمان کا فرق۔ حضرت موسیٰ کے ساتھ اللہ کی ربوبیت تھی ان دونوں کے ساتھ اللہ کی ذات جامع صفات۔ وہاں صرف موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہاں دونوں کے ساتھ۔ رب تعالیٰ نے حضور پر سکینہ اتارا صدیق کے لئے اگر بلاواسطہ صدیق پر اترتا تو نہ صدیق رہتے نہ ان کا قلب نہ گھبراہٹ۔ سکینہ حضور پر اترا اس کی شعاع صدیق پر جس سے صدیق بھی قائم رہے۔ ان کا دل بھی مگر ان کا خوف و غم ختم ہو گیا۔ (روح المعانی)

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّ ثِقَالًا وَّ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ
نکلو تم لوگ ہلکے اور بھاری اور جہاد کرو تم ساتھ مالوں کے اپنے اور جانوں کے اپنے
کوچ کرو ہلکی جان سے بھاری دل سے اور اللہ کی راہ میں لڑو
سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾
راستے میں اللہ کے یہ بہتر ہے واسطے تمہارے اگر ہو تم جانتے
اپنے مال اور جان سے یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر جانو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ رسول تم سے تمہاری مدد سے بے نیاز ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ تم سب ان کے حاجت مند ہو لہٰذا اٹھو جہاد کے لئے کمر باندھو۔ گویا اللہ رسول کی بے نیازی کے بعد ہم سب کی نیازمندی کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ اگر چاہے تو مکڑی اور کبوتری کے ذریعہ اپنے رسول اور ان کے دین کی حفاظت فرمائے۔ اب ارشاد ہے کہ اس کی نظر انتخاب تم پر پڑی کہ تم اٹھو اور دین کی حفاظت کے لئے جہاد کے لئے نکلو گویا دو کمزور چیزوں کی خدمت کے بعد کمزور انسانوں کی خدمت کا حکم دیا جا رہا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کلمۃ اللہ یعنی محمد رسول اللہ بلند و بالا ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم بھی بلندی اور سرفرازی چاہتے ہو تو بلند و بالا محبوب کی خدمت کے لئے جہاد کرو اونچے ہو جاؤ گے۔

تفسیر: انفروا خفافا و ثقالا اس فرمانِ عالی کی بہت تفسیریں ہیں نہایت آسان اور قوی تفسیر یہ ہے کہ انفروا میں خطاب انہیں حضرات صحابہ سے ہے جن کو غزوہ تبوک جانا حالات کے لحاظ سے کچھ بھاری معلوم ہوا تھا کہ موسم گرم تھا کھجوریں توڑنے کا زمانہ تھا۔ سفر دراز تھا اور انفروا سے مراد ہے غزوۂ تبوک کی طرف روانہ ہونا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعلان اور فرمان پر کہ جس کو حکم روانگی ہو وہی بے تامل روانہ ہو جائے۔ خفافا و ثقالا میں واؤ اپنے معنی میں ہے بمعنی او نہیں ہے۔ خفافا سے مراد جان سے ہلکے پھلکے ہو کر جس سے یہ سفر نہایت آسانی سے طے ہو ثقال سے مراد ہے دل سے بھاری و مضبوط و بہادر ہو کر۔ خفاف جمع ہے خفیف کی اور ثقال جمع ہے ثقیل کی جیسے کریم جمع ہے کرام مطلب یہ ہے کہ اے جماعت صحابہ ہمارے حبیب کے فرمان ان کے حکم اور اعلان پر غزوۂ تبوک کی طرف روانہ ہو جاؤ اس طرح کہ تم پر سفر ہلکا ہو اور تم کفار پر بھاری ہو۔ اس تفسیر سے یہ فرمانِ عالی نہ تو کسی آیت سے منسوخ ہے بلکہ محکم ہے اور اس پر یہ اعتراض کہ حضور انور نے حضرت علی اور بعض دوسرے حضرات کو تبوک کے موقع پر مدینہ منورہ میں کیوں چھوڑا۔ جب سب پر وہاں جانا فرض تھا۔ بعض مفسرین نے خفافا و ثقالا کے معنی کئے کہ جوان ہو یا بوڑھے غریب ہو یا امیر سوار ہو یا پیدل بیمار ہو یا تندرست۔ تمہارا دل چاہے یا نہ چاہے فارغ ہو یا کاروبار میں مصروف اکیلے ہو یا گھر بار والے وغیرہ بہرحال جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ اور وہ فرماتے ہیں کہ یہ فرمانِ عالی ان آیات سے منسوخ ہے لیس علی الاعمی حرج ولا علی المریض حرج اور اس سے کہ لیس علی الضعفاء ولا علی المرضی اور اس سے کہ ما کان المومنون لینفروا کافة اور اس سے کہ دیکھو۔ یہ بعض مفسروں کا مسلک ہے۔ دیکھو تفسیر خازن روح المعانی و بیان وکبیر وغیرہ مگر یہ قوی نہیں کیونکہ وہ آیات پہلے کی ہیں اور یہ آیت کریمہ بعد کی کہ غزوہ تبوک کے موقع پر نازل ہوئی جو حضور انور کا آخری غزوہ ہے۔ پھر وہ آیات اس آیت کی ناسخ کیسے ہو سکتی ہیں۔ نیز حضور انور نے غزوۂ تبوک کے موقع پر کئی حاجیوں اور عورتوں بچوں کو مدینہ منورہ میں چھوڑا اگر سب پر جانا واجب ہوتا تو بعض کو کیوں چھوڑا جاتا۔ و جاھدوا باموالکم و انفسکم یہ فرمانِ عالی اگرچہ انفروا (الخ) پر معطوف ہے مگر اس کا تتمہ ہے جو روانگی کا مقصد بیان فرما رہا ہے یعنی کس لئے نکلو اپنے مالوں اور جانوں سے کفار سے جنگ کرنے کے لئے۔ خیال رہے کہ اس فرمانِ عالی کا مقصد یہ ہے کہ اگر تم مال و جان دونوں سے جہاد کر سکتے ہو کہ تندرست بھی ہو اور مالدار بھی تو دونوں سے جہاد کرو اگر فقط مال سے جہاد کر سکتے ہو کہ تم ہو تو امیر مگر بیمار تو مال سے جہاد کرو کہ کسی غازی کو سامانِ جہاد دے دو جس سے وہ جہاد کرے۔ اگر صرف جان سے جہاد کر سکتے ہو کہ تم خود غریب ہو مگر تندرست ہو تو عثمان غنی جیسے سخیوں کریموں کے مال کی مدد سے جہاد کرو۔ صرف مال اور صرف جان سے نہ کرو اور یہ حکم صرف تندرست اور امیروں کے لئے ہو تو اسے منسوخ ماننا پڑے گا حالانکہ یہ محکم ہے۔ فی سبیل اللہ۔ یہ فرمانِ عالی جاھدوا کے متعلق ہے کہ تمہارا جہاد غنیمت حاصل کرنے، ملک جیتنے اپنی ناموری کے لئے نہ ہو صرف خدمت دین کے لئے ہو۔ عمل جہاد سے پہلے نیت خیر ہو یہی جہاد عبادت ہے کہ یہ جہاد رب تک

www.alahazratnetwork.org

پہنچنے کا ذریعہ ہے، اس لئے اسے سبیل اللہ یعنی اللہ کا راستہ فرمایا گیا۔ ذلکم خیر لکم یہ فرمان نیا جملہ ہے جس میں جہاد کے نفعے بتائے گئے۔ ذالکم سے اشارہ سارے مذکورہ احکام کی طرف ہے خیر سے مراد بذات خود خیر ہے یا کسی کے مقابل خیر یعنی حقیقی خیر یا اضافی خیر یعنی جہاد تمہارے لئے دنیا و آخرت میں اچھا ہے کہ اس سے تم دنیا میں عزت والی قوم ہو گے۔ اللہ کا دین پھیلے گا، دشمنان دین دبیں گے تم آزادی سے اللہ کی عبادت کرسکو گے یا جہاد کی مشقتیں گھر بیٹھنے کے آرام سے اچھی ہیں کہ اس میں تن کو آرام اور جان و دل دین و ایمان کی تکلیف ہے۔ تن پروری سے دین پروری بہتر ہے۔ ان کنتم تعلمون۔ یہ جملہ علیحدہ ہے جس کی جزاء پوشیدہ ہے۔ یعنی اگر تم جہاد کی حکمتیں جانتے ہو تو اس میں سستی کیوں کرتے ہو۔ اٹھو کمر ہمت باندھو۔

خلاصہ تفسیر: اے جماعت صحابہ ہمارے نبی کے فرمان پر اس طرح غزوۂ تبوک کے لئے روانہ ہو جاؤ کہ تم پر سفر اور جہاد کی تمام مشکلیں آسان ہوں۔ ہلکے ہوں اور تم کفار پر بھاری ہو۔ اس طرح نکل کر تبوک میں پہنچو اور اللہ کی راہ میں اپنے ہر قسم کے مال اور جانوں سے جہاد کرو۔ جو مال سے کرسکتا ہے وہ مال سے جہاد کرے جو صرف جان سے کرسکتا ہے تو جان سے کرے جو دونوں سے کرسکتا ہے وہ دونوں سے کرے یہ جہاد اور اس کا ثواب تمہارے لئے بہت ہی بہتر ہے اگر تم اس راز کو جانتے ہو۔ اس پر تمہارا ایمان ہے تو سستی چھوڑو اور جہاد کے لئے روانہ ہو جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن ام کلثوم نابینا صحابی بھی یہ آیت سن کر ہتھیار بند ہو کر حاضر بارگاہ ہو گئے تھے۔ جہاد میں جانے کے لئے حضور انور کے حکم سے رکے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کسی جہاد میں گھر میں نہ بیٹھے۔ حضرت صفوان ابن عمرو فرماتے ہیں کہ میں حمص کا حاکم تھا۔ ایک غزوہ میں میں نے ایک ایسے بوڑھے کو جہاد میں جاتے دیکھا جس کی بھویں اس کی آنکھوں پر پلٹ کر گر گئی تھیں۔ میں نے پوچھا بڑے میاں تم جہاد کیسے کرو گے۔ مگر وہ نہ مانے جہاد میں گئے۔ حضرت سعید ابن مسیب کی ایک آنکھ شہید ہو چکی تھی مگر پھر بھی جہاد میں جاتے تھے اور کہتے تھے اگر میں جہاد نہ کرسکا تو کم از کم مجاہدین کی جماعت میں اضافہ تو کردوں گا۔ ان کے سامان کی رکھوالی کروں گا۔ یہ ہیں صحابہ کرام کی جاں بازیاں (تفسیر کبیر وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جب غازی جہاد میں جائے تو اس سفر کی ہر شدت کو ہلکا جانے۔ کسی تکلیف پر رب کی شکایت نہ کرے۔ شکر کرے تو انشاء اللہ وہ اگرچہ کمزور ہو مگر مقابل پر بھاری ہوگا اس کی ہیبت دشمن کے دل میں قدرتی ہوگی۔ یہ فائدہ خفافا و ثقالا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: جہاد صرف مال یا صرف جان سے نہیں ہوتا بلکہ دونوں سے ہوتا۔ جو اللہ نصیب کرے۔ مجبور و کمزور آدمی کسی غازی کو سامان جہاد دے دے یہ جہاد بالمال ہے۔ یہ فائدہ جاھدوا الکم و انفسکم سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اسی جہاد پر ثواب ہے جو فی سبیل اللہ ہو یعنی نہ تو غنیمت حاصل کرنے کے لئے ہو نہ ملک و عزت کے لئے صرف خدمت دین کے لئے ہو۔ اگر نیت خیر ہو تو رب تعالیٰ غنیمت ملک عزت سب کچھ دے دیتا ہے۔ ثواب اس کے علاوہ۔

یہ فائدہ فی سبیل اللہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: جہاد کے لئے سفر کرنا عبادت ہے۔ اگر کوئی شخص جہاد کے لئے گیا مگر جہاد نہ ہوا تو بھی وہ ثواب پائے گا۔ یہ فائدہ انفروا سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: عام مفسرین نے اس آیت کریمہ کے یہ معنی کئے ہیں کہ بیماری، تندرستی، خوشی ناخوشی ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنا ضروری ہے۔ ان کی تفسیر سے لازم آتا ہے کہ ہر مسلمان پر ہر حال میں جہاد کے لئے نکلنا فرض ہے۔ حالانکہ مسئلہ یہ نہیں ہے۔ وہ حضرات اس کا کیا جواب دیں گے۔

جواب: ان میں سے اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کی ناسخ آیات ہم تفسیر میں بیان کر چکے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ حکم اس وقت کے لئے جبکہ کفار کا دباؤ بہت بڑھ جائے اور جہاد فرض عین ہو جائے اس پر ہر مسلمان کو ہر حال میں نکل کھڑا ہونا فرض ہو جائے۔ عام حالات کا یہ حکم نہیں جبکہ جہاد کفایہ ہو مگر اس کی قوی تفسیر وہ ہی ہے جو فقیر نے ابھی عرض کی کہ اس صورت میں واؤ اپنے معنی میں رہتا ہے بمعنی آؤ نہیں ماننا پڑتا اور کوئی اعتراض بھی نہیں پڑتا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مال اور جان دونوں سے جہاد کیا جاوے تو جو شخص صرف مال یا صرف جان سے جہاد کر سکے اس پر جہاد فرض ہی نہ ہو۔

جواب: واؤ جمع کے لئے ہے نہ کہ بمعنی مع یعنی مال سے بھی جہاد کرو اور جان سے بھی، جو میسر ہو۔ جیسے میں کہوں کہ زید اور عمر کو بلا لاؤ، اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ان میں سے ایک ملے، دوسرا نہ ملے تو نہ بلاؤ۔ مطلب وہ ہی ہوتا ہے کہ زید کو بھی بلاؤ اور عمر کو بھی۔ رب فرماتا ہے۔ انما الصدقات للفقراء و المساکین اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر یہ آٹھوں مصرف نہ ملیں تو زکوۃ دو ہی نہیں۔ مطلب وہ ہی ہے کہ فقیر کو بھی غریب کو بھی۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جہاد میں نکلنا بیٹھ رہنے سے اچھا ہے ذلکم خیر لکم جہاد سے بیٹھ رہنا تو برا ہے اس میں خیر ہے ہی نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ خیر کے دو معنی ہیں ایک نفسہ اچھی چیز جس میں دوسری جز کا لحاظ نہ ہو جیسے رب فرماتا ہے وانہ یحب الخیر لشدید یا موسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی رب لما انزلت الی من خیر فقیر اہل عرب کہتے ہیں الثرید خیر من اللہ ثرید کھانا رب کی طرف سے خیر ہے۔ دوسرے جز اضافی یعنی دوسرے سے اچھی جیسے الصلوۃ خیر من النوم یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جہاد بذات خود اچھا ہے اور ہو سکتا ہے کہ دوسرے معنی میں ہو یعنی گھر میں آرام کرنے سے جہاد کی مشقتیں بہتر ہیں کیونکہ یہ آرام عارضی ہے اس کا نتیجہ خطرناک۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر صوفیانہ: اے مسلمانو! اپنے رب کی اطاعت کی طرف چلو۔ اس طرح کہ روحانی طور سے ہلکے ہو۔ جنانی (دلی) طور سے بھاری یا جنانی (دلی) طور سے ہلکے ہو۔ جسمانی طور سے بھاری یا دنیاوی محبتوں سے ہلکے اور خالی ہو اور امانات معرفت سے بوجھل یا طاعت سے ہلکے ہو اور مخالفت سے بھاری و خالی اور اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد کرو کہ اللہ کے لئے

www.alahazratnetwork.org

ان کو خرچ کرو یہ تمہارے لئے دونوں جہان میں اچھا ہے (روح المعانی) صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر قسم کے منقولی و غیر منقولی مالوں سے جہاد کرو۔ یوں ہی ہر طرح اپنی ذاتوں سے جہاد کرو کہ زبانی، آنکھ قلم سے جس طرح کا جہاد بن پڑے کرو۔ اللہ کا راہ مجاہدہ کے پروں سے اڑ کر طے کرو۔ شعر

مرد عارف چوبداں پے می پرد   در دمے از نہ فلک می بگزرد

سیر زاہد در دمے یکروزہ راہ   سیر عارف ہر زماں تا تخت شاہ

زاہد ایک سانس میں ایک دن کا راہ طے کرتے ہیں مگر عارف ایک آن میں شاہی تخت تک پہنچ جاتے ہیں۔ جہاد مال خرچ کر کے بھی ہوتا ہے اور مال جمع کر کے بھی۔

حکایت: حضرت نافع جو سیدنا عبداللہ ابن عمر کے غلام ہیں اور امام شافعی کے استاد جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو دوستوں سے کہا کہ مری چارپائی کی جگہ کھودو۔ جگہ کھودی گئی تو وہاں ایک مٹکا نکلا جس میں بیس ہزار درہم تھے فرمایا کہ میرے دفن کے بعد انہیں خیرات کر دینا۔ لوگوں نے پوچھا یہ مال کیسا ہے۔ فرمایا میں نے اللہ کے حقوق اور بیوی کے حقوق کبھی نہ مارے مگر یہ مال اس لئے جمع رکھا کہ میرے دل کو سکون رہے اس کے ذریعہ زکوۃ دیتا رہوں اور بوقت ضرورت کسی کے سامنے ہاتھ نہ پھیلانا پڑے۔ اب جبکہ یہ تینوں چیزیں ختم ہو رہی ہیں تو اسے رب کے بنک میں میرے لئے جمع کر دینا۔ یہ جہاد بالاموال کی ایک صورت (تفسیر روح المعانی)

لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَّسَفَرًا قَاصِدًا لَّاتَّبَعُوكَ وَلٰكِنْ

اگر ہوتا سامان نزدیک ہی اور سفر درمیانہ تو البتہ پیچھے چلتے تمہارے

اگر کوئی قریب مال یا متوسط سفر ہوتا تو ضرور تمہارے ساتھ ہوجاتے مگر ان پر

بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا

اور لیکن دور ہوگئی اوپر ان کے مشقت اور عنقریب قسم کھائیں گے وہ اللہ کی کہ اگر

مشقت کا راستہ دور پڑ گیا اور اب اللہ کی قسم کھائیں گے کہ ہم سے بن پڑتا تو

لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُونَ اَنْفُسَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ

طاقت رکھتے ہم تو ضرور نکلتے ہم ساتھ تمہارے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں جانوں کو اپنی

ضرور تمہارے ساتھ چلتے اپنی جانوں کو ہلاک کرتے ہیں اور اللہ جانتا ہے

ع ۱۲ لَكٰذِبُونَ ﴿۴۲﴾

اور اللہ جانتا ہے کہ تحقیق وہ جھوٹے ہیں

کہ وہ بے شک ضرور جھوٹے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان کمزور مسلمانوں کا ذکر جن پر غزوۂ تبوک کچھ دنیاوی وجوہ سے گراں تھا۔ اب ان منافقین کا ذکر ہے جو ضعف ایمانی کی وجہ سے اس غزوہ سے بچنے کے لئے حیلے حوالہ کر کے رک گئے تھے گویا کمزور خیال والوں کے بعد کمزور ایمان والوں کا ذکر ہے جن کا ایمان صرف زبان پر تھا دل میں نہ تھا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کمزور مسلمانوں کو سمجھا بجھا کر اپنی رحمت کی طرف بلایا اور غزوۂ تبوک کے لئے راضی و آمادہ کیا گیا اب بے ایمان منافقوں کو راندۂ درگاہ کیا جا رہا ہے۔ گویا غافل محبوبوں کو اپنی طرف بلانے کے بعد عاقل مردودوں کو دور کیا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مخلصین مومنین کے جہاد کا فائدہ ارشاد ہوا دین و دنیا کے فائدے بتائے گئے اب منافقین کے جہادوں کا انجام بیان ہو رہا ہے کہ انہیں اس سے کچھ نہیں ملتا کیونکہ وہ محض مال کمانے کے لئے جہاد میں شرکت کرتے ہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد فی سبیل اللہ کی رغبت دی گئی اب **عهدني سبيل النفس في سبيل المال في سبيل الملك** سے مسلمانوں کو نفرت دلائی جا رہی ہے کہ ایسے جہاد صرف منافق کرتے ہیں نہ کہ مخلص۔

شانِ نزول: جب مدینہ منورہ میں غزوۂ تبوک کا اعلان ہوا تو لوگ تین گروہ ہو گئے۔ ایک وہ جو فوراً بغیر پس و پیش کے تیار ہو گئے وہ اول درجہ کے مطیعین تھے جیسے عام مہاجرین و انصار دوسرے وہ ضعفاء مومنین جن میں بتقاضاء بشری اس وقت اتنا دراز سفر کچھ بھاری محسوس ہوا مگر انہوں نے منہ سے کچھ نہ کہا تیسرے وہ جنہیں اتنا دراز سفر اور رومیوں سے مقابلہ سخت ناگوار گزرا وہ اس جہاد سے بچنے کے لئے حیلے بہانے سوچنے اور باتیں بنانے لگے یہ تھے منافقین یہ آیت کریمہ ان منافقین کے متعلق نازل ہوئی (تفسیر مدارک و روح البیان وغیرہ)

تفسیر: **لو كان عرضا قريبا** اس فرمانِ عالی میں کان کا اسم پوشیدہ ہے۔ **هذا بالجهاد يا ما تدعوهم اليه عرض** کے معنی میں عارضی چیز یا پیش کردہ چیز اصطلاح میں دنیاوی سامان کو عرض کہتے ہیں کہ یہ عارضی اور قریب الفناء بھی ہے اور موجودہ چیز یعنی نقد بھی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الدنیا عرض حاضر دنیا موجود سامان ہے **يأكل منه البر و الفاجر** جس میں ہر نیک و بد انسان کھاتے ہیں قریب یا بعید کا مقابل ہے یعنی نزدیک یا بمعنی آسان جس کا لینا قریب ہو یعنی سہل المأخذ و **سفرا قاصدا** یہ معطوف ہے عرضاً قریباً پر سفر بمعنی مسافری ہے یعنی حضر کا مقابل۔ قاصد بنا ہے قصد سے بمعنی ارادہ اب درمیانی چیز کو قاصد یا مقصد کہتے ہیں۔ رب فرماتا ہے **و منهم مقتصد** ان میں سے بعض میانہ رو ہیں درمیانی چیز کو اس لئے قاصد کہتے ہیں کہ اس کا قصد آسان ہوتا ہے۔ ہر ایک اس کے حاصل کرنے کا مقصد و ارادہ کر سکتا ہے۔ قاصد بمعنی قصد والا جیسے تامر یعنی کھجور والا۔ لابن بمعنی دودھ والا (کبیر روح البیان و معانی) **لا تبعوك** یہ فرمانِ عالی جزا ہے لو کی یعنی اگر یہ جہاد آسان یا غنیمت ہوتا اور سفر بھی درمیانہ تو یہ منافقین ضرور آپ کے ساتھ تبوک کی طرف روانہ ہو جاتے۔ **ولكن بعدت**

www.alahazratnetwork.org

علیھم الشقۃ یہ جملہ پہلے جملہ پر معطوف ہے بعدت بنا ہے بعد سے بمعنی دوری یعنی قرب کا مقابل۔ شق بمعنی مشقت ہے یہاں مراد ہے دراز سفر جسے بہت محنت و مشقت سے طے کیا جاوے یعنی ان منافقوں کو اس غزوہ میں دو مصیبتیں نظر آئیں۔ سفر دراز اور راستہ مشقت والا۔ موسم سخت گرم و سیحلفون باللہ یہ نیا جملہ ہے جس میں ایک غیبی خبر ہے جس کا ظہور غزوۂ تبوک سے واپسی پر ہوگا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جب آپ اپنے غازیوں سمیت تبوک سے مدینہ منورہ واپس ہوں گے تو یہ منافقین آپ کے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے لو استطعنا لخرجنا معکم یہ جملہ شرطیہ جواب قسم ہے یعنی اگر ہم میں اس سفر کی طاقت ہوتی تو ہم بھی تم تمام غازیوں کے ساتھ ضرور بالضرور تبوک روانہ ہوتے مگر کریں کیا ہم بیمار تھے، نادار تھے گھر کے حالات سے معذور تھے وغیرہ وغیرہ۔ یھلکون انفسھم اس فرمان عالی کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان ہے یعنی یہ منافقین اس قسم کی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے کو ہی ہلاک کرتے ہیں کیونکہ جھوٹی قسموں سے بربادی آتی ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی قسمیں گھروں کو ویران کر دیتی ہیں۔ (روح البیان ومعانی وغیرہ) اس سے روزی گھٹتی عمر کم ہو جاتی ہے اور منافقوں کے لئے تو یہ جھوٹی قسمیں اور بھی وبال بنیں گی کہ ان سے ان کی منافقت اور ظاہر ہو جاوے گی اور یہ رسوا بدنام ہوں گے۔ اس سے زیادہ ہلاکت کیا ہوگی۔ و اللہ یعلم انھم لکذبون یعنی اے محبوب رب جانتا ہے اور آپ کو بتاتا ہے کہ منافقین ان قسموں میں جھوٹے ہوں گے کوئی مسلمان ان کی قسموں سے دھوکا نہ کھاوے جھوٹا آدمی زیادہ قسمیں کھاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں مخلص مومن گئے مگر تیسرا گروہ منافقین نہ گئے کیونکہ اس موقع پر مال غنیمت بہ آسانی حاصل ہونے کی امید ہوتی اور سفر بھی درمیانہ ہوتا بہت دراز نہ ہوتا تو دوسرے غزوات کی طرح اس کے لئے بھی یہ لوگ روانہ ہو جاتے اور آپ کی ہمراہی اختیار کرتے اللہ کے لئے نہیں بلکہ اپنے ذاتی منافع کے لئے مگر بات یہ تھی کہ ان پر دراز سفر گرمی کا موسم وبال بن گیا۔ اس لئے روانہ کیسے ہوتے۔ اب جب آپ اور آپ کے جانثار صحابہ غازیان تبوک سے واپسی پر مدینہ منورہ پہنچیں گے تو یہ منافقین اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم لوگ سخت مجبور تھے اس لئے تبوک نہ گئے اگر ہم میں قوت ہوتی تو ضرور آپ حضرات کے ساتھ چلتے ہم مجبور معذور بیمار نادار تھے کیسے جاتے۔ یہ لوگ جھوٹی قسمیں کھا کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنے ہی کو ہلاک کرتے ہیں کہ ان قسموں سے انہیں دنیاوی دو تین نقصانات پہنچیں گے۔ یہ قسمیں ہی ان کا پول کھول دیں گی ان کی منافقت ظاہر کر دیں گی۔ اے مسلمانو! ان قسموں سے دھوکا نہ کھانا۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور تم کو بتا رہا ہے کہ سب نرے جھوٹے ہیں ان کے نہ جانے کی وجہ وہ ہے جو ہم نے بیان کی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دین میں مشقت سے گھبرانا آسانیاں تلاش کرنا منافقوں کا شیوہ ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو گرمیوں میں تو نمازی بن جاتے ہیں سردی میں تارک نماز یا سردیوں کے رمضان میں روزے دار بن جاتے ہیں گرمی کے رمضان میں بے روزہ۔ نرم گرم سب برداشت کرو۔ دیکھو منافقین آسان اور قریب کے جہادوں میں جاتے تھے دور کے اور

www.alahazratnetwork.org

سخت جہاد سے کترا جاتے تھے۔ اس کی اس آیت میں برائی کی گئی۔ یہ فائدہ لو کان عرضا قریبا (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: جہاد میں شرکت کرنا محض مال غنیمت حاصل کرنے یا اپنی ناموری کے لئے اللہ رسول کی رضا کا خیال بھی نہ ہو۔ یہ طریقہ منافقین کا ہے۔ یہ فائدہ بھی لو کان عرضا قریبا (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع بلکہ آپ کے ساتھ رہنا صرف دنیاوی غرض سے ہو منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ لاتبعوک سے اشارتاً حاصل ہوا جو اتباع اللہ رسول کی محبت سے ہو وہ رب کی محبوبیت کا ذریعہ ہے۔ فاتبعونی یحببکم اللہ۔

چوتھا فائدہ: محبت میں درازی سفر گرم موسم حلات ناساز گار بالکل حائل نہیں بنتے۔ ہاں یہ چیزیں نفس پر گراں ہیں۔ یہ فائدہ علیھم الشقہ میں علیھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ صرف منافقین ہی پر یہ درازی سفر مشقت کا باعث ہے۔

پانچواں فائدہ: جھوٹی قسمیں کھانا بلکہ زیادہ قسموں سے دوسروں کو راضی کرنا طریقہ منافقین کا ہے۔ یہ فائدہ سیحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ مخلص مومنین کو قسمیں کھا کر اپنا اخلاص ثابت کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی ان کا ولی اخلاص خود ان کا حال بتا دیتا ہے۔

چھٹا فائدہ: زیادہ قسمیں کھانا خصوصاً جھوٹی اس سے دنیا و دین کی آفات آتی ہیں۔ یہ فائدہ یھلکون انفسھم سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ زیادہ قسموں سے رزق گھٹتا ہے۔

پہلا اعتراض: گذشتہ آیات سے معلوم ہوا کہ بعض مخلص مومنین پر بھی غزوۂ تبوک گراں گزرا تھا اور اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین پر بھی گراں تھا پھر ان دونوں جماعتوں میں فرق کیا ہوا۔ تم ان کو مخلص اور انہیں منافق کیوں کہتے ہو۔

جواب: گرانی اور نفرت میں فرق ہے۔ ان مخلصین کو غزوۂ تبوک سے نفرت نہ تھی۔ دنیاوی حالات کی بنا پر دل پر بوجھ ہوا۔ یہ گرانی کبھی زیادہ ثواب کا باعث بھی بن جاتی ہے۔ سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو طبیعت پر گراں گزرے مگر وضو کرے اور نماز پڑھے انشاء اللہ ثواب زیادہ ہوگا۔ منافقین کو نفرت تھی یعنی اس حکم کو برا سمجھتے تھے اس لئے وہ بے دین ہوئے۔

لطیفہ: ایک بار میں نے سید محمد صاحب کچھوچھوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں عرض کی کہ نماز میں مزہ نہیں آتا، دل نہیں لگتا کیا کروں۔ فرمایا پڑھتے ہو، میں نے کہا ہاں پڑھتا تو ہوں۔ فرمایا تم بڑے خوش نصیب ہو۔ جسے نماز میں مزہ آوے وہ تو مزے کے لئے پڑھتا ہے۔ جسے مزہ نہ آوے وہ خالص اللہ تعالیٰ کے لئے پڑھتا ہے۔ فرمایا تم خدا کے بندے ہو دل کے بندے نہیں ہو دل لگے یا نہ لگے پڑھے جاؤ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حلف یعنی قسم اور لو شرطیہ دونوں جمع ہو گئے۔ قسم اپنا جواب چاہتی ہے اور لو شرطیہ جزا چاہتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس آیت میں کہاں ہیں۔

جواب: تفسیر روح المعانی نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں مگر آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ لخرجنا معکم جزا ہے لو کی اور یہ پورا جملہ شرطیہ جواب ہے قسم کا۔ اس صورت میں کسی لفظ کے پوشیدہ ماننے کی

www.alahazratnetwork.org

ضرورت نہیں اور نحوی قاعدے سے کوئی اعتراض بھی نہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے فرمایا لاتبعوک اگر سفر درمیانہ ہوتا تو وہ آپ کی اتباع کرتے اور خود ان کا قول نقل فرمایا لخرجنا معکم ہم تمہارے ساتھ نکلتے۔ ان دونوں یعنی اتباع اور لخرجنا معکم میں کیا فرق ہے۔

جواب: یہاں کوئی فرق نہیں کیونکہ اتباع سے مراد صرف جسمانی اتباع ہے یعنی ساتھ جانا اس اتباع سے کچھ نصیب نہیں ہوتا۔ دل و جان کی اتباع مفید ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جس کام میں نفس اور دنیاوی لالچ کو دخل ہو اس میں آسان و مشکل قریب و دور موسم گرم و سرد کا فرق ہوتا ہے مگر خوف خدا اور عشق رسول اللہ کی وہ نعمتیں ہیں جو اس فرق کو بالکل دور کر دیتی ہیں۔ بلکہ عشق ہو تو ہر مشکل میں لذت آتی ہے۔ شعر

رہرو راہ محبت تھک نہ جانا راہ میں لذت صحرا نوردی دوریٔ منزل میں ہے

منافقین کے لئے غزوۂ تبوک کا سفر کانٹے کی طرح کھٹکتا تھا مگر مخلصین کاملین کے لئے وہ ہی سفر پھول کی طرح مہکتا تھا۔ وہ حضرت دور و قریب گرم و سرد موسم کا فرق جانتے ہی نہ تھے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ عشق وہ چیز ہے جو خود ہی خوشبو دیتا ہے اس کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی۔ شعر

درد منداں دے سخن محمد دین گواہی حالوں
جس پلے پھل بدھے ہوون خوشبو آوے رومالوں

مخلص کو اپنا ایمان ثابت کرنے کے لئے نہ قسموں کی ضرورت ہے نہ اعلان کی۔ ان کا ایمان خود ہی مہک دیتا تھا جس کپڑے میں پھول بندھے ہوں وہ خود ہی مہکتے ہیں۔ خیال رکھو کہ حضور کی سرکار عالی میں قسمیں کھا کر ایمان ثابت کرنے کی ضرورت نہیں۔ حضور ہر ایک کے دل کا حال خود ہی جانتے ہیں۔ فرمایا کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے، ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ جو پتھر کے دل کی بات جانے اس پر انسانوں کے دل کے حال کیسے چھپ سکتے ہیں۔

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ

معاف کرے اللہ تم سے کیوں اجازت آپ نے ان کو دی حتیٰ کہ ظاہر ہو جاتے آپ کے

اللہ تمہیں معاف کرے تم نے انہیں کیوں اذن دے دیا جب تک نہ کھلے تھے تم پر سچے

صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾ لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

لئے وہ لوگ جو سچے ہیں اور جان لیتے آپ جھوٹوں کو نہیں اجازت مانگتے آپ سے

اور ظاہر نہ ہوئے تھے جھوٹے اور وہ جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

بِاللّٰہِ وَ الْیَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ یُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ
وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور آخری دن پر یہ کہ جہاد کریں وہ مالوں سے اپنے اور جانوں
تم سے چھٹی نہ مانگیں گے اس سے کہ اپنے مال اور جان سے جہاد کریں
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۴﴾
سے اپنے اور اللہ جاننے والا ہے تقوے والوں کو
اور اللہ خوب جانتا ہے پرہیز گاروں کو

تعلق: ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں اس وجہ کا ذکر تھا جس کی بنا پر منافقین غزوۂ تبوک میں نہ گئے۔ یعنی سفر دراز ہونا اور مقابلہ میں رومیوں جیسے سرکشوں کا ہونا۔ اب ان منافقوں کے پیش کردہ ان بہانوں پر اظہار غضب ہے جو انہوں نے غزوۂ تبوک میں روانگی کے وقت حضور سے کیے گویا واقعہ کے بعد بناوٹی وجہوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کی ان جھوٹی قسموں کا ذکر تھا جو وہ حضور کی واپسی پر کھانے والے تھے۔ سیحلفون باللہ اب ان ہی منافقوں کی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہے جو انہوں نے غزوۂ تبوک میں جاتے وقت یعنی روانگی سے پہلے بنائے گویا پچھلی قسموں کے تذکرہ کے بعد اگلی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہورہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ ہلکے بوجھل ہر طرح جہاد میں جائیں اب منافقوں کی بہانہ بازیوں کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان ان حرکات سے بچیں گویا دوا کا ذکر پہلے تھا اور پرہیز کا ذکر اب۔

نزول: یہ آیات کریمہ ان منافقوں کے متعلق نازل ہوئیں جنہوں نے غزوۂ تبوک کا اعلان عام سن کر حضور انور کی بارگاہ میں جھوٹے بہانے بنا کر مدینہ میں رہ جانے کی اجازت حاصل کی اور رہ گئے کہ حضور میں بیمار ہوں یا میری بیوی ماں خالہ وغیرہ سخت بیمار ہیں میں ان کی خدمت میں مشغول ہوں وغیرہ۔

تفسیر: عفا اللہ عنک یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے عفا بنا عفو سے یہ لفظ چند معنی میں آتا ہے۔ (۱) بڑھنا زیادہ ہونا۔ رب فرماتا ہے حتی عفو و قالوا قدمس اباءنا۔ (۲) زیادہ کرنا بڑھانا۔ حضور فرماتے ہیں قصو الشوارب و عفو اللحی مونچھیں کتواؤ اور داڑھیاں بڑھاؤ۔ (۳) مٹ جانا برباد ہونا قد عفت آثارهم ان کے آثار مٹ گئے۔ (۴) مغفرت یعنی گناہ بخشنا جیسے ویعفو عن کثیر۔ (۵) درگزر کرنا پکڑ نہ کرنا رب فرماتا ہے واعف عنا و اغفرلنا (۶) واجب وضروری نہ کرنا۔ سختی نہ کرنا۔ آسان فرمانا۔ حضور فرماتے ہیں۔ عفا اللہ لکم عن صدقۃ الخیل و الرقیق اللہ تعالی نے گھوڑے اور غلام کی زکوۃ واجب نہ فرمائی جب اس کے بعد عن آئے تو آخری تین معنوں میں سے کوئی مراد ہوتا ہے۔ اس میں گفتگو

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ یہاں کون سے معنی مراد ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ بمعنی گناہ بخشنا ہے حضور انور کا منافقوں کو اجازت دینا گناہ تھا رب تعالٰی نے اس فرمان عالی سے اس کی معافی کا اعلان فرمایا مگر یہ باطل محض ہے اس لئے کہ گناہ کی حقیقت ہے اللہ تعالٰی کے حکم یا ممانعت کی دانستہ مخالفت کرنا۔ رب تعالٰی نے اجازت دینے کی ممانعت کیوں نہیں فرمائی تھی۔ قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں بلکہ اجازت واباحت کی آیات موجود ہیں۔ رب تعالٰی فرماتا ہے فاذن لمن شئت منھم (تفسیر خازن و کبیر) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں عفو بمعنی گناہ بخشنا ہی ہے مگر یہ عفا اللہ خبر نہیں بلکہ دعا ہے جو عزت افزائی کے طور پر ارشاد ہوئی جیسے ہم کہتے ہیں ہمارے والد اللہ بخشے بڑے ہی نیک آدمی تھے۔ ایک شاعر علی ابن جہم کو بادشاہ متوکل نے شہر بدر کرنے کا حکم دیا تو اس نے عرض کیا۔ شعر

عفا اللہ عنک الا حرمہ　　　تعود بفضلک ان ابعداد

الم تر عبد اعداد طورہ　　　وھولی عفاو اشداھوی

اقلنی افلک من لم یزل　　　یقبل و یصرف عنک الروی

اس شعر میں عفاء اللہ دعا ہے رب تعالٰی دعا سے پاک ہے تو یہ اعزاز وتکریم کے لئے ہے یا اظہار محبت کے لئے جیسے پیاروں سے گفتگو کے دوران کہتے ہیں اللہ تیری عمر دراز کرے۔ اللہ تجھے ایمان دے وغیرہ (تفسیر کبیر و بیضاوی) مگر قوی تفسیر وہ ہے جو تفسیر خازن نے کی کہ یہاں عفو بمعنی معافی ہی نہیں بلکہ لازم نہ کرنا ہے جس کی مثال ابھی گزری عفا اللہ عنکم زکوۃ الخیل یعنی اللہ تعالٰی نے آپ کو اس کی اجازت کی وجہ سے کچھ الزام نہ دیا۔ آپ مالک ومختار تھے (خازن) لم اذنت لھم لم کا سوال انکار کے لئے نہیں نہ عتاب کے لئے۔ انکار وعتاب تو گناہ یا خطا پر ہوتا ہے۔ گناہ میں امر کی مخالفت ضروری رب تعالٰی نے اس اجازت دینے کی ممانعت کی ہی نہیں تھی۔ اس میں بھی حضور انور کی پردہ پوشی اور ستاری کی شان کا اظہار ہے کہ آپ لوگوں کے عیوب بہت چھپاتے ہیں حتیٰ کہ منافقین کے عیوب بھی کھلنے نہیں دیتے۔ شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے　　　کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

یعنی اے محبوب آپ نے ان منافقوں کو رسوا کیوں نہیں کیا انہیں اجازت کیوں دے دی انہیں خوب رسوا کیا ہوتا آپ انہیں جہاد سے رک جانے کی اجازت نہ دیتے پھر وہ رک جاتے یا جو بہانے انہوں نے بنائے تھے اس کی تحقیق فرماتے تاکہ ان کا نفاق اور جھوٹ کھل جاتا۔ حتی یتبین لک الذین صدقوا اس فرمان عالی میں حتیٰ یا انتہا کا ہے یا بمعنی حرف کے ہے اور ہوسکتا ہے لک میں لام بمعنی بذریعہ ہو یعنی تاکہ آپ کے ذریعہ لوگوں پر ان کا سچ جھوٹ ظاہر ہو جاتا کہ واقعی انہیں کچھ عذر تھا یا نہیں مثلاً اگر وہ اپنی بیماری کا بہانہ بناتے تو طبی تحقیقات کر لی جاتیں۔ اگر وہ اپنے گھر والوں کی بیماری کا بہانہ کرتے تو اس کی دریافت کر لیتے وغیرہ و تعلم الکذبین یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ یتبین پر اور علم سے مراد علم ظہور ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا جھوٹ تو پہلے ہی معلوم تھا رب فرماتا ہے۔ ولتعرفنھم فی لحن القول۔ لا یستاذنک الذین یومنون باللہ و الیوم الاخر اس فرمان میں آئندہ کے لئے مخلصین مومنین اور منافقین کی کھلی نشانی بیان فرمائی گئی۔ یہاں استیذ ان

www.alahazratnetwork.org

کے معنی ہیں جہاد سے رک جانے کے لئے حضور انور سے اجازت مانگنا بلا عذر شرعی۔ الذین اس فعل کا فاعل ہے۔ یہ بارہا بتایا گیا ہے کہ ان جیسی آیات اللہ پر ایمان لانے میں نبیوں، فرشتوں، جنت دوزخ سب پر ایمان لانا داخل ہے یا ارکان ایمان کی ابتدا ذات باری تعالیٰ ہے اور انتہا روزِ قیامت یعنی توحید الٰہی سے لے کر قیامت تک تمام ایمانی چیزوں پر ایمان لاتے ہیں ان یجاھدوا باموالھم و انفسھم اس عبارت میں فی پوشیدہ ہے فی ان یجاہدوا (الخ) اموال اور انفس کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی یعنی اللہ اور قیامت پر ایمان رکھنے والے آپ سے مالی اور جانی جہاد سے رہ جانے کی اجازت کبھی نہیں مانگتے یا یہ مطلب ہے کہ مومنین مخلصین آپ سے جہاد کرنے کی اجازت نہیں مانگتے بلکہ خود بخود اپنے طور پر جہاد کی تیاری اور اس میں شرکت کرتے ہیں۔ اس جہادِ تبوک میں حضرت ابوبکر صدیق نے اپنا سارے کا سارا مال چندہ میں دے دیا۔ تن کے کپڑے بھی حاضر کر دیئے۔ ایک کمبل سے تن پوشی کی کیا انہوں نے یہ جود و سخا حضور سے پوچھ کر کیا نہیں بلکہ خود بخود بلکہ یہ لوگ جہاد سے رہ جانا گوارا نہیں کرتے۔ دیکھو اس غزوۂ تبوک میں جب حضور انور نے حضرت علی حیدر کرار کو مدینہ منورہ میں چھوڑنا چاہا تو آپ بہت غمگین ہوئے حتیٰ کہ حضور نے فرمایا کہ میں تم اس طرح یہاں چھوڑ رہا ہوں جیسے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کو بنی اسرائیل میں چھوڑا تھا۔ اپنا خلیفہ اور نائب کر کے۔ کیا تم پسند نہیں کرتے کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے لئے۔ تب حضرت علی مطمئن ہوئے یہ قوتِ ایمان ہے۔ واللہ علیم بالمتقین المتقین میں الف لام یا استغراقی ہے یا عہدی۔ یعنی اللہ تعالیٰ سارے پرہیزگاروں کو یا ان صحابہ متقیوں کو خوب جانتا ہے انہیں جزائے خیر دے گا۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کہ تین تفسیریں کی گئی ہیں ان میں قوی اور آسان تفسیر کا ہم خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ سے تنگی دور فرمادی۔ آپ کو اجازت دینے نہ دینے کا مختار بنا دیا۔ مگر اے پردہ پوش عالم! اے سب کے عیب چھپانے والے محبوب تم نے ان منافقوں کو غزوۂ تبوک سے رہ جانے کی ان کے معمولی بہانے بنانے پر کیوں اجازت دے دی۔ آپ نے ذرا تحقیقات تو فرمائی ہوتی تاکہ آپ کو سچے لوگ ظاہر ظہور معلوم ہو جاتے اور آپ کے ذریعہ جھوٹے لوگوں کو دوسرے بھی جان لیتے۔ آپ پر بھی ان کا جھوٹ کھل جاتا مخلصین اور منافقین کی آج کل علامت یہ ہے کہ مخلصین جو اللہ کی توحید سے لے کر تا یوم قیامت ہر ایمانی جز مانتے ہیں وہ آپ سے مالی جانی جہاد کی اجازت نہیں مانگتے وہ خود ہی اپنے شوق سے تیاری کرتے اور اس میں شرکت کرتے ہیں بلکہ اگر انہیں روکا جاوے تو غمگین ہوتے ہیں (روح المعانی) یا مومنین مخلصین جہاد سے رہ جانے کی اجازت نہیں مانگتے۔ اللہ تعالیٰ سارے پرہیزگاروں کو یا ان پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے اور انہیں جزائے خیر دے گا۔

فائدے: ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو احکام کا مالک و مختار بنایا۔ جس پر چاہیں جو احکام جاہیں باذن پروردگار جاری فرمادیں۔ یہ فائدہ عفا اللہ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ عفا بمعنی لازم نہ کرنا ہو۔ اجازت و آسانی دینا مراد

www.alahazratnetwork.org

ہو۔ دیکھو تفسیر خازن۔ غزوۂ بدر میں حضرت عثمان کے لئے اور غزوۂ تبوک میں حضرت علی کے لئے زمین مدینہ کو میدان تبوک بنا دیا کہ جو ثواب غازیوں کو وہاں پہنچ کر میسر ہوا وہ ثواب ان حضرات کو مدینہ منورہ میں رہ کر حاصل ہو گیا۔ لہٰذا اگر وہ چاہیں تو زمین عجم کو عرب بلکہ مدینہ کی زمین بنا دیں اگر چاہیں تو ہمارے سینہ کو مدینہ کر دیں۔ شعر

بنا دو میرے سینہ کو مدینہ نکالو بحر غم سے یہ سفینہ

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کے ایسے محبوب ہیں کہ رب تعالیٰ دوران خطاب ان سے محبت کے کلمات فرماتا ہے۔ یہ فائدہ عفا اللہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اس کے معنی ہوں اللہ تمہیں معاف کرے۔ دیکھو تفسیر کبیر، روح البیان معانی وغیرہ۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیب پوش خلق۔ ستار عیوب کی صفت ستاری کے مظہر اتم ہیں۔ کسی کے عیب ظاہر نہیں کرتے۔ یہ فائدہ و تعلم الکاذبین سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: ایمان و نفاق دل کی صفات ہیں مگر بعض اعمال ان کی علامات ہیں۔ جن سے دل کے یہ حالات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہ فائدہ حتی یتبین لک (الخ) سے حاصل ہوا کہ عبادات میں سستی ان سے بچنے کی کوشش کرنا منافقت کی علامت ہے اور ان میں چستی چاق و چوبند رہنا اخلاص کی نشانی رب فرماتا ہے فویل للمصلین الذین هم عن صلوتهم ساهون

پانچواں فائدہ: نیکیوں سے بچنے کے لئے بہت پوچھ گچھ کرنا قال زیادہ اعمال صفیر۔ یہ بھی منافقت کی علامت ہے۔ یہ فائدہ لا یستاذنک کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ حضور انور نے تین چیزوں سے منع فرمایا۔ قیل قال، کثرت سوال، اضاعت مال۔

چھٹا فائدہ: ادائے فرائض میں کسی سے اجازت لینے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ اداء نماز، ماں باپ، استاذ، پیر کی اجازت پر موقوف نہ رکھے اگر وہ منع بھی کریں تب بھی ادا کرے یونہی زکوٰۃ، روزہ، رمضان، حج فرض وغیرہ۔ یہ فائدہ لا یستاذنک کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: عورت نفلی روزہ، نفلی نماز، نفلی حج خاوند کی اجازت کے بغیر نہ کرے۔ یوں ہی بیٹا نفلی حج کو ماں باپ کے منع کرنے پر نہ جائے۔ فرائض کے احکام جداگانہ ہیں۔ اس قسم کے بہت سے مسائل اس آیت سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مبارک ہے وہ مومن جو گوشہ نشین ہو اور جہاد کے لئے ہر وقت تیار جب کسی طرف سے جہاد کی خبر پائے ادھر دوڑ کر پہنچ جاوے۔ اجازت پر معلق نہ فرمایا۔ (مشکوٰۃ شروع کتاب الجہاد)

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم نہیں آپ گناہ کر لیتے ہیں مگر رب تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا۔ عفا اللہ عنک اگر منافقین کو جہاد سے رک جانے کی اجازت دینا گناہ نہ تھا تو معافی کے کیا معنی۔ نیز حضور انور نے بدر کے قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا۔ یہ گناہ تھا جس پر سخت عتاب کی آیات

www.alahazratnetwork.org

نازل ہوئیں حتیٰ کہ فرمایا گیا۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب الیم نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ ابن مکتوم کے آنے مسئلہ پوچھنے پر کبیدگی خاطر کا اظہار کیا۔ جس پر عتاب ہوا کہ ارشاد ہوا عبس و تولی (الخ) نیز حضور انور نے اپنے پر شہد حرام فرمالیا جس پر عتاب ہوا یا ایھا النبی لا تحرم ما حل للہ لک (فرقہ حشویہ)

جواب: ان جیسے اعتراضات کے جوابات ہماری کتاب قہر کبریا برعصمت انبیاء میں دیکھو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ گناہ کی دو شرطیں ہیں ان میں سے ایک کے بغیر کوئی کام گناہ نہیں ہوتا۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا حکم یا ممانعت کا ہونا۔ جس کی مخالفت گناہ ہو۔ (۲) مخالفت دانستہ طور پر ہو۔ غلطی یا بھول سے ہو تو گناہ نہیں۔ دیکھو رب نے حضرت آدم کو گندم کھانے سے منع فرمایا تھا مگر انہوں نے ارادۃً نہیں بلکہ دھوکے سے کھالیا تو رب نے اسے گناہ قرار نہ دیا بلکہ ارشاد فرمایا فنسی آدم ولم نجد لہ عزما معترض کو چاہئے کہ وہ آیات دکھائے جن میں رب نے پہلے اس اجازت دینے یا قیدیوں سے فدیہ لینے وغیرہ سے منع فرمایا ہو۔ جب ممانعت تھی ہی نہیں تو یہ افعال کریمہ گناہ کیسے بنے۔ رہا عفا اللہ فرمانا اس کی حکمتیں ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ لیغفر یوسف اللہ یوسف علیہ السلام کو بخشے کہ جب ان کے پاس سائل بادشاہ کی خواب کی تعبیر پوچھنے آیا تو آپ نے بلا شرط بتادی۔ اگر کوئی اور ہوتا تو شرط لگاتا کہ پہلے مجھے جیل سے نکالو پھر تعبیر دوں گا۔ دیکھو حضور صبر یوسفی کی تعریف فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اللہ انہیں بخشے (روح المعانی)

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو مخلص مسلمانوں کا پتہ تھا نہ منافقین کا دیکھو ارشاد ہوا حتی یتبین لک الذین صدقوا و تعلم الکاذبین آپ نے انہیں اجازت نہ دی ہوتی تاکہ آپ کو مخلص و منافق معلوم ہو جاتے۔

جواب: اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ اس قسم کے الفاظ رب تعالیٰ کے لئے بھی قرآن مجید میں آئے و لما یعلم اللہ الذین جاھدوا منکم اب تک رب نے مجاہدین کو نہ جانا۔ لیعلم اللہ تاکہ اللہ تعالیٰ ڈرنے والوں کو جان لے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان جیسے مقامات پر علم سے مراد ہوتا ہے علم ظہور یعنی ظاہر کر کے دکھانا۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ متقین کو جانتا ہے۔ کیا رب تعالیٰ گناہ گاروں کو نہیں جانتا۔ متقین کی قید کیوں لگائی۔

جواب: اللہ تعالیٰ متقین کو جانتا ہے ثواب دینے کے لئے اور بدکاروں، کفاروں کو جانتا ہے سزا دینے کے لئے۔ یہاں ثواب کے لئے جاننا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: عفو و معافی اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کا تعلق مخلوق سے ہے۔ مگر جیسا بندہ ویسی اس کی معافی۔ گنہگاروں کے لئے معافی اور قسم کی ہے۔ ابرار کے لئے دوسری قسم کی۔ اخیار کے لئے اور قسم کی اور حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

www.alahazratnetwork.org

اور ہی خاص قسم کی۔ یہ آخری عفو بے انتہا کرم ہے۔ پھر کرم آج کا نہیں بلکہ عفا اللہ ماضی فرما کر بتایا کہ یہ انعام آپ کو ازل میں ہی مل چکا ہے۔ پھر تا ابد آپ کے ذریعہ دوسروں کو ملتا رہے گا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی صفت ستاری، رحمت، کرم کے مظہر ہیں اور اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ یہ آیت جلال والی ہے جس میں منافقین کی پردہ دری کا ذکر ہے۔ فرمایا گیا اے محبوب آپ نے ان منافقوں کا پردہ کھل دیا جانے ہوتا۔ مومن کامل کی علامت یہ ہے کہ نیکی کرنے میں کسی سے پوچھتے نہیں۔ اجازت نہیں لیتے۔ اگر اجازت لینا پڑے تو اجازت کے لئے بہانے کرتے ہیں نہ کہ رکنے کے لئے۔ غزوۂ بدر میں دو کم عمر بچے بہانے بنا کر بھرتی ہو گئے۔ کیوں؟ جہاد کرنے کیلئے۔ اللہ تعالیٰ کفار کو بھی جانتا ہے مگر قہر و غضب کے لئے۔ ہم جیسے گناہگاروں اور ہمارے گناہوں کو جانتا ہے، پردہ پوشی اور بخشنے کے لئے۔ متقین کو جانتا ہے ان کے درجات بلند کرنے کے لئے۔ اپنے محبوب کو جانتا ہے ان کا قرب حضوری اور بھی زیادہ سے زیادہ کرنے کے لئے۔ غرضکہ اس کا علم ایک ہے مگر اس کے علم کی نوعیتیں علیحدہ علیحدہ۔

إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ

اس کے سوا نہیں کہ اجازت مانگتے ہیں آپ سے وہ لوگ جو نہیں ایمان لاتے اللہ اور آخری دن

تم سے یہ چھٹی وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور ان کے دل

وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ ﴿٤٥﴾

پر اور شک کیا دلوں نے ان کے پس وہ اپنے شک میں حیران پھرتے ہیں

شک میں ڈانواں ڈول ہیں انہیں نکلنا منظور ہوتا تو اسکا سامان کرتے

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً وَلَٰكِنْ كَرِهَ اللَّهُ

اور اگر ارادہ کرتے وہ لوگ نکلنے کا تو ضرور تیاری کرتے وہ اس کیلئے تیاری لیکن

تو خدا ہی کو ان کا اٹھنا ناپسند ہوا تو ان میں کاہلی بھردی اور فرمایا گیا

انْبِعَاثَهُمْ فَثَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٤٦﴾

ناپسند کیا اللہ نے اٹھنا ان کا پس بوجھل کر دیا ان کو اور کہا گیا کہ بیٹھ رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے

کہ بیٹھ رہو ساتھ بیٹھنے والوں کے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مخلص مومنوں کی پہچان بتائی گئی تھی۔ جہاد سے رکنے کے لئے بہانہ بنا کر اجازت نہ مانگنا یا جہاد کرنے کے لئے اجازت نہ مانگنا بلکہ بے تامل اس میں شریک ہو جانا۔ اب منافقین کی علامت بتائی جا رہی ہے یعنی حیلے بہانے کر کے جہاد سے رک جانا تاکہ مسلمان پچھلی علامات اختیار کریں اس علامت سے بچیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اپنے حبیب سے فرمایا کہ آپ نے منافقوں کو رسوا کیوں نہ فرمایا۔ انہیں غزوۂ تبوک جانے سے رک جانے کی اجازت کیوں دے دی۔ اب رب تعالیٰ خود انہیں رسوا فرما رہا ہے کہ اے مسلمانو تم کو ہم بتاتے ہیں کہ جس میں یہ علامت ہو وہ پکا منافق ہے اگر چہ کلمہ پڑھے، نماز روزہ ادا کرے گویا پچھلی آیت جمال محبوب کی تھی یہ آیت جلال رب غیور کی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ متقی پرہیزگاروں کو جانتا ہے۔ اب ارشاد ہے کہ ہم ان غداروں کو بھی جانتے ہیں جو وقت پر آپ کو دھوکا دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ گویا رحمت والے علم کے بعد غضب والے علم کا ذکر ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں جہاد سے رکنے کے متعلق اجازت لینے کا ذکر تھا۔ اب ارشاد ہے کہ دھوکا دینے کے لئے اجازت لینا منافقت ہے۔ دھوکا دہی کی علامت یہ ہے کہ پہلے سے تیاری جہاد نہ کرنا بروقت اجازت حاصل کرنے کے لئے کہہ دینا کہ چونکہ میں تیاری نہ کر سکا اس لئے مجھے معافی دی جاوے۔

شانِ نزول: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک کا بہت پہلے اعلان فرما دیا تھا مخلصین مومنین تو اس کی تیاری میں مصروف ہو گئے اور وقت پر روانہ ہو گئے مگر مدینہ منورہ کے انتالیس کلمہ گو منافقین نے کوئی تیاری نہ کی اور وقت پر مختلف قسم کے بہانے بنانے لگے۔ ان میں سے ایک بہانہ یہ بھی تھا کہ اتنے دراز سفر کی کوئی تیاری نہ کر سکا اس لئے روانگی سے معذور ہوں۔ مجھے رہ جانے کی اجازت دی جاوے۔ ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں (روح المعانی) بہر حال یہ آیات انہیں رسوا کرنے کے لئے ہیں۔

تفسیر: انما یستاذنک اس فرمانِ عالی میں تفسیر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے کہ مومنین تو آپ سے ایسی اجازت نہیں مانگتے ہاں یہ لوگ مانگتے ہیں۔ انما حصر کے لئے ہے اجازت مانگنے سے مراد ہے حیلے بہانے بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت مانگنا۔ کاف خطاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ الذین لا یومنون باللہ و الیوم الاخر یہ عبارت یستاذن کا فاعل ہے یعنی صرف وہ لوگ حضور سے رک جانے کی اجازت چاہتے ہیں جو نہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں نہ قیامت پر کیونکہ جو آپ کا منکر ہے وہ اگر چہ اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرے مگر ہے نرا بے ایمان کیونکہ ایمان وہ ہی ہے جو آپ کی معرفت حاصل ہو۔ جو ہم نے استیذان اجازت مانگنے کے معنی عرض کئے ہیں اس سے معلوم ہو گیا کہ یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں جو سورۂ نور میں ہے۔ انما یستاذنک الذین یومنون باللہ و رسولہ الی قولہ غفور رحیم۔ کیونکہ وہاں فرمایا گیا کہ آپ سے اجازت مانگنا خالص مومنوں کی علامت ہے صرف مومن ہی آپ سے

www.alahazratnetwork.org

اجازت مانگتے ہیں کیونکہ وہاں صحیح عذر کی وجہ سے بادلِ نخواستہ اجازت مانگنا مراد ہے۔ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔ یہ آیت اس سے منسوخ ہے نہ کہ وہ اس سے۔ نہ ان میں تعارض ہے (تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ) صحیح عذر اور جھوٹے بہانے میں ضرور فرق کرنا چاہئے۔ بعض مفسرین نے یہ آیت اس آیت سے منسوخ مانی مگر یہ قول قوی نہیں دو آیتیں محکم ہیں۔ **و ارتابت قلوبھم** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے **لایومنون** پر اس میں ان کی بے ایمانی کی وجہ نوعیت بیان فرمائی گئی کہ بعض کفر جزم و یقین سے ہو جاتے ہیں کہ کافر سمجھتا ہے کہ یقیناً میرا دین برحق ہے۔ اسلام حق نہیں جیسے کھلے کافر۔ بعض کفر شک کی بنا پر ہوتے ہیں کہ خبر نہیں اسلام برحق ہے یا نہیں۔ یہ کفر منافقت والا ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا۔ شعر

تف نجدیت نہ کفر نہ اسلام سب پہ حرف　　　ظالم اُدھر کی ہے نہ اِدھر کی اُدھر کی ہے

یعنی ان منافقین کے دل تردد میں ہیں کہ نامعلوم اسلام حق ہے یا نہیں اور جہاد میں ثواب ملے گا یا نہیں۔ **فھم فی ریبھم یترددون**۔ اس فرمانِ عالی میں دلی شک کا انجام بیان ہوا۔ ھم کا مرجع وہ مذکورہ منافقین ہیں تردد کے لغوی معنی ہیں۔ بار بار آنا جانا یعنی پھرتے رہنا۔ شکی آدمی کی حیرانی کو تردد اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے دل میں مختلف خیالات پھرتے رہتے ہیں جس سے انسان ایک حال ایک ارادہ پر قائم نہیں رہتا لہٰذا اس کا یہ حال تردد ہے اور وہ شخص متردد۔ **ولو ارادوا الخروج لاعدوا لہ عدۃ** یہ فرمانِ عالی گذشتہ مضمون کی دلیل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان کے پیش کئے ہوئے بیماری وغیرہ کے بہانے تو کل پرسوں کی بات ہے۔ یہ تو پہلے ہی سے ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں۔ انہوں نے جہاد کی کوئی تیاری نہ کی جس سے معلوم ہوا کہ یہ شروع سے ہی دل کے چور تھے۔ خیال رہے کہ ہماری قرأۃ میں عدۃ ہے عین کے پیش دال کے شد اور ت سے بمعنی تیاری کرنا ایک قرأۃ میں عدہ ہے یعنی عد مضاف اور ہ مضاف الیہ۔ جس کا مرجع خروج ہے یعنی روانگی کی تیاری۔ اصل میں عدتہ تھا، ت گرادی گئی جیسے اقام الصلوۃ کہ اصل میں اقامۃ الصلوۃ تھا (روح المعانی) **ولکن کرہ اللہ انبعاثھم** مفسرین نے یہاں لکن کے معنی میں بہت کاوشیں کی ہیں مگر قوی اور آسان ترکیب یہ ہے کہ لکن اپنے ہی معنی میں ہے اور لکن کے بعد ایک جملہ پوشیدہ ہے اور کرہ اللہ اس کی وجہ معنی یہ ہیں کہ لیکن ان لوگوں نے نہ تو جہاد میں جانے کا ارادہ کیا نہ اس کی تیاری کیونکہ اللہ نے ان کا جانا پسند ہی نہ کیا۔ اس ناپسندیدگی کی وجہ اگلی آیت میں آ رہی ہے۔ اس ترجمہ پر کوئی اعتراض۔ بعض بزرگوں نے لکن کو انہ کے معنی میں کہا۔ بعض نے اسے حروف تاکید میں فرمایا یہ تمام تکلفات ہیں (روح المعانی) انبعاث بنا ہے بعث سے، بعث کے معنی ہیں اٹھانا بھیجنا۔ انبعاث کے معنی ہیں اٹھنا، روانہ ہونا۔ **فثبطھم** یہ فرمانِ عالی یا کرہ (الخ) پر معطوف ہے اور ف عاطفہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے اور ف جزائیہ۔ ثبط بنا ہے تثبیط سے بمعنی روک دینا۔ آڑ قائم کر دینا۔ یعنی اللہ نے انہیں غزوۂ تبوک سے روک دیا۔ ان کے دلوں میں سستی کاہلی بھر دی۔ جو ان کے لئے جہاد سے آڑ بن گئی۔ (روح البیان) **وقیل اقعدوا مع القعدین**۔ یہ عبارت معطوف ہے **فثبطھم** پر۔ قیل کا فاعل یا تو شیطان ہے یا ان منافقوں کے بال بچے یا ان کے یار دوست یا خود رب تعالیٰ۔ پہلی تین صورتوں میں قول سے مراد ہے زبانی قول ظاہری کلام اور آخری صورت میں

www.alahazratnetwork.org

قول سے مراد ہے دل میں ڈالنا کیونکہ رب تعالیٰ نے انہیں جہاد سے منع نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا تھا۔ قاعدین سے مراد یا تو دوسرے منافقین ہیں یا عورتیں۔ چھوٹے بچے یا معذور مجبور بیمار لوگ جو عذر کی وجہ سے تبوک میں نہیں جا سکے۔ یعنی ان کے دل میں یہ بات سمائی کہ جیسے دوسرے معذور لوگ تبوک نہ گئے، ہم بھی نہ جائیں۔ بیمار یا معذور بن جائیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں یا اس جیسے اور نازک غزوات میں بھی جہاد سے رہ جانے کی آپ سے اجازت وہی لوگ مانگتے ہیں جو حقیقتاً نہ تو رب تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں، نہ قیامت پر، صرف ظاہری طور پر کلمہ پڑھتے ہیں۔ ان کے دلوں میں شک ہے کہ نہ معلوم اسلام سچا دین ہے یا نہیں۔ اور نہ معلوم اس جہاد پر ثواب ملے گا یا نہ اور جو خبریں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے دی نہ معلوم پوری ہوں گی یا نہیں۔ وہ انہیں وسوسوں میں حیران پریشان ڈانواں ڈول رہتے ہیں یہ جو کہتے ہیں کہ انہیں بخار یا درد سر یا درد کمر ہے یہ بہانے تو کل پرسوں سے انہیں عارض ہوئے ہوں گے انہوں نے تو پہلے ہی سے جہاد کی تیاری مکمل نہیں کی۔ نہ سفر کا سامان جمع کیا نہ جہاد کا سامان۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اول ہی سے ارادہ نہیں کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے ان کا جانا پسند نہ فرمایا۔ اس لئے ان کے دلوں میں سستی، کاہلی بھر دی اور ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ جیسے مدینہ منورہ میں عورتیں بچے بیمار کمزور لوگ رہ گئے ہیں تم بھی رہ جاؤ اور چھوٹے موٹے بہانے بنا دو یہ ان کی مردودیت اور منافقت کی کھلی دلیل ہے۔ بیماری دل میں علامت چہرے پر۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اسلام کے متعلق شک اور تردد میں رہنا کہ نہ معلوم حق ہے یا نہیں دل کی بدترین بیماری ہے اور رب تعالیٰ کا سخت تر عذاب۔ اس لئے کھلے کافروں سے منافق بدتر ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار**۔ یہ فائدہ **وارتابت قلوبھم** سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: ایسے شکی کو نہ دل کا چین نصیب نہ سکون۔ وہ ہمیشہ حیران و پریشان ہی رہتا ہے۔ یہ فائدہ **فی ریبھم یترددون** سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: بے ایمان کو نہ نبی کا قرب فائدہ دے نہ کتاب الٰہی۔ ان سب کے فائدے دلی قرب پر موقوف ہیں۔ یہ فائدہ **فھم فی ریبھم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہ منافقین برسوں سے مدینہ منورہ میں حضور انور کے پاس رہتے تھے مگر ان تمام کے باوجود ان کے دلوں کا تردد نہ نکلا ہم جیسے دور افتادگان کے دلوں میں حضور کا نام ایمان بھر دیتا ہے۔ واطلہ زوجہ نوح علیہ السلام اور کنعان حضرت نوح کا بیٹا عمر بھر نبی کے گھر میں رہے مگر ہلاک ہو گئے کشتی میں حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ رہنے والے مومنین اس تھوڑی سی ہمراہی کے باعث نجات پا گئے۔ رب فرماتا ہے۔ **ونجیناہ و من معہ فی الفلک**۔ اللہ تعالیٰ حضور سے دلی قرب بخشے۔ شعر

گر بے منی و پیش منی در یمنی   گو بامنی و در یمنی پیش منی

اگر دل تمہارا میرے پاس ہے تو یمن میں رہو گے میرے ساتھ رہو گے۔ اور اگر دل دور ہے تو میرے پاس رہو گے پھر بھی

www.alahazratnetwork.org

یمن میں رہو گے۔

چوتھا فائدہ: دعویٰ کو دلیل سے ثابت کرنا تحقیق ہے۔ پھر دلیل کو اور قوی دلیل سے ثابت کرنا تدقیق ہے۔ محقق اور مدقق کا فرق خیال میں رہے۔ علم مناظرہ کا یہ مسئلہ ان آیتوں سے ثابت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے منافقین کا نفاق ثابت فرمایا ان کی اس اجازت لینے سے اور اجازت لینے کا دلیل نفاق ہونا ثابت فرمایا ان کی پہلے سے تیاری نہ کرنے سے۔ وہ تحقیق ہے۔ اور بعد میں ہوئی تدقیق۔

پانچواں فائدہ: بوقت ضرورت جہاد کی تیاری کرنا عبادت ہے اور تیاری نہ کرنا علامت نفاق۔ یہ فائدہ لاعدوا لہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: باوجود موقعہ ملنے نیک عمل کی توفیق نہ ملنا رب تعالیٰ کا قہر ہے۔ یہ فائدہ ولکن کرہ اللہ انبعاثھم سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ ہمیشہ کار خیر کی توفیق دے۔

ساتواں فائدہ: معیت و ہمراہی بہت قسم کی ہے۔ بعض دفعہ بروں کی ہمراہی اچھی ہو جاتی ہے جبکہ انہیں تبلیغ وغیرہ کے لئے ہو۔ اور کبھی اچھوں کی ہمراہی بری ہو جاتی ہے جب بری غرض سے ہو۔ یہ فائدہ اقعدوا مع القاعدین سے حاصل ہوا۔ دیکھو غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین مدینہ منورہ میں جن کے ساتھ رہ گئے وہ معذور صحابہ تھے بلکہ حضرت علی بھی تھے۔ جنہیں حضور انور ﷺ نے مدینہ میں حکماً رکھا۔ مگر منافقوں کے لئے یہ ہمراہی ملامت کا باعث ہوا۔ اللہ تعالیٰ اچھوں کے ساتھ اچھی ہمراہی نصیب کرے۔

آٹھواں فائدہ: دل کے اچھے خیالات نیکیوں کی ہمت و جرأت رب تعالیٰ کا خاص کرم ہے۔ اس کے برعکس دل کے برے خیالات برائیوں سے رغبت نیکیوں سے نفرت یہ خدا تعالیٰ کا عذاب ہے۔ یہ فائدہ قیل اقعدوا (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ قیل کا فاعل رب تعالیٰ ہو۔ اچھے خیال پر رب تعالیٰ کا شکر کرے برے آنے پر توبہ کرے۔ شعر

مری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے — قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ نے فرمایا کہ آپ سے بے ایمان اجازت مانگتے ہیں۔ یعنی یہ اجازت مانگنا بے ایمانوں کا کام ہے مگر سورۂ نور میں ارشاد ہوا کہ آپ سے اجازت مومنین مانگتے ہیں۔ وہاں یہ اجازت طلبی علامت ایمان قرار دی گئی۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: بعض مفسرین نے اس آیت کریمہ کو اس آیت سے منسوخ مانا ہے مگر قوی یہ ہے کہ کوئی آیت منسوخ نہیں دونوں محکم ہیں۔ یہاں غیر معذورین کا بہانہ بنا کر جہاد سے رک جانے کی اجازت مانگنا مراد ہے آرام طلبی بزدلی کی وجہ سے۔ وہاں اس آیت میں معذورین کا مجبوری کی وجہ سے جہاد میں نہ جاسکنے کی اجازت مانگنا مراد ہے۔ یعنی معذورین صحابہ باوجود سخت مجبوری کے بھی آپ کی اجازت کے بغیر نہیں رکتے اگر آپ اجازت نہ دیں تو وہ اس حالت میں نکل کھڑے ہوں جیسا کہ غزوۂ احد کے فوراً بعد ہوا کہ مدینہ منورہ میں خبر اڑ گئی کہ ابوسفیان پھر مدینہ پر حملہ کرنے واپس آ رہے ہیں۔ حضور نے انہیں

www.alahazratnetwork.org

مدینہ منورہ سے نکل کر مقابلہ کرنے کا حکم دیا یہ حضرات اسی طرح ٹوٹے ہوئے ہاتھ پھٹے ہوئے سر لے کر بغیر مرہم پٹی کے نکل کھڑے ہوئے۔ یہ تھا کمال ایمان۔ جس کی تعریف رب نے یوں فرمائی۔ الذین استجابوا للّٰہ و رسولہ من بعد ما اصابھم القرح۔ نتیجہ یہ ہوا کہ رب نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا جس سے واپس نہ لوٹے۔ ادھر ان کو اجر عظیم عطا فرمایا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو اپنے کفر کا بھی یقین نہ تھا۔ جیسے کہ انہیں اسلام کی حقانیت میں تردد تھا ویسے ہی کفر کی حقانیت میں۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ فھم فی ریبھم یترددون پھر انہیں کافر کیوں کہا گیا۔

جواب: منافقین قولاً مسلمان تھے اس لئے ان پر جہاد نہیں ہوتا تھا مگر مذہباً کافر کیونکہ ایمان کے لئے اسلام کے ہر عقیدے کو یقیناً حق جاننا ضروری ہے۔ دیکھو آج بہت سے اسلامی فرقے قومیت میں مسلمان مانے جاتے ہیں مگر ملت اسلامیہ سے خارج ہیں جیسے رافضی چکڑالوی وغیرہم۔ وہ لوگ اگر اسلام کی فتح دیکھتے تو کہتے کہ اسلام سچا دین ہے تب ہی تو مسلمانوں کی فتح ہوئی اگر اس کے برعکس ہوتا تو کہتے کہ اسلام برحق نہیں کفار سچے اس لئے مسلمانوں کو شکست اور کفار کو فتح ہوئی۔ رب فرماتا ہے۔ مذبذبین بین ذلک مومن ہر حال میں اللہ رسول کا رہتا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ نے منافقین کا غزوہ تبوک میں جانا پسند نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کا رہ جانا پسند کیا تو چاہئے کہ وہ لوگ رہ جانے پر ثواب پاتے کہ انہوں نے رب کا پسندیدہ کام کیا۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ثواب ملتا رب کے حکم کی اطاعت ہے۔ حکم اور ہے، رب کی پسند کچھ اور، ارادہ کچھ اور۔ اگرچہ ان منافقین کا جہاد میں جانا رب کو ناپسند تھا مگر انہیں جانے کا حکم تھا۔ اس کی اطاعت نہ کی۔ مجرم ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا والد کا ہاتھوں ذبح ہونا رب کو ہرگز پسند نہ تھا۔ مگر اس کا حکم حضرت خلیل کو دیا جس کی انہوں نے اطاعت کی۔ خلیل بن گئے۔ ایسے ہی اس کے برعکس۔ دوسرے یہ کہ رب تعالیٰ کو ان کا جہاد میں جانا اس لئے ناپسند تھا کہ وہ وہاں جا کر بھی فساد ہی پھیلاتے جیسا اگلی آیت میں ہے۔ اس قسم کی پسند و ناپسند کا حکم کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ رب کو پسند یہ بات بھی ہے کہ منافقت سے توبہ کر کے تبوک جائیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ خود رب تعالیٰ نے انہیں تبوک جانے سے روک دیا گیا۔ دیکھو ارشاد ہوا فثبطھم پھر ان کا اس میں کیا قصور ہوا تو چاہئے کہ وہ اس پر گنہگار نہ ہوں۔

جواب: ان چیزوں کی آیات میں ان جیسی کی نسبت رب کی طرف خلق کی ہوتی ہے کہ بندہ کا سب ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ اس کے کسب کی وجہ سے خالق جیسے کسی کو قتل کیا تو مقتول کی موت رب نے دی مگر بندہ کے کسب کی وجہ سے اس کسب کا بندہ مجرم ہے۔ سزا پاتا ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ان سے کہا گیا کہ بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہو اگر قول کا قائل رب تعالیٰ ہو تو معلوم ہوا کہ رب نے انہیں بیٹھ رہنے کا حکم دیا۔ ان پر بیٹھ رہنا واجب ہو گیا۔ اقعدوا صیغہ امر کا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں اقعدوا سے مراد بیٹھنے کا حکم نہیں بلکہ دل میں سستی ڈال دینا ہے وہ بھی ان کی بدعملی کی وجہ سے امر کے معنی موقعہ محل کے لحاظ سے ہوتے ہیں۔ اذا اراد شیاء ان یقول لہ کن فیکون. جب رب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرماتا ہے ہو جا وہ ہو جاتی ہے۔ وہاں کن سے مراد ہو جانے کا حکم دینا نہیں۔ حکم دیا جاتا موجود چیز کو ہوتا ہے بلکہ مراد ہے اس کے ہو جانے کا ارادہ فرمایا۔ یہاں بھی یہ ہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بعض دلی بیماریوں کا ظہور چہرے سے ہوتا ہے کہ بیماری دل میں ہوتی ہے، علامت چہرے پر۔ یوں ہی منافقت دل کی ایک روحانی بیماری ہے۔ جس کا ظہور بعض اعمال سے ہو جاتا ہے۔ نماز میں سستی جہاد سے جی چرانا۔ اللہ والوں سے نفرت، دشمنانِ دین کی طرف رغبت یہ نفاق کی علامتیں ہیں۔ ان آیات میں انہیں علامات سے ان کی منافقت ثابت فرمائی گئی کام ایک ہوتا ہے، اس کی نوعیتیں مختلف۔ تبوک میں منافقوں کا حضور انور سے رک جانے کی اجازت لینا ان کے لئے منافقت کی علامت بنا۔ معذورین کا اجازت لینا قوتِ ایمان کی دلیل کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا انما یستاذنک الذین یومنون باللہ و رسولہ جیسے بیماری جہاد سے روکے وہ مومن ہے۔ مگر جسے سستی روکے وہ منافق۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اچھوں کے ساتھ رہنا محبت سے اللہ کی رحمت ہے۔ دھوکے سے رہنا لعنت۔ دیکھو ارشاد ہوا۔ فاقعدوا مع القاعدین بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ جاؤ۔ وہ بیٹھنے والے معذور مومن صحابہ تھے مگر منافقوں کا ان کے ساتھ بیٹھنا بے ایمانی تھا۔ مدینہ منورہ میں رہنا اللہ کی نعمت ہے مگر ان منافقوں کے لئے اس موقع پر وہاں رہنا لعنت بنا کہ اسے عتاب کے طریقہ سے بیان فرمایا۔ اگر حضور انور مدینہ منورہ میں آئے وہاں رہنے سے راضی ہوں تو آنا رہنا رحمت ہے اور اگر وہاں سے جانے سے راضی ہوں تو وہاں سے نکل جانا بہتر۔ اگر قرب سے راضی ہوں تو قرب بہتر اگر دوری سے راضی ہوں تو دوری اچھی۔ غرضکہ اچھی تو ان کی رضا ہے۔

لطیفہ: میں نے ایک مدنی حاجی صاحب غلام حسین سے عرض کیا کہ مجھے مستقل طور پر مدینہ منورہ میں رہنے کی اجازت دلوا دو۔ وہ بولے نہیں تم مدینہ آتے جاتے رہو مگر قیام گجرات میں رکھو۔ حضور انور اس میں راضی ہیں حضور انور نے گجرات میں اپنی برانچ کھولی ہے تمہیں اس برانچ میں نوکر رکھا ہے یہاں ہی ڈیوٹی دو۔ میں نے کہا بسر و چشم منظور ہے۔ شعر

لقاءِ دوست چہ خواہی رضائے دوست طلب　　　　کہ حیف باشد از وغیر او تمنائے

لَوْ خَرَجُوْا فِیْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا وَّلَاۡاَوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ

اگر نکلتے وہ تم میں تو نہ بڑھاتے تمہارے لئے مگر فساد اور البتہ دوڑتے وہ درمیان

اگر وہ تم میں نکلتے تو ان سے سوا نقصان کے تمہیں کچھ نہ بڑھتا اور تم میں فتنہ ڈالنے کو تمہارے

www.alahazratnetwork.org

يَبْغُوْنَكُمُ الْفِتْنَةَ ۚ وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ

تمہارے تلاش کرتے ہوئے تم میں فتنہ اور تم میں کچھ لوگ خوب سننے والے ہیں ان کے

بیچ میں خرابیں دوڑاتے اور تم میں ان کے جاسوس موجود ہیں اور اللہ خوب جانتا ہے

بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۷﴾ لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَّبُوْا لَكَ

لئے اور اللہ جاننے والا ہے ظالموں کو البتہ تحقیق تلاش کیا تھا انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا اور الٹ

ظالموں کو بیشک انہوں نے پہلے ہی فتنہ چاہا تھا اے محبوب تمہارے لئے تدبیریں الٹی پڑیں یہاں تک کہ حق آیا اور

الْاُمُوْرَ حَتّٰى جَآءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ اَمْرُ اللّٰهِ وَهُمْ كٰرِهُوْنَ ﴿۴۸﴾

پھیر کیں آپکے لئے کاروائیاں حتی کہ آ گیا حق اور غالب ہوا حکم اللہ کا حالانکہ وہ ناپسند کرتے تھے

اللہ کا حکم ظاہر ہوا اور انہیں ناگوار تھا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ رب نے ان کا غزوہ تبوک میں جانا پسند ہی نہ کیا۔ اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ ان کا جانا صرف فسادی کا باعث ہوتا۔ وہ نقصان ہی پہنچاتے گویا پچھلی آیت دعویٰ تھا اس میں اس کی دلیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے منافقین کو تبوک سے رہ جانے کی اجازت دے دی اور رب تعالیٰ نے اس پر ناراضی کا اظہار نہیں کیا۔ اب اس اجازت کی حکمتیں بیان ہو رہی ہیں کہ اگر وہ اس غزوہ میں جاتے تو فساد پھیلاتے گویا حضور انور کی اجازت دے دینے کا ذکر پہلے ہوا اور اس اجازت کی حکمتوں کا ذکر اب اس آیت میں ہو رہا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اس اجازت میں بہت حکمتیں تھیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ منافقین غزوہ تبوک سے رہ گئے بہانہ بنا کر۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس غزوہ میں بعض کمزور منافقین اور بعض ضعفاء مومنین شریک ہوئے جن کی شرکت سے جہاد پر اثر نہ پڑا۔ وفیکم سماعون لھم غرضیکہ منافقین دو طرح کے ہیں۔ سخت تر اور ہلکے۔ سخت تر نہ گئے ہلکے گئے۔

تفسیر: لو خرجوا فیکم یہ نیا جملہ ہے جو گذشتہ مضمون کی حکمت بیان فرما رہا ہے۔ خرجو کا فاعل وہ منافقین ہیں جن کا ذکر پچھلی آیات میں ہوا کہ رب نے ان کا جانا پسند نہ کیا یعنی فسادی منافقوں کا خروج سے مراد ہے غزوہ تبوک میں جانا۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہونا خیال رہے کہ بہت سے منافق اس غزوہ میں مدینہ منورہ سے روانہ تو ہوئے مگر جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم ثنیہ وداع سے آگے مقام ذی جدہ پہنچے تو یہ واپس مدینہ لوٹ گئے جیسا کہ اگلی آیت کی تفسیر میں انشاء اللہ عرض کیا جاوے گا۔ اس لئے یہاں فیکم ارشاد ہوا کیونکہ منافقین اس روانگی میں مومنوں میں نہ رہے بلکہ ان سے بچے بچے پیچھے رہے تاکہ

www.alahazratnetwork.org

واپس ہو جانا انہیں آسان ہو۔ ما زادو کم الا خبالا یہ فرمان عالی لوکی جزا ہے اس میں زادو کا فاعل منافقین ہیں اور کم میں خطاب غازیان تبوک سے ہے کم کے بعد یا تو شیئا پوشیدہ ہے الا خبالا مستثنیٰ متصل ہے یا جزا پوشیدہ ہے تو مستثنیٰ منقطع ہے۔ بہ ہر حال ہے مستثنیٰ مفرغ یہ خیال غلط ہے کہ مستثنیٰ منقطع کبھی مفرغ نہیں ہوتا۔ (تفسیر روح البیان) یہ بات یاد رہے ضروری ہے خبال کے سات معنی ہیں۔ شر، فساد، عجز، بزدلی، غداری، مکروفریب، گمراہی (روح المعانی وکبیر) اس وجہ سے جنون کو خبل مجنون کو مجنول کہتے ہیں۔ یہاں بمعنی شر یا فساد یا بزدلی ہے۔ یعنی اگر یہ منافقین غزوۂ تبوک میں تم میں جاتے تو شرارت یا فساد یا مسلمانوں کی ہمت توڑنا ان میں بزدلی پھیلانے کی کوشش وغیرہ پھیلاتے۔ ولا اوضعوا خلالکم یہ فرمان عالی معطوف ہے ما زادو کم (الخ) پر اور لوکی دوسری جزا یہاں ل نفی کا نہیں بلکہ لام تاکید ہے۔ مفتوح جو الف کے ساتھ لکھا گیا ہے نزول قرآن سے پہلے اہل عرب فتحہ کو الف سے لکھا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں فتحہ کو الف سے ممتاز کر کے لکھا گیا۔ چند جگہ پرانا طریقہ استعمال ہوا یعنی فتحہ کو الف سے لکھنا۔ ایک تو یہاں دوسرے لا ؟؟ فعل ثقیلہ میں۔ (روح المعانی، کبیر مدارک وغیرہ) اوضعو بنا ہے ایضاع سے بمعنی اونٹ کا دوڑانا۔ حدیث شریف میں ہے کہ حضور انور حج میں عرفات سے روانہ ہوئے آہستگی سے واوضع فی وادی المحسر یعنی وادی محسر میں اونٹ تیز دوڑایا مگر کبھی بمعنی دوڑنا بھی آتا ہے۔ وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی دوڑتے چنانچہ لبید شاعر کہتا ہے۔ شعر

آر انا موضعین بحکم غیب ولسحہ بالطعام و بالشراب

اس شعر میں موضعین کے معنی ہیں دوڑنے والے۔ عمرو ابن ربیعہ شاعر کہتا ہے۔ شعر

تبالھن بالعلوان لمائمرفتی وقلن امرء باغ اکل و اوضعا

اس شعر میں بھی اوضعا کے معنی ہیں دوڑا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں بمعنی دوڑانا ہی ہے بہ ہر حال مراد ہے کوشش کرتے ڈورے ڈالنا وغیرہ۔ خلال جمع ہے خلل کی بمعنی شگاف یا پھٹن یہاں بمعنی درمیان ہے۔ رب فرماتا ہے فتری الودق یخرج من خلالہ اور فرماتا ہے وفجرنا خلالھما نھرا اور فرماتا ہے فجاسوا خلال الدیار ان ساری آیات میں خلال بمعنی درمیان ہے یعنی یہ منافقین تمہارے درمیان چغلیاں لے کر دوڑتے ہیں یا تم میں فساد کے ڈورے ڈالتے ہیں۔ یبغونکم الفتنۃ یہ عبارت اوضعوا کے فاعل سے حال ہے یبغون بنا ہے بغی بمعنی چاہنا کوشش کرنا کم سے پہلے لام پوشیدہ ہے۔ فتنہ سے مراد لڑائی جھگڑا ہے حدیث شریف میں ہے یا باغی الخیر اقبل و یا باغی الشر اقصر وہاں باغی بمعنی چاہنے والا ہے نہ کہ بغاوت کرنے والا یعنی تم میں فتنہ پھیلانے کے لئے چکر لگاتے چغلی کر کے تم میں آپس میں جنگ کرادیتے۔ بحالت جہاد آپس کی جنگ زہر قاتل ہوتی ہے۔ اے مسلمانو! شکر کرو کہ تم ان کے شر سے بچے رہے کہ تمہارے ساتھ یہ نہ گئے یہ تمہارے نبی کا کھلا معجزہ ہے۔ اب تک تو منافقوں کا حال بیان ہوا آگے ارشاد ہے۔ وفیکم سمعون لھم اس فرمانِ عالی کی دو تفسیریں ہیں۔ (۱) اے غازیان تبوک تم میں کچھ منافقین بھی ہیں جو منافقت لئے تمہارے ساتھ چلے آئے ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہاری باتیں سرداران منافقین تک پہنچانے کے لئے سنتے تاکہ ان کی جاسوسی کرتے ہوئے تمہارے ارادوں تمہاری باتوں سے انہیں خبر دیتے رہیں

www.alahazratnetwork.org

اگر وہ سرداران منافقین بھی یہاں آ جاتے تو یہ ماتحت منافقین ان کی جاسوسی کرتے اور وہ تم میں فساد پھیلاتے۔ (۲) اے جماعت صحابہ! تم میں بعض تو مسلم ضعفاء مومنین بھی ہیں جن کی رشتہ داریاں ان منافقین سے ہیں یہ حضرت سیدھے اور سادہ لوح ہیں۔ دوست دشمن اپنے پرائے میں فرق نہیں کرتے۔ وہ ان کی باتیں سن لیتے ہیں اگر منافقین تبوک میں جاتے تو ان ضعفاء کو ڈراتے کہ تم لوگ کمزور ہو کفار قوی ہیں یہ ان کی باتیں مان کر ڈر جاتے۔ ان کے لئے سننا اور ان کی سننا ان دونوں میں فرق یاد رکھنا۔ واللہ علیم بالظلمین۔ یہ اس مضمون کا تتمہ ہے۔ یہاں الظلمین سے مراد وہ ہی چالاک منافقین ہیں یعنی اللہ تعالیٰ ان ظالم منافقوں ان کی کارستانیوں کو خوب جانتا ہے اس لئے اس نے تبوک میں انہیں آنے نہ دیا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ظالمین سے مراد سماعون یعنی منافقوں کے جاسوس ہیں (روح المعانی) لقد ابتغوا الفتنة من قبل اس فرمانِ عالی میں منافقین کی مذکورہ شرانگیزی فتنہ پردازی کا ثبوت گذشتہ واقعات یاد دلا کر دیا جا رہا ہے۔ ابتغوا بنا ہے بغی سے بمعنی تلاش کرنا، چاہنا۔ اس کا فاعل یہ ہی منافقین ہیں۔ الفتنہ سے مراد ان کی فتنہ پردازی اسلام کے خلاف سازشیں ہیں۔ من قبل سے مراد غزوہ تبوک سے پہلے کے حالات ہیں۔ اس سے کون سے فتنے مراد ہیں اس میں چار قول ہیں۔ (۱) غزوۂ احد میں عبداللہ ابن ابی اپنے تین سو ساتھیوں کے ساتھ میدانِ جہاد سے لوٹ کر مدینہ منورہ آ گیا تاکہ مسلمانوں کی ہمت پست ہو جائے صرف سات سو مخلص صحابہ حضور کے ساتھ رہ گئے اس سے وہ واقعہ مراد ہے۔ (۲) خود اس غزوۂ تبوک میں مدینہ منورہ سے روانگی کے وقت عبداللہ ابن ابی اپنے ساتھیوں کے ساتھ لشکر اسلام میں داخل ہو کر روانہ ہوا مگر ثنیہ وداع کے آگے مقام ذی جدہ پہنچ کر مع اپنے ساتھیوں کے مدینہ لوٹ گیا یہاں وہ مراد ہے۔ (۳) لیلۃ العقبہ میں بارہ منافقین حضور انور کے راستہ میں چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ آپ وہاں سے گزریں اور ہم آپ پر شب خون مار کر شہید کر دیں۔ اللہ نے حضور کو ان کے شر سے بچا لیا۔ (۴) ایک رات کے وقت ایک سفر میں حضور انور کی اونٹنی کے پاؤں میں کوئی چیز لگا دی جس سے اونٹنی چلتے ہوئے گر جاوے اور حضور انور شہید ہو جاویں (روح المعانی و روح البیان) بہتر یہ ہے کہ ان چاروں واقعات کی طرف اشارہ ہو۔ و قلبوا لک الامور یہ فرمانِ عالی معطوف ہے، ابتغوا (الخ) پر۔ قلبوا بنا ہے تقلیب سے بمعنی الٹ پھیر کرنا۔ امور سے مراد ہیں ان کی خفیہ تدبیریں یعنی ان منافقین نے صرف یہ چار فتنے ہی نہیں پھیلائے بلکہ ہمیشہ آپ کے خلاف اپنی تدبیروں میں الٹ پھیر کرتے ہی رہے حتیٰ کہ غزوۂ احزاب انہیں بدنصیبوں کی تدبیروں کا نتیجہ تھا۔ (تفسیر کبیر و خازن، روح البیان و معانی وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ اے محبوب منافقین کی یہ پہلی شرارت نہیں وہ تو شروع سے ہی آپ کے خلاف ہر طرح کی تدبیریں کرتے رہے مگر ناکام رہے۔ حتی جاء الحق یہ فرمانِ عالی ان منافقین کی تدبیروں کی انتہا بتانے کے لئے ہے۔ حق سے مراد اسلام کی ایسی فتح حضور انور کا وہ غلبہ ہے جس سے ان کی ہمتیں ٹوٹ گئیں اور وہ اپنی کامیابی سے مایوس ہو گئے اور ہار کر بیٹھ رہے۔

و ظهر امر الله یہ فرمان عالی معطوف ہے جاء الحق پر امر الله سے مراد دین اسلام یا حضور انور کی شان آپ کا نام ظہور سے مراد چمکنا ہے یا غالب آنا یعنی دین اسلام یا آپ کی شان آپ کا گرامی نام خوب چمک اٹھا۔ اس سورج کے چمکنے سے

سارے چراغ گل ہو گئے رات گئی۔ سویرا ہو گیا۔ جس سے مومن خوش ہو گئے۔ مگر منافقین کا یہ حال ہوا کہ وھم کرھون ہ
سے مراد مذکورہ منافقین ہیں کرھون بنا ہے کراھتہ سے بمعنی ناپسندیدگی۔ ناگواری یعنی آپ کا یہ فروغ اسلام کا یہ عروج
منافقوں کو سخت ناگوار تھا اور رہے گا یہ حسد کی آگ میں جلتے رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے غازیان تبوک صحابیو! ہمارے محبوب نے ان منافقوں کو مدینہ میں رہ جانے کی اجازت دے دی ہے ان کا جانا خود ہم کو ناپسند تھا۔ اس اجازت اور اس ناپسندیدگی کی وجہ یہ ہے کہ ان کا غزوہ تبوک میں جانا تمہارے لئے کچھ مفید نہ ہوتا۔ بلکہ نقصان دہ ہی ہوتا۔ کیونکہ اگر یہ لوگ تمہارے ساتھ تبوک میں چلے بھی جاتے تو تم کو کچھ نفع نہ دیتے بجز فساد پھیلانے کے۔ وہ تم لوگوں کے درمیان فتنہ پھیلانے کے لئے چکر لگاتے جھگڑے کرانے لئے دوڑے ڈالتے ہر طرح فتنے ڈالتے تمہاری چھوٹی جماعت بے سروسامان تمہارے مقابلے کفار کی بھاری تعداد بہت تیاری دکھا کر تم کو ڈراتے کفار سے! مرعوب کراتے تم غازیوں میں پہلے سے ہی بعض چھپے منافق ان کی جاسوسی کرنے کے لئے موجود تھے جو تمہاری باتیں ان تک پہنچانے کے لئے سنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ ان کا تمہارے ساتھ نہ جانا ہی ٹھیک تھا۔ یہ تو تبوک سے پہلے ہی غزوہ احد احزاب لیلتہ العقبہ وغیرہ میں فتنے پھیلا چکے ہیں۔ حتی کہ اس غزوہ تبوک میں ان کے کچھ لوگ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ پھر واپس لوٹ گئے اے محبوب آپ کے خلاف یہ تدابیروں کے الٹ پھیر کرتے ہی رہے حتی کہ یعنی اللہ کی طرف سے فتوحات آ گئیں اور اللہ کا حکم یعنی اسلام یا تمہاری شان دنیا میں ظاہر ہو گئی یہ ناپسند ہی کرتے رہے یہ کڑھتے حسد کرتے ہی رہے اب یہ مایوس ہو گئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: منافقین اگر نیکی بھی کریں تو بری نیت سے جس سے وہ نیکی گناہ بن جاتی ہے۔ یہ فائدہ لو خرجوا فیکم (الخ)۔ سے حاصل ہوا۔ یہ مسجد میں جاتا ہے تو جوتی چرانے کے لئے قرآن پڑھتا ہے تو قرآن اور محبوب رحمان میں عیب تلاش کرنے کے لئے۔

دوسرا فائدہ: مسلمانوں کے خلاف کفار کی جاسوسی کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ سمعون لھم کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ لھم کا لام بمعنی ! لئے ہو یعنی کفار کے لئے تمہاری باتیں سنتے ہیں ان تک پہنچانے کے لئے۔

تیسرا فائدہ: کفار اور ان منافقین کی باتیں سننا ان پر دھیان دینا ضعف اعتقاد کمزوری ایمان کی علامت ہے یہ فائدہ لھم کی!! دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ لام کی ہو۔ یعنی کہ ان کی بات سنتے ہیں۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کام رب تعالیٰ کی مرضی کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ اس میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں۔ دیکھو حضور انور نے منافقوں کو تبوک سے رہ جانے کی اجازت دی رب تعالیٰ نے فرمایا کہ میری مرضی بھی یہی تھی۔ کرہ اللہ انبعاثھم اور اس میں حکمت یہ تھی کہ اگر وہ تبوک میں جاتے تو فساد ہی پھیلاتے گویا ان آیات میں محبوب کے اس عمل شریف کی حکمتیں ارشاد ہوئیں۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں فائدہ: غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کے تین گروہ ہو گئے تھے ایک وہ جو بہانہ بنا کر رہ گئے دوسرے وہ جو روانہ ہوئے مگر راستہ سے واپس ہو گئے۔ تیسرے وہ جو غزوہ میں شریک ہوئے۔ یہ فائدہ **فیکم سماعون لھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا اور **لقد ابتغو الفتنۃ** سے معلوم ہوا۔

چھٹا فائدہ: جس سے ایک بار دھوکہ ہو چکا ہو اس پر اعتماد بھروسہ نہیں کرنا چاہئے۔ مومن ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں کاٹا جاتا۔ یہ فائدہ **لقد ابتغو الفتنۃ** (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: کفار منافقین ہمیشہ اسلام اور مومنوں کے خلاف تدبیریں کرتے ہی رہتے ہیں۔ ان سے غافل نہ ہونا چاہئے۔ نہ ان پر بھروسہ چاہئے یہ فائدہ۔ **قلبوا لک الامور** سے حاصل ہوا۔ **آٹھواں فائدہ**۔ انشاء اللہ ہمیشہ حضور کا سورج چمکتا ہی رہے گا۔ اور کفار جلتے ہی رہیں گے۔ ان کی پھونکوں سے سورج بجھے گا نہیں یہ فائدہ **!!جاء الحق** (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

چراغے را کہ ایزد برفروزد کسے کس تف زنیرشش بسوزد
نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

اب بھی اگر ہم سچے پکے مسلمان بن جاویں تو ہمارے خلاف کفار کی تدبیریں کارگر نہ ہوں **نواں فائدہ** مسلمانوں کی خوشی پر کفار و منافقین کبھی خوش نہیں ہوتے اگرچہ زبانی طور پر خوشی ظاہر کر دیں ہم کو مبارکباد دے دیں۔ یہ فائدہ **وھم کرھون** سے حاصل ہوا۔ ان کی ظاہری خوشی سے دھوکہ نہ کھاؤ۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین تم میں فساد بڑھاتے ہیں **ما زادو کم الا خبالا**۔ ان غازیان صحابہ میں فساد تھا ہی کہاں جو وہ زیادہ کرتے۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے چند جواب دئے ہیں (۱) یہ منافقین تم میں خیر نہ بڑھاتے ان کی شرکت سے تمہارے حوصلے بلند قوت زیادہ دشمن پر ہیبت زیادہ نہ ہوتی بلکہ فساد بڑھاتے کہ تم کو آپس میں لڑاتے۔ کفار سے ڈراتے۔ مسلمانوں کی ہمتیں پست کرنے کی کوشش کرتے یعنی مستثنیٰ منقطع ہے (۲) تم میں کوئی چیز نہ بڑھاتے سوا فساد کے استثنے متصل ہے اور مستثنیٰ منہ عام شئ ہے۔ (۳) تم میں کچھ منافق پہلے ہی تبوک میں موجود تھے جن کی موجودگی فساد کا باعث تھی۔ اب اگر یہ بھی پہنچ جاتے تو ان منافقین کا فساد اور بڑھ جاتا۔ کہ دونوں جماعتیں مل کر فساد پھیلاتیں۔ دیکھو تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی۔

دوسرا اعتراض: یہ مستثنیٰ منقطع نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ مستثنیٰ مفرغ ہے یعنی اس کا **مستثنیٰ منہ** پوشیدہ ہے اور مستثنیٰ منقطع مفرغ نہیں ہو سکتا دیکھو کتب نحو جواب۔ نحو کا یہ قاعدہ تب ہے جب کہ کوئی قرینہ موجود نہ ہو۔ اگر قرینہ موجود ہو تو مستثنیٰ منقطع بھی مفرغ ہو سکتا ہے یہاں قرینہ موجود ہے۔ (روح المعانی)

تیسرا اعتراض: منافقین مسلمان تو تھے ہی نہیں پھر ان کے متعلق **فیکم** کیوں ارشاد ہوا یعنی اے مسلمانو تم ہی میں

جواب فیکم سے مراد ہے تمہاری جماعت میں نہ کہ تمہارے دین منافقین قومیت کے لحاظ سے مسلمان مانے جاتے تھے جیسے آج مرزائی یا چکڑالوی کہ مسلمان کی مردم شماری میں آتے ہیں۔ مگر دینی لحاظ سے نہ اس زمانے کے منافقین مومن تھے نہ آج کل کی مرتد قومیں۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا حتی جاء الحق یہاں تک کہ حق آیا۔ حق یعنی اسلام یا قرآن مجید یا حضور انور علیہ السلام کی ذات کریمہ تو پہلے ہی آچکے تھے۔ اب ان کے آنے کے کیا معنی۔

جواب: یہاں حق سے مراد طے شدہ پروگرام کی چیز ہے یعنی مسلمانوں کی فتح و حضور انور علیہ السلام کی شان عالی کا ظہور آپ علیہ السلام کا عام چرچہ جس پر منافقوں کی ہمتیں ٹوٹ گئیں۔ جس کے بعد وہ لوگ صرف جلتے بھنتے تو رہے مگر حضور انور علیہ السلام کے خلاف تدبیریں چھوڑ گئے۔ یہ چیزیں ان کی خفیہ تدبیروں کی انتہا ہی ہیں نہ کہ منافقت اور حسد اور دل کی جلن۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ کے متعلق صوفیاء کرام چند باتیں فرماتے ہیں (ا) غیر جنس نااہل کی صحبت رب تعالیٰ کا عذاب ہے ان سے الگ رہنا اللہ تعالیٰ کی رحمت دیکھو۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے اس کا احسان جتایا کہ منافقین کو تبوک میں جانے سے روک دیا۔ گردوغبار کی صحبت جسم کو گندہ کرتی ہے اغیار کی صحبت دل کو میلا کرتی ہے (۲) ہمارے اندر ہمارے نفوس شیطان کے جاسوس ہیں اس لئے شیطان سے اور شیطانی لوگوں سے دور رہو۔ تاکہ نفس کو جاسوسی کرنے کا موقعہ ملے **وفیکم سمعون لھم** (۳) بروں کی دوستی سے نقصان ہی پہنچتا ہے فائدہ کبھی نہیں پہنچتا۔ دیکھو تبوک میں منافقوں کا جانا مسلمانوں کو نقصان دہ ہی ہوتا **ولا ضعو خللکم**۔ لوہار کی بھٹی کے پاس جانے سے کپڑے ہی کالے ہوں گے۔ (۴) جب رب کرم کرنا چاہے تو سب کی مخالفت کا کوئی اثر نہ ہوگا۔ **ظھر امر اللہ وھم کرھون**ہ شعر

چوں ترا اندر حریم خویش خودرہ داد شاہ ‌‌ ‌ ‌ از نفسیر پردہ دار وطعن درباں غم مخو

جب بادشاہ اپنے محل میں تم کو بلائے تو چوبدار۔ دربان۔ کتے کی آوازیں تجھے روک نہیں سکتیں (۵) اگرچہ کبھی کفر کا شور بڑھ جائے مگر انجام کار زور ایمان کا ہی ظاہر ہوتا ہے کہ ارشاد حق ہوا **جاء الحق و ظھر امر اللہ** اے مومن کوشش کر تو دینی روحانی دشمن کی شکل بھی نہ دیکھے۔ چہ جائے کہ تو اس کا ہمنشین بنے۔ تیرا دل محبت اغیار سے خالی رہے اس میں محبت یار رہے مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گر بہ بندی تو سر کوزہ تہی ‌ ‌ ‌ درمیان حوض دیا جوئے نہی
تا قیامت اور فرنماید بہ پست ‌ ‌ ‌ کہ دلش خالی است وے و ربادہست
میل باد شدچوں سوئے بالا بود ‌ ‌ ‌ ظرف خودراہم سوئے بالا کشد

باز آں جاہاکہ جنس انبیاء است
سوئے ایشاں کش کشاں چوسایہ ہاست

جان ہاماں جانب قبطی شدہ ‌ ‌ ‌ جان موسیٰ جانب سبطی شدہ

www.alahazratnetwork.org

معدہ خرکہ کشد دراجتناب معدہ آدم جذوب گندم اب

جس غبارہ میں ہوا بھری ہو۔ وہ سمندر میں نہیں ڈوبتا خواہ اسے کتنا ہی پانی میں دباؤ۔ ذرا سا موقعہ ملے تو ہوا میں اڑ جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر ہوا بھری ہے جو خود اوپر جاتی ہے۔ اور اپنے برتن کو اوپر لے جاتی ہے۔ اگر تیرے دل میں محبت مصطفیٰ بھری ہے تو تو دنیا میں غرق نہیں ہوسکتا وہ محبت تجھے مدینہ پاک لے جائے گی دیکھ لو ہامان قبطیوں کی طرف جھکا اور موسیٰ علیہ السلام سبطیوں کی طرف۔ مٹی کوزے سے بھرا ہوا برتن ہوا میں نہ اڑے گا۔ نیچے ہی گرے گا۔ منافقین غزوات میں جانے مدینہ پاک میں رہنے کے باوجود گئے اسفل السافلین میں کہ ان کے دل میں غلاظت تھی۔ حضرت بلال امیہ بن خلف کے پاس رہ کر بھی پہنچے حضور کے پاس کہ وہاں دل میں نور تھا۔ نور نور کے پاس پہنچا۔ صوفیائے فرماتے ہیں کہ چغل خوری۔ (نمامی) جاسوسی بڑے ہی جرم ہیں جن کی آیات میں برائی کی گئی ہے (از روح البیان)

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ وَلَا تَفْتِنِّيْ اَلَا فِي الْفِتْنَةِ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ اجازت دیجئے مجھے اور نہ فتنہ میں ڈالئے

اور ان میں سے کوئی تم سے یوں عرض کرتا ہے کہ مجھے رخصت دیجئے اور فتنہ میں نہ

سَقَطُوْا ؕ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۴۹﴾

مجھے خبردار وہ فتنہ میں پڑگئے اور دوزخ گھیرنے والی ہے کافروں کو

ڈالئے سن لو وہ فتنے میں ہی پڑے ہیں اور جہنم گھیرے ہوئے ہے کافروں کو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ گذشتہ آیات میں منافقین کے بہانوں کا اجمالاً ذکر ہوا اب اس کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ کیا بہانے بناتے ہیں گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیات کی تفصیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کے جھوٹے بہانوں کا ذکر ہوا اب ان کے تمسخر دل لگی اور مذاق کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو وہ اسلام اور جہاد کے متعلق کیا کرتے تھے گویا ان کے ایک کفر کے بعد دوسرے کفر کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین جہاد سے بچنے کی تدبیریں کرتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ بدنصیب جہاد میں جانے کو فتنہ کہتے ہیں اور جہاد سے رہ جانے کو فتنہ سے حفاظت قرار دیتے ہیں۔!

شان نزول: جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک کے لئے روانگی کا قصد فرمایا تو ایک منافق جد ابن قیس کو بلا کر فرمایا کہ تو بھی چل۔ اس نے بطور عذر کہا یا رسول اللہ میری قوم جانتی ہے کہ میں عورتوں کا بڑا شیدائی ہوں۔ حسین عورتوں کو

www.alahazratnetwork.org

دیکھ کر صبر نہیں کر سکتا ہوں اور جس قوم یعنی روم سے آپ جہاد کریں گے ان کی عورتیں بہت حسین ہیں۔ ممکن ہے کہ میں گناہ میں پھنس جاؤں۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکے گا۔ اس لئے حضور مجھے فتنہ میں نہ پھنسائیں یہاں ہی چھوڑ جائیں۔ جس پر حضور انور نے فرمایا تو جا اس کے متعلق آیت کریمہ نازل ہوئی سیدنا حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ یہ اس کا صرف حیلہ بہانہ تھا وجہ صرف اس کی منافقت تھی۔ (خزائن العرفان۔ خازن' بیضاوی' کبیر' روح المعانی' روح البیان) بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے سخت گرمی یا اپنے گھر کے محفوظ ہونے کا بھی بہانہ کیا تھا۔ مگر لفظ فتنہ پہلے قول کی تائید فرماتا ہے۔

نوٹ ضروری: یہ جد ابن قیس وہ منحوس ہے جو صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر ہوا تھا مگر بیعت الرضوان میں شریک نہ ہوا اپنے اونٹ کے پیچھے چھپ رہا۔ یعنی ایسے موقعہ مبارک سے فائدہ نہ اٹھایا محروم رہا (تفسیر صاوی)

تفسیر: **ومنهم من يقول ائذن لی** یہ فرمان عالی نیا ہے جس میں جد ابن قیس کی حرکت کا ذکر ہے **ھم** کا مرجع منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ **یقول** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرنا یا آپ کے حکم کے متعلق بہانہ کرنا۔ اذن سے مراد مدینہ منورہ میں رہ جانے تبوک میں نہ جانے کی اجازت دینا ہے یعنی ان منافقین میں بعض وہ بھی ہیں جو ایسے نادر موقعہ پر کہتے ہیں کہ یارسول اللہ مجھے مدینہ رہ جانے کی اجازت دے دیں۔ **ولا تفتنی** یہ فرمان عالی معطوف ہے اذان کی پر **افتان** کے معنی ہیں فتنہ میں پڑنا اور فتنہ میں ڈالنا یعنی یہ لازم ہے اور متعدی بھی۔ یہاں متعدی ہے کیونکہ اس کے ساتھ مفعول بہ ذکر ہے۔ فتنہ کے متعلق مفسرین کے تین قول ہیں 1 مجھے چلنے کا حکم نہ دیں۔ کیونکہ میں نے ہرگز نہیں جانا۔ اگر آپ حکم دیں گے تو میں حکم کی مخالفت کی وجہ سے گناہ گار ہو جاؤں گا لہذا آپ مجھے گناہ گار نہ کریں فتنہ بمعنی گناہ 2 میرا گھر محفوظ ہے اگر مجھے لے چلے تو میرا گھر برباد ہو جاوے گا۔ مجھے برباد نہ کریں۔ فتنہ بمعنی بربادی 3 گرمی بہت سخت ہے راستہ دراز مجھے ہلاک نہ کریں فتنہ بمعنی ہلاکت 4 میں عاشق مزاج ہوں رومیوں کی عورتوں کو دیکھوں گا تو اس میں مبتلا ہو جاؤں گا۔ مجھے حرام میں مبتلا نہ کریں۔ فتنہ بمعنی فحش کام (کبیر' بیضاوی روح البیان وغیرہ) آخری معنی شان نزول کے مطابق ہیں۔ **الا فی الفتنة سقطوا۔** یہ فرمان عالی جد ابن قیس کا جواب ہے یہاں ! فتنہ سے مراد کفر یا گناہ یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت ہے یعنی وہ تو کہتا ہے کہ جہاد تبوک میں جانا میرے لئے فتنہ ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کا اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں رہنا فتنہ ہے۔ خیال رہے کہ الفتنہ سے مراد بڑی بھاری فتنہ ہے سقوط کے معنی گرنا۔ یعنی یہ لوگ اب بڑے بھاری فتنہ میں گر گئے کیونکہ اب ان کا مدینہ میں رہنا محبوب کی ناراضی کا باعث ہے جو بدترین جرم ہے اس کی سزا دنیا میں بھی ملے گی اور آخرت میں بھی۔ دنیا میں یہ کہ اب ان کا نفاق ظاہر ہو جاوے گا۔ تاقیامت بدنام ہوں گے ہر جگہ ان کے برے چرچے رہیں گے اور آخرت میں یہ کہ۔ **وان جهنم لمحيطة بالكافرين** ۔ اس فرمان عالی میں آئندہ کی خبر ہے یعنی موت یا بعد قیامت کفار کو دوزخ گھیرے ہوئے ہوگی۔ زمانہ میں بھی کہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اور یہ بھی اس میں یا ہر طرف سے انہیں دوزخ گھیرے گی کہ ان کے جسم و دماغ اور دل پر دوزخ چھا جائے گی بخلاف گناہ گار مومن کے کہ اگر وہ دوزخ میں گیا تب بھی نہ تو اس میں ہمیشہ رہے گا نہ اس کے دل و دماغ اور اعضاء سجدے پر دوزخ چھائے لہذا وہ زمانہ اور جہت میں دوزخ

www.alahazratnetwork.org

کے گھیرے میں نہ ہوگا۔ دوزخ میں جانا، وہاں رہنا گھیرا جانا ان سب میں بڑا فرق ہے دوزخ میں جانا مومن متقی کے لئے بھی ہوگا۔ کہ وہ دوزخی مسلمان کو وہاں سے نکالنے کے لئے وہاں جائیں گے۔ الکافرین فرما کر یہ بتایا کہ منافقین اگرچہ کلمہ پڑھیں نمازیں ادا کریں زکوۃ دیں حج کریں۔ جہاد میں جائیں مگر ہیں نرے کافر انہیں کی طرح ہمیشہ اور ہر طرح دوزخ میں رہیں گے اس لئے مبہم نہ فرمایا۔ بالکافرین فرمایا۔ الکافرین میں الف لام یا تو عہدی ہے یا جنسی یا استغراقی یعنی ان کافروں (منافقوں) کو دوزخ ہر طرح گھیرے گی یا سارے کافروں کو دوزخ گھیرے گی کہ وہاں سے کبھی نکل نہ سکیں گے۔

خلاصہ تفسیر: ان منافقین میں بعض ایسے بے غیرت ہیں کہ جب ان کو ہمارے محبوب غزوہ تبوک کی طرف چلنے کا حکم دیں تو وہ بے دھڑک سب کے سامنے کہہ دیتے کہ حضور مجھے مدینہ میں رہ جانے کی اجازت دے دیں مجھے وہاں لے جا کر فتنہ میں نہ ڈالیں میرے لئے اس جہاد میں جانا فتنہ ہے۔ مدینہ میں رہ جانا امن ہے چند وجہ سے ایک یہ کہ راستہ دور ہے گرمی سخت ہے مجھے جانے میں سخت تکلیف ہوگی ممکن ہے کہ اس تکلیف کی وجہ سے کچھ کفر بک دوں۔ برداشت نہ کرسکوں۔ دوسرے یہ کہ میرا گھر غیر محفوظ ہے ہوسکتا ہے کہ میں ادھر جاؤں ادھر میرا گھر بار لٹ جاوے اور میں یہ حال دیکھ کر کافر ہو جاؤں تیسرے یہ کہ مجھے عورتوں کی بہت رغبت ہے حسین عورت دیکھ کر مچل جاتا ہوں۔ شعر

مچل جاتا ہے دل میرا جہاں کوئی حسین دیکھا ۔۔۔ زمانہ میں کوئی عاشق مزاج ایسا نہیں دیکھا

وہاں رومیوں سے مقابلہ ہے جن کی عورتیں حسینہ جمیلہ ہیں ممکن ہے کہ میں انہیں دیکھ کر زنا میں پھنس جاؤں اس لئے آپ مجھے روانگی کا حکم نہ دیں کیوں کہ وہاں جانا ہے نہیں۔ اگر آپ مجھے حکم دیں گے تب بھی میں نہیں جاؤں گا۔ اور آپ کا حکم نہ مان کر گناہ گار ہو جاؤں گا۔ اس لئے آپ مجھے حکم دیں ہی نہیں تاکہ میں اس فتنہ میں مبتلا نہ ہوں۔ اے مسلمانو خبردار رہو کہ یہ بڑے سے بڑے فتنہ میں واقع ہو چکے ہیں۔ حضور انور کا نہ ماننا۔ جہاد میں نہ جانا۔ جب حضور انور راضی نہ ہوں تو مدینہ میں رہ جانا جھوٹ بولنا وہ بھی حضور انور کے سامنے کہ میرا گھر غیر محفوظ ہے دین کا مذاق اڑانا کہ عورتوں پر فریفتہ ہوں یہ سب فتنہ ہی تو ہے جس سے ان کا نفاق ظاہر ہوگیا۔ وہ تا قیامت بدنام ہوں گے اور آخرت میں دوزخ انہیں ہر طرح گھیرے گی کہ ان کے جسم دل و دماغ دل پر ہمیشہ کے لئے چھا جائے گی۔ یہ بدترین کافر ہیں:۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: گناہ کی اجازت مانگنا کفر ہے کہ اس میں حرام کو حلال جاننا ہے یہ فائدہ ائذن لی سے حاصل ہوا۔ کہ اس وقت ان کے لئے جہاد میں نہ جانا حرام تھا اور وہ اس کی اجازت مانگتے تھے۔ یہ ہوا کہ کفر اس لئے آگے بالکافرین فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: دین کا مذاق اڑانا کفر ہے یہ فائدہ لاتفتنی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ فتنہ سے مراد ہو زنا۔ اور اجنبی عورتوں سے عشق کہ اس نے یہ بکواس بطور مذاق کی تھی اسے رب نے کفر قرار دیا کہ فرمایا۔ بالکافرین

تیسرا فائدہ: حضور انور سے یہ ہی کہا کہ مجھے جہاد کی روانگی کا حکم دے کر فتنہ میں واقع نہ کریں۔ اسے رب تعالیٰ نے کفر

www.alahazratnetwork.org

فرمایا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور کے سامنے جھوٹ بولنا یہ سمجھ کر کہ آپ میرے جھوٹ کو مان لیں گے آپ پر میرا داؤ چل جائے گا یہ کفر ہے۔ یہ فائدہ لا تفتنی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب اس سے مراد گھر کا غیر محفوظ ہونا ہو اسے رب نے کفر قرار دیا کہ۔ بالکافرین

پانچواں فائدہ: حضور انور سے یہ عرض کرنا کہ آپ مجھے حکم دیں یا نہ دیں میں نے یہ کام کرنا نہیں لہٰذا بہتر ہے کہ حکم نہ دیں یہ بھی کفر ہے ان کا ہر حکم واجب العمل ہے وہ ہم پر ہم سے زیادہ مہربان ہیں یہ فائدہ لا تفتنی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ہے حکم نہ ماننا جیسا کہ ابھی تفسیر میں گذرا۔

چھٹا فائدہ: حضور انور کی مرضی کے بغیر مدینہ منورہ میں رہنا حرام بلکہ کفر ہے ایمان ان کی رضا کا نام ہے وہ ہم سے جہاں رہنے میں راضی ہوں وہاں ہی رہو۔ یہ فائدہ **فی الفتنۃ سقطوا** سے حاصل ہوا۔ کہ منافق کہ مدینہ منورہ میں رہنے کو فتنہ یعنی کفر قرار دیا۔

میرا واقعہ: میں اس سال یعنی ۱۳۸۹ھ ۱۹۷۰ء کو حج کے لئے حاضر ہوا ساڑھے چار ماہ مدینہ منورہ میں حاضری نصیب ہوئی تین ماہ دس دن حج سے پہلے اور ایک ماہ پانچ دن حج کے بعد میرا ارادہ ہوا کہ ایک ماہ مدینہ میں اور حاضر رہوں کیونکہ ہوائی جہاز کا ٹکٹ ایک سال کی واپسی کا تھا۔ چاہا کہ بجائے ۱۵ اپریل کے ۵ مئی کو جاؤں یہ دل ہی میں خیال تھا کہ حیدر آباد کن کے ایک صاحب حاجی عبداللہ نے مجھ سے کہا کہ کیا آپ ایک ماہ اور رہنا چاہتے ہیں میں نے کہا ہاں فرمایا نہیں اب جاؤ۔ حضور انور کی مرضی یہ ہے کہ گجرات رہو اور تفسیر نعیمی پوری کرو۔ میں نے کہا بہت اچھا چنانچہ میں ۱۵ اپریل کو ہوائی جہاز میں آ گیا۔ اور مجھے گجرات میں رہنا اس لئے پیارا ہے کہ میرے محبوب اس میں راضی ہیں۔ ہاں تمنا ہے کہ بلاتے رہیں اور فقیر کو اب امید ہے کہ اس تفسیر کی تکمیل کی توفیق ملے گی انشاء اللہ۔

ساتواں فائدہ: مومن گناہ گار اگرچہ عارضی طور پر دوزخ جائیں مگر نہ تو وہاں ہمیشہ رہیں گے دوزخ ان کے ہر عضو پر چھائے ان کا دل و دماغ اعضاء سجدہ آگ سے محفوظ رہیں گے۔

یہ فائدہ **لمحیط بالکافرین** سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: منافقین بدترین کافر ہیں کیونکہ بعض کافر وہ بھی ہیں جو دوزخ سے دور رکھے جائیں گے انہیں صرف وہاں گرمی پہنچے گی مگر منافق ہر صورت دوزخ ہی میں رہیں گے۔ اس طرح کہ دوزخ انہیں ہر طرف سے گھیرے گی۔ یہ فائدہ **الکافرین** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس میں الف لام عہدی ہو اور اس سے مراد منافق کافر ہوں۔

نواں فائدہ: مومن میں شرم و حیا ہے کافر و منافق میں بے شرمی بے حیائی۔ **الحیاء شعبۃ من الایمان** ۔ دیکھو جد ابن قیس نے حضور انور کی بارگاہ میں تمام صحابہ کرام کے سامنے ایسی بے غیرتی کی بات کی جو شریف حیادار انسان کہہ نہیں سکتا۔ اللہ تعالیٰ اپنا خوف نبی کی شرم نصیب فرمائے شعر ۔۔

www.alahazratnetwork.org

دن لہو میں کھونا تجھے شب نیند بھر سونا تجھے
شرم نبی خوف خدا یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

پہلا اعتراض: منافقین حضور انور کے سامنے ایسی بکواس کر جاتے تھے مگر حضرات صحابہ ان سے کچھ نہ کہتے تھے۔ان کی غیرت کو کیا ہوا تھا آج کوئی شخص حضور انور کے متعلق ایسی بکواس کرے تو مسلمان اس کی جان لے لیں۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی۔

پہلا جواب: الزامی تو یہ ہے کہ ابلیس نے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بڑی بکواس **خلقتنی من نار و خلقته من طین** مگر فرشتے سنتے رہے کچھ نہ بولے اس کی کیا وجہ تھی۔

دوسرا جواب: الزامی یہ ہے کہ اسوقت رب نے بھی کچھ نہ کہا انہیں عذاب دیا۔دربار غیرت الٰہی جوش میں کیوں نہ آیا۔

جواب تحقیقی: یہ ہے کہ اس وقت حالات ہی ایسے تھے کہ ان باتوں پر تحمل کیا جاوے ورنہ دوسرے ممالک میں خبر اڑ جاتی کہ مسلمان تو مسلمانوں کو ہی قتل کرتے ہیں ان میں آپس میں جنگ ہے تو دوسری قوموں پر سے رعب بھی جاتا رہتا اور لوگ مسلمان ہونے کی ہمت نہ کرتے بہت دفعہ حضرت عمر نے ایسے گستاخوں کے قتل کی اجازت مانگی مگر حضور انور نے منع فرمایا۔حضرت عمر کے زمانہ میں اعلان کیا گیا کہ نفاق حضور انور کے وقت ہی عذاب یا کفر ہے یا اسلام یعنی کسی منافق کو معاف نہ کیا جاوے گا۔(مشکوٰۃ باب الکبائر) کیونکہ اب حالات بدل گئے تھے۔

دوسرا اعتراض: جب جد ابن قیس کو تبوک میں جانا ہی نہ تھا تو حضور سے اجازت کیوں مانگتے تھے کیوں کہتے تھے اذن لی۔

جواب: تاکہ ان کا نفاق مسلمانوں پر ظاہر نہ ہو جاوے اور وہ مطعون نہ ہو جاویں۔ان کا اجازت مانگنا رب کے خوف سے نہ تھا۔لوگوں کے ڈر سے **لانتم اشد رهبة فی صدورهم من الله**۔

تیسرا اعتراض: یہاں منافقین کے متعلق فرمایا **فی الفتنة سقطوا** کہ وہ فتنہ میں واقع ہو گئے وہ تو پہلے سے ہی فتنہ میں مبتلا تھے۔اب واقع ہونے کو کیا معنی

جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا ہے کہ اس فرمان عالی کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ وہ تو پہلے سے ہی فتنہ یعنی کفر میں پڑے ہوئے ہیں **سقطوا** ماضی ہے دوسرے یہ کہ اب فتنہ میں پڑ گئے تو فتنہ سے مراد ہے ان کے نفاق کا کھل جانا۔تا قیامت ان کا تمام دنیا میں بدنام ہو جانا۔دیکھو جد ابن قیس پر اب چودہ سو برس کے بعد پھٹکار پڑ رہی ہے۔شعر

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

تفسیر صوفیانہ: حضور انور سے کسی کام کی اجازت مانگنا مومنوں کے لئے زیادتی درجات کا باعث ہے۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے مختار نبی ہمارے مالک ومختار ہیں اجازت حضور کی ہو تو کام ہمارا ہو مگر منافقین کے لئے یہ ہی اجازت مانگنا زیادتی کفر کا ذریعہ ہوئی کہ وہ یہ حرکات دھوکا دینے کے لئے کرتے تھے چیز ایک ہے مگر نیت کے اختلاف سے ان کے نتیجے

www.alahazratnetwork.org

مختلف حضور پر نور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں یہ عرض کرتا کہ مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے سخت بدتمیزی اور کفر ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تو لوگوں کو فتنہ سے نکالنے کے لئے آئے ہیں حضور کا دامن فتنوں سے امان کی جگہ ہے۔ شعر

ان فقیہاء حشد سے کہہ دو عذر کریں
نازوں کے پالے آتے ہیں رہ سے گذر کریں

اس لئے رب نے فرمایا کہ منافقین اپنی اس بکواس کی وجہ سے فتنہ میں پڑ گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ حضور کی رضا سے مدینہ منورہ میں رہنا اللہ کی رحمت ہے۔ مگر حضور کو ناراض کر کے مدینہ میں رہنا فتنہ ہے رب نے منافقوں کے مدینہ میں رہ جانے کو فتنہ میں گرنا فرمایا اگر وہ کرم کریں تو دوسری جگہ کو مدینہ بنا دیں کہ بندہ وہاں رہ کر مدینہ منورہ کے انوار دیکھے۔ اگر کرم نہ ہو تو مدینہ منورہ بھی اس کے لئے مدینہ نہ رہے۔ منافقین کو دنیا میں بھی دوزخ گھیرے ہوئے ہے کہ ہر کام دوزخیوں کے سے کرتے تھے البتہ اس گھیرنے کا ظہور بعد قیامت ہوگا۔ بخیل مال سے بخیل جان بدتر ہے۔ جو دینی ضرورت کے وقت اپنی جان کی قربانی پیش نہ کردے۔

اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ
اگر پہنچے تم کو کوئی بھلائی تو غمگین کرے ان کو اور اگر پہنچے تم کو کوئی تکلیف تو کہیں کہ
اگر تمہیں بھلائی پہنچے تو انہیں برا لگے اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچے تو کہیں
اَخَذْنَآ اَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ ۞ قُلْ لَّنْ
بے شک اختیار کرلیا تھا ہم نے اپنا کام پہلے سے اور لوٹیں وہ حالانکہ وہ خوش و خرم ہوں
ہم نے کام اپنا پہلے ہی ٹھیک کرلیا تھا اور خوشیاں مناتے پھر جائیں تم فرماؤ
يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰنَا ۚ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
تم فرماؤ ہرگز نہیں پہنچے گا ہم کو مگر وہ جو لکھا اللہ نے واسطے ہمارے وہ والی ہے ہمارا اور
ہمیں نہ پہنچے گا مگر جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا وہ ہمارا مولیٰ ہے اور مسلمانوں کو
الْمُؤْمِنُوْنَ ۞
اللہ پر ہی پس چاہئے کہ بھروسہ کریں ایمان والے
اللہ پر بھروسہ چاہئے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں منافقت کی بدکلامی کا ذکر ہوا اب ان کی بدنختی کا تذکرہ ہے گویا زبان کے بعد دل کی حالت

www.alahazratnetwork.org

بیان فرمائی جارہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقین جہاد میں جانے کو زبان سے فتنہ کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں رہ جانے کو امان اب ارشاد ہورہا ہے کہ وہ دل میں اپنی اس حرکت کو احتیاط دانائی عقلمندی سمجھتے ہیں۔ قد اخذنا امرنا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کی زبان سے عداوت مسلمین کا ذکر ہوا۔ جو دوستی کے رنگ میں ظاہر ہوتی تھی۔ اب ان کی دلی دشمنی کا تذکرہ کہ وہ مسلمانوں کی بھلائی سے غمگین ہوتے ہیں اوران کی تکلیف سے خوش۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت جابرابن عبداللہ سے روایۃ کی کہ جب مسلمان غزوہ تبوک کو روانہ ہوگئے اور منافقین بہانے بنا کر رہ گئے تو ان کے سرداران نے خبراڑادی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سفر کی شدت گرمی کی زیادتی کی وجہ سے راستہ میں ہی شہید ہوگئے۔ اس خبر پر دوسرے منافقوں نے خوب خوشی منائی اور زبان سے وہ باتیں کیں جو اس آیت میں مذکور ہیں مگر بعد میں پتہ لگا کہ وہ کچھ غلط تھا حضور انور ﷺ مع اپنے صحابہ بخیریت ہیں تبوک میں جنگ ہوئی ہی نہیں بلکہ رومیوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ حضور انور ﷺ کو ہدیئے سوغاتیں پیش کیں اس پر ان کو سخت صدمہ ہوا پھر بعد کو سرکار حضور سید کونین صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ بخیریت تمام واپس آئے تو یہ آیۃ کریمہ نازل ہوئیں اور وہ سب بہت ہی شرمندہ اور بدنام ہوئے۔ روح المعانی)

تفسیر: ان تصبک حسنۃ تسوھم۔ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور حسنۃ سے مراد مطلقاً ظاہری بھلائی ہے کفار کا ہتھیار ڈال دینا جزیہ قبول کرلینا یا غزوہ میں فتح پانا غنیمت حاصل ہوجانا جیسے غزوہ بدر وغیرہ میں ہوا کہ اگرچہ شان نزول خاص ہے۔ مگر آیۃ کریمہ کے الفاظ عام۔ الفاظ آیۃ کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ شان نزول کی خصوصیت کا یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچے تو منافقین کو بڑی بری لگتی ہے۔ وان تصبک مصیبۃ یہ معطوف ہے ان تصبک (الخ) پراس میں بھی خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور مصیبت سے اپنی شکست میں قدم اکھڑ جانا مراد نہیں کیونکہ حضور انور ﷺ کے کسی جنگ میں قدم نہ اکھڑے نہ آپ ﷺ نے کبھی کفار کو پیٹھ دکھائی جو یہ کہے اس سے توبہ کرائی جائے۔ اگر نہ کرے تو قتل کیا جاوے کہ وہ حضور انور ﷺ کی سخت توہین کرتا ہے۔ (روح البیان) جیسے حضور ﷺ سب سے بڑھ کر سخی عالم عابد عارف ہیں۔ یوں ہی حضور ﷺ اشجع الاشجعین تمام بہادروں سے بڑھ کر بہادر ہیں۔ آپ ﷺ جیسا بہادر شجاع آسمان کی آنکھوں نے نہ دیکھا۔ بلکہ غزوہ میں ظاہری فتح حاصل نہ ہونا حضرات صحابہ کی تکلیف دیکھ کر قلب پاک کو رنج پہنچنا مراد ہے عزیز علیہ ماعنتم۔ خیال رہے کہ یہاں حسنۃ کے مقابل مصیبۃ فرمایا گیا۔ اور سورہ آل عمران میں حسنۃ کے مقابل سیئۃ ارشاد ہوا کیونکہ وہاں خطاب مومنین سے ہے اور یہاں خطاب محبوب رب العالمین سے۔ سیئۃ کے معنی گناہ بھی ہیں رب نے محبوب کیلئے وہ لفظ ارشاد فرمایا۔ جس کے ایک معنی حضور ﷺ کی شان کے خلاف ہوں۔ یعنی سیئہ۔ نیز یہ بتایا گیا کہ یہ مصیبت بھی حضور ﷺ کے لئے اور حضور ﷺ کے صدقہ مسلمانوں کے لئے بھلائی ہے کیونکہ ثواب اس پر بھی ملتا ہے۔ جیت گئے تو غازی مارے گئے تو شہید۔ لٹ گئے تو روزہ

www.alahazratnetwork.org

لوٹ لائے تو عید۔ (از تفسیر صادی و روح البیان) نیز غزوہ میں ظاہری شکست کو بعض مسلمان سیہ سمجھتے تھے۔ حضور انور ﷺ نے اسے مصیبت تو جانا سیہ (صادی) ان وجوہ سے حسنہ کے مقابل یہاں مصیبت فرمایا اور نہ حسنہ کا مقابل سیہ ہوتا ہے یعنی بھلائی کا مقابل برائی۔ یقولوا قد اخذنا امرنا من قبل۔ یہ جزا ہے۔ وان تصبک (الخ) کی یقولوا سے مراد یا منافقین کا آپس میں ایک دوسرے کو کہنا ہے یا غازیان تبوک کے بال بچوں اور ضعفاء مومنین سے کہنا ہے اخذنا سے مراد اختیار کرنا امرنا سے مراد ہے اپنی احتیاط یا دو طرفہ پالیسی کوئی پالیسی یا تبوک میں نہ جانا یا مسلمانوں سے منہ اور زبان سے ملے رہنا اور کفار سے دل و جان سے محبت رکھنا۔ دونوں کے دوست رہنا اور صلح کلی بننا من قبل سے مراد غزوہ تبوک سے پہلے ہے یا اول امر کے جب اسلام کا سورج مدینہ پر طلوع ہوا تو یہ لوگ دو طرفہ دوستی کرتے رہے۔ یہ تو ان کی بکواس کا بیان ہوا۔ رہا دل اس کا حال یہ ہے کہ ویتولو وھم فرحون۔ یہ فرمان عالی ہے۔ یقولوا پر تولی سے مراد لوگوں کا مجلسوں سے اپنے گھر کی طرف روانہ ہونا۔ فرحت سے وہ خوشی مراد ہے جو کفر ہے یعنی یہ باتیں کر کے جب اپنی مجلسوں سے اپنے گھروں کو لوٹتے ہیں تو بہت خوش خوش۔

خیال رہے: کہ یہاں طرز بیان میں فرق ہے کہ حسنہ کے متعلق ارشاد ہوا تسوھم مگر مسلمانوں کی تکلیف کے متعلق فرمایا گیا۔ یتولوا (الخ) فھم فرحون جملہ اسمیہ تاکہ معلوم ہو تمہاری مصیبت پر انہیں بڑی اور دائمی خوشی ہوتی ہے اور وہ اب نفاق کی اس حالت پر پہنچ گئے ہیں کہ ان کے ایمان کی طرف لوٹنے کی امید ہی نہیں اگر تسرھم فرمایا جاتا تو یہ فائدے حاصل نہ ہوتے۔ (روح المعانی)

قل لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے قل کے بعد لھم پوشیدہ ہے یعنی منافقوں سے آپ ﷺ فرمادیں کتب سے مراد ہے لوح محفوظ میں تحریر فرمادینا ہے۔ ما سے مراد ہر فتح و شکست رنج و غم بھی اللہ کی رحمت ہے۔ جس پر ثواب ملنے کی قوی امید ہے اس لئے لنا فرمایا گیا۔ جس میں لام نفع کا ہے اس لئے آگے ارشاد ہوا ھو مولنا وہ اللہ ہمارا مولیٰ ہمارا والی وارث ہے وہ ہمارے لئے جو بھی کرتا ہے اچھا ہی کرتا ہے فتح و خوشی دیتا ہے تو ہم کو شاکر بنانے کے لئے اور شکست و غم ہم کو صابر بنانے کے لئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اے منافقو تمہارے جانے نہ جانے تمہاری مدد کرنے نہ کرنے سے کچھ فرق نہیں پڑتا۔ جو ہمارے رب نے ہمارے متعلق اپنا فیصلہ کر دیا۔ وہی ہوگا۔ اور انشاء اللہ ہمارے لئے اچھا ہی ہوگا۔ لفظ مولیٰ کی تحقیق سورہ بقرہ کے آخر میں انت مولانا کی تفسیر میں ہو چکی کہ یہ لفظ یا تو ولی سے بنا ہے بمعنی دوستی و محبت یا ولایت سے اس لحاظ سے ارشاد نبوی ہے اللہ مولانا و لا ولی لکم یعنی اے کافرو اللہ ہمارا دوست ہے تمہارا نہیں۔ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کلام ہے۔ اس میں خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ حضور انور ﷺ کا کلام ہو۔ خطاب منافقین سے ہو یعنی محبوب ہم آپ ﷺ سے کہتے ہیں یا آپ ﷺ ان منافقوں سے کہہ دیں کہ مومنوں کو چاہئے کہ صرف رب تعالیٰ پر ہی بھروسہ کریں توکل کے معنی اور اس کے اقسام عوام کا توکل خواص کا توکل اور حضرت انبیاء کرام کا توکل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا توکل ان سب کی

www.alahazratnetwork.org

تفصیل ہم بارہا عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ ان منافقوں کی بد باطنی اس حد تک ہے کہ آپ ﷺ کو بھلائی فتح۔ غنیمت کفار کا جھک جانا آپ ﷺ کی عزت شان وشوکت کا ظہور پہنچے تو انہیں غمگین کرے یہ حسد سے جل کر خاک ہو جاویں اور اگر آپ ﷺ کو کوئی تکلیف مثلاً جہادوں میں بظاہر غلبہ نہ ہونا مسلمانوں کے قدم اکھڑ جانا وغیرہ پہنچے تو یہ خوشی میں دو کام کرتے ہیں یہ کہ اپنی مجلسوں میں فخر یہ کہتے کہ ہم نے تو پہلے ہی سے اپنے بچاؤ کی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں کہ ہم اس جہاد میں گئے نہیں یا ہم نے ان سے مل کر کفار کو ناراض نہیں کیا بلکہ زبانی طور پر ان سے تعلق رکھا۔ دلی طور پر کفار سے ملے رہے ہماری پولیسی بہت گہری ہے دوسرے یہ کہ جب مجلس سے اپنے گھروں کی طرف لوٹیں تو دل خوش لوٹیں خوشیاں مناتے ہوئے جائیں۔ آپ ﷺ ان بدنصیبوں سے فرما دیں کہ اے منافقو جہاد میں تمہارے جانے نہ جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہمیں وہ ہی پہنچے گا جو لوح محفوظ میں ہمارے مقدر میں لکھا جا چکا ہے کہ وہ انشاء اللہ ہمارے لئے مفید ہی ہوگا۔ راحت میں ہم شاکر بنیں گے۔ مصیبت میں صابر۔ شکر وصبر دونوں درجے ہم کو ملیں گے۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہمارا دوست ہمارا والی ہے دوست اور والی اپنے بندوں پر کرم کرتا ہے۔ تم اپنی خیر مناؤ کہ تم جہاد میں جاؤ تو بے ایمان گھر میں رہو تو بدنام مومنوں کو اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ چاہئے۔ شعر۔

کار خود را بخدائے بسپار کہ نمی بہ کیم ازیں بہتر کار

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بلکہ ان کے صحابہ بلکہ ان کی امت کو نعمت ملنے پر رنجیدہ ہونا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ ان تصبک حسنۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ خدا توفیق دے تو ان کی خوشی میں برابر کے ان میں شریک رہو۔

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی کامیابی پر بہت ہی خوشی ہوتی ہے یہ فائدہ اشارۃً ان تصبک حسنۃ (الخ) سے حاصل ہوا کہ حسنہ سے مراد مسلمانوں کا جنگ میں فتح پانا حضور انور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی تمام بھلائیاں پہلے ہی عطا فرما دیں تھیں۔

خیال رہے: کہ حضور انور ﷺ کے سارے جہاد اپنا راج قائم کرنے ملک جیتنے کے لئے نہ تھے۔ ان کا راج تو زمین و آسمان پر پہلے سے ہی قائم ہے حور وغلمان جن وانس ان کے در کے سلامی ہیں۔ شعر۔

بندگانش حور و غلمان و ملک چاکرانش سبز پوشان فلک
روح اسمٰعیل بر رویش فدا از دعا گویاں خلیل مجتبے (اعلحضرت)

بلکہ حضور ﷺ کے جہاد کے دو مقصد تھے۔ کفار کو ایمان بخشنا۔ مسلمانوں کو دینی آزادی عطا فرمانا۔ یہ بات خیال رہے۔

تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ بلکہ مسلمانوں کے غم کی پرواہ نہ کرنا بے غیرتی ہے۔ اس پر خوشی منانا کبھی کفر ہے۔ یہ فائدہ وان تصبک مصیبۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ مسلمان ایک دوسرے کے خوشی وغم میں شریک رہیں۔ ایک عضو میں دکھ ہو تو سارا جسم بے قرار ہو جاتا ہے۔ جس عضو کو قرار رہے وہ بیکار رہتا ہے۔ یعنی سوکھا ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: راہ خدا کی تکلیف سے بچنے کی کوشش کرنا منافقوں کی علامت ہے اسے اپنی سیاسی چال یا احتیاط سمجھنا دلی بیماری ہے اس کی راہ میں تکلیف برداشت کرنا فائدہ ہے۔ جو راہ خدا میں زیادہ خرچ کرے وہ نفع میں ہے اور جو کم خرچ کرے وہ نقصان میں یہ فائدہ **یقولو قد اخذنا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کا مزہ تو حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے پوچھو کون حسین۔ شعر

جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین   جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ نہ کھویا وہ حسین

پانچواں فائدہ: موجودہ زمانہ کی سیاست وہ ہی ہے جسے اس زمانہ پاک میں منافقت کہتے تھے چال و چالاکی سے اپنے کو بچالینا۔ دوسرے کو پھنسا دینا۔ اس پر خوش ہونا۔ یہ فائدہ **وھم فرحون** سے حاصل ہوا۔ روایۃً تواریخ میں ہے کہ غزوہ تبوک کی روانگی کے موقعہ پر ایک صحابی غالباً حضرت طلحہ سفر میں تھے۔ جب واپس آئے تو دھوپ تیز تھی۔ دوپہر کا وقت تھا۔ اپنے باغ میں ان کا مکان تھا۔ پہنچے تو دیکھا کہ سایہ دار گھنے باغ میں گھر کے اندر گوشت کی ہانڈی چولہے پر ہے بیوی حاضر ہے مگر سواری پر ہی پوچھا کہ جناب مصطفیٰ کہاں ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ بیوی صاحبہ نے عرض کیا غزوہ تبوک میں تشریف لے گئے ہیں بولے یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ حضور انور ﷺ دھوپ کے میدان میں ہوں میں گھنے باغ کے سایہ میں حضور انور ﷺ چھاگل کا گرم پانی پی رہے ہوں اور میں یہاں خمیری روٹی بھنے گوشت سے کھاؤں۔ یہ کہا اور سواری کی لگام تبوک کی طرف پھیر دی اترے بھی نہیں کچھ آگے گئے تو حضور انور ﷺ مع صحابہ کرام کے آتے ہوئے ملے۔ خوش وخرم حضور ﷺ کے ساتھ واپس آئے خوشی اصلی یہ ہے۔ اللہ نصیب کرے۔ شعر

لی حبیبی عربی مکی و مدنی قرشی   کہ بود رنج و غمش مایہ شادی و خوشی

حضور ﷺ کے غم پر خوشی منانا کفر ہے۔ ان کی خوشی میں شرکت کرنا ایمان ہے۔

چھٹا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ ہر رنج و خوشی آرام و تکلیف رب تعالیٰ کی طرف سے جانے۔ اس سے اس خوشی میں فخر اور غم میں بے صبری نہیں ہوگی سمجھے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ طے شدہ پروگرام کے ماتحت ہو رہا ہے یہ فائدہ۔ **لن یصیبنا الا ما کتب** (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مومن کی لئے فتح و شکست شادی و غم سب مفید ہے ان میں سے کوئی چیز مضر نہیں۔ یہ فائدہ **کتب اللہ لنا** سے حاصل ہوا۔ لنا میں لام نفع کا ہے۔ فتح میں شاکر ہو شکست میں صابر۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ خالق۔ رازق مالک سب کا ہے مگر مولیٰ صرف مسلمانوں کا۔ کافروں کا نہیں یہ فائدہ۔ **ھو مولانا** سے حاصل ہوا۔ مولیٰ بمعنی دوست یا بمعنی والی و ناصر حضور انور ﷺ نے غزوہ احد میں کفار سے فرمایا تھا **اللہ مولانا ولا مولی لکم**

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ جب مسلمانوں کا مولیٰ ہے تو وہ ان پر جو کچھ بھیجتا ہے اس میں صدہا حکمتیں رحمتیں ہوتی ہیں۔ مومن کے لئے اس کی بھیجی ہوئی بیماری بھی اچھی صحت بھی اچھی۔ یہ فائدہ بھی مولانا سے حاصل ہوا۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

تمہارے ہاتھ کے کنکر بھی اچھے　　میرے مولا تیرے پتھر بھی اچھے

رگ دل میں تیرے نشتر بھی اچھے

ناخوش او خوش بود درجان من!　　جان فدائے یار دل رنجان من

دسواں فائدہ: مومن کو چاہئے کہ اگرچہ اسباب پر عمل کرے مگر بھروسہ صرف رب تعالیٰ پر رکھے یہ فائدہ وعلی اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حسنہ کا مقابلہ مصیبت سے کیا گیا حالانکہ حسنہ کا مقابلہ سیئہ سے ہوتا ہے۔ حسنہ بھلائی سیئہ برائی سورہ آل عمران میں یہ مقابلہ کیا بھی گیا ہے اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس طرز بیان سے مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب سکھایا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسا لفظ استعمال نہ کریں جس کے معنی ہلکے اس بارگاہ کے لائق نہ ہو۔ سیئہ کے معنی برائی یعنی گناہ بھی آتے ہیں وکفر سیئاتنا۔ لہٰذا بجائے سیئہ کے مصیبت ارشاد ہوا۔ آل عمران میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں۔ حضرات صحابہ سے ہے۔ رب فرماتا ہے **لا تقولوا راعنا وقولوا انظرنا**۔

لطیفہ: مامون رشید چھوٹا بچہ تھا کہ اپنے باپ ہارون رشید کے پاس بہت سی مسواکوں کا بنڈل رکھا دیکھا باپ نے پوچھا **نبی ماھذا** ۔ بیٹے یہ کیا ہے۔ جواب میں اس نے مساویک نہ کہا۔ کیونکہ مساویک کے معنی ہیں مسواکیں مگر ایک معنے ہو سکتے ہیں تمہاری برائیاں بلکہ کہا ضد محاسنک یا امیر المومنین یہ آپ کی خوبیوں کے مقابل ہیں۔

دوسرا اعتراض: ان آیات کریمہ میں منافقوں کے دو عمل ارشاد فرمائے گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی پر ان کا غم کرنا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف پر خوش ہونا۔ مگر طرز بیان میں فرق ہے پہلی کے لئے۔ **تسوھم** ارشاد ہوا مگر دوسری جز کے لئے دراز عبارت **قد اخذنا** سے **فرحون** تک پھر **تسوھم** جملہ فعلیہ ارشاد ہوا اور دوسری کے لئے جملہ **اسمیہ و ھم فرحون** اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان بدنصیبوں کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف پر خوشی زیادہ ہوتی تھی کہ زبان سے خوشی کے الفاظ بولتے تھے دل میں فرحت پاتے تھے۔ عموماً سارے دشمنوں کا یہ ہی حال ہوتا ہے۔ اس مبالغہ اور دوام کو ظاہر فرمانے کے لئے طرز بیان مختلف ہوا۔

تیسرا اعتراض: یہاں رب تعالیٰ کے لئے ارشاد ہوا **ھو مولانا** معلوم ہوا کہ مولیٰ رب کی صفت ہے پھر ہم علماء کو مولانا کیوں کہتے ہیں یہ تو شرک ہے۔

جواب: اس کی تحقیق سورہ بقرہ کے آخر میں **انت مولانا** کی تفسیر میں ہو چکی۔ لفظ مولیٰ صفات مشترکہ میں سے ہے رب فرماتا ہے۔ **ھو مولاہ جبریل و صالح المؤمنین**. دیکھو اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مولا رب کو حضرت جبریل کو اور

www.alahazratnetwork.org

نیک مسلمانوں کو کہا گیا۔ صفات وحدت کو مشترک ماننا شرک ہے اور صفات مشترکہ کو وحدت ماننا کفر ہے۔

تفسیر صوفیانہ۔ جو شخص حضور انور ﷺ کے دروازے سے پھٹکارا گیا وہ دربار خداوندی سے پھٹکارا گیا۔ اور حضور ﷺ کے آستانہ سے پھٹکارے جانے کی بڑی وجہیں دو ہیں۔ حضور انور ﷺ کی خوشی پر غم کرنا دوسرے حضور انور ﷺ کی تکلیف پر خوش ہونا یہ حضور انور ﷺ سے دشمنی ہے ان آیات میں منافقوں کی رسول دشمنی کی یہ چیزیں ارشاد ہوئیں۔ ان سے بھیک لینے کا بڑا ذریعہ ہے ان کی خوشی میں شرکت کرنا۔ حضور ﷺ کونین کے دولہا ہیں دونوں جہان حضور انور ﷺ کی برات ہیں برات میں دولہا کے سر کا صدقہ بہت لوگوں کو ملتا ہے راستہ کے غرباء مساکین کو راستہ کی بکھیر کے پیسے ملتے ہیں دوستوں کو کمانا دا ما کمی کمینوں کو مختلف لاگ کے ذریعہ انعام و کرام رشتہ داروں کو جوڑے زیور یہ سب ہوتی ہے۔ دولہا کے دم کی بہار۔ حضور ﷺ کے دم سے عام مومنوں کو ایمان خاص غلاموں کو عرفان مخصوص دوستوں کو رحمت رحمان بلکہ دشمن کفار کو دنیا میں امن وامان غرضیکہ جسے جو ملا ان کے صدقہ میں ملا شعر۔

وہ ہی اک مدینہ کے چاند ہیں سب انہیں ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن
میں جن کی چہل پہل کے دم کی بہار ہے

دیکھو ان ایات کریمہ میں دشمن منافقوں کی نشان دہی تو کر دی گئی مگر ان پر عذاب نہیں آیا یہ ہے ان کے دم کی امان۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۭ وَنَحْنُ

فرمایئے نہیں انتظار کرتے تم لوگ ہمارے لئے مگر ایک کا دو بھلائیوں میں سے اور ہم

تم فرماؤ تم ہم پر کس چیز کا انتظار کرتے ہو مگر دو خوبیوں میں سے ایک کا اور ہم

نَتَرَبَّصُ بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ اَوْ

انتظار کرتے ہیں تمہارے لئے یہ کہ پہنچائے تم کو اللہ عذاب پاس سے اپنے یا ہاتھوں سے

تم پر اس انتظار میں ہیں کہ اللہ تم پر عذاب ڈالے اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں تو اب راہ

بِاَيْدِيْنَا ڮ فَتَرَبَّصُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ ﴿۵۲﴾ قُلْ اَنْفِقُوْا

ہمارے بس انتظار کرو تم لوگ بے شک ہم ساتھ تمہارے انتظار کرنیوالے ہیں فرمایئے خرچ کرو

دیکھو ہم بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہے ہیں تم فرماؤ کہ دل سے خرچ کرو نا گواری سے تم سے

طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ۭ اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ ﴿۵۳﴾

تم لوگ خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز نہیں قبول کی جائے گی تم سے بیشک تم لوگ ہو قوم بدکار

ہرگز قبول نہ ہوگا بے شک تم بے حکم لوگ ہو

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقوں کی اس خوشی کا ایک جواب دیا گیا جو وہ مسلمانوں کی تکلیف کی خبر سن کر مناتے تھے اب اس خوشی کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ جس چیز پر تم خوشی مناتے ہو وہ ہمارے لئے اللہ کی رحمت ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقین مدینہ منورہ میں رہ جانے جہاد میں نہ جانے کو عقلمندی اور احتیاط سمجھتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمان جہاد میں جانے وہاں تکلیف اٹھانے کو اپنی خوش نصیبی اور عقلمندی جانتے گویا بے وقوف کی حماقت کے بعد عقل کامل والوں کی عقل کا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ بحالت جہاد منافقوں کا مدینہ میں رہ جانا بے دینی اور بدترین گناہ تھا۔ اور ضعیف مسلمانوں کا یا جیسے حضور انور ﷺ وہاں خود چھوڑ جاویں انتظام کے لئے ان کا رہ جانا عبادت۔ اب قرآن کی وجہ بیان ہو رہی ہے انكم كنتم قوما فاسقين کہ یہ فاسق اور بدکار قوم ہے۔

شان نزول: جد ابن قیس منافق نے غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں وہ بہانہ بازی کی تھی جس کا ذکر پہلے ہو چکا۔ ساتھ میں یہ بھی کہا تھا۔ کہ میں جاؤں تو نہیں مگر اس جہاد میں خرچ کرنے کے لئے مال دیتا ہوں اس کے متعلق یہ دوسری آیت نازل ہوئی۔ قل انفقوا طوعا او كرها (الخ) (معانی۔ خازن۔ کبیر۔ روح البیان وغیرہ) اس جگہ روح البیان نے دو عجیب باتیں فرمائیں۔ ایک یہ کہ اس منافق کا بیٹا عبداللہ مخلص مومن تھا۔ جب یہ بہانہ بازیاں کر کے اپنے گھر لوٹا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ تجھے تبوک میں جانے سے تیری منافقت نے روکا اپنے گھر لوٹا تو اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا کہ تجھے تبوک میں جانے سے تیری منافقت نے روکا عنقریب تیرے متعلق آیات نازل ہوں گی۔ جن سے تو بدنام ہو جاوے گا۔ اس نے اپنے بیٹے کو جوتے سے مارا پھر جب یہ آیات اتریں تو عبداللہ نے کہا بولو ابا جی میں نے کہا تھا وہ ہی ہوا کہ نہیں۔ یہ بولا اے پاگل چپ ہو جا۔ تو تو میرے لئے محمد سے بڑھ کر سخت تر ہے۔ (صلے اللہ علیہ وسلم) دوسرے یہ کہ جد ابن قیس آخری میں مخلص مومن ہو گیا۔ اچھی توبہ کی خلافت عثمانیہ میں فوت ہوا واللہ اعلم (روح البیان) دوسری تفاسیر نے یہ روایت بیان کیں۔

تفسیر: قل هل تربصون بنا الا احدى الحسنيين ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ھل میں سوال انکاری ہے بمعنی نہیں تربصون میں خطاب جد ابن قیس اور سارے منافقین سے ہے جو مسلمانوں کی تکلیف کی جھوٹی خبروں پر بھی خوشیاں منایا کرتے تھے تربص کے معنی ہیں انتظام کرنا روکنا ٹھہرنا وغیرہ نیز يتربصن بانفسهن ثلثة قروء معنی بانفس ثلثة قروء مگر یہاں بمعنی انتظار ہے بنا کے معنی میں ہمارے متعلق اس کے بعد شیا پوشیدہ ہے حسنیین تثنیہ ہے حسنی کو جو احسن کا مونث ہے۔ اسم تفصیل۔ ان دونوں سے مراد مسلمانوں کی فتح اور غنیمت اور قتل و شہادت ہے یہ دونوں چیزیں مومن کے لئے دنیا کی تمام نعمتوں سے اچھی ہیں۔ یا منافقین کے گھر بیٹھے آرام کرنے سے اچھی ہیں یا فتح و غنیمت شہادت سے اچھی شہادت ایک طرح فتح و غنیمت سے اچھی لہذا انہیں حسن یعنی دوسرے سے اچھا فرمانا بالکل درست

www.alahazratnetwork.org

ہے یعنی دنیا وما فیھا سے اچھی یا تمہارے آرام وراحت سے اچھی یا ایک دوسرے سے اچھی (تفسیر کبیر وغیرہ) کہ فتح و غنیمت میں مومن نیک نامی شوکت غلبہ ثواب پاتا ہے اور شہادت کے ذریعہ دنیا کی تکالیف سے نجات رب سے قریب آئندہ نیک نامی زندگی جاوداں پاتا ہے۔ ونحن نتربص بکم یہ فرمان عالی معطوف ہے ھل تربصن (الخ) پر نحن سے مراد ہیں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے غلام صحابہ وغازمیں کے اس میں خطاب مذکور منافقین سے ہے۔ خیال رہے پہلے انتظار میں احتمال تھا۔ اس میں یقین ہے یعنی ہم اور ہمارے تبع غازی مومنین تمہارے متعلق انتظار کر رہے ہیں۔ دو آفتوں میں سے ایک کا ایک تو یہ کہ ان یصیبکم اللہ بعذاب من عندہ کا مفعول یہ ہے۔ یصیب دنیا ہے اصابتہ سے بمعنی ڈالنا پہنچانا عذاب سے مراد ہے کہ خفیہ کی سزا یعنی منافقت پر پکڑ من عندہ سے مراد وہ عذاب ہے۔ جو کسی ظاہری سبب کے بغیر ہو جیسے آسمان سے پتھر برس جانا۔ صورتیں مسخ ہو جانا اور غیبی آفت آ جانا۔ لہٰذا من عندہ صفت ہے عذاب کی۔ او بایدینا یہ عبادت معطوف ہے من عندہ پر اور صفت ہے عذاب کی یعنی یا تم کو ہمارے ہاتھوں سزا دلوائے کہ تمہارا اچھا کفر ظاہر ہو جاوے اور تم کو مرتد ہونے کی سزا پر قتل کئے جاؤ یا قریب ہی زمانہ فاروقی آ رہا ہے۔ جب یہ اعلان ہو جاوے گا۔ کہ نفاق گیا ہے۔ اب کفر ہے یا اسلام جس سے کفر کی کوئی بات ظاہر ہو گی۔ قتل کیا جاوے گا (مسکوۃ باب الکبائر) یہ رعایت محض عارضی ہے کہ منافق بنے رہو اور محفوظ ہو فتربصوا انا معکم متربصون۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے۔ لہٰذا ف جزائیہ ہے معکم میں ہمراہی سے مراد انتظار میں ہمراہی ہے۔ یعنی تم ہمارے متعلق وہ انتظار کرے جاؤ ہم تمہارے متعلق اس چیز کے منتظر ہیں قل انفقوا طوھا و کرھا یہ دوسرا مستقل فرمان عالی ہے۔ جس میں جد ابن قیس کے اس کہنے کا جواب ہے کہ میں غزوہ تبوک کے لئے مال دیتا ہوں۔ اس فرمان عالی میں بھی قل میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انفقوا لفظا امر ہے مگر معنی خبر۔ طوع۔ بمعنی خوش گر کے معنی ہیں ناخوشی خرچ سے مراد ہے۔ غزوہ تبوک میں خرچ کرنا۔ یا کسی اور جگہ کار خیر میں خرچ کرنا۔ طوعا اور کرھا دونوں مصدر ہیں۔ بمعنی اسم فاعل طائعین اور کارھین ہے۔ یہ دونوں انفقوا کے فاعل سے حال ہیں۔ کرھا کے متعلق کئی احتمال ہیں۔ نمبر (۱) مسلمانوں سے اپنا نفاق چھپانے کے لئے مجبوراً مال خرچ کرو۔ نمبر (۲) تمہارے سردار تم کو مجبور کریں کہ جہاد میں چندہ دو ورنہ ہم بدنام ہو جائیں گے نمبر (۳) تمہارے گھر والے تم کو شرم و عار دلائیں ڈرائیں کہ تم اس غزوہ میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے بدنام ہو جاؤ گے۔ بہر حال تمہارا دل خرچ کرنے کو نہ چاہے مگر تم کو خرچ کرنا پڑ جاوے کچھ بھی ہو۔ لن یتقبل منکم یہ فرمان عالی انفقوا (الخ) کی جزا ہے۔ یعنی تمہارا کسی قسم کا خرچ قبول نہیں کیا جاوے گا۔ یا اس طرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی قبول نہ فرمائیں یا حضور ﷺ قبول فرمالیں مگر اللہ تعالیٰ قبول نہ کرے۔ اس پر کوئی ثواب نہ ہے۔ (تفسیر کبیر معانی وغیرہ) اس قبول نہ ہونے کی وجہ یہ ہے۔ انکم کنتم قوما فاسقین۔ اس فرمان میں فاسقین سے مراد کافر ہیں یعنی فسق اعتقادی جیسے تم دیکھتے ہیں۔ یعنی کیونکہ تم لوگ کافر ہو اور کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں۔ درخت میں جڑ کے بغیر پھل نہیں لگتے اگر تم قبولیت چاہتے ہو تو پہلے نفاق سے توبہ کرو مخلص مومن ہو پھر نیک اعمال کرو۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ان خوشی منانے والے جھوٹی خبریں اڑانے والے منافقین سے فرمادو کہ ہمارے متعلق جب ہم جہاد میں جاتے ہیں۔ دو باتوں میں سے ایک کا انتظار ہوتا ہے پہلا ہماری فتح کا دوسرا ہم کو تکلیف پہنچنے مٹ جانے شہید ہونے کا۔ پہلا انتظار غم کے لئے ہوتا ہے دوسرا انتظار خوشیاں منانے کے لئے مگر خیال رکھو۔ کہ یہ دونوں مذکورہ چیزیں ہمارے لئے بہت ہی اچھی ہیں اگر ہم مغلوب شہید ہو گئے تو ہم کو دنیا میں نام اچھال گیا۔ کہ ہم شہید کہلائے آخرت میں قرب الٰہی کے مستحق ہوئے ہمارا خون دین کی عمارت کے لئے گارا بن گیا اگر فاتح ہو کر لوٹے تو دنیا میں ہم کو حلال روزی یعنی مال غنیمت ملا۔ ہماری شوکت کا شہرہ ہوا۔ کفار کے دل میں ہماری ہیبت بیٹھی ایک لحاظ سے شہادت کی موت اچھی دوسرے لحاظ سے فتح وغنیمت بہتر۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ مومن غازی کے لئے دو چیزوں کا ضامن ہے۔ یا شہادت کے بعد فوراً جنت کا داخلہ یا ثواب وغنیمت کے ساتھ گھر واپس (کبیر۔ خازن۔ معانی۔ وغیرہ) لیکن اے منافقو ہم جن دو چیزوں کا تمہارے متعلق انتظار دیکھ رہے ہیں وہ تمہارے لئے ہر طرح بری ہیں۔ ان میں اچھائی کا شائبہ نہیں کہ یا تو تم پر کوئی آسمانی عذاب آجاوے کیونکہ اب بھی غیبی عذاب محدود طور پر آسکتے ہیں۔ یا ہم کو تمہارے قتل کی اجازت مل جاوے کہ تمہارا کفر ظاہر ہوا اور تم کو مرتدین کی سزا دی جاوے لہٰذا تم ہمارے متعلق انتظار کئے جاؤ۔

ہم تمہارے متعلق یہ جو منافقین مال و خرچ کرنے کا ذکر کر رہے ہیں اس کے متعلق ان سے فرمادو کہ تم چاہے خوشی سے غزوات وغیرہ میں خیرات کر دیا ناخوشی سے اپنی پردہ پوشی کے لئے یا قوم کے یا گھر والوں کے دباؤ سے کچھ بھی کسی قبول ہرگز نہ ہوگا۔ کیونکہ تم پکے کافر ہو اور کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں اگر قبولیت چاہتے ہو تو مخلص مومن بنو پھر نیک اعمال کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہمیشہ کفار مسلمانوں کے بدخواہ رہے ہیں ان کی خوشی پر انہیں غم ہوتا ہے۔ ان کے غم پر انہیں خوشی وہ ہماری مصیبتوں کے منتظر رہتے ہیں۔ مسلمانوں کبھی ان سے غافل نہ رہو یہ فائدہ هل تربصون (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مومن کی مصیبت بھی اللہ کی رحمت ہے جس پر صبر کر کے وہ ثواب پاتا ہے۔ قید' زخمی ہونا' شہادت اس رحمت کی قسمیں ہیں۔ یہ فائدہ احدی الحسنین سے حاصل ہوا کہ رب نے دو اچھی چیزوں میں سے ایک فرمایا۔

تیسرا فائدہ: ایک اعتبار سے فتح و کامیابی اچھی ہے۔ اور دوسرے اعتبار سے شہادت وقتل افضل کہ اس میں شکر ہے اور اس تکلیف میں صبر۔ یہ فائدہ بھی حسینین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ حسینین سے مراد فتح وشکست ہو۔

چوتھا فائدہ: کافر کی راحت سے مومن کی تکلیف افضل کہ کافر راحت میں غافل ہوتا ہے۔ مومن تکلیف میں صابر یوں ہی کافر کی راحت سے مومن کی راحت افضل ہے۔ کہ مومن اس میں شاکر ہوتا ہے یہ فائدہ حسینین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان دونوں کو حسینین فرمایا۔ دیکھو ابھی عرض کی گئی تفسیر۔

پانچواں فائدہ: کفار کی مصیبت کا انتظار کرنا بھی ثواب ہے یہ فائدہ ونتربص بکم (الخ) سے حاصل ہوا بلکہ موذی کفار کی ہلاکت پر خوشی منانا بھی ثواب ہے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوجہل کے قتل پر سجدہ شکر ادا کیا فرعون کی غرقابی پر

www.alahazratnetwork.org

آج تک شکر کیا جاتا ہے۔ کہ عاشورہ کا روزہ سنت ہے۔ عاشورہ کے دن ہی وہ ڈوبا تھا۔

چھٹا فائدہ: کافرنا فرمانوں پر غیبی عذاب مخصوص طور پر اب بھی آسکتے ہیں۔ چنانچہ قریب قیامت کچھ لوگوں کی صورتیں مسخ بھی ہوں گی۔ اور بعض جگہ زمین دھسے گی لوگ اس میں دفن ہو جائیں گے۔ یہ فائدہ بعذاب من عندہ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: جہاد میں مومن کا قتل یا زخم یا قید ہونا اللہ کی رحمت ہے مگر کافر کے لئے یہ چیزیں اللہ کا عذاب یہ فائدہ اوبایدینا سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: منافقین کی کوئی عبادت بدنی ہو یا مالی ہرگز قبول نہیں۔ خواہ خوشی سے کرے یا مجبوراً اسے اس کا مطلقاً ثواب نہ ملے گا۔ یہ فائدہ لن یتقبل (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ قبول سے مراد رب تعالیٰ کی قبولیت ہو۔

نواں فائدہ: کفار سے صدقات ان کے چندے مسلمان اپنی عبادت میں خرچ نہ کریں یہ فائدہ لن یتقبل کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ قبولیت سے مراد ہے حضور انور ﷺ کا قبول فرمانا لہٰذا مسجد جہاد حج میں کفار سے صدقہ نہ لو مگر صدقہ' قرضہ اور امداد میں فرق ہے اس خیال میں رکھا جاوے۔

دسواں فائدہ: منافقین درحقیقت پکے کافر ہیں۔ کافر میں اگرچہ بھی ظاہری کلمہ گوئی کی وجہ سے ان پر کفار کے احکام جاری نہ ہوں۔ یہ فائدہ کنتم قوما فاسقین سے حاصل ہوا کہ یہاں فاسقین بمعنی کافرین ہے۔

گیارھواں فائدہ: کبھی امر بمعنی جز بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ انفقوا سے حاصل ہوا کہ یہ صیغہ امر ہے مگر اس کے معنی ہیں۔ اگر تم خرچ کرو۔

پہلا اعتراض: حسن کے معنی ہیں۔ زیادہ اچھی یہ احسن کا مونث ہے اگر اس سے مراد فتح اور شکست یا غنیمت و شہادت ہو تو یہ کلام کیونکر درست ہوا کیونکہ یہ دونوں ایک ایک اعتبار سے دوسرے سے افضل ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ لہٰذا ایک دوسرے سے افضل بھی ہیں۔ مفضول بھی مگر الگ حیثیت سے دوسرا اعتراض اگر یہاں ان دونوں کا مقابلہ کفار کے اعمال سے ہو۔ تو کلام کیونکر درست ہوا۔ کیونکہ کافر کا کوئی کام فتح' شکست غنیمت' قتل اچھا ہے ہی نہیں پھر مسلمان کا قتل و غنیمت اس سے زیادہ اچھا کیونکر ہو۔ نہ زیادہ اچھا کے معنی ہیں۔ کہ اچھائی دوسرے میں بھی ہو۔ مگر اس میں اچھائی زیادہ ہو۔ جواب اس صورت میں یہاں زیادہ اچھائی کم اچھائی کے مقابلہ میں نہیں بہت برائی کے مقابلہ میں ہے یعنی کافر کا قتل وغیرہ بہت ہی برا ہے مومن کا قتل و غنیمت بہت ہی اچھے جیسے کہا جاتا ہے کہ مومن کافر سے بہت ہی اچھا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کافر کم اچھا ہے اور مومن زیادہ اچھا' مطلب وہی ہے جو ابھی ہم نے عرض کیا۔ جہاد میں کافر قتل ہو تو خبیث ہے مومن قتل ہو تو شہید۔ اس جنگ میں مومن غازی ہے۔ کافر فسادی بہر حال آیت واضح ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ہم تم پر غیبی عذاب آنے کے منتظر ہیں حالانکہ حضور ﷺ کی تشریف آوری سے دنیا میں غیبی عذاب آنا بند ہو گئے رب فرماتا ہے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم پھر نہ ہونے والی چیز کا انتظار کیسا۔ (پھر نہ ہونے والی چیز کا انتظار کیسا۔)

www.alahazratnetwork.org

جواب: حضور ﷺ کی تشریف آوری سے غیبی عذاب بند ہوئے۔ خاص خاص لوگوں خاص شخصوں پر یہ عذاب پانا تب تو کوئی اعتراض نہیں۔

چوتھا اعتراض: انفقوا صیغہ امر ہے۔ اور امر جوب کے لئے آتا ہے واجب چیز کا قبول نہ ہونا کیا معنی۔

جواب: اس کا جواب بھی تفسیر میں گذرا کہ امر بمعنی خبر ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ امر اور خبر دونوں قریب المعنی ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ دیکھو استغفر لھم و لا تستغفر لھم۔ استغفر امر ہے مگر بمعنی خبر اور کتب علیکم الصیام یا کہ و الوالدات یرضعن اولادھن اس طرح و المطلقات یتربصن میں خبر ہی بمعنی امر ہے۔

پانچواں اعتراض: اگر لن یتقبل منکم کے معنی یہ ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے صدقات قبول نہ کرینگے۔ اور کفار کے صدقات مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ تو آج امریکہ اور روس و چین وغیرہ کی امداد سے مسلمانوں کی سلطنتوں کے کام چلتے ہیں۔ ان سے امداد کیوں لی جاتی ہے۔

جواب: ہم نے ابھی تفسیر میں اشارہ کیا کہ ہدیہ تحفہ مدد قرض صدقہ ان میں بڑا فرق ہے پھر منافق اور کھلے کافر کے احکام میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے نمک کی کان میں تاثیر ہے۔ کیونکہ وہ ہر چیز کی حقیقت بدل کر اسے بنا دیتی ہے۔ ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام میں تاثیر ہے کہ وہ ہر کام بر آفت کو نیکی بنا دیتا ہے۔ دیکھو یہاں فتح و شکست غنیمت و شہادت سب کو حسنین فرمایا۔ کیونکہ یہ سب کچھ حضور ﷺ کے نام کے ساتھ ہے۔ ان کے نام پر مرجانا بھی جی جانا ہے۔ بل احیاء و لکن لا یشعرون۔ جو کوئی فانی الرسول ہو جاوے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیاں بنا دیتا ہے اولئک یبدل اللہ سیئاتھم حسنات اور جو ان کے نام سے محروم رہا اس کے نیک اعمال بھی گناہ کر قبول نہیں ہوتے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا ہے۔ لن یتقبل منکم ایک ہی میدان جنگ ہے مگر یہ ہی جنگ مومن کے لئے جہاد ہے کافر کے لئے فساد مومن غازی ہے کافر فسادی اس جنگ میں مومن کی موت شہادت ہے کافر کی موت حرام ہے اس جنگ میں کافر کا لوٹا ہوا مال غنیمت ہے۔ نہایت طیب و حلال مگر اس کے برعکس اگر کافر مومن کا مال لوٹے تو وہ حرام ہے اور خبیث کہ ان سب کو رب نے عذاب الٰہی فرمایا کہ بعذاب من عندہ او بایدینا۔ یہ فرق کس نے پیدا کیا کہ صرف نام مصطفیٰ نے صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ خدا تعالیٰ کو قیامت فرشتوں وغیرہ کو اکثر کفار بھی مانتے ہیں یہ آیت کریمہ عذاب و رحمت کی جامع آیت ہے۔ جس نے بتایا کہ حضور انور کے نام سے ہر چیز رحمت ہے۔ ان سے ہٹ کر ہر چیز عذاب۔

وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ

اور نہیں روکا ان کو اس سے کہ قبول کئے جاویں ان سے خرچ ان کے مگر اس چیز نے کہ تحقیق انہوں

اور وہ جو خرچ کرتے ہیں اسکا قبول ہونا بند نہ ہوا مگر اس لئے کہ وہ اللہ اور رسول کے منکر ہوئے اور نماز کو

www.alahazratnetwork.org

وَلَا یَاْتُوْنَ الصَّلٰوۃَ اِلَّا وَھُمْ کُسَالٰی وَلَا یُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَھُمْ

نے کفر کیا ساتھ اللہ اور ساتھ رسول کے اس کے اور نہیں آتے وہ نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ سستی والے

نہیں آتے مگر جی ہارے اور خرچ نہیں کرتے مگر نا گواری سے تو تمہیں ان کے

کٰرِھُوْنَ ﴿۵۴﴾ فَلَا تُعْجِبْکَ اَمْوَالُھُمْ وَلَآ اَوْلَادُھُمْ اِنَّمَا یُرِیْدُ

ہوں اور نہیں خرچ کرتے مگر اس حال میں کہ وہ ناپسند کرتے ہوں پس نہ تعجب میں ڈالیں مال ان کے تجھ کو اور نہ

مال اور ان کی اولاد کا تعجب نہ آئے اللہ یہی چاہتا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ان چیزوں سے

اللّٰہُ لِیُعَذِّبَھُمْ بِھَا فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَتَزْھَقَ اَنْفُسُھُمْ وَھُمْ کٰفِرُوْنَ ﴿۵۵﴾

اولاد ان کی ارادہ کرتا ہے اللہ یہی کہ عذاب دے انہیں انکے ذریعے زندگانی دنیا میں اور نکلیں جانیں ان کی اس حالت میں کہ وہ کافر ہوں

ان پر وبال ڈالے اور کفر ہی پر ان کا دم نکل جائے

تعلق: ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین کے صدقات وخیرات قبول نہیں۔ اب اس قبول نہ ہونے کی تفصیلی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ نہ یہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گویا دعویٰ پہلے ہوا۔ اس کی دلیل اب دی جا رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کے آخر میں ارشاد ہوا کہ منافق فاسق قوم ہیں باب فسق کی تفسیر کی جارہی ہے کہ وہ اللہ رسول کے انکاری ہیں یعنی ان کا فسق اعتقادی ہے۔ نہ کہ عملی گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفسیر ہے کیونکہ فسق بدعملی کو بھی کہتے ہیں بداعتقادی کو بھی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ خواہ وہ خوشی سے خیرات کریں یا ناخوشی سے ہرگز قبول نہیں۔ اب ارشاد ہے کہ منافقین کی خوشی محض دنیا کے لئے ہے تاکہ اس صدقہ سے ان کا نفاق چھپ جاوے نہ کہ اللہ رسول کو راضی کرنے کے لئے لہٰذا ان کی خوشی پر ثواب نہیں درحقیقت وہ اس سے خوشی میں ہی نہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ منافقین کے صدقات وبال ہیں اور ان کے بقیہ اعمال برباد۔ اب ارشاد ہے۔ کہ ان کے لئے دنیا کی چیزیں مال و اولاد بھی نرے وبال ہیں زیادتی عذاب کا باعث لیعذبھم بھا (الخ) بداعمال سے مال و اولاد مال کی بیکاری کا ذکر نہایت ہی مناسب ہے۔

تفسیر: ومنا منعھم ان تقبل منھم نفقھم اس فرمان عالی کی نحوی ترکیبیں بہت کی گئی ہیں۔ سب سے آسان اور قوی

www.alahazratnetwork.org

یہ ہے۔کہ یہاں منع دو مفعول کی طرف متعدی ہے یعنی محروم کرنا۔اس کا پہلا مفعول تو ہم اور دوسرا مفعول ان تقبل (الخ) اس سے پہلے کوئی حرف پوشیدہ نہیں (روح المعانی) نفقات سے مراد یا تو ان کے صدقات ہیں جو وہ اپنا نقصان چھپانے کے لئے جہاد اور دوسری ضروریات دینی نہیں کرتے تھے یا مسلمانوں کے ساتھ چندہ دیتے تھے یا ان کے سارے دینی و دنیاوی خرچ۔کیونکہ مومن کو ہر خرچ پر ثواب ملتا حتیٰ کہ اپنے کھانے اور بیوی بچوں کو کھلانے پر بھی۔قبول سے مراد ہے بارگاہ الٰہی میں قبول ہونا اس پر ثواب ملنا یعنی منافقوں کو ان کے صدقات کی قبولیت سے محروم نہ کیا۔انا انهم کفروا بالله برسوله اس فرمان عالی سے پہلے پوشیدہ ہے وہ ہی منع کا فاعل ہے۔وہ مستثنیٰ منہ ہے اور انهم کفروا (الخ) مستثنیٰ ہے اگرچہ اکثر منافقین در پردہ تھے جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور فرشتوں قیامت جنت دوزخ کے قائل تھے مگر چونکہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر تھے تو رب نے ان کو خود رب تعالیٰ کا انکاری قرار دیا۔قرآن مجید میں جہاں رسول یا رسول مطلق ارشاد ہوتا ہے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔یہ ہی یہاں مراد ہے ولا یاتون الصلوٰة یہ عبادت کفروا بالله سے معطوف ہے یاتون بنا ہے اتی سے بمعنی آنا۔اس کا فاعل وہی منافقین ہیں نماز سے مراد یا تو نماز پنجگانہ ہے یا نماز جمعہ وعیدین بھی نماز میں آنے سے مراد جماعت کے لئے مسجد میں آنا ہے الا وهم کسالی اس سے پہلے فی حال پوشیدہ ہے۔اور یہ عبادت یاتون کی ضمیر سے حال ہے کسالی جمع ہے کسلان کی جیسے سکران کی جمع سکاریٰ حیران کی جمع حیاریٰ۔کسلان بنا ہے کسل سے بمعنی سستی اس سستی کی چند صورتیں ہیں نمبر (۱) نماز فرض تو جانے مگر ادا میں سستی و کاہلی کرے۔کبھی تو ہمیشہ نہ پڑھے یا کبھی نہ پڑھے صحیح وقت نہ پڑھے یا صحیح طرح نہ پڑھے یا جماعت کی پابندی نہ کرے۔یہ سستی کفر نہیں البتہ گناہ ہے اور سخت گناہ دوسرے یہ کہ لوگوں کے سامنے نمازیں خوب چستی سے ادا کرے مگر اکیلے میں نماز کاہلی سے ادا کرے۔لوگوں کے سامنے اچھی طرح پڑھے اکیلے میں معمولی یہ بھی گناہ ہے۔کفر نہیں تیسرے یہ کہ دل سے نماز کو فرض ہی نہ جانے۔صرف لوگوں سے اپنی منافقت چھپانے کے لئے نماز میں شریک ہو جایا کرے مگر کاہلی اور سستی سے کہ جماعت کے آخر میں آیا وضو کیا نہ کیا شریک ہو گیا۔یہ سستی کفر ہے۔وہ ہی یہاں مراد ہے کہ یہ بدعملی بدعقیدگی کی علامت ہے ولا ینفقون الا وهم کرهون یہ عبادت معطوف ہے لا یاتون (الخ) پر انفاق سے مراد راہ خدا میں خیرات کرنا ہے۔صدقہ فرض ہو یا نفل جہاد میں چندہ ہو یا کسی اور موقع پر کارهون بنا ہے کراهة سے بمعنی دل کی ناپسندی یا مجبوری نہ خرچ کرنے کی بھی چند صورتیں ہیں۔ایک یہ کہ زکوٰۃ کو فرض تو سمجھتا ہو مگر بخل کی وجہ سے نہ کرے اپنے کو گنہگار جانے دوسرے یہ کہ ناموری کے موقعہ پر خیرات کرے ویسے نہ کرے یہ دونوں صورتیں فسق ہیں۔کفر نہیں تیسرے یہ کہ زکوٰۃ فرض ہی نہ جانے صرف لوگوں کے طعن اور منافقت کے الزام کو دفع کرنے کے لئے لوگوں کے سامنے خیرات کر دیا کرے یہ کفر ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی ان کی دلی کفر کی دوسری علامت یہ ہے کہ وہ صدقہ خیرات نہیں کرتے اگر کرتے ہیں تو مجبوراً اور ناپسند کرتے ہوئے۔خیال رہے روشن کلام بتا رہی ہے کہ منافقین اکیلے ہیں گھر میں تو نماز پڑھتے ہی نہیں۔یوں خفیہ صدقہ تو کرتے ہی نہیں۔کیونکہ ان میں اخلاص نہیں صرف نام ونمود کیلئے لوگوں کے سامنے نماز کے لئے آجاتے ہیں۔اور علانیہ خیرات کر دیتے ہیں اس لئے لا یصلون

www.alahazratnetwork.org

نہیں فرمایا بلکہ لایاتون الصلوٰۃ ارشاد ہوا فلا تعجبک اموالھم و لا اولادھم یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے لہٰذا ف جزائیہ ہے یعنی جب منافقوں کا دلی حال یہ ہے اور ان کے اعمال ایسے تو ان کے مال پر تعجب نہ لا تعجبک میں خطاب مسلمان سے ہے (خازن وغیرہ) نبی کریم کی نظر میں تو ان کے مال کی عزت وقدر مچھر کے برابر نہ تھی جن کے قدموں میں اشرفیوں کا ڈھیر لگے۔تو چند منٹ میں تقسیم فرما کر اٹھ کھڑے ہوں جن کے غلاموں کے پاؤں تلے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج ہوں اس شہنشاہ کی سیر چشمی کا کیا پوچھنا ہے تعجبک بنا ہے اعجاب سے یعنی فخریہ طور پر خوشی ہونا۔اموال سے مراد منافقین کے ہر قسم کے منقول و غیر منقولی مال ہیں یونہی اولاد سے مراد ان کے بیٹے بیٹیاں اور پھر انکی اولاد یعنی اے مسلمان تو منافقوں کے مال اور ان کی اولاد کو بنظر عجب نہ دیکھ یہ نہ سمجھ کہ ان کے لئے یہ چیزیں نعمتیں ہیں اور ان کی عزت اللہ تعالیٰ کے نزدیک کچھ ہے یہ چیزیں تو ان کے لئے وبال و عذاب ہے اللہ لیعذبھم بھا فی الحیوۃ الدنیا یہ فرمان عالی لاتعجبک (الخ) کی وجہ ہے حصر کے لئے ہے تا کہ معلوم ہو کہ ان کے مال واولاد کے صرف دو ہی مقصد ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالےٰ ان کے ذریعہ انہیں دنیا میں ہی عذاب دے کر پہلے تو یہ لوگ نہایت ہی محنت مال جمع کریں پھر اس سے بڑھ کر محنت و مشقت سے اس کی حفاظت کریں پھر نہایت حسرت سے اسے چھوڑ جائیں یہ ہی حال ان کی اولاد کا ہے۔کہ انہیں اولاد کی محبت اللہ رسول سے زیادہ ہو ہر دم خطرہ لگا رہے کہ کہیں یہ ہمارے سامنے مر نہ جائیں یا ہم اس کے سامنے نہ مر جائیں۔کسی کو ذرا سی بیماری آ دے تو ان کے رنگ اڑ جائیں۔اس لئے نہ کبھی خود کبھی جہاد میں جاتے ہیں نہ اپنے بچوں کو بھیجتے ہیں۔وہاں ان کی موت نظر آتی ہے زکوٰۃ صدقات نکالتے ہوئے ان کی جان پر بن جاتی ہے۔کیونکہ یہ ثواب آخرت کے تو قائل نہیں یوں ہی شہادت کی موت انہیں آفت معلوم ہوتی کہ شہداء کی زندگی نہیں مانتے (تفسیر روح المعانی و کبیر) و تزھق انفسھم وھم کافرون۔یہ فرمان عالی معطوف ہے لیعذابھم (الخ)۔پر اس میں منافقوں کے مال واولاد کے وبال ہونے کی دوسری وجہ کا ذکر ہے کہ ان چیزوں میں پھنساوے کی وجہ سے ان کی جان بہت سختی سے نکلے گی زھوق کے معنی ہیں سختی سے نکلنا انفسھم جمع ہے نفس کی۔نفس کے بہت معنی ہیں یہاں بمعنی جان و روح ہے۔یعنی انہیں مرتے وقت جان کنی کی شدت دنیا چھوٹنے کا غم مصیبت سے جمع کیے ہوئے مال واولاد کے فراق کا صدمہ پر ایسی چیزیں جمع ہو جاتی ہیں جس سے ان کا دم بڑی مشکل سے نکلتا ہے پھر انہیں اسی وقت کلمہ نہ پڑھائے۔یہ تو ہائے میرا گھر ہائے میرا روپیہ ہائے میرے بچے کہتے ہوئے مرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کے صدقات و خیرات ہمارے ہاں یا آپ ﷺ کی بارگاہ عالی میں اس لئے قابل قبول نہیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بھی منکر اور اللہ کے رسول یعنی آپ ﷺ کے بھی انکاری۔جب جڑ ہی خراب ہے تو شاخوں میں سبزہ اور قبولیت کے شگوفے و پھل کیسے لگیں۔ان کے کفر کی علامت یہ ہے کہ یہ لوگ اکیلے تو نماز پڑھتے ہیں لوگوں کو دکھانے اپنے مصنوعی ایمان ثابت کرنے کے لئے مسجدوں میں آ جاتے ہیں۔نماز کو بوجھ سمجھتے ہیں۔سستی کرتے آخر رکعت میں مل گئے وضو کیا نہ کیا۔بے وضو ہی کھڑے ہو گئے ننگے سر گریبان کھلے آستین چڑھائے نماز پڑھنے لگتے ہیں اس کے علاوہ خیرات وصدقات صرف لوگوں کو دکھانے کے لئے اسے بوجھ سمجھ کر ٹیکس جانتے ہیں با دل نخواستہ کیونکہ انہیں اسلام کا نہ تو

www.alahazratnetwork.org

رکن جانتے ہیں قرآن کے ثواب پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ خوف کی نماز پڑھتے ہیں ذوق یا شوق کی نہیں جب ان کے اعمال یہ حال ہے تو اے قرآن پڑھنے والے مومن تو ان کے مالوں اولاد کو نظر تعجب سے نہ دیکھو۔ یہ چیزیں ان کے لئے وہاں بھی ارادہ الٰہی ہے کہ اللہ ان چیزوں کے ذریعہ ان کی دنیاوی زندگی میں عذاب دے کر یہ بمشکل مال جمع کریں بڑی مصیبت سے اسے سنبھالیں خزانہ کا سانپ بن کر جئیں۔ اس لئے ان پر اللہ تعالیٰ کی راہ میں مال دینا جہاد میں اولاد کو بھیجنا پہاڑ معلوم ہوتا ہے اور یہ بھی چاہتا ہے کہ آخری وقت اس کی جان بڑی مصیبت سے نکلے اور کفر پر مریں۔ کیونکہ انہیں موت کے وقت تین مصیبتیں جمع ہیں نزع کی شدت، مال چھوڑنے کی حسرت، بال بچوں سے اولاد میں پہلے سے ہی پھنسا ہوا نہ تھا۔ اس کا دل ہم سے لگا تھا۔ رہی نزع کی شدت وہ اس لئے اسے کم محسوس ہوتی ہے کہ آگے محبوب سے ملنے برزخ کے ثواب دنیا کے غموں سے رہائی کی خوشی میں وہ تکلیف محسوس نہیں کرتا۔ اللہ نصیب کرے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفر کے ہوتے ہوئے کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی۔ بغیر وضو نماز درست نہیں۔ بغیر جڑ شاخیں ہری نہیں بغیر ایمان اعمال قبول نہیں۔ یہ فائدہ الا انھم کفروا باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے اللہ تعالیٰ اور تمام ارکان اسلام کا ماننا خالص کفر ہے جس میں ایمان کا شائبہ بھی نہیں۔ یہ فائدہ کفروا باللہ وبرسلہ سے حاصل ہوا۔ مدینہ کے منافقین اللہ تعالیٰ، قیامت، فرشتے، جنت دوزخ سب کچھ مانتے تھے۔ انکاری تھے تو حضور انور ﷺ کے مگر رب نے فرمایا کفروا باللہ یہ فائدہ اس صورت میں ہے کہ رسولہ سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار سارے رسولوں کا انکار ہے اگرچہ ان حضرات کو ماننے کا دعویٰ کرے۔ یہ فائدہ اس صورت میں حاصل ہوا جب کہ رسولہ سے مراد جنس رسول ہو یعنی رسول لہٰذا عیسائی یہودی نہ تو عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ موسیٰ علیہ السلام کو۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکاری ہیں۔ منافقین مدینہ اکثر یہود تھے مگر رب نے انہیں اپنا اور رسولوں کا انکاری فرمایا۔

چوتھا فائدہ: سستی سے نماز پڑھنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ مومن کو چاہئے کہ رغبت و خوشی سے مستعدی کے ساتھ نماز پڑھا کرے یہ فائدہ وھم کسالی سے حاصل ہوا۔ مسئلہ تنگ وقت میں نماز پڑھنا مکروہ ہے کہ یہ کاہلین کی علامت ہے۔

پانچواں فائدہ: جو چندہ کسی رعایت سے یا طعنہ سے بچنے کے لئے نماز کے طور پر دیا جاوے اس پر ثواب نہیں ملتا یہ فائدہ وھم کارھون سے حاصل ہوا۔ صدقہ خوش دلی سے صرف اللہ رسول کی خوشنودی کے لئے دے۔

چھٹا فائدہ: کافر و غافل کے مال و اولاد کو مسلمان ہرگز للچائی نظر سے نہ دیکھیں نہ اسے رضاء الٰہی کی علامت سمجھیں یہ فائدہ فلا تعجبک (الخ) سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ پاک میں نہ کسی کافر کی کوئی وقعت تھی نہ ان کے مال کی کوئی حیثیت۔ حضور ﷺ کی نظر میں یہ سب چیزیں حقیر تھیں یہ فائدہ بھی **لاتعجبک** فرمانے سے ہوا کہ اس میں مومنین سے خطاب ہے نہ کوئی حضور انور سے۔ جس پر حضور ﷺ کا کرم ہو جاوے اس کی نظر میں دنیا ہیچ ہو جاتی ہے۔ شعر

دولت دنیا برابر ہاتھ سے خالی دل کے تو نگر

مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

قبضہ میں جس کے ساری خدائی اس کا بچھونا ایک چٹائی

نظروں میں کتنی ہیچ ہے دنیا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آٹھواں فائدہ: جو مال و اولاد خدا تعالیٰ سے غافل کردے وہ خدا کا عذاب ہے فائدہ **لیعذبھم بھما (الخ)** سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ اس سے محفوظ رکھے۔

نواں فائدہ: ایسے مال و اولاد کی وجہ سے جان کنی بہت سخت ہوتی ہے کہ اس وقت نزع کی شدت کے ساتھ ان چیزوں کے چھوٹنے کا غم تکلیف دوبالا ہو جاتی ہے۔

دسواں فائدہ: کسی کے کفر پر مرنے کا ارادہ کرنا برا نہیں کہ رب تعالیٰ خود یہ ارادہ فرماتا ہے۔ اس میں معتزلہ کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بندے کا بھلا ہی چاہتا ہے۔ ارادہ اور رضا اور حکم میں بڑا فرق ہے۔

گیارھواں فائدہ: کسی دشمن دین کو کفر پر مرنے کی بددعا دینا بالکل جائز ہے۔ اس میں کفر سے محبت نہیں بلکہ اس بے دین کی دشمنی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی ذریت کو اس کی بددعا تھی۔ **واشدد علی قلوبھم فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** یہ فائدہ۔ **وتزھق انفسھم وھم کافرون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہ آیت کریمہ منافقین کے متعلق نازل ہوئی۔ منافقین سارے کے سارے یہودی تھے۔ وہ خدا تعالیٰ کے منکر تھے نہ نبیوں کے پھر انہیں **کفروا باللہ وبرسولہ** کیوں فرمایا۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قرآن مجید میں جب رسول یا **رسولہ** مطلق بغیر قید کے ارشاد ہوتا ہے تو وہاں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہوتے ہیں۔ اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار خدا تعالیٰ کا انکار ہے لہذا یہ فرمان بالکل درست ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جو نماز میں سستی کرے وہ منافق ہے۔ آج بہت سے مسلمان نماز پڑھتے نہیں اور بہت سے پڑھتے ہیں مگر سستی ہے کہ کبھی پڑھی کبھی نہ پڑھی۔ جب پڑھی تو بغیر جماعت تنگ وقت میں کیا وہ سب کافر ہیں۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ نماز میں سستی کی تین صورتیں ہیں۔ جن میں سے تیسری صورت کفر ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی نماز کو فرض نہ جاننا صرف لوگوں کی طعن سے بچنے کے لئے بغیر وضو پڑھ لینا۔ پہلی دو قسمیں بھی سخت گناہ ہے مگر کفر نہیں

www.alahazratnetwork.org

کفر فساد عقیدہ سے ہوتا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ زکوٰۃ بوجھ سمجھ کر دینا منافقت ہے۔ حالانکہ بہت مسلمان بوجھ سمجھ کر دیتے ہیں۔ خصوصاً صحابہ کے زمانہ میں ایک قوم نے زکوٰۃ دینے سے انکار کیا تھا۔ پھر صدیق تلوار کے ڈر سے زکوٰۃ دی مگر مجبوراً کیا یہ سب لوگ منافق ہیں۔

جواب: اس ناپسندیدگی کی بھی دو صورتیں ہیں۔ جن میں سے ایک صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ دے۔ جمیل منافق کی طرح یہ کفر ہے۔ باقی صورتیں گناہ ہیں کفر نہیں۔ مال کی محبت کی وجہ سے زکوٰۃ اسے بھاری محسوس ہو مگر نفس کو مجبور کرے زکوٰۃ دے یہ کفر نہیں۔ خلافت صدیقی میں منکرین زکوٰۃ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ انہوں نے زکوٰۃ کا انکار نہیں کیا تھا بلکہ ظاہری مال جانوروں زمین کی پیداوار سلطان اسلام کو دینے سے انکار کیا تھا۔ ان پر صدیق اکبر کا حملہ کرنا کفار پر جہاد نہ تھا بلکہ باغیوں پر حملہ تھا۔ حدیث کے الفاظ سے ظاہر بھی یہ ہی ہے۔ کیونکہ حضرت صدیق نے فرمایا **لو منعونی عقالا** اگر وہ مجھے بکری کا بچہ نہ دیں گے مجھ سے یہ ہی معلوم ہوتا ہے۔ خلافت عثمانیہ سے یہ حکم ختم ہو گیا۔ اب ہر مال کی زکوٰۃ خود مالک دے بلکہ شامی کتاب الزکوٰۃ میں ہے کہ اب حتی الامکان حکومت کو کسی قسم کی زکوٰۃ نہ دی جاوے خود مالک مال زکوٰۃ میں ملاحظہ کرو۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا مال و اولاد اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے کیا ان کی جان کنی سخت اور موت کفر پر ہو گی۔

جواب: مال و اولاد کی محبت تین طرح کی ہے۔ شیطانی نفسانی ایمانی' ان کی محبت میں دین و ایمان برباد کرے محبت شیطانی ہے ان کی محبت سے اللہ رسول سے غافل ہو جاوے۔ محبت نفسانی ہے۔ اللہ رسول کے لئے ان سے محبت کرے انہیں آخرت کا توشہ بنائے یہ محبت ایمانی ہے۔ یہاں پہلی قسم کی محبت مراد ہے۔ اس محبت کے وہ انجام ہیں جو یہاں مذکور ہیں۔

پانچواں اعتراض: بندوں کا کفر پر مرنا اچھا ہے یا برا اگر اچھا ہے تو اس پر عذاب کیسا اور اگر برا ہے تو اللہ نے اس کا ارادہ کیا۔ کیا وہ بھی بری باتوں کا ارادہ کرتا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ ارادہ کفر کفر ہے۔

جواب: کفر سے راضی ہونا۔ اس کا حکم یا اجازت دینا کفر ہے۔ جو کافر ہو جانے کا ارادہ کرے کہ میں کل ہندو یا عیسائی بن جاؤں گا یہ بھی کفر ہے کہ اس میں کفر سے راضی ہونا ہے اسے پسند کرنا ہے۔ مگر کسی بندے کی بری حرکتوں کی وجہ سے اس کے کفر کا ارادہ کرنا نہ کفر ہے نہ برا بلکہ کبھی اس میں مصلحت ہوتی ہے دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے رب کے ارادہ سے ہو رہا ہے۔ جس میں ہزار ہا حکمتیں فرماتا ہے۔ **ولو شاء الله ما اقتتلوا ولكن الله يفعل ما يشاء** ۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا اور دنیا کی ہر چیز زہر ہے۔ خوف خدا عشق رسول اس کا تریاق مال اولاد وغیرہ سے محبت ان سے الفت اگر ان دو چیزوں کے ساتھ ہو تو عین دین ہے اس سے خالی ہو تو کفر بلکہ ان دونوں سے خالی ہو کر عبادات بھی زرا الحاد و بے دینی ہے مولانا فرماتے ہیں:

گر ہزاراں طالبند و یک رسول   از رسالت بازمی مانند رسول

کے رسانند آں رسالت رابتو   تانہ باش پیش شاں راکع دوتو

www.alahazratnetwork.org

صوفیا فرماتے ہیں کہ بعض موجود ہیں جو ازلی بھی ہیں ابدی بھی۔ یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک۔ جیسے رب تعالٰی کی قدرت اس کی صفات بعض موجود ہیں جو نہ ازلی ہیں نہ ابدی یعنی حادث بھی ہیں فانی بھی جیسے دنیا اور دنیا کی چیزیں بعض وہ ہیں جو ازلی تو ہیں مگر ابدی نہیں یعنی ہمیشہ سے نہیں مگر ہمیشہ رہیں گی۔ جیسے جنت اور وہاں کی نعمتیں اور ان کے پانے والے خوش نصیب مومن۔ ایسی کوئی چیز نہیں جو ازلی ہو مگر ابدی نہ ہو ہماری نیکیاں اگر نیک نیت سے ہوں تو وہ آخرت کی چیز ہیں اور ابدی۔ جن کی جزا ہمیشہ ملے گی اور اگر اس نیت کے بغیر ہوں تو وہ محض دنیا میں نہ ازلی نہ ابدی یہاں ہی رہ جائیں گی۔ رہے گناہ وہ کافر کے ابدی ہیں۔ مومن کے انشاء اللہ ازلی نہ ابدی (تفسیر کبیر) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزیں ہلاک کرنے والی ہیں۔ کنجوسی ۱ جس کی وجہ سے سخاوت سے رک جاوے خواہشات نفسانیہ ۲ جن کی پیروی کی جاوے ہر آدمی کا اپنے کو پسند کرنا ۳ فرمایا کہ بہت مال جمع کرنے والے بہت خسارہ میں ہیں تیسرے تین مال ہی ہیں جو کھا کر ہضم ہو جو پہن کر پھاڑ دے جو صدقہ کر کے آگے بھیج دے فرمایا جو خرید و فروخت میں منہمک ہو گا اس کے ساتھ شیاطین زیادہ ہوں گے۔ جو بادشاہ سے قریب ہو گا۔ اللہ سے دور ہو گا۔ یعنی ظالم بادشاہ سے مال کی بہت زیادتی مصیبت ہے۔ حلال کا حساب ہے۔ حرام پر عتاب بلکہ عذاب (کبیر) مال والے کی موت چھوٹنے کا دن ہے ایمان والے کی موت ملنے کا دن کہ اسے محبت مال و گھر بار سے ہے جو چھوٹ رہا ہے مگر اسے محبت اللہ رسول سے ہے جو اب مل رہے ہیں۔ رب تعالٰی ایمان دے کامل پھر نماز روزہ مال اولاد سب ہی برکت والی ہیں۔

وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ ؕ وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ

اور قسم کھاتے ہیں وہ اللہ کی کہ تحقیق وہ البتہ تم میں سے ہیں حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے اور لیکن

اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں اور تم میں سے ہیں نہیں ہاں وہ لوگ ڈرتے ہیں اگر پائیں کوئی

يَّفْرَقُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً اَوْ مَغٰرٰتٍ اَوْ مُدَّخَلًا لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ

وہ قوم ہیں ڈرپوک ہیں اگر پا جاتے وہ پناہ کی جگہ یا گڑھا یا گھس جانے کی جگہ تو البتہ

پناہ یا غار یا سما جانے کی جگہ تو رسیاں

وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ ﴿۵۷﴾

پھر جاتے وہ طرف اس کے حالانکہ وہ ڈرتے ہوتے

تڑاتے ادھر پھر جاویں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین صدقہ وخیرات صرف اپنا نفاق چھپانے کے لئے کرتے ہیں نہ کہ ایمان کی وجہ سے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ان کا مدینہ منورہ میں تمہارے پاس تمہارے ساتھ رہنا بھی صرف مجبوری اور اپنے کو چھپانے کے لئے ہے نہ کہ ایمان کی وجہ سے گویا مالی تقیہ کے بعد مکانی تقیہ کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں رشاد ہوا تھا کہ یہ لوگ اپنا ایمان ظاہر کرنے کے لئے خرچ بھی کر دیتے ہیں اب ارشاد ہے کہ وہ مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لئے جھوٹی قسمیں بھی کھا لیتے ہیں گویا مالی تقیہ کے بعد قسموں کے تقیہ کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ مسلمان منافقین کے مال واولاد سے یہ دھوکا نہ کھائیں کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے یہ چیزیں ان کے لئے عذاب ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ مسلمان ان کے مدینہ کی زمین حضور انور ﷺ کی مجلس میں حاضر صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سے بھی دھوکا نہ کھائیں کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ اس لئے انہیں ایسے مقدس مقام مبارک مجلس اچھوں کی صحبت میں رکھا ہے بلکہ جیسے ان کے مال اولاد ان کے لئے عذاب تھے۔ ایسے ہی یہ مجالس صحبتیں ان کے لئے عذاب ہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین مجبوراً صدقہ خیرات کرتے ہیں۔ اگر موقعہ پائیں تو بدترین جگہ میں رہنا پسند کریں۔ مدینہ میں رہنا پسند نہ کریں۔

تفسیر: ویحلفون باللہ انھم ۔ یہ فرمان نیا جملہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے یحلفون بنا ہے حلف سے بمعنی قسم۔ خواہ گذشتہ چیز پر ہو یا موجودہ چیز پر یا آئندہ پر یا دائمی چیز پر۔ اس کا فاعل وہ مذکورین منافقین ہیں۔ یہاں مضارع دوام اور استمرار کے لئے ہے۔ یعنی یہ منافقین قسم کھاتے رہتے ہیں مگر کس کی اس کی جس کی قسم سے تمہیں اعتبار آجاوے یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کی۔ بتوں یا توریت یا انجیل وغیرہ کی نہیں کھاتے۔ اس صورت میں باللہ کا تعلق یحلفون سے ہے اور رب تعالیٰ کا اپنا فرمان اور انھم لمنکم اس قسم کا بیان ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ باللہ سے ہی ان منافقوں کا کلام ہو اور اس کا تعلق تقسیم پوشیدہ سے ہو تو اس صورت میں باللہ قسم ہے اور انھم لمنکم اس کا جواب (روح البیان) وہ مسلمانوں کو اپنی بات کا اعتبار دلانے کے لئے اپنے کلام کی تین طرح تاکید کرتے ہیں۔ قسم سے ان سے اور لام تاکید سے انہیں تین چیزوں کا بیان ذکر ہوا۔ منکم کے معنی ہیں کہ وہ تمہارے دین تمہاری ملت میں سے ہیں اور تمہاری طرح حضور انور ﷺ کے صحابی یہ مقصد نہیں کہ وہ مدنی ہیں تمہارے محلوں میں رہتے ہیں کہ یہ بات تو بالکل ظاہر تھی۔ نیز اس سے وہ مسلمانوں کی جماعت سے نہ ہو سکے تھے۔ ہم مجلس ہم مشرب ہم قوام ہونا اور بات ہے مگر ہم مذہب ہم ملت ہونا کچھ اور۔ اس فرمان عالی میں ان کا قال بیان ہوا اب ان کا حال ارشاد ہوتا ہے۔ وما ھم منکم ۔ یہ فرمان عالی رب تعالیٰ کا فرمان ہے جس میں ان کی پرزور تردید ہے۔ یہاں انھم لمنکم میں عرض کیے گئے۔ یعنی اے جماعت صحابہ تم ان کی قسموں سے دھوکا نہ کھاؤ وہ لوگ نہ تم میں سے ہے تھے نہ ہیں۔ تمہارا دین اور ان کا اور۔ یہ باتیں صرف تقیہ کے طور پر تم سے کرتے ہیں ولکنھم قوم یفرقون ۔ عربی میں لکن وھم دور کرنے کے لئے آتا ہے۔ چونکہ گذشتہ مضمون سننے سے وہم پیدا ہوتا تھا کہ آخر انہیں مجبوری کیا تھی۔ جس کی

www.alahazratnetwork.org

وجہ سے وہ ایسا ہ فید جھوٹ بولتے تھے۔ یہ وہم اس فرمان عالی سے دور رکھا گیا۔ یفرقون بنا ہے فرق سے۔ فرق وہ خوف جو دل کی گھبراہٹ کے ساتھ ہو۔ کہ جاتا ہے رجل فروق جب عدالت سے مجرم کا جرم ثابت ہو جاوے اور ملزم کو فیصلہ سننے سے پہلے جو اپنی سزا کا خوف ہو وہ فرق ہے (از تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ) اس کے بعد منکم پوشیدہ ہے یعنی وہ لوگ تمہارے ہاتھوں کھلے کافروں مشرکوں کا انجام دیکھتے رہتے ہیں اس لئے تم سے ڈرتے ہیں کہ کہیں ہمارا کفر ظاہر نہ ہو جاوے چونکہ ہر وقت ان کے دلوں کو یہ دھڑکا لگا رہتا ہے اس لئے یفرقون ارشاد ہوا۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے اذا انزلت سورۃ نظر بعضھم الی بعض بہر حال ان کے دلوں میں اللہ رسول کا ڈر نہیں بلکہ تمہاری تلوار کا ڈر ہے ان کے دلوں کا حال یہ ہے کہ لو یجدون ملجاء او مغارات او مدخلا یہ فرمان عالی منافقوں کے دل کی کیفیت بیان فرما رہا ہے کہ یہ مدینہ منورہ میں تمہارے ساتھ مجبوراً رہتے ہیں اگر انہیں کسی تنگ تاریک خراب جگہ میں تم سے امان ملے تو مدینہ کی آرام دہ زندگی پر وہاں رہنے کو ترجیح دیں۔ خیال رہے کہ ملجا بنا ہے لجانو سے بمعنی پناہ۔ ملجا اس طرف بمعنی پناہ گا خواہ کوئی قوم ہو یا کوئی محفوظ قلعہ یا کوئی خاص آدمی مغارات جمع مغارۃ کی جس کا مادہ ہے غور بمعنی دھنس جانا جذب ہو جانا۔ رب فرماتا ہے ان اصبح ماء کم غورا۔ اگر تمہارا پانی زمین میں جذب ہو جاوے کہا جاتا ہے غارت عینہ۔ مگر بعض نے فرمایا کہ غار پہاڑ کے گڑھے کو کہا جاتا ہے اور مغار زمین میں گڑھا رب فرماتا ہے ثانی اثنین اذھما فی الغار۔ وہاں غار سے مراد جبل ثور کا غار ہے مدخل باب افتعال کا اسم مفعول ہے بمعنی ظرف اصل میں مدتخل تھا ت دال بن کر دال میں مدغم ہو گئی۔ بمعنی داخل ہونے چھپنے کی جگہ یعنی سرداب اور تہ خانہ گویہ سانپ کا سوراخ (تفسیر کبیر) یعنی اگر انہیں تم سے بچنے چھپنے کے لئے کوئی قلعہ ملے یا زمین کا غار یا تہ خانہ تنگ و تاریک تو وہ مدینہ منورہ میں کبھی نہ رہیں۔ بلکہ تولوا الیہ یہ فرمان عالی لو کی اجزا ہے یا پوشیدہ جزا کا تتمہ۔ ولو بنا ہے تولیۃ سے بمعنی منہ پھیرنا یعنی وہ تم سے تمہارے مدینہ منورہ سے حضور انور ﷺ کی پاک مجلسوں سے منہ پھیر کر ادھر رخ کریں۔ اگرچہ وہاں انہیں کیسی ہی تکلیف ہو۔ وھم یجھون یہ فرمان عالی تولو کے فاعل سے حال ہے۔ واؤ حالیہ یجھون بنا ہے جمح سے اس کے معنی ہیں گھوڑے کا رسی تڑا کر یا لگام توڑ کر یا مالک رسی یا لگام چھڑا کر اس طرح بھاگ پڑنا کہ قبضہ میں نہ آئے سرپٹ بھاگ جائے۔ کہا جاتا ہے فرس جموح سرکش بدکا ہوا گھوڑا۔ (تفسیر کبیر و روح المعانی وغیرہ)

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! منافقین تمہیں راضی رکھنے اپنا نفاق چھپانے کے لئے بہت جتن کرتے رہتے ہیں۔ کبھی جہادوں میں چندے دیتے ہیں کبھی مسجدوں میں (کچی سے ہی سہی) آ کر تمہارے ساتھ نمازیں پڑھ لیتے ہیں۔ اور کبھی قسمیں کھاتے ہیں کہ اللہ کی قسم ہم بھی تم میں سے ہی ہیں۔ تمہارے ہم مذہب ہم قوم ہیں۔ تمہاری طرح مومن۔ حضور انور ﷺ کے صحابی ان کی مجلس پاک میں شرکت کرنے والے ہیں۔ مسلمانو! ان کی باتوں سے قسموں سے دھوکا نہ کھانا۔ وہ نہ تم میں سے تھے نہ ہیں۔ ان تمام تدبیروں کی وجہ یہ ہے کہ وہ تم سے ہر وقت ڈرتے رہتے ہیں کیونکہ وہ تمہارے ہاتھوں کفار و مشرکین کا حال دیکھتے رہتے ہیں۔ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تم سے بچنے کے لئے کوئی قلعہ یا کوئی گہرا گڑھا کنواں یا کوئی تہ خانہ و سوراخ پا

www.alahazratnetwork.org

لیس اگر چہ انہیں وہاں کیسی ہی تنگی و تکلیف ہو مگر تمہارے ساتھ مدینہ منورہ میں رہ رہے ہیں ان کے دل ہر دم تمہاری طرف سے دھڑک رہے ہیں۔ ان کی نمازوں قسموں سے دھوکا نہ کھاؤ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: تقیہ کرنا منافقین کا کام ہے مومن کا نہیں۔ تقیہ خواہ عملی ہو یا قولی مومن دونوں سے بچے یہ فائدہ ویحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین دل میں کافر تھے زبان سے مومن بنتے تھے اپنے کفر کو چھپانے کے لئے جہادوں میں چندے دیتے مسجدوں میں نماز باجماعت پڑھ لیتے تھے۔ یہ ان کا عملی تقیہ تھا۔ قسمیں کھا کر اپنے کو مسلمان ظاہر کرتے تھے یہ تقیہ قولی تھا۔ رب نے ان سب کو منافقین کے عیوب میں شمار فرمایا۔

دوسرا فائدہ: قسمیں کھا کر اپنے ایمان کا ثبوت دینا منافقوں کا کام ہے مخلص مومن کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی اے لوگ ویسے ہی مومن سمجھتے ہیں یہ فائدہ انھم لمنکم سے حاصل ہوا۔ یہ علامت آج بھی بعض لوگوں میں موجود ہے۔ منبر پر کھڑے ہو کر قرآن مجید ہاتھ میں لے کر لوگوں سے کہتے ہیں کہ میں اس کی قسم کھاتا ہوں وہابی نہیں یہ وہی منافقوں والی رسم ہے۔

تیسرا فائدہ: جب عمل قول کے خلاف ہو تو قول کا کوئی اعتبار نہیں یہ وما ھم منکم سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے ان کی قسموں کے باوجود فرمایا کہ یہ لوگ تم میں سے نہیں۔ اگر چہ کتنی ہی قسمیں کھائیں۔

چوتھا فائدہ: اول سے ہی مسلمان دو طرح کے ہیں۔ دینی مسلمان اور قومی مسلمان اور یہ دیکھو منافقین کے متعلق ارشاد ہوا ہے کہ ماھم منکم یہ تم میں سے نہیں۔ اس کے باوجود انہیں مسجدوں میں نماز پڑھنے جہادوں میں شرکت کرنے کی اجازت تھی کیونکہ وہ قومی مسلمان تھے۔ اب بھی مسلمانوں کے تہتر فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہے مگر باقی بہتر فرقے قومی مسلمان ہیں۔ اس لئے حضور انور نے انہیں بھی امتی فرمایا کہ ارشاد ہوا ستفترق امتی علی ثلث وسبعین فرقة و کلھم فی النار الا واحدة:

پانچواں فائدہ: رب تعالیٰ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ صالحین کے گروہ سے نکال دیا جاوے۔ یہ فائدہ بھی ماھم منکم سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس رب کی بڑی نعمت یہ ہے کہ بندہ کو صالحین کے زمرہ میں داخل کر لیا جاوے۔ حضرت انبیاء کرام نے ہم کو تعلیم دینے کے لئے یہ دعا مانگی والحقنی بالصالحین الٰہی مجھے صالحین سے ملاوے یا وادخلنی برحمتک فی عبادک الصالحین خدایا مجھے اپنے رحم وکرم سے نیک بندوں میں داخل فرماوے۔

چھٹا فائدہ: منافق کے دل میں بندوں کا خوف ہوتا ہے مومن کے دل میں اللہ کا خوف اس کے رسول کا عشق ہوتا ہے۔

مصرع: درد دل وخوف غیر اللہ نیست۔ یہ فائدہ قوم یفرقون سے حاصل ہوا۔ یعنی منافقین تم سے ڈرتے ہیں۔

ساتواں فائدہ: بغیر حب رسول مدینہ منورہ میں رہنا بالکل بے کار مضر ہے۔ دیکھو منافقین مدینہ منورہ میں رہتے مسجد نبوی میں نمازیں پڑھتے صحابہ کرامؓ کے پاس آتے جاتے حضور انور کی مجلس میں حاضری دیتے تھے مگر چونکہ ان کے دل محبت رسول

www.alahazratnetwork.org

خدا سے خالی تھے نور ایمان سے محروم رہے ہیں۔ شعر

جو جانا ہے مدینہ میں تو پہلے عشق احمد کو ۔۔۔ نہ ہو جس سے محبت اس کے گھر جانا نہیں اچھا

آٹھواں فائدہ: کفار مومن کی صحبت سے گھبراتے ہیں اگر مجبوراً وہاں پہنچ بھی جاویں تو ان کے دل میں وحشت رہتی ہے کہ کب موقعہ ملے کب بھاگیں یہ فائدہ **لو یجدون ملجا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ کوئی اویس قرنی سے پوچھے کہ مدینہ منورہ کیسی بستی ہے اور صحبت صحابہ کس درجہ کی نعمت ہے اس کے برعکس کفار مومنوں کی صحبت سے متنفر ہیں۔ شعر

نوریاں مر نوریاں راجا اند ۔۔۔ ناریاں مر ناریاں راطالب اند

نواں فائدہ: منافقین مدینہ منورہ کے آرام وعیش پر دوسرے مقام کی تکلیف کو قبول کرنے پر تیار تھے جہاں انہیں مسلمانوں کی صورت نہ دیکھنا پڑے۔ انہیں مسلمانوں کی صحبت بہت تکلیف دہ تھی۔ مومن مدینہ کی تکلیف پر تمام دنیا کے آرام کو قربان کرتا ہے۔ یہ فائدہ **ملجا اور مغارات او مدخلا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ منافقین غاروں تہ خانوں میں رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ مدینہ منورہ میں بودوباش کے مقابل۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رب نے فرمایا **وما ہم منکم** منافقین تم میں سے نہیں گروہ مسلمانوں سے نہیں تو انہیں نماز کی جماعتوں میں شرکت مدینہ طیبہ میں رہنے کی اجازت جہادوں میں حاضری حج کی اجازت کیوں دی گئی۔ حالانکہ مشرکین و کفار کو مسجدوں میں آنے کی اجازت نہیں رب فرماتا ہے **ولا یقربوا المسجد الحرام بعد عامہم ھذا** یہ آیت اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں مذہبیت کا لحاظ ہے نہ کہ قومیت کا یعنی منافقین دین وملت کے لحاظ سے تم میں سے نہیں۔ قومی لحاظ سے انہیں مسلمان کہا جاوے گا۔ ان پر احکام اسلامی جاری ہوں گے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا **یخافون یا یخشون یا یتقون** کیوں ارشاد نہیں ہوا۔ ان سب کے معنی ڈرنا ہیں۔

جواب: فرق ایک خاص خوف کو کہتے ہیں ہر ڈر فرق خوف کو نہیں کہتے۔ فرق وہ ڈر ہے جو بندوں سے ہو دل کی دھڑکن کے ساتھ منافقین کو مسلمانوں سے اسی قسم کا خوف تھا کہ کہیں ہمارا نفاق ظاہر نہ ہو جاوے۔ اگر **یخافون** وغیرہ ارشاد ہوتا تو یہ مقصد حاصل نہ ہوتا۔

تیسرا اعتراض: اگر منافقین مدینہ منورہ سے ایسے ہی متنفر تھے کہ تہ خانہ۔ پہاڑ کی غار کو اس پر ترجیح دیتے تھے تو وہ مدینہ منورہ میں رہے کیوں۔ عرب کی زمین وسیع تھی وہاں پہاڑ اور غار بھی بہت تھے وہاں جا چھپے ہوتے۔

جواب: انہیں خبر تھی کہ ہم اگر کافر بن کر کسی جگہ پہنچ جاویں مگر مسلمانوں کی تلوار سے بچ نہ سکیں گے۔ ان کی حکومت پہاڑوں میں ان کی تلواریں غاروں میں پہنچ کر ہمارا خاتمہ کر دے گی اس لئے یہاں سے نہیں جاتے تھے۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کلمہ پڑھ کر رسول کی پناہ میں آتا ہے منافق جھوٹی قسمیں کھا کر بھی انہیں کی پناہ لیتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ مومن اللہ کے غضب۔ آخرت کے عذاب سے اسلام کے قلعہ میں آتا ہے اور منافق دنیا کی رسوائی یہاں کی ذلت اپنی

www.alahazratnetwork.org

حقیقت کھل جانے کے عذاب سے انہیں کی پناہ میں آتا ہے مگر وہ پناہ اللہ کی رحمت ہے۔ منافق کی یہ پناہ اللہ کی لعنت منافقوں کے متعلق یہ آیات ہیں مومنوں کے متعلق وہ آیت کریمہ ہے ولو انهم اذظلموا انفسهم جاؤک صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔ غیر جنس سے متنفر منافقین کفار کے ہم جنس تھے مسلمانوں کے غیر جنس اس لئے وہ مدینہ منورہ میں ایسے رہتے تھے جیسے طوطی کے ساتھ کوا۔ ایک ہی پنجرہ میں رکھ جاوے۔ یہ ہی حال نفسانی اور رحمانی لوگوں کا ہے۔ شعر

پارساہ ابس ابی قدر زنداں　　　که بود هم طویله رنداں

اے انسان تیرے قفس جسم میں نفس اور دل دو غیر جنس ہیں یہ دونوں ایک دوسرے سے متنفر ہیں۔ ان میں صلح کرانے کی صورت یہ ہے کہ نفس کو بجائے امارہ۔ مطمئنہ بنادے تاکہ وہ دل کا ہم جنس ہو کر آرام سے رہے۔ حضور انور کی صحبت پاک سے آپ کا قرین شیطان مومن بن گیا جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ مگر بدنصیب منافقین اس صحبت سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ یہ بدنصیب شیطان سے بدتر تھے۔ یہ آیت کریمہ بڑی عبرت کی ہے اللہ ہم سب کو حضرات صحابہ کے زمرہ میں داخل فرمائے۔

وَمِنْهُم مَّن يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَٰتِ فَإِنْ أُعْطُوا۟ مِنْهَا رَضُوا۟ وَإِن

اور بعض ان میں سے وہ ہے جو عیب لگاتے آپ کے صدقوں میں پس اگر دیئے جاویں ان میں سے

اور ان میں سے کوئی وہ ہے کہ صدقہ بانٹنے میں تم پر طعن کرتا ہے تو اگر ان میں سے کچھ ملے تو راضی ہو

لَّمْ يُعْطَوْا۟ مِنْهَآ إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿٥٨﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ رَضُوا۟ مَآ ءَاتَىٰهُمُ

راضی ہو جاویں اور اگر نہ دیے جائیں ان میں سے تو ناگاہ وہ ناراض ہو جاتے ہیں اور کاش کہ تحقیق وہ

جائیں اور نہ ملے تو جب ہی وہ ناراض ہیں اور

ٱللَّهُ وَرَسُولُهُۥ وَقَالُوا۟ حَسْبُنَا ٱللَّهُ سَيُؤْتِينَا ٱللَّهُ مِن فَضْلِهِۦ وَ

راضی ہوتے اس سے جو دیا ان کو اللہ اور رسول اس کا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اللہ عنقریب

کیا اچھا ہوتا اگر وہ اس پر راضی ہوتے جو اللہ و رسول نے ان کو دیا اور کہتے ہمیں اللہ کافی ہے اب دیتا

رَسُولُهُۥٓ إِنَّآ إِلَى ٱللَّهِ رَٰغِبُونَ ﴿٥٩﴾ ع ۱۳

دے گا ہم کو اپنی مہربانی سے اور رسول اس کا تحقیق ہم طرف اللہ کے رغبت کرنے والے ہیں

ہے اللہ اپنے فضل سے اور اللہ کا رسول ہمیں اللہ کی طرف رغبت ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کا وہ عیب بیان فرمایا گیا جس میں وہ اپنا چھپانے کی کوشش کرتے تھے یعنی جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا ایمان ظاہر کرنا۔ اب ان کا وہ عیب بیان ہو رہا ہے جس سے قدرتی طور پر ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ یعنی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر زبان طعن دراز کرنا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ منافقین کچھ بھی کریں۔ نمازیں پڑھیں۔ جہاد میں جائیں۔ صدقے دیں مگر منافق ہیں اب اس دعویٰ کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ کبھی ان کے منہ سے وہ باتیں نکل جاتی ہیں جس سے ان کی منافقت ظاہر ہو جاتی ہے۔ شعر

وہابی گرچہ اخفائی کند بغض نبی لیکن نہاں کے ماند آں رسمے کزو سازند محفلہا

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقین کا مال و اولاد اللہ کی رحمت نہیں بلکہ اس کا عذاب ہے۔ اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو مالدار ہونے کے باوجود مال پر بڑے حریص ہیں کہ مال کی خاطر ایمان چھوڑنا پسند کرتے ہیں۔

شان نزول: ان آیات کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات میں ١۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فتح حنین کے بعد ہوازن سے مال غنیمت حاصل کیا ہوا تقسیم فرما رہے ہیں فتح مکہ میں ایمان لانے والے پر بڑے کرم نوازی فرمائی انہیں بہت کچھ عطا کیا۔ پرانے مسلمانوں کا کچھ کم عطا فرمایا۔ اس پر قبیلہ بنی تمیم کا ایک شخص حرقوص ابن زہیر جس کا لقب تھا ذوالخویصرہ۔ تفسیر کبیر نے کہا کہ اس کا نام مقدار بن ذی خویصرہ تھا۔ اللہ و رسولہ اعلم۔ وہ بولا یا رسول اللہ آپ تقسیم میں انصاف کریں۔ حضور انور نے فرمایا اگر میں بھی انصاف نہ کروں تو کون کرے گا۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق کے قتل کی اجازت چاہی منع فرما دیا اور فرمایا کہ ارادہ الٰہی یہ ہے کہ اس کی نسل سے ایک قوم ایسی پیدا ہو کہ تم لوگ اپنی نمازیں روزے ان کی نمازوں روزوں کے مقابل معمولی سمجھو گے۔ قرآن بہت پڑھیں گے مگر ان کے گلوں سے نیچے نہ اترے گا۔ وہ دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر کمان سے تب یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں (مسلم، بخاری، تفسیر خازن، کبیر، معانی، روح البیان، خزائن عرفان وغیرہ) ٢۔ امام کلبی کہتے ہیں کہ ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو عطایا تقسیم فرما رہے تھے۔ کسی کو کم کسی کو زیادہ تو ایک شخص نے جس کا نام ابوالجواظ تھا اس نے کہا کہ یہ تقسیم برابر نہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی (خازن)

٣۔ قتادہ کہتے ہیں کہ ایک بار حضور صلی اللہ علیہ وسلم سونا چاندی لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ ایک بدوی بولا کہ یا رسول اللہ اگر آپ کو رب نے عدل و انصاف کا حکم دیا ہے تو آپ نے اس تقسیم میں انصاف نہیں کیا تب یہ آیت نازل ہوئی (خازن) ٤۔ ابن جریر نے داؤد ابن ابی عاصم سے روایت کی کہ ایک بار حضور انور کے پاس لوگ اپنے صدقات تقسیم فرمانے لگے۔ پیچھے سے ایک شخص بولا کہ اس طرح بانٹنا انصاف نہیں تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ روایت کے لحاظ سے پہلا قول قوی ہے مگر روایت کے اعتبار سے یہ قول قوی کیونکہ آیت کریمہ میں صدقات کا ذکر ہے غنیمت کو صدقہ تاویل سے ہی کہا جاوے گا (روح المعانی)۔

تفسیر: ومنھم من یلمزک فی الصدقات چونکہ یہ جملہ علیحدہ ہے اس لئے واؤ ابتدائیہ ہے۔ منھم کی ضمیر ان ہی

www.alahazratnetwork.org

منافقین کی طرف سے جن کا ذکر اوپر سے چلا آرہا ہے۔ لمز و همز ہم معنی ہیں۔ بعض کے خیال میں سامنے کسی کا عیب بیان کرنا لمز ہے۔ آنکھ ہاتھ وغیرہ کے اشارے سے بیان همز۔ بہر حال لمز کا اسم فاعل لامز همز کا هامز دونوں کی جمع همزه ہے رب فرماتا ہے ویل لکل همزة اللمزة ان کا مبالغہ لماز ہماز ہے فرماتا ہے هما زمشاء بنميم (تفسیر روح البیان معانی کبیر) اگر اس کا شان نزول وہ ہے جو چوتھی روایت ثابت ہے تو صدقات اپنے ظاہری معنی پر ہے یعنی صدقات وخیرات اور روایت ۔ کی بنا پر صدقات سے مراد مال غنیمت ہے۔ کیونکہ صدقہ بنا ہے صدق سے اس سے مراد ہر وہ عطیہ ہو سکتا ہے جس سے ثواب مقصود ہو۔ کیونکہ اس سے بندے کا دعوی بندگی میں صدق و سچائی ظاہر ہوتی ہے (روح البیان) چونکہ اس تقسیم کا ہر حصہ علیحدہ صدقہ تھا اس لئے صدقات جمع ارشاد ہوا اس سے پہلے قسمت یا تقسیم پوشیدہ ہے یعنی منافقین ایسے بدنصیب بے حیا بھی ہیں جو تقسیم صدقات میں آپ کو عیب لگاتے کہ آپ انصاف سے تقسیم نہیں کرتے مگر اس عیب لگانے کی حقیقت یہ ہے فان اعطوط منها رضو رضح سے مراد ہے آپ کی تقسیم سے راضی ہو جاویں کچھ اعتراض نہ کریں یعنی اگر انہیں معترضین کو ان کی خواہش کے مطابق مال دے دیا جاوے تو آپ سے آپ کی تقسیم سے راضی خوشی وخرم ہو جاویں۔ پھر کوئی اعتراض نہ کریں۔ وان لم يعطوا منها اذا هم يسخطون یہ پوری عبارت پچھلی عبارت فان اعطوا (الخ)۔ پر معطوف ہے یہاں بھی يعطو کا نائب فاعل وہی عبارت ہے فلو مایر یدون اس عبارت میں اذا جزائیہ ہے ف کی طرح۔ خیال رہے کہ اذا فرما کر یہ بھی اشارتاً بتا دیا گیا کہ ان کی ناراضگی فوراً بلا تاخیر ہوتی ہے (روح البیان) کیونکہ دراصل اذ مفاجائیہ ہے بمعنی اچانک ف جزائیہ کی جگہ استعمال کیا گیا۔ یعنی اگر مال غنیمت یا صدقہ وخیرات میں سے انہیں ان کی خواہش کے لائق نہ ملے تو وہ سخت ناراض ہو کر آپ کی تقسیم پر اعتراضات کرنے لگتے ہیں۔ ولو انهم رضوا ما اعطاهم الله ورسوله اس فرمان عالی میں تصویر کا رخ دکھا گیا ہے۔ اس فرمان میں ما مفعول یہ ہے رضوا کا۔ اللہ اور رسول اعطا کا فاعل ہے۔ اگر چہ اس وقت عطاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتی۔ مگر چونکہ حضور انور کا ہر کام وکلام رب تعالی کی طرف سے ہوتا ہے بلکہ حضور کا ہر کام وکلام درحقیقت رب تعالی کا کام وکلام ہے اس لئے اس کا فاعل ان دونوں ہستیوں کا بتایا گیا۔ قوی یہ ہے کہ یہاں ما عام ہے ہر تھوڑی بہت چھوٹی بہت عطاء کو شامل ہے۔ یعنی اگر یہ منافقین اللہ رسول کی چھوٹی بڑی تھوڑی بہت عطا پر دل سے تو راضی رہتے اور قالوا حسبنا الله۔ زبان سے کہتے ہم کو اللہ کا فضل وکرم کافی ہے جو ہم کو اللہ دے دے وہ اس کا فضل وکرم ہی ہے خواہ اس میں ہمارے کسب کو دخل ہو یا نہ ہو۔ ہمیں اب تک جو ملا اس کے فضل سے ملا آئندہ کے متعلق کہتے ہیں کہ سیؤتينا الله من فضله ورسوله اس فرمان عالی میں یوتینا کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے صدقہ آخروی یا کہ زائد قدر ماشاء اور رسوله معطوف ہے لفظ اللہ پر یعنی قریب ہے کہ ہم کو اپنے فضل سے اللہ رسول اور بھی دیں گے۔ اس سے زیادہ دیں گے۔ جتنا ہم مانگیں گے اتنا دیں گے۔ جس سے ہمارے دل خوش ہو جائیں گے۔ انا الى الله راغبون اس فرمان عالی میں گذشتہ مضمون کی دلیل ہے اگر رغبت کا صلہ من یا عن سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں بے رغبتی یا منہ پھیرنا رغب منه یا غب عنه اور اگر الی یا لام یا فی سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں اس میں رغبت

www.alahazratnetwork.org

کرنا۔ یہاں الیٰ سے صلہ لایا گیا۔ یعنی ہم کو رغبت قلبی اپنے رب کی طرف ہے۔ دنیا ملے یا نہ ملے وہ راضی رہے ہماری تمنا پوری ہوگئی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لو کی جزا پوشیدہ ہے لکان خیرا لھم۔

خلاصہ تفسیر: مذکورین منافقین کے نفاق کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ یہ لوگ آپ کو غنیمت یا صدقہ خیرات کی تقسیم میں عیب لگاتے ہیں کہ اس تقسیم میں عدل و انصاف نہیں کیا گیا۔ اپنوں اور اپنے پیاروں کو زیادہ دیا۔ دوسروں کو تھوڑا ان کے دل کا حال یہ ہے کہ اگر اس تقسیم میں انہیں ان کی خواہش کے مطابق دے دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں کوئی اعتراض نہیں کرتے اور اگر انہیں اپنی مرضی کے مطابق نہ دیا جاوے تو وہ بہت ناراض ہو جاتے ہیں۔ ان کی رضا اور ناراضگی اپنی نفسانی خواہش کی بنا پر ہے اگر یہ ایسے موقعہ پر اللہ رسول کے دیئے پر راضی ہو جاوے خواہ وہ کم ملتا ہے یا زیادہ اور زبان سے کہتے کہ ہمیں اللہ اور اس کا فضل و کرم ہی کافی ہے مال تھوڑا ملے یا بہت اگر آج کم ملا تو پرواہ نہیں ہم کو امید ہے کہ اللہ رسول ہم کو اور دیں گے اور بہت دیں گے جتنا ہم مانگیں گے اس سے سوا دیں گے ہم کو رغبت اللہ تعالیٰ کے فضل میں سے ہے مال ملے یا نہ ملے اگر ملے تو کم ملے یا زیادہ اگر ایسا کہتے ہیں تو بہت اچھا ہوتا۔ ابن مردویہ نے حضرت ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ منافقین کی اس بکواس پر حضور انور کو بہت صدمہ ہوا اور فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام پر اللہ کی رحمت ہو انہیں اس سے زیادہ ستایا گیا انہوں نے صبر کیا۔ (روح المعانی)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: منافقین اپنا نفاق چھپانے کی کتنی ہی کوشش کریں مگر ان کے منہ سے ایسے الفاظ ان کے اعضا سے ایسے حرکات صادر ہو جاتے ہیں جن سے ان کا نفاق کھل جاتا ہے۔ یہ فائدہ **ومنھم من یلمزک** (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فعل یا قول شریف پر اعتراض کرنا کفر ہے اور منافقین کی خاص نشانی۔ یہ فائدہ بھی **یلمزک** (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مال غنیمت کے حصہ کو بھی لغوی معنی سے صدقہ کہہ سکتے ہیں۔ حدیث شریف میں مسلمان بھائی سے خندہ پیشانی سے ملنے کو صدقہ کہا گیا۔ یہ فائدہ **الصدقات** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد غنیمت کا حصہ ہو۔

چوتھا فائدہ: عبادات حضور انور کی معرفت سے زیادہ قبول ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **الصدقات** کی چوتھی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد صدقہ خیرات ہوں۔ حضرات صحابہ اپنے صدقے حضور کے ہاتھ سے فقراء میں تقسیم کراتے تھے کہ اس ہاتھ پاک کی برکت سے قبول ہو جاویں۔ آج بھی مسلمان فاتحہ میں پہلے حضور انور کا نام لیتے ہیں۔ واسطے خدا کے نذر حضور انور کی اس عمل کی اصلی یہ ہی آیت ہے رب فرماتا ہے **خذ من اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بما**۔ معلوم ہوا کہ خود صدقہ اکیلا ہم کو پاکی نہیں بخشتا بلکہ اس کے ذریعہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کرم پاکی بخشتی ہے۔

پانچواں فائدہ: نفس پرست دنیا پرست آدمی کتے سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہے کہ کتا اپنے مالک کے تھوڑے کھانے پر قناعت کرتا ہے کہیں نہیں جاتا مگر آدمی ہو کر مال کچھ تھوڑا ملنے پر مالک کے دروازہ سے ہٹنا کیا خود ان پر بھونکنے لگتا ہے یہ

www.alahazratnetwork.org

فائدہ وان لم یعطوا منھا (الخ) سے حاصل ہوا۔ انسان ایک ایسی عجیب مخلوق ہے کہ اگر اونچا جاوے تو فرشتوں سے بڑھ جاوے اولٰئک ھم خیر البریۃ اور اگر نیچے گرے تو بدتر جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل۔

چھٹا فائدہ: صرف مال کی وجہ سے اللہ رسول سے راضی رہے ان کی رضا ایمان اور روح ایمان ہے یہ فائدہ فان اعطوا منھا رضوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے منافقوں کی اس رضا و خوشنودی کو نفاق قرار دیا۔ اور دوسری قسم کی رضا کا ذکر یوں فرمایا و انھم رضوا (الخ) اللہ تعالیٰ یہ ہی دوسری قسم کی رضا نصیب فرمادے۔

ساتواں فائدہ: حضور انور کی عطا رب تعالیٰ کی عطا ہے دیکھو مال غنیمت اور صدقات ان لوگوں کو حضور انور نے دیئے تھے مگر رب نے فرمایا اتھم اللہ و رسولہ۔ یوں ہی خدا کی عطا، حضور انور کی عطا ہے کہ معطی رب ہے قاسم حضور ہیں لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں حضور جنت دیتے ہیں۔ دوزخ سے بچاتے ہیں۔ حضرت ربیعہ نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا اسئلک مرافقتک فی الجنۃ۔ میں آپ سے جنت میں آپ کے ساتھ رہنا مانگتا ہوں۔

آٹھواں فائدہ: رب کے ساتھ حضور کا ذکر بغیر ف یا بغیر ثم کے بالکل جائز ہے نہ شرک ہے نہ کفر یہ فائدہ اتاھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے حضور انور کا ذکر اپنے ساتھ کر کے فرمایا کہ انہیں اللہ رسول نے دیا۔ بلکہ ایمان کی حقیقت ہے۔ رسول کو اللہ تعالیٰ سے ملانا۔ کفر کی حقیقت ہے رسول کو رب سے الگ کرنا۔ الگ سمجھنا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے یریدون ان یفرقوا بین اللہ و رسلہ ویقولون نومن ونکفر ببعض ویریدون ان یتخذوا بین ذالک سبیلا ملانا ایسا جیسا کہ سکے کی مہر سکہ سے ملی ہوتی ہے۔

نواں فائدہ: حضور انور اپنے رب کے اذن سے دیتے ہیں۔ اور سب کچھ دیتے ہیں اور دیں گے۔ رب نے فرمایا سیوتینا اللہ من فضلہ و رسولہ یہاں عطا میں کوئی قید نہیں جو رب دیتا ہے وہ حضور انور دیتے ہیں۔ یہاں مال وغیرہ کی قید نہیں بلکہ فضلہ ارشاد ہوا ہر چیز اللہ کے فضل سے ملتی ہے۔ حضور کے ہاتھ سے ملتی ہے۔ جو کہے کہ حضور کچھ نہیں دیتے وہ یا تو جھوٹا ہے یا اپنی حالت بیان کر رہا ہوگا۔ اسے حضور نے کچھ نہیں دیا ہوگا۔ جو اس دروازے سے محروم رہے وہ اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ رب فرماتا ہے۔ شعر

بخدا خدا کا یہ ہی ہے در نہیں اور کوئی مفر مقر جو وہاں سے ہو یہیں آ کے ہو جو یہاں نہیں تو وہاں نہیں

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی اصل و نسب کے سارے حالات سے خبردار ہیں کہ کس کی پشت سے کیسے لوگ پیدا ہوں گے۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول نمبر ایک سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے حرقوص ابن زہیر تمیمی کی نسل کے حالات بیان کر دیئے کہ ان کی نمازیں تمہاری نمازوں سے زیادہ ہوں گی مگر ہوں گے بے ایمان۔

گیارہواں فائدہ: ہر ایک کو دعوت قرآن دینا۔ وعظوں میں بہت قرآن پڑھنا خوارج کا طریقہ ہے۔ جیسے آج کل ہمارے ہاں کے خوارج وہابیوں کا دستور ہے۔ یہ فائدہ بھی اس شان نزول سے حاصل ہوا کہ فرمایا اس منافق کی ذریت قرآن ہمیشہ پڑھا کرے گی۔ ہر ایک کو توحید اور قرآن کی دعوت دینا حضور انور کا ذکر تک نہ کرنا کفر و نفاق کی اصل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ یا تو حضور انور کے عیب لگانا کفر نہیں یا مرتد کی سزا قتل نہیں۔ دیکھو ارشاد ہوا ومنھم من یلمزک فی الصدقات یہ لوگ آپ کو صدقات میں عیب لگاتے ہیں۔ مگر حضور انور نے اسے قتل کیا نہ حضرت عمرؓ کو قتل کی اجازت دی۔

جواب: اس اعتراض کے تین جواب ہیں ایک یہ کہ اس وقت منافقین کو دل سے ہی دینی مومن نہیں مانا گیا یا شرعاً پہلے ہی سے کافر تھے۔ لہٰذا آج ان کا کفر ارتداد نہیں۔ مرتد وہ ہے جو پہلے مومن ہو بعد میں کافر ہو لہٰذا ان پر مرتدین کے احکام بھاری نہیں ہوتے۔ دوسرے یہ کہ اس وقت کا ماحول یہ تھا کہ اگر ان جیسے منافقین کو قتل کیا جاتا تو کفار مسلمانوں کو بدنام کرتے کہ یہ لوگ تو ایسے ظالم ہیں کہ مسلمانوں کو بھی قتل کر دیتے ہیں جسے اسلام کی تبلیغ میں رکاوٹ ہوتی۔ اس لئے ان کو قتل نہیں کرایا گیا۔ تیسرے یہ کہ شیطان سجدہ آدم کا انکاری ہو کر مرتد ہوا مگر رب تعالیٰ نے اسے ہلاک کرنے کے بجائے دراز عمر عطا فرما دی کہ اس کے متعلق ایک چیز یعنی گمراہی کا ظہور ہونا تھا۔ آستانہ رسول مظہر ہے آستانہ الٰہیہ کا۔ ان جیسے خبیثوں کو زندہ چھوڑا کہ ان کے متعلق ایک پروگرام تھا کہ ان سے ایسی سرکش قوم پیدا ہو یعنی خوارج وہابی وغیرہ۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں منافقین کی خوشی کے متعلق ارشاد ہوا رضوا یعنی ماضی مطلق مگر ان کی ناراضگی کے متعلق ارشاد ہوا اذا ھم یسخطون دراز جملہ اسمیہ جس کی خبر مضارع ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے یہاں بھی سخطو فرما دیا ہوتا۔

جواب: اس فرق بیان سے یہ بتایا کہ منافقین کا حضور انور ﷺ کی عطا پر خوش ہو جانا بہت کم اور عارضی ہوتا ہے۔ مگر ان کا ناراض ہونا دائمی۔ جو ہوتا ہی رہتا ہے ان کی عادت ہی ہے۔ ناراض ہوتے رہنا کبھی کسی بہانہ ناراض کبھی اور بہانہ سے ناراض۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر منافقین اللہ رسول کے دیئے پر راضی ہوتے تو اچھا ہوتا۔ جب منافق کے لئے ان کا کلمہ پڑھنا نمازوں جہادوں میں شریک ہونا اچھا نہ تو صرف عطیہ پر راضی ہو جانا اچھا کیونکر ہوتا۔ وہ اگر راضی رہتے جب بھی منافق ہی رہتے اس کا مطلب کیا۔

جواب: اس کا مطلب یہ ہے کہ اس خوشی اور رضامندی کی برکت سے رب تعالیٰ انہیں نفاق کی بیماری سے نجات دیتا اور انہیں اخلاص عطا فرماتا۔ جیسے بعضے اپنی ہوا میں شفا ہے یوں ہی بعضے اعمال میں دل کی بیماری سے شفا ہے اللہ رسول سے راضی رہنا بندے کو مقبول بنا دیتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: منافقت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کا ظاہر ارکان اسلام سے مزین ہو مگر اس کا باطن نور ایمان سے خالی ہو۔ جس دل میں نور ایمان نہ ہوگا وہاں ظلمت کفر ہوگی۔ جس کا نتیجہ حب دنیا ہے کہ دنیا پانے پر راضی ہوتا ہے اور دنیا نہ ملنے پر ناراض مگر جس دل میں نور ایمان ہو وہ رب کی رضا پر راضی و خوش ہوتا ہے۔ شعر

نکند دوست زینہار از دوست　　دل نہادم ہر آنچہ خاطر اوست

گر بلطفم بنزد خود خواند　　در بقہرم مراند او داند

www.alahazratnetwork.org

منافقین کو نفاق کی بیماری تھی اس لئے وہ دنیا نہ ملنے پر خوش اور نہ ملنے یا کم ملنے پر ناراض ہوتے تھے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رضوا ما اتاھم (الخ) کا مقصد یہ ہے کہ اللہ رسول کی طرف سے جو کچھ آرام تکلیف خوشی وغم پہنچے اسے یار کا تحفہ سمجھ کر اس سے راضی وخوشی رہے تب ایمان کی لذت ملے ابراھیم ادھم فرماتے ہیں کہ جو تقدیر پر راضی ہو وہ دنیا کے سارے رنج وملال سے چھوٹ گیا۔ جب تقدیر برحق ہے۔ تو ناراضی حماقت ہے۔ شعر

رضا بہ داوہ بدہ وزجبیں گرہ بکشا	کہ برمن وتو در اختیار نہ کشاید دوست
بشنو ایں نکتہ کہ خود راز غم آزاد کنی	خوں خوری گر طلب روزی ننہادہ کنی

حضرت سعد ابن ابی وقاص آخر عمر میں نابینا ہو گئے تھے اس حال میں آپ مکہ معظمہ پہنچے کسی نے کہا کہ آپ مقبول الدعا ہیں اور کعبہ معظمہ قبولیت دعا کی جگہ۔ یہاں اپنی آنکھوں کے لئے دعا کریں فرمایا مجھے اللہ کی رضا آنکھوں کی بینائی سے زیادہ پیاری ہے کسی بزرگ سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ انسان پیدا ہوتا ہے مٹھی بند اور مرتا ہے ہاتھ کھلے انہوں نے فوراً جواب دیا۔ شعر

ومقبوض کف المرء عند ولادة	ویل علی الحرص المرکب فی الحی
ومبسوط کف المرء عند وفاته	یقول انظر وا انی خرجت بلاشیء

یعنی پیدا ہوتا ہے دنیا پر حریص ہر چیز پر قبضہ کی کوشش کرتا ہوا جاتا ہے۔ فقیر سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر خالی ہاتھ جھاڑتا ہوا انسان کو اللہ پر توکل اس کے وعدے پر اعتماد چاہئے کہ رب اپنے بندے کو کافی ہے دنیا کے وجدان سے آخرت کا فقدان ہے اور دنیا کے فقدان میں آخرت کا وجدان (روح البیان) حضرت عیسیٰ علیہ السلام ایک ذاکر قوم پر گذرے پوچھا تم اللہ کا ذکر کیوں کرتے ہو بولے دوزخ کے خوف سے فرمایا ٹھیک کرتے ہو دوسری ذاکر قوم پر گذرے پوچھا تم ذکر الٰہی کیوں کرتے ہو وہ بولے جنت کی امید میں فرمایا تم بھی ٹھیک ہو تیسری ذاکر قوم پر گذرے فرمایا کہ ذکر اللہ کیوں کرتے ہو بولے اپنی عبدیت اللہ کی ربوبیت کے اظہار کے لئے دل کو نور سے زبان کو یار کے نام سے متبرک کرنے کے لئے فرمایا تم بھی محققین ہو (کبیر)

إِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا

واجب صدقے صرف فقیروں کے لئے ہیں اور مسکینوں کے لئے اور ان کے لئے جو کام کریں ان پر اور ان

زکوٰۃ تو ان لوگوں کے لئے ہے جو محتاج اور نرے نادار ہوں اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن

وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

کیلئے الفت دیئے جائیں دل ان کے اور گردنوں میں اور مقروضوں کیلئے اور راستے میں اللہ کے

کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں

وَابْنِ السَّبِيْلِ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٦٠

مسافر کے لئے مقرر ہے خدا کی طرف سے اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم غنیمت پر کرتے تھے اب ان کے اس اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم صدقات پر کرتے تھے۔ گویا ایک فعل شریف پر اعتراض کا جواب دینے کے بعد دوسرے فعل شریف پر اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کے اس اعتراض کا جواب دیا گیا جو وہ غنیمت کا مال دینے پر کرتے تھے اب ان کے اس اعتراض کا جواب ہے جو وہ حضور انور کے صدقات وصول کرنے پر کرتے تھے گویا دین پر اعتراض کا جواب پہلے دیا گیا اور نبی پر اعتراض کا جواب اب دیا جارہا ہے۔
تیسرا اعتراض: پچھلی آیات کریمہ میں سرکاری تقسیم کے فرق پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا گیا کہ حضور نے بعض کو کم کردیا بعض کو زیادہ اب حضور انور کے دینے نہ دینے پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا گیا کہ حضور نے بعض کو کم دیا بعض کو زیادہ اب حضور انور کے دینے نہ دینے پر جو اعتراض تھا اس کا جواب دیا جارہا ہے کہ حضور ﷺ کی کو دیتے تھے کسی کو نہیں گویا حضور کی تقسیم کی دو نوعیتیں تھیں۔ ایک نوعیت کا ذکر پہلے ہوا دوسری کا ذکر اب ہے۔
شان نزول: مال دار صحابہ کرامؓ اپنے مالوں کی زکوٰۃ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر کرتے تھے تاکہ حضور انور اپنے ہاتھ شریف سے مستحقین کو تقسیم فرمادیں کہ رب تعالیٰ اس ہاتھ شریف کی برکت سے قبول کرے۔ بعض منافقین بولے کہ یہ زکوٰتیں حضور انور ﷺ اپنے اپنے گھر والوں اپنے دوستوں عزیزوں وقرابت داروں کے لئے لیتے ہیں ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (از تفسیر صاوی واز خزائن العرفان)
تفسیر: انما الصدقات انما لفظ حصر ہے جس کے معنی ہیں صرف یا ہی۔ کیونکہ بنا ہے ان حرف تحقیق اور ما نافیہ سے ان ثبوت کے لئے ہے اور ما نفی کے لئے گویا اس سے ایک کے لئے ثبوت ہوتا ہے دوسروں کے لئے نفی۔ حصر کے یہ ہی معنی ہیں یہ ہی ہے اس کے سوا نہیں (تفسیر خازن) صدقات جمع ہیں صدقات کی۔ جس کا مادہ وہ صدق ہے بمعنی سچائی۔ خیرات کو صدقہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ سخی کے صدق ایمان وصدق نیت پر دلالت کرتا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں اس سے زکوٰۃ مراد ہے چونکہ زکوٰۃ کی کئی قسمیں اور ہر قسم کے مراد بہت زیادہ ہیں اس لئے الصدقات جمع ارشاد ہوئی اور ہوسکتا ہے کہ اس سے سارے واجب صدقے مراد ہوں زکوٰۃ یا اللہ کے لئے مانی ہوئی۔ نذر کا مال اور فطرہ یہ ہر حال نفلی صدقے اس سے علیحدہ ہیں۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے فریضۃ اس سے پہلے ہے للفقراء من اللہ والمساکین۔ یہ عبارت ہے آئندہ کلمات کہئے الصدقات کی خبر ہے۔ اس میں لام استحقاق کا ہے یعنی زکوٰۃ کے مستحقین یہ لوگ ہیں جیسے کہا جاوے انما الخلافۃ للقرایش خلافت کا حق قریش کو ہے لہٰذا اگر ان میں سے ایک قسم کے ایک آدمی کو زکوٰۃ دے دی گئی تب بھی ادا ہو جاوے گی نہ آٹھوں قسموں کو دینا ضروری ہے نہ ہر قسم کے ہی افراد کو۔ فالفقراء جمع فقیر کی اور المساکین جمع ہے مسکین کی۔ فقیر بنا ہے فقر سے بمعنی جسم کے جوڑ۔ اسی سے ہے ذوالفقار یعنی جوڑوں والی تلوار چونکہ غریبی آدمی کی پیٹھ توڑ دیتی ہے اس کے جوڑ گویا الگ کر

www.alahazratnetwork.org

دیتی ہے اس لئے فقیر کہتے ہیں مسکین بنا ہے مسکن سے بمعنی ٹھہرانا ان صلوتک سکن لھم اسی سے ہے سکونت چونکہ غریبی اسے ایک جگہ ٹھہرا دیتی ہے۔ کسی کے پاس آنے جانے کے قابل نہیں رکھتی ہے اس لئے اسے مسکین کہتے ہیں رہی یہ بات کہ فقراء اور مسکین میں کیا فرق ہے اس میں سات قول ہیں۔ ۱ یہ دونوں ایک ہی ہیں ہر فقیر مسکین ہے اور ہر مسکین فقیر یہ قول جبائی کا ہے اور امام محمد ابو یوسف سے منقول ہے (روح المعانی وخازن) مگر یہ بہت ہی ضعیف ہے کہ اس صورت میں زکوۃ کے مصرف سات بنتے ہیں مگر ہیں آٹھ ۲ فقیر وہ غریب ہے جو کسی سے منہ مانگے مسکین بھیک مانگنے والا غریب یہ قول ابن عباس، حسن مجاہد، عکرمہ اور زہری کا ہے ۳ فقیر بے دست و پا غریب مسکین تندرست غریب یہ قول قتادہ کا ہے ۴ فقیر وہ جو بے مال و دولت ہو۔ مسکین وہ جس کے دل میں سکون وچین ہو اگرچہ مال سے خالی ہو اس لئے حضور انور نے فقر کے متعلق فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ فقر کفر تک پہنچادے اور فرمایا الٰہی مجھے مسکین اور مسکینو میں رکھ دنیا اور آخرت میں ۵ فقیر وہ جو دوسرے کا محتاج ہو اگرچہ مالدار ہو رب فرماتا ہے واللہ غنی وانتم الفقراء مسکین وہ جو بے نیاز ہو اگرچہ غریب ہو ۶ فقیر وہ جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم مسکین وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ حتی کہ تن ڈھکنے کو کپڑا پیٹ کو ٹکڑا بھی نہ ہو۔ یہ قول امام اعظم کا ہے۔ ۷ اس کے برعکس کہ فقیر وہ جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ مسکین وہ جس کے پاس مال ہو مگر نصاب سے کم۔ یہ قول امام شافعی کا ہے (تفسیر خازن) ان تمام اقوال میں قول۔ ۸ یعنی امام اعظم کا نہایت قوی ہے جیسا کہ ہم انشاء اللہ اعتراضات جوابات میں عرض کریں گے۔ خیال رہے کہ الفقراء اور المساکین سے تین قسم کے فقیر خارج ہیں ایک کافر فقیر ومسکین۔ ۲ اپنے اصول وفروع فقیر ومسکین بنی ہاشم خصوصا حضور انور کے فقراء ومساکین کہ ان کو زکوۃ نہیں اور کوئی صدقہ واجبہ نہیں اور کوئی نہیں دے سکتا حتی کہ سیدوں کے آزاد کردہ غلاموں کو بھی زکوۃ جائز نہیں جیسا کہ ابھی عرض کریں گے۔ ا والعامین علیھا۔ یہ عبارت معطوف ہے المساکین پر اور تیسرے مصرف کا ذکر صدقہ پر عامل وہ ہے۔ جو سلطان اسلام کی طرف سے مالداروں کے ظاہری مال یعنی جانوروں اور کھیت و باغ کی پیداوار کی زکوۃ وصول کرنے پر مقرر ہو کہ وصول کرے اور حکومت کو پیش کرے۔ یہ اگرچہ خود مالدار بھی ہو مگر اسے زکوۃ سے تنخواہ دی جاوے گی ہاں بنی ہاشم اگر وصول کرکے لاویں تو انہیں زکوۃ سے تنخواہ نہ دی جاوے دوسرے مال سے ایک بار ابو رافع جو حضور انور کے آزاد کردہ غلام تھے انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے زکوۃ کا عامل بنادیجئے تاکہ جو تنخواہ دوسرے عاملوں کو ملتی ہے مجھے بھی ملے فرمایا تم ہمارے غلام ہو اور بنی ہاشم کے غلاموں کو زکوۃ سے عمالہ یعنی اس کی تنخواہ نہیں دی جاسکتی (روح المعانی، تفسیر کبیر، خازن، ترمذی، نسائی) بلکہ تفسیر خازن نے فرمایا کہ ہاشمی کو زکوۃ کا عامل بنایا ہی نہ جائے۔ خیال رہے کہ اگر یہ لوگ اپنی زکوۃ خود حاکم کے پاس پہنچادیں تو عامل کو کچھ نہ ملے گا۔ عامل جب اجرت کا مستحق ہوگا جب کہ زکوۃ وصول کرکے حاکم تک پہنچائے۔ (روح البیان) ۱ والمؤلفۃ قلوبھم یہ زکوۃ کا چوتھا مصرف (مستحق) ہے مولفۃ بنا ہے تالیف سے جس کا مادہ الفت ہے بمعنی میلان یا محبت۔ مولفۃ القلوب وہ ہیں جن کے دل اسلام کی طرف جاویں انہیں اسلام کی محبت دی جاوے۔ یہ تین قسم کے لوگ تھے

www.alahazratnetwork.org

۱؎ وہ کفار جو اسلام کی طرف میلان رکھتے ہوں انہیں مال دے کر محبت اسلام ان کے دلوں میں ڈالی جاوے ۲؎ وہ نو مسلم جن کے دلوں میں ابھی اسلام پختہ نہیں ہوا۔ یعنی ضعیف الایمان لوگ ان کو زکوٰۃ دی جاوے تاکہ وہ پختہ مسلمان بن جاویں۔ مرتد نہ ہو جاویں۔ جیسے عیینہ ابن حصن اور اقرع ابن حابس عباس ابن مرداس اسلمی ۳؎ وہ فسادی شرارتی کفار جن سے مسلمانوں کو سخت ایذائیں پہنچی ہوں انہیں زکوٰۃ سے کچھ دیا جاوے تاکہ وہ شرارت سے باز رہیں قوی یہ ہے کہ یہ تینوں قسم کے مولفۃ القلوب اجماع صحابہ سے مصرف زکوٰۃ سے نکل گئے۔ اب صرف سات بقیہ مصرفوں پر زکوٰۃ صرف کی جاوے گی۔ یہ اجماع خلافت صدیقی میں ہوا۔ کیونکہ اللہ نے اسلام کو قوت دے دی اور ان کو دینے کی وجہ مسلمانوں کی کمزوری تھی علت گئی حکم گیا۔ جیسے پانی لاتیمم گیا۔

حکایت: خلافت صدیقی میں عیینہ اور اقرع خلیفۃ المسلمین کی خدمت میں آکر بولے کہ ہم کو کوئی زمین دی جاوے آپ نے ایک زمین کے متعلق ایک حاکم کو خط لکھ دیا۔ حضرت عمر نے وہ خط پھاڑ دیا اور ان سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہاری تالیف فرماتے ہوئے تم کو بہت کچھ دیا اسلام کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اگر تم اسلام سے پھرو گے تو فیصلہ ہماری تلوار کرے گی۔ حضرت صدیق نے فرمایا عمر نے ٹھیک کیا (روح المعانی) وفی الرقاب یہ زکوٰۃ کا پانچواں مصرف ہے۔ رقاب جمع ہے رقبۃ کے بمعنی گردن اس سے پہلے فک! پوشیدہ یعنی زکوٰۃ خرچ کرو گردنیں چھوڑنے میں۔ اس سے مراد وہ مکاتب غلام ہیں جو مال ادا کرنے سے مجبور ہو گئے۔ مالک نے کہا تھا کہ اتنا مال دو تم کو آزاد ہو انہیں زکوٰۃ دو۔ تاکہ وہ کتابت ادا کرکے آزاد ہو جاویں۔ چونکہ پہلے مستحقین کو زکوٰۃ کا مالک کر دیا جاتا ہے وہ جو چاہیں کریں مگر مکاتب کو مالک نہیں کیا جاتا۔ [illegible] اس کو آزاد کرایا جاتا ہے۔ اس لئے ان چار میں لام ارشاد ہوا اور یہاں فی۔ یہاں فی سبب کے معنی میں ہے کہا جاتا ہے۔ فلاں شخص چوری میں گرفتار ہوا یعنی چوری کی وجہ سے (روح البیان وغیرہ) والغارمین یہ زکوٰۃ کے پانچویں مصرف (مستحقین) کا ذکر ہے یہ لفظ بنا ہے عزم سے جس کے معنی ہیں ناگوار چیز کا لازم ہو جانا۔ اب قرض کو غرم کہا جاتا ہے (خازن) یعنی قرض والے لوگ یہ دو قسم کے ہیں ایک وہ جو کسی جائز ضرورت پوری کرنے کے لئے قرض لے لیں۔ پھر ادا کرنے پر قادر نہ ہوں۔ گناہ کا مقروض زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔ (خازن بیضاوی کبیر وغیرہ) چونکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا قرضہ اتارنے کے لئے ہے نہ کہ خود اس کے اپنے استعمال کے لئے۔ اس لئے اسے بھی فی کے ماتحت بیان فرمایا۔ وفی سبیل اللہ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے فی الرقاب پر فی کے بعد نفقہ پوشیدہ ہے یعنی اللہ کے راہ میں خرچ کرنے کے لئے زکوٰۃ دو۔ (خازن) امام محمد کے نزدیک درماندہ غازی کو دینا امام ابو یوسف کے نزدیک درماندہ حاجی کو دینا جو حج کی راہ میں پھنس گیا۔ اس کا خرچہ ختم ہو گیا۔ اکثر فقہاء کے نزدیک علم دین سیکھنے والے طلباء پر خرچ کرنا فی سبیل اللہ ان کے متعلق قرآن مجید فرماتا ہے۔ والذین احصرو فی سبیل اللہ لا یستطیعون ضربانی الارض (الخ) (روح المعانی)

انا ابن الحرب ربتنی ولیدا انا شبت واکہلت لدائی

اس شعر میں ابن الحرب کے معنی جنگ کا بیٹا نہیں مگر جنگ سے چمٹنے والا لازم پکڑنے والا مراد ہے۔ اگر کوئی شخص وطن میں امیر

www.alahazratnetwork.org

ہو گر سفر میں اس کے پاس کچھ نہ رہے اسے بھی زکوۃ دے سکتے ہیں بشرطیکہ سفر گناہ کے لئے نہ ہو لہٰذا مسافر ڈاکو چور خارجی وغیرہ اس سے خارج ہیں۔ (خازن و روح البیان) مگر ایسا مسافر صرف وطن پہنچنے تک کے لئے صدقہ سے زیادہ نہ لے اور بہتر یہ ہے کم قرض سے کام چلاوے صدقہ سے بچے۔

(روح المعانی) فریضۃ من اللہ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت کا مفعول مطلق۔ اصل عبارت یوں تھی فرض اللہ فریضۃ اللہ تعالیٰ نے زکوۃ غنی مسلمانوں پر فرض کی یا للفقرا (الخ) سے پہلے اسم فاعل پوشیدہ کے فاعل سے حال ہے یعنی زکوۃ ہوتا ان لوگوں کے لئے رب تعالیٰ کا طے فرمایا ہوا ہے۔ واللہ علیم حکیم یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کا تتمہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بعض کو امیر بعض کو غریب کیا پھر امیروں پر زکوۃ فرض فرما کر غریبوں کا کام چلایا اس میں رب تعالیٰ کی حکمتیں ہیں انشاء اللہ یہ حکمتیں خلاصہ تفسیر میں عرض کی جائیں گی۔

خلاصہ تفسیر: ہر قسم کی زکوۃ خواہ روپیہ پیسہ کی ہو یا جانوروں کی یا پیداوار کی یا زیور وغیرہ کی یا ہر قسم کے واجب صدقے خواہ زکوۃ ہوں یا نذر کا پیسہ یا کفارہ یا فطرہ وغیرہ۔ یہ حق ہے ان فقیروں کا جن کے پاس نصاب سے کم مال ہو اور ان مسکینوں کا جن کے پاس کچھ بھی نہ ہو اور ان لوگوں کا جو زکوۃ وصول کر کے حاکم اسلام کے پاس پہنچائیں اگرچہ خود غنی ہوں وہ زکوۃ سے تنخواہ پائیں گے۔ اور ان لوگوں کا جن کے دلوں کو اسلام کی طرف مائل کرنا ہے ان میں اسلام کی الفت پیدا کرنا ہو۔ اور مکاتب غلاموں کی گردنیں چھوڑانے میں صرف کی جاوے۔ یوں ہی جائز طور پر مقروض ہو جانے والوں میں اور اللہ کی راہ میں صرف ہو کر جو غازی یا حاجی یا دینی طالب علم اور ماندہ ہو اسے دی جائے اور مسافروں میں کہ جو گھر میں مالدار ہوں مگر اتفاقاً سفر میں حاجت مند ہو گئے انہیں بقدر ضرورت دو۔ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے طے کئے گئے احکام ہیں اللہ تعالیٰ نے نہ تو سب کو امیر کیا نہ سب کو فقیر بلکہ نظام اس طرح قائم فرمایا کہ بعض امیر بنائے بعض فقیر پھر امیروں کو زکوۃ دینا فرض کیا۔ رب تعالیٰ کی اس میں لاکھوں حکمتیں ہیں وہ علیم بھی ہے حکیم بھی۔

خیال رہے: کہ اسلامی بیت المال کے مصرف چار طرح کے ہیں ۱۔ صدقات و خیرات ان کے مصرف وہ ہیں جو یہاں ارشاد ہوئے ۲۔ مال غنیمت اس کا مصرف یہ عام یتیموں مسکینوں فقیروں پر صرف کی جاوے ۳۔ جزیہ خراج وغیرہ (دار الاسلام کی حفاظت پر صرف کیا جاوے جیسے سرحدوں کی حفاظت و مضبوطی۔ مجاہدین کے لئے ہتھیار کا مہیا کرنا ملک میں پل نہریں بنوانا قاضیوں اور دیگر حکام کی تنخواہیں امام موذنین مدرسین مفتی معلمین و مدرسین کی تنخواہیں ۴۔ لاوارث یتیموں کا ترکہ بیمار نادار لوگوں کے علاج دبے دست یا لوگوں کے خرچ غریب یتیموں کے نکاح وغیرہ پر خرچ کیا جاوے (روح البیان)

روایۃ: فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ پانچ قسم کے مالداروں کو زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ غازی، عامل، غازم (جس نے دوسرے کا قرضہ اپنے پر لے لیا) قیدی بوقت ضرورت جو کسی کے قرضہ کی وجہ سے قید ہو گیا۔ وہ غنی جسے محتاج نے زکوۃ لے کر ہدیۃً اسے کچھ دے دیا۔ (ابو داؤد بروایۃ عطاء ابن لیار مرسلاً تفسیر خازن)

www.alahazratnetwork.org

زکوٰۃ کی حکمتیں: زکوٰۃ کی حکمتیں ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں اتوا الزکواۃ کے تحت عرض کر چکے ہیں یہاں ان کے علاوہ چند حکمتیں اور بھی عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مسلمانوں کو امیر بنایا بعض کو فقیر مختلف طریقوں سے امیروں سے غریبوں کو مال دلوایا۔ زکوٰۃ کفارات نذر فطرہ وغیرہ۔ اس لین دین میں بہت حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ قدرتی طور پر مال دلوں کا محبوب ہے۔ کیونکہ یہ ذریعہ ہے قدرت کا کہ انسان مال کے ذریعہ بہت چیزوں بہت کاموں پر قادر ہو جاتا ہے۔ اگر محبت مال بڑھ جائے تو ذکر اللہ خوف خدا عشق رسول سے روک دیتا ہے۔ لہٰذا حکم دیا کہ اسے اللہ کے غریب بندوں کو دو۔ مال کا قید کر کے رکھنا اللہ رسول سے دوری پیدا کرتا ہے۔ اسے خرچ کرنا اللہ رسول سے قرب کا ذریعہ ہے۔ دوسرے یہ کہ زیادتی عموماً دل میں سختی پیدا کرتی ہے جس سے حب دنیا لذتوں کی طرف میلان ہوتا ہے لہٰذا اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ کہ دل میں نرمی پیدا ہو۔ محبت آخرت عشق رسول خوف خدا نصیب ہو۔ تیسرے یہ کہ بدنی عبادات جسم پر گراں ہیں اور مالی عبادات نفس پر بھاری بلکہ بدنی عبادت سے مالی عبادت زیادہ بھاری ہے لہٰذا بطور امتحان زکوٰۃ وغیرہ واجب کی گئیں۔ تاکہ بندہ مطیع ہو اور سرکشی چھوٹ جاوے۔ چوتھے یہ کہ مال اللہ کا ہے امیر اللہ کے خزانچی ہیں۔ فقراء اللہ تعالیٰ کے عیال (پروردہ) ہیں۔ رب نے ان خزانچیوں کو حکم دیا کہ میرے مال سے میرے عیال کی حاجتیں پوری کرو۔ اگر نہ کریں تو خائن ہیں۔ اگر کریں تو امین **المال مالی والفقراء عیالی من لم ینفق مالی علی عیالی انزل علیه وابالی ولا ابالی**۔ پانچویں یہ کہ اگر امیر لوگ فقراء غربا کو کچھ نہ دیں تو اولاً غربا کے دل میں رشک پھر حسد پیدا ہوگی۔ پھر وہ فساد اور چھین لینے پر آمادہ ہو جائیں گے۔ جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے اگر انہیں امراء کی طرف سے ملتا رہے گا تو ان کے دلوں میں ان سے محبت والفت پیدا ہوگی۔ جس سے نظام عالم قائم رہے گا۔ چھٹے یہ کہ اگر ضرورت سے بچا ہوا مال چند ہاتھوں میں قید ہو کر رہے تو مال پیدا فرمانے کا مقصد فوت مال قید کرنے کے لئے نہیں بنایا گیا۔ بلکہ حاجات پوری کرنے کے لئے اس لئے اسے دولت کہتے ہیں یعنی گھومنے پھرنے والی چیز لہٰذا اسے فقراء پر خرچ کرو۔ جاری پانی پاک وصاف رہتا ہے ٹھہرا ہوا بند پانی بگڑ جاتا ہے۔ (تفسیر خازن) ساتویں کہ مال قریب الزوال ہے اگر بخوشی خرچ نہ کرو گے تو خود بخود ہزار راستوں سے نکل جائے گا۔ چوری آگ لگنا بیماری مقدمہ بازی مگر اس میں سے اللہ کے راہ میں خرچ کرنے سے تمہاری لازوال نیک نامی بھی ہوگی اور ثواب بھی ورنہ قبر میں تو خالی ہاتھ جانا ہی ہے۔ آٹھویں یہ کہ زکوٰۃ وصدقات فقراء سے دعائیں لینے کا ذریعہ ہے اور دعائیں مال کی حفاظت کا وسیلہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اپنے مالوں کو زکوٰۃ کے قلعہ میں محفوظ کرو نویں یہ کہ جود وسخا اللہ تعالیٰ کی سنت!! حضرت انبیاء خصوصاً حضور سید الانبیاء کا طریقہ۔ سخاوت سے ان ہستیوں سے مشابہت ہوتی ہے۔ **تخلقوا باخلاق الله**۔ دسویں یہ کہ انسان کو رب کی طرف سے تین چیزیں ملی ہیں۔ روح بدن مال روح کا زیور ایمان اور اچھے اخلاق ہیں بدن کا زیور عبادت تو مال کا زیور بھی چاہئے وہ زکوٰۃ وصدقات ہیں گیارہویں یہ کہ انسان پر ہر نعمت کا شکر لازم ہے شکر کی حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کو رضاء الٰہی میں صرف کیا جاوے۔ مال بھی ایک نعمت ہے اس کا شکریہ زکوٰۃ ہے۔ بارھویں یہ کہ اگر مالدار فقراء کو اپنے مال سے کچھ نہ دیں تو ممکن ہے کہ فقراء تنگ آ کر ناجائز حرکتیں کرنے لگیں۔ چوری ڈکیتی بلکہ کفار سے مل جانا پیٹ کی خاطر۔

www.alahazratnetwork.org

اگر انہیں مالداروں کے مال سے کچھ ملتا رہے تو وہ ان حرکتوں سدے بچے رہیں گے لہذا زکوۃ ضروری دی جائے تا کہ فقراء ایمان اور نیک اعمال پر قائم رہیں۔ گناہوں سے بچیں۔ (تفسیر کبیر)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: زکوۃ اور سارے واجب صدقے صرف ان مذکورہ مصرفوں میں صرف کی جائے ان کے علاوہ اور کسی جگہ خرچ نہیں کر سکتے یہ فائدہ **انما** کے حصر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: زکوۃ میں لینے والے کو مالک کر دینا ضروری۔ بغیر مالک کئے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔ زکوۃ مسجد مدرسہ قبرستان خانقاہ وغیرہ کی تعمیر میں خرچ نہیں ہو سکتی کہ وہاں کا کوئی مالک نہیں بنتا نیز زکوۃ کفارات نذر کے پیسہ کا کھانا پکا کر فقراء کی دعوت کر دینے سے ادا نہ ہوگی۔ کہ اس صورت میں فقراء مالک نہیں ہوئے یہ فائدہ **للفقراء** کے لام سے ارشارتا حاصل ہوا۔ کہ لام ملکیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

تیسرا فائدہ: زکوۃ ایک فقیر یا ایک مسکین کو بھی دے سکتے ہیں ان تمام قسموں کے تین تین شخصوں کو دینا ضروری نہیں یہ فائدہ بھی **للفقراء** کے لام سے حاصل ہوا کہ اس میں لام استحقاق کا ہے اور فقراء مساکین سے جنس فقیر اور جنس مسکین مراد ہے۔

چوتھا فائدہ: واجب صدقے بہت قسم کے ہیں۔ زکوۃ نذر کفارات فطرہ وغیرہ بلکہ زکوۃ بہت قسم کی ہے۔ سونے چاندی کی مال تجارت کی جانوروں کی پیداوار کی یہ فائدہ **الصدقات** جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ظاہری مال یعنی پیداوار جانوروں کی زکوۃ سلطان اسلام کو دی جاوے۔ باطنی مالوں روپیہ پیسہ مال تجارت وغیرہ کی زکوۃ امیر خود دے یہ فائدہ **العاملین علیھا** سے حاصل ہوا مگر خلافت عثمانیہ سے پابندی ختم ہو گئی۔ اب ہر طرح کے مال کی زکوۃ خود مال والا دے (شامی) اور نہ حاکم ہی کھا جائیں گے۔

چھٹا فائدہ: **مولفۃ القلوب** تمام صحابہ کرام کے اجماع سے مصارف زکوۃ سے خارج ہو چکے یعنی ان دونوں کا فرقسمیں رہے مگر تیسرے قسم کے **مولفۃ القلوب** وہ اب بھی مصرف ہیں۔ **یعنی ضعفاء مومنین** ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اب انہیں دینے کی ضرورت نہ رہی۔ دیکھو تفسیر۔

ساتواں فائدہ: مکاتب غلام مقروض مجاہدین مسافرین اگر چہ ضرورۃً زکوۃ لے سکتے ہیں مگر وہ پیسہ سواء اس ضرورت کے اور جگہ صرف نہ کریں۔ مقروض زکوۃ سے صرف قرضہ ادا کرے۔ اس سے عیش نہ کرے یہ فائدہ۔ **فی الرقاب** (الخ) **فی** سے حاصل ہوا کہ رب نے پہلے چار مصرفوں کے لئے لام فرمایا اور ان چار کے لئے **فی**۔ دیکھو تفسیر۔

اٹھواں فائدہ: غازی حاجی جب راہ میں خرچ سے تنگ ہو جاویں تو انہیں زکوۃ دی جا سکتی ہے۔ اگر چہ یہ لوگ اپنے گھر میں غنی ہوں۔ یہ فائدہ **فی سبیل اللہ** سے حاصل ہوا۔ مسئلہ۔ سید حضرات کو کوئی واجب صدقہ نہیں دینا چاہئے۔ حتی کہ اگر غیر سید غنی عامل ہو تو اسے زکوۃ سے تنخواہ دے سکتے ہیں مگر سید عامل کو یہ تنخواہ بھی نہیں دے سکتے۔ سید فقیر کا ادب و احترام غنی

www.alahazratnetwork.org

سید سے زیادہ ہے۔

مسئلہ: بلکہ سید کا غلام بلکہ سید کا آزاد کردہ غلام بھی زکوۃ نہیں لے سکتا کیونکہ مولیٰ القوم منهم دیکھو ابورافع کو جو حضور کا آزاد کردہ غلام تھے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کا عامل نہ بنایا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ زکوۃ ان قسموں میں سے ہر ایک کے تین شخصوں کو دی جاوے۔ یعنی چوبیس یا اکیس شخصوں کو۔ کیونکہ ان کے درمیان واؤ ہے جو جمع کے لئے آتا ہے اور یہ سب جمع ہیں۔ جو تین سے کم پر نہیں بولے جاتے۔ فقراء مساکین وغیرہ (شوافع) جواب اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ فی سبیل اللہ اور ابن سبیل تو جمع نہیں۔ ان میں تین کی تعداد کہاں سے لاؤ گے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس میں لام استحقاق کا ہے اور الفقراء و المساکین میں الف لام جنسی ہے جس سے جمعیت ختم ہو گئی۔ نیز اگر کسی کو ایک روپیہ زکوۃ دینی ہو تو چوبیس یا اکیس میں کیسے تقسیم کرے کیا پیسے یا دھیلے بانٹے نیز آج کل مکاتبین نہیں پھر یہ تعداد کیسے پوری ہو! نیز اتنی قسموں کے تین تین فقیر تلاش کرنا طاقت سے زیادہ تکلیف ہے۔

دوسرا اعتراض: قوی یہ ہے کہ فقیر وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو اور مسکین وہ جس کے پاس ان صاحب سے کم ہو تم اس کے عکس کہتے ہو۔ تمہارا قول قرآن مجید کے بھی خلاف ہے اور حدیث شریف کے بھی۔ قرآن مجید حضرت خضر علیہ السلام کی کشتی والوں کے متعلق فرماتا ہے۔ فکانت لمساكين يعلمون في البحر کہ وہ کشتی مسکینوں کی تھی۔ دیکھو وہ لوگ کشتی کے مالک تھے مگر انہیں مساکین کہا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دعا کرتے تھے اللهم احيني مسكينا وامتني مسكينا واحشرني في زمرة المساكين۔ خدایا مجھے مسکین جلا مسکین وفات دے مساکین میں قیامت کے دن اٹھا۔ حضور انور کی یہ دعا یقیناً قبول ہوئی۔ حالانکہ حضور گھر، سواری کے جانور جنگی ہتھیار وغیرہ کے مالک رہے اس دعا سے تو چاہئے تھا کہ آپ کے پاس کچھ بھی نہ ہوتا۔ نیز آیت میں فقراء کا ذکر مساکین سے پہلے ہے معلوم ہو فقیر بمقابلہ مسکین زیادہ حاجت مند ہے نیز فقیر بنا ہے فقر سے بمعنی خالی ہونا لہٰذا فقیر وہ چاہئے جو مال سے بالکل خالی ہو۔ اگر اس کے پاس کچھ بھی مال ہو تو وہ لغت کی رو سے فقیر یعنی خالی نہ ہوا۔ (امام شافعی)۔

نوٹ: یہ دلائل تفسیر کبیر نے بہت زور سے بیان کئے۔ وہ شافعی المذہب ہیں تفسیر خازن نے بھی فخر سے یہ دلائل بیان کئے وہ حضرات سمجھے ہیں کہ یہ دلائل لاجواب ہیں۔

جواب: امام اعظم کا فرمان قوی ہے مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ او مسكينا ذا متربة یعنی خاک نشین مسکین جس سے معلوم ہوا کہ مسکین وہ جو کپڑے یا مال اور گھر بار کا بھی مالک نہ ہو۔ اس لئے مسکین کو بھیک مانگنا جائز ہے فقیر کو نہیں جیسا کہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی میں بروایت حضرت ابن مسعود ہے کہ جس کے پاس ایک دن کا کھانا ہو اور وہ بھیک مانگے وہ قیامت میں ذلیل ہوگا۔ کشتی خضر والے لوگ اس کشتی کے مالک نہ تھے بلکہ کسی اور کی کشتی میں کام کرتے تھے اس لئے ارشاد ہوا یعملون في البحر وہ دریا میں کام کرتے تھے انہیں رحم کی بنا پر مساکین کہا گیا۔ کہا جاتا ہے

www.alahazratnetwork.org

مساکین اھل النار ایک شاعر کہتا ہے: شعر

ساکین اھل الحب حتی قبورھم

علیھا تراب الذل بین المقابر

حدیث شریف میں مسکین سے مراد دل کا مسکین ہے نہ کہ مال کا مسکین یعنی خدایا مجھے دل کا انکسار عطا فرما۔ ورنہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے لاکھوں کا مالک کیا۔ جو حضور نے لوگوں کو عطا فرمائے۔ حضور تو غنی کیا غنی گر ہیں۔ شعر

ہاتھ جس سمت اٹھا غنی کر دیا اس کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

اس صورت میں وہ دعا کی حدیث تمہارے بھی خلاف ہوگی فقیر کے معنی خالی نہیں بلکہ فقر کے معنی خالی۔ ق پہلے ف بعد میں اس لئے خالی میدان کو قفار کہتے ہیں اگر فقیر کو مسکین سے پہلے بیان کرنے سے یہ لازم آتا ہے کہ فقیر بمقابلہ مسکین زیادہ حاجت مند ہو۔ تو چاہئے کہ بمقابلہ مولفۃ القلوب کے عاملین زیادہ حاجت مند ہو جائیں کہ یہاں بھی تقدم و تاخر ہے۔ یہاں ترتیب مقصود نہیں لہٰذا یہ دلائل مذکورہ کمزور سے ہیں۔

تیسرا اعتراض: جب قرآن مجید میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ارشاد ہوئے تو صحابہ کرام کو کیا حق تھا کہ وہ مولفۃ القلوب کو نکال مصرف سات رکھیں کیا صحابہ کرام قرآنی آیت کو منسوخ کر سکتے ہیں صحابہ نے قرآن بگاڑ دیا ایسے ہی انہوں نے بعض آیات قرآنیہ نکال بھی دی ہوں گی۔ (روافض)۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے اس وقت حضرت علی، عباس، عبداللہ بن عباس تمام اہل بیت موجود تھے ان میں سے کسی بزرگ نے اعتراض نہ کیا بلکہ انہوں نے بھی قبول کر کے زکوٰۃ کے مصرف سات ہی مان لئے۔ صحابہ کا یہ عمل اگر غلط ہوتا تو وہ حضرات نہ اسے قبول کرتے نہ اس پر عمل کرتے بلکہ ان سے جنگ کرتے کہ تم قرآن بلکہ دین کیوں بدلتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان حضرات نے حکم کی وجہ ختم ہو جانے کی وجہ سے حکم کا ختم ہو جانا جان لیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ مولفۃ القلوب کو زکوٰۃ دینے کی وجہ اس وقت اسلام کا ضعف تھا اسلام کو لوگوں کی ضرورت تھی اب اسلام کو لوگوں کی ضرورت نہ رہی بلکہ لوگوں کو اسلام کی ضرورت ہو گئی۔ جیسے ضرورت کے وقت تیمم کر و ضرورت ختم ہو جانے پر وضو تو مٹی کا ذریعہ طہارت ہوا۔ پانی کی غیر موجودگی سے نہ کہ ہر وقت یا جیسے حضور انور کے زمانہ میں قتل کا خون بہا۔ (دیت) قاتل کے وارثوں پر تھی پھر بیت المال سے ہوگئی کہ وجہ بدل گئی۔ یہ نسخ نہیں بلکہ وجہ ختم ہونے پر حکم ختم ہوتا ہے (روح المعانی)۔

مسئلہ: نو مسلم اگر ضعیف الاعتقاد ہو اور غریب بھی تو اسے غریبی کی وجہ سے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے لیکن امیر نو مسلم کو اس لئے زکوٰۃ دینا کہ پھر کافر نہ ہو جائے جائز نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں فی سبیل اللہ زائد ہے کیونکہ آگے ابن السبیل موجود ہے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ اگر فرق نہیں تو مکرر کیوں کیا گیا۔

جواب: ابن السبیل سے مراد ہر وہ مسافر ہے جو سفر میں مجبور ہو جائے اور فی سبیل اللہ میں غازی حاجی۔ طالب علم مراد

www.alahazratnetwork.org

ہیں جن کا سفر رضا الٰہی کے لئے ہو گویا ان میں عادت اور عبادت کا فرق ہے (روح المعانی) مطلق مقید کا غیر ہوتا ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں زکوٰۃ کے مصرف آٹھ ارشاد ہوئے مگر چار میں لام ارشاد ہو۔ للفقراء و المساکین اور چار میں فی الرقاب و الغارمین اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: بعض مفسرین نے فرمایا کہ فقراء وغیرہ کو زکوٰۃ مطلقاً مالک بنا دیا جاوے وہ جو چاہیں کریں مگر ان چار کو صرف بدل کتابت یا قرض وغیرہ ادا کرنے کے لئے دی جائے۔ یہ لوگ صرف اس مقصد کے لئے زکوٰۃ لیں اس لئے ان میں فی ارشاد ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ آخری چار قسموں کو زکوٰۃ دینا پہلے چار سے افضل ہے اس لئے ان میں فی ارشاد ہوا دیکھو تفسیر کبیر خازن روح المعانی وغیرہ اسی لئے جاہل فقیر سے عالم فقیر افضل ہے۔ اسے زکوٰۃ دی جاوے کہ وہ فی سبیل اللہ ہے۔

چھٹا اعتراض: رب تعالیٰ نے یہاں زکوٰۃ میں آٹھ مصرف بیان فرمائے مگر کفارات میں صرف مساکین کا ذکر فرمایا فکفارته اطعام عشرة مساکین حالانکہ کفارہ بھی صدقہ واجبہ ہے۔

جواب: وہاں لفظ مساکین بمعنی بے چارگان ہی جس میں یہ داخل ہیں جیسے السفینة کانت لمساکین میں مساکین اسی معنی میں ہے غرضیکہ آیۃ کفارہ میں اجمال ہے یہاں تفصیل۔

ساتواں اعتراض: تم نے کہا کہ فقیر وہ جس کے پاس نصاب سے کم ہو۔ اور وہ مصرف زکوٰۃ ہے مگر وہ دوسری جگہ قرآن مجید میں فرماتا ہے و الله الغنی و انتم الفقراء اللہ تعالیٰ غنی ہے اور تم سب فقیر۔ معلوم ہوا کہ سارے انسان فقیر ہیں۔ چاہئے کہ سب کو زکوٰۃ دی جائے الصدقات للفقراء دونوں جگہ فقرا ہے۔

جواب: اس آیت میں غنی بمعنی بے نیاز ہے اور فقراء بمعنی نیاز مند سارے انسان اللہ تعالیٰ کے نیاز مند ہیں۔ اگرچہ سلطان وزیر امیر ہوں۔ یہاں بمعنی غریب ہے۔ جیسے رب فرماتا ہے۔ کل شی هالک الا وجهه رب کے سواء ہر چیز ہلاک والی فانی ہے دوسری جگہ فرماتا ہے اکلها دائم یا فرماتا ہے خالدین فیها ابدا۔ یہ جنتی میووں کو فنا۔ نہ جنت والوں کو۔ معلوم ہوا کہ وہاں هالک بمعنی ممکن قابل فنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: صدقات یعنی اللہ تعالیٰ کے روحانی عطیے ان لوگوں کے لئے ہیں جو دنیا چھوڑ کر دنیا سے خالی ہو کر واصل باللہ ہوئے۔ اور ان مساکین کے لئے ہے جن میں ابھی کچھ اثر دنیا ہے۔ فقراء واصلین میں یہ لوگ سالکین اور عاملین کے لئے۔ وہ دونوں احوال والے تھے۔ یہ اعمال والے اور مولفۃ القلوب کے لئے۔ جن جن کے دل اللہ کے ذکر سے الفت رکھتے ہیں یہ لوگ مقربین ہیں یعنی رب سے قریب دنیا سے دور اور مکاتبین کے لئے جو اپنے موجد لو غلامی کی تلاش میں دنیا کی قیدوں سے آزاد ہونا چاہیں اور مقروضوں کے لئے جو اپنی زندگی اپنے حالات کو رب کا قرض سمجھتے ہیں اس کی ادائگی کی فکر میں ہیں۔ اور فی سبیل اللہ یعنی نفس امارہ ہے جہاد شیطان سے ہو اور طغیان سے جہاد اکبر کر رہے ہیں اور مسافروں کے لئے میں جو بشریت عبدیت کے وطن سے شریعت و طریقت کے قدموں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی طرف جا رہے ہیں یہ سیر سفر قرض کی واپسی دنیا کی غلامی سے آزادی کا فریضہ اللہ کا ہے صدقات ربانی عطیے ہیں جو ان میں کوشاں ہے وہ رب کو چاہتا ہے۔ من

www.alahazratnetwork.org

طلبی وجدنی اللہ اپنے طالبین کو جانتا ہے اور ان کی حاجتوں کے مطابق ان کی مدد فرماتا ہے کہ وہ علیم بھی ہے حکیم بھی۔ (روح البیان)

وَمِنْهُمُ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ النَّبِيَّ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ اُذُنٌ قُلْ اُذُنُ

اور ان میں سے وہ لوگ ہیں جو ایذاء دیتے ہیں ان نبی کو اور کہتے ہیں کہ وہ نرے کان ہیں فرماؤ کان

اور ان میں کوئی وہ ہیں کہ ان غیب کی خبریں دینے والے کو ستاتے ہیں اور کہتے ہیں وہ کان ہیں

خَيْرٍ لَّكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِيْنَ

ہیں خیر کے واسطے تمہارے ایمان رکھتے ہیں وہ اللہ پر اور اعتبار کرتے ہیں مسلمانوں کا اور رحمت ہیں

تم فرماؤ تمہارے بھلے کیلئے کان ہیں اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور مسلمانوں کی بات پر یقین کرتے

اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۱﴾

واسطے ان کے جو ایمان لائے تم میں سے اور وہ لوگ جو ستاتے ہیں رسول اللہ کو واسطے انکے ہے عذاب تکلیف دہ

ہیں اور جو تم میں سے مسلمان ہیں ان کے واسطے رحمت ہیں اور وہ جو رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے

تعلق: اس آیۃ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کے اس طعن کا ذکر تھا جو وہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تقسیم پر کرتے تھے اب ان کے اس طعن کا ذکر ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے تحمل پر پردہ پوشی وغیرہ کرتے تھے۔ گویا فعل شریف پر طعن کے بعد صفات عالیہ پر طعن کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی ان بدگوئیوں کا ذکر ہوا جو وہ حضور انور کے سامنے کر بیٹھتے تھے اب ان کی اس بکواس کا تذکرہ ہے جو وہ پس پشت کیا کرتے تھے گویا حاضرانہ جرم کے بعد غائبانہ جرموں کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی شخص ایذا رسانی کا ذکر ہوا کہ ایک بدنصیب نے حضور انور کی تقسیم پر اعتراض کیا اب ان کی قومی ایذاء رسانی کا تذکرہ ہے کہ وہ ساری قوم حضور انور کو ایذاء پہنچاتی رہتی ہے اور سب تعالیٰ ان کے جواب دیتا رہتا ہے۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں ! چند منافقین جذام ابن خالد اباس ابن قیس۔ سماک ابن یزید عبید ابن مالک وغیرھم ایک دن اپنی خاص مجلس میں حضور انور صلی اللہ علیہ کی شان اقدس میں بہت گستاخیاں کر رہے تھے کہ ان میں سے ایک بولا کہ اگر ہماری اس بکواس کی خبر حضور اللہ علیہ وسلم کو پہنچ گئی تو ہماری شامت آ جاوے گی۔ اور ہماری منافقت کھل جاوے گی۔ تو ان میں سے ایک منافق جلاس ابن سوید بولا کہ کچھ فکر نہ کرو۔ اول تو یہاں کوئی مسلمان ہے

www.alahazratnetwork.org

نہیں صرف ہم ہی ہیں انہیں اس کی خبر کیسے پہنچے گی اور اگر کسی مسلمان کے ذریعہ آپ علیہ السلام تک یہ خبر پہنچ بھی گئی تو ہم قسم کھا جائیں گے کہ ہم نے کچھ نہ کہا تھا۔ گذشتہ کا تجربہ ہے کہ وہ ہر بات بغیر تحقیق مان لیتے ہیں تحقیق نہیں فرماتے وہ تو بڑے کان ہیں جسے اردو میں کہتے ہیں کچے کانوں کے ہیں جو سنا مان لیا۔ اس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر تنویر المقباس' کبیر' خازن' روح المعانی' روح البیان وغیرہ) ۲۔ مدینہ منورہ میں ایک منافق نبل ابن حارث تھا۔ نہایت ہی بدشکل سرخ آنکھیں پچکے ہوئے گال بکھرے بال' ابھری کنپٹیاں' حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ جو ابلیس کو دیکھنا چاہے وہ نبل کو دیکھ لے۔ وہ حضور انور کی مجلس مقدس میں حاضر رہتا اور بہت غور سے آپ علیہ السلام کی باتیں سنتا تھا۔ پھر منافقین و کفار تک آپ علیہ السلام کی باتیں پہنچاتا گویا جاسوس تھا۔ ایک دن وہ یہ ہی حرکت کر رہا تھا کہ کسی نے اس سے کہا کہ اگر تیری حرکات کی خبر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو تیرا کیا بنے گا۔ نبل بولا کہ میں قسم کھا کر انکار کر جاؤں گا وہ نرے کان ہی ہیں۔ مجھے کچھ نہ کہیں گے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر' خازن' روح المعانی)

تفسیر: **ومنھم الذین یؤذون النبی** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **منھم** مقدم خبر ہے اور **الذین** موخر مبتدا ہے اس سے مراد وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے چلا آ رہا ہے۔

اس فرمان عالی میں دو لفظ قابل غور ہیں ایک **یؤذون** اور دوسرے **النبی** یؤذون سے یہ بتایا گیا۔ کہ جب وہ اپنی مجلسوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی کرتے ہیں تب ہی حضورؐ کو خبر ہوتی ہے۔ کسی مخبر کی خبر رسانی پر ان کا جاننا موقوف نہیں **النبی** میں اس دعویٰ کی دلیل ہے۔ یعنی ان کی خفیہ بدگوئیوں کی اطلاع اس سے تکلیف اس لئے ہو جاتی ہے کہ وہ نبی ہیں یعنی ہر غیب و شہادت کی خبر رکھنے والے۔ جن کی خبر رکھنے کا یہ حال ہے کہ جس خچر پر سوار ہو جائیں اس کی آنکھوں سے غیب کے حجاب اٹھا دیئے جائیں اور وہ قبر کا عذاب دیکھ کر مردہ کی چیخ و پکار سن کر گھبرا کر دو پاؤں پر کھڑا ہو جاوے (مشکوٰۃ باب التنشرۃ عن البول)

اگر عائشہ صدیقہ ان کا تہبند دوپٹہ کی جگہ اوڑھ لیں تو ان کی آنکھیں غیب کی نورانی بارش دیکھ لیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر

گفت چہ برسرفگندی ازازار گفت کردم آں ردایت راشمار
گفت بہر آں نمود اے پاک جیب چشم پاک راخدابار ان غیب

جو مدینہ منورہ میں بیٹھ کر عرش و کرسی۔ لوح و قلم جنت و دوزخ کی ملاحظہ فرمائے۔ بھلا اس کے کانوں سے منافقین کی یہ خفیہ گفتگو کیسے چھپے۔

ویقولون ھواذن یہ عبارت معطوف ہے **یؤذون** (الخ) پر جس میں فرمایا گیا کہ وہ پردہ پوش لجپال محبوب ان کو گفتار سے خبردار ہیں۔ جو کہتے ہیں کہ حضور علیہ السلام تو بڑے کان ہیں۔ خیال رہے کہ اذن کان کو کہتے ہیں حضور انور علیہ السلام کو وہ اذن اس لئے کہتے تھے کہ حضور علیہ السلام ہماری ہر بات سن کر بغیر تحقیق مان لیتے ہیں گویا سراپا کان ہیں ان میں سوچنے تحقیق کرنے کا

www.alahazratnetwork.org

مادہ ہی نہیں یہ انتہا درجہ کی گستاخی تھی۔ایک شاعر کہتا ہے ؎

اذا ایدت لیلی فکلی عین وان ذکرت بشرعندھم ازنوا

یعنی جب میرے سامنے آتی ہے تو میں پورا کا پورا آنکھ بن کر اسے دیکھتا ہوں اور جب وہ مجھ سے بات کرتی ہے تو میں سراپا کان بن کر اس کی بات سنتا ہوں۔دوسرا شاعر کہتا ہے ؎

صم اذا سمعوا خیرا ذکرت بہ

وان ذکرت بشر عندھم اذنوا

یعنی اگر ان لوگوں کے سامنے میرا ذکر خیر ہو تو وہ بہرے بن جاتے ہیں اگر میرا ذکر برائی سے ہو تو وہ سراپا کان بن کر سنتے ہیں اگر وہ بدنصیب یہ ہی لفظ پردہ پوشی اور ستار عیوبی کی نیت سے استعمال کرتے تو یہ کلام نعت بن جاتا۔یعنی وہ خطا کار کی خطائیں معذرت سن کر بغیر جرح قدح معافی دے دیتے ہیں قل اذن خیر لکم یہ ہے رب تعالیٰ کی طرف سے ان منافقوں کا جواب۔قل میں خطاب قرآن پڑھنے والے مسلمان سے ہے اذن خیر مبتدا پوشیدہ کی خبر ہے یہ ہی ہے کیونکہ اگلی عبارت میں حضور ﷺ کے لئے غائب ضمیریں آرہی ہیں یومن باللہ اور یومن للمومنین۔اگر حضور انور ﷺ سے خطاب ہوتا تو انا پوشیدہ ہوتا ہے اور آگے دونوں جگہ امن متکلم کا صیغہ ہوتا نیز قرآن مجید میں عموماً رب اپنے اعتراض حضور انور کے ذریعہ کراتا ہوتا ہے۔کہ مجھ پر یہ اعتراض ہے۔آپ ﷺ یہ جواب دیں کیونکہ حضور ﷺ اللہ کے شاید گواہ ہیں۔اور حضورؐ پر اعتراض ہوا سے اللہ تعالیٰ دفع کرتا ہے۔کیونکہ حضور ﷺ اللہ کے شاید گواہ ہیں۔اور حضور ﷺ پر اعتراض ہوا سے اللہ تعالیٰ دفع کرتا ہے۔یا کسی کے ذریعہ دفع کراتا ہے۔کیونکہ وہ حضور ﷺ کا گواہ ہے یاایھا النبی انا ارسلنک شاھدا اور فرماتا ہے وکفی باللہ شھیدا محمد رسول اللہ۔ہماری قراۃ میں اذن خیر ہے۔یعنی اذن مضاف ہے۔خیر کی طرف موصوف کی اضافت صفت کی طرف (معانی) یعنی اے منافقو وہاں وہ سراپا کان ہیں۔مگر ان کا کان ہونا تمہارے لئے خیر ہے کہ تمہارے پردے ڈھکے عیوب چھپے ہوتے ہی رہیں اگر وہ تمہاری تحقیقات کرتے تو تمہارے عیب کھل گئے ہوتے لہٰذا لکم میں خطاب منافقوں سے ہے حضور ﷺ انور اپنے گنہگار امتیوں کے دنیا و آخرت میں پردہ پوش ہے۔شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

ہے غریق بحر عصیاں بندہ عبداللطیف پردہ عیبوں پر مرے ستار رہنے دیجئے

مگر ان کی شان یہ ہے کہ یومن باللہ ویومن للمومنین اس فرمان عالی کا پہلا یومن بنا ہے۔ایمان بمعنی تصدیق ہے۔کفر کا مقابل یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں۔اللہ نے انہیں پردہ پوش بنایا۔تم پر جرح و قدح کا حکم نہیں دیا۔اس لئے ان کا یہ عمل ہے۔اور دوسرا یومن بنا ہے۔ایمان بمعنی بھروسہ و اعتماد کرنا۔اس لئے پہلے یومن کے بعد ب آئی اور دوسرے کے بعد لام۔قرآن مجید میں ہے۔وما انت بمومن لنا اور فرماتا فما امن لموسیٰ الا ذریۃ من قومہ اور فرماتا ہے انومن لک واتبعک الارذلون اور فرماتا ہے امنتم لہ قبل ان اذن لکم ان تمام آیات میں بمعنی اعتماد ہے۔اور اس کے بعد

www.alahazratnetwork.org

لام آیا ہے۔ (تفسیر کبیر وروح البیان ومعانی وغیرہ) مومنین فرما کر بتایا کہ انہیں تم پر اعتماد نہیں نہ وہ تمہاری تصدیق کرتے ہیں۔ وہ دل سے تصدیق صرف مومنوں کی کرتے ہیں۔ انہیں تمہاری حقیقت کی خبر ہے۔ (تفسیر خازن) اس فرمان عالی کی اور تفسیریں بھی کی گئی ہیں۔ مگر یہ تفسیر بہت نفیس آگے ارشاد ہے ورحمة للذين امنوا منكم یہ عبادت معطوف ہے يؤمن بالله پر اور حضور انور ﷺ کی ایک اور صفت کا بیان رحمت کی تنوین عظمت کی ہے یعنی عظیم الشان رحمت۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ کی رحمت عامہ تو سارے جہانوں کے لیے ہے کہ جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے۔ اس کے لئے حضور انور ﷺ رحمت وہ رب العلمین ہے اور حضور ﷺ رحمت للعالمین مگر رحمت خاصہ صرف مومنوں کے لئے ہے وہ ہی یہاں ہی مراد ہے اس کی تفسیر وہ آیۃ ہے وبالمومنين رؤف رحيم۔ اس فرمان عالی کی بہت تفسیریں کی گئی اور آسان تفسیر یہ ہے کہ رحمت سے مراد خاصہ ہے اور منکم میں خطاب منافقین سے ہے آمنو سے مراد اخلاص سے ایمان لانا ہے یعنی اے منافقو! تم میں سے جو بھی مخلص مومن ہو جاویں ان کے لئے حضور خاص رحمت ہیں یا اے منافقو! تمہارے خاندان قبیلہ میں جو لوگ اخلاص سے ایمان لا چکے ان پر حضور رحمت خاصہ ہیں۔ تم بھی ان کی طرح ایمان لاؤ تاکہ ان کی یہ رحمت پاؤ۔ اس تفسیر پر کوئی اعتراض نہیں تفسیر خازن نے یہ ہی اختیار کی والذين يؤذون رسول الله چونکہ یہ جملہ نیا ہے۔ اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے الذين سے مراد تا قیامت سارے جن وانس ہیں۔ جن میں وہ منافقین بھی داخل ہیں۔ ایذاء سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف دینے کے لئے کوئی کام یا کلام یا حرکت کرنا۔ گواہ بذات خود اچھا ہو یا برا۔ لہٰذا جو کوئی حضور انور کو تکلیف دینے کے لئے نماز بھی پڑھے وہ بھی اس عتاب میں داخل ہے۔ یہ عموم اور طلاق یاد رکھنا چاہئے چونکہ حضور ﷺ کے احسانات کی طرف اشارہ لفظ رسول سے ہوتا ہے کہ رسول فیض رسان۔ جیسے نبی پیغام رسان اس لئے یہاں رسول ارشاد ہوا۔ نبی اللہ نہ فرمایا گیا۔ یعنی جو لوگ بھی اس محسن عظیم کو فیض رسان خلق کو کسی وقت کسی طرح اپنے قول فعل یا حرکت سے ایذا پہنچائیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

فائدے: اس آیۃ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے کھلے چھپے حال سے خبردار ہیں۔ ان پر کوئی چیز بھی چھپی نہیں۔ یہ فائدہ يوفون (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین اپنی خاص مجلسوں میں جو گستاخیاں چھپ کر آہستگی سے کرتے تھے حضور انور کو ان سے تکلیف پہنچ جاتی تھی۔ اور تکلیف بغیر خبر نہیں پہنچ سکتی۔

دوسرا فائدہ: حضور انور ہر چیز کی خبر رکھتے ہیں۔ حضور انور ﷺ ہر چیز کی خبر لیتے ہیں۔ اور حسب ضرورت خبر دیتے بھی ہیں۔ یہ فائدہ اس جگہ النبی فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں الرسول وغیرہ نہ فرمایا گیا۔

تیسرا فائدہ: اس خبر کے باوجود حضور انور پردہ پوش اور شان ستاری کے مظہر اتم بھی ہیں۔ جس سے بد باطن لوگ دھوکا کھا جاتے ہیں۔ یہ فائدہ ھواذن سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ کو بے علم اور بے خبر جاننا۔ منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ ویقولون (الخ) سے حاصل ہوا یعنی

www.alahazratnetwork.org

منافقین کہتے ہیں۔ کہ وہ تو کچے کانوں کے ہیں۔ ہر ایک کی ہر بات پر معذرت قبول کر لیتے ہیں۔ انہیں حقیقت حال کی خبر نہیں ہوتی مومن کا عقیدہ یہ شعر

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب   علی کل شی آمدی

رب فرماتا ہے۔ وعلمک مالم تکن تعلم

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا ہر بات کا تحقیق نہ فرمانا معذرت قبول فرمالینا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ کہ اس سے بہت گنہگاروں کے پردے رہ جاتے ہیں۔ یہ فائدہ یومن للمومنین سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چھٹا فائدہ: حضور اکرم ﷺ کا کرم کریمانہ یہ ہے کہ آپ ﷺ سن سب کی لیتے ہیں۔ مگر مانتے ہیں صرف مخلصین مومنین کی آپ ﷺ دل کی گہرائیوں پر نظر رکھتے ہیں۔ یہ فائدہ یومن للمومنین سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

ساتواں فائدہ: حضورؐ انور کی رحمت عامہ سارے جہانوں کے لئے ہے مگر رحمت خاصہ صرف مسلمانوں کے لئے۔ حضورؐ کے صدقے رزق سب کو ملتا ہے مگر ایمان تقویٰ وغیرہ صرف مومنوں کو یہ فائدہ و رحمۃ اللذین امنوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: تمام جرموں میں بدترین جرم سارے کفروں سے سخت تر کفر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے یہ حکم تا قیامت ہے یہ فائدہ و اللذین سے حضورؐ انور کو تکلیف پہنچائے وہ کافر مطلق ہے یہ فائدہ اللذین کے عموما اور یوزون رسول اللہ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ شعر

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

دسواں فائدہ: مومنوں کی طرح کفار کے بھی بہت درجے ان کے بہت طبقے ہیں۔ حضور انور ﷺ کو دکھ پہنچانے والا تمام کافروں میں بدتر ہے اس کا عذاب بھی سخت تر یہ فائدہ ولھم عذاب الیم میں لھم فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ اس سے معلوم ہوا کہ ابو طالب اور ابولہب میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ گیارہواں فائدہ اس کے برعکس مومنوں میں سب سے اعلیٰ درجہ کا مومن وہ ہے جو حضور ﷺ کو راضی کرے کہ ان کی رضا میں رب تعالیٰ کو رضا ہے دنیا میں کوئی شخص حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا آپ افضل الخلق بعد انبیاء ہیں۔ کیوں اس لئے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا علی وجہ الکمال حاصل کر لی۔ شعر

تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا   حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

پہلا اعتراض۔ سارے منافقین ہی حضور ﷺ کو ایذا دیتے تھے پھر منھم اللذین کیوں ارشاد ہوا۔

جواب: یہاں ایذاء سے مراد خاص ایذاء ہے یعنی جاسوسی کرنا اور اپنی مجلسوں میں حضور ﷺ کو بہتان لگانا۔ واقعی یہ عیب بعض منافقین میں ہی تھا۔ وہ بھی کبھی کبھی؟

دوسرا اعتراض: منافقین کا یہ کہنا کہ ھو اذن وہ نرے کان ہیں اس میں تو کوئی گستاخی نہیں بلکہ تعریف ہے کہ وہ ایک کی سن

www.alahazratnetwork.org

لیتے ہیں مان لیتے ہیں تحقیق نہیں کرتے۔ دو معنی والا ہے ایک یہ جو تم نے کہے۔ یہ تعریف ہے دوسرے وہ جو وہ مراد لیتے تھے۔ اس میں توہین تھی یعنی انہیں بات کی تحقیق کرنا آتا ہی نہیں۔ جو کوئی ان سے کچھ کہہ دے وہ مان لیتے ہیں۔ جس کا اردو ترجمہ ہے کچے کانوں کے یہ عیب ہیں اس کا ذکر بہتان ہے لہٰذا کفر ہے۔ جیسے لفظ راعنا کے دو معنی تھے۔ ایک اچھے دوسرے بڑے۔ یہود معنی سے یہ لفظ بولتے تھے۔ اسے کفر قرار دیا گیا۔ ہر دو معنی والے لفظ کا یہ ہی حکم ہے رب تعالیٰ نے بھی جواب میں حضورؐ انور کو اذن فرمایا مگر خیر لکم ساتھ میں لگا کر اس کے نہایت اعلیٰ معنی پیدا کر دیئے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ دو جگہوں یومن ارشاد ہوا مگر ایک کے بعد ب فرمائی گئی یومن باللہ دوسرے کے ساتھ لام للمومنین اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: یہ فرق ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ کہ پہلے ایمان سے مراد ہے تصدیق قلبی کفر کا مقابل اس کے ساتھ وہی آتی ہے امنوا باللہ یا امنت باللہ دوسرے ایمان سے مراد ہے اعتبار و اعتماد اس کے بعد لام ہی آتا ہے۔ جس کی بہت آیات ابھی تفسیر میں پیش کی گئیں۔ یعنی ہمارے محبوب سب کی سن لیتے ہیں پردہ پوشی فرماتے ہیں مگر اعتماد و اعتبار صرف مومنین کی بات پر کرتے ہیں۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے لئے رحمت خاص ہیں منافقین تو سارے ہی کافر تھے۔ ان میں کوئی مومن تھا ہی نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔ وہ جو مومن ہو گئے وہ منافق نہ رہے پھر منکم فرمانا کیسے صحیح ہوا۔

جواب: اس کے تین مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ اے منافقو! تم میں سے جو آئندہ مومن ہو جاویں ان کے لئے رحمت خاص ہیں اس میں آئندہ کا ذکر ہے یا تمہارے خاندان میں سے جو ایمان لا چکے ان کے لئے رحمت ہیں یا تم میں سے جو اللہ کے علم اس کے ارادے میں ایمان لا چکے ہیں اور روز ازل سے مومنین کی فہرست میں آ چکے ہیں ان کے لئے سراپا رحمت ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تا قیامت جو بھی حضور انور ﷺ کو ایذا دے وہ کافر ہے اس کے لئے دردناک عذاب ہے مسلمان کے ہر گناہ سے حضور ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے رب فرماتا ہے عزیز علیہ ما عنتم تو چاہئے کہ ہر گناہ کفر ہو اور ہر گنہگار کافر کیونکہ اس نے حضورؐ انور کو اپنے بدعمل سے ایذا پہنچائی۔

جواب: تمہاری پیش کردہ آیات میں ہے عزیز علیہ ان پر گراں ہے۔ مگر یہاں ہے یوذون جو حضور ﷺ کو ایذا دیں۔ گرانی اور ایذاء میں بڑا فرق ہے۔ ہمارا بیٹا بیمار ہو جائے تو اس کی بیماری ماں باپ پر گراں ہوتی ہے وہ بے چین و بے قرار ہو جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کو قبر انور میں اس پر چین نہیں آتا یہ ہے عزیز علیہ جو بے حیا ان کی توہین کرے ان کا مقابلہ کرے ان کا دین مٹانا چاہے اس سے حضور ﷺ کو ایذا پہنچتی ہے یہ کفر ہے۔

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یوذون کے بعد رسول اللہ ارشاد ہوا اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: منافقین اپنی خاص مجلسوں میں یہ سمجھ کر حضور ﷺ کی شان اقدس میں بکواس کرتے تھے کہ آپ ﷺ کو کیا خبر کہ ہم کیا کر رہے ہیں اور کیا کہہ رہے ہیں ان کے اس خیال کی تردید کے لئے فرمایا کہ یہ تو وہ نبی ہیں نبی کے معنی ہی ہیں نباء والا یعنی خبر والا وہ تمہاری حرکتوں سے بے خبر کیسے رہ سکتے ہیں۔ شعر ؎

سر عرش پر ہے تیری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
اے فروغت صبح آثار و دہور
چشم تو بینندہ ما فی الصدور

دوسرے فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ وہ رسول اللہ یعنی اللہ سے لینے والے تمہیں دینے والے ان کی مہربانیوں کا شکریہ تھا کہ تم ان کے قدم دھو دھو کر پیتے۔ تم الٹا انہیں ستاتے ہو۔ غرضیکہ منافقین کے ایک خیال کی تردید کے لئے حضور ﷺ کو نبی فرمایا گیا وہ سمجھے تھے کہ حضور ﷺ بے خبر ہیں۔ دوسرے خیال کی تردید کے لئے حضور ﷺ کو رسول اللہ فرمایا۔ وہ سمجھے تھے کہ حضور ﷺ کچھ نہیں دیتے۔

ساتواں اعتراض: اس آیۃ میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیں ان کے لئے سخت عذاب ہے تو امیر معاویہ نے حضرت عائشہؓ صدیقہؓ نے حضرت علی سے جنگ کی جس میں ہزارہا مسلمان مارے گئے۔ یقیناً اس سے حضورؐ انور کو ایذا پہنچی کیا یہ لوگ عذاب کے مستحق ہوئے۔ (روافض)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ یہی اعتراض دوسری جانب یعنی علی پر بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ دو طرفہ مسلمان مارے گئے تھے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ان حضرات میں سے کسی کا ارادہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت نہ تھی۔ ہر فریق دوسرے کو غلطی پر سمجھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فریق آخر سے جنگ اسلامی قانون کے مطابق اور حضورؐ انور کی رضا کا ذریعہ غرضیکہ ایذا دینے میں نیت کا دخل ہے حضور ﷺ کی مخالف آپ ﷺ کو دکھ دینے کے لئے جو کام یا کلام ہو وہ ایذاء ہے۔

آٹھواں اعتراض: حضرت علی و حضرت امام حسن و فاطمہ زہرا کے لئے حضور انور ﷺ نے فرمایا۔ انا حرب لمن حاربهم جو ان سے جنگ کرے میں اس کے مقابل جنگ کرنے والا ہوں۔ ان سے جنگ حضور ﷺ سے جنگ ہے ان سے صلح حضور ﷺ سے صلح حضرت عائشہ صدیقہؓ امیر معاویہؓ اور ان کے سارے ساتھیوں نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تو گویا انہوں نے حضورؐ سے جنگ کی حضورؐ سے جنگ کفر ہے۔ (روافض)

جواب: یہ جنگیں حرب تھی ہی نہیں۔ بلکہ اختلافی تھیں۔ حرب عداوت کی جنگ کو کہا جاتا ہے۔ اختلاف' مخالفت' عداوت ان تینوں میں بڑا فرق ہے۔ دیکھو حضرت سارہ نے جناب ہاجرہ اور ان کے فرزند کو بے آب و دانہ جنگل میں ڈلوا دیا مگر اسے عداوت نہ قرار دیا گیا۔ اولاد یعقوب نے حضرت یوسف علیہ السلام پر بہت زیادتیاں کیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بہت تکلیف ہوئی مگر اسے نبی کو ستانا قرار نہ دیا گیا۔ ورنہ کفر ہوتا اور وہ حضرات مرتد ہوتے وہاں بھی اختلاف یا حد درجہ مخالفت

www.alahazratnetwork.org

تھی۔ عداوت یا حرب نہ تھی۔ اس قسم کے اعتراضات کے جوابات ہماری کتاب امیر معاویہ میں مطالعہ فرماؤ۔

نواں اعتراض: یہاں نبی کو ایذا دینے والے سے متعلق ارشاد ہوا لھم عذاب الیم صرف ان کو ہی تکلیف دہ دردناک عذاب ہے تو کیا دوسرے کفار کو عذاب آرام دہ ہوگا۔

جواب: عذاب تو تکلیف دہ ہی ہوتا ہے آرام دہ چیز تو عذاب ہی نہیں۔ یہاں سخت اور بدترین عذاب مراد ہے دوسرے قسم کے کفار کو عذاب تکلیف دہ ہی ہوگا۔ مگر نبی کو ستانے والے کے مقابلہ میں ہلکا حتی کہ جن کافروں نے حضور ﷺ کی خدمات کیں انہیں عذاب بہت ہی ہلکا ہوگا۔ عذاب اور الیم واؤ کی تنوین خیال میں رہے:

تفسیر صوفیانہ: بلاء اور ایذاء ذریعہ جلاو صفا ہے۔ لوہا صیقل کے ذریعہ صاف ہوتا ہے دل مومن دینوی آفات دنیاداری کی ایفاء کے ذریعہ صفائی میں ترقی کرتا ہے۔ اس لئے از آدم علیہ السلام تا حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں کو ستایا گیا انہیں ایذا دی گئی سب سے زیادہ ایذاء حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی گئی۔ ان کی اتباع میں حضرات اولیاء و علماء کو بھی ستایا جاتا رہا اور ستایا جاتا ہے جتنا درجہ زیادہ اتنی ہی ایذاء سخت (روح البیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ نبی کی مخالفت اور ان کی ایذا رسانی کی صرف دو وجہیں ہیں ایک تو ان کو بے خبر جاننا دوسرے انہیں مجبور اور بے فیض جاننا۔ جس بدنصیب کا یہ عقیدہ ہو کہ حضور ﷺ ہماری حرکات سے بے خبر ہیں! تو پھر وہ جو چاہے سو کرے۔ یوں ہی اگر یہ خیال ہو جاوے کہ نہ حضور ﷺ کچھ سکتے ہیں نہ ہمارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں اب وہ جو چاہے کرے یا کہے مذکور منافقین کو یہ دو ہی بیماریاں تھیں جن کی بنا پر انہوں نے یہ حرکات کیں انہیں کی تردید میں یہاں حضور ﷺ کو ایک جگہ نبی فرمایا گیا اور دوسری جگہ رسول اللہ۔ اگر عقیدہ یہ ہو کہ ہماری ہر حرکت و قول و فعل پر حضور ﷺ کو اطلاع ہے اور وہ مطیعوں کو بھی دے سکتے ہیں ان کی بے ادبی پر عذاب آسکتا ہے پھر ایسی کسی حرکت کی ہمت ہی نہ ہو۔ حضور انور ﷺ رحمت تو سارے جہان کے لئے۔ سب کو رحمت دیتے ہیں مگر رحمت لینے والی صرف مومنین ہیں کفار نہیں رحمۃ للعالمین میں رحمت دینے کا ذکر ہے اور رحمۃ للذین امنوا میں رحمت لینے کا تذکرہ ہے۔ بجلی کا پاور سب کے لئے رحمت ہی ہے کہ اس سے روشنی' گرمی' سردی' مشین کی حرکت وغیرہ سب کچھ ہے مگر جو اس پر ہاتھ ڈال دے وہ ہلاک ہو جاتا ہے بڑ پڑے اسے چھوئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کو ایذا دینے کے لئے نماز بھی کفر ہے کوئی ممنوعہ اوقات میں اس نیت سے نماز پڑھے کہ حضور انور ﷺ نے اس سے منع کیا ہے لہٰذا میں ضرور پڑھوں گا کافر ہے حضور ﷺ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کفریات منہ سے نکالنا دینا ایمان ہے جیسا کہ جندہ ابن حمزہ کا واقعہ ہوا کہ ان کے کفریات منہ سے نکال دینے کے متعلق یہ آیت آئی۔ الذین کفرہ وقلبہ مطمئن بالایمان دیکھو وہاں کفر بھی ایمان بن گیا اور منافقوں کا مسجد ضرار بنانا کفر ہوا اسے مسجد ضرار کہا گیا کیونکہ اس مسجد کی تعمیر حضور انور کو ستانے کے لئے کی گئی تھی۔

www.alahazratnetwork.org

يَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ
قسم کھاتے ہیں وہ اللہ کی واسطے تمہارے تاکہ راضی کرلیں وہ تم کو اور اللہ اور پیغمبر اُس کے زیادہ حق دار ہیں
تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ تمہیں راضی کرلیں اور اللہ اور رسول کا حق زائد تھا کہ اسے
يُّرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْۤا اَنَّهٗ مَنْ يُّحَادِدِ
اس کے کہ راضی کرتے وہ اسے اگر ہیں وہ ایمان والے کیا نہیں جانا انہوں نے کہ تحقیق حال یہ ہے
کرتے اگر ایمان رکھتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ جو خلاف کرے اللہ اور رسول کا تو اس کے لئے
اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ
کہ جو کوئی مخالفت کرے اللہ اور رسول کی اس کے پس تحقیق ہے واسطے اس کے آگ دوزخ
جہنم کی آگ ہے ہمیشہ اس میں رہے گا یہ ہی بڑی
الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾
کی ہمیشہ رہنے والا اس میں یہ ہے رسوائی بہت بڑی
رسوائی ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین اپنی مجلسوں میں حضور انور ﷺ کی گستاخیاں کرتے تھے اب ارشاد ہے کہ مسلمانوں کی مجلسوں میں اگر جھوٹی قسمیں کھا کر ان حرکتوں کا انکار کرتے ہیں گویا خلوت کے حالات کے بعد ان کے جلوت کے حالات کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی یہ بدعقیدگی بیان ہوئی کہ وہ حضور انور ﷺ کو بے خبر اور آپ ﷺ کو بے فیض سمجھتے ہیں اب اس بدعقیدگی پر مرتب ان کو بدعملی کا ذکر ہے کہ وہ اس عقیدے کی بنا پر سامنے آکر دھوکہ دینے کے لئے جھوٹی قسمیں کھا جاتے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ منافقین کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ہاں ان کے دلوں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا خوف ہے کہ اپنی بری حرکتوں کو ان ہستیوں سے چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔

شان نزول: ایک دفعہ کچھ منافقین آپس میں اکٹھے ہو کر بیٹھے ان میں جلاس ابن سوید اور ودیعہ ابن ثابت بھی تھا اور حضور

www.alahazratnetwork.org

صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم گدھے سے بدتر ہیں۔ اتفاقاً وہاں ایک انصاری بچہ بھی موجود تھا۔ عامر ابن قیس جس کی انہوں نے کوئی پرواہ نہیں کی۔ وہ بولا کہ خدا کی قسم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں اور تم واقعی گدھے سے بدتر ہو۔ پھر وہ بچہ حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور یہ سارا ماجرہ حضور ﷺ سے عرض کیا۔ ان سب کو حضور انور نے اپنی مجلس عالیہ میں بلایا اور اس کے متعلق دریافت کیا وہ سب قسم کھا گئے کہ عامر جھوٹے ہیں ہم نے کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ حضرت عامر نے دعا کی کہ مولیٰ سچے کو سچا کر دے اور جھوٹے کو جھوٹا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں عامر کی تصدیق کی گئی ان سب کو جھٹلایا گیا۔ (تفسیر خازن)

۲ مقاتل اور کلبی کہتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے اکثر منافقین رہ گئے تھے جب حضور انور ﷺ واپس ہوئے تو انہوں نے حاضر بارگاہ ہو کر جھوٹی قسمیں کھالیں کہ واقعی سخت مجبور معذور تھے ورنہ ہم ضرور غزوہ میں شریک ہوتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (خازن)

تفسیر: یحلفون باللہ لکم۔ بنا ہے حلف سے حلف یمین اور قسم سب قریباً ہم معنی ہیں مگر عموماً حلف اس قسم کو کہا جاتا ہے جو کسی کو مطمئن کرنے کے لئے کھائی جاوے یمین وہ قسم ہے جو بات کو پختہ کرنے کے لئے کھائی جاوے۔ قسم دونوں کو عام ہے کبھی قسم اس چیز کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے کھائی جاتی ہے۔ جس کی قسم ارشاد ہو جیسے والتین والزیتون وغیرہ یحلفون کا فاعل وہ ہی منافقین ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے اسے مضارع فرمایا کہ یہ بتایا گیا کہ منافقین ایسی قسمیں کھانے کے عادی ہیں۔ کھاتے ہی رہتے ہیں یہاں لفظ باللہ اور لکم دونوں ہی یحلفون کے متعلق ہے۔ باللہ مقسم ہے یعنی منافقین اللہ کی قسمیں کھاتے رہتے ہیں تمہارے سامنے یا تمہارے لئے تم کو راضی کرنے کے لئے۔ چونکہ اسلام میں صرف خدا تعالیٰ کی ہی قسم کھائی جاتی ہے یا اس کے صفات کی اس لئے وہ لوگ مسلمانوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہی قسم کھاتے تھے لیرضوکم یہ بھی متعلق ہے یحلفون کے س میں لام بمعنی کئے ہے یرضوا بنا ہے ارضاء سے بمعنی راضی کرنا یا ناراضگی دور کرنا اور ہو سکتا ہے کہ بمعنی خوش کرنا ہو۔ یعنی اس لئے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ ناراضگی دور کریں یا تاکہ تم کو دور کریں۔ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ یرضوہ میں ضمیر یا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا رسولہ کی طرف اور ہو سکتا ہے کہ وہ بمعنی اسم اشارہ ہو اور دونوں کی طرف اشارہ ہو بمعنی مذکور (تفسیر روح البیان، روح المعانی، کبیر وغیرہ) قوی یہ ہے کہ رسول کی ضمیر ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا خدا تعالیٰ کی رضا ہے جیسے حضور ﷺ کی اطاعت رب کی اطاعت ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یا جیسے حضور ﷺ کا فیصلہ رب کا فیصلہ ہے حضور ﷺ کے دربار میں حاضر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہے رب فرماتا ہے اذا دعوا الی اللہ ورسولہ لیحکم بینھم دیکھو منافقین کو حضور ﷺ کے دربار میں بلایا جاتا تھا تاکہ حضور ﷺ ان میں فیصلہ کریں۔ مگر اسے اللہ رسول کی طرف بلایا جانا کہا گیا۔ نیز رسولہ قریب ہے ضمیر قریب کی طرف لوٹائی جاتی ہے یعنی اللہ رسول زیادہ حق دار تھے کہ اسے راضی کرتے وہ تو جھوٹی قسموں سے راضی نہیں ہوتے۔ وہ تو ایمان و اطاعت سے راضی ہوتے ہیں انہیں چاہئے تھا کہ مخلص مومن مطیع بنتے۔ ان کانوا مومنین یہ شرط ہے جس کی جزاء پوشیدہ ہے وہ اس

www.alahazratnetwork.org

پوشیدہ جزا پر گذشتہ جملہ دلالت کر رہا ہے۔ یعنی اگر مومن ہی تو اللہ رسول کو ایمان و اطاعت سے راضی کریں حیلے بہانوں کے لئے جھوٹی قسمیں نہ کھایا کریں۔ الم یعلموا انہ من یحادد اللہ و رسولہ۔ یہ جملہ بنا ہے اس میں سوال یا تعجب دلانے کے لئے یا اظہار غضب کے لئے علم بمعنی یقین یا بمعنی ایمان ہے۔ مَن سے ہر زمانے کے ہر جگہ کے سارے جن و انس مراد ہیں خواہ کسی درجے کسی مقام کے ہوں یحادو بنا ہے حد سے بمعنی کنارہ اب اصطلاح مخالفت و دشمنی بولا جاتا ہے۔ کیونکہ اپنے مقابل کے دوسرے کنارہ پر ہوتا ہے۔ یعنی تعجب کرو کہ ان منافقوں نے اس پر یقین نہیں کیا کہ جو کوئی کسی وقت کسی جگہ کسی طرح رسول اللہ کی مخالفت کرے۔ خیال رہے کہ یحادو مطلق ہے جس میں ہر قسم کی مخالفت داخل ہے عقائد میں مخالفت ہو یا اعمال یا اقوال میں یوں ہی خواہ ظاہر و باطن مخالفت ہو یا بظاہر موافقت ہو۔ درحقیقت مخالفت جیسے منافقین کا نماز پڑھنا وغیرہ۔ ان سب کا نتیجہ یہ ہے۔ فان لہ نار جھنم اس جملہ کی ترکیب کو علماء مشکل جانتے ہیں کیونکہ اس میں ف جزائیہ ہے یہ جملہ من یحادو کی جزا ہے اور جزا ہمیشہ جملہ ہوتی ہے۔ لیکن ان فتح کے ساتھ اپنے مابعد سے مل کر مفرد کے حکم میں ہوتا ہے تو ف جزائیہ اور ان فتحہ والا دونوں ضدین ہیں یہ دونوں یہاں جمع کیوں ہو گئیں اس کی آسان ترکیب یہ ہے کہ ف بعد حق پوشیدہ ہے۔ جو خبر مقدم ہے ان لہ نا جھنم سے مبتدا موخر یعنی اس کے لئے دوزخ کی آگ کا ہونا بالکل حق درست ہے۔ چونکہ ان فتحہ والا ابتداء کلام میں نہیں آتا اس لئے حق اس سے پہلے پوشیدہ ماننا پڑے گا۔ نہ کہ جہنم کے بعد (تفسیر روح المعانی، بیان، خازن، کبیر وغیرہ) خالد فیھا یہ لہ کے متعلق کی ضمیر سے حال ہے فیھا کی ضمیر نار کی طرف ہے خلود بمعنی ہمیشہ رہنا ہے یعنی وہ اس آگ میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا۔ خیال رہے کہ لہ کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی صرف وہ ہی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے۔ اس کے سوا اور کوئی نہیں۔ ذلک الخزی العظیم ارشاد خلود سے کی طرف ہے یعنی دوزخ میں ہمیشگی بڑی ہی رسوائی ہے۔ ایسی بڑی جو کسی کے ذہن میں وہم و گمان میں نہیں آسکتی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! یہ منافقین اپنی مجلسوں میں تمہارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بہت بکواس کرتے ہیں مگر جب ان سے اس کے متعلق تحقیق کی جاوے تو صاف طور پر تم کو راضی کرنے کے لئے جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم نے کچھ نہیں کیا آپ ﷺ کو خبر دینے والا جھوٹا ہے بچہ ہے ان کو چاہئے تھا کہ اللہ رسول کو راضی کرتے وہ جھوٹی قسموں سے راضی نہیں ہوتے وہ تو اخلاص اور اطاعت سے راضی ہوتے ہیں اللہ رسول ہی راضی کرنے کے حق دار ہیں اگر یہ مومن ہیں تو اس پر عمل کریں تعجب کی بات ہے کہ انہیں اب تک یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ جو کوئی اللہ رسول کی کسی وقت کسی جگہ کسی طرح مخالفت کرے تو اس کے لئے دوزخ کی آگ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ دوزخ کا داخلہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا بہت ہی بڑی ذلت خواری اور رسوائی ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفر کر کے اس کا انکار کرنا جھوٹی قسمیں کھانا ایمان نہیں ہے بلکہ اس سے توبہ کرنا ایمان قبول کرنا ایمان ہے ہر جرم کی علیحدہ توبہ ہے۔ کفر سے توبہ ایمان لانا اور کفر پر پشیمان ہونا۔ یہ فائدہ یحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: اکثر جھوٹے منافق جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا ایمان ثابت کرتے ہیں مخلصین کو اس کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ان کا ایمان خود ہی خوشبو دے دیتا ہے۔ اصلی عطر والے کو عطر کی عمدگی پر قسمیں نہیں کھانی پڑتیں۔ عطر اپنی عمدگی خود ہی بتا دیتا ہے۔ یہ فائدہ بھی یحلفون باللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: منافق لوگ ہمیشہ مسلمانوں کو راضی رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں کہ کہیں ہمارا نفاق ان پر ظاہر نہ ہو جاوے۔ مومنین ہمیشہ اللہ رسول کو راضی کرنے راضی رکھنے کی فکر میں رہتے ہیں یہ فائدہ لیوضوکم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ رسول کے مقابلہ میں لوگوں کو راضی کرنا کفر یا حرام ہے۔ ان کی مرضی کے مطابق مسلمانوں خصوصاً حضرات صحابہ کو راضی کرنا عبادت ہے یہ فائدہ بھی لیوضوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ایمان' عبادت' معاملات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ حضورؐ انور کو راضی وخوش کرنے کی نیت کرنا شرک یا کفر نہیں۔ بلکہ ایمان کا کمال ہے یہ فائدہ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ سے حاصل ہوا۔ جو کوئی اس لئے مسلمان ہو اس لئے نماز و روزہ حج و زکوٰۃ ادا کرے کہ اللہ بھی راضی ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہ مومن کامل ہے رب تعالیٰ اس کی توفیق دے۔

چھٹا فائدہ: اللہ کے نام سے ملا کر حضور ﷺ کا نام لینا بالکل جائز ہے بلکہ ان دونوں کے لئے ایک ضمیر بولنا جائز و درست ہے۔ بلکہ ان دونوں ذاتوں کے لئے ایک صیغہ استعمال کرنا درست ہے یہاں ایک لفظ احق اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد ہوا جیسا کہ اس کی تفسیر سے ظاہر ہے۔ یہ فائدہ احق ان یرضوہ میں احق اور ہ کی ضمیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کرے اللہ رسول آفات سے بچائیں۔ اللہ رسول رحمتیں عطا کریں۔

ساتواں فائدہ: حضورؐ کے نام پر اللہ کی عبادت کرنا نہ شرک ہے نہ حرام بلکہ ثواب ہے جیسے حضور ﷺ کے نام کی قربانی کرنا۔ حضور انور ﷺ کے نام پر یا حضور ﷺ کی والدہ طیبہ طاہرہ والد ماجد رضی اللہ عنہما کے نام پر حج بدل درست اور ثواب ہے کہ اس سے حضورؐ انور راضی ہوں گے۔ یہ فائدہ بھی احق ان یرضوہ سے حاصل ہوا حضورؐ انور نے اپنی امت کے نام کی قربانی فرمائی تھی۔

آٹھواں فائدہ: حضور ﷺ کو راضی کر لو خدا تعالیٰ خود ہی راضی ہو جاوے گا۔ حضور ﷺ کی رضا کے بغیر حق تعالیٰ کی رضا ناممکن ہے۔ یہ فائدہ ان یرضوہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ ہ کی ضمیر حضورؐ انور کی طرف ہے جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

نواں فائدہ: اپنے اعمال سے حضورؐ کو راضی کرنا علامت ایمان ہے۔ یہ فائدہ ان کانوا مومنین سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: اللہ رسول کے احکام کو ناحق جان کر اس کے خلاف کرنا کفر ہے اور ان کے احکام کو حق جان کر اپنے کو گنہگار مان کر غلطی کر لینا کفر نہیں بلکہ گناہ ہے یہ فائدہ من یحادد اللہ ورسولہ سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے مومن اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو مگر وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہے گا۔

www.alahazratnetwork.org

بلکہ گناہوں کے میل سے صاف ہونے کے لئے عارضی طور پر کچھ دن کے لئے وہاں رکھا جائے گا۔ یہ فائدہ لھم نار جھنم لھم کومقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ کافر دوزخ کا کوئلہ ہے مومن گندا اور میلا لوہا۔

بارہواں فائدہ: قیامت میں رسوائی ہونی دوزخ میں علانیہ پھینکا جانا صرف کفار کے لئے ہے انشاء اللہ گنہگار مومن کا حساب بھی خفیہ ہوگا اور اگر اسے دوزخ میں ڈالا گیا تو وہ بھی خفیہ یہ فائدہ الخزی العظیم سے حاصل ہوا کہ اس رسوائی کو رب نے صرف حضور ﷺ کے دشمنوں کا عذاب قرار دیا۔

پہلا اعتراض: صحابہ کرام کو راضی کرنے کی کوشش کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ دیکھو رب نے منافقوں کا خاق یوں بیان فرمایا لیرضوکم (روافض)

جواب: حضرات صحابہ کو جھوٹی قسمیں کھا کر دھوکہ دینا منافقوں کا طریقہ ہے یہاں فرمایا گیا۔ یحلفون باللہ (الخ) اخلاص و محبت سے انہیں راضی کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کا ذریعہ ہے اور حضور ﷺ کی رضا رب تعالیٰ کی رضا کا ذریعہ ہے۔

دوسرا اعتراض: اللہ رسول کے لئے ضمیر واحد کیوں لائی گئی لیرضوہ چاہئے تھا۔ لیرضوھما۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ حضور ﷺ کی رضا اللہ کی رضا کا ذریعہ ہے۔ یوں ہی اللہ کی رضا کی ضمن میں حضور ﷺ کی رضا یہ دونوں رضا دراصل ایک ہی ہیں یہ فائدہ لیرضوھما سے حاصل نہیں ہوتا۔

تیسرا اعتراض: بعض مفسرین نے فرمایا کہ ضمیر ھما کا اللہ رسول دونوں کی طرف لوٹنا ممنوع ہے حدیث شریف میں اس کی ممانعت ہے۔ اس لئے ھما ضمیر یہاں ارشاد نہ ہوئی۔

جواب: یہ درست نہیں قرآن مجید میں ایک ضمیر اللہ تعالیٰ اور نبی کی طرف لوٹی ہے دیکھو حضرت خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو کلام کیا اس میں ایک جگہ فرمایا فاردت ان ایعبھا ۔ میں نے چاہا کہ کشتی کو عیب دار کردوں دوسری جگہ ارشاد فرمایا۔ فاردنا ان یبدلھما ربھما میں نے اور میرے رب نے چاہا کہ ان کو اس سے بہتر اولاد ملے۔ تیسری جگہ فرمایا۔ فاراد ربک ان یبلغا اشدھما دوسرے کلام میں فاردنا یہ ضمیر حضرت خضر اور رب دونوں کے لئے ہے۔ حدیث شریف میں اس کی ممانعت کہیں نہیں آئی حدیث میں الخطیب انت سے اس کا وہم کیا گیا ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا احق ان یرضوہ یعنی اللہ رسول زیادہ حقدار ہیں اس سے کہ انہیں راضی کیا جاوے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے سواء اور لوگ بھی اس کے حقدار ہیں۔ ہاں اللہ رسول زیادہ حقدار ہیں۔

جواب: یہاں احق یا تو بمعنی حقیق ہے یا یوں کہو کہ دوسروں کو بھی راضی کرنا چاہئے۔ ماں باپ استاد وغیرہم مگر وہ بھی اللہ رسول کی رضا کے لئے کہ ان کا یہ حکم ہے اصل رضا اللہ رسول کی دوسروں کی رضا فروعی لہٰذا احق اسم تفضیل درست ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف اللہ رسول کے مخالفین ہی دوزخ میں جائیں گے تو کیا مسلمان اگرچہ کیسا ہی گنہگار ہو دوزخ میں نہ جائے گا۔ اس سے تو مسلمانوں کو گناہ پر دلیری ہوگی۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: دوزخ میں جانا اور ہے مگر دوزخ کا اس کے لئے ہونا۔ وہاں رہنا کچھ اور دوزخ بنی ہے کفار کے لئے اگر گنہگار مسلمان بھی ان کے سے کام کرے تو وہ بھی جہنم میں کچھ دن ضرور رہیں گے۔

چھٹا اعتراض: فان له نار جهنم ان الف کے فتحہ سے ہے مگر شروع کلام ان الف کے کسرہ سے آنا چاہیے۔

جواب: ایک قراۃ میں ان الف کے کسرہ سے ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ ہماری قرات میں ان الف کے فتحہ سے ہے۔ تب یہ عبارت حق پوشیدہ کا آخری مبتدا ہے۔ لہذا بالکل درست ہے۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

تفسیر صوفیاء: جو کوئی اللہ کے دروازے سے نکالا جاوے وہ ہر طرف بھاگا پھرتا ہے اسے کسی جگہ اطمینان میسر نہیں ہوتا۔ دیکھو منافقین مدینہ اندرون خانہ کچھ ہوتے تھے بیرون خانہ کچھ اور مومن وہ جس کی خلوت جلوت دل زبان ایک ہو۔ منافق سب کو راضی کرتا ہے مومن رب کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے کافر میں جرات نہیں ہوتی وہ بات کرکے پھر جاتا ہے پھر بھول نہیں کھا کر اپنی بات سے مکر جاتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کا اب صرف ایک طریقہ ہے اس کے محبوب کو راضی کرلو۔ رب خود ہی راضی ہوجاوے گا۔ فرماتا ہے فاتبعونی یحببکم اللہ جیسے اللہ کی اطاعت کا صرف ایک ذریعہ ہے کہ اس کے حبیب کی اطاعت کرلو۔ اس کی اطاعت خودبخود ہوجائے گی۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ جیسے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرلو رب تعالیٰ کی طرف خودبخود سجدہ ہوجاوے گا۔ کعبہ معظمہ رب کا قبلہ ہے حضور انور ﷺ اللہ کی اطاعت اللہ کی رضا کا ذریعہ اس لئے ارشاد ہوا۔ اللہ ورسولہ احق ان یرضوہ دنیا ایک میدان ہے جس کا ایک کنارہ دوزخ ہے دوسرا کنارہ جنت سے واصل جس کنارہ پر حضور ﷺ ہیں وہ جنت والا ہے دوسرا دوزخ والا اس لئے ارشاد ہوا۔ ومن یحادد اللہ ورسولہ اسی کنارہ پر خدا ملتا ہے دیکھو رب فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم اور فرماتا ہے ان ربی علی صراط مستقیم معلوم ہوا کہ صراط مستقیم پر حضور ﷺ ملتے ہیں وہاں ہی خدا ملتا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ قوی یہ ہی ہے کہ ان یرضوہ کی ضمیر رسولہ کی طرف لوٹتی ہے ضمیر اللہ کی طرف لوٹنا قوی نہیں کیونکہ مرجع قریب ہوتے بلا تخت ضرور دور مرجع کی طرف نہیں لوٹنی چاہئے اور اگر دونوں کی طرف لوٹائی بمعنی مذکورہ کو بمعنی ماننا پڑے گا۔ کیونکہ ضمیر صرف ذات کی طرف لوٹتی ہے اشارہ صفت کی طرف مذکوریت صفت ہے ذات کے سواء (تفسیر روح البیان ومعانی وغیرہ) لہذا یہ ہی معین ہے کہ اس کا مرجع رسولہ ہے نیز از روئے قرآن اطاعت رسول تو اطاعت خدا ہے رسول کے پاس آنا خدا کے پاس آنا ہے نبی کی اتباع خدا کی رضا ہے مگر اس کے برعکس کہیں خدا کی اطاعت خدا کی رضا کو حضور ﷺ کی رضا خدا کے ہاں حاضری کو حضور کے ہاں حاضری نہیں قرار دیا گیا۔

یَحۡذَرُ الۡمُنٰفِقُوۡنَ اَنۡ تُنَزَّلَ عَلَیۡہِمۡ سُوۡرَۃٌ تُنَبِّئُہُمۡ بِمَا فِیۡ
خوف کرتے ہیں منافق لوگ یہ کہ اتاری جاوے اوپر ان کے کوئی سورۃ جو خبر دے
منافق ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت ایسی اترے جو ان کے دلوں کی چھپی جتادے تم فرماؤ ہنسے جاؤ

www.alahazratnetwork.org

قُلُوْبِهِمْ ؕ قُلِ اسْتَهْزِءُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿۶۴﴾

ان کو اس کی جو دلوں میں ہے ان کے فرماؤ ٹھٹھا کرلو تحقیق اللہ نکالنے والا ہے اس کا کہ تھے

اللہ کو ضرور ظاہر کرتا ہے جس کا تمہیں ڈر ہے اور اے محبوب اگر تم ان سے پوچھو

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ ؕ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَ

تم خوف کرتے اور البتہ اگر پوچھے آپ ان سے البتہ کہیں گے اس کے سوا نہیں کہ تھے ہم ہنستے اور کھیلتے فرماؤ کیا اللہ سے اور آیتوں سے

تو کہیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی کھیل میں تھے تم فرماؤ کیا اللہ سے اور اس کی آیتوں اور اس کے

اٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۶۵﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا قَدْ كَفَرْتُمْ

اس کی اور رسول سے اس کے تھے تم ٹھٹھا کرتے نہ عذر کرو تم بیشک کافر ہوگئے تم

رسول سے ہنستے ہو بہانے نہ بناؤ تم کافر ہوچکے مسلمان ہو کر اگر ہم تم میں

بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ؕ اِنْ نَّعْفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ نُعَذِّبْ طَآئِفَةًۢ

پیچھے ایمان کے تمہارے اگر معاف کردیں ہم ایک ٹولہ کو کہ تم میں سے تو سزا دیں گے ہم دوسرے

سے کسی کو معاف کریں تو اوروں کو عذاب دیں گے اس لئے

بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۶۶﴾ ع ۸ ۱۴

ٹولہ کو اس لئے کہ تھے وہ مجرم

کہ وہ مجرم تھے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: آیات کریمہ میں منافقین کی اپنی پچھلی حرکات پر بے قراری بے چینی کا ذکر تھا کہ جھوٹی قسمیں کھا کھا کر مسلمانوں کو اپنی طرف سے مطمئن کرتے اب انہیں منافقوں کا آئندہ کے متعلق اپنے خدشوں دل کی دھڑکنوں کا ذکر ہے گویا ماضی کی بے چینی کے بعد مستقبل کی بے قراری کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ آخرت میں منافقوں کے لئے دوزخ کی آگ ہے اب ارشاد ہے کہ ان کے لئے دنیا میں بھی دوزخ ہے دل کی بے چینی اپنے نفاق کھل جانے کا کھٹکا گویا اخروی دوزخ کے بعد ان کی دنیاوی دوزخ کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقین اللہ رسول کو راضی نہیں کرتے کہ اخلاص و اطاعت اختیار کریں۔ بلکہ

www.alahazratnetwork.org

اللہ رسول کے مقابل مسلمانوں کو جھوٹی قسمیں کھا کر راضی کرتے ہیں اب اس حرکت کا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی رسوائی۔

شان نزول: ان آیات کریمہ کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ۱ ایک بار منافقین نے اپنا خفیہ اجلاس کیا اور مومنین کے خلاف کوئی سازش کی جس کی خبر حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور ﷺ انور کو دے دی۔ حضور انور نے ایک مجمع میں فرمایا کہ کچھ لوگوں نے ہمارے متعلق یہ سازش کی ہے وہ یہاں موجود ہیں اٹھیں اور توبہ کریں میں ان کے لئے دعا کروں گا مگر کوئی نہ اٹھا کئی بار یہ فرمایا آخر کار حضور ﷺ نے نام بنام پکارا کہ اے فلاں اٹھ تو منافق ہے۔ تو بھی اس سازش میں شریک تھا۔ حتی کہ ان بارہ آدمیوں کو اٹھا کر کھڑا کر کے لوگوں کو دکھا دیا کہ یہ وہ منافقین ہیں تب یہ لوگ بولے کہ واقعی ہم نے یہ حرکت کی تھی۔ ہم کو معاف فرمایا جاوے فرمایا میں نے تمہاری شفاعت کے لئے رب کی رحمت نے تمہاری بخشش کے لئے بہت انتظار کیا مگر اب وقت نکل گیا تم اس مجلس سے نکل جاؤ۔ چنانچہ وہ نکال دیئے گئے اس پر پہلی آیت یحذر المنافقون (الخ) نازل ہوئی یہ قول حسن کا ہے۔ (تفسیر کبیر) ۲ امام اصم فرماتے ہیں کہ غزوہ تبوک سے واپسی کے وقت راستہ میں کسی پہاڑ کے دامن میں بارہ منافق چھپ کر بیٹھ گئے تاکہ حضورؐ انور پر رات کی تاریکی میں حملہ کر دیں۔ حضورؐ انور نے حضرت عمار کو بھیجا کہ انہیں ہٹا دو آپ نے انہیں ہٹا دیا حضورؐ انور بخیریت وہاں سے گذر گئے۔ حضرت عمار سے حضورؐ انور نے پوچھا کہ کیا تم انہیں پہچانتے ہو۔ عرض کیا کہ رات کے اندھیرے میں نہیں پہچان سکا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میں ان کے نام تک جانتا ہوں حضرت عمار نے عرض کیا کہ انہیں قتل کیوں نہ کرا دیا جاوے فرمایا اور نہیں ملکوں میں مشہور ہو جاوے گا کہ محمد مصطفیٰ اپنے ساتھیوں کو بھی قتل کرا دیتے ہیں جس سے تبلیغ اسلام میں رکاوٹ پیدا ہو گی۔ تب ہی پہلی آیت یحذر المنافقون (الخ) نازل ہوئی (تفسیر کبیر و صاوی) ۳ حضورؐ انور مع صحابہ کے غزوہ تبوک میں جا رہے تھے کہ بعض منافقین نے آپس میں کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملک فارس و روم کے خواب دیکھ رہے ہیں کہ ہم وہ بھی فتح کر لیں گے بھلا وہ ملک کہاں اور یہ کہاں۔ یہ کہنے والا ودیعہ ابن ثابت تھا اور باقی ہاں ہاں کر رہے تھے۔ حضور انور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ جو آگے جا رہے ہیں ان کو روکو اور ہمارے پاس حاضر کرو وہ حاضر کئے گئے فرمایا کیا تم نے آپس میں یہ کہا تھا وہ بولے ہم یہ باتیں راستہ طے کرنے کے لئے بطور شغل کر رہے تھے عمداً نہ کہتے تھے اس پر دوسری و تیسری آیت ولئن سالتھم اور تحذروا (الخ) نازل ہوئی (تفسیر خازن، کبیر روح المعانی و بیان وغیرہ)

تفسیر: یحذر المنافقون یہ کلام نیا ہے یحذر بنا ہے حذر سے خوف۔ خشیۃ حذر ان سب کے معنی ہیں ڈر مگر اور حذر اس خوف کو کہتے ہیں جس کے ساتھ احتیاط بھی ہو اور بچنے کی تدبیر بھی۔ رب فرماتا ہے۔ ان من اولادکم وازواجکم عدوا لکم فاحذروھم وہاں بھی حذر کے یہ معنی ہیں۔ المنافقون میں الف لام عہدی ہے مراد یا تو حضورؐ انور کے زمانے کے سارے منافقین ہیں کیونکہ قریباً ان سب ہی کو یہ ڈر لگا رہتا تھا خاص وہ منافقین جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ چونکہ یہ ڈر ان کو لگا ہی رہتا ہے اس لئے حذروا ماضی ارشاد ہوا بلکہ یحذر مضارع فرمایا گیا۔ ان تنزل علیھم سورۃ یہ فرمان یحذر کا مفعول ہے یعنی منافق اس چیز سے ڈرتے ہیں ظاہر یہ ہے کہ علیھم کا مرجع سے مومنین ہیں حضورؐ انور پر کسی

www.alahazratnetwork.org

آیت یا سورت کا نزول در پردہ سارے مسلمانوں پر نزول تھا کہ یہ سب کچھ انہیں کے لئے اتری تھیں (روح البیان) اور ہو سکتا ہے کہ اس کا مرجع خود منافقین ہوں اور علی ضرر اور نقصان کے لئے ہو جیسے کہا جاتا ہے اھذالمک اور بدا علیک یہ تیرے لئے مفید ہے یہ تیرے خلاف یعنی منافقوں کے خلاف کوئی سورۃ نازل ہو جائے یا علی بمعنی فی ہے (معانی) یعنی ان منافقین کے بارہ میں سورۃ اتر پڑے سورۃ کے معنی اس کے اقسام سورۃ آیۃ اور رکوع وغیرہ کا فرق ہم پہلے سپارہ میں فاتو بسورۃ من مثلہ کی تفسیر میں کر چکے۔

تنبئھم بما فی قلوبھم یہ عبارت سورۃ کی صفت ہے تنبئھم نباء سے بمعنی اہم خبر۔ ظاہر یہ ہے کہ اس کی ضمیر کا مرجع مومنین ہیں اور قلوبھم کی ضمیر کا مرجع منافقین لہٰذا اس جملہ میں دو ضمیریں مومنین کے لئے ہیں اور ایک ضمیر منافقین کی طرف۔ ضمیروں کا مختلف ہونا اگر مفید ہو تو بالکل درست ہے (روح البیان و خازن و معانی وغیرہ) ما سے مراد یا ان کے دلوں کا چھپا ہوا کفر ہے یا وہ بکواس جو وہ اپنی خاص مجلسوں میں کرتے تھے پھر دل میں چھپاتے تھے کہ مومن کو خبر نہ ہونے دیتے تھے۔ خیال رہے کہ عموماً منافقین حضور انور کو سچا ہی جانتے تھے آپ ﷺ کی وحی آپ ﷺ کی خبروں کو درست سمجھتے تھے محض حسد و عناد کی وجہ سے حضور کے انکاری تھے لہٰذا اپنے متعلق نزول آیات سے ان کا خوف بالکل درست تھا (روح البیان و کبیر وغیرہ) لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے قل استھزوا ظاہر ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب قرآن پڑھتے مسلمانوں سے استہزاء کی لفظی اور معنوی تحقیق پر پہلے پارہ میں نحن مستھزون کی تفسیر میں کی جا چکی ہے یہاں امر نہ تو واجب کرنے کے لئے ہے نہ مباح کرنے کے لئے صرف اظہار غضب کے لئے ہے۔ ومن شاء فلیکفر جیسے نالائق آدمی سے کہا جاوے کہ خوب چوری کئے جا تو سزا بھگت لے گا۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ یہاں استہزاء بمعنی منافقت ہے۔ یعنی منافق بنے رہو اور اسلام اور مسلمانوں کا مذاق اڑائے جاؤ۔ ان اللہ مخرج ما تحذرون۔ اس فرمان عالی میں ان کی منافقت دل لگی کے انجام کا ذکر ہے اخراج کے معنی ہیں اعلان کر دینا۔ سب پر ظاہر کر دینا ورنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تو ان کی منافقت پہلے ہی سے معلوم تھی۔ ما سے مراد ان کی وہ ہی منافقت اور خفیہ سازشیں ہیں جن کے ظاہر ہو جانے سے وہ بہت ڈرتے تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ عنقریب تمہارے پوشیدہ عیوب ظاہر فرمانے والا ہے جن کے ظہور سے تم بہت گھبراتے ہو۔ اس طرح کہ اپنے حبیب کو تمہارے رسوا فرمادینے کا حکم دے دے گا۔ اس اظہار کو رب نے اپنی طرف نسبت فرمایا۔ کیونکہ حضور ﷺ کا کام درحقیقت رب کا کام ہے نیز یہ بتایا کہ تمہیں ایسا بدنام کر دے گا کہ تم سے بدنامی چھپائے نہ چھپے گی۔ (از روح المعانی) ولئن سالتھم اس آیت کریمہ کا شان نزول ابھی بیان ہو چکا غزوہ تبوک ہی کے راہ میں یہ واقعہ پیش آیا اور حضور انور کی تحقیق فرمانے سے پہلے یہ آیت آ چکی تھی لہٰذا اس میں غیبی خبر ہے سالت کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے یعنی اے محبوب اگر آپ ﷺ ان منافقین سے ان کی مذکورہ حرکات بکواس کے متعلق پوچھیں لیقولن انما کنا نخوض و نلعب یہ فرمان عالی ان شرطیہ کی جزا ہے خوض کے لفظی معنی ہیں کیچڑ میں دھنس جانا۔ اب گندی چیز میں لتھڑ جانے کو خوض کہا جاتا ہے لعب بچوں کی طرح ایسا کھیل کھیلنا جس کا مقصد کچھ نہ ہو (خازن کبیر) یعنی ہم نے یہ

www.alahazratnetwork.org

باتیں کیں تو ہیں مگر منافقت یا اسلام دشمنی کی بنا پر نہیں۔ یوں ہی دل بہلانے راستہ طے کرنے کو کہیں۔ کہ بات چیت میں راستہ آسانی سے طے ہو جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ انہوں نے اسلام کا مذاق اڑانا حضور انور ﷺ کی اہانت کو اپنا شغل اور کھیل قرار دیا۔ قل اباللہ وایاتہ ورسولہ کنتم تستھزءون ظاہر یہ ہے کہ یہاں بھی قل میں خطاب قرآن پڑھنے والے مومن سے ہے اور ہو سکتا ہے کہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو اگرچہ ان بدنصیبوں نے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے فرمان عالی کا مذاق اڑایا تھا۔ مگر چونکہ حضور انور کی گستاخی آیات قرآنیہ بلکہ رب تعالیٰ سب ہی کی گستاخی ہے اس لئے یہاں ان تینوں کا ذکر ہوا یہاں سوال اظہار غضب کے لئے ہے یعنی تم کو دل بہلانے راستہ طے کرنے کے لئے اور کوئی تذکرہ چرچہ نہ ملا۔ صرف یہ ہی ملا کہ اللہ رسول اور اللہ کی آیات کا مذاق اڑاؤ۔ آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں یا حضور انور کی وہ غیبی خبریں کہ عنقریب فارس و روم ہم کو عطا ہوں گے۔ وہاں ہمارا راج ہوگا۔

لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم یہ ہے ان کے جرم کا ربانی فیصلہ عذر کے لغوی معنی ہیں کسی کام کا اثر مٹانا کہا جاتا ہے۔ اعتذرت المنازل باختہ والی کھال کا نشان بہانہ بنانے یا توبہ کرنے کو معذرت کہا جاتا ہے مناسبت ظاہر ہے۔ (روح البیان و معانی و تفسیر خازن وغیرہ) کفر و ایمان سے مراد ظاہری کفر و ایمان ہے ورنہ منافقوں کے پاس ایمان تھا ہی نہیں یعنی تم لوگوں کے خیال میں اب تک مومن تھے اب تم کافر ہو گئے یعنی تم ظاہری ایمان کے بعد ظاہری کافر بن چکے بہانہ نہ بناؤ اب مسلمان تمہارے دھوکہ میں نہ آئیں گے۔ ان نعف عن طائفۃ نعذب طائفۃ شان نزول میں معلوم ہو چکا کہ تبوک کے راستے میں کچھ منافقین تو مذکورہ دل لگی مذاق کر رہے تھے کچھ ہنس رہے تھے اس فرمان عالی میں ان کی چھانٹ کر دی گئی کہ جو لوگ صرف ہاں ہاں کر رہے تھے یا خاموشی سے سن رہے تھے ان کو معافی ہو جاوے گی اس طرح کہ انہیں توبہ و اخلاص کی توفیق ملے گی۔ یہاں ان شک کے لئے نہیں بلکہ امید دلانے کے لئے ہے یعنی تم میں ایک جماعت جو خاموش تھی یا ہاں ہاں کر رہی تھی ان کو توبہ کی توفیق ملے گی اور معافی دی جاوے گی چنانچہ انہیں میں ایک شخص تھا مخاشن ابن حمیر الشجعی جو صرف ہنس رہا تھا کچھ کہتا نہ تھا۔ اس آیت کے نزول کے بعد نفاق سے توبہ کر کے سچا مسلمان ہو گیا اور دعا کی کہ الٰہی میری موت شہادت کی ہو اور مجھے کوئی کفن دفن نہ کرے چنانچہ یہ شخص عہد صدیقی میں غزوہ یمامہ میں اس طرح شہید ہوا کہ کسی کو اس کی لاش کا پتہ نہ لگا (تفسیر خازن و معانی) نعذب طائفۃ اس فرمان عالی میں دوسری جماعت کا ذکر ہے یعنی بکواس کرنے والے مذاق اڑانے والے یعنی ہم دوسرے ٹولہ کو ضرور بالضرور عذاب دیں گے۔ کیوں بانھم کانوا مجرمین۔ اس لئے کہ اصلی مجرم یہ ہی ہیں۔ انہیں اخلاص اور توبہ کی توفیق نہ ملے گی کفر پر مریں گے۔ کفار کے ساتھ آخرت میں رہیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں ہی منافقوں پر ہمارا عذاب ہے کہ انہیں کسی گھڑی بھی چین نہیں وہ ڈرتے ہی رہتے ہیں اور ہر وقت یہ کھٹکا لگا رہتا ہے کہ مومنوں پر قرآن مجید کی کوئی ایسی سورت یا آیت نازل ہو جاوے جو ان کے دلوں کا نفاق ان کی خفیہ سازش ظاہر کر دے اور یہ لوگ بدنام ہو جاویں۔ آپ ﷺ ان سے بطور عتاب فرما دو کہ تم لوگ خوب

www.alahazratnetwork.org

ہنسی مذاق کئے جاؤ۔ اسلام پر بہتان کئے جاؤ یقیناً اللہ تعالیٰ عنقریب ان خبروں کو ظاہر فرمانے والا ہے۔ جس کی تمہیں دھڑ کن لگی ہے ان بدنصیبوں کی کیفیت یہ ہے کہ آپ ﷺ کے پیچھے آپ ﷺ کی اسلامی اہانت کرتے ہیں مگر آپ ﷺ ان سے پوچھیں کہ کیا تم نے یہ باتیں کی تھیں تو نہایت بے شرمی سے کہہ دیں گے کہ ہم یوں ہی راستہ طے کرنے اور شغل کے طور پر دل لگی کر رہے تھے۔ فرمادو کہ کیا تم اللہ تعالیٰ اس کی آیتوں اس کے رسول کا ٹھٹھا کرتے ہو۔ بہانہ نہ بناؤ تم مسلمانوں کی نگاہ میں مومن ہو چکنے کے بعد کافر ہو چکے۔ اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معافی بھی دے دیں کیونکہ تمہارے ساتھ تمسخر میں شریک نہ تھے صرف خاموشی سے تمہاری باتیں سن رہے تھے۔ ہنس رہے تھے انہیں اخلاص وتوبہ کی توفیق دے دیں مگر دوسرے ٹولہ کو ضرور عذاب دیں گے جو ہنسی مذاق میں مشغول ہوا کیونکہ وہ بے ادبی کے مجرم ہیں اور اور نبی کے گستاخ کو توبہ کی توفیق نہیں ملا کرتی۔ حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ اس سورۃ کا نام سورۃ فاضحہ بھی ہے کہ اس نے منافقوں کو رسوا کر دیا اور مبثرہ اور مشیرہ بھی کہ اس نے منافقوں کی خبریں شائع کر دیں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ اس سورت میں ستر منافقوں کے نام مختلف آیات میں تھے جو منسوخ التلاوت ہو گئیں (خازن)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دو رخ والا منافق اس پر دنیا میں رب کا عذاب یہ ہے کہ اس کے دل کو چین نہیں ہمیشہ اسے ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں میرا پول نہ کھل جاوے ہر ایک کو راضی رکھنے والے کا یہی انجام ہے یہ فائدہ **یحذر المنافقون** سے حاصل ہوا۔ مخلص۔ مومن اس غم سے آزاد ہے وہ صرف اللہ رسول کو راضی کرنے کی فکر میں رہتا ہے۔ مخلوق خود بخود راضی ہو جاتی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور ﷺ پر قرآن مجید کا نزول گویا امت پر نزول ہے کیونکہ انہیں کے لئے تو اترتا ہے یہ **تنزل علیھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ علیھم سے مراد مومنین ہوں۔

تیسرا فائدہ: نزول قرآن مومنوں کے لئے رحمت ہے منافقوں کافروں کے لئے عذاب ہے یہ فائدہ ان **تنزل علیھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ علیھم سے مراد ہوں منافقین اور علیٰ ضرر کے لئے ہو۔

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں مخلصوں کو اول سے ہی جانتے ہیں۔ آپ ﷺ کی پہچان نزول قرآن پر موقوف نہیں یہ فائدہ **تنبئھم** سے حاصل ہوا کہ اس میں **ھم** ضمیر جمع لائی گئی۔ مسلمانوں کے لئے یعنی ایسی آیت جو مسلمانوں کو منافقوں کی خبر دے دے فرماتا ہے **ولتعرفنھم فی لحن القول** اے محبوب آپ ﷺ منافقوں کو ان کی روش کلام سے ہی پہچان لیتے ہو۔

پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوش ہیں۔ **حتی الامکان** منافقوں کو بھی رسوا نہیں کرتے ان کے عیوب قرآن مجید فاش کرتا ہے یہ فائدہ بھی تنبئھم سے حاصل ہوا۔ سورۃ قرآنیہ لوگوں کو منافقین کی خبر دیتی ہے۔

چھٹا فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا کبھی دوسرے مقصدوں کے لئے یہ فائدہ استہزاء سے حاصل ہوا کہ یہ صیغہ امر کا ہے مگر نہ تو مذاق کی اجازت دینے کے لئے ہے نہ واجب کرنے کے لئے۔ بلکہ صرف عتاب کے لئے۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: رب کے وعدے سچے ہیں ان میں خلاف کا احتمال بھی نہیں یہ فائدہ مخرج تحذرون سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب نے فرمایا کہ منافقوں کے چھپے راز رب تعالیٰ ظاہر کرے گا۔ ایسا ہی ہوا آج تک وہ لوگ بدنام ہیں۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو علم غیب عطا کیا یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ منافقین نے جو بکواس اپنی خفیہ مجلسوں میں کیں حضور انور کو اس پر اطلاع تھی۔

نواں فائدہ: کفر کی باتیں خوشی سے سننا ان پر ہنسنا ان سے راضی ہونا سب کچھ کفر ہے رضا بالکفر کفر عقائد کا مشہور مسئلہ ہے۔ یہ فائدہ کنتم تستھزون اور قد کفرتم جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان سب پر قرآن مجید نے کفر کا فتویٰ کیا رب تعالیٰ ان سب سے بچائے۔

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار اس کا مذاق اڑایا تو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ ابالله وایته ورسوله کنتم تستھزون۔ یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و تعظیم رب تعالیٰ قرآن مجید سب کی تعظیم ہے۔

گیارھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا انکار اس کا مذاق اڑانا منافقوں کا پرانا طریقہ ہے یہ فائدہ ان آیات کے شان نزول سے حاصل ہوا۔ کہ منافقین نے حضور انور ﷺ کی اس غیبی خبر کا انکار کیا کہ رب تعالیٰ قیصر و کسریٰ کے ملک ہم کو عطا کرے گا۔ اسے استہزاء قرار دیا۔

بارھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی گستاخی کفر ہے اگرچہ گستاخی کی نیت نہ ہو۔ دیکھو ان منافقین نے کہا تھا کہ ہم تو ان باتوں کے ذریعہ دل بہلا رہے تھے راستہ طے کر رہے تھے گستاخی کی نیت نہ تھی مگر رب نے فرمایا۔ لاتعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم۔ یہ آستانہ بہت نازک ہے۔

تیرھواں فائدہ: توبہ کی توفیق ملنی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ توبہ کی توفیق ملنی اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ یہ فائدہ۔ ان نعف عن طائفته سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چودھواں فائدہ: اکثر حضور انور ﷺ کے گستاخی کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی یہ فائدہ۔ نعذب طائفته (الخ) سے حاصل ہوا۔

پندرھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ستار العیوب ہے پردہ پوشی فرماتا ہے مگر جو بدبخت اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت پر ہاتھ ڈالے اس کی پردہ دری فرما دیتا ہے پھر دریائے غضب جوش میں آ جاتا ہے۔ یہ فائدہ مخرج ماتحذرون سے حاصل ہوا۔ دیکھو امیہ ابن خلف نے حضور انور ﷺ کو بہت دکھ پہنچائے تو رب تعالیٰ نے اس کے دس عیب قرآن مجید میں بیان کیے۔ حتیٰ کہ آخر میں فرمایا عتل بعد ذلک زنیم وہ حرام کا بچہ ہے۔ آج تک اس کے یہ عیوب مخلوق کی زبان پر ہیں۔ اس کے (ذلک زنیم وہ حرام کا بچہ ہے۔ آج تک اس کے یہ عیوب مخلوق کی زبان پر ہیں۔ اس کے) برعکس وہ رب کریم اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے ثناخوانوں کی پردہ پوشی فرماتا ہے اور فرمائے گا۔

پہلا اعتراض: منافقین دل سے حضور انور ﷺ کو نبی مانتے ہی نہ تھے نہ آپ ﷺ پر وحی آنے کے قائل پھر انہیں اپنے

متعلق یہ خدشہ کیوں تھا کہ ہمارے متعلق وحی آ جائے جو ہم کو بدنام کر دے پھر یحذر المنافقون (الخ) کا مطلب کیا ہے۔

جواب: اکثر منافقین تو آپ ﷺ کو دل سے نبی جانتے تھے گرچہ مانتے نہ تھے آپ ﷺ کی وحی کو وحی الٰہی سمجھتے تھے اور جو آپ ﷺ کو نبی نہ جانتے تھے انہیں خطرہ تو یہ تھا کہ حضور انور ﷺ لوگوں سے فرما دیں کہ یہ منافق ہیں انہوں نے فلاں حرکات کی ہیں یقیناً لوگ حضور ﷺ کی یہ بات مان لیں گے اور ہم ان میں بدنام ہوں گے غرضیکہ نزول آیت خواہ ان کے عقیدے میں ہو یا مسلمانوں کے عقیدے میں ان کی بدنامی بہر حال یقینی تھی۔

دوسرا اعتراض: اس فرمان عالی میں تین ضمیریں ہیں تنزل علیھم دوسری تنبئھم تیسری قلوبھم۔ تم نے کہا کہ ان میں سے دو پہلی ضمیریں تو مسلمانوں کی طرف ہیں اور آخری کی ضمیر فی قلوبھم منافقوں کی طرف اس سے ضمیروں میں انتشار ہوگا۔ ایک جملہ کی ضمیروں کا مرجع علیحدہ یہ نحوی اور بلاغت کے قاعدے سے درست نہیں۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں بعض نے ان تینوں ضمیروں کو منافقین کی طرف مانا ہے اور پھر بہت بڑی چوڑی تاویلیں کی ہیں مگر قوی اور آسان جواب یہ ہے کہ ضمیروں کا مختلف ہونا اگر فائدہ مند ہو تو بالکل جائز ہے بلا فائدہ درست نہیں رب فرماتا ہے یوسف اعرض عن ھذا واستغفری لذنبک دیکھو ایک آیت میں اعرض کی ضمیر حضرت یوسف علیہ السلام کی طرف ہے اور استغفری کی ضمیر زلیخا کی طرف۔

تیسرا اعتراض: یہاں منافقوں سے فرمایا گیا کہ تم ایمان کے بعد کافر ہو گئے وہ تو پہلے ہی سے کافر تھے۔ کبھی مومن تھے ہی نہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر چکا کہ یہاں ایمان و کفر سے مراد ان کا ظہور اور ان پر لوگوں کا مطلع ہونا ہے یعنی پہلے تم لوگوں کی نظر میں مومن ہو گئے تھے اب اس بکواس سے ان کی نظر میں کافر ہو گئے۔

چوتھا اعتراض: پھر یہ لوگ مرتد کیوں نہ مانے گئے اور انہیں قتل کیوں نہ کیا گیا۔ مرتد کی سزا تو قتل ہے۔

جواب: بعض لوگوں نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا ہے کہ اس وقت تک اس قتل کا قانون نہ بنا تھا۔ قتل مرتد کا حکم بعد میں آیا مگر یہ قوی نہیں کیونکہ منافقین کا یہ واقعہ غزوہ تبوک کا ہے جو حضور انور ﷺ کا آخری غزوہ ہے۔ اس کا قوی جواب وہ ہے جو خود حضور انور نے دیا کہ یہ لوگ قومی لحاظ سے مسلمان ہی بنے تھے مشرکین یا عیسائی یا یہودی نہ بنے تھے اگر انہیں قتل کیا جاتا تو دوسرے ملکوں میں خبر اڑ جاتی کہ مسلمان خود مسلمانوں کو قتل کر دیتے ہیں اس بنا پر لوگ مسلمان ہونا چھوڑ دیتے یہ حکم خلافت فاروقی تک رہا پھر اعلان ہو گیا کہ منافقت ختم ہو چکی اب کفر ہے یا اسلام اب جو ایک بات کفر کی کہے گا قتل کیا جاوے گا جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ ان گستاخوں میں سے ایک گروہ کی معافی دی جاوے گی دوسرے کو سزا جب جرم ایک ہے تو یہ فرق کیوں ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس بکواس کرنے والوں کو توبہ کی توفیق نہ ملے

www.alahazratnetwork.org

گی جو صرف اس پر خاموش رہے یا ہنس دیئے انہیں رب تعالٰی کی طرف سے توبہ کی توفیق ملے گی۔ جس سے ان کا گناہ معاف ہو جاوے گا۔ دیکھا گیا ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخ کو اکثر کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے ایک میان میں دو تلوار نہیں سما سکتیں ایسے ہی ان شاء اللہ ایک دل میں دو خوف جمع نہیں ہوں گے یعنی خوف خالق اور خوف مخلوق حضرات صحابہ کرام کے دلوں میں رب تعالٰی کا خوف تھا اس لئے ان کو مخلوق کا خوف نہ تھا منافقین کے دلوں میں خوف خدا نہ تھا۔ اس لئے انہیں سب کا ڈر تھا حضرات صحابہ نزول قرآن پر خوش ہوتے تھے مگر منافقین اس سے ڈرتے تھے کہ کہیں عیوب نہ کھل جاویں آیات قرآنی رحمت کی بارش میں جو مومنوں کی مفید منافقوں مضر ایمان کی روح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب و احترام ہے۔ کفر کی جڑ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین اور بے ادبی ہے باقی کفر اس کی شاخیں ہیں۔ گستاخ کے کفر پر قرآن مجید نے فتوٰی دیا ہے۔ **لا تعتذروا قد کفرتم بعد ایمانکم** ۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے اولیاء اللہ۔ علماء دین بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر نسبت رکھنے والی چیز کا ادب و احترام چاہئے کہ ان کا احترام حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم ہے۔

حکایت: ایک بار حضرت زید ابن ثابت گھوڑے پر سوار ہوئے تو حضرت عبداللہ ابن عباس نے آپ کی رکاب تھام لی آپ نے فرمایا اے رسول اللہ کے اہل بیت ایسا نہ کریں فرمایا ہم کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بڑوں کے ایسے ہی ادب کا حکم دیا ہے۔ تو حضرت زید نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر بوسہ دیا اور فرمایا کہ ہم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل بیت اطہار کے ساتھ یہ ہی برتاوا کرنے کا حکم دیا ہے۔ (روح البیان) جسے جو ملا ادب سے ملا بے ادب منافقین صحبت پاک میں رہ کر بھی محروم رہے۔ حضرت اویس قرنی رضی اللہ عنہ باادب تھے دور رہ کر بھی محروم نہ ہوئے۔

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ

نفاق والے مرد اور نفاق والی عورتیں ان کے بعض بعض سے ہیں حکم دیتے ہیں برائی کا اور منع

منافق مرد اور منافق عورتیں ایک تھیلی کے چٹے بٹے ہیں برائی کا حکم دیں اور بھلائی سے

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللّٰهَ

کرتے اچھی باتوں سے اور سمیٹے رکھتے ہیں ہاتھ اپنے بھول گئے وہ اللہ کو پس چھوڑ دیا ان کو

منع کریں اور اپنی مٹھی بند رکھیں اور اللہ کو چھوڑ بیٹھے تو اللہ نے انہیں چھوڑ دیا بے شک منافق

فَنَسِيَهُمْ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٦٧﴾ وَعَدَ اللّٰهُ

اللہ نے تحقیق منافق ہی بدکار لوگ ہیں وعدہ فرمایا اللہ نے

وہ ہی پکے بے حکم ہیں اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کو

www.alahazratnetwork.org

الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ هِيَ

منافق مردوں اور منافق عورتوں سے اور کھلے کافروں سے دوزخ کی آگ کا رہیں گے

جہنم کی آگ کا وعدہ دیا ہے جس میں ہمیشہ رہیں گے وہ انہیں بس ہے اور اللہ کی

حَسْبُهُمْ ۚ وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ

اس میں ہمیشہ وہ کافی ہے انہیں اور پھٹکار کیا ان پر اللہ نے اور واسطے ان کے عذاب قائم رہنے والا ہے

ان پر لعنت ہے اور ان کے لئے قائم رہنے والا عذاب ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: دور سے صرف منافق مردوں کا ذکر ان کی برائیاں ارشاد ہو رہی تھیں منافق عورتوں کا ذکر نہ تھا۔ اب منافق عورتوں کا بھی ذکر ہوا کہ فرمایا گیا کہ جس قدر عیوب منافق مردوں کے بیان ہوئے وہ سب کے سب منافق عورتوں میں بھی ہیں یہ دونوں بالکل ایک ہی ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا تھا کہ منافق لوگ اپنے کو مسلمان ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں ظاہر کرتے ہیں کہ وہ تم مسلمان میں سے ہیں اب ارشاد ہے کہ ایسا نہیں ہے وہ آپس میں ایک دوسرے سے بدعقیدگی بدکاری میں یکساں ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کی بدعقیدگیوں ایذاء رسانیوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں ان کی بدعملیوں کا تذکرہ ہے کہ یہ لوگ عقائد کے بھی خراب ہیں اور اعمال کے بھی۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے منافقین کا ذکر کفار سے علیحدہ فرمایا جس سے شبہ ہو سکتا تھا کہ یہ دو الگ قومیں ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ کھلے کافر اور یہ منافق ایک ہی ہیں ان کی سزا بھی ایک۔

تفسیر: المنافقون والمنفقت یہ جملہ ہے۔ منافقین جمع ہے منافق کی اور منافقات جمع ہے منافقہ کی اس سے نفاق عقیدہ والے مراد ہیں یعنی منافق اعتقادی۔ حضور انور کے زمانہ میں منافق مرد کل تین سو تھے اور منافق عورتیں کل ایک سو ستر تھیں۔ (روح البیان) یہ عبارت مبتدا ہے بعضهم من بعض یہ عبارت خبر ہے المنافقون (الخ) بعض سے مراد مطلقاً بعض ہیں خواہ وہ مشرکین میں سے ہوں یا یہود میں سے ہوں یا عیسائیوں میں سے اس میں من بعضیت کا ہے یعنی یہ سب منافقت میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں یہ تمام ایک دوسرے کا گویا حصہ ہیں جیسے جسم کے اعضاء ایک شخص کے جسم کے اعضاء ایک شخص کے جسم کا حصہ ہوتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ منافقین اگرچہ دین میں مختلف ہیں مگر منافقت اور بدعملیوں اور اسلام دشمنی میں ایک ہی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے: یامرون بالمنکر وینھون عن المعروف یہ وہ کام کرتے ہیں ایک دوسرے کو برائیوں

www.alahazratnetwork.org

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفتوں اسلامی دشمنی اور دوسرے برے کاموں کا حکم دیتے ہیں اور اچھے اچھے عقیدوں ایمان۔ اخلاص اور اچھے اعمال نماز حج وغیرہ سے روکتے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ یہ لوگ خفیہ خفیہ بعض مومنین کو برائیوں کا مشورہ دیتے ہیں اور اچھائیوں سے روکتے ہیں ان مسلمانوں کے دلوں میں اسلام کی طرف سے شکوک وشبہات پیدا کرتے ہیں ان میں تیسرا عیب یہ ہے کہ یقبضون ایدیھم اپنے ہاتھ سمیٹے رہتے ہیں کہ نہ صدقہ وخیرات کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ یا ہر بھلائی سے اپنے ہاتھ سمیٹے رہتے ہیں کہ نہ صدقہ وخیرات کرتے ہیں نہ کراتے ہیں۔ یا ہر بھلائی سے اپنے ہاتھ روکے رہتے ہیں یا دعا میں مسلمانوں کے ساتھ عموماً ہاتھ نہیں اٹھاتے (روح البیان) نسوا اللہ فنسیھم یہ ان کا چوتھا عیب پہلے نسیان سے مراد ہے غافل ہو جانا یا چھوڑ دینا بیٹھنا نہ کہ اتفاقاً بھول جانا۔ کیونکہ یہ گناہ نہیں دوسرے نسیان سے مراد ہے انہیں چھوڑ دینا ان کی طرف سے بے توجہ ہو جانا کہ بھول جانا کہ رب تعالیٰ سے پاک ہے یا ان سے اپنا رحم وکرم دور کر دینا (روح البیان وخازن) ان اربعوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان المنفقین ھم الفاسقون اس مضمون کی اہمیت دکھانے کے لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ ھم سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ الفاسقون سے مراد ہے بدترین بدکار یعنی صرف منافق ہیں بدکار و بدعقیدہ ہیں کہ ہیں بدتر اور بنتے ہیں بہتر۔ وعد اللہ المنفقین والمنافقات والکفار نار جھنم وعدہ کے معنی ہیں نفع یا نقصان پہنچانے کی خبر دینا وقوع سے پہلے عموماً نفع کی خبر کو وعدہ اور نقصان کی خبر کو وعید کہتے ہیں مگر دراصل لفظ وعدہ دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے عرب کہتے ہیں وعدتہ خیرا وعدتہ شرا یہاں بمعنی وعید ہے منافق مردوں عورتوں کو کفار کے ساتھ جمع فرما کر یہ بتایا کہ چھپے کافر اور کھلے کافر مذہباً ایک ہی ہیں ان میں سے کوئی مومن نہیں اور کسی کی بخشش نہیں کوئی جنت میں نہیں جا سکتا اگر کفر ونفاق پر مر جاوے۔ جہنم دراصل جہنام تھا بمعنی گہرا کنواں چونکہ دوزخ بہت ہی گہری ہے اس لئے اسے جہنم کہتے ہیں یہ لفظ عربی ہے۔ (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دراصل چاہ نم کا ذکر ہوا۔ خالدین فیھا یہ عبارت حال مقدرہ ہے۔ منافقین۔ منافقات اور کفار کا خلود اگر کفار کے لئے ارشاد ہوا تو اس کے معنی ہوتے ہیں ہمیشہ رہنا اگر گنہگار مومن کے لئے ارشاد ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں دراز مدت تک رہنا لہٰذا یہاں بمعنی ہمیشہ رہنا ہے یعنی دوزخ کی آگ بنی ہی ہے انہیں کے لئے اور وہ ہی اس میں ہمیشہ رہیں گے ان دونوں معانی سے حصر بالکل درست ہو گیا۔ ھی حسبھم اس فرمان عالی کا مقصد عذاب جہنم کی ہولناکی دکھانا ہے وہ آگ ہی ان کے تمام بدعقیدگیوں بدعملیوں بد معاملگیوں کے لئے کافی ہے اگر وہاں سانپ بچھو گرم پانی وغیرہ کے عذاب نہ بھی ہوتے تب بھی یہ کافی تھی چہ جائیکہ وہاں تو اور صدہا عذاب بھی ہیں سمجھ لو کہ ان کا کیا حال ہو گا اس میں ان کی تیسری سزا کا ذکر ہے۔ لعنت کا فاعل جب اللہ تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ رحمت سے دور کرنا اگر اس کا فعل بندے ہوں تو اس کے معنی ہوتے ہیں۔ دوری رحمت کی دعا کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اس فرمان عالی میں تین احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ اول سے ہی ان پر اللہ نے لعنت کی ہوئی ہے۔ کہ علم الٰہی میں آ چکا تھا کہ یہ لوگ منافق وکافر مریں گے یا دنیا میں ان پر اللہ کی پھٹکاری ہوتی ہے کہ نبی کریم کے پاس پہنچ کر بھی اللہ کی رحمت نہ لے سکتے قیامت تک ان پر بندوں کی پھٹکار ہوتی ہے دوسرے یہ کہ دوزخ میں ان کو اللہ تعالیٰ کی ہر رحمت سے دوری ہو گی۔ ان پر کسی قسم کا رحم نہ ہو گا۔

www.alahazratnetwork.org

ولھم عذاب مقیم یہ فرمان عالی یا تو خالدین فیھا کی تفسیر ہے یا اس عذاب سے کوئی اور دردناک سخت عذاب مراد ہے جس کی شدت ہمارے خیال سے وراء ہے یا اس سے دنیا کا عذاب مراد ہے۔ (روح البیان) یہاں بھی لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا کیونکہ دوزخ میں ہمیشگی ہاں ایسے دردناک ہولناک عذاب کی یہ پھٹکاریں صرف ان تین کے لئے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اگرچہ منافقین اپنے کو تم مسلمانوں میں سے کہتے ہیں اور ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ منافق مرد ہوں یا عورتیں اور کسی ملت کے ہوں مشرکین ہوں یا عیسائی یا یہودی یا کسی اور ملت کے سب ایک دوسرے سے ہیں کہ منافقت اسلام دشمنی مسلمانوں سے عداوت میں سب یکساں ہیں ان سب کی حالت یہ ہے کہ لوگوں کو ہمیشہ برے عقائد برے اعمال اسلام سے روکنا اسلام سے پھیر نا بری حرکتیں کرنا ان ہی باتوں کا حکم یا مشورہ دیتے ہیں اور ہر قسم کی بھلائی عقائد صالحہ نیک اعمال اسلامی عبادات و معاملات سے منع کرتے ہیں۔ بڑے کنجوس و بخیل ہیں۔ کبھی اللہ کی راہ میں خرچ کے لئے ہاتھ نہیں پھیلا دیتے کے موقعہ پر ہاتھ سمیٹ لیتے ہیں اللہ تعالیٰ سے یکسر غافل ہو گئے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا ہی میں اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ انہیں بھولا بسرا بنا دیا۔ منافق بڑے ہی فاسق بدکار لوگ ہیں اللہ تعالیٰ نے منافق مردوں منافق عورتوں اور کھلے کافروں ان سب سے دوزخ کی آگ کا وعدہ کر لیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ صرف ہاں کا عذاب ہی ان کی سزا کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ وہاں جلنے کے علاوہ اور بہت سے عذاب ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ اور انہیں اس کے علاوہ اور بہت سے عذاب ہیں ان کی سزا کے لئے کافی ہے چہ جائیکہ وہاں جلنے کے علاوہ اور بہت سے عذاب ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہے دنیا میں یا آخرت میں یا ہر جگہ اور انہیں اس کے علاوہ اور بہت سخت قسم کا عذاب کا دائمی عذاب ہوگا۔ یا دنیا میں انہیں دائمی عذاب ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر شخص اپنے ہم عقیدہ کا ہم جنس ہوتا ہے۔ مومن مومن کا ہم جنس ہے کافر کافر کا منافق منافق کا یہ فائدہ بعضھم من بعض سے حاصل ہوا کہ منافقوں کو ایک دوسرے کا ہم جنس فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: منافقین قومیت کے لحاظ سے مسلمانوں میں شامل ہیں اس لئے ان پر جہاد جزیہ وغیرہ نہیں ہوتا انہیں نمازوں جہادوں میں شرکت کی اجازت ہوتی ہے مگر مذہبی لحاظ سے وہ برے کافر ہوتے ہیں اس لئے وہ عذاب آخرت میں برابر کے شریک ہیں یہ فائدہ بھی بعضھم من بعض سے حاصل ہوا۔ سارے کفار خواہ مشرکین ہوں یا یہود و نصاریٰ یا کوئی اور اسلام دشمنی میں یکساں ہیں۔ الکفر ملۃ واحدۃ یہ فائدہ یامرون بالمنکر (الخ) سے حاصل ہوا۔ اگر مسلمان آپس میں ایک نہ ہوں برادریوں صوبائی تعصب میں بٹے رہیں تو بہت ہی افسوس ہے کفار بندہ کفر نہیں مومن کو چاہئے کہ بندہ عشق بنے۔ شعر

بندہ عشق شدی ترک نسبت کن جامی

کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: اچھی باتوں اچھے کاموں سے روکنا کفار و منافقین کا طریقہ ہے یہ فائدہ ینھون عن المعروف سے حاصل ہوا اس سے موجودہ وہابیوں کو عبرت پکڑنا چاہیے جو ہمیشہ نیاز فاتحہ میلاد شریف وغیرہ کار خیر سے ہی مسلمانوں کو روکتے ہیں۔ حرام رسموں کھیل تماشوں سے روکنے پر زور نہیں دیتے روکتے ہیں تو اللہ رسول کے ذکر سے اچھی مجلسوں سے۔

فائدہ پانچواں: براہ خدا میں خرچ سے رکنا اور روکنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ ویقضون ایدیھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو راہ خدا میں خرچ کرنے سے لوگوں کو روکتے ہیں رب فرماتا ہے۔ مناع للخیر معتد اثیم۔ آج بعض مسلمان کہلانے والے مسلمانوں کو قربانی حج۔ فاتحہ مردوں کے نام پر خیرات کرنے سے روکتے رہتے ہیں۔

چھٹا فائدہ: بدترین زندگی وہ ہے جو رب تعالیٰ سے غفلت میں گذرے۔ یہ زندگی منافقوں کی ہے یہ فائدہ نسو اللہ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: خدا کے ذکر کا فائدہ یہ ہے کہ اللہ اسے یاد کرتا ہے۔ فاذکرونی اذکرکم اس سے غفلت کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ کریم بندے کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے یہ فائدہ فنسیھم سے حاصل ہوا یاد کرلو۔ یاد کرالو۔ اسے بھول جاؤ بھلوا دو۔

آٹھواں فائدہ: منافقین بدترین فاسق و بدکار ہیں باقی فاسق ان سے نیچے ہیں یہ فائدہ ان المنافقین ھم الفاسقون کے حصر سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: رب کی بارگاہ میں منافق اور کھلے کافر کا حکم ایک ہی ہے بلکہ کھلے کافر سے یہ چھپے کافر یعنی منافق بدتر ہیں۔ دیکھو اس آیت میں رب تعالیٰ نے منافقین' منافقات' کفار سب کے عذاب یکساں بیان کئے دوزخ کی آگ وہاں ہمیشگی پھٹکار دائمی عذاب وغیرہ اگرچہ شرعی احکام میں ان میں فرق ہے۔

یکساں ہوگا۔ کبھی عذاب میں تخفیف نہ ہوگی۔ یہ فائدہ عذاب مقیم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ مقیم کے معنی ہیں ہمیشہ یکساں۔

پہلا اعتراض: رب تعالیٰ نے منافقین کے متعلق فرمایا۔ نسو اللہ وہ اللہ کو بھول گئے اور بھول چوک معاف ہے کہ یہ غیر اختیاری چیز ہے حضور فرماتے ہیں کہ میری امت سے بھول چوک اٹھادی گئی۔ معاف کردی گئی۔ پھر اسے منافقین کے عیوب میں کیوں گنایا اور اس پر سزا کیوں دی گئی۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں نسیان بمعنی غفلت ہے یعنی وہ خدا سے ایسے غافل ہو گئے جیسے بھول ہی گئے۔

خیال رہے: کہ بھول جانا اور ہے بھلا دینا کچھ اور ہے ایک حافظ خرابی کی وجہ سے قرآن مجید بھول جاوے وہ گنہگار نہیں اور دوسرا حافظ ورد نہ کرنے کی وجہ سے بھول جائے وہ مجرم ہے اتفاقاً نماز فجر کے وقت آنکھ نہ کھلے وہ گنہگار نہیں۔ لیکن رات کو بلاوجہ بہت جاگنے کا عادی ہو جانا جس سے صبح کو اٹھا نہ کرے یہ جرم ہے۔

دسواں فائدہ: کفار کو ہمیشہ عذاب ہوگا اور **دوسرا اعتراض**: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ انہیں بھول گیا رب تعالیٰ تو

www.alahazratnetwork.org

بھول چوک سے پاک ہے۔

جواب: یہاں بھی بھولنے سے مراد انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا ہے۔ انہیں رحم و کرم سے محروم کر دینا۔ قرآن مجید میں کبھی جرم کی سزا کو بھی جرم سے تعبیر کر دیتے ہیں رب فرماتا ہے۔ جزاء سیئة سیئة مثلها

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافق ہی فاسق و بدکار ہیں تو کیا ظاہری کفار اور بڑے بڑے گنہگار متقی و پرہیزگار ہیں۔ حصر کے کیا معنی۔

جواب: یہاں فسق سے مراد خاص فسق ہے۔ یعنی مسلمانوں کو دھوکا دینے کفر چھپانے اسلام ظاہر کرنے کا فسق۔ یہ فسق واقعی صرف منافقین ہی کا ہے۔ ہم نے پہلے پارہ میں فسق کے معنی اس کے اقسام ہر قسم کے احکام عرض کر دئیے ہیں کہ فسق تغابی فسق انہماک۔ فسق جمودی ان سب میں بہت طرح فرق ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں منافقین کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ اپنے ہاتھ سمیٹے ہیں یعنی کنجوس ہیں مگر اس زمانہ میں کبھی بعض منافقین جہاد وغیرہ میں خوب چندے دیتے تھے اب بھی کفار بڑی سخاوتیں کرتے ہیں۔

جواب: ان میں کوئی بھی اللہ رسول کی رضا کے لئے کچھ خرچ نہیں کرتے۔ قومی ملکی مفاد یا اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کے لئے یا اپنی شہرت و ناموری کے لئے خرچ کرتے ہیں لہٰذا یہ خرچ کرنا نہ کرنے کی طرح ہے وہ سب کچھ خرچ کریں مگر بخیل ہیں۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ میں دوزخ میں ہیشگی کے بعد فرمایا گیا لهم عذاب مقيم یعنی انہیں دائمی عذاب ہے یہ بات تو خالدين فيها سے معلوم ہوگئی تھی مقرر کیوں فرمائی گئی۔

جواب: مفسرین کرام نے اس اعتراض کے بہت جواب دیئے ہیں۔ ۱ انہیں دنیا میں بھی دائمی عذاب ہے یعنی خالدين میں اخروی عذاب کا ذکر ہے یہاں دنیاوی عذاب کا۔ دل کی بے چینی ہر وقت اپنے پول کھل جانے کا خطرہ مسلمانوں اور کافروں دونوں میں ان کا اعتبار نہ ہونا۔ ہر ایک کی نظر میں ذلیل رہنا وغیرہ۔ ۲ اس سے مراد برزخی عذاب ہے۔ یعنی خالدين (الخ) میں اخروی عذاب مراد تھا یہاں برزخی ۳ یہاں اخروی عذاب ہی مراد ہے۔ مگر دوزخ کی آگ کے سواء دوسرا عذاب مراد ہے۔ رب فرماتا ہے ان المنافقين في الدرك الاسفل من النار یعنی منافقین دوزخ کے نچلے طبقہ میں ہوں گے۔ جہاں سارے دوزخیوں کی پیپ کچ لہو۔ پیشاب پاخانہ بہہ کر آوے گا۔ انہیں پلایا جاوے گا۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کی زندگی تین طرح کی ہے شیطانی' نفسانی' ایمانی' شیطانی زندگی کا نام قرآن مجید میں معيشة ضنكا ہے یعنی تنگ زندگی' نفسانی زندگی کا نام الحيوة الدنيا یعنی قریب الفناء زندگی ایمانی زندگی کا نام ہے۔ حيوة طيبة اس کی تفصیل ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ اسی طرح موت بھی تین طرح کی ہے وارنٹ یا پکڑ۔ جیسے قرآنی اصطلاح میں اخذو بطش فرمایا گیا۔ یعنی رب کی پکڑ دوسری موت وفات کہ مزدور نے اپنی مزدوری پوری کر لی اب رب کی عطا شروع ہوتی ہے۔ الله يتوفى الانفس حين موتها۔ تیسری قسم کی موت وصال یار جیسے قرآن رجوع الى الله فرماتا ہے ارجعي الى

www.alahazratnetwork.org

ربک مواضیة مرضیة۔ مومن جیتا ہے تو طیب مرتا ہے تو طیب' قیامت کو اٹھے گا طیب مومن مر کر اپنے گھر میں جاتا ہے کافر اپنے گھر سے جاتا ہے۔ شعر

کون کہتا ہے کہ مومن مر گئے　　قید سے چھوٹے وہ اپنے گھر گئے

اس کے برعکس کفار اور منافقین ان کی زندگی ہے تو خبیث موت ہے تو خبیث۔ منافقوں کو ایک مصیبت یہ ہے کہ وہ مسلمانوں اور کافروں کو راضی رکھنے کے لئے بڑی مصیبتیں جھیلتے ہیں ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے منافقین و کفار کی زندگی موت کی ایک جھلک دکھائی۔ کہ زندگی میں وہ خدا سے غافل رہے خدا نے انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ جس گھوڑے کی لگام مالک چھوڑ دے سمجھ لو کہ وہ کہاں گر کر ہلاک ہوگا۔ رب کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ پہلے خودی کو بھولے پھر خدا کو بھولے۔ یہاں خدا کو بھولنے کا ذکر ہے۔ دوسری جگہ خودی کو بھولنے کا یوں ذکر فرمایا نسوا اللہ فنسیھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون مبارک ہے وہ بندہ مومن جو اپنی خودی کو جانے اس کے ذریعہ خدا کو پہچانے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ خودی خدا کا زینہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کو یاد کرلو اس سے اپنی یاد کرالو یہ بھول دنیا کا عذاب متیم ہے اس کے بعد برزخ محشر کا عذاب ہے۔ یہاں ان تینوں عذابوں کا ذکر ہے فسق کے معنی ہیں حد سے بڑھ جانا۔ بندہ خودی سے بڑھا' مارا گیا۔

كَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ كَانُوٓا أَشَدَّ مِنكُمْ قُوَّةً وَأَكْثَرَ أَمْوَٰلًا وَأَوْلَٰدًا

ان لوگوں کی طرح جو تھے پہلے تم سے تھے وہ زیادہ سخت تم سے طاقت میں اور زیادہ مالوں اور اولاد والے

جیسے وہ جو تم سے پہلے تھے تم سے زور میں بڑھ کر تھے اور ان کے مال و اولاد تم سے زیادہ تھے

فَٱسْتَمْتَعُوا۟ بِخَلَٰقِهِمْ فَٱسْتَمْتَعْتُم بِخَلَٰقِكُمْ كَمَا ٱسْتَمْتَعَ ٱلَّذِينَ

بس نفع حاصل کیا انہوں نے حصے سے اپنے بس نفع حاصل کیا تم نے حصے سے اپنے جیسے نفع

تو وہ اپنا حصہ برت گئے تو تم نے اپنا حصہ برتا جیسے اگلے اپنا حصہ برت گئے اور تم بیہودگی میں پڑے

مِن قَبْلِكُم بِخَلَٰقِهِمْ وَخُضْتُمْ كَٱلَّذِى خَاضُوٓا۟ ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ حَبِطَتْ

اٹھایا ان لوگوں نے جو تم سے پہلے تھے اپنے حصوں سے اور مشغول رہے تم اس گروہ کی طرح

جیسے وہ پڑے تھے ان کے عمل اکارت گئے دنیا اور آخرت میں اور وہ ہی

أَعْمَٰلُهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا وَٱلْءَاخِرَةِ ۖ وَأُو۟لَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْخَٰسِرُونَ ﴿٦٩﴾

جو مشغول رہے یہی لوگ ہیں کہ ضبط ہوئے نیک عمل ان کے دنیا میں اور آخرت میں اور یہی لوگ گھاٹے والے ہیں

لوگ گھاٹے میں ہیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں بہت دور سے منافقین مدینہ کا ذکر چلا آرہا ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے ان منافقین کا تذکرہ ہو رہا ہے جو گذشتہ نبیوں کے زمانوں میں مختلف ملکوں میں گذرے تاکہ حضور انور کے قلب پاک کو تسکین ہو کہ ایسے موذی ہمیشہ ہوتے ہی رہے گویا موجودہ منافقوں کے بعد گذشتہ منافقوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں موجود منافقین کی بدعملیاں بیان ہوئیں اچھائیوں سے روکنا برائیوں کا حکم دینا بخیل ہونا۔ وغیرہ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ یہ عیوب گذشتہ زمانہ کے منافقوں میں تھے جو سزا انہیں ملی وہ ان کو بھی ملے گی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کے آخر میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کو دنیا میں بھی دائمی عذاب ملتا ہے۔ ولھم عذاب مقیم اب اس کا ثبوت پچھلے منافقین کا حال سنا کر دیا جا رہا ہے۔ گویا پچھلی آیات میں دعویٰ تھا اب اس کی دلیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دیکھ لو ان کو مرے ہوئے صدہا سال گذر گئے ان پر پھٹکار برابر ہو رہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے منافق ططیانوس یوں ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ کے منافقین پر تو تا م بنام لعنت و پھٹکار پڑ رہی ہے۔

تفسیر: کالذین من قبلکم. اس فرمان عالی میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہے یعنی پہلے منافقوں کا غائب ضمیروں سے ذکر تھا۔ حسبھم بعنھم وغیرہ اب ارشاد ہے حاضر ضمیر سے من قبلکم التفات بھی فصاحت کا ایک شعبہ ہے اس سے پہلے یا تو انتم پوشیدہ ہے اور کالذین (الخ) اس کی خبر ہے۔ یہ پیش کی جگہ میں ہے یا فعلتم پوشیدہ ہے اور یہ عبارت اس کا مفعول بہ اور نصب کی جگہ میں ہے۔ (روح المعانی وغیرہ) یا یہ متعلق ہے مقیم کا جو کاف کے بعد پوشیدہ ہے یعنی اے منافقو! تم کو دنیا میں دائمی عذاب ہے ان منافقوں کے عذاب کی طرح جو تم سے پہلے گذرے (تفسیر تنویر المقیاس) الذین سے مراد منافقین ہیں اور قبلکم سے مراد گذشتہ نبیوں کے زمانہ کی منافقین ہیں (تنوی المقیاس) کانوا اشد منکم قوۃ واکثر اموالا والوادا. یہ فرمان عالی مشابہت مذکورہ کی وجہ بیان کر رہا ہے۔ کانوا کا اسم وہ ہی اگلے منافقین ہیں۔ انسان کو ایک داخلی اور دو خارجی طاقتوں اور غرور ہوتا ہے جسمانی قوت مال کی کثرت اولاد کی زیادتی نہیں یہ تینوں طاقتیں تم سے زیادہ حاصل تھیں کہ وہ تم سے زیادہ زور مند تم سے زیادہ مالدار تم سے زیادہ اولاد اور کنبے و جتھے والے کیونکہ زیادہ اولاد والا بڑے جتھے والا ہوتا ہے کہ اس کی رشتہ داریاں بہت ہوتی ہیں مگر انہوں نے ان تین طاقتوں سے ناجائز فائدہ اٹھایا کہ فاستمتعوا بخلاقھم استمتاع بنا ہے متع سے بمعنی نفع۔ اس لئے دنیاوی سامان کو متاع کہتے ہیں کہ وہ نفع حاصل کرنے کا ذریعہ ہے استمتاع خوب نفع حاصل کرنا نفع سے مراد دنیاوی نفع ہے عیش آرام فخر تکبر نبی کی مخالفت مسلمانوں کو ذلیل سمجھنا وغیرہ یہاں باب استفعال درازی مدت کے لئے ہے یعنی عرصہ تک وہ لوگ نفع حاصل کرتے رہے۔ خلاق بنا ہے خلق سے بمعنی حصہ سے۔ خلق کے چند معنی ہیں پیدا کرنا خلقکم وما تعملون گڑھنا بنانا تخلقون افکا حصہ یہ آخری معنی یہاں مراد ہیں ان کو جو طاقت، دولت، اولاد کا حصہ ملا اس کے انہوں نے خوب ناجائز دنیاوی فائدے اٹھائے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اس کی نافرمانی میں نبیوں کے خلاف سازشوں میں خرچ کیں۔ اس کے بعد اے منافقو! تمہاری باری آئی۔ فاستمتعتم

www.alahazratnetwork.org

بخلاقکم تو تم نے بھی اپنی ان نعمتوں کے حصول سے فائدے ہی اٹھائے اگرچہ تمہاری نعمتیں ان سے کم تھیں مگر کون سے فائدے حضرت صدیق و فاروق کی طرح اخروی فائدے سے حاصل نہ کیے۔ بلکہ استمتع الذین من قبلکم بخلاقھم اسی طرح کے دنیاوی فائدے اٹھائے جیسے ان اگلوں نے اٹھائے تھے ہماری اس تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہ عبارت مقرر نہیں یہ ایسی ہے جیسے کہا جاوے کہ تو فرعون کی طرح ہے جو بے قصور بچوں کو قتل کرتا تھا اور لوگوں کو بلاوجہ ستاتا تھا تو بھی تو اس طرح کرتا ہے (از تفسیر کبیر و روح المعانی خازن وغیرہ)

اس طرز بیان سے تاکید کا فائدہ ہوتا ہے۔ وخضتم کالذی خاضوا یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ استمتعم (الخ) پر خضتم بنا ہے خوض سے بمعنی پانی میں گھسنا اب غلط اور ناجائز کاموں میں مشغول ہونے کو خوض کہا جاتا ہے۔ فی خوضھم یلعبون کالذی دراصل کالذین تھا تخفیف کے لئے نون گرادی گئی ایک شاعر کہتا ہے شعر

ان الذی حانت بفلج دماؤھم

ھم القوم کل القوم یا ام خالد

اس شعر میں الذی دراصل الذین تھا نون گرادیا گیا لہٰذا یہ جمع ہی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ک کے بعد فوج یا جمع پوشیدہ ہے چونکہ فوج یا جمع لفظاً واحد ہے لہٰذا الذی واحد ارشاد ہوا (روح المعانی کبیر خازن وغیرہ)

اولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والاخرۃ ظاہر یہ ہے کہ اولئک سے اشارہ موجودہ زمانہ کے منافقین و کفار کی طرف ہے۔ حبط کے معنی ہیں ساقط ہو جانا گر جانا۔ باطل ہو جانا معطل ہو جانا۔ ان پر ثواب مرتب نہ ہونا اعمال سے مراد نیک اعمال ہیں خواہ عبادات ہوں یا معاملات ان اعمال نیک کا فائدہ عامل کو دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ صحت وسعت رزق عزت عظمت وغیرہ آخرت میں بھی اللہ کا کام گناہوں کی معافی جنت کی عطا حضور انور کا دیدار وغیرہ۔ منافقین و کفار کو ان میں سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ کفار کو جو دنیاوی نعمتیں مل جاتی ہیں وہ یا تو استدراج ہوتی ہیں یا بظاہر نعمت درحقیقت زحمت و عذاب ہیں لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل درست ہے واولئک الخاسرون یہ عبارت معطوف ہے اولئک حبطت (الخ) پر اور کفار منافقین کے دوسرے نتیجہ کا ذکر ہے۔ خاسرون بنا ہے خسار و نقصان ہے جس میں اصل رقم بھی بالکل ضائع ہو جاوے۔ یعنی یہ لوگ پورے ٹوٹے اور خسارہ میں ہیں کہ انہوں نے اپنی اصلی دولت عمر و زندگی خرچ کر دی مگر اس میں کمایا کچھ بھی نہیں بلکہ اس سے دوزخ رب کی غضب ہی حاصل کیا۔ چونکہ کفر و نفاق اور دونوں نتیجوں کا مستقل سبب تھے اس لئے دونوں جگہ اولئک ارشاد ہوا یعنی یہ کفر و نفاق والے وہ ہیں جن کے اعمال برباد ہیں اور یہ ہی پورے نقصان والے ہیں۔ اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ دونوں جگہ حصر بالکل درست ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے منافقو! تم سب گذشتہ زمانوں کے منافقوں کی طرح ہو۔ عقائد میں اعمال میں دھوکہ بازیوں میں نبی کو پریشان کرنے مسلمانوں کو ستانے میں اور دو طرفہ مسلمانوں کافروں کو راضی رکھتے ہیں تم میں ان میں فرق یہ ہے کہ گذشتہ منافقین تم سے زیادہ طاقتور تھے تم سب زیادہ مالدار تھے۔ تم سے زیادہ آل و اولاد والے۔ تم سے زیادہ کنبہ اور جتھے

www.alahazratnetwork.org

والے تھے۔انہوں نے اپنے زمانوں میں اپنے زور،مال جتھے وغیرہ نعمتوں کے حصول سے صرف دنیاوی نفع کمائے کہ اللہ کی نعمتوں کو اس کی معصیت میں صرف کیا۔تم نے بھی منافقین مدینہ میں ان نعمتوں کو دنیاوی نفعوں دین کی مخالفت میں صرف کیا انہیں کی طرح جیسے انہوں نے کیا تھا اور جیسے وہ تمام منافقین کفر و گناہ' مخالفت نبی ایذاء مسلمین میں ہی مشغول رہے انہیں حرکات میں پھنسے رہے۔ جب تم دونوں کے اعمال حرکات یکساں ہیں تو نتیجے میں یکساں ان کا یہ حال ہوا کہ ان کے سارے نیک کام صدقات وخیرات صلہ رحمی۔ ماں باپ کی خدمت مخلوق کی نفع رسانی وغیرہ دنیا میں بھی برباد گئے کہ ان کے نتیجہ میں انہیں دنیا میں کچھ نہ ملا اور آخرت میں بھی برباد کہ ان پر انہیں جز اثواب نہیں اور وہ لوگ پورے نقصان میں رہے کہ ان کی زندگی کی عزیز گھڑیاں بجائے نیکیوں کے گناہوں میں صرف ہو گئیں بالکل اسی طرح تمہارا بھی حال ہے تم بھی برباد ہو چکے اور ہو گئے۔اعمال یکساں نتیجہ یکساں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے:

پہلا فائدہ: شرعی قیاس برحق ہے یعنی وجہ کے مشترک ہونے سے حکم کا مشترک ماننا یہ فائدہ الذین سے حاصل ہوا کہ آیت کریمہ نے یہاں موجودہ منافقوں کو گذشتہ منافقوں پر قیاس فرمایا کہ چونکہ تمہارے اعمال وحرکات ان جیسے ہیں لہذا تمہاری سزا بھی ان جیسی ہے۔فقہا کے قیاس کا بھی یہ ہی طریقہ ہے۔

دوسرا فائدہ: دنیا بھر کی مادی طاقتیں ایک بندے کی روحانی طاقت کے مقابلہ میں فیل ہو جاتی ہیں۔یہ فائدہ کانوا اشد منکم قوۃ (الخ) سے حاصل ہوا کہ منافقین جماعت' قوت' دولت' عزت دنیاوی میں بہت بڑھے چڑھے تھے مگر نبی کے مقابلہ میں شکست کھا گئے مادی طاقت نبوت تو کیا ولایت کے مقابلہ میں نہیں ٹھہرتی بہتر ہزار فرعونی جادوگر ایک موسیٰ علیہ السلام کے مقابل ہار گئے۔مگر ان کی ہار ہی جیت کا ذریعہ بن گئی مبارک ہے وہ ہار جو دین کی طرف رہبری کرے نبی کے قدموں تک پہنچاوے۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے حصہ کافر و مومن دونوں کو ملتا ہے مگر ان سے کافر صرف استمتاع کرتا ہے یعنی دنیاوی نفع حاصل کرتا ہے مگر مومن استمتاع بھی کرتا ہے اور انتفاع بھی یعنی دنیا و دین دونوں کے نفعے کماتا ہے یہ فائدہ فاستمتعوا بخلاقھم سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کافر و منافق دنیا میں ڈوب جاتا ہے۔مومن دنیا میں تیرتا ہوا پار نکل جاتا ہے یہ فائدہ وخضتم کالذی خاضوا سے حاصل ہوا خوض کہتے ہیں پانی میں گھس جانے کو اس طرح کہ آدمی پانی میں گھس جاوے اور پانی آدمی میں بیٹھ۔کان ناک منہ میں پانی ہی منہ میں پانی ہی پانی ہو۔مومن کا جسم دنیا میں رہتا ہے مگر اس کے دل میں دین رہتا ہے وہاں دنیا نہیں پہنچ سکتی۔لفظ خاضوا بہت گہرا ہے۔

پانچواں فائدہ: کافر کے نیک اعمال برباد ہوئے ہیں برے اعمال قائم مگر مومن کے برے اعمال معاف ہو جاتے ہیں نیک اعمال قائم یہ فائدہ حبطت اعمالھم سے حاصل ہوا حبط اور عفو میں فرق یاد رہے۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹا فائدہ: مومن کو نیک اعمال کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے اور آخرت میں بھی۔ کافر کو کہیں نہیں یہ فائدہ فی الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا نیک اعمال کی برکت سے دنیا میں مصیبتوں سے نجات رزق میں وسعت وفراخی۔ ہر طرح کی عزت ملتی ہے رب فرماتا ہے ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب آخرت میں حضور انور کا دیدار رب کا قرب گناہوں کی معافی جنت کا داخلہ وغیرہ۔

ساتواں فائدہ: کفار کے دم درود دعائیں صحیح طور سے فائدہ مند نہیں یہ فائدہ بھی حبطت اعمال سے حاصل ہوا۔ ضبطی عمل کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اس کا عمل فائدہ نہ دے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ مومن کو اس کے نیک اعمال کی برکت سے دنیا میں بھی فائدہ عطا فرماتا ہے آخرت کے فائدے ان کے علاوہ ہیں بعض نیکیوں سے عمریں بڑھ جاتی ہیں بعض سے مال واولاد میں برکت ہوتی ہے بعض سے آفات ٹل جاتی ہیں بعض سے عزت وعظمت ملتی ہے بعض سے خوف خدا عشق رسول عطا ہوتا ہے بعض سے گھر میں اتفاق واتحاد رہتا ہے بعض سے وقت پر بارشیں پیداوار ہیں برکتیں آتی ہیں رب فرماتا ہے یرسل علیکم ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انھا یہ فائدہ فی الدنیا والاخرۃ سے حاصل ہوا کہ نیکیوں کی ضبطی دنیا وآخرت میں منافقین و کفار پر عذاب ہے جس سے انشاء اللہ مومن محفوظ ہے۔

پہلا اعتراض: آیت کریمہ میں ایک مضمون دوبار بیان کیا گیا ہے فاستمتعو بخلاقھم پھر ارشاد ہوا۔ استمتع الذین قبلکم بخلاقھم مضمون کی تکرار فصاحت کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ کہ یہاں پہلا فرمان گذشتہ منافقین کی حالت بیان کرنے کے لئے ہے اور دوسرا فرمان حالی تشبیہ دینے کے لئے۔ مقصد میں فرق ہے اس لئے تکرار نہیں اور اگر تکرار ہو تب بھی کوئی حرج نہیں کہ بے فائدہ تکرار خلاف فصاحت ہے۔ فائدہ مند تکرار حسن کلام میں چار چاند لگا دیتی ہے سورہ رحمٰن ایک آیت فبای الاء ربکما تکذبان بہت جگہ ارشاد ہوئی۔

دوسرا اعتراض: یہاں کالذی واحد ہے اور خاضوا اس کا صلہ جمع یہ ترکیب کسی قاعدے سے جائز نہیں۔ یہاں کالذین چاہئے تھا۔

جواب: مفسرین کرام نے اس کے بہت جواب دیئے ہیں نفیس ترین جواب وہ ہے جو ہم نے روح المعانی کے حوالہ سے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ یہ الذین جمع ہی ہے نون صرف تخفیف کے لئے گرا دیا گیا۔ اس کی تائید ایک عربی شعر سے بھی پیش کی گئی۔

تیسرا اعتراض: اس قسم کے تصرفات سے کلام مشتبہ ہوتا ہے پتہ نہیں لگتا کہ واحد ہے یا جمع اشتباہ بھی تو بری چیز ہے۔

جواب: دھوکا اور اشتباہ جب ہو جب معنی مقرر کرنے پر قرینہ موجود نہ ہو۔ یہاں خاضوا کا جمع ہونا اس کی علامت ہے کہ الذی جمع ہے دیکھو لفظ کل بہت معنی میں آتا ہے۔ گذشتہ کل آئندہ کل مشین دل کا چین وغیرہ اس میں قرینہ سے مدد لی جاتی

ہے۔

چوتھا اعتراض: کوئی نیکی دنیا کے لئے نہ کرنا چاہئے نیک اعمال صرف آخرت کے لئے چاہئیں مگر تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ نیکیوں کا فائدہ دنیا میں بھی ہوتا ہے پھر وہ نیکی اللہ کے لئے کہاں رہی۔

جواب: نیکی کرو اللہ کی رضا کے لئے گروہ کریم خوش ہو کہ دنیاوی فائدے بھی عطا فرمادے اور اخروی بھی تو اس کی مہربانی ہے دم درود دعائیں تعویذ سب ہی نیک کام ہیں مگر ان سے دنیاوی فائدے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ حضور انور نے حل مشکلات کے لئے بہت دعائیں ارشاد فرمائیں۔ جیسا کہ احادیث صحیح سے ثابت ہے ابھی سورۂ نوح کی آیت پیش کی گئی جس میں استغفار کے دنیاوی فوائد حضرت نوح علیہ السلام نے بیان کئے قرآن مجید نے نقل کئے اس کا انکار بڑی حماقت ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار کے اعمال دین و دنیا میں باطل ہیں۔ مگر دیکھا جا رہا ہے کہ کفار کو دولت شہرت عزت مسلمانوں سے زیادہ ملتی ہے پھر ان کے اعمال دنیاوی لحاظ سے ضبط کیسے ہوئے۔

جواب: کفار کے مال و متاع ان کی نیکیوں کا دنیاوی ثواب نہیں بلکہ یہ رب کی طرف سے ڈھیل ہے تاکہ اور زیادہ گناہ کرلیں یا یوں کہو کہ کفار کے مال و متاع رب کا دنیاوی عذاب ہے جس سے ان کی غفلت اور سرکشی میں اور بھی زیادتی ہوتی ہے۔ صدہا مصیبتیں آتی ہیں رب فرماتا ہے۔ انما یرید الله ان یعذبھم بھا (الخ) مومن کا مال اللہ کی رحمت ہے آخرت کمانے کا ذریعہ کافر کا مال عذاب ہے۔ سرکشی و غفلت کا باعث۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں مومن بھی آتا ہے رہتا ہے اور کافر بھی مگر مومن تو ایسا آتا رہتا ہے جیسے کنویں میں ڈالا ہوا ڈول جس کی رسی مالک کے ہاتھ میں ہو جس سے ڈول وہاں پھنستا نہیں بلکہ پانی لے کر خیریت سے اوپر پہنچ جاتا ہے کافر اس گرے ہوئے ڈول کی طرح ہے جو مالک کے قبضہ میں نہ ہو وہ کنویں کی کیچڑ میں پھنس جاتا ہے مومن دنیا میں خوض نہیں کرتا اس کا جسم دنیا میں رہتا ہے مگر دل میں دنیا نہیں رہتی۔ دل میں دین رہتا ہے یا خدا کا خوف یا رسول کا عشق جس سے وہ دنیا میں ڈوبتا نہیں بلکہ تیرتا ہے کافر کا جسم دنیا میں رہتا ہے اور اس کے دل میں دنیا رہتی ہے جس سے وہ غرق ہو جاتا ہے تیرنے اور ڈوبنے میں یہ فرق ہے جس کا انجام یہ ہوتا ہے کہ جیسے دریا میں ڈوبنے والے کی جان برباد یوں ہی دنیا میں ڈوبنے والے کا دین ایمان سب برباد ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے متعلق خاضوا اور پھر حبطت اعمالھم ارشاد ہوا۔ دنیا میں آئے تھے ایمان بچانے اعمال کمانے کے لئے مگر انہوں نے بجائے اعمال کمانے کے ایمان گنوا دیا لہٰذا وہ خاسر ہوئے یعنی پورے دیوالیئے۔

نبی گویا پاور والا قدرتی تار ہیں جو انہیں ادب و اطاعت کے غلاف کے ساتھ پکڑے وہ کامیاب ہے جو ان سے مقابلہ کرے بغیر اس غلاف کے ان پر ہاتھ ڈالے وہ ہلاک ہے بجلی کا تار فقیر مالدار سب کو تباہ کر دیتا ہے ایسے ہی نبی کی بے ادبی سب کو تباہ کر ڈالتی ہے۔ یہ آیت کریمہ بہت عبرتناک ہے گذشتہ طاقتوروں کے حالات پڑھو عبرت پکڑو۔

www.alahazratnetwork.org

اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۙ

کیا نہ آئی ان تک خبر ان لوگوں کی جو پہلے ہوئے ان سے قوم نوح کی اور عاد اور ثمود اور قوم ابراہیم کی

کیا انہیں اپنے سے اگلوں کی خبر نہ آئی نوح کی قوم اور عاد اور ثمود اور ابراہیم کی قوم اور

وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ

اور مدین اور الٹی ہوئی بستیوں والوں کی لائے ان کے پاس رسول ان کے روشن

مدین والے اور وہ بستیاں کہ الٹ دی گئیں ان کے رسول روشن دلیلیں ان کے پاس لائے تو اللہ کی شان

بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ

دلیلیں پس نہیں تھا کہ ظلم کرتا ان پر اللہ اور لیکن تھے وہ اپنی جانوں پر

نہ تھی کہ ان پر ظلم کرتا بلکہ وہ خود ہی اپنی جانوں پر

يَظْلِمُوْنَ ۝

ظلم کرتے

ظالم تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ موجودہ منافقین کی حالت گذشتہ کفار و منافقین کی طرح ہے۔ اب ان گذشتہ کفار میں سے چھ قوموں کا ذکر ہو رہا ہے گویا پچھلی آیت میں اجمال تھا یہ آیت اس اجمال کی تفصیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ موجودہ منافقین گذشتہ منافقوں کی طرح مجرم کافر ہیں۔ ان کی سزا یہ ہے کہ دین و دنیا میں ان کی نیکیاں برباد ہیں۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ صرف یہ سزا اس لئے ہے کہ اب رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کا دور ہے۔ دنیا میں غیبی عذابوں سے امن ہے گذشتہ نبیوں کے مجرموں کے حال میں تو غور کرو کہ ان پر دنیا میں کیسے سخت عذاب آئے گویا موجودہ اور گذشتہ زمانوں کے عذابوں کے فرق کے لئے یہ آیت کریمہ ارشاد ہو رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ پچھلے کفار مال و اولاد و قوت و زور میں زیادہ تھے۔ اب شہ زوروں کے انجام کا ذکر ہے کہ نبی کے مقابلہ میں کوئی زور کوئی طاقت کام نہیں آتی۔

تفسیر: الم یاتھم نبا الذین من قبلھم اس فرمان عالی میں پھر التفات سے ذکر فرمایا من قبلکم اور اشد منکم وغیرہ اب انہیں کو پھر غائب ضمیروں سے یاد فرمایا جا رہا ہے۔ الم یاتیھم وغیرہ اس میں الف سوال اور پوچھنے کا ہے اور پوچھنا اقرار کرانے کے لئے ہے ہر خبر کو نہیں کہتے بلکہ عظیم الشان خبر کو نبا کہا جاتا ہے اسی سے نبی یعنی شاندار خبریں دینے والے۔

www.alahazratnetwork.org

چنانچہ اخبار وغیرہ کو نبی نہیں کہتے کہ یہ عام اور معمولی خبریں دیا کرتے ہیں۔ آنے سے مراد ان تک خبریں پہنچانا ہیں یا عام مشہور ہونے کی وجہ سے کیونکہ حجاز مقدس میں ان چھ قوموں کے عذاب کے قصے عام مشہور تھے۔ ان کے گیت بچیاں گاتی تھیں یا ان علاقوں میں سفر کی حالت میں ان کی اجڑی ہوئی بستیاں یہ لوگ دیکھا کرتے اور وہاں اردگرد کے لوگوں سے ان کے قصے سنا کرتے تھے اس لئے یہاں صرف چھ قوموں کا ذکر ہوا جو ان منافقین سے قریب ہی آباد تھیں۔ دور دراز قوموں کا ذکر نہیں فرمایا۔ جیسے فرعون و ہامان وغیرہ یعنی کیا ان منافقین و کفار کو اپنے سے پہلے کفار کی خبریں نہیں پہنچی یعنی ضرور پہنچی ہیں۔

قوم نوح: یہ عبارت اپنے ماقبل کے ساتھ الذین من قبلھم کا بیان ہے نوح علیہ السلام کا جائے قیام عراق تھا۔ فقیر نے کوفہ میں وہ تنور کا مقام دیکھا ہے جہاں سے پانی ابلا تھا۔ اور طوفان کی ابتداء ہوئی تھی یہ قوم پانی کے طوفان کی ابتداء ہوئی تھی یہ قوم پانی کے طوفان سے غرق کی گئی۔

وعاد: ۲ یہ معطوف ہے قوم نوح پر یہ حضرت ہود علیہ السلام کی قوم ہے جو یمن کے علاقہ احقاف میں آباد تھی۔ یہ تخت آندھی سے ہلاک کی گئی۔

وثمود: یہ معطوف ہے عاد پر یہ حضرت صالح علیہ السلام کی قوم ہے جو یمن کے علاقہ میں مقام حجر میں آباد تھی۔ حجر پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ کرام کے گذرے تو آپ ﷺ نے اس کے کنویں کا پانی استعمال کرنے سے وہاں ٹھہرنے سے منع فرما دیا کہ وہ جگہ عذاب الٰہی کے نزول کی تھی۔ قوم اولاً چیخ پھر زلزلہ سے ہلاک ہوئی۔

خیال رہے: کہ نوح کی طرح ان دونوں قوموں کو قوم ہود اور قوم صالح نہ فرمایا گیا۔ کیونکہ حجاز مقدس میں یہ دونوں قومیں انہیں ناموں یعنی عاد و ثمود سے مشہور تھیں نیز ان دونوں قوموں میں ہزارہا آدمی مسلمان ہو گئے تھے بخلاف قوم نوح کے کہ وہ ساڑھے نو سو برس کی تبلیغ کے باوجود صرف اسی آدمی ایمان لائے تھے۔ (تفسیر روح البیان)

وقوم ابراہیم: ۳ اس سے مراد نمرود اور اس کے متبعین ہیں جو بغداد کوفہ کے درمیان شہر بابل میں رہتے تھے۔ نمرود وہ کافر بادشاہ ہے جو ساری دنیا کا بادشاہ ہوا دعوائے خدائی کرتا تھا۔ ایک لنگڑے مچھر سے وہ اور مکانات کی چھتوں میں دبا کر اس کی قوم ہلاک کی گئی۔ (روح البیان)

خیال رہے: کہ ان کفار کو ان پیغمبروں کی قوم کہنا نسبی وطنی نسبت سے ہے نہ کہ دینی نسبت سے یہ بھی خیال رہے کہ نمرود کسی غیبی آسمانی عذاب سے ہلاک نہیں ہوا بلکہ مچھر جیسی معمولی چیز سے۔ رب چاہے تو ابابیل سے فیل مروادے۔ واصحاب

۵ مدین یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ہے جو مدین کے علاقہ میں رہتی تھی اس قوم کا نام بھی مدین تھا کیونکہ یہ ابن ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھی۔ انہیں کے نام سے یہ علاقہ مدین کہلاتا تھا۔ یہ قوم غیبی آگ سے ہلاک ہوئی۔ والموتفکات ۶ یہ عبارت معطوف ہے اصحاب مدین پر ظاہر یہ ہے کہ اس سے وہ چار یا پانچ بستیاں مراد ہیں جن میں حضرت لوط علیہ السلام نبی بنا کر بھیجے گئے۔ مدوم اموز عامور صبور ۷ برین ۵ چونکہ ان بستیوں کا تختہ الٹ دیا گیا کہ اوپر کا حصہ نیچے کر دیا گیا۔ اور نیچے کا اوپر اور اس پر پتھر برسائے گئے۔ اس لئے انہیں موتفکات کہتے ہیں یعنی الٹی ہوئی بستیاں۔ ان کا ذکر آٹھویں

www.alahazratnetwork.org

پارے سورۂ اعراف میں گذر چکا ولوطا اذقال لقومه ۔ کی تفسیر میں۔ احتمال یہ بھی ہے کہ موتفکات سے مراد کفار کی ساری بستیاں ہیں جن پر عذاب آئے کیونکہ ان میں انقلاب آیا خیر سے شر کی طرف تو الٹنے سے حالات کا بدلنا مراد ہوگا۔ ایک شاعر کہتا ہے

وما الخسف ان تلقی اسافل بلد اعالیها بل ان قسو والاراذل

دیکھو شاعر نے اس میں ذلیلوں کے عزت پانے عزت والوں کو ذلیل ہو جانے کو خسف یعنی دھس جانا کہا۔ (روح المعانی) مگر یہ احتمال ضعیف ہے انتھم رسلھم بالبینت اس ایک کلمہ میں ان تمام قوموں کی وجہ عذاب بیان ہوئی۔ رسل سے مراد ان چھ قوموں کے چھ ہی رسول ہیں جن کا ابھی ذکر ہوا۔ حضرت نوح ۱ ہود ۲ صالح ۳ ابراہیم ۴ شعیب ۵ اور لوط علیہ السلام۔ ۶ بینات سے مراد ان کے معجزات ہیں اپنی حقانیت کے کھلے دلائل لائے۔ فما کان اللہ لیظلمھم ۔ یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ پر معطوف ہے لہٰذا اس میں ف عطف کی ہے یعنی ان قوموں نے ان نبیوں کو جھٹلایا ہم نے انہیں مختلف طریقوں سے ہلاک کیا اور ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا کہ بے قصور ہلاک کر دیا ہو۔ ولکن کانو انفسھم یظلمون اس فرمان عالی میں انفسھم کو مقدم فرمایا گیا یظلمون پر جس سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی وہ صرف اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے نہ کہ دوسروں پر نفس جمع ہے نفس کی بمعنی جان یا ذات یا اپنے آپ بھی اور اپنے عزیز و قرابت دار بھی جو ان کی وجہ سے کافر ہوئے۔ یظلمون بنا ہے ظلم سے یہاں ظلم کے معنی ہیں دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف کرنا۔ کیونکہ ہر بندہ اس کا مال و اولاد اللہ کی ملک ہے جو اس کی بغیر اجازت اس میں تصرف کرے وہ ظالم ہے ظلم کے یہ معنی اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں بنتے۔ وہاں ظلم کے چند معنی ہوتے ہیں وعدہ کر کے پورا نہ کرنا۔ کسی کو بغیر جرم سزا دینا لفظ سزا کا خیال رہے کہ کسی سے کام کرا کے اس کا اجر نہ دینا لہٰذا وہاں لظلمھم میں ظلم کے اور معنی تھے اور یہاں یظلمون میں ظلم کے دوسرے معنی ہیں۔

خلاصہ تفسیر: موجودہ منافقین اللہ سے ایسے بے خوف کیوں ہو گئے کیا انہیں ان چھ کافر قوموں کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی جو ان سے قریب ہی آباد تھیں ان کے قصے سارے حجاز میں مشہور ہیں۔ ایک قوم نوح جن کا مرکز سوبہ عراق تھا جو پانی سے غرق ہوئی۔ دوسری قوم عاد جو ہود علیہ السلام کی قوم تھی جس کا مرکز یمن کا علاقہ احقاف تھا جو آندھی سے ہلاک کی گئی۔ تیسری قوم ثمود جو صالح علیہ السلام کی قوم تھی یہ یمن کے علاقہ حجر میں آباد تھی چنگھاڑ اور زلزلہ سے تباہ کی گئی۔ چوتھی حضرت ابراہیم کی قوم نمرود اور اس کی رعایا جو عراق کے شہر بابل میں تھی۔ نمرود مچھر سے اس کی قوم مکان کی چھت سے دب کر ہلاک ہوئی۔ پانچویں قوم شعیب علیہ السلام جو مقام مدین میں آباد تھی یہ غیبی آگ سے ہلاک ہوئی۔ چھٹی قوم لوط علیہ السلام جو سدوم وغیرہ پانچ بستیوں میں آباد تھی۔ یہ غیبی پتھر برسنے اور زمین کا تختہ الٹ دینے سے ہلاک کی گئی۔ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں ویران مکانات عرب والے اپنے سفروں میں دیکھتے یہ لوگ ان کی ہلاکت میں غور کیوں نہیں کرتے ان کے پاس ان کے رسول اپنے معجزات مثال تعلیم لائے۔ انہوں نے بجائے ماننے کے ان سب کا انکار کیا اور ہلاک ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہ کیا کہ بے قصور انہیں سزا دی ہوتی۔ بلکہ وہ خود اپنی جانوں اپنے خاندانوں پر ظلم کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے جان و مال و اولاد کو

www.alahazratnetwork.org

اللہ رسول کی مخالفت میں استعمال کرتے تھے۔ اگر یہ منافقین بھی سید المرسلین کی مخالفت کریں گے تو مارے جائیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: صحیح تاریخ پڑھنا۔ تاریخی مقامات پر جانا انہیں دیکھنا انہیں یاد رکھنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے یہ فائدہ الم یاتھم نبا الذین (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس لئے قرآن مجید میں اچھے برے لوگوں کے حالات جگہ جگہ ارشاد ہوئے۔ عرس بزرگان۔ میلاد شریف کی مجلسیں قائم کرنے کا بھی یہی مقصد ہے کہ مسلمانوں کو ان ذریعوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات طیبہ اولیا اللہ کے احوال بتائے سنائے جاویں۔ تا کہ ان میں نیک اعمال کا جذبہ پیدا ہو۔

دوسرا فائدہ: جن لوگوں پر جس نبی کی اطاعت لازم ہو وہ اس نبی کی قوم ہیں۔ اطاعت کر لینے والے لوگ قوم اجابت ہیں اور نافرمان لوگ قوم دعوت یہ فائدہ گذشتہ کفار کو قوم نوح قوم ابراہیم فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا تا قیامت سارے انسان حضور انور ﷺ کی قوم ہیں۔ مومنین تو قوم اجابت ہیں اور منکرین قوم دعوت۔ قوم بہت ہی معنی میں بولا جاتا ہے۔ ہم وطن ہم نسب ہم پیشہ ہم زبان ہم مذہب وغیرہ۔

تیسرا فائدہ: لوگ رب تعالیٰ کی نافرمانی کریں حتیٰ کہ دعویٰ خدائی کریں مگر دنیاوی عذاب ان پر نہ آئے گا۔ عذاب کی وجہ صرف ایک ہے نبی کی مخالفت یہ فائدہ اتتھم رسلھم بالبینات سے حاصل ہوا کہ مذکورہ قوموں پر عذاب اپنے نبیوں کی مخالفت سے آئے۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کبھی بے قصور کو سزا نہیں دیتا۔ کہ اس کریم نے اسے ظلم کہا ہے وہ ظلم سے پاک ہے یہ فائدہ فما کان اللہ لیظلمھم سے حاصل ہوا۔ ہاں بغیر نیک اعمال جنت عطا فرما دینا کرم کریمانہ رحم خسروانہ ہے وہ ہم جیسے بے عملوں بلکہ بدعملیوں پر انشاء اللہ ضرور ہوگا۔ ملک محمد جائسی پدماوت میں فرماتے ہیں۔ شعر

بن کیتی لکھ دین برائی   ہتاؤ نہ لیکن کین ٹھکرائی

اللہ تعالیٰ نے ہم سے انصاف نہ کیا بلکہ ہم پر رحم خسروانہ کیا کہ ہماری کی ہوئی برائیاں بغیر کی بنا دیں۔

مولانا حسن فرماتے ہیں۔ شعر

کیا بغیر کیا ہے کیا کیا ہو گا   گنہگار پہ جب لطف آپکا ہوگا

پانچواں فائدہ: ہر کافر اپنے نفس اپنی ذات بلکہ اپنی اولاد اپنے عزیز و اقارب بلکہ اپنے ماتحتوں پر ظلم کرتا ہے کیونکہ وہ خود اور اس کے سارے تعلق دار رب تعالیٰ کی ملک ہے یہ فائدہ انفسھم یظلمون سے حاصل ہوا۔ بلکہ عمداً گناہ بھی ظلم ہے بلکہ مقبولین بارگاہ نے اپنی خطاؤں کو بھی ظلم کہا۔ آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا ربنا ظلمنا انفسنا (الخ) رب تعالیٰ ہم کو اپنے معاملہ میں امانت داری کی توفیق بخشے خیانت سے بچائے۔

چھٹا فائدہ: مجرم جرم کر کے خود اپنا ہی برا کرتا ہے اللہ تعالیٰ یا اس کے نبی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ فائدہ انفسھم یظلمون میں انفس کو فعل یظلمون پر مقدم کرنے سے حاصل ہوا کہ اس میں حصر کا فائدہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں چھ قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا مگر ان میں سے دو کو تو ان کے نبی کی طرف نسبت کیا گیا۔ قوم نوح اور قوم ابراہیم دو کو ان کے نسب کی طرف عاد اور ثمود اور دو کو ان کے وطن کی طرف۔ اصحاب مدین اور متوتفکات اس فرق میں کیا حکمت ہے۔

جواب: قرآن مجید کے راز اللہ رسول جانتے ہیں۔ صاحب روح المعانی نے فرمایا کہ یہ قومیں عرب خصوصاً حجاز مقدس میں جن ناموں سے مشہور تھیں انہیں ناموں سے ان کا ذکر کیا گیا۔ اگر عاد و ثمود کی قوم کو ہود و صالح فرمایا جاتا تو منافقین نہ پہچانتے۔ مقصد تو ان کو سمجھانا پہچان کرانا ہے۔ اس کی اور وجہیں بھی بیان کی گئی ہیں مگر یہ قوی معلوم ہوتی ہے واللہ ورسولہ اعلم۔

دوسرا اعتراض: یہاں قوم شعیب وقوم لوط علیہما السلام کو اصحاب مدین و **المو تفکات** کیوں فرمایا۔ اہل مدین کیوں نہ فرمایا۔ شہر والوں کو اہل شہر کہتے ہیں اصحاب شہر نہیں کہتے۔

تیسرا اعتراض: لوط علیہ السلام کی قوم پر پتھر برسنے کا عذاب آیا یا بستی الٹ دینے کا اس بارے میں آیات قرآنیہ مختلف معلوم ہوتی ہیں کہیں فرماتا ہے **امطرنا علیهم مطرا** کہیں فرماتا ہے **وجعلنا عالیها سافلها** ان میں مطابقت کیسے ہو۔ یہاں کو موتفکات فرمایا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بستیاں الٹی گئیں۔

جواب: یا تو اولاً پر غیبی پتھر برسے پھر زمین الٹی گئی یا جو بستی میں تھے ان پر بستی الٹی گئی جو دو چار باہر تھے ان پر پتھر برسے ہم اس کے متعلق آٹھویں پارے کے آخر میں عرض کر چکے ہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو بے قصور ہلاک نہیں کرتا کہ یہ ظلم ہے **فما لیظلمهم** مگر حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ سارے بندوں کو عذاب دے دے مومن کا فرمتقی و فاسق کو تو یہ ظلم نہیں ان دونوں میں مطابقت کیونکر کی جاوے۔

جواب: ظلم کے چند معنی ہیں ۱۔ کسی دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف کرنا اس معنی سے رب تعالیٰ ظالم ہو سکتا ہی نہیں کہ تمام جہان کی چیزیں اس کی اپنی ملک ہیں۔ ۲۔ کسی کو بغیر جرم سزا دینا یا وعدہ کر کے خدمت لینا اور وعدہ پورا نہ کرنا اس معنی سے رب تعالیٰ ظلم نہیں کرتا حدیث پاک میں پہلے معنی مراد ہیں قرآن مجید میں یہ دوسرے معنی واقعی رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم سزا نہیں دیتا۔

پانچواں فائدہ: اگر بغیر جرم سزا دینا ظلم ہے اور رب تعالیٰ اس سے پاک ہے تو وہ دنیا میں بے قصور بچوں دیوانوں اور بے گناہوں نبیوں ولیوں پر تکالیف بیماریاں وغیرہ کیوں بھیجتا ہے۔

جواب: یہ سزا نہیں بلکہ رحمت ہیں جن سے ان لوگوں کے درجات بڑھتے ہیں۔ لوہے کو آگ میں تپانا اسے قیمتی بنانے کے لئے ہے اور سونے کو تپانا اسے محبوب سے قرب بڑھانے کے لئے کہ زیور بن کر محبوب کے گلے کے لائق ہو جاوے۔ اور استاد کا بچوں پر سختی کرنا سزا نہیں بلکہ انہیں کامل بنانے کا ذریعہ ہے۔ سزا چیز ہی اور ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: جیسے پانی کا بلبلہ خود اپنی اندرونی ہوا کی وجہ سے ہی پھٹتا ہے یوں ہی بدکار مجرم انسان خود اپنے اندرونی فساد کی وجہ سے ہلاک ہوتا ہے جسمانی بیماریاں ہم میں سے پیدا ہوتی ہیں روحانی بیماریاں خود ہماری اپنی نفسوں سے نکلتی ہے۔ صائب کہتے ہیں۔ شعر

چراز غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ہمیشہ خانہ خراب ہوائے خویشتم

اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ انسان اپنی عزت و دولت اولاد و مرتبہ سے دھوکا کھا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ تمام چیزیں عارضی ہیں قریب الزوال ہیں حافظ شیرازی فرماتے ہیں؟

یعنی دنیاوی اور بدنی قوت و قدرت سے دھوکا نہ کھا اور ان کی وجہ سے صراط مستقیم نبی کی اطاعت سے مت ہٹ کیونکہ تیریا پتنگ اگرچہ کچھ دیر کے لئے ہوا میں پہنچ جاتا ہے مگر آخر کار خاک پر ہی لوٹتا ہے۔ ہر بلندی کا مقام پستی ہے۔ ہر قدرت کا نتیجہ عجز ہے۔ لہذا شرار کی سی آفت آنے سے پہلے توبہ و استغفار کرو۔ یہ چھ قومیں جن کا ذکر اس آیت میں ہوا یہ فانی اور باقی میں فرق نہ کر سکیں۔ فانی بلندی سے دھوکا کھا کر اللہ کی باقی نعمت یعنی ایمان و اعمال سے محروم رہیں آخر ہلاک ہوئیں (روح البیان)

اے برادر چو عاقبت خاک است خاک شو پیش آنکہ خاک شوی

وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ ۘ يَاْمُرُوْنَ
اور ایمان والے اور ایمان والیاں بعض ان کے مددگار ہیں بعض کے حکم دیتے ہیں اچھائی کا اور
اور مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیں اور برائی
بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ
اور منع کرتے ہیں برائی سے اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور دیتے ہیں زکوٰۃ
سے منع کریں اور نماز قائم رکھیں اور زکوٰۃ دیں
الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور اس کے رسول کی یہ لوگ ہیں کہ عنقریب رحم کرے گا
اور اللہ رسول کا حکم مانیں یہی ہیں جن پر عنقریب اللہ رحم کرے گا
عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾
ان پر اللہ تحقیق اللہ غالب ہے حکمت والا ہے
بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: بہت دور سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے اب ان کے مقابل مخلص مومنین کا تذکرہ ہو رہا ہے تا کہ قرآن پڑھنے والا منافقوں جیسا نہ بنے۔ مومن مخلص بنے گویا بیماروں کا ذکر پہلے ہوا روحانی صحت مندوں کا ذکر اب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کے عیوب کا ذکر ہوا اب ان کے مقابل مخلص مومنوں کے صفات کا تذکرہ ہے تا کہ لوگ ان عیوب سے بچیں اپنے میں یہ صفات پیدا کریں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کی سزا کا ذکر ہوا نار جهنم خالدين فيها اب مومنوں کی جزا و ثواب کا ذکر ہے۔

چوتھا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں گذشتہ چھ کافر قوموں کے عذابوں کا ذکر ہوا اب ان کے مقابلہ میں مومنوں کی چھ صفات اور ان کے نتیجہ کا ذکر ہو رہا ہے تا کہ ان ان پر دنیا و دین میں اللہ کی رحمتیں اتریں۔

تفسیر: **المومنون والمومنت** یہ لفظ کھلے کافر یعنی مجاہرین اور چھپا کافر یعنی منافقین کے مقابلہ میں ارشاد ہوا کیونکہ اس سے پہلے انہیں دو کا ذکر ہوا لہذا اس کے معنی ہیں کھلے و چھپے مومن یعنی دل و زبان سے ایمان لانے والے ایمان رکھنے والے مخلصین چونکہ مومن مرد مومنہ عورتوں سے افضل ہیں اس لئے پہلے مردوں کا ذکر ہوا بعد میں مومنہ عورتوں کا اس سے مراد سارے مسلمان ہیں۔ تا قیامت خواہ کسی جگہ کے ہوں یا کسی درجے کے۔ ان میں سے جس درجہ کا مومن ہو گا اسی درجہ کی ولایت نماز' زکوۃ' تبلیغ پھر اسی مرتبہ کی اللہ کی رحمت۔ غرضیکہ یہاں یہ کلمہ بہت ہی جامع ہے یہ عبارت مبتدا ہے جس کی خبر اگلا فرمان عالی **بعضهم اولياء بعض** یہ عبارت **المومنون** (الخ) کی خبر ہے۔ اولیا جمع ہے ولی کی۔ جس کا مادہ ولی ہے یا ولایت یعنی عداوت کا مقابل **ولی عدو** کا مقابل۔ ولی کے بہت معنی ہیں۔ والی' وارث' دوست' محبت والا' مددگار' ناصر' ساتھی' قرآن مجید میں یہ لفظ ان سارے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں یا تو بمعنی دوست ہے یا بمعنی مددگار یا بمعنی رفیق اور ساتھی۔ یہ فرمان عالی منافقین کے اس عیب کے مقابل ارشاد ہوا **المنافقون والمنفقات من بعض** مگر فرق یہ ہے کہ وہاں من بعض ارشاد ہوا۔ کیونکہ وہاں نفسانی شیطانی دوستی تھی۔ یہاں اولیاء بعض فرمایا گیا۔ کیونکہ مومنوں کی دوستی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے پھر جیسے مومن ویسی ان کی دوستی۔ ویسی ان کی مدد۔ ویسی ان کی رفاقت حتیٰ کہ اولیا اللہ بعد وفات بھی مومنوں کے ساتھی ان کے دوست ان کے مددگار ہوتے ہیں۔ **يامرون بالمعروف** یہ مومنوں کی دوسری صفت ہے۔ منافقوں کے اس عیب کے مقابل **يامرون بالمنكر** اس میں بھی بڑی وسعت ہے کیونکہ جیسا مومن ویسا اس کا حکم حتیٰ کہ اولیاء اللہ علماء بعد وفات بھی یہ حکم دیتے رہتے ہیں۔ ان کے قلمی قلبی اور روحانی حکم تا قیامت باقی رہتے ہیں۔ بعض علماء دین دینی کتابیں لکھ گئے۔ تا قیامت لوگ ان سے فیض پا رہے ہیں یہ ہے بعد وفات **امر بالمعروف** معروف سے مراد ہر اچھی چیز ہے۔ اچھے عقیدے اچھی عبادات اچھے معاملات اچھے حالات وغیرہ معروف کے لفظی معنی جانی پہچانی چیز یعنی مشہور اصطلاح میں ہر وہ بات یا کام جس کا اچھا ہونا شریعت میں معلوم و مشہور ہے وہ شرعی معروف ہے۔ خیال رہے کہ ہر شخص کے لئے معروف علیحدہ ہے۔ کفار کے معروف ایمان۔ انہیں ایمان کا حکم دیتے ہیں۔ گنہگار مسلمانوں کے لئے معروف توبہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

غافل کے لئے معروف بیداری۔ خود اپنے نفس امارہ کے لئے معروف شرارت سے باز رہنا۔ اللہ رسول کے حکم جھکنا ہے۔ یوں ہی امر بالمعروف زبانی لسانی تلوار سے جس طرح ممکن ہو سب کو شامل ہے۔ یہ فرمان عالی دریائے ناپیدا کنار ہے۔ وینھون عن المنکر یہ فرمان عالی منافقین کی اس حرکت کے مقابلہ میں ہے یامرون بالمنکر یعنی منافق تو لوگوں کو برائیوں کا حکم دیتے ہیں۔ مخلص مومنین برائیوں سے روکتے ہیں۔ جتنی وسعتیں یامرون اور بالمنکر میں تھیں وہی وسعتیں یہاں ینھون اور بالمنکر میں ہیں منع کرنا منکر بنا ہے انکار سے بمعنی انکار کرنا غیر واجبی جاننا فنکرھم و اوجس منھم خیفۃ اصطلاح میں ہر وہ چیز جس سے شریعت منع کرے انکار کرے وہ منکر ہے۔ خیال رہے کہ یامرون اور ینھون مضارع فرما کر یہ بتایا کہ صرف ایک بار ہی حکم یا منع نہیں کرتے بلکہ برابر کرتے ہیں۔ خود اپنے کو بھی اور دوسروں کو بھی ویقیمون الصلوٰۃ یہ فرمان عالی منافقین کے اس عیب کے مقابلہ نمبر ۳ میں ارشاد ہوا نسوا اللہ کو بھول گئے۔ نماز قائم رکھنے اور نماز پڑھنے میں بڑا فرق ہے جو ہم پہلے پارہ میں ویقیمون الصلوٰۃ کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ نماز ہمیشہ پڑھنا۔ صحیح پڑھنا۔ وقت پر پڑھنا۔ ہو سکتا ہے کہ اس میں دوروں کی نمازیں قائم و درست کرنا بھی داخل ہو۔ ویؤتون الزکوٰۃ یہ فرمان عالی منافقوں کے اس عیب کے مقابلہ میں ہے یقبضون ایدیھم یعنی منافقین تو بخیل و کنجوس ہوتے ہیں۔ مخلصین اپنے ہر طرح کے مالوں کی ہر طرح کی زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں۔ بلکہ دوسروں کو رغبت دے کر زکوٰۃ دے کر دلواتے ہیں۔ ویطیعون اللہ ورسولہ یہ فرمان عالی منافقوں کے اس عیب کے مقابلہ میں ہے ان المنافقین ھم الفاسقون کہ منافقین تو اللہ رسول کی اطاعت سے باہر ہیں مگر مومن دونوں ذاتوں کی فرمانبرداری کے حدود میں رہتے ہیں (تفسیر روح البیان ومعانی وکبیر) خیال رہے کہ اگرچہ گذشتہ احکام بھی اطاعت خدا اور رسول میں داخل ہیں۔ مگر ان کی اہمیت ظاہر فرمانے کے لئے خصوصیت سے ان کا ذکر علیحدہ کیا باقی تمام احکام کو اجمالاً اس ایک جملہ میں فرما دیا یعنی ہر ظاہری باطنی احکام میں ہمیشہ اللہ رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ سوتے جاگتے چلتے پھرتے بلکہ جیتے مرتے اللہ رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کی اطاعت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت بھی ہو جاتی ہے۔ رب فرماتا ہے ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ یہاں دونوں ذاتوں کا ذکر فرمایا تو یہ بتایا کہ وہ فرائض کے بھی پابند ہیں اور سنتوں کے بھی یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کو بھی مانتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنی ہر نیکی میں رضاء الٰہی کے ساتھ رضاء رسول کی بھی نیت کرتے ہیں۔ ہر نیکی میں دو اطاعتوں کی نیت کرتے ہیں اولٰئک الرسول فقد اطاع اللہ یہاں دونوں ذاتوں کا ذکر فرمایا تو یہ بتایا کہ وہ فرائض کے بھی پابند ہیں اور سنتوں کے بھی یا یہ کہ وہ قرآن مجید کے ساتھ حدیث شریف کو بھی مانتے ہیں یا یہ کہ وہ اپنی ہر نیکی میں رضاء الٰہی کے ساتھ رضاء رسول کی بھی نیت کرتے ہیں۔ ہر نیکی میں دو اطاعتوں کی نیت کرتے ہیں اولٰئک سیرحمھم اللہ اس فرمان عالی میں مذکورہ صفات اور مذکورہ اعمال کا نتیجہ ارشاد ہوا۔ اولٰئک سے اشارہ انہیں مخلصین مومنین کی طرف ہے جن کا ذکر ہو رہا ہے ان جیسے مقامات پر مضارع پر سین تاکید کے لئے آتا ہے (تفسیر خازن) پہلی تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اثبات میں سین ایسے ہی تاکید کرتا ہے جیسے نفی میں لن یہ فرمان عالی منافقین نمبر ۷ کے اس سزا کے مقابلہ میں ہے کہ فنسیھم رب نے انہیں چھوڑ دیا۔ یعنی اس

www.alahazratnetwork.org

نے مخلص مومنوں کو نہ چھوڑا نہ چھوڑے گا۔ یہاں رحم سے مراد خاص رحمتیں ہیں جو دنیا میں مرتے وقت قبر میں حشر میں مسلمانوں پر ہوتی ہیں اور ہوں گی جن کا کچھ ذکر انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں ہوگا۔ ان اللہ عزیز حکیم اس فرمان عالی میں اس پورے بیان کی تائید ہے کہ اللہ تعالیٰ غالب ہے۔ اس کی رحمتیں بے شمار ہیں اور رحمت پانے والے بندے بھی بے شمار ہیں۔ ہر بندہ کو اس کے لائق رحمت دے گا حضرت انبیاء کرام پر اور قسم کی رحمت اولیاء و علماء پر دوسری قسم کی رحمت انشاء اللہ ہم جیسے گنہگاروں پر اور قسم کی رحمت۔ اس فرمان عالی میں یہ بھی اشارۃً فرمایا کہ جسے جو ملتا ہے یا ملے گا اس کے رحم و کرم سے ملے گا نہ کہ محض اپنے اعمال سے اعمال مثل تخم کے ہیں۔ اور رحمت بارش کی طرح لہٰذا کرو اور مانگو۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ نے منافقین کے چھ عیوب کے مقابلہ میں مخلصین کی ایک عظیم الشان خبر ارشاد کی۔ چنانچہ فرمایا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم منافقین میں تو وہ عیوب تھے جو ہم نے بیان کئے۔ مومنوں میں ان کے مقابل یہ صفات ہیں کہ (۱) وہ تاقیامت بعض کے دوست، مددگار ہیں۔ ہر قسم کا مومن اپنی شان کے لائق دوسروں کی مدد کرتا ہے (۲) اور ہمیشہ ایک دوسرے کو اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں (۳) بری باتوں سے منع کرتے ہیں۔ (۴) اسلام کا دوسرا رکن یعنی نماز اسے صرف پڑھتے نہیں بلکہ اسے قائم کرتے ہیں۔ (۵) زکوٰۃ دیتے ہیں ہمیشہ (۶) اللہ رسول کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ ان پر اللہ تعالیٰ ضرور بالضرور ہر قسم کی رحمتیں فرمائے گا۔ دنیا میں بھی، مرتے وقت بھی۔ قبر میں بھی، حشر میں بھی، پل صراط پر بھی اور جنت میں بھی۔ اللہ تعالیٰ غالب بھی ہے کہ اسے کوئی عطا و کرم سے روک نہیں سکتا اور ساتھ ہی حکمت والا بھی کہ جسے جو دیا جاوے گا حکمت سے دیا جاوے گا۔ حکمت سے دیا ہے اور دے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کسی مسلمان کو مسلمان سے دلی عداوت و دشمنی نہیں ہوسکتی۔ اگرچہ ان کی آپس میں جنگ، قتل و خون ہو جاوے۔ یہ چیزیں غل ہیں یعنی دل کا میل کچیل عارضی نفرت۔ یہ فائدہ لفظ اولیاء کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اولیاء بمعنی دوست ہو۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں کے متعلق خبر دی کہ مومنین ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ اس کی خبر سچی ہے۔ جنت میں جاتے وقت یہ غل یعنی دل کا میل بھی دور کر دیا جاوے گا۔ فرماتا ہے ونزعنا مافی صدورھم من غل حضور انور ﷺ کے بعد صحابہ میں آپس میں جنگیں ہوئیں مگر انہیں رحماء بینھم فرمایا گیا۔ یعنی آپس میں رحیم و کریم۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کے ساتھ بہت کچھ کیا مگر رہے ہدایت کے تارے۔ احد عشر کوکبا (الخ) یہ مخالفتیں عارضی ہوتی ہیں۔

دوسرا فائدہ: مسلمانوں کی محبت کافروں سے کبھی نہیں ہوسکتی۔ ہوگی تو عارضی ظاہری یعنی نفسانی نہ کہ دلی جیسے آدمی اور پالتو سانپ کی محبتیں جو محض عارضی ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی اسی لفظ اولیاء سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مسلمانوں کی محبتیں مرنے سے ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ باقی رہتی ہیں ایمان باقی ہے تو اس کی محبتیں بھی باقی۔ یہ فائدہ بھی لفظ اولیاء سے حاصل ہوا جب مومن مرے بعد بھی مومن رہتے ہیں تو ایک دوسرے کے دوست بھی رہتے ہیں۔

دیکھو لو زندہ مسلمان تمام مردہ و زندہ مسلمانوں کو اپنی دعاؤں ایصالِ ثواب، ختم ختمات میں شامل کرتے بلکہ اپنی نمازوں میں انہیں یاد کرتے ہیں کہ کہتے ہیں رب اغفرلی ولوالدی و للمومنین و المومنات الاحیاءِ منھم و الاموات ادھر قبر والے زندہ مومنوں کو بقدر مرتبہ فیض پہنچاتے ہیں۔

چوتھا فائدہ: مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہیں۔ یہ مدد لینا و دینا شرک نہیں بلکہ برحق ہے۔ یہ فائدہ اولیاء کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ اولیاء بمعنی مددگار ہو۔ رب فرماتا ہے انما ولیکم اللہ و رسولہ و الذین امنوا تمہارے مددگار اللہ رسول اور مومنین ہیں۔

پانچواں فائدہ: مسلمانوں کی یہ آپس کی مدد یں موت سے ختم نہیں ہو جاتیں بلکہ تاقیامت باقی رہتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی اولیاء کی اسی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس مدد کی وجہ ایمان ہے وہ تو بعد موت بھی قائم۔ دیکھو زندہ مسلمان مردوں کی مدد اپنے صدقات و خیرات ایصالِ ثواب کبھی ان کی طرف سے قربانی اور حج بدل وغیرہ سے کرتے ہیں۔ یہ اسی آیت کا ظہور ہے ایمان بڑا مضبوط رشتہ ہے جو کبھی نہیں ٹوٹتا۔

چھٹا فائدہ: ایمان کے درجے مختلف ہیں۔ از ولی تا گنہگار سب ہی مومن ہیں لہٰذا ان کی مددیں بھی مختلف ہیں حتیٰ کہ اولیاء اللہ کی ایک جماعت کا نام غوث ہے یعنی مددگار جیسے انصاری اور مسلمانوں میں جماعت انصار۔ یہ فائدہ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: ہر مسلمان مبلغ ہونا چاہئے بقدرِ طاقت، تبلیغ صرف علماء اولیاء پر ہی نہیں یہ فائدہ یامرون بالمعروف سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: تبلیغ صرف ایک بار نہ کی جاوے بلکہ مرتے دم تک کی جاوے۔ یہ فائدہ یامرون اور ینھون مضارع فرمانے سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: تبلیغ صرف زبانی پر قناعت کی جائے بلکہ قلم، زبان، عمل، ہاتھ وغیرہ سب سے تبلیغ کرے حتیٰ کہ مسلمان بادشاہ، حکام بزورِ حکومت تبلیغ کریں یہ فائدہ یامرون اور ینھون کے اطلاق سے حاصل ہوا بعض اللہ کے بندے مرے بعد بھی تبلیغ کر رہے ہیں۔ مصنفین علماء کی تبلیغیں حضرات اولیاء اللہ کی قلبی اور روحانی تبلیغیں ان کی قبروں سے جاری ہیں۔ داتا گنج بخش لاہوری کے مزارِ مقدس سے وابستہ بدمذہب نہیں ہوتے۔ ان کے مزار پر حاضری سے دل کا رنگ بدل جاتا ہے۔ یہ ہے یامرون اور ینھون کا ظہور۔ آج مشاہدہ کرلو۔

دسواں فائدہ: نماز پڑھنا زکوٰۃ دینا کمال نہیں بلکہ نماز قائم کرنا زکوٰۃ دیتے رہنا کمال ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ نعمت عطا کرے۔ یہ فائدہ یقیمون اور یوتون سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت بالکل ایک طرح ایک نوعیت کی چاہئے۔ مستقل، مطلق اور ہر طرح۔ یہ فائدہ یطیعون اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کہ ایک اطاعت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہے اور رسول

www.alahazratnetwork.org

سے بھی بیچ میں ف نہیں بلکہ واؤ ہے بلکہ حضور کی اطاعت کے ضمن میں ہی خدا کی اطاعت ہے۔ ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی کرلو اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجاوے گی۔ شعر

وہ رب کے ہیں رب ان کا ہے جو ان کا ہے وہ رب کا ہے

بے ان کے جو رب سے ملا چاہے دیوانہ ہے سودائی ہے

بارھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا ذکر اللہ کے ساتھ ملا کر کرنا شرک یا کفر نہیں بلکہ سنت الٰہیہ ہے۔ یہ فائدہ بھی یطیعون اللہ و رسولہ کے واؤ سے حاصل ہوا۔ رب نے خود اپنے حبیب کو اپنے سے ملا لیا پھر انہیں جدا کون کرے۔ حضرت حسان حضور انور ﷺ کے شاعر فرماتے ہیں۔ شعر

منھم الالہ اسم النبی باسمہ اذ قال فی الخمس المؤذن اشھد

تیرھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں پر رحم کر چکا کہ ایمان دیا۔ اپنے حبیب کا کلمہ عطا فرمایا۔ رحم کر رہا ہے کہ اعمال کی توفیق دے رہا ہے۔ رحم کرے گا کہ ہمارے گناہ بخشے گا۔ یہ فائدہ سیرحمھم اللہ سے حاصل ہوا۔ ہم سب دریاء رحمت میں مچھلیوں کی طرح تیر رہے ہیں۔

پہلا اعتراض: رب العالمین نے یہاں فرمایا کہ مومن آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں مگر جتنی عداوتیں دشمنیاں مسلمانوں کی آپس میں ہیں اتنی کسی اور قوم و مذہب میں نہیں۔ تو یہ کلام کیسے درست ہوا۔

جواب: اعتراض کا جواب ابھی فائدوں میں عرض کیا گیا کہ یہ عارضی دل کی کدورتیں ہیں جن کے لئے بقا نہیں جیسے کبھی باپ بیٹے بلکہ ماں بیٹی بھائی بھائی لڑ پڑتے ہیں۔ عارضی طور پر کہ ان کی یہ کدورتیں بھی دنیاوی آفات میں سے ایک آفت ہے جس کے ذریعے گناہوں کی معافی ہوتی ہے۔ جسمانی نفسانی لڑائی جھگڑے ہوتے ہیں مگر ایمان روحانی دوستی ہے۔ یہ لڑائی جھگڑے اس دوستی کی ضد نہیں۔

دوسرا اعتراض: قرآن مجید نے منافقین کے متعلق فرمایا بعضھم من بعض اور مومنوں کے متعلق فرمایا بعضھم اولیاء بعض یعنی بجائے من کے اولیاء ارشاد ہوا۔ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

جواب: منافقین آپس میں ایک دوسرے کی اتباع میں کفر و منافقت کرتے تھے محض نفسانی اور شیطانی دھوکوں سے لہٰذا ایک دوسرے کے گویا ہم جنس تھے یعنی نفسانیت شیطانیت میں یکساں۔ مگر مومنین آپس میں ایک دوسرے سے موافقت یعنی دوستی و مدد اللہ تعالیٰ کی توفیق۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے توسل سے کرتے تھے لہٰذا انہیں ایک دوسرے کا ولی فرمایا گیا (تفسیر خازن) یا یوں کہو کہ منافقین نہ تو ایک دوسرے کے مددگار تھے نہ دوست صرف اسلام دشمنی میں موافق تھے۔ وقت پر ایک دوسرے کا ساتھ چھوڑ دیتے۔ لئن اخرجوا لا یخرجون معھم ولئن قوتلوا لا ینصرونھم ولئن نصروھم مومنین بفضلہٖ تعالیٰ ایک دوسرے کے سچے دوست پکے مددگار ہیں اس لئے طرز بیان میں فرق ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے اشارۃً معلوم ہوا کہ کفار ایک دوسرے کے دوست نہیں حالانکہ فی زمانہ جتنا اتفاق

www.alahazratnetwork.org

کفار میں ہے اتنا مسلمانوں میں نہیں۔ دیکھو آج عیسائی ہنود اور یہود سے کیسے متفق ان کے کیسے مددگار ہیں۔

جواب: یہ اتفاق نہیں بلکہ سیاسی چال ہے ان میں سے ہر ایک اپنی خود غرضی سے دوسروں کی مدد کرتا ہے۔ کسی سے لڑانے اپنے ملک کو جنگ کے شعلوں سے بچانے کے لئے عیسائی یہودی دوست تو کیا ہوں گے یہ تو خود آپس میں ایک دوسرے کے دوست نہیں۔ ولایتی عیسائیوں کا گرجا اور ہے دیسی عیسائیوں کا گرجا دوسرا بلکہ مرے بعد بھی متفق نہیں۔ دیکھ لو انگریز عیسائیوں کا قبرستان علیحدہ ہے۔ دیسی صاحب بہادروں کا قبرستان الگ اور چوہڑے عیسائیوں کا قبرستان بالکل ہی علیحدہ ہے یہ ایک دوسرے کے قبرستان میں دفن نہیں ہو سکتے۔ خود ہندو اونچی جاتی اور نیچی جاتی والے متفق نہیں بیاہ شادی تو کیا ایک دوسرے کا کھانا پانی حقہ استعمال نہیں کرتے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تبلیغ نماز زکوۃ کے بعد اللہ رسول کی اطاعت کا ذکر ہوا حالانکہ وہ کام بھی اللہ رسول کی اطاعت ہی ہے۔

جواب: یا اس لئے کہ پہلے روزہ جہاد وغیرہ کا ذکر نہ ہوا تھا۔ اطاعت میں ان سب کا اجمالی ذکر کر دیا گیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ مومنین نماز زکوۃ وغیرہ منافقوں کی طرح سیاسی چال کے لئے نہیں کرتے بلکہ محض اللہ رسول کی اطاعت کے لئے کرتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: یہاں ارشاد ہوا کہ ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ رحم کرے گا تو کیا ابھی ان پر رحم نہیں کیا قہر کیا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ توفیق خیر دینا دنیا میں رحم ہے اور اعمال قبول کر کے ان کی جزا اپنا قرب عطا فرمانا اخروی رحم ہے یہاں اس دوسرے رحم کا ذکر ہے نیز اس میں اشارۃً فرمایا گیا کہ جو کچھ مومنوں کو دیا یا جو کچھ دے گا یہ سب رحم سے ہوگا۔ نہ کہ محض ان کے استحقاق سے۔

چھٹا فائدہ: یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین ایک دوسرے کے مددگار ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر** اللہ کے سوا تمہارا مددگار اور ولی کوئی نہیں دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: وہاں دون بمعنی مقابل ہے یعنی اللہ کے مقابل نہ تمہارا کوئی ولی ہے نہ مددگار مگر جسے اللہ اپنے بندوں کا مددگار بنا دے وہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے مددگار ہے یا وہاں خطاب کفار سے ہے یعنی اے کافرو تمہارا مددگار کوئی نہیں اس کی تائید وہ آیت کرتی ہے۔ **ومن یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیرا**۔ اس قسم کی آیات ہماری کتاب فہرست القرآن میں دیکھو نیز جاء الحق حصہ اول کا مطالعہ کرو۔

تفسیر صوفیانہ: مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے سے ایمان اخلاص دین حق کی پیروی میں متفق ہیں اور بعض بعض کے دنیاوی دینی کاموں میں مددگار ہیں حتیٰ کہ مرشدین اپنے مریدوں کو درجات سلوک طے کرانے ترتیب اور تزکیہ نفس اور رب تعالیٰ تک پہنچانے میں مددگار ہیں ایک دوسرے کو طلب مولیٰ کا حکم کرتے ہیں۔ کفر و گناہ طلب دنیا اور ہر اس چیز سے جو رب سے دور کرے منع کرتے ہیں۔ ہمیشہ نماز میں رہتے ہیں۔ جسمانی نماز میں پانچ وقت۔ جنانی اور روحانی نماز میں ہر

www.alahazratnetwork.org

وقت انہیں حضوری بارگاہ سے کوئی چیز نہیں روکتی رجال لا تلهيهم تجارة ولا بيع عن ذكر الله اور اللہ فرماتا ہے هم في صلوتهم والسمون یہ لوگ مکاشفہ اور قلوب والے ہیں۔ اپنے کمال اپنے حال کی زکوۃ دیتے ہیں کہ اکیلے رب تک نہیں پہنچتے۔ اپنے ساتھ دوسروں کو بھی لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی عبادات ظاہری و باطنی میں اللہ رسول دونوں کی اطاعت کرتے ہیں۔ منافقوں کی طرح نفسانی دنیاوی نماز نہیں پڑھتے بلکہ روحانی جناتی پڑھتے ہیں جو لوگ ان صفات سے موصوف ہیں انہیں اللہ تعالیٰ عذاب سے نجات اپنی تائید نصرت دے گا۔ بعد (دوری) کے عذاب سے بچائے گا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان پانچ صفات والوں پر پانچ جگہ رحم فرمائے گا۔ سکرت کے وقت آسانی کرے گا' شیطان سے ان کا ایمان بچائے گا' قبر میں وہاں کی تاریکی کے عذاب سے بچائے گا' قیامت میں نامہ اعمال پڑھتے وقت ندامت سے بچائے گا۔ میزان پر ان کی نیکیاں وزنی گناہ ہلکے کرے گا۔ پیشی بارگاہ کے وقت ان کے عیب چھپائے گا۔ جواب آسان فرمادے گا۔ جو نماز فجر کا پابند ہو۔ اس پر سکرات موت آسان ہو گی۔ نماز ظہر کی پابندی سے قبر مشکلات حل ہوں گی۔ نماز عصر سے منکر نکیر کے امتحان میں کامیابی دے گا۔ نماز مغرب کی برکت سے میزان کی مشکل حل کرے گا۔ نماز عشاء کی برکت سے پل صراط آسانی سے طے کرائے گا۔ اب پڑھو سیرحمهم الله. (روح البیان)

وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
وعدہ کیا اللہ نے مومن مردوں اور مومنہ عورتوں سے ان باغوں کا کہ بہتی ہیں نیچے ان کے نہریں
اللہ نے مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں سے باغوں کا وعدہ دیا ہے جن کے نیچے نہریں
الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ۭ وَرِضْوَانٌ مِّنَ
ہمیشہ رہنے والے وہ ان میں اور گھروں کا عمدہ باغوں میں ٹھہرنے کے
رواں ان میں ہمیشہ رہیں گے اور پاکیزہ مکانوں کا بسنے کے باغوں میں اور اللہ کی رضا سب سے
اللّٰهِ اَكْبَرُ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ؀ ع ۱۵
اور رضا مندی اللہ کی بہت بڑی ہے یہی وہ کامیابی ہے بڑی
بڑی ہے بڑی مراد پائی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں منافقین و کفار کے متعلق دوزخ وغیرہ کی وعیدوں کا ذکر ہوا وعد الله المنافقين والمنافقات والكفار نار جهنم (الخ) اب اس آیت میں اس کے مقابل مومنوں سے جنت وغیرہ کے وعدوں کا ذکر

www.alahazratnetwork.org

ہے کیونکہ ہر چیز اپنے مقابل سے پہچانی جاتی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کافروں کے اعمال دنیا و آخرت میں ضبط ہو گئے۔ اب ان کے مقابل مومنوں کے نیک عقائد نیک اعمال کی قبولیت ان کے فائدہ مند ہونے کا تذکرہ ہے کہ وہ آخرت میں ان کی برکت سے جنتیں وغیرہ پائیں گے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کے پانچ اعمال کا ذکر ہوا ان پانچ اعمال کی تین جزاؤں ان کے ثوابوں کا تذکرہ ہے۔ گویا کاشت کا ذکر ہو چکا اب پھل پھول کا ذکر ہو رہا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں اجمالی طور پر اللہ کے رحم و کرم کا ذکر ہوا اب اس رحم و کرم کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے۔

تفسیر: وعده الله المومنين والمومنات بعض مفسرین نے فرمایا کہ سيرحمهم الله (الخ) میں دنیاوی رحمت و کرم کا ذکر تھا جو متقی مومنوں پر ہوتا ہے اور ہو گا اور اب یہاں اخروی رحمتوں کا تذکرہ ہے اس لئے وہاں سیرحمهم ارشاد ہوا سین کے ساتھ اور یہاں وعده الله ارشاد ہوا۔ (تفسیر روح المعانی)

خیال رہے: کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سارے وعدے بلا واسطہ کئے کہ رب نے فرمائے حضور انور نے سنے اور حضور انور کی امت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے کئے کہ جو حضور انور ﷺ نے فرما دیا وہ رب کا وعدہ ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ وعدے بعضوں سے شخصی ہوئے جیسے صدیق جنتی ہیں۔ عمرؓ عثمان علی جنتی ہیں۔ حسن و حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں وغیرہ۔ اور بعضوں سے صنفی یا نوعی یا جنسی۔ یہاں دونوں قسم کے وعدے شامل ہیں مومنین مرد اور مومنین عورتیں مختلف درجات کے ہیں گنہگار' نیک کار' پرہیز گار' علماء' صالحین' اولیاء' کاملین جس درجہ کا مومن اسی ہی درجہ کا اس سے وعدہ غرضکہ وعدالله اور المومنين ان دونوں میں بڑی وسعت ہے۔ چونکہ مرد عورت سے افضل ہے نیز مردوں میں نبی بھی ہیں اور عام و خاص اولیاء۔ عورتیں اس کمال سے خالی ہیں کہ ان میں نبی کوئی نہیں بہت تھوڑی بیبیاں ولیہ ہیں۔ ان وجوہ سے مومنین پہلے ارشاد ہوا اور مومنات بعد میں وعدہ کے معنی ہیں آئندہ نفع کی خبر۔ جنات یہ وعد کا دوسرا مفعول ہے۔ جنات جنت کی جمع ہے۔ روضہ' بستان' حائط' جنت ان سب کے معنی ہیں باغ۔ مگر جنت وہ باغ ہے جو چار دیواروں سے گھرا ہو۔ ہر ایک کی اس تک نظر نہ پہنچے یا گھنا باغ جس کی زمین درختوں سے چھپی ہوئی ہو۔ جن میں چھپنے کے معنی ہیں۔ جیسے مومنین کے طبقے مختلف ہیں ایسے ہی جنت کے طبقے بھی ہیں۔ جیسا مومن ویسی اس کے لئے جنت۔ اس لئے جنات جمع ارشاد ہوا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ایک مومن کو کئی جنتیں عطا ہوں گی لہٰذا جنات جمع فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ بعض وہ حضرات ہیں جن کا وعدہ حتمی ہو چکا جیسے حضرات عشرہ مبشرہ۔ شعر

وہ یار بہشتی اند قطعی بوبکرؓ و عمرؓ علیؓ و عثمانؓ
سعدؓ است و سعیدؓ و بوعبیدہؓ طلحہؓ و زبیرؓ وعبدالرحمٰنؓ
وہ دسوں جن کو جنت کا مژدہ ملا اس مبارک جماعت پہ لاکھوں سلام

www.alahazratnetwork.org

اور عام مومنوں سے وعدہ مشروط ہے کہ اگر تمہارا خاتمہ ایمان پر ہوا تو جنت پاؤ گے۔ تجری من تحتها الانهار یہ فرمان عالی جنات کی صفت ہے من کے بعد قصور یا اشجار پوشیدہ ہے۔ انھار اور بحار یعنی نہر اور دریا کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے یعنی ان جنتوں محلوں کے نیچے یا ان کے درختوں کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ چونکہ وہاں چار قسم کی نہریں ہوں گی۔ ۱۔ پانی کی ۲۔ دودھ کی ۳۔ شراب طہور کی اور ۴۔ شہد کی۔ اس لئے انہار جمع فرمایا یعنی ایسے باغوں کا وعدہ فرمایا جن کے درختوں کے نیچے نہریں رواں ہیں۔ جن سے ان کا حسن تروتازگی اور بھی زیادہ ہوتا ہے ظاہر یہ ہے کہ ان جنتوں سے اہل جنت کے وہ باغات مراد ہیں۔ جہاں سیر و تفریح کے لئے جایا کریں گے۔ اگرچہ ان میں ان کے آرام کرنے کے لئے بنگلے بھی ہوں گے۔ رہائشی گھر اور ان گھروں کے اردگرد باغ ان کے علاوہ ہوں گے۔ کیونکہ آگے ارشاد ہے ومساکن طيبة یہ عبارت معطوف ہے جنات پر مساکن جمع ہے مسکن کی بمعنی رہائشی مکان کوٹھیاں بنگلے۔ طيبة بنا ہے طيب سے بمعنی پاکیزگی یا خوشبو چونکہ وہ مکان گندگی آلائش بدبو اور کوڑے کرکٹ سے پاک و صاف ہوں گے لہٰذا انہیں طيبة فرمایا گیا۔

فی جنات عدن یہ عبارت ثانیة پوشیدہ کے متعلق ہو کر مساکن کی صفت ہے۔ عدن کے لغوی معنی ہیں ٹھہرنا رہنا قرار پانا۔ عرب کہتے ہیں عدن بالمكان وہ گھر میں ٹھہر ارہا۔ اس لئے کان کو معدن کہتے ہیں کہ اس میں دھات رہتی ہے یعنی جنتیوں کے رہنے کے مکانات دوسرے باغوں میں ہوں گے۔ جو ہمیشہ قائم رہنے والے نہ فنا ہوں نہ پرانے ہو کر قابل مرمت ہوں۔ اس تفسیر سے یہ باغات سارے جنتیوں کے لئے ہیں۔ مگر دوسری تفسیر یہ ہے کہ عدن جنت کے ایک اعلیٰ طبقے کا نام ہے کیونکہ دوسری جگہ فرماتا ہے جنات عدن التی وعدالرحمن دیکھو وہاں التی عدن کی صفت ہے۔ اگر عدن نام نہ ہوتا بلکہ نکرہ ہوتا تو اس کی صفت التی معرفہ نہ آتی نیز حضرت عمرو ابن عاص فرماتے ہیں کہ جنت میں ایک خاص محل ہے جسے عدن کہتے ہیں اس کے اردگرد بے شمار محلات اور باغات ہیں۔ اس کے پانچ ہزار دروازے ہیں۔ اس میں نبی شہید یا صدیق جائیں گے۔ حضرت عطاء ابن سائب کہتے ہیں کہ عدن جنت کی ایک نہر ہے جس کے دو طرفہ کناروں پر بے شمار محلات باغات ہیں (روح المعانی و کبیر) اس صورت میں مساکن طيبة کا بعض خاص جنتیوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں دو قسم کے مومنوں سے دو وعدوں کا ذکر ہے (تفسیر کبیر و معانی) بہرحال اس آیت کی دو تفسیریں ہیں۔ ورضوان من الله اکبر یہ جنتیوں کی تیسری نعمت کا ذکر ہے جو ان دونوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ یہ جملہ مستقل ہے اس میں رضوان مبتدا ہے۔ اور اکبر خبر۔ رضوان کے معنی ہیں راضی ہونا خوش ہونا۔ اس میں تنوین کی بیان کرنے کے لئے یعنی اللہ تعالیٰ کی تھوڑی سی رضامندی بھی ان سب سے بڑی ہے یہ بھی اہل جنت کو عطا ہوگی۔ حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ اہل جنت سے فرمائے گا۔ اے جنتیو! کیا تم راضی ہو گئے۔ عرض کریں گے مولا کیوں راضی نہ ہوں۔ تو نے ہم کو وہ نعمتیں دی جو کسی کو نہ دیں۔

فرمائے گا۔ میں تم کو ان سب سے اعلیٰ نعمت دوں گا۔ عرض کریں گے۔ مولا ان سے افضل کیا چیز ہو سکتی ہے فرمائے گا تم سے راضی رہوں گا کبھی ناراض نہ ہوں گا (معانی) چونکہ یہ نعمت سب نعمتوں سے اعلیٰ ہے نیز رضا الٰہی دنیا و آخرت دونوں جگہ کی

www.alahazratnetwork.org

نعمت ہے ان وجوہ سے طرز بیان اس میں بدلا ہوا ہے (روح المعانی وخازن کبیر) ذالک ھو الفوز العظیم یہ فرمان گذشتہ سارے مضمون کا تمہ ہے۔ ذالک سے اشارہ یا تو گذشتہ ساری نعمتوں کی طرف ہے یا رضاء الہی کی جانب یعنی ان نعمتوں کا حاصل ہو بڑی کامیابی ہے جن کے مقابل تمام کامیابیاں ہیچ ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک تفسیر کی بنا پر سارے مومنین سے تین وعدے ہیں۔ سیر وتفریح کے باغوں کا وعدہ۔ رہنے سہنے کے مکانات کا وعدہ جو دوسرے قسم کے باغوں میں واقعہ ہیں۔ اور رضاء الہی کا وعدہ۔ دوسری تفسیر میں عام مومنوں سے دو وعدے باغات اور رضاء الہی کے۔ خاص مومنین سے جنات عدن کا وعدہ جو جنت کے باقی طبقوں سے افضل واشرف ہے۔ ہم پہلی تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مومن مردوں مومن عورتوں سے مطابق ان کے درجات کے بلا واسطہ یا بالواسطہ تین وعدے فرمائے۔ ایسے باغات کا جن کے نیچے چار نہریں دودھ' شراب' طہور' پانی' خالص شہد کی نہریں رواں ہیں۔ یہ لوگ اپنے ان باغوں میں سیر وتفریح کیا کریں گے۔ دوسرے ایسے اعلیٰ درجے کے رہائشی کوٹھیوں بنگلوں کا جو دوسری قسم کے باغات ہیں جن کے لئے کبھی نہ فنا ہے نہ خزاں سدا بہار ہیں۔ تیسرے رب تعالیٰ کا دائمی راضی رہنا۔ یہ ان دونوں نعمتوں سے بڑی ہے۔ یہ چیزیں بڑی ہی کامیابی ہیں رب فرماتا ہے اصحاب الجنۃ ھم الفائزون مومنوں کو چاہئے کہ اس کامیابی کی کوشش کریں کہ نعمتیں فانی ہیں۔ یہ نعمتیں ابد الاباد تک باقی خالدین فیھا نہ انہیں موت آوے نہ فنا ہوں۔ طبری نے بروایت عمران ابن حصین وابو ہریرہ رضی اللہ عنہما روایت کی کہ جنت میں ایک محل ایک موتی کا ہوگا۔ جس میں ستر گھر سرخ یاقوت کے ہوں گے۔ ہر گھر میں ستر کمرے سبز زمرد کے ہر کمرہ میں ستر تخت پر ہر تخت پر ستر بستر ہر بستر پر ایک حور عین اور ہر کمرہ میں دسترخوان اور ہر دسترخوان پر ستر قسم کے کھانے (تفسیر خازن) رب تعالیٰ اپنے کرم سے نصیب کرے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے درحقیقت رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔ جنہیں رب تعالیٰ ضرور پورا فرمائے گا یہ فائدہ وعدہ اللہ کے اطلاق سے حاصل ہوا کہ وعدہ الٰہی خود بلاواسطہ ہو یا بالواسطہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہذا حضرات صحابہ کرام جنہیں جنت کی بشارت حضور انور نے دی وہ قطعاً یقیناً جنتی ہیں جیسے حضرات خلفاء راشدین یا عشرہ مبشرہ یا حضرات حسنین کریمین اور حضرت فاطمہ زہرہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسرا فائدہ: جس درجے کا مومن اسی درجہ کی اس کے لئے جنت اسی لئے جنت کے طبقات ودرجات مختلف ہیں کہ ان کے مستحقین مختلف ہیں۔ یہ فائدہ مومنین مومنات اور جنات کی جمع فرمانے سے اشارہ حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: صرف ایمان جنتی ہونے کا ذریعہ ہے۔ اگرچہ مومن کے پاس نیک اعمال نہ ہوں یہ فائدہ صرف مومن مومنات فرمانے سے حاصل ہوا کہ اعمال صالحہ اس وعدے کے لئے قید نہیں لگائی گئی۔ نیک اعمال تو اول سے جنتی ہونے یا بلندی مراتب کا ذریعہ ہیں۔ گنہگار مومن بھی آخر کار جنتی ہوگا۔ بعض مومن وہ بھی ہیں جن کے پاس نیک اعمال نہیں۔ جیسے وہ

www.alahazratnetwork.org

صحابہ جو ایمان لاتے ہیں وفات پا گئے۔ مسلمانوں کے نابالغ نا سمجھ فوت شدہ بچے۔ مگر عند اللہ مومن وہ ہے جس کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے۔

چوتھا فائدہ: جنتی لوگوں کو کچھ باغ تو سیر و تفریح کے لئے دیئے جائیں گے اور کچھ باغ رہائش کے لئے جن میں ان کی کوٹھیاں بلڈنگیں ہوں گی۔ یہ فائدہ و مساکن طیبۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ یہاں جنات دو جگہ ارشاد ہوا۔ جنات تجری (الخ) اور فی جنات عدن اگر یہ وعدہ سارے جنتیوں کے لئے ہو۔

پانچواں فائدہ: بعض خوش نصیب بندوں کے لئے جنت عدن ہے اور بعض کے لئے جنت کے عالم طبقے۔ یہ فائدہ مساکن طیبۃ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ عدن ایک خاص طبقہ کا نام ہو۔ اور یہ دو وعدے دو قسم کے جنتیوں سے ہوں۔

چھٹا فائدہ: اعلیٰ درجہ کی نعمت اللہ تعالیٰ کی رضا ہے جس سے رب تعالیٰ راضی ہو جاوے۔ وہ دین و دنیا میں کامیاب ہوا۔ یہ فائدہ رضوان من اللہ اکبر سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: جنت کی تمام نعمتیں ہمارے اعمال کا بدلہ ہو سکتی ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی رضا کسی عمل کا بدلہ نہیں یہ محض رحم و کرم ہے یہ فائدہ اس نعمت کو الگ عنوان سے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مومن مردوں عورتوں سے جنت کا وعدہ ہے تو چاہئے کہ مسلمان کے فوت شدہ نا سمجھ بچے جنتی نہ ہوں۔ کیونکہ انہیں ایمان لانے کا وقت ہی نہ ملا حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں۔

جواب: وہ اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر مومن ہیں اسی لئے ان پر نماز جنازہ بھی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن بھی کئے جاتے ہیں دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے والحقنا بھم و ذریتھم غرضکہ مومنین عام ہے خواہ بذات خود مومن ہوں یا کسی کے تابع ہو کر۔

دوسرا اعتراض: تو چاہئے کہ کفار کے نا سمجھ فوت شدہ بچے جنتی نہ ہوں کیونکہ وہ خود مومن ہیں نہ ان کے ماں باپ مومن حالانکہ وہ بھی جنتی ہیں۔

جواب: وہ جنتی نہیں بلکہ جنتیوں کے خدام ہیں۔ جیسے وہاں کے حور و غلمان۔ جنتی ہونے کے لئے ایمان شرط ہے۔ اس کی دلیل بہت آیات و احادیث ہیں۔

تیسرا اعتراض: دوسری آیات میں جنتی ہونے کے لیے ایمان و اعمال دونوں کی شرط لگائی گئی ہے ان الذین امنوا وعملوا الصالحات کانت لھم جنۃ الفردوس مگر یہاں صرف ایمان کا ذکر ہوا آیات میں تعارض ہے۔

جواب: ان آیات میں پہلے سے ہی جنتی ہونے کا ذکر ہے یہاں مطلقاً جنتی ہونے کا۔ واقعی اول سے ہی داخلہ مومن متقی کو میسر ہوگا۔ غیر متقی مومن کے لئے یہ بات یقینی نہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو جگہ جنات ارشاد ہوا دو عنوانوں سے اولاً جنات تجری (الخ) دوسرے فی

www.alahazratnetwork.org

جنات عدن اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس کی دو وجہیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ایک یہ کہ اہل جنت کو دو قسم کے باغات ملیں گے۔ایک سیر و تفریح کے لئے دوسرے رہنے کے لئے جہاں ان کے مکانات ہوں گے۔جنات تجری میں پہلے قسم کے باغات مراد ہیں۔اور جنات عدن میں رہنے کے باغات۔اس لئے یہاں ارشاد ہوا مساکن طیبۃ فی جنات عدن دوسرے یہ کہ پہلے جنات سے عام اہل جنت کے باغات مراد ہیں۔اور دوسرے جنات سے حضرات انبیاء علماء اولیاء شہدا کے باغات مراد اس صورت میں عدن جنت کا خاص طبقہ ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں جنت کی تین نعمتوں کا ذکر ہوا مگر آخری نعمت یعنی رضاء الٰہی کا ذکر علیحدہ اور انداز نئے عنوان سے تذکرہ ہوا ورضوان من اللہ اکبر اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ رضاء الٰہی کسی عمل کا بدلہ نہیں۔خاص عطیہ رب ہے۔باقی نعمتیں اعمال کا بدلہ بھی ہو سکتی ہیں۔ دوسرے یہ کہ اللہ کی رضا مومن کو دنیا میں بھی مل سکتی ہے۔رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ مگر باقی دو نعمتیں صرف جنت میں ملیں گی اگر یکساں طریقہ سے بیان ہوتا تو یہ فرق معلوم نہ ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ: وہ مرد و عورتیں جنہیں رب تعالیٰ نے ایمان شہودی بخشا کہ درخت ایمان کی جڑ ان کے دلوں میں قائم ہوئی۔ یعنی خوف خدا عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کی شاخیں ان کے اعضاء ظاہری میں پھیلیں کہ ہر عضو میں تقویٰ کی جلوہ گری ہوئی۔انہیں شاخوں یعنی تقویٰ کا بدلہ اور ملے گا۔اور جڑ یعنی خوف و عشق کا بدلہ کچھ اور ظاہر تقویٰ کا بدلہ جنت تجری من تحتہا الانہار اور خوف و عشق کا بدلہ مساکن طیبًا فی جنات عدن ہے۔جنت عدن حق تعالیٰ کی خاص تجلی گاہ ہے۔ وہاں ہی حضور انور ﷺ کا مقام وسیلہ ہے۔وہاں ہی درخت طوبیٰ ہے جس کا سایہ جنت کے دوسرے حصوں پر ہے۔اس درخت کی جڑ جن کی نہریں جاری ہیں۔یہ درخت حضورؐ انور کے گھر میں ہے۔دنیا میں حضورؐ سے ظاہری شریعت باطنی طریقت کی نہریں جاری ہوئیں۔وہاں وہ نہریں جاری۔دنیا میں ایک نعمت خاص بعض مخصوص بندوں کو ملتی ہے یعنی سوز و گداز۔دل کی تڑپ بے چینی۔رضاء بالقضاء صرف رب کی طلب ان کا مقصد حیات ہے۔ان کا قول یہ ہے کہ مولیٰ اگر تو دوزخ میں ڈالنے پر راضی ہو جاوے تو قسم تیری کبریائی کی ہم جنت کی طرف دیکھیں گے بھی نہیں۔ایسے بندوں کے لئے رضا الٰہی ہے۔شعر

یکے می خواہد از تو جنت و حور | یکے خواہد کے از دوزخ شود دور
ولیکن ما نخواہم این و آں جست | مراد ما ہمیں خوشنودی قست
جو تو خوشنود گردی در دو عالم | ہمیں مقصود بس اللہ اعلم

حافظ شیرازی کہتے ہیں۔شعر

صحبت حور نخواہم کہ بود عین قصور | با خیال تو اگر باد گرے پردازم

www.alahazratnetwork.org

یحیٰی ابن معاذ فرماتے ہیں کہ دنیا ویران جگہ ہے اور جس دل کو دنیا آباد کرے وہ اس سے بڑھ کر ویران ہے۔ آخرت آباد جگہ ہے اور اس سے بڑھ کر آباد وہ دل ہے جسے آخرت آباد کرے۔ فرماتے ہیں کہ دنیا میں ایک جنت ایسی ہے جو اس جنت سے بڑھ چڑھ کر ہے وہ ہے معرفت الٰہی یعنی جنت معرفت۔ بایزید بسطامی فرماتے ہیں کہ معرفت الٰہی کی لذت جنت الفردوس اعلیٰ علیین سے افضل ہے۔ ساری جنتوں کی لذتیں ہیچ۔ ایک لذت کے مقابلہ میں۔ لوگوں نے پوچھا کہ وہ کون سی لذت ہے۔ فرمایا آخری شب کی گریہ زاری جو خوف باری عشق مصطفوی ہو۔ (روح البیان) رب نصیب کرے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ

اے پیارے نبی سختی کرو کھلے کافروں پر اور منافقوں پر اور شدت کرو ان پر اور

اے غیب کی خبریں دینے والے (نبی) جہاد فرماؤ کافروں اور منافقوں پر اور ان پر سختی

وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

ٹھکانہ ان کا دوزخ ہے اور برا ہے وہ ٹھکانہ

کرو اور ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار و منافقین کی اخروی سزاؤں کا ذکر ہوتا رہا اور مسلمانوں کی اخروی جزاؤں ثوابوں کا ان کے مقابلہ میں ابھی ذکر نہیں ہوا۔ اب انہیں کفار و منافقین کی دنیاوی سزاؤں کا ذکر ہے یعنی ان پر سنانی اور زبانی جہاد کرنا گویا دائمی عذاب کے بعد موجودہ وقتی عذاب کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کے نیک اعمال دنیا میں بھی برباد ہیں اور آخرت میں بھی۔ آخرت میں بربادی تو ظاہر تھی مگر دنیا میں بربادی سمجھ میں نہیں آتی۔ اب اس آیت کریمہ میں اس کی تفصیل کی جارہی ہے کہ ان سے سنانی زبانی جہاد ہوگا ان پر شدت غلظت ہوگی۔ وہ نرمی کے مستحق نہیں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلے اجمال کی تفصیل ہے۔

تیسرا تعلق: کچھ پہلے ارشاد ہوا تھا کہ رب تعالیٰ نے منافقین اور کفار دونوں سے دوزخ کا وعدہ فرمایا۔ وعد اللہ المنافقین و المنافقات فالکفار نار جھنم اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ دونوں یعنی کفار و منافقین دنیا کی سزا میں بھی شریک ہیں۔ دونوں پر سختی کرو۔ اگرچہ سختی کی نوعیت میں فرق ہے۔ گویا ایک مشارکت کے بعد دوسری مشارکت کا ذکر ہے۔

تفسیر: یایھا النبی اللہ تعالیٰ نے گزشتہ نبیوں کو ان کے نام شریف سے پکارا مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ ﷺ کے صفات اور القاب سے ہی پکارا۔ جس سے حضور انور کی شان اور خصوصی قرب الٰہی ظاہر ہوتی ہے۔ النبی بنا ہے نبا سے بمعنی شاندار خبر یا نبوت سے بمعنی اونچی شان لہٰذا نبی کے معنی ہوئے خبر والے یعنی غیبی خبریں دینے والے یا دونوں عالم کی خبر رکھنے

www.alahazratnetwork.org

والے یا بے خبروں کی خبر لینے والے۔ شعر

ان پر درود جن کو کس بے کساں کہیں ان پر سلام جن کو خبر بے خبر کی ہے

یا نبوت والے یعنی اونچی شان والے جو لوگوں کے خیال و وہم سے ورا ہو (از روح البیان) خیال رہے کہ قرآن مجید میں دو جگہ حضور انور ﷺ کو رسول کے خطاب سے ندا فرمائی یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک (الخ) اور یاایها الرسول لا یحزنک (الخ) باقی جگہ نبی کے پیارے لقب سے پکارا ہے۔ مگر جہاں حضور ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا وہاں آپ ﷺ کو رسول ہی کہا ہے۔ واطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول یا و من یطع اللہ و رسولہ وغیرہ اس کی حکمت انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض ہوگی۔ جاهد الکفار و المنفقین یہ فرمان عالی ندا کا مقصود ہے۔ جاہد بنا ہے جہاد سے جس کا مادہ ہے جہد بمعنی مشقت کوشش اصطلاح میں تبلیغ دین کی کوشش کو جہاد کہا جاتا ہے۔ یہ کبھی تلوار سے ہوتی ہے کبھی زبان کبھی قلم سے۔ یہاں عام معنی میں ہے جس کا ظہور کھلے کافروں کے لئے بذریعہ تلوار ہوگا اور منافقین کے لئے زبان وغیرہ سے۔ الکفار سے مراد سارے ہی کھلے غیر مسلم ہیں۔ خواہ مشرک ہوں یا دہریئے یا اہل کتاب یا کوئی اور یعنی حضور انور ﷺ کے سارے انکاری۔ اس میں الف لام عہدی ہے لہذا ان سے مراد حربی کافر ہیں جو ذمی یا مستامن بالعاهد نہ ہوں کہ ان تینوں پر تلوار کا جہاد نہیں۔ منافقین جو چھپے کافر جو زبان سے کلمہ پڑھیں اپنے کو مسلمان بتالیں مگر دل میں کافر ہوں ان پر جہاد تلوار کا نہیں بلکہ زبان کا ہے یعنی انہیں رسوا کرنا انہیں برا کہنا وغیرہ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان پر جہاد یہ ہے شرعی سزائیں چوری، زنا وغیرہ کی حدود ان پر جاری کی جاویں کہ اس زمانہ میں منافقین ہی اس قسم کے جرم زیادہ کرتے تھے (تفسیر خازن، روح البیان و معانی وغیرہ) و اغلظ علیهم یہ فرمان عالی معطوف ہے جاهد الکفار پر۔ یا تو یہ جہاد کا بیان ہے اور عطف تفسیری ہے یا جہاد سے مراد تھا منافقوں پر دلائل اسلام پیش کرنا، ان کے تمام شبہات کا قلع قمع کرنا اور غلظت بعد شدت سے مراد ہے انہیں جھڑکنا، آئندہ کے متعلق ڈرانا دھمکانا، کسی قسم کا نرم برتاؤ ان سے نہ کرنا، یہ تو ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہوا آگے اخروی عذاب کا تذکرہ ہے۔ و ماوهم جهنم یعنی دنیا کی یہ سختیاں ان کے اخروی عذاب کو دفع یا کم نہ کریں گی بلکہ وہاں انہیں پوری پوری سزا ملے گی۔ ماویٰ اسم ظرف ہے اوی کا بمعنی پناہ ماوی ٹھکانہ یا دائمی قیام گاہ۔ خلاصہ یہ ہے کہ کھلے کافروں اور منافقوں میں دنیاوی عذاب میں تو فرق ہے مگر آخرت میں فرق نہیں۔ یہ دونوں دائمی دوزخی ہیں جنہیں کبھی وہاں سے نکالا نہ جائے۔ و بئس المصیر۔ مصیر یا تو مصدر میمی ہے بمعنی لوٹنا یا اسم ظرف بمعنی لوٹنے کی جگہ۔ خیال رہے کہ مرجع اور مصیر اگرچہ دونوں کے معنی لوٹنے کی جگہ مگر فرق صرف یہ ہے کہ مصیر میں یہ شرط ہے کہ وہ پہلی حالت کے غیر میں ہو مرجع میں یہ قید نہیں چونکہ دنیا میں کافر و منافقین آرام میں تھے، آخرت میں مصیبت میں اس لئے اسے مصیر فرمایا جاتا ہے۔ (روح البیان)

خلاصہ تفسیر: اے ہر کھلے چھپے کی خبر رکھنے والے۔ لوگوں کے دلوں کے ایمان و نفاق پر خبردار نبی تمام جہان کی نبض اپنے ہاتھ میں لینے والے نبی، منافقوں کی پردہ پوشی چھوڑو۔ اب کھلے کافروں پر بھی جہاد فرماؤ تلوار سے اور چھپے کافروں منافقوں پر بھی جہاد فرماؤ۔ ان کی پردہ دری سے۔ ان پر خوب سختی کرو۔ کفار پر مار دھاڑ سے، منافقوں پر سخت الفاظ درشت پکار سے۔ ان

www.alahazratnetwork.org

دونوں پر کسی قسم کی نرمی نہ کریں۔ یہ تو ان کی دنیاوی سزا تھی کھلے کافروں پر اور چھپے کافروں کی اور رہا آخرت کا عذاب اس میں یہ دونوں برابر ہیں کہ سب کا ٹھکانہ دائمی قیام گاہ دوزخ ہے۔ یہ لوگ دنیا میں اگرچہ آرام سے رہ لیں، ان کے پاس مال و دولت ہو جائے مگر آخرت میں پلٹنے کی جگہ یعنی دوزخ بہت ہی سخت تکلیف دہ جگہ ہے۔ حضرت عطا فرماتے ہیں کہ اس آیت سے تمام عفو و کرم درگذر کی آیتیں منسوخ ہوگئیں۔ یہ آیت ان سب کی ناسخ ہے اور یہ حکم تاقیامت باقی ہے محکم یعنی غیر منسوخ ہے۔ (روح البیان و روح المعانی)

لطیفہ: بعض بے دینوں نے اس آیت کریمہ میں یوں تحریف کی کہ والمنافقین کی بجائے بالمنافقین پڑھا ہے یعنی ب سے یہ بنا کر حضرات صحابہ پر تبرا کیا مگر وہ داؤ نہ چل سکا۔ قرآن کی آیت محفوظ رہی۔ رب اپنے قرآن کا محافظ ہے۔ (روح المعانی)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے محبوب خاص ہیں۔ بارگاہ الٰہی میں جو رتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہ کسی کا نہیں۔ یہ فائدہ **یاایھا النبی** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے پیغمبروں کو نام شریف سے پکارا ہے۔ حضور ﷺ کو پیارے القاب سے۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یا محمد ﷺ یا اور عام الفاظ سے ندا کرنا حرام ہے۔ جیسے اے بشر یا اے بھائی اے چچا وغیرہ۔ انہیں ایسے القاب سے پکارو جن سے کسی بادشاہ کو بھی نہ پکار سکو۔ یارسول اللہ یا نبی اللہ وغیرہ۔ یہ فائدہ بھی **یاایھا النبی** سے حاصل ہوا کہ جب رب تعالیٰ انہیں معمولی یا عام لغت سے نہیں پکارتا تو بندے کیسے پکار سکتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔
لایجعلوا دعاء الرسول کدعاءِ بعضکم بعضا۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے ہر جگہ خفیہ و ظاہر پر مطلع فرمایا۔ جب خود خالق ان سے نہ چھپا تو مخلوق کیا چھپ سکے۔ یہ فائدہ بھی **یاایھا النبی** سے حاصل ہوا کہ نبی کے معنی ہیں خبر والا، جیسے کریم کرم والا، حسین حسن والا، رحیم رحم والا یوں ہی نبی نبا والا یعنی خبر والا۔

چوتھا فائدہ: ہر قسم کے حربی کافر پر ہر طرح کی سختی کی جاوے جو بن پڑے۔ یہ فائدہ **جاھد الکفار** سے حاصل ہوا۔ منافقین کے متعلق حضور انور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرات صحابہ نے اعلان فرمایا کہ نفاق حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تھا۔ اب یا کفر ہے یا اسلام (بخاری، مشکوٰۃ آخر باب الکبائر)۔ یعنی اب جس کے منہ سے کفر کی ایک بات سنی جاوے گی وہ کافر ہوگا۔ اسے منافقوں کی سی رعایت نہ دی جاوے گی۔

پانچواں فائدہ: کفار و منافقین پر سختی کرنا، یہ ہی قرآنی اسلامی رسولی تہذیب ہے تاکہ وہ ہم کو گمراہ کرنے سے ناامید ہو جاویں۔ یہ فائدہ **واغلظ علیھم** سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: اگرچہ دنیاوی احکام میں کھلے کافر اور منافقین میں فرق ہے مگر آخرت میں دونوں کی سزا یکساں ہے یعنی دوزخ میں ہمیشگی۔ یہ فائدہ **وماواھم جھنم** سے حاصل ہوا کیونکہ ہم کا مرجع کفار و منافقین سب ہی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: کسی گنہگار مسلمان کو دوزخ میں ہمیشگی نہیں۔ وہاں کی ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے۔ یہ فائدہ بھی ماوٰی ھم جھنم سے حاصل ہوا۔ دوزخ میں جانا کچھ اور دوزخ کا ٹھکانہ ہونا کچھ اور۔ بھٹی میں گندا لوہا جاتا ہے مگر بھٹی اس کا ٹھکانہ نہیں۔ وہ ٹھکانہ کوئلہ کا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی کہہ کر کیوں ندا دی گئی۔ رسول یا دوسری صفات سے کیوں نہیں پکارا گیا۔ حضور ﷺ کی صفات تو بے شمار ہیں۔

جواب: اس لئے کہ حضور انور ﷺ ہر ایک کے دلی ایمان و کفر پھر کیفیت ایمان نوعیت کفر سے خبردار ہیں۔ مگر شانِ ستاری سے منافقین کی پردہ پوشی فرماتے تھے۔ اس آیت میں ان کی پردہ دری کا حکم دیا گیا۔ اس لئے نبی سے ندا بہت ہی مناسب ہوا یعنی اے وہ غیب دان نبی جو کفار کے ظاہری کفر سے منافقوں کے چھپے کفر سے خبر والا ہے۔ منافقوں پر جہاد کرو کہ ان کی پردہ دری کردو۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں جاھد ایک لفظ ہے مگر تم نے اس کے معنی دو کئے۔ کفار کے لئے تلوار سے جہاد، منافقین کے لئے قولی دلائل سے جہاد۔ حالانکہ ایک لفظ کے دو معنی بیک وقت مراد نہیں ہو سکتے۔

جواب: یہاں جہاد سے مراد ہے سختی کرنا۔ اس سختی کی ایک نوعیت یعنی قتال تو کفار کے لئے ہے۔ دوسری نوعیت یعنی زبانی سختی منافقین کے لئے۔ یہ دو معنی نہیں بلکہ ایک معنی کی دو نوعیتیں ہیں۔ جیسے **ان اللہ و ملائکتہ یصلون علی النبی** میں اللہ کی صلوٰۃ کی اور نوعیت ہے فرشتوں کی صلوٰۃ کی دوسری نوعیت ہے۔

تیسرا اعتراض: جاھد کے معنی بھی ہیں سختی کرو اور واغلظ کے معنی بھی سختی کرو۔ یہ حکم مکرر کیوں ہوا۔

جواب: جہاد اور غلظت میں بڑا فرق ہے۔ ظاہری کفار پر تلوار سے جنگ جہاد ہے اور ان سے ہمت و جرأت سے سخت بات کرنا، نرم اور پلپلا کلام نہ کرنا جس سے ان کی ہمت پست ہو جاوے، یہ ہے غلظت۔ منافقین کا پردۂ نفاق چاک کرنا جس سے وہ بدنام ہو جاویں ان پر جہاد ہے اور ان سے بات کڑوی کرنا انہیں اپنی خاص مجلسوں، مشورہ کی محفلوں سے دور کرنا، غلظت یعنی شدت ہے اسی سختی و غلظت میں بڑے فائدے ہیں۔

چوتھا اعتراض: سخت کلامی ترش روئی اخلاق کے خلاف ہے۔ کانے کو کانا نہ کہو، یوں ہی کافر منافق کو منافق کہنا، ان الفاظ سے پکارنا تہذیب اور اخلاق دونوں کے مخالف ہے۔

جواب: جی ہاں یہ فرنگی تہذیب کے خلاف ہے کہ بات میٹھی کرو، دل میں چھری رکھو یا کفار کے سامنے پلپلے پن کی باتیں کرو تاکہ وہ تم پر اور بھی دلیر ہو جاویں۔ اسلامی تہذیب یہ ہے کہ کفار کو تبلیغ نرم الفاظ اچھے لہجے سے کرو مگر جو تم کو بہکانا چاہیں یا اسلام کے دشمن ہوں ان پر خوب سختی کرو تاکہ تمہاری سختی سے ان کی ہمت ٹوٹ جاوے۔ بہت دفعہ جرأت مندانہ کلام سے بہت کام نکل جاتے ہیں۔ **اشداء علی الکفار رحماء بینھم** اس اخلاق کی تفسیر ہے۔

پانچواں اعتراض: اگر کفار پر سختی اچھی چیز ہے تو رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو یہ حکم کیوں دیا **فقولا لہ قولا لینا** اس

سے نرم بات کرنا۔ یہ عجیب بات ہے کہ رحمت عالم کو سختی اور شدت کا حکم دیا جا رہا ہے۔

جواب: تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ موسیٰ علیہ السلام فطرۃً جلالی پیغمبر تھے۔ انہیں رب نے نرم فرمایا۔ ہمارے حضور ﷺ فطرۃً سراپا رحم و کرم ہیں۔ آپ ﷺ کو سخت کیا گیا۔ دوسرے یہ کہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے پرورش کیا تھا الم نربک فینا ولیدا فرمایا گیا کہ چونکہ وہ تمہارا محسن ہے اس لئے اس سے نرم کلام کرنا۔ تیسرے یہ کہ وہاں موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ کے لئے ابھی بھیجا جا رہا ہے تبلیغ نرمی سے چاہئے تا کہ وہ اسلام کی طرف مائل ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نبی بھی ہیں، رسول بھی، بشیر بھی ہیں نذیر بھی۔ بے شمار صفات سے موصوف ہیں مگر عموماً حضور ﷺ کو نبی کے لفظ سے پکارا جاتا ہے اور اطاعت کے موقع پر آپ ﷺ کو رسول کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ رسول کے لفظ میں ایک کشش ہے جس سے دل حضور ﷺ کی طرف کھنچتے ہیں جیسے جسمانیات میں لفظ ماں میں کشش ہے۔ اس سے دل میں ایک دم نرمی ہوتی ہے۔ دیکھو جب موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام پر ایک دفعہ سختی کی تو آپ نے فرمایا بن ام لا تاخذ بلحیتی ولا براسی اے میرے ماں جائے میری داڑھی اور سر نہ پکڑ۔ فوراً موسیٰ علیہ السلام کے دل میں رقت آ گئی۔ غصہ جاتا رہا۔ کیونکہ ماں کے سینے سے بچے نے دودھ پیا ہے۔ یوں ہی رسول کے سینے سے ایمان عرفانی کا روحانی دودھ ملا ہے اس احسان کی وجہ سے اس میں کشش ہے۔ اطاعت کے لئے لفظ رسول بہت ہی موزوں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کبھی نرمی مضر سختی مفید ہوتی ہے۔ شعر

ہست نرمی آفت جان سمور وز درشتی می برد جان خار پشت

اس لئے اسلام میں جہاد بھی ہے اور سختی بھی۔ امام اوزاعی کہتے ہیں کہ صحابہ کرام پانچ باتوں پر بڑے پابند تھے۔ نماز با جماعت، اتباع سنت، مساجد کی آبادی، تلاوت قرآن، جہاد فی سبیل اللہ۔ قلب مومن کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کافر نفس اور منافق شیطان پر ہمیشہ جہاد کرے۔ انہیں صدق کی تلوار سے قتل کرے۔ شریعت و طریقت کے قلعوں میں اپنی حفاظت کرے۔ نفوس کو شہوات سے روکے۔ ان سے خلاف طبیعت شرع پر عمل کرائے یہ سب جہاد کی قسمیں ہیں بلکہ نفس پر جہاد جہاد اکبر ہے۔

اگر پیل و ماں شیر ببر مارا تو کیا مارا بڑے موذی کو مارا نفس امارہ کو گر مارا

يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ مَا قَالُوْا ؕ وَلَقَدْ قَالُوْا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوْا

قسم کھاتے ہیں وہ اللہ کی کہ نہ کہا انہوں نے حالانکہ البتہ تحقیق کہی بات انہوں نے کفر کی اور کفر

اللہ کی قسم کھاتے ہیں کہ انہوں نے نہ کہا اور بیشک ضرور انہوں نے کفر کی بات کہی اور اسلام میں آکر کافر ہو گئے

www.alahazratnetwork.org

بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ وَهَمُّوْا بِمَا لَمْ يَنَالُوْا ۚ وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ

کیا انہوں نے پیچھے اسلام کے اپنے اور ارادہ کیا اس چیز کا جو نہ پالیا اور نہیں ناراض ہوئے

اور وہ چاہا تھا جو انہیں ملا اور انہیں کیا برا لگا یہی نہ کہ اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کردیا تو اگر

اَنْ اَغْنٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَاِنْ يَّتُوْبُوْا يَكُ خَيْرًا

مگر اس سے کہ غنی کردیا ان کو اللہ نے اور رسول نے اس کے فضل سے اپنے پس اگر توبہ کرلیں وہ تو ہو

وہ توبہ کریں تو ان کا بھلا ہے اور اگر منہ پھیریں تو اللہ سخت عذاب دے گا

لَّهُمْ ۚ وَاِنْ يَّتَوَلَّوْا يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ فِى الدُّنْيَا

بہتر واسطے ان کے اور اگر منہ پھیریں تو عذاب دیگا ان کو اللہ عذاب دردناک دنیا میں اور آخرت

دنیا اور آخرت میں اور زمین میں کوئی نہ ان کا حمایتی ہوگا

وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَمَا لَهُمْ فِى الْاَرْضِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۷۴﴾

میں اور نہیں ہے واسطے ان کے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار

اور نہ مددگار

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں پر جہاد کا حکم دیا گیا۔ اب ان کے وہ عیوب گنائے جا رہے ہیں جن کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا گویا حکم کے بعد وجہ حکم کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کھلے کافر اور منافق دونوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ بھی کھلے کافروں کی طرح ہیں ان کے اقوال و اعمال بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ گویا ان کے دوزخی ہونے کا ذکر پہلے ہوا۔ اس کی وجہ کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقوں پر سختی فرمانے کا حکم ہوا۔ اب انہیں توبہ کی رغبت دی جا رہی ہے۔ گویا زخم کے بعد مرہم کا ذکر ہے۔

شانِ نزول: اس آیت کریمہ کے دو جز ہیں۔ پہلا جز یحلفون باللہ (الخ) دوسرا وھموا بما لم ینالوا (الخ) ان دونوں کے شانِ نزول علیحدہ ہیں اول جز کے شانِ نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ (۱) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ تبوک میں دو ماہ قیام فرمایا اس دوران میں حضور انور ﷺ منافقوں کے برے انجام پر ان کے بدترین حالات کا ذکر فرماتے

www.alahazratnetwork.org

تھے جو غزوہ تبوک سے پیچھے رہ گئے تھے۔ اس پر جلاس بن سوید نے کہا کہ وہ لوگ ہمارے بھائی ہمارے سردار ہم میں اشراف ہیں۔ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچ کہتے ہیں تو ہم گدھے سے بدتر ہوئے اس پر عامر ابن قیس انصاری بولے۔ اللہ کی قسم حضور انور ﷺ سچے ہیں اور تو گدھے سے بدتر ہے۔ پھر عامر نے حضور انور ﷺ کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا۔ حضور انور ﷺ نے جلاس کو بلا کر پوچھا وہ قسم کھا گیا کہ میں نے کچھ بھی نہیں کہا۔ حضرت عامر نے ہاتھ اٹھا کر دعا کی کہ الٰہی ہمارے نبی پر سچے کی تصدیق اور جھوٹے کی تکذیب نازل فرمادے۔ حاضرین صحابہ بلکہ حضور انور ﷺ نے بھی آمین کہا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی پھر جلاس بولا کہ یا رسول اللہ عامر سچے ہیں مجھ سے قصور ہوا نفاق سے توبہ کرتا ہوں (تفسیر کبیر، خازن، روح البیان، معانی، خزائن) (۲) ایک موقع پر عبداللہ بن ابی منافق نے کہا تھا کہ مدینہ پہنچ کر ہمارے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ عزت والوں سے اس کی مراد اپنا قبیلہ تھا۔ ذلیلوں سے مراد مومنین مہاجرین۔ حضرت عمر کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے اس کے قتل کا ارادہ کیا وہ قسم کھا گیا کہ میں نے نہیں کہا۔ حضرت زید بن ارقم نے اس کی بکواس حضور ﷺ کی خدمت میں عرض کی وہ حضور ﷺ کے سامنے بھی قسم کھا گیا کہ میں نے نہیں کہا۔ اس پر آیت کریمہ اتری (کبیر، خازن، روح وغیرہ) اس کا مفصل بیان سورۃ منافقون میں انشاء اللہ آئے گا۔ (۳) ایک غزوہ میں جہینہ اور غفار کے دو آدمی آپس میں لڑ پڑے، جس میں غفار جہینی پر غالب آ گیا تو عبداللہ ابن ابی نے پکارا کہ اے قبیلہ اوس کے لوگو اپنے بھائی کی مدد کرو۔ خدا کی قسم یہ تو ایسا ہو رہا ہے کہ اپنے کتے کو موٹا کرتا کہ وہ تجھے کھائے نعوذ باللہ۔ یہ خبر حضور انور ﷺ کو پہنچی۔ آپ ﷺ نے اس سے پوچھا وہ قسم کھا گیا تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر، خازن وغیرہ) رہا اس آیت کریمہ کا دوسرا جز وھمو بما ینالوا (الخ) اس کے متعلق مجاہد فرماتے ہیں کہ جلاس بن سوید نے چاہا کہ عامر ابن قیس کو قتل کردے تاکہ یہ خبر حضور انور ﷺ تک پہنچ گئی جیسا کہ ابھی ذکر کیا گیا۔ اس کے متعلق یہ جز نازل ہوا۔ (خازن) امام سدی فرماتے ہیں کہ منافقین نے ایک غزوہ میں کہا کہ ہم مدینہ منورہ پہنچ عبداللہ بن ابی کے سر پر سرداری کی دستار باندھیں گے۔ وہ ہم سب کا سردار ہے مگر وہ یہ نہ کر سکے۔ اس پر یہ جز نازل ہوا۔ (خازن) (۴) غزوہ تبوک سے واپسی پر منافقین نے چاہا کہ رستہ میں حضور انور ﷺ کو رات کے وقت اچانک اس طرح قتل کردیں کہ کسی کو اس خبر نہ ہو مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان کے شر سے بچالیا۔ اس موقع پر یہ جز نازل ہوا۔ (کبیر، خازن وغیرہ)

تفسیر: یحلفون باللہ ما قالوا اگرچہ مذکورہ واقعہ ایک بار ہو چکا تھا گذشتہ زمانہ میں مگر اس گذری ہوئی بات کا نقشہ ذہن نشین فرمانے کے لئے حال کے صیغہ یحلفون سے ارشاد فرمایا جیسے گذری خواب حال سے بیان کرتے ہیں۔ نیز اگرچہ یہ واقعہ ایک آدمی کا ہے کہ اس نے قسم کھائی تھی مگر چونکہ اس کی قوم اس کے ساتھ تھی اس قسم میں اس کی ہم نوا تھی لہٰذا یحلفون جمع ارشاد ہوا کیونکہ جرم کرنے والا کرانے والا راضی ہونے والا سب ہی مجرم ہوتے ہیں۔ حلف یعنی قسم گذشتہ پر بھی ہوتی ہے۔ آئندہ پر بھی مگر یہاں گذشتہ پر قسم مراد ہے۔ جیسا کہ قالوا سے معلوم ہوا۔ نیز قسم سچی بھی ہوتی ہے جھوٹی بھی یہاں جھوٹی قسم مراد ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ قالوا کا مفعول پوشیدہ ہے یعنی وہ ہی بات جو حضور انور ﷺ تک ان کے متعلق

www.alahazratnetwork.org

پہنچی تھی۔ یعنی منافقین جھوٹی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے وہ بات نہیں کہی۔ **و لقد قالوا کلمۃ الکفر** یہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان کی تردید وتکذیب ہے۔ رب تعالیٰ کی ان کے خلاف حضرات صحابہ کے حق میں گواہی ہے۔ یعنی اے محبوب ہم گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے کفر کی بات کہی کفر کیا ہے۔ آپ ﷺ کی شان کا انکار آپ ﷺ کے صحابہ کی توہین خیال رہے کہ یہاں کلمہ سے مراد نہ تو صرف نحو والا کلمہ ہے نہ شریعت والا۔ کلمہ بمعنی بات ہے۔ قرآن مجید میں کلمہ بہت معنی میں استعمال ہوا ہے حتی کہ عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ فرمایا گیا ہے یہاں بمعنی بات یا بکواس ہے وہ ہی بکواس جو شانِ نزول میں عرض کی گئی۔ **و کفروا بعد اسلامھم** یہ فرمانِ عالی معطوف ہے قالوا (الخ) پر اور رب تعالیٰ کی دوسری گواہی پہلی گواہی کا تمہ یا نتیجہ چونکہ منہ سے کفر کی بات نکالنا کبھی واقع میں کفر ہوتا ہے کبھی نہیں۔ رب فرماتا ہے **الا من اکرہ و قلبہ مطمئن بالایمان** اس لئے قالوا کلمۃ الکفر کے بعد یہ ارشاد ہوا یعنی وہ اس بکواس سے کافر بھی ہو گئے۔ خیال رہے کہ یہاں کفر واسلام سے مراد ان دونوں کا اظہار ہے۔ ورنہ منافقین پہلے مسلمان تھے ہی نہیں وہ تو پہلے سے ہی کافر تھے۔ یعنی انہوں نے اسلام ظاہر کرنے کے بعد کفر ظاہر کر دیا۔ (عام تفاسیر) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں اسلام سے مراد اپنے کو مسلمانوں کی تلوار سے بچا لینا ہے مگر یہ قوی نہیں۔ کیونکہ یہاں کافر کے مقابل ارشاد ہوا نیز وہ منافقین اس کے بعد قتل نہ کئے گئے۔ (تفسیر کبیر) **و ھموا بما لم ینالوا** یہ ان کا تیسرا جرم ہے یعنی انہوں نے اس چیز کا ارادہ کیا جو پا نہ سکے یا تو حضور انور ﷺ کو شہید کرنے کا یا عبد اللہ بن ابی کے سر پر سرداری کی دستار باندھنے کا۔ صرف ارادہ ہی کر کے رہ گئے اس میں کامیاب نہ ہو سکے۔ **وما نقموا الا ان اغنھم اللہ و رسولہ من فضلہ** یہ فرمانِ عالی نیا جملہ ہے۔ اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں ان منافقوں کی احسان فراموشی محسن کشی کا ذکر ہے۔ اللہ رسول کے احسانات کا ذکر ہے جو دنیا میں ان پر ہیں۔ نقموا بنا ہے نعقم سے بمعنی ناپسندیدگی یا برا لگنا۔ اس کا فاعل مذکورہ منافقین ہیں۔ انما (الخ) کا مفعول لہ ہے یعنی منافقین اس مسلمانوں سے اور کسی وجہ سے تو ناراض ہو نہیں سکتے صرف اس لئے ناراض ہوئے ہوں گے کہ انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل وکرم سے غنی و مالدار کر دیا کہ یہ لوگ مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے انتہائی غریبی میں تھے۔ حضور انور ﷺ نے تشریف لا کر انہیں غنی کر دیا۔ جلاس بن سوید کا غلام کسی کے ہاتھوں مارا گیا۔ حضور انور ﷺ نے اسے قاتل سے بارہ ہزار درہم خون بہا دلوایا۔ یہ ہی واقعہ عبد اللہ بن ابی کا ہوا کہ اس کا غلام مارا گیا تو حضور ﷺ نے اسے بھی اتنی ہی رقم دلوائی تھی جس سے وہ امیر کبیر بن گیا تھا یعنی اس کرم نوازی پر انہیں شکر گزار ہونا چاہئے تھا مگر وہ اور زیادہ دشمن ہو گئے۔ یہ فرمانِ عالی ایسا ہی ہے جیسے شعر

ما نقموا من بنی امیۃ الا — انھم یحلمون اذا غضبوا
ولا عیب فیھم ان سیوفھم — بھن فلول من قراع الکتائب

یعنی یہ لوگ بنی امیہ سے صرف اس لئے ناراض ہوئے کہ وہ لوگ غصہ میں بردباری سے کام لیتے ہیں یا ان میں اور کوئی عیب نہیں۔ ہاں صرف یہ عیب ہے کہ ان کی تلواروں کی دھاریں دشمنوں کی سرکوبی کرتے کرتے مڑ گئی ہیں۔ یہ طریقہ ہے عیب بیان کرنے کا (تفسیر کبیر روح المعانی وغیرہ) خیال رہے کہ یہاں اللہ کا ذکر یا تو برکت کے لئے ہے کہ انہیں غنی حضور انور

www.alahazratnetwork.org

ﷺ نے کیا تھا اس لئے حضور ﷺ کے کام رب تعالیٰ کے ذاتی کام ہیں۔ ذاتی دینے والا وہی ہے۔ عارضی اور اس کے حکم سے دینے والے حضور انور ﷺ ہیں۔ من فضلہ میں ضمیر رسول کی طرف ہے کہ وہ ہی قریب ہے۔ لطف یہ ہے کہ اغنا بھی واحد اور فضلہ میں ضمیر بھی غائب۔ درمیان میں اللہ رسول کا ذکر۔ یہ ہے یگانگت۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اغناہم کی ضمیر مومنوں کی طرف ہے یعنی منافقوں کو حسد اس پر ہوا کہ مومنوں کو اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ یہ لوگ جل گئے مسلمان محتاج اور ہمارے دست نگر کیوں نہ رہے۔ (روح البیان) فان یتوبوا یک خیرا لھم اس فرمانِ عالی میں ان جرموں کے بعد رب کے عفو و کرم کا ذکر ہے یعنی اگرچہ انہوں نے ناقابل معافی قصور کئے ہیں مگر اب بھی انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ اگر توبہ کریں تو ان کے لئے سب کچھ اچھا ہو جاوے گا۔ ہم سب معاف کر دیں گے۔ فرمان سن کر جلاس ابن سوید توبہ کر گیا جیسا کہ ابھی شان نزول میں گزرا۔ و ان یتولوا یعذبھم اللہ عذاباً الیما فی الدنیا و الاخرۃ یہ فرمانِ عالی معطوف ہے فان یتوبوا پر۔ اس میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ تولی سے مراد توبہ سے منہ موڑنا، اپنے قصور پر قائم رہنا، توبہ نہ کرنا۔ یعنی اگر یہ مجرم منافقین ہماری اس رعایت سے فائدہ نہ اٹھائیں توبہ نہ کریں تو اللہ تعالیٰ انہیں دنیا و آخرت میں دردناک عذاب دے گا۔ دنیاوی عذاب ان کی رسوائی، قیامت تک ان پر پھٹکار و بدنامی، موت کے وقت عذاب کے فرشتوں کا مشاہدہ، بعد میں عذاب قبر وغیرہ۔ آخرت کا عذاب تو معلوم ہی ہے کہ ان المنافقین فی الدرک من النار منافقین دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے جہاں عذاب بہت ہی سخت ہے۔ و ما لھم فی الارض من ولی و لا نصیر۔ ان کے تیسرے عذاب کا ذکر کہ دنیا بھر میں نہ ان کا کوئی دوست جو انہیں سفارش کے ذریعہ عذاب سے بچائے نہ کوئی مددگار جو طاقت و قوت کے ذریعہ بچائے۔ وہ ہر طرح بے کس و بے بس ہوں گے۔ الارض فرما کر بتایا کہ کسی جگہ انہیں پناہ نہ ملے گی۔ رب کی پناہ لینا ہے تو توبہ استغفار کرو۔ شفیع المذنبین کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ۔

خلاصہ تفسیر: منافقین ایسے بے باک ہیں کہ آپ ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں آ کر آپ ﷺ کے سامنے اللہ کی جھوٹی قسم کھا لیتے ہیں کہ ہم نے آپ ﷺ کے یا آپ ﷺ کے صحابہ کرام کے یا اسلام کے خلاف کچھ بھی نہ کہا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے کفر بکا ہے۔ آپ ﷺ کے اور حضرات صحابہ کے خلاف زہر اگلا ہے۔ اب تک اسلام ظاہر کرتے تھے۔ اب کفر ظاہر کر دیا اسی پر بس نہیں بلکہ آپ ﷺ کے خلاف بڑے خطرناک منصوبے باندھے آپ ﷺ کو شہید کرنے کے۔ جن میں وہ سخت ناکام رہے۔ اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل نہ کر سکے۔ یہ ناشکرے احسان فراموش یہ تو سوچیں کہ آخر انہیں آپ ﷺ سے کیا تکلیف پہنچی ہے آپ ﷺ کی کون سی بات انہیں ناپسند ہے۔ یہ تاکہ یہ لوگ بڑے مفلس و قلاش تھے آپ ﷺ کے رب نے اور آپ ﷺ نے انہیں ہر طرح اپنے فضل و کرم سے غنی کر دیا۔ اس پر تو انہیں چاہئے تھا کہ آپ کے قدم دھو کر پیتے مگر اس کے برعکس الٹے آپ ﷺ کے دشمن ہو گئے۔ مگر خیر اب بھی انہیں موقع دیا جاتا ہے کہ اگر یہ توبہ کریں کہ آپ ﷺ سے معافی حاصل کر کے مخلص مسلمان بن جاویں تو ان کے لئے دین و دنیا میں بہتر ہو اور اگر برعکس یہ اکڑے اور منہ پھیرے ہی رہے تو انہیں دنیا و آخرت میں ایسی سخت سزا دی جاوے گی کہ انہیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہو گا۔ نہ کوئی دوست ہو گا نہ مددگار

www.alahazratnetwork.org

کرتا قیامت رسوا رہیں گے۔ نیز نزع و قبر کی سختی میں گرفتار ہوں گے۔ قیامت اور بعد قیامت سخت پکڑ میں رہیں گے۔

خیال رہے کہ ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے۔ کفر سے توبہ اسلام ہے گناہ سے توبہ نیک اعمال ہیں۔ نفاق سے توبہ اخلاص ہے۔ حضور انور ﷺ کی حق تلفی کرنے کی توبہ ان سے معافی حاصل کرنا اور آئندہ کے لئے ہمیشہ کے لئے ان کا بندہ بے زر ہو جانا۔ حضرات صحابہ کرام کی بے ادبی سے توبہ گذشتہ پر ندامت اور آئندہ ان کا مدح خواں رہنا ہے۔ یہاں توبہ سے آخری دو قسم کی توبہ ہے کیونکہ منافقین نے یہ ہی دو جرم کئے تھے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جھوٹی قسم کھانا ہر جگہ اور ہر وقت ہی برا ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ کے نام شریف کی بے ادبی ہے کہ اس نام پاک کو اپنے جھوٹ پر گواہ بنانا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جھوٹی قسم کھانا غضب پر غضب ہے کہ اس میں رب تعالیٰ کے نام پاک کی بے ادبی کے ساتھ حضور انور ﷺ کی مجلس پاک کی بھی بے ادبی و توہین ہے۔ یہ فائدہ یحلفون باللہ (الخ) سے اشارۃً حاصل ہوا کہ ان منافقوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی تو مذکورہ جھوٹی قسم کھائی تھی۔ بعض مسلمان اپنے مقابل سے کسی بزرگ کے پاس یا کسی بزرگ کی قبر کے پاس قسم لیتے ہیں ان کا ماخذ یہ آیت ہوسکتی ہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ کے صحابہ کا بڑا ہی احترام ہے کہ ان کی دعا پر اور ان کے کلام کو سچا کرنے کے لئے قرآن مجید کی آیات اتاری جاتی ہیں۔ دیکھو حضرت عامر ابن قیس نے دعا کی تھی کہ خدایا ایسی آیت نازل فرمادے جس سے سچے کا سچ اور جھوٹے کا جھوٹ ظاہر ہو جائے ان کی دعا پر یہ آیت نازل ہوئی انہیں سچا کرنے کے لئے اور منافق کو جھوٹا کرنے کے لئے۔

تیسرا فائدہ: حضور انور ﷺ کے صحابہ کی توہین کرنا انہیں ذلیل کہنا کفر ہے۔ خواہ کسی خاص کا نام لے کر کہے یا عام صحابہ کو۔ یہ فائدہ اس آیت کے دوسرے شانِ نزول سے حاصل ہوا کہ عبد اللہ ابن ابی نے کہا تھا کہ ہمارے عزت والے ذلیلوں کو نکال دیں گے۔ رب نے فرمایا ولقد قالوا کلمۃ الکفر۔ انشاء اللہ اس کی تحقیق سورہ منافقون میں آوے گی۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی حفاظت سارا جہان مل کر نہیں توڑ سکتا۔ یہ فائدہ وھموا بما لم ینالوا سے حاصل ہوا کہ منافقین نے حضور انور ﷺ کو خفیہ طور پر اچانک قتل کرنے کی سازش کی مگر ناکام رہے کیونکہ حضور انور ﷺ اللہ کی حفاظت میں تھے۔

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ سب کے محسن اعظم ہیں۔ آپ ﷺ کی نافرمانی انتہائی ناشکری اور احسان فراموشی ہے اور طریقہ منافقین ہے۔ یہ فائدہ وما نقموا الا ان اغناھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا اللہ تعالیٰ ہم کو نمک حلال بنائے ہم حضور ﷺ کے نمک خوار ان کے در کے پروردہ ہیں۔

چھٹا فائدہ: اللہ نے حضور ﷺ کو ایسا غنی کر دیا ہے کہ آپ ﷺ دوسروں کو بھی غنی فرما دیتے ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ ووجدک عائلا فاغنی رب نے آپ ﷺ کو بڑا عیال دار پایا تو غنی کر دیا کہ تم ایسے ایسے ہزار جہانوں کو پال سکتے ہو۔ (بخاری شریف) یہ فائدہ اغناھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

کیوں جاؤں میں کہیں کہ غنی تم نے کر دیا — اب ہے یہ گھر پسند یہ در یہ گلی عزیز
ان کے در نے کر دیا سب سے غنی — بے طلب بے مانگے اتنا مل گیا
ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کر دیا — ان کے دست سخاوت پہ لاکھوں سلام

ان کی دین ان کی کرم نوازی کوئی مجھ فقیر احمد یار سے پوچھے کہ انہوں نے مجھے مالا مال کر دیا ہے۔

مسئلہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لفظ فقیر استعمال کرنا حرام ہے۔ بے ادبی کی نیت سے ہو تو کفر ہے۔

ساتواں فائدہ: اللہ رسول پر کسی کا کوئی حق نہیں انہوں نے جسے جو دیا اپنے فضل سے دیا۔ بھکاری کا داتا پر کیا حق ہوتا ہے۔ یہ فائدہ من فضلہ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: یہ کہنا جائز ہے کہ ہمیں اللہ رسول نعمتیں دیتے ہیں، اللہ رسول جنت دیتے ہیں۔ اللہ رسول دوزخ سے بچاتے ہیں یہ فائدہ اغناھم واللہ و رسولہ من فضلہ سے حاصل ہوا۔ رب دیتا ہے حضورؐ تقسیم فرماتے ہیں۔ رازق وہ ہے قاسم یہ ہیں۔ شعر

رب ہے معطی یہ ہیں قاسم — رزق اس کا ہے کھلاتے یہ ہیں
رب کی روزی ان کا صدقہ — کھاتے ہم ہیں کھلاتے یہ ہیں

نواں فائدہ: اللہ کے ساتھ حضورؐ انور کا نام لینا واؤ کے ساتھ بالکل جائز ہے انشاء اللہ و رسولہ کہنا بالکل جائز ہے یہ فائدہ بھی اغنٰھم اللہ و رسولہ سے حاصل ہوا کہ رب نے حضور کا نام اپنے نام کے ساتھ ف سے نہیں بلکہ واؤ سے لیا۔

شعر

صبا پیام یہ کہنا میرا اسلام کے ساتھ — تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے ساتھ
میں اپنی حیاتی پہ قربان جاواں — احد نال احمد ملیندے گذر گئی

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اور رسول کے لئے ایک ضمیر لانا جائز ہے یہ فائدہ من فضلہ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ من فضلہ کے معنی ہیں اللہ رسول دونوں نے اپنے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔ اس کی کچھ بحث ہے سیوتینا اللہ من فضلہ و رسولہ۔ میں گذر چکی۔

گیارھواں فائدہ: بے ایمان لوگ اللہ رسول کی نعمتیں پا کر سرکش ہو جاتے ہیں۔ ان کے غلاموں سے الجھتے ہیں۔ یہ فائدہ و مانقموا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

تیرا کھائیں تیرے غلاموں سے الجھیں — ہیں منکر عجب کھانے غرانے والے

بارھواں فائدہ: دنیاوی بدنامی لوگوں کا پھٹکار کرنا بھی اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے یہ فائدہ عذابا الیما فی الدنیا و الآخرۃ سے حاصل ہوا۔ فرعون، ہامان، نمرود، ابو جہل وغیرہم پر آج یہ عذاب ہو رہا ہے کہ دنیا ان پر پھٹکار کر رہی ہے۔ اس کے برعکس ذکر خیر، اچھا چرچا اللہ کی رحمت ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی تھی واجعل لی لسان صدق فی الآخرین اے

www.alahazratnetwork.org

میرے رب آئندہ لوگوں میں میرا اچھا چرچہ رکھ۔

تیرھواں فائدہ: دنیاوی مددگار نہ ہونا انسان کا بے کس و بے بس ہونا بھی کفار پر اللہ کا عذاب ہے۔ جس سے مومنین بفضلہ تعالیٰ محفوظ ہیں یہ فائدہ وما لھم فی الارض من ولی ولا نصیر ۔ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے منافقین پر عذاب کے سلسلے میں بیان فرمایا۔ مومنوں کے متعلق فرماتا ہے انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا اور ہم کو یہ دعا سکھاتا ہے۔ واجعل لنا من لدنک ولیا واجعل لنا من دنک نصیرا اگر مومنوں کا مددگار بھی کوئی نہ ہوتا تو یہ منافقوں پر عذاب کیسے بنتا۔

پہلا اعتراض: منافقین تو پہلے سے ہی کافر تھے۔ کبھی مسلمان ہوئے ہی نہیں پھر ان کے متعلق یہ کیوں ارشاد ہوا کہ وکفروا بعد اسلامھم اسلام کے بعد کافر ہو گئے۔ یہاں کفر و اسلام سے مراد ان کا ظہور ہے یعنی اب تک انہوں نے اپنا اسلام ہی ظاہر کیا تھا اور اب کفر ظاہر کر دیا.......

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں پہلے فرمایا گیا قالو کلمۃ الکفر انہوں نے کفر کی بات کہی پھر ارشاد ہوا کفروا بعد اسلامھم وہ مسلمان ہونے کے بعد کافر ہو گئے۔ یہ مضمون مکرر ہے۔ جو کفر بولے گا وہ کافر ہو ہی جائے گا یہ کہنے کی ضرورت کیا ہے۔

جواب: بہت دفعہ کفر کی بات بولنے پر انسان کافر نہیں ہوتا کفر بولنا اور ہے کافر ہونا کچھ اور۔ اگر بے خودی یا وصال رسول کے لئے کفر بولے کافر نہ ہوگا۔ جندہ ابن ضمیر کا واقعہ یاد کرو۔ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان مطلب یہ ہے کہ انہوں نے کفر بکا بھی اور یہ کافر ہو بھی گئے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا ھموا بمالم ینالوا اس کی بجائے ارادو بما لم ینالوا کیوں نہیں فرمایا گیا۔ ارادہ اور ہم میں کیا فرق ہے۔

جواب: جب ارادہ کے ساتھ کوشش بھی مل جائے تو وہ ھم کہلاتی ہے۔ منافقوں نے حضور انور ﷺ کو شہید کرنے کا صرف ارادہ نہ کیا تھا بلکہ کوشش بھی کی تھی۔ کہ پہاڑ کی گھاٹی میں چھپ کر بیٹھ رہے تاک لگائی تھی۔ پھر بھی ناکام رہے اس لئے یہاں ھموا ارشاد ہوا۔

چوتھا اعتراض: یہاں اللہ اور رسول دونوں کے لئے واحد ضمیر کیوں ارشاد ہوئی من فضلہ۔ چاہئے تھا کہ من فضلھما ارشاد ہوتا۔

جواب: اس کے دو جواب ابھی تفسیر میں گزر گئے۔ ایک یہ کہ فضلہ کی ضمیر رسول کی طرف ہے کہ وہ ہی قریب ہے اللہ کا ذکر برکت کے لئے ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ ضمیر بتاویل مذکور دونوں کی طرف ہے یعنی جن ذاتوں کا ذکر ہوا ان میں سے ہر ایک نے انہیں غنی کر دیا۔ اس صورت میں اللہ رسول کی یگانگت دکھائی گئی۔ کہ اللہ کا کام رسول کا کام اور نبی کریم کا عمل رب تعالیٰ کا کام ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: یہ تو بالکل شرک ہوا کہ رسول کو اللہ کے برابر کر دیا۔ اللہ اللہ ہے رسول رسول ہیں۔

جواب: اللہ رسول کا ذکر ایک ساتھ شرک نہیں بلکہ رسول کو خدا یا خدا کے برابر یعنی اس کا بیٹا اور اس کی طرح خالق ازلی ماننا شرک ہے اس کے لئے ہماری کتاب اسلام کی چار اصطلاحیں کا مطالعہ فرماؤ۔ جسے کہتے ہیں مساوات یا عدل ثم الذین کفروا بربھم یعدلون یا جیسے اذ نسویکم برب العالمین

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین کو رب تعالیٰ دنیا و آخرت میں عذاب دے گا۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے ما کان لیعذبھم وانت فیھم آپ ﷺ چونکہ ان میں جلوہ گر ہیں لہٰذا اللہ انہیں عذاب نہ دے گا۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: یہاں دنیاوی عذاب سے لعنت و پھٹکار کا عذاب کا مراد ہے۔ اس آیت میں آسمانی غیبی عذاب کی نفسی ہے جیسے آگ برسنا۔ صورتیں مسخ ہونا وغیرہ لہٰذا دونوں آیتیں درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: کفر دو طرح کا ہے زبان کا اور دل کا یا ظاہری اور باطنی۔ دلی کفر تخم ہے اور زبانی کفر اس کا پھل جس سے دلی کفر کا پتہ لگتا ہے قالوا کلمتہ الکفر میں پھل پھول یعنی زبانی کفر کا ذکر ہے اور کفروا بعد اسلامھم میں دلی کفر یعنی تخم کا تذکرہ ھموا بما لم ینالوا ۔ میں اس دلی کفر کے دوسرے پھل کا تذکرہ اور ما نقموا (الخ) میں تیسرے پھل کا۔ جب ان کا دل کافر ہوا تو منہ سے کفر نکلنے لگے۔ حضورؐ انور کو شہید کرنے کے ارادے کرنے لگے۔ حضورؐ انور کے احسانات کا غلط نتیجہ نکالنے لگے۔ اس درخت کفر کا آرا یا کلہاڑا توبہ ہے اس لئے ارشاد ہوا ان یتوبو یک خیر الھم ۔ توبہ کی حقیقت دلی ندامت حضورؐ انور سے اخلاص و محبت اور حضورؐ کی اطاعت ہے۔ منافق و کافر کا یار و مددگار صرف توبہ و استغفار ہے اور اپنی انا کو فنا کرتا ہے۔

حکایت: حضرت محمد بن جعفر سے ایک بادشاہ نے کہا کہ میں بھی ایک ہوں رب بھی ایک۔ آپ نے فرمایا تو خود دو ہے جسم اور روح اور دو سے پیدا ہوا یعنی ماں اور باپ سے اور دو میں رہتا ہے یعنی دن اور رات میں۔ دو سے تیری بقا ہے کھانے اور پانی سے دو ہی تیرے ساتھی ہیں۔ فقیری اور عاجزی۔ وحدانیت اس کی صفت ہے جسے ہم کہتے ہیں ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو (روح البیان) استغفار کی صیقل ہے۔

شعر

دولت آئینہ خدا نما است روئے آئینہ تو تیرہ چرا است
صیقلی وار صیقلے میزن باشد آئینہ ات شود روشن
صیقل آں اگر نہ آگاہ نیست جز لا الہ الا اللہ

یعنی تیرا دل خدا نما آئینہ ہے بشرطیکہ اس کو کلمہ توحید کی صیقل کر۔

www.alahazratnetwork.org

وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْ

وہ ان میں سے وہ ہیں جنھوں نے عہد کیا اللہ سے البتہ اگر دے گا وہ ہم کو فضل سے اپنے تو ضرور ہم صدقہ کرینگے

اور ان میں سے کوئی وہ ہیں جنھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا کہ اگر ہمیں اپنے فضل سے دیگا تو ضرور ہم

نَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝ فَلَمَّآ اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَ

اور ضرور ہم ہوں گے نیکوں میں سے پس جب دیا تھا انکو اللہ نے اپنے فضل سے تو کنجوسی کی اس میں

خیرات کریں گے اور ضرور بھلے آدمی ہو جائیں گے تو جب اللہ نے انہیں اپنے فضل سے دیا اس

لَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۝

اور پھر گئے حالانکہ وہ منہ پھرے تھے

میں بخل کرنے لگے اور منہ پھیر کر پلٹ گئے

تعلق ۔ ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق : بہت دور سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ یہ لوگ بہت قسم کے تھے۔ بعض حضور انورؐ کو ایذا دینے والے منهم الذين يوذون النبی بعض کفر بک کر انکار کرنے والے اور جھوٹی قسمیں کھانے والے يحلفون بالله ماقالوا۔ بعض وعدہ کر کے پھر جانے والے (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق : پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جو اول سے ہی منافق تھے اب ان منافقین کا تذکرہ ہے جو پہلے مخلص تھے پھر مالدار ہو کر منافق ہو گئے تا کہ معلوم ہو کہ کبھی مال کی زیادتی ایمان سے ہٹا دیتی ہے۔

تیسرا تعلق : پچھلی آیات میں منافقوں کے ایک عیب کا ذکر ہوا۔ یعنی گذشتہ پر جھوٹ بولنا جھوٹی قسم کھا جانا۔ اب ان کے دوسرے عیب کا ذکر ہے یعنی آئندہ پر جھوٹ بولنا۔ عہد و پیمان کر کے پھر جانا۔

شان نزول : اس زمانہ پاک میں ایک شخص تھا ثعلبہ ابن حاطب ابن ابی بلتعہ (تفسیر خازن) مگر وہ بدری صحابی نہیں وہ تو غزوہ احد میں شہید ہو گئے تھے (روح المعانی) یہ انصاری ہے (روح البیان) یہ شخص بہت نمازی دن رات مسجد نبوی شریف میں حاضر رہتا حتی کہ اس کا لقب حمامۃ المسجد ہو گیا تھا۔ یعنی مسجد کا کبوتر۔ زیادہ سجدوں کی وجہ سے اس کی پیشانی اونٹ کے گھٹنے کی طرح ہو گئی تھی۔ پھر اس نے نماز فجر کے بعد فوراً مسجد سے نکل جانا شروع کر دیا بغیر دعا مانگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جلدی کی وجہ پوچھی اور فرمایا مسجد سے جلد بھاگنے کی کوشش کرنا طریقہ منافقین ہے۔ وہ بولا کہ میری غریبی مسکینی کا یہ حال ہے اور خاوند بیوی کے درمیان صرف ایک کپڑا ہے پہلے میں اس پہن کر نماز پڑھ لیتا ہوں پھر یہ ہی کپڑا بیوی کو دیتا ہوں تو وہ نماز پڑھ لیتی ہے ویسے وہ ننگی رہتی ہے حضور ﷺ دعا فرما دیں میں امیر ہو جاؤں۔ فرمایا جس تھوڑے مال کا شکر یہ ادا ہو

www.alahazratnetwork.org

وہ اس زیادہ مال سے بہتر ہے۔ جس کا شکریہ ادا نہ ہو۔ اس نے پھر اسی دعا کی درخواست کی۔ فرمایا تو مجھے دیکھ اگر میں چاہوں میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں مگر دیکھ میں کیسے گذارہ کرتا ہوں۔ اس نے تیسری بار اس دعا کی درخواست کی اور بولا اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو نبی بنایا۔ اگر آپ ﷺ کی دعا مجھے مال کثیر مل گیا تو میں اس سے ہر حق دار کا حق ادا کروں گا۔ چنانچہ اس کو ایک بکری ملی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا کی۔ واللہ اعلم۔ اس کے کیڑے مکوڑوں کی طرح اتنے بچے ہوئے کہ مدینہ منورہ کی گلیاں اسے تنگ ہو گئیں۔ اس نے جنگل میں مال رکھنا وہاں رہنا شروع کر دیا اب صرف ظہر و عصر کی جماعت میں حاضری رہ گئی پھر وہ جنگل بھی ناکافی ہوا تو دور جنگل میں چلا گیا اب صرف جمعہ کی حاضری رہ گئی۔ پھر اور مال زیادہ ہوا۔ آخر کار زکوۃ کا وقت آیا تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو شخصوں کو جانوروں کی زکوۃ وصول کرنے بھیجا۔ مگر بار بار فرماتے تھے ثعلبہ پر افسوس۔ ان دونوں صاحبوں کو زکوۃ کے احکام لکھ کر دیئے۔ یہ دونوں حضرات لوگوں سے زکوۃ وصول کرتے ہوئے ثعلبہ کے پاس پہنچے۔ ثعلبہ نے حضور انور ﷺ کا فرمان نامہ پڑھا۔ تیوڑی چڑھا کر بولا۔ یہ تو جزیہ (کفر کا ٹیکس) ہے جاؤ واپسی میں آنا۔ یہ حضرات واپسی میں اس کے پاس گئے وہ پھر یہی بولا کہ یہ تو جزیہ ہے۔ اچھا میں سوچ لوں پھر دوں گا۔ جب یہ حضرات حضورؐ انور کی خدمت میں پہنچے تو ان کو دیکھتے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ افسوس ثعلبہ پر۔ پھر ان صاحبوں نے وہ واقعہ عرض کیا۔ تب یہ آیت کریمہ ثعلبہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض لوگوں نے ثعلبہ سے کہا کہ تیری خیر نہیں تیرے متعلق آیات قرآنیہ نازل ہوئی ہیں۔ تب وہ زکوۃ لے کر بطور منافقت صرف بدنامی سے بچنے کے لئے حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آیا۔ حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے رب تعالیٰ نے تیری زکوۃ قبول کرنے سے منع کر دیا ہے۔ جس پر وہ لوگوں کو دکھانے کے لئے سر پر خاک ڈالنے اور واویلا پکارنے لگا۔ پھر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ وہ صدیق اکبر کے پاس زکوۃ لایا۔ انہوں نے بھی رد کر دی۔ پھر خلافت فاروقی میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس لایا۔ وہاں سے بھی رد ہو گئی۔ پھر خلافت عثمانیہ میں حضرت عثمان غنی کے پاس لایا۔ آپ نے فرمایا کہ جو زکوۃ بارگاہ رسالت سے ٹھکرا دی گئی۔ حضرات شیخین کے دروازوں سے رد کر دی گئی۔ میں وہ وصول نہیں کر سکتا۔ آخر کار وہ خلافت عثمانیہ میں کافر ہو کر مرا۔ (تفسیر روح البیان' معانی' کبیر' خازن' بیضاوی' مدارک' خزائن العرفان وغیرہ)

تفسیر: ومنهم من عهد الله ظاہر یہ ہے کہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور منہم خبر ہے مقدم من عهد الله مبتدا ہے موخر اس ترتیب سے حصر کا فائدہ ہوا۔ هم سے مراد منافقین ہیں۔ من سے مراد ثعلبہ یعنی یہ ثعلبہ منافقین میں سے ہی ہے اسے اسلام سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ نئے پرانے منافق و کافر نفاق و کفر میں یکساں ہیں۔ نیز موجودہ نفاق کی وجہ سے اس کے اسلام و اخلاص کے زمانہ کے سارے نیک اعمال بالکل ختم ہو چکے۔ وعدہ' عہد' میثاق اور اصران میں فرق ہم تیسرے پارہ میں عرض کر چکے اور اس آیت میں بھی اذاخذ الله ميثاق النبيين (الخ)۔ بہر حال یہاں عہد سے مراد مضبوط وعدہ ہے جس کی نگہبانی کی جاوے چونکہ یہ وعدہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ہوا تھا لہذا اسے عہد کہا گیا۔ نیز اگرچہ یہ وعدہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا جیسا کہ ابھی شان نزول سے معلوم ہوا مگر چونکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ رب تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

سے وعدہ ہے لہذا رھد اللہ فرمایا گیا لئن اتنا من فضلہ یہ عاہد کا مفعول دوم ہے۔ اتا کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے مالاً یعنی اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو اپنے فضل سے بہت سا مال دے دیا۔ چونکہ ثعلبہ نے یہ مال اپنے اور اپنے بال بچوں سب کے لئے مانگا تھا اس لئے تا جمع ارشاد ہوا۔ لنصدقن ولنکونن من الصلحین یہ فرمان عالی جزا ہے لنصدقن کی اصل میں لنصدقن تھا باب تفعل سے ت کو صاد کر کے صاد میں ادغام کر دیا۔ یہ بنا ہے صدقۃ سے بمعنی خیرات خواہ فرضی ہو۔ جیسے زکوۃ یا واجب جیسے فطرہ و قربانی یا نفلی جیسے ان کے سوا اور دوسرے صدقات۔

خیال رہے: کہ صدقہ بنا ہے صدق سے بمعنی سچائی۔ چونکہ خیرات مومن کے سچے مسلمان ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ اس لئے اسے صدقہ کہا جاتا ہے۔ دیکھو روح البیان۔ ثعلبہ نے یہ وعدہ اپنے اور اپنے بال بچوں کی طرف سے کیا تھا اس لئے یہاں بھی جمع ارشاد ہوئی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہاں صدقہ سے مراد فرضی صدقہ ہے زکوۃ اور ہو سکتا ہے کہ واجب صدقہ بھی مراد ہے ممکن ہے کہ صدقہ نفلیہ مراد ہوں۔ یعنی جہادوں اور دوسرے دینی کاموں میں چندہ دینا وغیرہ۔ صالحین سے مراد ہے مالی عبادات کر کے نیک کار بننے والے جیسے حج و عمرہ وغیرہ ورنہ بدنی عبادات نماز روزہ تو وہ پہلے ہی کرتا تھا۔ نماز باجماعت کا بڑا پابند تھا مسجد نبوی کا حاضر باش تھا یعنی اب جو نیکیاں ہم غریبی کی وجہ سے نہیں کر سکتے وہ بھی ضرور بالضرور کریں گے۔ یا یہ مطلب ہے کہ سب یوں ہی نیک کار رہیں گے۔ مال کی وجہ سے نیکیوں میں سستی نہ کریں گے۔ **فلما اتھم من فضلہ** ۔ اس فرمان عالی میں اس کے انجام کا ذکر ہے۔ چونکہ ثعلبہ کے اس وعدے کے فوراً بعد حضورؐ انور نے اس کے مالداری کی دعا فرمائی اور رب تعالیٰ نے اسے بہت ہی جلد مالدار کر دیا اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ یہاں بھی اتھم کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے۔ مالاً فضل اور رحم کا فرق بارہا عرض کیا جا چکا ہے۔ من فضلہ فرما کر یہ بتایا کہ اسے یہ مال اس کے اپنے کمال کی وجہ سے نہیں بلکہ محض عطا ذوالجلال۔ اس کے فضل و کرم سے ملا۔ تو چاہئے کہ اس کا شکر ادا کرے مگر ہوا یہ کہ بخلوا بہ یہ جزاء ہے عطا کی بخل کے معنی ہیں کنجوسی میں کبھی بخل اور امساک میں یہ فرق کرتے ہیں کہ جو خود کھائے دوسروں کو نہ کھلائے ممسک وہ جو نہ خود لائے کھلائے نہ کسی کو کھلائے یوں ہی جمع کر کے چھوڑ جائے ان کا مقابل سخی اور جواد ہے سخی وہ جو خود بھی کھائے دوسروں کو بھی کھلائے اس لئے رب تعالیٰ کو سخی نہیں کہتے جواد کہتے ہیں۔ کیونکہ وھو یطعم ولا یطعم وہ کھلاتا ہے کھاتا نہیں۔ حضورؐ انور میں بھی جواد ہیں۔ کیونکہ شعر

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسری زیر پائے امتش

وتولوا وھم معرضون اس فرمان عالی میں تولو تو معطوف ہے بخلوا پر مگر وھم معرضون میں دو احتمال ہیں یا یہ تولو کے فاعل سے حال ہے اور واؤ حالیہ۔ یا یہ نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ تولوا سے مراد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیر لینا کہ باوجودیکہ حضورؐ انور کے دو خادم دو دفعہ اس کے پاس زکوۃ لینے گئے مگر نہ دی اور وھم معرضون سے مراد ان کی پچھلی نافرمانی ہے یعنی مسجد نبوی کی حاضری جماعت کی پابندی بلکہ مدینہ منورہ کی رہائش سے دور ہٹ جانا (از روح المعانی) وہ یہ کر سکتا تھا کہ جانوروں کا انتظام نوکروں کے سپرد کر دیتا۔ خود حاضر بارگاہ رہتا۔ ہفتہ عشرہ میں وہاں پھیرا مار آیا

www.alahazratnetwork.org

کرتا مگر کرتا کیسے۔ نصیب میں تو یہ دن تھے اور اگر یہ حال ہو تو معنی یہ ہوں گے۔ اطاعت سے منہ پھر گیا۔ دل سے تو پہلے ہی پھرا ہوا تھا۔ دیکھو (تفسیر روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: منافقین بہت قسم کے ہیں جن میں بعض کا حال تم معلوم کر چکے اور بعض وہ ہیں جو غریبی کے زمانہ میں حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں اللہ تعالیٰ سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ اگر اس نے ہم کو اپنے فضل و کرم سے مالدار کر دیا تو ہم ہر طرح کے صدقات و خیرات کریں گے۔ اور وہ تمام نیکیاں کریں گے جو مال پر موقوف ہیں اور ہم ہر طرح نیکو کاروں سے ہو جائیں گے۔ حاجی وغیرہ بنیں گے۔ مگر ہوا یہ کہ جب رب نے انہیں اپنے فضل سے مال دے دیا تو وہ اول درجہ کے کنجوس بن گئے۔ زکوٰۃ تک نہیں دیتے اور ہمارے حبیب کی اطاعت سے منہ پھیر گئے۔ دل سے تو پہلے ہی پھرے ہوئے تھے۔ یا بدنی عبادات۔ نماز مسجد نبوی کی حاضر تو پہلے ہی چھوڑ چکے تھے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کی فطرت سے خبردار ہیں کہ کسی کی طبیعت غریبی کے لائق ہے کس کی امیری کے لائق۔ رب نے حضور ﷺ کو اپنی مخلوق کی کیفیت قلبی سے خبردار کیا ہے۔ یہ فائدہ شان نزول سے حاصل ہوا۔ دیکھو ثعلبہ کو حضور ﷺ نے مالدار بننے سے منع کیا مگر حضرت عثمان کو منع نہ کیا کیونکہ ثعلبہ اور حضرت عثمان کی فطرت سے خبردار ہیں کہ حضرت عثمان مال کا تحمل کر سکتے ہیں ثعلبہ نہیں کر سکتا۔ پھر ظہور بھی ویسا ہی ہوا جیسا بتاتا تھا۔

دوسرا فائدہ: حضورؐ انور لوگوں کے دلی اخلاص و نفاق سے خبردار ہیں دیکھو بڑے سے بڑے مجرموں کو معافی دے دی جیسے جناب ابو سفیان، ہندہ، وحشی، عکرمہ وغیرھم۔ ان کی توبہ منظور فرمائی مگر معافی نہ دی توبہ منظور نہ کی ثعلبہ کی اگرچہ وہ سر پر خاک ڈالتا رہا۔ کیونکہ ان حضرات کی توبہ اخلاص سے تھی اس کی یہ حرکات نفاق سے فائدہ بھی شان نزول سے حاصل ہوا۔ جس پر حضورؐ انور مطلع تھے۔ شعر

خدا مطلع ساخت ہر جملہ غیب علی کل شی خبیر آمدی
نہ آمد مثال تو در دوجہاں نذیر آمدی بے نظیری آمدی

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے انجام سے خبردار ہیں کہ کون کافر مرے گا کون مومن یہ فائدہ بھی اس شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضورؐ انور جانتے تھے کہ ثعلبہ اب بھی منافق ہے اور مرے گا بھی کافر اس لئے اس کا نہ تو صدقہ قبول فرمایا نہ اس کے رونے سر پر خاک ڈالنے کی پرواہ کی کہ اس کا انجام برا ہونے والا تھا۔ جب حضور ﷺ احد پہاڑ کے دل کی جانتے ہیں تو انسان کے دل کی کیوں نہ جانیں۔

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ کے دروازے سے ٹھکرایا ہوا کہیں مقبول نہیں ہوتا یہ فائدہ بھی شان نزول سے حاصل ہوا کہ ثعلبہ کی زکوٰۃ نہ حضرت صدیق اکبر نے قبول کی نہ حضرت فاروق اعظم نے نہ عثمان غنی نے۔ کیونکہ حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ سے رد ہو چکی تھی ایسے کو تو رب بھی منظور و مقبول نہیں کرتا۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

قسم خدا کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک — کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے چھوڑ دیا

پانچواں فائدہ: حضور ﷺ سے عہد و پیمان خود رب تعالیٰ سے عہد و پیمان ہے یہ فائدہ من عهد الله سے حاصل ہوا ثعلبہ نے حضور انور سے یہ معاہدہ کیا تھا۔ مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے کیا کیوں نہ کہ حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول بھی ہیں وکیل مطلق بھی۔

چھٹا فائدہ: جب فرض عبادت ادا کرنے کا وعدہ حضور ﷺ سے کرلیا جاوے تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ یہ فائدہ لنصدقن کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد زکوۃ ہے کہ زکوۃ خود بھی فرض ہے اور حضور انور سے اس کی ادا کا وعدہ کرلینے سے اور بھی ضروری ہوگی کہ اس کے چھوڑنے پر ایمان سلب ہوگیا۔

ساتواں فائدہ: نفلی صدقہ منت مان لینے سے فرض ہوجاتا ہے۔ اور حضور انور سے وعدہ کرلینے سے اور زیادہ اہم فرض یہ فائدہ لنصدقن کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ اس سے مراد نفلی صدقہ ہو۔ کار خیر میں چندہ دینا وغیرہ جو اس پر اس نذر کی وجہ سے واجب ہوگئے تھے۔

آٹھواں فائدہ: واجب حقوق ادا نہ کرنا شریعت میں بخل ہے نفلی صدقات نہ دینا بخل نہیں یہ فائدہ بخلوا به سے حاصل ہوا۔ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ ضروری مقام پر خرچ کرنا سخاوت ہے غیر ضروری جگہ خرچ کرنا اسراف ہے ناجائز جگہ خرچ کرنا تبذیر اس وجہ سے اسراف کے لئے ہلکی بات فرمائی گئی ان الله لا یحب المسرفین اللہ تعالیٰ اسراف والوں کو پسند نہیں کرتا مگر تبذیر کے لئے سخت حکم ہے ان المبذرین کانوا اخوان الشیاطین۔ تبذیر کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔

نواں فائدہ: کار خیر میں حیلے بہانے ٹال مٹول کرنا درحقیقت انکار ہے تولی بھی اعراض ہے۔ یہ فائدہ تولوا اور معرضون سے حاصل ہوا۔ دیکھو ثعلبہ نے زکوۃ سے انکار نہیں کیا تھا ٹال مٹول کی تھی۔ رب تعالیٰ نے اسے تولی قرار دیا۔

دسواں فائدہ: زکوۃ کو ٹیکس، خراج، جزیہ سمجھنا غلط بلکہ قریب کفر ہے یہ تو عبادت ہے جو نہایت خوش دلی سے ادا کرنی چاہئے اور ادا ہوجانے پر توفیق کا شکر یہ فائدہ بھی تولوا اور معرضون سے حاصل ہوا کہ ثعلبہ نے کہا تھا کہ زکوۃ جزیہ کی طرح ہے رب نے اسے تولی فرمایا۔

پہلا اعتراض: جس وقت ثعلبہ نے یہ مذکورہ وعدہ کیا تھا اس وقت وہ مخلص مومن تھا اس وقت اسے منافق کیوں فرمایا گیا کہ منهم من عهد الله (الخ) جواب اس لئے کہ وہ علم الٰہی میں منافق ہوجانے والا اور نفاق پر مرنے والا تھا۔ نیز اس میں بتایا گیا کہ نیا اور پرانا منافق یکساں ہیں یا یوں کہو کہ اس آیت کا نزول ثعلبہ کے زکوۃ نہ دینے پر ہوا تب تو کوئی سوال ہی نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ ثعلبہ نے کہا تھا ہم صدقہ دیں گے اور نیک کاروں میں سے ہوجائیں گے وہ نیک کار تو پہلے ہی تھا غازی تھا مسجد نبوی شریف کا حاضر باش تھا۔ پھر اس کا کیا مطلب ہے جواب اس کا جواب بھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یا تو یہ مطلب ہے کہ ہم مالی نیکیاں بھی کریں گے ابھی تو صرف بدنی نیکیاں کرتے ہیں یا یہ مطلب ہے ہم نیک کار رہیں گے۔ مال پاکر بدکار نہ ہوجائیں گے بہر حال مطلب واضح ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا اعتراض: مالی نیکیاں تو صدقہ میں آ گئیں لنصدقن پھر اب صالح ہو جانے کا کیا مطلب ہے۔

جواب: مالی نیکیاں بہت قسم کی ہیں۔ فرض جیسے زکوٰۃ حج واجب جیسے فطرہ قربانی۔ نفل جیسے جہاد و عمرہ وغیرہ میں خرچ یہاں صدقہ سے مراد ضروری خیراتیں ہیں۔ اور صالحین سے مراد یہ بقیہ جگہ خرچ کر کے نیک بن جانا لہذا آیت میں تکرار نہیں۔

چوتھا اعتراض: ثعلبہ کے لئے تو اس کا مال وبال بنا پھر اسے رب تعالیٰ کا فضل کیوں فرمایا گیا کہ **فلما اتھم من فضلہ**

جواب: یہ بتانے کے لئے کہ اسے مال خود اس کے کمال سے نہ ملا۔ محض عطاء ذوالجلال سے ملا کہ ایک بکری سے اس کے جنگل بھر گئے۔ نیز مال تو اللہ کا فضل ہی ہے اگر کوئی اس سے سرکش ہو جائے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں ثعلبہ کے متعلق تین باتیں ارشاد ہوئیں **بخل قمولی معوضون**۔ ان میں کیا فرق ہے۔

جواب: زکوٰۃ نہ دینا ٹال مٹول کرنا بخل ہے۔ منہ سے کہنا کہ یہ تو ایک قسم کا ٹیکس ہے یہ ہوئی تولی۔ دل سے زکوٰۃ کو بوجھ جاننا ہے اعراض پر تینوں کام اس نے کئے۔

تفسیر صوفیانہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے پتھروں کی دلی حالت پر مطلع فرمایا ہے کہ احد پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے۔ ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ غیر ہم سے عداوت رکھتا ہے۔ ہم اس سے نفرت کرتے ہیں۔ تو انہیں لوگوں کے دلوں کی حالت کیسے معلوم نہ ہوگی۔

قدرت کی تحریریں جانے — امی اور تقریریں جانے
بخشش کی تدبیریں جانے — وہ ہے رحمت والا
جس کا نام ہے محمد علیہ ﷺ ان سے — دو جگ ہے اوجالا

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ذوالنورین اور دوسرے مال دار انصار کے دلوں کی استعداد بھی جانتے ہیں اور ثعلبہ کی نااہلی بھی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ مبارک تمام جہان کی فطرت کی نبض پر ہے۔ اس لئے ثعلبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مال دار بننے سے منع فرمایا۔ وہ نہ مانا اور دنیا نے اس کا انجام دیکھ لیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ اس کے آگے نماز پڑھنا۔ رب کو سجدہ رب کو نماز ہے۔ ایسے ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کرنا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھڑے ہو کر عہد کرنا رب تعالیٰ سے عہد ہے **من عھد اللہ** یہ ہی بتا رہا ہے۔ مال رحمت بھی ہے وبال بھی۔ یہ بات اس کے انجام سے معلوم ہوتی ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مال رحمت ذوالجلال تھا۔ ثعلبہ کا مال بڑا وبال ہوا۔

فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَاۤ اَخْلَفُوا

پس سزا دی اللہ نے ان کو منافقت کی دلوں میں ان کے اس دن تک جب کہ ملیں گے وہ اس سے اس وجہ

تو اس کے پیچھے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں نفاق رکھ دیا اس دن تک جب کہ ملیں گے بدلہ اس کا انہوں نے اللہ سے

www.alahazratnetwork.org

اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۷۷﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ

سے کہ خلاف کیا انہوں نے اللہ سے وہ جو عہد کیا انہوں نے اس سے اور اس وجہ سے کہ

وعدہ جھوٹا کیا اور بدلہ اس کا کہ جھوٹ بولتے تھے کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ان کے دل کی چھپی اور ان کی سرگوشی کو

يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوٰىهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۷۸﴾

جھوٹ بولتے تھے کیا نہ جانا انہوں نے کہ تحقیق اللہ جانتا ہے انکے بھید کو اور انکے مشوروں کو اور تحقیق اللہ جاننے والا ہے غیبوں کا

جانتا ہے اور یہ کہ اللہ سب غیبوں کو بہت جاننے والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ثعلبہ کے تین گناہوں کا ذکر ہوا۔ بخل۔ وعدہ خلافی اور اعراض۔ یعنی اللہ رسول کے حکم سے منہ پھیرنا اب ان کے نتیجہ کا ذکر ہے یعنی دل میں نفاق پیدا ہو جانا۔ گویا بیماری کے ذکر کے بعد اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ثعلبہ کے عملی گناہوں کا ذکر تھا۔ اب اس کے نتیجہ میں دلی گناہوں یعنی نفاق کا تذکرہ ہے گویا ابتداء مرض کے بعد انتہا مرض کا ذکر ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ثعلبہ کے بخل و جھوٹ۔ وعدہ خلافی کا تذکرہ ہوا کہ اس نے یہ تینوں جرم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے سرتابی کرتے ہوئے کیے۔ جس سے اس کے جرم سخت ہو گئے۔ اب ارشاد ہے کہ اس بے ادبی کا ذکر پہلے ہوا اب اس بے ادبی کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے۔

مقصد نزول: پچھلی دو آیتوں کے شان نزول میں بتایا گیا کہ ثعلبہ ابن حاطب بعد میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں زکوۃ لے کر حاضر ہوا مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے رد فرما دی جس سے وہ اپنے سر پر خاک ڈالنے لگا۔ یہ آیت کریمہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عمل شریف کی تائید فرمانے کے لئے کہ آپ ﷺ نے ٹھیک کیا وہ یہ کام اخلاص سے کیسے کر سکتا تھا۔ ہم نے تو منافقت اس کے دل میں مرتے دم تک کے لئے لازم کر دی۔

تفسیر: فاعقبهم نفاقا فی قلوبهم یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ہے لہذا اس کی ف عاطفہ ہے چونکہ ان اعمال کے فوراً بعد نفاق ان کے دلوں میں پیدا ہوا۔ اس لئے ف ارشاد ہوئی ثم نہ فرمایا گیا۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہو اور ف جزائیہ ہو۔ عام مفسرین نے فرمایا کہ اعقب بنا ہے عقب سے بمعنی پیچھے ہونا۔ اعقاب پیچھے لانا۔ پیچھے کرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

اودی نبی وامقیونی نفوۃ　　　بعد الرقاء وعیوۃ لا تقطع

www.alahazratnetwork.org

اس شعر میں اعقبونی بنا ہے عقب سے (تفسیر کبیر) اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ان جرموں کے بعد ان کے دلوں میں نفاق ڈال دیا۔ مگر تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ عقاب بمعنی سزا سے بنا ہے اور فاعل رب تعالیٰ رہے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں نفاق کی سزا دی کہ ان کے دلوں میں دائمی نفاق پیدا کر دیا۔ خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ اعقب کا فاعل رب تعالیٰ نہیں بلکہ ان کی مذکورہ وعدہ خلافی اور جھوٹ وغیرہ ہے۔ ان کے نزدیک جیسے ترک نماز کفر ہے ایسی ہی یہ مذکورہ گناہ منافقت ہیں۔ مگر یہ قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے۔ بما اخلفوا اللہ اور بما کانوا یکذبون جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہ سب جرم سبب نفاق ہیں نہ کہ فاعل۔ اور ظاہر ہے کہ فاعل اور ہوتا ہے سبب کچھ اور یہاں تفسیر خازن، روح المعانی، کبیر وغیرہ نے فرمایا کہ حسن نے اس تفسیر سے رجوع کر لیا۔ جیسا کہ ہم انشاء خلاصہ تفسیر میں عرض کریں گے۔ نفاق سے مراد اعتقادی منافقت ہے۔ یعنی دل میں کفر زبان پر اسلام نہ کہ محض عملی منافقت یعنی منافقوں کے سے کام کرنا اسی لئے ارشاد ہوا الی قلوبھم یعنی نفاق دلی پیدا کیا۔

خیال رہے: کہ نفاق دوسرا مفعول ہے اعقب کا اور قلوبھم نفاقا کی صفت الی انتہاء کے لئے ہے یوم سے مراد وقت ہے نہ کہ نہار یعنی رات کا مقابل یلقونہ سے مراد ان کی موت کا دن ہے اور ہ سے پہلے عذاب پوشیدہ ہے۔ کیونکہ بعد موت نہ کوئی کافر رہتا ہے نہ منافق سب توبہ کر کے اسلام قبول کرتے ہیں مگر وہ قبول کرنا معتبر نہیں نیز کفار اور منافقین نہ تو اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکیں گے نہ اس سے ملاقات۔ بلکہ مرتے وقت وہ اللہ کے عذاب سے ملتے ہیں۔ بما اخلفوا اللہ ما وعدوہ یہ عبارت متعلق ہے اعقب کے اس میں ب سببیہ ہے ور ما مصدریہ یا یعنی انہیں نفاق کی یہ سزا اس لئے ملی کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا اس کے خلاف کیا۔ چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ رب تعالیٰ سے وعدہ ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وعدہ توڑنا رب تعالیٰ کا وعدہ توڑنا۔ اس لئے اخلفوا اللہ (الخ) اور ساتھ ہی ما وعدوہ ارشاد ہوا۔ وبما کانوا یکذبون۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ بما اخلفوا اللہ (الخ) پر یعنی اس وجہ سے بھی کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے جھوٹ کے عادی تھے۔

خیال رہے: کہ یہاں وعدہ سے تو وہ وعدہ مراد ہے لنصدقن ہم صدقہ و خیرات کریں گے اور جھوٹ سے مراد یا تو لنکونن من الصالحین میں جھوٹ بولنا مراد ہے کہ وعدہ کیا تھا نیک بن جانے کا مگر بنے بد۔ یا اس سے ان کا دائمی جھوٹ مراد ہے یعنی وہ جھوٹ بولنے کے عادی ہیں۔ (روح البیان) الم یعلموا ان اللہ یعلم سرھم ونجوٰھم اس فرمان عالی میں ان پر دوسرا عتاب ہے اس میں الف سوال انکاری کا ہے۔ سر سے مراد ان کے دلی عقیدے ہیں اور نجوٰ سے مراد ان کی آپس کی سرگوشیاں اور مشورے۔ وہ دل سے کافر تھے۔ اور منہ سے کہتے تھے کہ زکوٰۃ ٹیکس کی طرح ظلم ہے۔ اس کا وصول کرنا ناجائز۔ کیا یہ جانتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی دلی بدعقیدگیاں اور آپس کی زبانی بکواس جانتا ہے۔ اس نے اپنے حبیب کو بھی ان پر خبردار کیا ہے۔ اس لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدترین کفار کی توبہ قبول فرمائی کہ وہ اخلاص سے تھی۔ مگر ان کی زکوٰۃ قبول نہ کی وہ نفاق سے تھی۔

خیال رہے: کہ ان تمام میں صیغے اور ضمیریں جمع لانا اس لئے ہے کہ اس میں ثعلبہ کے گھر والے شامل کہ وہ اس کے تمام

www.alahazratnetwork.org

حرکات میں معاون و مددگار تھے یا دوسرے منافقین مدنیہ شامل ہیں جو ان کے ہم نوا تھے۔ اس کی ان حرکات کو پسند کرتے تھے۔ و ان اللہ علام الغیوب یہ فرمان عالی ان اللہ یعلم پر معطوف ہے اور یعلموا کا مفعول یعنی کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ سارے غیبوں کا جاننے والا ہے جو کچھ وہ کر چکے کہہ چکے یا کہتے اور کرتے ہیں یا کہیں گے اور کریں گے رب تعالیٰ کو سب کی خبر ہے۔ وہ لوگ یہ سب کچھ جانتے مانتے ہیں۔ کیونکہ وہ خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے انکاری نہیں مگر حرکات اس کے خلاف کرتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ نے ثعلبہ کو اس کی مذکورہ حرکات کی سزا یہ دی کہ نتیجہ کے طور پر ان کے دلوں میں نفاق ایسا جاگزین کر دیا جو مرتے وقت تک اور عذاب ملنے تک ان کے دلوں میں قائم رہے انہیں کبھی توبہ کی توفیق نہ ملے یہ اس لئے ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے بارگاہ نبوت میں کیئے ہوئے وعدے خلاف کئے یعنی مال ملنے پر صدقہ و خیرات نہ کی اور اللہ سے جھوٹ بولتے رہے۔ انہیں میں سے ایک جھوٹ یہ تھا کہ ہم نیک و صالح بن جائیں گے مگر بنے بدکار ان پر خدا کی کیسی پھٹکار ہے۔ کیا انہیں خبر نہیں کہ رب تعالیٰ ان کے دلوں کے چھپے ہوئے برے عقیدے بھی جانتا ہے اور ان کی سرگوشیوں سے بھی خبردار ہے وہ تو سارے غیبوں کا جاننے والا ہے۔ اس کے علم غیب کی دلیل یہ ہے کہ اس کے محبوب نے ان کی لائی ہوئی زکوۃ قبول نہ فرمائی۔ ان کے اپنے سروں پر خاک ڈالنے کی پرواہ نہ کی وہ جانتے تھے کہ یہ سب کچھ منافقت سے کر رہے ہیں حالانکہ یہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم بدتر سے بدتر کفار کی توبہ قبول فرما لیتے ہیں۔ جانتے ہیں کہ وہ توبہ اخلاص سے ہے یا اس میں آئندہ خلاص پیدا ہو جاوے گا۔ دیکھو فتح مکہ میں مولفۃ القلوب کا ایمان منظور کر لیا۔ کیونکہ انجام سے خبردار ہیں۔

لطیفہ: حضرت خواجہ حسن بصری فرماتے تھے کہ زکوۃ دینا۔ وعدہ خلافی کرنا۔ جھوٹ بولنا منافقت ہے اور ان جرموں کا مرتکب پکا منافق۔ ان کی دلیل یہ آیت تھی اور وہ حدیث کہ جس شخص میں یہ چار خصلتیں ہوں وہ منافق ہے۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو خلاف کرے۔ لڑے تو گالیاں بکے۔ امانت میں خیانت کرے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا بولا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جھوٹ بھی بولا۔ وجاء علی قمیصہ بدم کذب وعدہ خلافی بھی کی۔ ان لہ لحافظون امانت میں خیانت بھی کی۔ آپ ﷺ انہیں منافق کہتے ہیں۔ انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں ستاروں کی شکل میں دیکھا تھا۔ انی رایت احد عشر کو کبا حضرت حسن نے اس فرمان سے رجوع کر لیا پھر کبھی یہ نہ کہا (تفسیر کبیر خازن روح البیان وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بعض گناہ کفر یا نفاق کا ذریعہ ہیں کہ ان کی نحوست سے آدمی آخر کار کافر یا منافق ہو جاتا ہے یہ فائدہ ماعقبھم نفاقا سے حاصل ہوا۔ ثعلبہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے وعدے خلافی سے منافق ہو گیا۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ مردوں کے دلوں میں نفاق پیدا فرماتا ہے ان کے بعض گناہوں کی وجہ سے۔ جیسے بعض بیماریوں کی وجہ سے موت پیدا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فاعقبھم نفاقا (الخ) سے حاصل ہوا کہ عقب کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ: ثعلبہ مرتے وقت تک منافق رہا اور منافق مرا اس کا بار بار زکوۃ لانا اور سر پر خاک ڈالنا سب نفاق سے تھا یہ فائدہ الی یوم یلقونه سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دلوں کی گہرائیوں تک ہے وہ اخلاص و نفاق کو پہچانتے ہیں۔ شعر

اے فروغت صبح آثار و دہور   چشم تو بلبیدہ مافی الصدور
درنظر بودش مقامات العباد   زاں سبب نامش خدا شاہد نہاد

دیکھو ثعلبہ کا بہت مال منظور نہ فرمایا اور ابو عقیل انصاری کے چار سیر جو نہایت خوشی سے منظور کئے یہ نفاق سے تھا وہ اخلاص سے۔ یہ آیت تو بعد میں آئی۔ حضورؐ انور کی اس عمل شریف کی تائید کے لئے۔ نبی ہوتا ہی وہ ہے جو باخبر ہو۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے   بے خبر ہو جو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے

پانچواں فائدہ: حضورؐ انور سے وعدہ خلافی کرنا رب تعالیٰ سے وعدہ خلافی ہے یہ فائدہ بما اخلفوا اللہ وعدہ سے حاصل ہوا کہ ثعلبہ نے حضورؐ انور سے وعدہ خلافی کو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھ سے وعدہ خلافی کی۔ یوں ہی اس کے برعکس حضورؐ انور سے وفاداری رب تعالیٰ سے وفاء ہے۔ شعر

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں   یہ جہاں چیز ہے کیا لوح و قلم تیرے ہیں

چھٹا فائدہ: غریبی میں خدا کو یاد کرنا امیری میں بھول جانا۔ منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ بما کانوا یکذبون سے حاصل ہوا ثعلبہ کے انجام سے عبرت پکڑو۔

ساتواں فائدہ: مانی ہوئی نذر پوری نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی بما کانوا یکذبون سے حاصل ہوا ثعلبہ کے انجام سے عبرت پکڑو۔

ساتواں فائدہ: مانی ہوئی نذر پوری نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس سے دل میں نفاق پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی بما کانوا یکذبون سے حاصل ہوا۔ اولاً تو نذر مانو نہیں مگر جب مان لو تو پوری کرو۔ ثعلبہ کا انجام سامنے رکھو۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ ایمان۔ نیک اعمال سے محروم ہو جاوے۔ اور دنیاوی تکلیف تو اللہ کی رحمت بھی ہو جاتی ہے۔

نواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے نکالا ہوا کہیں امن نہیں پاتا۔ دیکھو ثعلبہ کی زکوۃ جب بارگاہ نبوت سے نکالی گئی تو نہ صدیق اکبر نے قبول کی نہ فاروق اعظم نے نہ عثمان غنی نے۔ اسے تو رب تعالیٰ بھی قبول نہیں کرتا۔

دسواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم غیب رب تعالیٰ کے علم غیب کی دلیل ہے۔ بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر صفت کمال رب ذوالجلال کی دلیل ہیں یہ فائدہ الم یعلموا ان اللہ یعلم (الخ) سے حاصل ہوا۔ ثعلبہ رب تعالیٰ کے علم کا منکر نہ تھا وہ حضور ﷺ کے علم کا انکاری تھا۔ اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مذکور منافقت سے لایا تھا۔

کامل عالم وہ ہے جو عالم بنا بھی سکے۔ کامل مالک وہ ہے جو مالک بنا بھی سکے۔   شعر

www.alahazratnetwork.org

وہ ہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا ہمیں بھیک مانگنے کو تیرا آستاں بتایا

پہلا اعتراض: یہاں اعقب کا فاعل رب تعالیٰ نہیں بلکہ ثعلبہ کا بخل اس کی وعدہ خلافی۔ جھوٹ وغیرہ ہے۔

نوٹ: یہ اعتراض معتزلہ کا ہے جو رب کو شر کا خالق نہیں مانتے۔ ان کے ہاں بندہ خود اپنے اعمال کا خالق ہے۔

جواب: یہ غلط ہے۔ کیونکہ بخل جھوٹ وعدہ خلافی تو نفاق پیدا ہونے کی وجہ ہے نہ کہ اس کا فاعل۔ دیکھو ارشاد ہوا بما اخلفوا اللہ ماوعدوہ بما کانوا یکذبون سبب فاعل نہیں ہوتا۔ ماں باپ ہماری خلقت کا سبب تو ہیں خالق نہیں۔

دوسرا اعتراض: معلوم ہوتا ہے کہ قیامت میں کفار و منافقین بھی رب سے ملاقات کریں گے۔ دیکھو ارشاد ہوا الی یوم یلقونہ اور ظاہر ہے کہ ملاقات دوست سے ہی کی جاتی ہے۔ لہٰذا کفار و منافقین بھی خدا کو پیارے ہیں۔

جواب: یہ غلط ہے یہاں اس دن سے مراد قیامت کا دن نہیں۔ بلکہ ان کی موت کا دن ہے۔ اور یلقونہ کے معنی ہیں رب کا عذاب پائیں گے رب فرماتا ہے یوم نحشوا لمتقین الی الرحمن وفدا و نسوق المجرمین الی جھنم وردا متقی لوگ رب تعالیٰ سے وفد بن کر ملاقات کریں گے اور مجرمین میں سے اونٹوں کی طرح دوزخ کی طرف ہانکے جائیں گے۔

تیسرا اعتراض: بما اخلفوا اللہ ماضی مطلق ارشاد ہوا۔ بما کانوا یکذبون ماضی استمراری اس میں کیا فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

جواب: اس فرق کی وجہ ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ ثعلبہ نے وعدہ خلافی تو صرف اس موقعہ پر کی تھی مگر جھوٹ بولنے کا پہلے سے عادی تھا۔ جھوٹ عام ہے مگر وعدہ خلافی خاص۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے اور ایک حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وعدہ خلافی منافق ہے وعدہ خلافی نفاق فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ منافق ہے وہ جس میں یہ عیوب ہوں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے امانت میں خیانت کرے۔ بڑے کو گلیاں بکے لہٰذا بے نماز کافر ہے وعدہ خلاف منافق۔ (خواجہ حسن بصری)

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ حدیث شریف میں منافقت سے مراد عملی نفاق ہے یعنی ایسا شخص منافقوں کے سے کام کرتا ہے۔ یہاں تفسیر کبیر نے یہ جواب بھی دیا ہے۔ کہ یہ عیوب خاص زمانہ نبوی میں نفاق تھے۔ جیسے اس زمانہ میں نماز چھوڑنا کفر کی خاص علامت تھی۔ جیسے آج کل چوٹی دھوتی کفر یعنی کفر کی علامت ہے۔

پانچواں اعتراض: ثعلبہ منافق تھا اس کی زکوٰۃ اور نذر شرعاً واجب الاداء نہ تھی پھر اس کے پورا نہ کرنے پر معتوب کیوں ہوا۔

جواب: نذر مانتے وقت ثعلبہ مسلمان تھا۔ بعد میں منافق بنا۔ کافر بھی۔ اگر کسی عبادت اسلامیہ کی نذر مان لے اس پر بھی اس کو پورا کرنا لازم ہے کہ مسلمان ہو اور نذر پوری کرے۔

تفسیر صوفیانہ: بڑے سے بڑا متقی بالخیر سے پہلے اپنے پر اعتماد نہ کرے۔ ثعلبہ کا واقعہ تا قیامت عبرت ناک ہے۔ ابلیس نے اسی ہزار سال عبادات کیں مگر مارا گیا۔ (روح البیان) کبھی ایک چنگاری سارا گھر جلا دیتی ہے۔ ایسے ہی کبھی ایک گناہ ساری عبادات ضائع کر دیتا ہے۔ ابلیس کے ایک گناہ نے ہی اسے برباد کر دیا۔ عمر بن عبدالعزیز فرماتے ہیں کہ ساری امتوں کے منافقین سے بدتر ایک حجاج ابن یوسف منافق ہے۔ یہاں روح البیان نے فرمایا آج کل کے سلطنت عثمانیہ کے وزراء حکام تمام جہان کے منافقین سے بڑھے ہوئے ہیں حتی کہ یہ مردود جہاد کے موقعوں پر کفار سے رشوت لے کر انہیں فتح اور مومنین مجاہدین کو شکست دلاتے ہیں۔ خدا انہیں ہلاک کرے ان کے شر سے مسلمانوں کو بچائے۔ (روح البیان) شعر

گنج قاروں کہ فرومی بردار قہر ہنوز　　　خواندہ باشی کہ ہم از غیرت درویشاں است

صوفیا فرماتے ہیں کہ اس بارگاہ میں زبانی دعویٰ نہیں دیکھا جاتا۔ وہاں دلی اخلاص پر نظر ہے۔ وہاں مال نہیں دیکھا جاتا۔ خرچ کرنے والے کی نوعیت کو دیکھا جاتا ہے۔

الَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ

وہ لوگ جو طعنہ دیتے ہیں رغبت کرنے والوں کو مسلمانوں میں سے صدقات میں اور ان کو جو نہیں

اور جو عیب لگاتے ہیں ان مسلمانوں کو جو کہ دل سے خیرات کرتے ہیں اور ان کو جو نہیں پاتے

وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ سَخِرَ

پاتے مگر مشقت اپنی کو پس مذاق کرتے ہیں ان سے بدلہ دے گا اللہ ان سے ہنسی کا اور

مگر اپنی محنت سے تو ان سے ہنستے ہیں اللہ ان کی ہنسی کی سزا دے گا اور ان کے لئے

اللّٰهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۹﴾

واسطے ان کے عذاب ہے درد ناک

دردناک عذاب ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: بہت دور سے منافقین کا ذکر چلا آ رہا ہے۔ وہ مختلف قسم کے تھے اور ان کے عیوب بھی مختلف جن میں سے بہت قسموں اور ان کے عیوب کا ذکر پچھلی آیات میں ہو چکا۔ ان کی ایک قسم کا ذکر اس آیت کریمہ میں ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ثعلبہ منافق کا عیب بیان ہوا۔ بخل وعدہ خلافی جھوٹ۔ اب دوسرے منافقوں کا عیب بیان ہو رہا ہے، سخی صحابہ کرام کی سخاوتوں پر طعنہ کرنا انہیں ریا کار وغیرہ بتانا گویا ان کے اپنے عیوب کا ذکر فرمانے کے بعد

www.alahazratnetwork.org

مومنین میں عیب نکالنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کا یہ عیب بیان ہوا کہ وہ بارگاہ رسالت میں گستاخ ہیں۔ اب یہ ذکر ہے کہ وہ حضرات صحابہ کی بارگاہ میں گستاخ ہیں۔ گویا گستاخی رسول پاک کے صحابہ کرام کے تبرے کا تذکرہ ہے۔ شان نزول غزوہ تبوک کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کو چندہ دینے کا حکم دیا تاکہ جہاد پر خرچ ہو۔ سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق اپنا سارا مال حتی کہ سوئی دھاگہ بھی لے کر حاضر ہوئے جس کی قیمت چار ہزار درہم تھی۔ حضرت عمر اپنے سارے مال کا آدھا لے کر حاضر ہوئے۔ جب حضرت صدیق سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم نے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑا عرض کیا اللہ رسول گھر والوں کے لئے کافی ہے۔ اور جب عمر سے پوچھا کہ تم نے گھر میں کیا چھوڑا عرض کیا کہ اتنا ہی جتنا یہاں حاضر کیا۔ فرمایا دونوں میں وہ ہی فرق ہے جو تمہارے کلاموں میں فرق ہے۔ حضرت عثمان غنی نے دس ہزار غازیوں کو سامان جہاد دیا۔ جس پر دس ہزار دینار خرچ کئے اور ایک ہزار دینار حضورؐ کی خدمت میں حاضر کئے تین اونٹ مع ان کے سامان کے پچاس گھوڑے حضورؐ نے فرمایا۔ اے عثمان! جو تم چاہو کرو۔ تم جنتی ہو چکے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف چار ہزار درہم لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس آٹھ ہزار درہم تھے آدھے یہاں لایا آدھے گھر رکھے۔ فرمایا جو لائے اور جو چھوڑ آئے اللہ دونوں میں برکت دے۔ ان کے مال میں اس قدر برکت ہوئی کہ بعض روایات میں ہے کہ ان کی چار بیویاں تھیں۔ ان کی وفات کے بعد انہیں آٹھواں حصہ میراث ملی تو ایک بیوی کو اسی ہزار درہم ملی۔ بعض میں ہے کہ ان کا چھوڑا ہوا کل مال تین لاکھ بیزار ہزار تھا۔ حضرت عاصم ابن عدی ایک سو وسق کھجوریں لائے۔ ایک وسق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے۔ اور ایک صاع ساڑھے چار سیر کا۔ مگر حضرت ابو عقیل انصاری جن کا نام شریف حجاب یا سہل ابن رافع ہے۔ وہ ایک صاع کھجوریں لائے اور بولے یا رسول اللہ! آج رات میں نے باغ میں پانی دینے کی مزدوری کی، رات بھر کی مزدوری دو صاع کھجوریں ہوئیں۔ ایک صاع میں نے گھر چھوڑیں، ایک صاع یہاں لایا ہوں۔ حضورؐ انور نے ان کے اس معمولی صدقے کی ایسی قدر فرمائی کہ فرمایا ان کھجوروں کو سارے جمع شدہ مال پر چھڑک دو۔ کہ سب میں شامل ہو جائیں۔ ادھر حضورؐ انور کی یہ کرم نوازیاں ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف منافقین بیٹھے ہوئے ان چندہ دینے والوں پر آوازے کس رہے تھے۔ زیادہ لانے والوں کے متعلق کہہ رہے تھے کہ یہ ریاکاریاں ہیں۔ انہوں نے اتنا بڑا صدقہ چھپ رک یا متفرق طور پر کیوں نہ کیا حتی کہ ایک منافق نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ دکھلاوے کے لئے اتنا چندہ لائے تو آپؓ نے فرمایا کہ ہاں اللہ رسول کو دکھانے کے لئے لایا ہوں۔ دوسروں کو دکھانے کے لئے نہیں۔ اور حضرت ابو عقیل کے متعلق طعنہ دیتے ہوئے بولے کہ ان کے اس معمولی صدقہ کی اللہ رسول کو ضرورت نہیں، یہ صرف اپنے بڑوں کو چندہ والوں کے زمرہ میں داخل کرنے کے لئے لائے۔ اس موقعہ پر ان منافقین کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جس میں ان بے دینوں پر انتہائی غضب کا اظہار فرمایا گیا۔ (روح البیان، روح المعانی، خازن، کبیر وغیرہ) خیال رہے کہ حضور انور ﷺ حضرت عثمانؓ سے اس قدر خوش تھے کہ اپنی صاحب زادی رقیہ کا نکاح ان سے کیا، غزوہ بدر کے بعد وفات پا گئیں تو حضرت ام کلثوم یعنی ان سے چھوٹی بیٹی کا

www.alahazratnetwork.org

نکاح ان سے کردیا۔ جب وہ بھی فوت ہو گئیں تو فرمایا کہ اگر میرے تیسری بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان کے نکاح میں دیتا اس لئے آپ کو عثمان ذوالنورین کہا جاتا ہے۔ کسی کے نکاح میں نبی کی دو بیٹیاں نہ آئیں سوائے آپ کے۔ (روح البیان)

تفسیر: الذین یلمزون یہ فرمان عالی یا تو پوشیدہ منہم کی مبتدا ہے یا پوشیدہ ہم کو خبر۔ یلمزون بنا ہے۔ لمز سے بمعنی عیب لگانا۔ طعنے دینا۔ اس کی تحقیق پہلے منہم من یلمزک فی الصدقات میں ہو چکی۔ رب فرماتا ہے ویل لکل ھمزۃ لمزۃ وہاں لمزہ جمع لامزکی اسی لمز سے ہے۔ المطوعین من المومنین فی الصدقات یہ عبارت یلمزون کا مفعول بہ ہے مطوعین تھا۔ ت ط میں ضم ہو گئی۔ یہ بنا ہے طوع سے بمعنی خوشی اس کے مقابل کرھا بمعنی ناخوشی رب فرماتا ہے۔ طوعا اور کرھا تطوع نفلی عبادت کو بھی کہتے ہیں۔ اور بخوشی عبادت کرنے کو چونکہ نفلی عبادت مومن اپنی خوشی سے کرتا ہے وہ فرض نہیں ہوتی۔ اس لئے اسے تطوع کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہیں وہ لوگ جو بخوشی بہت زیادہ مال لائے تھے۔ چونکہ ہر صحابی اپنا صدقہ الگ لائے تھے۔ اس لئے فی الصدقات جمع ارشاد ہوا یعنی بعض منافق وہ ہیں جو ان مومنوں کو طعنے دیتے ہیں عیب لگاتے ہیں جو بخوشی بھاری بھاری صدقات حاضر کرتے ہیں۔ ان پر ریاکاری کا الزام لگاتے ہیں والذین لایجدون الا جھدھم قوی یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے۔ المطوعین پر اور یلمزون کا مفعول الذین سے مراد وہ فقراء صحابہ ہیں جو تھوڑا سا چندہ لائے تھے جھدھم پیش سے بھی آتا ہے۔ اور فتحہ سے بھی دونوں ہم معنی ہی ہیں۔ بمعنی مشقت یا مشقت سے حاصل کیا ہوا تھوڑا سا مال۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ جھد جیم کے پیش سے تھوڑی جز اور جیم کے فتح سے محنت مشقت (روح البیان و معانی کبیر) یعنی ان فقراء صحابہ کو بھی طعنے دیتے ہیں۔ جن کے پاس تھوڑا سا مال ہے جو محنت مزدوری سے حاصل کیا ہوا۔ فیسخرون منھم یہ عبارت معطوف ہے یلمزون پر منھم میں ھم کا مرجع وہ فقراء صحابہ ہیں جو تھوڑا چندہ لائے۔ یعنی ان فقراء صحابہ کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہ آپ کیوں انگلی کاٹ کر شہیدوں میں داخل ہوئے۔ اور ہو سکتا ہے کہ الذین الخ) مبتدا ہو اور فیسخرون (الخ) خبر اور یہ نیا جملہ ہو۔ سخر اللہ منھم یہ ہے ان بدنصیب منافقوں کی دنیاوی زبانی سزا۔ سخر یہ یعنی مذاق کی سزا کو مذاق فرمایا گیا۔ اس کی تحقیق پہلے پارہ میں اللہ یستھزئ بھم میں ہو چکی چونکہ یہ سزا دنیاوی ہے۔ جس کے لئے فنا ہے۔ اس لئے سخر ماضی ارشاد ہوا اور ممکن ہے اس سخر یہ سے مراد ان منافقوں کی وہ ذلت و خواری اور مذاق ہو جو مومنین ان پر کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ جیسے رب کی طرف نسبت کیا گیا۔ ولھم عذاب الیم یہ ان منافقوں کی اخروی سزا ہے چونکہ اس کے لئے دوام ہے اس لئے اسے جملہ اسمیہ سے بیان فرمایا۔ یعنی اس طعنہ مذاق کا بدلہ خود یہ چندہ دینے والے نہ لیں بلکہ اس کی دنیاوی سزا تا قیامت ان کا مذاق اڑایا جانا اور اخروی سزا دوزخ کی دائمی سزا خود رب تعالیٰ انہیں دے گا۔ کیونکہ اپنے محبوب اور محبوب کے غلاموں کا بدلہ خود رب تعالیٰ لیتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: منافقین وہ بدباطن لوگ ہیں۔ کہ جب غزوہ تبوک کے موقعہ پر مالدار صحابہ نہایت ہی فراخ دلی سے بہت بڑی رقم چندہ میں لاتے ہیں تو یہ انہیں عیب لگاتے ہیں ان پر طعنہ بازی کرتے ہیں کہ لوگ نام و نمود دکھاوے کے لئے لائے ہیں۔ نہ کہ رضاء الٰہی کے لیے اگر رضاء الٰہی کے لئے لاتے تو خفیہ دیتے علانیہ کیوں لائے۔ اور جب فقراء صحابہ محنت مزدوری

www.alahazratnetwork.org

کر کے تھوڑی رقم حاضر کرتے ہیں تو ان کا مذاق اڑاتے ہیں کہ بارگاہ الٰہی میں ایسی معمولی چیز لانے کی کیا ضرورت تھی۔ یہ تو اپنے گھر میں رہتے اور اپنا یہ مال اپنے پاس سنبھال کر رکھتے تو اچھا تھا۔ ان منافقوں کو رب تعالیٰ دنیا میں بھی سزا دے گا کہ تا قیامت ان کی بدنامی ہوگی ان کا مذاق اڑایا جاوے گا اور آخرت میں ان کے لئے دائمی دردناک عذاب ہے۔ جس سے کبھی چھٹکارا نہیں۔ اپنے پیاروں کا بدلہ ہم خود لیتے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بعض صورتوں میں نفلی صدقہ علانیہ کرنا بالکل جائز بلکہ بہتر ہے جب کہ مقصود یہ ہو کہ دوسرے لوگ بھی صدقہ دیں۔ لہٰذا چندہ کے موقعہ پر اعلان صدقہ جائز ہے۔ یہ فائدہ اس آیت کے شان نزول اور حضرت صدیق اکبر کی پہل فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: نیکی میں ابتداء اور پہل کرنا سنت صدیقی ہے کہ غزوہ تبوک کے اس مذکور چندے میں پہل آپ نے ہی کی۔

تیسرا فائدہ: سارا مال اللہ کی راہ میں خیرات کر دینا اور گھر میں صرف اللہ رسول کا نام باقی رکھنا ہر شخص کو جائز نہیں۔ رب فرماتا ہے ومما رزقنھم ینفقون ہاں جو خود اور اس کے بال بچے حضرت صدیق اکبر اور ان کے بال بچے کے رنگ میں رنگا ہو وہ سب کچھ راہ خدا میں لٹا دے۔

چوتھا فائدہ: نیک اعمال حضورؐ کو دکھانے انہیں راضی کرنے کے لئے نہ شرک ہے نہ ریا بلکہ قبولیت کا ذریعہ ہے۔ یہ فائدہ بھی اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضرت عمر نے منافقین کو جواب دیا۔ کہ میں نے یہ چندہ اللہ رسول کو دکھانے کے لئے دیا ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ جیسے خدا کو راضی کرنے کے لئے اعمال کرنا ریا نہیں یوں ہی حضورؐ انور کو۔

پانچواں فائدہ: حضرت صحابہ پر بدگمانی کرنا ان کے نیک اعمال میں شبہ کرنا انہیں ریا کار جاننا منافقوں کا طریقہ ہے۔ ایسے لوگ منافق ہیں۔ یہ فائدہ فیسخرون منھم سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: حضرات صحابہ کے کسی عمل کا مذاق اڑانا کفر اور طریقہ منافقین ہے۔ یہ فائدہ فیسخرون منھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ ان کا دیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونے کی خیرات سے افضل ہے (حدیث شریف)

ساتواں فائدہ: مذکور صدقے واجب صدقے نہ تھے۔ بلکہ نفلی صدقے اور چندہ تھے۔ یہ فائدہ المطوعین سے بھی یہ ہی معلوم ہو رہا ہے۔ کہ زکوٰۃ وغیرہ واجب صدقے غریبوں پر نہیں ہوتے۔ نیز صدقہ واجبہ میں نصاب اور صدقہ کی تعداد مقرر ہوتی ہے وہاں سارا مال آدھا خیرات کرنے کے کیا معنی۔

آٹھواں فائدہ: غریب کا تھوڑا صدقہ وخیرات جب کہ اخلاص سے ہو غنی کے زیادہ صدقے سے بفضلہٖ تعالیٰ کم درجہ والا نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضورؐ انور نے حضرت ابو عقیل کی آدھا صاع کھجوریں تمام حضرات کے صدقات پر چھڑکوا دیں یعنی ان کے برابر کر دیں۔

www.alahazratnetwork.org

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے۔ یہ فائدہ الا جہدھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین نے حضرات صحابہ کو طعنہ دیا۔ رب نے ان سے بدلہ لیا صحابہ نے خود بدلہ نہ لیا۔

شعر

دشمن نے تیرے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تیری شرم و حیا کا کیا کہنا

دسواں فائدہ: جیسا جرم ویسی اس کی سزا یہ فائدہ سخر اللہ منھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین نے ایک بار حضرات صحابہ کو طعنہ دیا تا قیامت ان پر لعن طعن ہوتی رہے گی۔ یہ ہے سخر اللہ منھم کا ظہور رب تعالیٰ ان بزرگوں کی ثنا خوانی کی توفیق دے۔

گیارھواں فائدہ: غزوہ تبوک میں چندہ دینے والے حضرات مومن متقی ہیں انہیں کافر یا منافق کہنا کفر ہے۔ یہ فائدہ مطوعین اور مومنین فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے انہیں مومن بھی کہا اور مطوع متقی بھی۔ لہٰذا حضرات صدیق و فاروق و عثمان غنی رضی اللہ عنہم مومن متقی صحابی ہیں۔

پہلا اعتراض: منافقین نے ایک بار حضرات صحابہ پر طعنہ کیا مگر رب نے فرمایا یلمزون یا فرمایا یسخرون جو طعنہ دیتے ہیں جو مذاق اڑاتے ہیں جس سے دوام معلوم ہوتا ہے یہ کیونکر درست ہوا۔

جواب: ان بد نصیبوں نے ہر صحابی پر طعن کیا۔ لہٰذا یہ طعن بہت سے ہوئے اور بہت دیر تک رہے نیز ایک بار طعن ویسے ہی کفر ہے جیسے بار بار طعن کرنا۔ نیز تا قیامت ایسے بد نصیب بے دین پیدا ہوتے رہیں گے جو حضرات صحابہ پر طعن کیا کریں گے ان سب کی یہی سزا ہوگی۔ ان وجوہ سے یلمزون اور یسخرون مضارع ارشاد ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ایک دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی المطوعین من المومنین فی الصدقات صرف المتصدقین فرمانا کافی تھا۔

جواب: اس فرمان عالی میں ان صحابہ کے بہت سے فضائل ارشاد ہوئے۔ ۱۔ یہ صدقہ پر واجب نہ تھا۔ وہ خوشی سے نفلی صدقہ بڑے ہی اہتمام سے لائے تھے۔ ۲۔ وہ حضرات پکے سچے مخلص مومن ہیں ان میں ریا۔ نفاق کی بو بھی نہیں (من المومنین) ۳۔ وہ حضرات مختلف قسم کے صدقات لائے۔ کوئی گھر کا سارا مال کوئی آدھا مال کوئی ہزاروں روپیہ کوئی نقدی کوئی اور سامان جنگ وغیرہ (فی الصدقات) یہ فضائل صرف المصدقین فرمانے سے معلوم نہیں ہو سکتے تھے

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ نے ان منافقوں کی دو سزائیں بیان فرمائیں ایک تو ماضی سے سخر اللہ منھم دوسری جملہ اسمیہ سے لھم عذاب الیم اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ سخر اللہ میں دنیاوی عذاب کا ذکر تھا جو فانی ہے اور لھم عذاب الیم میں اخروی سزا کا تذکرہ ہے جو دائمی ہے اس فنا و دوام کا فرق دکھانے کے لئے ذکر میں فرق کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ کے پیاروں کا ہر عمل اللہ کو پیارا ہے۔ ان کی ہر نسبت اللہ کو پیاری ہے۔ ان کا دشمن رب کا دشمن ہے۔ ان کا دوست اللہ کا دوست اللہ کا ہے۔ رب تعالیٰ کو حضورؐ انور پیارے حضرات صحابہ حضورؐ کو پیارے۔ ان کے صدقات و

خیرات و اعمال ان حضرات کو پیارے۔ اس نسبت سے حضرات صحابہ اور ان کے اعمال خدا کو پیارے ہیں۔ تا قیامت جو کوئی ان صحابہ ان کے اعمال سے محبت کرے وہ اللہ کو پیارا ہے۔ اور جو ان کا دشمن ہے وہ اللہ کا دشمن ہے۔ ان پیاروں کی تعریف کرو' اللہ سے اس کی مخلوق سے اپنی تعریف کرالو۔ دنیا تم سے محبت کرے گی۔ ان پیاروں سے عداوت ہو تو خدا بھی اس کا دشمن ہے۔ مخلوق بھی اس کی دشمن۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ تمسخر یعنی ہنسی مذاق اڑانے سے پاک ہے۔ مگر اللہ کے بندوں کا ہنسی اڑانا ان منافقین کا مذاق اڑانا' رب کی طرف سے منسوب کیا گیا۔ ان لوگوں پر ہمیشہ مسلمانوں کی پھٹکار پڑنا' رب کی طرف سے مار ہے۔

اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ
بخشش مانگیں آپ واسطے ان کے یا نہ بخشش مانگیں آپ واسطے ان کے اگر بخشش مانگیں آپ واسطے
تم ان کی معافی چاہو یا نہ چاہو اگر تم ستر بار ان کی معافی چاہو تو اللہ ہر گز انہیں نہ بخشے گا یہ اسلئے
مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
ان کے ستر دفعہ پس ہر گز نہیں بخشے گا اللہ انہیں یہ اس وجہ سے ہے کہ کفر کیا انہوں نے اللہ کا
کہ وہ اللہ اور اس کے رسول سے منکر ہوئے اور اللہ فاسقوں
وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝٨٠ ع ١٠/١٩
اور پیغمبر کا اس کے اور اللہ نہیں ہدایت دیتا قوم بدکار کو
کو راہ نہیں دیتا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ حضرات صحابہ کرام کی توہین بدترین جرم ہے۔ جس کی سزا دنیا و آخرت میں ملے گی۔ اب ارشاد ہو رہا ہے۔ کہ یہ ایسا سنگین جرم ہے کہ اس کی معافی بڑی سے بڑی شفاعت یعنی آپ کی دعا مغفرت سے بھی نہیں ہو سکتی۔ گویا پچھلی آیت میں ایک نوعیت سے اس جرم کی سنگینی بیان ہوئی۔ اب دوسری نوعیت سے بیان ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں صحابہ پر تبرا کرنے کو بدترین جرم قرار دیا گیا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اس کی نحوست کا یہ حال ہے۔ کہ اس سے توبہ کی توفیق نہیں ملتی گویا جرم ہونے کا ذکر پہلے ہوا منحوس ہونے کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں صحابہ پر تبرا کرنے والوں کو منافق کہا گیا۔ الذین یلمزون (الخ) اب ارشاد ہے کہ ان پر تبرا اللہ رسول کا انکار اس کا کفر ہے۔ ان کا دشمن اللہ رسول کا کافر ہے۔ کفروا باللہ و رسولہ۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق چند روایات ہیں۔ ۱؎ جب حضرات صحابہ پر تبرا کرنے والے منافقین کے متعلق گذشتہ آیت آئی تو وہ لوگ حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر معافی مانگنے لگی۔ اور عرض کیا۔ کہ ہم سے حضور ہو گیا۔ حضور ہمارے لئے دعا مغفرت کر دیں۔ حضور انور نے ان کے لئے دعا کرنی چاہی تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر روح البیان خازن روح المعانی' کبیر وغیرہ) ۲؎ عبداللہ بن ابی منافق کا بیٹا جس کا نام حباب تھا اور حضور انور کی بارگاہ میں حاضر وہ کر دعا مغفرت کی درخواست کرتے تھے فقط اپنے نفاق کو چھپانے کے لئے جب ان کا باپ یعنی ابن ابی منافق مرض موت میں گرفتار ہوا تو انہوں نے عرض کیا کہ میرے باپ کے لئے دعا مغفرت فرما دیں۔ حضور انور نے ان کی دل جوئی کے لئے اس کے حق میں دعا مغفرت کی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس ابن ابی کے مرجانے پر حضور انور سے انہیں عبداللہ نے عرض کیا کہ حضور میرے باپ کو اپنی چادر شریف عطا فرما دیں اور اس کی نماز جنازہ پڑھیں حضور انور نے منظور فرمایا۔ جب اس کی نماز جنازہ پڑھانے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ حضور یہ تو منافق تھا۔ فرمایا مجھے رب نے ابھی منافقوں کے لئے دعا مغفرت سے منع نہیں فرمایا ہے۔ بلکہ اختیار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ اگر ستر بار بھی ان کی بخشش کی دعا کرو گے ہم نہیں بخشیں گے۔ میں ستر سے زیادہ بار دعا کروں۔ تب یہ آیت کریمہ اتری۔ **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم** (تفسیر روح المعانی)۔ پھر بعد میں وہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ **ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره** (خازن بیضاوی) جس کے بعد کفار منافقین کے لئے دعاء مغفرت ممنوع ہو گئی۔ ۳؎ منافقین اپنا نفاق چھپانے کے لئے طرح طرح کے بہانے بناتے تھے کہ اس کام میں ہماری یہ مصلحت **ان اردنا الا الحسنی** حضور انور اپنے کرم کریمانہ سے ان کے لئے دعاو مغفرت فرما دیتے تھے اس پر آیۃ کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: **استغفر لهم او لاتستغفر لهم** اس فرمان عالی کا مقصد یا تو حضور انور کو اس عمل شریف کی اجازت دینا ہے تب اس سے پہلے ایک شرط پوشیدہ ہے۔ **ان شئت** یعنی اگر آپ چاہیں تو منافقوں کے لئے دعا مغفرت کریں۔ اگر چاہیں تو نہ کریں آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔ یا مقصد یہ ہے کہ آپ کی دعا سے انہیں کوئی فائدہ نہیں ان کے لئے آپ کا دعا فرمانا نہ فرمانا برابر ہے تو اس سے پہلے **سواء علیهم** پوشیدہ ہے جیسے **انفقوا طوعا او کرها** (تفسیر روح المعانی) خیال رہے کہ ان بدنصیبوں کے لئے دعا کرنا حضور انور کو بھی مفید ہے کہ حضور کو اس پر ثواب ملتا ہے اور دوسرے لوگوں کو بھی آپ کے اخلاق کریمانہ دیکھ کر لوگ ایمان قبول کر لیتے ہیں ہاں ان بدنصیبوں کے لئے برابر ہے کہ حضور کی دعا سے انہیں فائدہ نہیں پہنچتا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ **سواء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفر لهم** یا جیسے **سواء علیهم وانذرتهم ام لم تنذرهم** ان میں **علیهم** فرما کر یہ ہی بتایا کہ ان کے لئے دعا کرنا نہ کرنا برابر ہے۔ آپ کو اجر ملے گا۔ **ان تستغفر لهم سبعین مرة** یہ فرمان عالی پچھلے فرمان عالی کو گویا تفسیر ہے۔ **سبعین** کے معنی ہیں ستر اس سے مراد تو یہ خاص عدد ہے یا اس سے مراد ہے بے شمار۔ اہل ستر سے مراد بے شمار لیا کرتے ہیں۔ کیونکہ ستر میں ایک ایسی خصوصیت ہے جو دوسرے عددوں میں

نہیں۔ جیسا کہ ان شاء اللہ فوائد میں عرض کیا جائے گا۔ یعنی اے محبوب اگر آپ ان منافقوں کے لئے ستر بار بار بھی دعا مغفرت فرمادیں۔ فلن یغفر اللہ لھم اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ یہاں بھی حضور انور کی جزا سے سکوت ہے۔ کیوں کہ حضور کو اس پر بھی ثواب ملے گا۔ کیونکہ آپ کی دعا بھی تبلیغ ہے نیز دعا عبادت ہے۔ چنانچہ عبداللہ ابن ابی کی نماز جنازہ پڑھ دینے پر بہت سے منافق ایمان خالص لے آئے کہ اس میں حضور کے اخلاق کریمانہ کا ظہور تھا۔ اس فرمان عالی پر شبہ ہوتا تھا۔ کہ شاید حضور انور کی دعا ہی بے کار ہے رب تعالیٰ آپ کی نہیں مانتا۔ آپ کی دعا سے کسی کو نہیں بخشتا۔ اس شبہ کو دور فرمانے کی لئے ارشاد ہوا۔ ذالک بانھم کفروا باللہ ورسولہ اس فرمان عالی میں ذلک مبتدا ہے بانہم (الخ) ذلک سے اشارہ لن یغفر اللہ (الخ) کی طرف ہے۔ بانھم میں ب سببیہ ہے ھم سے مراد حضرات صحابہ پر تبرا کرنے والے وہی منافقین ہیں جن کا ذکر ابھی ہوا کفروا بمعنی انکروا ہے یعنی اے محبوب ان کی بخشش نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں۔ کہ آپ کی دعا کی ہمارے ہاں وقعت وعزت نہیں۔ آپ کی دعا بلکہ آپ کی ہر ادا قبول ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ یہ مردود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول دونوں کے انکاری ہیں۔ کیونکہ ہم اور آپ دونوں ان صحابہ کی تعریف وتوصیف کرتے ہیں۔ یہ ان کی توہین کرتے تہمت لگاتے ہیں۔ تو ان کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ رسول سچے نہیں (نعوذ باللہ) ہم سچے ہیں۔ پھر یہ لوگ صرف معمولی درجے کے کافر نہیں بلکہ کفر میں حد سے بڑھے ہوئے ہیں یعنی فاسق ہیں اور رب کا قانون یہ ہے کہ واللہ لایھدی القوم الفاسقین اللہ تعالیٰ اس حد سے بڑھنے والی کافر قوم کو ایمان یا نیک اعمال کی ہدایت (توفیق) نہیں دیتا اور آخرت میں انہیں جنت تک پہنچنے کی راہ نہیں دکھائے گا۔ وہ نہیں چاہتا کہ حضرات صحابہ کے تبرے باز دشمن اس کی رحمت پائیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم یہ منافقین آپ کے صحابہ کی نیکیوں کو شک وشبہ کی نظر سے دیکھنے والے ان پر آوازے کسنے والے ان پر تبرا کرنے والے ہماری بارگاہ میں ناقابل معافی ہیں آپ اپنے رحم رحیمانہ اور کرم کریمانہ کی بنا پر دعاء مغفرت کریں۔ ان کے لئے برابر ہے۔ اگر آپ ستر بار بھی ان کی بخشش کی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔ ان کے نہ بخشنے کی وجہ یہ نہیں کہ آپ کی دعا یا استغفار میں تاثیر نہیں یا ہم آپ کی مانتے نہیں۔ بلکہ وجہ یہ ہے کہ لوگ اللہ رسول کے منکر ہیں۔ کیوں کہ ہم اور آپ ان حضرات صحابہ کی تعریفیں کرتے ہیں ان کے ایمان وتقویٰ کی گواہی دیتے ان کے جنتی ہونے کی خبر دیتے ہیں اور یہ لوگ صرف کافر نہیں بلکہ کفر میں حد سے آگے بڑھے ہوئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ حد سے بڑھے کافروں کو ہدایت نہیں دیتا جس سے وہ منزل مقصود پر پہنچیں!

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دشمنان صحابہ ان پر طعن کرنے والے ان کے نیک اعمال کو شبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے ایسے مجرم ہیں کہ ان کے لئے پیغمبر کی دعا بھی مفید نہیں۔ یہ فائدہ استغفر اور لاتستغفر (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس کا مقصود منافقوں کے لئے دعا رسول کا فائدہ نہ دینا ہو۔

دوسرا فائدہ: اولاً اسلام میں منافقین کے لئے دعاء مغفرت کرنا ممنوع نہ تھا یہ فائدہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا جب کہ اس فرمان کا مقصد حضور انور کو اس دعا کا اختیار دینا ہو۔ اس صورت میں یہ فرمان عالی منسوخ ہے اس کی ناسخ وہ آیت ہے۔ ولا تصل علیھم۔

تیسرا فائدہ: اس زمانہ میں حضور کی دعا سے منافقین کو تو فائدہ نہ تھا مگر حضور انور کو اس پر ثواب ضرورت ملتا تھا۔ کہ جائز دعا کرنا عبادت ہے خواہ اپنے لئے ہو یا دوسرے کے لئے۔ یہ فائدہ بار بار مبہم فرمانی سے حاصل ہوا۔ جیسے سواء علیھم ءانذرتھم ام لم تنذرھم کہ جن کے ایمان سے مایوسی ہو انہیں تبلیغ کرنا بھی باعث ثواب ہے۔

چوتھا فائدہ: حضرات صحابہ کا منکران پر تبرے کرنے والا کافر مطلق ہے یہ فائدہ بانھم کفروا باللہ ورسولہ یا سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان منافقوں نے اس وقت اللہ رسول کا انکار نہیں کیا تھا۔ مگر رب نے انہیں اپنا اور اپنے رسول کا انکاری فرمایا۔ وجہ ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا:

کلا وعد اللہ الحسنی ان سب سے اللہ نے جنت کا وعدہ فرمالیا اور فرمایا رضی اللہ عنہم اللہ ان سے راضی ہو چکا اور فرمایا سیجنبھا الاتقی الذی یوتی مالہ یتزکی اس دوزخ سے دور رہے گا وہ سب سے بڑا متقی (الخ) حضور انور نے تمام صحابہ کے جنتی ہونے کا عموماً اور بعض صحابہ کی خصوصاً نام بنام جنت کی بشارت دی۔ اب صحابہ کرام کو برا کہنے والا ان آیات اور حضور انور کی ان بشارات کو غلط سمجھتا ہے۔ اس لئے موجودہ تبرائی اس قرآن کو نقلی قرآن یا مصحف عثمانی کہتے ہیں۔ ان کے اصل میں قرآن امام مہدی غار میں لئے ہوئے بیٹھے ہیں۔ قریب قیامت آئیں گے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے دشمن صحابہ کے سوا کسی کو نام لے کر کافر نہ کہا ایک جگہ فرماتا ہے لیغیظ بھم الکفار یہاں فرمایا کفروا باللہ ورسولہ۔

پانچواں فائدہ: اللہ والوں سے عداوت کرنے والوں کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی نہ وہ بخشا جائے۔ یہ فائدہ فلن یغفر اللہ لھم اور لا یھدی القوم الفاسقین سے حاصل ہوا۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے کافر سے رسول کا کافر بدتر ہے۔ جب بھی عذاب آیا رسول کے کافر پر آیا۔ اللہ کے کافر پر نہ آیا۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا شعر

ہیچ کافر را بخدا رسوا نہ کرد تادل صاحب دلے نامد بہ درد

چھٹا فائدہ: ستر کا عدد بڑا ہی عظیم الشان عدد ہے کیوں کہ یہ سات کی دہائی ہے۔ اور سات وہ پہلا عدد ہے۔ جو طاق اور جفت دونوں کی جمع ہے کہ اس میں تین تو طاق ہیں ۳۔۵۔۷ اور تین ہی جفت ۲۔۴۔۶ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب امیر حمزہؓ پر نماز جنازہ پڑھی تو اس میں ۷۰ ستر تکبیریں کہیں۔ (خازن وکبیر) سات کی اہمیت تو معلوم ہے کہ آسمان بھی سات ہیں زمین بھی سات۔ سمندر بھی سات لہٰذا سات کی دہائی یعنی ستر بھی اہم ہے۔ موسیٰ علیہ السلام طور پر اپنی قوم کے ستر آدمی ہی لے گئے۔ اختار موسیٰ قومہ سبعین رجلا لمیقاتنا اور دوسری بیعت عقبہ میں ستر ہزار انصار نے حضور انور کے ہاتھ شریف پر بیعت کی۔ اسی بیعت پر ہجرت ہوئی۔ (خازن کبیر و مدارک) اسی عظمت کے اظہار کے لئے یہاں سبعین مرۃ ارشاد ہوا۔ اسی لئے اہل عرب کسی عدد کی زیادتی بیان کرنے کے لئے سبعین یعنی ستر یا ستر ہزار کا لفظ استعمال کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ فی سبیل اللہ خیرات کرنے والوں کے متعلق فرمایا مثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل

www.alahazratnetwork.org

سنبلة مأ ۃ کہ ان کی خیرات کی مثال اس دانہ کی سی ہے۔ جس سے سات بالیاں پیدا ہوں ہر بالی میں سو سو دانہ۔

پہلا اعتراض: جب کفار و منافقین کے لئے دعا مغفرت کرنا جائز ہی نہیں تو یہ کیوں فرمایا گیا کہ آپ ان کے لئے دعاء مغفرت کریں یا نہ کریں ناجائز چیز میں اختیار نہیں ہوتا۔ صاف یہ فرمانا چاہئے تھا کہ ان کے لئے دعا نہ کریں۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ یہ آیت کریمہ اس وقت کی ہے۔ جب منافقین کے لئے دعا مغفرت ممنوع نہ تھی۔ پھر اس آیت سے منع ہوئی۔ ولا تصل علی احد منھم مگر ان کے لئے بیکار اس وقت بھی تھی۔ اسی کا یہاں بیان ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے کوئی فائدہ نہیں۔ حضورؐ کی دعا سے رب تعالیٰ نہیں بخشتا۔ دیکھا فرمایا گیا کہ اگر آپ ان کے لئے ستر بار بھی دعا کریں ہم جب بھی نہیں بخشیں گے پھر تم لوگ ان کی دعا کی آس کیوں لگائے بیٹھے ہو۔

جواب: جی ہاں حضورؐ کی دعا کافر و منافقین کے لئے فائدہ مند نہیں۔ اس لئے کہ وہ بخشش کے لائق نہیں چمگادڑ کی آنکھ سورج سے روشنی حاصل نہیں کر سکتی۔ اگر معترض بھی انہیں میں سے ہے تو واقعی اسے حضور اکرم سے نفع نہیں پہنچے گا۔ ہم گنہگاروں کے متعلق رب نے اپنے حبیب کو فرمایا وصل علیھم ان صلوتک سکن لھم اے محبوب اپنے غلاموں کے لئے دعا رحمت کرو۔ اور فرماتا ہے کہ جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے تمہارے پاس آ جاویں اور آپ ان کے لئے دعا مغفرت بیکار ہے اور یہ خبر تھی کہ ہمارے لئے باعث ثواب ہے اور یہ بھی خبر تھی کہ اس دعا کے ذریعہ بہت سے کفار ہمارے اخلاق کریمانہ دیکھ کر ایمان لائیں گے۔ یہ بھی خبر تھی کہ ہم رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہمارا کام ہر ایک پر برسنا رحم کرنا۔ کوئی فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے۔ جیسے حضورؐ انور جانتے تھے کہ بعض کفار ایمان نہیں لائیں گے جیسے ابو جہل وغیرہ۔ رب نے فرمایا بھی دیا تھا کہ سواء علیھم ء انذرتھم ام لم تنذرھم لا یؤمنون مگر پھر بھی حضورؐ انور نہیں تبلیغ فرماتے تھے۔ رب نے فرمایا۔ بلغ ما انزل الیک من ربک اور البلاغ وعلینا الحساب

چوتھا اعتراض: یہاں ستر فرمانا بیان زیادتی کے لئے ہے۔ پھر حضورؐ انور نے یہ کیوں فرمایا کہ ستر سے زیادہ بار دعا کریں گے۔

جواب: یہ فرمان عالی انتہا کرم نوازی کی بناء پر ہے۔ مقصد یہ ہے کہ مجھے رب نے ابھی اس سے منع فرمایا۔ ستر بار دعا کا بے کار ہونا ارشاد ہوا ہے۔ اچھا ہم زیادہ دعا کریں گے۔ ڈاکٹر کہتا ہے کہ اس بچے کو سو روپے کی دوا بھی مفید نہیں اب اس کی موت قریب ہے۔ ماں تڑپ کر کہے کہ اچھا سوا سو روپیہ کی دوا دے دو۔ یہ قول انتہائی محبت کا ہے۔ وہ بچے کی زندگی پر حریص ہے۔ حضور ایمان قوم پر حریص نہیں حریص علیکم ہم لینے کے حریص حضور دینے کے حریص اللھم صلی وسلم و بارک علیک

پانچواں اعتراض: ان منافقین نے حضرات صحابہ کے صدقات پر طعن کیا تھا کہ زیادہ لانے والے کو ریاکار کہا اور تھوڑا

www.alahazratnetwork.org

لانے والے کی ہنسی اڑائی نہ تو اس وقت رب تعالیٰ کا انکار کیا نہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ پھر رب تعالیٰ نے یہ کیوں فرمایا ۔ کفروا باللہ ورسولہ ۔ یہ فرمان الٰہی کیونکر درست ہوا۔

جواب اللہ رسول پر ایمان لانے والے کی حقیقت یہ ہے۔ کہ ان کے ہر فرمان ہر کلام کو صحیح مانا جاوے۔ اگر ان کی ایک بات کا انکار کیا تو اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور حضور رسالت کا انکار کر دیا۔ ان حضرات صحابہ کے ایمان۔ اخلاص۔ عمل کی قبولیت کی گواہی رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرمان عالی میں بہت طرح دے دی۔ اولئک ھم الصادقون یا رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ یا کہیوتی عالم بتر کی وغیرہ اب ان بدنصیبوں کا ریا کار وغیرہ کہنا ان تمام آیات وفرمان نبوی کا کھلا ہوا انکار ہے۔ لہٰذا وہ اللہ رسول کے منکر تا قیامت صحابہ کے ایمان واخلاص کے منکر ہیں۔ اللہ رسول کے منکر ہیں اور اول درجے کے کافر ہیں۔

چھٹا فائدہ: اسلام کا قانون ہے کہ ہر گناہ حتیٰ کہ کفر وشرک کی بھی توبہ ہے۔ اگر اسلام میں بھی کوئی گناہ ناقابل توبہ ہے تو اسلام اور آریہ دھرم میں فرق کیا ہوا۔ فرماتا ہے: لاتقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا مگر یہاں اس کا الٹ ہے۔ کہ منافقوں کا جرم ایسا ناقابل معافی ہے کہ اگر حضور بھی ان کے لئے ستر بار دعا مغفرت کریں تو بھی ان کے لئے بخشش نہیں۔

جواب: واقعی اسلام میں ہر گناہ ہر کفر ہر قسم کا شرک قابل بخشش ہے۔ مگر جب کہ اس سے صحیح توبہ کی جائے۔ ہر جرم کی توبہ علیحدہ ہے لیکن بعض گناہ ایسے ہیں۔ کہ ان کی نحوست سے مجرم کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ وہ توبہ کرتا ہی نہیں۔ انہیں میں سے مذکور منافقوں کو یہ مذکورہ جرم ہے توبہ قبول ہونا اور چیز ہے۔ اور توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ وہ توبہ کرتا ہی نہیں۔ انہیں میں سے مذکورہ منافقوں کا یہ مذکورہ جرم ہے توبہ قبول ہونا اور چیز ہے۔ اور توبہ کی توفیق نہ ملنا رب کے دروازے پر نہ جھکنا کچھ اور چیز۔ اگر وہ خود توبہ نہ کریں حضور انور ان کی درخواست پر ان کے لئے دعاء مغفرت کریں تو وہ کیسے قبول ہو۔ اس لئے دوسرے مقام پہ ہے۔ فاستغفر اللہ واستغفر لھم الرسول پہلے مجرم کی استغفار پھر نبی کی شفاعت۔

ساتواں اعتراض: یہاں ارشاد ہے کہ اللہ فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔ مگر دوسرے مقام پر اس کے خلاف ہے۔ اللہ ہدایت دیتا ہے۔ رسول کریم ہدایت دیتے ہیں قرآن ہدایت دیتا ہے۔ آیات میں تعارض ہے۔

جواب: ان آیات میں ہدایت سے مراد رہبری راہ دکھانا یہاں ہدایت سے مراد ہے۔ انہیں قبول کی توفیق دے کر منزل مقصود پر پہنچانا۔ رب تعالیٰ نے اس کے رسول اس کی کتاب نے راہ حق سب کو دکھا دی مگر قبول کی توفیق کسی کسی کو دی۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا۔ وہ کسی طرح بھی راہ پر نہیں آتے۔ توبہ کی توفیق نہیں پاتے۔

تفسیر صوفیانہ: محبوب کے حسن اور محب کے تقاضا محبت میں فرق عظیم ہے۔ محبوب کا حسن غیر اختیاری ہوتا ہے مگر محب کا تقاضا محبت یہ ہے کہ محبوب کے دشمن پر کبھی کرم نہ کرے۔ حضور انور کی رحمت عامہ کا اثر یہ ہے کہ دشمنوں کا کافروں موذیوں خون کے پیاسوں کے لئے بھی دعا مغفرت کرتے ہیں۔

سلام اس پر کہ جس نے خوں کے پیاسوں کو قبائیں دیں   سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں۔
ان منافقوں کے لئے دعا مغفرت فرمادینا اس رحمتہ عامہ کی بنا پر ہے۔ کتا بھونکتا ہوا چاند پر حملہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ مگر چاند اس کے پھیلے ہوئے منہ میں بھی نور ڈال دیتا ہے۔

مہ فشاند نور سگ عو کند   ہر کسے بر طینت خودی تند

اس آیت میں حسن غیر اختیاری اور تقاضا محبت دونوں کا تذکرہ ہے کہ محبوب تم تو اپنے دشمن کو بھی دعائیں ہی دیتے ہو مگر ہم نہیں چاہتے کہ تمہارے دشمن ہماری جنت میں جائیں۔ ہم انہیں ہرگز نہیں بخشیں گے۔ اس میں حضورؐ انور کی دعا کا رد نہیں۔ بلکہ محبوبیت کا اظہار ہے۔ کہ محبوب تو ہمارے پیارے اور حضرات صحابہ تمہارے پیارے لہذا وہ بھی ہمارے پیارے ان کا دشمن تمہارا دشمن تمہارا دشمن ہمارا دشمن۔ ہم انہیں کسی صورت سے جنت میں داخل نہ کریں گے۔ خیال رہے کہ دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے۔ جس نے نبی کی دعا لے لی۔ وہ دونوں جہان تر گیا۔ دعا کرانے کی دو صورتیں ہیں۔ ایک تو عرض و معروض کر کے دعا کرائی جائے۔ دوسرے نبی کو ستایا پریشان کیا پھر منافقت سے دعا کرانے آ گئے۔ انہوں نے اخلاص کریمانہ سے زبانی دعائیہ کلمات کہہ دیئے وہ قبول نہیں کہ یہ دعا نہیں بلکہ موذی کو دفع کرنے کا طریقہ ہے۔ یہاں یہ تیسری قسم کی استغفار ہے۔ فرزندان یعقوب نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا یاابت استغفرلنا ابا جان ہمارے لئے دعا مغفرت کریں۔ فرمایا سوف استغفر لکم ربی ابھی آئندہ عنقریب کروں گا۔ یہی مقصد تھا کہ جب تم میری دعا لو گے مجھے میرے یوسف کے پاس پہنچاؤ گے تب دعا کروں گا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جیسے مقبولین خدا کے در کا دھتکارا ہوا رجسٹری شدہ کافر ہوتا ہے وہ کبھی مومن ہو سکتا ہی نہیں لن یغفر اللہ لھم ایسے ہی ان کا منظور نظر رجسٹری شدہ مومن ہوتا ہے۔ کبھی کافر ہو سکتا ہی نہیں بفضلہ تعالیٰ لھم مغفرۃ اجر عظیم اللہ ان سے دور نہ کرے۔ شعر

دل کو ان سے خدا جدا نہ کرے   بے کسی لوٹ لے کر خدا نہ کرے

انہیں مقبول نظر لوگوں کے متعلق ارشاد ہے اولئک کتب اللہ فی قبولھم الایمان اللہ نے ان کے دلوں میں ایمان نقش کر دیا۔ کھود دیا جو مٹ سکتا ہی نہیں۔ ایمان نقش کرنے والی نگاہ ولی ہے۔ اس لے اولیاء کے سرتاج شاہ بہاء الدین کا لقب ہی۔ نقشبند دل میں ایمان نقش کر دینے والے۔ شعر

اے شاہ نقشبند تو نقش مرا بہ بند   نقشے چناں بہ بند کہ گویند نقش بند

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ
خوش ہو گئے پیچھے رکھے ہوئے بوجہ بیٹھ رہنے ان کے پیچھے رسول اللہ کے اور ناپسند کیا انہوں نے
پیچھے رہ جانے والے اس پر خوش ہوئے کہ رسول کے پیچھے بیٹھ رہے اور انہیں گوارا نہ ہوا کہ اپنے

www.alahazratnetwork.org

يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا

یہ کہ جہاد کریں مالوں سے اپنے اور جانوں سے اپنے راستہ میں اللہ کے اور کہا انہوں نے

مال و جان سے اللہ کی راہ میں لڑیں اور بولے اس گرمی میں نہ نکلو تم فرما دو جہنم کی آگ

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا

نہ نکلو گرمی میں فرما دو کہ آگ دوزخ کی بہت سخت گرم ہے اگر ہو تم سمجھتے بس چاہیے

سب سے سخت گرم ہے کسی طرح انہیں سمجھ ہوتی تو انہیں چاہئے کہ تھوڑا نہیں

يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا

انہیں تھوڑا اور روئیں زیادہ سزا اس کی جو وہ

اور بہت روئیں

كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾

کسب کرتے تھے

بدلہ اس کا جو کماتے ہیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کے کفریہ اقوال کا ذکر ہوا یعنی مومنین صحابہ پر طعن کرنا۔ اب کے کفریہ افعال و اعمال کا تذکرہ ہے۔ یعنی غزوہ تبوک میں نہ جانا اور اس پر خوش نہ ہونا۔ جانے والے مخلصین کو بے وقوف سمجھنا گویا قولی کفر کے بعد عملی کفر کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقوں کے مومنوں کو جہاد میں صدقہ و خیرات کرنے سے عملی طور پر روکنے کا ذکر ہوا۔ اب خود مومنین کو جہاد میں جانے سے قولاً روکنے کا تذکرہ ہے۔ لاتنفروا فی الحر گویا جہاد مال سے روکنے کے بعد جہاد میں جانے سے روکنے کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ منافقوں کو ہدایت نہیں دے گا۔ اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے۔ کہ دیکھو انہیں رب تعالیٰ نے غزوہ تبوک کا موقعہ دیا مگر یہ منحوس نہ گئے۔ ایسا بے مثال موقعہ دیا۔ یہ ہے ہدایت نہ ملنے کا ظہور۔

نزول: سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوہ تبوک کے لئے روانہ ہونے لگے تو لوگوں کو ساتھ روانگی کا حکم دیا اس وقت سخت گرمی تھی باغوں میں کھجوریں پکی ہوئی تھیں جنہیں توڑنا تھا تو بعض منافقین تو بیماری وغیرہ کا

www.alahazratnetwork.org

بہانہ بنا کر مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ اور بعض نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گرمی سخت ہے سفر دراز ہے ہم اس کی طاقت نہیں رکھتے' ان کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر خازن) معلوم ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب اپنی اس حرکت پر خوش ہوئے کہ ہم تدبیر کر کے رہ گئے۔

تفسیر: فرح المخلفون فرح بنا ہے فرحۃ سے' بمعنی دلی خوشی یہ جائز بلکہ عبادت بھی ہوتی ہے اور حرام بلکہ کفر بھی۔ اللہ کی نعمتوں پر خوشی بھی عبادت ہوتی ہے۔ جیسے بقر عید۔ حج وغیرہ کی خوشی۔ حضور انور کے میلاد کی' معراج کی خوشی' رب تعالیٰ فرماتا ہے قل بفضل اللہ وبرحمتہ فبذالک فلیفرحوا بیٹے کی پیدائش۔ دنیا کے عیش و آرام پر خوشی جائز ہے۔ اگر شکر کے طور پر ہو تو ثواب مگر گناہ پر خوشی یا فخر حرام ہے۔ نبی کی تکلیف پر خوشی کفر ہے۔ رب فرماتا ہے۔ لاتفرح ان اللہ لایحب الفرحین یہاں یہ آخری قسم کی دو خوشیوں میں سے کوئی خوشی مراد ہے۔ مخلفون بنا ہے تخلیف سے بمعنی پیچھے چھوڑے۔ اس لئے میت کے متروکہ مال کو بھی مخلف کہا جاتا ہے۔ یہ بنا ہے متخلف سے بمعنی پیچھے مخلفون پیچھے کئے ہوئے یا پیچھے چھوڑے ہوئے۔ اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو غزوہ تبوک میں نہیں گئے۔ مدینہ منورہ میں ہی حضور انور اور نمازیوں کے پیچھے رہ گئے۔ انہیں یا تو حضور انور نے ہی اجازت دے کر چھوڑ دیا۔ تاکہ غزوہ میں فساد نہ پھیلائیں۔ یا رب تعالیٰ نے انہیں پیچھے رکھا۔ جانے کی ہمت نہ دی یا ان کے آرام طلب نفسوں نے یا ابلیس نے دھوکا دے کر پیچھے رکھا۔ ان وجوہ سے انہیں فرمایا گیا۔ یہ ہر حال وہ پیچھے خود نہ رہے بلکہ رکھے اور چھوڑے گئے۔ یہ لفظ خلافت بمعنی نیابت سے نہیں بلکہ خلف سے ہے۔ یہ بات خیال میں رہے بمقعدھم اس فرمان عالی کا تعلق فرح سے ہے۔ اس میں ب سببیہ ہے۔ مقعد مصدر میمی بمعنی بیٹھ رہنا۔ یہ بیٹھنا کھڑے ہونے یا لیٹنے کا مقابل نہیں بلکہ جانے کا مقابل ہے۔ یعنی ٹھہر جانا۔ مدینہ منورہ میں رہ جانا مراد ہے۔ خلاف رسول اللہ اگر یہ خلاف بمعنی خلف ہے (پیچھے) جیسے۔ لایلبثون خلافک الا قلیلا تو یہ مقعد کا ظرف ہے۔ اور اگر بمعنی مخالف ہے تو مقعد کا مفعول لہ یا خالفوا پوشیدہ کا مفعول مطلق ہے (روح المعانی۔ بیان۔ خازن۔ وغیرہ) یعنی رسول اللہ کے پیچھے رہ جانے سے یا حضور انور کی مرضی کے خلاف کر کے رہ جانے سے یا انہوں نے محبوب کی پوری پوری مخالفت کی۔ بہر حال اس فرمان عالی سے ان صحابہ کو علیحدہ رکھ دیا گیا۔ جو حضور انور کے حکم سے حضور کے نائب ہو کر مدینہ منورہ میں رہے۔ جیسے حضرت علی یا حضرت عبداللہ ابن ام مکتوب یا اور معذور صحابہ۔ وکرھوا ان یجاھدوا باموالھم وانفسھم فی سبیل اللہ یہ عبارت معطوف ہے۔ فرحوا (الخ) پر یہاں فرح کا مقابلہ کرہ سے عجیب لطف دے رہا ہے جس میں بتایا گیا کہ یہ مومنین مخلصین کے بالکل مقابل ہیں۔ مخلصین کو جہاد کرنے سے فرحت بیٹھ رہنے سے کراہت ہے۔ ان مردودوں کو اس کے برعکس بیٹھ رہنے سے فرحت اور جہاد کرنے سے کراہت و نفرت ہے۔ چونکہ جہاد کے لئے جانا بھی جہاد ہے۔ خواہ جنگ ہو یا نہ ہو اس لئے یجاھدوا فرمانا بالکل درست ہوا۔ ورنہ تبوک میں کفار سے جنگ نہ ہوئی تھی۔ مجاہد غازی مال خرچ کر کے جان دے کر جہاد کرتا ہے۔ اس لئے باموالھم اور انفسھم فرمانا بالکل موزوں ہے یعنی یہ لوگ جہاد میں مال خرچ کرنے کو نقصان اور جان دینے کو ہلاکت سمجھتے ہیں۔ سفر جہاد کو محض تکلیف اس لئے جہاد میں جانے سے نفرت

www.alahazratnetwork.org

وکراہت کرتے ہیں۔ کراہت فطری بھی ہوتی ہے۔ جیسے موت سے ڈر لگتا ہے اور اختیاری بھی۔ یہاں اختیار کراہت مراد ہے یہ منافقین کا تیسرا عیب مذکور ہے جو قول ہے ظاہر ہے کہ قالوا کا فاعل سارے وہ منافقین ہیں جو غزوہ تبوک سے بیٹھ رہے تھے۔ مگر محمد ابن کعب قرظی فرماتے ہیں کہ کہنے والا صرف ایک شخص تھا یٰ سلمہ تھا یٰ سلمہ کا چونکہ دوسرے منافقین اس کے ہموا تھے اس نے قالوا جمع ارشاد ہوا۔ بہر حال منافقوں نے یا تو آپس میں ایک دوسرے سے یہ کہا کہ آج کل گرمی سخت ہے سفر دراز ہے ہماری کھجوریں پختہ ہو چکی ہیں۔ ان کا توڑنا ہے نہ توڑی گئیں تو برباد ہو جائیں گی۔ یا غزوہ میں جانے والے مسلمانوں سے یہ کہتا ہے تاکہ وہ بھی ہمت ہار کر بیٹھ جائیں اور یہ عذر کر دیں تنفروا بنا ہے نفر سے بمعنی روانگی یا نکلنا یعنی سخت گرمی میں جہاد کے لئے نہ جاؤ۔ کیونکہ موسم بھی سخت گرم ہے اور تبوک گرم جگہ ہے۔ قل نار جهنم اشد حرا ظاہر یہ ہے کہ قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اور روئے سخن انہیں بہانہ باز منافقین سے یعنی اے محبوب آپ ان بہانہ باز منافقین سے کہہ دو کہ دوزخ کی آگ کی گرمی اس موسم کی گرمی سے کہیں زیادہ ہے۔ کہ دنیا کی آگ سے دوزخ کی آگ ستر گناہ زیادہ تیز ہے تم اسوقت بلا وجہ جہاد میں نہ جانے سے اسکی آگ کے مستحق ہو گے۔ اس معمولی عارضی گرمی سے بچ کر اس سخت اور دائمی آگ کے مستحق کیوں بنتے ہو۔ لو كانوا يفقهون یہ فرمان عالی شرط ہے جس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر یہ لوگ اس بات کو سمجھتے ہوتے تو آپ کے حکم کی مخالفت اور ایسے نازک موقع پر گھر بیٹھ رہنے کی جرأت نہ کرتے۔ لہذا اس کی ف جزائیہ ہے ضحک سے مراد منافقین کا مجاہد غازی مسلمان پر ہنسنا ہے کہ یہ لوگ بے وقوف ہیں ہم عقل مند پالیسی والے۔ تو قلیل سے مراد مسلمانوں غازیوں کی واپسی تک کا زمانہ ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ہنسی سے مراد ان کا عمر بھر اپنی منافقت اور چالاکیوں پر خوش ہونا ہو۔ چونکہ دنیا کی زندگی آخرت کے مقابل بہت تھوڑی ہے لہذا انہیں قلیل فرمایا گیا۔ ان دو تفسیروں کی بنا پر بہت رونے کی بھی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ نمازیوں کے تبوک سے واپسی تک یہ ہنس لیں پھر عمر بھر روتے رہیں گے۔ اپنی منافقت کھل جانے سے لوگوں میں بدنام ہو جانے ان کی لعن طعن کی وجہ سے دوسرے یہ کہ دنیا میں ہنسی خوشی رہ لیں۔ اپنی چالاکیوں پر ناز کر لیں پھر بعد موت ہمیشہ روئیں گے۔ بہر حال یہ دونوں امر بمعنی خبر ہیں۔ دوسری تفسیر زیادہ قوی ہے۔ کہ اگلا مضمون اس کی تائید کرتا ہے۔ جزاء بما كانوا يكسبون ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی گذشتہ دونوں فعلوں کا مفعول بہ ہے۔ چونکہ یہ منافقین دن رات بری حرکتیں کرتے تھے۔ اس لئے كانوا يكسبون ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی گذشتہ دونوں فعلوں کا مفعول بہ ہے چونکہ یہ منافقین دن رات بری حرکتیں کرتے تھے۔ اس لئے كانوا يكسبون ماضی استمراری ارشاد ہوا (روح المعانی) یعنی ان کے یہ دونوں کام ان کی بدعملیوں کی سزا کی بنا پر ہیں۔

خلاصہ تفسیر: وہ منافقین جن کو شیطان یا ان کے نفس امارہ کی آرام طلبی نے غزوہ تبوک سے بٹھا دیا۔ وہ رسول اللہ کے پیچھے یا ان کے حکم کے خلاف بیٹھ رہنے پر بڑے خوش ہوئے اور دونوں نے اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے نفرت کی۔ اور آپس میں یا مومنین سے کہا کہ اس سخت گرمی میں مدینہ سے نہ نکلو بہت تکلیف اٹھاؤ گے اس سے کہیں زیادہ گرم ہے اور دائمی ہے اگر وہ یہ سمجھ لیتے تو ایسی بات کبھی نہ کہتے خیال رکھیں کہ یہ لوگ بہت تھوڑے مدت ہنسیں گے خوش ہوں گے۔ اور بعد دراز مدت یعنی

www.alahazratnetwork.org

ابدالآباد تک اپنے کئے پر روئیں گے یہ بدلہ ہوگا' ان کے اپنے کمائے ہوئی اعمال کا جو وہ دن رات کماتے رہے۔ خیال رہے کہ رونا گیارہ قسم کا ہے خوشی کا رونا' غم کا رونا' رحمت کا رونا' خوف کا رونا' فریب کا رونا' موافقت کا رونا کہ کسی کو روتے دیکھا خود بھی رونے لگا' محبت کا رونا' گھبراہٹ کا رونا' ظلم وضعت کا رونا' شوق کا رونا' منافقت کا رونا روتی شکل بنانا دو طرح کا ہے اچھا اور برا وقت قلبی حاصل کرنے کے لئے یہ اچھا ہے ریاکاری کے لئے یہ برا ہے۔ (روح البیان)

روایت ہے کہ حضرت ابو خیثمہ بھی غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے جب حضورؐ انور کو ملنے صحابہ کرام گئے ہوئے کچھ دن ہو گئے تو ایک دوپہر کے وقت یہ اپنے باغ میں گئے جہاں ان کے دو مکان تھے۔ ہر مکان میں ان کی ایک ایک بیوی تھی۔ گرمی تیز تھی گھر میں چھڑکاؤ کیا ہوا تھا۔ پانی کے ٹھنڈے گھڑے بھرے رکھے تھے۔ گوشت بھن رہا تھا' آٹا گوندھا ہوا تھا یہ اپنا سامان عیش دیکھ کر رو پڑے۔ بولے یہ انصاف نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تپتی ریت میں ہوں اور میں درختوں کے سایہ میں ٹھنڈے پانی میں ہوں یہ کہہ کر تبوک کی طرف چل پڑے اور حضورؐ انور سے جا ملے یہ نہایت اعلیٰ کفارہ ہے۔ (روح البیان)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: گناہ پر خوش ہونا اس پر فخر کرنا کفر ہے۔ یہ فائدہ فرح کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ خوشی سے مراد ان منافقوں کا اپنے بیٹھ رہنے پر خوش ہونا ہو۔

دوسرا فائدہ: اللہ کے مقبول بندوں کی تکلیف پر خوش ہونا سخت جرم ہے۔ حضورؐ انور حضرات صحابہ کے رنج و غم و تکلیف پر خوش ہونا کفر یہ فائدہ بھی **فرح المخلفون** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ فرحت سے ان منافقوں کا صحابہ کرام کی تکلیف پر خوشی منانا مراد ہو۔ بعض بدنصیب دسویں محرم کو حضرت امام حسین کی شہادت کی خوشی مناتے ہیں۔ بعض اٹھائیسویں ذی الحجہ کو حضرت عمر کی شہادت پر خوشی مناتے ہیں۔ دونوں بے دین ہیں۔ وہ اس آیت سے عبرت پکڑیں اس کے برعکس حضورؐ انور کی ولادت یا معراج پر بزرگوں کی خوشی کی یادگار میں خوشی منانا عبادت ہے۔ رب فرماتا ہے: **قل بفضل الله وبرحمته فبذالک فلیفرحوا۔**

تیسرا فائدہ: حضورؐ انور کی ناراضگی لے کے مدینہ منورہ میں رہنا گناہ ہے۔ اگر حضورؐ مدینہ منورہ سے باہر رہنے یا باہر جانے پر راضی ہوں تو باہر رہنا جانا ثواب ہے۔ یہ فائدہ **بمقعدهم** سے حاصل ہوا کہ غزوہ تبوک کے موقع پر حضرات صحابہ تبوک میں گئے۔ منافقین مدینہ منورہ میں رہے مگر صحابہ کرام پر رحمتیں ہوئیں۔ منافقین پر غضب

چوتھا فائدہ: اس موقعہ پر حضورؐ انور کے حکم سے غزوہ میں شریک نہ ہونا مدینہ منورہ میں رہ جانا عین ایمان و عبادت تھا یہ فائدہ خلف رسول اللہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ خلاف سے مراد مخالفت ہو۔ جو حضورؐ انور کے فرمان کی مخالفت کرتے ہوئی مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ ان پر عتاب ہے چنانچہ حضرت علیؓ کو حضورؐ انور نے حکم دیا۔ کہ تم یہاں مدینہ میں رہو۔ انہوں نے تبوک کو ساتھ جانے کی درخواست کی' تو فرمایا کہ تم اس وقت میرے ایسے خلیفہ ہو جیسے حضرت ہارون موسیٰ علیہ السلام کے خلیفہ عارضی ہوئے تھے۔ یوں ہی حضرت عبداللہ ابن مکتوم کو وہاں چھوڑا۔ مسجد نبوی کی امامت کے لئے یہ رہ جانا

www.alahazratnetwork.org

اور طرح کا ہے۔

پانچواں فائدہ: ایمان کی برکت سے نیک اعمال پر دلیری ہوتی ہے۔اور کفرونفاق سے کم ہمتی۔ یہ فائدہ و کرھوا ان یجاھدوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو غزوہ تبوک میں حاضر مخلصین پر آسان تھی مگر منافقین پر سخت دشوار فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین پر عشاء اور فجر کی نماز بھاری ہے۔ جب فرعونی جادوگر مسلمان ہو گئے تو فرعون سے بالکل بے خوف ہو کر بولے فاقض ما انت قاض۔ ج و تجھ سے ہو سکے کر لے۔ جسے گناہ آسان ہو نیکیاں بھاری سمجھو اوس کے دل میں نفاق ہے۔

چھٹا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ وہ منافق کی صحبت سے دور بھاگے۔ یہ ہزار بہانوں سے نیکیوں سے روکتا ہے یہ فائدہ لاتنفروا فی الحر سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: دوزخ میں ہمیشہ رہنا وہاں بہت رونا کفار و منافقین کے لئے ہے۔ جس سے ان شاء اللہ گنہگار مومن محفوظ ہوں گے۔ یہ فائدہ ولیبکو کثیرا سے حاصل ہوا۔ چنانچہ منافقین دنیا کی عمر کے برابر وہاں آنسوؤں سے روئیں گے پھر خون سے۔ حتی کہ ان کے رخساروں پر آنسوؤں سے نالیاں بن جائیں گی سزا یافتہ فاسق مومن تو وہاں جل کر کوئلے ہو چکے ہوں گے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کسی شخص کو بغیر جرم دوزخ میں سزا نہ دے گا۔ یہ فائدہ جزاء بما کانوا یکسبون سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ ظلم ہے اور رب تعالیٰ سے پاک۔ ان اللہ لایظلم مثقال ہاں وہاں بعض کو بغیر نیک عمل جنت دے گا کہ یہ کرم ہے۔

پہلا اعتراض: اس فرمان عالی میں منافقوں کو مخلفین کیوں فرمایا گیا۔ وہ تو متخلفین تھے۔ یعنی پیچھے رہ جانے والے نہ کہ مخلفین۔ یعنی پیچھے چھوڑے جانے والے۔ انہیں کسی نے پیچھے نہیں چھوڑا تھا۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ وہ خود بخود پیچھے نہیں رہے۔ بلکہ شیطان نے انہیں پیچھے رکھا۔ یا ان کی حرکتوں کی وجہ سے رب نے انہیں پیچھے رکھا۔ غزوہ میں شرکت کی ہمت نہ دی۔ تاکہ وہاں جا کر فساد نہ پھیلائیں۔ دیکھو جادوگروں کے سجدے کے متعلق ارشاد ہوا۔ والقی السحرۃ ساجدین جادوگر سجدہ میں گرائے گئے۔ وقعوا نہ فرمایا کیوں کہ وہ سجدہ میں نہ گرے رب کی توفیق نے گرایا۔

دوسرا اعتراض: یہاں مخلفون کے ساتھ خلاف رسول اللہ کیوں فرمایا۔ یہ معنی تو صرف مخلفون سے حاصل ہو چکے تھے۔ جب وہ بیٹھ رہے تو حضور سے پیچھے ہی رہے۔ جو حکم سے رہے وہ حضور کے ساتھ رہے۔

جواب: یہ بتانے کے لئے ان کا پیچھے رہنا جرم نہ تھا۔ بلکہ حضورؐ انور کے حکم کی مخالفت کرتے ہوئے پیچھے رہنا جرم تھا۔ جو حضورؐ کے حکم سے مدینہ منورہ میں رہے وہ مجرم نہ ہوئے۔ بلکہ انہیں ثواب ملا گویا مخلفین دو طرح کے تھے۔ ایک مخالف دوسرے موافق۔

تیسرا اعتراض: اس کے بعد کرھوا ان یجاھدوا (الخ) کیوں ارشاد ہوا۔ یہ بات تو مخلفون سے معلوم ہو گئی تھی۔

www.alahazratnetwork.org

جواب اس فرمان عالی میں منافقوں کے پیچھے رہ جانے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی دل سے جہاد سے نفرت کرنا اسے بے فائدہ کا بوجھ سمجھنا یہ کفر ہے۔ صرف سستی کر کے رہ جانا گناہ تھا کفر نہ تھا جیسے کعب ابن مالک وغیرہم کا رہ جانا جس کا واقعہ آئندہ آوے گا۔

چوتھا فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اگر منافقین سمجھیں تب تو دوزخ کی آگ بہت گرم ہے ورنہ نہیں ارشاد ہوا نار جھنم اشد حرا لو کانوا یفقھون۔ حالانکہ وہ آگ بہر حال گرم ہے۔ جواب لو کانوا یفقھون کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر وہ سمجھتے ہوتے تو ایسا جرم نہ کرتے۔ اشد حرا اس کی جزا نہیں اس لئے حرا پر۔ ط علامت وقف ہے۔

پانچواں فائدہ: اس آیت میں فلیضحکوا اور ولیبکوا دونوں امر ہیں۔ تو کیا منافقوں کو ہنسنے اور رونے کا حکم دیا گیا۔ ہنسنا تو کفر تھا اور رونا اس کی سزا۔ یہاں دونوں کے لئے امر کیوں ارشاد ہوا جواب۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ دونوں امر بمعنی خبر ہیں یہ ہنسیں گے کم اور روئیں گے زیادہ۔ یا تو دنیا میں بھی روئیں گے یا آخرت میں ہی۔ امر فرما کر بتایا کہ یہ ہونا ضروری و لازمی ہے۔ رب کے امر لازم الوقوع ہوتے ہیں ضرور ہو کر رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ان آیات میں منافقین کے چند جرم بیان ہوئے تاکہ تاقیامت مخلصین ان سے بچیں۔ حضورؐ انور کے حکم کے خلاف مدینہ میں رہ جانا' تبوک نہ جانا' اس جرم پر دل سے خوش ہونا اپنی چالاکی پر ناز کرنا' مالی یا جانی جہاد کو دل سے ناپسند کرنا کہ بلاوجہ کی تکلیف ہے' لوگوں کو جہاد سے ڈرانا' انہیں روکنے کی کوشش کرنا' انہیں رہ جانے کے بہانے سکھانا کہ حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ گرمی سخت ہے جگہ دور ہے پھل پکے ہوئے ہیں۔ انہیں توڑنا ہے ہم بیمار ہیں۔ سفر کے قابل نہیں وغیرہ۔ یہ پانچوں چیزیں کفر ہیں۔ اگر حضورؐ مدینہ میں رہنے سے ناراض ہوں۔ تو وہاں رہنا گناہ بلکہ کفر ہے۔ وہاں سے نکلنا عبادت ایمان ہے۔ ان کی رضا ایمان ہے۔ جہاں رہنے سے میسر ہو۔ ایسی حالت میں مدینہ میں رہنے پر خوش ہونا بھی کفر ہے۔ کہ یہ حضورؐ انور کی مخالفت پر خوشی ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اس وقت جو لوگ حضورؐ کے حکم سے مدینہ میں رہے۔ وہ حضورؐ انور کے ساتھ ہی ہیں۔ اگرچہ وہ مدینہ میں تھے۔ اور حضور تبوک میں منافقین دور رہے۔ اس لئے ان کے لئے خلاف رسول اللہ ارشاد ہوا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر کام اپنے وقت پر اچھا ہوتا ہے۔ دنیا جگہ محنت کی عبادت کی رونے کی آخرت جگہ آرام کی انعام کی اور ہنسنے کی ہے۔ یہاں عبادت والی ہنسی ہنسو نہ غرور والی ہنسی۔ حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو چند نصیحتیں کر کے وداع کیا علیہم السلام مخلوق کے سامنے محاجت نہ کرو۔ بلا ضرورت کہیں مت جاؤ' زیادہ نہ ہنسو کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے اپنی خطا پر روؤ کہ آنسوؤں سے دوزخ کی آگ بجھتی ہے۔ خوف خدا کا ایک آنسو ہزار دینار خیرات کرنے سے افضل ہے۔ اس آنسو کو کپڑے سے نہ پونچھو بلکہ ہاتھ سے منہ پر مل لو۔ (از روح البیان) بہتر ہے کہ وضو کا داڑھی کا پانی اور نماز میں گریہ وزاری کا پانی ملے جلے منہ پر پھریں۔ خواجہ حسن بصری ایک جوان پر گزرے جو بے تحاشا ہنس رہا تھا فرمایا اے جوان کیا تو بخریت ایمان لے کر دنیا سے نکل گیا۔ بولا نہیں۔ کیا تو قبر کے امتحان میں کامیاب ہو گیا بولا نہیں کیا تو بخریت پل صراط سے گزر گیا بولا نہیں کیا تو نے اپنے آپ کو جنتی ہونے دوزخ سے بچنے کا یقین کر لیا بولا نہیں فرمایا پھر کس چیز

www.alahazratnetwork.org

پر ہنستا ہے وہ جوان پھر مرتے دم تک نہ ہنسا۔ (روح البیان)

فَإِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ إِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ فَاسْتَأْذَنُوكَ لِلْخُرُوجِ

پس اگر لوٹائے آپ کو اللہ طرف ایک ٹولہ کے ان میں سے پس وہ اذن مانگیں آپ سے

پھر اے محبوب اگر اللہ تمہیں ان میں سے کسی گروہ کی طرف واپس لے جائے اور وہ تم سے جہاد کیلئے جہاد

فَقُلْ لَّنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا ۖ إِنَّكُمْ

واسطے نکلنے کے تو فرمادو ہرگز نہیں نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور ہرگز نہیں جہاد کرو گے

سے نکلنے کی اجازت مانگے تو تم فرمادو کہ تم کبھی میرے ساتھ نہ چلو اور ہرگز میرے ساتھ

رَضِيتُمْ بِالْقُعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخَالِفِينَ ﴿٨٣﴾

میرے ساتھ کسی دشمن سے تحقیق تم راضی ہو گئے بیٹھ رہنے سے پہلی بار پس بیٹھو ساتھ بیٹھنے والوں کے

کسی دشمن سے نہ لڑو تم نے پہلی دفعہ بیٹھ رہنا پسند کیا تو بیٹھ رہو پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین کی یہ بدنصیبی بیان ہوئی کہ غزوہ تبوک میں چلنے کی دعوت دی گئی مگر وہ نہ گئے اب ان کی بدنصیبی کا ذکر ہے کہ آئندہ وہ خود جہاں میں جانے کی اجازت چاہیں گے۔ مگر انہیں لے جایا جاوے گا۔ گویا نہ جانے کا ذکر پہلے ہوا اور نہ جانے کا ذکر اب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں یہ ذکر تھا کہ منافقین غزوہ تبوک کے موقعہ پر اس میں حاضری کے شرف سے محروم رہے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ آئندہ غزوات کی شرکت سے محروم کردیئے گئے۔ گویا ان کے ایک منحوس کام کا ذکر پہلے ہوا اس کی نحوست کا ذکر اب ہو رہا ہے۔ کہ وہ اس جرم کی وجہ سے آئندہ تمام جہادوں سے محروم کردیئے گئے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ذکر تھا کہ منافقین ہنس لیں گے تھوڑا روئیں گے زیادہ اس میں احتمال تھا کہ آخرت میں زیادہ نہ روئیں گے یا دنیا میں اس آیت کریمہ نے اس کی تفسیر فرمادی کہ دنیا میں بھی زیادہ روئیں گے اس کی وجہ یہ ہوگی کہ آئندہ انہیں جہادوں میں شرکت کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ جس سے ان کی منافقت پورے طور پر ظاہر ہو جاوے گی۔ اور وہ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں گے۔ اکیلے گھروں میں رویا کریں گے۔

مقصد نزول: اس آیت کریمہ میں غزوہ تبوک کے موقعہ پہ حضور انور کو غیبی خبر دی گئی ہے کہ آپ کی اس غزوہ سے واپسی کے موقعہ پر چند بہانہ خود منافق اپنی پیشانی کی کالک چھوڑانے کے لئے تقیہ عرض کریں گے کہ اس بار تو ہم نہ جا سکے اگلے

www.alahazratnetwork.org

جہادوں میں ہم حضور انور کے ساتھ ضرور چلا کریں گے تو ان کو منع فرمادینا کہ اب تم کو کسی جہاد میں شرکت کرنے کی اجازت نہیں اب تک ہم تم کو مناتے تھے تم نہیں مانتے تھے اب تم ہم کو مناؤ گے ہم نہیں مانیں گے۔ گویا دنیا میں ہی حشر کا نمونہ تمہارے لئے قائم ہوگا۔ شعر

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے — کل نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

تفسیر: فان رجعک اللہ الی طائفۃ ظاہر یہ ہے کہ اس فرمان عالی میں ف فصیحہ ہے یعنی اگر منافقین نے اس نازک موقعہ پر آپ کی اطاعت نہ کی تو اب اگر شریک جہاد ہونا بھی چاہیں تو نہ انہیں شریک کریں۔ ان یا تو بمعنی اذا ہے۔ یقین کے لئے استعمال ہوا ہے۔ کیونکہ حضور انور کا واپس مدینہ منورہ میں تشریف لانا اور منافقین کا یہ عرض کرنا یقینی تھا اور ہوسکتا ہے کہ ان اظہار شک کے لئے ہو کیونکہ منافقین سمجھے ہوئے تھے کہ اب حضور انور اور غازیوں کا واپس آنا مشکوک ہے کیونکہ گرمی سخت ہے سفر دور دراز ہے سامان سفر تھوڑا ہے۔ ان کا شک یہاں ظاہر کیا گیا۔ رجع اگر رجوع سے بنے تو بمعنی لوٹنا ہوتا ہے یعنی لازم اور اگر رجع سے ہے تو بمعنی لوٹانا ہوتا ہے۔ یعنی متعدی۔ یہاں رجع سے ہے اور متعدی (روح البیان و معانی) رب فرماتا ہے ذلک رجع البعید طائفہ سے مراد ایک ٹولہ ہے منہم کا رجع منافقین ہیں چونکہ حضور انور کی واپسی تک بعض منافقین مرچکے تھے بعض مدینہ منورہ سے باہر جاچکے تھے بعض سچے دل سے توبہ کرچکے تھے بعض اپنے نفاق پر قائم رہے تھے۔ جو صرف بارہ تھے۔ اس لئے طائفۃ منہم ارشاد ہوا (بیضاوی البیان ومعانی)

بعض نے کہا کہ منہم میں ہم سے مراد مخلفین ہیں۔ جن میں سے بعض ماجور تھے بعض معذور دھوکہ باز منافقین (بیضاوی) اس لئے منہم فرمانا بالکل درست ہوا کہ یہ لوگ مخلفین کے بعض تھے۔ فاستاذنوک للخروج۔ یہ عبارت معطوف ہے رجعک پر اور یہ شرط ہے چونکہ ان کا یہ اجازت مانگنا حضور کی واپسی کے فورا بعد تھا اس لئے ف ارشاد ہوئی بمعنی فورا خروج سے مراد ہے آئندہ غزوات کے لئے مدینہ منورہ سے روانگی یعنی وہ منافقین بطور جھوٹی خوشامد کے اپنا گزشتہ جرم چھپانے کے لئے۔ آپ سے عرض کریں گے کہ حضور اگلے جہادوں میں جانے کی ہم کو آج ہی اجازت دیجئے۔ ہم بالکل تیار ہیں۔ فقل لن تخرجوا معی ابدا۔ یہ فرمان عالی مذکورہ شرط کی جزاء ہے۔ اور تخرجوا سے مراد یا تو مطلقا سفر کرنا ہے یا جہاد کے لئے سفر اور یہ خبر بمعنی نہی وممانعت ہے یعنی ان کی جواب میں آپ فرمادینا کہ تم آئندہ میرے ساتھ کسی سفر میں یا سفر جہاد میں نہیں جا سکتے ولن تقاتلوا معی عدوا۔ یہ فرمان عالی معطوف ہی لن تخرجوا پر اور مذکورہ شرط کی جزا کا ایک جز یہ بھی خبر بمعنی ممانعت ہے یعنی تم لوگ میرے ساتھ کسی دشمن دین سے جہاد نہیں کرسکتے یعنی تم میرے ساتھ سفر اور جہاد کرنے کے اہل ہی نہیں رہے تمہارا نام رب کی فہرست میں غازیوں کے رجسٹر سے نکال دیا گیا لہذا آیۂ کریمہ صاف اور واضح ہے ورنہ نہ تو اس کے بعد حضور انور نے کوئی جہاد کیا کیونکہ غزوہ تبوک آخری غزوہ ہے جو ۹ھ میں واقع ہوا نہ یہ لوگ صحابہ اکرام کے زمانہ میں کسی جہاد میں شریک ہوئے غرض کہ یہاں اہلیت کی ہی نفی مقصود ہے اس نفی کی وجہ یہ ہے کہ انکم رضیتم بالقعود اول مرۃ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ نہی کی وجہ ہے اس میں رضا بمعنی خوشی اور پسندیدگی ہے۔ قعود سے مراد بیٹھنا نہیں بلکہ مدینہ منورہ

www.alahazratnetwork.org

میں رہ جانا اور غزوہ کے لئے روزانہ ہوتا ہے۔ اول مرۃ سے مراد غزوہ تبوک ہے۔ قوی یہ ہے اول کی فتحہ ظرفیت کی وجہ سے ہے مرۃ مصدر ہے مر یمر کا مگر اب بمعنی ظرفیۃ استعمال ہوتا ہے بمعنی دفعہ یا بار اگرچہ خود موئث ہے۔ اور اول صیغہ واحد مذکر کا مگر اول کا استعمال مذکر موئث دونوں کے لئے ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے اول رجل اور اولی مراۃ (روح المعانی وکبیر وغیرہ) خیال رہے کہ اول کہ اول اسم تفضیل ہے اولی بمعنی لوٹنا یہ دراصل اوءلی تھا۔ ہمزہ کو واؤ سے بدل کر واو میں اوضم کر دیا گیا اول ہو گیا اس کا موئث اولی ہے یعنی تم لوگ پہلی باری رہ جانے پر خوش ہو گئے۔ جہاد کے لئے نہ گئے اس کی نحوست یہ ہوئی کہ فاقعدو مع الخالفین۔ تم ہمیشہ خالفین کے ساتھ بیٹھے ہی رہا کرو۔ ہمارے ساتھ کسی سفر کی جہاد میں نہ جاؤ۔ خیال رہے خالف بنا ہے خلف سے بمعنی پیچھے خالفین پیچھے رہ جانے والے منافقین بعض نے فرمایا کہ یہ بنا ہے خلف بمعنی فساد یا خرابی سے اس لئے منہ کی بدبو کو خلوف کہتے ہیں یعنی بگڑی ہوئی بو ایک قرات میں ہے الخلفین بروزن حذرین صنعت مشبہ یعنی اب تم فساد بہانہ خور منافقین کے ساتھ بیٹھے رہا کرو تم ان کے ساتھی ہو نہ کہ ہمارے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم آپ کو دو غیبی خبریں دیتے ہیں۔ ایک یہ آپ اس دشوار دور دراز سفر غزوہ تبوک سے بخیریت تمام مدینہ منورہ واپس ہوں گے دوسرے یہ کہ آپ کی واپسی پر منافقین جھوٹی خوشامد اور اپنا نفاق چھپانے کے لئے فوراً عرض کریں گے یا رسول اللہ ہم آئندہ غزوات میں ضرور بالضرور حضور کے ہمراہ جایا کریں گے۔ ہم کو آپ آج ہی ان غزوات میں جانے کی اجازت دے دیں۔ ہم کو ان غزوات کا بے چینی سے انتظار ہے اور اس کی اجازت سے ہماری بیقراری ابھی دور فرما دیں کہ ہاں ضرور چلنا ہے محبوب جب یہ عرض کریں تو آپ ان سے فرما دینا کہ تم لوگ آئندہ نہ تو ہمارے ساتھ کسی سفر میں جا سکتے ہو نہ ہمارے ساتھ کسی کافر قوم پر جہاد کر سکتے ہو۔ تم لوگوں کو ہمارے ساتھ سفر وغیرہ بند۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تم لوگ پہلی باری میں پیچھے رہ گئے اور اس پر خوش ہوئے اس آرام پسندی کا وبال تم پر یہ پڑا کہ تم آئندہ غازیوں کی فہرست میں ہی نہ رہے اب تم فسادیوں پیچھے رہ جانے والوں کے ساتھ رہو تم ہمارے ساتھی نہیں ان کے ساتھی ہو۔ خیال رہے۔ کہ غزوہ تبوک ۹ ہجری میں ہوا حضور انور ماہ رجب میں جمعرات کے دن اس غزوہ کے لئے روانہ ہوئے اس غزوہ کے بعد حضور انور کسی جہاد میں تشریف نہ لے گئے ۱۰ھ میں حضرت خالد کو بنی حارثہ کو مقابل میں روانہ فرمایا ۱۱ھ میں وفات شریف واقع ہوگئی۔ دیکھو مدراج النبوۃ جلد دوم۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم غیبیہ بخشے یہ فائدہ فان رجعک اللہ اور فاستاذنوک (الخ) سے حاصل ہوا کہ وہ واقعات غزوہ تبوک سے واپسی پر پیش آنے والے تھے۔

دوسرا فائدہ: رب تعالیٰ نے پہلے سے ہی ان کی خبر حضور ﷺ کو دے دی یہ بھی بتا دیا کہ اس وقت تک یہ سارے منافقین باقی نہ رہیں گے بعض رہیں گے یہ فائدہ۔ الی طائفۃ منھم فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے نبی کریم لوگوں کے دلی حالات ان کے ایمان وکفر نفاق واسلام سے بھی خبردار کیا تا ابد جہاد

www.alahazratnetwork.org

حضور ﷺ کے ساتھ ہوتا ہے بروں کی ہمراہی بری ہے۔ یہ فائدہ استاذنوک سے حاصل ہوا جس میں بتایا گیا کہ ان کا یہ اجازت مانگنا منافقت سے ہوگا۔ نہ کہ اخلاص سے اور نہ گذشتہ کوتاہی کا کفارہ کرنے کے لئے اس لئے اس اجازت طلبی کو ان کے عیوب میں شمار فرمایا۔

چوتھا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے لوگوں کے انجام سے بھی خبردار کیا کہ کون ایمان پر رہیگا اور کون کفر پر کون اخلاص پر رہیگا۔ اور کون نفاق پر یہ فائدہ لن تخرجوا معی ابدا (الخ) اور لن تقاتلوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ تم چونکہ آخر تک منافق رہو گے۔ اور منافق ہی مرو گے۔ لہذا تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ تو سفر کر سکے ہو نہ جہاد ورنہ ان سے ارشاد ہوتا کہ توبہ کر لو مخلص مومن بن جاؤ۔ اور جہاد میں شریک ہوا کرو توبہ کا دروازہ کھلا ہے یہ واقعہ ثعلبہ کے واقعہ سے مشابہ ہے کہ زکوۃ اتار بار رد ہوتی رہی۔ کیونکہ وہ منافق رہا۔ منافق مرا

پانچواں فائدہ: بعض گناہ ایسے منحوس ہوتے ہیں کہ ان سے توبہ کی توفیق نہیں ملتی و لکہ وہ کفر بلا خاتمہ علی الکفر کا ذریعہ بن جاتے ہیں یہ فائدہ انکم رضیتم۔ (الخ) سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ چونکہ تم غزوہ تبوک میں ہمارے ساتھ نہ گئے۔ اس لئے نفاق تمہارے دلوں سے ایسا چمٹ گیا کہ اب چھوٹ نہیں سکتا۔ جیسے بعض نیکیاں ایسی ہیں جن سے ایمان کی رجسٹری ہو جاتی ہے کہ پھر ایمان دل سے نکل نہیں سکتا۔ وہ بے ادب رسول دیکھو جو باادب صحابہ کے متعلق ارشاد ہوا والزمھم کلمۃ التقوی۔ اللہ ادب کی توفیق دے۔

چھٹا فائدہ: حجۃ الوداع میں کوئی منافق حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ گیا سارے مومن مخلص ہی گئے۔ یہ فائدہ لن تخرجوا معی سے حاصل ہوا۔ جس میں فرمایا گیا کہ اب میرے ساتھ تم کسی سفر میں نہیں جا سکتے اور حجۃ الوداع تبوک کے بعد ہوا جب کہ منافقین کو حضور انور ﷺ کے ساتھ سفر کی ممانعت ہو چکی تھی۔

ساتواں فائدہ: اللہ کا سخت عذاب بندے پر یہ ہے کہ اسے اچھوں کی خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے محروم کر دیا جاوے یہ فائدہ لن تخرجوا معی اور لن تقاتلوا معی (الخ) سے حاصل ہوا یہاں معی کا خیال رکھنا۔

آٹھواں فائدہ: بے دینوں سے الگ رہنا چاہئے اگرچہ وہ کلمہ پڑھتے اور اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں یہ فائدہ بھی لن تخرجوا معی (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو منافقین کلمہ گو تھے اپنے کو مسلمان کہتے تھے مگر حضور انور ﷺ نے اپنے سے دور کر دیا۔

نواں فائدہ: بے دینوں کو مسلمان اپنی مسجد میں نماز پڑھنے سے روک سکتے ہیں اگرچہ وہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوں کلمہ پڑھتے ہوں خصوصاً جب کہ ان کے آنے سے فتنہ فساد ہو۔ یہ فائدہ ولن تقاتلوا معی عدوا۔ سے حاصل ہوا دیکھو جہاد فی سبیل اللہ بہترین عبادت ہے مگر اس میں منافقین کو شرکت کرنے سے منع کر دیا گیا۔ ہر کلمہ گو مسلمان نہیں بعض لوگ مرزائیوں کو اپنی مسجد میں نہیں آنے دیتے ان کی اصل یہ آیت کریمہ ہے۔

دسواں فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا کبھی اظہار غضب کے لئے بھی آتا ہے یہ فائدہ مع القعدو امع

www.alahazratnetwork.org

الخالفین (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو اقعد و صیغہ امر کا ہے مگر نہ وجوب کے لئے ہے نہ مباح کرنے کے لئے بلکہ اظہار غضب وعتاب کے لئے ہے کہ اب بیٹھے رہ جانے والوں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

گیارھواں فائدہ: اللہ کا بڑا عذاب یہ ہے کہ بندہ اچھوں کی صحبت سے محروم کر کے بروں کا ساتھ بنا دیا جاوے یہ فائدہ بھی ما قعدو وامع الخالفین ۔ سے حاصل ہوا پہلے معی تھا یہاں مع الخالفین ہے یعنی اے منافقو اب تم میرے ساتھ نہ رہو بلکہ منافقین کے ساتھ بیٹھو اٹھو۔ شعر

چوں شدی دوراز حضور اولیاء آن چناں داں دور گشتی از خدا

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی غزوہ تبوک سے مدینہ کی طرف بالکل یقینی تھی پھر اسے ان سے کیوں فرمایا گیا ان رجعک اللہ ان تو شک کے لئے آتا ہے۔

جواب: اگر ان بمعنی اذا ہے تب تو کوئی اعتراض نہیں اور اگر اپنے معنی میں ہو۔ یعنی اگر تو بھی شک کے لئے نہیں بہت جگہ ان یقینی چیز پر بھی بولا جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے ان کنت علی بینۃ من ربی واتانی رحمۃ عندہ ۔ دیکھو نوح علیہ السلام کا نبی ہونا رحمت والا ہونا یقینی تھا مگر آپ نے ان سے بیان فرمایا اور فرماتا ہے ارءیتم ان کان من عند اللہ ثم کفرتم یہ دیکھو قرآن مجید کا اللہ کی طرف سے ہونا یقینی ہے مگر ان سے بیان کیا گیا اس سے مقصود ہے مضمون کی اہمیت بیان کرنا۔

دوسرا اعتراض: یہاں الی طائفۃ منھم کیوں ارشاد ہوا جب حضور انور ﷺ تبوک سے واپس ہوئے تو سارے منافقین مدینہ منورہ میں موجود تھے۔

جواب: نہیں بلکہ بعض منافقین مر چکے تھے بعض اس دوران میں توبہ کر کے مومن مخلص بن چکے تھے بعض اپنے نفاق پر اڑے رہے تھے اور دھوکہ دینے کے لئے آئندہ جہادوں میں شرکت کی اجازت مانگتے تھے وہ ہی یہاں مراد ہیں لہذا طائفہ فرمانا بالکل درست ہے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

تیسرا اعتراض: ان منافقوں کو توبہ کرنے مخلص بن جانے کا حکم کیوں نہیں دیا جہاد و سفر میں اپنی ہمراہی سے کیوں روک دیا دور کرنے سے قریب کرنا اچھا ہے۔

جواب: ان کی تقدیر میں اخلاص اور ایمان نہ تھا انہیں اس کی توفیق ملنے والی نہ تھی۔ جیسے ثعلبہ کی زکوۃ رد کر دی گئی ایسے ہی انہیں اپنی ہمراہی سے نکال دیا گیا۔ حضور انور ﷺ کی نظر لوح پر محفوظ تھی۔

چوتھا اعتراض: پھر انہیں صرف جہاد سے کیوں روکا گیا نماز اور مسجد مبارک کی حاضری سے کیوں روکا گیا یہ بھی تو اسلامی کام ہیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ جہاد میں منافقین کا جانا خطرناک تھا وہ کفار کی جاسوسی کرنے اور مسلمان غازیوں کو کفار سے ہیبت دلاتے تھے نماز کی حاضری میں یہ خطرے نہ تھے جواب عاشقانہ یہ ہے کہ وہ اپنی زبان سے مسلمان تھے دل سے کافر انہیں مسجدوں میں حاضری کی اجازت دینا شریعت تھی کہ

www.alahazratnetwork.org

شرعی احکام ظاہر پر ہوتے ہیں اور جہاد سے روکنا طریقت کی طریقت میں حقیقت اور انجام پر حکم ہوتا ہے حضرت خضر کا بچے کو مار ڈالنا طریقت تھا۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ منافقین کو غزوہ تبوک سے بیٹھے رہنے کی یہ سزا ملی کہ وہ دوسرے جہادوں سے محروم کر دیئے گئے تو اس وقت بعض مخلصین صحابہ بھی بیٹھ رہے تھے جیسے حضرت کعب ابن مالک مرارہ ابن لوی اور ہلال ابن امیہ انہیں یہ سزا کیوں نہ ملی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب اسی آیت میں موجود ہے کہ ارشاد ہوا **رضیتم بالقعود** تم لوگ بیٹھے رہنے پر راضی ہوئے خوش ہوئے وہ حضرات اس پر خوش نہ تھے گناہ کرنا اور ہے گناہ پر خوش ہونا کچھ اور مگر انہیں بھی بائیکاٹ کی سزا دی گئی کہ پچاس دن ان کا مکمل بائیکاٹ کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: بدنصیب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی فیض صحبت نہ پا سکے جیسے چمگادڑ سورج سے کھاری زمین بارشوں سے فیض نہیں لے سکتے فیوز وارڈ ہوا بلب بجلی کے پاور سے روشن نہیں ہوتا منافقین انہیں بدنصیبوں میں سے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صحبت پاک ہمراہی سفر و جہاد سے محروم کر دیئے گئے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضرت صحابہ اکرام کے زمانہ کے سارے جہاد حضور انور ﷺ کی ہمراہی میں ہوئے جو لوگ ان میں اخلاص سے شریک ہوئے وہ حضور انور ﷺ کی ہمراہی حضور ﷺ ہی کے زیر سایہ تھے۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **ولن تقاتلو معی عدوا** تم میرے ساتھ جہاد نہ کرو اس کا مطلب یہ نہیں کہ میری وفات کے بعد صحابہ اکرام کے جہادوں میں شریک ہو جایا کرتا۔ حضور انور ﷺ نے تو اس کے بعد کوئی جہاد کیا ہی نہیں حضرات صحابہ نے کئے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا **لن تقاتلو معی** میرے ساتھ جہاد نہ کرو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ تا قیامت ہر قبول جہاد میں حضور انور ﷺ مخلص غازیوں کے ساتھ ہوتے ہیں اور بحکم خدا ان کی مدد فرماتے ہیں ہاں جنگ مردود حضور ﷺ کی ہمراہی سے خالی ہوتی ہیں۔ دیکھو فرمایا گیا۔ **ولن تقاتلو معی عدوا** ان جہادوں سے مراد تا قیامت خصوصا صحابہ اکرام کے جہاد میں اس کا تجربہ ابھی 1965ء کی جنگ میں ہوا جو پاکستان و ہندوستان میں ہوئی جس میں حضور انور ﷺ کی شرکت دیکھی گئی۔

وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ
اور نہ نماز پڑھیں آپ کسی پر ان میں سے جو مر جاوے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں آپ قبر پر اس کے تحقیق ان لوگوں
اور ان میں سے کسی کی میت پر کبھی نماز نہ پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا بیشک وہ اللہ اور
اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾
نے کفر کیا ساتھ اللہ کے اور اس کے رسول کے اور مر گئے حالانکہ وہ فاسق ہیں
رسول سے منکر ہوئے اور فسق ہی میں مر گئے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین کو ان کی زندگی میں ذلیل کرنے کا ذکر تھا کہ انہیں جہادوں کی شرکت سے محروم فرمادو۔ اب انہیں بعد موت ذلیل فرمانے کا تذکرہ ہے کہ ان کی لاشوں پر نماز بھی نہ پڑھو۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ اے محبوب انہیں اپنے سے دور فرمادو اب حکم ہے کہ انہیں بعد موت اپنی دعاؤں سے دور رکھو حضور انور ﷺ ہماری زندگی اور بعد موت ہمارے ساتھی ہیں ان سے دور رہ کر زندگی موت ہے۔ شعر

ان کے در پر موت آجائے تو جی جائیں حسن — ان کے در سے دور رہ کر زندگی اچھی نہیں

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں منافقین سے خطاب تھا کہ اب تم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ رہو۔ اب ارشاد ہے کہ اے محبوب منافقوں کو مرے بعد بھی انہیں کے ساتھ رکھو آپ ﷺ ان کی قبر کے پاس بھی عارضی طور پر کھڑے ہوں۔ تمہارے لائق وہ ہے جو نرا تمہارا ہو۔ وہاں خالص چاہئے ملاوٹی کی گنجائش نہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ منافقوں کو اپنی ہمراہی کا شرف نہ بخشو اب ارشاد ہے کہ جس قبر میں منافق دبا ہو اس کی قبر کو بھی اپنے قدم شریف کی عزت نہ بخشیں وہاں آپ ﷺ نہ جائیں نہ کھڑے ہوں وہ مٹی بھی آپ ﷺ کے قدم کے لائق نہیں۔

شان نزول: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق بخاری شریف میں ایسی روایات ہیں یہ فقیر ایسی جامع تقریر عرض کرتا ہے جس میں بفضلہ تعالیٰ تمام روایات جمع ہو گئیں اس میں جمع تفسیر خازن سے مدد لی گئی ہے۔ قبیلہ بنی خزاج کا سردار منافقین کا پیشوائے اعظم جس کے اشارہ پر سارے منافقین چلتے تھے یعنی عبداللہ ابن ابی جس کی ماں کا نام سلول تھا (صاوی) جب یہ مرض موت میں گرفتار ہوا تو اس نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاس بلایا اور عرض کیا کہ مجھے اپنی قمیض شریف عطا فرمادیں تاکہ میں اس کفن میں دیا جاؤں میری نماز جنازہ حضور انور ﷺ پڑھائیں میرے لئے دعائے مغفرت فرمادیں۔ حضور انور ﷺ نے گھر واپس تشریف لائے اپنی اوپر والی قمیض بھیج دی اس نے وہ واپس کردی اور کہا کہ وہ نیچے والی دیجئے جو جسم شریف سے متصل رہی ہے کچھ وقفہ کے بعد وہ مرگیا اس کا بیٹا جس کا نام بھی عبداللہ تھا جو مخلص مومن صحابی تھا حاضر ہوا اور قمیض مانگی حضور انور نے جب قمیض شریف عطا فرمانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت عمر نے عرض کیا کہ ایسے نجس العین خبیث کو قمیص طاہر وطیب کیوں عطا فرمائی جاوے تو ارشاد فرمایا کہ اے عمر اسے تو قمیص کچھ فائدہ نہ دے گی مگر مجھے امید ہے کہ اس کی برکت سے انشاء اللہ ایک ہزار منافقین ایمان واخلاص کرلیں گے۔ پھر حضور انور ﷺ اس کی میت تیار ہوجانے پر اس کی نماز پڑھانے تشریف لے گئے جب مصلے پر تشریف فرما ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ یہ تو منافق بلکہ منافقوں کا سردار ہے۔ حضور ﷺ اس کی نماز کیوں پڑھاتے ہیں۔ فرمایا کہ ابھی تک مجھے میرے رب نے منافقوں کی نماز یا ان کے لئے دعا سے منع نہیں فرمایا ہے یہ فرمایا ہے کہ اگر ستر بار بھی آپ ﷺ ان کے لئے دعا مغفرت کریں گے ہم نہ بخشیں گے۔ اگر میں جانتا کہ ستر بار سے زیادہ دعا کردینے سے اس کی بخشش ہوجاوے گی تو زیادہ دعا کرتا۔

www.alahazratnetwork.org

بہر حال حضور ﷺ نے اس کی نماز پڑھادی۔ گھر واپس تشریف لائے جب اسے دفن کیا جانے لگا تو تشریف لے گئے اس وقت وہ اپنی قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کی میت نکلوائی اسے اپنی نیچے والی قمیض پہنائی اور لعاب دہن شریف اس کے منہ میں ڈالا۔ یہ سارے واقعات اس کے قبیع منافقین دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے دو باتوں پر غور کیا۔ ایک یہ کہ ایسا دشمن رسول منافق بھی حضور ﷺ سے آپ کے تبرکات مانگتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کے تبرکات واقعی دافع بلا اور مشکل کشا ہیں۔ دوسرے یہ کہ حضور انور ﷺ نے ایسے موذی دشمن کو بھی منع نہ فرمایا بلکہ اس کی ساری گذارشات قبول فرمالیں۔ یہ سوچ کر اس دن چھوٹے بڑے ایک ہزار منافقین نفاق سے سچی توبہ کرکے مسلمان ہوگئے۔ اس کے بعد یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضور ﷺ کو ہمیشہ کے لئے منافقین کی نماز جنازہ پڑھنے ان کی قبور پر جانے وغیرہ سے منع فرمادیا گیا) تفسیر کبیر۔ روح المعانی روح البیان۔ بخاری۔ مسلم وغیرہ کتب احادیث) انشاء اللہ اس بیان سے ساری روایات جمع ہوگئیں کہ حضور انور ﷺ تین بار اس کے ہاں تشریف لے گئے۔ (۱) بیماری میں (۲) مرنے کے بعد اور (۳) دفن کے وقت۔ جب وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا اور تین بار ہی حضور انور ﷺ کی قمیض مانگی گئی دو بار اس نے خود مانگی اور ایک بار اس کے بیٹے سیدنا عبد اللہ نے۔ اور حضور انور ﷺ نے خود اسے قمیض بھی پہنائی تھی۔ اور لعاب دہن شریف بھی اس کے منہ میں ڈالا تھا۔

خیال رہے: کہ یہ بہت دراز قد تھا اور ادھر حضور ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی دراز قد تھے۔ جب وہ جنگ بدر میں گرفتار ہوکر آئے تو ان کے جسم پر کرتا نہ تھا۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی صاحب اسے قمیض پہنادیں کسی کی قمیض آپ کے جسم شریف پر نہ آئی اس منافق کی قمیض بالکل درست آگئی اور اس نے وہی پہنادی۔ حضور انور ﷺ کے اس عمل شریف سے اس کے احسان کا بدلہ بھی ہوگیا۔ جو اس نے حضور ﷺ کے چچا پر کیا تھا (عام تفاسیر)

تفسیر: **ولا تصل علی احد منهم** قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ عاطفہ نہیں بلکہ ابتدائیہ ہے۔ صلوۃ کے معنی نماز درود۔ دعا۔ نماز جنازہ سب ہی ہیں مگر یہاں آخری معنی یعنی جنازہ مراد ہے۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا نیز آگے ہے۔ **ولا تقم علی قبره**۔ قبر کے ذکر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس سے مراد دعا مغفرت ہے رب تعالیٰ نے ایک جگہ فرمایا **صل علیهم** مسلمانوں کے لئے دعا مغفرت فرماؤ۔ مگر دو جگہ دعا مغفرت سے منع فرمایا ایک جگہ مشرکین کے لئے **ما کان للنبی والذین امنوا ان یستغفروا للمشرکین** اور یہاں منافقین کے لئے مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ نماز جنازہ بھی اس لئے منع ہے کہ اس میں دعا مغفرت ہے۔ منہم فرما کر یہ بتایا کہ نماز جنازہ اس کی منع ہے جو مرتے وقت تک جہنم رہے یعنی منافق رہے (روح المعانی) کیونکہ منہم احد کا حال ہے مات ابدا اس فرمان عالی میں مات تو احد کی صفت ہے اور ابدا یا تو **لا تصل** کا ظرف ہے یا مات کا یعنی جو منافق مرجائے اس پر ہمیشہ نماز نہ پڑھیں یعنی کبھی یا جو منافق ہمیشہ کے لئے جاوے اس طرح منافقت پر اس کا دم نکلے اس کی نماز نہ پڑھیں کیونکہ اگرچہ اسے بھی قبر میں زندہ کرتے ہیں مگر تا کافی اور سوال کے لئے نہ کہ جزا کے واسطے لہذا وہ زندگی بھی موت ہے۔ (تفسیر روح المعانی۔ بیان خازن۔ کبیر وغیرہ) یہ دوسری تفسیر قوی ہے لذیذ بھی **ولا تقم علی قبره**۔ یہ دوسری ممانعت ہے جو براہ راست حضور صلی

www.alahazratnetwork.org

اللہ علیہ وسلم کو ہے حضور انور ﷺ کے واسطے سے سارے مسلمانوں کو منافق کی قبر پر کھڑا ہونا یہاں قیام سے مراد صرف کھڑا ہونا نہیں بلکہ وہاں جانا۔ بیٹھنا۔ کھڑا ہونا ٹھہرنا سب ہی مراد ہے جبکہ زیارت کرنے دعا کرنے یا دفن کے بعد دعا کرنے کے لئے ہو۔ کہ سب حرام ہے قبرہ میں ہ کا مرجع وہی مذکور منافق ہے یعنی اے محبوب ان کی قبر پر زیارت کرنے فاتحہ پڑھنے دعا خیر کرنے احترام کرنے کے لئے نہ جاؤ۔ تحقیر۔ عبرت کے لئے وہاں جانا جائز بلکہ بہتر ہے۔ حضور انور ﷺ ابوجہل وغیرہ کی لاشوں پر تشریف لے گئے ان سے کلام بھی فرمایا۔ انھم کفروا باللہ و رسولہ۔ اس فرمان عالی میں مذکور ممانعتوں کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اگرچہ زبانی طور پر مسلمان محسوس ہوتے ہیں مگر حقیقۃً وہ اللہ رسول کے منکر پختہ کافر ہیں اور کفار کے لئے دعاء مغفرت جائز ہے نہ ان کی قبر کی زیارت جائز کہ اس میں ان کی قبروں کی تعظیم و توقیر ہے جو ناجائز ہے یہ دونوں چیزیں صرف مومنوں کے لئے ہیں۔ وماتوا وھم فاسقون۔ اس فرمان عالی میں یا تو ان ممانعتوں کی دوسری وجہ کا ذکر ہے۔ یا کفروا باللہ۔ کے دوام کا یہاں فاسق سے مراد کفر نہیں کہ وہ پہلے ہی مذکور ہو چکا بلکہ صرف مسلمانوں کو ستانا۔ حضور انور ﷺ کو دکھ دینا وغیرہ مراد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بعض کافر مروت والے ہوئے ہیں ان میں شرم و حیا ہوتی ہے۔ دل کے نرم ہوتے ہیں۔ کسی کو ستاتے نہیں مگر یہ لوگ تو کافر بھی ہیں موذی بھی حضور انور ﷺ کو ایذاء رساں بھی۔ اسی حالت میں یہ مرے پھر یہ دعا یا نماز جنازہ یا کسی عزت و احترام کے مستحق نہیں ہو سکتے۔ وہ مر گئے اس حال میں کہ وہ بدکار مسلم آزار تھے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں قوی اور ظاہر تفسیر یہ ہے کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کسی منافق کی جو مر جائے کبھی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ اور نہ کبھی ان کی قبر کی زیارت کریں نہ وہاں جا کر دعا خیر کریں کیونکہ یہ صرف زبانی کلمہ گو ہیں درحقیقت اللہ رسول کے انکاری۔ پرلے درجے کے کافر ہیں صرف کافر ہی نہیں بلکہ موذی اور مومنوں کے دشمن ہیں اس حال یعنی کافر و دشمنی پر وہ مر گئے ایسوں کی نہ نماز جنازہ درست ہے نہ ان کے لئے دعا خیر۔

خیال رہے: عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ اس کی قبر پر جانے سے تو حضور ﷺ اور کو منع فرما دیا گیا مگر اس کو کفن میں رکھنے کے لئے چادر دینے کا ذکر نہ تو قرآن مجید میں کیا گیا نہ حضرت عمر نے اس پر زور دیا کہ حضور ﷺ اسے چادر نہ دیں۔ کیونکہ اس کے مانگنے پر چادر عطا نہ کرنا جود و سخاوت کے خلاف تھا۔ نیز اس صورت میں اس خبیث کا احسان حضرت عباس پر رہ جاتا۔ روایت ہے ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان سے خفیہ طور پر فرما دیا تھا کہ فلاں فلاں کا خاتمہ منافقت ہے۔ مجھے ان کی نماز جنازہ سے منع فرما دیا گیا ہے۔ حضور انور ﷺ کی وفات کے بعد جب کوئی مشکوک آدمی مرتا تو حضرت عمر اس کے جنازے کے لئے حضرت حذیفہ کو بلاتے۔ اگر آپ جاتے تو حضرت عمر بھی جاتے تھے اگر نہ جاتے تو حضرت عمر بھی نہ جاتے تھے سمجھ جاتے تھے کہ یہ اس فہرست کا آدمی ہے جو حضرت حذیفہ کو بتا دی گئی ہے (روح البیان) یہ ہے حضور انور ﷺ کا علم غیب۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا فائدہ: عبداللہ ابن ابی جیسا سخت منافق بھی جانتا تھا کہ حضور انور ﷺ کے تبرکات قبر میں کشائی کرتے ہیں۔ جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا آج جو اس کا انکار کرے اور کہے قبر میں تبرکات لے جانا محض بیکار ہے صرف اپنے اعمال ہی فائدہ دیں گے۔ وہ اس منافق سے بھی بدتر ہے۔

دوسرا فائدہ: کافر و منافق کے لئے کوئی تبرک قبر وحشر میں مفید نہیں کیونکہ اس کے پاس ایمان نہیں۔ بغیر جان کوئی دوا مفید نہیں یہ فائدہ بھی اس شان نزول سے حاصل ہوا کہ حضور ﷺ نے حضرت عمر سے فرمایا کہ میری چادر اسے فائدہ نہ دے گی۔

تیسرا فائدہ: حضور انور ﷺ کے ہر عمل میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں دیکھو منافق کو چادر شریف عطا کی اس کی نماز جنازہ پڑھی یہ جانتے ہوئے کہ اس کے لئے یہ چیزیں بیکار ہیں مگر اس عمل شریف سے ایک ہزار منافقوں کو ایمان مل گیا۔ چادر نے منافقوں کو ایمان بخش دیا۔

چوتھا فائدہ: حضور ﷺ کے تبرکات تہبند شریف چادر مبارک بال شریف وغیرہ مومن کے لئے قبر میں کام آتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: مردے کے کفن میں متبرک چیز رکھنا جائز ہے وہاں یہ نہ کہو کہ مردہ پھولے پھٹے گا تو اس کی آلائش سے یہ چیزیں لتھڑ کر خراب ہوں گیں۔ دیکھو آب زمزم پینا جائز ہے حالانکہ معلوم ہے کہ وہ پیٹ میں جا کر کیا بنتا ہے۔

چھٹا فائدہ: مردے کو کفنی (الفی) دینا اسے غلاف کعبہ میں لپیٹ کر دفن کرنا جائز ہے۔ کہ حضور انور ﷺ کی چادر شریف غلاف کعبہ سے افضل ہے کہ غلاف کعبہ بیت اللہ کا صحبت یافتہ ہے اور یہ چادر شریف حبیب اللہ کی صحبت یافتہ مگر حضور انور ﷺ نے ابن ابی کو اس میں لپیٹا اور دفن کیا حضرت زینب کی وفات پر ان کے سینہ پر اپنا تہبند شریف رکھوا کر دفن فرمایا اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

ساتواں فائدہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شان بہت بلند و بالا ہے کہ آپ ﷺ کی رائے کے مطابق بہت سی آیات آئیں۔ چنانچہ (۱) کافر قیدیوں سے فدیہ لینا (۲) انہیں انہیں پر چھوڑنا (۳) ان کی رائے کے مطابق شراب کی حرمت (۴) مقام ابراہیم کو جاء نماز بنایا (۵) عورتوں کے پردہ واجب ہونے (۶) منافقوں پر نماز جنازہ پڑھنے کی آیۃ یعنی یہ آیات آپ ﷺ کی روائے شریف کے مطابق آئیں۔ (کبیر) اس لئے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو عمر ہوتے۔ یا فرمایا کہ گذشتہ امتوں میں الہام والی اولیاء ہوئے اگر میری امت میں تو عمر ہیں۔ یعنی اس امت میں ضرور ہوں گے کہ یہ اشرف امت ہے اور حضرت عمر ضرور الہام والے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: مردہ کافر و منافق کو مرحوم کہنا یا رحمۃ اللہ یا رضی اللہ عنہ کے القاب دینا یا ان کے لئے ختم قرآن مجید کرنا ان کی فاتحہ قل وغیرہ کرنا حرام ہے۔ یہ فائدہ لاتصل کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ صلوۃ سے مراد رحمت و مغفرت ہو۔

نواں فائدہ: کافر و منافق کی نماز جنازہ پڑھنا حرام ہے یہ فائدہ بھی لاتصل کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ صلوۃ سے مراد نماز جنازہ ہو۔

www.alahazratnetwork.org

دسواں فائدہ: نمازہ جنازہ کا ثبوت قرآن مجید سے ہے یہ فائدہ بھی لاتصل کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب کفار منافقین کی نماز جنازہ پڑھنا ممنوع ہے تو مسلمان پر نماز درست ہے۔

گیارہواں فائدہ: جو منافق یا کافر توبہ کر کے مسلمان مخلص ہو کر مرے اس کا نماز جنازہ پڑھا جائے گا یہ فائدہ منہم فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو تمام عمر منافق ہی رہے اور رہتے ہوئے مرے اس پر نماز نہیں جو منافق رہتا ہوا مرے اس پر نماز نہیں۔

بارہواں فائدہ: کافر و منافق کی قبر کی زیارت کرنا وہاں پھول چڑھانا وہاں فاتحہ پڑھنا۔ کسی ہندو کی سادھی پر پھول وغیرہ ڈالنا حرام ہے یہ فائدہ **لاتقم علی قبرہ** سے حاصل ہوا۔ افسوس کہ مسلمان یہ سبق بھول گئے وہ مشرکین کی خوشامد میں تلک ہندو کے مرثیے لکھنے لگے گاندھی کی سادی پر پھول چڑھانے اس کی کریا کرم کرنے گنگا جانے لگے۔

تیرھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی والدہ ماجدہ طیبہ طاہرہ مومنہ ہیں یہ فائدہ بھی **لا تقم علی قبرہ** سے حاصل ہوا۔ کیونکہ کافر و منافق کی قبر کی زیارت ممنوع ہے اور حضور انور ﷺ نے باجازت رب تعالیٰ جناب آمنہ کے مزار انور پر مدینہ منورہ سے سفر کر کے زیارت کے لئے تشریف لے گئے وہاں بہت روئے اور سب کو رلایا اور فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے دعا مغفرت کی اجازت مانگی تو مجھے منع کر دیا گیا۔ زیارت قبر کی اجازت مانگی تو دے دی گئی۔ اس اجازت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مومنہ ہیں (روح المعانی) رہا دعاء مغفرت سے منع فرمانا وہ اس لئے ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔

چودھواں فائدہ: ہر کلمہ گو مومن نہیں بعض کافر بھی ہیں لہذا ہر کلمہ گو کی نماز جنازہ نہیں یہ فائدہ **کفروا باللہ** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو کلمہ گو منافقوں کو قرآن مجید نے کافر کہا اور ان پر نماز سے منع کیا۔

پندرھواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی عظمت کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے یہ فائدہ **کفروا باللہ ورسولہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین اللہ تعالیٰ کے منکر نہ تھے حضور انور ﷺ کے مرتبہ سے جلتے تھے ان کے متعلق قرآن مجید نے فرمایا۔ **کفروا باللہ**

سولھواں فائدہ: سارے کافر یکساں بعض کافر بھی ہیں موذی بھی اور بعض کافر ہیں مگر موذی نہیں یہ فائدہ **وھم فاسقون** سے حاصل ہوا۔ ابو طالب اور ابو لہب یکساں نہیں۔

پہلا اعتراض: جب عبداللہ بن ابی نے حضور انور ﷺ کی چادر شریف اپنے کفن کے لئے مرض الموت میں مانگی تو وہ مومن ہو گیا کہ اس نے حضور انور کی بیعت مان لی پھر اس کی نماز پر کیوں اعتراض ہوا۔ غالب یہ ہے کہ اس کا عرض کرنا بھی نفسانی بنا پر تھا کہ میری میت بعد موت خراب نہ ہو حضور انور ﷺ نماز پڑھیں تو دوسرے مسلمان بھی پڑھیں۔ ورنہ مجھے نہ کفار دفن کریں گے نہ مسلمان واللہ اعلم

دوسرا اعتراض: معلوم ہوا کہ نبی کی چادر آپ ﷺ کا لعاب شریف یا آپ ﷺ کے بال مردے کا عذاب دفع نہیں کر سکے محض بیکار ہیں دیکھو عبداللہ ابی یہ چیزیں اپنے ساتھ قبر میں لے گیا مگر اس کا عذاب کم نہ ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: جی ہاں کافر و منافق کو ان سے فائدہ نہیں ہوتا مومنوں کو ضرور ہوتا ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر

بہ آب کوثر و زمزم سفید نتواں کرد
گلیم بخت کسے راکہ بافتند سیاہ
تواں پاک کردن زرنگ آئینہ
و لیکن نہ آید زسنگ آئینہ (سعدی)
کالی کملی آپ زمزم و کوثر سے دھو و سفید نہ ہوگی
آئینہ کا زنگ دور ہو سکتا ہے مگر پتھر کا آئینہ نہیں بن سکتا

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ کے نزول کے متعلق روایتیں مختلف ملتی ہیں بعض روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے چادر اور نماز جنازہ کے لئے خود عبداللہ ابن ابی نے عرض کیا۔ بعض میں ہے کہ اس کے مرے بعد اس کے بیٹے نے بعض میں ہے کہ حضور انور ﷺ نے اسے چادر شریف اس کی زندگی میں ہی دے دی بعض میں ہے کہ مرے بعد جب دفن کیا جارہا تھا۔ تو قبر سے نکلوا کر عطا فرمائی ان میں مطابقت کیونکر ہو۔

جواب: ان روایات کی مطابقت اس بیان سے ہوگئی جو ہم نے شان نزول میں عرض کیا کہ عبداللہ بن ابی نے اپنی زندگی میں حضور صلی اللہ وسلم کی قمیض منگائی پھر واپس کر دی کہ مجھے قمیض وہ دیں جو جسم اطہر سے لگی ہے۔

پھر اس کی موت کے بعد اس کے لڑکے نے قمیض مانگی لہذا وہ دونوں روایات مطابق ہوگئیں پھر اس کی موت کے بعد حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز جنازہ پڑھائی پھر واپس تشریف لے آئے اور پھر اس وقت تشریف لے گئے۔

جب وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اسے نکلوا کر چادر مبارک عطا فرمائی اور لعاب مبارک ڈالا لہذا تمام روایات درست ہیں (از تفسیر خازن)

چوتھا اعتراض: اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو سب معلوم تھا یہ بھی معلوم تھا کہ اس عطا پر ایک ہزار منافقین کو دولت ایمان و اخلاص نصیب ہوگی جیسا کہ ابھی شان نزول میں عرض کیا گیا۔ اسی لئے رب تعالیٰ نے قمیض شریف عطا فرماتے ہوئے یا اس کی نماز جنازہ پڑھتے وقت ممانعت کی یہ آیت نہیں بھیجی بلکہ یہ تمام کچھ ہو چکنے کے بعد آئندہ کے لئے منع فرمایا۔ یعنی اے محبوب تمہارا منشاء پورا ہو چکا ہے ایک ہزار کو تمہاری قمیض عطا نے ایمان دے دیا۔ آپ ﷺ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

پانچواں اعتراض: ان منافقین کے متعلق اولاً کافر ارشاد ہوا پھر وھم فاسقون حالانکہ کفر سے کہیں ہلکا ہے کہ کفر بدعقیدگی کا نام ہے اور فسق بدعملی کا پھر اس ترتیب سے ان دونوں کا ذکر کیوں ہوا

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ یہاں فسق سے مراد ان کی ایذا رسانی ہے۔ یعنی یہ ایسے کافر ہیں جو کفر کے ساتھ اول درجہ کے موذی بھی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: جیسے رحمت کی بارش اگرچہ بعض زمینوں کو فائدہ نہیں دیتی مگر دوسری جگہوں میں بہار لگا دیتی ہے۔ یوں ہی حضور انور ﷺ کی قمیض نے اگرچہ ابن ابی کو فائدہ نہ دیا کہ وہ زمین شور تھی مگر اس قمیض نے ایک ہزار کو ایمان و اخلاص بخش دیا۔ یہ ہی حال ہر تبرک کا ہے مومن کو کسی ولی کے قریب میں دفن کرو۔ کیونکہ مردہ بھی زندہ کی طرح اچھے پڑوس سے فائدہ پاتا ہے۔ ایک بار حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجامت کی۔ سر کے بال مبارک آدھے تو ابوطلحہ کو عطا فرمائے اور آدھے دیگر صحابہ اکرام میں تقسیم فرمادیئے جنہیں صحابہ اکرام رضی اللہ عنہ جہاد کے وقت اپنی ٹوپی میں رکھتے تھے۔

اور بعد وفات اپنی کفن میں ساتھ لئے گئے۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کی برکت سے مکان آفات سے قبر عذاب سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن انیس کو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ شریف کی لاٹھی عطا فرمائی اور فرمایا کہ اس لاٹھی سے جنت کی سیر کیا کرنا۔ وہ وفات تک اپنے ساتھ رکھتے تھے بوقت وفات وصیت کی کہ میرے ساتھ یہ لاٹھی دفن کر دی جاوے اس لئے مسلمان آب زمزم میں بھگو کر کپڑا کفن کے لئے رکھتے ہیں۔ عہدنامہ۔ غلاف کعبہ قبر میں رکھواتے ہیں۔ یہ واقعہ شریف بہت سے مسائل کا خزانہ ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے لئے حضور ﷺ سے فرمایا گیا وصل علیھم ان کے حق میں دعا کرو منافقین کے لئے فرمایا گیا لا تصل علی احد منھم ان میں سے کسی کے لئے دعا نہ کرو کافر کی قبر پر جانے سے محبوب کو روک دیا۔ زندہ مومن کے دل میں مردہ مومن کی قبر میں حضور ﷺ کو جلوہ گر بنا دیا یہ ہے نصیب کا فرق۔ اگر کوئی کہے کہ بعض دفعہ حضور انور ﷺ کے تبرکات پاس ہوتے ہیں۔ مگر بلائیں آ جاتی ہیں تو اس کی وجہ ہماری ناقدری ہے دیکھو مکہ معظمہ مدینہ منورہ کی زمین طاعون سے محفوظ کر دی گئی ہیں۔ مگر جب وہاں کے باشندوں نے ان کی حرمت نہ کی تو بعض وہاں طاعون سے مرنے لگے۔ رب تعالیٰ تبرکات کی قدر شناسی کی توفیق دے۔ (روح البیان)

وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ ۭ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ

اور نہ حیرت میں ڈالیں تم کو مال ان کے اور اولاد ان کی اس کے سوا نہیں کہ ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ عذاب

اور ان کے مال اور اولاد پر تعجب نہ کرنا اللہ یہ ہی چاہتا ہے کہ اسے دنیا میں ان پر وبال کرے اور

بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ۝

دے انہیں بسبب انکے دنیا میں اور نکل جائیں جانیں ان کی اس حال میں کہ وہ کافر ہوں

کفر پر ہی ان کا دم نکل جاوے

تعلق: اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقین پر ظاہری عذابوں کا ذکر ہوا یعنی زندگی اور بعد موت حضور انور ﷺ کے غیوض و

www.alahazratnetwork.org

برکات سے محروم رہنا کہ زندگی میں حضور ﷺ کے ہمراہی اور سفر سے محروم کہ نہ سفر میں حضور ﷺ کے ساتھ جا سکیں نہ جہاد میں اور بعد موت حضور ﷺ اوران کی نماز اور دعاؤں سے محروم اب انہیں منافقوں کے باطنی عذابوں کا ذکر ہے جو بظاہر نعمت ہیں اور حقیقت عذاب یعنی مال واولاد گویا ایک قسم کے عذاب کا تذکرہ ہے

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقوں کے رحمت عالم کی رحمت سے محرومی کا ذکر تھا اب خاندانی نعمت سے ان کی محرومی کا تذکرہ ہے گویا عام رحمت سے محرومی کا ذکر فرما کر خاص نعمت سے محرومی کا ذکر ہے کہ وہ اولاد اور مال کے ذریعہ رب تعالیٰ کا قرب حاصل نہ کر سکے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقوں کی آرام طلبیوں کا ذکر ہوا اب اس آرام طلبی کے برے انجام کا تذکرہ ہے یعنی راہ خدا میں گرمی میں سفر نہیں کر سکتے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ان کے لئے مال واولا دوبال بن گئے۔

تفسیر: ولا تعجبک یہ فرمان عالی یا تو معطوف ہے ولا تصل (الخ) پر تو واؤ عاطفہ ہے اور اس میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر درحقیقت امت سے ہے اور یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے یہ فرمان نیا جملہ اور خطاب ہر قرآن پڑھنے والے مسلمان سے تعجب بنا ہے اعجاب سے جس کا مادہ عجب ہے اعجاب پسند آنا۔ تعجب کرنا حیرت کرنا اعجاب حیرت میں ڈالنا۔ اموالھم و لا اولادھم یہ فرمان عالی ہے لا تعجبک کا اموال جمع ہے مال کی مال وہ جس کی طرف نفس مائل ہو۔ اور اس سے ضروریات پوری کی جاویں۔ چونکہ مال منقولی اور غیر منقولی بہت قسم کے ہیں اس لئے اموال جمع ارشاد ہوئی اولاد جمع ہے ولد کی بیٹے بیٹی بلکہ ان کی اولاد یعنی پوتے نواسے سب کو شامل ہے اگرچہ اولاد مال سے زیادہ عزیز ہوتی ہے مگر چند وجوہ سے اموال کا ذکر اولاد سے پہلے ہوا (۱) مال کی ضرورت ہر فرد ہر ذات کو ہر وقت ہر جگہ ہے اولاد کی اتنی ضرورت نہیں (۲) مال کے بغیر اولاد وبال معلوم ہوتی ہے مال ہو تو اولاد بھلی معلوم ہوتی ہے (۳) مال سے نفس یعنی ذات کی بقاء ہے اولاد نسل کی بقاء۔ اور ظاہر ہے کہ نفس نسل پر مقدم ہے (۴) مال اولاد پر مقدم ہے کہ مال سے غذا حاصل ہوتی ہے جس سے خون اس سے نطفہ اس سے بچہ پیدا ہوتا ہے۔ (۵) اولاد کی ضرورت اور محبت بالغ ہونے پر ہوتی ہے مال سے محبت اول سے ہی ان وجوہ سے اموال کو اولاد سے پہلے بیان فرمایا (روح البیان) انما یرید اللہ ان یعذبھم بھا یہ فرمان عالی لا تعجبک کی وجہ ہے انما سے حصر کا فائدہ ہوا۔ عذاب سے مراد ان کے کرتوتوں کی دنیا میں سزا ہے جیسا کہ اس فرمان سے ظاہر ہے۔

فی الدنیا یہ یعذاب کا ظرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف یہ ہے کہ انہیں ان کے مال واولاد کے ذریعہ دنیا میں سزا دی جائے گی کہ لوگ مشقت سے حرام حلال ذریعوں سے مال جمع کریں بہت جانفشانی سے اس کی حفاظت کریں اور حسرت سے چھوڑ جائیں۔ نیز اولاد کے لئے ہر طرح کی محنت مشقت کریں مگر وہ جوان ہو کر نالائق نکلے بجائے خدمت کرنے کے انہیں پریشان کرے نہ مال سے انہیں آرام ملے نہ اولاد سے۔ دنیا میں تو ان کے مال واولاد کا نتیجہ ہے۔ انفسھم وھم کافرون ان کا انجام یہ ہے کہ مرتے وقت ان کی جان بہت سخت تکلیف اور ان پیاری چیزوں کے چھوٹنے کی تکلیف ان وجوہ

www.alahazratnetwork.org

سے آفت بالائے آفت ہے۔ نیز یہ مشغولیتیں انہیں اللہ رسول کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیتیں اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

خلاصہ تفسیر: اے قرآن پڑھنے والے مسلمان تو منافقوں کافروں کی مال و اولاد جائداد کی فروانی دیکھ کر حیرت نہ کرنا کہ جب یہ لوگ اللہ کے دشمن ہیں تو انہیں اس قدر مال و اولاد کیوں ملے یہ چیزیں ان کے لئے رحمت نہیں اللہ تعالیٰ کا ارادہ صرف یہ ہے کہ انہیں ان کے مال و اولاد وبال ہو جائیں۔ کہ ان چیزوں کے حاصل کرنے کی حفاظت کرنے میں مشغول رہیں اور یہ چیزیں ان کے لئے دنیا میں عذاب بن جاویں اور ان کی جان نہایت سختی سے نکلے۔ یہ کافر ہو کر مر جاویں۔ خیال رہے کہ یہی آیت کریمہ ابھی چند رکوع پہلے رکوع (۲) میں گزر چکی مگر اس آیت اور اس آیت میں چار طرح کا فرق ہے۔ نمبر (۱) وہاں **فلا تعجبک** تھا یہاں ہے **ولا یعجبک** واؤ سے کیونکہ وہاں پہلے گذر چکا تھا کہ یہ منافقین نماز پڑھتے ہیں تو سستی سے اور راہ خدا میں مال خرچ کرتے ہیں تو بوجھ سمجھ کر پھر ارشاد ہوا **فلا تعجبک** یعنی جب ان کا یہ حال ہے تو تم ان کی مال و اولاد پر حیرت نہ کرو یعنی ان کی بدعملی کے بعد اس کا ذکر تھا مگر یہاں پہلے ان کی چند سزاؤں کا ذکر ہوا یہ بھی ایک سزا کا ذکر لہذا واؤ ارشاد ہوا (۲) نمبر (۲) وہاں ارشاد ہوا **ولا اولادھم** اور یہاں ارشاد ہوا **اولادھم** یعنی وہاں اولاد کے ساتھ بھی لا ہے یہاں نہیں وہاں دوبارہ لا تاکید نفی کے لئے آیا کہ نہ اس پر تعجب کرو نہ اس پر یہاں لا کے بغیر ارشاد فرما کر بتایا گیا کہ ان کے مال و اولاد عذاب ہونے میں یکساں ہیں نمبر (۳) وہاں ارشاد تھا **لیعذبھم** لام سے یہاں ارشاد ہے **ان یعذبھم** یعنی ان سے تاکہ معلوم ہو کہ وہاں بھی لام بمعنی ان تھا کیوں کہ رب کے کام میں علت سے درا ہوتے ہیں جیسے رب فرماتا ہے **وما امروا الا لیعبدالله** وہاں بھی لام بمعنی ان ہے نمبر (۴) وہاں ارشاد تھا **فی الحیوة الدنیا** اور یہاں ارشاد ہوا **فی الدنیا** یعنی حیوۃ نہیں ہے جس میں اشارۃ فرمایا گیا کہ ان کی زندگی قابل ذکر نہیں وہ ایسی ہی ادنیٰ اور حقیر ہے جیسے دنیا حقیر و ذلیل (تفسیر خازن۔ کبیر۔ معانی وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ کے فوائد اسی آیت کی تفسیر میں عرض کئے گئے برکت کے لئے یہاں کچھ عرض کئے جاتے ہیں۔

پہلا فائدہ: کفار کی مالداری عیالداری پر کبھی للچائی نظر نہیں کرنی چاہئے مومن کی غریبی کافر کی امیری سے بہتر ہے یہ فائدہ **ولا تعجبک** سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کافر کی مالداری کو اس کی محبوبیت یا مقبولیت کی دلیل نہ سمجھے کہ یہ عقیدہ کفر ہے یہ کہنا کہ خدا تعالیٰ فرعون نمرود ابوجہل سے راضی ہے کیونکہ انہیں دولت سلطنت بخشی یہ کفر ہے مال و دولت دشمن کو بھی دے دی جاتی ہے۔ یہ فائدہ بھی **لاتعجبک** (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کفار اپنے کمائے ہوئے حاصل کئے ہوئے مالوں کے مالک ہوتے ہیں اگرچہ انہوں نے ناجائز عقود سے حاصل کئے ہوں جیسے سود۔ شراب وغیرہ یہ فائدہ **اموالھم** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے جائز ناجائز مالوں کو ان کے مال کہا حتی کہ اگر جنگ میں کفار مومنوں سے مال چھین لیں تو احناف کے نزدیک مالک ہو جائیں گے حتی کہ مجاہدین غازی اسلام ان کے وہ سارے مال غنیمت میں حاصل کر سکتے ہیں اگرچہ سود شراب کی تجارت وغیرہ سے حاصل کئے ہوئے

www.alahazratnetwork.org

ہوں۔
چوتھا فائدہ: مشرکین و کفار کے نکاح درست ہیں اگرچہ اسلامی طریقے سے نہ ہوئے اور ان کی اولاد حلالی ہے یہ فائدہ اولادھم سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے بچوں کو ان کی اولاد کہا نیز رب تعالیٰ نے جمیلہ کو ابولہب کی بیوی فرمایا۔ وامراتہ حمالۃ الحطب مسئلہ اگر کافر خاوند بیوی مسلمان ہوں تو ان کے کفر کے زمانہ کا نکاح قائم رہے گا دوبارہ نکاح کرنے کی ضرورت نہیں یہ مسئلہ بھی اس آیت سے نکل سکتا ہے۔
پانچواں فائدہ: جو مال و اولاد رب تعالیٰ سے غافل کر دے وہ اللہ کا عذاب ہے یہ فائدہ ان یعذبھم سے حاصل ہوا۔
چھٹا فائدہ: یہ غافل کافر منافق کی جان کنی بہت سختی سے ہوتی ہے کہ انہیں نزع کی شدت کے ساتھ دنیا چھوٹنے کی تکلیف بھی ہوتی ہے دو تکلیفوں کا اجتماع ہوتا ہے یہ فائدہ وتزھق انفسھم سے حاصل ہوا۔
ساتواں فائدہ: عاقل کافر سے غافل کافر بدتر ہے کہ عاقل کبھی سوچ سمجھنے کے بعد مسلمان ہو جاتا ہے مگر غافل کو یہ نصیب نہیں ہوتا وہ کبھی برا بھلا سوچتا ہی نہیں یہ فائدہ وھم کافرون سے حاصل ہوا۔
پہلا اعتراض: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ کبھی کفار کی دولت کی طرف نہیں اٹھی نہ حضور ﷺ نے کبھی ان پر تعجب کیا۔ حضور ﷺ کی شان تو یہ تھی۔ شعر

دولت دنیا خاک برابر کے خالی دل کے تو گر ۔۔۔ مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم

دولت دنیا خاک برابر ہاتھ کے خالی دل کے تو نگر مالک کشور تخت نہ افسر صلی اللہ علیہ وسلم پھر حضور انور سے لاتعجبک فرمانا کیونکر درست ہوا۔
جواب: ان جیسی آیات میں خطاب مسلمان سے ہوتا ہے اور اگر حضور انور ﷺ سے ہو بھی تو منظور ہوتا ہے سنانا امت کو رب فرماتا یایھا النبی اذا طلقتم النساء دیکھو وہاں ندا حضور ﷺ کو ہے مگر خطاب طلقتم میں مسلمان سے ہے۔
دوسرا اعتراض: یہ آیت بعینہ ابھی دو رکوع پہلے گذر چکی پھر دوبارہ کیوں ارشاد ہوئی جس کلام میں ایک بات بار بار کہی جاوے وہ کلام رب کا نہیں بندے کا ہے (آریہ)
جواب: اس اعتراض کے دو جواب میں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ سورج بار بار نکلتا ہے دن رات بار بار آتے جاتے ہیں پنڈت جی بار بار سانس لیتے ہیں تو چاہئے کہ ان میں سے کوئی چیز رب کی نہ ہو سب انسان کی بنائی ہوئی ہوں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ بندہ بار بار غافل ہو جاتا ہے قرآن مجید بار بار جگاتا ہے فطری چیز ہے کہ کفار کا مال و منال دیکھ کر بے سمجھ مسلمانوں کے منہ میں پانی آ جاتا ہے اس لئے بار بار اعلان ہوتا ہے کہ ان کے مال سے دھوکا نہ کھانا یہ عذاب ہے سورۂ رحمٰن شریف میں تقریباً ایک ہی آیت اکتیس جگہ ہے اسی حکمت سے۔
تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ بعض بندوں کا برا چاہتا ہے یہ رب العالمین کی شان سے بعید ہے جب وہ مومن و کافر سب کا رب ہے تو اسے سب ہی کا بھلا چاہنا مناسب ہے اگر اب یعنی باپ اولاد کا برا چاہے تو وہ مہربان

www.alahazratnetwork.org

باپ نہیں۔ اگر خدا بندوں کا برا چاہے تو وہ رب رحیم نہیں۔ (ہندو۔ آریہ)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ تم بتاؤ رب تعالیٰ مسلمانوں کا بھلا چاہتا ہے یا برا مسلمان وہ ہیں جو دن رات گائیں ذبح کرتے رہتے ہیں یقیناً تمہارے نزدیک بھی ان کا بھلا تو چاہے گا نہیں ورنہ تم اور مسلمان دونوں برابر سرگ باش (جنتی) ہوئے تو یقیناً ان کا برا چاہے گا کہ انہیں دوزخ یعنی نرک میں بھیجے گا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ پسند کرتا ہے کہ سارے بندے مومن متقی بن جاویں مگر جو بندے ایسا نہیں کرتے انہیں سزا ضرور دیتا ہے مجرم کو سزا دینا شان ربوبیت کے بالکل مطابق ہے کفار کی اولاد ان کے لئے غفلت کی باعث بنی یہ ان کی سزا ہے برا چاہنے اور سزا دینے میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ایک پھول کا رس شہد کی مکھی کے پیٹ میں شہد بنتا ہے مگر بھڑ۔ (تمبوڑی) کے پیٹ میں زہر۔ یہ نہ پھول کا قصر ہے نہ پھول لگانے والے باغ کے مالک کا بلکہ معدہ کا ہے مال اولاد اللہ کی نعمت ہے مگر بیدار دل مومن کے پاس ہو تو قرب الٰہی کا ذریعہ بلکہ کبھی صدقہ جاریہ بن جاتے ہیں اور کفر کے پاس غفلت و تکبر کا سبب۔ یہ لوگ سانپ یا بھڑیں ہیں کہ ہر چیز ان کے پاس غفلت بنتی ہے ابوجہل کا مال زہر تھا۔ کیونکہ وہ ایک سانپ کے معدہ میں تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق اور عثمان غنی کا مال شہد ہوا اس آیت میں اس کا ذکر ہے کہ اے مومن تو ان کے مال و اولاد کو دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ ان کے لئے یہ بہتر ہے ان کے لئے یہ وہ سانپ ہیں جو انہیں کوڑے گا وہ زہر ہے جو انہیں پر چڑھے گا حتی کہ یہ کفر پر مرجائیں گے یہ ان سے زندگی موت کے وقت اور موت کے بعد مصیبتیں ہی اٹھائیں گے۔ سانپ کا زہر دوسروں کو ہلاک کرتا ہے ان کا زہر یعنی یہ مال خود انہیں ہلاک کرے گا۔

وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اَنْ اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ

اور جب اتاری جاتی ہے کوئی سورت یہ کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ رسول کے اس کے تو اجازت

اور جب کوئی سورت اترے کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ہمراہ جہاد کرو تو ان کے مقدور والے تم سے

اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾

مانگتے ہیں آپ سے طاقت والے ان میں سے اور کہتے ہیں چھوڑ دو ہم کو رہیں ہم ساتھ بیٹھ

رخصت مانگتے ہیں اور کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دیجئے کہ بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ ہولیں انہیں پسند آیا کہ

رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾

رہنے والوں کے راضی ہوئے اس سے کہ ہوں ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کردی گئی اوپر دلوں کے پس وہ نہیں سمجھ سکتے

پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ ہو جائیں اور انکے دلوں پر مہر کردی گئی تو وہ نہیں سمجھتے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارشاد ہوا کہ منافقوں کے مال ان کی اولاد دنیا میں عذاب ہیں اب اس عذاب ہونے کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ انہیں کہ مال و اولاد ہی اخلاص اور جہاد سے روکتے ہیں جو چیز نیک اعمال سے روکے وہ عذاب ہی ہے گویا پہلے عذاب ہونے کا دعوی تھا اب اس کی دلیل بیان ہو رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ کے آخر میں ارشاد ہوا کہ ان منافقوں کی جان بہت سختی سے نکلے گی اور یہ کفر پر مریں گے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ ایمان سے کتراتے ہیں جس سے کفر دور ہو اور جہاد سے بچتے ہیں جو شہادت کا ذریعہ ہے اور شہادت میں جان نہایت آسانی سے نکلتی ہے۔

تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں ذکر تھا کہ منافقین جہاد سے بچنے کے لئے مختلف بہانے بناتے ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ ان بہانوں کی وجہ یہ ہے کہ وہ جہاد میں نہ جانے والی عورتوں سے محبت ان کی طرف میلان رکھتے ہیں۔ (کبیر)

تفسیر: واذا انزلت سورۃ چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اذا کے لغوی معنی ہیں جب مگر یہاں اس کے معنی ہیں جب بھی یعنی دوام کے لئے ہے (معانی) سورت کے معنی اس کے اقسام ہم پہلے پارہ میں فاتوا بسورۃ من مثلہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں مراد سورۃ کی آیات میں جیسے قرآن مجید کی ہر آیت کو قرآن کہہ دیتے ہیں۔ کتاب کی ہر عبارت کو کتاب یوں ہی سورت کی آیات کو سورۃ فرمایا گیا۔ کیونکہ کسی ساری سورت میں ایمان و جہاد کا حکم نہیں۔ بعض کے خیال میں اس سے مراد سورۂ توبہ ہے کیونکہ اس میں ایمان و جہاد کا حکم بہت ہے مگر پہلی توجیہ قوی ہے۔ (روح البیان و کبیر۔ معانی) ان امنوا باللہ وجاھدوا مع رسولہ۔ اس فرمان عالی میں ان سے پہلے ب پوشیدہ ہے ان یا تو مصریہ ہے یا تفسیر کا اگرچہ منافقین اللہ تعالیٰ کو مانتے تھے مگر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا نبی مانو اگرچہ جہاد ہمیشہ ہی اچھی عبادت ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد سونے پر سہاگہ ہے کعبہ معظمہ کے قرب کی وجہ سے ایک کا ثواب ایک لاکھ ہے تو حضور انور کی ہمراہی حضور ﷺ کے قرب میں عبادت کس شان کی ہوگی۔ اندازہ لگالو چونکہ عبادات پر ایمان مقدم ہے اس لئے ایمان کا ذکر پہلے ہوا اور جہاد کا ذکر بعد میں مع رسولہ فرما کر یہ بتایا کہ تم کو رب تعالیٰ نے اچھا موقعہ دیا کہ اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی میں جہاد نصیب ہوگا۔ جس سے اس کا ثواب اور زیادہ ہوگا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان یہی ہے کہ اس کو رسول کی معرفت جانا مانا جاوے۔ بعض اوقات بعد ایمان جہاد ہی اعلیٰ عبادت ہوتا ہے لہذا یہ فرمان اور ترتیب بیان بالکل درست قوی ہے۔ استاذنک اولوا الطول منھم یہ عبارت جزاء ہے انزلت (الخ) کی استیذان کے معنی ہیں اذن یعنی اجازت مانگنا اولو جمع ہے ذو کی طول ط کے پیش سے اس کے معنی لمبائی اس کا مقابل عرض (چوڑائی) اور عمق گہرائی ہے مگر طول کے فتح سے بمعنی طاقت وقوت ہے مال طاقت چونکہ انسانی جسمانی اور مالی طاقت سے وہ لمبے چوڑے کام کر سکتا ہے جو کمزور اور غریب آدمی نہیں کر سکتا۔ اس لئے غنی طاقت وغیرہ کو طول کہا جاتا ہے۔ (روح البیان) جہاد کے موقعہ پر معذور مجبور لوگوں کا معذرت پیش کرنا جائز نہیں۔ ہاں مقدور والے لوگوں کا بہانے بنانا برا ہے اس لئے یہاں استاذنک (الخ) پر

www.alahazratnetwork.org

قول سے مراد کنایۃً کہنا ہے نہ کہ صراحۃً یعنی وہ جو کچھ کہیں اس کا مطلب و مقصد یہ ہوتا ہے کہ جیسے اور مجبور و معذور لوگ بیٹھ رہے ہیں ہم بھی ان کے ساتھ بیٹھ رہیں ورنہ وہ صراحۃ یہ کہنے کی ہمت نہیں کر سکتے ہم ذر کے متعلق بارہا عرض کر چکے ہیں کہ یہ غیر متصرف فعلوں میں سے ہے اس کا صرف امر اور مضارع ہی آتا ہے نہ اس کا مصدر ہے نہ اور دوسری گردانیں یعنی وہ کہتے ہیں کہ ہم کو مدینہ منورہ ہی چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ آرام سے یہاں بیٹھ رہیں یہ ہی بات بتانے کے لئے آگے ارشاد ہوا۔ رضوا ان الله یکونوا (مع) الخوالف یہ فرمان عالی یاتو قالوا ذرنا (الخ) کی تفسیر ہے یا اس کی علت یکونوا کے معنی ہیں رہیں خوالف جمع ہے خالفۃ کی فاعل کی جمع فواعل کبھی نہیں آتی سوا دو لفظوں ھالک کہ اس کی جمع ھوالک ہے اور فارس کہ اس کی جمع فوارس ہے۔ (تفسیر کبیر) خلافہ پیچھے رہنے والی عورت خوالف ایسی عورتیں بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ خیر و برکت سے پیچھے رہ جانے والا مرد بھی خلافہ ہے اس میں ت تانیث کی نہیں بلکہ اس لفظ کو وصفیت سے اسمیت کی طرف منتقل کرنے کی ہے۔ (روح البیان) اس صورت میں خوالف سے مراد منافقین میں ہر خیر سے پیچھے ہر رحمت سے دور یعنی نہ کوشش کرتے ہیں کہ دوسرے منافقین کے ساتھ یہ بھی رہیں اس فرمان عالی میں ان کی موجودہ حالت کا ذکر ہوا۔ وطبع الله علیٰ قلوبھم یہ فرمان عالی معطوف ہے رضوا (الخ) پر اس میں ان کے آئندہ حال کا ذکر ہے یعنی ان کے دلوں پر بے ایمانی۔ منافقت۔ کم ہمتی وغیرہ کی مہر لگ گئی وہ آئندہ بھی کسی جہاد میں جانے کی ہمت نہ کریں گے۔ طبع اور ختم دونوں کے معنی چھاپ۔ مہر۔ اس کی پوری تحقیق ہم پہلے پارہ میں ختم الله علی قلوبھم کی تفسیر میں کر چکے ہیں دل کی سختی جس کی وجہ سے اس کے اندر کا کفر نکل نہ سکے۔ ایمان محبت رسول خوف خدا۔ آخرت کا دھیان داخل نہ ہو سکے۔ ختم یا طبع کہلاتا ہے اسی مہر کا نتیجہ یہ ہے کہ فھم لا یفقھون اب وہ سمجھتے ہی نہیں کہ جہاد اور اللہ رسول کی اطاعت میں کیا فائدے ہیں اور کفر منافقت جہاد سے جی چرانے وغیرہ میں کیا نقصانات ہیں خیال رہے کہ فہم پر سمجھ کو کہتے ہیں فقہ خاص دینی سمجھ کو جس سے انسان دینی نقصان و نفع کو سمجھے اللہ تعالیٰ یہ سمجھ کسی سے سلب نہ کرے۔

خلاصہ تفسیر: جب کبھی ایسی آیات نازل ہوتی ہیں جس میں اخلاص والے ایمان اور جہاد کا حکم ہو کہ لوگو! مخلص مومن ہو جان و مال سے جہاد کرو۔ تو معذورین کا ذکر نہیں۔ ان منافقوں میں اچھے خاصے ہٹے کٹے صحت۔ مال والے بھی آپ سے مدینہ میں رہ جانے کو سو بہانے بنا کر اجازت چاہتے ہیں وہ تمام باتیں بنا کر کوشش یہ کرتے ہیں کہ ہم کو چھوڑ جایئے ہم معذور مجبور لوگوں کے ساتھ ہی بیٹھ رہیں۔ یہ لوگ بہادر مجاہدین کے ساتھ جانے پر خوش نہیں اس پر خوش ہیں کہ پیچھے رہ جانے والی عورتوں یا بزدل منافقوں کے ساتھ رہیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے دلوں پر نفاق و کفر کی مہر کر دی گئی اب وہ بھلا برا نہیں سمجھتے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کبھی آیت کو بھی سورۃ کہہ دیا جاتا ہے یعنی جز کو کل کا نام دے دیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ واذا انزلت سورۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ کسی پوری سورت میں ایمان و جہاد کا حکم نہیں۔ ان کا حکم آیات میں ہی ہے۔ رب فرماتا ہے فاتوا

بسورة من مثله۔ وہاں بھی سورۃ سے مراد آیت ہو سکتی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے بغیر اللہ تعالیٰ کی ذات صفات بلکہ تمام ایمانیات کو ماننا ایمان نہیں یہ فائدہ امنوا باللہ سے حاصل ہوا کہ مذکورین منافقین اللہ تعالیٰ اور قیامت وغیرہ کے منکر نہ تھے مگر انہیں حکم دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ یعنی رسول اللہ پر ایمان لاؤ۔

تیسرا فائدہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ایمان کے بعد جہاد سب سے اعلیٰ عبادت ہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں ایمان کے ساتھ جہاد کا ذکر کیا۔ نماز وغیرہ کا ذکر نہ کیا اس دلیل کا جواب ان شاء اللہ اعتراض و جواب میں دیا جائے گا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ عبادات بہت ہی افضل ہیں کہ ان میں حضور ﷺ کی ہمراہی کا فیضان بھی شامل ہوتا ہے یہ فائدہ مع رسوله سے حاصل ہوا آج مسجد نبوی کی ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے کیوں اس لئے وہاں حضور ﷺ کا قرب میسر ہے۔ لہٰذا دنیا بھر کے مسلمانوں کی نمازوں سے صحابہ کرام کی نمازیں افضل تھیں۔ جو حضور انور ﷺ کی ہمراہی یا ان کے پیچھے ادا ہوئیں۔

پانچواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت مانگنا کبھی جان ایمان ہوتا ہے اور کبھی اصل کفر گر دہو کہ بازی یا بہانہ حیلے کے لئے ہو تو کفر ہے یہ فائدہ استاذنک (الخ) سے حاصل ہوا۔ خصوصاً جب کہ یہ عقیدہ ہو کہ حضورؐ کو ہمارے دلی حالات وارادوں کی خبر نہیں۔ ہم حضور ﷺ کو دھوکا دے سکتے ہیں معاذ اللہ۔

چھٹا فائدہ: بعضے گناہوں کی نحوست سے دل پر کفر و نفاق کی مہر لگ جاتی ہے کہ پھر ایمان اور نیک اعمال کی توفیق نہیں ملتی یہ فائدہ وطبع علی قلوبهم سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: دینی صحیح سمجھ جسے فقہ کہتے ہیں وہ کامل ایمان سے نصیب ہوتی ہے جتنا ایمان قوی انشاء اللہ اتنا ہی تفقہ زیادہ۔ یہ فائدہ فهم لا يفقهون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ جب بھی ایمان و جہاد کے حکم کی سورت اور ترقی ہے۔ قرآن مجید میں نہ تو کوئی سورۃ ایمان ہے نہ جہاد نہ کسی سورت میں اول سے آخر تک ایمان یا جہاد کا حکم پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: تفسیر کبیر وغیرہ نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ یا تو اس سورت سے مراد سورۃ توبہ ہی ہے کہ اس میں جہاد کا بہت سختی سے حکم دیا گیا یہ ضروری نہیں کہ سورت میں اول سے آخر تک ایک ہی حکم ہو۔ سورۃ بقر میں اول سے آخر تک گائے کا ذکر نہیں ہے مگر سورۃ بقر ہے ہم سورتوں کے نام کی وجہیں پہلے پارہ میں عرض کر چکے ہیں۔ یا سورہ میں مراد آیات ایمان وجہاد ہیں کہ ہر آیت کو سورۃ بلکہ قرآن کہہ سکتے ہیں جیسے پانی کا قطرہ پانی ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ایمان کے ساتھ صرف اللہ کا ذکر کیوں ہوا ایمان تو بہت باتوں پر ہوتا ہے۔

جواب: صحیح طور سے جو اللہ پر ایمان لائے گا وہ ساری ایمانیات پر ضرور ایمان لائے گا جیسے ہمارے ماں باپ بہت سے رشتوں کا ذریعہ ہیں کہ ان کا ہر رشتہ دار ہمارے عزیز ہیں ان کا باپ ہمارا دادا ان کے بھائی بہن ہمارے چچا پھوپھی وغیرہ

www.alahazratnetwork.org

ایسے ہی اللہ تعالیٰ کی بندگی اس کے سارے بندوں سارے ایمانیات کے ماننے کا ذریعہ لہٰذا امنوا باللہ میں یہ سب کچھ آ گیا۔

تیسرا اعتراض: سارے منافقین ایمان تو رکھتے تھے ان کے ایمان کا شرعاً اعتبار بھی تھا پھر ان سے امنوا کیوں فرمایا گیا کہ ایمان لاؤ۔

جواب: مفسرین نے فرمایا کہ یا تو اس کے معنی ہیں ایمان پر قائم رہو جیسے یاایھا الذین امنوا امنوا یا اس سے مراد ہے کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں قبول ہو کہ اس کے ذریعہ اعمال بھی قبول ہوتے ہیں۔ شرط جواز اور ہے شرط قبول کچھ اور فقیر کے نزدیک یہ ہی جواب قوی ہے۔

چوتھا اعتراض: مع رسولہ کا تعلق امنوا سے ہے یا جاھدوا سے جواب ظاہر یہ ہے کہ اس کا تعلق جاھدوا سے ہے چونکہ حضور انور ﷺ کے ساتھ نیک اعمال سے درجہ بہت ہی بڑھ جاتا ہے اس لئے مع رسولہ فرمایا گیا۔ کون ہے جو ایمان کے بعد جہاد ہی کا درجہ ہے فرمایا گیا۔ امنوا باللہ و جاھدوا

جواب: حق یہ ہے کہ نماز ساری عبادات سے عموماً افضل ہے کہ ساری عبادات فرش پر آئیں مگر نماز عرش پر پر بلا کر عطا ہوئی۔ معراج کا تحفہ نیز نماز کا حکم قرآن مجید میں بہت زیادہ دیا گیا نیز جہاد بھی نماز قائم کرنے کے لئے کیا جاتا ہے الذین ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ ہاں بعض ہنگامی حالات میں جب کہ کسی جگہ جہاد فرض عین ہو جائے تو عارضی طور پر جہاد افضل ہوگا۔ حتیٰ کہ جہاد کے لئے نماز میں قضا کرنی پڑ جاویں تو کی جائیں گی یہاں یا تو صرف ہنگامی حالات کی حالت میں ارشاد ہوا ہے یا منافقین جہاد سے ہی بچنے کے لئے بہانے بنایا کرتے تھے نمازیں تو پڑھ لیا کرتے تھے ان وجوہ سے صرف جہاد کا ذکر ہوا بہر حال یہ فرمان اسی خصوصی موقعہ کے لحاظ سے ہے جب کہ جہاد کی سخت ضرورت تھی۔

چھٹا فائدہ: یہاں ارشاد ہوا وقالوا ذرنا (الخ) ہم کو چھوڑ دیجئے کہ ہم بیٹھنے والے کے ساتھ رہیں مگر وہ منافقین یہ تو نہ کہتے ہوں گے ورنہ ان کا نفاق کھل جاتا وہ تو کوئی اور ہی حیلے بہانے کرتے ہوں گے۔

جواب: ظاہر یہ ہے کہ قالوا سے مراد ہے ان کا مقصد کلام یعنی یہ سب کچھ اس مقصد سے کہتے ہیں کہ انہیں عورتوں بچوں کے ساتھ چھوڑ دیا جائے یا وہ اپنی بیماری آزادی کا بہانہ کر کے کہتے تھے کہ جیسے فلاں فلاں بیمار کو رہ جانے کی اجازت دی گئی ہے ہم بھی ان ہی کی طرح بیمار ناچار ہیں ہم کو بھی ان کے ساتھ رہ جانے کی اجازت دی جاوے یا یہ مطلب ہے کہ ہم کو بیماروں بچوں کے ساتھ رہنے دیجئے تاکہ ان کی خدمت و نگرانی کریں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کبھی کسی کو توشہ آخرت جمع کرنے کا سنہرا موقعہ دیتا ہے خوش نصیب ہے وہ جو نادر موقعہ سے فائدہ اٹھائے۔ بدنصیب ہے وہ جو ایسے موقعہ کے فیض سے محروم رہے منافقین کو رب نے موقعہ دیا تھا کہ حضورؐ انور کے ساتھ جہاد کرتے مگر انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا۔ خیال رہے کہ جہاد وغیرہ میں حضورؐ انور کی جسمانی ہمراہی خاص ان صحابہ کو میسر ہوئی مگر حضورؐ کی غیبی ہمراہی تاقیامت غازیوں کو حاصل ہے جہادوں میں حضورؐ انور عموماً تشریف فرما ہوتے ہیں جیسا کہ بعض

لوگوں نے مشاہدہ بھی کیا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مقبولین بارگاہ کے مزارات کے پاس مسجدیں اس لئے بنوائی جاتی ہیں کہ نمازیں ان کے قرب میں ادا ہوں اور قابل قبول ہوں دیکھو جاھدوا کے ساتھ مع رسول ارشاد ہوا نیکیوں سے اللہ کی رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ گناہوں سے زحمتوں اور غضب کے دروازے کھلتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام و علماء ربانی کی صحبت ہمراہی وہ عبادت نیکی ہے جس سے زحمتوں اور غضب کے دروازے کھلتے ہیں۔ انبیاء کرام اور اولیاء عظام و علماء ربانی کی صحبت وہمراہی وہ عبادت نیکی ہے جس سے رحمت کے دروازے کھلتے ہیں۔ بعض گناہوں سے دل پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے فرمایا گیا وطبع علی قلوبهم بعض گناہوں سے حافظہ خراب ہوتا ہے امام شافعی نے اپنے استاد امام وکیع سے خرابی حافظہ کی شکایت کی تو آپ نے فرمایا گناہ چھوڑ دو۔ حافظہ قوی ہو جاوے گا۔ علم نور ہے اور نور قصور والوں کو نہیں دیا جاتا۔ خود فرماتے ہیں:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصا فی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الله وان النور لایعطی بعاص

غرضیکہ جیسے غذاؤں کا اثر معدہ جگر بلکہ دل و دماغ پر پڑتا ہے ایسے ہی اعمال ظاہری کا اثر دل دماغ خیالات بلکہ روح تک پہنچتا ہے۔ منافقوں کے دلوں پر مہر لگ جانا پھر ان کا کچھ بھی نہ سمجھ سکنا ان کے مذکورہ باطل اعمال کا نتیجہ ہوتے ہیں۔

لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَ

مگر پیغمبر اور وہ جو ایمان لائے ساتھ ان کے جہاد کیا انہوں نے ساتھ مالوں اپنے کے اور

لیکن رسول اور جو ان کے ساتھ ایمان لائے انہوں نے اپنے مالوں اور جانوں سے جہاد

اَنْفُسِهِمْ ؕ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾

اور جانوں اپنی کے اور یہ لوگ ہیں کہ واسطے ان کے بھلائیاں ہیں اور یہ لوگ ہی کامیاب ہیں

کیا اور انہیں کے لئے بھلائیاں ہیں اور یہ ہی مراد کو پہنچے

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

تیار کیں اللہ نے واسطے ان کے جنتیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے سے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ

اللہ نے ان کے لئے تیار کر رکھی ہیں بہشتیں جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ

فِيْهَا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۱۱

وہ ان میں یہ ہے کامیابی بڑی

ان میں رہیں گے یہ ہی بڑی مراد ملنی ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: ہر پچھلی آیات میں منافقوں کے جہاد سے بچنے کا حیلہ بہانہ کر کے وطن میں رہ جانے کا ذکر ہوا اب تصویر کا دوسرا رخ دکھایا جارہا ہے کہ مخلص مومنین بخوشی ہر طرح کے جہاد کرتے ہیں گویا منافقین کے عیوب کے بعد مخلصین کے صفات کا تذکرہ ہے تاکہ مسلمان ان عیوب سے بچیں یہ صفات اختیار کریں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اشارۃً فرمایا گیا تھا کہ منافقین خوائف یعنی ہر خیر و برکت سے دور رہنے والے منافقوں کے ساتھ رہنے پر راضی ہیں اب ارشاد ہے کہ مخلصین حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے پر خوش ہیں جن کے دم قدم سے کامیابیاں وابستہ ہیں گویا بروں کی ہمراہی کے بعد اچھوں بلکہ اچھوں کے بادشاہ کی ہمراہی کا ذکر ہے۔ اللہ نصیب کرے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں منافقوں کے جہاد سے رہ جانے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ اس سے جہاد پر کوئی اثر نہ پڑے گا کیونکہ سارے مخلصین مومنین اپنے مال و جان سے جہاد کرتے ہیں وہ آپ ﷺ کے ہمراہ ہیں گویا منافقین کی علیحدگی کے بعد مومنین مخلصین کی ہمراہی کا ذکر ہے۔

چوتھا اعتراض: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ منافقوں کا جہاد سے الگ رہنا ذریعہ ہے ان کے دلوں پر کفر کی مہر لگ جانے کا اب ارشاد ہے کہ مخلصین کا آپ ﷺ کے ساتھ رہنا ذریعہ ہے دل پر ایمان نقش ہو جانے کا گویا کفر کی مہر لگ جانے کے بعد ایمان لازم ہونے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: لکن الرسول والذین امنوا لفظ لکن وہم دور کرنے کے لئے آتا ہے۔ جس سے بتایا گیا کہ جہاد سے بچنے والے صرف منافقین ہیں رہے ہمارے رسول اور ان کے جان نثار صحابہ وہ تو دل و جان سے حاضر رہتے ہیں۔ یا مطلب یہ ہے کہ منافقین کے جہاد نہ کرنے سے یہ وھم نہ کرنا جہاد نہ ہو سکے گا۔ اللہ کے رسول اور مومنین تو ہر طرح جہاد کرتے ہیں لہٰذا جہاد جاری رہیں گے قرآن کریم میں جہاں کہیں الرسول یا رسول بغیر قید کے آئے وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہوتے ہیں وہ ہی یہاں مراد ہے الذین امنوا میں سارے مہاجرین و انصار داخل ہیں چونکہ لفظ مومنوں اور لفظ امنوا میں حضور ﷺ داخل نہیں ہوا کرتے کیونکہ لوگ ہیں ایمان لانے والے یا ایمان لینے والے۔ حضورؐ انور ہیں ایمان دینے والے اس لئے حضورؐ انور کا ذکر علیحدہ کیا جاتا ہے آپ ﷺ کو مومنین یا امنوا میں داخل نہیں کیا جاتا یہ بات یاد رہے معہ یہ ظرف ہے امنوا کا یعنی وہ لوگ جو رسول کے ساتھ ایمان لائے خیال رہے کہ یہاں ہمراہی سے زمانی یا مکانی ہمراہی مراد نہیں۔ کیونکہ حضور انورؐ کا ایمان عالم ارواح کا ہے اوروں کا ایمان دنیا میں آنے کے بعد حضور ﷺ کا ایمان عرشی ہے ہمارا فرشی پھر ہمراہی کیسی بلکہ ایک قسم کی نوعیت بھی ہمراہی مراد ہے کہ رسول کی طرح دل و زبان ارکان سے ایمان لائے۔ منافقوں کی طرح صرف زبانی ایمان نہ رکھا۔ جیسے بلقیس نے کہا تھا اسلمت مع سلیمان حالانکہ بلقیس کا ایمان حضرت سلیمان کے بعد تھا۔ خیال رہے کہ نوعیت ایمان میں بھی نبی اور امتی کے ایمان میں بڑا فرق ہے ہم مومن حضورؐ انور ایمان ہمارا کلمہ محمد رسول اللہ حضور کا کلمہ انا رسول اللہ ہمارا ایمان حصول حضور ﷺ کا ایمان حضوری ہمارا ایمان مالغیب حضور ﷺ کا ایمان

www.alahazratnetwork.org

بالشھادۃ کہ سارے ایمانیان حضور ﷺ کے دیکھے بھالے۔ صرف اخلاص میں ہمراہی ہے اس کی کچھ بحث یہاں روح البیان نے بھی کی ہے اور ہم نے جاء الحق حصہ اول میں بہت تفصیل سے اس کا ذکر کیا۔ جاھدوا باموالھم وانفسھم یہ فرمان عالی لکن الرسول والذین امنوا معہ کی خبر ہے۔ جاھدوا سے مراد ہیں اب تک اس کے کئے ہوئے سارے جہاد بدر سے لے کر تبوک تک اموال سے مراد ہر قسم کے وہ مال جو جہاد میں کام آویں۔ روپیہ پیسہ سواریاں۔ ہتھیار غازیوں کی غذا دوا وغیرہ جانوروں سے جہاد کرنے سے مراد ہے میدان جہاد میں حاضر ہو جانا۔ خواہ وہاں کفار سے جنگ کریں یا جنگ کرنے والوں کی مدد کریں۔ کھانا پکائیں زخمیوں کی مرہم پٹی کریں وغیرہ سب ہی جہاد بالنفس ہیں بعض اوقات یہ لوگ مال و جان دونوں سے جہاد کرتے تھے بعض اوقات صرف مال سے بعض اوقات صرف جان سے یہ فرمان عالی سب کو شامل ہے۔ اولئک لھم الخیرات قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے جاھدوا (الخ) پر جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر جائز ہے۔ خیرات سے مراد یا تو دین دنیا کی بھلائیاں ہیں۔ فتح غنیمت عزت عظمت دنیا کی نعمتیں خاتمہ بالخیر قبر کے حساب سے معافی۔ آخرت میں اللہ تعالیٰ کی رضامندی جنات میں داخلہ سب ہی مراد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ خیرات سے مراد جنتی حوریں ہوں رب فرماتا ہے فیھم خیرات حسان لھم کے مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ واقعی جہاد کی بھلائیاں صرف مجاہدین کے لئے ہیں۔ اولئک لھم الخیرات پر اگر خیرات سے مراد بہشتی حوریں تھیں تو مفلحون سے مراد ہے جنت کی دوسری نعمتوں سے بہرور ہونا اور اگر خیرات سے دین دنیا کی ساری نعمتیں تھیں تو فلاح سے مراد ہے دونوں جہان کی آفات سے محفوظ رہنا مراد ہے فلاح کے معنی اس کے اقسام ہم پہلے پارہ کے شروع میں عرض کر چکے اعد اللہ لھم جنات یہ فرمان عالی یا تو لھم الخیرات کی تفسیر و تفصیل ہے یا مصلحون کا یا علیحدہ مستقل نعمتوں کی تفصیل۔ اعد بنا ہے اعداد سے بمعنی طیار کرنا یا نامزد فرما دینا کسی کے نام پر لگا دینا لفظ اللہ فرما کر یہ بتایا کہ یہ نامزدگی کسی طرح ختم یا تبدیل نہیں ہو سکتی کیونکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے لھم میں لام ملکیت کا ہے یا نفع کا چونکہ ہر جنتی کو خصوصاً غازی مجاہدین کو بہت سے باغات عطا ہوں گے لہذا جنات جمع ارشاد ہوا تجری من تحتھا الانھار یہ فرمان عالی جنات کی صفات ہے پانی کی روانی اور فراوانی سے باغ کی رونق و میں بہت اضافہ ہو جاتا ہے نیز درمیان باغ نہر روان سے وہ نظارہ ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اس لئے ہر جگہ جنات کے ساتھ روانی نہر کا ذکر ہوتا ہے تحتھا کے معنی ہیں اہل جنت کے محلوں کے نیچے یا درختوں کے نیچے چونکہ وہاں صرف پانی کی نہر نہ ہوگی بلکہ دودھ۔ شہد۔ شراب طہور کی نہریں بھی ہوں گی اس لئے انھا جمع ارشاد ہوا۔ نہر اور بحر (دریا) کے بہت سے فرق ہم بار ہا عرض کر چکے ہیں خالدین فیھا یہ فرمان عالی لھم کی ضمیر سے حال ہے خلود کے معنی دراز قیام بھی ہیں اور ہمیشہ قیام بھی یہاں ہمیشگی مراد ہے کیونکہ دوسری جگہ ابداً بھی ہے یعنی وہ اہل جنت ان باغات میں ہمیشہ رہیں گے کہ نہ انہیں موت آئے نہ باغات کو فنا نہ ان میں خزاں یہ تمام باتیں اس ایک فرمان میں آ گئیں فنا کی دھڑکن ہر لذت کو بے مزہ کر دیتی ہے وہاں یہ نہیں ذلک الفوز العظیم یہ فرمان عالی منافقین کے اس خیال کی تردید میں ہے کہ جہاد سے بچ جانا گھروں میں آرام کرنا بڑی کامیابی ہے فرمایا گیا کہ بیوقوفو اس راہ میں فنا بقا ہے۔ جان دینا زندگی ہے لٹ جانا سب کو پالینا ہے سب کو کھو دینا پالینا

www.alahazratnetwork.org

ہے یہ ہی تو بڑی کامیابی ہے۔ شعر

جس نے سب کچھ کھو کے پھر کچھ بھی نہ کھویا وہ حسین   جو جواں بیٹے کی میت پر نہ رویا وہ حسین

خلاصہ تفسیر: ان منافقوں کے جہاد سے جان چرانے بہانے بنا کر رہ جانے سے بالکل فکر نہ فرمائیں کہ اگر چہ یہ جان چرائیں لیکن خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھی مخلص مومنین نے اپنی جان و مال سے جہاد کئے اور نہایت شاندار کامیابی حاصل کی ان مردودوں کے دور رہنے سے کوئی فرق نہیں ہزار ایسے مخلصین مجاہدین کے لئے دین و دنیا کی بھلائیاں ہیں کہ انہیں دنیا میں فتوحات غنیمتیں۔ عزت۔ حرمت۔ حکومت مرتے وقت آئندہ کی بشارت قبر میں حساب سے رہائی قیامت اور بعد میں اللہ کی رضا سب انہیں کے لئے ہیں رب تعالیٰ نے ان کے نامزد ایسی جنتیں کر دی ہیں جن کے مکانات درختوں کے نیچے بہت سی نہریں رواں ہیں وہاں سے نکلنے کا احتمال نہیں ہمیشہ رہیں گے نہ انہیں موت نہ باغوں کو فنا بڑی کامیابی یہ ہے کہ فانی جان و مال خرچ کر کے باقی نعمتیں حاصل کر لی جاویں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نفس ایمان ہیں تمام مسلمانوں سے ممتاز ہیں مطلقاً مومنین یا امنوا میں داخل نہیں ہوا کرتے یہ فائدہ یہاں الرسول کے بعد الذین امنو فرمانے سے حاصل ہوا معطوف علیہ غیر ہوتا ہے معطوف کا حضورؐ انور سراپا ایمان ہیں ہم لوگ مومن۔ شعر

میری جان ہیں یہ   ایمان یہ کہتا ہے   قرآن تو کہتا ہے کہ ایمان ہیں یہ

دوسرا فائدہ: مومنین اگر چہ گنہگاروں مگر بفضلہٖ تعالیٰ حضورؐ انور کے ساتھ ہیں اور قیامت میں ساتھ ہوں گے جیسے غلام آقا کے ساتھ ہوتے ہیں یہ فائدہ امنوا معہ سے حاصل ہوا ان کا ساتھ ہی ذریعہ نجات ہے۔

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو   کہ رستہ میں جا بجا تھانہ والے (اعلحضرت)

گو نیست جمال و رنگ و بویم   آخر نہ گیاہ باغ اویم (سعدی)

تیسرا فائدہ: حضرات صحابہ کرام مخلصین مومن مجاہد غازی تھے۔ ان کے تمام جانی مالی جہاد اللہ کی راہ میں تھے۔ یہ فائدہ جاھدوا باموالھم (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کی جنگوں کو جہاد قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: ان حضرات کے جہاد وغیرہ سارے عبادات مقبول ہیں اور وہ حضرات ہر طرح کامیاب ہیں یہ فائدہ اولئک لھم الخیرات اور ھم المفلحون سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: جنت پیدا ہو چکی ہے اور جنتی لوگوں کو نامزد بھی ہو چکی کہ فلاں محل فلاں باغات فلاں کے لئے ہیں یہ فائدہ اعد اللہ ماضی فرمانے سے حاصل ہوا بلکہ وہاں کے محلات پر ان لوگوں کے نام بھی تحریر ہیں جن کی خبر حضور انور نے معراج سے واپس تشریف لا کر دی۔

چھٹا فائدہ: جنتی حضرات اپنی اپنی جنت کے مالک ہوں گے صرف مہمان نہ ہوں گے یہ فائدہ لھم جنات کے لام سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا کہ لام ملکیت کا ہے۔

ساتواں فائدہ: جنت کے باغات میں نہریں آج بھی بہہ رہی ہیں ان کے پھل اب بھی موجود ہیں یہ فائدہ تجری من تحتها الانهار سے حاصل ہوا کہ یہ حال ہے بعض بزرگوں نے اس دنیا میں وہاں کے پھل کھائے ہیں جیسے حضرات مریم اور بعض نے ان نہروں کا پانی پیا جیسے وہ صحابہ جنہوں نے حضورؐ انور کی مبارک انگلیوں سے جاری ہونے والا پانی پیا وہ انہیں نہروں کا تھا۔

پہلا اعتراض: عام مومنوں کا ایمان حضورؐ انور کے ایمان سے ہر طرح بعد میں ہے حضورؐ کا ایمان ازلی عرشی بالذات باقی کا ایمان یہاں دنیا میں آ کر فرشی اور بلواسطہ پھر معہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں معیت اور ہمراہی زمانی یا مکانی نہیں بلکہ نوعیت ایمان میں موافقت مراد ہے۔ یعنی ان کا ایمان اس قسم کا ہے جس قسم کا ایمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ دل سے اخلاص سے۔ اس اخلاص وغیرہ میں انہیں حضورؐ انور کی ہمراہی حاصل ہے۔ اگرچہ درجے ایمان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ غلام خدام اپنے آقا کے ساتھ ہوتے ہیں۔

دوسرا اعتراض: لهم الخیرات اور هم المفلحون کی عبارت سے حصر ظاہر ہوتا ہے تو کیا سوائے مجاہد غازیوں کے اور کسی کے لئے بھلائیاں اور کامیابی حاصل نہیں اگر حاصل ہیں اور ضرور حاصل ہیں تو اس حصر کا کیا مطلب ہے۔

جواب: واقعی وہ بھلائیاں اور کامیابیاں جو جہاد اور غزوات کا اجر ہیں وہ انہیں کے لئے خاص ہیں خیرات اور فلاح بہت قسم کی ہیں۔

تیسرا اعتراض: جاهدوا باموالهم (الخ) جملہ فعلیہ ہے اور اولئک لهم الخیرات جملہ اسمیہ اور نحوی قاعدے سے جملہ اسمیہ کا عطف جملہ فعلیہ پر درست نہیں پھر یہاں یہ عطف کیوں ہوا۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں بہت جگہ ایسے عطف واقعہ ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں اشارۃً فرمایا گیا کہ تا قیامت مومنین مجاہدین بفضلہ تعالیٰ حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتے ہیں جو کوئی جو بھی نیکی کرتا ہے حضورؐ انور کی ہمراہی اسے میسر ہوتی ہے۔ اگر ان کے ساتھ ہونا ساتھ رہنا ہے تو نیک کار بنو۔ خیال رہے کہ عابدین کی حسنات بھی اور ہیں اور ان کی خیرات اور فلاح بھی کچھ اور مگر عارفین کی حسنات کچھ اور ہیں ان کی خیرات و فلاح بھی کچھ اور عاشقین کی حسنات خیرات و فلاح چیز ہی دوسری ہیں دنیا میں نفس کے حجاب سے چھٹکارا بڑی کامیابی ہے بڑا کافر ہمارا نفس ہے اور اس پر جہاد اکبر ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ قرآں شرح جنت نفسہا است
بنگر اندر مصحف آں چشمت کجا است

ہیں مرداندر رہے نفس چوزاغ کو بگورستاں بردے سوئے باغ

www.alahazratnetwork.org

نفس اگرچہ زیرک است و خردہ دان   قبلہ اش دنیا است اور امردہ دان

کفار پر جہاد ایمان رسول کے بعد ہے۔ نفس پر جہاد ایمان ہے رسول اللہ ہے۔ جنہیں حضورؐ انور کی ہمراہی نصیب ہو گئی انہیں جنت کا آج دنیا ہی میں مالک کر دیا گیا۔ بعد قیامت تو انہیں اس کا قبضہ دیا جاوے گا۔ وہاں وہ مالک ہوں گے مگر ان کی خاطر تواضع مہمانوں کی سی ہوگی۔ اب پڑھو اعد اللہ لھم جنات (الخ) پھر وہ آیت پڑھو۔ نزلا من غفور رحیم یہ حضرات جنت کے مالک بھی ہیں اور رب تعالیٰ کے دائمی مہمان بھی یا حضورؐ انور کے مہمان۔ شعر

آسمان خوان زمین خوان زمانہ مہمان   صاحب خانہ لقب کس کا ہے تیرا تیرا (اعلیٰحضرت)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ
اور آئے حیلے کرنیوالے دیہاتی لوگ تا کہ اجازت دی جاوے ان کو اور بیٹھ
اور بہانے بنانے والے گنوار آئے کہ انہیں رخصت دی جائے اور بیٹھ
الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
رہے وہ لوگ جھوٹ بولا انہوں نے اللہ سے اور رسول سے اس کے عنقریب پہنچے گا ان کو
رہے وہ جنہوں نے اللہ اور رسول سے جھوٹ بولا تھا جلد ان میں کے کافروں
مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۰﴾
جنہوں نے کفر کیا عذاب درد ناک
کو درد ناک عذاب پہنچے گا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں مدینہ منورہ کے منافقین اور مخلصین مجاہدین کا ذکر ہوا۔ اب آس پاس کے دیہاتی مومنین منافقین کا ذکر ہو رہا ہے گویا قریبی لوگوں کے بعد بعیدی لوگوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر ہوا جنہیں کوئی عذر نہ تھا صرف منافقت کی بیماری تھی۔ اس وجہ سے غزوہ تبوک سے رہ گئے اب ان ست لوگوں کا ذکر ہے جو منافق تو نہ تھے مگر کاہل اور ست تھے۔ اس لئے بہانے بناتے مدینہ منورہ حاضر ہوئے۔ اجازت لینے کے لئے رہ جانے کی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا جو معذور نہ تھے مگر جھوٹے عذر بنا کر غزوہ تبوک سے رہ گئے اب ان دیہاتی مخلصین کا تذکرہ ہے جو واقعی معذور تھے اور عذر صحیح ظاہر کر کے رہ گئے۔ خیال رہے کہ جاء المعذرون من معذرون کے متعلق بہت اختلاف ہے کہ اس سے کون لوگ مراد ہیں اس لئے تعلق میں اختلاف ہے۔

www.alahazratnetwork.org

نزول: یہ آیت کریمہ کن لوگوں کے متعلق نازل ہوئیں اور یہ کہ اس میں کن کا ذکر ہے۔ اس کے متعلق تین قول ہیں۔ نمبر ا جب غزوہ تبوک کا علان ہوا اور سب کو وہاں جانے کا حکم دیا گیا تو مدینہ طیبہ کے بیرونی علاقہ سے عامر ابن طفیل اور اس کے قبیلہ کے لوگ حاضر خدمت ہوئے۔ بولے کہ اگر ہم حضور ﷺ کے ساتھ تبوک جائیں تو ہم کو خطرہ ہے کہ ہمارے پیچھے گھروں کو قبیلہ بنی طے لوٹ لیں ہمارے بچوں کو ہلاک کر دیں اس لئے ہم حاضری سے معذور ہیں سرکار نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو تم سے بے نیاز کر دے گا۔ رب نے مجھے تمہارے متعلق خبر دے دی ہے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی اس میں ان کا بیان ہے یہ لوگ واقعہ میں معذور نہ تھے۔ جھوٹ بولتے تھے۔ نمبر ۲ جب غزوہ تبوک کا اعلان ہوا تو دیہات کے معذور لوگ مدینہ منورہ حاضر ہو کر حضور کی خدمت میں معذرت کرنے حاضر ہوئے اور وہاں کے منافقین اپنے گھروں میں رہے حاضر نہ ہوئے نہ غزوہ تبوک میں گئے ان دونوں فریقوں کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کے اول جز میں ان سچے معذوروں کی معذرت کا ذکر ہے۔ دوسرے جز **وقعد الذین کفروا** میں گھروں میں رہ جانے والے منافقین کا تذکرہ ہے۔ نمبر ۳ غزوہ تبوک کے موقعہ پر دیہاتی منافقوں کے دو گروہ ہو گئے ایک گروہ دھوکہ دہی کے لئے حضورؐ انور کی خدمت میں حیلے بہانے بنانے کے لئے حاضر ہوا۔ دوسرا گروہ اپنے دیہات ہی میں رہا۔ حاضر نہ ہوا۔ اس آیت کریمہ کے ان دو جزوں میں ان دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ (از تفسیر خازن۔ روح البیان۔ معانی۔ مدارک کبیر وغیرہ) یہ تیسرا قول بہت ہی ضعیف ہے کیونکہ حاضر ہو جانے والوں کو معذورون فرما دیا گیا۔ اور رہ جانے والوں کو **کذبوا اللہ ورسولہ** فرمایا گیا۔ اگر حاضر ہونے والے بھی منافق ہوتے تو ان کے لئے الگ صیغہ استعمال نہ ہوتا سیدنا ابن عباس فرماتے ہیں کہ حاضر ہونے والے دیہاتی واقعی معذور تھے قبیلہ بنی غفار کے یا دوسرے قبیلہ کے دیکھو (روح المعانی)

تفسیر وجاء المعذرون: یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ پہلی عبارت پر معطوف ہو اور واؤ عاطفہ جانگ کے بعد ک ضمیر خطاب پوشیدہ ہے ہماری قرات میں معذورون ہے عین کے فتحہ اور زوال کی شد سے یا باب تفعیل کا اسم فاعل ہے باب افعال کا کہ اصلی میں تھا معتذرون ت ذال سے بدل کر ذال میں مدغم ہو گئی اگر باب تفعیل سے ہے تو اس کے معنی ہوں گے جھوٹے عذر بنانے والے۔ تقدیر حیلے بہانے بنانا۔ اور اگر باب افتعال سے ہو تو دونوں احتمال ہیں۔ جھوٹے بہانے بنانے والے یا سچی عذر و معذوری والے اعتذار دونوں معنی میں آتا ہے لبید شاعر کہتا ہے مصرع۔

ومن یبک حولا کاملا فقد اعتذر

اس مصرع میں اعتذر کے معنی ہیں صحیح عذر بیان کیا۔ (تفسیر روح البیان و خازن و کبیر) سیدنا حضرت عبداللہ ابن عباس نے تیسری تفسیر کی۔ یعنی آپ کی خدمت میں معذور لوگ عذر خواہی کے لئے حاضر ہوئے۔ ایک قراءت میں **معذرون** ہے۔ عین کے شد سے کہ اصل میں **متعذرون** تھا ت عین بن کر عین میں مدغم ہو گئی اور ذال پہلے ہی شد والی تھی یعنی باب تفعل کا اسم فاعل مگر یہ قراءت قوی نہیں کیونکہ کبھی عین نہیں بنتی نہ اس میں مدغم ہو (روح المعانی) **من الاعراب** یہ فرمان عالی

www.alahazratnetwork.org

معذرون کا بیان ہے من بیانیہ ہے اور ہوسکتا ہے کہ من بعضیت کا ہو۔ کیونکہ دیہاتی نہ آئے تھے۔ بلکہ بعض آئے تھے۔ اعراب جمع ہے مگر اس کا واحد کوئی نہیں۔ جیسے نساء بنا ہے عوب سے بمعنی ملک عرب کے جنگلی گاؤں یا عرب سے مدینہ منورہ کا دیہاتی علاقہ (روح البیان) ان سے مراد یا بنی اسد وغطفان اور یا عامر ابن طفیل اور اس کی قوم یا بنی غفار لیوذن لھم یہ فرمان عالی جاء المعذرون کے متعلق ہے اس میں لام بمعنی کئے ہے یعنی اس لئے آئے تاکہ انہیں غزوہ میں نہ جانے گھر پر رہنے سے آپ ﷺ کی طرف سے اجازت دے دی جائے۔ یا رب تعالیٰ کی طرف سے کہ ان کے متعلق اجازت کی آیت آ جاوے یہاں تک تو اس ایک جماعت کا ذکر ہوا۔ وقعد الذین کذبوا اللہ ورسولہ یہ دوسری جماعت یعنی دیہاتی منافقوں کا ذکر ہے قعد کے معنی ہیں اپنے دیہات میں بیٹھ رہے آپ ﷺ سے اجازت لینے حاضر ہی نہ ہوئے کذبوا کے معنی ہیں کہ انہوں نے کلمہ پڑھ کر مسلمان بن کر اللہ رسول سے جھوٹ بولا کہ دل میں کافر ہے زبان سے مسلمان بنے اگرچہ انہوں نے حضورؐ انور سے جھوٹ بولا تھا مگر چونکہ حضورؐ سے جھوٹ بولنا رب تعالیٰ سے جھوٹ بولنا ہے۔ اس لئے کذبوا اللہ ورسولہ فرمایا گیا۔ اس مقابلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن کا ذکر ابھی پہلے ہوا وہ منافقین نہ تھے بلکہ مومنین تھے یا کامل وست لوگ یا واقعی معذور لوگ (روح البیان وخازن وغیرہ) سیصیب الذین کفروا منھم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں دوسری جماعت یعنی دیہاتی منافقوں کی سزا کا ذکر ہے منھم میں بعضت کا ہے۔ کافروا کے معنی ہیں جو مرتے دم تک کافر رہے نفاق سے توبہ نہ کی لہٰذا منھم کی ضمیر منافقین کی طرف ہے ان دیہاتی منافقوں میں بعض وہ تھی جو آگے جا کر مخلص مومن بننے والے تھے اور ایمان پر مرنے والے۔ بعض وہ تھے جو کفر و نفاق پر ہی مرنے والے تھے اس لئے منھم فرمانا بالکل درست ہے۔ عذاب الیم یہ فرمان عالی فاعل ہے سیصیب کا۔ عذاب الیم سے مراد قبر و حشر کا عذاب ہے جو کفر کی وجہ سے ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے دنیا کی سزا قتل و قید مراد ہے۔ کہ وہ کھلے کافروں سے مل کر مسلمانوں کے مقابل لڑیں اور ان کے ہاتھوں قتل یا قید ہوں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

خلاصہ تفسیر: مدینہ منورہ کے مخلصین مومنین اور منافقین کا ذکر تو آپ سن چکے۔ رہے آس پاس کے دیہاتی علاقہ کے لوگ ان میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں واقعی معذورین مخلصین وہ تو آپ ﷺ کی خدمت میں اپنا عذر پیش کرنے اور رہ جانے کی اجازت لینے مدینہ منورہ حاضر ہوئے تاکہ آپ ﷺ کی اجازت سے گھر میں رہیں بغیر پوچھے نہ رہیں۔ دوسرے وہاں کے منافقین جو مسلمان بنے کلمہ پڑھنے میں اللہ رسول سے جھوٹ بول گئے کہ دل میں کافر تھے زبان سے مومن بن گئے۔ یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہے آپ ﷺ کے پاس آئے ہی نہیں ان میں پھر دو طرح کے لوگ ہیں بعض وہ جو آئندہ مومن مخلص بن جائیں گے اور ان کا خاتمہ ایمان ہوگا۔ بعض وہ جو کفر پر ہی مریں گے یہ آخری لوگ سخت عذاب پائیں گے۔ یا دنیا و آخرت دونوں جگہ یا صرف آخرت میں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بحالت معذوری حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عذر کرنا کہ میں فلاں عبادت سے

www.alahazratnetwork.org

معذور ہوں۔ رب تعالیٰ کو پسند ہے اور اکڑ کر گھر بیٹھے رہنا حاضر بارگاہ نہ ہوتا۔ رب تعالیٰ کو سخت ناپسند یہ فائدہ جاء المعذرون کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ معذرون سے مراد واقعی معذور ہوں۔

دوسرا فائدہ: گناہ کر کے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہونا اپنے کو حضور ﷺ سے مستغنی جاننا کفر بلکہ اللہ رسول سے جھوٹ بولنا ہے یہ فائدہ وقعد الذین کذبوا (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ ولو انھم اذظلموا انفسھم جاءوک (الخ) حضورؐ انور گنہگار مومنوں کی پناہ ہیں۔

تیسرا فائدہ: حضورؐ انور کی بارگاہ رب تعالیٰ کا آستانہ عالیہ ہے وہاں جھوٹ بولنا رب سے جھوٹ بولنا ہے یہ فائدہ کذبوا اللہ ورسولہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین نے حضورؐ انور سے جھوٹ بولا تھا مگر رب تعالیٰ نے فرمایا کہ انہوں نے اللہ رسول سے جھوٹ بولا اس کے برعکس حضور ﷺ سے سچ کہنا رب تعالیٰ سے سچ عرض کرنا ہے حضورؐ انور کے روبرو عجز و نیاز خود رب تعالیٰ سے عجز و نیاز ہے رب تعالیٰ نصیب فرمائے۔

چوتھا فائدہ: عندہ اللہ کافروہ ہے جس کا انجام کفر پر ہو۔ موجودہ حالت کا اعتبار نہیں یہ فائدہ الذین کفروا منھم سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: جن مفسرین نے معذرون سے حیلے بہانے والے منافقین مراد لئے ہیں۔ وہ فعدل الذین کفروا سے کیا مراد لیتے ہیں منافق تو سارے ہی کافر ہیں خواہ حضور ﷺ کی خدمت میں بہانے بنانے آئیں یا نہ آئیں۔ جواب وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اس وقت دیہاتی منافق دو طرح کے تھے ایک وہ جو بہانے بنانے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے دوسرے وہ جو اپنے گھروں میں رہے حضور ﷺ کے پاس آنے کی انہوں نے ضرورت ہی نہ سمجھی پہلے قسم کے لوگ کافر بھی تھے اور معذرین یعنی دھوکے باز بھی۔ دوسرے قسم کے لوگ صرف کافر تھے۔ اس حکمت سے ان دونوں جماعتوں کے لئے الگ الگ لفظ ارشاد ہوا۔

دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا۔ کذبوا اللہ ورسولہ چاہئے تھا۔ کذبوا ورسولہ کے شد سے ہوتا۔

جواب: اس وقت وہ لوگ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹ بولنے آئے تھے۔ اس لئے کذبوا فرمانا بغیر شد کے بالکل درست ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا الذین کفروا منھم جو ان منافقوں میں سے کافر ہوئے منافق تو سارے ہی کافر ہیں پھر منھم فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: یہاں کفروا کے معنی یہ نہیں کہ کافر ہوئے بلکہ معنی یہ ہیں کہ کافر رہے یعنی مرتے دم تک کافر رہے کفر پر مرے اس سے ان کو نکال دیا گیا جو مرنے سے پہلے توبہ کر کے مخلص مومن بن گئے۔ رب فرماتا ہے ان الذین کفروا من اھل الکتاب والمشرکین وہاں بھی یہ معنی ہیں کہ جو کتابی اور مشرک کافر رہے۔

تفسیر صوفیانہ: حضورؐ انور کے آستانہ پر حاضری دنیا ایمان بھی ہے گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بھی اور کفر بھی منافقت

www.alahazratnetwork.org

بھی۔رب فرماتا ہے۔اذا جاءک الذین یومنون بایاتنا اور فرماتا ہے۔ولو انھم اذظلموا انفسھم جاءوک اور فرماتا ہے۔اذا جاءک المنافقون اور یہاں فرماتا ہے۔وجاء المعذرون ان تمام آیات میں جاءو آیا اور حضور انور کی خدمت میں آنا مراد ہے مگر پہلے دو آیتوں میں جس آنے کا ذکر ہے وہ آنا عین ایمان اور معافی گناہ کا ذریعہ ہے آخری دو آیتوں میں جس آنے کا تذکرہ ہے وہ آنا عین کفر ہے۔عقیدت ومحبت سے حاضر ایمان ہے دھوکا دینے جھوٹی قسمیں کھانے کے لئے حضورؐ کے پاس آنا بے دینی ہے اور منافقوں کا کام جھوٹ بولنا ہر جگہ ہی منع ہے مگر حضورؐ انور کی بارگاہ میں حاضر ہو کر جھوٹ بولنا بدترین گناہ ہے کہ حضورؐ کا آستانہ رب تعالیٰ کا دربار عالیہ ہے۔یہاں جھوٹ بولنا در حقیقت رب تعالیٰ سے جھوٹ بولنا ہے اس لئے کذبوا اللہ ورسولہ ارشاد ہوا۔اس کے برعکس حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ پر حاضر ہوکر بھیک مانگنا اپنے گناہوں کا اقرار کرنا معافی مانگنا رب تعالیٰ سے ہی معافی مانگنا ہے کسی کے دروازے پر جاکر صدا دینا خود مالک سے ہی مانگنا ہے۔حضورؐ انور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالیٰ کا دروازہ ہیں۔

لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا
نہیں ہے کمزوروں پر اور نہ بیماروں پر اور نہ ان لوگوں پر جو نہیں پاتے وہ جو خرچ کریں
ضعیفوں پر کچھ حرج نہیں اور نہ بیماروں پر اور نہ ان پر جنہیں خرچ
يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ؕ مَا عَلَى
کوئی حرج جب خیر خواہی کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی نہیں ہے
کا مقدور نہ ہو جب کہ اللہ اور رسول کے خیر خواہ رہیں نیکی والوں پر کوئی راہ
الْمُحْسِنِيْنَ مِنْ سَبِيْلٍ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۱﴾
نیک کاروں کے لئے کوئی راستہ اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے
نہیں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جھوٹے عذر کرنے والے بہانے بنانے والوں کا تذکرہ ہوا اور ان پر عتاب فرمایا گیا۔اب واقعی سچے عذر والوں کا ذکر ہے جو جہاد سے معذور ہیں کہ ان پر نہ جہاد فرض اور نہ وہ رہ جانے پر معتوب گویا جھوٹوں کے بعد سچوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان بدنصیبوں کا ذکر ہوا جو سفر کرکے جہاد فی سبیل اللہ نہ کریں اب ان خوش نصیبوں کا تذکرہ

www.alahazratnetwork.org

ہے جو گھر میں رہ کر بھی جہاد کریں اور مجاہدین میں شمار ہوں کہ مجاہدین کی بیوی بچوں کی خبر گیری ان کے گھر بار کی نگرانی کا کام کریں۔ اذا نصحوا اللہ ورسولہ۔

تیسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ان غازی مجاہدوں کا ذکر ہوا جو اپنے مال و جان غرضیکہ ہر چیز سے جہاد کریں۔ وجاھدوا باموالھم وانفسھم اب ان لوگوں کا ذکر ہے۔ جو غریب بھی ہوں لاچار بھی مگر جہاد کریں۔ غرضکہ دو قسم کے جہادوں کے بعد تیسری قسم کے جہاد کا ذکر ہے جو مال و جان خرچ کرنے سے بے نیاز ہے۔

نزول: درقطنی نے اپنے افراد میں حضرت زید ابن ثابت سے روایت ہے کہ سورہ برات میں جہاد کی آیات اتریں جن میں جہاد سے جان بچانے والوں پر سخت عتاب تھا۔ میں کاتب وحی تھا۔ لکھ رہا تھا کہ ایک نابینا صاحب حاضر ہوئے۔ بولے یا رسول اللہ میرے متعلق کیا حکم ہے میں تو معذور ہوں تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (روح المعانی) قتادہ کہتے ہیں کہ یہ آیت عائذ ابن عمرو اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جو جہاد اور سفر سے معذور تھی ضحاک کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم کے متعلق آئی جو نابینا تھے۔ (تفسیر خازن) ممکن ہے کہ روح المعانی کی روایت میں نابینا سے مراد یہ ہی ہوں رضی اللہ عنھم۔

تفسیر: لیس علی الضعاء یہ ارشاد عالی نیا جملہ ہے جس میں ایک نیا قانون ارشاد ہوا۔ ضعاء جمع ہے۔ ضعیف کی۔ جیسے رحما جمع ہے رحم کی یا علماء جمع ہے علیم کی فقہا جمع ہے فقیہ کی۔ یہاں اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو کسی بیماری سے نہیں بلکہ خلقی (پیدائشی) طور پر کمزور ہیں۔ جہاد نہ کرسکیں جیسے عورتیں' کمزور بچے ضعیف بوڑھے یا پیدائشی ناقص الخلقت لولے لنگڑے (روح المعانی' بیان' خازن) ولا علی المرضی' یہ فرمان عالی معطوف ہے۔ علی الضعاء پر مرضی جمع ہے۔ مریض کی۔ صفت مشبہ مرض کا بمعنی بیماری اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی بیماری کی وجہ سے سفر اور جہاد کے قابل نہ ہوں خواہ وہ مرض قابل علاج اور جلد جانے والا ہو جیسے بخار اور بیماریاں یا دائمی اور ناقابل علاج جیسے لولا لنگڑا پن یا نابینا پن غرضکہ ان دونوں لفظوں میں بہت وسعت ہے۔ (تفسیر روح المعانی) یہاں تک تو جسمانی معذوروں کا ذکر ہوا۔ ولا علی الذین لایجدون ماینفقون اس میں مالی مجبوریوں کا ذکر ہے کہ جو ہیں تو تندرست مگر ان کے پاس سفر جہاد کے لئے سواری اور سامان سفر نہ ہو۔ جیسے غزوہ تبوک کے موقعہ پر قبیلہ حزینہ' جہینہ اور بنی عذرہ وغیرہم (روح المعانی) مگر ان کے لئے دو قیدیں ہیں ایک یہ کہ انہیں کوئی امیر مسلمان سامان سفر نہ دے سکے دوسرے یہ کہ سفر کر کے جہاد کرتا ہو۔ اگر کوئی سامان جہاد دے یا اپنے شہر پر ہی کفار کا حملہ ہو جاوے تو ان معذرین پر جہاد ضروری ہے حرج یہ ہے لیس کا موخر اسم حرج کے لغوی معنی ہے تنگی۔ اسطلاح میں بمعنی گناہ آتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے یعنی ان معذورین پر جہاد میں نہ جانے پر گناہ نہیں۔

خیال رہے: کہ اس فرمان علای میں گناہ کی نفی ہے ان لوگوں کے لئے جہاد میں نکلنا حرام نہیں لھذا اگر یہ لوگ تنگی ترشی سے جہاد میں پہنچ جاویں وہاں نمازیوں کی خدمت یا ان کے سامان کی نگرانی کریں یا کم از کم ان کی تعداد بڑھادیں تو ثواب پاویں گے بشرطیکہ نمازوں پر بوجھ نہ بن جاویں کہ ان کا سنبھالنا مشکل ہو جاوے۔ (کبیر' خازن) ان سب باتوں کے باوجود

www.alahazratnetwork.org

شرط یہ ہے کہ اذا نصحوا اللہ ورسولہ یہ فرمان عالی لیس کی شرط یا ظرف ہے نصح کے معنی ہیں خلوص یا خالص ہونا چونکہ خیر خواہ کے دل میں خلوص ہوتا ہے اپنی غرض اس میں شامل نہیں ہوتی اس لئے اس کو نصیحت کہا جاتا ہے حضور ﷺ کے دین کی حضور ﷺ کے امت کی مجاہدین کے بال بچوں کی خیر خواہی ان کی خدمت حضورؐ انور کی خیر خواہی ہے اور حضورؐ کی خیر خواہی رب تعالیٰ کی خیر خواہی ہے اس لئے نصحوا اللہ ورسولہ ارشاد ہوا یعنی یہ مجبور لوگ مدینہ میں رہ کر دینی خدمات مجاہدین کے بال بچوں کی خدمت کریں جو اللہ رسول کی خیر خواہی ہے۔ منافقوں کی طرح مجاہدوں کے متعلق غلط تکلیف دہ خبریں نہ اڑائیں۔ ان کے بال بچوں کو پریشان نہ کریں۔ ما علی المحسنین من سبیل اس فرمان عالی میں ان رہ جانے والوں اور رہ کر خدمت دین کرنے والوں کا نتیجہ اور انجام ارشاد ہوا۔ یعنی یہ لوگ محسن اور نیک کار ہیں نیک کاروں پر نیکی کی وجہ سے گناہ نہیں ہوتا بلکہ ثواب ملتا ہے۔ محسن ہر نیک کار کو کہا جاتا ہے جو فرائض واجبات سنن نوافل وغیرہ جو بن پڑے وہ کرے من استغراق کا ہے بمعنی کوئی سبیل سے مراد ہے گناہ کا راستہ یعنی اس کام میں ان پر کوئی گناہ نہیں یا ان پر کوئی گناہ نہیں یا ان کو سزا دینے کی کوئی راہ نہیں۔ واللہ غفور رحیم یہ یا تو نیا جملہ ہے یا پہلے فرمان کی وجہ اور علت یعنی رب تعالیٰ نے ایسے لوگوں کو رہ جانے کی اجازت اس لئے دی کہ وہ غفور بھی ہے اور رحیم بھی۔ مغفرت اور رحمت میں فرق بارہا بیان ہو چکا گناہ پر پکڑ نہ کرنا بخشش دینا مغفرت ہے نیکی پر ثواب دینا رحمت گناہ چھپا لینا مغفرت ہے نیکی تمام پر ظاہر فرما دینا رحمت اس فرمان عالی کا مقصد یہ ہے کہ کوئی بندہ کسی حال میں رب تعالیٰ کی مغفرت و رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا ہر شخص کو ہر وقت اس کی مغفرت و رحمت کی ضرورت ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں تین قسم کے لوگوں کو غزوات میں شرکت نہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ ضعیف، مریض، غریب، مگر ضعیف اور مریض کو مطلقاً اجازت ہے خواہ سفر کر کے جہاد کرنا پڑے یا اپنے گھر رہ کر ہی۔ مگر غریب کو اجازت تب ہے جب کہ سفر کر کے جہاد کرنا ہو اور اس کے پاس سامان سفر نہ ہو۔ جیسے حج کے لئے سامان سفر پر قدرت ضروری ہے مگر دور رہنے والوں کے لئے خود مکہ والوں پر ضروری نہیں وہاں غریبوں پر بھی فرض فرمایا گیا۔ کہ کمزور لوگ یعنی بچے بوڑھے۔ عورتوں پر یوں ہی ایسے بیماروں پر جو سفر نہ کر سکیں جیسے لولے لنگڑے اندھے وغیرھم یوں ہی ایسے غریبوں پر جو سفر کے لئے سامان نہ پائیں کہ ان کے پاس ہو نہ کوئی دے ان پر جہاد میں شرکت نہ کرنے اور مدینہ منورہ میں رہ جانے پر کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ مدینہ میں رہ کر بقدر طاقت اللہ رسول کی خیر خواہی کریں کہ مجاہدین کے بال بچوں کی خدمت اور ان کے گھر بار کی حفاظت کریں۔ انہیں تسلی تشفی دیتے رہیں یہ لوگ نیک کار ہیں گھر میں رہ کر مجاہد غازی ہیں ان پر کوئی گناہ نہیں اللہ تعالیٰ غفور بخشنے والا بھی ہے اور رحمت والا بھی وہ انہیں معذروں کی اس خدمت کی وجہ سے ان کے سارے گناہ بخش دے گا۔ اور ان کو اپنے فضل و کرم سے ثواب دے گا۔ وہ ان کے لئے ان کے گھروں کو ہی میدان جہاد بنا دے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ طاقت سے زیادہ کسی بندے پر بوجھ نہیں ڈالتا یہ فائدہ لیس علی الضعفاء (الخ) سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ اس سے بہت سے فقہی مسائل مستنبط ہو سکتے ہیں دیکھو نابینا اور بے دست و پا پر جمعہ فرض نہیں اگرچہ وہ شہر میں رہتے ہوں۔ کہ اس نماز میں جماعت شرط ہے اور ان پر جماعت کی حاضری دشوار ہوگی۔

دوسرا فائدہ: قرض لے کر یا بھیک مانگ کر مالی عبادت ادا نہ کرے۔ یہ فائدہ لایجدون ماینفقون سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان مساکین سے یہ نہ فرمایا گیا قرض یا بھیک سے مال جمع کر کے جہاد میں جاؤ بلکہ ان سے جہاد کی حاضری معاف کر دی لہٰذا قرض یا بھیک کے ذریعہ حج زکوۃ۔ فطرہ ادا نہ کرو۔ بلکہ یہ چیزیں مساکین پر معاف ہیں۔

تیسرا فائدہ: وہ ضعف اور بیماری جو سفر سے روکے اس سے وہ جہاد معاف ہوگا۔ جس میں سفر کرنا پڑے اگر اپنے شہر میں ہی کفار پر جہاد کرنا ہو تو ان کو بھی کرنا پڑے گا یہ فائدہ اس فرمان عالی کی روش سے معلوم ہوا۔

چوتھا فائدہ: یہ لوگ بھی اگر کسی طرح جہاد میں پہنچ جائیں تو گنہگار نہیں۔ کیونکہ ان پر جہاد فرض نہیں۔ انہیں حرام نہیں یہ فائدہ لیس علی الضعفاء (الخ) کے علی سے حاصل ہوا علی وجوب کے لئے آتا ہے۔ اگر کوئی قرض سے حج کر آئے بعد میں قرض ادا کر دے تو اس کا حج ہو جائے گا۔

پانچواں فائدہ: جو لوگ جہاد میں نہ جا سکیں وہ بھی وطن میں ایک قسم کا جہاد کریں یعنی مجاہدین کے بال بچوں کی خدمت ان کے گھر بار کی نگرانی ان تک مجاہد کے متعلق اچھی خبریں پہنچانا۔ اگر کوئی تشویش ناک خبر ہو تو اسے شائع نہ ہونے دینا وغیرہ یہ فائدہ اذا نصحوا اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: جو مجبور و بے کس کسی نیکی سے محروم ہو وہ بھی محسن ہے اس پر گناہ نہیں بلکہ ایک لحاظ سے ثواب ملے گا۔ یہ فائدہ ماعلی المحسنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان ضعفاء وغیرہم کو محسن فرمایا اس سے تفسیر روح المعانی نے یہ مسئلہ مستنبط کیا۔ اگر کوئی شخص حملہ آور جانور کو اپنے بچاؤ کے لئے قتل کر دے تو اس پر اس کی قیمت یا تاوان واجب نہیں نہ وہ گنہگار ہے وہ محسن میں داخل ہے۔ (روح المعانی یہی مقام)

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ کمزوروں اور بیماروں پر گناہ نہیں کمزوروں اور بیماروں میں کیا فرق ہے ہر بیمار کمزور ہوتا ہے۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ خلقی یعنی پیدائشی کمزوری والے ضعفاء ہیں۔ جیسے عورتیں بچے بوڑھے وغیرہ اور کسی عارضہ سے کمزوری والے مریض ہیں لہٰذا فرمان عالی میں تکرار نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس تفسیر سے معلوم ہوا کہ عورتیں جہاد نہ کریں کیونکہ وہ ضعفاء میں داخل ہیں مگر تواریخ بلکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ عورتوں نے جہاد میں شرکت کی ہے۔ عہد فاروقی میں حضرت خولہ بنت ازور کے کارنامے مشہور کیا یہ برا تھا۔

جواب: یہاں فرمایا یہ گیا کہ ان پر جہاد ضروری نہیں یہ نہیں فرمایا کہ ان پر جہاد حرام ہے یہ بھی عام حالات میں بعض ہنگامی حالات میں جب کفار کا دباؤ بڑھ جاوے عورتیں بچے بھی ضرور جہاد کریں حالات پر منحصر ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی۔ لا یجدون ماینفقون مساکین یا فقراء فرما دینا کافی تھا۔

جواب: شریعت میں مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ فقیر وہ جس کے پاس نصاب سے کم ہو۔ جہاد معاف ہونے کے لئے یہ دونوں چیزیں کافی نہیں جس کے گھر میں سامان کافی ہو مگر جہاد میں خرچ کرنے کا سامان کافی نہ ہو بلکہ جہاد میں خرچ کرنے کا سامان بہت تھوڑا ہو یا جہاد میں خرچ کرنے کا سامان نہ ہو وہ اگرچہ مسکین نہیں مگر اس پر جہاد فرض نہیں اور جس کے پاس کچھ ہو مگر سامان جنگ موجود ہو وہ اگرچہ مسکین ہے مگر جہاد اس پر فرض ہے پھر جہاد کے خرچ مختلف مختلف کبھی تھوڑے خرچ سے جہاد ہو سکتا ہے کبھی بہت سے خرچ سے یہ تمام صورتیں اس مختصری عبارت میں آ گئیں فقیر یا مسکین فرمانے سے یہ جامعیت حاصل نہ ہوتی اگر کسی مسکین کو کوئی امیر آدمی سامان جہاد عاریۃً دے دی اس پر بھی جہاد فرض ہے۔ دیکھو ہر قسم کی زکوٰۃ کے لئے نصاب مقرر ہے۔ مگر حج کے لئے نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کا خرچ مقرر نہیں مختلف زمانوں مختلف ٹھکانوں میں اس کے خرچ مختلف ہوتے ہیں۔

چوتھا اعتراض: اس لئے کہ منافقین حیلے بہانے بنا کر مدینہ منورہ رہ جاتے تھے پھر مجاہد غازیوں کے بال بچوں میں غلط اندوہناک خبریں پھیلاتے تھے اور طرح طرح انہیں دکھ پہنچاتے تھے ان عیوب سے بچانے کے لئے مسلمانوں کو ہدایت کی کہ تم ان جیسے کام نہ کرنا بلکہ خیر خواہی کرنا تب تم کو مذکورہ ثواب ملے گا۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ کو مغفرت و رحمت پر کیوں ختم فرمایا کہ واللہ غفور رحیم یہ عبارت تو گناہوں کے ذکر کے بعد چاہئے یہاں تو نیکیوں کا ذکر ہے۔

جواب: یہ بتانے کے لئے کہ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی بخشش اور رحمت سے بے نیاز نہیں ہو سکتا یہ مذکور حضرات اگرچہ نیک صالح ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت کی انہیں بھی ضرورت ہے یا یہ مطلب ہے کہ ان نیک اعمال کی برکت سے اللہ تعالیٰ ان کے گذشتہ گناہ معاف فرما دے گا۔ اور خصوصی رحمتیں عطا فرمائے گا۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں چند باتیں بتائی گئی ایک یہ کہ قوی مالدار حضرات جو جہاد میں جائیں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے ہیں مگر یہ تین قسم کے لوگ کمزور، بیمار، نادار جو وہاں سے نہ جا سکیں دل پکڑ کر رہ جائیں حضورؐ انور ان کے ساتھ ہوتے ہیں۔ یہ قاعدہ ہر جگہ جاری ہے مدینہ منورہ حاضر ہونے والے حضورؐ انور کے پاس پہنچتے ہیں معذور و مجبور لوگ جو یہاں روتے رہ جائیں حضورؐ انور ان کے پاس پہنچتے ہیں دوسرے یہ کہ حضورؐ انور کے غلاموں کی خیر خواہی کرنا حضورؐ کی خیر خواہی ہے اور حضورؐ انور کی خیر خواہی رب تعالیٰ کی خیر خواہی ہے۔ دیکھو مدینہ منورہ میں رہ جانے والے کمزور ولاچار مسلمان غازیوں کے بیوی بچوں کی خدمت کرتے تھے ان کے متعلق ارشاد ہوا کہ اذا نصحوا اللہ ورسولہ پھر ایسے لوگ گنہگار نہیں بلکہ محسنین یعنی نیک کار ہیں۔ کیونکہ نیک کاروں کے متعلقین کے خدمت گار ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت و رحمت بہت قسم کی ہے۔ جیسا بندہ ویسی اس کی مغفرت و رحمت گنہگاروں پر اور قسم کی رحمت و مغفرت ہے نیک کاروں پر دوسری قسم کی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی اور ہی خاص قسم کی رحمت و مغفرت جیسا مرحوم ویسی رحمت جیسا

www.alahazratnetwork.org

اس لئے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی چونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال اس موقعہ پر سواری کا بھی ہوا تھا اور موزوں و جوتوں کا بھی جیسا کہ شان نزول سے معلوم ہوا اس لئے ما احملکم مطلق ارشاد جو ان سب کو شامل ہے نیز سوال ان ہی چیزوں کا ہوا تھا۔ ہتھیار یا کھانا وغیرہ کا سوال نہ تھا۔ اس لئے اس طرح ارشاد ہوا تو لو و اعینھم تفیض من الدمع اگر قلت لا اجد (الخ) کا جواب تھا تو یہ فرمان عالی نیا کلام ہے۔ گذشتہ کا بیان اور اگر وہ معطوف یا حال تھا تو یہ فرمان عالی اذا کا جواب ہے تو لو کے معنی ہیں واپس ہوئے انہوں نے پیٹھ پھیری اور اعینھم (الخ) تو لو کے فاعل سے حال ہوا۔ اصل عبارت یوں تھی دموعھم تفیض من اعینھم یعنی ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ مگر آنسوؤں سے بہہ رہی تھیں۔ یہ عرب کا محاورہ ہے وہ کہتے ہیں سال المیزاب من الماء پرنالہ پانی سے بہا۔ مطلب یہ ہوتا ہے کہ پرنالے سے پانی بہت زیادہ بہا۔ وہ ہی محاورہ یہاں استعمال ہوا تفیض بنا ہے فیض سے بمعنی بہنا بزرگوں کے فیضان کو فیض اس لئے کہتے ہیں کہ وہ ان کے دل سے مرید کے دلوں پر بہتا ہوا جوش مارتا ہوا آتا ہے۔ یہ بھی عربی محاورہ ہے۔ حزنا الا یجدوا ماینفقون اس فرمان عالی میں حزنا مصدر ہے اور تفیض کا مفعول لہ اس لئے تفیض اس میں عامل ہے۔ جیسے آنکھ تفیض کا فاعل تھا ایسے ہی حزنا کا بھی فاعل ہے رنج و غم دل کا کام بھی ہے اور آنکھ کا کام بھی۔ جب دونوں کا فاعل ایک ہوا تو لام کا پوشیدہ کرنا جائز ہو (تفسیر روح المعانی، روح البیان وغیرہ) الا یجدوا (الخ) حزنا کا مفعول ہے یعنی اس رنج و غم میں رونے کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جہاد میں خرچ کرنے کے لئے مال میسر نہ ہونے کا سخت رنج و غم ہے۔ حزنا کی تنوین کثرت اور عظمت بتانے کے لئے ہے اس لئے بالحزن یا للحزن نہ فرمایا۔ فقیر نے اس عبارت کی ترکیب نحوی جو عرض کی اس کا خیال ہے ذرا مشکل ہے۔

خلاصہ تفسیر: جیسے مذکورہ تین جماعتوں پر جہاد میں حاضر نہ دینے پر کوئی گناہ نہیں یوں ہی ان لوگوں پر بھی گناہ نہیں جو غزوہ تبوک کا اعلان سن کر آپ ﷺ کی خدمت میں اس لئے حاضر ہوئے کہ آپ ﷺ انہیں سواری اور سامان سفر عطا فرمائیں انہوں نے آپ ﷺ سے یہ چیزیں مانگیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اس وقت وہ سواری وغیرہ اپنے پاس نہیں پاتے جو تم کو عطا کریں وہ یہ فرمان عالی سن کر اس طرح واپس ہوئے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو ابل رہے تھے۔ اس غم سے کہ انہیں غزوہ میں خرچ کرنے وہاں حاضر ہونے کے لئے سامان نہ ملا۔ ایسے مجبوروں معذوروں پر حاضر نہ ہونے کی وجہ سے کوئی گناہ نہیں بلکہ اس کوشش اور غم کرنے کا انہیں ثواب ملے گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اپنی دین و دنیا کی حاجات لے کر حضورؐ انور کے دروازے پر جانا سنت صحابہ ہے حضرات صحابہ حضورؐ انور کو حلال مشکلات حاجتوں کو پورا فرمانے والا مانتے تھے۔ یہ فائدہ اذا ما اتوک سے حاصل ہوا۔ دیکھو فقراء صحابہ حاجت روائی کے لئے حضورؐ کے پاس آئے۔

دوسرا فائدہ: حضورؐ انور سے دین و دنیا کی بھیک مانگنا مومن کے لئے عزت ہے یہ فائدہ لتحملھم (الخ) سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھادو

جس کو میری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

تیسرا فائدہ: مومن کو چاہئے کہ سائل کو نہ تو جھڑکے نہ آئے اسے روکے بلکہ اگر اس کا سوال پورا نہ کر سکے تو اچھے الفاظ سے معذرت کر دیئے یہ فائدہ **لا اجد ما احملکم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور نے کس مبارک طریقہ سے معذرت فرمائی۔ نہ انہیں جھڑکا نہ یہ فرمایا کہ ہم نہ دیں گے۔ **واما السائل فلا تنھر** اس فرمان عالی میں تا قیامت مسلمانوں کو معذرت کرنے کی تعلیم دی گئی ہے۔

چوتھا فائدہ: نیکی نہ کر سکنے پر افسوس کرنا رونا بھی اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے یہ فائدہ **واعینھم تفیض من الدمع** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان حضرات کے اس وقت رونے کو بطریق احسن بیان فرمایا۔ یوں ہی گناہ کر بیٹھنے پر پچھتانا رونا بھی عبادت ہے یہ رونا توبہ کی اعلیٰ قسم ہے اس پر بہترین ثواب کی امید ہے۔

پانچواں فائدہ: کسی کو نیکی کرتے دیکھ کر اس پر رشک وغلبہ کرنا کہ کاش میں بھی یہ کر سکتا عبادت ہے انشاء اللہ اس کو نیکی کرنے والے کا ثواب ہی ملے گا۔ یہ فائدہ **الا یجدوا ماینفقون** سے حاصل ہوا جو ہم جیسے مساکین مدینہ کے مسافر کو دیکھ کر روتے آنسو بہاتے ہیں ان شاء اللہ اس پر ہم بھی ان مسافروں کے زمرہ میں آ جاتے ہیں۔ شعر

ہمیں بھی یاد رکھنا ساکنان کوچہ جاناں

سلام شوق پہنچے بیکسان دشت غربت کا

پہلا اعتراض: تم نے تفسیر میں کہا حزنا نحوی ترکیب میں تفیض فعل کا مفعول لہ ہے جس پر لازم پوشیدہ ہے اصل میں لحزن تھا۔ مگر لہ کا لام تو پوشیدہ ہو سکتا ہے جب کہ فعل اور مفعول کا فاعل ایک ہو۔ یہاں تفیض کا فاعل آنکھیں ہیں اور حزنا کا فاعل دل پھر لام کیسے پوشیدہ ہو گیا۔ جواب اس کا تفسیر کبیر وغیرہ نے یہ جواب دیا ہے کہ رنج وملال کا فاعل بھی آنکھیں ہیں دل پچھتاتا ہے آنکھ آنسو بہاتی ہے یہ آنسو آنکھ کا رنج ہے۔ دوسرا اعتراض تم کہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سائل کو رد نہیں فرمایا آپ کی زبان پاک پر لا۔ یعنی نہیں کبھی نہیں آیا۔ شعر

زمانہ نے زمانہ میں سخی ایسا کہیں دیکھا　　زباں پر جس کے سائل نے نہیں آتے نہیں دیکھا

مگر اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے سائل کو رد بھی کیا اور نہیں بھی ارشاد فرمایا۔ **لا اجد ما احملکم** (الخ) جواب یہاں لا فرمانا رد کے لئے نہیں بلکہ معذرت کے لئے ہے رد اور معذرت میں بڑا فرق ہے۔ اور ہم کو تعلیم ہے کہ سائل سے اس طرح معذرت کیا کرو یعنی یہ نہیں کہا کہ نہیں دیں گے یا تمہیں ہمارے پاس سے کچھ نہیں ملے گا۔ بلکہ فرمایا تمہارے دینے کے لئے اس وقت سواری موجود نہیں۔ اس میں سائل کی عزت افزائی بھی ہے اور ہمت افزائی بھی۔ اس کی تفسیر صوفیاء کرام نے عجیب کی ہے۔ جو انشاء اللہ تفسیر صوفیانہ میں عرض کی جاوے گی۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا اعتراض: تم تو کہتے ہو کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خزانہ الٰہیہ کے مالک ہیں۔ شعر

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے — محتارب نایا تمہیں مختار بنایا

مالک ہیں خزانہ قدرت کے جو جس کو چاہیں دے ڈالیں

دی خلد جناب ربیعہ کو بگڑی لاکھوں کی بنائی ہے

مگر یہ آیت بتا رہی ہے کہ حضور علیہ السلام کسی کو ایک اونٹ بھی نہیں دے سکتے لا اجد ما احملکم جو اونٹ نہ دے سکے وہ اور کوئی چیز کیا دے گا۔ (دیوبندی وہابی)

جواب: اس کا جواب اعلیٰحضرت قدس سرہ نے ایک شعر میں دیا ہے۔ شعر

مالک کونین ہیں گو پاس کچھ رکھتے نہیں

دوجہاں کی نعمتیں ہیں ان کے خالی ہاتھ میں

مالک ہونا اور بات ہے اور پاس ہونا کچھ اور بات یہاں ملکیت کی نفی بلکہ پانے کی نفی ہے لا احد اور احملکم ضمیر خطاب میں غور کرو۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے محروم نہیں لوٹے۔ انہیں خود حضور انور علیہ السلام نے یا حضرت عمر۔ حضرت عباس حضرت عثمان غنی نے سواریاں اور سارا چراغ جہاد عطا کیا اور ساتھ لے گئے۔ دیکھو شان نزول اور پھر یہ لوگ منگتے نہ تھے اس لئے ان کو سائل نہ فرمایا کیونکہ سائل وہ ہوتا ہے جو اپنی ضرورت کے لئے مانگے یہ لوگ تو راہ خدا کی جہاد کے لئے طلب تھے۔ لھذا اما السائل سے اس پر کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔

تفسیر: اس آیۃ کریمہ میں تین باتیں فرمائی گئیں۔ بعض صحابہ کا حضور انور علیہ السلام سے جہاد کے لئے سواریاں یا سامان سفر مانگنا دوسرے حضور انور علیہ السلام کا بظاہر منع فرما دینا تیسرے ان حضرات کا گریہ وزاری کرنا اس میں عجیب لطف ہے۔ رب کی رحمت لینا ہو تو اس کے دروازے پر جاؤ۔ دروازہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر حضور انور علیہ السلام کا معذرت فرمانا منع کرنے کے لئے نہ تھا۔ بلکہ ان کی شوق کی آگ اور تیز کرنے کے لئے انہیں رلانے تڑپانے کے لئے یہ گریہ و تڑپ رب کو بڑی پیاری ہے۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دیدار الٰہی مانگا تو رب نے فرمایا لن ترانی تم ہم کو نہ دیکھو گے۔ جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شوق دیدار کی آگ اور بھی زیادہ بھڑک گئی۔ پھر لطف یہ ہے کہ اس نے لن ترانی فرمانے وا رب نے تجلی بذریعہ پہاڑ دکھا بھی دی فلما تجلی ربہ للجبل۔ یہاں بھی لطف یہ ہوا کہ ان کو آتش شوق بھڑکا کرانہیں کر بذریعہ عمر و عباس و عثمان سواریاں عطا بھی فرما دیں۔ گویا انہیں سلوک کی منزلیں طے کرا دیں۔ انہیں شوق جہاد کے جہاد کی شرکت عطا فرمائی۔ چڑیوں کا بچہ بغیر پر اگے ہوئے اڑ نہیں سکتا۔ پھر جانے پر اڑتا پھرتا ہے۔ یوں ہی عاشق کے پر کے اس عالم میں پرواز نہیں کرسکتا۔ اس کے پر شوق کی زیادتی ہے۔ یہ آنسو عشاق کے پرواز کے تعالیٰ نصیب فرمادے غرض یہ کہ آیت سلوک کا راستہ بتا رہی ہے (روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا
صرف راستہ اوپر ان لوگوں کے ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ غنی ہیں راضی ہوئے
مواخذہ تو ان سے ہے جو تم سے رخصت مانگتے ہیں اور دولت مند ہیں انہیں پسند آیا
بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ
وہ اس سے کہ رہیں وہ ساتھ پیچھے رہنے والیوں کے اور مہر کر دی اللہ نے دلوں پر
کہ عورتوں کے ساتھ پیچھے بیٹھ رہیں اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کر دی
لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۳﴾
ان کے پس وہ نہیں جانتے
تو وہ کچھ نہیں جانتے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ما علی المحسنین من سبیل نیک کاروں پر اس جہاد میں رہ جانے سے پکڑ کی کوئی راہ نہیں اب اس کے مقابل مسیئین یعنی ان بدکاروں کا ذکر ہے جن پر غزوہ تبوک میں شرکت نہ کرنے کی وجہ سے عتاب عقاب سب کچھ ہے۔ گویا نیک کاروں کے بعد بدکاروں کا اور ان کی رہائی کے بعد ان کی گرفتاری کا تذکرہ ہے (از تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پہلے تین قسم کے معذروں کا ذکر ہوا کہ ان پر پکڑ نہیں پھر چوتھی قسم کے مجبوروں کا تذکرہ ہوا اب پانچویں قسم کے لوگوں کا ذکر ہے جن پر سخت پکڑ ہے یا لوگوں کی پانچ قسمیں تھیں۔ چار معذور و مجبور پانچویں مقہور اب مقہورین کا ذکر ہے

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ خوش نصیب لوگ جہاد سے رہ جانے کے قصور پر روتے آنسو بہاتے ہیں اور جانے پر خوش ہوتے ہیں اب ارشاد ہے کہ بدنصیب لوگ رہ جانے پر خوشیاں مناتے ہیں جہاد میں جانے پر آنسو بہاتے ہیں۔ گویا خوش نصیبوں کے عمل کے بعد اب بدنصیبوں کا بدعملی تذکرہ ہے۔

نزول: یہ آیت کریمہ عبداللہ ابن ابی۔ جد ابن قیس۔ معتب ابن قشیر اور ان کے ستر ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی جو غزوات میں عموماً پیچھے رہ جاتے تھے۔ خصوصاً غزوہ تبوک میں پیچھے رہ گئے اور اس رہ جانے کو اپنا کمال سمجھا اس پر خوش ہوئے۔ (تفسیر تنویر المقباس)

تفسیر انما السبیل: یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں انما حصر کے لئے ہے۔ اور حصر بھی اضافی ہے گذشتہ چار قسم کے

www.alahazratnetwork.org

مغفور ویسی اس کی مغفرت یہ آیت کریمہ دریاء ناپیدا کنار ہے جس سے طریقت کے بے شمار بے بہا موتی نکلتے ہیں جیسا مرزوق ویسا رزق جیسا مرحوم ویسی رحمت پھر جو مرحومین کے پاس رہے وہ مرحوم ہو جاتا ہے جو ملعونین کے پاس رہے وہ ملعون بن جاتا ہے۔

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ
اور نہ ان لوگوں پر کہ جب کبھی آئیں آپ کے پاس تاکہ سواری دیں آپ ان کو تو فرمادیں
اور نہ ان پر جو تمہارے حضور حاضر ہوں کہ تم انہیں سواری عطاء فرماؤ تم سے یہ جواب پائیں کہ
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا
آپ کہ نہیں پاتا ہوں میں وہ کہ سوار کروں میں تم کو جس پر تو لوٹیں وہ اس حال میں کہ ان کی
میرے پاس کوئی چیز نہیں جس پر تمہیں سوار کروں اس پر یوں واپس ہوں کہ ان کی
يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ ﴿۹۲﴾
آنکھیں بہتی ہوں آنسوؤں سے اس رنج سے کہ نہیں پاتے وہ جو خرچ کریں
آنکھوں سے آنسو ابلتے ہوں اس غم سے کہ خرچ کا مقدور نہ پایا

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ان مساکین کا ذکر ہوا جن کے پاس کچھ نہ تھا اس لئے وہ جہاد میں شرکت سے معذور ہے فرمایا گیا کہ ان پر کوئی گناہ نہیں اب ان حضرات کا ذکر ہے جن کے پاس خانہ داری کے لئے تو کچھ تھا مگر جہاد کے لئے نہ سواری تھی نہ سواری کی قیمت فرمایا گیا کہ ان پر کوئی گناہ نہیں جہاد پر نہ جانے کا گویا تین قسم کے معذوروں کے بعد چوتھی قسم کے معذوروں کا تذکرہ ہے۔ (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان مجبوروں کا تذکرہ تھا جن کے پاس سامان جہاد نہ تھا اور نہ انہوں نے کسی سے مانگا اب ان مجبوروں کا ذکر ہے جن کے پاس سامان جہاد نہ تھا اور انہوں نے حاصل کرنے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوئے کہ ان پر بھی جہاد میں شرکت نہ کرنے کا کوئی گناہ نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ان کے اجر و ثواب کا ذکر ہوا جو جہاد سے رہ گئے مگر اللہ رسول کے خیر خواہ رہے ان کے قرب الٰہی کا ذکر ہے جو رہ گئے اور رہ جانے پر رونے لگے کہ انہوں نے اس گریہ وزاری سے بڑا درجہ پالیا کہ نیکی نہ کر سکنے پر حسرت و افسوس بھی عبادت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: اس آیت کریمہ کے شان نزول کے متعلق تین روایات ہیں۔ نمبر ۱ مجاہد فرماتے ہیں کہ تین بھائی معقل۔ سوید اور نعمان جو مقرن کے بیٹے تھے اس غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور انور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا کہ حضور ﷺ ہم کو جہاد میں حاضر ہونے کا بہت شوق ہے ہم کو پرانے جوتے اور پرانے موزے ہی عطا فرما دیئے جاویں ہم یہ پہن کر پیدل سفر کر کے تبوک پہنچیں گے جواب ملا کہ اس وقت وہ بھی موجود نہیں یہ لوگ روتے ہوئے واپس ہوئے۔ ان کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) اس صورت میں تحملہم سے مراد جوتے اور موزے عطا فرمانا نمبر ۲ حسن فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی کہ یہ حضور انور کسی پر ناراض تھے اس حالت میں فرمادیا قسم خدا کی میں تم کو سواری نہ دوں گا ہمارے پاس سواری ہے نہیں یہ حضرات روتے ہوئے لوٹے پھر حضور انور نے انہیں بلایا اور بہترین اونٹ عطا فرمائے۔ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ حضور انور نے تو ابھی عطا نہ فرمانے پر قسم ارشاد فرمائی تھی۔ فرمایا کہ ہم انشاء اللہ اگر کسی اچھے کام نہ کرنے کی قسم فرمالیا کریں گے تو قسم توڑ کر وہ کام کیا کریں گے اور کفارہ ادا کر دیا کریں گے۔ (تفسیر کبیر) حضور انور کے پاس یا تو بعد میں اونٹ آ گئے تھے یا کسی سے قرض لے کر ان کو دیئے نمبر ۳ سات انصاری جو ساتوں صحابی تھے۔ معقل ابن یسار صخر ابن خنسار عبداللہ ابن کعب سالم ابن عمیرہ ثعلبہ ابن غنمہ عبداللہ ابن مغفل علیہ ابن زید ان حضرات کو بکائون مبعہ کہتے ہیں یعنی سات رونے والے حضور انور کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم لوگ اپنے گھروں سے جہاد کی شرکت کی نیت سے حاضر ہوئے ہیں مگر ہماری پاس نہ سواری ہے نہ موزے نہ جوتے۔ انہیں حضور انور نے وہ جواب دیا جو یہاں مذکور ہے (روح البیان وغیرہ) ہو سکتا ہے کہ یہ سارے واقعات ہوئے ہوں جن پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ جب یہ حضرات روتے ہوئے واپس ہوئے تو انہیں حضرت عمر، عباس، عثمان غنی سواری وغیرہ دے کر اپنے ساتھ جہاد میں لے گئے۔ (روح البیان) ان کے اس واقعہ کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔

تفسیر: ولا علی الذین اذا ما اتوک لتحملھم یہ عبارت معطوف ہے لیس علی الضعفاء پر ما علی المحسنین پر لہٰذا واؤ عاطفہ ہے اور لا زائد ہے تاکید کے لئے اذا ما میں ما عموم کے لئے نہیں کیونکہ وہ حضرات صرف ایک بار ہی حضور انور کی خدمت میں سواری مانگنے حاضر ہوئے تھے۔ بلکہ ما صرف زائدہ ہے لتحملھم میں لام بمعنی تاکہ ہے حمل کے معنی ہیں سوار کرنا سواری دینا بوجھ لادنا سوار کر کے لے جانا۔ یہاں سواء بوجھ لادنے کے باقی سارے معنی درست ہیں (روح البیان) یعنی وہ آپ ﷺ کے پاس اس لئے آئے تاکہ آپ ﷺ انہیں سواری دیں یا سوار کریں یا اپنے ہمراہ غزوہ تبوک میں لے جائیں۔ مطلب ایک ہی ہے قلت لا اجد ما احملکم علیہ یہ فرمان عالی یا اذا کا جواب اور یا اتوک پر معطوف اور حرف عطف واؤ یا ف پوشیدہ ہے (روح البیان) حضور انور نے نہ تو یہ فرمایا کہ ہم دیں گے نہیں نہ یہ کہ ہمارے پاس سے نہیں بلکہ تمہارے لئے سواری پاتے نہیں۔ یعنی دینے کا ارادہ بھی کیا غور بھی کیا۔ تلاش بھی کی مگر ملی نہیں تاکہ سائلین کا دل نہ ٹوٹے ان کی ہمت افزائی بھی ہو۔ اور عزت افزائی بھی کہ ان کا سوال رد نہیں فرمایا بلکہ سواری کو نہیں پایا

www.alahazratnetwork.org

معذروں کے اعتبار سے۔ سبیل سے مراد ہے پکڑ اور مواخذہ کی راہ اور مواخذہ بھی تبوک میں نہ جانے پر لہذا آیۂ کریمہ واضح ہے یہ تفسیر دھیان میں رہے اس سے بہت اعتراض اٹھ گئے۔ علی الذین یستاذنوک یہ فرمان عالی خبر ہے السبیل کی۔ الذین سے مراد وہ ہی پہلے مذکورہ ستر منافقوں کی جماعت ہی جن کا ذکر نزول میں کیا گیا۔ اجازت یا رخصت مانگنے سے مراد ہے حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں جھوٹے بہانے بنا کر غزوہ تبوک سے رہ جانے مدینہ منورہ میں بیٹھ رہنے کی اجازت طلبی ہے۔ غرضکہ ان کا اجازت مانگنا محض فریب تھا۔ تاکہ مسلمانوں سے کہہ سکیں کہ ہم تو حضور انور ﷺ کی اجازت سے رہے تھے۔ وھم اغنیاء یہ فرمان عالی یستاذنوک کے فاعل سے حال ہے اغنیاء جمع ہے غنی کی جیسے اغنیاء جمع ہے غنی کی۔ یہاں غنی سے مراد ہے غزوہ میں خرچ کرنے کے لئے مال۔ جانے کے لئے سواری کا مالک ہونا۔ ساتھ ہی تندرست ہونا۔ جانے سے کوئی عذر نہ ہونا غنا بہت قسم کی ہے بھیک مانگنا حرام ہونے کی غنا صدقہ فطرو قربانی واجب ہونے کی غنا۔ زکوۃ اور صدقات واجبہ نہ لے سکنے کی غنا۔ واجبہ نہ لے سکنے کی غنا۔ زکوۃ واجب ہونے کی غنا۔ جہاد میں جانے کے لئے غنا آخری دو قسم کی غنا حد مقرر نہیں حالات اور سفر کے لحاظ سے مختلف ہے حتی کہ جن کو گھر بیٹھے حج یا جہاد میسر ہو جیسے مکہ والوں کے لئے حج یا جس شہر میں کفار یلغار کردیں وہاں کے رہنے والوں کے لئے جہاد ان کے لئے دولت شرط نہیں۔ رضوا بان یکونو مع الخوالف یہ فرمان عالی یا تو انما السبیل (الخ) کی وجہ ہے یا الستاذنونک کی یہاں رضاء سے مراد ہے خوش ہونا مع سے مراد ہے مدینہ منورہ میں ساتھ رہنا۔ خوالف جمع ہے خالفہ کی بمعنی پیچھے رہ جانے والی۔ گھروں میں بیٹھ رہنے والی عورتیں یعنی مدینہ منورہ میں رہ جانا کسی دینی خدمت کے لئے نہیں چاہتے بلکہ صرف آرام طلبی کے لئے چاہتے ہیں کہ مدینہ کی عورتوں کمزوروں میں ان کا بھی شمار ہو جاوے گھر میں مزے کریں اور ان پر کوئی عتاب نہ ہو۔ اپنی اس تدبیر پر خوش ہیں کہ ہم بڑے پالیسی والے سیاست دان ہیں۔ وطبع اللہ علی قلوبھم یہ فرمان عالی اگر نیا جملہ ہے تو واؤ ابتدائیہ ہے۔ جس میں ان کی ان چالاکیوں پر خوش ہیں کہ ہم جہاد کی تکالیف سے خوب بچے مگر حالت یہ ہے کہ اس سے ان کے دلوں پر غفلت یا کفر کی مہر اللہ نے لگا دی جس سے اب انہیں انجام سوچنے کی توفیق نہیں ملتی۔ فھم لا یعلمون۔ یہ فرمان عالی طبع اللہ کا نتیجہ بیان فرما رہا ہے کہ جب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر کردی تو اب وہ اپنی ذلت و خواری۔ آخرت میں عذاب مجاہدین کی عزت و عظمت آخرت میں ثواب رب کی رضا کچھ بھی نہیں جانتے ان کا مبلغ علم صرف یہ ہے کہ ہم بہانہ بنا کر جہاد کی محنت سے خوب بچ گئے ہم بڑے شاطر و چالاک ہیں۔

خلاصہ تفسیر: غزوہ تبوک میں نہ جانے پر مواخذہ اور پکڑ کی راہ مذکورہ چاروں معذروں پر نہیں یہ پکڑ تو صرف ان بہانہ خور منافقوں پر ہے جو وہاں جانے پر پوری قدرت رکھتے ہوئے آپ ﷺ سے اجازت مانگتے ہیں کہ ہم کو مدینہ منورہ میں رہ جانے کا اذن دیجئے۔ ہم بڑے مجبور ہیں ان کے اجازت مانگنے کی وجہ صرف ایک ہے وہ یہ کہ یہ لوگ مجبور معذور عورتوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہنا پسند کرتے ہیں اور اپنی ان چالبازیوں پر خوش ہوتے ہیں۔ بہادر مجاہدین کے ساتھ جہاد میں جانا انہیں ناگوار ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان کے دلوں پر غفلت بلکہ کفر کی مہر لگا دی اب یہ انجام سے بے خبر ہیں بھلا برا

www.alahazratnetwork.org

کچھ نہیں جانتے صرف آرام طلب ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں

پہلا فائدہ: حضور انور ﷺ سے کسی کام کی اجازت مانگنا اگر اچھی نیت سے ہو تو عبادت ورنہ حرام اور خدا کا عذاب رب فرماتا ہے۔ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یومنون باللہ و رسولہ وہاں عبادت والی اجازت سے مراد ہے۔

دوسرا فائدہ: غنا بہت قسم کا ہے جہاد میں حاضری کا غنا مختلف قسم کا ہے یہ فائدہ وھم اغنیاء کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: مدینہ منورہ میں رہنا مدینہ والوں کے ساتھ رہنا بہترین عبادت ہے بشرطیکہ نیک نیتی سے ہو بدنیتی سے وہاں رہنا اہل مدینہ کے ساتھ رہنا غضب الٰہی کا ذریعہ ہے یہ فائدہ یکونو مع الخوالف سے حاصل ہوا کہ منافقین نے مدینہ منورہ میں رہنا وہاں کی مومنہ عورتوں معذور مومنوں کے ساتھ رہنا پسند کیا۔غزوہ تبوک میں جانے پر اس قیام کو ترجیح دی ان پر یہ عتاب ہوا۔

چوتھا فائدہ: عورتوں پر جہاد میں جانا فرض نہیں یہ فائدہ بھی مع الخوالف سے حاصل ہوا کہ مدینہ منورہ میں بیٹھ رہنے والی عورتوں پر عتاب نہ ہوا۔ ہاں جب دشمن کا دباؤ بڑھ جاوے اور مرد مجاہدوں کی کمی ہو تو ایسی خاص حالت میں عورتوں پر بھی فرض ہے۔

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ کو ناراض کر کے مدینہ منورہ میں رہنا دل پر غفلت بلکہ کبھی کفر کی مہر لگ جانے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ طبع اللہ علی قلوبھم سے حاصل ہوا کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر منافقین کا مدینہ منورہ میں رہ جانے سے ان کے دلوں پر مہر لگی۔ حضور ﷺ جہاں رکھیں وہ جگہ ہی مدینہ ہے۔

چھٹا فائدہ: دل جب بگڑ جاوے تو علم۔عقل۔حواس سب ہی غلط کام کرتے ہیں پھر عاقل بے عقل ہو جاتا ہے عالم بے علم۔انکھیارا اندھا ہو جاتا ہے سننے والا بہرا بلکہ زندہ مردہ بن جاتا ہے یہ فائدہ فھم لا یعلمون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: یہاں حضور انور ﷺ سے رہ جانے کی اجازت مانگنے پر عتاب ہوا مگر اس سے پہلے اجازت نہ مانگنے گھر میں بیٹھے رہنے پر عتاب فرمایا گیا وقعد الذین کذبوا اللہ و رسولہ فرماؤ کہ ان دونوں میں سے کونسا برا کام ہے دونوں آیتوں میں تعارض ہے

جواب: حضور انور ﷺ کی نافرمانی میں دونوں کام برے ہیں نبی کریم کی اطاعت نہ کرنا ان کے حکم پر جہاد میں جانا ہی اچھا ہے۔لہذا یہ آیت بھی ٹھیک ہے وہ بھی۔

دوسرا اعتراض: یہاں غنا کی کیوں قید لگائی۔وھم اغنیاء۔کیا فقراء کے لئے بہانے بنانا جائز ہے تھا۔

جواب: ان کا جھوٹ ظاہر فرمانے کے لئے کیوں کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہم جہاد میں جانے سے معذور ہیں ہمیں فلاں

www.alahazratnetwork.org

فلاں عذر ہے۔ اغنیاء فرما کر بتایا کہ انہیں کوئی عذر کوئی نہیں جہاد کے لائق دولت صحت سب کچھ انہیں میسر ہے۔

تیسرا اعتراض: آخر میں **فهم لا يعلمون** کیوں فرمایا وہ تو جانتے تھے کہ ہم جھوٹ بول رہے ہیں نا سمجھ یا دیوانے نہ تھے۔

جواب: یہ چالاک لوگ صرف نفس اور نفسانیات کو ہی جانتے تھے روح اور روحانیات سے بے خبر تھے۔ **لا يعلمون** میں اس علم کی نفی ہے۔ وہ یہ جانتے تھے کہ مدینہ منورہ میں رہ کر آرام کرنا اچھا ہے۔ جہاد میں جا کر تکلیف اٹھانا ٹھیک نہیں لہذا **لا يعلمون** فرمانا بالکل درست ہے۔ شعر

سعدی بشوی لوح دل از ذکر غیر حق

علمے کہ راہ حق نہ نماید جہالت است

تفسیر صوفیانہ: بلندی پر چڑھنا مشکل ہے۔ اوپر سے نیچے گرنا آسان۔ نیچے گرانے والی چیزیں (۱) زیادہ چالاکی (۲) جسمانی راحت (۳) خشک آنکھیں (۴) راحت پسند دل ہیں اور پر چڑھانے والی سیڑھی۔ (۱) تر آنکھیں۔ (۲) غمگین دل۔ (۳) مشقت برداشت کرنے والا جسم (۴) راہ خدا کی بھوک پیاس (۵) دنیا و آخرت کا بازار ہے (۶) عقل سلیم (۷) بہتر رہبر۔ مال و نفس گناہوں کی سواری ہے یہاں کا غم آخرت کی خوشی کا پیش خیمہ مخلصین تبوک عشق میں جانے پر خوش تھے۔ منافقین رہ جانے پر خوش۔ مخلصین راہ کی گردو غبار مگر صحبت یار سے راضی تھے۔ رہ جانے والے صحبت اغیار راحت و آرام پر جسمے خوش ہوتے تھے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ہر کجا آب رواں سبزہ بود

ہر کجا اشک رواں رحمت شود

جہاں پانی بہتا ہے وہاں سبزہ ہوتا ہے۔ جہاں آنسو بہتا ہے وہاں رحمت ہوتی ہے۔ حضور کی بارگاہ کی محتاجی عین ایمان ہے ان سے بے نیازی صریح کفر **وهم اغنياء** میں اسی بے نیازی کی طرف اشارہ ہے کہ یہ لوگ آپ ﷺ سے بے نیاز بنتے ہیں اور آپ ﷺ سے جدائی کی اجازت مانگتے ہیں اغیار کے ساتھ رہ جانا چاہتے ہیں خوالف منافقین کی وہ جماعتیں جو حیلے بہانوں سے مدینہ منورہ میں ہی رہ گئیں۔

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے تفسیر نعیمی کی دسویں جلد پارہ **واعلموا** ۱۱ جمادی الاول ۱۳۹۰ھ ۱۳ جولائی ۱۹۷۰ء کو دوشنبہ کو شروع ہوئی اور آج ۲۰ محرم الحرام ۱۳۹۱ھ۔ ۱۸ مارچ ۱۹۷۱ء پنج شنبہ کے دن سوا دس بجے دو پہر نو مہینے بارہ دن میں بخیر خوبی ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب دلوں کے طبیب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس ناچیز خدمت کو قبول فرمائے۔ اسے صدقہ جاریہ بنائے۔ مجھ گنہگار کے گناہوں کا کفارہ کرے بقیہ جلدوں پاروں کی تکمیل کی توفیق دے۔ آمین۔

www.alahazratnetwork.org

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مصنف

حکیم الامت مفتی احمد یار خاں نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

مکتبہ اسلامیہ

38۔ اردو بازار ★ لاہور

www.alahazratnetwork.org

نام کتاب .... تفسیر نعیمی (پارہ یازدہم)

مصنف .... حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

تعداد صفحات 560

کمپوزنگ .... مسلم کمپوزنگ سنٹر 4/C داتا دربار مارکیٹ لاہور

پرنٹر .... پیر بھائی پرنٹرز

ناشر .... مکتبہ اسلامیہ 38 اردو بازار لاہور

www.alahazratnetwork.org

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۔	یعتذرون الیکم اذا رجعتم الیھم	۱۱
۲۔	من زائدہ مثبت کلام میں نہیں آتا	۱۲
۳۔	سیحلفون باللہ لکم	۱۶
۴۔	نجسؔ اور رجسؔ کا فرق	۱۸
۵۔	منافق آدمی دیگر کفار سے زیادہ پلید ہے	۱۸
۶۔	بدمذہبوں سے بچنا بہت ضروری ہے	۲۰
۷۔	توبہ اور فریب کا فرق	۲۲
۸۔	الاعراب اشد کفرا و نفاقا	۲۳
۹۔	عرب کی وجہ تسمیہ اور عربی علاقے	۲۴
۱۰۔	امرسولہ معنی میں آتا ہے	۲۷
۱۱۔	ومن الاعراب من یومن باللہ	۳۰
۱۲۔	کس کو کس طرح دعائیں دی جائیں علی علیہ السلام کہنا گناہ ہے	۳۳
۱۳۔	اب صرف نبی کریم کے ذریعہ خدا تعالٰی اور قیامت کو ماننا ایمان ہے	۳۴
۱۴۔	والسبقون الاولون من المھاجرین	۳۶
۱۵۔	تبدیلی قبلہ کس دن کس تاریخ کو ہوئی	۳۷
۱۶۔	سب سے پہلے کون ایمان لایا اور عشرہ مبشرہ کے نام	۳۷
۱۷۔	ابد۔ ازل اور سرمد کا لغوی و اصطلاحی فرق	۳۹
۱۸۔	ہجرتوں اور بیعتوں کی تعداد	۳۹
۱۹۔	صحابہ کرام کی کل تعداد مثل تعداد انبیاء عظام ہے	۴۱

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۰۔	اولین اور سابقین کا فرق	۴۱
۲۱۔	امت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی آٹھ اولیات	۴۲
۲۲۔	وممن حولکم من الاعراب منفقون۔	۴۳
۲۳۔	واخرون اعترفوا بذنوبھم۔	۵۰
۲۴۔	خلط کی قسمیں اور خلط کے معنی	۵۱
۲۵۔	توبہ کی نسبتیں	۵۱
۲۶۔	صدقے کی اقسام	۵۲
۲۷۔	صلوۃ کے معنی	۵۲
۲۸۔	تاقیامت امت کے اعمال نبی کریم کو پیش ہوتے	۵۴
۲۹۔	خلافت عثمانی میں حکام کو زکوۃ لینا بند کیا گیا لوگ خود دینے لگے۔	۵۶
۳۰۔	الم یعلموا ان اللہ ھو یقبل التوبة	۵۷
۳۱۔	توبہ بھی عبادت ہے اور توبہ کے شرائط	۵۸
۳۲۔	اللہ رسول کے دیکھنے اور مومنوں کے دیکھنے میں فرق ہے۔	۶۳
۳۳۔	واخرون مرجون لامر اللہ۔	۶۴
۳۴۔	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شریعت کے مالک ہیں	۶۶
۳۵۔	مسجد ضرار اور اس کے بانی کا قصہ	۷۱
۳۶۔	مسجد ضرار بنانے والے منافق مستریوں کے نام	۷۱
۳۷۔	مسجد قبا کی تعمیر کا واقعہ	۷۳
۳۸۔	کافر کا وقف شرعی وقف نہیں	۷۶
۳۹۔	استنجا کے مسائل	۷۶

www.alahazratnetwork.org

نمبر	عنوان	صفحہ
٤٠۔	سب سے پہلے کس نے استنجا کیا کس چیز سے استنجا منع ہے اور اس کے نقصان	٧٧
٤١۔	منّ اور منۃ کا فرق	٧٧
٤٢۔	افمن اسس بنیانه	٧٩
٤٣۔	تقویٰ کے معنی اور اقسام	٨٠
٤٤۔	بیعت خلفائے راشدین کے حق ہونے کی شاندار قرآنی دلیل	٨٢
٤٥۔	ان الله اشتری من المومنین	٨٣
٤٦۔	التائبون العبدون الحامدون	٩٢
٤٧۔	توبہ چار چیزوں سے مکمل ہوتی ہے	٩٣
٤٨۔	روزہ مومن کی سیاحت ہے	٩٤
٤٩۔	مومن کا وطن کیا ہے	٩٦
٥٠۔	ماکان للنبی والذین امنوا	٩٩
٥١۔	حضرت ابوطالب اور والدین کے ایمان کا حکم	١٠٠
٥٢۔	کسی کافر کی بخشش نہیں ہوسکتی	١٠٢
٥٣۔	اواہ کے چودہ معنی	١٠٣
٥٤۔	لعنت کرنے کا حکم	١٠٦
٥٥۔	وما کان الله لیضل قوما بعد	١٠٧
٥٦۔	دون اور ولی کے معنی	١٠٩
٥٧۔	حضرت آمنہ کے ایمان کا ذکر	١١٠
٥٨۔	لقد تاب الله علی النبی۔	١١٢
٥٩۔	توبہ کے معنی	١١٣
٦٠۔	غزوہ تبوک کے لشکر کے حالات ومصائب	١١٣
٦١۔	خطا اور نسیان میں فرق	١١٧
٦٢۔	وعلی الثلاثة الذین خلفوا	١١٩
٦٣۔	نبی پاک مالک قانون شریعت ہیں	١٢٥
٦٤۔	یایها الذین آمنوا اتقوا الله	١٢٨
٦٥۔	ہر شخص کا تقویٰ علیحدہ ہے	١٢٨
٦٦۔	نبوت نبی اور سچے فرقے کی دلیل وجود اولیاء ہے	١٣٠
٦٧۔	سچ کی خوبیاں جھوٹ کی خرابیاں	١٣١
٦٨۔	ولی کون ہوتا ہے ولی کی قرآنی پہچان	١٣١
٦٩۔	صادق اور صدیق کا فرق	١٣٢
٧٠۔	سچوں کے ساتھ رہنے کے فائدے	١٣٣
٧١۔	ما کان لاهل المدینة ومن حولهم	١٣٣
٧٢۔	مدینہ منورہ کے نام اور خصوصی حالات	١٣٥
٧٣۔	غصہ غیظ اور غضب کا فرق	١٣٦
٧٤۔	وما کان المومنون لینفروا	١٤٠
٧٥۔	علم دین سیکھنا کس پر فرض ہے	١٤٢
٧٦۔	صحابہ کرام کس طرح تبلیغ فرماتے تھے	١٤٣
٧٧۔	دینی تبلیغ دنیا کے لالچ سے منع ہے	١٤٣
٧٨۔	فقہ سیکھنا سب علموں سے بہتر ہے	١٤٣
٧٩۔	شاگرد استاد کے پاس چل کر جائے	١٤٣
٨٠۔	فی زمانہ عورتوں کو مساجد میں جانا جائز ہے	١٤٥
٨١۔	نعمتوں کا شکریہ کیا ہے	١٤٧
٨٢۔	یایها الذین امنوا قاتلوا الذین۔	١٤٧
٨٣۔	جہاد کا مقصد کیا ہے	١٤٨
٨٤۔	واذا ما انزلت سورة فمنهم	١٥٣
٨٥۔	ایمان نبی سے ملتا ہے نہ کہ فقط کتاب اللہ سے	١٥٣
٨٦۔	نبی پاک ایمان دیتے ہیں قرآن ایمان بڑھاتا ہے	١٥٣
٨٧۔	رجس اور نجس کا فرق	١٥٥
٨٨۔	نزول قرآن کریم کی خوشی منانا ایمان کی نشانی ہے	١٥٦
٨٩۔	مومن کافر کے دل کا زنگ احسان کی تعریف	١٥٨
٩٠۔	اولا یرون انهم یفتنون	١٥٨

www.alahazratnetwork.org

۹۱۔	نگاہیں بہت قسم کی ہیں	۱۶۲
۹۲۔	دل کے چھ واردات	۱۶۳
۹۳۔	لقد جاء کم رسول من انفسکم	۱۶۳
۹۴۔	جس طرح اللہ کی سلطنت سے کوئی نکل نہیں سکتا اسی طرح نبی کریم کی نبوت سے کوئی دور نہیں ہو سکتا	۱۶۴
۹۵۔	نبی کریم کی ولادت اور ظہور و تشریف آوری میں فرق	۱۶۵
۹۶۔	نفس کے پانچ معنی	۱۶۶
۹۷۔	نبی کریم رؤف کس پر اور رحیم کس پر ہیں اللہ کے دو صفاتی نام کسی نبی کو نہ ملے بجز نبی کریم	۱۶۷
۹۸۔	عرش و کرسی اور ساتوں آسمانوں کی جسامت اور فاصلہ	۱۶۸
۹۹۔	نبی کریم حسب نسب میں سب سے اعلیٰ آپ کا نسب نامہ	۱۷۰
۱۰۰۔	تمام مخلوق یہاں تک کہ زمین و آسمان چاند سورج پر نبی کریم کی اطاعت واجب ہے کیونکہ آپ سب جہانوں کے نبی ہیں	۱۷۱
۱۰۱۔	جنات اور جانوروں سے انسان کا نکاح منع ہے	۱۷۲
۱۰۲۔	انبیاء کرام کی تعداد مصطفیٰ کائنات میں صرف ایک ہے	۱۷۲
۱۰۳۔	رب نے نبی پاک کا میلاد فرمایا۔ نبی پاک کے اعضاء کیسے بنے	۱۷۳
۱۰۴۔	جبریئل امین کی عمر کا واقعہ	۱۷۴
۱۰۵۔	سورت یونس اور اس کی وجہ تسمیہ	۱۷۵
۱۰۶۔	بسم اللہ سے المدد یا رسول اللہ کہنے کا ثبوت	۱۷۵
۱۰۷۔	الم تلک ایت الکتاب الحکیم اکان للناس	۱۷۶
۱۰۸۔	نبی اور رسول کا فرق	۱۷۷
۱۰۹۔	کفار جانوروں سے زیادہ بے عقل ہیں	۱۸۰
۱۱۰۔	ان ربکم اللہ الذی خلق السموت	۱۸۲
۱۱۱۔	ہفتے کے دن اور ان کے اثرات	۱۸۳
۱۱۲۔	بدھ کے دن ناخن کٹوانا منع ہے جمعہ کے فضائل	۱۸۴
۱۱۳۔	حرف ثم کے پانچ معنی	۱۸۷
۱۱۴۔	دنیا میں بھی بندے رب کے پاس ہیں پھر الیہ مرجع کم کیا مطلب	۱۸۹
۱۱۵۔	ھو الذی جعل الشمس ضیاء و القمر نورا	۱۹۴
۱۱۶۔	سورج کا نام شمس کیوں ہے	۱۹۵
۱۱۷۔	ایک واحد مذکر ضمیر سے اللہ رسول دونوں مراد لئے جاسکتے ہیں	۱۹۶
۱۱۸۔	سورج کے بارہ برج اور ان کے نام	۱۹۶
۱۱۹۔	چاند سورج میں فرق مسلمان کن تاریخوں کو اپنائیں	۱۹۷
۱۲۰۔	ضیاء اور نور میں فرق۔ اور نبی کریم نور کیوں	۱۹۸
۱۲۱۔	ان الذین لا یرجون لقآء نا	۲۰۱
۱۲۲۔	رجا کی قسمیں اور معنی	۲۰۲
۱۲۳۔	دنیوی زندگی کی قسمیں	۲۰۲
۱۲۴۔	ہر جگہ ذکر مصطفےٰ کیوں رکھا گیا	۲۰۴
۱۲۵۔	ان الذین امنو و عملو الصالحات یھدیھم ربھم	۲۰۶
۱۲۶۔	اللہ کے ذکر کی لذت دنیا میں کس کو ملتی ہے	۲۱۱
۱۲۷۔	ولو یجعل اللہ للناس الشر	۲۱۲
۱۲۸۔	کافر غافل اور متقی کی زندگی کا فرق	۲۱۶
۱۲۹۔	واذا مس الانسان الضر	۲۱۷
۱۳۰۔	ولقد اھلکنا القرون من قبلکم	۲۲۱

www.alahazratnetwork.org

نمبر	عنوان	صفحہ
۱۳۱	ہلاکت اور قرن کے معنی	۲۲۲
۱۳۲	زمین عرب میں صرف اسماعیل نبی آئے	۲۲۳
۱۳۳	انبیاء کی آمد سبب رحمت الٰہی ان کی نافرمانی سبب عذاب الٰہی	۲۲۵
۱۳۴	واذا تتلی علیهم ایاتنا بینت	۲۲۶
۱۳۵	کتنے صحابہ کی رائے پر کتنی آیتوں میں ترمیم ہوئی	۲۲۹
۱۳۶	نبی کریم کی ہر بات وحی الٰہی ہے	۲۲۹
۱۳۷	نسخ کلام اللہ کی چار قسمیں	۲۳۱
۱۳۸	مشورے اور حکم کا فرق	۲۳۲
۱۳۹	قرآن کریم کی تبدیلی کس طرح ہوسکتی ہے کس طرح نہیں	۲۳۳
۱۴۰	قل لو شاء الله ماتلوته علیکم	۲۳۴
۱۴۱	ما تلوته کے عجیب معنی	۲۳۵
۱۴۲	اول مومن کون ہے	۲۳۹
۱۴۳	نبی کریم کی تبلیغ کی قسمیں	۲۳۹
۱۴۴	تین خصلتیں اور تین جھوٹ	۲۴۰
۱۴۵	ویعبدون من دون الله مالایضرهم	۲۴۰
۱۴۶	اہل عرب کے خصوصی بت	۲۴۱
۱۴۷	انبیاء کرام کو کسی نے کبھی نہیں پوجا نفع نقصان کا معنی	۲۴۱
۱۴۸	کافر اور مومن کے عقیدہ شفاعت میں فرق	۲۴۲
۱۴۹	بت پرستی اور تصویر فوٹو کی ابتداء	۲۴۳
۱۵۰	مومن اور کافر کے وسیلے میں فرق	۲۴۴
۱۵۱	وماکان الناس الا امة واحدة	۲۴۶
۱۵۲	فرقے بازی کب سے شروع ہوئی	۲۴۸
۱۵۳	نوح علیہ السلام کے سب کافر ہلاک ہوگئے تھے	۲۴۸
۱۵۴	صحابہ کیا دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے	۲۵۱
۱۵۵	مولوی بننے کے فائدے	۲۵۲
۱۵۶	واذا اذقنا الناس رحمته	۲۵۲
۱۵۷	بائیکاٹ میں صحابہ کی تکلیفیں	۲۵۳
۱۵۸	انسانوں کے ساتھ نامہ اعمال لکھنے والے کتنے فرشتے ہیں	۲۵۵
۱۵۹	هو الذی یسیرکم فی البر	۲۵۸
۱۶۰	غائب وحاضر کے التفات کا بیان	۲۶۰
۱۶۱	کتنے صیغے واحد وجمع میں یکساں ہیں	۲۶۰
۱۶۲	عکرمہ رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ	۲۶۱
۱۶۳	مونث مذکر کی صفات مشترکہ وخصوصیہ کا فرق	۲۶۳
۱۶۴	خوشی کی تین قسمیں	۲۶۳
۱۶۵	فلما انجاهم اذا یبغون فی الارض	۲۶۵
۱۶۶	بغیٌ، اور طغیٌ، کی پوری تحقیق	۲۶۶
۱۶۷	کتنے جرم خود بخود مجرم پر ہی پڑجاتے ہیں	۲۶۷
۱۶۸	انما مثل الحیوة الدنیا کماء انزلناه	۲۷۰
۱۶۹	زندگی کی قسمیں اور رجوع الی اللہ کا فرق	۲۷۱
۱۷۰	کون سی زندگی کو فنا ہے	۲۷۵
۱۷۱	والله یدعو الی دار السلام	۲۷۵
۱۷۲	اللہ رسول کی محبت ومشیت ہم شکل ہے	۲۷۸
۱۷۳	دار السلام کی قسمیں	۲۷۹
۱۷۴	للذین احسنوا الحسنی وزیادة	۲۸۰
۱۷۵	والذین کسبوا السیئات	۲۸۵
۱۷۶	قرآن کریم میں صرف نیک کے ثواب اور کافر کے عذاب کا ذکر ہے	۲۸۷
۱۷۷	گناہگاروں کے بعض جرم کی علامتیں قیامت میں ظاہر ہوں گی	۲۸۸
۱۷۸	جنت ودوزخ میں ہمیشگی کیوں ہے	۲۸۹

www.alahazratnetwork.org

نمبر	مضمون	صفحہ
۱۷۹	ویوم نحشرهم جمیعا	۲۹۰
۱۸۰	قیامت میں کفار کے ساتھ کون جمع ہوں گے	۲۹۳
۱۸۱	هنالک تبلوا کل نفس ما اسلفت	۲۹۶
۱۸۲	اللہ کی بارگاہ میں مومن وکافر کے رجوع کا فرق	۲۹۸
۱۸۳	قل من یرزقکم من السماء والارض	۳۰۰
۱۸۴	انبیاء کرام بہرے کبھی نہیں ہوتے	۳۰۲
۱۸۵	حی اور میت کی قسمیں	۳۰۲
۱۸۶	انسانی اعضاء کی کمال حکمتیں	۳۰۴
۱۸۷	کفار کی قسمیں	۳۰۴
۱۸۸	ولی اللہ اور بت کو مشکل کشا ماننے کا فرق	۳۰۶
۱۸۹	فذلکم اللہ ربکم الحق	۳۰۷
۱۹۰	قل هل من شرکائکم من یبد الخلق	۳۱۱
۱۹۱	قلب اور افک کا فرق	۳۱۴
۱۹۲	ہدایت کے معنی اور بتوں کے لئے من کا استعمال	۳۱۴
۱۹۳	اخروی پیدائش ان انسانوں کی ہی ہوگی صرف شکل میں فرق ہوگا۔	۳۱۶
۱۹۴	ایمان کی بنیاد کثیر ہونی چاہئے	۳۱۷
۱۹۵	وما یتبع اکثرهم الا ظنا	۳۱۸
۱۹۶	حرف نفی ما و آ کا استعمال	۳۱۹
۱۹۷	ظن اور حق کے معنی	۳۲۰
۱۹۸	الکتاب کی کتنی مرادیں ہیں قرآن کی غیبی خبریں	۳۲۱
۱۹۹	ام یقولون افتراه قل فاتو بسورة مثله	۳۲۵
۲۰۰	من مثلہ اور مثلہ کا فرق	۳۲۷
۲۰۱	قرآن مجید میں کفار سے کتنے مطالبے کئے گئے	۳۲۸
۲۰۲	ومنهم من یومن به ومنهم من لا یومن	۳۳۴
۲۰۳	نبی کریم کے اعمال مسلمانوں کو بہت مفید ہیں	۳۳۵
۲۰۴	ومنهم من یستمعون الیک	۳۳۷
۲۰۵	پانچ چیزیں ضائع اور برباد ہیں	۳۳۹
۲۰۶	کون سی عقل مفید ہے	۳۳۹
۲۰۷	سمع اور بصر کا فرق	۳۴۰
۲۰۸	ان اللہ لا یظلم الناس	۳۴۲
۲۰۹	ظلم کی حقیقت	۳۴۳
۲۱۰	نبی کریم کے والدین دوزخی نہیں ہو سکتے	۳۴۵
۲۱۱	کافر دنیوی زندگی کو بھول جائیں گے مگر مومن نہ بھولیں گے	۳۴۶
۲۱۲	واما نرینک بعض الذی نعدهم	۳۴۷
۲۱۳	۱۹۶۵ء میں پاکستان کی جنگ اور نبی کریم کی امداد	۳۵۰
۲۱۴	ہر قوم کے لئے نبی تشریف لائے لیکن ہر قوم میں نبی نہیں آئے	۳۵۱
۲۱۵	انبیاء کرام واولیاء اللہ بعد وفات بھی سب کچھ دیکھتے جانتے ہیں	۳۵۲
۲۱۶	ویقولون متی هذا الوعد ان کنتم صدقین	۳۵۳
۲۱۷	مستثنی ومتصل ومنفصل میں اصل کون ہے	۳۵۵
۲۱۸	قل ارایتم ان اتکم عذابه بیاتا او نهارا	۳۵۹
۲۱۹	ذوق کے معنی بھگتنا ہے کہ نہ صرف چکھنا	۳۶۱
۲۲۰	ویستنبئونک احق هو قل ای وربی	۳۶۳
۲۲۱	عجز کے معنی	۳۶۶
۲۲۲	الا ان للہ ما فی السموت والارض	۳۷۰
۲۲۳	نبی کریم کے وعدے اللہ کے وعدے ہیں	۳۷۳
۲۲۴	شریک اور حبیب کا فرق	۳۷۴
۲۲۵	یایها الناس قد جاءتکم موعظة	۳۷۴
۲۲۶	قرآن مجید اور پہلی آسمانی کتابوں میں فرق	۳۷۵
۲۲۷	قرآن مجید مومنوں تک کس طرح پہنچتا ہے	۳۷۶
۲۲۸	رحمت اور فضل کون ہے اور ان کا فرق	۳۷۷

www.alahazratnetwork.org

نمبر	عنوان	صفحہ
۲۲۹	قرآن مجید کی چھ صفات	۳۷۷
۲۳۰	نبی کریم اور قرآن مجید کی آمد کا دن منانا	۳۷۸
۲۳۱	قرآن مجید کی خدمت کے دینی و دنیوی فائدے	۳۷۹
۲۳۲	قل ارأيتم ما انزل الله لكم	۳۸۲
۲۳۳	حرام کس لئے بنا اور رزق حلال کس لئے	۳۸۶
۲۳۴	فوٹو وغیرہ کو حلال سمجھنا اللہ پر جھوٹ ہے	۳۸۶
۲۳۵	شریعت وطریقت کا فیض لینا ہر شخص پر واجب ہے	۳۸۸
۲۳۶	وما تكون في شان وما تتلوا منه	۳۸۹
۲۳۷	مضارع پر ما نافیہ اور لا نافیہ کا فرق	۳۹۱
۲۳۸	عالم یعنی جہان تین قسم کے ہیں	۳۹۲
۲۳۹	تین باتیں یاد رکھنے کے قابل ہیں	۳۹۳
۲۴۰	علم اور مشاہدے میں فرق	۳۹۴
۲۴۱	دیکھنے کی قسمیں	۳۹۵
۲۴۲	قرآن مجید کو قرآن کیوں کہتے ہیں	۳۹۵
۲۴۳	مردہ انسان کی نشانی	۳۹۵
۲۴۴	الا ان اولياء الله لا خوف عليهم	۳۹۵
۲۴۵	خوف اور حزن کا فرق	۳۹۷
۲۴۶	ایمان کی قسمیں	۳۹۷
۲۴۷	اولیاء اللہ کی بشارتوں کا بیان	۳۹۸
۲۴۸	تا قیامت اولیاء اللہ ہوتے رہیں گے	۳۹۹
۲۴۹	ولی اللہ کی پہچان	۴۰۰
۲۵۰	ولایت النبیہ کی قسمیں	۴۰۰
۲۵۱	اولیاء اللہ کی قسمیں	۴۰۱
۲۵۲	اولیاء اللہ کی ضرورت	۴۰۱
۲۵۳	کرامت اولیاء اللہ کا بیان	۴۰۲
۲۵۴	حالات اولیاء اللہ	۴۰۳
۲۵۵	ولا يحزنك قولهم	۴۰۷
۲۵۶	آسمان وزمین کی عاقل مخلوق	۴۰۸
۲۵۷	ناطق کے معنی	۴۱۱
۲۵۸	هو الذي جعل لكم الليل لتسكنوا	۴۱۲
۲۵۹	نبی کریم کو جنت دینے والا اور دوزخ سے بچانے والا کہنا جائز ہے	۴۱۵
۲۶۰	قل ان الذين يفترون على الله	۴۱۷
۲۶۱	نبی کریم کو مالک کائنات ماننا شرک توڑ عقیدہ ہے	۴۱۹
۲۶۲	اللہ تعالیٰ کے لئے واحد کا صیغہ استعمال کرنا ادب جمع بولنا بے ادبی ہے توحید کے خلاف ہے	۴۲۰
۲۶۳	دنیا وآخرت کی سزاؤں کا فرق	۴۲۱
۲۶۴	واتل عليهم نبأ نوح	۴۲۳
۲۶۵	مخبر اور ناقل میں فرق	۴۲۵
۲۶۶	حضرت نوح کا اصل نام اور ولادت	۴۲۵
۲۶۷	قوم کی قسمیں	۴۲۵
۲۶۸	نوح علیہ السلام کی عمر اور تبلیغ	۴۲۵
۲۶۹	انبیاء کرام کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا	۴۲۷
۲۷۰	فان توليتم فما سألتكم من اجر	۴۲۸
۲۷۱	اسلام کی دو شقیں طریقت وشریعت	۴۳۱
۲۷۲	نوح علیہ السلام کی امت کی تعداد	۴۳۱
۲۷۳	نوح علیہ السلام کی اولاد اور نسل	۴۳۲
۲۷۴	ثم بعثنا من بعده	۴۳۳
۲۷۵	سب انبیاء کرام اپنی قوموں کی طرف آئے نبی کریم ساری کائنات کی طرف	۴۳۶
۲۷۶	نوح علیہ السلام کے وقت صرف ایک ہی قوم تھی	۴۳۶
۲۷۷	جنات وانسان کی تبلیغ کا فرق	۴۳۹
۲۷۸	ثم بعثنا من بعدهم موسى	۴۴۰
۲۷۹	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر	۴۴۲

www.alahazratnetwork.org

۲۸۰	انبیاء کا ادب و تعظیم سب ادبوں کی چابی ہے	۴۴۳
۲۸۱	قال موسی اتقولون للحق	۴۴۵
۲۸۲	جادو کرنا کفر ہے	۴۵۰
۲۸۳	انبیاء کرام دنیا کی ہر چیز سے باخبر ہوتے ہیں	۴۵۰
۲۸۴	وقال فرعون ائتونی بکل ساحر	۴۵۱
۲۸۵	القاء اور طرح کے معنی	۴۵۴
۲۸۶	جو بدبخت علم نبی کو پاگلوں، بچوں سے تشبیہ دے وہ کافر ہے	۴۵۶
۲۸۷	فما امن یموسی الا ذریة	۴۵۷
۲۸۸	واحد غائب کے لئے جمع غائب کی ضمیر نہیں آسکتی	۴۵۸
۲۸۹	حضرت موسیٰ پر کتنے قبطی ایمان لائے	۴۶۰
۲۹۰	عبادت اسلام ہے اور نبی کی محبت واتباع ایمان ہے	۴۶۱
۲۹۱	جادوگروں اور بنی اسرائیل کی تعداد	۴۶۲
۲۹۲	فقالوا علی الله توکلنا	۴۶۳
۲۹۳	شریعت وطریقت کے ایمان کا فرق	۴۶۶
۲۹۴	واوحینا الی موسی واخیه	۴۶۷
۲۹۵	قوم صلوٰۃ اور بشر، کے کل معنی	۴۶۹
۲۹۶	بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ کب بنی	۴۷۱
۲۹۷	کعبہ و قبلے کی تاریخیں	۴۷۱
۲۹۸	ہر شخص کی معراج مختلف ہے	۴۷۳
۲۹۹	وقال موسی ربنا انک اتیت	۴۷۴
۳۰۰	فرعون کا مصر پر کس طرح قبضہ ہوا	۴۷۷
۳۰۱	امیروں کی مجلسوں سے دور رہنے کا فائدہ	۴۷۸
۳۰۲	آمین بھی دعا ہے	۴۸۰
۳۰۳	انبیاء کرام کی بددعا کی شان	۴۸۱
۳۰۴	پیروں عالموں کی لئے عبرت کیا ہے	۴۸۲
۳۰۵	وجوزنا ببنی اسرائیل البحر	۴۸۴
۳۰۶	کتنے اسرائیلی دریا سے پار ہوئے	۴۸۷
۳۰۷	انبیاء کرام کی بارگاہوں میں کائنات کی مشکلیں حل ہوتی ہیں	۴۸۸
۳۰۸	کتنے فرعونی دریا میں غرق ہوئے	۴۸۹
۳۰۹	رافعک سے مراد روح مع جسم ہے	۴۹۰
۳۱۰	حقانیت قرآن مجید کی عجیب دلیل	۴۹۰
۳۱۱	ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوء صدق	۴۹۲
۳۱۲	خلاف اور اختلاف کا فرق	۴۹۵
۳۱۳	فان کنت فی شک مما انزلنا	۴۹۸
۳۱۴	انبیاء کرام شک سے پاک ہوتے ہیں	۵۰۱
۳۱۵	اہل علم سے کون لوگ مراد ہیں	۵۰۱
۳۱۶	ریب شک اور امتراء کا فرق	۵۰۲
۳۱۷	نبی کریم کی نعت غیر مسلم سے سننا بھی جائز ہے	۵۰۳
۳۱۸	حرمان اور خسران کا فرق	۵۰۳
۳۱۹	ان الذین حقت علیهم کلمة	۵۰۴
۳۲۰	فلولا کانت قریة امنت فنفعها	۵۰۸
۳۲۱	قوم یونس اور دیگر کفار میں فرق	۵۱۰
۳۲۲	حضرت یونس علیہ السلام کا پورا واقعہ	۵۱۱
۳۲۳	قیامت تک کے سب مسلمان نبی کریم کی قوم ہیں	۵۱۲
۳۲۴	دنیا اور آخرت کے عذابوں کی قسمیں	۵۱۳
۳۲۵	اللہ تعالیٰ کے پانچ طرح کے فیصلے	۵۱۴
۳۲۶	عقل کی تعریف اور اس کی قسمیں	۵۱۵
۳۲۷	حضرت یونس کے کچھ حالات نبی کریم کے مشابہ ہیں	۵۱۶
۳۲۸	کیا اسلام تلوار سے پھیلا؟	۵۱۷
۳۲۹	قوم فرعون اور قوم یونس میں چند فرق	۵۱۸
۳۳۰	قل انظروا ماذا فی السموات	۵۱۹

www.alahazratnetwork.org

۳۳۱	نظر۔ بصر۔ اور بصیرت میں فرق	۵۲۱
۳۳۲	یہ عدد و ظروف زمانی مکانی محدود نہیں ہوتے	۵۲۲
۳۳۳	ایمان عقل سے نہیں دامن مصطفیٰ سے ملتا ہے	۵۲۳
۳۳۴	اللہ پر کوئی چیز واجب استحقاقی نہیں	۵۲۴
۳۳۵	قل یایھا الناس ان کنتم فی شک	۵۲۷
۳۳۶	انبیاء اور امت اور کفار سے خطاب کا فرق	۵۳۰
۳۳۷	تعظیم کی قسمیں	۵۳۱
۳۳۸	بتوں سے مانگنا کفر۔ اولیاء اللہ سے مانگنا جائز ہے	۵۳۲
۳۳۹	رضی اللہ تعالیٰ عنہ صرف صحابہ کے لئے بولنا چاہئے	۵۳۳
۳۴۰	وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف	۵۳۵
۳۴۱	خلق ایجاد ابداع میں اللہ واحدہ لاشریک ہے	۵۳۹
۳۴۲	نبی کریم بذات خود ہر لحاظ سے حق ہیں	۵۳۹
۳۴۳	سورہ یونس کی کتنی آیات منسوخ ہیں	۵۴۰
۳۴۴	انبیاء کرام وحی الٰہی کی کس طرح اتباع کرتے ہیں	۵۴۱
۳۴۵	سورت ھود کی بے چار آیات مدنی ہیں	۵۴۲
۳۴۶	سورت ھود کی منسوخ آیتیں	۵۴۳
۳۴۷	الر کتب احکمت ایاتہ	۵۴۴
۳۴۸	عرب میں پہلے نبی حضرت ھود آئے	۵۴۵
۳۴۹	دلیل کی غلطی سے اصل قانون غلط نہیں ہوسکتا	۵۴۶
۳۵۰	معطوف علیہ و معطوف میں اجنبی سے فاصلہ جائز ہے	۵۴۷
۳۵۱	قرآن عظیم کی چند عظیم خصوصیات	۵۴۸
۳۵۲	نفع تین قسم کا ہے	۵۵۰
۳۵۳	وصل الٰہی کے چار درجے	۵۵۲
۳۵۴	الا انھم یثنون صدورھم	۵۵۵
۳۵۵	عربی میں دوکو اثنان کیوں کہتے ہیں	۵۵۶

www.alahazratnetwork.org

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ قُلْ لَّا

عذر کریں گے وہ لوگ طرف تمہارے جب واپس ہو گے تم لوگ طرف ان کے فرمادینا کے حیلے

تم سے بہانے بنائیں گے جب تم ان کی طرف لوٹ کر جاؤ گے تم فرمانا بہانے

تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ

نہ کرو ہرگز نہیں مانیں گے ہم تمہاری بیشک دے دی ہیں ہم کو اللہ نے خبریں

نہ بناؤ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے اللہ نے ہمیں تمہاری خبریں دیدی ہیں

وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ اِلٰى عٰلِمِ

اور عنقریب دیکھیں گے اعمال تمہارے اللہ اور پیغمبر اس کے پھر لوٹائے جاؤ گے تم طرف

اور اب اللہ و رسول تمہارے کام دیکھیں گے پھر اس کی طرف پلٹ کر جاؤ گے جو

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۴﴾

جاننے والے کے چھپی کھلی خبروں کو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تم تھے کرتے

چھپے اور ظاہر سب کو جانتا ہے وہ تمہیں جتا دے گا جو کچھ تم کرتے تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ان حیلے بہانوں کا ذکر ہوا جو منافقین نے مسلمانوں کے غزوہ تبوک میں جاتے وقت حضور علیہ السلام انور سے کئے تھے اب انہیں کے ان حیلے بہانوں کی غیبی خبر دی جارہی ہے جو وہ مسلمانوں کی واپسی پر حضور انور علیہ السلام سے کریں گے کہ ہم کو فلاں فلاں مجبوریاں تھیں اس لئے اس غزوہ میں ہم نہ جاسکے گویا ایک قسم کے بہانوں کے بعد دوسری قسم کے بہانوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ غزوہ تبوک میں غیر حاضر رہنے پر پکڑ ان لوگوں کو ہے جو غنی ہونے کے باوجود آپ علیہ السلام سے اجازت لینے حاضر ہوئے اب ان پر دنیاوی پکڑ کا ذکر ہے یعنی ان کے قول و فعل کا اعتبار نہ ہونا ان کے کھلے نفاق کا ظاہر ہو جانا ان کا بدنام ہو جانا گویا یہ آیت کریمہ گذشتہ آیت کی تفسیر یا تفصیل ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں بہت دور سے منافقین کی اس حرکت پر عتاب چلا آرہا تھا کہ وہ غزوہ تبوک سے قادر ہوتے ہوئے غیر حاضر رہے حیلے بہانے بنا کر اب ارشاد ہے کہ بہانہ نہ کرو اس جرم سے مقبول توبہ کرو کہ آئندہ غزوات میں اخلاص سے شرکت کرو گے۔ وسیری اللہ عملکم ورسولہ گویا دل کے میل کا ذکر پہلے ہوا قلبی صابن کا ذکر اب ہے۔ جرم کے

www.alahazratnetwork.org

بعد مقبول توبہ کا تذکرہ ہے زخم کے بعد مرہم عطا ہو رہا ہے۔
نزول: یہ آیت کریمہ ہے تو مدینہ کہ بعد ہجرت نازل ہوئی مگر مدینہ منورہ میں نازل نہیں ہوئی۔ بلکہ مقام تبوک میں یا اس کی راہ میں حضور علیہ السلام کے تشریف لاتے ہوئے یا واپس ہوتے ہوئے نازل ہوئی۔ جیسا کہ اس کے مضمون سے ظاہر ہے اور اس میں ایک غیبی خبر ہے جو ہو بہو پوری ہوئی (از روح البیان)
تفسیر: ویعتذرون الیکم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں منافقوں کو آئندہ کی ایک حرکت کی غیبی خبر دی گئی ہے اعتذار درست و غلط دونوں قسم کے عذر پیش کرنے کو کہا جاتا ہے۔ یہاں غلط عذر مراد ہے یعنی جھوٹے بہانے بنانا اس کا فاعل وہی مذکورہ منافقین ہیں الیکم میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ضمیر کا جمع فرمانا تعظیم کے لئے ہے جیسے وانا لہ لحافظون اور یا سارے غازیان تبوک سے خطاب ہے چونکہ اعتذار کے معنی ہیں عذر پیش کرنا اس لئے اس کے بعد الی لایا گیا (از روح المعانی) یہ منافقین حضور انور علیہ السلام کے غزوہ تبوک کے لئے روانگی کے وقت بھی بہانے بناتے حاضر ہوئے تھے کہ یہ عذر ہے، ہم معذور ہیں اور واپسی پر بھی کہ ہم کو فلاں عذر تھا اس لئے معذور تھے انہیں پہلے عذر پر قرار نہیں ہوا۔ جھوٹے کو جھوٹ پر خود بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ یہ بہانہ خور منافق اسی (۸۰) سے کچھ زیادہ تھے۔ (روح البیان) اذا رجعتم الیھم یہ فرمان عالی ظرف ہے یعتذرون کا رجعتم میں خطاب یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور جمع تعظیم کے لئے یا غازیان تبوک سے چونکہ انہیں اپنے جھوٹ فریب کی وجہ سے چین و قرار نہ تھا اس لئے ہر صحابی سے معذرت کرتے تھے۔ چین سے نہ بیٹھتے تھے دن رات مسلمانوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ لطف یہ ہے کہ یہاں اذا رجعتم الیھم کے ساتھ بالمدینۃ نہیں فرمایا جس میں اشارۃً فرمایا کہ وہ لوگ مدینہ کے راستے میں ہی تم لوگوں کو ملیں گے تمہارے مدینہ پہنچنے کا انتظار نہیں کریں گے اور یہاں راستے سے ہی حیلے بازیاں شروع کر دیں گے۔ (روح البیان، معانی) قل لا تعتذروا لن نومن لکم۔ اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے انہوں نے بہانہ بازیاں خواہ صحابہ کرام سے کی ہوں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مگر بہر حال جواب حضور علیہ السلام سے دلوایا گیا کہ یہ حضور علیہ السلام ہی کا منصب تھا۔ (روح المعانی) قل کے معنی ہیں کہ آپ علیہ السلام ان سے کہہ دینا۔ انہیں یہ جواب دے دینا یہ معذرتیں اور ان کے جواب آئندہ ہونے والے تھے۔ نومن ایمان سے نہیں بنا بلکہ امن سے بنا بمعنی اطمینان یا یقین یعنی اے منافقو بہانہ بازیاں نہ کرو۔ کیونکہ ہم تمہاری باتوں کا یقین نہیں کریں گے۔ تمہاری یہ کوشش بے کار ہے قد نبانا اللہ من اخبارکم۔ یہ فرمان عالی وجہ ہے لن نومن کی جیسے لن نومن وجہ تھی لا تعتذروا کی نباء بنا ہے نباء سے بمعنی بڑی شاندار یعنی غیبی خبریں۔ اسی سے نبی ہے۔ بمعنی غیبی خبر دینے والا یا سب کی خبریں رکھنے والا من اخبارکم میں من تو زائدہ ہے کہ من زائدہ نفی میں ہی آتا ہے مثبت کلام میں نہیں آتا اور نہ بعضیت کا بلکہ بیانیہ ہے ایک پوشیدہ چیز کا بیان اصلی عبارت یوں ہے جملۃ من اخبارکم "یعنی ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ساری خبریں دے دی ہیں (روح المعانی) یا بذریعہ وحی یا بذریعہ کشف والہام ہم تمہارے دل کی گہرائیوں کی خبر رکھتے ہیں وسیری اللہ عملکم ورسولہ یہ فرمان عالی تعتذروا (الخ) پر معطوف ہے اور قل کا مفعول لہٰذا واؤ عاطفہ ہے یری بنا

www.alahazratnetwork.org

ہے راہی سے بمعنی دیکھنا اس سے مراد علم ظہور ہے جو کسی شے کے ہو جانے کے بعد ہوتا ہے۔ عمل سے مراد ان منافقوں کے آئندہ کے عمل ہیں توبہ کرنا، آئندہ غزوات میں شرکت کرنا وغیرہ مقصد یہ ہے کہ تم زبانی دعوے نہ کرو بلکہ آئندہ توبہ اور نیک اعمال کر کے دکھاؤ۔ تمہارے اعمال اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی۔ ہوسکتا ہے کہ عمل جنس ہو جس میں سارے کھلے چھپے ارکانی نفسانی اور دلی اعمال مراد ہوں اور اس میں دلوں کے نفاق و اخلاص کفر و ایمان سب ہی داخل ہوں۔ ثم تردون الی عالم الغیب والشھادۃ اس فرمان عالی میں قیامت کا ذکر ہے تردون سے مراد ہے کہ تم لوگ یہاں دنیا سے واپس ہو کر بارگاہ الٰہی پیش کئے جاؤ گے۔ وہاں کچھ بنائے نہ بنے گا۔ کیونکہ حاکم ہر چھپی کھلی چیز کو جاننے والا ہے لہذا یہاں ہی اپنے کو درست کرلو۔ فینبئکم بما کنتم تعملون اس وقت رب تعالیٰ تم کو تمہارے سارے کھلے چھپے اعمال بتائے گا جتائے گا پھر اس پر سزا و جزا دے گا ما کنتم میں ما یا تو موصولہ ہے یا مصدریہ عمل سے مراد دنیا کے اعمال ہیں۔ جن کی سزا و جزا ملتی ہے خیال رہے کہ قیامت میں لوگوں کو ان کے اعمال کی خبر دینا نامہ اعمال دکھانا ان سے اقرار کرانا فرشتوں کا کام ہوگا مگر چونکہ یہ سب کچھ رب تعالیٰ کے حکم سے ہوگا اس لئے یہاں ینبئکم کا فاعل رب تعالیٰ ہوا یہ بھی خیال رہے کہ یہ خبر دینا کسی کے لئے علانیہ ہوگا کسی کے لئے خفیہ کسی کے لئے نیک اعمال کی خبر دینا علانی ہوگا۔ گناہوں کی خبر خفیہ یہ معاملہ حضور انور ﷺ کی امت سے ہوگا کہ ان کی نیکیوں کا حساب ظاہر ظہور ہوگا۔ گناہوں کا خفیہ تاکہ بدنام نہ ہوں۔ کہ اگرچہ گنہگار ہیں مگر محبوب کی امت ہیں۔ شعر

جو یہاں عیب کسی کے نہیں کھلنے دیتے کب وہ چاہیں گے میری حشر میں رسوائی ہو

یہ کرم نوازی دنیا میں بھی ہو رہی ہے شان ستاری کی جلوہ گری ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے غزوہ تبوک کے غازیو۔ صحابیو۔ ہمارے محبوب پر اپنی جانیں چھڑکنے والو ہم تم کو آج ہی غیبی خبر دے دیتے ہیں کہ جب تم یہاں سے واپس ہوؤ گے تو وہ منافقین جو حیلے بہانے بنا کر رہ گئے ہیں راستہ ہی میں تم سے آملیں گے اور طرح طرح کے حیلے بہانے پھر بنائیں گے کہ ہم کو تمہارے ساتھ نہ جانے کا بہت افسوس ہے۔ ہم کو فلاں فلاں عذر تھے۔ جب ایسا ہو تو اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سے صاف صاف فرما دینا کہ بس بہانے نہ بناؤ۔ کیونکہ ہم تمہاری ایک بات بھی نہ مانیں گے کیسے مانیں ہم کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری ساری کھلی چھپی حالت کی خبر دے دی۔ ہم تمہارے دلوں کے اسرار جانتے ہیں۔

اے فروغت صبح آثار و دہور چشم تو بینندہ ما فی الصدور
سر عرش پر ہے تری گذر دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئی نہیں وہ جو تجھ پہ عیاں نہیں

اب تمہارے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ آئندہ اپنے حالات سنبھالو۔ اعمال درست کرو آئندہ باتیں نہ بناؤ تمہارے ہر کھلے چھپے عمل اللہ تعالیٰ بھی دیکھے گا اور اس کا رسول بھی صلی اللہ علیہ وسلم پھر آخر کار تم یہاں دنیا سے اپنے اصل کی طرف لوٹو گے پھر

www.alahazratnetwork.org

وہ اللہ جو کھلی چھپی خبروں کو جاننے والا ہے تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا۔ کہ تم نے فلاں فلاں وقت یہ کام کئے تھے تم وہاں کوئی عذر نہ کر سکو گے۔ کیونکہ حاکم علیم بھی ہے خبیر بھی اس دن کا انتظام آج ہی کر لو۔ نفاق چھوڑو۔ اخلاص اختیار کرو۔ گزشتہ کوتاہیوں کا کفارہ آج ہی کر لو۔

آج کچھ کرلو عبادت ورنہ کل روز قیام سامنے حق کی خجالت ہوگی تم کو لا کلام
پرشش اعمال خالق جس گھڑی فرمائے گا مال دولت جاہ وحشمت کچھ نہ واں کام آئے گی

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ حضور انور ﷺ کے صدقے سے حضور ﷺ کے خدام کو آئندہ ہونے والی خبروں کی پہلے سے خبر دے دیتا ہے۔ یہ فائدہ یعتذرون (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب نے تبوک یا تبوک کی راہ میں ہی حضرات صحابہ کرام کو منافقین کے اگلے بہانے بنانے کی خبر دے دی آج بھی بعض اولیاء کو آئندہ واقعات پر پہلے ہی مطلع فرما دیا جاتا ہے اس کا اصل یہ ہی آیت ہے۔

دوسرا فائدہ: منافقین کو اللہ تعالیٰ کا خوف نہ تھا۔ مسلمانوں کا خوف تھا یہ فائدہ الیکم فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ لوگ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ نہیں کرتے تھے۔ مومنین کی خوشامد کرتے تھے اپنا نفاق چھپانے کے لئے۔

تیسرا فائدہ: تبوک سے واپسی کے موقعہ پر منافقین راستہ میں ہی مسلمان سے جا ملے تھے عذر کرنے کے لئے زیادتی خوف کی وجہ سے یہ فائدہ اذا رجعتم الیھم سے حاصل ہوا کہ یہاں الی المدینۃ نہ فرمایا۔

چوتھا فائدہ: جھوٹے کو چین نہیں آتا اپنا عیب چھپانے کے لئے مختلف تدبیریں کرتا رہتا ہے۔ اور ڈرتا رہتا ہے کہ کہیں میرے راز نہ کھل جاویں۔ یہ فائدہ بھی یعتذرون (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین غزوہ تبوک سے روانگی کے وقت بھی بہانے بنا چکے تھے مگر پھر بھی انہیں چین نہ آیا واپسی پر پھر مسلمانوں کے پاس راستہ میں جا ملے اور جو خوشامد بہانہ کرنے لگے۔

پانچواں فائدہ: بارگاہ نبوت میں اپنی سچائی ظاہر کرنے کی ضرورت نہیں انہیں سب کے متعلق سب کچھ ہی معلوم ہے وہاں شیخی نہ کرو بلکہ توبہ کرو۔ یہ فائدہ لا تعتذروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر

یارسول اللہ بدر گاہت پناہ آوردہ ام ہمچو کاہی آمدم کوہ گناہ آوردہ ام

چھٹا فائدہ: اللہ کے بندوں کے پاس جا کر توبہ کرنا بہت اچھا ہے قبولیت کا ذریعہ۔ دیکھو یہاں ان منافقین کے حاضر بارگاہ ہونے پر اعتراض نہیں کیا گیا۔ بلکہ بہانے پر اعتراض ہوا۔ رب فرماتا ہے ولو انھم اذظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ اور فرماتا ہے ادخلوا الباب سجدا وقولو حطۃ۔

ساتواں فائدہ: جیسا گناہ ویسی توبہ لہٰذا برے کاموں کی توبہ آئندہ اچھے کاموں سے ہونی چاہئے۔ دیکھو یہاں ارشاد ہوا کہ آئندہ تمہارے کام اللہ رسول دیکھیں گے یعنی دیکھا جاوے گا کہ تم اب کیا کرتے ہو۔ اس جرم کا کفارہ اچھے اعمال سے کرتے ہو یا نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک کے ہر عمل کو دیکھ رہے ہیں ان سے کسی کا کوئی عمل پوشیدہ نہیں۔ یہ فائدہ **وسیر اللہ** (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا فرماتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم **لا یخفی علی رکوعکم وسجودکم وخشوعکم** مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کے عجز وانکسار مخفی نہیں۔

نواں فائدہ: خدا تعالیٰ کے نام سے حضور انور ﷺ کا نام ملانا جائز بلکہ سنت الہیہ ہے یہ فائدہ بھی **وسیر اللہ عملکم ورسولہ** سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ** یہ کہنا جائز ہے کہ اللہ رسول بھلا کریں اللہ رسول نے ہم کو غنی کر دیا۔ وغیرہ۔

دسواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم وفات شریف کے بعد بھی ہر ایک کا ہر عمل دیکھ رہے ہیں یہ فائدہ بھی **سیر اللہ عملکم ورسولہ** سے حاصل ہوا۔ اس لئے کہ یہ آیت غزوات تبوک کے موقعہ پر نازل ہوئی جس کے بعد حضور انور ﷺ نے کوئی غزوہ نہیں کیا اب خلفاء راشدین کے زمانہ میں ہی غزوات ہوتے تھے یہ منافقین ان میں شرکت کر کے اس جرم کا کفارہ کر سکتے تھے ان کے متعلق ارشاد: **سیر اللہ عملکم ورسولہ** تمہارے وہ عمل اللہ رسول دیکھیں گے یہ بات خوب ذہن نشین کر لینی چاہئے۔

گیارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے کام خود رب تعالیٰ کے کام ہیں یہ فائدہ **فینبئکم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ قیامت میں انسانوں کا حساب کتاب ان کے اعمال کی خبریں دینا یہ سب کچھ فرشتے کریں گے مگر فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ کو خبر دے گا۔

پہلا اعتراض: منافقین غزوہ تبوک میں جاتے وقت ہی حیلے بہانے کر چکے تھے۔ جیسا کہ گذشتہ آیات سے ظاہر ہے۔ پھر ان کے متعلق کیوں ارشاد ہے کہ وہ بہانے کریں گے۔ ماضی کو مستقبل کیوں بنایا گیا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ وہ لوگ اگرچہ پہلے بھی بہانے کر چکے تھے مگر اپنے جھوٹے ہونے کی وجہ سے ان کے دلوں کو قرار نہ تھا اسی بے قراری کی وجہ سے غازیوں کی واپسی پر بھی از روئے جھوٹی خوشامد ان کو راضی کرنے کے لئے بہانے بناتے پہنچنے والے تھے۔ اس کی غیبی خبر اس آیت میں ہے گذشتہ آیات میں اور قسم کے بہانوں کا ذکر تھا۔ یہاں دوسری قسم کے بہانوں کا ذکر ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں **رجعتم الیھم** کیوں ارشاد ہوا **الی المدینہ** کیوں نہ فرمایا گیا۔

جواب: اس لئے کہ بہت سے منافق غازیوں سے راستہ ہی میں مل کر حیلے بہانے کرنے والے تھے اور بعض منافق غازیوں کے مدینہ منورہ پہنچنے پر ان دونوں صورتوں کو شامل فرمانے کے لئے **الیھم** فرمایا **فی المدینہ** نہ فرمایا۔

تیسرا اعتراض: اس واقعہ کی خبر پہلے سے کیوں دے دی گئی جب وہ بہانے بناتے تب ہی یہ آیت نازل ہوتی۔

جواب: ان منافقوں کو زیادہ ذلیل وخوار کرنے کے لئے اور اس واقعہ کی اہمیت ظاہر کرنے کو جیسے **سیقول السفھاء من الناس ما ولھم** (الخ) تبدیلی قبلہ پر کفار کے جو اعتراض ہونے والے تھے انہیں مع جواب کے پہلے ارشاد فرمایا گیا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: نفاق یا اخلاص یوں ہی عداوت و محبت دل کے حالات ہیں مگر یہ چیزیں زبان اور چہرے سے ظاہر ہو جاتی ہیں۔ جیسے چہرے کا غبار نہیں چھپتا یوں ہی دل کا غبار پوشیدہ نہیں رہتا بلکہ اس کی چکنی چپڑی باتیں زیادہ عذر معذرت ہی نفاق ظاہر کر دیتی ہیں اور انہیں جواب ملتا ہے **لاتعتذروا لن نومن لکم** اگر سونے والا بہت قسمیں کھا کر کہے کہ سونا کھرا ہے تو یہ علامت ہے کہ اس میں کھوٹ ہے مولانا فرماتے ہیں۔

از منافق عذر رد آمدنہ خوب ۔۔۔ زانکہ در لب بود آں نہ درقلوب

کذب چوں خس باشد و دل چوں وہاں ۔۔۔ خس نہ گرد و درہاں ہر گز نہاں

یعنی منافقین کے عذر صرف لب پر تھے دل میں نہ تھے۔ اس لئے نہ تو وہ توبہ بنے نہ قبول ہوئے۔ جھوٹ جھوٹ ہے دل مثل منہ کے ہے۔ منہ پر کوڑا نہیں چھپتا۔ دل کا کوڑا بھی نہیں چھپتا۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ایسی چھانٹی عطا فرماتا ہے جس سے وہ سچے جھوٹے کو چھان لیتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عذر احمق بدتر از جرمش بود ۔۔۔ عذر نادان زہر ہر دانش بود

عذر کی کسوٹی آئندہ کے اعمال ہیں کہ فرمایا گیا **وسیری اللہ عملکم ورسولہ** اس آیت نے حق و باطل میں فرق کرنے کا ذریعہ بتا دیا اچھوں کے آستانہ پر بری باتیں اور زیادہ بری ہوتی ہیں کہ یہ ڈبل گناہ بن جاتی ہیں جھوٹ اور پھر کہاں بچوں کے اچھوں کے سامنے رب تعالیٰ اپنے بنائے اور اچھوں کے آستانوں پر اچھی باتیں کرنے کی توفیق دے وہاں تو یہ چاہئے نہ کہ جھوٹے عذر۔

سَیَحۡلِفُوۡنَ بِاللّٰہِ لَکُمۡ اِذَا انۡقَلَبۡتُمۡ اِلَیۡہِمۡ لِتُعۡرِضُوۡا
عنقریب قسمیں کھائیں گے وہ اللہ کی واسطے تمہارے جب کہ لوٹو گے تم طرف ان کے تاکہ منہ
اب تمہارے آگے اللہ کی قسم کھائیں گے جب تم ان کی طرف پلٹ جاؤ گے اس لئے کہ
عَنۡہُمۡ فَاَعۡرِضُوۡا عَنۡہُمۡ اِنَّہُمۡ رِجۡسٌ وَّمَاۡوٰىہُمۡ
پھیرو تم ان سے پس منہ پھیرو تم ان سے تحقیق وہ گندے ہیں اور ٹھکانہ ان کا
ان کے خیال میں نہ پڑو تو ہاں تم ان کا خیال چھوڑ دو وہ تو بڑے پلید ہیں اور ان کا ٹھکانا
جَہَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۹۵﴾ یَحۡلِفُوۡنَ
دوزخ ہے سزا اس کی جو وہ کمائی کرتے تھے قسم کھائیں گے
جہنم ہے بدلہ اس کا جو کماتے تھے تمہارے آگے قسمیں کھاتے ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ ۚ فَإِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَإِنَّ اللَّهَ

وہ واسطے تمہارے تاکہ راضی ہو جاؤ ان سے پس اگر راضی ہو جاؤ تم ان سے پس تحقیق اللہ

تم ان سے راضی ہو جاؤ تو اگر تم ان سے راضی ہو جاؤ تو بے شک اللہ تو فاسق

لَا يَرْضَىٰ عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۹۶﴾

راضی	نہیں	ہوتا	قوم	بدکار	سے
لوگوں	سے	راضی	نہ	ہو	گا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کے جھوٹے حیلوں بہانوں کا ذکر تھا اب ان کی جھوٹی قسموں کا تذکرہ ہے جو خود مسلمانوں کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے متعلق کھاتے تھے۔ یا بعد غزوہ تبوک کھانے والے تھے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے ایک گناہ کا ذکر تھا یعنی جھوٹے حیلے بہانے بنانا اب اس بڑے جرم کا ذکر ہے یعنی اس جھوٹ پر جھوٹی قسم کھانا۔ رب تعالیٰ کو اس پر ضامن بنانا رب کے نام کی توہین کرنا۔

تیسرا تعلق: آیات میں مدینہ منورہ میں رہنے والی منافقوں کی آئندہ حرکت کی غیبی خبر دی گئی تھی کہ وہ لوگ طرح طرح کے بہانے بنائیں گے اب دیہاتی منافقوں کی خبر دی جا رہی ہے کہ جب آپ لوگ بخیریت مدینہ منورہ پہنچ جاویں گے تو وہ لوگ حاضر بارگاہ ہو کر جھوٹی قسمیں کھائیں گے۔

نوٹ: یہ بات تفسیر کبیر نے فرمائی کہ اس فرمان عالی میں دیہاتی منافقوں کا ذکر ہے۔

نزول: سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ آیت جد ابن قیس اور معتب ابن قشیر اور ان کے ساتھیوں کے متعلق نازل ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ تبوک سے واپس ہو کر ان کے مکمل بائیکاٹ کا حکم دیا تھا۔ وہ لوگ بائیکاٹ کھلوانے کی کوشش کر رہے تھے۔ ان کے متعلق خبر دی گئی کہ اب یہ آخری مرحلے میں جھوٹی قسموں سے کام لیں گے کہ ہم فلاں فلاں مجبوری کی وجہ سے غزوہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ عبداللہ ابن ابی منافق کے متعلق نازل ہوئی کہ اب یہ قسمیں کھا کر کہے گا کہ آئندہ جہادوں میں اپنی جماعت کے ساتھ ضرور حاضر رہا کروں گا۔ ایسا ہی ہوا (خازن وکبیر۔ روح المعانی) بہر حال یہ آیت منافقین ہی کے متعلق ہے۔

تفسیر: سیحلفون باللہ لکم (الخ) چونکہ منافقین کی یہ جھوٹی قسمیں آئندہ ہونے والی تھیں اس لئے اس کے اول میں سین ارشاد ہوا۔ یعنی عنقریب قسمیں کھائیں گے قسم کھانے والے کون ہیں یا تو وہ بہانہ بنانے والے منافقین جن کا ذکر پہلے ہو چکا تو مقصد یہ ہے کہ اولاً تو وہ لوگ بہانے بنائیں گے۔ جب تم ان کے بہانے قبول کرنے سے انکار کرو گے تو قسمیں کھائیں

www.alahazratnetwork.org

گے یا قسمیں کھانے والے دوسرے منافقین ہیں علاوہ ان بہانہ بازوں کے کس بات پر قسم کھائیں گے۔ اس میں بھی دو احتمال ہیں ایک یہ کہ ہم واقعی معذور تھے۔ اس لئے ہم نہ جاسکے دوسرے یہ کہ ہم قسم کھا کر وعدہ کرتے ہیں کہ آئندہ غزوات میں ہم ضرور شریک ہوں گے لکم فرما کر یہ بتایا کہ ان کی یہ قسمیں صرف تم کو دھوکا دینے کے لئے ہیں یا تم کو راضی کرنے کے لئے نہ کہ کسی کو نیک ارادے سے اذا نقلبتم الیھم یہ فرمان عالی ظرف ہے سیحلفون (الخ) کا۔ انقلاب سے مراد ہے غزوہ تبوک سے واپسی خیال رہے کہ ان خطاب کی ضمیروں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں صرف غازیان تبوک سے خطاب ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ لتعرضوا عنھم یہ فرمان عالی لکم کا بدل اشتمال ہے حضور انور ﷺ نے غازیوں کو ان منافقوں کی بے ایمانی جھوٹ وغیرہ کی خبریں دے دی تھیں۔ اب ان کا قسمیں کھانا اس لئے نہ تھا کہ تم لوگ حضور ﷺ کی بات اور رب تعالیٰ کے فرمان پر دھیان نہ دو۔ ہماری قسموں کا اعتبار کرلو۔ ہم سچے ہیں یہ تو کسی مومن سے ممکن نہیں چہ جائیکہ غازیان تبوک بلکہ مطلب یہ تھا کہ تم ہم کو بدنام نہ کرو۔ ہماری اس حرکت سے بے توجہ ہو جاؤ یا آپ لوگ یقین کرلو کہ ہم آئندہ غزوات میں شریک ہوا کریں گے حضور انور ﷺ نے ہمارا گذشتہ حال بیان کیا ہم اپنا آئندہ حال بیان کر رہے ہیں۔ فاعرضوا عنھم یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ جس میں مومنوں کو منافقین سے منہ پھیر لینے ان سے بے تعلق ہو جانے کا حکم ہے مگر یہ بے تعلقی غضب کی ہے نہ کہ محبت کرم کی انہوں نے اس کے برعکس کی خواہش کی تھی۔ یعنی وہ تو چاہتے ہیں کہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اور ہم سے اعراض وچشم پوشی کرو ہم فرماتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کرو (ہم فرماتے ہیں کہ تم ان سے چشم پوشی کرو) غضب و ناراضی کی ان سے الگ ہو جاؤ۔ کیونکہ انھم رجس وہ گندے ہیں اور گندوں سے دوری ضروری ہے جب جسمانی گندگی سے اس لئے دور رہتے ہو کہ تمہارے کپڑے یا بدن گندے نہ ہو جائیں تو ان دلی اور روحانی گندوں سے بھی الگ ہو کہ کہیں تمہارے دل ان کی محبت میں گندے نہ ہو جائیں۔ خیال رہے کہ نجس سے رجس خاص ہے نجس تو اصلی ذاتی اور عارضی ناپاکی دونوں کو کہا جاتا ہے مگر رجس صرف پیشاب پاخانہ ہے ناپاک کپڑا رجس نہیں اس لئے سور کے گوشت کو رب نے رجس فرمایا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے مشرکین کو نجس فرمایا۔ انما المشرکون نجس اور منافقین کو رجس جس سے معلوم ہوا کہ منافقین بدتر ہیں مشرکین و کفار سے۔ یہ بھی خیال رہے کہ اس نجاست یا رجس سے دلی باطنی عقائد کی گندگی و نجاست مراد ہے جسمانی اور ظاہری نجاست مراد نہیں کہ شرعاً انسان پاک ہے اگرچہ کافر یا منافق ہو۔ دنیا میں ان کا یہ حال ہے اور آخرت میں۔ وماواھم جھنم ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور دوزخ کا کونسا طبقہ اسے دوسری جگہ بیان فرمایا ان المنافقین فی الدرک الاسفل من النار یعنی منافقین آگ کے سب سے نیچے طبقے میں ہوں گے ماویٰ فرما کر یہ بتایا کہ دوزخ میں ان کا رہنا عارضی نہ ہوگا بلکہ دائمی ہوگا۔ کیونکہ دوزخ ان کی منزل نہیں بلکہ ٹھکانہ اور اصلی جائے قرار ہے ماویٰ اسم ظرف ہے اوی کا بمعنی پناہ اوی اوی رکن شدید یہ کنعان بن نوح نے کہا تھا۔ جزاء بما کانوا یکسبون تو ی یہ ہے جزا (الخ) ایک پوشیدہ فعل کا مفعول مطلق ہے یعنی یجزون جزاء کسب سے مراد منافقوں کے سارے خبیث کام ہیں جسم کے ہوں یا دل کے اس میں مذکورہ جھوٹے حیلے بہانے اور جھوٹی قسمیں بھی داخل ہیں۔ یعنی یہ

www.alahazratnetwork.org

سب سزائیں بلاوجہ نہیں بلکہ ان کی دائمی حرکتوں کی سزا ہے۔ خیال رہے کہ لفظ جزا ثواب اور سزا دونوں کے لئے بولا جاتا ہے اگر یہ مومن اور جنت کے ساتھ آئے تو بمعنی ثواب ہوگا اور اگر کافر منافق دوزخ کے ساتھ آئے تو بمعنی سزا۔ یہاں معنی میں ہے یحلفون لکم لترضوا عنھم قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی یحلفون (الخ) کا بدل ہے اس میں بھی قسم سے اللہ کی قسم مراد ہے اور کھانے والے وہ ہیں منافقین لترضوا میں خطاب حضرات صحابہ سے ہے اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں اور رضا سے مراد ہے دھوکہ دے کر ناراضگی دور کردینا یعنی وہ اس لئے اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ تم ان قسموں سے دھوکا کھا جاؤ اور ان سے کچھ نہ کہو تمہارے دلوں کی ناراضی دور ہو جاوے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو ان کی قسموں سے دھوکا کھا سکتے تھے نہ ان سے دھوکے کی رضا ممکن کیونکہ حضور ﷺ کو رب تعالیٰ نے ثابت قدم رکھا۔ فرماتا ہے لولا ان ثبتناک لقد کدت ترکن الیھم قلیلا اور فرماتا ہے یریدون ان یضلوک وما یضلون الا انفسھم فان ترضوا عنھم اس فرمان عالی میں بھی خطاب صرف غازیان تبوک سے ہے اور رضا سے مراد ہے ان مردودوں کے دھوکے میں آ جانا اور گذشتہ ناراضی کو دل سے دور کر دینا۔ فان اللہ لا یرضی عن القول الفسقین۔ یہ فرمان عالی فان ترضوا کی جزا نہیں اس کی خبر، پوشیدہ ہے یعنی لا تنفعھم اور یہ جملہ اس جزاء کی وجہ لہٰذا اس میں ف تعلیلیہ ہے اور یہاں بھی رضا سے مراد دھوکے کھا جانا اور دھوکے سے راضی ہو جانا ہے (روح المعانی) یعنی اے مسلمانو اگر تم ان منافقوں کے دھوکے میں آ گئے اور ان سے راضی ہو بھی گئے تو بھی انہیں اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ تو ان کے دھوکوں میں آیا اور نہ ان سے راضی ہوا وہ بہرحال دوزخی ہیں۔ لہٰذا آیت بالکل واضح ہے یہ ناممکن ہے کہ جس سے حضور ﷺ راضی ہوں اس سے رب ناراض ہو رب کی رضا حضور ﷺ کی رضا سے حاصل ہوتی ہے بلکہ جسے حضور ﷺ مل جاویں اسے خدا تعالیٰ مل جاتا ہے۔ جاؤک فاستغفر اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ (الخ) شعر۔

کشف راز من رآنی سے کھلا تم ملے حق تعالیٰ مل گیا

یہ بھی ناممکن ہے کہ جس سے حضرات صحابہ صحیح معنی میں خوش ہو جاویں اس سے حضور ﷺ ناراض ہیں۔ بلکہ یہ بھی ناممکن ہے کہ جس سے اولیاء اللہ بلکہ ایک ولی اللہ صحیح معنی سے راضی ہوں اس سے حضور ﷺ ناراض ہیں۔ ان میں رہنا ہی حضور ﷺ کی رضا ہے اور حضور ﷺ کی رضا میں خدا تعالیٰ کی رضا۔ شعر۔

بھیکا وہ نرکوڑ ہے جو جانے گر کو اور رب روٹھے گر میل دے گر روٹھے نہیں ٹھور

اگر ہماری حرکتوں سے رب ناراض ہو جاوے تو اسے حضور راضی کر دیں۔ لیکن اگر حضور ناراض ہوں تو پھر کہیں ٹھکانا نہیں۔ یہ بات خیال میں رہے مگر رضا رضا میں فرق۔

تفسیر: اے غازیان تبوک عنقریب وقت آتا ہے کہ تم تبوک سے واپس ہو گے۔ تو منافقین تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم واقعی سخت مجبوری کی وجہ سے تمہارے ساتھ غزوہ میں نہ جا سکے یا آئندہ ضرور تمہارے ساتھ غزوات میں جایا کریں گے۔ یہ قسمیں نیک نیتی سے نہ ہوں گی بلکہ صرف اس لئے کہ تم ان سے چشم پوشی کرو اور کچھ نہ کہو۔ ہم حکم دیتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

کہ ان سے علیحدہ ہو جاؤ انہیں منہ نہ لگاؤ۔ کیونکہ تم پاک لوگ یہ گندے نجس العین۔ ان کے دل گندے خیالات گندے کام گندے۔ گندا کپڑا پاک پاک کپڑے سے ملے تو اسے گندا کر دیتا ہے۔ گندے دل والا آدمی پاک آدمی سے میل جول رکھے تو اس کو نقصان پہنچا دیتا ہے اور پھر ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے تمہارا ٹھکانہ جنت۔ جنتیوں کو دوزخیوں سے کیا کام یہ سب کچھ ان کرتوتوں کا بدلہ ہے وہ صرف اس لئے قسمیں کھائیں گے کہ تم دھوکا کھا کر ان سے درگذر کرو و ناراضی دل سے نکال دو۔ راضی ہو جاؤ لیکن اگر تم ان کے دھوکے میں آ بھی گئے تو ان کے لئے مفید نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ ان کے دھوکے میں آئے نہ ان سے راضی ہو۔ رب کے ناراض ہوتے ہوئے کسی بندے کو دھوکا دے کر راضی کر لینا بالکل بے کار ہے۔ ابلیس نے جھوٹی قسم کھا کر آدم کو دھوکا دیا قاسمھما انی لکما لمن الناصحین لیکن وہ رہا ابلیس ہی اسے اس حرکت سے کوئی فائدہ نہ پہنچا یہ بھی رہیں گے منافق ہی جائیں گے دوزخ میں ہی بہتر ہے کہ مخلص بن جائیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: منافقین اور گمراہ لوگ بہت قسمیں کھا کر اپنا مسلمان ہونا ثابت کرتے ہیں یہ فائدہ سیحلفون (الخ) سے حاصل ہوا۔ الحمد للہ مومنوں کو ان ترکیبوں کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔ اصلی سونے والا کبھی قسمیں نہیں کھاتا۔ ہمیشہ نقلی سونے والا قسمیں کھا کر ہی اسے اصلی ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

دوسرا فائدہ: جس کے دل میں کھوٹ ہو اسے کبھی چین نہیں آتا اسے ہمیشہ اپنے پول کھل جانے کا دھڑکا لگا رہتا ہے یہ فائدہ بھی سیحلفون الخ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ان منافقین نے غازیوں کے تبوک جاتے وقت بھی حیلے بہانے کئے تھے اور ان کی واپسی پر بھی حیلے بہانے قسمیں سب کچھ ہی کیں اسی بے چینی کی وجہ سے۔ الحمد للہ اخلاص میں چین بھی ہے سکون بھی۔ شعر۔

تن اجلا من کالا بگلے کے سے بھیک　　　اس سے تو کاگا بھلے کہ اوپر نیچے ایک

بگلے سے کوا اچھا کہ اوپر نیچے کالا ہے۔ بگلا اوپر سفید دل کی جگہ کالا۔

تیسرا فائدہ: منافقین کے ساتھ میل ملاپ اٹھنا بیٹھنا کھانا پینا وغیرہ سب ممنوع ہے یہ فائدہ اعرضوا عنھم سے حاصل ہوا۔ سانپ سے چور سے دوری اچھی۔ یہ حکم تب ہے جب کہ ان کی اصلاح کی امید نہ رہے۔

چوتھا فائدہ: منافقین دل کے خیالات کے ارادوں کے عقائد کے اعمال کے گندے ہیں یہ فائدہ انھم رجس سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس منافقین بفضلہٖ تعالیٰ ان تمام باتوں میں پاکیزہ ہیں۔

پانچواں فائدہ: کھرے منافق گویا نجس العین ہیں کہ کسی پانی سے پاک نہیں ہو سکتے۔ یہ فائدہ بھی رجس سے حاصل ہوا کہ انہیں رب نے رجس نہ کہا رجس کہا۔ نجس اور رجس کا فرق ابھی تفسیر میں بتایا گیا۔

چھٹا فائدہ: منافق عبادات بھی مخلوق کو راضی کرنے کے لئے کرتا ہے۔ یہ فائدہ لترضوا عنھم سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ صرف مسلمانوں کو راضی کرنے اپنا نفاق چھپانے کے لئے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے اس کے برعکس مومن بفضلہٖ تعالیٰ

www.alahazratnetwork.org

رضاء الٰہی کے لئے عبادت کرتا ہے۔

ساتواں فائدہ: مسلمانوں کو دھوکا فریب دے کر راضی کر لینا ان کی ناراضی سے بچ جانا منافقوں کا طریقہ ہے ان کے مقابل مومن بفضلہ تعالیٰ اپنے برے کاموں کی تاویلیں نہیں کرتا بلکہ صاف صاف توبہ کر لیتا ہے۔ توبہ اور دھوکے کا فرق یاد رکھنا چاہئے۔ اپنے برے کاموں کی تاویلیں کر کے انہیں اچھا ثابت کرنا منافقوں کا عیب ہے۔

آٹھواں فائدہ: اگر مسلمان دھوکے سے منافقوں یا کافروں پر بھروسہ کرے تو گنہ گار نہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو راضی ہو جانے پر عتاب یا وعید نہ کی بلکہ یہ فرمایا کہ اگر تم ان کے دھوکوں میں آ کر ان سے راضی ہو گئے تو اللہ ان سے راضی نہ ہوگا یہ نہ کہا کہ تم سے ناراض ہو جاوے گا۔

پہلا اعتراض: مذکورہ منافقین تو پہلے ہی حیلے بہانے کر کے تبوک جانے سے رکے تھے۔ پھر واپسی پر وہ حیلے اور جھوٹی قسمیں کیوں کھانے لگے۔

جواب: اس لئے کہ ان کے دل میں چور تھا انہیں کبھی اطمینان وچین نصیب نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار قسمیں کھا لیتے پھر خیال کرتے کہ نا معلوم مسلمانوں نے ہم کو سچا مانا یا نہیں تو پھر آکر قسمیں کھاتے۔ جیسا کہ آج بھی بدمذہبوں بے دینوں میں دیکھا جا رہا ہے کہ ہر جمعہ ہر وعظ کے خطبہ میں اپنے سنی ہونے پر قسمیں کھاتے قرآن اٹھاتے ہیں کہ ہم سنی ہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ وہ قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تم ان سے منہ پھیر لو۔ پھر رب نے اسی کا حکم دیا کہ ان سے منہ پھیر لو۔ فاعرضوا عنهم ان کا منشا تو پورا ہو گیا جو انہوں نے چاہا تھا وہ ہی رب نے حکم دیا۔

جواب: انہوں نے کہا تھا کہ ہم سب محبت کا اعتراض کرو یعنی ہم کو اپنا دوست سمجھو رب نے فرمایا ان سے نفرت کرتے ہوئے منہ پھیر دو۔ پھر ان کا منشا کیسے پورا ہوا۔ ان کے لئے تو یہ حکم موت کا پیغام ہو گیا۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ منافقین رجس یعنی نجس العین ہیں مگر شریعت کا قانون یہ ہے کہ انسان اگرچہ کافر یا منافق ہو پاک ہے وہ قانون اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: یہاں رجس سے مراد ہے عقائد و اعمال کی نجاست و گندگی لہٰذا اگر ہم کافر کا تر ہاتھ چھو لیں تو ہمارا ہاتھ ناپاک نہ ہوگا۔ کہ کافر کا جسم پاک ہے۔

چوتھا اعتراض: پچھلی آیات میں خبر دے دی گئی تھی کہ منافقین تمہاری واپسی پر حیلے بہانے کریں گے حضور انور ﷺ نے بھی ان کے نفاق کی خبر دے دی تھی پھر مسلمان ان کی قسموں سے دھوکا کیسے کھا سکتے تھے۔ ان کا اعتبار کیسے کر سکتے تھے پھر کیوں فرمایا کہ اگر تم ان سے راضی ہو گئے تو ہم راضی نہ ہوں گے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب آدم علیہ السلام سے رب نے فرمایا تھا کہ ابلیس تمہارا دشمن ہے اور اس درخت کے قریب نہ جانا پھر آدم علیہ السلام نے شیطان کو اپنا خیر خواہ کیوں سمجھ لیا اور اس کے کہنے سے گندم کیوں کھا لیا۔ اس کی وجہ ہم بتفصیل تفسیر پارہ اول میں عرض کر چکے ہیں جواب تحقیقی یہ ہے کہ مومن

www.alahazratnetwork.org

فطری طور پر بھولا ہوتا ہے چالاک نہیں ہوتا۔ جب منافقین قسمیں کھا کر دو باتیں کہتے تھے ایک یہ کہ ہم اس وقت معذور تھے جہاد میں نہ جاسکے۔ دوسرے یہ کہ آئندہ ہر جہاد میں ضرور جایا کریں گے تو مومنین اسے ان کی توبہ خیال کرسکتے تھے کہ جیسے توبہ سے شرک و کفر معاف ہوسکتا ہے ایسے ہی منافقت بھی معاف ہوسکتی ہے۔ اور حضور انور ﷺ کی خبر اس وقت کے لئے تھی جب کہ انہوں نے توبہ نہیں کی تھی۔ آدم علیہ السلام نے یہ ہی خیال فرمایا تھا کہ گندم کھانے سے ممانعت اس خاص وقت میں تھی نیز شیطان کی عداوت اب رب نے دوستی میں بدل دی۔ کیونکہ وہ قسمیں کھا کر کہہ رہا تھا۔ وقاسمهما انی لکما لمن الناصحین کوئی بھی اللہ کی قسم جھوٹی نہیں کھا سکتا۔

پانچواں اعتراض: تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ولی کو راضی کرلو تو حضور ﷺ راضی ہوجاتے ہیں اور حضور ﷺ راضی ہو جائیں تو خدا تعالیٰ راضی ہوجاتا ہے مگر یہاں ان صحابہ کرام سے ارشاد ہورہا ہے جو تمام ولیوں کے سرتاج ہیں کہ اگر تم ان منافقوں سے راضی ہوجاؤ تو اللہ تعالیٰ راضی نہ ہوگا۔ معلوم ہوا کہ ولی نبی کی رضا سے خدا کی رضا حاصل نہیں ہوتی (وہابی)

جواب: اللہ کے مقبولوں کو راضی کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک تو ان کی خدمت کرکے راضی کرنا دوسرے انہیں دھوکا فریب دے کر راضی کرلینا۔ دوسری قسم کی رضا سے اللہ تعالیٰ اور زیادہ ناراض ہوجاتا ہے۔ پہلی قسم کی رضا وہ ہے جو اللہ کو راضی کرتی ہے فاتبعونی یحببکم الله اس کی مثال یہ ہے کہ مخلص مومن حضور انور ﷺ سے دعاء مغفرت کراتے تھے ان کے لئے ارشاد ہوا لوجدوا الله توابا رحیما. منافقین بھی اپنی چالاکیوں سے دعاء مغفرت کراتے تھے ان کے لئے ارشاد ہے ان تستغفر لهم سبعین مرة فلن یغفر الله لهم اگر آپ ستر بار بھی ان کے لئے دعا مغفرت کریں تو بھی ہم نہیں بخشیں گے دعا کرانے اور دعا لینے میں بڑا فرق ہے ایسے ہی راضی کرلینے اور دھوکا دینے میں بڑا فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مخلص مومن کا گناہ بھی کبھی ذریعہ قرب بن جاتا ہے بدنیت منافق کی عبادت ذکر اللہ بھی رب سے دوری کا ذریعہ ہے۔ شعر۔

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی ۔۔۔ نہ ہو تو مرد مسلمان ہے کافر زندیق (اقبال)

حضور ﷺ والے کا قصور رضاء رب عفو کا ذریعہ ہے بے نور والی دور کی نماز بھی حجاب ہے۔ شعر

تیرا نام بے حضور تیری نماز بے سرور ۔۔۔ ایسے امام سے گزر ایسی نماز سے گذر

منافقین دن رات جھوٹی قسموں میں اللہ کا نام لیتے تھے مگر رب نے انہیں رجس یعنی نجس العین فرمایا کہ گندا جسم مسجد کے لائق نہیں گندا دل صحابہ کرام اور حضور ﷺ کی بارگاہ کے لائق نہیں۔ جو حضور انور ﷺ کی نگاہ سے پاک نہ ہو سکے وہ کبھی کسی چیز سے پاک نہ ہوگا حضور ﷺ کی نظر رحمت کا پانی ہے جو دل کو کفر شرک اور تمام نجاستوں سے پاک کردیتی ہے بشرطیکہ وہ عارضی ہوں۔ اصل نجاست کیسے پاک ہو پانی گوبر پر پڑے تو اس کی گندگی اور پھیل جاتی ہے یہاں ان نجس العین لوگوں کے متعلق فرمایا کہ اے جماعت صحابہ اگر تم ان مردودوں کی باتوں میں آکر ان سے راضی بھی ہوجاؤ تو ہم راضی نہ ہوں گے۔ صوفیا نے فرمایا کہ منافق ہے وہ جو اپنے گناہ کی غلط تاویلیں کرکے انہیں جائز ثابت کرنے کی کوشش کرے اور بدترین

www.alahazratnetwork.org

منافق ہے وہ جو اپنے غلط عقیدوں غلط عملوں کو قرآن وحدیث سے ثابت کرنے کی کوشش کرے گویا اپنی بات بنانے کے لئے قرآن وحدیث کو بگاڑے یہ بیماری آج کل بے دین علماء میں عموماً پائی جاتی ہے۔ شعر۔

فرمان ترے حق ہیں مگر اپنے مفسر — تاویل سے کر سکتے ہیں قرآن کو پاژند

مگر تاویل شان درحیرت انداخت — خداؤ جبرائیل و مصطفیٰ را!!!

منافقت کی طینت خبیث تو ان کے اعمال بھی خبیث اوصاف بھی خبیث ان کا علم بھی خبیث ان کی ظاہری عبادات بھی خبیث اس لئے وہ دنیا میں جدائی کی آگ کے آخرت میں دوزخ کی آگ کے مستحق ہوئے۔ منافقت کی اصل محبت دنیا اور الفت اہل دنیا ہے۔

حکایت: حضرت شبلی نے ایک عورت کو دیکھا جو روتی ہے اور کہتی ہے ہائے افسوس میرے بچے کی جدائی آپ نے چیخ ماری بولے ہائے افسوس میرے رب کی جدائی۔ جب تو مخلوق کی جدائی پر گریہ زاری کر سکتی ہے۔ جو آخر جدا ہونے والی ہے تو میں رب کی دوری پر گریہ کیوں نہ کروں۔ شعر۔

فرزند و یار چونکہ بمیرند عافیت — اے دوست دل بلند بجز حی الایموت

دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی مقام۔ مولانا فرماتے ہیں۔

عذر احمق بدتر از جرمش بود — عذر ناداں زہر ہر دانش بود

عذر گناہ بدتر از گناہ

اَلْاَعْرَابُ اَشَدُّ كُفْرًا وَّ نِفَاقًا وَّ اَجْدَرُ اَلَّا يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ

دیہاتی لوگ زیادہ سخت ہیں کفر اور منافقت میں اور زیادہ لائق ہیں اس کے کہ نہ جانیں حدیں

گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں اور اسی قابل ہیں کہ اللہ نے جو حکم اپنے رسول

مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۹۷﴾

اس کی جو اوتارا اللہ نے رسول پر اپنے اور اللہ علم حکمت والا ہے

پر اتارے اس سے جاہل رہیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

وَ مِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ مَغْرَمًا وَّ

اور دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو بناتے ہیں اسے جو خرچ کرتے ہیں جرمانہ اور

اور کچھ گنوار وہ ہیں کہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کریں اسے تاوان سمجھیں اور

يَتَرَبَّصُ بِكُمُ الدَّوَآئِرَ ؕ عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ ؕ وَ اللّٰهُ

انتظار کرتے ہیں تم پر گردشوں کا اور ان ہی پر ہے گردش بری اور اللہ سننے والا

تم پر گردشیں آنے کے انتظار میں ہیں انہیں پر ہے بری گردش اور اللہ

www.alahazratnetwork.org

سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۹۸﴾

جاننے	والا	ہے
سنتا	جانتا	ہے

تعلق : اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق : پچھلی آیات کریمہ میں شہری منافقوں کے عیوب بیان ہوئے اب دیہاتی منافقوں کا تذکرہ اوران کے عیوب کا بیان ہے۔گویا ایک قسم کے منافقوں کے بعد دوسرے قسم کے منافقوں کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق : پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جن کی اصلاح کی امید تھی۔ یعنی صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سہنے اٹھنے بیٹھنے والے حضور انور ﷺ کی مجالس میں حاضری دینے والے منافقین کہ ان کے متعلق یہ سوچا جاسکتا تھا کہ ان پاک صحبتوں

پچھلی آیات کریمہ میں شہری منافقوں کے عیوب بیان ہوئے اب ...وں کا ذکر ہے جن کی اصلاح کی امید بہت کم ہے بلکہ نہیں

۔گویا ایک قسم کے منافقوں کے بعد دوسرے قسم کے منافقوں کا ذکر ہے۔

: پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جن کی اصلاح کی امید تھی۔ یعنی صحابہ کرام کے ساتھ رہنے سہنے اٹھنے
حضور انور ﷺ کی مجالس میں حاضری دینے والے منافقین کہ ان کے متعلق یہ سوچا جاسکتا تھا کہ ان پاک صحبتوں
کی برکت سے مخلص ہو جائیں گے۔ اب ان منافقوں کا ذکر ہے جن کی اصلاح کی امید بہت کم ہے بلکہ نہیں
انہیں نہ تو حضرات صحابہ کی حاضری میسر ہے نہ حاضری بارگاہ عالی نصیب یعنی حضور ﷺ سے دور لوگ۔

: پچھلی آیات میں ان منافقوں کا ذکر ہوا جو صرف منافق تھے۔ اب ایسے منافقین کا ذکر ہے جن میں منافقت
دونوں جمع ہیں گویا ہلکے منافقوں کے بعد سخت تر منافقوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔

مدینہ منورہ کے آس پاس کچھ فاصلے پر قبیلہ اسد غطفان بنی تمیم آباد تھے ان میں کچھ لوگ منافق تھے۔ جن میں وہ
جو ان آیات میں مذکور ہیں یہ دونوں آیتیں ان کے متعلق نازل ہوئیں۔ (خازن)

عراب : یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں الاعراب مبتدا ہے اور راشد (الخ) خبر۔ پانچ صوبے کے مجموعہ ملک کا
ہے حجاز، عراق، یمن، بحرین، نجد ان کے علاوہ کو عجم اس ملک میں رہنے والی کو عربی کہتے ہیں اس کو جمع اعرب ہے
جمع میں فرق صرف لف کا ہے۔ اور وہاں کے دیہاتی اور جنگلی علاقہ کو اعراب کہتے ہیں۔ وہاں کے باشندوں کو
ی جمع اعراب ہے یہاں بھی واحد اور جمع میں فرق صرف ی۔یا۔ کا ہے جیسے یہودی مجوسی واحد ہیں اور یہود مجوس
ی جمع اعاریب بھی آتی ہے مگر کم عرب میں جمع عموماً آتی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حب العرب من
اگر کسی دیہاتی عرب کو کہو یا عربی تو وہ خوش ہو جاتا ہے اگر کسی شہری کو کہو یا اعرابی تو وہ ناراض ہوتا ہے فرمایا نبی صلی
نے عورت مرد کی فسق کی اعرابی مہاجر کی امامت نہ کرے۔ (کبیر) خیال رہے حضرت اسمٰعیل کی اولاد اول جس
ی اس کا نام عربہ تھا۔ اس لئے ان کا نام عرب ہوا۔ یعنی عربہ زمین کے رہنے والی۔ بعض نے فرمایا کہ زبان عربی
سے زیادہ مختصر اور جامع ہے۔ اس زبان میں انسان اپنی دل کی بات خوب ظاہر کرسکتا ہے۔ اس لئے انہیں عرب
یعنی اعلیٰ اور فصیح زبان والے۔ بعض محققین نے فرمایا کہ روم کی حکمت ان کے دماغ میں ہے ہند کی حکمت ان کے

www.alahazratnetwork.org

میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی خاص جماعت کا ذکر نہ ہوا لہٰذا عہدی نہیں ہوسکتا۔ بعض کی صفات کل کی طرف منسوب فرمادی گئیں جیسے وکان الانسان قتورا (کبیر۔ معانی) چنانچہ اگلی آیت میں اعراب کے ایمان کی تعریف بھی آرہی ہے۔ ابن سیرین کہتے ہیں کہ جو کوئی یہ آیت پڑھے وہ اگلی آیت بھی ضرور پڑھے تاکہ اس کے دل میں اعراب کی حقارت نہ بیٹھے (معانی) اشد کفرا و نفاقا یہ عبارت الاعراب کی خبر ہے یعنی عرب کے دیہاتی لوگ بمقابلہ شہریوں کے کفر و نفاق میں سخت ہیں۔ ان کے کفار شہری کفار سے ان کے منافقین سے سخت ہیں اس کی چند وجہیں ہیں۔ (۱) دیہاتی جنگلی لوگ وحشی جانوروں کی طرح مہذب دنیا سے متنفر ہیں۔ (۲) عرب کے جنگلوں کی خشک و گرم ہوا نے ان میں غرور و تکبر پیدا کردیا ہے۔ (۳) انہیں اچھے معلم اچھی سیاست میسر نہیں ہوتی ان کی پرورش نفسانی ہوتی ہے (۴) شہری کفار و منافقین دن رات حضور انور ﷺ کے وعظ سنتے صحابہ کرام کی صحبت میں رہتے دیہاتی لوگ ان سے یکسر محروم اس وجہ سے ان میں سختی زیادہ ہے۔ جنگلی خودرو درخت پھل سے شہری اور پرورش کردہ درخت و پھل اعلیٰ ہوتے ہیں وحشی جانور سے شہری خصوصاً پالتو جانور زیادہ مفید ہوتے ہیں (تفسیر کبیر) واجدر ان لا یعلموا حدود ما انزل اللہ علی رسولہ اس فرمان عالی میں دیہاتی عرب کا دوسرا عیب بیان ہوا۔ اجدر بنا ہے جدر سے بمعنی جڑ اور اصل اسی سے ہے جدار بمعنی دیوار کہ وہ جڑواں اور مضبوط اصل والی ہوتی ہے۔ محاورہ میں بمعنی لائق آتا ہے جدیر لائق اجدر زیادہ لائق و قابل۔ ما انزل اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کے سارے احکام ہیں حدود سے مراد ان کے مراتب ہیں کہ کون حکم فرض کون حکم واجب کون سنت و مستحب اور کیا چیز حرام ہے اور کیا چیز مکروہ تحریمی یا تنزیہی وغیرہ یعنی وہ دیہاتی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے دور رہنے کی وجہ سے اس لائق ہیں کہ شرعی احکام سے جاہل ہی رہیں۔ واللہ علیم حکیم۔ اللہ تعالیٰ کامل علم والا ہے ہر شہری دیہاتی کے حال کو اعمال کو خوب جانتا ہے۔ حکمت والا بھی۔ جسے یہاں رکھا جس طرح رکھا جس حال میں رکھا اس میں ہزارہا حکمتیں ہیں اس پر اعتراض نہیں ومن الاعراب من یتخذ ماینفق مغرما اس فرمان عالی میں دیہاتی منافقوں کا عملی عیب بیان فرمایا گیا جس میں ان کی بدعقیدگی تو سارے امیر و غریب منافقین میں موجود تھی اس لئے وہاں الاعراب ارشاد ہوا بغیر من کے اور یہ عیب ان کے مالداروں میں تھا جو کبھی جہادوں وغیرہ میں چندے اور اپنے مالوں کی زکوٰۃ بھی دیتے رہتے تھے۔ یہاں اتخاذ سے مراد سمجھنا ہے یعنی دل کا بنانا۔ واقعہ میں تو زکوٰۃ وغیرہ بطور عبادت شروع ہوئیں مگر انہوں نے یہ سمجھ لیا لہٰذا یتخذ فرمانا بالکل درست ہے ما ینفق عام ہے جس سے ہر وہ مال مراد ہے جسے وہ عبادت کی شکل میں خرچ کرتے تھے۔ مسلمانوں کے خوف سے اور اپنا نفاق چھپانے کے لئے نہ کہ اللہ رسول سے قرب حاصل کرنے کے لئے مغرم بنا ہے عزم یا غرامت سے ہر وہ مالی نقصان جو بغیر کسی جرم کے ہو جائے۔ خواہ حکومت کی طرف سے ہو یا اور وجہ سے ٹیکس وغیرہ بوجھل قرض کو بھی غرامت کہتے ہیں اور مقروض کو غریم یعنی دیہاتی منافقین جو مالدار ہیں جنہیں زکوٰۃ جہاد میں چندہ۔ حج وغیرہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے وہ اس خرچ کو بوجھل ٹیکس سمجھتے ہیں جس کے کرنے پر ثواب نہیں کرنے پر عذاب محض مال کی بربادی ہے (نعوذ باللہ) جو مسلمانوں کے ڈر سے انہیں برداشت کرنا پڑتی ہے ویتربص بکم الدوائر یہ عبارت معطوف ہے یتخذ (الخ) پر چونکہ مسلمانوں کی ہلاکت

www.alahazratnetwork.org

مالدار منافقین بہت چاہتے تھے۔ تاکہ انہیں خیرات وغیرہ سے نجات ملے۔ اس لئے یہ انتظار بھی انہیں کی خصوصی صفت تھی ورنہ سارے منافق سارے کفار مسلمانوں کی تباہی خوشی سے چاہتے تھے اور اب بھی چاہتے ہیں۔ تـربـص کے معنی انتظار کرنا دوائر جمع ہے دائرۃ کی بمعنی گھومنے والی چیز اس سے مراد وہ آفت ہے جو مسلم قوم کو اپنے گھیرے میں لے لے یا بار بار گھوم کر آوے یعنی یہ مالدار منافقین تم پر زمانے کی آفات و گردشوں کا بے چینی سے انتظار کر رہے ہیں ان کا خیال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ فرمانے پر نہ مسلمان رہیں گے نہ اسلام نہ ہم پر زکوۃ و جہاد وغیرہ ہم اس خرچ کی مصیبت سے بچ جائیں گے۔ علیهم دائرة السّوء قوی یہ ہے کہ یہ بددعا نہیں بلکہ ایک اہم غیبی خبر ہے عربی میں سوء سین کے پیش سے صفت مشتبہ ہے اور سواء سین کے فتح سے مصدر ہے ساء یسوء کا یعنی سرور کا مقابل دائرہ موصوف ہے اور سوء اس کی صفت یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت ہے اور اس کو سوء فرمانا مبالغہ کے لئے ہے جیسے زید عدل (روح البیان و روح المعانی) یعنی اے مسلمانوں مطمئن رہو کہ ان بدخواہ منافقین پر ہی بری گردش ہے یا ہوگی کہ ان کا نفاق سب پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ جس سے یہ بدنام ہوں گے۔ محبوب کا چاند ہمیشہ منور رہے گا۔ ان اللہ سمیع علیم اللہ تعالیٰ سننے والا ہے جاننے والا ہے وہ ان منافقوں کی خفیہ سازش خصوصی مجلسوں کی خاص باتیں مشورے اسلام کے خلاف خوب سنتا ہے اور ان کے برے ارادہ خوب جانتا ہے ان کو اس کی سخت سزا دے گا۔ حاکم قدیر بھی ہے علیم و سمیع بھی۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! اب تک تم نے شہری منافقوں کا حال سنا۔ مدینہ منورہ کے آس پاس کے دیہاتی منافقین بمقابلہ شہری منافقوں کے کفر میں بھی سخت ہیں منافقت میں بھی بڑھے ہوئے اور اللہ کے احکام سے سخت جاہل ہیں۔ کیونکہ انہیں نہ تو تمہاری صحبت میسر ہے نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی یا آپ ﷺ کے وعظ و نصیحت کا سننا۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی اس نے جسے جہاں رکھا ہے درست رکھا ہے یہ تو عام دیہاتی منافقوں کا حال ہے رہے ان کے مالدار ان میں دو عیب اور زیادہ ہیں (۱) انہیں جو زکوۃ۔ جہاد وغیرہ میں خرچ کرنا پڑ جاتا ہے وہ خرچ تو کرتے ہیں مگر تاوان یا ٹیکس سمجھ کر جس کے ثواب کی انہیں کوئی امید نہیں صرف اپنا نفاق چھپانے کے لئے خرچ کرتے ہیں (۲) تم مسلمانوں کے متعلق انہیں بے چینی سے انتظار ہے کہ تم پر ہلاک کرنے والی گردش آ جاوے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو اور خاکش بدہن اسلام ختم ہو جاوے مسلمان مٹ جاویں اور وہ زکوۃ وغیرہ خرچ سے چھوٹ جاویں مگر خیال رکھو کہ ہلاکت کی گردش انہیں پر آوے گی۔ میرے محبوب کا سورج ہمیشہ چمکے گا انہیں کوئی اچھائی سے یاد بھی نہ کرے گا۔ تا قیامت ان پر پھٹکار ہی رہے گی۔ شعر۔

نماز ستمگار بد روزگار بماند بر ولعنت پائیدار

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عموماً علم و حکمت بمقابلہ گاؤں کے شہر میں زیادہ ہوتے ہیں اور جہالت و بے عملی گاؤں میں زیادہ۔ اہل عرب کہتے ہیں العلم فی الامصار و الجهل فی القری. علم شہروں میں ہوتا ہے جہالت گاؤں میں۔ کیونکہ عموماً وہاں علماء کی صحبت میسر نہیں ہوتی۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

وہ مردودہ مردرا احمق کند عقل رابے نور و بے رونق کند

یہ فائدہ الاعراب او راجدر الا یعلمو حدود ما انزال اللہ سے حاصل ہوامگر یہ قاعدہ اکثر یہ ہی کلیہ نہیں اس لئے فقہا کی اصطلاح میں بے علم جاہل کو اعرابی کہتے ہیں وہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اعرابی کو امام نہ بناؤ وہاں اعرابی سے یہ ہی مراد ہے۔ (روح البیان)

دوسرا فائدہ: بمقابلہ شہری کفار کے دیہاتی کفار سخت تر ہوتے ہیں کہ ان کے پاس نہ اسلامیت ہوتی ہے نہ انسانیت شہری کفار کے پاس اسلامیت تو نہیں مگر اچھی صحبتوں کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تہذیب وانسانیت ہوتی ہے یہ فائدہ الاعراب اشد کفر (الخ) سے حاصل ہوا۔ مگر یہ حکم بھی عموی ہے قاعدہ کلیہ نہیں۔

تیسرا فائدہ: جو علم رب تعالیٰ کی بارگاہ میں علم کہلانے کا مستحق ہے وہ شریعت کا علم ہے باقی علوم اگر شرعی علوم کے خدام ہوں تو ٹھیک ہیں۔ ورنہ ان میں عمر صاف کرنا وقت ضائع کرنا ہے اور اگر شرعی علوم کے خلاف ہوں تو نری گمراہی ہے۔ شعر

علم دین فقہ است و تفسیر و حدیث ہر کہ خواہد غیر ازیں گرد د خبیث

چوتھا فائدہ: بے سوچے سمجھے قرآن وحدیث کے ترجمے علم دین نہیں بلکہ کبھی انسان اس سے گمراہ ہو جاتا ہے قرآن و حدیث کے لئے فقہ ضروری ہے اسی کو قرآن مجید میں حکمت فرمایا گیا و من یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا ۔ اگر صرف ترجمہ سے ایمان مل جاتا تو ابوجہل وابولہب مومن ہو جاتے کہ ترجمہ قرآن حدیث تو ان کو بھی آتا تھا۔ یہ فائدہ بھی ان لا یعلم حدود ما انزل اللہ سے حاصل ہوا۔ آج کل ہر بے دین ترجمہ قرآن پر بہت زور دے رہا ہے اور ترجمے عموماً بے دینوں کے ہیں۔ ان ترجموں سے لوگ قادیانی۔ وہابی۔ دیوبندی بن گئے رب فرماتا ہے والذین اذا ذکر وبایات ربھم لم یخرو علیھا صما وعمیانا مومن وہ ہیں جو رب کی آیتوں پر اندھے، بہرے، ہو کر نہیں گرتے سوچنے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں رب تعالیٰ قرآن وحدیث کا تفقہ یعنی سمجھ عطا فرمائے۔

پانچواں فائدہ: سارا قرآن رب تعالیٰ کا کلام اور رب کے سارے احکام برحق ہیں مگر ان احکام کی حدود مختلف ہیں قرآن مجید میں امر سولہ (۱۶) معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اقیموا الصلوۃ بھی امر ہے اور ومن شاء فلیکفر بھی امر ہے مگر مقاصد میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب عالم القرآن ملاحظہ کرو۔ یہ فائدہ بھی حدود ما انزل اللہ سے حاصل ہوا۔ صوم وصلوٰۃ زکوٰۃ کے الفاظ قرآن مجید میں ہیں ان کی تفصیل یا شرح حدیث شریف میں اور اس کی شرح کی حدود علم فقہ میں کہ نماز میں کون کام فرض ہیں کون واجب کون مستحب کون مکروہ تنزیہی کون مکروہ تحریمی اور کس واجب کے چھوٹ جانے سے سجدہ سہو لازم ہوتا ہے کس سے نہیں یہ بھی حدود ما انزل اللہ میں داخل ہیں۔

چھٹا فائدہ: اللہ کی راہ میں خرچ کو عبادت سمجھے اور خوش دلی سے کرے اسے ٹیکس یا جرمانہ یا تاوان نہ جانے ورنہ قبول کی امید نہیں۔ نیز یہ طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ یتخذ ما ینفق مغرما سے حاصل ہوا۔ جب خیرات کرو تو ہاتھ دینے میں مصروف ہوں دل اس توفیق کے شکریہ میں آنکھ رونے میں کہ خدایا اسے قبول کر۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: مسلمانوں کا برا چاہنا ان پر گردش زمانہ کا انتظار کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ ہمیشہ مسلمانوں کے خیر خواہ و دعا گو رہو یہ فائدہ یتربص بکم الدوائر سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: اللہ کے پیاروں کا بدخواہ ہمیشہ ذلیل و خوار رہتا ہے جس کا اب بھی تجربہ ہو رہا ہے یہ فائدہ علیھم دائرۃ السوء سے حاصل ہوا۔ شعر۔

چراغ زندہ می خواہی درشب زندہ داراں شو   کہ بیداری بخت از بخت بیداری شود حاصل

اگر چاہتے ہو کہ تمہارا چراغ روشن رہے تو ان کے دروازوں پر جاؤ جن کی راتیں روشن رہتی ہیں۔ خوش نصیبی خوش نصیبوں کے آستانوں سے ملتی ہے۔

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے یہ فائدہ بھی علیھم دائرۃ السوء سے حاصل ہوا کہ منافقین نے بدخواہی کی رب نے انہیں جواب دیا۔ دیکھو ایک دفعہ ابولہب نے حضور انور ﷺ سے کہا تھا تبت یداک رب نے خود جواب دیا تبت یدا ابی لھب۔

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ دیہات میں جہالت سختی دل وغیرہ ہوتی ہے حضرت یعقوب علیہ السلام دیہات میں ہی رہتے تھے۔ کیا وہ ایسے تھے وجاء بکم من البدو جس سے معلوم ہوا کہ آپ دیہات کے باشندے تھے۔

جواب: اس کا جواب بھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہ کلیہ قاعدہ نہیں اکثریہ ہے یعنی دیہاتی لوگ بے علم سخت دل ہوتے ہیں کبھی اس کے برعکس بھی ہوتا ہے کہ شہری جاہل سخت دل ہوتے ہیں اور دیہاتی عالم فاضل۔ دیہات جہالت کی وجہ یہ ہی ہے کہ وہاں نبوت کا فیض بمقابلہ شہر کم پہنچتا ہے۔ جب پیغمبر ہی وہاں جلوہ گر ہوں تو وہ گاؤں شہر سے بڑھ جاتا ہے۔

دوسرا اعتراض: اگر دیہات میں جہالت غفلت سختی دل زیادہ ہوتی ہے تو عرب کے شہری عموماً اپنے بچوں کی پرورش گاؤں میں کیوں کراتے تھے حتیٰ کہ حضور انور ﷺ کی ابتدائی پرورش بی بی حلیمہ کے گاؤں میں ہوئی۔ اس کی کیا حکمت تھی۔

جواب: ہر جگہ گاؤں کی آب و ہوا شہر سے اچھی ہوتی ہے۔ صحت کے لئے مفید ہے اور عرب کی زبان بمقابلہ شہروں کے اچھی تھی کہ وہ خالص عربی بولتے تھے شہری لوگ مخلوط عربی بولتے تھے وہاں اب بھی یہ ہی حال ہے۔ بچوں کے لئے صحت زبان کی صحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے وہاں عموماً بچوں کی پرورش گاؤں میں کرائی جاتی تھی۔ پرورش کے زمانے کے حالات اور ہوتے ہیں تعلیم و تربیت کے زمانہ کے حالات دوسرے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا الا یعلموا حدود ما انزل اللہ حدود کیوں فرمایا ما انزل اللہ فرمانا ہی کافی تھا۔

جواب: دیہاتی منافقوں کے پاس انزل اللہ یعنی قرآن مجید اور احادیث شریف تو پہنچتی تھیں۔ مگر احکام شرعیہ کی حدیں نہ پہنچتی تھیں کہ یہ چیزیں علماء کی صحبت سے معلوم ہوتی ہیں۔ احکام کے حدود کی تفصیل ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ مثلاً انہیں یہ تو خبر تھی کہ نمازیں پانچ ہیں مگر یہ خبر نہ ہوتی تھی کہ نمازوں میں فرائض واجبات سنتیں مستحبات۔ مکروہات کون کون سے ہیں یہ صرف ایک مثال ہے۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ بعض دیہاتی صدقہ و خیرات کو ایک ٹیکس سمجھتے ہیں یہ عیب تو بعض شہری لوگوں میں بھی ہے۔ پھر خصوصیت سے دیہاتی کا ذکر کیوں ہوا۔

جواب: یا تو اس لئے کہ دیہات میں ایسے نا سمجھ لوگ زیادہ ہوتے ہیں شہر میں کم یا اس لئے کہ خیرات کو ٹیکس سمجھنا اور مومنوں کی ہلاکت کا انتظار کرنا۔ ان دونوں کا مجموعہ دیہاتی منافقوں میں تھا۔ شہری منافقین مسلمانوں کے حالات اسلام کا فروغ آنکھوں سے دیکھتے رہتے تھے۔ اس لئے وہ ان کے روشن مستقبل سے واقف تھے۔ ان کی ہلاکت سے مایوس لہٰذا ان دونوں کے مجموعہ کے اعتبار سے دیہاتیوں کا ذکر فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ: جہاں نبوت کی انور نہ پہنچے وہ جگہ گاؤں ہے اگرچہ آبادی کے لحاظ سے شہر ہو اور وہاں کے باشندے دیہاتی ہیں۔ اور جہاں نبوت کا فیضان پہنچے وہ جگہ شہر ہے اگرچہ آبادی کے اعتبار سے گاؤں ہو۔ اور وہاں کے باشندے اعرابی یعنی دیہاتی نہیں بلکہ عربی یعنی شہری ہیں۔ بلکہ جہاں محبوب رہے وہ جگہ شہر ہے اگرچہ بظاہر جنگل ہو۔ اور جہاں محبوب نہ ہو وہ جگہ گاؤں ہے اگرچہ بظاہر شہر ہو۔ کسی نے کیا خوب کہا۔ شعر۔

گفت معشوقے بہ عاشق اے فتا ۔۔۔ تو بہ غربت دیدہ بس شہرہا!

پس کدامی شہر زانہا خوشتراست ۔۔۔ گفت آں شہرے کہ دروے دلبرست

محبوب نے عاشق سے پوچھا کہ تو نے بہت شہر دیکھے بتا کونسا شہر بہت اچھا ہے وہ بولا جہاں محبوب رہے وہ اچھا شہر ہے اگرچہ جنگل ہو اقبال کہتے ہیں ۔

خاک طیبہ از دو عالم خوشترست ۔۔۔ اے خنک شہر کہ دروے دلبرست

مدینہ منورہ کی خاک دونوں جہان سے پیاری ہے۔ مبارک ہے وہ شہر جہاں اپنی دلبر جانی ہے۔ رب فرماتا ہے لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس دل میں عشق رسول نور محبوب ہو وہ بسا ہوا شہر ہے۔ جس دل میں حضور ﷺ کا عشق و شوق نہ ہو وہ اجڑا ہوا گاؤں ہے۔ وہاں کفر نفاق بے علمی سب کچھ ہے ایسے دل والے اگر نیک کار کر بھی لیں تب بھی وہ کام عبادت نہیں بنیں گے۔ صرف عادت رہیں گے۔ جن کا کوئی اجر و ثواب نہیں ان کے لئے زکوۃ صدقات بوجھ تاوان ہیں۔ ان آیات میں ایسے ہی خشک بے نورے بے پیرے لوگوں کا ذکر ہے ایسے اجڑے ہوئے دیاروں کو چھوڑ دیار روانی بستی میں آؤ۔

تیرا نام بے حضور تیری نماز بے سرور ۔۔۔ ایسے امام سے گذر ایسی نماز سے گذر

مثنوی شریف میں یہ ہی فرمایا گیا۔

قول پیغمبر شنواے مجتبی ۔۔۔ کور عقل آمد وطن در اوستا

اگر دل میں نفس کی تاریکی سرایت کر جاوے تو دل گاؤں ہے اور اگر نفس ہی دل کی روشنی آجاوے تو نفس شہر ہے۔ دل والے عود یا اگربتی کی طرح جل کر فنا ہو کر بھی خوشبو دیتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

مگوز نہار اصل عود چو بیت بہیں دو دش چہ مستی و خوب است

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ

اور دیہاتیوں میں سے وہ ہیں جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور دن آخر پر اور

اور کچھ گاؤں والے وہ ہیں جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اور

يَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ؕ

بناتے ہیں اسے جو خرچ کرتے ہیں نزدیکیاں پاس خدا تعالیٰ کے اور پیغمبر کی دعا میں

جو خرچ کریں اسے اللہ کی نزدیکیوں اور رسول سے دعائیں لینے کا

اَلَاۤ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ؕ سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ؕ

خبردار تحقیق وہ ان کے لئے نزدیکی ہے عنقریب داخل کرے گا ان کو اللہ رحمت میں اپنی

ذریعہ سمجھیں ہاں ہاں وہ ان کے لئے باعث قرب ہے اللہ جلد انہیں اپنی رحمت میں داخل

ع ۱۲

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۹۹﴾

تحقیق اللہ بخشنے والا مہربان ہے

کرے گا بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کا ذکر ہوا کہ وہ شہری منافقوں سے بدتر ہیں اب دیہاتی مخلص مومنوں کا تذکرہ ہے کہ وہ بڑے کامل الایمان ہیں گویا دیہاتی منافقوں کی بے ایمانی کے بعد دیہاتی مومنوں کی ایمانداری کا شاندار بیان ہو رہا ہے۔ ظلمت کے بعد نور کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کی نیکیاں برباد ہونے کا ذکر ہوا ہے کہ وہ اپنے صدقات کو مغرم یعنی ٹیکس سمجھتے ہیں۔ اب دیہاتی مومنوں کی نیکیاں قبول ہوتے ان کی محنت ٹھکانے لگنے کا تذکرہ ہے کہ وہ اپنے صدقات کو مغنم یعنی غنیمت اور نافع کام سمجھتے ہیں۔ گویا مغرم والوں کے بعد مغنم والوں کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقوں کے حضور انور ﷺ سے دوری کا ذکر ہوا اور اب دیہاتی مومنوں کی بارگاہ عالی میں حضوری کا تذکرہ ہے کہ وہ اگرچہ حضور انور ﷺ سے دور رہتے ہیں مگر حضوری میں ہیں۔ کہ ان کی دعائیں لیتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

صدقات وخیرات بھی کرتے ہیں تو اس نیت سے کہ خدا سے قرب کے ساتھ حضور ﷺ کی دعائیں بھی ملیں گویا دور والوں کے بعد حضور والوں کا بے نور والوں کے بعد باشعور حضرات کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: مجاہد فرماتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ قبیلہ مزینہ کے ایک خاندان بنی مقرن کے متعلق ان کے فضائل میں نازل ہوئی امام کلبی کہتے ہیں کہ یہ آیت قبیلہ اسلم۔ غفار۔ جہینہ کے متعلق نازل ہوئی۔ بعض نے فرمایا کہ یہ آیت عبداللہ ذی لبجادین ابن نہم قرنی کے متعلق نازل ہوئی۔ (خازن۔ روح المعانی وغیرہ) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلم کو خدا اسلامت رکھے غفار کی اللہ مغفرت کرے۔ (مسلم بخاری) مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ میں ہی نہیں کہہ رہا ہوں رب تعالٰی کا فرمان ہے۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قریش انصار جہینہ۔ مزینہ اسلم و اشجع۔ غفار آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں ان کا اللہ رسول کے سوا کوئی دوست نہیں (تفسیر خازن) بہر حال یہ آیت دیہات کے قبیلے کے متعلق نازل ہوئی۔

تفسیر ومن الاعراب: اس فرمان کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں کی جا چکی ہے کہ اس میں من بعضیت کا ہے اعراب عرب کے دیہاتیوں کو کہا جاتا ہے۔ یعنی بعض دیہاتی تو وہ ہیں جن کی بد باطنی تم سن چکے اور بعض دیہاتی ان کے مقابل وہ بھی ہیں من یومن باللہ و الیوم الآخر جو اللہ تعالٰی اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں اس طرح کہ ان دونوں کو اور ان کے درمیان تمام ایمانی باتوں کو بذریعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مانتے ہیں کہ حضور ﷺ کو مان کر پھر آپ ﷺ کے فرمان سے انہیں مانتے ہیں کہ ایمان کی حقیقت یہی ہے فقیر کی یہ تفسیر خیال میں رہے کہ آمن کی بجائے یومن فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایمان پر قائم ہیں ایمان لانا کمال نہیں بلکہ ایمان پر قائم رہنا کمال ہے۔ اس فرمان عالی میں رب تعالٰی نے ان کے ایمان او جر بقاء ایمان کی خبر دی۔ ان کے عقائد کا یہ حال ہے ان کے نیک اعمال کا یہ حال ہے کہ ویتخذ ما ینفق قربان عند اللہ یہ فرمان عالی معطوف ہے یومن باللہ (الخ) پر اتخاذ کے معنی ہیں سمجھنا جاننا یعنی دل کا بنانا۔ اس نیت سے یہ کام کرنا ما ینفق سے مراد سارے چھوٹے بڑے صدقات ہیں خواہ فرض صدقے ہوں جیسے زکوۃ یا واجبی صدقے جیسے فطرہ و قربانی یا نفل صدقات جیسے مجاہدین پر حجاج پر مساجد پر خرچ کرنا اور ہو سکتا ہے کہ اس سارے خرچے مراد ہوں۔ خواہ عبادت میں خرچ ہو یا عادت میں حتی کہ اپنا اور اپنے بچوں کا کھانا پہننا بھی پہلی صورت میں صرف مالدار مراد ہوں گے اور اس صورت میں امیر فقیر سب قربات دوسرا مفعول ہے یتخذ کا یہ جمع ہے قربتہ کی اس سے مراد ہے ذریعہ قرب الٰہی اور قرب سے مراد جگہ کا قرب ہونا نہیں بلکہ قبولیت کا قرب مراد ہے ہر صدقہ یا ہر خرچہ ایک قسم کا قرب کا ذریعہ ہے اس لئے قربات جمع ارشاد ہوا۔ عند اللہ یا تو قربات کی صوفت ہے یا یتخذ کا ظرف اور ہو سکتا ہے کہ قربات کا ظرف ہو کہ قربات بمعنی مقربات ہو (روح المعانی) یعنی اپنے صدقات کو قرب الٰہی کا ذریعہ بناتے ہیں کہ خالص اللہ کے لئے خرچ کرتے ہیں خوشی اور محبت و اخلاص سے۔ وصلوات الرسول یہ معطوف ہے قربات پر صلوات جمع ہے صلوۃ کی بمعنی دعا اس دعا سے مراد یا تو وہ دعا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر صدقہ لانے والے کو دعا دیتے تھے جیسے اللھم صلی علی آل ابی اوفی یا اللہ ابی اوفی کی اولاد پر رحمت کر یا اس سے حضور انور ﷺ کی وہ دعا ہے جو خوش ہو کر دیتے تھے اور دیتے ہیں۔ پہلی صورت میں یہ خبر اس زمانہ سے خاص ہے۔ دوسری

www.alahazratnetwork.org

صورت میں تاقیامت یہ دعا میسر ہے کہ حضور انور ﷺ ہر امتی کی نیکی ملاحظہ فرما کر خوش ہوتے اور اس امتی کو دعائیں دیتے ہیں۔ خیال رہے کہ اللہ کی قربت کے بعد رسول کی صلوٰۃ کا ذکر فرما کر یہ بتایا گیا کہ اللہ کا قرب حضور ﷺ کی دعا سے حاصل ہوتا ہے کیوں نہ ہو کہ حضور ﷺ ہر نعمت ورحمت کا وسیلہ عظمیٰ ہیں اللہ کے فضل وکرم کا دروازہ ہیں۔ نعمت دروازہ سے ہی ملتی ہے اسے لئے فقیر دروازہ پر کھڑے ہو کر صدا دیتا ہے (تفسیر ماوی) چونکہ ہر صدقہ پر حضور ﷺ الگ دعا دیتے ہیں یا ایک ایک نیکی پر بہت دعائیں دیتے ہیں۔ اس لئے صلوات جمع ارشاد ہوا۔

الا انها قربة لهم. اس فرمان عالی میں قبولیت کی بشارت ہے کہ جس صدقہ میں اللہ کے قرب حضور ﷺ کی دعا کی نیت کی جاوے وہ قربت ہی ہوتا ہے انها میں ها کا مرجع یا تو ینفق ہے کہ ما اگرچہ مذکر ہے مگر اس سے مراد صدقات ہیں اور صدقہ مونث اور یا اس کا مرجع صلوات الرسول ہے (تفسیر خازن) یعنی آگاہ رہو کہ حضور ﷺ کی دعائیں ان لوگوں کے لئے ذریعہ قرب الٰہی ہے کہ ان کی دعا سے قرب الٰہی بھی حاصل ہوتا ہے عمل قبول بھی ہوتے ہیں دلوں کو چین بھی ملتا ہے ان صلوٰتک سکن لهم اور دلی پاکیزگی بھی میسر ہوتی ہے تطهرهم وتزکیهم بها وہ آیات اس آیت کی تفسیر ہیں سید خلهم الله فی رحمته پچھلے فرمان میں تو رب تعالیٰ نے ان کے اعتقاد کی درستی کی گواہی دی تھی اب اس کے سوا ایک انعام کا ذکر ہے اس میں سین تاکید کے لئے ہے کیونکہ اثبات میں سین ایسا ہی ہے جیسے نفی میں لن. رحمت سے مراد یا تو جنت ہے جو آخرت میں عطا ہوگی یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن کرم ہے وما ارسلناک الا رحمته للعالمین۔ یعنی رب تعالیٰ ان لوگوں کو اپنی رحمت خاص میں داخل فرمائے گا۔ ان الله غفور رحیم ۔اس فرمان عالی میں ان حضرات سے دو اور وعدے ہیں یعنی ان کے تمام خطاؤں کو معافی اور رحم وکرم عطا فرما۔

خلاصہ تفسیر: دیہات کے بعض باشندے وہ بھی ہیں جو صحیح معنی میں اللہ پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور قیامت پر بھی اس طرح کہ ان دونوں کو آپ ﷺ کے ذریعہ سے مانتے ہیں عقیدے کا تو ان کا یہ حال ہے ان کے اعمال خصوصاً صدقات وخیرات کا یہ حال ہے کہ جو کچھ وہ راہ خدا پر خرچ کرتے ہیں اسے وہ دو چیزوں کا ذریعہ بناتے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ سے قرب کہ یہ خرچ خوشنودی خدا تعالیٰ کا ذریعہ بنے دوسرے حضور انور ﷺ کی دعائیں لینا کہ وہ سرکار اس سے خوش ہوں۔ اور دعائیں دے دیں۔ ان کی دعا سے بیڑا پار ہو جاوے ان کی یہ نیت بالکل درست ہے۔ بے شک ان کے صدقات یا انکے لئے محبوب کی دعائیں واقعی ان کے لئے قرب الٰہی کا باعث ہیں جن کے ذریعہ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت ہی قرب پا لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ انہیں آخرت میں اپنی رحمت یعنی جنت میں داخل فرمائے گا۔ یا دنیا میں اپنی رحمت یعنی رحمۃ للعالمین کے دامن کرم میں داخل کرے گا۔ اس کے سوا ان کے سارے گناہ خطائیں معاف فرمادے گا کیونکہ وہ غفور ہے اور انہیں اپنی رحمت سے اور بہت نعمتیں دے گا۔ کیونکہ وہ رحیم ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ اور قیامت کو جاننا یا ماننا کچھ اور ہے مگر ان پر ایمان لانا کچھ اور ان پر ایمان یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

www.alahazratnetwork.org

ذریعہ انہیں مانا جائے یہ فائدہ یومن باللہ والیوم الآخر سے حاصل ہوا کیونکہ منافقین بلکہ اہل کتاب کفار بلکہ بہت سے دوسرے کفار رب کو بھی مانتے ہیں اور قیامت کو مگر قرآن نے انہیں مومن نہ کہا صرف ان حضرات کو مومن کہا جن کا یہاں ذکر ہے یعنی رسول کو ماننے والے۔

دوسرا فائدہ: ایمانیات کی ابتدا ذات الٰہی سے ہے اور انتہا قیامت پر باقی سارے ایمانیات ان میں آ جاتے ہیں یہ فائدہ بھی یومن باللہ والیوم بالاخر سے حاصل ہوا کہ فرشتوں، جنت، دوزخ کا ذکر نہیں فرمایا کیونکہ وہ سب اس میں آ گئے۔

تیسرا فائدہ: نیک اعمال میں اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے ساتھ حضور انور ﷺ کی خوشنودی کی نیت کرنا شرک نہیں بلکہ قبولیت کا ذریعہ ہے یہ فائدہ قربات عنداللہ کے ساتھ وصلوات الرسول فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا نماز روزہ حج و زکوۃ وغیرہ ساری عبادات میں یہ نیت کرنا کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور حضور انور ﷺ خوش ہو کر دعائیں دیں بہت ہی اچھا ہے۔ حضور ﷺ کی رضا رب تعالیٰ کی رضا ہے۔ رب فرماتا ہے **واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ۔**

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کا قرب صرف حضور انور ﷺ کی دعا اور ان کی نظر کرم سے حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ **انہا قربۃ** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جو تفسیر خازن نے کی۔ یعنی انہیں سے مراد صلوات الرسول ہے۔ یہاں تفسیر خازن نے چند باتیں فرمائیں (۱) ہر عمل میں حضور انور ﷺ کی رضا کا لحاظ چاہئے۔ کیونکہ اللہ کی ہر نعمت ہم تک حضور ﷺ کے واسطے سے پہنچی (۲) جب رب تعالیٰ نے ہم کو اپنا بندہ بنایا تو حضور ﷺ کے واسطے سے ہم پر کرم کیا (حضور ﷺ کے واسطہ) سے تو ہم حضور ﷺ سے بے نیاز کیسے ہو سکتے ہیں۔ فرمایا **قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ** (۳) جو حضور انور ﷺ کے واسطے کے بغیر رب سے ملنا چاہے اس کی ساری کوششیں برباد ہیں۔ (۴) حضور انور ﷺ اللہ کا وسیع دروازہ ہیں جو وہاں سے آئے اسی دروازہ سے آئے جو رب تک پہنچے اسی دروازے سے پہنچے۔ شعر۔

وانت باب اللہ ای امرء اتاہ من غیرک لایدخل

(۵) حضور انور ﷺ تک پہنچنا رب تک پہنچنا ہے۔ کیونکہ دربار رسول اور دربار خدا ایک ہی ہیں جو ان دونوں درباروں میں فرق کرے وہ معرفت کا مزہ نہیں چکھ سکتا۔ (تفسیر صاوی)

پانچواں فائدہ: صدقہ لینے والا صدقہ دینے والے کو دعا دے یہ سنت یہ فائدہ صلوٰت الرسول سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: صدقہ دیتے یا لیتے وقت دعا کرنا سنت ہے قرآن مجید سے ثابت ہے۔ حضور ﷺ کی خدمت میں جب کوئی صدقہ لاتا تو حضور ﷺ فرماتے تھے **اللھم صلی علی فلان** ۔ لہٰذا فاتحہ نیاز ختم شریف وغیرہ بالکل جائز ہے کہ اس میں صدقہ کرتے وقت دعا کی جاتی ہے کہ خدا اس کا ثواب فلاں کو عطا فرما یہ بھی صدقہ کے وقت کی دعا ہے۔ حضور انور ﷺ اپنی امت کی طرف سے قربانی کر کے فرماتے تھے **اللھم ھذا من امۃ محمد فتقبل** ۔ الٰہی یہ میری امت کی طرف سے اسے قبول فرما۔ یہ ہی ختم فاتحہ میں کہا جاتا ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ کوئی مسجد عشاء میں دو نفل پڑھ کر کہہ دے کہ **اللھم ھذا لابی ھریرہ** ۔ الٰہی یہ ابوہریرہؓ سے ہے اس کی پوری بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔ یہ فقیر ہمیشہ

www.alahazratnetwork.org

رات کے نوافل کی نیت میں یہ الفاظ کہہ لیتا ہے لسیدنا و نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

ساتویں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو دعا دیتے ہیں اس کی دعا کی نوعیت اور ہے کہ اس سے ان کے اعمال اور ان کے دلوں کو چین نصیب ہوتا ہے اور ہر امت بھی ہر دم حضور انور علیہ السلام کو دعائیں دیتی ہے مگر یہ دعا ایسی ہے جیسے بھکاری بھیک مانگنے کے لئے اور بھیک پا کر داتا کو دعائیں دیتے ہیں۔ شعر۔

قلب کی صورت غنچہ بستہ اس کو کرم سے کردو شگفتہ دے گا دامیں حافظ خستہ صلی اللہ علیہ وسلم

مسئلہ: ہم حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم یا دوسرے انبیاء کرام یا فرشتوں کی دعا علیہ الصلوۃ والسلام یا صلی اللہ علیہ وسلم یا علیہ السلام کے الفاظ سے دیں گے اور عام مسلمانوں کو مرحوم۔ مغفور۔ غفرلہ کے الفاظ سے دیں گے۔ مقبول امتیوں کو رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے الفاظ سے دعائیں دیں۔ نبی اور فرشتوں کے سواء کسی اور کو علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے۔ لہذا علی علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام نہیں کہنا چاہئے۔ اسی طرح حضرت جبریل یا حضرت موسیٰ کو رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ یا مرحوم مغفور نہیں کہہ سکتے۔ اس کی تفصیل روح المعانی میں اسی مقام پر دیکھو۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو عزوجل نہیں کہہ سکتے کہ رب تعالیٰ کے لئے ہیں اگرچہ حضور انور علیہ السلام اللہ کے کرم سے عزت والے بھی ہیں اور جلیل بھی۔ (روح المعانی) اس مسئلہ کا ماخذ وہ آیت کریمہ ہے یاایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما کی ضمیر نبی کی طرف ہے جس سے اشارۃً معلوم ہوا صلوۃ وسلام نبی کے لئے ہے دوسرے انسان کے لئے نہیں۔ بعض لوگ علی علیہ السلام حسین علیہ السلام کہتے ہیں وہ جاہل ہیں۔ یہ ہی روافض کی علامت ہے (از روح المعانی) یہ مسائل اچھی طرح یاد رکھنا چاہئیں۔

پہلا اعتراض: یہاں من یومن کیوں فرمایا۔

جواب: مقصود یہ ہے کہ وہ ایمان لا چکے اور ایمان پر قائم ہیں اس فرمانے ایمان پر رہنا معلوم نہ ہوتا ایمان لانا کمال نہیں بلکہ ایمان پر رہنا کمال ہے شیطان پہلے ایمان لایا مگر اس پر قائم نہیں رہا۔

دوسرا اعتراض: اکثر منافقین یہودی تھے جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کو بذریعہ نبی موسیٰ علیہ السلام مانتے تھے پھر وہ کافر کیوں رہے اور حضور کا کلمہ پڑھنے والے مومن کیوں ہوئے۔ ان کے بارے میں فرمایا گیا من یومن باللہ و الیوم الاخر۔

جواب: ان نبیوں کی نبوتیں ختم ہو چکیں اب ان کے واسطہ سے رب تعالیٰ اور تمام ایمانیات کو ماننا ایمان نہیں۔ اب صرف حضور انور علیہ السلام کے ذریعہ یہ چیزیں ماننا ایمان ہے جس سڑک کا چلن بند ہو جائے اس سے سودا نہیں ملتا جو راستہ آگے سے بند کر دیا جائے اس کے ذریعہ مقصود تک نہیں پہنچ سکتے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں قربات اور صلوات کو جمع کیوں فرمایا گیا۔ قربۃ اور صلوۃ واحد فرمانا بھی کافی تھا۔

جواب: اس لئے کہ وہ دیہاتی حضرات اپنے ہر صدقہ سے اللہ تعالیٰ کی بہت قربتیں اور حضور علیہ السلام کی بہت دعاؤں کی امید کرتے تھے ان کا عقیدہ تھا کہ وہ ہم بھکاریوں کو دیکھ کر نہیں دیتے بلکہ اپنی شان اپنا کرم دیکھ کر بھیک دیتے ہیں۔

چوتھا اعتراض: پھر رب نے یہ کیوں فرمایا الا انھا قربۃ لھم یہاں بھی قربات جمع فرمانا چاہئے تھا۔ کیا رب نے ان کی

www.alahazratnetwork.org

آرزو پوری نہیں کی۔

جواب: یہاں قربۃ اسم جنس ہے جس میں ایک اور زیادہ سب داخل ہیں اور ان کی تنوین عظمت کی۔ یعنی ان کی آرزو سے زیادہ کی عطا ہے۔

پانچواں فائدہ: تم نے کہا کہ نبی اور فرشتوں کے سوا کسی کو علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم نہیں کہہ سکتے مگر ہم درود ابراہیمی میں پڑھتے ہیں **اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی ال سیدنا محمد** (الخ) آل رسول بھی تو نبی نہیں پھر ان پر صلوٰۃ کیوں بھیجی جاتی ہے۔

جواب: غیر نبی پر مستقلاً درود یا انہیں علیہ السلام کہنا ممنوع ہے نبی کے تابع کر کے کہنا جائز ہے (دیکھو روح المعانی اور عام کتب فقہ) جب **اللھم صل علی سیدنا محمد** کہہ لیا تو آگے **و علی ال سیدنا محمد و اصحابه و اولیاء امته و علماء ملته و علی سیدنا غوث اعظم** وغیرہ کہنا جائز ہو گیا۔ مگر **اللھم صلی علی اصحاب رسول الله** وغیرہ یا امام حسین یا علی یا عمر علیہ السلام کہنا ممنوع۔

چھٹا اعتراض: ابھی تم نے حدیث نقل کی کہ حضور انور ﷺ صدقہ لانے والوں کو ان الفاظ سے دعا دیتے تھے۔ **اللھم صلی علی ال فلان** وہاں صل ہے اور نبی کا ذکر نہیں غیر نبی پر مستقلاً درود ہے پھر ہمارے واسطے ناجائز کیوں۔

جواب: **اللھم صلی یاصلی الله علیک السلام** حضور انور ﷺ کا اپنا حق ہے اگر حضور ﷺ اپنا حق کسی کو دے دیں تو آپ ﷺ سرکار مختار ہیں مگر ہم کو یہ حق دوسرے کو دینا منع ہے بہت سے الفاظ حضور انور ﷺ فرما سکتے ہیں ہم نہیں کہہ سکتے۔ حضور انور ﷺ نے اپنی بعض ازواج پاک کو فرمایا۔ عقری حلقی، منڈی بانجھ اگر ان بیبیوں کے متعلق ہم کہیں تو ایمان سے ہی باہر ہو جاویں غرضکہ حضور انور ﷺ کے احکام اور ہیں اور ہمارے احکام جداگانہ یعنی کچھ اور۔

لطیفہ: بعض شیعہ نواز سنی عموماً کہتے ہیں علی علیہ السلام یا امام حسین علیہ السلام مگر کبھی حضرت عمر علیہ السلام یا عثمان علیہ السلام نہیں کہتے یا **صلی الله علی امام حسین** یا **اللھم صلی علی امام** حسین نہیں کہتے اس فرق کی وجہ ہماری سمجھ میں نہیں آتی ان شاء اللہ اس کی پوری بحث **ھو الذی یصلی علیکم و ملائکته** کی تفسیر میں کیا جاوے گی۔

ساتواں فائدہ: یہ دیہاتی مخلص مومنین اپنے گاؤں میں خفیہ یا ظاہر کم زیادہ خیراتیں کرتے تھے اس پر حضور انور ﷺ کی دعا میں انہیں کیسے ملتی تھیں نبی کریم تو ان سے دور مدینہ منورہ میں جلوہ افروز تھے۔

جواب: اس زمانے میں ظاہری مال یعنی زمین و جانوروں کی زکوۃ نبی کریم ﷺ کا مقرر کردہ عامل وصول کر کے بارگاہ عالیہ میں پیش کرتا تھا اس کے علاوہ دوسرے صدقات بھی مسلمان اپنی خوشی سے حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں لاتے تھے اور دعا میں پاتے تھے نیز حضور انور ﷺ پر کسی مومن کا حال چھپا ہوا نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: تا قیامت ہر جگہ کے سارے مسلمان حضور انور ﷺ کے اعرابی دیہاتی ہیں۔ شعر۔

ہمہ رازتی چہ گم من عجمی او عربی　　　لاف مہرش چہ زنم من حبشی او قرشی

www.alahazratnetwork.org

ہر مومن اپنے ہر نیک عمل میں دو نیت کرتا ہے اللہ تعالٰی سے قرب حاصل ہونے اور حضور انور ﷺ کا خوش ہو کر دعائیں دے دینے کی بلکہ ہمارے اعمال حضور انور ﷺ کی دعاؤں کا ذریعہ ہیں اور حضور ﷺ کی دعائیں اللہ تعالٰی سے قرب کا ذریعہ الا انھا قربۃ لھم کے ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ صلوات رسول ان کے لئے قرب الٰہی ہے۔ ایسے خوش نصیبوں کے لئے تین بشارتیں ہیں۔ عطاء قرب۔ مغفرت گناہ رحمت خاص میں داخلہ مومن اپنی ہر نیکی میں خواہ بدنی ہو یا مالی یا جانی حضور ﷺ کی دعا ملنے کی آس لگائے کیونکہ حضور ﷺ کو ہمارے ہر عمل کی خبر ہے۔ لا یخفی علی ارکوعکم وسجودکم وخشوعکم جیسے ہر عضو کے ہر حرکت کی روح کو خبر ہے ویکون الرسول علیکم شھیدا۔ قسم رب کی اگر ایک دفعہ نگاہ کرم فرمادیں ہم جیسے کروڑوں کا بیڑا پار ہو جائے۔ شعر۔

لب بہ جنباں اے شہ کون و مکان تابہ یا بند ہچو ماصدہا امان

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَ

اور اول درجے کے سبقت لے جانے والے مہاجر اور انصار اور

اور سب میں اگلے پہلے مہاجر و انصار اور

الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

وہ جو پیروی کریں ان کی ساتھ بھلائی کے راضی ہے اللہ ان سے اور راضی

جو بھلائی کے ساتھ ان کے پیرو ہوئے اللہ ان سے راضی اور وہ

عَنْهُ وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ

ہوئے وہ اللہ سے اور تیار کیں اللہ نے واسطے ان کے جنتیں کہ بہتی ہیں نیچے ان کے

اللہ سے راضی اور ان کے لئے تیار کر رکھے ہیں باغ جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝

نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں یہ کامیابی ہے بڑی

ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے یہی بڑی کامیابی ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں دیہاتی منافقین اور مومنین مخلصین کا بالترتیب ذکر ہوا م نافقین کا ذکر غضب سے اور مخلصین کا رحمت کے ساتھ اور شہر مدینہ منورہ میں رہنے والے مخلصین صحابہ کے درجات کا تذکرہ ہے تاکہ ان حضرات کی خصوصی شان

www.alahazratnetwork.org

معلوم ہو۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان دیہاتی مخلصین کا ذکر ہوا جو اخلاص سے اپنے مال راہ خدا میں خرچ کریں۔ جہاد۔ زکوۃ وغیرہ میں اب ان خوش نصیب صحابہ کا ذکر ہے جنہوں نے راہ خدا میں وطن اور اپنی جانوں کی قربانی دی گویا مالی قربانی کے بعد وطنی و جانی قربانی کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اس عبادت کا ذکر ہوا جس سے اللہ کا قرب۔ حضور انور ﷺ کی دعائیں۔ جنت میں داخلہ۔ گناہوں کی مغفرت حاصل ہو اور اس پر عمل تا قیامت ہو سکے۔ اب اس خصوصی عبادت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ کی رضا نصیب ہو۔ جو سب سے اعلیٰ ہے اور وہ خاص نصیب والوں کو مل چکی ہیں یعنی سبقت ہجرت۔ نصرت کہ یہ نعمتیں خاص صحابہ کو میسر ہوئیں۔ باقی لوگ ان کے دعا گو ہو کر رب سے انعام حاصل کریں۔

تفسیر: والسابقون الاولون ۔ اس آیت کی بہت سی ترکیبیں کی گئی ہیں اور آسان ترکیب یہ ہے کہ السابقون موصوف ہے اور الاولون صفت من المهاجرين اس کا بیان پھر رضی الله عنهم (الخ) اس کی خبر سابقین بنا ہے سبقت سے بمعنی درجہ آگے ہونا۔ اولون بنا ہے اولیت سے بمعنی تعداد و شمار یا زمانہ میں پہلے ہونا۔ اس میں گفتگو ہے کہ اس سے کون حضرات مراد ہیں اس کے متعلق چار قول ہیں (۱) اس میں وہ صحابہ ہیں جنہوں نے دونوں قبلوں کی طرف نمازیں پڑھیں یعنی تبدیلی قبلہ سے پہلے ایمان لائے۔ تبدیلی قبلہ ہجرت کے اٹھارہ ماہ بعد یعنی ۲ ہجری ماہ شعبان منگل کے دن ہوئی۔ (۲) اس سے مراد غزوہ بدر میں شرکت کرنے والے صحابہ ہیں یہ غزوہ ۱۷ رمضان ۲ ہجری میں ہوا۔ (۳) اس سے مراد بیعۃ الرضوان میں شرکت کرنے والے صحابہ ہیں جو صلح حدیبیہ کے موقع پر ۶ ہجری میں ہوا۔ (روح البیان و خازن وغیرہ) (۴) اس سے مراد ہجرت میں پہل کرنے والے صحابہ ہیں یعنی مہاجرین اولین جو حضور انور ﷺ کی ہجرت سے پہلے مکہ معظمہ سے ہجرت کر گئے اور حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد امداد نصرت میں پہل کرنے والے انصار یعنی بیعت عقبہ میں شرکت کرنے والے اس تفسیر کو امام رازی نے ترجیح دی اور اسی پر بہت زور دیا۔

خیال رہے: کہ اول مومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ہیں پھر اس میں گفتگو ہے کہ پہلے ایمان کون لایا ترجیح اسے ہے کہ بوڑھوں میں سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق ایمان لائے بچوں میں پہلے حضرت علی۔ غلاموں میں حضرت زید ابن حارثہ۔ حضرت ابوبکر صدیق کے ہاتھ پر حضرت عثمان ابن عفا۔ زبیر ابن عوام۔ عبدالرحمٰن ابن عوف۔ سعد ابن ابی وقاص۔ طلحہ ابن عبیداللہ ان سب کو حضرت صدیق حضور کی خدمت میں لائے اور ان آٹھ صاحبوں نے اولاً نماز پڑھی (تفسیر خازن) یعنی پانچ یہ حضرات چھٹے خود صدیق ساتویں حضرت علی۔ آٹھویں خود حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور بھی جو حضور انور ﷺ اپنے اجتہاد سے پڑھتے تھے۔

خیال رہے: کہ ان حضرات سابقین میں پھر ترتیب ہے سب سے افضل خلفاء راشدین پھر بقیہ عشرہ مبشرہ میں سے چھ حضرات سعد۔ سعید۔ ابوعبیدہ۔ طلحہ۔ زبیر۔ عبدالرحمٰن پھر غازیان بدر پھر غازیان احد بیعت رضوان والے (روح البیان مع

www.alahazratnetwork.org

المهاجرين و الانصار ۔ اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ من بعضیت کا ہے اور ف معنی یہ ہیں کہ مہاجرین و انصار میں سے اولین سابقین کے یہ فضائل ہیں۔ اس صورت میں ان دونوں مبارک جماعتوں کے دو حصے ہوگئے ایک سابقین اولین دوسرے ان کے تابعین جن کا ذکر ابھی آ رہا ہے چونکہ مہاجرین صحابہ انصار سے افضل ہیں اس لئے مہاجرین کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ انصار کا بعد میں۔ اس بنا پر مہاجرین قریش خلفاء اور انصار وزراقرار پائے (روح المعانی)۔

خیال رہے: کہ حضور انور ﷺ کی ہجرت سے پہلے انصار مدینہ نے تین بار حضور انور ﷺ کے ہاتھ شریف پر بیعت کی۔ تینوں منیٰ میں حج کے موقعہ پر جمرہ عقبہ کے پیچھے پھر منیٰ عقبہ اولیٰ عقبہ ثانیہ۔ بیعت عقبہ ثالثہ۔ پہلی بیعت میں چھ انصاری شریک ہوئے۔ اسد ابن زرارہ۔ عوف ابن مالک۔ رافع ابن مالک۔ ابن عجلان۔ قطبہ ابن عامر۔ جابر ابن عبداللہ ابن رباب اور عقبہ ابن عامر۔ پھر اگلے سال دوسری بیعت اسی جگہ پر ہوئی جس میں بارہ حضرات شریک ہوئے۔ پھر تیسری بیعت ہوئی اس میں ستر (۷۰) حضرات نے شرکت کی جن پر براء ابن معرور۔ عبداللہ ابن عمرو۔ ابن حرام۔ ابو جابر سعد ابن عبادہ۔ سعد ابن ربیع عبداللہ ابن رواحہ جیسے جلیل القدر انصار شامل ہوئے۔ پھر حضور انور ﷺ نے حضرت مصعب ابن عمر کو مدینہ منورہ تعلیم دین کے لئے بھی بھیجا ان کے ہاتھ پر بہت اہل مدینہ ایمان لائے۔ مرد۔ عورتیں بچے بوڑھے (خازن وخزائن) اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے **لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح و قاتل اولئك اعظم درجة** ۔ جس سے پتہ لگا کہ صحابہ کے درجے یکساں نہیں۔ بعض بعض سے افضل ہیں۔

دوسری تفسیر: یہ ہے کہ یہاں مــن بیانیہ ہے اور مہاجرین وانصار سابقوں کا بیان ہے اب مطلب یہ ہوا کہ سارے مہاجرین وانصار سابقین اولین ہیں کہ وہ اسلام کی صف اول میں ہیں۔ یہ سب جنتی ہیں۔ رب ان سب سے راضی۔ اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے **و كلا وعد الله الحسنى** ۔ اللہ نے سارے صحابہ سے جنت کا وعدہ فرمالیا۔ ان کے جنتی ہونے کا کوئی فرق نہیں۔ **و الذين اتبعوهم باحسان** ۔ اس فرمان عالی کی بھی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ مہاجرین و انصار ہیں جو سابقین اولین کے بعد ان کے تابع ہیں یہ تفسیر تب ہے جب کہ **من المهاجرين** کا من بعضیت کا ہو اور مطلب یہ ہے کہ ان صحابہ سے بھی تعالیٰ راضی ہے جو سابقین اولین صحابہ کے پیروکار ہیں۔ بھلائی میں اخلاص سے ان کی اتباع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس سے مراد تا قیامت سارے مسلمان ہیں یہ اس صورت میں ہے جب کہ مــن المهاجرين (الخ) کا من بیانیہ ہو مطلب یہ ہے کہ سارے صحابہ جو سابقین اولین ہیں ان سے بھی رب راضی اور تا قیامت تمام وہ مومنین جو ان صحابہ کے دل سے متبع ہیں ان سے بھی رب راضی اس تفسیر کی تائید ان آیات سے ہے (۱) **و آخرين منهم لما يلحقوا بهم** (جمعہ) (۲) **و الذين جاؤا من بعدهم** ۔ حشر۔ (۳) **و الذين من بعد** (انفال) (روح المعانی، کبیر، خازن وغیرہ)

لطیفہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس آیت کی تلاوت یوں کرتے تھے **و الانصار الذين اتبعوهم** (الخ) یعنی انصار کو پیش پڑھتے تھے۔ اور الـذيـن سے پہلے واؤ نہیں پڑھتے تھے اور تفسیر یوں کرتے تھے کہ اللہ سارے مہاجرین سے بھی راضی جو

www.alahazratnetwork.org

سابقین اولین ہیں اور ان انصار سے بھی جو مہاجرین کے متبع ہیں حتی کہ ابی ابن کعب نے عرض کیا کہ والانصار میں رکو کرو ہے اور والذین واؤ کے ساتھ ہے پھر آپ نے حضرت زید ابن ثابت کعب سے پوچھا جو کاتب وحی تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ ابی بالکل ٹھیک کہتے ہیں۔ حضرت جبریل نے یوں ہی تلاوت کی اور حضور انور ﷺ نے مجھے ہی لکھوائی تب حضرت عمر نے نعرہ تکبیر بلند کیا۔ (تفسیر روح المعانی وکبیر) روایت ہے حمید ابن زیاد سے فرماتے کہ ایک دن میں نے محمد ابن کعب قرظی سے کہا کہ حضور انور ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کی آپس میں بہت جنگیں ہوئیں آپ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے ان سب کو بخش دیا۔ ان کے لئے جنت واجب فرمادی ہے میں نے کہا آپ یہ کہاں سے کہتے ہیں فرمایا قرآن مجید سے اور آپ نے یہی آیت تلاوت کی اور فرمایا کہ دیکھو رب نے ان سے جنت کا وعدہ بغیر شرط فرمایا مگر ان کی اتباع کرنے والوں کے ساتھ وعدہ ایک شرط سے کیا کہ فرمایا باحسان یعنی ان کی اتباع کریں بھلائی سے ان کو اچھا کہتے ہوں تو جنتی ہیں اور کہا کہ باحسان کا ایک مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے مسلمان صحابہ کے نیک اعمال میں ان کی اتباع کریں رہے ان کے دوسرے اعمال جنگیں وغیرہ ان کا ذکر تک نہ کریں نہ اس میں ان کی اتباع کریں تب جنتی ہوں گے۔ حمید کہتے ہیں کہ مجھے محسوس ہوا کہ میں نے یہ آیت پڑھی ہی نہ تھی۔ آج پڑھی ہے (کبیر روح المعانی خازن وغیرہ) **رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ** ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ مبتدا کی خبر ہے یعنی اللہ تعالی ان سے راضی۔ غریبی، امیری، صحت، بیماری جس حال میں رکھے وہ اس سے راضی ہیں کبھی کسی چیز کسی چیز کی شکایت نہیں کرتے۔ **واعد لھم جنت تجری من تحتھا الانھار** یہ معطوف ہے۔ **رضی اللہ عنھم** (الخ) پر۔ اور ان لوگوں کی دوسری جزا کا ذکر ہے یعنی جنتیں ان کے نامزد کردی گئیں جن میں بہار یہ ہے کہ ان کے درختوں کے نیچے نہریں جاری ہیں اور رہیں گی **خلدین فیھا ابدا** ۔ یہ فرمان عالی **لھم** کی ضمیر سے حال ہے یعنی وہ لوگ ان جنتیوں میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ خیال رہے کہ آئندہ کی ہمیشگی کو ابد کہتے ہیں۔ گذشتہ کی ہمیشگی کو ازل اور دو طرفہ ہمیشگی کو سرمد کہا جاتا ہے۔ ابد الاباد اور ازل الازال (روح البیان) **ذلک الفوز العظیم ذلک** سے اشارہ تمام مذکورہ چیزوں کی طرف ہے یعنی اللہ کی رضا جنتیوں کا نامزد ہونا ان میں ہمیشہ رہنا ہی بڑی کامیابی ہے جس کے مقابل کوئی کامیابی نہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی بہت تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کے صحابہ کرام میں اگلے پہلے مہاجرین اور انصار اور وہ لوگ جو بھلائی کے ساتھ ان کی پیروی کریں ان کی شان یہ ہے کہ اللہ ان سے راضی ہو چکا اور وہ لوگ اللہ سے راضی ہو چکے۔ اللہ نے ان کے لئے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں۔ جن کے نیچے نہریں رواں ہیں وہ ان جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ نعمتیں بڑی ہی کامیابی ہیں۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چالیس سال کی عمر شریف میں مکہ معظمہ میں وحی آئی کچھ لوگ حضور انور ﷺ ایمان لائے جنہیں کفار مکہ نے بہت ستایا تو ان میں اسی (۸۰) مسلمان حضور انور ﷺ کی اجازت سے حبشہ کو ہجرت کر گئے۔ یہ ہجرت رجب میں نبوت کے پانچویں سال ہوئی۔ یہ ہی اول ہجرت ہے پھر نبوت کے گیارہویں سال پہلی

www.alahazratnetwork.org

بیعت عقبہ ہوئی اور بارہویں سال دوسری بیعت عقبہ پھر مبعوث ہونے کے چودھویں کی ابتدا میں حضور انور ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی۔ اس کے بعد جو مسلمانوں نے ہجرت کی وہ دوسری ہجرت ہے پہلوں کو مہاجرین اولین اور سابقین کہتے ہیں اور جن انصار نے بیعت عقبہ میں حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا وہ سابقین انصار ہیں۔ حضور انور ﷺ کے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کے بعد جن حضرات نے بیعت کی وہ گویا لاحقین ہیں۔ (روح البیان) یہاں سابقین مہاجرین و انصار کے فضائل مذکور ہوئے۔ بعض حضرات دو ہجرت والے ہیں انہیں صاحب ہجرتین کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کی ہجرت سے پہلے وہ حبشہ وغیرہ ہجرت کر گئے پھر حضور ﷺ کی ہجرت کے بعد مدینہ منورہ ہجرت کر کے آ گئے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: پرانا مسلمان ہونا رب تعالیٰ کی نعمت ہے اور انسان کی اچھی صفت دیکھو اس آیت میں پرانے مومنوں کو سابقین اولین فرمایا اور بعد والوں کو تابعین اس لئے کہا جاتا ہے وانا اول المومنین۔

دوسرا فائدہ: آڑے وقت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کی خدمت کرنا بڑی فضیلت کا باعث ہے یہ فائدہ بھی السابقون الاولون سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے لایستوی منکم من انفق من قبل الفتح وقاتل (الخ) یہ فائدے اس آیۃ کریمہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوئی جب کہ والذین اتبعوھم سے بعد کے مہاجرین وانصار مراد ہوں۔

تیسرا فائدہ: کوئی مسلمان کسی درجہ پر پہنچ کر صحابی کی گرد قدم کو نہیں پہنچ سکتا۔ کیونکہ وہ حضرات سابقین اولین میں تاقیامت تمام اقسام کی مومنین ان کے تابع ہیں۔ یہ فائدہ اس آیت کی دوسری تفسیر سے حاصل جواب کہ والذین اتبعوھم سے تاقیامت مومنین مراد ہیں۔

چوتھا فائدہ: مہاجرین صحابہ انصار سے افضل ہیں اگرچہ دونوں جماعتیں اللہ کی مقبول ہیں یہ فائدہ مہاجرین کو انصار سے پہلے بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ من المھاجرین والانصار۔

پانچواں فائدہ: حضرات صحابہ کرام اور تاقیامت سارے مقبول مومنین کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں یہ فائدہ رضی اللہ عنہم (الخ) سے حاصل ہوا ایک جگہ ارشاد ہے رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذلک لن خشی ربہ۔

چھٹا فائدہ: حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں کیونکہ ہجرت میں جو سبقت انہیں میسر ہوئی وہ کسی کو نہیں کہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس طرح ہجرت کی کہ حضور کو اپنے کندھے پر لے کر غار ثور پر چڑھے پھر غار میں اندھیری رات میں اکیلے اترے اسے ہاتھ سے صاف کیا اپنے کپڑے پھاڑ کر اس کے سوراخ بند کئے پھر حضور کو اپنے گھٹنوں پر سلایا اپنی انگلی میں سانپ کٹوایا وغیرہ وغیرہ اس لئے آپ ہی خلافت رسول میں سابق اور پہلے رہے۔ (تفسیر کبیر) رب نے انہیں ثانی فرمایا پھر انہیں ثالث یعنی تیسرا کون کرتا۔ شعر۔

موت میں قبر میں اور حشر میں ثانی ہی رہے ثانی اثنین کے اس طرح ہیں مظہر صدیق

ساتواں فائدہ: خلفاء ثلثہ یعنی حضرت صدیق اکبر فاروق اعظم، عثمان غنی کی خلافتیں برحق ہیں اور وہ امام برحق کیونکہ اگر

www.alahazratnetwork.org

ان کی خلافتیں باطل ہوتیں تو نہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہوتا نہ ان کے لئے جنت ہوتی۔ نہ وہ کامیاب ہوتے مگر قرآن کی یہ آیت بتا رہی ہے کہ رب تعالیٰ ان سے راضی ہے ان کے لئے جنت ہے وہ بڑے کامیاب ہیں (تفسیر کبیر) کیونکہ سابقین کے جو بھی معنی کیے جائیں وہ ہر معنی سے سابق ہیں۔

آٹھواں فائدہ: تاقیامت وہ ہی مسلمان حق پر ہیں جو حضرات صحابہ یعنی مہاجرین وانصار کے پیروکار ان کے ثناخواں ان کا ذکر کرنے والے ہیں صرف وہ ہی جنتی ہیں رب تعالیٰ انہیں سے راضی ہے یہ فائدہ **والذین اتبعواھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب رب تعالیٰ حضرات صحابہ کے غلاموں پیروکاروں سے راضی ہے تو خود اس سے کتنا راضی ہوگا۔ لہٰذا روافض وخوارج باطل پر ہیں۔

نواں فائدہ: سارے صحابہ عادل، ثقہ، متقی ہیں ان میں کوئی فاسق نہیں۔ یہ فائدہ رضی اللہ عنہم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے **وکلا وعداللہ الحسنی** جو تاریخی واقعہ ان کا فسق ثابت کرے وہ جھوٹا ہے قرآن مجید سچا ہے۔

مسئلہ: صحابہ کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے ان اصحاب بدر تین سو تیرہ ہیں۔ خلفاء ارشدین چار اور یار غار افضل الخلق الانبیاء ایک جیسے نبیوں کی کل تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ان میں رسول تین سو تیرہ۔ مرسلین چار اور مصطفیٰ ایک۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رضی اللہ عنہ صرف حضرات صحابہ کو کہنا چاہئے۔ دوسروں کو نہیں۔ کیوں کہ یہاں سابقین اور تابعین صحابہ کو رضی اللہ عنہ فرمایا گیا۔ پھر تم لوگ غوث اعظم۔ امام اعظم اور اعلٰحضرت کو رضی اللہ عنہ کیوں کہتے ہو۔

جواب: اسی آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ سارے مقبول مومنوں کو رضی اللہ عنہ کہہ سکتے ہیں کیونکہ **الذین اتبعوا** کی ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ اس سے تاقیامت حضرات صحابہ کرام کے متبعین مراد ہیں دوسری آیت میں اسے بالکل ہی صاف کر دیا گیا ہے۔ **رضی اللہ عنھم ورضوعنہ ذلک لمن خشی ربہ** ہر خوف خدا رکھنے والے سے رب راضی ہو چکا۔

دوسرا اعتراض: سابقین اور اولین ایک ہی ہیں پھر انہیں علیحدہ کیوں بیان کیا جو سابق ہے وہ اول ہے اور اس کے برعکس۔

جواب: سابقین سے مراد درجے میں سبقت رکھنے والے اولین سے مراد ہیں تعداد میں اولیت والے یا سابقین سے مراد ہیں حضور انور ﷺ کی خدمت کرنے میں سبقت والے اور اولین سے مراد اسلام کی خدمت میں پہل کرنے والے یا سابقین سے مراد ہیں دنیا میں دوسروں پر سبقت والے اور اولین سے مراد ہیں آخرت میں سب سے اول رہنے والے یا سابقین کا تعلق مہاجرین سے ہے اور اولین کا تعلق انصار سے یعنی ہجرت میں سبقت کرنے والے اور نصرت رسول میں اولیت والے اس کی اور بہت توجیہیں ہو سکتی ہیں۔

تیسرا اعتراض: اتباع کے ساتھ احسان کی قید کیوں لگائی کہ فرمایا **والذین اتبعوھم باحسان**۔

جواب: صحابہ کرام کی صرف اتباع نجات کے لئے کافی نہیں صرف اتباع تو منافقین بھی کرتے تھے بلکہ ان کی اتباع

www.alahazratnetwork.org

احسان کے ساتھ چاہئے۔ احسان کے معنی ہیں اچھا کہنا۔ اچھا ماننا۔ یعنی منہ سے ان کا مدح خواں ہو۔ دل سے انہیں اچھا مانے پھر ان کی اتباع کرے احسان نے حضرات صحابہ میں اور ہم مسلمانوں میں فرق کر دیا کہ ان حضرات سے رب تعالیٰ مطلقاً راضی ہے کہ وہ سابق اور اول ہی رہے تم لوگوں سے رب دو شرطوں سے راضی ہوگا۔ ایک یہ کہ انہیں اپنا متبوع پیشوا مانو دوسرے یہ کہ انہیں برحق نیک کار متقی جانو۔ ان میں عیب نہ نکالو۔ فقیر کے نزدیک یہ جواب بہت قوی ہے۔ اس کے علاوہ تفسیر کبیر وغیرہ نے جو جوابات دیئے وہ قوی نہیں کہ انہوں نے باحسان میں ب کو بمعنی فی لیا۔ یعنی اچھی باتوں میں ان کی اتباع کریں۔ باقی میں نہیں یہ جواب قوی نہیں۔ شعر۔

رسول اللہ ہیں عیب انکے سب ساتھی بھی طاہر ہیں چنیدہ بہر پاکان حضرت فاروق اعظم ہیں

چوتھا اعتراض: حضرات صحابہ سے بڑے بڑے گناہ بھی سرزد ہوئے ہیں۔ کیا ان کے ان گناہوں کی بھی تعریف کی جائے اور ان میں بھی ان کی اتباع کی جائے۔

جواب: اسی وجہ سے امام رازی نے باحسان کے معنی فی احسان مگر فقیر اس کے جواب میں یہ آیت پیش کرتا ہے **الذین تاب وامن وعمل عملا صالحا فاولئک یبدل الله سیاتهم حسنات** ۔ توبہ کے بعد گناہ بھی نیکیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ ان چیزوں میں ان حضرات کی اتباع یوں کرے کہ جب گناہ ہو جائے تو ان کی سی توجہ کرے کہ خود حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرے یا رسول اللہ مجھ سے گناہ ہو گیا۔ ہلاک ہو گیا۔ مجھے پاک فرما دو انشاء اللہ ادھر سے وہ ہی جواب ملے گا۔ جو حضرت ماعز کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ ماعز کو برا کہو وہ اللہ رسول کا پیارا ہے اپنی خطا پر سنگسار ہو گئے مگر محبوبیت سے خارج نہ ہوئے۔ ماں کیچڑ میں تھڑے بچے کو نہیں پھینک دیتی۔ جناب مصطفیٰ ہم جیسے گناہوں میں تھڑے ہوؤں کو نہیں نکال دیتے ان کی صفت ہے **ویزکیھم** وہ پاک وصاف فرما دیتے ہیں۔ ہاں ان سے نہ بھاگو۔ ان کی طرف بھاگو۔ شعر۔

کرکے تمہارے گناہ مانگیں تمہاری پناہ تم کہو دامن میں آ تم پہ کروڑوں درود!
بور حاکم سے چھپا کرتے ہیں یاں اس کے خلاف تیرے دامن میں چھپے چور انوکھا تیرا!

اللهم صلی وسلم علی سیدنا محمد ساتر العیوب غافر الذنوب معاذ الانام ملاذ ذوی الاثام الی یوم القیام۔

تفسیر صوفیانہ: بفضلہ تعالیٰ حضور انور ﷺ کی ساری امت از صحابہ کرام تا یوم القیامہ اولین و آخرین سارے ہی سابقین ہیں یہاں **السابقون** مبتدا ہے اور **الاولون** سے لے کر باحسان تک اس کی خبر اس سبقت کی چند وجہیں ہیں (۱) ازلی عنایت میں پہلے یہ ہیں ان **الذین سبقت لهم منا الحسنی** ۔ (۲) پیدائش میں عدم سے وجود میں پہلے یہ آئے بعد میں دوسرے لوگ (۳) عالم ارواح میں صف اول میں یہ تھے پچھلی صفوف میں اور امتیں (۴) جب میثاق کے دن حضرت آدم کی پیٹھ سے روحیں نکالی گئیں تو پہلے یہ امت نکلی بعد میں اور لوگ (۵) **الست بربکم** کے جواب میں پہلے اس امت سے بلی

www.alahazratnetwork.org

کہا۔ پھر دوسری امتوں نے (۶) قدم سلوک سے چل کر پہلے یہ امت رب تک پہنچی پھر دوسری امتیں (۷) قیامت میں پہلے اس امت کا حساب شروع ہوگا۔ پھر دوسری امتوں کا۔ (۸) جنت میں پہلے یہ امت داخل ہوگی پھر دوسری امتیں غرضیکہ قدم اور ھمم دونوں میں یہ امت ہی سابق ہے۔ اس لئے حضور انور ﷺ نے فرمایا نحن الآخرون السابقون لهذا اولین مهاجرین و انصار اور تا قیامت ان کے متبعین سارے ہی سابقین ہیں۔ (روح البیان) اس امت سے اللہ ان کی تھوڑی عبادت سے راضی یہ لوگ اس کے تھوڑے رزق پر راضی ان کے لئے شریعت وطریقت۔ حقیقت معرفت کے وہ باغات تیار کئے جن کے نیچے خوف خدا عشق رسول کی نہریں بہتی ہیں یہ اس میں ہمیشہ ہی رہیں گے۔ شعر۔

ہرگز نہ میرد آنکہ لش زندہ شد بہ عشق   ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

امت رسول ہونا ہی بڑی کامیابی ہے بڑا کامیاب وہ ہے جس کا سر حضور ﷺ کے قدم تک پہنچ جائے یہ ہی انسانیت کی کامل معراج ہے۔

تیری معراج کہ تو لوح وقلم تک پہنچا   میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

صوفیاء فرماتے ہیں کہ یہ سبقت قدم سے نہیں بلکہ ھمم سے ہے۔ جسم کعبہ تک پہنچنے میں سواریوں کا محتاج ہے۔ دل، روح آن میں پہنچتے ہیں ۔

دل بہ کعبہ می رسد در ہر زماں   جسم طبعی دل بگیر دز امتقان

ایں دراز و کوتہی ب رجسم راست   چہ دراز و کوتا انجا کہ خداست

چوں خدا مرجسم راتبدیل کرد   ٹچگنگ بے فرسخ و بے میل کرد

وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۛؕ وَمِنْ

اور ان میں سے جو تمہارے ارد گرد میں دیہاتی منافق ہیں اور بعض

اور تمہارے آس پاس کے کچھ گنوار منافق ہیں اور کچھ

اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ ۛؔ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ ۫ لَا تَعْلَمُهُمْ ؕ

مدینہ والوں میں سے جو ماہر ہوگئے نفاق پر نہیں جانتے تم

مدینہ والے ان کی خوہو گئی ہے نفاق تم انہیں نہیں جانتے

نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ؕ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَیْنِ ثُمَّ یُرَدُّوْنَ اِلٰى

ان کو ہم جانتے ہیں ان کو عنقریب عذاب دیں گے ہم ان کو دو دفعہ پھر لوٹائے

ہم انہیں جانتے ہیں جلد ہم انہیں دوبار عذاب کریں گے پھر بڑے

www.alahazratnetwork.org

عذاب عظیم

جائیں گے وہ طرف عذاب بڑے کے
عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں دور کے دیہاتی منافقوں کا ذکر ہوا۔ جن تک ایمان کی روشنی نبوت کا فیضان بمشکل پہنچا تھا۔ اب مدینہ منورہ سے بالکل قریب بستیوں میں رہنے والے منافقوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں مدینہ منورہ کے مومنین کا ان کے درجات کا ذکر ہوا۔ اب اس مبارک شہر میں رہ کر منافق رہنے والوں کا تذکرہ ہے گویا مرحومین کے بعد محرومین کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرات صحابہ کرام کے متبعین اگرچہ کبھی ہوں کہیں ہوں ان سے اللہ راضی ہے۔ یعنی ان حضرات کی اتباع تا قیامت مومنوں کے درجے بلند کردے گی۔ اب ارشاد ہے کہ ان کی اتباع کے بغیر خود ان کے پاس رہ کر بھی محروم رہتے ہیں۔ کہ مدینہ میں رہیں صحابہ کے ساتھ رہیں منافق گویا نوریوں کے بعد ناریوں کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: **وممن حولکم من الاعراب منافقون** یہ جملہ نیا ہے لہٰذا واؤ ابتدائیہ ہے ممن میں من بعضیت کا ہے من موصولہ ہے مراد قبیلہ جہینہ۔ مزنیہ۔ اسلم۔ اشجع اور غفار ہیں یہ لوگ مدینہ منورہ سے قریب ہی آباد تھے اور بڑے مخلص مومنین تھے۔ انہیں حضور انور ﷺ نے بہت دعائیں دی ہیں مگر مکہ کے پاس بدو۔ ان میں بعض لوگ بدترین منافق تھے یہ ہی بدنصیب لوگ یہاں مراد ہیں لکم میں خطاب اہل مدینہ سے ہے حول کے معنی گھومنا اس لئے سال کو حول کہتے ہیں کہ وہ گھوم گھوم کر آتا ہے اصطلاح میں آس پاس کی زمین اور اس زمین میں رہنے والوں کو حول کہتے ہیں۔ یہاں آس پاس کے رہنے والے مراد ہیں۔ اعراب کے معنی اور عربی و اعرابی کا فرق ہم پچھلی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یعنی اے اہل مدینہ تمہارے قریب تمہارے آس پاس سے بسنے والوں میں بعض لوگ منافقین ہیں۔ خیال رہے کہ ممن حولکم مقدم خبر ہے اور من الاعراب اس کا بیان اور منافقون مبتداء موخر ہے۔

ومن اھل المدینۃ مردوا علی النفاق ۔ اس عبارت کی چند ترکیبیں اور تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ یہ جملہ نیا ہے اور مردوا سے پہلے قوم پوشیدہ ہے وہ موصوف ہے اور مردوا (الخ) اس کی صفت یہ مبتدا موخر ہے اور من اھل المدینۃ خبر مقدم یعنی خود مدینہ میں رہنے والوں میں ایک قوم ہے جو منافقت پر ڈٹی ہوئی ہے۔ دوسرے یہ کہ من اھل المدینۃ معطوف ہے من حولکم پر یہ دونوں مل کر خبر ہیں اور منافقون ان دونوں کا مبتدا ہے اور مردوا علی النفاق علیحدہ جملہ ہے یا منافقوں کی صفت یعنی مدینہ کے آس پاس والوں اور خود مدینہ والوں میں ایسے منافقین ہیں جو منافقت میں بڑے ماہر ہیں کہ انہیں پہچاننا بہت مشکل ہے۔ (تفسیر روح المعانی۔ کبیر۔ خازن) خیال رہے کہ مدینہ مطلقاً شہر کو کہتے ہیں مگر جب مطلقاً

www.alahazratnetwork.org

بولا جائے تو اس سے مراد مدینہ منورہ جس میں نبوت کا آفتاب چمک رہا ہے مراد ہوتا ہے اور وہ ہی یہاں مراد ہے یہ لفظ یا تو مدن سے بنا ہے بمعنی رہنا ٹھہرنا کہا جاتا ہے مدن بالمکان جگہ میں رہا اس صورت میں اس کی میم اصلی ہے اور یہ بروزن فعلیۃ ہے یعنی محبوب کے رہنے کی جگہ اس کی جمع مدن اور مدائن ہے۔ ہمزہ سے یا یہ دان سے بنا ہے بمعنی اطاعت کی اس کا مصدر دین بمعنی اطاعت و جزاء اطاعت مالک یوم الدین تو میم زائد ہے۔ مدینہ اطاعت و فرمانبرداری کی جگہ اس کی جمع مداین کے ساتھ ہے۔ جیسے معیشۃ کی جمع معائش (روح البیان) اس پاک بستی کے بہت نام ہیں۔ مدینہ۔ طیبہ۔ طابہ بطحٰی وغیرہ اسے یثرب کہنا ممنوع ہے اس کی کچھ بحث انشاء اللہ یا اھل یثرب لا مقام لکم سورہ احزاب میں کی جائے گی۔ مگر زیادہ مشہور اور وجد آور نام مدینہ ہے:

معجزہ شق القمر ہے مدینہ سے عیاں — مہ نے شق ہو کر لیا ہے دین کو آغوش میں

میرا دل زار مدینہ میں ہے — میں ہوں یہاں یار مدینہ میں ہے

خلد کا بازار مدینہ میں ہے — احمد مختار مدینہ میں ہے

یاد رہے کہ مردو بنا ہے مرد سے مرد کے لغوی معنی ہیں چکنا ہونا۔ اس لئے چکنے پتھر کو مرد کہتے ہیں رب فرماتا ہے صرح ممرد من قواریر ۔ بے داڑھی والے لڑکے کو امرو ریگستانی علاقہ کو مرھو کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مرد کے معنی ہیں ظاہر ہونا۔ اس لئے جس درخت کے پتے جھڑ جاویں اسے شجرہ مرادء کہتے ہیں۔ سرکش انسان کو متمرد، شیطان کو مارد اور مرید (میم کے فتح سے) کہا جاتا ہے اصطلاح میں تجربہ کاری۔ مہارت عادی ہو جانے کو مرو کہتے ہیں۔ وہی یہاں مراد ہے یعنی یہ لوگ منافقت کے فن میں بڑے ہی ماہر تجربہ کار ہیں کہ انہیں پہچاننا آسان نہیں (روح المعانی و کبیر) لاتعلمھم نحن نعلمھم ۔ یہ فرمان عالی مردوا علی النفاق کا بیان ہے یعنی یہ ایسے مہارت والے تجربہ کار منافق ہیں انہیں اپنی منافقت چھپانا ایسا آتا ہے کہ تم انہیں نہیں جانتے۔ ان کی منافقت خیال، وہم سے معلوم نہیں کر سکتے۔ انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں کہ ہم علام الغیوب ہیں اگر لاتعلمھم میں خطاب ہر قرآن پڑھنے والے سے ہے کہ اے قرآن پڑھنے والے خواہ تو کتنا ہی ذکی ذہین کیوں نہ ہو مگر اپنی ذکاوت سے ان کی منافقت کا پتہ نہیں لگا سکتا تب تو مطلب ظاہر ہے اور اگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو یا تو علم سے مراد اندازہ سے ذکاوت سے جاننا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آپ باوجود اس قدر عقل و فراست کے انہیں اپنی فراست اندازے سے نہیں پہچان سکتے یا یہ آیۃ کریمہ علم منافقین عطا فرمانے سے پہلے کی ہے لہذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں ولتعرفنھم فی لحن القول ۔ آپ انہیں ان کی گفتگو کی روش سے جان لیتے ہو ہماری وحی یا کشف یا الہام کے ذریعہ یا یہ فرمان اظہار غضب کے لئے ہے کہ اے محبوب ان خبیثوں کو تم نہیں جانتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سفارش نہ کریں۔ ان کو ہم سزا دیں گے۔ یہ کلام انتہائی غضب ظاہر کرنے اور سفارش کرنے والے کو سفارش سے روکنے کے لئے فرمایا جاتا ہے۔ (از تفسیر خازن و کبیر روح المعانی وغیرہ مع اضافہ)

سنعذبھم مرتین۔ اس فرمان عالی مذکورین منافقین کی ڈبل سزا کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا ہم انہیں دوبارہ سزا دیں

www.alahazratnetwork.org

گے اس دوبارہ سزا دینے سے کون کون سی سزائیں مراد ہیں اس میں آٹھ قول ہیں (۱) ایک سزا دنیا میں رسوائی اور فضیحت کا دوسری سزا قبر میں عذاب قبر کی۔ چنانچہ اس دفعہ جمعہ کے دن حضور انور ﷺ سے خطبہ جمعہ کے دوران تمام مسلمانوں کے روبرو چھتیس منافقوں کو نام بنام پکار کر فرمایا کہ اے فلاں نکل تو منافق ہے اس کے اٹھنے اور نکلنے پر سب نے انہیں پہچان لیا (تفسیر روح المعانی و خازن وغیرہ) (۲) دنیا میں سخت بیماری سے اور قبر میں عذاب قبر سے۔ چنانچہ ان منافقوں کے سینہ میں ایک زہریلہ دانہ نمودار ہوا جو پیٹھ میں پھوٹا جس سے دوزخ کی آگ کی تکلیف تھی (تفسیر کبیر و خازن) مومن کے لئے بیماریاں رحمت ہیں منافقین کے لئے عذاب (۳) پہلی سزا ان کے مال و اولاد کی ہلاکت ان کے سامنے اور دوسری سزا عذاب قبر (خازن وغیرہ) (۴) پہلی سزا اسلام کا فروغ حضور انور ﷺ کا غلغلہ دوسری سزا عذاب قبر وہ اسلام کا فروغ دیکھ کر دل میں سخت کڑھتے تھے انہیں حسد کی وجہ سے چین نہیں آتا تھا۔ (۵) پہلی سزا ان کی مسجد ضرار کا ڈھایا جانا۔ اس سے دھواں نکلنا دوسری سزا عذاب قبر (خازن) (۶) پہلی سزا نزع کے وقت فرشتوں کا ان کے چہرے پیٹ و پیٹھ کو گرزوں (ہتوڑوں) سے مارنا۔ دوسری سزا عذاب قبر (۷) پہلی سزا ان سے زکوۃ اور مال چندہ غیرہ وصول ہونا۔ دوسری جانکنی کی شدت (معانی) (۸) مرتین سے مراد صرف دوبار نہیں بلکہ بار بار ہے یعنی ہم ان کو بار بار عذاب دیں گے۔ جیسے فارجع البصر کو تین میں کرتین سے مراد بار بار ہے کچھ بھی سہی اس میں عذاب آخرت داخل نہیں کیونکہ اس کا ذکر آگے آ رہا ہے ثم یردون الی عذاب عظیم۔ اس عذاب سے مراد آخرت کا عذاب ہے چونکہ وہ عذاب قیامت کے بعد ہوگا ابھی بہت دور ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ چونکہ انہیں ان کی قبروں میں دوزخ کا عذاب دیا جاتا رہا کہ وہاں کی ہی آگ۔ بدبو۔ وغیرہ قبر میں پہنچتی رہی پھر وہ قیامت کے دن اپنا فیصلہ سننے کے لئے بارگاہ الٰہی میں پیش کئے جائیں گے پھر دوزخ میں ڈالے جائیں گے اس لئے یہاں یردون فرمایا گیا۔ چونکہ دوزخ کا یہ عذاب گذشتہ دنیا و قبر کے عذاب سے سخت بھی ہوگا اور دائمی بھی۔ نیز بمقابلہ کھلے کافروں کے انہیں سخت تر ہوگا اس لئے اسے عظیم فرمایا گیا۔ یعنی پھر کچھ عرصہ کے بعد یہ لوگ ایک بہت بڑے عذاب کی طرف واپس کئے جائیں گے۔ بہر حال انہیں تین عذاب ہوں گے دونوں مذکورہ عذاب اور تیسرا یہ بڑا عذاب۔

خلاصہ تفسیر: اے مدینہ منورہ کے باشندے مومنو! تمہارے آس پاس جو قبیلہ جہینہ، مزنیہ، اسلم، اشجع، غفار آباد ہیں ان میں بھی بعض لوگ منافق ہیں ان سے غافل نہ رہنا وہ تو پھر بھی کچھ فاصلہ پر آباد ہیں۔ خود مدینہ منورہ کے رہنے والے کچھ لوگ وہ ہیں جو منافقت میں بڑے تجربہ کار ماہر ہیں نفاق ان کی رگ رگ میں رچ گیا ہے مگر وہ اپنے کو ایسا چھپائے ہوئے ہیں کہ تم کتنے ہی عقل و ہوش والے ہو مگر ان کی منافقت کو اپنی عقل درایت انداز سے نہیں معلوم کر سکتے انہیں تو ہم ہی جانتے ہیں اس لئے کہ ہم علام الغیوب ہیں ان خبیثوں کو ہم ان کی تین زندگیوں میں تین عذاب دیں گے۔ دنیوی زندگی میں تو انہیں رسوائی۔ ذلت، خواری کا عذاب بعد موت قبر میں برزخ کا عذاب پھر ان دونوں عذابوں کے عرصہ کے بعد آخرت کا سخت تر عذاب کہ انہیں ہمیشہ کے لئے دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں رکھا جائے گا۔ جہاں سے انہیں کبھی نہ رہائی ملے گی نہ کبھی ان کی عذاب میں تخفیف ہوگی۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ازلی بدبخت کو نہ اچھوں کی صحبت سے فائدہ ہو نہ اچھی جگہ رہنے سے نفع یہ فائدہ **ممن حولکم** اور **من اھل المدینۃ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہ مذکورین لوگ حضرات صحابہ کو دیکھتے مدینہ منورہ میں رہنے کے باوجود منافق رہے۔ حالانکہ ان صحابہ نے عرب و عجم ایران توران۔ روم شام فلسطین کے کفار کو ایمان بخشا۔ شعر۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بداست تربیت نا اہل راچوں گردگاں برگنبد است

دوسرا فائدہ: بڑے خزانہ پر چور ڈاکو بھی بڑے ہی پڑتے ہیں یہ فائدہ **مردوا علی النفاق** سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقت ان کی رگ رگ میں رچ گئی یہ ایسے گہرے منافق ہیں کہ ان کو بڑے سے بڑا ماہر تجربہ کار بھی نہیں پہچان سکتا۔ بڑی جگہ بڑے اعلیٰ وقت سے اگر نیکی ملے گی تو بڑی، گناہ ملے تو بڑا، رمضان شریف میں گناہ کرنے والا بدترین مجرم ہے۔ زمین مدینہ میں رہ کر کافر و منافق رہنے والا بدترین کافر و منافق ہے۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر ایک کے ایمان، اخلاص، نفاق بلکہ ان کے درجات کا علم بخشا۔ حضور ﷺ جانتے ہیں کہ کس کا ایمان یا کفر کس درجہ کا ہے۔ یہ فائدہ منافقوں کا نام بنام پکار کر اٹھا کر نکال کر ان کی منافقت سب کو بتادی۔ دیکھو تفسیر۔ **چوتھا فائدہ** بمقابلہ اصلی کافروں کے منافق کفار کا عذاب سخت تر ہے۔ یہ فائدہ **عذاب عظیم** سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ان کے تین عذاب بیان کیے ہیں۔ دنیوی زندگی میں برزخی زندگی میں اور آخروی زندگی میں اور یہ تیسرا عذاب بہت سخت ہے۔ رب تعالیٰ محفوظ رکھے۔ اخلاص عطا کرے۔

پہلا اعتراض: تمہاری تفسیر سے معلوم ہوا کہ قبیلہ جہنیہ، اسلم، غفار وغیرہ منافقین تھے حالانکہ حضور انور ﷺ نے ان قبیلوں کی بہت تعریف فرمائی اور ان کے لئے دعائیں کیں۔ کہ فرمایا اللہ تعالیٰ اسلم کو سلامت رکھے غفار کی مغفرت کرے۔

جواب: ان قبیلوں کے اکثر لوگ مخلصین مومن کاملین تھے بعض لوگ ان میں منافقین بھی تھے دعا مخلص مومنین کے لئے ہوئی۔ یہ آیت کریمہ منافقین کے لئے آئی۔ دیکھو مدینہ منورہ میں اوس خزرج انصار کے دو قبیلے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اسلام کی مہاجرین کی بڑی خدمات کیں حتی کہ ان کا نام انصار ہوا مگر انہیں قبیلوں میں بعض لوگ منافق بھی ہوئے۔ یہ تو رب تعالیٰ کی بے نیازی ہے۔ والد نبی بیٹا کافر ایک ہی گھر میں دونوں آباد۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ بعض مدینہ والے منافق ہیں مگر حدیث شریف میں ہے کہ ہمارا مدینہ بھٹی ہے خبیث لوگوں کو نکال دیتا ہے ان منافقوں کو زمین مدینہ نے کیوں نہیں نکالا۔

جواب: واقعی زمین مدینہ خبیث لوگوں کو نکال پھینکتی ہے مگر کسی کو جلد کسی کو دیر سے حتی کہ بعض کو مرے بعد کہ اس کی لاش فرشتے زمین سے نکال کر باہر ڈال دیتے ہیں۔ دیکھو ہماری تفسیر نعیمی پہلے پارہ کا آخری حصہ۔

تیسرا اعتراض: تم نے اس جملہ کی ایک تفسیر یہ کی کہ **مردوا علی النفاق** صفت ہے۔ اس کا موصوف قوم پوشیدہ ہے عربی قاعدہ سے یہ ترکیب درست نہیں کہ موصوف پوشیدہ ہو صفت ظاہر اس کا قائم مقام ہو۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: یہ بالکل جائز ہے فصحاء عرب سے ایسی ترکیب ثابت ہے ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

انا ابن جلاد طلاع الثنایا متی اضع العمامۃ تعرفونی

تفسیر بیضاوی اور روح المعانی نے یہ ہی جواب دیا۔

چوتھا اعتراض: تم نے اس آیت کی ایک ترکیب یہ بھی کی کہ مردوا علی النفاق صفت ہے منافقوں کی اور منافقوں مبتدا ہے اور ممن حولکم اور من المومنین سب مل کر خبر ہیں مگر ایسی صورت میں موصوف اور صفت میں فاصلہ ہوگا اور فاصلہ جائز نہیں۔

جواب: جائز ہے جب کہ فاصلہ اجنبی کا نہ ہو۔

پانچواں اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم منافقوں کو نہیں جانتے تھے فرمایا گیا لاتعلمھم پھر تم کیسے کہتے ہو کہ حضور انور ﷺ ہر شخص کے ہر حال سے خبردار ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا۔ اور ہم نے اپنی کتاب جاء الحق میں بہت تفصیل سے دیا ہے کہ اگر لاتعلمھم میں خطاب قرآن پڑھنے والے مومن سے ہے تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں اور اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو تو یہاں عقل و اندازے سے علم کی نفی ہے۔ یعنی آپ ﷺ باوجود بڑے عقل و فہم والا ہونے کے ان کی منافقت عقل سے نہیں جانتے بلکہ وحی سے اسی لئے ساتھ ہی فرمایا نحن نعلمھم انہیں ہم جانتے ہیں یا یہ آیت اس وقت کی ہے جب حضور ﷺ کو منافقین کا علم عطا نہ ہوا۔ پھر جب عطا ہوا تو فرمایا ولتعرفنھم فی لحن القول۔ آپ ﷺ انہیں ان کی روش کلام سے پہچان لیتے ہیں۔ یہ جواب عام مفسرین نے دیا اس کا مقصد حضور ﷺ کے علم کی نفی نہیں بلکہ اظہار غضب ہے۔ حیرت ہے کہ جو ذات کریمہ پتھر کے دل کا حال جانے کہ فرمایا احد وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے ہم اس سے محبت کرتے ہیں اس سے انسان کے دل کا حال کیونکر چھپا رہیگا۔ ابھی تفسیر میں معلوم ہو چکا کہ حضور انور ﷺ نے چھتیس منافقوں کو اپنی مجلس سے نکالا اگر ان کا علم نہ تھا تو نکالا کیسے آج ہم کہتے ہیں کہ عبداللہ ابن ابی اور فلاں شخص منافق تھے۔ کس کے بتانے سے کہتے ہیں۔ فقط حضور انور ﷺ کے۔ ہم کو تو ان کا علم ہو مگر حضور انور ﷺ کو نہ ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں منافقوں کے تین عذابوں کا ذکر ہوا۔ ایک عذاب جسمانی۔ دوسرا عذاب جنانی اور تیسرا عذاب روحانی۔ یہ آخری عذاب سخت ہے یہ عذاب فراق اور محجوبیت کا ہے یعنی ان کا درگاہ عزت سے دور کر دیا جانا۔ کہ مخلصین عبادت کر کے محبوب بنیں اور یہ عبادات کریں مگر محجوب ہی رہیں۔ ان کا یہ حال ہو کہ نورانی چیزیں ان کے لئے نیران بن جاویں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب کا سخت تر عذاب فراق یار کی نار ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

صد ہزاراں مرگ تلخ از دست تو نیست مانند فراق روئے تو

زانکہ لذہا بگذر دواں نگذرد دولت آں دارد کہ جاں آگاہ بود

گر بگویم از فراق چوں شرار تا قیامت یک بود از صد ہزار (روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

یعنی لاکھوں موت کی تلخیوں سے اے محبوب تیرے فراق کی تلخی سخت تر ہے کہ وہ تلخیاں آنی فانی ہیں یہ تلخی جاودانی اس کا فراق کا درد پوچھنا ہے تو ان جانوروں لکڑیوں سے پوچھو جو حضور انور ﷺ کی دوری میں تڑپتی ہیں۔

در فراق تو مرا چوں سوخت جاں   چوں شد نالم بے تو اے جان جہاں

مسندت من بودم از من تاختی   برسر منبر تو مسند ساختی

عشاق مخلصین مدینہ منورہ سے دور رہ کر حضور میں ہیں مگر منافقین وہ مردود دین ہیں جو حضور ﷺ میں رہ کر ان کے لئے فرمایا ثم یردون الی عذاب عظیم۔

وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا

اور دوسرے ہیں جنہوں نے اقرار کرلیا اپنے گناہوں کا اور ملائے انہوں نے اچھے کام

اور کچھ اور ہیں جو اپنے گناہوں کے مقر ہوئے اور ملایا ایک کام اچھا

وَّاٰخَرَ سَیِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ

اور دوسرے برے نزدیک ہے کہ اللہ توبہ ڈالے ان پر تحقیق اللہ

اور دوسرا برا قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۰۲﴾ خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً

بخشنے والا مہربان ہے وصول کرو آپ مالوں سے ان کے صدقہ پاک کرو

بخشنے والا مہربان ہے اے محبوب ان کے مال سے زکوۃ تحصیل کرو جس سے

تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّیْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَیْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ

ان کو اور صاف کرو انہیں بذریعہ اس صدقہ کے اور دعائے خیر کرو ان کے لئے بیشک دعا

تم انہیں ستھرا اور پاکیزہ کر دو اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بیشک تمہاری دعا ان کے

سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۱۰۳﴾

آپ کی سکون ہے ان کا اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

دلوں کا چین ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: غزوہ تبوک سے بلا عذر رہ جانے والے تین قسم کے لوگ (۱) منافقین جو نفاق پر اڑے رہے۔ ان کا ذکر پچھلی

www.alahazratnetwork.org

آیات میں ہوا۔ (۲) مخلصین جو سستی سے رہ گئے مگر فوراً تائب ہوگئے ان کا ذکر اس آیت میں ہے و آخرون مرجون لامر الله (الخ) (صاوی)

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ان منافقین کا ذکر ہوا جو غزوہ تبوک سے رہ گئے اور پھر جھوٹی قسمیں جھوٹے وعدے جھوٹے عذر بہانے لگے اب ان کا ذکر ہے جو رہ گئے تھے مگر بعد میں انہوں نے سچی توبہ سے کفارہ ادا کیا۔ گویا جھوٹے اور غلط علاج کے بعد سچے اور درست علاج کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مدینہ منورہ کے سرکش منافقوں کا ذکر ہوا۔ مردود اعلی النفاق آپ اس مدینہ کے خطا کاروں کا ذکر ہے جو باغی نہ تھے گویا غداروں کے بعد خطا کاروں اور ان کی بخششوں کا تذکرہ ہے۔

شان نزول: غزوۂ تبوک کی حاضری سے دس صحابہ کرام صرف سستی کی بنا پر رہ گئے تھے۔ جن میں حضرت رفاعہ ابن عبدالمنذر یعنی ابولبابہ۔ جو صفہ والوں میں سے تھے اوس ابن ثعلبہ۔ ودیعہ ابن خرام بھی تھے۔ جب حضور انور ﷺ کی واپسی کی خبر مدینہ منورہ پہنچی تو حضرت ابولبابہ اور آپ کے ساتھ چھ اور حضرات نے یعنی کل سات نے اپنے کو مسجد نبوی کے ستونوں سے بندھوا دیا کہ اب ہم حضور انور ﷺ کے ہاتھ سے کھلیں گے ہم نے سخت قصور کیا ہے اگر حضور ﷺ نے ہم کو نہ کھولا تو ہم اسی طرح جان دے دیں گے۔ جب حضور انور ﷺ حسب دستور مدینہ منورہ پہنچ کر پہلے مسجد نبوی میں نفل قدوم ادا فرمانے تشریف لائے تو پوچھا کہ یہ لوگ کیوں بندھے ہوئے ہیں۔ لوگوں نے ماجرا عرض کیا۔ فرمایا رب کی قسم میں انہیں اس وقت تک نہ کھولوں گا جب تک رب تعالیٰ نہ کھلوائے یہ حضرات بارہ دن بھاری زنجیروں میں جکڑے رہے نماز اور استنجا کے لئے ان کے بچے کھولتے تھے۔ تب پہلی آیت و اخرون اعترفوا (الخ) نازل ہوئی۔ اور حضور انور ﷺ نے انہیں کھول دیا۔

خیال رہے: کہ ابولبابہ دوبار مسجد کے ستون سے بندھے ہیں۔ ایک غزوہ خندق کے بعد جب بنی قریظہ یہود مدینہ کو انہوں نے اشارہ سے حضور انور ﷺ کا راز بتا دیا تھا۔ دوسرے اس بار (صاوی) پھر یہ حضرات اپنے گھروں کو گئے اپنے سارے مال حضور ﷺ کی خدمت میں لائے اور عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ ﷺ اس مال کی محبت نے ہم کو غزوہ تبوک کی حاضری سے محروم رکھا۔ ہم یہ مال اپنے پاس رکھنا نہیں چاہتے حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے مجھے یہ مال لینے کا حکم نہیں دیا ہے میں وصول نہ فرماؤں گا۔ تب دوسری آیت خذ من اموالهم صدقة (الخ) نازل ہوئی جس میں حضور انور ﷺ کو ان کے مال کا کچھ وصول فرمانے کا حکم دیا گیا۔ اس پر حضور انور ﷺ نے ان کا تہائی مال وصول فرمایا۔ اور دو تہائی انہیں واپس فرما دیا (تفسیر صاوی۔ روح المعانی و بیان۔ کبیر۔ خازن۔ مدارک جلالین وغیرہ)

تفسیر: و اخرون اعترفوا بذنوبهم اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں اور دو نحوی ترکیبیں ہیں۔ ایک یہ کہ نیا جملہ ہے۔ واؤ ابتدائیہ ہے۔ آخرون مبتداء اور اعترفوا (الخ) خبر۔ یا آخرون موصوف ہے۔ اعترافوا صفت اور عسی الله (الخ) خبر دوسرے یہ کہ عبارت معطوف ہے۔ و من اهل المدينة (الخ) پر تو معنی یہ ہوں گے کہ مدینہ والوں میں سے بعض تو سخت تر منافق ہیں جو اپنی خطاؤں کا اقرار کر لیتے ہیں (الخ) اخرون سے مراد ہیں۔ رہ جانے والے دس صاحبوں میں سے وہ

www.alahazratnetwork.org

سات جنہوں نے اپنے کو ستونوں سے بندھوا دیا تھا اعتراف کے معنی ہیں اقرار کر لینا۔ خواہ اپنے گناہوں کا یا رب کی نعمتوں کا یا حضور انور ﷺ کی رحمتوں کا یہاں پہلا اقرار مراد ہے اگر اس کے ساتھ گذشتہ پر شرمندگی آئندہ نہ کرنے کا ارادہ بھی ہو تو یہ ہی توبہ ہے (تفسیر خازن، ذنوب جمع ہے ذنب کی بمعنی گناہ یہاں اس سے مراد سستی کی وجہ سے غزوہ تبوک سے غیر حاضری چونکہ ان ساتوں میں سے ہر ایک نے یہ خطا کی تھی لہذا ذنوب جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ ان کے اس رہ جانے میں چند خطائیں شامل ہوں (۱) حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ جانا (۲) حضور انور ﷺ کے فرمان عالی پر عمل نہ کرنا (۳) اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں قیام کرنا (۴) منافقین سے مشابہت کہ اس وقت بلا عذر حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف مدینہ میں رہنا منافقوں کی علامت تھی۔ اس صورت میں ہر ایک کی چند خطائیں تھیں۔ خلطو عملا صالحا واخر سیئا یہ فرمان عالی بھی اخرون کی صفت ہے یا خیال تو قد پوشیدہ ہے۔ خلط کے معنی ہیں ملانا خواہ اس طرح ملانا کہ ایک دوسرے سے ممتاز نہ رہے اور ہر ایک دوسرے کا اثر قبول کرے۔ جیسے دودھ میں پانی یا شکر شہد ملانا۔ یا اس طرح کہ امتیاز باقی رہے جیسے روپیہ پیسے ملانا آدمیوں کو بعض کو بعض سے ملانا وغیرہ یعنی جمع کرنا پہلے معنی سے اس کے ساتھ ب آتی ہے۔ کہا جاتا ہے خلطت الماء باللبن دوسرے معنی میں اس کے ساتھ واو آتا ہے جیسے خلط الدراهم بالدنانیر۔ یہاں دوسرے معنی کا خلط مراد ہے یعنی جمع کرنا۔ کیونکہ نیکیاں اور گناہ جمع ہو کر ایک دوسرے کا اثر نہیں لیتے نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ (تفسیر کبیر و خازن) نیک و بد اعمال سے کیا مراد ہے۔ اس میں دو قول ہیں (۱) برا عمل غزوۂ تبوک میں نہ جانا۔ اچھا عمل سچی توبہ اور ستون سے بندھ جانا چونکہ توبہ اعلیٰ ہے اس لئے اس کا ذکر پہلے ہوا۔ یہ سات حضرات بندھنے کے لئے زمانہ میں بھوکے پیاسے رہے حتیٰ کہ ساتویں دن بے ہوش ہو کر گر گئے۔ (خازن) (۲) نیک عمل تمام جہادوں میں حضور ﷺ کے ساتھ جانا اور برا عمل تبوک میں نہ جانا۔ نیک عمل سے مراد ساری نیکیاں ہیں۔ برے سے مراد سارے گناہ اور یہ آیت تا قیامت عام مسلمانوں کو شامل ہے اگر چہ اس کا نزول خاص لوگوں کے لئے ہے (تفسیر خازن و کبیر) لہذا عملا صالحا اور آخر سیئا دونوں اسم جنس ہے۔ جس میں ایک اور زیادہ دونوں شامل ہیں۔ عسی اللہ ان یتوب علیهم یہاں رب کی طرف سے وجوب ہے کہ کریم وعدہ کر کے ضرور پورا کرتے ہیں اور بندوں کی طرف سے امید توبہ اگر بندہ کا فعل ہو تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا اگر رب کا فعل ہو تو معنی ہوتے ہیں اس لوٹنے کو قبول فرما لینا۔ اور ارادہ عذاب سے ارادہ ثواب کی طرف رجوع کرنا۔ پہلے معنی سے توبہ کے بعد الی آتا ہے توبوا الی اللہ دوسرے معنی سے اس کے بعد علیٰ آتا ہے یہاں دوسرے معنی ہیں یعنی قریب ہے کہ رب تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرمائے مقصد ہے کہ قبول فرما لی اس لئے حضور انور ﷺ نے اس کے نزول پر ان حضرات کو کھول دیا۔ ان اللہ غفور رحیم یہ فرمان عالی ان حضرات کے لئے اور ان کے صدقہ میں ہم جیسے سارے گناہ گاروں کے لئے بڑی بشارت ہے۔ غفور فرما کر یہ بتایا کہ ہم توبہ سے گناہ بخش دیتے ہیں رحیم فرما کر یہ بتایا تو یہ ثواب بھی دیتے ہیں کہ توبہ ایک عبادت ہے یہ کرم نوازیاں اس محبوب کے صدقہ سے ہیں جن کا نام نامی نبی التوبہ بھی ہے۔ خذ من اموالهم صدقة اس فرمان عالی کا تعلق ان حضرات کے اس عمل سے ہے کہ وہ ستونوں سے کھلنے کے بعد اپنے گھروں سے

www.alahazratnetwork.org

اپنے سارے مال حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں لائے کہ انہیں بطور کفارہ وصول فرما کر فقراء میں تقسیم فرمادیں۔ ظاہر یہ ہے کہ خذ امر اباحت کے لئے ہے وجوب کے لئے نہیں کیونکہ نہ تو ان حضرات پر یہ مال خیرات کرنا واجب تھا نہ حضور انور ﷺ پر اس کا وصول فرمانا واجب مقصد یہ ہے کہ آپ ان کی یہ خوشی پوری فرمادیں ان کی طرف سے یہ مال اپنے ہاتھ شریف سے خیرات کریں۔ ان سے نہ فرمادیں کہ تم خود خیرات کرو من فرما کر بتایا کہ سارے مال وصول نہ کریں بلکہ ان کا کچھ حصہ چونکہ ان میں سے ہر صاحب اپنے مال لائے تھے اس لئے اموال جمع ارشاد ہوا اور ہو سکتا ہے کہ ہر صاحب اپنے مختلف مال لائے تھے اس لئے اموال جمع فرمایا۔ صدقۃ فرما کر بتایا کہ یہ مال حضور انور ﷺ نے اپنے لئے وصول نہیں فرمائے بلکہ صدق و خیرات کے لئے۔ اس روش سے معلوم ہو رہا ہے کہ صدقہ سے زکوٰۃ یا کوئی دوسرا واجب صدقہ مراد نہیں بلکہ صدقہ بہت قسم کا ہے فرض۔ واجب، سنت، مستحب۔ **تطھرھم وتزکیھم بھا** ۔ اس فرمان کی چند ترکیبیں ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ عبارت خذ کے فاعل انت کا حال ہے اور یہ دونوں صیغے واحد مخاطب ہیں۔ ان میں خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بھا میں ب سبب کی ہے طہارت سے مراد ہے دلوں کا گناہ کے میل سے پاک ہونا اور زکوٰۃ سے مراد ان کے مالوں کا بڑھنا۔ اس میں برکت ہونا یا انہیں ابرار کے درجات تک پہنچانا۔ یعنی اے محبوب آپ ﷺ انہیں صدقہ کے ذریعہ گذشتہ کے سارے گناہوں سے پاک صاف فرمادیں۔ اور ان کی مال و اولاد میں برکتیں دیں یا انہیں درجہ ابرار تک پہنچادیں (روح المعانی، روح البیان خازن وغیرہ)

خیال رہے: کہ تطھر اور تزکی دونوں باب تفعیل سے ہیں مبالغہ کے لئے یعنی آپ ﷺ انہیں خوب پاک و صاف کریں۔ اور خوب ان کے جان و مال میں برکتیں دیں اور انہیں ترقی درجات عطا فرمادیں۔ تفسیر خازن نے یہاں فرمایا **فانک تطھرھم باخذھا من ونس الاثام** ۔ اے محبوب آپ ﷺ یہ صدقات وصول فرما انہیں گناہوں کے میل سے پاک فرمادو گے **وصل علیھم** یہ اپنے محبوب کو دوسرا حکم ہے معطوف ہے خذ (الخ) پر صل بنا ہے صلوٰۃ سے قرآن مجید میں صلوٰۃ تین معنی میں ارشاد ہوا ہے۔ (نماز (۲) مطلقاً دعا (۳) نماز جنازہ۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی ان کے لئے دعاء خیر کریں اگر اس سے مراد **اللھم صلی علی فلاں** کہنا مراد ہے تو یہ حضور انور ﷺ کی خصوصیت ہے۔ ہم کسی غیر نبی کو اس طرح دعا نہیں دے سکتے اور اگر مطلقاً دعا مراد ہے تو یہ حکم عام ہے کہ ہر صدقہ لینے والا فقیر یا صدقہ وصول کرنے والا سلطان اسلام صدقہ دینے والے کو دعاء خیر دے مگر یہاں یہ حکم صرف حضور انور ﷺ کو ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ **ان صلوتک سکن لھم** اس فرمان عالی میں **صل علیھم** کی حکمت بیان فرمائی گئی۔ سکن مصدر ہے بمعنی سکون قلب اطمینان۔ قرار دل **لھم** سے مراد یا تو وہی سات حضرات ہیں یا سارے صحابہ یا سارے امت والے یعنی آپ کی دعا ان سب کے دلوں کا چین قلب کا قرار دلوں کا اطمینان ہے وہ سمجھتے ہیں کہ اب رب تعالیٰ نے ہمارا صدقہ قبول فرمالیا ہم سے راضی ہوگیا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے دعا دے دی حضور کی دعا رب کی رضا ہے۔ شعر۔

تم ہو قرار بے قرار تم ہو دواء درد دل　　دل کی لگی مرے نبی تیرے سوا بجھائے کون

www.alahazratnetwork.org

بلکہ خود حضور انور ﷺ کا نام قرار بے قرار ہے دلوں کا چین ہے **الا بذکر اللہ تطمئن القلوب**۔ شعر۔

ان کے نثار کوئی کیسے ہی رنج میں ہو　　جب یاد آ گئے ہیں سب غم بھلا دیے ہیں
ان کا مبارک نام بھی بے چین دل کا چین ہے　　جو ہو مریض لا دوا اس کی دوا یہ ہی تو ہیں

واللہ سمیع علیم ۔ اس فرمان عالی میں حضرات صحابہ کے اقوال اعمال احوال سب کی تعریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے ان نیاز مندوں کی باتیں سنتا ہے۔ ان کے ارادے جانتا ہے یہ حضرات قول فعل نیت وارادے کے سچے ہیں اس لئے ان کی سفارش فرماتا ہے۔

[redacted]

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ: حضور انور ﷺ کو حلال مشکلات سمجھنا حضرات صحابہ سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ بھی اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوا کہ ان حضرات نے کہا کہ اب ہم کو حضور انور ﷺ اپنے ہاتھ سے کھولیں گے تو ہم کھلیں گے۔ یعنی حضور ﷺ کا کھولنا ہماری توبہ قبول ہونے کی دلیل ہوگا۔

چوتھا فائدہ: عموماً نیک و بد اعمال اپنے حال پر رہتے ہیں کہ یہ نیکی گناہ بن جاتی ہے نہ گناہ نیکی۔ بلکہ نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ یہ فائدہ خلطوا عملا صالحا (الخ) سے حاصل ہوا۔ ہم تحلیل کے قائل نہیں جیسے روپیہ اشرفیاں ملا دو یا کھرے کھوٹے سکے ملا دو تو کھوٹا کھوٹا رہتا ہے اور کھرا کھرا۔ دیکھو یہاں و آخر سیئا فرمایا! اگر کوئی نمازی بھی ہو شرابی بھی تو وہ گناہ گار بھی ہے نیکو کار بھی۔ اگر کوئی عمل تبدیل ہو جاتا تو مخلوط کیسے ہوتا۔ (تفسیر کبیر)

پانچواں فائدہ: بندہ کا کام ہے توبہ کرنا رب کا کرم ہے توبہ قبول کرنا اگر ادھر سے یہ کرم نہ ہو تو توبہ بیکار ہے۔ بلکہ بندہ کو توبہ کی توفیق ملنا بھی رب کے کرم سے ہے۔ یہ فائدہ عسی اللہ ان یتوب علیھم سے حاصل ہوا کہ اس توبہ کا فاعل رب تعالیٰ ہے۔

چھٹا فائدہ: اعلیٰ درجہ کا مقبول بندہ بھی رب تعالیٰ سے بے خوف نہ ہوا اللہ کا خوف رکن ایمان ہے۔ رب کی بے نیازی سے ڈرتا ہے یہ فائدہ عسی اللہ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: ہماری نیکیاں تب قابل قبول ہیں جب حضور ﷺ کے ذریعہ رب کی بارگاہ میں پیش ہوں۔ یہ ہی صحابہ کرام کا عقیدہ تھا یہ فائدہ خذ من اموالھم صدقۃ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو صدقہ رب کی عبادت ہے مگر حضرات صحابہ حضور ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرتے تھے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھ شریف سے فقراء کو دیں کہ آپ ﷺ کے ہاتھ کی برکت سے قبول ہو جائے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ رسول ہم پر خود ہم سے زیادہ مہربان ہیں یہ فائدہ من اموالھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو وہ حضرات اپنے سارے مال خیرات کرنے لائے تھے۔ حکم ہوا کہ کچھ حصہ وصول فرماؤ حضور ﷺ نے ایک تہائی قبول کیا باقی انہیں خرچ کے لئے واپس فرما دیا یہ فائدہ من اموالھم کے من سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: پاکیزگی صاف نیک اعمال سے نہیں ملتی وہ تو حضور انور ﷺ کی نگاہ کرم سے ملتی ہے یہ فائدہ تطھرھم وتزکیھم بھا سے حاصل ہوا۔ نیک اعمال پاکیزگی کا ذریعہ ہیں۔ جیسے قلم خود نہیں لکھتا کاتب اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ صابن کپڑا خود نہیں دھوتا۔ دھونے والے کا ہاتھ اس کا ذریعہ ہوتا ہے۔ یہ خوب یاد رکھو یہ قاعدہ تا قیامت جاری ہے رب فرماتا ہے ویزکیھم۔

دسواں فائدہ: تا قیامت مسلمان اپنی نیکیاں حضور ﷺ کے طفیل کسی کو بخشتے ہیں۔ نذر اللہ نیاز رسول اللہ۔ یہ مسئلہ اس آیت اور صحابہ کے اس عمل سے ماخوذ ہے۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تا قیامت امت کے نیک و بد اعمال حضور انور ﷺ پر پیش ہوتے رہیں گے۔ حضور ﷺ نیک اعمال دیکھ کر اللہ کا شکر کرتے ہیں اور برے اعمال ملاحظہ فرما کر دعاء مغفرت

www.alahazratnetwork.org

فرماتے ہیں۔ حیاتی خیرلکم و مماتی خیرلکم تعرض علی اعمالکم (الخ) تفسیر صاوی۔

گیارھواں فائدہ: رب تعالیٰ جسے جو دیتا ہے حضور انور ﷺ کی دعا سے۔ حضور ﷺ کے دلوانے سے دیتا ہے۔ دینے والا رب ہے دلوانے والے حضور انور ﷺ۔ یہ فائدہ وصل علیھم سے حاصل ہوا کہ فرمایا تم ان کے لئے دعا کرو۔ مقصد یہ ہے کہ تم دعا کرو تا کہ ہم دیں۔

بارھواں فائدہ: تا قیامت حضور انور ﷺ کی دعا میں امت کے لئے دلوں کا چین ہیں بلکہ ان کا نام بھی دلوں کا چین ہے یہ فائدہ ان صلوتک سکن لھم سے حاصل ہوا دلوں کی بے چینی گناہوں سے ہوتی ہے اور چین و سکون اللہ کی رحمت سے۔

پہلا اعتراض: یہ سات حضرات جو بارہ دن تک ستونوں سے بندھے رہے۔ انہوں نے ان دنوں کی نمازیں کیسے پڑھیں۔ کیا ایک نفلی کام کے لئے فرض چھوڑ دے گے۔

جواب: ابھی شان نزول میں گذر ہو گیا کہ ان کے بچے انہیں نماز اور استنجے وضو کے لئے وقت پر کھول دیتے تھے بعد میں باندھ دیتے تھے۔

دوسرا اعتراض: آخر اس کام سے فائدہ کیا تھا کیا اپنے کو بندھوا لینا بھی کوئی عبادت ہے۔

جواب: تا کہ یہ حالت زار دیکھ کر حضور انور ﷺ کو رحم آ جائے حضور ﷺ کے رحم سے رب تعالیٰ بھی رحم فرماتا ہے یہ سب کچھ دریاء رحمت جوش میں لانے کا بہانہ تھا۔ کوئی یار کو رو کر مناتا ہے کوئی بندھ کر کوئی حالت زار دکھا کر عاشقوں کے ڈھنگ نرالے ہیں۔ شعر۔

> واہ رے آپ کا کرم کر کے گنہ جو روئے ہم ۔۔۔ پھر انہیں رحم آ گیا حالت زار دیکھ کر

تیسرا اعتراض: ابولبابہ نے اپنے کو ستون سے غزوہ خندق کے بعد بندھوایا تھا۔ جب انہوں نے بنی قریظہ کو حضور انور ﷺ کا ایک راز بتا دیا تھا تم نے اس موقعہ پر بندھوانے کا واقعہ بیان کیا۔

جواب: تفسیر صاوی نے فرمایا کہ دونوں موقعوں پر اپنے اپنے کو بندھوایا ہے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک اور بد اعمال ایک دوسرے میں مدغم اور حل نہیں ہو جاتے۔ نیکی نیکی رہتی ہے گناہ گناہ مگر دوسری آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیکیوں سے گناہ بھی نیکی میں تبدیل ہو جاتے ہیں فاولئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات اور ریا گناہ سے نیکی برباد ہو جاتی ہے تحبط اعمالکم و انتم لا تشعرون آیات میں تعارض ہے۔ یہاں اس آیت سے دونوں کا بقا معلوم ہوتا ہے وہاں ایک کا دوسرے سے فنا۔

جواب۔ ان آیات میں خصوصی نیکیوں خصوص گناہوں کا ذکر ہے یہاں اس آیت میں عمومی نیک و بد اعمال کا تذکرہ یعنی کبھی کوئی نیکی گناہ مٹا دیتی ہے۔ کوئی گناہ کبھی نیکی برباد کر دیتا ہے۔ مگر معموماً غلط ہی ہوتا ہے۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص اپنا صدقہ خود نہ دے بلکہ حضور انور ﷺ کے حوالہ کرے۔ حضور

www.alahazratnetwork.org

انور ﷺ کے بعد ان کے تابعین سلطان اسلام وغیرہ کو دیا کرے۔ دیکھو فرمایا گیا خذ من اموالهم صدقة خذ امر ہے جو وجود چاہتا ہے۔

جواب: یہاں صدقہ سے مراد ہر صدقہ نہیں بلکہ خاص وہ صدقہ ہے جو وہ حضرات اس وقت بطور کفارہ لائے تھے یہ **خیال رہے:** مسئلہ ظاہری مال یعنی جانور پیداوار ان کو زکوۃ سلطان اسلام کو دی جاتی تھی رہے باطنی مال یعنی سونا چاندی وغیرہ ان کو زکوۃ مالک خود دیتے تھے۔ یہ حکم خلافت عثمان تک رہا۔ خلافت عثمانیہ میں یہ حکم ختم ہوگیا۔ لوگ اپنے ہر مال کی زکوۃ خود دینے لگے اب بھی حکم یہ ہی ہے بلکہ فقہاء فرماتے ہیں کہ اب احکام اکثر ظالم ہیں زکوۃ وصول کر کے خود کھا جاتے ہیں لہذا انہیں زکوۃ کسی قسم کو نہ دی جاوے۔ دیکھو مرآت شرح مشکوۃ جلد سوم۔ ص ۲۲ وہاں مرقات نے بھی یہ ہی تحقیق کی ہے۔

مسئلہ: بعض علماء نے اس سے نماز جنازہ ثابت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ صل علیهم کے معنی ہیں آپ ﷺ ان پر نماز جنازہ پڑھیں۔ چنانچہ اس جگہ تفسیر روح البیان نے نماز جنازہ کے بہت احکام بیان کئے وہ معنی یہ کرتے ہیں کہ اے محبوب آپ ﷺ ان لوگوں پر نماز جنازہ پڑھیں۔ کیونکہ آپ ﷺ کی نماز سے مردوں اور ان کے وارث زندہ کو دل کا چین ہے۔

چھٹا اعتراض: تطهرهم صیغہ مونث غائب کا ہے معنی یہ ہیں کہ وہ صدقہ انہیں پاک کرے گا تم نے یہ کیسے کہا کہ حضور انور ﷺ پاک فرماتے ہیں۔

جواب: واقعی تطهرهم کی ایک تفسیر یہ بھی ہے مگر یزکیهم میں یہ احتمال نہیں کیونکہ وہاں ساتھ ہی بها ہے مگر قوی تفسیر یہ ہے کہ بها کا تعلق تزکیهم دونوں سے ہے یعنی اے محبوب آپ انہیں صدقات کے ذریعہ پاک بھی کردیں اور ستھرا بھی۔

تفسیر صوفیانہ: جسمانی بیماریوں کے علاج نرم بھی ہوتے ہیں گرم بھی میٹھی دواؤں سے علاج نرم ہے کڑوی دواؤں اپریشن سے علاج گرم پاکی نرمی سے بھی ہوتی ہی ہے گرمی سے بھی ناپاک جسم ہو کر پاک کرنا نرمی سے پاکی ہے اور گندے گوبر کو جلا کر راکھ دینا۔ لوہے، تانبے پیتل کی چیزیں اگر ناپاک ہوجائیں اور انہیں آگ میں تپالیا جاوے تو وہ پاک ہوجائے گی مگر یہ پاکی گرم ہے یوں ہی گندے نفس کی پاکی اس کا علاج گرم بھی ہے نرم بھی۔ جن کے متعلق یہ آیت آئی ہے انہوں نے اپنی خطا کی معافی گرمی سے کرائی کہ اپنے کو ستون سے بندھوا دیا۔ کھانا پینا چھوڑ دیا۔ اس گرمی کو رب نے اعتراض یعنی اقرار اور انہیں شاندار معافی بخشی۔ بعض صوفیاء نفس امارہ کا زور توڑنے کے لئے بڑی مشقت والی عبادت کرتے ہیں۔ حتی کہ بعض حضرات دریا میں کھڑے ہو کر وظیفے پڑھتے ہیں حضرت فرید گنج شکر نے کنویں میں لٹک کر وظیفے پڑھے ان سب کی اصل یہ آیت اور اس کا یہ شان نزول ہے۔ ایک دن باوا فرید کے سر پر کوا بیٹھ گیا۔ آنکھوں میں چونچ مارنے لگا۔ آپ نے فرمایا۔ شعر۔

کانگا سب تن کھائیو اور چن چن کھائیو ماس دو نیناں مت کھائیو کہ ان سے پیا ملن کی آس

اے کوے میرا سارا تن کھالے مگر آنکھیں نہ کھانا کہ ان سے محبوب کا جمال دیکھنے کی امید ہے اس شعر پر آپ کی ساری منزلیں طے ہوگئیں۔ مولانا تمنا مراد آبادی فرماتے ہیں۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

کا نگا نین نکاس لے اور لیجا پیا کے پاس پہلے درشن دکھائیو اور پیچھے لیجو کھاس

اے کوے میری آنکھیں نکال کر محبوب کے پاس لے جا۔ پہلے دیدار دکھانا پھر کھالینا۔ جب ناپاک اور پاک چیز خلط ملط ہو تو کبھی ناپاک پاک کو ناپاک کر دیتی ہے جیسے کنویں میں گندگی گر جائے سارا پاک پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اور کبھی اس کے برعکس کہ پاک کو پاک کر دیتا ہے۔ جیسے بہتے پانی یا تالاب دریا سمندر میں پیشاب گرے تو وہ ناپاک نہ ہوں گے۔ بلکہ اس کے قطرے پاک ہو جائیں گے۔ ان حضرات نے نیکیاں اور گناہ مخلوط کیے مگر حضور ﷺ کی محبت میں آنسو بہالئے تو گناہ ہی ختم ہو گئے۔ رب نے اعلان فرمادیا ان اللہ غفور رحیم تا قیامت مسلمانوں کے نیک اعمال رب تک پہنچتے ہیں جب حضور ﷺ کے کرم کے دریا میں بہہ جائیں۔ اس دریا کا ایک کنارہ گنہگار کی طرف ہے دوسرا کنارہ رب غفار کی طرف اس لئے ارشاد ہوا۔ خذمن اموالھم صدقۃ تطھرھم وتزکیھم بھا۔

أَلَمْ يَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهِ

کیا نہ جانا انہوں نے کہ تحقیق اللہ ہی قبول فرماتا ہے توبہ بندوں سے اپنے

کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقے خود اپنے

وَيَأْخُذُ الصَّدَقَاتِ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۰۴﴾

اور لیتا ہے خیراتیں اور تحقیق اللہ وہ توبہ قبول فرمانے والا مہربان ہے

دست قدرت میں لیتا ہے اور یہ کہ اللہ ہی قبول کرنے والا مہربان ہے

وَقُلِ اعْمَلُوا فَسَيَرَى اللَّهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُولُهُ وَ

اور فرما دو کہ کیے جاؤ پس عنقریب دیکھے گا اللہ کام تمہارے اور پیغمبر اس کے اور

اور تم فرماؤ کام کرو اب تمہارے کام دیکھے گا اللہ اور اس کے رسول اور

الْمُؤْمِنُونَ وَسَتُرَدُّونَ إِلَىٰ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

مسلمان اور جلد اس کی طرف پلٹو گے جو چھپا اور کھلا سب جانتا ہے

مومن لوگ اور عنقریب لوٹائے جاؤ گے تم طرف جاننے والے کے غائب اور حاضر

فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۵﴾

تو پس خبر دے گا تم کو اس کی جو تھے تم عمل کرتے

تو وہ تمہارے کام تمہیں جتا دے گا

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرات صحابہ کی توبہ اور ان کے صدقات کا ذکر فرما کر ارشاد ہوا تھا کہ قریب ہے کہ اللہ ان کی توبہ قبول فرمائے۔ صراحۃً قبولیت کا ذکر نہیں ہوا تھا۔ اب اس قبولیت کی تصریح فرمائی جا رہی ہے۔ گویا امید دلانے کے بعد کرم نوازی فرمانے کا تذکرہ ہے۔ (کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں توبہ اور صدقہ قبول کرنے والوں کی قبولیت کا ذکر ہوا اب توبہ نہ کرنے والوں کو اس کی رغبت دی جا رہی ہے کہ کیا تمہیں خبر نہیں کہ ہم اس شاندار طریقہ سے توبہ و صدقات قبول کرتے ہیں تو تم لوگ بھی توبہ کیوں نہیں کر لیتے۔ گویا مقبولین کی قبولیت دکھا کر دوسروں کو مقبول بننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور ﷺ کو حکم دیا گیا تھا کہ اے محبوب ان توبہ کرنے والوں کے صدقات قبول فرمالو۔ خذ من اموالھم (الخ) اب ارشاد ہے کہ ان محبوب کا قبول فرمانا بعینہ ہمارا قبول فرمانا ہے ہاتھ ان کا ہے کرم نوازی ہماری۔

چوتھا فائدہ: پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور ﷺ کو فرمایا گیا کہ آپ ﷺ ان کے حق میں دعاء خیر فرمادیں اب ارشاد ہے کہ آپ ﷺ کی دعا سے توبہ و صدقہ قبول ہوتے ہیں۔ لب آپ ﷺ کے ہلتے ہیں دریاء کرم ہمارا جوش میں آتا ہے۔

شان نزول: جب مذکورین سات صحابہ کی توبہ قبول ہوئی اور تمام صحابہ میں ان کی عظمت قبولیت مشہور ہوئی تو جن لوگوں نے توبہ میں دیر لگائی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کل تک تو ان حضرات کا اور حال تھا آج ان کا رنگ ہی بدل گیا۔ تب ان کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئیں۔ جن میں بتایا گیا کہ یہ سب بہاریں مقبول توبہ اور مقبول صدقہ کی ہیں۔ (کبیر۔ روح المعانی۔ مدارک۔ خازن وغیرہ)

تفسیر: الم یعلموا۔ ظاہر یہ ہے کہ یعلموا کا فاعل توبہ و صدقہ کرنے والے صحابہ ہیں تو یہ سوال تقریری یعنی ثابت کرنے کے لئے ہے یعنی انہوں نے یہ جان لیا تب صدقہ کیا اور ہوسکتا ہے کہ یعلموا کا فاعل توبہ نہ کرنے والے یا توبہ میں دیر لگانے والے لوگ ہوں۔ تب یہ سوال تعجب دلانے کے لئے ہے علم دو مفعول چاہتا ہے۔ اور اگر بمعنی معرفت یعنی پہچاننا ہو تو ایک ہی مفعول کافی ہوتا ہے۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی جاننا اور اس کے دو مفعول ہیں ان اللہ یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ یہ عبارۃ یعلموا کے دونوں مفعول کی جگہ ہے۔ قبول فرمانے سے مراد ہے وہ گناہ بخش دینا۔ جس سے توبہ کی گئی ہو۔ اور توبہ کرنے کا ثواب عطا فرمانا۔ کیونکہ توبہ بھی عبادت ہے۔ التوبۃ میں الف لام عہدی ہے اور اس سے توبہ مراد ہے۔ جس میں توبہ کے ارکان شرائط منتیں مستحبات سب جمع ہوں ناممکن ہے کہ ایسی توبہ قبول نہ ہو۔ رب نے اس توبہ کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے۔

خیال رہے: کہ جیسا گناہ ویسی توبہ۔ کفر کی توبہ ایمان ہے حقوق العباد سے توبہ حقوق کا ادا کرنا یا حق والے سے معاف کرا لینا ہے۔ شرعی حقوق سے توبہ ان کا ادا کر دینا ہے۔ علانیہ گناہ کی توبہ بھی علانیہ۔ چھپے گناہ کی توبہ بھی چھپ کر۔ گذشتہ پر ندامت

www.alahazratnetwork.org

آئندہ جرم نہ کرنے کا پختہ ارادہ۔ خدا توفیق دے۔ تو توبہ کے وقت اشک رواں دل پشیمان ہو۔ عن یا تو بمعنی من سے یا اپنے ہی معنی میں ہے چونکہ توبہ میں تجاوز اور درگذر کے معنی ہوتے ہیں اس لئے اس کے بعد عن ارشاد ہوا قوی یہ ہے عبادہ سے مراد سارے جن وانس ہیں۔ جن سے گناہ سرزد ہوں۔ فرشتے۔ جانور وغیرہ اگرچہ اللہ کے بندے ہیں مگر وہ گناہ نہیں کرتے۔ لہٰذا ان کی توبہ بھی نہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ان بندوں سے مراد وہ سات حضرات ہیں جن کا واقعہ پہلے گذرا۔ مگر بات قوی ہے۔ ویاخذ الصدقات یہ فرمان عالی معطوف ہے یقبل التوبة (الخ) پر۔ چونکہ توبہ سے گناہ مٹائے جاتے ہیں۔ اور صدقات رب تعالیٰ محفوظ رکھتا ہے۔ انہیں بڑھاتا ہے۔ اس لئے توبہ کے لئے قبول اور صدقات کا لینا ارشاد ہوا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر مومن صدق دل سے ایک لقمہ خیرات کرے تو رب تعالیٰ سے رحمت کے ہاتھ میں لیتا ہے اس کی پرورش فرماتا ہے حتیٰ کہ قیامت میں وہ لقمہ اسے پہاڑ بن کر ملے گا۔ قوی یہ ہے کہ صدقات سے سارے فرضی واجب نفلی خیراتیں مراد ہیں کبھی جانوروں کی خیرات کو صدقہ پیدوار کی خیرات عشر سونے چاندی کی خیرات کو زکوٰۃ کہا جاتا ہے۔ یہاں وہ مراد نہیں عام خیراتیں مراد ہیں۔ (روح البیان)

خیال رہے: کہ یہاں صدقات سے بھی صحیح صدقے مراد ہیں۔ جو حلال مال سے اخلاص کے ساتھ درست مصرف میں خرچ کیے جاویں۔ انشاء اللہ ایسے صدقے ضرور قبول ہوتے ہیں۔ وعدہ ربانی ہے۔ چونکہ حضور انور ﷺ کا صدقات قبول فرمانا درحقیقت رب تعالیٰ کا ہی قبول فرمانا ہے اس لئے پچھلی آیت میں اس لینے کی نسبت حضور انور ﷺ کی طرف کی گئی۔ خذ من اموالهم صدقة اور یہاں رب تعالیٰ کی طرف (تفسیر کبیر روح البیان وغیرہ) وان الله هو التواب الرحيم ۔۔ یہ فرمان عالی گذشتہ ارشاد کی دلیل ہے۔ تواب کا تعلق ہے۔ یقبل التوبة سے اور رحیم کا تعلق ہے صدقات لینے سے یعنی اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرتا ہے کیونکہ وہ تواب ہے اور صدقات وصول فرماتا ہے کیونکہ رحیم ہے یہ سب اس کے فضل وکرم سے ہے نہ کہ تمہارے استحقاق سے۔

خیال رہے: کہ دونوں جگہ هو سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ هو يقبل التوبة انه هو التواب الرحيم یعنی اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی تواب ورحیم ہے اس کے بعض بندے رحیم ہیں تو اس کے بنانے سے اس کے سوا نہ کوئی حقیقی تواب ہے نہ کوئی حقیقی رحیم۔

خیال رہے: کہ جب تواب صفت ہو رب تعالیٰ کی تو معنی ہوتے ہیں بہت توبہ قبول فرمانے والا اور جب صفت ہو بندے کی تو معنی ہیں بہت توبہ کرنے والا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ رحیم اور رحمان کا فرق ہم پہلے پارہ میں بسم اللہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں لہٰذا معنی ہوئے کہ مومنوں پر خصوصاً توبہ کرنے والوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ انہیں توبہ پر ثواب بھی عطا فرماتا ہے۔ وقل اعملوا یہ نیا فرمان عالی ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور قل میں خطاب ظاہر یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن سارے لوگوں سے ہے توبہ کرنے والے ہوں یا نہ کرنے والے یا دیر لگانے والے بلکہ مومنین ہوں یا کفار عمل سے مطلق عمل مراد ہے۔ کفر ہو یا ایمان نیکی ہو یا بدی۔ دنیاوی کام ہوں یا دینی یہ فرمان عالی اجازت دینے کے لئے

www.alahazratnetwork.org

بلکہ ان لوگوں کو ڈرانے ہیبت دلانے کے لئے یا مومنوں کو امید دلانے اور کافروں کو خوف دلانے کے لئے یہاں روح البیان نے فرمایا کہ یہ فرمان بظاہر ترخیص و تخییر ہے در حقیقت ترغیب و ترہیب **سیری اللہ عملکم و رسولہ و المومنون** ۔ یہ فرمان عالی وجہ یا تاکید ہے۔ **اعملوا** کی لہٰذا اس کی ف تعلیلیہ یعنی وجہ کی ہے یری بنا ہے رویۃ سے بمعنی دیکھنا یہاں اسی معنی میں ہے کیونکہ کسی چیز کا جاننا اس کے ہونے سے پہلے بھی ہو جاتا ہے مگر اس کا دیکھنا اس کے ہونے کے بعد ہی ہوتا ہے آج ہم قیامت کو جانتے ہیں دیکھتے نہیں۔ مگر قیامت کے دن اسے دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کے سب اعمال پہلے ہی سے جانتے ہیں مگر اعمال دیکھیں گے۔ ان کے کرتے وقت۔ اللہ تعالیٰ تو اس لئے دیکھے گا کہ وہ سمیع بصیر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ہر غائب و حاضر دور نزدیک اندھیرے اجالے کی خبروں کا دیکھنے والا بنایا ہے۔ شعر۔

اے فروخت صبح آثار و دہور چشم تو بینندہ مافی الصدور

مومنین اس لئے دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ ہر نیک و بدعمل لوگوں پر قدرتی طور پر شائع کر دیتا ہے۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ اگر کوئی پتھر کی ایسی چٹان میں چھپ کر عمل کرے جس میں دروازہ کھڑکی تو کیا کوئی سوراخ بھی نہ ہو اللہ تعالیٰ اعمال لوگوں میں شائع کر دیتا ہے دیکھا گیا ہے کہ خفیہ متقیوں کو لوگ قدرتی طور پر متقی کہتے ہیں خفیہ فاسق و فاجر کو قدرتی طور پر فاسق و فاجر کہا جاتا ہے یہ ہے مومنوں کا دیکھنا۔ لہٰذا آیت کریمہ واضح ہے۔ بعض لوگوں نے مومنوں سے مراد کاتب اعمال فرشتے لئے۔ بعض شیعوں نے کہا کہ مومنوں سے مراد ان کے معصوم بارہ امام ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر پیر اور جمعرات کو لوگوں کے اعمال ہمارے اماموں پر پیش ہوتے ہیں پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں مگر یہ تحریف ہے تفسیر نہیں۔ (تفسیر روح البیان) بعض نے فرمایا کہ یہاں دیکھنے سے مراد ہے سزا و فاجر دینا تو اس سزا جزاء سے مراد دنیاوی سزا و جزا ہے کہ دنیا میں نیک نامی عزت و احترام دنیا کا ثواب ہے اور یہاں کی بدنامی ذلت و خواری کا عذاب (تفسیر روح البیان و معانی و کبیر) یہاں تفسیر خازن نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کے اعمال پر حضور انور ﷺ کو مطلع فرماتا ہے۔ یہ حضور ﷺ کا دیکھنا ہے اور مومنوں کے دلوں میں صالحین کی محبت اور گنہگاروں کی نفرت پیدا فرماتا ہے یہ مومنین کا دیکھنا ہے (خازن) **وستردون الی عالم الغیب و الشھادۃ** یہ فرمان عالی معطوف ہے **فسیری اللہ** پر اس میں ان کی اخروی سزا و جزا کا ذکر ہے چونکہ ہر شخص رب کے پاس سے دنیا میں آیا ہے لہٰذا بعد موت اس کی بارگاہ میں حاضر ہونا لوٹنا واپس ہونا چونکہ موت ہم سے بہت ہی قریب ہے اس لئے یہاں سین ارشاد ہوا۔ غیب و شہادت سے مراد لوگوں کے چھپے کھلے اعمال کا جاننے والا ہے **فینبئکم بما کنتم تعملون** ۔ یہ عبارت معطوف ہے **ستردون** (الخ) پر اگر وہاں واپسی سے مراد قیامت کے دن اٹھنا تھا تو یہاں **ینبئکم** (الخ) سے مراد اعمال کی سزا و جزا دینا ہے کہ یہ سزا جزاء قیامت میں سنائی جائے گی۔ پھر دوزخ اور جنت میں دی جاوے گی۔ اور اگر وہاں واپسی سے مراد موت تھی تو یہاں **ینبئکم** سے مراد آگاہ کرنا خبردار کرنا ہے کہ قبر یعنی برزخ میں اگرچہ اعمال کا حساب نہیں صرف ایمان کا حساب ہے مگر وہاں ہی بندے کے اپنے اعمال سامنے آ جاتے ہیں حتیٰ کہ چغلی کرنے والا،

www.alahazratnetwork.org

پیشاب کی چھینٹوں سے پرہیز نہ کرنے والا قبر کی تنگی میں گرفتار ہوتا ہے مسجد میں روشنی کرنے والا قبر میں روشنی پاتا ہے لہذا آیت کریمہ واضح ہے اور خیر وشر یا وعدے وعید دونوں کو شامل ہے۔ یہ آیت تقوی کے لئے کافی ہے۔

خلاصہ تفسیر: جو لوگ اپنے گناہوں سے توبہ کرتے ہیں پس وپیش کرتے یا دیر لگاتے ہیں کیا انہیں یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالی ہر خالص توبہ جو وقت پر کر لی جاوے ضرور ہی قبول فرمالیتا ہے۔ اس سے اپنے بندوں کے گناہ بخش دیتا ہے۔ اور اس کے بندے اخلاص کے ساتھ جو بھی صدقہ وخیرات کریں چھوٹا یا بڑا، علانیہ یا چھپا ہوا اللہ تعالی اسے اپنے داہنے ہاتھ یعنی رحمت والے ہاتھ میں لیتا انہیں بڑھاتا ہے حتیٰ کہ قیامت میں ایک کھجور کا دانہ جو صدق دل سے خیرات کیا جاوے پہاڑ بن کر عطا ہوگا۔ اور کیا انہیں یہ خبر نہیں کہ اللہ تعالی بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور توبہ والوں پر مہربان ہے کہ پھر گناہ پر عذاب نہیں دیتا۔ بلکہ توبہ کا ثواب مرحمت کرتا ہے۔ اے محبوب میرے سامنے بندوں سے فرمادو کہ تم جو چاہو نیک و بد عمل کرو قریب ہے کہ اللہ تعالی تمہارے عمل دیکھے گا کہ تم کرتے ہوگے وہ دیکھتا ہوگا کہ وہ بصیر بھی ہی خبیر بھی اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہ تعلیم الٰہی تمہارے اعمال دیکھیں گے۔ ان کی نگاہ سے تمہارے اعمال چھپے ہوئے نہیں اور قریب ہے کہ تمہارے کھلے چھپے نیک و بد اعمال مسلمان بھی دیکھیں گے کہ تمہارے اعمال کے آثار تمہارے چہروں پر ظاہر ہوں گے اور قدرتی طور پر لوگوں کو صالحین سے محبت والفت ہوگی اور بدکاروں سے نفرت وحقارت۔ دنیا میں تو نیک و بد اعمال کا نتیجہ ہے۔ آخرت میں تم سب اس ذات پاک کی طرف واپس جاؤ گے جو تمہارے چھپے کھلے برے بھلے اعمال سے خبردار ہے۔ پھر وہ تم کو تمہارے اعمال کی خبر دے گا کہ قبر میں اطلاع دے گا۔ قیامت میں سزا و جزا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جو کوئی صحیح طور سے اللہ تعالی تواب اور رحیم مانے وہ کبھی بچی توبہ اور اس کی اطاعت سے محروم نہیں رہ سکتا۔ مجرم کا اس کے دروازے سے بھاگے پھرنا اس سے غفلت کی بنا پر ہے یہ فائدہ **الم یعلموا** سے حاصل ہوا۔ رب تعالی ہم سب کی آنکھیں کھولے۔

دوسرا فائدہ: زبان سے رب تعالی کو تواب رحیم قادر مانے مگر توبہ نہ کرے اطاعت سے منہ موڑے وہ درحقیقت اسے تواب ورحیم مانتا نہیں۔ ماننے کا دعوی کرتا ہے یہ فائدہ بھی **الم یعلموا** (الخ) سے حاصل ہوا۔ منافقین اس وقت یہودی تھے جو رب تعالی کی ذات وصفات کو ماننے کا دعوی کرتے تھے مگر دل میں ایمان نہیں لاتے تھے۔ غزوات میں شرکت سے جان چراتے تھے۔ ان کے متعلق ارشاد ہوا **الم یعلموا**۔

تیسرا فائدہ: وہ صحیح توبہ جو شرائط کا ارکان کی جامع ہو اور صحیح وقت کی جاوے وہ بفضلہٖ تعالی ضرور قبول ہوتی ہے اگر کسی کی کوئی توبہ قبول نہ ہو تو وہ سمجھے کہ میری توبہ میں کوئی کمی ہے۔ یہ فائدہ **ویقبل التوبۃ** سے حاصل ہوا۔ اس کا رب نے وعدہ فرمایا ہے اس کا وعدہ خلاف نہیں ہوسکتا۔ شعر۔

مری رات کی دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں
میں سمجھ گیا یقینا ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ۔ یوں ہی صدقات وخیرات اگر صدق دل سے ہوں تو رب تعالیٰ انہیں ضرور قبول فرماتا ہے اور انہیں بڑھاتا بھی ہے۔ حتیٰ کہ ایک دانہ جس کی خیرات وہاں قبول ہو جاوے قیامت میں پہاڑ ہو کر ملے گا۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے یہ فائدہ یاخذ الصدقات سے حاصل ہوا رب تعالیٰ فرماتا ہے یمحق اللہ الربوا ویربی الصدقات دوسری جگہ فرماتا ہے کمثل حبۃ انبتت سبع سنابل فی کل سنبلۃ مائۃ حبۃ

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سچی توبہ سے گناہ معاف فرماتا ہے ثواب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ توبہ عبادت ہے اور عبادت باعث ثواب یہ فائدہ تواب کے ساتھ رحیم فرمانے سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: امر ہمیشہ وجوب کے لئے نہیں آتا اس کے بہت مقاصد ہوتے ہیں حتیٰ کہ کبھی کسی کام سے روکنے اور جھڑکنے کے لئے بھی آتا ہے یہ فائدہ وقل اعملوا سے حاصل ہوا کہ اعملوا سے ہر اچھے برے کام کا نہ حکم ہے نہ اجازت۔ بلکہ جھڑک ہے فرماتا ہے۔ ومن شاء فلیکفر وہاں بھی کفر کی اجازت نہیں۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے کہ وہ ہمیشہ سے علیم ہے خبیر ہے مگر روایت یعنی دیکھنا چیز کے موجود ہونے پر ہوتا ہے جسے علم ظہور کہا جاتا ہے یہ فائدہ فسیر اللہ عملکم کے سین سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت بلکہ سارے جہان کے سارے کاموں کو ملاحظہ فرماتے ہیں۔ کسی کا کوئی کام حضور انور ﷺ سے پوشیدہ نہیں یہ فائدہ ورسولہ فرمانے سے حاصل ہوا اور کیوں نہ ہو کہ حضور انور ﷺ سب کے سارے اعمال وایمان کے گواہ ہیں۔ گواہ کو مشاہدہ کرایا جاتا ہے ویکون الرسول علیکم شهیدا اور فرماتا ہے وجئنابک علی هولاء شهیدا خود فرماتے کہ مجھ پر تمہارے رکوع سجود دل کا خشوع وخضوع چھپا نہیں رہتا۔ (بخاری شریف)

نواں فائدہ: اللہ تعالیٰ دنیا میں ہی نیک وبد اعمال چہرے کے آثار سے اور وجوہ سے لوگوں پر ظاہر فرما دیتا ہے۔ اندرون خانہ کئے ہوئے اعمال فاش کر دیتا ہے یہ فائدہ المومنون فرمانے سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: قیامت میں ہر ایک کو اس کا ہر عمل بتا دیا دکھا دیا جاوے گا۔ اقرار جرم کرا کے سزا دی جاوے گی یہ فائدہ فینبئکم (الخ) سے حاصل ہوا۔ بلکہ مرنے کے وقت ہی انسان کو اپنے عمال وانجام کا پتہ لگ جاتا ہے رب تعالیٰ نیک اعمال نصیب کرے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ توبہ ضرور قبول فرماتا ہے مگر دوسری آیات اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی توبہ بلکہ ایمان قبول نہیں بھی ہوتا۔ دیکھو جمیل اپنی زکوٰۃ بار بار حضور انور ﷺ اور صحابہ کرام کے پاس لایا مگر نا منظور ہوئی۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کلمہ پڑھا مگر نامنظور ہوا وہ آیات اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں توبہ سے سچی توبہ اور بروقت توبہ مراد ہے۔ جمیل نے سچی توبہ نہیں کی تھی۔ ہر بار منافقت سے زکوٰۃ لاتا تھا۔ فرعون نے توبہ کا وقت نکال دیا یا عذاب دیکھ کر توبہ کی جو نامقبول ہوئی۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: فقہاء فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کے گستاخ کی توبہ قبول نہیں، وہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے یہاں ہر توبہ قبول ہونے کا وعدہ ہے۔

جواب: حضور انور کے گستاخ کا قصاص بہر حال لیا جائے گا۔ اگرچہ قاتل توبہ کرے تاوقتیکہ صاحب حق معاف نہ کرے۔ یہاں حضور انور ﷺ صاحب حق ہیں ان کی معافی کیسے حاصل کی جاوے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہے کہ رب تعالیٰ صدقات لیتا ہے دوسری جگہ ہے خذ من اموالھم صدقۃ اے محبوب آپ ﷺ ان کے مال کے صدقے لو۔ حضور انور ﷺ نے حضرت معاذ سے فرمایا تھا کہ تم امیروں سے صدقات لو۔ فقراء کو دو ان میں کونسی آیت درست ہے آیات میں تعارض ہے۔

جواب: تینوں آیات درست ہیں یہاں حقیقت کا ذکر ہے ان آیات میں ظاہر سبب کا۔ کیونکہ حضور ﷺ کے عامل یا فقیر کا صدقہ لینا بالواسطہ حضور انور ﷺ کا قبول فرمانا ہے اور حضور انور ﷺ کا قبول فرمانا در حقیقت رب تعالیٰ کا قبول فرمانا ہے۔

چوتھا اعتراض: اگر اس آیت سے حضور انور ﷺ کا علم غیب حاضر و ناظر۔ لوگوں کے اعمال کا مشاہدہ کرنا ثابت کرتے ہو تو یہ ہی صفات سارے مسلمانوں کے لئے بھی مانو کیونکہ یہاں سیری کا فاعل اللہ تعالیٰ۔ رسول۔ مومنین سب ہی ہیں۔ لوگوں کے اعمال سب ہی دیکھتے ہیں۔

جواب: اللہ رسول کے دیکھنے اور مومنوں کے دیکھنے میں کئی طرح فرق ہے۔ مومن صرف اپنے زمانہ کے لوگوں کے حالات دیکھتے ہیں۔ اللہ رسول ہر جگہ اندھیرے اجیالے کے اعمال کو (۱) مومنین علامات کے ذریعہ دیکھتے ہیں۔ اللہ رسول کو ان علامات کی ضرورت نہیں غرضکہ نوعیت رویت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دیکھو ان اللہ وملائکتہ یصلون علی النبی میں لفظ صلوٰۃ یعنی درود ایک ہے مگر نوعیت صلوٰۃ میں فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا درود اور نوعیت کا ہے فرشتوں کا دوسری نوعیت کا۔

پانچواں اعتراض: اگر یہاں سیردون (الخ) سے مراد مرکر قبر میں جانا ہو تو وہاں اعمال کی خبر دینے کے کیا معنی۔ قبر میں تو اعمال کا حساب ہے ہی نہیں وہاں صرف عقائد کا حساب ہے۔

جواب: واقعی قبر اعمال کا حساب نہیں مگر اعمال کا عملی خبر دینا وہاں بھی ہے کہ بعض گناہوں پر قبر کی تاریکی تنگی وحشت ہوگی۔ اور بعض نیکیوں پر قبر کی فراخی۔ روشنی۔ دل کا سکون وچین وغیرہ میسر ہوں گے۔ لہٰذا آیت کریمہ درست ہے۔

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ اپنے سارے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ من عبادہ میں عباد میں اطلاق ہے مگر بہت سی مخلوق توبہ کے لائق ہی نہیں۔ جیسے اینٹ پتھر جانور وغیرہ بعض مخلوق توبہ کرتی نہیں جیسے فرشتے اور حضرت انبیاء کرام اور خاص اولیاء کہ ان سے گناہ ہوتے ہی نہیں پھر یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔

جواب: یہاں عباد جمع عبد کی ہے اور عبد سے مراد عبودیت والے بندے ہیں وہ صرف جن وانس ہی ہیں حضرات انبیاء کرام اور خاص اولیاء۔ اگرچہ گناہ نہیں کرسکتے مگر توبہ ضرورت کرتے ہیں۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

عابدان از گناہ توبہ کنند عارفاں از عبادت استغفار

ہم لوگ صرف توبہ کرتے ہیں وہ حضرات ھوبہ۔ روبہ کے ساتھ توبہ کرتے ہیں توبہ۔ روبہ کے فرق پہلے پارہ میں عرض ہو چکے جس دانہ کو اچھی زمین قبول کرے تو اسے ضائع نہیں ہونے دیتی بلکہ بطور امانت اسے محفوظ رکھتی ہے اور چند در چند کر کے اسی واپس کرتی ہے یہ زمین کا حال ہے جو نیکی اللہ تعالیٰ قبول فرمائے وہ کیسے ضائع ہو سکتی ہے۔ وہ رب کے پاس محفوظ رہتی ہے اور یہاں تک بڑھتی ہے کہ کن کامن اور ذرہ کا پہاڑ بن جاتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ توبہ اور عبد لفظاً ایک ایک ہیں لیکن معناً ان میں بڑا فرق ہے جیسا بندہ ویسی اس کی توبہ اور جیسی توبہ ویسی اس کی قبولیت جیسی قبولیت ویسا اس کا انجام۔ اللہ تعالیٰ مومن کی نیکیاں دیکھتا بھی ہے دکھاتا بھی ہے مگر مومن کے گناہ دیکھتا ہے دکھاتا نہیں بلکہ چھپاتا ہے اس کی صفت دکھانا بھی ہے۔ چھپانا بھی اور مٹانا بھی۔ کفار کی نیکیاں مٹاتا ہے گھٹاتا بھی ہے بڑھاتا بھی یمحق اللہ الربوٰ ویربی الصدقات۔

وَاٰخَرُوْنَ مُرْجَوْنَ لِاَمْرِ اللّٰهِ اِمَّا يُعَذِّبُهُمْ وَاِمَّا
اور دوسرے لوگ موخر کیے ہوئے ہیں حکم الٰہی تک یا سزا دے انہیں اور یا
اور کچھ موقوف رکھے گئے ہیں اللہ کے حکم پر یا ان پر عذاب کرے یا ان کی
يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾
توبہ ڈالے ان پر اور اللہ علم والا حکمت والا ہے
توبہ قبول کرے اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں غزوۂ تبوک سے رہ جانے والی دو جماعتوں کا ذکر ہوا۔ منافقین مبادرین یعنی بہت جلد توبہ کرنے والے اب ان کی تیسری جماعت کا ذکر ہے یعنی واقفین۔ جن کی توبہ میں دیر ہوئی۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے بندوں کی توبہ قبول فرمانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ ھو یقبل التوبۃ عن عبادہ۔ اب ارشاد ہے کہ کبھی دیر میں لہٰذا دیر سے مایوس نہ ہو جانا چاہئے۔ گویا قبول توبہ کے بعد وقت قبول کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اب ارشاد ہے کہ اللہ کے بندے دو طرح کے ہیں ایک وہ جو گناہ کرتے ہی تڑپ جاتے ہیں اور بہت جلد کفارہ ادا کر دیتے ہیں دوسرے وہ جن میں تڑپ دیر سے پیدا ہوتی ہے گویا تائبین کی ایک قسم کے بعد دوسری کا ذکر ہو رہا ہے۔

چوتھا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تمہارے کام اللہ تعالیٰ نور الوہیت سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اور

www.alahazratnetwork.org

مومنین حضور انور ﷺ کے بتانے یا علامت خاصہ سے دیکھ لیں گے اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ مذکورین سات آدمیوں کے ہر قسم کے اعمال بھی دیکھ لئے گئے اور ان تینوں صاحبوں کے اعمال بھی اور ان دونوں جماعتوں کے اعمال کا تا قیامت چرچا ہوتا رہے گا۔

شان نزول: غزوہ تبوک سے دس مخلص صحابہ سستی کی وجہ سے غیر حاضر رہے تھے جن میں سے سات حضرات نے وہ شاندار فوراً توبہ کی جس کا ذکر ہو چکا مگر تین حضرات نے یعنی کعب ابن مالک ہلال ابن امیہ مرارہ ابن ربیع۔ انہوں نے اگرچہ اپنے کو ستونوں سے بندھوایا تو نہیں مگر حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں کوئی بہانہ بھی نہیں کیا۔ صاف صاف اپنی خطا قبول کر لی کہ ہم سے قصور ہو گیا۔ سستی کی وجہ سے حاضر نہ ہوئے حضور انور ﷺ نے ان سے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تمہاری توبہ قبول ہونے کا اعلان فرمائے گا تب قبول ہو گی۔ اور ان تینوں حضرات کا مکمل بائیکاٹ کر دیا گیا کہ ان سے مسلمانوں نے سلام کلام۔ اٹھنا۔ بیٹھنا۔ خرید و فروخت سب یکدم بند کر دی حتی کہ ان کو اپنی بیویوں سے صحبت حرام کر دی گئی۔ پچاس دن بائیکاٹ رہا۔ یہ آیت کریمہ ان کے متعلق نازل ہوئی۔ یہ تینوں حضرات غازیان بدر سے تھے۔ اس آیت میں ان کی اسی تاخیر قبول کا ذکر ہوا (تفسیر خازن بیضاوی۔ مدارک کبیر وغیرہ)

تفسیر: و آخرون مرجون لامر اللہ ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے آخرون اعترفوا بذنوبھم (الخ) پر لہذا اس کا واؤ عاطفہ ہے اور واؤ کے بعد منھم قوم پوشیدہ ہے آخرون سے مراد وہی تین حضرات ہیں جن کی توبہ پچاس دن بعد قبول ہوئی۔ کیونکہ انہوں نے ابولبابہ وغیرہم کی طرح اپنے کو ستونوں سے بندھوایا نہیں۔ ان میں ان جیسی تڑپ پیدا نہیں ہوئی مرجون بنا ہے رجی سے بمعنی دیر لگانا۔ ٹھہرانا۔ موقوف رکھنا۔ اسی سے ہے قبیلہ مرجیہ یہ اصل میں مرجیون تھا۔ ی گر گئی۔ یرمون کے قاعدے سے لامر اللہ میں لام بمعنی الی ہے اور امر اللہ سے مراد وہ آیات ہیں جو آگے آئیں گی وعلی الثلثۃ الذین خلفوا (الخ) یعنی ان میں پیچھے رہ جانے والوں میں دوسری قوم وہ ہے جن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حکم آنے تک موقوف رکھا گیا ہے۔ اس وقت ان کا فیصلہ ہو گا۔ امایعذبھم و امایتوب علیھم و اما یتوب علیھم۔ اس فرمان عالی میں مرجون کا مقصد بیان فرمایا جارہا ہے۔ یوں سمجھو کہ آخرون مبتدا ہے اور مرجون (الخ) اور اما نعذبھم اس خبر کا بیان (تفسیر روح المعانی)

خیال رہے: کہ یہاں عذاب سے مراد ان کی توبہ قبول نہ کرنا ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی اللہ تعالیٰ یا تو انہیں سزا دے گا کہ انہیں اس توبہ کی شرائط پورے کرنے مذکورہ قصور کا کفارہ ادا کرنے کی توفیق نہ دے اور وہ بائیکاٹ کے زمانہ میں گھبرا جائیں یا ان کی توبہ قبول فرمائے۔ اس طرح کہ انہیں بائیکاٹ کے زمانہ کی مصیبت جھیلنے کی ہمت دے دے اور اس قصور کے کفارہ کی توفیق بخشے واللہ علیم حکیم اس فرمان عالی میں اس تاخیر قبول کی وجہ کا بیان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان سات کے اخلاص و تڑپ کو بھی جانتا ہے اور ان کی اقرار خطا کو اس تاخیر قبول میں بہت حکمتیں ہیں اس تاخیر سے ہی ان حضرات کو عظمت دین پر استقامت حضور انور ﷺ کے اختیار خداداد تمام مومنوں کے حضور انور ﷺ کے دامن سے مکمل

www.alahazratnetwork.org

وابستگی ظاہر ہوگی۔

خیال رہے: کہ ان تینوں حضرات کے بائیکاٹ کے زمانہ میں حضرت کعب ابن مالک کے پاس شاہ ملک شام نے خط بھیجا کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کی قدر نہ کی آپ ہمارے پاس آجائیں ہم آپ کو وزارت عظمیٰ کا عہدہ دیتے ہیں آپ نے یہ خط تو جلادیا اور بہت روئے عرض کیا **الہ العالمین** کیا اب میں اس حد تک پہنچ گیا کہ مجھے کفار دعوت دینے لگے اگر اس زمانہ میں میری موت ہوگئی تو حضور انور ﷺ میرا جنازہ بھی نہ پڑھیں گے اس خیال سے تڑپ گئے رب کے ہاں تڑپ ہی تو محبوب ہے۔ چنانچہ توبہ قبول ہوگئی۔ دیکھو بخاری شریف وغیرہ۔ تمام کتب حدیث قصہ توبہ کعب ابن مالک غرضکہ اس تاخیر میں بہت حکمتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان سستی کر جانے والے مخلصین میں کچھ لوگ وہ ہیں آپ نے جن کا بائیکاٹ کر دیا ہے اور ان کا معاملہ موقوف کر دیا گیا ہے۔ کچھ عرصہ کے بعد ان کا فیصلہ ہوگا۔ وحی الٰہی آنے تک انہیں یوں ہی رہنے دیں رب کو اختیار ہے یا تو وہ انہیں سزا دے کہ توبہ قبول نہ کرے اس طرح کہ انہیں زمانہ بائیکاٹ کی مشقتیں جھیلنے کی ہمت نہ دے ان سے اس توبہ کی شرائط پوری نہ ہوں اور یہ قبولیت سے محروم رہیں یا ان کو تمام کی توفیق ملے اور ان کی توبہ قبول ہو جاوے اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے ان کے دلوں کا حال جانتا ہے۔ حکیم بھی اس تاخیر قبول میں بہت حکمتیں ہیں یہ لوگ انتظار کریں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم میں نائب کبریا ہیں کہ حضور ﷺ کا فیصلہ رب تعالیٰ کا فیصلہ ہوتا ہے۔ دیکھو ان تین حضرات کو حضور انور ﷺ نے معلق فرمادیا ان کا بائیکاٹ رب نے اس کی تائید اس آیت سے فرمائی یہ آیت حضور انور ﷺ کے حکم کی تائید کے لئے آئی ہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے۔ دیکھو سلام کا جواب دینا فرض ہے مسلمان سے مصافحہ کرنا سنت مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا اس سے میل جول سنت۔ مگر حضور انور ﷺ کے حکم بائیکاٹ سے حضرت کعب کے سلام کا جواب دینا مسلمان کے لئے ممنوع ہوگیا۔ ان سے مصافحہ کلام سلام حرام ہوگیا۔ یہ ہے میرے محبوب کی سلطنت مطلقہ۔

تیسرا فائدہ: حضور انور ﷺ ہم سب مسلمانوں کے مالک ہیں ہم سب ان کے مملوک غلام بلکہ حضور ﷺ کو ہر مسلمان پر وہ حق ہے جو مولیٰ کو غلام پر نہیں ہوتا۔ دیکھو کوئی مولیٰ، بادشاہ، ماں باپ استاد پڑوسی کسی پر اس کی بیوی کو باوجود نکاح قائم رہنے کے حرام نہیں کر سکتا۔ مگر حضور انور ﷺ کے شاہی احکام و اختیار دیکھو کہ اس پچاس دن تک مدت میں ان تینوں صاحبوں کی بیویاں ان کے نکاح میں رہیں مگر ان سے صحبت حرام ہوگئی۔ یہ ہے اس شہنشاہ کا راج رب تعالیٰ نے ان سب فرمانوں کی تائید ایک کلمہ سے فرمادی کہ آخرون مرجون (الخ) اس کا اثر یہ ہوا کہ ان تینوں صاحبوں کے بھائی برادر اور ماں باپ بیویوں کو بھی ان سے کلام وسلام حرام ہوگیا۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: ملک کی سالمیت کے لئے مسلمانوں کا اتحاد ضروری ہے۔ دیکھو حضرات صحابہ کا اتحاد کہ حضور انور ﷺ کے ایک اشارہ پر حضرت کعب وغیرہ سے سارے مسلمان ایسے پھر گئے کہ کوئی پہچانتا بھی نہ تھا۔ انہوں نے بزبان حال کہہ دیا کہ اے کعب اگر تم حضور ﷺ کے اور حضور ﷺ تمہارے ہیں تو ہم سب تمہارے اگر اس میں فرق ہے تو ہمارے قریبی عزیز تمہارے نہیں رب تعالیٰ یہ اتحاد ہم کو نصیب کرے۔

پانچواں فائدہ: مومن کی علامت یہ ہے کہ حضور انور ﷺ کی غلامی یہاں کی تختی دل و جان سے قبول کرے کفار کی وزارت کو اس کے مقابلہ میں ٹھکرا دے۔ دیکھو حضرت کعب نے اس کسم پرسی کے زمانہ میں بادشاہ کے پیش کردہ عہدہ وزارت کو ٹھکرا دیا۔ یہ فائدے اس آیت کے شان نزول سے حاصل ہوئے۔

چھٹا فائدہ: عمل اور توبہ کی قبولیت میں جلدی نہیں کرنے چاہئے۔ خواب کی تعبیر دعا کی قبولیت یونہی نیک اعمال اور توبہ کی قبولیت کبھی دیر سے ظاہر ہوتی ہے اس دیر میں رب کی حکمتیں ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ **مرجون لامر الله** سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: توبہ کے لئے کچھ شرائط ہیں کچھ سنتیں کچھ مستحبات اور پھر اس کا ایک وقت بھی ہے ان سب کے اجتماع کی توفیق رب کی طرف سے ملتی ہے۔ یہ توفیق نہ ملنا رب کا عذاب ہے یہ فائدہ **اما یعذبهم** سے حاصل ہوا۔ دیکھو اس خبر کی تفسیر۔ ہمیشہ رب تعالیٰ سے توفیق خیر مانگو۔

آٹھواں فائدہ: اس امت میں سب سے افضل و اعلیٰ حضرات صحابہ ہیں جب ان کے متعلق یہ ارشاد ہے **اما یعذبهم او یتوب علیهم**۔ تو ہم تم کیسی گنتی اور شمار میں ہیں بس کرے جاؤ اور ڈرے جاؤ۔

پہلا اعتراض: جہاد فرض کفایہ ہے جو بعض کے ادا کرنے سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں پھر غزوۂ تبوک میں بہت صحابہ کرام شریک ہو گئے تھے۔ اگر یہ دس حضرات شریک نہ ہوئے تو ان پر اتنا عتاب کیوں ہوا۔

جواب: تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ انصار مدینہ پر ہر جہاد فرض عین تھا کیونکہ انہوں نے حضور انور ﷺ سے جہاد پر بیعت کی ہوئی تھی وہ حضرات فخریہ طور پر یہ کہا کرتے تھے۔ شعر۔

نحن الذین بایعو محمدا على الجهاد بالینا بالبقیں ابدا

اب جب کوئی انصاری جہاد سے رہ گیا وہ فرض عین کا تارک ہوا۔ لہٰذا عتاب درست ہوا مگر فقیر کے نزدیک یہ جواب قوی نہیں۔ کیونکہ بہت جہادوں میں بہت سے انصار شریک نہیں ہوئے حتی کہ غزوۂ بدر میں سارے انصار شریک نہ تھے ورنہ غازی بہت زیادہ ہوتے تین سو تیرہ ہی نہ ہوتے۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ اس غزوۂ میں حضور انور ﷺ نے ان تمام حضرات کو شرکت کا قطعی حکم دیا تھا۔ اس حکم سے ان پر فرض عین ہو گیا تھا۔ فرض عین یا فرض قطعی یا سنت یا واجب بنانے والی حضور انور ﷺ کی زبان شریف ہے چنانچہ جن حضرات کو مدینہ منورہ میں چھوڑ گیا جیسے حضرت علی۔ ان پر کوئی عتاب نہیں ہوا۔ بلکہ ان پر مدینہ میں رہنا فرض ہو گیا۔ تبوک میں جانا حرام ہو گیا۔ سرکاری حکم بڑی چیز ہے۔ مصرع۔

تیری رضا رضائے رب تیری قضا قضائے رب

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: ان تین حضرات نے حضور انور ﷺ کے واپس آتے ہی اپنی خطا کا اقرار کرلیا۔ یہ اقرار توبہ تھا پھر ان کا معاملہ معلق کیوں کردیا گیا رب تعالیٰ نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا ہے۔

جواب: بعض خطاؤں کی توبہ کے لئے اداء کفارہ ضروری ہوتا ہے کفارہ ادا کرنے تک توبہ معلق رہتی ہے۔ فوراً قبول نہیں ہوتی۔ تبوک سے رہ جانے والوں کے لئے کچھ تکلیف برداشت کرنا گویا اس خطا کا کفارہ تھا۔ ان سات نے جن میں ابولبابہ شامل تھے اپنے کو ستونوں سے بندھوا کر یہ مشقت برداشت کر کے کفارہ ادا کردیا۔ ان تین حضرات کے لئے پچاس دن کے بائیکاٹ کی تکلیف کفارہ ہی بنی انہیں اس کفارہ کا انتظار کرنا پڑا رب تعالیٰ نے قبول توبہ کا وعدہ فرمایا۔ فوراً قبولیت کا وعدہ نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کے شان نزول سے معلوم ہوا کہ حضور انور نے پچاس دن تین حضرات کا بائیکاٹ رکھا مگر دوسری حدیث میں ہے کہ کوئی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو تین دن سے زیادہ نہ چھوڑے رہے اس دوران میں اس سے بول چال شروع کردے ان دونوں میں تعارض ہے۔

جواب: تمہاری پیش کردہ حدیث میں ذاتی یا نفسانی لڑائی کی بنا پر چھوڑنا ہے۔ یہاں بطور سزا کفارہ بائیکاٹ کرایا گیا۔ اور اس سے تربیت و تعلیم مقصود تھی یہ زیادہ عرصہ تک رہ سکتی ہے۔ رب فرماتا ہے **واتر کوھن فی المضاجع** اپنی زبان فرمان بیویوں کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو ان کا بائیکاٹ کرو۔ اس آیت میں تین دن کی قید نہیں یہ فرق خیال میں رہے۔

چوتھا اعتراض: اما شک کے لئے ہے اللہ تعالیٰ شک و تردد سے پاک ہے پھر اس نے **اما یعذبھم و اما یتوب علیھم** کیوں فرمایا۔

جواب: یہ فرمان عالی ان حضرات کو تردد میں رکھنے کے لئے فرمایا یعنی یہ تینوں حضرات نہ تو رب سے مایوس ہوں اور نہ بے خوف بلکہ قبولیت کی امید رکھیں عذاب کا خوف۔ اس امید و خوف پر ایمان کی عمارت قائم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت پر عشاق وجد کرتے ہیں رب نے ان تین حضرات کو فراق کی سزا دی۔ فراق یار وہ درخت ہے جس میں وصال کے پھل لگتے ہیں بشرطیکہ اسے تڑپ و بے قراری کا کھاد اور آنسوؤں کا پانی ملتا ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔ شعر۔

دھقان ازل کاش کہ ایں تخم نہ کشتے ہرچند کہ ہجران ثمر وصل برآرد

حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ بعض مقبولین سے اولاً خطا سرزد ہو پھر وہ توبہ کریں تو فوراً قبول نہ ہو بلکہ انہیں امید و خوف کے درمیان رکھا جائے جس سے ان کی تربیت ہو وہ حضرات ان خوف و امید کے پروں سے اڑ کر بارگاہ قدس تک پہنچیں جہاں ان پر وحدت کی تجلی پڑے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی تربیت جانتا ہے کسی کو قرب کی لذت دے کر کسی کو فراق کا مزہ چکھا کر اپنے تک بلاتا ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے (روح البیان) غزوۂ تبوک کے موقعہ پر غازیوں نے دراز سفر کی مشقتیں جھیلیں ان حضرات نے اس زمانہ میں آرام کیا۔ یہ زمانہ پچاس کا تھا اس مدت تک انہیں فراق۔ بائیکاٹ رونے تڑپنے کی

www.alahazratnetwork.org

مشقت میں ڈالا گیا تا کہ اس آرام کا کفارہ بن جاوے۔ (تفسیر صاوی) روایات میں ہے کہ بائیکاٹ کے زمانہ میں جب حضرت کعب مسجد میں جماعت نماز کے لئے آتے اور کہتے اسلام علیکم تو کوئی جواب نہ دیتا۔ یہ کبھی حاضرین کا منہ تکتے کبھی حضور انور ﷺ کے لب مبارک تکتے کہ جواب کے لئے ہلے یا نہیں۔ حضور ﷺ کا انداز محبوبانہ یہ تھا کہ جب کعب کی نظر اور طرف ہوتی تو حضور کعب کا چہرہ دیکھتے مگر جب کعب حضور کی نگاہ کو دیکھتے تو حضور صلعم فوراً آنکھیں پھیر لیتے حضرت کعب منہ تکتے رہ جاتے۔ قسم رب کی کعب کو وہ مزا آتا ہوگا جسے وہ ہی جانتے ہیں۔ شعر۔

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو — جب تک تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزہ ہو
ان اداؤں کی لذتیں باوفاؤں سے پوچھو — عشاق ان اداؤں پر فدا ہو جاتے ہیں

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا

اور وہ لوگ کہ بنائی انہوں نے مسجد ضرار دینے کے لئے اور کفر کے لئے اور جدائی

اور جنہوں نے مسجد بنائی نقصان پہنچانے کو اور کفر کے سبب

بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَ

کرنے کے لئے درمیان مومنوں کے اور پناہ دینے کے لئے جو مخالف ہے اللہ اور

اور مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کو اور اس کے انتظار میں جو پہلے سے اللہ اور

رَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى

رسول کا اس کے پہلے سے اور البتہ ضرور قسم کھا جائیں گے کہ نہیں ارادہ کیا ہم نے مگر

اس کے رسول کا مخالف ہے اور وہ ضرور قسمیں کھائیں گے ہم نے تو بھلائی چاہی

وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ لَا تَقُمْ فِيْهِ اَبَدًا

بھلائی کا اور اللہ گواہی دیتا ہے تحقیق وہ البتہ جھوٹے ہیں نہ کھڑے ہوں آپ اس میں کبھی

اور اللہ گواہ ہے کہ وہ بیشک جھوٹے ہیں اس مسجد میں کبھی کھڑے نہ ہونا

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ

البتہ وہ مسجد کہ بنیاد رکھی گئی جس کی پرہیزگاری پر پہلے دن سے ہی زیادہ حق دار ہے

بے شک وہ مسجد کہ پہلے ہی دن سے جس کی بنیاد پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے وہ اس

اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ ۚ فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا

www.alahazratnetwork.org

اس کی کہ کھڑے ہو تم اس میں اس میں لوگ ہیں ایسے جو پسند کرتے ہیں یہ کہ
قابل ہے کہ تم اس میں کھڑے ہو اس میں وہ لوگ

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

خوب پاک ہوں اور اللہ پسند کرتا ہے پاکوں کو
ہیں جو خوب ستھرا ہونا چاہتے ہیں اور ستھرے اللہ کو پیارے ہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں منافقوں کی مختلف بدکاریوں کا ذکر ہوا کہ ان سے بعض یہ حرکات کرتے اور بعض فلاں حرکت اب منافقوں کے ایسے کاموں کا ذکر ہے جو بظاہر اچھے معلوم ہوتے ہیں مگر درحقیقت برے ہی جیسے بری نیت سے مسجد بنانا گویا ان کے کھلے عیوب کے بعد ان کے چھپے عیوب کا ذکر ہے جو ہیں عیب مگر خوبی کی صورت ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مخلص مومنوں کے لئے ایسے عمل بیان ہوئے جو ابتداء برے تھے مگر ان کا انجام اچھا ہوا۔ جیسے غزوۂ تبوک سے رہ جانا جس کے بعد انہیں شاندار توبہ میسر ہوئی اب منافقوں کے ایسے کام بیان ہو رہے ہیں جو ابتداء اچھے معلوم ہوئے مگر ان کی انتہا خراب ہوئی جیسے مسجد ضرار کی تعمیر۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کا منشا یہ تھا کہ مخلصین مومنین سے اگر کوئی غلط کام بھی ہو جائے تو اے محبوب آپ علیہ السلام ان سے کنارہ کش نہ ہوں انہیں اپنے دامن کرم میں رکھیں اب اس آیت کا منشا یہ ہے کہ منافقین اگر بظاہر کوئی اچھا کام بھی کریں تب بھی ان کی طرف التفات نہ کریں کہ ان خبیثوں کی خوبیوں کی بنا خباثت پر ہے۔

چوتھا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ منافقین صدقات و خیرات بھی دیتے ہیں تو بری نیت سے یعنی ٹیکس یا جرمانہ سمجھ کر یتخذ ما ینفق مغرما اب ارشاد ہے کہ اگر یہ مسجد بھی بناتے ہیں تو برے ارادے سے گویا ان کے وقتی صدقہ کے ذکر کے بعد ان کے صدقہ جاریہ کے حال کا ذکر ہے۔

شان نزول: زمانہ جاہلیت میں مدینہ منورہ میں ایک شخص تھا ابو عامر راہب جو عیسائی ہو گیا تھا اور توریت و انجیل کا عالم بن گیا تھا لوگوں میں اس کی بڑی عزت تھی۔ حضرت حنظلہ جن کا لقب غسیل الملائکہ ہے اسی مردود کے فرزند ہیں۔ جب اسلام کا آفتاب مدینہ منورہ میں چمکا۔ تمام لوگ حضور انور علیہ السلام کے قدموں میں گرنے لگے تو ابو عامر راہب کی عزت فنا ہو گئی یہ اس پر جل گیا حضور انور علیہ السلام کی خدمت میں آ کر بولا آپ علیہ السلام کونسا دین لائے ہیں فرمایا دین حنیف ملت ابراہیم وہ بولا اس ملت پر تو میں ہوں آپ علیہ السلام نے تو اپنی طرف سے یہ دین گھڑا ہے فرمایا کہ ہمارا اسلام ہی ملت ابراہیمی ہے پھر دعا

www.alahazratnetwork.org

کی کہ مولیٰ ہم میں سے جو جھوٹا ہو اسے سفر اور پشیمانی کی موت دے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا آمین پھر غزوہ احد میں حضور انور ﷺ سے بولا کہ جو قوم آپ ﷺ سے جنگ کرے گی میں اس کے ساتھ آپ ﷺ کے مقابل ہوں گا۔ جب غزوہ حنین میں حضور انور ﷺ کے مقابلہ سے ہوازن بھاگے تو یہ بھی بھاگا۔ شام پہنچا اور منافقین مدینہ کو پیغام بھیجا کہ تم میرے لئے ایک مسجد اپنے محلہ میں بناؤ جو بظاہر مسجد حقیقت میں میرا قیام گاہ اور حضور انور ﷺ کے خلاف شازش گاہ ہو وہاں حضور انور ﷺ کے مقابلہ کے لئے اسلحہ اور جنگی سامان جمع کر دیں قیصر روم سے لشکر لے کر مدینہ پر چڑھائی کروں گا۔ اس وقت تم میری مدد کرنا۔ چنانچہ ان منافقین نے مسجد قبا شریف کے قریب ایک مسجد بنائی جب حضور انور ﷺ تبوک تشریف لے جا رہے تھے جو منافقین حضور انور ﷺ کی خدمت میں آئے بولے یا رسول اللہ ہم نے بوڑھوں کمزوروں اور دور والوں کے لئے جو مسجد قبا میں نہ پہنچ سکیں یہ مسجد بنائی ہے نیز بارش اور اندھیری راتوں میں ہم بھی اس مسجد میں بہ آسانی نماز پڑھ لیا کریں گے۔ حضور انور ﷺ ایک نماز یہاں پڑھ لیں اور دعاء خیر کریں۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ ابھی تو ہم تبوک کی طرف پا بہ رکاب ہیں۔ واپسی پر اگر اللہ نے چاہا تو ہم وہاں نماز پڑھیں گے۔ یہ فرما کر حضور ﷺ تبوک چلے گئے واپسی پر جب سرکار مقام ذی اوان پہنچے جو مدینہ منورہ سے قریب ہے تو یہ منافقین پھر حاضر خدمت ہوئے اور وہ ہی درخواست کی۔ تب اس جگہ یہ آیات کریمہ نازل ہوئیں۔ حضور انور ﷺ نے اس دم حضرت وحشی (قاتل امیر حمزہ) مالک ابن دخشم۔ معن ابن عدی اور عامر ابن سکن کو حکم دیا کہ تم لوگ فوراً اس مسجد کو آگ لگا کر ختم کر دو۔ اور اس کی جگہ روڑھی (گھورا) بنا دو جہاں کوڑا کچرا ڈالا جایا کرے چنانچہ یہ حضرات وہاں گئے اور آن کی آن میں اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا اس مسجد ضرار میں مجمع ابن جاریہ نے کچھ دن غلطی سے امامت کی پھر توبہ کی۔ عہد فاروقی میں بہت مسجدیں بنائی گئیں مگر حکم دیا کہ اس جگہ بھی مسجد نہ بنے اور مجمع ابن جاریہ کہیں امام نہ بنے کیونکہ انہوں نے اس مسجد میں امامت کی تھی انہوں نے اپنی بے خبری ظاہر کی تب انہیں امامت کی اجازت ملی۔ (تفسیر روح البیان خازن۔ روح المعانی۔ بیضاوی۔ خزائن العرفان وغیرہ) اب عمار راہب ملک شام میں مقام قنسرین میں تنہائی میں ہلاک ہوا۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جگہ پھر ثابت ابن ارقم کو عطا فرما دی۔ انہوں نے وہاں گھر بنا کر رہنا شروع کیا تو اس کے اولاد نہ ہوئی ایک دن اس میں کسی ضرورت کے لئے گڑھا کھودا تو اس میں سے دھواں نکلا (روح البیان)

تفسیر: والذین اتخذوا مسجدا ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے الذین سے پہلے منہم پوشیدہ ہے یعنی منافقوں میں سے بعض وہ ہیں۔ الذین سے مراد وہ بارہ منافقین ہیں جنہوں نے یہ مسجد ضرار بنائی اور پھر حضور انور ﷺ کی خدمت میں وہ درخواست کی۔ ودیعہ ابن ثابت۔ خذام ابن خالد۔ ثعلبہ ابن حاطب۔ جاریہ ابن عامر اس کے دو بیٹے مجمع اور زاہد۔ معتب ابن قشیر۔ عباد ابن حنیف۔ ابو حبیبہ ابن ازعر۔ نبتل ابن حارث۔ بجاد ابن عثمان بجاد ابن عثمان۔ (خازن۔ روح المعانی) ان میں سے خذام ابن خالد نے اپنے گھر سے ایک حصہ اس مسجد کے لئے نکالا۔ اتخاذ کے معنی ہیں بنانا۔ مسجد سے مراد مسجد ضرار ہے۔ اگرچہ وہ جگہ ان بدنصیبوں نے اسلام کے خلاف سازشی گھر بنایا تھا مگر چونکہ اسے

www.alahazratnetwork.org

مسجد کی شکل دی تھی اور مسجد کا نام رکھا تھا اس لئے اسے مسجد فرمایا گیا یعنی ان کی خیالی مسجد۔ لفظ مسجد کی تحقیق ساتویں پارے میں ہو چکی ہے کہ مسجد جیم کے کسرہ سے خلاف قیاس ہے۔ صرفی قاعدے سے مسجد۔ جیم کے فتحہ سے ہے اب محاورہ میں مسجد جیم کے فتحہ سے جاء سجود یعنی مصلی اور مسجد جیم کے کسرہ سے پوری عمارت جو نماز کے لئے وقف ہو۔ ان لوگوں نے یہ مسجد چار مقصدوں کے لئے بنائی تھی۔ (۱) ضرارا یہ مفعول لہ اتخذوا کا یہ آسان اور قوی ہے۔ ضرار بروزن فعال بمعنی ضرر ہے۔ (نقصان دینا) یعنی اپنی قریبی مسجد قبا کو نقصان پہنچانے کے لئے کہ وہاں نماز کم ہو جائیں۔ ان میں سے کچھ یہاں آ جایا کریں اس میں مسلمانوں میں اتحاد نہ رہے۔ یا مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کہ یہاں اسلام کے خلاف سازشیں کی جایا کریں۔ دوسری توجیہ قوی ہے کیونکہ مسجد قبا شریف کو نقصان دینے کا ذکر تو آگے آ رہا ہے۔ (۲) وکفرا یہ معطوف ہے ضرارا پر اور اتخذوا کا مفعول لہ کفر سے مراد ہے اس مسجد میں جمع ہو کر کفریات بکا کریں۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام کے خلاف اپنے خاص لوگوں میں شہادت پیدا کریں۔ وہ لوگ تو کافر پہلے ہی تھے۔ (۳) وتفریقا بین المومنین۔ یہ عبارت معطوف ہے کفرا پر تفریق بنا ہے فرق بمعنی جدائی سے المومنین سے مراد مسجد قبا شریف کے نمازی ہیں۔ کہ سارے قبا والے ایک مسجد قبا میں نماز پڑھتے تھے پنجگانہ نماز کے ذریعہ ان سب کی آپس میں ملاقات ہوتی رہتی تھی۔ سب متفاق ومتحد تھے۔ ان بدنصیبوں نے چاہا کہ یہ لوگ پھٹ جاویں ان کا شیرازہ بکھر جاوے۔ اور یہاں کے نمازیوں کو آہستہ آہستہ اسلام سے پھیر دیا جاوے۔ (۴) وارصادا لمن حارب اللہ ورسولہ من قبل۔ یہ عبارت معطوف ہے۔ تفریقا پر اور اتخذوا کا مفعول لہ ہے۔ جس میں مسجد ضرار بنانے کی چوتھی وجہ بیان ہوئی۔ ارصاد کے معنی عداوت کے لئے کسی کا انتظار کرنا بھی ہیں۔ اور کسی کے خلاف تیاری کرنا بھی رب فرماتا ہے وان ربک لبالمرصاد۔ (کبیر۔ خازن۔ معانی وغیرہ) جس کا ترجمہ اردو میں ہے۔ گھات لگانا۔ من سے مراد وہی ابو عامر راہب ہے جس کے لئے یہ ساری تیاری کی گئی تھی۔ اللہ رسول سے جنگ کرنے سے مراد گذشتہ جنگوں میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھ مل کر حضور ﷺ کے مقابل آنا۔ قبل سے مراد ہے مسجد ضرار کی تعمیر سے پہلے یعنی اس مسجد کی تعمیر کا چوتھا مقصد یہ ہے کہ وہ ابو عامر جو اس سے پہلے ہمیشہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابل آتا رہا ہے اس کے لئے گھات اور اڈہ بنانا کہ وہ مدینہ منورہ آ کر یہاں ٹھہرا کرے اور حضور انور ﷺ کے مقابل ان سے مشورے کیا کرے۔ ان کی مسجد ضرار کی عمیر کے مقاصد تو یہ ہیں اور ان کے دعووں کا یہ حال ہے ولیحلفن ان اردنا الا الحسنی۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے اتخذوا مسجدا (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور واؤ ابتدائیہ قسم کا فاعل وہی منافقین۔ مسجد ضرار بنانے والے حسنی سے مراد اچھی بات یعنی کمزوروں بیماروں بوڑھوں کے لئے نماز میں سہولت پیدا کرنا اور اندھیری اور بارش والی راتوں میں نمازیوں پر آسانی کرنا یعنی اگر حضور انور ﷺ یا صحابہ کرام ان سے پوچھیں کہ تم نے مسجد کیوں بنائی تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہمارا ارادہ اچھائی کا ہے کہ اس سے نمازیوں کو آسانی مہیا کی جاوے۔ یہاں اللہ کا ذکر۔ نمازیں۔ اذان ہوا کرے۔ یہ ہے ان کی اتقیہ بازی۔ واللہ یشھد انھم لکاذبون۔ یہ فرمان عالی ان کی بکواس کی تردید کے لئے ہے یعنی اللہ گواہ ہے کہ وہ اس بکواس

www.alahazratnetwork.org

میں بڑے چھوٹے ہیں۔ ان کے وہ ہی چار ارادے ہیں جو ابھی ہم نے بیان کئے۔ **لاتقم فیہ ابدا** یہ نیا جملہ ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور ﷺ کے طفیل سے سارے مسلمانوں کو مسجد ضرار میں جانے سے وہاں ٹھہرنے وہاں نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا۔ قیام سے مراد تو وہاں نماز پڑھنا ہے۔ اکثر قیام سے مراد نماز ہوتی ہے۔ نماز تہجد کو قیام اللیل کہا جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے **من رمضان ایمانا و احتسابا** (الخ) اس حدیث میں قیام رمضان سے مراد نماز تراویح ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اے محبوب آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھیں یا قیام سے مراد وہاں جانا۔ ٹھہرنا ہے یعنی آپ ﷺ وہاں کبھی نہ جائیں نہ ٹھہریں۔ اس صورت میں جانے ٹھہرنے سے مراد وہاں احتراماً جانا ٹھہرنا ہے۔ چار صحابہ اسے جلانے مٹانے گئے تھے۔ ابداً فرما کر یہ بتایا کہ یہ ممانعت ہمیشہ کے لئے ہے۔ **لمسجد اسس علی التقوی** میں لام یا تو قسم کا ہے یا تاکید کا **اسس** بنا ہے **اساس** سے بمعنی بنیاد تاسیس بنیاد ڈالنا۔ اس مسجد کی بنیاد خود حضور انور ﷺ نے رکھی تھی۔

خیال رہے: کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو بارہ ربیع الاول پیر کے دن۔ نبوت کے تیرھویں سال۔ اولاً قبا میں قبیلہ بنی عمرو ابن عوف بن مکتوم ابن یدم کے ہاں بطور مہمان رہے۔ قبا مدینہ منورہ سے قریباً دو میل ایک محلہ سا ہے اب اسے پرانا مدینہ کہا جاتا ہے تو حضرت عمار ابن یاسر نے لوگوں سے کہا کہ اس طرح حضور انور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کے لئے کوئی جگہ ہونی چاہئے۔ جہاں آپ ﷺ آرام فرمایا کریں۔ اور نماز بھی پڑھا کریں۔ لوگوں نے کچھ پتھر جمع کئے اس کا پہلا پتھر حضور انور ﷺ نے رکھا۔ اس مسجد میں باطمینان نماز پہلے پڑھی گئی۔ حضور انور ﷺ نے تیرہ یا چودہ دن یا کم و بیش قبا میں قیام فرمایا۔ پھر مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ اس فرمان عالی میں اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ (روح البیان وغیرہ) چونکہ اس مسجد شریف کی بنیاد اچھے ارادہ پر اچھے کاموں کے لئے رکھی گئی اس لئے **علی التقوی** ارشاد ہوا۔ پھر حضور انور ﷺ ہر ہفتہ کے دن مسجد قبا میں تشریف لے جاتے تھے اور فرمایا کہ جو مدینہ منورہ میں وضو کرے اور دو نفل مسجد قبا میں پڑھے تو اسے عمرہ کا ثواب ہے۔ اب بھی حجاج اور اہل مدینہ روزانہ خصوصاً ہفتہ کے دن اس مسجد شریف کی زیارت کرتے ہیں۔ اس گنہگار نے بھی وہاں بارہا نوافل پڑھے ہیں۔ رب تعالیٰ قبول فرمائے۔ اور پھر نصیب کرے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے بعض نے فرمایا دونوں مسجدیں مگر قول اول قوی ہے۔ **اول یوم** اس کا تعلق **اسس** سے ہے اول یوم یعنی پہلے دن سے مراد وہ ہی بنیاد رکھنے کا دن ہے۔ قوی یہ ہے کہ **من** ابتدائیہ ہے اور یہ زمان و مکان دونوں پر داخل ہو سکتا ہے مکان کے ساتھ خاص نہیں بعض نے فرمایا کہ **من** بمعنی **فی** ہے کیونکہ **من** صرف مکان یعنی جگہ پر آتا ہے۔ مگر یہ قول ضعیف ہے (روح المعانی) **احق ان تقوم فیہ** یہ فرمان عالی **لمسجد** (الخ) کی خبر ہے اس میں **احق** بمعنی حقیقی یعنی صفت مشبہ ہے۔ لہٰذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ یہاں بھی قیام سے مراد یا نماز پڑھنا ہے یا وہاں جانا۔ ٹھہرنا ہے یعنی مسجد قبا اس لائق ہے کہ آپ ﷺ اس میں نماز پڑھیں یا آپ ﷺ اس میں ٹھہریں۔ اس کی زیارت فرمادیں دو وجہ سے ایک یہ کہ اس کی بنیاد تقویٰ پر ہے۔ دوسرے یہ کہ **فیہ رجال یحبون ان یتطھروا فیہ** میں ضمیر سے مراد یا تو محلہ قبا ہے جس میں مسجد شریف واقع ہے یا مسجد قبا۔ جس میں وہاں کے انصار نمازیں پڑھتے تھے۔ رجال

www.alahazratnetwork.org

سے مراد وہ ہی بنی عمرو بن عوف یعنی اس کے قبیلہ کے لوگ ہیں۔ جو وہاں رہتے تھے جنہوں نے یہ مسجد بنائی **یتطھر** یعنی خوب پاک ہونے سے مراد یا تو ڈھیلے سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرنا ہے۔ اور جنابت کی حالت میں نہ سونا۔ یا بد عملیوں سے پاک وصاف رہنا۔ یعنی تقوی یا بدعقیدگیوں سے پاک وصاف رہنا یعنی مومن صادق ہونا۔ یا سارے معانی پہلے معنی کی تائید اس حدیث شریف سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قبا سے پوچھا کہ رب تعالیٰ نے تمہاری پاکیزگی کی تعریف فرمائی۔ تم لوگ کیا کرتے ہو۔ انہوں نے عرض کیا کہ ہم ڈھیلوں سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے بھی استنجا کرتے ہیں۔ وہ قابل تعریف یہ ہی طہارت ہے۔ **واللہ یحب المطھرین** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں پاکیزہ لوگوں کی تعریف ہے یعنی اللہ تعالیٰ خوب پاک ستھروں کو پسند فرماتا ہے۔ جب وہ پیارے ہیں تو ان کی مسجد بھی پیاری اور جب مسجد پیاری تو اس میں نماز بھی رب کو پیاری۔ جب نماز پیاری تو وہاں کے نمازی بھی پیارے سبحان اللہ یہ پیار ومحبت کا سلسلہ دور تک پہنچتا ہے۔ شعر۔

میں اپنے دل کو چاہوں تم کو چاہوں چاہوں مسجد کو
مجھے ہے دل سے الفت دل کو تم سے تم کو مسجد سے

یہ تو اس مسجد قبا کا ذکر ہے جس میں انصار رہتے ہیں۔ تو جس مسجد میں حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوں کیسی ہوگی۔ یہ فرمان عالی بہت ہی ہمت افزا ہے۔

خلاصہ تفسیر: منافقوں سے بعض وہ بھی ہیں جنہوں نے مسجد قبا کے متصل مسجد بنائی مگر رضا الٰہی اور اطاعت رسول کے لئے نہیں بلکہ چار مقصدوں کے لئے (۱) مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے کہ یہاں جمع ہوکر مسلمانوں اور اسلام کے خلاف سازشیں کی جاویں گویا اس کا نام مسجد ہوا اور یہاں کام دار الندوہ کے ہوں۔ (۲) کفر کرنے کے لئے کہ یہاں جمع ہوکر آپس میں اسلام میں شبہات پیدا کئے جاویں اور جو کوئی ان کے جال میں پھنس جاوے اسے یہاں رکھ کر پختہ کافر بنا دیا جاوے اور مومنوں کا اتفاق و اتحاد توڑنے کے لئے مسجد قبا کی نمازوں کو متفرق کر دیا جائے ان میں سے ٹوٹ کر کچھ نمازی یہاں آنے لگے۔ وہاں کی رونق کم ہو جاوے اور جو یہاں آنے لگیں انہیں کافر بنایا جاوے۔ گویا یہ مسجد نہیں شکار گاہ ہے اور وہ ابو عامر راہب جو پہلے سے اللہ رسول سے جنگ کرتا رہا ہے جنگوں میں کفار کے ساتھ مل کر حضور انور ﷺ کے مقابل آتا رہا ہے۔ اس کی رصدگاہ (گھات) تیار کریں تاکہ وہ جب بھی مدینہ منورہ میں آیا کرے اس مسجد میں ٹھہرا کرے۔ لیکن اگر ان سے پوچھا جاوے تو قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ ہم نے تو صرف بھلائی کی نیت کی ہے کہ بوڑھے کمزور نمازیوں کو آسانی ہو۔ بارش اور اندھیری راتوں میں جماعت کی سہولت ہوا کرے اے محبوب ہم گواہی دیتے ہیں کہ یہ لوگ جھوٹے ہیں جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں اے پیارے آپ ﷺ اس مسجد میں کبھی نماز نہ پڑھنا کہ اس سے مخلصین دھوکا کھائیں گے کہ شاید یہ مسجد منظوری والی ہے۔ آپ ﷺ کی نماز کے لائق تو مسجد قبا ہے جس میں دو خوبیاں ہیں ایک یہ کہ اس کی بنیاد تقوی و پرہیزگاری پر رکھی گئی ہے۔ آپ ﷺ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا ہے حضرت عمار اور انصار نے اس کی تعمیر کی۔ دوسرے یہ کہ اس مسجد میں ایسے لوگ نمازیں پڑھتے ہیں جنہیں خوب پاک وستھرا ہونا پسند ہے کہ ان کے کپڑے جسم۔ دل۔ دماغ روح اعمال اقوال

www.alahazratnetwork.org

احوال سب کچھ پاک ہیں اللہ کو پاک ستھرے لوگ پسند ہیں۔ ان کی مسجد پسند ان کی مسجد میں نمازیں پسند بلکہ وہاں کے نمازی پسند اے محبوب آپ اس میں نمازیں پڑھیں۔ محبت بجلی کے پاور کی طرح ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اعلیٰ سے اعلیٰ کام بری نیت اور فاسد ارادے سے برا ہو جاتا ہے۔ دیکھو مسجد بنانا اسلام میں اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے اس کا بڑا ثواب ہے مگر منافقین نے برے ارادوں سے مسجد ضرار بنائی تو اس کا نام مسجد ضرار ہوا۔ ڈھا دی گئی اور اس حرکت سے ان منافقوں کی مردودیت اور بھی بڑھ گئی۔ بلکہ منافقوں کا کلمہ پڑھنا ان کی اور مردودیت کا ذریعہ بنا قالوا نشھد انک لرسول اللہ۔ یہ فائدہ مسجد ضرار سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کفار اور منافقین کی وقت شرعاً معتبر نہیں نہ وہ وقف ہیں نہ اس پر وقف کے احکام جاری ہیں۔ یہ فائدہ بھی مسجد اضرار فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور ﷺ نے وہ مسجد ڈھا کر وہاں گھورہ (روڑی) بنا دیا۔

تیسرا فائدہ: اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرنا اسلام کے مقابل کفار کا مددگار بننا کفر ہے اور ایسا آدمی کافر مطلق ہے یہ فائدہ کفرا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے مسجد ضرار کو وہاں ہونے والی سازشوں کا کفر قرار دیا۔

چوتھا فائدہ: مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا ان کی جماعت توڑنا ان میں فرقے بنانا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ تفریقا بین المومنین سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: مسلمانوں کے خلاف کفار کو اپنے پاس پناہ دینا ان کی کسی طرح حمایت کرنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ وارصادا لمن حارب اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: حضور انور ﷺ سے جنگ رب تعالیٰ سے جنگ ہے۔ حضور ﷺ سے دشمنی رب سے دشمنی ہے اس برعکس حضور ﷺ سے محبت رب سے محبت۔ یہ فائدہ حارب ورسولہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ابو عامر راہب نے حضور انور ﷺ سے جنگیں کی تھیں رب نے فرمایا اس نے اللہ رسول سے جنگیں کیں حضور ﷺ سے دوری خدا سے دوری ہے۔ حضور ﷺ سے قرب خدا سے قرب ہے۔ شعر۔

کشف راز من رآنی یوں ہوا   تم ملے تو حق تعالیٰ گیا

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ہمارے آقا حضور ﷺ کے دشمنوں کے خلاف گواہ ہے ان کی بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کا بھی بدبختی کا بھی۔ دیکھو یہاں منافقین کی بدبختی کے متعلق فرمایا واللہ یشھد انھم لکاذبون۔ اور سورہ منافقوں میں ان کی کلمہ گوئی کے متعلق ارشاد ہوا واللہ یشھد ان المنافقین لکاذبون یوں ہی رب تعالیٰ مخلصین کے ایمان و تقویٰ کا گواہ ہے اولئک ھم الصادقون۔

آٹھواں فائدہ: ایک مسجد کے قریب بلا ضرورت شرعی دوسری مسجد نہ بنائی جاوے۔ یونہی سیاسی ساز باز کے لئے مسجد نہ بنائی جائے کہ ایسی مسجد میں مسجد ضرار ہیں یہ فائدہ پہلی آیت والذین اتخذوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

نواں فائدہ: فائدہ کفار و منافقین کی تعمیر کردہ وقف کردہ مسجدوں میں نماز پڑھی جائے نہ وہ مسجدیں ہی ہیں نہ ان پر مسجد کے احکام جاری۔ یہ فائدہ لاتقم فیه ابدا سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: کافر سے مسجد کی تعمیر یا کسی خرچ میں چندہ نہ لیا جائے۔ اگر کافر اس رقم کا مالک کسی مسلمان کو کردے۔ پھر وہ مسلمان یہ رقم مسجد میں لگائے تو جائز ہے۔ کہ اب مسلمان کی رقم لگی نہ کہ کافر کی۔ ملک بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے

مسئلہ: یوں ہی مسلمان کفار کے لئے مندر گرجے وغیرہ نہ بنوائیں نہ ان میں چندہ دیں کہ یہ کفر پر مدد ہے یوں ہی مسلمان کاری گر کفار کے لئے بت تراشی نہ کریں کہ بت سازی بت فروشی سب ہی حرام ہے۔ اس کی اجرت بھی حرام ہے۔

دسواں فائدہ: مسجد حلال پیشہ اخلاص اور نیک نیتی سے بنائی جائے یہ فائدہ لمسجد اسس علی التقوی سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: مسجد کا سنگ بنیاد کسی مقبول محبوب بندے سے رکھوایا جائے۔ مقبول و محبوب سے اس کا افتتاح کرایا جائے۔ دیکھو مسجد قبا کی بنیاد کا پتھر حضور انور ﷺ نے رکھا۔ اسے رب نے اسس علی التقوی کا خطاب دیا۔

گیارہواں فائدہ: جس مسجد کو صالحین نے بنایا جس میں صالحین رہتے ہوں وہاں نماز پڑھتے ہوں یا مسجد کے متصل کسی صالح بزرگ کی قبر ہو۔ وہ دوسری مسجدوں سے افضل ہے۔ وہاں نماز زیادہ قبول ہے یہ فائدہ فیه رجال ان یتطهروا سے حاصل ہوا کہ مسجد قبا کی ایک وجہ فضیلت رب نے یہ بتائی کہ یہ پاک وصاف مومنین یعنی انصار کی مسجد ہے۔ اس میں ہولوگ نماز پڑھتے ہیں۔

مسئلہ: اکثر جگہ بزرگوں کے مزارات کے پاس مسجدیں بنائی جاتی ہیں اس کا ماخذ یہ آیت ہے۔ دوسری جگہ رب فرماتا ہے لنتخذن علیهم مسجدا اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

بارہواں فائدہ: مسجد قبا شریف بڑی عظمت و حرمت والی ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اس کا ذکر بہت احترام سے کیا اور اس کی دو عظمتیں بیان فرمائیں۔ ایک اس کی ابتداء تقویٰ پر ہونا دوسرے اس میں پاک وستھرے لوگوں کا رہنا اب بھی حجاج اس کی زیارت کرتے ہیں۔ وہاں نوافل پڑھتے ہیں وہاں دو رکعت نفل کا ثواب عمرہ کے برابر ہے۔

مسئلہ: جو شخص بعد جماعت فجر اس جگہ بیٹھا رہے جہاں جماعت سے فجر کے فرض پڑھے ہیں آفتاب بلند ہونے پر دو نفل اشراق کے پڑھ کر وہاں سے ہٹے تو اسے حج و عمرہ دونوں کا ثواب ہے۔ حضور ﷺ نے یہ فرما کر فرمایا تامۃ تامۃ۔ حج و عمرہ پورے کا پورے کا۔

تیرھواں فائدہ: فائدہ چھوٹے بڑے دونوں استنجے ڈھیلے سے کرے پھر پانی سے یہ بہت بہتر ہے یہ فائدہ ان یتطهروا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اسے بہت پاکی فرمایا۔ اگر نجاست مقعد سے نکل کر روپیہ برابر پاس پھیل جائے تو پانی سے استنجا کرنا واجب ہے۔ اگر روپیہ سے زیادہ پھیل جائے تو فرض اور اگر روپیہ بھر سے کم ہو تو سنت یعنی ڈھیلوں سے استنجا کرنا کافی ہے مگر پانی سے استنجا ثواب (کتب فقہ)۔

www.alahazratnetwork.org

لطیفہ: سب سے پہلے پانی سے استنجا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ (روح البیان)

لطیفہ: استنجا صرف تین چیزوں سے کرے۔ پانی۔ ڈھیلہ۔ بغیر نوک والے پتھر سے۔ اس کے علاوہ کسی اور چیز سے نہ کرے جیسے پتے۔ ہڈی وغیرہ کہ اس سے فقیری آتی ہے (روح البیان)

چودھواں فائدہ: مسلمان بلاوجہ سے بے غسل نہ رہے حتی کہ اگر رات میں نہانے کی حاجت ہو تو وضو کر کے سونا بہتر ہے۔ یہ فائدہ بھی یحب المطھرین سے حاصل ہوا۔ بلاوجہ بے غسل رہنا فقیری لاتا ہے۔

پندرھواں فائدہ: مسجد قبا والے انصار بحکم قرآن مومن متقی۔ طیب و طاہر ہیں ان بزرگوں نے مسجد قبا نہایت اخلاص سے بنائی۔ ان کی تعمیر قبول ہوئی جو ان کے ایمان و تقویٰ کا انکار یا شک کرے وہ اس آیت کا منکر ہے رب نے ان کے متعلق فرمایا فیه رجال یحبون ان یتطهروا۔

پہلا اعتراض: مسجد تا قیامت مسجد ہی رہتی ہے اس پر عمارت رہے یا نہ رہے وہ زمین مسجد اور قابل احترام ہے۔ پھر حضور انور ﷺ نے اسے گرا کر وہاں گھورا (روڑی) کیوں بنوالیا۔ اس میں مسجد کی توہین ہے۔

جواب: جب مسجد بنے تو قیامت تک رہے گی وہ جگہ مسجد بنی ہی نہیں کیونکہ منافقین و کفار کا وقف شرعا درست نہیں۔

دوسرا اعتراض: حضور انور ﷺ نے اسے گروا کیوں دیا اسے قائم رکھتے ہاں وہاں سے منافقوں کو نکال دیا ہوتا۔

جواب: اس کے باقی رکھنے میں دو خرابیاں ہوتیں ایک یہ کہ اس مسجد کا وقف درست ماننا پڑتا یہ غلط تھا دوسرے یہ کہ اس سے جرم کی جڑ نہ کٹتی۔ کبھی یہ ہی منافقین یا دوسرے اسے اڈہ بنا لیتے۔ موسیٰ علیہ السلام نے سامری کا بچھڑا آگ میں جلوا دیا۔ اس کا سونا باقی نہ رکھا نہ کسی کو اس سونے کے استعمال کی اجازت دی تاکہ جرم کی جڑ کٹ جاوے۔

تیسرا اعتراض: تو چاہئے کہ اولیاء اللہ کے قبور پر بنے ہوئے گنبد بلکہ ان کی قبر ڈھادی جائیں کہ یہ شرک و کفر کا مرکز اور ہزار ہا گناہوں کا اڈہ ہیں یہ مسجد ضرار سے بڑھ کر نقصان دہ ہیں (دیوبندی وہابی)

جواب: مسجد ضرار اصل سے مسجد بنی ہی نہیں اس کا وقف درست ہی نہیں ہوا۔ اس کی خرابی اصل تھی لیکن ان قبور ان کے گنبدوں کا وقف درست ہے۔ ان کا اصل صحیح ہے اگر جہلا وہاں کچھ خرابیاں پیدا کر دیں۔ ناچ گانا وغیرہ تو یہ خرابی عارضی ہے۔ اس خرابی کو مٹا دو۔ اصل عمارت باقی رکھو۔ خانہ کعبہ میں بت رکھے گئے حضور انور ﷺ نے ان بتوں کی وجہ سے کعبہ نہیں ڈھایا۔ بلکہ موقع ملنے پر وہاں سے بت نکال دیئے۔ اصل اور عارضی خرابی کا فرق دھیان میں رہے آج نکاح کے وقت بہت گناہ کئے جاتے ہیں ان گناہوں کو مٹاؤ اصل نکاح بند نہ کرو مزارات پر عمارت سنت صحابہ سے ثابت ہے زیارت قبور بھی سنت ہے کسی عارضی خرابی سے سنت نہ مٹاؤ نکاح سنت ہے جو خرابیوں کی وجہ سے بند نہ کیا گیا۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں ملاحظہ کرو۔

چوتھا اعتراض: نحوی قاعدے سے من اول یوم کی ترکیب درست نہیں۔ کیونکہ من مکانی ابتداء کے لئے آتا ہے۔ اور اول یوم جگہ نہیں بلکہ وقت ہے اس پر منذ آنا چاہئے نہ کہ من۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں من بمعنی فی ہے مگر فقیر کے نزدیک یہ نحوی قاعدے درست نہیں اپنے قاعدے سے قرآن میں قیدیں نہ لگاؤ۔ من زمان و مکان دونوں پر آ سکتا ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں مسجد قبا کے متعلق ارشاد احق تقوم فیہ وہ آپ ﷺ کے قیام کی زیادہ مقدار ہے۔ احق اسم تفضیل ہے جس سے لازم آیا کہ مسجد ضرار بھی حضور ﷺ کے قیام کی حقدار ہے مگر مسجد قبا زیادہ کہ اسم تفضیل کا یہ ہی مطلب ہوتا ہے۔

جواب: یہاں احق اسم تفضیل نہیں بلکہ صفت مشبہ ہے اس لئے نہ تو الف لام سے آیا نہ من سے نہ اضافت سے افعل کا وزن مضارع واحد متکلم کے لئے بھی آتا ہے۔ صفت مشبہ کے لئے بھی اور اسم تفضیل کے لئے بھی اس واسطے اسے افعل التفضیل کہتے ہیں کہ افعل دوسرے معنی کے لئے آتا ہے اور اگر تفضیل ہی کا ہو تو یہ تفضیل مسجد ضرار سے مقابلہ میں نہیں۔ بلکہ دوسری مسجدوں کے مقابلہ میں ہے۔ یعنی یوں مسلمانوں کی ہر مسجد آپ ﷺ کے قیام کے لائق ہے مگر زیادہ مسجد قبا مگر پہلا جواب قوی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: اے مومن تیرے اندر مسجد ضرار بھی ہے اور مسجد قبا بھی۔ نفسانی خطرات گویا مسجد ضرار ہے۔ جنہیں منافق نفس امارہ نے تعمیر کیا۔ جناتی الہامات گویا مسجد قبا ہیں جنہیں مومن دل نے تعمیر کیا۔ اس مسجد کی بنیاد پہلے دن یعنی میثاق کے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی کہ الست بربکم کے جواب میں بلی کہا۔ اس مسجد کے باشندے عیوب برے اخلاق وجود وحدوث کے میل سے پاک ہیں اللہ ایسے پاک لوگوں کو پسند کرتا ہے۔ نماز اطاعت جسم ولباس وغیرہ کو پاک کر کے ادا کی جاتی ہے مگر نماز عشق دل ودماغ کو اغیار کے خیال سے پاک کر کے ادا ہوتی ہے حافظ شیرازی کہتے ہیں۔

طہارت ارنہ بخون جگر کند عاشق   بقول مفتی عشقش درست نیست نماز

روئے ناشستہ نہ بیندے روئے حور   لا صلوٰۃ گفت الا بالطہور (روح البیان)

صوفیاء فرماتے ہیں کہ فاعل کا اثر کام پر پڑتا ہے۔ مسجد ضرار اور مسجد قبا دونوں بظاہر مسجدیں تھیں۔ ایک ہی جگہ تھیں ایک ہی قسم کے سامان سے بنائی گئی تھیں۔ مگر چونکہ مسجد ضرار کے بانی منافقین تھے وہ ڈھا دی گئی۔ مسجد قبا کے بانی مخلصین تھے۔ تا قیامت باقی رکھی گئی۔ محبت بجلی کے کرنٹ کی طرح ہے کہ جو محبوب سے چھو بھی جاوے اس میں بھی محبت کا کرنٹ پہنچ جاتا ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو حضور انور ﷺ پیارے تو حضور ﷺ کے خدام انصار بھی پیارے۔ پھر انصار کی مسجد بھی پیاری پھر اس مسجد کی نماز بھی پیاری پھر اس کے نمازی بلکہ اسکے زائر بھی پیارے پھر اس بجلی کا کرنٹ آنی فانی نہیں بلکہ باقی اور جاودانی ہے اب وہاں حضرات انصار نہیں انہیں گذرے ہوئے قریباً چودہ سو برس ہو گئے مگر مسجد کی مقبولیت ومحبوبیت فیضان ویسے ہی باقی ہے اور تا قیامت باقی رہیں گے سورج کے ڈوبنے کے بعد بھی بہت دیر تک جانب مغرب روشنی رہتی ہے۔ مومن کی وفات کے بعد اس کے فیضان رہتے ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جس مسجد میں انصار ہیں وہ حضور ﷺ احمد مختار کا جائے قرار جائے قیام ہوئی۔ احق ان تقوم فیہ جس دل میں ابرار رہیں وہاں ہی وہ سرکار رہتے ہیں فرماتے ہیں ابغونی فی ضعفاء کم خدا

www.alahazratnetwork.org

کرے ہمارے دل مسجد قبا بنیں۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَ

کیا پس وہ شخص کہ رکھی اس نے بنیاد اپنا ڈرنے پر اللہ سے اور

تو کیا جس نے اپنی بنیاد رکھی اللہ سے ڈر اور

رِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا

رضا مندی وہ بہتر ہے یا وہ کہ رکھی اس نے بنیاد اپنی اوپر کنارہ گڑھے گذرنے

اس کی رضا پر وہ بھلا یا وہ جس نے اپنی نیو چنی ایک گراؤ گڑھے کے کنارے

جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ

والے کے پس گر گیا وہ ساتھ آگ میں اس دوزخ کی آگ میں اور اللہ

تو وہ اسے لے کر جہنم کی آگ میں ڈھ پڑا اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ۝١٠٩ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ

نہیں ہدایت دیتا قوم ظلم والی کو رہے گی ان کی عمارت وہ جو

ظالموں کو راہ نہیں دیتا وہ تعمیر جو چنی ہمیشہ ان کے دلوں

الَّذِي بَنَوْا رِيبَةً فِي قُلُوبِهِمْ إِلَّا أَنْ تَقَطَّعَ قُلُوبُهُمْ

بنائی انہوں نے تردد دلوں میں ان کے مگر یہ کہ کٹ جائیں دل ان کے

میں کھٹکتی رہے گی مگر یہ کہ ان کے دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں

ع ۱۱ ۱۳ ۲ **وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ۝١١٠**

اور اللہ علم والا حکمت والا ہے

اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسجد ضرار اور مسجد قبا کا فرق مبدا کے لحاظ سے کیا گیا کہ مسجد ضرار کی تعمیر چار فاسد مقصد سے ہے اور مسجد قبا کی تعمیر صرف ایک اعلیٰ مقصد پر اب ان دونوں مسجدوں کا فرق انتہا کے اعتبار سے ارشاد ہو رہا ہے کہ مسجد ضرار کا

www.alahazratnetwork.org

انجام دوزخ ہے اور مسجد قبا کا انجام جنت گویا مبدا کے بعد منتہیٰ کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسجد ضرار اور مسجد قبا کے احکام کا فرق ارشاد ہوا کہ مسجد ضرار میں نماز پڑھنا ممنوع ہے اور مسجد قبا میں نماز کا زیادہ ثواب ہے اب اس فرق احکام کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ مسجد ضرار دوزخ کے گڑھے پر ہے وہاں نماز کیسی؟

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مسجد ضرار کے بانی قول۔ عمل عقیدے کے جھوٹے ہیں اور مسجد قبا کے بانی پرہیزگار ہیں اب ان جھوٹے اور سچوں کے عملوں کا فرق ارشاد ہو رہا ہے۔ گویا فاعلوں کے فرق کے بعد مفعولوں کے فرق کا بیان ہے۔ کیونکہ فاعل کی نیت وارادے کا اثر فعل پر ضرور ظاہر ہوتا ہے۔

تفسیر: افمن اسس بنیانہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں سوال انکاری ہے رب تعالیٰ یہ سوال فرماتا ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم سے یا ہر قرآن پڑھنے والے مومن سے۔ من سے مراد یا مسجد قبا بنانے والے انصار ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس سے مراد تا قیامت مخلصین مومنین ہوں جو نیک نیتی سے اچھے کام کریں۔ اسس بنا ہے تاسیس سے جس کا مادہ اس ہے بمعنی بنیاد رکھنا۔ چونکہ بنیاد کا ذکر خود آرہا ہے اس لئے اس کے معنی ہیں رکھنا۔ بنیاد بروزن غفران مصدر ہے بمعنی بنانا اس سے مراد بنائی چیز بھی ہوتی ہے یعنی بنیاد اور پوری عمارت۔ حضور انور ﷺ نے علامت قیامت میں فرمایا کہ بکریاں چرانے والے یتطاولون فی البنیان عالی شان عمارتوں میں فخر کریں گے۔ وہاں بنیان سے مراد بنائی عمارات ہے اعلیٰحضرت قدس سرہ نے یہاں بنیان بمعنی بنیاد کیا اور ہ کا مرجع من یعنی اپنی بنیاد رکھی اس میں سارے اعمال داخل ہو گئے۔ تعمیر مسجد ہو یا نماز روزے وغیرہ یا سارے عبادات و معاملات۔ بعض مفسرین نے ہ سے مراد مسجد قبا لی یعنی وہ انصار جنہوں نے مسجد قبا کی بنیاد رکھی مگر پہلی توجیہ قوی بھی ہے اور سب کو شامل بھی۔ علی تقوی من اللہ و رضوان۔ یہ فرمان متعلق ہے اسس کے تقویٰ کے متعلق عرض کیا جا چکا ہے کہ یہ باب ضرب کا مصدر ہے۔ اصل میں وقیی تھا۔ بروزن وعدیا من اللہ کا تعلق تقویٰ سے ہے اگر تقویٰ کے لئے تقویٰ کے بعد اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں ڈر یا خوف اور اگر اس کے بعد ذکر ہو آگ وغیرہ کا تو اس کے معنی ہوتے ہیں بچنا یا بچاؤ۔ یہاں بمعنی ڈر و خوف ہے۔ تقویٰ کے تین درجے ہیں اول درجہ بدعقیدگی سے پرہیز دوسرا درجہ بدعملی یعنی گناہوں سے پرہیز۔ تیسرا درجہ ہر غافل کرنے والی چیز سے پرہیز۔ یہاں دوسرے درجہ کا تقویٰ مراد ہے یعنی اللہ کا وہ خوف جو انسان کو بدعملیوں سے بچاوے۔ دیکھو تفسیر (روح البیان) رضوان معطوف ہے تقویٰ پر اس کے معنی اللہ کی رضا طلب کرنا اس کی اطاعت کر کے (روح البیان) یعنی جس نے اپنی اور اپنے اعمال کی بنیاد اللہ سے خوف اور اللہ کی رضا پر رکھی کہ ہر کام اس لئے کئے کہ وہ راضی ہو جاوے۔ خیر یہ خبر ہے من کی خیر سے مراد شر کا مقابل ہے۔ یعنی کیا یہ متقی اچھا ہے۔ یا امن اسس بنیانہ۔ یہاں من سے مراد یا تو مسجد ضرار بنانے والے منافقین ہیں یا تا قیامت سارے کھلے چھپے کافر جو بدنیتی سے اچھے اعمال کریں۔ لوگوں کو پھانسنے کے لئے بنیانہ میں وہ مذکورہ دو احتمال ہیں کہ یا اس سے مراد مسجد ضرار یا یہ ضمیر لوٹ رہی ہے من کی طرف یعنی یا وہ اچھا ہے جو اپنی یعنی اپنے سارے اعمال کی بنیاد رکھے۔ علی شفا جرف ھار۔ یہ متعلق ہے

www.alahazratnetwork.org

اســس کے۔ بمعنی کنارہ اس سے ہے شفیر۔ صحت پانے کو شفا! اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے بیمار مرض سے کنارہ پر ہو جاتا ہے۔ جرف. شفا طرف سب قریبا ہم معنی ہیں جرف صفت مشبہ ہے جرف یجرف کا اس کا مصدر جرف ہے۔ جیم کے فتحہ کے سکون سے۔ جــرف کے معنی ہیں۔ کاٹنا کھکل یعنی اندر سے خالی کرنا۔ اصطلاح میں جرف وہ زمین جس کے نیچے کی مٹی دریا کا پانی بہا کر لے گیا۔ اوپر کچھ مٹی رہ گئی۔ بہت کمزور کہ جو یا تو خود ہی گر جائے یا پاؤں رکھتے ہی گر جائے یا وہ کنواں یا گہرا غار جس پر کچھ مٹی سے منہ بند کر دیا جاوے کہ جب اس پر ہاتھی یا شیر یا چیتا آئے گر جائے۔ شیر یا ہاتھی کا شکار اسی کنویں سے کیا جاتا ہے۔ هار یهور یا یهیر کا اس کا مادہ هور یا هیر ہے اصل میں هاير تھا۔ اس کی ی ر کے بعد کر دی گئی جیسے شاک اصل میں شایک تھا پھر شاکی کر دیا گیا۔ اس کے معنی پھٹ جانے والی۔ عنقریب گرنے والی جسے اردو میں گراؤ کہتے ہیں۔ فانهار به في نار جهنم۔ یہ عبارت معطوف ہے اســس بنیانه انهار ای هیر سے بنا باب انفعال کا ماضی ہے اس کا فعل بنیان ہے بــــہ کی ب تعدیہ کی ہے ہ کا مرجع من ہے یعنی اس پر عمارت بنے والا یعنی وہ گراؤ زمین اس شخص کو لے کر دوزخ میں گر گئی خود بھی آگ میں گری اسے بھی لے گئی۔ والله لا يهدى القوم الظلمين۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں ظالمین سے مراد یہ ہی چالاک منافقین ہیں جو نیکی بھی کریں تو بری نیت اور برے ارادوں سے یعنی ایسے ظالموں کو اللہ تعالیٰ اخلاص اور راست بازی کی ہدایات نہیں دیتا۔ جب اس کریم کا کرم ہوتا ہے تو بندہ کو اخلاص عطا ہوتا ہے پھر نیک اعمال کی توفیق۔ لایزال بنیانهم الذى بنو۔ اب تک تو ان منافقوں کے گذشتہ حالات کا ذکر ہوا اب ان مردودوں کی آئندہ بے قراری اور صدمہ کا ذکر ہے یہاں بنیان بمعنی عمارت ہے جیسا کہ الــذى بنو سے ظاہر ہے بنوا کے بعد مفعول کی ہ ضمیر پوشیدہ ہے ريبة فــى قلـوب میں هم کا مرجع مسجد ضرار کے بانی منافقین ہیں یعنی یہ عمارت تو فنا ہو گئی اسے ڈھا کر اس میں آگ لگا دی گئی مگر اس کے ڈھائے جانے کا صدمہ انہیں مرتے دم تک رہے گا۔ کیونکہ عمارت ہی نہیں ڈھائی گئی بلکہ ان کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ انہوں نے کچھ سوچا تھا رب تعالیٰ نے کچھ اور ہی کر دیا۔ الا ان تقطع قلوبهم یہ عبارت لایزال الخ سے استثنا یا استدراک ہے۔ غرضکہ الا یا تو اپنے ہی معنی میں ہے یا بمعنی لکن یا بمعنی الی ہے اسکے معنی ہیں مگر یا لیکن۔ یہاں تک تقطع اصل میں تتــقـطـع تھا۔ باب تفعل کا مضارع۔ اس کا معنی ہیں ٹکڑے ہو جائیں۔ جس سے ان کے دل میں سے منافقت کے عیوب نکل جائیں۔ اسلام واخلاص کی خوبیاں سما جائیں۔ (روح المعانی یہ بیضاوی۔ مدارک وغیرہ و اللــه عليم حكيم۔ اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ وہ مومنوں منافقوں مسجد ضرار مسجد قبا بنانے والوں کی نیت سے بھی خبردار ہے اور اس نے جو مسجد ضرار کو اپنے محبوب کے ہاتھوں فنا کرا دیا اس میں اس کی صدہا حکمتیں ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے مومنین مخلصین اور منافقین مفسدین کے اعمال کی نہایت اعلیٰ درجہ کی تشبیہ دی ہے مومنین عمارت بنانے والے ہیں۔ ان کے اعمال گویا عمارت ہیں۔ ان کے دل کا تقویٰ اور اخلاص گویا وہ مضبوط و پختہ زمین ہے جس پر عمارت قائم رہتی ہے۔ منافقین بھی عمارت بنانے والے ہیں اور ان کے ظاہری نیک اعمال گویا ان کی عمارت ہیں ان کے برے ارادے فساد و فتنہ کی نیت گویا وہ کھکل زمین ہے جو صرف اوپر سے زمین معلوم ہوتی ہے اور نیچے

www.alahazratnetwork.org

سے بالکل خالی ہو چکی۔ ایسی زمین میں عمارت بنانے کا انجام یہ ہے کہ وہ زمین خود بھی گرے گی عمارت اور اس میں رہنے والوں کو بھی لے بیٹھے گی۔ یعنی غور تو کرو کہ وہ مومن مخلص جس نے اپنے اعمال کی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور رضاء الٰہی کی مضبوط زمین پر رکھی کیا وہ اچھا ہے یا وہ فسادی منافق اچھا ہے جس نے اپنے اعمال کی بنیاد اس اندر سے کٹی ہوئی زمین پر رکھی۔ جو صرف اوپر سے زمین معلوم ہو مگر نیچے سے یہ خالی ہو چکی ہو۔ ظاہر ہے کہ ایسی کھوکھلی زمین پر جو عمارت قائم ہوگی وہ خود بھی گرے گی اور عمارت میں رہنے والوں کو بھی گرائے گی۔ یوں ہی ان کے اعمال کی عمارت بری نیت پر قائم ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ خود بھی دوزخ میں جاوے گی اور عاملین کو بھی وہاں گرائے گی۔ ایسے شرارتی فسادی لوگوں کو اللہ تعالیٰ اخلاص۔ جس نیت کی ہدایت ہی نہیں دیتا۔

خیال رکھو: کہ ان کی مسجد ضرار ڈھا تو دی گئی مگر اس ڈھائے جانے کا صدمہ انہیں ہمیشہ رہے گا۔ ہاں یا تو یہ مٹی ہو جائیں۔ ان کا دل بھی ٹکڑے ہو کر گل سڑ جاوے یا ان کا دل کرم ربانی سے چرے اس میں سے نفاق نکلے ایمان داخل ہو۔ تب تو یہ صدمہ جائے گا ورنہ نہیں جائے گا۔ ایسوں کی اس مسجد میں اے محبوب آپ ﷺ نماز کیوں پڑھیں۔ اللہ تعالیٰ علم و حکمت والا ہے اس کے ہر کام میں حکمت ہے۔ مسجد ضرار اور مسجد قبا کے مذکورہ واقعہ میں تا قیامت بہت سے مسائل لوگوں کے لئے نمونہ ہیں۔ اس سے اخلاص کے فائدے۔ ریاکاری۔ چالبازی کے نقصانات کا ان ہی واقعات سے پتہ لگتا ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ایمان۔ عبادات۔ معاملات غرض کہ ساری چیزیں تقویٰ و پرہیزگاری کے ساتھ ہوں تو قبول ہیں ورنہ مردود۔ تقویٰ جڑ ہے یہ سب چیزیں شاخیں یا تقویٰ بنیاد ہے اور یہ ساری چیزیں اس پر عمارت۔ یہ فائدہ افمن اس بنیانہ (الخ) سے حاصل ہوا لفظ بنیان مطلق ہے جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم۔ بنیانہ اپنی بنیاد یعنی اپنے ایمان و اعمال کی بنیاد۔

دوسرا فائدہ: مسجد قبا والے انصار بگواہی قرآن مجید مومن مخلص متقی اللہ کی رضاء چاہنے والے ہیں انہوں نے مسجد قبا نہایت اخلاص سے بنائی اور وہ مسجد اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ یہ فائدہ بھی اسس بنیانہ سے حاصل ہوا بلکہ ان کے سارے اعمال اخلاص سے ہیں۔ کیونکہ خود ان کی بنیاد اخلاص پر ہے۔ دیکھو بنیانہ کی تفسیر جو انہیں کافر یا منافق کہے وہ اس آیت کریمہ کا منکر ہے۔ ان سارے انصار نے خلفاء ثلثہ کی بیعت کی تو وہ بیعت حق ہوئی اور ان حضرات کی خلافت حق تھی۔ کیونکہ انصار کے سارے کام تقویٰ پر ہیں یہ بیعت بھی ان ہی کا کام ہے۔

تیسرا فائدہ: منافقین خود بھی دوزخی ان کی مسجد ضرار بھی دوزخ کے کنارے پر اس مسجد میں دیدہ دانستہ نمازیں پڑھنے والے۔ اسے برحق ماننے والے سب ہی دوزخی ہیں یہ فائدہ علی شفا جرف ھار سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: گمراہوں میں بے دینوں کی مسجدیں خصوصاً وہ مسجدیں جو وہ اپنی بدمذہبی پھیلانے کے لئے بنائیں اس میں نماز پڑھنا جائز نہیں وہ سب مسجد ضرار ہیں۔ یہ فائدہ فانھار بہ فی نار جھنم سے حاصل ہوا۔ حضرت جابر فرماتے ہیں کہ میں نے اس مسجد سے دوزخ کا دھواں نکلتا ہوا دیکھا۔ جب وہ ڈھائی گئی (روح البیان) مسجد ضرار ڈھائے جانے کے بعد ایک

www.alahazratnetwork.org

بار اس زمین میں گڑھا کھودا گیا تو وہاں سے دھواں نکلا (روح المعانی وغیرہ)

پانچواں فائدہ: فساد کی جڑ کاٹ دینی چاہئے اگرچہ وہ اچھی شکل میں ہو۔ یہ فائدہ مسجد ضرار کے اس پورے واقعہ سے حاصل ہوا کہ مسجد ضرار اگرچہ مسجد کی شکل ہی میں فساد کی جڑ تھی۔ لیکن خیال رہے کہ یہ حکم اس کے لئے جو فساد کے لئے بنائی جائے۔ اگر کسی مسجد میں لوگ فساد شروع کر دیں تو وہ نہیں گرائی جائے گی۔ جیسا کہ ہم نے ابھی پچھلی آیت کے اعتراض وجواب میں عرض کیا۔

چھٹا فائدہ: مومن کے اعمال مضبوط و پختہ ہوتے ہیں کفار کے اعمال نہایت کمزور کیونکہ مسلمانوں کے اعمال کی بنیاد تقوی پر ہے اور کفار کے اعمال کی بنیاد گراو زمین یعنی بدنیتی یہ فائدہ اسس بنیانہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے اعمال کی بنیاد یعنی نیت کو مضبوط کرے۔

ساتواں فائدہ: کفر کا علاج ایمان ہے اور نفاق کا علاج اخلاص، جیسے گناہ کا علاج نیکی یہ فائدہ الا ان تقطع کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ تقطع سے مراد ان منافقین کا مومن مخلص بن جانا۔

آٹھواں فائدہ: اصل بدبختی نبی کی صحبت سے بھی دور نہیں ہو سکتی بارش بوئے ہوئے تخم نہیں بدل سکتی یہ فائدہ الا ان تقطع کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا کہ تقطع قلوبھم سے مراد ہوا۔ ان کا مرکر قبر میں گل سڑ جانا مرتے دم تک ان کا یہ صدقہ دور ہوتا۔

پہلا اعتراض: تقوی من اللہ میں من کیسا ہے۔ تقویٰ اللہ ہونا چاہئے تھا۔

جواب: یہ من توصلہ کا ہے۔ تقویٰ کے معنی ہیں ڈرنا اور ڈرنا سلطان سے بھی ہوتا ہے موذی جانوروں سے بھی اور رب توفیق دے تو اللہ تعالیٰ سے۔ من اللہ میں یہ ہی بتایا گیا کہ خوف الٰہی عطیہ ربانی ہے محض اپنی کوشش سے نہیں ملتا۔

دوسرا اعتراض: اسس کے معنی ہیں بنیاد رکھی پھر بعد میں بنیان کیوں ارشاد ہوا یہ تو اسس کے اندر ہی آگ ہوئی کہ وہ بنا اس سے۔ اسی سے ہے اساس بنیان زائد ہے۔

جواب: عربی اصطلاح میں اسے تجرید کہتے ہیں یعنی لفظ کو اس کے بعض معنی سے خالی کر لینا۔ یہاں وہی ہے۔ یعنی اسس کرانا۔ راتوں رات لے جانا مگر تجرید کر کے اس کے معنی اسرا سیر سے لیا گیا۔ اور رات کا ذکر بعد میں علیحدہ کر دیا۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ان منافقوں کو اس کا صدمہ یہاں تک رہے گا کہ ان کے دل کٹ جاویں۔ دل کٹ جانے پر تو وہ خود ہی مر جائیں گے پھر صدمہ کیسا۔

جواب: اس فرمان کا منشا یہ ہے کہ انہیں یہ صدمہ زندگی بھر رہے گا۔ مرے بعد اس صدمہ سے چھوٹیں گے جیتے جی نہیں چھوٹ سکتے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ دل کٹنے سے مراد دل کا فنا ہو جانا ہو۔

تفسیر صوفیانہ: نیک اعمال ایسی عمارت ہیں جس میں قلب و روح سایہ اور پناہ لیتے ہیں۔ اور اچھے اعتقاد۔ اخلاص اس عمارت کی بنیاد پانی پر قائم نہیں ہوتی بلکہ سخت زمین پر قائم ہوتی ہے۔ اگر عمارت بہت اونچی لے جانی ہو تو بنیاد بہت گہری

www.alahazratnetwork.org

کھودی جاتی ہے۔ اس اینٹ سیمنٹ بجری وغیرہ سے اور بھی سخت کیا جاتا ہے یوں ہی اعمال کی عمارت کے لئے بڑی اخلاص کی ضرورت ہے کہ صرف رضاء الٰہی کے لئے عمل ہوں۔ اس میں نفس کے نفع کا شائبہ بھی نہ ہو۔ حتیٰ کہ اس کے ثواب یعنی جنت حور و قصور کے لئے عمل نہ کرے صرف رضاء رب غفور کے لئے ہوں۔ ایسی بنیاد پر جو عمل قائم ہوگا وہ سدا بہار باغ یا دائمی عمارت کی طرح ہمیشہ آباد رہے گا۔ دیکھ لو کعبہ معظمہ اب تک آباد ہے اس کی آبادی کی بنیاد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اخلاص پر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسجد ضرار بظاہر نماز کے لئے تھی درحقیقت منافقوں کے گندے اقوال و احوال کی تبلیغ کے لئے تھی۔ اس لئے حضور انور ﷺ نے اس کو کوڑا گھر بنا دیا۔ تاکہ معنی کا ظہور ہو۔ منافقین کے پاس اٹھنا بیٹھنا شقاوت کا باعث ہے اگرچہ مسجد ہی میں ہو۔ یوں ہی صدیقین کے پاس نشست و برخواست سعادت کا ذریعہ ہے۔ ان کے پاس سے اخلاص سے گذر جانے والا بھی محروم نہیں رہتا۔ (روح البیان)

إِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ
تحقیق اللہ نے خرید لیا مسلمانوں سے جانوں کو اُن کی اور مالوں کو
بے شک اللہ نے مسلمانوں سے ان کے مال اور جان خرید لئے ہیں
بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ
ان کے بدلے اُس کے تحقیق ان کیلئے جنت ہے جنگ کریں گے وہ راستہ میں اللہ کے
اس بدلے پر کہ ان کے لئے جنت ہے اللہ کی راہ میں لڑیں تو ماریں
وَيُقْتَلُوْنَ وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِي التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِيْلِ
پس قتل کریں اور قتل کئے جاویں وعدہ ہے اس پر سچا توریت میں اور انجیل میں
اور مریں اس کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ توریت اور انجیل
وَالْقُرْاٰنِ وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ فَاسْتَبْشِرُوْا
اور قرآن میں اور کون زیادہ پورا کرنے والا ہے وعدہ کو اپنے اللہ سے پس خوشی
اور قرآن میں اور اللہ سے زیادہ قول کا پورا کون ہے تو خوشیاں مناؤ
بِبَيْعِكُمُ الَّذِيْ بَايَعْتُمْ بِهٖ وَذٰلِكَ هُوَ
حاصل کرو تم لوگ تجارت سے اپنی وہ کہ تجارت کی تم نے اس سے اور یہی ہے
اپنے سودے کی جو تم نے اس سے کیا ہے اور یہی بڑی

www.alahazratnetwork.org

الْعَظِيمُ	الْفَوْزُ (۱۱۱)
بڑی	کامیابی
ہے	کامیابی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں غزوۂ تبوک سے رہ جانے والے منافقین پر عتاب تھا اب جہاد کرنے والے مخلصین پر کرم نوازی کا تذکرہ ہے۔ گویا عتاب والوں کے بعد ثواب والوں کا ذکر ہو رہا ہے (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ مومن کے نیک اعمال کی بنیاد تقویٰ پر ہے اور تقویٰ گویا مضبوط زمین ہے جس کے دھنس جانے کا اندیشہ نہیں اب اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ مومنوں کے جان و مال رب تعالیٰ خرید چکا ہے اب ان کے سارے کام رب کے لئے ہیں لہذا پختہ ہیں گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا۔ اب اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ منافق مسجد بھی بنائیں تو بے ایمان ہیں کہ ان کی نیت خراب ہے۔ مومن مسجد بنائیں تو مقبول کیونکہ ان کی نیت خیر ہے اب ارشاد ہے کہ اگر ایک میدان میں مومن و کافر لڑیں تو کافر کی جنگ فساد ہے اور مومن کی جنگ جہاد۔ کیونکہ اللہ کے ہاتھ بکا ہوا اس کا ہر کام اسی رب کے لئے ہے گویا مسجدوں کے فرق کے بعد جنگ کے فرق کا تذکرہ ہے۔

چوتھا فائدہ: پچھلی آیت میں ان منافقوں کا ذکر تھا جو جہاد میں نہ جاتے تھے اور اس نہ جانے پر خوش ہوتے تھے۔ کہ ہم نفع میں رہے کہ جہاد کی تکالیف سے بچ گئے اب ان کی تردید ہو رہی ہے کہ مومن مزے میں رہے کہ اپنے جان و مال رب کے ہاتھ فروخت کر دیئے جنت کے عوض وہ نفع کا سودا کر آئے۔ (صاوی)

شان نزول: دوسری بیعت عقبہ کے موقعہ پر ستر (۷۰) انصار نے حضور انور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اس وقت حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ﷺ جو چاہیں ہم پر شرط لگالیں ہم کو منظور ہے فرمایا میں تم پر دو شرطیں لگاتا ہوں ایک رب تعالیٰ کے لئے دوسری اپنے لئے رب کے لئے یہ شرط ہے کہ اس کی ہی عبادت کرو۔ اپنے لئے پسند نہ کرو میرے لئے روا نہ رکھو۔ عبداللہ بولے کہ اگر ہم یہ شرطیں پوری کر دیں تو ہم کو کیا ملے گا۔ فرمایا جنت بولے خوب خوب یہ تو بڑی نفع کی تجارت ہے ہم نے یہ سودا کر لیا اب ہم اسے فسخ نہ کریں گے (تفسیر روح البیان۔ روح المعانی۔ خازن۔ خزائن العرفان۔ تفسیر کبیر) مگر سورۃ توبہ مدینہ میں سوا لقد جاء کم رسول دو آیتوں کے اور بیعت عقبہ کا واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ نیز اس آیت میں جہاد کا حکم بعد ہجرت آیا۔ بیعت عقبہ کے وقت نہ جہاد کا حکم تھا نہ مجاہدین کا۔ نہ شہداء کا۔ اس لئے تفسیر جلالین۔ صاوی وغیرہ نے اس آیت کا کوئی شان نزول بیان نہ کیا۔ یونہی تفسیر بیضاوی مدارک وغیرہ نے بھی کہا ہاں یہ کہو تو کہہ لو کہ اس آیت میں آئندہ جہادوں کا ذکر ہے کہ جب جہاد فرض ہو جائے تو یہ لوگ جہاد شوق سے کریں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: ان اللہ اشتری من المومنین. چونکہ بہت لوگ اس مضمون کے انکاری تھے اس لئے اسے ان سے شروع فرمایا۔ اشتراء کے معنی ہیں خریدنا یعنی اپنے مال کے عوض دوسرے کا مال لینا۔ اللہ تعالیٰ کے لئے معنی نہیں بنتے۔ کیونکہ ہمارے جان و مال بھی رب کے ہیں۔ اور جنت بھی رب کی لہٰذا اس سے مراد ہے مومنوں کی جان و مال اپنی راہ میں خرچ کرا کر انہیں ثواب کا وعدہ فرمالینا۔ (تفسیر بیضاوی) چونکہ یہ عوض مومنوں کو ضرور ملے گا اس لئے اسے کریدنا فرمایا گیا۔ جیسے ارشاد ہے من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا کون ہے جو اللہ کو قرض دے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ سوا میثاق کے دن ہو چکا اور مومنین سے مراد ساری امتوں کے مومن ہیں اور ہو سکتا ہے کہ یہ سودا حضور انور ﷺ کے ذریعہ ہوا جب کہ حکم جہاد آ گیا اور مومنین سے مراد صرف مسلمان ہوں یعنی حضور انور ﷺ کی امت یا صرف مجاہدین یا سارے مومنین انفسھم و اموالھم یہ اشتریٰ کا مفعول ہے نفس کے معنی ہیں۔ خون جان۔ ذات یہاں بمعنی ذات ہے اگر بمعنی جان ہو تو جسم جان کے تابع ہے جب جان فروخت ہو گئی تو جسم بھی فروخت ہو گیا۔ خیال رہے کہ خریدنے والا تو رب مگر بیچنے والے یا تو مومنین ہیں، جو میثاق کے دن سودا کر چکے یا جو حضور انور ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کرتے وقت سودا کر چکے اس لئے اسے بیعت کہتے ہیں یعنی بک جانا۔ فروخت ہو جانا وہ لفظ یہاں سے لیا گیا یا خود رب نے ہی یہ سودا کیا۔ یعنی رب تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کی جان و مال خود اپنے ہاتھ فروخت کیں خود ہی خریدیں۔ جیسے مولیٰ اپنے غلام کا مال اپنے ہاتھ فروخت کر دے کہ غلام کا وکیل ہو اپنی طرف سے اصیل (از تفسیر کبیر) مولیٰ اپنے غلاموں کے مال میں اس قسم کی خرید و فروخت کر سکتا ہے کہ دو طرفہ کا وکیل ہو یا ایک طرف کا وکیل دوسری طرف کا اصیل۔ بان لھم الجنۃ یہ اس خرید کی قیمت کا ذکر ہے لہٰذا اس میں ب مقابلہ اور عوض کی ہے لھم میں لام ملیت کا ہے لھم کو جنت پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اگر ھم ضمیر مومنین کی طرف ہے تو جنت سے مراد مطلق جنت ہے اور حصر بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ جنت صرف مومنوں کی ہے کافروں یا منافقوں کی نہیں اور اگر ھم سے مراد مومن غازی و شہید ہیں تو جنت سے مراد وہ حصہ ہے جو خاص غازیوں شہیدوں کے لئے ہے تب بھی حصر درست ہے۔ یہاں جنت میں پانچ باتوں کا خیال رہے (۱) جنت کو قیمت بنایا مومنوں کی جان و مال کو تجارتی مال کیونکہ تجارت میں مال اعلیٰ ہوتا ہے قیمت ادنیٰ مال مقصود ہوتا ہے۔ قیمت تابع لہٰذا رب نے مومنوں کی جان و مال کو جنت سے اعلیٰ قرار دیا (۲) لھم کو جنت سے پہلے بیان فرمایا کہ حصر کا فائدہ ہو۔ یعنی صرف انہیں کی ہے بلا شرکت غیرے۔ (۳) لھم میں لام ملکیت کا ارشاد فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ آج ہی جنت ان کی ہو چکی وہ اس کے مالک ہو چکے اگرچہ قبضہ بعد قیامت دیا جائے گا۔ (۴) لھم الجنۃ جملہ اسمیہ فرمایا تا کہ معلوم ہو کہ مومنوں کو خود جنت کا مالک کر دیا تو وہاں کی نعمتیں حور۔ قصور۔ حوض۔ نہریں۔ باغات سب ہی کے وہ مالک ہوئے یہ نہیں کہا جنت کا سامان علیحدہ کر کے صرف عمارت کا مالک کیا۔ اس مومنوں کی بڑی عزت افزائی ہے اس وجوہ سے نہ تو یہ کہا ہم نے جنت کو تمہارے جان و مال کے عوض بیچ دیا۔ ہم بائع خریدار نے یہ کہا کہ تمہاری جان و مال جنت کے عوض خریدیں بلکہ اتنی دراز عبارت فرمائی بان لھم الجنۃ۔

مولانا فرماتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

خویشتن نہ شناخت مسکیں آدمی   ازفزونی آمد و شد در کمی
خویشتن را آدمی ارزاں فروخت   بود اطلس خویش رابر دلق دوخت

یعنی دنیادار آدمی نے اپنی قیمت نہ جانی وہ بڑا قیمتی تھا۔ اس نے اپنے کو ارزاں کر دیا ریشم تھا گدڑی پر سی دیا۔

یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون یہ فرمان عالی نہ تو مومنین کی صفت ہے نہ حال بلکہ نیا جملہ ہے جس میں پہلے کا طریقہ ارشاد ہوا یعنی اس بیچنے کا طریقہ یہ ہے کہ جب جہاد کی ضرورت ہو تو اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ (صاوی۔ روح البیان وغیرہ) خلاصہ یہ ہے کہ تمہارے جان مال تو ہمارے ہو چکے میدان میں ان کا قبضہ ہم کو دے دو۔ اور جنت تمہاری ہو چکی اس کا ایک طرح کا قبضہ تم کو شہید ہوتے ہی دیا جائے گا۔ کہ تمہاری روحیں جنت میں داخل ہو جاویں گی اور دوسری قسم کا قبضہ بعد قیامت دیا جائے گا۔ کہ تم جسموں کے ساتھ وہاں داخل ہو گئے۔

خیال رہے: کہ یہاں تین چیزیں ارشاد ہوئیں۔ قتال یعنی جہاد کرنا کفار کو قتل کرنا۔ ان کے ہاتھوں قتل (شہید ہونا) جو مومن جہاد میں گیا اس نے قتال روک لیا خواہ وہ لڑے یا لڑنے والوں کی خدمت یا ان کی مدد یا ان کی ہمت افزائی کرے۔ لہٰذا یقاتلون بہت عام ہے پھر خواہ صرف قتل کرے اور بخریت واپس آ جاوے یا قتل کر کے خود بھی قتل ہو جاوے۔ فقیر کی یہ تفسیر یاد رہے خلاصہ یہ ہے کہ میدان جہاد میں کفار کے مقابل پہنچ جانا اپنے جان و مال ہر چیز خریدار یعنی رب غفار کو قبضہ دے دینا ہے اب اس کی مرضی ہے کہ تمہیں اپنے پاس رکھ لے یا وطن واپس بھیج دے تم تو اپنا کام کر چکے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ یہ تینوں کام کرنا ضروری ہیں (از روح المعانی وغیرہ) **وعدا علیہ حقا** اس فرمان اعلیٰ میں اس بیع کی نوعیت کا ذکر ہے کہ یہ بیع نقد کی نقد سے نہیں بلکہ نقد کی ادھار اور وعدہ پر ہے کیونکہ تمہارے جان و مال اس دنیا میں اور ان کی قیمت یعنی جنت دوسری دنیا یعنی آخرت میں ہاں اس کا وعدہ مضبوط ہے وعدا پوشیدہ فعل وعد کا مفعول مطلق ہے یہ دموصوف ہے **علیہ حقا** اس کی صفت اس طرح کہ **علیہ حقا** کا حال ہے علیہ کی ضمیر رب کی طرف ہے۔ یعنی عطاء جنت کا رب کے ذمہ کرم پر سچا وعدہ ہے جو لازم ہو چکا ناممکن ہے کہ پورا نہ ہو۔ (تفسیر روح المعانی و کبیر۔ معانی وغیرہ) **فی التورۃ والانجیل والقرآن** یہ عبارت ایک پوشیدہ لفظ مثبتا کے متعلق ہو کر وعدا کی دوسری صفت ہے یعنی یہ وعدہ ایسا پختہ ہے کہ اس کا اعلان توریت و انجیل قرآن مجید ساری کتابوں میں کر دیا گیا اس پر ان انبیاء کرام کو گواہ بنا دیا گیا۔

خیال رہے: کہ اگر المومنین سے مراد ساری امتوں کے مومن ہیں تو آیت کا مطلب ہے کہ توریت میں دین موسوی کے مومنوں مجاہدوں سے اور انجیل میں دین عیسوی کے مومنوں مجاہدوں غازیوں شہیدوں سے اور قرآن مجید میں دین محمدی کے مومنوں غازیوں سے یہ وعدہ کر دیا گیا جس سے پتہ لگا کہ ان دینوں میں بھی جہاد تھے اور اگر مومنین سے مراد صرف دین محمدی کے مومن ہیں تو مطلب یہ ہے کہ توریت و انجیل میں بھی اس وعدے کا اعلان ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ دوسری تفسیر قوی ہے کیونکہ دین عیسوی میں جہاد نہ تھا۔ حضرت مسیح کی یہ تعلیم تھی کہ اگر کوئی تیرے ایک گال پر طمانچہ مارے تو تو دوسرا گال بھی اس کے سامنے کر دے اس اعلان جو حضور انور ﷺ کے غازیوں کی انتہائی عظمت و عزت کا اظہار ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے

www.alahazratnetwork.org

ذلک مثلھم فی التورات والانجیل ۔ایک روایت میں ہے کہ توریت وانجیل میں امت محمدی کا ذکر یوں تھا کہ **ھم رعاۃ للشمس** وہ سورج کی رفتار کی پیائش کریں گے۔یعنی نماز پنجگانہ کے لئے طلوع غروب۔زوال کا حساب رکھیں گے۔وغیرہ وغیرہ یہ وعدہ بھی وہاں تھا **ومن اوفی بعھدہ من اللہ** اس فرمان عالی میں اس وعدے کی اور تاکید ہے اس میں **من** سوال انکاری کے لئے ہے **اوفی** وفاء کا اسم تفضیل ہے یعنی سوچو تو خدا تعالٰی سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہے وہ مجبور نہیں قادر ہے جھوٹ سے پاک ہے اس کے خزانہ میں کسی چیز کی کمی نہیں لہذا اس کا وعدہ ضرور بالضرور پورا ہوکر رہے گا۔ **فاستبشروا ببیعکم** یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے **فا** جزائیہ ہے استبشار کے معنی ہیں خوشی ظاہر کرنا خواہ قولاً اظہار ہو یا عملاً **ب** سببیہ ہے اور بیع سے مراد وہ بیچنا ہے جو رب تعالٰی کے خریدنے کے ضمن میں حاصل ہوا اور نہ براہ راست تو کسی مسلمان سے رب نے نہ رب تعالٰی سے بات کی نہ سودا کیا نہ فروخت کیا یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے بیع کی یا خود رب تعالٰی نے یعنی اے مسلمانوں اپنے اس تجارت پر جو تمہاری خبر سے پہلے ہی ہوگئی ہر وقت خوشی مناؤ خوش وخرم رہو یہ سمجھ کر کہ ہماری جان مال اللہ تعالٰی کا ہے ہم اللہ تعالٰی کی ملک خاص ہیں پھر ہمیں غم کس کا۔وہ خود اپنا سودا سنبھالے گا اور جب جہاد کے لئے جاؤ تو دولہا بن کر خوشی مناتے جاؤ۔کہ اب ہم خریدار کو اس کی چیز پر قبضہ دینے جارہے ہیں **الذی بایعتم بہ** یہ فرمان عالی صفت ہے بیع کی **بایعتم** میں بالواسطہ سودا کرنا مراد ہے یعنی وہ سودا وہ تجارت جو تم نے اپنے نبی کے واسطہ سے رب سے کیا تم عیبوں سے۔اس بے عیب رب نے مع تمہارے عیبوں کے بے عیب جنت کے عوض خریدا۔فانی متاع کو باقی قیمت کی عوض خریدا۔شعر

تو بعلم ازلی مرادیدی دیدی آنگہ بعیب تجریدی

تو بعلم آن ومن بعیب ہمان ردمکن آنچہ خود پسندیدی (روح البیان)

یعنی اے کریم تو ازل سے جانتا تھا کہ میں عیب دار ہوں۔مجھ عیبی کو جان کر تو نے خریدا ہے تو وہی علیم ہے میں وہی عیبی ہوں۔اب جب تو نے مجھے عیبی جان کر خرید لیا تو رد نہ کر مسلمانوں اس پر خوشی مناؤ کہ تم عیبیوں کو رب نے خرید لیا **ذلک ھو الفوز العظیم** چونکہ یہ بیع بہت عالی شان تھی ہماری فہم وعلم سے دور اس لئے **ذلک** دور کا ارشارہ ارشاد فرمایا گیا اور صرف یہ تجارت ہی کامیابی تھی۔اس سے ہٹ کر ہر چیز ناکافی۔اس لئے **ھو** ارشاد ہوا حصر کے لئے۔چونکہ اس سودے کو رب نے خریدا جناب مصطفٰی بیچ میں پڑے جنت عدا اس کی قیمت۔جناب جبریل اس کے منادی قرآن میں اس سودے کی تحریر ان وجوہ سے یہ سودا بڑی کامیابی ہے۔

من یشتری قبۃ فی عدن عالیہ فی ظل طوبی رفیعات مبانیھا

ولالھا المصطفی واللہ بایعھا ممن اراد وجبریل منادیھا

نوٹ: یہ وہ آیت کریمہ ہے جو بوقت جہاد مجاہدین کو گرمادیتی تھی۔اس کے جوش میں وہ ایسی جرات کر جاتے تھے اور وہ

www.alahazratnetwork.org

کارنامے کر لیتے تھے۔ جو ہمارے خیال سے وراء ہیں جنگ یرموک میں عیسائی سات لاکھ تھے مسلمان صرف چالیس ہزار۔ حضرت ابوعبیدہ نے یہی آیت مجاہدین پر تلاوت کی اور فرمایا انہوں نے رب کے سودے پر اسے قبضہ دے دو تم اس سے سودا کر چکے۔ مسلمان اٹھے اور میدان مار لیا۔ سات لاکھ میں سے بہت کو مار دیا باقی بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ وہ جرات و ہمت دے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی چند تفسیریں ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں سے ان کے جان مال خرید لئے اس کے بعد کہ جنت ان کی ہو گئی۔ مومنین بیوپاری ہم خریدار مومنوں کے جان و مال سودا۔ جنت ان کی قیمت لہٰذا اب انہیں چاہئے کہ جب اسلام کو ان کی جان و مال کی ضرورت ہو اور جہاد پیش آ جائے تو وہ اللہ کی راہ میں کفار پر جہاد کریں۔ انہیں قتل کریں غازی ہوں گے ان کے ہاتھوں قتل ہو جاویں شہید ہوں گے۔ جنت کا یہ وعدہ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر لازم ہو چکا۔ ناممکن ہے کہ انسان مومن ہو اور جنت نہ پائے۔ اس وعدہ کا اعلان توریت میں انجیل میں ہو چکا کہ امت محمدیہ سے یہ سودا ہو چکا یا ہوگا۔ اور قرآن مجید میں بھی یہ اعلان کیا جاتا ہے خود سوچ لو کہ رب تعالیٰ سے بڑھ کر وعدہ پورا کرنے والا کون ہو سکتا ہے کہ وہاں وعدہ خلافی کا احتمال ہی نہیں کہ وعدہ خلافی یا مجبوری کی وجہ سے ہوتی ہے یا شرارت سے وہ رب کریم ان دونوں سے پاک ہے مسلمانوں جب کہ تم اس تجارت کی خبر سن چکے تو اس پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اگر جہاد کا وقت آ جائے تو خوشی خوشی قبضہ کرانے کی نیت سے میدان جنگ میں جاؤ۔ تم نے اپنے کو رب کے ہاتھ فروخت کر دیا ہے یہ تجارت بڑی ہی کامیابی ہے۔

خیال رہے: کہ اس آیت میں دس طرح اس تجارت کا اہتمام کیا گیا۔ (۱) یہاں رب خریدار ہے جس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں جو چاہے قیمت دے (۲) اس کو بیع شراء یعنی خرید فروخت فرمایا۔ جیسے خریدی چیز کی قیمت دینا خریدار کے ذمہ ہوتا ہے یوں ہی انشاء اللہ مومنوں کو جنت دینا رب کے ذمہ کرم پر لازم (۳) اسے وعدہ فرمایا اور اللہ کے وعدے سارے ہی سچے ہیں (۴) فرمایا علیہ یعنی اللہ کے ذمہ کرم پر ہے علی وجوب کے لئے یعنی کرم کے لئے ہے (۵) اس وعدے کی حقا فرما کر تاکید کی سچا وعدہ (۶) اس وعدہ کا اعلان توریت وانجیل وقرآن میں کر کے ان کتابوں ان رسولوں کو گواہ بنا لیا اس وعدے پر بھی اور اس تجارت پر بھی۔ (۷) فرمایا ہم سے بڑھ کر سچے وعدہ والا کون ہو سکتا ہے (۸) فرمایا کہ اس سودے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ اس میں بھی تاکید اور مبالغہ ہے۔ (۹) اس تجارت کو کامیابی قرار دیا۔ (۱۰) اس کامیابی کو عظیم فرمایا۔ (تفسیر کبیر)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ایسی تجارت میں ایک شخص دو طرفہ کا وکیل دوسری طرف کا اصیل ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ ان اللــــہ اشتری (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ رب نے ہمارے جان و مال ہم سے خریدے۔ حالانکہ ہم کو اس کی خبر بھی نہ ہوئی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خرید لئے کیسے خریدے کہ خود ہی خریدار ہوا اور خود ہی ہمارا والی ہو کر بیوپاری۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی جان و مال جنت سے بھی اعلیٰ و ارفع ہیں۔ کیونکہ اس تجارت میں جان و مال کو

www.alahazratnetwork.org

سودا قرار دیا۔ اور جنت کو قیمت اور ظاہر ہے کہ قیمت سے سودا اعلیٰ ہوتا ہے کہ تجارت میں مقصود ہوتا ہے اور اس سے تجارت قائم ہوتی ہے یہ فائدہ فانھم لھم الجنۃ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: مومن کے جان و مال اس لئے جنت سے اعلیٰ ہیں کہ وہ مومن کے جان مال ہیں صفت ایمان نے انہیں قیمتی کر دیا۔ ورنہ کافر کے جان و مال مچھر کے برابر بھی نہیں۔ وہ تو صرف مٹی کا ڈھیر ہے۔ یہ فائدہ من المومنین سے حاصل ہوا۔ شعر۔

نور الٰہ گر نہ ہو انساں میں جلوہ گر کیا قدر اس خمیرۂ ماؤمدر کی ہے

پانچواں فائدہ: یہ قدر و قیمت صرف حضور انور ﷺ کی امت کی ہے مومنین تو سارے نبیوں کی اطاعت کرنے والے تھے۔ مگر یہ قیمت صرف اس دین کے مومنین کی ہے یہ فائدہ من المومنین کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد صرف امت محمدی ہو۔ شعر۔

نور آلہ کیا ہے محبت حبیب کی جس دل میں یہ نہ ہو وہ جگہ خوک وخر کی ہے

چھٹا فائدہ: یہ سودا ہر مسلمان کی جان و مال کا ہوا ہے وہ غازی شہید ہو یا نہ ہو اس لئے یہاں من الغازین یا من الشھداء نہیں فرمایا بلکہ من المومنین فرمایا تاکہ سارے مومن اس میں داخل ہوں۔ خواہ انہیں جہاد کا موقع ملے یا نہ ملے۔ دیکھو امام حسن اور ان کی اولاد گیارہ اما م امام جعفر صادق۔ موسیٰ کاظم۔ یونہی امام اعظم۔ شافعی۔ مالک احمد بن حنبل یونہی حضور غوث پاک۔ خواجہ اجمیری۔ شاہ نقشبند امام سہروردی سب سے یہ ہی سودا ہو چکا۔ مگر ان میں سے کسی کو کفار پر جہاد کا موقع نہ ملا یہ بات خوب خیال میں رہے۔

ساتواں فائدہ: جہاد میں لڑنا مارنا یا مارا جانا شرط نہیں بلکہ جو میدان جہاد میں اخلاص سے پہنچ گیا وہ مجاہد غازی ہو گیا۔ خواہ وہاں زخمیوں کی مرہم پٹی کرے یا ان کا کھانا پکائے۔ خواہ ان کے جانوروں کی خدمت کرے۔ دیکھو یہاں یقاتلون کے بعد یقتلون ویقتلون ارشاد ہوا۔ غرضکہ قتال اور قتل میں فرق ہے۔

آٹھواں فائدہ: مومن کو چاہئے کہ سمجھے کہ میں اور میرا مال رب کے ہاتھ فروخت ہو چکے ہیں میری کوئی چیز اپنی نہیں اپنے ہر عضو ہر وقت اور ہر مال کو اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق صرف کرے ورنہ خائن ہوگا۔ یہ فائدہ انفس اور اموال کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: مومنین اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے جنت کے مالک ہو چکے ہیں البتہ اس پر قبضہ بعد میں دیا جاوے گا۔ یعنی بعد قیامت یہ فائدہ وعدا علیہ سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: جنت صرف مومن انسانوں کو ہی ملے گی۔ کسی کافر یا غیر انسان کے لئے جنت کی جزا نہیں۔ یہ فائدہ لھم الجنۃ میں لھم کو جنت پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

گیارہواں فائدہ: دین موسوی وعیسوی میں بھی جہاد کا حکم تھا۔ یہ فائدہ المومنین کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ

www.alahazratnetwork.org

اس سے مراد ساری امتوں کے مومن ہوں اور فی التوراۃ والانجیل میں وعدہ کا اعلان ان ہی امتوں کے غازیوں کے لئے ہوں۔ اس صورت میں عیسٰی علیہ السلام کی طرف اس تعلیم کی نسبت غلط ہے کہ جو تجھے ایک طمانچہ مارے تو اس کی طرف دوسرا گال بھی کر دے۔ جیسا کہ موجودہ انجیلوں میں ہے اس کے لئے ہماری کتاب انجیل اور قرآن کا مطالعہ کرو۔

بارہواں فائدہ: جہاد میں خوشی کرتا ہوا ہشاش بشاش جاوے۔ غمگین منہ لے کر نہ جاوے یہ فائدہ فاستبشروا (الخ) سے حاصل ہوا۔ بعض مسلمان غسل کر کے کپڑے بدل کر خوشبو مل کر میدان جہاد میں جاتے ہیں اس عمل کا ماخذ یہ آیت ہے حضرت ضرار ابن ازور شوق شہادت میں جہاد کے وقت زرہ بھی نہیں پہنتے تھے۔

تیرہواں فائدہ: اللہ تعالیٰ سے ہماری جان و مال کا سودا ہو جانا بڑی ہی کامیابی ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کامیابی کیا ہوگی کہ وہ خود ہی ہمیں جان و مال دے خود ہی خریدار بن جاوے جنت ہماری قیمت ہو۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ سودا کرانے والے ہوں۔ انبیاء کرام اس سودے کے گواہ ہوں آسمانی کتاب میں اعلان ہو۔ شعر۔

خس خس جتنا قدر نہ میرا صاحب توں وڈھیایاں ۔۔۔۔ میں گلیاں دا کوڑا روڑا محل چڑھایا سائیاں

پہلا اعتراض: شرعی قاعدے سے یہ سودا تین طرح درست نہیں ہونا چاہئے۔ ایک یہ کہ تجارت میں دونوں فریقوں کو خبر اور ان کی رضامندی چاہئے جب مومنین کو اس سودے کی خبر بھی نہ ہوئی تو سودا کیسا دوسرے یہ کہ تجارت کے وقت بیچنے والا سوداگر موجود ہو اور بیچ شدہ مال کا مالک ہو۔ یہ سودا ہوتے وقت تا قیامت مسلمان نہ موجود تھے نہ ان کے پاس جان و مال تھے۔ تیسرے یہ کہ تجارت میں اپنا دینا دوسرے کا مملوکہ پالینا ہوتا ہے مگر یہاں جان و مال بھی رب کی ملک اور جنت بھی پھر ان اللہ اشتری کہنا کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں جہاد وغیرہ نیک اعمال کا یقینا ثواب دینا مراد ہے۔ جسے خرید و فروخت سے تعبیر کیا گیا۔ جیسے من ذالذی یقرض اللہ قرضا حسنا میں اللہ کی راہ میں خیرات کرنے کو رب پر قابل قرار دیا۔ نیز مولا اور بندہ کی تجارت کے احکام جداگانہ ہیں۔

دوسرا اعتراض: لھم الجنۃ میں لھم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا تو چاہئے کہ غازیوں کے سوا جنت کسی کو نہ ملے حالانکہ اسلام کے بڑے بڑے امام پیشواء دین کو جہاد کا موقعہ نہ ملا کیا وہ جنتی نہیں۔

جواب: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ یہ حصر مومنین کے لئے ہے کہ جنت صرف مومنوں کے لئے ہے کسی کافر کے لئے نہیں اس لئے یہاں من المومنین فرمایا من المجاھدین نہ فرمایا۔

تیسرا اعتراض: پھر یہاں جہاد اور مارنے مرنے کی قید کیوں لگائی گئی یقاتلون (الخ)

جواب: یہ فرمان عالی قید نہیں بلکہ بیچی ہوئی جان و مال پر قبضہ دینے کا بیان ہے کہ مسلمان ضرورت پڑنے پر جہاد و قتال کر کے ہم کو ان چیزوں پر قبضہ دے دیتے ہیں۔ (دیکھو تفسیر)

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: ہم ہیں فانی اور عیب دار۔ جنت ہے باقی اور بے عیب رب تعالیٰ ہم کو جانتا ہے اس کریم نے ہم کو ہمارے عیبوں کو جانتے ہوئے بے عیب جنت کے عوض خرید لیا امید ہے کہ اب ہمیں رد نہ کرے گا۔ کہ اس نے جان کر یہ خریداری فرمائی ہے۔

حکایت: شیطان نے اس آیت کو پیش کر کے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ مولیٰ یہ بندے بڑے عیبی ہیں عیبی سودا رد کر دیا جاتا ہے تو انہیں رد کر کے میرے حوالے کر دے۔ تیرے ہی دین کا یہ قانون ہے۔ رب نے فرمایا اے مردود سودا رد وہاں ہوتا ہے جہاں خریدار بے خبری میں دھوکے سے عیب دار خریدے میں نے ان کے عیوب کو جانتے ہوئے انہیں خریدا۔ پھر رد کیسا (روح البیان) مولانا فرماتے ہیں۔

کالا لہ کہ ہیچ خلقش ننگرید — از خلافت آن کریم آنرا خرید

ہیچ خلقے پیش حق مردود نیست — زانکہ قصدش از خریدن سود نیست

خلاف آدم کا اعلان ہونے پر فرشتوں نے انسان کے عیوب عرض کئے تھے فرمایا انی اعلم مالا تعلمون۔ ہم سب کچھ جانتے ہیں چونکہ اس خریداری میں اپنا نفع مقصود نہیں کرم نوازی کرنا مقصود ہے۔ انسان جیسا بھی ہو خرید میں آ گیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے نہ تو اپنے خریدار پروردگار کو دیکھا نہ اپنی قیمت جنت کا مشاہدہ کیا۔ پھر یہ تجارت مکمل کیسے ہوئی۔ رب نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سارے تاجروں یعنی اپنی امت کا نمائندہ بنا کر معراج میں بلایا۔ کہ چونکہ یہ سودا تمہاری معرفت ہوا ہے آؤ مجھ خریدار کو بھی دیکھ جاؤ اور جنت کے گلزار بھی مشاہدہ کر جاؤ تمہارا دیکھنا سب کا دیکھنا ہے اس معراج رسول نے یہ سودا ہر طرح مکمل کر دیا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفس اور مال سے جہاد کرو جنت لے لو۔ یہ ہے چھوٹا جہاد۔ رب کی طلب میں دل و جان خرچ کرو تو جنت کے رب کو لے لو یہ ہے جہاد اکبر یعنی بڑا جہاد ہے۔ جہاد اصغر میں ظاہری دشمنوں کا مقابلہ ہوتا ہے۔ یعنی کفار کا اور جہاد اکبر میں چھپے دشمن کا مقابلہ ہے۔ یعنی نفس امارہ کا لفظ قتال ان دونوں جہادوں کو شامل ہے اے مسلمان غور کر کہ رب تعالیٰ کو تیری کونسی چیز پیاری ہے اور تیری کس چیز کا رب خریدار ہے۔ یقین کر کہ اے صرف تیرا ایمان یعنی عشق رسول پیارا ہے ورنہ نفس ایمان تو فرشتوں کے پاس بھی ہے۔ عشق رسول صرف تجھے دیا گیا۔ رب تعالیٰ اس کا خریدار ہے۔ اگر اپنی قیمت چاہئے تو عشق رسول حاصل کر اسی لئے فرمایا من المومنین۔

اَلتَّآئِبُوْنَ	الْعٰبِدُوْنَ	الْحٰمِدُوْنَ	السَّآئِحُوْنَ	الرّٰكِعُوْنَ	
رجوع کرنے والے	عبادت کرنے والے	اللہ کی حمد والے	روزہ رکھنے والے	رکوع کرنے والے	
توبہ والے	عبادت والے	سراہنے والے	روزے والے	رکوع والے	

www.alahazratnetwork.org

السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
سجدے کرنے والے حکم دینے والے اچھی بات کے اور منع کرنے والے بری باتوں سے
سجدہ والے بھلائی کے بتانے والے اور برائی سے روکنے والے
وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۱۲)
اور حفاظت کرنے والے حدوں کی اللہ کی اور خوشخبری دو ایمان والوں کو
اور اللہ کی حدیں نگاہ میں رکھنے والے اور خوشی سناؤ مسلمانوں کو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات سے شبہ ہو سکتا تھا کہ جنت کا وعدہ صرف غازی شہید مومنوں سے ہے دوسروں سے نہیں۔ اس آیت کریمہ میں وہ شبہ دور فرمادیا گیا کہ ہر متقی مومن سے جنت کا وعدہ ہے متقی مومن وہ ہے جس میں یہ نو صفات ہوں۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی شرح یا اس کی تفصیل یا تفسیر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ صرف یہ بڑی کامیابی ہے یعنی مجاہد غازی شہید ہونا۔ اب ارشاد ہو رہا ہے کہ ایک قسم کی بڑی کامیابی تو وہ تھی۔ دوسری قسم کی کامیابی ان صفات سے حاصل ہوتی ہے۔ اگر جہاد شہادت نصیب نہ ہو تو یہ صفات اختیار کرو۔ یہ تم اپنے گھر میں امن سے بیٹھ کر بھی اختیار کر سکتے ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ نے ہر مسلمان کی جان و مال جنت کے عوض خرید لئے اللہ کی خریدی ہوئی چیز پر میدان جہاد میں اسے قبضہ دے دو۔ اب ارشاد ہے کہ قبضہ دینا صرف میدان جہاد پر ہی موقوف ہیں یہ ۹ صفات اختیار کرو تم نے اسے قبضہ دے دیا گویا قبضہ دینے کی ایک صورت پچھلی آیت میں مذکور ہوئی دوسری صورتیں اب مذکور ہو رہی ہیں۔

تفسیر: التائبون۔ اس آیت کریمہ کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ التائبون سے لے کر لحدود اللہ تک عبارت مبتدا ہے۔ اور اس کی خبر **ھم اھل الجنۃ** پوشیدہ ہے۔ ایک قرات میں **التائبین العابدین** (الخ) ہی کے ساتھ ہے تو یہ پچھلی آیت میں **من المومنین** کی صفات ہیں۔ تائب بنا ہے توبہ سے۔ اس کے معنی ہیں۔ لوٹنا۔ بندے کی توبہ یہ ہے کہ وہ گناہوں سے نیکیوں کی طرف لوٹے۔ رب تعالیٰ کی توبہ یہ ہے کہ وہ سزا کے ارادے سے جزا کے ارادہ کی طرف رجوع فرمائے اس لئے تواب رب تعالیٰ کی صفت بھی ہے بندے کی توبہ چار چیزوں سے مکمل ہوتی ہے۔ (۱) گناہ کرتے وقت دل کا ملامت کرنا اس گناہ سے راضی نہ ہونا (۲) پھر اس حرکت پر شرمندہ ہونا۔ (۳) آئندہ جرم نہ کرنے کا عہد و ارادہ کرنا (۴) یہ

www.alahazratnetwork.org

سب کچھ رضاء الٰہی کے لئے ہونا۔ اپنے نام نمود اور لوگوں میں عزت حاصل کرنے کی نیت کو دخل نہ ہونا (کبیر خازن) تو بہ کفر سے نفاق اور سارے گناہوں سے ہوتی ہے یہاں آخر معنی مراد ہیں یعنی ہر گناہ سے توبہ کرنے والے۔ خواہ دلی گناہوں جیسے کفر وشرک یا جسمانی گناہوں پھر جیسا گناہ ویسی توبہ۔ والعابدون۔ یہ نو صفتوں میں سے دوسری صفت کا بیان ہے۔ عبادت کے معنی اس کے اقسام پھر ہر قسم کے احکام سورۂ فاتحہ کی تفسیر ایاک نعبد کے تحت عرض کر چکے ہیں عبادت سے ساری بدنی مالی عبادات مراد ہیں بشرطیکہ اخلاص سے ہوں۔ شعر۔

عبادت باخلاص نیت نکوست ورنہ چہ آید بے مغز پوست

جیسے بغیر مغز چھلکے کی قیمت نہیں ویسے ہی بازار قیامت میں بغیر اخلاص عبادت کو کوئی قیمت نہیں امام اعظم ابو حنیفہ نے چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی۔ اور زمین پر لیٹے نہیں یہ ہے کمال عبادت۔ دیکھو تفسیر روح البیان۔ الحامدون یہ تیسری صفت ہے۔ حمد کے معنی اس کے اقسام ہم الحمد للہ کی تفسیر میں کر چکے ہیں حمد کبھی بمعنی شکر آتی ہے کبھی اپنے معنی میں ہوتی ہے حمد بمعنی شکر تین طرح کی ہے۔ زبانی شکر۔ جنانی شکر ارکانی شکر۔ یہاں حامدون سے مراد ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ اللہ کی تعریف کرنے والے یا ہر چھوٹی بڑی نعمت پر اللہ کا شکر ہر طرح کرنے والی۔ السائحون یہ مومنوں کی چوتھی صفت ہے یہ لفظ بنا ہے سبح سے بمعنی سفر کرنا اور تیرنا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں یہ لفظ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں روزے رکھنے والے۔ کیونکہ روزے سے آخرت کی روحانی منزلیں طے ہوتی ہیں جیسے سفر سے جسمانی منزلیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد ہیں طالب علم دین کہ طلب علم میں سفر کرتا ہے۔ بعض کے نزدیک مہاجرین مراد ہیں بعض کے نزدیک مجاہدین کہ ان سب کو سفر کرنا پڑتا ہے۔ حضرت جابر نے ایک دفعہ ایک حدیث کے لئے مدینہ منورہ سے مصر تک سفر کیا (روح البیان) مگر پہلی تفسیر قوی ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اے جابر میری امت کی سیاحت روزہ ہے۔ ایک شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

تراہ یصلی لیلۃ ونھارہ یظل کثیرا الذکر للہ سائحا

اس شعر میں سائح بمعنی روزہ دار ہے۔ گذشتہ امتوں میں بے وطن یعنی خانہ بدوش رہنا بھی عبادت تھی۔ حضور انور ﷺ نے بعض صحابہ سے فرمایا کہ میری امت کی خانہ بدوشی روزہ ہے۔ بعض نے فرمایا جہاد۔ بعض نے فرمایا طلب علم کے لئے سفر۔ بعض نے فرمایا ہجرت سیاحت ہے (تفسیر خازن) الراکعون الساجدون۔ یہ مومنوں کی پانچویں صفت ہے۔ اس سے مراد نمازی ہیں۔ اگرچہ نماز میں قیام اور بیٹھنا بھی ہوتا ہے مگر رکوع سجدہ اس نے خاص ارکان ہیں کیونکہ کھڑا ہونا۔ بیٹھنا دوسرے کاموں میں ہوتا ہے۔ رکوع سجدہ صرف نماز میں اس لئے اکثر رکوع سجدے سے مراد نماز ہوتی ہے اگرچہ عابدون میں نمازی بھی داخل تھے مگر چونکہ نماز بہت اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کہ ساری عبادات فرش پر بھیجی گئیں مگر نماز معراج میں عرش پر بلا کر دی گئی۔ اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر علیحدہ فرمایا۔ اب تک مومنوں کی وہ چھ صفتیں بیان ہوئیں جو انہیں خود اپنے لئے مفید ہیں اب ان کی وہ صفات بیان ہو رہی ہیں جن کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ الا

www.alahazratnetwork.org

مرون بالمعروف والناھون عن المنکر ۔اس فرمان عالی میں مومنوں کی ساتویں اور آٹھویں صفت کا ذکر ہوا یعنی وہ اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے ہیں حکم اور ممانعت زبانی ۔ عملی قلمی ہر طرح کی ہوتی ہے یہاں ساری قسمیں مراد ہیں جیسی تبلیغ ممکن ہو ویسی کرے نیز معروف سے مراد ہر بھلائی ہے اعتقادی ہو یا عملی یوں ہی منکرین میں ہر برائی داخل ہے۔ آمرون کا مفعول پوشیدہ ہے۔ الناس یعنی وہ لوگوں ۔ اپنے بال بچوں ۔ ماتحتوں وغیرہم کو ہر اچھے عقیدے اچھے اعمال کا ہر طرح حکم دیتے ہیں۔ اور ہر طرح ہر برائی سے منع کرتے ہیں۔

خیال رہے: کہ اہل عرب سات تک بغیر واؤ کے بولتے ہیں۔ اس کے بعد واؤ سے اس قاعدے سے التائبون سے الامرون بالمعروف تک سات صفات کا ذکر بغیر واؤ ہوا اور پھر والناھون واؤ سے ارشاد ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ التائبون سے موصوف اور ساجدون تک اس کی صفتیں یہ سب مل کر مبتدا ہوا اور الامرون بالمعروف سے لحدود اللہ تک خبر اس لئے ان میں واؤ ارشاد ہوا (تفسیر خازن ۔کبیر ۔معانی وغیرہ) والحافظون لحدود اللہ ۔ یہ مومنوں کی نویں صفت ہے اس میں بہت گنجائش ہے، کیونکہ انسان کے اعضاء ظاہری باطنی اعمال کمال افعال سب کی رب نے حدیں مقرر فرمائی ہیں فرماتا ہے ان السمع والبصر والفواد کل اولئک کان عنہ مسئولا ۔کان۔ آنکھ دل وغیرہ سب کے بارے میں قیامت میں سوال ہوگا۔ کہ کہاں استعمال کئے حد میں رہے یا حد توڑی۔ مومن کا حال یہ ہونا چاہئے۔

راہ حق میں ہے دوڑا اور بھاگ ان کی　　　شریعت کے قبضہ میں ہے باگ ان کی

جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ　　　جہاں کر دیا بزم نرما گئے وہ

غرضکہ مومن کا سونا جاگنا حرکت وسکون اللہ رسول کے فرمان کے ماتحت ہو یہ فرمان شریعت وطریقت کی جامع ہے رب تعالیٰ عمل کی توفیق دے۔ وبشر المومنین یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے بشر میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ظاہر یہ ہے کہ المومنین سے وہ مذکورہ نو صفات والے مسلمان مراد ہیں اور بشارت خاص درجہ جنت کے خاص مقامات۔ رب تعالیٰ سے خاص قرب کی بشارت مراد ہے یعنی اے محبوب ایسے متقی مسلمانوں کو ہمارے خاص قرب کی خوشخبری دے دو۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانوں یہ خیال نہ کرنا کہ جنت صرف غازیوں مجاہدوں اور شہیدوں کو ہی ملے گی۔ باقی مسلمان اس سے محروم رہیں گے۔ غزوہ جہاد تو کسی خوش نصیب جماعت کو میسر ہوتا ہے ان کے علاوہ ان مومنوں کو بھی جنت عطا ہوگی۔ جن میں نو صفات ہوں (۱) اپنے گناہ اپنی کوتاہیوں سے ہمیشہ توبہ کرنے والے (۲) رب کی عبادت جس پر وہ قادر ہوں ہمیشہ کرنے والے (۳) ہر حال میں رب کی حمد ہر نعمت پر اس کا شکر کرنے والے۔ (۴) روزہ رکھنے والے یا طلب علم یا ہجرت وغیرہ کے لئے سفر کرنے والے تارک وطن۔ (۵) ہمیشہ رکوع سجدہ میں رہنے والے۔ یعنی نماز فرض واجب نفل سنن ادا کرنے والے (۶) لوگوں کو ہاتھ زبان۔ قلم۔ وغیرہ سے اچھی راہ پر چلانے والے (۷) ہر برائی سے روکنے والے (۸) ان کی زبان کان ہاتھ پاؤں بلکہ خیال وارادے اور اعمال احوال افعال کے لئے رب نے جو حدیں مقرر کی ہیں ان حدود کی حفاظت

www.alahazratnetwork.org

کرنے والے یہ لوگ جنتی ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ایسے نیک کاروں کو ہمارے قرب کے خاص درجات کی عظیم الشان خوشخبری دے دو یہ لوگ بڑے کامیاب ہیں کفار سے جہاد تو کسی خوش نصیب کو کبھی کہیں جا کر نصیب ہوتا ہے یہ جہاد ہر وقت ہر جگہ ہر مسلمان کو میسر ہے ہمت کرو جنت اور رب کی رحمت لو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: توبہ سارے عمل ساری عبادات پر مقدم ہے یہ فائدہ اس ترتیب بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے التائبون پہلے فرمایا بعد میں دوسری چیزوں کو خصوصاً کفر، شرک منافقت بدعقیدگی سے توبہ کہ یہ اعمال کے لئے ایسی ہے جیسے نماز کے لئے وضو گویا یہ دل کا وضو ہے۔

دوسرا فائدہ: مومن کو چاہیے کہ ہر قسم کی نیکی کرے اور ہر قسم کے گناہ سے بچے صرف ایک نیکی کرنے اور ایک گناہ سے بچنے پر کفایت نہ کرے۔ یہ فائدہ ان مذکورہ صفات کو بغیر واؤ لانے سے بطور اشارہ حاصل ہوا کہ ان تمام کو التائبون کی صفت بتایا گیا۔

تیسرا فائدہ: کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر ایمان۔ توبہ۔ نیک اعمال سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ التائبون وغیرہ کو جمع فرمانے سے حاصل ہوا اگر جنت چاہئے تو یہ اعمال کرو۔

چوتھا فائدہ: جنت اور رب کی رضا وطن۔ زبان۔ قومیت۔ نسل۔ رنگ و بو سے نہیں ملتی یہ صرف اور صرف اچھے عقائد اور اچھے اعمال سے ملتی ہے۔ مومن کا وطن دامن مصطفیٰ ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا

گفتار سیاست میں وطن اور ہی کچھ ہے ارشاد نبوت میں وطن اور ہی کچھ ہے
بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے اسلام ترا دیس ہے تو مصطفوی ہے

حضور انور ﷺ نے عرب کے لڑنے والے قبیلوں کو زبان یا عرب یا قریش کے نام پر جمع نہیں فرمایا۔ بلکہ اسلام تقویٰ کے نام پر جمع کیا۔ آج مسلمان اپنے اس دیس کو بھول گئے۔

پانچواں فائدہ: تمام عبادت میں نماز اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے عابدون کے بعد الراکعون (الخ) ارشاد فرمایا جس نے نماز درست کر لی اس کے سارے عبادات ان شاء اللہ ضرور درست ہوں گے۔

چھٹا فائدہ: نماز میں اگرچہ قیام رکوع۔ سجدہ۔ جلسہ سب کچھ ہے مگر رکوع سجود ان سب ارکان میں اعلیٰ ہیں یہ فائدہ الراکعون الساجدون سے حاصل ہوا کہ رب نے خصوصیت سے ان دو رکنوں کا ذکر کیا۔

ساتواں فائدہ: مومن کے لئے خود نیک بنا کافی نہیں بلکہ دوسروں کو بھی نیک بنائے یہ فائدہ الامرون بالمعروف (الخ) سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: تبلیغ صرف علماء پر نہیں بلکہ ہر مسلمان بقدر علم اور بقدر طاقت تبلیغ کرے۔ حتیٰ کہ بادشاہ تلوار کے زور سے علماء وعظ و تصنیف سے عوام گفتار و کردار سے تبلیغ کریں۔ یہ فائدہ الامرون والناھون جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

نواں فائدہ: کوئی شخص معمولی نیکی چھوٹی سمجھ کر چھوڑ نہ دے اور معمولی گناہ سمجھ کر کرنے لے کبھی ایک گھونٹ پانی جان بچا لیتا ہے اور ایک چنگاری گھر جلا دیتی ہے۔ یہ فائدہ الحافظون لحدود اللہ سے اشارۃً حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ اپنے سارے اعضاء پر کنٹرول رکھے کسی عضو کو ناجائز استعمال نہ ہونے دے۔ اپنا محاسبہ کرتا رہے یہ فائدہ بھی الحافظون لحدود اللہ سے حاصل ہوا۔

گیارھواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں قیامت تک ہر مسلمان کو پہنچ رہی ہیں یہ فائدہ بشر المومنین سے حاصل ہوا کہ المومنین عام ہے سارے مسلمانوں کو کبھی تو علماء صلحاء قرآن وحدیث کے واسطے سے کبھی نیکی پر قدرتی طور سے دل خوش ہو جاتا ہے گناہ سے غمگین یہ نگاہ مصطفوی کا فیضان ہے وہ ہر مومن کے دل میں بسے ہیں ہر مومن کو سنبھالے ہوئے ہیں۔

قبر میں دیکھا جو اس پردہ نشیں تو کھلا   میرے ہی دل میں چھپا تھا مجھے معلوم نہ تھا

جلوہ سا دکھا کے چھپ گئے ہیں   دیوانہ بنا کے چھپ گئے ہیں

کیوں ڈھونڈوں میں ان کو یاروں در در   وہ مجھ میں سما کے چھپ گئے ہیں

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جس مسلمان میں یہ مذکورہ نوصفات ہوں وہ جنتی ہے اس صورت میں ہزار میں ایک مسلمان بمشکل جنتی ہوگا۔ یہ نوصفات نہ ہر مسلمان میں جمع ہوں گی نہ وہ جنتی بنے گا۔ جنت تو بہت ہی مہنگا سودا ہوا اگر تم کہتے ہو۔ شعر۔

وہ تو نہایت سستا سودا بیچ رہے ہیں جنت کا   ہم مفلس کیا مول چکائیں ہاتھ ہی اپنا خالی ہے

جواب: تمہارا یہ خیال غلط ہے۔ اس آیت کریمہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ جس شخص میں یہ نوصفات پوری کی پوری کامل طور پر پائی جائیں وہ جنتی ہو بلکہ جس مسلمان کو جنتی نیکیوں کی جس قدر طاقت ہو وہ اختیار کرے انشاء اللہ جنتی ہیں نیز یہ نو کام بہت مشکل نہیں بفضلہٖ تعالیٰ قریباً ہر مسلمان ان پر بقدر طاقت عمل کرتا ہے۔ نماز۔ روزہ۔ حمد۔ اچھی باتوں کی اشاعت برائیوں سے روکنا ایسی چیزیں ہیں کہ فاسق مسلمان بھی ان پر کچھ نہ کچھ عمل کرتے ہی ہیں۔ نیز یہ صفات جنت کا اعلیٰ مقام پانے رب سے قرب خاص حاصل کرنے کے لئے ہے جنت کا داخلہ صرف صحیح ایمان پر ہے۔

دوسرا اعتراض: مسلمان کے چھوٹے فوت شدہ بچے یوں ہیں وہ نو مسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو گیا وہ جنتی نہ ہونا چاہئے کیونکہ وہ ان نو میں سے کسی پر عمل نہ کر سکا۔ مگر تم کہتے ہو کہ وہ بھی جنتی ہے۔

جواب: اس کا جواب وہ ہی ہے کہ بقدر طاقت عمل ضروری ہے۔ ایسے لوگوں کو عمل کا وقت اس کا موقعہ طاقت نہ ملے اس لئے صرف ایمان لانا ہی کافی ہے اور مومنوں کی چھوٹی اولاد اپنے ماں باپ کے تابع ہو کر جنتی ہے۔ رب فرماتا ہے الحقنا بھم ذریتھم ما التناھم من عملھم من شئی۔

تیسرا اعتراض: نماز۔ روزہ۔ حمد الٰہی وغیرہ ساری چیزیں عبادت میں آ گئیں پھر عبادات میں ان کا ذکر الگ کیوں فرمایا

www.alahazratnetwork.org

کہ ارشاد ہوا الحامدون السائحون (الخ)

جواب: یہ ظاہر فرمانے کے لئے یہ اعمال عبادات میں بہت اہم ہیں اس لئے ان کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا گیا۔

چوتھا اعتراض: نماز کیلئے رب نے اتنی دراز عبادت کیوں ارشاد فرمائی الراکعون الساجدون مصلون فرما دینا کافی تھا۔

جواب: یا اس لئے کہ نماز میں یہ دو رکن بہت اہم ہیں کہ قیام اور بیٹھنا نماز کے علاوہ اور کاموں کے لئے بھی ہوسکتا ہے مگر رکوع سجدہ صرف نماز میں ہی ہوں گے۔ کسی بندے کے سامنے ادب کے لئے قیام اور بیٹھنا جائز ہے مگر رکوع و سجدہ خدا کے سوا کسی کے لئے یا حرام ہے یا کفر نیز گذشتہ اکثر دینوں کی نماز میں رکوع نہ تھا ان وجوہ سے ان دو کا ذکر ہوا۔

پانچواں اعتراض: رب تعالیٰ نے ان نو صفتوں کو اس طرح بیان فرمایا کہ سات کو بغیر واؤ کے اور دو کو واؤ سے والناھون والحافظون اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: مفسرین نے اس فرق کی چند وجہیں بیان فرمائی ہیں۔ (۱) الساجدون تک کی عبادت مبتداء ہے اس طرح کہ التائبون موصوف اور باقی پانچ اس کی صفات اور الامرون سے آخر تک خبر موصوف اور اس کی صفات کے درمیان واؤ نہیں آ سکتا الامرون مع اپنے معطوفوں کے خبر اور معطوفوں پر واؤ چاہئے۔ (۲) اہل عرب سات تک اعداد کو ایک سلسلہ میں شمار کرتے ہیں۔ اس کے بعد کے اعداد کو دوسرے سلسلہ میں۔ الامرون بالمعروف تک سات عدد پورے پورے ہوئے ایک سلسلہ ختم ہوا اور الناھون سے آٹھویں صفت شروع ہوئی۔ جو دوسرے سلسلہ کا عدد ہے۔ اس فرق کو ظاہر فرمانے کے لئے پہلے سلسلہ کو بغیر واؤ بیان کیا دوسرے سلسلہ کو واؤ سے رب فرماتا ہے ثیبات وابکارا دیکھو ثیبات پر سات صفات پوری ہوگئیں تو آٹھویں پر واؤ آ گیا۔ اور فرماتا ہے وثامنھم کلبھم۔ دیکھو ثلثۃ رابعھم کلبھم وغیرہ میں واؤ نہ آیا ثامنھم سے پہلے واؤ آیا اور فرماتا ہے وفتحت ابوابھا دیکھو جنت کے دروازے آٹھ ہیں تو واؤ لایا گیا۔ دوزخ کے دروازے سات ہیں تو وہاں واؤ نہ آیا۔ بلکہ فتحت ابوابھا ارشاد ہوا (روح البیان کبیر معانی وغیرہ) (۳) اچھی باتوں کا حکم دینا۔ اور بری باتوں سے روکنا۔ گویا ایک وصف کے دو جز ہیں پچھلی صفات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ یہ فرق دکھانے کے لئے وہاں واؤ نہ آیا اور یہاں واؤ آیا۔ واللہ اعلم لخصیات امورہ۔

تفسیر صوفیانہ: مومنین کے اعمال تین قسم کے ہیں۔ (۱) اعضاء ظاہری کے کام جنہیں افعال جوارح کہتے ہیں (۲) دل کے دماغ کے کام جنہیں افعال قلب کہتے ہیں (۳) اخلاقیات پہلی قسم کے افعال کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ دوسرے دو قسم کے افعال کتابوں میں نہیں بلکہ اللہ والوں کی صحبت سے ملتے ہیں یہ آیت کریمہ ان تینوں قسم کے کاموں کی جامع ہے پھر اس آیت کے دو جز ہیں پہلے جز میں تفصیل ہے آخری جزء والحافظون لحدود اللہ میں اجمالاً سارے اعمال بیان کر دیئے یہ ایک جز ساری ہی شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت کی جامع ہے ہر چیز حد میں رہے تو فائدہ مند حد سے بڑھے تو سخت نقصان دہ۔ آگ چولہے میں مفید ہے چولہے کے باہر بکھرے تو عذاب۔ دریا کا پانی حد میں رہے تو رحمت ہے کناروں سے نکلے تو سیلاب۔ یونہی انسان اور اس کے ظاہری باطنی عضو اطاعت کی حد میں رہیں تو رحمت ورنہ عذاب امام احمد غزالی نے اپنے بھائی محمد غزالی سے فرمایا کہ تمہارے سارے علوم ان دو لفظوں میں جمع ہیں۔ تعظیم امر اللہ اور شفقت علی الخلق۔ حضرت خلف ابن ایوب نے آدھی

www.alahazratnetwork.org

رات کو اپنی بیوی سے کہا کہ بچے کا دودھ اس وقت سے چھڑا دو۔ وہ بولیں صبح کو چھڑا دوں گی فرمایا۔ اس وقت اس کی عمر پورے دو سال ہوئی اب دودھ پلانا حد الٰہی توڑنا ہے۔ اور یہی آیت تلاوت کی۔ والحافظون لحدود اللہ (از روح البیان) حضور انور ﷺ تا قیامت سارے متقی مومنوں کے بشیر ہیں۔ ہم انہیں کی بشارت پر خوش ہو جاتے ہیں۔ دیکھو گیارہواں فائدہ۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا

نہیں ہے واسطے نبی کے اور ان لوگوں کے جو ایمان لائے یہ کہ دعاء مغفرت کریں

نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش چاہیں

لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

واسطے کافروں کے اگرچہ ہوں وہ قرابت والے اس کے بعد کہ ظاہر ہو گیا

اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ انہیں کھل چکا کہ دوزخی ہیں

لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۱۳﴾ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ

واسطے ان کے کہ تحقیق وہ دوزخ والے ہیں اور نہیں تھا بخشش مانگنا

اور ابراہیم کا اپنے باپ

إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ

ابراہیم کا واسطے باپ کے اپنے مگر اس وعدے سے جو وعدہ کیا تھا اس نے ان سے

کی بخشش چاہنا وہ تو نہ تھا مگر ایک وعدے کے سبب جو ان سے

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ

پس جب ظاہر ہو گیا واسطے ان کے تحقیق وہ دشمن ہے اللہ کا تو بیزار ہوئے اس سے بیشک ابراہیم

کر چکا تھا پھر جب ابراہیم کو کھل گیا کہ وہ اللہ کا دشمن ہے تو اس نے تنکا توڑ دیا بیشک ابراہیم

لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾

حلم والے

ضرور آہیں کرنے والا متحمل ہے۔

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قابل عمل اعمال کا ذکر ہوا۔ توبہ عبادت۔ حمد الٰہی وغیرہ اب ناقابل عمل کام ذکر ہے۔ جس سے

www.alahazratnetwork.org

ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔ یعنی کفار کے قرابتداروں کے لئے دعا مغفرت گویا روحانی غذاؤں کے بعد روحانی پرہیز کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں زندہ کفار و منافقین سے بے تعلق رہنے بلکہ نفرت کرنے کا تاکیدی حکم ہے گویا زندہ کفار سے نفرت کے بعد مردہ کفار سے نفرت کا ذکر ہے۔ تاکہ ان سے مکمل علیحدگی ہو۔ (تفسیر کبیر)

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کفار پر جہاد کا حکم دیا گیا۔ یقاتلون فی سبیل اللہ (الخ) اب حکم ہے کہ اپنے قرابت دار کفار کو بعد موت دعاء خیر سے یاد نہ کرو۔ یعنی زندگی میں ان سے نہ ملو۔ اور ان کی موت کے بعد نہ ان پر افسوس کرو نہ انہیں دعائیں دو۔

شان نزول: ان آیات کے نزول کے متعلق چند روایتیں ہیں۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو سنا جو اپنے فوت شدہ مشرک ماں باپ کے لئے دعاء بخشش کر رہا ہے کہ خدایا انہیں بخش دے۔ تو آپ نے فرمایا کہ تو مشرکوں کے لئے دعاء مغفرت کر رہا ہے۔ وہ بولا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک باپ (چچا) کے لئے دعاء مغفرت کی تھی آپ نے یہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اس پر دونوں آیتیں نازل ہوئیں۔ (تفسیر خازن۔ نسائی۔ ترمذی۔ طبری) (۲) بعض صحابہ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ ہمارے بعض باپ دادا اپنی زندگی میں بہت اچھے کام کرتے تھے۔ قیدیوں کو چھڑانا۔ وعدے پورے کرنا۔ قرابت داروں سے سلوک لوگوں کو امان دینا وغیرہ مگر وہ مرے شرک پر۔ کیا ہم ان کے لئے دعاء مغفرت کریں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (تفسیر خازن) (۳) ابوطالب کی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور فرمایا چچا اب بھی کلمہ پڑھ لو۔ تاکہ میں تمہاری شفاعت کروں۔ وہاں پہلے سے ہی سرداران قریش ابوجہل۔ عبداللہ بن ابی اوفی وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوطالب اب مرتے وقت اپنے باپ دادوں کے دین سے پھر جاؤ گے۔ دو طرف یہ ہوتا رہا کہ حضور انور دعوت اسلام دیتے رہے ابوجہل وغیرہ روکتے رہے ابوطالب نے آخری کلام یہ کیا کہ میں اپنے خاندان کی ملت پر ہوں۔ اور فوت ہو گئے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ میں تمہارے لئے اس وقت تک دعاء مغفرت کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے اس سے منع نہ کیا جائے۔ اس پر آیت کریمہ نازل ہوئیں۔ (بخاری۔ احمد ابن شیبہ۔ مسلم۔ نسائی۔ ابن جریر ابن منذر بیہقی تفسیر روح المعانی۔ روح البیان۔ خازن۔ کبیر وغیرہ۔) یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ ابوطالب نے حضور انور ﷺ کو جواب دیا کہ اگر مجھے قوم کے طعنہ کا اندیشہ نہ ہوتا کہ میرے مرنے کے بعد لوگ کہیں گے کہ موت کے خوف سے بھتیجے پر ایمان لائے۔ تو میں ضرور کلمہ پڑھ لیتا اور انہیں خوش کر دیتا۔ حضور انور ﷺ وہاں سے تشریف لے گئے۔ حضرت عباس وہاں رہ گئے۔ انہوں نے ابوطالب کے ہونٹ ہلتے دیکھے وہ کلمہ پڑھ رہے تھے کہ ان کی جان نکل گئی۔ جناب عباس نے حضور انور ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ابوطالب نے کلمہ پڑھ لیا۔ (روح المعانی) (۴) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ آمنہ رضی اللہ عنہا کی قبر کی زیارت کی اجازت چاہی جو دے دی گئی اور حضور ﷺ نے زیارت کی پھر ان کے لئے دعاء مغفرت کی اجازت چاہی اس پر آیت کریمہ نازل

www.alahazratnetwork.org

ہوئی۔ جس میں حضور کو اس سے روک دیا گیا۔ (اس پر حضور بہت روئے اور صحابہ کرام کو رلایا۔ (تفسیر خازن و روح المعانی وغیرہ) (۵) ایک بار حضور انور نے فرمایا کہ میں اپنے والد کے لئے دعاء بخشش کروں گا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ (چچا) کے لئے دعاء مغفرت کی تھی اس پر یہ آیت نازل ہوئیں (خازن) اس کے علاوہ اور بھی روایات ہیں۔ مگر پہلی روایات قوی ہیں آخری دو ضعیف ہیں۔

خیال رہے: کہ حسین ابن فضل نے فرمایا کہ ابو طالب کی وفات ہجرت سے تین سال پہلے ہے یعنی نبوت کے دسویں سال اور سورۂ توبہ وفات شریف سے کچھ پہلے ہے۔ یعنی ابو طالب کی وفات سے قریبا بارہ برس بعد پھر ان کی وفات پر یہ آیات کیسے نازل ہوسکتی ہیں۔ نیز سوال یہ ہے کہ اتنے دراز عرصہ تک حضور انور ﷺ ابو طالب کے لئے دعا مغفرت کرتے رہے یا نہیں۔ اگر نہ کرتے رہے تو آیت نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر کرتے رہے تو اتنے دنوں تک رب تعالیٰ نے ایک ناجائز کام حضور انور ﷺ کو کیوں کرنے دیا اور حضرت آمنہ کی وفات تو حضور انور ﷺ کے بچپن شریف ہی میں ہوئی۔ اس کے متعلق اس آیت کا نزول بہت ہی عجیب ہے۔ یہ بھی

خیال رہے: کہ اس بارے میں طبرانی ابن سعد اور ابن شاہین وغیرہ نے جس احادیث نقل کی ہیں کہ یہ آیت حضرت آمنہ کے متعلق نازل ہوئی سب ضعیف ہیں امام ذہبی نے مستدرک میں کہا کہ ان احادیث کی اسناد میں ایوب ابن ہانی ہے جسے ابن معین نے ضعیف کہا لہذا یہ آیت حضرت آمنہ کے متعلق ہرگز نہیں نہ حضرت عبداللہ سے اس کا کوئی تعلق۔ حضور ﷺ کے والدین کا ایمان واسلام قرآن مجید سے ثابت ہے **ومن ذریتنا امة مسلمة** اور آگے ہے **ربنا وابعث فیھم رسولا (الخ)** (از تفسیر خزائن العرفان) ہم حضور کے والدین کریمین کے ایمان کی بحث پارہ اول آیت **ولا تسئل عن اصحاب الجحیم** کی تفسیر میں کرچکے ہیں۔ فقیر کے نزدیک پہلی اور دوسری روایت اس کے شان نزول کے متعلق قوی ہے از آدم علیہ السلام تا حضرت عبداللہ حضور انور ﷺ کی نسل پاک میں نہ کوئی مشرک ہوا نہ کسی نے زنا کیا۔ اس نسل کو اللہ نے کفر و زنا سے محفوظ رکھا۔ دیکھو پارہ اول۔

تفسیر: **ما کان للنبی والذین امنوا** ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے کان کے بعد **لائقا** یا **جائزا** پوشیدہ ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ **النبی** سے مراد حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ کہ قرآن مجید میں عموماً النبی اور الرسول سے مراد حضور انور ﷺ ہی ہوتے ہیں **والذین امنوا** سے مراد از صحابہ کرام تا روز قیامت سارے مسلمان ہیں نومسلم ہوں یا پرانے اس لئے **المومنین** نہ فرمایا بلکہ **الذین امنوا** ارشاد ہوا یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سارے ایمان لے آنے والوں کو یہ جائز یا لائق نہیں ہے اور اگر **النبی** سے مراد مطلق نبی ہوں اور **الذین امنوا** سے مراد ان سب کے امتی تو معنی یہ ہوں گے کہ کسی نبی اور کسی مومن کو یہ کبھی جائز نہیں ہوا کہ **ان یستغفر واللمشرکین** یہ عبارت **ما کان** کا اسم ہے۔ استغفار کے معنی ہیں دعائے بخشش کرنا **المشرکین** سے مراد سارے ہی کفار ہیں خواہ بت پرست ہوں یا یہودی یا عیسائی یا دہریے وغیرہ قرآن مجید میں اکثر مشرکین سے مراد کفار ہوتے ہیں اور شرک سے مراد کفر دیکھو رب فرماتا ہے **ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ یغفر مادون ذلک لمن یشاء**. اللہ شرک

www.alahazratnetwork.org

کونہ بخشے گا اس کے سواء جسے چاہے گا بخش دے گا۔ وہاں بھی شرک سے مراد کفر ہے کیونکہ نہ شرک یعنی بت پرستی کی بخشش بھی
ناممکن ہے۔ خیال رہے کہ کافر کی بخشش یعنی اس کا جنتی ہو جانا ممکن ہے۔ ہاں بعض کفار کا عذاب ہلکا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی

کونہ بخشے گا اس کے سواء جسے چا
ناممکن ہے۔ خیال رہے کہ کافر کی بخشش
اس کا جنتی ہو جانا ممکن ہے۔ ہاں بعض کفار کا عذاب ہلکا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ان کی

بخشش یعنی جنتی ہونے کی دعا کرنا حرام
ولو کانوا اولی قربی ۔ اس فرمان عالی کا تعلق مشرکین سے ہے اولی جمع ہے
ذوی کی بمعنی والاقربی مصدر ہے بمعنی قر
یعنی اگرچہ کفار مسلمان کے رشتہ دار ہوں۔ ان کے دنیاوی حق ادا کرو مگر ان کی
بخشش کی دعا نہ کرو۔ من بعد ما تبین لھ
نھم اصحاب الجحیم۔ اس فرمان عالی کا تعلق ما کان سے ہے یعنی اس دعاء
[illegible]
مسلمان کر دے اور بعد [illegible]
یہ دعا کی جا سکتی ہے کہ خدایا
مغفرت نہیں بلکہ مومن کے

ہے اب تک تو قانون اسلام ارشاد ہوا۔ اب ایک شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے وما کان

مغفرت نہیں بلکہ مومن کے لئے ہے اب تک تو قانون اسلام ارشاد ہوا۔ اب ایک شبہ کا جواب دیا جا رہا ہے وما کان
استغفار ابراھیم لابیہ اس فرمان عالی کا اشارہ اس واقعہ کی طرف ہے کہ حضرت ابراہیم نے دعا کی تھی واغفرلی بی
انہ کان من الضالین ۔ یہاں ابیہ سے مراد حضرت ابراہیم کا چچا آزر ہے کہ وہ بت پرست۔ بت تراش۔ بت فروش تھا۔
آپ کے والد حضرت تارخ اور آپ کی والدہ متلی دونوں مومن تھے۔ الا عن موعدۃ وعدھا ایاہ اس فرمان عالی میں
حضرت ابراہیم کی دعا کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ اس میں الا بمعنی لیکن ہے اور عن بمعنی وجہ اور موعدۃ مصدر ہے وعد یعد کا
بمعنی وعدہ اس جملہ کی تین تفسیریں کی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ وعدہ کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں اور ایاہ سے مراد آزر اور وعدہ سے
مراد وہ وعدہ ہے کہ آزر نے آپ کو دھمکایا کہ لارجمنک واھجرنی ملیا۔ اے ابراہیم تم مجھے تبلیغ نہ کرو ورنہ میں تم کو رجم
یعنی سنگسار کر دوں گا تو آپ نے اس دھمکی کے جواب میں فرمایا سلام علیک ساستغفرلک ربی انہ کان لی
حفیا ۔ تو مجھے رجم کرنا چاہتا ہے مگر میں تو تیرے لئے دعاء مغفرت ہی کروں گا۔ رب تعالیٰ مجھ پر مہربان ہے اس رحم و کرم کا
ظہور حضور کی ذات میں تھا۔ شعر۔

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں سلام اس پر کہ جس نے گالیاں سن کر دعائیں دیں

یہ وعدہ پورا کرنے کے لئے آپ نے فرمایا واغفر لابی الٰہی میرے باپ (چچا) کو بخش دے۔ دوسرے یہ کہ آپ
نے اس کے لئے دعاء مغفرت بشرط ایمان کی یعنی الٰہی اسے ایمان کی توفیق دے۔ اسے مسلمان کر کے بخش دے۔ تیسرے
یہ کہ وعدہ کا فاعل آزر ہے ایاہ سے مراد ابراہیم علیہ السلام (یعنی آزر نے حضرت ابراہیم سے وعدہ کیا کہ میں ایمان قبول کروں
گا تو آپ نے اس کے لئے دعاء مغفرت کی (تفسیر خازن۔ روح المعانی۔ کبیر و خزائن العرفان) ایک قراءۃ میں اباہ ہے ب
سے مگر وہ قراءۃ شاذہ ہے عام قراءۃ ایاہ ی سے ہے فلما تبین لہ انہ عدو للہ تبرا منہ اس فرمان عالی میں دعاء ابراہیمی کا
خاتمہ کا ذکر ہے یعنی جب آپ پر ظاہر ہو گیا کہ آزر تو اللہ کا دشمن ہے تو آپ دل سے اس سے متنفر ہو گئے اور دعا بند کر دی۔
آپ کو یہ بات کیسے ظاہر ہوئی۔ اس میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آپ پر وحی آ گئی کہ آزر کفر پر مرے گا۔ دوسرے یہ کہ آزر کفر پر

www.alahazratnetwork.org

مر گیا جب آپ نے دعا بند کر دی۔ خیال رہے کہ آذر آپ کی ہجرت سے پہلے ہی آپ کے سامنے مر چکا تھا۔ اس کی موت کے بعد آپ نے عراق سے فلسطین کی طرف ہجرت کی۔ پھر فلسطین پہنچنے کے بعد آپ کو بڑھاپے میں رب نے اسماعیل و اسحاق جیسے شاندار بیٹے عطا کئے اور آپ نے ان الفاظ سے شکر کیا الحمد لله الذی وهب لی عن الکبرا اسماعیل واسحاق اور پھر اس شکریہ کے ساتھ یہ دعا کی رب اغفرلی ولوالدی وللمومنین ۔ وہاں اب نہیں فرمایا بلکہ والوالدی وہاں اس سے مراد آپ کے والد تارخ اور والدہ کتی بنت نمر ہیں اس سے بخوبی معلوم ہو گیا کہ آپ کے والدین کریمین مومن ہیں جن کے لئے آپ نے اپنے بڑھاپے میں دعاء مغفرت کی والدین صرف سگے ماں باپ کو کہتے ہیں ان ابراهیم لاواہ حلیم اس فرمان عالی میں حضرت ابراہیم کی ایسی دو صفات بیان فرمائی جن سے دعا فرمانے کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ اواہ مبالغہ ہے تاوہ کا جس کا مادہ اوہ ہے تاوہ کے معنی آہ کھینچنا اواہ بہت آہیں زاریاں کرنے والے یہ وہ مبالغہ ہے جو باب تفعل کا آیا ہے شاعر کہتا ہے۔

اذا ما قمت ارحلها بلیل تاوه اهه الرجل الحزین

بعض نے فرمایا کہ اوہ مبالغہ اہ یوہ اوہا کا جیسے قال یقول قولا سے قوال (روح المعانی) اوہ کے چودہ معنی ہیں بہت آہ وزاری کرنے والا۔ بہت درد دل والا۔ بہت سے خشوع خضوع یعنی عاجزی زاری کرنے والا۔ بہت دعائیں کرنے والا مومن تواب۔ (بہت توبہ کرنے والا۔ رحم والا۔ یقین والا۔ بہت تسبیح پڑھنے والا۔ بھلائی سکھانے والا۔ آگ سے بہت ڈرنے والا۔ برائی سے بہت ہی بچنے والا۔ (صاوی) حبشی زبان میں اواہ بمعنی رحیم و کریم۔ بخاری نے اپنی تاریخ میں فرمایا کہ اواہ وہ جس کا دل ہر وقت رب سے لگا رہے (تفسیر روح المعانی) یعنی ابراہیم علیہ السلام بہت درد دل والے حلم بردباری والے تھے اس لئے وہ آذر کی سخت کلامی سننے کے بعد دعائیں ہی دیتے تھے۔ لہذا اے مسلمانو تم ان کے اس عارضی عمل کو اپنے لئے دلیل نہ بناؤ کہ تم بھی اپنے کافر باپ داداؤں کے لئے دعاء بخشش کرنے لگو۔

خلاصہ تفسیر: نہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لائق ہے اور نہ مومنین کو جائز اور لائق ہے کہ وہ کفار کے لئے زندہ یا مردہ کے لئے واضح ہو جاوے کہ وہ دوزخی ہیں یا اس طرح کہ وہ کفر پر مر جاویں یا اس طرح کہ ان کے متعلق وحی الٰہی آ جاوے کہ وہ کفر پر مریں گے وہ اللہ کے علم میں کفار کے زمرہ میں ہیں۔ کوئی مسلمان اس سے دلیل نہ پکڑے کہ حضرت ابراہیم نے اپنے باپ (چچا) آذر کے لئے دعاء مغفرت کی تھی۔ ان کی دعاء مغفرت کرنا اس وجہ سے تھا کہ آپ نے آذر سے مشروط وعدہ فرما لیا تھا کہ میں تیرے لئے دعائیں کروں گا۔ انہیں اس کے ایمان کی امید تھی۔ مگر جب انہیں معلوم ہو گیا کہ وہ رب کا دشمن ہے۔ یا اس طرح کہ وہ کفر پر مر گیا اس طرح کہ آپ کو بذریعہ وحی بتا دیا گیا۔ کہ یہ دوزخی ہے کافر مرے گا تو آپ اس سے سخت متنفر ہو گئے پھر بھی اس کے لئے دعاء مغفرت نہ کی بات یہ ہے کہ جناب ابراہیم بہت درد دل آہ وزاری کرنے والے حلم و بردباری والے تھے۔ اس وجہ سے اگرچہ آذر ان سے سخت کلامی کرتا تھا مگر آپ اس کے جواب میں دعائیں دیتے تھے۔ اس بات میں ان کی تقلید نہ کرو۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: الذین امنوا بالمومنین جیسے عام الفاظ میں نبی خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے النبی۔ الرسول وغیرہ الفاظ آتے ہیں یہ فائدہ للنبی والذین امنوا فرمانے سے حاصل ہوا اگر الذین امنوا میں حضور انور ﷺ داخل ہوتے تو آپ کے لئے للنبی علیحدہ نہیں فرمایا جاتا۔ اس کی تحقیق سورہ بقر کے آخری رکوع امن الرسول بما انزال (الخ) میں کی جا چکی ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف بلا ضرورت صرف نام سے نہ کرو۔ بلکہ القاب سے کرو۔ صرف نام سے ذکر میں بے ادبی کا شائبہ ہے یہ فائدہ بھی للنبی سے حاصل ہوا کہ رب نے یہاں محمد نہ فرمایا۔

تیسرا فائدہ: مسلمان کسی کافر کو مرحوم یا رحمۃ اللہ علیہ یا رضی اللہ عنہ کہے کہ یہ سب دعاء مغفرت کے الفاظ ہیں اور ان کے لئے یہ دعا ممنوع ہے یہ فائدہ ان تستغفرو (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: یونہی مشرکین کو ختم قرآن۔ صدقہ وخیرات وغیرہ کا ثواب بخشنا حرام ہے کہ اس میں بھی ان کے لئے دعاء مغفرت ہے بعض خوشامدی مسلمانوں نے گاندھی کے لئے ختم قرآن کرائے تھے۔ وہ سب گنہگار ہوئے اور اگر اس کی بخشش کی امید سے ایصال ثواب کیا تو کافر ہوئے کہ اس میں قرآنی آیت کا انکار ہے۔

پانچواں فائدہ: کفار کی بخشش ناممکن ہے۔ یعنی جو کفر پر مر جائے وہ جنتی نہیں ہو سکتا یہ فائدہ اصحاب الجحیم سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اور فرماتا ہے۔ ان الذین کفرو وظلموا لم یکن اللہ یغفرلھم۔

چھٹا فائدہ: کسی شخص کا مرتے وقت تک کافر رہنا اس کا اسلام ظاہر نہ ہونا اس کی علامت ہے کہ وہ کافر مرا۔ یہ فائدہ ومن بعد ماتبین لہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یونہی کسی کا مرتے وقت تک مومن رہنا۔ اس کا کفر ظاہر نہ ہونا۔ اس کے مومن مرنے کی علامت ہے لہذا یہ احتمال کہ شاید فلاں کافر مومن مرا ہو یا شاید فلاں مومن کافر مرا ہے محض باطل ہے۔ کفر و اسلام کے احکام ظاہر پر ہیں لہذا کسی مشرک کا کفن دفن نماز جنازہ پڑھنا کہ شاید وہ مسلمان ہو کر مرا ہو یا کسی مسلمان کا دفن کفن نماز نہ پڑھنا شاید وہ کافر مرا ہو محض باطل ہے۔

مسئلہ: اگر نزع کی حالت غشی میں کسی کے منہ سے کفر کی بات سنے تو اسے کافر نہ کہا جاوے گا کہ غشی نشہ۔ بے ہوشی کی حالت میں کفر منہ سے نکلنا کافر نہیں کرتا۔ دیکھو ایک صحابی نے نشہ کی حالت میں نماز مغرب میں سورہ کافرون پڑھی اور ہر جگہ لا چھوڑ گئی قرآن کریم نے فرمایا۔ لاتقربوا الصلوۃ وانتم سکاری مگر انہیں کافر نہ کہا یہ مسئلہ بھی من بعد ماتبین (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: حضرت انبیاء کرام سے لوگوں کے اعتراض دفع کرنا ان کی صفائی بیان کرنا سنت الہیہ ہے یہ فائدہ وما کان استغفار ابراھیم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو بعض لوگوں نے حضرت ابراہیم کے بارے میں فرمایا ما کان ابراھیم

www.alahazratnetwork.org

یھو دیا ولا نصرانیا۔ ان آیات کے ذریعے حضرات انبیاء کرام سے لوگوں کے طعنے دفع کیے گئے بلکہ حضرات اولیاء اللہ سے اعتراضات دفع کرنا ان کی صفائی بیان کرنا سنت الہیہ ہے۔ دیکھو یہود نے حضرت مریم کو بہتان لگایا تو رب تعالیٰ نے ان کی صفائی کے لئے سورہ مریم اتاری منافقوں سے حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کو تہمت لگائی تو آپ کی برأت کے لئے سورہ نور نازل فرمائی۔ یہ ہے حمایت اولیاء۔

آٹھواں فائدہ: کفار بے دینوں سے اگرچہ وہ مسلمان کے قرابت داری ہوں بیزاری سنت ابراہیمی ہے یہ فائدہ تبرء منہ سے حاصل ہوا۔ ایک اجنبی دیندار پر ہزار بے دین قرابت دار قربان ہوں۔ شعر۔

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد فداء یک تن بیگانہ آشناء باشد

نواں فائدہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام مظہر جمال الٰہی ہیں اور حضرت موسیٰ و نوح علیہ السلام مظہر جلال یہ فائدہ بھی تبرا منہ سے حاصل ہوا کہ آپ نے آذر سے مایوس ہو جانے پر بھی اس کے لئے بددعا نہ کی اس سے علیحدگی اختیار کی اس لئے رب نے انہیں حلیم فرمایا آپ نے نافرمانوں کے متعلق فرمایا **ومن عصانی فانک غفور رحیم**۔

پہلا اعتراض: کفار کے لئے دعاء مغفرت منع کیوں ہے جب کافر ماں باپ کی خدمت کرنا اچھا ہے تو چاہئے کہ ان کے لئے دعا کرنا بھی اچھا خدمت تو دعاء سے اعلیٰ ہے۔

جواب: اس لئے کہ اس دعا میں رب تعالیٰ سے در پردہ یہ عرض کیا جاتا ہے کہ تو اپنے کلام کو جھوٹا کر دے۔ کیونکہ رب نے فرمایا کہ **ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ** اللہ تعالیٰ مشرک کو نہیں بخشے گا۔ تم کہتے ہو کہ خدایا اسے بخش دے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اپنا وہ کلام غلط کردے لہٰذا یہ دعا رب کی تکذیب کی دعا ہے۔ کسی ناممکن چیز کی دعا جائز نہیں۔ آج یہ دعاء کرنا کہ خدایا مجھے نبی کر دے حرام بلکہ کفر ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار قرابت داروں کے لئے دعاء مغفرت تب ممنوع ہے جب کہ ان کا دوزخی ہونا ظاہر ہو جاوے **بعد ماتبین لھم** یہ تو غیبی چیز ہے ہمیں اس کا پتہ کیسے چلے۔

جواب: اس کی دو صورتیں ہیں ایک نبی ﷺ کی خبر کہ فلاں کافر مرے گا۔ دوسرے اس کا کفر سے بغیر توبہ کئے مر جانا اس کے لئے دعاء مغفرت کفر ہے اگر اس کی قبولیت کی امید رکھے۔ جیسے خلفاء راشدین اور صحابہ کرام خصوصاً عشرہ مبشرہ کو بد دعائیں دینا۔ ان پر لعن طعن کرنا صریح کفر ہے کہ اس میں رب تعالیٰ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ خلافی کا اعتقاد ہے۔ ابو جہل ابولہب کے جنتی ہونے کا احتمال کفر ہے۔ یوں ہی ان حضرات کے دوزخی ہونے کا احتمال کفر ہے۔

تیسرا اعتراض: ہوسکتا ہے کہ جسے ہم کافر سمجھتے ہیں وہ مومن ہو کر مرا ہو اس کا احتمال ہے اس کے لئے دعاء مغفرت میں کیا حرج ہے (عام۔ بے دین) مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہیچ کافر رانجواری منگرید کہ مسلمان بودنش باشد امید

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: الزامی تو یہ ہے کہ پھر مسلمان مردہ کو بھی جلا دینا جائز ہونا چاہئے کہ شاید وہ کافر ہو کر مرا ہو۔ جیسے وہاں زندگی کا ایمان مومن مرنے کی علامت ہے اسی علامت پر ایمان کے احکام جاری ہیں ایسے ہی وہاں زندگی کا کفر۔ کافر مرنے کی علامت ہے۔ اس شعر کا مطلب ہے کہ کسی زندہ کافر کے متعلق کافر رہنے کا یقین نہ کرو۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ اسے ایمان کی توفیق دے دے۔ خیال رہے کہ عام مردہ کافروں پر نام لے کر لعنت نہ کی جاوے۔ ہاں یہ کہا جاوے کہ وہ لعنتی تھا۔ یعنی زندگی میں۔ ہاں جن کے کفر پر مرنے کی وحی آچکی جیسے فرعون۔ ہامان ابولہب وغیرہ ان پر نام لے کر لعنت جائز ہے۔

چوتھا اعتراض: ابراہیم علیہ السلام نے کافر آذر کے لئے دعاء مغفرت کا وعدہ کیوں فرمایا۔ حرام کام کا وعدہ کرنا بھی حرام ہے اور اگر وعدہ کرلیا تو پورا کرنا بھی حرام۔ آپ نے بری بات کا وعدہ کیا یہ بھی درست نہ تھا پھر اس وعدے کو پورا کیا یہ بھی جرم۔

جواب: اولاً تو اس میں گفتگو ہے کہ وعدہ کس نے کیا کس سے کیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ وعدہ آذر نے کیا حضرت ابراہیم سے کیا۔ ایمان لانے کا اس وعدے پر آپ نے دعاء مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ تب تو معاملہ ہی صاف ہے اور اگر آپ نے وعدہ کیا آذر سے تو کیا وعدہ کیا یہ کہ میں تیرے ایمان اور مغفرت کی دعا کروں گا کہ خدا یا اسے ایمان اور معافی دے تب بھی صاف ہے اور اگر آپ نے دعاء کا وعدہ بغیر شرط ایمان کیا تو اس وقت کیا جب کہ دعا مشرکوں کے لئے ممنوع نہ تھی۔ جیسے ہمارے حضور نے عبداللہ ابن ابی کا جنازہ پڑھا جب کہ یہ ممنوع نہ تھا۔ بہر حال آپ پر کوئی اعتراض نہیں۔

پانچواں اعتراض: حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آذر کا دشمن خدا ہونا کب اور کیسے معلوم ہوا۔ فلما تبین له انه عدو لله کا مطلب کیا ہے۔

جواب: ظاہر یہ ہے کہ اسکے کفر پر مرجانے سے یہ ظاہر ہوا آپ اس کے مرنے کے بعد عراق سے ہجرت کر کے شام روانہ ہوئے۔ بعض نے کہا کہ آپ کو اس کی زندگی میں ہی بتا دیا گیا تھا کہ یہ کفر پر مرے گا۔ اس وحی سے آپ کو یہ علم ہوا مگر اول بات قوی ہے۔

چھٹا اعتراض: حدیث شریف میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن آذر سے ملیں گے۔ آخر کار بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ الٰہی تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ تو مجھے قیامت میں رسوا نہیں کرے گا۔ اس سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی میرا باپ (چچا) دوزخ میں جاوے تب ارشاد الٰہی ہوگا کہ میں نے کافروں پر جنت حرام کردی ہے۔ پھر اسے دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔ اگر آپ دنیا میں اس سے بیزار ہو چکے تھے۔ تو قیامت میں اس کی یہ شفاعت کیسی۔ قرآن اور حدیث میں تعارض ہے یہ حدیث بخاری نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کی۔

جواب: حافظ ابن حجر وغیرہم نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں۔ فقیر کے نزدیک قوی جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم کا قیامت میں یہ عرض کرنا اس کی شفاعت کے لئے نہیں۔ بلکہ معاملہ صاف کرنے کے لئے ہوگا کہ اس کے عذاب سے میری عظمت کو دھبہ نہ لگے۔ اس حدیث میں شفاعت کا ایک لفظ نہیں۔ جیسے نوح علیہ السلام نے کنعان کے ڈوب جانے

www.alahazratnetwork.org

کے عرصہ کے بعد عرض کیا تھا رب ان ابنی من اھلی الٰہی وہ تو میرے گھر والوں میں سے تھا۔ اس کا مقصد بھی اس کی شفاعت نہیں وہ تو ڈوب چکا بلکہ رب سے یہ کہلوا کر انہ لیس من اھلک قوم کے سامنے اپنی حمایت صاف کرنے کے لئے ایسے خوب سمجھ لو۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت سے مقصود ہے مسلمانوں کو مشرکین کے لئے دعاء مغفرت سے باز رکھنا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر شریف اس مسئلہ کی اہمیت کے لئے ہے۔

خیال رہے: کہ ہم لوگ مومن یعنی ایمان والے اور اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم مومن گرہ ہیں یعنی ایمان والے۔ ان دونوں میں تضاد ہے۔ لہٰذا ایک لفظ مومن سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور امت مراد نہیں ہو سکتے اس لئے النبی الگ ارشاد ہوا۔ اور الذی امنوا الگ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ کفر اور مغفرت گرمی اور ٹھنڈک نور و ظلمت کی طرح ضدیں ہیں۔ جن کا اجتماع ناممکن ہے اور ناممکن چیز کی دعاء ممنوع ہے۔ کوئی کافر کسی مومن کا رشتہ دار قرابتدار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ روحانی منقطع ہے حتی کہ کافر و مومن اگر چہ باپ بیٹے ہوں مگر ایک دوسرے کی میراث نہیں پا سکتے۔ عاص بن وائل اگر چہ صاحب اولاد تھا مگر رب نے اسے ابتر فرمایا یعنی اوتر لاولد ان شانئک ھو الابتر۔ ایمان کی حقیقت ہے محبت رسول، کفر کی حقیقت ہے عداوت رسول۔ رسول کا دشمن خدا کا دشمن ہے، دیکھو یہاں آذر کو عدو للہ فرمایا کیونکہ وہ حضرت ابراہیم کا دشمن تھا۔ یونہی رسول کا پیارا خدا کا پیارا ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ اِذْ هَدٰىهُمْ حَتّٰى

اور نہیں ہے کہ اللہ گمراہ کرے کسی قوم کو پیچھے اس کے کہ ہدایت دے انہیں یہاں

اور اللہ کی شان نہیں کہ کسی قوم کو ہدایت کر کے گمراہ فرمائے جب تک

يُبَيِّنَ لَهُمْ مَّا يَتَّقُوْنَ اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾

تک کہ خوب بیان کردے واسطے ان کے کہ وہ بچیں تحقیق اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے

انہیں صاف نہ بتادے کہ کس چیز سے انہیں بچنا چاہیے بیشک اللہ سب کچھ جانتا ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ

تحقیق اللہ اسی کا ہے ملک آسمانوں اور زمین کا زندہ کرتا اور موت دیتا ہے

بے شک اللہ ہی کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی سلطنت جلاتا ہے اور مارتا ہے

وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۱۶﴾

اور نہیں تمہارے لیے اللہ کے مقابل کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار

اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی والی اور نہ کوئی مددگار

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مردہ کافروں پر انتہا غضب کا اظہار فرمایا گیا کہ کوئی ان کے لئے بخشش کی دعا بھی نہ کرے اب اس غضب کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ رب تعالیٰ نے انہیں سب کچھ بتا دیا تھا پھر وہ جان بوجھ کر کافر رہے ان پر یہ سختی ظلم نہیں بلکہ عین عدل و انصاف ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو مشرکین و کفار کے لئے دعاء مغفرت سے سختی سے روکا گیا تھا اب ارشاد ہے کہ اس ممانعت سے پہلے جو مسلمان ان کے لئے دعاء مغفرت کرتے رہے وہ معاف ہے اس پر پکڑ نہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو کفار سے بالکل بے تعلق چاہئے حتی کہ ان کے مردوں سے دعا کا تعلق بھی نہ رکھیں جس سے سوال پیدا ہوتا ہے کہ مسلمان پھر کس سے ملیں۔ ساری دنیا تو کافروں سے بھری ہوئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ تم دنیا بنانے والے رب اس کے محبوب اور اولیاء اللہ سے تعلق رکھو۔ کفار کے محتاج نہ رہو گویا سخت حکم کے بعد اس کا اچھا انجام بیان ہو رہا ہے۔ یعنی اللہ رسول کا مل جانا۔

شان نزول: ان آیات کے نزول کے متعلق دو روایتیں ہیں (۱) جب گذشتہ آیات نازل ہوئیں جن میں کفار کے لئے دعائے مغفرت سے روکا گیا تب صحابہ کی ایک جماعت بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض گذار ہوئی کہ یا رسول اللہ ہم تو اس سے پہلے عرصہ تک اپنے مردہ کافر باپ دادوں کے لئے بخشش کی دعائیں کرتے رہے ہیں ہمارا کیا بنے گا تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں فرمایا گیا وہ سب کچھ معاف ہے کہ یہ قانون تو اب بنا ہے قانون بننے سے پہلے اس پر عمل نہیں کرایا جاتا۔ (۲) یہ آیات منسوخ احکام کے متعلق نازل ہوئیں کہ کچھ دیہاتی لوگ حاضر بارگاہ ہو کر مسلمان ہوئے اور اپنے وطن چلے گئے اور وہاں پہنچ کر شراب پیتے رہے بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے کچھ عرصہ بعد پھر مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے تو پتہ لگا کہ عرصہ سے شراب حرام ہو چکی ہے اور قبلہ تبدیل ہو چکا ہے وہ مغموم ہو کر بولے کہ یا رسول اللہ ہم تو اور ہی دین پر رہے شراب پیتے اور بیت المقدس کی طرف نمازیں پڑھتے رہے ہمارا حکم کیا ہے تب یہ آیات نازل ہوئیں۔ جن میں انہیں تسلی دی گئی کہ وہ سب کچھ معاف ہے کیونکہ تم تک یہ احکام پہنچے نہ تھے۔ امام کلبی نے فرمایا۔ پہلا قول عام مفسرین کا ہے (تفسیر خازن۔ معانی)

تفسیر: **وما کان اللہ لیضل قوما بعد اذھم** ۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے **لیضل** بنا ہے اضلال سے اس کی چند معنی ہیں گمراہ کرنا گمراہیوں میں داخل کرنا۔ گمراہ سمجھنا یا کہنا یہاں دوسرے معنی میں ہے معانی اقسام۔ احکام ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں **اھدنا الصراط المستقیم** کی تفسیر میں عرض کر چکے۔ یعنی اللہ کسی قوم کو ہدایت دینے کے بعد گمراہیوں میں داخل نہیں فرماتا۔ ظاہر یہ ہے کہ ہدایت سے مراد اسلام کی ہدایت ہے جو دنیا میں نبی کے ذریعہ ملتی ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد فطری ہدایت ہو۔ جو ہر بچہ رب کی طرف سے دنیا میں لاتا ہے۔ **حتی یبین لھم ما یتقون** ۔ یہ فرمان

www.alahazratnetwork.org

عالی لیصل کی انتہا ہے بیان سے مراد بذریعہ پیغمبر بتاتا ہے بذریعہ وحی جلی کے یا بذریعہ وحی خفی کے صراحۃ یا اشارۃ یا دلالۃ لہٰذا یہ ایک لفظ بہت جامع ہے۔ مـا سے مراد عقائد۔ اعمال سب ہی ہیں۔ تقویٰ کے معنی ڈرنا بھی بچنا بھی۔ یعنی حتی کہ رب انہیں وہ برے عقائد و احکام ذریعہ پیغمبر بتادے جن سے انہیں بچنا چاہئے پھر وہ ان سے نہ بچیں تو گمراہ یا کافر ہوں گے۔ قانون بننے یا ان تک پہنچنے سے پہلے ان پر نہ حکم کفر دیا جاوے نہ حکم گمراہی **ان اللہ بکل شیء علیم ٥** یہ فرمان عالی گذشتہ فرمان کی وجہ یا علت ہے یعنی اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اس کے علم میں ہے کہ کون مجبوری سے بے خبری کی وجہ سے کچھ کر رہا ہے اور کون سرکشی کی وجہ سے کس کو سزا دینی چاہئے کس کو معافی کون کس چیز کا مستحق ہے **ان اللہ لہ ملک السموت والارض** اس فرمان عالی میں ان لوگوں کی تسکین دی گئی ہے جو کہتے تھے کہ اگر ہم سارے کفار سے الگ ہو جاویں تو دنیا میں کیسے رہیں کہ اکثر تو کفار ہی ہیں اس کی تفسیر سورۂ بقر کے آخری رکوع میں **للہ ما فی السموت والارض** کی تفسیر میں کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ **لـہ** میں لام نفع کا نہیں بلکہ ملکیت کا ہے اور ملکیت سے مراد حقیقی دائمی ذاتی غیر عطائی ملکیت ہے۔ ظاہر سلطنت کو ملک کہا جاتا ہے باطن کو ملکوت جسم پر حکومت ملک ہے دل و جان دماغ پر راج ملکوت ہے اللہ تعالیٰ ملک کا بھی ہے ملکوت کا بھی اس کے بندوں میں سے جو جس کا مالک ہے اس کی عطا سے ہے۔ **یحی و یمیت** یہ اس کے حقیقی مالک الملک ہونے کی دلیل ہے کہ وہ زندوں میں موت پیدا فرماتا ہے اور مردوں میں زندگی اور ان دونوں فعلوں کا مفعول پوشیدہ ہے زندگی و موت شخصی بھی ہوتی ہیں قومی بھی۔ جسم کی بھی جان و ایمان کی بھی۔ دائمی بھی عارضی بھی۔ یہ تمام زندگیاں اور موتیں اسی رب کے قبضہ میں ہیں جب اس کی یہ شان ہے تو اے بندو **وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر**۔ اس فرمان عالی میں اس کی چوتھی صفت کا ذکر ہے ہم یہ بارہا عرض کر چکے ہیں کہ دون کے بہت معنی ہیں۔ سواء۔ مقابل۔ دور الگ اور بے تعلق ہو کر ان جیسی آیات میں دون بمعنی مقابل ہوتا ہے اور اگر بمعنی سواء ہو تو ولی اور نصیر سے مراد حقیقی ولی و نصیر ہیں۔ ولی بنا ہے ولی یا ولیت سے نصیر بنا ہے نصرت سے محبت و کرم کی بنا پر بچانے والا ولی ہے قوت و طاقت کے ذریعہ بچانے والا نصیر۔ یعنی اللہ کے مقابل ہیں کوئی تمہارا نہ تو دوست اور والی ہے نہ مددگار جو تم کو اللہ کے عذاب سے بچائے یا اللہ کے سوا تمہارا نہ کوئی ولی ہے نہ مددگار جو کوئی مدد وغیرہ کرتا ہے وہ رب تعالیٰ کے اذن سے بلکہ مخلوق کی الفت و نصرت بھی رب کی طرف سے ہے۔ شعر۔

مولی تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے　　　در در کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

خلاصہ تفسیر: رب تعالیٰ کا قانون یہ ہے کہ لوگوں کو پیغمبر کے ذریعہ کرنے والے کام بھی بتا دیتا ہے اور بچنے والے کام بھی پھر جو شخص ان قوانین بننے جاننے کے بعد ان پر عمل نہ کرے وہ گمراہ یا کافر یا فاسق ہوتا ہے لہٰذا یہ نہیں ہو سکتا کہ رب تعالیٰ قانون بنانے بتانے کے بغیر ان لوگوں کو گمراہ کر دے۔ انہیں کافر یا گمراہ قرار دے جنہیں برے کام اور ان سے بچنے کی اطلاع نہ دی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے وہ جانتا ہے کہ بے خبر کون ہے اور خبردار ہو کر غدار کون۔ اے مسلمانو تم اس کا خیال رکھو کہ آسمانوں اور زمین کا مالک رب تعالیٰ ہی ہے اس کی مالکیت خالقیت میں کوئی شریک نہیں وہ ہی چلاتا ہے وہ

www.alahazratnetwork.org

ہی مارتا ہے اے مسلمانوں اگر تمہارے لئے تمام کفار سے الگ تھلگ ہو جاؤ تو یہ سارے مل کر تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کہ ہم جو تمہارے ہیں لیکن اگر تم نے ہم کو اپنی حرکتوں۔ کفار کی محبتوں سے ناراض کر لیا تو دنیا میں نہ کوئی دوست ہے نہ کوئی مددگار۔ لہٰذا تم سب کو راضی کرنے کی کوشش نہ کرو۔ رب کو راضی کرو۔

مسئلہ: دیوانے چھوٹے بچے شرعی احکام کے مکلف نہیں کیونکہ انہیں بے عقلی کی وجہ سے احکام پہنچے ہی نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قانون بننے سے پہلے نہ کوئی کام فرض ہوتا ہے نہ حرام لہٰذا انسان اس وقت کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے سے گنہگار نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ حتی یبین (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو نماز کے فرض ہونے اور شراب حرام ہونے سے پہلے مسلمان نماز پڑھتے نہ تھے عموماً شراب پیتے تھے مگر گنہگار نہ ہوتے تھے۔

دوسرا فائدہ: یہ ہی حال عقائد کا ہی کہ اسلامی عقائد کی تفصیل فرمائی جانی سے پہلے کسی پر کسی عقیدہ کا ماننا لازم نہیں سوائے ... کی تعلیم۔ پہنچے یہ فائدہ ما کان لیضل قوما (الخ) سے

www.alahazratnetwork.org

حرمت و ممانعت نہ ملنا۔ اس کے حلال ہونے کی دلیل ہے۔

ساتواں فائدہ: ساری دنیا کا مالک، حقیقی صرف اللہ تعالیٰ ہے کوئی دوسرا مالک حقیقی نہیں یہ فائدہ لہ ملک السموت والارض میں لہ کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس مقدم کرنے سے حصر معلوم ہوا۔ جو کسی بندے کو ایک ذرہ کا مالک حقیقی مانے وہ مشرک ہے بلکہ دنیا کے عارضی مالکوں کا مالک بھی۔ رب تعالیٰ ہی ہے۔

آٹھواں فائدہ: مرضی الٰہی کے خلاف کوئی کسی کا نہ مددگار ہے نہ دوست یہ فائدہ و مالکم من دون اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں بعد اذھم اھم کی قید کیوں لگائی قانون بنانے بتانے سے پہلے کوئی شخص بھی کسی جرم پر گنہگار نہیں ہونا چاہئے۔ خواہ مسلمان ہو یا کافر۔

جواب: اگر ہدایت سے مراد فطری ہدایت ہے جو میثاق کے دن ہر شخص کو دی گئی جس پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے۔ پھر تو بات صاف ہے اور اگر شرعی ہدایت مراد ہے تو مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں مسلمانوں کو بھی کوئی جرم معتبر نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ کفار۔ ان پر تو شرعی احکام جاری ہوتے ہی نہیں۔

دوسرا اعتراض: کیا اسلامی قانون دنیا میں آنے سے پہلے لوگوں کو ڈکیتی۔ چوری۔ قتل وغیرہ جائز تھے۔ تو اسلام سے پہلے کفار عرب پر بچیوں کو زندہ دفن کرنے پر عتاب کیسا۔ رب فرماتا ہے و اذا الموءدۃ سئلت بای ذنب قتلت۔

جواب: اس اعتراض کا جواب، ابھی فوائد سے معلوم ہو گیا کہ یہ قاعدہ مظالم اور حقوق عباد کے متعلق نہیں جن کی برائی بھلائی عقل سے بھی معلوم ہو سکتی ہے یہ فرق خیال میں رہے۔ اور اگر اسی حکم کا تعلق عقائد سے ہو تب تو کوئی اعتراض ہی نہیں۔ غالباً اسی وجہ سے یہاں ضلال اور ہدایت کا ذکر ہے۔ نیز اس کا شان نزول بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ حضرت انبیاء کرام کے شرعی فرعی خصوصی احکام میں فرق ہے باقی عقائد اور معاملات وغیرہ تمام نبیوں کے سب لوگوں پر ماننا ضروری ہیں ڈکیتی چوری۔ لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہر آسمانی دین میں جرم لہٰذا ان کا ماننا سارے لوگوں پر لازم ہے۔

تیسرا اعتراض: آج اگر کوئی شخص شرعی احکام سے بے خبر ہو اس وجہ سے وہ عمل نہ کرے کیا وہ بھی معذور ہے۔

جواب: ہرگز نہیں کیونکہ اب شرعی احکام تمام دنیا میں شائع ہو چکے ہیں اب جو بے خبر ہوگا اپنی کوتاہی سے ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ علم دین طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور ان کی چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں تو جو بھی کسی نبی۔ ولی کو ان میں سے کسی چیز کا مالک مانے وہ مشرک ہے۔ حتیٰ کہ تم ان کی بیع ہبہ کرایہ درست مانتے ہو۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ حقیقی ذاتی ملک صرف خدا تعالیٰ کی ہے عطائی۔ عارضی ملکیت مخلوق کو دی گئی ہے۔ رب حضرت سلیمان کے متعلق فرماتا ہے۔ و اتیناہ ملکا۔ ہم نے انہیں بڑا ملک عطا فرمایا اور فرماتا ہے و سخرنا لہ الریح تجری بامرہ ہم نے ہوا ان کے تابع فرمان کر دی جو ان کے حکم سے چلتی تھی۔ بہر حال یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں۔ انما ولیکم اللہ و رسولہ

www.alahazratnetwork.org

والذین امنوا۔ تمہارا والی اللہ رسول اور مومنین ہیں اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔

پانچواں اعتراض: مرتے وقت ایمان لانا معتبر نہیں۔ فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا آمنت بما امنت بہ بنو اسرائیل مگر قبول نہیں ہوا پھر حضرت آمنہ کو زندہ فرما کر انہیں کلمہ پڑھانا کیسے قبول ہو گیا۔

جواب: یہ مسئلہ کفار کے لئے ہے جو زندگی میں نبی کا انکار کرتا ہے مرتے وقت ایمان قبول کرے۔ حضرت آمنہ کافرہ نہ تھیں مومنہ تھیں۔ نیز یہ حضور انور ﷺ کی خصوصیت ہے قانون اور خصوصیت میں فرق ہوتا ہے۔ پھر حضور انور ﷺ کا انہیں کلمہ پڑھانا دیدار دکھانا دین محمدی میں داخل فرمانے اور انہیں صحابیہ بنانے کے لئے ہوا وہ بھی حضور کی خصوصیت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: رب العالمین نے درد کے لئے دوا فریاد کے لئے نوا۔ بھوک کے لئے غذا۔ پیاس کے لئے پانی۔ تاریکی کے لئے روشنی۔ خشکی کے لئے بارش پیدا فرمائی ہے۔ اسی طرح گمراہوں کے لئے نبی اور گمراہی کے لئے نبوت و ہدایت پیدا فرمائی۔ جیسے یہاں ہدایت سے پہلے کسی کو گمراہ نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی ہادی کی تشریف آوری سے پہلے کسی کو گمراہ نہیں کیا جاتا۔ گمراہی کی اصل وجہ نبی کا انکار ہے اور انکار ان کی تشریف آوری کے بغیر ناممکن ہے۔ نبی کا اقرار ہدایت یعنی ایمان کا سرچشمہ ہے۔ ایسے ہی نبی کا انکار گمراہی کی جڑ نبی کا کسی چیز کو بیان فرمانا خود رب تعالیٰ کا بیان فرمانا ہے۔ یہ مطلب ہے اس فرمان کا کہ حتیٰ یتبین لھم ما یتقون اللہ تعالیٰ اور اس کے صفات اور عیوب کو جانتا ہے۔ اسے خبر ہے کہ کس دل میں نور نبوت کی گنجائش ہے۔ اور کس میں نہیں مومن کے دل میں نبی اور نبی کا اسباب ایمان و تقویٰ وغیرہ رہتے ہیں۔ کافر کے دل میں ابلیس اور اس کا سامان۔ شعر۔

در دل مومن مقام مصطفیٰ است آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

آسمان یعنی نبیوں کی ہدایت بھی رب کی ملک اور زمین یعنی لوگوں کے دل بھی رب کا ملک ہے وہ ہی دلوں کو زندگی و موت بخشتا ہے مردہ جسم کے لئے کوئی حکیم ڈاکٹر نہیں مردہ دل کے لئے کوئی ولی و نصیر نہیں۔ شعر۔

سر کٹانے کی تمنا ہے تو سر پیدا کر تیر کھانے کی ہوس ہے تو جگر پیدا کر

اگر یار کو بلانا ہے تو پہلے اس کا گھر یعنی دل اغیار کے گرد و غبار سے پاک صاف کر پھر دیکھ تیرے لئے نبی ولی بھی ہوں گے اور نصیر بھی

لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ
البتہ تحقیق توبہ ڈالی اللہ نے نبی پہ اور مہاجروں پہ اور انصار پہ
بے شک اللہ کی رحمتیں متوجہ ہوئیں ان غیب کی خبریں بتانے والے اور ان مہاجرین
الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْۢ بَعْدِ مَا كَادَ
وہ کہ پیروی کی انہوں نے نبی کی تنگی والی گھڑی میں پیچھے سے اس کے کہ قریب
اور انصار پر جنہوں نے مشکل کی گھڑی میں ان کا ساتھ دیا بعد اس کے کہ قریب

www.alahazratnetwork.org

یَزِیغُ قُلُوبُ فَرِیقٍ مِّنْهُمْ ثُمَّ تَابَ عَلَیْهِمْ ۚ إِنَّهُ بِهِمْ

تھے کہ کج ہو جاویں دل ایک گروہ کے کہ ان میں سے پھر توبہ ڈالی بیشک وہ ان پر بہت

تھا کہ ان میں کچھ لوگوں کے دل پھر جائیں پھر ان پر رحمت سے متوجہ ہوا بیشک

رَءُوفٌ رَّحِیمٌ ﴿۱۱۷﴾

ہی　مہربان　رحم　والا　ہے

وہ　ان　پر　نہایت　مہربان　رحم　والا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: بہت دور سے ان منافقوں کی برائیاں بیان ہوتی آرہی ہیں جو غزوۂ تبوک سے غیر حاضر رہے اب ان کا خوش نصیب صحابہ کی تعریفیں ہو رہی ہیں جو اس میں حاضر ہوئیں کہ رب تعالیٰ نے اس حاضری کی برکت سے ان کی ساری خطائیں معاف فرمادیں۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں صحابہ کے ان اعمال کا ذکر ہوا جو بعد میں حرام کرائے گئے بعض مشرکین عزیزوں کے لئے دعاء مغفرت کرنا اور اب ان حضرات کے ان اعمال کا ذکر ہے جو غزوۂ تبوک میں حاضری کی برکت سے معاف ہو گئے یعنی وہاں کی حاضری سے سستی یا وہاں نہ جانے کا خیال کرنا گویا ایک قسم کی معافی کے بعد دوسری قسم کی معافی کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لوگوں کے اعتراضات دفع کیے۔ وما کان استغفار ابراھیم (الخ) اب حضرات صحابہ سے لوگوں کے شبہات دفع کئے جارہے ہیں کہ رب نے ان کی تمام خطائیں معاف فرمادیں۔

تفسیر: لقد تاب الله علی النبی چونکہ ان آیات کے مضمون کے انکاری اس زمانہ میں بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں اور آئندہ بھی پیدا ہوتے رہیں گے ان وجوہ سے اسے لام تاکید اور قد تحقیق سے شروع فرمایا۔ تاب بنا ہے توبۃ سے۔ توبہ کے معنی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے کہ اس کے معنی لوٹنا اگر اس کا فاعل بندہ ہو تو معنی ہوتے ہیں گناہ سے نیکی کی طرف لوٹنا اگر اس کے بعد گناہ کا ذکر ہو تو من یا عن سے استعمال ہوگا۔ جیسے الھی تبت من کل المعاصی تبت عنه و تبرات اور اگر اس کے بعد الله کا نام ہو تو الی سے استعمال ہوتا ہے۔ توبوا الی الله توبۃ نصوحا۔ اور اگر اس کا فاعل الله تعالیٰ ہو تو اس

[redacted]

www.alahazratnetwork.org

نے چند حکمتیں بتائی ہیں (۱) حضور کا نام شریف صرف برکت کے لئے ہے اصل مقصود ہیں مہاجرین و انصار جیسے فان للہ خمسہ وللرسولہ میں اللہ تعالیٰ کا نام برکت کے لئے ہے۔ ورنہ نہ تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی گناہ یا خطا سرزد ہوئے نہ ان کی توبہ کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ (۲) تاب کے معنی ہیں رحمت الٰہی متوجہ ہوئی چونکہ اللہ کی رحمت آتی ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اور حضور کے ذریعہ سب میں تقسیم ہوتی ہے اس لئے پہلے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا۔ پھر مہاجرین و انصار کا۔ (۳) توبہ کے معنی ہیں گناہ سے بچانا بے گناہ بنانا یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گناہ سے معصوم رکھا اور مہاجرین و انصار کو محفوظ (۴) توبہ کے معنی ہیں خطا معاف کرنا یعنی اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی خطائیں معاف کیں۔ جب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک کی طرف چلنے لگے تو منافقین نے بہانے بنا کر رہ جانے کی اجازت چاہی۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی یہ ہوئی خطاء اجتہادی رب تعالیٰ فرماتا ہے عفا اللہ عنک لم اذنت لھم (الخ) بعض مہاجرین و انصار نے سامان کی کمی۔ گرمی کی شدت۔ سفر کی درازی دیکھتے ہوئے رہ جانے کا خیال کیا یہ ہوئی ان کی خطا۔ مگر وہ لوگ رہے نہیں ساتھ روانہ ہوگئے رب نے یہ تمام خطائیں اس غزوہ کی شرکت کی برکت سے معاف فرمادیں۔ (تفسیر خازن۔ معانی۔ بیضاوی۔ تفسیر مدارک کبیر۔ روح البیان وغیرہ) مگر گناہ یا خطا وہ ہے جس سے رب نے منع کیا ہو۔ رب تعالیٰ نے حضور کو اس اجازت دینے سے منع نہیں کیا تھا پھر اجازت دینا خطا کیسے ہوگیا۔ پھر توبہ کرنے کو کہا۔ اور توبہ قبول کرنے کا کیا مطلب ہے۔ (۵) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار ہمیشہ توبہ و استغفار کرتے تھے استغفر اللہ (الخ) اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ رب تعالیٰ یہ تمام توبہ و استغفار قبول فرمائے اور آئندہ انہیں ان پر قائم رہنے کی توفیق دے۔ (جلالین وصاوی) بہرحال یہاں گناہ معاف کرنا ہی مراد نہیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے دوسری تفسیر پر ترجمہ فرمایا یہی توجیہ قوی ہے۔ لہٰذا یہ بھی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا گناہ صغیرہ وکبیرہ سے معلوم ہوتا بلکہ کبھی آپ کا گناہ کا ارادہ بھی نہ کرنا کہ انبیاء کرام کسی گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے قرآن مجید سے اور احادیث سے ثابت ہے۔ اس کی تحقیق کے لئے ہماری کتاب قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء ملاحظہ کرو۔ علی فرما کر اشارۃً فرمایا کہ توبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور انکے طفیل مہاجرین و انصار پر نثار ہوئی۔ یہ اس دولہا کی نچھاور ہے۔ والمھاجرین والانصار یہ عبارت معطوف ہے النبی پر مہاجر وہ لوگ جو رضاء الٰہی اور وصال مصطفوی کے لئے مدینہ آکر بسے۔ انصار انہیں مدینہ میں بسانے والے چونکہ مہاجرین افضل ہیں انصار سے اس لئے ان کا ذکر انصار سے پہلے ہوا۔ انصار یا تو ناصر کی جمع ہے جیسے صاحب کی جمع اصحاب یا نصیر کی جیسے شریف کی جمع اشراف مدینہ والے۔ دو قبیلوں اوس اور خزرج کا یہ نام رب تعالیٰ نے رکھا (روح البیان) الذین اتبعوہ فی ساعۃ العسرۃ۔ یہ فرمان مہاجرین و انصار کی صفت ہے اتباع سے مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنا۔ ہر طرح حضور کی مدد و خدمت کرنا ساعۃ بمعنی منٹ یا سیکنڈ یعنی گھنٹہ کا مقابل نہیں۔ بلکہ اس کے معنی ہیں۔ گھڑی اور موقعہ یا وقت عسرۃ کے معنی ہیں تنگی شدت۔ اس کا مقابل ہے یسر بمعنی سہولت و آسانی ساعت عسرت سے مراد یا تو غزوہ تبوک ہے کہ اس غزوہ میں کھانے پینے اور سواری ہر چیز کی تنگی تھی۔ حتی کہ دس دس صحابہ ایک اونٹ کے اوپر باری باری سوار ہوتے تھے۔ ایک چھوارے کی گٹھلی چوس چوس کر پانی پی کر رات نکالتے

www.alahazratnetwork.org

تھے۔ پیاس سے زبانیں باہر نکل پڑیں۔ پانی کا دور دور پتہ نہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ بارش کی دعا فرمائیں ہم لوگ پیاس سے جان بلب ہیں۔ فرمایا کیا تم یہ پسند کرتے ہو۔ عرض کیا ہاں حضور انور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے ادھر بادل اٹھا۔ خوب برسا۔ غازیوں نے پانی پیا۔ پلایا تمام برتن بھر لئے پتہ لگا کہ بادل صرف لشکر پر برسا باقی آس پاس کی تمام زمین خشک تھی۔ (خزائن۔ روح البیان۔ کبیر وغیرہ) ان وجوہ سے اسے تنگی کی گھڑی فرمایا گیا۔

خیال رہے: کہ غزوہ تبوک میں مجاہدین ستر ہزار تھے۔ گھوڑے بارہ ہزار اونٹ پندرہ ہزار (تفسیر خازن اور روح البیان) ان میں سے کچھ اونٹ کھا لئے گئے۔ سخت بھوک کی وجہ سے۔ بعد میں حضور انور ﷺ کا معجزہ دکھانے میں برکت کا ظاہر ہونا۔ اور ہوسکتا ہے کہ تنگ گھڑی سے مراد سارے غزوات خصوصاً غزوہ خندق ہو کہ اس وقت بھی مسلمانوں پر بہت ہی تنگی تھی حتی کہ قرآن مجید نے فرمایا **وبلغت القلوب الحناجر** انکے دل گلے کھانٹوں میں آ گئے (تفسیر کبیر) **من بعد ما کاد یزیغ قلوب فریق منهم** ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی متعلق ہے **اتبعوہ** کے اس میں **ما** موصولہ ہے یزیغ بنا ہے زیغ سے بمعنی مائل ہو جانا۔ ہٹ جانا۔ فریق فرما کر یہ بتایا کہ یہ حال سب کا نہیں ہوا۔ بلکہ کچھ لوگوں کا کہ انہوں نے سفر کی سختی دیکھ کر واپس لوٹ جانے کا وسوسہ کیا مگر رب نے انہیں ہمت دی اور وہ حضور ﷺ کی ہمراہی پر ثابت قدم رہے اس لئے **کاد یزیغ** ارشاد ہوا خیال رہے کہ اس عبارت میں **کاد** کا اسم ضمیر شان اور یزیغ (الخ) اس کی خبر جب کاد کا اسم ضمیر شان ہو اور خبر جملہ ہو تو اس جملہ میں ایسی ضمیر ضروری نہیں جو اسم کی طرف لوٹے۔ لہٰذا آیت پر کوئی نحوی اعتراض نہیں (تفسیر روح المعانی روح البیان)

ثم تاب علیهم یہ فرمان عالی **لقد تاب اللہ** (الخ) کی تاکید ہے اور نحویوں کے نزدیک تاکید پر ثم آ سکتا ہے۔ تاب کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور علیہم کی ضمیر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار کی طرف ہے یعنی اے مسلمانو! پھر غور سے سن لو کہ رب نے ان سب پر اپنی رحمت نچھاور فرما دی ان پر توبہ ڈال دی۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ **علیهم** کی ضمیر **فریق منهم** کی طرف ہو۔ اس صورت میں یہ فرمان عالی معطوف ہے اور ثم حرف عطف یعنی ایک فریق کے دل ٹیڑھے ہونے کے قریب ہو گئے تھے کہ وہ تبوک کے سفر سے واپس ہونے کا ارادہ کر بیٹھے تھے۔ پھر رب تعالیٰ نے ان پر توبہ ڈال دی اور وہ اس ارادے سے باز رہے۔ (روح المعانی) **انه بهم رؤف رحیم**۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں گذشتہ فرمانوں کی وجہ بیان فرمائی گئی ہے۔ یعنی اس توبہ و مہربانی کی وجہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ ان سب حضرات پر رؤف بھی ہے رحیم بھی۔ رافت و رحمت یا تو ہم معنی ہیں یا رافت بہت ہی بڑی مہربانی ہے اور رحمت عام مہربانی یا مصیبت کا دور کرنا رافت ہے اور نفع دینا رحمت (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر۔ رب ذوالجلال کی رحمتیں نثار ان نبی مختار ان کے صحابہ اخیار پر مہاجر ہوں یا انصار جنہوں نے اس پیارے کا مشکل گھڑی میں ساتھ نبھایا۔ یعنی غزوہ تبوک میں ان کے ساتھ گئے۔ حالانکہ وقت بھی گرم تھا۔ راستہ بھی دور دراز سواریوں کی کمی کھانے پینے کی قلت۔ ان تمام مشکلات کے باوجود انہوں نے نبی کا ساتھ نہ چھوڑا۔ اس کے باوجود کہ اس موقعہ پر

www.alahazratnetwork.org

راستہ میں ایک گروہ کے دل ڈولنے لگے تھے۔ مگر وہ ثابت قدم رہے حضور کے ساتھ رہے۔ اے لوگو پھر سن لو اللہ نے ان سب پر توبہ ڈال دی ان پر رحمت نچھاور کر دی۔ کیونکہ رب تعالیٰ بہت مہربان بھی ہے کہ بندوں کی مصیبتیں دور فرماتا ہے اور رحم والا بھی کہ ان کے کام بناتا ہے اپنی نعمتیں دیتا ہے۔ خیال رہے کہ یہ ساری نعمتیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی برکت سے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: غزوۂ تبوک میں شرکت کرنے والے سارے صحابہ قطعی یقینی جنتی ہیں۔ جو ان کے جنتی ہونے میں شک کرے وہ اس آیت کریمہ اور اس جیسی بہت سے آیات کا منکر ہے۔ ان حضرات کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسے اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نبی ہونا کہ توحید الٰہی اور نبوت مصطفوی بھی قرآنی آیات سے ثابت ہے اور ان کا جنتی ہونا بھی اسی قرآن کی آیات سے ثابت ہے یہ فائدہ لقد تاب اللہ (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس مضمون کو لام اور قد تاکید سے شروع فرمایا گیا۔

دوسرا فائدہ: توبہ کے لئے گناہ ضروری نہیں بغیر گناہ بھی توبہ کی جاتی ہے۔ حالانکہ کبھی نیکی کر کے بھی توبہ کی جاتی ہے کہ یہ نیکی اس بارگاہ عالی کے لائق نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ بھی لقد تاب اللہ (الخ) سے حاصل ہوا کہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر نہ تو حضور انور ﷺ سے کوئی خطا سرزد ہوئی نہ غازیوں سے مگر فرمایا گیا۔ لقد تاب اللہ۔ ایسے موقع پر توبہ کے معنی کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔

تیسرا فائدہ: اللہ کی رحمتیں پہلے حضور انور ﷺ پر آتی ہیں پھر حضور کی طرف سے مخلوق میں تقسیم ہوتی ہیں۔ رب تعالیٰ حضور ﷺ پر برساتا ہے حضور انور ﷺ مخلوق پر۔ یہ فائدہ النبی والمھاجرین (الخ) کی ترتیب سے حاصل ہوا۔ اعلیٰحضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔ شعر۔

برتو او باشد تو برما　　تا ابد یہ سلسلہ ہو

چوتھا فائدہ: بندہ خواہ کسی درجہ اور کسی رتبہ و مقام کا ہو۔ توبہ ضرور کرے یہ فائدہ بھی لقد تاب اللہ علی النبی (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سید الانبیاء ہیں اور صحابہ کرام خصوصاً [illegible] سید الاولیاء ہیں مگر ان کے لئے ارشاد ہوا تاب اللہ۔ نماز روزہ کی طرح توبہ بھی عبادت ہے۔

پانچواں فائدہ: سارے صحابہ بزرگ والے ہیں مگر مہاجرین افضل ہیں پھر انصار۔ یہ فائدہ مہاجرین کو انصار سے پہلے بیان کرنے سے حاصل ہوا کہ ذکری ترتیب رتبے کی بتا رہی ہے۔

چھٹا فائدہ: بندوں سے مدد لینا شرک نہیں بلکہ برحق ہے یہ فائدہ والانصار سے حاصل ہوا۔ اگر غیر اللہ سے مدد لینا شرک ہوتا تو انصار نام مشرکانہ ہوتا حالانکہ اوس اور خزرج کا نام انصار رسول اللہ نے رکھا۔ کیونکہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین کے مددگار تھے۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: حضور انور ﷺ کی اتباع اللہ کی رحمتوں کا ذریعہ ہے جسے جو ملتا ہے حضور ﷺ کی اتباع سے ملتا ہے یہ فائدہ الذین اتبعوہ سے حاصل ہوا کہ اسے رب نے توبہ کی وجہ قرار دیا۔

آٹھواں فائدہ: آڑے وقت میں حضور انور ﷺ کا ساتھ دینا مشکلات میں مدد کرنا اس کا رب کی بارگاہ میں بڑا ہی درجہ ہے۔ یہ فائدہ ساعۃ العسرۃ سے حاصل ہوا۔ حضرت ابو بکر صدیق بعد رسل ساری خلق سے افضل کیوں ہیں کہ انہیں رب نے اولوالفضل فرمایا اس لئے کہ حضور ﷺ کے غار جیسی مشکل جگہ اور تمام آڑے وقتوں کے ساتھی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دین و دنیا میں ان کی ہمراہی نصیب کرے

نواں فائدہ: ارادہ گناہ گناہ نہیں جب تک کہ عزم بالجزم نہ ہو۔ یہ فائدہ کاد یزیغ قلوب فریق منھم سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہ ارشاد کیا کہ ایک فریق کے دل پھر جانے کے قریب تھے۔ یعنی انہوں نے تبوک کے راستہ سے واپس ہو جانے کا ارادہ کرلیا۔ مگر اس ارادہ پر عتاب نہ فرمایا۔ بلکہ پھر ثابت قدم رہنے کی تعریف کی۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ تبوک کے موقعہ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی خطا ہوئی کہ آپ ﷺ نے منافقین کو مدینہ منورہ رہ جانے کی اجازت دے دی۔ اور مہاجرین و انصار سے بھی گناہ ہوئے کہ ان میں سے بعض تو رہ گئے جیسے حضرت کعب اور دو ان کے ساتھی۔ بعض نے رہ جانے کا ارادہ کیا۔ بعض راستہ سے لوٹنے لگے۔ پھر ان سب نے ان غلطیوں سے توبہ کی رب نے توبہ قبول کی ورنہ لقد تاب اللہ کے کیا معنی۔ قبول توبہ جب ہو جب بندہ توبہ کرے اور توبہ جب کرے جب گناہ کرے (بعض بے دین)

جواب: ہم نے اس قسم کے اعتراضات کے جواب اپنی کتاب عصمت انبیاء میں دیئے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ خطا اور گناہ دونوں کے لئے شرعی ممانعت ضروری ہے۔ یعنی صرف وہ ہی کام گناہ یا خطا ہے جس سے شریعت نے منع کیا ہو۔ اس کے بغیر گناہ بن سکتا ہی نہیں۔ ابھی پچھلی آیت میں رب نے گناہ کو اس میں منحصر فرمادیا کہ حتی یبین لھم مایتقون بندے کو اگر ممانعت یاد نہ رہے اور کرے تو یہ ہے نسیان یعنی بھول اور اگر ممانعت سمجھنے میں غلطی کرے تو یہ ہے خطا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا لاتقربا ھذہ الشجرۃ یہ ہوئی گندم کھانے کی ممانعت اور فرمایا کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے۔ حضرت آدم کو شیطان کی دشمنی یاد نہ رہی یہ ہوا نسیان اور ممانعت کا پورا مطلب سمجھے نہیں۔ خیال کیا کہ ممانعت اس وقت تک کے لئے تھی دائمی نہ تھی یہ خیال نہ آیا کہ رب سے پوچھ لیتے۔ گندم کھالیا یہ ہوئی خطا اور اگر ممانعت یاد ہو۔ مطلب بھی معلوم کرتے ہیں پھر وہ کام کرے تو ہے گناہ۔ اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو اس اجازت دینے سے کہیں منع نہیں فرمایا۔ کوئی آیت ممانعت کی موجود نہیں پھر آپ ﷺ کا اجازت دینا نہ گناہ ہوا نہ خطا نہ نسیان کہ ان تینوں کے لئے ممانعت ہو چکنا ضروری ہے۔ فقیر کا عقیدہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے ساری عمر نہ کبھی گناہ کیا نہ گناہ کا ارادہ نہ خطا کی۔ نہ گناہ پر قادر ہیں کیونکہ معصوم ہیں۔ ایک کام ایسا دکھا دو جو حضور ﷺ نے ممانعت کے بعد کیا ہو۔ ایسا کوئی کام نہ ملا نہ ملے۔ تاب اللہ کے وہ معنی ہیں جو ابھی تاب اللہ علی النبی کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: اگر یہ اجازت دینا گناہ یا خطا نہ تھا تو رب نے اس کی معافی کا اعلان کیوں فرمایا عفا اللہ عنک لم اذنت لھم۔ معافی تو گناہ یا خطا کی ہوتی ہے۔

جواب: قرآن مجید میں عربی محاورے استعمال ہوتے ہیں عرب میں اظہار غضب کے لئے بدعا کے الفاظ کہہ کر بات کرتے ہیں اور اظہار کرم کے لئے خطاب کے موقعہ پر دعائیہ کلمات سے خطاب ہوتا ہے۔ اسی طرح قاتلھم اللہ انی یوفکون۔ یاتبت یدابی لھب وتب ہیں۔ اظہار غضب کے لئے یہ بددعائیہ کلمات اللہ انہیں غارت کرے ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جاویں اور عفا اللہ عنک دعائیہ کلمات ہیں۔ وہ بھی کرم کے اظہار کے لئے ورنہ رب تعالیٰ دعا یا بددعا کرنے سے پاک ہے اس اعتراض کے اور جواب ابھی تفسیر میں لقد تاب اللہ علی النبی کے ماتحت عرض کئے گئے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں پہلے ہے لقد تاب اللہ (الخ) پھر ہے ثم تاب اللہ علیھم علی النبی دونوں کا مطلب ایک ہی ہے پھر یہ دوبار کیوں ارشاد ہوا۔

جواب: ابھی تفسیر سے اس کے دو جواب معلوم ہو گئے۔ ایک یہ کہ یہ تکرار تاکید کے لئے ہے۔ جس سے ان حضرات کی شان ظاہر ہوتی ہے۔ جیسے ہم کسی کے ذکر کے دوران بار بار کہتے ہیں اسے اللہ بخشے۔ اس پر اللہ کی رحمتیں ہوں۔ دوسرے یہ کہ ثم تاب اللہ علیھم کا تعلق اس فریق سے ہے جنہوں نے تبوک کے سفر کے دوران واپس ہو جانے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بزیغ فقلوب فریق منھم اور لقد تاب اللہ علی النبی میں تمام غازیان تبوک سے لہٰذا وہاں تاب کے اور معنی ہیں۔ اور یہاں ثم تاب علیھم میں اور معنی کہ انہیں ثابت قدم رکھا۔

چوتھا اعتراض: توبہ کے معنی توجہ رحمت لغت میں نہیں پھر یہاں یہ معنی کیوں کئے گئے۔

جواب: توبہ کے حقیقی معنی ہیں۔ رجوع کرنا رحمت کا کسی طرف رجوع کرنا بھی رجوع ہے بلکہ یہاں روح المعانی نے تو فرمایا کہ توبہ یہاں مجازی معنی میں ہے۔ یعنی گناہ سے معصوم یا محفوظ رکھا۔ وغیرہ غرضکہ یہاں گناہ معاف کرنے کے معنی نہیں بنتے۔ کیونکہ کسی سے اس وقت گناہ نہیں ہوا۔ البتہ رجوع رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور نوعیت کی ہے عام غازیان تبوک کی طرف دوسری قسم کی۔ اور وہ تین حضرات جن کا ذکر آگے آ رہا ہے ان کی طرف اور طرح کی بارش ایک رحمت ہے مگر باغ کھیت، سمندر کی سیپ ہیں اور اور طرح کی رحمت ہے۔ عام زمین پر دوسری طرح کی، تالاب درختوں پر اور قسم کی شورہ زمین میں اور طرح کی، غرضکہ توبہ کے معنی صرف معافی گناہ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گھن والی جسمانی بیماریوں سے محفوظ رکھا جیسے جذام برص وغیرہ۔ یونہی حضور انور ﷺ کو نفرت والی روحانی بیماریوں سے محفوظ رکھا۔ کہ گناہ سے مومنوں کے دل نفرت کرتے۔ پھر جیسے اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو تمام عالم خصوصاً اپنی امت کے ظاہری گناہوں سے شفا کے لئے طبیب مطلق بنا کر بھیجا ویزکیھم کہ حضور سب کو تزکیہ طہارت عطا فرماتے ہیں۔ یوں ہی حضور ﷺ کو باطنی روحانی دلی گناہوں کا طبیب مطلق بنا کر بھیجا تو یہ توبہ روحانی بیماریوں کی دوا ہو تو باپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر تقسیم کے لئے نازل فرمائی تا کہ اس سے

www.alahazratnetwork.org

رب کے بندے فائدہ اٹھائیں۔ پھر یہ بندے دو طرح کے ہیں۔ مخصوص لوگ جو حضور علیہ السلام کے ہاتھوں اس دواء کے ذریعہ مکمل شفاء پائیں بلکہ دوسروں کو شفا بخش بن جائیں (۱) ڈاکٹر تجوزی کرتا ہے کمپوڈر طریقہ استعمال بتاتا ہے المہاجرین و الانصار یہ دو گروہ ہیں جنہوں نے حضور علیہ السلام سے صرف اپنے لئے ہی شفا حاصل نہیں کی۔ بلکہ یہ لوگ دوسروں کے لئے بھی شفا بخش تو بہ بخش ہوگئے۔ اور کیوں نہ ہوتے کہ انہوں نے تنگ گھڑیوں میں محبوب کا ساتھ دیا۔ نبوت کے ذریعہ ولایت کو فیض ہوا اور ولایت کے ذریعہ تا قیامت عوام کو۔ توبہ ایک نعمت و رحمت ہے جس کی تقسیم دوسری نعمتوں کی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ہے مسلمانوں کو چاہئے کہ ہر نعمت کی طرح توبہ بھی حضور انور علیہ السلام سے حاصل کریں توبہ کا نتیجہ مغفرت ہے ولو انهم اذظلموا انفسهم (الخ)

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْاؕ حَتّٰۤى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ
اور اوپر تین کے وہ جو پیچھے رکھے گئے حتیٰ کہ جب تنگ ہوگئی ان پر
اور ان تین پر جو موقوف رکھے گئے یہاں تک کہ جب زمین اتنی وسیع
الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ وَ
زمین باوجود اس کے وسیع تھی وہ اور تنگ ہو گئیں ان پر جانیں ان کی اور
ہو کر ان پر تنگ ہو گئی اور وہ اپنی جان سے تنگ آگئے اور
ظَنُّوْۤا اَنْ لَّا مَلْجَاَ مِنَ اللّٰهِ اِلَّاۤ اِلَيْهِؕ ثُمَّ تَابَ
جان گئے وہ کہ نہیں ہے کوئی ٹھکانہ اللہ کے مگر طرف اس کی پھر توبہ ڈالی ان
انہیں یقین ہوا کہ اللہ سے پناہ نہیں مگر اسی کے پاس پھر ان کی توبہ قبول
عَلَيْهِمْ لِيَتُوْبُوْاؕ اِنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ۠ ﴿۱۱۸﴾ ع ۱۴/۴
پر تاکہ توبہ پر رہیں تحقیق اللہ ہے توبہ قبول کرنے والا رحمتوں والا
کی کہ تائب رہیں۔ بے شک اللہ ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ان بہانہ باز منافقوں پر عتاب کیا گیا تھا جو جھوٹے بہانے بنا کر غزوہ تبوک سے رہ گئے تھے۔ اب ان مخلصین صحابہ کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جو محض سستی سے اس غزوہ سے رہ گئے گویا جھوٹے لوگوں کے بعد سچے لوگوں اور ان کی سچی توبہ کا تذکرہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی ایک آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کچھ صحابہ کرام کا معاملہ موقوف رکھا گیا کہ نہ تو ان کی توبہ قبول کی گئی نہ رد کہ ارشاد ہوا تھا **و آخرون مرجون لامر الله اما يعذبهم و اما يتوب عليهم** جس سے وہ حضرات بے چینی سے اپنے فیصلہ کا انتظار دیکھ رہے ہیں۔ اور پچاس شب ان پر بہت ہی دشوار گزرے۔ اب اس آیت کریمہ میں ان کا فیصلہ فرما دیا گیا کہ ان کی توبہ قبول ہے۔ گویا اس مذکورہ آیات میں ان صحابہ کو انتظار میں دکھایا گیا تھا۔ اب ان کی انتظار کی گھڑیاں ختم فرمائی جا رہی ہیں۔ گویا انتظار کی ابتداء کے بعد انتظار کی انتہا کا بیان ہو رہا ہے۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ان خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہوا جو غزوۂ تبوک میں حضور انور ﷺ کے ساتھ رہے اب ان مخلصین کا ذکر ہو رہا ہے۔ جو صرف سستی کی وجہ سے نہ گئے اور فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ قبول ہونے کے بعد حضرات بھی ان ساتھ جانے والوں بلکہ خود اس دولہا کے ساتھی باقی ہوئے اور جو رحمت کی چھاؤں اس دولہا پر ہوئی اس کی لپیٹ ان کو بھی مل گئی۔ یہ انہیں کے ساتھ ہو گئے۔ غرضکہ کوئی آگے کوئی پیچھے ہیں۔ انہیں کے دم سے وابستہ رضی اللہ عنہم

شان نزول: غزوۂ تبوک تمام غزوات سے بہت ہی اہم ہے کہ یہ سخت گرمی میں ہوا۔ دور کا سفر تھا۔ مسلمانوں کے پاس سامان سفر کی بہت کمی تھی اس لئے دوسرے غزوات میں حضور انور ﷺ غزوہ کی جگہ کی خبر صراحۃً نہیں دیتے تھے بلکہ جانا کسی طرف ہوتا اور حالات کسی طرف سے معلوم فرماتے۔ پھر اپنا کمبل سوچی ہوئی جانب کرتے تاکہ منافقین ان کفار کو جاسوسی کر کے مسلمانوں کے ارادہ سے آگاہ نہ کر سکیں۔ مگر غزوۂ تبوک وہ غزوہ ہے جس کی خبر حضور انور ﷺ نے سب کو صراحۃً دے دی تھی۔ تاکہ مجاہدین اتنے دراز سفر کی تیاری کر لیں۔ اس موقعہ پر لوگوں کے چار گروہ ہو گئے تھے منافقین جو بہانہ بنا کر رہ گئے۔ (۲) مجاہدین جو حضور انور ﷺ کے ساتھ گئے (۳) وہ مخلصین جو اولاً تو سستی کر گئے اور نہ گئے مگر بعد میں پچھتائے اور فوراً پیچھے سے روانہ ہو گئے اور حضور انور ﷺ کے ساتھ گئے (۴) وہ مخلصین جو سستی سے رہ گئے اور حضور انور ﷺ سے مل بھی نہ سکے یعنی نہ ساتھ گئے نہ پیچھے پہنچے۔ منافقین قریباً پچاس تھے۔ مجاہدین ستر ہزار پہلی قسم کی سستی کر جانے والے قریباً دس حضرات تھے۔ دوسری قسم کی سستی کرنے والے کچھ لوگ وہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے واپس آتے ہی اپنے کو ستون سے باندھ دیا۔ توبہ قبول ہونے پر کھلے۔ جیسے ابولبابہ۔ اور تین حضرات وہ تھے جو ساتھ نہ گئے پیچھے سے بھی نہ ملے حضور انور ﷺ کے پاس آنے پر اقرار جرم کر لیا اور ان کا فیصلہ موقوف رکھا گیا۔ یہ تین صاحب تھے جن کا ذکر ان شاء اللہ ابھی تفسیر میں آئے گا۔ چنانچہ ایک صحابی کا باغ ایک لاکھ روپیہ کا تھا۔ پھل تیار تھے وہ غزوہ تبوک اس کی وجہ سے نہ گئے۔ ایک دن بولے کہ اے باغ تو نے مجھے جناب مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمراہی سے روک دیا جا میں نے تجھے اللہ کی راہ میں وقف کیا۔ اپنی ملکیت سے نکال دیا۔ یہ کہہ کر تنہا تبوک کی طرف روانہ ہو گئے اور حضور انور ﷺ سے جا ملے۔ ایک صاحب اپنی بیوی بچوں کی محبت میں تبوک میں نہ گئے ایک دن ان سب سے بولے کہ تمہاری محبت میں حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ گیا اب میں اس کے عوض اکیلا یہ دراز سفر طے کروں گا یہ کہہ کر روانہ ہو گئے اور حضور انور ﷺ سے جا ملے۔ ایک صاحب بہت غریب تھے وہ صرف آرام طلبی کی بنا پر نہ گئے ایک دن اپنے سے خطاب کیا کہ اے نفس تیری ہی آرام طلبی میں میں حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ گیا

www.alahazratnetwork.org

گیا۔ اب اس کا کفارہ ادا کروں گا یہ کہا اور نکل کھڑے ہوئے۔ بہت مشقت سے راہ طے کیا اور حضور انور ﷺ تک پہنچ گئے۔

اولجھ کر رہ گیا میں وادی طیبہ خاروں میں   مجھے پہنچا دیا جوش جنوں نے ان کے قدموں تک

حضرت ابوذر غفاری بھی اکیلے ہی تبوک کی طرف روانہ ہوئے۔ ... میں اونٹ ہلاک ہو گیا۔ سامان سر پر رکھا اور پیدال چل پڑے یہ زبان حال کہتے تھے۔

راہ نزدیک و بماندم سخت دیر   یر گشتم ویں ...ری سر یر

حضور انور ﷺ نے دور سے دیکھ کر فرمایا کہ یہ ابوذر ہونے چاہئیں۔ چنانچہ آپ ان تک پہنچ گئے۔ (تفسیر روح البیان) بہر حال یہ تین حضرات یہ بھی نہ کر سکے۔ جب حضور انور ﷺ مدینہ منورہ واپس تشریف لائے اور مسجد نبوی شریف میں رونق افروز ہوئے لوگ حاضر ہوتے گئے۔ رہ جانے والے منافقین بہانہ بناتے گئے رخصت ہوتے گئے۔ حضرت کعب کی باری آ گئی۔ حاضر بارگاہ ہوئے۔ حضور انور ﷺ نے رہ جانے کی وجہ پوچھی، عرض کیا یا حبیب اللہ ہوتے اگر میں کسی دنیاوی بادشاہ کے پاس حاضر ہوتا تو کوئی بہانہ بنا دیتا۔ یا رسول اللہ مجھے کوئی مجبوری نہ تھی۔ صرف سستی ہو گئی۔ فرمایا تم نے سچی بات کہی ہے تمہارا فیصلہ رب تعالیٰ ہی کرے گا۔ اور آپ کے بائیکاٹ کا حکم دے دیا۔ اور آپ کے ساتھ دو اور صحابیوں کا یہی حال ہوا۔ حضرت مرارہ ابن لوی۔ بلال ابن امیہ چالیس روز ان صاحبوں کا بائیکاٹ رہا۔ چالیسویں دن حکم پہنچا کہ اپنی بیویوں سے بھی الگ رہو۔ دس دن تک یہ حکم رہا۔ پچاس دن گذرنے پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ اس کے نزول پر ان تینوں بزرگوں کا بائیکاٹ کھلا اور ان کی بڑی شان ہوئی۔ (تفسیر خازن۔ روح البیان۔ معانی۔ کبیر۔ بخاری۔ مسلم وغیرہ عام کتب حدیث)

تفسیر: وعلى الثلثة ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ عبارت معطوف ہے علی النبی پر اور لقد تاب کے متعلق تاب کے معنی تھے توجہ رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیان تبوک مہاجرین و انصار پر توجہ رحمت کی اور نوعیت تھی۔ اور ان تین بزرگوں پر رحمت کی اور نوعیت ان تینوں کے لئے رحمت ہے گناہ و قصور معاف ہو جانا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں ایک اور تاب پوشیدہ ہے اور یہ نیا جملہ ہے۔ کیونکہ وہاں لقد تاب میں تو یہ مجازی معنی میں تھا اور یہاں ان تینوں کے لئے حقیقی معنی میں (تفسیر صاوی۔ روح المعانی) مگر جو ہم نے عرض کیا اس سے معنی ظاہر ہیں کہ لقد تاب میں تو یہ عموم مجازی معنی میں ہے ان تین سے مراد حضرت مرارہ ابن ربیع عنبری۔ کعب بن مالک شاعر بلال ابن امیہ انصاری ہیں یہ بلال وہی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے لعان کیا۔ ان تینوں کے نام جمع ہیں لفظ مکہ میں کہ میم سے مراد مرارہ۔ کاف سے کعب۔ ہ سے ہلال۔ اور ان تینوں کے والدوں کے ناموں کے آخری حروف جمع ہیں۔ عکہ میں کہ ربیع کا آخری حرف عین ہے۔ مالک کا آخری حرف کاف ہے امیہ کا حرف ہ ہے (روح البیان) الذین خلفوا یہ عبارت الثلثہ کی صفت ہے خلفوا بنا ہے تخلیف سے جس کے معنی ہیں پیچھے رکھنا ظاہر یہ ہے کہ پیچھے رکھنے سے مراد ان کا فیصلہ موقوف رکھنا ہے کیونکہ ان کے متعلق پہلے ارشاد ہو چکا و آخرون مرجون

www.alahazratnetwork.org

لامر اللہ پچاس دن کے بعد ان کا یہ فیصلہ کیا گیا۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد غزوہ تبوک سے پیچھے رکھا جانا جو ان کے نفس کی طرف سے ہوا۔ بعض کے نزدیک ابولبابہ جیسی توبہ سے پیچھے رکھے گئے۔ یعنی انہیں ابولبابہ کی سی توبہ کی نہ سوجھی جیسا کہ ابھی شان نزول میں عرض کیا گیا۔ مگر پہلے معنی زیادہ قوی ہیں۔ اعلٰحضرت قدس سرہ کا ترجمہ اسی پر ہے۔ **حتی اذا ضاقت علیھم الارض بما رحبت** ۔ اس فرمان عالی میں فیصلہ موقوف رکھنے کی انتہا کا ذکر ہے۔ لہٰذا حتی انتہا کا ہی اور اذا بمعنی ان ضاقت بنا ہے۔ ضیق سے بمعنی تنگی رحبت بنا ہے رحب سے بمعنی وسعت وکشادگی یعنی ان کا فیصلہ یہاں تک موقوف رکھا گیا کہ ان پر زمین مدینہ یا ساری روئے زمین وسعت اور فراخی کے باوجود تنگ ہوگئی کہ انہیں چین نہیں ملتا۔ گھر۔ باہر۔ گلی کوچہ بازار وغیرہ جہاں بھی جائیں بے چین ہی رہتے ہیں۔ عربی میں بے چینی کو تنگی زمین کہا کرتے ہیں۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

کان بلاد اللہ وھی فسیحۃ — علی الخائف المطلوب کفتہ حابل

چنانچہ حضرت کعب جہاں بھی جاتے تھے۔ ان سے کوئی کلام وسلام نہ کرتا تھا۔ گھر میں بیوی بچے سارے قرابت داران سے بے رخ ہوگئے تھے بیوی صرف کھانا پیش کر دیتی تھیں بات نہ کرتی تھیں ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں زمین تنگ معلوم ہوگی۔ یہ تو بیرونگی کا ذکر ہوا۔ **وضاقت علیھم انفسھم**۔ ان پر ان کے دل تنگ آگئے۔ یا اپنی جان سے تنگ آگئے۔ انہیں اپنی زندگی وبال معلوم ہونے لگی۔ کہ ان کے دل میں خوشی کبھی نہیں آتی تھی۔ اس زمانہ میں آپ کا حال یہ تھا کہ جماعت کے وقت مسجد میں آتے۔ مسجد صحابہ سے بھری ہوتی۔ بلند آواز سے سلام کرتے کوئی جواب نہ دیتا تھا یہ حضور انور ﷺ کا منہ تکتے۔ دیکھتے کہ حضور انور ﷺ کے ہونٹ بھی ہلے یا نہیں۔ پھر غور کرتے کہ حضور انور ﷺ نے مجھے دیکھتے ہیں یا نہیں۔ ادھر انداز محبوبانہ یہ تھا کہ جب ان کی نظر اور طرف ہوتی تو حضور ﷺ ان کی نظر پر ہوتی۔ مگر جب یہ حضور ﷺ کی طرف دیکھتے تو حضور ﷺ اپنی نظر ان سے ہٹا لیتے۔ اس محبوبانہ انداز کے صدقے حضرت کعب فرماتے ہیں کہ مجھے خطرہ یہ تھا کہ اگر بائیکاٹ کے زمانہ میں میری وفات ہوگئی تو کوئی میرا جنازہ نہیں پڑھے گا اور اگر حضور انور ﷺ کا وصال ہوگیا تو کبھی میرا بائیکاٹ نہیں کھلے گا۔ جو دروازہ حضور ﷺ بند کر دیں وہ کس کے ہاتھوں کیسے کھلے۔ یہ خیال ان کو پریشان کئے ہوئے تھے۔ **وظنوا ان لا ملجا من اللہ الا الیہ**۔ یہ عبارت معطوف ہے **وضاقت علیھم الارض** پر اور اس میں آپ کی تیسری حالت کا بیان ہے **ظنوا** بمعنی **علموا** یا بمعنی **ایقنوا** ہے یعنی انہیں یقین ہوگیا۔ انہوں نے جان لیا کہ میں اللہ تعالٰی کے عتاب میں آگیا۔ اب سوا اس کے اور کوئی مجھے اس عتاب سے نہیں نکالے گا۔ کیونکہ حضور انور ﷺ نے فرمادیا تھا کہ میں تمہارا فیصلہ رب کے سپرد کرتا ہوں۔ تمہارا فیصلہ آسمان سے آوے گا۔ اس لئے اس زمانہ میں آپ بہت ہی توبہ واستغفار میں مشغول رہے۔ (روح البیان) اس استغفار کو اپنی خلاصی کا ذریعہ جانا **ثم تاب علیھم** ظاہر یہ ہے کہ عبارت گذشتہ مضمون پر معطوف ہے اور تاب کے معنی ہیں۔ توبہ قبول فرمانا۔ اور حضور انور ﷺ کے ذریعہ قبولیت توبہ کا اعلان کرانا۔ چونکہ یہ قبولیت پچاس دن ورات کے بعد ہوئی۔ اس لئے یہاں **ثم** ارشاد ہوا۔ یعنی پھر عرصہ کے بعد اللہ تعالٰی نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو ان کی خلاصی کی۔ **لیتوبوا** اس کا تعلق **ثم تاب** سے ہے اور **لیتوبوا** کے معنی ہیں کہ اس توبہ قبولیت کی قدر کریں اور توبہ پر قائم رہیں۔ آئندہ

www.alahazratnetwork.org

کبھی جہاد وغیرہ میں سستی نہ کریں۔ عمر بھر گناہ کے قریب نہ جائیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ لیتوبوا کا فاعل تا قیامت مسلمان ہیں یعنی ہم نے عرصہ کے بعد ان تینوں حضرات کی توبہ قبول کی اور اس قبولیت کا اعلان قرآن مجید میں کیا۔ تاکہ سارے گنہگار اس واقعہ سے عبرت پکڑیں اور اخلاص سے توبہ کریں۔ روح البیان نے فرمایا کہ حضرت کعب وغیرہم کی توبہ میں تین کام ہوئے نفس توبہ یعنی توجہ رحمت اس کا بیان لقد تاب سے ہوا۔ کیونکہ علی الثلثۃ کا تعلق اس سے ہے (۲) توبہ کی توفیق دینا اس کا بیان ثم تاب علیھم میں ہوا (۳) توبہ کی قبولیت اس کا ذکر لیتوبوا میں ہوا۔ ان تین توبہ کے معنی ہیں۔ توبہ۔ توفیق توبہ قبول توبہ اس لئے ان حضرات کا ذکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین و انصار غازیان تبوک کے ساتھ ہوا کہ یہ تینوں توبہ کر کے انہیں کے زمرہ میں آ گئے۔ ان اللہ ھو التواب الرحیم اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے بہت ہی توبہ قبول فرمانے والا بھی ہے اور عام رحم فرمانے والا بھی اگر انسان دن میں سو گناہ کرے اور توبہ کرے تو جلد یا بدیر توبہ قبول فرمالیتا ہے۔ اور ساتھ میں انعام بھی دیتا ہے۔ دیکھو ان تینوں حضرات کی توبہ قبول بھی کی۔ ان کی عزت افزائی بھی کہ آج تک ان کے نام کے ڈنکے بج رہے ہیں۔

تفسیر: اللہ تعالیٰ نے توجہ کرم ان تینوں صاحبوں (کعب ابن مالک، ہلال ابن امیہ مرارہ ابن لوی) پر بھی فرمائی جن کا معاملہ موقوف رکھا گیا تھا کہ اے محبوب آپ ﷺ نے انہیں ہمارے حوالہ فرما دیا تھا آپ ﷺ کے موقوف فرما دینے سے ان پر تین سخت آزمائشیں آئیں ایک یہ کہ ان پر ساری وسیع لمبی چوڑی زمین ایسی تنگ ہو گئی کہ انہیں کہیں چین نہ ملتا تھا۔ (۲) وہ اپنی جان سے تنگ آ گئے۔ انہیں آپ ﷺ کی ناراضی سے اپنی زندگی بوجھ معلوم ہونے لگی (۳) آپ کے سپرد خدا کر دینے سے انہیں یقین ہو گیا کہ اب ہماری پناہ وہی ہے جب ان کا یہ حال ہو گیا تو رب تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اس کا اعلان کیا تاکہ انہیں اس کی قبولیت کی قدر ہو۔ اور آئندہ وہ توبہ پر قائم رہیں۔ گناہوں سے بچیں اس تاخیر میں بڑی حکمتیں ہیں اس سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑا ہی رحم و کرم والا ہے۔ یہاں دو روائتیں یاد رکھو ایک یہ کہ جب حضرت کعب کا بائیکاٹ شباب پر تھا کہ ایک کسان جو باہر سے مدینہ منورہ سودا فروخت کرنے آیا تھا۔ وہ آپ کا پتہ پوچھتا پھرتا تھا۔ لوگوں نے آپ کا نشان بتایا۔ اس کسان نے بادشاہ غسان کا ایک خط دیا۔ جس میں لکھا تھا کہ ہم کو پتہ لگا ہے مدینہ والوں نے تم جیسے شخص کی قدر و منزلت نہ کی۔ تمہارے صاحب نے تم پر ظلم کیا۔ تم ہمارے پاس آ جاؤ۔ ہم آپ کی بڑی عزت کریں گے۔ آخر میں شاہ غسان حارث ابن ابی شمر کے دستخط تھے اور خط ریشمی رومال میں لپیٹا ہوا تھا۔ یہ خط پڑھ کر حضرت کعب کی آنکھوں تلے اندھیرا آ گیا۔ بولے الٰہی کیا میں تیرے حبیب سے دور کیا جا رہا ہوں۔ یہ میرے ایمان کی کڑی آزمائش ہے وہ خط جلتے تنور میں جلا دیا یہ واقعہ پہلے چالیس دن کے اندر ہوا۔ (روح البیان) پھر انہیں حکم پہنچا کہ اپنی بیوی سے الگ رہو۔ انہیں ہاتھ نہ لگاؤ۔ دوسری روایت یہ کہ پچاس دن پورے ہوئے حضور انور ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں جلوہ افروز تھے۔ آدھی رات کے وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حضرت کعب وغیرہم کی توبہ قبول ہوئی۔ حضور انور ﷺ نے بی بی ام سلمہ کی قبولیت کی خبر دی۔ آپ بولیں کیا میں اسی وقت کعب کو یہ بشارت بھیج دوں۔ فرمایا

www.alahazratnetwork.org

نہیں ابھی مدینہ میں شور مچ جائے گا۔ تمہارا سونا مشکل ہو جائے گا۔ بہر حال نماز فجر کے بعد حضور انور ﷺ نے مسجد نبوی شریف میں قبولیت توبہ کی حاضرین کو خبر دی۔ حضرت کعب کا گھر دور تھا۔ وہ نماز کے لئے یہاں نہ آئے تھے۔ اپنے محلّہ کی مسجد میں نماز پڑھ کر مکان کی چھت پر تھے کہ حمزہ ابن عمرو سے اس کی آواز سنی جو پہلے پہاڑ سے پکار رہے تھے کہ کعب بشارت ہو تمہاری توبہ قبول ہوئی۔ آپ سجدے میں گر گئے جب حمزہ حضرت کعب کے پاس پہنچے تو آپ نے خوشی میں اپنے کپڑے اتار کر حمزہ کو دے دیئے۔ بلال ابن امیہ کو بشارت حضرت اسعد ابن سعد نے اور مرارہ ابن ربیع کو بشارت سالکان ابن سلامہ نے دی (روح البیان وغیرہ) حضرت کعب اور وہ دونوں حضرات دوڑتے ہوئے مسجد نبوی میں پہنچے صحابہ کا ہجوم تھا درمیان میں حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر تھے۔ صحابہ نے مبارک باد دی۔ آپ حضور انور ﷺ کے روبرو دو زانو بیٹھے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا اے کعب تم کو اس خوشی کی مبارک ہو جس کی مثل تمہاری پیدائش سے اب تک تم کو نہ ہوئی۔ حضرت کعب نے اس قبولیت کی خوشی میں اپنا وہ باغ جس کی وجہ سے آپ غزوۂ تبوک سے محروم رہے تھے خیرات کر دیا اور حضور انور ﷺ سے وعدہ کیا کہ مجھے میرے سچ نے سرخرو کیا ہے میں مرتے دم تک کبھی جھوٹ نہ بولوں گا (تفسیر کبیر خازن روح البیان۔ معانی بخاری مسلم وغیرہ کتب احادیث) یہ ہے حضرت کعب ابن مالک کی توبہ کا واقعہ اس آیت کی وجہ سے اس سورۃ شریف کا نام سورۂ توبہ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضرات صحابہ کرام مظہر انبیاء کرام ہیں۔ کہ جیسے رب نے حضرت آدم، نوح، داؤد، علیہم السلام کی خطاؤں کی معافی کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا ایسے ہی حضرات صحابہ کو معافی کا اعلان قرآن مجید میں ہوا۔ ان کی یہ معاف شدہ خطا میں ہماری ان عبادات سے افضل ہیں جن کی قبولیت کی کوئی خبر نہیں۔ یہ فائدہ **وعلی الثلثة الذین خلفو** (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: یہ تین حضرات جن کی توبہ دیر میں قبول ہوئی اس مقبول توبہ کی برکت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور غازیان تبوک کی جماعت میں پوری طور پر داخل ہیں یہ فائدہ **وعلی الثلثة** کے واؤ سے حاصل ہوا کہ ان بزرگوں کو **علی النبی والمهاجرین** (الخ) پر معطوف فرمایا گیا۔ اور ظاہر ہے کہ معطوف اپنے معطوف علیہ کے ساتھ اسی کے حکم میں ہوتا ہے۔ واؤ جمع کے لئے آتا ہے۔

تیسرا فائدہ: توبہ دعا کی طرح ہے بلکہ ایک قسم کی دعا ہی ہے کہ کبھی جلد قبول ہوتی ہے کبھی دیر سے یہ فائدہ **حلفوا** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ آدم علیہ السلام کی توبہ تین سو برس کے بعد قبول ہوئی۔

چوتھا فائدہ: انبیاء کرام کی خطاؤں کی طرح حضرات صحابہ کرام کی خطائیں ان کے قصور رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جن میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں یہ فائدہ **خلفو** ماضی مجہول فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی یہ تین حضرات خود پیچھے نہ رہے بلکہ رب کی طرف سے پیچھے رکھے گئے تاکہ قیامت مسلمانوں کو اس واقعہ سے بہت سے دینی ایمانی مسائل معلوم ہوں ہمارے

www.alahazratnetwork.org

گناہ شیطانی ہیں۔ ان کی خطائیں ربانی۔ آدم علیہ السلام کے گندم کھانے کی بہاریں آج بھی دیکھی جارہی ہیں۔

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ نے حضرات صحابہ میں وہ تنظیم واتحاد پیدا فرمادیا تھا جس کی مثال آسمان نے نہ دیکھی۔ دیکھو ایک فرمان عالی سے کہ کعب کا بائیکاٹ کرو ان کی بیوی بچے بھائی۔ برادر بلکہ سارا جہان غیر ہوگیا۔

مولی تیری روٹھ سے میرا آدر کرے نہ کوئے   دور دور کریں سہیلیاں میں مڑ مڑ دیکھوں توئے

آج تنظیم اتحاد۔ یقین محکم کے صرف الفاظ رہ گئے ہیں جو ہماری زبانوں پر جاری ہیں اصلیت نہ رہی۔

چھٹا فائدہ: مسلمان تمام جسمانی رشتے حضور انور ﷺ کے دم سے وابستہ ہیں جو حضور ﷺ کا غیر ہوگیا وہ اپنے ماں باپ قرابت داروں سے غیر ہوگیا۔ یہ فائدہ کعب کے بائیکاٹ سے حاصل ہوا کہ حضور ﷺ کی نگاہ کرم پھرنے پر حضرت کعب کا کوئی عزیز نہ رہا۔

ساتواں فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رب نے احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے اور حلال وحرام حضور ﷺ کے اختیار میں دیئے ہیں۔ دیکھو مسلمان کے سلام کا جواب دینا بحکم قرآن فرض ہے مگر حضرت کعب وغیرہ تین صاحبوں کا سلام کا جواب دینا بائیکاٹ کے زمانہ میں ممنوع فرمادیا گیا۔ رب فرماتا ہے **یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث** وہ نبی تم پر اچھی چیزیں حلال کرتے ہیں بری چیزیں حرام ہیں۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالٰی نے حضور انور ﷺ کو مسلمانوں کے جان ومال وایمان کا مالک بنایا۔ ہم سب حضور ﷺ کے بندہ بے دام ہیں۔ حضور ﷺ ہمارے مالک۔ دیکھو مولی اپنے غلام کی بیوی اس پر حرام نہیں کرسکتا مگر حضور انور ﷺ نے بائیکاٹ کے کچھ دنوں میں ان تینوں حضرات کی بیویاں ان پر حرام فرمادیں کہ بیوی نکاح میں رہی مگر حرام ہوگئی۔ یہ سب ہے سلطنت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم۔

نواں فائدہ: خطا کار بندوں کی اصلاح کے لئے ان کا بائیکاٹ کرنا سنت ہے۔ دیکھو ان تین حضرات کا پچاس دن مکمل بائیکاٹ رہا۔ رب فرماتا ہے **واھجروھن فی المضاجع** اپنی نافرمان بیوی کو ان کے بستروں میں چھوڑ دو۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے انتیس دن اپنی ازواج پاک سے علیحدگی اختیار فرمائی۔ رب تعالٰی نے حضرت آدم علیہ السلام سے تین سو سال وکلام سلام نہیں فرمایا۔ بائیکاٹ اصلاح کا بہترین ذریعہ ہے۔

دسواں فائدہ: اپنی جان سے بیزار ہونا۔ اپنی زندگی گراں معلوم ہونا اگر دینی وجہ سے ہو تو اعلٰی درجہ کا ایمان ہے۔ دنیاوی سبب سے ہو تو بے کار ہے یہ فائدہ **فضاقت علیھم انفسھم** سے حاصل ہوا۔ ہم نے ایک خواب کے بعد عرض کیا۔

وہ دکھا کے شکل چلے گئے مرے دل کا چین بھی لے گئے   مری روح ساتھ نہ کیوں گئی مجھے اب تو زندگی بار ہے

گیارھواں فائدہ: جس مومن پر اللہ تعالٰی کی نعمتوں کی بھرمار ہو وہ رب کا شکر بے شمار کرے۔ **لئن شکرتم لازیدنکم** اور جس کو غم وافکار گھیر لیں وہ توبہ واستغفار بار بار کرتا رہے کہ اس سے غم دفع ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ لیتوبوا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: رب کا فائدہ ہے ادعونی استجب لکم تم مجھ سے دعائیں کرو۔ میں قبول کروں گا۔ حضرت کعب کی توبہ دعا اتنے روز تک قبول نہ ہوئی۔

جواب: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہماری کتاب درس القرآن میں دیکھو۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس میں قبولیت دعا کا وعدہ ہے جلد قبول فرما لینے کا وعدہ نہیں۔ بعض لوگوں کی قبولیت دعا کا ظہور بعد موت بعض کو قیامت میں ہوگا۔ نیز استجابت کے معنی جواب دینا بھی ہو سکتے ہیں۔ یعنی تم مجھے پکارو یا ربی میں تم کو جواب دوں گا۔ یا عبدی ان کی دعا قبول ہوئی مگر پچاس دن کے وقفہ سے اس دیر میں رب کی حکمت ہے۔

دوسرا اعتراض: وعلی الثلثۃ الذین (الخ) معطوف ہے علی النبی پر اور لقد تاب کے متعلق ہے۔ اس کے معنی یہاں یہ ہیں کہ ان تین حضرات کے گناہ معاف کئے تو چاہئے کہ وہاں بھی معنی یہ ہوں کہ اللہ نے نبی اور مہاجرین و انصار کے گناہ معاف کئے۔ ایک لفظ تاب کے دو معنی کیسے ہو سکتے ہیں کہیں توجہ رحمت اور کہیں معافی گناہ۔

جواب: تفسیر روح المعانی نے تو وعلی الثلثۃ سے پہلے ایک تاب پوشیدہ مانا ہے۔ اور تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حقیقت و مجازی یونہی مشترک کا دو معنی میں استعمال بالکل جائز ہے۔ اس کے ناجائز ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ لہٰذا پچھلی آیت میں لقد تاب اللہ علی النبی میں توبہ مجازی میں ہے اور یہاں علی الثلثۃ (الخ) میں توبہ حقیقی معنی میں ہے۔ وہاں توجہ رحمت مراد تھی۔ یہاں گناہ کی معافی مراد ہے۔ مگر فقیر کے نزدیک قوی وہ ہی بات ہے جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ یہاں توبہ کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی توبہ رحمت مگر پھر توجہ رحمت کی تین نوعیتیں ہیں۔ حضور کے لئے قرب الٰہی بڑھا۔ غازیان تبوک کے ترقی درجات اور تین صاحبوں کے لئے معافی گناہ گویا عموم مجاز ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ان تین حضرات کے لئے توبہ تین جگہ ارشاد ہوئی۔ ایک لقد تاب اللہ میں دوسری ثم تاب علیھم تیسری لیتوبوا (الخ) اس تکرار کی وجہ ہے۔

جواب: اس کی نہایت نفیس وجہ بلکہ چند وجہیں ابھی تفسیر میں عرض ہو ئیں کہ مومن بندے کے لئے توبہ کے تین درجے ہوتے ہیں۔ توبہ کی توفیق ملنا توبہ قبول ہونا۔ توبہ پر قائم رہنا۔ لقد تاب میں توفیق توبہ مراد ہے اور ثم تاب میں توبہ قبول فرمانا۔ اور لیتوبوا میں توبہ پر قائم رہنا۔ اس کے اور بہت جواب دئے گئے ہیں۔ مگر یہ جواب قوی اور مختصر ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی مصیبت میں خدا تعالیٰ ہی کی پناہ لینی چاہئے لا ملجاء من اللہ الا الیہ۔ لہٰذا مصیبتوں میں تمہارا ولیوں نبیوں کی پناہ لینا نرا شرک ہے (وہابی) اس اعتراض کے چند جواب ہیں کچھ الزامی اور کچھ تحقیقی (۱) فرعونیوں پر جب رب کی طرف سے قحط طوفان۔ ٹڈی۔ مینڈک۔ جوں۔ خون کے عذاب آتے تھے۔ تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی پناہ لیتے تھے یا موسیٰ ادع لنا ربک اور کہتے تھے لئن کشفت عنا الرجز لنومنن لک (الخ) وہاں موسیٰ علیہ السلام نے یا رب تعالیٰ نے اس سے فرعون کو منع کیوں نہ فرمایا (۲) تم لوگ رب کی بھیجی بیماریوں۔ ناداریوں۔ آزادیوں میں حکیموں حاکموں۔ امیروں کی پناہ کیوں لیتے ہو۔ (۳) اس موقعہ پر حضور انور ﷺ نے

www.alahazratnetwork.org

تینوں کا مقدمہ رب تعالیٰ کے سپرد فرمایا اس لئے اب وہ کہاں پناہ لیتے۔ حضور ﷺ کا یہ فرمان سن کر انہیں یقین ہوگیا۔ کہ لا ملجا من اللہ الا الیہ (۴) جیسے مصیبتیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ایسے ہی ان بندوں کی پناہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ ان کی پناہ رب کی پناہ ہے۔ حضور انور ﷺ تو سارے جہان پر سایہ فگن ہیں۔ سب کی پناہ ہیں۔ شعر۔

عاصیاں دربستہ دامان تو اے پناہ ماغریباں السلام
اے زہے قسمت کو تو برما حریص جان عالم برتو قربان السلام

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤوک بلکہ خود حضور انور ﷺ نے فرمایا انا فیۃ المسلمین۔ میں مسلمانوں کی پناہ میں ہوں۔

تفسیر صوفیانہ: غداری کے لئے بہترین ذریعہ دو چیزیں ہیں۔ بے قراری دل۔ شعر۔

لوگ جو چاہیں کدا سے مانگ لیں میں نہ کچھ مانگوں سوائے درد دل
کوچہ محبوب میں کشکول ہو اور لب پہ ہو صدائے درد دل

یہ دو نعمتیں مختلف ذریعہ سے ملتی ہیں حضرت کعب اور ان کے دونوں ساتھیوں کو اولاً غزوۂ تبوک سے روکا گیا پھر محبوب سے ان کا بائیکاٹ کرایا گیا پھر انہیں تڑپایا گیا۔ انہیں تمام مومنین سے اجنبی بنایا گیا۔ انہیں مدینہ منورہ کی گلی کوچوں میں بے قرار پھرایا گیا۔ اس آیت میں حلفوا۔ ضاقت علیھم الارض یوں ہی ضاقت علیھم انفسھم یوں ہی ظنوا ان لا ملجاء من اللہ الا الیہ قابل غور ہیں۔ یہ سب بے قراری دل، تڑپ اور سوز کا سامان تھا۔ اس کا مزہ کسی دل والے سے پوچھو۔ شعر۔

اب لذت زخم جگری پوچھتے کیا ہو جب تم ہی نمک پاش ہو پھر کیوں نہ مزا ہو

غرضکہ ان تینوں حضرات کے دلوں کا زخم پھر اس زخم پر نمک پاشی۔ ان کا تڑپنا۔ سب رب کی طرف سے تھا۔ جب یہ چیزیں حد کو پہنچیں تب دریاء رحمت جوش میں آیا کہ فرمایا ثم تاب علیھم ان کا اتنا درجہ بڑھا کہ اپنے محبوب سے۔ سفارش کی کہ انہیں بلاؤ۔ سینہ سے لگاؤ۔ تو ان کی بے چینی حد سے گذر گئی۔ یہ آیت ان تینوں کی انتہائی مداح سرائی فرما رہی ہے۔ صوفیاء کے نزدیک ایسے گناہ بھی عشاق کی معراج ہوتے ہیں۔ اس کے ذریعہ قرب الٰہی بہت ہی بڑھ جاتا ہے۔ جب تک بچہ کھلونوں سے کھیلتا ہے ماں بے پرواہ رہتی ہے مگر جب ان سے بے تعلق ہو کر روتا اور رو رو کر ماں سے فریاد کرتا ہے کہ اب میرا تیرے سوا کوئی نہیں تو ماں سینے سے لگا لیتی ہے جب تک بندہ اسباب میں لگا رہتا ہے رب تعالیٰ اظہار بے نیازی فرماتا ہے مگر جب اس کا یہ حال ہوتا ہے کہ ظنوا ان لا ملجاء من اللہ الا الیہ کہ مولیٰ میرا تیرے سوا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ تب ثم تاب علیھم کی جلوہ گری ہوتی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں حضور ﷺ کو ہم جہاں رکھیں وہ ہی جگہ مدینہ ہے۔ ان حضرات کے لئے غزوہ تبوک کے موقعہ پر تبوک مدینہ بنا دیا گیا۔ اب انہیں مدینہ منورہ میں رہنا ممنوع ہوگیا۔ جہاں مدینہ والے کا حکم وہاں مدینہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لاچکے ڈرتے رہو اللہ سے اور رہو ساتھ سچ والوں کے

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں جھوٹے منافقوں پر عتاب اور سچے صحابہ کی قبولیت توبہ کا ذکر ہوا۔ اب اس کے نتیجہ میں تمام مسلمانوں کو حکم دیا جارہا ہے کہ تم سچے صحابہ کے ساتھ رہو۔ ان کی طرح ہمیشہ سچ بولو۔ جھوٹے منافقوں سے بچو۔ گویا یہ حکم گذشتہ آیات کا نتیجہ ہے۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی مذکورہ آیت سے معلوم ہوا کہ جو صحابہ غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہوئے وہ بڑی مشکل میں پھنس گئے۔ اب انہیں صحابہ سے ارشاد ہے کہ تم نے دیکھ لیا کہ نبی کا ساتھ نہ دینے سے ان کے ساتھ غزوات میں نہ جانے سے کیسی

مصیبت بن جاتی ہے آئندہ خیال رکھنا کہ اچھوں کے ساتھ رہنا یعنی حضور صلی اللہ علیہ سل

میں رہنا۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تواب بھی ہے رحیم
توابیت اور رحمت سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اچھوں کا ساتھ اختیار کرو۔ کہ اس کے ذر
قبولیت توبہ ملتی ہے گویا کریم کے دینے کا ذکر پہلے ہوا فقیروں کے لینے کا ذکر اب ہو رہا ہے

تفسیر: یایها الذین امنوا ۔ چونکہ تقویٰ اور اچھوں کا سنگ بہت مشکل بھی ہے اور اہم
ہے اس لئے کہ اس حکم سے پہلے پیاری ندائے مبارک کے خطاب سے مسلمانوں کو پکارا
مشکل کام آسان ہو جائے۔ نیز تقویٰ اور سچوں کا ساتھ مومنوں کے لئے فائدہ مند ہے
ایمان لا چکے تھے۔ جیسے عبداللہ ابن سلام اور ان کے ساتھی یا ابولبابہ اور ان کے ساتھی۔ جنہو
سے بندھوا دیا تھا یا تاقیامت سارے مومنین (روح المعانی) آخری احتمال قوی ہے کہ یہ
لئے ہیں۔ اتقوا اللہ تقویٰ کے معنی سے اقسام۔ احکام۔ درجات ہم تفصیل سے پہلے پارہ
کر چکے ہیں۔ اگر روئے سخن غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے والوں سے ہے تو تقویٰ سے مر
اس سے بچنا ہے۔ یعنی اللہ سے ڈرو کہ ہمیشہ جہاد میں حضور انور ﷺ کے ساتھ جایا کرو۔ ا
اور اگر خطاب مومنین اہل کتاب یا سارے جہان کے مسلمانوں سے ہے۔ تو یہ فرمان عالی ا
کا خلاصہ اسلام کے احکام پر عمل کرنا اس کی ممنوعہ چیزوں سے بچنا ساری شریعت اس کی تفسیر

ر غازی صحابہ کے ساتھ جہادوں

۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم اس کی
للہ کی رحمت اس کی طرف سے

ا کہ اس پر ایمان کا بھی دارومدار
تا کہ اس نداء کی برکت سے یہ
ار کے لئے نہیں اس لئے پہلے
نے اس موقعہ پر اپنے کو ستونوں
ں حکیم سارے مسلمانوں کے
ںد للمتقین کی تفسیر میں عرض
ئندہ جہادوں سے پیچھے نہ رہنا
ا حکم دل و جان سے مانا کرو۔
م کا دریا ناپیدا کنار ہے۔ جس
ہے۔ پھر جیسا مومن ویسا اس کا

www.alahazratnetwork.org

تقوی فہم جیسے گنہگاروں کا تقوی اور ہے۔ نیک کاروں کا تقوی کچھ اور اولیاء اللہ پرہیز گاروں کا تقوی کچھ اور یہ فرمان عالی ہر قسم کے تقوی کو شامل ہے۔ وکونوا مع الصادقین یہ عبادت معطوف ہے۔ اتقوا اللہ پر اور مسلمانوں کو دوسرا حکم ہے اگر یہاں خطاب غزوۂ تبوک سے رہ جانے والوں سے ہے تو معیت یعنی ہمراہ ہے مراد ہی جہادوں میں ساتھ رہنا اور صادقین سے مراد حضور کے مخلصین صحابہ ان کے مقابل میں منافقین یعنی غزوات میں مخلصین منافقین کے ساتھ نہ رہا کرو۔ مسلمانوں کے ساتھ رہا کرو اور اگر خطاب سارے مسلمانوں سے ہے تو صادقین سے مراد حضرات صحابہ کرام اور تا قیامت علماء دین اور اولیاء کاملین ہیں۔ جو دل کے زبان کے اعمال کی نیت کے ارادہ کے سچے ہیں معیت اور ہمراہی سے مراد ہے عقائد و اعمال میں ساتھ رہنا۔ یعنی ان کے سے عقیدے اختیار کرنا۔ ان کے سے اعمال کرنے کی کوشش کرنا کہ اس سے دلی ہمراہی نصیب ہوتی ہے جو کبھی ٹوٹتی نہیں۔ دنیا۔ برزخ۔ آخرت میں کام آتی ہے۔ معیت اور ہمراہی کے معانی۔ اس کے اقسام۔ احکام دوسرے پارہ میں ان اللہ مع الصابرین کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی تین تفسیریں ہیں ہم ان میں سے آخری تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو قوی تر ہے۔ اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے صرف ایمان پر کفایت نہ کرو۔ بلکہ اعمال کی بھی کوشش کرو۔ درخت کا پھل وہ کھاتا ہے جو جڑ اور شاخوں دونوں کی حفاظت کرتا ہے۔ اعمال شرعیہ بہت قسم کے ہیں۔ اور ہر قسم کے اعمال بہت۔ ان سب کو ایک لفظ میں ارشاد فرماتے ہیں۔ اللہ سے ڈرو۔ تقوی اختیار کرو۔ پھر متقی بن کر اللہ والوں سے بے نیاز نہ ہو جاؤ۔ اچھوں کا سنگ اختیار کرو۔ کہ ان سے محبت رکھو۔ ان کے سے عقیدے ان کے سے اعمال کرو کہ وہ حضرات حقانیت کی دلیل ہیں۔ راستہ دراز ہے سفر لمبا ہے راہ میں ڈکیتی بہت ہوتی ہے اچھوں سچوں کے ساتھ رہو گے تو تمہارے اعمال بخیریت تمہارے گھر پہنچیں گے۔ شعر۔

دل پہ کندہ ہو ترا نام کہ وہ دزد رجیم | الٹے ہی پاؤں پھرے دیکھ کے طغرا تیرا

نیز سچوں کے ساتھ رہنے میں زیادہ تحقیق نہ ہوگی۔ پردہ پوشی ہوگی۔ ؎

میں مجرم ہوں آقا مجھے ساتھ لے لو | کہ رستہ میں ہیں جابجا تھانے والے

لطیفہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات شریف کے بعد جب مسئلہ خلافت طے ہونے لگا تو انصار نے کہا کہ ایک خلیفہ ہم میں سے ہو اور ایک خلیفہ تم میں سے ہو۔ یعنی مہاجر۔ سیدنا ابوبکر صدیق نے فرمایا کہ رب العالمین نے مہاجرین کو صادقین فرمایا للفقراء المهاجرين تا او لائک هم الصادقون کس کو کہا گیا۔ انصار بولے مہاجرین کو تب آپ نے فرمایا کہ رب نے فرمایا وکونوا مع الصادقین تو تم ہمارے ساتھ رہو۔ نہ یہ کہ ہم تمہارے ساتھ رہیں لہٰذا ہم امیر ہوں اور تم وزیر اس پر مسئلہ خلافت طے ہو گیا۔ اور حضرت صدیق اکبر خلیفہ ہوئے۔ رضی اللہ عنہ (تفسیر خازن)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: نیک اعمال اور سچوں کا ساتھ صرف مومنوں کو فائدہ مند ہے کافروں کو نہیں۔ یہ فائدہ مذکورہ ترتیب سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا کہ ایمان کا ذکر پہلے ہوا اور تقویٰ وغیرہ کا بعد میں۔ دیکھو کنعان اور قابل دونوں نبی زادے تھے نبی کے گھر میں رہتے تھے مگر تھے کافر تو عذاب کے مستحق ہوئے۔ بعض کفار صدقات خیرات اور بہت سی نیکیاں کرتے ہیں مگر ان کی بخشش نہیں۔

دوسرا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ صرف ایمان پر کفایت نہ کرے نیک اعمال بھی کرے۔ یہ فائدہ آمنوا کے بعد اتقوا اللہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: بڑے سے بڑا مومن متقی نہ بروں کے ساتھ رہے نہ اکیلا بلکہ سچوں نیکوں کے ساتھ رہے یہ فائدہ اتقوا اللہ کے بعد کونوا مع الصادقین فرمانے سے حاصل ہوا لکڑی کے سہارے لوہا تیر جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ: دنیا میں سچے لوگ یعنی علماء دین اور اولیاء اللہ ان شاء اللہ قیامت تک رہیں گے۔ زمانہ ان سے خالی نہ ہوگا۔ یہ فائدہ کونوا مع الصادقین سے حاصل ہوا کہ سچی کے ساتھ رہنے کا حکم تا قیامت سارے مسلمانوں کو ہے۔ اگر کبھی سچے رہیں ہی نہیں تو کس کے ساتھ رہا جاوے اور اس پر عمل کیسے ہو (تفسیر کبیر)

پانچواں فائدہ: مومنین کا اجماع دلیل شرعی ہے یعنی جس مسئلہ پر امت رسول اللہ۔ صالحین۔ مجتہدین کا اتفاق ہو جاوے وہ حق ہے۔ اس کا انکار کفر ہے کیونکہ ان دونوں خلافتوں پر سارے مومنوں کا اجماع و اتفاق ہو گیا۔ (از تفسیر مدارک و کبیر)

چھٹا فائدہ: ہمیشہ اس فرقہ میں رہو جس میں اولیاء اللہ ہوں کہ یہ حضرات قول۔ عمل نیت کے سچے ہوا کہ نبی کا فیض اسی فرقہ میں آ رہا ہے اسی شاخ میں پھل پھول لگتے ہیں جن کا تعلق جڑ سے ہو۔ مسئلہ نبوت منسوخ ہو جانے پر ولایت اس جماعت سے اٹھالی جاتی ہے دیکھو دین موسوی۔ عیسوی میں بڑے بڑے اولیاء ہوئے مگر جب سے ان کے دین منسوخ ہوئے ان میں کوئی ولی نہیں۔

مسئلہ: ہمارے نبی کا دین اور آپ کی نبوت کبھی منسوخ نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس میں اولیاء اللہ تا قیامت رہیں گے۔

ساتواں فائدہ: اماموں کی تقلید برحق ہے اور چاروں امام سچے ہیں۔ کیونکہ ان ہی کے مقلدین میں اولیاء اللہ تھے اور ہیں اور رہیں گے غیر مقلدوں میں کوئی ولی نہیں۔ لہٰذا وہ برحق نہیں۔ سیدھا راستہ وہ ہی ہے جس میں اولیاء اللہ ہوں۔ اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم۔

آٹھواں فائدہ: صدق یعنی سچائی بہترین عبادت بلکہ تقویٰ کی جڑ ہے۔ یہ فائدہ کونوا مع الصادقین۔ سے حاصل ہوا۔

روایت: ایک شخص بارگاہ نبوت میں حاضر ہوا۔ بولا مجھے زنا۔ چوری۔ شراب۔ جھوٹ کی عادت ہے میں ایمان لانا چاہتا ہوں۔ مگر یکدم یہ چاروں عیب نہیں چھوڑ سکتا۔ حضور مجھے ایک عیب سے منع فرمادیں تو میں اسلام قبول کرلوں گا۔ فرمایا جھوٹ چھوڑ دے۔ وہ بولا بہت اچھا۔ مسلمان ہوا۔ جب دربار عالی سے گیا چوری کا ارادہ کیا خیال آیا کہ اگر پکڑا گیا تو میں جھوٹ تو بولوں گا نہیں اقرار کروں گا اور میرا ہاتھ کٹے گا۔ یہ ہی خیال ہر عیب کرتے وقت آیا۔ سب سے توبہ کرلی۔ بارگاہ عالی میں حاضر ہوا۔ بولا میری جان فدا آپ ﷺ جیسے معلم پر کہ حضور ﷺ نے مجھے جھوٹ سے روک کر سارے عیبوں سے بچا

www.alahazratnetwork.org

لیا۔ (تفسیر کبیر) سچ میں چند خوبیاں ہیں ایک تو یہ ہی کہ یہ تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ دوسرے یہ کہ کوئی عبادت ایمان نہیں اور کسی عبادت کا چھوڑنا کفر نہیں سوا۔ سچ کے۔ ایمان چند سچے عقیدوں کا نام ہے۔ کفر چند جھوٹے عقیدوں کا نام۔ تیسرے یہ کہ ابلیس نے بھی رب کی بارگاہ میں جھوٹ نہ بولا۔ جو اس نے کرنا تھا وہ ہی کہا لاغوینھم اجمعین چوتھے یہ کہ سب سے پہلا جھوٹ بندوں کے سامنے ابلیس نے بولا کہ وہ تقیہ کر کے بولا انی لکما لمن الناصحین میں تم دونوں کا بڑا ہی خیر خواہ ہوں یعنی حضرت آدم و حواء کا (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: جو شخص مومن بھی ہو متقی بھی وہ خود ہی عقیدے اور اعمال کا سچا ہو گیا۔ پھر اسے سچوں کے ساتھ رہنے کی کیا ضرورت ہے تو ایمان و تقویٰ کے بعد سچوں کے ساتھ رہنے کا کیوں حکم دیا گیا۔

جواب: سچا رہنے کے لئے سچوں کے ساتھ رہنا ضروری ہے۔ سچا ہونا آسان ہے سچا رہنا مشکل سچوں کی جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہے ید اللہ فوق ایدیھم ریوڑ پر بھیڑیا حملہ کرنے کی ہمت نہیں کرتا۔

دوسرا اعتراض: تو چاہئے کہ کوئی مسلمان نہ تو کافروں فاسقوں کے محلہ میں رہے نہ کسی ایسی مجلس میں بیٹھے جہاں جھوٹے کافروں فاسقوں کی موجودگی ہو۔ پھر زندگی کیوں گزارے۔

جواب: یہاں معیت اور ہمراہی میں صرف ہمسائی مکانی ہمراہی مراد نہیں بلکہ جنانی۔ ارکانی یعنی عقائد اور اعمال میں ان کی ہمراہی مراد ہے کہ ان سے عقیدے اعمال کرے ان سے محبت رکھے۔

گر یمنی و در پیش منی   گر بے معنی و پیش منی دریمنی

مکہ معظمہ کا ابوجہل حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ ہوا۔ یمن کے اویس قرنی حضور ﷺ کے ساتھ ہوئے۔ اگر اس کے ساتھ مکانی ہمراہی بھی نصیب ہو جائے تو زہے قسمت پھر مکانی ہمراہی میں خلوت کی ہمراہی سونے پر سہاگہ ہے حضرت ابوبکر صدیق غار کے یار ہیں۔ تو بعد انبیاء ساری خلقت سے افضل ہیں۔

تیسرا اعتراض: بہت کافر بہت سچے ہوتے ہیں کیا ہم ان کے ساتھ ہی رہیں۔ آج یورپ کے عیسائی تجارت کے بڑے سچے ہیں۔

جواب: کوئی کافر بھی سچا ہو سکتا ہی نہیں۔ اگر سچا ہو گا تو کافر نہیں رہے گا۔ اس کا عقیدہ کہ معبود چند ہیں۔ رب تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں ہیں۔ یہ جھوٹ ہے سچائی میں عقیدے کی سچائی پہلے ہے پھر زبان کی سچائی پھر اعمال کی سچائی۔

چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ ولیوں کے دین میں رہو۔ یعنی کسی دین میں اولیاء اللہ کا ہونا اور اس دین کی حقانیت کی دلیل ہے تو ہر فرقہ والا اپنی دینی پیشواؤں کو ولی سمجھتا ہے مرزائی کہتے ہیں کہ ہمارے دین کا ولی مرزا بشیر محمود ہے۔ وغیرہ لہذا ہمارا دین ولیوں کا دین ہے یہ کسوٹی تو غلط ہوئی

جواب: اس کا فیصلہ قرآن مجید نے کر دیا ہے کہ ولی کون ہے اس کی پہچان کیا ہے فرماتا ہے الذین امنوا و کانوا یتقون لھم البشری فی الحیوة و الاخرة یعنی اولیاء وہ ہیں جو مومن ہوں متقی ہوں اور انہیں ولایت کی بشارتیں ملیں کہ

www.alahazratnetwork.org

مخلوق انہیں ولی کہے یعنی ہر ایک کے منہ سے قدرتی طور پر نکلے کہ وہ ولی ہے۔ دیکھو خواجہ صاحب۔ داتا صاحب کی شان مرزا بشیر وغیرہ کو یہ کہاں نصیب۔ انھیں تو دنیا بے دین بے ایمان کہہ رہی ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں انتم شهداء الله فی الارض۔

پانچواں اعتراض: سب سے بڑے سچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں بس انہی کے ساتھ رہو محمدی بنو۔ حنفی شافعی وغیرہ نہ بنو۔ سچے کا ساتھ نہ چھوڑو۔ (غیر مقلد) جواب جیسے سارے انسان حضرت آدم کی اولاد ہیں مگر اس کے باوجود مختلف قوموں ملکوں میں بٹی ہوئی ہیں اس تقسیم سے دنیا کا نظام قائم ہے آپ کا پتہ صرف اولاد آدم ہونا نہیں بلکہ کچھ اور قیود ہیں اس طرح ہر کلمہ گو اپنے کو محمدی کہتا ہے اب صرف محمدی کہنے سے پتہ نہیں لگ سکتا کہ مرزائی ہے کہ چکڑالوی شیعہ ہے یا خارجی وغیرہ لہٰذا ضروری ہے کہ ہمارا دینی پتہ ضرور ہو۔ وہ ہے حنفی شافعی ہونا جیسے شیخ پٹھان ہونا آدمی کے خلاف نہیں بلکہ ضروری ہے: جسمانی امتیاز۔ قوم۔ ملک۔ وطن سے ہوتا ہے روحانی امتیاز شریعت وطریقت کے سلسلوں سے ہوتا ہے۔ رب فرماتا ہے انا جعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا۔ مخالفین بھی اپنے کو اہل حدیث کہہ کر دوسروں سے ممتاز کرتے ہیں پھر اہل حدیث بھی اپنے کو روپڑی اور ثنائی کہہ کر آپس میں ایک دوسرے سے چھنٹتے ہیں۔ خیال رہے کہ جب انسان تھوڑے تھے تو ان میں نہ قومیں تھیں نہ مختلف وطن ہابیل شیث وغیرہم ایک ہی قوم تھے ہم وطن تھے جب انسان زیادہ ہوئے تو قوموں وطنوں کی ضرورت ہوئی یونہی جب مسلمان تھوڑے تھے یعنی حضور ﷺ کے زمانہ میں تو انہیں کسی سلسلہ کی ضرورت نہیں تھی۔ جب مسلمان ہو گئے تو فرق کے لئے سلسلے قائم ہو گئے۔

تفسیر صوفیانہ: ایمان وتقویٰ کے لئے اچھوں کا ساتھ ایسا ہے جیسے تخم کے لئے پانی اور کھاد جیسے بغیر پانی وکھاد کے تخم فنا ہو جاتا ہے ایسے ہی بغیر اچھوں سچوں کی صحبت کے ایمان وتقویٰ برباد ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ دل زمین ہے۔ ایمان وخوف عشق رسول اس میں بویا ہوا تخم اس لئے رب العلمین نے ایمان تقویٰ کے ساتھ رہنے کا حکم دیا۔ جھوٹے اور برے لوگ اس دولت کے چور ہیں جن کے ساتھ رہنے سے اس دولت کے چوری ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ بعض لوگ صرف زبان یا دل اعمال کے سچے ہوتے ہیں وہ صادقین ہیں۔ بعض لوگ دل زبان اعمال کے ارادے وغیرہ سب کے سچے وہ صدیق ہیں۔ بعض وہ کہ جیسا واقعہ ہو ویسا بیان کریں۔ وہ صادق ہیں۔ بعض وہ کہ جیسا ان کی زبان سے نکل جائے ویسا واقعہ ہو جائے وہ صدیق۔

فقط اشارہ سے سب کی نجات ہو کے رہی　　　تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی
جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا　　　جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

صادقین کی ہمراہی صادق بنا دیتی ہے صدیقین کی ہمراہی صادق گر بنا دیتی ہے حضرت صحابہ مومن گر ہیں ہم لوگوں کے اعمال گویا صفر ہیں اور سچوں کی صحبت گویا عدد اگر عدد کے ساتھ صفر ملے تو ایک صرف دس گناہ کر دے گا۔ دوسرا سو۔ تیسرا ہزار۔ چوتھا دس ہزار اگر عدد نہ ہو تو سارے صفر بیکار شیطان کے سارے اعمال برباد ہوئے۔ کیونکہ اسے اچھوں کا ساتھ میسر نہ

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔ پھر ساتھ ہونے میں ولی عقیدت کو بڑا دخل ہے۔ عقیدت کے ساتھ ہمراہی یہ رنگ دکھاتی ہے بغیر عقیدت یہ ہمراہی بیکار ہے عداوت کے ساتھ ہمراہی باعث عذاب نار اور قہر قہار ہے۔ قرین شیطان مقبولوں کے ساتھ رہتا ہے مگر شیطان بن کر صوفیاء فرماتے ہیں کہ ساری عبادات کا فائدہ صرف عابد انسانوں کو ہوتا ہے مگر اچھوں بچوں کی صحبت کا فائدہ جانوروں بلکہ درختوں پتھروں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ تل پھول کی صحبت میں پھولوں کی طرح مہک جاتے ہیں حتی کہ ان کا تیل بھی خوشبودار ہوتا ہے۔

بگفتا من گل ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

حضور انور علیہ السلام کے ہاتھ منہ سے لگا ہوا رومال آگ میں نہیں جلتا تھا۔ آپ علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں کا غسل بیماریوں سے شفا تھی صفا مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم پا کر تاقیامت افضل ہو گئے۔ ہم بزرگوں کے ہاتھ پر بیعت اس لئے کرتے ہیں کہ ان کی صحبت کی برکت سے ہم بھی سچے اور اچھے ہو جائیں۔ اس آیت میں اتقوا اللہ شریعت کا مرکز ہے اور کونوا مع الصادقین طریقت کا سرچشمہ یہ آیت شریعت و طریقت کی جامع ہے۔

مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ

نہیں تھا لائق مدینہ والوں کو اور ان کو جو آس پاس ہیں ان کے دیہاتیوں

مدینہ والوں اور ان کے گرد دیہات والوں کو لائق نہ تھا کہ رسول اللہ سے

اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ

کو یہ کہ پیچھے رہیں وہ اللہ کے رسول سے اور نہ یہ کہ رغبت رکھیں جانوں

پیچھے بیٹھ رہیں اور نہ یہ کہ ان کی جان سے اپنی جان

عَنْ نَّفْسِهٖ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ وَّلَا نَصَبٌ

سے اپنی نبی کی جان سے یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ لوگ نہیں پہنچتی ان کو پیاس اور نہ کوئی

پیاری سمجھیں یہ اس لئے کہ انہیں جو پیاس یا تکلیف یا بھوک اللہ کی راہ میں پہنچتی

وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا

تکلیف یا بھوک راستہ میں اللہ کے اور نہیں روندھتے کوئی راستہ کہ

ہے اور جہاں ایسی جگہ قدم رکھتے ہیں جس سے کافروں کو غیظ آئے

www.alahazratnetwork.org

يَغِيظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُونَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ

غصہ میں ڈالے کافروں کو اور نہیں چھینتے دشمن سے کوئی چھیننا مگر لکھا جاتا ہے واسطے ان

اور جو کچھ کسی دشمن کا بگاڑتے ہیں اس سب کے بدلے ان کے

لَهُم بِهِ عَمَلٌ صَالِحٌ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ

کے اس کی وجہ سے نیک عمل تحقیق اللہ نہیں رائیگاں کرتا ثواب

لئے نیک عمل لکھا جاتا ہے بے شک اللہ نیکوں کا نیک عمل ضائع نہیں

الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۲۰﴾ وَلَا يُنفِقُونَ نَفَقَةً صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً

نیک کاروں کا ہم نہیں کرتے خرچ چھوٹا اور نہ بڑا

کرتا اور جو کچھ خرچ کرتے ہیں چھوٹا یا بڑا

وَلَا يَقْطَعُونَ وَادِيًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ

اور نہیں طے کرتے کوئی جنگل مگر لکھا جاتا ہے ان کے لئے تاکہ بدلہ دے انہیں

اور جو نالا طے کرتے ہیں سب ان کے لئے لکھا جاتا ہے تاکہ اللہ ان سب سے

أَحْسَنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۲۱﴾

اللہ اچھا اس سے جو وہ کام کرتے تھے

بہتر کاموں کا انہیں صلہ دے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مسلمانوں کو تقویٰ و پرہیزگاری کا حکم دیا گیا۔ اتقوا اللہ۔ اب وہ چیز بتائی جارہی ہے جو تقویٰ کی اصل ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لگ کر رہنا۔ آپ کے فرمان پر چلنا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تشریح یا تفسیر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ وکونوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ رہو۔ اب ارشاد ہے کہ سچے وہ لوگ ہیں جو اس کے سچوں کے شہنشاہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سایہ کی طرح رہیں ان سے کبھی جدا نہ ہوں۔ مقصد یہ ہے کہ تم سچوں کے ساتھ رہو۔ سچے ہمارے محبوب کے ساتھ ہیں تو تم ان کے وسیلہ سے ہمارے حبیب کے ساتھ ہوؤ گے۔

تیسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ کی پناہ اللہ ہی کی طرف مل سکتی ہے۔ لا ملجاء من اللہ الا الیہ

www.alahazratnetwork.org

اب ایسی پناہ کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ ہمارے محبوب کے ساتھ رہو۔ اللہ کی پناہ میں رہو گے۔ ہر آفت کی پناہ علیحدہ ہے۔ دھوپ سے پناہ درخت کا سایہ بارش سے پناہ چھت سائبان سے پناہ آگ کی گرمی لینا۔ دنیا و دین کی آفات سے پناہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن ہے۔

تفسیر: ما کان لاھل المدینۃ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں کان کے بعد جائز ایا لائقاً یا ھاً پوشیدہ ہے اہل مدینہ سے مراد مدینہ منورہ میں رہنے والے ہیں جو مہاجرین ہوں یا انصاری لغت میں مدینہ ہر شہر کو کہا جاتا ہے مگر اصطلاحاً اس سے مدینہ منورہ کا دار الہجرۃ مراد ہوتا ہے۔ اگر اور شہر مراد ہو تو وہاں قید لگانی پڑتی ہے مدینہ مصر وغیرہ جیسے النجم سے ثریا تارہ مراد ہوتا ہے۔ مدینہ والے کو مدنی کہا جاتا۔ ان کے علاوہ دوسرے شہر والوں کو مدنی کہا جاتا ہے۔ امام نووی نے فرمایا کہ مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ کے اتنے نام ہیں جتنے دنیا میں کسی شہر کے نام نہیں۔ بعض علماء نے فرمایا کہ مدینہ منورہ کے ایک سو نام ہیں۔ جس میں دار الاخیار۔ دار الابرار۔ دار السنۃ۔ دار السلامت۔ دار الفتح۔ بارہ۔ طابہ۔ طیبہ مدینہ۔ مشہور نام ہیں۔ مدینہ منورہ کی مٹی جذام و برص کے لئے خصوصاً اور ہر بیماری کے لئے عموماً شفا ہے۔ وہاں کی عجوہ کھجور زہر کے لئے شفاء ہے۔ مکہ۔ مدینہ علم۔ اہل علم اور فضل و کمال والوں اور دین سے قیامت تک خالی نہیں ہوگا۔

مدینے کے خطے خدا تجھ کو رکھے غریبوں فقیروں کے ٹھہرانے والے

ومن حولھم من الاعراب۔ یہ فرمان عالی اہل المدینہ پر معطوف ہے۔ من سے مراد وہاں رہنے والے لوگ ہیں حولھم کے معنی مدینہ والوں کے آس پاس رہنے والے دیہاتی لوگ۔ ان سے مراد قبیلہ مدینہ۔ جہینہ۔ اشجع اور غفار وغیرہم ہیں چونکہ یہ لوگ مدینہ منورہ سے قریب ہی رہتے تھے اس لئے انہیں حضور انور ﷺ کے سفر اور جہاد وغیرہ کی خبریں بآسانی مل سکتی تھیں دور والے دیہاتی عموماً بے خبر رہتے تھے۔ نیز ان قبیلوں کے گاؤں تبوک کے راستہ میں تھے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ان سے مراد سارے دور و قریب کے دیہاتی ہیں کہ وہ سب ہی مدینہ منورہ کے ارد گرد آباد تھے (تفسیر خازن۔ روح البیان)

ان یتخلفوا عن رسول اللہ۔ یہ ہے ما کان کا اسم تخلف کے معنی خلف یعنی پیچھے رہ جانا۔ اس طرح کہ حضور ﷺ کے ساتھ نہ غزوہ میں جانا نہ حضور ﷺ کے پیچھے روانہ ہو کر وہاں پہنچ کر مل جانا۔ ولا یرغبوا بانفسھم عن نفسہ یہ دوسرا حکم ہے اور یہ عبارت معطوف ہے ان یتخلفوا (الخ) پر لا یرغبوا بنا ہے رغبۃ سے اگر اس کے بعد ب یا فی آئے تو اسکے معنی ہوتے ہیں مشغول ہونا یا رغبت و الفت کرنا اور اگر اس کے بعد من آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں منہ پھیرنا بے رغبت ہونا۔ محبت نہ کرنا یہاں مقابلہ کے لئے عن استعمال ہوا اور بانفسھم میں ب متعدی کرنے کے لئے ہے۔ (روح البیان معانی وغیرہ) یعنی اپنی جانوں کو جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جان سے زیادہ نہ جانیں اپنی جانوں کو ان کی جان سے زیادہ نہ چاہیں۔ یا اپنی جانوں کے آرام میں مشغول ہو کر اس پیارے کے آرام سے بے پرواہ ہو جائیں۔ یا حضور انور ﷺ جس تکلیف میں اپنے کو مشغول کر دیں جیسے دراز سفر گرم موسم خوراک کی کمی اس حالت میں مسلمان جہاد وغیرہ کی ان تکالیف سے اپنے کو نہ بچائیں ان تمام باتوں کو اعلٰحضرت قدس سرہ نے اپنے مبارک ترجمہ میں ایک لفظ سے ادا فرما دیا (نہ یہ کہ اپنی جان

www.alahazratnetwork.org

کو ان کی جان سے پیاری سمجھیں) اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔(۱) کسی جہاد میں حضور انور ﷺ سے پیچھے نہ رہیں کہ حضور ﷺ تو جہاد میں جاویں اور یہ نہ جائیں (۲) جس جہاد میں حضور انور ﷺ اپنے جانے کا حکم دیں اس میں حضور ﷺ سے پیچھے نہ رہیں (۳) یہ حکم صرف غزوۂ تبوک کے لئے تھا اور آیت کا مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہ تھا کہ حضور انور ﷺ کے ساتھ نہ جائے۔ پہلی صورت میں یہ آیت منسوخ ہے اور دوسری دو صورتوں میں محکم بعض علماء نے فرمایا کہ یہ حکم تا قیامت جاری ہے جب کہ جہاد فرض عین ہو جائے تو کسی مسلمان کو رہ جانا جائز نہیں۔ سواء معذورین کے (تفسیر خازن) اس کے بعد رب تعالیٰ نے جہاد میں جانے اس میں خرچ کرنے کے سات فائدے بیان فرمائے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا **ذلک بانھم لایصیبھم ظماء ولا نصب**۔ **ذلک** سے اشارہ وجوب جہاد کی طرف ہے کیونکہ جہاد نہ کرنے کی حرمت سے جہاد کی فرضیت ثابت ہو گئی **ھم** کا مرجع غازی مجاہدین ہیں۔ ظما سے مطلقاً پیاس مراد ہے اور نصب مطلقاً تکلیف چھوٹی ہو یا بڑی بعض نے فرمایا کہ ان دونوں کی تنوین تحقیر کے لئے ہے اور معنی ہیں معمولی سی بھی پیاس تھوڑی سی تکلیف **ومخمصۃ** مخمصہ بمعنی بھوک ہے اس سے مراد بھی مطلقاً بھوک ہے یا معمولی سی بھوک فی سبیل اللہ اس کا تعلق پیاس تکلیف بھوک تینوں سے ہے اور اللہ کی راہ ہے حتیٰ کہ نماز کے لئے مسجد کو جانا علم دین کے لئے مدرسہ جانا۔ حج اور مدینہ منورہ کے لئے چلنا سب ہی سبیل اللہ ہے۔ **ولا یطؤن موطئا الکفار** ۔ یہ چوتھے فائدہ کا ذکر ہے۔ یطؤن بنا ہے وطی سے بمعنی روندھنا خواہ اپنے قدموں سے چلنا ہو یا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے **موطا** وطی کا ظرف ہے یا مصدر میمی پہلی صورت میں اس سے مراد ہے راستہ یعنی غازی لوگ کسی ایسی زمین کو اپنے یا اپنے گھوڑوں کے قدموں سے نہیں روندھتے اسے طے یا فتح نہیں کرتے۔ جس سے کافر جل جاویں۔ خیال رہے کہ غیظ اور غضب دونوں کے معنی ہیں غصہ مگر کسی ناگوار چیز کو دیکھ کر صرف ناراض ہونا غیظ ہے اور ناراضی کے ساتھ بدلہ لینے کا ارادہ کرنا غضب (روح البیان)

ولا ینالون من عدو نیلا ۔ یہ جہاد کا پانچواں فائدہ ہے۔ ینالون بنا ہے نیل سے بمعنی پانا۔ حاصل کرنا۔ اس سے ہے **لن تنالوا البر** اس کا فاعل وہ مذکورہ غازی ہیں **عدو** سے مراد حربی کفار جن پر جہاد ہو۔ نیل کے دو معنی ہو سکتے ہیں کسی تکلیف وہ چیز کا پانا۔ کفار سے کوئی تکلیف پہنچنا (روح البیان) یا فائدہ مند چیز کا حاصل کرنا۔ جیسے کفار کو قید کرنا مال غنیمت لونڈی غلام لینا وغیرہ۔ (تفسیر خازن) یعنی وہ غازی کفار سے کوئی تکلیف پائیں یا ان سے فائدہ اٹھائیں **الا کتب لھم بہ عمل صالح** ۔ یہ فرمان عالی مذکورہ کاموں کا نتیجہ ہے اس میں الا سے حصر کا فائدہ ہوا۔ کتب سے مراد ہے ان کے نامہ اعمال میں لکھا جانا۔ **بہ** میں ب سببی ہے اور ہ سے مراد وہ پانچوں کام چونکہ وہ کام الگ الگ لا سے ذکر ہوئے اس لئے ان میں ہر ایک مستقل چیز بن گیا اور ہر کام پر یہ وعدہ مستقل طور پر کیا گیا اس لئے **بہ** ضمیر واحد ارشاد ہوئی۔ یعنی ان پانچوں کاموں میں سے ہر کام ہر نیک عمل لکھا جاوے گا۔ (تفسیر روح المعانی) یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔ عمل صالح سے مراد مقبول عبادت ہی یعنی غازی پانچوں کاموں سے جو کام بھی کرے اس کے نامہ اعمال میں نیکی لکھی جاوے گی۔ اگر وہ بحالت سفر جہاد سو رہا ہے تو فرشتے نامہ اعمال میں نوافل اور نیکیاں لکھ رہے ہیں کہ وہ قائم اللیل ہے۔ اور صائم النہار وہ اس راہ میں کھا رہا ہے تو روزی کا

www.alahazratnetwork.org

ثواب پارہا ہے ان اللہ لا یضیع اجر المحسنین یہ فرمان عالی گذشتہ کرم ورحم کی علت ہے۔ یعنی غازیوں پر یہ رحم وکرم اس وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نیک کار کا ثواب ضائع و برباد نہیں کرتا۔ یہ غازی تو اول نمبر کے نیک کار ہیں پھر ان کا ثواب کیوں برباد فرمادے گا۔ ولا ینفقون نفقۃ صغیرۃ ولا کبیرۃ ۔ یہ فرمان عالی معطوف ہے ولا ینالون (الخ) پر اور اس میں جہاد کا چھٹا فائدہ ارشاد ہوا۔ اور غازیوں کے مال جہاد پر ثواب کا وعدہ ہوا۔ چونکہ تھوڑا خرچ زیادہ لوگ کرتے ہیں بڑا خرچ تھوڑے اس لئے چھوٹے خرچ کا ذکر پہلے ہوا بڑے کا بعد میں۔ چھوٹا خرچ وہ ہے۔ جو حضرت علی نے غزوۂ تبوک میں کیا یعنی کچھ کھجوریں اور بڑا خرچ وہ جو حضرت عثمان غنی اور عبدالرحمٰن ابن عوف نے کیا۔ رضی اللہ عنہم۔ ان کے خرچ کا ذکر کچھ پہلے الذین یلمزون المطوعین (الخ) کی تفسیر میں ہو چکا یعنی وہ حضرات جہاد میں جو کچھ بھی تھوڑا بہت خرچ کریں۔ ولا یقطعون وادیا یہ فرمان عالی معطوف ہے ولا ینفقون پر اور مجاہدین کے ساتویں عمل کا ذکر ہے قطع کے معنی ہیں راستہ طے کرنا۔ وادی بنا ہے ودی سے بمعنی بہنا۔ اسی لئے پیشاب کے بعد سفید قطرہ کو ودی کہا جاتا ہے اصطلاح میں پہاڑی یا میدانی نالہ کو وادی کہتے ہیں کہ اس میں برساتی پانی بہتا ہے پھر ہر میدان کو وادی کہنے لگے۔ یہاں یا بمعنی میدان ہے یا بمعنی نالہ اس کی جمع اودیہ ہے جیسے نادی کی جمع اندیہ ہے اور ناجی کی جمع انجیہ (روح المعانی) الا کتب لھم یہ ان آخری دو کاموں کا نتیجہ ہے چونکہ یہ دونوں کام گزشتہ پانچ کاموں کے مقابل آسان تھے اس لئے انہیں علیحدہ کر کے ذکر کیا گیا کتب سے مراد ہے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا جاتا۔ اس طرح کہ مٹ نہ سکیں۔ (روح المعانی) لیجزیھم احسن ما کان یعملون اس فرمان عالی میں اس مذکورہ تحریر کی حکمت کا ذکر ہے احسن سے پہلے خیر اپوشیدہ ہے اس فرمان کے دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ مہاجر غازی معمولی نیکیاں بھی کرتے رہتے تھے۔ جیسے مستحب کام اور اعلیٰ نیکیاں۔ جیسے واجب اور فرائض انہیں ان دو کاموں پر ان کے اعلیٰ درجہ کی نیکیوں کا ثواب دیا جائے گا۔ گویا وہ اس دوران میں اعلیٰ درجہ کے فرائض و واجبات ادا کرتے رہے۔ دوسرے یہ کہ ان دو عملوں کی وجہ سے غازیوں کا گذشتہ ادنیٰ نیکیوں کا ثواب اعلیٰ نیکی کا سا ملے گا۔ مثلاً ایک شخص نے سو نیکیاں کیں۔ اٹھانے معمولی اور دو اعلیٰ درجہ کی پھر مجاہد بن کر اس نے یہ دو کام کئے تو ان دو کاموں کی برکت سے رب تعالیٰ ان کی اٹھانے معمولی نیکیوں کو بھی اعلیٰ نیکی بنادے گا۔ ان سب کو قبول کرے گا۔ سب پر اعلیٰ ثواب دے گا (تفسیر روح البیان و روح المعانی) گویا جہاد غازی کے لئے اکسیر ہے جو ہلکی نیکی کو اعلیٰ میں تبدیل کر دیتا ہے اور گناہ مٹا دیتا ہے۔ جیسے اکسیر پیتل کو سونا کر دیتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: نہ تو مدینہ والوں کو یہ جائز یا مناسب ہے نہ آس پاس کے دیہاتی لوگوں کو وہ اللہ کے رسول سے پیچھے بیٹھ رہیں کہ وہ تو جہاد کو روانہ ہوں اور یہ اپنے گھروں میں آرام کریں نہ یہ مناسب ہے کہ ان محبوب کی ذات کے مقابلہ میں اپنی ذات اپنی جان کو مرغوب جانیں کہ محبوب تو جہاد کی مشقتیں اٹھائیں اور یہ لوگ اپنے گھروں میں اپنی جانوں کو آرام دیں۔ ان سب پر فرض ہے کہ رسول انور ﷺ کے ساتھ جہادوں میں جایا کریں یہ فرضیت اس لئے ہے کہ انہیں جہادوں میں سات فائدے ہوں گے (١) اس راہ میں انہیں اگر معمولی پیاس برداشت کرنا پڑے۔ یا معمولی تکلیف یا معمولی بھوک یا وہ کفار کا

www.alahazratnetwork.org

کوئی علاقہ اپنے قدموں یا اپنے گھوڑوں کی ٹاپوں سے روندھیں کہ اس علاقہ میں گھس جائیں جس سے کفار کو ایذا پہنچے۔ یا وہ دشمن سے کچھ تکلیف برداشت کریں یا ان کے مال پر غنیمت کے طور پر ان کے آدمی غلام لونڈی کے طور پر قبضہ کریں غرض ان میں سے کچھ بھی کریں انہیں ہر عمل پر ہر وقت بڑی نیکی کا ثواب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائیگا۔ کیونکہ یہ لوگ نیک کار ہیں اور اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ثواب ضائع و برباد نہیں کرتا۔ یہ لوگ جو بھی تھوڑا یا بہت مال جہاد میں خرچ کریں گے یا اس راہ میں کوئی میدان ندی نالہ طے کریں گے سب ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا تا کہ اللہ تعالیٰ انہیں ان دونوں کاموں پر بہترین نیکی کا ثواب دے تو اے مسلمانو ایسے نفع بخش کام سے کیوں سستی کرتے ہو۔ اٹھو کمر باندھو ہمت کرو فتح و نصرت تمہارے قدم چومنے کو تیار ہے۔

روایت: یہاں تفسیر بیضاوی نے فرمایا کہ حضرت ابو خثیمہ کا نہایت گھنا باغ تھا۔ جس میں ٹھنڈا سایہ ہر قسم کے پھل تھے وہاں باغ میں ہی انہوں نے اپنا مکان بنایا تھا۔ ان کی بیوی نہایت ہی حسینہ تھی حضور انور ﷺ تبوک کو روانہ ہو گئے یہ مدینہ منورہ میں رہ گئے۔ دوپہر کو اپنے باغ میں پہنچے۔ ان کی بیوی نے ان کے لئے گھنے سایہ میں بستر بچھا دیا۔ ٹھنڈی ہوا کے جھونکے تھے۔ ہر قسم کی کھجوریں اور دیگر پھل حاضر کئے۔ ٹھنڈے پانی کا گھڑا سامنے رکھ دیا خود خدمت کے لئے بیٹھ گئی۔ خیال آیا کہ سایہ گھنا ہے ہوا سرد ہے پانی ٹھنڈا ہے ہر پھل حاضر حسینہ بیوی موجود ہے ہر قسم کا آرام ہے مگر اس وقت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سفر اور لو میں ہیں نہ معلوم حضور ﷺ نے کھانا کھایا ہے یا نہیں پانی پیا ہے یا نہیں ابو خثیمہ یہ انصاف نہیں کہ محسن اعظم نبی مکرم مشقت جھیلیں اور تم آرام کرو یہ کہتے ہوئے اٹھے۔ نیزہ تلوار ساتھ لئے اور اونٹنی پر سوار ہوئے اور اکیلے تبوک روانہ ہو گئے اور یہ سفر دراز طے کر کے آخر جو بندہ یا بندہ محبوب حقیقی یعنی حضور انور ﷺ سے جا ملے۔ حضور نے انہیں بہت ہی دعا دی۔ یہ ہے اس آیت کریمہ کی جیتی جاگتی عملی تفسیر۔ (بیضاوی)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئی۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو بھی مدینہ والوں میں شمار فرمالیتا ہے جو وہاں ایمان و اخلاص کے ساتھ باہر سے پہنچ جائیں یہ فائدہ **لاھل المدینۃ** فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب نے مہاجرین کو جو باہر سے آ کر مدینہ میں رہے انہیں اہل مدینہ فرمایا۔

مسئلہ: غریب آدمی پر حج فرض نہیں لیکن اگر وہ کسی صورت سے کر لے تو ادا ہو جاتا ہے کیونکہ شخص مکہ معظمہ پہنچتے ہی مکہ والا بن جاتا ہے اور مکہ والے غریب پر بھی حج فرض ہے اس لئے بچہ کا حج صحیح نہیں غریب کا صحیح ہے کہ مکی بچہ پر حج نہیں اور غریب مکی پر حج ہے یہ مسئلہ یہاں سے مستنبط ہو سکتا ہے غرضکہ مدینہ میں داخل ہوتے ہی مدنی بن جاتا ہے اور مکہ میں داخل ہوتے ہی مکی۔ یہ دونوں شہر غیروں کو بھی اپنا بنا لیتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: مدینہ والوں میں اور آس پاس کے لوگوں کو حضور انور ﷺ کے ساتھ ہر جہاد میں جانا فرض تھا کہ بغیر مجبوری گھر نہیں رہ سکتے یہ فائدہ ان **یتخلفوا** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ **تخلف** سے مراد ہو کسی غزوہ میں حضور

www.alahazratnetwork.org

ﷺ سے پیچھے رہنا۔

تیسرا فائدہ: مومن وہ ہے جو حضور انور ﷺ کو اپنی جان سے بھی زیادہ پیارا جانے اس کے بغیر ایمان نصیب نہیں ہوتا یہ فائدہ **ولا یرغبوا بانفسھم** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر بفضلہ تعالیٰ یہ محبوبیت ہر مومن کو حاصل ہے۔

چوتھا فائدہ: جو اللہ رسول کی اطاعت میں رہے اس کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا سونا جاگنا سب عبادت ہوتا ہے۔ یہ فائدہ **الا کتب لھم بہ عمل صالح** سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو کوئی اللہ رسول کی نافرمانی میں رہے اس کے یہ تمام کام گناہ ہوتے ہیں (تفسیر خازن۔ روح المعانی) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ مجاہد غازی کو رات کے نوافل دن کے روزے کا ثواب ملتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے گھر واپس آ جائے۔ اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ سفر حج سفر زیارت اور سفر طلب علم کو بھی ایسا ہی مبارک بنادے کہ یہ سب سفر فی سبیل اللہ ہیں۔

پانچواں فائدہ: جہاد کی برکت سے پچھلی نامقبول نیکیاں بھی مقبول بن جاتی ہیں یہ **لیجزیھم اللہ احسن ما کانوا یعملون** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

چھٹا فائدہ: غازی بحالت سفر خواہ اپنے ملک میں چلے یا دشمن کے ملک میں بہرحال ہر قوم پر ثواب پاتا ہے یہ فائدہ **لایقطعون وادیا** کے مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: ان آیات کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کے ساتھ ہر سفر جہاد میں یا غزوۂ تبوک میں جانا فرض تھا۔ مگر احادیث سے ثابت ہے کہ بہت مدینہ والے اس غزوہ میں نہ گئے کیا وہ سب فاسق ہوئے اگر فاسق جھوٹے بہانے بنا کر رہ گئے تھے۔ معذورین جنہیں درست و صحیح عذر نے روک دیا۔ سستی سے رہ جانے والے مگر بعد میں حضور انور ﷺ تک پہنچ جانے والے۔ سستی سے بالکل ہی رہ جانے والے منافقین تو فاسق کیا کافر تھے۔ معذورین کو شریعت نے روک دیا تھا جیسے۔ نابینا اور بیمار بچے۔ عورتیں وغیرہم ان کے متعلق حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ وہ لوگ گھر میں رہتے ہوئے ہمارے ساتھ ہیں ثواب میں برابر کے شریک ہیں۔ تیسری قسم کے لوگوں کا بعد میں حضور انور ﷺ تک پہنچ جانا کفارہ ہو گیا۔ چوتھی قسم کے لوگ گنہگار ہوئے مگر توبہ کی وجہ سے جلد یا دیر سے ان کی معافی ہو گئی لہٰذا فاسق نہ ہوئے۔ فاسق وہ ہے جو گناہ کرے اور توبہ نہ کرے۔

دوسرا اعتراض: تم نے فوائد میں کہا کہ مومن وہ ہے جسے حضور انور ﷺ سے محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہو۔ اس قاعدے سے تو آج دنیا بھر میں چند ہی مومن ہوں گے۔ جان سے زیادہ محبت تو کسی کو بھی نہیں ہوتی ورنہ کبھی گناہ نہ کرتا محبت کی علامت اطاعت ہے۔

جواب: بفضلہ تعالیٰ گنہگار سے گنہگار مسلمانوں کو حضور انور ﷺ اپنی جان سے زیادہ پیارے ہیں۔ محبت کا امتحان مقابلہ کے وقت ہوتا ہے بعض فاسق مسلمان حضور کی عزت پر اپنی جان فدا کر دیتے ہیں۔ گستاخوں بدگوؤں کو قتل کر کے پھانسی پر لٹک جاتے ہیں۔ عبدالقیوم۔ علم دین لاہوری۔ عبدالرشید دہلوی کے واقعات سب کے سامنے ہیں محبت کی علامت اطاعت نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

منافقین اطاعت کرتے تھے مگر کا فر تھے اطاعت لالچ اور ڈر کی بھی ہوتی ہے۔ حضور ﷺ اگرچہ گناہ کر بیٹھے مگر رہے اللہ رسول کے پیارے۔ محبت کی علامت زیادہ چرچہ کرنا ہے۔ من احب شیئا اکثر ذکرہ اور اپنے محبوب میں عیب نہ نکالنا اور عیب نکالنے والوں سے نفرت کرنا ہے۔ رب فرماتا ہے لا تجد قوما یومنون باللہ والیوم الاخر یوادون من حاد اللہ ورسولہ لو کانوا اباء ھم وابناء ھم او اخوانھم (الخ) یہ ہے محبت رسول کی کسوٹی کہ اللہ رسول کے مخالف اگرچہ اپنے باپ دادا سے بھائی عزیز ہوں ان سے الفت نہ ہو۔ نفرت ہو۔

تیسرا اعتراض: ان آیات کریمہ میں نمازیوں کے پانچ کاموں کے بعد ارشاد ہوا الا کتب لھم بہ عمل صالح اور آخری کاموں کے متعلق ارشاد ہوا صرف الا کتب لھم یہاں عمل صالح نہیں فرمایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: وہ پانچ کام یعنی بھوک، پیاس، تکلیف زخم، شہادت دشوار ہیں اور یہ دو کام جہاد میں خرچ اور صرف سفر ان سے آسان ہیں اور جہاد میں اجر بقدر مشقت ملتا ہے یہ فرق ظاہر فرمانے کے لئے عبادت میں فرق کیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ: رب تعالیٰ نے انسان کو خصوصی نعمتیں چار بخشی ہیں مال۔ جسم۔ جان۔ ایمان۔ مال خارجی نعمت ہے باقی تین داخلی مال سے جسم اور جسم سے جان اور جان سے ایمان افضل و اعلیٰ ہیں اور قاعدہ یہ ہے کہ شعر۔

جسم ہے جان کے لئے جان ہے ایماں کے لئے　　　　ہر ادنیٰ چیز ہوا کرتی ہے اعلیٰ پہ نثار

ہمیشہ ادنیٰ چیز اعلیٰ پر قربان ہوتی ہے جمادات جانوروں پر اور جانور انسانوں پر قربان ہوتے ہیں کوئی سر پر چوٹ مارے تو ہاتھ سے سر بچاتے ہیں کیونکہ ہاتھ سر سے ادنیٰ ہے۔ لہٰذا مال بدن پر اور بدن جان پر قربان ہے تو چاہیے کہ جان ایمان پر فدا ہو۔ شعر

تن من دھن سب وارئے ایک دھرم کے کاج　　　　دھن دے تن کو راکھئے اور تن دے رکھئے لاج

یعنی مال جسم پر جسم عزت پر قربان کرو اور مال جسم۔ دل و جان سب ایمان پر قربان کرو اور ایمان کی جان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس قاعدے سے مومن کا سب کچھ حضور انور ﷺ پر صدقے ہونا چاہیے۔ اس لئے یہاں ارشاد ہوا کہ مومنین غزوات میں حضور انور ﷺ سے پیچھے نہ رہیں۔ اپنی جان کو ان سے زیادہ پیارا نہ جانیں بلکہ ان کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھیں۔ جب ان کا یہ حال ہوگا تو ان کا ہر کام باعث ثواب ہوگا۔ کیونکہ حضور انور ﷺ اللہ کے محبوب ہیں اور یہ لوگ محبوب کے منسوب لہٰذا ان کی ہر ادا مرغوب۔ اللہ تعالیٰ ان کو ہر ادا جنبش پر ثواب دے گا کہ محبوب کے منسوب کی جنبش ہے محبت و عداوت بجلی کے پاور کی طرح ہے جو بہت دور تک کام کرتی ہے یا اچھے ہو کر جیو یا اچھوں کے ہو کر جیو۔

وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنْفِرُوا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ

اور نہیں ہیں کہ مومنین نکلیں سب کے سب پس کیوں نہ ہوا کہ نکلتا ہر

اور مسلمانوں سے یہ تو ہو نہیں سکتا کہ سب کے سب نکلیں تو کیوں نہ ہوا کہ

www.alahazratnetwork.org

کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا
جماعت سے ان میں سے ایک ٹولہ تاکہ فقہ حاصل کریں دین میں اور تاکہ
ان سے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آکر
قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ ۝۱۲۲ ع ۱۵
ڈرائیں قوم کو اپنی جب لوٹیں وہ طرف ان کے تاکہ وہ ڈریں
اپنی قوم کو ڈر سنائیں اس امید پر کہ وہ بچیں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کو سفر جہاد کی رغبت دی گئی اور جہاد کے موقعہ پر گھر میں بیٹھ رہنے سفر نہ کرنے پر عتاب فرمایا گیا۔ اب علم دین کے لئے سفر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے اس کے قاعدے بیان ہو رہے ہیں کیونکہ جہاد تلوار سے بھی ہوتا ہے اور علم سے بھی۔ نیز جہاد کے ذریعے کفار مسلمان بنتے ہیں اور علم دین کے ذریعہ مسلمان مسلمان رہتے ہیں گویا ایک قسم کے سفر کے بعد دوسرے قسم کے سفر کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حکم تھا کہ سارے اہل مدینہ اور اطراف کے لوگ جہاد کے لئے روانہ ہوا کریں کوئی بلاسخت مجبوری اپنے گھر میں نہ رہا کرے اب ارشاد ہے کہ انہیں بلکہ بعض لوگ جہاد کو جائیں بعض گھر رہیں علم دین سیکھیں وہ حکم اور حالت میں تھا یہ حکم دوسری حالت میں ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں حکم تھا کہ جب نبی معظم صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے سفر فرمائیں تو کوئی پیچھے نہ رہے سب ان کے ساتھ روانہ ہوں اب ارشاد ہے کہ اگر وہ محبوب خود جہاد کو روانہ نہ ہوں بلکہ صحابہ کو روانہ فرمائیں تو یہ حکم نہیں بلکہ اس صورت میں بعض حضرات جہاد میں جائیں اور بعض لوگ ہمارے محبوب کے پاس رہیں تاکہ ان سے علم دین سیکھیں۔

شان نزول: اس آیت کے شان نزول کے متعلق چند روایات ہیں (۱) ایک بار قبیلہ مصر وغیرہم کے سارے لوگ مدینہ منورہ آگئے تاکہ علم دین حضور انور ﷺ سے سیکھیں اس سے ان کے علاقے ویران ہو گئے اور مدینہ میں سخت تنگی ہو گئی۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں حکم دیا گیا کہ دین سیکھنے کے لئے سب لوگ اپنے وطن سے نہ نکلا کریں کہ اس میں دو نقصان ہیں مدینہ منورہ میں تنگی اور ان کی وطن کی ویرانی معاش حاصل کرنے میں دشواری (از تفسیر خازن) (۲) جب گزشتہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں جہاد سے رہ جانے والوں پر سخت عتاب فرمایا گیا تو مسلمانان مدینہ ہر غزوے ہر سریے میں روانہ ہونے لگے بعض دفعہ ہوتا ہے کہ سریے میں سارے مومن جہاد کے لئے چلے جاتے مدینہ منورہ میں حضور انور ﷺ اکیلے رہ جاتے ان کے پیچھے شرعی احکام نازل ہوتے جنہیں ان سے کوئی نہ سیکھ سکتا اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس

www.alahazratnetwork.org

میں حکم دیا کہ بعض حضرات جہاد کے لئے سفر کریں۔ بعض حضرات دین سیکھنے کے لئے حضور انور ﷺ کے ساتھ اپنے گھر رہیں۔ (از تفسیر کبیر و خازن) (۳) مجاہد فرماتے ہیں کہ کچھ صحابہ کرام نے مدینہ منورہ چھوڑ کر دیہات کی زندگی اختیار کرلی۔ وہاں انہیں بہت آرام ملا اور انہیں لوگوں کو تبلیغ کرنے کا بھی اچھا موقعہ ملا۔ بہت عرصہ کے بعد یہ حضرت مدینہ منورہ آئے تو دیکھا کہ ان کے پیچھے بہت سی قرآنی آیات نازل ہو چکی ہیں اور حضور انور ﷺ کے پاس رہنے والے صحابہ علم میں بہت آگے نکل چکے ہیں۔ اس پر انہیں افسوس ہوا۔ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی کہ ہر جماعت کے کچھ لوگ ہمارے محبوب کے پاس ضرور رہا کریں تاکہ علم دین سیکھیں (از تفسیر خازن)

تفسیر: **وکان المومنون لینفروا کافۃ** اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ مومنین سے مراد اہل مدینہ اور اطراف مدینہ کے باشندے ہیں نفر سے مراد ہے جہاد کے لئے اپنے گھروں سے روانگی یعنی مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سارے کے سارے جہاد کے لئے روانہ ہو جایا کریں اور مدینہ منورہ کو خالی اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہا مدینہ میں چھوڑ دیا کریں دوسرے یہ کہ مومنین سے مراد دور دراز علاقے کے رہنے والے مسلمان ہیں نفر سے مراد ہے طلب دین کے لئے اپنے وطن سے مدینہ منورہ آجانا یعنی ان مسلمانوں کو یہ مناسب نہیں کہ سارے اپنے گھروں سے مدینہ منورہ آجایا کریں۔ علم دین سیکھنے کے لئے جس سے مدینہ منورہ میں تنگی ہو اور ان کے وطن ویران ہو جائیں۔ تیسرے یہ کہ مومنین سے مراد وہ مسلمان جو مدینہ منورہ چھوڑ کر دیہات میں بس گئے تھے اور نفر سے مراد مدینہ منورہ سے دیہات کی روانگی یعنی یہ مناسب نہ تھا کہ یہ قبیلے کے سارے دیہات کی طرف روانہ ہو جایا کریں جیسا کہ شان نزول کی روایات سے معلوم ہوا بہر حال یہ آیت کریمہ یا تو سفر جہاد کے متعلق ہے اور گذشتہ آیات کے مضمون کا بقیہ ہے یا اس میں نیا حکم ہے گزشتہ کا تکملہ نہیں۔

فلولا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ۔ یہ فرمان عالی پچھلے مضمون کی تفصیل ہے اور اس میں ف تفصیل کے لئے ہے **لولا**۔ ھلا اور لوما تینوں قریباً ہم معنی ہیں۔ (کبیر) اگر یہ مستقبل پر آئیں تو رغبت دینے کے لئے ہوتے ہیں اور اگر ماضی پر آئیں تو جھڑک اور ناراضی ظاہر کرنے کے لئے (روح البیان) یہاں بھی نفر میں تین احتمال ہیں (۱) مدینہ منورہ سے جہاد کے لئے مدینہ منورہ روانگی فرقے سے مراد ہے بڑی جماعت۔ پورا خاندان یا قبیلہ یا پورے شہر کے لوگ۔ طائفہ سے مراد تھوڑے سے لوگوں کی جماعت اگرچہ ہر جماعت یا ہر شہر سے ایک ہی ہو۔ **لیتفقھوا فی الدین** اس فرمان عالی میں کچھ لوگوں کے جانے اور کچھ کے رہ جانے کی حکمت کا ذکر ہے اس میں لام وجہ یا حکمت کا ہے تفقہ کا مادہ فقہ ہے جس کے معنی ہیں دینی مسائل کو سمجھنا اور سمجھ کر یاد کرنا۔ اس کو قرآن مجید میں حکمت فرمایا گیا۔ **ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا**۔ اجتہاد اور مسائل کے استنباط کو بھی فقہ کہا جاتا ہے لہٰذا فقیہ عالم دین کو بھی کہتے ہیں اور مجتہدین کو بھی **لیتفقھوا** کا فاعل یا تو رہ جانے والے لوگ ہیں یا جانے والے یعنی تاکہ ہمارے محبوب کے پاس مدینہ منورہ میں رہ جانیوالے لوگ ان محبوب سے دینی مسائل سمجھیں اور یاد کریں۔ یا اپنے وطن سے مدینہ منورہ آنے والے لوگ ہمارے محبوب سے علم دین حاصل کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اگر نفر سے مراد جہاد کے لئے نکلنا ہے تو **یتفقھوا** کا فاعل وہی نکلنے والے ہیں۔ علم دین سے مراد علم عقائد۔

www.alahazratnetwork.org

علم عبادات۔ علم معاملات حتی کہ علم اسرار سب ہیں (روح البیان) ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم اور یہ دوسری حکمت کا بیان ہے اور معطوف ہے۔ لیتفقھوا پر لینذروا اور رجعوا کا فاعل یا علم دین سیکھنے کے لئے روانہ ہو جانے والے لوگ ہیں تو قومھم سے مراد رہ جانے والے لوگ یعنی یہ علم سیکھنے کے لئے سفر کرنے والے جب اپنے وطن آئیں تو اپنی قوم کے رہ جانے والے لوگوں کو علم سکھائیں۔ اللہ رسول سے ڈرائیں۔ تبلیغ کریں کہ دین سیکھنے کا یہی مقصد ہے نہ کہ اس کے ذریعہ صرف دنیا حاصل کرنا۔ یا ینذروا کا فاعل رہ جانے والے لوگ ہیں۔ اور رجعوا کا فاعل جہاد میں جانے والے لوگ یعنی یہ لوگ جو جہاد میں نہیں گئے حضور انور ﷺ کی خدمت میں رہے وہ ان مجاہدین غازیوں کو اس زیادہ کا سیکھا ہوا علم سکھائیں جب وہ غازی جہاد کے سفر سے واپس آئیں کہ وہ غازی بن کر ثواب پائیں۔ یہ عالم دین بن کر ثواب و درجات کمائیں۔ لعلھم یحذرون یہ فرمان عالی لینذروا کا نتیجہ بیان فرمارہی ہے لعلھم کے معنی ہیں شاید یا تاکہ ھم کا مرجع وہ ہی لوگ ہیں جن کو تبلیغ کی گئی۔ رب سے ڈرایا گیا۔ یا تو غازی مجاہدین جو بحالت سفر حضور انور ﷺ سے غائب رہے یا وہ جو اپنے گھروں میں رہے اور دوسرے لوگ علم دین سیکھنے سفر میں گئے یعنی اس امید سے ڈرائیں کہ وہ لوگ اللہ سے ڈریں ان کے دل میں خوف خدا پیدا ہو دنیاوی لالچ سے تبلیغ نہ ہو بہر حال اچھی نیت بڑی اعلیٰ نعمت ہے۔

خلاصہ تفسیر: یہ آیت کریمہ یا سفر جہاد کا تکملہ ہے یا طلب علم کے سفر کے متعلق ہے اس لئے اس کی چند تفسیریں ہیں۔ (۱) یہ مناسب نہیں کہ سارے مسلمان جہاد میں چلے جایا کریں اور ہمارے محبوب کو مدینہ منورہ میں تنہا چھوڑ جایا کریں اس میں خطرہ بھی ہے ان کا نقصان بھی مدینہ منورہ کو خالی چھوڑنا خطرناک ہے دشمن تاک میں ہے اور سب مسلمانوں کا حضور انور ﷺ سے جدا رہنا اس میں ان کا نقصان یہ ہے کہ ان کے پیچھے جو آیات قرآنیہ احکام شرعیہ نازل ہوں گے ان سے یہ بے خبر رہیں گے۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر قوم میں سے ایک جماعت سفر جہاد میں روانہ ہو باقی لوگ محبوب کے پاس رہیں تاکہ حضور انور ﷺ سے دینی نئے مسائل نئی آیات نئے احکام سیکھیں اور سمجھیں پھر جب مجاہدین واپس آویں تو یہ لوگ ان کے پیچھے سیکھے ہوئے مسائل انہیں سکھائیں رب سے ڈرائیں تاکہ ان حضرات کو خوف خدا اور زیادہ ہو۔ (۲) مسلمانوں سے یہ تو نہیں ہوسکتا کہ سارے کے سارے اپنی بستیاں خالی کر کے سب مدینہ منورہ علم دین سیکھنے کے لئے جائیں کہ اس سے ان لوگوں کی معیشت خراب ہوگی۔ مدینہ والوں پر تنگی اور بوجھ ہوگا۔ ایسا کیوں نہیں کرتے کہ ہر بستی ہر قبیلہ سے کچھ لوگ جائیں باقی لوگ گھروں میں رہیں یہ جانے والے دینی مسائل سیکھ کر سمجھ کر آویں اور اپنی باقی ماندہ قوم کو سکھائیں سمجھائیں۔ انہیں رب سے ڈرائیں کسی دنیاوی لالچ سے نہیں بلکہ اس امید سے کہ ان لوگوں میں خوف خدا پیدا ہو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: پورا عالم دین اور فقیہ بننا ہر شخص پر ضروری نہیں یہ فرض کفایہ ہے کہ بستی میں ایک اس پر عمل کرے سب کی طرف سے ادا ہو جائے۔ یہ فائدہ طائفۃ منھم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہاں سفر سے سفر طلب علم مراد ہو۔

دوسرا فائدہ: عام حالات میں جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے یہ فائدہ طائفہ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ

www.alahazratnetwork.org

یہاں سفر سے سفر جہاد مراد ہو۔ جب جہاد عین فرض ہو جاوے تو سب پر یہ سفر لازم ہوگا۔

تیسرا فائدہ: علم دین کے لئے سفر کرنا عبادت ہے یہ فائدہ لولا نفروا سے حاصل ہوا جب کہ یہاں سفر طلب علم مراد ہو۔

چوتھا فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ جہاد کے موقعہ پر دارالاسلام کو بالکل خالی نہ کریں یہاں بھی فوج اور دفاعی انتظام رکھیں اور ادھر دشمن سے مقابلہ بھی کریں مرکز کمزور نہ ہونے دیں۔ یہ فائدہ بھی ماکان المومنون لیغفروا کافۃ سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: حفظ قرآن سے علم قرآن حفظ حدیث سے علم حدیث افضل ہے یہ فائدہ لیتفقھوا فی الدین سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: تمام علوم دین میں علم فقہ افضل یہ فائدہ لیتفقھو فی الدین سے حاصل ہوا دوسری جگہ ارشاد ہے ومن یولی الحمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا حضور انور ﷺ فرماتے ہیں من یرد اللہ بہ خیرا یفقھہ فی الدین رب تعالیٰ جس کا بھلا چاہتا ہے اس کو دین کا فقیہ بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ علم فقہ میں عطا فرماوے۔

مسئلہ: تلاوت قرآن اور نوافل پڑھنے سے افضل ہے علم فقہ حاصل کرنا (شامی) چاہئے یہ کہ شاگرد استاد کے پاس علم سیکھنے کے لئے حاضر ہو استاد کو اپنے ہاں بلا کر نہ سیکھے یہ مسئلہ اس آیت سے مستنبط ہوسکتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نبی کلیم اللہ ہیں مگر علم سیکھنے کے شوق میں ایک نبی خضر علیہ السلام کے پاس سفر کر کے تشریف لے گئے اگر چہ ان سے کچھ سیکھا نہیں۔ حالانکہ آپ خضر علیہ السلام سے کہیں افضل تھے کہ صاحب شریعت صاحب کتاب نبی تھے۔ انشاء اللہ اس سفر موسوی کے فوائد ہم پندرہ پارہ کی آخری آیات کی تفسیر میں عرض کریں گے۔

ساتواں فائدہ: علم دین خصوصاً علم فقہ تبلیغ دین کے لئے حاصل کرے دنیا کمانا مقصود نہ ہو یہ فائدہ لینذروا قومھم (الخ) سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: محدثین اور مفسرین سے فقہاء افضل ہیں کہ الفاظ و معانی ان دو جماعتوں کے پاس ہیں مگر سمجھ فقہاء کے پاس مفسرین و محدثین گویا دین کے پنساری ہیں۔ فقہاء طبیب پنساری کی دوائیں طبیب کے قلم کے ذریعہ استعمال ہوں تو مفید ہیں اس کے بغیر ہلاکت کا ذریعہ یہ مسئلہ لیتفقھوا فی الدین سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: تبلیغ دین صرف دنیا کمانے کے لئے نہ ہو دین کی اشاعت کے لئے انشاء اللہ دنیا خود بخود لونڈی بن کر آوے گی۔ یہ فائدہ لعلھم یحذرون سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: جاہل کو عالم کی پیروی کرنا چاہئے اور غیر مجتہد کو مجتہد کی تقلید کرنا لازم ہے یہ فائدہ لینذروا قومھم سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں یہ نہیں ارشاد ہوا کہ گھر میں رہنے والے لوگ خود ترجمے منگا کر پڑھ لیا کریں بلکہ عالم بن کر آنے والوں سے سیکھیں۔

دسواں فائدہ: دینی احکام میں ایک شخص کی خبر معتبر ہے یہ فائدہ طائفۃ سے حاصل ہوا اگر شہر سے ایک عالم آکر شرعی

www.alahazratnetwork.org

احکام کی تبلیغ کرے تو باشندوں کو اس کی بات ماننا پڑے گی حضور انور ﷺ کے زمانہ میں ایک صاحب گاؤں سے آتے تھے دین سیکھ کر قوم کے پاس پہنچتے اور فرماتے کہ حضور انور ﷺ نے یہ فرمایا ہے۔ سب پر اس کا ماننا لازم تھا۔ ہر حدیث پر گواہی نہیں مانگی جاتی ہے۔ ایک آدمی بھی طائفہ میں داخل ہے۔ (از تفسیر کبیر۔ خازن)

مسئلہ: بقدر ضرورت دینی مسائل سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور زیادہ بہتر۔ لہٰذا نماز روزے ضروری مسائل پر مسلمان پر سیکھنا فرض ہے۔ عورتوں پر حیض و نفاس کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔ کہ ان سب کو ان سے واسطہ پڑتا ہے حاجی کو حج کے مسائل تاجر کو تجارت کے مسائل سیکھنا ضروری ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں علم دین سیکھنے کے لئے سفر کرنا فرض ہے۔ دیکھو ارشاد ہوا فلولا نفرا (الخ) مگر دیکھا یہ جارہا ہے کہ بہت لوگ اپنے گھر میں ہی علم سیکھ لیتے ہیں کیا وہ سفر نہ کرنے پر گنہگار ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا کہ سفر کا حکم جب ہے جب کہ گھر رہ کر علم حاصل نہ ہو سکے۔ حضور انور ﷺ کے زمانہ شریف میں قریباً یہی حال تھا کہ مدینہ منورہ میں ہی علم ملتا تھا کیونکہ اس وقت شرعی احکام بلکہ آیات قرآن جمع نہیں ہوئے تھے۔ روزانہ ان میں اضافہ ہورہا تھا۔ اہل مدینہ کو سفر کی ضرورت تب پڑتی تھی جب حضور انور ﷺ سفر میں جاتے تو یہ بھی ساتھ جاتے تھے۔ کیونکہ بحالت سفر جو احکام اور آیات نازل ہوں انہیں سیکھیں۔

طلب کردن علم شد بر تو فرض دگر واجب است از پئے قطع ارض

دوسرا اعتراض: کیا عورتیں بھی طلب علم کے لئے سفر کریں۔

جواب: عورت کے لئے بغیر محرم سفر کرنا ممنوع ہے حتی کہ وہ بغیر محرم حج کے لئے بھی سفر نہیں کر سکتی بلکہ اس صورت میں اس پر فرض ہی نہیں۔ مرد کے لئے حج کے لئے سامان سفر ضروری ہے اور عورت کے لئے حج کے لئے سامان سفر اور محرم کی ہمراہی شرط ہے عورت اپنے ماں باپ یا خاوند سے دین سیکھے۔

تیسرا اعتراض: کیا عورت اپنے وطن میں عالم دین کے پاس یا دینی جلسہ میں جا کر دین سیکھ سکتی ہے۔

جواب: ہاں پردے کے ساتھ حضور انور ﷺ کے زمانہ میں تو حائضہ عورتوں تک کو حکم تھا کہ وہ عید کی نماز کے موقعہ پر عید گاہ حاضر ہوں اگر ان کے پاس چادر نہ ہو تو اپنی کسی سہیلی سے مانگ کر اوڑھیں اور وہاں پہنچیں۔ عید گاہ سے الگ بیٹھیں تاکہ اپنے متعلق حضور انور ﷺ سے شرعی احکام سنیں اور سیکھیں۔ خلافت فاروقی میں عورتوں کو مسجد میں جانے سے روک دیا گیا۔ اب فی زمانہ چونکہ عورتیں کالجوں اسکولوں بازاروں بلکہ سینما گھروں سے نہیں رکتیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ انہیں پردے کے ساتھ جمعہ کی نماز اور دینی جلسے میں آنے سے نہ روکو کہ یہاں کچھ دینی مسائل تو سنیں گی۔ اب فقیر یہی فتویٰ دیتا ہے مگر مردوں سے علیحدگی اور پردہ ضروری ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رہ جانے والوں کے لئے فرقہ فرمایا اور جانے والوں کے لئے طائفہ اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: اگر یہ آیت علم دین کے سفر کے لئے ہے تب تو ظاہر ہے۔ کیونکہ طالب علم ایک دو بھی کافی ہیں باقی لوگ کاروبار بستی کی آبادی کے لئے گھروں میں رہیں۔ اور اگر مراد سفر جہاد ہے تو بھی زیادہ لوگ وطن میں ٹھہریں یہاں کا انتظام کریں اور کچھ لوگ سن کر جہاد میں جائیں اس لئے جانے والوں کو طائفہ یعنی تھوڑی جماعت فرمایا۔

پانچواں فائدہ: اس آیت میں مسافر طلبا کے لئے فقہ کی قید کیوں لگائی لیتفقهوا فی الدین کیا علم حدیث تفسیر اور دنیوی علوم حاصل کرنے کے لئے سفر جائز نہیں۔

جواب: بالکل جائز ہے مگر ان سفروں پر وہ ثواب نہیں اور ان کا وہ درجہ نہیں جو دینی تفقہ کے لئے سفر کا درجہ ہے فقہ فی الدین یعنی دین سمجھنا بہت ہی بڑا کام ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فقیہ واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ابلیس پر ایک فقیہ ہزار عابدوں سے بھاری ہے اور کیوں نہ ہو۔ شعر۔

گفت او گلیم خویش بدریا بروز موج   ویں جہد می کند کہ بگیرد غریق را

عابد دریا سے اپنی کملی بچاتا ہے اور فقیہ عالم امت کا جہاز پار لگاتا ہے اس لئے علماء کو نائب رسول وارث جناب مصطفیٰ کہا جاتا ہے وراثت مال سے وراثت کمال ہے حضرت علی فرماتے ہیں۔ شعر۔

فان المال یفنی عن قریب   وان العلم باقی لا یزال

چھٹا اعتراض: اس آیت کریمہ میں پہلے لیتفقهو فرمایا بعد میں ولینذروا قومهم (الخ) ارشاد ہوا۔ اس ترتیب ذکری میں کیا حکمت ہے

جواب: اس ترتیب ذکری سے چند باتیں بتائی گئیں۔ ایک یہ کہ خود سیکھنا پہلے ہے دوسروں کو سکھانا بعد میں جاہل تبلیغ نہیں بلکہ جہالت سکھائے گا۔ دوسرے یہ کہ مسافر طالب علم کے دو حال ہیں ایک گھر سے جانا۔ دوسرے گھر واپس آنا چاہئے۔ یہ کہ سفر میں جانا سیکھنے کے لئے ہو۔ اور واپس آنا سکھانے کے لئے تاکہ جانا بھی عبادت ہو جائے اور آنا بھی۔ تیسرے یہ کہ علم دین سیکھنے کی نیت ہو نہ تو مال کمانا ہو نہ صرف خود ہی عمل کرنا۔ بلکہ دوسروں تک پہنچانا اصل مقصود ہو کہ علم دین کا مقصد عمل بھی ہے اور دوسروں کی تعلیم بھی چوتھے یہ کہ تبلیغ و تعلیم سے نیت قوم کی اصلاح ہو نہ کہ اپنی بڑائی اس ترتیب ذکری سے بہت باتیں بتادی گئیں پانچویں یہ اصلاح و تبلیغ پہلے اپنی قوم کی ہو پھر دوسروں کی اس لئے ارشاد ہوا ولینذروا قومهم پھر خدا توفیق دے تو سارے مسلمانوں کو تبلیغ کرو کہ ساری مسلم برادری ہماری قوم ہے۔

ساتواں اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ اقدس میں علم فقہ تھا ہی نہیں یہ تو بعد میں فقہاء، علماء نے بنایا پھر رب تعالیٰ کا یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ لیتفقهو فی الدین حضرات صحابہ نے فقہ نہ پڑھا نہ پڑھایا۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اقدس میں علم فقہ کامل طور پر تھا۔ ہاں یہ کہو کہ فقہ کی کتابیں نہ تھیں وہ علم حضور اقدس کے سینہ۔ زبان فیض ترجمان اور نگاہ کرم سے عطا ہوا تھا۔ بعد میں اسے کتابوں کے ذریعہ پھیلایا گیا۔ حضرت عمر نے حضور ﷺ سے سورہ بقر تقریباً بارہ سال میں پڑھی سوچو کہ کیا بارہ سال میں اس سورت کے الفاظ پڑھے۔ نہیں بلکہ اس کا فقہ

www.alahazratnetwork.org

پڑھا حضور ﷺ کے زمانہ میں کتب احادیث بلکہ علم حدیث نہ تھا مگر احادیث موجود تھیں جنہیں بعد میں کتابی شکل میں جمع کیا گیا اور علم حدیث اسناد۔ اقسام۔ مراتب حدیث مقرر کیئے گئے قرآن وحدیث کی صحیح سمجھ فقہ ہے۔

کا شکریہ نماز روزہ وحج ہے جانی نعمت کا شکریہ ایمان اور جہاد ہے مگر دل ودماغ عقل صحت، تندرست ان نعمتوں کا شکریہ علم دین سیکھنا سکھانا ہے قرآن کریم فرماتا ہے واللہ اخرجکم من بطون امھاتکم لا تعلمون شیئا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ لعلکم تشکرون اس آیت۔ نے پردے کھول دیئے کہ علم حواس دل ودماغ، صحت کا شکریہ ہے علم کا ایک ڈھانچہ ہے اور ایک روح علم کا ڈھانچہ فرمان ہے اور اس کی روح فیضان فرمان تو زبان، قلم، کتاب سے ملتا ہے مگر فیضان صرف استاد کی نگاہ سے ملتا ہے اور اس کی صحبت سے اس لئے آج باوجود علم کتب میں آ گیا مگر پھر بھی استاد کی خدمت میں حاضری اس کے پاس سفر کر کے جانا ضروری ہے فلو لا نفر کا حکم تا قیامت طلباء کے لئے ہے۔ شعر۔

علم و حکمت از کتب دیں از نظر — دیں مجو اندر کتب اے بے خبر

روئے دل را جانب دلدار کن — صد کتاب و صد ورق در نار کن

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بڑے عالم۔ بڑے زاہد بڑے متقی پرہیزگار استاد سے علم دین حاصل کرو۔ اس لئے امام ابوحنیفہ نے حضرت حماد جیسے فقیہ۔ متقی ولی کو اپنا استاد بنایا۔ آپ کو دو سال تک حضرت امام جعفر صادق کی صحبت پاک میسر رہی اور بیس سال حضرت حماد کی۔ ان کی فیوض نے انہیں امام اعظم بنا دیا۔ حضرت جابر نے ایک حدیث کے لئے مدینہ منورہ سے مصر کا سفر کیا۔ علماء کے نزدیک فقہ۔ پانچ علوم کو کہتے ہیں علم عقائد، تفسیر، حدیث، علم فقہ، اصول فقہ مگر صوفیاء کے نزدیک رب تعالیٰ کی ذات وصفات نبی کے کمالات، اپنے نفس، قلب روح کی کیفیات کا جاننا ہے یہ دو طرح حاصل ہوتا ہے۔ معاملہ سے در مکاشفہ سے۔ سرکار عالی کا فرمان کہ عالم کی عابد پر افضلیت ایسی ہے جیسے میری افضلیت تمہارے ادنیٰ پر۔ وہاں عالم سے مراد عالم مکاشفہ ہے اس کی فضیلت اسی قسم کی ہے جیسی نبی کی امتی پر اس حدیث میں نوعیت کا ذکر ہے نہ کہ برابری کا علماء کا ڈرانا تبلیغ فرمانا زبان یا قلم سے ہے صوفیاء کا ڈرانا تبلیغ فرمانا ولی فیضان یا نظر سے ہے یہ دونوں قسم کی تبلیغیں تا قیامت قائم رہتی ہیں۔ علماء کے قلم کا فیض صوفیاء کے قلب کا فیض کبھی فنا نہیں ہوتا۔ اب پڑھو۔ ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم (از روح البیان)

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِیْنَ یَلُوْنَكُمْ مِّنَ
اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے جنگ کرو ان لوگوں سے جو قریب ہیں تمہارے
اے ایمان والو جہاد کرو ان کافروں سے جو تمہارے قریب
الْكُفَّارِ وَلْیَجِدُوْا فِیْكُمْ غِلْظَةً ؕ وَاعْلَمُوْۤا
یعنی کفار اور چاہیے کہ پائیں وہ تم میں سختی اور جان لو
ہیں اور چاہیے کہ وہ تم میں سختی پائیں اور جان رکھو کہ

www.alahazratnetwork.org

اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

کہ تحقیق اللہ ساتھ ہے پرہیز گاروں کے

اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: بہت دور سے سفر جہاد کا ذکر ہو رہا ہے اس سفر کے احکام ارشاد ہو رہے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ صرف سفر والے جہاد ہی نہ کرو بلکہ گھر والے جہاد بھی کرو جن میں سفر کرنا پڑے بلکہ گھر والے جہاد سفر والے جہادوں سے پہلے کرو۔ گویا ایک قسم کے بعد دوسری قسم کے جہاد اور اس کے احکام بیان ہو رہے ہیں۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ سارے مسلمان جہاد کے لئے نہ نکل جائیں تھوڑے جائیں باقی وطن میں رہیں اب ارشاد ہے کہ یہ احکام اس جہاد کے لئے ہیں جو باہر جا کر کرنا ہو۔ مگر جو جہاد گھر میں رہ کر ہو اس میں یہ پابندی نہیں وہ بیک وقت سارے مسلمان کر دیں گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفسیر و تشریح ہے۔

تیسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ غازیوں کو راستہ کی بھوک، پیاس، جنگل کی مشقت برداشت کرنے وغیرہ سب پر ثواب ملے گا۔ اب ارشاد ہے کہ اگر کوئی جہاد ان مشقتوں سے خالی بھی ہو تب بھی ان کے ثواب جہاد میں فرق نہ آئے گا۔ جہاد بذات خود بڑے ثواب کا باعث ہے۔

نزول: بعض صحابہ کو خیال ہوا کہ اپنے قرابتدار کفار پر جہاد نہیں کرنا چاہئے شاید وہ سمجھے کہ اہل قرابتہ سے صلہ رحمی اور سلوک کرنا چاہئے ان پر جہاد صلہ رحمی اور سلوک کے خلاف ہے کہ مومن بیٹا کافر باپ پر تیر تلوار چلائے۔ ان کے اس خیال کو دور فرمانے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں فرمایا گیا کہ ان پر تو پہلے جہاد کرنا چاہئے۔ دور والے کفار پر بعد میں (تفسیر روح المعانی) مقصد یہ ہے کہ جہاد میں کفار کو ستانا مقصود نہیں بلکہ انہیں راہ راست پر لانا مقصود ہے یہ ایک طرح کا احسان ہے اور اہل قرابتہ احسان کے زیادہ حقدار ہیں و بالوالدین احسانا یہ روحانی احسان ہے۔

تفسیر صوفیانہ: ہم کو رب تعالیٰ کی طرف سے بہت قسم کی نعمتیں ملی ہیں مالی نعمت کا شکریہ زکوۃ و صدقات ہیں۔

تفسیر: يايها الذين امنوا۔ چونکہ عبادت جہاد کی درستی ایمان پر موقوف ہے کہ بغیر ایمان نہ جہاد قبول نہ کوئی اور عبادت۔ نیز حکم جہاد نفس پر بڑا بھاری ہے اسے ہلکا کرنا مقصود ہے نیز جہاد صرف ایمان و کفر کی بناء پر جنگ کرنے کا نام ہے۔ قومیت، ملک، وطن، زبان، طلب دنیا کے لئے لڑنا بھڑنا نرا فساد ہے جہاد نہیں۔ ان وجوہ سے پہلے مجاہدین کو صفت مومنین سے پکارا۔ یہ بارہا عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید میں ان جیسے عام خطبات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ہوا کرتے۔ حضور ﷺ کے لئے خاص خطابات ہیں یاایها النبی یاایها الرسول یاایها المزمل وغیرہ۔ لہذا اس جگہ بھی حضور انور ﷺ اس خطاب میں داخل نہیں۔ دیکھو کہ یہ سورت یعنی سورۂ توبہ غزوۂ تبوک کے موقعہ پر آئی مگر حضور انور ﷺ اس حکم پر اول

www.alahazratnetwork.org

سے ہی عاقل تھے کہ حضور ﷺ نے پہلے ہی اہل حجاز پھر اہل عرب پھر دور دراز علاقہ کے کفار پر جہاد فرمائے پھر شام وغیرہ کی طرف توجہ فرمائی۔ جیسے نماز کا حکم بعد معراج قرآن مجید میں آیا مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اول سے ہی اس پر عامل تھے۔ ایمان وتوحید کا فرق ہم بارہا بیان کر چکے ہیں کہ ایمان ایک اور صرف ایک چیز کا نام ہے۔ نبی کا ماننا۔ شعر۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دین ہمہ اوست　　　اگر بہ او نہ رسیدی تمام بولہبی است

قاتلوا الذین یلونکم من الکفار۔ ظاہر یہ ہے کہ قاتلوا امر وجوب کے لئے ہے کیونکہ جہاد بھی دوسری عبادت کی طرح کچھ شرائط کے ساتھ مومنوں پر اکثر کفایہ ہوتا۔ اور کبھی فرض عین۔ چونکہ جہاد میں کفار سے لڑنا اصل مقصود ہے اس کے باقی لوازمات اس کے لیے ہیں اس لئے قاتلوا فرمایا یعنی جنگ کرو لڑو۔ مجاہدین کی حفاظت ان کی خدمت ان کی پشت پناہ بننا بھی جہاد ہے۔ یلون بنا ہے دلی سے بمعنی قرب ونزدیکی خواہ جگہ کی نزدیکی ہو یا رشتہ قرابت اور نسب وحسب وغیرہ کی یلون اصل میں یولیون تھا بروزن یفضربون اس میں دو تعلیلیں ہوئیں پہلے بعد کے قاعدہ سے واؤ گرا پھری کا پیش لام کو دے کر اسے گرا دیا گیا الکفار سے مراد ہر قسم کے حربی کافر ہیں خواہ مشرک ہوں یا اہل کتاب یاد رہے۔ ہاں ذمی اور مستامن کفار پر نہیں کہ وہ ہماری امان میں ہیں۔

خیال رہے کہ جیسے نماز روزے کے احکام میں صرف ایک بار نماز روزہ نہیں بلکہ مقصد ہے پڑھتے رہو ایسے ہی قاتلوا کے معنی ہیں جہاد کرتے رہو کہ مومن کی بقا جہاد میں ہے ولیجدوا فیکم غلظۃ یہ فرمان عالی بظاہر دوسرا حکم ہے مگر درحقیقت جہاد کے حکم کا تتمہ ہے۔ مقصود تو یہ ہے کہ تم کفار کے مقابل سخت رہو مگر فرمایا یہ گیا کہ کفار تم میں سختی پائیں۔ غلظ مقابل ہے رقۃ کا رقۃ کا قت نرمی غلظۃ سختی یعنی تم میں سختی ہونی بھی چاہئے اس کا اظہار بھی کفار پر ہے۔ سختی ہونا کافی نہیں۔ بلکہ کفار کا سختی محسوس کرنا ضروری ہے۔ غلظ یعنی سختی میں بہت گنجائش ہے سخت جان، مضبوط ایمان، مضبوط ارادہ، جہاد کی پوری طاقت، کفار کے مقابلہ میں جرات وہشت کی بات کرنا ارادہ کی پختگی سب ہی اس میں داخل ہیں کہ مصیبت میں صبر دوران جنگ استقامت کفار کے مقابلہ میں سیسہ پلائی دیوار کی طرح جم جانا سب ہی اس میں داخل ہے۔ واعلموا ان اللہ مع المتقین یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے مگر جہاد کی جان ہے۔ یعنی ہمیشہ مگر جہاد میں خصوصاً تقویٰ، طہارت، اللہ تعالیٰ کا خوف مومن کے لئے لازم ہے۔ تقویٰ مومن کا وہ ہتھیار ہے جو کسی کافر کو میسر نہیں اور بفضلہ تعالیٰ اس کے مقابل کوئی مادی طاقت نہیں ٹھہرتی۔

خیال رہے: کہ اللہ تعالیٰ کا ساتھ بہت قسم کا ہے، رحمت وکرم نوازی کا ساتھ، نصرت ومدد کا ساتھ وغیرہ، یہاں یہ دونوں ساتھ مراد ہو سکتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کا رحم وکرم اور مدد ونصرت پرہیز گاروں کے ساتھ ہے تم بوقت جہاد اعلیٰ درجہ کے متقی رہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ جب ہم تمہارے ساتھ ہوں تو کوئی تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔ یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے۔ دوسرے پارہ میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ صبر والوں کے ساتھ ہے ان اللہ مع الصابرین ایک جگہ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب مسلمانوں کے ساتھ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غار ثور میں اپنے پیارے ساتھی ابوبکر صدیق سے فرمایا لا تحزن ان اللہ معنا غم نہ کرو۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ غرضکہ رب کے ہمراہی مختلف نوعیت کی ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے مومنو! تم کو حکم دیا جا چکا ہے کہ سارے کفار پر جہاد کرو اقتلوا المشرکین کافۃ مگر جہاد کی ترتیب یہ رکھو کہ پہلے اپنے قریب والے کفار سے جنگ کرو۔ یا اس طرح کہ پہلے اپنے عزیز و اقارب کافروں پر جہاد کرو یا اس طرح کہ پہلے ان کافروں پر جہاد کرو جو تم سے قریب جگہ ہیں پھر دور والے کافروں پر۔ چونکہ دنیا بھر کے کفار پر بیک وقت تو جہاد نہیں ہو سکتا لہٰذا اس ترتیب سے جہاد کرو۔ یہ بھی خیال رکھو کہ تم میں کفار کبھی بھی کسی طرح کا پلپلہ پن نہ پائیں۔ تم میں ہر طرح کی مضبوطی سختی، پختگی پائیں۔ مال تمہارے مضبوط ہوں۔ سامان جہاد تمہارے پاس اعلیٰ درجہ کا بقدر طاقت موجود ہو۔ کفار سے گفتگو نہایت بہادرانہ کرو۔ بدلہ کا موقعہ آئے تو ایسا بدلہ لو جو انہیں پشتوں یاد رہے ان کی بھاری تعداد کثرت سامان سے مرعوب نہ ہو جاؤ۔ ساتھ میں یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کے ساتھ ہے یوں تو ہمیشہ پرہیز گار رہو مگر جہاد میں بڑے متقی بن کر رہو۔

لطیفہ: کسی نے سکندر سے کہا کہ تیرے مقابل دارا کی فوج دس لاکھ ہے۔ ہنس کر بولا کہ قصائی بکروں کی زیادہ بھیڑ سے گھبرایا نہیں کرتا۔

خیال رہے: کہ جہاد کی اس ترتیب میں کہ پہلے قریبی کافروں پر ہو پھر دور والوں پر بہت حکمتیں ہیں (۱) قریبی کافروں پر جہاد کرنے میں تھوڑی سواریاں تھوڑا سامان بھی کافی ہوتا ہے دور جا کر جہاد میں بڑے سامان وغیرہ کی ضرورت ہے، بہر حال قریبی جہاد آسان ہے دور والا مشکل۔ آسان کام پہلے کرو مشکل بعد میں۔ (۲) قریبی کافروں کو چھوڑ کر دور والوں پر جہاد کرنا اپنے مکانات اور بال بچوں کو ہلاک کرنا ہے کہ مسلمان دور جگہ میں جہاد کرتے ہوں اور قریبی کافران کے شہروں بال بچوں پر ٹوٹ پڑیں پہلے قریب کو ہموار کرو پھر دور جا کر جہاد کرو۔ (۳) عام طور پر قریبی علاقہ کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں دور سے بے خبر لہٰذا قریب علاقہ کا فتح کرنا آسان ہے (۴) بفضلہ تعالیٰ دار السلام دنیا میں پھیلا ہوا ہے تو ہر سلطنت اسلامیہ اپنے قریبی کافروں پر جہاد کرے یہ مناسب ہے نہ یہ کہ دور کے لوگ آکر جہاد کریں بہر حال اس ترتیب میں بہت حکمتیں ہیں (تفسیر کبیر)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مومن کی جنگ کفار سے جہاد ہے مگر کافروں کی جنگ مومنین سے عین فساد ہے جنگ ایک ہے مگر اس کے رخ دو۔ یہ فائدہ یاایھا الذین امنوا خطاب سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کفر و اسلام کے سوا، کسی دنیاوی وجہ سے لڑنا بھڑنا جہاد نہیں۔ فتنہ و فساد ہے جیسے برادریوں یا ملکی یا زبانی جھگڑوں کی بنا پر جنگ یہ فائدہ بھی الذین امنوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مومن بھی کفار سے جنگ کریں تو نہ ملک کے لئے کریں نہ مال کے لئے صرف اسلام پھیلانے کے لئے یہ

www.alahazratnetwork.org

فائدہ بھی اس الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ شعر

جنگ کافر فتنه و غارتگری است　　جنگ مومن سنت پیغمبری است

اس لئے قرآن مجید میں جاھدوا فی سبیل اللہ یاقاتلوا فی سبیل اللہ فرمایا گیا۔

چوتھا فائدہ: ہر قسم کے کفار پر جہاد کیا جاتا ہے خواہ مشرک ہوں یا کتابی یا اور یہ فائدہ الکفار جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: جہاد میں کسی کافر کی رعایت نہیں اپنا ہو یا پرایا یہ فائدہ یلونکم کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ قریبی سے مراد نسبی قریبی ہوں۔ اس کی تفسیر غازیان بدر کی سیرت پاک ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن کو مقابلہ کی دعوت دی کہ آ بیٹا۔ باپ بیٹے کے دو دو ہاتھ ہو جائیں وغیرہ وغیرہ ایسے جہاد میں اللہ کی رحمت کیوں نہ شامل حال ہو۔

چھٹا فائدہ: مجاہد غازی کفار کے سامنے اپنی بہادری ظاہر کرے اس سے سخت کلام کرے سختی کی باتیں کرے سب جائز ہے۔ یہ فائدہ ولیجدوا فیکم غلظة اس غلظ یعنی سختی میں کلام کی سختی بھی داخل ہے۔ خیال رکھو کہ کمزور ہونا برا نہیں اپنے کو کمزور سمجھنا برا ہے۔ ہر مجاہد اپنے کو بہادر اپنے مقابل کافر کو بزدل سمجھ کر میدان میں جائے انشاءاللہ مار کر آئے گا۔

ساتواں فائدہ: تقویٰ و پرہیزگاری ہر وقت ضروری ہے مگر بحالت جہاد بہت ضروری کہ اس وقت غازیوں کی نصرت اور تائید الٰہی کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور اللہ کی مدد و رحمت تقویٰ سے آتی ہے۔ یہ فائدہ ان اللہ مع المتقین سے حاصل ہوا۔ بعض غازی مجاہد نماز میں سستی کرتے ہیں۔ بعض لوگ غنیمت لوٹ مار پر نظر رکھتے ہیں یہ غلطی ہے اللہ فتح دے پھر سب کچھ تمہارا ہی ہے ایمان و تقویٰ جہاد میں مومنوں کا بہترین ہتھیار ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ صرف قریبی کافروں پر جہاد کرنا چاہئے۔ دور والوں پر نہیں کہ فرمایا گیا یلونکم۔

نوٹ: بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ آیت منسوخ ہے۔ اقتلوا المشرکین کافة سے یہاں صرف قریبی کافروں پر جہاد کا حکم ہے وہاں سارے کافروں پر۔

جواب: یہ اعتراض جب درست ہوتا جب یہاں فرمایا جاتا کہ صرف قریبیوں سے جہاد کرو۔ حصر کا لفظ کوئی نہیں یہ آیت کریمہ جہاد کی ترتیب بتا رہی ہے کہ پہلے قریبی کافروں پر جہاد کرو پھر دور والوں پر۔ گویا یہ آیت اقتلوا المشرکین کافة کی تفسیر ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے غزوات اس کی تفسیر ہیں۔ صحابہ کرام نے شام فتح کرنے کے بعد عراق کا رخ کیا۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے کہیں فرمایا گیا کہ اللہ صابروں کے ساتھ ہے کہیں فرمایا کہ اللہ ہر مومن کے ساتھ ہے کہیں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کے ساتھ ہے وھو معھم اذ یبیتون ما لا یرضی من القول بتاؤ کون سی آیت صحیح ہے رب کس کے ساتھ ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ رب تعالیٰ قہر و غضب سے کافروں کے ساتھ ہے رحم و کرم کے ساتھ

www.alahazratnetwork.org

مومنوں کے ساتھ ہے مجرم کے ساتھ بھی پولیس ہوتی ہے اور شاہی مہمان کے ساتھ بھی جب کہ اس کا استقبال کرتی ہے۔

تیسرا اعتراض: مسلمانوں سے فرمایا گیا قاتلوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا گیا یا ایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم میں فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

جواب: جہاد عام ہے قتال خاص قتال صرف تلوار سے لڑنے کو کہتے ہیں مگر جہاد تلوار، زبان، قلم سب سے جہاد کرنے کو کہتے ہیں۔ اس لئے یہاں صرف کفار کا ذکر ہے وہاں منافقوں کا بھی جاھدوا الکفار والمنافقین منافقوں پر تلوار سے جہاد نہیں ہوتا صرف زبان سے ہوتا ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ جہاد صرف کفار پر ہوگا۔ مگر حضرت علی نے جناب امیر معاویہ اور حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ سے جہاد کیا۔ یہاں کفار کی قید کیوں لگائی گئی۔

جواب: وہ جہاد نہ تھا بلکہ بغاوت دبانے کے لئے قتال تھا رب فرماتا ہے وقاتلوا التی تبغی حتی تفئی الی امر اللہ باغیہ جماعت سے قتال کرو۔ حتیٰ کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے اس لئے اس جنگ میں نہ کسی کا مال غنیمت بنایا گیا نہ کسی کو لونڈی غلام۔ حضرت علی نے فرمایا کہ اخوانا بغوا علینا یہ ہمارے بھائی ہیں ہم پر بغاوت کر بیٹھے۔

پانچواں فائدہ: حضرت علی نے خوارج پر جہاد کیا وہ بھی تو مسلمان غازی تھے۔

جواب: خارجی لوگ کافر مطلق ہیں۔ ان کے متعلق حضور انور ﷺ نے فرمایا کہ وہ قرآن پڑھیں گے مگر اسلام سے ایسے نکل چکے ہوں گے جیسے کمان یا شکار سے تیر۔

تفسیر صوفیانہ: اے مومنو! پہلے اپنے قریبی نفس امارہ پر قتال و جہاد کرو۔ پھر خارجی اور دور والے کافروں پر خیال رکھو کہ خارجی کافروں سے جہاد آسان ہے مگر اپنے نفس سے جہاد مشکل اس لئے تم میں خوب سختی اور غلظت چاہئے کسی وقت نفس تم کو زم نہ پائے۔ شعر۔

اے شہاں کشتیم ما خصم بروں ماند خصمے زو بتر در اندروں
قد رجعنا من جھاد الاصغر یم باعدو اند جہاد اکبر یم
سہل شیرے داں کہ بشکند بروں شیر آنست آنکہ خودرا بشکند

کفار سے جہاد جہاد اصغر ہے اپنے نفس سے جہاد جہاد اکبر کفار پر جہاد تیر و تلوار سے ہوتا ہے نفس سے جہاد خوف خدا عشق نبی مختار کے ہتھیار سے ہوتا ہے۔ تیر تلوار بازار میں مل جاتے ہیں مگر یہ ہتھیار کوچہ یار سے ملتے ہیں صوفیاء فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا وقولہ قولا لینا۔ فرعون سے نرم بات کرنا۔ مگر ہمارے محبوب سے فرمایا گیا یا ایھا النبی جاھدا الکفار والمنافقین واغلظ علیھم اور امت رسول سے فرمایا گیا ولیجد وفیکم غلظه کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جلالی نبی ہیں، وہاں جمال کی طرف رہبری کی گئی۔ ہمارے حضور ﷺ جمالی رسول انہیں جلال کی تعلیم دی گئی۔

www.alahazratnetwork.org

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ فَمِنْهُمْ مَنْ يَقُولُ أَيُّكُمْ

اور جب بھی اتاری جاتی ہے سورت پس ان میں سے بعض وہ ہیں جو کہتے ہیں کہ تم

اور جب کوئی سورت اترتی ہے تو ان میں کوئی کہنے لگتا ہے کہ اس نے تم میں

زَادَتْهُ هَٰذِهِ إِيمَانًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَزَادَتْهُمْ

سے کون ہے کہ بڑھایا اس کو اس نے ایمان پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے پس

کس کے ایمان کو ترقی دی تو وہ جو ایمان والے ہیں ان کے ایمان کو اس نے ترقی دی

إِيمَانًا وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ﴿١٢٤﴾ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي

بڑھائی ہیں ان کے ایمان کو اور وہ بشارت حاصل کرتے ہیں اور لیکن وہ لوگ کہ ان کے دلوں

اور وہ خوشیاں منا رہے ہیں اور جن کے دلوں میں

قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ وَ

میں بیماری ہے پس بڑھاتی ہے ان کی گندگی طرف ان کے اور

آزار ہے انہیں اور پلیدی پر پلیدی بڑھائی اور

مَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿١٢٥﴾

وہ مر گئے حالانکہ وہ کافر ہیں

وہ کفر پر ہی مر گئے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالٰی متقین مومنین کے ساتھ ہے یعنی اللہ کی رحمت متقین کے ساتھ ہے ان رحمته الله قریب من المحسنین اس سے پتہ لگا کہ کفار و منافقین کے ساتھ اللہ کی رحمت نہیں اب اس امر ای کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ چونکہ مومنوں کے ساتھ اللہ ہے لہذا کلام اللہ قرآن مجید کی ہر سورۃ ہر آیت ان کے ایمان میں اضافہ کرتی ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کا نتیجہ ہے۔

دوسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ سارے مومن غزوہ میں نہ جائیں بلکہ کچھ لوگ حضور انور ﷺ کے ساتھ مدینہ میں رہیں تا کہ وہ اس زمانہ میں فقیہ فی الدین اور مبلغ بنیں اب ارشاد ہے کہ یہ نعمت صرف مومنوں کو نصیب ہوگی

www.alahazratnetwork.org

رہے منافقین وہ حضور انور ﷺ کے پاس رہ کر آیات قرآنیہ کا نزول دیکھ کر اپنا کفر ہی بڑھائیں گے کتا سمندر میں غوطہ لگا کر زیادہ گندا ہی ہوگا۔

تیسرا تعلق: گزشتہ پچھلی آیات میں مومنین مجاہدین کے متعلق ارشاد ہوا تھا کہ ان کی ہر حرکت اللہ کی رحمت ہے راہ خدا میں بھوک پیاس۔ تکلیف کفار کے ملک میں داخل ہونا خرچ کرنا سب ہی ثواب کا باعث ہے **ذلک بانہم لا یصیبھم ظلماء و لا نصب** اب ارشاد ہو رہا ہے کہ جیسے مومنوں کی حرکت میں برکت ہے ایسے ان کے ہر سکون میں مدینہ منورہ میں حضور ﷺ کے ساتھ رہنے میں رحمت ہی رحمت گویا مومنوں کی جنبش وسکون بابرکت ہیں کہ جہاد میں جائیں تو ثواب بڑھے حضور انور ﷺ کے ساتھ رہیں تو ایمان بڑھے۔ منافقوں کی حرکت وسکون لعنت ہی لعنت ہے اگر جہاد میں آ جائیں تو نامہ اعمال کی سیاہی بڑھائیں۔ یہاں رہیں تو روسیاہی بڑھائیں۔

تفسیر: **واذا ما انزلت سورۃ** چونکہ یہ فرمان عالی علیحدہ کلام ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اس میں اذا یا ظرفیہ ہے یا شرطیہ مگر ما بہرحال نکرہ کا ہے جس سے ظرفیت کو عام کر دیا اب معنی ہوئے جب کبھی یہاں انزال کے معنی مطلقا اترنا ہے نہ کہ یکدم اترنا سورۃ سے مراد مطلقا قرآن مجید کا کوئی حصہ ہے۔ خواہ سورۃ ہو یا آیت۔ سورۃ اور آیت کا فرق ان کے اقسام اور احکام سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کئے جا چکے ہیں۔ یعنی جب بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ اتارا جاتا ہے **فمنھم من یقول ایکم زادتہ ھذہ ایمانا** یہ عبارت اذا ما کی جزا ہے بحذف جزائیہ ہے ھم سے مراد منافقین ہیں نہ کہ ضعفاء مومنین جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا یقول کا تعلق منافقین سے ہی ہے یعنی بعض منافقین اپنی مجلسوں دوسرے منافقوں سے بطور مذاق و دل لگی کہتے کہ میرا ایمان تو بڑھا نہیں تم میں کوئی ایسا ہے جس کا ایمان اس نازل شدہ آیت سے بڑھا؟ وہ جواب دیتے ہیں۔ نہیں جی ہمارا ایمان بھی نہیں بڑھا اس آیت کریمہ کا مذاق اڑاتے تھے کہ **و اذا تلیت علیھم ایاتہ زادتھم ایمانا** یعنی جب مسلمانوں پر آیات الہیہ تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان بڑھا دیتی ہیں یہ مردود کہتے ہیں کہ یہ آیت غلط ہے کیونکہ آیات اتر رہی ہیں ہم میں سے کسی کا ایمان بھی نہیں بڑھا۔ بے وقوفو اگر ایمان ہوتا تو بڑھتا جب تمہارے پاس ایمان ہی نہیں تو بڑھے کیا چیز۔ چنانچہ ارشاد ہوا **فاما الذین امنوا فزادتھم ایمانا** یہ فرمان عالی ان منافقوں کی تردید کے لئے ہے۔

خیال رہے: کہ ایمان نبی سے ملتا ہے نہ کہ صرف قرآن سے۔ قرآن مجید کی آیتیں اس حاصل شدہ ایمان میں زیادتی کر دیتی ہیں بارش کا پانی بوئے ہوئے تخم کو اگا دیتی ہے۔ تخم بونا کاشت کار کا کام ہے دل میں تخم ایمان نگاہ مصطفوی بوتی ہے قرآن مجید اسے اگاتا ہے۔ بعض وہ لوگ ہیں جو عین جہاد کی حالت میں حضور ﷺ کو دیکھ کر ایمان لائے اور شہید ہو گئے انہوں نے قرآن مجید کا نام بھی نہیں سنا۔ فرعونی جادوگروں نے توریت کا نام بھی نہیں سنا تھا۔ مگر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائے اور شہید ہو گئے یہ بات خوب خیال میں رہے اس لئے اس آیت **الذین امنوا** کو بطور شرط بیان فرمایا۔ اور **فزادتھم ایمانا** بطور جزاء۔ بہرحال قرآن ایمان دیتا نہیں بڑھاتا ہے۔ عطاء ایمان نگاہ مصطفیٰ سے ہے ایمان کی زیادتی و کمی کی بحث ہم بارہا کر چکے ہیں کہ نفس ایمان مقدار میں نہیں بڑھتا کہ کسی کا ایمان آدھا ہو کسی کا پورا کسی کا سوایا کسی کا ڈیوڑھا وغیرہ۔ ایمان

www.alahazratnetwork.org

ولی یقین کا نام ہے جو ایک بسیط چیز ہے ہاں ایمان کی کیفیت بڑھتی گھٹتی ہے کہ کسی کو یقین کسی کو عین الیقین کسی کو حق الیقین حاصل ہوتا ہے۔ یا مومن بہ کی زیادتی ہوتی ہے۔ کہ جتنی آیات آتی گئیں اس پر ایمان لاتے گئے اس کی کچھ تحقیق ہم تیسرے پارہ میں ولکن لیطمئن قلبی کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ وھم یستبشرون یہ عبارت حال ہے زادتھم کی ھم سے استبشار کے معنی ہیں۔ خوشی منانا یا ایک دوسرے کو خوشخبری سنانا مبارکباد دینا یعنی مومن کا ایمان اس حال میں بڑھتا ہے کہ وہ نزول آیات پر خوشیاں مناتے ایک دوسرے کو مبارک دیتے ہیں کیونکہ بعض آیات میں حضور ﷺ کی نعت ہوتی ہے جو ایمان کی جان ہے کسی میں مومنین کو رحمت و برکت کی خوشخبری کسی میں آئندہ فتح و نصرت کی بشارت کسی میں کفار پر عتاب کسی میں شریعت کے احکام یہ تمام چیزیں خوشی کی ہیں۔ واما الذین فی قلوبھم مرض یہ تصویر کا دوسرا رخ ہے۔ جس میں منافقین کی حالت زار کا ذکر ہے الذین سے مراد منافقین ہیں۔ مرض سے مراد وہ نفاق اور حیرت ہے جو دل کی بیماری ہے۔ جیسے بدن کی بیماری کا انجام موت ہے ایسے ہی دل کی بیماری کا انجام ہلاکت روح ہے۔ منافقین کو یہ بیماری حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر اطمینان نہ ہونے کی وجہ سے ہے کہ کبھی سمجھتے ہیں حضور انور ﷺ برحق ہیں کبھی سمجھتے ہیں کہ نہیں فزادتھم رجسا الی رجسھم یہ فرمان عالی خبر ہے الذین فی قلوبھم (الخ) کی چونکہ اما نے اس میں شرط کے معنی پیدا کر دیے تھے اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی ذات کا فاعل مذکورہ آیات قرآنیہ ہیں جس سے مراد ان کی بدعقیدگی اور انکار آیات ہے رجس اور نجس دونوں کے معنی پلیدی نجاست ہے مگر اکثر لفظ نجس طبعی پلیدی پر بولا جاتا ہے اور رجس عقلی گندگی کو چونکہ یہاں بدعقیدگی مراد ہے جو کہ عقلی نجاست ہے اس لئے رجس ارشاد ہوا (روح البیان) وماتوا وھم کافرون یہ فرمان عالی معطوف ہے فزادتھم (الخ) پر اور منافقین کے دوسرے برے انجام کا ذکر۔ اس میں ماضی بمعنی مستقبل ہے خلاصہ یہ ہے کہ آیات قرآنیہ کے نزول سے مسلمانوں کو دو نفع ہیں۔ ایمان میں زیادتی اور بشارت منافقوں کو دو نقصان کفر کی زیادتی اور کفر پر موت۔ خیال رہے کہ کفر بھی ایک بسیط چیز ہے جس میں مقدار کی زیادتی کمی نہیں ہوتی کوئی کوئی آدھا تین پاؤ کافر نہیں ہوتا نہ کوئی سوایا ڈیڑھ کافر۔ ہاں نفعت میں زیادتی کمی ہوتی ہے۔ کوئی سخت تر کافر کوئی ہلکا کافر۔ رب فرماتا ہے الاعراب اشد کفر ونفاقا یا یہ مطلب ہے کہ آیات نازل ہوتی رہتی ہیں ان کے دل کا انکار بڑھتا رہتا ہے کہ ہر آیت کا انکار کرتے جاتے ہیں۔ خیال رہے کہ یہ فرمان عالی ان منافقوں کے متعلق ہے جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آ چکا تھا۔ اس لئے آئندہ موت کو ماضی سے تعبیر فرمایا اور نہ بعض منافقین توبہ کر کے مخلصین بن گئے غالب یہ ہے کہ نفاق پر مرنے والے وہ منافقین تھے جو یہ بکواس کرتے تھے کہ بولو آیات نے کسی کا ایمان بڑھایا۔

خلاصہ تفسیر: جب بھی قرآن مجید کا کوئی حصہ آیت یا سورۃ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتی ہے تو منافقین اپنی مخصوص مجلسوں میں دل لگی مذاق کے طور پر بعض سے پوچھتے ہیں کہ بولو اس آیت نے کسی ایمان میں اضافہ کیا تو دوسرے کہتے ہیں کہ ہم میں سے تو کسی کا ایمان نہیں بڑھایا۔ بے وقوفو! یہ فیصلہ رب سے سنو۔ لوگ دو طرح کے ہیں مخلصین اور منافقین۔ مخلصین کو ہر آیت سے دو نعمتیں ملتی ہیں ایک یہ کہ ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اس میں ترقی ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ

www.alahazratnetwork.org

وہ ہر آیت کے نزول پر خوشیاں مناتے ہیں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں۔ منافقین پر آیت سے دو آفتیں آتی ہیں ایک یہ کہ اولاً تو ان میں پہلے سے ہی پلیدی موجود ہے نزول آیت سے وہ اور زیادہ ہو جاتی ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ آیات کا انکار کر کے ان کا مذاق اڑا کر کفر پر ہی مریں گے۔ ان کے لئے یہ ہی فیصلہ ہو چکا ہے۔ بارش زمین میں سبزہ اگاتی ہے گندی نالی میں اور گندگی بڑھاتی ہے بارش تمام زمین کے لئے رحمت ہے گندی نالی کے لئے زحمت۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: آیات قرآنیہ کا مذاق اڑانا کفر ہے اور طریقہ منافقین ہے یہ فائدہ ایکم زادته هذه (الخ) سے حاصل ہوا۔ منافقین یہ گفتگو مذاق کے طور پر کرتے تھے۔

دوسرا فائدہ: قرآن مجید سچا ہے اس کی کسی چیز کسی تاثر کو غلط سمجھنا کفر اور طریقہ منافقین یہ فائدہ بھی اس ایکم زادته (الخ) سے حاصل ہوا کہ منافقین یہ گفتگو اس آیت کو غلط ثابت کرنے کے لئے کرتے تھے واذا تلیت علیهم آیاته زادتهم ایمانا قرآن کی ہر خبر سچی ہے اگر کسی موقعہ پر اس خبر کا ظہور نہ ہو یا الٹا ظہور ہو تو اس کی وجہ ہماری اپنی خرابی ہے۔ اگر بارش کھاری زمین میں پیداوار نہ کرے تو بارش کی خرابی نہیں زمین کی خرابی ہے۔ شعر۔

باران کہ در لطافت طبعش خلاف نیست در باغ لالہ روید و در شورہ بوم و خس

تیسرا فائدہ: ایمان اور کفر دونوں کی کیفیت میں زیادتی کمی ہو سکتی ہے بلکہ ہوتی رہتی ہے۔ یہ فائدہ فزادتهم ایمانا اور فزادتهم رجسا الی رجسهم سے حاصل ہوا۔ مگر کیفیت اور مقدار کا فرق خیال میں رہے۔

چوتھا فائدہ: قرآن مجید سے ایمان نہیں ملتا بلکہ کبھی زیادتی ایمان ملتی ہے۔ یہ فائدہ آمنوا ماضی اور زادتهم (الخ) سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ آیات قرآنیہ مومنین کے لئے رحمت ہیں منافقین و کفار کے لئے عذاب جیسے بارش کا پانی اچھی زمین کے لئے رحمت کھاری زمین اور بعض گھاس کے لئے نقصان دہ یہ فائدہ ان دونوں آیتوں کے مضمون سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ نزول آیات کی تاریخوں میں خوشیاں منانا بلکہ خود بعض آیات پر خوشی منانا مومنین کا طریقہ ہے اور رب تعالیٰ کو پسند ہے یہ فائدہ وهم یستبشرون سے حاصل ہوا۔ بعض لوگ جب ان کے بچے مکتب میں سورہ اقراء شروع کرتے ہیں تو شیرینی تقسیم کرتے ہیں ان سب حضرات کی دلیل یہ ہی آیت ہے وهم یستبشرون۔

ساتواں فائدہ: یوں ہی عید میلاد النبی منانا۔ ربیع الاول میں روشنی۔ خیرات جیسے جلوس قائم کرنا رات کو نوافل پڑھنا مومنین کا طریقہ ہے آیات کے نزول پر خوشی منانا رب کو پیارا ہے تو جن کے دم کی یہ ساری بہار ہے ان کی تشریف آوری کی خوشی منانا رب کو ضرور پیارا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ قل بفضل الله وبرحمته فبذالک فلیفرحوا اور فرماتا ہے واما بنعمة ربک فحدث یعنی اپنے رب کے فضل و رحمت پر فرحت و سرور کرو اور اپنے رب کی نعمت کا چرچا کرو۔ حضور انور ﷺ تمام رحمتوں نعمتوں سے بڑی رحمت بڑی نعمت ہیں۔ حتیٰ کہ رب نے اس کا احسان جتایا ہے لقد من الله علی

www.alahazratnetwork.org

المومنین (الخ) شعر

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود حق تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

آٹھواں فائدہ: جس کے دل میں نبی سے عداوت قرآن مجید سے نفرت ہو خطرہ ہے کہ اس کا خاتمہ کفر پر ہوگا۔ ایسے بدبخت کو ہدایت بمشکل ملتی ہے۔ یہ فائدہ وما تو او ھم کافرون سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: برے عقیدے دل کی نجاست روح کی خباثت ہے جیسے پیشاب پاخانہ جسم کی نجاست ہے یہ فائدہ رجسا الی رجسھم سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے انما المشر کون نجس۔

پہلا اعتراض: اس آیت میں فرمایا گیا کہ منافقین سورت قرآنی کے نزول پر یہ مذاق اڑاتے تھے۔ کیا وہ آیت کے نزول پر مذاق اڑاتے تھے۔

جواب: یہاں سورۃ سے آیت کا مقابلہ نہیں بلکہ اس سے مراد حصہ قرآنی ہے۔ خواہ آیت ہو یا سورۃ دیکھو رب فرماتا ہے فاتو بسورۃ من مثلہ وہاں بھی سورت کے یہ معنی ہیں۔ یعنی حصہ قرآن۔

دوسرا اعتراض: فمنھم ن یقول سے پتہ چلا کہ یہ کہنے والے کون تھے اور کس سے کہتے تھے۔

جواب: عام مفسرین نے فرمایا کہ کہنے والے بھی منافقین تھے اور جن سے کہتے تھے وہ بھی منافقین تھے۔ بعض نے کہا منافقین بعض نو مسلم ضعفا سے یہ کہتے تھے انہیں بہکانے کے لئے ایک قول یہ بھی ہے بعض مومن دوسرے مومنوں سے یہ کہتے تھے۔ اظہار خوشی کے لئے اور قرآن پاک کی تعریف کرتے ہوئے مگر پہلی توجیہ قوی ہے کہ پہلے بھی منافقین کا ذکر ہوا اور آئندہ بھی انہیں کا تذکرہ ہے اور یہ کلام مذاق دل لگی اور قرآن کریم کو جھٹلانے کے لئے ہے۔ (از خازن وروح البیان)

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ایمان و کفر دونوں میں زیادتی کمی ہوتی ہے مگر فقہاء اور متکلمین کہتے ہیں کہ ان دونوں میں نہ زیادتی ہونہ کمی۔ ان کا یہ قول اس آیت کریمہ کے خلاف ہے۔

جواب: اس کا تفصیلی جواب تو تیسرے پارہ میں دیا گیا ولکن لیطمئن قلبی کی تفسیر میں اجمالی جواب ابھی تفسیر میں گزرا کہ فقہاء مقدار کی زیادتی کمی کا انکار کرتے ہیں۔ آیت میں کیفیت زیادتی مراد ہے فقہاء کا قول بالکل درست ہے ایک آیت کا منکر بھی پورا کافر ہے۔ آدھا یا پونا کافر نہیں اور سارے قرآن کا منکر بھی پورا کافر ہے بلکہ حضور انور ﷺ کی بارگاہ میں بے ادبی سے چیخ کر بولنے والا بھی پورا کافر ہے ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون۔

چوتھا اعتراض: یہاں منافقین اور کفار کے متعلق مرض اور رجس دونوں ثابت فرمائی گئی۔ فی قلوبھم مرض اور فزادتھم رجسا (الخ) اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

جواب: نفاق و کفر دونوں دل کی بیماری ہیں اور روح کو گندی کرنے والی چیزیں۔ انہیں دل کے لحاظ سے مرض فرمایا اور روح کے لحاظ سے رجس یا یوں کہو کہ کفر و نفاق دل کی بیماریاں ہیں۔ اور دل بادشاہ ہے باقی چیزیں رعایا۔ دل صحیح ہے تو سب کچھ صحیح ہے دل گندا ہے تو سب کچھ گندا۔ ان کے دل میں کفر کی بیماری آئی جس سے دل پلید ہوا اور دل کی پلیدی سے وہ

www.alahazratnetwork.org

پورے کے پورے ہی گندے ہوگئے اس لئے ارشاد ہوا فی قلوبھم مرض اور پھر ارشاد ہوا فزادتھم رجسا الی رجسھم یہاں قلب کا ذکر نہیں۔

پانچواں اعتراض: نحوی قاعدے سے زیادتی کے بعد الی نہیں آنا چاہئے پھر رجسا الی رجسھم کیوں فرمایا گیا۔ الی انتہا کے لئے آتا ہے۔

جواب: تفسیر روح المعانی نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہاں الی بمعنی مع ہے جیسے رب فرماتا ہے ولا تاکلوا اموالھم الی اموالکم میں الی بمعنی مع ہے۔ دوسرے یہ کہ یہاں زادتھم میں ضم یعنی ملانی کے معنی شامل ہیں اور ضم ب سے بھی آتا ہے۔ الی سے بھی (معانی)

تفسیر صوفیانہ: انسانوں کے دل دو طرح کے ہیں بعض وہ جن میں قدرت نے ایمان کا تخم بویا ہے بعض وہ جن میں طغیانی کا تخم ودیعۃ ہے قرآن مجید رحمت کی بارش ہے جو انسانوں کے دلوں پر برستی ہے اس بارش سے مومنوں کے دلوں میں ایمان عرفان عشق رسول خوف خدا کے باغ لگ جاتے اور کفار و منافقین کے دلوں میں ببول وغیرہ خار دار درختوں کے جھنڈ یہ بدنصیب آپس میں حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ قرآن نے تو فرمایا تھا کہ آیات قرآنیہ ایمان بڑھاتی ہیں ہم میں سے تو کسی کا ایمان نہیں بڑھتا مگر یہ نہیں سوچتے کہ ایمان بڑھے تب جب کہ اس کا تخم پہلے بویا جا چکا ہو۔ اطمینان رحمت رحمان ہے حیرت دل کا مہلک مرض ہے۔ جس سے دل کی موت واقع ہوتی ہے اس مرض کا جلد علاج کرنا چاہئے۔ اس کا علاج صحبت صالحین ہے رب فرماتا ہے وکونوا مع الصادقین اور اس کا پرہیز منافقین کی صحبت سے نفرت۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اس قرآن عظیم کے ذریعہ رب تعالیٰ بعض لوگوں کو گرائے گا بعض کو اٹھائے گا صوفیاء فرماتے ہیں کہ نیک اعمال سے ایمان کے کمال میں زیادتی ہوتی ہے حضرت صدیق اپنے دوستوں سے کہتے تھے آؤ اپنے ایمان بڑھائیں۔ حضرت علی فرماتے تھے کہ ایمان سے دل میں سفیدی اور چمک پیدا ہوتی ہے نفاق سے دل میں سیاہی آتی ہے کہ آخر میں مومن کا دل خالص چٹا چمکیلا ہو جاتا ہے کافر کا دل خالص کالا اگر کوئی مومن دل نکال کر دیکھے تو سفید پائے گا۔ منافق و کافر کا دل سیاہ دیکھے گا۔ (تفسیر خازن) نیز صوفیاء فرماتے ہیں کہ ایمان کی طرح احسان میں بھی زیادتی کمی ہوتی ہے احسان کی ابتداء وہ ہے جس کے متعلق حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کی عبادت ایسے کرو کہ گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ خیال کرلو کہ اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے اور اس احسان کی انتہاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کا آنکھ، کان، زبان، ہاتھ پاؤں ہو جائے کہ بندہ اللہ کی قوت و قدرت سے دیکھے سنے۔ بولے چلے پھر جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے یہاں تک کوئی کوئی خوش نصیب پہنچتا ہے۔

اَوَلَا يَرَوْنَ اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ
اور کیا نہیں دیکھتے وہ کہ تحقیق وہ مبتلا کیے جاتے ہیں ہر سال ایک دفعہ یا دو
کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہر سال ایک یا دو بار آزمائے جاتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

مَرَّتَيْنِ ثُمَّ لَا يَتُوبُونَ وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُونَ ﴿۱۲۶﴾

دفعہ پھر نہیں توبہ کرتے وہ اور نہ وہ نصیحت حاصل کرتے ہیں

پھر نہ توبہ کرتے ہیں نہ نصیحت مانتے ہیں

وَإِذَا مَا أُنْزِلَتْ سُورَةٌ نَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ

اور جب کبھی اتاری جاتی ہے کوئی سورت تو دیکھتے ہیں بعض ان کے طرف بعض

اور جب کوئی سورت اترتی ہے ان میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگتا ہے

هَلْ يَرَاكُمْ مِنْ أَحَدٍ ثُمَّ انْصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ

کے کہ کیا دیکھ رہا ہے تم کو کوئی ایک پھر لوٹ جاتے ہیں وہ لوٹ دیئے اللہ

کہ کوئی تمہیں دیکھتا تو نہیں پھر پلٹ جاتے ہیں اللہ نے ان کے دل پلٹ دیئے

قُلُوبَهُمْ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۱۲۷﴾

نے دل ان کے اس وجہ سے کہ تحقیق وہ قوم ہیں جو نہیں سمجھتے

کہ وہ نا سمجھ لوگ ہیں

تعلق: ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قرآن سے مومنین کے ایمان میں منافقین کے کفر میں اضافہ ہوتا ہے اب ارشاد ہے کہ دنیا کی آفتیں اور مصیبتیں مومنوں کی آنکھیں کھول دیتی ہیں مگر منافقوں کافروں کی غفلت اور زیادہ ہوجاتی ہے۔ گویا قرآنی آیات کی تاثیر کے بعد دنیوی آفات کی تاثیر کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں منافقین کے غائبانہ قول وفعل کا ذکر ہوا تھا کہ وہ حضور انور ﷺ کی مجلس سے دور اور غائب رہ کر آپس میں کیا باتیں کرتے ہیں اب ان کی حاضرانہ حرکتوں کا تذکرہ ہے کہ وہ لوگ حضور انور ﷺ کی بارگاہ عالی میں رہ کر کیا حرکتیں کرتے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ عکس آیات سے منافقین نقصان ہی پاتے ہیں اب ارشاد ہے کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پاک سے بھی یہ بدنصیب محروم ہی رہتے ہیں گویا ان کی ایک بدنصیبی کے ذکر کے بعد دوسری بدنصیبی کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: اولا یـــرون اس فرمان عالی میں الف تو انکار سوال کا ہے اور واؤ ابتدائیہ۔ یہ فرمان نیا جملہ ہے ہماری قراۃ میں

www.alahazratnetwork.org

یــرون سے ہے اس کا فاعل منافقین ہیں جن کا ذکر پہلے سے چلا آ رہا ہے ایک قرآۃ میں تــرون ت سے ہے۔ تو خطاب مسلمانوں سے ہے یرون بنا ہے رای سے بمعنی غور کرنا رویۃ بمعنی دیکھنے سے نہیں بنا۔ یعنی کیا منافقین یہ غور نہیں کرتے۔ انھم یفتنون فی کل عام مــرۃ اور مرتین۔ یہ عبارت یرون کا مفعول ہے ھم کا مرجع ہے مذکورہ منافقین میں یفتنون بنا ہے فتنۃ سے بمعنی آزمانا بمعنی آفات میں مبتلا کیا جانا۔ اس سے مراد تو بیماریاں ہیں یا قحط سالیاں یا اسلامی جہاد جو منافقوں کے لئے وبال جان ہوتے تھیں کہ اگر ان میں شریک نہ ہوں تو ان کا نفاق کھل جائے اور دنیا ان پر طعن کرے اگر جائیں تو وہاں زخمی ہونے اور مارے جانے کا خطرہ ہو جو ان کے لئے پوری مصیبت یا مراد ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا یا قرآن مجید جو سال میں ایک دو بار ان کے پول کھولتا ہے وقتاً فوقتاً حضرت جبرائیل کا حضور انور ﷺ کو ان کی خفیہ تدابیر پر مطلع کرنا ہے اور حضور انور ﷺ کا مسلمانوں کو بتا دینا ہے۔ (تفسیر کبیر وغیرہ) ثــم لایتــوبــون ولا ھــم یــذکــرون یہ عبارت معطوف ہے یفتنون (الخ) پر ثم فرما کر یہ بتایا کہ انہیں اس کے بعد کافی مہلت دی جاتی ہے کہ غور کریں مگر وہ اس مہلت سے فائدہ نہیں اٹھاتے نہ زبان سے بچی توبہ کرتے ہیں کہ ہم پر یہ آفات کیوں آ رہی ہیں یذکرون باب تفعّل سے ہے تفعل سے ہے ت کا ذال میں ادغام ہو گیا۔

خیال رہے: کہ یہاں مرہ اور مرتین عدد کے لئے نہیں بلکہ تکرار اور زیادتی کے لئے ہے جیسے رب فرماتا ہے فــارجــع البصر کرتین وہاں بھی کرتین کے معنی دو بار نہیں بلکہ بار بار ہیں یہاں تک تو ان کی بڑی غفلت اور لاپرواہی کا ذکر ہوا اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ بارگاہ رسالت سے بھی فائدہ نہیں اٹھاتے حالانکہ حضور انور ﷺ کی صحبت سے قرین شیطان بھی مسلمان ہو گیا نبی کریم فرماتے ہیں ولکن اللہ اعاننی علیہ فاسلم فلایامرنی الابخیر میری رب نے مدد کی کہ وہ مسلمان ہو گیا اور وہ مجھے بھلائی کا ہی مشورہ دیتا ہے یہ لوگ انسان ہو کر بھی فیض نہیں پاتے چنانچہ ارشاد ہے و اذا مــا انــزلــت ســورۃ اس فرمان عالی کی تفسیر ابھی پچھلی آیت میں گزر گئی کہ اذا مــا کے معنی ہیں جب کبھی اور سورۃ سے مراد ہے قرآن مجید کا حصہ خواہ آیت ہو یا سورۃ۔ یہاں نزول سے مراد ہے منافقین کی موجودگی میں نزول کہ وہ حضور انور ﷺ کی مجلس میں ہوں اور آیت اترے اور سورۃ سے مراد آیت ہے یا سورۃ ہے جس میں منافقین کے عیوب سنائے گئے ہیں اور ممکن ہے کہ حمد و نعت کی آیات مراد ہوں یا مطلقاً ہر طرح کی آیت یا سورۃ نــظــر بعضھم الی بعض یہ اذا کی جزاء ہے دونوں بعض سے مراد منافقین ہیں جو حضور انور ﷺ کی مجلس پاک میں بکھرے ہوئے بیٹھے ہوتے تھے یعنی اس موقع پر یہ لوگ مجلس پاک سے ترکیب کے ساتھ اٹھ جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ چنانچہ اولاً تو وہ ایک دوسرے کی آنکھوں آنکھوں میں اشارے کرتے ہیں کہ چلو اب یہاں ٹھہرنا ہمارے لئے نقصان دہ ہے ہمارے عیوب کی آیات اتری ہیں کہیں ہمارا راز فاش نہ ہو جائے یا حمد و نعت اور احکام اسلام کی آیات اتر رہی ہیں۔ جن سے ہم کو ہنسی آ رہی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ ہماری ہنسی زور سے نکل جائے اور ہم رسوا ہو جائیں۔ (تفسیر کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) مگر یہ دیکھ لو ھل من احل اس فرمان عالی میں احد سے مراد مومنین حاضرین ہیں یعنی کیا تمہیں کوئی مسلمان دیکھ رہا ہے تو بیٹھے رہو اگر نہیں دیکھ رہا تو اٹھ چلو مگر خبردار) ثــم انــصــرفــوا یہ رب تعالیٰ کا اپنا فرمان

www.alahazratnetwork.org

ہے اس میں ثم فرما کر یہ بتایا کہ وہ لوگ کچھ دیر اس کشمکش میں رہتے ہیں کہ اٹھیں یا نہ اٹھیں اور اٹھیں تو کس طرح اٹھیں کہ لوگ نہ ہم کو دیکھیں نہ ہمارے جانے سے خبردار ہوں۔ جہاں دیکھا کہ مسلمان ہمہ تن گوش بن کر حضور انور ﷺ کی طرف متوجہ ہیں ہم سے بے خبر ہیں تو چپکے سے ایک دو کر کے سارے اٹھ گئے باہر جا کر مل گئے رب نے فرمایا۔ **صرف اللہ قلوبھم** یہ فرمان عالی بددعا کا ہے۔ رب تعالیٰ کی بددعا کا مقصد ہوتا ہے اظہار غضب جیسے **قاتلھم اللہ انی یوفکون** یا بیان واقعہ کے لئے (روح المعانی و روح البیان وغیرہ) یعنی اللہ ان کے دل اسلام سے پھیرے ہی رکھے یا پھیرے رکھے گا یا ان کا اٹھ جانا اس لئے ہے کہ اللہ نے ان کے دل پھیر دیئے ہیں غرضکہ اس جملہ کی تین تفسیریں ہیں۔ **بانھم قوم لا یفقھون**۔ اس فرمان عالی کا تعلق یا تو **صرف اللہ** سے ہے یا **انصرفوا** سے یعنی رب نے ان کے دل اس لئے پھر دیئے یا وہ اس مجلس پاک جہاں فرشتوں کو حاضری کی تمنا رہتی ہے اس لئے اٹھ جاتے ہیں کہ وہ نا سمجھ ہے۔ (معانی) یا اللہ نے ان کے دل اس مجلس پاک سے دور کر دیئے پھر دیئے کہ وہ قوم احمق ہے بے وقوف ہے۔ وہ جب اس مجلس پاک میں آتے ہیں تو ان کے صرف جسم آتے ہیں دل وہاں سے دور رہتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: کیا یہ منافقین اس میں غور نہیں کرتے کہ وہ ہر سال ایک دو بلاؤں میں پھنستے ہی رہتے ہیں کبھی بیماری آزادی کبھی قحط سالی کبھی بال بچوں میں کمی کبھی ان کے خلاف آیات قرآنیہ کا نزول کبھی مسلمانوں پر ان کے راز کھل جانا اور ان کا ذلیل ہو جانا کبھی اسلامی جہادوں کا پیش آ جانا جو ان کے لئے ہر طرح مصیبت ہے اگر جہاد میں نہ جائیں تو بدنام ہوں اگر جائیں تو جان و مال خطرے میں پڑیں ان مصیبتوں کے باوجود نہ تو نفاق سے توبہ کرتے ہیں نہ آئندہ کے لئے نصیحت پکڑتے ہیں۔ رہے مخلص مومن وہ ہر تکلیف میں توبہ کر کے پاک و صاف ہو جاتے ہیں۔ انہیں منافقین کا حال یہ ہے کہ جب وہ آپ ﷺ کی مجلس پاک میں ہوتے ہیں اور کوئی آیۃ یا سورۃ آپ ﷺ پر اترتی ہے جس میں ان کے چھپے عیب ظاہر کئے جائیں تو انہیں آپ کی مجلس میں بیٹھنا مشکل پڑ جاتا ہے ان کے لئے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن تو ایک دوسرے کو آنکھوں سے اشارے کرتے ہیں اور آنکھوں آنکھوں میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ ذرا خیال رکھو مخلصین حاضرین کی نظریں ہم پر تو نہیں ہیں۔ اگر ہوں تو چار و ناچار بیٹھے رہو اور اگر وہ دوسری طرف متوجہ ہوں تو یہاں سے اٹھ چلو۔ دیر تک یہ ہی سوچتے رہتے ہیں۔ جہاں ان سے مومنوں کی آنکھیں بچیں اور وہ چپکے سے وہاں سے نکلے۔ اللہ تعالیٰ نے اس مجلس سے ان کے دل ہی پھیر دیئے۔ جب وہ یہاں آتے ہیں تو صرف جسم سے آتے ہیں دل دور ہی رہتے ہیں انہیں ہر دم دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں قرآن مجید یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے عیب نہ کھول دیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ وہ نا سمجھ ہیں اس مجلس پاک کے لائق ہی نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: واقعات عالم اور دنیا کی گردشوں میں غور نہ کرنا انہیں محض اتفاقیات سمجھنا منافقوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ **اولایرون** (الخ) سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: اس کے برعکس مومن ہر مصیبت کو عبرت کی نگاہ سے دیکھتا ہے اسے اپنے گناہوں کا نتیجہ سمجھتا ہے یا رب کی طرف سے امتحان اس لئے دنیا کی تکالیف اسے گناہوں سے پاک صاف کر کے یا ترقی درجات دے کر کی جاتی ہے۔

تیسرا فائدہ: انبیاء کرام اولیاء اللہ کی تکالیف ایک قسم کی تبلیغ ہوتی ہے۔ وہ صبر و شکر کر کے لوگوں کو سکھا دیتے ہیں کہ صبر یوں کیا کرتے ہیں۔ اس سے انہیں قرب الٰہی اور زیادہ حاصل ہوتا ہے۔

چوتھا فائدہ: مصیبتوں میں توبہ نہ کرنا آئندہ کے لئے نصیحت پکڑنا منافقوں کافروں کا طریقہ ہے یہ فائدہ **ثم لایتوبون** سے حاصل ہوا بیماریوں میں غافل حکیموں اور دواؤں کی طرف بھاگتا ہے مگر مومن احکم الحاکمین کی طرف ادھر سے بلاوا آ رہا ہے **ففروا الی اللہ** اے بندوں اللہ کی طرف بھاگ آؤ۔ کافر رب سے بھاگ آتا ہے۔

پانچواں فائدہ: دنیا کی مصیبتیں آزمائش و امتحان میں ہیں اور بلاوے کا سمن بھی۔ بھاگنے کا نوٹس بھی یہ فائدہ **انھم یفتنون** (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: کفر بے دینی بلکہ غیبت صرف زبان سے ہی نہیں ہوتے بلکہ دوسرے اعضاء خصوصاً نگاہوں سے بھی ہوتے ہیں یہ فائدہ **نظر بعضھم الی بعض** سے حاصل ہوا کہ منافقین اپنے خلاف آیات اترنے پر ایک دوسرے کو اشارہ کر کے ان کا انکار کرتے اور مجلس پاک سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے۔ دیکھو حضرت صدیق حضور انور ﷺ کا چہرہ پاک دیکھ کر صحابی ہوئے۔ ابوجہل نے بھی وہ چہرہ انور ﷺ کو دیکھا مگر عذابی ہوا نگاہیں بہت قسم کی ہیں۔

ساتواں فائدہ: ذکر خیر کی مجلسوں سے بھاگنے کی کوشش کرنا ان سے نفرت کرنا منافقوں کا طریقہ ہے یہ فائدہ **ثم انصرفوا** سے حاصل ہوا۔ مومن انہیں غنیمت جان کر وہاں حاضری کو خوش نصیبی سمجھتا۔

آٹھواں فائدہ: جو حضور ﷺ کے آستانہ سے نکلا وہ رب کے دروازہ سے نکالا گیا یہ فائدہ **صرف اللہ قلوبھم** سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس جو حضور انور ﷺ کے در کا ہوا وہ اللہ کا ہو گیا بلکہ اس کا ہو گیا۔

نواں فائدہ: جو علم و عقل حضور ﷺ کے آستانہ تک نہ پہنچائے وہ جہالت اور بے عقلی ہے یہ فائدہ **لا یفقھون** سے حاصل ہوا۔ دیکھو منافقین عاقل چالاک اپنے فن کار ہوشیار تھے مگر رب تعالیٰ نے انہیں **لا یفقھون** فرمایا کہ سمجھتے ہی نہیں۔ خدا جنون دے جو یار تک پہنچا دے۔ شعر۔

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں — خداوندا مجھے صاحب جنوں کر (اقبال)

پہلا اعتراض: اس آیۃ سے معلوم ہوا کہ دنیا کی مصیبتیں صرف منافقوں کافروں پر آتی ہیں دیکھو ارشاد ہوا **ثم لا یتوبون** (الخ) مگر دیکھا یہ جا رہا ہے کہ مسلمانوں پر تکالیف زیادہ آتی ہیں پھر اس آیت کریمہ کا مطلب کیا ہے۔

جواب: یہاں مصیبتیں آنے کو منافقوں کی نشانی قرار نہ دیا گیا بلکہ مصیبتوں سے عبرت نہ پکڑنا آفات کو اتفاقیات سمجھنا گناہوں سے توبہ نہ کرنا منافقوں کا طریقہ ہے اس لئے ارشاد ہوا **ثم لا یتوبون** (الخ) رب تعالیٰ بیدار دل عطا فرمائے۔

دوسرا اعتراض: یہاں **ثم لا یتوبون** ثم۔ تو مہلت کے لئے آتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: مطلب یہ ہے کہ آفات و مصیبتیں ان پر عرصہ تک رہتی ہیں۔ مگر پھر بھی عبرت نہیں پکڑتے وہ اس اونٹ کی طرح ہیں کہ جسے باندھ دو تو نہیں سمجھتا کہ کیوں باندھا گیا کھول دو تو نہیں جانتا کہ کیوں کھولا گیا۔

جواب: ثم انصرفوا سے مراد ہے منہ پھیر کر چل دینا۔ اور صرف الله قلوبهم کا مقصد یہ ہے کہ وہ جب اس دربار میں آتے ہیں تب بھی ان کے دل یہاں نہیں آتے۔ یعنی وہ حاضر ہو کر بھی غائب رہتے بلکہ دل کا غائب رہنا وجہ ہے وہاں سے بھاگ جانے کا گویا صرف الله قلوبهم دلیل ہے انصرفوا کی۔

تفسیر صوفیانہ: انسان تین قسم کے ہیں ایک وہ جو صورۃً انسان ہیں۔ سیرۃً حیوان۔ ان کا یہ حال کہ لهم قلوب لا یفقهون بها ان کے پاس دل ہیں مگر دلوں میں سمجھ نہیں۔ دوسرے وہ جسماً انسان ہیں دل کے شیطان تیسرے وہ جن کے جسم انسانی ہیں دل رحمانی یہاں منافقین کا ذکر ہے ان کے بعض حیوان تھے بعض شیطان اور حضرات صحابہ کرام جو دل سے حاضرین بارگاہ تھے وہ سب رحمانی لوگ تھے۔ رحمانیوں میں نفسانیوں اور شیطانیوں کا گزارہ کیسا اس لئے وہ اس مجلس پاک سے گھبراتے تھے اور وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتے تھے جب ان کا دل شیطانی تھا تو دنیا کی آفات سے بیدار کیسے ہوتا غفلت ان کی سرشت میں داخل تھی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ حضور انور ﷺ کا آستانہ رحمت الٰہی کا سمندر ہے سمندر دریائی جانوروں کو باہر نہیں رہنے دیتا اور خشکی کے جانوروں کو اندر نہیں آنے دیتا۔ حضور ﷺ کی مجلس مومنین کو باہر نہیں رہنے دیتی منافقین کو اندر نہیں آنے دیتی۔ مومن باہر رہ کر بھی مجلس میں حاضر رہتے ہیں۔ منافق اندر رہ کر بھی غائب مولانا فرماتے ہیں۔

ماھیاں را بحر نگذارد بروں   خاکیاں را بحر نگذارد دروں

اس لئے فرمایا صرف الله قلوبهم غافل مومن گویا سویا ہوا ہے۔ کافر گویا مردہ ہے سوتے کو بیدار کیا جا سکتا ہے مردہ کو کون جگائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دل کی چھ وارداتیں ہیں۔ زندگی موت، بیداری، نیند، تندرستی و بیماری۔ ایمان دل کی زندگی ہے کفر موت۔ تقویٰ بیداری ہے گناہ دل کی نیند ذکر صحت ہے۔ غفلت دل کی بیماری۔ پھر دل کی غذائیں دوائیں مختلف ہیں۔ (از روح البیان)

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
البتہ تحقیق آئے تمہارے پاس ایک شاندار رسول تمہاری جانوں میں سے بھاری ہے
بیشک تمہارے پاس تشریف لائے تم میں سے وہ رسول جن پر تمہارا مشقت میں پڑنا
حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٢٨﴾ فَاِنْ
ان پر وہ چیز کہ مشقت میں پڑو تم حرص والے ہیں تم پر مومنوں سے کرم والے رحم والے ہیں پس اگر
گراں ہے تمہاری بھلائی کے نہایت چاہنے والے مسلمانوں پر کمال مہربان مہربان پھر اگر
تَوَلَّوْا فَقُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ

www.alahazratnetwork.org

منہ پھیریں وہ تو تم فرما دو کہ کافی ہے مجھے اللہ نہیں ہے کوئی معبود اس کے سوا اس پر

وہ منہ پھیریں تو تم فرما دو مجھے اللہ کافی ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں میں نے اسی پر

وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ ﴿۱۲۹﴾ ع

بھروسہ کیا میں نے اور وہ رب ہے بڑے عظمت والے عرش کا

بھروسہ کیا اور وہ بڑے عرش کا مالک ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ منافقین بڑے ناقدرے تھے کہ وہ حضور انور ﷺ کی مجلس پاک کی قدر نہ کرتی تھے وہاں سے بھاگ جانے کی کوشش کرتے تھے اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کا ذکر ہے کہ حضور ﷺ کیسی شان والے ہیں تو سمجھ لو کہ ان کی مجلس پاک اللہ کی کیسی رحمت ہوگی۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں منافقین کے دربار رسول سے بھاگنے کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ وہ حضور انور ﷺ سے بھاگ کر کہاں جائیں گے ان کا نور تو ہر جگہ ہے۔ لقد جاء کم میں کم فرما کر یہ ہی بتایا جیسے کوئی شخص اللہ تعالٰی کی سلطنت سے نہیں نکل سکتا لا تنفذون الا بسلطان ایسے ہی حضور انور ﷺ کی نبوت سے نہیں نکل سکتا۔ جہاں رب کی ربوبیت ہے وہاں حضور ﷺ کی نبوت۔ سورج کی روشنی ہر جگہ موجود ہے۔

تیسرا تعلق: پہلے ارشاد ہوا کہ منافقین آپ ﷺ سے بھاگتے ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ان کا بھاگنا آپ ﷺ کو مضر نہیں آپ ﷺ کا رب تعالٰی کفیل ہے فان تولوا (الخ) گویا منافقین کی نفرت کے بعد حضور انور ﷺ کی بے پرواہی کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: لقد اس آیت کریمہ میں حضور انور ﷺ کے ساتھ صفات عالیہ کا ذکر ہوا۔ تشریف آوری۔ سب کے پاس تشریف آوری۔ شاندار رسالت۔ سارے مومنوں کی نفسوں یعنی جانوں سے ہونا۔ مومنوں کی تکلیف سے آپ ﷺ کو دکھ ہونا۔ مومنوں پر حریص۔ ان پر رؤف رحیم ہونا۔ چونکہ کفار ہمیشہ سے تمام صفات عالیہ کے منکر رہے اور منکر ہیں اور مسلمانوں کے بہت سے فرقے حضور انور ﷺ کی ان صفات میں سے بعض کے انکاری ہوئے اور ہیں ان وجوہ سے رب تعالٰی نے اسے لام اور قد دو تاکیدوں سے شروع فرمایا۔ انکار سخت تھا تو تاکید بھی قوی لائی گئی۔ جاء کم قرآن مجید میں ہم لوگوں کے لئے خلق یا بدع ارشاد فرمایا جاتا ہے۔ یعنی پیدا کرنا۔ ایجاد کرنا۔ مگر حضور انور ﷺ کے دنیا میں تشریف لانے کے لئے تین لفظ ارشاد ہوئے ہیں۔ جاء۔ ارسل اور بعث چنانچہ یہاں اور قد جاء کم من اللہ نور میں قد جاء کم برھان من ربکم

www.alahazratnetwork.org

میں جاء فرمایا۔ اور ھو الذی ارسل رسولہ وغیرہ میں ارسال اذبعث فیھم رسول میں بعث کا لفظ ارشاد ہوا ہے۔ کیونکہ حضور انور ﷺ رب تعالیٰ اعلیٰ نعمت ہیں جو بطور تحفہ مخلوق کو دیے گئے۔ نیز آپ ﷺ کا دنیا میں آنا ایسا ہے جیسے کسی حاکم کا ایک جگہ سے دوسری جگہ تبادلہ ہو کر آنا کہ وہ پہلے سے ہی من جانب حکومت افسر جگہ کی تبدیلی ہوئی ایسے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں رسول تھے۔ سارے نبیوں کو فیوض دے رہے تھے خود فرماتے ہیں کنت نبیا و ادم بین الماء والطین ہم اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام پانی ومٹی کے درمیان تھے۔ امام بوصیری فرماتے ہیں۔ شعر۔

فانک شمس فضل ھم کواکبھا   یظھرن انورھا للناس فی الظلم

سورج طلوع ہونے سے پہلے چمکیلا سورج ہی تھا۔ طلوع ہو کر ادھر متوجہ ہو گیا۔ طلوع سے پہلے چاند تاروں کے ذریعہ دنیا کو نور دے رہا تھا۔ حضور انور ﷺ تشریف آوری سے پہلے بذریعہ انبیاء دنیا کو فیض دے رہے تھے ان وجوہ سے حضور ﷺ کی تشریف آوری کو جاء سے بیان فرمایا۔ خلق یا ابدع نہیں فرمایا۔ قوی یہ ہے کہ کم میں خطاب نہ تو صرف مکہ والوں سے نہ صرف عرب والوں سے بلکہ قیامت سارے انسانوں سے ہے کہ حضور انور ﷺ سب ہی کے رسول ہیں۔

خیال رہے: کہ حضور انور ﷺ کی ولادت مکہ معظمہ میں ہوئی۔ رہائش ظاہر مدینہ منورہ میں رہی مگر جلوہ گری اور تشریف آوری ہر مومن کے سینہ میں ہے جیسے سورج رہتا ہے چوتھے آسمان پر مگر چمکتا ہے سارے جہان پر پھر سورج روشنی تو سارے جہان کو دیتا ہے۔ مگر دانے کھیت میں پھل باغ میں پکاتا ہے لعل بدخشاں کے پہاڑ میں۔ یونہی حضور انور ﷺ نے ہدایت سب کو دی مگر ایمان، عرفان، ولایت قرب الٰہی کسی کسی کو۔ خیال رہے کہ حضور انور ﷺ ساری مخلوق الٰہی کے نبی ہیں۔ لیکون للعالمین نذیرا ساری خلقت پر حضور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے مگر شریعت کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں اس وجہ سے جاء کم میں خطاب صرف انسان سے ہوا۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضور انور ﷺ کی وفات سے احکام کی ولادت یعنی ظہور ختم ہوا آپ ﷺ کی تشریف آوری ختم نہیں ہوئی۔ حضور انور ﷺ تا قیامت ہر مومن کے پاس اس کے ساتھ ہیں۔ جیسے سورج غروب ہو کر مٹ نہیں جاتا چھپ جاتا ہے اور چھپنے کے بعد بھی نماز۔ مغرب، عشاء، تہجد، فجر کے اوقات بناتا ہے۔ چاند تارے چمکاتا ہے طلوع ہو کر نماز اشراق، ظہر عصر کے اوقات بناتا ہے ذرے چمکاتا ہے حضور انور ﷺ ظاہری حیات میں تھے تو صحابہ بنا رہے تھے پردہ فرمانے کے بعد اولیاء اللہ علماء دین بنا رہے ہیں اگلی تمام صفات اسی عموی تشریف آوری پر مبنی ہیں۔ رسول یہ جاءکا فاعل ہے حضور انور ﷺ کو رب تعالیٰ نے لاکھوں صفات بخشی ہیں۔

تیری صفات عیب تناہی سے ہیں بری   حیراں ہوں میرے شاہ میں کیا کیا کہوں تجھے

نبوت و رسالت حضور ﷺ کے مشہور ترین صفات ہیں حتیٰ کہ کلمہ طیبہ میں آپ ﷺ کا ذکر صفت رسالت سے ہے محمد رسول اللہ محمد ہیں اللہ کی طرف سے فرمان رساں اور رسول فیضان رساں کا نام ہے۔ اس لئے حضرت جبرائیل نے بی بی مریم سے فرمایا تھا انما انا رسول ربک لاھب لک غلاما زکیا۔ دیکھو انہیں بیٹا دینے آئے تو اپنے کو رسول کہا پتہ لگا کہ رسول وہ ہی ہوتے ہیں۔ جو رب کی طرف سے کچھ دینے آتے ہیں۔ رسول کی توین یا تعظیم کی ہے یعنی شاندار اور عظمت

www.alahazratnetwork.org

والے رسول جو رسولوں کے بھی رسول ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے میثاق کے دن تمام رسولوں سے حضور انور ﷺ پر ایمان لانے آپ ﷺ سے تعاون کرنے کا عہد و پیمان لیا۔ لتومنن بہ ولتنصرنہ سارے رسولوں نے معراج کی رات حضور انور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھی۔ شعر۔

نماز اسریٰ میں تھا یہ ہی سر عیاں ہو معنی اول آخر کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر جو سلطنت پہلے کر گئے تھے

یا یہ تنوین عموم کی ہے یعنی سب کے رسول جنہیں ہم گنہگار کہیں کہ ہمارے رسول۔ متقی پرہیزگار ہمارے رسول اخیار و ابرار کہیں ہمارے رسول بلکہ خود رب غفار و ستار کہئے ہمارے رسول یعنی خدا کے رسول خدائی کے رسول بہر حال رسول بھی حضور انور ﷺ کی نعت ہے اور اس کی تنوین بھی۔ چوتھی صفت ارشاد ہوئی۔ من انفسکم یہ فرمان عالی کائن کے متعلق ہو کر رسول کی صفت ہے یعنی ایسے رسول آئے جو تمہاری نفسوں میں سے ہیں ہماری قرات میں انفس ف کے پیش سے ہے۔ نفس کی جمع نفس کے بہت معنی ہیں۔ ذات، جنس، جان، دل، خون وغیرہ علماء کرام کے نزدیک بمعنی جذات یا جنس ہے اس میں خطاب صرف مکہ والوں یا عرب والوں سے نہیں بلکہ تا قیامت سارے انسانوں یا سارے مسلمانوں سے یعنی وہ رسول فرشتہ یا جن میں سے نہ آئے بلکہ تم انسانوں میں سے آئے جس سے انسانیت کو فخر ہو گیا۔ شعر۔

انسانیت کو فخر ہوا تیری ذات سے بے نور تھا خرد کا ستارا تیرے بغیر

یہ بھی تم پر اللہ کا فضل ہے کیونکہ جن اور فرشتے اپنی لطافت کی وجہ سے نہ انسانوں کو نظر آئیں نہ ان سے فائدہ اٹھایا جا سکے۔ ایسی ذات کی ضرورت تھی جو صورتاً بشر ہو اور سیرت میں فرشتوں سے بھی افضل تا کہ رب سے لے سکے اور ہم کو دے سکے۔ شعر۔

مشعلہ افروز شب خاکیاں شمع سرا پردہ افلاکیاں

صوفیاء کے نزدیک نفس بمعنی روح اور جان ہے یعنی وہ تم میں ایسے آئے جیسے روح جسم میں آتی ہے۔ شعر۔

آنکھوں میں ہیں لیکن مثل نظریوں دل میں ہیں جیسے جسم و جان

ہیں مجھ میں وہ لیکن مجھ سے جہاں اس شان کی جلوہ نمائی ہے

ایک قراۃ میں انفسکم ہے ف کے فتحہ سے نفاست کی تفضیل یعنی اے انسانوں تم میں سے نفیس ترین جماعت میں سے آئے کہ ان کا ملک سارے ملکوں سے ان کا خاندان سارے خاندانوں اور ان کے ماں باپ سارے جہان کے غیر نبی ماں باپ سے ان کے صحابہ تمام نبیوں کے صحابہ سے ان کی آل پاک تمام رسولوں کی آل اولاد سے نفیس ترین ہے۔ پانچویں صفت ارشاد ہوئی عزیز علیہ ما عنتم یہ فرمان عالی رسول کی دوسری صفت ہے۔ عزیز بنا ہے عز سے بمعنی غلبہ۔ شدت۔ صعوبت۔ یہاں بمعنی شدید یا صعب ہے مَا یا مصدر ہے یا موصول عنتم بنا ہے عنت سے بمعنی مشقت و تکلیف رب فرماتا ہے ولو شاء اللہ لا عنتکم اور فرماتا ہے لمن خشی العنت منکم یعنی ان محبوب پر تمہارا مشقت میں پڑنا گراں ہے یا تمہارے وہ گناہ گراں ہیں جو تم کو مشقت یعنی دوزخ میں پہنچا ہیں تم گناہ کرتے ہو تو وہ بے چین ہو جاتے ہیں جسم کے کسی عضو

www.alahazratnetwork.org

کو چوٹ لگے تو وہ روح بے چین ہو جاتی ہے۔

خیال رہے: کہ یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ایک قراۃ میں عزیز پر وقف اور علیہ ما عنتم علیحدہ جملہ۔ اس صورۃ میں عزیز بمعنی پیارا ہے یعنی وہ رسول تم کو تمہاری جانوں سے بھی پیارے نبی۔ ان کے ذمہ کرم پر تمہارے وہ گناہ جو تم کو مشقت میں ڈالیں کہ انشاء اللہ وہ شفاعت سے بخشوائیں گے۔ دیکھو تفسیر روح البیان یہ ہی مقام۔ چھٹے صفت ارشاد ہوئی۔ حریص علیکم یہ فرمان عالی رسول کی تیسری صفت ہے حریص بنا ہے حرص سے جس کے معنی ہیں دل نہ بھرنا۔ یہ صفت بھی ہے اور عیب بھی۔ مال کی حرص بری ہے علم کی حرص اچھی عشق رسول اور خوف خدا کی حرص ایمان کی جان ہے۔ شعر

حاجتے نیک مرا سیر ازیں آب حیاتٍ ضاعف اللہ علی کل زمان عطشی

مجھے آب حیات سے کبھی سیری نہیں ہوتی اللہ میری پیاس بڑھاتا ہے مگر جو حرص حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت ہے اس کے معنی ہیں دینے سے دل نہ بھرنا ہم حریص ہیں لینے کے لئے نبی کریم حریص ہیں دینے کے لہذا علیکم سے مراد ہے علی عطاء کم۔ شعر

گھڑیاں بندہ گئیں پر ہاتھ تیرے بند نہیں بھر گئے دل نہ بھری دینے سے نیت تیری

حضور ﷺ نے حضرت عباس کو ایک بار اتنے روپیہ دیئے کہ ان سے اٹھ نہ سکے۔ اب بھی ان کی شاہانہ عطائیں دیکھنے میں آ رہی ہیں ساتویں صفت ارشاد ہوئی بالمومنین رؤف رحیم یہ رسول کی چوتھی صفت ہے بالمومنین کا تعلق رؤف رحیم دونوں سے ہے اسے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی حضور انور ﷺ رحیم تو سارے عالم پر ہیں۔ وما ارسلناک الا رحمۃ للعلمین مگر رؤف ورحیم صرف مسلمانوں پر۔ سورج روشنی دینے والا ساری دنیا کو ہے مگر روشنی اور پھل دونوں صرف باغوں کو دیتا ہے بارش ساری زمین کو تری دیتی ہے مگر تری و سبزی دونوں نفیس زمین کو دیتی ہے یا موتی صرف سمندر کی سیپ کو رؤف بنا ہے رافتہ سے بمعنی مشقت اور مصیبتوں کا دفع کرنا۔ رحیم صفت مشتبہ ہے۔ رحمت کا بمعنی احسان کرنا۔ مفید چیزیں عطا بغیر استحقاق۔ رافتہ کا ذکر رحمت سے پہلے ہے کہ مضر چیزوں کا دفع پہلے ہوتا ہے مفید کی عطا بعد میں رب فرماتا ہے رافتہ ورحمتہ ورھبانیۃ ن ابتدعوا ھا اس لئے کپڑے کی جھیں دور کرنے کو رفو کہتے ہیں خیال رہے کہ رؤف بھی رب تعالیٰ کا نام ہے اور رحیم بھی۔ رب نے یہ دونوں نام اپنے حبیب کو عطا فرمائے کسی نبی کو رب کے دو نام نہیں ملے۔ بعض نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قرابت داروں عزیزوں پر رؤف ہیں اپنے دوستوں پر رحیم۔ یا جس نے حضور ﷺ کو دیکھا اس پر رؤف ہیں جو بغیر دیکھے آپ ﷺ پر ایمان لائے ان پر رحیم (از روح المعانی) پرہیزگاروں پر رؤف ہیں گنہگاروں پر رحیم یا اس کے برعکس۔ فان تولو اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ تولو بنا ہے بمعنی منہ پھیرنا۔ اس کا فاعل یا تو کفار ہیں یا مذکورین منافقین۔ مراد ہے حضور انور ﷺ سے منہ پھیرنا یا آپ ﷺ کے صفات عالیہ کو ماننے سے منہ پھیرنا۔ یعنی اگر یہ صفات عالیہ سن کر بھی یہ لوگ آپ سے منہ پھیریں۔ فقل حسبی اللہ آپ ﷺ ان سے فرما دو کہ مجھے اللہ تعالیٰ کافی و وافی ہے اس کے ہوتے مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں۔ تم کو میری ضرورت ہے مجھ کو تمہاری ضرورت نہیں۔ اس

www.alahazratnetwork.org

جملہ کی ترکیب نحوی دوبارہ کردی گئی ہے۔ لا الہ الا ھو ۔ یہ جملہ نیا ہے اور حسبی اللہ کی دلیل ہے یعنی مجھے اس لئے کافی ہے۔ اس کے ہوتے تمہاری اس لئے ضرورنہیں کہ اس کے سواء کوئی معبود نہیں۔ جس کا وہ حامی ہوا سے کسی کی کیا حاجت اس فرمان عالی کا مقصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بے نیازی ظاہر فرماتا ہے۔ علیہ توکلت میں نے اول ہی سے صرف رب تعالیٰ پر توکل کیا علیہ کے مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ توکل کے معنی توکل کے اقسام واحکام پہلے بیان ہو چکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم توکل کے اعلیٰ درجہ پر ہیں توکل کے چند فائدے ہوتے ہیں۔ غیر خدا سے بے خوفی۔ دنیا سے مایوسی۔ رب تعالیٰ پر اعتماد دل کا سکون وچین۔ شعر۔

از خواہ یاری کہ یاری دہ اوست ۔۔۔ بدو التجا کن کہ لعبا از واست

کسی راکہ اور آدرد در پناہ ۔۔۔ چہ غم وارداز فتنہ کینہ خواہ

وھو رب العرش العظیم ہماری قرأت میں العظیم کو جر ہے۔ یہ عرش کی صفت ہے ایک قرأت میں عظیم کو پیش ہے صفت ہی رب کی عرش وکرسی کی تحقیق آیۃ الکرسی کی تفسیر میں وسع الکرسیہ کی تفسیر میں ہو چکی۔ سارے عالم اجسام میں عرش سب سے بڑا ہے کہ وہ تمام اجسام کو گھیرے ہوئے ہے۔ نیز وہ فرشتوں کا مطاف ہے کہ فرشتے اس کا طواف کرتے ہیں۔ نیز وہ قبلہ دعا ہے اس کے تیں لاکھ پائے ہیں اس کے نیچے کی سطح سے اوپر کی سطح تک ایک ہزار سال کا راستہ ہے وہ رب اس کا خالق اس کا باقی رکھنے والا ہے جب وہ عرش کا رب ہے تو ساری مخلوق کا بھی رب ہے۔ جس کو وہ اپنی پناہ میں لے لے تو کون ہے جو اس کا کچھ بگاڑ سکے (روح البیان) فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زمین پہلے آسمان کی نسبت ایسی ہے جیسے میدان میں چھوٹی سی انگوٹھی۔ پہلا آسمان دوسرے آسمان کے مقابل ایسا ہی ہے اس طرح ہر آسمان اپنے اوپر والے آسمان کے لحاظ سے ایسا ہی ہے ساتواں آسمان کرسی کی نسبت سے ایسا ہی ہے اور کرسی عرش اعظم کی نسبت سے ایسا ہی ہے فلک اعظم کا فاصلہ مرکز سے نوکروڑتیں لاکھ چوبیس ہزار چھ سونو فرسخ ہے (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: نووارد شخص کے متعلق چند سوال ہوتے ہیں کہاں سے آئے۔ کہاں آئے ہو۔ کہاں ٹھہرے ہو۔ کیوں آئے ہو۔ حضور انور ﷺ دنیا میں تشریف لائے تو آپ ﷺ کی ذات عالی کے متعلق بھی یہ تین سوال ہو سکتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے ان تینوں سوالوں کے جواب مختلف آیات میں دیئے ہیں حضور ﷺ کہاں سے آئے قد جاء کم من اللہ نور واللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے۔ وہاں سے آئے جہاں نہ وہاں ہے نہ کہاں ہے۔ کہاں آئے لقد جاء کم رسول اے انسانوں سب کے پاس آئے۔ تمہارے ایمانوں میں تمہاری جانوں میں تمہارے دلوں میں تمہارے سینوں میں آنکھوں کی پتلیوں میں آئے۔ کیوں آئے یہ بہت ہی گہرا سوال ہے اس کے جوابات مختلف میں دیئے گئے یتلو علیھم ایاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ اور فرماتا ہے واعتصموا بحبل اللہ جمیعا اور فرماتا ہے۔ ویعلمکم مالم تکونو تعلمون اور فرماتا ہے۔ عزیز علیہ ما عنتم۔ اور فرماتا ہے حریص علیکم خلاصہ یہ ہے کہ وہ اللہ کی نعمت بن کر لاکھوں کروڑوں نعمتیں بانٹنے آئے۔ تمام سخی بھکاری کو بلا کر دیتے ہیں۔ وہ ایسے نرالے سخی ہیں جو بھکاریوں کے پاس آ کر دیتے ہیں چنانچہ ارشاد ہوا

www.alahazratnetwork.org

کہ اے انسانو تمہارے پاس تمہارے رب کے شاندار رسول تشریف لائے۔ جو رسولوں کے بھی رسول ہیں اور وہ رسول آئے جو اللہ کی ساری مخلوق کے رسول ہیں وہ تمہارے پاس ایسے آئے جیسے جسم میں جان آتی ہے من انفسکم کہ جان عیاں بھی ہوتی ہے اور نہاں بھی یا تمہاری جنس سے آئے فرشتہ یا جناب میں سے نہ آئے جس سے انسانیت کو چار چاند لگ گئے۔ ان کا کرم یہ ہے کہ تمہارا غافل ہونا انہیں بہت گراں ہے خطاء تم کرو تکلیف انہیں ہو۔ تم پر بہت حریص ہیں کہ دینے سے ان کا دل ہی نہیں بھرتا۔ شعر

اے زہی قسمت کہ تو برما حریص جان عالم برتو قربان السلام

وہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں مگر مسلمانوں کے لئے رؤف بھی ہیں رحیم بھی کہ ان سے مصیبتیں رفع کرتے ہیں۔ مفید چیزیں عطا فرماتے ہیں اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اگر کفار و منافقین اب بھی آپ ﷺ سے منہ پھیریں تو آپ ﷺ اپنی شان بے نیازی ظاہر فرماتے ہوئے انہیں بتادو کہ مجھے تمہاری ضرورت نہیں۔ مجھے میرا رب کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ میرا اسی پر بھروسہ ہے۔ وہ تو عرش عظیم جیسی مخلوق کا رب ہے جس کا وہ والی اور کارساز ہو اسے کسی کی کیا پرواہ ہو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا میں تمام لوگ بننے سیکھنے کے لئے آتے ہیں۔ اس لئے ان کا دنیا میں آنا خلق ہے مگر حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کچھ سیکھ کر بن کر آتے ہیں سکھانے بنانے کے لئے آتے ہیں۔ یہ فائدہ لقد جاء (الخ) سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں ہمارے لئے ہدایت ہے حضور انور ﷺ کے لئے ہدایت نہیں دیکھو فرماتا ہے ھدی للمتقین یہ کہیں یہ کہیں نہیں فرمایا ھدی لک نماز معراج میں فرض ہوئی مگر حضور انور ﷺ پہلے سے ہی نماز و عبادت ادا کرتے تھے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور ﷺ صرف مکہ یا مدینہ میں نہیں آئے بلکہ سارے مومنوں کے پاس آئے۔ یہ فائدہ جاء کم میں کم فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے سورج رہتا ہے آسمان پر مگر طلوع ہوتا ہے جہان پر اس لئے ہر مومن التحیات میں حضور انور ﷺ کو سلام کرتا ہے السلام علیک ایھا النبی اگر حضور انور ﷺ پاس نہیں تو سلام کسے کہہ رہا ہے۔ رب فرماتا ہے النبی اولی بالمومنین من انفسھم نبی مومنوں سے ان کی جانوں سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

تیسرا فائدہ: حضور ﷺ سارے انسانوں کے دائمی رسول ہیں۔ آپ ﷺ کی رسالت زمین یا زمان سے مقید نہیں یہ فائدہ رسول کی تنوین سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ تنوین عموم کی ہو فرماتا ہے انا ارسلناک کافۃ للناس بشیرا و نذیرا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ بڑی شان والے رسول ہیں حتی کہ رسولوں کے بھی رسول یہ فائدہ رسول کی تنوین سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ تنوین تعظیم کی ہو۔ اس لئے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام سے آپ ﷺ پر ایمان لانے کا عہد لیا۔ لتومنن بہ ولتنصرنہ اور حضور انور ﷺ معراج میں سارے رسولوں کے امام بنے۔ دیکھو تفسیر۔

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ کے والدین کریمین بلکہ سارے آباؤ اجداد مومن تھے کوئی شرک نہیں اور رب نے اس

www.alahazratnetwork.org

نسل شریف کو زنا اور دیگر فحش باتوں سے محفوظ رکھا۔ یہ فائدہ من انفسکم کی ایک قرأت سے حاصل ہوا۔ جب کہ انفس ف کی فتحہ سے ہو۔ بمعنی نفیس ترین کافر۔ زانی خسیس ہوتا ہے۔ حضور ﷺ تمام جہان میں بہترین نسب والے ہیں۔

حدیث شریف: ترمذی اور نسائی نے مطلب ابن ربیعہ سے بروایت صحیح حدیث بیان کی ایک بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر قیام فرما ہوئے ارشاد فرمایا کہ بتاؤ میں کون ہوں لوگوں نے عرض کیا آپ ﷺ رسول اللہ ہیں فرمایا محمد ابن عبد اللہ ابن عبد المطلب ہوں۔ اللہ نے مخلوق کے دو حصے کیے ہیں۔ میں بہتر حصے میں بھیجا گیا پھر اس کے دو فرقے کیے ہیں میں بہترین فرقے میں بھیجا گیا پھر اس فرقے کے بہت سے قبیلے کیے ہیں بہترین قبیلے میں آیا اس قبیلے کے بہت سے گھر ہیں میں بہتر گھر میں آیا میں تم سے سب سے بہترین جماعت بہترین گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس مضمون کی اور بہت احادیث ہیں (روح المعانی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد کی طرف سے ابن عبد اللہ بن عبد المطلب ابن ہاشم بن عبد مناف۔ ابن قصی ابن کلاب میں۔ والدہ کی طرف سے ابن آمنہ بنت وہب ابن عبد مناف ابن زہرہ ابن کلاب۔ حضور ﷺ تمام جہان کی علت غائیہ اور اصل مقصود ہیں آپ ﷺ کی ذات افضل خلق آپ ﷺ کی زبان تمام زبانوں سے افضل۔ جو پانی حضور ﷺ کی انگلیوں سے جاری ہوا وہ تمام پانیوں بلکہ زمزم سے افضل ہے (روح البیان)۔

چھٹا فائدہ: حضور انور ﷺ کا میلاد شریف پڑھنا سنت الٰہیہ ہے سنت رسول بھی اور سنت انبیاء بھی۔ یہ فائدہ لقد جاءکم رسول سے حاصل ہوا کہ خود رب تعالیٰ نے حضور ﷺ کا میلاد شریف فرمایا تھا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں ملاحظہ کرو۔

ساتواں فائدہ: فائدہ حضور انور ﷺ کو ہمارے ہر دکھ درد ہر نیک و بد کی خبر نہ ہوتی تو آپ ﷺ کو اس کی تکلیف کیسے ہوتی۔ شعر۔

بندہ مٹ جائے نہ آقا پہ وہ بندہ کیا ہے بے خبر ہو غلاموں سے وہ آقا کیا ہے

آٹھواں فائدہ: حضور انور ﷺ ایسے سخی داتا ہیں کہ دینے سے آپ ﷺ کا دل نہیں بھرتا یہ فائدہ حریص علیکم سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: حضور انور ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے بعض ناموں سے یاد کر سکتے ہیں یہ فائدہ رءوف رحیم سے حاصل ہوا کہ رؤف اور رحیم دونوں رب تعالیٰ کے نام ہیں جو اس آیت میں حضور ﷺ کو دیے گئے لہٰذا ہم کہہ سکتے ہیں کہ حضور ﷺ کریم ہیں رحیم ہیں ستار عیوب ہیں شفیع الذنوب ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ شیخ عطار فرماتے ہیں۔

خویشتن را خواجہ عرصات گفت انما انا رحمۃ مہداۃ گفت

شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نماند بہ عصیاں کسے در گرو کہ دارد چنیں سید پیش رو

اگر دفترت از گنہ پاک نیست چو او عذر خواہد بود باک نیست

www.alahazratnetwork.org

انشاءاللہ ان صفات کا پرلطف نظارہ قیامت میں ہوگا۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ پر توکل اور تکالیف میں صبر بڑی اعلیٰ چیزیں ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

صد ہزار کیمیا حق آفرید کیمیا ہچو صبر آدم نہ دید

ہزار ہا کیمیا سے صبر اعلیٰ درجہ کی کیمیا ہے۔

پہلا اعتراض: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک ذات کریم ہیں جو مکہ میں پیدا ہوئے مدینہ میں قیام پذیر رہے۔ وہ ایک سارے انسانوں کے پاس کیسے آسکتے ہیں پھر لقد جاء کم کیونکر درست ہوا کہ تم سب کے پاس آئے۔

جواب: حضور انور ﷺ اللہ کا نور ہیں اور نور بیک وقت ہزار ہا جگہ ہزار ہا چیزوں میں جلوہ گر ہو سکتا ہے۔ اگر بیک وقت ہزاروں جگہ سے ہزاروں شیشوں کا رخ سورج کی طرف کردیا جائے تو سورج ان سب میں جلوہ گر ہو جاتا ہے۔ مومنوں کے سینے صاف آئینے ہیں جن میں حضور ﷺ جلوہ گر ہیں روح بیک وقت جسم کے ہر عضو میں جلوہ گر ہے اس لئے ساتھ ہی ارشاد ہوا من انفسکم۔ شعر

جان ہیں جان کیا نظر آئے کیوں عدو گرد غار پھرتے ہیں

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف انسانوں کے رسول ہیں۔ دوسری جگہ ہے کہ حضور ﷺ ساری مخلوق کے رسول ہیں لیکون للعالمین نذیرا ان دونوں آیتوں میں مطابقت کیوں کر ہو۔

جواب: یہاں تشریف آوری کا ذکر ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم انسانوں میں انسان کی جنس انسانوں کی شکل میں تشریف لائے تمہاری پیش کردہ آیت میں نبوت کا ذکر ہے حضور ﷺ کی نبوت تمام جہان کے لئے ہے مگر تشریف آوری انسانوں میں ہے۔

تیسرا اعتراض: اگر حضور انور ﷺ سارے جہان کے نبی ہیں تو کیا تمام مخلوق پر آپ ﷺ کی شریعت کے احکام جاری ہیں کیا چاند سورج ذرات پر تمام نماز روزہ فرض ہے۔ اگر نہیں تو آپ ﷺ ان کے نبی کیونکر ہوئے۔

جواب: ساری مخلوق پر حضور انور ﷺ کی اطاعت ضروری ہے اس لئے اشارہ سے سورج لوٹا۔ چاند پھٹا بادل آکر برسا۔ دوسرے اشارہ پر کھل گیا حکم پر درختوں پتھروں نے کلمہ پڑھا مگر جیسی مخلوق اس کے لئے حضور ﷺ کا ویسا ہی حکم ہے اور مخلوق اس حکم کی اطاعت کرے گی۔ غریبوں پر زکوٰۃ نہیں کیونکہ انہیں اس کا حکم نہیں لہٰذا للعالمین نذیرا بالکل درست ہے۔ شعر

اشارہ سے چاند چیر دیا۔ چھپے ہوئے خود کو پھر لیا گئے ہوئے دن کو عصر کیا یہ تاب و تواں تمہارے لئے

ارشاد ہوا سورج لوٹا پایا جو اشارہ چاند پھٹا بادل رم جھم رم جھم برسا جب حکم حبیب خدا پایا

چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ حضور انور ﷺ دنیا میں آنے سے پہلے رسول تھے لقد جاء کم رسول اس آیت سے پتہ لگا کر حضور ﷺ کی رسالت پہلے ہے دنیا میں آنا بعد میں۔ مگر آپ ﷺ اس وقت نبی تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل میں جلوہ گر تھے لیکن نبی اور رسول کی تعریف یہ ہے کہ وہ انسان جسے رب نے احکام شرعیہ کی تبلیغ کے لئے بھیجا اور انسانیت چلی

www.alahazratnetwork.org

ہے آدم علیہ السلام سے تو حضور انور ﷺ حضرت آدم سے پہلے نبی کیسے ہو گئے اور لقد جاء کم کی یہ تفسیر کیونکر درست ہوئی۔

جواب: اس اعتراض کے چند جواب ہیں۔ایک یہ کہ آدم علیہ السلام ابوالبشر ہیں ابوالانسان نہیں ہیں۔ بشریت کے لئے یہ جسم ضروری ہے آپ ﷺ اجسام کے والد ہیں انسان جسم کو بھی کہا جاتا ہے اور روح کو بھی حضرت آدم کسی روح کے والد نہیں رب فرماتا ہے **واذ اخذ اللہ میثاق النبیین** ہم نے عالم ارواح میں نبیوں سے معاہدہ لیا۔ یہاں نبیوں کی روح کو نبی فرمایا گیا۔ دوسرے یہ کہ اس دنیا یعنی عالم اجسام کی نبوت و رسالت کے لئے ابن آدم ہونا ضروری ہے۔ عالم ارواح کی نبوت کے لئے یہ انسانیت شرط نہیں۔ دیکھو اس دنیا کے لئے جنسیت شرط ہے کہ انسان کا نکاح جنات یا جانوروں سے نہیں ہو سکتا رب فرماتا ہے **وخلق منھا زوجھا** مگر جنت میں جنتی انسانوں کا نکاح کے اور احکام ہیں اور جنت کے نکاح کے دوسرے احکام۔ دیکھو دنیا کی نبوت کے لئے وحی امت تبلیغ ضروری ہیں۔ مگر اس عالم کی نبوت کے لئے نہ وحی ضروری ہے نہ امت نہ تبلیغ نہ کتاب۔

نوٹ ضروری: دنیا میں نبوت کے لئے صرف تبلیغی وحی کافی ہے مگر رسالت کے لئے وحی اور کتاب یا صحیفہ بھی ضروری ہے۔ خواہ نئی ہو یا پرانی اور مرسلیت کے لئے نئی کتاب نئی شریعت ضروری ہے اس لئے انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ رسول تین سو تیرہ۔ مرسل چار اور مصطفیٰ صرف ایک مصطفیٰ وہ جن کا دین تمام دینوں کا ناسخ ہو دیکھو مشکوٰۃ شریف آخر کتاب ذکر الانبیاء اور دیکھو اسی جگہ مرقات اور لمعات۔

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم صرف مومنوں پر رؤف و رحیم ہیں مگر دوسری جگہ ارشاد ہے رحمۃ للعالمین تمام جہانوں کے لئے رحیم ہیں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ حضور ﷺ کی صرف رحمت سارے جہانوں کے لئے ہے مگر رافۃ و رحمت کا مجموعہ صرف مسلمانوں کے لئے دوسرے یہ کہ رحمت عامہ دنیاوی رزق وغیرہ سارے عالم کے لئے ہے مگر رحمت خاصہ ایمان۔ عرفان وغیرہ صرف مومنوں کے لئے۔

چھٹا اعتراض: رب تعالیٰ اپنے متعلق فرماتا ہے **ان اللہ بالناس لرؤف رحیم** اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر رؤف بھی ہے رحیم بھی مگر حضور انور ﷺ کے لئے فرمایا **بالمؤمنین رؤف رحیم**۔ کیا رب تعالیٰ کافروں پر بھی رؤف رحیم ہے۔

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں ایک یہ کہ وہاں **الناس** سے مراد مومنین ہیں کہ صحیح انسان وہ ہی ہیں دوسرے یہ کہ وہاں رافت اور رحمت سے مراد دنیاوی رافت و رحمت ہے۔ واقعی وہ رب کریم دنیا میں ہر کافر مومن پر رؤف و رحیم ہے۔ شعر

اے کریمے کہ از خزانہ غیب　　گبر و ترسا وظیفہ خور داری

اور یہاں حضور انور ﷺ کی آخری رافت و رحمت مراد ہے جو صرف مومنین پر ہے۔ لہٰذا آیات میں کوئی تعارض نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندہ کو اللہ تعالیٰ کافی ہے اس پر بھروسہ چاہئے حسبی اللہ اور لا الہ الاھو میں غور کرو۔ پھر تم نبی ولی کے دروازہ پر کیا لینے جاتے ہو۔

جواب: ولی اللہ تعالیٰ کے غیر ہیں۔ تمہارا یہ عمل اس آیت کے خلاف ہے (وہابی)

جواب: اس اعتراض کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کافی ہے اسی پر بھروسہ چاہئے تو تم مصیبتوں میں حاکم حکیم۔ امیر کے دروازوں پر کیوں جاتے ہو۔ پیاسا کنویں پر۔ بھوکا روٹی کی دوکان پر کیوں جاتا ہے کیا تمہارے لئے خدا کافی نہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ اللہ کی نعمتیں ان مقبولوں کے دروازوں پر ملتی ہیں۔ ہم وہاں رب کی نعمتیں لینے جاتے ہیں۔ ان کے دروازوں پر حاضری رب پر توکل کے خلاف نہیں۔ اس کی مکمل بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کی بڑی سے بڑی نعمت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں مختلف جگہ الگ الگ پیرایہ میں حضور انور ﷺ کا میلاد شریف ارشاد کیا۔ کہیں عام انسانوں کو حضور ﷺ کا میلاد شرف سنایا۔ **یاایھا الناس جاء کم برھان من ربکم** کہیں صرف مسلمانوں کو **لقد من اللہ علی المومنین اذبعث فیھم رسولا** کہیں ساری مخلوق کو **وما ارسلناک الا رحمتہ للعالمین** کہیں حضور انور ﷺ کو ان کا میلاد سنایا۔ **یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا** (الخ) کہیں رب نے خود اپنے نبیوں کو اپنے محبوب کا میلاد سنایا۔ **ھوالذین ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق** پھر ہر جگہ ایسی شان سے میلاد پڑھا کہ قربان جاؤں۔ چنانچہ اس آیت میں حضور انور ﷺ کی بہت صفات کے ساتھ میلاد شریف فرمایا۔ اے لوگو تمہارے پاس وہ رسول کریم تشریف لائے جن کا غلغلہ۔ سلسلہ انسانی قائم ہونے سے پہلے مچ گیا تھا۔ **واذا اخذ اللہ میثاق النبیین** (الخ) جن کی دھوم سارے نبی مچا گئے۔ جن کا انتظار دنیا کو تھا وہ جسمانی طور پر اگرچہ عرب میں آئے مگر ان کی رسالت تا قیامت ہر جگہ ہر گھر میں ہر دل میں پہنچی۔ جیسے روح جسم کے ہر عضو بال کھال میں پہنچتی ہے **من انفسکم** پھر وہ تم پر ایسے مہربان اور تمہارے ہر حال سے ایسے خبردار ہیں کہ تمہاری تکلیف ان پر گراں۔ جیسے جسم کا کوئی عضو دکھے روح کو بے چینی ہوتی ہے تمہارا دل لینے مانگنے سے نہیں بھرتا ان کا دل تم کو عطا فرمانے سے نہیں بھرتا۔ وہ دینے کے لئے حریص ہیں **حریص علیکم** ان کی رحمت عامہ سارے جہانوں کے لئے ہے۔ مگر خاص رافت و رحمت ہمیشہ مومنوں کے لئے ہے۔ دنیا میں بھی قبر و حشر میں بھی اگر دنیا دار کمینے آپ ﷺ کی صفات کے قائل نہ ہوں تو ان کی شان بے نیازی یہ ہے کہ تم سب منہ پھیر لو انہیں رب کافی ہے رب انہیں کافی اور ان کے ذریعہ تم کو کوئی حضور انور ﷺ عالم روحانیات کے عرش عظیم ہیں کہ وہ عرش کی طرح تمام عالم کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہیں احکام الٰہیہ انہیں سرکار کے دربار سے جاری ہوتے ہیں۔ صوفیاء کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روح مصطفیٰ کو صورت نورانی دے کر دنیا میں بھیجا۔ آپ ﷺ کے سر کی ساخت برکت سے سر کی آنکھیں حیاء شرم سے کان عزت سے زبان ذکر سے ہونٹ تسبیح و تہلیل سے چہرہ پاک رضاء الٰہی سے سینہ اخلاص سے دل رحمت سے تواد شفقت سے ہاتھ سخاوت سے بال مبارک جنت کے سبزہ سے تھوک شریف جنت کے شہد سے

www.alahazratnetwork.org

بنا ہے دیکھو کھاری کنویں میں تھوک پڑا میٹھا کر دیا ان تمام صفات سے موصوف کر کے حضور ﷺ کو دنیا میں بھیجا۔

حکایت: چار مختلف زبان والے فقیروں کو کہیں ایک روپیہ مل گیا۔ انگور کا موسم تھا۔ ان میں سے ایک بولا میں اس کا انگور لوں گا۔ دوسرا بولا نہیں عنب لوں گا۔ تیسرے نے کہا روزم چوتھا بولا میں داخ خریدوں گا۔ چاروں کی نیت ایک تھی مگر الفاظ جداگانہ ایک وہ آیا جو چاروں زبانیں جانتا تھا اس نے انگور لا کر سامنے رکھ دیئے سب راضی ہو گئے۔ حضور انور ﷺ جھگڑا مٹانے والے ہیں۔

بدخلق جو تھے وہ نیک ہوئے لڑتے جو تھے ہمیشہ وہ ایک ہوئے

جھگڑے تو نے آ کر میٹ دیئے تیری فہم و ذکا کا کیا کہنا

حکایت: ایک بار حضور انور ﷺ نے جبریل امین سے پوچھا کہ تمہاری عمر کتنی ہے عرض کیا یہ تو مجھے خبر نہیں اتنا جانتا ہوں کہ ایک نوری تارا ستر ہزار برس کے بعد چمکتا تھا اور غائب ہو جاتا وہ میں نے بہتر ہزار بار طلوع ہوتے دیکھا ہے۔ زمین و آسمان سے پہلے فرمایا وہ تارا ہم ہی تھے (روح البیان) بعض علماء نے فرمایا کہ حضور انور ﷺ نے عمامہ شریف سرکار سر مبارک دکھایا تو وہ تارا سر پاک پر موجود تھا۔ عمل۔ جو کوئی نماز پنجگانہ کے بعد لقد جاء کم رسول (الخ) تک پھر ان اللہ وملائکتہ ایک آیت پڑھ کر پانچ بار صلی اللہ علیہ وسلم یا سیدی یا رسول اللہ پڑھا کرے تو مقبول بارگاہ رسالت ہو جائے اور ہر دعا قبول ہو۔

الحمد للہ کہ آج بتاریخ ۵ ربیع الاول ۱۳۹۱ ہجری ۳۱ مئی ۱۹۷۱ء بروز دوشنبہ چار بجے شام سورۂ توبہ کی تفسیر مکمل ہوئی مجھے امید نہ تھی کہ میں تہائی قرآن مجید کی تفسیر لکھ لوں گا۔ یہ میرے رب کا کرم اس کے محبوب کی نظر ہے کہ مجھ ناچیز سے تہائی قرآن پاک کی تفسیر مکمل کرا دی دعا ہے کہ رب تعالیٰ باقی دو تہائی کی تفسیر بھی مکمل کرا دے اسے مقبول فرما کر مجھ گنہگار کے لئے صدقہ جاریہ بنا دے۔ مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں۔

نوٹ: یہ تفسیر ربیع آخر ۱۳۶۳ کو شروع کی گئی مگر ایک ناگوار واقعہ کی وجہ سے تین پارہ لکھنے کے بعد تیرہ سال تصنیف کا کام بند رہا۔ پھر چوتھا پارہ شروع کیا گیا۔

ایاتہا ۱۰۹	۱۰ سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ ۱۰	رکوعاتہا ۱۱
آیتیں ۱۰۹	سورہ یونس کی	رکوع گیارہ

تعلق: اس سورۂ یونس کا سورۂ توبہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: سورۂ توبہ میں ان صحابہ کرام کی مقبول توبہ کا ذکر ہوا جو غزوہ تبوک میں حاضری دینے سے سستی کر چکے تھے۔

www.alahazratnetwork.org

جس کی وجہ سے وہ بہت مشقت میں پڑ گئے پھر کچھ عرصہ کے بعد ان کی توبہ قبول ہوئی۔ سورۂ یونس میں حضرت یونس علیہ السلام کی اس مقبول توبہ کا ذکر ہے کہ آپ وحی الٰہیہ کا انتظار کئے بغیر اپنے علاقہ سے چلے گئے جس پر آپ کو مچھلی کے پیٹ میں رہنے کی مشقت جھیلنی پڑی۔ پھر توبہ قبول ہوئی گویا صحابہ کرام کی مقبول توبہ کے بعد ایک نبی کی توبہ کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: سورۂ توبہ میں منافقین کی اس بکواس کا ذکر ہوا جو وہ نزول سورۃ کے موقعہ پر کیا کرتے تھے۔ سورۂ یونس میں کفار کی وہ بکواس بیان کی جاوے گی جو وہ قرآن کریم کے متعلق کرتے تھے۔ گویا چھپے دشمنوں کی بکواس کے بعد کھلے دشمنوں کی بکواس کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا کہ منافقین بلاؤں میں پھنس کر بھی توبہ نہیں کرتے ثم لایتوبون ولاھم یذکرون اس میں سورہ میں ارشاد ہے کہ کفار مصیبتوں میں پھنس کر بھی توبہ کر لیتے ہیں مگر آفت دور ہوتے ہی پھر جاتے ہیں واذا مس الانسان الضر دعانا لجنبه او قاعدا او قائما (الخ) یا حتی اذا کنتم فی الفلک وجرین بھم الی قولہ دعوا اللہ مخلصین (الخ) گویا ایک قسم کی ڈھٹائی کے بعد دوسری قسم کی ڈھٹائی کا تذکرہ ہے۔

چوتھا تعلق: سورہ مرات یعنی توبہ میں حضور انور ﷺ کو کفار سے بیزاری ظاہر فرمانے کا حکم دیا گیا براءۃ من اللہ ورسولہ (الخ) اس سورۃ میں حضور انور ﷺ کو دوسری قسم کی بیزاری ظاہر فرمانے کا حکم دیا جا رہا ہے وان کذبوک فقل لی عملی ولکم عملکم انتم بریئون مما اعمل وانا بری مما تعملون (از روح المعانی مع زیادۃ)

تفسیر: سورۃ کے معانی اس کے احکام سورۃ آیت۔ رکوع۔ منزل۔ حزب وغیرہ کا تفصیلی ذکر ہم سورۂ فاتحہ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس سورۃ کا نام سورۂ یونس اس لئے ہوا کہ اس میں حضرت یونس کا قصہ مذکور ہے۔ یعنی جز ہے کل کا نام رکھا گیا۔ قوی یہ ہے کہ یہ سورۃ مکیہ ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر اس کی تین آیات مدنیہ ہیں۔ فان کنت فی شک مما انزلنا الیک سے آخر تین آیات تک کہ وہ مدنیہ ہیں مقاتل کہتے ہیں کہ قل بفضل اللہ وبرحمتہ یہ دو آیات مدنیہ ہیں مگر پہلا قول ہے۔ وہ ہی حضرت عبداللہ ابن عباس کا قول ہے (تفسیر خازن وروح المعانی وغیرہ) اس سورۃ میں ایک سو نو آیتیں ہیں۔ ایک ہزار آٹھ سو بیس کلمے ہیں نو ہزار ننانوے حروف ہیں اور گیارہ رکوع۔ (تفسیر خازن) صوفیاء فرماتے ہیں کہ جیسے سمندر سے دریا نکلتے ہیں دریاؤں سے نہریں نہروں سے سوئے سوئے سے نالیاں۔ نالیوں سے پانی کے قطرات ایسے ہی قرآن مجید گویا سمندر ہے اس سے منزلیں۔ منزلوں سے سورتیں اور پارے ان سے رکوع۔ رکوع سے آیات۔ آیتوں سے کلمات پھر کلمات سے حروف اور حروف سے نقطے۔ ہر سورت کے اول بسم اللہ ہے سوا سورۂ توبہ کے قاری تلاوت کے دوران ہر سورۃ کے اول بسم اللہ پڑھتا جاوے مگر نمازی بسم اللہ آہستہ آہستہ سے پڑھا کرے۔ بسم اللہ میں ب مدد کی ہے اس سے پہلے اشرع یا اتلو یا اقراء پوشیدہ ہے۔ اسم اللہ سے مراد اللہ تعالیٰ کا نام ہے جو غیر خدا ہے۔ ذات کبریا ایک ہے اس کے ننانوے نام ہیں تو بسم اللہ کی مدد لینا جائز ہے تو رسول اللہ اور ولی کی مدد لینا بھی درست ہے اگر غیر اللہ کی مدد شرک ہوتی تو بسم اللہ نہ ہوتا باللہ ہوتا یہ بحث سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں ہو چکی۔

www.alahazratnetwork.org

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۝

اللہ کے نام سے شروع نہایت مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلۡکَ اٰیٰتُ الۡکِتٰبِ الۡحَکِیۡمِ ۝۱ اَکَانَ لِلنَّاسِ

یہ آیتیں ہیں کتاب حکمت والی کی کیا ہوا لوگوں کو تعجب

یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں کیا لوگوں کو اس کا اچنبا

عَجَبًا اَنۡ اَوۡحَیۡنَاۤ اِلٰی رَجُلٍ مِّنۡہُمۡ اَنۡ اَنۡذِرِ النَّاسَ

یہ کہ وحی کی ہم نے ایک مرد کی طرف ان میں سے یہ کہ ڈراؤ لوگوں کو

ہوا کہ ہم نے ان میں سے ایک مرد کو وحی بھیجی کہ لوگوں کو ڈر سناؤ

وَ بَشِّرِ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنَّ لَہُمۡ قَدَمَ صِدۡقٍ عِنۡدَ

اور خوشخبری دو ان کو جو ایمان لائے کہ تحقیق واسطے ان کے جگہ ہے سچ کی پاس رب

اور ایمان والوں کو خوشخبری دو کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس

رَبِّہِمۡ ؕؔ قَالَ الۡکٰفِرُوۡنَ اِنَّ ہٰذَا لَسٰحِرٌ مُّبِیۡنٌ ۝۲

کے ان کے کہا کافروں نے کہ بے شک یہ البتہ جادوگر ہے ظاہر ظہور

سچ کا مقام ہے کافر بولے بے شک یہ تو کھلا جادوگر ہے

المنزل ۳ — وقف النبی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دس صفات عالیہ کا ذکر ہوا۔ آپ ﷺ کا نام سب انسانوں کے پاس آنا۔ شاندار عام رسول۔ انسانوں کی نفس و ذات سے ہونا۔ لوگوں کی تکلیف گراں ہونا۔ دینے پر حریص ہونا مومنوں پر رؤف ہونا۔ ان پر رحیم ہونا۔ اللہ پر متوکل ہونا۔ اللہ کا آپ ﷺ کو کافی ہونا۔ اب حضور ﷺ کی گیارہویں صفت کا تذکرہ ہے کہ ان پر وہ قرآن مجید نازل ہوا جو تمام کتابوں سے افضل ہے یعنی آپ ﷺ صاحب قرآن ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں حضور انور ﷺ کی شان بیان ہوئی اب آپ ﷺ کی ذات کریم سے لوگوں کے شبہات دفع کئے جا رہے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں حضور انور ﷺ کا رسول ہونا بیان ہوا۔ رسول وہ ہے جو مخلوق کی طرف کچھ لے کر آئے یعنی سنانے والا نبی ہے اور پہنچانے والا رسول۔ اب ارشاد ہے کہ حضور انور ﷺ کیا لائے۔ قرآن مجید کی آیات لائے جو تمام نعمتوں سے اعلیٰ گویا یہ آیات کریمہ رسول کی تفسیر و تفصیل ہیں۔

شان نزول: جب اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ کو نبوت عطا فرمائی اور حضور ﷺ نے اس کا اعلان کیا تو عرب خصوصاً مکہ والوں نے اس کا انکار کیا۔ ان میں سے بعض بولے کہ اللہ کی شان اس سے بلند ہے کہ وہ محمد جیسے کو نبی بنائے (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا اسے کوئی بڑا آدمی اس منصب کے لئے نہ ملا صرف یتیم ابو طالب ہی ملے ان کی تردید میں یہ آیات نازل ہوئیں (تفسیر خازن۔ مدارک۔ کبیر) اس کا بیان اس آیت میں ہے **لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم** وہ کہتے تھے کہ قرآن مجید مکہ معظمہ یا طائف کے کسی بڑے مالدار سردار پر آنا چاہئے تھا۔

تفسیر: الٓرٰ۔ یہ یا تو قرآن مجید کا یا ک نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا **الرحمن** کا جزو ہے یہاں الٓرٰ ہے دوسری جگہ حٰم تیسری جگہ نٓ ہے ملاؤ تو الرحمٰن بنتا ہے یا **انا اللہ اری** کا مخفف ہے مگر حق یہ ہے کہ یہ مقطعات قرآنیہ سے ہے ہم کو نہ اس کے معنی کی خبر ہے نہ مقصد و مطلب کی۔ یا رب تعالیٰ جانے یا اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مفصل بحث **الم** اور تیسرے پارہ کی تفسیر **واخر متشابھات** کے ماتحت ہو چکی یہ لکھنے میں الرٰ آتا ہے مگر پڑھنے میں الف، لام، را آتا ہے **تلک آیات الکتب الحکیم** ۔ یہ نیا جملہ ہے اس میں **تلک** مبتدا ہے اور **آیات الکتاب** (الخ) خبر۔ **تلک** سے اشارہ یا تو پورے قرآن کی آیات کی طرف ہے جن میں سے بعض آ چکی تھیں اور بعض آنے والی تھیں۔ نازل شدہ آیات کی طرف چونکہ آیات قرآنیہ درجہ و شان میں بہت ہی اونچی ہیں اس لئے **تلک** اشارہ بعید فرمایا گیا یا ان کی آیات کی طرف اشارہ ہے جو لوح محفوظ میں ہیں۔ رب فرماتا ہے **بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ** چونکہ لوح محفوظ زمین سے بہت دور ہے اس لئے **تلک** اشارہ بعید ارشاد آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی قدرت اصطلاح میں قرآن مجید کا وہ حصہ جس کا مضمون تو پورا ہو مگر اس کا کوئی نام نہ ہو آیت ہے چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت حضور انور ﷺ کی حقانیت کی علامت ہے اس لئے اس کو آیت کہتے ہیں **الکتب** سے مراد یا لوح محفوظ ہے یا توریت و انجیل۔ کیونکہ قرآن مجید کے مضامین توریت و انجیل میں تھے رب فرماتا ہے **وانہ لفی زبر الاولین** ۔ اس سورت میں حکیم سے مراد حکمت والی (روح المعانی) اور ہو سکتا ہے کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو حکیم کے معنی ہیں حکمت والا یا محکم و مضبوط جو منسوخ نہ ہو سکے۔ یہ صفت قرآن مجید کے سوا کسی کتاب میں نہیں سب قابل نسخ تھیں قرآن مجید غیر منسوخ۔ اس معنی سے صرف قرآن مجید حکیم ہے۔ **اکان للناس عجبا** یہ کلام نیا جملہ ہے اس میں الف سوال کا ہے اور سوال یا انکار کا ہے یا تعجب دلانے کا **ناس** سے مراد وہی کفار مکہ ہیں جو حضور انور ﷺ کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ اور جن کے متعلق یہ آیات نازل ہوئیں۔ اس فرمان عالی کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ **عجبا** کان کی خبر ہے اور **للناس عجبا** کا حال اور **ان اوحینا** کان کا اسم (روح البیان) عجب سے مراد کا تعجب نہیں بلکہ انکار کا تعجب ہے یعنی اے لوگو کیسی تعجب کی بات ہے کہ کفار مکہ کو اس پر تعجب ہے اس چیز کا انکار ہے کہ **ان اوحینا الی**

www.alahazratnetwork.org

رجل منهم یہ عبارت کان کا اسم ہے یا ان سے پہلے لام پوشیدہ ہے (روح المعانی) وحی کے معنی اور اس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں عرض کر چکے یہاں وحی سے مراد وحی نبوت ہے۔ حضور انور ﷺ پر بہت قسم کی وحی ہوئی۔ ظاہری وحی بذریعہ فرشتہ کے باطنی وحی خواب یا الہام کے ذریعہ اور رف بلاواسطہ وحی معراج میں فاوحی الی عبده ما اوحی یہاں ظاہری وحی مراد ہے یعنی قرآن کریم کی وحی جس پر حضور ﷺ نے نبوت کا اعلان فرمایا۔ خیال رہے کہ پچھلے نبیوں کی نبوت پہلے عطا ہوئی تھی عطاء کتاب بعد میں دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو توریت شریف غرق فرعون کے بعد عطا ہوئی مگر حضور انور ﷺ کی نبوت کی ابتداء نزول قرآن کی ابتداء سے ہوئی کہ پہلے آیۂ کریمہ اقرا باسم ربک نازل ہوئی۔ رجل سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ حضور ﷺ کامل مرد ہیں اللہ نے حضور کو ہر وصف میں کامل کیا۔ سخی۔ کامل بہادر۔ کامل علیم و خبیر کامل حکیم وغیرہ حضرت حسان نے کیا خوب کہا۔ شعر

واحسن منک لم ترقط عینی ۔۔۔ واجمل منک لم تلد النساء

خلقت مبراء من کل عیب ۔۔۔ کانک قد خلقت کما تشاء

چونکہ حضور انور ﷺ مکہ معظمہ میں مکہ والوں میں سے پیدا ہوئے اس لئے منہم ارشاد ہوا یعنی کیا کفار مکہ اس کا تعجب اور انکار کرتے ہیں کہ ان کے ملک ان کے خاندان میں سے ایک صاحب پر وحی آ گئی وحی کس چیز کی ان انذر الناس کہ آپ ﷺ لوگوں کو دوزخ سے عذاب الٰہی سے ڈراؤ۔ یہ عبارت اوحینا کا مفعول ہے الناس سے مراد تا قیامت سارے جہان کے انسان ہیں۔ کیونکہ حضور انور ﷺ سب کے نبی ہیں اور سب کے ڈرانے والے۔ کفار کو عذاب نار سے گنہگار کو ناراضی غفار سے نیک کار کو اعمال ضائع ہو جانے کے کھٹکے سے اور ہو سکتا ہے کہ الناس سے مراد کفار ہوں کیونکہ آگے مومنوں کا ذکر علیحدہ ہو رہا ہے۔ خیال رہے کہ اگرچہ حضور انور ﷺ کافر جنات کے بھی نذیر ہیں مگر چونکہ انسان اصل مقصود ہیں اور جنات ان کے تابع اس لئے صرف انسانوں کا ذکر ہے۔ وبشر الذین امنوا یہ فرمان عالی معطوف ہے انذر الناس پر چونکہ ڈرانا سب کو ہوتا ہے اور خوشخبری خاص خاص کو اس لئے وہاں الناس ارشاد ہوا اور یہاں الذین امنوا نیز ڈرانا پہلے ہوتا ہے بشارت بعد میں کہ ڈرانا عیب دور کرنے کے لئے ہوتا ہے اور بشارت اوصاف حاصل کرنے کے لئے صفائی پہلے ہے زینت بعد میں اس لئے ڈرانے کا ذکر پہلے ہوا بشارت کا بعد میں الذین امنوا میں از گنہگار تا اخیار ابرار سب ہی داخل ہیں۔ پھر جس درجہ کا مومن اس درجہ کی اس کو بشارت کسی کو حور و قصور کی بشارت کسی کو رضاء رب غفور کی۔ ان لہم قدم صدق عند ربهم یہ فرمان مذکورہ بشارت کا بیان ہے۔ حضور انور ﷺ بشیر ہیں حضور ﷺ کے فرمان عالی بشارت مومنین مبشرین ہیں اور قدم صدق مبشر به جس کی بشارت دی گئی۔ اس فرمان عالی میں لہم کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ صرف مومنوں کے لئے قدم صدق ہے اس نعمت کا ان کے سوا کوئی مستحق نہیں۔ قدم صدق کے بہت معنی کئے گئے ہیں لغت والے کہتے ہیں کہ قدم بمعنی برائی۔ صدق بمعنی بھلائی۔ شاعر کہتا ہے۔

وانت امرء من اهل بیت ذریه ۔۔۔ لهم قدم معروفة ومواخر

www.alahazratnetwork.org

یا آگے بھیجی ہوئی بھلائی سچائی یا قدم وہ نیک عمل جس میں سبقت کی جاوے بغیر دیر لگائے کیا جائے چونکہ سبقت اور ڈور بذریعہ قدم کے ہوتی ہے اس لئے ایسی نیکی کو قدم کہا جاتا ہے جیسے احسان کو ید کہتے ہیں کہ کسی پر احسان ہاتھ سے ہی کیا جاتا ہے عرب کہتے ہیں له يد على فلاں کا مجھ پر احسان ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ قدم سے مراد اعمال ہیں۔ صدق سے مراد نیک یا اس سے مراد ثواب ہے۔ یا مراد شفاعت رسول ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

صلى لذى العرش واتخذ قدما ينجك يوم العثار والزلل

اس شعر میں قدم بمعنی شفاعت ہے (تفسیر کبیر، روح البیان، خازن وغیرہ) قوی یہ ہے کہ قدم سے مراد ہے قدم رکھنے کی جگہ یعنی مقام۔ صدق سے مراد اچھا ہے یعنی مومنوں کے لئے کل قیامت میں اچھا مقام ہوگا۔ کہ وہ عرش کی داہنی جانب ہوں گے اس کی تفسیر وہ آیت ہے في مقعد صدق عند مليك مقتدر ۔ یعنی مومنوں کو رب کے نزدیک اچھا مقام اچھی جگہ ملے گی قال الكافرون ان هذا لساحر مبين ۔ اب تک تو حضور انور ﷺ کی وہ صفات بیان ہوئی تھیں جو رب تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائیں اب وہ عیوب اور تہمت بیان ہو رہی ہے جو کفار حضور ﷺ کو لگاتے تھے کہ کبھی آپ ﷺ کو شاعر کہتے کبھی مسحور اور کبھی مجنوں انہیں کسی بات پر قرار نہ تھا ساحر و شاعر تو بڑا عقلمند ہوتا ہے مسحور و مجنوں بالکل بے عقل مدہوش یہ لوگ حضور ﷺ کے معجزات کو سحر اور آپ ﷺ کو ساحر کہتے تھے جو نبی کو نہ پہچان سکا وہ خدا کو نہیں پہچان سکتا۔

خلاصہ تفسیر: یہ آیتیں جو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر اتر چکی یا اتر رہی ہیں یا اتریں گی یہ ایک حکمت والی کتاب قرآن مجید کی آیتیں ہیں جس کا ایک لفظ بھی حکمت سے خالی نہیں۔ جیسے یہ محبوب بے مثال نبی ہیں۔ ایسے ہی ان کی کتاب بے مثال ہے کیا کفار کو اس تعجب کی بناء پر انکار ہے کہ رب تعالیٰ نے وحی اور نبوت کسی جن یا فرشتے یا غیر عربی انسان کو کیوں نہ دی ان میں ایک مکی مدنی ہاشمی قریشی عربی کو یہ وحی کیوں بھیجی تا کہ آپ ﷺ تمام لوگوں کو رب تعالیٰ سے اس کے قہر و غضب سے ڈرائیں اور مومنوں کو اس کی بشارت دیں کہ انہیں رب تعالیٰ کے حضور ﷺ اچھا مقام ملے گا کہ وہ قیامت کے دن عرش کی داہنی طرف ہوں گے اور محبوب کی تمام صفات عالیہ معجزات کو دیکھنے کے باوجود کفار یہ ہی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ وہ نبی نہیں رسول نہیں وہ تو کھلے جادوگر ہیں ان کے معجزات جادو ہیں وہ خود جادوگر یہ نرے اندھے ہیں۔

خیال رہے: کہ رب تعالیٰ نے انسان کو کچھ کام کرنے کے لئے پیدا کیا کچھ کاموں سے بچنے کے لئے ضروری ہوا کہ اسے ان دونوں قسم کے کاموں کی تفصیل بتائی جائے۔ یہ تفصیل بتانے کے لئے نبی بھیجے گئے۔ نبی اللہ کی رحمت ہیں۔ یہ تفصیل بتانے والا ایسا چاہئے جو ہماری سمجھ میں آ سکے ہم اس کی سمجھ میں آ سکیں لہذا نبی انسان چاہئے پھر حکمت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ ملک عرب جو تمام دنیا سے پیچھے رہا ہوا ہے یعنی پس ماندہ علاقہ تھا وہی ہدایت و رشد کا سرچشمہ بنے اس لئے اس عہدے کے لئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب کیا گیا۔ کیونکہ اہل عرب حضور انور ﷺ کے طور طریقہ آپ ﷺ کے صفات حمیدہ سے واقف تھے۔ آپ ﷺ کو پہلے سے ہی صادق الوعدہ اور امین کہتے تھے ان وجوہ سے حضور انور ﷺ کا نبی آخر الزمان ہونا نہایت موزوں ہے۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کوئی شخص قرآن مجید کا عالم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر نہیں ہوسکتا یہ فائدہ الر سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بعض سورتوں کو حروف مقطعات سے شروع فرمایا۔ جن کی یقینی تفسیر کوئی نہ کرسکا یہاں ہی تمام علماء کو بے بس کردیا گیا۔ اور حضور انور ﷺ کو ان کا تفصیلی علم دیا رب فرماتا ہے الرحمن علم القرآن۔ رحمان نے اپنے حبیب کو سارا قرآن خوب سکھادیا۔

دوسرا فائدہ: قرآنی آیات وہاں سے آئیں کہ اگر حضور انور ﷺ کا واسطہ نہ ہوتا تو ہم کو کسی طرح نہیں مل سکتی تھی۔ کیونکہ ہم فرشی۔ قرآن مجید عرشی۔ جہاں تار ٹیلی فون ریڈیو وغیرہ کوئی چیز کام نہ دے سکے حضور انور ﷺ فرشی ہیں عرشی بھی کہ آپ ﷺ کے ذریعہ فرشیوں کو عرشی قرآن ملا یہ فائدہ تلک بعید کا اشارہ فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

تیسرا فائدہ: قرآن مجید میں ایک خصوصی صفت وہ ہے جو کسی آسمانی کتاب میں نہیں یعنی حکیم ہونا۔ یہ فائدہ الکتاب الحکیم کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ حکیم سے مراد محکوم و مضبوط ہونا یعنی ناقابل نسخ۔

چوتھا فائدہ: کفار خصوصاً کفار مکہ جانوروں سے زیادہ بے سمجھ ہیں۔ دیکھو جانور حضور انور ﷺ کو نبی جان کر مان کر آپ ﷺ کی اطاعت کرتے تھے وہ بتوں کو نہ معبود جانتے تھے نہ ان کی اطاعت کرتے تھے مگر یہ انسان ہوکر لکڑی پتھر کے بتوں کو معبود جانتے تھے مگر حضور انور ﷺ کو نبی نہیں مانتے تھے۔ یعنی انہوں نے لکڑی پتھر کو خدا مان لیا مگر حضور انور ﷺ کو نبی نہ مانا۔ یہ کہہ کر کہ نبوت کا عہدہ انسان کو نہیں مل سکتا فرشتہ کو ملنا چاہئے۔ یہ فائدہ اکان للناس عجبا (الخ) سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا ڈرانا سارے انسانوں کو ہے مگر بشارت صرف مسلمانوں کو یہ فائدہ انذر الناس اور بشر الذین امنوا سے حاصل ہوا کہ ڈرانے کے لئے الناس اور بشارت کے لئے الناس امنوا ارشاد ہوا۔

چھٹا فائدہ: حضور ﷺ سارے اولین وآخرین کے نبی ہیں یہ فائدہ الناس اور الذین امنوا کو مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے وما ارسلناک الا کافة للناس بشیرا ونذیرا اور فرماتا ہے لیکون للعالمین نذیرا۔

ساتواں فائدہ: قیامت میں حضور انور ﷺ کی شفاعت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت صرف مومنوں کو نصیب ہوگی۔ کفار ان دونوں سے یکسر محروم ہوں گے یہ فائدہ لھم قدم صدق میں لھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ قدم صدق سے مراد یا شفاعت ہے یا اللہ کی رحمت وغیرہ۔

آٹھواں فائدہ: نبی کی دشمنی آدمی کو اندھا اور پاگل کردیتی ہے اسے خود اپنے پر اعتماد نہیں ہوتا دیکھا کفار حضور انور ﷺ کو کبھی تو مجنوں یعنی دیوانہ اور مسحور یعنی جادو یا ہوا بے عقل کہتے تھے اور کبھی ساحر و شاعر کہتے تھے یعنی بہت بڑا عقلمند۔ شعرو کہانت کامل عقل سے ہوتے ہیں یہ فائدہ ساحر مبین سے حاصل ہوا۔ حالانکہ حضور انور ﷺ آج تک ان کے سامنے ہی رہے پھر جادو کہاں اور کس سے اور کب سیکھا وہ اس میں غور ہی نہ کرتے تھے نبی کی عداوت میں وہ اندھے ہوگئے تھے۔

پہلا اعتراض: رب العالمین نے حضور انور ﷺ کو رجل کو کہہ کر پکارنا حرام بلکہ کبھی کفر ہے عام محاورہ میں صرف رجل

www.alahazratnetwork.org

کہنا برابری کے دعوے سے یہ حرام ہے مگر بیان عقیدے میں کہنا یہ جائز ہے کہ حضور انور ﷺ فرشتہ یا جن کی جنس سے نہ تھے انسان اور مرد کی جنس سے تھے وہ ہی مقصود ہے حضرت عائشہ صدیقہ کا فرمانا کان بشرا من البشر اس تیسرے مقصد سے تھا لفظ رجل کبھی اظہار عظمت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ قبر میں نکیرین سوال کرتے ہیں ما کنت تقول فی هذا الرجل۔

دوسرا اعتراض: حضور انور ﷺ انسان و جن سب کے ہی نذیر و ڈرانے والے ہیں۔ پھر ان انذر الناس کیوں ارشاد ہوا۔ نیز دوسری جگہ ہے لیکون للعالمین نذیرا وہاں حضور انور ﷺ کو تمام جہانوں کا ڈرانے والا فرمایا گیا۔ آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: حضور انور ﷺ ساری مخلوق کے نبی ہیں مگر مخلوق میں مقصود انسان ہے باقی اس کے تابع اس لئے انسان کا ذکر خصوصیت سے کیا گیا۔ جیسے اللہ تعالیٰ رب العالمین بھی رؤف رب العرش العظیم بھی۔ یا یوں کہو کہ ہر طرح ڈرانا صرف انسانوں کے لئے ہے کلام سے قلم سے تلوار باقی مخلوق کو ڈرانا صرف ایک نوعیت سے ہے دیکھ لو جہاد صرف انسانوں پر ہوئے۔ جنات پر کبھی جہاد نہ ہوئے لہذا وہاں للعالمین فرمانا بھی درست ہے اور یہاں للناس فرمانا بھی صحیح ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں ڈرانے کے لئے للناس ارشاد ہوا مگر بشارت کے لئے الذین امنوا اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس فرق کی وجہ ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ ڈرانے سے مراد عام ہے۔ خواہ عذاب سے ڈرانا ہو یا عتاب سے یا حجاب سے لہذا ڈرانا سب کو ہے۔ کافروں کو گنہگاروں بلکہ ابرار و اخیار کو بھی اور بشارت صرف قدم صدق ہے جو بفضلہ تعالیٰ ہر مومن کو میسر ہوگا کفار اس سے یکسر محروم رہیں گے۔

چوتھا اعتراض: یہاں مومنوں کو قدم صدق یعنی اچھی جگہ کی بشارت دی گئی۔ اچھی جگہ کونسی خصوصیت ہے۔ کھڑا ہونا رب کے حضور سے خواہ اچھی جگہ میں ہو یا معمولی جگہ میں۔

جواب: اگر قدم یعنی پکی جگہ سے مراد حضور انور ﷺ کی شفاعت یا جنت ہو جب تو کوئی سوال نہیں اور اگر مراد ہو عرش اعظم کی داہنی جانب جہاں مومنین کھڑے ہوں گے تب بھی ظاہر ہے کیونکہ اس مقام پر کھڑا ہونا انتہائی عزت بھی ہوگی اور آئندہ جنتی ہونے کی علامت بھی۔ اس سے بڑھ کر سربلندی اور کیا ہوسکتی ہے جیسے بادشاہ کے حضور کرسی ملے اس کا خاندان فخر کرتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قرآن مجید کے الفاظ سارے انسانوں سے قریب ہیں حتی کہ انہیں بچے بلکہ کفار بھی پڑھ لیتے ہیں۔ اسے اللہ کے بندے حفظ بھی کر لیتے ہیں اس کے معانی کچھ پڑھے لکھوں سے قریب ہیں۔ اس کے مقاصد علماء کے ذہن سے قریب اس کی باریکیاں دل والوں سے قریب ہیں مگر اس کے رموز و اسرار بہت ہی دور ہیں جہاں عقل۔ ہوش و گوش کی رسائی نہیں۔ صرف کسی کی نظر عنایت سے وہاں پہنچ ہوتی ہے۔ الفاظ وغیرہ کے لحاظ سے قرآن کو ہذا کہا جاتا ہے اور اسرار کے اعتبار سے ذلک یا تلک یعنی دور کا اشارہ جیسے حضور انور ﷺ کرم کے لحاظ سے سب سے قریب ہیں شرف میں سب سے دور۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

وہ شرف کہ قطع ہیں نسبتیں وہ کرم کہ سب سے قرب میں　　　　کوئی کہہ دو اس و امید سے وہ کہاں نہیں وہ کہاں نہیں

فرمایا گیا وہ دور والی آیات جہاں تک تمہاری کسی چیز کی رسائی نہیں بغیر محمد رسول اللہ کے وہ قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ فرمایا گیا کہ وہ آیات قرانیہ جس کا ازل میں تم سے اے محبوب وعدہ کیا گیا تھا اور جس کا تمہاری امت کو وارث بنایا گیا یہ وہ ہی قرآن ہے فرماتا ہے ثم اورثنا الكتاب الذين اصطفينا من عبادنا یہ قرآن جیسے ساری آسمانی کتابوں کے حاکم ہے اور سب کو منسوخ فرمایا ہے ایسے ہی تمام انسانوں خصوصاً مسلمانوں پر اس کی حکومت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے نزول کے لئے اس ذات کریم کو منتخب فرمایا جو ساری مخلوق میں مراد ہے یعنی بہادر ہمت و جرات و استقلال والا ورنہ اس کی برداشت پہاڑ بھی نہیں کر سکتا تھا تو انزلنا هذا القرآن على جبل لرايته خاشعا متصدعا۔ کفار کی نظر میں بہادری مردی صرف مال سے تھی رب تعالیٰ کے نزدیک ذاتی جوہر ہے۔ شعر۔

ہنر باید افضل و دین و کمال　　　　کہ گہ آید وگہ رود جاہ و مال

مردی کی علامات سچی زبان۔ پڑوسیوں سے مصیبتیں دفع کرنا بھائیوں سے سلوک کرنا اللہ تعالیٰ کی محبت و عشق باطن کا امتیاز ہے ظاہر کا نہیں یہ اوصاف پورے پورے حضور ﷺ میں جمع ہیں لہذا آپ ﷺ ہیں قرآن کے لئے۔ کفار یہ راز نہیں سمجھ سکے اور انکار کر بیٹھے صوفیاء کے نزدیک دنیا میں قدم صدق تقویٰ ہے مرتے وقت ایمان ہے قبر میں امتحان میں کامیابی۔ حشر میں حضور انور ﷺ کے قرب رب سے ہم کلامی۔ بعد حشر جنت مومنین انشاء اللہ ہر جگہ قدم صدق یعنی سچی جگہ میں ہیں (روح البیان)

إِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ
تحقیق پالنے والا تمہارا وہ اللہ ہے کہ پیدا کیے اس نے آسمان اور زمین چھ دن میں
بیشک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین چھ دن میں
سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ
پھر غلبہ فرمایا عرش پر تدبیر کرتا ہے کام کی
بنائے پھر عرش پر استویٰ فرمایا (جیسا اس کی شان کے لائق ہے) کام کی تدبیر
مَا مِنْ شَفِيْعٍ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ اِذْنِهٖ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ
نہیں ہے کوئی شفاعت کرنے والا مگر بعد اجازت کے اس کی یہ اللہ رب ہے تمہارا
فرماتا ہے کوئی سفارشی نہیں مگر اس کی اجازت کے بعد یہ ہے اللہ تمہارا رب

www.alahazratnetwork.org

فَاعْبُدُوْهُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝

پس	پوجو	تم	اس	کو	پس	کیوں	نہیں	نصیحت	قبول	کرتے	ہو	تم		
تو	اس	کی	بندگی	کرو	تو	کیا	تم	دھیان	نہیں	کرتے				

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں پہلے قرآن مجید کا ذکر ہوا پھر قرآن لانے والے محبوب کے درجات بیان ہوئے اب قرآن نازل فرمانے والے حضور انور علیہ السلام کو نبوت عطا فرمانے والے رب تعالیٰ کی حمد کا ذکر ہے چونکہ حضور انور علیہ السلام اور قرآن مجید خداری کا وسیلہ ہیں اور عموماً انسان ان کے ذریعہ رب تعالیٰ کو پہچانتے ہیں اس لئے پہلے وسیلوں کا ذکر ہوا پھر اصل مقصود کا یعنی رسالت کے بعد توحید کا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی بھیجنے کا ذکر ہوا اب وحی کے مرکز یعنی عرش اعظم کا ذکر ہے جہاں سے وحی آتی ہے اور جو احکام کا مرکز ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اس ذات کریمہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا جو عرش اعظم کی طرح سارے عالم کو گھیرے ہوئے ہیں۔ اور جہاں سے مخلوق پر احکام الٰہیہ نافذ ہوتے ہیں۔ اب عرش آسمان و زمین کا تذکرہ ہے گویا روحانی عرش آسمان و زمین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ جیسے اے لوگو رب تعالیٰ نے عرش فرش آسمان زمین بنائے ہیں تمہاری رائے نہ لی جیسے جو چاہا بنایا ایسے ہی نبی صحابی مومن کافر بنانے میں تمہاری رائے کا لحاظ نہ فرمایا جسے جو بنایا حق بنایا تم کو اس پر اعتراض کا کیا حق ہے۔

تفسیر: ان ربکم اللہ۔ ان آیات کے مضمون کے بہت لوگ منکر تھے اور ہیں۔ دہریہ اللہ کی ذات کی منکر مشرکین اس کی وحدانیت کے منکر بعض کفار اس کے خالق ہونے کے منکر بعض اسے بعض مخلوق کا خالق مانتے ہیں کل کا نہیں ان وجوہ سے اسے ان سے شروع فرمایا گیا۔ ربکم میں خطاب یا مومنوں سے ہے یا کافروں سے یا سارے انسانوں سے یا سارے جن و انس سے۔ تیسرا احتمال قوی ہے۔ رب کے معانی رب اور اب میں فرق ربوبیت کے ظہور کی صورتیں ہم سورہ فاتحہ کی تفسیر رب العالمین میں کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ رب وہ ہے جو مخلوق کے ظاہر کو بھی پالے اور باطن کو بھی۔ پھر ہمیشہ پالے مستقل طور پر پالے روحانی پرورش کے لئے اس نے انبیاء اولیاء علماء پیدا فرمائے خصوصاً حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا جسمانی پرورش کے لئے اس نے آسمان و زمین بنائے کبھی اللہ کی ذات سے اس کے صفات کی پہچان کرائی۔ اس لیے وہاں اللہ موصوف ہوا۔ رب صفت مگر یہاں صفت سے ذات کی پہچان کرائی اس لئے ربکم اس ان ہوا اور اللہ اس کی خبر یوں ہی بعض نے اللہ تعالیٰ سے حضور کو جانا مگر ہم جیسوں نے حضور انور علیہ السلام سے رب تعالیٰ کو پہچانا۔ ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی (الخ) الذین خلق السموت والارض یہ عبارت لفظ اللہ کی صفت ہے۔ لطف یہ ہے کہ ربکم سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت ثابت کی اور ان صفات سے اللہ تعالیٰ کی الوہیت ظاہر فرمائی۔ خلق اور کسب کا فرق ہم پارہ الم میں عرض کر چکے ہیں چونکہ

www.alahazratnetwork.org

ساتوں آسمان ایک دوسرے سے جدا ہیں ان کی حقیقتیں جدا ان کے فیضان جدا اس لئے سموت جمع ارشاد ہوتا ہے زمین بھی سات ہیں مگر سب کی حقیقت مٹی اور سب ایک دوسرے سے پیاز کے چھلکے کی طرح چمٹے ہوئے ہیں۔ اس لئے ارض ہمیشہ واحد ارشاد ہوتا ہے۔ چونکہ آسمان بڑے ہیں زمین چھوٹی پھر آسمان فیض دینے والے زمین فیض لینے والی ان وجوہ سے آسمان کا ذکر زمین سے پہلے ہوتا ہے مگر چونکہ ہم کو زمین کا علم زیادہ ہے یہاں کا تجربہ بھی آسمان کا علم کم ہمارے تجربہ سے باہر اس لئے سورۂ طٰہٰ میں زمین کا ذکر پہلے ہے آسمان کا بعد میں۔ خلق الارض والسموت العلی (روح المعانی) آسمان وزمین کی تحقیق پارہ الٓمٓ اور سورۂ اعراف میں ہو چکی ہے۔ فی ستة ایام یہ عبارت ظرف ہے خلق کا ایام جمع ہے یوم کبھی بمعنی وقت آتا ہے کل یوم فی شان رب تعالٰی ہر وقت ایک نئی شان میں ہوتا ہے کبھی دن رات کا مجموعہ اشھر ثلثون یوما یہ مہینہ تیس دن کا ہوا کبھی بمعنی اخروی دن یعنی ایک ہزار یا پچاس ہزار سال کا رب فرماتا ہے ان یوما عند ربک کالف سنة مما تعدون اور فرماتا ہے فی یوم کان مقدارہ خمسین الف سنة سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہاں ایام سے آخرت کے دن مراد ہیں۔ مگر تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مطلق وقت مراد ہے کیونکہ آسمان وزمین کی پیدائش صرف کن فرمانے سے ہوئی اور کن فرمانا ایک آن کی بات ہے فرماتا ہے ان یقول له کن فیکون اور ہوسکتا ہے کہ یوم سے مراد دن رات کا مجموعہ ہو۔ یعنی آج کن فرما کر پہلا آسمان بنایا اور کل کن فرما کر دوسرا آسمان (الخ) اس سورت میں دن کی مقدار مراد ہے نہ کہ مروجہ آج اور کل کیونکہ اس وقت سورج بنا ہی نہ تھا پھر دن رات کیسا (تفسیر روح المعانی و بیان وغیرہ) یہاں روح البیان نے فرمایا کہ رب تعالٰی نے ہفتہ کے دن زمین پھیلائی۔ اتوار کے دن پہاڑ پیر کے دن درخت منگل کے دن بری چیزیں بدھ کے دن نور اور نورانی چیزیں جمعرات کے دن جانور جمعہ کے دن بعد نماز عصر حضرت آدم علیہ السلام چونکہ آپ خلیفۃ اللہ اور مقصود خلق تھے اس لئے آپ آخر میں پیدا ہوئے رعایا پہلے جمع ہوتی ہے بادشاہ بعد میں جلوہ گر ہوتا ہے۔

لطیفہ: بعض علماء نے فرمایا کہ ہفتہ کا دن مکر و فریب اور دھوکہ کا دن ہے کہ اسی دن قریش حضور انور ﷺ کے خلاف سازشیں کرنے اور الندوہ میں جمع ہوئے اس دن نئے کپڑے نہ سلواؤ۔ اتوار باغ لگانے تعمیر مکان کی ابتداء کرنے کا دن ہے کہ جنت اور وہاں کی نعمتیں اتوار کو پیدا ہوئیں۔ پیر سفر اور تجارت کی ابتداء کا دن ہے حضرت شعیب نے تجارتی سفر کیا اور بہت نفع کمایا منگل کا دن خون کا دن ہے اس دن فصد اور اپریشن نہ کراؤ کہ اسی دن میں حضرت جرجیس، زکریا، یحیٰی علیہم السلام شہید کئے گئے اسی دن حضرت حواء کو حیض شروع ہوا اسی دن ہابیل قتل ہوئے۔ حضرت آسیہ اور فرعون کے جادوگر شہید کئے گئے اسی دن ابلیس زمین پر آیا اسی دن دوزخ پیدا ہوئی۔ بدھ کا دن غرق فرعون۔ قوم عاد و ثمود کی ہلاکت ہوئی اس دن ناخن نہ کٹاؤ برص کا اندیشہ ہے جمعرات کا دن مبارک ہے اس دن میں حضرت ابراہیم السلام کا نکاح زلیخا سے حضرت موسٰی کا نکاح صفورا سے حضرت سلیمان کا نکاح بلقیس سے حضور انور ﷺ کا نکاح بی بی خدیجہ اور عائشہ صدیقہ سے جمعہ کے دن ہوا اس دن نکاح کرنا بہت برکت کا باعث ہے۔ (تفسیر روح البیان) ثم استوی علی العرش یہاں ثم ترتیب بیان کے لئے ہے یعنی پھر یہ بھی

www.alahazratnetwork.org

سن لو کہ رب نے عرش پر استواء فرمایا۔ استواء کے معنی ہیں برابری۔ غلبہ۔ قرار۔ یہاں بمعنی برابر نہیں ورنہ اس کے بعد مع یاب ہوتی علی نہ ہوتا عرش کے معنی چھت بھی ہیں خاویة علی عروشها۔ اور بمعنی عمارت بھی ومما یعرشون اس لئے عمارت بنانے والے کو عاوش کہا جاتا ہی اور بمعنی تخت بھی ولها عرش عظیم۔ (تفسیر کبیر) یہاں بمعنی تخت ہے۔ یہ فرمان عالی بطور تمثیل ہے تخت نشینی فرمایا گیا۔ پھر رب تعالیٰ مستوی عرش یعنی تخت نشین ہوا۔ تخت نشینی بھی وہ جو اس کی شان کے لائق ہے ہمارے گمان وہم سے وراء ہے غرضکہ برابری۔ غلبہ قراری۔ تخت نشینی کے ظاہری معنی سے رب تعالیٰ پاک ہے حق یہ ہے کہ عرش نویں آسمان کا نام نہیں جیسا کہ فلاسفہ کہتے ہیں بلکہ یہ علیحدہ جسم ہے جو سارے آسمانوں ساری زمینوں سارے عالم حسیام کو گھیرے ہوئے ہے۔ یدبر الامر۔ یہ اللہ تعالیٰ کی تیسری صفت ہے چونکہ پیدائش آسمان وزمین اور عرش پر غلبہ ایک بار ہو چکا اس لئے وہاں ماضی ارشاد ہوا۔ یدبر بنا ہے تدبیر سے جس کا مادہ ہے دبر بمعنی انجام یا پیچھے تدبیر کے معنی ہیں انجام پر نظر کرنا امر سے مراد ہے عالم کے سارے واقعات یعنی رب تعالیٰ دنیا کے واقعات کے احکام صادر فرماتا ہے مگر یوں نہیں بلکہ انجام کا لحاظ فرماتے ہوئے اس کے ہر فیصلے میں ہزارا حکمتیں ہوتی ہیں اس معنی سے تدبیر امر اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اس کے دوسرے معنی عالم کے واقعات رونما کرنا اس معنی سے وہ فرشتوں بلکہ اولیاء اللہ کی صفت ہے رب فرماتا ہے والمدبرات امرا غرضکہ احکام کا صادر کرنا رب کا کام اور رب کے صادر کردہ احکام کو دنیا میں جاری کرنا ان فرشتوں کا کام ہے کسی کی موت کا حکم صادر فرمانا رب کا کام مگر اسے موت دینا متعلقہ فرشتوں کا کام یہ بات دھیان میں رہے۔ ما من شفیع الا من بعد اذنه۔ یہ فرمان عالی لفظ اللہ کی چوتھی صفت ہی اس میں ما نافیہ ہے اور من استغراقیہ شفیع بنا ہے۔ شفاعته سے شفاعت کے معنی اس کے اقسام اور کس قسم کی شفاعت کا کون مستحق ہے ہم آیت الکرسی کی تفسیر میں زیر آیت من ذالذی یشفع عنده الا باذنه۔ کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ مشرکین کے اس عقیدے کے نزدیک ہیں کہ ہمارے بت رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارے سفارشی ہیں اور وہ دھونس سے شفاعت کریں گے جو رب تعالیٰ کو مجبوراً ماننا پڑے گی۔ اذن سے مراد ہے رب تعالیٰ کی اجازت۔ اس اجازت کی دو نوعیتیں ہیں ایک تو شفیع کو شفاعت کرنے کی اجازت دوسرے مشفوع کے متعلق اجازت کہ اے محبوب آپ ﷺ فلاں کی شفاعت کرو چنانچہ بت کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے کہ انہیں شفاعت کی اجازت نہیں وہ تو خود دوزخ میں جائیں گے۔ اور حضرت انبیاء اولیاء کفار کے عذاب سے چھٹکارا کی شفاعت نہیں کریں گے۔ کیونکہ ان حضرات کو اس کی اجازت نہیں بلکہ وہ خود ان کفار سے نفرت کریں گے۔ خیال رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہی امت کی شفاعت کی اجازت مطلقہ مل چکی ہے۔ رب فرماتا ہے۔ واستغفر لذنبک وللمومنین اور فرماتا ہے وصل علیهم اور فرماتا ہے۔ لیغفر لک الله ماتقدم من ذنبک حضور ﷺ آج ہی ساری امت بلکہ تمام امتوں ان کے نبیوں کے شفیع ہیں اگرچہ شفاعت کی نوعیت میں فرق ہے قیامت میں حضور انور ﷺ کا سجدہ فرمانا رب کی حمد کرنا عرض ومعروض کرنے کی اجازت کے لئے ہوگا نہ کہ شفاعت کی اجازت کے لئے۔ ذلکم الله ربکم فاعبدوه۔ یہ فرمان عالی گذشتہ مضمون کا نتیجہ ہے۔ ذالکم سے اشارہ سارے صفات عالیہ کی طرف ہے ربکم میں خطاب مشرکین یا سارے انسانوں سے

www.alahazratnetwork.org

ہے یعنی جو ان مذکورہ صفات سے موصوف ہے وہ حقیقی سچا معبود ہے تم سب کو پالنے والا چونکہ کسی کو اس کی صفات سے جاننا مثل محسوس کے ہوتا ہے اس لئے ذالکم اسم اشارہ ارشاد ہوا (روح البیان) خیال رہے کہ عبادت کسی مخلوق کی جائز نہیں معبود صرف رب تعالیٰ ہے اطاعت اللہ کی بھی ہے اس کے رسول کی بھی اور اپنے سے بڑوں کی بھی افلا تذکرون۔ اس فرمان عالی میں خطاب کفار سے ہے یعنی تم ان باتوں میں دھیان کیوں نہیں کرتے جس کی بارگاہ کے شفیع ایسے شاندار ہیں وہ رب تعالیٰ کیسا شان والا ہوگا۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو! یہ اینٹ پتھر کے بت تمہارے رب نہیں یہ تو خود تمہارے اپنے ہاتھوں کے بنائی ہوئی ہیں تمہارا رب وہ اللہ تعالیٰ ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ سے ساتوں آسمان اور زمین ایک ایک دن کے وقفہ سے چھ وقتوں میں پیدا فرمائے کہ کن فرمایا وہ پیدا ہوئی پھر یہ بھی سنو کہ رب تعالیٰ نے عرش اعظم کو اپنی تجلی گاہ خاص اور احکام سلطانیہ کے نافذ ہونے کا مرکز بنایا۔ جہاں سے احکام صادر ہوتے ہیں وہ ہی قدرت والا رب دنیا کے ہر چھوٹے بڑے کام کی تدبیر فرماتا ہے کہ جو حکم دیتا ہے چیز کے انجام کے لحاظ سے دیتا ہے اس کے ہر حکم میں صدہا مصلحتیں ہیں ان کی شان یہ ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کوئی اس کی اجازت کے بغیر کسی سفارش و شفاعت نہیں کر سکتا وہ جس کو جس کی شفاعت کے لئے اجازت دے وہ ہی اس کی شفاعت کرے۔ تمہارے بتوں کو شفاعت سے دور کا تعلق بھی نہیں کہ یہ خود دوزخ کا ایندھن ہیں جس کی یہ شانیں ہوں وہ ہی تمہارا رب ہے وہ ہی اللہ ہے لہٰذا تم اس کی عبادت کرو۔ بے وقوفو! تم ان باتوں میں غور کیوں نہیں کرتے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ ہر بندہ کا ہر وقت رب ہے بندہ خواہ مومن ہو یا کافر نبی ہو یا امتی ولی متقی ہو یا گنہگار ہاں ان بندوں کی پرورش میں فرق ہے۔ کافر کی صرف جسمانی پرورش فرماتا ہے مومن کی جسمانی بھی اور روحانی بھی یہ فائدہ ربکم سے حاصل ہوا کہ کم میں خطاب سارے بندوں سے ہے۔

دوسرا فائدہ: بندوں کو چاہئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کریں ہمیشہ اطمینان سے کریں یہ فائدہ فی ستہ ایام سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ قادر ہے کہ ایک کن سے ان کی آن میں ایسے لاکھوں جہان بنا دیتا ہے مگر اس نے ایک یہ عالم چھ دن میں بنایا مولانا فرماتا ہے۔

مکر شیطان ست تعجیل و شتاب	خوئے رحمان است صبر و احتساب
با ثباتی گشت موجود از خدا	تا بہ شش روز ایں زمین و چرخہا
ورنہ قادر بود کز کن فیکون	صد زمین و چرخ آور دے بروں
ایں تانی از پئے تعلیم تست	طلب آہستہ بہ باید بے شکست

تیسرا فائدہ: سلطنت الٰہیہ کا دار الخلافہ جہاں سے تمام احکام جاری ہوتے ہیں عرش اعظم ہے یہ فائدہ استوی علی العرش سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: بعض صفات افعال رب تعالیٰ کی طرف بھی منسوب ہوتے ہیں اور اس کے خاص بندوں کی طرف بھی۔ یہ فائدہ **یدبر الامر** سے حاصل ہوا کہ کام کی تدبیر رب تعالیٰ بھی کرتا ہے۔ اور فرشتے بھی یہاں رب تعالیٰ کے لئے یہ صیغہ ارشاد ہوا اور دوسری جگہ **والمدبرات امرا** میں یہی لفظ فرشتوں کے لئے بھی ارشاد ہوا۔

پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء اولیاء کی شفاعت برحق ہے وہ حضرات باذن الٰہی شفاعت ضرور کریں گے۔ یہ فائدہ **الامن بعد اذنہ** سے حاصل ہوا۔ اس کی تحقیق آیت الکرسی کی تفسیر میں ہو چکی شفاعت کبریٰ کا سہرا حضور انور ﷺ کے سر ہے ظہور عدل کے وقت یعنی ابتداء قیامت میں صرف حضور شفاعت کریں گے۔ بعد میں ظہور فضل کے موقعہ پر اور بہت لوگ شفاعت کریں گے۔ دیکھو آیت الکرسی کی تفسیر۔

چھٹا فائدہ: اللہ کی شان اس کے خاص محبوب بندوں کی شان سے ظاہر ہوتی ہے یہ فائدہ **افلا تذکرون** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

پہلا اعتراض: آسمان وزمین کی پیدائش چھ دن میں کیسے ہوئی جب کہ اس وقت سورج بنا ہی نہ تھا۔

جواب: یہاں یوم بمعنی وقت ہے یا یہ مطلب ہے کہ اگر سورج ہوتا تو وہ وقت چھ دن بنتے لہٰذا مطلب ظاہر ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ چھ دن میں یہ چیزیں بنیں مگر دوسری آیت میں ہے کہ کن سے بنیں **اذا اراد شیئا ان یقول لہ کن فیکون**۔

جواب: یہاں وقت پیدائش کا ذکر ہے وہاں طریقہ پیدائش کا چھ دن میں بنے مگر کوٹ پیٹ کر ڈھال کر نہ بنائے گئے صرف کن فرمانے سے بنے۔

تیسرا اعتراض: عرش اعظم اجسام میں اول مخلوق ہے مگر یہاں اس کے لئے **ثم** ارشاد ہوا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم کی پیدائش ان سب کے بعد ہے۔

جواب: عرش اعظم کی پیدائش پہلے ہے مگر اس پر استواء یعنی اسے تجلی گاہ ربانی مرکز احکام بنانا بعد میں ہے یہاں روح البیان نے فرمایا کہ قرآن مجید میں لفظ ثم پانچ معنی میں استعمال ہوا ہے یہاں ترتیب کے لئے ہے۔ جیسے **ان الذین آمنوا ثم کفروا ثم آمنوا ثم کفروا** بمعنی قبل جیسے **ثم استویٰ علی العرش** کہ یہاں ثم بمعنی قبل ہے کیونکہ **وکان عرشہ علی الماء** سے معلوم ہوتا ہے کہ عرش اعظم اول پیدا ہوا اور رب فرماتا ہے **ان مرجعھم لالی الجحیم** وہاں بھی ثم کا بمعنی قبل ہے شاعر کہتا ہے۔

قل لمن ساز ثم ساز ابوہ   ثم قد ساز قبل ذلک جدہ

اس شعر میں دونوں ثم بمعنی قبل ہے بمعنی واؤ جیسے **ثم کان من الذین آمنوا** یہاں ثم بمعنی واؤ ہے بمعنی ابتداء جیسے **الم نھلک الذین ثم نتبعھم الآخرین** وہاں ثم سے کلام کی ابتداء ہے۔ بمعنی تعجب ہے جیسے **جعل الظلمات والنور ثم الذین کفروا بربھم یعدلون** اور اگر یہاں ثم فرمانا عرش اعظم کی شان دکھانے کے لئے ہو یا ترتیب ذکری کے لئے تو کسی

www.alahazratnetwork.org

تاویل کی ضرورت نہیں (تفسیر روح البیان)

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ مدبر عالم صرف اللہ تعالٰی ہے مگر تمہارے اعلٰی حضرت نے حضور غوث اعظم کو مدبر عالم کہا اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ تدبیر اور مدبر کے دو معنی ہیں ایک معنی سے اللہ کی صفت ہے۔ یعنی احکام صادر فرمانا دوسرے معنی سے بندوں کو مدبر کہا گیا ہے جیسے فرشتوں کی ایک قسم کا نام ہے۔ مدبرات امرا رب فرماتا ہے والمدبرات امرا یعنی صادر شدہ احکام کو جاری فرمانا اس معنی سے اولیاء اللہ خصوصاً سرتاج اولیاء خصوصاً سرتاج اولیاء حضور غوث اعظم مدبر عالم ہیں۔ اس آیت کے متعلق اور بہت سے اعتراض و جواب پارہ الم اور سورۂ اعراف میں عرض کئے گئے۔

تفسیر صوفیانہ: عام انسان گویا فیض لینے والی زمین ہیں اور حضرات انبیاء کرام گویا فیض دینے والے آسمان ہیں۔ جس طرح آسمانوں کی کیفیات مختلف ہیں اسی طرح انبیاء کی شان مختلف ہیں کوئی نبی جلالی ہیں تو کوئی رب کی کسی صفت کے مظہر ہیں کوئی دوسری صفت کے مظہر۔ ان حضرات کو اللہ تعالٰی نے چھ دن یعنی چھ صفات میں پیدا فرمایا۔ روح، قلب، عقل، نفس مطمئنہ وغیرہ پھر رب العلمین نے اس ذات کریم پر تجلی فرمائی جو عالم روحانیت میں گویا عرش اعظم ہیں۔ تمام انبیاء، اولیاء کو اپنے گھیرے میں لئے ہیں۔ شعر۔

جس کے گھیرے میں ہیں انبیاء و ملک　　اس جہاں گیر بعثت پہ لاکھوں سلام

وہ ذات کریم احکام تکوینیہ احکام شرعیہ کے صدور کی جگہ ہیں ہر زمانہ ہر وقت میں رب کے احکام وہاں سے ہی جاری ہوئے اور ہوتے ہیں۔ شعر۔

وہ زباں جس کو سب کن کی کنجی کہیں　　اس کی نافذ حکومت پہ لاکھوں سلام

اللہ تعالٰی اس عرش نبوت سے دنیا کے احوال کی تدبیر فرماتا ہے۔ پھر شفاعت میں سب سے پہلے اجازت حضور ﷺ کو ملے گی۔ پھر دوسرے شفیعوں کو۔ اے لوگو یہ زمین و آسمان عرش لامکان سلطان کا رب تمہارا رب ہے لہٰذا اس کی عبادت کرو۔ تم لوگ ان بندوں کو دیکھ کر رب تعالٰی کی شان کا پتہ کیوں نہیں لگاتے۔ رب وہ قدرت والا ہی جس نے ایسے قدرت والے علم والے رحمت والے محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا فرمایا ہو الذی ارسل رسولہ بالھدی و دین الحق۔

اِلَیْهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِیْعًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ اِنَّهٗ یَبْدَؤُا
اسی کی جانب ہے لوٹنا تمہارا سب کا وعدہ اللہ کا سچا تحقیق وہ شروع فرماتا
اسی کی طرف تم سب کو پھرنا ہے اللہ کا سچا وعدہ بے شک وہ پہلی بار
الْخَلْقَ ثُمَّ یُعِیْدُهٗ لِیَجْزِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
ہے پیدائش کو پھر لوٹاتا ہے اس کو تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل
بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا کہ ان کو جو ایمان لائے اور اچھے کام

www.alahazratnetwork.org

الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ ؕ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ

کیے انہوں نے اچھے ساتھ انصاف کے اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا واسطے ان کے ہے

کیے انصاف کا صلہ دے اور کافروں کے لئے پینے کو کھولتا پانی

حَمِیْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِیْمٌۢ بِمَا كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ ④

پینا کھولتے پانی سے اور عذاب ہے دردناک اس وجہ سے کہ تھے وہ کفر کرتے

اور دردناک عذاب بدلہ ان کے کفر کا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی الوہیت ابتداء کے لحاظ سے بیان فرمائی جارہی ہے کہ اس نے آسمان و زمین بنائے وغیرہ اب اس کی الوہیت انتہا کے لحاظ سے بیان فرمائی جارہی ہے کہ وہ تم سب کو مرنے کے بعد جلائے گا اور سزا جزا دے گا۔ چونکہ ابتداء پہلے ہے انتہا بعد میں اس لئے پہلے ابتدا کا ذکر ہوا بعد میں انتہاء کا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی قدرت عامہ کا ذکر ہوا کہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی چیزوں تمام کائنات کا پیدا فرمانے والا ہے اب اس کی قدرت خاصہ کا ذکر ہے کہ وہ قیامت میں اٹھا کر صرف انسانوں کو ان کے اعمال نیک کا ثواب بد کا عذاب دینے والا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیۂ کریمہ میں بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا اب عبارت کے فائدہ کا تذکرہ ہے کہ عبادت کا نتیجہ ثواب ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں شفاعت کا ذکر ہوا کہ اللہ کے ماذون (اجازت یافتہ) بندے شفاعت کریں گے اور مقام شفاعت اور وقت شفاعت کا ذکر ہے کہ جب بندے اپنے رب کے پاس واپس پہنچیں گے تب یہ شفاعت ہوگی مقصد یہ ہی کہ شفاعت کرنے والوں سے تعلق قائم رکھو تاکہ یہ تعلق قیامت میں کام آوے۔

پانچواں تعلق: پچھلی آیت میں ان کفار کی تردید ہوئی جو رب کی ذات وصفات کے منکر ہیں اب ان کفار کی تردید ہے جو ذات وصفات کو تو مانتے ہیں مگر قیامت جنت دوزخ سزا و جزا کے انکاری ہیں۔

تفسیر: الیہ مرجعکم یہ فرمان عالی۔ نیا جملہ ہے جس میں الیہ خبر مقدم ہے اور مرجعکم مبتدا مرجع مصدر میمی ہے بمعنی جوع یا لوٹنا ظاہر یہ ہے کہ کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے مومن ہوں یا کافر و منافق۔ اس خطاب میں فرشتے یا جنات داخل نہیں کیونکہ جزا یعنی ثواب کا بھی ذکر ہے جو صرف انسانوں کے لئے ہے۔ جمیعا کم ضمیر کا حال ہے الیہ کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اے انسانو! تم سب کا مرنے کے بعد جی کر رب تعالیٰ ہی کی طرف واپس ہونا ہے۔ چونکہ عالم

www.alahazratnetwork.org

ارواح میں تمام انسان رب تعالٰی کے پاس تھے وہاں سے دنیا میں آئے اس لئے اب پھر وہاں جانے کو لوٹنا کہا گیا۔ اس کی ذات وصفات کے انکاری بھی ہیں یہاں بعض چیزوں کی ملکیت کے دعویدار بھی۔ وہاں ان میں سے کچھ نہ ہوگا۔ اس لئے وہاں کی حاضری کو رب کی طرف لوٹنا فرمایا گیا۔ حضرت ابراہیم نے کوفہ سے فلسطین کی طرف ہجرت کرنے کو رب کی طرف جانا کہا انی اذھب الی ربی سیھدین خیال رہے کہ قیامت میں پہلے سب کا اجتماع ہوگا پھر چھانٹ کا ارشاد ہوگا۔ وامتازوا الیوم ایھا المجرمون یہاں اول وقت کے لحاظ سے ارشاد ہے۔ جمیعا بعض مفسرین نے فرمایا کہ مرجعکم سے مراد موت ہے جو سب کو آنی ہے جس کے ذریعہ دنیا چھوڑنی ہے۔ بارگاہ الٰہی میں حاضری دینی ہے اس صورت میں جمیعا بمعنی اجمعین نہیں بلکہ بمعنی سب ہے یعنی تم سب کو مر کر رب کی طرف لوٹنا ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے کل من علیھا فان یا وہ آیت کل شی ء ھالک الا وجھه (روح المعانی) وعد الله حقا اس فرمان عالی کی آسان ترکیب یہ ہے کہ اصل میں تھا وعد اللہ وعدا حقا یعنی اللہ تعالٰی نے اس لوٹنے کا تم سب سے پختہ وعدہ کیا ہے۔ جس کے خلاف ہونے کا کوئی احتمال نہیں اس صورت وعدہ سے مراد مطلقاً وعدہ ہے وعید کا مقابل مراد نہیں کیونکہ قیامت کی خبر نیکوں کے لئے وعدہ ہے۔ کفار کے لئے وعید یہ لفظ دونوں کو شامل ہے بعض نے فرمایا کہ یہاں وعدہ مقابل ہے وعید کا چونکہ قیامت کے انعقاد کا مقصود مومنوں کو خبر دینا ہے اس لئے اسے وعدہ فرمایا۔ کفار کی سزا ان کے اپنے کرتوتوں کی وجہ سے ہے۔ انه یبدو الخلق ثم بعیده قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اور مرجعکم کی یا وعد الله (الخ) کی دلیل ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یبدو بمعنی بدعه ہے اور خلق سے مراد ساری مخلوق کو پیدا فرماتا ہے۔ یعنی اس نے ساری مخلوق کو ابتداءً بغیر نمونہ کے پیدا فرمادیا انہیں ایجاد کردیا تو یقین کرلو کہ وہ دوبارہ بھی انہیں لوٹائے گا۔ کیونکہ ایجاد سے دوبارہ بنانا آسان ہے اور ہوسکتا ہے کہ خلق سے مراد افراد مخلوق ہوں۔ یعنی رب تعالٰی ہر فرد مخلوق کو ابتداءً پیدا فرماتا ہے لہٰذا وہ انہیں دوبارہ بھی بنائے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی نے دنیا میں مخلوق کو پیدا کیا احکام کا مکلف کرنے کے لئے پھر ان کی عمر ختم ہوجانے پر انہیں موت دے گا پھر بعد موت اٹھائے گا کیونکہ لیجذی الذین امنوا وعملوا الصالحات بالقسط۔ اس فرمان عالی کا تعلق ثم بعیده سے ہے جزاء سے مراد نیک اعمال کا ثواب ہے یعنی سزا کا مقابل بالقسط کا تعلق یا تو لیجزی سے ہے یا عملوا الصالحات سے یعنی اللہ تعالٰی نے لوگوں کو اس لئے دوبارہ زندگی دے گا تاکہ اس زندگی میں نیک مومنوں کو انصاف کے ساتھ ثواب دے کہ نہ تو نیک کی نیکیوں میں کمی کرے نہ گناہوں میں زیادتی لہٰذا انصاف ظلم کا مقابل ہے نہ کہ فضل وکرم یا معنی یہ ہیں کہ جن لوگوں نے انصاف کے ساتھ نیکیاں کیں انہیں جزا دے چونکہ اس دنیا میں نیکیوں کے ثواب کی گنجائش نہیں کہ دنیا فانی ہے ثواب ہمیشہ باقی نیز دنیا قلیل یعنی تھوڑی ہے۔ ثواب کثیر یعنی زیادہ نیز دنیا مخلوق ہے آرام ومصیبت سے ثواب ہے خالص۔ ان وجہوں سے عمل کے لئے دنیا بنائی ثواب کے لئے آخرت جزا کے لئے دوسرا جہان کیوں کہ یہ اس کا جواب ہے۔ والذین کفروا اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ یعنی کفار کو سزا کا بیان ہے الذین سے مراد انسان ہیں جیسا کہ گذشتہ کے مقابلہ سے معلوم ہورہا ہے کفر سے مراد ہر قسم کا کفر ہے کفر کی صدہا قسمیں ہیں۔ ہر کفر کی سزا دوزخ میں ہمیشگی ہے کفروا سے مراد وہ لوگ ہیں جو اللہ کے علم

www.alahazratnetwork.org

اس کے فیصلہ میں کافر ہو چکے یا مراد ہے کہ جو لوگ کفر پر مر گئے یا جو مرتے وقت ہو گئے لہٰذا آیت واضح ہے لھم شراب من حمیم و عذاب الیم یہ فرمان عالی والذین کفروا کی خبر ہے اس میں لھم مقدم خبر ہے اور شراب (الخ) موخر مبتدا جس سے حصر کا فائدہ ہوا کیونکہ کھولتا پانی دوزخیوں کا خون و پیپ پلایا جانا ذلت و رسوائی اور انتہائی دردناک عذاب صرف کفار کے لئے ہے گنہگار مومن ان شاء اللہ ان سے محفوظ ہوں گے خیال رہے کہ طرز بیان یہاں کچھ اور ہے وہاں تعالے جزی اس کے مقابل یہاں لیعذب ارشاد نہیں ہوا کیونکہ قیامت قائم ہونے کا اصل مقصد نیکیوں کو ثواب دینا ہے رہا کفار کا عذاب وہ مقصد قیامت نہیں وہ ایک عارضی چیز ہے۔ (روح البیان) دوزخ کا پانی حار نہیں بلکہ حمیم ہے یعنی معمولی گرم نہیں بلکہ بہت ہی سخت کھولتا ہوا ہے جو پیتے وقت ہونٹ و زبان تالو جلا دے اور پیٹ میں پہنچ کر آنتیں جلا ڈالے مگر اس کے باوجود موت نہ آوے گی بما کانوا یکفرون یہ فرمان عالی یا تو عذاب الیم کی صفت ہے یا پوشیدہ مبتدا کی خبر اس میں یا مصدر یہ۔ کانوا یکفرون فرما کر دو یا تین باتیں ارشاد ہوئیں ایک یہ کہ یہ عذاب اس کافر کو ہے جو کفر کرتا رہا حتی کہ کفر پر مر گیا (۲) اگر اس نے زندگی میں کفر تو کیا مگر مرتے وقت مومن ہو گیا اس کے لئے عذاب نہیں دوسرے یہ کہ کفار کے نا سمجھ بچے جو بچپن میں فوت ہو گئے ان کے لئے عذاب نہیں کیونکہ انہوں نے کفر کیا نہیں۔ جنت عطائی بھی ہوگی وہبی بھی کسبی بھی مگر دوزخ اور وہاں کا عذاب صرف کسبی ہے نہ عطائی نہ وہبی۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو زندگی غنیمت جانو اس میں جو بن پڑے عبادت کر لو کیونکہ دنیا میں ہمیشہ نہیں رہنا ہم سب کو آخر کار رب تعالیٰ کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ رب کی طرف سے اس کا پختہ سچا وعدہ ہو چکا ہے۔ جب مرنا ہے تو تیاری ضرور کرے۔ شعر۔

جو یہاں آیا ہے اس کو ہوگا جانا ایک دن سب کو ہے منھا خلقنا کم کا صدمہ ایک دن

اگر تم کو بعد موت زندہ ہونے میں تردد ہو تو یوں سوچو کہ رب تعالیٰ نے مخلوق کو ابتداً پیدا فرمایا۔ تم میں سے ہر ایک کا ابتداء فرماتا رہتا ہے جب وہ ابتداء فرماتا ہے تو دوبارہ بھی زندگی بخشے گا۔ وہ زندگی اس لئے ہوگی کہ اللہ تعالیٰ اس دن نیک کار مومنوں کو عدل و انصاف کے ساتھ ثواب دے جس میں کمی بالکل نہ ہو قیامت قائم فرمانے کا یہ ہی مقصد ہے۔ دنیا عمل کی جگہ آخرت جزا کا مقام کیونکہ دنیا میں جزا سما نہیں سکتی رہے وہ لوگ جو مرتے دم تک کفر کرتے رہے کفر پر مرے انہیں پینے کے لئے کھولتا پانی ملے گا۔ اس کے سوا بہت ہی دردناک دائمی عذاب ہوگا یہ بدلہ اس چیز کا ہوگا کہ وہ زندگی بھر کفر کرتے رہے اور کفر پر مرے جرم انتہائی سنگین ہے اس کی سزا بھی انتہائی سنگین۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قیامت میں اولاً سارے برے بھلے بندوں کا اجتماع ہوگا حتی کہ شفیع کی تلاش سب مل کر کریں گے۔ چھانٹ یعنی مومن و کافر کی علیحدگی بعد میں ہوگی۔ اس لئے اسے حشر کہتے ہیں یہ فائدہ مرجعکم جمیعا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ مرجع سے مراد قیامت کی حاضری ہو اور جمیعا سے مراد سب کا اجتماع ہو۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: موت سب کو آنی ہے اس سے کوئی بھی علیحدہ نہیں یہ فائدہ ھو جعکم جمعیا کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ مرجع سے مراد ہو موت جمعیا سے مراد ہو سب لوگ اس لئے موت سے بچنے کی دعا کرنا حرام ہے۔

تیسرا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ شہادت سے غیب کا پتہ لگائے ظاہر چیزیں باطن کا پتہ ہیں۔ یہ فائدہ یبدالخلق ثم یعیدہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو ہمارا پیدا ہونا شہادت ہے اور قیامت میں اٹھنا غیب آیت میں ابتداء کو انتہا خلق کو اعادہ کی دلیل بنایا گیا۔

چوتھا فائدہ: زندگی میں رب کی عبادت کرنا انصاف ہے غفلت ظلم ہے یہ فائدہ بالقسط کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کا تعلق عملوا الصالحات سے ہو۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ بقدر جرم سزا دے گا کسی کو جرم سے زیادہ سزا نہ ہوگی نہ نیکیوں سے کم ثواب ہے یہ فائدہ بالقسط کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس کا تعلق لیجزی سے ہو۔ دیکھو تفسیر جرم سے کم سزا دینا یا بالکل نہ دینا عفوو کرم ہے۔

چھٹا فائدہ: مومن کبھی نیکیوں سے غافل نہ رہے ایمان جڑ ہے اعمال شاخیں ثواب پھل ہے جیسے پھل کے لئے جڑ شاخیں سب ہی ضروری ہیں یوں ہی ثواب کے لئے ان دونوں کی ضرورت ہے یہ فائدہ آمنوا وعملوا الصالحات سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مومن صرف ایک نیکی پر قناعت نہ کرے بلکہ ہر قسم کی بدنی، مالی، جانی نیکیاں کرتا رہے۔ جس قدر ہو سکے یہ فائدہ عملوا الصالحات میں صالحات جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: کافر خواہ کتنی ہی نیکیاں کرے اور خواہ کتنا ہی گناہوں سے بچے مگر وہ دوزخ سے نجات نہیں پا سکتا۔ یہ فائدہ الذین کفروا لھم شراب (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے مذکورہ عذاب کو صرف کفر پر مرتب کیا یہ فرمایا کہ جو کافر ہوں گے اور گناہ کریں گے تو انہیں عذاب ہوگا۔

نواں فائدہ: دوزخ میں کھولتا پانی۔ رسوائی ذلت وخواری کی دردناک عذاب صرف کفار کے لئے ہے گنہگار مومن ان چیزوں سے محفوظ رہیں گے۔ یہ فائدہ لھم عذاب من حمیم میں لھم کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: انعقاد قیامت کا مقصد مومنوں کو ثواب دینا ہے رہا کفار کو عذاب دینا یہ عارضی چیز ہے مقصود قیامت نہیں یہ فائدہ لیجزی الذین آمنوا اور والذین کفروا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ لیجزی پر لام آیا اور کفر کے عذاب پر لام نہیں آیا۔

پہلا اعتراض: اللہ کے وعدے سارے سچے ہیں پھر وعد اللہ حقا کیوں فرمایا گیا کیا اس کے بعض وعدے جھوٹے بھی ہیں۔

جواب: تاکید کے لئے یہودی لوگ اسے تاکید نفسہ کہتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: قیامت کی خبر مومنوں کے لئے وعدہ کے کافروں کے لئے وعید یہاں صرف وعداللہ کیوں فرمایا او عداللہ کیوں نہیں فرمایا۔

جواب: اس لئے کہ قیامت کا مقصد مومنوں کوثواب دینا ہے جیسا کہ ابھی تفسیر اور فوائد میں ذکر ہوا یہاں وعدمطلقا آئندہ کی خبر کے معنی میں ہے ثواب کی ہو یا عذاب کی۔

تیسرا اعتراض: اعمال کے لئے دنیا اور ثواب وعذاب کے لئے آخرت کیوں مقرر فرمائی۔ دونوں ایک ہی جگہ کیوں نہ ہوئے۔

جواب: کیونکہ عمل ہمارے کام ہیں ہم چھوٹے ہمارے کام تھوڑے ہیں ان کے لئے تھوڑی زندگانی چاہئے اور ثواب و عذاب رب کا کام ہے رب عظیم اس کی عطا وسزا بھی عظیم اس کے لئے زمانہ وہ چاہئے جس کو انتہا نہ ہو۔ اور بھی بہت وجہیں ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں۔ نیز آخرت اعمال کی جگہ نہیں کہ وہاں اعمال کے اسباب نہیں نماز وروزہ حج وزکوۃ چاند و سورج سے ہوتے ہیں وہاں یہ دونوں نہیں جہاد وکفار کے زور توڑنے کو ہوتا ہے وہاں کفار کا زور نہیں۔ نیکیوں سے روکنے والا شیطان اور نفس امارہ ہیں وہاں شیطان قید نفسی امارہ ہلاک ہے لہٰذا اعمال اور جزاء اعمال ایک جگہ ایک وقت نہیں ہو سکتے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نیک کار مومن جنتی ہیں۔ بتاؤ کہ بدعمل یا بے عمل مومن جنتی ہیں یا نہیں۔ اگر ہیں تو یہاں نیک کار کی قید کیوں لگائی گئی۔

جواب: اس کا جواب اشارۃً ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں کسبی جنت کا ذکر ہے جو نیک اعمال کی وجہ سے مومنوں کو ملے گی۔ جنت وہبی عطائی کا ذکر دوسری آیات میں ہے گنہگار مومن کے لئے خطرہ ہے کہ وہ اول سے جنت میں نہ جا سکے اولاً سزا بھگتنے دوزخ میں جاوے پھر جنت میں پہنچایا جاوے۔ نیک کار مومن بفضلہ تعالیٰ اول سے ہی جنتی ہے یہاں یہ ہی مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مقبولین ومردودین سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر دونوں کے رجوع میں فرق ہے۔ مقبولین کا رجوع عنایت الٰہی کے جذب سے ہے اسے خطاب ہوتا ہے **یا ایھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ** انہیں ہر وقت یہ خطاب آتا رہتا ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کے جسم دنیا میں حاضر مگر دل سے غائب رہتے ہیں ان کی نظر میں سونا اور مٹی یکساں ہوتی ہیں وہ ماسوی اللہ سے مستغنی ہیں۔ ان کی روح عشق ومحبت کے دریا میں غرق ماسوی اللہ سے بیزار رہتی ہے مردودین کا رجوع الی اللہ مجبوری سے ہے وہ ہتھکڑی۔ بیڑی۔ طوق میں جکڑ کر دوزخ کی طرف لے جائے جاتے ہیں ان کی علامت یہ ہے کہ ان کے تعلقات دنیا سے بہت زیادہ۔ ان پر نفس کا غلبہ۔ حرص۔ ہوس۔ بخل دراز امیدیں۔ تکبر۔ غصہ۔ شہوت حسد وکینہ۔ عداوت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں یہ عیوب اس زنجیر کے حلقے ہیں اللہ کے وعدے وعید بالکل برحق ہیں۔ یہ مقبولین یار۔ اغیار۔ بلکہ خود اپنے نفس اور اپنے رب کے متعلق ہمیشہ انصاف سے کام لیتے ہیں۔ دنیا آخرت کی کھیتی ہے یہاں جو کچھ بوؤ گے وہاں وہ ہی کاٹو گے۔ بھلائی بونے والا سلامتی کاٹے گا بدی بونے والا ندامت۔

www.alahazratnetwork.org

مولانا فرماتے ہیں۔

جملہ دانند ایں اگر تو نگری ہر چہ می کارش روزے بدروی

بعض لوگ وہ ہیں جو پہلے شیطان کے نرغہ میں ہوتے ہیں۔ پھر رحمان کی بارگاہ قدس میں پہنچ جاتے ہیں۔

مرد اول بستہ خواب و خوارات آخرالامراز ملائک برتراست

در پناہ پنبہ وکبریتہا شعلہ نور مثل برآید برسہا

آگ کا شعلہ تیل وبتی کی مدد سے بڑی آگ وروشنی بن جاتا ہے انسان کو اگر اچھا مربی مل جاوے تو یہ شعلہ سے بھڑکتا ہوا بن جاوے۔ (روح البیان)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّ الْقَمَرَ نُوْرًا وَّ قَدَّرَهٗ

وہ اللہ وہ ہے کہ بنایا اس نے سورج کو روشن اور چاند کو نور اور اندازہ

وہی ہے جس نے سورج کو جگمگاتا بنایا اور چاند چمکتا اور اس کے

مَنَازِلَ لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ

کیا اس کے لئے منزلوں کو تاکہ جانو شمار برسوں کی اور حساب نہیں پیدا کیا یہ

لئے منزلیں ٹھہرائیں کہ تم برسوں کی گنتی اور حساب جانو اللہ نے

اللّٰهُ ذٰلِكَ اِلَّا بِالْحَقِّ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ (۵)

مگر ساتھ حق کے تفصیل وار بیان کرتا ہے نشانیاں واسطے اس قوم کے جو راہ جانتی

اسے نہ بنایا مگر حق نشانیاں مفصل بیان فرماتا ہے علم والوں کے لئے

اِنَّ فِی اخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِی

بے تحقیق بدلنے میں رات اور دن کے اور وہ جو پیدا کیا اللہ نے

بے شک رات اور دن کا بدلتا آنا اور جو کچھ اللہ نے

السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَّقُوْنَ (۶)

آسمانوں اور زمین میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو پرہیز گار ہے

آسمانوں اور زمین میں پیدا کیا ان میں نشانیاں ہیں ڈرنے والوں کے لئے

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی الوہیت اس کی قدرت آسمان وزمین کی پیدائش سے ثابت کی گئی۔ خلق

www.alahazratnetwork.org

السموات و لارض اب آسمان وزمین کی چیزوں سے اس کی الوہیت وقدرت کا ثبوت دیا جارہا ہے سورج چاند اور برس کا گذرنا حساب لگایا جانا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں گذشتہ آئندہ زمانہ کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اس کی قدرت کا ذکر ہوا کہ اس نے پہلے سے آسمان وزمین بنائے اور تم آئندہ کر مراس کی طرف لوٹو گے اب موجودہ زمانہ کے اعتبار سے اس کی الوہیت کا تذکرہ ہے کیونکہ چاند سورج کے فیضان موجود ہیں محسوس ہورہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ تم سب کا رب ہے ذلکم ربکم اب اس کی ظاہری ربوبیت یعنی جسمانی پرورش کا ذکر ہے کہ اس نے تمہاری پرورش کے لئے چاند سورج بنائے تا کہ پتہ لگے کہ اس نے باطنی پرورش کے لئے انبیاء اولیاء جیسے آسمانی کتابیں نازل فرمائیں کہ جسمانی پرورش سے روحانی پرورش زیادہ اہم ہے۔

تفسیر هو الذی: ان جیسی آیات میں ھو سے مراد ذات باری تعالیٰ ہوتا ہے الذی سے مراد صفت باری تعالیٰ قدرت والا یا رحمت والا یا حکمت والا وغیرہ کیونکہ دنیا کی ہر چیز رب تعالیٰ کی ایک دو دو صفت کا مظہر ہے لیکن ھو الذین ارسل رسوله میں الذی سے مراد تمام صفات الہیہ ہیں یعنی وہ شانوں قدرتوں حکمتوں رحمتوں والا ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تمام صفات الہیہ بلکہ ذات الٰہی کے مظہر اتم ہیں۔ شعر۔

مصطفیٰ آئینہ روئے خداست منعکس دروے ہمہ خوئے خداست

یہ فرق یاد ہے دیکھوان الله وملائکته یصلون علی النبی میں صلوٰۃ سے کچھ اور ہی مراد ہے اور ھو الذی یصلی علیکم وملائکته میں صلوٰۃ سے مراد کچھ اور ہی ہے لہٰذا اس آیت سے یہ لازم نہیں کہ ہم ہر مسلمان پر درود شریف پڑھا کریں۔ جعل الشمس ضیاء یہ فرمان الذی بمعنی خلق ہے تو الشمس اس کا مفعول ہے اور ضیاء الشمس کا حال اور اگر جعل کے معنی ہیں بنایا تو الشمس اس کا پہلا مفعول ہے اور ضیاء دوسرا مفعول۔ شمس ہار کا وہ بڑا پھول جو بیچ ہار میں ہوتا ہے اسے شمسہ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ سورج تمام تاروں سے بڑا ہے نیز یہ تمام تاروں کے بیچ والے فلک میں یعنی چوتھے فلک پر ہے تین آسمان اس کے اوپر ہیں تین نیچے ان وجوہ سے اسے شمس کہا جاتا ہے (روح المعانی) ضیاء یا تو ضو بمعنی روشنی کی جمع ہے جیسے حوض اور صوم کی جمع حیاض اور صیام ہے یا ضوء کا مصدر ہے جیسے قوم کا مصدر قیام یہ اصل میں ضیاء تھا۔ چونکہ واؤ سے پہلے ض کو کسرہ تھا اس لئے واؤ کو ی۔ سے بدل دیا۔ خیال رہے کہ ضیاء اور نور دونوں کے معنی ہیں چمک یا روشنی تمام چاند تاروں سے تیز بھی ہے اور اصل بھی کہ اس میں روشنی کسی دوسرے تارے سے نہیں آتی اس لئے اسے ضیاء فرمایا گیا۔ (کبیر وغیرہ) یہاں ضیاء بمعنی ضوضیاء ہے یعنی روشنی والا چونکہ زمین و آسمان میں سورج کا فیض تمام تاروں سے زیادہ ہے کہ آسمان کے ہر تارے میں نور سورج کا ہے اور زمین میں تمام نباتات حیوانات کی زندگی بقاء اسی سے ہے جو دانہ یا پھل پیدا ہوتا ہے وہ سورج کے فیض سے جو ان میں لذتیں ہیں وہ سورج کے فیض سے۔ ہاں ان کے رنگ و بو چاند وغیرہ سے۔ ان وجوہ سے سورج کا ذکر پہلے فرمایا (روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

والقمر نورا۔ اس فرمان عالی میں القمر معطوف ہے الشمس پر اور نوراً معطوف ہے۔ ضیاءً پر قمر کے معنی سفید اس لئے سفید فجر کو بغل قمر کہتے ہیں نور سے مراد ہلکی روشنی ہے جو آسمان پر تاروں کو زمین پر چراغوں کو نہ بجھائے یا ٹھنڈی روشنی جسے دیکھنے والے کی آنکھ برداشت کرلے نور وہ عرض یا وہ جوہر ہے جو خود ظاہر ہوتا ہو۔ دوسروں کو ظاہر کرے لہٰذا اللہ تعالےٰ نور نہیں ہے کیونکہ وہ نہ عرض ہے نہ جوہر۔ دیکھو نوری شرح مسلم کتاب الایمان ص۹۹ قرآن مجید میں کہیں اللہ تعالیٰ کو نور فرمایا گیا ہے وہاں معنی منور ہے یعنی نور بخشنے والا جیسے اللہ نور السموت والارض۔ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین کو روشن کرنے والا ہے رب نے قرآن مجید اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کہا ہے۔ وہاں قلبی نور روحانی نور مراد ہے۔ چاند کو نور فرمایا یہاں حسی نور مراد ہے۔

لطیفہ: عربی میں شمس مونث ہے اور قمر مذکر۔ کسی نے خوب کہا۔

ولا التانیث عار لاسم شمس ولا التذکیر فخر للھلال

رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے عیسیٰ تم حلم و بردباری میں زمین کی طرح رہو۔ سخاوت میں جاری پانی کی طرح رحمت میں چاند سورج کی طرح جو نیک و بد پر چمکتے ہیں۔ شعر

نظر کردن بدر دیشان منافی بزرگی نیست سلیمان باچنیں حشمت نظر ہا بود باموش

وقدره منازل یہ عبارت معطوف ہے جعل الشمس (الخ) پر اور رب تعالیٰ کی تیسری قدرت کا بیان ہے یا تو قدرلہ تھا باقی منازل رب تعالیٰ نے چاند سورج کو آسمان کا مسافر قرار دیا اور مسافر راہ میں منزلیں طے کرتا ہوا جاتا ہے یوں ہی یہ دونوں منزلیں طے کرتے ہوئے سفر کرتے ہیں ہ ضمیر یا تو صرف چاند کی طرف ہے۔ چونکہ چاند اپنی ذات حرکت میں بہت تیز ہے کہ اٹھائیس یا انتیس دن میں پورا دورہ طے کر لیتا ہے۔ اور سورج وہ ہی دور ایک سال میں طے کرتا ہے۔ نیز چاند سے عربی مہینے اور مہینوں سے عربی سال تیز چاند سے بہت سے اسلامی کام وابستہ ہیں روزے، زکوٰۃ، حج، عورتوں کی عدت وغیرہ اس لئے صرف چاند کی منزلوں کا ذکر فرمایا ہ سے مراد سورج و چاند دونوں ہیں کبھی واحد ضمیر دو کی طرف لوٹ جاتی ہے جیسے اللہ ورسولہ احق ان یرضوه۔ (تفسیر روح المعانی۔ خازن وغیرہ) خیال رہے کہ سورج کے لئے رب نے بارہ برج مقرر فرمائے جنہیں وہ ایک سال میں طے کرتا ہے۔ موسم ربیع کے لئے حمل، ثور، جوزا۔ گرمی کے لئے سرطان، اسد، سنبلہ۔ خریف کے لئے میزان، عقرب، قوس۔ سردی کے لئے جدی، دلو، حوت۔ ایک شاعر کہتا ہے۔

برجہاد انم کہ از مشرق برآورد ندسر جملہ در تسبیح و در تہلیل حی لایموت

چوں حمل چوں ثور چوں جوزا و سرطان اسد سنبلہ میزان و عقرب قوس و جدی دلو حوت

چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں ہر منزل دو اور تہائی برج کی ۲-۳/۱ (یعنی ایک برج میں ۲-۳/۱ منزلیں) ان کے نام مع ان کے کاموں کے اس جگہ تفسیر (روح البیان وغیرہ میں دیکھو۔ نماز کے اوقات روزے سحری و افطار سورج سے ہیں۔ اور باقی وقتی عبادات چاند سے۔ لتعلموا عدد السنین والحساب۔ یہ فرمان عالی قدر کے متعلق ہے تعلموا میں خطاب

www.alahazratnetwork.org

سارے انسانوں سے ہے اگر قدرہ میں ہ کا مرجع صرف چاند ہو تو سنین سے مراد عربی مہینہ ہیں جو چاند سے ہوتے ہیں۔ اور حساب سے مراد وقتوں کا حساب کہ اہل عرب اپنے کاروبار کا حساب چاند سے کرتے تھے۔ اور اگر ہ کا مرجع چاند سورج دونوں ہوں تو سنین سے دونوں قسم کے سال مراد ہوں گے۔ سورج کے اور چاند کے۔ یوں ہی حساب سے ہر قسم کا حساب پنجگانہ نمازوں کا حساب سورج سے کرو۔ اور نماز عید و بقر عید کا حساب چاند سے۔ ہمارا اسلام چاند و سورج والا دین ہے خیال رہے کہ قمری سال شمسی سال سے دس دن گیارہ گھنٹے ایک منٹ چھوٹا ہوتا ہے۔ چنانچہ شمسی سال تین سو پینسٹھ دن پانچ گھنٹے انالیس منٹ کا ہوتا ہے اور قمری سال تین سو چون دن آٹھ گھنٹے اڑتالیس منٹ کا ہوتا ہے (روح المعانی) **ما خلق ذلک الا بالحق**۔ یہ فرمان عالی ان یا جملہ ہے جو گذشتہ مضمون کا نتیجہ بیان کر رہا ہے ذلک سے اشارہ سورج چاند ان کی منزلیں مقرر فرمانا سب ہی اللہ کی طرف سے ہے حق سے مراد حکمت والا۔ اس کا مقابل باطل بمعنی عبث رب فرماتا ہے **ربنا ما خلقت هذا باطلا**۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ ساری چیزیں ہزار ہا حکمتوں پر مشتمل پیدا فرمائیں ان میں سے کوئی چیز بے فائدہ عبث پیدا نہیں کی۔ **یفصل الایات لقوم یعلمون**۔ **ما خلق الله** میں مذکورہ چیزوں کی پیدائش کی حکمتیں بیان ہوئیں۔ اس فرمان عالی میں ان چیزوں کے ذکر کا فائدہ ارشاد ہوا ہاں ظاہر یہ ہے کہ آیات سے مراد قرآن مجید کی وہ آیات ہیں جن میں ان مصنوعات کا ذکر ہے غالب یہ ہے کہ **یعلمون** سے مراد وہ علم ہے جس کا تعلق ان مذکورہ چیزوں سے ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس قسم کی آیتیں تفصیل وار بیان فرماتا ہے ان لوگوں کے فائدہ کے لئے جنہیں چاند سورج منزلیں، برج ان کی رفتاروں کا علم ہو یا اس علم کا شوق ہو۔ کیونکہ ان آیتوں سے پورا پورا فائدہ یہ ہی حضرات اٹھاتے ہیں۔ اب تک تو آسمانی مخلوق کا ذکر ہوا اب ان چیزوں کے زمینی اثرات کا ذکر ہے کہ ارشاد ہوا **ان فی اختلاف اللیل و النهار** یہ نیا فرمان عالی ہے یہاں دن رات کے اختلاف سے مراد ان کا آنا جانا ان کا روشنی و تاریکی میں مختلف ہونا ان کا مقدار میں گھٹنا بڑھنا کہ کبھی رات بڑی کبھی دن کا کیفیات میں بدلتا رہنا کہ کبھی ٹھنڈے کبھی گرم اور رات کبھی نورانی کبھی اندھیری یا زمین کے بعض حصہ میں رات ہونا اور دوسرے حصہ میں اس وقت دن ہونا بہر حال یہ فرمان عالی بہت ہی وسیع ہے **وما خلق الله فی السموات و الارض** اس فرمان عالی میں آسمانی مخلوق سے مراد چاند سورج تارے بادل ہوا وغیرہ مراد ہیں اور زمینی مخلوق سے مراد پہاڑ دریا درخت نہریں جانور۔ انسان مختلف کانیں وغیرہ ہیں۔ چونکہ رات افضل ہے دن سے اور آسمان افضل ہیں زمین سے اس لئے لیل کا ذکر نہار یعنی دن پہلے ہوا اور آسمان کا ذکر زمین سے پہلے **لایات لقوم یتقون** ان سب میں بلکہ ان میں سے ہر ایک میں ایک دو نہیں ہزار ہا نشان قدرت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق حکیم الاطلاق ہونے کا پتہ لگتا ہے مگر ہر ایک کو نہیں بلکہ ان کو جن کے دلوں میں خوف خدا ہو کہ انہیں کو موت و قیامت سے ڈر ہے وہ ہی ان آیات میں غور کر کے رب تعالیٰ اور اس کی حکمتوں قدرتوں پر ایمان لاتے ہیں یہ چیزیں ان کے لئے معرفت الٰہی کی کتابیں ہیں۔ شعر۔

برگ درختاں سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے فترے است معرفت کردگار

خلاصہ تفسیر: وہ اللہ تعالیٰ ایسی قدرت و حکمت والا رب ہے جس نے اپنے بندوں کی جسمانی پرورش کے لئے وہ سورج

www.alahazratnetwork.org

بنایا جو بذات خود بہت تیز جگمگاتا ہے جس کی جلالی روشنی کے سامنے نہ کوئی تارا چمکے نہ چراغ جلے اور چاند بنایا جو سورج سے حاصل کردہ جمالی نور رکھتا ہے پھر ان دونوں کو نہ تو ایک جگہ ٹھہرا دیا۔ نہ انہیں یوں ہی بے حساب چلا دیا بلکہ انہیں ایسا باقاعدہ دائمی مسافر بنایا جن کے سفر کی مختلف منزلیں اور ان کی رفتار کی مختلف تاثیریں رکھیں آسمان کے بارہ برج سورج کی بارہ منزلیں مقرر فرمائیں۔ جنہیں وہ ایک سال میں طے کرتا ہے اور ان منزلوں سے مختلف موسم زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور اٹھائیس منزلیں چاند کے لئے مقرر کیں جنہیں وہ کبھی اٹھائیس دن میں کبھی انتیس دن سے طے کرتا ہے تاکہ اے لوگو تم اس رفتار کے ذریعہ قمری یا شمس وقمر میں دونوں سال کا پتہ لگاؤ۔ اپنے کاروبار مختلف عبادات کا حساب اس سے کرو اللہ تعالیٰ نے یہ جو کچھ بنایا ان کا نظام جیسا چلا دیا وہ سب برحق ہے ہم اس قسم کی آیات اس قوم کے لئے تفصیل وار بیان کرتے ہیں جو نجوم۔ ریاضی سائنس کا علم رکھتے ہیں یا ان علوم کا انہیں شوق ہے پھر زمین میں غور کرو کہ یہاں رات و دن کا مقدار کیفیات۔ حالات میں ادلتے بدلتے رہنا کہ کبھی چھوٹے بڑے کبھی ٹھنڈے کبھی گرم کبھی اندھیرے کبھی اوجیالے ان کے علاوہ اور آسمانی و زمینی مخلوقات میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی نشانیاں ہیں مگر ان سے فائدہ وہی اٹھائیں گے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کا خوف ہے رہے عوام کالانعام اگر وہ اس میں غور نہ کریں تو ان کا اپنا قصور ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مخلوق اس کی معرفت کا ذریعہ ہے ان میں غور کرو رب کی شان جانو اور پہچانو۔ یہ فائدہ ھو الذی جعل سے حاصل ہوا۔ آسمانی و زمینی چیزوں پر غور کرنا بھی عبادت ہے بشرطیکہ اس غور کو اللہ کی معرفت کا ذریعہ بنایا جائے۔ مگر ان چیزوں کا ذریعہ معرفت الٰہی ایمان نہیں ایمان تو وہ معرفت ہے جو نبی کے ذریعہ حاصل ہو۔

دوسرا فائدہ: سورج و چاند دونوں ہی نور ہیں مگر ان میں چند طرح فرق ہے (۱) سورج کی روشنی خود اپنی ہے چاند کی روشنی سورج کے ذریعہ جیسے سورج کے سامنے ہونے سے آئینہ چمک جائے (۲) سورج کی روشنی میں گرمی و جلال ہے چاند کی روشنی میں ٹھنڈک ہے اور جمال ہے (۳) سورج رات دفع کر کے دن بناتا ہے چاند رات کو دفع نہیں کرتا بلکہ اسے روشن کر دیتا ہے (۴) سورج آسمان کے تاروں زمین کے چراغوں کو بجھا دیتا ہے چاند یہ نہیں کرتا (۵) سورج سے شمسی مہینے اور سال بنتے ہیں چاند سے قمری مہینے اور سال (۶) سورج سے نمازوں کے اوقات روزے کے سحر و افطار ہوتے ہیں۔ چاند سے روزے، زکوۃ، حج وغیرہ کا اہتمام۔ یہ فرق یہاں سورج کو ضیاء اور چاند کو نور فرمانے سے حاصل ہوئے۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: سورج کی بارہ منزلیں ہیں جنہیں وہ ایک سال میں اپنی رفتار سے طے کرتا ہے اس سے دنیا میں موسم وغیرہ بنتے ہیں چاند کی اٹھائیس منزلیں ہیں جن کو وہ قریباً ایک ماہ میں طے کر لیتا ہے یہ فائدہ وقدرہ منازل سے حاصل ہوا۔ اس کے لئے علم ہیئت پڑھنا چاہئے۔

چوتھا فائدہ: اسلام میں شمسی مہینوں و سال کا اعتبار نہیں بلکہ قمری مہینوں اور سال کا اعتبار ہے یہ ہی افضل ہے یہ فائدہ عدد السنین کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ سنین سے مراد قمری سال ہوں اس بنا پر کہ قدرہ میں ہ سے مراد صرف

www.alahazratnetwork.org

چاند ہو جیسا کہ تفسیر سے معلوم ہوا۔ مسلمانوں کو چاہئے کہ قمری مہینوں سے اپنے حساب کیا کریں۔ چاند کے مہینے اللہ تعالیٰ کے اپنے مہینے ہیں ان کی جنتری آسمان پر ہے کہ چاند کا گھٹنا بڑھنا تاریخ کا پتہ دیتا ہے۔ شمسی مہینوں میں یہ بات نہیں۔

پانچواں فائدہ: دنیاوی کاموں کا حساب شمسی مہینوں سے لگانا بالکل جائز ہے یہ فائدہ عدد السنین والحساب کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ سنین سے مراد شمسی قمری دونوں سال ہوں اس لئے کہ قدرہٗ میں ہ کا مرجع شمس وقمر دونوں ہوں۔

چھٹا فائدہ: رب تعالیٰ نے کوئی چیز بے فائدہ عبث نہیں بنائی ہر چیز میں حکمتیں ہیں یہ فائدہ الا بالحق سے حاصل ہوا۔

حکایت: ایک شخص کہتا تھا کہ پاخانہ کے کیڑے بالکل بیکار ہیں اسے ایک زخم ہوا۔ جس کے علاج سے سارے طبیب عاجز آ گئے ایک دن گلی میں کسی نے آواز لگائی کہ لاعلاج بیمار مجھ سے علاج کرائیں اس نے اسے فوراً بلا کر اپنا زخم دکھایا اس حکیم نے پاخانہ کے کیڑے کا اس کے زخم میں لیپ کیا جس سے اسے شفا ہوئی تو وہ بولا کہ یہ بیماری مجھے سمجھانے آئی تھی کہ کمترین مخلوق بہترین دوا ہے (روح البیان)

ساتواں فائدہ: علم ریاضی۔ ہیئت اور سائنس بہترین علوم ہیں جب کہ ان سے رب تعالیٰ کی قدرت وصفت کا پتہ لگایا جائے۔ یہ فائدہ لقوم یعلمون سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ ان چیزوں پر غور وفکر کا حکم دیا گیا ویتفکرون فی خلق السموات والارض (الخ)

مسئلہ: علم نجوم برحق ہے جب کہ اس سے سحری وافطار طلوع پر غروب نماز پنجگانہ کے اوقات معلوم کئے جاویں۔ جس علم نجوم سے حدیث میں منع کیا گیا وہ علم نجوم ہے جس سے غیبی خبریں معلوم کرنے کی کوشش کی جاوے کہ فلاں تاریخ کو بارش ہوگی فلاں منحوس ہے فلاں خوش نصیب۔ فلاں کا ستارہ عروج پر ہے فلاں کا پستی میں۔

آٹھواں فائدہ: حق یہ ہے کہ رات دن سے افضل ہے اور آسمان زمین سے بہتر یہ فائدہ ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب نے رات کا ذکر دن سے پہلے فرمایا اور آسمان کا ذکر زمین سے پہلے اور کیوں نہ ہو کہ رات وصال کا وقت ہے دن فراق کا۔ شب قدر رات ہی ہے۔ معراج جیسا معجزہ رات ہی میں ہوا نماز عشق یعنی تہجد رات ہی میں ہے۔ ہفتہ میں صرف جمعہ کو قبولیت دعا کی ایک ساعت آتی ہے وہ بھی یقین سے معلوم نہیں کہ کس وقت ہوتی مگر رات کو روزانہ آخری تہائی حصہ پورا کا پورا قبولیت دعا کا ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ ضیاء اعلیٰ ہے نور سے کہ سورج کی روشنی کو ضیاء اور چاند کی روشنی کو نور فرمایا گیا تو رب تعالیٰ نے قرآن مجید اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت کا نور کیوں فرمایا۔ انہیں ضیاء کیوں نہ کہا۔

جواب: حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم ارواح میں اللہ کی ضیاء تھے مگر دنیا میں نور بن کر آئے اگر یہاں ضیاء بن کر آتے تو کوئی کافر نہ رہتا۔ نہ یہاں کفر وظلمت رہتی سب ہی مومن ہو جاتے یہ حکمت الٰہی کے خلاف ہے یہاں کفر وایمان دونوں رہیں گے ظلمت ونور دونوں ہوں گے تاکہ جنت دوزخ دونوں پر ہوں عالم ارواح میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ضیاء تھے وہاں کوئی روح کافر نہ تھی

[illegible] روح کافر نہ تھی [illegible] سورج فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ سورج و چاند کی منزلیں اس لئے بنائیں کہ تم سالوں برسوں کی گنتی اور اپنا حساب جانو۔ برسوں اور حساب کا تعلق منزلوں سے کوئی نہیں اس کے لئے چاند و سورج کا طلوع غروب کافی تھا۔

جواب: چاند سورج کے طلوع و غروب سے دن رات اور تاریخ بن سکتی ہے سال اور مہینے منزلوں سے بنتے ہیں۔ چنانچہ سورج جب بارہ منزلیں طے کرے تو ایک سال شمسی بنتا ہے اور جب ایک برج طے کرے تو ایک شمسی مہینہ ہوتا ہے چاند جب اٹھائیس منزلیں طے کرے تو ایک ماہ قمری ہوتا ہے جب یہ اٹھائیس منزلیں بار بار طے کرے تو ایک سال قمری بنتا ہے لہٰذا یہ فرمان الٰہی بالکل درست ہے اس لئے یہاں سنین یعنی برسیں فرمایا۔ مہینے اور دن نہ فرمایا۔

تیسرا اعتراض: یہاں حساب سے کون سا حساب مراد ہے۔

جواب: دنیوی اور دینی کاموں کا حساب مراد ہے۔ اکثر دینی حساب چاند سے ہوتے ہیں جیسے روزے حج زکوٰۃ عورتوں کی عدت وغیرہ اور دنیاوی حساب اکثر سورج سے ہوتے ہیں۔ جیسے ادائے قرض اور کھیت و باغ کے دانے پھلوں کے موسم وغیرہ لہٰذا یہ ایک لفظ دونوں حسابوں کو شامل ہے۔

چوتھا اعتراض: ان آیتوں میں ایک جگہ **لقوم یعلمون** ارشاد ہوا دوسری جگہ **لقوم یتقون** فرمایا گیا اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: چاند سورج ان کی رفتار ان کی منزلیں ان کی تاثیریں صرف علما ہی سمجھ سکتے ہیں۔ علماء میں بھی وہ جو ریاضی جانتے ہوں اس لئے اس ذکر کے ساتھ **لقوم یعلمون** ارشاد ہوا مگر دن رات کا چھوٹا بڑا ہونا۔ گرم سرد راتوں کا منور اور تاریک ہونا ایسی ظاہر چیزیں ہیں جن کا جاننا ہر ایک کو آسان ہے اس لئے ان کے ذکر کے ساتھ علم کا ذکر نہیں کیا گیا۔ تقویٰ کا ذکر کیا کہ اس سے صحیح نتیجہ وہ ہی نکالتے ہیں جن کے دلوں میں رب تعالیٰ کا خوف ہو۔ کافر اور غافل لوگ اس سے صحیح نتیجہ نہیں نکالتے آج امریکہ والے چاند پر کئی بار اتر گئے وہاں کی مٹھی پتھر کھودلائے مگر رہے کافر ہی حتی کہ ان اترنے والوں کا بیان ہے کہ چاند میں تیس میل گہری خندق ہے جس میں ٹوٹی چٹانیں جڑی ہوئی ہیں ان سب باتوں کو دیکھ کر کافر ہے اگر ان کے دل میں خوف خدا ہوتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آتے کہ معجزہ شق القمر کا نشان آج بھی موجود ہے۔

پانچواں اعتراض: قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کو نور فرمایا۔ **اللہ نور السموت والارض** اس کا نام بھی نور ہے اسے ضیاء کیوں نہیں کہتے اور ضیاء نور سے قوی ہے لہٰذا اسے ضیاء کیوں نہیں کہتے۔

جواب: ہم اس کی تحقیق نویں پارہ سورہ اعراف میں **ارنی انظر الیک** کی تفسیر میں کر چکے کہ تمام آئمہ مسلمین کا اتفاق ہے کہ اللہ تعالیٰ نور نہیں خالق نور ہے کیونکہ نور وہ جسم ہے جو بذات خود ظاہر ہو دوسرے کو ظاہر کرے رب تعالیٰ جسم ہونے سے پاک ہے **اللہ نور السموت** میں نور بمعنی منور ہے یعنی نورانی بنانے والا۔ اسماء الٰہیہ میں جو نور ہے وہاں بھی بمعنی منور ہے یا بمعنی جمیل حسن و جمال والا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں **اللہ جمیل یحب الجمال** وہ حدیث اس کی شرح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: انسانی روح جگمگاتا سورج ہے اور نفس امارہ تاریک زمین ان دونوں کے درمیان میں قلب یعنی دل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جو روح کی تجلی پڑنے پر چمک جاتا ہے نفس کی تاریکی پڑنے پر سیاہ ہو جاتا ہے یہ قلب گویا چاند ہے اس لئے اسے قلب کہتے ہیں یعنی الٹنے پلٹنے والی چیز۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ جیسے زمین پر دو نور پڑتے ہیں سورج کا اور چاند کا ایسے ہی ہم پر کبھی حقیقت کے سورج کا نور پڑتا ہے اور کبھی شریعت کے چاند کی چاندنی تو ہم دو نور والے ہیں ہم نور میں نور سے نور کی طرف جا رہے ہیں (روح البیان) ہر انسانی دل کی الگ منزل ہے ہر دل اپنی منزل میں سے کوئی اپنی منزل سے آگے نہ بڑھ سکے نہ پیچھے رہے۔ مومنین عاشقین محبوبین عارفین واصلین کی منزلیں جداگانہ ہیں یہ سب کچھ حق تعالیٰ نے برحق بنائے ان چیزوں میں علم والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں اس دل کی دنیا میں رات و دن آتے جاتے رہتے ہیں کہ کبھی وصال کی شب آتی ہے کبھی فراق کا دن یا کبھی راحت کی رات آتی ہے کبھی مشقت کا دن غرضکہ قلب ایک حال پر نہیں رہتا۔ نیز اللہ کے مقبول بندے جو آسمانوں کی طرح فیض رساں ہیں اور وہ بندے جو زمین کی طرح فیض لینے والے ہیں ان میں بھی رب کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو ماسوائے اللہ سے بچنے کی کوشش میں رہتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یَرۡجُوۡنَ لِقَآءَنَا وَ رَضُوۡا بِالۡحَیٰوۃِ

تحقیق وہ لوگ جو نہیں امید کرتے ملنے کی ہم سے اور راضی ہو گئے وہ زندگی دنیا

بیشک وہ جو ہمارے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی پسند

الدُّنۡیَا وَ اطۡمَاَنُّوۡا بِہَا وَ الَّذِیۡنَ ہُمۡ عَنۡ اٰیٰتِنَا

سے اور مطمئن ہو گئے وہ اس سے اور بیشک وہ جو ہماری آیتوں سے غافل ہیں

کر بیٹھے اور اس پر مطمئن ہو گئے اور جو ہماری آیتوں سے غفلت

غٰفِلُوۡنَ ۙ﴿۷﴾ اُولٰٓئِکَ مَاۡوٰىہُمُ النَّارُ بِمَا کَانُوۡا یَکۡسِبُوۡنَ ﴿۸﴾

یہ لوگ ہیں کہ ٹھکانہ ان کا آگ ہے اس وجہ سے جو وہ کماتے ہیں

کرتے ہیں ان لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے بدلہ ان کی کمائی کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قیامت کے دلائل قائم کیے گئے۔ بیدالخلق ثم یعیدہ اب ان لوگوں کا ذکر ہے جو ان دلائل میں غور نہیں کرتے اور قیامت سزا جزا کا انکار کیے جاتے ہیں گویا ہدایت کے ذکر کے بعد اس سے فائدہ نہ اٹھانے والوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں آسمانی چیزوں چاند سورج ان کی منزلوں کا ذکر ہوا کہ ان کے ذریعہ ان کے خالق کی قدرت و حکمت معلوم کرو۔ اب ارشاد ہے کہ بعض بیوقوفوں نے ان میں پھنس کر خالق کا پتہ نہ لگایا۔ قیامت اور سزا و جزا کا انکار کر دیا بلکہ ان چیزوں کو ہی خالق و مالک مان لیا۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں رات و دن آسمان و زمین کے ذریعہ رب کی ربوبیت ثابت فرمائی گئی کہ اس نے بندوں کی پرورش کے لئے یہ چیزیں پیدا فرمائیں۔ اب ارشاد ہے کہ دنیا تو اس کی پرورش عام ہے کافر و مومن سب کو پالتا ہے مگر دوسری دائمی زندگی میں ایسا نہ ہوگا۔ وہاں کفار کی پرورش نہ ہوگی انہیں سزا ملے گی۔ گویا پرورش کفار کے بعد کفار کی سرزنش کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: ان الذین لایرجون لقاء نا۔ چونکہ اس آیت کے مضمون کا بہت کفار نے انکار کیا تھا اور کرتے ہیں اس لئے ان سے ان سے شروع فرمایا ظاہر یہ ہے کہ الذین سے مراد کافر انسان ہیں اور ہوسکتا ہے کہ اس میں کافر جن بھی داخل ہوں لایرجون بنا ہے رجاء سے۔ رجاء کے تین معنی ہیں امید رکھنا۔ الایمان الخوف و الرجاء (۲) ڈرنا۔ ایک شاعر کہتا ہے شعر۔

اذا لسعته النحل لم یرج للسعنا وحالفها فی بیت نوب عوامل

اس شعر میں لم یرج میں رجاء بمعنی خوف ہے۔ اعتقاد (۳) رکھنا ماننا رب فرماتا ہے مالکم لا ترجون للہ وقارا یہاں رجاء یا تو بمعنی خوف ہے یا بمعنی اعتقاد یا بمعنی امیدیں۔ (تفسیر بیضاوی۔ خازن۔ معانی۔ وغیرہ)

اللہ سے ملنے سے مراد یا تو اس کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے حساب و کتاب کے لئے یا اس کے عذاب میں داخلہ بہر حال دیدار الٰہی کے لئے حاضری مراد نہیں ملاقات الٰہی کا اعتقاد نہ رکھنا یا اس لئے ہے کہ وہ رب تعالیٰ کا قائل ہی نہیں دھریہ ہے یا اس لئے کہ وہ چند معبود مانتا ہے مشرک ہے یا اس لئے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکاری ہے یہودی یا عیسائی ہے کہ اگر چہ وہ قیامت ماننے کا دعویٰ کرتا ہے مگر درحقیقت مانتا نہیں۔ اگر مانتا ہوتا تو ضرور حضورؐ پر ایمان لاتا بہر حال یہ فرمان عالی ہر قسم کے کافر کو شامل ہے۔ ورضوا بالحیوۃ الدنیا اس فرمان عالی میں اس کے دوسرے عیب کا ذکر ہے حیوۃ دنیا کے معنی اس کی تین قسمیں بارہا ذکر کی جا چکی ہیں دنیا میں زندگی و دنیاوی زندگی اور دنیا کے لئے زندگی دنیا میں زندگی مومنین صالحین کی ہے دنیاوی زندگی غافلین کی اور دنیا کے لئے زندگی کافرین کی۔ یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں۔ اس زندگی سے راضی ہونے کے معنی ہیں۔ اخروی زندگی کے مقابلہ میں اسے پسند کر بیٹھے۔ یہ غفلت کی چیز ہے مومن اس زندگی کے لئے پسند کرتا ہے کہ یہ آخرت کی کھیتی ہے یہاں بوئیں گے وہاں کاٹیں گے وہ پسندیدگی اصلی ایمان ہے واطمئنوا بہا یہ کفار کا تیسرا عیب ہے اطمینان سے مراد ہی سکون وچین بھائی ب یا سببیہ ہے یا بمعنی فی۔ ھا سے مراد یا تو دنیاوی زندگی ہے یا خود دنیا یعنی وہ دنیا یا دنیا کی زندگی کو ہی دار القرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ سمجھ بیٹھے۔ حالانکہ یہ دار الفرار یعنی بھاگنے چھوڑ جانے کی جگہ ہے ان کے دل میں کبھی آخرت کا خوف اپنے گناہوں پر بے چینی نہیں ہوتی اس کے برعکس مومن دنیا میں اگرچہ بڑے آرام میں ہو مگر اسے یہاں چین نہیں ہوتا۔ اگر چین ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے الا بذکر اللہ تطمئن القلوب کفار کا یہ اطمینان دینی ہی مومن کا وہ اطمینان عین ایمان ہے رب تعالیٰ یہ ہی چین اور وہ اطمینان نصیب کرے۔ والذین ھم عن ایاتنا غافلون۔ یہ کفار کا چوتھا عیب ہے آیات الٰہیہ سے مراد یا تو گذشتہ آیات میں ذکر کی ہوئی رب کی نشانیاں ہیں یعنی آسمان و

www.alahazratnetwork.org

زمین کی مخلوق۔ ان میں ردوبدل ہوتا رہنا یا قرآنی آیات مراد ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ذات مقدسہ کہ حضور انور ﷺ سرتاپا اللہ کی نشانی ہیں۔ شعر۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

یا حضور انور ﷺ کے معجزات جو رب کی قدرت و رحمت کی نشانیاں ہیں۔ غفلت سے مراد بے خبری نہیں بلکہ انکاری کی غفلت ہے۔ اولٰئک ماواھم النار یہ فرمان عالی گذشتہ جرموں کی سزا ہے اولٰئک سے اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جن میں گذشتہ چار عیوب ہوں ماوی بنا ہے اوی سے بمعنی پناہ ماوی بمعنی جاء پناہ آدی الی رکن شدید۔ نار سے مراد دوزخ ہے خواہ اس کا گرم طبقہ ہو یا ٹھنڈا کیونکہ اس کے ٹھنڈے طبقے کی سردی بھی آگ کی وجہ سے ہے۔ آگ سے قرب گرمی کا باعث ہے اور آگ سے دوری ٹھنڈک کا سبب ہے جیسے دنیا میں گرم و سرد موسم سورج کی وجہ سے ہوتے ہیں لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔ بما کانوا یکسبون اس فرمان عالی میں ان کفار کے دوزخی ہونے کی وجہ کا ذکر ہے یا تو موصولہ ہے یا مصدر یہ کسب سے مراد مطلقاً عمل ہے خواہ دل کا عمل ہو یعنی عقیدہ یا ظاہری اعضاء کے اعمال کیونکہ اس سے پہلے کفار کے دلی اعمال کا ذکر بھی ہوا۔ دنیا سے راضی ہونا۔ اس پر مطمئن ہونا آیات سے غافل ہونا لہٰذا کسب کے یہ معنی مناسب ہیں۔ یعنی ان بدعقیدگیوں بدعملیوں کی وجہ سے ان کا ٹھکانہ آگ یعنی دوزخ ہے۔ خیال رہے کہ گنہگار مومن اگر سزا پائے بھی کچھ روز کے لئے دوزخ ان کا ٹھکانہ نہ ہوگا۔ بلکہ ایک عارضی منازل ہے۔

خلاصہ تفسیر: ان آیات میں رب تعالیٰ نے کفار کے چار عیب بیان فرمائے اور ایک سزا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا کہ وہ انسان یا وہ جن و انس قیامت میں اٹھنے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے اسے حساب دینے کا یقین نہیں رکھتے اور دنیاوی زندگی یہاں کے عیش و آرام کو پسند کر بیٹھے کہ جو کھا پی لیا عیش آرام کر لئے وہ ہی ہمارا اپنا ہے اس کے سواء نہ کوئی زندگی ہے نہ عیش آرام۔ اور (۲) دنیاوی زندگی پر اطمینان کر بیٹھے کہ عملی طور پر سمجھ گئے کہ دنیا سے ہم کو کبھی جانا ہی نہیں ہمارے لئے یہ ہی دار القرار یعنی ٹھہرنے کی جگہ ہے ان وجوہ سے وہ ہماری آیتوں نشانیوں سے بے پرواہ ہوگئے۔ قرآنی آیات سنیں دھیان نہ کیا۔ حضور انور ﷺ کے معجزات دیکھے توجہ نہ کی۔ بلکہ حضور انور ﷺ کو دیکھا جو آیات الٰہیہ کے مجموعہ ہیں۔ جن کی مراد آیت الٰہی ہے۔ مگر شاعر و ساحر ہی کہتے رہے آپ ﷺ کی شان سے بے خبر رہے ان کی ان چاروں حرکتوں کی سزا یہ ہے کہ ان کی سزا دوزخ ہے وہ ہی ان کا دائمی ٹھکانہ ہے کہ نہ وہاں سے نکلیں نہ مریں کہ چھوٹ جائیں یہ سزا ان کی کمائی کی وجہ سے ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: نیکیوں کی اصل قیامت پر ایمان ہے اور بدعقیدگیوں بدعملیوں کی اصل قیامت پر بارگاہ الٰہی میں پیشی کا انکار ہے۔ یہ فائدہ اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے کفار کے عیوب کے سلسلہ میں اس عیب کا ذکر فرمایا لا یرجون لقاءنا بعد میں ان کے دوسرے عیوب کا۔ ایک جگہ رب فرماتا ہے واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوی فان الجنۃ ھی الماوی۔ جس طالب علم کو امتحان کا خوف نہ ہو وہ محنت نہیں کرتا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کر کے قیامت حساب و کتاب کا اقرار کرے وہ اقرار معتبر نہیں یہ فائدہ لایرجون لقاء نا سے حاصل ہوا کہ اس فرمان عالی میں عیسائی یہودی بھی داخل ہیں۔ حالانکہ قیامت وغیرہ کے ماننے کا اقرار کرتے ہیں۔ جس اقرار پر نجات ہے وہ حضور انور ﷺ کی معرفت اقرار ہے۔

تیسرا فائدہ: قیامت میں لقاء اللہ (اللہ سے ملنا) سارے انسانوں کو ہوگا مگر اس لقاء کی نوعیتیں مختلف ہوں گی کفار کی ملاقات قہر وغضب سے ہوگی۔ گنہگار مومن کی ملاقات مغفرت و کرم سے نیک کاروں کی ملاقات رحمت وفضل سے محبوبوں کی ملاقات محبت والفت سے مگر یہ لقاء کا ذکر ہے دیدار خدا صرف جنتی مسلمانوں کو ہوگا۔ کفار کو نہیں۔ کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون یہ فائدہ لقاء نا سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: دنیا اور دنیا کی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ ورضوا بالحیوۃ الدنیا سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس دنیا کو اس کی زندگی کو آخرت کے لئے پسند کرنا مومنوں کی صفت ہے وہ چاہتا ہے کہ یہاں جس قدر اعمال کرنے کا موقعہ مل جاوے غنیمت ہے لہذا یہ آیت اس حدیث کے خلاف نہیں کہ دراز عمر اور نیک اعمال کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔

پانچواں فائدہ: دنیا سے مطمئن ہو جانا طریقہ کفار ہے کہ ہم کو جو دنیا مل گئی وہ ہماری ہوگئی اب نہ یہ ہمارے پاس سے جائے نہ ہم اس کے پاس سے جائیں مگر دنیا میں مطمئن ہونا اللہ رسول کے ذکر عبادات کی لذت وغیرہ سے دل میں اطمینان و چین ہونا مومن کی صفت ہے لہذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں کہ الابذکر اللہ تطمئن القلوب ذکر الٰہی سے اطمینان بھی دنیا ہی میں ہوتا ہے مگر وہ اطمینان اور ہی طرح کا ہے یہ فائدہ واطماء نوا فیھا کی رب سے حاصل ہوا کہ واطماء نوا فیھا نہ فرمایا۔

چھٹا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات عالیہ سے بے پرواہ اور غافل رہنا طریقہ کفار ہے۔ مومن کی شان ہے کہ حضور ﷺ کے صفات عالیہ سے خبردار رہنے کی کوشش کرتا ہے یہ ہی مومن کی صفت ہے یہ فائدہ عن آیاتنا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ آیاتنا سے مراد حضور انور ﷺ کی ذات بابرکات ہو۔ محفل میلاد اور نعت خوان علماء کے واعظ کی مجالس میں جانا اسی لئے ہوتا ہے کہ ہمارے دل حضور انور ﷺ کے فضائل سے غافل نہ ہو جائیں اس لئے رب تعالیٰ نے جگہ جگہ حضور انور ﷺ کے فضائل قرآن مجید میں حضور ﷺ کا ذکر اذان میں آپ ﷺ پر سلام نماز میں داخل فرمایا ہے یہ سب غافلوں کو جگانے کے لئے ہے۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کی نعمتیں کھانا اس کی قدرت کے مناظر دیکھنا صرف سیر و تماشہ کے لئے اور ان میں غور نہ کرنا انہیں معرفت الٰہی کا ذریعہ نہ بنانا طریقہ کفار ہے یہ فائدہ عن آیاتنا غافلون کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب آیاتنا سے مراد عالم کی چیزیں ہوں بھلا خیال تو کرو کہ کھانا پانی ایک راستہ یعنی منہ سے پیٹ میں جاتا ہے۔ مگر اس کے نکلنے کے راستہ مختلف فضلہ پاخانہ کی راہ سے پانی پیشاب کی راہ سے کچھ پسینہ بن کر رونگٹوں کی جڑوں سے کچھ تھوک و رینٹ بن کر ناک و

www.alahazratnetwork.org

منہ کی راہ سے نکلتا ہے۔ جو باقی رہتا ہے وہ کچھ جگہ میں کچھ دوسرے مقامات میں پہنچتا ہے اس میں غور کرو اور اس کی قدرت پر فدا ہو جائیں سر سجدہ میں رکھ کر اس کی حمد کے گیت گاؤ اب پڑھو عن آیاتنا غافلون۔ اور پڑھو وفی انفسکم افلاتبصرون۔

آٹھواں فائدہ: دوزخ کسی مسلمان کا ٹھکانہ نہیں پاک وصاف ہونے کے لئے ایک عارضی منزل ہے ٹھکانہ صرف کافروں کا ہے بھٹی کوئلہ کا ٹھکانہ ہے سونے کی منزل ہے۔

نواں فائدہ: کسی کو دوزخ بغیر بد عمل یا بد اعتقادی کے نہ ملے گی یہ فائدہ بما کانوا یکسبون سے حاصل ہوا دیکھو جو ابھی تفسیر کی گئی لہٰذا کفار کے نا سمجھ بچے جو اس حالت میں مر گئے دوزخی نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ جن کفار میں یہ چار عیب ہوں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے۔ قیامت اور حساب کتاب پر یقین نہ ہونا دنیاوی زندگی پسند کرنا۔ دنیا پر مطمئن ہونا آیات الٰہیہ سے غافل ہونا۔ اگر کسی کافر میں ان میں سے دو ایک عیب ہوں ان کا ٹھکانہ دوزخ ہے یا نہیں۔

جواب: یہ چاروں عیب ایک دوسرے سے وابستہ ہیں انکار قیامت اصل ہے اور باقی تین عیوب اس کی شاخیں اس لئے انہیں جمع فرمایا گیا۔ ورنہ ان میں سے ہر عیب مستقل کفر ہے اور دوزخ میں جانے کا ذریعہ۔

دوسرا اعتراض: یہودی عیسائی وغیرہم اہل کتاب قیامت کے حساب وکتاب پر ایمان رکھتے ہیں کیا وہ جنتی ہیں۔ وہ دنیاوی زندگی پسند بھی نہیں کرتے دنیا سے مطمئن بھی نہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے۔

جواب: وہ لوگ قیامت وغیرہ کو مانتے ہیں اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ایمان رکھنے کے معنی ہیں حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا واسطہ ضروری ہے اس کی تحقیق بارہا ہو چکی ان کے متعلق چھٹے پارے کے اول یہ ارشاد ہے اولئک ھم الکافرون حقا

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ دنیاوی زندگی کو پسند کرنا کفر ہے۔ دوزخی ہونے کا ذریعہ مگر قریباً سارے مسلمان دنیا جمع کرتے ہیں اسے پسند کرتے ہیں کسی کو مرنے کی بددعا دو تو لڑنے کو سیدھے ہو جاتے ہیں کیا وہ سب کافر ہیں۔

جواب: دنیا کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرنا کفار کی علامت ہے۔ دنیا کو آخرت کے لئے پسند کرنا مومن کی پہچان ہے۔ یہاں پہلی پسندیدگی مراد ہے۔

چوتھا اعتراض: دنیا پر مطمئن ہونے کا کیا مطلب بہت سے مسلمانوں کو دنیا میں بڑا اطمینان قلبی میسر ہے۔ دلی اطمینان اللہ کی رحمت ہے دل کی پریشانی اس کا عذاب پھر واطمانوا بہا کا کیا مطلب۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اس سے مراد دنیا کو دار القرار سمجھ بیٹھنا اس سے ایسا دل لگانا کہ یہاں سے جانا ہی نہیں الحمد للہ کسی مسلمان کو یہ حال نہیں۔ دنیا میں مشغولیت اور چیز ہے اس پر مطمئن ہو جانا دوسری چیز۔

پانچواں اعتراض: کیا مذکورہ کفار آگ ہی میں جائیں گے دوزخ کے ٹھنڈے طبقہ زمہر میں نہ جائیں گے ماواھم

www.alahazratnetwork.org

النار کیوں فرمایا ماواھم جہنم کیوں نہ فرمایا۔

جواب: کفار حضرات نار کا ہی عذاب پائیں گے خواہ گرم عذاب ہو یا ٹھنڈا۔ جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا۔ دیکھ لو دنیا میں گرمی بھی سورج سے ہوتی ہے ٹھنڈک بھی یہ بہر حال آیت واضح ہے۔

تفسیر صوفیانہ: لقاء الٰہی کی رحمت بھی ہے اس کا غضب بھی مومن کی ملاقات رحمت ہے کافر کی ملاقات غضب کی ہے پیشی سب کی ہوتی ہے ہر شخص ہر وقت اس لقاء سے قریب تر ہو رہا ہے۔ شعر۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ۔۔۔ گردوں نے تری ایک گھڑی اور گھٹا دی

مومن لقاء الٰہی کا یقین رکھتا ہے مگر نوعیت لقاء میں تردد کرتا ہے۔ یعنی رحمت لقاء کا امیدوار رہتا ہے لقاء غضب سے خائف کافر لقاء مانتا ہی نہیں اور اگر مانتا ہے تو رحمت کا یقین کرتے ہوئے وہ کہتا ہے لئن رجعت الی ربی انا لی عنده الحسنی۔ یہ ان کی غفلت کی اصل وجہ ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ وہ آخرت کے مقابل دنیا کو پسند کرتا ہے اور یہاں مطمئن رہتا ہے مومن کامل کو دنیا کی زندگی میں آخرت کا انتظار ہوتا ہے اسے ہر وقت خوف و امید رہتے ہیں جس کی وجہ سے اسے وہ اطمینان نہیں ہوتا جو رب سے غافل کردے وہ بے چین رہتا ہے وہ یہ کہتا ہے۔ شعر۔

میں پاپی، شرمندہ، جھوٹا بھریا نال گناہاں ۔۔۔ ایک آس تمہارے دروی نہ کوئی اور پناہاں

میں اندھا اور تلکن رستہ کیونکر رہے سنبھالا ۔۔۔ دھکے دیون والے بہتے تو ہاتھ پکڑنے والا

یہاں ہر قدم پر ٹھوکر پھسلن ہے رب تعالیٰ خیریت سے پار لگائے یہ بے چینی رب کو بڑی پیاری ہے فرماتا ہے ام من یجیب المضطر اذا دعا جو یہاں مطمئن اور چین سے ہے وہ وہاں بے چینی میں ہوگا اور جو یہاں بے چینی میں ہے انشاء اللہ وہاں چین سے ہوگا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ رَبُّهُمْ
تحقیق وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک ہدایت دے گا ان کو رب بوجہ
بیشک جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے ان کا رب ان کے ایمان
بِاِيْمَانِهِمْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ
ایمان کے ان کے جاری ہیں نیچے ان کے نہریں باغوں میں نعمت ان کے
کے سبب انہیں راہ دے گا ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی
النَّعِيْمِ ⑨ دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَتَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا
دعا ان کی جنت میں یہ ہے کہ پاکی ہے تجھے اے اللہ اور ملاقات ان کی ان
نعمت کے باغوں میں ان کی دعا اس میں یہ ہوگی کہ اللہ تجھے پاکی ہے اور ان کے

www.alahazratnetwork.org

سَلٰمٌ ۚ وَ اٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۰﴾ ع ۱

باتوں میں سلام ہے اور آخری دعا ان کی یہ کہ ساری تعریفیں اللہ کی ہیں پالنے والا تمام جہانوں کا

ملتے وقت خوشی کا پہلا بول اسلام ہے اور ان کی دعا کا خاتمہ یہ ہے کہ سب خوبیوں کا سراپا اللہ جو رب ہے سارے جہان کا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے عقائد و اعمال کا اجمالی ذکر ہوا۔ تاکہ لوگ ان سے بچیں اب ان کے مقابل مومنوں کے عقائد و اعمال کا ذکر ہے۔ تاکہ لوگ انہیں اختیار کریں۔ گویا پرہیز والی مضر چیزوں کا ذکر پہلے ہوا۔ استعمال والی اعلیٰ روحانی غذاؤں کا اجمالی ذکر اب ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بدکار کفار پر قہر قہار کا ذکر ہوا اب مومنین الابرار نیک کار پر رحمت غفار کا تذکرہ ہے گویا جلال کے بعد جمال کا تذکرہ ہے اب ایمان کے دنیاوی فوائد کا ذکر ہے کہ وہ دنیا میں رہنمائی کرتا ہے گویا منحوس کی نحوست کے بعد مبارک برکتوں کا ذکر ہے۔

ان الذین آمنوا و عملوا الصالحات ۔ ان کی تحقیق بارہا کی جا چکی ہے کہ ان جیسے مضامین پر ان، قد، لقد وغیرہ آتا ہے ظاہر یہ ہے کہ الــذیــن سے مراد صرف انسان ہیں فرشتے اور جنات اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ جنت اور وہاں کی نعمتیں صرف مومن انسانوں کے لئے ہیں۔ مومن جنات کے متعلق۔ سورۂ احقاف میں فیصلہ کر دیا گیا۔ ویجرکم من عذاب الیم کہ وہ عذاب سے بچ جائیں گے۔ ایمان اور توحید کا فرق پہلے بارہا ہو چکا ہے کہ نبی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات جنت دوزخ وغیرہ کو ماننا ایمان ہے۔ آمنوا میں سارے اعتقادیات کا اجمالی ذکر ہے اور عملوا الصالحات میں سارے بدنی مالی نیکیوں کا اجمالی تذکرہ ہے یہ عبارت ان کا اسم ہے یعنی جو لوگ ایمان لائے اور بقدر طاقت انہوں نے ہر قسم کی بدنی مالی نیک اعمال کئے۔ یہاں چند باتیں خیال رہیں۔ ایمان وہ معتبر ہے جو انسان کے ساتھ جائے یعنی اس پر خاتمہ نصیب ہو جاوے۔ ایمان دو طرح کا ہے بلاواسطہ اور بالواسطہ چنانچہ مومنوں کے چھوٹے بچے جو لڑکپن میں فوت ہو جاویں وہ اپنے ماں باپ کے واسطے سے مومن ہیں یہ نیکیوں کا حال ہے کہ نیک کاروں کے بچے بالواسطہ نیک کار ہیں یونہی اگر کوئی متقی اپنی نیکی کا ثواب کسی کو بخش دے، تو وہ بالواسطہ نیک کار ہے ہم جیسے گنہگار کو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کی نیکیوں کے صدقہ بخش دے یہ سب صورتیں بالواسطہ نیک کاری کی ہیں صرف ایک دو نیکیوں پر کفایت نہ ہو جس قدر ہو سکے نیکیاں کرے صرف ایک بار نیکی پر قناعت نہ کرے بلکہ کرتا رہے یہ سب باتیں آمنوا اور عملوا الصالحات میں معتبر ہیں۔ یھدیھم ربھم بایمانھم ۔ یہ فرمان عالی ان کی خبر ہے اس کی بہت تفسیریں کی گئی ہیں۔ مرد مومن جب پل صراط سے گزر جاوے گا تو رب تعالیٰ اسے ایک روشنی بخشے گا جو اسے جنت تک پہنچاوے گی۔ رب فرماتا ہے جعل لھم نورا یمشون بھم اور فرماتا ہے۔ ومن لم یجعل اللہ نورا فما لہ من نور ۔ (۲) جب مومن اپنی قبر سے اٹھے گا تو اس کے نیک اعمال اچھی شکل میں اس کے سامنے حاضر

www.alahazratnetwork.org

ہوں گے اور کہیں گے ہم تیری نیکیاں ہیں تیری رہبری کرنے آئی ہیں۔ یہ نیک کام محشر۔ پلصراط اور جنت بلکہ جنت میں اس کے مکان تک اس کے ساتھ رہیں گے۔ اس کی رہبری کریں گے۔ اس کے برعکس کافر کے برے اعمال بری شکل میں اس کے آگے آگے ہو کر دوزخ میں اس کے ٹھکانے تک اسے پہنچائیں گے ان دو تفسیروں میں ہدایت سے مراد اخروی ہدایت ہے متقی مومن کو رب تعالیٰ دنیا میں چیزوں کی حقیقت جاننے کی ہدایت دیتا ہے فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کہ اپنے جانے پر عمل کرے گا تو اللہ اسے بے جان چیزوں کا علم دے گا۔ (تفسیر بیضاوی، خازن، بیان وغیرہ) یعنی جو علم شریعت حاصل کر کے اس پر عامل ہوگا تو رب تعالیٰ اسے لدنی طور پر علم مکاشفہ علم طریقت وحقیقت ومعرفت عطا کرے گا۔ (روح البیان) (۵) ہدایت سے مراد ہدایت پر قائم رہنا۔ اس میں زیادتی عطا ہونا۔ رب فرماتا ہے والذین اهتدوا زادهم هدى ان تینوں صورتوں میں ہدایت سے مراد دنیا میں خاص ہدایت ہے۔ (تفسیر کبیر) خیال رہے کہ یہاں ہدایت سے مراد کامل کامل ہدیات اور ایمانهم سے مراد وہی ایمان ہے جو نیک اعمال کے ساتھ ہوا ہے۔ گنہگار یا بے عمل مومن۔ انہیں بھی رب تعالیٰ ایک قسم کی ہدایت دنیا وآخرت میں عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے الذین امنوا ولم یلبسوا ایمانهم اولائک لهم الامن وهم مهتدون۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو بدعقیدگی سے مخلوط نہ کیا ان کے لئے امن بھی ہے اور انہیں ہدایت بھی (روح المعانی) اگر یہاں بھی ایمان سے مراد صرف ایمان لیا جاوے تو وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے یا یوں کہو کہ متقی مومن کو اول سے ہی ہدایت جنت ملے گی اور گنہگار مومن کو آکر کار جنت کی ہدایت ملے گی۔ یہاں اول ہدایت مراد ہے غرضیکہ ان تفسیروں سے اس آیت کا مطلب واضح ہوگیا۔ تجری من تحتهم الانهار یہ فرمان عالی یا تو یهدیهم میں هم ضمیر کا حال ہے۔ یا نیا جملہ۔ انہار سے مراد ہے پانی شہد دودھ اور شراب طہور کی نہریں یعنی ان کے محلوں کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی یا ان کے سامنے نہریں رواں ہوں گی۔ رب فرماتا ہے جعل ربک تحتک سریا۔ حضرت مریم اس پانی کے چشمہ کے اوپر بلکہ ان کے قبضہ میں یہ چشمہ تھا۔ غرضکہ من تحتهم کے ظاہر معنی مراد نہیں۔ فی جنات نعیم یہ فرمان عالی یا تو تجری کے متعلق ہے یا علیحدہ جملہ ہے۔ پوشیدہ هم کی خبر یهدیهم کی ضمیر کا دوسرا حال یعنی یخلدون پوشیدہ کے متعلق ہے یہ آخری احتمال زیادہ قوی ہے۔ یعنی وہ لوگ نعمتوں کے باغات میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ دعواهم فیها سبحانک اللهم۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جس میں اہل جنت کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے دعویٰ کے معنی ہیں دعا مانگنا یا اپنے خدام کو بلانا ان سے کوئی چیز منگانا یا مطلقا کلام کرنا آپس میں (تفسیر کبیر خازن۔ روح المعانی وغیرہ) یعنی جب رب سے کچھ عرض معروض کریں گے تو پہلے سبحانک اللهم کہیں گے یا جب اپنے کسی خادم کو پکاریں گے۔ تو سبحانک اللهم کہیں گے جیسے آج اہل عرب کسی کو پکارتے بلاتے ہیں تو کہتے ہیں یا اللہ یا جب اپنے خدام سے کچھ کھانے پینے کی چیز مانگیں گے تو کہیں گے سبحانک اللهم خادم وہ چیز لے کر حاضر ہوں گے جو ان کے دل کی خواہش ہے یا آپس میں جب ایک دوسرے سے کلام کریں گے تو ابتداء کریں گے سبحانک اللهم سے بعض نے فرمایا کہ دعویٰ بمعنی عبادت ہے یعنی جنت میں کوئی عبادت نہ ہوگی سواء حمد وتسبیح کے۔ جو وہ لذت کے طور پر کیا کریں گے۔

www.alahazratnetwork.org

نوٹ: ایک جنتی کے سامنے ایک میل لمبا ایک چوڑا دسترخوان بچھایا جاوے گا جس پر ایک لاکھ ستر ہزار پیالے انھیں مختلف لذتوں کے کھانے ہوں گے حکم ہوگا۔ خوب کھاؤ نہ تم کو بدہضمی ہوگی نہ بیماری، پاخانہ پیشاب نہ ہوگا۔ کھانا ڈکار سے یانی خوشبو دار پسینہ سے ہضم ہوگا۔ (تفسیر کبیر، خازن، تفسیر صاوی) بلکہ یہاں صاوی نے فرمایا کہ جنتی لوگوں کے جسم میں دُبر یعنی پاخانہ کا مقام نہ ہوگا۔ کیونکہ وہاں اس کی ضرورت نہ ہوگی (صاوی) ہم نے بعض بزرگوں سے سنا کہ جنت میں صحبت ہوگی مگر منی کا اخراج نہ ہوگا۔ ہوا خارج ہوگی۔ جس میں لذت منی سے زیادہ ہوگی (واللہ اعلم) منی بھی پیشاب کی طرح گندگی ہے اور جنت میں گندگی نہیں۔ **وتحیتھم فیھا سلام** اس فرمان عالی میں اہل جنت کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے۔ اول ملاقات کے وقت جو کلام کیا جاوے اسے عربی میں تحیت کہتے ہیں یعنی **حیاک اللہ** کہنا اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں۔ (۱) جنتی لوگ جب آپس میں ملیں گے تو ایک دوسرے کو سلام کریں گے۔ کوئی کسی سے بری بات دشمنی طعنہ غصہ کا کلام نہ کرے گا۔ کیونکہ **ونزعنا مافی صدورھم من غل** یا جب فرشتے ان سے ملاقات کریں گے تو سلام کریں گے۔ فرماتا ہے **وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم**۔ یا رب تعالیٰ ان سے فرمائے گا **سلام علیکم** تم سلامت رہو گے فرماتا ہے۔ **سلام قولا من رب رحیم** مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں نعمتیں یہ تینوں سلام مروج ہوں گے رب نصیب کرے۔ **واخر دعواھم ان الحمدللہ رب العلمین** یہ بھی جنت والوں کی ایک اور نعمت کا ذکر ہے یہاں بھی دعویٰ کے وہ ہی معانی ہیں جو **دعواھم فیھا** میں تھے۔ یعنی رب تعالیٰ سے کلام کی ابتدا کریں گے۔ **سبحانک اللھم** سے اور انتہا الحمدللہ سے یا آپس میں کلام کی ابتدا **سبحانک اللھم** سے کیا کریں گے انتہا الحمدللہ سے یا خدام کو بلائیں گے **سبحانک اللھم** سے انہیں واپس بھیجیں گے **الحمدللہ** سے یا خدام سے کھانا منگائیں گے **سبحانک اللھم** سے اور کھانے کے بعد فراغت پر کہیں گے **الحمدللہ** جس سے خادم دسترخوان اٹھائیں گے یا ان کی عبادت **سبحانک اللھم** سے شروع ہوگی **الحمدللہ** پر ختم ہوگی اس پر بڑی لذت پائیں گے۔ شعر۔

ذوق نامش عاشق مشتاق را — از بہشت جاودانی خوشتر است
گرچہ در فردوس نعمتہا بے است — وصل او از ہرچہ دانی خوشتر است

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو! تم کفر اور گناہوں کا وبال تو سن چکے ایمان وتقویٰ کے فائدے بھی جو خوش نصیب لوگ مومن ہوئے مومن رہے اور بقدر طاقت ہر قسم کی نیکیاں کرتے رہے انہیں ان کے اس ایمان کی برکت سے رب تعالیٰ دنیا میں خدا نبی حقیقت رسی کی قبر میں سوالات کے جواب کی قیامت میں جنت تک پہنچنے اور جنت میں اپنے گھر پہنچنے کی ہدایت دے گا۔ ان لوگوں کو محلات کے نیچے دودھ، شہد، شراب، طہور، پانی کی نہریں رواں ہوں گی۔ وہ جنت نعیم میں ہمیشہ رہیں گے جنت میں ان کا حال یہ ہوگا کہ جب وہ رب تعالیٰ سے کچھ عرض ومعروض کرنا چاہیں گے اور جب آپس میں ملاقات کے وقت بات چیت شروع کریں گے اور جب اپنے خدام کو بلائیں گے ان سے کوئی چیز منگائیں گے تو بلند آواز سے کہیں گے سبحان اللہ اور جب رب تعالیٰ سے عرض ومعروض کر چکیں گے یا جب آپس کی بات چیت ختم کریں گے اور جب نعمتیں کھا چکیں گے

www.alahazratnetwork.org

تو آخر میں کہیں گے الحمد للہ رب العالمین غرضکہ ان کے ہر کام کی ابتداء بھی اللہ کے ذکر سے ہوگی اور انتہا بھی اس کے ذکر پر جس کی ابتداء انتہا اللہ کے ذکر سے ہو تو سارے کام ہی مبارک ہوں گے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ کی رحمت سے حاصل کرنے کے لئے ایمان اور نیک اعمال دونوں ضروری ہیں یہ فائدہ آمنوا وعملوا الصالحات سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: اللہ کی بڑی نعمت ہدایت ہے یہ فائدہ یھدیھم (الخ) سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ایمان و ہدایت کا پہلا فائدہ بیان فرمایا۔ یھدیھم ربھم مال و دولت صحت وغیرہ کفار کو بھی مل جاتی ہے مگر ہدایت صرف اسے ملتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا خاص کرم ہو۔ اس لئے ہم ہر نماز کی رکعت میں پڑھتے ہیں اھدنا الصراط المستقیم۔

تیسرا فائدہ: ہدایت ربانی بہت قسم کی ہے کسی ہدایت سے ایمان ملتا ہے کسی سے تقویٰ و پرہیزگاری اور کسی ہدایت سے ایمان پر خاتمہ۔ قبر میں کامیابی اور کسی ہدایت سے جنت تک رسائی یعنی قیامت سے فارغ ہو کر بغیر کسی سے پوچھے جنت تک اور جنت میں پہنچ کر اپنے گھر تک پہنچا یہ فائدہ یھدیھم ربھم بایمانھم کی ب سے حاصل ہوا۔ اس میں سب سببیہ ہے۔

چوتھا فائدہ: جنت میں دودھ، شہد وغیرہ کی نہریں ہوں گی۔ بحر یعنی دریا نہ ہوگا نہر اور بحر کے بہت سے فرق اور وہاں بحر نہ ہونے کی وجہ ہم پہلے پارہ کی تفسیر میں عرض کر چکے۔

پانچواں فائدہ: جنت کی نہریں جنت والوں کی خواہش کے مطابق ہوں گی۔ وہ جس وقت جس قدر جتنا چاہیں گے اسی وقت بہیں گی۔ یہ فائدہ من تحتھم۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ تحتھم کے معنی ہوں ان کے ماتحت۔

چھٹا فائدہ: جنت میں تمام قسم کی نعمتیں بہت کثرت سے ہوں گی۔ یہ فائدہ جنت نعیم سے حاصل ہوا کہ ان جنتوں میں ہمیشہ بے شمار نعمتیں ہوں گی۔ اس لئے ہر جنت کو جنت نعیم کہہ سکتے ہیں۔

ساتواں فائدہ: اپنے ہر کلام کو ابتداء اللہ تعالیٰ کے نام سے کرنا جنتیوں کا کام ہے اس لئے نمازی اپنی نماز سبحانک اللھم سے شروع کرتا ہے۔ گویا وہ جنت میں ہوتا ہے یہ فائدہ دعواھم فیھا سبحانک اللھم سے حاصل ہوا۔ ملاقات کی ابتداء السلام علیکم سے کرنا اہل جنت کا طریقہ ہے حتیٰ کہ اگر بڑا آدمی چھوٹوں سے ملے تو انہیں السلام علیکم کہے۔ یہ فائدہ تحیتھم فیھا سلام سے حاصل ہوا کہ جنتی آپس میں ایک دوسرے سے ملتے وقت یوں ہی فرشتے اہل جنت سے ملتے وقت بلکہ خود رب تعالیٰ جنتیوں سے فرمائے گا السلام علیکم۔ آداب عرض یا گڈ مارننگ یوں ہی وداع کے وقت صرف خدا حافظ کہنا مسلمانوں کا طریقہ نہیں مسلمان ملیں تو سلام کے ساتھ رخصت ہوں تو سلام پر۔

آٹھواں فائدہ: ہر کام کی انتہا اللہ تعالیٰ کی حمد پر کرنا طریقہ جنتیوں کا ہے یہ فائدہ واخر دعواھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھا کر پانی پی کر۔ نئے کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتے تھے جس کام کے اول و آخر میں اللہ کا ذکر ہو۔ امید ہے کہ سارا کام مبارک ہوگا۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: جنت صرف نیک کار مومنوں کو ملے گی گنہگار مومن ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔ دیکھو یہاں جنت میں جانے کی صفتیں بیان ہوئیں۔ ایمان اور نیک اعمال **الذین آمنوا وعملو الصالحات** (معتزلہ) اسلام میں ایک فرقہ معتزلہ گزرا ہے وہ فاسق مسلمان کو دائمی دوزخی مانتے تھے یہ اعتراض اسی فرقہ کا ہے۔

جواب: یہ محض غلط ہے۔ مومن کتنا ہی گنہگار ہو مگر آخر کار جنت میں جائے گا رب فرماتا ہے **ان اللہ لایغفر ان یشرک بہ یغفر ما دون ذلک لمن یشاء** اللہ کفر نہ بخشے گا اس کے سواء جس کو چاہے گا بخش دے گا۔ اور فرماتا ہے **لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا** ۔ اگر گناہ کفر کی طرح نا قابل معافی جرم ہے تو معافی کی آیتیں کیسے درست ہوں گی۔ بلکہ خود اس آیت میں بھی اشارۃً یہ بات ظاہر کر دی گئی ہے کہ فرمایا **یھدیھم بایمانھم** اللہ انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے جنت وغیرہ کی ہدایت دے گا۔ دیکھو یہاں اعمال کا ذکر نہیں۔ خیال رہے کہ ایمان مطلقاً بخشش کا ذریعہ ہے اور نیک اعمال اول سے بخشش اور جنت ملنے کا ذریعہ ہے اس صورت میں ساری آیات اور احادیث درست ہوں گی ان میں تعارض نہ ہوگا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں نہریں بہنے کا ذکر پہلے ہے اور جنات نعیم میں داخلے کا ذکر بعد میں مگر واقعہ میں ترتیب یہ ہے کہ جنت میں داخلہ پہلے ہوگا۔ وہاں بہتی نہریں ملنا بعد میں یہاں ترتیب بدلی ہوئی کیوں ہے؟

جواب: یہاں ان دو نعمتوں کا ذکر مستقلاً ہے چونکہ نہریں وغیرہ مستقل نعمتیں ہیں اور جنت کا داخلہ مستقل نعمت بلکہ جنت کی خواہش انہیں نہروں وغیرہ کی وجہ سے ہے اس لئے یہاں اس ترتیب سے ان کا بیان ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس ایت کریمہ میں پہلے ایمان و اعمال دونوں کا ذکر ہوا پھر صرف ایمان کا کہ پہلے فرمایا گیا **ان الذین آمنوا وعملوا الصالحات** آخر میں ارشاد ہوا **یھدیھم ربھم بایمان** اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یا تو **بایمانھم** میں ایمان سے مراد وہی مذکورہ ایمان جو نیک اعمال کے ساتھ ہو۔ تب ہدایت سے مراد اول ہی سے ہدایت ہے یا ایمان سے مراد مطلقاً ایمان خواہ نیک اعمال کے ساتھ ہو یا گناہوں کے ساتھ تو مطلب یہ ہے کہ ہدایت جنت صرف ایمان کی بنا پر ملے گی۔ کیونکہ جنت کی عطا ایمان سے ہے اور پہلے سے ہی عطا یا وہاں کے درجات نیک اعمال سے ہے اور وہاں دیدار الٰہی صرف رب کے کرم سے اس میں اپنے عمل کو دخل نہیں۔

چوتھا اعتراض: تمہاری ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ جنتی لوگ تسبیح و تحمید کیا کریں گے مگر یہ چیزیں عبادات ہیں اور جنت میں عبادات نہیں پھر یہ کیونکر درست ہوئی؟

جواب: وہاں یہ تسبیح و تحمید تلاوت قرآن مجید حضور انور ﷺ کی نعت شریف بطور لذت ہوگی نہ کہ بطور تکلیف شرعی بلکہ ان کی لذتیں کھانے پینے کی لذتوں سے زیادہ ہوں گی۔

تفسیر صوفیانہ: جو لوگ ان چیزوں پر ایمان لائے جن سے غافل لوگ بے خبر ہیں اور انہوں نے نیک عمل کئے یعنی

www.alahazratnetwork.org

خاص رضاء الٰہی کے لئے جن میں ریا وغیرہ کا شائبہ نہ ہو انہیں اللہ تعالیٰ ایک نور قلبی عطا فرمائے گا جس کے ذریعہ انہیں علم مکاشفہ علم حقیقت کی طرف ہدایت کرے گا علم ظاہری کتابوں سے حاصل ہوتا ہے یہ علم اس نور سے جس میں وہ مومن کا فرا چھے برے میں قدرتی طور پر فرق کریں گے۔ گویا رب انہیں علم دریست کے بعد علم وراعت عطا کرے گا۔ علم دراشۃ علم درایۃ کا مغز ہے ایسے لوگ دنیا میں ہی شریعت و طریقت حقیقت و معرفت کے خزانے ہیں کہ ان کی زبان ان کی نظر سے یہ نہریں جاری ہوتی ہیں ان کے جسم یہاں دنیا میں ہیں مگر ان کے دل ارواح جنتوں میں۔ انہیں نماز۔ تلاوت ذکر اللہ میں جنت کی نعمتوں کی سی لذتیں آتی ہیں۔ ان کی زبانیں وہ کام کرتی ہیں جن کے لئے وہ بنائی گئیں یعنی ذکر الٰہی دعائیں۔ نعت وحمد وغیرہ وہ اس نعمت کو غیبت بہتان وغیرہ میں خرچ نہیں کرتے۔ وہ دنیا میں نیک اعمال سے جنتیوں میں ہیں آخرت میں ان کے انعامات کی جنتیوں میں ہوں گے ان کی زندگی کا ہر کام اللہ کی تسبیح و تحمید سے گھرا ہوا ہے آخرت میں بھی ان کا یہ ہی حال ہوگا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے پہلا کام کیا الحمد للہ بندہ اللہ کی نعمتوں میں غرق ہے تو چاہئے کہ اس کی زندگی کی ہر گھڑی رب کی حمد میں غرق ہو۔ حمد الٰہی غیر متناہی نعمت ہے۔ عوام کی صرف زبان حمد کرتی ہے مگر خاص بندوں کا گوشت پوست بلکہ ہر رونگٹا حمد کرتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

حمد شان چوں حمد گلشن از بہار صد نشانے دار و صد گہر دوار

اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے حامدین میں سے کرے۔ (روح البیان)

وَلَوْ يُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ بِالْخَيْرِ
اور اگر جلدی بھیجتا اللہ لوگوں کے لئے شر مثل جلدی کرنے ان کے خیر کو تو البتہ
اور اگر اللہ لوگوں پر برائی ایسی جلد بھیجتا جیسی وہ بھلائی کی جلدی کرتے ہیں
لَقُضِيَ إِلَيْهِمْ أَجَلُهُمْ فَنَذَرُ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ
پوری کردی جاتی طرف ان کے معیاد ان کی پس چھوڑتے ہیں ہم ان لوگوں کو جو نہیں
تو ان کا وعدہ پورا ہو چکا ہوتا تو ہم چھوڑتے انہیں جو ہم سے ملنے کی امید نہیں
لِقَاءَنَا فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ۝١١
امید رکھتے ملنے کی ہم سے کہ سرکشی میں اپنی بھٹکتے پھرتے ہیں
رکھتے کہ اپنی سرکشی میں بھٹکا کریں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات کے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں کفار مکہ کے چند اعتراضات کا ذکر ہوا جن کا تعلق حضور انور ﷺ کی نبوت سے تھا مثلا

www.alahazratnetwork.org

یہ کہ وحی الٰہی ان پر کیوں آئی کسی بڑے مالدار سردار پر آنی چاہئے تھی اکان للناس عجبا (الخ) یا یہ کہ ہمارے بت ہماری سفارش کے لئے کافی ہیں پھر آپ ﷺ کی تشریف آوری کی کیا ضرورت تھی مامن شفیع الا من بعد اذنہ ۔ وغیرہ اب اس کے اس اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے کہ اگر آپ ﷺ سچے نبی ہیں تو ہم آپ ﷺ کے منکر ہیں ہم پر عذاب کیوں نہیں آتا ۔ غرضکہ حضور انور ﷺ کی نبوت کے متعلق کچھ اعتراضات کے جوابات پہلے دیئے گئے کچھ کے اب دیئے جارہے ہیں (تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کے چند عیوب بیان ہوئے ہیں جن میں ایک یہ تھا کہ وہ ہماری آیتوں سے غافل ہیں اب اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ وہ اپنے منہ اپنی موت اپنے پر عذاب مانگتے ہیں گذشتہ امتوں پر جو عذاب آئے ان سے عبرت نہیں پکڑتے گویا پچھلی آیتوں میں ان کے متعلق ایک دعوٰی تھا۔ اس آیت میں اس دعوٰی کا ثبوت ہے۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالٰی نیک مومنوں کو ان کے ایمان کی وجہ سے دنیا میں اچھے اچھے کام اچھے خیالات کی ہدایت دیتا ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اس کے برعکس کفار کو جب سوجھتی ہے تو وہ اندھی مومن رب تعالٰی سے امن عافیت ایمان مانگتے ہیں مگر کفار دنیا میں ہی اپنے لئے عذاب رب کا قہر اس کا غضب مانگتے ہیں۔ دونوں جماعتوں کے خیالات میں اتنا فرق ہے۔

شان نزول: ایک بار نضر ابن حارث نے اپنی قوم کو اپنی پختگی دکھانے کے لئے یوں دعا مانگی کہ خدایا اگر واقعی اسلام سچا دین ہے اور ہم نے اسے قبول نہیں کیا تو ہم پر غیبی پتھر برسا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر کبیر۔ خازن) قرآن مجید میں ان کا یہ قول دوسری جگہ ارشاد ہے اللھم ان کان ھذا ھو الحق من عندک فامطر علینا حجارۃ من السماء او ائتنا بعذاب الیم۔ اور یوں ارشاد ہے ویقولون متی ھذا الوعد ان کنتم صدقین (روح المعانی)

تفسیر: ولو یعجل اللہ للناس الشر ۔ چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ لو اور ان اذکا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے یعجل بنا ہے یعجل بنا ہے تعجیل سے جس کی اصلیت عجلت ہے بمعنی جلدی اصطلاح میں وقت سے پہلے کوئی کام کرنا تعجیل ہے اور وقت سے پہلے کسی کام کی خواہش استعجال (تفسیر روح البیان) اگرچہ یہ آیت کریمہ نضر ابن حارث وغیرہ کفار کے متعلق نازل ہوئی مگر الناس سے عام انسان مراد ہیں۔ کیونکہ لفظ ناس عام اور لفظ کے عموم کا اعتبار ہوتا ہے۔ شر سے مراد عذاب بلاء۔ مصیبت وغیرہ ہیں۔ چنانچہ ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت قتادہ سے روایت کی کہ اس میں وہ شخص بھی داخل ہے جو جوش غضب میں اپنی جان اولاد کو بددعائیں دیتا ہے۔ (روح المعانی) یعنی اگر اللہ تعالٰی لوگوں پر عذاب مصیبت بلاء جلد بھیج دیا کرتا۔ استعجالھم بالخیر اس عبارت کی بہت ترکیبیں کی گئی ہیں اس کی آسان اور قوی ترکیب یہ ہے کہ اصل عبارت یوں تھی استعجالا کاستعجالھم بالخیر اور کاستعجالھم میں استعجال کی نسبت ہم کی جانب مصدر کی نسبت مفعول کی طرف ہے یعنی اللہ تعالٰی لوگوں کو برائی ایسے جلدی دیتا جیسے انہیں خبر جلدی دیتا ہے کہ ہر خیر انہیں

www.alahazratnetwork.org

وقت پہنچاتا ہے دیر نہیں لگاتا (تفسیر جلالین اور تفسیر صاوی) دیکھو رب کریم ہم کو وقت پر ہوا پانی، غذا دوا بلکہ زندگی و موت دیتا ہے لہٰذا اس عبارت میں صفت کو موصوف کی جگہ رکھا گیا۔ دوسری ترکیبوں میں بہت دشواری ہے۔ **لقضی الیھم اجلھم** یہ فرمان عالی **لو** کی جزا ہے۔ اس میں لام تاکید کا ہے۔ قضاء کے معنی ہیں پورا فرما دینا۔ چونکہ اس میں پہنچانے کے معنی شامل ہیں اس لئے اس کے بعد الیٰ آیا ھم کا مرجع وہ ہی کفار مکہ میں یا تا قیامت کفار یا جوش میں آ کر اپنے اور اپنے بال بچوں کے لئے بددعا کرنے والا انسان اجل سے مراد ہے عذاب جس کا وقت مقرر ہے یعنی تو ان کے عذاب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور یہ لوگ زندہ نہ رہتے۔ **فنذر الذین لا یرجون لقاء نا**۔ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبادت پر معطوف ہے لہٰذا اس کی ف عاطفہ ہے **لاتعجلھم مالا نقبل دعاء ھم**۔ ہم نذر کی تحقیق بارہا کر چکے ہیں کہ نہ اس کا کوئی مصدر ہے نہ ماضی۔ اسم فاعل وغیرہ صرف مضارع اور امر آتا ہے **الذین** سے مراد کفار ہیں۔ منکرین قیامت جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے **لا یرجون لقاء نا** کی تفسیر ابھی کچھ پہلے ہو چکی **فی طغیانھم یعمھون** یہ فرمان عالی **لایرجون** کی ضمیر سے حال ہے اس جملہ میں **فی طغیانھم** مقدم ہے **یعمھون** پر جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ طغیان کے معنی ہیں حد سے نکل جانا خوشی حد سے نکلے وہ آفت ڈھا دیتی ہے پانی حد سے بڑھ کر سیلاب بن کر شہر کے شہر ڈبو دیتا ہے۔ آگ حد سے بڑھے تو گھر بلکہ محلے جلا دیتی ہے انسان حد سے بڑھے تو شیطان سے بدتر ہو جاتا ہے **یعمھون** بنا ہے **عمہ** سے عمی کے معنی ہیں آنکھ کا اندھا ہونا **عمہ** کے معنی ہیں دل کا اندھا ہونا۔ آنکھ کا اندھا درست راہ نہیں چلتا دل کا اندھا درست رائے نہیں پاتا یہ دونوں اندھے حیران و پریشان ہی ہوتے رہتے ہیں کفار کھانے پینے چلنے پھرنے بلکہ جینے مرنے میں۔ حیران اور بھٹکے ہوئے رہتے ہیں۔ انہیں نہ کھانا آتا ہے نہ پھرنا نہ مرنا آتا ہے نہ جینا۔ آئے کیسے کہ یہ سب کچھ تو حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھنے چاہئے تھے۔ وہ اس دروازے سے دور ہیں۔ مومن کی شان یہ ہوتی ہے۔ شعر۔

ترا غم رہے سلامت میرے دل کو کیا کمی ہے یہ ہی میری زندگی ہے یہ ہی میری بندگی ہے
مری آرزو محمد مری جستجو مدینہ اسی آرزو میں مرنا اسی جستجو میں جینا

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بعض بے وقوف لوگ اپنی موت اپنے منہ سے مانگتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب آفات مصائب اسی طرح جلدی بھیج دیتا جیسے ان پر خیر بہت جلد یعنی ان کا دنیاوی ضروریات سے بہت جلد بھیج دیتا ہے جس کا دن رات مشاہدہ ہوتا رہتا ہے تو اب تک ان کا وعدہ عذاب پورا ہو چکا ہوتا اور فنا ہو چکے ہوتے ہم ایسا نہیں کرتے ان کی بددعائیں قبول نہیں کرتے بلکہ انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ یوں ہی اپنی سرکشیوں میں حیران و پریشان بھٹکتے پھریں۔

روایت: مسلم بخاری نے بروایت حضرت ابوہریرہ روایت کی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی میں تجھ سے تیرا عہد لیتا ہوں کہ میں بشر ہوں دوسرے بشروں کی طرح مجھے غصہ آ جاتا ہے اگر میں کسی مسلمان کو بددعا دے دوں یا اس پر لعنت کر دوں یا اسے مار دوں تو اسے قیامت کے دن اس کے لئے رحمت اور گناہوں کا کفارہ بنا دے (خازن) مسلمان خیال رکھیں کہ کبھی

www.alahazratnetwork.org

جوش میں اپنے یا اپنی اولاد و مال کے لئے بد دعا نہ کیا کریں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اپنے یا اپنے بال بچوں کے لئے بد دعائیں کرنا طریقہ کفار ہے۔ مومن ہمیشہ رب سے خیر ہی مانگے۔

مسئلہ: دنیاوی تکالیف میں دعاء موت کرنا ممنوع ہے۔ وہاں یوں کہہ سکتے ہیں کہ خدایا اب اگر میرے لئے موت بہتر ہو تو مجھے موت دے دے۔

مسئلہ: خوف خدا یا عشق رسول یا دینی خطرے میں دعاء موت کرنا جائز ہے جیسے حضرت عمر نے اپنی وفات کی دعایوں کی مجھے شہادت کی موت دے اپنے محبوب کے شہر میں۔ یا جیسے امام بخاری نے دینی فتنے آفات میں پھنس کر اپنی موت کی دعا کی اور دعا سے دو دن بعد آپ کی وفات ہوگئی۔

دوسرا فائدہ: رب تعالیٰ کا ہماری بعض دعائیں قبول نہ فرمانا اس کی خاص مہربانی ہے اور دعا ہمارے لئے نقصان دہ ہوتی ہے یہ فائدہ **لو یعجل الله** کے لو سے حاصل ہوا۔ نا سمجھ بیمار طبیب سے میٹھی دوائیں مانگتا ہے مگر وہ اسے کڑوی دوائیں دیتا ... کی مہربانی ہے۔

ہر ایک کے ثواب و عذاب کے لئے ایک وقت مقرر ہے اس ہی وقت اسکو وہ ملے گا۔ اس سے پہلے ...

...ہ **نذر الذین** اور **فی طغیانهم یعمهون** سے حاصل ہوا۔ اس کے برعکس مومنین صالحین کی دراز عمریں اللہ ...ر اس سے وہ نیکیاں بڑھا لیتے ہیں۔ حضرت نوح اور خضر علیہما السلام کی دراز عمریں رحمت ہیں ابلیس کی دراز عمر ...وبال ہے۔

...رہ: دنیاوی نعمتیں جو بندے کو دی جاتی ہیں۔ دولت، صحت، عزت، حکمت، اولاد وغیرہ یہ دراصل خیر ہیں جن ...نیکیاں کما سکتا ہے مگر بعض انسان انہیں اپنی جہالت سے شر بنا لیتے ہیں یہ فائدہ **استعجالهم بالخیر** سے ...ب نے کفار کی دنیوی نعمتوں کو خیر فرمایا۔

...ض: اس آیت میں رب تعالیٰ کی تعجیل کو کفار کے جلدی مانگنے سے تشبیہ دی گئی کہ ارشاد ہوا **استعجالهم** ...یونکر درست ہوئی۔ جلدی دینا رب کا کام ہے اور جلدی مانگنا بندے کا کام ان دونوں میں مشابہت کیسی۔

...س اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں صاوی شریف کے حوالہ سے گزر چکا۔ کہ آیت کریمہ کی اصل عبارت یوں تھی ...ل **استعجالهم بالخیر** استعجال مفعول مطلق تھا۔ استعجال مفعول مطلق تھا۔ **یعجل الله** کا اسے بھی دور کر دیا گیا ...ستعجال بمعنی تعجیل ہے اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور **هم** مفعول بہ ہے اب مطلب بالکل ظاہر ہو گیا کہ اگر رب ...اس طرح جلد دے دیتا جس طرح انہیں خیر جلد دیتا ہے یہ ترکیب نہایت ہی آسان اور قوی ہے۔

...اض: کفار کو رب نے خیر دی ہی نہیں انہیں جو کچھ دیا وہ شر ہی ہے پھر **استعجالهم بالخیر** کیونکر درست ہوا۔ ...س کا جواب ابھی فائدوں سے معلوم ہو چکا کہ رب نے انہیں بہت خیر عطا فرمائی۔ صحت، اولاد، مال وغیرہ انہوں

ہے یہ طبیب
تیسرا فائد
دانائی ہے یہ
کی رحمت ہیں
عذاب ہے
پانچواں ف
ہے بندہ
حاصل ہوا
پہلا اعتر
بالخیر
جواب:
استعجال
اور مثل
تعالیٰ کفار
دوسرا اع
جواب

www.alahazratnetwork.org

نے غلط استعمال سے شر بنالیا اگر کوئی اپنی آنکھ، کان، ہاتھ، پاؤں سے گناہ کرے تو یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ رب نے اسے یہ اعضاء نیکیاں کرنے کو دیئے تھے۔

تیسرا اعتراض: جب رب جانتا ہے کہ کفار جتنا جئیں گے اتنا ہی کفر و گناہ کریں گے پھر انہیں دنیا میں چھوڑتا کیوں ہے کہ فرماتا ہے فنذر الذین لا یرجون (الخ) انہیں تو فوراً ختم کر دینا چاہئے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ہم پہلے پارہ میں شیطان کی پیدائش۔ اسے لمبی عمر دینے کی حکمتوں کے بیان میں دے چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ کفار رب تعالیٰ کی صفت اضلال کا مظہر ہیں نیز کفار کی وجہ سے بہت سی اسلامی عبادات قائم ہیں۔ ہجرت، جہاد، شہادت وغیرہ لہٰذا انہیں باقی رکھنے میں رب کی بہت حکمتیں ہیں۔ جنت بھی بھرنی ہے اور دوزخ بھی نیز رات کے بغیر دن کی۔ بیماری کے بغیر صحت کی قدر نہیں ہوتی تو کفر کے بغیر ایمان۔ طغیانی کے بغیر عرفان کی قدر کیسے ہو۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں رب تعالیٰ نے مقبولین کو بھی عمر روزی وغیرہ عطا فرمائی ہیں اور مردودین کو بھی مگر ان دونوں گروہوں میں فرق یہ رکھا ہے کہ مقبولین کو دنیا میں بھی رکھا ہے اور اپنی حفاظت و امن میں اور اپنی نظر کرم اپنی نگہداشت میں بھی۔ جس کی وجہ سے وہ بفضلہ تعالیٰ بہک نہیں سکتے کہ رب کی نگہداشت میں ہیں مگر مردودین کو دنیا میں رکھا ہے اپنی نگہداشت میں رکھا بلکہ ان کے حوالہ کر دیا فرمایا فنذرھم ہم انہیں چھوڑے رہیں گے۔ جس کی وجہ سے وہ بھٹکتے پھرتے ہیں جیسے ملے جلے لگام والا گھوڑا۔ مقبولین کے متعلق فرماتا ہے ولا تعد عیناک عنھم اے محبوب ان غلاموں سے اپنی نظر نہ ہٹاؤ۔ انہیں اپنی نظر میں رکھو اور فرماتا ہے واخفض جناحک للمومنین اپنے غلاموں کو اپنے رحمت کے پروں میں رکھو۔ شعر۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

مقبول لوگ نیک اعمال جلدی کرتے ہیں۔ مردود لوگ اعمال سے غافل رہتے ہیں اور موت یا عذاب یا قیامت کی آمد میں جلدی کرتے ہیں مومنوں کی جلدی محبوب ہے رب فرماتا ہے فاستبقوا الخیرات اور کفار کی یہ جلدی مردود۔ اس آیت میں اسی کا ذکر ہے صوفیاء فرماتے ہیں کافر کی زندگی شیطانی ہے جسے قرآن نے معیشۃ ضنکا فرمایا۔ یعنی تنگ روزی غافل کی زندگی نفسانی ہے جسے قرآن نے حیوۃ دنیا کہا مگر متقی مومن کی زندگی ایمانی یا رحمانی ہے جسے قرآن نے حیاۃ طیبہ فرمایا پھر جیسی زندگی ویسی موت۔ کافر کی موت رب کی پکڑ ہے جسے رب نے بطش فرمایا ان بطش ربک لشدید۔ غافل کی موت وفات ہے اللہ یتوفی الانفس حین موتھا۔ مگر مومن کی موت رب کی طرف لوٹ جانا ہے۔ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ کافر کی زندگی حیرانی میں موت پشیمانی میں ہوتی ہے جو اس کے طغیان کا نتیجہ ہے۔ مومن کی زندگی اطمینان میں اور موت رحمت رحمان میں ہوتی ہے۔ جو اس کے ایمان و عرفان کا انجام ہے اس لئے یہاں فی طغیانھم یعمھون ارشاد ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الضُّرُّ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اَوْ قَاعِدًا
اور جب چھو جاتی ہے انسان کو تکلیف تو پکارتا ہے ہم کو اپنی کروٹ پر یا بیٹھ کر یا کھڑے
اور جب آدمی کو تکلیف پہنچتی ہے ہمیں پکارتا ہے لیٹے اور بیٹھے
اَوْ قَآىِٕمًاۚ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ كَاَنْ لَّمْ
ہو کر پھر جب کھول دیتے ہیں ہم اس سے تکلیف اس کی گزرتا ہے گویا نہیں
اور کھڑے پھر جب ہم اس کی تکلیف دور کر دیتے ہیں چل دیتا ہے
یَدْعُنَاۤ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗؕ كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْمُسْرِفِیْنَ
پکارتا تھا ہم کو طرف کسی تکلیف کے جو چھوئی اسے اس طرح آراستہ کیے گئے حد سے
گویا کبھی کسی تکلیف کے پہنچنے پر ہمیں پکارا ہی نہ تھا یونہی بھلے کر دکھائے ہیں حد سے
مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲﴾
بڑھنے والوں کے لئے وہ کام جو وہ کرتے تھے
بڑھنے والوں کو ان کے کام

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پہلا تعلق پچھلی آیات کریمہ میں کافر کی زبانی جرأت کا ذکر ہوا کہ وہ زبان سے عذاب کی دعا کر لیتا ہے اب اس کی عملی کمزوری کا تذکرہ ہے کہ اگر اس پر ذرا سی مصیبت آ جائے تو کھڑے بیٹھے دعائیں عاجزی زاری کرتا پھرتا ہے گویا انسان کی جھوٹی شیخی کے بعد اس کی سچی حالت کا اظہار ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر ہم انسان پر عذاب بھیجیں تو وہ آنا فانا فنا ہو جائے لقضی الیھم اجلھم اب اس دعویٰ کے ثبوت میں انسان کی روزہ مرہ کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ چھوٹی سی بیماری ناداری وغیرہ میں تڑپ جاتا ہے۔ سب شیخی بھول جاتا ہے دعائیں کرتا اور کراتا ہے۔

تیسرا تعلق: آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ کافر اپنی سرکشی میں حیران پھر رہے ہیں انہیں کچھ سوجھتا نہیں اب اس آیت کریمہ میں ان کی حیرانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ ذرا تکلیف پہنچے تو ہم کو یاد کرے جب تکلیف جاتی رہے تو ہم کو بھول جائے۔ اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں۔ یہ ہے اس کے بھٹکنے کا کھلا ثبوت۔

تفسیر: واذا مس الانسان الضر چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اذا یہاں عموم طرف یا عموم

www.alahazratnetwork.org

شرط کے لئے ہے یعنی جب کبھی یا اگر کبھی۔ مس کے معنی ہیں چھو جانا۔ اس سے مراد ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے چھوٹی سی مصیبت معمولی طور پر اسے پہنچے بڑی تکلیف کے باقاعدہ پہنچے اسے گھیر لینے کا تو ذکر ہی کیا ہے۔ الانسان سے مراد یا کافر انسان ہے یا عام انسان ہے یا خاص انسان یعنی ہشام ابن مغیرہ مخزومی ہے۔ (تفسیر تنویر المقیاس) پہلا احتمال قوی ہے یعنی سارے کافر مراد ہیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ الضر سے ہر تکلیف وہ چیز مراد ہے جیسے بیماری، ناداری، قحط سالی وغیرہ یعنی ہلکی تکلیف یا قوی مصیبت سب ہی اس میں داخل ہے دعانا لجنبہ او قاعدا او قائما یہ عبارت اذا مس (الخ) کی جزا ہے دعاء بمعنی پکارنا، بلانا، دعا مانگنا۔ یہاں یا تو بمعنی پکارنا ہے یا بمعنی ادا کرنا لجنبہ متعلق ہے مستلقیا پوشیدہ کے اور دعا کے فاعل سے حال ہے۔ اس لئے قاعدا اور قائما اس پر معطوف ہوئے۔ (روح المعانی) اس فرمان عالی کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ بعض بیماریوں میں انسان بستر پر لیٹ جاتا ہے نہ اٹھ سکتا ہے نہ کھڑا ہو سکتا ہے اور بعض میں بیٹھ سکتا ہے مگر کھڑا نہیں ہو سکتا اور بعض میں کھڑا ہو جاتا ہے مگر چل پھر نہیں سکتا ان تینوں بیماریوں کا یہاں ذکر ہے۔ (۲) اس سے مراد ہر حال ہے۔ کیونکہ انسان کے تین ہی حالات ہوتے ہیں۔ لیٹنا، بیٹھنا، کھڑا ہونا۔ اس سے مراد ہے بہت دعائیں مانگنا کہ اس کا کوئی حال دعا سے خالی نہ ہو۔ (روح المعانی و تفسیر کبیر) خیال رہے کہ لجنبہ میں لام بمعنی علی ہے جیسے یخرون للاذقان میں ہے (معانی) یعنی تو ہم سے ہر حال میں یا ہر طرح یا ہر وقت اس بلا کے دفعیہ کی دعائیں مانگتا ہے اپنی اکڑ اور سرکشی بھول جاتا ہے فلما کشفنا عنہ ضرہ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ فلما کی ف سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی مصیبت دور کرنا اسکی دعاؤں کی بنا پر ہوتا ہے (معانی) کشف کے معنی ہیں کھولنا یہاں مراد ہے دفع کرنا اس لئے کہ اس کے بعد عن آیا۔ ضر سے مراد وہ ضرور تکلیف ہے جس کا ذکر ابھی ہوا ضرہ فرما کر بتایا کہ وہ تکلیف اس کے لائق ہے اس کی اپنی چیز اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ مصیبتیں انسان اپنی حرکتوں سے منگاتا ہے، رب تعالیٰ اپنے فضل سے دفع فرماتا ہے۔ مر کان لم یدعنا الی ضر مسہ یہ فرمان عالی فلما کشفنا کی جزا ہے۔ مر بنا ہے مرور سے جس کے لغوی معنی ہیں گذرنا یہاں اس سے مراد یا لوٹ جانا ہے یا پہلے راستہ پر چل پڑنا کان دراصل کانہ تھا الی ضر میں الی یا بمعنی لام ہے یا اپنے ہی معنی میں۔ اگر دعا کے معنی ہیں دعا کرنا تو الی بمعنی لام ہے اور اگر اس کے معنی ہیں پکارنا تو الی اپنے معنی میں ہے یعنی جب ہم اس کی مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر وہ اپنی پرانے کفر کی طرف لوٹ جاتا ہے۔ یا پھر اس غفلت سرکشی کی راہ پر چل پڑتا ہے (مدارک خازن وغیرہ) اور اپنے گرے وقت کو ایسا بھول جاتے ہیں جیسے گویا اس نے ہم سے کبھی دعا کی ہی نہ تھی۔ کذلک زین للمسرفین ما کانوا یعملون اس فرمان عالی سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما زین لھم اعمالھم القبیحۃ کذلک زین یہاں زینت دینے کے معنی ہیں بری چیز کو اچھا کر دکھانا۔ اس کا فاعل یا تو رب تعالیٰ ہے کہ تمام کا خالق وہ ہی ہے یا اس کا فاعل شیطان ہے کہ اس آراستگی کا سبب ہے یا کاسب وہ ہی ہے۔ مسرفین کے معنی ہیں اپنے معاملہ میں زیادتی کرنے والے۔ رب فرماتا ہے واسرافنا فی امرنا عمل سے مراد ان کی معلومہ بدعملیاں ہیں یعنی جیسے ان لوگوں کی نظر میں ان کے کفر بت پرستی غفلت بدعملی بھلی کر دی گئی ہے اسی طرح ہمیشہ سے حد سے بڑھنے والوں کی نظر میں

www.alahazratnetwork.org

ان کی بری حرکتیں بھلی کر دی گئی ہیں یہ بڑی پرانی بیماری ہے۔ اے محبوب آپ ﷺ ان کی حرکتوں سے غمگین نہ ہوں یہ تو ہوتا ہی چلا آیا ہے۔

خلاصہ تفسیر: کفار صرف زبان کے بہادر ہیں کہ اپنے لئے عذاب کی دعائیں کرتے ہیں۔ ان کی دلی کمزوری کا یہ حال ہے کہ اگر کبھی انہیں کوئی دنیا کی تکلیف بیماری۔ ناداری۔ قحط سالی وغیرہ چھو بھی جائے تو کھڑے بیٹھے لیٹے ہم سے دعائیں مانگتے ہیں کہ خدایا اسے دفع کر دے۔ انہیں کسی طرح چین نہیں آتا۔ اپنی زندگی سے بیزار ہوتے ہیں پھر جب ہم ان کی دعا قبول کر کے وہ مصیبت دور کر دیتے ہیں تو پھر اپنی پرانی ڈگر یعنی کفر وطغیانی پر چل پڑتے ہیں جیسے پہلے تھا ویسے ہی ہو جاتا ہے گویا اس کو ہم سے کوئی واسطہ تھا ہی نہیں کبھی اس نے ہم سے کسی مصیبت کے لئے دعا کی ہی نہ تھی۔ یہ بیماری آج کی نہیں ہے یہ کفار کی بڑی پرانی بیماری ہے کہ مصیبت میں خدا کو یاد کرنا آرام میں اس کی نافرمانی کرنا پھر حرکتوں کو اچھا جاننا۔ ابلیس نے ان کی نظر میں ان کے کفر بت پرستی بری حرکتوں کو اچھا کر کے دکھا دیا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ حرکتیں بہت اچھی ہیں ہماری ناموری اسی میں ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا میں عیش وآرام اکثر و بیشتر رہتے ہیں مصیبتیں کبھی کبھی یہ فائدہ **مس الانسان الضر** سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: عموماً آرام بہت زیادہ ہوتا ہے مصیبت صرف چھو جاتی ہے جس سے انسان کی مت کٹ جاتی ہے یہ فائدہ بھی **مسر الانسان** (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کافر خواہ کتنے ہی اخلاص سے رب کو یاد کرے مگر اس یاد پر اسے نہ ثواب ہے نہ اس سے رب راضی ہو۔ یہ فائدہ **دعانا لجنبه** (الخ) سے حاصل ہوا کہ کافر کی اس دعا وفریاد کو بطور شکایت بیان فرمایا گیا۔ اس کے برعکس اگر مومن رب کو مصیبت میں یاد کرے تو اسے اجر وثواب ضرور ملے گا انشاء اللہ۔

چوتھا فائدہ: تکالیف میں رب تعالیٰ کو یاد کرنا آرام میں اسے بھول جانا طریقہ کفار ہے مومن کو چاہئے کہ ہمیشہ رب کو یاد کرے آرام میں شکر کے ساتھ تکلیف میں صبر کے ساتھ آرام میں الحمد للہ کہے مصیب وغم میں ان للہ پڑھے۔ غرضکہ یاد اسی کی کرے یہ فائدہ **فلما کشفنا** (الخ) سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: دنیا میں تکالیف عموماً انسان کی حرکتوں کی وجہ سے آتی ہیں ان کا دفعیہ رب تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ فائدہ **اذا مس الانسان الضر** (الخ) سے اور **فلما کشفنا** (الخ) سے حاصل ہوا کہ مصیبت دفع کرنے کی نسبت رب کی طرف کی گئی۔

چھٹا فائدہ: دنیا میں کفار کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں یہ فائدہ **فلما کشفنا** کی ف سے حاصل ہوا کہ دفع مصیبت کو کافر کی دعا پر مرتب کیا۔ ابلیس نے دراز عمر کی دعا کی جو کچھ ترمیم سے قبول کی گئی **فانک من المنظرین**۔

ساتواں فائدہ: اپنے آرام کے زمانہ میں مصیبت کو اور عروج کے زمانہ میں زوال کو بھول جانا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

کان لم یدعنا (الخ) سے حاصل ہوا خیال رکھو کہ جسے دینا آتا ہے اسے چھیننا بھی آتا ہے اس لئے ہمیشہ اس کے دروازے پر حاضر ہو۔

آٹھواں فائدہ: گنہگار مومن کیسا ہی گناہ کرے مگر حد میں رہ کر کرتا ہے۔ کافر کیسا ہی معمولی گناہ کرے مگر حد سے نکل کر کرتا ہے یہ فائدہ للمسرفین سے حاصل ہوا کہ رب نے کفار کو مسرفین فرمایا یعنی حد سے نکلے جانے والے۔ ایمان پر قائم رہنا اپنی حد میں رہنا ہے۔ ایمان سے نکل جانا بندگی کی حد سے نکل جانا ہے۔

نواں فائدہ: برائی کو اچھائی اور برے کاموں کو اچھا سمجھنا کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ زین للمسرفین (الخ) سے حاصل ہوا۔ مومن بفضلہٖ تعالیٰ حق کو حق سمجھتا ہے اور باطل باطل کو باطل۔

پہلا اعتراض: کھڑے بیٹھے لیٹے رب کو یاد کرنا اس سے دعائیں مانگنا بڑی اچھی عادت ہے۔ رب فرماتا ہے فاذکر اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبکم پھر یہاں اسے کفار کی برائیوں میں کیوں شمار کیا گیا۔

جواب: واقعی مومن کے لئے یہ صفت خوبی ہے کافر کے لئے یہ بھی عیب ہے عمداً بغیر غسل بغیر وضو نماز پڑھنا کفر ہے اگرچہ اس میں اللہ کا ذکر ہے ایمان دل کا وضو روح کا غسل ہے جس کے بغیر اللہ کا ذکر بے ادبی ہے یا یوں کہو کہ صرف مصیبت میں اللہ کا ذکر خود غرضی ہے۔ اسے بے غرضی سے یاد کرو۔

دوسرا اعتراض: تم نے کہا کہ کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ مگر رب فرماتا ہے وما دعاء الکافرین الا فی ضلال۔ کفار کی دعائیں برباد ہیں۔

جواب: کفار کی دعائیں آخرت میں برباد ہوں گی کوئی قبول نہ ہوگی ان سے فرمایا جاوے گا۔ اخسئوا فیھا ولا تکلمون دنیا میں کبھی قبول ہو جاتی ہیں یہ قبولیت ان کے لئے استدراج یعنی ڈھیل دینا ہے۔ اس آیت میں دنیاوی دعاؤں کا ذکر ہے تمہاری پیش کردہ آیت میں آخرت کی دعاؤں کا ذکر ہے۔

تیسرا اعتراض: مصیبت میں رب کو یاد کرنا عیش میں بھول جانا یہ عیب بعض غافل مسلمانوں میں بھی ہے پھر یہ خصوصیت سے کفار کے لئے کیوں ہوا۔

جواب: ایسے غافل مومن اپنی اس حرکت پر نادم ہوتے ہیں۔ اس پر فخر نہیں کرتے۔ اس لئے کفار کی طرح مجرم نہیں اس وجہ سے آگے ارشاد ہوا زین للمسرفین (الخ) کہ کفار اس فخر کی وجہ سے مسرف ہیں۔

چوتھا اعتراض: اس آیت میں کفار کو مسرفین فرمایا گیا مگر دوسری جگہ مسلمانوں کو یہ دعا تعلیم فرمائی ربنا فاغفرلنا ذنوبنا واسرافنا فی امرنا معلوم ہوا کہ گنہگار مومن بھی مسرفین ہیں۔ آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اسراف کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لئے فضول خرچی کو اسراف اور فضول خرچ کو مسرف کہا جاتا ہے کلوا واشربوا ولا تسرفوا انسان کے لئے بہت طرح کی حد میں عقائد کی حد۔ اعمال کی حد۔ خرچ کی حد حتیٰ کہ وقت اور جگہ کی حدود۔ مومن سینکڑوں حدوں میں گھرا ہوا ہے ان میں گھرا ہوا ہونا ہی تو آزادی ہے۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

دیکھا انہیں محشر میں تو رحمت نے پکارا   آزاد ہے جو آپ کے دامن سے بندھا ہے

کافر عقائد کی حد سے نکلا ہوا ہوتا ہے مومن اگرچہ اعمال کی حد سے نکل جاوے مگر عقائد کی حد میں رہتا ہے۔ یہاں عقائد کی حدود سے نکل جانے والے مراد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: مومن کامل وہ ہے جو رب کو رب کے لئے یاد کرے نہ کہ اپنے لئے۔ مزہ جب ہے کہ وہ ہی معبود ہو وہ ہی مقصود ہو وہ ہی دل و جان و ایمان میں موجود بلکہ اس کو اسی کے لئے مانگو۔ شعر۔

تجھ سے تجھی کو مانگ کر مانگ لی دو جہاں کی خیر   مجھ سا کوئی گدا نہیں تجھ سا کوئی سخی نہیں!

اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ اپنے محبوب سے ان بندوں کی شکایت فرما رہا ہے جو رب کو بعض وقت معبود مانیں مگر مقصود نہ مانیں اس سے دعائیں کریں تو بھی اپنی غرض کے لئے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غرض نکل جانے پر رب سے غافل ہو جاتے ہیں ان کا مقصود صرف اپنی ذات سے یہ لوگ حد عبادت سے نکلے ہوئے ہیں۔ یہ حق و باطل میں فرق نہیں کرتے بزرگان دین دعا کرتے ہیں۔ اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه خدایا ہمیں حق کو حق دکھا اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور باطل کو باطل دکھا اور اس سے بچنا نصیب کر۔ مزہ اس میں ہے کہ بندہ ہر حال میں رب کے دروازے پر رہے رب تعالیٰ اس قال کو حال بنادے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَ

اور البتہ تحقیق ہلاک کردیں ہم نے قومیں پہلے تم سے اور

اور بے شک ہم نے تم سے پہلی سنگتیں ہلاک فرما دیں جب وہ حد سے بڑھے اور

جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ

لائے ان کے پاس پیغمبر ان کے واضح دلیلیں اور نہیں تھے کہ وہ ایمان لاتے

ان کے رسول ان کے پاس روشن دلیلیں لے کر آئے اور وہ ایسے تھے ہی نہیں کہ ایمان

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ

اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم جرم والی قوم کو پھر بنایا ہم نے تم کو

لاتے ہم یوں ہی بدلہ دیتے ہیں مجرموں کو پھر ہم نے ان کے بعد

خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴﴾

نائب زمین میں بعد ان کے تاکہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

تمہیں زمین میں جانشین کیا کہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے دو عیب بیان ہوئے ایک ان کا اپنے لئے عذاب کی بد دعا کرنا دوسرے معمولی مصیبت آجانے پر بے تاب ہو کر دفعیہ کی دعائیں کرنا۔ اب ارشاد ہے کہ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ آیا ہوا عذاب دعاؤں سے ٹلتا نہیں بلکہ ہلاکت کر دیتا ہے۔ گویا عذاب آنے اور جانے اور دعاؤں کا ذکر پہلے ہوا اور اس کے نہ جانے کا ذکر اب ہے مقصد یہ ہے کہ عذاب روکنے کا ذریعہ صرف ایک ہے اللہ رسول کی اطاعت۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ کفار کو ان کے برے عقیدے برے اعمال بڑے پسند ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ اس پسندیدگی کا انجام ہلاکت ہے گویا ان کے مرض لاعلاج کا ذکر فرمانے کے بعد اس کے انجام کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ کبھی کفار کی دعائیں قبول ہو جاتی ہیں ان سے آئی بلائیں ٹل جاتی ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ دعائیں انہیں ہمیشہ نہیں ملتی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ یہ دعائیں کرتے رہیں اور ہلاک ہوتے رہیں اگر یہ تماشا دیکھنا ہے تو پچھلی امتوں کے حالات دیکھو اور سنو۔

تفسیر: **ولقد اھلکنا القرون من قبلکم**۔ بہت کفار عرب گذشتہ قوموں کی ہلاکت کے واقعات قائل نہ تھے یا ہلاکت و عذاب کو مانتے تھے مگر کفر و عناد کی وجہ سے نہ مانتے تھے اس لئے اس مضمون کو لام اور قد کی تاکیدوں سے فرمایا گیا۔ لہٰذا لقد فرمانا۔ غیر ضروری نہیں اھلکنا بنا ہے اہلاک سے بمعنی سب کو بیک وقت فنا کر دینا۔ خواہ پانی سے خواہ غیبی چیخ سے خواہ پتھر برسا کر خواہ آگ برسا کر خواہ زلزلہ سے۔ چونکہ مختلف قومیں ان مختلف عذابوں سے ہلاک کی گئیں اس لئے اھلکنا مطلق ارشاد ہوا اگرچہ ان لوگوں کو ہلاک کرنے والے فرشتے تھے مگر چونکہ یہ بحکم الٰہی انہوں نے ہلاک کیا نیز وہ اللہ کے پیارے بندے ہیں ان وجوہ سے رب تعالیٰ نے اس ہلاکت کو اپنا فعل قرار دیا القرون جمع ہے قرن کی بمعنی ملنا اسی سے قرون اور قرین رب فرماتا ہے فساء قرینا امت اور قوم کو قرین کہتے ہیں کہ وہ آپس میں مل جل کر رہتی ہے کبھی زمانہ کو قرن کہتے ہیں کہ وہ موجودہ لوگوں کا جامع ہوتا ہے اس میں گفتگو ہے کہ کتنے زمانے کو قرن کہا جاتا ہے۔ چالیس سال، اسی سال، سو سال یا مطلق وقت حضور ﷺ فرماتے ہیں خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ اس حدیث میں قرن میں دونوں احتمال ہیں یعنی زمانہ ہو یا بمعنی جماعتو گروہ سینگ کو بھی قرن کہتے ہیں کہ وہ جانور سے ملا ہوا رہتا ہے (روح المعانی مع الزیادہ) شعر۔

اذا ذھب القرن الذین انت فیھم وخلفت فی قرن فانت غریب

یہاں بمعنی امتیں یا قومیں ہیں من قبلکم کا تعلق یا تو اھلکنا سے ہے یا پوشیدہ الکائنین سے اور صفت ہے قرون کی اس میں خطاب کفار مکہ سے خصوصاً ان سے جو عذاب کی دعائیں مانگا کرتے تھے لما ظلموا یہ فرمان عالی اھلکنا کا ظرف ہے۔ ظلم سے مراد یا کفر و شرک ہے یا بددیانتی اور لوگوں کے حقوق مارنا یا مطلقاً گناہ یا یہ سب کچھ کیونکہ بعض قومیں صرف کفر کی بنا پر ہلاک ہوئیں بعض قومیں کفر کے ساتھ بدکاری کی وجہ سے جیسے قوم لوط بعض کفر کے ساتھ بددیانتی سے جیسے قوم شعیب علیہ

www.alahazratnetwork.org

السلام یہ ایک لفظ ان سب کو شامل ہے۔ وجاءتھم رسلھم بالبینات یہ عبارت ظلموا کے فاعل سے حال ہے اس سے پہلے قد پوشیدہ ہے رسلھم سے مراد ان کے وہ مختلف شان والے پیغمبر ہیں جو ان کی تبلیغ کرنے کے لئے بھیجے گئے جن کی اطاعت ان لوگوں پر واجب تھی۔ بینات یعنی روشن دلیلوں سے مراد ہیں ان نبیوں کے معجزے جو ان کی نبوت کی دلیلیں تھیں۔ اس فرمان عالی میں دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ کسی قوم پر نبی کی تشریف آوری کے بغیر عذاب نہیں بھیجا جاتا۔ شعر۔

ہیچ قومے راخدا رسوا نہ کرد تا صاحبلے نامد بدرد

دوسرے یہ کہ کوئی نبی بغیر معجزہ نہیں آئے پھر ہر نبی اسی قسم کا معجزہ لائے جس کا اس زمانہ میں زور تھا۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام عصا اور ید بیضا کا معجزہ لائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں جادو کا بہت زور تھا۔ عیسیٰ علیہ السلام مردہ زندہ کرنے پر پیدائشی اندھے کوڑھیوں کو شفا دینے کا معجزہ لائے۔ کیونکہ اس زمانہ میں زبان دانی فصاحت و بلاغت کا بہت زور تھا۔ اس لئے معجزات کو بینات کہا جو ان کی نبوت کی کھلے نشان تھے۔ وما کانوا لیومنوا قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی معطوف ہے ظلموا پر مطلب یہ ہے کہ ان قوموں کی ہلاکت کو تین وجہیں تھیں ان کا ظالم یعنی کافر ہونا۔ ان کے پاس نبیوں کا تشریف لانا اور ان کا انہیں جھٹلانا۔ ان کا ایمان کے قریب بھی نہ ہونا۔ یعنی ان کا ایمان لانا ممکن نہ تھا۔ کیونکہ ان کی استعداد ہی خراب تھی۔ نیز رب تعالیٰ نے انہیں دھتکار دیا تھا۔ ان کے متعلق علم الٰہی میں آچکا تھا کہ وہ کافر مریں گے ان وجوہ سے انہیں مہلت دینے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔ اس لئے ہلاک کئے گئے کذلک نجزی القوم المجرمین اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما اھلکنا یعنی جیسے ہم نے ان قوموں کو جب ہلاک کیا جب کہ ان کو ڈھیل دینے کا کوئی فائدہ نہ رہا۔ اس طرح ہم مجرم قوم کو اس وقت ہلاک کرتے ہیں۔ جب اس کی بقا میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور اگر فائدہ ہو یا اس طرح کہ آئندہ اس کے ایمان لانے کی امید ہو یا اس کی اولاد کے ایمان لانے کی توقع ہو کہ اس کی پشت سے اولاد ہو وہ ایمان لائے تب اسے ہلاک نہیں کرتے خیال رہے کہ یہاں جزا بمعنی عذاب یا سزا ہے اور سزا سے مراد معمولی عارضی سزا ہے جو بطور نمونہ انہیں دی جاوے اصل سزا تو بعد موت ہوگی۔ مجرمین سے مراد کافر ہی ہیں یعنی کفر کا جرم کرنے والے قوم فرما کر یہ بتایا کہ عام عذاب الٰہی ایک دو شخصوں کے جرم سے نہیں آتا بلکہ جب پوری قوم مجرم بن جائے تب عذاب آتا ہے ثم جعلناکم خلائف فی الارض من بعدھم۔ اس فرمان عالی میں خطاب مطلقاً زمین ہے نہ کہ ہلاک شدہ قوموں کی زمین۔ کیونکہ مکہ معظمہ حجاز میں کبھی عذاب نہ آیا جتنے عذاب آئے وہ دوسری زمینوں اور جس خطہ میں عذاب آئے وہاں کبھی آبادی نہ ہوئی۔ اصحاب فیل پر جو ابابیل کا عذاب آیا وہ لوگ مکہ معظمہ کے رہنے والے نہ تھے نیز آئے جن کے جھٹلانے سے ان پر عذاب آتا۔ یعنی اے اہل عرب وہ قومیں ہلاک کر دی گئیں پھر تم کو ان کے بعد زمین میں بسایا گیا۔ کیوں لننظر کیف تعملون یہ فرمان عالی متعلق ہے۔ جعلناکم خلائف کے نظر سے مراد علم مشاہدہ ورنہ رب تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز اور ہمارا۔ ہر حال تفصیل جانتا ہے۔ ہاں مشاہدہ کے بعد فرماتا ہے لننظر [illegible] بتاتا کہ ہم صرف اعمال یا ان کی مقدار کو نہیں دیکھتے کیفیت کو ملاحظہ فرماتے ہیں اس پر جزا۔ سزا دیتے ہیں اس وجہ سے ایک کام کبھی اچھا ہوتا ہے اور وہ ہی کام کبھی

موجود ہو۔

بلکہ اعمال

www.alahazratnetwork.org

برا۔ عمل کی کیفیت بدلنے سے عمل بدل جاتا ہے بلکہ عامل کا حال بدلنے سے عمل کا حکم بدل جاتا (روح البیان و بیضاوی وغیرہ) شیطان سے سجدے جو اس کے لعنتی ہونے سے پہلے عبادات تھے پھٹکارے جانے پر وہ ہی عمل گمراہی بن گئے۔ رب تعالیٰ عمل اور عامل دونوں کی کیفیت اچھی کرے۔

خلاصہ تفسیر: اے اپنے منہ سے عذاب مانگنے والے غافل کافرو تم غور تو کرو کہ تم سے پہلے ہم نے بہت سی قومیں ہلاک کر دیں جن کے صرف قصے رہ گئے انہوں نے کفر و معصیت کئے ان کے پاس ان کے رسول روشن معجزات لائے انہوں نے ان سب کا انکار ہی کیا وہ ایمان لانے والے بنے ہی نہیں کہ نہ ایمان لائے نہ آئندہ ان کے ایمان لانے کی امید رہی نہ یہ احتمال رہا کہ ان کی اولاد آگے چل کر ایمان لاوے گی۔ غور کر لو ہم مجرم قوموں کو دنیا میں اس طرح سزائیں دیا کرتے ہیں ان قوموں کے بعد تم زمین میں رہے بسے ہو خیال رکھو کہ تمہارے اعمال اور تمہاری کیفیت ہم ملاحظہ فرما رہے ہیں اگر تمہارے حالات بھی ان ہی قوموں کی طرح ہوئے تو تم بھی سزا کے مستحق ہو گے اگر تم بندے بن کر رہے اور تم نے ہمارے محبوب کی اطاعت کی تو تم ہمارے ہو جو ہم تمہارے اب دیکھنا ہے کہ تم کس نوعیت کی کیفیت کے عمل کرتے ہو ان قوموں سے عبرت پکڑتے ہو یا نہیں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمانوں کو چاہئے کہ پچھلی ہلاک شدہ قوموں کے حالات پڑھے سنے اور ان سے عبرت پکڑے ان کے سے اعمال نہ کرے یہ فائدہ ولقد اھلکنا (الخ) سے حاصل ہوا۔ شعر۔

چند گیر از مصائب و گراں تانہ گیرند دیگراں زتو پند

دوسرا فائدہ: خدا تعالیٰ کسی کو بغیر جرم نہیں پکڑتا۔ بندہ خود عذاب منگاتا ہے تو عذاب آتا ہے۔ یہ فائدہ لما ظلموا سے حاصل ہوا۔ ہاں وہ کریم بغیر ہمارے عمل کے ہم پر کرم کر دیتا ہے۔ رحمت کے لئے عمل شرط نہیں۔ شعر۔

رحمت حق بہانہ می طلبد رحمت حق بہانہ۔ می طلبد

اللہ کی رحمت قیمت نہیں مانگتی وہ صرف بہانہ چاہتی ہے۔ بلکہ بہانہ بھی وہ ہی عطا فرماتا ہے۔

تیسرا فائدہ: کسی قوم پر بغیر رسول بھیجے ہوئے عذاب نہیں آیا اگرچہ اس قوم نے کتنے ہی جرم کئے ہوں یہ فائدہ جاء تھم رسلھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ عذاب لانے والی چیز نبی کی نافرمانی ہے۔ وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا۔

چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ نے ہر نبی کو معجزے ضرور عطا فرمائے کوئی نبی بغیر معجزہ کے تشریف نہ لائے۔ یہ فائدہ بالبینات سے حاصل ہوا۔ نبوت دعویٰ ہے معجزہ اس کی دلیل۔

پانچواں فائدہ: جب کسی قوم کے ایمان کی امید نہ رہے اور نہ اس کی نسل سے کسی مومن کے پیدا ہونے کی امید ہو تب اس پر عذاب الٰہی آتا ہے مذکورہ دو صورتوں میں سے کوئی چیز ہو تو عذاب نہیں آتا کہ تو آگے چل کر وہ ایمان لانے والا ہو۔ یا

www.alahazratnetwork.org

اس سے مومن اولاد پیدا ہونے والی ہو تو عذاب نہیں آتا۔ یہ فائدے وما کانوا لیومنوا سے حاصل ہوا کہ وما آمنوا ارشاد نہ ہوا۔ دیکھو تفسیر جب ابو جہل کی پشت سے حضرت عکرمہ نکال لئے تب وہ بدر میں ہلاک کیا گیا۔

چھٹا فائدہ: ہر اگلی قوم بلکہ اگلا آدمی پچھلوں کا خلیفہ ہی اسے چاہئے کہ غور کرے کہ جس بستی یا گھر میں ہم رہتے ہیں۔ اس میں ہم سے پہلے کتنے لوگ بسے اور چلے گئے جب یہ جگہ ان کے ساتھ نہ گئی تو ہمارے ساتھ بھی نہ جائے گی یہ بے وفا ساتھی ہے یہ فائدہ ثم جعلنا کم خلائف سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کا علم قدیم ہے مگر اس کا دیکھنا مشاہدہ فرمانا اس کے ظہور کے بعد ہوتا ہے اس علم کو ہم کلام والے علم انعقالی کہتے ہیں یہ فائدہ لننظر کیف تعملون سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اعمال کی صرف تعداد نہیں دیکھی جاتی۔ بلکہ اعمال کی کیفیت بھی دیکھی جاتی ہے کہ بندہ نے نماز پڑھی تو کیسی۔ حج و جہاد کئے تو کیسے یہ فائدہ کیف تعملون سے حاصل ہوا کہ لفظ کیف حالت اور کیفیت کے لئے آتا ہے۔ حضرات صحابہ کا سوا دو سیر جو خیرات کرنا ہمارے پہاڑ بھر سونا خیرات کرنے سے افضل ہے۔ کیونکہ ان کی اعمال کیفیت۔ اور طریقہ ادا بہت اعلیٰ ہے جو ہم کو میسر نہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں گذشتہ قوموں پر عذاب آنے کی دو وجہیں بیان ہوئیں۔ جرم یعنی ان کے گناہ دوسری ان کے پاس نہ رسولوں کی تشریف آوری آیا یہ دونوں چیزیں عذاب کا باعث ہیں یا ان میں سے ایک۔

جواب: عذاب آنے کا سبب ان کے گناہ ہیں مگر شرط نبی کی تبلیغ یعنی گناہوں سے عذاب آتے ہیں بشرطیکہ نبی احکام پہنچائیں پھر قوم بدکاریاں کرے۔ نبی کی تشریف آوری عذاب کا سبب نہیں وہ تو اللہ کی رحمت کا سبب ہے پھر اس رحمت کی شرط ان پر ایمان لانا ان کی اطاعت کرنا ہے جیسے نماز کا سبب وقت ہے اس کی شرط وضو۔

دوسرا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی وما کانوا لیومنوا صرف لم یومنوا یا ما آمنوا فرمادینا کافی تھا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ نہ تو وہ ایمان لائے تھے۔ نہ لانے والے تھے۔ یعنی ان کے ایمان کی امید بھی نہ تھی۔ نہ ان کے پشت سے مومن پیدا ہونے تھے اگر لم یومنوا فرمایا جاتا تو یہ بات حاصل نہ ہوتی فی الحال ایمان۔ آئندہ امید بھی نہ تھی۔ نہ ان کے پشت سے مومن پیدا ہونا یہ سب چیزیں عذاب سے بچالیتی ہیں۔

تیسرا اعتراض: تم نے کہا کہ عذاب کی شرط نبی کی تشریف آوری ان کی تبلیغ ہے مگر یہاں ارشاد ہوا کذلک نجزی القوم المجرمین جس سے معلوم ہوا کہ صرف مجرم ہونا ہی عذاب کے لئے کافی ہے تمہارا قول اس فرمان کے خلاف ہے۔

جواب: مجرم قوم وہ ہی ہے جو نبی کی نافرمانی کرے اس پر عذاب آتا ہے۔ جس تک نبی کی تبلیغ نہ پہنچی ہو۔ خواہ کتنے ہی گناہ کفر شرک کرے اسے آخرت میں عذاب ہو تو ہو مگر دنیا میں نہیں ہوتا دنیاوی عذاب کے لئے نبی کی نافرمانی ضروری ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ہلاک شدہ قوموں کی زمینوں میں پھر آبادی ہوئی ہے۔ دیکھو فرمایا گیا ثم

www.alahazratnetwork.org

جعلنا کم خلائف فی الارض ۔مگر حدیث شریف میں ہے کہ ہلاک شدہ بستیاں نہ کبھی آباد ہوئیں نہ وہاں رہنا بسنا جائز ہوا وہ حدیث اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس آیت میں الارض سے مراد ہلاک شدہ بستیاں نہیں بلکہ مطلقاً زمین مراد ہے یعنی زمین میں پہلے ہلاک شدہ قومیں رہیں پھر اسے اہل عرب ان کے بعد تم لوگ ہے الارض مقابل ہے آسمان کا عرب خصوصاً زمین حجاز میں کبھی عذاب الٰہی نہ آیا۔

پانچواں اعتراض: زمین مکہ سے بالکل متصل وادی محسر میں اصحاب فیل یعنی ابرہہ اور اس کے لشکر پر عذاب آیا تو چاہئے تھا کہ مکہ میں کسی کو بسنا جائز نہ ہوتا۔

جواب: ابرہہ وغیرہ مکہ کے رہنے والے نہ تھے بلکہ یمن سے مکہ پر حملہ کرنے آئے تھے۔ رب نے انہیں مکہ معظمہ سے باہر ہی ہلاک فرما دیا وہاں نہ مکہ معظمہ کی بستی پر عذاب آیا نہ مکہ والوں پر بلکہ غیر ملکی لوگوں کو مکہ معظمہ کے قریب ہلاک کیا گیا۔ تا کہ وہ مکہ والوں پر حملہ نہ کرسکیں یعنی مکہ معظمہ کو ان کے شر سے محفوظ رکھا گیا لہٰذا آیت وحدیث میں تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ایمان تین طرح کا ہے۔ ایمان فطری، ایمان شرعی، ایمان شہودی۔ ایمان فطری وہ ہے جو ہر شخص کو عالم ارواح میں ملا کہ سب نے قالوا بلیٰ سے ایمان قبول کیا۔ اس ایمان پر ہر بچہ پیدا ہوتا ہے ایمان شہودی وہ ہے جو مرتے دم اور مرتے وقت فرشتوں اور آخرت کے حالات دیکھ کر بندہ ان چیزوں کو مانے گا۔ یہ دونوں ایمان نجات کا ذریعہ نہیں۔ ایمان شرعی وہ جو دنیا میں رہ کر نبی کے ذریعہ میسر ہو یہ ہی ایمان نجات کا مدار ہے یہ ایمان چند طرح کا ہے فی الحال ایمان مل جائے۔ آئندہ ایمان ملنے والا ہو۔ یہ دونوں ایمان عذاب دنیا سے بچا لیتے ہیں۔ وما کانوا لیؤمنوا ۔میں اسی جانب اشارہ ہے کہ وہ ہلاک شدہ قومیں اس لئے ہلاک کی گئیں کہ نہ فی الحال مومن تھیں نہ آئندہ مومن بننے والی تھیں۔ تو عذاب سے کیسے بچتیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ مظہر خلافِ آدم علیہ السلام ہے وہ فی الارض خلیفہ ہوئے اب یہ امت ساری زمین میں خلیفۃ اللہ ہے اس لئے جتنے خلفاء اس امت میں ہوئے اتنے کسی امت میں نہ ہوئے۔ خلافت ظاہری بادشاہوں حاکموں کو عطا ہوئی۔ خلافت باطنی حضرات اولیاء وعلماء دین کو بخشی گئی اس لئے ارشاد ہوا ثم جعلنا کم خلائف فی الارض بلکہ اپنے نفس کی زمین پر حکومت وخلافت ہر شخص کو عطا ہوئی۔ جیسے بادشاہ پر لازم ہے کہ رعایا میں عدل وانصاف کرے یوں ہی ہر شخص پر ضروری ہے کہ اپنے ظاہری اعضاء پر کنٹرول اور محاسبہ کرے۔

وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیَاتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ

اور جب تلاوت کی جاتی ہیں او پر ان کے آیتیں ہماری ظاہر تو کہتے ہیں وہ لوگ جو نہیں امید کرتے

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی ہیں تو وہ کہنے لگتے ہیں جنہیں ہم سے

www.alahazratnetwork.org

لِقَآءَنَا ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ اَوْ بَدِّلْهُ ۭ قُلْ مَا يَكُوْنُ

ملنے کی ہم سے کہ لائیے آپ قران علاوہ اس کے یا بدل دیجئے اس کو فرماؤ تم نہیں ہوتا

ملنے کی امید نہیں کہ اس کے سوا اور قرآن لے آیئے یا اس کو بدل دیجئے تم فرماؤ مجھے

لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَاۗئِ نَفْسِيْ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى

ہے میرے لیے یہ کہ بدل دوں اسے طرف سے ذات اپنی کے پیروی کرتا ہوں مگر اس

نہیں پہنچتا کہ میں اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی کا تابع ہوں جو میری طرف

اِلَيَّ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾

کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف تحقیق میں خوف کرتا ہوں اگر نافرمانی کروں اپنے رب کی عذاب سے بڑے دن کے

وحی ہوتی ہے میں اگر اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے دن کے عذاب سے ڈر ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں پچھلی کافر قوموں کا کفر۔ یہ بیان ہوا کہ انہوں نے اپنے نبیوں اپنی کتابوں کی اطاعت نہیں کی اب کفار مکہ کا ان سے بڑھ کر کفر بیان ہو رہا ہے کہ یہ حضور انور ﷺ کی اطاعت تو کیا کرتے خود حضور انور ﷺ کو اپنے مطالبات منوانے پر مجبور کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ قرآن ہی بدل دو اپنی تعلیم میں تبدیلی کر دو غرضکہ یہ کفار پچھلے کفار سے بدتر ہیں۔

دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ دنیاوی مصیبتیں غافلوں کو بدل دیتی ہیں کہ وہ ان میں پھنس کر رب کی طرف رجوع کرتے ہیں دعانا لجنبہ قاعدا او قائما گویا ان کی مصیبتوں کے حال کا ذکر ہے کہ مصیبت میں وہ خود بدل جاتے ہیں اور راحتوں میں بدل دینے کی کوشش کرتے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا وما کانوا لیومنوا وہ لوگ ایمان لانے والے تھے ہی نہیں اس لئے ہلاک کیے گئے۔

اب ارشاد ہے کہ ایسے ہی آپ ﷺ کے زمانہ کے بہت کفار ایمان لانے والے نہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ وہ لوگ خود اسلام۔ قرآن آپ ﷺ کے فرمان بدلوانے کی فکر میں ہیں ان کے مومن ہونے کی کیا امید ہے مگر چونکہ آپ ﷺ دنیا میں آچکے ہیں اس لئے ان پر ظاہری عذاب نہیں آتا۔

شان نزول: ایک بار مکہ معظمہ میں پانچ کافر حضور انور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عبداللہ ابن امیہ مخزومی۔ ولید بن مغیرہ۔ مکرز ابن حفص۔ عمرو ابن عبداللہ ابن ابی قیس عامری۔ عاص ابن عامر ابن ہشام۔ اور بولے حضور ﷺ اگر آپ

www.alahazratnetwork.org

ﷺ ہماری ایک بات مان لیں تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے اور آپ ﷺ کی ساری مانیں گے۔ فرمایا وہ کیا بات ہی بولے یہ موجودہ قرآن یا تو بالکل ختم کر دیں یا اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لائیں جس میں ہمارے بتوں کی برائی نہ ہو تعریف ہو۔ ہم کو ان کی عبادت کی صاف اجازت ہو وغیرہ اور یا اس قرآن میں ہماری مرضی کے مطابق کچھ ترمیم کر دیں کہ بتوں کی برائی کفار پر عتاب کی آیتیں اس میں سے نکال دیں تب ان کی تردید میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (تفسیر روح المعانی۔ تفسیر کبیر۔ تفسیر خازن وغیرہ)

تفسیر: واذا تتلی علیهم ایاتنا بینت ۔ چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اذا شرط تلاوت فرمانے والے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ علیھم کی ضمیر کفار مکہ کی طرف ہے آیات سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں جن کا تعلق عقائد اسلامیہ سے ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے اسلامی احکام کی آیات نہیں آئی تھیں۔ بینت سے مراد واضح الدلایت آیتیں جو اسلام کی حقانیت شرک و کفر کے تردید۔ قرآن مجید حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت واضح طور پر بتاتی ہیں کہ ہجرت سے پہلے اس قسم کی آیات آئی تھیں قال الذین لا یرجون لقاء نا یہ عبارت اذا کی جزا ہے۔ الذین (الخ) سے وہ ہی پانچ کافر مراد ہیں جنہوں نے تبدیلی قرآن کا مطالبہ کیا تھا۔ جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد سارے کفار مکہ ہوں کہ یہ پانچ آدمی ان سب کے نمائندہ بن کر آئے تھے ان کا قول ان تمام کا قول تھا۔ لا یرجون (الخ) فرما کر یہ بتایا کہ ان بدنصیبوں کو یہ کہنے کی جرأت اس لئے ہوئی کہ انہیں قیامت قائم ہونے رب کی بارگاہ میں پیش ہونے وہاں کے حساب و کتاب کا نہ یقین تھا نہ امید نہ خوف لہٰذا یہاں رجاء سے مراد یا یقین ہے یا خوف یا امید بہر حال وہ قیامت کے منکر تھے۔ اس لئے انہیں یہ کہنے کی جرأت ہوئی ان وجوہ سے ان کے لئے ضمیر نہ لائی گئی بلکہ اتنی دراز عبارت الذین لا یرجون لقاء نا ارشاد ہوئی ائت بقرآن غیر هذا او بدله۔ یہ عبارت قال کا مفعول ہے آیت میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس میں انہوں نے دو مطالبہ کئے ایک یہ کہ قرآن جو آپ ﷺ لوگوں کو سناتے ہیں اسے بالکل ختم کر دیں کہ اس کی نہ عبارت رہے نہ ترتیب نہ عقائد۔ وغیرہ اس کی جگہ دوسرا قرآن رب کے پاس سے لائیے جس میں شرک و بت پرستی کی اجازت ہمارے بتوں کی تعریف ہمیں بدعملیوں کی کھلی اجازت ہو۔ دوسرے یہ کہ اگر آپ ﷺ کو یہ مطالبہ منظور نہ ہو تو قرآن مجید اس کی عبارت یہ ہی رہے مگر اس میں ترمیم کر دی جائے کہ بتوں کی تذلیل کی آیتوں کی بجائے ان کی تعظیم کی بت پرستی کی تردید کی بجائے اس کی تائید کی آیتیں ہوں یعنی تبدیلی سے مراد تغیر ہے کہ یہودیوں عیسائیوں کے پادریوں کی طرح آپ ﷺ بھی قرآن میں تحریف کر دیں۔

خیال رہے: کہ وہ لوگ یا تو مذاق دل لگی کے طور پر یہ کہتے تھے کہ قرآن مجید کوئی اہم کتاب نہیں جیسا چاہا اسے بنا لیا یا جس طرح چاہا اس میں ترمیم کر دی۔ یا ان کا مقصد یہ تھا کہ ہم اولاً حضور انور ﷺ سے یہ کام کرا لیں پھر شور مچا دیں کہ دیکھو لو قرآن خدائی کتاب نہیں جیسا ہم نے چاہا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بنوا لیا یا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید نے ہم کو للکارا ہے اگر تم قرآن کو انسانی کتاب کہتے ہو تو ایک چھوٹی سی سورت اس جیسی بنا لاؤ تو وہ بولے کہ اچھا ہم تو اس جیسی کوئی سورت نہیں

www.alahazratnetwork.org

بنا سکتے یا رسول اللہ آپ ﷺ جب یہ سورتیں آیتیں بناتے رہتے ہیں تو ترمیم تبدیلی بھی کر دیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان مردوں کا مقصد یہ نہ تھا کہ آپ رب سے دعا کر کے اس کے بعض احکام بدلوا دیں۔ بعض آیات منسوخ کرا دیں یا آپ خود اپنے فرمان سے بحکم الٰہی بعض آیات بعض احکام منسوخ کر دیں کیونکہ ابھی تک قرآن مجید کا کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ ہجرت ہوا ہے یہ بات خوب خیال میں رہے لہذا اس آیت سے نہ تو مرزائی دلیل پکڑ سکتے ہیں کہ قرآن کی کوئی آیت کوئی حکم منسوخ نہیں نہ دیوبندی وہابی کہ حضور انور ﷺ کو رب کی طرف سے کسی قسم کا اختیار نہیں۔ حضور انور ﷺ رب کی طرف سے مختار مطلق ہیں۔ آپ ﷺ کی مرضی پر احکام قرآنیہ منسوخ ہوئے ہیں جیسے تبدیلی قبلہ اور بہت سے احکام قرآنیہ حدیث شریف سے منسوخ ہوئے اس کی تفصیل ہم تیسرے پارہ میں ما ننسخ من اية او ننسها کی تفسیر میں کر چکے ہیں غرضکہ نسخ احکام نسخ آیات اور چیز ہے اور ان مردودوں کا مطالبہ کچھ اور قل مایکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی۔ یہ فرمان عالی ان کے مطالبہ کی تردید ہے انہوں نے دو مطالبے کئے تردید ایک کی گئی یعنی میں اپنی طرف سے قرآن مجید میں ترمیم نہیں کر سکتا جب یہ نہیں کر سکتا تو پورے قرآن کو کیسے بدل سکتا ہوں ادنیٰ کی نفی سے اعلیٰ کی نفی خود بخود ہو گئی۔ (تفسیر بیضاوی۔ روح البیان وغیرہ) قل میں خطاب حضور انور ﷺ سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے یعنی اے محبوب آپ ﷺ ان کفار سے یہ فرما دو۔ یہ کلام مسلمانوں سے کرنے کا نہیں صحابہ کی خواہش پر احکام قرآنیہ منسوخ بھی ہو سکتے ہیں اور آیات قرآنیہ نازل بھی ہو سکتی ہیں۔ دیکھو حضرت عمر کی رائے پر مقام ابراہیم کو مصلیٰ بنانے۔ عورتوں پر پردہ واجب ہونے کی آیات آئیں ان کے واقعہ پر رمضان کی راتوں میں بیوی سے صحبت جائز ہوئی حضرت عائشہ صدیقہ کے ہار گم ہو جانے پر تیمم کی آیات آئیں۔ حضرت عبداللہ ابن مکتوم کی عرض پر آیت میں ترمیم کی گئی فرمایا گیا غیر اولی الضرو۔ حضرت خولہ بنت ثعلبہ زوجہ اوس ابن صامت کی عرض پر ظہار کی آیت آئی۔ یعنی طلاق کے الفاظ کو ظہار بنا دیا گیا۔ قد سمع الله قول النبی تجادلک (الخ) وغیرہ فقیر کی وہ تفسیر خیال میں رہے ما یکون لی۔ قل کا مقولہ ہے یکون کی خبر مھکنا یا لائق پوشیدہ ہے۔ یعنی یہ کام مجھ سے ممکن نہیں یا یہ کام میرے لائق نہیں مجھ سے اس کی امید نہ رکھو کہ تمہارے مطالبہ پر یہ کام ہو۔ ابدله من تلقاء نفسی یہ مایکون کا اسم ہے ہ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ تلقاء کے معنی ہیں۔ جہ یا عند پاس۔ یا طرف۔ عربی زبان میں صرف دو مصدر ایسے ہی ہیں جن کے اول میں ت مکسورہ ہے تلقاء اور تبیان (روح المعانی) من تلقاء نفسی فرما کر اشارۃً بتایا کہ میں اپنی رائے اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا ہاں بعض احکام رب تعالیٰ سے عرض کر کے بدلوا سکتا ہوں۔ جیسے قبلہ کی تبدیلی اور بعض احکام بذریعہ وحی خفی اور الہام بحکم پروردگار خود بھی بدل سکتا ہوں۔ جیسے غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی کی حرمت کا حکم کہ قرآن مجید میں اس کا ثبوت ہے حضور انور ﷺ نے اسے حرام فرمایا ان اتبع الا یوحی الی یہ فرمان عالی ما یکون لی ان ابدله کی وجہ بیان فرما رہا ہے یعنی اس کی وجہ یہ ہے کہ میں نہ تو اپنی ذاتی رائے کی پیروی کرتا ہوں نہ کسی اور کی رائے کی بلکہ اس کی پیروی کرتا ہوں جس کی مجھ پر وحی ہوتی ہے۔

خیال رہے: کہ یہاں اتبع القران نہیں فرمایا بلکہ اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی ما یوحی الی۔ کیونکہ حضور انور ﷺ

www.alahazratnetwork.org

کا کشف الہام۔ خواب وغیرہ بھی وحی الٰہی ہے۔ حضور انور ﷺ اس سب پر عمل فرماتے ہیں اور ہم سے عمل کراتے ہیں بلکہ اگر صحابہ کوئی خواب دیکھیں اور حضور انور ﷺ اس کی تصدیق فرمادیں وہ بھی ایک طرح کی وحی ہے جو حضور ﷺ پر ہوتی ہے جیسے اسلامی اذان انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۔ یہ فرمان عالی وجہ ہے ان اتبع (الخ) کی یعنی میں صرف وحی کی اتباع کرتا ہوں۔ اس لئے میرے دل میں اللہ تعالیٰ اس کے عذاب اور قیامت کے دن کا خوف اس فرمان عالی میں تین اشارے ہیں ایک یہ کہ جب میں سید الانبیاء ہوکر رب سے خوف کرتا ہوں کہ اس کی نافرمانی سے عذاب کا خطرہ مجھ کو بھی ہے تو تم کو یہ تو فضائل نہیں دیئے گئے تم بھی رب سے ڈرو۔ اس کی نافرمانی پر عذاب کا خطرہ محسوس کرو۔ دوسرے یہ کہ جب قرآن مجید کی آیتیں تبدیل کرنے پر عذاب کا خطرہ ہے تو اس کا مطالبہ کرنے پر بھی عذاب کا خطرہ ہے۔ کیونکہ برائی کرنا کرانا برائی کا مطالبہ کرنا سب جرم ہے۔ تیسرے یہ کہ اگر میں قرآن مجید تمہارے مطالبہ کے مطابق بدلوں تو سارے جہان پر عذاب آنے کا خطرہ ہے کہ میں دنیا کو عذاب سے بچانے آیا ہوں اگر بچانے والا خود مصیبت میں پڑ جاوے تو دوسرے ضرور پڑیں گے۔ اگر جہاز کا کپتان ہی ہلاک ہوجاوے تو جہاز کی غرقابی یقینی ہے۔ اس لئے عذاب یوم عظیم مطلق رکھا یہ نہ کہا کہ مجھ کو اپنے عذاب کا خوف ہے۔ بہر حال اس فرمان میں بہت اشارات ہیں۔

خیال رہے: کہ اس فرمان میں ناممکن کو ناممکن پر معلق کیا گیا نہ تو حضور انور ﷺ رب تعالیٰ کی نافرمانی کرسکتے ہیں نہ اس بنا پر عذاب آسکتا ہے حضور ﷺ کی نگاہ کرم جس پر ہوجاوے وہ گناہ اور عذاب سے بچ جاتا ہے قیامت کو یا تو اس لئے عظیم کہا گیا کہ وہ بہت بڑا دن ہے پچاس ہزار سال کا یا اس لئے کہ اس میں بڑے عظیم الشان کام ہوں گے یا اس لئے کہ اس دن حضور انور ﷺ کی عظیم شان دکھائی جاوے گی۔

خلاصہ تفسیر: جب کفار مکہ پر اللہ کی وحدانیت حضور انور ﷺ کی نبوت۔ اسلام و قرآن کی حقانیت بتوں کی بت پرستوں پر عذاب الٰہی کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں جو کہ ان مذکورہ چیزوں کی روشن دلیلیں ہیں تو وہ لوگ جو نہ قیامت کو مانیں نہ وہاں کے حساب و کتاب سزا و جزا کو حق جانیں وہ نہایت جرأت و بے باکی سے بجائے ایمان لانے کے الٹا آپ ﷺ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر آپ ہم کو مسلمان کرنا چاہتے ہیں تو اس قرآن کو جس میں ہمارے بتوں کی برائی ہے بالکل ختم کرکے رب تعالیٰ کے پاس سے دوسرا قرآن لائیں جو ہمارے لئے قابل قبول ہو اس میں وہ چیزیں ہوں جنہیں ہم پسند کریں۔ بتوں کی حقانیت وغیرہ یا کم از کم اس موجودہ قرآن میں تبدیلی کردیں۔ علماء یہود و نصاریٰ کی طرح ان کی یہ بکواس ہنسی دل لگی مذاق کے طور پر ہوتی ہے اے محبوب آپ ﷺ انہیں جواب دے دیں کہ دوسرا قرآن لانا تو بڑی بات ہے میرے لئے تو یہ بھی ناممکن ہے قرآنی آیات میں کچھ ترمیم اپنی رائے سے کروں یا اس میں اپنی طرف سے کاٹ چھانٹ کروں قرآن پھیلانے کے لئے آیا ہوں نہ کہ اسے بدلنے کے لئے۔ میں قرآن منوانے کے لئے تشریف لایا ہوں نہ کہ تمہاری ناجائز ماننے کے لئے۔ میں نہ اپنی رائے کی پیروی کرتا ہوں نہ کسی اور کی رائے کی۔ میں صرف وحی الٰہی کا پیروکار ہوں وحی خواہ قرآن مجید ہو یا میری خواب یا الہام و کشف وغیرہ اگر بفرض محال میں رب کی نافرمانی کروں تو مجھے بھی قیامت کے عذاب سے خطرہ ہے اور

www.alahazratnetwork.org

سارے جہان کو بھی یہ تبدیلی بڑا خطرناک کام ہے یونہی اس کا مطالبہ کرنا بھی خطرناک۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جن کفار کے ایمان سے مایوسی ہو انہیں بھی قرآن کریم سنایا جاوے انہیں بھی دعوت ایمان دی جاوے اگرچہ وہ ایمان نہ لائیں ہم کو تو تبلیغ کا ثواب ملے گا۔ لاعلاج بیمار کا علاج کرنے پر بھی طبیب کو فیس اور دواؤں کی قیمت مل جاتی ہے۔ یہ فائدہ واذا تتلی علیھم سے حاصل ہوا کہ علیھم سے مراد وہ کفار ہیں جو کفر پر مرنے والے ہیں جن کا دوزخی ہونا علم الٰہی میں آچکا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار کو پہلے توحید رسالت حشر نشر حساب و کتاب کی آیات ان کے دلائل سنائے جاویں ایمان لانے کے بعد انہیں نماز روزے کی آیات سنائی جاویں یہ فائدہ ایاتنا بینات۔ سے حاصل ہوا کہ آیات سے مراد عقائد کی آیتیں ہیں۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: تمام گناہوں بلکہ کفر و شرک کی وجہ قیامت کا انکار رب تعالیٰ سے بے خوفی ہے ساری جرأتیں بے خوفیاں اسی سے پیدا ہوتی ہیں یہ فائدہ الذین یرجون لقاء نا سے حاصل ہوا رب تعالیٰ اپنا خوف دے۔

چوتھا فائدہ: اسلامی احکام میں تبدیلی چاہنا انہیں اپنے رائے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنا بدترین کفار کا طریقہ۔ قرآن کے سانچہ میں تم ڈھلو قرآن کو اپنے سانچہ میں ڈھالو۔ یہ فائدہ ائت بقرآن غیر ھذا (الخ) سے حاصل ہوا۔ آج یہ بیماری بعض دنیوی پڑھے لکھے کلمہ گویوں میں پیدا ہوگئی ہے کہ ان کے بعض لوگ اسلامی احکام اپنی رائے کے مطابق کرنا چاہتے ہیں۔ جتنے فرقے اسلام میں نکل پڑے ہیں سب کی اصل بنیاد یہی ہے۔ مرزائیت چکڑالویت رفض و خوارج کی اصل بنا یہی بیماری ہے یہ بیماری بڑی پرانی ہے۔

پانچواں فائدہ: کسی کی ذاتی رائے سے قرآن مجید نہیں بدل سکتا۔ اگر ساری دنیا کے عاقل کر قرآن مجید کے کسی حکم کے خلاف رائے دیں تو ان کی رائے جھوٹی بلکہ کفر ہے۔ قرآن حکیم سچا پکا نہ بدلنے والا ہے یہ فائدہ ما یکون لی ان ابدلہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یوں ہی حضور انور ﷺ کے فرمان عالی کسی کی رائے سے نہیں بدل سکتے۔ وہ قرآنی آیات کی طرح اٹل اور انمٹ ہیں۔

مسئلہ: حضور انور ﷺ کا کلام قرآن مجید کی آیات کی تلاوت منسوخ نہیں کرسکتا۔ آیت قرآنی منسوخ التلاوت کسی آیت سے ہی ہو سکتی ہے وہ جو ارشاد نبوی ہے کلامی لا ینسخ کلام اللہ۔ اس کا یہی مطلب ہے۔

مسئلہ: نسخ کی چار صورتیں ہیں۔ نسخ قرآن قرآن سے۔ نسخ حدیث حدیث سے نسخ قرآن حدیث سے نسخ حدیث قرآن سے اس کی مفصل بحث تیسرے پارہ میں ماننسخ من آیت کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ مع دلائل قوی کے۔

چھٹا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کے مقابلہ میں اپنی رائے اور قرآن کو تبدیل نہیں فرما سکتے۔ یہ فائدہ من تلقاء نفسی سے حاصل ہوا۔ تبدیل اور نسخ میں بڑا فرق ہے خود فرماتے ہیں کلامی لا ینسخ کلام اللہ جو حدیث کسی

www.alahazratnetwork.org

آیت کی ناسخ ہےتو وہ حدیث بھی کلام الٰہی وحی الٰہی ہے وہاں وحی سے وحی اور کلام الٰہی سے کلام الٰہی منسوخ ہوتا ہے۔

ساتواں فائدہ: حضور انور ﷺ کا اجتہاد، قیاس، الہام۔ خواب شرعی فرمان سب وحی الٰہی ہیں ان سب کی اطاعت ایسے ہی ضروری ہے جیسے قرآن کی اطاعت یہ فائدہ ان اتبع الا ما یوحی الی سے حاصل ہوا۔ نماز وزکوۃ کا حکم قرآنی حکم ہے نماز میں پانچ ان کی رکعات۔ زکوۃ کی مقدار تفصیلی مسائل حضور انور ﷺ کا الہامی حکم ہے دونوں پر ایمان لاؤ۔

مسئلہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مشوروں پر عمل کرنا واجب نہیں اگر عمل کیا جائے تو اس میں بھلائی ہوگی۔ حکم اور مشورہ کا فرق خیال میں رہے یوں ہی قران مجید کے احکام پر عمل ضروری ہے اس کے مشوروں پر عمل واجب نہیں جیسے اے مسلمانو! جب قرض کا لین دین کرو تو لکھ لیا کرو۔ یہ ہے قرآنی مشورہ اس پر عمل واجب نہیں۔ بغیر لکھے قرض دینا بھی جائز ہے یہ فرق خیال میں رہے۔

آٹھواں فائدہ: قرآن مجید کی عبارت اس کے اعراب بلکہ طریقہ تلاوت سب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے ان میں تبدیلی درست نہیں۔ جو چیز جیسے حضور انور ﷺ سے منقول ہے ویسے ہی استعمال کرو۔ یہ فائدہ بھی ان اتبع الا یوحی الی سے حاصل ہوا۔ لہٰذا قرآن مجید کو اردو۔ ہندی انگریزی رسم الخط میں نہ لکھا جاوے۔ یوں ہی اسے گانے کے طریقہ پر نہ پڑھا جاوے کہ یہ وحی الٰہی کے خلاف ہے۔

نواں فائدہ: حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عذاب کا خوف نہ تھا نہ ہے نہ ہوگا۔ ان کی شان تو بہت اونچی ہے ان کے خدام حضرات اولیاء اللہ کو یہ خوف نہیں الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون یہ فائدہ انی اخاف ان عصیت ربی (الخ) سے حاصل ہوا کہ یہاں خوف عذاب کو نافرمانی رب پر معلق کیا گیا کہ اگر میں رب کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب کا خوف ہو نہ آپ ﷺ نافرمانی کرتے ہیں نہ خوف عذاب ہوتا ہے ہاں ان حضرات کو ہیبت الٰہی ساری مخلوق سے زیادہ ہے۔ جتنا ایمان قوی اتنا خوف بمعنی ہیبت زیادہ ہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں کفار مکہ کے دو مطالبے ذکر کیے گئے۔ کوئی دوسرا قرآن لائیے۔ یا اس کو بدل دیجئے ان دونوں میں فرق کیا ہے۔ قرآن کا بدلنا دوسرا قرآن بنانا ہی تو ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا از اول تا آخر سارا قرآن ہی دوسرا ہو یہ ہے پہلا مطالبہ یا قرآن یہ ہی رہے مگر جو آیات ہمارے منشا کے خلاف ہیں انہیں ہمارے مطلب کے موافق کو دی جاویں۔ یہ ہے تبدیلی قرآن یعنی تحریف۔

لطیفہ: انطاکیہ کا ایک شخص حضرت عمر کی خدمت میں آکر بولا کہ قرآن کریم نے ہم لوگوں کو بدنام کر دیا کہ فرمایا فابوا ان یضیفوھا انطاکیہ والوں نے حضرت خضر وموسیٰ علیہما السلام کو مہمان بنانے سے انکار کر دیا۔ اس سے ہمارا بخل کنجوسی دنیا میں مشہور ہو گیا۔ براہ مہربانی آپ ابوا کی ب کا نقطہ اوپر لگا دیں۔ جس سے اتو بن جاوے اور معنی یہ ہو جاویں کہ انطاکیہ والے ان دونوں کی مہمانی کا کھانا لائے یا انہیں مہمان بنانے کے لئے ان کے پاس آئے۔ اس شخص کو دربار فاروقی سے دھتکار دیا گیا یہ ہے تبدیلی قرآن۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: اہل مکہ نے حضور انور ﷺ سے دو مطالبے کئے دوسرا قرآن لانا۔ یہ ہی قرآن بدلنا ہے مگر ان کے ایک مطالبہ کی تردید کی گئی کہ میں قرآن بدل نہیں سکتا۔ دوسرے مطالبہ کی تردید کیوں نہ فرمائی گئی۔

جواب: اس تردید سے پہلے مطالبہ کی تردید پر زور طریقہ سے خود بخود ہوگئی کہ جب میں قرآن کی بعض آیات میں ادنیٰ تبدیلی نہیں کرسکتا تو پورے قرآن کو کیسے بدل سکتا ہوں۔

تیسرا اعتراض: یہاں من تلقاء نفسی کیوں فرمایا کہ میں اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ مطلقاً نہیں بدل سکتا فرمانا کافی ہوتا۔

جواب: قرآن کریم کی آیات کی تبدیلی کی بہت صورتیں ہیں بعض تبدیلیاں بالکل ناممکن ہیں جیسے توحید۔ رب کی صفات عقائد اسلامیہ کی آیات گذشتہ آئندہ واقعات کی آیات میں تبدیلی یہ ناممکن ہے کہ اس میں کفر و شرک یا جھوٹ کی اشاعت ہے۔ محکم احکام کی تبدیلی یہ بھی ناممکن ہے۔ رہے دوسرے احکام کی آیات ان کی تبدیلی یا نسخ ممکن ہی نہیں بلکہ واقع ہے مگر وہ تبدیلی محض حضور ﷺ کی ذاتی رائے سے نہیں ہوگی۔ بلکہ یا تو حضور انور ﷺ کی خواہش تبدیلی کی ہو تو رب تعالیٰ آپ ﷺ کی خواہش پر خود حکم بدل دے۔ جیسے تبدیلی قبلہ یا کسی صحابی کی عرض و معروض پر رب خود بدل دے۔ جیسے اولاً ارشاد ہوا کہ تمہارے ہر کھلے چھپے ظاہری یا باطنی حتی کہ ارادے خیال کا بھی حساب ہوگا یحاسبکم به الله حضرات صحابہ نے عرض کیا کہ خیالات تو قبضہ سے باہر ہیں اگر ان کا حساب ہوا تو بڑی مشکل بنے گی۔ اس عرض پر رب نے اس قانون کو یوں بدلا لا یکلف الله نفسا الا وسعها رب تعالیٰ کسی کو طاقت سے زیادہ کی تکلیف نہیں دیتا یعنی صرف خیال اور وسوسہ کا حساب نہ ہوگا۔ یوں ہی آیت کریمہ آئی کہ جہاد میں جانے والے اور جہاد سے رہ جانے والے برابر نہیں تو حضرت ابن مکتوم نے عرض کیا حضور ﷺ میں تو نابینا ہوں میں جہاد میں کیونکر جاؤں۔ ان کی اس عرض پر یوں تبدیلی ہوئی غیر اولی الضرر۔ بہر حال خود (ذاتی) رائے سے تبدیلی نہیں اگر ہے تو وحی خفی سے ہے۔

چوتھا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار نے قرآن مجید میں ترمیم کا مطالبہ کیا تو معذرت فرمائی بلکہ سختی سے انکار کر دیا۔ اور اس مطالبہ کو کفر قرار دیا۔ مگر حضرات صحابہ کی عرض پر یا ان کے پیش آئے ہوئے واقعات پر قرآن مجید میں نسخ ترمیم وغیرہ کی گئی حتی کہ بعض آیات احادیث سے منسوخ ہوئیں اس فرق کی کیا وجہ ہے۔

جواب: کفار کے یہ مطالبات بدنیتی، مذاق، ہنسی دل لگی پر مبنی تھے۔ حضرات صحابہ کی عرض معروض اخلاص سے ہوا کرتی تھیں۔ نیز کفار اصول دینی بدل دینے کا مطالبہ کرتے تھے۔ حضرات صحابہ میں یہ بات نہ تھی اس وجہ سے یہ فرق ہوا۔ دیکھو کفار نے مطالبہ کیا کہ زمین مکہ میں پانی کے چشمے باغات لگا دینے کا معجزہ دکھائیے تو فرمادیا گیا ہل کنت الا بشرا رسولا۔ مگر ایک جنگل میں صحابہ پیاسے ہوئے تو ان کے لئے انگلیوں سے چشمے بہا دیئے ایک پیالہ پانی سے سارا لشکر سیر کر دیا۔ یہ معجزہ ان کے مطالبہ سے زیادہ عجیب تھا کہ زمین سے پانی کے چشمے نکلا ہی کرتے ہیں مگر انگلیوں سے پانی کا چشمہ رواں ہونا بہت عجیب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف قرآن مجید کی اتباع کرتے ہیں۔ نہ حدیث کی نہ اجماعت امت کی نہ قیاس کی ان اتبع الا ما یوحی الی تو ہم کو بھی چاہئے کہ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے کسی اور چیز کی اتباع نہ کریں (چکڑالوی اور بعض غیر مقلد)

جواب: قرآن مجید حدیث شریف حضور انور ﷺ کا اجتہاد و قیاس بلکہ حضور ﷺ کے خواب بلکہ صحابہ کے وہ خواب جن کی حضور ﷺ تصدیق و تائید فرمادیں سب حضور ﷺ کی وحی الٰہی ہیں ان سب کی اتباع وحی الٰہی کی اتباع ہے اس لئے یہاں القرآن نہ فرمایا بلکہ ما یوحی الی فرمایا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ: کفار کے دل مردہ تھے اور نفس زندہ اس لئے ان کے دلوں میں نہ ذوق تھا نہ شوق۔ کیونکہ ذوق اور شوق زندہ دلوں میں ہوتے ہیں اس لئے وہ لوگ قرآن مجید کی وہ آیتیں ماننے کے لئے تیار نہیں ہوئے جو ان کے نفس کے خلاف تھیں اس لئے وہ مطالبہ کر بیٹھے کہ یارسول اللہ آپ ﷺ وہ آیات بدل کر ہمارے نفس کی خواہش کے مطابق کردیں تو ہم ایمان لائیں جیسے چہرے کی بعض علامات اندرونی بیماری کا پتہ دیتی ہے ایسے ہی بعض مطالبات دلی بیماری کی نشاندہی کرتے ہیں حضور انور ﷺ سے جواب حکیمانہ دلوایا گیا جس میں حضور کا اپنا ذکر ہے کہ میں یہ نہیں کرسکتا اگر کروں تو سخت عذاب کا خطرہ ہے مگر اس جواب میں ان کا حال بتادیا گیا کہ تم نے ایسے مطالبے کیے ان سے تم سخت عذاب کے مستحق ہوگئے۔ زندہ دل صحابہ کرام نے نیک نیتی سے اگر کبھی ایسا سوال کیا تو رب نے پورا کیا۔ شوق و ذوق کا سوال پورا کیا جاتا ہے بدنیتی کا سوال رد ہوتا ہے شوق وہ نعمت ہے جو مشکل تر کاموں کو بھی آسان کردیتا ہے (از تفسیر روح البیان) حضور انور ﷺ کا نفس فنا ہوچکا تھا۔ قلب ہی قلب تھا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ میں اپنے نفس سے کچھ تبدیلی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ میرے پاس نفس ہے ہی نہیں لہٰذا میرا ہر کام جنانی (دلی) اور وحی ربانی سے ہوتا ہے۔

قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ بِهٖ
فرماؤ اگر چاہتا اللہ تو میں نہ تلاوت کرتا اسے تم پر اور نہ مطلع کرتا تم کو اس پر
تم فرماؤ اگر اللہ چاہتا تو میں اسے تم پر نہ پڑھتا نہ وہ تم کو اس سے خبردار کرتا
فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۶﴾
پس بیشک ٹھہرا میں تم میں عمر بھر پہلے سے اس سے کیا پس تم عقل نہیں رکھتے
تو میں اس سے پہلے تم میں اپنی ایک عمر گزار چکا ہوں تو کیا تمہیں عقل نہیں
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ
پس کون ہے بڑا ظالم اس سے جو گھڑلے اللہ پر جھوٹ یا جھٹلائے آیتیں اس
تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیتیں جھٹلائے

www.alahazratnetwork.org

بِاٰیٰتِهٖ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۱۷﴾

کی	تحقیق	نہیں	کامیاب	ہوتے	جرم	والے
بے	شک	مجرموں	کا	بھلا	نہ	ہوگا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کے اس مطالبہ کی تردید فرمائی گئی کہ آپ ﷺ دوسرا قرآن لائیں یا اس قرآن میں ترمیم رو و بدل فرما دیں اب ارشاد ہے کہ میرا یہ قرآن مجید بھی تم کو سنانا اپنے رائے سے نہیں صرف رب تعالیٰ کے حکم سے ہے اگر وہ نہ چاہتا تو میں یہ قرآن مجید نہ سناتا گویا ان کے مطالبہ کی ایک تردید کے بعد دوسری اعلیٰ درجہ کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت ارشاد ہوا کہ میں صرف وحی الٰہی کی پیروی کرتا ہوں اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ میرا تم کو یہ قرآن سنانا اس کی طرف دعوت دینا یہ بھی وحی الٰہی سے ہے اگر اس کی وحی نہ ہوتی تو قرآن صرف میرے پاس رہتا۔ تم کو نہ سنایا جاتا گویا دعوے کے بعد اس کی دلیل کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ میں قرآن مجید اپنی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ من تلقاء نفسی اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اپنے نفس کی طرف سے نہیں بدل سکتا۔ کیونکہ نفس کی طرف سے وہ بدلے جس کا نفس باقی ہو میں اور میرا نفس فنا فی اللہ کے درجہ میں ہے کہ نہ میں ہوں نہ میرا نفس ہے۔ سب کچھ رضاء الٰہی میں راضی اسی کی فانی کا جو کام ہے وہ باقی کا ہے میرا موجودہ قرآن تمہیں سنانا رب کی طرف سے ہے۔

تفسیر: قل لو شاء اللہ ماتلوته علیکم ۔ اس فرمان عالی میں تلوتہ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف ہے اور علیکم میں خطاب یا عام کفار سے ہے یا مذکورہ مطالبہ کرنے والے کفار سے اس میں انہیں کو قرآن سنانے بتانے کی نفی ہے نہ کہ اپنے تلاوت کرنے یا اپنی قرآن دانی کی۔ یعنی اے محبوب آپ ﷺ ان مطالبہ والے کفار سے فرما دو کہ اگر رب چاہتا کہ میں اسرار قرآن کی طرح الفاظ قرآن بھی تم سے چھپاؤں صرف میں اکیلے میں یا مسلمانوں کے سامنے تلاوت کروں تو میں قرآن کسی کافر کو نہ سناتا یا تو صرف میں ہی پڑھتا یا صرف مسلمان کو ہی سناتا۔ چونکہ رب کا ارادہ ہے کہ الفاظ قرآن سورج کی شعاعوں کی طرح سارے مومنین کافرین تک پہنچائے جائیں اس لئے میں تم کو سناتا ہوں اور اس کی تلاوت علانیہ کرتا ہوں۔ اس فرمان کا منشا یہ نہیں کہ اگر رب چاہتا تو مجھے نبی نہ بناتا مجھے قرآن نہ سناتا نہ سکھاتا میں تو پہلے خود ہی بے علم تھا۔ مجھے جبریل نے قرآن سکھایا۔ یہ مطلب ما تلوته علیکم ۔ کے بالکل خلاف ہے۔ الفاظ قرآن کو رب نے سورج کی شعاعیں بنایا ہے اور حضور انور ﷺ کو سچا چمکتا دمکتا سورج۔ سورج سے شعاعیں نکل کر زمین کے چپے چپے پر پھیلتی ہیں اس زبان پاک سے قرآنی آیات نکل کر ہر دل و دماغ کان میں پہنچے ماننا نہ ماننا اس کا اپنا کام ہے غرضکہ الفاظ قرآن سمندر کے موتیوں کی طرح چھپانے کے لئے نہیں ہیں۔ پہنچانے اور پھیلانے کے لئے ہیں ولا ادراکم به یہ عبارت معطوف ہے ما تلوته علیکم پر

www.alahazratnetwork.org

ہماری قرأت ادرا ماضی واحد غائب ہے اور اس کا فاعل رب تعالیٰ ہے کم میں خطاب انہیں کفار سے ہے بہ میں ب یا زائدہ ہے یا سببیہ ہ سے مراد قرآن مجید ہے ادرا بسنا۔ ہے اور درایۃ سے بمعنی بتایا۔ سکھانا۔ یعنی اور نہ اللہ تعالیٰ کو قرآن کریم کا مطلب سکھاتا یا نہ اللہ تعالیٰ میری تلاوت کے ذریعہ تم کو قرآنی مطلب بتاتا۔ خیال رہے کہ یہاں بتانے سکھانے سے مراد حضور انور ﷺ کے واسطہ سے بتانا سکھانا ہے نہ کہ بلاواسطہ حضور ﷺ کے بغیر واسطہ کسی کو قرآن مجید کی کوئی نعمت نہیں ملتی نہ فرمان اور نہ فیضان ایک قرأۃ میں ادرا مضارع واحد متکلم ہے دری سے بنا۔ بمعنی دشمن بنالینا۔ یعنی اور نہ میں قرآن کریم کے ذریعہ تم کو اپنا دشمن بنالیتا۔ کیونکہ نزول قرآن سے پہلے تم میرے بڑے معتقد تھے مجھے صادق الوعد امین کے خطاب دیتے تھے۔ نزول قرآن کی وجہ سے تم میرے دشمن بنے۔ اگر رب کا ارادہ نہ ہوتا تو میں تم کو دشمن نہ بناتا۔ (روح المعانی۔ کبیر وغیرہ) فقد لبثت فیکم عمرا من قبلہ۔ اس فرمان عالی میں ف علت بیان کرنے کے لئے ہے اور یہ عبارت پچھلے مضمون کی دلیل ہے لبثت بنا ہے لبثت سے بمعنی قیام کرنا۔ ٹھہرنا نہ کہیں باہر سے آنا نہ کبھی باہر جا کر غائب رہنا۔ فیکم میں خطاب کفار مکہ خصوصاً ان مطالبہ والوں سے ہے عمراً بمعنی دراز مدت ہے یا عمر شریف کا بڑا حصہ ایک قرأۃ میں عمراً میم کے سکون سے ہے اس مدت سے مراد وہ چالیس سال کا زمانہ جو حضور انور ﷺ نے ظہور نبوت سے پہلے مکہ معظمہ میں گزارا جب کہ آپ ﷺ نے انہیں نہ قرآن سنایا نہ انہیں اسلام کی تبلیغ قولی فرمائی۔

خیال رہے: کہ عمر شریف تریسٹھ سال ہوئی۔ نبوت سے پہلے چالیس سال اور ظہور نبوت کے بعد تیرہ سال یعنی ترپن سال مکہ معظمہ میں قیام فرمایا اور دس سال بعد ہجرت یعنی اے مکہ والو میں نے ظہور نبوت سے عمر شریف کا بڑا حصہ۔ چالیس سال تم میں اس طرح گزارا کہ اس دوران میں مکہ معظمہ سے باہر کہیں قیام پذیر نہ رہا تاکہ تم کہتے کہ آپ ﷺ باہر جا کر علم سیکھ آئے خود مکہ معظمہ میں نہ کسی سے پڑھا نہ کسی سے کچھ سیکھا۔ نہ علماء کی صحبت اختیار کی۔ کیونکہ مکہ میں کوئی تھا ہی نہیں۔ اس مدت میں میں نے نہ کوئی آیت تم کو سنائی نہ تمہیں اسلام قبول کرنے اپنا امتی ہونے کا حکم دیا۔ اگر میں اپنی طرف سے تم کو قرآن سناتا تو اس دراز زمانہ میں سناتا۔ افلا تعقلون تم لوگ میرے ان حالات میں غور کیوں نہیں کرتے۔ تم بے عقل کیوں ہو گئے۔ غور کیوں نہیں کرتے۔ شعر۔

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست ۔۔۔ کتب خانہ چند ملت بہ شست

کہ حضرت عبداللہ کے یتیم جنہیں کسی عالم کی صحبت نہ ملی چالیس سال تک خاموش رہیں پھر اچانک ایسا فصیح و بلیغ غیب کی خبریں دینے والا قرآن سنانے لگیں۔ جس کے مقابلہ سے روئے زمین کے فصحاء یکدم عاجز ہو گئے۔ شعر۔

تیرے آگے یوں ہی لپے دبے فصحاء عرب کے بڑے بڑے ۔۔۔ کہ کوئی منہ میں زبان نہیں نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں

میرے ان صفات میں غور کرو اور قرآن مجید کو کلام الٰہی مان لو۔

فمن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا۔ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا کہ غور کرو میں نے ان چالیس سال میں کوئی برا کام نہیں کیا۔ حتی کہ بتوں کے نام کا ذبیحہ بھی نہ کھایا۔ ایسا پاکباز جو عمر بھر کبھی جھوٹ نہ بولے۔ کھیل

www.alahazratnetwork.org

تماشہ نہ دیکھے جو سراپا صدق وعدل ہو وہ اچانک سب سے بڑا گناہ کرنے لگے کہ اللہ پر جھوٹ باندھے اور آیات گڑھ کر انہیں رب تعالیٰ کا کلام کہے کیا اب ایسا پاکباز اتنا بڑا گناہ کر سکتا ہے سوچو اور غور کرو۔ او کذب بایاتہ ۔ یہ عبارت معطوف ہے افتری علی اللہ پر اور اس میں کفار مکہ پر عتاب ہے کہ جیسے خدا پر جھوٹ باندھنا پرلے درجہ کا گناہ ہے ایسے ہی خدا تعالیٰ کی سچی آیتوں کو جھٹلانا پرلے درجے کا جرم ہے انہ لا یفلح المجرمون اس میں ایک غیبی خبر ہے جس سے حضور انور ﷺ کی سچائی کفار کے جھوٹے ہونے کی خبر ہے یعنی ایسے جھوٹے مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اگلا زمانہ بتادے گا رب تعالیٰ دکھا دے گا کہ تم کامیاب رہو گے اور ایسا ہی ہوا جس کا ظہور آج خصوصاً سرزمین حجاز ہو رہا ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے غلط مطالبہ کرنے والو تم مجھ سے کہتے ہو کہ دوسرا قرآن لاؤ یا اس قرآن میں ترمیم کردو۔ میری شان یہ ہے کہ میں تم کو یہ قرآن بھی رب تعالیٰ کے حکم سے سناتا بتاتا ہوں یہ میرا رب میرے ذریعہ تم کو اس کے مضامین بتاتا اس کے ظاہر و باطل کی تبلیغ میں اسی رب کے ارادے رب کے حکم سے کر رہا ہوں۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ نبوت سے پہلے میں نے اپنی عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی چالیس سال تم میں رہ کر اس طرح گزارے ہیں کہ کبھی نہ تو مکہ معظمہ سے باہر رہا نہ خود کو مکہ معظمہ میں کسی عالم کی صحبت اختیار کی نہ میں نے تم کو قرآن سنایا نہ اسلام کی طرف بلایا۔ اگر مجھے جھوٹا قرآن گڑھنے کی عادت ہوتی تو اس دراز مدت میں کیوں نہ گڑھا کرتا اور تمہیں کیوں نہ سنایا کرتا۔ میرے حالات میں غور کیوں نہیں کرتے کچھ سمجھتے کیوں نہیں۔ جو ذات چالیس سال تک ایک آیت نہ سنائے پھر اچانک ایسا فصیح و بلیغ قرآن لائے اور اس سے پہلے کبھی اس نے جھوٹ نہ بولا ہو وہ رب پر کیسے بہتان باندھ سکتا ہے یہ تو میں نے اپنے متعلق گذشتہ زمانہ کے متعلق کہا۔ آئندہ کے لئے خیال رکھو کہ رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے والا بھی کامیاب نہیں ہوا کرتا اور رب کی آیات کو جھٹلانے والا بھی یہ لوگ ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ مجرم ہیں اور مجرم ناکام۔ اگلا وقت بتادے گا کہ میں ناکام رہتا ہوں یا تم انشاء اللہ میرا سورج چڑھتا رہے تم ہمیشہ ناکامی کا منہ دیکھتے رہو گے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول ہر فعل رب تعالیٰ کی طرف سے ہے حتی کہ قرآن پڑھنا پڑھانا لوگوں کو سنانا انہیں اسلام کی طرف دعوت دینا سب رب کی طرف سے ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعمال و اقوال اور اٹھنا بیٹھنا سب کچھ تبلیغ ہے یہ فائدہ لو شاء اللہ ماتلوتہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: منشاء الٰہی یہ ہے کہ ہر کافر مومن متقی و فاجر کو قرآن مجید سناؤ۔ رب کے احکام پہنچاؤ۔ حتی کہ اگر کسی کے کفر پر مرنے کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہو اس کا ایمان ناممکن ہو۔ اسے بھی تبلیغ کرو یہ فائدہ علیکم فرمانے سے حاصل ہوا کہ علیکم میں خطاب ان مطالبہ کرنے والے کفار سے ہے جو کافر مرنے والے تھے۔

تیسرا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہور نبوت سے پہلے احکام قرآنی سے خبردار بلکہ خود ان پر عامل تھے۔ ظہور نبوت اور نزول قرآن سے تبلیغ شروع فرمائی نہ کہ اپنا عمل اس لئے حضور ﷺ نے کبھی کوئی وہ کام نہیں کیا جو آگے چل کر اسلام میں حرام

www.alahazratnetwork.org

ہونے والا تھا۔ اور عرب میں اس کا عام رواج تھا۔ جیسے جوا شراب گانا بجانا وغیرہ۔ حتی کہ مردار اور حرام جانور کھانا۔ بتوں کی تعظیم وغیرہ اور حضور ﷺ پہلے سے ہی رب کے عابد، نمازی، معتکف تھے۔ حتی کہ پہلے وحی آنے پر حضور ﷺ چھ ماہ پہلے سے اعتکاف اور چلے کشی میں تھے۔ یہ فائدہ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حضور انور ﷺ کے اوصاف جمیلہ میں غور کرنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے۔ بلکہ عبادات کی جان۔ شعر۔

تیرے رستہ میں مرمٹنا شہادت اس کو کہتے ہیں — تیرے کوچہ میں ہونا دفن اس کو کہتے ہیں
ریاضت نام ہے تیری گلی میں آنے جانے کا — تصور میں تیرے رہنا عبادت اس کو کہتے ہیں
تجھی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا — حقیقت معرفت اہل طریقت اس کو کہتے ہیں

یہ فائدہ افلا تعقلون سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: بعض نبیوں کی نبوت کتاب اللہ سے ثابت ہوئی۔ حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام اس لئے نبی مانے گئے کہ وہ توریت وانجیل او معجزات والے تھے خود فرمایا انی عبد اللہ اتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ مگر قرآن کریم کی حقانیت اس کا کتاب الٰہی ہونا عام لوگوں کو حضور انور ﷺ کے ذریعہ معلوم ہوا۔ ہم جیسے بے علم لوگ یوں کہتے ہیں کہ قرآن اس لئے کتاب اللہ ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ یہ کتاب اللہ ہے یہ فائدہ بھی فقد لبثت فیکم سے اشارۃً حاصل ہوا۔ بہت کم وہ صحابہ ہیں جنہوں نے قرآن سے حضور کو پہچانا۔ جیسے حضرت عمر یا عمرو ابن عاص عام صحابہ اور عام مسلمان وہ ہیں جو انہیں دیکھ کر ان کا نام سن کر ایمان لائے پھر قرآن سے واقف ہوئے۔

جس نے دیکھا مر ہی گیا — تیرہ چہرہ انور ہے اعجاز
صلی اللہ علیہ وسلم — مالک عجم و عرب و حجاز

اسی لئے حضور انور ﷺ نے پہلی تبلیغ میں کفار کو پہلے اپنی پہچان کرائی کہ پوچھا کیف انا فیکم اور قرآن نے لوگوں کو رب کا واسطہ دے کر فرمایا کہ حضور ﷺ کے اوصاف میں غور کرو۔ قوموا للہ مثنی وفرادی ثم تتفکروا ما بہ من جنۃ خدا کے واسطے ایک ایک دو دو غور کرو۔ سوچو کہ ان محبوب میں جنون نہیں۔

چھٹا فائدہ: کفار کسی عبادت کے مکلف نہیں ان پر نماز روزہ وغیرہ فرض نہیں مگر حضور انور ﷺ کی ذات گرامی اوصاف حمیدہ عادات کریمہ میں غور کرنے کا انہیں بھی تاکیدی حکم ہے کہ یہ ذریعہ ایمان ہی یہ فائدہ بھی افلا تعقلون سے حاصل ہوا۔ بلکہ انسان کو عقل ہوش وحواس اس لئے ملے ہیں کہ ان سے حضور ﷺ کو پہچانے اور حضور کے ذریعہ رب کو قرآن کو مانے۔

ساتواں فائدہ: تجربہ ہے کہ جھوٹا مدعی نبوت کبھی کامیاب نہیں ہوتا۔ اس کا انجام خراب ہی ہوتا ہے یہ فائدہ لا یفلح المجرمون سے حاصل ہوا۔ چنانچہ عرب میں مسیلمہ کذاب کا اور ہمارے ملک میں مرزا قادیانی کا عبرتناک انجام سب کو معلوم ہے کہ ہر بات ہر خبر میں جھوٹے ہوئے۔ پھر لعنت وپھٹکار کی موت مر کر جہنم میں پہنچے۔

آٹھواں فائدہ: نبی کے دشمن آخرکار ذلیل وخوار ہوتے ہیں ان کے غلام آخرکار سرخ رو ہوتے ہیں یہ فائدہ او کذاب

www.alahazratnetwork.org

بایاتہ۔ سے حاصل ہوا کہ ان کے متعلق ارشاد ہوا انہ لایفلح المجرمون مجرم لوگ کامیاب نہیں ہوتے۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تلاوت قرآن اور درایت قرآن دو چیزوں کا ذکر ہے مگر تلاوت کو نسبت فرمایا گیا حضور انور ﷺ کی طرف ماتلوتہ علیکم اور درایۃ کو یعنی علم قرآن کو نسبت فرمایا گیا رب تعالیٰ کی طرف ولا ادراکم اس فرق میں بیان کی کیا وجہ ہے۔ دونوں کو ایک ہی طریقہ سے بیان کیوں نہ کیا گیا۔ یہ دونوں صیغہ متکلم کے ہوتے یا دونوں واحد غائب کے۔

جواب: رب تعالیٰ اپنے راز خود ہی جانتا ہے یا اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم بظاہر فرق یہ معلوم ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن ہمیشہ حضور انور کی زبان فیض ترجمان سے ہوتی تھی مگر تعلیم قرآن کبھی زبان شریف سے کبھی رموز واشارات سے کبھی عمل مبارک سے اور کبھی نگاہ کرم سے۔ اس لئے تلاوت کو صراحۃً حضور انور ﷺ کی طرف نسبت کیا گیا اور درایت قرآن یعنی علم قرآن کو رب تعالیٰ کی طرف اگرچہ وہ بھی حضور انور ﷺ کے واسطے سے ہی ہے مگر دونوں واسطوں میں فرق ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہے۔ فقد لبثت فیکم عمرا (الخ) کیا حضور انور ﷺ نے چالیس سال تک بالکل تبلیغ نہیں کی بعض تو حضور انور ﷺ کے بچپن شریف میں ہی آپ پر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب کیا وہ بغیر تبلیغ ایمان لائے اور ورقہ ابن نوفل اعلان نبوت سے پہلے ایمان لائے۔

جواب: حضور انور ﷺ کا ہر حال ہر وصف مبلغ ہے۔ ولادت شریف سے ہی آپ ﷺ کی عملی وصفی تبلیغ شروع ہوگئی تھی۔ مگر قولی تبلیغ اور باقاعدہ دعوت اسلام اس آیت کے نزول سے شروع ہوئی۔ وانذر عشیرتک الاقربین یاایھا المدثر قم فانذر سے اس حکم کے بعد جو لوگ ایمان لائے وہ شرعی مسلمان۔ اور حضور انور ﷺ کے امتی ہوئے اس سے پہلے کے مومنین کا یہ درجہ نہ تھا اس لئے بحیرہ راہب اور ورقہ بن نوفل صحابی نہیں کہ انہوں نے شرعی ایمان سے حضور انور ﷺ کو بحیثیت نبی نہیں دیکھا اس وجہ سے اول مومنین حضرت ابوبکر صدیق، حضرت خدیجہ، حضرت علی ہیں۔ بحیرہ یا ورقہ اول مومنین نہیں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ پر جھوٹ باندھے یا اس کی آیات جھٹلائے مگر دوسری آیت سے معلوم ہے کہ بڑا ظالم مشرک ہے ان الشرک لظلم عظیم آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: شرک بھی اللہ پر جھوٹ باندھنا اور آیات الٰہیہ کو جھٹلانا ہے وہ خاص ہے یہ عام۔

تفسیر صوفیانہ: حضور انور ﷺ کی روحانی تبلیغ عالم ارواح میں ازل سے قائم ہے کہ تمام انبیاء اولیاء اس عالم میں حضور ﷺ سے سیکھ کر سب کچھ بنے امام بوصیری فرماتے ہیں۔ شعر۔

فانک شمس فضل ھم کواکبھا یظھرون انوارھا للناس فی الظلم

حضور ﷺ کمال کے سورج ہیں سارے نبی تارے حضور ﷺ کا فیض لوگوں تک پہنچاتے ہیں عالم اجسام میں حضور ﷺ کو باطنی تبلیغ ولادت پاک سے شروع ہوئی۔ قولی تبلیغ وحی سے شروع ہوئی اور تاقیامت جاری رہے گی۔ علماء اولیاء

www.alahazratnetwork.org

صالحین حضور ﷺ کے آستانہ عالیہ کے چاکر بلکہ آپ ﷺ کے نائب ہو کر حضور ﷺ کی طرف سے تبلیغ کرتے رہیں گے حتیٰ کہ موذن جو پانچ وقت نماز کی طرف مسلمانوں کو بلاتا ہے وہ بلاوا بھی حضور انور ﷺ کا حکم ہے موذن ان کا نائب ہو کر دعوت نماز دیتا ہے۔ جیسے دن اور رات دونوں وقت روشنی سورج ہی کی ہوتی ہے اور ظہر و عصر بھی سورج سے بنتی ہے اور مغرب عشاء فجر بھی سورج ہی کا فیض ہے۔ یوں ہی حضور ﷺ کی ظاہری موجودگی میں بھی حضور ﷺ کے فیض جاری تھے اور تشریف آوری سے پہلے اور پردہ فرمانے کے بعد ابدالآباد تک حضور ﷺ ہی کا فیض رہے گا صوفیاء فرماتے ہیں کہ رب پر جھوٹ گڑھنے والے، نفس کی قید سے ھوی کے حجاب بعد یعنی دوری کے عذاب۔ نفس کے دوزخ سے کبھی رہائی نہیں پا سکتے تین خصلتوں میں نجات ہے۔ وہ اسلام جو ظلم سے خالص ہو۔ حلال غذا، اعمال میں سچائی، اور تین جھوٹ بدترین ہیں۔ جھوٹا خواب بیان کرنا، اپنے نسب میں جھوٹ بولنا یعنی اپنے ماں باپ کو جھوٹے قرار دینا اور اللہ رسول پر جھوٹ بولنا کہ غلط مسائل ان کی طرف نسبت کرنا۔ قرآن مجید کے احکام سورج کی شعاعوں کی طرح سب میں عام ہیں قرآن کے اسرار سمندر کے موتیوں کی طرح خاص خاص سینوں میں ہیں۔ احکام کے متعلق یہاں ارشاد ہوا لو شاء اللہ ماتلوتہ (الخ)

وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ
اور عبادت کرتے وہ اللہ کے سوا ان چیزوں کی جو نہ نقصان دیں ان کو اور نہ نفع دیں
اور اللہ کے سوا ایسی چیز کو پوجتے ہیں جو ان کا بھلا نہ کرے اور کہتے ہیں
وَيَقُولُونَ هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ اَتُنَبِّئُونَ
ان کو اور کہتے ہیں کہ یہ چیزیں شفاعت کرنے والی ہیں ہماری نزدیک اللہ کے فرماؤ تم کیا
کہ اللہ کے یہاں ہمارے سفارشی ہیں تم فرماؤ کہ اللہ کو
اللّٰهَ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ سُبْحٰنَهٗ
خبر دیتے ہو تم لوگ اللہ کو اس چیز کی جو نہیں جانتا وہ آسمانوں میں اور زمین میں پاک ہے وہ
وہ بتاتے ہو جو نہ اس کے علم میں نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اسے
وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۱۸﴾
اور بلند تر ہے اس سے جو شرک کرتے ہیں وہ
پاکی اور برتری ہے ان کے شرک سے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار عرب کی ان بے ادبیوں بے دینوں کا ذکر ہوا جو قرآن کریم اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کرتے ہیں۔ یعنی یہ قرآن ختم ہو جائے دوسرا قرآن آئے یا آپ ﷺ اس قرآن میں ترمیم کریں اب ان کی اس بے ادبی کا ذکر ہے جو وہ ذات باری تعالیٰ کے متعلق کرتے تھے یعنی اس کی عبادت چھوڑ کر بتوں کی عبادت کرنا انہیں شفیع جاننا تا کہ حضور انور ﷺ کے دل کو تسکین ہو کہ جب یہ بارگاہ الٰہی کے ایسے گستاخ ہیں تو ان سے ہماری گستاخی کیا بعید ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ مجرم کبھی کامیاب نہیں ہوتے ہمیشہ ناکام ہی رہتے ہیں اب اس کا آنکھوں دیکھا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ دیکھو کفار عرب حضور انور ﷺ اور قرآن کریم کے منکر ہیں یہ دونوں آیات الٰہیہ ہیں۔ اس جرم کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ تک نہ پہنچ سکے اس کے متعلق ٹھوکریں ہی کھاتے ہیں کہ نبی کو چھوڑا تو بتوں سے رشتہ جوڑا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار عرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں غور نہیں کرتے **فقد لبثت فیکم عمراً**۔ اب ارشاد ہے کہ وہ رب تعالیٰ کی قدرتوں رحمتوں میں بھی غور نہیں کرتے اس لئے ٹھوکریں کھاتے ہیں رب کی ذات وصفات میں غور یہ ہے کہ حضور ﷺ کی صفات میں غور کیا جاوے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے اب اس بڑے ظالم کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ وہ مشرکین ہیں جو کہتے ہیں کہ رب نے بتوں کو ہمارا شفیع بنایا ہے۔

شان نزول: ابن ابی حاتم نے حضرت عکرمہ سے روایت کی کہ ایک بار نضر ابن حارث نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا تھا کہ قیامت میں میری شفاعت لات وعزیٰ کریں گے۔ اس کی تردید میں یہ آیت کریمہ اتری۔ (روح المعانی)

خیال رہے: کہ لات طائف والوں کا خصوصی بت تھا اور منات عزیٰ ہبل اساف نائلہ مکہ والوں کے خصوصی بت تھے۔ (روح المعانی) سارے مشرکین کہتے تھے کہ بت ہمارے شفیع ہیں اور ان کی شفاعت دھونس کی مانتے تھے۔

تفسیر: **ویعبدون من دون الله** ۔ یہ فرمان عالی یا تو معطوف ہے۔ **واذا تتلى** (الخ) پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ دنیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ ہے۔ عبادت کے معنی اس کے اقسام جانی عبادت قربانی مالی عبادت صدقہ وخیرات بدنی عبادت سجدے وغیرہ اور **من دون الله** کے بہت سے معانی پہلے بارہا بیان ہو چکے کہ دون کے معنی۔ الگ، دوڑ، کٹا ہوا، مقابل، سواء، علاوہ ہیں جب یہ لفظ عبادت کے ساتھ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں سواء کہ عبادت اللہ کے سواء کسی کی ہو شرک ہے اور اگر یہ لفظ مدد وغیرہ کے بعد ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مقابل تا کہ آیت میں تعارض نہ ہو۔ یہاں دون اللہ چونکہ عبادت کے ساتھ ہے لہٰذا یہاں اس کے معنی سواء ہیں اور سواء سے مراد مشرکین کے آسمانی یا زمینی بت ہیں آسمانی بتوں میں چاند تارے سورج اور زمینی بتوں میں درخت پانی اور پتھر لکڑی کے تراشے ہوئے بت یا وہ لوگ ہیں جن کے نام کے یہ بت تھے۔ اس میں انبیاء کرام داخل نہیں کیونکہ مشرکین عرب کسی نبی کو نہیں پوجتے تھے نبی کے پجاری عیسائی یا یہود ہیں وہ مکہ معظمہ میں تھے نہیں وہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہم السلام کو اپنا مورث اعلیٰ تو کہتے تھے ان کی اولاد ہونے پر فخر کرتے تھے مگر انہیں اللہ کے سواء معبود نہیں مانتے تھے اس لئے ارشاد ہے۔ **مالا یضرهم ولا ینفعهم** ۔ یہ عبارت **یعبدون** کا مفعول ہے ما غیر عاقل چیز کی لئے آتا

www.alahazratnetwork.org

ہے چاند سورج تارے اینٹ پتھر درخت وغیرہ۔ ضرر سے مراد عبادت نہ کرنے کا نقصان ہے یعنی سزا اور نفع سے مراد عبادت کرنے کا نفع ہے یعنی ثواب ورنہ چاند سورج وغیرہ یوں ہی لکڑی پتھروں سے بہت نفع لیتے ہیں اور کبھی نقصان بھی۔ بعض روایات میں ہے کہ مکہ معظمہ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام کے نام کے بہت بھی تھے۔ جن کے ہاتھوں میں فال کھولنے کے تیر تھے اور ظاہر ہے کہ وہ پتھر اور خود حضرات انبیاء کرام معبودیت کا نفع نقصان نہیں دے سکتے۔ لہٰذا یہ فرمان عالی بالکل بے غبار ہے یہاں تک تو ان مشرکین کی بدعملی کا ذکر ہوا۔ ویقولون ھولاء شفعاء نا عنداللہ۔ یہ عبارت معطوف ہے یعبدون پر اور واؤ عاطفہ ہے یا یہ عبارت یعبدون کے فاعل کا حال ہے اور واؤ حالیہ قول سے مراد یا تو ان کا زبانی قول ہے یا دلی قول یعنی عقیدہ۔ ھولاء سے اشارہ انہیں جھوٹے معبودوں کی طرف ہے۔ شفعاء جمع ہے شفیع کی یعنی سفارشی شفاعت کے معانی اس کے اقسام ہم تیسرے پارے میں آیۃ الکرسی کی تفسیر من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں شفاعت سے مراد دنیاوی کاموں میں شفاعت کرنا ہے۔ کیونکہ عام مشرکین عرب قیامت کے قائل نہ تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ آج ان کا یہ کہنا مسلمانوں پر طعن کے طریقے سے ہو کہ اگر بالفرض قیامت قائم ہو بھی تو ہمارے بت ہماری سفارش کر کے ہمیں خدا کے عذاب سے بچالیں گے ان کی پوجا ہماری نجات کا باعث بن جاوے گی اور ہو سکتا ہے کہ بعض مشرکین قیامت کے قائل ہوں وہ یہ کہتے ہیں۔

خیال رہے: کہ عموماً مشرکین صرف بتوں کو پوجتے ہیں رب تعالیٰ کو مطلقاً نہیں پوجتے وہ کہتے تھے اور کہتے ہیں کہ رب کریم اعلیٰ سے اعلیٰ ہے ہم ان سے ادنیٰ ہم اس کی عبادت کے لائق نہیں ہم تو صرف ان معبودوں کی عبادت کریں گے جو بڑے خدا کے بندے بھی ہیں اور اس کے شریک بھی (تفسیر خازن) یہ بھی خیال رہے کہ مشرکین اپنے بتوں کے متعلق دھونس اور دباؤ کی شفاعت مانتے تھے۔ کہ چونکہ ہمارے معبود ہی رب تعالیٰ کا کام چلا رہے ہیں رب ان کے بغیر دنیا کو نہیں سنبھال سکتا اس لئے رب کو دب کر ان کی شفاعت ماننی پڑتی ہے کہ اگر یہ اس سے ناراض ہو کر ہڑتال کر دیں تو دنیا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔ وہ شفاعت بالجبر شفاعت بالوجاہت جو شفاعت بالاذن ہے اس کے قائل نہ تھے مشرکین کے عقیدہ شفاعت اور مسلمانوں کے عقیدے شفاعت میں تین طرح کا فرق ہے مومنین محبوبان خدا کی شفاعت مانتے ہیں کفار مردودین کی۔

شفاعت بالجبر [illegible] شفاعت بالاذن

www.alahazratnetwork.org

تو نہیں دوسرے عالم میں ہو سکتے ہیں۔ سبحانہ و تعالیٰ عما یشرکون۔ اس فرمان عالی میں مذکورہ بت پرستوں کی پرزور تردید ہے۔ ان کے شرک سے مراد ان کا بتوں کی پرستش کرنا ہے اور انہیں اپنا دھونس کا سفارش ماننا۔ یہ دونوں باتیں شرک ہیں۔ عما میں ما یا تو مصدر یہ ہے یا موصولہ یعنی رب تعالیٰ ان کی اس جھوٹی عبادت سے جو شرک ہے پاک و برتر ہے یا رب تعالیٰ ان بتوں سے پاک اور بلند بالا ہے جنہیں وہ خدا تعالیٰ کا شریک مانتے ہیں۔ (روح المعانی)

خلاصہ تفسیر: اے محبوب یہ ایسے مطالبے کرنے والے کفار ایسے بے وقوف ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ان بے عقل بے جان چیزوں کی عبادت کرتے ہیں جن کی عبادت کچھ فائدہ نہیں دیتی بلکہ مضر ہے اور ان کی عبادت نہ کرنا نقصان دہ نہیں بلکہ مفید ہے۔ ایسی بے فائدہ اور بے ضرر چیزوں کو پوجنا جن سے یہ خود بہتر ہیں۔ کتنی بڑی حماقت ہے۔ پھر طرہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ بت بارگاہ الٰہی میں ہماری سفارشی اور شفیع ہیں کہ جب ہم پر کوئی مصیبت آ جاوے تو یہ رب سے ہماری سفارش کر کے وہ مصیبت ٹال دیتے ہیں اور ہمارے اٹکے ہوئے کام بنوا دیتے ہیں رب کو ان کی بات ماننا پڑتی ہے ان بے وقوفوں سے فرماؤ کہ کیا تم وہ بات بتاتے ہو جو اسے معلوم نہیں۔ رب کے علم میں تمہاری سفارشی نہ آسمانوں میں ہے نہ زمین میں اور جو چیز اس کے علم نہیں وہ واقعہ میں ہی نہیں ہوتی اگر واقعہ میں ہوتی تو رب اسے ضرور جانتا کہ وہ علام الغیوب ہے۔ تمہارے یہ عقیدے محض شرک ہیں رب تعالیٰ شرک سے پاک ہے وہ بے عیب ہے۔

بت پرستی کی ابتداء: بت پرستی کی ابتداء قوم نوح علیہ السلام سے ہوئی کہ ان میں پانچ نیک آدمی تھے۔ ود۔ سواع۔ یغوث یعوق۔ نسر۔ لوگوں کو ان سے بڑی محبت تھی کہ ود فوت ہو گیا۔ جس پر قوم بہت غمگین ہوئی۔ حتی کہ بہت لوگ اس کی قبر پر جا بیٹھے۔ یہ واقعہ شہر بابل میں ہوا۔ جو کوفہ کے پاس تھا۔ ان لوگون کے پاس ابلیس شکل انسانی میں آیا اور بولا کہ میں تمہارے لئے ود کی تصویر بنائے دیتا ہوں کہ تم اسے دیکھ کر ود کو یاد کر لیا کرو۔ لوگ بولے ہاں ضرور اس نے یہی کیا اور لوگ اس تصویر کے آس پاس جمع ہو گئے پھر باری باری سواع۔ یغوث وغیرہ چار آدمی بھی فوت ہوئے ابلیس ان کی تصویریں بنا بنا کر ان لوگوں کو دیتا رہا۔ ان تصویروں کے وہ نام رکھے گئے جو ان پانچوں صالحین کے تھے۔ اس زمانہ میں تو اتنا ہی ہوا۔ جب یہ لوگ ختم ہوئے ان کی اولاد کا زمانہ آیا تو ابلیس ان سے بولا کہ تمہارے باپ دادے ان تصویروں کو پوجتے تھے یہ لوگ تصاویر کے پجاری بن گئے انہیں نوح علیہ السلام نے تبلیغ کی مگر ان لوگوں نے آپ کی بات نہ مانی۔ حتی کہ طوفان نوحی آیا اور یہ تصاویر پانی میں بہہ کر جدہ پہنچ گئیں۔ عرب میں بت پرستی لانے پھیلانے والا عمرو ابن لحی تھا۔ یہ شام کے علاقہ میں گیا۔ وہاں بت پرست دیکھے ان سے ایک بت عقیق کا لایا جسے ھبل کہتے تھے۔ وہ کعبہ معظمہ میں رکھا۔ اس کی پرستش شروع کر دی اس عمرو نے بحیرہ۔ سائبہ۔ حام وصیلہ جانور بتوں کے نام پر چھوڑنے کا رواج عرب میں ڈالا) (تفسیر روح البیان)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: غیر خدا کسی کی عبادت شرک ہے۔ عبادت کے لائق وہ ذات واحد ہے یہ فائدہ ویعبدون من دون اللہ میں من دون فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس حکم میں نبی ولی اور غیر نبی میں کوئی فرق نہیں۔ عبادت۔ تعظیم اور اطاعت کا فرق

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے۔

دوسرا فائدہ: اللہ کے سوا بڑی سے بڑی مخلوق کی عبادت نفع نقصان نہیں دے سکتی کہ اپنی عبادت پر ثواب اور عبادت نہ کرنے پر عذاب یہ فائدہ مالا یضرھم (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: عام مشرکین اپنے معبودوں کو عالم کا خالق۔ رازق۔ موت وزندگی کا مالک نہیں مانتے تھے بلکہ انہیں کدا رسی کا ذریعہ اور اپنا سفارشی حمایتی مانتے تھے۔ دوسری جگہ ان کا قول قرآن کریم نے یہ نقل فرمایا۔ مانعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی یہ فائدہ ھولاء شفعاء نا سے حاصل ہوا۔ ہاں ان میں بعض دہریئے تھے جو رب کی ذات کے انکاری تھے۔ وما یھلکنا الا الدھر ۔ بعض لوگ دو خالق مانتے تھے۔ خالق خیر کو یزداں کہتے تھے خالق شر کو ہرمن مگر عام مشرکین ایک ہی خدا کو مانتے تھے بتوں کو خدا رساں۔

چوتھا فائدہ: مقبول بندوں کی شفاعت بالاذن مومنوں کے لئے برحق ہے اس پر ایمان لانا ضروری ہے۔ فرماتا ہے من ذالذی یشفع عندہ الا باذنہ اس شفاعت کی اور بہت آیتیں ہیں۔ دیکھو ہماری کتاب فہرست القرآن۔ یہ فائدہ ھولاء شفعاء نا میں ھولاء سے حاصل ہوا کہ ھولاء سے اسارہ بتوں کی طرف ہے۔

پانچواں فائدہ: کسی شفیع کی پرستش کرنا یا کسی کی شفاعت جبر اور دھونس والی ماننا شرک ہے۔ یہ فائدہ شفعاء نا (الخ) سے حاصل ہوا کہ شفاعت سے ان کی دھونس والی شفاعت تھی۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن اور تفسیر میں اور آیۃ الکرسی کی تفسیر میں دیکھو۔ رب کی بارگاہ میں جو بھی شفاعت کرے گا۔ محبت یا وجاہت کی شفاعت جو کہ شفاعت بالاذن کی قسمیں ہیں کرے گا بلکہ شفاعت بالاذن پر قیامت کے حساب وکتاب کا افتتاح ہوگا۔ شعر۔

گرتے ہوؤں کو مژدہ سجدے میں گرے موئ ۔۔۔ رو رو کے شفاعت کی تمہید اوٹھائی ہے

چھٹا فائدہ: غیر واقعی خبر رب کو معلوم نہیں کہ یہ علم نہیں جہالت ہے۔ رب تعالیٰ ایسے علم سے پاک ہے۔ یہ فائدہ لا یعلم فی السموات ولا فی الارض۔ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں بتوں کے متعلق ارشاد ہوا کہ وہ نہ نفع دیں نہ نقصان حالانکہ بت سے نفع نقصان ہوتا ہے لکڑی پتھر زخمی کر دیتے ہیں ان سے بہت کام چلتے ہیں یوں ہی چاند سورج وغیرہ سے بڑے نفع ہیں پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہاں نفع نقصان سے مراد عبادات کا نفع نقصان ہے کہ اپنے عابدوں کو ثواب دیں۔ عبادت نہ کرنے والوں کو عذاب دیں۔ یہ صرف رب تعالیٰ معبود حقیقی کی شان ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ مشرکین رب تعالیٰ کی واحدنیت کے قائل تھے۔ اپنے معبودوں کو خدا نہیں مانتے تھے۔ بلکہ خدا رسی کا ذریعہ مانتے تھے پھر وہ مشرک کیوں تھے وسیلہ تو مسلمان بھی مانتے ہیں۔ یہ نبیوں ولیوں کو خدا رسی کا وسیلہ سمجھے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: وہ بتوں کو وسیلہ مانتے تھے اور بت مردود تھے مسلمان حضرات انبیاء اولیاء کو وسیلہ مانتے ہیں جو محبوبین ہیں لہٰذا وہ مشرک ہوئے یہ مومن جیسے مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں۔آب زمزم کی تعظیم واحترام کرتے ہیں۔مکہ معظمہ کا احترام کرتے ہیں مومن ہیں اور کفار پتھر کے بت کی طرف سجدے کرتے ہیں۔گنگا کی تعظیم کرتے ہیں متھرا دوار کا احترام کرتے ہیں وہ کافر ہیں۔وسیلہ وسیلہ میں فرق ہے۔نیز مومن نبیوں ولیوں کو صرف وسیلہ مانتے ہیں انہیں معبود نہیں جانتے نہ ان کی عبادت کرتے ہیں کفار ان بتوں کو وسیلہ مان کر انہیں معبود جانتے انہیں پوجتے ہیں۔دیکھو ارشاد ہے یعبدون من دون اللہ یہ فرق خیال میں رہے رب فرماتا ہے۔وابتغوا الیہ الوسیلہ بارگاہ الٰہی کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔اور فرماتا ہے ولو انہم اذ ظلموا انفسھم جاء وک۔جو اپنی جان پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجائے تو رب کو تواب رحیم پائے گا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے پتہ لگا کہ کسی کو رب کی بارگاہ میں شفیع ماننا شرک ہے۔دیکھو یہاں کفار کا یہ قول نقل فرمایا۔ھولاء شفعاء نا پھر فرمایا وتعالی عما یشرکون کسی کو شفیع ماننا شرک ہے۔مسلمان بھی نبیوں ولیوں کو اپنا شفیع سفارشی مانتے ہیں لہٰذا مشرک ہیں (اسماعیل دہلوی وہابی)

جواب: مسلمان ان محبوبوں کو شفیع مانتے ہیں جو واقعی شفیع ہیں کفار ان بتوں کو شفیع مانتے ہیں جو دوزخ کا ایندھن ہیں وقودھا الناس والحجارۃ یہ وہی فرق ہے جو ابھی کعبہ اور بت زم زم اور گنگا جل۔مکہ معظمہ اور متھرا کے متعلق عرض کیا گیا۔نیز مومن شفاعت والوں کی عبادت نہیں کرتے۔کفار اپنے شفیعوں کی عبادت کرتے ہیں نیز کفار اپنے بتوں کی دھونس والی شفاعت مانتے ہیں کہ رب تعالیٰ مجبوراً ان کی سفارش مانتا ہے۔مسلمان محبت اور وجاہت والی شفاعت کے قائل ہیں ان فرقوں کی وجہ سے ان دونوں جماعتوں میں فرق ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور علم القرآن میں دیکھو۔

چوتھا اعتراض: یہاں یہ کیوں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں شفیع نہیں جانتا کیا اس کے علم میں کمی ہے۔

جواب: رب کے علم میں نہ کمی ہے نہ غلطی غیر واقعی چیز کو واقعی جاننا علم نہیں بلکہ جہالت ہے بت یا چاند سورج کفار کے سفارشی نہیں اگر رب تعالیٰ انہیں سفارشی جان لے تو اس کے علم میں غلطی ہو۔نعوذ باللہ بہر حال یہاں علم کی کمی کی بنا پر ہے۔

پانچواں اعتراض: یہاں ارشاد ہوا لا یعلم فی السموات ولا فی الارض کہ رب تعالیٰ ان کی سفارش آسمان و زمین میں نہیں جانتا تو کیا وہ آسمان زمین نہیں جانتا تو کیا آسمان وزمین کی قید کفار کے عقیدے کے لحاظ سے ہے کیونکہ مشرکین زمینی اینٹ پتھر لکڑی کو اور آسمانی چاند سورج تاروں کو ہی اپنا شفیع جانتے تھے۔عالم ارواح یا عالم امر یا عالم انوار کی کسی چیز کو شفیع نہیں مانتے تھے۔

چھٹا اعتراض: یہاں تفسیر کبیر نے فرمایا کہ جیسے کفار اپنے بتوں کی شفاعت کی آس لگائے ہوئے تھے۔ایسے ہی آج بہت لوگ بزرگوں کی قبروں کی تعظیم میں مشغول ہیں۔وہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ان کی قبور کی تعظیم سے یہ لوگ ہمارے شفیع ہوں گے۔معلوم ہوا کہ قبروں کی تعظیم اور قبر والوں کو شفیع جاننا طریقہ کفار ہے۔

جواب: تفسیر کبیر کا یہ قول ان بے دین لوگوں کے متعلق ہے جو اپنے آپ کو نماز روزے اور احکام شرعیہ سے بے نیاز

www.alahazratnetwork.org

جائیں۔صرف قبروں کی سجاوٹ وہاں سجدے کرنے کو اپنی نجات کا ذریعہ جانیں جیسا کہ آج کل عام ہے بے دین بھنگی چرسی فقیروں کو دیکھا جاتا ہے واقعی یہ صریحی کفر ہے۔اگر تعظیم قبر مومن شرک ہے تو کیا حضور انور علیہ السلام کے روضہ مبارک کی تعظیم شرک کہو گے۔رب فرماتا ہے و من یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب اور یہ قبور شعائر اللہ ہیں جب صفاء مروہ پہاڑ حضرت ہاجرہ کے قدم پڑ جانے سے شعائر اللہ بن گئے تو جہاں حضور سورہے ہیں وہ جگہ شعائر اللہ کیوں نہ ہو گی کیوں نہ ہو گی۔تفسیر کبیر کی عبارت یہ ہے و نظیرہ فی ھذا الزمان اشتغال کثیر من الخلق بتعظیم قبور الاکابر علی اعتقاد (الخ) اس عبارت میں لفظ اشتغال قابل غور ہے۔

تفسیر صوفیانہ: بہت سے اعمال اور عقیدے مومنین اور کافرین کے یکساں معلوم ہوتے ہیں درحقیقت ان میں بہت فرق ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ عقیدہ کفار کے لئے کفر اور مومنوں کے لئے ایمان بن جاتا ہے ان میں سے عقیدے شفاعت بھی ہیں۔کفار بتوں کی شفاعت مانتے ہیں مومن نبیوں ولیوں قرآن ماہ رمضان چھوٹے بچوں وغیرہم کی۔کفار کافروں کے لئے شفاعت مانتے ہیں مومن مسلمانوں کے لئے کافر جبر اور دھونس کی شفاعت جس کے ماننے پر رب تعالیٰ مجبور ہو مومن محبت و کرم و وجاہت کی شفاعت مانتے ہیں وہ بھی بالاذن کہ رب نے جس کو اجازت دی ہے اور جس قوم کی شفاعت کی اجازت دی وہ اس قوم کے لئے شفاعت کرے گا۔کفار اپنے خیالی شفیعوں کو معبود مان کر ان کی پرستش کرتے ہیں مومن کسی کی پرستش ہرگز نہیں کرتے کفار اپنے خیالی شفیعوں کو خدا تعالیٰ کی خدائی میں حصہ دار سمجھتے ہیں کہ عالم کا پیدا کرنے والا رب ہے اسے سنبھالنے والے بت کیونکہ رب تعالیٰ میں سنبھالنے کی طاقت نہ رہی وہ تھک کر بیکار ہو چکا۔مومن اس ناپاک عقیدے سے کوسوں دور کافر اپنے خیالی شفیعوں کو رب تعالیٰ کے برابر سمجھتے ہیں ان وجوہ سے شفاعت کا ماننا کفر و شرک بھی ہے۔اور بربادی ایمان بھی۔کفار کی سی شفاعت ماننا کفر ہے۔اسلامی شفاعت ماننا رکن ایمان ہے یہ ہی حال نسبتوں کا ہے۔گندوں کی نسبت سے منسوب گندا ہو جاتا ہے۔ستھروں کی نسبت سے منسوب ستھرا۔مندر مسجد آب زمزم۔گنگا جل عید بقر عید اور ہولی دیوالی۔کعبہ معظمہ اور بت۔مکہ مدینہ اور متھرا دوار کا ہر جگہ پر نسبت کا فر جلوہ گر ہے۔یوں ہی بعض سینے کینے والے ہیں اور بعض سینے مدینہ ہیں رب تعالیٰ نسبت اچھی کرے۔شعر۔

گر دل میں ہے سودا ان کا دل عرش معلیٰ ہو جائے
گر سر میں کھچے نقشہ ان کا سر گنبد خضرا ہو جائے

گلشن میں ہم نے دیکھا ہے پھولوں میں خار بھی رہتے ہیں
اے شاہ عرب مجھ بد کا بھی طیبہ میں گذارا ہو جائے

جسمانی نسل نسب سے ہے روحانی نسل نسبت سے۔

وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَاخْتَلَفُوْا

اور نہیں تھے لوگ مگر گروہ ایک پس اختلاف کر بیٹھے

اور لوگ ایک امت ہی تھے پھر مختلف ہوئے اور اگر تیرے رب کی

www.alahazratnetwork.org

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ

اور اگر نہ ہوتا فرمان گزر چکا طرف سے رب کے تمہارے البتہ فیصلہ کر دیا جاتا

طرف سے ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو یہیں ان کے اختلاف

فِيمَا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۹﴾ وَيَقُولُونَ لَوْلَا أُنْزِلَ

درمیان ان کے اس میں کہ تھے وہ اس میں اختلاف کرتے اور کہتے ہیں کیوں نہیں اتاری

کا ان پر فیصلہ ہو گیا ہوتا کہتے ہیں ان پر ان کے رب کی طرف سے

عَلَيْهِ آيَةٌ مِّنْ رَّبِّهِ ۚ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلَّهِ فَانْتَظِرُوا ۚ

گئی ان پر کوئی نشانی طرف سے ان کے رب کے پس فرمادو تم اس کے سوانہیں کہ غیب اللہ کا ہی

کوئی نشانی ہی کیوں نہیں اتری تم فرماؤ غیب تو اللہ کے لئے ہے اب

إِنِّي مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِينَ ﴿۲۰﴾ ع

ہے پس انتظار کرو تحقیق میں بھی انتظار کرنے والوں سے ہوں

راستہ دیکھو میں بھی تمہارے ساتھ راہ دیکھ رہا ہوں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں بت پرستی کی خرابی اور بت پرستوں کی برائی کا ذکر ہوا کہ یہ عمل خلاف عقل ہے کہ اشرف المخلوقات انسان ارذل مخلوق لکڑی پتھر کو سجدہ کرے اور بنانے والا بت تراش اپنے بنائے ہوئے بت کی عبادت کرے۔ اب ارشاد ہے کہ یہ حماقت انسانوں میں ہمیشہ کی نہیں ہے ہمیشہ سے تو وہ مومن عابد الٰہی تھا یہ چیز بعد کی پیداوار ہے گویا بت پرستی کی ایک خرابی کے بعد اس کی دوسری خرابی کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اہل عرب کی بت پرستی کی برائی مذکور ہوئی اب ارشاد ہے کہ اے عربیو! یہ تمہارے والد ابراہیم کا دین نہیں ان کا اور ان کی وجہ سے تم سب کا دین اسلام ہے یہ بت پرستی تو عمرو ابن لحی نے تم میں پھیلائی تاکہ اہل عرب اپنے باپ دادوں کے دین کی طرف مائل نہ ہوں۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے کہ یہاں الناس سے مراد اہل عرب ہوں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں شرک و بت پرستی کی برائی بیان ہوئی اب ارشاد ہے کہ یہ وہ دین ہے جو تم نے زمین پر آکر بروں کی صحبت سے حاصل کیا۔ تمہارا عرشی دین جو تم سب عالم بالا سے لائے تھے وہ توحید ہے۔ کیونکہ ہر بچہ فطرت پر پیدا

www.alahazratnetwork.org

ہوتا ہے زمین پر آ کر یہودی مجوسی وغیرہ بنتا ہے۔ یعنی تمہارے یہ عقیدے عقل کے بھی خلاف ہیں اور فطرت کے مخالف۔

تفسیر: وما کان الناس الا امة واحدة فاختلفوا اس فرمان عالی کی چھ تفسیریں ہیں (۱) عالم ارواح میں سارے انسان ایک جماعت یعنی مومن تھے کہ سب نے الست بربکم کے جواب میں بلیٰ کہا تھا۔ یہ سارے لوگ دنیا میں اسی دین پر آئے پھر یہاں آ کر اختلاف کر بیٹھے کہ بعض مومن رہے بعض کافر ہو گئے۔ اس تفسیر کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر ان کے ماں باپ انہیں یہودی مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں (۲) آدم علیہ السلام کے زمانہ میں سارے لوگ قتل ہابیل تک ایک جماعت یعنی مومنین تھے جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تب ان لوگوں میں اختلاف ہو گیا کہ بعض مومن رہے بعض کافر ہو گئے (۳) آدم علیہ السلام کے زمانہ سے ادریس علیہ السلام کے زمانہ تک سارے انسان ایک جماعت یعنی مومن رہے پھر زمانہ ادریس میں علیہ السلام میں آپس میں جھگڑ بیٹھے کہ بعض مومن رہے بعض کافر بن گئے جن میں تبلیغ کے لئے نوح علیہ السلام بھیجے گئے (۴) طوفان نوحی کے بعد سارے لوگ ایک گروہ یعنی مومن تھے کیونکہ کافر سارے ڈبو دیئے گئے تھے آپ کی اس بددعا سے کہ رب لا تذر علی الارض من الکافرین دیارا پھر بعد میں جھگڑ پڑے کہ کچھ مومن رہے کچھ کافر ہو گئے ان چاروں تفسیروں میں انسان سے مراد سارے انسان ہیں (۵) عرب کے لوگ حضرت ابراہیم کے زمانہ سے ایک گروہ یعنی مومن تھے پھر عمرو ابن لحی نے کفر بت پرستی۔ بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کیا۔ تب ان میں اختلاف پیدا ہوا کہ کچھ لوگ دین ابراہیمی پر رہے اور کچھ لوگ عمرو ابن لحی کے بہکانے میں آ گئے۔ اس صورت میں الناس سے مراد عرب کے لوگ ہیں ان تفسیروں کی تائید حضرت ابن مسعود کی قراءت ہے وما کان الناس امة واحدة علی هدی۔ ان سب صورتوں میں امة واحدة سے مراد جماعت مومنین ہے اور ف بمعنی فوراً نہیں بلکہ بمعنی پھر ہے یعنی صرف بعدیت بیان کرنے کے لئے ہے۔ حضرت ابن عباس۔ سدی۔ مجاہد۔ جبائی۔ ابو مسلم مفسرین نے یہی تفسر کی (روح المعانی و تفسیر کبیر وغیرہ) (۶) حسن اور کلبی کہتے ہیں کہ یہاں امت واحد سے مراد کفر پر متفق لوگ ہیں یعنی لوگ ایک جماعت یعنی سب کافر تھے پھر بعد میں بعض لوگ ایمان لائے اور ان میں اختلاف ہوا کہ بعض کافر رہے اور بعض مومن ہو گئے ان کی دلیل وہ آیت ہے کان الناس امة واحدة فبعث الله النبیین مبشرین و منذرین خلاصہ یہ کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد یا ابراہیم علیہ السلام کے ابتدائی دور میں سارے لوگ کافر تھے مگر یہ تفسیر ضعیف ہے کیونکہ ایسا زمانہ کبھی نہیں آیا۔ جب کہ روئے زمین پر کوئی مسلمان نہ رہا۔ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مومن ضرور رہا۔ یہ تو قریب قیامت ہوگا کہ ایک بھی مومن نہ رہے گا حتی کہ عیسیٰ و امام مہدی کی بھی وفات ہو جائے گی لہٰذا وہ پانچ تفسیریں قوی ہیں (روح المعانی و کبیر۔ خازن) اس کی تفسیر صوفیانہ ان شاء اللہ بعد میں کی جاوے گی۔ ولو لا کلمة سبقت من ربک یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں کلمہ سے مراد حق تعالیٰ کا فیصلہ اور وہ طے شدہ پروگرام ہے جو اول ہی طے ہو چکا ہے کہ دنیا عمل کی جگہ اور آخرت سزا یا ثواب کی جگہ۔ یا رب تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے اس لئے مجرم کو بہت ڈھیل دی جاتی ہے تاکہ اسے توبہ کا موقعہ کافی ملے یا رب تعالیٰ کا وہ فیصلہ ہے کہ ما کان الله لیعذبهم وانت فیهم یعنی اے محبوب تمہارے ہوتے ہوئے ہم ان کفار کو عذاب

www.alahazratnetwork.org

نہ دیں گے۔ اس لئے یہاں ربک فرمایا کہ معلوم ہو کہ یہ فیصلہ اسی بنا پر ہے کہ وہ تمہارا رب ہے اور تم جہانوں کے لئے رحمت والے نبی۔ رحمت کے ہوتے عذاب نہیں آتا۔ رب کے معنی اور رب تعالٰی کی ربوبیت کی اقسام سورہ فاتحہ رب العالمین کی تفسیر میں عرض کئے گئے اور ربک ربکم رب العالمین اور رب الناس کا فرق آٹھویں پارہ ص ۱۲۲ میں عرض کئے جاچکے ہیں۔ وہاں مطالعہ فرماؤ۔ **لقضی بینھم فیما کانوا فیہ یختلفون** یہ فرمان عالی لولا کی جزا ہے۔ فیصلہ سے مراد تو قیامت والا فیصلہ ہے یعنی کفار کو دوزخ میں جھونک دینا۔ مومنوں کو جنت میں پہنچا دینا اور یا دنیا میں پچھلی قوتوں کی طرح عذاب بھیجنا انہیں تباہ کر دینا **ویقولون ولا انزل علیہ ایۃ من ربہ**۔ اس فرمان عالی میں کفار مکہ کا دوسرا جو بیان ہوا۔ یہ عبارت یا تو **یعبدون من دون اللہ** پر معطوف ہے **یقولون ھولاء شفعاء** (الخ) پر معطوف ہے۔ ماضی کو مضارع اس لئے فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ وہ لوگ بار بار یہ کہتے تھے صرف ایک بار کہہ کر خاموش نہیں ہو رہے تھے (تفسیر روح المعانی) اور ہوسکتا ہے کہ یہ جملہ نیا ہو اور واؤ ابتدائیہ۔ آیت سے مراد ان کے منہ مانگے معجزات دکھائے قریباً چھ ہزار معجزے تو روایات میں آگئے پھر قرآن مجید کی ہر آیت حضور انور ﷺ کا معجزہ ہے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ خود حضور انور ﷺ اللہ تعالٰی کی آیت کبریٰ ہیں۔ ان کے ایسے مطالبہ محض دل لگی اور مذاق کے طور پر تھے۔ خوئے بد را بہانہ بسیار **فقل انما الغیب للہ** یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے اس میں ان کے مطالبہ کا حکیمانہ جواب ہے۔ غیب کے معنی اس کے اقسام و احکام ہم پہلے پارہ میں **یومنون بالغیب** کی تفسیر میں عرض کر چکے وہاں ہی غائب اور غیب۔ غیب مطلق مقید کا فرق عرض کیا گیا۔ اس فرمان کا مقصد یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ فلاں فلاں معجزے دکھاؤ تو ہم ایمان قبول کر لیں گے اللہ تعالٰی کو خبر ہے کہ تم کفر پر مرنے والے ہو ایمان نہیں لاسکتے۔ تمہارا یہ حال یہ انجام علوم غیبیہ سے ہے جسے رب تعالٰی خوب جانتا ہے یا یہ مقصد ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ محض سرکشی کی بنا پر ہے۔ سرکش کو عذاب ملتا ہے تم کو بھی عذاب ہی ملے گا۔ کب ملے گا یہ علوم غیبیہ سے ہے جو رب تعالٰی ہی جانتا ہے (روح المعانی) **لہٰذا فانتظروا انی معکم من المنتظرین**۔ تم بھی اپنی انجام کا انتظار کرو۔ ہم بھی اس کا انتظار کرتے ہیں یا تم ہمارے متعلق انتظار کرو کہ ہمارا انجام کیسا ہوتا ہے اور ہم تمہارے متعلق کرتے ہیں کہ تمہارا انجام کیسا ہوتا ہے۔ اسی آیت کے مضمون کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ **وما یشعرکم انھا اذا جاءت لا یومنون**۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ کی عالمانہ تفسیریں چھ ہیں ہم ان میں سے ایک تفسیر کا جامع خلاصہ عرض کرتے ہیں ایک زمانہ وہ گذرا ہے جب سارے انسان ایک گروہ ایک امت یعنی مومنین صالحین تھے نہ ان میں کوئی فرق تھا نہ منافق نہ بدراہ نہ بے راہ پھر شیطان اور شیطانی لوگوں کے بہکانے سے بہت سے لوگ کافر یا منافق یا بے راہ ہوگئے اور ان میں بہت اختلاف پیدا ہوگئے۔ صدہا دین اور صدہا فرقے بن گئے۔ اگر آپ کے رب کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا کہ دنیا سزا و جزا کی جگہ نہیں یہاں عمل ہے بدلہ اور حساب نہیں۔ قیامت میں حساب اور بدلہ ہوگا عمل نہ ہوگا۔ اگر یہ قانون نہ ہوتا تو ان مذکورہ فرقوں کا فیصلہ یہاں ہو چکا ہوتا کہ مومنین کو جنت کفار کو دوزخ یہاں ہی دی جاتی۔ کفار مکہ ہیں تو خود بے دین۔ ان کے مقدر میں ایمان نہیں مگر جرح قدح آپ ﷺ سے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے ایمان نہ لانے کی وجہ یہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ آپ ﷺ گذشتہ نبیوں کے سے معجزے۔ عصاء۔ ید بیضاء۔ مردے زندہ کرنا۔ غیبی اونٹنی نہ لائے یا آپ ﷺ ہمارے منہ مانگے معجزے نہیں دکھاتے اس لئے ہم ایمان نہیں لاتے اگر آپ ﷺ وہ معجزہ دکھادیں تو ہم ایمان قبول کرلیں آپ اس بکواس کا جامع اور مختصر جواب دے دیں کہ تمہاری مطلوبہ نشانیاں دکھانے پر بھی تم ایمان نہیں لاؤ گے یہ تمہارے بنائے ہوئے حیلے ہیں یہ خبر علوم غیبیہ سے ہے کہ تم کافر ہی مرو گے جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ لوگوں کے انجام پر مجھے اس نے مطلع کیا ہے یہ باتیں نہ حساب سے معلوم ہوں نہ اندازے سے لہٰذا اب تم مطالبے حیلے بہانے نہ کرو۔ بلکہ اپنے انجام کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں سے ہوں۔ تمہارا انجام تم خود بھی دیکھ لو گے اور ہم بھی دیکھ لیں گے۔

فائدے۔ اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: انسان کا اصلی دین جسے وہ عالم ارواح سے اپنے ساتھ لایا ہے وہ اسلام ہے۔ کفر۔ شرک نفاق عارضی دین ہیں جو اسے دنیا میں آکر شیطان شیطانی انسان کے ذریعہ ملے یہ فائدہ الا امة واحدة سے حاصل ہوا۔ پھر مرتے وقت ہی سارے کفار ایمان قبول کر لیتے ہیں مگر وہ معتبر نہیں۔ گویا کفر دنیا میں آکر لیتے ہیں اور دنیا ہی میں ... مومن ایمان پر ہی آتا ہے ایمان پر رہتا ہے ایمان پر ہی دنیا سے جاتا ہے۔

دوسرا فائدہ: حضرات انبیاء کرام مومنوں کو ایمان پر رکھنے اور کافروں کو کھویا ہوا ایمان دینے کے ... عالم ارواح میں ہی ایمان مل چکا تھا یہ حضرات اس کی حفاظت کے لئے تشریف لاتے ہیں یہ فائدہ بھی ... ہوا۔ جب کہ اس کا مطلب یہ ہو کہ عالم ارواح میں سب لوگ ایک امت تھے حضور انور ﷺ ایمان ... کے محافظ بھی۔

تیسرا فائدہ: آپس کے اختلاف بہت قسم کے ہیں اجتہاد کا اختلاف یہ رحمت ہے رائے کا اختلاف ... میں کفر وایمان کا اختلاف یہ کافر کے لئے عذاب ہے مومن کے لئے عین ایمان۔ یہ فائدہ فاختلفوا ... واحد سے ایمان پر متفق جماعت مراد ہے تو یہ اختلاف کفر ہے۔ اور اگر کفر پر متفق امت مراد ہے تو ... ایمان۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اختلاف امتی رحمۃ میری امت کا اختلاف رحمت ہے اس فر... مجتہد اماموں کی اجتہادی اختلاف مراد ہے۔ ہابیل قابیل کے اختلاف میں قابیل کا اختلاف کفر تھا کہ و... اور برادران یوسف علیہ السلام سے اختلاف کفر نہیں ہوا۔ اگرچہ ان کے اعمال گناہ تھے جو بعد میں تو... لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم۔

چوتھا فائدہ: کفر وشرک کی اصلی سزائیں ہی ایمان وتقویٰ کی اصل جزا قیامت کے بعد ملے گی۔ دنیـ... فائدہ ولولا کلمة (الخ) سے حاصل ہوا۔ دنیا میں کفار پر عذاب آجانا یا مومن متقی کو دنیا میں رحمت ... اصل سزا وجزا نہیں۔

پانچواں فائدہ: ضد کی کفار اپنا وقت عزیز مطالبوں اور جرح قدح میں خرچ کر ڈالتے ہیں انہیں نبی ...

تے ہیں۔ مومن

ے آتے ہیں سب کو

واحدة سے حاصل

بھی ہیں اور ایمان

معاف ہے۔ دین

اصل ہوا اگر امت

سے اختلاف عین

اخلاف امتی سے

ن میں اختلاف تھا

سے معاف ہوئے

ں کی جگہ نہیں۔ یہ

پہنچ جانا یہ ان کی

کمالات نظر نہیں

www.alahazratnetwork.org

آتے یہ فائدہ لولا انزل علیہ سے حاصل ہوا کہ حضور انور ﷺ نے کفار مکہ کو بہت معجزے دکھائے۔ لیکن وہ نا ختم ہونے والے مطالبوں میں ہی مشغول رہے مگر خوش نصیب لوگ حضور ﷺ کا ایک معجزہ دیکھ کر بلکہ بعض صرف چہرہ انور دیکھ کر بعض صرف کلمات سن کر بلکہ بعض صرف نام شریف سن کر فدا ہو گئے۔

چھٹا فائدہ: کفار پر عذاب آنے کا انتظار مومنین۔ اولیاء انبیاء بلکہ ان کی بستیوں کے در و دیوار بلکہ فرشتے تک کرتے ہیں کہ یہ لوگ کب فنا کئے جاویں۔ یہ فائدہ انی معکم من المنتظرین فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس میں منتظرین جمع ہے اور من بعضیت کا۔

پہلا اعتراض: قوی یہ ہے کہ یہاں امۃ واحدۃ سے کفر پر متفق جماعت مراد ہے۔ کیونکہ دوسری جگہ ارشاد ہے کان الناس امۃ واحدۃ فبعث اللہ النبیین مبشرین و منذرین اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اولاً سب کافر ہی تھے۔ رب نے ان کا یہ اتفاق توڑنے کے لئے حضرات انبیاء بھیجے چونکہ وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے پھر اس کے خلاف تفسیریں کیوں کی گئیں۔

جواب: رب تعالیٰ فرماتا ہے فکیف اذا جئنا من کل امۃ بشہید وجئنا بک علی ھؤلاء شہیدا۔ اس آیت نے صاف صاف بتایا کہ ہر امت میں مومنین صالحین رہے ہیں جو قیامت میں اس امت کے خلاف گواہی دیں گے۔ اس لئے آیت کریمہ کے معنی یہ ہی قوی ہیں کہ الا امۃ واحدۃ میں مومنوں کی جماعت مراد ہے۔ تمہاری پیش کردہ آیت کا مطلب بھی مفسرین نے یہ ہی بیان فرمایا ہے کہ لوگ اولاً سارے مومن تھے پھر ان میں اختلاف دین ہوا تو رب نے نبی بھیجے اختلاف ڈالنے کے لئے نہیں بلکہ اختلاف مٹانے کے لئے۔ وہاں فاختلفوا پوشیدہ ہے تاکہ آیات میں تعارض نہ ہو۔

دوسرا اعتراض: اگر کفر و ایمان کی سزا و جزا قیامت کے بعد ہی ملتا ہے تو دنیا میں کفار پر عذاب کیوں آئے اور وہ تباہ کیوں کئے گئے۔

جواب: تاکہ دوسروں کو عبرت ہو اور یہ عذاب نبیوں کی حقانیت کا ثبوت اور لوگوں کو دعوت اسلام کا ذریعہ ہوں۔ یہ عذاب اخروی عذاب کے علاوہ عارضی ہیں جیسے ملزم کی حوالات کی تکالیف اس کی سزا کے علاوہ ہے۔ سزا حاکم کے فیصلہ کے بعد ملتی ہے۔

تیسرا اعتراض: حضور انور ﷺ سے کفار مکہ کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم کو ہمارے منہ مانگے معجزات دکھائے جاویں مگر انہیں جواب یہ دیا گیا کہ غیب تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہ جواب ان کے سوال کے مطابق نہیں جواب اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ کفار کہتے تھے کہ فلاں فلاں معجزے دکھاؤ۔ تو ہم ایمان قبول کر لیں گے۔ فرمایا گیا کہ علم الٰہی میں آچکا کہ تم ہرگز ایمان نہیں لاؤ گے اور تم کہتے ہو کہ ہم ایمان لے آویں گے تمہارا قول غلط ہے کہ رب تعالیٰ عالم غیب ہے اسے تمہارا حال خوب معلوم ہے۔

تفسیر صوفیانہ: مسلمانوں سے پہلی ساری امتیں اپنے دین کے علماء کی محبت ان کی اطاعت پر متفق تھیں۔ رب تعالیٰ فرماتا

www.alahazratnetwork.org

ہے اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔ ان لوگوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو رب کے سوا معبود بنالیا مگر مسلمانوں میں بعض لوگ بلکہ بعض فرقے ایسے پیدا ہوئے جو علماء کے دشمن فقہاء کے مخالف ہیں۔ دیکھا جاتا ہے کہ بعض علماء ظاہری باطنی علوم کے جامع اپنے فن میں بے مثال اعمال صالحہ میں پیش پیش مگر لوگ ان کی دن رات برائیاں کرتے ہیں ان میں رب تعالیٰ قیامت کے دن فیصلہ فرمائے گا۔ یہ عوام ان صالحین علماء کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ لوگ بھنگی چرسی فقیروں کی طرح کرامتیں کیوں نہیں دکھاتے۔ ہم تو شعبدہ باز کراماتی فقیروں کے ماننے والے ہیں۔ یہ غیب تو رب تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ کرامتیں ہیں یا شعبدے بازیاں عجیب باتیں عجیب کام کر دکھانا کمال نہیں یہ تو جوگی کفار اور دجال کے ہاتھوں پر بھی نمودار ہوتی ہیں اور ہوں گی کمال تو حضور اکرم ﷺ کی سچی غلامی میں ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عوام کے دلوں میں یہ نفرت رب تعالیٰ کی طرف سے ایک حجاب ہے قیمتی موتی سنبھال کر پردہ حجاب میں رکھے جاتے ہیں یہ صالحین علماء خزانہ الٰہیہ کے سچے موتی ہیں جو نفرت وعداوت کے حجاب میں چھپے ہوئے ہیں۔ شعر۔

معشوق عیاں می گذرد بر تو ولیکن — اغیار ہمی بیند ازاں بستہ نقاب است

اس نفرت کے پردے میں دین کے موتی چھپے ہوئے ہیں (روح البیان) کتاب خیر الخیر شریف میں حضرت مولانا محبوب عالم صاحب فرماتے ہیں کہ صوفیاء میں ایک فرقہ ملامتیہ ہے۔ جو اپنے کو مخلوق سے ملامت کرانے کے لئے بعض ناروا کام کر لیتا ہے یہ غلطی ہے جسے اپنے پر ملامت کرانی ہو وہ مولوی بن جاوے۔ مولویوں کا سا لباس پہن لے لوگ خود بخود اس پر ملامت کریں گے خواہ کیسا ہی نیک ہو اس لباس اس صورت میں دو فائدے ہیں ایک یہ کہ یہ صورت یہ لباس خالق کو پیارا ہے کہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل ہے اور مخلوق کو ناپسند۔

لطیفہ: روح البیان نے فرمایا کہ ایک یہودی نے حضرت علی سے کہا کہ تم اپنے نبی کریم کو دفن کرتے ہی آپس میں لڑ پڑے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم اپنے نبی کے مخالف نہ ہوئے بلکہ ان کے بارے میں مخالف ہوئے تمہارے پاؤں ابھی بحر قلزم کے پانی سے خشک نہ ہوئے تھے کہ نبی سے ہی لڑ پڑے کہ اے موسیٰ ان بت پرستوں کی طرح ہمارے لئے بھی معبود بنادو۔

وَاِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ
اور جب چکھاتے ہیں لوگوں کو رحمت پیچھے اس تکلیف کے جو پہنچے انہیں اچانک واسطے
اور جب کہ ہم آدمیوں کو رحمت کا مزہ دیتے ہیں کسی تکلیف کے بعد جو انہیں پہنچی
اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِیْٓ اٰیَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا
ان کے فریب ہے ہماری آیتوں میں فرما دو اللہ بہت جلد ہے تدبیر اس کی
تھی جب ہی وہ ہماری آیتوں کے ساتھ داؤ چلتے ہیں تم فرما دو اللہ کی خفیہ تدبیر

www.alahazratnetwork.org

إِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ ﴿۲۱﴾

بیشک	رسول	ہمارے	لکھتے	ہیں	وہ	جو	فریب	کرتے	ہو	تم	
سب سے جلد ہو جاتی ہے	بیشک ہمارے فرشتے	تمہارے مکر لکھ رہے ہیں									

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ یہ لوگ اپنے مطالبات پورے ہونے پر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ ایک غیبی خبر تھی اب اس کا ثبوت ان کے دن رات کے حالات سے دیا جارہا ہے کہ یہ لوگ معمولی مصیبت میں پھنس کر بہت سے وعدے کر لیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئیں گے نیک اعمال کریں گے پھر تکلیف دفع ہوتے ہی الٹے وہ کام کرتے ہیں ایسے جھوٹے وعدے کرنے والوں کا اعتبار کیا۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کا ثبوت ہے یا اس دعوے کی دلیل۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ تم عذاب الٰہی کا انتظار کرو اب ارشاد ہے کہ ان پر عذاب سے پہلے مصیبتیں راحتیں آتی جاتی رہیں گی مگر ان کی آنکھ نہ کھلے گی۔ جس کی آنکھ چھوٹی مصیبتوں پر نہ کھلے وہ بڑے عذاب کا منتظر ہے اس کی آنکھ جب کھلتی ہے جب کہ کھلنا کام نہیں آتا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ ان کفار نے ایک ہی بات یاد کی ہے یہ کیوں نہیں ہوا لولا انزل علیہ (الخ) یعنی ہر بات میں جرح قدح ایسے لوگوں کو ہدایت نہیں ملا کرتی اب اس کا ثبوت ہے کہ یہ لوگ نہ تو راحت سے ہدایت یافتہ ہیں نہ تکلیف سے۔ راحت میں کفار تکلیف میں بے صبرے ہوتے ہیں مومن کی زبان پر ہوتا ہے کیا فرمایا کافر کی زبان پر ہوتا ہے کیوں فرمایا یہ کیوں اور کیا فرق یاد رہے نزول۔ جب کفار مکہ نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا جس سے مومنوں کو بہت تکلیف پہنچی مسلمانوں کے بہت سے بچے بچیاں بھوکے مر گئے۔ اشعار۔

وہ حمزہ کا شکار آہواں کے واسطے جانا	کبھی کچھ بھی نہ ملنا اور خالی ہاتھ آجانا!
وہ روٹھی بچیوں کا روٹھ کر فوراً ہی من جانا	خدا کا نام سن کر صبر کی تصویر بن جانا
تڑپنا بھوک سے کچھ روز اور پھر جان دے دینا	وہ ماؤں کا فلک کو دیکھ کر چپکے سے رو دینا
گذارے تین سال اس رنگ میں اللہ والوں نے	دکھا دی شان استقلال اپنی ان والوں نے

تب دریائے قہر الٰہی جوش میں آیا اور سات سال بارش نہ ہوئی جس سے کفار بہت سے مر گئے جو بچے وہ بہت ہی خراب حال میں درختوں کی چھال مردار جانوروں کی کھال تک کھا گئے تب انہوں نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش کی دعا کرائی اور ایمان واطاعت کا وعدہ کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی رب نے رحم فرمایا اور خوب بارش ہوئی۔ گرانی گئی ارزانی آئی تو پھر سارے اپنے وعدوں سے پھر گئے بولے کہ بارش فلاں تارے کی فلاں برج میں جانے کی وجہ سے ہوئی اور

www.alahazratnetwork.org

پھر قرآن اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم میں عیب نکالنے لگے۔ ان کا یہ عیب بیان فرمانے کے لئے یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ (خازن، روح المعانی وکبیر مع قدرے فرق)

تفسیر : **واذا اذقنا الناس رحمة** چونکہ یہ فرمان نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اذ شرط **اذقنا** بنا ہے اذاقہ سے جس کا مادہ ہے ذوق چکھنا اذاقۃ چکھانا مراد ہے۔ یہ تھوڑی سی عطا فرمانا دنیا کی ہر رحمت عارضی اور تھوڑی ہے **قل متاع الدنیا قلیل** ظاہری غذائیں زبان سے چکھی جاتی ہیں رحمتیں نعمتیں عقل سے (تفسیر کبیر) الانسان سے مراد یا تو کفار مکہ ہیں جن کے متعلق یہ آیت کریمہ آئی یا سارے کفار ہر جگہ کے اور ہر زمانہ کے۔ جو اسلام اور قرآن مٹانے کے درپے ہیں۔ چونکہ دنیا کی تمام نعمتیں رب کی عطا ہیں نہ کہ ہمارا کمال اس لئے رب تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب فرمایا **اذقنا** اور چونکہ ہر نعمت محض عطاء ربانی ہے ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں اس لئے اسے رحمت فرمایا۔ یعنی بغیر استحقاق ملنے والی نعمت رحمت سے مراد تندرستی۔ رزق کو ارزانی فراوانی۔ ملک میں امن چین وغیرہ سب ہی ہیں کہ اگرچہ آیت کریمہ بارش کے متعلق آئی مگر لفظ رحمت مطلق ہے ہر نعمت کو شامل۔ **من بعد ضراء مستھم** یہ فرمان عالی متعلق ہے **اذقنا** کے ضرار سے مراد ساری ہی تکالیف ہیں۔ بیماری گرانی۔ ملک کی بدامنی وغیرہ اگرچہ آیت کا نزول قحط سالی کے متعلق ہے۔ مست فرما کر بتایا کہ یہاں کی تکالیف نہایت معمولی ہوتی ہیں جو فقط چھو جاتی ہیں وہ بھی عارضی طور پر۔ بڑی تکالیف تو دوسرے جہان میں ہوں گی۔ چونکہ تکالیف کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کرنا بے ادبی ہے اگرچہ وہ بھی رب کی طرف سے ہیں اس لئے یہاں **مستھم** ارشاد ہوا۔ **اذقنا** کی طرح انہیں رب کی طرف نسبت نہ کیا گیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ادب والا کلام رب نے یوں نقل فرمایا **واذا مرضت فھو یشفین** جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہ مجھے شفا دیتا ہے۔ دیکھو بیماری کو اپنی طرف اور شفاء کو رب کی طرف نسبت کیا یہ ہے ادب **اذا لھم مکر فی ایاتنا** یہ عبارت جزا ہے **واذا اذقنا** الخ کی اس میں **اذا** جزائیہ ہے **لھم** کو مکر پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یعنی صرف کفار کا یہ طریقہ ہے مومن بفضلہ تعالیٰ اس عیب سے محفوظ ہیں۔ مکر کی تحقیق مکر اور خداع میں فرق پہلے سپارہ میں عرض کیا جا چکا ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ اس کے معنی ہیں خفیہ تدبیر اگر کسی پر ظلم کرنے کے لئے ہو تو برا ہے جیسے کہتے ہیں فریب دھوکہ اور اگر کسی کو دھوکہ کی سزا دینے یا مجرم کو ڈھیل دینے کے لئے ہو تو اچھی ہے جسے کہتے ہیں۔ فریب دھوکہ دہی کی سزا۔ پہلے معنی سے یہ کفار کا عیب ہے دوسرے معنی سے رب تعالیٰ کی صفت۔ اس میں گفتگو ہے کہ یہاں مکر سے کیا مراد ہے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے بہت تدبیروں سے جھوٹا کہنا اور کہلوانا۔ مذاق اڑانا اور لوگوں کو اس پر آمادہ کرنا۔ طعن کرنا۔ مٹانے کی کوشش کرنا تو آیات سے مراد قرآنی آیتیں ہیں مقاتل ابن حبان کہتے ہیں کہ مکر سے مراد اللہ کی روزی بارش وغیرہ کو بتوں یا چاند تاروں کی طرف نسبت کرنا کہ یہ ان کی طرف سے ہم کو ملیں اور آیات سے مراد تکوینی نشان قدرت ہیں یعنی بارش وغیرہ (خازن، کبیر۔ روح المعانی) یعنی جب ہم انہیں مصیبتوں کے بعد راحتیں دیتے ہیں تو مصیبت کے زمانہ میں آیات قرآنیہ کا جھٹلانا وغیرہ سب بھول جاتے ہیں آرام پاتے ہیں پھر اسی منحوس مشغلہ میں مشغول ہو جاتے ہیں کہ قرآن مجید کی آیات کا مذاق اڑاتے ہیں یا ان نعمتوں پر رب کا شکر ادا نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ فلاں تارے کے فلاں برج میں جانے

www.alahazratnetwork.org

سے یہ بارش ہوئی یا ارزانی آئی وغیرہ۔ وغیرہ قل اللہ اسرع مکرا اس فرمان عالی میں ان کی سزا کا ذکر ہے اسرع سرعت کا اسم تفضیل ہے اس کا متعلق منکم پوشیدہ ہے اس فرمان عالی میں مکر سے مراد ان کفار کی حرکتوں کی سزا ہے۔ یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ان سے فرمادو کہ تمہاری خفیہ تدبیروں سے پہلے رب کی طرف سے سزا تم کو مل جاوے گی۔ اسلام کا تم کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور اگر اذا لھم مکر سے یہ مراد تھی کہ وہ بارش وغیرہ کو بتوں یا چاند تاروں کی طرف نسبت کرتے ہیں تو یہاں مکر سے مراد ہوگا انہیں ان بدعقیدگیوں کے باوجود ایسی ڈھیل دے گا کہ وہ دھوکا کھا جائیں گے کہ شاید ہم حق پر ہیں۔ پھر پیالہ بھر جانے پر انہیں پکڑے گا۔ یہ تو آئندہ کی سزا ہے۔ اس وقت حالت یہ ہے کہ ان رسلنا یکتبون مایمکرون چونکہ کفار نامہ اعمال لکھنے والے فرشتوں ان کی تحریر وغیرہ کے منکر تھے اس لئے اس فرمان عالی کو ان سے شروع فرمایا گیا۔ رسل جمع رسول کی ہے یہاں اس سے مراد اعمال لکھنے والے فرشتے ہیں چونکہ وہ رب کی طرف سے انسانوں کی جانب بھیجے ہوئے ہوتے ہیں لہذا انہیں رسل فرمایا گیا۔ عام علماء فرماتے ہیں کہ وہ دو فرشتے ہیں ایک داہنی جانب جو نیکیاں لکھتا ہے اس پر دوسرا بائیں جانب والا فرشتہ گواہ ہوتا ہے۔ دوسرا بائیں جانب جو انسانوں کے گناہ لکھتا ہے اور دوسرا فرشتہ اس پر گواہ ہوتا ہے مگر روح البیان شریف نے اس جگہ فرمایا کہ وہ فرشتے تین ہیں دو تو لکھنے والے ان کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں صبح سے شام تک دو اور پھر شام سے صبح تک دوسرے دو مگر تیسرا وہ جو ہمیشہ انسان کے ساتھ رہتا ہے اس کی تبدیلی نہیں۔ عبداللہ ابن مبارک کا یہی قول ہے۔ (روح البیان) یعنی اے کافرو تم جو کچھ حرکتیں کرتے ہو وہ ہمارے مقرر کردہ فرشتے سب لکھ رہے ہیں۔ ان پر تمہاری کوئی اندرونی بیرونی حالت مخفی نہیں تو رب تعالیٰ پر تمہارے کوئی حال کیسے چھپ سکتے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: کفار جب تک مصیبت و آفات میں گرفتار رہتے ہیں تب تک تو قرآن مجید صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کو بھولے رہتے ہیں ان کے خلاف کاروائیاں نہیں کرتے مگر جوں ہی انہیں ہم تھوڑی سی رحمت دے دیتے ہیں مصیبت ٹال دیتے ہیں تب ہی وہ آیات قرآنیہ معجزات نبویہ کو باطل کرنے کی کوشش اور مذاق اوڑاتے ہیں۔ پہلے کی طرح مشغول ہو جاتے ہیں گذشتہ آفات و بلیات کو بھول جاتے ہیں۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ فرمادو کہ نادانو تمہاری تدبیروں سے رب تعالیٰ کی تمہارے خلاف خفیہ تدبیر بہت جلد تم تک پہنچ جاوے گی کہ اچانک رب تعالیٰ اپنے محبوب کی ایسی مدد کرے گا کہ تم حیران رہ جاؤ گے۔ تمہاری سالہا سال کی تدبیریں چند دنوں میں ختم ہو کر رہ جائیں گی۔ بلکہ الٹی تم پر آفت ڈھائے گی مکار پر اس کا مکر پڑتا ہے۔ ولا یحیق المکر السیء الا باھلہ یہ تو آئندہ پتہ لگے گا۔ اس وقت بھی تمہاری ہر حالت پر قول و فعل لکھا جارہا ہے۔ ہماری طرف سے تم پر جو کاتبین اعمال فرشتے مقرر ہیں سب کچھ لکھ رہے ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا کی نعمتیں اور مصیبتیں آخرت کی نعمت اور مصیبت کے مقابلہ میں بہت معمولی اور حقیر ہیں۔ نعمتیں ہیں تو آخرت کی مصیبتیں ہیں۔ تو آخرت کی یہ فائدہ اذقنا (الخ) اور مستھم سے حاصل ہوا کہ رحمت کے لئے چکھانا اور آفت کے لئے چھو جانا ارشاد ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: دنیا کی ہر بھلائی برائی رب کی طرف سے ہے مگر بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ بھلائی کو رب کی طرف نسبت کرو۔ برائی نہ کرو۔ یہ فائدہ بھی اذقنا اور مستهم سے حاصل ہوا کہ رحمت کو رب کی طرف نسبت کیا گیا اذقنا الناس اور برائی کو اس کی طرف نسبت نہ کیا گیا۔ مستهم۔

تیسرا فائدہ: غافل اور کافر نہ تو دنیا کی نعمتیں برداشت کر سکتا ہے نہ یہاں کی آفتیں نعمتوں میں متکبر بن جاتا ہے۔ آفتوں میں مایوس۔ مومنوں کو رب تعالیٰ استقامت بخشتا ہے وہ نعمتوں میں شاکر ہوتا ہے مصیبتوں میں صابر۔

چوتھا فائدہ: عموماً انسان مصیبتوں میں ٹھیک رہتا ہے راحت میں راستہ سے ہٹ جاتا ہے۔ یہ فائدہ اذا لهم مكر (الخ) سے حاصل ہوا کہ کفار مکہ قحط کے زمانہ میں حضور انور ﷺ اور قرآن مجید کی مخالفتیں بھول گئے ارزانی فراوانی پاتے ہی مخالفت کرنے لگے۔ فرعون عیش کے زمانہ میں خدا بنا رہا۔ ڈوبنے لگا تو بولا۔ امنت انه لا اله الا الذی امنت به بنو اسرائیل اب میں اس رب پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے ہیں۔ مصیبت بڑے بڑے سرکشوں کو بندہ بنا دیتی ہے۔

لطیفہ: ایک شخص جنگل میں جا رہا تھا۔ سامنے سے ایک حسین عورت آئی یہ اسے گھور کر دیکھنے لگا۔ اتفاقاً ایک کتا سامنے آ گیا یہ سمجھا کہ شاید مجھ پر حملہ کرے گا۔ اس ڈر سے عورت کو دیکھنا بھول گیا۔ اسے خبر ہی نہ رہی کہ وہ حسینہ کہاں ہے جب کتے کا خطرہ جاتا رہا تو اس کے دل کی کھڑکی کھل گئی کہ ایک کتے کے خطرہ سے میں جرم کرنا بھول گیا اگر دوزخ کا خطرہ مجھے رہے تو گناہ ہرگز نہ کروں۔

پانچواں فائدہ: انسان کی برسوں کی تدبیریں ایک کرشمہ قدرت کے سامنے فیل ہو جاتی ہیں۔ تقدیر کے آگے تدبیر ہیچ ہے یہ فائدہ قل الله اسرع مكرا سے حاصل ہوا۔ کفار مکہ کی برسوں کی مجموعی کوشش غزوہ بدر کی چند ساعتوں پر ختم ہو گئیں کہ نہ کوششیں رہیں نہ کوشش والے۔

چھٹا فائدہ: اعمال لکھنے والے فرشتے کفار کے ساتھ بھی رہتے ہیں ان کے برے اعمال لکھتے ہیں کیونکہ وہ بھی نیک کام کرنے برے کام نہ کرنے کے مکلف ہیں۔ یہ فائدہ يكتبون ما تمكرون سے حاصل ہوا۔ کیونکہ انہیں برے اعمال کی سزا ملتی ہے ان کے برے عقائد برے اعمال سب کی سزا ہے۔

ساتواں فائدہ: کفار کے نامہ اعمال میں ان کے صرف گناہ لکھے جاتے ہیں کہ ان پر انہیں سزا دینا ہے ان کی نیکیاں نہیں لکھی جاتیں کہ انہیں ان کا ثواب نہیں دیا جاتا۔ یہ فائدہ يكتبون ما تمكرون سے حاصل ہوا کہ ان کے مکر کی تحریر تو ہے ان کے صدقہ و خیرات وغیرہ کی تحریر بالکل نہیں۔

آٹھواں فائدہ: کسی کام میں مدد دینے والا حقیقت اس کا کرنے والا ہی ہے یہ فائدہ يكتبون جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار کے گناہ لکھنے والا ایک فرشتہ ہے مگر رب تعالیٰ نے ان تینوں فرشتوں کو کاتب قرار دیا کیونکہ وہ دو لکھنے میں اس کی مدد کرتے ہیں۔

نواں فائدہ: بندوں کے اعمال فرشتوں کی تحریر ایک ساتھ ہوتی ہے حتیٰ کہ جو لفظ بندہ کے منہ سے نکلتا ہے اس کی تحریر بھی کی

www.alahazratnetwork.org

جاتی ہے رب فرماتا ہے۔ مایلفظ من قول الا لدیه رقیب عتید۔ یہ نہیں ہوتا کہ یکدم سارے اعمال لکھ لئے گئے ہوں۔ وہ تحریر تو ازل میں لوح محفوظ میں ہو چکی یہ فائدہ بھی یکتبون اور یمکرون کے مضارع فرمانے سے حاصل ہوا۔

دسواں فائدہ: جو کسی کام کے لئے کہیں بھیجا جاوے وہ بھی رسول ہیں یہ فائدہ رسلنا سے حاصل ہوا کہ اعمال لکھنے والے فرشتوں کو رسل فرمایا۔ یہاں رسل بمعنی مبلغ نہیں۔ بمعنی فرمان رسائی ہے نہ بمعنی فیض رسان بلکہ اس کے معنی کار سرکار پر متعین۔

پہلا اعتراض: یہاں رحمت کے لئے اذقنا اور مصیبت کے لئے مستهم ارشاد ہوا فرق بیان کی کیا وجہ ہے ذوق اور مس میں کیا فرق ہے۔

جواب: دنیا کی ہر اچھی بری چیز بمقابلہ آخرت بہت ہی تھوڑی ہے مگر راحت بالکل آنی فانی ہے تکلیف اس کے مقابلہ میں باقی کس قدر باقی۔ شعر۔

دکھ سدا سکھ گاہے گاہے دکھاتے سکھ وارے　　　دکھ منظور محمد میتوں راضی رہن پیارے

آرام کی گھڑیاں آندھی کی طرح گذر جاتی ہیں تکلیف کی گھڑیاں کاٹے نہیں کٹتیں۔

دوسرا اعتراض: مکر اچھی چیز ہے یا بری چیز اگر بری چیز ہے تو رب کی طرف منسوب کیوں ہوئی۔ قل الله اسرع مکرا اور اگر اچھی چیز ہے تو کفار کی طرف منسوب کیوں ہوئی۔ لهم مکر فی ایاتنا۔

جواب: مکر کے دو معنی ہیں (۱) فریب دینا۔ اس معنی سے برائی اور کفار کی طرف منسوب (۲) فریب کی سزا دینا۔ اس معنی سے اچھا ہے رب کی طرف منسوب کرنا۔

تیسرا اعتراض: جب بچے اور دیوانے کے اعمال نہیں لکھے جاتے کہ وہ ان کے مکلف نہیں تو کفار کے اعمال کیوں لکھے جاتے ہیں۔ وہ بھی اعمال کے مکلف نہیں اور یہ فرمان کیونکر درست ہوا ان رسلنا یکتبون (الخ)

جواب: کفار اعمال کے مکلف ہیں مگر آخرت کی سزا جزا کے لحاظ سے بلکہ ملکی انتظامی اعمال کے شرعاً دنیا میں بھی مکلف ہیں چنانچہ ان کے چور کا ہاتھ کٹے گا۔ ان کے قاتل سے قصاص لیا جاوے گا۔ لہٰذا ان کے اعمال کی تحریر اخروی سزا کے لئے ہے۔

چوتھا اعتراض: جب کفار کی نیکیوں کی جزا و ثواب نہیں تو ان کے لئے نیکیاں لکھنے والا فرشتہ کیوں رکھا گیا۔ صرف ایک فرشتہ یعنی گناہ لکھنے والا کافی تھا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ کفار کے گناہ لکھے جاتے ہیں جسے بائیں طرف والا فرشتہ لکھتا ہے اور دائیں جانب والا فرشتہ اس پر گواہ ہوتا ہے۔ ایک کاتب دوسرا گواہ وہ مقبول ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ فرشتے خدام کی حیثیت سے رہتے تھے وہاں اب بھی ستر ہزار دن میں ستر ہزار رات میں سلام کے لئے حاضر رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: راہ طریقت کے مسافر بہت ______ ہیں تھوڑے واصلین۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی پہلے فاسق تھا۔ فسق و فجور کی بلا میں گرفتار پھر اسے رحمت پہنچی توبہ کی توفیق عبادات میں لذت۔ بعض مقامات تک رسائی ہوئی۔ کچھ کشف و

www.alahazratnetwork.org

شہود ہوا۔ یہ ہے بلا کے بعد رحمت۔ مگر وہ اسے برداشت نہ کر سکے کہ ان میں مشیخیت کی شیخی فخر و تکبر لوگوں پر اپنے کمال کے اظہار طلب ریاست نااہلوں پر راز کھول دینا قبولیت خلق کی کوشش وغیرہ کی بیماری لگ گئی یہ ہے اذا لھم مکر فی اٰیاتنا ایسے لوگوں سے فرما دو کہ اللہ تعالیٰ کی تدبیر تیز تر ہے کہ ایسوں پر حجاب آ جاتے ہیں جیسے تھے ویسے ہی بلکہ اس سے بدتر ہو جاتے ہیں ان لوگوں کا حال ہمارے اعمال لکھنے والے فرشتوں پر نہیں چھپا رہتا۔ دیکھا گیا ہے کہ بعض لوگ پانی پر چلنے ہوا پر اڑنے لگے انہیں طی الارض عطا ہوئی مگر وہ اسے سنبھال لے اللہ کے خفیہ تدبیر سے بچنے کا ذریعہ اس کی اطاعت ہے مکر و حیلہ سازی سے انسان رب کو دھوکا نہیں دے سکتا اس عذاب سے اطاعت کے قدم کے ذریعہ اس کی رحمت کی طرف دوڑو ورنہ وہ مثال ہوگی کہ پٹتا ہوا جانور دم ہلا کر سمجھے کہ یہ عمل مصیبت سے بچالے گا (روح البیان) اے انسان تیری تاک میں دو شکاری ہیں۔ تو درمیان میں ایک شکار ہے۔ نفس اور شیطان تیرے پیچھے پڑے ہیں۔ تو ان سے رب کی پناہ لے۔

حکایت: ایک فاختہ درخت کی شاخ پر بیٹھی تھی اس نے نیچے دیکھا تو شکاری اس کی طرف تیر کمان میں لگا رہا تھا اوپر دیکھا تو اس کی فکر میں باز تھا۔ بولی اے رب اب میں کدھر جاؤں۔ نیچے تیر ہے اوپر باز شکار ایک ہے شکاری دو۔ اب تو ہی مجھے بچا بس اس کی زاری جناب باری تعالیٰ میں قبول ہوئی۔ شکاری کو سانپ نے کاٹا۔ جس سے اس کا تیر غلط چھوٹا۔ وہ باز کو لگا دونوں شکاری ہلاک ہوئے۔ یہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتی ہوئی اپنے گھر روانہ ہوگئی مارنے والے سے بچانے والا بڑا ہے۔

هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتّٰٓى اِذَا كُنْتُمْ فِي

وہ رب وہ ہے جو چلاتا ہے تم کو خشکی میں اور دریا میں حتی کہ جب تم کشتی میں ہوتے ہو

وہی ہے کہ تمہیں خشکی اور تری میں چلاتا ہے یہاں تک کہ جب تم

الْفُلْكِ وَجَرَيْنَ بِهِمْ بِرِيْحٍ طَيِّبَةٍ وَّفَرِحُوْا بِهَا جَآءَتْهَا

اور بہتی وہ انہیں لے کر ہوا سے اچھی اور خوش ہوتے ہیں وہ اس سے

کشتی میں ہو اور وہ اچھی ہوا سے انہیں لے کر چلیں اور اس پر خوش ہوئے ان پر

رِيْحٌ عَاصِفٌ وَّجَآءَهُمُ الْمَوْجُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ

تو آتی ہے ان پر ہوا سخت اور آتی ہے ان پر موج ہر جگہ سے اور

آندھی کا جھونکا آیا اور ہر طرف سے لہروں نے انہیں آ لیا اور

ظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اُحِيْطَ بِهِمْ ۙ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ۚ

گمان کر لیتے ہیں وہ کہ بیشک وہ گھیر لیے گئے تو دعا کرتے ہیں وہ اللہ سے خالص کرتے

سمجھ گئے کہ ہم گھر گئے اس وقت اللہ کو پکارتے ہیں نرے اس کے بندے

www.alahazratnetwork.org

لَئِنْ اَنْجَیْتَنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ ﴿۲۲﴾

ہوئے اس کیلئے دین کو البتہ اس وقت اگر نجات دے گا تو ہم کو تو ضرور ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں میں سے

ہو کر کہ اگر تو اس میں سے ہمیں بچا لے گا تو ہم ضرور شکر گزار ہوں گے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی انقلابی طبیعت کا کلی حال بیان ہوا کہ ان کی طبیعتیں حالات وکیفیات کے بدلنے سے بدلتی رہتی ہیں۔ مصیبت میں ان کی طبیعت اور قسم کی ہوتی ہے راحت میں اور طرح کی اب اس کے ثبوت میں ان کے ایک خاص انقلاب کا ذکر ہے کہ سمندر کے سفر میں موافق ہوا چلے تو ان کا اور حال ہوتا ہے مخالف ہوا چلے تو دوسرا حال۔ گویا یہ آیت کریمہ پچھلے کلی قانون کا ثبوت ہے یا اس کی مثال۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی قدرتوں اور توحید کے دلائل کا ذکر ہے جو انسان پر وارد ہوتی رہتی ہیں۔ جہاں انسان کی تمام طاقتیں تدبیریں ختم ہو جاتی ہیں یعنی سمندر میں پھنسنا وہاں سے نکلنا وغیرہ (روح المعانی)

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو تمہاری تدبیروں سے اللہ کی تدبیر بہت تیز ہے وہ ایک آن میں تمہاری ساری تدبیریں کوششیں ختم فرما دیتا ہے اب اس کا ثبوت خود ان کی واردات سے دیا جا رہا ہے کہ سمندر کی لہریں آن کی آن میں تمہاری ساری تدبیریں جو تم سمندر کے لئے کرتے ہو ختم فرما دیتا ہے پھر تم کو دعا کے سوا اور کچھ نہیں سوجھتا۔

لطیفہ: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ایک دہریہ منکر خدا نے آ کر عرض کیا کہ خالق کے ثبوت پر کوئی توی دلیل دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تو کام کیا کرتا ہے۔ اس نے کہا تجارتی کاروبار۔ فرمایا کیا تو نے کبھی سمندر کا سفر بھی کیا ہے بولا ہاں فرمایا تو کبھی سمندر میں پھنسا بھی ہے بولا ہاں ایک بار کاروباری سلسلہ میں سمندر میں سفر کر رہا تھا کہ کشتی پھٹ گئی اور میں ایک تختہ پر بیٹھا رہ گیا۔ آندھی چل رہی تھی۔ آپ نے پوچھا کہ اس وقت تیرے دل میں کچھ عاجزی اور دعا کا جذبہ پیدا ہوا۔ وہ بولا ہاں آپ نے فرمایا خدا وہ ہی ہے جس کی بارگاہ میں اس وقت تو گڑگڑایا تھا اور تیرا وہ حال رب تعالیٰ کی دلیل ہے (کبیر)

تفسیر: هو الذی یسیر کم فی البر و البحر ۔ ہم نے بارہا عرض کیا کہ هو الذی یا تو اظہار قدرت کے موقعہ پر ارشاد ہوتا ہے یا اظہار کرم کے موقعہ پر یا نشانی قدرت دلیل قدرت پر۔ یہاں ساری صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ھو سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے الذی سے مراد صفت باری تعالیٰ یعنی وہ ذات کریم وہ رحم و کرم والا ہے۔ ہماری قرات میں یسیر کم ہے تیسیر کا مضارع باب تفعیل ایک قرات میں ینشر کم نشر سے بمعنی پھیلانا جیسے فرمان عالی ہے۔ فانتشروا فی الارض۔ یسیر بنا ہے تیسر سے بمعنی چلانا سیر کرانا۔ سیر ہے لازم بمعنی چلنا تیسیر متعدی ہے بمعنی چلانا۔ کم میں خطاب یا تو کفار سے ہے یا سارے انسانوں سے۔

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے: کبھی بندے کی طرف ہوتی ہے کبھی رب کی طرف یہاں سیر کرانے چلنے کی نسبت رب کی طرف ہے اور قل سیروا فی الارض ۔ میں سیر کی نسبت بندے کی طرف۔ رب فرماتا ہے کما اخرجک ربک من بیتک بالحق ۔وہاں نکالنے کی نسبت رب کی طرف ہے۔ دوسری جگہ فرماتا ہے۔ اذا اخرجه الذین کفروا وہاں نسبت نکالنے کی کفار کی طرف ہے یوں ہی فلیضحکوا قلیلا ولیبکوا کثیرا ۔ دوسری جگہ ہے وانه هو اضحک وابکی ۔اور فرماتا ہے وما رمیت اذ رمیت چونکہ خشکی میں چلنا پھرنا ہر شخص کو ہر وقت میسر ہوتا ہے اور سمندر میں سفر کبھی کسی کو نصیب ہوتا ہے اس لئے خشکی کا ذکر پہلے ہوا۔ سمندر کا ذکر بعد میں۔ چلانے سے مراد ہے چلنے پھرنے کے اسباب جمع فرمادینا۔ انہیں اس کا موقعہ دینا پاؤں۔ گھوڑے گاڑی ریل موٹریں وغیرہ پیدا فرمانا خشکی کے سفر کا موقعہ دینا ہے۔ کشتی جہاز وغیرہ پیدا فرمانا سمندر میں چلانا ہے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی وغیرہ) حتی اذا کنتم فی الفلک ۔ یہ عبارت دریا میں سیر کرانے کی انتہا ہے فلک بروزن قفل واحد ہے اور فلک بروزن اسد جمع اس لئے اس آیت میں فلک کے لئے ایک ضمیر واحد لائی گئی جاء تها ریح اور دوسری ضمیر جمع وجرین بهم فلک چھوٹی کشتی کو بھی کہتے ہیں۔ بڑے جہاز کو بھی۔ یہاں مراد وہ بادبانی کشتیاں ہیں جو ہوا کی مدد سے چلتی تھیں جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے وجرین بهم بریح طیبة اس عبارت میں حاضر سے غائب کی طرف التفات ہے کہ پہلے فرمایا گیا تھا۔ اذا کنتم خطاب سے اور اب ارشاد ہے جرین بهم غائب عربی میں التفات فصاحت و بلاغت کا رکن ہے مگر غائب سے حاضر کی طرف التفات زیادتی قرب حضور ﷺ کے لئے ہوتا ہے جیسے الرحمن الرحیم ملک یوم الدین کے بعد ایاک نعبد اور حاضر سے غائب کی طرف التفات ناراضی ظاہر فرمانے کے لئے ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے چونکہ فلک جمع بھی ہے اس لئے جرین صیغہ جمع ارشاد ہوا نیز فلک بمعنی سفینہ ہے اور سفینہ مونث ہے اس لئے جرین بهم جمع مونث ارشاد ہوا اور چونکہ بمعنی مرکب یعنی سواری بھی ہے لہٰذا اسے مذکر بھی لاتے ہیں۔

خیال رہے: کہ عرب، عجم، رہب طفل، نخیب وغیرہ وہ اسم ہے جو واحد بھی ہیں اور جمع بھی ہیں (روح المعانی) ایسے ہی فلک ہے بهم میں ب بمعنی مع ہے اور هم سے مراد کشتی کے سوار لوگ ہیں۔ بریح کی ب سبب یا مدد کی ہے اکثر قرآن مجید میں ریح غضب کی ہوا کو کہا جاتا ہے اور ریاح رحمت کی ہواں کو مگر یہاں چونکہ ساتھ ہی طیبة بھی ہے اس لئے ریح بمعنی رحمت کی ہوا ہے۔ طیب ہوا سے مراد وہ ہوا ہے جو نرم بھی ہو اور کشتی کے موافق بھی جس سے کشتی بہت جلد منزل مقصود پر پہنچے۔ وفرحوا بها ۔ یہ عبارت معطوف ہے جرین پر فرحت سے مراد شکر کی خوشی نہیں بلکہ فخر و تکبر کی خوشی ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یہاں کا مرجع ریح ہے یا فلک یعنی کشتی جاءتها ریح عاصف یہ عبارت جزا ہے اذا کنتم کی ها کا مرجع فلک ہے چونکہ واحد بھی ہے اس لئے یہاں ضمیر واحد ارشاد ہوئی یا جمع مونث کے لئے ضمیر واحد بھی آجاتی ہے۔ (کبیر)

خیال رہے: کہ ریح مونث ہے مگر عاصف صرف ریح کی صفت ہے۔ دوسری کسی چیز پر نہیں بولی جاتی۔ اس لئے ریح کی صفت عاصف بھی آجاتی ہے اور عاصفہ بھی یہاں عاصف آیا اور ولسلیمان الریح صفة تجری بامره میں عاصفہ مونث ارشاد ہوا۔ جیسے عورت کے لئے خالص اور خالصہ دونوں لفظ ہیں (تفسیر کبیر و معانی وغیرہ) عاصف بنا ہے عصف یا عصوفہ سے

www.alahazratnetwork.org

بمعنی جلدی کہا جاتا ہے ناقة عاصفة تیز رفتار اونٹنی۔ وجاء ھم الموج من کل مکان۔ یہ عبارت معطوف ہے جاء ھم الموج پر اور اس میں ان سوار کفار کا تیسرا حال ارشاد ہو یہاں ظن بمعنی یقین ہے یا تو اپنے معنی میں ہے یعنی انہیں مصیبتوں میں گھیر دیا گیا یا بمعنی موت ہے یعنی ان پر مسلط کر دی گئی۔ ہر حال انہیں اپنی زندگی کی امید نہ رہی جب یہ حال ہوا تو دعو واللہ مخلصین له الدین۔ اس حالت میں وہ بتوں کو بھول جاتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نرے بندے بن جاتے ہیں۔ اب عجز وانکسار کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہیں یا اس سے دعائیں ونجات کرتے ہیں لہٰذا دین بمعنی ملت و مذہب ہے یا بمعنی توجہ اور دل جھکاؤ بہر حال ان کا یہ مجبوری والا اخلاص گویا اضطراری ایمان ہے جس پر شرعی احکام مرتب نہیں ہوتی لہٰذا اس کے بعد کفر کو ارتداد نہیں کہا جا سکتا۔ سیدنا عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ کفار عرب آرام میں تو اللہ تعالیٰ سے بھی دعائیں کرتے تھے اور بتوں سے بھی مگر ایسی خطرناک آفت میں صرف رب تعالیٰ سے دعا کرتے تھے۔ بتوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ یہ بتانے کے لئے مخلصین له الدین ارشاد ہوا۔ (تفسیر کبیر) لئن انجیتنا من ھذه لنکونن من الشاکرین۔ یہ فرمان عالی دعو اللہ کا مقولہ ہے اس میں شکر سے مراد شرک چھوڑ کر مسلمان بن جانا اور ساری عمر اس نعمت ونجات کے شکریہ میں اللہ کی اطاعت وعبادت کرنا۔ یعنی اگر تو نے اس دفعہ ہماری جان بچالی تو ہم عمر بھر مسلمان متقی بن کر رہیں گے۔ تیرا یہ احسان کبھی نہ بھولیں گے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو وہ اللہ جس کی طرف تم کو رسول اللہ بلاتے ہیں وہ رحمتوں والا اللہ ہے۔ جو تم کو خشکی و سمندر میں چلاتا۔ پھراتا ہے کہ اس نے تمہارے لئے خشکی کی سواریاں بھی پیدا فرمائیں اور تمہارے قدم بھی مختلف سواریوں کے جانور گاڑیاں وغیرہ اور سمندری سفر کے لئے بھی سواریاں پیدا کیں۔ کشتی، جہاز وغیرہ حتی کہ جب تم کشتی کے ذریعہ سمندر کا سفر کرتے ہو اور تم کو لے کر کشتی سمندر میں جاری ہوتی ہے۔ اور ہمارے کرم سے ہوا نرم بھی ہوتی ہے اور کشتی کے موافق بھی۔ جس سے سواریاں بہت خوش وخرم بھی ہوتی ہیں سمندر کے سیر سے لطف اندوز بھی کہ اچانک آندھی شروع ہو جاتی ہے جس سے چوطرفہ سے موجیں اٹھتی ہیں کشتی کو گھیر لیتی ہیں سواریوں کو اپنی موت سامنے نظر آنے لگتی ہے تو یہ لوگ اپنے بتوں کو بھول کر اللہ تعالیٰ کے نرے بندے بن کر اپنے چھٹکارے کی دعائیں مانگتے ہیں کہ مولیٰ اس دفعہ تو ہم کو نجات دے دے تو ہم تجھ سے وعدہ کرتے ہیں کہ ہم تیرے خالص بندے اور بڑے مطیع وفرمانبردار رہیں گے۔

حکایت: فتح مکہ کے دن حضور انور ﷺ نے چند شخصوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ جہاں ملیں قتل کر دیے جاویں ان میں حضرت عکرمہ ابن ابوجہل ڈر کی وجہ سے مکہ معظمہ سے جدہ بھاگے۔ وہاں سے حبشہ کے لئے بحری کشتی میں سوار ہو گئے۔ راستہ میں کشتی کو تیز آندھی نے گھیر لیا۔ جب کشتی کی سواریوں کو اپنی زندگی سے مایوسی ہوئی تو ملاح وغیرہ ہم نے سواریوں سے کہا خلوص دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کرو یہاں تمہارے بت اور دوسرے معبود کچھ کام نہ آئیں گے۔ عکرمہ بولے کہ اگر سمندر میں بت کام نہیں آ سکتے تو خشکی میں بھی کام نہیں آ سکتے۔ خدایا میں عہد کرتا ہوں کہ تو نے اس بلا سے نجات دے دی تو میں حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے ہاتھ پر ایمان لاؤں گا۔ مجھے امید ہے کہ میں انہیں معافی

www.alahazratnetwork.org

دینے والا کریم پاؤں گا۔ اللہ نے انہیں نجات دے دی پھران کے اسلام لانے کا مشہور واقعہ پیش آیا۔ (تفسیر روح البیان)
اللہ کی شان ہے کہ باپ ابو جہل کفار کا سردار اور بیٹا حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ مسلمانوں کا سردار ہے کہ مومن، متقی، صحابی سب کچھ ہے یہ اس کی بے نیازی ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہمارا زمین پر چلنا پھرنا۔ سواریوں پر دوڑ لگانا۔ سمندر میں تیرنا سب رب کی طرف سے ہے اگر اس کا کرم شامل حال نہ ہو تو ہم جنبش نہیں کر سکتے۔ یہ فائدہ **یسیر کم** (الخ) سے حاصل ہوا انسان ہر قدم پر شکر کرے۔

دوسرا فائدہ: انسان کے اعمال و اقوال بھی اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں یعنی انسان اپنے اعمال کا کاسب ہے رب تعالیٰ ان کا خالق یہ فائدہ بھی **یسیر کم** (الخ) سے حاصل کہ یہاں چلانے کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف کی گئی یہ نسبت خلق کی ہے دوسری جگہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **واللہ خلقکم وما تعملون**۔ اللہ نے تم کو اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔

تیسرا فائدہ: اللہ کی نعمتوں پر فخر اور اترانے کی خوشی کرنا کفار کا طریقہ ہے اور شکریہ کی خوشی منانا مومن کا طریقہ یہ فائدہ **وفرحوا** سے حاصل ہوا کہ اس خوشی کو رب تعالیٰ نے بطور عتاب بیان فرمایا۔ ایک جگہ ارشاد ہے **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** خوشی نہ کرو اللہ خوشی کرنے والوں کو ناپسند کرتا ہے۔ وہاں یہ ہی شیخی کی خوشی سے ممانعت ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **بفضل اللہ وبرحمۃ فبذلک فلیفرحوا**۔ اللہ کے فضل اس کی رحمت پر خوب خوشی کرو۔ وہاں شکریہ کی خوشی مراد ہے۔

چوتھا فائدہ: مصیبت میں خدا کو یاد کرنا آرام میں اسے بھول جانا کفار کا طریقہ ہے مومن کو چاہئے کہ ہر حالت میں عیش و طیش میں رب کو یاد کرے۔ یہ فائدہ **دعوا اللہ** (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے اس وقت خدا کی یاد پر عتاب فرمایا۔ کیونکہ وہ وقتی یاد تھی اس کی یاد دائمی چاہئے۔

پانچواں فائدہ: اللہ کو پکارنا اس سے دعا کرنا عبادت ہے مگر جب کہ ایمان کے ساتھ ہو۔ کافر کے یہ کام بھی اس کے کفر میں شمار ہوتے ہیں۔ دیکھو یہاں **عوا اللہ** اور یوں ہی **مخلصین لہ الدین** کو ان کے کفریات میں گنایا۔ ایمان اضطراری شرعاً معتبر نہیں اختیاری ایمان کا اعتبار ہے۔ دیکھو کفار مضطر اور مجبور ہو کر ایمان اختیار کرتے تھے مجبوری ختم ہو جانے پر ان کا ایمان بھی ختم ہو جاتا تھا۔ اس لئے فرعون کا ڈوبتے وقت **آمنت** کہنا کافر کا نزع کی حالت میں ایمان قبول کرنا معتبر نہیں یہ فائدہ **مخلصین لہ الدین** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کے اخلاص اور دین کا ذکر فرمایا مگر انہیں مومن نہیں مانا۔

چھٹا فائدہ: کافر کی نذر منت شرعاً معتبر نہیں نہ اس پر شرعی احکام کفارہ وغیرہ واجب ہیں۔ یہ فائدہ **لنکونن من الشاکرین** سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان کی اس منت کا ذکر تو فرمایا مگر بعد میں منت پوری نہ کرنے پر ان پر کفارہ لازم نہ فرمایا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں دو سواریوں کا ذکر فرمایا خشکی اور تری یعنی سمندر کی مگر بعد میں صرف سمندری سواری

www.alahazratnetwork.org

کا حال بیان کیا۔ دیکھو پہلے فرمایا فی البر والبحر اور پھر ارشاد ہوا۔ حتی اذا کنتم فی الفلک اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اگرچہ مجبوریاں انسان کو خشکی اور دریا دونوں جگہ پیش آتی ہیں مگر سمندر میں زیادہ اور خطرناک دوران سفر آندھی آنا کشتی کا چکر کھانا ہر طرف سے موجوں کا گھیر لینا۔ موت کا سخت خوف یہ چیزیں صرف دریائی سفر میں ہی ہوتی ہیں۔ اس حالت میں لوگ ایمان اور شکر کے وعدے بہت کرتے ہیں اس لئے خصوصیت سے اس کا ذکر ہوا۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں لفظ فلک ایک ہے مگر اس کے لئے ضمیریں دو ارشاد ہوئیں جوین جمع موئث اور جاء تھا ریح عاصف واحد موئث اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب: اس کی دو وجہیں ابھی تفسیر میں عرض کی گئیں ایک یہ کہ واحد موئث کی ضمیر جمع کی طرف بھی لوٹ جاتی ہے بمعنی جماعت دوسرے یہ کہ فلک واحد بھی ہے جمع بھی واحد کے لحاظ سے بہا فرمایا گیا جمع کے معنی سے جرین جمع ارشاد ہوا۔ (کبیر معانی)

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا بریح طیبة یعنی ریح کی صفت طیبہ موئث اور پھر ارشاد ہوا ریح عاصف یعنی ریح کی صفت عاصف مذکر اس فرق کی وجہ کیا ہے یا وہاں بھی طیب فرمایا جاتا یہاں بھی عاصفة ہوتا۔

جواب: نحوی قائدہ یہ ہے کہ صفات مشترکہ جو مذکر و موئث دونوں کی صفت ہوں وہ مذکر کے لئے مذکر اور موئث کے لئے موئث آتی ہیں جیسے قائم اور قائمة کیونکہ موئث کی علامت کی وجہ سے ان میں فرق ہوتا ہے۔ مگر خصوصی صفات جو صرف موئث کی ہوں مذکر کی کبھی نہ ہوں۔ وہ موئث کے لئے بغیرت کے آتی ہیں کہ وہاں فرق کی ضرورت نہیں جیسے حامل اور خالص کہ حمل اور حیض صرف عورتوں کو ہوتا ہے لہٰذا عورت کو حامل اور خالص کہہ سکتے ہیں طیب مذکر کی بھی صفت ہے اور موئث کی بھی۔ اس لئے طیبة فرمایا۔ اور عاصف صرف موئث کی صفت ہوتی ہے اس لئے ریح موئث کے لئے عاصف بغیرت تانیث کے ارشاد ہوا یہ قاعدہ یاد رکھنا چاہئے۔

چوتھا اعتراض: یہاں کفار کی برائی کے سلسلہ میں ان کا اچھی ہوا سے خوش ہونا بیان ہوا۔ وفرحوبھا حالانکہ اللہ کی نعمت پر خوش ہونا تو عبادت ہے۔ جس کا قرآن مجید میں حکم دیا گیا ہے۔

جواب: خوشی دو طرح کی ہوتی ہے (١) شکر کی اور (٢) فخر کی اور (٣) غفلت شکر کی خوشی عبادت ہے اور فخر کی خوشی حرام بلکہ کبھی کفر ہے یہاں دوسری خوشی مراد ہے دیکھا جاتا ہے کہ جب جہاز سمندر میں آرام سے تیر رہا ہو تو وہاں گانا، باجہ، شراب، زنا میں مصروف ہوتے ہیں خدا کو بھول جاتے ہیں کیا یہ خوشی عبادت ہے جب جہاز ڈوبنے لگتا ہے تو چیختے چلاتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: آج کل کے دنیاوی پیروں کو ماننے والے مسلمان اس زمانہ کے کفار سے بدترین ہیں کہ کفار سمندری آفات میں پھنس کر اللہ تعالیٰ سے فریادیں کرتے اسے پکارتے تھے دیکھو فرمایا گیا دعو اللہ مگر یہ مسلمان ایسے نازک وقت میں بھی یا غوث یا پیر یا رسول اللہ المدد یا علی مدد ہی پکارتے ہیں۔ (تفسیر روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

نوٹ ضروری: اس جگہ یہ بات روح المعانی نے کی ہے فقیر کا خیال ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے کسی دیو بندی نے ملائی ہے مجھ سے بعض حاجیوں نے فرمایا کہ سید محمود آلوسی یعنی صاحب روح المعانی کا بیٹا بدمذہب ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے والد کی کتب میں جگہ جگہ زیادتی کی ہے ممکن ہے کہ یہ بھی اسی کی مہربانی ہو۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ قیامت میں بڑی افراتفری اور سخت مصیبت ہوگی اس وقت ساری مخلوق حضرات انبیاء کرام کوشفاعت کے لئے پکارتی ہوگی۔ ان کے پاس جاوے گی۔ آخر کار حضور ﷺ کے دروازے پر پہنچ کر آپ ﷺ سے فریادی ہوگی۔ جب قیامت کی مصیبت میں نبی کو مدد کے لئے پکارنا درست ہوا تو سمندر کی آفت اس سے کہیں کم ہے نوح علیہ السلام کی کشتی حضور انور ﷺ کے توسل حضور کو پکارنے سے پار لگی مولانا جامی فرماتے ہیں۔ شعر

اگر نام محمد را نہ آوردے شفیع آدم نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

جواب تحقیقی یہ ہے کہ مصیبتوں میں بتوں کو پکارنا شرک ہے مقبول بندوں کو پکارنا بالکل حق ہے۔ انہیں پکارنا ان کے توسل سے دعا کرنا در حقیقت رب تعالیٰ ہی کو پکارنا اس سے دعا کرنا ہے۔ دیکھو اگر ڈوبتے وقت کافر بت کی طرف سجدہ کرے تو مشرک ہے لیکن اگر مومن کعبہ کی طرف سجدہ کرے نفل پڑھے سجدہ میں پڑ کر دعا مانگے تو مومن ہے کہ کعبہ کی طرف سجدہ رب کو سجدہ ہے نبی سے فریاد کرنا رب تعالیٰ سے فریاد ہے اگر روح المعانی کی یہ عبارت درست ہی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کو بھول کر اسے چھوڑ کر صرف نبی ولی سے فریاد کرنا برا بلکہ کفر ہے جب عقیدہ یہ ہوا کہ خدا تعالیٰ کچھ نہیں کرتا جو کرتے ہیں پیر فقیر کرتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔ **ولا یکاد یمر له ببال انه لو دعا الله تعالیٰ وحده ینجو من هاتیک الاهوال** ____ یعنی اس کے دل میں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اسے پکارنا نجات کا ذریعہ ہے یہ عقیدہ صریحی شرک ہے خود میں نے بعض جاہل فقیروں کو کہتے سنا ہے کہ خدا نے مجھ پر مصیبت بھیجی تھی میرے پیر نے ٹال دی اور میرا پیر بڑا رب ہے ان شیاطین کا ایک شعر مشہور ہے۔ شعر

ومات الشافعی ولیس یدری علی ربه امر رب الله

یعنی شافعی مر گیا مگر اسے یہ پتہ نہ لگا کہ علی رب ہیں یا اللہ رب ہے۔ نہ معلوم یہ شافعی کون شیطان تھا جس کی یہ بکواس ہے مسلمان ایسی آفات میں یا تو بزرگوں کے توسل سے رب سے دعا کرتے ہیں یا ان بزرگوں سے اللہ کا واسطہ دے کر مدد طلب کرتے ہیں جیسے بھکاری فقیر کسی امیر کے دروازہ پر اللہ کے واسطے سے بھیک مانگتا ہے۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ سے دعا کرنا اخلاص سے عرض معروض کرنا تو بہترین عبادت ہے پھر اس کا کفار کی برائیوں کے سلسلہ میں کیوں بیان ہوا کہ **دعوا الله مخلصین له الدین**۔

جواب: یہاں یہ دعا مانگنے پر عتاب نہیں بلکہ وعدہ خلافی بے وفائی آرام میں رب کو بھول جانا تکلیف میں اسے یاد کرنا پھر آرام پا کر بھول جانا اس پر عتاب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: کشتی اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کے ذریعہ سمندر پار کیا جاتا ہے۔ اس کے ذریعہ تجارات، حج، عمرہ، جہاد وغیرہ ادا کر کے رب تک پہنچا جاتا ہے مگر یہ فوائد تب ہیں جب ہوا موافقت کرے۔ اس سائنس کے زمانہ میں جب مشینی جہاز تیار ہو چکے ہیں اگر ہوا مخالف ہو جاوے تو جہاز کو تنکے کی طرح برباد کر دیتی ہے۔ انسان کا دل بھی گویا فائدہ مند کشتی ہے۔ جو دنیا میں تیر رہی ہے۔ اگر اس مدینہ طیبہ کی نرم و خوشگوار ہوا پہنچتی رہے تو انشاء اللہ خیریت سے بیڑا پار ہو گا۔ اور اگر بروں کی صحبت سے برائیوں کی ہوا کے تھپیڑے اسے لگنے لگیں تو آفت ہی آفت ہے کبھی اس دل کی کشتی پر دنیوی تفکرات یہاں کی پریشانیوں کی مخالف ہوائیں لگتی ہیں تو انسان پریشان ہو کر بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے۔ شعر۔

گر مرا ایں بار ستاری کند توبہ کردم من زہرنا کردنی!

خدایا مجھے اس دفعہ بچالے اب میں تیرے دروازے پر حاضر ہوں گا۔ اگر انسان اس وعدے پر قائم رہے تو کامیاب ہے اس سے پھر جائے تو ناکام جیسے سمندر کے سفر میں جب تک کنارہ نہ لگ جائے تب تک ہر وقت خطرہ ہے۔ ایسے ہی سفر دنیا میں جب تک خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہو جائے ہر وقت خطرہ ہے۔ خدا کرے خیریت سے کشتی پار لگے۔ اس آیت کی تفسیر صوفیانہ اور بہت زیادہ ہو سکتی ہے مثلاً یہ کہ طریقت سمندر ہے شریعت اس سمندر کو طے کرانے والی کشتی اس سفر میں کبھی ایسی آفات آجاتی ہے کہ انسان گھبرا جاتا ہے اور متوجہ الی اللہ ہو جاتا ہے اگر یہ قائم رہے تو کامیاب ورنہ ناکام۔

فَلَمَّآ اَنْجٰىهُمْ اِذَا هُمْ يَبْغُوْنَ فِى الْاَرْضِ بِغَيْرِ
پھر جب نجات دیتا ہے ان کو تو اچانک وہ بغاوت کرتے ہیں زمین میں ناحق
پھر جب اللہ انہیں بچالیتا ہے جب بھی وہ زمین میں ناحق زیادتی کرنے لگتے
الْحَقِّ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَا بَغْيُكُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ
اے لوگو اس کے سوا نہیں کہ تمہاری بغاوت جانوں پر ہے تمہاری سامان
ہیں اے لوگو تمہاری زیادتی تمہاری ہی جان کا وبال ہے
مَّتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ
زندگانی دنیا کا پھر ہماری طرف ہی ہے لوٹنا تمہارا
دنیا کے جیتے جی برت لو پھر تمہیں ہماری طرف پھرنا ہے
فَنُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۳﴾
پس خبر دیں گے ہم تم کو جو تم کرتے تھے
اس وقت ہم تمہیں جتا دیں گے جو تمہارے کوتک تھے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی دعاء نجات کا ذکر تھا۔ اب اس دعا کی قبولیت کا تذکرہ ہو رہا ہے کہ ہم ان کو سمندر کی لہروں سے نجات دے دیتے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بندوں کی بے وفائی کا ذکر ہوا اب رب تعالیٰ کی وفا کا ذکر ہے کہ بندوں کی ان حرکتوں کے باوجود دعائیں قبول کرتا ہے مصیبتوں سے نجات دیتا ہے۔ شعر۔

اے کریم از ما جفا از تو وفا   اے رحیم از ما خطا از تو عطا

کار ما بد کاری و شرمندگی   کار تو ستاری و بخشندگی

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں مصیبتوں تکالیف کا انجام بیان ہوا کہ بندہ مصیبت میں پھنس کر رب کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔ اب عیش و آرام کے انجام کا تذکرہ ہے کہ اس میں عموماً انسان غافل ہو کر ناشکری کرتا ہے۔

تفسیر: **فلما انجاھم**۔ اس فرمان عالی میں ف عاطفہ ہے اور یہ عبارت پچھلی عبارت پر معطوف ارشاد فرما کر دو باتیں بتائی گئیں ایک یہ کہ انہیں سمندر سے نجات دینا۔ ان کی دعا کی بنا پر ہوتا ہے دنیا میں رب تعالیٰ گنہگاروں بلکہ کافرین کی بھی دعا قبول فرما لیتا ہے ان کی دعاؤں سے بھی آفات ٹال دیتا ہے۔ شعر

دوستاں را کجا کنی محروم   تو کہ بادشمناں نظر داری

دوسرے یہ کہ ان کی یہ آہ و فغاں یہ دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔ اگر قبولیت میں دیر لگے تو ان کا کام تمام ہو جائے۔ غرضکہ اس ف میں ترتیب بھی ہے اور فوراً کے معنی بھی انجام کا فاعل رب تعالیٰ ہے اور ھم سے مراد وہی سمندر کے طوفان میں پھنسے ہوئے لوگ پھر جب رب تعالیٰ انہیں کفار کو محض اپنے رحم و کرم کے ذریعے سمندر سے نجات دیتا ہے کہ ہوا ٹھہر جاتی ہے اور وہ بخیریت کنارہ پر اتر جاتے ہیں **اذا ھم یبغون فی الارض** اس عبارت میں اذا بمعنی اچانک ہے اور جزائیہ اور یہ جملہ لما کی جزا ہے۔ اذا فرما کر یہ بتایا کہ وہ ایسے ڈھیٹ ہیں کہ سمندر سے پار لگنے کے بعد فوراً بغیر تاخیر فساد پھیلاتے ہیں اس مصیبت کو اور کئے ہوئے وعدوں کو یکدم بھول جاتے ہیں **یبغون** مضارع فرما کر بتایا کہ وہ ایک دو بار نہیں بلکہ ہمیشہ یہی کرتے ہیں۔ **الارض** سے مراد ساری زمین ہے کیونکہ کفار اگرچہ کسی خاص جگہ میں ہوں مگر ان کا فساد اور فساد کا نتیجہ ساری زمین میں پھیلتا ہے۔ اس لئے **فی الارض** ارشاد ہوا۔ **یبغون** بنا ہے بغی کی لغت میں بغی اور طغی دونوں کے معنی ہیں حد سے بڑھنا اس لئے سیلاب کو طغیانی کہا جاتا ہے **بغی** ہی سے ہے بغاوت یعنی سلطان اسلام کی حد سے ظلم کی طرف حق سے باطل کی طرف۔ اطاعت سے نافرمانی کی طرف نکلنا بری بغی ہے اور انصاف سے رحم کی طرف۔ فرض سے نوافل کی طرف نکلنا اچھی بغی ہے۔ (خازن) **اصمعی** کہتے ہیں کہ بغی کے معنی ہیں فساد و خرابی میں زیادتی چنانچہ فاجرہ عورت کو باغیہ کہتے ہیں جمع۔ بغایا۔ (رنڈیاں) کہا جاتا ہے **بغلی الجرح**۔ زخم بگڑ گیا۔ (کبیر) اصطلاح میں بغی کے چند معنی ہیں تلاش کرنا۔ اسی سے ابتغاء ہے **وابتغوا فضل اللہ** چاہنا **لا یبغون فی الارض فسادا** مضارع کی پہلی شب کو فرشتہ پکارتا ہے **یاباغی الشر اقصر** اے

www.alahazratnetwork.org

شرارت چاہنے والے باز آجا۔ یہاں بغی کے معنی ہیں زیادتی کرنا بغیر الحق یہ متعلق ہے یبغون کے چونکہ زمین میں زیادتی حق بھی ہوتی ہے ناحق بھی اس لئے بغیر الحق ارشاد ہوا۔ مجاہد غازیوں کا کفار کی زمین میں داخلہ وہاں کفار کا قتل و غارت ان کے مکانات باغات میں آگ لگانا۔ وغیرہ حق بغی ہے جیسا کہ حضور انور ﷺ نے بنی قریظہ یہود کے ساتھ کیا۔ اس سے مقصود ہے کفر کا زور توڑنا۔ اسلام کو غالب کرنا۔ اور کفار کا شرک و کفر قتل و غارت ناحق بغی ہے یا یہ مطلب ہے کہ کفار اس بغاوت میں خود بھی اپنے کو ناحق سمجھتے ہیں اس کی درست وجہ نہیں بیان کر سکتے۔ یاایھا الناس۔ یہاں الناس سے مراد کفار ہیں اور یا ندا اظہار غضب کے لئے ہے۔ جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے یعنی اے کافرو لوگو۔ ندا (پکارنا) کبھی اظہار کرم کے لیے ہوتا ہے جیسے یاعیسیٰ یا اظہار محبوبیت اور اظہار عظمت کے لئے جیسے یا ایھا النبی کبھی غافلوں کو جگانے کے لئے جیسے یا ایھا الذین امنوا اور کبھی اظہار غضب کے لئے جیسے یاایھا الکافرون یا جیسے یہاں یا ایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم اس فرمان عالی میں غیبی خبر ہے کہ تمہارے فسادات سے اسلام مٹ نہ سکے گا بلکہ اس حرکت کا وبال تم پر ہی پڑے گا۔ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت تمہارے طعن تشنیع سے کم نہ ہوگی سورج کو پھونکیں مارنے سے سورج نہیں بجھتا بلکہ پھونکیں مارنے والا ہی تھکتا ہے اس غیبی خبر کا ظہور آج تک ہو رہا ہے۔ متاع الحیوۃ الدنیا ہماری آیت قرأت میں متاع کو نصب ہے یہ ایک پوشیدہ فعل تمتعوا کا مفعول مطلق ہے متاع برتنے کا سامان جسے آدمی استعمال کر کے چھوڑ جائے۔ سامان رہ جائے۔ اور برتنے والا چلا جائے۔ حیوۃ دنیا زندگی ہے جو دنیا کے لئے ہو۔ جیسے کفار کی زندگی جس کا مقصد صرف دنیا کمانا اس کی حفاظت کرنا اور چھوڑ جانا ہے۔ انبیاء کرام اولیاء اللہ ان کے صدقہ میں مومنوں کی زندگی دنیا میں زندگی ہے۔ دنیا کی زندگی نہیں یعنی تم کچھ دن دنیا کی زندگی میں یہاں کی نعمتوں سے نفع کما لو۔ یہ عارضی نفع ہے یہ سریع الزوال دائم الوبال ہے۔ ایک قرأۃ میں متاع الحیوۃ الدنیا عین کے پیش سے ہے ہذا پوشیدہ کی خبر (روح المعانی) ثم الینا مرجعکم یہ عبارت انما بغیکم (الخ) پر معطوف ہے۔ چونکہ انسان اپنی زندگی کا زمانہ گذار کر مرتا ہے اور بارگاہ الٰہی میں پہنچتا ہے اس لئے ثم ارشاد ہوا۔ الینا کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ رجوع سب کا رب کی طرف ہے مگر مومن کا رجوع عزت کے ساتھ۔ جیسے دوست دوست کے پاس ملاقات کے لئے جاتا ہے کافر کا رجوع ذلت وخواری کے ساتھ ناچار اور مجبور جیسے چور کی حاضری حاکم کی عدالت میں یہاں یہ آخری لوٹنا ہی مراد ہے۔ فننبئکم بما کنتم تعلمون چونکہ انسان کو اپنے اعمال کا پتہ مرتے ہی بلکہ مرتے وقت ہی لگ جاتا ہے۔ اس لئے یہاں ف ارشاد ہوئی۔ یعنی فوراً خبر دینے سے مراد بد اعمال کو دکھا دینا یا ان کی سزا دینا ورنہ قولی خبر تو دنیا میں بھی دے دی گئی ہے بذریعہ انبیاء اولیاء بذریعہ قرآن مجید احادیث کریمہ ما کنتم تعملون میں ہر قسم کے جسمانی جنانی روحانی سارے اعمال داخل ہیں۔ خلاصہ تفسیر۔ تم یہ تو سن چکے کہ کفار سمندر کی آفات میں پھنس کر کیسی دعائیں مانگتے ہیں اور ہم سے کیا کیا وعدے کرتے ہیں اب اگلا حال سنو۔ جب ہم ان کی عاجزی زاری والی فریاد سن کر ان پر رحم فرماتے ہیں۔ انہیں بخیریت کنارہ پر اتار دیتے ہیں تو پھر وہ لوگ پہلے کی طرح زمین میں ناحق فساد پھیلاتے پھرتے ہیں۔ وہ ہی گناہ وہ ہی کفر و شرک وہ ہی اسلام کے خلاف سازشیں وہ ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے

www.alahazratnetwork.org

غرضکہ اپنی اس بے بسی کو بھول جاتے ہیں۔ اور پرانی روش پر چل پڑتے ہیں۔ اے بدعہد کافر انسانوں تمہاری تمام زیادتیاں سرکشیاں خود تم پر پڑیں گی۔ اسلام، قرآن، صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گی۔ کچھ روز دنیوی زندگی میں یہاں کے سامان سے نفع اٹھالو۔ اسے برت لو۔ پھر آخر کار تم کو ہمارے ہی لوٹ کر آنا ہے۔ تب ہم کو تمہاری ساری حرکتوں بدکاریوں کی عملی خبر دیں گے کہ ان سب کی سزا دیں گے۔ روایۃ ابوالشیخ۔ ابونعیم۔ خطیب۔ دیلمی نے بروایت حضرت انس حدیث بیان کی کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تین جرم خود مجرم پر ہی پڑتے ہیں فریب، بدعہدی، یعنی وعدہ کر کے پھر جانا اور بغی یعنی ظلم ان ہی کے متعلق حضور علیہ السلام نے تین آیات پڑھیں۔ یا ایھا الناس انما بغیکم علی انفسکم اور دوسری ولا یحیق المکر السی الا باھلہ۔ اور تیسری آیت ومن نکث فانما نکث علی نفسہ (روح المعانی، کبیر۔ خازن وغیرہ)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: انسان کو چاہئے کہ مصیبت کا وقت ہمیشہ یاد رکھے اسے بھول جانا کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ فلما انجاھم (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مصیبت کے وقت رب تعالیٰ سے جو وعدے کئے ہوں وہ مصیبت دور ہو جانے پر ضرور پورے کرے اور اگر کوئی وعدہ نہ کیا ہو تب اس مصیبت کے دفعیہ کا شکریہ ہمیشہ کرتا رہے اس کے خلاف کرنا طریقہ کفار ہے۔ یہ فائدہ اذا ھم یبغون (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ دنیا میں بعض دعائیں کفار کی بھی قبول فرمالیتا ہے۔ یہ فائدہ انجاھم کی ف سے حاصل ہوا کہ یہاں نجات کو ان کفار کی دعا پر مرتب فرمایا گیا۔

چوتھا فائدہ: کفار کی بعض دعائیں بہت ہی جلد قبول ہو جاتی ہیں۔ یہ فائدہ بھی فلما انجاھم کی ف سے حاصل ہوا کہ اس کے معنی ہیں فوراً اگر وہ لوگ کچھ عرصہ سمندر کی لہروں میں یوں ہی گھرے رہتے تو مر جاتے۔

پانچواں فائدہ، شرعاً مجبوری کا ایمان معتبر نہیں نہ اس پر ایمان کے احکام جاری ہوں یہ فائدہ بھی اذا ھم یبغون سے حاصل ہوا۔ دیکھو وہ کفار سمندر میں گھر کر ایمان قبول کر لیتے تھے مگر مومن نہیں مانے جاتے تھے ورنہ پھر دوبارہ کفر کرنے پر مرتد ہوتے۔ اور قتل کئے جاتے۔ ایمان اختیاری چاہئے۔

چھٹا فائدہ: کفر اور گناہوں سے ساری زمین میں فساد پھیلتا ہے۔ ظھر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس۔ انسانوں کی بدکاریوں کی وجہ سے خشکی وتری میں فساد پھیلتا ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

بے ادب تنہا نہ خود را خوار کرد بلکہ ایں آتش بہمہ آفاق زد

ساتواں فائدہ: دوسروں کو پھانسنے والا ان شاء اللہ خود پھنستا ہے۔ یہ فائدہ انما بغیکم علی انفسکم سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: کافر کو دنیا کا مال واسباب بعد مرے کام نہیں آتا۔ مومن کی دنیا اسے مرتے وقت قبر حشر اور بعد حشر بھی

www.alahazratnetwork.org

کام آتی ہے۔ مومن دنیا میں صدقہ جاریہ کر کے جاتا ہے بلکہ وہ دنیا کو صرف دین کے لئے کما تا کھاتا ہے جس پر ثواب پاتا ہے۔ کافر کی نظر نفس پر ہے مومن کی نظر اللہ کی رضا پر۔ ڈاکٹر اقبال کہتے ہیں۔

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں　　　شاہیں کا جہاں اور ہے کرگس کا جہاں اور

پہلا اعتراض: تم نے کہا کہ کفار کی بعض دعا قبول ہوتی ہیں مگر قرآن کریم فرمارہا ہے **وما دعاء الکافرین الا فی ضلال** کفار کی دعائیں برباد ہیں تمہارا قول اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب: اس آیت میں آخرت کا ذکر ہے یعنی وہاں کفار کی دعائیں بیکار ہوں گیں سنی نہ جائیں گی یا دعا کے معنی ہیں عبادت یعنی کفار جو رب تعالیٰ کی یا بتوں کی عبادات کرتے ہیں سب بیکار ہیں بغیر ایمان کچھ قبول نہیں۔ شیطان کی دعا درازی عمر اور اس کا قبول ہونا قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہے۔

دوسرا اعتراض: بغی یعنی بغاوت تو ہمیشہ ناحق ہی ہوتی ہے پھر **بغیر الحق** کیوں فرمایا گیا۔

جواب: مفسرین نے اس اعتراض کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ خود ان کے اپنے خیال میں بھی ناحق تھی۔ جس کا کوئی عذر وہ پیش نہیں کر سکتے تھے۔ جیسے **یقتلون النبیین بغیر الحق** حالانکہ نبی کو شہید کرنا تو ناحق ہی ہوگا۔ دوسرے یہ کہ بغی حق بھی ہوتی ہی ناحق بھی۔ یعنی حد سے بڑھنا کبھی بہت ہی اچھا ہوتا ہے یہاں روح المعانی نے فرمایا کہ اگر بغی کے بعد فی ہو تو وہ کبھی حق ہوتی ہے کبھی ناحق اور اگر اس کے بعد علیٰ ہو تو وہ بمعنی ظلم ہوتی ہے۔ ہمیشہ ناحق نی والی بغی کے بعد اگر بغیر حق ہوگا تو دوسری قسم سے بچنے کے لئے اور اگر علی والی بغی کے بعد بغیر حق ہوگا کہ تو تاکید کے لئے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں علی المسلمین پوشیدہ ہے (روح المعانی)

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ تمہاری زیادتی تم پر رہے گی۔ دوسری جگہ ارشاد ہے **ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ**۔ برا فریب فریبی پر ہی نازل ہوتا ہے۔ مگر دیکھا جارہا ہے کہ بڑے بڑے مکار فریبی کامیاب رہتے ہیں اور مظلوم پس جاتے ہیں۔ جن کی زندہ جاوید مثال واقعہ کربلا ہے کہ مکار فریبی یزید اور اس کی شیطانی جماعت فتح یاب ہوئی۔ دین کے سردار حضرت حسین شہید ہوئے۔

جواب: تکلیف پانا کچھ اور چیز ہے فتح پانا کچھ اور چیز ہے۔ کامیابی کچھ اور چیز ہے یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ مظلومین کو بھی تکلیف پہنچے گی ہی نہیں رب فرماتا ہے کہ ہم تمہارے مختلف امتحان لیں گے۔ جان کا مال کا اولاد کا امتحان تم کو دینا ہوگا۔ مگر **ان العاقبۃ للمتقین** انجام صرف پرہیزگاروں کے لئے ہوتا ہے مکار فریبی ان شاء اللہ اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوتا امام حسین شہید ہوئے مگر یزیدی مقصد کے ٹکڑے اڑا دیئے اپنا مقصد پورا کر دیا کہ اسلام کی حفاظت فرمادی۔

قتل حسین اصل میں مرگ یزید ہے　　　اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

بعض غزوات میں صحابہ شہید ہو گئے مگر اپنا کام کر گئے مہندی کی طرح پس کر رنگ دے گئے یہ فرق یاد رہے

تفسیر صوفیانہ: مومن و کافر کی بلاؤں آفتوں میں بھی فرق ہے۔ مومن ایک بلا میں پھنس کر صدہا بلاؤں سے نجات پا جاتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ وہ دنیا کی بلا میں پھنستا ہے اور توبہ کر کے گناہوں کی بلا سے نجات پا جاتا ہے۔ جب بلا دور ہوتی ہے تو اسے صاف کر کے دھو کر نہلا کر دور ہوتی ہے۔ اس کے برعکس کافر پر بلائیں۔ جسمانی بلا کے ذریعے روحانی قلبی بلا میں اور زیادہ گرفتار ہو جاتا ہے کہ اس وقت جھوٹی توبہ رب سے جھوٹے وعدے کرتا ہے یہ بھی جرم پھر رہائی پا کر زیادہ سرکش ہو جاتا ہے اس کی زیادتی اس پر ہی پڑتی ہے مومن کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں بلکہ دنیا میں جیتا ہے آخرت کی زندگی لینے مگر کافر کی زندگی کفر کے لئے۔ کافر کی زندگی حیوۃ دنیا ہے کہ کافر کی زندگی خود ہی کے لئے ہے مومن کی زندگی خدا کے لئے۔ خدا سے امید ہے خود ہی سے خطرہ ہے حد سے نکلنا مومن کیلئے اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے کافر کیلئے انتہائی بدعملی۔ حضرت ابوبکر نے خیرات میں حد سے بڑھ کر سب کچھ صدقہ کر دیا غار ثور میں حفاظت جان کی حد سے نکل کر حضور ﷺ کی نیند پر جان فدا کر ڈالی۔ حضرت علی نے اداء نماز کی حد سے نکل کر حضور ﷺ کی نیند پر نماز عصر قربان کر ڈالی۔ سوچو یہ حد سے نکلنا ان حضرات کے لئے کیسا باعث برکت ہوا۔ اس لئے یہاں بغی کے ساتھ بغیر الحق ارشاد ہوا سب کا رجوع بعد قیامت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے مگر مومن دنیا میں ہی رب کی طرف رجوع کرتا ہے۔ گناہ کر کے توبہ کے ساتھ نیکی کر کے دعا مقبول کے ساتھ غافل ہو جائے تو بیداری کے ساتھ عیش میں شکر کے ساتھ۔ مصیبت میں صبر کے ساتھ بہر حال لوٹنا اسی کی طرف ہے۔ زندگی میں بندہ اسے یاد کرتا ہے مرے بعد خدا اسے یاد کرتا ہے۔ خوشی خوشی مر کر خوشی خوشی وہاں حاضر ہوتا ہے اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ یار خنداں رود بجانب یار۔ شعر۔

نشان مرد مومن باتو گویم   قضا آید تبسم برلب اوست

اس کے برعکس کافر کو مجبوراً ناچار رب کی طرف لوٹنا پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ مومن کو اس کی نیکیوں کی کافر کو اس کی بدکاریوں کی خبر دے گا۔

اِنَّمَا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ
اس کے سوا زندگی دنیا کی مثل اس پانی کے ہے کہ اتارا ہم نے اسے آسمان کی طرف
دنیا کی زندگی کی کہاوت تو ایسی ہی ہے جیسے وہ پانی کہ ہم نے آسمان سے اتارا
فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ مِمَّا يَاْكُلُ النَّاسُ وَ
سے بس گتھ گئی اس کی وجہ سے سبزی زمین کی جس سے کھاتے ہیں لوگ اور
تو اس کے سبب زمین سے اگنے والی چیزیں سب گھنی ہو کر نکلیں جو کچھ آدمی اور
الْاَنْعَامُ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذَتِ الْاَرْضُ زُخْرُفَهَا وَ
جانور حتیٰ کہ جب لے زمین نے تروتازگی اپنی اور
چوپائے کھاتے ہیں یہاں تک کہ جب زمین نے اپنا سنگھار لے لیا اور خوب

www.alahazratnetwork.org

ازَّیَّنَتۡ وَ ظَنَّ اَهۡلُهَاۤ اَنَّهُمۡ قٰدِرُوۡنَ عَلَیۡهَاۤ ۙ اَتٰىهَاۤ

سنور گئی اور گمان کیا اس کے مالک نے کہ تحقیق وہ قادر ہیں اس پر آیا اس پر

آراستہ ہوگئی اور اس کے مالک سمجھے کہ یہ ہمارے بس میں آگئی ہمارا حکم

اَمۡرُنَا لَیۡلًا اَوۡ نَهَارًا فَجَعَلۡنٰهَا حَصِیۡدًا كَاَنۡ لَّمۡ تَغۡنَ

حکم ہمارا رات یا دن میں پس کردیا ہم نے اسے کٹی کھیتی گویا کہ نہ تھی وہ

اس پر آیا رات میں یا دن میں تو ہم نے اسے کردیا کاٹی ہوئی گویا کل تھی

بِالۡاَمۡسِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الۡاٰیٰتِ لِقَوۡمٍ یَّتَفَكَّرُوۡنَ ﴿۲۴﴾

کل اس طرح ہی تفصیل وار بیان کرتے ہم آیتیں واسطے اس قوم کے جو فکر کرتے ہیں

ہی نہیں ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں غور کرنے والوں کے لئے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ کفار مصیبت میں پھنس کر رب سے دعائیں اور بہت وعدے کرتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان کی یہ دعائیں وغیرہ آخرت کے لحاظ سے بالکل رد ہیں۔ جن کا کوئی ثواب نہیں ان کی یہ دعائیں اس کھیتی کی مثل ہیں جو ہری بھری ہو کر اچانک غیبی آفت سے مرجھا کر خشک ہو جاوے۔ مومن کی دعا کا بدلہ آخرت میں بھی ملے گا کہ یہ دعا ایک عبادت ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے کافرو تمہاری ساری تدبیریں دنیوی زندگی کا سامان ہیں اب ارشاد ہے کہ دنیوی متاع کے لئے بقا نہیں۔ انا فانا فنا ہو جاتی ہے گویا ایک مقدمہ کا ذکر پہلے ہوا دوسرے کا ذکر اب ہے۔

تیسرا تعلق: بہت دور سے گفتگو منکرین قیامت سے ہو رہی ہے اب اس قیامت کا ثبوت ایک بہترین مثال سے دیا جا رہا ہے کہ کھیتی ہری بھری ہو کر برباد ہو جاتی ہے پھر بارش آنے پر ہری بھری ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی دنیوی زندگی آفات آنے پر ختم ہو جاتی ہے پھر حکم الٰہی سے دوبارہ زندگی تم کو بخشی جاوے گی۔ کھیت تمہارے لئے روشن دلیل ہیں۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: **انما مثل الحیوۃ الدنیا** یہ نیا جملہ ہے انما حصر کے لئے ہے یعنی دنیا کی مثال صرف ایسی ہی ہے جو ہم بیان فرما رہے ہیں۔ مثل کے معنی اور مثل اور مثل کا فرق ہم پہلے پارہ میں **مثلھم کمثل الذی استوقد نارا** ۔ کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں کہ جو کہاوت خاص و عام کی زبان پر ہو وہ مثل ہے یہ لفظ م اور ث کے فتحہ کے ساتھ ہے زندگی تین قسم کی ہے زندگی شیطانی جو گناہوں رب تعالیٰ اور اس کے مقبول بندوں کی مخالفت میں گذرے۔ زندگی نفسانی جو غفلت میں ختم ہو۔ زندگی

www.alahazratnetwork.org

ایمانی جو اللہ رسول کی اطاعت میں بسر ہو۔ پہلی حیوۃ دنیا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے مومنین صالحین اولیاء اللہ انبیاء کرام کی زندگی حیوۃ دنیا نہیں۔ نہ اس کی یہ مثال ہے ان کی زندگی اخروی زندگی ہے کہ آخرت کے لئے ہے اس زندگی کو موت بھی فنا نہیں کر سکتی۔ بل احیاء ولکن لا تشعرون۔ یہ بات خیال میں رہے یہاں دنیاوی زندگی سے مراد خود کفار کی زندگی بھی ہے اور اس کا وہ سامان بھی جس سے وہ زندگی گذارتے عیش کرتے ہیں اور اس میں پھنس کر رب تعالیٰ سے غافل ہیں کماء انزلناہ من السماء یہ عبارت ثابت یا شبہ کے مسابہ ہو کر مثل (الخ) کی خبر ہے ماء سے مراد بروقت اور مفید بارش ہے جس سے کھیت اور باغ بھرے ہو جاتے ہیں۔ چونکہ بارش رب کی ایک نعمت ہے جس میں انسان کی کسی تدبیر کو کچھ دخل نہیں۔ اس لئے انزلنا ارشاد ہوا۔ السماء سے مراد یا تو بلند چیز ہے یعنی بادل یا آسمان ہی مراد ہے تو من السماء کے معنی ہیں آسمان کی طرف سے جہاں کسی کا ڈول۔ ٹیوب ویل اور کوئی پانی کھینچنے والی مشین کام نہیں دیتی۔ کنوئیں کا پانی بھی اللہ تعالیٰ کا مگر اس میں انسان کی کوشش کو دخل ہے اور وہ انسان کے اختیار میں بھی کہ جب چاہے جتنا چاہے کھیت کو دے دیں یہ ہی حال نہر دریا کا ہے ان وجوہ سے اتنی دراز عبارت ارشاد ہوئی صرف مطرانہ فرمایا گیا۔ فاختلط بہ نبات الارض اس جملہ کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ ب سببیہ ہے اور اختلاط سے مراد ہے گھنی ہو جانا۔ خوب گتھ جانا یعنی اس بارش کی وجہ سے زمین کا سبزہ خوب گھنا ہوا گیا کہ زمین نظر نہیں آتی۔ تا حد نظر سبزہ ہی سبزہ ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بہ میں ب صلی کی ہے یعنی اس پانی سے زمین کی سبزی مخلوط ہوئی کہ پانی نے اس میں اثر کیا۔ نبات بنا ہے نبت سے بمعنی اگنے والی چیز اس سے ہر قسم کی سبزی مراد ہے مما یاکل الناس و الانعام یہ عبارت نبات الارض کا حال ہے من یا تو بیانیہ ہے اور یہ عبارت نبات کا بیان یا من بعضیت کا ہے۔ اس فرمان عالی میں کھیت کے دانے باغ کے پھل گھاس بھوسہ وغیرہ سب ہی شامل ہیں۔ جو انسانوں اور جانوروں کی خوراک ہیں۔ حتی اذا اخذت الارض زخرفھا و ازینت یہ عبارت متعلق ہے فاختلط الخ کے اور اس کی انتہا بیان کر رہا ہے ارض سے مراد وہ ہی زمین ہے جو ہر وقت بارش کی وجہ سے لالہ زار ہو گئی۔ اخذ سے مراد پورا پورا لے لینا۔ زخرف کا ترجمہ ہوتا ہے زیور یعنی حسن و خوبی کا سامان۔ اس فرمان عالی میں زمین کو نئی نویلی دلہن سے تشبیہ دی گئی اور اس کی تروتازگی و سبزی کو زیور سے کہ جیسے دلہن زیور سے آراستہ ہوئی ہے ایسے ہی زمین سبزے سے زینت اصل میں تزئینت تھا یعنی وہ زمین اس حد تک گھنا سبزہ اگاتی رہی کہ اس نے خوب زیور پہن لیا۔ اور انتہائی آراستہ ہو گئی وظن اھلھا انھم قدرون علیھا یہ عبارت معطوف ہے اخذت (الخ) پر اہل سے مراد اس کی پیداوار کے مستحق ہیں۔ خواہ مالک ہوں یا مزارع بہر حال پیداوار کے مستحق ہوں۔ قادرون علیھا سے مراد ہے کہ یہ پیداوار ان کے قبضہ میں آ گئی اب اس کی کٹائی شروع کرنی چاہئے یہ سب کچھ ہو جانے پر اتھا امرنا لیلا و نھارا یہ عبارت اذا اخذف کی جزا ہے۔ امرنا سے مراد آفت ناگہانی ہے جو کھیت یا باغ کو بالکل تباہ کر ڈالے جیسے پالا و لانڈی، چوہا، لو، یا آندھی وغیرہ (روح المعانی) رات یا دن میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذاب سے کوئی چیز کوئی تدبیر بچا نہیں سکتی خواہ مخلوق کی غفلت کے وقت آوے جیسے رات میں جب وہ سو رہے ہوں یا بیداری کے وقت آوے۔ جب وہ جاگ رہے ہوں ان کی دیکھتے دیکھتے ساری کھیتی اجڑ کر رہ جاتی ہے وہ لوگ جزاو

www.alahazratnetwork.org

نقصان اور افسوس ملنے کے کچھ نہیں کر سکتے جیسا کہ بار ہا دیکھا جاتا ہے۔ فجعلناھا حصیدا یہ عبارت معطوف ہے۔ اتٰھا امرنا (الخ) پر ھا کا مرجع یا تو وہ زمین ہے یا اس کا سبزہ یعنی نبات حصیدا بمعنی محصود ہے۔ یعنی کاٹی ہوئی یا اکھڑی ہوئی یا اجاڑی ہوئی فرماتا ہے فجا حصدتم فذروہ فی سبیلہ کان لم تغن بالامس۔ یہ عبارت جعلنا ھا کی ضمیر سے حال ہے۔ لم تغن باب یسمعے ہے۔ بنا ہی غنی سے بمعنی رہنا ٹھہرنا۔ کہا جاتا ہے غنی بالمکان اس لئے گھر کو مغنی کہتے ہیں۔ یعنی رہنے اور ٹھہرنے کی جگہ۔ (روح المعانی و بیان۔ خازن) امس سے مراد کل کا دن نہیں بلکہ اس سے پہلی ساعت ہے یعنی گویا ابھی کچھ پہلے تھی ہی نہیں۔ کذلک نفصل الایات لقوم یتفکرون اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے کما بینا ذلک یعنی جیسے ہم نے یہ بات بہت واضح مثال سے سمجھادی کہ دنیا کے لئے بقا نہیں یہ خاص اس وقت دھوکہ دیتی ہے جب اس کی بہت ضرورت ہو۔ ایسے ہی تمام آیات قرآنیہ تفصیل وار بیان فرماتے مگر کس کے لئے فکر والی و سمجھدار قوم کے لئے کہ وہ ہی ان سے فائدہ اٹھاتی ہے۔

خلاصہ تفسیر: دنیوی زندگی اس کی ٹیپ ٹاپ یہاں کے عیش و آرام اور اس کے اسباب کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ہم ہر وقت آسمان سے بقدر ضرورت بارش برسائیں جس کی وجہ سے زمین اچھی طرح سرسبز و شاداب ہو جاوے کہ انسانوں کے کھانے کی دانے پھل فروٹ اور جانوروں کے کھانے کے چارے گھاس وغیرہ گھنی ہو کر اگے حتیٰ کہ یہ سبزہ زار زمین اس سے خوب آراستہ پیراستہ ہو جائے۔ دیکھنے میں بڑی ہی بھلی معلوم ہو۔ اور مالک زمین یا کاشتکار سمجھے کہ بس اب یہ پیداوار میرے قبضہ میں آ گئی صرف کاٹنے کی دیر ہے اس کی امید میں اس پیداوار سے وابستہ ہو جاویں کہ اچانک رات میں جب کاشتکار غافل ہو یا دن میں جب یہ سب کچھ دیکھ رہا ہو ہمارے حکم سے کوئی آفت اس پر آ جاوے۔ پالا، اولا، بے وقت بارش بجلی یا کوئی زمینی آفت کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ آفت ناگہانی اسے اجڑی ہوئی بنا دے گویا کہ ابھی اس سے پہلے وہ کچھ تھی ہی نہیں۔ یہ ہی حال دنیا کا ہے کہ اولاً خوب آتی ہے پھر اچانک جب کہ اس کی ضرورت بہت ہو اور دنیا والے کی امیدیں اس سے وابستہ ہوں تب فنا ہو جاتی ہے دنیا دار دیکھتا کف افسوس ملتا رہ جاتا ہے۔ ہم تو قرآن مجید کی آیات یوں ہی تفصیل وار بیان کرتے ہیں۔ مگر ان سے نفع ہی اٹھاتے ہیں جن میں سوچ و فکر کا مادہ ہے۔ اس آیت کی تشبیہ مرکب ہے یعنی واقع کی تشبیہ پورے واقع سے ہے کہ دنیا بے ثباتی ایسی ہے جیسے کھیت کی بے ثباتی کہ یہ آن میں فنا ہو جاتی ہے۔ کافر بڑی محنت مشقت سے دنیا جمع کرتا ہے جمع ہو جانے پر سمجھتا ہے کہ یہ میری ہو چکی میں ہر طرح اس میں تصرف کروں گا کہ اچانک یا تو خود مر جاتا ہے یا دنیا اس سے رخصت ہو جاتی ہے۔

خیال رہے: کہ دنیوی زندگی کو بارش کے پانی سے تشبیہ دی نہ کہ کنویں تالاب، نہر، دریا کے پانی سے چند وجہ سے (۱) کنویں وغیرہ کا پانی قبضہ میں ہوتا ہے کہ جب چاہیں جتنا چاہیں کھیت کو پانی دیں مگر بارش کا پانی قبضہ نہیں ایسے ہی دنیا کے حالات ہمارے قبضہ سے باہر ہیں (۲) بارش کبھی ضرورت سے زیادہ آتی ہے کبھی کم کبھی بالکل نہیں یہ ہی حال دنیا کا ہے (۳) بارش آنے کو وقت معلوم نہیں کہ کب اور کتنی آوے گی یہ ہی دنیا کا حال (۴) اگر بارش زیادہ ہو جائے تو مصیبت ہے اگر نہ ہو تو

www.alahazratnetwork.org

مصیبت۔ ایسے ہی دنیا ہے کہ زیادہ ہو تو آفت نہ ہو تو مصیبت۔

بلائے زیں جہاں آشوب ترنیست کہ بار خاطر است اوہست وا زنیست

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا میں ہر شخص ہر وقت ہر حال میں رب کی رحمت کا محتاج ہے کوئی بھی اس کریم سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ حیوۃ دنیا کو زمین اور بارش سے تشبیہ دینے سے حاصل ہوا زمین پانی سے بھی بے نیاز نہیں۔ انسان اور رسول سے بھی بے نیاز نہیں۔

برتو اور پاشد تو برما تا ابد یہ سلسلہ ہو

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں صدہا حکمتیں ہوتی ہیں اگر بجائے بارش کے زمین پانی اگل دیا کرتی تو کھیت باغ بھی سرسبز نہ رہتے کیونکہ تب ان کا غسل نہ ہوتا۔ صرف جڑوں کو تری پہنچ جایا کرتی قربان اس کریم وعلیم کے جس نے اوپر سے پانی برسا کر تمام پودوں اور درختوں کو غسل دیا۔ یہ فائدہ انزلناہ سے حاصل ہوا۔ انزال اوپر سے اتارنے کو کہتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: دنیا ہمارے پاس آ جانے پر بھی ہماری اپنی نہیں۔ رب چاہتا ہے تو ہم اسے استعمال کر سکتے ہیں جو دنیا کو اپنا سمجھے وہ بے وقوف ہے یہ فائدہ ظن اهلها (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: دنیا کی ہلاکت سے ہمیشہ غفلت کی حالت میں ہی نہیں ہوتی کبھی بیداری میں ہمارے سامنے برباد ہوتی ہے ہم دیکھتے اور روتے اور ہاتھ ملتے رہتے ہیں یہ فائدہ لیلاو نهارا سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: کبھی دنیا کی بربادی انسان کی ہدایت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ عقلمند اس سے عبرت حاصل کر لیتا ہے یہ فائدہ لقوم يتفكرون سے اشارۃً حاصل ہوا۔ اگر انسان دنیا کھو کر آنکھیں کھول لے غفلت سے بیدار ہو جائے تو سودا سستا ہے۔ ان بربادیوں میں بھی اللہ کی رحمتیں ہیں کبھی انسان کچھ کھو کر سب کچھ پا لیتا ہے۔

پہلا اعتراض: یہاں اتنی دراز عبارت کیوں ارشاد ہوئی کماء انزلنا من السماء صرف اتنا فرمانا کافی تھا کالمطر۔

جواب: اس دراز عبارت کے فوائد ہم ابھی تفسیر میں عرض کر چکے۔ اس کے متعلق ایک فائدہ اور سمجھ لو جو تفسیر صاوی نے بیان فرمایا۔ بارش کا پانی آسمان سے آتا ہے جس میں تمہارے کسب کو دخل نہیں یونہی تمہاری روزی آسمان میں تمہارے کسب پر موقوف نہیں وفي السماء رزقكم وما توعدون تمہاری روزی دوسرا نہ بند کر سکے گا نہ دوسرے کو دے سکے لہٰذا تم اس کی تلاش میں رب کو نہ بھول جاؤ۔ باقی وہ فوائد ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض کیے گئے۔

دوسرا اعتراض: بارش آسمان سے نہیں آتی ہے اور بادل زمینی اثر سے بنتا ہے پھر انزلناه من السماء کیونکر ارشاد ہوا۔

جواب: اس اعتراض کے بہت جواب ہم نے پارہ اول میں دے دیے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ سماء سے مراد یا تو بادل ہیں کیونکہ سماء کا لفظی ترجمہ ہے بلندیاں۔ اور اگر سماء بمعنی آسمان ہے تو معنی یہ ہیں کہ آسمان کی طرف سے یا آسمان کے سبب سے بارش برسائی۔ اور اس میں حکمتیں وہ ہی ہیں جو ابھی تفسیر میں عرض ہوئیں۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا اعتراض: یہاں لقوم یتفکرون کیوں ارشاد ہوا۔قرآن مجید تو سارے انسانوں کے لئے ہے۔

جواب: یہاں لقوم میں لام نفع ہے یعنی اس سے نفع صرف فکر و غور کرنے والے لوگ ہی پاتے ہیں بارش ہر جگہ برستی ہے مگر اس سے فائدہ صرف اچھی زمین ہی حاصل کرتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں جیتے سب ہیں مگر کوئی اپنے لئے جیتا ہے کوئی اپنے خاندان کے لئے کوئی قوم کے لئے کوئی ملک کے لئے کوئی شیطان کے لئے کوئی رحمان کے لئے۔ یہ آخری زندگی لازوال ہے جو موت سے بھی نہیں مٹتی باقی تمام زندگیاں فانی ہیں جن میں سے پہلی قسم کی زندگی یعنی اپنے لئے اور چوتھی زندگی یعنی شیطان بہت جلد فنا ہوتی ہے۔ یہاں اس فانی زندگیوں کو ایک نفیس مثال سے سمجھایا گیا ہے۔اس کی بے وفائی دن رات ظاہر ہوتی ہے۔شعر۔

گنج اماں نیست دریں خاکداں   مغز و فانیست دریں استخواں

کہنہ سرائے است بعد جاہ گرد   کہنہ واندر گرد تو نوبہ نو

صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا وہ ہے جو رب سے غافل کرے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دنیا ماں کی طرح ہے اگر بچہ ماں کی محبت ماں کی گود ہی میں رہے استاد کے پاس نہ جائے تو جاہل خوار رہے گا۔اگر کچھ بننا ہے تو ماں کو چھوڑو استاد کے سایہ میں آؤ۔مراد پاؤ گے۔ بلکہ اگر ایمان و اعمال دنیا میں رہیں یعنی دنیا کے لئے ہوں تو فانی ہیں اور اگر مال دولت اللہ کے لئے ہو اس کی راہ میں خرچ ہو تو باقی ہے۔ آسمان و زمین اور ان کی چیزیں عالم کون و فساد ہیں عرش عالم نور عالم بقاء ہے اپنی عادات عبادات کو نورانی بناؤ۔تاکہ حیات جاودانی پاؤ۔اللہ والوں کے دل کی دنیا کبھی نہیں اجڑتی۔ اس دنیا کے انقلاب دل کی دنیا پر اثر نہیں کرتے اگر اجڑنے سے بچنا چاہتے ہو تو دل میں اللہ رسول کی یاد کو بساؤ۔اور تم ان کے دامن میں بسو۔

مال چوں آبست و تابد اشد رواں   فیضہا یابند ازو اہل جہاں

چند روزے چوں کند یکجا درنگ   گندہ و بے حاصل است و تیرہ رنگ

جاری پانی گندوں کو پاک خشک زمین کو سیراب کر دیتا ہے ایک جگہ کھڑا ہوا پانی خود گندہ ہو جاتا ہے۔اس کا رنگ و بو مزہ بگڑ جاتا ہے اپنے مال دولت اولاد علم وغیرہ کو صدقہ جاریہ بناؤ۔تاکہ تم خود ہمیشہ اس سے نفع اٹھاؤ۔ (روح البیان مع زیادہ)

وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلٰى دَارِ السَّلٰمِؕ وَيَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ
اور خدا تعالیٰ بلاتا ہے سلامتی کے گھر کی طرف اور رہبری کرتا ہے جس کو چاہے
اور اللہ سلامتی کے گھر کی طرف پکارتا ہے اور جسے چاہے
اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۵﴾
سیدھے راستہ کی طرف
سیدھی راہ چلاتا ہے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں دارالفنا یعنی دنیا کا ذکر تھا اب اس کے مقابل دار البقاء یعنی آخرت کا تذکرہ ہے تاکہ لوگ دنیا سے نفرت کریں اور آخرت میں رغبت۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اس دنیا کا ذکر تھا جس کا ظاہر اچھا باطن خراب ہے۔ اب اس جنت کا تذکرہ ہے جس کا ظاہر بھی اچھا اور باطن بھی اچھا کیونکہ یار بے وفا ہے اور جنت یار وفادار۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں لوگوں کو دنیا سے ڈرایا گیا کہ اس پر اعتماد نہ کرو۔ اکثر نازک وقت میں دھوکا دیتی ہے۔ اب ارشاد ہے کہ اگر تم دنیا کو دنیا نہ رکھو بلکہ اسے دین بنالو کہ اس میں جنت کا تخم کاشف کرو۔ تو نہ یہ دنیا رہے نہ اسے فنا ہو۔ نہ یہ دھوکا دے۔ گویا دارالفناء کے ذکر کے بعد اسے دارالبقاء بنانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: واللہ یدعوا۔ یہ نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اسم ذات ہے یہ ہی اسم اعظم ہے۔ اس کے معنی اور اس کے فضائل ہم بسم اللہ کی تفسیر یعنی سورۃ فاتحہ میں کر چکے ہیں۔ یدعو بنا ہے دعویٰ سے بمعنی بلانا پکارنا۔ اس کا مفعول الناس پوشیدہ ہے۔ چونکہ رب تعالیٰ کی یہ دعوت ہمیشہ ہوتی رہتی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اس لئے یدعو مضارع ارشاد ہوا۔ چونکہ جنت صرف انسان مومنین کے لئے ہے فرشتے یا جنات کے لئے نہیں اس لئے اس کا مفعول انسان ہی ہیں۔ یہ بولنا بالواسطہ انبیاء کرام ہے اور ان حضرات کے وفات کے بعد بواسطہ علماء دین و اولیاء کاملین ہی یعنی حضرات انبیاء رب تعالیٰ کے نائب ہیں اور علماءِ دین اولیاء کاملین انبیاء کے نائب ان حضرات کے اقوال، اعمال، احوال سب ہی اللہ کی دعوت ہیں تاکہ ان کی باتیں سن کر ان کے حالات دیکھ کر لوگ راہ راست پر آئیں۔ الی دار السلام یہ عبارت متعلق ہے یدعوا کے دارالسلام سے مراد جنت ہے اور جنت کی طرف بلانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے عقائد و اعمال کی طرف بلایا جاوے جو جنت حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔ جنت کو چند وجہ سے دارالسلام کہتے ہیں۔ (۱) سلام اللہ تعالیٰ کے نام ہے۔ کیونکہ وہ سارے عیوب کمزوری محتاجی وغیرہ سے سلامت یعنی پاک ہے تو دارالسلام کے معنی ہوئے اللہ کا گھر یا اس لئے ہے کہ جنت کا بنانے والا براہ راست رب تعالیٰ ہے۔ اسے کسی مستری یا کاریگر نے نہیں بنایا نیز اس پر کسی کا دعویٰ نہیں (۲) سلام بمعنی سلامتی ہے دارالسلام سلامتی کی جگہ چونکہ جنت میں بھوک، پیاس، بیماری، ناداری لڑائی جھگڑے ساری آفات بلکہ موت سے بھی سلامتی ہے اس لئے اسے دارالسلام کہتے ہیں۔ (۳) سلام کے معنی ہے وہ ہی تحیت وملاقات کا سلام۔ جنت کو دارالسلام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں رب تعالیٰ جنتیوں کو سلام ارشاد فرمائے گا سلام قولا من رب الرحیم نیز وہاں فرشتے جنتیوں کو سلام کیا کریں گے۔ والملئکۃ یدخلون علیھم من کل باب سلام علیکم بما صبرتم نیز ارشاد ہے وقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم۔ یا خود جنتی آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے۔ فرماتا ہے تحیتھم فیھا سلام۔ نیز آج بھی جنتی لوگ دنیا کے مومنین کو سلام کرتے ہیں فسلام لک من اصحاب الیمین۔ ان وجوہ سے جنت کو دارالسلام کہتے ہیں (تفسیر کبیر و بیان) یوں سمجھ لو کہ رب تعالیٰ عظیم تو اس کی جنت کیسی عظیم جس کی طرف وہ بلا رہا ہے۔ وہ جنت کیسی عظیم ہوگی۔ (خازن)

www.alahazratnetwork.org

دعوت الٰہی کا عموم تو معلوم ہوا اور اس کی ہدایت اس کا ذکر یہ ہے ویھدی من یشاء الی صراط مستقیم ہدایت کے معنی اس کے احکام ہم سورۃ فاتحہ کی تفسیر اھدنا الصراط المستقیم میں عرض کر چکے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ ہدایت بمعنی راہ دکھانا۔ یہ اللہ کی عام نعمت ہے۔ سب کو راہ دکھایا گیا۔ مگر بمعنی مقصود پر پہنچانا یعنی نبیوں کی تبلیغ کو قبول کرنے کی توفیق ملنا یہ سب کو میسر نہیں جسے رب چاہے اسے ملتی ہے یہاں مشیت رضا کے معنی میں نہیں بلکہ بمعنی ارادہ ہے من سے مراد سارے جن وانس ہیں کہ ان دونوں فریقوں کو ہدایت کی ضرورت ہے اور سب کو ہدایت نہیں ملتی صراط مستقیم کی تفسیر اس کے اقسام تفصیل وار سورۃ فاتحہ میں عرض کی جا چکی ہے یہاں اتنا سمجھ لو کہ صراط مستقیم یعنی سیدھا راستہ وہ ہے جس کی منزل مقصود ذات پروردگار ہے فرماتا ہے۔ ان ربی علی صراط مستقیم اور جس کے نشان راہ حضور محمد مصطفٰی ہیں فرماتا ہے انک لمن المرسلین علی صراط مستقیم۔ ہم لوگ سیدھے راہ پر ہیں مسافر کی حیثیت سے حضور انور سیدھے راہ پر ہیں ہادی اور نشانِ راہ کی حیثیت سے اور رب تعالٰی سیدھے راستہ پر۔ مقصود ہونے کی شان سے کہ وہ سیدھے راستہ پر ملتا ہے سیدھے راستہ کی پہچان یہ ہے کہ وہ مومنین صالحین کا راستہ ہیں رب فرماتا ہے صراط الذین انعمت علیھم بہر حال تمام دینوں میں اسلام صراط مستقیم ہے اور تمام مذہبوں میں اہل سنت والجماعت اور تمام مشربوں میں سلوک جس میں نہ عقل محض ہو نہ جذب یا جنون۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو تم دنیا کی نیرنگی بے وفائی سن چکے کہ اس کے اول بکاء ہے۔ درمیان عنا اور آخر فنا کو انسان روتا ہوا پیدا ہوتا ہے مشقتیں جھیلتا ہوا رہتا ہے اور فنا ہو کر یہاں سے جاتا ہے۔ رب تعالٰی تم کو اپنے نبیوں ولیوں علماء دین کے واسطے سے سلامی کے گھر یعنی جنت کی طرف بلا رہا ہے۔ جنت وہ جگہ ہے جس کا اول عطا ہے درمیان میں رضا آخر میں بقاء رب تعالٰی اس عالی گھر کی طرف بلاتو سب کو رہا ہے۔ دعوت اس کی عام ہی مگر ہدایت اس کو دیتا ہے جسے چاہے غرضکہ بلاوا سب کو ہے مگر یہ بلاوا کوئی قبول کرتا ہے علماء فرماتے ہیں بلاوا قبول کرنے کی تین نشانیاں ہیں۔ دنیا سے بے رغبتی۔ آخرت کی طلب اللہ رسول کی طرف دل کی توجہ رب تعالٰی نصیب کرے۔ (روح البیان)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم رب تعالٰی کے نائب مطلق ہیں کہ مخلوق کو حضور کا بلانا رب تعالٰی کا بلانا ہے۔ پھر حضور انور کے خدام علماء کرام اولیاء عظام حضور کے نائبین ہیں کہ ان کی پکار حضور کی پکار ہے یہ فائدہ واللہ یدعوا الی دار السلام سے حاصل ہوا کہ جنت کی طرف بلاتے حضور مگر رب نے فرمایا کہ اللہ بلاتا ہے فرماتا ہے استجیبوا اللہ ولرسولہ اذا دعاکم وہ آیت اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے۔

دوسرا فائدہ: جنت میں نہ فنا ہے نہ بیماری نہ اور کوئی تکلیف یہ فائدہ دار السلام کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس کے معنی ہوں سلامتی کا گھر۔

تیسرا فائدہ: رب تعالٰی کی دعوت عام ہے مگر اس کی ہدایت خاص جنت کی طرف بلایا سب کو جا رہا ہے مگر ہدایت کسی کسی

www.alahazratnetwork.org

کونصیب ہوتی ہے۔ یہ فائدہ یھدی من یشاء (الخ) سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں کیا بلکہ بعض گمراہی کا ارادہ فرمایا۔ اگر چہ اسے پسند یہ ہے کہ سب ایمان لائیں ہدایت پر آئیں ارادہ اور محبت میں فرق ہے یہ فائدہ ذیھدی من یشاء سے حاصل ہوا۔

مسئلہ: یوں ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سب کی ہدایت کو دل سے پسند فرماتے ہیں مگر سب کی ہدایت کا ارادہ نہیں فرماتے رب فرماتا ہے۔ انک لا تھدی من احببت وہاں بھی من شئت نہیں فرمایا بلکہ من احببت فرمایا۔

پانچواں فائدہ: رب تعالیٰ کی طرف سے دعوت اسلام برابر ہو رہی ہے کبھی بند نہیں۔ یہ فائدہ یدعو امضارع سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: حضرات انبیاء کرام خصوصاً حضور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام قول۔ فعل حالات پھر حضور ﷺ کے تابعین علماء و اولیاء ان کے قول و فعل رب کی طرف سے دعوت اسلام ہے یہ فائدہ یدعو کے مطلق ہونے سے حاصل ہوا۔ بہت لوگ حضور انور ﷺ کا بچپن شریف دیکھ کر ایمان لائے جیسے بحیرہ راہب وغیرہ اگر چہ ان کا وہ ایمان شرعی ایمان نہ ہوا اور وہ صحابی نہ بنے صحابیت کے لئے شرعی اسلام درکار ہے جو حضور ﷺ کی اول تبلیغ سے شروع ہوا۔ اسی لئے ورقہ ابن نوفل نہ اول مومن ہوئے نہ صحابی کیونکہ حضور انور ﷺ نے تبلیغ اسلام شروع نہ کی تھی یہ بات یاد رہے۔

ساتواں فائدہ: اگر چہ جنت کے طبقے بہت ہیں اور ہر طبقہ کا نام علیحدہ جیسے جنت نعیم، جنت خلد، جنت ماوی، جنت عدن، جنت فردوس وغیرہ مگر جنت یا دار السلام یا خلد تمام طبقوں یعنی ساری جنت کو کہا جا سکتا ہے۔ (صاوی) یہ فائدہ دار السلام فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ مومنین میں سے لوگ مختلف طبقوں میں جائیں گے مگر سب جائیں گے دار السلام میں ہی۔

پہلا اعتراض: جنت تو جنت والوں کی ملکیت ہوگی پھر اسے دار السلام یعنی اللہ تعالیٰ کا گھر کیوں فرمایا۔

جواب: یا اس لئے کہ جنت تو جنت والوں کی ملکیت ہوگی اور جنت والے رب تعالیٰ کی ملکیت اپنے مملوک کی مملوک اپنی مملوک ہے غلام کا مال مولیٰ کا مال ہے یا اس لئے کہ جنت خود رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنائی نہ کسی مستری سے بنوائی نہ کسی فرشتے سے اس لئے کہ اہل جنت کو وہ صرف رب کے فضل سے ملے گی۔ وہاں ملکیت کے سارے اسباب و میراث خرید وغیرہ کو اس میں دخل نہ ہوگا۔ یا اس لئے کہ اس سے جنت کی عظمت معلوم ہو۔ فقیر اور بادشاہ کے گھروں میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ تو بتاؤ اس عظیم کا گھر کیسا عظیم ہوگا۔

دوسرا اعتراض: عربی قاعدہ ہے کہ اگر ہدایت کے بعد الیٰ آئے تو اس کے معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا۔ یہاں الیٰ موجود ہے تو معنی یہ ہوئے کہ اللہ جسے چاہے اسے راہ دکھائے۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے راہ سب کو دکھائی ہے پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا۔

جواب: یہ قاعدہ کلیہ نہیں کبھی ایسا بھی ہوتا ہے اور کبھی اس کے خلاف بھی یہ قاعدہ بھی کلیہ نہیں کہ اگر ہدایت کا فاعل رب

www.alahazratnetwork.org

تعالیٰ ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں مقصود تک پہنچانا۔ اگر فاعل نبی یا قرآن ہو تو معنی ہوتے ہیں راہ دکھانا۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو دارالسلام کی طرف بلانا کئی طرح کا ہے عموماً وہ بذریعہ انبیاء اولیاء پر علماء لاتا ہے یہ دعوت عامہ ہے اور خصوصاً کسی نظری طور پر بلاتا ہے کہ اس کی فطرت سلیم اسے راہ راست پر رکھتی ہے کسی کو الہامی طور پر کسی کشف سے کسی کو خواب کے ذریعہ۔ چنانچہ حضرت ابوبکر صدیق اور ان کی طرح اور بہت صحابہ اسلام لانے سے پہلے ہی نیکیوں کی طرف مائل تھے۔ برائیوں سے بیزار یہ دعوت خاصہ ہے دارالسلام دنیا میں بھی ہے۔ قبر میں بھی ہے حشر میں بھی اور اس کے بعد بھی۔ دنیا میں دارلاسلام دارالامان حضور انور ﷺ کا دامان ہے جو عالم میں پھیلا ہوا ہے۔ وہاں ہر مصیبت بلا جسمانی۔ جنانی۔ روحانی آفتوں سے امان ہے جو اس دامن میں آ گیا دارالایمان دارالامان ودارالسلام میں آ گیا۔ شعر۔

دامان مصطفیٰ ہے مجرم مچل رہے ہیں دارالامان میں پہنچے اب اضطراب کیسا

مرے بعد مومن خصوصاً اولیاء اللہ کی قبور دارالسلام ہیں کہ جو مومن ان کے قریب دفن ہو جائے امان پائے۔ حشر میں عرش اعظم کا سایہ دارلسلام ہے۔ جہاں محشر کی آفات سے امان ہے پھر جنت دارالسلام ہے مگر یہ تینوں دارالسلام اسے ملیں گے جسے پہلا دارالسلام یعنی دامان رسول نصیب ہو جائے۔ ان کی یاد میں جیو یادیں مرو انشاء اللہ سدا آباد رہو گے۔ شعر۔

اے فتنہائے محشر نہ جگا سکیں گے ہرگز ترا نام لیتے لیتے جسے نیند آ گئی ہو

عام مومنوں کا صراط مستقیم وہ ہے جو جنت کے گلزار تک پہنچائے۔ خواص کے لئے صراط مستقیم وہ ہے جو یار کے دربار بلکہ یار کی دیدار تک پہنچائے۔ اس دارالقرار دنیا میں حضور انور ﷺ دارالقرار ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہماری ہستی دارالافات ہے اور فنا دارالسلام ہم جب نہ تھے تو ساری آفات سے محفوظ تھے۔ جب دنیا میں آئے ہزارہا آفات ساتھ لائے۔ دم دارالواحدانیہ ہے۔ وجود دارالمشیت کے سارے جھگڑے اس کے ہیں۔ اگر سلامتی چاہتے ہو تو انا کو فنا کرو دریا تا والے یعنی زندہ کو ڈبو دیتا ہے۔ فنا والے مردہ کو اپنے سر پر رکھ لیتا ہے۔ اُسے تراتا ہے۔

آب دریا مردہ را برسر نہد گر رود زندہ ز دریا کے رہد

تفسیر کبیر نے فرمایا کہ انسان روزانہ کل کے لئے کوشش کرتا ہے مگر کل دو قسم کے ہیں۔ دنیا کی کل اور آخرۃ کی کل۔ دنیا کی کل میں چار خرابیاں (۱) نہ معلوم ہم کو کل ملے یا نہ ملے (۲) اگر ہمیں کل ملے تو نہ معلوم فائدے کی ہے یا نقصان کی (۳) اگر فائدہ والی کل ملی تو اس میں نقصان شامل ہوگا کہ دنیا کا ہر نفع نقصان سے پر۔ آرام تکلیف سے مخلوط۔ (۴) اگر کل ہم کو خالص نفع ملے تو دائمی نہیں آخر فنا ہوگا۔ مگر آخرت کی کل میں خرابیاں نہیں لہٰذا آخرت دارالسلام ہے۔ انسان اس کے لئے کوشش کرے اب پڑھو اللہ یدعوا الی دار السلام۔ اللہ تعالےٰ یہ دعوت قبول کرنے کی توفیق دے۔ ہمارے دلوں کو دارالسلام بنائے کہ انہیں حسد وکینہ اور نفسانی عیوب سے سلامت رکھے۔

www.alahazratnetwork.org

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ ؕ وَلَا يَرْهَقُ

ان لوگوں کے لئے جو اچھے کام کریں اچھی چیز ہے اور زیادتی بھی اور نہ چھائے گی ان کے

بھلائی والوں کے لئے بھلائی ہے اور اس سے بھی زائد اور ان کے منہ پر نہ

وُجُوْهَهُمْ قَتَرٌ وَّلَا ذِلَّةٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ

چہروں پر سیاہی اور نہ ذلت یہ لوگ جنت والے ہیں

چڑھے گی سیاہی اور نہ خواری وہی جنت والے ہیں اور وہ اس

هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۶﴾

وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

میں ہمیشہ رہیں گے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو دارالسلام کی طرف بلا رہا ہے اب اس آیت کریمہ میں اس دارالسلام کی تفصیل ہے کہ وہ کیسی جگہ ہے وہاں کیا کیا ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں جنت کو دارالسلام کہا گیا ہے یعنی اللہ کا گھر۔ اب ارشاد ہے کہ وہاں اللہ تعالیٰ کا دیدار بھی ہوگا کیونکہ مالک مہمان کو اپنے گھر بلا کر اس سے ملاقات ضرور کرتا ہے اور اسے دیدار ضرور دکھاتا ہے۔ وزیادہ گویا پچھلی آیت میں دعوت الٰہی کا ذکر تھا۔ اب دیدار الٰہی کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کو دارالسلام کی دعوت دے رہا ہے اب ارشاد ہے کہ وہاں تمام لوگ نہیں جائیں گے جائیں گے نیکو کار گویا پچھلی آیت میں دعوت دینے کا تذکرہ تھا اب دعوت قبول کرنے والے خوش نصیب لوگوں کا ذکر ہے۔ کریم کے کرم کے بعد محتاج بندوں کا تذکرہ بہت ہی موزوں ہے۔

تفسیر: للذین احسنوا یہ جملہ بنا ہے جس میں للذین (الخ) خبر مقدم ہے۔ اور الحسنی (الخ) مبتدا موخر اس مقدم موخر ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا للذین میں لام نفع کا ہے یا ملکیت کا یا استحقاق الذین سے مراد صرف انسان ہیں۔ دوسری مخلوق نہیں۔ کیونکہ جنت صرف مومن انسانوں کے لئے ہے احسنوا کا مفعول پوشیدہ ہے العقائد و العمل یعنی جن لوگوں نے اچھے رکھے اپنے عقیدے اور اعمال کہ شرعی احکام پر عمل کرتے رہے اور ممنوعات سے بچتے رہے۔ حدیث شریف میں احسان کے معنی یہ ارشاد فرمائے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت یہ سمجھ کر کرو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو اگر یہ نہ سمجھ سکو تو یہ سمجھو کہ وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔ احسنوا کے متعلق دو باتیں خیال رکھنی چاہئیں۔ ایک یہ کہ جہاں تک ہو سکے دوسرے یہ کہ صرف ایک بار نہ کرے بلکہ کرتا رہے۔ الذین ھم فی صلوتھم دائمون یہ بھی یاد رہے کہ مومنوں کے چھوٹے بچے دیوانوں اور غیر مکلف لوگوں

www.alahazratnetwork.org

کے لئے اپنی عزیزوں کے اعمال کام دیں گے۔ گویا وہ لوگ بالواسطہ عمل کرتے ہیں لہٰذا آیت واضح ہے اس کے حصر پر اعتراض نہیں۔ الحسنی و زیادة یہ عبارت للذین احسنوا کا مبتدا ہے۔ حسنی مونث ہے احسن کا بمعنی اچھی چیز قرآن مجید میں عموماً اس سے جنت مراد ہوتی ہے۔ رب فرماتا ہے وکلا وعد اللہ الحسنی کے پہلے المنزل پوشیدہ ہے زیادة سے مراد جنت کے سواء کوئی اور زیادہ نعمت ہے۔ اس سے کیا مراد ہے اس میں پانچ قول ہیں (۱) جنت کا ایک خاص محل جو ایک موتی کا ہے جس کے چار دروازے ہیں یہ قول حضرت علی کا ہے (۲) زیادتی سے مراد ہے ایک نیکی کا دس سے لے کر سات سو گنا تک اجر و ثواب رب فرماتا ہے ولدینا مزید اور فرماتا ہے لیوفیھم اجورھم ویزید ھم من فضلہ اور فرماتا ہے من جاء بالحسنة فلہ عشر امثالھا یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس اور خواجہ حسن بصری کا ہے۔ (۳) حسنٰی جنت ہے اور زیادتی دنیا کی نعمتیں ہیں جو مومن کو اس کے تقوٰی کی برکت سے عطا فرمائی جاتی ہے فرماتا ہے یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب۔ (۵) حسنٰی سے مراد جنت اور وہاں کی نعمتیں ہیں جو ایمان و اعمال کا بدلہ ہیں۔ مگر زیادة سے مراد دیدار الٰہی ہے جو کسی عمل کا بدلہ نہیں صرف رب کا فضل ہے اس کی تفسیر وہ آیت ہے وجوہ یومئذ ناضرة الی ربھا ناظرہ یہ قول حضرت ابوبکر صدیق علی، ابن عباس، حذیفہ ابن مسعود۔ ابوموسیٰ اشعری اور عام مفسرین کا ہے (تفسیر خازن۔ کبیر۔ روح المعانی وغیرہ) یہ ہی قول قوی ہے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی یہ ہی تفسیر فرمائی۔ چنانچہ مسلم، ترمذی، ابن ماجہ، ابن جریر، طیالسی، احمد، ابن منذر ابن ابی حاتم ابن خزیمہ ابن حبان دار قطنی بیہقی وغیرہم نے حضرت صہیب سے روایت کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا کہ رب تعالٰی کی طرف سے اہل جنت کو ندا دی جاوے گی کہ تم سے رب نے ایک وعدہ فرمایا اب اس کے پورا ہونے کا وقت آ گیا۔ یہ لوگ حیران ہوں گے کہ جنت میں ہر قسم کی نعمت ہے اب کیا چیز عطا ہوگی کہ اچانک حجاب اٹھے گا رب کا دیدار ہوگا۔ یہ نعمت ساری نعمتوں سے اعلیٰ ہوگی (روح المعانی) دیدار کے متعلق اور بہت احادیث مروی ہیں جو کتب احادیث اور تفسیر خازن میں یہاں مروی ہیں چونکہ دیدار الٰہی کسی عبادت کا بدلہ نہ ہوگا اس لئے اسے زیادہ فرمایا گیا۔ فرقہ معتزلہ دیدار الٰہی کا منکر ہے اس لئے وہ اس تفسیر کا بھی انکاری ہے مگر ان پانچوں تفسیروں میں کوئی تعارض نہیں ان شاء اللہ نیک کار مومنوں کو یہ پانچوں چیزیں رب تعالٰی کے فضل سے عطا ہوں گی۔ اس لئے حضرت علی و ابن عباس نے اس تفسیر میں جنت کا خاص محل اور دیدار الٰہی دونوں باتیں فرمائیں۔ (روح المعانی) ولا یرھق وجوھھم قتر ولا ذلة اس فرمان عالی میں اہل جنت کی دوسری نعمت کا ذکر ہے۔ یرھق بنا ہے رھق سے بمعنی ڈھانپ لینا۔ چھا جانا۔ وجوہ جمع وجہ کی بمعنی چہرہ قتر بمعنی روسیاہی ذلت بمعنی خواری یعنی ان کے چہروں پر نہ تو گرد و غبار سیاہی کے آثار ہوں گے نہ ذلت و خواری کے۔ کیونکہ ان کی ساری نعمتیں خالص ہوں گی کسی تکلیف و مصیبت سے مخلوط نہ ہوں گی۔ ان کے چہرے چمکتے دمکتے تروتازہ و اجیالے ہوں گے۔ رب فرماتا ہے وجوہ یومئذ ناضرة الی ربھا ناظرة بعض چہرے اس دن تروتازہ ہوں گے اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے اور فرماتا ہے یوم تبیض وجوہ وتسود اس دن بعض منہ اجیالے ہوں گے بعض کالے وہ آیتیں اس آیت کی تفسیر ہیں اولئک اصحب الجنة ھم فیھا خالدون یہ نیا جملہ ہے اس میں اولئک مبتدا ہے اور باقی عبارت جزا اولئک سے اشارہ الذین احسنوا کی طرف ہے اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی والا۔ یہاں مراد ہے مالک یا مستحق جنت ساری بہشت کو کہتے ہیں جس کے مختلف درجات ہیں یہ سب لوگ ساری جنت کے مالک

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ جیسا محسن ویسی اس کی جنت۔ خالدون فرما کر یہ بتایا کہ نہ جنت کے لئے فنا ہے نہ ان کے لئے نہ یہ کبھی وہاں سے نکالے جائیں۔

خلاصہ تفسیر: ان لوگوں کے لئے جنہوں نے عقیدے بھی اچھے اختیار کئے اعمال بھی ان کے لئے مطابق اعمال کے جنت بھی ہے۔ بعض کے لئے جنت نعیم بعض کے لئے فردوس وغیرہ اس کے علاوہ بڑی شاندار زیادتی بھی عطا ہوتی ہے دنیا میں طیب زندگی، نیکیوں کی جزا میں دس سے لے کر سات سو گنا یا اس سے زیادہ تک زیادتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا خوشنودی سب سے بڑھ کر رب تعالیٰ کا دیدار جو ساری نعمتوں سے بڑی نعمت ہے۔ اس کے علاوہ جنت میں ان کے منہ نہ کالے ہوں گے نہ خوف زدہ بلکہ چہرے چمکنے والے اوجیالے ہوں گے۔ جیسے اعمال ویسا ان کے چہروں کا رنگ۔ عام متقی مومنوں کے چہرے سفید ہوں گے اولیاء اللہ کے چہرے چمکیلے۔ محبوبین کے چہرے سورج سے زیادہ منور۔ وہاں چہروں کے رنگ سے ان کے مراتب کی پہچان ہوگی یہ لوگ جنت والے اس کے مالک اس کے مستحق ہیں۔ جیسے اعمال ویسی جنت۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ تمام جنتی لوگوں کو رب تعالیٰ کا دیدار ہوگا مگر کسی کو سال میں ایک بار کسی کو مہینہ میں کسی کو ہفتہ میں ایک بار اور کسی کو روزانہ کسی کو ہر دن میں پانچ بار اور کسی کو ہر وقت یعنی ایک آن کے لئے بھی رب ان سے محجوب نہ ہوگا۔ اگر ایک آن کے لئے جمال الٰہی ان سے چھپ جاوے تو وہ جنت سے نکل جانے کی آرزو کریں۔ (صاوی) اس کے برعکس دوزخی لوگوں کے منہ کالے آنکھیں نیلی۔ وہ رب کے دیدار سے محروم کلا انھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون ہر قسم کے عذاب میں گرفتار۔ اللہ تعالیٰ ہمیں مومن محسن بنائے آمین۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جنتی بننا ہے تو عقیدے بھی اچھے اختیار کرو۔ اور اعمال بھی اچھے۔ یہ فائدہ للذین احسنوا سے حاصل ہوا۔ ایمان دل کی بھلائی ہے اور تقویٰ جسم کی نیکی۔ دوسرا فائدہ عبادات میں حضور قلب کی کوشش کرنا چاہئے یہ فائدہ احسنوا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ احسان سے مراد حضور قلبی کہ اللہ کی عبادت یہ سمجھ کر کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کو دیکھ رہے ہو (الخ) دیکھو تفسیر۔

تیسرا فائدہ: جنت میں بفضلہ تعالیٰ سب مومنوں کو دیدار الٰہی ہوگا یہ دیدار کسی عمل کا بدلہ نہ ہوگا محض اس کے فضل و کرم سے ہوگا۔ یہ فائدہ وزیادۃ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی ہو۔ رب سے حجاب میں رہنا کفار پر عذاب ہوگا۔ کلاانھم عن ربھم یومئذ لمحجوبون عطاء دیدار پہنچانے جائیں گے یوں ہی دوزخی اور ان کے درکات ان کے چہروں کی سیاہی سے پہچانی جائے گی۔ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہ ہوگی۔ یہ فائدہ لا یرھق وجوھم قتر (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے المجرمون بسیما ھم اور فرماتا ہے فیومئذ لایسئل عن ذنبہ انس ولاجان۔

پانچواں فائدہ: جنتی لوگ اپنی جنتوں کے مالک ہوں گے۔ وہاں عارضی مقیم نہ ہوں گے۔ یہ فائدہ اصحاب الجنۃ سے حاصل ہوا۔ صاحب خانہ گھر والا گھر کے مالک کو کہا جاتا ہے اور صاحب مال یعنی مال والا مال کے مالک کو۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹا فائدہ: جو شخص ثواب کے لئے جنت میں داخل ہوگا وہ وہاں سے کبھی نہ نکالا جاوے گا۔ نہ موت دے کر نہ بغیر موت دھکے دے کر۔ یہ فائدہ ھم فیھا خالدون سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: جنت کے باغوں میں نہ کبھی خزاں ہو۔ نہ پھلوں کے لئے کوئی موسم وہاں کا موسم سدا بہار ہے۔ ہر پھل کو قرار یہ فائدہ بھی خالدون سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ اکلھا دائم۔

آٹھواں فائدہ: کوئی جنتی اپنا کوئی باغ نہ کسی کے ہاتھ فروخت کر سکے نہ ہبہ نہ عاریۃ یہ فائدہ بھی خالدون سے حاصل ہوا اگر وہاں انتقال ملکیت ہو جاوے تو خلود یعنی ہمیشگی نہ رہے۔

پہلا اعتراض: یہاں زیادتی سے مراد دیدار الٰہی نہیں ہو سکتا کیونکہ زیادتی مزید علیہ کی جنس سے ہوتی ہے۔ اور دیدار الٰہی جنت کی نعمتوں کی جنس سے نہیں لہٰذا زیادتی سے مراد جنت کے پھلوں کی زیادتی ہے۔ اگر میں کہوں کہ میں نے زید کو دس من گندم اور کچھ زیادہ دیا تو وہ زیادتی بھی گندم ہی کی ہوگی۔ نہ کہ جو مسور کی (معتزلہ)

نوٹ: معتزلہ فرقہ دیدار الٰہی کا منکر ہے۔ یہ اعتراض انہیں کا ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب تفسیر کبیر۔ خازن روح المعانی وغیرہ نے یہ دیا ہے کہ اگر مزید کی مقدار مقرر ہو تب تو وہ ہی قاعدہ ہے کہ زیادتی اسکی جنس سے ہوگی۔ لیکن اگر مزید علیہ کی حد بندی یعنی مقدار معین نہ ہو تو زیادتی اس کے علاوہ ہوگی۔ جیسے میں نے زید کو گندم اور کچھ زیادہ دیا تو وہاں زیادہ سے مراد گندم نہیں کوئی اور چیز ہوگی۔ روپیہ، پیسہ، جو یا مسر وغیرہ یہاں چونکہ الحسنی میں جنت کی مقدار نہ بتائی گئی لہٰذا زیادہ سے مراد جنت کے سواء کوئی دوسری چیز اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا کہ وہ دیدار الٰہی ہے۔ حضور انور ﷺ کے ارشاد کے مقابل سارے قاعدے غلط ہیں۔

دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کا دیدار ناممکن ہے رب فرماتا ہے لاتدرکہ الابصار سے آنکھیں نہیں پا سکتیں لہٰذا یہاں زیادۃ سے مراد دیدار الٰہی نہیں (معتزلہ)

جواب: وہاں اس آیت میں دیدار الٰہی کی نفی نہیں بلکہ ادراک الٰہی کی نفی ہے۔ یعنی اس کا احاطہ کر لینا کہ اتنا لمبا اتنا چوڑا اتنا موٹا جیسے سمندر یا آسمان کو دیکھا تو جاتا ہے مگر اس کا احاطہ نہیں ہوتا اس لئے وہاں لاتنظر نہیں فرمایا لا تدرک فرمایا۔ یا وہاں الابصار سے مراد دنیاوی آنکھیں ہیں واقعی کوئی شخص دنیا میں ان آنکھوں سے رب کو نہیں دیکھ سکتا۔ اخروی دیدار کے لئے وہ آیت ہے الی ربھا ناظرۃ دنیا کی آنکھ تو سورج کو بھی نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے مقابل خیرہ ہو جاتی ہے۔ تیز بلب پر نہیں ٹھہرتی۔

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کی دیدار ناممکن ہے کیونکہ دیکھی وہ جاتی ہے جو رنگت ہو وہ بھی کسی خاص سمت یعنی سامنے سے رب تعالیٰ رنگت اور سمت دونوں سے پاک ہے پھر دیدار کیسا۔

جواب: دیدار کے لئے یہ تمام قیدیں ان آنکھوں کے لئے وہ اس جہان میں ہیں آخرت میں ان قیدوں کے بغیر دیدار ہوگا۔ کیسے ہوگا انشاء اللہ دیکھ کر بتائیں گے۔ بہر حال اس کا دیدار برحق ہے۔ کیفیت دیدار نا معلوم ہے اسی طرح اس پر ایمان

www.alahazratnetwork.org

لاؤ۔ دیدار الٰہی کی کچھ بحث کچھ پہلے رب ارنی کی تفسیر میں ہو چکی اور ان شاء اللہ آئندہ ان آیتوں کی تفسیر میں کی جاوے گی لاتدرکه الابصار وهو يدرك الابصار اور الی ربها ناظرة انهم عن ربهم يومئذ لمحجوبون۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ محسنین یعنی نیک عقائد اور نیک اعمال والوں ہی کو جنت اور زیادتی ملے گی۔ للذین احسنوا نے حصر کا فائدہ دیا۔ تو چاہئے کہ وہ مومنین جنہیں نیک کام کرنے کا موقعہ نہ ملے یا ملے مگر گنوا دیں لیکن ان کا خاتمہ ایمان پر ہو جائے ان کے لئے نہ جنت ہو نہ زیادتی مذکورہ (معتزلہ خوارج)

جواب: ہم نے بارہا عرض کیا کہ ان جیسی آیات میں جنت کسبی کا ذکر ہوتا ہے۔ رہی جنت وھبی اور جنت عطائی ان کا ذکر دوسری آیت و حدیث میں واقعی جنت کیسی تو مومن ہی کو ملے گی۔ مومن کے بچوں کے لئے وہ آیت الحقنابهم ذريتهم اور ہم جیسے گناہ گاروں خطا کاروں کے لئے وہ آیت ہے لاتقنطوا من رحمة الله ان الله يغفر الذنوب جميعا امام بوصیری نے دو شعروں میں مسئلہ حل کر دیا۔ شعر۔

وان آت ذنبا فما عهدی عبدی بمنتقض   من النبی ولا حبلی بمنصرم

میں نے اگرچہ گناہ کئے ہیں مگر ان گناہوں کی وجہ سے حضور انور ﷺ سے میرا عہد و پیمان اور رشتہ غلامی نہیں ٹوٹا ہے۔ اس رشتہ کی برکت یہ ہے کہ۔

لعل رحمة ربی حین یقسمها   تاتی علی حسب العصیان فی القسم

مجھے امید ہے کہ جب اللہ کی رحمت تقسیم ہوئی تو گنہگاروں کو بقدر گناہ ملے گی۔ جس کے گناہ زیادہ اس پر رحمت زیادہ۔ نیک کاروں کو ان نیکیوں سے جنت ملے گی اور ان شاء اللہ ہم گنہگاروں کو اس کی رحمت نبی کی برکت سے۔

یا رب اجعل رجائی غیر منعکس   لدیک واجعل حسابی غیر منخرم

اے میرے رب میری امید کو الٹا نہ کرنا اور میری التجا کو ضائع نہ فرمانا۔

خدمته بمدیح استقیل به   ذنوب عمری مضی فی الشعر والخدم

میں نے اس کے حبیب کی مدح وثنا کی ہے اور اسے اپنے عمر بھر کے گناہوں کا کفارہ بنایا ہے میری عمریوں ہی لغویات میں گذر گئی۔

تفسیر صوفیانہ: نیک کار لوگ مختلف مقصدوں سے نیکیاں کرتے ہیں بعض تو اپنے گناہ مٹانے کے لئے بعض جنت پانے کے لئے اور بعض صرف یار کو منانے کے لئے پہلی دو جماعتیں عارفین کی ہیں۔ تیسری جماعت عاشقین کی ہے یہاں الذین احسنو سے یہ تیسری جماعت مراد ہے جو سب کچھ کرتے ہیں مگر اپنے لئے کچھ نہیں کرتے جو کرتے ہیں رب اور محبوب رب کے لئے کرتے ہیں ان دل جلوں کے دل میں انا نہیں ہوتی وہ تو عشق کی آگ سے فنا ہو چکی ہے۔ ان کے لئے حسنی یعنی رضاء یار بھی ہے اور زیادت یعنی بقاء یار بھی وہ حضرات اپنے محبوب کے قریب میں منہ اوجیالے والے نہ ان پر غم کے آثار ہیں نہ خوف کے کہ انہوں نے نفس کے لئے کچھ نہ کیا نہ ان پر حجاب کا غبار نہ دوئی کی گرد دھول یہ حضرات قرب روحانی کی

www.alahazratnetwork.org

جنت والے جس میں وہ ہمیشہ ہیں اور ہمیشہ رہیں گے۔ دنیا، نزع، قبر، حشر جگہ اس جنت میں ہی ہیں۔ نفس کے لئے اطاعت کرنے والے ادھر جاتے ہیں رب کے لئے طاعت والے ادھر ایسے کھینچے جاتے ہیں جیسے لوہا مقناطیس کی طرف اس لئے انہیں مجذوب کہا جاتا ہے کشش ربانی کھینچ رہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَسَبُوا السَّيِّاٰتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍۭ بِمِثْلِهَا ۙ

اور وہ لوگ جنہوں نے کمائے گناہ بدلہ برائی کا اس کی مثل ہے

اور جنہوں نے برائیاں کمائیں تو برائی کا بدلہ اسی جیسا

وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ ؕ مَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ ۚ

اور چھا جائے گی ان پر خواری نہ ہوگا واسطے ان کے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا

اور ان پر ذلت چڑھے گی انہیں اللہ سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا گویا ان کے چہروں

كَاَنَّمَاۤ اُغْشِيَتْ وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا ؕ

گویا ڈھانپ دیئے گئے ان کے چہروں ٹکڑی سے اندھیری رات کے یہ لوگ

پر اندھیری رات کے ٹکڑے چڑھا دیئے ہیں

اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (۲۷)

آگ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وہی دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ پچھلی آیت میں دنیا کی بے ثباتی کی بے نظیر مثال دی گئی تھی اب اس مثال کو کفار کے اعمال وعقائد پر منطبق فرمایا جارہا ہے کہ جیسے سردی گرمی کے ایک جھونکے سے ہرے بھرے کھیت خشک ہو جاتے ہیں ایسے ہی موت کی ایک ہچکی سے کفار کا سب کیا دھرا برباد ہو جاتا ہے۔ پھر نہ ان کے جھوٹے معبود انہیں کام آتے ہیں نہ ان کے باطل عقیدے اور اعمال۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت میں اللہ تعالٰی کے اس فضل کا ذکر ہوا جو مسلمانوں پر ہوگا۔ اب اس کے اس عدل کا ذکر ہے جو کفار سے کیا جاوے گا۔ گویا جمال کے بعد جلال کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں کے منہ اوجیالے ہونے کا ذکر تھا اب کفار کے منہ کالے ہونے کا ذکر ہو رہا

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہے۔

تفسیر: **والذین کسبوا السیات** ظاہر یہ ہے کہ فرمان عالی نیا جملہ لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور **الذین** سے مراد سارے کافر جن و انس ہیں۔ کیونکہ کافر جن کافر انسانوں کی طرح وہ سزائیں بھگتیں گے جو یہاں مذکور ہیں۔ **کسبو** فرما کر یہ بتایا کہ کفار کے چھوٹے فوت شدہ بچے ایسے ہی وہ جو دیوانہ ہی رہے اور اس دیوانگی میں ہی فوت ہو گئے ان کی یہ سزا نہیں کیونکہ انہوں نے کفر کا کسب یعنی کمائی نہیں کی۔ نیز یہ بھی بتایا گیا کہ کافر اپنے ہی کفر و شرک کی سزا بھگتے گا جس کا اس نے کسب کیا دوسرے کو اپنے کفر و گناہ کا عذاب نہیں بخش سکتا۔ مومن اپنے نیک اعمال کا ایصال ثواب کرتے ہیں سیات سے مراد شرک کفر اور منافقت ہیں۔ چونکہ ان تینوں کی بہت قسمیں ہیں اس لئے اسے جمع فرمایا گیا۔ بہر حال اس سے گنہگار مسلمان مراد نہیں کیونکہ یہاں ان کے منہ کالے ہونے کا ذکر ہے اور قیامت میں منہ کالا ہونا صرف کفار کے لئے ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ **فاما الذین اسودت وجوههم اکفرتم بعد ایمانکم** نیز ارشاد ہے **وجوه یومئذ علیها غبرة. ترهقها قترة اولئک هم الکفرة الفجره** وہ آیات اس آیت کریمہ کی تفسیر ہیں اور ہو سکتا ہے کہ سیات سے مراد کفار کے کفر اور ان کے گناہ سب ہی ہوں۔ بہر حال اس آیت کو گنہگار مومنوں سے کوئی تعلق نہیں از تفسیر کبیر۔ معانی۔ روح البیان)

خیال رہے: **کسبوا السیات** سے مراد ہے کہ وہ مرتے دم تک کفر کرتے رہے جو شخص عمر بھر کافر رہے مگر مرنے سے کچھ پہلے مومن ہو جائے اور ایمان پر مرے وہ اس میں داخل نہیں **جزاء سیئة بمثلها**۔ اس عبارت کی نحوی ترکیبیں سات کی گئی ہیں مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ جزاء سے پہلے **لهم** پوشیدہ ہے اور جزاء مصدر مجہول ہے اور **بمثلها** متعلق ہے جزاء کے۔ (خازن۔ کبیر۔ روح البیان وغیرہ) پھر یہ جملہ **الذین کسبوا (الخ)** کی خبر ہے یعنی رہے کفار ان کا انجام یہ ہے کہ انہیں ان کے ہر جرم کی صرف ایک ہی سزا ملے گی نہ سزا میں اضافہ ہو نہ سزا کے علاوہ کچھ اور غضب ہو بخلاف مومنین کے کہ ان کی ایک نیکی کا ثواب دس سے سات سو گنا تک پھر اللہ کا فضل اس کے سوا ہے وہ فضل تھا یہ عدل ہے۔

خیال رہے: کہ جزاء ہر بدلے کو کہا جاتا ہے۔ ثواب ہو یا سزا۔ یہاں بمعنی سزا ہے۔ سیہ سے مراد کفر شرک ہے اور منافقت ہے اور ہو سکتا ہے کہ کفار کے دوسرے گناہ بھی اس میں داخل ہوں۔ کیونکہ کفار کو ان کے گناہوں کی سزا ملے گی۔ مثل سے مراد قانونی مثل ہے یعنی کفر کی سزا دائمی دوزخ جیسے بغاوت کی سزا موت یا دائمی جیل اگرچہ بغاوت دو دن ہی کی ہو۔ **وترهقهم ذلة** یہ عبارت معطوف ہے۔ **جزاء سیئة** پر **ترهق** کے معنی بھی پچھلی آیت میں عرض کئے گئے یہ ذلت خواری کا ان پر ظاہر ہونا تو قیامت میں ہی ہو گا یا دوزخ کی آگ دیکھ کر **ترهقهم** فرما کا یہ بتایا کہ ذلت و خواری صرف ان کے چہروں پر ہی نہ ہو گی بلکہ سارے جسم پر جیسے دنیا میں بعض بھکاریوں کو دیکھا جاتا ہے کہ ان کے چہروں پر خواری کے آثار آواز میں لجاجت کمینگی کی ذلت نگاہوں میں ندامت ہر وقت ہاتھ جوڑے ہوئے چلنا خواری کا بیٹھنا اس سے بدتر حال کفار کا دوزخ میں ہو گا۔ لہٰذا **ترهقهم** فرمانا بالکل درست ہے۔ **مالهم من الله من عاصم** یہ فرمان عالی کفار کا دوسرا حال ہے اس فرمان عالی کو دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ انہیں اللہ کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ یعنی **من الله** سے مراد ہے **من عذاب الله**

www.alahazratnetwork.org

(روح البیان) دوسرے یہ کہ ان کے لئے اللہ کی طرف سے کوئی بچانے والا مقرر نہ ہو گا من اللہ میں من تو ابتدائیہ ہے اور من عاصم میں من نکرہ کا عاصم بنا ہے عصم سے بمعنی بچانا ہے۔ رب فرماتا ہے واللہ یعصمک من الناس اسی سے ہے معصوم چونکہ قیامت میں رب تعالیٰ کی طرف سے عذاب سے بچانے والے مومنوں کے لئے بہت ہوں گے۔ حضرات انبیاء کرام، اولیاء عظام، علماء دین، ماہ رمضان، خانہ کعبہ، قرآن مجید وغیرہ اور کافروں کے لئے کوئی بچانے والا نہ ہو گا۔ اس لئے من عاصم فرمانا درست ہوا یعنی انہیں بچانے والا کوئی نہ ہو گا۔ مومنوں کے لئے بہت ہوں گے۔ کانما اغشیت وجوھھم قطعا من اللیل مظلما۔ اس جملہ کی نحوی ترکیب کچھ مشکل ہے اور ترکیب سے ہی معنی بنتے ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہے کہ اس سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے تسود وجوھھم اور اکنما میں اس پوشیدہ وسیاہی کو تشبیہ دی گئی ہے۔ اغشیت کے دو مفعول ہیں۔ پہلا مفعول وجوھھم ہے جو نائب فاعل ہے دوسرا قطعا من اللیل قطعا۔ کی صفت ہے۔ مظلما لیل کا حال اس ترکیب پر کوئی اعتراض نہیں پڑسکتا یعنی ان کے منہ ایسے سخت کالے ہوں گے کہ گویا اندھیری رات کی تہیں ان پر چڑھادی گئیں۔ اس کی ایک تہ ہی بہت سیاہ ہوتی ہے بہت تہوں کی سیاہی تو خدا کی پناہ۔ دنیا کے سارے کالے منہ والوں کی سیاہیاں جمع کرلو تو یہ مجموعہ ایک کافر کی روسیاہی کے ہزاروں حصہ کو نہ پہنچے گی۔ وہاں چہروں پر دل کے رنگ نمودار ہوں گے۔ دنیا میں گورے کافروں کے دل کالے تھے لہٰذا وہاں ان کے منہ کالے ہوں گے اور یہاں کالے مسلمانوں کے دل اوجیالے تھے نور ایمان سے لہٰذا وہاں ان کے منہ اجیالے ہوں گے۔ اولئک اصحاب النارھم فیھم خلدون اس فرمان عالی میں کفار کی دو حالتوں کا ذکر ہے اصحاب جمع صاحب کی ہے یہاں صاحب بمعنی ساتھی نہیں بمعنی والا ہے یعنی وہ کفار آگ والے ہیں کہ آگ ان کے لئے پیدا کی گئی اور وہ آگ کے لئے۔ جیسے دنیا میں کوئلہ آگ کے لئے بنا ہے اور آگ کوئلہ کے لئے لہٰذا کفار آگ میں ہمیشہ رہیں گے نہ آگ بجھے نہ ہلکی ہو اور نہ وہ لوگ اس سے ایک ساعت کے لئے نکلیں نہ مریں۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو متقی نیک کار مومنوں کا حال سن چکے کہ ان کو ثواب اور رب ذوالجلال کا فضل کیسا ہو گا اب اس کے برعکس بدکار نابکار کفار کا حال راز سنو۔ جن لوگوں نے دنیا میں کفر شرک۔ نفاق کمائے۔ ان کو ایک جرم کی ایک سزا ملے گی نہ سزا میں زیادتی ہو نہ انہیں بغیر جرم کوئی عذاب دیا جائے۔ رب کے عدل وانصاف کا یہی تقاضا ہے۔ ان پر سر سے پاؤں تک ذلت وخواری چھائی ہو گی۔ ان کے لئے رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی بچانے والا مقرر نہ ہو گا۔ جو انہیں شفاعت کرکے یا سپر بن کر عذاب سے بچائے۔ ان کے منہ ایسے کالے ہوں گے جیسے ان پر کالی رات کے ٹکڑوں کی تہیں جمی ہوں۔ سیاہیوں کے غلاف پڑے ہوں۔ یہ لوگ آگ والے ہیں کہ وہ آگ ان کے لئے بنی اور وہ آگ کے لئے یہ آگ میں ہمیشہ رہیں گے نہ آگ فنا ہو نہ یہ لوگ اور نہ وہاں سے نکل سکیں۔

خیال رہے: کہ قرآن مجید میں جگہ جگہ بدکار کفار کی سزاؤں کا ذکر ہے۔ یا نیک کار مومنوں کے ثوابوں کا۔ رہے گنہگار مومن ان کی اخروی سزا کا سارے قرآن میں کہیں ذکر نہیں۔ بعض کی دنیوی سزاؤں کا ذکر ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو۔ زانی

www.alahazratnetwork.org

کوکوڑے مارو وغیرہ۔ مگر کہیں یہ نہیں ملتا کہ بے نمازی بے روزہ۔ چور کو آخرت میں کیا سزا ملے گی۔ نہ کسی حدیث میں ہے نہ کسی بزرگ کے قول میں۔ امام غزالی نے احیاء العلوم میں فرمایا کہ بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ گنہگار مومن کی سزا کم از کم ایک آن کے لئے دوزخ میں رہنا ہے اور زیادہ سے زیادہ سات ہزار سال۔ آخر کار اسے جنت میں پہنچنا ہے (از روح البیان) اس ذکر نہ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ کفار کا دوزخی ہونا اور متقی مومن کا اول سے ہی جنتی ہونا یقینی ہے مگر گنہگار مومن کا دوزخ میں جانا وہاں سزا پانا ہمارے لئے یقینی نہیں۔ ممکن ہے کہ رب تعالیٰ اسے بخش دے فرماتا ہے لا تقنطوا من رحمة الله ان الله یغفر الذنوب جمیعا یعنی سزا و جزا کا ذکر ہے۔ مشکوک کا ذکر نہیں۔ بعض واعظین کہتے ہیں کہ ایک نماز قضا کرنے کی سزا پانچ سو سال دوزخ میں رہنا ہے یہ ان کا اپنا اندازہ ہے اس کی روایت کوئی نہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دوزخ صرف کسبی طور پر بندوں کو ملے گی۔ عطائی یا وہبی طور پر نہیں۔ یعنی کوئی کسی کی طفیل دوزخی نہیں۔ بخلاف جنت کے وہ کسبی بھی ہے عطائی بھی وہبی بھی۔ یہ فائدہ کسبوا السیات سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر۔

دوسرا فائدہ: کوئی شخص کسی کو اپنے گناہ یا کفر کا عذاب نہیں بخش سکتا کہ خدایا میرے اس گناہ کا عذاب فلاں کو دے صرف اپنے گناہ یا کفر کی سزا ملے گی۔ نیکیوں کا ثواب بخشا جا سکتا ہے یہ فائدہ بھی کسبوا السیات سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کفر بہت قسم کے ہیں ایمان صرف ایک یہ فائدہ سیات جمع فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں سیات سے مراد کفر، شرک یا منافقت ہے۔

چوتھا فائدہ: گناہوں کی سزا میں رب کی طرف سے اضافہ نہیں ہوگا۔ ایک گناہ کی ایک سزا مگر نیکیوں کی جزاء میں بہت اضافے بھی ہوں گے اور بطور عطیہ فضل بھی یہ فائدہ جزاء سیئة بمثلها سے حاصل ہوا۔ نیک اعمال کے متعلق فرماتا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها۔ یہ کریم کی کرم نوازی ہے۔

پانچواں فائدہ: مومن اگرچہ کیسا ہی گناہ گار ہو مگر قیامت میں اس کا منہ کالا نہ ہوگا۔ چہرے کی سیاہی کفار کے لئے ہے یہ فائدہ ترهقهم ذلة سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: قیامت میں مددگار نہ ہونا کفار پر عذاب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ مومنوں کے لئے بہت سے مددگار مقرر فرماوے گا۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچے بھی ماں باپ کی شفاعت کریں گے یہ فائدہ مالکم من الله من عاصم سے حاصل ہوا۔ اس کے لئے ہماری کتاب فہرست القرآن ملاحظہ کرو۔

ساتواں فائدہ: قیامت میں مومن و کافر چہروں سے ہی پہچانے جائیں گے کہ مومنوں کے منہ اجیالے کافروں کے منہ کالے ہوں گے یہ فائدہ کانما اغشیت وجوههم (الخ) سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے۔ یعرف المجرمون بسیماهم۔

مسئلہ: بعض گنہگار مومنوں کے چہروں پر غبار ہوگا۔ سیاہی کے علاوہ اور علامات ہوں گے۔ جن سے ان کے جرموں کا پتہ

www.alahazratnetwork.org

لگے گا۔ مثلاً پیشہ ور بھکاری کے منہ پر گوشت نہ ہوگا۔ اپنی بیوں پر انصاف نہ کرنے والوں کی ایک کروٹ نہ ہوگی۔ بخیل کا مال گنجے سانپ کی شکل میں اس کے کندھے پر ہوگا۔ جیسا کہ احادیث شریف میں وارد ہے۔

آٹھواں فائدہ: گنہگار مومن اگر چہ سزا کے لئے کچھ دن دوزخ میں رہے گا۔ مگر وہ دوزخ والا نہ ہوگا۔ دوزخ والے صرف کفار ہوں گے۔ مہمان گھر والا نہیں ہوتا یہ فائدہ **اولئک اصحاب النار** سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: دوزخ میں ہمیشگی صرف کفار کے لئے ہے مومن گنہگار وہاں ہمیشہ نہ رہے گا۔ یہ فائدہ **هم فيها خلدون** سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ذلت کے متعلق فرمایا گیا **ترهقهم** اور سیاہی کے لئے ارشاد ہوا **اغشيت وجوههم** یعنی وہاں چہرے کا ذکر نہیں یہاں چہرے کا ذکر ہے اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: سخت سیاہی کفار کے صرف چہروں پر ہوگی کہ چہرہ ہی حسن اور بدصورتی کی جگہ ہے مگر ذلت وخواری سارے بدن پر ہوگی۔ مثلاً ان کے بدن میں کوڑھ برص کے داغ وغیرہ بھی ہوں گے ان کے علاوہ اور علامات بھی۔

دوسرا اعتراض: کافر ایک جرم کرتا ہے یعنی کفر اسے سیات جمع کیوں فرمایا گیا تم نے کہا کہ **سیات** سے مراد کفر ہے۔

جواب: ہر کافر کفر علیحدہ ہے نیز کفر کی قسمیں بہت ہیں کوئی کافر شرک کرتا ہے کوئی کسی قسم کا کفر کرتا ہے کوئی دوسری قسم کا کوئی منافقت یا مرتب ان وجوہ سے **سیات** جمع ارشاد ہوا۔ بہت کفار بہت قسم کے کفر کرتے ہیں بخلاف ایمان کے کہ وہ حضرت آدم سے لے کر تا روز قیامت سارے مومنین ایک ہی قسم کا ایمان اختیار کرتے ہیں یعنی توحید و رسالت لہذا ایمان ہر جگہ واحد ارشاد ہوتا ہے نبی کے بدلنے سے ایمان نہیں بدلتا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں **اغشیت** فعل مجہول ہے پھر **قطعا** کو فتحہ کیوں ہوا۔

جواب: ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا **مظلما** **قطعا** کا حال ہے نہیں **الليل** کا حال ہے جن لوگوں نے **قطعا** کا حال بنایا ہے وہ بہت گہری توجیہیں کرتے ہیں ہماری عرض کی ہوئی ترکیب آسان بھی ہے اور قوی بھی۔

تفسیر صوفیانہ: کفر شرک منافقت اگر چہ ایک ایک جرم ہے مگر ان میں سے ہر ایک صدہا گناہوں کی جڑ ہے اس لئے ان میں سے ہر ایک کو سیات فرمایا۔ یعنی سیات کا مرکز حتی کہ کافر کی نیکی بھی گناہ ہے کہ وہ ایمان کے بغیر کی۔ جیسے بے غسل والے کا قرآن یا نماز پڑھنا یا مسجد میں آنا یا طواف کرنا کہ یہ سب کام عبادات ہیں مگر بے غسلے کے لئے سخت گناہ اعمال میں جس قدر اخلاص زیادہ اسی قدر درجہ زیادہ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

این ریاضتہائے درویشاں چراست — کاں بلا برتن بقاء جانہا است

مردن تن در ریاضت زندگی است — رنج ایں تن روح را پائندگی است

پس ریاضت را بجاں شو مشتری — چوں سپردی تن بخدمت جاں بری

چونکہ دل کی سیاہی تمام سیاہیوں سے بدتر ہے کہ اس سے انسان ہر طرح کے اندھیرے میں رہتا ہے اس لئے کفار کے

www.alahazratnetwork.org

چہروں پر سخت تر سیاہی ہوگی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ مومنین کا جنت میں داخلہ ایمان سے ہوگا۔ وہاں کے درجات اعمال صالحہ سے اور وہاں کی ہمیشگی اس کی نیت اور ارادہ سے کہ اس کا ارادہ یہ تھا کہ ہمیشہ نیک عمال کروں گا اگر وہ ابداً آباد تک جیتا تو رب کی عبادت ہی کرتا اس کے برعکس کافر کا دوزخ میں داخلہ کفر کی وجہ سے ہوگا۔ وہاں کے درکات اس کے بداعمال کی وجہ سے اور وہاں کی ہمیشگی اس کی نیت کی بنا پر۔ اس کا ارادہ کہ ہمیشہ بت پرستی وکفر کروں عمل کی نیت بھی ایک عمل ہے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ

اور جس دن جمع کریں گے ہم ان کو سب کو پھر کہیں گے ہم ان لوگوں سے جنہوں

اور جس دن ہم ان سب کو اٹھائیں گے پھر مشرکوں کو سمجھائیں گے

أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنْتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا

نے شرک کیا ٹھہرو اپنی جگہ تم اور شریک تمہارے پھر جدائی کردیں

اپنی جگہ رہو تم اور تمہارے شریک تو ہم انہیں

بَيْنَهُمْ وَقَالَ شُرَكَاؤُهُمْ مَا كُنْتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ ﴿٢٨﴾

گے ہم درمیان ان کے اور کہیں گے شریک ان کے نہ تھے تم ہم کو پوجتے

مسلمانوں سے جدا کردیں گے اور ان کے شریک ان سے کہیں گے تم ہمیں کب پوجتے تھے

فَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ إِنْ كُنَّا

بس کافی ہے اللہ گواہ اور درمیان ہمارے اور درمیان تمہارے بیشک ہم تھے

تو اللہ گواہ کافی ہے ہم میں اور تم میں کہ ہمیں تمہارے

عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغَافِلِينَ ﴿٢٩﴾

تمہاری عبادت سے بے خبر

پوجنے کی خبر بھی نہ تھی

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مشرکین کی ایک طرح کی رسوائی ذلت خواری کا ذکر ہوا یعنی ان کے منہ کالے ہونا اب

www.alahazratnetwork.org

ان کی دوسری قسم کی ذلت وخواری کا تذکرہ ہے یعنی سارے محشر والوں کے سامنے ان کے معبودوں کا ان پر لعن طعن کرنا۔ان سے بیزار ہو جانا یا جسمانی رسوائی کے بعد دلی اور روحانی رسوائی کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کی بے بسی کا ذکر ہوا کہ ان کا مددگار عذاب سے بچانے والا کوئی نہیں ہوگا۔ **وما لھم من اللہ من عاصم** اب اس بے کسی کی تفصیل بیان ہو رہی ہے کہ انہوں نے دنیا میں جن بتوں کو اپنا مددگار حمایتی سمجھا تھا۔وہ قیامت میں انہیں صاف جواب دیں گے ان سے بیزار ہو جائیں گے گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تفصیل ہے۔

تفسیر: **ویوم نحشرھم جمیعا** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے اور اس میں ایک فعل پوشیدہ ہے اذکر یا **ذکرھم خوفھم۔انذرھم** یعنی کفار کو وہ دن یاد دلایئے یا اس کا ذکر کیجئے یا اس دن سے ڈرایئے۔یوم سے مراد ہے قیامت کا دن اس لئے بمعنی وقت ہے رات کا مقابل دن مراد نہیں۔**نحشر** بنا ہے حشر سے بمعنی جمع کرنا قوی یہ ہے کہ ھم سے مراد سارے انسان ہیں مومنین اور کفار اور مشرکین کے بت اس میں حضرات انبیاء کرام داخل نہیں یہ قیامت کے اول وقت ہوگا۔جب سارے انسان اپنی قبور سے نکل کر میدان محشر میں جمع ہوں گے **جمیعا** ھم کا حال ہے اس میں یا تو یہ بتایا گیا کہ سارے ہی انسان جمع ہوں گے۔کوئی باقی نہ بچے گا۔یا ایک ہی جگہ ایک میدان میں جمع ہوں گے اس کے بعد تلاش شفیع میں یہ سارے ہی مختلف جگہ پھریں گے۔اگر اس مجمع میں حضرات انبیاء بھی ہوتے تو یہ مجمع انہیں ڈھونڈنے کے لئے کیوں مارا مارا پھرتا۔**ثم نقول للذین اشرکوا**۔یہ فرمان عالی معطوف ہے نحشرھم پر چونکہ یہ واقعہ لوگوں کے جمع ہونے کے بہت عرصہ کے بعد ہوگا اس لئے **ثم** ارشاد ہوا ظاہر یہ ہے کہ براہ راست رب تعالیٰ ہی مشرکین سے یہ کلام فرمائے گا یہ فرمان غضب اور قہر کا ہوگا۔لہٰذا یہ آیت اس آیت کے خلاف نہیں **ولا یکلمھم** (الخ) کو وہاں رحم و کرم کے کلام کی نفی ہے اور ہو سکتا ہے کہ فرشتوں کے ذریعہ یہ کلام ہو۔شرک سے مراد سارے کفر ہیں خدا کی ہستی کا انکار۔چند معبود ماننا۔نبی کے کسی فرمان کا انکار سب ہی اس میں شامل ہیں۔چونکہ اگلا مضمون مشرکین کے متعلق ہے اس لئے یہاں **اشرکوا** ارشاد ہوا۔یہ بات خیال میں رہے۔اس کا مطلب یہ نہیں کہ صرف مشرکین الگ کر دیئے جاویں اور یہودی عیسائی دہریے وغیرہ سب کافر مسلمانوں کے ساتھ رہیں **مکانکم انتم وشرکاؤکم** حق یہ ہے کہ **مکانکم** اسم فعل نہیں جس کے معنی مکان اسم ظرف ہے بمعنی جگہ اس سے پہلے **الزموا** پوشیدہ ہے شرکاء سے مراد مشرکین کے بت ہیں۔جن میں چاند تارے سورج لکڑی۔پتھر وغیرہ کے سارے بت داخل ہیں جن کی مشرکین پرستش کرتے تھے اس میں حضرت عیسیٰ اور عزیز اور وہ نیک بندے داخل نہیں جن کی یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار پوجا کرتے تھے۔حضرات انبیاء کرام تو اس مجمع میں تھے ہی نہیں ہاں صلیب اور ان بزرگوں کے فوٹو مجسمے جن کو یہ پوجتے تھے وہ اس میں داخل ہیں یعنی اے کافرو تم اور تمہارے جھوٹے معبود بت یہاں ہی ٹھہرو اپنا فیصلہ سنو۔اپنا انجام معلوم کرلو۔**فزیلنا بینھم** یہ عبارت یا تو **مکانھم** (الخ) کی تفصیل ہے یا **القول للذین اشرکوا** پر معطوف ہے۔چونکہ یہ علیحدگی اس فرمان کے فوراً بعد ہو جاوے گی۔اس لئے **ف** ارشاد ہوئی۔قوی یہ ہے کہ زیلنا بنا ہے زوال سے بمعنی ہٹنا یا ہٹانا یا علیحدہ ہونا باب تفعیل میں آ کر اس کے معنی ہوئے علیحدگی کر دی ہم نے۔اگر **بینھم** سے مراد مومنین و کفار

www.alahazratnetwork.org

ہیں تو مکانی علیحدگی مراد ہے۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے وامتازو الیوم ایھا المجرمون کہ وہاں سے مومنین اور جگہ میں پہنچا دیئے جائیں گے۔ اور کفار وہاں ہی قید رہیں گے۔ اور اگر بینھم سے مراد مشرکین اور ان کے بت ہی تو دلی علیحدگی مراد ہے۔ یعنی ہم عابدین اور معبودین دونوں کے دلوں کو الگ الگ کر دیں گے کہ ایک دوسرے سے متنفر ہو جائیں گے۔ ایک قرات میں زایلنا بینھم ہے ابو البقا نے کہا کہ یہ اصل زیولنا تھا باب فیعل کا ماضی اور واؤ جمع ہوئے تو واؤ کو ی میں مدغم کر دیا گیا (تفسیر روح المعانی وکبیر وغیرہ)

خیال رہے: کہ یہ واقعات قیامت میں ہوں گے مگر چونکہ یقیناً ہوں گے لہٰذا انہیں ماضی سے ارشاد فرمایا جیسے ونفخ فی الصور۔ وقال شرکاوھم ماکنتم ایانا تعبدون۔ یہ فرمان عالی ایک پوشیدہ عبارت پر معطوف ہے کہ مشرکین اپنے بتوں کے یا سرداروں کے متعلق کہیں گے کہ خدایا ہم کو انہوں نے گمراہ کیا ہم ان کی عبادت کر کے گمراہ ہوئے ہم کو سزا نہ دے ہماری سزا ان کو دے تب ان کے معبود یہ کہیں گے رب تعالےٰ انہیں قوت گویائی بخشے گا۔ مطلب یہ ہے کہ خدایا انہوں نے ہم کو نہ پوجا بلکہ شیطان اور اپنے نفس امارہ کو پوجا جس کے کہنے پر انہوں نے شرک کیا۔ لہٰذا سزا ہے یہ کیسے بچ سکتے ہیں۔

خیال رہے: کہ کفار کے بہت چاند سورج بھی دوزخ میں ڈالے جائیں گے۔ مگر عذاب پانے کے لئے نہیں بلکہ کفار کو عذاب دینے کے لئے رب فرماتا ہے۔ انکم وماتعبدون من دون اللہ حصب جھنم بعض نے کہا کہ یہ قول فرشتوں اور حضرت عیسیٰ وعزیر علیہم السلام کا ہے۔ کیونکہ ان حضرات کی عبادت کفار کرتے تھے قول اول قوی ہی قرآن مجید کی زبان میں ان بزرگوں کو شرکا نہیں کہا جاتا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق دوسری جگہ ارشاد ہے۔

اء انت قلت للناس اتخذونی و امی (الخ) فکفی باللہ شھیدا بیننا و بینکم۔ یہ ان ہی شرکاء کا کلام ہے۔

پہلے کلام کی دلیل یعنی ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ تم نے ہماری عبادت نہ کی بلکہ اس کی جس نے تم کو یہ راہ بتائی اور تم سے شرک کرایا۔ اس دعویٰ کی دلیل یہ ہے کہ آج ہم تم دونوں بارگاہ الٰہی میں حاضر ہیں خود رب تعالیٰ جو احکم الحاکمین ہے ہمارا تمہارا گواہ ہے کہ ان کنا عن عبادتکم لغافلین۔ اس عبارت میں ان اصل میں انا تھا یعنی ہم کو تمہاری اس عبادت کی خبر نہ تھی۔ اس فرمان عالی سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہاں شرکاء سے مراد صرف بت ہیں فرشتے انبیاء کرام اس میں داخل نہیں۔ کیونکہ حضرات کو تو ان کی اس عبادت کی خبر تھی رب فرشتوں کے متعلق فرماتا ہے یعلمون ما تفعلون اور حضرات انبیاء کرام کے متعلق فرماتا ہے۔ یوم نبعث من کل امۃ شھیدا وجئنا بک علی ھولاء شھیدا یعنی کراماً کاتبین فرشتے تمہارے اعمال کو جانتے ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کے گواہ ہوں گے گواہی علم وخبر کے بغیر ناممکن ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار ومشرکین کو اس ہولناک اور کس مپرسی افراتفری کے دن سے ڈراؤ۔ جب پہلے تو ہم سارے مومنین و کفار ان کے جھوٹے معبودوں کو یکجا جمع فرمائیں گے۔ پھر اس بھرے مجمع میں کچھ عرصہ کے بعد مشرکین سے فرمائیں گے کہ تم مومنوں سے چھٹ جاؤ کہ تم اور تمہارے بت تو یہاں ہی رہو مسلمان قرب الٰہی میں بھیجے جاتے ہیں تم اپنا فیصلہ سنو۔ چنانچہ ہم مومنوں اور کافروں میں علیحدگی اور فیصلہ کر دیں گے اب کفار اور ان کے بتوں میں جھگڑا ہوگا۔

www.alahazratnetwork.org

کفار بارگاہ الٰہی میں عرض کریں گے کہ مولیٰ ہم کفر و شرک کرنے میں بے قصور ہیں۔ ہمیں تو ان مردودوں نے بہکایا۔ ہم کو معافی دے انہیں سخت سزا دے تو ان کے جھوٹے معبود جواب میں کہیں گے کہ تم ہم کو نہ پوجتے تھے بلکہ درحقیقت شیطان اور اپنے نفس کو پوجتے تھے۔ ہم نے تم کو اپنی عبادت کا حکم نہیں دیا تھا۔ شیطان اور تمہارے نفسوں نے دیا تھا۔ ہمارے تمہارے درمیان رب تعالیٰ گواہ ہے۔ اس کی گواہی پر فیصلہ ہے وہ جانتا ہے کہ ہم کو تمہاری عبادت کی خبر بھی نہ تھی ہم بے جان لکڑی پتھر تھے اور جن کے نام پر ہمیں گڑھا گیا تھا جیسے لات منات عزیٰ یا جیسے رام چندر کرشن وغیرہم وہ تمہاری عبادات سے پہلے ہی مر چکے تھے تم صدیوں بعد ان کے پجاری بنے انہیں تمہاری عبادت کیا خبر۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قیامت میں پہلے سارے مومنین کافرین اکٹھے کھڑے ہوں گے۔ اس لئے اسے یوم الحشر کہتے ہیں۔ یعنی جمع ہونے کا دن پھر مومنوں کافروں میں چھانٹ ہوگی۔ اس لئے یوم الفصل کہتے ہیں یعنی جدائی کا دن یہ فائدہ نحشرھم جمیعا سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: دنیا میں لوگوں کا ایک جگہ جمع ہونا جسمانی قرابت وغیرہ سے ہوتا ہے مگر قیامت میں اجتماع ایمان و کفر سے ہوگا کہ چھانٹ ہونے پر کافر باپ مومن بیٹے سے کافرہ ماں مومنہ بیٹی سے الگ کردی جاوے گی۔ اجنبی کفار کے ساتھ رکھی جاوے گی۔ یہ فائدہ فزیلنا بینھم (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اس سے مراد کفار و مومنین کی چھانٹ ہو۔ رب فرمائے گا وامتازوا الیوم ایھا المجرمون۔

تیسرا فائدہ: مومنوں کو چاہئے کہ دنیا میں بھی کفار سے صورت و سیرت میں الگ چھٹے ہوئے رہیں اپنی شکل و صورت مومنوں کی سی رکھیں اپنی اعمال کردار حضور احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کے سے بنائیں۔ جب وہاں چھانٹ ہوتی ہے تو یہاں ہی چھانٹ کیوں نہ کرلیں۔

چوتھا فائدہ: قیامت میں چھانٹ اس طرح ہوگی کہ اجتماع کی جگہ سے مسلمان منتقل کرکے دوسری جگہ پہنچائے جائیں گے۔ کفار وہاں ہی رہیں گے اس میں مومنوں کی عزت افزائی ہوگی یہ فائدہ مکانکم انتم و شرکاؤکم سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: قیامت میں رب تعالیٰ لکڑی پتھر کے بتوں کو بھی گویائی دے گا۔ جس سے وہ کفار کی مخالفت اور اپنی بے زاری کا اظہار کریں گے۔ یہ فائدہ وقال شرکاؤکم (الخ) سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: یہاں شرکاء میں حضرات انبیاء اور فرشتے داخل نہیں۔ اگرچہ بعض ان کی پرستش کرتے ہوں صرف بت یا کفار کے سردار ہیں جو انہیں اس عبادت کا حکم کرتے تھے ہاں صلیب اور جناب عیسیٰ و مریم کے فوٹو اور مجسمے اس میں داخل ہیں۔ یہ فائدہ ان کنا عن عبادتکم لغافلین۔ سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: حضرات انبیاء اور اولیاء اپنے متبع مومنین سے نہ دنیا میں بیزار ہیں نہ آخرت میں بیزار ہوں گے۔ بلکہ وہاں ہر طرح باذن الٰہی ان کی مدد ان کی شفاعت کریں گے۔ کیونکہ بیزاری مشرکین سے ان کے بت کریں گے جو یہاں

www.alahazratnetwork.org

بطور عذاب ارشاد ہوئی۔ اگر حضرات بھی بیزار ہوں تو فرق کیا رہے۔ یہاں یہ بیزاری بطور عذاب ارشاد ہوئی رب فرماتا ہے۔ انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا۔ یہ بحث تیسرے پارہ میں آیت الکرسی کی تفسیر میں شفاعت کی بحث میں کر چکے ہیں۔

آٹھواں فائدہ: مومنوں کی عبادات سے نہ رب تعالیٰ بے خبر ہے نہ حضرات انبیاء و اولیاء، یہ فائدہ عن عبادتکم لغافلین سے حاصل ہوا کہ ان کے بت بے خبر ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں شرکاء کم میں حضرت مسیح و عزیز اور فرشتے سب داخل ہیں کہ ان کی بھی عبادت کی جاتی ہے قیامت میں اولاً مومن و کافر فریق فرشتے سب یکجا ہوں گے پھر چھانٹ ہوگی۔ رب فرماتا ہے۔ ویوم نحشرھم جمیعا ثم نقول للملئکۃ اھؤلاء ایاکم کانوا یعبدون۔ وہاں فرشتوں کا نام ارشاد ہوا کہ ان سب کو کفار کے ساتھ جمع کیا جاوے گا فرشتوں سے سوال ہوگا۔

جواب: ایک قول یہ ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ فرشتے اور انبیاء کرام کفار کے ساتھ جمع نہیں کئے جائیں گے۔ اس کی چند دلیلیں ہیں (۱) سارے محشر والے شفیع کی تلاش میں مختلف انبیاء کرام کو ڈھونڈتے پھریں گے۔ یکے بعد دیگرے ان کے آستانوں پر پہنچتے اور جواب پاتے رہیں گے پھر آخر میں حضور انور ﷺ تک پہنچیں گے اگر وہ حضرات انہیں کے ساتھ اس مجمع میں ہوتے تو انہیں ڈھونڈنے کے کیا معنی۔ اس تلاش میں ایک ہزار سال صرف ہوں گے (۲) یہاں شرکاء کا قول ارشاد ہوا کہ تمہاری عبادت سے بے خبر تھے۔ حالانکہ انبیاء اور فرشتے ان کے ہر عمل سے خبردار تھے اس لئے یہ حضرات ان کے کفر کی گواہی دیں گے (۳) یہ آیت بلکہ یہ سورت مکیہ ہے کفار مکہ سے اس میں خطاب ہے۔ مشرکین مکہ نے ان تینوں کی عبادت کرتے تھے نہ فرشتوں کی۔ وہ تو انہیں مانتے ہی نہ تھے۔ لہٰذا قوی یہی ہے کہ شرکاء سے مراد مشرکوں کے بت اور وہ لوگ ہیں جن کے نام کے بت تھے تمہاری پیش کردہ آیت میں یہ ہرگز نہیں کہ فرشتوں اور نبیوں کو کفار کے ساتھ جمع کیا جاوے گا جب وہ اپنی بے گناہی اور معبودوں کے گمراہ کرنے کا دعویٰ کریں گے فرشتوں کو بلا کر ان سے وہ سوال ہوگا۔

دوسرا اعتراض: ان آیتوں میں شرکاء کے دو کلام نقل ہوئے۔ ایک یہ کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے ما کنتم ایانا تعبدون دوسرے یہ کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔ ان کنا عن عبادتکم لغافلین ان دونوں میں تعارض ہے اگر وہ ان عبادات سے بے خبر تھے تو یہ کیسے جانتے تھے کہ تم ہماری عبادت نہ کرتے تھے۔

جواب: ما کنتم ایانا تعبدون کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ تمہاری عبادت ہمارے علم میں نہیں۔ تم کرتے ہو گے اس صورت میں ان کنا عن عبادتکم لغافلین اس کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ تم ہماری عبادت نہیں کرتے تھے بلکہ ان لکڑی پتھروں کی عبادت کرتے تھے جو ہمارے نام پر بنائے گئے تھے وہ جانیں اور تم جانو۔ یا ہم نے تم سے نہ کہا تھا کہ ہمیں پوجو۔ تم سے نفس یا شیطان نے یہ کہا تھا تو تم ان کے پجاری ہوئے۔ نہ کہ ہمارے۔ اس صورت میں غافلین کے معنی بے پرواہ یا ناراضی ہیں۔ (دیکھو تفسیر روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ تو احکم الحاکمین ہے نہ کہ گواہ پھر یہ کیوں ارشاد ہوا کہ فکفی باللہ شھیدا گواہ اور ہوتا ہے حاکم دوسرا۔

جواب: حاکم کی گواہی شاہی گواہی ہوتی ہے۔ جو تمام گواہیوں سے اعلیٰ اس کی تحقیق ہم تیسرے پارہ میں وانا معکم من الشاھدین کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ یا یہ مطلب ہے کہ دنیا میں رب تعالیٰ دیکھ رہا تھا کہ ہم تمہاری عبادت سے غافل تھے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ایک جگہ ثم ہے کہ ثم نقول للذین اشرکوا۔ اور دوسری جگہ ف ہے۔ فزیلنا بینھم اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا لوگوں کی جمع فرمانے اور چھانٹ فرمانے پر بڑا فاصلہ ہوگا۔ چھانٹ بہت عرصہ کے بعد ہوگی لیکن چھانٹ کے حکم اور چھانٹ واقع ہو جانے میں پل بھر کا فاصلہ نہ ہوگا۔ حکم ہوا کہ چھانٹ ہوگئی اسلئے پہلے کے لئے ثم ارشاد ہوا جس سے تاخیر معلوم ہوئی اور دوسری جگہ ف ارشاد ہوئی بمعنی فوراً۔

تفسیر صوفیانہ: قیامت میں انسان کی روحیں اور چیزوں کی حقیقتیں ظاہر کر کے جمع کر دی جائیں گی۔ چنانچہ دنیا دار لوگ وہاں دنیا کی حقیقت دیکھیں گے جو نہایت حقیر صورت میں ہوگی۔ پھر ارشاد ہوگا کہ یہ ہے وہ دنیا جس کی طلب میں تم نے اپنی عمریں خرچ کر ڈالیں۔ اب تم اور تمہاری معبود دنیا ایک جگہ رہو کہ تم اعلیٰ تھے اور دنیا اسفل۔ تم اونچے ہو کر نیچے کی پوجا جاری ہوئے اب تم اس نیچی کے ساتھ رہو۔ پھر ہم مشرکین اور ان کے معبودوں میں فرق کر دیں گے کہ انہیں لعنت و پھٹکار دوری۔ جدائی کے رنج و غم میں مبتلا کریں گے اس وقت ان کے مال منال شکایت کریں گے کہ خدایا یہ نفس و شیطان کے پجاری تھے ہم کو نفس و شیطان کے لئے استعمال کیا۔ اگر یہ بھی تیرے لئے استعمال کرتے تو ہم عین دین بن جاتے ان کا معبود دین نہیں بلکہ ان کی ہوا و حرص ہے افرایت من اتخذ اللہ ھواہ۔ یہ لوگ عبادت الٰہی کی لذت اور اطاعت رسول کے ذوق سے بے خبر رہے اور ہم ان سے متنفر رہے۔ قیامت وہ دن ہے جس میں مسلمانوں کے بہت سے خیالات فاسد نکلیں گے چہ جائیکہ کفار کی عبادات۔

حکایت: کسی نے حضرت جنید بغدادی کی وفات کے بعد انہیں خواب میں دیکھا پوچھا کیسی گذری۔ فرمایا اشارات غائب ہوگئے۔ عبادات فنا ہوگئیں۔ رسوم کام نہ آئیں۔ علوم نے ساتھ چھوڑ دیا آخری رات کی گریہ زاری تہجد کے رکوع سجود کام آگئے۔ شعر۔

بہ گنجے سعادت کہ خدا داد بحافظ   ازیمن دعاء سب و ورد سحری بود

چوں بباطن بنگری دعوئے کجا است   اوز دعوی پیش آں سلطاں فنا است

صوفیاء کے نزدیک رب سے غفلت دنیا میں مشغولیت بت پرستی ہے۔ (روح البیان)

www.alahazratnetwork.org

هُنَالِكَ تَبْلُوْا كُلُّ نَفْسٍ مَّآ اَسْلَفَتْ وَرُدُّوْٓا اِلَى

اس جگہ پڑتال کرے گی ہر ذات ان اعمال جو آگے بھیجے اور لوٹائے جائیں گے

یہاں ہر جان جانچ لے گی جو آگے بھیجا اور اللہ کی طرف پھیرے

اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۹

وہ اپنے سچے والی کی طرف اور غائب ہو جائیں گے ان سے وہ جو گھڑتے تھے

جائیں گے جو ان کا سچا مولیٰ ہے اور ان کی ساری بناوٹیں اس سے گم ہو جائیں گی

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں بتوں اور بت پرستوں کے اس جھگڑے کا ذکر ہوا جو قیامت میں ہوگا اور اب جھگڑے کے نتیجہ کا تذکرہ ہے۔ یعنی بت پرستوں کا اپنی غلطی مان لینا گویا دنیا میں جو بیان تھا وہ عیاں ہو جائے گا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں مومنوں اور کافروں میں چھانٹ کا ذکر ہوا اب ان دونوں جماعتوں کے اعمال کی چھانٹ کا تذکرہ ہے کہ مومن اپنے اعمال عقائد کی حقانیت کو کفار اپنے عقائد کے بطلان کو دیکھ لیں گے۔ گویا عاملین کو چھانٹ کے بعد اعمال کی چھانٹ کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جھوٹے معبود اپنی عابدوں کی عبادات کا انکار کر دیں گے ما کنتم ایانا تعبدون جس سے معلوم ہوا تھا کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں کی عبادتوں کا حضرات انبیاء کرام اپنی امتوں کی اطاعتوں کا انکار نہ فرمائیں گے ان کی قدر دانی فرمائیں گے اب ارشاد ہے کہ اس انکار و اقرار سے باطل اور سچے عمل کی چھانٹ ہو جاوے گی۔ دنیا میں مومن کافر ایک جگہ ہیں اعمال بظاہر ایک طرح کے ہیں۔

تفسیر: هنالک تبلوا کل نفس یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے هنالک کی معنی ہیں اس جگہ کبھی اس کے معنی ہوتے ہیں اس وقت یہاں دونوں معنی درست ہیں چونکہ یہ ظرف تبلوا سے آگے ہے اس لئے حصر کے معنی ہوئے یعنی اس ہی جگہ یا اس ہی وقت رب فرماتا ہے۔ هنالک دعا ذکریا ربہ اس ہی جگہ جہاں بی بی مریم تھیں حضرت زکریا نے رب سے دعا کی۔ ہماری قرأت میں تبلوا ت اور ب سے ہے یہ بنا ہے بلو سے بمعنی جانچنا رب فرماتا ہے ونبلو کم بالشر و الخیر فتنۃ اور فرماتا ہے ولنبلونکم بشیء من الخوف (الخ) یعنی ہر نفس جانچ گئی ایک قرأت میں ہے نبلون اور ن وب سے اور کل نفس کے فتح سے یعنی ہر نفس کو ہم جانچیں گے ایک قرأت میں تتلو ہے دو ت سے یا تلاوت سے یعنی ہر نفس پڑھ لے گا اپنے اعمال۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ اقرا کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا اپنی کتاب خود پڑھ لے یا تلو سے بمعنی پیچھے ہونا۔ یعنی ہر نفس اپنی اعمال کے پیچھے چلے گی۔ مومن کو اس کی نیکیاں جنت کی طرف رہبری کریں گی کافر کو اس

www.alahazratnetwork.org

کی بدیاں دوزخ میں پہنچائیں گی غرضکہ اس ایک لفظ کی چار تفسیریں ہیں اگر ھنالک کے معنی ہیں اس جگہ تو کل نفس سے مراد سارے انسان مومن ہوں یا کافر کیونکہ اس جگہ میں رہ کر اپنے کیے دھرے کی خبر ہونا کفار کے لئے خاص ہوگا۔ مسلمان تو وہاں سے ہٹا لئے جائیں گے۔ ہاں اس وقت دونوں کو اپنے اعمال کی خبر ہوگی۔ نفس کے بہت معنی بارہا عرض کر چکے ہیں کہ خون، جان، نفس امارہ، نفس مطمئنہ اور ذات سب ہی کو نفس کہا جاتا ہے یہاں بمعنی ذات ہے ما اسلفت یہ عبارت تبلو کا مفعول ہے ما سے مراد اعمال ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کو اپنی عقائد کی جانچ تو قبر میں ہی ہو جاوے گی کہ وہاں صرف ایمان و کفر کا امتحان ہے۔ اعمال کا نہیں۔ ہاں قیامت میں اعمال کی جانچ ہے۔ اسلف بنا ہے سلف سے بمعنی آگے اسلاف کے معنی ہیں آگے بھیجنا اس لئے متقدمین کو سلف صالحین کہتے ہیں اس کا مقابل ہے خلف اس سے مراد وہ اعمال ہیں جو دنیا میں کئے تھے جو تندرستی میں یا بیماری میں مرتے وقت یعنی کفر یا اسلام غرضیکہ اس کی بھی سزا و جزا ہے لہذا یہ فرمان بہت جامع ہے۔ وردوا الی اللہ یہ فرمان عالی معطوف ہے تبلو کل نفس پر۔ ردو کا نائب فاعل وہ مشرکین و کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے چونکہ دنیا میں سارے بندے رب کے بھیجے ہوئے رب کے پاس سے آئے تھے اس لئے اب وہاں جانے کو رد یا رجوع یعنی لوٹنا کہا جاتا ہے چونکہ مومن وہاں بخوشی حاضر ہوں گے۔ جیسے دوست دوست کے پاس جاتا ہے اس لئے اکثر رجوع فرمایا جاتا ہے یعنی بخوشی لوٹنا اور کفار جبراً دھکے دے کر وہاں لوٹائے جاتے ہیں۔ اس لئے ان کے لئے اکثر ارشاد ہوتا ہے۔ یعنی جبراً لوٹایا جانا۔ اس دونوں کے متعلق ارشاد ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جهنم وردوا مومنوں کے لئے حشر اور وفد ارشاد ہوا۔ کفار کے لئے سوق اور ورود دوسری جگہ ارشاد ہے وسیق الذین کفروا الی جهنم زمرا اور ارشاد ہے وسیق الذین ربهم الی الجنة زمرا۔ دونوں سوق میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ دولہا کو دلہن کے ہاں بھی لے جاتے ہیں اور مجرم کو پھانسی گھر بھی مگر دونوں لے جانے میں فرق ہے۔ مولهم الحق یہ فرمان عالی لفظ اللہ کی صفت یا بدل ہے یہاں مولی بمعنی مالک ہے یا بمعنی مربی حق مقابل ہے۔ باطل کا۔ کفار نے دنیا میں بہت جھوٹے مولی مان رکھے تھے۔ ان کا جھوٹا ہونا آج ظاہر ہو گیا کہ سب ان کے مخالف ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ سچا مولا ہے مولی کے معنی اس کے اقسام اور کس معنی سے یہ لفظ کس پر بولا جاتا ہے ہم نے سورۂ بقر کے آخر میں انت مولانا کی تفسیر میں عرض کر دیئے ہیں۔ کہ مولی یا ولی سے بنا ہے بمعنی دوستی۔ قرب یا ولایت سے رب تعالیٰ کو مولی کہتے ہیں اور معنی سے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفۃ المسلمین اور فرشتوں کو عام مومنین کو مولی کہا جاتا ہے۔ دوسرے عام معنی سے یہ لفظ بیک وقت سب پر بولا جاتا ہے فاللہ مولاہ وجبریل وصالح المومنین بعد ذلک ظهیرا۔ وضل عنهم ما کانوا یفترون۔ اس فرمان عالی میں تصویر کا دوسرا رخ دکھایا گیا ہے۔ یہاں ضل کے معنی ہیں ضائع ہو گئے۔ جاتے رہے مراد ہے کام نہ آئے وہ پہلے سے ہی ضائع و غائب تھے آج ان کا ضائع ہونا انہوں نے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ما سے مراد بت پرستوں کے بت ان کی عبادات اور ان کے سارے اعمال ہیں خصوصاً نیکیاں جنہیں وہ نیکی سمجھتے تھے اور واقعہ میں وہ گناہ تھے نیز ان کے وہ اعمال جو واقعی نیکیاں تھے جیسے صدقہ و خیرات۔ ماں باپ کی خدمت وغیرہ کہ ان میں کوئی چیز ان کے کام نہ آئی۔

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے: کہ کفار کی نیکیاں تو اس طرح ضائع ہوں گی کہ ان سے انہیں جنت حاصل نہ ہو گی۔ ان کے گناہ اس طرح ضائع ہوں گے کہ بجائے نفع دینے کے انہیں نقصان پہنچائیں گے لہٰذا آیت کریمہ پر کوئی اعتراض نہیں انشاء اللہ مومنوں کی نیکیاں کام آئیں گی اور گناہ معاف ہوں گے۔ ضبطی اور معافی کا فرق یاد رہے۔

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہو چکا کہ اس آیت کریمہ کی تین قراتیں ہیں اور چار تفسیریں۔ ہم ان سے ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں جو ہماری قراۃ کے موافق ہے اور قوی ہے جب یہ چھانٹ اور معبودین باطلہ کا ناراض ہونے کا ظہور ہوگا تو اس جگہ یا اس وقت ہر جان ہر ذات اپنی دنیا میں بھیجے ہوئے اعمال کی جانچ کرے گی کہ ہم نے کیا سمجھا تھا اور یہاں کیا ہوا۔ اور اب وہ اپنے سچے مالک رب کی طرف جبراً لوٹائے جائیں گے کہ فرشتے انہیں دھکے دیتے ہوئے بارگاہ عالی میں پیش کریں گے اور ان کے جھوٹے معبود ان کے کفر بت پرستی بلکہ ان کے وہ نیک اعمال جو وہ دنیا میں کرتے تھے سب برباد ہو جائیں گے۔ جس کا وہ خود اقرار کریں گے۔ مصرع۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا میں جو چیز نہاں ہیں وہ قیامت میں عیاں یعنی ظاہر ہو جاویں گی۔ وہاں حضرات انبیاء کرام کی حقانیت آنکھوں دیکھی جاوے گی۔ یہ فائدہ ھنالک اور تبلوا سے حاصل ہوا بہتر کہ انسان یہاں ہی آنکھیں کھول لے۔

دوسرا فائدہ: قیامت میں فیصلہ الٰہی سے پہلے ہی بدکاروں کی بدکاریاں اور نیک کاروں کی نیک کاریاں ظاہر ہو جاویں گی۔ یہ فائدہ کل نفس کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس سے مراد ذات ہی مومن یا کافر۔

تیسرا فائدہ: دنیا کے نیک و بد اعمال کا حساب قیامت میں ہوگا۔ قبر میں نہیں۔ قبر میں تو صرف ایمان کا حساب ہے یہ فائدہ ما اسلفت سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: قیامت میں ہر شخص اپنے اعمال کا خود ہی حساب کر لے گا۔ رب تعالیٰ کا حساب لینا قانونی کاروائی کے لئے ہوگا۔ یہ فائدہ تبلوا کل نفس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ وہ تے اور بے سے ہو۔

پانچواں فائدہ: قیامت میں کوئی شخص بے پڑھا حساب سے ناواقف نہیں ہوگا۔ یہ فائدہ تبلوا کل نفس کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ یہ تلاوت سے بنا ہو رب فرماتا ہے **اقرء کتابک کفی بنفسک الیوم علیک حسیبا**۔ بلکہ بعد موت سب کی زبان عربی ہو جاتی ہے کیونکہ قیامت کا حساب اور قیامت کا سارا کام عربی زبان میں ہوگا۔

چھٹا فائدہ: بعد قیامت ہر شخص کو اس کے اعمال رہبری کریں گے۔ کفار کے اعمال انہیں دوزخ کے اور مومنوں کے نیک اعمال انہیں جنت کے گھر پہنچائیں گے یہ فائدہ تبلو کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب یہ لفظ تلو بمعنی تبع سے بنا ہو۔

ساتواں فائدہ: مومن رب کی بارگاہ میں خوش خوش جاتا ہے مگر کافر دھکے دے کر جبراً وہاں حاضر کیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ **ردوا الی اللہ** سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر رد اور رجوع کا فرق بلکہ مومن خوشی خوشی ہنستا ہوا مرتا ہے۔ کافر روتا ہوا۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

نشان مرد مومن باتو گویم قضا آید تبسم برلب اوست

اللہ تعالیٰ ایمان پر موت نصیب فرمائے۔

آٹھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ہر مومن و کافر کا مولیٰ یعنی مالک اور رب ہے سچا مولیٰ وہ ہے یہ فائدہ **مولھم الحق** ۔ سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: قیامت میں اکیلا رہ جانا اسی حالت میں بارگاہ الٰہی میں پیش ہونا کفار پر رب کا عذاب ہوگا۔ مومن انشاء اللہ اپنے نیک اعمال اور اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سایہ میں مومنین کی ہمراہی شفاعت کرنے والوں مددگار ولی کے جھرمٹ میں وہاں حاضر ہوں گے۔ یہ فائدہ **وضل عنھم ما کانوا یفترون** ۔ سے حاصل ہوا۔ اگر مومن بھی ایسے ہی بے کسی بے بسی کی حالت میں پیش ہوتے تو یہاں اس بے کسی کو کفار کا عذاب قرار نہ دیا جاتا رب فرماتا ہے **یوم نحشر المتقین الی الرحمٰن وفدا**۔

دسواں فائدہ: کفار نے جنہیں اپنا والی وارث سمجھا وہ غلط اور جھوٹے ہیں۔ مومنوں کے والی وارث شفیع سفارشی بالکل برحق ہیں ان کی مدد برحق ہے یہ فائدہ **یفترون** سے حاصل ہوا۔ مومنوں کے لئے رب فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا**۔

پہلا اعتراض: جب قیامت میں ہر نفس اپنے نیک و بد اعمال کی خود ہی جانچ کرے گا تو رب تعالیٰ کے حساب لینے کا کیا فائدہ ہوگا۔

جواب: وہ حساب اجراء قانون کے لئے ہوگا۔ بعض لوگوں سے حساب نہ لینا اور بغیر حساب انہیں جنت میں بھیج دینا رب کا کرم ہوگا۔ مگر کسی کو بغیر حساب دوزخ میں نہیں بھیجا جاوے گا کہ اس میں عدل کا ظہور ہے عدل اور فضل میں فرق یاد رہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کافروں کا بھی مولا ہے کہ فرمایا گیا **مولھم الحق**۔ مگر دوسری جگہ ارشاد ہے **وان الکافرین لامولی لھم**۔ کافروں کا مولا کوئی نہیں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: وہاں مولیٰ بمعنی مددگار ہے اور یہاں مولیٰ بمعنی رب اور مالک ہے اللہ تعالیٰ کافروں کا مالک رازق ہے مگر ان کا مددگار نہیں لہٰذا آیتیں دونوں صحیح ہیں۔ (روح البیان ومعانی۔ کبیر وغیرہ)

تیسرا اعتراض: یہاں مولا کے ساتھ حق کیوں ارشاد ہوا کیا باطل مولیٰ بھی ہے۔

جواب: جی ہاں جن بتوں اور سرداروں کو کفار نے دنیا میں اپنا رب یا مالک مان رکھا تھا وہ باطل مولیٰ تھے سچا مالک رب تعالیٰ ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ کفار کے بت قیامت میں غائب ہو جائیں گے۔ **وضل عنھم ما کانوا یفترون** مگر دوسری جگہ ہے کہ ان کے بت ان کے ساتھ رہیں گے حتی کہ دوزخ میں ان کے ساتھ جائیں گے۔ آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: بتوں کی مدد شفاعت وہاں ان سے غائب ہو جائے گی۔ ہاں ان کی مخالفت کرنے انہیں اور زیادہ سزا دینے ان پر

www.alahazratnetwork.org

لعن طعن کرنے کے لئے قیامت اور دوزخ میں ان کے ساتھ ہوں گے۔ حتی کہ چاند سورج بھی ان کے ساتھ جائیں گے تا کہ آگ کی گرمی کے ساتھ انہیں سورج کی گرمی بھی پہنچے غرضکہ ہمراہی مدد کی اور ہے اور غضب وقہر کی کچھ اور (از صاوی)

تفسیر صوفیانہ: مومن دنیا کی ہر چیز کا ظاہر و باطن دونوں دیکھتا ہے دنیا کا ظاہر حسین اور باطن قبیح ہے۔ اس لئے اس کی کسی چیز سے دل نہیں لگاتا۔ مگر کافر صرف حسین صورت دیکھتا ہے اور اس میں پھنس کر رب کو بھول جاتا ہے مومن کے لئے دنیا کی ہر چیز خداری کا ذریعہ ہوتی ہے اور کافر کے لئے رب تعالیٰ سے حجاب دنیا کی ہر چیز برف کا کھلونا ہی ظاہر میں سب کچھ باطن میں کچھ نہیں آتا قاتا شعر۔

وما الخلق فی التمزال الا کثلجته — بھا صورۃ لکن تبدت من الماء

خلوا الکشف لم یشھد سری الماء وحدہ — تبدی بوصف الثلج من غیر اخفاء

ومن حجبتہ صورۃ الثلج جاھل — تغطی علیہ الا مر من لمع اضواء

جاہل نے برف کے کھلونے کو حسین محبوب سمجھا اس سے کھیلنے لگا۔ مگر سورج نکلتے ہی جب وہ پگھلے گا تب حقیقت کھل جائے گی کہ یہ فانی تھا۔ دنیا گویا سردی کی راتیں ہیں یہاں کی چیزیں حتی کہ نفس کے لئے عبادات گویا برف کے کھلونے ہیں قیامت کا دن گویا سورج چمکنے کا وقت ہے ان اعمال کا برباد ہو جانا گویا ان کا پانی بن کر بہ جانا ہے وضل عنھم ما کانوا یفترون۔ مومن نے انہیں دنیا میں ہی فانی پانی جانا۔ قیامت میں ان کا یقین عین الیقین ہو جاوے گا (از تفسیر صاوی) روز قیامت گویا پردے اٹھنے کا دن۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ
فرمایئے کون رزق دیتا ہے تم کو آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہوتا ہے
تم فرماؤ تمہیں کون روزی دیتا ہے آسمان اور زمین سے یا کون مالک ہے کان
السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ
کانوں اور آنکھوں اور کون نکالتا ہے زندہ مردے سے
اور آنکھوں کا اور نکالتا ہے زندہ کو مردے سے
وَيُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَمَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ
اور نکالتا ہے مردہ زندہ سے اور کون انتظام کرتا ہے کام کی
اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور کون تمام کاموں کی تدبیر کرتا ہے

www.alahazratnetwork.org

فَسَيَقُولُونَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾

پس عنقریب کہیں گے کہ اللہ پس فرماؤ تم کہ پس کیوں نہیں خوف کرتے ہو

تو اب کہیں گے کہ اللہ تم فرماؤ تو کیوں نہ ڈرتے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قیامت میں مشرکین و کفار بھی اپنی بے کسی دیکھ کر رب تعالیٰ کی وحدانیت و حقانیت کو مان لیں گے اب ارشاد ہے کہ دنیا میں بھی اسلامی دلائل کی قوت دیکھ کر بھی مشرکین اللہ تعالیٰ کی وحدانیت قدرت کے قائل ہونے پر مجبور ہو جاتے ہیں گویا آئندہ کے اقرار کے بعد موجودہ اقرار تذکرہ ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ مشرکین اپنی رسوائیوں کے بعد اس وقت ایمان لائیں گے جب ایمان معتبر نہ ہوگا۔ اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ دنیا میں اس طرح ایمان لاتے ہیں جو معتبر نہیں یعنی توحید کو مان لیتے ہیں مگر بغیر نبوت کے گویا بے وقت ایمان کے بعد بے قاعدہ ایمان کا تذکرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں اشارۃً ذکر ہوا تھا کہ ان کے جھوٹے معبودان کی محض گڑھی ہوئی باتیں ہیں اب ارشاد ہے کہ خود وہ بھی مجبوراً یہ بات مان لیتے ہیں کہ کہتے ہیں کہ آسمان و زمین کی روزیاں خود ان کی اپنی جسمانی طاقتیں رب تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں۔ جب ایسے ہی خود مانتے ہیں پھر معبودان باطلہ خالق و مالک کہاں رہے گویا پہلے دعویٰ کا ذکر تھا اب دلائل کا۔

تفسیر: قل من یرزقکم من السماء والارض ظاہر یہ ہے کہ خطاب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور یرزقکم میں روئے سخن ان کفار سے ہے اللہ تعالیٰ کو خالق رازق مالک مانتے ہوئے بتوں کو اپنا شفیع اور بت پرستی کو خدارسی کا ذریعہ سمجھتے تھے ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفا اور کہتے تھے۔ ھولاء شفعاء نا عام مشرکین عرب خصوصاً مشرکین مکہ ایسے ہی کافر تھے یہاں دھریوں وغیرہم سے کلام نہیں آیت واضح ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ عیسائی یہودی بھی اس خطاب میں داخل ہوں کہ وہ بھی حضرت عیسیٰ و عزیر کو خالق رازق نہیں مانتے صرف رب کو مانتے ہیں ان بزرگوں کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ یرزق بنا ہے رزق سے بمعنی روزی۔ رزق کے معنی ہیں حصہ۔ رب فرماتا ہے تجعلون رزقکم انکم تکذبون یہاں اس سے مراد روزی کا حصہ ہے آسمان کی روزی بارش دھوپ ہوا۔ موافق موسم ہے جس میں انسان کے کسب کو بالکل دخل نہیں اور زمینی رزق والے پھل چارہ وغیرہ ہے جس میں انسانی کسب کو بھی دخل ہے چونکہ روزی کی پیداوار میں آسمانی زمینی اسباب دونوں کو دخل ہے اور آسمان اور وہاں کی چیزیں موثر ہیں اور زمین اور یہاں کی چیز متاثر یعنی اثر لینے والی اس وجہ سے آسمان و زمین دونوں کا ذکر فرمایا اور آسمان کا ذکر پہلے کیا زمین کا بعد میں یہ تھیں خارجی نعمتیں۔ پھر داخلی نعمتوں کا ذکر فرمایا۔ امن یملک السمع والابصار اس فرمان عالی میں امن اصل میں ام اور من ہے ام بمعنی بلکہ من بمعنی کون ملک سے مراد یا مالک ہونا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ یا محافظ ہونا یا خالق ہونا (روح البیان) سمع سے جنس سمع مراد ہے۔ جس میں ایک اور زیادہ سب داخل ہیں اس لئے اسے سمع واحد بولا اسماع نہ فرمایا۔ اور الابصار جمع ہے بصر کی۔ سمع سے مراد سننے کی طاقت بصر سے مراد ہے دیکھنے کی قوت یعنی بینائی ممکن ہے کہ اس سے مراد کان اور آنکھیں ہوں مگر یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ کان کو عبری میں اذن کہتے ہیں اور آنکھ کو عین۔ چونکہ سننے اور دیکھنے کی طاقتیں تمام طاقتوں سے افضل و اشرف ہیں کہ دوسری طاقتیں چلنا۔ چھونا وغیرہ ان کی مدد سے ہی ممکن ہے نیز ہر آیات الٰہیہ انہیں کے ذریعہ سنی اور دیکھی جاتی ہیں۔ انہیں سے ہی نبی کا فرمان سنا جاتا ہے۔ جمال رسول دیکھا جاتا ہے آج کعبہ اور روضہ اطہر کی زیارت انہیں سے ہوتی ہے اس لئے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا۔ چونکہ کان ہر طرف کی آواز سن لیتا ہے۔ آنکھ صرف سامنے کو دیکھتی ہے۔ بعض نبی ایک وقت عارضی طور پر نابینا ہوئے۔ وابیضت عیناہ مگر بہرے کبھی نہیں ہوئے۔ ان وجوہ سے سمع کو پہلے اور ابصار کو بعد میں بیان فرمایا گیا۔

خیال رہے: سننے اور دیکھنے کی طاقت میں رب تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا نظارہ ہے آنکھ میں نامعلوم کتنے پردے ہیں اور

اور ابصار کو بعد میں بیان فرمایا گیا۔

نے کی طاقت میں رب تعالیٰ کی عجیب قدرتوں کا نظارہ ہے آنکھ میں نامعلوم کتنے پردے ہیں اور
نی نازک ہیں کہ کان ایک قطرہ پانی اور آنکھ ایک تنکا برداشت نہیں کرسکتا اچھی خاصی آنکھیں
یہ نعمتیں دینے والا ہے وہ ہی ان کی حفاظت فرمانے والا ہے اس لئے ان کے متعلق یملک فرماتا
ن اس کی ملک اس کے قبضہ اس کی حفاظت میں ہیں۔ ومن یخرج الحی من المیت
ں اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کی تیسری صفت کا ذکر ہے۔ یہ عبارت من علیک (الخ) پر
کی بہت تفسیریں ہیں۔ حی سے مراد جاندار سے میت مراد بیجان رب تعالیٰ زندہ یعنی سبزے
اتا ہے اور بے جان نطفہ سے جاندار حیوان اور جاندار حیوان سے بے جان نطفہ کو۔ یا جاندار
اور بے جان انڈے سے جاندار چڑیوں کو عالم سے جاہل اور جاہل سے عالم کو یا کافر سے مومن
۔ غافل کو اور غافل سے بیدار کو یا خوش نصیب سے بدنصیب کو اور بدنصیب سے خوش نصیب کو۔
تیز زبان کو پیدا فرماتا ہے۔ بتاؤ یہ قدرت وقوت کس میں ہے ومن یدبر الامر یہ عبارت
سمع (الخ) اس پر میں رب تعالیٰ کی چوتھی قدرت کا ذکر ہے تدبیر سے مراد ملکی نظام جس سے
نی احکام ہیں یعنی بتاؤ کہ دنیا کا انتظام کون فرما رہا ہے۔ کس کے انتظام سے یہ جہان قائم ہے۔
لی۔ موت و زندگی قوموں کی ترقی وتنزل چاند و سورج کا طلوع غروب یہ سارا انتظام کون کر رہا
یہ چار سوال کریں گے تو فسیقولون اللہ تو یہ مشرکین عرب یا مشرکین اور یہود و نصاریٰ بہ یک
للہ تعالیٰ کرتا ہے۔ ان کاموں میں اس کا کوئی شریک نہیں یہ فرما کر اشارۃً بتایا کہ وہ لوگ بلا تاخیر
لفظ اللہ سے پہلے ای بعد میں یفعل پوشیدہ ہے۔
ے انتظامات فرشتوں کے سپرد کر دیئے گئے ہیں چنانچہ ان کی ایک جماعت ماں کے پیٹ میں
ماعت جان نکالنے پر ایک جماعت اللہ کی رحمتیں بارش وغیرہ لانے پر ایک جماعت عذاب

لیتا ہے۔ آنکھ صرف سامنے
ہوئے۔ ان وجوہ سے سمع کو
خیال رہے: سننے اور د
پردہ کیا کیا کام کرتا ہے پھر
ذرا میں بیکار ہو جاتی ہیں وہ
بہت ہی مناسب ہے ہم ہر
ویخرج المیت من ا
معطوف ہے۔ اس فرمان
سے مردہ یعنی خشک بیج پیدا
چیزوں سے بے جان انڈ
اور مومن سے کافر کو۔ بیدار
تیز زبان سے گنگا اور گنگے
معطوف ہے من علیک
دنیا قائم رہے امر سے مراد
رزق کی تقسیم۔ موسموں کی
ہے جب آپ ﷺ ان
زبان کہیں گے کہ یہ سارا کا
فوراً یہ جواب دیں گے۔ یہ
خیال رہے: عالم کے
بچے بنانے پر مقرر ہے ایک

www.alahazratnetwork.org

لانے پر قرآن مجید نے ان فرشتوں کو مدبرات امر فرمایا ہے۔ فرماتا ہے۔ والمدبرات امرا گرفرشتے خدام بارگاہ میں اسی کے حکم سے اس کی دی ہوئی طاقت سے یہ تدبیر عالم کرتے ہیں۔ شب برات میں ہر قسم کے احکام متعلقہ فرشتوں میں تقسیم کیے جاتے ہیں فرماتا ہے فیھا یفرق کل امر حکیم لہٰذا حقیقی مدبر رب تعالیٰ ہے اور اس کے اذن اس کے ارادے سے فرشتے بلکہ عالم اجسام میں بادشاہ اور حکام۔ پولیس وغیرہ دنیا کا انتظام کرتے ہیں۔ لہٰذا یہ آیت واضح ہے دوسری آیات کے خلاف نہیں۔ فقل افلا تتقون۔ اس میں اللہ کی طرف سے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو جواب الجواب کی تعلیم ہے تتقون بنا ہے تقویٰ سے بمعنی بچنا یا ڈرنا یعنی اے کافرو جب تم رب کی ان تمام صفات کے قائل ہو تو اس سے ڈرتے کیوں نہیں یا تم کفر وشرک و بت پرستی سے بچتے کیوں نہیں۔ مجبور بے جان بتوں کی پوجا کیوں کرتے ہو۔ انہیں خدا کا شریک کیوں مانتے ہو۔ سبحان اللہ کیا پیاری تبلیغ ہے۔

خلاصہ تفسیر: اس آیت کریمہ میں رب تعالیٰ کی چار ایسی عطاؤں کا ذکر ہے۔ جن کے متعلق مشرکین وکفار عرب یہود و نصاریٰ بھی اعتقاد رکھتے تھے کہ یہ صرف رب تعالیٰ کی کرم نوازیاں ہیں۔ ارزاق۔ ہوش وحواس۔ موت وحیات دنیا کا انتظام۔ چنانچہ محبوب کریم سے فرمایا گیا۔ کہ آپ ﷺ ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ آسمان اور زمین سے روزی تمہیں کون دیتا ہے۔ بارش ہوا۔ دھوپ یوں ہی زمین میں اگانے کی طاقت اس کا سبزہ اگانا۔ اس میں پھل پھول لگانا کس قدرت سے تم کو ملتے ہیں اپنے حواس سے غور کرو کہ تمام ظاہری حواس کی اصل اور نہایت ہی نازک اور بہت ہی کارآمد۔ یعنی سننے اور دیکھنے کی طاقت کا مالک کون ہے۔ کہ جب چاہے تم کو سننے والا دیکھنے والا بنادے جب چاہے یہ قوتیں تم سے چھین لے۔ کون ہے جو نطفہ انڈے سے جانداروں کو پیدا فرماتا ہے اور جاندار سے یہ چیزیں پیدا کرتا ہے۔ کافر سے مومن اور مومنوں سے کافر۔ یونہی عاقل سے غافل اور غافل سے عاقل۔ یوں ہی خوش نصیب سے بدنصیب اور بدنصیب سے خوش نصیب کو پیدا فرماتا ہے۔ اور کون ہے عالم کو سنبھالے ہوئے اس کا انتظام فرمارہا ہے۔ یہ سوال سن کر وہ لوگ بے توقف کہیں گے کہ یہ سارے کام اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اپنے بتوں کو یا عیسائی حضرت عیسیٰ کو یہودی حضرت عزیر کو رازق، خالق، مدبر امر نہیں مانتے۔ اس جواب پر آپ ان سے فرماؤ کہ جب تم یہ سب باتیں مانتے ہو تو کفر وشرک سے بچتے کیوں نہیں تمہارے اعمال تمہارے اقوال کے خلاف کیوں ہیں۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ ہر سوال کرنے والے کی بے علمی سے نہیں ہوتا۔ کبھی اقرار کرانے یا سرزنش کرنے کے لئے بھی سوال ہوتا ہے یہ فائدہ من یرزقکم (الخ) سے حاصل ہوا۔ یہ سوالات حضور ﷺ سے کرائے گئے۔ کفار کو قائل کرنے یا ان کی سرزنش کرنے کے لئے۔

دوسرا فائدہ: رزق وروزی کا کارخانہ آسمان میں ہے مگر اس کا خزانہ زمین میں یہ فائدہ من السماء والارض سے حاصل ہوا کہ رزق کو آسمان وزمین کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ دوسری جگہ ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

تیسرا فائدہ: ہماری بے بسی رب تعالیٰ کی قدرت کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ ام من علیک السمع والابصار سے حاصل

www.alahazratnetwork.org

ہوا۔

چوتھا فائدہ: حواس ظاہری میں کان اور آنکھ بڑے ہی حیرت انگیز حواس ہیں آنکھ کی بناوٹ اس کے کمال کو دیکھو ان پر رب نے پوٹوں کے پردے لگا دیئے جو ہر بیرونی آفات سے انہیں بچاتے ہیں ان میں پانی کا تالاب رکھا ہے کہ جہاں کوئی تنکا پڑے پانی آئے اور اسے بہا کر لے جائے۔ ایک آنکھ میں تنکا پڑ جانے پر اور قسم کا پانی بہتا ہے آنکھ دکھنے پر اور قسم کا پانی۔ آنکھ میں زخم ہو جائے تو اور طرح کا پانی رونے پر اور طرح کا پھر درد دکھ سے روؤ تو اور طرح کا۔ عشق رسول میں روؤ تو اور طرح کا۔ خوف خدا میں روؤ تو اور طرح کا پانی بہتا ہے۔ عشق وخوف کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں دل پر اثر ڈالتے ہیں رب ہی جانے کہ یہ مختلف قسم کے پانی کہاں سے آتے ہیں لہٰذا ام علک السمع والابصار بالکل برحق ہے۔

پانچواں فائدہ: ایک ماں کے پیٹ سے نر و مادہ، کافر مومن، نیک و بد، عاقل و دیوانہ، کالے گورے ذہین و غبی کالے گورے بچے پیدا ہونا رب کی قدرت کی بڑی دلیل ہے سانچہ ایک ہے مگر اس سے ڈھلنے والے برتن مختلف۔

چھٹا فائدہ: عالم کا سارا انتظام دن رات کا آنا جانا موسموں کا بدلنا عمریں ختم ہونا۔ موت و زندگی کا سلسلہ رب تعالیٰ کی قدرت سے قائم ہے حقیقی مدبر وہی ہے اس کے حکم سے بعض فرشتے بلکہ تکوینی اولیاء اللہ مجازاً مدبر عالم ہیں۔ ان اولیاء میں غوث قطب، ابدال اوتاد وغیرہم ہیں ان کے یہ نام ان کے کام کا پتہ دیتے ہیں۔ یہ فائدہ یدبر الامر سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: کفار بہت قسم کے ہیں بعض خالق کے منکر جو زمانہ کو خالق مانتے ہیں۔ وما یھلکنا الا الدھر بعض چند خالق ماننے والے کہ خیر کا خالق اور ہے اور شر کا، خالق دوسرا بعض کافر توحیدیے ہیں جو عالم کا خالق رازق مدبر امر صرف رب تعالیٰ کو مانتے ہیں بعض کافر موحد بھی ہیں جو صرف اللہ کو معبود مانتے ہیں مگر انکار اور گستاخی نبوت سے کافر ہیں۔ یہ فائدہ **فسیقولون اللہ** سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: نبی پر ایمان لائے بغیر عقیدہ توحید سے انسان مومن نہیں بنتا توحید ذریعہ نجات نہیں ایمان کا مدار نجات ہے۔ یہ فائدہ افلا تتقون سے حاصل ہوا کہ ان کفار کہ باوجود عقیدہ توحید کے قرآن کریم نے مومن نہ مانا انہیں کافر قرار دیا۔

نواں فائدہ: رب تعالیٰ بندوں سے بواسطہ پیغمبر کلام فرماتا ہے اس کا قانون یہ ہے اور پیغمبر سے اکثر بواسطہ فرشتہ اور کبھی بلاواسطہ براہ راست یہ فائدہ یہاں دونوں جگہ قل فرمانے سے حاصل ہوا۔ قل من یرزقکم اور فقل افلا تتقون۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ بندوں کو روزی آسمان سے بھی ملتی ہے اور زمین سے بھی کہ ارشاد ہوا من یرزقکم من السماء والارض حالانکہ ہم کو دانے پھل وغیرہ زمین ہی سے ملتے ہیں۔ آسمان سے نہیں برستے۔

جواب: اس فرمان عالی کے دو مطلب ہیں ایک یہ کہ بعض رزق آسمان سے ملتے ہیں۔ دھوپ ہوا، بارش وغیرہ اور بعض رزق زمین سے دانے پھل وغیرہ رزق زمین سے دانے پھل وغیرہ رزق صرف غذا کو نہیں کہتے بلکہ یہ عام ہے دوسرے یہ کہ کھیتوں باغوں میں دانے پھل آسمانی اور زمینی اسباب سے مل کر پیدا ہوتے ہیں۔ اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہیں آسمان و زمین کے اسباب سے غذا میں دیتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں یہ کیوں فرمایا گیا کہ سمع بصر کون مالک ہے یہ کہنا چاہئے تھا کہ ان کا خالق کون ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ ان چیزوں کے پیدا فرمانے کے بعد رب تعالیٰ ان کا مالک ہے تم کو صرف کام لینے کی اجازت ہے۔ ملک خلق، حفاظت، ملکیت سب کو شامل ہے وہ جب چاہے یہ نعمتیں تم سے چھین لے۔ جیسا کہ دن رات دیکھا جاتا ہے۔

تیسرا اعتراض: میت اسے کہتے ہیں جو جاندار ہو چکنے کے بعد بے جان ہو۔ یعنی مردہ مردے سے کوئی زندہ نہیں ہوتا پھر یہ فرمان کیونکر درست ہوا کہ **یخرج الحی من المیت**

جواب: قرآن مجید میں میت بہت معنی ہیں استعمال ہوا۔ ایک وہ ہیں جو تم نے کہے۔ رب فرماتا ہے **انک میت و انھم میتون** ۔ دوسرے خشک معنی اس سے سوکھی زمین کو میت فرمایا گیا۔ تیسرے بے جان چیز جیسے دانہ۔ انڈا۔ نطفہ اس معنی میں یہاں میت ارشاد ہوا بلکہ کافر۔ غافل کو بھی میت کہا گیا۔ اس کے مقابل مومن ذاکر کو زندہ۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کفار بھی صرف اللہ تعالیٰ کو ہی مدبر عالم مانتے تھے۔ کسی بت یا اور بندے کو نہیں مانتے تھے۔ مگر تم لوگ بعض ولیوں کو مدبر عالم مانتے ہو۔ چنانچہ تمہارے اعلیٰ حضرت خود غوث پاک کی شان میں فرماتے ہیں۔

ذی تصرف ہے تو ماذون بھی مختار بھی ہے ۔۔۔ کار عالم کا مدبر بھی ہے عبدالقادر

تم مشرکین مکہ سے بڑھ کر مشرک ہو۔ (دیوبندی)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے فرشتوں کی ایک جماعت کو مدبرات امر فرمایا ہے **فالمدبرات امرا** نیز تم دنیوی بادشاہوں، حکام کو دنیا کا منتظم مانتے ہو یا نہیں مانتے ہو اور ضرور مانتے ہو۔ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ حضرات اولیاء کے ذریعہ سے عالم کا نظام قائم ہے حتیٰ کہ بیان تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ قطب عالم کے ذریعہ زمین و آسمان قائم ہیں اگر وہ نہ ہو آسمان گر پڑے اسے اعماد السماء کہا جاتا ہے۔ یہ سب عقیدے شرک ہیں یا نہیں۔

جواب: تحقیقی یہ ہے کہ رب تعالیٰ مدبر عالم ہے اپنی قدرت سے یہ حضرات مدبر عالم ہیں اپنی خدمت سے یعنی رب کے خدام ہیں اس نے انہیں تدبیر عالم پر مقرر فرمایا ہے میاں محمد صاحب سیف الملوک میں فرماتے ہیں۔ شعر۔

مرداں دے ہتھ کارج سارے آپ خداوند سٹے ۔۔۔ دنیا باغ دی وچ مالی ہے بوٹے لادے پٹے

یعنی باغ عالم کا رب تعالیٰ مالک ہے اولیاء اللہ اس باغ کے مالی انہیں رب نے اختیار دیا ہے کہ پودے لگائیں اور اکھڑیں کسی پودے کا قلم کسی سے لگائیں۔ مالک اور مالی کا فرق دھیان میں رہے اور فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہر مشکل دی کنجی یارو ہتھ مرداں دے آئی ۔۔۔ مرد نگاہ کرن جس ویلے مشکل رہے نہ کائی

غرضکہ والی اللہ ہے مالی ولی اللہ ہے والی مالک ہی مالی مالک کا خادم باغ کا مختار

www.alahazratnetwork.org

پانچواں اعتراض: اگر یہ بات ہے تو وہ مشرک کیوں ہوے جیسے تم نبیوں ولیوں کو عارضی طور پر مدبر عالم حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہو ایسے ہی وہ بتوں کو دور سے سننے والا حاجت روا عالم غیب۔ حاضر و ناظر مانتے تھے۔ اس لئے وہ مشرک تھے۔تم نبیوں ولیوں کو ایسا ہی سمجھتے ہو۔تم بھی مشرک ہو(دیو بندی) اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

جواب: الزامی جواب تو یہ ہے کہ تم کعبہ معظمہ کی طرف سجدہ کرتے ہو مشرکین پتھر کے بت کی طرف تم آب زمزم کا احترام کرتے ہو۔ مشرکین گنگا کے پانی کی۔تم عید بقر کا ادب واحترام کرتے ہو۔مشرکین ہولی دیوالی اور عیسائی پچیس دسمبر کا دونوں کے عمل یکساں ہیں پھر تم مومن کیوں ہو اور وہ مشرک کیوں۔ جواب تحقیقی ہے کہ عیسائی یہودی حضرت عیسیٰ عزیر کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں اور مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے تھے اولاد باپ کی طرح باپ کے برابر ہوتی ہے تو انہوں نے ان بندوں کو اللہ کی برابر مان لیا نیز مشرکین اللہ تعالیٰ کو اپنے بتوں کی برابر سمجھتے تھے۔ان کا عقیدہ تھا کہ رب تعالیٰ دنیا کو بنا کر تھک گیا کہ اس کا انتظام چلانے کے لائق نہ رہا ہمارے بت یہ کام کررہے ہیں وہ رب تعالیٰ کے بندے ہیں مگر اس کی حکومت میں دخیل کار ہیں۔اس برابری کے عقیدے سے وہ مشرک ہوئے۔رب فرماتا ہے ثم الذین کفروا بربھم یعدلون ۔مشرکین اپنے بتوں کو رب کی برابری میں کرتے ہیں اس وجہ سے مشرک ہوئے۔رہا دور سے سننا دیکھنا مدد کرنا اب تو دن رات ہو رہا ہے ابھی آکر جولائی ۱۹۷۱ء میں امریکہ نے ایک راکٹ اپالو (۱۵) کے ذریعہ تین خلا باز چاند میں بھیجے زمین سے چاند کا فاصلہ دو لاکھ چھیاسٹھ ہزار میل ہے مگر امریکہ میں بیٹھے ہوئے کنٹرولر اپنے کانوں سے ان تینوں کے دلوں کی دھڑکن سن رہا تھا اور گن رہا تھا کہ ایک منٹ میں کتنی بار حرکت کرتا ہے۔ یہاں سے انہیں سوئے ہوؤں کو جگایا کہ تمہاری آکسیجن کی پیٹی میں سوراخ ہو گیا ہے اسے فوراً بند کرو۔ یہ ہے دور سے سننا اور مدد کرنا۔اگر شرک اتنا سستا ہو جائے تو آج سب ہی مشرک ہوں گے بندوں کو بندہ مان کر یہ صفات بہ عطاء الٰہی پائے جائیں تو شرک نہیں اگر بندے کو خدا سے برا مان لیا جائے تب شرک ہے۔اس کی تحقیق ہماری کتاب علم القرآن اور اسلام کی چار اصطلاح میں کی گئی ہے وہاں مطالعہ کرو۔

چھٹا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ تم کو آسمان اور زمین سے روزی دیتا ہے مگر دوسری جگہ ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون تمہاری روزی آسمان میں ہے۔دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس اعتراض کے بہت جواب دیئے گئے آسان اور قوی جواب وہ ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کیا کہ روزی کی ٹکسال جہاں روزی بنتی ہے وہ آسمان ہے مگر روزی کا خزانہ جہاں سے روزی ہم کو ملتی ہے وہ زمین ہے شاہی سکہ ڈھلتا ہے ٹکسال میں بٹتا ہے خزانہ سے لہٰذا دونوں آیت درست ہیں چونکہ ابھی مضمون ختم نہیں ہوا اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت کے ساتھ کی جائے گی۔

فَذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمُ الْحَقُّ ۚ فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ إِلَّا

پس یہ ہے اللہ پالنے والا تمہارا سچا پس کیا ہے پیچھے سچے کے سواء گمراہی کے

تو یہ اللہ ہے تمہارا سچا رب پھر حق کے بعد کیا ہے مگر

الضَّلٰلُ ۖ فَأَنّٰى تُصْرَفُوْنَ (۳۲) كَذٰلِكَ حَقَّتْ كَلِمَتُ

پس کہاں پھرے جاتے ہو تم اسی طرح ثابت ہو گیا

گمراہی پھر کہاں پھرے جاتے ہو یوں ہی ثابت ہو چکی ہے تیرے

رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا أَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (۳۳)

فرمان آپ کے رب کا ان لوگوں پر جو فاسق ہوئے تحقیق وہ نہیں ایمان لائیں گے

رب کی بات فاسقوں پر تو وہ ایمان نہیں لائیں گے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی وہ صفات بیان ہوئیں جنہیں مشرکین اور یہودی عیسائی بلکہ سارے کفار عرب چار و ناچار مانتے تھے۔ اب اس ماننے کا نتیجہ ارشاد ہو رہا ہے کہ جس میں یہ صفات ہوں وہ حقیقی رب ہے۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ جب تم رب تعالیٰ کی یہ صفات مانتے ہو تو پھر بت پرستی سے کیوں نہیں بچتے افلا تتقون۔ اس سوال کا جواب انہوں نے تو نہ دیا رب تعالیٰ نے خود دیا کہ کذلک حقت (الخ) یعنی ان کے بت پرستی سے نہ بچنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کے کفر کا ارادہ الٰہی ہو چکا ہے ان کا نام کفار کی فہرست میں آ چکا ہے۔ گویا پچھلی آیت میں سوال تھا اس آیت میں اس سوال کا جواب ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت اس کی صفات عالیہ سے ثابت کی گئی۔ اب ارشاد ہے کہ جو ان صفات سے موصوف ہے وہ تو حق معبود ہے جو بت ایسے نہیں ان کی معبودیت باطل ہے گویا رب تعالیٰ کی معبودیت کے بعد اس کی حقانیت کا ذکر ہے۔

تفسیر: فذلکم اللہ ربکم الحق یہ عبارت ایک پوشیدہ شرط کی جزاء ہے۔ لہٰذا اس کی ف جزائیہ ہے یعنی جب کہ تم نے رب تعالیٰ مذکورہ صفات کا اقرار کر لیا تو یہ بھی اقرار کر لو اس پر بھی ایمان لاؤ ذلکم دور کے اشارہ کے لئے آتا ہے رب تعالیٰ حسی اشارہ سے پاک ہے کہ وہ حواس میں نہیں آتا اس لئے ارشاد ذہنی ہے۔ شعر۔

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
پہچان گیا میں تیری پہچان یہی ہے

www.alahazratnetwork.org

چونکہ اللہ ایسی شان والا ہے کہ اس کی شان ہماری عقل سے ورا ہے لہذا اشارہ بعید یعنی ذالکم ارشاد ہوا۔ اشارہ قریب یعنی ذا یا ہذا ارشاد نہ ہوا۔ چونکہ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی ذات ایک (واحد) ہے اس کے صفات بہت ان صفات کی وجہ سے کبھی اس کے لئے ضمیر جمع ارشاد ہوتی ہے قوی یہ ہے کہ ذالکم مبتدا ہے اللہ اس کی خبر اس فرمان عالی کی اور بہت تفسیریں ہیں۔

خیال رہے: کہ ربکم میں خطاب انہیں مشرکین و کفار سے ہے جن سے پہلے سوالات ہوئے تھے لہذا ربوبیت سے مراد جسمانی ربوبیت ہے جو جسمانی نعمتوں سے ہوتی ہے روحانی ربوبیت مراد نہیں ربوبیت جو روحانی نعمتوں ایمان تقویٰ وغیرہ سے ہوتی ہے کیونکہ کفار نے اس کی وہ ربوبیت قبول کی ہی نہیں۔ ربوبیت قہری۔ ربوبیت مہری۔ ربوبیت محبوبی میں فرق ہم بارہا عرض کر چکے ہیں رب تعالیٰ و رب العلمین بھی ہے رب الناس بھی رب مومنین بھی ہے۔ رب کافرین بھی۔ پھر وہ رب اولیاء بھی ہے رب انبیاء بھی اور رب محمد مصطفیٰ بھی اس لئے کہیں اسے ربکم اور کہیں ربک کہا جاتا ہے اس کی تفسیر سورہ فاتحہ میں رب العالمین کی تفسیر میں دیکھو۔ الحق یا مقابل ہے باطل کا بمعنی سچا یعنی تمہارے تجویز کئے ہوئے رب باطل اور جھوٹے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سچا رب ہے یا مقابل ہے زائل کا بمعنی ناقابل زوال یعنی اللہ تعالیٰ تمہارا ایسا رب ہے جس کی ربوبیت کو کبھی زوال نہیں تمہاری پیدائش سے پہلے اور دنیا کی زندگی میں بھی مرے بعد ہر جگہ ہر طرح ہر وقت مختلف طریقوں سے تمہاری پرورش فرماتا ہے دوسروں کی پرورش وقتی اور قابل زوال ہیں۔ تم ایسے دائمی رب کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت کیوں کرتے ہو۔

فما ذا بعد الحق الا الضلال لفظ ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے بمعنی کیا اور یا ما سوال کے لئے ہے اور ذا بمعنی الذین اسم موصول اور بمعنی غیر سوئی ہے (روح البیان وغیرہ) ضلال کے معنی اس کے اقسام ہم سورۂ فاتحہ میں والا الضالین کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں بمعنی کفر و شرک ہے ماسویٰ اللہ کی عبادت اگر چہ ظاہری اعضاء سے ہوتی ہے اور کفر و شرک دل کا کام ہے مگر چونکہ وہ عبادت اس بدعقیدگی پر مبنی ہے اور اس کی علامت ہے اس لئے خود عبادت کو ضلال فرمایا گیا۔ یعنی صرف رب تعالیٰ حق ہے تو اس کا غیر اور اس غیر کی عبادت گمراہی ہی ہوگی کہ ہدایت اور گمراہی کے درمیان اور کوئی چیز نہیں۔

خیال رہے: کہ یہاں حق بمعنی ہدایت ہے۔ لہذا یہ حق پہلے حق کے علاوہ ہے اس لئے یہاں حق کا نام لیا گیا۔ پہلے حق کی طرف ضمیر نہیں لوٹائی گئی۔ (روح المعانی) فانی تصرفون اس فرمان عالی میں ف زائیہ ہے اور جملہ ایک پوشیدہ شرط کی جزا ہے یعنی جب یہ بات ہے تو تم حق سے کیسے پھرے جاتے ہو۔ لفظ انی کے معنی فاتوا حرثکم شئتم کی تفسیر میں عرض کئے کیف بمعنی کیف ہوتا ہے اور بمعنی من این بھی یہاں بمعنی کیف ہے صرف کے معنی ہیں پھرنا یہاں مراد ہے ایمان عرفان۔ اسلام سے کفر و شرک کی طرف پھیرنا حقیقۃً پھیرنے والا رب تعالیٰ ہے ظاہری پھیرنے والا نفس امارہ ہے یا شیطان (کبیر روح المعانی) یعنی اس قدر ظاہر ہوتے ہوئے تم رب کی عبادت سے کس طرح پھرے جاتے ہو۔ کذلک حقت کلمت ربک اس عبادت سے پہلے ایک عبادت پوشیدہ ہے یعنی جیسے رب تعالیٰ کی ذات حق ہے اس کا نام حق اس کی عبادت حق اس کے احکام برحق اس کے نبی حق ایسے ہی اس کا یہ فرمان بھی حق اور ناقابل زوال ہے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لانے

www.alahazratnetwork.org

والے۔ کلمہ رب سے مراد یا تو وہ فرمان ہے لاملئن جهنم منكم اجمعين یا یہ فرمان عالی فمنكم شقى وسعيد یا روز ازل نور کا چھینٹا روحوں پر ڈالا گیا بعض پر نہ پڑا اور وہ سیاہ ہیں تو ارشاد ہوا کہ تم نے دوزخ کے لئے پیدا کیا۔ یہ دوزخیوں کے سے کام کریں گے یا کلمہ سے مراد ہے ارادہ الٰہی یعنی ان کے کفر پر مرنے کا ارادہ فرمالیا على الذين فسقوا اس کا تعلق حقت سے ہے۔ الذين سے مراد یہ ہی کفار ہیں جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا۔ فسقوا بنا ہے فسق سے بمعنی اطاعت سے نکل جانا۔ فسق کی بہت قسمیں ہیں۔ یہاں فطق فجور ہی مراد ہے۔ یعنی کفر و شرک فسقوا سے مراد ہے کہ وہ علم الٰہی میں فاسق ہو چکے انهم لا يومنون۔ یہ فرمان عالی ایک حکمت کا بیان ہے ایمان سے مراد وہ دنیا میں ایمان لانا ہے جس پر نجات کا مدار ہے ورنہ الست کے دن تو سب بلٰی کہہ کر مومن ہو چکے پھر مرتے وقت جان نکالنے والے فرشتوں کو دیکھ کر بھی سب ایمان قبول کر لیں گے۔ مگر دونوں ایمان مفید نہیں نہ ان کا کوئی مکلف ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے لوگو جس ذات کریمہ کے تم نے مذکورہ اوصاف سنے اور تم نے ان کا اقرار کیا کہ وہ ہی آسمان و زمین سے سب کو روزی دیتا ہے وہ ہی کان آنکھ کا مالک ہے وہ ہی مردے سے زندہ اور زندہ سے مردہ پیدا فرماتا ہے وہ ہی دنیا جہاں کی تدبیر فرماتا ہے ان صفات کا مالک ہی تو تمہارا سچا رب ہے۔ جس کی ربوبیت تم پر کرم فرما رہی ہے اور ہے اور رہے گی اسے کبھی زوال نہیں۔ جب حق وہ ہے تو سمجھ لو کہ اسے چھوڑ کر جسے اختیار کیا جاوے وہ محض گمراہی ہے تم کیسے پھرے جاتے ہو۔ رب کی طرف کیوں نہیں آتے اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جیسے رب تعالیٰ کی ذات اس کے صفات اس کے احکام برحق ہیں۔ ایسے ہی اس کا یہ فرمان بھی حق ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے ان کے متعلق فیصلہ ہو چکا کہ یہ اپنی خوشی اپنے ارادے اپنے اختیار سے کافر جئیں گے۔ کافر مریں گے۔ اگر یہ لوگ آپ کی بات نہ سنیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سننے کے لئے پیدا نہیں ہوئے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: دنیا کے حالات یہاں کے واقعات معرفت توحید کے ذریعے ہیں عالم کو دیکھو رب کو پہچانو یہ فائدہ فذالکم کی ف سے حاصل ہوا۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم معرفت ایمان کا ذریعہ ہیں کبھی توحیدی معرفت ایمانی معرفت کا ذریعہ بن جاتی ہے اس قسم کی آیات ایمان کی طرف رہبری کرتی ہیں اس لئے کبھی رب تعالیٰ اپنی پہچان کراتا ہے دنیا کی چیزوں سے کبھی پہچان کراتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے۔ هو الذى ارسل رسوله بالهدى (الخ)

دوسرا فائدہ: رب تعالیٰ دنیا میں بندوں کے گناہوں بلکہ کفر و شرک کی وجہ سے ان کی روزی نہیں بند کرتا یہ فائدہ ربکم فرمانے سے حاصل ہوا کہ انہیں کفار و مشرکین سے ارشاد ہو رہا ہے کہ ہم تمہارے رب ہیں تم کو پال رہے ہیں۔ شعر۔

دلیکن خداوند بالا و پست ۔ بہ عصیاں در رزق برکس نہ بست

رب تعالیٰ ہم کو غیرت ایمانی عطا فرماوے کہ ہم اس کے مطیع و فرمانبردار ہیں۔ رنج و غم۔ عیش و خوشی میں اس کے دروازے سے نہ ہٹیں۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا فائدہ: کفروایمان کے درمیان کوئی اور درجہ نہیں انسان یا مومن ہوگا یا کافر یہ فائدہ **فماذا بعد الحق الا الضلال** سے حاصل ہوا یہ ہی اہل سنت کا مذہب ہے۔ معتزلہ ان دونوں کے درمیان فسق کا درجہ مانتے ہیں۔ ان کے ہاں فاسق نہ مومن ہے نہ کافر۔ قرآن کریم نے گنہگار فاسقوں کو مومن فرمایا ہے **وان طائفتان من المومنین اقتتلوا** آپس میں لڑنے بھڑنے جنگ وجدال کرنے والوں کو مومن فرمایا ہے۔

چوتھا فائدہ: کبھی رب تعالیٰ بندوں سے سوال فرماتا ہے تعجب دلانے کے لئے سوال ہمیشہ بے علمی کے لئے نہیں ہوتا یہ فائدہ **فانی تصرفون** سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: ازلی بدبخت ہرگز ایمان نہیں لاسکتا وہ تو حضور انور ﷺ کو دیکھ کر آپ ﷺ کے معجزات کا مشاہدہ کر کے بھی کافر ہی رہے یہ فائدہ **انھم لایومنون** سے حاصل ہوا کسی صابن سے کوئلہ سفید نہیں ہوسکتا۔ کسی پانی سے گوبر پاک نہیں ہوسکتا۔

پرتو نیکاں نہ گیرد ہر کہ بنیادش بدست   تربیت نا اہل راچوں گردگاں برگنبد است

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود   چوں برآید ہنوز خرباشد

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں لفظ حق دو جگہ ارشاد ہوا **ربکم الحق** اور **فماذا بعد الحق الا الضلال** حق اللہ تعالیٰ کا نام ہی رب کے حق کون ہوسکتا ہے نہ اس سے پہلے کوئی چیز ہے نہ اس کے بعد کچھ کیونکہ وہ ہی اول ہے وہ ہی آخر پھر بعد الحق فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ پہلے حق سے مراد باری تعالیٰ ہے دوسرے حق سے مراد درست عقیدے نیک اعمال ہیں اور یہاں بعد بمعنی سوا ہے یعنی حق کے ماسواء جو ہے وہ گمراہی ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں حق کا مقابل ضلال فرمایا گیا حالانکہ اس کا مقابل باطل ہوتا ہے یہ مقابلہ کیونکر درست ہوا۔

جواب: یہاں ضلال بمعنی باطل ہی ہے غیر حق عقیدے اور غیر حق اعمال باطل ہیں۔ اگر برے عمل بدعقیدگی کے ساتھ ہوں تو گمراہی بلکہ کفر ہیں وہ ہی یہاں مراد ہیں بعض اعمال بدعقیدگی بلکہ کفر کی علامت ہیں وہ عمل ہی گمراہی بلکہ کفر ہیں جیسے غیر خدا کی عبادت یا زنار باندھنا۔ قرآن مجید کی بے حرمتی کرنا۔

تیسرا اعتراض: جن لوگوں کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ان کا ایمان ناممکن ہوگیا اور اللہ تعالیٰ کسی کو ناممکن چیز کا مکلف نہیں کرتا۔ **لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا** تو چاہئے کہ وہ نہ ایمان کے مکلف ہوں نہ کفر کی وجہ سے عذاب ہو۔ کیونکہ ان کے بارے میں ارشاد ہوگیا **لایومنون**۔

جواب: معترض نے دو باتوں میں سے ایک بات پکڑی۔ دوسری کی طرف توجہ نہ کی۔ علم الٰہی میں دو باتیں ان کے متعلق آئیں۔ ایک یہ کہ یہ لوگ اپنے اختیار اپنی خوشی سے کفر کریں گے۔ دوسرے یہ کہ اسی خوشی اسی اختیار اسی کفر پر قائم رہیں گے۔ انہیں چیزوں پر مریں گے۔ لہٰذا ان کا کفر کو بخوشی اختیار کرنا لازم ہوگیا۔ بخوشی اسلام لانا غیر ممکن ہوگیا۔ ان کا کفر واجب

www.alahazratnetwork.org

نہیں ہوا بلکہ اختیار کفر لازم ہوا اسی اختیار پر پکڑ ہے خلاصہ یہ کہ وہ کفر میں مختار ہیں اختیار میں مجبور ہیں۔

بے کارم و با کارم چوں مد بحساب اندر — خاموش و گویانم چوں خط بہ کتاب اندر

مجبورم و مختارم پابندم و آزادم — لاریب نہ موجودم چوں مد بحساب اندر

تفسیر صوفیانہ: اے محبوب ہر عقل رکھنے والے سے پوچھو کہ آسمان نبوت سے ایمان عرفان کی روزی زمین نفس سے تقویٰ و پرہیزگاری کی روزی کون دیتا ہے کہ نفس کی کھیتی دل کے باغ پر فیضان نبوت کی بارش ہوتی ہے۔ جس سے ازل سے بوئے ہوئے تخم ظاہر ہو جاتے ہیں تمہارے دل میں گوش ہوش اور بصیرت نورانی کس نے بخشی اور ان کا کون مالک ہے۔ مومن کو کافر سے کافر کو مومن سے یوں ہی ذاکر شاغل کو غافل سے اور غافل کو شاغل سے کون پیدا فرماتا ہے۔ اس دنیا میں کبھی ابلیسی طاقتوں کا راج ہوتا ہے کبھی نبوی اور ولایت کے فیضان کا راج ہر ہوش والا یہ کہے گا کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کرتا ہے۔ تو ان سے فرما دو کہ تم ادھر ادھر کیوں بھٹکتے ہو۔ میرے دامن کرم میں آؤ۔ کہ سب کی پناہ یہاں ہی ہے۔ میرے ذریعہ کو پہچانو کہ وہ رب ہے۔ جس نے مجھے تمام عالم بقا کا ذریعہ بنایا۔ شعر۔

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا — ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بنایا

یہ عقیدہ حق ہے اس کے سوا جو ہے وہ محض گمراہی ہے جو جانور جو پانی کی حفاظتی باڑھ سے نکلے۔ وہ شکاری جانوروں کا لقمہ بن جاتا ہے۔ مجھ سے پھرو گے شیطان کے جال میں پھنسو گے۔ یہ سب کچھ حق ہے مگر اس کے باوجود بہت سے لوگ آپ کی طرف نہ آئیں گے۔ کیونکہ وہ خلقۃ ناری ہیں ناریوں کو نور سے نفرت فطری طور پر ہوتی ہے ان کے متعلق رب تعالیٰ کا فیصلہ ہو چکا کہ وہ ایمان نہ لائیں گے۔ دو ضدوں کا اجتماع ناممکن ہے۔ نار و نور کا اکٹھا ہونا محال ہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ناریاں مر ناریاں را طالب اند — نوریاں مر نوریاں را جذب اند

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ

فرمائیے کیا تمہارے شریکوں میں سے وہ ہے جو شروع کرتا ہے پیدائش کو پھر لوٹائے

تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ اول بنائے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے

قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿۳۴﴾

اس کو فرماؤ اللہ شروع کرتا ہے پیدائش تو پھر لوٹائے گا اسے پس کہاں اوندھائے جاتے ہو

تم فرماؤ اللہ اول بناتا ہے پھر فنا کے بعد دوبارہ بنائے گا

قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ

فرمائیے کیا تمہارے شریکوں میں سے وہ ہے جو ہدایت دے طرف حق کے

تو کہاں اوندھے جاتے ہو تم فرماؤ تمہارے شریکوں میں کوئی ایسا ہے کہ حق کی راہ دکھائے

www.alahazratnetwork.org

قُلِ اللّٰهُ یَهْدِیْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ یَّهْدِیْۤ اِلَى الْحَقِّ

فرماؤ کہ اللہ ہدایت دیتا ہے طرف حق کے تو کیا وہ جو ہدایت دے طرف حق کے زیادہ

تم فرماؤ کہ اللہ حق کی راہ دکھاتا ہے تو کیا جو حق کی راہ دکھائے اس کے

اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا یَهِدِّیْۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّهْدٰى

حق دار ہے اس کا کہ اتباع کی جائے یا وہ جو نہیں جنبش پاتا مگر یہ کہ اسے جنبش دی

حکم پر چلنا چاہیے یا سا کے جو خود ہی راہ نہ پائے جب تک راہ نہ دکھایا

فَمَا لَكُمْ كَیْفَ تَحْكُمُوْنَ (۳۵)

جائے پس کیا ہے تمہارے لیے کیسے فیصلے کرتے ہو

جائے تو تمہیں کیا ہوا کیسا حکم لگاتے ہو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں سچے معبود اور کفار کے جھوٹے معبودوں میں چند طرح فرق کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ رازق ہے بت رازق نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمہارے حواس کا مالک ہے۔ بت نہیں۔ اللہ تعالیٰ زندہ کو مردے سے مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے بت نہیں اللہ مدابر امر ہے۔ بت نہیں اب اس فرق کو دوسری دو نوعیتوں سے بیان فرمایا جارہا ہے (۱) رب تعالیٰ خالق ہے پہلے بھی اور بعد میں بہت نہیں (۲) رب تعالیٰ ہادی ہے بت نہیں گویا چار فرق بیان فرمانے کے بعد پانچواں چھٹا فرق بیان ہورہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں بیرونی دلائل سے رب تعالیٰ کی معبودیت ثابت کی گئی روزی تدبیر امرو غیرہ اب ان آیات میں ہمارے اندرونی دلائل سے اس کی معبودیت کا ثبوت دیا جارہا ہے یعنی ہماری جسمانی پیدائش سے جسے خلق کہتے ہیں اور روحانی رہنمائی سے جسے ہدایت فرمایا جاتا ہے۔ گویا بیرونی کے بعد اندرونی کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہوا جو براہ راست بندوں کو عطا ہوتی ہیں رزق تدبیر عالم وغیرہ اب اس نعمت ہدایت کا ذکر ہے جو نبی کے ذریعہ بندوں کو ملتی ہے کہ کوئی شخص بغیر رسول ہدایت نہیں پا سکتا رب فرماتا ہے انک لتهدی الی صراط مستقیم اور فرماتا ہے ان هذا القران یهدی للتی هی اقوم ۔ گویا توحید کے بعد نبوت کا ذکر ہے۔ جس سے توحید ایمان بختی ہے۔

تفسیر: قل هل من شر کائکم میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن مشرکین مکہ سے ہے اور ہوسکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ سے بھی ہو کہ مکی آیات ان تک پہنچی تھیں۔ نیز انہوں نے حضرت مسیح اور عزیر علیہما السلام کو رب کا بیٹا مانا

www.alahazratnetwork.org

تھا۔ بیٹا باپ کا شریک ہوتا ہے مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ مکی آیات میں خطاب مشرکین سے ہوتا ہے ھل انکاری سوال کے لئے ہے جس کے جواب میں انہیں یہ ہی کہتے بن پڑ سکتی تھی کہ واقعی ہمارے بت خالق یا ہادی نہیں۔ شرکاء سے مراد مشرکوں کے بت اور ان کے وہ سردار ہیں جنہیں انہوں نے رب تعالیٰ کا شریک مان رکھا تھا حتی کہ انہیں حرام و حلال کا مالک مطلق مانتے تھے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان شرکاء میں فرشتے داخل ہوں کہ مشرکین عرب انہیں رب تعالیٰ کی بیٹیاں مان کر ان کی عبادت کرتے تھے۔ مگر پہلا احتمال قوی ہے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ہیں انہیں شرکاء میں داخل ماننا ان کی سخت بے ادبی ہے کہ یہ لفظ غضب کا ہے اس میں مغضوب علیہ بندے ہی داخل ہوتے ہیں نہ کہ رحمت والے۔ اس میں حضرت عیسیٰ و عزیر علیہما السلام کو داخل ماننا بالکل ہی غلط ہے جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے۔ من یبدؤ الخلق ثم یعیدہ ۔ یہ فرمان عالی من شرکائکم کا مبتداء موخر ہے بداء خلق سے مراد مخلوق کو اس دنیا میں پیدا فرمانا ہے اور دوبارہ بنانے سے مراد قیامت میں ان کو دوبارہ زندہ کرنا ہے۔ بعض مشرکین قیامت کے قائل تھے۔ ان سے یہ فرمانا تو بالکل ظاہر ہے مگر اکثر اس کے منکر تھے ان سے یہ فرمانا واقعہ کے لحاظ سے ہے۔ نہ کہ ان کے عقیدے کے لحاظ سے۔ چونکہ قیامت اور وہاں کے واقعات قوی دلائل سے اس طرح ثابت ہیں کہ ان کے ہوتے ہوئے کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ کون ہے جو کسی کو دے کر اس کا حساب نہ لے رب بھی اپنی دی ہوئی نعمتوں کا حساب ضرور لے گا اس لئے منکرین قیامت سے یہ سوال بے جا نہیں قادیانیوں نے یہاں بدء خلق سے بندہ کو پیدا فرمانا مراد لیا۔ جیسے حضرت آدم کی پیدائش پھر پیدا فرماتا رہنا یعید سے مراد لیا (تفسیر بیان القرآن مرزائی) مگر یہ بعید ہے ورنہ پھر بدا ماضی ہوتا یبدا مضارع نہ ہوتا کہ اس معنی سے پہلی پیدائش ایک بار ہو چکی بار بار نہیں ہوتی۔ قل اللہ یبدؤ الخلق ثم یعیدہ ۔ چونکہ مذکورہ سوال ایسا تھا جس کے بہت سے کفار انکاری تھے یعنی قیامت میں دوبارہ پیدا کئے جانے کے قائل نہ تھے اس لئے یہ فرمایا گیا کہ وہ کہیں گے بلکہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب خود آپ ہی ان سے یہ فرما دیں اس وجہ سے جواب میں بھی یہ عبارت دہرائی گئی کہ اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرت والا ہے کہ پہلی بار دنیا میں مخلوق کو پیدا فرماتا رہتا ہے پھر وہ ہی قیامت میں انہیں دوبارہ زندہ کرے گا اس کے سوا، کسی میں یہ طاقت نہیں۔

خیال رہے: کہ دنیا میں جو انسان پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش میں اس فرشتے کو بھی دخل ہے جو ماں کے رحم میں بچہ بناتا ہے اسے بحکم پروردگار نر مادہ کرتا ہے اس کی تقدیر لکھتا ہے مشرکوں کے بتوں کا تو اتنا دخل بھی نہیں پھر قیامت میں تمام کا بننا اٹھنا جمع ہونا حضرت اسرافیل علیہ السلام کے صور پھونکنے کو دخل ہوگا کہ یہ سب ان کے صور پھونکنے سے ہوگا۔ رب فرماتا ہے۔ ونفخ فی الصور فاذا ھم من الاجداث الی ربھم ینسلون اس لئے سوال میں جو لفظ شرکاء ارشاد ہوا اس میں فرشتے داخل نہیں ہونے چاہئیں۔ نیز خیال رہے کہ قیامت میں دوسرے جسم کی ساخت پہلے جسم کی اصلی اجزاء پر ہوگی۔ دونوں میں بہت فرق ہوگا۔ اس لئے یہاں یعیدہ فرمایا گیا۔ آج ہم ایک بوڑھے آدمی کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ وہ ہی بچہ ہے جو فلاں سنہ میں فلاں کے گھر پیدا ہوا تھا اگرچہ بچپن کی شکل قد قامت اور بڑھاپے کی شکل قد قامت میں بڑا فرق ہے یہ آیت خیال میں رہے لہٰذا آیت واضح ہے فانی تؤفکون یہ عبارت ایک پوشیدہ جملہ کی جزاء ہے۔ یعنی جب یہ بات اتنی ظاہر ہے

www.alahazratnetwork.org

کہ اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا تو تم کیسے، کہے جا رہے ہو لہٰذا ف جزائیہ ہے اور انی بمعنی کیف ہے توفکون بنا ہے انک سے جس کے معنی ہیں قلب عن الشیء ، کسی چیز سے پھر جانا ایک شاعر کہتا ہے۔

ان تک عن احسن الصیغۃ ما   نوکا   ثمی   اخرین   قد   انکو

اس شعر میں مافوک اور افکوا سے افک بمعنی لوٹنے سے بنا۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ قلب ہر لوٹنے پھرنے کو کہتے ہیں مگر افک کسی رائے سے پھرنے یعنی رائے بدلنے کو کہا جاتا ہے۔ (روح المعانی) اس لئے تہمت لگانے کو افک کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو اس شخص کے متعلق رائے بدل جاتی ہے قل هل من مر کائکم من یهدی الی الحق اس فرمان عالی میں انہیں کفار و مشرکین سے دوسرا سوال ہے یہاں بھی شرکاء سے مراد ان کے بت اور سرداران کفر ہیں۔ ہدایت کے معنی اس کی اقسام سورہ فاتحہ میں اهدنا الصراط المستقیم کی تفسیر میں عرض کئے گئے۔ یہاں ہدایت سے مراد اسباب ہدایت پیدا فرمانا یعنی حضرات انبیاء کو بھیجنا ان پر کتاب یا صحیفہ نازل فرمانا پھر لوگوں کو ان کا فرمان سننے سمجھنے کے لئے حواس بخشنا خوش نصیب لوگوں کو ان کی بات قبول کرنے کی توفیق دینا یہ ساری کرم نوازیاں صرف رب تعالیٰ ہی کرتا ہے۔

خیال رہے: کہ فرشتوں کو بھی ہدایت میں دخل ہے کہ وہ حضرات انبیاء پر وحی لاتے ہیں جو ذریعہ ہدایت ہے اور حضرات انبیاء کرام کو تو ہدایت میں بڑا ہی دخل ہے۔ بلکہ ان کتابوں کو بھی اس میں دخل ہے اس لئے حضرت انبیاء کرام کو ہادی کہا جاتا ہے لہٰذا یہاں بھی شرکاء سے مراد بت ہی ہیں اس میں فرشتے اور انبیاء کرام داخل نہیں۔ رب فرماتا ہے وادعو شهداء کم من دون الله ان کنتم صدقین۔ قرآن مجید کے مقابلہ کے لئے اپنے معبودوں کو بلالو۔ وہاں بھی شہداء بھی معبودین میں حضرات انبیاء کو داخل نہیں۔ یہ مطلب نہیں کہ حضرت عیسیٰ و عزیر کو قرآن کے مقابلہ کے لئے بلاؤ۔ قل الله یهدی للحق یہ اس سوال کا جواب ہے۔ چونکہ کفار حضور ﷺ ، قرآن، وحی کے منکر تھے اس معنی سے وہ رب کی ہدایت کے منکر تھے اس لئے یہاں بھی قل ارشاد ہوا کہ اے محبوب آپ ﷺ خود ہی انہیں یہ جواب دو۔

خیال رہے: کہ ہدایت کے بعد الیٰ بھی آتا ہے اور لام بھی چونکہ حق ہدایت کی انتہا ہے لہٰذا اس کے بعد الیٰ آتا ہے اور چونکہ حق ہدایت کا اصل مقصود ہے اس لئے اس کے بعد لام آتا ہے اس آیت میں دونوں طرح استعمال ہوا۔ الی الحق بھی اور للحق بھی (تفسیر روح المعانی) افمن یهدی الی الحق احق ان یتبع۔ یہ فرمان عالی اس دوسری دلیل کا تتمہ ہے اس میں سوال اقرار کرانے کے لئے ہے یعنی تم خود سوچو فیصلہ کرو کہ جو ذات کریم حق کی ہدایت دے وہ اس کا مستحق ہے کہ اس کی اتباع کی جاوے یا دوسرا کوئی اور۔ یہاں اتباع بمعنی اطاعت ہے نہ کہ بمعنی نقش قدم پر چلنا کہ رب تعالیٰ قدم اور نقش قدم سے پاک ہے نیز اس کے افعال کریمہ کی اتباع ناممکن ہے اتباع بمعنی نقش قدم پر چلنا صرف حضور ﷺ ہی کی ہو سکتی ہے۔ فرماتا ہے فاتبعونی یحببکم الله رب تعالیٰ یا قرآن کی اتباع کے یہ معنی ہیں کہ اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کی جاوے امن لا یهدی الا ان یهدی اس عبارت کا تعلق افمن یهدی سے ہے اس میں ام حرف عطف ہی اور یہ فرمان عالی پہلے پر معطوف ہے یہاں بھی من سے مراد ان کے بت اور سرداران کفر ہیں اس میں فرشتے اور انبیاء کرام داخل نہیں۔ لا یهدی

www.alahazratnetwork.org

اصل میں یھتدی تھا۔ اھتداء کا مضارع ہدایت پانا۔
خیال رہے: کہ ہدایت کے لغوی معنی ہیں نقل وحرکت کیا جانا جیسے ھدایت المراۃ الی زوجھا بیوی خاوند کے پاس منتقل کر دی گئی جو جانور حرم شریف میں ذبح کرنے کو لے جایا جائے اسے ہدی کہتے ہیں۔ کسی کی خدمت میں پیش کش کو ہدیہ کہا جاتا ہے قرآن کریم فرماتا ہے انتم بھدیتکم تفرحون اور کہا جاتا ہے فلان یھادی بین الرجلین۔ فلاں شخص دو آدمیوں کے درمیان لایا جاتا ہے جب کہ بیمار دو کے کندھوں پر چلتا ہو۔ رہبری کو اس لئے ہدایت کہتے ہیں کہ اس کے ذریعہ ایک شخص کو برائی سے بھلائی کی طرف منتقل کیا جاتا ہے۔ تو معنی یہ ہوئے کہ وہ بت جو نقل وحرکت نہ کرسکیں بلکہ انہیں دوسری جگہ آدمی کے ذریعہ منتقل کیا جاتا ہو۔ وہ اتباع کے قابل کیسے ہو سکتے ہیں (از تفسیر کبیر وصاوی ولسان العرب) اس صورت میں آیت کے معنی بالکل واضح ہیں چونکہ کفار ان بتوں کو عقل وسمجھ والا سمجھتے تھے وہ کہتے تھے کہ یہ اپنے پوجاریوں کو جانتے پہچانتے ان کے کام آتے ہیں اس لئے ان کے لئے یہاں من ارشاد ہوا جو عقل والوں کے لئے آتا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ شرکاء میں حضرت مسیح وعزیر اور فرشتے داخل نہیں کہ وہ حضرات ہادی بھی ہیں اور نقل وحرکت بھی کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ فمالکم کیف تحکمون یہ سوال گذشتہ مضمون کا خلاصہ نتیجہ ہے حکم سے مراد فیصلہ ہے اور تعجب دلانے کے لئے یعنی اے بے وقوفو! تم کیسے اوندھے فیصلے کرتے ہو کہ ان دلائل قویہ کے ہوتے ہوئے پھر شرک وکفر اختیار کرتے ہو۔
خلاصہ تفسیر: ان آیات کریمہ میں رب تعالیٰ نے خلق اور ہدایت دو چیزوں کے متعلق کفار سے سوال کا حکم دیا۔ کیونکہ خلق وہدایت میں گہرا تعلق ہے اس لئے قرآن مجید میں جگہ جگہ ان دونوں کو ملایا گیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم نے فرمایا الذی خلقنی فھو یھدین موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ربنا الذی اعطی کل شیء خلقہ ثم ھدی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا۔ سبح اسم ربک الاعلی الذی خلق فسوی والذی قدر فھدی۔ وغیرہ۔ کیونکہ خلق کا جسم سے تعلق ہے اور ہدایت کا روح اور دل سے بلکہ جسم کی پیدائش کا مقصود روح کی ہدایت ہے جسمانی حواس ہدایت قلب کا ذریعہ ہیں۔ (تفسیر کبیر) چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار ومشرکین سے پوچھو تو کہ رب تعالیٰ کے سوا تمہارے معبود باطلہ میں کوئی ایسا ہے جس نے دنیا میں ابتداءً مخلوق کو پیدا فرمایا اور آئندہ قیامت میں پیدا فرمائے گا۔ وہ تو اس کا جواب دیں گے نہیں۔ آپ ﷺ ہی جواب دیں کہ وہ خالق ومالک صرف اللہ تعالیٰ ہے تو ان سے کہو کہ تم کیوں پھرے جاتے ہو۔ اور ان سے یہ بھی پوچھو کہ تمہارے معبودوں میں کوئی ایسا ہے جو لوگوں کو حق کی راہ دکھائے کہ ان کی ہدایت کے لئے نبی بھیجے کتاب آسمانی اتارے بندوں کے کانوں تک نبی وکتاب کے فرمان پہنچائے پھر انہیں قبولیت کی توفیق دے وہ اس کا جواب دیں گے نہیں۔ کیونکہ وہ نبوت اور کتاب آسمانی کے قائل ہیں۔ تو آپ ﷺ ہی انہیں یہ جواب دو کہ وہ ہادی حقیقی اللہ ہے اور ایک اللہ۔ تو اے بے وقوف سوچو کہ ایسا خالق۔ مالک ہادی اس لائق ہے کہ اس کی اطاعت اس کے نبی کی اتباع کی جائے یا وہ بت جو دوسرے کے بغیر ہلائے بغیر جنبش دیئے اپنی جگہ سے ہل بھی نہ سکیں تم کو ہو کیا گیا تم اپنے متعلق کیسے فیصلہ کرتے ہو کچھ سوچو اور سوچ سمجھ سے صحیح رائے قائم کر دو۔ اللہ تعالیٰ نے عقل ہوش گوش اسی لئے دیئے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قیامت میں مخلوق کی دوبارہ پیدائش نئی نہیں ہوگی بلکہ اس اول پیدائش کا اعادہ ہوگا۔ اگرچہ شکل وصورت میں فرق ہوگا کہ ہر جنتی ساٹھ گز کا ہوگا۔ حسین وجمیل کافر کے منہ کی ایک داڑھ پہاڑ کے برابر ہوگی بدصورت بدشکل ہوگی اس اصل اجزاء پر لہٰذا وہ ہی شخص ہوگا۔ یہ فائدہ ثم یعیدہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مشرکین بھی اپنی بتوں سرداروں کو دنیا کا خالق مانتے تھے۔ یہ خالق صرف رب تعالیٰ کو جانتے مانتے تھے۔ یہ فائدہ قل الله یبدا الخلق (الخ) سے حاصل ہوا۔ پھر وہ مشرک کیوں تھے۔ جس کی وجہ پچھلی آیت میں عرض کی گئی۔

تیسرا فائدہ: اگر کوئی ضدی آدمی نہایت ہی ظاہری بات کا انکار کرے یا اقرار نہ کرے تو اسے خود ہی بتا دینا درست ہے تا کہ اگر وہ نہ مانے تو دوسرے سننے والے تو مان لیں۔ یہ فائدہ ثم یعیدہ فانی توفکون سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: حق کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے یہ فائدہ خلق کے بعد ہدایت کا ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے عالم جسمانی کا نظام سورج سے وابستہ ہے ایسے ہی عالم روحانی کا نظام ہادی مطلق حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستہ ہے۔ اس لئے حضور کو قرآن مجید میں رحمۃ للعالمین فرمایا۔

شد وجودش رحمۃ للعالمین مسجد اوشد ہمہ روئے زمین
سیدالکونین ختم المرسلیں آخر آمد بود فخر الاولین!

حضور انور ﷺ تک پہنچنا ایمان بلکہ رحمان تک پہنچنا ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے الله یمن علیکم ان ھداکم الایمان۔

پانچواں فائدہ: حضرات انبیاء علماء دین اور اولیاء کاملین رب تعالیٰ کی صفت ہدایت کے مظہر اتم ہیں کہ رب تعالیٰ اس لئے سچا معبود ہے کہ اس نے یہ ہادی قائم فرمائے۔ یہ فائدہ الله یھدی للحق سے حاصل ہوا ارشاد فرماتا ہے لہ دعوۃ الحق بتوں کے متعلق فرماتا ہے۔ لیس لہ دعوۃ الحق۔

چھٹا فائدہ: کبھی اتباع بمعنی اطاعت آتا ہے یہ فائدہ احق ان یتبع (الخ) سے حاصل ہوا۔ ورنہ لغوی اتباع یعنی کسی کے پیچھے یا اس کے نقش قدم پر چلنا رب تعالیٰ کی نہیں ہوسکتی۔۔

پہلا اعتراض: کفار مکہ جن سے ان آیات میں خطاب ہے وہ دوسری پیدائش یعنی قیامت میں اٹھنے کے قائل نہ تھے پھر ان سے ثم یعیدہ فرمانا کیونکر درست ہوا۔

جواب: بہت سے کفار مکہ قیامت کے قائل تھے وہاں کی جزاء سزا کے بھی معتقد تھے کیونکہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد تھے اور ان کے دین پر ہونے کے دعویدار اس لئے وہ بہت سے نیک کام بھی کرتے تھے صدقہ و خیرات۔ کعبہ معظمہ کی خدمت حجاج کی نگرانی تاکہ قیامت میں ان کی جزا ملے۔ ہاں بہت سے اس کے منکر بھی تھے لہٰذا ان سے یہ فرمانا بالکل درست ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا اعتراض: گذشتہ آیات میں تو ارشاد ہوا تھا فسیقولن اللہ اور ارشاد ہوا قل اللہ یبدا الخلق وغیرہ اس فرق بیان کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس لئے کہ ان آیات میں رب تعالیٰ کی وہ صفات بھی بیان ہوئی تھیں جن کے سارے کفار قائل تھے رب تعالیٰ کا خالق۔ رازق۔ مدبر امر ہونا۔ مگر یہاں ان صفات کا بھی ذکر ہے جن کے بہت سے کفار عرب منکر تھے قیامت میں بندوں کو اٹھانا ہدایت کے لئے انبیاء کو بھیجنا اولیاء مقرر فرمانا وغیرہ اس لئے یہاں قل ارشاد ہوا۔

تیسرا اعتراض: عام مفسرین نے یہاں شرکاء میں حضرت مسیح اور عزیر علیہم السلام کو داخل مانا ہے کیونکہ عیسائی یہودی ان کی عبادت کرتے ہیں مگر تم نے کہا کہ صرف بت مراد ہیں تمہارا یہ قول عام مفسرین کے خلاف ہے۔

جواب: ہم نے شرکاء کی تفسیر قرآنی محاورہ کو دیکھ کر کی ہے قرآن مجید میں شرکاء کم شھداء کم. الذین تعبدون من دون اللہ یہ الفاظ بتوں کے لئے آتے ہیں یا زیادہ سے زیادہ سرداران کفر کے لئے۔ ان عام الفاظ میں حضرات انبیاء داخل نہیں ہوا کرتے ان میں روئے سخن بتوں کی طرف ہوتا ہے بلکہ کبھی الناس سے صرف کفار مراد ہوتے ہیں نہ کہ مومن و صالحین وقودھا الناس والحجارۃ اردو فارسی کے محاوروں میں کبھی عام خلق میں حضرات انبیاء داخل نہیں ہوتے۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

نگہ دارد آں شوخ در کیسہ در
کہ داند ہمہ خلق را کیسہ بر

جو کوئی یہاں عام خلق میں نبیوں ولیوں کو داخل مانے وہ بے دین ہے۔

چوتھا اعتراض: عام مفسرین نے امن لا یھدی الا ان یھدی میں حضرت مسیح و عزیر اور فرشتوں کو داخل مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ ان میں کوئی ہدایت یافتہ نہیں جب تک کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہدایت دیا جائے مگر تم نے کہا کہ اس سے صرف بت مراد ہیں بت بے جان بے شعور لکڑی پتھر ہیں وہ لفظ من میں داخل نہیں ہو سکتے نیز وہ ہدایت نہیں پا سکتے پھر ان کے متعلق الا ان یھدی کیونکر درست ہے۔

جواب: ہم نے یہ تفسیر بحوالہ تفسیر کبیر اور صاوی اور روح المعانی کی ہے اور بہت قوی ہے چونکہ کفار بتوں کو عاقل، فاعل مختار مانتے تھے تو ان کے خیال کے لحاظ سے انہیں من فرمایا نہ کہ واقعہ کے لحاظ سے اور ہدایت کے معنی نقل و حرکت ہے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی یعنی کمزور بت جو خود دوسرے کے حرکت دیئے بغیر حرکت نہ کر سکیں تمہیں رب تعالیٰ تک یا جنت تک کیسے پہنچا سکتے تھے۔ خدارسی کے لئے اس ذات کی اطاعت چاہئے جس کا تعلق خلق سے بھی ہو۔ خالق سے بھی اطاعت حقیقی صرف رب کی ہے نہ کہ اس کے مقابل بتوں کی۔

تفسیر صوفیانہ: انسان کو چاہئے کہ ہمیشہ عمارت کی بنیاد مضبوط زمین پر رکھے اگر زمین کمزور ہے تو بنیاد کمزور اور بناء کمزور ہے تو ساری عمارت کمزور اعمال ایک قسم کی عمارت ہیں جن کی بنیاد عقائد پر ہے اگر عقائد کا تعلق توحید و رسالت سے ہے تو

www.alahazratnetwork.org

بنیاد قوی اور اعمال قوی لیکن اگر عقائد بت پرستی و دشمنان خدا سے تعلق پر قائم کیے گئے تو عقائد ضعیف پھر ان ضعیف عقائد پر قائم کی گئی اعمال و عبادت کی عمارت کمزور اسی اصول سے یہاں ارشاد ہوا کہ بے وقوفو تم خود سوچو کہ تمہارے بتوں کو نہ تو مخلوق کی پیدائش میں کچھ دخل ہے نہ اس کی ہدایت میں بلکہ وہ بنتے ہیں تمہارے بنانے سے نقل و حرکت کرتے ہیں تمہارے ہلانے ہٹانے سے تم اتباع کرو۔ قوی قادر کی نہ کہ ایسے کمزور مخلوق کو صوفیاء فرماتے ہیں یوں ہی عقل کمزور ہے عشق قوی ایمان کی بناء عقل پر نہ رکھو۔ شعر۔

عقل کو تنقید سے فرصت نہیں عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی

کمزور کے ساتھ نہ رہو۔ وہ خود بھی پٹے گا تمہیں پٹوائے گا۔ وقت پر عین دھوکا دے کر اکیلا چھوڑ جائے گا۔ قوی کے ساتھ رہو جو تمہیں آفات سے بچائے گا دنیا کے ساتھ نہ رہو اس کے پیچھے نہ چلو یہ تم کو وقت پر دھوکا دے گی۔ یہ خود بھی فانی ہے جو اس سے وابستہ ہو جائے اسے بھی فنا کر دیتی ہے دنیا کے لئے عبادات کرنا سب کچھ برباد کر دیتا ہے۔

انما الدنیا فناء لیس للدنیا بقا انما الدنیا وما فیھا کنسج العنکبوت

دنیا مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہے جس کا پھیلاوا بہت مگر ایک انگلی لگ جائے تو بیکار ہو جائے دنیا نفس امارہ کا خود ساختہ بت ہے اس کی اتباع اہل طریقت کے نزدیک بت پرستی ہے۔ جس کا انجام خراب۔

وَمَا يَتَّبِعُ اَكۡثَرُهُمۡ اِلَّا ظَنًّا ؕ اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغۡنِىۡ

اور نہیں پیروی کرتے بہت سے ان میں سے مگر اٹکل کی تحقیق اٹکل نہیں کام دیتی

اور ان میں اکثر تو نہیں چلتے مگر گمان پر بے شک گمان حق کا کچھ

مِنَ الۡحَـقِّ شَيۡـئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِمَا يَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

حق کے مقابلہ کچھ تحقیق اللہ جاننے والا ہے اس کا جو وہ کرتے تھے

کام نہیں دیتا بے شک اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے

وَمَا كَانَ هٰذَا الۡـقُرۡاٰنُ اَنۡ يُّفۡتَـرٰى مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ

اور نہیں ہے یہ قرآن کہ گھڑلیا جاوے طرف سے اللہ کے ماسوئی کے

اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنائے لیے اللہ کے اتارے

وَلٰـكِنۡ تَصۡدِيۡقَ الَّذِىۡ بَيۡنَ يَدَيۡهِ وَتَفۡصِيۡلَ

اور لیکن تصدیق ہے اس کی جو سامنے ہے اس کے اور تفصیل ہے اس

ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے سب

www.alahazratnetwork.org

الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۷﴾

کتاب کی	نہیں ہے	شک	اس میں	طرف سے	ہے	جہانوں کے	رب کے
کی تفصیل ہے	اس میں	کچھ شک نہیں	پروردگار عالم کی طرف سے ہے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی بے عقلی کا ذکر ہوا اب ان کی وہم پرستی کا تذکرہ ہے یعنی وہ عقل سے کام نہیں لیتے کہ ایک خدا کی عبادت کریں بلکہ وہم گمان میں پھنسے ہوئے ہیں کہ بتوں کو پوجتے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد تھا کہ کفار رب کو نہیں مانتے کہ اس کی طرف سے بھیجے ہوئے ہادیوں کی اطاعت نہیں کرتے اب ارشاد ہو رہا ہے کہ وہ لوگ رب کے مقابل سب کی مانتے ہیں۔ یعنی اپنے باپ دادوں کی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں دور سے حمد الٰہی کا بیان چلا آ رہا ہے اب رب کی کتاب یعنی قرآن مجید کے فضائل کا تذکرہ ہے وما كان هذا القران (الخ) کہ قرآن مجید کی تعریف درحقیقت رب تعالیٰ کی حمد ہے کہ وہ اس کا بھیجا ہوا ہے۔

نزول: کفار عرب قرآن مجید کے متعلق کہتے تھے کہ یہ اللہ کی کتاب نہیں بلکہ حضور انور علیہ السلام نے بنائی ہے اور اسے رب کی طرف نسبت کر دیا ہے۔ کہتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی اتاری کتاب ہے ان کی تردید میں آیت وما كان هذا القران (الخ) نازل ہوئی۔ (تفسیر صاوی وکبیر وغیرہ)

تفسیر: وما يتبع اكثرهم الا ظنا یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے لہٰذا اس کا واؤ ابتدائیہ ہے ما نافیہ ہے ماضی پر لا نافیہ آ جاتا ہے فلا صدق ولا صلى یوں ہی مضارع پر ما نافیہ آتا ہے وما ينطق عن الهوى یہ سمجھنا کہ لا صرف مضارع کی نفی کے لئے ہے اور ما صرف ماضی کی نفی کے لئے غلط ہے روح المعانی نے فرمایا کہ جب مضارع کی نفی ما سے ہو تو نفی کا دوام مراد ہوتا ہے۔ اتباع کے معنی کسی کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا اس معنی سے اتباع آدمی کی بھی ہو سکتی ہے اور دوسری چیز کی بھی۔ دیکھو یہاں اتباع کی نسبت ظن کی طرف ہے یہاں اکثر سے مراد سارے ہی کفار ہیں جیسے رب کا فرمان فقليلا ما يومنون وہاں قلیل سے مراد کفار ہیں ایک شاعر کہتا ہے۔

قليل التشكى فى المصيبات حافظ — من اليوم اعقاب الاحاديث

اس شعر میں قلیل بمعنی جمع ہے (روح المعانی وخازن وغیرہ) یا اکثر بمعنی بہت ہی ہے ان سے مراد سرداران کفر ہیں۔ سرداران کفر تو اپنے گمان سے شرک کرتے تھے۔ اور ان کے ماتحت ان سرداروں کی دیکھا دیکھی یا اکثر لوگ تو محض گمان سے شرک کرتے ہیں اور بعض لوگ اسلام کی حقانیت حضور انور علیہ السلام کی نبوت کے دل سے قائل صرف حسد اور عناد سے کفر کرتے ہیں (صاوی وغیرہ) ظن یعنی گمان سے مراد یا تو جاہل باپ دادوں کی پیروی ہے یا یہ خیال کہ ایک خدا اتنے بڑے جہان کو

www.alahazratnetwork.org

اکیلا نہیں سنبھال سکتا۔ لہٰذا کچھ شرکاء بھی چاہئیں روح المعانی نے اس فرمان عالی کے ایک معنی یہ بھی کیے کہ بہت سے کفار رب تعالیٰ کی وحدانیت اس کی ذات وصفات کو مانتے ہیں مگر نور نبوت سے نہیں بلکہ محض اپنی رائے سے لہٰذا وہ بھی کافر ہیں کہ ظن و گمان سے اسے مانتے ہیں۔ اس کی توحید تو نبی کے فرمان سے ماننی چاہیے۔ (تفسیر کبیر وروح المعانی) اس صورت میں اکثر بمعنی بہت ہے اور یہ فرمان نہایت ہی موزوں ہے یعنی بہت مشرکین اور کفار بت پرستی میں اپنے گمان کی راہ چلتے ہیں یا بہت کفار عقیدہ توحید میں صرف گمان سے کام لیتے ہیں ان الظن لا تغنی من الحق شیئا اس فرمان عالی میں ان کی تردید ہے الظن میں الف عہدی ہے۔ اس سے مراد وہ کفار کے الکل پچو قیاسات ہیں عربی میں ظن کئی معنی میں آتا ہے (۱) یقین الا علی الخاشعین یظنون انھم ملاقوا ربھم (۲) تہمت بدگمانی جیسے یظنون باللہ الظنونا یا جیسے یظنون باللہ غیر الحق ظن الجاھلیۃ ان بعض الظن ثم (۴) نیک گمان جیسے ظن المومنون فی انفسھم خیرا الکل (۵)، (۶) وقیاس یعنی یقین کا مقابل یہاں ظن اس آخری معنی میں ہے۔ یوں ہی حق کے بہت معنی ہیں۔ سچ یعنی باطل کا مقابل ناقابل زوال یعنی غیر فانی یقین یعنی شک اور ظن کا مقابل یہاں حق ہے اس جملہ کی آسانی ترکیب یہ ہے کہ شیئا مفعول ہے۔ لا یعنی کا اور من الحق حال ہے شیئا کا۔ اغنا سے مراد ہے ضرورت دفع کرنا یا کام آنا۔ یعنی ان کفار کے مذکورہ گمان حق کی کوئی چیز نہیں بناتے کسی چیز میں کام نہیں آتے وہ وحی الٰہی اور نبوت سے بے نیاز نہیں کر سکتے۔ بڑے سے بڑا عاقل عقائد میں نبی کی پیروی کا حاجت مند ہے۔ اغنار کے لفظی معنی ہیں بے نیاز کر دینا۔ اس کے علاوہ اور ترکیبیں پیچیدہ ہیں اور غیر ظاہر بھی۔ ان اللہ علیکم بما یفعلون اس فرمان میں ان پر عتاب ہے اللہ کا دیکھنا جاننا غضب کے لئے بھی ہوتا ہے اور کرم نوازی کے لئے بھی اگر یہ فرمان عالی مومنوں کے نیک اعمال کے ساتھ ہو تو اظہار کرم کے لئے ہے اور اگر کفار کی بدعملیوں کے ساتھ ہو تو غضب کے لئے ہے یہاں دوسری صورت ہے یعنی اللہ کی بدعقیدگیوں و بدعملیوں کو جانتا ہے انہیں اس پر سخت سزا دے گا۔ وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے واؤ ابتدائیہ گذشتہ جملہ میں کفار کے جھوٹے دلائل کا ذکر ہوا کہ وہ محض ظنیات اور باپ دادوں کی اندھی تقلید میں ہیں اب اس کے مقابل اسلام کی مضبوط دلیل یعنی قرآن پاک کی شان کا تذکرہ ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں کان ناقصہ ہے ھذا موصوف القرآن صفت سے مل کر اسم اور ان یفتری (الخ) اس کی خبر بمعنی مفتری بعض نے فرمایا کہ ماکان کے معنی ہیں ما اصح یا ما امکن اور ان یفتری اصل لان یفتری ہے (روح المعانی) یعنی ممکن ہی نہیں کہ یہ شاندار قرآن غیر خدا کی طرف سے گڑھا ہوا ہو۔ ہم قرآن کے معانی تفسیر کے دیباچہ میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ لفظ یا قرء سے ہے یا قرن سے یا قراءۃ سے یعنی پڑھی ہوئی یا ملی ہوئی یا ملانے والی کتاب۔ اب یہ لفظ اس موجودہ کتاب کا نام شریف ہے افتری بنا ہے، فری سے بمعنی چمڑا چھیلنا۔ اب اس جھوٹ کو افترا کہتے ہیں جو دوسرے کی طرف نسبت کر دیا جائے۔ دون کے معنی ہم بارہا بیان کر چکے کہ اس کے معنی دور، مقابل، کٹا ہوا اجنبی اور سواء ہیں یہاں آخری معنی میں ہے اعلیٰ حضرت قدس کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ من دون کے بعد انزال پوشیدہ ہے اور دون بمعنی بغیر ہے۔ یعنی اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ اللہ کے سواء کی طرف سے گڑھ لیا جاوے یا اسے گھڑ کر رب کی

www.alahazratnetwork.org

طرف بغیر اس کے اتارے نسبت کر دیا جائے۔ اس دعویٰ کی تین دلیلیں ارشاد ہوئیں۔ پہلی دلیل یہ کہ ولکن تصدیق الذی بین یدیه یہ فرمان عالی یا تو گذشتہ کان کی خبر ان یفتری پر معطوف ہے تو واؤ عاطفہ ہے یا نیا جملہ ہے اور لکن کے بعد کان پوشیدہ ہے اس کی یہ خبر ہے اس صورت میں واؤ ابتدائیہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ لکن کے بعد لاجل پوشیدہ ہے یعنی قرآن آیا تصدیق کے لئے (روح المعانی) تصدیق بمعنی مصدق ہے تصدیق کے تین معنی ہیں سچا کرنا، سچا کہنا، سچا کہلوانا۔ الذی بین یدیه سے مراد پچھلی آسمانی کتابیں اور صحیفے ہیں اور ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد گذشتہ نبی۔ ان کے معجزات ان کی کتابیں سب ہی ہوں کہ قرآن مجید نے سب کو سچا کہا۔ سچا کیا۔ سچا کہلوایا۔ ان سب نے قران کی آمد کی خبر دی قرآن آ گیا وہ سب سچے ہو گئے اور سب کو سچا کہا۔ کیونکہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری نبی پر آئی اس لئے سب کی تصدیق ہی کی۔ کسی نبی کسی کتاب کی بشارت نہ دی۔ اس صورت میں الذی تصدیق کا مفعول ہے یا بین یدیه سے مراد وہ غیبی آئندہ خبریں ہیں جن کی خبر قرآن مجید نے دی پھر وہ خبریں اس طرح ظاہر ہوئیں۔ ان واقعات نے قرآن مجید کی تصدیق کر دی اس صورت میں الذی تصدیق کا فاعل ہے۔ (روح المعانی) مگر پہلی تفسیر قوی ہے دوسری دلیل یہ ہے کہ وتفصیل الکتاب یہ عبارت معطوف ہے تصدیق پر۔ تفصیل بنا ہے فصل سے بمعنی جدائی تفصیل جدا جدا کرنا ہر چیز الگ کر کے بیان فرمانا۔ یہ مقابل ہے اجمال کا یعنی بہت چیزوں کو ایک ساتھ بیان کر دینا۔ الکتاب کے متعلق تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ بمعنی مکتوب ہے یعنی مفروض۔ رب فرماتا ہے کتاب الله علیکم یا فرماتا ہے کتب علیکم الصیام یا فرماتا ہے کانت علی المومنین کتابا موقوتا یعنی قرآن مجید فرائض اور احکام شرعیہ کا تفصیلی بیان ہے (مدارک روح البیان، خازن، بیضاوی وغیرہ) دوسرے یہ کہ الکتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتب ہوں توریت و انجیل وغیرہ اس میں الف لام استغراقی ہو۔ یعنی ان کتابوں کے اجمالی احکام کی تفصیل ہے۔ تیسرے یہ کہ الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ جس کے متعلق رب تعالیٰ فرماتا ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اور فرماتا ہے وعنده ام الکتاب (روح البیان وصاوی) یعنی جو علوم غیبیہ علم ما کان وما یکون۔ لوح محفوظ میں ہے قرآن مجید اس کا تفصیلی بیان ہے جسے اللہ تعالیٰ قران مجید کا علم دے اسے لوح محفوظ دیکھنے کی ضرورت نہیں (صاوی) تیسری دلیل یہ ہے کہ لاریب فیه من رب العلمین لا ریب فی کو نفیس تفسیر سورہ بقر ذلک الکتاب لا ریب فیه کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں یہاں اتنا سمجھ لو کہ قرآن کے کتاب اللہ ہونے میں شک کی گنجائش نہیں۔ اگر کسی کو اس میں شک ہووے تو وہ شک اس کے ذہن یا اس کے دل میں ہے جیسے اندھا اگر سورج کے منور ہونے میں شک کرے تو یہ شک اس کی آنکھ کی بیماری کی وجہ سے ہے سورج میں شک نہیں یوں ہی جو شخص قرآن مجید کی اعلیٰ فصاحت و بلاغت اس کی اعلےٰ تعلیم اس کی غیبی خبروں کی سچائی میں ذرا بھی غور کرے تو بے تامل پکار دے کہ هذا الکلام لیس للبشر هذا کلام خالق القوی والقدر انا اعطینک الکوثر چونکہ اللہ تعالیٰ رب ہے اس لئے اس نے جسمانی پرورش کے لئے بارش نازل فرمائی ایسے ہی اس نے روحانی پرورش کے لئے قرآن کا پانی نبوت کے بادل محمد رسول اللہ کے ذریعہ نازل فرمایا اس لئے من اللہ نہ کہا من رب العالمین ارشاد فرمایا۔ رب وہ ہے جو قلب و قالب ظاہر و باطن دونوں کو پالے۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: بت پرستوں کے پاس عقائد شرکیہ بت پرستی وغیرہ اور اپنے کفریہ اعمال کی کوئی دلیل نہیں ان کے عقائد و اعمال کی ساری عمارت محض انکل پچو قیاس آرائیوں اور وہم وگمان پر قائم ہے کہ چونکہ یہ کام جمہوری ہیں ہمیشہ سے سارے عرب والے کرتے آئے ہیں لہٰذا اچھا ہے ان سے منع کرنا۔ ایک شخصی کام ہے۔ جمہوریت کے خلاف ہے۔ لہٰذا درست نہیں وغیرہ اور ظاہر ہے کہ ایسے ظن وگمان سے کوئی حق بات حاصل نہیں ہوتی وہم وگمان سے خبردار ہے۔ وہم سے حق نہیں ملتا یہ تو صرف انبیاء کرام کے ذریعے ملتا ہے اللہ تعالیٰ ان کی حرکتوں وہموں سے بے خبر نہیں وہ ان کے ہر عقیدے وہم گمان و عمل سے خبردار ہے ہر عمل کی سزا دے گا۔ ان میں سے اکثر کا تو یہ حال ہے کہ محض وہم وگمان پر چلتے ہیں۔ ان میں بعض وہ ہیں جنہیں حضور انور ﷺ کی حقانیت قرآن مجید کی صداقت پر یقین ہے مگر حضور ﷺ کے حسد سے یا اپنی سرداری قائم رکھنے کی نیت سے اسلام قبول نہیں کرتے۔ اے محبوب یہ لوگ قرآن کے متعلق کہتے ہیں کہ حضور انور ﷺ قرآن مجید خود بناتے اور رب کی طرف منسوب کرتے ہیں یہ مردود جھوٹے ہیں خود قرآن کی شان بتارہی ہے کہ یہ گھڑنے کے لائق نہیں۔ یہ کلام ربانی اس کی تین دلیلیں ہیں ایک یہ کہ اس میں گذشتہ کتابوں کے مسائل عقائد خبروں کی تصدیق ہے۔ حالانکہ ان محبوب نے نہ تو وہ کتابیں پڑھیں نہ ان کتابوں کے جاننے والوں کی صحبت حاصل کی پھر ان کتابوں کے تاریخی واقعات کی تصدیق فرمائی اور ان میں سے ایک بات غلط نہ ہوئی۔ اور نہ دشمن یہودی عیسائی شور مچا دیتے کہ فلاں بات غلط ہوئی۔ دوسرے یہ کہ لوح محفوظ کے علوم غیبیہ کی اس قرآن کی تفصیل ہے ہر ذرہ ہر قطرہ کی اس میں خبر ہے جو ہو بہو صحیح ہوتی رہتی ہے۔ اس کے کتاب الٰہی ہونے میں کوئی تردد ہو سکتا ہی نہیں۔ جو عقل سے ذرا کام لے وہ اس کا کتاب اللہ ہونا یقین سے جان لے گا۔ دیکھو رومیوں پر فارسی لوگ غالب آئے قرآن نے خبر دی کہ عنقریب ان میں جنگ ہوگی اور اب کی بار رومی غالب ہوں گے۔ ایسا ہی ہوا۔ خبر دی کہ قرآن ہم نے اتارا ہم ہی اس کے حافظ و ناصر ہیں دیکھ لو آج تک ایک نقطہ نہ بدلا۔ قرآن نے خبر دی کہ ہم نے محبوب کا چرچہ بلند کر دیا دیکھ لو آج تک حضور ﷺ کا کیسا چرچہ ہے قرآن نے خبر دی کہ وہ صحابہ جو ابھی کمزور سمجھے جارہا ہیں رب انہیں زمین کی خلافت دے گا۔ ایسا ہی ہوا۔ اس جیسی ہزارہا غیبی خبریں ہیں جن کا مشاہدہ دن رات ہو رہا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ کے رسول کے مقابلہ میں ساری دنیا اور سارے عقلا جھوٹے اور جاہل ہیں۔ یہ فائدہ ومایتبع اکثرھم الا ظنا سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: تمام جہان کی رائے ظنی ہے نبی کا فرمان یقینی ہے ان کے فرمان کے مقابل۔ قابل قبول نہیں۔ یہ فائدہ بھی الا ظنا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سارے عرب والوں کے قول اور اتفاق کو ظن فرمایا یعنی انکل پچو قیاس۔

تیسرا فائدہ: عقائد جن پر کفر و اسلام کا دارومدار ہی اس میں محض اپنے قیاس کافی نہیں اس کے لئے وحی یا وحی کی تائید ضروری ہے۔ یہ فائدہ ان الظن لا یغنی من الحق شیئا ۔ سے حاصل ہوا کہ الظن میں الف لام عہدی ہے۔ جس سے مراد کفار کے گمان اور حق سے مراد اسلامی عقیدہ جو خدارسی کا ذریعہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: قرآن کریم نے نازل ہو کر پچھلے سارے نبی ساری آسمانی کتابوں کو سچا کر دیا کہ انہوں نے قرآن اور صاحب قرآن کی بشارت دی تھی۔ یہ فائدہ تصدیق الذی کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ الذی بین یدیہ سے مراد گذشتہ نبی اور ان کی کتابیں ہوں۔

پانچواں فائدہ: قرآن مجید کتاب آخری ہے اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی نہ قرآن کے بعد کوئی آسمانی کتاب آئے نہ حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی۔ یہ فائدہ بھی تصدیق الذی بین یدیہ سے حاصل ہوا۔ تصدیق گذشتہ کی ہوتی ہے بشارت آئندہ کی۔ قرآن مجید نے سب کی تصدیق کی کسی کی بشارت نہیں دی۔

چھٹا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو کل علم غیب عطا فرمایا۔ ایسا کوئی قطرہ یا ذرہ نہیں جو حضور انور ﷺ کے علم میں نہ ہو۔ یہ فائدہ تفصیل الکتاب کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہو۔ کیونکہ ساری لوح محفوظ کی تفصیل قرآن مجید میں ہے۔ اور سارا قرآن مجید حضور انور ﷺ کے علم میں۔ الرحمن علم القران اور ظاہر ہے کہ سارے علوم لوح محفوظ میں ہیں و لا رطب و لا یابس الا فی کتاب مبین اس لئے لوح محفوظ کو کتاب بھی کہتے ہیں اور مبین بھی۔ ظاہر کرنے والا۔

ساتواں فائدہ: ساری آسمانی کتابیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یعنی ان کی تعلیمات یہ فائدہ تفصیل الکتاب کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ کتاب سے مراد گذشتہ آسمانی کتابیں ہوں پھر لطف یہ ہے کہ قرآن مجید ان کتب میں بھی تھا۔ رب فرماتا ہے انہ لفی زبر الاولین۔

آٹھواں فائدہ: قرآن مجید کی عبارت اسی کی ترتیب بلکہ اس کے اعراب سب کچھ رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ فائدہ من رب العلمین سے حاصل ہوا۔ کیونکہ سارا قرآن رب کی طرف سے ہے اور قرآن میں ترتیب و اعراب داخل ہیں جو اسے ترتیب عثمانی کہے وہ اس آیت کا منکر ہے۔

پہلا اعتراض: تم لوگ حدیث رسول کو دین اسلام کا رکن مانتے ہو۔ حالانکہ حدیث ظنی ہے اور قرآن مجید فرما رہا ہے کہ ظن حق کا فائدہ نہیں دیتا لہٰذا تمہارا حدیث کو ماننا غلط ہے۔ (چکڑالوی)

جواب: ساری حدیثیں ظن نہیں۔ حدیث متواتر خواہ لفظاً متواتر ہو یا معنیً قطعی یقین ہے قرآن مجید کا قرآن ہونا حدیث سے ثابت ہے کسی نے قرآن اترتے نہیں دیکھا۔ نماز کی رکعتیں زکوٰۃ کی مقدار سب ہی حدیث سے ثابت ہے وہ احادیث قطعی ہیں باقی حدیث واحد وغیرہ اگرچہ ظنی ہیں مگر شرعی مسائل ان سے ثابت ہیں۔ یہاں اس آیت میں الظن سے مراد کفار کے وہمیات ظنیات ہیں جو وہ قرآن و حدیث کے مقابل کرتے تھے۔ دیکھو تفسیر جو ابھی کی گئی۔

دوسرا اعتراض: تم لوگ اجماع امت کو یقینی کہتے ہو۔ حتی کہ حضرت ابوبکر و عمر کی خلافت کے منکر کو کافر کہتے ہو۔ کیونکہ ان کی خلافتیں اجماع صحابہ سے ثابت ہیں اجماع امت نہ قرآن ہے نہ حدیث اس کو وحی نہیں کہہ سکتے پھر وہ قطعی کیسے (روافض)

www.alahazratnetwork.org

جواب: اجماع امت کو وحی الٰہی سے تائید حاصل ہے۔ رب نے فرمایا ومن یتبع غیر سبیل المومنین نوله ماتولی نوصله جهنم حضور انور ﷺ نے فرمایا لا تجمع امتی علی الضلالة قرآن وحدیث کی تائید کی وجہ اجماع قطعی ہوا۔ یہاں ظن سے مراد کفار کے ظن وگمان ہیں یہ خیال رکھو۔

تیسرا اعتراض: نماز کی اذان صحابہ کی خواب سے ثابت ہے اور خواب تو محض ظن ووہم ہے تو اذان کا اتنا بڑا درجہ کیسے ہوا کہ اس کا منکر گمراہ ہے۔

جواب: اس لئے کہ اس خواب کی تائید حضور انورؐ کے فرمان سے ہوگئی۔ لہٰذا یہ ظن نہ رہی وحی الٰہی نے تائید فرمادی۔

چوتھا اعتراض: مجتہدین کا قیاس ظنی ہے اور ظن سے حق حاصل نہیں ہوتا۔ (غیر مقلد)

جواب: اسے بھی قرآن وحدیث کی تائید حاصل ہے۔ رب فرماتا ہے فاعتبروا یا اولی الالباب۔ حضرت معاذ بن جبل نے گورنر بنتے وقت حضور انورؐ سے عرض کیا تھا ثم اجتهد برای اگر مجھے کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ ملا تو اپنے قیاس سے اجتہاد کروں گا۔ اس پر حضور انور ﷺ خوش ہوئے اور حضور ﷺ نے خدا کا شکر کیا کہ اس نے رسول اللہ کے قاصد کو توفیق خیر دی۔ یاد رکھو کہ یہاں جن ظن وگمان کی برائی ہے وہ کفار کا ظن ہے وحی کے مقابل۔ یہ بھی خیال رکھو کہ ظن کے بہت معنی ہیں۔ دیکھو تفسیر۔ قیاس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق میں دیکھو۔

پانچواں اعتراض: یہاں تفصیل الکتاب میں الکتاب سے مراد لوح محفوظ نہیں بلکہ یا تو شرعی احکام ہیں۔ کتاب معنی مکتوب یا گذشتہ آسمانی کتب لہٰذا نہ قرآن میں علم غیب ہے نہ حضور ﷺ کو (دیوبندی)

جواب: قوی یہ ہے کہ یہاں الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اس تفسیر کی تائید اس آیت سے ہے نزلنا علیک الکتب تبیانا لکل شیء، لہٰذا یہ تفسیر اس تائید کی وجہ سے قوی ہے۔ تفسیر صاوی روح البیان وغیرہ۔ تفاسیر نے یہ تفسیر کی۔ جیسا کہ ابھی تفسیر سے معلوم ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: کمزور بنیاد اور کمزور پشتہ والی دیوار کمزور ہوتی ہے بے لنگر کی کشتی کو ڈوبنے کا خطرہ ہے۔ جن عقائد و اعمال کی بنیاد محض اپنا گمان وظن ہو اور پشتہ جاہل باپ دادوں کی اندھی تقلید وہ بے لنگر والی کشتی کی طرح ہیں جو کفار کو غرق کریں گے۔ مولانا فرماتے ہیں۔

کشتی بے لنگر آمد مرد شر ۔۔۔ کہ ز باد کژ نیابد او حذر
لنگر عقل است عاقل را اماں ۔۔۔ لنگرے دریوزہ کن از عاقلاں

بے لنگر والی کشتی باد مخالف سے نہیں بچ سکتی اے اللہ کے بندے کسی عاقل سے لنگر کی بھیک مانگ تاکہ دنیا میں تو ڈوب جائے اس آیت میں انہیں بے لنگر کی کشتی والوں سے کہا گیا ہے کہ ظن وگمان کشتی کو ڈوبنے سے نہیں بچاتا ایسی بے لنگر والی کشتی کنارہ پر نہیں پہنچتی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر چیز کی ساخت اپنے بنانے والے کا پتہ دیتی ہے۔ قرآن کتاب الٰہی کی شان بتارہی ہے کہ یہ کسی بندے کا کلام نہیں۔ بے وقوف ہیں وہ جو قرآن مجید کو حضور انورؐ کا بنایا ہوا کہتے ہیں۔ نیز جس ذات کریم

نے ساری عمر کسی انسان پر جھوٹ نہ بولا وہ رب کریم پر جھوٹ کیسے بول سکتی ہے قرآن کی شان والے محبوب کی آن بان دونوں بتا رہی ہیں کہ قرآن کلام الٰہی ہے اس سے ارشاد ہوا لا ریب فیه من رب العلمین جیسے رب تعالیٰ اپنی توحید کا گواہ۔ ایسے ہی اس کا کلام اپنے کلام اللہ ہونے کا گواہ صوفیاء کے نزدیک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کتاب الٰہی میں اور قرآن مجید آپ ﷺ کے صفات آپ ﷺ کی شان کی تفصیل ہے کہ قرآن قال ہے حضور کے کمال کا۔ شعر۔

لوح بھی تو قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب　　　گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط کا حباب

دن رات شام پر سویرا دوپہر صبح صادق۔ اوجیالا ایک ہی سورج کی کیفیت کا نام ہے۔ قرآن مجید کے آیات جلالی، جمالی، احکام ارکان وغیرہ اسی سورج نبوت کی کیفیات کاملہ ہیں۔

أَمْ يَقُولُونَ افْتَرَاهُ ۖ قُلْ فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ

کیا کہتے ہیں وہ کہ گھڑ لیا ہے اس کو فرما دو کہ تو لاؤ ایک سورت اس کی مثل

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے بنالیا ہے تم فرماؤ تو اس جیسی ایک سورت

وَادْعُوا مَنِ اسْتَطَعْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُمْ

اور بلا لو انہیں کہ طاقت رکھتے ہو تم سواء اللہ کے اگر ہو تم

لے آؤ اور اللہ کو چھوڑ کر جو مل سکیں سب کو بلاؤ اگر تم

صَادِقِينَ ﴿٣٨﴾ بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ

سچے بلکہ جھٹلایا انہوں نے اسے کہ نہ گھیرا جس کے علم کو

سچے ہو بلکہ اسے جھٹلایا جس کے علم پر قابو نہ پایا

وَلَمَّا يَأْتِهِمْ تَأْوِيلُهُ ۚ كَذَٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِن

اور اب تک نہیں آیا ان تک انجام اس کا اسی طرح جھٹلایا ان لوگوں نے جو ان سے

اور ابھی انہوں نے اس کا انجام نہیں دیکھا ایسے ہی ان اگلوں

قَبْلِهِمْ ۖ فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظَّالِمِينَ ﴿٣٩﴾

پہلے تھے پس دیکھو کیسا ہوا انجام ظالموں کا

نے جھٹلایا تھا تو دیکھو ظالموں کا کیسا انجام ہوا

www.alahazratnetwork.org

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں اجمالاً ارشاد ہوا کہ کفار صرف اپنے ظن وگمان یا اباپ دادوں کی اندھی تقلید پر اپنے دین و مذہب کی بنیاد قائم کرتے ہیں اب اس اجمال کی تفصیل ارشاد ہو رہی ہے کہ دیکھو یہ لوگ قرآن کریم کو حضور انور ﷺ کا بنایا ہوا کہتے ہیں مگر اس کا ثبوت ان کے پاس کچھ نہیں۔ بجز اپنے وہم وگمان کہ ایسا ہوا ہوگا۔ گویا یہ آیت کریمہ اس اجمال کی تفصیل ہے۔

دوسرا تعلق: آیت کریمہ میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ قرآن مجید انسانی کلام نہیں بلکہ اللہ کا کلام ہے اب اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے کہ اس کی مثل تمام جہان کے انسانوں سے نہیں بن سکتا اور جس کا مثل انسان سے نہ بن سکا وہ چیز خدائی ہوتی ہے۔ لہذا قرآن خدائی کتاب ہے گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس کی دلیل ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں قرآن مجید کو دلائل سے کلام الٰہی ثابت کیا گیا۔ اب اس کے انکار پر ڈرایا دھمکایا جا رہا ہے کہ پچھلے زمانہ میں جن لوگوں نے آسمانی کتابوں کو جھٹلایا وہ ہلاک کی گئیں اگر تم بھی یہ جرم کرو گے تو تمہارا انجام بھی یہ ہی ہوگا۔ کیونکہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں اور بعض ڈر سے۔

تفسیر: **ام یقولون افترٰہ**۔ یہاں ام بمعنی بل ہے۔ یا بمعنی واؤ ابتدائیہ خازن (یقولون) کا فاعل وہ کفار عرب ہیں جن کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے قول سے مراد منہ سے بولنا ہے خواہ دل سے ہو یا دل کے خلاف۔ کیونکہ بعض کفار تو دل سے یہ سمجھتے تھے کہ قرآن مجید خدائی کتاب نہیں مگر اکثر اسے خدائی کتاب مانتے تھے لیکن منہ سے یہ ہی کہتے تھے کہ حضور انور ﷺ نے خود بنائی ہے۔ اس لئے اسے **یقولون** فرمایا گیا تاکہ دونوں قسم کے لوگوں کو شامل ہو جائے۔ **یعلمون** یا **یعتقدون** نہیں فرمایا .... وہ لوگ کبھی تو کہتے تھے کہ کوئی شخص حضور ﷺ کو قرآن سکھا جاتا ہے۔ کبھی کہتے تھے کہ جادو ہے۔ کبھی کہتے تھے کہ شعر ہے۔ کبھی کہتے کہ حضور انور ﷺ نے خود بنالیا ہے۔ اپنی طرف سے اس لئے قرآن کریم کی مختلف آیات میں ان کی مختلف بکواس کا ذکر ہے یہاں آخری بات نقل فرمائی گئی۔ افترا کے معنی ابھی کچھ پہلے بیان ہو چکے کہ کوئی بات گڑھ کر کسی طرف نسبت کر دی جاوے کہ فلاں نے کہی ہے افتراء اس ہی لئے دو جھوٹ ہوتے ہیں۔ کلام اور نسبت میں **قل فاتوا بسورۃ مثلہ** یہ ان کی مذکورہ بکواس کا جواب ہے۔ قرآن مجید کا اکثر قاعدہ یہ ہے کہ رب تعالیٰ یا قرآن مجید پر جو اعتراض ہو اس کا جواب حضور انور ﷺ سے دلوایا جاتا ہے جو حضور انور ﷺ پر اعتراض ہو اس کا جواب رب تعالیٰ دیتا ہے۔ شعر۔

دشمن نے ترے جو کچھ بھی کہا اللہ نے اس کا جواب دیا
پر تو نے پلٹ کر کچھ نہ کہا تری شرم و حیا کا کیا کہنا

اس لئے یہاں قل ارشاد ہوا سورۃ آیت، منزل، رکوع وغیرہ کا فرق ہم سورہ فاتحہ کے اول میں بیان کر چکے۔ قرآن مجید کا وہ حصہ جس میں مضمون پورا ہو اور اس کا کچھ نام بھی ہو سورۃ کہلاتی ہے یہ دو قسم کی ہے مکیہ اور مدنیہ سب سے بڑی سورۃ

www.alahazratnetwork.org

بقر ہے اور سب سے چھوٹی آیت ایک لفظ بلکہ ایک حرف کی بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے آلم ایک لفظ کی آیت ہے اور ص۔ ق۔ ایک ایک حرف کی آیت ہے اس لئے یہاں چھوٹی آیت کے مقابلہ کا ذکر نہیں ہوا ورنہ وہ کوئی حرف ج۔ د۔ وغیرہ بول دیتے کہ یہ بھی ایک آیت ہے ایسے ہی ج بھی ایک آیت ہے۔ مثلہ سورۃ کی صفت ہے اس میں ہ کا مرجع قرآن مجید ہے۔ سورۃ بقر میں بسورۃ من مثلہ میں ہ ضمیر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف تھی۔ وہاں مطلب یہ تھا کہ ان محبوب جیسی ذات سے ایک سورہ بنوا کر لاؤ۔

لکھے نہ پڑھے جناب والا شاگرد رشید حق تعالیٰ

وہاں حضور انورؐ کی بے مثلی بیان ہوئی تھی اس لئے وہاں من مثلہ ارشاد ہوا من کے ساتھ یہاں قرآن مجید کی بے مثلی ارشاد ہوئی لھذا من نہ لایا گیا۔ (از تفسیر کبیر و خازن وغیرہ) مثل سے مراد صرف حرفوں کی ترتیب میں مثل ہونا نہیں بلکہ فصاحت بلاغت غیبی خبروں میں مثلیت ہے۔ ورنہ سارے عربی کلام انہیں اٹھائیس حرف سے بنتے ہیں مگر حضرات انبیاء نبوت۔ علم غیب۔ قرب الٰہی وغیرہ لاکھوں صفات میں بے مثل ہوتے ہیں۔ وادعوا من استطعتم من دون اللہ۔ یہ دوسرا حکم ہے انہیں کفار کو جس میں پہلے حکم کی اہمیت دکھائی گئی ہے۔ لہٰذا یہ واؤ عاطفہ ہے ادعوا بنا ہے دعاء سے بمعنی پکارنا بلانا اپنی مدد کے لئے مطلقاً پکارنا مراد نہیں۔ یہاں دون بمعنی مقابل ہے بمعنی سواء لہٰذا من دون اللہ میں ان کے بت۔ سرداران کفر۔ یہود و نصاریٰ کے بڑے بڑے جہان بھر کے عالم داخل حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام۔ مومنین۔ صالحین علماء اسلام ہرگز داخل نہیں استطعتم فرما کر یہ بتایا کہ صرف مکہ معظمہ یا طائف کے علماء کفر کی پابندی نہیں۔ دنیا بھر کے سارے کافروں علم والوں کو بلالو۔ جہاں تک علماء تم بلا سکتے ہو۔ سبحان اللہ یہ ہے۔ اعلیٰ درجہ کی للکار اور وہ بھی وہاں جہاں فصحاء بلغاء کی بہتات تھی۔ جن کی زبان دانی فصاحت و بلاغت پر ناز تھا جو اپنے کو عرب یعنی بولنے والا کہتے تھے دوسروں کو عجم (گونگا) ان کنتم صدقین اس شرط کی جزا پوشیدہ ہے (روح المعانی) یعنی اگر تم اس خیال میں سچے ہو کہ قرآن مجید حضور انور ﷺ کی بنائی ہوئی ہے تو آجاؤ مقابلہ میں بنالاؤ۔ ایک چھوٹی سی سورت پھر اکیلے نہیں بلکہ اپنے سارے مددگاروں کو بلالو۔ اس کی تفسیر وہ آیت ہے۔ وادعوا شھداء کم من دون اللہ ان کنتم صدقین. بل کذبوا بما لم یحیطو بعلمہ اس عبارت سے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی ان کفار نے کچھ سوچ سمجھ کر قرآن کریم کا انکار نہیں کیا۔ یا کسی عام کتاب کا انکار نہیں کیا بلکہ ایسی عظیم الشان کتاب کا انکار کیا۔ جس کے علوم جس کی فصاحت و بلاغت کو کما حقہ یہ جان بھی نہ سکے۔ ما سے مراد قرآن مجید ہے۔ احاطہ علمی سے مراد ہے اس کے علوم کو کما حقہ جاننا اس کی تہ تک پہنچ جانا یعنی ان لوگوں نے صرف لوگوں سے سن کر انکار کر دیا۔ اس کے علوم سے واقف ہو کر انکار نہیں کیا۔ یا یہ مطلب ہے کہ انہوں نے ایسی کتاب کا انکار کیا۔ جس کے علوم کو انسانی عقل نہیں گھیر سکتی۔ ولما یاتھم تاویلہ یہ فرمان عالی معطوف ہے لم یحیطوا (الخ) پر اور ما کا صلہ ہے لما کے معنی ہیں اب تک نہیں۔ یہ لفظ وہاں بولا جاتا ہے جہاں ابھی کوئی چیز ہوئی تو ہو مگر ہونے کی امید ہو۔ تاویل بمعنی نتیجہ انجام یہاں مراد ہے وہ چیزیں جن کے ہونے کی قرآن مجید نے خبر دی۔ یعنی انہوں نے ایسی کتاب قرآن مجید کا انکار کیا جس کی غیبی خبریں انہیں ان

www.alahazratnetwork.org

تک نہیں آئی۔ یعنی ظاہر نہیں ہوئیں۔ انہوں نے تھوڑا صبر تو کیا ہوتا۔ اس کی خبروں کا ظہور تو ہونے دیا ہوتا انہیں اس کی حقانیت روز روشن کی طرح ظاہر ہو جاتی۔ **کذلک کذاب الذین من قبلھم** اس فرمان عالی میں انہیں ڈرانا مقصود ہے۔ اور **الذین من قبلھم** سے مراد گذشتہ ہلاک شدہ قومیں ہیں جیسے قوم نوح قوم صالح و ہود علیہم السلام اور قوم موسیٰ وعیسیٰ علیہم السلام۔ جھٹلانے سے مراد ہے اپنے نبیوں ان کے معجزات ان کے صحیفوں کتابوں کا انکار یعنی یہ انکار نئی چیز نہیں ہمیشہ سے کفار نبیوں کا انکار کرتے ہی رہے ہیں آپ ﷺ اس سے ملول نہ ہوں۔ **فانظر کیف کان عاقبة الظلمین** اگر اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے تو نظر سے مراد ہے آنکھوں سے دیکھنا۔ کیونکہ حضور انور ﷺ کی نگاہ سے کوئی گذشتہ آئندہ چیز پوشیدہ نہیں اور اگر خطاب ہر مسلمان سے ہے تو نظر سے مراد ہے غور کرنا۔ ظالمین سے مراد ہیں کفار کیونکہ کافر اپنی پر ظلم کرتا ہے **ان الشرک لظلم عظیم عاقبة** سے مراد ہے وہ عذاب جو ان قوموں پر آئے یعنی آپ ﷺ دیکھو تو یا اے مسلمان غور تو کر کہ ان جھٹلانے والوں کا نتیجہ کیا ہے۔ وہ ہلاک ہوئے ایسے ہی ان کا بھی انجام ہونا چاہئے۔

خلاصہ تفسیر: کفار عرب کہتے ہیں کہ قرآن مجید کتاب ربانی نہیں بلکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بنائی ہے اور رب کی طرف نسبت فرمادی کہ یہ قرآن رب کی کتاب ہے۔ اے محبوب آپ ﷺ انہیں جواب دو کہ انسانی مصنوع کی پہچان یہ ہے کہ اس کی مثل انسان بنا سکے۔ اس قاعدہ سے تم اکیلے نہیں بلکہ تمام جہان کے کفار زبان دانوں کو اپنی مدد کے لئے بلالو اور سب مل کر قرآن مجید کی مثل فصیح و بلیغ علوم غیبیہ پر شامل ایک چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کے انکار کی وجہ یہ نہیں بلکہ وجہیں دو ہیں ایک یہ کہ انہوں نے ایسے قرآن کا انکار کیا ہے جس کے علوم کا یہ احاطہ نہ کر سکے نہ کوئی انسان احاطہ کر سکتا ہے کوئی نہیں کہہ سکتا کہ میں نے قرآن مجید کو کماحقہ سمجھ لیا۔ دوسری یہ کہ ابھی تک قرآن مجید کی غیبی خبریں ان پر ظاہر نہ ہوئیں۔ یہ تھوڑا صبر تو کرتے۔ پھر دیکھتے کہ اس کی خبریں کس درجہ صحیح ہوتی ہیں ان سے پہلے بھی کفار نے اپنے نبیوں ان کے معجزات ان کی کتابوں صحیفوں کا انکار کیا۔ دیکھو ان ظالموں کا انجام کیا ہوا سب ہلاک کئے گئے یہ ہی نتیجہ ان کا ہونا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید نے کفار مکہ سے چھ موقعوں پر چھ مطالبہ کئے (١) پورے قرآن بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا۔

قل لئن اجتمعت الانس والجن علی ان یاتو بمثل ھذا القران لایاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (٢) دس سورتیں بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا **فاتوا بعشر سور مثلہ مفتریات** (٣) ایک چھوٹی یا بڑی سورۃ بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا **فاتوا بسورۃ مثلہ** (٤) قرآن جیسی ایک بات بنانے کا مطالبہ کہ فرمایا **فلیاتوا بحدیث مثلہ** (٥) حضور ﷺ جیسی ہستی کی مثل سے ایک چھوٹی سورت بنوانے کا مطالبہ **فاتوا بسورۃ من مثلہ** (٦) اس ایک سورۃ بنانے کے لئے سب سے امداد لینے کی اجازت کہ ایک سورۃ کے بنانے میں اپنے علماء بتوں سرداروں کی مدد لے لو **وادعوا شھداء کم من دون اللہ** (الخ) (تفسیر کبیر) ان مطالبوں کی ترتیب یہ ہے کہ پہلے پورے قرآن بنانے کا مطالبہ ہوا پھر فرمایا اچھا دس سورتیں بنالاؤ پھر فرمایا اچھا ایک بڑی سورہ ہی بنالاؤ پھر فرمایا اچھا سب مل کر ایک چھوٹی سی سورۃ بنالاؤ۔

www.alahazratnetwork.org

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جھوٹے کو اپنی بات کا اعتبار نہیں ہوتا وہ ایک بات پر نہیں ٹھہرتا کبھی کچھ کہتا ہے کبھی کچھ اسے یاد ہی نہیں رہتا کہ میں نے کہا کیا تھا۔ یہ فائدہ افـــــرا سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ حضور انور ﷺ کو کبھی دیوانہ کہتے تھے کبھی جادو کیا ہوا کبھی جادوگر کبھی افترا کرنے والا۔ حالانکہ دیوانہ اور مسحور بے عقل ہوتے ہیں۔ اور مفتری بڑے عاقل۔

دوسرا فائدہ: انسانی مصنوع کی پہچان یہ ہے کہ انسان اس کی مثل بنا سکے جس کی مثل انسان سے نہ بن سکے وہ خدائی چیز ہے۔ یہ فائدہ فاتوا بسورة مثله سے حاصل ہوا۔ ہم اس کی تحقیق پہلے پارہ میں من مثله والی اس آیت کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ دیکھو انجن ہوائی جہاز کو ہم انسانی صنعت مانتے ہیں اور چیونٹی کو خدائی صنعت اس قاعدے سے کہ ہوائی جہاز اپنے بڑا ہونے کے باوجود انسان سے بن سکتا ہے مگر چیونٹی حالانکہ بہت چھوٹی ہے مگر کسی انسان سے نہیں بن سکتی۔

تیسرا فائدہ: قرآن مجید بے مثل کتاب ہے لہٰذا حضور انور ﷺ بھی بے مثال نبی ہیں بلکہ حضورؐ کی ازواج مطہرات بے مثال بیبیاں یا نساء النبی لستن کاحد من النساء بلکہ حضور ﷺ کی امت بے مثل امت ہے کنتم خیر امة یہ فائدہ فاتو بسورة مثله۔ سے حاصل ہوا۔ سورہ بقرہ میں بسورة من مثله۔ ارشاد ہوا یہاں قرآن مجید کی بے مثالی ارشاد ہوئی اور وہاں حضور انور ﷺ کی بے مثالی

چوتھا فائدہ: امر ہمیشہ واجب کرنے کے لئے نہیں ہوتا کبھی عاجز کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ بھی فاتوا بسورة (الخ) سے حاصل ہوا۔ دیکھو قرآن مجید کی مثل ناممکن ہے مگر اس کے بنانے کا مطالبہ امر کے صیغہ سے ہوا تا کہ کفار کو اپنا عجز معلوم ہو۔

پانچواں فائدہ: کوئی کتاب صرف عربی ہونے اٹھائیس حرفوں سے بننے رسم الخط یکساں ہونے کی وجہ سے قرآن کی مثل نہیں ہوسکتی بلکہ فصاحت بلاغت غیبی خبریں عالی مضامین میں مشابہت چاہئے جو ناممکن ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص انسانیت۔ ظاہری اعضاء اور کھانے پینے کی وجہ سے حضور انور کا مثل نہیں ہوسکتا حضور ﷺ کی مثلیت کے لئے خاتم النبیین۔ سید المرسلین شفیع المذنبین وغیرہ ہونا ضروری ہے اور وہ ناممکن ہے حضور انورؐ کا اور قرآن کریم کا مثل ایسا ہی ناممکن ہے۔ جیسے رب تعالیٰ کا مثل۔ ہم نے عرض کیا۔ شعر۔

کوئی مثل ان کا ہو کس طرح وہ ہیں سب کے مبداؔ منتہی
نہیں دوسرے کی یہاں جگہ کہ یہ وصف دو کو ملا نہیں

سب سے اول سب سے آخر سب کا سردار سب کا بخشوانے والا ایک ہی ہوسکتا ہے۔ اس وصف میں شرکت کی گنجائش نہیں۔ یوں ہی سب سے آخری کتاب سب کی ناسخ کتاب صرف ایک ہی ہوسکتی ہے زیادہ نہیں۔

چھٹا فائدہ: غیر اللہ کی مدد لینا اسے مدد کے لئے پکارنا نہ شرکت ہے نہ حرام بلکہ بالکل جائز ہے۔ یہ فائدہ وادعوا من استطعتم الخ سے حاصل ہوا کہ رب نے کفار کو اجازت دی کہ وہ اپنے مدد کے لئے اپنے سرداروں زبان والوں کو بلالیں اور

www.alahazratnetwork.org

قرآن کی مثل بنوائیں۔ اگر یہ شرکت ہوتا تو رب تعالیٰ اس کی اجازت نہ دیتا۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق اول میں ملاحظہ کرو فالو کا امر عجز کے لئے ہے وادعوا کا ہر عجز کے لئے بھی نہیں کیونکہ کفار اپنے پادریوں کو بلانے سے عاجز نہ تھے یہ صرف اجازت کے لئے ہے اور شرکت کی اجازت بھی بری ہے۔

ساتواں فائدہ: قرآن مجید میں عموماً لفظ من دون اللہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے مقابلوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ اس کے محبوبوں کے لئے نہیں۔ یہ فائدہ من دون اللہ سے حاصل ہوا کہ یہاں سے نبی ولی صحابہ کرام مراد نہیں بلکہ کفار کے سردار مراد ہیں ولی اللہ اور ولی من دون اللہ کا یہی فرق ہے۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب اسلام کی چار اصولی اصطلاحوں میں مطالعہ کرو۔

آٹھواں فائدہ: کوئی شخص قرآن مجید کے علوم کا احاطہ نہیں کرسکتا یعنی اس کے سارے علوم پر پورا پورا مطلع نہیں ہوسکتا خواہ کتنی ہی کوشش کرے قرآن ایک سمندر ناپیدا کنار ہے یہ فائدہ بما لم یحیطوا بہ علما سے حاصل ہوا یوں ہی حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کو کماحقہ کوئی نہیں جان سکتا۔ امام بوصیری قصیدہ بردہ میں فرماتے ہیں۔ من نقطۃ العلم او من شکلۃ الحکم غرفا من البحر او رشفا من الدیم من رسول اللہ ملتمس وواقفون بہ عند حدھم۔

یعنی سارے نبیوں رسولوں نے حضور ﷺ کے سمندر سے ایک چلو یا حضور ﷺ کی بارش سے ایک چھینٹا حاصل کیا حضور ﷺ کی خدمت میں سب نبی اپنی حدوں پر کھڑے ہیں۔ آپ ﷺ کے علم ایک لفظ یا آپ ﷺ کی حکمتوں سے ایک حکمت حاصل کررہے ہیں۔

نواں فائدہ: قرآن خبریں ساری برحق ہیں اگرچہ ان میں سے بعض کا ظہور دیر سے ہو۔ دیر ہونے پر انکار نہ کرنا چاہئے۔ یہ فائدہ ولما یاتھم تاویلہ سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہوا لاتدعوا من دون اللہ۔ خدا کے سوا کسی کو نہ پکارو اور یہاں فرماتا ہے وادعوا من استطعتم من دون اللہ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: وہاں تمہاری پیش کردہ آیت میں لاتدعوا کے معنی ہیں نہ پوجو یعنی خدا کے سوا کسی کو نہ پوجو۔ یعنی دعا کے اصطلاحی معنی مراد ہیں۔ اس کی تحقیق ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں اور علم القرآن میں مطالعہ کرو۔

دوسرا اعتراض: قرآن مجید کے مقابلہ کی کوشش کرنا اس کے لئے دوسروں سے مدد لینا تو کفر ہے پھر رب تعالیٰ نے اس کا حکم اور اس کی اجازت کیوں دی۔

جواب: ان کا عجز ظاہر کرنے کے لئے اور عجز کا ظہور ان کے ایمان کا ذریعہ بنے گا جیسے موسیٰ علیہ السلام نے مقابلہ کے وقت جادوگروں کو ابتداء جادو کرنے کی اجازت بلکہ حکم دیا القوا ما انتم ملقون حالانکہ جادو حرام یا کفر ہے۔ جس کی اجازت نہیں دی جاسکتی وہاں بھی عجز ظاہر کرنا مقصود تھا۔

تیسرا اعتراض: قرآن مجید میں لفظ دون بمعنی سوا آتا ہے۔ ماتعبدون من دون اللہ یہاں بھی اس کے معنی ہونے

www.alahazratnetwork.org

جائیں کہ اللہ کے سواء سب کو مدد کے لئے بلالو۔ خواہ وہ اللہ کے سواء۔ یہاں تمام ہی انسانوں کو چیلنج دیا گیا ہے کیونکہ دون سب کو شامل ہے خواہ وہ اللہ کے اپنے ہوں یا غیر یا دشمن سب کو مدد کے لئے بلالو۔ خواہ وہ اللہ کے اپنے ہوں یا غیر یا دشمن۔

جواب: لفظ دون کی اصل وضع مقابل یا دور کے لئے ہے۔ کبھی بمعنی سواء آ جاتا ہے جب کہ دشمن یا مقابل میں سوار ہو۔ خدا کے سواء جس کی عبادت کی جاوے گی وہ اللہ کا مقابل ہی ہوگا۔

چوتھا اعتراض: جیسے کفار کو قرآن کے مقابلے کے لئے للکارا گیا ہے۔ کیا توریت و انجیل کے مقابلہ کے لئے للکارا گیا تھا۔ کیا ان کی مثل بنانا بھی انسانی طاقت سے باہر تھا۔ اگر نہ تھا تو وہ کلام الہٰی کیسے ہوئیں اور اگر تھا تو لوگوں نے اس میں خلط ملط کیسے کر دیا۔ لوگوں کی ملاوٹی آیتیں اصلی آیات سے مشابہ کیسے ہوگئیں۔

جواب: حق یہ ہے کہ ان کتابوں کی عبارت معجزہ نہ تھی۔ اس لئے کسی کو ان کتابوں کے مقابلہ کی دعوت نہ دی گئی تھی۔ اگر چہ مقابلہ اس کا بھی ناممکن تھا۔ نیز اس زمانہ میں لوگ فصاحت و بلاغت کے ایسے ماہر نہ تھے جیسے حضور کے زمانہ کے کفار لہٰذا انہیں دعوت مقابلہ دینا درست نہ تھا ان زمانوں میں جس چیز کا زور تھا اس قسم کے معجزے نبیوں کو دیئے گئے اور لوگوں کو ان کے مقابلہ کی دعوت دی گئی جیسے موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جادو کا اور عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں طلب کا زور تھا۔ یوں کہو کہ ان کتابوں کا مثل بھی ناممکن تھا کیونکہ وہ کلام الہٰی تھیں۔ مگر جو آیات لوگوں نے ملائیں وہ دوسروں پر ان کی بے علمی کی وجہ سے مشتبہ ہوگئیں واقعہ میں ان کتابوں کے مشابہ نہ تھیں۔ جیسے آج کوئی عربی دان دیہاتیوں کے سامنے اپنی عربی عبارت آیات قرآنیہ سے ملا کر پڑھے اور کہہ دے کہ یہ سب قرآن ہے اور وہ پاکستانی دیہاتی فرق نہ کر سکیں۔ بے مثل ہونا اور بات ہے اور بے مثل معلوم کرنا کچھ اور۔ یہ جواب خیال میں رہے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے قرآن مجید فصاحت بلاغت علوم غیبیہ میں بے مثال ہے کہ اس کی مثل ناممکن ہے۔ ایسے ہی قرآن مجید اپنے اندرونی اوصاف میں بے مثال ہے وہ مبارک ہے عزت والا ہے۔ شفاء ابدان اور شفاء ارواح ہے بغیر سمجھے تڑپا دینے والا ہے۔ ہمیشہ نیا رہنے والا ہے کہ کبھی پرانا نہیں پڑتا۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ حضور محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اترا ہے کہ اسے حضور نے رب سے لیا ہے مخلوق کو دیا ہے۔ اس نے قرآن کی عظمت کو چار چاند لگا دیئے فرماتا ہے۔ فانما یسرناہ بلسانک لتبشر بہ المتقین مبارک ایسا کہ جس مہینہ میں قرآن آیا وہ مہینہ رمضان مبارک۔ جس رات آیا وہ رات مبارک یعنی شب قدر۔ جو فرشتہ قرآن لایا وہ مبارک یعنی جبریل جس نبی پر آیا وہ نبی مبارک جس زمین پر آیا وہ زمین مبارک جس عالم کے سینہ میں رہے وہ سینہ مبارک جس زبان پر رہے وہ زبان مبارک جس کی موت قرآن پر ہو وہ موت مبارک یہ ہی حال اس کی عزت کا ہے جو قوم اسے اپنا لے وہ عزت پائے جو اسے چھوڑے ذلیل ہو جائے۔ شعر۔

وہ معزز تھے زمانہ میں مسلمان ہو کر اور تم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر

یہ ہی حال اس کی تمام مذکورہ صفات کا۔ اس بنا پر ارشاد ہوا کہ لاؤ ایسا کلام جس میں یہ صفات ہوں جیسے قرآن مجید ان صفات کی بنا پر بے مثال ہے۔ ایسے ہی صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم اپنی لاکھوں صفات کی بنا پر بے مثال ہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

آپ ﷺ کا مثل ناممکن ہے۔

لائیں تو یہ دوسرا اور کوئی دوسرا جس کو یہ رتبہ ملا تم پر کروڑوں درود

جیسے ہمارے قرابت دار بہت ہو سکتے ہیں مگر ماں باپ صرف ایک ایسے ہی انبیاء اولیاء بہت ہوئے مگر خاتم الانبیاء صرف ایک کہ ماں باپ سے ہمارا جسم بنا حضور انور ؐ سے سارا عالم بنا۔ ان کفار نے قرآن مجید کا اس لئے انکار کیا کہ وہ اس کے علوم تک نہ پہنچ سکے صرف الفاظ ہی دیکھتے رہے یوں ہی حضور انور ؐ کو اپنا مثل کہنے والے صرف کھاتا پیتا سوتا جاگتا دیکھ کر یہ کہہ بیٹھے۔ حضور ؐ کے یہ ظاہری صفات ان کی بصیرت کے لئے آڑ بن گئے۔ یہ آڑ ہٹ جائے تو لطف آ جائے گا۔ شعر۔

کفر و اسلام کے جھگڑے ترے چھپنے سے بڑھے
تو اگر پردہ اٹھا دے تو تو ہی ہو جائے

اللہ کرے کوئی پردہ اٹھانے والا مل جائے۔ اقبال کہتے ہیں۔ شعر۔

نگاہ عاشق کی دیکھ لیتی ہے پردہ میم کو اٹھا کر وہ بزم امکاں میں لاکھ بیٹھیں ہزار منہ کو چھپا چھپا کر

وَمِنْهُمْ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ؕ

اور ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائیں گے اس پر اور ان میں سے وہ ہیں جو ایمان نہ

اور ان میں کوئی اس پر ایمان لاتا ہے اور ان میں کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا ہے

وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ وَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ ع ۹

لائیں گے اس پر اور آپ کا رب خوب جانتا ہے فسادیوں کو اور اگر جھٹلائیں وہ آپ کو

اور تمہارا رب مفسدوں کو خوب جانتا ہے اور اگر وہ تمہیں جھٹلائیں تو فرما دو

لِّيْ عَمَلِيْ وَلَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ اَنْتُمْ بَرِيْٓـُٔوْنَ مِمَّآ

تو فرما دو کہ میرے لیے میرا عمل ہے تم بری اس سے جو کرتا ہوں میں

کہ میرے لیے میری کرنی اور تمہارے لیے تمہاری کرنی تمہیں میرے کام سے

اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٤١﴾

اور میں بری ہوں اس سے جو کرتے ہو تم

علاقہ نہیں اور مجھے تمہارے کام سے تعلق نہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار مکہ کا موجودہ حال بیان ہوا کہ وہ قرآن کو بغیر سوچے اور بغیر اس کی خبروں کا انجام دیکھے جھٹلاتے ہیں اب انہیں کفار کا آخری حال و انجام بیان ہو رہا ہے کہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں گے گویا ان کے موجودہ کفر کے بعد ان کے آئندہ ایمان یا بقاء کفر کا ذکر ہے۔ یہ تعلق اس صورت میں ہے جب کہ یہاں یومن سے مراد ہو آئندہ ایمان لانا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں ارساد ہوا تھا کہ کفار مکہ نے قرآن مجید کو جھٹلا دیا۔ اب ارشاد ہے کہ ان میں سے بعض نے دل سے مانا صرف زبان سے جھٹلایا اور بعض نے دل سے بھی جھٹلایا یہ تعلق جب ہے جب کہ یومن سے مراد ہو موجودہ ایمان یعنی پہچان۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کے آخر میں ارشاد ہوا کہ گذشتہ ظالم قوموں کے انجام میں غور کرو کہ وہ کیسے ہلاک ہوئیں۔ جس سے شبہ ہوتا تھا کہ یہ بھی ہلاک ہو جائیں گے۔ اب ارشاد ہے کہ ایسا نہ ہوگا ان پر فنا کر دینے والا عذاب نہ ہوگا۔ کیونکہ ان میں سے بعض لوگ ایمان لائیں گے۔ اگر ہلاک کر دیئے جاویں تو ایمان کیسے لائیں۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر: ومنهم من يومن به ومنهم من لا يومن به اس فرمان عالی کی چند تفسیریں ہیں ایک یہ کہ دونوں صیغے یومن اور لا یومن بمعنی حال ہیں اور ایمان سے مراد ہی لغوی ایمان یعنی جاننا پہچاننا اور منهم میں هم سے مراد یا مشرکین مکہ میں یا سارے کفار عرب جن میں یہود و نصاریٰ بھی داخل ہیں به سے مراد قرآن مجید ہے۔ جس کا ذکر پہلے سے ہو رہا ہے یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جن کا ذکر قرآن مجید کے ذکر کے ضمن میں ہوا۔ (دیکھو تفسیر مدارک، تنویر المقباس، بیضاوی کبیر وغیرہ) (۱) یعنی ان مشرکین مکہ یا کفار عرب میں سے بعض تو وہ ہیں جو دل سے قرآن کریم اور صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت مانتے ہیں مگر ضد اور حسد کی وجہ سے ان کے انکاری ہیں يعرفونه كما يعرفون ابناء هم اور بعض وہ عام کفار ہیں جو محض اپنے سرداروں کے کہنے میں آ کر قرآن کریم اور محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو دل سے ہی نہیں مانتے۔ کبھی ان کے صفات عالیہ میں غور نہیں کرتے (۲) یا ان مشرکین و کفار میں سے بعض تو وہ ہیں جو آگے چل کر قرآن یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں گے اور اسلام کی بڑی بڑی خدمتیں کریں گے جیسے حضرت خالد بن ولید اور عکرمہ ابن ابو جہل۔ ابوسفیان۔ ہندہ وغیرہم اور بعض وہ ہیں جو ایمان نہیں لائیں گے کفر پر مریں گے یا مارے جائیں گے۔ جیسے ابولہب اور ابو جہل اور امیہ بن خلف وغیرہم اس صورت میں یہ غیبی خبر ہے جو ہو بہو پوری ہو کر رہی۔ دنیا نے دیکھ لیا وربك اعلم بالمفسدين یہ دوسرا نیا فرمان ہے یہاں المفسدین سے مراد کفر پر مرنے والے کفار ہیں کہ اصل فسادی وہ ہیں جنہوں نے اپنی فطرت بگاڑی۔ علم سے مراد غضب و قہر کے لئے جاننا تا کہ انہیں عذاب دیا جاوے لہٰذا آیت بالکل واضح ہے۔ یعنی اے محبوب ہم ان فسادی کفار کو خوب جانتے ہیں انہیں سخت سزائیں دیں گے۔ حقانیت قرآن کے تمام دلائل بیان فرمانے کے بعد ارشاد ہوا کہ وان كذبوك اس فرمان عالی میں تکذیب سے مراد جھٹلانے پر قائم رہنا۔ ایمان اختیار نہ کرنا۔ اس کا فاعل وہ ہی کفار عرب یا مشرکین مکہ ہیں جن سے اب تک خطاب ہو رہا ہے چونکہ ان میں بعض تو آگے چل کر ایمان قبول کرنے والے تھے بعض نہیں

www.alahazratnetwork.org

اس لئے یہاں ان فرمایا گیا۔ یعنی جو لوگ ایمان قبول کرلیں وہ تو آپ ﷺ کے اپنے ہو گئے۔ اس طرح کہ آپ ﷺ کو نیکیوں سے انہیں بھی نفع ہوگا۔ ان کی نیکیوں سے آپ ﷺ کا ثواب بھی بڑھے گا۔ کیونکہ وہ نیکیاں آپ کی تعلیم سے ہیں ان کے گناہ آپ ﷺ کی شفاعت سے بخشے جائیں گے۔ رہے وہ لوگ جو آپ ﷺ کو جھٹلاتے ہی رہے ایمان لائے ہی نہیں ان سے دو باتیں فرمادیں۔ ایک یہ کہ **فقل لی عملی ولکم عملکم**۔ یہاں لام کے بعد جزاء اور لکم کے بعد عتاب پوشیدہ ہے۔ لی اجور لکم میں لام لزوم کے لئے ہے نہ کہ نفع کے لئے کہ کفار کو ان کے اعمال کا نفع نہیں ملتا۔ سزا ملتی ہے نیکیاں برباد ہوتی ہیں عمل سے مراد مطلق عمل ہیں۔ خواہ دل کے ہوں یا اعضاء ظاہری کے۔ یا مال اعمال یعنی تو آپ ﷺ ان سے فرما دو کہ میرے اعمال کا ثواب میرے لئے ہے تمہیں ان سے کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ کیونکہ تم میرے نہ بنے کافر قرابت داروں کو نہ مال کی میراث ملے نہ اعمال کی نہ احوال کی نہ کمال کی اور تمہارے گناہوں کی سزا صرف تم کو ملے گی اس کے متعلق مجھ سے باز پرس نہ ہوگی۔ کیونکہ میں مکمل تبلیغ کر چکا۔ دوسری بات یہ کہ **انتم بریئون مما اعمل وانا بری مما تعملون** بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ فرمان عالی پہلے کلام کی تفسیر یا تاکید ہے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلے فرمان سے نیک اعمال مراد تھے۔ حضور انور ﷺ کے واقعی نیک اعمال اور کفار کی وہ نیکیاں جنہیں وہ نیکی سمجھتے اور کرتے تھے اور اس فرمان میں برے اعمال یعنی گناہ مراد ہیں وہ مردودین حضور انور ﷺ کی توحید عبادات اور تبلیغ کو گناہ کہتے تھے اور اپنے بدکرداریوں کو گناہ سمجھتے تھے تو مطلب کہ تم میرے گناہوں سے بری ہو تم سے ان کا حساب نہ ہوگا اور میں تمہارے گناہوں سے بری (از روح البیان وکبیر وغیرہ)

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ ان آیتوں کی بہت تفسیریں ہیں۔ ہم ایسا خلاصہ عرض کرتے ہیں جس میں ان سب کا تذکرہ آجائے گا اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین مکہ یا کفار عرب جو اس وقت بہت جوش میں ہیں یہ سارے کافر رہیں گے نہیں بلکہ بعض ایمان قبول کرلیں گے اور اسلام کی بڑی خدمات انجام دیں گے اور بعض کفر پر مریں گے یا مارے جائیں گے یا ان کفار میں بعض وہ ہیں جو صرف زبان کے کافر ہیں دل سے آپ ﷺ کو سچا قرآن کو برحق جانتے ہیں۔ حسد اور عناد کی وجہ سے انکار کئے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو خور و خوض کرتے ہیں۔ صرف اپنے سرداروں سے سن کر دل سے آپ ﷺ کے انکاری ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایسے فسادیوں کو خوب جانتا ہے انہیں سخت سزا دے گا۔ ان دونوں فریق میں سے جو ضدی دل سے انکاری ہیں یا جو کفر پر اڑے ہوئے ہیں ان سے فرمادو کہ تم مجھ سے کٹ گئے لہٰذا میرے لئے میرے عمل کی جزا ہے تمہیں مجھ سے اور میرے عمل سے فائدہ نہیں پہنچے گا۔ اور تم کو تمہارے اعمال کی سزا ملے گی۔ نہ میری شفاعت سے وہ بخشے جاویں نہ مجھ سے ان کے متعلق باز پرس ہو۔ کیونکہ میں نے تم کو پوری تبلیغ کردی تم میرے اعمال سے بری ہو میں تمہارے اعمال سے بری اور بیزار ہوں۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قرآن مجید کی غیبی خبریں بالکل حق ہیں۔ جیسا فرمادیا ویسا ہو کر رہا یہ فائدہ **من یومن** اور **من لا یومن** کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ ایمان سے مراد ہو شرعی ایمان اور **یومن** کے معنی ہوں ایمان قبول کرلیں گے۔ واقعی بہت

www.alahazratnetwork.org

کفار و مشرکین بعد میں ایمان لائے اور بعض اس سے محروم رہے۔

دوسرا فائدہ: اکثر کفار حضور انور ﷺ کی صداقت قرآن مجید کی حقانیت کے دل سے قائل تھے کچھ لوگ قائل نہ تھے۔ یہ فائدہ **منهم من يومن به** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ ایمان سے مراد ہو لغوی ایمان یعنی دل سے قائل ہونا مراد ہو۔ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے **يعرفونه كما يعرفون ابناء هم**۔

تیسرا فائدہ: اگر حضور ﷺ کی الفت اور جذبہ اطاعت دل سے نہ ہو تو دل سے سچا مان لینا شرعی ایمان کے لئے کافی نہیں نہ اس سے نجات ہو۔ یہ فائدہ بھی **يومن به** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا دیکھو قرآن مجید ان کی دلی پہچان کی خبر دے رہا ہے اور پھر انہیں کافر بھی کہہ رہا ہے آج بہت سے غیر مسلم سکھ ہندو بلکہ عیسائی حضور انور ﷺ کی نعتیں بہت شاندار لکھتے ہیں مگر رہتے ہیں ہندو۔ کیونکہ تسلیم اور اطاعت و اقرار سے علیحدہ ہیں۔

چوتھا فائدہ: بفضلہ تعالیٰ مومنوں کو حضور انور ﷺ کے اعمال طیبہ طاہرہ سے فائدہ پہنچتا ہے اور قیامت تک جو قیامت کے بعد تک پہنچے گا۔ کفار اس سے محروم ہیں یہ فائدہ **فقل لی عملی** سے حاصل ہوا۔ کہ **لی عملی** کو معلق کیا گیا ان کلنبوک پر حضور ﷺ کی نیکیاں ہم گنہگاروں کا ان شاء اللہ بیڑا پار کریں گی۔ حضور انور ﷺ نے اپنی امت کی طرف سے قربانی بارہا کی ہمارے لئے رات کو جاگ کر رو رو کر شفاعت فرمائی اور قیامت میں فرمائیں گے۔

پانچواں فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے کبھی بری اور بے تعلق نہیں ان شاء اللہ ان کی نیکیاں قبول کراتے اور ان کے گناہ بخشواتے ہیں۔ بلکہ اس کے ذمہ دار ہیں رب فرماتا ہے **عليه ما عنتم** تمہارے تکلیفی اعمال ان کے ذمہ کرم پر ہے (روح البیان **عليه ما عنتم** کی تفسیر) رب فرماتا ہے کہ کفار کے مال و اعمال کی طرف نگاہ اٹھا کر نہ دیکھو۔ اور فرماتا ہے مومنوں سے پل بھر کے لئے نگاہ نہ پھیرو انہیں اپنی نگاہ میں اپنے دامن کرم میں رکھو۔ **ولا تعد عينک عنهم** اور فرماتا ہے۔ **واخفض جناحک للمومنين** اگر ایک آن کے لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آنکھ پھیر لیں تو ہمارا ٹھکانہ کہیں نہ لگے۔ رب تعالیٰ ہم کو ان کی نظر کرم میں رکھے۔

مانگ لے مانگ لے چشم تر مانگ لے ‌ ‌ ‌ ‌ مانگ لے ان سے درد جگر مانگ لے
مانگ لے ان کی میٹھی نظر مانگ لے ‌ ‌ ‌ ‌ پیارے آقا کی نگری میں گھر مانگ

پہلا اعتراض: **من يومن به** کی ایک تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض کفار مومن تھے۔ مگر دوسری آیت میں ارشاد ہے **هم الكافرون حقا** سارے ہی پکے کافر ہیں۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا۔ کہ یہاں ایمان سے لغوی ایمان مراد ہے اور وہاں کفر سے شرعی کفر مراد ہے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بیک وقت لغوی مومن اور شرعی کافر ہو **دوسرا اعتراض** اس آیت سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ صرف فسادیوں کو خوب جانتا ہے **اعلم المفسدين** تو کیا وہ مومنوں متقیوں کو نہیں جانتا۔

جواب: جاننا غضب کے لئے بھی ہوتا ہے اور رحمت و کرم کے لئے بھی رب تعالیٰ ان فسادیوں کو غضب و قہر کے لئے جانتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ مومنوں کو رحم وکرم کے لئے نیز اس آیت میں حصر کا کوئی لفظ نہیں جس کے معنی ہوں کہ وہ صرف فسادیوں کو ہی جانتا ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی کا عمل دوسرے سے کام نہیں آتا۔ اپنی کرنی اپنی بھرنی۔ دیکھو ارشاد ہوا کہ **لی عملی ولکم عملکم** میرے لئے میرے کام ہیں اور تمہارے لئے تمہارے کام۔ جب نبی کے عمل امت کے کام نہیں آتے تو امت کے ایک دوسرے کے عمل کسی کے کیسے کام آسکتے ہیں۔ لہٰذا ثواب بخشنا کسی کی طرف سے حج بدل کرنا سب ناجائز ہے۔

جواب: اس اعتراض کا تفصیلی جواب ہم تیسرے پارے میں **ماکسبت وعلیہا ما اکتسبت** کی تفسیر میں دے چکے ہیں۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہ خطاب کفار سے ہے اس لئے ارشاد ہے۔ **وان کذبوک فقل لی عملی** واقعی نبی کے اعمال کفار کے کام نہ آئیں گے۔ کنعان نبی زادہ تھا مگر کافر تھا تو کشتی نوح اس کے کام نہ آئی مومنوں کے کام آئی۔ مومنوں کے کام آئی کشتی بھی تو حضرت نوح علیہ السلام کا عمل ہی تھی۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی امتی سے بے تعلق ہیں۔ اور امتی نبی سے بے تعلق پھر تم کیوں نبی پر بھروسہ کئے بیٹھے ہو (وہابی)

جواب: افسوس ہے کہ معترض یہ لفظ نہیں دیکھا **وان کذبوک** جس سے معلوم ہورہا ہے کہ جو نبی جھٹلائے اس سے نبی بے تعلق ہیں نہ کہ مومنوں سے۔

تفسیر صوفیانہ: انسان اللہ تعالیٰ کی صفت ہدایت اور صفت اضلال کا مظہر ہے۔ لہٰذا اعلیٰ سے اعلیٰ چیز سے سارے انسان ہدایت و فائدہ نہیں پاتے کچھ فائدے پاتے ہیں کچھ نقصان۔ سورج سے ساری آنکھیں روشنی نہیں پائیں گی۔ نہ بارش سے ساری زمین سبزہ حاصل کرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم آسمان ہدایت کے سورج ہیں قرآن مجید اسلام اور اسلام کے سارے احکام فرمان حضور کی شعاعیں یا حضور انورؐ رحمت کا بادل ہیں قرآن مجید وغیرہ آپ ﷺ کی بارش آپ ﷺ سے اور آپ ﷺ کی شعاعوں اور بارش سے سب نے فائدہ نہ اٹھایا۔ رب نے یہاں فرمادیا کہ سب اس سے ہدایت نہیں پائیں گے۔ بعض ایمان لائیں گے بعض نہ لائیں گے۔ رب تعالیٰ فسادیوں کو جانتا ہے۔ جس کسی کے دل میں فساد کفر شرک کا تخم بویا ہوا ہے۔ قرآنی بارش سے وہ ہی تخم اگے گا۔ شعر۔

کوئی جان بس کے مہک رہی کسی دل میں اس سے کھٹک رہی
نہیں ان کے جلوے میں یک رہی کہیں پھول ہے کہیں خار ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ بڑا بدنصیب وہ ہے کہ حضور انور کے اعمال میں جس کا حصہ نہ ہو انشاء اللہ حضور ﷺ کی نیکیاں سارے مومنوں کا بیڑا پار کریں گی۔ ان کے لئے فرمایا گیا۔ **لی عملی ولکم عملکم**۔ شعر۔

ہاتھ اٹھا کر ایک ٹکڑا اے کریم ہیں سخی کے مال میں حقدار ہم

www.alahazratnetwork.org

سخی کے مال میں فقیروں کا حق ہوتا ہے۔ جواد رئوف و رحیم کے اعمال ہیں۔ ہم سیاہ کاروں کا ان شاء اللہ حصہ ہے اور ضرور ہے اس سے بھی بڑھ کر بدنصیب وہ ہے جس سے نبی بیزار یا بے تعلق ہو جائے گا۔ اگر بجلی کا تار کٹ جائے تو ساری فٹنگ بے کار ہے۔ اگر حضور انورؐ سے غلامی کا رشتہ ٹوٹ جاوے تو شیطان کی طرح ساری عبادت محض بے کار ہیں ان تحبط اعمالکم وانتم لا تشعرون اسی کے متعلق ارشاد ہوا وانا بری مما تعملون حضور انور ﷺ کو ہمارے نیک اعمال سے تعلق ہے قبول کرانے کا اور ہمارے گناہوں سے تعلق ہے بخشوانی کا نہ نیک کاران سے بے نیاز ہے نہ ہم جیسے سیہ کار بدکار۔ ہم تو ہیں ہی ان کے منگتے۔ ہمارا کام ہی مانگا کھانا ہے۔ وہاں تو حال یہ ہے کہ۔ شعر۔

منگتے تو ہیں منگتے کوئی شاہوں میں دکھا دو ۔۔۔ جس کو مری سرکار سے ٹکڑا نہ ملا ہو

گنہگارو ان کے قدموں سے لپٹے رہو۔ ممکن ہے کہ ہماری گنہگاری ہی ان کی رحمت کا ذریعہ بنے۔ اقبال کہتے ہیں۔ شعر۔

دھری ہوئی کام آہی جاتی ہے جنس عصیاں عجیب شے ہے
کوئی اسے ڈھونڈتا پھرے گا زر شفاعت دکھا دکھا کر

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ ؕ اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ

اور بعض ان کے وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں طرف آپ کے کیا پس آپ سنائیں گے

اور ان میں کوئی وہ ہیں جو تمہاری طرف کان لگاتے ہیں تو کیا تم بہروں کو سنا دو

وَلَوْ كَانُوْا لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْظُرُ اِلَيْكَ ؕ

بہروں کو اگرچہ ہوں وہ نہ عقل رکھتے اور بعض ان کے وہ ہیں جو دیکھتے ہیں طرف

گے اگرچہ انہیں عقل نہ ہو اور ان میں کوئی تمہاری طرف

اَفَاَنْتَ تَهْدِى الْعُمْىَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

آپ کے کیا پاس آپ ہدایت منوالیں گے اندھوں کو اگرچہ ہوں وہ نہ دیکھتے

تکتا ہے کیا تم اندھوں کو راہ دکھا دو گے اگرچہ وہ نہ سوجھیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا۔ کہ قرآن مجید پر بعض لوگ ایمان لائیں گے بعض نہ لائیں گے۔ اب فرمایا جا رہا تھا کہ ایمان نہ لانے والے کون لوگ ہیں وہ وہ ہیں جو آپ ﷺ کو اے محبوب بصیرت سے نہیں صرف بصارت سے دیکھتے ہیں۔ آپ ﷺ کی باتیں صرف سر کے کان سے سنتے ہیں دل کے کان سے نہیں سنتے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا تعلق: پچھلی آیت آخر میں ارشاد ہوا تھا کہ میں تم سے بری ہوں۔ اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ اے محبوب انہوں نے تم کو اپنے دل میں نہیں رکھا۔ گویا پہلے عتاب تھا اب اس کی وجہ کا بیان ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ان بدنصیبوں کا ذکر ہوا جو حضور انورؐ کو جھٹلاتے ہیں اب اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ بے بصیرت بھی ہیں اور بے عقل بھی۔ آپ ﷺ کو تو جانور پتھر۔ کنکر۔ لکڑیاں بلکہ چاند سورج تارے جانتے مانتے اطاعت کرتے ہیں یہ ان سے بھی بدترین ہیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں انسانوں کی دو قسمیں کی گئیں مومن اور کافر اب کافروں کی دو قسمیں کی جا رہی ہیں ایک انتہا درجہ کے بغض و عداوت والے دوسرے ان سے ہلکے گویا اس آیت میں قسم کی قسم بیان ہو رہی ہے۔ بغض عداوت والے کی علامت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سن کر بھی نہ سنے اور حضور ﷺ کو دیکھ کر بھی نہ دیکھیں (تفسیر کبیر)

تفسیر: ومنهم من يستمعون اليك یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے منهم میں من بعضیت کا ہے هم کا مرجع یا مفسدین ہیں یا من لايومن به یہ منهم کی خبر مقدم ہے اور من يستمعون مبتدا مؤخر من لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع۔ اس لئے يستمعون جمع ارشاد ہوا۔ استماع کے معنی ہیں کان لگا کر سنا سمع کے معنی ہیں سننا يستمعون کا مفعول پوشیدہ ہے یا القرآن یا تلاوتک یا وعظک یعنی اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار میں سے جو ایمان لانے والے نہیں یا ان مفسدین میں سے بعض وہ بھی ہیں جو آپ کا وعظ آپ ﷺ کی تلاوت آپ ﷺ کا قرآن بظاہر بہت ہی کان لگا کر سنتے ہیں۔ دیکھنے والا سمجھے کہ بڑے غور سے بڑی محبت سے سن رہے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے دل کے کان بہرے ہیں اس لئے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی آواز پہنچتی ہی نہیں۔ افانت تسمع الصم۔ اس فرمان عالی میں سوال انکاری ہے تسمع بنا ہے اسماع سے بمعنی سنانا مراد ہی قبولیت کا سنانا الصم سے مراد ہے دل کے بہرے جن کے دل میں آپ ﷺ کی حسد یا دنیا کی محبت کی وجہ سے ایسا بوجھ ہو گیا جس سے آپ ﷺ کی بات ان کے دل میں نہیں اترتی کیا آپ ﷺ ایسے بہروں کو سنا سکتے ہیں۔ خصوصاً ولو كانوا لا يعقلون وہ بے عقل بھی ہوں۔ کیونکہ عقل والا بہرا کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھالیتا ہے بتانے والے کے اشارہ وغیرہ سے سمجھ جاتا ہے۔ لیکن اگر وہ دیوانہ بھی ہو اور بہرا بھی پھر اسے کسی کی ہدایت کیا کام دے۔ ومنهم من ينظر اليك یہ فرمان عالی معطوف ہے ومنهم يستمعون اليك پر لہٰذا واؤ عاطفہ ہے۔ منهم کا مرجع وہ ہی مفسدین یا کفار ہیں۔ من سے مراد اگرچہ پوری جماعت ہے مگر یہ لفظاً مفرد ہے اس لحاظ سے ينظر مفرد ارشاد ہوا۔ بہر حال يستمعون کو جمع لایا گیا۔ من کے معنی کے لحاظ سے اور ينظر کو واحد لایا گیا من کے لفظ کے اعتبار سے۔ نظر سے مراد ہے آنکھوں سے بغور دیکھنا یعنی بعض فسادی کفار وہ ہیں جو آپ کو آپ کے معجزات کو سر کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر ان کے دل کی آنکھیں اندھی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپ کی الفت آپ کے معجزات کی عظمت نہیں آتی۔ اس صورت میں غور فرماؤ کہ افانت تهدي العمي اس فرمان عالی میں بھی سوال انکاری ہے۔ ہدایت سے مراد رہنمائی نہیں۔ کیونکہ حضور انور ﷺ رہنمائی تو سب کیا کرتے ہیں بلکہ اس رہنمائی کو قبول کرانا مراد ہے۔ العمی میں اندھے سے مراد دل کے اندھے ہیں۔ یعنی

www.alahazratnetwork.org

بصیرت سے محروم یعنی اے محبوب کیا آپ ﷺ دل کے اندھوں کو ہدایت دے سکتے ہیں یعنی ان سے قبول کروا سکتے ہیں منوا سکتے ہیں کہ وہ آپ کی بات مان لیں جس کے دل میں نہ آپ ﷺ سے الفت ہو نہ آپ ﷺ کے معجزات کی عظمت۔ عمی سے مراد دل سے اندھے ہیں۔ ولو کانوا لا یبصرون اس فرمان عالی میں یبصرون بنا ہے بصیرت سے بصیرت دل کی روشنی کو کہتے ہیں جیسے بصارت آنکھ کی روشنی کو کہا جاتا ہے یعنی اگرچہ وہ دل کی بصیرت سے محروم ہوں۔

خلاصہ تفسیر: وہ بدنصیب جن کے مقدر میں ہے کہ ایمان نہ لائیں مرتے دم تک کافر رہیں وہ آپ ﷺ کا کلام بڑے غور سے سنتے ہیں آپ کی طرف کان لگاتے ہیں مگر دل کے بہرے ہیں تو کیا اے محبوب آپ ﷺ بہروں کو اپنا فرمان سنا سکتے ہیں۔ جو بہرے ہونے کے ساتھ بے عقل دیوانہ بھی ہوں جس کی وجہ سے ان تک آواز پہنچنے کی کوئی راہ نہ ہو۔ انہیں میں سے بعض وہ بدنصیب ہیں۔ جو نہایت غور سے آپ ﷺ کو تکتے ہیں مگر دل کے اندھے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں آپ ﷺ کی عظمت و الفت قائم نہیں ہوتی تو کیا اے حبیب ایسے طریقے کی بھٹکی بھولی ہوئی جماعت کو آپ ﷺ ہدایت کر سکتے ہیں جو اندھے ہونے کے باوجود بصیرت سے بھی محروم ہوں۔ اس کا آپ ﷺ کی خدمت میں آنا آپ ﷺ کی مجلس شریف میں بیٹھنا آپ ﷺ کی باتیں دھیان سے سننا ان کے لئے محض بیکار ہے۔ کسریٰ شاہ فارس کا وزیر جس کا نام یونان تھا کہا کرتا تھا کہ پانچ چیزیں ضائع اور برباد ہیں۔ کھاری زمین میں بارش۔ دھوپ میں چراغ۔ اندھے کے سامنے حسن۔ بیمار کے سامنے اچھا کھانا اور ناقدرے کے پاس عالم و فاضل آدمی۔ (تفسیر روح البیان)

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قرآن مجید میں بہت جگہ اندھے بہروں سے مراد دل کے اندھے بہرے ہوتے ہیں ہم اس کی تحقیق پارہ الم صم بکم عمی کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ دیکھو ان آیات میں سننے والوں کو بہرا فرمایا اور دیکھنے والوں کو اندھا یستمعون الیک کے ساتھ تسمع الصم اور ینظر الیک کے ساتھ تھدی العمی ارشاد فرماتا ہے انک لا تسمع الموتی ولا تسمع من فی القبور۔ اس آیت سے سماع موتی کا انکار کرنا حماقت ہے۔

دوسرا فائدہ: حضور انور ﷺ کو دل کی آنکھوں سے دیکھنا دل کے کانوں سے آپ ﷺ کی بات سننا مفید ہے۔ اس سے مومن صحابی بنتا ہے۔ صرف دماغ کی آنکھوں سے دیکھنا سر کے کانوں سے سننا مفید نہیں۔ جو حضور ﷺ کو صرف محمد ابن عبداللہ ہونے کے لحاظ سے دیکھے وہ محروم ازلی ہے اور جو محمد رسول اللہ ہونے کی حیثیت سے دیکھے وہ اجنبی ہے صحابی ہے۔

تیسرا فائدہ: عقل وہ ہی مفید ہے جو اللہ کی طرف رہبری کرے جو عقل دنیا کے سارے کام بنائے۔ مگر ایمان نہ بنائے وہ جنون ہے۔ شعر۔

وہ ہے آنکھ کا جو منہ تکے وہ ہیں لب جو محو ہوں نعت میں
وہ ہے سر جو ان کے لئے جھکے وہ ہے دل جو ان پہ نثار ہو

یہ فائدہ لا یعقلون اور لا یبصرون سے حاصل ہوا۔ کہ کفار مکہ بڑے عقل و فراست والے تھے۔ مگر رب تعالیٰ نے

www.alahazratnetwork.org

انہیں بے عقل اور بے فراست فرمایا کہ وہ عقل سے دینی کام نہ لیتے تھے۔

چوتھا فائدہ: سننے اور دیکھنے کی طاقت دونوں ہی رب کا عطیہ ہیں۔ مگر قوت سامعہ افضل ہے قوت باصرہ سے یہ فائدہ ذکری ترتیب سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے سمع کا ذکر پہلے فرمایا اور بصر کا بعد میں۔

مسئلہ: اکثر مفسرین کے نزدیک سننے کی طاقت دیکھنے کی طاقت سے افضل ہے چند وجہ سے قرآن مجید میں سننے کا ذکر بصر سے پہلے ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ہے (۲) بعض نبی بھی عارضی نابینا ہو گئے تھے جیسے یعقوب علیہ السلام اور بوجہ بڑھاپا بعض کی نظر کم ہو گئی تھی جیسے اسحاق علیہ السلام مگر کوئی نبی کچھ بہرے نہ ہوئے کہ اس مرض سے پہلے تبلیغ نہیں ہو سکتی (۳) کان ہر طرف کی آواز سن لیتے ہیں اگر چہ آواز پس پردہ سے ہو۔ مگر آنکھیں صرف سامنے کو دیکھتی ہیں وہ بھی بے حجاب چیز کو (۴) علم دینا اور لینا کان ہی کے ذریعہ ممکن ہے۔ بہرا آدمی نہ کسی کو سکھا سکے نہ کسی سے سیکھ سکے۔ نابینا آدمی سیکھ بھی سکتا ہے سکھا بھی سکتا ہے۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سمع کا عقل کے ساتھ ذکر فرمایا ہے ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید وہاں قلب سے مراد عقل ہے اور فرمایا وکنا تسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر یعنی اگر ہمارے پاس عقل یا سننے کی قوت ہوتی تو ہم دوزخیوں میں سے نہ ہوتے۔ (۶) انسان قوت گویائی کی وجہ سے جانوروں سے افضل ہے۔ اس لئے اسے حیوان ناطق کہتے ہیں اور گویائی کا فائدہ سننے کی قوت سے حاصل ہوتا ہے۔ آنکھ صرف شکل اور رنگ دیکھتی ہے یہ کام جانور بھی کر لیتے ہیں۔ (۷) حضور علیہ السلام کا کلام تا قیامت سنا جائے گا اور لوگ اس سے ہدایت پائیں گے مگر آپ علیہ السلام کا دیدار ایک خاص وقت میں ہوا یعنی سمع کا فیضان دائمی ہے اور آنکھ کا فیضان وقتی۔

مسئلہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ بصر افضل ہے سمع سے چند وجہ سے (۱) بیان سے عیان افضل ہے اور ظاہر کہ بیان سنایا جاتا ہے۔ عیان دیکھا جاتا ہے۔ (۲) بصر کا تعلق نور سے ہے اور سمع کا تعلق ہوا سے۔ ظاہر ہے کہ نور ہوا سے افضل ہے۔ یعنی نور دکھاتا ہے اور ہوا سناتی ہے (۳) اللہ تعالیٰ نے بمقابلہ کان کے آنکھ میں اپنی قدرت کے کرشمے زیادہ رکھے ہیں۔ چنانچہ آنکھ میں سات پردے ہیں اور تین رطوبتیں ہیں کان میں یہ عجائب قدرت نہیں۔ (۴) آنکھ ساتوں آسمانوں تک کی چیزیں دیکھ لیتی ہے مگر کان تھوڑے فاصلہ سے نہیں سن سکتے (۵) بہت رسولوں نے رب تعالیٰ کا کلام سنا مگر اسے دیکھا کسی نے نہیں دیکھا کہ موسیٰ علیہ السلام کو بے تکلف اپنا کلام سنا دیا مگر دیدار کے متعلق فرمایا لن ترانی معلوم ہوا کہ آنکھ کا کام کان کے کام سے اعلیٰ ہے (۶) آنکھ چہرے کا سب سے بڑا حسن ہے کان میں یہ خوبی نہیں اس لئے آنکھوں کو حدیث شریف میں کریمتین فرمایا دونہایت ہی پیاری چیزیں۔ من اذهبت کریمتیہ (تفسیر کبیر)

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں بہرے کے ساتھ بے عقل کا ذکر کیوں فرمایا۔

جواب: اس لئے کہ اگر بہرا عاقل ہو تو اپنی عقل کے ذریعہ لوگوں کے اشارات سے فائدہ اٹھا لیتا ہے۔ لیکن اگر بے عقل بھی ہو تو کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ اکثر ہلاک ہو جاتا ہے۔ نا سمجھ بہرے اکثر گاڑیوں کے تلے دب کر مرتے دیکھے گئے۔

دوسرا اعتراض: اندھے کے ساتھ لا یبصرون کیوں ارشاد ہوا۔ اندھا تو ہوتا ہی وہ ہے جو نہ دیکھتا ہو۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: لایبصرون بصر سے نہیں بلکہ بصیرت سے ہے یعنی دل کے اندھے۔ جیسے اردو میں کہتے ہیں چج کی پھرٹ جانا۔ سمجھ دار اندھا سنا کر کلام چلا لیتا ہے مگر جو اندھا بھی ہو اور پاگل بھی کیا کام چلائے گا۔

تیسرا اعتراض: ان آیات سے معلوم ہوا کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو بہروں کو ہدایت دے سکتے ہیں نہ اندھوں کو حالانکہ بہت بہرے اندھے صحابی بنے اور آج بھی مومن بلکہ اولیاء کاملین ہیں۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہوگیا کہ یہاں بہرے اندھے سے مراد دل کے بہرے اندھے ہیں۔ یعنی شقی ازلی۔ جن کا کفر پر مرنا علم الٰہی میں آچکا ظاہر ہے کہ ایسوں کو ہدایت نہیں مل سکتی اس لئے نہیں کہ حضور انورؐ کی تبلیغ میں کچھ کمی ہے بلکہ اس لئے کہ ان کی تقدیر ہی ایسی ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں بہرے کے لئے لایعقلون اور اندھے کے لئے لایبصرون کیوں فرمایا۔ عقل اور بصر میں کیا فرق ہے۔

جواب: بعض مفسرین نے فرمایا کہ کوئی فرق نہیں نام دو ہیں چیز ایک ہے۔ عقل اور بصیرت بعض نے فرمایا کہ عقل کا تعلق دماغ سے ہے بصیرت کا تعلق دل سے ہے بصارت اور بصیرت اور عقل میں گہرا تعلق ہے۔ کسی کی صورت دیکھتے ہی اس کا دوست یا دشمن ہونا اپنا عزیز یا اجنبی ہونا فوراً دل سے معلوم ہو جاتا ہے۔ انسان بصر ہی کے ذریعہ ماں، بہن بیوی بیٹی میں فرق کرتا ہے۔ اس لئے بصارت کے ساتھ بصیرت کا ذکر ہی موزوں ہے۔

تفسیر صوفیانہ: نبی کا فرمان سننا خصوصاً براہ راست یوں ہی نبی کا چہرہ دیکھنا اللہ تعالیٰ کی بڑی ہی نعمت ہے۔ جس کے مقابل کوئی نعمت نہیں کہ اس سے انسان مومن اور صحابی بنتا ہے۔ لیکن یہ تب ہے جب کہ دلی محبت اور جذبہ شوق کے ساتھ ہو۔ اگر یہ دونوں کام دلی نفرت پیغمبر سے عداوت کے ساتھ ہوں تو رب تعالیٰ کا بڑا عذاب ہے۔ ابو جہل اور حضرت ابوبکر صدیق میں فرق ظاہر ہے خیال رہے کہ ہر شخص کو دیکھنے کی نظر الگ ہے۔ ماں کو اور نظر سے دیکھتے ہیں بیٹی بیوی کو دوسری نظر سے یوں ہی نبی کو دیکھنے کی دوسری نظر ہے ان کفار کے پاس وہ نظر نہ تھی۔ اس لئے انہیں بہرا بے عقل اور اندھا بے بصیرت کہا گیا ظاہر بہ ظاہر ایک ہے مگر نتیجے مختلف مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

بال بازاں را سوئے سلطان برد ‌ ‌ ‌ بال زاغان رابہ گورستان برد

یعنی باز کے پر اسے بادشاہ کے پاس پہنچاتے ہیں اور کوے کے پر اسے قبرستان پہنچاتے ہیں۔ پر بظاہر یکساں ہیں مگر تاثیر میں مختلف۔ صدیقی نگاہ والے کو جنت میں پہنچائے گی۔ ابوجہلی نظر اسے دوزخ میں داخل کرے گی۔

حکایت: مثنوی شریف میں ہے کہ پچھلے زمانہ میں ایک عاشق جانباز اپنے محبوب کے فراق میں جلتا تھا بمشکل تمام محبوب نے وعدہ کیا کہ میں کل نصف رات کے بعد تجھ سے ملوں گا اور بقیہ رات عیش سے میں اور تو گذاریں گے۔ عاشق جانباز اس رات آدھی رات تک تو جاگتا رہا مگر پھر سو گیا۔ فرماتے ہیں ؎

بعد نصف لیل آمد یار او ‌ ‌ ‌ صادق الوعد است آن دلدارو

www.alahazratnetwork.org

عاشق خود افتادہ خفتہ دیدا   اند کے از آستیں اور را درید
گرد گانے چند اندر جیب کرد   کہ تو طفلی گیر۔ این و باز نرد

یعنی محبوب آیا عاشق کو سوتا پایا۔ اس کی جیب میں کچھ اخروٹ ڈال گیا۔ کہہ گیا کہ عاشقی بہادروں کا کام ہے۔ تو ابھی اخروٹوں سے کھیل۔ فرماتے ہیں۔

خواب راہگذار حب اے بدر   یک شبے ہر کوئے بے خواباں گذر
بنگر ایںہارا کہ مجنوں گشتہ اند   ہمچو پروانہ بوصلت کشتہ اند

یعنی اے اللہ کے بندے نیند چھوڑ اور کسی بے خواب یعنی جاگنے والوں کے محلہ میں جا جو اس کی راہ میں مجنوں ہو گئے ہیں کیونکہ ان کے پاس رب ملے گا۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَلَٰكِنَّ النَّاسَ أَنفُسَهُمْ

تحقیق اللہ نہیں ستم کرتا لوگوں پر کچھ بھی اور لوگ جانوں پر اپنی ظلم کرتے

بیشک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم

يَظْلِمُونَ ﴿٤٤﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَأَن لَّمْ يَلْبَثُوا إِلَّا

ہیں اور جس دن جمع فرمائے گا ان کو گویا کہ نہ ٹھہرے مگر ایک

کرتے ہیں اور جس دن انہیں اٹھائے گا گویا دنیا میں نہ رہے تھے مگر

سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ يَتَعَارَفُونَ بَيْنَهُمْ قَدْ خَسِرَ

گھڑی دن کی ایک دوسرے کو پہچانیں گے آپس میں بے شک نقصان میں

اس دن کی ایک گھڑی آپس میں پہچان کریں گے کہ پورے گھاٹے میں

الَّذِينَ كَذَّبُوا بِلِقَاءِ اللَّهِ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿٤٥﴾

وہ لوگ کہ جھٹلایا انہوں نے اللہ کے ملنے کو اور نہ تھے وہ ہدایت یافتہ

رہے وہ جنہوں نے اللہ سے ملنے کو جھٹلایا اور ہدایت پر نہ تھے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ دنیا میں بعض کو ایمان کی توفیق ملے گی۔ بعض کو نہیں ومنهم من لا يؤمن به اب ارشاد ہے کہ یہ توفیق نہ ملنا رب کا ان پر ظلم نہیں بلکہ ان کے اپنے کسب کو اس میں بڑا دخل ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار اندھے بہرے اور بے عقل ہیں۔ یہ آپ ﷺ سے ہدایت حاصل نہیں کر سکتے۔ اب ارشاد ہے کہ ان کے ان عیوب کا ہونا رب تعالیٰ کا ان پر ظلم نہیں ان کے اپنے کرتوتوں کا نتیجہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کی دنیاوی خرابیوں کا ذکر ہوا اب ان کی اخروی مصیبتوں کا تذکرہ ہے کیونکہ ان کے دنیاوی حالات اخروی مصائب کا ذریعہ ہیں۔

تفسیر: ان اللہ لا یظلم الناس شیا اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی سلبی صفت کا ذکر ہے یعنی اس کا ظلم سے پاک ہونا اس کے لئے ظلم ناممکن ہونا۔ ظلم کی حقیقت یہ ہے کہ دوسرے کی چیز میں اس کی بغیر اجازت تصرف اور عمل درآمد کرنا۔ ظلم کا ظاہر ہے کسی سے کام کرا کر مزدوری نہ دینا بغیر قصور سزا دینا۔ جو کسی سے وعدہ کیا تھا وہ پورا نہ کرنا پہلے معنی سے تو رب تعالیٰ کے لئے کوئی چیز ظلم نہیں کہ ہر چیز اس کی اپنی ملکیت ہے جسے چاہے نہ رکھے۔ ہم درخت کا کوئی حصہ جلاتے ہیں کوئی حصہ فرنیچر بناتے ہیں ایک ہی مٹی کا کوئی برتن آگ پر تپنے کے لئے بناتے ہیں جیسے ہانڈی کوئی برتن پانی کے لئے جیسے گھڑا یہ ظلم نہیں کہ مٹی ہماری ہے جیسے چاہے بنائیں ظاہر یہ ہے کہ ظلم کے یہ معنی یہاں مراد نہیں ورنہ یوں ہوتا کہ ہم اپنی مخلوق سے جو معاملہ کریں وہ ظلم نہیں بلکہ دوسرے معنی مراد ہیں یعنی ہم کسی کا وعدہ کیا ہوا حق نہیں مارتے نہ کم کرتے ہیں۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں ظلم یا تو بمعنی نقص ہے یا اس میں نقص کے معنی شامل ہیں۔ اس لئے اس کے دو مفعول آئے ایک الناس دوسرا شیا۔ نقص کبھی لازم ہوتا ہے کبھی ایک مفعول کا متعدی کبھی دو کا۔ کبھی تین کا۔ (روح المعانی) یہاں الناس کا ذکر حصر کے لئے نہیں اللہ تعالیٰ کسی بندے پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ انسان ہو یا جن یا فرشتہ۔ جمادات ہوں نباتات یا حیوانات ظاہر یہ ہے کہ الناس سے مراد کفار ہیں کہ پہلے سے انہیں کا ذکر ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس سے سارے انسان مراد ہوں مومن و کافر کہ رب تعالیٰ مومن سے کیا ہوا وعدہ کم نہ کرے گا۔ کفار کو بغیر جرم عذاب نہ دے گا۔ ولکن الناس انفسھم یظلمون اس فرمان عالی میں ایک شبہ دور فرمایا جا رہا ہے اس لئے اسے لکن سے شروع فرمایا گیا۔ الناس سے مراد یا تو کفار ہیں کہ انہیں کا ذکر ہو رہا ہے یا گنہگار مسلمان بھی۔ یہاں بھی الناس کا ذکر حصر کے لئے نہیں اس حکم میں جنات بھی شامل ہیں۔ انفس جمع ہے نفس کی بمعنی ذات یا جان۔ اسے یظلمون پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی لوگ صرف اپنی جانوں پر اپنی ذاتوں پر ظلم کرتے ہیں کیونکہ کفر اور بدعملی کا وبال تو انہیں پر ہے۔ خرابی معاملات۔ کسی کا حق مار لینا اس کا وبال بھی ان پر ہی پڑے گا۔ مظلوم پر ظلم عارضی ہے ظالم پر اس کی سزا دائمی۔ شعر۔

پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد ۔۔ برگردن او بماند۔ برما بگذشت

ویوم نحشرھم یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ اور لفظ یوم یا اذکر پوشیدہ کا ظرف ہے یا انذر پوشیدہ کا یعنی آپ ﷺ انہیں وہ دن یاد دلائیں یا اس دن سے ڈرائیں۔ ہماری قراۃ میں یحشر ی سے ہے اور ایک قراۃ میں نحشر نون سے ہے ھم کا مرجع کفار ہیں جن کا ذکر اوپر سے ہو رہا ہے۔ چونکہ وہ دنیا میں قیامت کے انکاری تھے اس لئے ان کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔

www.alahazratnetwork.org

خیال رہے: کہ قیامت میں پہلے سارے کفار ایک جگہ جمع کیے جائیں گے پھر ان میں چھانٹ ہوگی۔ ہر قسم کے کافر الگ۔ یہاں اول وقت کا ذکر ہے اس لئے قیامت کو یوم حشر یا محشر کہتے ہیں دوسرے وقت کے لحاظ سے اسے یوم الفصل کہا جاتا ہے **کان لم یلبثوا الا ساعة من النهار** یہ فرمان کائن پوشیدہ کے متعلق ہے اور **یحشرهم** کی ضمیر **هم** سے حال۔ لبث کے معنی ہیں رہنا ٹھہرنا۔ اور لبس سین سے اس کے معنی ہیں چھپنا۔ اس لئے کپڑے کو لباس کہتے ہیں کہ وہ جسم کو چھپاتا ہے ظاہر یہ ہے کہ یہاں ٹھہرنے سے مراد دنیا میں ٹھہرنا ہے اور ہوسکتا ہے کہ قبر میں ٹھہرنا مراد ہو ساعت بمعنی گھڑی یعنی چھوٹا سا حصہ پہر یا دوپہر چونکہ دن کی گھڑیاں مخفی جن کا اندازہ نہیں ہوتا۔ اس لئے یہاں دن کی قید لگائی گئی۔ **من النهار یتعارفون بینهم** یہ فرمان عالی **یحشرهم** کی ضمیر سے دوسرا حال ہے **تعارف معرفت** سے بنا بمعنی پہچاننا یعنی کفار آپس میں ایک دوسرے کافر کو ایسے پہچانیں گے جیسے دنیا میں پہچانتے تھے۔ یہ جان پہچان قیامت کے اول وقت ہوگی۔ پھر حساب کتاب شروع ہونے پر کوئی کافر کسی کو نہ پہچان سکے گا۔ سخت وحشت اور گھبراہٹ کی وجہ سے ہے۔ دوزخ میں پہنچ کر پہچان ہو جاوے گی۔ اور ایک دوسرے کو لعن طعن کریں گے۔ لہٰذا قرآن مجید کی مختلف آیات میں کوئی تعارض نہیں ہر آیت میں الگ الگ وقتوں کا ذکر ہے۔ **قد خسر الذین کذبوا بلقاء الله** ظاہر یہ ہے کہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے خسارہ کے معنی بار با عرض کیے جا چکے ہیں یعنی وہ نقصان جس سے اصل پونجی ختم ہو جائے۔ جھٹلانے والوں میں وہ کفار بھی داخل ہیں جو قیامت کا انکار کرتے ہیں اور وہ کفار بھی جو قیامت کے قائل تو ہیں مگر اس کی تیاری نہیں کرتے۔ جیسے عیسائی یہودی جو قیامت کو مانتے ہوئے حضور ﷺ کو جانتے ہوئے مسلمان نہیں ہوتے اب قیامت کا ماننا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ماننے آپ ﷺ کی اطاعت کرنے پر موقوف ہے لہٰذا آیت واضح ہے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ **وما كانوا مهتدين** یہ فرمان عالی یا تو **قد خسر** الخ پر معطوف ہے یا **کذبوا ولقاء الله** پر اور **الذین** کا صلہ یعنی وہ ہدایت یافتہ نہیں تھے یا نہیں ہیں۔ ہدایت سے مراد ہے نجات یا نجات کے راہ کی ہدایت جس سے کامیابی ہو۔ کیونکہ انہوں نے ایمان کو کفر کے عوض اور تصدیق کو تکذیب کے عوض محبت کو عداوت کے عوض بیچ ڈالا اور وقت گذار دیا۔

خلاصہ تفسیر: تم نے مومن و کافر سعید و شقی کا فرق سن لیا اس کے متعلق یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر بالکل ظلم نہیں کرتا۔ اس لئے اس نے حضرت انبیاء کرام پھر ان کے نائبین علماء دنیا میں مقرر فرمائے۔ حق و باطل ظاہر فرما دیا لوگ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں کہ اپنے اختیار سے اچھا راہ چھوڑ کر برا راستہ قبول کرتے ہیں انہیں وہ دن بھی یاد دلاؤ۔ اس دن سے ڈراؤ جس دن ہم سارے کفار کو ایک جگہ جمع فرمائیں گے اور وہ دنیا کی بڑی زندگی کو یوں محسوس کریں گے کہ دن کی ایک گھڑی وہاں رہے پھر چلے آئے۔ کیونکہ وہ کما کر نہ گئے بلکہ گما کر گئے اور اب آخرت کی سختی دیکھی آرام کی مدت اگرچہ دراز ہو مصیبت میں تھوڑی معلوم ہوتی ہے پھر لطف یہ ہے کہ وہ اس وقت ایک دوسرے کو خوب جانتے پہچانتے ہوں گے۔ سب سے بڑے نقصان والے وہ ہیں جو یا تو اللہ کی بارگاہ میں پیش ہونے کے منکرین ہیں یا مان کر اس کی تیاری نہیں کرتے پھر وقت نکل جانے پر کف افسوس ملیں گے۔ شعر

www.alahazratnetwork.org

چہ خوش گفت باد کودک آموز گار   کہ کارے نکردیم وشد روزگار

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ بغیر جرم وقصور کسی کو سزا نہیں دے گا کہ یہ صورۃ ظلم ہے یہ فائدہ ان اللہ لا یظلم الناس شیئا سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: زمانہ فترت کے موحدین دوزخی نہیں کیونکہ ان تک شرعی احکام پہنچے نہیں۔ جن پر وہ عمل کرتے اور بے خبر کو سزا دینا صورۃ ظلم ہے یہ فائدہ بھی اس آیت لا یظلم الناس الخ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضور انورؐ کے والدین کریمین دوزخی نہیں بلکہ جنتی ہیں۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ ولا تسئل عن اصحاب الجحیم کی تفسیر کر چکے۔

تیسرا فائدہ: یہ ناممکن ہے کہ جس کی نیکیاں رب تعالیٰ قبول فرمائے پھر اسے جزاوثواب نہ دے کہ یہ بھی ظلم ہے اور وعدہ الٰہی کے خلاف۔

چوتھا فائدہ: رب تعالیٰ کے وعدوں کے خلاف ہونا غیر ممکن ہے وہ سچا اور اس کے وعدے سچے۔ یہ فائدہ بھی لا یظلم (الخ) سے حاصل ہوا۔ لہٰذا حضرات خلفاء راشدین اور تمام وہ صحابہ جن سے جنت کا وعدہ ہو چکا ان کا دوزخ میں جانا ناممکن بالذات ہے۔ اس کی تحقیق ہم پہلے پارہ میں ان اللہ علی کل شیء قدیر۔ کی تفسیر میں کر چکے۔

پانچواں فائدہ: کفر وشرک بڑا ظلم ہے کافر اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ یہ فائدہ انفسھم یظلمون سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے والکافرون ھم الظالمون اور فرماتا ہے ان الشرک لظلم عظیم یہ فائدہ اسی سے حاصل ہوا رب فرماتا ہے۔

چھٹا فائدہ: قیامت میں اولاً سارے کفار ایک ساتھ ہوں گے۔ ان کی چھانٹ اور علیحدگی بعد میں ہوگی یہ فائدہ یوم یحشرھم سے حاصل ہوا مومنین ان شاءاللہ ساتھ اٹھیں گے اور ساتھ رہیں گے۔

ساتواں فائدہ: کفار قیامت کے دن اپنے دنیا کے قیام کے اندازے میں غلطی کریں گے۔ سمجھیں گے کہ وہاں ہم صرف گھڑی بھر رہے مگر اس اندازے میں غلطی نہ کریں گے۔ کیونکہ مومنوں نے زندگی اسی مقصد میں گذاردی۔ جس لئے وہ دنیا بھیجے گئے تھے۔ انہیں یاد ہوگا کہ ہم نے کتنے حج کئے کتنی قربانیاں کیں کتنی عیدیں اور نمازیں ادا کیں۔ یہ فائدہ کان لم یلبثوا (الخ) سے حاصل ہوا کہ اس کا فاعل کفار ہیں۔ قرآن مجید میں جہاں بھی اس غلطی اندازے کا ذکر ہے وہاں کفار کا تذکرہ ہے مومنوں کے متعلق کسی غلطی کا ذکر نہیں۔

آٹھواں فائدہ: قیامت میں کفار ایک دوسرے کو پہچانیں گے۔ یہ فائدہ یتعارفون بینھم سے حاصل ہوا حساب اور عذاب دیکھ کر ایک دوسرے سے بیزار ہو جائیں گے۔ یہاں اول وقت کا ذکر ہے۔ لاانساب بینھم یومئذ ولا یتساءلون اور فرماتا ہے ولا یسئل حمیم حمیما (روح البیان وروح المعانی وکبیر)

پہلا اعتراض: جب ساری مخلوق اللہ تعالیٰ کی مخلوق ومملوک ہے تو وہ جس سے جو کرے وہ ظلم نہیں جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ اگر رب تعالیٰ سب کو آگ میں ڈال دے تو وہ ظلم نہیں تو لا یظلم الناس کا کیا مطلب ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ظلم کے دو معنی ہیں۔ کسی دوسرے کی چیز میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرنا۔ اس معنی سے رب تعالیٰ کا کوئی تصرف علم ظلم نہیں کہ سب کچھ اس کا ہے۔ دوسرے کسی کو بغیر جرم سزا دینا۔ کام کرا کے اجرت نہ دینا۔ وعدہ کر کے پورا نہ کرنا۔ اس معنی سے لایظلم الناس ارشاد ہوا۔ لہٰذا یہ آیت اور وہ حدیث دونوں ہی درست ہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر ظلم نہیں کرتا تو کیا وہ جنات یا فرشتوں پر ظلم کرتا ہے۔ اگر نہیں تو لوگوں کا ذکر خصوصیت سے کیوں فرمایا۔

جواب: کسی پر ظلم نہیں کرتا ظلم عیب ہے رب عیوب سے پاک ہے چونکہ ساری مخلوق میں انسان مقصود ہے باقی چیزیں اس کے لئے بنی ہیں خلق لکم ما فی الارض جمیعا اس لئے لوگوں کا ذکر فرمایا یہاں حصر کا لفظ کوئی نہیں یعنی آیت کے معنی یہ ہوں کہ صرف لوگوں پر ظلم نہیں کرتا۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ قیامت میں کفار کو جمع فرمائے گا اور وہ ایک دوسرے کو پہچانیں گے مگر دوسری آیات میں ہے کہ کفار ایک دوسرے سے الگ ہوں گے اور ان کے سارے رشتے اور جان پہچان ختم ہو جائے گی آیات میں تعارض ہے۔

جواب: قیامت پچاس ہزار سال کا دن۔ اس کے موقعہ اور حالات مختلف ہیں۔ بعض اوقات جمع بھی ہوں گے اور ایک دوسرے کو پہچانیں گے بھی اور بعض اوقات الگ کر دیئے جائیں گے جان پہچان بھی ختم ہو جاوے گی۔ مختلف اوقات کا ذکر ہے۔

چوتھا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ کفار دنیا میں رہنے کی مدت کا اندازہ بہت غلط لگائیں گے کہ وہاں گھڑی بھر ٹھہرے اور مسلمان یہ غلطی نہیں کریں گے اس فرق کی کیا وجہ ہوگی۔

جواب: چند وجہ ہوں گی (۱) کفار نے دنیا میں آرام کیا تھا مومنین نے کام۔ آرام کی گھڑیاں ہوا کی طرح گذر جاتی ہیں نہ کہ کام کی۔ (۲) کفار کے لئے قیامت کا دن تکلیف کا ہوگا۔ دنیا ان کے عیش کی جگہ تھی۔ تکلیف کے وقت عیش کا گذشتہ زمانہ بہت کم محسوس ہوتا ہے مومنین کے لئے قیامت کا دن آرام کا ہوگا۔ دنیا کے لئے تکلیف کی جگہ تھی الدنیا سجن المومنین وجنت الکافر۔ اور آرام کے زمانہ میں گذشتہ تکلیف کے زمانہ کے اندازہ میں غلطی نہیں ہوتی۔ (۳) مومنین دنیا میں مزدوری کرتے ہیں۔ قیامت میں اجرت پائیں گے۔ تو انہیں اس کا ایک عمل مع تاریخ وسنہ یاد ہوگا کہ انہیں ہر ایک عمل کے لئے ہر ایک عمل کا بدلہ لینا ہے اس لئے غلطی کیسے کریں۔ کفار نے نہ دنیا میں مزدوری کی نہ قیامت میں اجرت لیں۔ لہٰذا وہ غلطی کریں گے۔ (۴) کفار اس دن اپنے ہوش وحواس کھو چکے ہوں گے۔ مومن کے ہوش وحواس نہ کھو چکے ہوں گے بلکہ مومن کے ہوش وحواس درست ہوں گے۔ کفار اسی مدہوشی کی حالت میں پاگلوں کی سی بھکیں ماریں گے کہ ہم صرف گھڑی دو گھڑی دنیا میں رہے مومن کی جو بات ہوگی وہ جانچی تلی ہوئی ہوگی۔

پانچواں اعتراض: یہاں یہ کیوں ارشاد ہوا کہ دن کی ایک گھڑی گھڑیاں تو رات میں بھی ہوتی ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: رات کے گھڑیوں کا اندازہ نہیں ہوتا کہ وہ سوتے میں گذرتی ہیں دن کی گھڑیوں کا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ بیداری میں ہوتی ہیں۔ان کا مقصد یہ ہوگا کہ ہم خوب سوچ سمجھ کر یہ اندازہ لگا رہے ہیں کہ دنیا کی عمروں کی ایک دو گھڑی تھی۔

تفسیر صوفیانہ: حشر تین طرح کا ہے۔ حشر عام۔ حشر خاص۔ حشر اخص۔ قیامت میں دنیاوی جسموں کا قبروں سے نکلنا حشر عام ہے۔اور اخروی روحوں کا دنیاوی جسموں سے نکلنا سیر وسلوک کے لئے یہ حشر خاص ہے۔ یہ حشر مومنوں کو دنیا میں ہوتا رہتا ہے موتوا قبل ان تموتوا کا یہی مقصد ہے اور انانیۃ کی قبور سے ھویت ربانیت کی طرف نکلنا یہ حشر اخص ہے یہاں حشر عام کا ذکر ہے۔ اس لئے ارشاد ہوا یوم نحشرھم جس دن ہم کافروں کا حشر کریں گے۔ (روح البیان) جب کفار اس عالم کی وسعت کو دیکھیں گے پھر گذشتہ دنیا کی تنگی وقت اور تنگی جگہ کا خیال کریں گے تو بے تامل پکار اٹھیں گے کہ ہم دنیا میں اس جگہ کے مقابل ایک دو گھڑی ہی ٹھہرے۔ کیونکہ وہ فانی تھی۔ یہ باقی اور فانی باقی کے مقابل ایک لحظہ بھی نہیں۔ مومنین دنیا میں رہتے ہوئے بھی یہ خود بھی فانی تھے نہ فانی جگہ تھے۔ وہ باقی اللہ تھے۔ شعر۔

ہرگز نہ میرد آنکہ دلش زندہ شد بہ عشق   ثبت است برجریدہ عالم دوام ما

کفار کی آپس میں جان پہچان کو قیامت کا اجتماع ختم نہ کرے گا بلکہ حساب وعذاب ختم کرے گا۔ مومنوں کی آپس کی جان پہچان کو کوئی چیز نہ مٹائے گی۔ لایحزنھم الفزع الاکبر کفار کا حشر کفار کے ساتھ ہوگا۔ اور مومنین صادقین کا حشر ان شاء اللہ ابرار واخیار کے ساتھ اس لئے ارشاد ہوا کہ کفار خسارہ میں ہیں کہ انہیں بجائے ابرار کے اشرار کا ساتھ ملا۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالٰی کفار کے لئے عدل کے دروازے کھولے گا۔ اور مومنین کے لئے فضل کے۔ کون ہے جو اس کے عدل کی تاب لا سکے۔ وہ ظلم کسی پر نہ کرے گا۔ کفار اپنے پر ظلم کرکے اس کے عدل کے مستحق ہوئے۔ رب تعالٰی فضل کرے عدل نہ کرے ایک بزرگ کہا کرتے تھے کہ مولٰی تو مجھے جو بھی سزا دے میں اس سے زیادہ کے لائق ہوں۔ اور تو مجھ پر جو بھی کرم کرے تو اس سے زیادہ کا مالک ہے۔

وَاِمَّا نُرِیَنَّكَ بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِلَیْنَا
اور اگر دکھائیں ہم آپ کو بعض وہ عذاب کہ وعدہ کرتے ہیں ہم ان سے یا وفات دیں ہم
اور اگر ہم تمہیں دکھادیں کچھ اس میں سے جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں یا تمہیں پہلے ہی
مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِیْدٌ عَلٰی مَا یَفْعَلُوْنَ ﴿۴۶﴾ وَلِكُلِّ
آپ کو پس ہماری طرف ہے لوٹنا ان کا پھر اللہ گواہ ہے اس پر جو کرتے ہیں وہ اور واسطے
اپنے پاس بلالیں بہر حال انہیں ہماری طرف پلٹ کر آنا ہے پھر اللہ گواہ ہے ان کاموں پر اور ہر

www.alahazratnetwork.org

أُمَّةٍ رَّسُولٌ فَإِذَا جَآءَ رَسُولُهُمْ قُضِيَ بَيْنَهُم	
ہرامت کے رسول ہے پس جب آتا ہے پیغمبران کا فیصلہ کردیا جاتا تھا ان کے درمیان	
امت میں ایک رسول ہوا جب ان کا رسول ان کے پاس آتا ان پر انصاف کا فیصلہ کردیا	
بِالْقِسْطِ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۴۷﴾	
ساتھ انصاف کے اور وہ نہیں ظلم کیے جاتے	
جاتا اور ان پر ظلم نہ ہوتا	

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیاتوں سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: گذشتہ آیات میں کفار کے اخروی عذاب کا ذکر ہوا اب ارشاد ہے کہ ان پر دنیا میں بھی عذاب آئیں گے جنہیں آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے گویا ان کے دائمی بڑے عذاب کے بعد ان کے عارضی چھوٹے عذابوں کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں اس کا معاملہ کا ذکر ہوا جو کفار حضور انورؐ کے ساتھ کرتے تھے منھم من ینظر الیک (الخ) اب ارشاد ہے گذشتہ نبیوں کے ساتھ بھی ان کی قوموں نے یہ ہی کچھ کیا تھا۔ یہ کفار کی پرانی رسم ہے محبوب آپ ﷺ غمگین نہ ہوں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ کفار قیامت میں ہی دنیاوی عمر کو ایک گھڑی محسوس کریں گے۔ اب اس کی وجہ ارشاد ہو رہی ہے کہ انہوں نے زندگیاں لغویات میں گذاریں اس لئے وہ عمر انہیں حقیر محسوس ہوگی۔ گویا ایک واقعہ کے بعد اس کی وجہ کا ذکر ہے۔

تفسیر: واما نرینک بعض الذی نعدھم چونکہ یہ جملہ نیا ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے۔ اما اصل میں ان ما تھا ان شرطیہ ما تاکید کے لئے زائدہ اس لئے نرین میں نون تاکید بھی لایا گیا۔

خیال رہے: کہ یہاں شرطیہ شک کے لئے نہیں بلکہ شوق دلانے یا انتظار کرانے کے لئے ہے کہ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے دکھانے سے حضور ﷺ کی ظاہری حیات شریف میں ظاہری آنکھوں سے دکھانا مراد ہے۔ ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم برزخ میں اس جہان کے واقعات قوموں کے عذاب کو ملاحظہ فرما رہے ہیں ہم اس کی تحقیق دوسرے پارہ میں ویکون الرسول علیکم شھیدا کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ کاف میں خطاب حضور انورؐ سے ہے الذی سے مراد کفار پر دنیاوی عذابات ہیں جیسے تھوڑے مسلمانوں کے ہاتھوں ان کی بہت کا شکست فاش پانا مسلمانوں کا رعایا باج گزار بن کر رہنا۔ عرب سے نکالا جانا پھر دیس بدیس مارا مارا پھرنا وغیرہ کیونکہ نبیی عام عذاب تو حضور ﷺ کی آمد سے بدن ہو چکے۔

www.alahazratnetwork.org

بعض اس لئے فرمایا کہ ان دنیاوی عذابوں میں سے بعض عذاب تو حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات شریف میں آئے۔ جیسے مشرکین کا بدر۔ حنین وغیرہ میں شکست فاش پانا بنی قریظہ کا قتل بنی نضیر کا مدینہ منورہ سے نکالا جانا وغیرہ اور بہت غزوہ قادسیہ۔ یرموک وغیرہ میں لاکھوں کا ہزاروں مسلمانوں سے شکست کھانا وغیرہ۔ نعدھم میں وعدہ بمعنی وعید ہے یہ پورا جملہ شرطیہ ہے۔ جس کی جزا پوشیدہ ہے۔ نحن قادرون یا فیھا وغیرہ (روح البیان معانی وغیرہ) او نتو فینک فالینا مرجعھم یہ عبارت معطوف ہے پہلے جملہ پر۔ اس میں شرط ہے۔ نتوفینک اس کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے اور فالینا مرجعھم اس پوشیدہ عبارت کی وجہ سے ہے ف تعلیلیہ ہے یعنی اگر ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات دے دیں اور وہاں کفار کے اخروی عذاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھائیں تو بھی ہم قادر ہیں کیونکہ آخر کار ان سب کو ہماری طرف ہی لوٹنا ہے اور اپنی سزا بھگتنا ہے (روح البیان معانی۔ خازن۔ صاوی مدارک وغیرہ اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے فاما نذھبن بک فانا منھم منتقمون او نرینک الذی وعدنا ھم فانا علیم مقتدرون (روح البیان) یہ ترکیب آسان بھی ہے اور ظاہری بھی بہر حال اس جملہ میں دکھانے کی نفی نہیں۔ اس کی دوسری نوعیت کا ذکر ہے۔ چنانچہ زمانہ صحابہ میں جو جہاد ہوئے مسلمان فاتح اور کفار مغلوب ہوئے وہ سب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تھے مگر اس نظر کی نوعیت کچھ اور تھی یہ تو نبی کے دکھانے کا ذکر ہوا پھر یہ بھی خیال رہے کہ ثم اللہ شھید علی مایفعلون اس فرمان عالی میں ثم یا تو ترتیب ذکری کے لئے ہے یعنی پھر یہ بھی یاد رکھو بمعنی واؤ ہے اہل عرب کہتے ہیں زید قائم ثم ھو کریم۔ وہاں ثم بمعنی واؤ ہے (روح البیان) شہادت سے اس کا انجام یعنی فیصلہ مراد ہے کہ گواہی فیصلہ کے لئے ہے تو ہوتی ہے۔ یفعلون سے کفار کے سارے دلی اور جسمانی برے عقیدے و اعمال مراد ہیں۔ یعنی پھر جانو کہ ہم ان کو ان کی بدعقیدگیوں بدعملیوں کی سزا دیں گے یا مطلب ہے کہ ہم اس کا دنیوی عذاب تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا دیں گے اور اخروی عذاب بعد قیامت دیں گے بہر حال آیت واضح ہے اس فرمان عالی کی تین تفسیریں ہیں (۱) قیامت میں ہر گروہ کا رسول ہوگا۔ جس کے نام سے گروہ اور امت کو پکارا جائے گا فرماتا ہے یوم ندعو کل اناس بامامھم (۲) قیامت میں ہر امت کا ایک رسول ہوگا۔ جس کے ساتھ وہ امت ہماری بارگاہ میں پیش ہوگی۔ اس کے نبی اپنے مومنین کے حق میں اور کفار کے خلاف گواہی دیں گے۔ رب فرماتا ہے۔ وجی بالنبین و الشھداء وقضی بینھم۔ (تفسیر روح المعانی) (۳) اس سے پہلے دنیا میں ہر امت کے لئے ایک رسول ہوئے۔ اس صورت میں امت سے مراد ہلاک شدہ امتیں ہیں۔ کیونکہ فترت والوں کے پاس کوئی رسول نہیں پہنچے (از روح البیان و روح المعانی) فرماتا ہے۔ لتنذر قوما ما انذر اباء ھم فھم غافلون یا فرماتا ہے۔ وما آتینا من کتب ید رسولھا وما ارسلنا الیھم قبلک من نذیر۔ مگر نفی نبی کے پہنچنے کی ہے نہ کہ تشریف آوری کی۔ نبی کی تشریف آوری ہر قوم کے لئے ہوئی۔ فاذا جاء رسولھم قضی بینھم بالقسط اس فرمان عالی کی بھی وہ ہی تین تفسیریں ہیں جو ابھی بیان ہوئیں یعنی قیامت میں جب اس کے رسول ہماری بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ اپنی امت کے مومنین کے حق میں اور کفار کے خلاف گواہی دیں گے تو مومنین و کفار کے درمیان انصاف سے فیصلہ کر دیا جاوے گا۔ کہ کفار کو دوزخ میں مومنین کو جنت میں بھیجا جائے گا یا (۲) جب امتوں کے پاس رسول

www.alahazratnetwork.org

آئے تھے اور ان میں سے اکثر لوگ ان کی مخالفت کرتے تھے (تھوڑے سے موافقت) اور نبی بددعا فرماتے تھے تو ان کے درمیان سچا فیصلہ کر دیا جاتا تھا کہ کفار کو عذاب مومنین کو نجات ہوتی تھی۔ تفسیر روح المعانی نے پہلی تفسیر کو قوی فرمایا۔ کہ اس میں محذوفات کم ہیں مجاہد نے یہ ہی کہا۔ دیکھو تفسیر ابن جریر وغیرہ۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا ترجمہ دوسری بتا رہا ہے وھم لا یظلمون اس کی بھی وہ ہی تفسیریں ہیں کہ کفار پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا۔ ظلم کے معنی اس کی قسمیں اب پچھلی آیت میں مذکور ہوئیں یعنی ان کو نہ تو بے قصور سزا دی جاوے گی نہ قصور سے زیادہ۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے جن عذابوں کی خبر ہم نے آپ ﷺ کے ذریعہ لوگوں کو دی ہے اگر ہم ان میں سے بعض عذاب آپ ﷺ کو دکھا دیں کہ آپ ﷺ کی زندگی شریف میں عذاب ان پر آ جائیں تو ہم یہ بھی کر سکتے ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے بدر و حنین خیبر، فتح مکہ، طائف وغیرہ میں حضور انورؐ کو کفار پر عذاب دکھا دیئے یا ہم آپ کو وفات دے دیں اور آپ ﷺ کی وفات کے بعد کفار پر بعض عذاب آویں اور آپ ﷺ عالم برزخ سے ان کا مشاہدہ کریں تو ہم اس پر بھی قادر ہیں۔ چنانچہ زمانہ صحابہ میں بلکہ بعد میں قیامت تک رب تعالیٰ مسلمانوں کے ہاتھ کفار کو عذاب دیتا رہے گا۔ ان سب کو آخر ہماری ہی طرف لوٹنا ہے۔ پھر یہ بھی خیال رہے کہ ان کے ہر عمل پر اللہ نگران بھی ہے حاکم بھی ہر امت کے لئے رسول ہوتے رہے جن پر ان رسول کی اطاعت واجب تھی مگر ہوتا یہ رہا کہ جب بھی امتوں کے پاس رسول آتے تو وہ لوگ ان کی مخالفت کرتے۔ (سواء بعض کے) پھر وہ رسول ان کے لئے بددعا فرماتے تو ہم ان میں حق کا فیصلہ فرماتے کہ کفار کو ہلاک کرتے مومنوں کو نجات دیتے۔ ان پر ظلم نہیں کیا جاتا تھا کہ کسی کو بے قصور یا قصور سے زیادہ سزا دے دی جاتی۔ یا قیامت میں ہر امت کے لئے رسول ہوں گے جن کے نام سے وہ بلائیں جائیں گے۔ پھر جب وہ رسول ان کے موافق یا مخالفت گواہی دینے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوں گے تو ان کے درمیام انصاف سے فیصلہ کر دیا جاوے گا کہ نافرمانوں کو دوزخ فرمانبرداروں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حیات شریف میں اور پردہ فرمانے کے بعد مومنوں اور کافروں کے حالات مشاہدہ فرماتے رہے اور فرماتے ہیں۔ اور فرماتے رہیں گے۔ دیکھو یہاں نرینک یعنی دکھانے کے مقابلہ میں نہ دکھانا فرمایا گیا۔ بلکہ وفات شریف کا ذکر فرمایا۔ جس سے معلوم ہوا کہ وفات شریف سے دیکھنے میں فرق نہ آیا۔ ہاں دیکھنے کی نوعیت بدل گئی حتی کہ سب کے سلام سنتے جواب دیتے ہیں ابھی ۱۹۶۵ء میں پاکستان اور ہندوستان کی جنگ ہوئی تو مدینہ والوں نے خواب میں حضور انورؐ کو تیزی سے حجرہ مبارک سے نکلتے اور گھوڑے پر کہیں جاتے دیکھا۔ پوچھا حضور ﷺ کہاں تشریف لے جا رہے ہیں فرمایا پاکستان جہاد کے لئے۔ پاکستان غازیوں نے بیداری میں حضور انورؐ کو اسلامی مورچوں میں تشریف فرما دیکھا جو اس زمانہ میں اخبارات میں چھپتے رہے۔ اس پر مفصل گفتگو ہم دوسرے پارہ میں ویکون الرسول علیکم شھیدا کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ ابن قیم نے کتاب الروح میں ایک جگہ لکھا ہے کہ حضرات ابوبکر اور عمر فاروق نے بعد وفات

www.alahazratnetwork.org

غزوات میں شرکت کی۔

دوسرا فائدہ: سب کا رجوع اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے مگر کسی کا خوشی سے زندگی میں ہی اور کسی کا مجبوراً مرے بعد یہ فائدہ **فالینا مرجعھم** سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ ہمیشہ لوگوں کے حالات پر مطلع ہے **ثم اللہ شھید علی ما یفعلون** اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر شخص کے ہر حال سے خبردار ہیں۔ **ویکون الرسول علیکم لشھیدا** دونوں جگہ شہید ارشاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ فیصلے کرنے کے لئے خبردار ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم گواہی دینے فیصلہ کرانے کے لئے خبردار ہیں۔ فرماتے ہیں **لا یخفی علی رکوعکم ولا سجودکم ولا خشوعکم** مجھ پر تمہارے رکوع سجدے دل کا خشوع خضوع پوشیدہ نہیں (بخاری شریف)

چوتھا فائدہ: دنیا میں کوئی وقت نبوت سے خالی نہ رہا ہر وقت ہر جگہ کسی نہ کسی کی نبوت ضروری ہے۔ یہ فائدہ **ولکل امۃ رسول** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ہاں کبھی ایسا ہوا ہے کہ دنیا والوں کو نبی کی تعلیم نہ پہنچی جیسے فترت والے لوگ۔ چنانچہ حضور انورؐ کے ظہور سے پہلے اہل عرب کے نبی حضرت ابراہیم تھے۔ مگر ان کی تعلیم مسخ ہوگئی۔ بلکہ مٹ گئی تھی۔

پانچواں فائدہ: دنیا میں ہر قوم کے لئے نبی ضرور ہوئے مگر ہر قوم میں نبی نہیں ہوئے۔ نبی ہمیشہ عالی نسب اونچے اشرف خاندان میں ہوئے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ یہ فائدہ **لکل امۃ** کے لام سے حاصل ہوا کہ **فی کل امۃ** نہ فرمایا۔ ہاں اونی اور معمولی قوموں پر ان نبی کی اطاعت واجب تھی کہ وہ ان کے بھی نبی تھے۔ جیسے ہمارے حضور ہاشمی مطلبی ہیں۔ مگر ساری قوموں کے رسول ہیں سب پر آپ ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔

چھٹا فائدہ: قیامت میں ہر امت اپنے نبی کے ساتھ بارگاہ الٰہی میں پیش ہوگی۔ یہ فائدہ **لکل امۃ رسول** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ جب اس کے معنی ہوں کہ ہر امت کے لئے رسول ہوں گے۔

ساتواں فائدہ: کسی قوم پر نبی کی تشریف آوری کے بغیر عذاب دنیا میں نہ آیا۔ یہ فائدہ **فاذا جآء رسولھم** کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ نبی کے آنے سے مراد ہو دنیا میں آنا اور **قضی** (الخ) سے مراد ہو دنیا میں فیصلہ۔

آٹھواں فائدہ: قیامت میں نبی ﷺ کی گواہی پر رب تعالیٰ کا فیصلہ ہوگا یہ فائدہ **وجاء رسولھم** کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ جاء سے مراد ہے قیامت میں رسول کی پیشی بارگاہ الٰہی میں اور **قضی** (الخ) سے مراد ہے رب تعالیٰ کا فیصلہ یعنی کفار کو دوزخ میں ڈالنا۔

نواں فائدہ: رب تعالیٰ کسی کو بے قصور سزا نہ دے گا۔ نہ قصور سے زیادہ نہ کسی مطیع فرمانبردار کو دوزخ میں بھیجے گا نہ کسی کو اس کے عمل سے کم جنت کا درجہ دے یہ فائدہ **وھم لا یظلمون** سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ کہ یہ بھی ظلم کے ایک معنی ہیں۔ لفظ سزا کا خیال رہے۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات دنیا اور یہاں کے حالات سے بالکل بے خبر ہیں۔ یہاں کے کسی واقعہ کو نہیں دیکھتے۔ دیکھو یہاں حضور انورؐ کے ۲ حالات کا ذکر ہوا۔ ایک ترینک اور دوسرا توفیک

www.alahazratnetwork.org

وفات کے بعد کو دکھانے کے مقابل لایا گیا۔ جس سے پتہ لگا کہ بعد موت نہیں دیکھتے (دو بندی)

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر سے معلوم ہو گیا کہ یہاں دکھانے کے مقابل نہ دکھانا نہیں فرمایا بلکہ وفات دنیا فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بعد وفات دکھانا تو ہوگا مگر اس کی نوعیت دوسری ہوگی۔ یعنی کشف سے دکھانا ورنہ نمازوں میں حضور کو سلام نہ کیا جاتا کہ بے خبر کو سلام کیسا۔ نیز حضور انور قیامت میں سب کے گواہ ہیں۔ بے خبر گواہ نہیں ہوتا۔ دیکھو وہاں ہم گواہی دیں گے نبی سے سن کر اور نبی گواہی دیں گے دیکھ کر لتکونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا اس کی تحقیق دوسرے پارہ میں اسی آیت کی تفسیر میں ہو چکی۔

دوسرا اعتراض: حضرت عزیز علیہ السلام سو سال مردہ رہ کر جب زندہ ہوئے تو بولے لبثت يوما او بعض يوم اصحاب کہف تین سو برس سو کر جب اٹھے بولے لبثنا يوما او بعض يوم ہم ایک دن یا اس سے بھی کم یہاں ٹھہرے معلوم ہوا کہ نبی ولی بعد وفات ادھر سے بالکل بے خبر ہوتے ہیں انہیں خبر نہیں ہوتی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ہم نے تیسرے پارے میں اسی آیت کی تفسیر میں اور جاء الحق حصہ اول میں عرض کر دیا ہے کہ یہ واقعہ خصوصی تھا ایک معجزہ یا کرامت دکھانے کے لئے انہیں ادھر سے بے خبر کر دیا گیا تھا۔ بے خبر ہونا اور ہے بے خبر کر دیا جانا کچھ اور۔ ورنہ سارے نبیوں کی حضور ﷺ کی معراج کی خبر کیسے ہوئی اور وہ حضرات حضور ﷺ کا استقبال کرنے حضور ﷺ کے پیچھے نماز پڑھنے کیسے آئے۔ دیکھو حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہمارا دل نہیں سوتا۔ مگر تعریس کی رات نماز فجر قضا ہوگئی۔ یہ واقعہ خصوصی تھا تا کہ لوگوں کو نماز قضا کرنے کا طریقہ معلوم ہو۔

تیسرا اعتراض: اگر ہر امت کے لئے رسول ہوئے تو بتاؤ کہ فترت والوں کے کون رسول تھے اور حضور ﷺ کے والدین کریمین کس نبی کے دین میں تھے۔

جواب: یہاں یا تو ہر امت سے ہلاک شدہ امتیں مراد ہیں کہ رب تعالیٰ نے کسی امت کو بغیر نبی بھیجے ہلاک نہیں کیا۔ یا ہر امت کا رسول ضرور ہوا۔ اگرچہ بعض کے پاس ان کے احکام نہ پہنچے۔ حضور انور کے والدین کریمین طیبین طاہرین دین ابراہیمی پر تھے وہ ہی ان حضرات کے نبی تھے چنانچہ حضرت آمنہ نے وفات کے وقت حضور انور کے آنسو پونچھتے ہوئے جو الوداعیہ اشعار پڑھے ان میں ایک شعر یہ تھا۔

دین ابیک دین ابراهیم ۔۔۔ فالله انهاک عن الاصنام

ہم نے یہ اشعار اور پورا واقعہ تفسیر یعنی پارہ اول و لا تسئل عن اصحاب الجحيم کی تفسیر میں بہت تفصیل سے عرض کیا ہے۔

چوتھا اعتراض: جب رب تعالیٰ کسی کو بغیر جرم دوزخ میں نہیں بھیجے گا تو کفار کے بت اور چاند سورج دوزخ میں کیوں جائیں گے انہوں نے کیا قصور کیا ہے رب فرماتا ہے وقودها الناس والحجارة

جواب: یہ چیزیں وہاں عذاب پانے نہ جائیں گی بلکہ اپنے پجاریوں کو سزا دینے کے لئے جیسے وہاں فرشتے ہوں گے سزا

www.alahazratnetwork.org

دینے کے لئے۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے کھیت والے کو کھیت تباہ کرنے والے دشمن کیڑے مکوڑوں کی ہلاکت سے خوشی ہوتی ہے۔ ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین کے دشمن کفار کی ہلاکت سے خوشی ہوتی ہے کہ ان کی ہلاکت سے دین کی بقا امت کی حفاظت ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرعون کی ہلاکت کے دن یعنی عاشورہ کو روزہ رکھنا پہلے تو فرض کر دیا تھا پھر فرضیت منسوخ ہوئی۔ سنت ابھی باقی ہے۔ کیونکہ فرعون کی ہلاکت کی خوشی میں ابوجہل کے ہلاکت کی خبر سن کر سجدہ شکر ادا کیا۔ رب تعالیٰ نے اس آیت میں اس کی ہی خوشخبری دی کہ ہم آپ ﷺ کو موذی کفار کی ہلاکت دکھائیں گے۔ بعض کی ہلاکت کو زندگی شریف میں ان آنکھوں سے بعض کی ہلاکت وفات شریف کے بعد کشف سے۔ ہر امت پر رسول آتے جاتے رہے ہمارے حضور ﷺ سارے عالم کے لئے آئے ہمیشہ کے لئے آئے۔ ایسے آئے کہ آ کر نہ گئے۔ اب تا قیامت وارثین رسول علماء، اولیاء، وحی باطنی یعنی کشف والہام لاتے رہیں گے۔ ولی کی کرامت علماء کی امامت حضور ﷺ کے معجزے ہیں جو ان کی تصدیق کریں۔ وہ سعید ہیں جو ان کے انکاری وہ شقی ہیں۔ شعر۔

ہر کسے از ہمت والائے خویش	سود دارد در خور آلائے خویش

(روح البیان)

وَيَقُولُونَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٤٨﴾

اور کہتے ہیں کہ کب ہوگا یہ وعدہ اگر ہو تم سچے

اور کہتے ہیں یہ وعدہ کب آئے گا اگر تم سچے ہو

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا اِلَّا مَا شَآءَ

فرما دو کہ نہ مالک ہوتا ہوں میں واسطے ذات اپنی کے نقصان کا اور نہ فائدہ کا مگر وہ جو

تم فرماؤ میں اپنی جان کے برے بھلے کا (ذاتی) اختیار نہیں رکھتا مگر جو

اللّٰهُ لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا

چاہے واسطے ہر امت کے ایک وقت مقرر ہے جب آتا ہے وقت ان کا بس نہیں

اللہ چاہے ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے جب ان کا وعدہ آئے گا تو ایک گھڑی

يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٤٩﴾

پیچھے ہٹ سکیں گے ایک گھڑی اور نہ آگے بڑھ سکیں گے

نہ پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قیامت اور اس دن کے عذابوں کا ذکر ہوا اب اس پر مشرکین عرب کے تعجب کرنے اس کا مذاق اڑانے کا تذکرہ ہے گویا یقینی قطعی خبر کے ذکر کے بعد اس کے انکار کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار پر دنیوی عذابوں کے آنے کا ذکر ہوا کہ بعض عذاب آپ ﷺ کی ظاہری زندگی شریف میں آ جائیں گے اور بعض آپ کی وفات کے بعد۔ اب ارشاد ہے کہ ان عذابوں کا انکار کفار کرتے ہیں بجائے ماننے کے مذاق اڑاتے ہیں۔

تیسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ جب گذشتہ انبیاء تشریف لائے تھے تو فیصلہ ربانی آ جاتا تھا کہ مومنوں کو نجات کفار کو ہلاکت دی جاتی رہی۔ اب ارشاد ہے کہ انہیں چیزوں کو لے کر کفار مکہ آپ کی نبوت کے انکاری ہیں کہ آپ ﷺ کے منکروں پر عذاب کیوں نہیں آتا۔

شان نزول: جب آیت کریمہ واما نرینک الخ نازل ہوئی تو کفار مذاق اور دل لگی کے طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگے کہ وہ عذاب جس کے آپ ﷺ کو دکھانے کا وعدہ کیا گیا ہے ہم پر کب آئے گا۔ ہم تو بے چینی سے اس کے منتظر ہیں ان کے جواب میں یہ آیات نازل ہوئیں جن میں ان کو نہایت ہی مسکت جواب دیا گیا (خزائن العرفان)

تفسیر: ویقولون متی ھذا الوعد ظاہر یہ ہے کہ یقولون کا فاعل کفار مکہ ہیں اور ان کا یہ قول دل لگی اور مذاق کے طور پر ہے اور ھذا الوعد سے مراد وہ دنیوی عذاب ہیں جن کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی تھی۔ کفر کا زور ٹوٹ جانا۔ اسلام کا غلبہ تھوڑے مسلمانوں کے ہاتھوں بہت کفار کا ہلاک ہونا وغیرہ یا قیامت مراد ہے بہر حال وعدے سے مراد وعید ہے اس میں کفار کا روئے سخن حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے ہے۔ تفسیر خازن نے فرمایا کہ ہو سکتا ہے کہ یقولون کا فاعل ہر نبی کے زمانے کے کفار ہوں جن میں مکہ والے کافر بھی داخل ہوں اور روئے سخن سارے نبیوں سے ہو۔ اور ھذا الوعد سے مراد یا وہ عذاب دنیوی ہوں جن کی خبریں ان حضرات انبیاء کرام نے اپنی قوموں کو دی تھیں یا عذاب قیامت یعنی کفار مکہ آپ ﷺ سے اور سارے مومنین سے کہتے ہیں یا ہمیشہ سے سارے کافر اپنے نبیوں سے کہتے رہے ہیں۔ لہٰذا اے محبوب آپ اس قسم کے سوالات سے مغموم نہ ہوں (تفسیر خازن) ان کنتم صدقین ان کی اس بکواس میں روئے سخن یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور کنتم اور صدقین کا لانا یا ادب و احترام کے لئے ہے یا مذاق کے لئے یا خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سارے مسلمان سے ہے کیونکہ مسلمان ان کفار کو عذاب اور قیامت کی خبریں دیا کرتے تھے اور آیات عذاب پڑھا کرتے تھے اور ممکن ہے کہ سارے نبیوں سے خطاب ہو۔ اگر یقولون کا فاعل سارے گذشتہ اور موجودہ کفار ہوں۔ (خازن) چونکہ ان تمام وعدوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم واسطہ عظمیٰ ہیں کہ حضور ﷺ سے سن کر مسلمان کفار کو خبر عذاب دیتے تھے اس لئے جواب حضور ﷺ سے دلوایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ قل لا املک لنفسی ضرا ولا نفعا قل میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں مذاق اڑانے والے کفار سے جواب کا مقصد یہ ہے کہ میں

www.alahazratnetwork.org

قیامت کو یا عذاب کو وقت سے پہلے لانے پر قادر نہیں رب تعالیٰ نے ان کا جو وقت مقرر فرمایا ہے اس وقت آئیں گے کون ہے جو رب کا مقابلہ کرے اس کی مرضی کے خلاف وقت سے پہلے قیامت یا عذاب لائے چونکہ قیامت اور دنیوی عذاب حضور انور ﷺ اور مسلمانوں کے نافع تھے کفار کے لئے نقصان وہ اس لئے اس طرح بیان کیا گیا یعنی میں اپنی ذات کے کسی نقصان و نفع کا مالک و مختار نہیں تو تمہارے نفع نقصان کا کیسے مالک ہو سکتا ہوں اور وقت سے پہلے قیامت یا عذاب کیسے لا سکتا ہوں۔

خیال رہے: ان جیسی آیات میں یا تو خدا تعالیٰ کے مقابل ملکیت کا انکار ہے یا بذات خود ملکیت کی نفی بغیر عطا الٰہی لیکن مطلقاً ملکیت و اختیار کی نفی نہیں ورنہ یہ آیت قرآن مجید کی بہت سی آیات اور احادیث صحیحہ کے خلاف ہوگی۔ رب فرماتا ہے اغناھم اللہ ورسولہ من فضلہ انہیں اللہ رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا اور غنی کر دینا نفع ہے۔ معلوم ہوا حضور ﷺ نافع ہیں عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں باذن الٰہی مردے زندہ اور اندھے کوڑھے کو اچھا کر سکتا ہوں۔ (قرآن مجید) یوسف علیہ السلام نے فرمایا میری قمیض لے جاؤ والد صاحب کے منہ پر ڈال دو انکھیارے ہو جائیں گے (قرآن مجید) فرماتا ہے ہم نے تم کو خیر کثیر دے دیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اگر میں چاہوں تو میرے ساتھ سونے کے پہاڑ چلیں وغیرہ۔ نیز رب تعالیٰ نے بادشاہ کو ملک والوں کے نفع نقصان کا مالک بنایا۔ حکام کو صوبہ ضلع اور شہر والوں کے نفع نقصان کا مالک بنایا کہ وہ پھانسی، جیل یا خزانہ انعام و اکرام ترقی دینے پر قادر ہیں ہم کو اپنے اور اپنے گھر والوں کے نفع و نقصان کا مالک بنایا اسی اختیار پر سزا و جزا ہے۔ بہر حال وہ ہی مطلب ہے جو فقیر نے عرض کیا۔ اس لئے ارشاد ہے الا ماشاء اللہ تفسیر خازن، بیضاوی، روح المعانی نے فرمایا کہ یہ استثناء ہے لا املک سے استثناء متصل ہے یعنی میں اپنی ذات کے لئے نقصان نفع کا مالک نہیں مگر رب تعالیٰ کے چاہنے سے کہ وہ مجھے مالک بنا دے تو مالک ہو جاؤں روح المعانی نے فرمایا فانی اقدر علیہ بمشیئۃ سبحانہ یعنی میں نفع نقصان پر قادر ہوتا ہوں رب تعالیٰ کے چاہنے سے اور فرمایا کہ بلا ضرورت مستثنیٰ منفصل ماننا الا کو بمعنی لکن کہنا اور یہ معنی کرنا کہ لیکن اللہ جو چاہے وہ ہوتا ہے خلاف قاعدہ ہے استثناء میں اصل متصل ہے۔ آیت کے معنی یہ ہوئے کہ میں بغیر اللہ کے چاہے اپنی ذات کے نفع نقصان کا بھی مالک نہیں اور ابھی قیامت کے لانے اور وقت سے پہلے عذاب آنے کا ارادہ رب نے چاہا نہیں تو میں اس کے لانے پر قادر نہیں یہ تفسیر خیال میں رہے اب آیت کے معنی بالکل واضح ہو گئے اس لئے آگے ارشاد ہوا لکل امۃ اجل ظاہر یہ ہے کہ کل امت سے مراد جماعت کفار ہے اور اجل سے مراد ان کے عذاب آنے کا وقت ہے یعنی رب کی طرف سے ہر کافر جماعت کے ہلاک ہونے کے طے شدہ وقت ہے۔ خلاف مرضی الٰہی ان میں آگا پیچھا نہیں ہو سکتا۔ اذا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ حق یہ ہے کہ جاء کے معنی ہیں جب آنے لگے اجلھم سے مراد ہے وقت ہلاکت اور دونوں جگہ باب استفعال بمعنی تفعل ہے یعنی لا یستاخرون اور لا یستقدمون (روح المعانی) یعنی جب عذاب آنے لگے تو اس سے گھڑی بھر آگے پیچھے نہیں ہو سکتے کیونکہ آ جانے پر آگے پیچھے ہونا کیسا۔ (روح المعانی)

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: قیامت اور عذابوں کا ذکر سن کر کفار مکہ نہ تو خدا سے ڈرتے ہیں نہ ایمان لاتے ہیں نہ قیامت کی تیاری کرتے ہیں نہ عذاب دفع کرنے کی تدبیریں بلکہ الٹا مذاق اڑاتے ہوئے بطور تمسخر آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں کہ یہ وعدہ قیامت یا وعدہ عذاب کب پورا ہوگا۔ یہ چیزیں کب آئیں گی اگر آپ حضرات سچے ہیں تو اس کا مہینہ دن تاریخ بتائیں آپ ﷺ انہیں جواب دیں کہ یہ چیزیں اللہ کے ہاں مقرر ہیں کوئی شخص انہیں وقت مقررہ سے پہلے مرضی الٰہی کے خلاف نہیں لاسکتا۔ میرا خود یہ حال ہے کہ بغیر اللہ کے چاہے اپنی ذات کے لئے نفع ونقصان کا مالک ومختار نہیں۔ ہاں وہ ہی چاہے اور مجھے مختار کرے تو اس کی مہربانی ہے پھر میں کیسے خلاف مرضی الٰہی قیامت یا عذاب لاسکتا ہوں۔ ہر امت کے متعلق ایک مقرر مدت ہے جب وہ مدت آن لگے تو لوگ اپنی کوششوں سے ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہو سکتے لہٰذا جب تمہارے عذابوں کا وقت آئے گا تو ٹلے گا نہیں تم جلدی کیوں کر رہے ہو تم کو چاہئے کہ بجائے تاریخ پوچھنے کے عذاب سے بچنے کی کوشش کرو کہ ایمان وتقویٰ اختیار کرو۔ بارش کی اریک نہ پوچھو شکستہ گھر کی مرمت کرو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: بڑا بے وقوف وہ ہے جو قیامت یا آنے والی مصیبتوں کی تاریخیں ہی پوچھا کرے اس کی تیاری نہ کرے۔ موت کی تاریخ نہ پوچھو۔ اس کی تیاری کرو۔ یہ فائدہ ھو یقولون (الخ) سے حاصل ہوا کہ اسے طریقہ کفار قرار دیا گیا۔

دوسرا فائدہ: کبھی وعدہ بمعنی وعید بھی آتا ہے یعنی اندیشناک خبر کو وعدہ کہہ دیا جاتا ہے یہ فائدہ متی ھذا الوعد سے حاصل ہوا کہ کفار نے قیامت اور دنیاوی عذابوں کو وعدہ کہا اور اہل زبان تھے رب تعالیٰ نے بغیر تردید ان کا یہ کلام نقل فرمایا۔

تیسرا فائدہ: اللہ والوں کی سچائی حقانیت میں شک وتردد کرنا طریقہ کفار ہے مومن ان کی باتوں کو پتھر کی لکیر سمجھتا ہے ساری ایمانی چیزیں حضور انور ﷺ کی زبان مبارک کی سچائی پر موقوف ہیں یہ فائدہ ان کنت صدقین سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: کوئی شخص بغیر عطاء الٰہی ایک چیز کا بھی مالک ومختار نہیں سب اس کے حاجت مند ہیں وہ غنی وبے نیاز ہے یہ فائدہ لا املک لنفس (الخ) سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کے بلکہ عالم کے نفع نقصان کا مالک بنایا ہے یہ فائدہ الا ما شاء اللہ سے حاصل ہوا دیکھو تفسیر اور ان کی تحقیق ہماری کتاب سلطنت مصطفیٰ میں ملاحظہ کرو۔ شعر۔

کنجی تمہیں دی اپنے خزانوں کی خدا نے سرکار بنایا تمہیں مختار بنایا!!

حضور انورؐ کو رب نے اپنے خزانوں اپنے احکام کا مالک بنایا یحل لھم الطیبات ویحرم علیھم الخبائث۔

چھٹا فائدہ: ہر امت کی ہلاکت وعذاب وغیرہ کا وقت مقرر ہے جو لوح محفوظ میں تحریر ہے۔ جن کی نظر لوح محفوظ پر ہے۔ وہ ان تمام چیزوں پر بحکم پروردگار مطلع ہیں۔ شعر۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء ازچہ محفوظ اند محفوظ از خطا

www.alahazratnetwork.org

یہ فائدہ لکل امۃ اجل سے حاصل ہوا۔ اجل میعاد مقرر کو کہتے ہیں۔

ساتواں فائدہ: کوئی شخص اور کوئی قوم اپنے وقت مقرر سے ایک گھڑی پیچھے نہیں ہوسکتی یہ فائدہ فلا یستاخرون ساعۃ (الخ) سے حاصل ہوا وعدہ کم نہ زیادہ۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں جواب سوال کے مطابق نہیں۔ سوال تو یہ تھا کہ قیامت یا عذاب کب آوے گی۔ جواب دیا گیا کہ میں اپنے لئے نفع ونقصان کا مالک نہیں اس کے جواب میں قیامت یا عذاب کی تاریخ مہینہ سنہ بتانا چاہئے تھا۔

جواب: کفار کے سوال کا مقصد ہنسی مذاق تھا وہ کہتے تھے عذاب کب آئے گا۔ تم اسے لاتے کیوں نہیں اس لئے انہوں نے کہا تھا کہ اگر تم سچے ہو۔ ان دو باتوں کے دو جواب دیئے گئے۔ لا املک لنفسی ان کے اس مطالبہ کا جواب ہے کہ تم قیامت لاتے کیوں نہیں اور لکل امۃ اجل ان کے اس سوال کا جواب ہے کہ قیامت کب ہوگی چونکہ قیامت اور دنیاوی عذاب اسرار غیبیہ میں سے ہیں جو عام طور پر ظاہر نہیں کئے جاتے اس لئے اس کی تاریخ نہ بتائی گئی۔

دوسرا اعتراض: کفار نے سوال حضور انور سے کیا تھا تو انہوں نے کنتم اور صدقین جمع کیوں کہا۔

جواب: ابھی تفسیر میں اس کے تین جواب گذر گئے (۱) اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین سب سے ہے کیونکہ عام کفار سے اوقات میں مومنین سے جرح قدح اور قیامت وعذاب کا ذکر کرتے تھے (۲) صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جمع کا صیغہ ادب احترام کے لئے ہے (۳) یہاں سارے کفار کا تذکرہ ہے۔ خواہ اس امت کے ہوں یا گذشتہ امتوں کے لہذا کنتم اور صادقین میں خطاب تمام نبیوں سے ہے۔

تیسرا اعتراض: ان کنتم صدقین شرط ہے اس کی جزا کہاں ہے۔

جواب: اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر تم سچے ہو تو قیامت اور عذاب لاتے کیوں نہیں فوراً لاؤ۔ یا اس کی جزاء پر متی ھذا الوعد دلالت کرتا ہے۔

چوتھا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے لئے کسی نفع نقصان کی کسی چیز کے مالک ومختار نہیں۔ انہیں مالک یا ایک چیز کا مختار ماننا شرک ہے اور اس آیت کے خلاف اسماعیل دہلوی وہابی کی کتاب (تقویۃ الایمان میں ہے جس کا نام محمد یا علی ہے وہ ایک چیز کا بھی مالک ومختار نہیں) اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی یہ ہے کہ بتاؤ بادشاہ ملک کے گورنر صوبہ کے کمشنر پوری کمشنری کے اور ڈپٹی ضلع کے بلکہ ہم خود اپنے ذات اپنے بال بچوں اپنے ماتحتوں کے نفع نقصان کے مالک ہیں یا نہیں اگر نہیں تو مصیبتوں میں حکام سے فریادیں مقدمے کیوں کرتے ہو اور تم اور سلاطین وحکام میں فرق کیا ہے۔ کیوں کہتے ہو کہ فلاں حاکم کو پھانسی کا اختیار ہے کہ عمر قید کا فلاں کو اتنے سال قید وجرمانہ کا اختیار ہے اور تم کسی پر احسان کرنے کسی کو قتل کرنے پر جزا سزا کیوں پاتے ہو۔ حضرات انبیاء کرام کے اختیارات خداداد تو آیات قرآنیہ سے صراحۃً مذکور ہیں جو ہم نے ابھی تفسیر میں عرض کئے۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو خود اس آیت میں اس

www.alahazratnetwork.org

آیت میں دے دیا گیا ہے الا ما شاء اللہ ۔یعنی اللہ کے بغیر اذن وارادے کے میں کسی نفع نقصان کا مالک نہیں جب وہ ہی مالک بنا دے تو بنا سکتا ہے۔ حضور انور ﷺ سے صرف جنت نہیں بلکہ جنت کا اعلیٰ مقام یعنی حضور ﷺ کی ہمراہی مانگی (مسلم شریف باب السجود) جب وہ جنت کے مالک ومختار باذن پروردگار ہیں تو دنیا اوری ہاں کی نعمتیں تو کہیں کم ہیں وہ بھی حضور سے مانگی جاسکتی ہیں۔ فرمایا ہے واما السائل فلاتنھر ہم بھکاریوں کیلئے وہ ہی جود وعطا کا دروازہ ہے۔

پانچواں اعتراض: شعر۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے　　جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے

جواب:

وہ چندہ ہے نہیں ملتا خدا سے　　جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

توسل کر نہیں سکتے خدا سے　　لہذا مانگتے ہیں اولیاء سے

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ غافلین، عاقلین، غافلین آئندہ آنیوالی مصیبتوں کے لئے تیاری ان کے دفعیہ کی تدبیریں نہیں کرتے بلکہ جرح قدح۔ بحث مباحثہ میں وقت ضائع کرتے ہیں کہ قیامت آتی کیوں نہیں۔ اگر سچے ہو تو لے آؤ۔ وغیرہ وغیرہ۔ عاقلین کاملین بجائے تحقیقات کے تیاری کرتے ہیں ان کی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے۔ شعر۔

عاشقاں راچہ کار باتحقیق　　ہر کجا نام اوست قربانیم

اس آیت کریمہ میں غافلین کا ذکر ہے غافلین واقعہ سے نبی کے قول کو آزماتے ہیں عاقلین نبی کے قول سے واقعہ کو آزماتے ہیں۔ شعر۔

فقط اشارہ سے سب کو نجات ہو کے رہی　　تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا　　جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو رات ہو کے رہی

کفار کہتے تھے کہ اگر سچے ہو تو قیامت لاؤ۔ یعنی اگر قیامت ابھی آجائے تو تم سچے ہو قیامت تم کو سچا کرے گی۔ عاقلین کہتے ہیں کہ قیامت ضرور آئے گی کیونکہ جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی ہے۔ ان کی زبان غلط نہیں ہوسکتی محال بالذات ہے کہ قیامت نہ آئے صوفیاء فرماتے ہیں کہ پورا عالم وہ ہے جو کسی کو عالم بنا سکے پورا مالک وہ ہے جو دوسرے کو مالک بنا سکے۔ جو عالم علم نہ دے سکے ناقص ہے جو مالک ملکیت بخش نہ سکے وہ ناقص مالک ہے اللہ تعالیٰ تمام کے نفع نقصان کا پورا مالک ہے تو وہ اپنے بندوں کو مالک بنا بھی سکتا ہے اور بنایا بھی ہے خود فرماتا ہے قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء ملک کا پورا مالک ہے جسے چاہے اپنا ملک دے اور فرماتا ہے عالم الغیب والشھادۃ اور فرماتا ہے وعلمک مالم تکن تعلم یہ ہے پوری ملک اور پورا علم۔ نبی پاک کے غلام بھی یعنی تکوینی اولیاء اللہ دنیا کے سیاہ سفید کے مالک اور باذن پروردگار دنیا میں متصرف ہوتے ہیں۔ گروہ اولیاء میں ایک جماعت کا نام غوث ہے یعنی مددگار۔ حضور انور ﷺ کی مالکیت نفع رساں ان شاء اللہ قیامت میں آنکھوں دیکھی جائے گی کہ کوئی شخص اپنے اعمال لے کر رب

www.alahazratnetwork.org

آوے گا اب اس سوال کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ تمہاری جلدی کرنا تمہارے لئے ہی مضر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ کفار بجائے ایمان لانے کے عذاب مانگ رہے ہیں اب ارشاد ہے کہ یہ لوگ ایمان لائیں گے اور ضرور لائیں گے۔ مگر اس وقت جب کہ لانا بیکار ہوگا۔ ہر کام وقت پر درست ہوتا ہے وقت نکل جانے پر بیکار گویا مفید ایمان کے نفی کے بعد بیکار ایمان کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ کفار ایک عذاب یعنی دنیوی عذاب میں جلدی کرتے ہیں۔ اس کا تقاضا کرتے ہیں اب ارشاد ہے کہ ان پر دو عذاب آ رہے ہیں۔ دنیا میں وقتی عذاب ذلت شکست قید جزیہ وغیرہ کا آئے دوسرا آخرت میں دائمی عذاب وہ تو ایک عذاب مانگ رہے ہیں ذرا ٹھہر جائیں انہیں دو عذاب ہوں گے۔

تفسیر: قل ارایتم یہاں بھی قل میں خطاب حضور نور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن انہیں کفار سے جو عذاب جلدی مانگتے تھے ارایتم کے لفظی معنی ہوتے ہیں کیا دیکھا تم نے مگر استعمال میں یہ اسم فعل ہے بمعنی اخبرونی یعنی مجھے خبر تو بتاؤ تو کیونکہ رویت یعنی دیکھنا خبر دینے کا سبب ہے (روح البیان) یا مطلب ہے غور تو کرو۔ سوچو تو سہی۔ ان اتاکم عذابہ بیاتا و نھارا۔ یہ فرمان عالی قل کا مقولہ ہے یہاں ان فرمانا شک اور تردد کے لئے نہیں کیونکہ اگر عذاب سے مراد ہے نبی عذاب جو پچھلی امتوں پر آئے جیسے صورتیں مسخ ہو جانا۔ پتھر برسنا وغیرہ وہ تو ہرگز نہیں آ سکتے کیونکہ رب تعالیٰ کا وعدہ ہو چکا کہ ما کان لیعذبھم وانت فیھم اور اگر عذاب سے مراد جنگوں میں کھلی شکست مسلمانوں کی مدد کے لئے فرشتوں کا نزول وغیرہ ہے تو وہ یقینا آنے والا ہے کہ اس کی خبر اللہ رسول نے دے دی تھی لہذا یہاں ان فرمانا معلق کرنے کے لئے ہے۔ (روح المعانی) جیسے اگر زید شیر ہو جائے تو طاقتور ہو یا اگر زید انسان ہے تو ناطق ہے یا اگر سورج نکل آئے تو دن نکل آئے اور ہو سکتا ہے کہ ان فرمانا انہیں شک اور تردد کے لئے ہو۔ یعنی تم کافر رہو تو تم پر عذاب مذکور آ جائے گا اور اگر مومن ہو جاؤ تو بچ جاؤ گے۔ چونکہ ان کا کافر رہنا مشکوک تھا لہذا ان پر عذاب آنا بھی ان کے لئے مشکوک تھا۔ بیاتا ظرف ہے اتاکم کا یہ بروزن سلام ہے باب تفعیل کا مصدر بمعنی وقت بیات (کبیر، روح المعانی) یہ بنا ہے بیوتۃ سے بمعنی بیت یعنی گھر میں رہنا مراد ہے۔ رات میں آرام کرنا چونکہ عموماً انسان رات کو گھر میں رہتا ہے دن کو باہر اس لئے رات کو بیات کہہ دیتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تم پر عذاب اس وقت آئے جب تم کو گھر میں آرام ہو۔ یا دن میں آئے جب تم دنیا کی مشغولیتوں میں لگے ہو۔ اس شرط کی جزا یا تو پوشیدہ ہے یعنی فندمتم تم شرمندہ ہو جاؤ گے۔ یاتعرفوا خطاء کم اس وقت اپنی خطا کا اقرار کرو گے وغیرہ (بیضاوی) یا اس کی جزا یہ ہے ماذا یستعجل منه المجرمون جیسے کہا جاتا ہے۔ ان جئتکم ماذا تطعمنی اگر میں تمہارے پاس آؤں تو کیا کھلاؤ گے (کبیر، خازن، معانی وغیرہ) اس فرمان عالی میں ماذا یا تو ایک ہی لفظ ہے یا ما سوال کے لئے ہے ذا اشارہ کے لئے یعنی عذاب میں وہ کون سی خوبی و لذت ہے جس کی وجہ سے کفار عذاب جلدی مانگتے ہیں۔ ابھی دیکھا نہیں ہے ورنہ کبھی اس کا نام نہ لیتے۔ خیال رہے کہ یہاں بجائے ماذا تستعجلون کے یستعجل منه المجرمون اتنی دراز عبارت فرمانے میں اس جانب نفیس اشارہ ہے کہ ان کی یہ جلد بازی صرف اس لئے ہے کہ وہ مجرم

www.alahazratnetwork.org

کے پاس نہ پہنچے گا کہ مولی کھاتا کھول نمازیں وغیرہ لے جنت دے۔ بلکہ حضور ﷺ کو شفاعت کے لئے ساتھ لے کر بارگاہ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عشق رسول عطا فرمائے۔ اس دن عشاق کی دکانیں خوب چمکیں گی۔ شعر۔

سر محشر دکانیں عاشقوں کی خوب چمکیں گی
خریدے گا خدا بیچیں گے یہ صدقے محمد ﷺ کے

دیکھو کوئی شخص مدت مقررہ سے ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا مگر ان کی دعا سے رب آگے پیچھے کر دیتا ہے۔ حضرت آدم کی دعا سے داؤد علیہ السلام کی عمر بجائے ساٹھ سال کے سو سال ہوئی۔ یہ ہے نفع نقصان کی ملکیت بحکم پروردگار۔

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ بَيَاتًا اَوْ نَهَارًا

فرما دو بتاؤ اگر آئے تم پر عذاب اس کا رات میں یا دن میں کیا ہے وہ کہ جلدی

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو اگر اس کا عذاب تم پر رات کو آئے یا دن کو

مَّاذَا يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ اَثُمَّ اِذَا مَا

کرتے ہیں ان کی مجرم لوگ پھر کہا جائے گا

تو اس میں وہ کونسی چیز ہے کہ مجرموں کو جس کی جلدی ہے تو کیا جب ہو پڑے

وَقَعَ اٰمَنْتُمْ بِهٖ ؕ آٰلْـٰٔنَ وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

تو کیا جب کبھی ہو جاوے گا ایمان لاؤ گے تم اس پر کیا اب حالانکہ تم اس کو جلدی مانگتے ہو

گا اس وقت اس کا یقین کرو گے کیا اب مانتے ہو پہلے تو اسکی جلدی مچا رہے تھے

ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ ۚ

پھر کہا جائے گا ان لوگوں سے کہ جلدی کی انہوں نے چکھو عذاب دائمی نہیں بدلہ

پھر ظالموں سے کہا جائے گا ہمیشہ عذاب چکھو

هَلْ تُجْزَوْنَ اِلَّا بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۵۲﴾

دیئے جاؤ گے تم مگر اس کا کہ تھے تم کماتے

تمہیں کچھ اور بدلہ نہ ملے گا مگر وہی جو کماتے تھے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کے سوال کے اسی سوال کا ایک جواب دیا گیا کہ وہ عذاب کب پورا ہوگا۔ اور کب عذاب

www.alahazratnetwork.org

غافل وکافر ہیں۔ اگر مومن ہوتے تو عذاب کے نام سے ڈرتے کانپ جاتے اور توبہ کرتے ان میں یہ ڈھٹائی نہ ہوتی۔ اثم اذا ما وقع امنتم به یہ فرمان عالی کفار پر ملامت کے لئے ہے اور ثم بمعنی بعد ہے اذا ما میں ما زائدہ ہے اس کے معنی ہوئے جب کبھی اور یہ آمنتم کا ظرف ہے یعنی اے بے وقوفو کیا جب تم پر عذاب آپڑے گا تب ایمان لاؤ گے۔ جب کہ ایمان لانا کام نہ آئے گا۔ دیکھو فرعون ڈوبتے وقت چیختا ہی رہا کہ میں ایمان لاتا ہوں مگر ڈوب ہی گیا۔ اگر پہلے کہہ لیتا تو بچ جاتا۔ الئن وقد کنتم به تستعجلون اس فرمان عالی سے پہلے ایک عبارت پوشیدہ ہے یعنی اگر تم اس وقت ایمان لائے تو تم سے کہا جائے گا کہ کیا اب ایمان لاتے ہو پہلے سے اس کی جلدی کرتے رہے کہتے رہے کہ کب آوے گا لہٰذا اس میں الف سوال انکاری کا ہے اور الان ظرف ہے امنتم پوشیدہ کا یہ فرمان جھڑک کے لئے ہے جیسے فرعون نے جب ڈوبتے وقت اپنی ایمان کا اعلان کیا تو فرمایا گیا الئن وقد عصیت من قبل کیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ پہلے نافرمانی کرتا رہا جب وقت تھا ایمان کا وہ تو نے نکال دیا یہاں تک تو ان کے دنیاوی عذاب کا ذکر ہوا۔ اخروی عذاب کے متعلق ارشاد ہے ثم قیل للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد اس فرمان عالی میں دوزخ کے عذاب کا ذکر ہے جو قیامت کے بعد کفار پر ہوگا اس لئے ثم ارشاد ہوا جو تاخیر اور مہلت کے لئے بولا جاتا ہے اس سے عذاب برزخ یعنی قبر کا عذاب مراد نہیں۔ کیونکہ وہ عذاب دائمی نہیں جو کفار سے قیامت کے دن ختم کردیا جاوے گا۔ عذاب الخلد دوزخ کا عذاب ہے یہ کہنے والا یا تو رب تعالیٰ ہے یا فرشتے یا مومنین جو کفار سے یہ خطاب کریں گے چونکہ کفار پر دوزخ کا عذاب اور یہ قول یقینی ہے اس لئے قیل ماضی ارشاد ہوا۔ ظلموا سے مراد کفر ہے۔ کیونکہ دائمی عذاب صرف کفار پر ہوگا یہاں چکھنے سے مراد ہے برداشت کرنا یا بھگتنا۔ جیسے کہا جاتا ہے اب تو اپنے کئے کا مزہ چکھے گا۔ یعنی بھگتے گا۔ یہ دنیوی عذاب کے بعد کفار سے کہا جاوے گا رب تعالیٰ کی طرف سے یا فرشتوں یا مومن انسانوں کی جانب سے کہ اب تم دائمی عذاب بھگتو۔ یہ فرمان قیامت کا فیصلہ سنانے کے بعد ہوگا کہ تم کو عمر قید کی سزا ہے یعنی دائمی کیونکہ وہ ان کی عمر دائمی ہے۔ وہاں نہ عمر ختم ہو نہ عذاب۔ هل تجزون الا بما کنتم تکسبون یہ فرمان عالی قیل کے مقولہ کا بقیہ مضمون ہے اس میں سوال انکاری ہے۔ جزا سے مراد سزا ہے یعنی عذاب بما میں ب سببیہ ہے اور ما سے مراد بدعقیدگیاں اور یہ بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی سزا ملے گی جو تم دنیا میں کماتے رہے۔ کیونکہ رب تعالیٰ کسی بندے کو بغیر جرم سزا نہیں دیتا کہ یہ ایک طرح کا ظلم ہے اور رب ظلم سے پاک ہے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ ان کفار سے جو عذاب میں جلدی کرتے ہیں فرمادو کہ اگر تم پر رات میں آرام کرتے ہوئے یا دن میں اپنے کاروبار میں مشغولیت کے حالت میں عذاب آجائے تو تم شرمندہ ہو جاؤ گے۔ اور پھر شرمندگی کا ازالہ دے گا۔ غور تو کرو کہ عذاب میں ایسی کیا خوبی ہے جس وجہ سے مجرم اس میں جلدی کرتے ہیں اے بے وقوفو کیا تم اس وقت ایمان لاؤ گے جب تم پر عذاب آہی جائے گا۔ اگر تم اس وقت ایمان لائے تو تم سے فرشتے یا مسلمان کہیں گے کہ کیا تم اب ایمان لاتے ہو تو پہلے اس کو جلدی مانگتے تھے اب تمہارا ایمان قبول نہیں۔ دیکھو فرعون ڈوبتے وقت ایمان لایا مگر عذاب سے نہ بچا ڈوب ہی گیا۔ پھر تم کو صرف دنیا میں ہی عذاب نہیں دیا جائے گا بلکہ کچھ عرصہ بعد یعنی برزخ سے فارغ

www.alahazratnetwork.org

ہو کر قیامت کا فیصلہ سنا کر تم کو دائمی عذاب دوزخ دیا جائے گا۔ اور تم ظالموں سے کہا جاوے گا کہ اب دائمی عذاب چکھو تم کو تمہارے گذشتہ برے عقیدوں برے اعمال کی سزا ملے گی بے قصور کو رب تعالیٰ سزا نہیں دیتا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: عذاب الٰہی اکثر بندوں کی غفلت کے وقت آتا ہے جب وہ نہ بھاگ سکیں نہ بچاؤ کی تدبیر سوچ سکیں یہ فائدہ بیاتا او نہارا فرمانے سے حاصل ہوا کہ لیلاو نہارا نہ فرمایا بیات رات میں آرام کرنے کو سونے کو کہتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: مومن تو امن کا زمانہ اللہ کے ذکر شکر عبادت میں گذارتے ہیں۔ کفار غافل۔ یہ زمانہ غفلت شرعی چیزوں کا مذاق اڑانے میں میں کھودیتے ہیں۔ یہ فائدہ یستعجل منہ المجرمون سے حاصل ہوا کہ جلدی عذاب مانگنے والوں کو مجرمین فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ بیدار دل۔ گریاں آنکھ اور ذکر والی زبان عطا فرماوے۔

تیسرا فائدہ: عذاب الٰہی دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں اور اس وقت کے ایمان سے عذاب نہیں ٹلتا یہ فائدہ اذا ما وقع امنتم بہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ایمان بالغیب قبول ہے عذاب دیکھ کر ایمان بالغیب نہیں بلکہ ایمان بالشہادۃ ہے نبی پر ایمان لاؤ نہ کہ اپنی آنکھ پر۔

چوتھا فائدہ: مرتے وقت یعنی غرغرہ کی حالت میں کفر سے توبہ کرنا ایمان قبول کرنا بالکل مقبول نہیں۔ کیونکہ یہ بھی عذاب کے فرشتوں کو دیکھ کر ایمان لاتا ہے۔ ایمان بالغیب نہیں یہ فائدہ بھی اذا ما وقع امنتم بہ سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: دوزخ کا دائمی عذاب جس سے کبھی چھٹکارا نہ ہو صرف کفار ہوگا۔ مومن خواہ کیسا ہی گنہگار ہو۔ دوزخ میں ہمیشہ نہیں رہے گا۔ آخر کار جنت میں پہنچے گا۔ یہ فائدہ للذین ظلموا ذوقوا عذاب الخلد سے حاصل ہوا کہ یہاں ظلموا کے معنی ہیں کفروا رب فرماتا ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

چھٹا فائدہ: کفار کے ناسمجھ چھوٹے بچے یا وہ دیوانے یا گل بے ہوش رہے اس حالت میں مر گئے انہیں رب تعالیٰ عذاب نہ دے گا۔ یہ فائدہ لا تجزون الا بما کنتم تکسبون سے حاصل ہوا۔ الا کے حصر سے معلوم ہوا کہ کفار کو عذاب صرف ان کی بدعقیدگیوں اور بدعملیوں کی وجہ سے ہوگا بچے دیوانہ نہ بدعقیدہ رہے نہ بدعمل انہیں سمجھ ہی نہ آئی کہ مر گئے۔

ساتواں فائدہ: کفار و مشرکین عذاب آخرت کے اعتبار سے گناہ چھوڑنے اور نیکیاں کرنے کے مکلف ہیں۔ یعنی ان پر ضروری ہے کہ اسلامی محرمات سے بچیں اور اسلامی فرائض ادا کریں۔ ورنہ ان کو ان جرموں کی بھی سزا ملے گی یہ فائدہ بھی بما کنتم تکسبون سے حاصل ہوا کہ کسب میں بدعقیدگیاں اور بدعملیاں سب ہی داخل ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں عذاب سے کون سا عذاب مراد ہے اگر غیبی عذاب مراد ہے تو وہ تو حضور انور کی تشریف آوری سے بند ہو گئے وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم اور اگر جنگوں میں شکست وغیرہ کے عذاب یا قیامت مراد ہے تو بیاتا او نہارا فرمانے کے کیا معنی قیامت تو ابھی آئے گی وہ تو آخر زمانے میں آئے گی اور جب آئے گی تو دن ہوگا جیسا کہ حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی جانوروں کے حوض کا پلستر کرتا ہوگا کوئی کپڑا فروخت کرتا ہوگا کوئی کھانا کھاتا ہوگا کہ

www.alahazratnetwork.org

قیامت آ جاوے گی۔ بہر حال یہ آیت کیونکر درست ہے۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں عذاب آنے یا نہ آنے کا ذکر نہیں بلکہ اس کی آمد پر کفار کی شرمندگی موقوف ہونے کا ذکر ہے جیسے اگر زید شیر ہو تو طاقتور شکاری ہو جیسا کہ منطق کی کتابوں سے معلوم ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ حضور انور ﷺ کی آمد سے غیبی عام عذاب بند ہوئے خاص غیبی عذاب آ سکتے ہیں اور آئیں گے۔ قریب قیامت بعض لوگوں کی صورتیں بگڑیں گی۔ نیز قیامت بعض لوگوں پر دن میں آئے گی۔ بعض پر رات میں۔ کیونکہ تمام زمین پر بیک وقت دن کبھی نہیں ہوتا۔

دوسرا اعتراض: یہاں بیاتا او نہارا کیوں فرمایا گیا۔ لیلا او نہارا کیوں نہ فرمایا نہارا کا مقابلہ لیل سے ہوتا ہے نہ کہ بیات سے۔

جواب: رات کے اول حصے میں لوگ جاگتے ہیں مگر آخری حصہ میں سارے ہی غافل سوتے ہیں یہاں یہی آخری حصہ مراد ہے اس وقت عذاب کا آنا بڑی ہی مصیبت کا باعث ہے کہ نہ کوئی بھاگ سکے نہ کوئی مدد کر سکے یہ بتانے کے لئے بیاتا ارشاد ہوا نیز یہاں اشارۃً یہ بتایا کہ کافروں کی راتیں غفلتوں میں گذرتی ہیں مومنوں کی راتیں ہوشیاری میں۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ عذاب قبر کوئی شے نہیں بس دو ہی عذاب ہیں۔ عذاب دنیا اور عذاب آخرت جو بعد قیامت شروع ہوگا۔ دیکھو یہاں ان اتاکم عذابہ بیاتا (الخ) میں عذاب دنیا کا ذکر ہوا اور ثم قیل میں ذوقوا عذاب الخلد یعنی دائمی عذاب کا ذکر ہوا جو بعد قیامت ہے اگر عذاب قبر بھی کچھ ہوتا تو اس کا بھی ذکر ہوتا۔

جواب: دوسری آیات میں عذاب قبر کا صراحۃً ہے النار یعرضون علیھا غدوا و عشیا. ادخلوا آل فرعون اشد العذاب۔ یہاں ابتدائی اور انتہائی عذاب کا ذکر ہے عذاب قبر کا یہاں ذکر نہ ہونا اس سے لازم یہ نہیں کہ وہ ہے ہی نہیں۔ اس لئے ارشاد ہوا۔ ثم قیل للذین (الخ) تاکہ مذکورہ دو عذابوں میں فاصلہ معلوم ہو۔

چوتھا اعتراض: تم نے کہا کہ عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں مگر قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کی کافر قوم عذاب دیکھ کر ایمان لائی اور ان کا ایمان قبول ہوا۔ الا قوم یونس لما امنوا (الخ)

جواب: وہ لوگ علامات عذاب دیکھ کر ہی ایمان لے آئے تھے ابھی عذاب آنے میں دیر تھی جیسے کوئی کافر لاعلاج بیماری میں مسلمان ہو جائے تو قبول ہے مگر نزع کی حالت میں قبول نہیں کہ وہ عذاب دیکھ کر ایمان لایا ہے۔

پانچواں اعتراض: تم نے کہا کہ بغیر جرم عذاب و سزا دینا ظلم ہے اور رب تعالیٰ ظلم سے پاک ہے مگر دیکھا جاتا ہے کہ بچوں جانوروں دیوانوں پر بھی مصیبتیں آ جاتی ہیں۔ امام حسین پر کربلا میں جو مصیبت آئی وہ تو بیان نہیں ہو سکتی انہوں نے کیا جرم کئے تھے۔ دیکھو بغیر جرم مصیبت آ گئی اور آتی ہے۔

جواب: ہم نے عذاب یعنی سزا کے متعلق یہ قانون عرض کیا دنیا کی تکالیف سزا نہیں ہوتیں۔ کبھی یہ گناہوں کی معافی کبھی بلندی درجات کا ذریعہ ہوتی ہیں یہ رحمت ہیں جیسے بیمار کا اپریشن کہ شفاء اور صحت کا ذریعہ ہے سزا چیز ہی اور ہے یعنی غیر مجرم کو مجرم قرار دے کر اسے سزا دی جائے یہ ظلم ہے رب تعالیٰ سے یہ ناممکن ہے۔

www.alahazratnetwork.org

چھٹا اعتراض: تم نے تکسبون کے معنی کئے برے عقیدے اور برے اعمال اختیار کرنا اور تم نے کہا ان سب کی سزا کفار کو ملے گی مگر کفار اسلامی اعمال کے مکلف نہیں نہ ان پر نماز و روزہ فرض ہے نہ شراب اور سور حرام پھر سزا کیسی۔

جواب: کفار دنیوی احکام میں اسلامی اعمال کے مکلف نہیں اس لئے بڈھا نومسلم اپنے کفر کے زمانہ کی نمازیں قضا نہیں کرتا مگر اخروی سزا کے لحاظ سے وہ ان کے مکلف ہیں۔ یعنی انہیں ان اعمال پر بھی سزا ملے گی۔ چنانچہ جب دوزخی کفار سے پوچھا جاوے گا کہ ماسلککم فی سقر تم کو دوزخ میں کون سا گناہ لایا تو کہیں گے۔ قالوا لم نک من المصلین لم نک تطعم المسکین۔ ہم نماز پڑھتے خیرات نہ کرتے تھے۔ اس لئے دوزخ میں ڈالے گئے۔

تفسیر صوفیانہ: اس آیت کریمہ میں کفار کے دن و رات دکھائے گئے ہیں کہ ان کا حال یہ تھا۔ شعر۔

دن لہو میں کھوتا تجھے شب نیند بھر سوتا تجھے ۔ خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

ان سے فرمایا گیا کہ تم پر عذاب اور ندامت دونوں آجانے کا خطرہ ہے تم کس ہمت پر عذاب میں جلدی کرتے ہو۔ چونکہ ان کے دن اور رات دونوں وقت غفلتوں میں گزرتے ہیں اس لئے ان پر دونوں جہان میں عذاب ہوگا۔ نیز ان کے جسم بدعمل ہیں اور دل بدعقیدہ اس لئے دونوں عالم ان کے تباہ ہیں۔ ایمان وہ بھی لائیں گے مگر وقت کھو کر موت وقت پر ایمان لاتے ہیں۔ شعر۔

آنچہ دانا کند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار

صوفیاء کے نزدیک عذاب الخلد میں دونوں عذاب داخل ہیں دوزخ اور عذاب قبر۔ شعر۔

نہ بیداری کہ بدگورفت و جان برد حسابش با کراما کاتبین است

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ابتداء عذاب بندے کی طرف سے ہے اس کا نتیجہ رب کی طرف سے ہے جیسے کوئی زہر کھائے اور مر جائے زہر کھانا بندہ کا کام ہے اس پر موت دینا رب کا کام ہے۔

چہ از غیر شکایت کنم کہ ہمچو حباب ہمیشہ خانہ خراب ہوا ء خویشتنم!

(روح البیان)

وَيَسْتَنْبِئُونَكَ أَحَقٌّ هُوَ قُلْ إِي وَرَبِّي إِنَّهُ لَحَقٌّ

اور سوال کرتے ہیں وہ آپ سے کیا حق ہے وہ فرما دو ہاں قسم میرے رب کی تحقیق وہ

اور تم سے پوچھتے ہیں کیا وہ حق ہے تم فرماؤ ہاں وہ میرے رب کی قسم بیشک وہ ضرور

ع ۵ ۱۰ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ۝٥٣ وَلَوْ أَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ

بالکل حق ہے اور نہیں ہو تم عاجز کرنے والے اور اگر تحقیق ہر اس جان کے لئے جس نے ظلم

حق ہے اور تم کچھ تھکا نہ سکو گے اور اگر ہر ظالم جان زمین میں جو

وقف النبی

www.alahazratnetwork.org

مَا فِی الۡاَرۡضِ لَافۡتَدَتۡ بِهٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا

یا وہ ہوتا جو زمین میں ہے یقیناً فدیہ دے دیتا وہ اس کا اور چھپائیں گے وہ شرمندگی

جو ہے سب کی مالک ہوتی ضرور اپنی جان چھڑانے میں دیتی اور دل میں چپکے چپکے

الۡعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَیۡنَهُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَ هُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۵۴﴾

جب وہ دیکھیں گے عذاب کو اور فیصلہ کیا جاوے گا درمیان ان کے ساتھ انصاف کے اور وہ ظلم نہیں کیے جائینگے

پشیمان ہوئے جب عذاب دیکھا اور ان میں انصاف سے فیصلہ کردیا گیا اور ان پر ظلم نہ ہوگا

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں کفار کے ایک قسم کے مذاق و دل لگی کا ذکر ہوا۔ جو وہ قیامت یا عذاب الٰہی کے متعلق کیا کرتے تھے۔ یعنی اس میں جلدی کرنا۔ اب ان کے دوسرے قسم کے مذاق کا ذکر ہے یعنی پوچھتے پھرنا کہ کیا واقعی وہ عذاب حق ہے۔ کیا وہ آئے گا گویا ایک قسم کے انکار کے بعد دوسرے قسم کے انکار کا تذکرہ ہے۔

دوسرا تعلق: ابھی پچھلی آیت کریمہ میں آنے والے عذاب کی ایک قسم کی سختی کا ذکر ہوا۔ کہ اس وقت وہ ایمان لائیں گے مگر قبول نہ ہوگا۔ اب اس عذاب کی دوسری سخت کا تذکرہ ہے کہ وہ ساری زمین کا مال فدیہ دینے پر راضی ہوں گے مگر بے سود۔

تیسرا تعلق: آیت کریمہ میں کفار کے جسمانی عذاب کا ذکر ہوا ذوقوا عذاب الخلد اب ان کے روحانی اور دلی عذاب کا تذکرہ ہے کہ وہ عذاب پر سخت شرمندہ اور نادم ہوں گے۔

ہر اپنے کوتکوں سے آتی ہے جو مصیبت ہوتی ہے ساتھ اس کے شرمندگی غضب کی

شان نزول: ایک بار حیی ابن اخطب یہود کا سردار خیبر سے مکہ معظمہ آیا اسے حضور انور ﷺ کی جلوہ گری اور آپ ﷺ کے دعوئی نبوت اور آخرت کے عذاب کی خبریں دینے کا پتہ لگا۔ تو وہ آپ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر بولا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں۔ وہ بطور دل لگی یا مذاق کہہ رہے ہیں یا یہ باتیں واقعی حق ہیں اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر بیضاوی) اس کی ابن اخطب کی بیٹی حضرت صفیہ بن کی غزوۂ خیبر میں گرفتار ہو کر آئیں۔ حضور انور ﷺ نے انہیں آزاد فرمادیا اور ان سے نکاح کیا وہ ام المومنین ہیں۔

تفسیر: ویستنبونک احق هو چونکہ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واؤ ابتدائیہ ہے یستنبون بنا ہے نباء سے بمعنی خبر رب فرماتا ہے عن النباء العظیم اگر یہ باب افعال یا تفعیل سے ہو تو اس کے معنی ہوتے ہیں خبر دینا۔ رب فرماتا ہے ونبئهم عن ضیف ابراهیم اگر باب استفعال سے ہو تو معنی ہوتے ہیں خبر معلوم کرنا۔ یعنی پوچھنا یہاں اسی معنی میں

www.alahazratnetwork.org

ہے یہ لفظ دو مفعول چاہتا ہے دوسرے مفعول کے اول میں عن آتا ہے۔ یہاں پہلا مفعول تو کاف خطاب ہے دوسرا مفعول مع عن کے پوشیدہ ہے۔ جو احق ھو سے معلوم ہو رہا ہے یعنی عن دعوی ینبوتک یا عما وعدتھم من العذاب والساعۃ ھذا السوال انہ۔ میں ھو کا مرجع حضور انور کا دعویٰ نبوت یا قیامت یا عذاب موعود ہے۔ جس کی خبر حضور انور نے دی تھی۔ اگرچہ پوچھنے والا ایک شخص حیی ابن اخطب تھا مگر چونکہ وہ اپنی قوم کا سردار یا نمائندہ تھا گویا ساری قوم یہود ہی شامل تھی۔ اس لئے یستنبئون جمع ارشاد ہوا یعنی یہ لوگ آپ کے دعویٰ نبوت یا خبر قیامت یا خبر عذاب کے متعلق پوچھتے ہیں کہ کیا یہ حق ہے۔ یہاں حق بمعنی صدق ہے۔ کذب کا مقابل یا اپنے ہی معنی میں ہے یعنی باطل کا مقابل عقائد پر حق و باطل بولا جاتا ہے۔ اور اعمال اقوال پر صادق و کاذب (تفسیر روح المعانی، کبیر وغیرہ) اگرچہ اس نے بطور مذاق یہ سوال کیا تھا مگر نہایت متانت سے اس کا جواب دلوایا گیا کہ ارشاد ہوا۔ قل انی و ربی انہ لحق عربی زبان میں نعم۔ بلی اجل ای جیر سارے حروف ایجاب بمعنی ہاں ہیں مگر لفظ ای کے ساتھ قسم ہونا ضروری ہے۔ جیسے ای واللہ اس قاعدے سے یہاں ای و ربی ارشاد ہوا آج کل اہل عرب کہتے ہیں ای وہ شاید یہ واؤ قسمیہ ہے اور ہ وقف کی یا اللہ کا آخری حرف ہے۔ پہلے معنی زیادہ موزوں ہیں۔ (تفسیر کبیر وصاوی وغیرہ) خیال رہے کہ بعض لوگ دلائل سے مانتے ہیں۔ بعض قسم وغیرہ تاکیدوں سے بعض تلوار سے یہ جواب دوسری قسم کے لوگوں لحاظ سے ہے احادیث میں وارد ہے کہ بعض لوگ حضور انور کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ کیا خدا کی قسم آپ ﷺ رسول ہیں۔ حضور انور ﷺ کے ہاں فرمانے پر مان جاتے تھے۔ (کبیر) انہ لاحق میں وہ احتمالات ہیں جو ابھی احق ھو کی تفسیر میں عرض ہوئے۔ یعنی میری نبوت کا دعوی قیامت سے ڈرانا عذابوں کی خبریں بالکل برحق ہیں انہیں باطل ہونے کا شائبہ بھی نہیں۔ وما انتم بمعجزین یہ فرمان عالی یا نیا جملہ ہے اور واؤ ابتدائیہ یا معطوف ہے انہ لحق پر اور قسم کا جواب یا معطوف ہے ای و ربی پر اور قل کا مقولہ ہے۔ ان صورتوں میں واؤ عاطفہ ہے انتم میں خطاب یا تو مذکورہ سوال کرنے والوں سے ہے یا سارے کفار سے معجزین بنا ہے اعجاز سے جس کا مادہ عجز ہے۔ عجز کے معنی عاجز ہونا بھی ہیں۔ بچنا بھی۔ اور فوت ہونا بھی (روح المعانی) یعنی تم لوگ موعود عذاب کو فوت نہیں کر سکتے یا تم اس سے بچ نہیں سکتے یا تم رب تعالیٰ کو سزا دینے سے عاجز نہیں کر سکتے وہاں زور کام نہیں آتا۔ زاری عجز و انکساری کام آتی ہے۔ شعر۔

زور را بگذار زاری را بگیر — رحم سوئے زاری آید اے فقیر

اس فرمان عالی میں رب تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہوا۔ اب انسان کی مجبوری مقہوری کا ذکر ہے کہ ولو کان لکل نفس ظلمت ما فی الارض لافتدت بہ اس فرمان عالی میں نفس سے مراد ذات یا جان ہے ظلم سے مراد یا شرک و کفر ہے یا کسی بندے کا حق مارنا یا کسی پر ناحق زیادتی کرنا یہاں لو بمعنی ان ہے۔ یا اپنے ہی معنی میں ہے ما سے مراد زمین کی ساری دولتیں ہیں۔ سونا، چاندی، موتی، جواہرات وغیرہ۔ فدیہ بمعنی معاوضہ ہے یعنی قیامت کی گھبراہٹ اور بے بسی کا یہ حال ہوگا کہ اگر ظالم یا کافر آدمی کے پاس زمین کے سارے خزانے ہوتے اور اس سے کہا جاتا کہ تو یہ سب مال دے کر اپنی جان عذاب سے بچالے تو وہ اس میں ذرا بھی تامل اور تردد نہ کرتا فوراً سب کچھ دے کر اپنے کو عذاب سے بچالیتا۔ واسروا الندامۃ لما راوا

www.alahazratnetwork.org

العذاب ظاہر یہ ہے کہ یہ نیا جملہ ہے اس فرمان میں اسروا جمع ارشاد ہوا اور لکل نفس میں واحد لایا گیا کہ ہر ایک کا انفرادی حال بیان ہوا۔اور یہاں اجتماعی حال کا ذکر ہے۔اسروا بنا ہے اسرار سے اسرار کے تین معنی ہوتے ہیں (۱) چھپانا۔یعنی اعلان کا مقابل رب فرماتا ہے سرا و علانیۃ اگر اس کے بعد کسی کا ذکر ہو تو معنی ہوتے ہیں اس پر ظاہر کرنا۔ دوسرے سے چھپانا۔رب فرماتا ہے واسرا النبی الی بعض ازواجہ اور فرماتا ہے واسررت لھم اسرارا (۲) ظاہر کرنا کہا جاتا ہے اسررت الشیء میں نے اس چیز کو ظاہر کر دیا۔امراء القیس کہتا ہے عرب کا مشہور شاعر لو یسرون فقتلی گویا یہ لفظ اضداد سے ظاہر کرنا اور چھپانا دونوں ہیں (۳) اخلاص یہاں تینوں معنی درست ہیں یعنی جب کفار عذاب دیکھیں گے تو ایک دوسرے سے اپنی شرمندگی چھپائیں گے۔دل میں شرمندہ ہوں گے زبان خاموش یا عذاب دیکھ کر مبہوت و حیران ہو

www.alahazratnetwork.org

اور ایک دوسرے سے اپنی شرمندگی چھپائیں گے۔ منہ سے کچھ نہ بولیں گے یا اپنی شرمندگی کا اعلان کریں گے یا نہایت اخلاص سے اپنے کفر و گناہوں سے توبہ کریں گے مگر اس وقت یہ کچھ کام نہ آوے گا اور ان کفار کے طبقوں کے درمیان۔ یا کفار و مومنین کے درمیان یا حق مارنے والے ظالموں اور مظلوموں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جاوے گا۔ کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ اچھا فیصلہ کرانا ہی تو دنیا میں اچھے بن کر رہو۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اگر کوئی جاہل دل لگی یا مذاق کے طور پر بھی کچھ پوچھے تو اس کو تحمل سے جواب دینا چاہئے کہ یہ بھی ایک قسم کی تبلیغ ہے دیکھو حیی ابن اخطب نے دل لگی مذاق کے طور پر پوچھا تھا کہ کیا آپ ﷺ کی باتیں سچی ہیں تو حضور انور ﷺ سے نہایت نفیس جواب دلوایا گیا کہ ہاں رب کی قسم سچی ہیں۔ ایک کافر نے کسی صحابی سے کہا کہ تمہارے نبی پیشاب پاخانہ کی باتیں بھی تمہیں سکھاتے ہیں۔ یہ بطور مذاق اس نے کہا تھا ان صحابی نے جواب دیا کہ ہاں انہوں نے ہم کو حکم دیا ہے کعبہ کو منہ یا پشت کر کے استنجاء نہ کریں۔ اور تین پتھروں سے استنجاء کریں۔ یہ ہے حکیمانہ جواب۔

دوسرا فائدہ: تبلیغ کے لئے ہر موقعہ پر دلائل قائم کرنا ضروری نہیں کبھی تاکیدی قسم ارشاد فرمانا بھی مفید ہوتا ہے۔ یہ فائدہ ای و ربی فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس فرمان میں ای اور وربی ہے اور ان اور لحق کے تاکیدی لام سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: کوئی شخص اپنے زور طاقت کسی حیلہ جھوٹے بہانہ کسی دوسرے کے قوت کے ذریعہ رب تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچ سکتا۔ وہاں صرف عاجزی۔ اطاعت زاری کام آتی ہے یہ فائدہ وما انتم بمعجزین سے حاصل ہوا۔ شعر۔

عجز کار انبیاء و اولیاء است عاجزی محبوب درگاہ خداست

چوتھا فائدہ: سوال سے زیادہ جواب دینا جو مفید ہو بہتر ہے کہ اس میں نفع ہوتا ہے یہ فائدہ بھی وما انتم بمعجزین سے حاصل ہوا۔ کفار نے صرف یہ ہی پوچھا کہ کیا آپ ﷺ کی باتیں سچی ہیں جواب میں یہ اضافہ فرمایا گیا۔

پانچواں فائدہ: مال و دولت سے محبت صرف آرام میں ہوتی ہے مصیبت پڑنے پر یہ محبت نفرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ لافتدت بہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو قیامت میں کفار عذاب الٰہی دیکھتے ہی اپنی دولت اور دنیا سے متنفر ہو جائیں گے ان کا یہ حال ہوگا دفع عذاب کے لئے ساری دنیا کے خزانے قربان کر دینے پر تیار ہوں گے۔ ہم نے ایک لکھ پتی کے متعلق سنا کہ وہ سخت بیمار ہوا۔ زندگی سے مایوس ہونے پر ڈاکٹر سے کہا کہ تم میری ساری کوٹھیاں دکانیں بنک کا روپیہ لے لو مجھے کسی صورت سے اچھا کر دو وہ تو آخرت کا عذاب ہے اس کا کہنا۔ یہ ہی حال دنیاداروں کی آپس کی محبتوں کا ہے الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض المتقین اس قیامت کے دن دوست دشمن بن جائیں گے۔ سوا پرہیزگاروں کے اللہ تعالیٰ اپنا فضل و کرم ہی فرمائے۔

چھٹا فائدہ: قیامت میں کفار خصوصاً سرداروں کو ڈبل عذاب ہوگا۔ ایک دوزخ کا عذاب دوسرے شرمندگی اور پشیمانی کا عذاب جسے وہ اپنے ماتحتوں سے چھپائیں گے۔

www.alahazratnetwork.org

ساتواں فائدہ: قیامت میں کفر سے توبہ قبول نہیں۔توبہ ایمان کی جگہ دینا ہے یہ فائدہ اسرو الندامۃ کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ اسروا کے معنی ہوں کہ وہ اخلاص سے اپنی کئے پر نادم یعنی تائب ہوں گے۔

آٹھواں فائدہ: کسی کا حق مارنا بدترین گناہ ہے۔سور کتا بلا کھانے سے بدتر ہے۔کسی کا مال مار کر کھانے سے کہ اس گناہ سے توبہ ہوسکتی ہے مگر اس ظلم سے توبہ قبول نہیں۔وہ تو حق والے کے معاف کرنے سے ہی معاف ہوگا۔دیکھو جو ساٹھی مسلمان ہو جائے تو اس نے زمانہ کفر میں جو کتے بلے سور کھائے وہ مسلمان ہوتے ہی معاف ہو گئے مگر اس نے جو کسی کا حق مارا ہوگا وہ معاف نہیں ہوگا وہ تو ادا کرنا ہی پڑے گا۔یہ فائدہ کل نفس ظلمت کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ ظلم سے مراد کسی کا حق مارنا۔

پہلا اعتراض: اپنے دعوے پر قسم کھانے سے کیا فائدہ کفار جب حضور انورؐ کو سچا جانتے ہی نہ تھے تو قسم کے بعد بھی نہیں مانیں گے تو ای و ربی کیوں ارشاد ہوا۔ان کو دلائل سے خاموش کرنا چاہئے تھا۔

جواب: حضور انور نے اپنی نبوت پر معجزات کے دلائل تو بے شمار قائم فرمادئے تھے نہ ماننے والے انکاری ہی رہے مگر بعض کفار وہ بھی تھے جو حضور انور ﷺ کو قسم دے کر پوچھتے تھے کہ کیا آپ ﷺ سچے نبی ہیں۔کیا قیامت وغیرہ برحق ہے اور قسم فرمادینے پر مان جاتے تھے۔ان کے لئے قسم مفید تھی۔اس کی مثالیں احادیث میں موجود ہیں۔

دوسرا اعتراض: حیی ابن اخطب نے صرف یہ پوچھا تھا کہ کیا آپ ﷺ کی باتیں حق ہیں۔اس کا جواب ای و ربی کافی تھا۔بعد میں اور باتیں فرمانا بلاضرورت ہے کہ تم رب کو عاجز نہیں کرسکتے قیامت کی گھبراہٹ کا یہ حال ہوگا وغیرہ۔

جواب: یہ ہی تو مقصود تبلیغ ہے کہ اکثر لوگ ڈر کر ایمان قبول کر لیتے ہیں ای و ربی تو اس کی تمہید ہے۔

تیسرا اعتراض: اگر اسرو الندامۃ کے معنی یہ ہوں کہ کفار اپنی شرمندگی ندامت چھپائیں گے تو یہ آیت دوسری آیات کے خلاف ہے رب فرماتا ہے **مونمذ یعض الظالم علی یدیہ یقول یا یتنی اتخذت مع الرسول سبیلا** اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار اپنی ندامت شرمندگی ظاہر کریں گے۔

جواب: قیامت کے حالات مختلف ہوں گے ایک وقت اور ایک حالت میں وہ ندامت چھپائیں گے۔دوسرے وقت دوسرے حال میں ظاہر کریں گے۔دیکھو ایک وقت کفار اپنے کفر کا انکار کریں گے۔دوسرے وقت اقرار۔

چوتھا اعتراض: چندروزہ جرم پر دائمی سزا دینا ظلم ہے۔کفار نے کفر دس بیس یا سو پچاس سال کیا مگر انہیں اس کی سزا میں ابدالاباد تک دوزخ میں رکھنا یہ انصاف کے خلاف ہے (آریہ)

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ایک یہ کہ آج چوری کرتا ہے ایک آدھ گھنٹے میں مگر اس کی سزا سات سال جیل کیا یہ ظلم ہے۔جواب تحقیقی یہ ہے کہ مجرم کو سزا قانون شکنی کی ہوتی ہے۔قانون بڑی اہم چیز ہے کفر و شرک کی سزا دائمی دوزخ یہ قانون کے مطابق ہے جس کا اعلان دنیا میں کر دیا گیا ہے **خالدین فیھا ابدا** اگر کسی کو یہ سزا منظور نہیں تو مومن بن جائے بچ جائے گا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: غافل لوگوں کی آنکھوں پر غفلت کے پردے ہیں جن کی وجہ سے وہ اخروی خبروں میں شک و تردد میں ہیں۔ ان آنکھوں اور دلوں میں تعلق دینا۔ محبت دنیا اور الفت اہل دنیا نے ایسی بیماریاں پیدا کر دی ہیں جس سے وہ دنیا سے آگے بڑھتے ہی نہیں مگر عاقل مومن بیدار ہیں وہ دل کی آنکھوں سے آخرت کی چیزوں کو ایسے محسوس کرتے ہیں جیسے دماغ کی آنکھوں سے دنیا کو۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

سرمہ کن درچشم خاک اولیاء تا بہ بینی زابتدا تا انتہا

بعض اللہ کے بندے آخرت کو دماغ کی آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نبی نے معراج میں سارا عالم غیب کو ان آنکھوں سے دیکھا عام مومنوں کے لئے آخرت علم الیقین ہے خاص کے لئے عین الیقین اخص کے لئے حق الیقین ان کے متعلق فرمایا انہ لحق لطف یہ ہے کہ حضور انور ﷺ نے قسمیں کھا کھا کر سارے ایمانیاں کی حقانیت بیان کی ای و ربی انہ الحق اور رب تعالیٰ نے قرآن کی قسم فرما کر حضور کی نبوت ثابت فرمائی۔ یس و القران الحکیم انک لمن المرسلین یہ ہے شان محبوب۔ رب تعالیٰ کے عذاب سے کفار نہ بچیں گے۔ کیونکہ ان کے پاس دوزخ بجھانے والا پانی نہیں۔ مومنین دوزخ کو عذاب دینے سے عاجز کر دیں گے کہ ان کے پاس ایمان کا نور اور خوف خدا عشق رسول میں بہنے والے آنسو ہیں۔ جن سے دوزخ پناہ مانگے گی۔ کفار اپنے عذاب کا فدیہ نہ دے سکیں گے مگر مومنوں کے لئے رب تعالیٰ کفار کو فدیہ بنا دے گا کہ کافر دوزخ میں اپنی جگہ سنبھال لے گا اور مومن کی جگہ بھی جیسے مومن جنت میں اپنی جگہ بھی لے گا اور کافر کی جگہ بھی۔ کفار اپنی شرمندگی چھپائیں گے مومن کے چہرے پر اس کے نیک اعمال کا نور ہوگا۔ یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ مومن کا حسن کافر کی بدشکل قیامت میں معلوم بلکہ سب کو محسوس ہوگی۔

أَلَآ إِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۗ أَلَآ إِنَّ وَعْدَ

خبردار تحقیق صرف اللہ کی ہیں وہ چیزیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں خبردار تحقیق وعدے

سن لو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور زمین میں سن لو بیشک

اللّٰهِ حَقٌّ وَّلٰكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٥٥﴾ هُوَ يُحْىٖ

اللہ کے حق ہیں اور لیکن بہت ان میں سے نہیں جانتے وہ زندہ کرتا

اللہ کا وعدہ سچا ہے مگر ان میں اکثر کو خبر نہیں وہ جلاتا

وَيُمِيتُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿٥٦﴾

ہے اور موت دیتا ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تم سب

اور مارتا ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اگر قیامت میں کفار دنیا بھر کے خزانوں کے مالک ہوتے تو عذاب کا فدیہ دے دیتے۔ اب ارشاد ہے کہ وہ ایک ذرہ ایک قطرہ کے مالک نہ ہوں گے کیونکہ ہر چیز اللہ کی ملک ہے وہ جسے مالک کرے وہ مالک ہو۔ اس نے ان کفار کو دنیا میں عارضی مالک کیا تھا آخرت میں مالک نہ کرے گا۔ گویا پچھلی آیت میں دعویٰ تھا اس آیت میں اس دعوے کی دلیل ہے۔ (تفسیر صاوی۔ تفسیر کبیر)

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں کفار کا ایک سوال مذکور ہوا کہ کیا یہ مذکورہ چیزیں حق ہیں اور حضور انور ﷺ کا جواب ذکر کیا گیا کہ انہ الحق اب اس جواب کی تائید فرمائی جا رہی ہے کہ محبوب کے وعدے اللہ کے وعدے ہیں اور اللہ کے وعدے خلاف نہیں ہو سکتے گویا یہ آیت کریمہ پچھلی آیت کی تائید ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کی جلد بازی کا ذکر ہوا کہ وہ عذاب جلد مانگتے ہیں فماذا یستعجل منہ المجرمون اب ان کی حماقت کا ذکر ہے کہ وہ اس جلدی بازی میں بڑے بے وقوف ہیں۔ اللہ کے وعدوں کا وقت مقرر ہے۔ وقت پر عذاب بھی آ جائے گا۔ دنیا میں جو بچہ آج اپنا بڑھاپا مانگے وہ دیوانہ ہے بڑھاپا آئے گا مگر اپنے وقت پر۔

تفسیر: الا ان جس مضمون کے منکر موجود ہوں یا ہونے والے ہوں اسے الا ان قد لقد کی تحقیقات سے شروع کیا جاتا ہے دنیا میں غافل لوگ عملی طور سے اپنے کو گویا مال و متاع کا حقیقی مالک مان چکے تھے ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ یہ چیز میری وہ تیری کبھی غور نہ کرتے تھے کہ ملکیت ختم ہونے والی ہے بعض کفار کے مستقل مالک چند مانتے تھے اور مانتے ہیں کہ زمین ہمارے فلاں معبود کی اور آسمان فلاں کا بیماریاں فلاں بت کی ملک ہیں۔ تندرستی و دولت مندی فلاں کی چیز یہ مضمون بہت اہم اس کی اہمیت دکھانا مقصود ہے اس لئے اس آیت کو الا اور ان کی تحقیقات سے شروع فرمایا۔ للہ ما فی السموات والارض اس فرمان عالی میں للہ کا لام حقیقی ملکیت کا ہے نفع کا نہیں۔ اور وہاں خلق لکم ما فی الارض میں لام نفع کا ہے یعنی ساری چیزیں اللہ کی ہیں۔ مگر ہماری نفع کے لئے ہیں۔ رب تعالیٰ نفع سے پاک ہے۔ للہ کو ما فی السموات سے مقدم فرمانے سے حصر حقیقی کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی اللہ ہی کی ہیں جو کسی ذرہ یا قطرہ کا مالک حقیقی خدا کے سوائے کسی کو مانے وہ مشرک ہے۔ اگرچہ بعض بندے چیزوں کے مالک کئے گئے ہیں مگر وہ بندے خود اللہ کی ملک ہیں۔ اور اپنے مملوک بندے کی مملوکہ چیزیں مولیٰ کی ہوتی ہیں۔ پھر بھی وہ اللہ کی ہی ہوئیں۔ چونکہ دنیا میں عاقل مخلوق تھوڑی ہے اور غیر عاقل زیادہ اس وجہ سے بطور غلبہ ما ارشاد ہوا جو نا سمجھ کے لئے آتا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نا سمجھ چیزیں تو اللہ کی ہیں اور سمجھ دار عاقل لوگ کسی کے چونکہ ہمارا علم صرف سمانیات تک ہے عالم انوار عالم امر وغیرہ ہمارے علم سے وراء ہیں۔ اس لئے یہاں آسمانوں اور زمین کا ذکر ہوا۔ چونکہ آسمانوں کی حقیقتیں جداگانہ ہیں مگر ساری زمینوں کی حقیقت ایک جنس ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں آسمانوں کو جمع اور زمینوں کو واحد فرمایا جاتا ہے۔ الا ان وعد اللہ حق یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے چونکہ عموماً غافل لوگ اللہ کے وعدوں پر مطمئن نہیں ہوا کرتے۔ رزق کا رب نے وعدہ فرمایا ہے مگر وہ رزق کی فکر میں آخرت کو بھول جاتے ہیں موت یقیناً آتی ہے مگر اس

www.alahazratnetwork.org

سے بچنے کی کوشش میں رب سے غافل ہو جاتے ہیں اس لئے اس مضمون کو الا اور ان سے شروع فرمایا۔ یہاں وعدہ یا تو بمعنی موعود ہے یعنی وعدہ کی ہوئی چیزیں تو حق کے معنی میں ثابت اور یقیناً آنے والی معنی اللہ کی تمام وعدہ کی ہوئی چیزیں ضرور آنے والی ہیں ٹل نہیں سکتیں اس میں موعودہ عذاب بھی داخل ہیں یا وعدہ مصدر معنی میں ہے تو حق مقابل ہے باطل کا یعنی واقع کے مطابق یا واقعہ اس کے مطابق یا وعـد اللّٰہ سے مراد ہیں حضور انورؐ کے کئے ہوئے وعدے۔ خواہ خاص ہے یا عام مسلمانوں سے خاص ہوں یا عام وعدے ہوں۔ یا خاص یا عام کفار سے خاص یا عام وعیدیں یوں ہی مسلمانوں کی فتوحات کفار کی شکست کی خبریں وغیرہ تو حق کے معنی ہیں یقیناً آنے والی جن کا ٹلنا ناممکن ہے۔ (روح المعانی) ولکن اکثرھم لا یعلمون اس فرمان عالی میں اکثر ہم سے مراد یا تو اکثر کفار ہیں یا اکثر لوگ علم سے مراد یا یقین ہے یا مطلقاً علم یعنی اکثر لوگ یہ جانتے نہیں اور پریشان رہتے ہیں یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدوں پر اعتماد نہیں کرتے ان کا مذاق اڑاتے ہیں حالانکہ حضور علیہ السلام کے وعدے رب کے وعدے ہیں ھو یحی و یمیت یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے ھو یحی میں بلاغت کے قاعدے سے حصر کا فائدہ ہے یعنی صرف رب تعالیٰ ہی زندگی اور موت دیتا ہے اس فرمان کی چند تفسیریں ہو سکتی ہیں (۱) وہ رب ہی دنیا میں زندگی اور موت دیتا ہے (۲) وہ ہی تا قیامت زندگی و موت دے گا (۳) وہ ہی زندگی دیتا ہے۔ اور موت دے گا (۴) وہی زندہ رکھتا ہے اور موت دے گا۔ غرضکہ زندگی و موت اس کے قبضہ میں ہے والیہ ترجعون تم سب رب تعالیٰ کی طرف لوٹو گے خواہ بخوشی یا مجبوراً۔ مومن خوشی سے اس کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے اور کافر مجبوراً مومن ایسے جاتا ہے جیسے دوست سے ملنے جاتا ہے کافر جیسے پھانسی کا ملزم حاکم کے سامنے پھانسی کی سزا سننے جاتا ہے۔ رب فرماتا ہے یوم نحشر المتقین الی الرحمن وفدا ونسوق المجرمین الی جھنم وردا۔ وہ آیت کریمہ اس آیت کی تفسیر ہے۔

خلاصہ تفسیر: خبردار رہو۔ اس میں شک و شبہ نہیں کہ آسمان اور زمین کی ساری چیزیں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق اس کی مملوک اس کی مقبوض ہیں جس طرح چاہے ان میں احکام جاری فرمائے یہ بھی خیال رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے سارے وعدے مجرموں کافروں پر عذاب کے مومنوں کے لئے رحمت کے قیامت کے آنے سے اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری بشارتیں ڈرانے والی خبریں یا بالکل برحق ہیں۔ سب پوری ہو کر رہیں گی۔ یہ بات بالکل واضح اور روشن ہے لیکن بہت سے لوگ اسے نہیں جانتے نہیں مانتے اپنی بے وقوفی کی وجہ سے اے لوگو تم ہر طرح رب کے قبضہ میں ہو وہ ہی تم سب کو زندگی دیتا ہے جب تک چاہے زندہ رکھتا ہے جب چاہتا ہے تم کو موت دے دیتا ہے تب سب کا رجوع اسی کی طرف ہے تو بہتر ہے کہ دنیا میں ہی خوشی خوشی اس کے آستانہ پر حاضر رہو اور خوشی خوشی موت کے ذریعہ اس تک پہنچو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: وہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی مخلوق کا مالک حقیقی ہے اس کے سوا کوئی ذرہ کا مالک نہیں یہ فائدہ للّٰہ کے لام سے اور اسے ما فی السموات (الخ) پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا کہ اس میں لام ملکیت کا ہے اور طرز بیان حصر کا۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے رب کی طرف سے رب کی چیزوں کے مجازی مالک ہیں رب کے حکم سے یہ فائدہ

www.alahazratnetwork.org

بھی للہ کے لام سے حاصل ہوا کہ رب کی ملکیت کامل ہے اور کامل مالک وہ ہی ہے جو دوسروں کو مالک کر سکے اگر مالک نہیں کر سکتا تو ناقص مالک ہے فرماتا ہے قل اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء وہ آیت اس آیت کی تفسیر ہے۔

تیسرا فائدہ: حضور انور کے سارے وعدے رب تعالیٰ کے وعدے ہیں جن کا پورا ہونا ضروری ہے۔ یہ فائدہ وعد اللہ حق کی تیسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ وعد اللہ سے مراد حضور انور ﷺ کے کئے ہوئے وعدے ہوں کہ وہ درحقیقت رب تعالیٰ کے وعدے ہیں۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ کے وعدوں میں جھوٹ کا امکان نہیں۔ اس جھوٹ کا ناممکن بالذات ہے کہ جھوٹ عیب ہے اور رب تعالیٰ عیوب سے پاک ہے یہ فائدہ وعد اللہ حق کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا کہ وعد اللہ سے مراد ہو اللہ کے کئے ہوئے وعدے اور حق کے معنی ہوں ثابت ولازم۔

پانچواں فائدہ: جو اللہ کے وعدوں اس کی خبروں میں جھوٹ کا امکان مانے وہ بحکم قرآن بے علم جاہل ہے اگرچہ اپنے کو بڑا عالم ہی کہتا ہو۔ یہ فائدہ الکم ھم لا یعلمون سے حاصل ہوا۔

چھٹا فائدہ: زندگی وموت کا پیدا فرمانے والا اور مخلوق کو زندہ ومردہ رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے یہ فائدہ ھو یحیی ویمیت سے حاصل ہوا ہاں زندگی اور موت کے اسباب بندوں کی طرف سے بھی ہو سکتے ہیں۔ ان پر ثواب وعذاب ہے۔ ایک فاسقہ عورت نے پیاس سے مرتے ہوئے کتے کو پانی پلایا تو وہ بخشی گئی اور قاتل کو سزائے موت دی جاتی ہے کیونکہ وہ فاسقہ عورت کتے کی زندگی اک سبب بنی اور قاتل موت کا سبب ہے۔

ساتواں فائدہ: ہر مومن وکافر فاسق وفاجر کو رب کے سامنے پیش ہوتا ہے اگرچہ پیشی کی نوعیت میں بڑے فرق ہیں۔ یہ فائدہ والیہ ترجعون سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر شخص کو اس پیشی کی تیاری چاہئے۔

پہلا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا للہ ما فی السموات الخ دوسری جگہ ارشاد ہے خلق لکم ما فی الارض جمیعا یہاں للہ میں بھی لام ہے اور لکم میں بھی۔ بتاؤ چیزیں اللہ کی ہیں یا ہماری ان دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ یہاں اس آیت میں للہ کا لام ملکیت کا ہے اور خلق لکم میں لکم کا لام فائدہ اور نفع کا ہے۔ یعنی ہر چیز اللہ کی مخلوق اس کی مملوک ہے مگر اس کے نفع کے لئے نہیں وہ تو نفع اٹھانے سے پاک ہے تمہارے نفع کے لئے ہے۔

دوسرا اعتراض: اللہ کو مقدم فرمایا گیا ما فی السموات پر جس سے معلوم ہوا کہ ہر چیز صرف اللہ کی ملکیت ہے تمہارا عقیدہ ہے کہ حضور انور سارے جہان کے مالک ہیں یہ عقیدہ نرا مشرکانہ ہے اس سے تم نے حضور انور ﷺ کو خدا کا شریک مان لیا۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ عام لوگ اپنے گھر کے مالک

www.alahazratnetwork.org

زمیندار اپنی زمین کا مالک۔ لینڈ لارڈ مربعوں کا مالک نواب ریاست کا بادشاہ ملک وسلطنت کا مالک ہے کیا یہ عقیدہ بھی مشرکانہ ہے جواب تحقیقی یہ ہے۔ شعر۔

میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب　　　　یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا

نبی کریم ﷺ کو مالک کونین مان کر ہم شریک نہیں مانتے محبوب مانتے ہیں شریک ماننا نقصان ہے کیونکہ شریک آدھے کا مالک ہوتا ہے۔ حبیب سارے کا مالک۔ شریک کی شرکت ٹوٹ سکتی ہے حبیب کی الفت نہیں ٹوٹ سکتی شریک کوئی کام بغیر مشورہ شریک نہیں کر سکتا اکیلے کام کرتے اس کا دل دھڑکتا ہے حبیب اپنے محبوب کے مال میں بے دھڑک تصرف کرتا ہے حضور انور ؐ میں محبوبیت کی تمام ہی شانیں موجود ہیں۔ دیکھو احادیث عثمان غنی کے ہاتھ حوض کوثر فروخت کردیا۔ نماز کسوف میں جنت کا خوشہ توڑنے کے لئے پکڑ لیا۔ پھر خود ہی چھوڑ دیا۔ حضرت عبیدہ کو جنت بخش دی وغیرہ۔

تیسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ان میں کے اکثر لوگ نہیں جانتے اکثر کیوں فرمایا تمام لوگ کیوں نہ فرمایا۔

جواب: اگر اکثرھم کی ضمیر مطلقاً انسانوں کی طرف ہے تب تو ظاہر ہے کیونکہ مومنین تو یہ جانتے مانتے ہیں کہ اللہ کے وعدے سچے ہیں اور وہ ہر چیز کا مالک ہے اور اگر ہم کا مرجع کفار ہیں تو وجہ یہ ہے کہ بعض کفار بھی مانتے تھے کہ ہر چیز اللہ کی ہے اور اس کے وعدے سچے ہیں مگر یہ تھوڑے تھے۔ اکثر مشرکین معبودوں کو خدا کی طرف بہت چیزوں کا مستقل مالک جانتے تھے۔ لہٰذا اکثرھم فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز وہ کہتے تھے کہ اللہ کے وعدے ہمارے بتوں کی مدد سے پورے ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ: نبوت کے آسمانوں کی فیض رساں چیزیں۔ نفس امارہ زمین کی تمام فیض لینے والی چیزیں اللہ تعالیٰ کی مالک میں ہیں۔ وہ جب چاہے جسے چاہے یہ فیض عطا فرمائے۔ ابوجہل جیسے سردار کو حضور ﷺ کے فیض سے محروم کردے اور حضرت بلال جیسے مسکین کو مالا مال فرمادے ہر چیز ممکن بالذات ہے جو مالک حقیقی کی محتاج ہے وہ جیسے چاہے تصرف فرمائے۔ جیسے رب تعالیٰ کی ذات اس کے صفات واجب بالذات ہیں ایسے ہی اس کے وعدے کا پورا ہونا لازم او ضروری بالذات ہے۔ کیونکہ وعدہ خلافی یا مجبوری سے ہوتی ہے یا بے خبری سے یا شرارت نفس سے۔ اللہ تعالیٰ ان تینوں عیبوں سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بعض دلوں کو ایمان کے ذریعہ زندہ کرتا زندہ رکھتا ہے۔ بعض کو ایمان سے محروم کر کے مردہ کرتا مردہ رکھتا ہے۔ مردہ کرنا مردہ رکھنا بھی اللہ پر آسان ہے اور مردے کو زندہ فرما دینا بھی آسان ہے۔ بڑے سے بڑے کافر اس کی نظر کرم سے مومن بن جاتے ہیں۔ رب کی طرف کوئی مجبوراً کوئی خوشی خوشی لوٹتا ہے۔ یہ کہتے ہوئے کہ یار خنداں رود بجانب یار۔ رب تعالیٰ رجوع اختیاری عطا فرماوے۔ آمین۔

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
اے لوگوں بیشک آئی تمہارے نصیحت طرف سے تمہارے رب کے
اے لوگوں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت آئی

www.alahazratnetwork.org

وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ

اور شفا اس چیز کی جو سینوں میں ہے اور ہدایت اور رحمت

اور دلوں کی صحت اور ہدایت اور رحمت

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ

واسطے ایمان والوں کے فرما دو کہ اللہ کی مہربانی اور اس کی رحمت سے پس اس سے

ایمان والوں کے لئے تم فرماؤ اللہ ہی کے فضل اور اسی کی رحمت اسی پر چاہیے

فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۵۸﴾

چاہیے کہ خوش ہو تم وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں

کہ خوشی کریں وہ ان کی سب دھن دولت سے بہتر ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عذابوں کا ذکر ہوا اب اس کی رحمتوں نعمتوں کا ذکر ہے گویا خوف کے بعد امید کا تذکرہ ہے۔ کیونکہ بعض لوگ ڈر کر مانتے ہیں اور بعض لوگ لالچ سے چونکہ خوف سے ماننے والے زیادہ ہوتے ہیں اس لیے اس کا ذکر پہلے ہوا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت ثابت کی گئی تھی بذریعہ قرآن مجید کہ وہ حضور انور کا دائمی معجزہ ہے وما کان ھذا القران ان یفتری من دون اللہ (الخ) اب حضور انور ﷺ کی نبوت اسی قرآن کے ذریعہ ثابت کی جا رہی ہے۔ اس لئے کہ اس کی تعلیم بہت اعلیٰ ہے وہ شریعت طریقت حقیقت کا جامع ہے (تفسیر کبیر)

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں قرآن مجید کی حقانیت کا دعویٰ کیا گیا۔ قل ای و ربی انہ لحق اب اس کی حقانیت کے دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ ایسی جامع کتاب ہے۔ جس کی مثل کوئی کتاب نہیں نہ دنیا کی کتابوں میں نہ آسمانی کتابوں میں۔

تفسیر: یاایھا الناس پکارنا کبھی ہوتا ہے اظہار کرم کے لئے کبھی اظہار غضب کے لئے کبھی غافل کو بیدار کرنے کے لئے کبھی مضمون کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے یہاں اخروی دو مقصدوں کے لئے ہے۔ الناس سے مراد حضور انور ﷺ کے زمانہ سے لے کر قیامت تک کے سارے انسان ہیں خواہ کسی زمانہ اور کسی زمین میں ہوں۔ کیونکہ قرآن مجید سب ہی کے لئے نصیحت وغیرہ ہے۔ جیسے سورج کی روشنی سارے جہان کے لئے ہے۔ پہلی آسمانی کتابیں چراغ تھیں خاص قوموں کے لئے قرآن سورج ہے سب کے لئے اگرچہ قرآن مجید جنات کے لئے بھی نصیحت ہدایت ہے بلکہ اس کے بعض احکام فرشتوں پر بھی جاری ہیں جیسے نبی کے گھر میں بے اجازت نہ جانا۔ راستہ وغیرہ میں ان کے آگے چلنا مگر چونکہ انسان اشرف خلق ہے نیز

www.alahazratnetwork.org

انسان ہی نزول قرآن سے مقصود ہے دوسری مخلوق تابع اس لئے الناس سے خصوصیت کے ساتھ خطاب کیا گیا۔ قد جاء تکم یہ فرمان عالی مقصود خطاب ہے۔ جس قرآن مجید کی آمد کی خبر دی گئی ہے اس فرمان عالی میں دو باتیں ملحوظ رہیں ایک یہ کہ قرآن مجید ہر جگہ بلکہ ہر گھر بلکہ ہر دل میں پہنچا خواہ کوئی اسے مانے یا نہ مانے۔ جیسے سورج کی روشنی ہر جگہ پہنچتی اگرچہ چگادڑ کی آنکھ اس سے فائدہ نہ اٹھائے۔ دوسرے یہ کہ قرآن ہر جگہ اپنے آپ یا محکمہ ڈاک وغیرہ سے نہیں پہنچا بلکہ حضرت جبریل کے ذریعہ حضور انورؐ تک اور حضور انورؐ کے ذریعہ صحابہ کرام تک اور صحابہ کرام کے ذریعہ کتابی شکل میں جمع ہو کر سارے لوگوں تک لہٰذا حضور انورؐ اور ان کے صحابہ کرام کا سارے لوگوں پر احسان عظیم ہے۔ نیز قرآن مجید میں حضرات صحابہ نے کمی بیشی نہیں کی جیسا اور جس شان کا حضور انورؐ سے لیا۔ ویسا ہی سب کو دیا ورنہ قد جاء تکم درست نہ ہوتا۔ پھر قرآن مجید کے الفاظ سب کے کانوں تک اس کے مضامین مومنوں کے دماغوں تک اس کے اسرار ان کے دلوں تک بذریعہ علماء و اولیاء پہنچے غرضکہ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے۔ رب تعالیٰ نے یہاں قرآن مجید کی چار صفات بیان فرمائیں۔ اول یہ کہ موعظة من ربکم عربی میں موعظة وعظ اور وعظة تینوں لفظ ایک ہی معنی میں ہیں۔ یعنی نصیحت۔ خواہ پچھلی باتیں یاد دلا کر ہو یا آئندہ کے عذاب و ثواب بتا کر۔ خواہ ڈرا دھمکا کر ہو یا امید و لالچ دلا کر یا اچھی باتوں کی رغبت اور بری باتوں سے نفرت دلا کر قرآن مجید میں یہ ساری باتیں موجود ہیں۔ (از روح البیان و معانی) خیال رہے کہ قرآن مجید کے نزول کی ابتدا رب کی طرف سے ہے اور انتہا حضور ﷺ پر اس لئے یہاں من ارشاد ہوا اور بما انزل الیک میں الی پھر قرآن پاک کی تبلیغ کی ابتداء حضور انور ﷺ سے ہے اور انتہا ہم لوگوں پر یا ایها الرسول بلغ فما انزل الیک یہاں ربکم فرمانا بہت مناسب ہے کیونکہ قرآن مجید رب کی طرف سے بندوں کی روحانی پرورش کا ذریعہ ہے جیسے بارش جسمانی پرورش کا ذریعہ۔ قرآن مجید کی دوسری صفت شفاء لما فی الصدور یہ فرمان عالی معطوف ہے موعظہ پر۔ شفاء بمعنی دوا یا علاج یا صحت یعنی مرض کا مقابل لما میں لام صلہ کا ہے۔ ما سے مراد ساری دلی بیماریاں ہیں جیسے جہالت، شک، شرک، نفاق اور برے عقیدے برے اخلاق حسد، کینہ، ہوس دنیا کی حرص، عداوت وغیرہ۔ صدور جمع ہے صدر کی بمعنی مافی الصدور سے مراد وہ دل ہے جو سینہ کے غلاف میں ہے۔ بعض حکماء نے فرمایا کہ جہاں قرآن مجید میں قلب کا ذکر ہے۔ وہاں علم و عقل کی طرف اشارہ ہے جیسے ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب (امام راغب) اور جہاں قرآن مجید میں صدر یعنی سینہ کا ذکر ہے تو وہاں ساری قوتوں کی طرف اشارہ ہے جیسے شہوت۔ غضب ہوس وغیرہ لہٰذا شفاء ما فی الصدور سے مراد ساری قوتیں ہیں قرآن مجید ان سب کی اصلاح کرنے والا ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید جیسے دلی اور روحانی بیماریوں کا علاج ہے ایسے ہی جسمانی بیماروں کا بھی علاج دوسری جگہ ارشاد ہے وننزل من القران ما هو شفاء و رحمته للعالمین وہاں قرآن کو مطلقاً شفاء فرمایا (از تفسیر روح المعانی) وهدی و رحمة للعالمین اس فرمان عالی میں قرآن مجید کی تیسری اور چوتھی صفت کا ذکر ہے۔ اس کی مکمل تفسیر ہم سورۂ بقر کی تفسیر هدی للمتقین کے تحت بیان کر چکے کہ قرآن کریم کی ہدایت عامہ یعنی دعوت ایمان ہر انسان کو ہے۔ ہدایت خاصہ مومنوں کو اور ہدایت خاص الخاص علماء اولیاء کو یہ ہی حال اس کی رحمت کا ہے مومنین سے مراد وہ

www.alahazratnetwork.org

لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے علم میں مومن ہیں۔ جنہیں ایمان پر خاتمہ نصیب ہو۔ زندگی میں مومن ہوکر جئیں یا کافر ہوکر۔ **قل بفضل اللہ وبرحمتہ** یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے قل میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور روئے سخن تا قیامت تمام انسانوں یا سارے مسلمانوں سے ہے۔ فضل اور رحمت کا فرق بارہا بیان ہو چکا ہے۔ حق سے زیادہ عطیہ فضل ہے اور بغیر استحقاق عطیہ رحمت فضل اور رحمت کے متعلق چند قول ہیں (۱) یہ دونوں قرآن مجید کی صفتیں ہیں کہ قرآن اللہ کا فضل بھی ہے اور رحمت بھی ہے (۲) حفظ قرآن اللہ کا فضل ہے۔ علم قرآن رحمت ہے (۳) اللہ کا فضل حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رحمت قرآن مجید۔ رب فرماتا ہے **وکان فضل اللہ علیک عظیما**۔ (۴) اس کے برعکس کہ اللہ کا فضل قرآن مجید ہے اور رحمت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رب فرماتا ہے **وما ارسلنک الا رحمۃ للعالمین** (۵) حضور انور کو قرآن مجید کے نزول کو دیکھ کر ایمان لانا اللہ کا فضل ہے جیسے صحابہ اور ان پر سن کر ایمان لانا اللہ کی رحمت (۶) اسلام اللہ کا فضل ہے قرآن اللہ کی رحمت (کبیر) اس کے متعلق اور بھی چند قول ہیں اس کے بعد **فلیفرحوا** پوشیدہ ہے۔ بفضل اللہ کو پوشیدہ فعل پر مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا اور **فلیفرحوا** کی ف سے سببیت معلوم ہوئی (روح المعانی) **فبذلک فلیفرحوا** یہ فرمان عالی پچھلے فرمان کی تاکید یا بیان ہے۔ اس میں پہلی یا دوسری ف یا دونوں زائدہ ہیں جیسے اس شعر میں

لا تجزعی ان نفسا اهلکته فاذا اهلکت فعند ذلک فاجزعی

اس شعر میں **فاذا اهلکت** اور **فعند ذلک** دونوں جگہ فا ئی یا پہلی ف زائدہ ہے یا دوسری یا دونوں۔ (روح المعانی) چونکہ قرآن مجید بڑی شان والی کتاب ہے اس لئے بذالک اسم اشارہ بعید ارشاد ہوا۔ بہ یا ہٰذا۔ نہ فرمایا فرحت سے مراد شکر کی خوشی ہے نہ کہ فخر کی خوشی لہٰذا یہ بات آیت اس کے خلاف نہیں **لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین** کہ وہاں فخر کی خوشی یعنی شیخی سے منع فرمایا گیا ہے۔ **ھو خیر مما یجمعون** اس فرمان عالی میں اس خوشی کی وجہ بیان فرمائی گئی۔ ھو کا مرجع یا فرحت وخوشی ہے یا اللہ کا مذکورہ فضل ورحمت **یجمعون** سے مراد دنیا کا مال ودولت وغیرہ ہے یعنی یہ خوشی وفرحت یا یہ قرآن مجید یا یہ فضل ورحمت ساری دنیا کی دولت سے بہتر ہے کہ دولت فانی ہے اور یہ غنیمت یا اس نعمت کی خوشی کا ثواب باقی غیر فانی ہے دنیا کا مال ودولت چند وجہ سے رحمت ہے یہ نعمتیں ہزار ہا وجوہ سے رحمت ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اس فرمان عالی قرآن کی چھ شانیں بیان ہوئی ہیں۔۔ (۱) خدا کی طرف سے آنا۔ (۲) سارے انسانوں کے پاس آنا۔ (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ آنا۔ (۴) ہمیشہ کے لئے آنا۔ (۵) اس کا نصیحت ہونا۔ شفا ہونا۔ (۶) ہدایت ہونا۔ رحمت ہونا۔ چنانچہ ارشاد ہوا کہ اے جہان بھر کے لوگو کہیں بھی ہو تمہارے کانوں۔ دماغوں دونوں زبانوں پر تمہارے رب کی طرف سے تحفہ قرآن جو نصیحت ہے یعنی تمہارے ظاہر کو پاک وصاف کرنے والا ہے تمہارے دلوں کو شفاء ہے کہ اسے گندے عیوب سے نجات دیتا ہے یعنی باطن کو پاک وصاف کرتا ہے مومنوں کی روح کے لئے ہدایت ہے اور ان کے جسم کے لئے رحمت یعنی اس میں شریعت ہے طریقت ہے حقیقت ہے معرفت ہے شریعت کا تعلق جسم سے ہے طریقت کا دل سے حقیقت کا روح سے معرفت کا سر اور لطیفہ سے (تفسیر کبیر وغیرہ) اے محبوب لوگو یہ خوشخبری دے کر انہیں یہ بھی حکم دو کہ

www.alahazratnetwork.org

اللہ کے فضل اور اس کی رحمت ملنے پر خوب خوشیاں مناؤ۔ عمومی خوشی تو ہر وقت مناؤ خصوصی خوشی ان تاریخوں میں جن میں یہ نعمت آئی یعنی رمضان خصوصاً شب قدر اور ربیع الاول خصوصاً بارہویں تاریخ میں کہ رمضان میں اللہ کا فضل یعنی قرآن آیا اور ربیع الاول میں رحمۃ اللعالمین۔ یعنی محمد مصطفیٰ پیدا ہوئے۔ یہ فضل و رحمت یا ان کی خوشی منانا تمہارے دنیوی جمع کئے ہوئے مال و متاع روپیہ مکان جائیداد۔ جانور کھیتی باڑی ملک اولاد وغیرہ سب سے بہتر ہے کہ اس خوشی کا نفع شخصی نہیں بلکہ قومی ہے وقتی نہیں بلکہ دائمی ہے صرف دنیا میں نہیں بلکہ دین و دنیا دونوں میں ہے جسمانی نہیں بلکہ دلی اور روحانی ہے برباد نہیں بلکہ اس پر ثواب ہے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قرآن مجید تا قیامت سارے انسانوں کے لئے آیا۔ یہ زمانہ یا جگہ سے محدود نہیں یہ فائدہ قد جاء تکم موعظة فرمانے سے حاصل ہوا۔ جیسے حضور انور ﷺ کے متعلق ارشاد ہوا یاایھا الناس ان رسول اللہ الیکم جمیعا حضور انور ﷺ کی رسالت قرآن کی ہدایت سب کے لئے ہے۔ کیونکہ جہاں تک بادشاہ کی سلطنت وہاں تک اس کے سکہ کا چلن۔

دوسرا فائدہ: قرآن مجید دلی بیماریوں کے لئے شفاء روحانی امراض کا بھی علاج ہے اور جسمانی بیماریوں کی بھی دوا۔ یہاں ارشاد ہوا شفاء لما فی الصدور دوسری جگہ ارشاد ہے شفاء و رحمة للمومنین لہذا آیات قرآنیہ سے دم یا تعویذ کرنا بالکل درست ہے اور سنت سے ثابت ہے ابن مردویہ نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کی کہ ایک شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوا کہ میرے سینے میں درد ہے فرمایا کہ قرآن مجید پڑھ اور یہی آیت تلاوت فرمائی بیہقی نے شعب ایمان میں حضرت واثلہ بن اسقع سے روایت کی کہ ایک شخص نے بارگاہ رسالت میں عرض کیا کہ میرے حلق میں درد ہے فرمایا قرآن مجید کی تلاوت کر (روح المعانی)

مسئلہ: ہر ظاہری باطنی جسمانی جنانی۔ روحانی بیماریوں سے شفاء ہونا اس میں سوز و گداز اور درد دل ہونا کہ پڑھنے والے اور سننے والے کو تڑپا دے قرآن کریم کی خصوصیات سے ہے دوسری آسمانی کتابوں میں یہ صفات نہ تھیں۔ شفاء کے متعلق تو اس آیت میں اور آیت شفاء و رحمة للمومنین میں ذکر ہے سوز و گداز کا ذکر اس آیت میں ہے واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینھم تفیض من الدمع اور اس آیت میں تقشعر منه جلود الذین یخشون ربھم اور اس آیت میں واذا تلیت علیھم ایاته زادتھم ایمانا

مسئلہ: آیات کے تعویذ اور اس سے دم کرنے پر اجرت لینا جائز ہے کہ وہ علاج کرنے کی اجرت ہے ایک صحابی نے سانپ کاٹے ہوئے پر سورۃ فاتحہ دم کر کے تیس بکریاں اجرت لیں۔ جو لشکر صحابہ نے کھائیں۔ مدینہ منورہ واپسی پر حضور انور ﷺ نے اس کا بقیہ گوشت کھایا۔

تیسرا فائدہ: قرآن مجید کی نصیحت اور شفا تو سارے جہان کے لئے ہے مگر اس کی ہدایت اور خصوصی رحمت صرف مومنوں کے لئے ہے یہ فائدہ للمومنین سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے موعظت اور شفاء کے لئے کوئی قید نہ لگائی مگر ہدای اور رحمت

www.alahazratnetwork.org

کے لئے للمومنین کی قید لگائی ہدایت اور رحمت سے خاص ہدایت و رحمت مراد ہے اس کے متعلق ھدی للمتقین کی تفسیر میں بیان کیا جا چکا ہے۔

چوتھا فائدہ: قرآن مجید اللہ کا فضل بھی ہے اور اس کی رحمت بھی یہ فائدہ بفضل اللہ و رحمتہ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ہے۔ جب کہ ان دونوں سے قرآن مراد ہوا۔ شعر۔

زہے پیام تو عین عنایت و رحمت — زہے کلام تو محض ہدایت و حکمت
زشورہ زار خیابست گلشن ہمت — کشد کمند کلام تو اہل عرفان را

مسئلہ: اللہ کے فضل و رحمت میں مفسرین کے چند قول ہیں (۱) فضل و رحمت دونوں سے مراد ہے قرآن مجید یہ قول مجاہد کا ہے۔ (۲) ابو شیخ اور ابن مردویہ نے حضرت انس سے روایت کہ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا فضل قرآن ہے اور اللہ کی رحمت اس کی اتباع کی توفیق ہے (۳) اللہ کا فضل قرآن ہے۔ اللہ کی رحمت اسلام (۴) اللہ کا فضل علم ہے اور اس کی رحمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ قول حضرت عبداللہ بن ابن عباس کا ہے رواہ ابو شیخ (۵) اللہ کا فضل حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور اللہ کی رحمت حضرت رضی اللہ عنہ رواہ خطیب و ابن عساکر عن ابن عباس (۶) اللہ کا فضل جنت ہے اس کی رحمت دوزخ سے نجات (روح المعانی) تفسیر کبیر نے بھی ان میں سے بعض چیزیں بیان فرمائیں (۷) اللہ کا فضل قرآن ہے اس کی رحمت مومن کے دل میں قرآن کی الفت و محبت یہ حضرت ابن عمر کا قول ہے (۸) اللہ کا فضل قرآنی احکام ہیں اس کی رحمت حضور انور ﷺ کی سنتیں (تفسیر خازن)

پانچواں فائدہ: جسے اللہ تعالیٰ قرآن کا علم دے وہ دنیا میں بڑا غنی ہے اور اسے اللہ کا فضل و رحمت دونوں مل گئے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جسے اللہ تعالیٰ اسلام اور قرآن کا علم دے پھر وہ لوگوں سے فقر و فاقہ کی شکایت کرتا پھرے اللہ تعالیٰ اس کی پیشانی پر فقیری لکھ دے گا جو قیامت کے دن تک نہ مٹے گی۔ (تفسیر مدارک) یہ فائدہ بھی بفضل اللہ برحمتہ سے حاصل ہوا۔ فقیر پر تقصیر احمد یار عرض کرتا ہے کہ میری آزمائش تجربہ ہے کہ قرآن مجید کی خدمت کرنے والا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نوکری کرنے والا ایسا غنی ہو جاتا ہے جس کا بیان ناممکن ہے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے اسے روٹی کپڑا۔ روپیہ اور ساتھ ہی غنا۔ استغنا یا قناعت اور دل کا سکون و چین عطا ہوتا ہے یہ تنخواہیں کوئی بادشاہ بھی نہیں دے سکتا۔ شعر۔

کیوں جاؤں میں کہیں کہ غنی تم نے کر دیا — اب ہے یہ در پسند یہ گھر یہ گلی عزیز
ان کے در نے کر دیا سب سے غنی — بے طلب بے مانگے اتنا مل گیا
ان کے در کے ٹکڑے ہیں اور میں غریب — مجھ کو روزی کا ٹھکانہ مل گیا

میں سالہا سال سے اس طرح خانہ نشین ہوں کہ ظاہری اسباب میں کوئی آمدنی مستقل نہیں نہ امامت نہ خطابت نہ ملازمت ہے کہیں مجالس میں جانا وغیرہ بند کر دیا ہے رب نے قرآن مجید کی خدمت حضور انور ﷺ کی نوکری محض اپنے فضل و

www.alahazratnetwork.org

کرم سے عطا فرمادی ہے تو اتنا خوش حال ہوں کہ زندگی میں اتنا کبھی نہ ہوا تھا۔ ساتھ ہی سکون قلب جو عطا ہوا ہے وہ تو بیان سے باہر ہے۔

چھٹا فائدہ: ماہ رمضان خصوصاً شب قدر یعنی ستائیسویں رمضان کو نزول قرآن کی خوشی منانا بہت ہی بڑی عبادت ہے۔ یہ فائدہ فلیفرحوا سے حاصل ہوا۔ عموماً مسلمان اس مہینہ اس رات کو مسجدوں کی زینت پر چراغاں میلاد خوانی۔ تقسیم شرینی وغیرہ کرتے ہیں ان سب کا یہ ہی آیتہ ماخذ ہے۔

ساتواں فائدہ: یوں ہی ماہ ربیع الاول خصوصاً بارہویں تاریخ کو میلاد شریف کی مجلس کرنا جلوس نکالنا اس رات کو غسل کرنا لباس بدلنا خوشبو ملنا تمام رات نوافل یا ذکر خیر کرنا۔ صبح صادق کے وقت عین پو پھٹنے (لو لگنے) پر قیام وسلام کرنا تقسیم شرینی کرنا۔ فقراء و مساکین کو صدقہ دینا بڑا ثواب اور باعث برکت ہے اس کا ماخذ یہ ہی آیت ہے اور یہ فائدہ بھی فلیفرحو سے حاصل ہوا۔ حضور انور ﷺ اللہ کی بڑی نعمت ہیں۔ شعر۔

رب اعلیٰ کی نعمت پہ اعلیٰ درود　　　رب تعالیٰ کی منت پہ لاکھوں سلام

جب پاکستان ڈے۔ استقلال پاکستان ڈے قائد اعظم کی پیدائش قائد اعظم کی برسی کی یادگار منائی جاتی ہے تو حضور انور ﷺ جو رسولوں کے قائد اعظم اللہ کی نعمت عظمیٰ ہیں ان کی یادگار میں خوشی کیوں نہ منائی جائے۔

آٹھواں فائدہ: رمضان اور ربیع الاول میں سوا شرعی محرمات کے باقی ہر طرح کی خوشی منانا ثواب ہے۔ یعنی خوشی میں باجہ گانا۔ عورتوں کی بے پردگی وغیرہ نہ ہو۔ باقی جو بھی خوشی کا جائز کام کیا جائے۔ بازار سجانا مسجدوں میں گھروں میں چراغاں کرنا جھنڈیاں لگانا وغیرہ جائز بلکہ ثواب ہے یہ فائدہ بھی فلیفرحو کے اطلاق سے حاصل ہوا ہے کہ رب نے قید نہ لگائی کہ فلاں قسم کی خوشی کرو۔ بلکہ جو جذبہ محبت بتائے جدھر شوق دل رہبری کرے وہ خوشی مناؤ۔

نواں فائدہ: یہ مذکورہ خوشی دنیا کی تمام نعمتوں اور ان پر خوشیاں منانے سے بہتر اور افضل ہے یہ فائدہ ھو خیر مما رجمعون سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہ خوشی دینی ہے اور دین یقیناً دنیا سے بہتر ہے ابولہب نے حضور انور ﷺ کی ولادت کی خبر اپنی لونڈی ثویبہ سے سنی تو خوشی میں اسے آزاد کر دیا بعد موت حضرت عباس نے اسے خواب میں دیکھا۔ پوچھا کیا حال ہے بولا سخت عذاب میں مبتلا ہوں مگر پیر کے دن عذاب ہلکا ہوتا ہے اور مجھے پیاس میں کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے کہ اسے چوستا ہوں پانی پاتا ہوں۔ وجہ خود بتائی کنت اعتقت جاریتی ثویبته...... کیونکہ میں نے حضور انور ﷺ کی ولادت کی خوشی میں ثویبہ کو آزاد کیا تھا (از بخاری شریف شروع کتاب الرضاع۔ مدارج النبوۃ) ہم نے عرض کیا ہے۔ شعر۔

پہلا اعتراض: قرآن مجید جن وانس سب ہی کے لئے آیا یایھا الناس کیوں ارشاد ہوا اور صرف انسانوں سے کیوں کہا گیا کہ تمہارے پاس نصیحت وغیرہ آئی قرآن کی صفت تو ہے ھدی للمتقین

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گذر گیا کہ انسان اشرف الخلق ہے وہ ہی ہدایت سے مقصود ہے باقی مخلوق اس کے تابع نیز قرآن مجید کے سارے احکام صرف انسانوں پر جاری ہیں۔ جنات و فرشتوں پر بعض احکام جاری نیز قرآن لانے

www.alahazratnetwork.org

والے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اس گروہ انسانی میں تشریف لائے ان وجوہ سے صرف انسانوں سے خطاب ہے۔ جسے رب تعالی انسانوں سے فرماتا ہے خلق لکم مافی الارض جمیعا زمین کی ساری چیزیں تمہارے لئے پیدا فرمائیں۔ اگرچہ اور مخلوق بھی ان سے فائدہ بلکہ فائدہ اٹھاتی ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید صرف دلی بیماریوں کی شفاء ہے نہ کہ جسمانی بیماریوں کی لما فی الصدور فرمایا لہذا اس سے دم تعویذ کرنا جسمانی بیماریوں کے لئے نہیں چاہئے (وہابی)

جواب: علامہ جلال الدین سیوطی نے فرمایا کہ قرآن مجید جیسے دلی بیماریوں کی شفاء ہے ایسے ہی بدنی بیماریوں کی بھی شفاء ہے اور انہوں نے اس کے متعلق وہ دو حدیثیں پیش فرمائیں جو ابھی ہم نے تفسیر میں بیان کیں۔ نیز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرام قرآنی آیات سے بیمار پر دم کرتے تھے ایک صحابی نے سورہ فاتحہ سانپ کاٹے پر دم کی اسے شفاء ہوئی ان جیسی احادیث سے کتب پر ہیں۔ نیز دوسری آیۃ میں لما فی الصدور کا لفظ نہیں بلکہ شفاء مطلق ہے و ننزل من القرآن ما ھو شفاء و رحمۃ للمومنین نیز ابھی ہم تفسیر میں بحوالہ امام راغب عرض کر چکے ہیں کہ یہاں فی الصدور فرمایا فی القلوب نہ فرمایا فی الصدور سے مراد ساری قوتیں ہوتی ہیں بہر حال قرآن مجید جسمانی جنانی ساری بیماریوں کی شفاء مطلق ہے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ھدی اور رحمۃ کیلئے مومنین کی قید کیوں لگائی موعظہ اور شفا کی طرح اسے بھی مطلق کیوں نہ رکھا

جواب: ابھی اس تفسیر میں عرض کیا گیا کہ ہدایت اور رحمت سے مراد اخروی ہدایت اور اخروی رحمت ہے یہ صرف مومنوں کو ملتی ہے اور موعظت و شفاء سے مراد دعوت ایمان اور شفاء مطلقہ ہے وہ مومن اور کافر سب کو اللہ تعالی عطا فرماتا ہے دیکھو رب تعالی نے حضور انور ﷺ کے متعلق ایک جگہ ارشاد فرمایا رحمۃ للعالمین اور دوسری جگہ فرمایا بالمومنین روف رحیم اسی طرح قرآن مجید ھدی للعالمین۔ بھی ہے بمعنی راہبر اور ھدی للمتقین بھی ہے بمعنی مطلوب تک پہنچانے والا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت کریمہ میں بفضل اللہ (الخ) کو فلیفرحوا پر مقدم فرمایا جس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی اللہ کے فضل و رحمت ہی پر خوشی مناؤ کیا ہم مال اولاد اور دوسری نعمتوں پر خوشی نہ منائیں۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا عاشقانہ جواب عالمانہ تو یہ ہے کہ خوشی دو طرح کی ہے دنیا کی جس پر ثواب نہ ملے دینی جو بڑی عبادت ہے اور اس پر بڑا ثواب ہے یہاں حصر دوسری فرحت و خوشی کے لحاظ سے ہے یعنی اس فضل و رحمت پر یہ خاص خوشی مناؤ۔ رب سے ثواب پاؤ۔ جواب عاشقانہ یہ ہے کہ رب کی ہر نعمت میں دو جہتیں ہیں ایک یہ کہ ہم کو مفید ہے دوسرے یہ کہ رب کی عطا ہے جو کوئی کسی نعمت کی خوشی پہلی وجہ سے کرے وہ ہمارے مشرب میں مشرک ہے جو دوسری وجہ سے کرے وہ مومن موحد ہے۔ اس پر ثواب ہے۔ (تفسیر کبیر) اس لئے من ربکم ارشاد ہوا لہذا مومن اللہ تعالی کی ہر دینی دنیوی نعمت پر اس لئے خوشی منائے کہ وہ کریم رحیم کا تحفہ ہے ثواب پائے گا۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اے رب سے کئے ہوئے عہد و پیمان بھول جانے والو۔ انس ہوں یا جن تمہارے پاس وہ کتاب آئی جو نفس کے لئے نصیحت ہے سینہ کے لئے شفاء ہے روح کے لئے ہدایت ہے مومنوں کے دل و دماغ کے لئے رحمت یا وہ کتاب عوام کے لئے نصیحت ہے خواص کے لئے شفاء اور خاص الخواص کے لئے ہدایت اور ان سب کے لئے رحمت ان کو سب کو اعلیٰ مقام پر پہنچاتی ہے۔ اے محبوب اپنے غلاموں سے فرمادو کہ اللہ کے فضل یعنی اس کے احسان پر جو اس نے تم پر کیا اور اس کی ہدایت پر کہ اس نے تم کو تمہاری پیدائش سے پہلے مومنین صالحین کے زمرہ میں لکھا خوب خوشیاں مناؤ اس طرح کہ اپنی عبادات طاعات پر بھروسہ نہ کرو۔ بلکہ میرے فضل و کرم پر اعتماد کرو کہ یہ ہی اعتماد تمہاری زندگی کا سرمایہ ہے۔ مومنوں کا سرمایہ اللہ کا فضل ہے اور اس کا خزانہ رب کی رحمت۔ شعر۔

گر شاہ را خزانہ نہادن بود ہوس　　　درویش را خزانہ ہمیں لطف دوست بس

حکایت: مالک ابن دینار ایک جہاز میں سفر کر رہے تھے جب جہاز منزل مقصود پر پہنچا تو کسٹم والوں نے گھیر کر مسافروں سے کہا اپنے مالوں کی تفتیش کراؤ مالک ابن دینا اتر کر چل دیے سپاہی نے پوچھا تم کیوں چل دیے بولے میرے پاس صرف جسم کے کپڑے ہیں وہ بولا جاؤ آپ نے لوگوں سے فرمایا یہ ہی معاملہ روز قیامت میں ہونا ہے۔ قرآن مجید تحفہ ربانی ہے جس کا فیض ابدالآباد تک رہے گا۔ (روح البیان)

قُلْ اَرَءَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ

فرماؤ کہ بتاؤ تو جو اوتارا اللہ نے تمہارے لئے رزق پس بنا لیا تم

تم فرماؤ بھلا بتاؤ تو وہ جو اللہ نے تمہارے لئے رزق اتارا اس میں تم نے اپنی

مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا ؕ قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ اَمْ عَلَى

نے اس میں سے کچھ حرام اور کچھ حلال فرماؤ کیا اللہ نے حکم دیا تم کو اس کا یا اللہ پر

طرف سے حرام اور حلال ٹھہرا لیا تم فرماؤ کیا اللہ نے اس کی تمہیں اجازت دی یا اللہ

اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَمَا ظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

بہتان باندھتے ہو اور کیا ہے گمان ان لوگوں کا جو گھڑتے ہیں اللہ پر

پر جھوٹ باندھتے ہو اور کیا گمان ہے ان کا جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں کہ

الْكَذِبَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى

جھوٹ دن قیامت کے تحقیق اللہ البتہ بڑے فضل والا ہے لوگوں

قیامت میں ان کا کیا حال ہوگا بے شک اللہ لوگوں پر فضل

www.alahazratnetwork.org

الناس ولكن أكثرهم لا يشكرون ۝٦٠ ع

ہے	اور	لیکن	بہت	سے	ان	میں	سے	شکر	نہیں	کرتے
کرتا		ہے		مگر	اکثر		لوگ	شکر	نہیں	کرتے

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں قرآن مجید کے نصیحت شفاء رحمت ہدایت ہونے کا ذکر ہوا اب ان بدنصیبوں کا تذکرہ ہے جو ایسی اعلیٰ کتاب سے نفع نہیں اٹھاتے قرآنی احکام حرام وحلال میں اپنی عقل سے کام لیتے اور ٹھوکریں کھاتے ہیں گویا سورج اور بارش رحمت کا ذکر پچھلی آیات میں تھا اور چمگادڑ یا شورہ زمین کا ذکر ان آیات میں ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ قرآن مجید مومنوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ کفار اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اب اس کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ کفار اپنی عقل پر اعتماد کرتے ہیں۔ وہ سورج کی بجائے چراغ سے روشنی لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ بخلاف مومنین کے کہ وہ عقل سے بے نیاز ہو کر قرآن کریم کو اپنے لئے مشعل راہ بناتے ہیں۔

تیسرا فائدہ: گزشتہ پچھلی آیات میں کفار کی ان غلطیوں کا ذکر ہوا جو وہ عقائد میں کرتے تھے اب ان غلطیوں کا ذکر ہے جو وہ اعمال خصوصاً رزق کے متعلق کرتے تھے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ قرآن مجید کی تشریف آوری پر خوشیاں مناؤ اب ارشاد ہے کہ یہ خوشیاں ان لوگوں کے نصیب میں ہیں جو اس کے فرمانوں پر ایمان لاتے ہیں۔ بدنصیب کفار کو قرآن مجید سے رنج وغم ہی ملے گا۔ کیونکہ وہ عقل کے پیچھے پڑے ہیں گویا خوشی دینے خزانے کے بعد خوش نہ لینے والے محروموں کا تذکرہ ہے۔

تفسیر: قل ارایتم قل میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے قول سے مراد سوال کے طور پر فرمانا یعنی پوچھنا جیسا کہ اگلے مضمون سے ظاہر ہے اور یہ پوچھنا عتاب ہے۔ سرزنش اور جھڑکنے کے لئے ہے۔ روئے سخن ان کفار مکہ سے ہے جو حلال جانوروں اور کھیت کی پیداوار میں پابندیاں لگاتے تھے کہ کہتے تھے ھذہ انعام وحرث حجر لا یطعمها الا من نشاء یا کہتے تھے ما فی بطون ھذہ الانعام خالصة لذکورنا محرم علی ازواجنا۔ اور ان کا حال یہ تھا وجعلوا للہ مما ذرا من الحرث والانعام نصیبا وغیرہ کہ فلاں جانور مردوں کے لئے حلال عورتوں پر حرام یا جانور اور کھیت نے ہم چاہیں اس کے لئے حلال باقی کے لئے حرام وغیرہ نیز بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ حام وغیرہ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور حرام جانتے تھے کہ ان کا دودھ ان پر سواری ان کا گوشت حرام ہے غرضکہ وہ بعد حلال جانوروں کو مطلقاً حرام کہتے تھے اور بعض کو کسی کے لئے حرام کسی کیلئے حرام حلال ارایتم کے لفظی معنی ہیں کیا دیکھا تم نے مگر جب یہ اسم فعل بن کر آئے تو اس کے معنی

www.alahazratnetwork.org

ہوتے ہیں بتاؤ تو۔ خبر تو دو وہ ہی معنی یہاں مراد ہیں۔ ما انزل اللہ لکم من رزق اس فرمان عالی میں یا تو ما موصولہ ہے اور یہ جملہ ارایتم کا مفعول اول یا ما سوال کے لئے ہے اور انزل اللہ کا مفعول ہے (روح المعانی) رزق کے معنی حصہ بھی ہیں رب فرماتا ہے۔ وتجعلون رزقکم انکم تکذبون وہاں رزق بمعنی حصہ ہے اور اس کے معنی عطا جاری بھی ہے جو رب کی طرف سے مسلسل ملتی ہے۔ فرماتا ہے ومما رزقنھم ینفقون یعنی روزی یہاں اسی معنی میں ہے۔ اور اس سے مراد ہے حلال غذائیں جیسا کہ لکم سے معلوم ہو رہا ہے کیونکہ حرام چیزیں بچنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ نہ کھانے کے لئے۔ (تفسیر بیضاوی و روح البیان) خیال رہے کہ گوشت دانے پھل اگرچہ زمین سے پیدا ہوتے ہیں مگر ان کے اندازے آسمان پر مقرر ہیں کہ یہاں کس کو کتنا دینا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ وان من شیء الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدر معلوم نیز ان تمام چیزوں کی پیداوار آسمانی اسباب بارش ہوا۔ دھوپ چاند وغیرہ سے ہے کہ بارش سے سبزہ اگتا ہے۔ وانزلنا من المعصرات ماء ثجاجا لنخرج بہ حبا ونباتا وجنات الفافا دھوپ سے دانا پکتا ہے چاندنی سے پھلوں میں رنگت اور ستاروں کی روشنی سے لذت پیدا ہوتی ہے۔ ان وجوہ سے انزلنا فرمایا گیا یعنی ہم نے آسمان سے رزق اتارا من رزق میں من یا تو بیانیہ ہے ما کا بیان یا بعضیت کا ہے کیونکہ ہر سال بعض رزق ہی پیدا ہوتا ہے۔ فجعلتم منہ حراما وحلالا یہ عبارت معطوف ہے انزلنا اللہ پر منہ من بعضیت۔ کا ہے اور ہ کا مرجع رزق ہے یعنی تم نے اپنی رائے سے سارے حلال رزق میں بعضیت پیدا کر دی کہ بعض کو حرام ٹھہرا لیا اور بعض کو حلال رکھا۔ خیال رہے کہ یہاں عتاب حلال جاننے پر نہیں کہ وہ تو پہلے ہی حلال ہے بلکہ حلال میں بعضیت پیدا کرنے پر ہے کہ یہ سارے حلال نہیں بلکہ بعض حرام بھی ہیں۔ (از تفسیر روح المعانی وغیرہ) یہ بات خوب یاد ہے بڑی اہم ہے قل اللہ اذن لکم یہ سوال بھی عتاب کے لئے ہے ورنہ حضور انور ﷺ کو تو معلوم ہے کہ رب تعالیٰ نے اس کی اجازت نہیں دی ہے۔ یعنی اے محبوب ان لوگوں سے یہ تو پوچھو کہ کیا اللہ تعالیٰ نے کسی پیغمبر یا آسمانی کتاب کے ذریعہ تم کو اس تفریق کی اجازت دی ہے۔ چونکہ عموماً اہل عرب اپنے کو ابراہیمی کہتے تھے اور اپنے دین کو ملت ابراہیمی اس لئے ان سے یہ سوال کیا گیا یعنی اے لوگو رب تعالیٰ نے تم کو حضرت ابراہیم یا ان کے صحیفوں کے ذریعہ اس حرکت کی اجازت دی ہے۔ اگر دی ہے تو دکھاؤ خیال رہے کہ لفظ اللہ میں ایک ہمزہ سوال کا ہے۔ دوسرا ہمزہ اللہ کا صرفی قاعدے سے دوسرا ہمزہ الف سے بدل دیا گیا۔ ام علی اللہ تفترون۔ اس فرمان عالی میں ام یا حرف عطف ہے بمعنی یا اور یا بمعنی بل ہے (روح المعانی) تفترون بنا ہے افتراء سے بمعنی جھوٹ بات کو کسی کی طرف نسبت کرنا یعنی یا تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑتے ہو یا بلکہ واقعی تم اللہ پر جھوٹ گھڑتے ہو۔

خیال رہے: کہ دوبارہ قل فرمانا اس مضمون کی اہمیت دکھانے کے لئے ہے۔ وما ظن الذین یفترون علی اللہ کذب۔ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے اس میں واؤ ابتدائیہ ہے اور ظن الذین اس کی خبر ظن کے دونوں مفعول پوشیدہ ہیں (روح البیان) اگرچہ یہاں ظنھم فرمانا بھی کافی ہوتا کیونکہ ان کے افتراء کا ذکر ابھی ہو چکا لیکن دراز عبارت اس لئے تاکہ اس کی اس حرکت کا انتہائی جرم ہونا بھی معلوم ہو اور سزا کی وجہ بھی (روح البیان) یعنی یہ جھوٹ باندھنے والے لوگ اپنے متعلق کیا

www.alahazratnetwork.org

گمان کرتے ہیں۔ ایک قراءۃ میں ظن فعل ماضی ہے اور الذین (الخ) اس کا فاعل۔ یوم القیمۃ قوی یہ ہے کہ یہ فرمان عالی ظن کا ظرف نہیں بلکہ مایفعل بھم پوشیدہ کا ظرف ہے یعنی ان کے ساتھ قیامت میں رب کی طرف سے کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ رحمت یا غضب بخشش یا پکڑ جنت یا دوزخ خود ہی فیصلہ کرلیں ظاہر ہے کہ غضب پکڑ میں ہی ہوں گے۔ کیونکہ وہ کام غضب کے کر رہے ہیں ان اللہ لذو فضل علی الناس اس فرمان عالی میں رب کی اس رحمت عامہ کا ذکر ہے جو دنیا میں اس نے بندوں پر کیا ہے۔ لہٰذا فضل سے مراد انسان کو عقل ہوش دینا اس کی جماعت میں انبیاء کرام بھیجنا اور خاتم النبیین کے بعد تا قیامت علماء اور اولیاء کے ذریعہ حضور انور ﷺ کے احکام پہنچانا۔ لہٰذا الناس سے سارے انسان مراد ہیں۔ چونکہ یہ مذکورہ نعمتیں ہمارے کسی عمل کا بدلہ نہیں اس کریم کی بندہ نوازی ہے۔ اس لئے ذو فضل ارشاد ہوا۔ یعنی اللہ تعالیٰ دنیا میں سارے مومن کافر و منافق پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے کہ اس کریم نے انسان کو بے خبر نہ رکھا اسے اچھے برے سے خبر دار فرمایا۔ رب تعالیٰ کا کرم تو سن چکے اب انسان کی ناقدری کا حال سنو۔ ولکن اکثرھم لایشکرون بہت لوگ ان نعمتوں کا شکریہ ادا نہیں کرتے۔ کفران نعمت کرتے ہیں اس کی تفسیر وہ آیت کریمہ ہے وقلیل من عبادی الشکور تھوڑے بندے شکر گزار ہیں۔ یعنی بہت لوگ (کفار و منافقین) اللہ کے فضل و کرم کا شکریہ ادا نہیں کرتے ناشکری اور کفران ہی کرتے ہیں ورنہ ان حرکتوں سے باز آتے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین عرب سے آپ ﷺ ایک سوال تو کریں کہ یہ بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے فرش پر عرشی نعمتیں اتاریں کہ زمین میں سے آسمانی مدد سے دانے پھل گوشت و سواری کے جانور عطا فرمائے اور یہ سب کچھ تمہارے لئے حلال کئے مگر تم نے یہ غضب کیا کہ ان حلال چیزوں کی تقسیم کردی کہ ان میں بعض جانور بحیرہ وغیرہ سب پر بعض جانور اپنی عورتوں پر یوں ہی بعض زمینی پیداوار بعض پر حرام کردی اور بعض حلال رکھیں۔ بتاؤ کیا یہ تقسیم و چھانٹ رب تعالیٰ نے کسی نبی یا کسی آسمانی کتاب کے ذریعہ کی ہے اگر ایسا ہے تو وہ کتاب یا نبی کی تعلیم پیش کرو۔ یا تم نے یہ خود ہی تقسیم کر کے اس کی نسبت رب کی طرف غلط کردی ہے۔ کہ رب نے یہ تقسیم فرمائی ہے اللہ تعالیٰ پر ایسے جھوٹ باندھنے والے اپنے متعلق کیا خیال کرتے ہیں کہ ان سے قیامت میں کیا معاملہ کیا جاوے گا۔ کرم یا غضب۔ چھٹکارا یا پکڑ خود ہی فیصلہ کرلیں کہ وہ کس فیصلے کے مستحق ہیں دنیا میں اللہ تعالیٰ سارے لوگوں پر بڑا ہی فضل و کرم فرمانے والا ہے کہ اس نے سب کو ہوش گوش عقل حواس دیئے پھر ان کی ہدایت کے لئے ان میں رسول کتابیں بھیجیں مگر اکثر لوگ ناقدرے ناشکرے ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے۔ خیال رکھیں کہ قیامت میں ان ناشکروں پر یہ فضل نہ ہوگا وہ دن فیصلہ اور چھانٹ کا ہے وہاں دانہ الگ اور بھوسہ علیحدہ کردیا جائے گا۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر قسم کے رزق کا مرکز آسمان ہے زمین اس کا مظہر ہے یعنی رزق بنتے ہیں آسمان میں نکلتے ہیں زمین سے یہ فائدہ انزل اللہ لکم من رزق سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے وفی السماء رزقکم وما توعدون۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: اگرچہ حرام وحلال ساری چیزیں رزق ہیں حرام خور بھی رب تعالیٰ کا رزق ہی کھاتا ہے مگر حلال رزق کھاتا ہے مگر حلال رزق ہمارے استعمال کے لئے پیدا فرمایا گیا اور حرام چیزیں بچنے کے لئے۔ بکری کھانے کے لئے بنی ہے سور پرہیز کرنے کے لئے یہ فائدہ لکم کے لام سے حاصل ہوا کہ یہاں لام نفع کا ہے۔ (از تفسیر بیضاوی)

تیسرا فائدہ: ہر قسم کے رزق مخلوق رب تعالیٰ کے ہیں مگر ان کی پیدائش ہمارے نفع کے لئے ہے رب تعالیٰ نفع حاصل کرنے سے پاک ہے۔ یہ فائدہ بھی لکم کے لام سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے خلق لکم مافی الارض جمیعا۔

چوتھا فائدہ: جن چیزوں کو اللہ رسول نے حرام نہ کیا ہو انہیں حرام کہنا سخت جرم ہے یہ فائدہ فجعلتم منه حراما سے حاصل ہوا۔ لہٰذا بزرگوں کی فاتحہ میلاد شریف کے تبرک کو حرام کہنا بڑی بے دینی ہے کہ انہیں نہ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا نہ اس کے رسول نے۔

پانچواں فائدہ: بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور اگر مسلمان نمازی کے ہاتھ لگ جائیں تو وہ شوق سے کھائے یہ فائدہ بھی فجعلتم منه حراما سے حاصل ہوا ہے کہ کفار بحیرہ سائبہ وغیرہ جانوروں کو حرام سمجھتے تھے کہ وہ بتوں کے نام پر چھوڑے جاتے تھے۔ رب تعالیٰ نے اس پر ان کی تردید فرمائی دوسری جگہ رب فرماتا ہے ماجعل الله من بحيرة و ال سائبة۔ (الخ)

چھٹا فائدہ: یوں ہی مزارات اولیاء اللہ کے چڑھاوے۔ پیسے مٹھائی کپڑے حلال اور طیب ہیں۔ اس کی بحث ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول میں دیکھو مگر اب تو حرام سمجھنے والے علماء بھی محکمہ اوقاف میں نوکری کرتے ہیں اور ان ہی چڑھاوے کی آمدنی سے تنخواہیں لیتے ہیں۔ کیونکہ اوقاف کی آمدنی میں زیادہ تر مزارات اولیاء کے چڑھاوے ہیں جنہیں یہ حضرات مزے سے کھا رہے ہیں جو حرام کہتے تھے۔

ساتواں فائدہ: اللہ رسول کی حرام کی ہوئی چیزوں کو حیلے بہانے سے نام بدل کر انہیں حلال سمجھنا سخت جرم اور کفار کا طریقہ ہے یہ فائدہ اشارة حراما وحلالا سے حاصل ہوا ہے اس سے وہ لوگ عبرت پکڑیں جو سود کو نفع کہہ کر شراب کو وسکی کہہ کر رشوت کو آمدنی کہہ کر استعمال کرتے ہیں قیامت قریب ہے اور اللہ حسیب ہے۔

آٹھواں فائدہ: بھوک ہڑتال کرنا حرام ہے۔ اگر اس سے مر گیا تو خودکشی اور حرام موت مرے گا کہ اس میں بھی اللہ کے حلال رزق کو اپنے پر حرام کرنا ہے۔

نواں فائدہ: کھیل کود تماشے فوٹو وغیرہ محرمات کو حلال کرنے کی کوشش کرنے والے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں جسے اللہ رسول نے حرام کر دیا اسے حلال کرنے والے ہم کون۔ یہ فائدہ ام علی الله تفترون سے حاصل ہوا ہے۔

دسواں فائدہ: ہم پر سب سے بڑا احسان اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ حقیقی منعم ہے یہ فائدہ لذوفضل الناس سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر

بارھواں فائدہ: اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے زیادہ انسانوں پر کرم فرمایا اتنی مہربانی نہ فرشتوں پر ہوئی نہ دوسری مخلوق پر

www.alahazratnetwork.org

یہ فائدہ بھی لذو فضل الناس میں الناس فرمانے سے حاصل ہوا۔ نوع انسان میں حضور انور ﷺ کی جلوہ گری اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کی وجہ سے ہمیشہ انسانیت دوسری مخلوق پر فخر کرے گی۔ خصوصاً مسلمانوں پر تو اس کا بڑا ہی احسان ہے کہ انہیں ایمان کی توفیق بخشی۔ خود فرماتا ہے لقد من الله علی المومنین اذ بعث فیهم رسولا۔

تیرہواں فائدہ: مگر حیرت در حیرت ہے کہ ساری مخلوق میں زیادہ ناشکر انسان ہی ہے۔ حتیٰ کہ انسان ہی نے دعویٰ خدائی کیا اور لوگوں سے اپنی عبادت کرائی یہ فائدہ اکثرهم لا یشکرون سے حاصل ہوا۔

چودھواں فائدہ: ناشکرے انسان زیادہ ہیں اور شکر گذار تھوڑے یہ فائدہ اکثرهم لا یشکرون سے حاصل ہوا۔ ناشکروں کو اکثر فرمایا گیا فرماتا ہے۔ وقلیل من عبادی الشکور فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوگا کہ اپنی اولاد سے دوزخ کا حصہ نکالو۔ ہزار میں سے نو سو ننانوے یعنی ایک فی ہزار جنتی ہے قوم یا جوج ماجوج دوزخیوں کی یہ تعداد پوری کرے گی۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں رزق کے متعلق انزل فرمایا گیا انزل کے معنی ہیں اوپر سے نیچے اتارنا حالانکہ دانہ پھل وغیرہ زمین میں سے نکلتے ہیں اور جانور وغیرہ زمین پر پیدا ہوتے ہیں ان میں سے کوئی چیز آسمان سے نہیں اتری۔ یا تو اخراج فرمایا جاتا یا تو خلق۔

جواب: ان سب مذکور چیزوں کا مدار بارش اور دھوپ چاندنی اور تاروں کی چھاؤں پر ہے۔ یہ سب چیزیں اوپر کی طرف سے اتریں ہیں اور حق یہ ہے کہ زمین ان چیزوں کا مخرج یعنی دروازہ ہے ان کا خزانہ آسمان میں ہے وفی السماء رزقکم حضور انور ﷺ نے معراج نیل اور فرات دریاؤں کا مرکز آسمان پر ملاحظہ فرمایا۔ لوہے کے متعلق رب ارشاد فرماتا ہے وانزلنا الحدید ہم نے لوہا اتارا وہاں بھی یہ ہی تحقیق ہے۔

دوسرا اعتراض: رزق اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کے لئے پیدا فرمایا پھر لکم کیوں فرمایا اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ صرف انسانوں کے لئے پیدا ہوا ہے۔

جواب: دو وجہ سے ایک یہ کہ دنیا میں صرف انسان مقصود ہے باقی چیزیں انسان کے طفیل ہیں اس لئے جن قوموں پر عذاب آئے وہاں کے جانور بھی ہلاک کر دئے گئے نیز روزی جانور کھاتے ہیں اور ہم جانوروں کو کھاتے ہیں لہٰذا بالواسطہ وہ روزی ہم نے ہی کھائی دوسری یہ کہ اگلا مضمون یعنی بعض رزقوں کو حرام سمجھ لینا صرف انسانوں کا عمل ہے ان کے سواء کوئی مخلوق یہ حرکت نہیں کرتی لہٰذا اس کی تمہید میں بھی انسانوں کا ذکر ہوا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت سے معلوم ہوا کہ کسی چیز کو نہ تو بغیر دلیل حرام کہنا چاہئے نہ حلال۔ حرمت اور حلت دونوں کے لئے دلیل کی ضرورت ہے کیونکہ ارشاد ہوا فجعلتم منه حراما وحلالا دونوں باتوں کی بنا پر کفار پر عذاب ہوا۔ لہٰذا گیارہویں کی مٹھائی میلاد شریف کا تبرک حلال نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حلت کی کوئی دلیل نہیں۔

جواب: پھر تم نے انہیں حرام کس دلیل سے کہتے ہو آیۃ کریمہ کا مقصد یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے تمہارے لئے سارے

www.alahazratnetwork.org

حلال رزق اتارے تم نے اس میں تقسیم کیوں کر دی۔ کہ بعض کو تو حرام سمجھ لیا اور بعض کو حلال جانا۔ سب کو ہی حلال کیوں نہ مانا۔ اس لئے کہ کفارہ بحیرہ سائبہ وغیرہ حلال جانوروں کو ہی حرام کہتے تھے۔ اس کی بحث کہ تمام چیزوں میں اصل حلال ہونا ہے۔ ہماری کتاب جاء الحق حصہ اول اور اقتدار خان کی کتاب راہ جنت میں ملاحظہ کرو۔ رب فرماتا ہے **قل لا اجد فیما او حی الی محرما علی طاعم یطعمه الخ** وہاں ۔ سے کسی چیز کی حرمت نہ پانے کو حلال ہونے کی دلیل قرار دیا اگر کوئی چیز بغیر دلیل قرار دیا اگر کوئی چیز بغیر دلیل حلال نہیں ہوسکتی تو مصیبت آجاوے گی۔ آم۔ خربوزہ اناس اور تمام وہ کھانے جو حضور انور ﷺ کے زمانہ میں لوگ جانتے بھی نہ تھے وہ حلال نہ ہوسکیں گے کہ ان کی حلت کی نہ آیت ہے نہ حدیث۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فضل والا ہے **لذو فضل علی الناس** تو کیا وہ دوسری مخلوق پر فضل والا نہیں پھر علی الناس کیوں فرمایا۔

جواب: یا اس لئے کہ اس نے جتنا فضل و کرم انسانوں پر کیا اتنا کسی مخلوق پر نہ کیا۔ ساری مخلوق کو اس کا خادم بنایا۔ انبیاء اولیاء اسی میں پیدا کئے شریعت طریقت اسی کے لئے رکھی۔ اعلیٰ غذائیں اسی کو کھلائیں یا اس لئے کہ بڑا ناشکرا صرف انسان ہی ہے اس لئے کہ اس کے ساتھ فرمایا **ولکن اکثرھم لا یشکرون**۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے رب تعالیٰ نے جسمانی رزق سب کے لئے پیدا فرمائے ایسے ہی اس نے روحانی رزق ایمان عرفان واردات۔ شواہد ربانیہ بھی سب کے لئے پیدا کیں جو بے وقوف کہے کہ یہ چیزیں صرف قلوب والوں کے لئے ہیں نفوس والوں کے لئے نہیں۔ دنیا داروں کو دین سے کیا تعلق دین کو علماء اولیاء جانیں۔ یہ عقیدہ اللہ تعالیٰ پر افتراء ہے۔ رب نے سب کو ان چیزوں کی دعوت دی فرماتا ہے **واللہ یدعو کم الی دار السلام** اور فرماتا ہے **یدعو کم لیغفر لکم** ان روحانی رزقوں کو اپنے نفس پر حرام جان لینا کم ہمتی ہے رب نے یہ دروازہ کسی پر بند نہیں کیا۔ شعر۔

عاشق کہ شد کہ یار بحالش نظر نہ کرد   اے خواجہ درد نیست وگرنہ طبیب ہست

وہ عاشق ہی کیا جس پر محبوب کرم نہ کرے ارے کم بخت تیرے پاس درد ہی نہیں ورنہ دوا اور طبیب موجود ہے جو سمجھے کہ میں شہوت و غفلت سے نکل سکتا ہی نہیں وہ رب تعالیٰ کی قدرت میں کمی مانتا ہے وہ ہم جیسے کروڑوں کو نکالنے پر قادر ہے **و کان اللہ علی کل شئی مقتدرا** صوفیاء فرماتے ہیں کہ اس آیت کی زد میں غلط فتوے دینے والے علماء اور غلط راہ پر چلنے والی صوفیاء بھی داخل ہیں۔ کہ وہ اپنی رائے اپنے فتوے کے لئے بعض کو حرام اور بعض کو حلال کہتے ہیں۔

حکایت: علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ علی سے پوچھا کہ اگر پیٹ سے قے منہ میں آجائے اور پھر لوٹ جائے تو وضو گیا یا نہیں وہ بولے ٹوٹ گیا۔ رات کو خواب میں حضور انور ﷺ کی زیارت ہوئی فرمایا اے علی جب قے منہ بھر کر ہو۔ معلوم ہوا کہ ہمارے فتوے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش ہوتے ہیں۔ رب تعالیٰ حق بات کی توفیق دے۔

www.alahazratnetwork.org

وَمَا تَكُونُ فِي شَأْنٍ وَمَا تَتْلُوا مِنْهُ مِنْ قُرْآنٍ

اور نہیں ہوتے تم کسی حال میں اور نہیں تلاوت کرتے تم رب کی طرف سے

اور تم کسی کام میں ہو اور اس کی طرف سے کچھ قرآن پڑھو

وَلَا تَعْمَلُونَ مِنْ عَمَلٍ إِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُودًا إِذْ

کچھ قرآن اور نہیں عمل کرتے تم لوگ کوئی عمل مگر ہیں ہم اس پر گواہ (مشاہدہ کرنے والے)

اور تم لوگ کوئی کام کرو ہم تم پر گواہ ہوتے ہیں جب تم

تُفِيضُونَ فِيهِ ۚ وَمَا يَعْزُبُ عَنْ رَبِّكَ مِنْ مِثْقَالِ

جب مشغول ہوتے ہو تم اسمیں اور نہیں چھپتی رب سے تمہارے کوئی ذرہ کی برابر نہ

اس کو شروع کرتے ہو اور تمہارے رب سے ذرہ بھر کوئی چیز

ذَرَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ وَلَا أَصْغَرَ مِنْ

زمین میں اور نہ آسمان میں اور نہیں ہے کوئی چھوٹی

غائب نہیں زمین میں آسمان میں اور نہ آسمان نہ اس سے چھوٹی

ذَٰلِكَ وَلَا أَكْبَرَ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿٦١﴾

چیز اس سے اور نہ بڑی مگر وہ ظاہر کرنے والی کتاب میں ہے

اور نہ اس سے بڑی کوئی چیز نہیں جو ایک روشن کتاب میں نہ ہو

تعلق: اس آیۂ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے۔

پہلا تعلق: ابھی پچھلی آیۂ میں اللہ تعالیٰ کے عام فضل وکرم کا ذکر ہوا اب اس کے عام علم کا ذکر ہے کیونکہ علم کے بغیر فضل ناممکن ہے گویا فضل وکرم کے بعد اس کے موقوف علیہ کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فضائل کا ذکر ہوا کہ وہ نصیحت۔ شفا۔ ہدایت رحمت ہے اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اس کا نازل کرنے والا رب علیم۔ خبیر۔ شاہد ہے جس کتاب کا بھیجنے والا ایسی صفات والا ہو سمجھ لو کہ کتاب کیسی ہوگی۔ گویا قرآن مجید کی چار صفتوں کے چار فضائل کے بعد اس کی پانچویں صفت کا ذکر ہے کہ وہ علیم وخبیر کا بھیجا ہوا ہے

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں کفار پر عتاب مومنوں پر اظہار کرم تھا مومنوں سے فرمایا گیا تھا کہ تم اللہ کے فضل اس کے رحم پر خوب خوشیاں مناؤ۔ کفار سے کہا گیا کہ تم نے کس دلیل سے بعض چیزوں کو حرام بعض کو حلال کر لیا اب یہ آیت کریمہ جامع

www.alahazratnetwork.org

آیت ہے۔جس میں رحمت کی شان بھی نظر آتی ہے اور غضب و قہر بھی جھلک رہا ہے کہ ہم ہر ایک کا ہر حال جانتے ہیں۔

چوتھا تعلق: گذشتہ پچھلی آیات میں قرآن مجید کے فضائل بیان ہوئے اب صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات حضور علیہ السلام کے مناقب شریفہ کا ذکر ہے کہ وہ اور ان کا ہر حال ان کی تلاوت قرآن ہماری نظر کرم میں ہے۔ اگر تم ہماری نظر کرم میں آنا چاہتے ہو۔تو ان کی نظر کرم میں آجاؤ ان کے قدم وابستہ ہو جاؤ۔تم پر بھی وہ ہی نظر ہو جائے گی۔

تفسیر: وما تکون فی شان اس فرمان عالی میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور چونکہ یہ نیا جملہ ہے اس لئے اس کا واو ابتدائیہ ہے اور ظاہر ہے یہ کہ تکون حال دائمی ہے یعنی ولادت پاک سے لے کر وفات آریف تک آپ علیہ السلام کی ہر شان ہماری نظر میں ہے اور ممکن ہے کہ تکون مضارع استمراری ہو جیسے ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی میں یصلون مضارع استمراری ہے۔جس میں ہر زمانہ داخل ہے یعنی عالم ارواح عالم انوار پھر عالم اجسام پھر یہاں دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد عالم قدس جس جگہ جس حال میں آپ علیہ السلام تھے یا ہیں یا ہوں گے شان کے بہت معنی ہیں۔ یہ مصدر بھی ہوتا ہے بمعنی ارادہ۔اسم بھی بمعنی حال۔ بمعنی ضروریات دنیوی بمعنی عظیم الشان مشغلہ۔یہاں آخری معنی میں ہے اس سے حضور انور علیہ السلام کی ہر حالت مراد ہے حتی کہ سوتا جاگنا چلنا پھرنا دینی و دنیوی کام و اعمال (تفسیر خازن) رب فرماتا ہے کل یوم هو فی شان رب تعالی ہر دن یا ہر وقت نئی شان میں ہوتا ہے یہ ہر حال شان سے مراد حضور انور علیہ السلام کا ہر حال آپ علیہ السلام کی ہر کیفیت ہے جو نہایت شاندار ہے کہ اللہ کو حضور علیہ السلام کی ہر ادا پسند ہے نیز حضور علیہ السلام کا ہر حال تا قیامت لوگوں کے لئے نمونہ عمل ہے اس لئے اسے شان فرمایا گیا اس آیۃ کی تائید ان آیات سے ہے قد نری تقلب وجھک فی السماء ہم آپ علیہ السلام کے آسمان کی طرف منہ اٹھانے کو دیکھ رہے ہیں۔ الذی یراک حین تقوم وتقلبک فی الساجدین جب تم تہجد کے وقت اٹھتے ہو اور نمازیوں میں گشت لگاتے ہو تو رب تعالی تم کو دیکھتا ہوتا ہے فانک باعیننا (طور) اے ہمارے محبوب تم ہماری نظروں میں رہتے ہو وغیرہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں ما نافیہ ہے روح البیان اور بیضاوی وغیرہ نے یہ ہی فرمایا اعلی حضرت اقدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ما بمعنی جب ہے۔وما تتلو منه من قران۔یہ فرمان عالی معطوف ہے ما تکون (الخ) پر منہ اور من قرآن کے متعلق مفسرین کے بہت قول ہیں آسان تر اور قوی یہ ہے کہ منہ کی ضمیر قرآن کی طرف ہے۔جس کا ذکر پہلے ہو چکا جاء تکم موعظة (الخ) میں۔اور من بعضیت کا ہے اور من قرآن میں من بیانیہ ہے قرآن سے مراد کوئی آیت یا رکوع کی سورۃ ہے کیونکہ قرآن مجید کا لفظ قرآن ہے یعنی نہیں تلاوت کرتے آپ علیہ السلام قرآن کی کوئی آیۃ بعض نے فرمایا کہ منہ میں من بمعنی لام ہے اور ہ ضمیر رب تعالی کی طرف ہے یعنی نہیں تلاوت کرتے آپ علیہ السلام اللہ کے لئے کچھ قرآن۔اعلی حضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ منه من ابتدائیہ ہے اور ہ ضمیر رب تعالی کی طرف سے یعنی جب آپ اللہ تعالی کی توفیق اس کی مدد سے کچھ تلاوت قرآن کرتے ہیں۔خیال رہے کہ تلاوت قرآن بھی حضور انور علیہ السلام کی ایک شان ہی ہے اور ما تکون فی شان میں داخل ہے مگر چونکہ یہ مشغلہ تمام مشاغل سے اعلی اور تمام شانوں سے زیادہ شاندار اس لئے اس کا ذکر خصوصیت سے علیحدہ فرمایا۔ولا تعملون من عمل یہ عبارت معطوف ہے وما تتلو پر

www.alahazratnetwork.org

مگر اس میں خطاب سارے مسلمانوں یا سارے انسانوں سے ہے چونکہ بڑے کام کا ہر کام بڑا ہوتا ہے اس لئے وہاں فی شان ارشاد ہوا کہ وہاں حضور انور ﷺ کا حال مراد تھا اور یہاں من عمل ارشاد ہوا یعنی اے انسانو یا اے مسلمانوں تم نہیں کرتے کوئی چھوٹا بڑا کھلا چھپا برا کام الا کنا علیکم شھودا اس فرمان عالی کا تعلق گزشتہ تینوں چیزوں سے ہے کنا اور شھودا کو جمع فرمانا تعظیم کے لئے ہے۔ شہود جمع شاہد کی یا شہید کی جو مشاہدہ یا شہادت سے بنا یعنی مگر ہم تم پر گواہ یا مطلع ہوتے ہیں اور تم سب کچھ ہمارے سامنے کرتے ہو۔ اذ تفیضون فیہ یہ عبارت کنا علیکم کا ظرف ہے تفیضون بنا ہے افاضتم سے جس کے معنی ہیں نکلنا پھیلنا کثرت سے لگ جانا۔ شروع کرنا بھی بمعنی خواہش آتا ہے یعنی مشغول و مصروف ہونا۔ یہاں یا بمعنی شروع کرنا ہے یا بمعنی مصروف ہونا۔ یہاں تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اگر مضارع پر ما نافیہ آئے تو اسے بمعنی حال کر دیتا ہے اگر لا نافیہ آئے تو بمعنی استقبال کرتا ہے حضور انور ﷺ کے دونوں کام شریف پر ما نافیہ ہے اور عام لوگوں کے عمل پر لا نافیہ ارشاد ہوا (روح المعانی) بہر حال مطلب یہ ہے کہ جب تم لوگ کوئی کام شروع کر دیا جب کسی کام میں مشغول و مصروف ہو تو ہم مشاہدہ فرماتے ہیں وما یعزب عن ربک یہ فرمان عالی گویا پچھلے فرمان عالی کا تتمہ یا اس کی دلیل ہے اس میں رب کی وسعت علم کا ذکر ہے۔ یعزب بنا ہے عزب سے بمعنی غائب ہونا اور دور ہونا عربی میں عازب اس شخص کو کہتے ہیں جو چارے کی تلاش میں اپنے گھر سے دور نکل جائے (غیاث) عزب بمعنی غائب آتا ہے۔ رجل عزب وہ شخص جو گھر بار سے دور ہو یعنی آپ ﷺ کے رب سے دور یا غائب نہیں ہوتی۔ من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء بہ ما یعزب۔ کا فاعل ہے اس میں من زائدہ ہے عربی میں مثقال ایک خاص وزن کا نام بھی ہے جو سوا چار ماشہ کا ہوتا ہے۔ چنانچہ فقہاء فرماتے ہیں کہ ایک درہم چھ دانق کا ہوتا ہے اور دس درہم سات مثقال کے مگر لغت میں اس کے معنی ہوتے ہیں ہموزن یعنی یہ ثقل بمعنی وزن یا بوجھ سے بنا وہ ہی یہاں مراد ہے ذرہ چھوٹی چیونٹی کو بھی کہتے ہیں ریت کے ریزہ کو بھی اور ھباء کو بھی جو روشن دان میں سے دھوپ آتی ہوئی میں اڑتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں جیسے قرآن مجید میں ھباء منثورا کہا جاتا ہے زمین و آسمان سے مراد عالم اجسام ہے جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ اور عالم اسرار کو جبروت جس کا علم رب تعالیٰ ہی کو ہے (تفسیر صاوی) یعنی زمین و آسمان میں رب تعالیٰ سے ذرہ بھر کوئی چیز چھپی نہیں تو تم اور تمہارے اعمال اس سے کیوں کر چھپ سکتے ہیں۔ ولا اصغر من ذلک ولا اکبر الا فی کتاب مبین۔ یہ فرمان عالی مستقل اور نیا جملہ ہے۔ گزشتہ پر معطوف نہیں ذلک سے اشارہ ذرہ کی طرف ہے اور کتاب مبین سے مراد لوح محفوظ ہے چونکہ وہ کتاب خاص بندوں پر ظاہر بھی ہے اور علوم ظاہر کرتی بھی ہے اس لئے اس کو مبین کہا جاتا ہے یعنی خود روشن اور دوسری مکتوب چیزوں کو روشن کرنے والی یعنی ذرہ سے بھی چھوٹی چیز اور اس سے بڑی چیز سب کی سب لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ جو اللہ والوں پر ظاہر اور ظاہر گر ہے اس کی شرح وہ آیت ہے ولا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین اس کے متعلق اور بہت سی آیات۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ ﷺ کسی کام کی حال میں ہوں اور جب آپ ﷺ رب کے فضل سے قرآن مجید کی تلاوت کر رہے ہوں ہم آپ ﷺ کو ملاحظہ فرماتے ہوتے ہیں اور اے مسلمانوں تم کسی کام میں مشغول ہوؤ ہم

www.alahazratnetwork.org

تم کو جانتے ہیں۔ کیونکہ اے محبوب آپ ﷺ کے رب سے زمین و آسمان ذرہ بھر بھی چیز چھپی نہیں۔ ذرہ اور ذرہ سے چھوٹی بڑی چیز سب کچھ لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے یہ ہمارے علم تام کی ایک جھلک ہے یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ عالم تین قسم کے ہیں عالم ملک جس کا مشاہدہ عوام کرتے ہیں۔ جیسے زمین و آسمان اور اس کی ظاہری چیزیں۔ عالم ملکوت جو عوام کی نظر سے پوشیدہ ہے خواص کو ان پر مطلع فرمایا گیا جیسے عرش و کرسی فرشتے وغیرہ۔ عالم جبروت جو خاص الخاص بندوں کو دکھائے بتائے گئے۔ جیسے روح۔ عالم امر۔ عالم انوار وغیرہ۔ لاہوت وہ رب تعالیٰ کی ذات صفات ہیں جنہیں رب کریم ہی کما حقہ جانتا ہے۔ حضور انور ﷺ نے فرمایا عرفنک حق معرفتک۔

فائدے: اس آیۂ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر وقت ہر آن رب تعالیٰ کی نظر رکرم نگاہ عنایت ہے یہ فائدہ وما تکون فی شان (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس کی تائید ان آیات سے ہوتی ہے قدنری تقلب وجھک فی السماء فانک باعیدنا و تقلبک فی الساجدین وغیرہ رب کو حضور ﷺ پیارے تو آپ ﷺ کی ساری ادائیں پیاری۔

دوسرا فائدہ: جو چاہے کہ رب تعالیٰ کی نگاہ کرم میں آ جائے وہ حضور انور ﷺ کے دامن آپ ﷺ کے قدم سے وابستہ ہو جاوے۔ یہ فائدہ بھی وما تکون فی شان (الخ) سے حاصل ہوا آپ ﷺ جس کو دیکھیں گے تو یقیناً اس کے کپڑوں اس کی نعلین کو بھی دیکھیں گے۔ اس کی تائید اس آیۂ سے ہوتی ہے فاتبعونی یحببکم اللہ اور لا اقسم بھذا البلد و انت حل بھذا البلد۔

تیسرا فائدہ: دوسرے مشاغل سے تلاوت قرآن رب کو زیادہ پیاری ہے خصوصاً جبکہ سمجھ کے ساتھ ہو اور خصوصاً جبکہ تبلیغ دین کے لئے یہ فائدہ ما تتلو من قران سے حاصل ہوا کہ فی شان میں تلاوت قرآن بھی شامل تھی مگر سے خصوصیت سے بیان فرمایا۔

چوتھا فائدہ: تلاوت قرآن اور قرآن مجید کی صحیح سمجھ اس کی خدمت کی توفیق رب تعالیٰ کے کرم سے ملتی ہی یہ فائدہ منه کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جبکہ منه کی ضمیر رب تعالیٰ کی طرف ہو۔ یعنی من فضلہ۔

پانچواں فائدہ: قرآن مجید کی ہر آیت قرآن ہے یہ فائدہ منه کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جبکہ منه کی ضمیر قرآن کی طرف ہو اور من قرآن سے مراد آیات قرآنیہ ہوں۔

چھٹا فائدہ: انسان کو گناہوں سے بچانے والی نیکیاں کرانے والی بڑی چیز یہ ہے کہ انسان خیال رکھے کہ رب مجھ کو میرے بڑے چھوٹے ہر کام کو دیکھ رہا ہے ان شاء اللہ اس خیال کی برکت سے گناہوں سے بچا رہے گا۔ یہ فائدہ الا کنا علیکم شھودا سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے ہر عمل کو دیکھ رہا مگر محبوبین کی محبت کی نظر سے مردودین کو قہر و غضب کی نظر یہ فائدہ بھی علیکم شھودا سے اشارۃً حاصل ہوا۔ کہ ایک شھودا کا تعلق حضور انور ﷺ کی شان آپ ﷺ کی تلاوت قرآن

www.alahazratnetwork.org

سے بھی ہے اور تمام لوگوں کے اعمال سے بھی مگر تعلق کی نوعیت میں فرق ہے اس لئے اولاً حضور انور ﷺ کی شان کا ذکر ہوا بعد میں تمام لوگوں کے اعمال کا حضور ﷺ کو تمام لوگوں میں شامل نہ کیا گیا۔ دیکھو رب فرماتا ہے ان اللہ مع الصبرین اور فرماتا ہے وھو معھم اذ یبیتون ما لا یرضی من القول یعنی اللہ صابرین کے ساتھ بھی اور کفار کے ساتھ بھی جب وہ کفر کر رہے ہوں مگر ان تینوں ہمراہیوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔

آٹھواں فائدہ: زمین و آسمان اور ان کی ہر چھوٹی بڑی چیز کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہر وقت جانتا ہے۔ یہ فائدہ من مثقال ذرۃ فی الارض ولا فی السماء سے حاصل ہوا۔ لہٰذا فلاسفہ کا یہ قول کہ رب تعالیٰ کلیات کو جانتا ہے جزئیات کو نہیں جانتا اور مولوی حسین علی دیوبندی کا یہ قول کہ رب تعالیٰ ہمارے عمل کرنے کے بعد عمل کو جانتا ہے پہلے نہیں جانتا محض باطل اور آیۃ کے خلاف ہے۔

نواں فائدہ: عالم کی ہر چیز لوح محفوظ میں نہ ہو۔

دسواں فائدہ: لوح محفوظ اور اس کی تحریر سارے بندوں سے چھپی نہیں۔ رب کے بعض بندے لوح محفوظ اور اس کی ساری تحریر کو جانتے ہیں یہ فائدہ کتاب مبین میں لفظ مبین سے حاصل ہوتا ہے اگر وہ چھپی ہوتی تو مبین کیسے بنتی یعنی ظاہر اور ظاہر کرنے والی۔ تین باتیں یاد رکھو (۱) لوح محفوظ میں سارے علوم ہیں۔ یہ بات اسی آیت سے ثابت ہوئی (۲) لوح محفوظ قرآن مجید میں موجود ہے۔ تفصیل الکتاب لا ریب فیہ (۳) سارا قرآن مجید حضور انور ﷺ کے علم میں ہے الرحمن علم القرآن اور نزلنا علیک الکتاب تبیانا لکل شئی نتیجہ یہ حاصل ہوا کہ سارے علوم حضور انور ﷺ کو حاصل ہیں۔

سر عرش پر ہے تری گذر　　دل فرش پر ہے تیری نظر
ملکوت و ملک میں کوئی شئی　　وہ نہیں جو تجھ پہ عیاں نہیں

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و اعمال شریفہ کو شان فرمایا اور ہمارے افعال کو عمل۔ اس فرق بیان کی وجہ ہے۔

جواب: اس لئے کہ حضور انور ﷺ خود بھی شاندار ہیں۔ اور آپ ﷺ کی ہر ادا شاندار کسی عمل شریف میں نقص کا احتمال ہی نہیں رہے ہم تو ظاہر ہے کہ ہم خود ناقص ہمارے احوال و اعمال بھی ناقص۔ اگر حضور ﷺ سے تعلق ہو جاوے تو کامل ہو جاویں لہٰذا فرق ظاہر ہے۔

وہ کمال حسن حضورؐ ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں　　یہی پھول خار سے دور ہے یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

دوسرا اعتراض: اگر ما تتلو منہ من قرآن میں منہ کی ضمیر قرآن مجید کی طرف ہو تو دو دفعہ من کیوں ارشاد ہوا منہ اور من قرآن۔

جواب: پہلا من بعضیت کا ہے دوسرا من یا زائدہ ہے یا بیانیہ ہے یعنی آپ ﷺ قرآن مجید کی جو آیت تلاوت کرتے ہیں

www.alahazratnetwork.org

لہٰذا امن مکرر نہیں بلکہ الگ الگ معنی کے لئے ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ جب تم کسی کام میں مشغول ہوتے ہو تو ہم گواہ ہوتے ہیں۔ کیا رب تعالیٰ ہمارے عمل سے پہلے اس سے خبردار نہیں وہ تو ہمیشہ علیم وخبیر ہے۔

جواب: علم اور مشاہدہ میں فرق ہے۔ کسی چیز کا علم اس سے آگے پیچھے بھی ہوتا ہے مگر مشاہدہ اس کی موجودگی میں جاننا اور دیکھنا ہے۔ ان کا فرق یاد رہے اس لئے یہاں شہودا ارشاد ہوا نہ کہ علیم یعنی جب تم کچھ کرتے ہوتے ہو تو ہم تمہارا اور تمہارے عمل کا مشاہدہ فرماتے ہیں اسے علم ظہور کہا جاتا ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ رب تعالیٰ پر زمین وآسمان کی ذرہ بھر چیز بھی چھپی نہیں تو کیا زمین وآسمان کے علاوہ دوسری عالم کی چیزیں اس سے چھپی ہوئی ہیں۔

جواب: آسمان وزمین کا ذکر ہمارے لحاظ سے ہے کہ ہمارا علم انہیں دور تک ہے ورنہ تو رب عالمین ہر شے سے خبردار ہے۔

پانچواں اعتراض: رب تعالیٰ نے ہر چھوٹی بڑی چیز لوح محفوظ میں کیوں لکھی کیا اسے بھول جانے کا خطرہ تھا وہ تو بھول سے پاک ہے۔

جواب: اپنے محبوب بندوں کو بتانے کے لے ہم اپنا علم دوسروں کے سامنے رکھ رکھ زبانی بتاتے ہیں اور دور والوں کو بذریعہ کتاب چنانچہ فرشتے۔ انبیاء کرام۔ اولیاء اللہ جن کی لوح محفوظ پر نظر ہے وہ اس کے علوم پر مطلع ہیں۔

چھٹا اعتراض: تم نے کہا کہ رب تعالیٰ موجود چیزوں کو دیکھتا ہے۔ معدوم چیزوں کو جانتا ہے دیکھتا نہیں مگر تمہارا عقیدہ ہے کہ اللہ کے بعض مقبول بندے خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام چیزوں کو ان کی پیدائش سے پہلے اور بعد فنا بھی دیکھتے ہیں۔ **الم تر کیف فعل ربک باصحب الفیل** اور جیسے **الم تر کیف فعل ربک بعاد** تو کیا ان بندوں کو دیکھنا رب تعالیٰ کے دیکھنے سے قوی تر ہے۔

جواب: دیکھنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ دیکھی چیز میں دیکھے جانے کی قابلیت نہ ہو پھر بھی اسے دیکھا جائے۔ یہ ہے اعجازی دیکھنا۔ کوئی معدوم چیز دیکھے جانے کے قابل نہیں اسے دیکھنا اعجازی وقدرتی دیکھنا ہی ہوگا۔ عادی دیکھنا نہ ہوگا۔ یہاں پہلے قسم کے دیکھنے کا ذکر ہے **کنا علیکم شھودا اذ تفیضون فیہ** ہم اور ہمارے اعمال موجود ہونے سے پہلے دیکھے جانے کے قابل نہ تھے۔ رب ان کو دیکھتا تھا۔ قدرتی اعجازی طور پر موجود ہو جانے پر ہم دیکھے جانے کے قابل ہو گئے۔ رب انہیں دیکھتا ہے عادی طور پر جسے علم ظہور کہتے ہیں پہلے کو علم مکاشفہ۔

ساتواں اعتراض: اگر شہود یا شہادت کے ساتھ علیٰ ہو تو خلاف گواہی مراد ہوتی ہے اور اگر نہ ہو تو موافق کی گواہی۔ یہاں علیکم شھودا میں کیا خلاف گواہی مراد ہے کیا رب تعالیٰ حضور انور ﷺ اور مومنوں کے خلاف گواہ ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب **ویکون الرسول علیکم شھیدا** کی تفسیر میں دوسرے پارے میں دے چکے ہیں کہ جب شہادت میں نگران کے معنی شامل ہوں تو موافق گواہی کے لئے بھی علیٰ آجاتا ہے یعنی شہود بمعنی رقیب ہوتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی اللہ کی شان ہیں اور آپ ﷺ کی ہر ادا رب کی شان کہ ان سے رب کی شان نظر آتی ہے۔ شعر۔

محمد مصطفیٰ یعنی خدا کی شان کے صدقے　　　میں ہر ہر آن یا رب ان کی ہر ہر آن کے صدقے

حضور ﷺ کی تلاوت قرآن وہ ہے جس نے قرآن کو بنا دیا اسے قرآن اسی لئے کہتے ہیں کہ اسے حضور انور ﷺ نے پڑھ لیا۔ حضور کی تلاوت سے قرآن میں سوز و گداز یعنی تڑپا دینے کی صفت پیدا ہوئی جیسا کہ ہم ساتویں سپارے کی پہلی آیت کی تفسیر میں عرض کر چکے یہاں ارشاد ہوا کہ اے محبوب تم جب بھی اپنی کسی ادا سے ہمارے شان کے اظہار میں مشغول ہوتے ہو اور جب آیات قرانیہ کو پڑھ کر قرآن بناتے ہو ہم اس کا مشاہدہ نہایت کرم و محبت کی نظر سے کرتے ہیں اور اے لوگو تم جس کام میں مشغول ہوتے ہو ہم تم پر نگران ہوتے ہیں کیونکہ ہم سے ذرہ بھر چیز چھپی نہیں لہذا جو کرو یہ سمجھ کر کرو ہم تم کو دیکھ رہے ہیں یہاں روح البیان نے فرمایا کہ دل مردہ کی علامت یہ ہے کہ عبادات کوتاہی کرنے پر غمگین نہ ہو۔ اور خطائیں کرنے میں نادم و شرمندہ ہو۔ کیونکہ زندگی احساس چاہتی ہے احساس نہ رہنا موت ہے صوفیا فرماتے ہیں۔ شعر۔

لوح محفوظ است پیشانی یار　　　راز پنہاں می شو ذرال آشکار

لوح بھی تو قلم بھی تیر او جود الکتاب　　　گنبد آگینہ زنگ تیرے محیط کا حباب

أَلَآ إِنَّ أَوۡلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُونَ ۝٦٢

خبردار اللہ کے ولی نہیں ڈر ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ غم

ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَكَانُواْ يَتَّقُونَ ۝٦٣ لَهُمُ ٱلۡبُشۡرَىٰ فِي

وہ جو کہ ایمان لائے اور ہیں وہ پرہیز گاری کرتے واسطے ان کے بشارت ہے

وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے

ٱلۡحَيَوٰةِ ٱلدُّنۡيَا وَفِي ٱلۡأٓخِرَةِۚ لَا تَبۡدِيلَ لِكَلِمَٰتِ

زندگانی دنیوی میں اور آخرت میں نہیں ہے تبدیلی اللہ کی باتوں

دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں

ٱللَّهِۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلۡفَوۡزُ ٱلۡعَظِيمُ ۝٦٤

میں وہ ہی کامیابی ہے بڑی

سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے

وقف لازم

www.alahazratnetwork.org

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح کا تعلق ہے
پہلا تعلق: ابھی پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ زمین و آسمان کی ہر چھوٹی بڑی چیز ایک ایسی کتاب میں لکھی ہے جو ظاہر اور ظاہر گر ہے اب ارشاد ہے کہ وہ کتاب مبین کسی پر ظاہر ہے اولیاء اللہ پر گویا اس غیبی کتاب کے بعد اس کتاب کے پڑھنے والوں کا تذکرہ ہے۔
دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا کہ اے لوگو ہم تمہارے ہر کام کا مشاہدہ فرمارہے ہیں۔ اس فرمان عالی سے اطاعت والوں کی دلی قوت میسر ہوئی اور بدکاروں کی ہمت ٹوٹی اب اس آیت کریمہ میں اس پہلی جماعت یعنی مطیعوں کا ذکر ہے۔ جنہیں اس فرمان سے دلی قوت نصیب ہوئی۔ یعنی حضرات اولیاء اللہ۔ (تفسیر کبیر)
تیسرا تعلق: گذشتہ آیات میں کتاب اللہ قرآن مجید اور حضور انور سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کا ذکر ہوا گویا سایہ وار کے بعد سایہ کا۔ اور فیض بخش کے بعد فیضاب جماعت کا تذکرہ ہے۔
تفسیر: الا ان اولیاء اللہ۔ جس مضمون کے منکرین موجود ہوں یا آئندہ پیدا ہونے والے ہوں۔ اسے قرآن مجید میں تاکیدی حروف سے شروع کیا جاتا ہے۔ جیسے قد۔ لقد۔ الا۔ ان وغیرہ پھر جس درجہ کا انکار ہو اسی درجہ کی تاکید کی جاتی ہے۔ چونکہ مشرکین مکہ اور کفار مکہ سرے سے ولایت کے قائل نہ تھے وہ تو حضور انور ﷺ کی نبوت کے انکاری تھے ولایت کیا مانتے نیز آئندہ کلمہ گو مسلمانوں میں اولیاء اللہ کے منکرین پیدا ہونے والے تھے جو بہت سختی سے مختلف قسم کے انکار کرنے والے کوئی فرقہ اولیاء کی ذات کا انکاری کوئی ان کی صفات عالیہ کا کوئی ان کی کرامات کا کوئی ان کے فیوض و برکات کا کوئی ان کے علوم کا انکاری تھا۔ اس لئے مضمون کو ڈبل تاکید الا اور ان سے شروع فرمایا گیا۔ اولیاء جمع ہے ولی کی یہ ولی کا صفت مبشہ ہے بروزن فعیل جیسے کرم سے کریم اور حسن سے حسین۔ ولی کے معنی ہیں قرب۔ محبت۔ مدد لہٰذا ولی کے معنی ہوئے قرب والا۔ محبت والا۔ مدد نصرت والا یہاں ولی یا بمعنی فاعل ہے یعنی اللہ سے قرب محبت رکھنے والا یا بمعنی مفعول یعنی جسے اللہ نے قرب بخشا۔ محبت عطا کی اس کی مدد اس کا احترام فرمایا (صاوی) کیونکہ رب تعالیٰ انہیں یہ صفات خود عطا فرماتا ہے۔ انہیں بندوں کا حاجتمند نہیں کرتا (صاوی) خیال رہے کہ بعض مردود بندے اولیاء شیطان ہیں جنہیں کفار مشرکین اپنا ولی مددگار مانتے ہیں جنہیں قرآن مجید کی اصطلاح میں ولی من دون اللہ کہا جاتا ہے۔ اس لئے یہاں اولیاء اللہ صرف اولیاء نہ کہا۔ ولی اللہ مقبولین بندے ہیں اور ولی من دون اللہ مردود دین۔ رب فرماتا ہے اولیاء ھم الطاغوت اور فرماتا ہے افحسب الذین کفرو ان یتخذو اعبادی من دونی اولیاء ولی اللہ من دون اللہ کا فرق یاد رہے۔ ولی اللہ کی تعریف ان کی ضرورت ان کی پہچان۔ ان کی قسمیں اور ان کے اختیارات انشاء اللہ خلاصہ تفسیر میں عرض کئے جائیں گے۔ یعنی خبردار ہو بے شک اللہ کے دوست اس سے قرب رکھنے والے اس کے دین کے مددگار یا وہ بندے جن کو اللہ نے اپنے سے قریب فرمالیا یا انہیں اپنا دوست بنالیا یا براہ راست رب ان کا دوست ہوا ان کی شان یہ ہے کہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون۔ یہ فرمان عالی ان کی خبر ہے اس میں حضرات اولیاء اللہ سے خوف و غم کی نفی کی گئی ہے مگر طرز بیان جدا ہے

www.alahazratnetwork.org

خوف کے متعلق ارشاد ہوا لا خوف علیھم جس سے معلوم ہوا کہ نہیں کبھی دنیا میں خوف اگر ہوگا تو وہ ان پر غالب نہ آئے گا اور دائمی نہ ہوگا۔ اس لئے علیھم فرمایا لھم نہ فرمایا۔ رہا دنیا نہ ہونے کا رنج وغم وہ انہیں کبھی ہوتا ہے اس لئے لا حزن نہ فرمایا بلکہ لا ھم یحزنون فرمایا (روح المعانی) یہ فرق خیال میں رہے موسیٰ علیہ السلام کو اولاً فرعون کا خوف نہ ہوا انّنا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی مگر یہ خوف ان پر غالب نہ آیا نہ باقی رہا۔ خوف آئندہ تکلیف دہ چیز کو اندیشہ کہتے ہیں۔ اس کا مقابل ہے فرح (روح المعانی) حضرت اولیاء اللہ ان سے محفوظ ہیں خیال رہے کہ اس جملہ کی چند تفسیریں ہیں (۱) اولیاء اللہ کو دنیا میں دنیادار سے خوف وغم نہیں تب خوف نہ ہونے کے وہ معنی ہیں جو ابھی عرض کئے گئے (۲) اولیاء اللہ قیامت میں خوف و غم سے آزاد ہوں گے۔ عام مسلمانوں کو اپنا خوف ہوگا اور حضرت انبیاء کرام کو اپنی گنہگار امت پکڑے جانے کا خوف ہوگا۔ اور جو پکڑے جا چکے ہوں گے ان کی پکڑ کا رنج رہے اولیاء اللہ نہ اپنے پر خوف و رنج ہو نہ دوسروں پر رب فرماتا ہے لا یحزنھم الفزع الاکبر وتتلقاھم الملئکۃ (تفسیر روح۔ البیان وکبیر) (۳) اولیاء اللہ دنیا وآخرت دونوں جہان میں خوف وغم سے آزاد کئے گئے ہیں (۴) حضرات اولیاء اللہ پر دنیا میں کبھی ایسا وقت آتا ہے جب کہ وہ خوف وغم سے آزاد ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرات ابراہیم خواص پر ایک وقت یہ حالت طاری ہوئی کہ آپ جنگل میں تھے آپ کے پاس خونخوار درندوں کا ہجوم ہوگیا۔ آپ کا مرید ڈر کر درخت پر چڑھ گیا مگر آپ کوئی خوف طاری نہ ہوا۔ دوسری رات مچھر نے آپ کے ہاتھ پر کاٹا تو تڑپ گئے مرید نے ان سے دو ماجروں کی وجہ پوچھی فرمایا کل ہم نے اپنی قوت سے نہیں بلکہ واردات ربانیہ کی قوت سے یہ تحمل کیا جب وہ واردات بند ہوگئی تو میری ذاتی حالت سامنے آئی اور میں کمزور ترین مخلوق ہوں (تفسیر کبیر) (۵) اولیاء اللہ کو دنیا کا نقصان وہ خوف ورنج کبھی نہیں ہوتا کہ وہ کسی بندے کے خوف سے اپنا دین بدل دیں یا عبادات الٰہیہ چھوڑ دیں نہ ان سے کوئی کوتاہی عمداً سرزد ہوتی ہے جس پر وہ غم کریں وہ رب تعالیٰ کی طرف سے محفوظ ہوتے ہیں رہا اللہ کا خوف تو وہ ضرور ہوتا ہے کیونکہ وہ خوف مفید ہے (۶) اولیاء اللہ کو ذات باری میں اتنا استغراق ہو جاتا ہے کہ انہیں خوف وغم کا احساس نہیں ہوتا احسان کے بغیر خوف وغم کیسا (تفسیر کبیر) خود میں نے ایک مجذوب فقیر کو گجرات میں دیکھا کہ اس کے پاؤں پر ٹریکٹر گذر گیا۔ پنڈلی کے ٹکڑے ہوگئے۔ اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا۔ پولیس نے تفتیش کرتے ہوئے پوچھا تو کبھی کہتا ہے کہ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا کبھی کہتا ہے کہ مجھے چیونٹی نے کاٹا ہے۔ (۱) جب دنیوی ٹیکہ لگ جانے سے درد محسوس نہیں ہوتا تو جسے خوف الٰہی کا ٹیکہ لگے اسے کیا محسوس ہو بہرحال یہ فرمان بالکل درست ہے۔ رہا یہ کہ ولی اللہ کون ہے اس کے متعلق ارشاد ہے۔ الذین امنوا و کانوا یتقون۔ یہ فران عالی یا تو نیا جملہ ہے پوشیدہ ھم کی خبر یا اولیاء اللہ کا بیان یا اس کی صفت چونکہ موصوف وصفت میں فاصلہ اجنبی سے ہونا منع ہے اور لا خوف (الخ) اولیاء اللہ کی خبر ہے۔ اجنبی نہیں اس لئے یہ جائز ہو (روح المعانی) الذین سے مراد سارے اولیاء اللہ ہیں۔ غوث ہوں یا قطب جن ہوں یا انسان۔ کیونکہ اولیاء اللہ جنات میں بھی ہیں۔ ایمان تین طرح کا ہوتا ہے۔ علم الیقین والا عین الیقین والا اور حق الیقین والا یہاں آخری دو قسم کے ایمان مراد ہیں۔ کیونکہ علم الیقین والا ایمان تو ہر مومن کو حاصل ہوتا ہے ہم اس کی تحقیق تیسرے پارے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اس

www.alahazratnetwork.org

قول کی تفسیر میں کر چکے ہیں۔ رب ارنی کیف تحی الموتی تقویٰ کے دو معنی ہیں۔ بچنا اور ڈرنا اگر یہاں بمعنی ڈرنا ہے تو اللہ تعالیٰ کی ہیبت مراد ہے کیونکہ جس قدر ایمان قوی اور قرب الٰہی زیادہ اسی قدر رب تعالیٰ کی ہیبت دل میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور اگر بمعنی بچنا ہے تو تقویٰ کی بہت قسمیں ہیں۔ کفر وشرک سے بچنا۔ بدعقیدگیوں سے بچنا۔ حرام چیزوں سے بچنا۔ جس میں ناجائز ہونے کا شبہ ہو اس سے بچنا۔ جو چیز اللہ سے غافل کرے اس سے بچنا۔ اگرچہ مال واولاد بلکہ اپنا نفس ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ماسوی اللہ سے بچنا۔ شعر۔

رہ عقل جز پیچ و در پیچ نیست رہ عاشقاں جز خدا ہیچ نیست

یعنی ہر آڑ کو پھاڑ کر یا تک پہنچنا جس درجہ کا ولی اسی درجہ کا اس کا ایمان اور تقویٰ یہ فرمان بہت جامع ہے چونکہ ایمان ایک دائمی صفت ہے کہ ایک بار حاصل ہو کر مرتے دم بلکہ بعد تک رہتا ہے اور تقویٰ یعنی پرہیزگار ہمیشہ اختیار کی جاتی ہے ہر وقت کا تقویٰ نیا ہوتا ہے اس لئے امنوا ماضی مطلق اور کانوا یتقون ماضی استمراری ارشاد ہوا۔ ولی اللہ کی علامت یہ ہے کہ لھم البشری فی الحیوۃ الدنیا و فی الاخرۃ یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے۔ جس میں ان حضرات کے خوف وغم سے آزاد ہونے کی وجہ ارشاد ہوئی یعنی وہ خوف وغم سے اس لئے آزاد ہیں کہ انہیں رب کی طرف سے بشارتیں پہنچتی رہتی ہیں۔ جس سے ہر وقت خوش وخرم رہتے ہیں اس فرمان میں ولیوں پر دوسرے کرم وذکر ہیں بشارۃ کے معنی اس کی قسمیں ہم دوسرے پارہ میں وبشر الصابرین الذین (الخ) کی تفسیر میں عرض کر چکے ہیں۔ یہاں دنیوی آخروی بشارت سے کیا مراد ہے اس میں چند قول ہیں (۱) لوگوں کی زبان سے نکلنا کہ فلاں ولی ہے یہ موجودہ بشارت ہے رب فرماتا ہے لتکونوا شھداء علی الناس اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انتم شھداء اللہ فی الارض مخلوق کی زبان خالق کا قلم ہے۔ (۲) دلوں کا ان کی طرف کھنچنا کہ لوگ خواہ مخواہ ان سے محبت کریں یہ ولایت کی خاص علامت ہے فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جب رب تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتے ہیں تو حضرت جبریل سے فرماتا ہے کہ فرشتوں میں اعلان کر دو کہ وہ میرا پیارا ہے فرشتے اس سے محبت کرتے ہیں۔ پھر زبان والوں کے دلوں میں اس کی قبولیت ڈال دی جاتی ہے۔ (روح البیان وغیرہ) (۳) خود ان کے دلوں میں اچھے کاموں اچھے بندوں کی طرف میلان ہوتا۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ روح کے مختلف طبقے ہیں۔ ہر روح اپنی جنس کی طرف مائل ہے۔

نوریاں مر نوریاں را طالب اند ناریاں مر ناریاں را جاذب اند

(۴) مرتے وقت فرشتوں کا ان کو کہنا یایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الی ربک راضیۃ مرضیۃ وادخلی فی عبادی وادخلی جنتی اے مطمئن نفس لوٹ اپنے رب کی طرف تو رب سے راضی رب تجھ سے راضی میرے خاص بندوں میں داخل ہو جا۔ میری جنت میں آ۔ (۵) دنیا میں انہیں اچھی خوابوں اچھے الہامات کے ذریعہ بتا دیا جانا کہ تو اللہ کا مقبول ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اچھی خوابیں نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔ اس حدیث کو ہماری کتاب مرآت شرح مشکوٰۃ میں دیکھو (۶) قیامت میں خود رب تعالیٰ کا انہیں اپنے کرم وفضل کی بشارت دینا رب فرماتا ہے یبشرھم ربھم

www.alahazratnetwork.org

برحمۃ منہ (۷) حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں مغفرت وبخشش رب کے فضل وکرم کی بشارتیں دنیا جو دینہ منورہ سے ان کے دلوں میں پہنچتی رہتی ہیں۔ رب فرماتا ہے۔ وبشر المومنین بان لھم من اللہ فضلا کبیرا (۸) جنت میں داخلہ کے وقت فرشتوں کا انہیں بشارتیں دینا رب فرماتا ہے واقال لھم خزنتھا سلام علیکم طبتم فادخلوھا خالدین۔ (۹) رب تعالیٰ ولی کی موت کے وقت فرماتا ہے کہ اللہ نے تجھے بھی بخشا اور جس نے تیری میت کو کندھا دیا اسے بھی بخشا۔ یہاں بشارت سے وہ بشارت مراد ہے (روح المعانی) اس کی اور بہت تفسیریں کی گئی ہیں غرضکہ یہ فرمان عالی بہت جامع ہے لاتبدیل لکلمات اللہ۔ اس فرمان عالی میں گذشتہ سارے وعدوں کی گویا رجسٹری فرمادی گئی۔ یہاں کلمات اللہ سے مراد رب تعالیٰ کے وہ وعدے ہیں جو اس نے اولیاء اللہ سے کئے یا قرآن میں یا صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان میں فرمایا کہ اللہ کے وعدوں میں تبدیلی نہیں ہوسکتی کیونکہ وعدہ خلافی عیب ہے جس سے رب تعالیٰ پاک ہے ذلک ھو الفوز العظیم۔ یہ فرمان عالی ساری آیت کریمہ کا خلاصہ ہے یعنی اے مسلمانوں بڑی کامیابی یہ ہی ہے جو تمہاری عقل و درایت سے دور ہے دنیا کی دولت۔ عزت حکومت اس کے مقابل ہیچ ہے کہ وہ فانی ہیں یہ باقی اللہ کا ولی مرے بعد بھی دنیا پر راج کرتا ہے۔ شعر۔۔

ہر کہ دیوانہ بود در ذکر حق زیر پائش عرش و کرسی نہ طبق

خلاصہ تفسیر: ابھی تفسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت کریمہ میں اس گروہ کا ذکر ہے جو حضور انور ﷺ کا فیض امت تک پہنچائیں یعنی اولیاء اللہ اور اس آیت کی بہت تفسیریں ہیں ہم نا میں ایک تفسیر کا خلاصہ عرض کرتے ہیں اے لوگو کان کھول کر سن لو۔ آگاہ رہو خبردار رہو اس میں شک نہیں کہ اللہ کے دوست اس سے قرب رکھنے والوں کی شان یہ ہے کہ دنیا میں ان پر کسی مخلوق کا خوف رعب ڈر نہیں چھاتا کیونکہ ان کے دل رب کے خوف سے بھرے ہیں دوسرے خوف کی وہاں جگہ ہی نہیں نہ کوئی ایسی حرکت کریں جس سے انہیں بعد میں غم ہو یا رنج ہو انہیں اللہ تعالیٰ ان دونوں تکلیفوں میں محفوظ رکھتا ہے یہ وہ لوگ ہیں جو سچے پکے مومن ہوتے ہیں۔ اور ہر وقت ہر طرح پرہیزگار متقی رہتے ہیں کہ نہ کوئی شرعی فرض واجب سنت چھوڑتے ہیں نہ کوئی ناجائز کام کرتے ہیں ان کے لئے دنیا و آخرت میں خوشخبریاں کہ خواہ مخواہ بندوں کے منہ سے نکلتا ہے کہ وہ ولی اللہ ہیں ان کی طرف دل جھکتے ہیں اور مرتے وقت فرشتے انہیں جنتی ہونے کی بشارت دیتے ہیں۔ قیامت میں اور جنت میں داخلے کے وقت انہیں خوشخبریاں دیتے ہیں اور دیں گے یہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں کلمات الٰہیہ میں تبدیل نہیں ہوسکتے اے لوگو یہ بڑی ہی کامیابی ہے۔ اس کی طرف رغبت کرو۔

اولیاء اللہ

اللہ تعالیٰ نے حضور انور ﷺ پر نبوت ختم فرمادی مگر ولایت ختم نہیں فرمائی اب کوئی نبی نہیں بن سکتا مگر ولی بنتے رہے ہیں اور بنتے رہیں گے اولیاء اللہ کے متعلق چند چیزیں قابل تحقیق ہیں۔ (۱) ولی اللہ کون ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ ولی اللہ وہ

www.alahazratnetwork.org

ہے جو شرعی فرائض سے اللہ کے قرب اور اس کی اطاعت سے اللہ کا نور حاصل کرے اس کا دل معرفت الٰہی میں ڈوبا رہے کہ جب دیکھے تو دلائل قدرت دیکھے جب سنے تو آیات الٰہیہ سنے جب بولے تو رب کی حمد و ثنا سے شروع کرے جب حرکت کرے تو اطاعت الٰہی میں حرکت کرے جب بندہ اس حال پر پہنچتا ہے تو رب تعالیٰ اس کا مددگار ہو جاتا ہے متکلمین کہتے ہیں کہ وہ ولی ہے جس کے عقائد درست ہوں اور قوی دلائل پر مبنی ہوں اعمال شریعت کے مطابق ہوں بعض عارفین نے فرمایا کہ ولایت نام ہے قرب الٰہی کا اور ہمیشہ رب کی طرف متوجہ رہنے کا جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اسے کسی چیز کا ڈر نہیں رہتا نہ کسی چیز کے فوت ہونے کا غم۔ حضرت عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ ولی ہے جسے دیکھ کر خدا یاد آئے (طبری) ابن زید نے کہا کہ ولی وہ جس میں یہ صفات ہوں جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ یعنی ایمان و تقویٰ اور بشارت بعض علماء نے فرمایا کہ ولی وہ جو کسی سے محبت یا نفرت کریں تو محض اللہ کے لئے کریں حتیٰ کہ خود جو کام کریں صرف رضاء الٰہی کے لئے کریں (خزائن العرفان) بعض نے فرمایا کہ ولی وہ کہ جن کی طبیعت شریعت سے آراستہ ہو۔ نفس طریقت سے دل معرفت ہے۔ اور روح سر سے۔ اور ماسوئے اللہ سے بچے رب تعالیٰ تک اس کی کشش سے پہنچے وہ خدا رسی میں مبداء ختمی کا محتاج نہ ہو۔ مولانا فرماتے ہیں۔

ایں درازو کوتہی مرجم رست چہ دراز کوتہ کہ آنجا خداست
جو خدا ہر جسم راتبدیل کرد رفتش بے فرسخ و بے میل کرد

یعنی دوری درازی جسمانی سفر کے لئے جہاں خدا ملتا ہے وہ دور نہیں جب خدا جسمانیت کو روحانیت میں تبدیل کر دیتا ہے تو اس کا سفر بغیر کوس بغیر میل بغیر منزل ہوتا ہے۔ (روح البیان)

ولی اللہ کی پہچان: صوفیاء فرماتے ہیں کہ خدا کی پہچان آسان ہے مگر ولی کی پہچان مشکل ہے کہ ہر ذرہ ہر قطرہ جمال رب کا آئینہ ہے۔ شعر۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

مگر ولی تو ہم میں رہیں ہماری طرح کھائیں پئیں سوئیں جاگیں لیکن ان کے دل قندیل نور ہوں ظاہر میں شریعت سے موصوف ہوں۔ باطن فقر کے انوار سے روشن ہو اب بتاؤ انہیں کیسے پہچانیں وہ ان دولہنوں کی طرح ہیں جن تک ان کے محبوب کے سواء کوئی نہیں پہنچتا یہ قول بایزید بسطامی کا ہے۔ حضرت کمیل فرماتے ہیں کہ حق یہ ہے کہ ولی کو ولی ہی پہچانتا ہے (روح البیان) ان کی آسان پہچان وہ ہے جو اس آیت میں قرآن مجید نے بیان فرمائی کہ اس کے دل میں ایمان۔ ظاہر میں تقویٰ ہو۔ عام مخلوق اسے ولی کہے اس کی طرف دل کھنچیں۔ انہیں دیکھ کر خدا یاد آئے۔ دیکھو تفسیر لهم البشرى في الدنيا (الخ)

ولایت کی قسمیں: ولایت کسبی جو تقویٰ عبادت مجاہدات۔ مراقبات سے حاصل ہو۔ فطری یعنی مادرزاد ولی جیسے حضرت مریم مادرزاد ولیہ تھیں۔ آپ سے کرامات بچپن سے ظاہر ہوتی تھیں وجد عندها رزقا یا غوث الثقلین جنہوں نے رمضان کے دن میں ماں کا دودھ نہیں پیا۔ شعر۔

www.alahazratnetwork.org

غوث اعظم متقی ہر آن میں چھوڑا ماں کا دودھ بھی رمضان میں

آدم علیہ السلام پیدا ہوتے ہی مسجود ملائکہ بنے۔ ولایت عطائی جو کسی ولی یا نبی کی نظر کرم سے آنا فانا مل جائے۔ جیسے فرعونی جادوگر نگاہ موسوی سے اور حبیب نجار حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نظر سے یکدم ولی ہو گئے۔ یا حضرت سید کبیر الدین دریائی دولہا جن کا مزار شریف ہمارے اس گجرات پنجاب میں ہے کہ ان کی ڈوبی کشتی حضور غوث پاک نے بارہ برس کے بعد مع نکالی اور ایک نگاہ سے ولی بنا دیا ان کی عمر پونے چھ سو برس ہوئی۔ شعر

غوث اعظم کی نگاہ لطف سے نکلے بارہ سال کے ڈوبے ہوئے

یہاں تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ شیخ عبدالقادر جیلانی میں ولایت کے کرامات قلبیہ کرامات کونیہ دونوں جمع ہیں شیخ ابو مدین مغرب میں اور شیخ عبدالقادر مشرق ایسے صاحب کرامات میں کہ ان کی مثال نہیں ملتی (روح البیان)

اولیاء اللہ کی قسمیں: ولی اللہ دو قسم کے ہیں ولی تشریعی اور ولی تکوینی۔ ولی تشریعی وہ مسلمان متقی ہے جسے اس کے تقوی کی وجہ سے اللہ تعالٰی سے قرب نصیب ہو جاوے ان اولیاء الا المتقون۔ ہر عالم دین باعمل کا ولی ہے۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل رب فرماتا ہے انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء اور جہاں چالیس مومن جمع ہوں ان میں ایک نہ ایک ضروری ولی اللہ ہوگا جیسا کہ حدیث ابن عباس میں ہے انہوں نے اپنے بچہ کی نماز جنازہ کے لئے چالیس مسلمانوں کے جمع ہونے کا انتظار فرمایا مگر ولی تکوینی وہ ہیں جنہیں عالم میں تصرف کرنے کا اختیار دیا گیا۔ حضور انور ﷺ فرماتے ہیں بھم یمطرون اور بھم یرزقون ان کی برکت سے بارشیں ہوتی ہیں لوگوں کو رزق ملتے ہیں۔ ولی تکوینی کی بہت جماعتیں ہیں اور ان کے ذمہ دنیا کے سیاہ و سفید کے مختلف اختیارات ہیں۔ چنانچہ ابو عثمان مغربی فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہمیشہ ابدال چالیس۔ امنا، سات، خلفاء تین قطب عالم ایک رہیں گے۔ قطب عالم سے دنیا ایسے قائم ہے جیسے میخ کی چوب سے خیمہ۔ جیسے عالم ارواح میں فرشتے دنیا کا انتظام کرتے ہیں جنہیں مدبرات امر کہتے ہیں۔ یونہی عالم اجسام میں تکوینی اولیاء دنیا کا انتظام کرتے ہیں جنہیں مدابرات امر کہتے ہیں۔ یونہی اجسام میں تکوینی اولیاء دنیا کا انتظام سنبھالے ہوئے ہیں۔ حتی کہ سلطنت حکومت ان بزرگوں کے ہاں سے تقسیم ہوتی ہے۔ ڈاکٹر اقبال نے بوعلی قلندری پانی پتی قدس سرہ کا ایک مکتوب اشعار میں نقل فرمایا جو انہوں نے بادشاہ علاء الدین خلجی کو لکھا۔ اس کا ایک شعر اسی طرح ہے۔

خامہ را برداشت فرمانے نوشت از فقیرے سوئے سلطانے نوشت

بازگیرا ایں عالمے بدگوہرے ورنہ بخشم ملک تو بادیگرے

اولیاء اللہ کی ضرورت: دنیا خصوصاً مسلمان ہر آن اولیاء کے ایسے حاجتمند ہیں جیسے روزی۔ پانی۔ تاروں کی روشنی کے۔ ہم اس کے متعلق چند باتیں عرض کرتے ہیں (۱) اولیاء اللہ دین حق اور صراط مستقیم کی دلیل ہیں جس دین میں ولی ہو وہ برحق ہے جو ملت ولایت سے خالی ہے وہ باطل ہے ہمیشہ ولیوں والا دین اختیار کرو۔ رب فرماتا ہے و کونوا مع الصادقین سچوں کے ساتھ رہو۔ اور سورۂ فاتحہ میں صراط مستقیم کی علامت یوں بیان فرمائی ہے صراط الذین انعمت علیھم۔ دیکھو

www.alahazratnetwork.org

مشرکین و کفار میں کوئی ولی نہیں کہ وہ باطل ہیں گذشتہ نبیوں کے دینوں میں اولیاء اللہ ہوئے۔ آصف بن برخیا۔ اصحاب کہف جناب مریم، جریج وغیرہم جن کے قصے کرامات قرآن مجید اور حدیث شریف میں مذکور ہیں مگر جب وہ دین موسوی عیسوی وغیرہ منسوخ ہو گئے ان سے ولایت ختم ہو گئی۔ جب جڑ سوکھ جائے تو درخت میں پھل پھول کیسے لگیں اسلام میں سوا مذہب حقہ اہل سنت کے کسی فرقہ میں اولیاء اللہ نہیں۔ معلوم ہوا ہے کہ اسلام کی جڑ تو ہری ہے مگر اس کا فیض صرف ایک ہی شاخ اہل سنت میں آرہا ہے۔ باقی میں فیض نہیں اس میں ولایت کا سبزہ پھل پھول ہیں۔ یہ شاخ جنتی ہے باقی خشک شاخیں دوزخ کا ایندھن ہیں ولایت حقانیت اسلام اور مذہب اہل سنت کی جیتی جاگتی دلیل ہے (۲) اولیاء اللہ اور ان کی کرامات حضور انور ﷺ کا زندہ جاوید معجزہ ہیں ان کے کمالات سے کمال مصطفوی کا پتہ لگتا ہے کہ جب اس شہنشاہ کونین کے غلاموں میں ہر کمالات ہیں تو حضور انور ﷺ کے کمالات کا کیا کہنا (۳) حضور انور ﷺ نے اپنی امت کو دو قسم کے فیض دیئے۔ ظاہر، باطن، ظاہری فیوض علماء دین سے امت تک پہنچ رہے ہیں باطنی فیوض اولیاء اللہ کے ذریعہ (۴) جیسے دل کا فیض اعضاء بدن تک رگوں کے ذریعے پہنچتا ہے اگر رگیں کٹ جائیں تو موت واقع ہو جاتی ہے ایسے ہی حضور انور ﷺ کا فیض ساری امت کو بذریعے اولیاء اللہ پر پہنچتا ہے کہ ولایت درمیان میں نہ ہو تو امت کی روحانی موت واقع ہو جائے۔ (۵) بجلی کا پاور بنتا ہے پاور ہاؤس میں استعمال ہوتا ہے گھروں دکانوں کارخانوں میں مگر پہنچتا ہے درمیان کے کھمبے اور تار کے ذریعہ۔ ایمان بنتا ہے۔ مدینہ منورہ کے پاور ہاؤس میں ملتا ہے ہم گنہگاروں کو مگر درمیان میں علماء کے کھمبے اولیاء کے تار کے ذریعے (۶) بجلی کا نور قمقموں سے ملتا ہے۔ حضرات اولیاء فیضان نبوت کے بلب ہیں جو حضور ﷺ سے چمکتے ہیں اور ہم گنہگاروں کو روشنی دیتے ہیں، پھر جس بلب کی جیسی طاقت ویسی اس کی روشنی۔ جیسا بلب کا رنگ ویسی اس کی روشنی۔ قادری چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی اسی مرکز کے فیض کے رنگ برنگے مختلف طاقتوں والے بلب ہیں۔ شعر۔

حرم و طیبہ و بغداد جدھر کیجئے نگاہ — جوت پڑتی ہے تری نور ہے چھنتا تیرا

جیسے بجلی کا تار کاٹنے والا حکومت کا مجرم ہے ایسے ہی اولیاء اللہ سے دشمنی کرنے والا حکومت ربانیہ کا مجرم ہے۔ (۷) زمین کا قرار پہاڑوں سے ہے جنگل میں ہلکے پتے کا قرار کسی مضبوط آڑ سے ہے۔ ورنہ ہوائیں اسے اڑائیں پھریں ایسے ہی ہمارے دلوں کا قرار حضرات اولیاء سے ہے شعر۔

دل عبث خوف سے پتہ سا اوڑا جاتا ہے — پلہ ہلکا سہی بھاری ہے بھروسہ تیرا

(۸) قیامت میں لوگوں کو ان کے امام پیشوا مشائخ کے ذریعہ بلایا جائے گا یوم ندعوا کل اناس بامامھم ہم ہر شخص کو اس کے امام کے ساتھ پکاریں گے (۹) دنیا میں جس کا کوئی شیخ نہ ہو اس کا شیخ شیطان ہے اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن کے ضمیمہ میں ملاحظہ کریں۔

کرامات: جو عجیب و غریب عقل سے ورا کام متبع کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ کرامت ہے جو کافر و فاسق معلن کے ہاتھ پر ظاہر ہو وہ استدراج کہلاتا ہے۔ جیسے دجال بڑے کرشمے کر کے دکھائے گا۔ بعض سادھو اور شرابی جواری فقیر انوکھے کام کر دکھاتے

www.alahazratnetwork.org

ہیں یہ سب استدراج ہیں۔ جیسے نبی کے معجزے برحق ہیں ان کا انکار کفر ہے اور جس طرح کفار کے استدراج کو برحق ماننا کفر ہے۔ ایسے ہی اولیاء اللہ کی کرامات برحق ہیں ان کا انکار کفر ہے کہ قرآن کا انکار ہے قرآن کریم فرماتا ہے کہ آصف برخیا پلک جھپکنے سے پہلے تخت بلقیسی ملک یمن سے فلسطین میں حضرت سلیمان کے پاس لے آئے۔ حضرت مریم لڑکپن میں بے موسم غیبی پھل کھاتی تھیں اور کہتی تھیں قالت ھو من عند اللہ۔ اصحاب کہف صدہا سال سے زندہ ہی سو رہے ہیں ان کے ساتھ ان کا کتا بھی زندہ ہے یہ تمام حضرات اولیاء بنی اسرائیل ہیں۔ صحابہ کرام کی کرامات سے احادیث کی کتب پر ہیں۔ اب بھی اولیاء اللہ کی کرامات دیکھی جاتی ہیں۔ فقیر نے خود اپنے پر دیکھی ہیں۔ ان کا انکار گویا چمکتے سورج کا انکار ہے۔ ہاں جو کرامتیں بناوٹی مشہور کر دی گئی ہیں مثلاً غوث پاک کا روحیں چھیننا عزرائیل سے وغیرہ وغیرہ ان کو تسلیم کرنا گناہ ہے کیونکہ شریعت کے خلاف ہے کرامت کی پہچان یہ ہے کہ کسی طرح شریعت کے خلاف نہ ہو نہ کسی دوسرے بزرگ کی گستاخی۔

حالات اولیاء: حضرات انبیاء کرام صفات الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ (۷) اس لئے ان کے حالات مختلف ہیں۔ کوئی نبی جلالی ہے کوئی جمالی۔ کوئی نبی بادشاہ ہیں جیسے حضرت سلیمان و داؤد اور کوئی تارک الدنیا جیسے حضرت عیسیٰ و یحییٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام یونہی حضرات اولیاء اللہ کسی نہ کسی نبی کے نقش قدم پر ہیں۔ انہیں کے مظہر ولایت موسوی کا اور رنگ ہے ولایت ابراہیمی کا اور ہی نقشہ اور ولایت محمدی سب سے اعلیٰ اس لئے اولیاء اللہ کے حالات مختلف حضور غوث پاک فرماتے ہیں۔

وکل ولی لہ قدم وانی علی قدم النبی بدر الکمال

ہر ولی کسی نبی کے قدم پر ہوتا ہے مگر میں مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم پر ہوں۔ چنانچہ بعض اولیاء امیر بلکہ بادشاہ ہوئے بعض تارک الدنیا۔ حضور غوث پاک بڑے غنی، ابراہیم ادہم تارک السلطنت ہو کر گدڑی پوش۔ یوں ہی بعض اولیاء اللہ ہمیشہ کبھی کبھی حالت جذب میں۔ عقل و ہوش کھو بیٹھتے ہیں۔ اس وقت ان پر شرعی احکام جاری نہیں ہوتے رب فرماتا ہے۔ لا تقربوا الصلوۃ و انتم سکاری۔ نشہ کی حالات میں نماز کے قریب نہ جاؤ۔ اور فرماتا ہے وخر موسیٰ صعقا موسیٰ علیہ السلام بے ہوش ہو کر گر گئے یہ ہی موسوی بے ہوشی کی انہیں میراث ملتی ہے۔ بلکہ موسیٰ علیہ السلام کا قول کی بت پرستی دیکھ کر توریت کی تختیاں گرا دینا حضرت ہارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ لینا۔ زنان مصر کا حسن یوسفی دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لینا بے خودی کی حالت میں ہوا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں رفع القلم علی ثلثۃ آھبی و النائم و المجنون تین شخص مرفوع القلم ہیں۔ یعنی شرعی احکام ان پر جاری نہیں۔ بچہ، سوتا ہوا، دیوانہ، یہ لوگ مجنوں یا مجذوب ہوتے ہیں۔ اس جذب کی حالت میں ان کے منہ سے ان الحق یا انا اللہ یا سبحانی ما اعظم شانی نکلتا ہے۔ اس وقت وہ اپنی انا فنا کر چکے ہوتے ہیں اس کے متعلق مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

چو روا باشد انا اللہ از درخت کے روا نبود کہ گوید نیک بخت

جب وادی طویٰ کا بیری کا درخت کہے ان یا موسیٰ الی انا اللہ۔ اے موسیٰ میں اللہ ہوں تو یہ بندہ اگر اس درخت کی طرح انا الحق کہے تو مجرم نہیں اور بعض بڑے عالی ظرف اولیاء اپنے کو ایسے سنبھالتے ہیں کہ کسی وقت عقل و خرد سے الگ نہیں

www.alahazratnetwork.org

ہوتے۔شعر۔

موسیٰ زہوش رفت، بہ یک پرتو صفات تو عین ذات می نگری در تبسمی

انہیں سالک کہا جاتا ہے غرضکہ نہ ہر ولی کا ایک حال ہے اور نہ ہر ایک کا قال۔شعر۔

گہے برطارم اعلیٰ نشیم گہے بر پشت پائے خود نہ بینم

فقیر کی یہ چند معروضات اگر غور سے پڑھی گئیں تو ان شاء اللہ فائدہ ہوگا۔رب تعالیٰ ہم کو خاک دروی نصیب کرے ان کے در کی خاک چشم دل کا سرمہ ہے فرماتے ہیں۔

سرمہ کن درچشم خاک اولیاء تا بہ بینی زابتداء تا انتہا

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا او نشیند در حضور اولیاء

چوں شدی دور از حضور اولیاء آنچناں داں دور گشتی از خدا

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ولایت برحق ہے اور تا قیامت اولیاء اللہ دنیا میں رہیں گے حضور انور ﷺ پر نبوت ختم ہوئی ولایت ختم نہ ہوئی یہ فائدہ الا ان اولیاء اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: ہر زمانہ میں ایک دو نہیں بہت سے اولیاء اللہ رہیں گے یہ فائدہ اولیاء اللہ جمع فرمانے سے حاصل ہوا ہے۔

تیسرا فائدہ: اولیاء اللہ ایک قسم یا ایک طرح کے نہیں ان کی جماعتیں مختلف ہیں ان کے کام جداگانہ یہ فائدہ بھی اشارۃ اولیاء اللہ جمع فرماتے سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اولیاء اللہ اور حضرات ہیں اور اولیاء من دون اللہ مردود دین ہیں یہ فائدہ اولیاء اللہ کو اللہ کی طرف مضاف فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو تفسیر

پانچواں فائدہ: حضرات اولیاء اللہ کو دنیا میں کسی مخلوق کا خوف چھاتا نہیں۔اگر چہ کبھی عارضی طور پر ہو جائے یہ فائدہ لا خوف علیھم میں علیٰ فرمانے سے حاصل ہوا۔دیکھو حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام کو ایک وقت فرعون سے خوف ہوا مگر وہ خوف نہ تو ان کے دلوں پر چھایا نہ باقی رہا......

چھٹا فائدہ: حضرت اولیاء اللہ کبھی عمداً برا کام نہیں کرتے جس سے انہیں آگے چل کر غم ہو یہ فائدہ و لاھم یحزنون سے حاصل ہوا یہ سب فائدے لا خوف کی ایک تفسیر سے حاصل ہوئے جب کہ اس سے دنیا کا خوف و غم مراد ہو۔

ساتواں فائدہ: قیامت کے دن حضرات انبیاء کرام کو اپنی امت پر خوف و غم ہوگا۔ہم لوگوں کو اپنا خوف و غم اور قیامت کا خوف و غم ہوگا۔مگر اولیاء اللہ کو ان میں سے کوئی غم و خوف نہیں۔یہ فائدہ لا خوف علیھم میں ھم کی ضمیر سے حاصل ہوا۔ جب کہ اس خوف و غم سے قیامت کا خوف مراد ہو۔وہ جو حدیث شریف میں ہے کہ قیامت میں حضرات انبیاء کرام رشک کریں گے اولیاء پر اس کا یہ ہی مطلب ہے کہ ان کی بے خوفی بے غمی پر رشک کریں گے۔ورنہ تمام انبیاء کرام اولیاء اللہ کے

www.alahazratnetwork.org

سردار و آقا ہیں اور سب غوث و قطب انبیاء کے غلام درگاہ ہیں۔ اگرچہ حضور عبدالقادر جیلانی ہوں۔ شعر۔

نائب مصطفیٰ دریں کشور رشک پیغمبراں معین الدین

آٹھواں فائدہ: کوئی مشرک کافر۔ بدمذہب ولی اللہ نہیں بن سکتا لہٰذا ہندو۔ عیسائی یہودی یوں ہی قادیانی چکڑالوی وہابی ولی نہیں ہوسکتا۔ یہ فائدہ الذین امنوا سے حاصل ہوا۔ ان جماعتوں سے آج تک کوئی ولی نہیں ہوا نہ ہوگا۔

نواں فائدہ: کوئی فاسق و فاجر بے نماز بے روزہ بھنگی چرسی ولی نہیں یہ فائدہ و کانوا یتقون سے حاصل ہوا۔ کوئی شخص کسی درجہ پر پہنچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ جب ہر وقت سورج کی دھوپ، ہوا، غذا کی ہر پیر فقیر کو ضرورت ہے تو شریعت جناب مصطفیٰ کی بھی ہر وقت ضرورت ہے بعض شیاطین کا یہ حال ہے۔ شعر۔

کار شیطاں می کند نامش ولی گر ولی انیست لعنت بر ولی

جنوں و مجذوب کے احکام ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔ بلکہ ہم مرے بعد سورج وغیرہ سے بے نیاز ہو جاتے حضور انور ﷺ کے محتاج وہاں بھی رہتے ہیں۔ جو کہے ہیں خدا تک پہنچ گیا اب مجھے شریعت کی ضرورت نہیں اسے چاہئے کہ وہ کھانے یا دھوپ ہوا بھی استعمال نہ کرے پھر جی کر دکھائے۔

دسواں فائدہ: کسی مومن کے متعلق عام خلقت کہے کہ وہ ولی ہے تو یہ اس کے ولی ہونے کی علامت ہے عام خلقت سے مرا۔ مومنین صالحین اور عوام سب ہی ہیں یہ فائدہ لهم البشری فی الحیوة الدنیا۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ رب فرماتا ہے لتکونوا شهداء علی الناس حضور انور ﷺ فرماتے ہیں انتم شهداء الله فی الارض۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ حضور انور ﷺ پر نبوت ختم ہوگئی مگر ولایت ختم نہ ہوئی۔ حضور ﷺ خاتم الانبیاء ہیں مگر خاتم اولیا نہیں۔

جواب: حضور انور ﷺ آسمان نبوت کے دائمی چمکنے والے سورج ہیں دوسرے انبیاء کرام یا چاند تارے ہیں یا روشن چراغ اور اولیاء گویا اس سورج کے ذرے ہیں۔ سورج چاند تاروں کو اپنے نور میں چھپالیتا ہے چراغوں کو بجھا دیتا ہے مگر ذروں کو چمکا دیتا ہے۔ اولیاء اللہ اسلام کی حقانیت اس کے غیر منسوخ ہونے کی دلیل ہیں لہٰذا ان کا بقا ضروری ہے۔

دوسرا اعتراض: یہاں ارشاد ہوا کہ ولیوں پر خوف و غم نہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ اولیاء اللہ کو خوف خدا و قیامت بہت زیادہ ہے بلکہ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کا بھی خوف ہوا اور جب عصا پہلی بار سانپ بنا تو اس سے بھی۔

جواب: اس اعتراض کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ اگر خوف سے مراد دنیا میں خوف ہو تو اس سے غیر اللہ کا خوف دل پر چھا جانا مراد ہے انہیں غیر اللہ سے کبھی عارضی خوف ہوتا ہے جو جاتا رہتا ہے پھر انہیں کلیم اللہ نے فرعون کا ایسا ڈٹ کر مقابلہ کیا کہ سبحان اللہ اور اگر خوف آخرت مراد ہے تو دوزخ کی سختی حساب وغیرہ کا خوف مراد ہوگا۔

تیسرا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ ولی وہ جو مومن متقی ہو۔ مگر حضرت مریم تو بچپن ہی میں ولیہ تھیں اس وقت انہیں تقویٰ کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا۔ ایسے ہی رابعہ بصری اور حضور ﷺ غوث اعظم پھر آیت فرمان کیونکر درست ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: اس آیت میں ولایت کسی کا ذکر ہے اور ان حضرات کی ولایت ولایت فطری ہے۔ یوں سمجھو کہ ولایت کسی تقویٰ سے حاصل ہوتی ہے اور ولایت فطری سے تقویٰ نصیب ہوتا ہے۔ وہ ولی ہو کر متقی ہوتا ہے۔

چوتھا اعتراض: بعض فاسق و فاجر فقیر ولی ہوتے ہیں ان سے کرامات سرزد ہوتی ہیں پھر ولایت تقویٰ پر موقوف کیسے۔

جواب: وہ ولی نہیں بلکہ ابلیس کی ذریت ہیں ان کے عجائبات کرامت نہیں۔ استدراج ہیں دجال بڑی عجیب باتیں دکھائے گا۔ مگر ولی کیا مومن بھی نہ ہوگا۔ ولایت کے لئے کرامت کی شرط نہیں یہ تو ایک خاص درجہ قرب الٰہی کا ہے۔ جس قدر حضور انور ﷺ کی غلامی قوی تر اسی قدر رب تعالیٰ سے قرب زیادہ۔

پانچواں فائدہ: یہاں خوف کے لئے لا خوف اور غم کے لئے ولاھم یحزنون ارشاد ہوا نیز ایمان کے لئے امنوا اور تقویٰ کے لئے وکانوا یتقون ارشاد فرمایا۔ اس فرق بیان میں کیا حکمت ہے۔

جواب: اس کے نکات ابھی تفسیر میں عرض ہوئے کہ اولیاء اللہ کو اگرچہ عارضی خوف ہو سکتا ہے مگر وہ خوف ان پر نہ غالب ہوتا ہے نہ دائمی رہا غم وہ تو بفضلہٖ تعالیٰ ان کے قریب نہیں ہوتا یوں ہی ایمان دائمی حیثیت ہے کہ ایک بار حاصل ہو گیا۔ مرتے وقت تک رہا مگر تقویٰ اعمال سے تعلق رکھتا ہے اور اعمال ہر وقت ہوتے رہتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: ولایت، خوف، غم، ایمان اور ولی پرہیزگاری ان سب کا تعلق دل سے ہے ولایت دل کا نور ہے اور خوف و غم ایک طرح کی تاریکی نور آیا اندھیرا گیا۔ ولایت عشق رسول خوف خدا کے ایک درجے کا نام ہے۔ شعر۔

عشق آمد عقل خود آوارہ شد   شمس آمد شمع خود بیچارہ شد

دنیوی خوف و غم عقل پروارد ہوتے ہیں جس کا تعلق دلیل سے ہے ولایت دل کی گہرائیوں میں اتر جاتی ہے۔ دل کے مقابل دلیل کمزور ہے عالم دین جسم پر شریعت کے نقش و نگار کرتا ہے ولی اللہ دل کو گھوٹ کر صاف کر کے مانجھ کر مصفا بناتا ہے بیچ میں سانس کا پردہ ہے۔ جب یہ پردہ ہٹا تو ان شاء اللہ یہ تمام نقش و نگار دل میں جلوہ گر ہوں گے۔

لطیفہ: گروہ اولیاء میں حضور غوث اعظم الثقلین سید عبدالقادر جیلانی قطب عالم اور تمام اولیاء اللہ کے سردار ہیں کہ آپ ﷺ کا قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہے بغیر تشبیہ یوں سمجھ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مظہر اتم ہیں حضور انور سید الانبیاء ہیں اور سرکار بغداد سید اولیاء کسی بزرگ کا قول ہے۔ شعر۔

غوث اعظم درمیان اولیاء   چوں جناب مصطفیٰ و انبیاء

تمام اولیاء اللہ مظہر انبیاء حضور غوث پاک مظہر مصطفیٰ انبیاء صفات الٰہی حضور مصطفیٰ مظہر ذات الٰہی۔ عرب و عجم میں حضور غوث پاک کی فاتحہ کو گیارہویں کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حضور غوث پاک ماں کی طرف سے حضرت حسین کے گیارہویں پوتے ہیں اور والد کی طرف سے امام حسن کے گیارہویں پوتے۔ ولادت شریف ۱۱ ربیع آخر کو رب کی شان کہ یہ آیت اولیاء دسویں سورت گیارہویں پارہ میں آئی رب تعالیٰ نے گیارہ کا عدد پہلے ہی منتخب فرمالیا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ؕ هُوَ السَّمِيْعُ

اور نہ غمگین کرے آپ کو قول ان کا تحقیق عزت اللہ کی ہے تمام کی تمام وہ سننے والا جاننے

اور تم ان کی باتوں کا غم نہ کرو بے شک عزت ساری اللہ کے لئے ہے وہ سنتا جانتا

الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى

والا ہے خبردار تحقیق اللہ کے ہیں وہ لوگ جو آسمانوں میں ہیں اور وہ لوگ جو

ہے سن لو بے شک اللہ ہی کے ملک ہیں جتنے آسمانوں میں ہیں اور جتنے

الْاَرْضِ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

نہیں پیروی کرتے وہ جو پوجتے ہیں ماسواء اللہ شریکوں کو

ہے کے پیچھے جا رہے ہیں وہ جو اللہ کے سوا شریک پکار

اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾

وہ لوگ مگر گمان کی اور نہیں ہیں وہ مگر اندازہ لگاتے

نہیں جاتے مگر گمان کے اور وہ تو نہیں مگر انکلیں دوڑاتے

یات سے چند طرح تعلق ہے۔

کے دوستوں یعنی اولیاء اللہ کا ذکر خیر ہوا اب اللہ کے دشمنوں یعنی کفار کی برائیوں کا ذکر

باتی ہے۔ اندھیرے سے روشنی جہالت سے علم۔ کفر سے ایمان۔ عداوت سے ولایت کی

نور ﷺ کے غلاموں یعنی اولیاء اللہ کے اخروی خوف وغم کی نفی کی گئی جیسا کہ لاخوف

ب حضور انور ﷺ سے دنیوی غم کی نفی کی جا رہی ہے کہ آپ ﷺ کو کفار سے کوئی رنج وغم

حضور انور ﷺ کے غلاموں یعنی اولیاء اللہ کے لئے دنیا و آخرت میں خصوصی بشارتوں کا

بے بنیاد ڈرانے کی تردید کی جا رہی ہے۔

ن مسلمین سے کہا کرتے تھے کہ ہماری اولاد ہماری عزت ہماری دولت زیادہ ہے ہم تم کو

ومنوں کی تسکین کے لئے یہ آیات کریمہ آئیں۔ (دیکھو تفسیر خازن۔ تفسیر کبیر)

الارض وما

زمین میں ہیں

زمینوں میں اور

ان یتبعو

نہیں پیروی کرتے

رہے ہیں وہ تو

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلا

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں

ہے کیونکہ ہر چیز اپنی ضد سے پہچا

پہچان ہوتی ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیتوں میں

علیہم کی ایک تفسیر سے معلوم

نہیں (تفسیر کبیر)

تیسرا تعلق: پچھلی آیات

ذکر ہوا اب کفار کی دھمکیوں ان

نزول: مشرکین مکہ فقراء مس

برباد کردیں گے۔ ان کی تردید:

www.alahazratnetwork.org

تفسیر: ولا یحزنک قولھم۔ اس فرمان عالی میں خطاب حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا ہے ان حضرات صحابہ کو اور ان کے صدقہ سے تا قیامت مسلمانوں کو قولھم میں قول سے مراد کفار مکہ کا وہی قول ہے جو ابھی نزول میں عرض کیا گیا کہ ہم دولت، عزت اولاد جتھے والے ہیں اور ھم کا مرجع وہ بکواس کرنے والے کفار ہیں۔ یعنی یہ ہی کہ آپ ﷺ کو ان کفار کی یہ شیخی کی باتیں دھمکیاں وغیرہ ملول نہ کریں مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اس سے ملول نہ ہوں جیسے کسی سے کہا جاوے کہ کل میں تم کو یہاں نہ دیکھوں یعنی کل تم یہاں نہ آنا (روح البیان وغیرہ) ان العزۃ للہ جمیعا یہ فرمان نیا جملہ ہے۔ اس لئے ہماری قراۃ میں ان ہے الف کے کسرہ سے ہے بعض قراءتوں میں ان الف کے فتحہ سے ہے تو وہاں لام پوشیدہ ہے اصل میں لان تھا (روح المعانی) عزت کے معنی ہیں غلبہ اس لئے غالب کو عزیز کہا جاتا ہے اردو میں عزت بمعنی وقار، آبرو، عظمت استعمال ہوتا ہے اس کا مقابل ہے ذلت۔ العزۃ سے مراد حقیقی، دائمی، ذاتی عزت ہے جو بغیر کسی کی عطا کے بغیر کسی سبب کے ہو اور اس آیت کریمہ العزۃ للہ ولرسول وللمومنین میں عزت سے مطلق عزت مراد ہے، لہذا یہ آیت کریمہ اس آیت کے خلاف نہیں للہ میں لام صلہ کا ہے جمیعا عزت کا حال اس میں ہر قسم کی عزت کی ہر فرد داخل ہے یعنی ہر قسم کی ہر عزت ہمیشہ رب تعالیٰ کی ہے۔ ھو السمیع العلیم اس فرمان عالی کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ روئے سخن مومنین سے ہے یعنی اے مسلمانو رب تعالیٰ کفار کی دھمکیوں کے مقابلہ میں تمہاری نرم گفتگو سنتا ہے اور ان کی دھمکیوں تکبر والی باتوں سے جو تمہارے دلوں کی تکلیف ہوتی ہے اسے رب جانتا ہے یہ حالات رہیں گے نہیں عنقریب انقلاب آئیگا کفار ذلیل ہوں گے چاند تمہارا چمکے گا۔ تب یہ فرمان رحمت کاملہ کا ہے تو یہ فرمان عالی عتاب وعذاب کا ہے یا سمیع کا تعلق کفار سے ہے علیم کا تعلق مومنین سے یعنی رب تعالیٰ کفار کی یہ شیخی والی گفتگو سنتا ہے اور تمہارا موجودہ حال جانتا ہے تو یہ فرمان عالی غضب و رحم کی جمع ہے۔ الا ان اللہ من فی السموات ومن فی الارض یہ فرمان عالی نیا جملہ ہے جو پہلے فرمان عالی کی دلیل ہے کہ جب آسمان وزمین کے سارے لوگ اللہ کی ملک ہیں تو انہیں عزت و ذلت دنیا بھی اس کے قبضہ میں چونکہ اس مضمون کے کفار منکر تھے اس لئے اسے الا اور ان کی تاکیدوں سے شروع کیا گیا۔ للہ میں لام ملکیت اور قبضہ کا ہے للہ کو من فی السموات (الخ) پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی یہ اللہ ہی کے مخلوق مقبوض مملوک ہیں۔ یہاں بھی ملکیت اور قبضہ سے مراد ذاتی اور دائمی ملکیت وقبضہ ہے لہذا یہ آیت کے خلاف نہیں کہ خلق لکم ما فی الارض الخ یا ما ملکت ایمانکم وغیرہ کہ وہاں عارضی عطائی ملکیت و قبضہ مراد ہے عربی میں عقل و سمجھ والی مخلوق کو من کہتے ہیں اور بے عقل مخلوق کو ما یہاں من سے عاقل مخلوق مراد ہے آسمانوں کی عاقل مخلوق فرشتے جنت کے حور و غلمان ہیں اور زمین کی عاقل مخلوق انسان اور جنات ہیں۔ چونکہ یہ مخلوق اعلیٰ و افضل باقی چیزیں ان کے تابع جب اللہ تعالیٰ ان کا مالک ہے تو ان کے تابع دوسری چیزوں کا بھی مالک ہے یا یوں کہو کہ ابھی کچھ پہلے اسی سورت میں ارشاد ہے ہوا تھا للہ ما فی السموات والارض وہاں ما سے غیر عاقل چیزیں مراد تھیں ان دونوں آیتوں سے پتہ لگا کہ دنیا کی ہر عاقل اور غیر عاقل چیزیں اللہ کی ملک ہیں۔ (تفسیر خازن وغیرہ) وما یتبع الذین یدعون من دون اللہ شرکاء۔ اس فرمان عالی کو نحوی ترکیبیں بہت ہیں۔ آسان ترکیب یہ ہی کہ یہاں

www.alahazratnetwork.org

ما نافیہ ہے اور یدعون کا مفعول پوشیدہ ہے اور شرکاء یتبعون کا مفعول ہے یعنی جو ماسوی اللہ کو پوجتے ہیں تو وہ اللہ کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے کیونکہ کوئی اللہ کا شریک ہے ہی نہیں۔ (تفسیر روح البیان و روح المعانی) بلکہ وہ تو اپنے گمان وہم کی پیروی کرتے ہیں اعلحضرت قدس سرہ کے ترجمہ سے ماسوال کا ہے اور شرکاء مفعول ہے۔ یدعون کا یعنی جو خدا کے سواء شرکاء کو پوجتے ہیں غور تو کرو وہ کس کی پیروی کرتے ہیں تفسیر خازن وغیرہ نے یہ ہی تفسیر اختیار فرمائی۔ ان یتبعون الا الظن یہ فرمان عالی پچھلے فرمان کا تتمہ ہے یعنی وہ صرف اپنے انکل قیاس گمان کی پیروی کررہے ہیں۔ کیونکہ جنہیں یہ اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ کر پوجتے ہیں۔ وہ عقلاً نقلاً اللہ کے شریک نہیں اولاً تو وہ ہیں۔ کچھ نہیں صرف ان کے من گھڑت نام ہیں رب فرماتا ہے ان ھی الا اسماء سمیتموھا۔ جیسے ہندوؤں کے ہنومان، گنیش گھنیا وغیرہ اور اگر وہ کچھ ہیں تو اللہ کے بندے ہیں۔ جیسا کہ ابھی اوپر ذکر ہوا للہ من فی السموات والارض ان ھم الا یخرصون۔ یہ فرمان عالی ان یتبعون الا الظن کی تاکید یا تائید ہے خرص کے معنی اندازہ بھی ہے اور کھلا جھوٹ بھی (روح المعانی) یعنی یہ لوگ بڑے ہی جھوٹے ہیں یہ اپنے عقائد اپنے اعمال میں جھوٹ ہی بولتے ہیں قول کے عمل کے عقیدے کے جھوٹے ہیں۔

خلاصہ تفسیر: اے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم آپ کفار مکہ کی ان شیخی کی باتوں ان کی دھمکیوں اور ان کی عزت کے دعووں سے کچھ بھی غم نہ کریں کیونکہ ساری عزت تو رب تعالیٰ کی ہے وہ جسے چاہے عزت دے اور جس سے چاہے عزت چھین کر ذلیل کر دے آج بظاہر کفار زوردار ہیں۔ عنقریب وہ وقت آرہا ہے کہ یہ سب یا آپ کے غلام ہو کر مسلمان ہوں گے یا ذلت وخواری سے ہلاک ہوں چاند تمہارا ہی چمکے گا۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتا بھی ہے۔ ان کی یہ بکواس اور ان کے دلی تکبر اس سے چھپے نہیں۔ خبردار آگاہ رہو کہ آسمان و زمین کے سارے لوگ فرشتے۔ جو روغلمان جن وانس اللہ تعالیٰ کے مخلوق اس کے مملوک اس کے قبضہ میں ہیں کفار و مشرکین بت پرستی کر کے رب کے شریکوں کو نہیں پوجتے کہ اس کا کوئی شریک ہے ہی نہیں یہ تو صرف اپنے گمان کی پرستش کرتے ہیں کہ جھوٹے بے مخلوق کے نام رکھ کر انہیں رب کا شریک مانتے ان کی پرستش کرتے ہیں وہ صرف جھوٹے اندازے ہی لگاتے ہیں جس کی تائید نہ ثبوت سے ہے نہ عقل سلیم سے۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حقیقی سچی عزت اللہ تعالیٰ کی ہے پھر وہ جسے دے اس کی ہے یہ فائدہ ان العزۃ للہ کے لام سے حاصل ہوا۔ کفار و فساق اور دنیاداروں کی عزت جھوٹی عارضی بلکہ ایک دھوکہ ہے کیونکہ انہیں عزت۔ دولت حکومت اور جتھے وغیرہ سے ملتی ہے۔

دوسرا فائدہ: کفار و فساق عزت دیکھ کر مسلمانوں کو غمگین نہیں ہونا چاہئے کہ یہ چلتی پھرتی چیز ہے نہ ان کی شیخیوں پر ملول ہونا چاہئے۔ ان کی بکواس جانوروں کی سی آواز ہے یہ فائدہ لا یحزنک (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: دینی اور دنیوی عزتیں بہت قسم کی ہیں۔ ایمان عرفان، ولایت صحابیت، نبوت یہ سب دینی عزتیں ہیں اور سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں یہ فائدہ جمیعا فرمانے سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

چوتھا فائدہ: عاقل مخلوق بے عقل مخلوق سے افضل ہے یہ فائدہ من فی السموات فی الارض۔ سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے خصوصیت سے ان کا ذکر فرمایا بے عقل مخلوق کو ان کا تابع قرار دیا۔

پانچواں فائدہ: اس فرمان سے اشارۃً معلوم ہوا کہ ساری عاقل مخلوق حضور انور ﷺ کی امت ہے جس کا اللہ تعالیٰ رب ہے اس کے حضور انور ﷺ نبی ہیں۔ یہ فائدہ ولله من فی السموات سے اشارۃً حاصل ہوا اللہ کی صفت ہے رب العالمین حضور فرشی حوریں غلمان اور زمین میں جنات۔ منطقی حکماء صرف انسان ہی کو عاقل مانتے ہیں کیونکہ وہ فرشتوں حور و غلمان اور جنات کے قائل نہیں مگر منطقیوں کی بات غلط ہے یہ فائدہ من فی السموات (الخ) سے حاصل ہوا۔

ساتواں فائدہ: مشرکوں کے اکثر بت محض فرضی خیالی چیزیں ہیں جن کی اصل کچھ نہیں محض ان سے گمان و خیالات ہیں یہ فائدہ ان یتبعون الا الظن سے حاصل ہوا چنانچہ مشرکین ہند نے انسانوں کی ایسی شکلیں گھڑی ہیں جو قانون فطرت کے خلاف ہے۔ جیسے ہنومان، پردم گنیش کے منہ پر سونڈ یا کسی دیوی کے چار منہ آٹھ ہاتھ وغیرہ صرف گھڑے ہوئے نام ہیں جن کی حقیقت کچھ نہیں ان ھی الا اسماء سمیتوھا انتم و اباؤ کم (الخ)

آٹھواں فائدہ: عقائد میں صرف ظن کے تخمینے گمان و خیال کافی نہیں ان میں کتاب و سنت سے ثبوت ضروری ہے۔ یہ فائدہ ان ھم الا یخرصون سے حاصل ہوا۔

نواں فائدہ: وحی کے مقابل قیاس کرنا طریقہ کفار ہے سب سے پہلے اس طرح کا قیاس ابلیس نے کیا کہ رب تعالیٰ نے سجدہ آدم کا حکم دیا تو وہ بولا انا خیر منه (الخ) یہ فائدہ بھی ان ھم الا یخرصون سے حاصل ہوا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور انور ﷺ کو کفار کی باتوں سے غم ہوتا تھا جسے دفع فرمانے کے لئے ارشاد ہوا کہ لا تحزن لیکن ابھی پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ اولیاء اللہ غمگین نہیں ہوتے ولا ھم یحزنون دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔

جواب: اس اعتراض کا جواب اس آیت میں عرض کیا گیا کہ یا تو وہ فرمان آخرت کے متعلق ہے کہ قیامت میں وہ حضرات خوف و غم سے آزاد ہوں گے اور اگر دنیا میں اس کی نفی ہے تو وہاں اپنے برے کاموں پر غم مراد ہے یعنی گناہ کریں اور غمگین رہیں۔ دوسروں پر غم یہ تو انتہائی ہمدردی و خیر خواہی ہے یہ حضرات انبیاء کرام کے لئے ثابت ہے ان کا یہ ہی غم گنہگاروں کا بیڑا پار لگائے گا۔

دوسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ تو ساری مخلوق کے ایک ایک ذرے قطرے کا مالک ہے پھر یہاں من فرما کر عاقلوں کی اور فی السموات اور فی الارض فرما کر آسمانوں زمین والوں کی قید کیوں لگائی کیا وہ اور چیزوں کا مالک نہیں۔

جواب: اس کا جواب ابھی تفسیر میں گزر گیا کہ بے عقل چیزوں کو عاقلوں کے تابع فرمایا گیا ہے کہ جب وہ انسانوں جنات فرشتوں کا مالک ہے تو ضرور بالضرور دوسری مخلوق جو ان کے تابع ہے اس کا بھی مالک ہے۔ چونکہ ہمارا علم آسمانوں اور زمین سے آگے نہیں بڑھتا اس حد میں محدود رہتا ہے اس لئے یہاں آسمانوں و زمین کا ذکر ہوا یہ قید نہیں بلکہ ہم کو سمجھانے کے لئے

www.alahazratnetwork.org

اس کا ذکر ہوا ہے۔

تیسرا اعتراض: منطقی اور فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف انسان ہی عاقل ہے اس لئے اسے حیوان ناطق کہتے ہیں یعنی عقل رکھنے والا جاندار مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ اور مخلوق بھی عاقل ہے یعنی جن فرشتے حور وغلمان وغیرہ۔

جواب: اس اعتراض کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بے دین فرشتوں جنات کے قائل نہیں۔ وہ اپنے گندے عقیدہ کی بنا پر یہ کہتے ہیں اور ناطق کو انسان کی فصل مانتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ان کے نزدیک ناطق بمعنی عاقل نہیں بلکہ اس کے معنی ہیں نفس ناطقہ والا۔ یہ نفس کا ایک درجہ ہے اور واقعی انسان کے سواء اور کوئی مخلوق نفس ناطقہ نہیں رکھتی۔

چوتھا اعتراض: اس آیت میں ارشاد ہوا کہ مشرکین اللہ کے شریکوں کی پیروی نہیں کرتے حالانکہ وہ جن چیزوں کی عبادت کرتے ہیں انہیں خدا تعالیٰ کا شریک ہی جانتے ہیں اس خیال سے ان کی اطاعت عبادت اور پیروی کرتے ہیں پھر یہ فرمان کیونکہ درست ہوا۔

جواب: یہاں ذکر واقعہ کا ہے نہ کہ ان کے عقیدے کا یعنی وہ جن چیزوں کی پیروی کرتے ہیں وہ اللہ کے شریک واقعہ میں نہیں اگر چہ ان کے عقیدوں میں ہوں لہٰذا وہ اپنے گمان وخیال کے پیرو ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے حضور انور کو بندوں پر رحیم وکریم بنایا اس لئے سب کا درد حضور انور ﷺ کے دل میں قدرتی طور پر ہوتا ہے اس لئے فرمایا کہ آپ ان کے قول وغیرہ پر غم نہ کریں دوسرے حضرات انبیاء کرام مظہر جلال الٰہی تھے وہ کفار سے زمین خالی ہونے پر غمگین نہ ہوتے تھے چنانچہ شعیب وصالح علیہما السلام نے عذاب یافتہ مردہ کفار پر گذرتے ہوئے ارشاد فرمایا **فکیف آسی علی القوم الکافرین** یہ فرق ہے حضور انور ﷺ اور دیگر حضرات انبیاء ہیں۔ چنانچہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا تھا۔ **وقولا لہ قولا لینا** فرعون سے نرم بات کرنا۔ معلوم ہوا ان کی طبیعت مبارک جلالی ہے مگر حضور انور ﷺ سے فرمایا۔ **یایھا النبی جاھد الکفار والمنافقین واغلظ علیھم** اے محبوب کفار ومنافقین پر خوب سختی کرو معلوم ہوا کہ طبیعت مبارکہ میں رحم وکرم وجمال ہے دائمی عزت رب تعالیٰ کی ہے اس کا ظہور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ رب نے حضور کو بلکہ حضور کے غلاموں کو دائمی عزت بخشی اللہ تعالیٰ سب کی سنتا سب کو جانتا ہے مگر کسی کی سنتا اسے جانتا ہے غضب وقہر کے ساتھ اور کسی کو رحم وکرم کے ساتھ آسمان وزمین کے تمام لوگ اللہ کے مخلوق ومملوک۔ مقبوض تو ہیں مگر سب محبوب ومقبول نہیں ہاں آسمانی مخلوق کوئی مردود نہیں زمینی لوگ بعض محبوب ہیں بعض مردود اس لئے **من فی السموات** کا ذکر پہلے ہے اور **من فی الارض** کا بعد میں صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو چیز بذریعہ رسول معلوم ہو وہ حقیقت ہے جو ان کے خلاف عقل وغیرہ سے معلوم ہو وہ محض وہم وگمان ہے حتی کہ مشرکین جو عبادات ریاضات نفس کشی۔ صدقہ خیرات پیغمبر کے خلاف اپنی رائے سے کرتے ہیں اور اس پر اجر وثواب کی امید رکھتے ہیں وہ سب محض گمان واندازے بلکہ محض دھوکا ہے۔ حقیقت کا پتہ صرف نبی کے ذریعہ لگتا ہے اس لئے ارشاد ہوا۔ **ان ھم الا یخرصون**۔

www.alahazratnetwork.org

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الَّیْلَ لِتَسْكُنُوْا فِیْهِ وَ النَّهَارَ

وہ اللہ وہ ہے کہ بنائی اس نے واسطے تمہارے رات تاکہ سکون پاؤ اس میں اور دن کو

وہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی کہ اس میں چین پاؤ اور دن بنایا

مُبْصِرًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾

دکھانے والا تحقیق اس میں البتہ نشانیاں ہیں واسطے اس قوم کے جو سنتی ہے

تمہاری آنکھیں کھولتا بے شک اس میں نشانیاں ہیں سننے والوں کے لئے

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ هُوَ الْغَنِیُّ لَهٗ مَا

کہا انہوں نے کہ بنایا اللہ نے اولاد پاکی ہے اسے وہ بے نیاز ہے اسی کی ہے

بولے اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی پاکی ہے اس کو وہی بے نیاز ہے اسی کا ہے

فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ اِنْ عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ

وہ چیز جو آسمانوں میں ہے اور وہ جو زمین میں ہے نہیں ہے پاس تمہارے کوئی دلیل

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے تمہارے پاس اس کی کوئی بھی سند

بِهٰذَا اَتَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾

اس کی کیا کہتے ہو تم اللہ پر وہ جو نہیں جانتے تم

نہیں کیا اللہ پر وہ بات بتاتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں

تعلق: ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں ارشاد ہوا کہ آسمان و زمین کے سارے بندے فرشتے جن و انس ہمارے مملوک مخلوق مقبوض ہیں۔ اب ارشاد ہے کہ ہم ان کے صرف مالک ہی نہیں بلکہ ان کے مربی ان کی ہر طرح پرورش کرنے والے خبر گیری فرمانے والے ہیں دیکھ لو زمانے کو ہم نے دن رات میں تقسیم کیا تمہاری پرورش کے لئے اس سے پتہ لگا کہ فرشتوں کی پرورش ان کے لائق ہم ہی کرتے ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی پوری ملکیت کا دعویٰ تھا اب اس آیت کریمہ میں اس کا ثبوت ہے ان بندوں کی تبدیلی حالت کہ رات کو تمہیں سلاتے ہیں دن کو ہم جگاتے ہیں تمہارے حالات بتا رہے ہیں کہ تم ہمارے قبضہ قدرت میں ہو۔

www.alahazratnetwork.org

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ملکیت کا ذکر تھا اور اب دنیا کے واردات کے ذریعے اس کا ثبوت دیا جارہا ہے کہ تم پر کبھی رات کا راج ہوتا ہے کبھی دن کا یہ واردات کا اختلاف تمہارے مملوک ہمارے مالک ہونے کی دلیل ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیات میں مشرکین کے وہمی معبودوں کا ذکر تھا اب اس آیت کریمہ میں ان کی پرزور تردید ہے کہ تم جنہیں اپنا معبود سمجھتے ہو وہ دن رات کے لانے جانے پر قادر نہیں بلکہ یہ زمانے تمہاری طرح ان پر بھی گزرتے تھے لہٰذا وہ بھی تمہاری طرح بندے ہی تھے نہ کہ رب کے شریک۔

تفسیر: **ھو الذی جعل لکم اللیل لتسکنوا فیه و النھار مبصرا** ۔ اس فرمان عالی میں عجیب روش ہے وہ یہ ہے کہ جعل کے بعد مظلماً پوشیدہ ہے اس کی دلیل لتسکنوا ہے اور نہاراً کے بعد لتتحرکوا پوشیدہ ہے۔ اس کی دلیل مبصراً ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ قدرت والا ہے وہ کرم ورحم والا ہے جس نے تمہارے لئے رات اندھیری کی تاکہ تم اس میں جسمانی روحانی سکون وچین پاؤ اور دن کو دکھانے والا روشن بنایا تاکہ تم اس میں چلو پھرو روزی کماؤ (روح البیان ومعانی) یہاں **لکم** میں لام نفع کا ہے اور کم میں خطاب سارے انسانوں سے ہے چونکہ انسان ساری مخلوق میں اصل مقصود ہے باقی اس کے لئے ہیں اس لئے انہیں سے خطاب فرمایا کہ رات ودن تمہارے لئے بنے ہیں جانور جنات بھی تمہاری طفیل ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ چونکہ اس میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں اس لئے لیل کا ذکر پہلے فرمایا اور نہار کا بعد میں **جعل** بمعنی خلق نہیں ہے بلکہ اس کے معنی ہیں بنایا اس کے دو مفعول ہوئے۔ بعض نے کہا بمعنی خلق ہے اور **مظلما** اور **مبصرا** حال ہیں نہ کہ دوسرا مفعول۔ (روح المعانی) سکون اس ٹھہرنے کو کہتے ہیں جو حرکت وجنبش کے بعد ہو چونکہ دن بھر کا تھکا ہارا انسان رات کو آرام کرتا ہی اس لئے اس کے لئے سکون ارشاد ہوا (خازن) چونکہ رات سکون کا صرف وقت ہے سبب نہیں اور دن روشنی کا وقت بھی ہے سبب بھی اس لئے رات کو سکون کا فاعل نہ قرار دیا اور دن کو اسی لئے روشنی یا دکھانے کا فاعل بنایا (بیضاوی) اہل عرب عموماً سبب اور وقت کا فاعل کہہ دیا کرتے ہیں اس قاعدے سے یہاں اسم فاعل ارشاد ہوا ورنہ روشنی دینے والا دکھانے والا رب تعالیٰ ہی ہے (روح المعانی خازن وغیرہ) جریر شاعر کہتا ہے۔ شعر۔۔

لقد لمتنا یاام غیلان فی سری ونمت وما لیل بطر بنائم

اس شعر میں رات کو نیند کو فاعل کہا گیا۔ حالانکہ وہ نیند کا وقت ہے **ان فی ذلک لایات لقوم یسمعون** اس فرمان عالی میں رات ودن کے آنے جانے اور لوگوں کے حالات مختلف ہونے کی حکمت ارشاد ہوئی۔ اگرچہ یہ دونوں چیزیں ابھی قریب میں ہی ذکر ہوئیں مگر چونکہ بہت شاندار ہیں عقل سے بہت دور ہیں اس لئے **ذلک** اشارہ بعید ارشاد ہوا ذلک سے اشارہ یا رات ودن کی طرف ہے یا ان میں سونے جاگنے کی طرف۔ آیات جمع فرما کر ارشاد ہوا کہ یہ صرف ایک دو نشانیاں نہیں بلکہ بے شمار نشانیوں کا مجموعہ ہیں۔ اگر ذرا سا غور کیا جاوے تو اس سے مرتا مرنے کے بعد اٹھنا پھر اٹھ کر حساب وکتاب دینا ہی سب ثابت ہے۔ سونا مرنے کی دلیل ہے پھر جاگنا بعد مرے کے اٹھنے کی دلیل ہے۔ اُٹھ کر کام کاج میں لگ جانا قیامت کے اعمال وافعال کی نشانی۔ نیز ان چیزوں میں انسان بالکل بے بس ہے نہ تو رات کو دن کرسکتا ہے نہ دن کو رات کو

www.alahazratnetwork.org

آرام کا وقت بنا سکتا ہے نہ رات کو مخلوق کے کام و کاج کا وقت اس سے اپنی بندگی رب تعالیٰ کی قدرت بخوبی سمجھ میں آ سکتی ہیں۔ اس دلیل پر حضرت ابراہیم کے سامنے نمرود حیران رہ گیا تھا فبهت الذی کفر قالوا اتخذ الله ولدا۔ اس فرمان عالی میں کفار کی ایک حماقت کا ذکر ہے قالوا کا فاعل وہ مشرکین عرب ہیں جو فرشتوں کو رب کی بیٹیاں مانتے تھے اور وہ یہود و نصاریٰ جو حضرت عزیز اور عیسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کا بیٹا مانتے ہیں۔ قول سے مراد یا منہ سے بولنا ہے یا دل کا عقیدہ و اعتقاد کہا جاتا ہے۔ میں تیرا قائل یعنی معتقد ہو گیا۔ ولد سے منہ بولا اولاد نہیں بلکہ اپنے سے پیدا شدہ اولاد ہے بعض لوگوں نے اتخذ سے دھوکا کھایا کہ منہ بولا بیٹا مراد ہے یعنی متبنیٰ (روح المعانی) ان کے معنی ہیں بیٹا بنت بیٹی مگر ولد دونوں کو شامل ہے یہ واحد بھی آتا ہے جمع بھی لہٰذا اس میں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب ہی کا قول مراد ہے (معانی) سبحنه یہ فرمان عالی یا تو مسلمانوں کو تعجب دلانے کے لئے ہے کہ ان بے وقوفوں نے ایسی باطل بات کہی اولاد ماں باپ سے ہوتی ہے اور ان کے بعد پیدا ہوتی ہے ان کی جنس سے ہوتی ہے۔ اگر رب کی اولاد ہوتی تو اس کی طرح قدیم ازلی ابدی غنی ہوتی پھر اولاد کیسے ہوتی اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک پوشیدہ فعل سبحوا کا مفعول مطلق ہو۔ یعنی اے مسلمانو تم ان کے جواب میں اپنے رب کی پاکی بولو کہ وہ اولاد بیوی وغیرہ سے پاک ہے بغیر بیوی کے صرف باپ سے کبھی اولاد نہیں ہوتی۔ هو الغنی یہ سبحانه کی پہلی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ بے نیاز ہے اور اولاد نیاز مند و محتاج کے ہوتی ہے ماں باپ مرے بعد وارث کے محتاج ہیں دشمنوں کے مقابل قوت بازو یعنی بیٹے کی حاجت نیز شہوت سے مغلوب ہو کر زوجین ایک دوسرے کے حاجت مند رب تعالیٰ ان سب کمزوریوں سے پاک ہے پھر اس کے اولاد کیسی۔

له ما فی السموات وما فی الارض یہ سبحانه کی دوسری دلیل ہے اس کا مقصد یہ ہے کہ باپ بیٹے کا مالک نہیں ہو سکتا۔ ولادت ملکیت جمع نہیں ہو سکتی اگر اس کی اولاد ہوتی تو وہ ان کا مالک نہ ہوتا حالانکہ وہ ہر ماسویٰ کا مالک ہے۔ ان عندکم من سلطان یہ فرمان عالی سبحانه کی تیسری دلیل ہے۔ اس میں ان نافیہ ہے اور من زائدہ نفی کے معنی کو عام کرنے کے لئے سلطان سے مراد نقلی یا عقلی دلیل ہے ہذا سے اشارہ اس مذکورہ بکواس کی طرف ہے۔ عندکم میں خطاب سارے مشرکین۔ یہود و نصاریٰ سے ہے جو رب تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے تھے۔ یا مانتے ہیں یعنی اے بے وقوفو! اس عقیدہ باطلہ کی تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں نہ عقلی اور نہ کسی نبی کا فرمان نہ کسی آسمانی کتاب آیت اللہ تعالیٰ کی صفات کو نبی اور کتاب آسمانی کے ذریعہ مانو۔ اتقولون علی الله مالا تعلمون یہ فرمان عالی ان تینوں دلیلوں کا خلاصہ ہے اس میں سوال تعجب دلانے کے لئے ہے علم سے مراد واقعی علم ہے نہ کہ صرف جاننا غلط چیز کو درست جاننا علم نہیں بلکہ جہالت مرکبہ ہے۔ شعر۔

آں کس کہ نہ داندو بداند کہ بداند ۔۔۔ در جہل مرکب ابد الدھر بماند

یعنی تعجب کی بات ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف وہ چیزیں منسوب کرتے ہو جس کا تم کو مطلقاً علم نہیں۔ بے علمی کی بات تو دنیوی کاموں میں بھی قبول نہیں ہوتی چہ جائے کہ آخرت کی چیزوں اور رب تعالیٰ کی ذات و صفات میں قبول ہو۔

خلاصہ تفسیر: اللہ تعالیٰ کی قدرت رحمت اس کی پوری ملکیت پورا قبضہ اس طرح جانو مانو کہ وہ اللہ وہ قدرت والا ہے جس

www.alahazratnetwork.org

نے وقت کے دو حصے کئے ایک رات دوسرا دن یہ سب کچھ تمہارے لئے کیا تاکہ تم رات میں آرام کرو۔ اس نے اسے اندھیرا بنایا دن کو اوجیالا اور روشن کیا تاکہ تم اس میں کام کاج کرو۔ ان دونوں سے ہفتے مہینے۔ سال بنائے انہیں سے تمہاری عمریں ختم فرمائیں۔ ان کی بناوٹ میں ان لوگوں کے لئے صد ہانشان قدرت ہیں مگر ان لوگوں کے لئے جو نبی کا فرمان غور سے اور سمجھنے کے لئے سنتے ہیں۔ اگر صرف دن ہی ہوتا تو آرام کب کرتے اور صرف رات ہی ہوتی تو کام کیسے اور کب کرتے پھر تاریخیں کیسے مقرر ہوتیں ہفتے مہینے سال کیسے بنتے یہ لوگ ایسے بے وقوف ہیں کہ کہتے ہیں اللہ نے اپنے لئے اولاد بنائی۔ کوئی کہتا ہے کہ وہ بیٹے والا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس کی بیٹیاں ہیں۔ اے مسلمانو کہو کہ یہ چیز رب کے لئے عیب ہے وہ عیب سے پاک ہے۔ اولاد محتاج یا فنا کی بنا پر ہوتی ہے دیکھو چاند سورج کو قیامت تک فنا نہیں تو ان کے لئے اولاد نہیں۔ جنت دوزخ میں انسانوں کو فنا نہ ہوگی تو ان کے اولاد بھی نہ ہوگی رب تعالیٰ غنی ہے نہ اسے فنا ہے نہ اسے حتاجی۔ نیز باپ اولاد کا مالک نہیں ہوتا وہ ہر ماسوئی کا مالک ہے نیز یہ عقیدہ عقل کے بھی خلاف اور حضرات انبیاء کی تعلیم کے بھی مخالف۔ تمہارے پاس اس کی کوئی عقلی نقلی دلیل نہیں تعجب ہے کہ بلا دلیل دعویٰ تو دنیوی کاموں میں نہیں سنا جاتا۔ تم آخرت بلکہ ذات باری کے لئے بے دلیل ہانکتے جاتے ہو۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: رات دن سے افضل ہے یہ فائدہ رات کا دن سے پہلے ذکر فرمانے سے حاصل ہوا دیکھو دن میں قبولیت دعا کی ساعت صرف جمعہ کے دن میں ہوتی ہے وہ بھی نامعلوم ہے مگر رات میں ساعت قبولیت رات کے آخری حصہ میں ہوتی ہے۔ اس کے سواء اور بہت وجوہ سے رات کی فضیلت ثابت ہے۔

دوسرا فائدہ: اسلام میں رات پہلے ہے دن بعد میں آفتاب ڈوبتے ہی تاریخ بدل جاتی ہے یہ فائدہ بھی رات کو دن پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہندوؤں کے ہاں طلوع آفتاب سے تاریخ بدلتی ہے عیسائیوں کے ہاں آدھی رات سے مگر اسلامی قانون قوی ہے کیونکہ ظلمت نور سے پہلے ہوتی ہے۔

تیسرا فائدہ: رات و دن بلکہ سارے عالم کی پیدائش انسانوں کے لئے ہے دوسری مخلوق انسان کے طفیل ان سے فائدہ اٹھاتی ہے یہ فائدہ لکم کو اللیل پر مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ نے رات آرام کے لئے اور دن کام کے لئے بنایا ہے۔ رات کو بلاوجہ جاگنا کھیل کود میں راتیں کاٹنا ٹھیک نہیں یہ فائدہ لتسکنوا فیہ سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: فعل کے سبب کو فاعل بنایا جاسکتا ہے یہ فائدہ لقوم یسمعون سے حاصل ہوا۔ دیکھو یہاں دن کو دکھانے والا فرمایا حالانکہ دکھانے والا رب تعالیٰ ہے لہٰذا یہ کہنا جائز ہے کہ حضور انور ﷺ صاحب جود و عطا جنت دینے والے دوزخ سے بچانے والے ہیں۔

چھٹا فائدہ: جو کان حق بات نہ سنیں وہ بہرے ہیں جو آنکھیں حق نہ دیکھیں وہ اندھی ہیں یہ فائدہ لقوم یسمعون سے

www.alahazratnetwork.org

حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے صرف مومنوں کو سننے والا فرمایا دوسری جگہ کفار کے متعلق صم بکم عمی یہ بہرے اندھے گونگے ہیں۔

ساتواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے لئے صاحب اولاد ہونا عیب ہے وہ اولاد دیتا ہے اولاد رکھتا نہیں کیونکہ اولاد کی ضرورت یا توفانی کو ہوتی ہے یا مجبور کو جیسا کہ ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یہ فائدہ سبحان اور هوا الغنی سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ: یہود و نصاریٰ مشرک ہیں۔ کیونکہ وہ بھی حضرت عزیز و عیسیٰ علیہما السلام کو رب کا بیٹا مانتے ہیں اور ظاہر ہے کہ بیٹا باپ کی مثل بھی ہوتا ہے اور اس کی چیز کا مالک بھی تو انہوں نے بھی ان دو حضرات کو خدا کی مثل مانا یہی شرک ہے یہ فائدہ قالوا اتخذ اللہ ولدا سے حاصل ہوا کہ قالوا میں مشرکین، یہود و نصاریٰ سب جمع فرمائے گئے۔

نواں فائدہ: اگر کافر کو نبی سے نسبت ہو جائے تو اس کے احکام ہلکے اس کا کفر و شرک نرم ہو جاتا ہے۔ دیکھو یہودی عیسائی مشرکوں کی طرح شرک میں گرفتار ہیں کہ مشرکین فرشتوں کو رب کی لڑکیاں کہتے ہیں اور یہ دونوں دو نبیوں کو رب کا بیٹا مگر اس کے باوجود ان کے احکام نرم ہیں کہ ان کا ذبیحہ حلال اور ان کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے اور قرآن مجید میں انہیں یا اھل الکتاب کے خطاب سے پکارا گیا ہے۔ کیونکہ یہ دونوں اپنے کو نبی کی طرف نسبت کرتے ہیں۔

دسواں فائدہ: اللہ تعالیٰ کے صفات نبی کے ذریعہ جانو مانو صرف عقل اس راہ میں ٹھوکریں کھاتی ہے یہ فائدہ لا تعلمون سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے عرب کے علم والے مشرکین عیسائیوں یہودیوں کو جاہل قرار دیا۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رات صرف سونے کے لئے ہے مگر رات میں اور بہت سے کام کئے جاتے ہیں۔ کھانا بھی کھاتے ہیں۔ نماز عشاء بھی پڑھتے ہیں بعض خوش نصیب بندے نماز تہجد بھی پڑھتے ہیں پھر یہ فرمان عالی کیسے درست ہوا۔

جواب: اس فرمان عالی میں نیند کا ذکر نہیں بلکہ سکون یعنی چین پانے کا ذکر ہے کھانے پینے میں جسم کا چین ہوتا ہے اور نماز میں روح اور دل کا چین لفظ سکون دونوں کو شامل ہے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ دن کی نماز دن کے کھانے میں وہ چین و سکون نہیں ملتا جو رات میں ملتا ہے کہ دن میں کام کاج کی فکر ہوتی ہے رات میں نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے ان ناشئة اللیل اشد وطا واقوم قیلا لہذا لتسکنوا فرمایا بہت ہی مناسب ہے۔

دوسرا اعتراض: بعض لوگ رات کی ڈیوٹی دیتے ہیں دن میں سوتے ہیں کیا وہ اس آیت کے خلاف کرتے ہیں۔

جواب: یہ شخصی اور عارضی حالات میں عموماً دن میں کام اور رات میں آرام کرتے ہیں مجبوری و معذوری کے احکام جداگانہ ہیں ہاں جو لوگ رات کھیل تماشہ میں گذاریں دن کو سوئیں وہ اس فرمان عالی کی خلاف ورزی کرتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعد نماز عشاء بلاوجہ جاگنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

تیسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں لتسکنوا کا مقابلہ مبصرا سے فرمایا گیا۔ یہ مقابل کیونکر درست ہوا سکون کے

www.alahazratnetwork.org

مقابل ہیں حرکت یا کام وکاج ہیں اور مبصرا کا مقابل مظلما ہے۔

جواب: اس کی نفیس حکمت ابھی تفسیر میں عرض کی گئی کہ اصل عبارت یہ ہے کہ رات کوتاریک بنایا تاکہ تم کوسکون ہو۔ دن کو روشن بنایا کہ تم جنبش وحرکت کرو۔ دونوں جگہ ملزوم سے لازم کو سمجھایا گیا۔ یہ اعلیٰ درجہ کی فصاحت ہے۔

چوتھا اعتراض: یہاں کفار کے اس عقیدہ کی تردید میں کہ رب تعالیٰ کی اولاد ہے سبحانه هو الغنی کیوں ارشاد ہوا اس کی تردید عقلی دلائل سے ہوتی ہے زیادہ مناسب تھی۔

جواب: ابھی تفسیر میں عرض کیا گیا کہ اس فرمان عالی میں چار طرح ان کی تردید کی گئی نہایت شاندار طریقے سے کہ اولاد کی اس کوضرورت ہے جس کو یا توفنا ہو یا حاجت مندی ہو۔ رب کی صفت ہے هو الغنی وہ غنی ہے اور غنی تمام چیزوں کی ملکیت سے ہوتی ہے اور وہ سبحانہ ہے اس کو فنا بھی نہیں پھر اس کی اولاد کیسی نیز اولاد جز اور بدن سے ہوتی ہے رب تعالیٰ بدن اور جزئیت وکلیت سے پاک ہے۔ نیز اولاد باپ کی شکل ہوتی ہے۔ اس کریم کی شان ہے لیس کمثله شیء۔

تفسیر صوفیانہ: اللہ تعالیٰ نے مسافران راہ طریقت ومعرفت کے لئے دو قسم کے وقت رکھے ہیں۔ بعض اوقات راحت کے لئے بعض مجاہدے اور طاعت کے لئے۔ راحت میں نفس مطمئنہ چین پاکر پھر نئے سرے سے طاعات کے لئے مستعد ہو جاتا ہے۔ اسی لئے مدارس دینیہ بلکہ دنیوی کاروبار میں بھی بعض دن تعطیل اور چین کے رکھے جاتے ہیں۔ ابن خیام شاعر کہتا ہے۔ شعر۔

زمانے بحث و درس و قیل وقالے ۔۔۔ کہ انسان رابود کسب و کمالے
زمانے شعر و شطرنج و حکایات ۔۔۔ کہ خاطر رابود دفعے ملالے

انسان کی فطرت میں تلون اور تجدد ہے حتیٰ کہ سونے میں بھی کروٹیں بدلتا رہتا ہے جو وقت یار کی یاد میں گزرے وہ دن ہے اگرچہ بظاہر اندھیری رات ہو اور جو وقت طلب معاش یا لھو ولعب یا کروٹیں بدلتے گزرے وہ رات ہے اگرچہ بظاہر دن ہو۔ دل کی دنیا میں رات و دن مدینے والی سرکار کی تجلی سے آتے ہیں۔ چونکہ تجلی مصطفیٰ کے طور رنگ برنگے ہوں گے تو دل کی دنیا کے دن رات رنگ برنگے غافلین ان مفید کاموں کو چھوڑ کر رب تعالیٰ کی ذات وصفات کو سمجھنے میں عقلی ڈھکوسلوں میں الجھ گئے کہ کسی نے کہا اس کے شریک ہیں۔ کسی نے کہا اس کی اولاد ہے۔ یہ سب خرابیاں بربادیاں بدنصیبی دامن نبی کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے فرمایا جارہا ہے کہ پہلے نبوت کی روشنی لے آؤ پھر یار کو پالو گے۔ (از تفسیر روح البیان مع زیادت)

قُلْ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾

فرما دو بے شک وہ لوگ جو گھڑ لیتے ہیں پر اللہ جھوٹ نہیں کامیاب ہوں گے

تم فرماؤ جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں ان کا بھلا نہ ہوگا

www.alahazratnetwork.org

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيقُهُمُ
کچھ سامان میں دنیا پھر طرف ہماری لوٹنا ان کا پھر چکھادیں گے ہم ان کو
دنیا میں کچھ برت لینا ہے پھر انہیں ہماری طرف آنا ہے پھر ہم انہیں

الْعَذَابَ الشَّدِيدَ بِمَا كَانُوا يَكْفُرُونَ ع ۱۲ الثلثة
عذاب سخت بدلہ اس کا تھے وہ کفر کرتے
سخت عذاب چکھائیں گے بدلہ ان کے کفر کا

وقف لازم

تعلق: اس آیت کے پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہیں۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں یہود و نصاریٰ کے جھوٹ اور افترا کا ذکر تھا کہ وہ اللہ کے لئے بیٹے۔ اولاد کی نسبت کرتے ہیں اس آیت میں ان کے افترا کا نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے کہ وہ کبھی کامیاب نہ ہوں گے کیونکہ جھوٹا آدمی ہمیشہ ذلیل و ناکام رہتا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں یہ ذکر تھا کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں سب کا مالک و مربی ہے اب اخروی ملکیت و ربوبیت کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں دن رات کے عیش و آرام کا ذکر تھا۔ اب دنیوی آرام کی بے مثالی اور فنا کا ذکر ہے تاکہ غافل لوگ دنیوی عیش سے دھوکا نہ کھائیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں کفار سے دلیل کا مطالبہ وسوال تھا اب ان کی دلیل سے عاجزی کا ذکر ہے۔

نحوی تفسیر: قل ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون ۔قل صیغہ امر واحد اس کا مادہ اشتقاق قول اجوف واوی ہے ان حرف تحقیق شک کو دور کرنے یقین کو ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے الذین اسم موصول جمع مذکر بعد والے کی حالت بیان کرتا ہے۔ یفترون مضارع جمع غائب باب افتعال فری سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ بھرنا اصطلاحی ترجمہ اپنی طرف سے کسی کے لئے کوئی بات بنالینا بمعنی من گھڑت خود ساختہ شرعی ترجمہ نفس امارہ کے کہنے پر کوئی بات کہنا۔ علیٰ حرف جر اسموں پر داخل ہوتا ہے بہت معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں نسبت کے لئے ہے اللہ خالق کائنات کا ذاتی نام پاک الکذب ۔لغوی ترجمہ معدوم چیز۔ شرعی ترجمہ جان بوجھ کر ایسی بات یا خبر دے جس کے نا ہونے کا علم ہو لا یفلحون مضارع منفی بلا۔ جمع مذکر غائب فتح سے بنا۔ لغوی ترجمہ۔ مقصد کو پالینا شرعی ترجمہ اللہ کے عذاب سے نجات پانا۔ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم ثم نذیقھم العذاب الشدید بما کانوا یکفرون متاع صدر میمی ہے جیسے مقال بعض نے کہا یہ مصدر میمی کی مثل نہیں بلکہ اس کا مادہ متع ہے اور یہی صحیح ہے جیسے مجال لغوی ترجمہ بالواسطہ نفع دینے والا سامان یں سونا

www.alahazratnetwork.org

چاندی روپیہ پیسہ اس میں شامل نہیں۔ شرعی ترجمہ دنیا کی چیزیں اس پر تنوین (دو پیش) تقلیل کی ہے جو کمی کو بیان کرتی ہیں۔ فی حرف اصلا ظرفیت کے لئے استعمال ہوتا ہے الدنیا اسم تفضیل مونث دنو سے بنا لغوی ترجمہ حقیر۔ اور نیچی ہونے والی شرعی ترجمہ۔ عالم برزخ سے پہلی اور عالم ارواح کے بعد کی زندگی دار العمل کی زندگی۔ ثم حرف تعقیب جو کمی کے بعد میں ہونے کو بیان کرے یا جو کسی کے بعد میں ہونے کو بیان کرے۔ الینا۔ دو لفظ ہیں (۱) الی (۲) الی انتہا کو بتاتا ہے۔ نا ضمیر متکلم۔ مگر اکثر غیر جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے مرجعھم یہ دونوں لفظ ہیں (۱) مرجع (۲) ھم مرجع اسم ظرف یا مصدر میمی رجع سے بنا۔ بمعنی لوٹنا ھم ضمیر جمع غائب۔ ثم۔ تعقیب کے لئے۔ نذیق جمع متکلم ذوق سے بنا واؤ کو یِ سے تبدیل کر دیا باب افعال ہے۔ لغوی ترجمہ چکھانا شرعی ترجمہ بدلہ دینا۔ العذاب عذاب سے بنا لغوی ترجمہ سزا۔ شرعی ترجمہ اللہ کی سزا دینا الشدید لفظ عذاب کی صفت ہے صیغہ صفت مشبہ۔ شد سے بنا ترجمہ۔ ہمیشہ سختی والا۔ بما دو لفظ ہیں (۱) بِ (۲) ما ب حرف جر ہے بہت معنی ہیں استعمال ہوتی ہے یہاں بمعنی بدلہ استعمال ہوئی ہے ما اسم موصول ہے۔ کانوا یکفرون ماضی ناتمام صیغہ جمع غائب۔ کفر سے بنا بمعنی انکار۔ شرعی ترجمہ خدائی قانون کا انکار کرنا۔

تفسیر عالمانہ: قل اس میں خطاب نبی کریم سے ہے اور اس کے معنی ہیں کہ کافروں کو متنبہ کر دو تاکہ آپ کی تبلیغ مکمل ہو جائے وہ کافر مانے یا نہ مانیں اور یہ تنبیہ ظاہراً کسی خاص جماعت کو نہیں اس لئے آگے ارشاد ہوا ان الذین یفترون علی اللہ الکذب لا یفلحون لفظ ان اس لئے ارشاد ہوا کہ ان کا گمان تھا کہ ہمارے یہ افترا اللہ کے قرب اور دنیاوی مال و دولت کے حصول میں شاندار کامیابی ہیں ان کے اس فاسد گمان کو حتمی طور پر توڑا جا رہا ہے کہ نہ تم کو قرب الٰہی نصیب ہو اور اسلام کے تشریف لے آنے سے نہ تمہاری دنیاوی عزت باقی۔ یہ بدنصیبی اور ناکامی کیوں ہوئی کہ یفترون علی اللہ الکذب یفترون افتراء سے بنا جس کے معنی ہیں جان بوجھ کر سمجھتے ہوئے اپنے پاس سے کوئی بات بنا لینی یہ لوگ بہت سی خود ساختہ باتیں بنا لیا کرتے تھے الذین سے ان کے عالم لوگ مراد ہیں کیونکہ وہی ایسے عقیدے بنایا کرتے تھے عوام ان سے سن کر ایمان لے آیا کرتے تھے۔ علی اللہ کا معنی اللہ تعالیٰ کے متعلق کذب جھوٹی بات جیسے کہ اللہ کا شریک ٹھیرانا۔ حضرت عیسیٰ و موسیٰ کو ابن اللہ کہنا فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا! ان بے وقوفوں نے۔ اللہ کا شریک بنا کر انبیاء کی عزت سمجھی۔ حالانکہ شریک ہونے میں خود انبیاء کرام کی توہین و گستاخی اور شان کی کمی ہے۔ اس لئے کہ شریک کی ملکیت اختیار تھوڑے ہوتے ہیں اور پیاروں کے اختیار زیادہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے مسلمان نبی کریم ﷺ کو حبیب اللہ کہتے ہیں نہ کہ شریک اللہ۔ اور انبیاء کرام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ یہ حضرات خصوصاً نبی کریم۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کے مالک ہیں شرک کو ختم کرتا ہے۔ اور یہ عقیدہ توحید کو مکمل کرنے والا ہے جو یہ عقیدہ نہ رکھے بلکہ نئے نئے عقیدے بناتا رہے۔ لا یفلحون وہ لوگ کامیاب نہ ہوں گے۔ ان کو اپنی دنیاوی عزت پر مغرور نہ ہونا چاہئے اور نہ کسی مسلمان کو ان کی سلطنت حکومت دولت وغیرہ پر فکر مند ہونا چاہئے نہ کوئی شخص اس بات سے ان کو سچا سمجھے کیونکہ متاع فی الدنیا ثم الینا مرجعھم۔ یہ مبتداء محذوف ھو کی خبر ہے یا اس جگہ لھم پوشیدہ ہے اور تنوین تحقیر کے لئے ہے یا کمی بیان کرنے کے لئے۔ یعنی یہ ان کی سب دولت و قوت تھوڑی اور چند روزہ

www.alahazratnetwork.org

ہے فی الدنیا ظرف ہے اسی متاع مصدر کا۔ یا ثابت پوشیدہ کا۔ اس مال دولت کا ان کو صرف اسی دنیا میں کچھ نفع ہے۔ اور چونکہ دنیا اصل مقصود نہیں بلکہ راہ مقصود ہے اس لئے یہ دولت کامیابی کی دلیل نہیں ہوسکتی۔ مگر مسلمان کی یہی دنیاوی دولت بلکہ مومن کی ہر چیز کامیابی اور فلاح ہے۔ عثمان غنی امیر بن کر بھی کامیاب رہے اور اصحاب صفہ غریب رہ کر بھی کامیاب رہے۔ کسی نے دولت سے رب کی رضا حاصل کی کسی نے غربت و مسکنت سے۔ کافر کی نہ غربت اچھی نہ امیری فائدہ مند ثم الینا مرجعھم۔ ثم بعدیت کا متقاضی ہے یعنی دنیاوی زندگی کے بعد یہاں صرف کافر مراد ہیں۔ کیونکہ مومن دنیا میں بھی اللہ کے قرب میں ہے۔ وہاں بعدیت کا کوئی شبہ نہیں۔ مومن کا ہر وقت اللہ کی طرف رجوع ہے اس کی زندگی موت برابر ہے اس لئے فرمایا گیا موتوا قبل ان تموتوا کافر کی زندگی و موت میں فرق ہے۔ الینا ہماری طرف! یہاں الی انتھاء مکانی کے لئے نہیں بلکہ نسبت کے لئے۔ یعنی ہمارے عذاب کی طرف ان کا لوٹنا۔ یا لوٹنے کی جگہ حشر ت قیامت وغیرہ۔ ثم نذیقھم۔ یہاں تیسرے زمانے کا ذکر ہے پہلا زمانہ عمل کا دوسرا حساب کا تیسرا عذاب و سزا کا اس لئے دوبارہ ثم ارشاد ہوا نذیقھم۔ ذوق۔ سے بنا ہے عرف میں چکھنا تھوڑے فائدے یا تھوڑے کھانے یا تھوڑے لفظ کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر یہاں مختلف عذاب بیک دم ہونا یا بدل بدل کر ہونا مراد ہے جھلتوانا اور بھگتنا کے معنی بھی آتا ہے ھم سے مراد وہی مفترین ہیں۔ اور چونکہ کافر مفتری ہیں اس لئے سب کافر بھی...... اس کا مرجع ہوسکتے ہیں۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ کو جمع کے غائب یا جمع حاضر کے صیغہ سے پکارنا یا ذکر کرنا گناہ اور بے ادبی اور توحید کے خلاف ہے۔ ہر شخص کا ادب جداگانہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا ادب یہی ہے کہ اس کو واحد کے صیغے سے خطاب کرتا کہ مومن کی ہر ادا یہاں تک کہ روزمرہ گفتگو میں بھی توحید باری تعالیٰ کی جھلک نظر آئے۔ دیوبندی حضرات جمع کا صیغہ بولتے ہیں اور ارادہ ادب کا رکھتے ہیں۔ حالانکہ صحابہ اور نبی پاک کی گفتگو میں اس کا کوئی ثبوت نہیں کیا ان حضرات کو ادب خداوندی کا پتہ نہ تھا؟ جمع متکلم اہل عرب میں اکثر واحد متکلم کی جگہ فصاحت کلام کے لئے ہوتا ہے نہ کہ ادب کے لئے خود اللہ تعالیٰ اس کے علاوہ صیغوں میں اپنی ذات پاک کے لئے لفظ واحد ہی ہر جگہ ارشاد فرماتا ہے۔ انکم یا ایھم کا کہیں ثبوت نہیں۔ العذاب بمعنی رب کی سزا الف لام عہد ذہنی ہے رب بہتر جانتا ہے۔ وہ کیسی سزا ہے اللہ ہم کو محفوظ رکھے۔ الشدید صفت ہے العذاب کی یعنی ہمیشہ سخت رہنے والا۔ دنیا کی سزائیں اگرچہ کچھ دیر مسلسل تو رہ سکتی ہیں مگر سختی ایک ایک جیسی مسلسل نہیں رہتی کبھی ہلکی بھی ہو جاتی ہے۔ جس میں سزا دینے والے کی کمزوری ہوتی ہے مگر رب کا عذاب جس کے لئے جتنا مقرر ہوگیا۔ اتنا ہی مسلسل رہے گا اسی لئے صیغہ صفت مشبہ کا ارشاد ہوا کیونکہ رب کمزوری سے پاک۔ ہاں عذاب کا ختم ہو جانا یا بعض خصوصی کافروں پر ہلکا ہو جانا یہ اس کی شان کریمی ہے۔ نہ کہ کمزوری۔ بما کانوا یکفرون ب بمعنی بدلہ ما سے مراد نوعیت کفر افترا جھوٹ وغیرہ۔

کانوا یکفرون ماضی استمراری سے فعل دائمی مراد ہے۔ یعنی یہ ہمیشہ ایسا ہی دنیا میں کیا کرتے تھے۔ کافر کا ہر کام کفر ہے کیونکہ کفر کی زیادتی کا سبب ہے یہاں تک کہ کھانا پینا بھی کفر ہے اس کا فسق اور گناہ بھی کفر ہے بخلاف مومن کے کہ اس کا گناہ کبیرہ بھی کفر نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

خلاصہ تفسیر: اے پیارے حبیب ان کافروں کو خبردار کردو کہ یہ تمہارے جھوٹ فریب تمہاری ہی ناکامی کا سبب ہے ایسے بے ہودہ فعلوں سے تم کبھی کامیاب نہ ہوسکو گے اے کافرو دنیا کے تھوڑے نفع پر مغرور نہ ہو یا اے مسلمانو۔ کافروں کے امیرانہ حالت سے پریشان نہ ہونا یہ دولت عیش و عشرت ان کی کامیابی نہیں۔ بلکہ چند دن کی چاندنی ہے پھر اندھیری رات دائمی ہے اور ہمارے ہی طرف ان کا آنا ہے ہم ان کو ہر کفر کا علیحدہ علیحدہ عذاب دیں گے کوئی اور رعایت یا کمی نہ ہوگی یہ اٹل اور یقینی قانون ہے اس میں تبدیلی کا خیال بھی نہ کرنا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قانون خداوندی وہ ہے جو آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے دھن پاک سے ادا ہو۔ یہ فائدہ لفظ قل فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں دنیا و آخرت کا قانون بنایا گیا اور رب تعالیٰ نے نبی کریم کے منہ مبارک سے ادا فرمایا کہ فرمایا اے پیارے تم کہہ دو کہ مفتری جھوٹے کافر کبھی کامیاب نہ ہوں گے اور آخرت میں سخت عذاب ہوگا۔ کامیابی دینا نہ دینا رب تعالیٰ کا کام ہے مگر قانون نبی کریم کی زبان سے بنوایا۔ جو بات نبی کریم نہ فرمائیں خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو وہ اسلام کا قانون نہ بنے گی۔

دوسرا فائدہ: انبیاء کرام کبھی افترا نہیں کرسکتے وہ حضرات اس سے پاک و معصوم اور ان کی کامیابی دنیوی و اخروی۔ اس عویٰ کی دلیل اور کفار کے الزام کی تردید ہے۔

تیسرا فائدہ: دنیاوی دولت و حکومت کامیابی نہیں بلکہ زندگی کا مقصد پالینا کامیابی ہے۔ جیسا کہ لایفلحون کے لفظ سے ثابت ہوا کہ بڑے بڑے دولت مند اور بادشاہ بھی کفر میں رہ کر ناکام ہی ہوتے۔

چوتھا فائدہ: اللہ سے دوری صرف کافروں کے لئے ہے یہ فائدہ مرجعھم سے حاصل ہوا۔

اعتراض: اس آیت پر چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت سے ثابت ہوا کہ صرف افتراع کرنے والے ناکام ہیں جیسا کہ الذین کی خصوصیت سے ظاہر ہے۔ اور افتراع تو صرف پڑھے لکھے یا پہلے کافروں نے کیا تو چاہئے کہ جن کافروں نے یہ عقیدے بنائے صرف وہ ناکام ہوں اور ان پر ہی عذاب شدید ہو دوسرے سب کافر اس میں شامل نہ ہوں بلکہ کامیاب و کامران ہوں۔

جواب: اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کو عقل سلیم عطا فرمائی جس کے ذریعے دین دنیا کی بھلائی سوچتا ہے۔ تو جیسے ہر کافر دنیاوی بھلائیاں اپنی عقل سے سوچتا ہے کاروبار مزدوری کاریگری سب کچھ عقل کے ذریعے کرتا ہے اچھے برے کی تمیز کرتا ہے کسی لکیر کا فقیر نہیں بنتا تو واجب ہے کہ دین کی بھلائی اچھے عقیدے بھی عقل کے ذریعے سوچے اندھا بہرا ہو کر باپ دادوں کی نقل کر لینا عقل سے کام لینا بھی درحقیقت افتراع ہے کہ کفر کی تائید بھی کفر ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے مومن کی ایک تعریف یہ بھی فرمائی کہ لم یخروا علیھا صما و عمیانا۔

دوسرا اعتراض: بہت سے مسلمان بھی افتراع کر لیتے ہیں دن رات مسلمانوں کے منہ سے بہت بے پر کی اڑ جاتی ہے

www.alahazratnetwork.org

جن کو ہمارے عرف میں افواہ یا بکواس کہا جاتا ہے۔ تو چاہئے کہ وہ مسلمان بھی ان کافروں کی طرح ناکام ہوں یہاں مطلقاً مفتریوں کا انجام بیان کیا۔ پس کافر مومن میں کوئی فرق نہ رہا۔

جواب: یہاں افتراء علی اللہ کا ذکر ہے۔ جو صرف کافر ہی کرتا ہے اور جو کرے گا وہ مومن نہ رہے گا۔ بحمدہ تعالیٰ گنہگار سے گنہگار مومن بھی افتراء تو کر دیتا ہے مگر افتراء علی اللہ نہیں کرتا۔

تیسرا اعتراض: آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ کافر کا عذاب کبھی ہلکا یا ختم نہ ہوگا حالانکہ ابی لہب سے پیر کے دن عذاب ہلکا کر دیا جاتا ہے اور ابو طالب کا عذاب ختم کر دیا گیا کہ جہنم سے نکال کر جھیرے میں کر دیا۔

جواب: اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ لفظ شدید نے قانون اور عمومیت کا ذکر کیا تھا یا یہاں مفترین کا عذاب مذکور ہے۔ اور ابی لہب کی تخفیف انعام خصوصی ہے اور محبت حبیب پاک کی شان بیان فرماتا ہے۔ یا ابی لہب کا شمار مفترین میں نہ ہوگا۔ ابو طالب کے ایمان میں اہل اسلام کا اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ آپ نہ کافر ہیں نہ منافق نہ ظاہری مسلم ساترین میں سے ہیں اور آپ کی نجات اللہ تعالیٰ کے دست کرم سے ہوگی جس چلو سے اللہ تعالیٰ سب شفعا کے بعد جہنمیوں کو نکالے گا وہ ساترین ہوں گے جن میں ابو طالب بھی ہوں گے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ: دنیا عالم ناسوت کا بحری جہاز ہے تمام دنیا والے نیک و بد اس میں سوار ہیں یہ جہاز منزل لاہوت کی طرف رواں دواں ہے دنیا کی حرام غذائیں گندگی کے ڈھیر ہیں۔ حلال غذائیں۔ اللہ رسول کا ذکر۔ چمن اسلام کے خوشبودار پھول ہیں جو انسان کے لئے بھیجے گئے اور جس کے لئے انسان پیدا کیا گیا مگر کفار و فساق نے حرام غذاؤں کو اختیار کرتے ہوئی کہا کہ یہی اصل حلال ہے۔ یہ ان کا افتراء علی اللہ ہے کیونکہ بلبل پھول کو پا کر ہی کامیاب و کامران ہے تو انسان رضائے الٰہی حاصل کر کے ہی فلاح مند ہے۔ وہ لوگ جو برے عقیدوں اور حرام غذاؤں میں مبتلا ہیں وہ عذاب باطنی میں مبتلا ہیں۔ مگر وہ محسوس نہیں کرتے وہ عیش و عشرت کی چادر اوڑھ کر مست سو رہے ہیں۔ اور ستا ہوا تکلیف باطنی کو محسوس نہیں کرتا مگر جب اپنے اللہ کے حضور حاضر ہوں گے تو ان کو اس عذاب کا احساس ہوگا۔ اور ظاہری عذاب کا مزہ چکھیں گے۔ صوفیاء اکرام فرماتے ہین کہ انسان مثل بلبل ہے اور برے عقیدے حرام غذائیں مثل گندگی ہے جو بظاہر بہت زیادہ ہیں جس طرح بلبل کو پکڑ کر گندگی کے ڈھیر کے پاس باندھ دو تو اس کے لئے سخت عذاب اسی طرح مرد کامل دنیا کی ان چیزوں سی سخت متنفر ہوتا ہے جو لوگ اس کو پسند کرتے ہیں وہ سو رہے ہیں ان کی قوت شامہ بیکار ہو چکی ہے نہ ان کو ایمان کی خوشبو آتی ہے اور نہ حرام رشوت وغیرہ کی بدبو۔ اس سے وہ مسلمان عبرت پکڑیں جو رات دن تجارتیں بڑھانے کے لئے سود لیتے بھی ہیں دیتے بھی ہیں اور مثل کفار کے رب تعالیٰ کے قانون کی پرواہ نہیں کرتے۔

www.alahazratnetwork.org

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ

اور تلاوت کیجیے ان پر خبر نوح کی جب فرمایا کو قوم اپنی اے میری قوم اگر ہو

اور انہیں نوح کی خبر پڑھ کر سناؤ جب اس نے اپنی قوم سے کہا اے میری قوم

كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى

بوجھل تم پر رہنا میرا اور نصیحت کرنا میرا کو آیتیں اللہ کی نشانیاں

اگر تم پر شاق گزرا ہے میرا کھڑا ہونا اور اللہ کی نشانیاں یاد دلانا

اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ

تو پر اللہ بھروسہ کیا میں نے پس جمع کرلو تم امر اپنا اور شریک اپنے پھر نہ ہو

تو میں نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا تو مل کر کام کرو اور اپنے جھوٹے معبودوں سمیت

اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

اپنا کام پکا کرلو پھر تمہارے کام میں تم پر امر تمہارا تم پر تنگی دل پھر پورا کرڈالو طرف میری اور نہ مہلت دو مجھ کو

اپنا کام پکا کرلو پھر تمہارے کام میں تم پر کچھ نہ رہے پھر ہو سکے میرا کرلو اور مجھے مہلت نہ دو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں موجودہ یہود و نصاریٰ کی قوم کی ناکامی و رسوائی کا ذکر تھا یہاں نوح علیہ السلام کی ناکامی و رسوائی کا تذکرہ شروع کیا جارہا ہے تاکہ بتایا جائے کہ کافر شروع ہی سے ناکام ہوتے چلے آئے۔

دوسرا تعلق: پہلی آیت میں نبی کریم نے کافروں کو خبردار کیا اور متنبہ کیا تھا کہ تم ہر کام میں ناکام و ذلیل ہو تمہارا کوئی کام درست نہیں اس آیت میں بتایا جارہا ہے تمہاری میرے خلاف چالیں بھی ناکام ہی ہوں گی میں تمہاری ایذاء رسانی سے نہیں ڈرتا کیونکہ اللہ کے نبی سچے ہوتے ہیں دیکھو نوح علیہ السلام نے کتنے زوردار لفظوں میں باوجود اکیلے ہونے کے کافروں کو للکارا۔

تیسرا تعلق: پہلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آئندہ علم کا ذکر تھا کہ ہمارا نبی قیامت اور بعد قیامت حشر نشر سب کچھ اور سب کے انجام سے باخبر ہے اور ان کو آئندہ کی ہر شے کا پورا پورا علم غیب ہے جس کا وہ کافر یا کوئی بے وقوف انکار کرسکتا تھا۔ تو اس آیت میں گذشتہ ایک عظیم واقع کا تذکرہ ہے۔ جو صرف ان کی کتابوں میں لکھا تھا ہر ایک کو معلوم نہ تھا باوجود امی ہونے کے نبی کریم نے سارا واقعہ مفصل سنادیا جس سے علم غیب عطائی کا مزید ثبوت ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: کفار نے کہا تھا ہمارے عقیدے بالکل صحیح اور خدا کی طرف سے نازل کئے گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب نہیں ہے وہ کیا جانتے ہیں کہ ہماری توریت و زبور میں کیا لکھا ہے۔ اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضرت نوح کے واقعہ کے سنانے کا حکم ہوا جو حضرت موسیٰ اور توریت و زبور سے بھی پہلے کا ہے تاکہ ثابت ہو کہ نبی سب سے پرانے واقعہ کو بھی جانتا ہے۔ وہ تمہارے باطل عقیدوں کی حقیقت کو کیونکر نہ جانتا ہوگا۔

تفسیر نحوی: واتل تلی سے بنا امر حاضر معروف واحد مذکر کا صیغہ بطریقہ وعظ پڑھنا علیھم. علی بمعنی عند مع قومیت جس کا مطلب ہے کھڑے ہو کر یا ممبر پر بیٹھ کر۔ جس سے بلندی اور نزدیکی دونوں پائی جائیں۔ ھم سے مراد وہ منکرین کافر۔ نبأ پوشیدہ خبر کو کہتے ہیں نوح مبالغے کا صیغہ ہے جس کا معنی بہت زیادہ آہ وزاری کرنے والا۔ اذ ظرفیت زمانہ ماضی۔ قال ماضی کا صیغہ واحد غائب قول سے بنا اجوف واوی باب نصر ینصر اس کا فاعل نوح علیہ السلام ہیں لقومہ لام مفعولیت کا ہے حرف جر۔ لفظ قدیم بمعنی گروہ جماعت قوم بمعنی کھڑا ہونا مصدر سے بنا اجوف واوی یہاں صیغہ مبالغہ جس سے ایک نسل قائم ہوتی ہے۔ ایک دادا کی اولاد۔ کھڑا ہونا مدد کے لئے چونکہ اپنے رشتے دار جلدی کھڑے ہوتے اس لئے اقرباء کو قوم کہا جاتا ہے۔ یا ہر شخص اپنی برادری کی اچھائی کے لئے جلدی کھڑا ہوتا ہے اس لئے قوم کہا جاتا ہے۔ اسی لئے بجز نبی پاک کے ہر نبی اپنی اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے رہے۔ ہ سے مراد نوح علیہ السلام ہیں۔ یقوم یا حرف ندا۔ قوم۔ خاندان۔ ی۔ متکلم پوشیدہ ہے۔ مرکب اضافی منادیٰ۔ ان حرف شرط۔ کان فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب کون سے بنا۔ اجوف واوی۔ کبر کبر سے بنا بروزن فعل صیغہ صفت ہے۔ بمعنی اپنے سے زیادہ بڑا۔ یعنی بوجھل مراد تنگی دل۔ علیکم علی فوقیت کے لئے کم سے مراد مخاطبین کافر قوم نوح علیہ السلام۔ مقامی مرکب اضافی۔ مقام مصدر میمی ہے ظرف زمان و مکان بھی ہو سکتا ہے۔ تذکیری ذکر سے بنا بمعنی نصیحت دنیا مرکب اضافی۔ ی۔ واحد متکلم کی ضمیر فاعل مضاف الیہ بایات اللہ۔ ب بیانیہ ہے آیات جمع آیت کی مراد اللہ کا قانون یا عذاب اللہ الہ یا الہ سے بنا۔ بمعنی لائق عبادت اسم ذاتی مع صفاتی۔ یا یہ لفظ جامد ہے تو فقط اسم ذاتی ہے اور اسم اعظم ہے۔ فعلی اللہ توکلت۔ ف خبریہ ہے۔ علی نسبت کے لئے توکلت صیغہ واحد متکلم ماضی مطلق بمعنی استمرار۔ وکل سے بنا۔ باب تفعل۔ یعنی اپنا معاملہ کسی کے سپرد کر دینا۔ فاجمعوا امرکم وشرکائکم ف جزائیہ ہے اس کی شرط۔ ان کان کبر الخ ہے اجمعوا امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ی جمع یہاں مراد ایک رائے پر جمع ہونا۔ امرکم مرکب اضافی امر بمعنی ارادہ قلبی کم سے مراد قوم نوح واؤ نوح واؤ جمع کی ہے شرکائکم اضافت فاعلی ہے یعنی تمہارے خود ساختہ شریک جھوٹے معبود۔ ثم لا یکن امرکم علیکم غمۃ۔ ثم تراخی زمانی کی لئے ہے۔ لا یکن فعل ناقص منفی مضارع معروف اس کا فاعل امرکم یعنی تم لوگوں کا وہی میرے خلاف حتمی فیصلہ علیکم یہاں علی بمعنی فی یعنی تمہارے آپس میں یا تم ہر ایک کے دل میں غمۃ مصدر غم سے بنا لفیف مقرون۔ بمعنی پوشیدگی یہاں مراد کمی ہے۔ ثم اقضوا الی فلا تنظرون۔ ثم تراخی زمانی کے لئے۔ اقضوا فعل امر۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل وہی مخاطبین قوم قضی سے بنا بمعنی فیصلہ کر دینا۔ فیصلہ دو قسم کا ہے قولی و فعلی یہاں فعلی مراد ہے۔ الی مرکب اضافی بطرف ضمیر متکلم الی

www.alahazratnetwork.org

بمعنی علی ہے یعنی مجھ پر۔ فلا تنظرون ف تعقیبہ ہے بمعنی پھر۔ لا تنظروا صیغہ جمع مذکر حاضر فعل نہی معروف باب افعال نظر سے بنا بمعنی دیکھنا۔ سوچنا مہلت دینا یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ ن نون وقایہ جو صیغہ کے آخر کو بچانے کے لئے آتا ہے یہاں ی بوجہ ثقل پوشیدہ محذوف منوی ہے مفعول بہ ہے۔ دراصل لا تنظرونی تھا۔

تفسیر عالمانہ: واتل علیهم نبا نوح۔ تلاوت مختصر بیان کو کہتے ہیں اور قرأت زیادہ پڑھ کر سنانے کو اور اذکر عام ہے یعنی اے پیارے حبیب نوح علیہ السلام کی قوم کے کچھ حالات ان کو سنا دو۔ تاکہ وہ آپ کی نافرمانی سے ڈریں اور نبی کے متعلق بے خبری و بے علمی کا باطل عقیدہ بھی ختم ہو جائے۔ نباء اس قصہ کو کہتے ہیں جس کو گزرے اتنا زمانہ گزر چکا ہو کہ ظاہراً بلحاظ دنیاوی زندگی کے سننے سنانے والوں میں اس وقت کوئی بھی نہ ہو اس لئے غیب کی خبر دینے والا ہی نبی ہو سکتا ہے نہ کہ ہر ممبر۔ ہمارا گذشتہ زمانوں کی خبر دینا نقل خبر ہے نہ کہ خبر اس لئے اگر ہم کہیں کہ نوح علیہ السلام کی قوم کے یہ حالات تھے تو ہم ناقل کہلائیں گے نہ کہ خبر نوح۔ آپ کا نام یشکر ہے لقب نوح یشکر اسم فعل بمعنی شاکر یا نام ہی شاکر ہے (روح) تفسیر صاوی میں ہے آپ کا نام عبدالغفار بن مالک بن متوشلخ بن ادریس آپ سے پہلے صرف تین نبی تشریف لائے جن میں ایک آدم علیہ السلام اور ایک ادریس علیہ السلام اور ایک حضرت شیث۔ حضرت ادریس کے ایک ہزار سال بعد حضرت نوح کی ولادت ہوئی آیت کریمہ کا یہ حصہ یہاں مکمل ہے۔ اگلا جملہ اس سے متعلق نہیں۔ اذ قال لقومه یا قوم۔ یہ جملہ علیحدہ ہے کیونکہ لفظ اذ ظرفیت کے لئے ہے جس کا تعلق قال سے ہے نہ کہ پچھلے فعل اتل سے ورنہ کلام غلط ہو جائے گا۔ لقومه میں لام مفعولیت اور نفع کا ہے۔ قوم تین قسم کی ہے۔ (۱) نسبی (۲) دینی (۳) وطنی۔ یہاں صرف وطنی قوم مراد ہے کیونکہ نوح علیہ السلام حضرت شیث کی اولاد سے ہیں (مظہری) جب کہ یہ لوگ قابیل کی اولاد سے تھے۔ سب سے پہلے عذاب الٰہی ان پر آیا سخت ترین کافر تھے (معانی التنزیل علیٰ اربع تفاسیر) آپ کے زمانے میں ہی حقیقی بہن بھائی کا نکاح حرام ہوا (روح البیان) یا قوم اس میں نسبت ہے۔ یہ پیار اور اخلاق کریمانہ کا جملہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ تبلیغ ہمیشہ نرم اور محبت کے الفاظ سے کرنی چاہئے اگرچہ قوم سخت اور ظالم ہو۔ ان کان کبر علیکم مقامی و تذکیری بایات الله۔ یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا آگے آ رہی ہے یہ حضرت نوح علیہ السلام کا کلام ہے کبر ب کے پیش سے دل کا بوجھ ب کے زیر سے کبر جسم کا بوجھ یہاں دل کا بوجھ یعنی تنگی ہو دل مراد ہے علیکم سے ساری قوم مراد ہے مقامی کے چار معنی کھڑا ہونا۔ ٹھیرنا۔ عمر گزارنا۔ اور ذات۔ یا مصدر میمی ہے یا ظرف ہے پہلے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہوگا کہ اگر تم کو میرا کھڑا ہونا اور تم کو کھڑے ہو کر وعظ سنانا ناگوار ہے کیونکہ عام طور پر کھڑے ہو کر وعظ تبلیغ کی جاتی ہے جو تبلیغ کافروں کو نبی کریم نے کی وہ بھی کھڑے ہو کر ہی فرمائی۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے مطلب یہ ہے اگر میرا تم میں سکونت اختیار کرنا تم کو ناگوار ہو۔ حضرت نوح کی عمر شریف ساڑھے نو سو سال تھی۔ چار سو اسی سال کی عمر میں آپ کو نبوت عطا ہوئی (روح البیان) روح المعانی نے فرمایا کہ آپ کا یہ کلام آخری عمر میں طوفان سے کچھ پہلے تھا۔ تیسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ اگر تم کو میری ذات سے دل تنگی ہو۔ مقام جب ظرف ہو تو اس سے ذات ہی مراد ہوتی ہے۔ جیسے کہ ولمن خاف مقام ربه جنتان۔ میں تذکیری بمعنی میری

www.alahazratnetwork.org

نصیحت کرنا۔ بایات الله ۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی عذاب کی یا رحمت کی یا قانون کی یہاں تینوں معنی بن سکتے خیال رہے کہ حضرت نوح پر صرف توحید و رسالت کی تبلیغ فرض تھی اور بت شرک کی حرمت و عذاب بیان فرماتے تھے نہ کہ مستقل قانون کی۔ اس زمانے میں صرف یہی قانون تھے بعد میں بہن بھائی کے نکاح کی حرمت کا قانون بھی اسی زمانے میں آیا۔ فعلی الله توکلت یہ جملہ معترضہ ہے بعض مفسرین نے اس کو سابقہ شرط کی جزا بنایا ہے مگر وہ بالکل غلط ہے۔ اولاً تو ف خبریہ ہے جزائیہ نہیں دوم اس لئے کہ جزا ہمیشہ شرط کے بعد ہوتی ہے اگر یہ جزا ہو تو مطلب یہ ہوا کہ اے قوم اگر تم پر میرا ٹھہرنا ناگوار ہو تو میں نے اللہ پر بھروسہ کیا اگر نا گوار نہ ہو تو بھروسہ بھی نہ ہو کیونکہ شرط نہیں تو جزا بھی نہیں۔ حالانکہ توکل علی الله ۔ دائمی عبادت ہے۔ جس سے ایک آن بھی نبی علیحدہ نہیں ہوتے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ جزا نہیں بلکہ خبر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے لوگو! میں نے تو ہمیشہ رب پر ہی بھروسہ کیا ہے۔ اگرچہ تم نے اس سے پہلے مجھ کو بہت ایذائیں دیں۔ فاجمعوا امرکم وشرکاء کم ۔ فاجمعوا میں ف جزائیہ ہے باب افعال کی ہمزہ وصلی نہیں بلکہ قطعی ہے اس میں سب قراء کا اتفاق ہے کہ یہاں ہمزہ قطعی ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ جان بوجھ کر بارادہ اپنے امر کو جمع کرو اس ہمزہ قطعیہ سے یہ بھی فائدہ حاصل ہوا عقل اور سوچ سمجھے جمع ہو جاؤ ہمزہ وصلی ہو تو جسماً جمع ہونا مراد ہوتا ہے جیسے جمعت عسکرا میں نے لشکر جمع کیا۔ فاجمعوا کیدکم والی آیت میں ہمزہ میں قاریوں کا اختلاف ہے کہ بعض نے وہاں ہمزہ وصلی مانی ہے مگر یہاں نہیں۔ یہ فعل متعدی بالحرف بھی ہو سکتا ہے۔ امرکم سے مراد قلبی فیصلہ یعنی سب جمع ہو کر ایک ہی دفعہ سوچ سمجھ کر مکمل فیصلہ کر لو تاکہ کل فیصلے پر عمل کرتے وقت تم کو کوئی روکنے والا نہ ہو۔ پھر عمل نہ کرنے کی صورت میں یہ نہ کہہ سکو کہ ہم نے اس فیصلے کو سوچا سمجھا نہ تھا یہ کہہ سکو کہ مجھ کو اگر فلاں کا لحاظ نہ ہوتا یا مجھ کو فلاں نہ روکتا تو میں نوح کو یہ کر دیتا وہ کر دیتا۔ نہ روز۔ روزہ خواہ مخواہ مجھ کو دھمکیاں دو۔ شاید تم یہ سمجھ رہے ہو کہ میں تمہاری دھمکیوں سے ڈر کر اپنے رب کی اطاعت و بندگی یا تبلیغ دین چھوڑ دوں گا۔ اور نہ یہ خیال کرنا کہ میں تمہارے پنڈتوں، پادریوں یا بتوں سے مرعوب ہو جاؤں گا جن کو تم نے اپنے باطل عقیدوں سے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا ہے۔ میں ہرگز ان جھوٹوں سے نہیں ڈرتا اس لئے وشرکاءکم اپنے شریکوں کو بھی اس فیصلے میں ساتھ ملا لو اور میرے خلاف ان سے ظاہری و باطنی مدد حاصل کرو میری طرف سے تم کو کھلی چھٹی ہے۔ اس میں ان کے اس باطل عقیدوں کی طرف تردید کی اشارہ ہے جو وہ حضرت نوح سے کہا کرتے تھے اگر تم اپنی تبلیغ سے باز نہ آئے تو ہمارے بت باطنی طور پر تم کو ہلاک کر دیں گے۔ اس لفظ شرکاءکم میں تین قرأتیں ہیں ایک یہ کہ ہمزہ پر زبر ہے اس لئے کہ مفعول معہ ہے واؤ بمعنی مع ہے دوسرے یہ کہ ہمزہ پر زبر ہے اور عطف کی واؤ ہے معطوف علیہ امرکم ہے یعنی جمع کر لو اپنے امر کو اپنے شرکاء کے ساتھ یا امر کو اور اپنے شرکاء کو تیسرے یہ کہ ہمزہ پر پیش ہے۔ اور اس کا عطف اجمعو کے فاعل پر ہے۔ حسن ابن ابی اسحٰق عبدالرحمٰن سلمی عیسیٰ ثقفی کی یہی قرأت ہے۔ ثم لا یکن امرکم علیکم غمة ۔ ثم ترتیب کی زمانی تراخی کے لئے ہے۔ امرکم سے وہی فیصلہ مراد ہے جو قوم نے کرنا تھا۔ غمة سے مراد پوشیدہ یعنی تم پر یا تم میں سے کسی پر یہ فیصلہ پوشیدہ یا شک شبہ والا نہ رہے۔ جو عمل میں رکاوٹ ڈالے پوشیدگی تین قسم کی ہوتی (۱) ظاہری پوشیدگی جیسے آنکھ کان ناک منہ سے پتہ نہ لگنا۔ (۲) دماغی

www.alahazratnetwork.org

پوشیدگی (۳) قلبی۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ ثم اقضوا الی و لا تنظرون یہ ثم بھی تراخی کے لئے اقضوا اقاف سے بمعنی ادا کرو قضاء سے بنا فیصلہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ قولی و عملی یہاں عملی مراد ہے ایک قرءت میں افضوا ف سے ہے بمعنی میدان میں نکل آنا یا جلد عمل کر لینا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے الی بمعنی علی ہے یعنی مجھ پر ہلاکت یا قتل کا فیصلہ جاری کر دو۔ دوسرے معنی میں الی بمعنی انتہا ہے۔ و لا تنظرون نظر سے بنا یہاں بمعنی سوچنے کا وقت دینا ہے یعنی مجھ کو بالکل سوچنے سمجھنے کا وقت نہ دینا۔ آخر میں نون وقایہ ہے جس کے بعد یاء متکلم پوشیدہ ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: انبیاء کرام کو کسی چیز کسی مخلوق کا خوف نہیں ہوتا بہت دلیر اور بہادر ہوتے ہیں یہ ان کی امتیازی شان ہے دیکھو اکیلے نوح علیہ السلام اتنی بڑی قوم کے سامنے جو سخت ترین خون کی دشمن ہے اور جس سے کوئی رعایت کی امید بھی نہیں کس جرأت مندی سے خطاب فرما رہے ہیں یہ جرأت انبیاء کرام کا ہی خاصہ ہے اور ان کے صدقے بعض اولیاء اللہ کا۔

دوسرا فائدہ: نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ رب العزت نے تمام کائنات کے علوم غیبیہ عطا فرمائے اسی لئے واقعہ نوح علیہ السلام کے سنانے کا حکم ہوا جو نافرمانی ہر قوم میں اول ترین ہے۔

تیسرا فائدہ: دین کی تبلیغ محبت اور پیار سے کرنی چاہئے۔

اعتراض: اس آیت پر مخالفین کی طرف سے چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض: آپ کی تقریر سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کو کسی مخلوق کا خوف نہیں ہوتا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر سانپ سے ڈر گئے کہ ارشاد ربانی ہے قالو لا تخف سنعیدها سیرتها الاولی ۔ اور جب قبطی کو مار کر آپ مصر سے چلے گئے تھے تو دوبارہ تبلیغ نبوت کے لئے واپسی پر آپ نے رب تعالیٰ سے یہی عرض کیا کہ مجھ کو فرعون سے خوف آتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ قالا ربنا اننا نخاف ان یفرط علینا او ان یطغی ...... اسی طرح حضرت ابراہیم نے مہمان فرشتوں کو نہ پہچان کر ان سے خوف کیا۔ چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ فاوجس منهم خیفة قالوا لا تخف ان آیات میں اور اس آیت کی تفسیر میں تعارض ہے۔ اسی طرح اولیاء اللہ کی شان میں ارشاد ربانی ہے۔ لا خوف علیهم اس کا بھی تعارض دور کیا جائے۔

جواب: اگرچہ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں کسی نے فرمایا لا خوف میں آخرت کا خوف مراد ہے دنیا میں خوف مخلوق اولیاء انبیاء کو ہو سکتا ہے بعض نے فرمایا لا خوف میں خوف دنیا کی نفی نہیں بلکہ خوف دین و تبلیغ کی نفی یعنی ان کو وہ خوف نہیں ہوتا جو دین یا تبلیغ میں رکاوٹ بنے۔ لہٰذا اس واقعہ نوح اور لا خوف میں دوسری قسم کا خوف اور معترض کی پیش کردہ آیات میں خوف ایذا مراد ہے۔ مگر میرے نزدیک یہ سب جواب کمزور ہیں اور اپنی اپنی تاویلیں ہیں ان مفسرین کرام نے۔ خوف کی نفی والی آیات میں تاویلیں کر کے خوف انبیاء و اولیاء ثابت کر دیا۔ حالانکہ بہتر جواب یہ ہے کہ لا خوف وغیرہ نفی والی آیات کو مطلق رکھ کر انبیاء کرام سے خصوصی طور پر ہر قسم کے خوف کی نفی کی جائے کہ انبیاء کرام کو کسی قسم کا مخلوق سے خوف نہیں ہوتا وہ ہر طرح بہادر اور دلیر ہوتے ہیں ہاں ان آیات میں تاویل کی جائے جن میں ظاہراً خوف ثابت ہو رہا ہے۔ چنانچہ معترض کی

www.alahazratnetwork.org

پیش کردہ پہلی آیت میں تاویل اس طرح ہے کہ لا تخف سنعیدھا واقع میں دراصل حضرت موسیٰ کو سانپ سے خوف نہ آیا بلکہ پہلے ہی ہیبت کلام دل میں بیٹھی ہوئی تھی۔ خوف کا ظہور سانپ پر ہوا۔ جس طرح کوئی شخص اندھیرے سے خوف کر رہا ہو تو اگر پتہ بھی ہلے تو بھاگ کھڑا ہوتا۔ پس جس طرح ڈر حقیقت میں اندھیرے کا ہوتا ہے۔ مگر ڈر کا ظہور ہوتا ہے پتے کے کھڑکنے پر۔ اگر بغیر اندھیرے کے پتہ کھڑکتا تو کبھی خوف نہ آتا اسی طرح یہاں ہے اگر اس موقع کے علاوہ حضرت موسیٰ کو سانپ نظر آجاتا تو کبھی نہ ڈرتے۔ یہ خوف موسیٰ فقط ہیبت کلام الٰہی تھا۔ یہی ہیبت کلام نبی کریم کو پہلی وحی کے نزول پر غار میں ہوا نہ کہ حضرت جبریل کا رعب جیسا کہ بعض جہلا نے کہا ہے بھلا استاد کو شاگرد کا رعب کیسے ہوسکتا ہے۔ دوسری آیت قال ربنا اننا الخ کی تاویل یہ ہے کہ یہاں بھی حضرت موسیٰ کو مطلق ایذائے فرعون کا خوف نہ تھا بلکہ نوعیت ایذا کا تھا۔ اس عرض و معروض کا مقصد یہ ہے کہ اے اللہ میں قبطی کو مارنے میں شرعا یا قانونا مجرم نہیں مگر فرعون اپنی قوم کے سامنے مجھ کو مجرم اور قاتل کہہ کر ایذا پہنچائے گا۔ جس سے ہماری عزت میں فرق آئے گا اور ہماری تبلیغ بھی غیر موثر ہو جائے گی دیکھو جیل اور کچہریوں میں جانا اچھا نہیں مگر سیاسی لیڈر اس سے نہیں ڈرتا خود ہار پھول پہن کر جبرا جیل میں جاتا ہے یہ اس کی بے خوفی کی دلیل ہے۔ وہاں کی سزائیں وغیرہ سب برداشت کرتا ہے کسی ایذا سے نہیں ڈرتا ہے تو یہ خوف ایذا نہیں بلکہ خوف عزت ہے اسی طرح یہاں بھی۔ لہٰذا انبیاء کی بہادری پر کوئی آنچ نہیں آتی۔ تیسری آیت فاوجس منھم (الخ) کی تاویل یہ ہے کہ یہاں خوف بمعنی اندیشہ یا شرمندگی ہے۔ جیسے کوئی مہمان کسی۔ کے گھر کھانا نہ کھائے تو میزبان سوچتا ہے کہ نہ معلوم یہ مجھ سے ناراض ہے یا اس کو میرا کھانا پسند نہ آیا۔ ایسا ہی یہاں تھا۔ چونکہ ابھی یہ واقعہ نوح مکمل نہیں ہوا اس لئے تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں بیان کی جائے گی۔

فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍؕ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى

پس اگر پھر گئے تم پس نہیں مانگا میں نے تم سے بدلہ نہیں ہے اجر میرا مگر پر

پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میرا اجر تو نہیں مگر اللہ پر

اللّٰهِ ۙ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ (۷۲) فَكَذَّبُوْهُ

اللہ اور حکم دیا گیا ہوں میں اس بات کا کہ ہوں میں سے مسلمانوں تو جھٹلایا انہوں

اور مجھے حکم ہے کہ میں مسلمانوں سے ہوں تو انہوں نے

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ

نے اس کو پس بچا لیا ہم نے اس کو اور اس شخص کو ساتھ اس کے میں کشتی اور بنایا ہم نے ان لوگوں کو

اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے ان کو نجات دی اور انہیں ہم نے

www.alahazratnetwork.org

وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ			
خلیفے اور غرق کیا ہم نے ان کو جھٹلایا جنہوں نے کو آیتوں ہماری پس دیکھو کیسا ہوا			
نائب کیا اور جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں ان کو ہم نے ڈبو دیا تو دیکھو ڈرائے ہوؤں			
عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾			
انجام	ڈرائے	ہوؤں	کا
کا	انجام	کیسا	ہوا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پہلی آیت میں خوف اور ڈر کی نفی تھی اس میں دنیاوی لالچ کی نفی ہے یعنی انبیاء کرام کو کوئی چیز تبلیغ سے نہیں روک سکتی نہ دنیا کا خوف نہ دنیا کا مال و دولت۔

دوسرا تعلق: پہلی آیت کریمہ میں قوت بازو طاقت وغیرہ استعمال کرنے کی کھلی اجازت تھی اس آیت کریمہ میں ان کو دولت لالچ کی حقیقت کا پتہ بتایا گیا کہ نہ تمہارا وہ حیلہ کارگر ہو سکتا ہے نہ یہ۔

تیسرا تعلق: پہلی آیت کریمہ میں کفار کی حق سے روگردانی کا ذکر تھا اس میں ان کے انجام کا ذکر ہے۔

چوتھا تعلق: پہلی آیت میں کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی کا ذکر تھا اس میں نوح علیہ السلام کی فرماں برداری اور اس کے انعام کا ذکر ہے۔

پانچواں تعلق: پہلی آیت میں توکل کا ذکر تھا اس میں اس کا ثبوت ہے کہ میں یہ تبلیغ دنیا کے حصول کے لئے نہیں کرتا بلکہ محض حکم خداوندی کو پورا کرنے کے لئے۔ اور جیسے کہ حفاظت جان میں مجھ کو رب تعالیٰ پر پورا بھروسہ ہے اس طرح دنیاوی ضروریات میں بھی میرا اسی پر بھروسہ ہے گویا کہ یہ سچی نبوت اور بے غرض وعظ پر بہترین دلیل ہے۔ ہمیشہ جھوٹے نبی دنیا کی لالچ میں ایسا کرتے ہیں جیسا کہ مرزا قادیانی نے چندہ جمع کرنے کے لئے ایسا کیا۔

تفسیر نحوی: فان تولیتم ۔ف ترتیب کے لئے ہے ان حرف شرط ہے لغو ہے تولیتم جمع مذکر حاضر ماضی مطلق معروف باب تفعل۔ ولی سے بنا۔ لفظ ولی کے آٹھ معنی ہیں دوست۔ مددگار تابع فرماں وغیرہ وغیرہ یہاں بمعنی تابع ہے۔ جب کوئی مادہ باب تفعل میں آتا ہے تو پانچ طرح اس کا استعمال ہو سکتا ہے جن میں ایک معنی سلب فعل ہے وہی یہاں مراد ہیں۔ یعنی ترک اتباع جس کو اردو میں پھر جانا کہا جاتا ہے بعض نحویوں نے فرمایا ان حرف شرط درست ہے اور جزا پوشیدہ ہے فما سالتکم یہاں ف تعلیلیہ ہے ما سئلت ماضی مطلق منفی متکلم ہے۔ من اجر من بیانیہ یا تبعیضیہ ہے ان اجری الا علی اللہ ۔ یہاں ان نافیہ ہے کیونکہ الا معنی غیر سے پہلے ہے لفظ علی بیان وجوب یا استحقاق کے لئے نہیں۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ

www.alahazratnetwork.org

اللہ پر واجب ہے یا میں اس کے بدلے کا حقدار ہوں جیسے ملازم یا مزدور اجرت کا مستحق ہوتا ہے اور مالک پر اجرت دینا واجب ہوتی ہے۔ بلکہ اعلیٰ بیان کرم کے لئے ہے کیونکہ اللہ پر کسی کا حق واجب نہیں۔ و امرت ماضی مطلق مجہول واحد متکلم ان اکون من المسلمین اَن حرف ناصب اکون فعل مضارع معروف۔ فعل مضارع معروف فعل ناقصہ کون اجوف وادی سے بنا۔ اپنے ہی معنی میں ہے یعنی رہوں میں مسلمانوں میں سے۔ مسلمین۔ جمع مذکر سالم بحالت جر اس کا واحد ہے مسلم بمعنی سلامتی والا یا بمعنی عاجز ہونے والا اصطلاحی معنی دین اسلام کو ماننے والا یہاں یہی معنی مراد ہیں فکذبوہ ف ترتیبیہ کذبوا باب تفعل بمعنی نسبت۔ علماء متکلمین کے نزدیک باب تفعل چھ معنوں میں مستعمل ہے۔ یہاں بمعنی نسبت ہے جھوٹا کہنا۔ ہ ضمیر منصوب متصل بوجہ مفعولیت فنجینہ ف تعقیبیہ ہے یعنی جھٹلانے کے بعد یا اس سارے واقع کے بعد نجینا نجی سے ہے باب تفعل۔ بمعنی تعدیہ یعنی علیحدہ کیا جمع متکلم صرف فصاحت کے لئے ہے نہ کہ بمعنی جمعیت کہ وہ اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہے۔ و من معہ واؤ عاطفہ یا بمعنی مع من اسم موصول واحد جمع ہر دو کے لئے مستعمل ہے۔ عقلاء کے لئے خاص ہے بخلاف ما موصولہ کے کہ وہ اصلاً غیر عقلاء کے لئے ہے مگر عقلا کے لئے بھی مستعمل ہے۔ معہ مرکب اضافی۔ صلہ ہے موصول کا۔ فی الفلک فی جارہ اپنے معنی میں ظرفیت مکانی کے لئے ہے۔ فلک واحد۔ جمع دونوں کے لئے مستعمل ہے۔ یہاں واحد ہے، و جعلنھم واؤ جملے کے عطف کے لئے ہے جعلنا جعل سے بنا مادہ صحیح ہے۔ بمعنی تصییر جعلنا یعنی صیرنا حالت کا بدلنا مطلب یہ کہ اب ہم نے ان کی حالت بدل کر ان کو زمین کا مالک کر دیا۔ خلائف جمع ہے خلیفہ کی۔ و اغرقنا الذین کذبوا واؤ جمعیت کی ہے اغرقنا جمع متکلم ہے۔ فاعل اللہ تعالیٰ ہے الذین اسم موصول صرف جمع مذکر کے لئے آتا ہے کذبوا باب تفعل ہے تکذیب سے بنا۔ آخر کا الف جمع کی نشانی ہے بایاتنا آیات جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی فانظر بصیغہ امر نظر سے بنا بمعنی غور کرنا نبی کریم سے خطاب ہے ہر مسلمان سے ہو سکتا ہے۔ کیف کان عاقبة المنذرین عافیة بمعنی انجام ہے آخری فیصلہ۔ منذرین صیغہ اسم مفعول منذر سے بنا باب افعال بمعنی ڈرانا۔ یعنی ڈرائے ہوئے۔ حالت جر ہے مراد کافر قوم ہوز مانہ نوح۔

تفسیر عالمانہ: فان تولیتم فما سالتکم من اجر ان اجری الا علی اللہ۔ یہ کلام بھی حضرت نوح کا ہے لفظ اِن عربی میں تین قسم کا ہے۔ ان شرطیہ اور ان نافیہ اور مخففہ۔ اس آیت میں پہلا اِن شرطیہ ہے یہ ماضی کو مستقبل کے معنی میں کر دیتا ہے اور دوسرا۔ ان نافیہ ہے وہ ہمیشہ الا وغیرہ سے پہلے آتا ہے حضرت نوح نے پہلے تو یہ فرمایا تھا کہ اے قوم تم میری اتباع اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو تم میرے خلاف جو چاہو کر لو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکو اور۔ فان تولیتم تم پھر گئے مجھ سے یا ایمان لانے سے تولیتم مادے کے اعتبار سے فرماں بردار ہونے کے معنی میں تھا باب تفعل کی وجہ سے سلبیہ کے معنی پیدا ہو گئے اب معنی ہو گئے فرماں برداری سے پھر جانا یہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جز افلا باس علی یا فلا حاجة لی علیکم پودہ ہے۔ یعنی اگر تم سب میری تابعداری یا امداد سے منہ پھیر لو تو مجھے کوئی نقصان نہیں کیونکہ فما سالتکم ف تعلیلیہ ہے۔ اور جملہ علت ہے شرط کی۔ یعنی میں نے کبھی تم سے اپنی تبلیغ پر کچھ اجرت نہیں مانگی کیونکہ نہ تو یہ کام دنیا کی وجہ

www.alahazratnetwork.org

سے میں نے شروع کیا نہ میں لالچی ہوں۔ تبلیغ دین میں دو ہی چیزیں رکاوٹ ڈالتی ہیں (١) بزدلی (٢) لالچ۔ سبحان اللہ تعالیٰ انبیاء کرام ان دونوں سے محفوظ و مامون ہوتے ہیں۔

مسئلہ: بہتر یہ ہے کہ علماء کرام دینی کاموں پر اجرت نہ لیں تا کہ سنت انبیاء پر عمل ہو جائے۔ لیکن بوقت حاجت جائز ہے۔ اجرت اور تنخواہ نہ لینی انبیاء کرام کا خاصہ ہے اگر علما یا صوفیانہ مشائخ وعظ تقریر یا مدرسین قرآن حدیث پڑھانے پر تنخواہیں لیں تو بھی گناہ گار نہ ہوں گے (کتب فقہ) ما سالتکم اپنے اصلی ماضی کے معنی میں ہے مگر تولیتم شرط کی وجہ سے بمعنی مستقبل ہے۔ موجودہ زمانے کے بعض حضرات نے تولیتم کو بھی ماضی کے معنی میں رکھا ہے۔ مگر یہ ان کی علمی غلطی ہے۔ جس طرح حرف لم مستقبل کو بمعنی ماضی کر دیتی ہے اسی طرح حرف ان ماضی کو بمعنی مستقبل کر دیتا ہے۔ اس لئے فقہاء کرام کے ان دخلت الدار فانت طالق میں دخول آئندہ مراد ہے اگرچہ دخلت ماضی ہے۔ ان اجری یہاں اضافیہ ہے یہ جملہ پچھلے جملے کی تکمیل ہے۔ یعنی میرے اس کام کا اجر بدلہ زندگی اور بعد وفات میرے اللہ کے پاس ہے۔ لفظ علی بمعنی عند ہے۔ اور چونکہ رب تعالیٰ ہر چیز سے باخبر ہے اس لئے اس سے مانگنے کی حاجت نہیں بلکہ۔ میرا کریم مجھے بے سوال دیتا ہے۔ اس لئے حضرت نوح علیہ السلام نے یہ نہ فرمایا کہ میں رب سے مانگتا ہوں۔ وہاں بے مانگے بھی سب کچھ ملتا ہے بشرطیکہ کوئی سچے دل سے اس کا بن جائے۔ وامرت ان اکون من المسلمین مجھ کو صرف اس بات کا حکم ہے کہ میں مسلمان بنا رہوں۔ یہ بھی نوح علیہ السلام کا قول ہے۔ خیال رہے کہ دین اسلام حضرت آدم سے شروع ہوا اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہوا۔ اصول دین بھی ایک ہی رہے صرف فروعات و ضروریات ہر شریعت میں بدلتے رہے۔ اسی لئے نبی کریم کو آخری نبی کا لقب عطا ہوا اگر اسلام صرف نبی کریم ہی لے کر آتے تو آپ اول نبی ہوتے آپ کو آخری نبی نہ کہا جاتا۔ دین الہ العالمین ایک ہی ہے۔ از اول تا آخر۔ نبی کریم ہی سے دین اسلام کی ابتدا ہوئی اس لئے آپ فرماتے۔ انا اول المسلمین۔ انتہا بھی آپ پر فرماتے ہیں۔ میں بیت اسلام کی آخری اینٹ ہوں۔ (حدیث) اسلام کے دو پہلو ہیں (١) تصوف طریقت۔ (٢) شریعت۔ طریقت کی ابتدا حضرت آدم سے پہلے ہوئی۔ اس لئے نبی پاک نے فرمایا کنت نبیا و ادم بین الطین والماء۔ میں نبی تھا۔ کس چیز کے نبی؟ یعنی علم طریقت کے۔ یہی وجہ ہے حضور اکرم کے علاوہ کسی نبی نے نہ تو اول مسلمین ہونے کا دعویٰ فرمایا نہ کنت نبیا۔ کی خبر دی۔ شریعت کی انتہا بھی نبی کریم کیونکہ فرمایا الیوم اکملت لکم دینکم.

وکذبوہ فنجینہ و من معہ فی الفلک۔ پیار محبت کی اتنی شاندار گفتگو سن کر بھی ان بدنصیبوں پر اثر نہ ہوا پھر بھی جھٹلاتے ہی رہے۔ اور چونکہ یہ جھٹلانا محض ضد کی بنا پر تھا اس لئے فنجینہ ہم نے حضرت نوح اور مومن ساتھیوں کو ایک کشتی میں پناہ دی آپ کی ساڑھے نو سو سال تبلیغ سے صرف اسی (٨٠) مرد و عورت ایمان لائے۔ چالیس مرد چالیس عورتیں۔ اگرچہ کشتی میں ہر قسم کا جانور کا بھی ایک ایک جوڑا تھا مگر من ذوی العقول۔ فرمانے میں۔ اصلیت کی طرف اشارہ ہے کہ کائنات میں اگر اللہ کے نزدیک کوئی قابل نجات ہیں تو وہ مومن ہی ہیں باقی سب انہیں کے طفیل بچ رہے ہیں۔ وجعلنھم خلائف یعنی ہم نے نبی کی عزت و احترام اور دین اسلام قبول کرنے کا اجر صرف نجات ہی دیا بلکہ وجعلنھم ہم نے ان کو اپنی تمام زمین کا

www.alahazratnetwork.org

بادشاہ بھی بنادیا کہ جس وقت طوفان ختم ہوا تو روئے زمین پر کوئی بھی انسان حیوان نہ تھا ساری زمین کے یہی مالک تھے۔ خیال رہے نوح علیہ السلام کا لقب ابوالبشر ثانی بھی اس لئے ہے کہ اب باقی نسلیں آپ کی ہیں۔ اور نبی اللہ کے گستاخ و نافرمان کا بدلہ کیا ہے کہ و اغرقنا الذین کذبوا باٰیٰتنا یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے کہ ہم نے تمام ان لوگوں کو اس طوفان میں ڈبو دیا جنھوں نے ہماری آیتوں کو قولاً جھٹلایا اس وقت جب سب کافر ڈوب گئے جن میں نوح علیہ السلام کا سب سے پہلا بیٹا کنعان بھی تھا۔ تو روئے زمین پر صرف وہی چند زندہ نفوس بچے جو آپ کی کشتی میں سوار ہوئے یہ طوفان ساری زمین پر آیا۔ تفسیر روح البیان میں اس آیت کے تحت ہے کہ شیخ آفندی فرماتے ہیں کہ قیامت تک ہر تیس (۳۰) سال بعد یہ طوفان کہیں کہیں ظاہر ہوتا رہے گا کہ بارش بھی ہوگی اور سیلاب بھی آئے گا اور کچھ بستیاں دنیا سے نیست و نابود ہو جائیں گی لوگ ڈوبیں گے۔ اور یہ بات بالکل درست و تجربہ شدہ ہے۔ طوفان نوحی چالیس (۴۰) دن رہا یہ واقعہ زمانہ تاریخ سے پہلے کا ہے۔ جب طوفان ختم ہوا تو نئے سرے سے دنیا آباد ہوئی حضرت نوح کے چار بیٹے تھے۔ (۱) کنعان تو ڈوب گیا تھا باقی تین آپ کے ساتھ کشتی میں سوار تھے جن کے نام ہیں سام، حام، یافث، عرب اور عجم فارس، عوم، یہ قومیں سام کی اولاد ہیں حضرت خضر بھی انہیں کی اولاد ہیں نوح علیہ السلام حضرت خضر کے ساتویں دادا ہیں حضرت نوح سے پہلے تین پیغمبر تشریف لائے۔ حضرت خضر علم طریقت کے نبی تھے حبشی اور سندھی اور ہندوستان کی قومیں حام کی اولاد ہیں۔ یاجوج ماجوج اور قوم ترک اور صقلاب۔ یافث کی اولاد ہیں۔ دنیا میں اس وقت سے صرف یہ قومیں آباد چلی آ رہی ہیں۔ باقی لوگ کچھ تو کشتی میں ہی ہلاک ہو گئے تھے اور کچھ لاولد رہے اور کچھ کی نسل نہ چلی واللہ اعلم (تفسیر روح البیان) فانظر کیف کان عاقبة المنذرین اے پیارے حبیب غور تو کرو یا اے انسانوں غور کرو کہ جھٹلانے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ پہلے معنی کے لحاظ سے یہ نبی کریم کو تسلی ہے۔ دوسرے معنی سے یہ تمام انسانوں کے لئے درس عبرت ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: جس طرح انبیاء کرام بہادری اور طاقت میں سب مخلوق سے زیادہ ہوتے ہیں کوئی جن فرشتہ حیوان انسان ان سے طاقت میں زیادہ نہیں ہوسکتا اور کوئی شخص بزور طاقت ان کی تبلیغ نہیں روک سکتا۔ اسی طرح دنیا سے بھی یہ حضرات بے نیاز ہوتے ہیں۔ اور کسی کا یہ حیلہ بھی ان کو تبلیغ دین سے ہٹا نہیں سکتا۔

دوسرا فائدہ: دنیاوی لالچ اور بزدلی جھوٹوں کا خاصہ ہے۔ مسیلمہ کذاب سے لے کر مرزا قادیانی تک تمام جھوٹے۔ نبی بننے والی بزدل بھی تھی اور لالچی بھی۔

تیسرا فائدہ: علماء اور صوفیاء کو چاہئے کہ دین کا ہر کام اپنے پیارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو راضی اور خوش کرنے کے لئے کریں۔ ولیہ کاملہ حضرت رابعہ عدویہ اپنی معینہ عبادت کے علاوہ دن رات میں ہزار نفل صرف رسول اللہ کو راضی کرنے کے لئے ادا فرماتی تھیں کہ کل قیامت میں انبیاء کرام کے سامنے فخریہ شاید میرا ذکر فرمائیں کہ دیکھو ہماری بندی کی عبادت کتنی زیادہ ہے۔ میرا اللہ گواہ ہے کہ یہ تفسیر بھی صرف اور صرف رسول اللہ کو خوش کرنے کے لئے لکھ رہا ہوں۔ ربنا تقبل منا انک

www.alahazratnetwork.org

انت السمیع العلیم ۔ روح البیان نے فرمایا کہ جو کام رسول کریم کو راضی کرنے کے لئے کیا جائے اللہ تعالیٰ اس کا بہت زیادہ ثواب عطا فرماتا ہے۔

چوتھا فائدہ: سب سے بڑا گناہ لالچ ہے۔ ہر مسلمان خصوصاً علماء و مشائخ کو اس سے بچنا چاہئے غلط مسئلے جھوٹے فتوے لالچ ہی کی پیداوار ہیں چنانچہ شیخ سعدی نے فرمایا۔ شعر۔

زیاں میکند مرد تقصیر دان کہ علم و ادب میفروشد بنان

دین کا کام بے غرض ہونا چاہئے۔ عالم کی نگاہ ہر وقت رب کی طرف لگی رہنی چاہئے۔ اللہ توفیق دے۔

پانچواں فائدہ: جو شخص اللہ کا سچا بندہ بن جاتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی پوری حفاظت فرماتا ہے۔ شعر۔

محال است چوں دوست دارد ترا کہ در دست دشمن گزارد ترا

پہلا اعتراض: اس پر چند طرح اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض: نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ میرا اجر تو رب تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ اگر یہاں دنیاوی اجر مراد ہے یعنی روٹی کپڑا رزق وغیرہ تو بغیر محنت مشقت انبیاء کرام کو بھی عطا ہوا اور محنت مشقت سے تو ہر ایک کو مل جاتا ہے۔ کام ان کا مخصوص مگر روزی محنت مشقت مخصوص نہیں۔ کسی نے زنبیلیں (ٹوکریاں) بیچ کر روٹی کپڑا حاصل کیا کسی نے لوہے کے اوزار بنا کر۔ اور اگر اخروی اجر مراد ہو تو دو خرابیاں لازم آئیں گی۔ (۱) یہ اجر تو سب کو ہی رب نے دینا ہے اور سب ہی اس اجر (ثواب) میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہیں کیونکہ یہ مخلوق سے ناممکن ہے پھر انبیاء کرام کی خصوصیت نہ رہی (۲) یہ جملہ ماقبل کے جملے سے مخالف ہو جائے گا کیونکہ فما سالتکم میں دنیاوی کی نفی ہے اور اسی کی لالچ منع ہے ورنہ اخروی لالچ تو بہترین ہے۔

جواب: یہاں دونوں اجر مراد ہیں دنیاوی بھی اور اخروی بھی۔ انبیاء کرام دونوں جہان میں کامل متوکل علی اللہ ہیں اور بجز ان ولیوں کے جو انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلتے ہیں۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ نہیں۔ نہ دنیاوی نہ اخروی۔ اگر دنیاوی بھروسہ ہوتا تو دنیا میں زر۔ زن۔ زمین کا جھگڑا نہ ہوتا۔ بہت سے لوگ کاروبار کرتے ہیں مگر ان کا یہی خیال ہوتا ہے کہ کاروبار کریں گے تو کھائیں گے۔ نہ ان لوگوں کو آخرت کے اجر پر کامل بھروسہ ہے اگر ایسا ہوتا تو دنیا سے گناہ ختم ہو جاتے۔ انبیاء کرام کا دنیاوی کاروبار محنت مشقت کرنے سے روزی کمانا یا ضروریات زندگی پورا کرنا مقصود نہیں بلکہ آنے والوں کو سبق سکھانا مقصود ہوتا ہے۔ ورنہ دیکھو کہ جس کو رب نے تخت و تاج سونا چاندی کے ڈھیر عطا فرمائے ہیں جیسے کہ حضرت سلیمان وہ تو زنبیلیں بنا کر بیچ رہے ہیں۔ لیکن جس کے پاس رہنے کا مکان بھی نہیں جیسے حضرت عیسیٰ۔ انہوں نے ساری عمر کوئی کاروبار ہی نہ کیا۔ اور خود نوح علیہ السلام سے بھی اتنی دراز عمر میں کوئی کاروبار ثابت نہیں۔ پھر بھی رب تعالیٰ ان کو غیب سے روزی عطا فرما رہا ہے۔ اگر نوح علیہ السلام کا یہ دعویٰ غلط ہوتا تو مخالفین فوراً یہ اعتراض کرتے یا ان سے خرید و فروخت بند کر کے بائی کاٹ کر دیتے بلکہ وہ سب لاجواب ہو گئے اور تسلیم کرنا پڑا کہ واقعی یہ صاحب ہم سے ہر طرح بالکل بے نیاز ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر صوفیانہ: اے پیارے نبی ان راہ روان طریقت کو فرمادو اس راہ پر چلنے کے لئے توکل نوحی چاہئے جب متوکل عین فنا میں غوطہ زن ہونے کا ارادہ کرتا ہے اور نفس امارہ کو ترغیب الی اللہ کرتا ہے۔ تو نفس امارہ قوم نوح کی طرح نافرمانی کرتا ہے اور عالم لاہوت کی روح کے خلاف سازشیں کرتا ہے۔ مگر روح کامل علی الاعلان نہایت دلیری سے مشفقانہ طریقہ سے نفس کی سازشوں کو طشت ازبام کرتے ہوئے ان سے بے پرواہی برتتی ہے۔ نفس اپنی تمام شیطانی حیلے سازیوں کے باوجود جب عرشی روح کا توکلت علی اللہ والاتعرہ سنتا ہے تو عجز وانکسار سے روح کو زیر کرنا چاہتا ہے اور لذت دنیا کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے۔ مگر عرشی روح اس فریب کاری سے بچتے ہوئے راہ سلوک کی منزلیں طے کرتی چلی جاتی ہے۔ اور واردات الٰہیہ کی لذتوں سے سرشار ہو کر جام توحید کو پیتے ہوئے پکار اٹھتی ہے۔ فما سالتکم اجر ان اجری الا علی اللہ۔ (محی الدین ابن عربی) مومن کامل کو ہر مقام پر وامرت ان اکون من المسلمین۔ کا سبق یاد رکھنا چاہئے کہ یہی ذریعہ نجات ہے۔ اور یہی توحید یہی ہے کہ بندہ اپنے ملکوت الٰہی وجبروت خداوندی میں اس طرح فنا کردے کہ بندہ خود صفات الٰہیہ سے متصف ہو جائے جب تک بندے میں یہ کمال نہ ہو اس وقت تک وہ موحد نہیں بن سکتا۔ (تفسیر عرائس البیان) صوفیاء فرماتے ہیں کہ مسلمان کے تین درجے ہیں پہلا درجہ مسلمان جس کا ہر شخص کو حکم دیا گیا ہے دوسرا درجہ مومن۔ تیسرا اور آخری درجہ موحد ہے جو شخص ابھی کامل مسلمان بھی نہ بنا ہو وہ اپنے کو موحد کہے تو جھوٹا اور کذاب ہے۔ ہر شخص کو حق نہیں کہ اپنے کو موحد کہہ کر۔ سچے موحدین کی توہین کرتا پھرے۔ جب بندہ کامل موحد ساتھیوں قلب وقالب ونفس مطمئن کو منزل اسرار کی طرف پار لگایا جاتا ہے اس مقام پر پہنچ کر نفس امارہ وخواہشات شیطانیہ بحر ظلمات میں غرق ہو کر فنا ہو جاتی ہیں اور روح عرشی صحو وسکر کی لہروں پر خراماخراما جوی شوق پر ورود کرتی ہے۔ پھر خطاب ربانی کی لذت سے نوازتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے فانظر کیف کان عاقبۃ المنذرین۔ اللھم ارزقنا منھا واللہ اعلم۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ فَجَآءُوْهُمْ

پھر بھیجا ہم نے سے بعد اس کے رسولوں کو طرف قوم ان کی پس لائے وہ ان

پھر اس کے بعد اور رسول ہم نے ان کی قوموں کی طرف بھیجے تو وہ ان کے پاس

بِالْبَیِّنٰتِ فَمَا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ

کے پاس کو نشانیوں پس نہیں تھے کہ ایمان لائیں وہ پر اس جھٹلایا انہوں نے کو اس

روشن دلیلیں لائے تو وہ ایسے نہ تھے کہ ایمان لاتے اس پر جسے پہلے

قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِیْنَ ﴿۷۴﴾

سے پہلے اسی طرح ہم مہر لگاتے ہیں پر دلوں حد سے بڑھنے والوں کے

جھٹلا چکے تھے ہم یونہی مہر لگا دیتے ہیں سرکشوں کے دلوں پر

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پہلی آیت میں قوم نوح کی نافرمانی ہٹ دھرمی اور غرق ہونے کا ذکر تھا جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید بعد کی قومیں اس عذاب کے واقعات کو سن کر گناہ و کفر سے باز رہی ہوں گی تو اس آیت کریمہ میں بعد کی قوموں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ بھی کچھ زیادہ گزر جانے کے بعد عذاب کی سختی کو بھول کر کفر و سرکشی میں مبتلا ہو گئے۔

دوسرا تعلق: پہلی آیت پاک میں کافروں کے کفر پر ضد کرنے کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ ان کے دل پر کفر کی مہر لگ جاتی ہے۔ اس سیل کی وجہ سے نہ کفر باہر نکلتا ہے نہ ایمان و محبت پیغمبر اندر جاتا ہے۔

تفسیر نحوی: ثم۔ یہ لفظ اکثر تعقیب زمانی کے لئے آتا ہے وہی یہاں مراد ہے۔ بعثنا۔ ماضی مطلق حروف صیغہ جمع متکلم۔ مراد اللہ تعالیٰ جمعیت مراد نہیں کیونکہ جمع متکلم علم ادب میں فصاحت محضہ کے لئے بھی آ جاتے ہیں۔ جبکہ دوسرے جمع۔ صرف جمعیت کے لئے آتے ہیں۔ بعثنا۔ بعث سے بنا اس کے چار معنی۔ سبب بننا۔ کسی چیز کے ساتھ کسی کو بھیجنا۔ متنبہ اور آگاہ کر کے سب کچھ بتا کر سمجھا کر کسی کو بھیجنا۔ نیند سے جگانا۔ یہاں مراد ہے سب کچھ سمجھا کر بھیجنا پڑھا کر بھیجنا۔ اس سے فرق معلوم ہو گیا دوسری مخلوق اور انبیاء کے تشریف لانے میں۔ من بعدہ۔ من ابتداء زمانی کے لئے ہے کوفیوں کے نزدیک یہ بات بصرے کے نحویوں کے خلاف ہے وہ اس من کو زائدہ مانتے ہیں۔ عربی میں زائد حرف دو طرح پر ہے (۱) زائد فی العمل (۲) زائد فی المقصد یہاں دوسرے لحاظ سے زائد ہے۔ نہ کہ عمل میں۔ عمل تو کر رہا ہے۔ بعد اس ہ کے تین مطالب۔ یا اس سے مراد۔ قوم نوح ہے یا طوفان۔ یا نوح ہے یا طوفان۔ یا نوح علیہ السلام خود اور یہ ہی درست ہے کیونکہ قوم نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد گمراہ ہوئی تھی۔ رسلا۔ جمع ہے رسول کی۔ رسول علم عقائد کے مطابق وہ انسان جس کو اللہ تعالیٰ اپنے قانون دنیا پر جاری کرنے کے لئے بھیجے۔ یہ دنیا پر صاحب اختیار ہوتے ہیں جمع فرمانے میں کثرت اور عظمت دونوں طرف اشارہ ہے۔ علم نحو کے مطابق جمع میں کبھی صرف جمعیت ہوتی ہے کبھی جمعیت اور عظمت دونوں۔ صرف عظمت مراد نہیں ہو سکتی۔ ہاں ہماری زبان اردو میں جمع سے صرف عظمت بھی مراد ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک شخص کو بھی آپ جناب کر کے خطاب کر دیا جاتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ کی عظمت توحید میں ہی ہے الی قومھم ہر الی اصلا انتھا کے لئے ہوتا ہے یہاں انتہاء بعثت مراد ہے قوم کے معنی پہلے بیان کر دیئے ھم سے مراد یہی انبیاء کرام جن کا ذکر بھی ہوا۔ لام ہے یہ لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی اگر لازم ہو تو بمعنی آنا اور متعدی میں بمعنی لانا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں اس کا فاعل یہی رسول ہیں ھم سے مراد قوم والے بالبینت ب۔ جاؤ سے متعلق ہے۔ اور اس میں دو احتمال ہیں (۱) اگر جاؤا لازم ہے۔ تو ب حالیہ ہے اور اس سے پہلے ملتبسین پوشیدہ ہے اور یہ اس سے متعلق ہے اور اگر جاؤا متعدی ہے تو ب کی تقدیہ کی ہے۔ بینات سے معجزات یا قانون خداوندی مراد ہے۔ فما کانوا لیومنوا بما کذبوا بہ من قبل ف تعقیب زمانی کے لئے ہے ما کانوا لیومنوا۔ ماضی استمراری منفی ہے۔ اصل میں ما کانوا یومنونھا۔ درمیان میں لام تاکید لایا گیا جس سے نون اعرابی گر گئی۔ ماضی استمراری صیغہ جمع ہے۔ مراد کافر ہیں بما میں۔ ب۔ صلہ کی ہے۔ ما۔ موصولہ ہے۔ کذبوا تکذیب سے بنا بمعنی جھوٹا کہنا۔ بہ۔ ب مفعولیت کی ہ ضمیر واحد مذکر غائب سے مراد یا پہلے

www.alahazratnetwork.org

نبی ہیں یا قانون سابقہ۔ یا پہلی نبی اور قانون من قبل ۔من زائد ہے قبل۔ اصل میں قبل زیر سے تھا مگر ظرف کا مضاف پوشیدہ منویہ ہے اس لئے پیش آ گیا۔ اس ترجمہ پہلا۔ اس میں وہی دو احتمال ہیں جو ضمیر میں تھے یعنی یا پہلا زمانہ یا پہلا وقت۔ کذلک نطبع علی قلوب المعتدین کذلک حرف تشبیہ ہے۔ نطبع طبع سے بنا اس کے تین معنی۔ بھر دینا مکمل کہ اور کی گنجائش نہ رہے۔ سخت نشان لگا دینا (چھاپ دینا) کہ مٹ نہ سکے۔ مضبوطی سے بند کر دینا جب کہ کھولنا مقصود نہ ہو۔ (المنجد عربی) یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں علی حرف جر ہے اس کی وجہ سے تطبع متعدی بعلی ہو گیا۔ قلوب جمع ہے قلب کی مبالغ کا صیغہ بمعنی ہر وقت حرکت کرنے والا۔ المعتدین عدی سے بنا جس کے معنی تجاوز کر جانا حد سے آگے نکلنا۔ باب افتعال سے اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: ثم بعثنا من بعده رسلا الی قومھم یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے جو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو سنایا جا رہا ہے۔ تاکہ آپ موجودہ اور آئندہ لوگوں کو تبلیغ فرما دیں۔ یعنی ہم نے نوح علیہ السلام کی وفات کے بعد اپنے پیغمبروں کو بھیجا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد حضرت ابراہیم تک دو رسول تشریف لائے حضرت صالح اور حضرت ہود علیہما السلام۔ قرآن کریم میں اگرچہ رسول و مرسل کا لفظ لغوی اعتبار سے مگر اصطلاح شرعی ہیں۔ نبی، رسول، مرسل تینوں علیحدہ ہیں درجے و تبلیغ کے لحاظ سے۔ (کتب عقائد) ہمارے نبی کریم کے علاوہ سب انبیاء کرام صرف اپنی اپنی قوم کی طرف آئے چنانچہ حضرت نوح علیہ قوم قابیل کی طرف حضرت صالح ثمود کی ابراہیم علیہ السلام قوم بابل کی طرف حضرت ہود عاد کی طرف اور حضرت شعیب قوم ایکہ (اہل مدین) کی طرف (روح) اس لئے الی قومھم ارشاد ہوا۔ بعض حضرات نے حضرت نوح کو سب دنیا کا نبی مانا ہے۔ مگر ان کو غلط فہمی ہوئی اس لئے کہ طوفان کے بعد سب دنیا میں صرف تھے ہی وہی لوگ جو نوح علیہ السلام کے پردہ فرما لینے کے بعد آپ کی اولاد میں شیطانی گروہ پیدا ہوا جس نے گمراہی پھیلائی۔ لہٰذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ نوح سب دنیا کے نبی تھے۔ ان لوگوں کی دوسری دلیل ہے یہ ہے کہ نوح علیہ السلام ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرماتے رہے مگر کوئی اور دوسرا نبی تشریف نہ لایا حالانکہ باقی انبیاء جو اپنی قوم کی طرف ہی تشریف لائے ان کے ہم زمانہ دیگر اقوام میں نبی موجود رہے۔ جیسے حضرت ابراہیم کے ہم زمانہ حضرت لوط و شعیب کے ہم زمانہ موسیٰ۔ مگر یہ دلیل دو وجہ سے کمزور ہے ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے پہلی آیت میں حضرت نوح کے لئے لقومہ کا لفظ ارشاد فرمایا دوسری وجہ یہ کہ اس وقت ابھی نسل انسانی بہت تھوڑی تھی بہن سے نکاح کا جواز اسی پر شاہد ہے۔ دوسرے نبی کی حاجت ہی نہ تھی اس وقت گویا کہ قوم ہی ایک تھی۔ فجاء ھم بالبینت دنیا میں ہر نبی کچھ نہ کچھ لے کر تشریف لایا بعض کتاب شریعت معجزے سب کچھ لے کر تشریف لائے بعض شریعت اور معجزے اور بعض صرف معجزے۔ بینات سے مراد شریعت یا معجزے ہیں نہ کہ کتاب۔ مطلب اس عبارت کا یہ ہے کہ ہر نبی علیحدہ علیحدہ اپنی قوم کے لئے معجزے لے کر آئے تاکہ نبوت ثابت ہو جائے یہ مطلب نہیں کہ ہر نبی ایک قوم کے لئے ایک معجزہ یا قانون لے کر آئے یہاں تقسیم کر دی مراد نہیں بلکہ ایک ایک نبی کئی کئی قانون اور بہت بہت معجزے لے کر آئے ف تعقیبیہ نہیں بلکہ خبریہ ہے۔ اس لئے کہ معجزات انبیاء کرام کو آنے سے پہلے ہی عطا ہوتے ہیں الا ماشاء اللہ جیسے کہ حضرت

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ کے دو معجزے (۱) عصا کا سانپ بننا اور (۲) ید بیضا۔ جاؤ اکا فاعل انبیاء ہیں۔ ھم کا مرجع ان کو مخصوص قومیں ہیں۔ **فما کانوا لیومنوا بما کذبوا بہ من قبل** یہ بھی رب تعالیٰ کا خبریہ کلام ہے کہ اتنے معجزات دیکھنے کے بعد بھی یہ متکبر کافر پہلے جھٹلاتے تھے بعد میں ایک ہی ضد نہ ماننے کی باندھ لیتے تھے۔ گویا ان کا پہلے جھٹلانا بھی عقل کے ماتحت نہ ہوتا تھا۔ سیدھے راستے پر وہ آ سکتا ہے جو عقل کے حکم پر کوئی غلطی کرے لیکن جہالت و بے وقوفی۔ ہٹ دھرمی کی غلطی کے بعد راہ راست پر آنا مشکل ترین ہوتا ہے۔ جہالت وغیرہ تکبر غرور کی پیداوار ہیں۔ **ما کانوا لیومنوا** ماضی استمراری اس لئے ارشاد ہوا کہ ان کا کفر و جھٹلانا ایک آن کے لئے بھی دل سے ختم نہ ہوتا تھا۔ تبلیغ دین تو درکنار ان کو نبی کا کوئی کام بھی پسند نہ آتا تھا۔ گویا کہ اپنے ہی محسنوں مشفقوں سے نفرت کرتے تھے یا مطلب ہے قوم بعد القوم جھٹلانے کا تسلسل باقی رہا۔ کوئی نبی بھی ایسا تشریف نہ لایا جس کو جھٹلایا نہ گیا ہو۔ تو اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی ہے۔ یہ ایمان نہ لانا اس لئے ہے کہ **بما کانوا بہ**۔ ب صلہ کی ہے جس سے عدم ایمان کے سبب کا پتہ لگا ما صولہ ہے اس سے مراد عموم ہے **کذبوا** سے یا تو از نوح علیہ السلام تا شعیب علیہ السلام سب قومیں مراد ہیں یا نوح علیہ السلام کے بعد کی قومیں **بہ** سے یا نبی یا شریعت مراد ہے۔ **من قبل** پہلے سے ہی جھٹلایا بعد میں ضد بازی سے اڑ گئی کہ چونکہ پہلے ہم جھٹلا چکے اب ہم کس طرح ایمان لائیں یہ ہمارے لئے باعث شرم ہے۔ یا مقصد ہے کہ پہلے نبی کی پہلی قوم نے جھٹلایا پھر اس اسی قوم کے بقیہ لوگوں نے دوسرے نبی کا زمانہ پایا تو اب بھی اپنے پرانے وطیرے پر قائم رہے اور دورے نبی علیہ السلام کو جھٹلانا شروع کر دیا۔ ان کو دیکھا دیکھی دوسرے نئے لوگوں نئی نسل نے بھی ایسا ہی کیا۔ بہر حال ہر طریقہ سے ان خبیثوں نے انبیاء کرام کو دکھ دئے۔ یہ سب کچھ ہوا مگر ایمان نہ لائے کیونکہ۔ **کذلک نطبع علی قلوب المعتدین**۔ کذلک میں کاف تشبیہ کا ہے۔ یہاں دو احتمال ہیں یا تو اسی قوم کی قلبی مہر مراد ہے کہ دیکھو ہم اس طرح مہر ذلت لگاتے ہیں آئندہ نسلوں کو درس عبرت ہے یا قوم نوح کے کفریہ عقائد کی طرف اشارہ ہے کہ جس طرح ہم نے ان کو مہر لگا کر ذلیل و رسوا کیا تھا ان کو بھی اس طرح۔ طرح طرح کے عذاب سے رسوا کیا۔ پہلے معنی زیادہ صحیح ہیں کیونکہ نطبع صیغہ مستقبل ہے۔ جس سے آئندہ کا ذکر ثابت ہوتا ہے۔ طبع مہر لگانا عذاب کی یا ذلت کی یا کفر کی۔ مہر لگا دی یعنی عذاب دائمی کا حکم لگا دیا گیا۔ جس طرح یہ کبھی کفر سے باز نہ آئے ہم عذاب کرنے سے کبھی نہ ہٹیں گے۔ علیٰ قلوب۔ عذاب یا مہر کس پر ہے دل پر کہ ہر تکلیف کا احساس۔ خروج دخول اسی پر ہے۔ معتدین۔ یہ مہر ہر شخص پر نہیں بلکہ جو حرام حلال جائز ناجائز۔ گناہ و فسق۔ نیکی بدی کسی کی پرواہ نہ کریں۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حرام غذا سے رب تعالیٰ کی گستاخی پیدا ہوتی ہے اور شرک و کفر کی جڑ یہی ہے۔ واللہ اعلم۔

خلاصہ تفسیر: اے مسلمانو پھر ہم نے نوح علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی ء کفر کی وجہ سے ان پر عظیم ترین عذاب بھیجا اور غرق کر دیا کہ سب کافر دنیا سے نیست و نابود ہو گئے۔ صرف چند مسلمان بچے ہم نے نوح علیہ السلام کی نسل کو دنیا میں قائم کیا جب نوح علیہ السلام زندہ حیات ظاہری سے رہے اس وقت تک تو وہ مسلمان رہے ان کے بعد پھر جب لوگوں کو شیطان نے گمراہ کیا تو ہم نے ان قوموں میں صالح ہود ابراہیم لوط شعیب جیسے اولوالعزم رسول بھیجے اور وہ حضرات انبیاء کرام ظاہر قانون

www.alahazratnetwork.org

خداوندی اور اپنی نبوت کے ثبوت میں بہت معجزے لے کر آئے مگر گمراہ لوگوں نے پہلے پہل انکار کیا پھر اسی پر ڈٹ گئے اچھائی برائی پر غور نہ کیا۔ یہ ان کی سختی ہودل اس لئے تھی کہ ان کے دلوں پر ہم نے مہر لگادی تھی اسی طرح ہم مجرم کو پہلے پہلے ڈھیل دیا کرتے ہیں اس کے بعد پھر دل بند کر دیا جاتا ہے۔ جو بھی اسلام کی حدوں کا خیال نہ رکھے اس کے ساتھ ایسا ہی برتاؤ کیا جاتا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر نبی معجزہ لے کر آئے اور معجزہ دکھانے میں وہ حضرات صاحب اختیار ہوتے ہیں یہ فائدہ فجاؤا۔ کی فاعلیت سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: اللہ کے نیک بندوں سے ضد ہٹ دھرمی کرنی اور ان سے تکبر غرور سے پیش آنا طریقہ کفار ہے۔

تیسرا فائدہ: جس دل میں انبیاء کی محبت نہیں وہ مہر شدہ دل ہے۔ وہاں ایمان بھی نہیں آسکتا۔

چوتھا فائدہ: اللہ کریم پہلے بہت ڈھیل دیتا ہے پھر بھی اگر انسان باز نہ آئے تب سختی کی جاتی ہے۔

پانچواں فائدہ: ہر نبی از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے لیکن ہمارے نبی ساری کائنات جن فرشتے انسان حیوان بلکہ لکڑی پتھر کے رسول بنا کر تشریف فرما ہوئے خیال رہے کہ حضرت سلیمان سب زمین اور زمینی مخلوق کے بادشاہ تو ہوئے مگر نبی صرف انسانوں کے تھے۔

اعتراض: اس آیت پر چند اعتراض وارد ہوئے ہیں پہلا اعتراض آپ کی تفسیر اور آیت کے الفاظ سے پتہ لگتا ہے کہ سب انبیاء صرف انسانوں کی طرف مبعوث ہوئے تو جنات کو ہدایت کس نے دی حالانکہ ہر زمانے میں بڑے نیک جن بھی موجود رہے خود قرآن پاک واقعہ سلیمانی میں تخت بلقیس کے موقعہ پر ایک درباری جن کا ذکر فرمارہا ہے قال عفریت من الجن (الخ) اور اگر کسی نے ہدایت نہ دی تو بے ہدایت جنات کے لئے جہنم ہے یا جنت۔ اگر جہنم ہے تو یہ ظلم ہے۔ جس سے رب تعالیٰ پاک ہے۔ اگر کفر ہوتا یا کسی تبلیغ کا انکار کرتے تب جہنمی بنتے بغیر اطلاع اور ہادی کے بھیجے ہوئے جہنم کی سزا کیوں اگر ان کا ٹھکانہ جنت ہے تو وہ اعمال کی جزا سے حاصل ہوگی بغیر عمل صالح کے جزاء بہشت بھی ناممکن بلکہ نیکیوں پر ظلم ہی ہے کہ وہی جنت ایک کو اعمال کی سخت ترین مشقت دے کر عطا ہوئی اور دوسرے کو بغیر مشقت۔

جواب: انبیاء کرام کا مبعوث ہونا صرف دین حق کی اطلاع دینے کے لئے ہے۔ جس مخلوق کو بجز انبیاء کرام اطلاع ناممکن ہو اور کسی ذریعے سے ان کو اللہ کے دین کا پتہ نہ لگ سکے ایسی مخلوق کی طرف باری تعالیٰ اپنے انبیاء کو بھیجتا ہے ایسی مخلوق صرف انسان ہی ہیں۔ جنات کو قوت دی گئی تھی کہ آسمانوں تک پہنچ کر فرشتوں کا کلام سن سکیں لہٰذا ان کو فرشتوں کے ذریعے چونکہ اچھے برے کا۔ کفر اسلام کا پتہ چل جاتا تھا اس لئے ان پر ایمان لانا واجب تھا انبیاء کو ان کی طرف بھیجنے کی اطلاع دینے کی ضرورت نہ تھی۔ مگر انسان کو فرشتوں تک اور آسمانی پرواز کی طاقت نہ تھی اس لئے ان کی طرف انبیاء کرام مبعوث ہوئے دیگر جمادات وغیرہ کو تبلیغ کی ضرورت نہ ہوئی کیونکہ وہ مکلف نہیں۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے

www.alahazratnetwork.org

جنات کا آسمان پر جانا بند ہو گیا۔ اب جس نے ہدایت لینی ہے وہ نبی کریم کے آستانے پر آ سکتا ہے۔۔۔ اسی لئے نبی کریم جنات کے بھی نبی ہیں دیگر مخلوق جمادات لکڑی پتھر وغیرہ کو صرف اعزازی طور پر شرف امت بخشنے کے لئے امت مصطفیٰ میں شامل کیا گیا۔ ورنہ یہ کسی حکم کے مکلف نہیں۔ جس طرح کوئی حکومت کسی غیر ملکی کو محبت کی بنا پر شہرت کا تمغہ دے کر اپنی رعایہ میں شامل کرے کراچی کے اونٹ بان بشیر کو امریکہ کے نصائب صدر جانسن نے امریکہ کی شہرت کا تمغہ دیا۔ اور پاکستان کے سابقہ ایوب خان کو سعودی حکومت کی طرف سے مدینہ منورہ کی شہرت کا عظیم الشان قابل فخر تمغہ ملا۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے نبی انبیاء سرکار کائنات کی امت میں تمام مخلوق کو شامل فرما کر عظیم اعزازی تمغہ دیا۔ اب سب جمادات پرندو چرند کا کام یہ ہے کہ تا عمر نبی کریم کے گیت گاتے رہیں۔ چونکہ بعثت انبیاء صرف اطلاع دین کے لئے ہے تو جن کو کسی اور ذریعہ سے اطلاع نہ پہنچے ان کی تبلیغ کے لئے انبیاء تشریف فرما ہوں گے لیکن جن کو بغیر نبی اطلاع پہنچ جائے ان کے لئے کوئی نبی نہیں آئے گا۔ اسی لئے نبی کریم کے بعد اب تک رب تعالیٰ نے کوئی نبی نہ بھیجا کہ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ صحابہ کرام صوفیا اولیا علماء کے ذریعے سب کائنات میں جاری و ساری ہے۔

دوسرا اعتراض: تو پھر انبیاء کی کیا ضرورت تھی جس طرح صرف اطلاع و تبلیغ جنات نے فرشتوں سے اوپر جا کر لی۔ وہی فرشتے نیچے آ کر بھی انسان کو تبلیغ کر دیتے۔

جواب: انسانوں کی ضروریات جنات کی ضوریات سے زیادہ ہیں۔ اور انسان۔ عقل خرد فریب کاری فتنہ فساد میں جنات سے بڑھ کر ہے اس کو صرف قولی تبلیغ کافی نہ تھی اس کے لئے عملی تبلیغ اشد ضروری ہے۔ فرشتے قولی تبلیغ تو کر سکتے تھے۔ مگر عملی تبلیغ ان کے لئے ناممکن۔ انسانوں کی جسمانی ضروریات کے علاوہ روحانی اور قلبی ضروریات بھی ہیں اگر اس کو کاروبار روٹی کپڑا درکار ہے تو درد دل بھی۔ عشق و محبت کی آگ بھی چاہئے۔ نہ فرشتے ایسی تبلیغ کر سکتے تھے نہ جنات کو ایسی تبلیغ کی ضرورت پس جنات کے لئے فرشتے کافی تھے مگر بھلا حضرت انسان کب ماننے والا تھا۔ جس طرح انبیاء کرام نے پیار و محبت سے تبلیغیں فرمائیں اور باوجود تکلیفیں ایذائیں برداشت کرنے کے پھر بھی روحانی قوت سے ان کو ہلاک نہ کیا دعا میں ہی دیتے رہے۔ بھلا فرشتوں سے یہ کب برداشت ہوتا ایک ہی دفعہ میں طور پہاڑ اٹھا کر لے آتے کہ مانو ورنہ جان سے ماردیں گے۔

تیسرا اعتراض: رب تعالیٰ نے دلوں پر مہر لگا کر اسلام سے خود روکا مکلفین کو دین حق سے روک دینا عجیب بات ہے۔

جواب: پہلے بتا دیا کہ طبع کے معنی بند کر دینا یا بھر دینا ہے یہاں کفر سے بھرنا مراد ہے اور شی پہلے ہوتی ہے بھرنا بعد میں۔ ثابت ہوا کہ ان کا کفر پہلے تھا اور بھرنا بعد میں جب دل کفر سے بھر گیا اور سب دائی علیتی ناپاک گندا ہو گیا۔ نبی کی محبت اور اسلام کے قابل ہی نہ رہا تب ہم نے اس کو بند کر کے مہر لگا دی۔

تفسیر صوفیانہ: جب مومن کو دولت ایمانی سے نواز دیا جاتا ہے۔ تو اس دولت کے دشمن خواہشات کے ہتھیار لے کر حملہ آور ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ جس سے کچھ حجاب بڑھ جاتے ہیں تو رب کریم تجلیات انوار و فیوضات اولیاء کاملین کی

www.alahazratnetwork.org

لشکروں سے دفع فرماتا رہتا ہے۔ بار بار ایسا ہوتا ہے یہ سب کچھ قلب کی خاطر ہوتا ہے۔ جس کا قلب مائل بہ خواہشات ہو جاتا ہے اور اپنی طرف دشمن کو پناہ دیتا ہے تو باری تعالیٰ کی تجلیات اس سے منہ موڑ لیتی رہیں اور دل جو بروقت طرح طرح کی نفسانی خواہشات سے سرکش ہوکر۔ واردات الٰہیہ کا منکر ہو جاتا ہے اور طغیانیوں کا دلدار ہو جاتا ہے تو اس طرح بند کر دیا جاتا ہے کہ پھر راہ سلوک اس پر کبھی آشکارا نہیں ہوتا۔ نہ اس کو دوست دشمن کی پہچان رہتی ہے۔ بلکہ دشمن کو دوست اور سچے دوست کو دشمن سمجھتا ہے یہ اس کی سب سے زیادہ بدبختی ہے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ

پھر بھیجا ہم نے سے بعد ان کے موسیٰ اور ہارون کو طرف فرعون کے اور

پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ اور ہارون کو فرعون اور

مَلَا۟ئِهٖ بِاٰيٰتِنَا فَاسْتَكْبَرُوْا وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ ﴿۷۵﴾

لوگوں اس کے ساتھ نشانیاں ہماری پس متکبر ہوئے وہ سب حالانکہ تھے وہ قوم سب مجرم

اس کے درباریوں کی طرف اپنی نشانیاں دے کر بھیجا تو انہوں نے تکبر کیا اور وہ مجرم لوگ تھے

فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْۤا اِنَّ هٰذَا

پس جب کہ آیا ان کے پاس حق سے پاس ہمارے کہا ان سب نے یہ البتہ جادو ہے

تو جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آیا بولے یہ تو ضرور

لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۷۶﴾

کھلا ہونے والا

کھلا جادو ہے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ایک قصہ کا ذکر تھا جس میں بغیر نام کے صرف تذکرہ انبیاء تھا۔ اس آیت کریمہ میں ایک اہم اور بہت دراز واقعہ کو شروع فرمایا جا رہا ہے۔ گویا عمومی واقعے کے بعد پھر خاص واقع کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہ عام پر خاص کا عطف ہے۔

دوسرا تعلق: پہلے واقعات میں صاحب کتاب انبیاء کا ذکر نہ تھا اس آیت میں صاحب کتاب نبی حضرت موسیٰ کا ذکر ہے۔ اس میں عظیم تسلی ہے نبی کریم کو۔ تفسیر نحوی۔ ثم۔ تراخی زمانوں کے لئے ہے۔ حرف عطف ہے نہ کہ اسم بعثنا۔ جمع متکلم

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت فاعلی ہے۔ من بعدھم۔ من۔ حرف جار بیانیہ ہے لفظ بعد۔ اسم ظرف زمانی ہے۔ ھم اس ضمیر غائب متصل ہے۔ اس کا مرجع وہی انبیاء کرام ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت کریمہ میں ہو چکا۔ موسیٰ۔ وسی سے بنا بمعنی مدد کرنا۔ موسیٰ اسم مفعول بمعنی مدد کیا ہوا۔ یہ علم ہے۔ ھرون۔ یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ھران بھی پڑھا گیا ہے۔ علم ہے الی۔ حرف جو ہے فرعون مجرور غیر منصرف ہے۔ فراعین جمع ہے۔ وملائه۔ ملاء مبالغ کا صیغہ ہے مصدر سے بمعنی اسم مفعول۔ اس کا معنی بھرنا۔ ہ ضمیر سے فرعون مراد ہے۔ بایاتنا آیات سے مراد معجزات اور قہر کی نشانیاں جمع ہے اس کا واحد آیت۔ ب۔ بعضیت کی ہے۔ نا جمع متکلم کی ضمیر سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے فاستکبروا ف تعقیبیہ بلاتراخی استکبروا استکبار باب استفعال کے مصدر سے بنا ماضی مطلق جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ مراد فرعونی ٹولہ ہے۔ استکبار کبر سے بنا بمعنی اپنے کو بڑا سمجھنا۔ وکانوا۔ یہ صیغہ ماضی بعید کا ہے تو ترجمہ ہے کہ پہلے ہی سے تھے وہ۔ یا کون فعل ناقصہ کا ماضی مطلق ہے۔ تو ترجمہ ہوگا کہ اب ہو گئے یہاں اپنے معنی میں نہ ہوگا بلکہ کانوا بمعنی صار وا ہوگا۔ اس کا فاعل یعنی اسم۔ فرعون اور اس کا گروہ ہے قوما تبر کی حالت میں۔ خبر ہے کانوا کی۔ لفظاً واحد ہے مگر معنی جمع اس لئے موصوف ہے اور اس کی صفت لفظ مجرمین جمع ہے مجرمین جرم مصدر سے بنا باب افعال کا اسم فاعل ہے حالت نصبی میں ہے۔ کانوا سے پہلے واؤ حالیہ ہے۔ فلما ف خبریہ ہے یہاں لما حرف شرط نہیں بلکہ ظرف زمانی کے لئے ہے۔ بمعنی جس وقت جاء ماضی مطلق واحد مذکر غائب۔ باب ضرب یضرب ھم سے مراد فرعون اور اس کی جماعت حق بمعنی سچی بات مضاعف ثلاثی ہے من عندنا۔ من بیانیہ ابتدائیہ ہے۔ عند۔ مکانی ہے مجرور ہے۔ مرکب اضافی ہے مضاف الیہ لفظ۔ نا۔ ہے قالوا کا فاعل ھم ضمیر ہے جس سے مراد وہی فرعون و فرعونی ہیں۔ ان ھذا اسم اشارہ قریب کے لئے مشار الیہ وہ معجزات یا خود موسیٰ علیہ السلام لسحر لا مزائد تحقیق کا ہے۔ سحر مصدر ہے مگر یہاں اسم جامد ہے بمعنی جادو۔ مبین بین سے بنا جس کے معنی ہیں ظاہر ہونے والا۔ کھلا۔ باب افعال کا اسم فاعل ہے۔

تفسیر عالمانہ: ثم بعثنا من بعدھم یہ جملہ پہلے ثم بعثنا من بعدہ پر عطف ہے۔ ثم کی وجہ سے رب کریم ارشاد فرما رہا کہ ہم نے ان سابقہ مذکور انبیاء کرام کے بعد پھر بعد والی قوموں کو ایسے ہی آزاد نہ چھوڑ دیا بلکہ انسانوں سے محبت کی وجہ سے پھر بھی سلسلہ نبوت جاری کیا۔ کیونکہ کمزور جانور کو آزاد چھوڑنا اس سے دشمنی ہے اس کے لئے چوکیدار محافظ گلے کی رسی کی قیدیں اور پابندیاں اس کے لئے رحمت و کرم ہیں۔ اسی طرح انسان کی آزادی اس کے لئے خطرناک و نقصان دہ ہے۔ جس طرح آزاد گھریلو جانور غذا سے بھوکا پیاسہ مر جاتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کی شرعی پابندیوں سے علیحدہ آزادی حاصل کرنے والا انسان روحانی موت مر جاتا ہے۔ انبیاء کی بعثت اللہ کی رحمت کاملہ ہے۔ موسیٰ و ہارون۔ پہلے صاحب کتاب نبی حضرت موسیٰ ہیں آپ تین بہن بھائی تھے۔ سب سے بڑی ہمشیرہ حضرت مریم تھیں یہ قتل فرعونی سے پہلے پیدا ہوئی۔ حضرت ہارون کی عمر حضرت موسیٰ سے تین سال زائد تھی۔ ہارون علیہ السلام اس سال پیدا ہوئے جو فرعون کے قانون میں زندہ رکھنے کا سال تھا اور حضرت موسیٰ قتل کے سال پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام عمران تھا۔ آپ کی دعا سے حضرت ہارون کو نبوت عطا

www.alahazratnetwork.org

ہوئی۔ خیال رہے کہ نبوت سب سے مشکل چیز ہے۔ نبی کی دعا سے یہ بھی مل جاتی ہے۔ تو دیگر اشیاء کیا محال ہیں ہارون علیہ السلام آپ کے وزیر اور معین تھے نہ کہ نائب نبی جیسا کہ بعض بے وقوفوں نے نبوت کی تقسیم کی ہے۔ کوئی شخص نائب نبی نہیں ہو سکتا نبوت مکمل اور مستقل ہوتی اس میں کمی زیادتی ناممکن جیسا کہ دنیوی عہدوں میں صدر نائب صدر ہوتا ہے **الی فرعون وملائه** انبیاء کے ذکر کے بعد۔ ان کی قوم کا بھی خصوصی طور پر ذکر کیا گیا۔ پہلی آیت میں نہ انبیاء کرام کے اسماء مذکور تھے نہ ان کی قوموں کے لفظ فرعون اس وقت شاہ مصر کا لقب ہوتا تھا اس فرعون کا اصل نام ولید بن مصعب تھا۔ (روح البیان) بہت فیشن پرست اور مغرور عیاش تھا۔ **وملائه** درباری سردار۔ روسا اور وزراء۔ کیونکہ ان کی ہیبت سے لوگوں کی آنکھیں۔ اور موٹے موٹے جسموں سے مجلس اور ان کے جلال سے لوگوں کے دل بھرے ہوتے ہیں اس لئے ان کو ملاء یعنی بھرا ہوا کہا جاتا ہے۔ ہمیشہ غریب لوگ درباری امیروں سے ڈرتے ہی رہتے ہیں اور ان کے اپنے دل میں غرور تکبر سے بھرے ہوتے ہیں۔ یہاں ملائه سے یا صرف سردار مراد ہیں یا سب قبطی کیونکہ غربا بھی بوجہ خوف امرا کے نقش قدم پر ہوتے ہیں۔ بایاتنا ہم نے اپنے انبیاء کو ایسے ہی خالی ہاتھ نہیں بھیج دیا بلکہ اپنے بڑے سخت نشانوں کے ساتھ بھیجا حضرت موسیٰ کو رب کی طرف سے نو معجزے عطا ہوئے۔

جن میں بعض جلالی تھے۔ جلالی معجزے قہر اور عذاب کے تھے مگر ہلاکت مقصود نہ تھی۔ پھر بھی کچھ اس قہر کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہوگئے وہ معجزے یہ تھے۔ عصا کا سانپ بن جاتا۔ ہاتھ کا چمکنا ہوا کا طوفان۔ مکڑی کا پھیلنا۔ جوں کا پیدا ہونا مینڈک کا عذاب خون کا ظاہر ہونا۔ دریا کا چڑھ جانا۔ مال کی کمی غربت۔ غرق فرعونی معجزہ نہ تھا بلکہ عذاب ہلاکت تھا۔ اتنے عذاب و معجزے دیکھنے کے باوجود **فاستکبروا** ف فصیحۃ کی ہے یعنی پورے کلام کو واضح کرنے والی اس کا مقصد یہ ہوا کہ یہ دونوں رسول علیہما السلام فرعونیوں کے پاس تشریف لائے اور جب ان کی تبلیغ کی تب انہوں نے تکبر کرتے ہوئے کہا کہ ارے تم وہی لوگ ہو جن کو ہم نے پالا ہے۔ فرعون نے کہا **الم نربک فینا ولیدا ولبثت من عمرک سنین** ۔ کہ اے موسیٰ تو وہی بچہ نہیں جس کو ہم نے پرورش کیا اور تو ہم میں چند سال ٹھیرا۔ اس معلوم نے یہ الفاظ حقارت کے طور پر کہے اور نبی کو اپنے جیسا یا اپنے سے حقیر سمجھا تو غرور کیا۔ استکبروا استکبار سے بنا جس کا معنی ہے اپنے آپ کو بلاوجہ دوسروں سے بڑا سمجھنا۔ جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے اس طرح کی تکبرانہ گفتگو کی تو دوسرے بھی دیکھا دیکھی اسی طرح باتیں کرنے لگے اس لئے **فاستکبروا** جمع ارشاد ہوا۔ فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کی سچی تبلیغ اس لئے ماننے سے انکار کیا کہ **وکانوا قوما مجرمین** وہ مجرم ہو چکے تھے یہ جملہ معترضہ ہے مقصد و لیل کرتا ہے۔ ان کا سب سے بڑا جرم یہی تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں کو اپنے جیسا بشر سمجھا اور ہاکا سمجھا بے اختیار اور بے بس جانا اسی لئے انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اللہ کے قانون کا، دین کا کسی چیز کا احترام و ادب نہ کیا کیونکہ سب احتراموں کا اصل اور چابی تو انبیاء کا ادب ہے۔ فرعون نے ان دونوں نبیوں سے تکبر کیا نہ کہ فقط حضرت موسیٰ سے ورنہ حضرت ہارون کی بات کا ہی کچھ پاس کرتے مگر ایسا نہ ہوا۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ نو معجزات سے تکبر کیا اور ان کو جادو وغیرہ کے الفاظ سے تعبیر کیا مگر یہ درست نہیں کیونکہ روشن کلام سے پتہ لگتا ہے کہ

www.alahazratnetwork.org

ابھی انہوں نے معجزات دیکھے بھی نہ تھے پھر وہ معجزے بیک دم نہ دیکھے۔ یہ وقتاً فوقتاً موقع بموقعہ معجزات دکھائے، تکبر اور غرور انہوں نے پہلے کر دیا تھا لفظ مجرمین۔ یا جرم جیم کے پیش سے ہے یا جرم زبر سے جرم بالخصوص کا ترجمہ گناہ جرم کا ترجمہ ہے جسم اور چونکہ اپنے کو باعتبار جسم کے بڑا سمجھنے والا گناہ زیادہ کرتا ہے اس لئے اس کو مجرم کہا جاتا ہے۔ معجزات کا بیان تو بعد میں ہے۔ چنانچہ ارشاد ہوا۔ فلما جاء هم الحق من عندنا تو جب ان کے پاس حق (یعنی معجزات) آیا (صاوی) حق سے مراد یہاں معجزہ عصا۔ اور ید بیضا ہے کیونکہ سب سے پہلے ہی دکھایا گیا۔ ف۔ یہاں بھی فصیحہ کی ہے فاء فصیحہ ہوتی ہے جو مختصر کلام پر داخل ہو کر کسی پوشیدہ پورے واقعہ یا کلام کی طرف اشارہ کر دے۔ یہ ف بھی۔ حضرت موسیٰ کے معجزات دکھانے کے پورے واقع کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ لما سے خبر دینا مراد ہے نہ کہ شرط۔ جاء۔ یا لازم ہے یا متعدی۔ اگر لازم ہے تو اس کا فاعل حضرت موسیٰ کا یہ معجزہ ہے اگر متعدی ہے جس کا ترجمہ ہوگا لے آئے۔ تو فاعل خود حضرت موسیٰ اور لفظ حق منصوب ہو کر جاء فعل کا مفعول بہ ہوگا۔ مگر ہماری قرأت میں۔ جاء لازم ہے بمعنی آ گیا حق۔ حق کے چار معنی۔ (۱) حق اللہ تعالیٰ کا بھی نام ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لقد حق القول علی اکثرھم فھم لایؤمنون۔ (یس) (۲) حق کے معنی سچی بات جیسے یہاں ارشاد ہوا۔ (۴) حق کے معنی مستحق ہونا چنانچہ ارشاد ہے۔ ویقتلون النبیین بغیر الحق۔ یہاں حق سے مراد سچی بات ہے۔ یعنی معجزہ۔ من عندنا یہ آیت بھی متشابہات میں سے ہے۔ عند قرب مکانی کے لئے آتا ہے اکثر۔ مگر رب تعالیٰ قرب مکانی وغیرہ سے پاک ہے۔ یہاں مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ ہمارے حکم سے ثابت ہوا کیونکہ انبیاء کرام مظہر صفات کبریا ہیں۔ ان هذا لسحر مبین۔ جب فرعون اور فرعونیوں نے یہ دونوں معجزے دیکھ لئے تو بجائے دل نرم ہوئے اور ایمان لانے کے دل میں ان انبیاء کرام سے اور متنفر ہو گئے اور اسی نفرت و تکبر کی بنا پر یہ کہا۔ ان یہ جملہ اسمیہ۔ قالو۔ کا مقولہ ہے گویا کہ معجزے کو یقینی طور پر انہوں نے جادو سمجھا۔ کیونکہ اس زمانے میں جادو بہت جاری تھا۔ ہذا سے مراد یا جنس معجزہ ہے تب تو دونوں معجزے اسی ہذا کا مشار الیہ ہو سکتے ہیں۔ اگر خصوصی ہے تو صرف ایک معجزہ ہی مراد لیا جا سکتا ہے۔ یا عصا کا۔ کیونکہ ہذا اسم اشارہ واحد۔ سحر میں لام تحقیق ہر تحقیق کے لئے۔ ہے یا یدبیضا کا کیونکہ ہذا کی ان سے بھی تحقیق ہوئی اور لسحر لام سے مزید شک دور کیا۔ سحر کے معنی فریب۔ دھوکا۔ نظر بندی۔ اور جادو سب ہو سکتے ہیں۔ یہاں جادو مراد ہے کہ یہی اس زمانے میں عام تھا۔ مبین۔ یہ لفظ بھی۔ ان کے یقین کو بتا رہا ہے کہ اس میں بالکل شک شبہ نہیں یقیناً یہ جادو ہے۔ اور یہ یقین ان کی اپنی ضد یا جہالت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ انبیاء کرام معجزے دکھاتے ہیں خود انہوں نے ہی مطالبہ کیا تھا۔ بعض نے فرمایا کہ فرعونیوں نے اس سے پہلے معجزہ دیکھا ہی نہ تھا نہ کوئی نبی اس سے پہلے ان میں آیا اس لئے انہوں نے اس کو جادو ہی سمجھا مگر یہ غلط ہے ورنہ وہ خود معجزے کا مطالبہ نہ کرتے اور جادوگر اس دربار میں اس وقت بھی موجود تھے جن کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ جادو نہیں۔ مگر انہوں نے اس کا اظہار نہ کیا محض عناد کے لئے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

خلاصہ تفسیر: اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ابراہیم ولوط وغیرہما انبیاء کے بعد اپنے بہت سے نبی جلالی و جمالی نشانات قدرت اور معجزات نبوت دے کر بھیجے اور ان آیات و نشانات کو حضرت موسیٰ اور ان کی دعاء سے نبی بننے والے

www.alahazratnetwork.org

ان کے وزیر حضرت ہارون۔ فرعون اور بڑے بارعب امراء اہل دربار کے پاس لے کر تشریف لائے مگر ان لوگوں نے ہمارے نبیوں کو اپنے سے کم درجہ یا برابر سمجھتے ہوئے اپنی مثل بشر سمجھا اور تکبر کیا۔ یہ سب کچھ گستاخیاں اس لئے تھیں کہ وہ پرانے عادی مجرم تھے۔ جب ان کے سامنے معجزے گئے تو بھی ایمان نہ لائے بلکہ باوجود سب جادوگروں کے مقابلے سے عاجز ہو جانے کے پھر بھی ان معجزات اور قدرت کے نشانات کو یہی کہتے رہے کہ بے شک یہ تو کھلا جادو ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: انبیاء کرام کی دعا بارگاہ رب العزت میں بہت ہی شان والی ہے اور قابل عزت ہے کہ نبوت جیسی عظیم شے بھی اس دعا سے مل جاتی ہے یہ فائدہ حضرت ہارون کی نبوت سے حاصل ہوا۔ جب دعاء نبوت کی یہ شان ہے تو خود انبیاء کی شان اس بارگاہ عالیہ میں کتنی عظیم ہے۔ بدبخت انسان ان کی عظمت جانے نہ جانے مگر اللہ کے نزدیک بہی شان والے ہیں۔

دوسرا فائدہ: جس کے دل میں انبیاء کی عظمت و محبت نہیں اس کے دل میں اللہ کی قرآن کی کعبے کی مسجد کی کوئی عزت نہیں ہو سکتی گویا کہ نبی کا ادب و احترام اور خوف و ہیبت ساری عظمتوں۔ ہیبتوں کی چابی ہے۔ یہ فائدہ فاستکبروا سے حاصل ہوا۔ اس لئے دیکھا گیا ہے کہ نبی کے گستاخ ہی اللہ کے متعلق یہ عقیدہ بنا بیٹھے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے (معاذ اللہ اور نبی کے بے ادب لوگوں نے ہی یہ بھی لکھا کہ اللہ کام سے پہلے بندے کے ارادے سے بے علم ہوتا (بلغتہ الحیر ان) انہی نبی کے بے ادبوں نے کعبے کی طرف پیر کئے اور قرآن کریم کو زمین پر رکھا۔ جب کہ نبی کا عاشق و باادب کبھی بھی ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ دیکھو نجدی حکومت نے حجاز مقدس میں کتنی بے ادبیاں کی ہیں۔ یہ سب کچھ کیوں ہے؟ صرف نبی کی بے ادبی کی وجہ سے۔

تیسرا فائدہ: اللہ کی غیر خصوصی صفات سے اس کے مخصوص بندوں کو بھی موصوف کر سکتے ہیں اس سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔ یہ فائدہ لفظ حق سے حاصل ہوا تو جس طرح۔ حق اللہ کا نام ہوتے ہوئے بھی۔ غیر اللہ کو حق کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح سمیع۔ بصیر۔ کریم رحیم رؤف۔ نور۔ حاضر و ناظر غیب دان۔ انبیاء کرام خصوصاً آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کہہ سکتے ہیں۔

اعتراض: اس آیت پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض: جب کہ فرعونوں نے کہہ دیا تھا کہ یہ کھلا جادو ہے تو پھر حضرت موسیٰ نے بطور حکایت کیوں فرمایا کہ کیا یہ جادو ہے۔ (تفسیر کبیر رازی)

جواب: حضرت موسیٰ کا آئندہ قول بطور حکایت نہیں بلکہ ان کے سابقہ قول سحر مبین کی تردید ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا کہ حضرت موسیٰ و ہارون صرف فرعون اور ان کے درباریوں کی طرف آئے حالانکہ حضرت موسیٰ ساری قوم کی طرف مبعوث تھے۔ خصوصاً بنی اسرائیل کی طرف تو ملاء کا ترجمہ صرف درباری کرنا صحیح نہ ہوگا۔

جواب: ملاء کا ترجمہ رؤسا اور درباری ہی ہے۔ اسی لئے حضرت سلیمان نے تخت بلقیس کو منگوانے کے وقت اپنے

www.alahazratnetwork.org

درباریوں سے خطاب کرتے وقت ایہا القوم وغیرہ کے الفاظ نہ ارشاد فرمائے بلکہ ایہا الملاء ایکم یاتینی۔ فرمایا تو آپ کے درباریوں میں سے ایک انسان ولی اللہ نے آن کی آن میں تخت لا کر رکھ دیا۔ نہ کہ کسی فرشتے نے جیسا کہ بعض دیوبند کے وہابی کہتے فرشتے ملاء میں داخل نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح یہاں بھی صرف درباری ہی مراد ہیں۔ باقی افراد تبعین تھے اس لئے ان کو تابع کرنے کی حاجت نہ تھی اصل عاجز کو تا درباریوں کا مطلوب تھا۔ ان کے ایمان کے بعد باقی لوگ خود بخود مومن ہو جاتے۔ کیونکہ وہ ان کے خدام تھے۔

تفسیر صوفیانہ: قلب انسانی پر دو ہی کیفیات طاری ہوتی ہیں کبھی رحمانی کبھی شیطانی رحمانی کیفیات بالواسطہ ہوتی ہیں۔ مگر اکثر شیطانی کیفیات بلاواسطہ خودرو جڑی بوٹیوں کی طرح وجود میں آتی ہیں۔ اگر ان کی طرف توجہ نہ دی جائے یا کسی مرشد کا سخت گیر ہاتھ نہ پہنچے تو سرزمین قلب سے ان کا ہٹانا محال ہو جاتا ہے۔ اور صاحب قلب فسق و فجور۔ کفر طغیان کے دلدل میں پھنستا ہوا کثافت قلبی کے میدان میں چلا جاتا ہے۔ جہاں اس کو ہر روشنی۔ تاریکی محسوس ہوتی ہر اچھائی کو برائی۔ ہر نیکی کو بدی ہر معجزے کو فریب نظر سمجھتا ہوا ازلی خواروں میں شامل رہتا ہے اور اسی جاگیر قلب پر فرعون نفس اور اس کے عقل کی آوازیں ایسا تسلط جماتی ہیں کہ پھر کسی موسیٰ و ہارون کی سچی تعلیم ان پر اثر پذیر نہیں ہوتی یہ ان کی انتہائی بدنصیبی ہے کہ محسن کی خوشنودی ان کے لئے ناگوار ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ ہر علم کا کوئی موضوع ہوتا ہے۔ علم نحو کا موضوع کلمہ کلام علم صرف کا مصدر مشتق۔ علم طب اور علم فقہ کا موضوع مختلف طریقوں سے بدن انسانی اور تصوف کا موضوع روح اور قلب انسانی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

قَالَ مُوسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ ؕ اَسِحْرٌ

کہا موسیٰ نے کیا تم کہتے ہو کو حق جب کہ آیا تمہارے پاس کیا جادو ہے یہ اور نہیں

موسیٰ نے کہا کیا حق کی نسبت ایسا کہتے ہو جب وہ تمہارے پاس آیا کیا یہ

هٰذَا ؕ وَلَا یُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا

ہوتے کامیاب جادوگر کہا انہوں نے کیا تو آیا ہمارے پاس تاکہ توجہ بدل دے تو ہماری

جادو ہے اور جادوگر مراد کو نہیں پہنچتے بولے کیا تم ہمارے پاس اس

عَمَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِیَآءُ

سے اس پایا ہم نے باپ دادوں کو اپنے اور ہو جائے لئے تم دونوں بڑائی میں

لئے آئے ہو کہ ہمیں اس سے پھیر دو جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا اور زمین

www.alahazratnetwork.org

فِی الْاَرْضِ ؕ وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۷۸﴾

زمین میں تمہیں دونوں کی بڑائی رہے اور نہیں ہیں ہم تم دونوں پر ایمان لانے والوں

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں فرعونیوں کا ایک قول ذکر کیا گیا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے معجزات کو کھلا جادو کہا اس آیت کریمہ میں اس کی مناظرانہ تردید میں حضرت موسیٰ کے قول کا ذکر کیا۔ کہ آپ نے کسی مدلل انداز میں ان کے قول کی تردید فرمائی۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرعونیوں کی ایک بات کا ذکر تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کو نبی نہ مانتے ہوئے محض انکار کی بنا پر معجزات کو قبول نہ کیا۔ اس آیت میں ان کی نہ ماننے کی دو اور وجہوں کا ذکر کیا جا رہا ہے خود ان کی زبانی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرعون اور اس کے گروہ کا اپنے کو بڑا سمجھنے کا ذکر تھا۔ اس آیت کریمہ میں ان کے اس غلط رجحان کا ذکر ہے کہ انبیاء کرام کو بڑا نہ سمجھنا چاہئے۔ حالانکہ یہ لوگ ہی حقیقت میں سب بزرگیوں اور بڑائیوں والے ہوتے ہیں۔

تفسیر نحوی: قال موسی ۔ یہ جملہ فعلیہ قولی ہے اس کا مقولہ اگلی عبارت اتقولون سے القولون کا ا۔ ہمزہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی کیا تم ایسی بے ہودہ بات کہتے ہو جو تم کو نہ کہنی چاہئے تھی۔ یہ بھی جملہ فعلیہ قولیہ ہے اس کا مقولہ پوشیدہ ہے۔ یہاں ماتقولون پوشیدہ ہے۔ یعنی اے بے دینو تم حق کو وہ بات کہتے ہو جو پہلے کہی تم نے۔ للحق حق سے مراد معجزات موسوی ہیں۔ لما جاء کم ۔ لما خبریہ ہے نہ کہ شرطیہ۔ جائو ۔ ماضی مطلق معروف ۔ لازم ہے۔ بمعنی آ گیا۔ کم سے مراد یہی مطالبہ کرنے والے فرعونی اسحر ھذا یہ نیا جملہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام کا قول ہے۔ ا۔ ہمزہ سوالیہ ہے انکار کے لئے ہذا اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ حق ہے۔ ولا یفلح الساحرون لا یفلح صیغہ واحد غائب مذکر۔ مضارع منفی بلا۔ فلح سے بنا ہے اس کے چار معنی۔ (۱) چرنا پھٹنا (۲) نجات پانا (۳) کامیاب ہونا (۴) باقی رہنا۔ یہاں تیرے معنی مراد ہیں۔ یعنی کامیاب ہونا مقصد پانا۔ الساحرون۔ الف لام بمعنی الذین ہے ساحرون جمع کثرت ہے۔ اس کا واحد ساحر ہے سحر مصدر اور جامد دونوں طرح مستعمل ہے۔ سحر کے زیر سے بمعنی نظر یا عقل کو فریب دینا۔ (۲) ملمع کرنا۔ اور سحر س کے زبر سے بمعنی طلوع آفتاب سے پہلے کا وقت۔ اور بمعنی امید اور سینہ۔ جوانمردی۔ یہاں سحر بکسر سین ہے قالوا یہ فرعونیوں کا دوسرا قول ہے۔ اجئتنا ا ہمزہ سوالیہ۔ جئت۔ ماضی مطلق واحد واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔ متعدی ہے۔ مفعول پوشیدہ نا ضمیر جمع متکلم۔ ظرف کے لئے ہے۔ لتلفتنا لام تعلیلیہ ہے تلفت صیغہ واحد مذکر حاضر فاعل حضرت موسیٰ لفت سے بنا۔ لام کے

www.alahazratnetwork.org

زبر سے بمعنی داہیں یا بائیں پھیرنا۔ یا بیوقوف بنانا۔ لام کے زیر سے جاہد ہے۔ شلجم کو کہتے ہیں۔ یہاں پھیرنا مراد ہے۔ عما وجدنا علیه اباء نا عما۔ دراصل عن ما ہے عن حرف جر اسی کی وجہ سے لف کے معنی پھرنا ہو گئے ورنہ اس کے اصل معنی توجہ کرنا ہیں۔ اسی لئے التفات بمعنی توجہ ہے۔ ما موصولہ سے مراد ان کا خودساختہ دین ہے آباء نا آباء جمع ہے اب کی بمعنی اصل جڑ۔ دادا باپ چچا کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ وتکون واؤ حرف عطف تکون معطوف ہے لتلفتنا پر اس لئے لام کے ناصبہ کی وجہ سے منصوب ہے۔ کون فعل ناقصہ ہی بمعنی صار یعنی اب ہو جائے لکما لام ملکیت کا ہے کما تثنیہ مذکر حاضر اس کا مرجع حضرت موسیٰ و حضرت ہارون ہے۔ الکبریاء الف لام عہد ذهنی ہے۔ کبریاء یہاں مصدر ہے بمعنی بڑا بننا مراد سرداری یا حکومت مبالغہ کا صیغہ بھی ہے نام ہے اللہ تعالیٰ کا۔ اگر تکون فعل تامه ہے تو یہ اس کا فاعل ہے۔ فی الارض فی بمعنی علیٰ ہے۔ الارض ہے الف عہد ذہنی ہے۔ یعنی مخصوص زمین۔ لفظ ارض کا لغوی ترجمہ برابر کرنا۔ (منجد) وما نحن لکما بمومنین واؤ حالیہ یا مقالیہ یا سر جملہ ما نافیہ نحن وضمیر متصل لکما لام بمعنی علیٰ کما سے مراد موسیٰ و ہارون۔ ب زائدہ ہے مومنین۔ جمع ہے مومن اسم فاعل کی۔

تفسیر عالمانہ: جب حضرت موسیٰ مدین سے اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ جانب مصر روانہ ہوئے تو کوہ طور پر آپ کو تبلیغ نبوت کی اجازت عطا ہوئی اور دو معجزے مار عصا اور ید بیضا عطا ہوئے تو اس وقت حضرت موسیٰ کی التجا پر حضرت ہارون کو بواب تک مصر ہی میں مقیم تھے نبوت ملی جب حضرت موسیٰ رات کے وقت مصر میں داخل ہوئے تو سب سے پہلے حضرت ہارون سے ملاقات کر کے ان کو تمام حالات سے آگاہ فرمایا دوسرے یا تیسرے دن اللہ رب العزت نے دونوں کو وحی فرمائی کہ جاؤ سرکش فرعون کو ہدایت کی تبلیغ فرماؤ یہ دونوں بزرگ۔ تن تنہا۔ ظالم و سرکش مغرور فرعون کے شاہی دربار میں عین دوپہر کے وقت آئے اور بلا جھجک اپنی نبوت کا اعلان فرمایا فرعونیوں نے آپ سے معجزے کا مطالبہ کیا تو آپ نے دونوں معجزے دکھائے چونکہ اس وقت جادو عام تھا اس لئے اس کو بھی انہوں نے جادو کہنا شروع کر دیا جیسا کہ ابھی پہلے گزرا۔ تب اگلا کلام حضرت موسیٰ نے ادا فرمایا۔ قال موسی اتقولون للحق لما جاء هم یہ قول ہے اس کا مقولہ یعنی کیا کہتے ہو وہ یہاں پوشیدہ ہے۔ حضرت موسیٰ کا یہ فرمان ان کے اس سابقہ دعوے کی تردید ہے آپ نے عظیم عالمانہ فصیحانہ طریقہ پر منطقی استدلال سے ان کی تین طرح سے تردید فرمائی۔ ایک تو یہ جملہ اتقولون (الخ) اور دو جملے آگے آرہے ہیں۔ اتقولون للحق سے یہاں مراد بھی معجزات نبوت ہیں۔ اس جگہ انه لسحر بطور مقولہ پوشیدہ ہے۔ لما جاء هم یہ لما شرطیہ نہیں جس کے معنی ہوتے ہیں جب کبھی بلکہ یہ لما ظرفیہ ہے اس کے معنی ہیں جس وقت جاء کم حضرت موسیٰ کے اس فرمان میں عجیب شان ہے کہ آپ فرما رہے ہیں۔ تمہارے پاس حق آ گیا یعنی ہر طرح اس کو دیکھ سکتے ہو کیونکہ تمہارے پاس ہے جادو کسی کے پاس آتا نہیں وہ تو ایک فریب نظر ہے۔ جس کو آناً فاناً دیکھا جا سکتا ہے مگر پرکھا نہیں جا سکتا۔ نہ وہ کسی حقانیت پر ہوتا ہے۔ تو تمہی جلدی بازی کا یہ فیصلہ ہے کہ بلا سوچے اس کو جادو کہہ دیا اسحر هذا کیا یہ جادو ہے۔ یہ حضرت موسیٰ کا اپنا قول ہے اور یہ دوسری تردیدی جملہ ہے۔ نہ کہ سابقہ جملے کا مقدمہ جیسا کہ بادی النظر خیال گزرتا ہے۔ آپ کے اس کلام کو سن کر کسی شخص میں اتنی جرأت نہ ہوئی

www.alahazratnetwork.org

کہ فوراً کوئی توڑ کرے بلکہ سب پر حیرت طاری تھی اور عجیب خاموشی۔ کیا عجب نظارہ ہوگا جب کہ تمام جابر و ظالم ایک طرف اور یہ دو صاحب خم ٹھونک کر میدان میں علم توحید و رسالت گاڑھنے پر مصر ہیں (اللہ اکبر) اور کسی میں اس کے الزامی جواب کا یارا نہیں۔ پھر کچھ دیر بعد ارشاد فرمایا **ولا یفلح الساحرون** یہ تیسرا تردیدی جملہ ہے۔ یعنی اے لوگو مقام غور ہے کہ کبھی جادوگر بھی اس طرح شان و شوکت رعب و ہیبت بے خوف و خطر جابر حاکم کے مقابل آسکتا ہے اور اس کے تمام قول و فعل کردار و عقائد کو غلط اور جھوٹا کہہ سکتا ہے۔ کسی جادوگر کی بھی کبھی اتنی ہمت و جرأت دیکھی ہے۔ جادوگر کتنا ہی عظیم کیوں نہ ہو اتنی بے باکی سے اپنے کمال نہیں دکھا سکتا آج نہیں تو کل رسوا و ذلیل ہو جائے گا اور پھر جادوگروں کے مقابلے میں کبھی اپنا جادو نہ چلائے گا نہ اس کو علم غیب ہوگا۔ اس کو خطرہ ہوگا کہ کہیں میرا جادو توڑ کر کوئی برسر عام مجھ کو رسوا نہ کر دے۔ لیکن یہاں ان میں سے کوئی بات نہیں ہم کو اسبات کا علم غیب ہے کہ ہم نے ہی کامیاب و کامران ہونا ہے اور نہ ماننے والوں نے رسوا نہ ہونا ہے کیونکہ ہمارا مقصود صرف تم بے دینوں کو ہدایت دینا ہے۔ اتنے کلام کے باوجود کوئی شخص ان کی دلیل کو علمی اور عملی طور پر نہ توڑ سکا اور باطنی طور پر سب نے جان لیا کہ حضرت موسیٰ کامیاب ہو رہے ہیں۔ لیکن صرف شرمندگی مٹانے کے لئے چند سرکردہ لوگوں نے کہا کہ **قالوا اجئتنا لتلفتنا عما وجدنا علیه اباء نا** یہ ذوسا فرعون کے چند کا قول ہے جس سے وہ ظاہراً تو حضرت موسیٰ کی بات پر ایمان نہ لانے کی دو وجہیں بیان کر رہے ہیں ایک یہ کہ ہم تم پر ایمان اس لئے نہیں لاتے کہ تم ہم کو ہمارے باپ دادوں کے عقیدوں سے پھیرنا چاہتے ہو۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ فرعون اور اس کے درباری اپنے اس دعوے کو ثابت نہ کر سکے جو انہوں نے معجزات کو جادو کہہ کر کیا تھا۔ بلکہ درپردہ حضرت موسیٰ کی بعثت کے مقصد کی وضاحت کر رہے ہیں کیونکہ واقعی حضرت موسیٰ اسی لئے نبوت سے سرفراز ہو کر تشریف لائے تھے کہ فرعون اور بت پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف لگا دیں۔ **قالوا** اس کا فاعل چند درباری ہیں۔ **اجئت** یہ فعل لازم ہے اس کا فاعل حضرت موسیٰ ہیں۔ اگرچہ حضرت ہارون بھی وہاں موجود تھے مگر وہ صرف بطور تعاون تھے۔ معجزات اور یہ سب دلیرانہ کلام حضرت موسیٰ نے ہی کیا۔ لہٰذا فرعونیوں نے اس وقت انہیں سے خطاب کیا۔ **نا**۔ سے مراد۔ مع فرعون سب کافر ہیں۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ فرعون باوجود اپنے کو معبود کہلانے اور اپنی پرستش کرانے کے خود بھی بت پرست تھا اور ان درباریوں کا عقیدہ بت پرستی دونے تھے۔ کیونکہ آباء کے وقت تو فرعون کا وجود نہ تھا۔ فرعون پرستی تو اب شروع ہوئی ہے اور فرعون صرف خدا پرستی کے مخالف تھا نہ کہ بت پرستی کے۔ یہ ان فرعونیوں کی انتہائی بے وقوفی تھی کہ اس فرعون کو معبود سمجھتے رہے جو خود بتوں کو سجدہ کر رہا ہے **لتلفتنا**۔ **لفت** سے بنا ہے۔ بمعنی ایک طرف سے توجہ ہٹا کر دوسری طرف توجہ کرنا۔ اسی سے ہے التفات۔ یہاں مراد ہے ایک طرف سے دل ہٹا کر دوسری طرف لگانا۔ اگر حرف فی سے ہو تو معنی ہیں کسی میں توجہ کرنا یعنی اس کی طرف ہونا اس کی سننا اس سے دل لگانا اگر حرف عن سے ہو تو معنی ہیں کسی سے توجہ کرنا یعنی اس سے منہ یا دل پھیر لینا اس سے نفرت کرنا حرف عن کی وجہ سے یہاں یہی معنی بنتے ہیں۔ **ما** موصولہ سے مراد دین مذہب ہے۔ **وجدنا**۔ یعنی تاریخوں سے پڑھا یا سنا اپنے موجودہ بڑوں سے کہ ہمارے خاندانی چھوٹے بڑے سب اسی بت پرستی کے عقیدے پر رہے اسی پر مرے لہٰذا یہی راستہ اور عقیدہ درست

www.alahazratnetwork.org

ہے وہ وہم سے زیادہ ذی عقل اور سمجھ دار تھے۔ وہ اچھے برے کو سمجھتے تھے خیال رہے کہ عقل انسانی دنیا کے لئے پیدا کی گئی اس کو صرف دنیا کے حصول یا اس سے بچنے کے لئے صرف کرو حصول ایمان کے لئے عقل ناکارہ ہے نہ اس کے لئے عطا ہوئی اس کو ایمان کے لئے استعمال نہ کرو۔ جیسے ہاتھ پکڑنے کے لئے۔ پاؤں چلنے کے لئے اگر الٹ استعمال کرو گے زخمی اور ناکام ہو جاؤ گے۔ اسی طرح عقل کو دین میں لاؤ گے تو تباہ و گمراہ ہو جاؤ گے۔ یہاں تو تعلیم نبوت لازم ہے۔ علیہ۔ علی بمعنی فی ظرفیت ہ سے مراد وہی دین آباءنا کا لفظی ترجمہ باپ دادے مراد سب پرانے فوت شدہ خاندان والے۔ ثابت یہ کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا دین نیا دین خود ساختہ نہیں بلکہ پرانا ہے اور دین چونکہ پرانا ہی اچھا ہوتا ہے اس لئے ہمارا دین اچھا اور درست ہے اور اے موسیٰ تم ہم کو اچھی چیز سے ہٹا رہے ہو اس لئے ہم تمہاری بات نہ مانیں گے خواہ تم ہم کو سچے معجزے ہی کیوں نہ دکھاؤ اور یہ سب کچھ تم کیوں کر رہے ہو کہ تکون لکما الکبریا فی الارض یہ فرعونوں نے اپنے ایمان نہ لانے کی دوسری وجہ بیان کی کہ ہم اس لئے تم کو سچا نبی تسلیم نہیں کرتے کہ تمہارا یہ کام خلوص پر مبنی نہیں بلکہ تم دونوں صرف یہ چاہتے ہو کہ تمہاری حکومت اور بادشاہت قائم ہو جائے اس لئے جادو کے یہ کرشمے دکھا کر لوگوں کو اپنے ساتھ ملانا چاہتے ہو۔ تکون فعل ناقص کو تامہ کیا گیا ہے لکما۔ لام ملکیت کا ہے اور کما ضمیر سے دونوں حضرت موسیٰ و ہارون مراد ہیں۔ الکبریاء بمعنی عظمت مراد بادشاہی ہے مسبب بول کر سبب مراد لیا یا ملزوم بول کر لازم مراد ہے کیونکہ بادشاہی سبب ہے کبریائی کا۔ فی الارض فی حرف جار ارض مجرور۔ یا متعلق ہے تکون سے مصدر سے۔ مطلب دونوں کا ایک ہی ہے۔ مراد زمین مصر ہے وما نحن لکما بمومنین۔ یہ علیحدہ جملہ تمام سابقہ عبارت کے نتیجہ کے طور پر ذکر کیا گیا یعنی اس تمام حیل و حجت بحث مباحثہ کا مقصد یہ ہے کہ ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے خواہ کچھ بھی ہو جائے۔ واؤ رابطے کے لئے ہے۔ ما۔ نافیہ ہے۔ لکما لام بمعنی علی یعنی تم دونوں پر۔ بمومنین بعضیت کی ہے مومنین۔ تصدیق کرنے والے۔ ایمان سے مشتق ہے۔ اصطلاحی ترجمہ ہے دل اور زبان سے بیک وقت ماننا۔ اس تمام آیت میں اجئتنا اور لتلفتنا واحد مذکر حاضر کے صیغے ہے جس سے صرف موسیٰ علیہ السلام مراد ہیں اور اگلی عبارت میں۔ دونوں جگہ لکما تثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر ہے اس میں عجیب حکمت ہے جو اعتراضات میں بیان کی جائے گی۔

خلاصہ تفسیر: جب فرعون و آل فرعون نے حضرت موسیٰ کے معجزات کو جادو کہہ کر ایمان لانے سے انکار کر دیا تب حضرت موسیٰ نے فرعونیوں سے فرمایا کہ کیا تم اتنے بڑے ظاہر حق کو جادو کہتے ہو حالانکہ وہ بالکل تمہارے قریب آ چکا ہے۔ غور تو کرو کیا یہ جادو ہو سکتا ہے اور پھر دیکھو ہم کتنے کامران و شادمان تمہارے پاس تن تنہا آ گئے۔ بھلا جادوگر بھی کبھی اس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں فرعونیوں نے لاجواب ہو کر کہا۔ کیا تم اس لئے نہیں آئے کہ ہم کو ہمارے باپ دادوں بزرگوں کے دین سے پھیر دو اور تم دونوں بھائی۔ ہمارے فرعون اور ہماری سلطنت ختم کر کے خود اس ملک کے بادشاہ بن بیٹھو ہماری عقل تو یہی کہتی ہے کہ تم نبی نہیں ہو نہ تمہاری کوئی اچھی نیت ہے بلکہ صرف بادشاہی چاہتے اور ہمارا دین خراب کرنا چاہتے ہو۔ اس لئے ہم تم پر ایمان نہ لائیں گے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا فائدہ: اہل اللہ خصوصاً انبیاء کرام کے افعال و اقوال کو اپنی عقلوں سے نہ جانچو بلکہ بلا سمجھے ان کی باتوں کی تصدیق کرو۔

دوسرا فائدہ: جادو کرنا کفر ہے۔ کیونکہ جادوگر دنیا و آخرت میں ناکام ہے اور یہی حال قرآن کریم نے کافروں کا بتایا چنانچہ سورہ مومنون آیت نمبر ۱۱۷ میں ارشاد ہے۔ فانما حسابه عند ربه انه لا یفلح الکافرون۔ مومن خواہ کیسا ہی ہو ناکام نہیں ہے۔

تیسرا فائدہ: دین کی اچھائی برائی کے لئے پرانا یا نیا ہونا شرط نہیں۔ دین وہی بہتر ہے جو نبی علیہ السلام کے واسطے سے میسر ہو۔ تمام دین جن میں عقل انسانی یا افعال انسانی کو دخل ہو وہ سب باطل ہیں خواہ کتنا ہی پرانا ہو۔

چوتھا فائدہ: انبیاء کرام کائنات کے تمام علوم کے ماہر ہوتے ہیں اور ہر چھوٹے بچے۔ کھوٹے کھرے کو پہچانتے ہیں منطق فلسفی استدلات کو بھی جانتے سمجھتے اور سائنسی فارمولوں جادوگری کی فریب کاریوں کو اچھی طرح سمجھتے ہیں نہ کسی کو دھوکا دیتے ہیں نہ کسی سے دھوکا کھاتے ہیں۔

پانچواں فائدہ: سچی عظمت و کبریائی۔ بادشاہت و حکومت انبیاء کرام۔ اہل اللہ اور علماء کرام کی ہے۔ دنیا کی چندروزہ حکومت و سرداری جھوٹی ہے اس لئے اللہ والے اس کی طلب نہیں کرتے۔

چھٹا فائدہ: یہ ضروری نہیں کہ حق کی تبلیغ پر سب ہی ایمان لائیں۔ ایمان نہ لانے سے علماء و مبلغین اسلام کو رنجیدہ دل ہو کر پریشان ہونا چاہئے۔ بلکہ تبلیغ جاری رکھو کوئی مانے نہ مانے۔ تبلیغ کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے مرید یا مقتدی یا شاگرد یا معتقد بنیں بلکہ۔ صرف اللہ رسول کو رضا و محبت کے لئے تبلیغ کرو۔ یہ فائدہ و ما امن سے حاصل ہوا دیکھو بعض انبیاء کرام کی امت میں ایک شخص بھی داخل نہ ہوا مگر ان اللہ کے پیاروں نے تبلیغ نہ چھوڑی۔ خود موسیٰ علیہ السلام پر ایک قبطی بھی ایمان نہ لایا مگر آپ نے ان کے غرق ہونے تک ان کو تبلیغ کی۔

اعتراضات: اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: یہ کیا وجہ ہے کہ یہاں تو اجئتنا لتلفتنا واحد مذکر حاضر کے صیغے بولے گئے پھر آگے دونوں جگہ لکما تثنیہ کی ضمیر ارشاد ہوئی پہلے صیغوں میں صرف حضرت موسیٰ سے خطاب ہے دوسرے الفاظ میں حضرت موسیٰ و ہارون دونوں مراد ہیں یہ افتراق کیوں؟

جواب: چونکہ معجزات بھی حضرت موسیٰ نے ہی دکھائے اور ہدایت دین اسلام بھی آپ نے ہی کی تھی اور یہ ساری سوال جواب کی گفتگو آپ نے ہی فرمائی اس لئے یہاں واحد کا صیغہ بولا گیا اور صاحب شریعت آپ ہی تھے حضرت ہارون آپ کے معاون تھے اس لئے لتلفتنا یعنی باپ دادوں کے دین سے پھیرنا آپ ہی کا کام تھا۔ مگر بادشاہی سلطنت وغیرہ دنیاوی چیزوں کا تعلق دونوں سے تھا۔ اس طرح ایک کو ماننا گویا دونوں کو ماننا تھا لہٰذا لکما دونوں جگہ ارشاد ہوا۔

دوسرا اعتراض: آل فرعون۔ فرعون کے پجاری تھے اور فرعون کی عمر اس وقت ۷۵ سال تھی۔ باپ دادا نے زمانہ گزشتہ

www.alahazratnetwork.org

میں مر چکے تھے تو انہوں نے دین کی نسبت اپنے آباء کی طرف کیوں کی۔ فرعون نے خدائی کا دعویٰ کیا یہ سب صبح و شام اس کو سجدے کرتے تھے۔ باپ دادوں کا دین پرستی ہوگا مگر ان کا دین فرعون پرستی۔ دین آباء سے تو یہ پہلے ہی پھر چکے تھے۔ اب کیوں کہا التلفتنا (الخ)

جواب: اس کا جواب تفسیر میں عرض کیا گیا کہ یہ لوگ عام بت پرستوں کی طرح صرف بت کے ہی پجاری نہ تھے بلکہ ہر بڑی اور عجیب چیز کو معبود کہہ دیتے تھے جیسے ہندوستان کے ہندو کہ بتوں کے بھی پجاری ہیں اور ناگ دیوتا پیپل دیوتا۔ گاؤ ماتا سب کے پجاری ہیں۔ اسی طرح یہ لوگ بت پرست بھی تھے اور فرعون پرست بھی تھے اور دین آباء سے صرف بت پرستی مراد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر بے شمار معبود ماننا ہی باپ دادوں کا دین تھا بلکہ مشرکوں کے معبودوں کی ہر روز ہی تعداد بڑھتی ہے ایک سچے رب تعالیٰ کو سجدہ چھوڑنے کی سزا کیا ملی کہ کروڑہا دروازوں پر سجدہ کرنا پڑا۔ شعر۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے ہزاروں سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات

تفسیر صوفیانہ: دنیا میں دو قسم کے دین ہیں ایک دین فطرت عقلی۔ دین فطرت انبیاء کرام کے قول و فعل ہیں عقلی دین انسان کی اپنی اختراع۔ دین فطرت کی ابتدا عالم جبروت سے اور انتہا عالم لاہوت پر ہے۔ بندہ مومن۔ طائر لاہوتی ہے۔ دین عقلی کی ابتدا انتہا دونوں عالم ناسوت ہیں۔ دین فطرت حق اور مضبوط ہے۔ دین عقلی محض فریب نظر۔ دین عقلی ہر در پر بھکاری جو متوکلین کے مشرب کے خلاف ہے اور دین فطرت راہ توکل پر کھڑا کرنے والا۔ دین عقلی مثل جادو کے ہے اور لا یفلح الساحرون۔ شعبدے باز کبھی کامیاب نہیں ہوتے۔ اے مشرب صوفیا اور لبادۂ فقرا کو اپنانے والو فریب نظر سے نہ دھوکہ دینا نہ دھوکہ کھانا تاکہ منزل مراد پر پہنچ کر حقیقت کو پالو۔ اور اس عقلی فریبوں کی دنیا سے کامیاب لوٹو۔ واللہ اعلم۔

وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِیْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِیْمٍ ﴿۷۹﴾ فَلَمَّا

اور کہا فرعون نے لاؤ تم میرے پاس کو ہر جادوگر علم والے پس جب

اور فرعون بولا ہر جادوگر علم والے کو میرے پاس لے آؤ پھر

جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰۤی اَلْقُوْا مَاۤ اَنْتُمْ

کہ آئے سب جادوگر فرمایا کو ان موسیٰ نے ڈالو تم جو تم ڈالنے

جب جادوگر آئے ان سے موسیٰ نے کہا ڈالو جو تمہیں ڈالنا

مُّلْقُوْنَ ﴿۸۰﴾ فَلَمَّاۤ اَلْقَوْا قَالَ مُوْسٰی مَا جِئْتُمْ

والے ہو پھر جب کہ ڈالا انہوں نے فرمایا موسیٰ نے وہ جو لائے تم کو جس

ہے پھر جب انہوں نے ڈالا موسیٰ نے کہا یہ جو تم لائے

www.alahazratnetwork.org

بِهِ السِّحْرُ ۙ اِنَّ اللّٰهَ سَیُبْطِلُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُصْلِحُ
جادو بیشک اللہ عنقریب باطل کرے گا اس کو بیشک اللہ نہیں درست ہونے
یہ جادو ہے اب اللہ اسے باطل کردے گا اللہ مفسدوں کا
عَمَلَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۱﴾ وَ یُحِقُّ اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ
دیتا عمل فسادیوں کا اور ثابت کرتا ہے اللہ حق کو سے
کام نہیں بناتا اور اللہ اپنی باتوں سے حق کو حق کر
۸ ع ۱۲ ۱۴ وَ لَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ ﴿۸۲﴾ ع
کلموں اپنے اگرچہ ناپسند کریں مجرم
دکھاتا ہے پڑے برا مانیں مجرم

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں واقعات موسیٰ و فرعون کا ایک پہلو مذکور تھا اس آیت پاک میں دوسرا نتیجہ خیز پہلو مذکور ہوا۔

دوسرا تعلق: پہلی آیت میں فرعون کے ناکام ہونے لاجواب ہونے کی ایک صورت ذکر ہوئی تھی اس آیت میں اس کے جھوٹا اور ناکام ہونے کی دوسری وجہ بیان ہو رہی ہے کہ باوجود خدائی کا دعویٰ کرنے کے پھر بھی خود کوئی مقابلہ نہ کرسکا بلکہ دیگر جادوگروں کا سہارا پکڑا۔ اتنا کمزور ہو مگر درباریوں کی ضد اور حماقت کہ اب بھی اس کو خدا سمجھ رہے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت پاک میں موسیٰ علیہ السلام کے قول و فعل کا ذکر تھا اس آیت میں آپ کے عملی فتح کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی: وقال فرعون لفظ واؤ عاطفہ نہیں بلکہ سر جملہ ہے۔ جو بیان جزا کے لئے جملوں کے شروع میں آتی ہے بخلاف عطف کے کہ وہ ہمیشہ درمیان کلام میں وارد ہوتا ہے۔ قال ماضی ہے قول سے مشتق ہے۔ مطرد کا پہلا باب ہے۔ اس کا فاعل فرعون ہے۔ لفظ فرعون اس زمانے میں ہر شاہ مصر کا شاہی اور ملکی لقب ہوتا تھا۔ یہ لفظ فرعن سے بنا۔ رباعی ہے اس کا لفظی ترجمہ ہے مکار فریبی، شریر، جابر۔ (منجد عربی) فرعون۔ فعلول کے وزن پر مبالغہ رباعی ہے۔ ائتونی صیغہ امر جمع مذکر حاضر اتی سے بنا بمعنی بلا لوتم۔ نی میں نون وقایہ۔ یا متکلم کی ضمیر متصل۔ بکل ب معنی مفعولیت کی ہے۔ کل مضاف ہے قضیہ موجبہ کلیہ کے مفہوم میں ہے۔ سحر لفظاً واحد ہے معنی جمع ہے۔ علیم، بالغ کا صیغہ ہے۔ یعنی زیادہ اور کامل علم والا۔ یہاں جادوگر کافروں کی صفت ہے۔ فلما ف خبریہ۔ لما ظرفیہ بمعنی جس وقت جاء ماضی سے جملہ خبریہ ہے۔ اسحرۃ جمع ہے ساحر کی الف لام استغراقی یعنی آگئے تمام جادوگر قال کا فاعل لفظ موسیٰ۔ لہم میں لام حرف جر مفعولیت کا ہے القو فعل امر حاضر معروف۔ یہ

www.alahazratnetwork.org

امر اہانت کے لئے ہے۔ ما انتم ما اسم موصول۔ اگلا جملہ اس کا صلہ ہے دونوں مل کر القو کا مفعول بہ ہے۔ فلما القوا ف خبر یہ لما ظرفیہ۔ القو مخبر عنہ قال موسی۔ القوالقاء سے بنا۔ قال قول سے بنا اجوف وادی ہے یہ حضرت موسیٰ کے قول کی نقل فرمائی گئی۔ ما جئتم بہ السحر اس جملے میں نحویوں کے تین اختلاف ہیں ایک قول یہ ہے کہ ما موصولہ ہے اور جئتم بہ۔ جملہ فعلیہ اس کا صلہ ہو کر مبتدا السحر ما مبتدا کی خبر ہے۔ اور السحر میں الف لام لام عہد ذہنی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان ھذا لسحر آ چکا ہے یہ اسی طرف اشارہ ہے۔ مگر یہ اس لئے غلط ہے کہ الف لام عہدی میں اتحاد ذاتی شرط ہے جیسے کہ ارسلنا الی فرعون رسولا فعصی فرعون الرسول۔ یہاں لفظ رسول میں دونوں جگہ اتحاد ذاتی ہے اس لئے یہاں الرسول کا الف لام عہدی ہو سکتا ہے۔ مگر لسحر اور السحر میں اتحاد ذاتی نہیں۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ عبادت دو علیحدہ جملے ہیں۔ پہلا جملہ ما جئتم بہ اور دوسرا جملہ السحر یہاں ھو مبتدا پوشیدہ ہے کہ اصل میں تھا ھو لسحر۔ ان اللہ۔ حرف تحقیق ہے جو شک کو دور کرنے کے لئے لایا جاتا ہے مگر یہاں تاکید کلام اور مضبوطی شدت کے لئے ہے۔ لفظ اللہ اس کا منصوب اسم ہے سیبطلہ یہ پورا جملہ فعلیہ ان کی خبر ہے۔ سین تاکید کی زیادتی کے لئے ہے یبطل۔ بطل سے بنا باب افعال کا مضارع معروف بمعنی مستقبل ہے۔ بطل کے چار معنی ہیں (۱) مٹا دینا (۲) بیکار اور فضول کر دینا۔ (۳) چیز باقی مگر اثر ختم ہو جانا (۴) دیرپا نہ رہنا۔ یہاں یہ دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ ہے ہ سے مراد یہ جادو ہے یا عام جادو۔ ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ ان اللہ۔ یہ ان بھی تاکید کے لئے ہے دوبارہ شدت تاکید کے لئے ہے لا یصلح۔ صلح سے بنا۔ باب افعال کا فعل حال منفی ہے۔ اس کا فاعل بھی اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جملہ پہلے جملے کا سبب ہے صلح کے تین معنی ہیں (۱) موافقت کرنا (۲) درست اور قائم رکھنا (۳) دو لڑے ہوؤں کو درست بنانا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے۔ عمل المفسدین یہ عبارت مرکب اضافی ہے عمل مضاف المفسدین مضاف الیہ یہ پورا مرکب لا یصلح کا مفعول بہ ہے۔ عمل سے مراد ہر وہ کام ہے جو نقصان پہنچانے یا دین الٰہی کے مقابل ہو۔ المفسدین میں الف لام استغراقی ہے کیونکہ مفسدین جمع ہے۔ یہ فساد سے بنا ہے جس کے معنی ہیں اپنے نفع کے بغیر دوسروں کا نقصان کرنا جس کو خبیث یا موذی بھی کہا جاتا ہے ویحق اللہ۔ یحق باب افعال کا مضارع معروف حق مضاعف ثلاثی سے بنا بمعنی قائم و دائم اور غالب رکھنا۔ اس کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے الحق سے مراد انبیاء کرام کے افاعل طیبہ۔ الف لام جنسی ہے۔ بکلمتہ ب ؟؟؟ ہے کلمات کلمہ کی جمع ہے مراد اللہ کی قدرتیں۔ ہ ضمیر مجرور مضاف الیہ اس کا مرجع ذات باری تعالیٰ۔ ولو کرہ المجرمون۔ واؤ وصلیہ ہے یہ ہمیشہ حرف ان یا حرف لو کے ساتھ آتا ہے۔ اور ترجمہ ہے اگرچہ کرہ۔ مطرد کے تیسرے باب کا ماضی مطلق معروف ہے کرہ سے بنا ہے بمعنی ناپسند کرنا۔ المجرمون الف لام عہدی ہے مجرم سے مراد کافر ہے۔

تفسیر عالمانہ: وقال فرعون ائتونی بکل ساحر علیم۔ جب فرعون اور فرعونی قولی دلائل میں حضرت موسیٰ سے شکست کھا گئے تو اپنی ضد اور عناد پالنے کے لئے اور دوسری طرح اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے اپنے درباریوں اور روسا کو فرعون نے حکم دیا کہ ائتونی بکل ساحر علیم میرے پاس سب علاقوں کے جادوگر جمع کرو اور چھوٹے موٹے جادوگر نہیں

www.alahazratnetwork.org

بلکہ علیم۔ بہت بہت زیادہ ماہر ولائق تجربے کار حمزہ اور کسائی جیسے قراءحضرات کی قرأت میں سحار ہے یعنی بہت ہی بڑے بڑے جادوگر سحار مبالغے کا صیغہ ہے۔ اس حکم کے پاتے ہی مصری قبطی فوج کے ہرکارے دوڑ پڑے فرعون نے اسی مجلس میں تین ماہ کی تاریخ اور مصر سے ۱۰ میل دور اسکندریہ کا مقام سمندر کے کنارے مقرر کر دیا تھا کہ آج سے تین ماہ بعد وہاں ہی مقابلہ ہوگا۔ بے شمار جادوگروں کو پیغامات دیئے گئے فلما جاء السحرة جب جادوگر آ گئے تفسیر صاوی نے فرمایا اسی ہزار جادوگر تاریک مقررہ پر جمع ہوئے اور ان کی سواری کے اسی ہزار گھوڑوں اونٹوں کے علاوہ تین سو اونٹ وہ تھے جن پر ان کے جادو وغیرہ کا سامان لدا ہوا تھا اللہ اکبر یہ ہے فرعون کے دل میں ہیبت کلیم علیہ السلام مجمع لگ گیا اور سارا اجتماع چار حصوں میں تقسیم ہوا پہلا گروہ فرعون اور درباریوں کا تخت شاہی پر دیگر تماشائی زمین پر میدان کے ایک طرف اسی ہزار جادوگر بوڑھے اور جوان۔ میدان کے دوسری طرف صرف دو صاحب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام۔ خیال رہے کہ وقال فرعون میں اگرچہ ابتداء حرف واؤ ہے جو ترتیب کو نہیں چاہتا مگر باعتبار قرینے کے یہاں ترتیب ملحوظ ہے کیونکہ فرعون کا یہ قول پچھلے مکالمے کے بعد ہے۔ تفسیر صاوی کا۔ بوجہ واؤ۔ ترتیب کا انکار درست نہیں دیکھو آیت وضو میں باوجود واؤ کے۔ ترتیب مستحسن ہے۔ حالانکہ واؤ وہاں بھی ترتیب کا متقاضی نہیں اسی طرح یہاں ترتیب ہے مگر واؤ سے نہیں۔ جب یہ سب کائنات کا انوکھا اجتماع ہو گیا کہ دنیا نے اس سے پہلے ایسا مجمع نہ دیکھا اسی اہتمام کو ظاہر کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے اس جادو کے مقابلے کا چار سورتوں میں ذکر فرمایا سورۂ اعراف سورۂ یونس یہی مقام سورۂ طٰہٰ، سورہ شعراء۔ تب فرمایا قال لھم موسی القوا ما انتم ملقون۔ سب انتظامات مکمل ہونے کے بعد پہلا کلام حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے جادوگرو پھینکو جو جادو کا شعبدہ پھینکنا چاہتے ہو القوا۔ القاء سے بنا ہے جس کے معنی زمین پر پھینکنا جس سے وہ چیز نظر آتی رہے اور ثابت رہے ٹوٹے پھوٹے نہ۔ طرح کے معنی پھینکنا جس سے وہ چیز ٹوٹ پھوٹ کر نظر سے اوجھل ہو جائے آپ کا یہ فرمان جادو کی تحقیر کرنا مراد ہے نہ کہ جادو کی اجازت دینا۔ خیال رہے کہ جادو۔ دو قسم کا ہے۔ ایک نقصان وہ جس کی کچھ نہ کچھ حقیقت ہوتی ہے اگرچہ دوام نہ ہو یہی اصل سحر ہے دوسرا شعبدہ جو صرف فریب نظر ہوتا ہے اس کی حقیقت کچھ نہیں ہوتی پہلا جادو خود انسان پر وارد کیا جاتا ہے دوسرا جادو چیزوں پر اس لئے حضرت موسیٰ نے القو فرمایا نہ کہ اوودا اس سے حضرت موسیٰ کا علم غیب بھی ثابت ہوا کہ آپ نے بذریعہ غیب جان لیا کہ یہ جادوگر اپنی چیزوں کو زمین پر پھینک کر شعبدے دکھائیں گے اس لئے آپ نے یہ کلام کیا یہ سن کر جادوگر نے جوابا کہا کہ آپ پھینکیں گے کچھ یا ہم ہی پہل کریں آپ نے فرمایا۔ بلکہ تم لوگ ہی پہلے پھینکو اس کا ذکر سورہ طٰہٰ میں ہو چکا۔ پہل ان سے کرائی دو وجہ سے ایک اس لئے کہ حضرت موسیٰ تو اپنے معجزے پہلے دکھا ہی چکے تھے اگرچہ سب نے نہ دیکھے مگر اصل منکروں نے دیکھے ہوئے تھے دوسری وجہ یہ تھی کہ ان کے جادو کا توڑ کرنا تھا نہ کہ فقط معجزہ دکھانا نبی کا معجزہ دکھانا یا کافر کے مطالبے پر ہوتا ہے یا کفر کو توڑنے اور تبلیغ کے لئے۔ پہلی دفعہ معجزہ دکھانا مطالبے پر تھا اب ان کے جادو کو جو شعبدے کی شکل ظاہر ہونے والا تھا اس کو توڑنا مقصود تھا اور توڑی وہ چیز جاتی ہے جو موجود ہو۔ اس لئے آپ نے اس کا کفر کا حکم دیا۔ جیسے کوئی شخص اس نیت سے بت خریدے یا طلب کرے کہ اس کو توڑے۔ اگرچہ شعبدے والا جادو بعض فقہاء کے

www.alahazratnetwork.org

نزدیک کفر نہیں مگر یہاں یہ شعبدہ بھی کفر ہے کہ کفر کی تائید میں اور نبی کے مقابلے میں ہے۔ فلما القوا قال ماجئتم به السحر۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم ہی شروع کرو تو انہوں نے کوئی منتر پڑھا جس سے ان کے بانس لاٹھیاں رسیاں سب چھوٹے بڑے سانپوں کی طرح رینگنے لگے۔ فرعونی خوش ہوئے مگر نیچے بیٹھے ہوئے لوگ ڈر گئے حضرت موسیٰ نے تو سمجھ لیا کہ یہ کیا کچھ ہے چونکہ قائل تو لوگوں کو کرنا تھا اس لئے کچھ اندیشہ ہوا کہ لوگ میرا عصا کا سانپ دیکھ کر جادو اور معجزے میں فرق نہ کر سکیں۔ اور مقصد نبوت حاصل نہ ہوگا مگر رب نے تسلی دی کہ فکر نہ کرو دیکھو رب تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ یہ اندیشہ بھی صرف آپ کے دل میں ہوا جس کو صرف رب نے ہی جانا نہ جھجک ہوئی نہ گھبراہٹ۔ جیسا کہ تفسیر مواہب الرحمان والے نے غلطی کھائی۔ شعبدہ لوگوں کی نگاہوں کو تو متحیر کر سکتا ہے مگر نگاہ نبی کو تعجب نہیں دے سکتا اس لئے آپ نے زوردار الفاظ میں فرمایا کہ ماجئتم به السحر یہ ہی جادو ہے جو تماشہ تم لائے۔ نہ کہ وہ معجزہ جس کو فرعون نے جادو کہا۔ ان الله سیبطله یہ پچھلے دعوے کی دلیل ہے کہ یہ تمہارا کام جادو ہے کیونکہ ابھی ابھی عنقریب لوگوں کے دیکھتے دیکھتے میرا اللہ اس کو تباہ و برباد کر دے گا۔ بخلاف میرے معجزے کے کہ اس کو تمہارا یہ آخری حربہ بھی ختم نہیں کر سکتا اور اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ اگر بقول فرعون میرا معجزہ بھی سحروں کی طرح سحر ہوتا تو اتنے بہت سارے جادوگر اس کو ختم کر ڈالتے اور اللہ بھی اس کی حفاظت نہ فرماتا اس لئے کہ ان الله لا یصلح عمل المفسدین یہ عبارت پچھلے کلام کی علت بھی ہو سکتی ہے۔ لایصلح کا معنی درست نہیں ہونے دیتا اس سے راضی نہیں ہوتا اور مٹا دیتا ہے کہ نام ونشان بھی باقی نہ رہے۔ عمل المفسدین یا جنس عمل مراد ہے یعنی مطلقاً فسادیوں کے کام خواہ جادوگر یا فرعون یا فرعونی یا دنیا کا کوئی بھی فسادی شخص۔ فساد ہر وہ کام ہے جس سے اسلام یا مسلمانوں کو نقصان پہنچے اور دین میں خرابی پیدا ہو۔ وہ کام خواہ مسلمان سے سرزد ہو یا کافر منافق سے والله الحق بکلمته۔ اور اللہ تعالیٰ حق کو قائم ودائم فرماتا ہے۔ یہ جملہ عطف ہے پہلے جملے پر۔ اور اگر لایصلح کا معنی۔ ناراضی۔ ہوں تو یہ جملہ نتیجہ بنے گا ماسبق کا۔ کیونکہ حق کی تقویت و بقاہی فساد و باطل کی فنا ہے بکلماته میں چند احتمال ہیں اس سے مراد یا معجزات انبیاء کرام ہیں۔ یا خود انبیاء کرام ہیں یا تقدیری فیصلہ ربانی یا رب تعالیٰ کے وہ وعدہ کرم جو انبیاء کرام سے فرمائے۔ بہر حال اپنے اپنے مقام پر سب معنی درست ہیں ولو کره المجرمون اگرچہ کافر ناپسند کریں کیونکہ کافر لوگ نبی ولی کی شان اسلام کی عزت کو پسند نہیں کرتے بلکہ ہر طرح روکنے اور مٹانے کی کوشش کرتے ہیں یہاں مجرم سے مراد کافر ہیں (اکثر تفاسیر) کیونکہ مومن یا مسلمان چاہے کتنا ہی گنہگار ہو مگر عظمت وشان انبیاء کو ناپسند نہیں کرتا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اس قصہ فرعونی کو یہاں اس لئے بیان کیا گیا تاکہ بتایا جائے کہ جس طرح فرعون اور جادوگروں نے اب سمجھ لیا کہ حضرت موسیٰ اور ان کے معجزات خدائی چیزیں ہیں اسی طرح مکہ کے کافروں نے عقلاً سمجھ لیا ہے کہ آیات قرآنیہ کلام رب ہے اور جس طرح باوجود حقیقت کو سمجھنے کے پھر بھی عناداً فرعون نے ان کو جادو ہی کہا اسی طرح ابوجہل وغیرہ نے عناداً قرآن کریم کو جادو کا کلام اور نبی کریم کو صلی اللہ علیہ وسلم کو جادوگر ہی کہا۔ اور جس طرح فرعون کے جادوگر معجزات دیکھ کر سمجھ

www.alahazratnetwork.org

گئے کہ یہ جادو نہیں ہے بلکہ نبوت کا معجزہ ہے اور مرعوب ہو کر ایمان لے آئے مگر فرعون نے کہا کہ تم سب پہلے ہی حضرت موسیٰ سے مل گئے ہو بلکہ یہ موسیٰ تمہارا بڑا استاد جادوگر ہے اسی طرح عرب کے فصحاء بلغاء شعراء فصاحت قرآنی سے مرعوب ہو کر ماھذا کلام البشر کا نعرہ مار کر مومن ہو گئے تو ان ابوجہل وغیرہ نے بجائے ہدایت لینے کے اپنے بلائے ہوئے ان مہمانوں پر زبان طعن دراز کی۔

دوسرا فائدہ: جو لوگ انبیاء کرام کے علم و کمال کو گھٹیا اور ذلیل لوگوں سے مشابہ کریں وہ عند اللہ مجرم و کافر ہیں دیکھو فرعونیوں نے حضرت موسیٰ کے کمال اور علم کو جادوگروں سے مشابہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو مجرم یعنی کافر قرار دیا یہاں مجرمین سے مراد سب مفسرین کے نزدیک کافر ہیں۔ اسی لئے اعلیٰ حضرت نے اس شخص کو کافر لکھا جس نے نبی کریم کے علم پاک۔ بحر بے کنار کو پاگلوں بچوں سے مشابہ کیا۔ (نعوذ باللہ)

تیسرا فائدہ: جادو شعبدہ صرف فریب نظر اور کچھ نہیں مگر نقصان دہ جادو ایک حقیقت ہے۔

چوتھا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو ساری کائنات سے اونچا دیکھنا چاہتا ہے اور نبی ہر طریقے سے سب برتر ہیں۔

پانچواں فائدہ: انبیاء کرام پر کوئی کسی قسم کا جادو اثر نہیں کرتا۔ دیکھو سب لوگوں پر یہ شعبدہ اثر انداز ہوا مگر حضرت موسیٰ و ہارون بالکل نہ ڈرے۔ سورۃ طٰہٰ کی آیت فاوجس فی نفسہ خیفۃ سے مراد صرف ولی اندیشہ ہے وہ بھی صرف آئندہ لائحہ عمل اور معجزے کو برتر رکھنے کے طریقے کے لئے۔ تاکہ قوم پر جادو اور معجزے کا فرق واضح ہو۔ نبی کریم پر قتل کا جادو کیا گیا مگر کوئی قطعاً اثر نہ ہوا صرف نشان بتانے کے لئے۔ دنیوی نسیان کا معمولی ظہور ہوا۔

چھٹا فائدہ: دنیوی لحاظ سے جادو بہت بڑی طاقت ہے اسی لئے فرعون نے جادوگروں کو بلایا اور ان کے فیل ہو جانے کے بعد کسی اور طرح مقابلہ کیا۔

ساتواں فائدہ: حضرت موسیٰ کے زمانے میں بے حد جادو تھا کہ صرف ملک مصر میں بڑے بڑے جادوگر اسی ہزار تھے چھوٹوں کا تو شمار ہی کیا۔ مگر ساری کائنات کے جادو کے لئے ایک نبی کا ایک معجزہ ہی کافی ہے جب جادو جیسی طاقت والی چیز بھی معجزے کا مقابلہ نہیں کر سکتی تو اور کس کی جرأت ہے خیال رہے کہ جادو کی طاقت کا جنات بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اسی لئے جادوگر جنات کو قابو میں رکھتے ہیں۔

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: حضرت موسیٰ نے جادو کرنے کا حکم کیوں دیا جادو کفر ہے اور کفر کرنے کا حکم دینا گناہ کبیرہ ہے۔

جواب: اولاً تو بعض کے نزدیک شعبدے کا جادو کفر نہیں۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ پسندیدگی اور تائید کے لئے جادو کرانا یا حکم دینا کم از کم گناہ کبیرہ بلکہ کفر ہے۔ لیکن جادوگروں کو رسوا اور ذلیل کرنے کے لئے اور توڑنے کے لیے حکم دینا عین ایمان ہے۔

تفسیر صوفیانہ: قالب انسانی گویا ملک مصر ہے اس میں موسیٰ عقل اسرار ہارون اور نفس امارہ فرعون موجود ہیں نیکی کے

www.alahazratnetwork.org

ارادے دعوت ایمان و تبلیغ ہے۔ نفس کی حیلہ سازی گویا جادوگر ہے۔ قلب موسیٰ ہمیشہ توحید باری اور عبادت خالق کی طرف بلاتا ہے مگر نفس خود دعویدار ربوبیت ہے لیکن قلب اور اسرار الہیہ کی حقانیت کے مقابل نفس امارہ کے سب دعوے ناکام ہو چکے ہیں محض نظر کا دھوکا وفریب کاری رہ گئی ہے جس کی بنا پر بھند ہے۔ مولانا فرماتے۔

نفس ماہم کمتراز فرعون نیست   لیک اور اعون۔ مارا عون نیست

قانون فطرت ہے کہ جب کائنات میں جابروں ظالموں اور فرعونوں۔ فریب کار جادوگروں کی زیادتی ہوئی تو رب العزت نے عین اپنی رحمت وکرم سے۔ اپنی طرف سے ایک عظمت والا حق بھیجا۔ جس نے آتے ہی حیلوں فریب وتکاہ پردہ چاک کیا اور تمام فرعونوں کو ایسا غرق کیا کہ ہر فرعون کے ساتھ آل فرعون بھی نیست ونابود ہوگئی۔ جیسے کہ کہا گیا لکل فرعون موسی یہ سب کچھ اپنے بندوں کی فلاح کے لئے کیا گیا۔ مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کو ظلم کی غلامی اور صعوبتیں راس آجاتی ہیں اور ظلم کو انصاف اور غلامیت کو سرداری سمجھ جاتے ہیں۔ وہ بجائے شکر خداوندی ادا کرنے کے حق کا ہی مذاق اڑانے لگ جاتے ہیں اور ناکامی کی صورت میں خود ہی حسد کی آگ میں جل مرتے ہیں۔ حق پھر بھی حق ہی رہتا ہے جو دن بدن صفات قدسیہ سے مزین ہو کر تحت لاہوت پر جلوہ گر ہوتا رہتا ہے کیونکہ ویحق اللہ الحق بکلمتہ ولو کرہ المجرمون۔ مولانا فرماتے ہیں۔

مہ فشاند نور و سگ عو عو کند   سگ زنور ماہ کے مرتع کند

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰۤى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ

تو نہیں ایمان لیا پر موسیٰ مگر اولاد سے قوم اس کی پر خوف سے

تو موسیٰ پر ایمان نہ لائے مگر اس کی قوم کی اولاد سے کچھ لوگ فرعون اور اس کے

مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ىِٕهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ

فرعون اور درباریوں ان کے یہ کہ مجبور کریں وہ ان کو اور بیشک فرعون

درباریوں سے ڈرتے ہوئے کہ کہیں انہیں ہٹنے پر مجبور نہ کردیں اور بے شک فرعون

لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَقَالَ

البتہ مغرور تھا میں زمین اور بیشک وہ البتہ میں سے حد سے بڑھنے والوں اور کہا

زمین پر سر اٹھانے والا تھا اور بیشک وہ حد سے گزر گیا اور موسیٰ

مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْۤا

موسیٰ نے اے قوم میری اگر ہو تم ایمان لائے پر اللہ پس پر اس بھروسہ کرو

نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان لائے تو اسی پر بھروسہ کرو

www.alahazratnetwork.org

اِنۡ كُنۡتُمۡ مُّسۡلِمِيۡنَ ﴿۸۴﴾

تم اگر ہو تم اسلام لانے والے
اگر تم اسلام رکھتے ہو

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کے قول اور فعلی مقابلے کا ذکر تھا۔ اس میں اس مقابلے کے اثر کا ذکر ہے کہ اس مقابلے اور حضرت موسیٰ کی فتح باطل کی شکست کا کیا اثر ہوا کہ فما امن لموسی الا ذریة من قومه۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرعون کی ذریت کو ایمان سے پہلے ایمان لانے کی تبلیغ تھی جس کا تعلق شریعت اور قانون سے تھا اس آیت کریمہ میں ایمان لانے کے بعد تعلق اور توکل علی اللہ اور کامل راغب الی اللہ ہونے کی تاکید اور ایمان پر قائم رہنے کی تبلیغ کا ذکر ہے۔ گویا کہ پہلے کفار کو تبلیغ کا ذکر تھا اب مسلمانوں کو تبلیغ ہے۔

تیسرا تعلق: پہلی آیت پاک میں اشارۃً فرعون و جادوگروں کا ذکر کر کے اور فرعون کی ہٹ دھرمی کے تذکرے سے ابوجہل اور فصحاء عرب کا تقابل کیا تھا جس سے نبی کریم کو ایک گونہ تسلی ہوئی تھی اس آیت پاک میں اتنے بڑے مقابلے اور فتح کے نتیجے میں تھوڑے لوگوں کے ایمان کا ذکر کر کے نبی کریم کو دوسری طرح تسلی دی جارہی ہے گویا باری تعالیٰ نبی پاک کو غمگین نہیں ہونے دیتا۔ نبی کریم کی تبلیغ پر تاثیر کے باوجود کہ جس سے پتھر دل بھی پگھل جاتے جب کفار مکہ ایمان نہ لاتے تو نبی کریم غمگین ہو جاتے تھے۔ اس لئے اس طرح تسلیاں دی جاتی تھیں کہ قلب محبوب پر اثر نہ ہو۔

تفسیر نحوی: فما امن لموسیٰ ف عاطفہ ہے اس کا معطوف علیہ ایک پوشیدہ جملہ ہے ما امن ماضی مطلق منفی ہے امن سے بنا جس کا ترجمہ ہے محفوظ ہونا مومن بن کر بھی اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آجاتا ہے اس لئے اس کو مومن کہا جاتا ہے۔ نفی سے کفار کی ضد اور بے رغبتی کا اظہار ہے لموسیٰ میں لام بمعنی اجل ہے الا ذریة من قومه۔ الا حرف استثناء ہے یہاں اپنے ہی معنی میں مستعمل ہے ماقبل کی نفی کے اطلاق کو بطریقہ حصر ختم کیا۔ ذریت ذرۃ سے بنا بمعنی چھوٹی چیونٹی۔ عربی میں حقارت کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ یہاں کم عمر اور نوجوان غربا طبقہ مراد ہے یا کم تعداد کی طرف اشارہ ہے من بعضیت کا ہے۔ قومه قوم سے خاص قبطی مراد ہیں (صحیح قول میں) ہ ضمیر واحد غائب اس کا مرجع فرعون ہے علی خوف من فرعون علی سببیت کا ہے۔ خوف بمعنی دہشت۔ من بیانیہ ہے اور اضافت کا فائدہ دیا۔ فرعون عجمی علم کی وجہ سے غیر منصرف ہے

www.alahazratnetwork.org

مراد ولید نامی شاہ مصر ہے نا کہ ہر فرعون ۔ وملائھم واؤ عاطفہ جمع کے لئے ہے ملاء بڑے لوگ ماں باپ چچا، تایا وغیرہ ؟؟؟ سے مراد یہ قلیل مومن ۔ اگر چہ بعض لوگوں نے ھم جمع غائب کی ضمیر کا مرجع واحد فرعون کی طرف لوٹایا ہے مگر یہ صحیح نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ یہ چیز فصاحت عرب کے خلاف ہے کیونکہ واحد متکلم اور واحد حاضر کے لئے تو بطریقہ شاذ جمع کی ضمیر آسکتی ہے مگر واحد غائب کے لئے ہرگز جمع کی ضمیر نہیں آسکتی جیسا کہ وہابی جہلا نے مشہور کر دیا ہے (روح المعانی) یہ ہی آیت دوسری وجہ یہ ہے کہ اسی آیت میں بہت جگہ اول آخر فرعون کے لئے ضمیریں آئیں مگر وہاں واحد ہی آئیں تو صرف یہاں کیوں واحد کے لئے جمع آئی ہمارے ان علماء کو غلطی لگی جنہوں نے ملائہم کا ترجمہ فرعون کے درباری کیا ہے ۔ ان یفتنھم ۔ ان حرف ناصب ہے فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اس کو ان مصدریہ بھی کہہ دیتے ہیں کیونکہ یہ فعل بمعنی مصدر کر دیتا ہے یفتنھم فتن ۔ سے بنا اس کا لغوی ترجمہ ہے ۔ سونا آگ میں ڈالنا ۔ اب انسان کو آگ میں ڈالنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے چنانچہ قرآن کریم میں ہے ۔ یوم ھم علی النار یفتنون. اس لحاظ سے مصیبت اور عذاب کے لئے بھی مستعمل ہے یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں ھم سے مراد نو مسلم لوگ ہیں یہ پورا جملہ سابق لفظ فرعون کا بدل اشتمال ہے ۔ وان فرعون لعال فی الارض واؤ حالیہ ہے ان کا اسم ہے لعال ۔ لام کے عال علو سے بنا بمعنی بلندی عالی اسم فاعل مشتق ہے یعنی بلندی والا یہاں دنیوی بلندی مجاز طور پر مراد ہے یعنی غالب اور قاہر (معانی) وانہ لمن المسرفین واؤ سر جملہ ہے یہ دونوں جملے علیحدہ علیحدہ ہیں پچھلے مضمون کی تاکید کر رہے ہیں ۔ ان حرف تحقیق الف کے زیر سے شروع کلام میں آتا ہے اور زبر والا ان ۔ درمیان کلام میں آتا ہے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع فرعون ہے لمن لام حرف کے تاکید کے لئے من تبعیضیہ ہے المسرفین ۔ الف لام استغراقی ہے مسرفین اسم فاعل جمع کا صیغہ سرف سے مشتق ہے ۔ اس کے تین معنی (۱) فضول خرچی کرنا (۲) حد سے بڑھنا (۳) ظلم اور فساد کرنا یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہیں ۔ وقال موسی یقوم ان کنتم امنتم باللہ واؤ معنی ف ہے اور مقصد یہ ہے کہ نو مسلموں کی اسی بزدلی کو دیکھتے ہوئے اگلی عبارت فرمائی یقوم ۔ یا حرف ندا قوم سے مراد یہی نو مسلم ہیں یہاں یاءِ متکلم پوشیدہ ہے ۔ ان کنتم امنتم باللہ فعلیہ توکلوا ان کنتم مسلمین یہ جملہ ترکیب نحوی سے عجیب تر ہے ۔ اس میں مفسرین نحویوں نے بہت کلام کئے ہیں ۔ بعض نے فرمایا کہ ایک جزا اور دو شرطیں ہیں ۔ مگر روح المعانی نے فرمایا کہ علی الترتیب یہاں دو شرطیں ہیں اور دو جزائیں ہیں اور نحوی ترکیب اس طرح ہوگی ۔ ان حرف شرط کنتم آمنتم ماضی بعید بمعنی قریب ب جار لفظ اللہ مجرور ہو کر متعلق ہو ماضی بعید کے اور یہ تمام عبارت جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ۔ ف جزائیہ، علیہ، جار مجرور متعلق مقدم ہوا توکلوا فعل امر حاضر انتم ضمیر فاعل ۔ یہ عبارت جملہ فعلیہ بن کر جزاء مقدم ۔ ان حرف شرط کنتم فعل ناقصہ ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اسم ضمیر پوشیدہ ہے اس کی خبر مسلمین ہے یہ عبارت جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط موخر ہوا اور اپنی جزاء مقدم سے مل کر پھر جزا ہوا پہلی شرط کی ۔

تفسیر عالمانہ: فما امن لموسی الا ذریة من قومه علی خوف من فرعون وملائھم ۔ (یعنی اتنے عظیم واقع کے بعد بھی) پس نہیں ایمان لائے موسیٰ علیہ السلام پر مگر فرعون کی قوم کے چند چھوٹے لوگ فرعون اور اپنے بڑوں کے خوف سے ۔

www.alahazratnetwork.org

اس کی تفسیر مفسرین کے چند اقوال ہیں چنانچہ روح البیان نے فرمایا کہ من قومہ کی ضمیر سے مراد موسیٰ ہیں یعنی قوم موسیٰ علیہ السلام میں سے چند ایمان لائے مگر صحیح یہ ہے کہ ہ ضمیر سے مراد ہے فرعون کیونکہ بنی اسرائیل تو سب پہلے ہی حضرت موسیٰ کے فرماں بردار ہو چکے تھے کیونکہ نجومیوں نے ان کو خبر دی تھی کہ تمام بنی اسرائیل کو فرعون سے بچانے والا بنی اسرائیل کا ہی نومولود نوجوان ہوگا جس کو نبی بنایا جائے گا اس کے یہ صفات ہوں گے اس لئے در پردہ نسلی لحاظ سے بھی اور اس پیشگوئی کی بنا پر بھی سب بنی اسرائیل پہلے سے ہی حضرت موسیٰ سے محبت کرنے لگے تھے اس لئے کہ شروع سے ہی فرعون قوم پرست تھا اپنی قوم کو عزت اور بنی اسرائیل کو ذلت آمیز نوکری اور طرح طرح کی سزائیں دیتا رہتا تھا یہاں جن کے ایمان کا ذکر ہو رہا ہے وہ جادوگروں کے مقابلے کے وقت کا ہے۔ اس واقعے کے بعد سب سے پہلے ظاہر ظہور تو سب جادوگر جو اسی ہزار تھے سجدہ کرتے ہوئے ایمان لائے۔ جس کا ذکر دوسری جگہ قرآن کریم میں مذکور ہے۔ یہ مومن بھی یہاں مراد نہیں بلکہ صرف قبطی لوگ مراد ہیں چنانچہ اربعہ تفاسیر اور روح المعانی صاوی نے فرمایا کہ بنی اسرائیل کے علاوہ صرف آٹھ آدمی مسلمان ہوئے چار فرعون کے درباری (۵) حضرت آسیہ (۶) حضرت آسیہ کی خادمہ خاص کنگھی کرنے والی (۷) فرعون کی خازن (۸) اس کی بیوی یہ لوگ ایمان لا کر بہت خوف زدہ ہو گئے۔ فرعون کی ذلت آمیز ظالمانہ سزا اور اپنے بڑوں کی ڈانٹ جھڑک اور واپس کفر میں لوٹانے کا بہت سخت خوف تھا۔ علیٰ بمعنی مع ہے اور خوف کی تنوین تعظیم کی ہے۔ ان مومنوں میں اگرچہ بعض بوڑھے بھی تھے مگر ذریت کا لفظ ظاہری کمزوری اور غربت کی بنا پر بولا گیا۔ اسی طرح ملاہم سے ظاہری دنیاوی بڑائی مراد بھی ہو سکتی ہے۔ قوم موسیٰ خالص ایک نسل بنی اسرائیل تھے مگر قوم فرعون دو قسم کی تھی۔ (۱) خالص قبطی (۲) باپ کی طرف سے قبطی ماں کی طرف سے اسرائیلی تفسیر صاوی نے فرمایا کہ جب فرعون نے قتل ابنائے اسرائیل کا حکم دیا تو بہت سے بنی اسرائیل نے قتل کے خوف سے اپنے نومولود بیٹوں کو قبطی عورتوں کو ہبہ کر دیا لا ولد قبطی عورتوں نے ان کو پیار سے پالا اور ظاہر نہ کیا جوان قبطی لڑکیوں سے ہی ان کی شادی ہوئی ان کی اولاد میں سے مومن ہوتے۔ اس طرح قوم فرعون تین قسم کی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ بعض نے فرمایا یہ لوگ ایمان لائے تھے مگر ترجیح پہلی تفسیر کو ہے ان کو یہی خوف تھا کہ ان یفتنھم یہ کہ فرعون فتنے یا مصیبت میں مبتلا کر دے گا۔ اس طرح کہ یا تو فرعون قتل کرا دے گا یہ مصیبت ہوئی یا لوگوں کو حکم دے گا کہ ان پر جبر قہر کر کے ان کو پھر دوبارہ پہلے دین میں لاؤ یہ فتنہ ہوا جس کی بنا پر یہ لوگ اپنے بڑوں سے بھی ڈرتے تھے یہاں مضارع واحد کا صیغہ استعمال ہوا حالانکہ خدشہ بہت سوں کا تھا۔ اس لئے کہ اصل فتنہ فرعون کا تھا باقی لوگ اسی کے واسطے سے۔ تھے وان فرعون لعال فی الارض۔ اور بے شک البتہ فرعون ناحق سر اٹھانے والا مغرور ہے۔ زمین میں یہ کلام بھی ان نومسلم لوگوں کی زبانی یا قبطی خبر ہے۔ اور ان کے خوف کا اصل سبب ہے۔ اس لئے کہ یہ خوف صرف انہی نئے مومن حضرات کو تھا نہ کہ بنی اسرائیل کو بنی اسرائیل میں کچھ نہ کچھ اب بھی خاندانی اور نسلی شرافت اور ایمان موجود تھا کیونکہ یہ لوگ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد تھے اور اکثریت کے اجداد۔ انبیاء تھے ان میں صرف قارون فرعون سے ڈرتا تھا۔ وہ بھی اپنی دولت کی حفاظت کی وجہ سے (تفسیر ابن کثیر) قارون سے اپنی قوم کو بہت نقصان پہنچا یہ ان لوگوں میں سے تھا جو اپنی ذاتی اغراض کے لئے قوم کی

www.alahazratnetwork.org

جڑیں اکھیڑتے رہتے ہیں ارض سے مراد یا علاقہ سلطنت ہے یا ساری زمین۔ پہلے معنی تو ظاہر ہیں دوسرے معنی کے لحاظ سے یہ مطلب ہے کہ روئے زمین میں اس وقت ایسا کوئی مغرور اور بدتمیز نہ تھا اس لئے کہ انه لمن المسرفین یہ حالت ہے کہ وہ بے شک حد سے بڑھنے والوں میں سے ہوگیا۔ یہاں تک کہ بندہ ہو کر معبودیت کا دعویٰ کر بیٹھا جب انسان کے دل سے خدا کا خوف نکل جائے تو اس سے کسی رحم اور محبت یا انصاف کی امید نہیں کی جا سکتی۔ یہ کلام فرعون سے ڈرنے کی دوسری وجہ ہے۔ عزت دار ڈرتے ہی ہیں بے غیرت بے شرم لوگوں سے۔ یا یہ دونوں کلام رب تعالیٰ کے ہیں بطور خبر وقال موسى يقوم ان كنتم امنتم بالله فعليه توكلوا ان كنتم مسلمين۔ یہ سب کچھ سن کر سمجھ کر۔ تب حضرت موسیٰ نے فرمایا اے میری قوم اگر مسلمان ہو اور تم کو مومن ہونا پسند ہے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہو تو پھر اسی پر بھروسہ کرو۔ پھر اغیار سے کیا ڈرنا یہ مومن خالص کا شیوہ نہیں۔ یہ ہے حضرت موسیٰ کا دلیرانہ ایمان افروز کلام۔ اگر یہ کلام نہ فرماتے تو لاکھ نماز روزہ کرتے مگر وہ دلیری اور جرأت مندی پیدا نہ ہوتی جو حضرت موسیٰ کی صحبت اور کلام طیبہ کے اثر سے ہوئی۔ یقوم سے مراد یہی نومسلم ہیں نہ کہ بنی اسرائیل کیونکہ جن لوگوں کی طرف تبلیغ کے لئے نبی بھیجے جائیں وہی لوگ اس پیغمبر علیہ السلام کی قوم ہوتے ہیں اس لحاظ سے فرعون اور فرعونی آپ کی قوم میں شامل ہیں۔ ان کنتم آمنتم۔ اس اگلی پوری آیت سے مقصود کلام یہ ہے کہ ایمان کی اول شرط مسلمان ہونا ہے اور شرط تکمیل اللہ پر بھروسہ ہے۔ جو شخص عبادات کا تو پابند ہو مگر اللہ پر بھروسہ نہ ہو وہ مسلمان تو ہے لیکن درجہ مومن اس کو حاصل نہیں۔ توکل البتہ کے بغیر مسلمان ہونا بیکار ہے۔ (اللہ نصیب کرے)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: انبیاء کرام کی تبلیغ پر پہلے غرباء اور ضعیف لوگ اور ہر وقت کے یار دوست گھر والے ایمان لاتے ہیں۔ بخلاف دیگر مبلغین کہ ان پر گھر والے اور بچپن کے دوست ہرگز ایمان نہیں لاتے اگرچہ کتنے بڑے علامہ محقق اور پیر بن جائیں یہ انبیاء کرام کی سچائی اور بے داغ زندگی کا ایک بین ثبوت ہے۔ یہ فائدہ ذرية کے لفظ سے حاصل ہوا۔ دین والوں اور دنیا والوں کی تبلیغ میں ایک واضح فرق یہ بھی ہے کہ اللہ والوں کی تبلیغ کا زیادہ اثر غرباء و مساکین پر ہوتا ہے۔ بخلاف دنیا پرستوں کی تبلیغ کہ اس کا اثر امراء اور نوجوان طبقے پر زیادہ ہوتا ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰ کی تبلیغ سے حضرت آسیہ جیسی بوڑھی عورت ایمان لائیں اور ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے ایمان حضرت خدیجہ و اہل خانہ ایمان لائیں۔ ہمارے دور کے ایک سیاسی مفسر صاحب ذریہ کا ترجمہ صرف نوجوان کرتے ہیں مگر یہ ان کی غلطی ہے۔

دوسرا فائدہ: ہر نبی کی قوم وہی ہے جس کی تبلیغ کے لئے تشریف لائیں اور جن پر ان نبی علیہ السلام کی بات ماننی فرض ہو۔ لہٰذا ہم سب مسلمان نبی پاک کی قوم ہیں۔

تیسرا فائدہ: انسان کے سچے خیر خواہ اور مصیبتوں سے بچانے والے مشکل کشا حاجت روا اللہ کی طرف لانے والے انبیاء کرام ہی ہوتے۔ باقی دنیوی خیر خواہ بننے والے اپنے لالچ کو آگے رکھتے ہیں جہاں سے ان کا لالچ پورا اسی کے ساتھ اپنی ساری محبتیں اور محنتیں خلوص وابستہ کر دیتے ہیں قومیت یا تعلق داری کا خلوص ان کے نزدیک کچھ نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ وملائهم کی

www.alahazratnetwork.org

ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ: اللہ کے نزدیک وہ پیارا ہے جو اس کے انبیاء کی عزت و ادب کرے اور انبیاء کا پیارا وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی ذات پر کامل یقین اور بھروسہ کرے یہ ہی ہے ایمان کا خلاصہ۔ یہ فائدہ اس آیت کے اول جملے فما امن لموسی (الخ) اور آخری جملے فعلیہ توکلوا (الخ) سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: اس آیت کریمہ پر چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ پر چند صرف فرعونی ایمان لائے حالانکہ سب جادوگر جو تعداد میں اسی ہزار تھے سب بنی اسرائیل جو سوا لاکھ تھے وہ بھی ایمان لائے جیسا کہ اگلے واقع سے اور دیگر تفاسیر سے یہ پتہ چلتا ہے۔

جواب: حضرت موسیٰ پر ایمان لانے والے تین گروہ تھے۔ پہلا گروہ بنی اسرائیل یہ خفیہ طور پر در پردہ ایمان لائے جس کا کسی فرعونی کو علم نہ تھا۔ یہ لوگ اپنی نجات کی لالچ میں نجومیوں کی پیشگوئی کی بنا پر حضرت موسیٰ کو دیکھتے ہی دل میں مومن ہو گئے جس کا صرف نبی غیب دان کو تو پتہ لگ سکتا تھا اور کسی کو نہیں یہ ایمان اس وقت کے حالات کے اعتبار سے کچھ مفید نہ تھا کہ یہ لوگ مجبور بے کس تھے۔ اور پھر ان کے ایمان پر قومی تعصب یا برادری نوازی کا طعنہ بھی پڑ سکتا تھا دوسرا گروہ جادوگروں کا یہ لوگ بھی اپنی شکست کے بعد مغلوب و پریشان ہو کر ایمان لائے تھے نہ کہ محض شان نبوت کے لئے جیسا کہ خود قرآن کریم نے ایک جگہ والقی السحرۃ ساجدین کے الفاظ سے یہ کیفیت ظاہر کر دی۔ تیسرا گروہ جس نے بغیر معجزہ دیکھے ہوئے عصاء موسوی ڈالنے سے پہلے ہی محض احترام نبی میں اولاً ہی اپنے ایمان کو علی الاعلان ظاہر کر دیا (روح البیان) ایسے شان والا ایمان ان ہی لوگوں کا تھا اور فرعونیوں میں سے صرف یہی چند نفوس قدسیہ مومن ہوئے۔ ان ہی کے ایمان سے اسلام کو فائدہ پہنچا اور فرعون کا غرور ٹوٹا۔ اسی لئے صرف ان کے ایمان کا ذکر کیا گیا۔ اس آیت کا جہاں یہ مقصد ہے کہ فرعونی لوگوں کی سخت دلی کا اظہار ہو کہ دیکھو بجز چند کے کوئی آخر دم تک ایمان نہ لایا۔ وہاں ان نفوس کے ایمان کی شان بتانا بھی مقصود ہے لہذا یہ حصر بہت مناسب ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں حضرت موسیٰ نے یقوم کیوں فرمایا؟ یاایھا الذین امنوا فرمانا چاہئے تھا تاکہ فرق ہو جاتا کیونکہ قوم میں تو مومن کافر سب شامل ہوتے ہیں حالانکہ یہ خطاب مومنوں کو ہے۔ جواب حضرت موسیٰ کا یاایھا الذین امنوا نہ فرمانا تین وجہ سے ہے (۱) یہ لقب صرف ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو عطا ہوا سابقہ کسی امت کو اس پیارے لقب سے نہ نوازا گیا (۲) اگر یہ الفاظ یہاں بولے جاتے تو اگلا جملہ ان کنتم امنتم غلط ہو جاتا کیونکہ اس میں تو ابھی ایمان کو مشروط کیا جا رہا ہے (۳) لفظ مومن کا لقب کامل ایمان کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ یہاں ابھی کامل ایمان ہی نہیں کیونکہ کاملیت اللہ رسول پر بھروسہ سے حاصل ہوتی ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں فعلیہ توکلوا کیوں فرمایا؟ توکلوا علیہ فرمانا چاہئے تھا۔ (تفسیر کبیر)

www.alahazratnetwork.org

جواب: تا کہ حصر کا فائدہ ہو اور مقصد یہ ہے کہ اللہ ہی پر بھروسہ مومن بناتا ہے، دنیاداروں حکومتوں امراء پر بھروسہ ایمان کے منافی ہے۔ اس کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت میں بیان ہوگی۔

فَقَالُوْا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا ۚ رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ
تو سب بولے پر اللہ تعالیٰ ہی بھروسہ کیا ہم نے اے رب ہمارے نہ بنا تو ہم کو فتنہ لیے قوم
بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا الٰہی ہم کو ظالم لوگوں کے لیے آزمائش
الظّٰلِمِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَ نَجِّنَا بِرَحْمَتِکَ مِنَ الْقَوْمِ الْکٰفِرِیْنَ ﴿۸۶﴾
ظالموں اور بچا ہم کو ذریعے رحمت اپنی سے قوم کافروں
نہ بنا اور اپنی رحمت فرما کر ہمیں کافروں سے نجات دے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کا کلام طیبہ مذکور ہوا اس آیت میں اس فصیحانہ کلام کا دلدوز اثر بیان کیا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں لوگوں کے ایمان کا ذکر تھا۔ اس آیت پاک میں ان کے روح ایمان یعنی توکل علی اللہ کے اقرار کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت پاک میں شرعی مومن ہونے کا ذکر تھا اس آیت میں قلبی اور حقیقی مومن ہونے کی دعا ہے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت طیبہ میں فما امن لموسیٰ فرما کر فنافی الرسول اور بارگاہ نبوت کی حاضری کا ذکر تھا اس آیت پاک میں فنافی اللہ اور رغبت الی اللہ کے مدارج کی ابتدا ہے۔

تفسیر نحوی: فقالوا علی اللہ توکلنا ۔ ف تعقیبیہ قالوا ماضی مطلق جمع مذکر۔ اس کا فاعل وہی نومسلم ہیں۔ علی حرف جر اپنے معنی میں ہی مستعمل ہے بوجہ نسبت۔ لفظ اللہ باری تعالیٰ کا ذاتی نام ہے۔ مگر صفتیت بھی مراد ہے یہ لفظ اسم اعظم بھی ہے اس کے بہت اشتقاق ہیں اور اس کا ترجمہ بعض کے نزدیک معبود ہے، حقیقت اللہ خود بہتر جانتا ہے۔ توکلنا جمع متکلم ماضی مطلق۔ اس کا فاعل نومسلم جماعت ہے۔ وکل سے بنا اکثر متعدی ہوتا ہے۔ اس کے پانچ معنی ہیں۔ سپرد کرنا، بھروسہ کرنا، کسی کے سہارے چلنا، کسی کا کام اپنے ذمے لینا، بزدل و عاجز ہونا، رابطہ قائم کرنا، یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ اسی سے ہے وکیل ربنا لا تجعلنا فتنة للقوم الظالمین ۔ ربنا مرکب اضافی منادیٰ ہے یہاں حرف ندا پوشیدہ ہے۔ اصل میں تھا یا ربنا اے ہمارے رب۔ اس کے معنی پالنے والا ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ بوجہ مبالغہ یہ لفظ اللہ

www.alahazratnetwork.org

کی خصوصی صفت ہے۔ کسی اور کو رب کہنا منع ہے۔ مگر اس مادے کے دوسرے صیغے غیر اللہ کے لئے استعمال کرنے جائز ہیں۔ بلحاظ ترجمہ ہر ایک کو کہا جاسکتا ہے۔ لیکن اب بسبب شہرت کسی اور کو کہنا گناہ ہے۔ **لا تجعلنا** فعل نہی حاضر معروف نا اس کا مفعول بہ۔ **جعل** سے بنا۔ اس کے سات ترجمے (۱) بنانا (۲) پیدا کرنا (۳) رکھنا (۴) پیدا کرنا (۵) خیال کرنا (۶) سچ کو جھوٹ سمجھنا (۷) شرطیہ بدھنا جعل پیش کے ساتھ اسی کالے۔ سخت کیڑے کو بھی کہتے ہیں جو اڑتا بھی ہے اور نرم زمین میں سوراخ بھی کرتا ہے۔ گینڈے کی طرح اس کی شکل ہوتی ہے۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی نہ بنا تو ہم کو۔ فتنۃ۔ بمعنی آزمائش یا مصیبت یا عذاب۔ **لا تجعلنا** کا دوسرا مفعول ہے۔ **للقوم** لام حرف جار نقصان کے لئے۔ قوم بمعنی گروہ مرکب توصیفی ہے۔ **الظالمین** جمع مذکر سالم ہے ظالم کی۔ بمعنی نقصان کرنے والا۔ **ونجنا برحمتک**۔ واؤ عاطفہ ہے۔ نج امر حاضر معروف **نجو** سے بنا بچانا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ ہے۔ **برحمتک**۔ ب سببیہ رحمت کے سات معنی ہیں۔ مدد، علم، کرم، وحی، نبوت، سہارا، مشکل کشائی۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ ک ضمیر مجرور متصل سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے۔ **من القوم الکافرین**۔ من حرف جر بیانیہ ہے۔ القوم میں دونوں جگہ الف لام عہد خارجی ہے۔ الکفرین جمع ہے کافر کی۔ کافر اسم فاعل کا صیغہ **کفر** سے بنا۔ اس کے پانچ معنی انکار کرنا، ناشکری کرنا، مٹانا، اللہ کا شرک کرنا، نبی کی گستاخی کرنا یہاں آخری دو معنی مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ: **فقالوا علی اللہ توکلنا**۔ تو وہ بولے اللہ ہی پر ہم نے بھروسہ کیا۔ یہ جملہ ان ہی مسلمانوں کا قول ہے حضرت موسیٰ نے ان کی دلی کمزوری کو جان کر ان کو توکل علی اللہ کی تلقین کی تھی۔ تب تمام نے۔ نڈر اور بے باک ہو کر جواب دیا۔ لفظ توکلنا۔ چونکہ ماضی کا صیغہ ہے اس لئے اس میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ یہ سب کلام خبر ہو یعنی اے اللہ کے پیارے نبی ہم نے تو پہلے ہی اپنے رب کریم پر بھروسہ کیا ہوا ہے۔ دوسرا یہ کہ یہ کلام انشائیہ ہو۔ چونکہ ماضی انشاء فعل کے لئے بھی ہوتی ہے۔ جیسے لفظ **طلقت امراتی** میں نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی تو مطلب ہے کہ اب طلاق دی نہ کہ پہلے اور اسی وقت سے اجراء طلاق ہوتا ہے۔ حالانکہ صیغہ ماضی زمانے کا بولا جاتا ہے۔ اسی طرح یہاں ماضی بمعنی حال ہے۔ یعنی اے حضرت کلیم اللہ علیہ السلام آپ کے کلام طیبہ نے ہماری ڈھارس بندھا دی لہٰذا اب ہم اللہ کریم پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ کیونکہ اب سمجھ آ گئی کہ بھروسہ خداوندی ہی اصل ایمان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں۔ ایمان والوں کو توکل علی اللہ کا بہت جگہ حکم دیا ہے لفظ علی اللہ کے پہلے لانے سے حصر کا فائدہ ہوا **ربنا لا تجعلنا فتنۃ للقوم الظالمین**۔ اے ہمارے رب نہ بنا تو ہم کو آزمائش ظالموں کے لئے۔ حضرت موسیٰ سے عرض و معروض کرنے کے بعد اب متوجہ الی اللہ ہونے کا ذکر ہے تاکہ ثابت ہو کہ نبی کی بارگاہ میں آ کر ہی اللہ کا قرب اور توجہ حاصل ہو سکتی ہے۔ اور یہی بارگاہیں قبولیت دعا کا مرکز ہیں۔ پہلے جملے میں اقرار توکل تھا اس میں اس پر عمل کیا گیا۔ کہ دعا ہی حقیقی ابتدا ہے توکل کی۔ کیونکہ اللہ اور اللہ والوں سے مانگنا ہی اللہ پر بھروسہ ہے۔ ظاہراً یہ الفاظ اپنے لئے دعا ہے مگر اشارتاً ان کفار کے لئے بھی دعا ہے جو مومن نہ ہوئے۔ یعنی اے اللہ ہم کو ان کے لئے فتنہ نہ بنا کہ وہ ہم کو جھوٹا اپنے کو سچا سمجھ کر دنیوی دھوکے میں پڑ کر مزید

www.alahazratnetwork.org

گمراہ ہوتے رہیں یا وہ ہم پر ظلم کریں۔ بسبب ایمان کے اور ہم تو سچے اور پیارے اللہ کے بندے ہیں اس وجہ سے ان پر عذاب نازل ہو۔ کیونکہ اللہ کے ولیوں اور پیاروں کو ستانا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ یا ہم بوجہ مومن ہونے کے ان کو تبلیغ کریں تو وہ غرور تکبر سے اللہ رسول کی شان اقدس میں مزید گستاخیاں کر کے بدترین لوگوں میں ہو جائیں۔ یعنی ہم ان کی مزید گمراہی کا سبب نہ بنیں۔ کیونکہ جاہل اور بدتمیز انسان کے سامنے ایسے ہی پاگل دیوانے یا مرتے ہوئے انسان کو جبراً کلمے وغیرہ کی تلقین کرنا منع ہے کہ یہ سب اس وقت شیطانی پھندے میں ہیں کچھ گستاخی نہ کر بیٹھیں اسی لئے رب کریم نے فرمایا واذ خاطبھم الجاھلون قالوا اسلاما۔ جب ذی علم لوگوں سے جہلا بات کرنا چاہتے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ تم کو دور سے سلام۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے بے شمار اسماء حسنیٰ ہیں جن سے اس ذات کریم کو پکارنا جائز ہے۔ مگر لفظ ربنا اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا ہے۔ اور دعا کے وقت پیارے کلمات ہی بولنا چاہئے تا کہ مستجاب الدعوات ہو ونجنا برحمتک من القوم الکفرین۔ اور اے ہمارے رب ہم کو بچالے اپنی رحمت کے ذریعے کافر قوم سے۔ یہ ان لوگوں کی دوسری دعا ہے۔ پہلی دعا درپردہ کفار کے لئے تھی کہ وہ اپنی امیری ہماری غریبی بے بسی بے کسی کو اپنی حقانیت کی دلیل نہ سمجھ لیں جو ان کے لئے ایک فتنہ ہے خیال رہے کہ کافروں کے لئے ہدایت کی دعا جائز ہے مگر بخشش کی دعا منع ہے۔ اس دوسرے جملے میں محض اپنے لئے دعا ہے کہ اے اللہ ہم کو بچا۔ یعنی ہم سے کوئی ایسی قولی یا عملی لغزش نہ ہو جو تیری ناراضگی کا باعث بنے۔ اور ہم دنیا میں کافروں کے سامنے ذلیل و رسوا ہوں یا تیری ناراضی کے سبب ہم پر کافر مسلط ہوں۔ جس سے کہ ہم کو اپنے پرائے طعنہ دیں۔ یہ دعائیں بہت شان والی اور جامع میں اللہ کریم کبھی بھی اپنے پیارے بندے کے سامنے ذلیل و رسوا نہیں ہوتے دیتا نہ متقیوں پر کافر مسلط ہو سکے۔ شعر

محال است چوں دوست دار د ترا کہ در دست دشمن گذارد ترا

یہی وجہ ہے کہ اولیائے اللہ کافر حکومتوں میں رہ کر بھی سب پر غالب رہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑے بڑے مشرک بادشاہوں نے اولیاء اللہ کا بزور حکومت و لشکر مقابلہ کیا مگر ناکام رہے۔ جہادوں میں مسلمانوں کا شہید ہونا یہ تسلط نہیں۔ ہاں جب مسلمان بے عمل بدطینت خوف خدا اور عشق مصطفیٰ سے دور ہٹ جائیں۔ تب ذلیل و خوار بھی ہوتے ہیں اور کفار سے مغلوبیت جیسا کہ آج کل ہو رہا ہے۔ اس دنیا میں یہی التجا ہے کہ اے اللہ کریم ہم کو اپنے خوف اور عشق نبی کی دولت سے مالا مال فرما تا کہ تقویٰ کے مضبوط قلعے میں ہم محفوظ و مامون رہ کر کفار کے تسلط ذلت آمیز سے بچے رہیں (اللھم ارزقنا منہ ایضا) اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول کی ان کے خلوص اور حضرت موسیٰ کی برکت سے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: توکل یعنی اللہ کی ذات بابرکات پر بھروسہ سب عظمت والی چیز ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں۔ اسی لئے قرآن کریم میں وہ اس کا بہت اہتمام ہے۔ مومن و کافر کے بڑے بڑے فرقوں کا ایک یہ بھی فرق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: ظالموں کافروں کی صحبت اور مجلسوں سے دور رہنا بھی مسلمان کے لئے بہتر ہے جب اور جتنی جلدی ہو سکے ان سے دور بھاگے۔ آج جو لوگ صرف دنیاوی دولت کی لالچ میں امریکہ وغیرہ کافر ملکوں میں جا کر سکونت اختیار کر رہے ہیں وہ اخلاقی اور ایمانی طور پر مفلوج ہو چکے ہیں۔ نام کے مسلمان ہیں۔ درحقیقت ان ہی کے ہو کر رہ جاتے ہیں۔ اپنے علماء سے متنفر انگریزوں کافروں کے مدح خوان۔ حرام حلال کی پرواہ نہیں (اللہ کریم سب مسلمانوں کو یہی ہدایت نصیب ہو)۔

تیسرا فائدہ: گناہ اور فسق و فجور مسلمان کو دنیا میں ذلیل و خوار کرتا ہے۔ اور کافروں کے تسلط کا سبب ہے۔ لیکن نیکی، تقویٰ، خلوص، عشق نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام دنیا اور آخرت کے غلبے کا سبب ہے۔ (اللہ کریم مجھ کو نصیب کرے)

اعتراضات: اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض: ان مومنین بنی اسرائیل نے پہلے توکل کا ذکر کیا پھر کفار سے بچنے کی دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔ حالانکہ دعا توکل کے خلاف ہے۔

جواب: غلط ہے دعا توکل علی اللہ کے خلاف نہیں بلکہ اپنے رب کریم سے مانگنا تو عین توکل ہے۔ ہاں کسی دنیا والے سے مانگنا توکل علی اللہ کے منافی و مخالف ہے۔ حضرت ابراہیم کا نار نمرود میں اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کربلا میں دعا مانگنا۔ توکل کی بنا پر نہیں بلکہ تکمیل امتحان اور کامیاب نتیجے کے سبب سے ہے۔ ورنہ سب سے بڑے متوکل خود آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لیکن ساری عمر بارگاہ رب العزت میں دعائیں مانگتے رہے۔

دوسرا اعتراض: توکل کا ذکر پہلے کیوں کیا ہے دعا مانگنی چاہیے تھی۔

جواب: اس لئے تاکہ توکل کی حقیقت کا پتہ لگے۔ پہلے توکل علی اللہ کا ذکر یا۔ توکل کی ظاہری تعریف یہ ہے کہ قطع الاسباب یعنی تمام اسباب فعل کو اپنے سے جدا کر دے۔ مگر توکل کی حقیقی، شرعی اور اسلامی تعریف یہ ہے کہ غیر اللہ سے توڑ کر اللہ سے جوڑنا۔ توکل کے بعد دعا مانگنے کا مقصد اس کی حقیقت سمجھانا ہے کہ متوکل وہ جو اللہ ہی سے مانگے اس کے پیاروں کے سامنے دست سوال دراز کرے اور عقیدہ یہ رکھے کہ وہی ہوتا ہے جو وہ چاہے۔ جو نا چاہے وہ نہیں مل سکتا انبیاء اولیاء کے چاہے بغیر کچھ نہیں دے سکتے۔ ملتا نبی ولی سے ہی ہے مگر اللہ رب العزت کے چاہنے سے۔ علیہم الصلوٰۃ والتسلیم (روح المعانی)

تیسرا اعتراض: ان دونوں دعاؤں میں پہلے ظالمین کہا پھر کافرین کہا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: اس لئے کہ پہلی دعا میں خاص فرعون اور درباری مشیروں سے بچنے کی دعا ہے۔ جو کفر کے علاوہ ظالم اور قاتل و جلاد بھی تھے۔ کفر سے زیادہ ان کی یہ صفت قابل مذمت و نفرت تھی اس کا یہاں ذکر کیا۔ دوسری دعائیں عام کفار کا ذکر ہے جو ظالم تو نہ تھے البتہ ورغلانے والے۔ اور ان مسلمانوں کی خدانخواستہ مغلوبیت کی صورت میں طعنہ دینے والے ضرور تھے۔ اس لئے ان کی ذات کا ذکر کیا۔ گویا کہ پہلی دعا میں کافروں کی صفت ہے دوسری ذات کا۔

تفسیر صوفیانہ: راہ ملک عدم کے لئے دو وادیاں ہیں وادی (۱) ایفاء (۲) وادی فنا جب مسافر تسلیم و رضا کی منزل پر رواں دواں ہوتا ہے تو تین مقام سے گزرنا پڑتا ہے پہلا مقام شکر پھر مقام صبر یہ دونوں وادی بقا کی منزلیں ہیں جب وادی بقا کو تہہ

www.alahazratnetwork.org

کر جاتا ہے تو مقام توکل آتا ہے جو وادی فنا کی ابتداء ہے اس مقام کو تہہ کرنے کے لئے احرام عشق ومحبت لازمی شرط ہے جس کی پہلی چادر تسلیم ورضا ہے اور دوسری چادر ایمان ومعرفت ہے۔ یہاں ہی مقام عرفات کی تجلیاں محرم اسباب پر ورود کرتی ہیں اصطلاح شریعت میں اسلام نام ہے۔ کلمہ طیبہ پڑھنے اور توحید ورسالت کے اقرار کا۔ اور ایمان نام ہے نماز روزہ تقوٰی پرہیزگاری کا۔ مگر اصطلاح طریقت تسلیم ورضا ہی اسلام ہے اور معرفت کردگار ایمان ہے۔ اسی لئے ارشاد باری تعالٰی ہے۔ یاایھا الذین امنوا۔ امنوا اے مومنو ایمان لاؤ۔ یعنی معرفت خالق کائنات حاصل کرو۔ اس عرفات میں۔ لبیک کے تلبیے کی حاجت نہیں کہ اس سے وجود نفس کا ثبوت ہے۔ یہاں تو آنا کو فنا کرو۔ اسباب سے منقطع ہوکر، مسبب کے مشاہدے کی لذت کے دریا میں غرق ہوتا کہ زم زم لطائف کی حقیقت آشکارا ہو۔ کیونکہ جب فنا مکمل ہوتا ہے۔ تو توکل لازم ہوتا ہے (ابن عربی) اسباب کو چھوڑ کر مسبب پر نظر ہو تب بندہ مومن توکل کے درجے پر فائز ہوتا ہے۔ کسی نے حضرت ابراہیم خواص سے پوچھا کہ توکل کیا ہے۔ تو فرمایا اللہ میں شاغل ہونا بلاواسطہ توکل حقیقیہ ہے (آرائس البیان) ایمان تامہ اس وقت ہی مکمل ہوتا ہے۔ جب مخلوق سے خوف ورجاء ختم کر لئے اور خالق کے دست قدرت میں خود کو اس طرح ڈال دے جس طرح مردہ غسال کے ہاتھ میں۔ اس آیت کریمہ میں اسی توکل کا درس دیا جارہا ہے۔ لیکن چونکہ اس راہ میں ہزارہا مصیبتیں۔ بے شمار رنج وبلا ہے لہٰذا ہر موقع پر اللہ کریم سے دعائیں مانگتا رہے تاکہ استقامت نصیب ہو۔ اور ظالم نفس اور ابلیس کفر سے محفوظ ومامون رہے۔ مولانا فرماتے ہیں۔ شعر۔

ہر کہ در بحر توکل غرق گشت ۔۔۔ ھمتش از ما سوئی اللہ در گذشت

این توکل گرچہ دارد رانجہا ۔۔۔ فھو حسبہ نخشد ازوی گنجہا

فرمایا جارہا ہے کہ اے مومن مخلص بندو جب تم رنج وراحت خوف وامید میں قادر مطلق کو ہی موثر حقیقی سمجھ لو اور

گرچہ تیراز کماں ہمیں گزرد ۔۔۔ از کماندار بیند اہل خرد

کے شان والے عقیدے پر قائم ودائم ہو تو وہ رب کریم تمہارے ہر معاملے میں تمہارا کفیل ہے۔ اسی لئے ارشاد ہوا ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔ جب تک لباس خودی میں رہتا ہے۔ احرام فنا سے روشناس نہیں ہوتا۔ محض دعوے ہوتے ہیں۔ لیکن جب یہ لذت والی وادی نصیب ہوتی ہے تو وجود خودی ختم ہو جاتا ہے۔ شعر۔

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر اند ۔۔۔ کاں را کہ خبر شد خبرش باز نیامد

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِکُمَا
اور وحی بھیجی ہم نے طرف موسٰی اور اس کے بھائی یہ کہ بناؤ تم دونوں لیے قوم
اور ہم نے موسٰی اور اس کے بھائی کو وحی بھیجی کہ مصر میں اپنی قوم کے لیے مکانات بناؤ

www.alahazratnetwork.org

بِمِصْرَ بُيُوتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً وَّاَقِيْمُوا

اپنی میں مصر بہت سے گھر اور بناؤ تم سب لوگ گھروں اپنوں کو مسجد اور قائم کرو نماز

اور اپنے گھر کو نماز کی جگہ کرو اور نماز قائم رکھو

الصَّلٰوةَ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۷﴾

اور خوشخبری دے مومنوں کو

اور مسلمانوں کو خوشخبری سناؤ

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں نومسلم قوم کا ایمان افروز جواب مذکور ہوا اس آیت میں سوال جواب کے بعد اگلی ہدایت وقانون کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ایمان واسلام کا ذکر تھا اس آیت مبارکہ میں اعمال کا ذکر شروع کیا جارہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں قوم موسیٰ علیہ السلام کی دعا کا ذکر تھا اس میں دعا کی قبولیت کا ارشاد ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ اس قوم سے ہم کو علیحدہ کردے اب رب کریم نے ان کی عرض قبول فرمائی اور ان کی کامیابی و کامرانی کے لئے اپنے برگزیدہ نبی حضرت موسیٰ وہارون کو وحی کے ذریعہ پیغامات وہدایات ارشاد فرمائیں۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں توکل کا سچا اقرار تھا اس آیت میں توکل علی اللہ کا نتیجہ مذکور ہے کہ اللہ کریم کے انبیاء کی مدد ان کو پہنچ گئی۔

تفسیر نحوی: واوحینا الی موسیٰ واخیہ۔ یہاں حرف واؤ سر جملہ ہے۔ اوحینا باب افعال ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ فصاحت کلام کے لئے جمع مستعمل ہے نہ کہ جمعیت یا ادب کے لئے کیونکہ شان باری ہیں جمعیت کا استعمال سوء ادبی ہے اہل دیابنہ کا غلط طریقہ مروج ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق وحی مثال وادی اور ناقص یائی۔ وحی کے پانچ ترجمہ ہیں۔ ایک یہ کہ کسی کی طرف اشارہ کرنا (۲) کسی سے خفیہ بات کرنا (۳) کسی کام میں جلدی کرنا (۴) الہام کرنا یعنی دل میں بات ڈالنا جس کو عربی میں القاء کرنا بھی کہتے ہیں (۵) انبیاء کرام کی طرف پیغام بھیجنا (منجد) یہاں یہ ہی آخری معنی مراد ہیں۔ الی حرف جو انتہا کے لئے اصل معنی میں مستعمل ہے اس کا مجرور پورا جملہ عاطفہ ہے۔ لفظ موسیٰ سے حضرت موسیٰ صاحب کتاب و شریعت مرسل نبی مراد ہیں یہ لفظ معطوف علیہ ہے۔ واؤ حرف عطف اخیہ مرکب اضافی معطوف ہے لفظ اخی کے مادہ اشتقاق میں نحات کے تین قول ہیں (۱) اخی۔ مہموز الفاء وناقص یائی اسی سے تخویۃ ہے جس کے معنی ہیں پیٹ کو زمین سے جدا کرنا۔

www.alahazratnetwork.org

(مجمع البحار) دوسرا قول ہے اخو۔ ناقص وادی۔ اسی سے ہے اخوت۔ بمعنی ایک دوسرے کا بھائی بننا (لغات کشوری) تیسرا قول ہے۔ اخ لفیف مقرون اخی اسماء ستہ مکبرہ سے ہے۔ اس کی مونث اخت ہے۔ لفظ اخی کا ترجمہ ہے بھائی اصلاً نسبی ایک پیٹ کی اولاد کے لئے مستعمل ہوتا ہے یہاں معنی میں ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع لفظ موسیٰ ہے۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون۔ ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا۔ حرف ان مصدریہ ہے مضارع کو نصب دیتا ہے خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ تبوا۔ باب تفعل کا مضارع معروف صیغہ تثنیہ مذکر حاضر اس کا فاعل حضرت موسیٰ و ہارون ہیں یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے بعض نے کہا متعدی بیک مفعول ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اصلاً متعدی بیک مفعول ہے جب بعد میں لام آ جائے تو بدو مفعول ہو جاتا ہے۔ جیسے یہاں (معانی) اصل میں تھا تتبوا باب تفعل میں اکثر اجتماع تائین کے وقت صیغے کی تاء گرا دی جاتی ہے بوجہ ثقل۔ جیسے کہ تنزل الملٰئکۃ والروح۔ میں ہے۔ بوی اجوف وادی و ناقص یائی سے بنا یا مہموز لام بوء سے بنا اور یہی زیادہ صحیح ہے۔ تبوا ٹھکانا یا منزل بنانا جیسے کہ توطن وطن بنانا۔ کیونکہ باب تفعل پانچ خصوصیت سے استعمال ہوتا ہے۔ ایک خصوصیت ہے تکلف۔ یہاں اسی لئے مستعمل ہے۔ لقوم مکما۔ لام نفع کا ہے۔ قوم سے مراد سب مسلمان۔ کما ضمیر تثنیہ اس کا مرجع موسیٰ و ہارون (علیہم السلام) بمصر۔ غیر منصرف ہے (تمرین الادب ص ۱۱) کیونکہ یہ مونث و معرفہ ہے۔ کبھی کبھی تخفیف کے لئے منصرف بھی کر لیا جاتا ہے۔ (معانی) لغوی ترجمہ مطلق شہر یہاں ملک مصر مراد ہے۔ بیوتا جمع ہے بیت کی اجوف یائی ہے۔ اصلاً مصدر مادہ ثلاثی ہے استعمالاً اسم جامد ہے۔ رات گزارنے کی جگہ بمعنی گھر واجعلوا بیوتکم قبلۃ۔ واؤ عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ اور یہ پورا جملہ معطوف ہے۔ اجعلوا۔ امر جمع مذکر حاضر معروف۔ معطوف علیہ کا فعل تثنیہ ہے معطوف کا یہ فعل اس کی وجہ اعتراضات میں بیان کی جائے گی۔ اس صیغہ جمع کا فاعل سب مسلمان ہیں۔ جعل سے بنا حرفاً صحیح ہے۔ بمعنی ابتداء کسی چیز کو بنانا متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول بیوتکم مرکب ناقص اضافی ہے دوسرا مفعول۔ قبلۃ۔ قبل سے بنا۔ آخر میں ۃ مصدر کی ہے۔ بمعنی آمنے سامنے ہونا بالمقابل ہونا۔ بعض نحویوں نے فرمایا۔ اجعلوا متعدی بیک مفعول ہے بیوتکم اس کا مفعول بہ ہے اور قبلۃ۔ بیوتکم کا حال ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) واقیموا الصلوۃ واؤ عطف کی ہے۔ یہاں بھی جملے کا جملے پر عطف ہے۔ اقیموا۔ باب افعال سے امر جمع مذکر حاضر معروف ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ قوم اجوف وادی سے بنا۔ اس کے دس معنی (۱) منتشر کرنا (۲) رکنا (۳) کھڑا ہونا (۴) غالب کرنا (۵) عدول کرنا بدلنا۔ (۶) ہمیشہ کرنا (۷) مطالبہ کرنا (۸) خود کو وقف کرنا (۹) کسی جگہ بطور وطنیت سکونت اختیار کرنا (۱۰) ارادہ کرنا (منجد) یہاں پہلے معنی درست ہیں۔ یعنی خود کو نماز کے لئے وقف کر دو۔ الصلوۃ صلو بنا ناقص وادی ہے۔ یا صلی سے بنا۔ تب ناقص یائی ہے۔ اس کے پانچ معنی (۱) نماز پڑھنا (۲) درود شریف پڑھنا (۳) دعاء رحمت (۴) آگ سے نرم کرنا (۵) پیٹھ کو درمیان میں رکنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں وبشر المومنین یہ واؤ بھی عاطفہ ہے۔ اور جملہ کا جملہ پر عطف ہے۔ بشر باب تفعیل سے امر واحد مذکر حاضر اس کا فاعل موسیٰ علیہ السلام۔ تبشیر سے بنا۔ مادہ اشتقاق بشر ہے۔ اس کے آٹھ معنی (۱) پتلی کھال (۲) ظاہری انسانی جسم (۳) ٹکڑی سبزی کھانے والی جو کھانا حلال ہے (۴) چہرے کا حسن (۵) چہرے کی رونق (۶) ایک دوسرے سے ملنا (۷) زمینی پیداوار

www.alahazratnetwork.org

(۸) خوش خبری یہاں آخری معنی مراد ہے یہ متعدی بدو مفعول ہے اس کا ایک مفعول یہاں پوشیدہ ہے دوسرا مفعول المؤمنین۔ مومن کی جمع ہے۔ مراد حضرت موسیٰ و ہارون کے علاوہ باقی مسلمان ہیں باب تفعیل کی چھ خصوصیات میں سے ایک خصوصیت ابتدائے فعل ہے وہی یہاں مستعمل ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ: واوحینا الی موسیٰ واخیہ۔ اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کی طرف وحی کی لفظ وحی ایک مشترک لفظ ہے جب اس کی نسبت انبیاء کرام کی طرف ہو تو اس سے صاف صاف پیغام قانونی یا خبری مراد ہوتا ہے۔ کبھی بواسطہ جبریل اس کو وحی جلی کہتے ہیں۔ کبھی بغیر واسطہ اس کو خفی کہتے ہیں۔ اگر اس کی نسبت اولیاء اللہ کی طرف ہو تو اس کو الہام کہا جاتا اگر اس کی نسبت جانور کی طرف ہو تو اس کو القاء قلبی کہا جاتا ہے لفظ وحی کا حقیقی استعمال انبیاء کرام کے لئے ہے دوسروں کے لئے بطور مجاز ہے۔ چونکہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہم السلام دونوں اللہ رب العزت کے اولوالعزم پیغمبر ہیں اس لئے وحی اپنے حقیقی معنوں میں ہے۔ یہاں وحی سے شرعی یا قانونی پیغام نہیں کیونکہ صاحب شریعت و کتاب صرف حضرت موسیٰ اور سر کردہ مسلمانوں کو سونپی دے چکا ان تبوا لقومکما بمصر بیوتا۔ کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر ہی میں گھر بناؤ۔ جب فرعون نے بنی اسرائیل پر حکومت قائم کی تھی تو ان پر بے شمار ظلموں میں ایک ظلم یہ بھی تھا کہ ان کے گھر ان کی ملکیت سے چھین لئے تھے اور سب پر قبطیوں کو مالکانہ قابض کر دیا تھا اسرائیلی لوگ بطور غلام ولونڈی نوکر چاکر کی حیثیت سے متفرق گھروں میں ڈیوڑھیوں میں رہتے تھے ان کی مسجدیں معبد سب شہید کر دیئے تھے۔ بعثت موسیٰ علیہ السلام کے بعد چونکہ اس کی حکومت کافی حد تک کمزور ہو گئی تھی کچھ اس کو اپنی شکست کا غصہ اور کچھ نو مسلم لوگ موسیٰ علیہ السلام کی برکت سے دلیر ہو چکے تھے۔ فرعون کو اپنی ساکھ قائم کرنے کی فکر ہوئی تو اس نے بنی اسرائیل اور مسلمانوں کو اور بددل کمزور کرنے کے لئے ان پر ظلم کرنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ یا یہ پہلے کی طرح خادمہ حیثیت سے رہیں یا بھاگ جائیں اور بنی اسرائیل کی اکثریت اتنے عرصے غلامیت میں رہنے کی وجہ سے۔ نماز روزہ ذکر اذکار دینی ریاضات ورواج بھول چکی تھی ان تمام وجوہ کی بنا پر اللہ کریم نے وحی بھیجی کہ اے موسیٰ و ہارون تم مصر میں ہی ڈٹ کر رہو یہیں پر اپنے مکان بناؤ اور جب تک ہم نکلنے کی ہجرت کرنے کا حکم نہ فرمائیں اس وقت تک یہیں رہ کر اپنی قوم کو عبادت و ریاضت کا طریقہ سکھاؤ تاکہ بھولی ہوئی باتیں یاد آ جائیں اور محکومی و غلامیت کا اثر ختم ہو کر جہاں بانی کی لیاقت پیدا ہو۔ خیال رہے کہ کبھی کوئی نبی خوف زدہ ہو کر ہجرت پر مائل نہ ہوئے بلکہ تاریخ بتاتی ہے کہ عین عروج کفار کے زمانے میں تو انبیاء کفرستان میں ہی رہے۔ جب یہاں کفر کا زور ٹوٹا تب ان کو رب تعالیٰ نے ہی حکم ہجرت فرمایا تو ہجرت کی واجعلوا بیوتکم قبلۃ۔ اور تم مسلمان اپنے اپنے گھروں میں قبلہ بناؤ۔ گھر بنانے کا حکم صرف حضرت موسیٰ و ہارون کو دیا گیا۔ اور گھروں کو عبادت گاہ بنانے کا حکم ہر شخص کو فرداً فرداً دیا گیا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ گھر بنانا ظاہراً خالص دنیاوی کام ہے جس کی طرف دنیا دار اور جلدی مائل ہوتا ہے اس لئے عام لوگوں کو اس کا حکم نہ دیا بلکہ انبیاء کو حکم فرمایا کہ ثابت ہو کہ دنیا وہی اچھی ہے جو سنت انبیاء کے مطابق ہو اور حصول دنیا میں بھی انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلو۔ آج جو بدبخت یہ نعرہ لگاتے ہیں کہ دین ہمارا اسلام معاشرہ ہمارا سوشلزم۔ قوت ہماری عوام ہیں وہ سخت گمراہی میں

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ اسلام ہر چیز میں اپنی بالادستی چاہتا ہے۔ تجارت حکومت گھربار عبادت ریاضت سب کام میں فرمودات نبی کو مدنظر رکھنا ہی کامل ایمان ہے اور پھر جب تم کو شریعت کے مطابق اال دنیا میسر ہو جائے تو یہ نہ سمجھنا کہ یہ گھربار جاہ و جلال تخت و تاراج مال و دولت صرف عیش پرستی کے لئے دیا گیا ہے۔ بلکہ واقیموا الصلوٰۃ یہاں صیغہ جمع فرمانے میں یہ راز ہے کہ چونکہ عبادت و ریاضت کی طرف دنیادار راغب نہیں ہوتا نہ خود بخود ان کا دل چاہتا ہے اس لئے سب کو خاص علیحدہ علیحدہ حکم دیا جا رہا ہے کہ ان گھروں کو حسب سابق لذات دنیا کے لئے استعمال نہ کرنا بلکہ ہر گھر کو اللہ کی مسجد بنا دینا کہ تمہارے گھروں سے (بجائے فرعونی گھروں کی طرح گانے باجے کھیل کود کی آواز کے) نعت خوانی صلوٰۃ و سلام تلاوت و عبادت کی خوشبو دار آوازیں برآمد ہوں اور مسلم و کافر کے گھروں کا امتیاز ہوتا رہے۔ خوش قسمت ہے وہ مسلمان جس کے گھر میں ایسی آوازیں اور تلاوت کے چرچے ہوتے ہیں۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو تم پر پھر کوئی فرعون مسلط ہو جائے گا۔ بعض محققین نے فرمایا کہ اس آیت کا مطلب ہے کہ تم گھروں کو قبلہ رخ بناؤ یعنی کعبہ کی سمت کیونکہ موسیٰ علیہ السلام اور آپ سے پہلے تمام انبیاء کرام کا قبلہ کعبہ ہی تھا اس وقت تک مسجد اقصیٰ بنی ہی نہ تھی مسجد اقصیٰ جس کو پہلے ھیکل کہا جاتا تھا حضرت آدم کے تین ہزار ایک سو دس سال۔ اور حضرت موسیٰ کی ہجرت مصر سے پانچ سو بانوے سال بعد پہلی مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بنائی اور دعا کی کہ یا اللہ اس کو ہمارے لئے قبلہ بنا دے۔ کعبہ کو پہلی مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اور دوسری مرتبہ حضرات ابراہیم نے انبیاء آدم پر بنایا۔ کعبہ کو آج ساڑھے سات ہزار سال ہو رہے ہیں اور مسجد اقصیٰ کو آج تقریباً تین ہزار سالا ہوئے پھر کعبہ حضرت آدم سے آج تک قبلہ ہے اور مسجد اقصیٰ صرف پندرہ سو سال قبلہ رہا۔ کعبہ سب انبیاء کا قبلہ رہا لیکن اقصیٰ از حضرت سلیمان تا عیسیٰ علیہ السلام صرف انبیاء بنی اسرائیل کا قبلہ رہا اس دوران بھی غیر اسرائیلی انبیاء سمت کعبہ کو ہی قبلہ بناتے تھے اور نبی کریم نے بھی تھوڑے عرصہ مسجد اقصیٰ کو قبلے کی فضیلت بخشی۔ بعض نے فرمایا کہ قبلۃ کا مطلب ہے مسجد کی شکل پر گھروں کو بناؤ اور گھروں میں رہو لیکن مسجد کی طرح ادب آداب کے ساتھ تا کہ تم خفیہ نمازیں بھی یہاں پڑھ سکو اور رہائش بھی رکھو۔ فرعون کے ظلم سے بچے بھی رہو مگر یاد رکھو کہ فرعون تم پر اسی لئے مسلط و غالب ہوا تھا کہ تم نے اپنے رب کو بھلا دیا اب ایسا نہ کرنا جس اللہ نے تم بے کسوں بے بسوں بے گھر بے در والوں کی دستگیری فرمائی اس کے حضور ہمیشہ حاضر رہنا بلکہ واقیموا الصلوٰۃ خود کو اس کی نماز کے لئے وقف کر دو کہ ہر وقت نماز ہی کا تصور ہو (بقول پنجابی) ہاتھ کار ول۔ دل یار ول۔ چلو تو اس کے ہو کر پھر و تو اس کے بن کر بیٹھو جاگو تو اس کے خیال میں۔ بس وہ تمہارا ہو تم اس کے ہو اور خطاب آئے کہ اے بندے ہم تیرے ہی ہیں (اے میرے کریم مجھ کو بھی ایسی نماز عطا فرما) سعید بن جبیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قبلۃ۔ بیوتکم کا حال ہے۔ اور مطلب ہے آمنے سامنے بالمقابل گھر بناؤ تا کہ ایک دوسرے کے پڑوسی بندے سب مسلمان قریب ہونے کی وجہ سے اصول محلے داری کی سمجھ کے علاوہ قوت میں بھی زیادہ ہو جاؤ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا بھی اسلام میں عبادت ہے۔ گویا ایک عظیم وحدت ملی اور اتحاد کا سبق ہے۔ دوری سکونت سے بعد قلبی پیدا ہو جاتا ہے جس سے قومی کمزوری واقع ہوتی ہے وبشر المومنین اور اے موسیٰ علیہ السلام آپ ان مومنوں کو۔ خوش خبری دے دو۔ یہ خطاب صرف حضرت

www.alahazratnetwork.org

موسیٰ کو ہے۔ کیونکہ صاحب شریعت و کتاب نبی آپ ہی ہیں۔ اگر چہ یہ الفاظ۔ ظاہراً بعد میں ہیں مگر حکماً پہلے ہیں یعنی اے موسیٰ ان مسلمانوں کو دنیا میں ان کو سابقہ دعا کی قبولیت اور مدد و غلبے علی الکفار کی خوش خبری اور آخرت میں جنت و تجلیات و خوشنودی رب کریم کی خوش خبری دے دو۔ پھر اے موسیٰ و ہارون اپنی اس قوم کے لئے گھر بناؤ۔ پھر تم سب نماز قائم کرو۔ اقیموا الصلوۃ کا جملہ لفظاً وحکماً ہر دو طریق پر موخر ہے مگر بشر المومنین صرف لفظاً موخر ہے۔ حکماً اول ہے کیونکہ اصل خطاب حضرت موسیٰ کو ہے۔ اسی لئے حضرت ہارون اگر چہ بڑے بھائی ہیں مگر ذکر میں تقدم حضرت موسیٰ کو حاصل ہوا بارگاہ خداوندی میں بزرگی عمر کوئی معنی نہیں رکھتی نہ عمراً بڑا ہونا مدارج کو مستلزم۔ وہ بے نیاز ذات جسے چاہے نواز دے۔ اس کا نواز ہوا ہی کائنات میں بزرگ ہے یہاں قوم نہ فرمایا جیسے کہ ابھی پہلے بلکہ مومنین۔ کیونکہ نسبتوں کا فرق ہے۔ وہاں دنیاوی نسبت تھی اس لئے قوم فرمایا یہاں ایمان وعرفان کی نسبت۔ اس لئے اظہار شفقت و پیار کے لفظ مومنین ارشاد ہوا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ کریم جو نعمت بھی اپنے بندوں کو عطا فرماتا ہے دینی یا دنیوی وہ اپنے نبی ہی کے واسطے سے عطا فرماتا ہے۔ یہاں تک کہ بندوں کو حکم بھی اپنے انبیاء کرام کے ذریعے ہی ارشاد فرماتا ہے حالانکہ قادر ہے کہ بلاواسطہ تمام انسانوں کو پیغام عطا فرماوے۔ جیسے کہ شہد کی مکھی کو۔ یا حضرت مریم کو وحی فرمائی۔ لیکن پھر بھی تمام بندوں کو نعمتیں لینے میں انبیاء کا محتاج بنایا یہ فائدہ او حینا الی موسی (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: مرسل نبی کا درجہ غیر غیر مرسل نبی سے زیادہ ہے اور شریعت میں عمر کی زیادتی سے درجے کی زیادتی نہیں ہوتی درجہ کی زیادتی رب کے کرم پر موقوف ہے کبھی چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے درجے میں زیادہ ہوتا ہے اور قابل ادب بھی اور ہر لحاظ سے اس کو اولیت دی جائے گی یہ فائدہ موسیٰ و اخیہ کی ترتیب سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: دنیاوی ساز و سامان اللہ تعالیٰ کی عطا ہے یہ عیش وعشرت کے لئے نہیں بلکہ اللہ اور اللہ کے رسول کے ذکر اور نماز روزے کے لئے ہے ان چیزوں کو لے کر اللہ رسول کی یادیں تازہ کرو نہ کہ غرور تکبر وعیش پرستی یہ فائدہ بیوتکم قبلۃ سے حاصل ہوا۔ یعنی گھروں کو مسجدیں بناؤ نہ کہ کنجر خانہ۔

چوتھا فائدہ: نماز کو ایک ڈیوٹی یا مصیبت نہ سمجھو بلکہ اس کو روحانی غذا اور لذت ایمانی سمجھو اور یہ صرف پڑھو ہی نہ بلکہ خود کو اس کے لئے وقف کردو۔ سب کام اسکے تابع ہوں یہ نماز روزہ سب کا متبوع ہو۔ خوشی ومصیبت رنج وراحت میں نماز کا سہارا پکڑو یہ فائدہ اقیموا الصلوۃ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کریمہ میں تین حکم مختلف صیغوں سے ارشاد ہوئے پہلے تثنیہ پھر جمع۔ پھر واحد۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس لئے کہ پہلا حکم دنیوی معاشرے اور اتحاد و دنیا میں رہن سہن سے متعلق ہے۔ اور یہ کام شریعت کے مطابق

www.alahazratnetwork.org

ہونا ہی دین ایمان ہے اس لئے بجز انبیاء کرام کے فرمودات کے دنیا کا معاشرہ قطعاً درست نہیں ہو سکتا بلکہ ناممکن ہے۔ اس لئے صرف انبیاء کو خطاب ہوا دوسرا حکم عبادت اور دینی باتوں سے متعلق ہے جو سب پر فرض ہیں اس لئے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا تیسرا حکم آخرت اور نتیجے یا قبولیت سے متعلق ہے جو شریعت وطریقت کا مسئلہ ہے اس لئے صرف موسیٰ علیہ السلام کو خطاب ہوا کیونکہ آپ صاحب شریعت وکتاب نبی ہیں۔ حضرت ہارون صرف صاحب تبلیغ نبی ہیں (مسائل الرازی ص ۱۳)

تیسرا اعتراض: آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ قبلة سے مراد کعبہ کی طرف متوجہ ہونا ہے حالانکہ مشہور یہ ہے کہ یہود کا قبلہ ھیکل اور بیت المقدس تھا اور یہود سب نبی اسرائیل تھے خود حضرت موسیٰ بھی بنی اسرائیل تھے۔ اس لحاظ سے ان کا قبلہ بیت المقدس کی طرف ہونا چاہئے۔ دیگر تفاسیر میں بھی ایسا ہی ملتا ہے۔

جواب: بیت المقدس ایک پورے شہر کا نام ہے جو ملک فلسطین میں ہے۔ اس میں مسجد اقصیٰ حضرت سلیمان کے زمانے میں بنی اسی کو ھیکل کہا جاتا تھا یہ ان یہود کا ذکر ہے جو بعد سلیمان علیہ السلام ہیں تا زمانہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

تیسرا اعتراض: تمام تفاسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کا قبلہ کعبہ رہا۔ تو بیت المقدس کب اور کس نے قبلہ بنایا حالانکہ قبلہ بنانا تو فقط انبیاء کا کام ہے۔

جواب: صرف چند انبیاء کرام کے زمانے میں بنت المقدس قبلہ رہا از حضرت سلیمان تا عیسیٰ علیہ السلام اس کے علاوہ تمام انبیاء بنی اسرائیل وغیر بنی اسرائیل نبی اسرائیل کا قبلہ کعبہ ہی رہا وللاکثر حکم الکل اکثریت کو کل کا حکم دیا جاتا ہے۔

چوتھا اعتراض: حدیث پاک سے ثابت ہے کہ صرف نبی کریم اور آپ کی امت کی خصوصیت ہے کہ ساری زمین جنگل گھر بازار وغیرہ ان کے لئے رب تعالیٰ نے مسجد بنادی۔ سابقہ انبیاء اور امتوں کو جائز نہ تھا سوائے بیعوں کنیسوں کے نماز پڑھنا۔ مگر یہاں ثابت ہو رہا ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھ سکتے تھے اور خود رب کا حکم یہ ہی تھا۔ تو ثواب بھی ان کو گھروں میں مسجدوں کے برابر ہی ملتا ہوگا تو حدیث وقرآن میں تعارض ہو رہا ہے اور پھر یہ امت مسلمہ کی خصوصیت نہ ہوئی بلکہ وہ لوگ امت نبی کریم سے شان میں بڑھ گئے کہ ہماری گھر کی نماز مسجد کے برابر نہیں۔ جب کہ ان کی گھر کی نماز کا ثواب مسجد کی نماز کے برابر۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب آیت میں فرمایا گیا واجعلوا بیوتکم قبلة گھروں کو مسجد بناؤ یعنی ان کا ہر گھر بیعہ اور کنیسہ بنا دیا گیا وہاں ان پر وہی پابندیاں لگا دیں جو آداب عبادت گاہ کی ہوتی ہیں ان کے علاوہ وہ کہیں نماز پڑھ سکتے تھے بخلاف ہمارے کہ جہاں چاہیں بازار دکان سڑک گلی، جنگل خشکی تری میں نماز پڑھیں دوسرا جواب بیعوں۔ اور کنیسوں (گرجوں مندروں) کی خصوصیت حالت امن کی ہے۔ لیکن یہاں گھر میں نماز پڑھنے کا اختیار حالت اضطرار وخوف کا ہے۔ خوف اور مجبوری میں حکم بدل جاتا ہے۔ لہٰذا تعارض نہ ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: یہ دنیا دار فنا ہے یہاں کی ہر چیز زوال پذیر ہے یہاں دل لگانا فضول ہے۔ اے عالم ناسوت کے مسافرو موسیٰ قلب کے ماتحت ہو جاؤ اللہ کریم فرماتا ہے کہ ہم نے موسیٰ قلب اور اس کے قریبی ہارون فواد کی طرف وحی بھیجی ہے۔

www.alahazratnetwork.org

کہ عالم روحانیت سے نکال کر خود اس پر قابض ہونا چاہتا ہے جب تک ہماری تجلیات وارشادات کا جلوہ گاہ موسیٰ ہو قلب تم کو ہجرت عالم لاہوت کا اشارہ نہ کرے اس وقت تک جمیں ڈٹے رہو۔ اور اپنے دنیا کی طرف بھاگنے والے مسافروں مسافرت ترک کر کے اسی جسد عنصری کو قبلہ گاہ خواہشات اسرار بنالو۔ اور بالکل خفیہ۔ انا کو فنا کر کے خود میں سما کر دائمی نماز میں اس طرح مشغول ہو جاؤ کہ ہر دم مقامات روحانیہ سے قربات ومواصلات ربانیہ کی معراجیں حاصل ہوتی رہیں۔ اے دنیا کے پیچھے دوڑنے والو کیوں ضائع کر رہے ہو۔ فقیر وولی اللہ کی طرف گامزن ہو جاؤ۔ کیونکہ دنیا اور یہاں کی اشیاء ممکن ہیں اور ممکن کا سیر متناہی ہے اور اس کی لذت منقطع ہے لیکن واجب تعالیٰ کی طرف سیر متناہی اور اس کی لذت غیر فانی۔ دائمی ہے دنیا و آخرت میں جو جو تکالیف آتی ہیں وہ ان کو صاحب کرامات اولیاء کی لذت سے زیادہ محبوب ہیں۔ یہی وہ لذت تھی جو معراج میں نبی اکرم کو عطا ہوئی جس کی حضرت موسیٰ نے معراج میں تمنا کی۔ ان کو وہ لذت دیدار احمد مجتبیٰ سے حاصل ہوئی صحابہؓ کو یہ لذت جمال یہاں آراو سے نصیب ہوئی کہ مقام صحابیت پایا ہر مومن کو اس کا حصول نماز میں ہے۔ اس لئے صوفیا فرماتے ہیں کہ معراج محمدی قرب ذات سے ہوئی اور معراج موسیٰ۔ دیدار تجلیات محمدی سے اور معراج صحابہ رخ پاک انور کا دیدار کرنا۔ اور معراج مومن نماز ہے۔ **اللھم ارزقنا من ھذہ الایات۔**

وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ

اور عرض کیا موسیٰ نے اے رب ہمارے بیشک تو نے دیا فرعون اور سرداروں اس

اور موسیٰ نے عرض کی اے رب ہمارے تو نے فرعون اور اس کے سرداروں کو

زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوْا

کے کو زینت اور بہت مال میں زندگی دنیا کی اے رب ہمارے تا کہ گمراہ

آرائش اور مال دنیا کی زندگی میں دیئے اے رب ہمارے اس

عَنْ سَبِيْلِكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ

کریں سے راستے تیرے اے رب ہمارے بربادی ڈال پر مالوں ان کے اور سختی

لیے کہ تیری راہ سے بہکادیں اے رب ہمارے ان کے مال برباد کردے اور ان

عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ ﴿۸۸﴾

کردے پر دلوں ان کو کہ نہ ایمان لائیں وہ یہاں تک کہ دیکھ لیں وہ عذاب دردناک

کے دل سخت کردے کہ ایمان نہ لائیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فَاسْتَقِیْمَا وَ لَا تَتَّبِعٰٓنِّ

فرمایا بیشک قبول کی گئی دعا تم دونوں کی پس ثابت قدم رہو تم دونوں اور نہ اتباع

فرمایا تم دونوں کی دعا قبول ہوئی تو ثابت قدم رہو اور نادانوں کی

سَبِیْلَ الَّذِیْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۸۹﴾

کرو تم دونوں راستہ ان کا جو نہیں جانتے

راہ نہ چلو

تعلق: اس آیت کریمہ کے پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ و ہارون کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ تم مومنوں کو اتحاد اور آداب حکمرانی سکھا کر مضبوط کرو۔ تاکہ مسلمانوں کی حکومت قائم ہو اور باطل کمزور و مغلوب ہو اب فرعون کی غربت اور کمزوری کی دعا کا ذکر ہے کہ حکومت فرعونی کے خاتمے کے بغیر مسلمانوں کی حکومت کا قیام ممکن نہ تھا۔ جس طرح اندھیرے کے خاتمے کے بغیر اجالے کا وجود ناممکن اسی طرح حق کا غلبہ باطل کی مغلوبیت کو مستلزم ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں خود موسیٰ علیہ السلام کو ارشاد ہوا تھا کہ اے میرے نبی لوگوں کی مشکل کشائی حاجت روائی کرو۔ مسلمانوں کی حاجیں پوری کرو اور مسلمانوں تم نے جو کچھ لینا ہے میرے انبیاء کرام سے مانگو ان کے در کے گدا و محتاج بن جاؤ۔ اس آیت کریمہ میں حضرت موسیٰ کی التجاؤں اور دعا کا ذکر ہے کہ اے میرے رب کریم میری مشکلات میں تو میری مدد فرما یعنی تیرے بندوں کی مدد تیرے حکم سے میں کروں گا اور میری دعائیں التجائیں تو قبول فرما۔ گویا کہ مومن مسلمان تو نبی کریم سے مانگیں اور نبی کریم اللہ سے مانگیں یہ ہے سچی توحید اور ایمان۔

تفسیر نحوی: وقال موسی ربنا انک اتیت فرعون وملاہ۔ لفظ واؤ جملہ ہے قال فعل ماضی قول اجوف واوی سے بنا اس کا فاعل لفظ موسیٰ اسم مقصود ہے۔ رب لفظ رب اللہ تعالیٰ کے پیارے ناموں میں سے ایک نام ہے ربب سے مشتق ہے مضاعف ثلاثی ہے۔ اصل میں رابب تھا بروزن فاعل بوجہ ثقل ب کا ب میں ادغام یعنی مشدد کیا گیا۔ راب ہو گیا اجتماع ساکنین کی بنا پر الف گرا دیا گیا رب ہو گیا۔ جیسے کہ بار سے بر ہوا (روح المعانی) نا ضمیر جمع متکلم۔ لفظ ربنا مرکب اضافی کلمات انبیاء کرام میں سے ہے۔ انک حرف مشبہ بالفعل ک ضمیر اسم اگلا جملہ اس کی خبر ہے۔ اتیت اتی یاتی سے مشتق ہے اسی لئے اس کا فعل امر ات بھی آتا ہے اور ھات بھی۔ ارشاد ہے ھاتوا برھانکم۔ اتی مہموز الفاء اور ناقص یائی ہے فرعون سے وہی سابقہ مذکور فرعون مراد و ملاءہ مرکب اضافی ہے ملاء سے سرداران دربار اور ہ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ اتیت فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول فرعون (الخ) ہے اور دوسرا مفعول زینۃ و اموالا فی الحیوۃ الدنیا۔ اسم مفعول۔ یعنی

www.alahazratnetwork.org

زینت کے اسباب لباس مکانات گھوڑے۔ اور خزانے زیور کے۔ حرف واؤ عطف کی ہے اموال جمع ہے مال کی۔ مال کی شرعی تعریف جس کو دے کر نفع دار اشیاء خریدی جائیں۔ مثلاً سونے چاندی وغیرہ وہی یہاں مراد ہے۔ فی حرف جار یہ صرف اسم جامد کے اول آتا ہے الحیات الدنیا۔ مرکب توصیفی ہے۔ اموالا اور زینة کی تنوین (دو زبریں) تعظیم کی ہے الحیٰوۃ الف لام جنسی ہے جو ہر قسم کی زندگی کے لئے کافی ہو۔ دنیا دنو سے بنا ہے بمعنی حقیر اور قلیل مونث اسم تفضیل ہے۔ یہاں یہ جہان فکر و عمل مراد ہے ربنا لیضلوا عن سبیلک۔ یہ جملہ باختلاف نحاۃ یا تعلیلیہ ہے ماقبل کا۔ یا بیان عاقبت کے لئے ہے۔ ربنا دوبارہ کہنا اللہ تعالیٰ سے عرض و معروض کے آداب کے لئے ہے یضلو میں لام کے ہے جس کو تعلیلیہ یا تعقیبیہ بھی کہتے ہیں۔ یضلو فعل مضارع معروف ضل سے بنا اسی سے ضلالت۔ اس کا ایک معنی ہے گمراہی یہ یہاں مراد ہے کیونکہ اس کے بعد عن سبیلک آ رہا ہے لفظ عن حرف جار نے یضلو کے معنی معین کر دیئے سبیل سبل سے مشتق ہے صفت مشبہ مبالغے کا صیغہ ہے اس کی جمع سبل ہے۔ بمعنی کھلا راستہ شارع عام یضلوا کو یا کے زبر سے بھی پڑھا گیا ہے اور پیش سے بھی پہلی صورت میں فعل لازم ہے یعنی خود گمراہ ہو جائیں دوسری صورت میں فعل متعدی لیکن مفعول پوشیدہ یعنی لوگوں کو گمراہ کریں۔ سبیلک میں کَ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اور یہ سب کلام موسیٰ علیہ السلام کا ہے ربنا اطمس علی اموالھم یہاں ربنا پھر کہنا قبولیت دعا کے لئے ہے۔ اگلا جملہ بددعا بھی ہے اور دعا بھی خیال رہے جان کی ہلاکت کی تمنا ایک صورت سے بددعا ہی ہوتی ہے۔ لیکن مال یا عزت کی ہلاکت بہت دفعہ دعا ہوتی۔ اطمس صیغہ امر ہے بروزن اضرب طمس سے بنا ہے بمعنی مال و دولت برباد کرنا۔ علیٰ فوقیت کے لئے اپنے اصل معنی میں ہے۔ اموال جمع ہے مال کی ھم سے مراد وہ فرعون و فرعونی اطمس باب ضرب یضرب سے متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی یہاں متعدی ہے واشدد علی قلوبھم واؤ عاطفہ ہے۔ اشدد فعل امر ہے باب نصر ینصر کا۔ اسی سے ہے شدت اس کا ترجمہ ہے سختی ڈالنا یا مہر لگانا یہاں دورے معنی مناسب ہیں یہ جملہ بددعائیہ ہے اس لئے کہ علیٰ قلوبہم میں علی حرف جار غلبے کے لئے ہے قلوبہم میں قلوب جمع ہے قلب کی دل میں مخزن ایمان و اسرار کا نام قلب ہے۔ گوشت کے ٹکڑے کو دل کہتے ہیں یہ ہر وقت حرکت کرتا ہے اس لئے قلب بمعنی حرکت کرتا رہنے والا بھی کہہ دیتے ہیں اس کا مصدر ہے قلب یعنی ہمیشہ بدلنا۔ اسی لئے جسم حیوانی کو قالب کہتے ہیں کہ وہ بھی تبدیلی زمانہ کے ساتھ بدلتا ہے۔ یہاں قلب مصدر بمعنی اسم فاعل ہے۔ ھم ضمیر جمع غائب سے مراد ہی فرعونی لوگ ہیں فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم فلا یومنوا۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجہ کے لئے لا یومنو فعل نہی جمع غائب بعض نحات نے حرف فا کو عاطفہ کہا اور پورا جملہ معطوف ہے اس کا معطوف علیہ لیضلوا علی سبیلک۔ ہے لفظ حتی حرف جر نہیں ہے بلکہ حتی ناصبہ ہے یہ ہمیشہ بیان مدت کے لئے آتا ہے۔ باب ضرب یضرب۔ بمعنی توجہ سے دیکھنا یقین اور دل کی نگاہ سے دیکھنا۔ العذاب۔ اس میں الف لام عہد خارجی ہے۔ عذاب کا اصطلاحی معنی اخروی سزا الالیم صفت ہے عذاب کی الم سے بنا ہے بمعنی درد صفت مشبہ ہے بروزن کریم قال قد اجیبت دعوتکما۔ قال قول سے مشتق ہے اس کا فاعل اللہ ہے یہاں قول حقیقی معنی میں نہیں بلکہ متشابہات سے ہے یعنی جیسے بھی شان باری تعالیٰ کے لائق ہے۔ قد اجیبت فعل ماضی قریب مجہول ہے۔ باب افعال ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جوب اجوف واوی سے بنا ہے۔ بمعنی قبول کرنا یا جواب دینا یا ثابت کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں دعوت کے معنی دعا مانگنا یا بدعا یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں۔ کما تثنیہ مذکر حاضر کی ضمیر متصل مجرور مرکب اضافی کا مضاف الیہ ہے۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ و ہارون ہیں فاستقیما ف تعقیبیہ ہے استقیما فعل امر حاضر معروف صیغہ تثنیہ۔ باب استفعال قوم سے مشتق ہے باب استفعال میں آ کر طلب کے معنی پیدا ہوئے یعنی ثابت قدم رہو یا ثابت قدمی کی دعا مانگتے رہو۔ باب استفعال کی پانچ خصوصیات ہیں جن میں ایک ابتداء فعل ہے۔ یہاں یہی مناسب ہے ولا تتبعٰن سبیل الذین لا یعلمون ۔ واؤ سر جملہ لاتتبعٰن فعل نہی حاضر معروف تثنیہ۔ خطاب حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو ہے سبیل سبل سے بنا بمعنی عام راستہ الذین اسم موصول جمع مذکر اس کا صلہ لا یعلمون مضارع منفی معروف۔ علم سے بنا علم کے پانچ معنی (۱) یقین کرنا (۲) ذھن میں کسی چیز کا آنا (۳) محسوس کرنا (۴) روشن ہونا (۵) حقیقت کو جاننا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔

تفسیر عالمانہ: وقال موسیٰ ربنا انک اتیت فرعون وملاہ زینۃ واموالا فی الحیوۃ الدنیا ________ اور عرض کیا موسیٰ نے اے ہمارے رب بے شک تو نے فرعون اور اس کے درباریوں کو زینت کی چیزیں اور بہت سے مال دنیاوی زندگی میں دیئے۔ یہ کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس وقت عرض کیا جب کہ جادوگروں کے مقابلے کو کافی زمانہ گزر گیا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ہر طرح سے فرعون اور اس کے رئیسوں کو سمجھا ڈالا مگر ان میں سے کوئی بھی ایمان کی طرف مائل نہ ہوا بلکہ مزید طرح طرح کے ظلم کرتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے بہت معجزات دکھائے پیار و محبت سے بھی سمجھایا مگر ان کا تکبر اور سرکشی بڑھتی ہی رہی۔ یہاں تک کہ آپ ان کی طرف سے مایوس ہو گئے۔ فرعونوں نے مسلمانوں سے تین طرح اپنا رویہ رکھا (۱) سرکشی تکبر (۲) دشمنی (۳) حضرت موسیٰ اور اسلام سے روکنا اور موقع بے موقع بلاوجہ مسلمانوں کو مارنا۔ اور تہمتیں لگانا اور یہ سب کچھ محض مال و دولت کے بل بوتے پر کرتے رہے۔ تب حضرت موسیٰ نے بددعا کے طور پر یہ کلمات عرض کئے۔ لفظ ربنا انتہائی ادب کا کلمہ ہے اور قبولیت دعا کے لئے اکسیر ہے انک اتیت سے ثابت ہوا کہ جو کچھ کسی کو ملتا ہے رب سے ہی ملتا ہے نیک ہو یا بد ظالم ہو یا مظلوم۔ لہٰذا بندے کو چاہئے کہ اسی طرف ہی متوجہ رہے اور ہر راحت و مصیبت میں اس کو یاد کرے۔ فرعون وملاہ فرعون لقب ہے شاہ مصر کا مراد یہی فرعون ہے جو مشہور ہے۔ یہ ملک مصر پر غاصبانہ قابض ہوا تھا اور حبشے کی حدود بھی اس نے فتح کر لی تھیں۔ اولاً یہ شخص معمولی تاجر کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوا جب کہ جب مصر میں عجیب لاقانونیت جاری تھی جیسا کہ آج کل پاکستان میں۔ سابقہ فرعون مصر ملکی انتظام داخلی و خارجی سے بدست تھا ارکان دولت اپنی من مانیاں کر رہے تھے ان خرافات سے فائدہ اٹھا کر یہ فرعون سارے ملک پر قابض ہو گیا۔ سیاست اور ملک رانی میں بہت ہوشیار تھا چند سالوں میں دنیا کے امیر ترین ملکوں میں مصر کا شمار ہونے لگا۔ دنیا کے چار بادشاہ بہت امیر گذرے جن میں ایک یہ بھی ہے عمر کے ایک سو سال بعد اس نے حکومت شروع کی دو سو چالیس سال حضرت موسیٰ سے پہلے اور چالیس سال بعثت موسوی کے بعد چار سو سال کی عمر میں اس کی موت ہوئی۔ یہ خود بھی امیر ترین تھا اور درباریوں کو بھی بہت زیادہ تنخواہیں اور جاگیریں دے کر رئیس اعظم بنایا ہوا تھا۔ قارون بھی ان میں سے ایک تھا۔ اگرچہ اسرائیلی تھا مگر فرعون کا تجرو

www.alahazratnetwork.org

جاسوس تھا جو حضرت موسیٰ و بنی اسرائیل کی حرکات و افعال سے فرعون کو باخبر رکھا کرتا تھا۔ ظاہراً مسلمان ہوگیا تھا مگر در پردہ فرعون کا معتمد تھا۔ زینۃ لفظ زینت مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی فیشن اور ناز نخرے کی چیزیں۔ جیسے خوشنما کپڑے اور کوٹھیاں بناؤ سنگھار کی اشیاء عطریات و زیورات پھول اور باغیچے و اموالا جمع ہے مال کی۔ جیسے سونا چاندی لعل و یاقوت ہیرے جواہرات۔ اونٹ بھینس گائے بکری گھوڑے ساز سامان۔ غرضیکہ ہر طرح کے خزانے موجود تھے۔ سونا چاندی و یاقوت حبشے کے پہاڑوں سے نکلتے تھے۔ جو ان کے ہی قبضے میں تھے۔ ہیرے جواہرات سمندری علاقوں سے دستیاب تھے۔ ان مالوں سے دیگر مال خریدے جاتے تھے۔ فی الحیات الدنیا صرف دنیا کی زندگی میں ہی ان کو یہ ملے گا۔ آخرت میں نہیں۔ لیکن چونکہ یہ مال دوسرے مسلمانوں کے لئے دنیا و آخرت کی مشکلات کا باعث اور متقیوں کو ایذائے جسمانی و قلبی ہے کہ اسی مال کے بھروسے پر مسلمان کو ذلیل و خوار سمجھتے ہیں اور تعصبانہ سزائیں دیتے ہیں۔ اور کمزور دل مسلمانوں کو لالچ دے کر ورغلانے پھسلاتے ہیں۔ جن سے ان کے میلان کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لئے عرض کیا ربنا لیضلوا عن سبیلک۔ اے ہمارے رب کریم تا کہ گمراہ کریں وہ تیرے راستے سے۔ دوبارہ ربنا عرض کرنا اظہار عجز و لجاحت کے لئے ہے کیونکہ اگلا کلام قدرے درشت ہے جو اگرچہ حقیقت پر مبنی ہے مگر خالق کائنات کے شاہی دربار کے مناسب نہ تھا اس لئے کہ رب تعالیٰ کی دین پر کچھ تعرض ہے کہ اے اللہ اس لئے تو نے ان کو مال و دولت عطا کی لیضلو تا کہ وہ گمراہ کریں یا گمراہ ہو جائیں۔ یہ تین تفسیریں اس لئے ہیں کہ علماء کرام لیضلوا کے لام میں اختلاف کرتے ہیں چنانچہ حمزہ اور کسائی نحوی اس کو لام امر کہتے ہیں اور ترجمہ کرتے ہیں تا کہ گمراہ رہیں فراء نحوی کہتے ہیں لام تعلیلیہ ہے اس لحاظ سے پہلا ترجمہ ہوگا۔ یہی قول اعلحضرت اور صدر الافاضل کا ہے۔ اخفش نحوی نے کہا کہ لام عاقبت کا ہے۔ یعنی آئندہ اس مال کے بل بوتے پر گمراہ ہو جائیں (تفسیر کبیر و معانی) مقصد کلام یہ ہے کہ اموال دنیا شر ہے اور شر سے شر ہی پیدا ہوتا ہے اسی لئے وہ شریروں کو ہی دیا جاتا ہے۔ عن سبیلک اللہ کا راستہ دین حق اور قانون شریعت ہے اور یہ دونوں نبی علیہ السلام کی فرمانبرداری اور تعظیم سے حاصل ہوتی ہے۔ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہ سب کلام استفہام انکاری ہو۔ اور مطلب یہ ہو کہ اے رب کریم کیا تو نے ان کو مال اس لئے دیا تھا کہ یہ لوگوں کو یا خود کو گمراہ کرتے پھریں۔ یعنی تو نے یہ مال اس لئے نہ دیا بلکہ اس لئے دیا تھا کہ یہ دولت دنیا لے کر عابد و ساجد شکر گزار بندے بن جاتے۔ تو یہ لام تعلیلیہ مجازی ہے (روح البیان) مگر چونکہ انہوں نے بجائے شکر گذار بندہ بننے کے۔ گمراہی و گمراہ گری اختیار کی لہٰذا ربنا اطمس علی اموالھم۔ اے ہمارے رب کریم برباد کر دے ان کے مال۔ یہاں پھر ربنا عرض کرنا یا لذت اسم پاک حاصل کرنے کے لئے ہے اور یا اس لئے کہ ابتداء بددعا یہاں سے ہو رہی ہے۔ اور لفظ ربنا بددعا بددعا کے قبولیت کے لئے اکسیر ہے۔ اطمس طمس سے بنا ہے۔ اس کے معنی ہیں بدل ڈالنا یا بربادی و ہلاکت میں ڈالنا۔ یہ بددعا تب کی گئی جب کہ حضرت موسیٰ نے علم غیب کے ذریعے حتماً و یقیناً پتہ لگا لیا تھا کہ اب یہ فرعونی لوگ راہ راست پر آ ہی نہیں سکتے گویا کہ نجس العین ہو چکے ہیں۔ ان کی دولت باقی رہنے سے فساد اور گمراہی زیادہ ہی پھیلے گی کہ کچھ یہ خود طوعاً و کرہاً مرتد بنائیں گے اور کچھ لوگ لالچی طبیعت والے گمراہیوں کے پاس بیٹھ کر اور ان لوگوں کی شان و شوکت دیکھ کر فرعون کی طرف

www.alahazratnetwork.org

راغب ہونے کی قلبی خواہش کریں گے۔ نماز روزہ اور ایمان میں ان کا دل نہ لگے گا ہر وقت رشک کی بیماری میں مبتلا رہنے کی بنا پر دولت ایمانی اور لذت صحبت نبوت کی قدر نہ کریں گے۔ اور جو معرفت ان کو حاصل ہونی چاہئے وہ نہ ہوگی اس لئے یہ بددعا فرمائی۔ لیکن چونکہ مقصود بروں کو ہلاک کرنا نہیں بلکہ غریب کر کے رسوا کرنا ہے جس سے ان کی سرکشی غرور بھی ٹوٹ جائے اور مسلمانوں کو بھی ان کی ذلت آمیز زندگی کا مشاہدہ ہو جائے اور وہ دامن نبوت و دولت ایمانی کو غنیمت سمجھیں اور اسلام کی طرف اپنی پیش قدمی پر شاداں و فرحاں ہوں۔ جیسے کہ خشک روٹی کھانے والا مرغن غذا والے پر رشک کرتا ہے لیکن جب اس کو بے شمار بیماریوں میں مبتلا دیکھتا ہے تو شکر کرتا ہے کہ کتنا اچھا ہوا ہو جو میں نے مرغن غذا نہ کھائی۔ اسی طرح غریب دنیا دار امرا کو دیکھ رشک کرتا ہے لیکن جب شاہی عتاب امرا پر وارد ہوتا ہے اور ان کی جائدادیں و کارخانے ضبط ہوتے ہیں۔ اور امرا اپنے بنائے ہوئے کارخانوں سے دھکے دے کر نکال دیئے جاتے ہیں تب ان غربا کو اپنی حالت پر ناز آتا ہے۔ اسی لئے علماء کرام منع فرماتے ہیں امراء کی مجلسوں سے یہ عبرت مشاہدے میں ہوتی نہ ہلاکت میں۔ کیونکہ ذلت کی زندگی سے تو امراء لوگ خود مرنے کو ترجیح دیتے ہیں ان وجوہ سے عرض کیا **علی اموالھم** ۔تفسیر صاوی نے فرمایا حضرت موسیٰ کے نو معجزات میں ایک معجزہ طمس ہے جس کا اظہار اس بددعا کی قبولیت سے ہوا۔ یہاں بھی اموال جمع ہے۔ یعنی اے اللہ تعالیٰ ان کے ہر قسم کے سب مال ہلاکت فرما دے اور پھر یہ بھی نہ ہو کہ غریب ہو کر عاجز ہوں اور دیگر لوگوں کو ان پر ترس آئے وہ ان کی امداد کریں بلکہ **واشدد علی قلوبھم** ۔ان کے دلوں پر خوب سختی ڈال دے۔ یہ دوسری بددعا ہے یعنی اے اللہ ان میں اب عاجزی پیدا نہ ہو بلکہ غریبی میں بھی ان کا تکبر نہ ٹوٹے۔ یہ بددعا بہت سخت ہے اس لئے کہ امیر آدمی تو اپنی دولت کے ذریعے دنیا والوں کی مصیبت سے بچتا ہے اور غریب آدمی عجز و انکسار شفقت و محبت خدمت گذاری کے ذریعے بچتا ہے لیکن جب غربت اور اکڑ دونوں جمع ہو جائیں تو ہر طرح کی ذلت سامنے ہوتی ہے۔ ہر طرف سے دھکے کھاتا ہے۔ مغرور کو ایمان بھی نصیب نہیں ہوتا۔ ظاہری رکھ رکھاؤ۔ غریب و امیر سب کے لئے بہتر ہے۔ اور شکر الٰہی کا ایک طریقہ ہے اس کو غرور نہیں کہا جاتا غرور و تکبر کا فعل ہے۔ اسی لئے عرض کیا گیا۔ **علی قلوبھم** ۔مرکز عجز و تکبر۔ نیکی و سرکشی۔ قلب انسانی ہے۔ اس کا ظہور جسم حاضری پر ہوتا ہے۔ جب دل میں عجز ہو تو اعضاء پر اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں کہ زبان پر ایمان اور ہاتھ پاؤں پر نماز سجدہ سجود۔ اسی لئے جب دل میں تکبر ہو تو زبان پر کفر اعضاء پر ظلم و تعدی۔ بددعا شدت تامہ کی تھی۔ اس لئے عرض بارگاہ خداوندی کیا گیا **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** ۔پس نہ ایمان لائیں وہ یہاں تک کہ دیکھ لیں دردناک عذاب۔ چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پتہ لگ گیا تھا بذریعے وحی الٰہی کہ یہ لوگ ہرگز ایمان نہ لائیں گے ان کے دل مہر شدہ ہیں اس لئے یہ دعا کی۔ انبیاء کرام کے لئے جائز ہے کہ کسی کے ایمان یا کفر کی خواہش کریں۔ کیونکہ وہ انجام سے باخبر ہوتے ہیں۔ جیسے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بددعا کی **رب لا تذر علی الارض من الکفرین دیارا** ۔اے میرے رب زمین پر کسی سرکش کافر کو نہ چھوڑ۔ کسی اور شخص کو جائز نہیں کہ کسی کفر پر رہنے مسلمان نہ ہونے کی بددعا دے۔ کہ یہ سخت گناہ ہے۔ عذاب الیم کے دو مطلب ہو سکتے ہیں اور ایمان سے بھی دو چیزیں مراد ہو سکتی ہیں۔ ایمان سے یا تو شرعی ایمان مراد ہے یعنی قانون

www.alahazratnetwork.org

الٰہی کو ماننا یا عاجز ہونا رہا اسی لحاظ سے عذاب الیم دردناک عذاب ہے یا تو دنیا کی ذلت وخواری ہے یا مرتے وقت کا خدائی عذاب مگر دونوں میں پہلے معنی درست ہیں لفظ حتی یا بمعنی لام کے ہے یعنی تا کہ وہ دردناک عذاب دوزخ دیکھیں۔ اور یا حتی الی ان کے معنی میں ہے۔ یعنی یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب دیکھ لیں۔ یہی اعلحضرت نے فرمایا اور مطلب یہ ہوا کہ اے رب وہ کافر لوگ اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ دردناک ذلت نہ دیکھ لیں تا کہ دیگر مسلمانوں کو دولت اور امیروں کے برے انجام کا پتہ لگ جائے پھر کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ دولت دنیا رضاء رب کریم کی نشانی ہے اور مثال قائم ہو جائے کہ اللہ کریم فرماں برداروں سے خوش ہوتا ہے نہ کہ دولت والوں سے۔ یہ کلام بددعا کا تمہ اور انجام ہے اس عرض ومعروض کے بعد رب کریم کی طرف سے جواب ارشاد ہوا۔ قال قد اجیت دعوتکما۔ فرمایا بے شک تم دونوں کی دعا قبول کی گئی۔ اس دعا کا طریقہ یہ ہوا کہ ایک خاص مقام پر بیٹھ کر حضرت موسیٰ نے ذکر الٰہی کے بعد حضرت ہارون کو پاس بٹھا کر یہ الفاظ ادا کئے اور تین وقفے کئے حضرت ہارون تینوں مرتبہ آمین کہتے رہے۔ کیونکہ آمین بھی دعا ہے اس لئے دعا کو دونوں کی طرف منسوب فرمایا (احکام القرآن للجصاص) اگر چہ لفظ آمین دعا ہے مگر لفظ قرآن نہیں اسی لئے یہاں مذکور نہیں تو جن لوگوں نے ولا الضالین کے بعد آمین کو قرآن کریم کی ایک آیت تسلیم کیا ہے وہ صحیح نہیں یہ قبولیت بددعا کی جز ہے۔ اس کا اثر اور ظہور بہت دن بعد ہوا کہ ان کے تمام خزانے سونے چاندی ہیرے لعل وغیرہ کچھ گم ہو گئے کچھ پتھر بن گئے پھل خشک ہو گئے۔ دودھ سے جانوروں کے دودھ ختم ہو گئے یا بہت ہی کم ہو گئے (ابن کثیر ومظہری) برکت ختم ہو گئی کہ ڈھیر ساری روٹی صرف چند آدمی ختم کر جاتے پہلے پہلے تو اس طرح ہوا پھر کچھ روز بعد اور مصیبت آئی کہ عورتیں روٹیاں پکاتی تھیں جب تک ہاتھ میں رہتی آٹے کی ہوتی جب توے پر یا تندور میں جاتی پتھر کی ہو جاتی (معانی) یہ سب کچھ عذاب الٰہی اور نبی کی گستاخی اور نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر سمجھنے کا نتیجہ تھا۔ مگر یہ فرعون وفرعونی اب بھی بوجہ قساوۃ قلبی (جو بددعاء موسوی سے ہوئی تھی) یہی کہتے رہے کہ یہ تو اتفاقی حادثہ ہے۔ پھر یہ مصیبت آئی کہ انسان بھی پتھر بننے لگے مگر یہ قول ضعیف ہے کیونکہ وہ بددعا صرف مال کے لئے تھی (خازن) اب سب پریشان ہوئے غلہ ختم ہونے لگا آگے خریدنے پیسے نہ رہے۔ فرعون جو خزانوں کے بھروسے پر خدائی کئے بیٹھا تھا سخت مضطرب تھا پہلے کی طرح اس کی سخاوتیں بھی ختم ہو گئیں ابن الوقت قسم کے لوگ علی الاعلان اس سے برگشتہ ہو گئے کچھ در پردہ اس کو گالیاں دیتے یہ سب عذاب کافروں کے لئے ہی تھا مگر مسلمان بہت شاداں وفرحاں تھے اور ان کے انجام سے مسرور تھے تب فرعونیوں نے مشورہ کیا کہ منافقانہ طور پر حضرت موسیٰ سے معافی مانگیں اور التجاء دعا کریں۔ تب سب کے سب قبطی بجز فرعون حاضر ہوئے روئے گڑگڑائے اور جھوٹے آنسو بہائے تو حضرت موسیٰ کی دعا سے یہ عذاب ختم ہوا لیکن پتھر بنے ہوئے ہیرے جواہرات اور روپے پیسے ویسے ہی رہے اور آج تک مصر میں عجائب خانوں میں دیکھے جاتے ہیں عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک تھیلی منگا کر دیکھی تھی جس میں انڈے اور اخروٹ پتھر بنے ہوئے اسی شکل میں تھے۔ اب باقی رکھنا صرف شان انبیاء کرام اور بددعاء نبی کا اثر دکھانا مقصود ہے (تفسیر مواہب الرحمٰن) یہاں تو یہ لوگ معافی مانگ کر وعدہ ایمانی کر کے چلے گئے اور رحیم کریم نبی نے ساری فریب کاری اور بناوٹ کی عاجزی کو سمجھتے ہوئے دعا سے عذاب ختم

www.alahazratnetwork.org

کرادیا۔ لیکن یہ منافق چند دن بعد پھر سرکش ہو گئے تو ان پر خون کا عذاب آیا کہ ان کے تمام پانی خون سالن دودھ گھی سب خون۔ جب بھوکے مرنے لگے تو ایک حیلہ کیا کہ بنی اسرائیل مسلمان فرعونی کے منہ میں تھوکتے تو وہاں جا کر پھر خون بن جاتا۔ اللہ اکبر۔ کتنا سخت عذاب ہے کتنی ذلت کی زندگی ہے کہ جن کو یہ مغرور لوگ ذلیل سمجھتے تھے۔ ان سے ہی اپنے منہ میں تھکوار ہے ہیں۔ یہ ہے بددعا کا ظہور۔ مجبور ہو کر پھر حضرت موسیٰ کے قدموں میں گرے۔ آپ کو پھر رحم آ گیا اور دعا سے یہ عذاب بھی دور کرایا۔ قربان جاؤ نبی کی رحمی کے جب یہ رحم کلیم اللہ کا ظہور ہے تو بتاؤ میرے آقا رحمۃ اللعالمین کے رحم کی کیا شان ہوگی۔ یہ لوگ پھر بے ایمان ہو گئے تو ان پر مینڈک کا عذاب آیا۔ پھر روئے پیٹے تو پھر کلیم اللہ کو رحم آ گیا۔ دعا کی تو پھر عذاب ختم ہوا تو پھر بے ایمان ہو گئے یہ تھی ان کی سخت دلی جو نبی کی بددعا سے ہوئی۔ آخری عذاب غرق فرعونی کا ہوا۔ حضرت موسیٰ کی بددعا بارگاہ رب العزت میں قبول تو ہو گئی مگر اس کا ظہور چونکہ کچھ عرصے بعد ہونا تھا اس لئے فرمایا فاستقیما۔ یہ تم دونوں ثابت قدم رہو۔ یعنی ظہور سے دیری میں گھبرا نہ جانا۔ اس لئے کہ رب تعالیٰ کے عتاب دیر سے آتے ہیں مگر آتے سخت ہیں۔ اس بددعا کی ابتدا بہت عرصے بعد ہوئی۔ چنانچہ ابن جریر ابن جریج سے روایت کرتے ہیں کہ چالیس سال بعد یہ طمس کا عذاب شروع ہوا۔ (معانی) فاستقیما کا یہ بھی مطلب ہے کہ اے موسیٰ تم تبلیغ نہ چھوڑنا اپنا وہی طریقہ جاری رکھنا۔ اگرچہ ان کا مومن نہ ہونا حتماً ثابت ہو چکا ہے۔ دیکھو آقائے کائنات کو ابوجہل کا مختوم من اللہ ہونے کا علم تھا مگر آپ نے اس کے مرتے دم تک تبلیغ فرمائی میدان بدر میں بھی تین مرتبہ سمجھایا اور دعوت اسلام دی ولا تتبعن سبیل الذین لایعلمون اور اے اللہ کے دونوں نبیوں بے علموں جاہلوں کے راستوں پر نہ جانا ان کی باتوں میں نہ آنا۔ یا اس طرح کہ عذاب میں دیر لگے کفار طعنہ بازیاں کریں اور تمہارے دل پر رنج و غم کا اثر ہو۔ یا اس طرح کہ بار بار ایسی بددعائیں کرنے لگ جاؤ اور جلد بازی کرتے ہوئے دل میں ہیجان اور پریشانی پیدا ہو ایسا نہ کرنا۔ کیونکہ جلد بازی جہلا کا کام ہے۔ یا اس طرح کہ قبولیت سے مایوسی بھی کافر اور جاہل کا کام ہے۔ اگرچہ یہ کیفیات۔ قلبی اثر سے ہوتی ہیں جس پر انسان کو قابو نہیں مگر انبیاء کرام کی شان سے یہ بھی محال ہیں۔ اس لئے بعض نحوی علماء نے لاتتبعن کو فعل نہی نہ مانا بلکہ لا نفی سے فعل منفی ثابت کیا جس کا ترجمہ ہے۔ انہوں نے ہرگز پیروی نہ کی۔ جن لوگوں نے اس کو فعل نہی مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ نہی عن المحال سے صرف مسلمانوں کو سبق دینے کے لئے جیسے کہ یاایھاالنبی اتق اللہ (اے نبی اللہ سے ڈرو (کبیر)

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ رحیم و کریم بھی ہے حلیم بھی اور جبار و قہار و بے نیاز و بے پرواہ بھی ہے اپنے نبی کی دلجوئی کے لئے سارے کفار کا ستیاناس فرما دیتا ہے۔ یہ فائدہ آیت کے سارے مضمون سے حاصل ہوا لہذا معتزل فرقے کا یہ کہنا غلط ہوا کہ اللہ تعالیٰ صرف رحیم ہے۔

دوسرا فائدہ: جس کو جو کچھ ملتا ہے وہ اللہ ہی دیتا ہے۔ اور اپنے بندوں پر قادر و قیوم ہے جب چاہے چھین لے دینا اپنے کرم سے ہے مگر چھینتا ہے سرکشی اور ظلم یا نبی ولی کی بددعا سے اور تب نبی ولی کی بددعا سے ملی ہوئی دولت و عزت برباد ہو سکتی

www.alahazratnetwork.org

ہے تو ان اللہ کے پیاروں کی دعاؤں سے دونوں جہان کی دولت وعزت عطا بھی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا ہم گناہگاروں کو چاہئے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کی بددعاؤں سے بچیں۔ ان کی دعائیں حاصل کریں اللہ توفیق دے۔

تیسرا فائدہ: باطل میں صرف شور ہے جس کو آخر فنا ہے۔ مگر زور اور بقاءِ ابدیت صرف حق میں ہے لہٰذا صرف شور سے متاثر نہیں چاہئے۔

چوتھا فائدہ: دنیا کی دولت۔ اور دنیا کی زیادہ مشغولیت۔ غفلت۔ اور سختیءِ دل۔ گمراہی وکفر کا سبب ہے۔ اور بارگاہ سے دوری کا نتیجہ ہے قرب خداوندی اور دین وایمان نبی کریم کے دامن سے ملتا ہے۔ بندے کو چاہئے دنیا کی طرف نہ دوڑے۔ کیونکہ طالب الدنیا مردود۔

پانچواں فائدہ: جلد بازی۔ شیطان اور جاہلوں کا کام ہے۔

چھٹا فائدہ: علماء کو چاہئے کہ ہر وقت تبلیغ کئے جائیں کوئی مانے یا نہ مانے اور لوگوں کو بھی تبلیغ کریں خود کو بھی ساتواں فائدہ اللہ کے نبی صرف طالب مولیٰ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور اللہ کے دین کے طالب ہوتے ہیں۔ دنیا اور دنیا والوں سے بے غرض اور ان کے کردار سے متنفر ہوتے ہیں ان کو اپنی پارٹی بنانے کی خواہش نہیں ہوتی ان کو ہزار کفار کے مقابلے میں۔ ایک کمزور اور غریب اللہ کا بندہ پیارا ہوتا ہے۔ ان کو مجرم انسانوں کے بقا کی ضرورت نہیں۔ بلکہ اللہ اور اللہ کے قانون کے بقا کی ضرورت ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ عالم اور پیر مسلمان لیڈر۔ عبرت پکڑے۔ جو صرف اپنے مقتدیوں کی یا مریدوں کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے ہر اچھے برے کو مرید بنالیتا ہے اور دین کو ان کے لئے نرم کرنے کی کوشش کرتے ہوئے ہر جائز وناجائز بات میں جی ہاں کر دیتا ہے۔ مبلغ اور پیر طریقت کو چاہئے کہ دین کے معاملے میں حضرت موسیٰ جیسی طبیعت بنائے۔ ابن الوقتی اور نرمی بے جا۔ سراسر نقصان وہ ہے کہ اللہ کی ناراضی کا سبب ہے۔

اعتراضات: یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: کفر کی بددعا گناہ ہے حضرت موسیٰ وہارون نے کیوں کی۔

جواب: اس کے لئے گناہ ہے جس کو انجام کا پتہ نہ ہو ان حضرات کرام کو علم غیب سے فرعونیوں کے کفر یہ انجام کا پتہ تھا لہٰذا ان کے لئے گناہ نہیں اسی لئے رب کریم نے قبولیت کا تمغہ بھی عطا فرمایا۔

دوسرا اعتراض: مفسرین فرماتے ہیں کہ طمس۔ حضرت موسیٰ کا معجزہ تھا۔ اگر یہ صحیح ہے تو پھر بددعا کیوں کی اور چالیس سال تک انتظار بھی کیا۔ جس کے لئے رب نے تسلی کے حکم بھی فرمائے۔ معجزہ تو نبی کے قبضے میں ہوتا ہے۔

جواب: طمس کے لغوی معنی ہیں مال برباد ہونا جس کی بہت سی صورتیں ہو سکتی تھیں مگر اس طرح عجیب طریقہ سے کہ سب مال اسی شکل پر رہتے ہوئے پتھر بن جائے۔ یہ معجزہ تھا اور بددعا کرنا اس معجزے کے ظہور کی اجازت لینی تھی۔ معجزے کی شرعی تعریف یہ ہے کہ وہ کام جو خرق عادت وحیران کن ہو اور نبی کی رضا کے لئے ہو۔ خواہ نبی کے ہاتھ سے اور اختیار سے ہو یا نبی کے عرض ومعروض سے اور تسلی کے کلمات نہی عن الحال ہے جو حضرت امت کے سبق کے لئے ہے یا یہ جملہ خبر یہ منفیہ ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جیسا کہ تفسیر میں بیان کیا گیا۔

تیسرا اعتراض: اللہ تعالیٰ کسی کے کفر سے راضی نہیں ہوتا تو یہاں کیوں راضی ہوا اور جب رضا ہوئی تو رضا کے مطابق کام کرنا عین ایمان ہونا چاہئے۔ پھر کفر عین رضا ہوا۔ اور مطابقت رضا باعث جنت ہے (معتزلہ) جواب مشیت الٰہی تین قسم کی ہے۔ (۱) حکم (۲) قانون (۳) رضا یہاں حکم ہے۔ شیطان و کفار کی پیدائش قانون ہے۔ مومنین تبع بنا رضا ہے۔ کفر پر رضا نہیں ہو سکتی۔ صرف حکم ہوتا ہے۔ ورنہ ابلیس و کفار کی خلقت میں کیا کہو گے۔

تفسیر صوفیانہ: سرکش انسان جب نفس فرعون کے ماتحت ہو کر ظلم اور بدعملی سے پُر ظلمت کی دبیز تہوں میں دبتا چلا جاتا ہے اور روح ایمانی شدت جفا سے تڑپ جاتی ہے تو قلب اور نفس مطمئن آہستہ آہستہ سمجھاتے رہتے ہیں۔ مگر سرکش نفس حرکات شیطانیہ سے باز نہیں آتا جس کا اثر سارے قالب پر وارد ہوتا ہے اور انسان عجیب طرح کی پریشانی اضطراب محسوس کرتا ہے ہر مومن پر ایک بار ایسا وقت آتا ہے کہ دنیا سے اکتا کر رجوع الی اللہ کی خواہش کرتا۔ تب قلب مومن و نفس مطمئنہ مجبور مومن کی دعا اور امارہ کی بددعا کے لئے بارگاہ میں جھک پڑتے ہیں اور بارگاہ ایزدی میں اس طرح دعا کرتے ہیں کہ قلب کی صدا بلند ہوتی ہے اور نفس مطمئن یعنی ضمیر انسانی آمین کہتا ہے اور عرض کرتے ہیں **ربنا اطمس علی اموالھم** الٰہی نفس و نفسیات کی خواہشوں کو خس و خاشاک کر دے **و اشدد علی قلوبھم** سختی ڈال دے ان کے ارادوں پر **فلا یومنوا حتی یروا العذاب الالیم** پس وہ آخرت حقیقہ پر ایمان نہ لائیں اور طلب رضا کے راستے پر نہ چلیں جب تک کہ ترک شہوات کی لگام کا عذاب الیم نہ چکھ لیں اور ترک خواہشات نفس کی موت ہے اور انسان موت سے پہلے ہوش میں نہیں آتا (تفسیر روح البیان مع زیادت) حضرت علی فرماتے ہیں دعا رب کے خزانوں کی چابی ہے۔ جو اللہ کریم نے بندوں کو عطا فرمائی اور عجز و انکسار اس چابی کے دندانے ہیں۔ جب قلب مومن کی آہوں بھری دعائیں سوئے عرش پہنچتی ہیں تو خطاب آتا ہے **قال قد اجیبت دعوتکما فاستقیما و لا تتبعان سبیل الذین لا یعلمون** تمہاری دعا قبول ہوئی کیونکہ مقام معرفت سے طلب سوال ہے اور مقام معرفت الٰہیہ مکان اجابت ہے جس نے مکان اجابت کو نہ پہنچا تا اس سے دعا غیر مستحسن ہے یہیں سے معرفت رضا اور بسط و سکر کا حصول ہوتا ہے **فاستقیما** ذلت و عاجزی میں ہمیشہ قائم و دائم رہو کہ وصل تجلیات کا حصول عجز میں ہی ہے۔ (عرائس) بایزید بسطامی نے فرمایا کہ میں نے تیس سال لگا تار عبادت کی۔ تو مجھ کو غیب سے آواز آئی کہ ابو یزید اللہ کے خزانے عبادتوں سے بھرے ہوئے ہیں اگر تجھ کو لذت وصل الٰہی چاہئے تو ذلت و فقیری و عجز تلاش کر۔ شعر۔

فقیر و خستہ بدرگاہت آوردم رحمے   کہ جز دعائے تو ام نیست ہیچ دست آویز

اور کسی حالت میں بھی نفس سرکس کے پھندے اور ورغلانے میں نہ آنا۔ نہ تو ہر لباس و ہر حالت میں آکر ورغلائے گا۔

اللھم ثبت اقدامی علی صراط المستقیم۔

www.alahazratnetwork.org

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

اور بڑھایا ہم نے کو بنی اسرائیل دریا پس پیچھے چلا ان کے فرعون

اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے تو فرعون اور اس کے لشکروں نے ان کا

وَجُنُوْدُهٗ بَغْیًا وَّعَدْوًا ؕ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ ۙ

اور اس کا لشکر سرکشی اور دشمنی میں یہاں تک کہ جب پایا اس کو ڈوبنے نے

پیچھا کیا سرکشی اور ظلم سے یہاں تک کہ جب اسے ڈوبنے نے آلیا

قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْۤ اٰمَنَتْ بِهٖ

بولا میں ایمان لایا شان یہ ہے کہ نہیں کوئی معبود مگر وہ کہ ایمان لائے جس پر

بولا میں ایمان لایا اس پر کہ کوئی سچا معبود نہیں سوا اس کے جس پر بنی اسرائیل

بَنُوْۤا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۹۰﴾ آٰلْـٰٔنَ

بنی اسرائیل اور میں سے مسلمانوں ارے اب

ایمان لائے اور میں مسلمان ہوں کیا اب

وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۹۱﴾

حالانکہ بیشک نافرمان رہا تو پہلے اور تھا تو سے فسادیوں

اور پہلے سے نافرمان رہا اور تو فسادی تھا

فَالْیَوْمَ نُنَجِّیْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ

تو آج سے ظاہر رکھیں گے ہم تجھ کو ساتھ لاش تیری تاکہ ہو تو لیے اس کے جو

آج ہم تیری لاش کو اترا دیں گے کہ تو اپنے پچھلوں کے لیے نشانی

اٰیَةً ؕ وَاِنَّ كَثِیْرًا مِّنَ النَّاسِ عَنْ اٰیٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ ﴿۹۲﴾ ع ۹ ۱۴

پیچھے تیرے نشانی اور بیشک بہت سے لوگ سے آیتوں ہماری البتہ غافل ہیں

ہو اور بے شک لوگ ہماری آیتوں سے غافل ہیں

تعلق: اس آیت کے پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پہلی آیت میں بد دعائے موسوی کا ابتدائی ذکر تھا اس میں اس کے انجام کا انتہائی ذکر ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں اشارتاً دنیاوی لحاظ سے بنی اسرائیل کی کس مپرسی اور مظلومیت اور فرعونیوں کی عیش پرستی۔ ظلم اور مغروریت کا ذکر تھا اس آیت کریمہ میں بنی اسرائیل کی بارگاہ خداوندی میں مقبولیت اور عزت۔ فرعونیوں کی ذلت و ہلاکت کا ذکر ہے۔ گویا کہ ہر کمالے را زوالے ہر زوالے را کمال کا عملی مظاہرہ ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں اس چیز کا ذکر تھا کہ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام بار بار کہتے تھے کہ اے فرعون بندہ بن جا ایمان لے آ۔ مگر وہ دولت و عزت کی وجہ سے مانتا نہ تھا۔ اس آیت میں اس کے ایمان کا ذکر ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام نہیں مانگتے۔ کہ ماننے کا وقت نکل گیا۔ اب ایمان لانا معتبر نہیں۔ سچ فرمایا اعلیٰحضرت نے شعر۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے　　　پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا۔

اس لئے کہ گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں۔ شعر

جب چڑیاں چگ گئیں کھیت　　　پھر ہووہو سے کیا ہووت ہے

www.alahazratnetwork.org

جملہ شرط ہے۔ ادرکہ۔ درک سے مشتق ہے بمعنی پیچھے آگے بڑھ کر کسی کو پکڑ لینا۔ یا پالینا۔ ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع فرعون ہے یا سب لشکر ہے مفعول بہ ہے الغرق مصدر بمعنی اسم فاعل غرق مصدر لازم ہے اس کا معنی ہے ڈوبنا۔ یہاں اسم فاعل کے معنی میں ہو کر ڈوبنے والا کے معنی میں ہوا یعنی پانی قال امنت انہ لا الہ الا الذی امنت بہ بنو اسرائیل و انا من المسلمین قال فعل ماضی ہے قول سے بنا اس کا فاعل فرعون اور لفظ قال کلام لفظی پر دال ہے نہ کہ نفسی اس کا مقولہ اگلا کلام امنت ہے۔ امنت واحد متکلم کا فاعل بھی فرعون متکلم ہے۔ امن سے مشتق ہے۔ اس کا مطلب ہے اللہ کی وحدانیت اور اس کے نبی کی نبوت پر دل کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ایمان لانا۔ یہاں اس وقت فرعون کے کلام سے ایسا ہی مراد ہے۔ آمنت سے لے کر مسلمین تک تمام عبارت قال کا مقولہ ہے۔ انہ میں تین قول ہیں پہلا یہ کہ انہ زبر والا ہے اور لفظ امنت متعدی بنفسہٖ ہے دوسرا یہ کہ انہ دراصل بانہ تھا اور امنت متعدی بالباء ہے حرف ب کو گرادیا گیا بوجہ تخفیف سوم یہ کہ انہ سے پہلے لفظ قول پوشیدہ ہے اور یہ انہ ہے زیر ہے۔ یہ قاری حمزہ کا مذہب ہے۔ کسائی نحوی کہتے ہیں۔ یہ جملہ استئنافیہ ہے اس لئے انہ ہے زیر کے ساتھ۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ کسائی کے نزدیک انہ کا جملہ امنت کا بدل ہے۔ ہ ضمیر شان اسم ان ہے (معانی) پہلے صحیح مسلک کے مطابق انہ کا پورا جملہ امنت کا مفعول بہ ہے لا الہ الا الذی۔ لا نافیہ کبھی۔ مطلق نفی کے لئے ہوتا ہے اور کبھی نفی مطلق کے لئے یہاں مطلق نفی کے لئے ہے۔ لفظ الہ۔ اسم لا ہے۔ الاحرف استثنا ماقبل کو توڑتا ہے۔ یہاں بھی لا الہ کی مطلق نفی کو توڑ کر الذی کو ثابت کر رہا ہے الذی اسم موصول ہے۔ اور پوری عبارت ان کی خبر ہے آمنت واحد مونث غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل بنی اسرائیل ہے۔ بہ ب بمعنی علی ہے ہ کا مرجع الذی ہے۔ بنو اسرائیل جمع مذکر سالم ہے نون اضافت کی وجہ سے گرگئی۔ یہاں امنت مونث اس لئے ہے کہ قبیلہ پوشیدہ ہے۔ بنو اسرائیل اس کا بدل ہے۔ کیونکہ بنو اسرائیل سے یہاں اسرائیل کے بیٹے مراد نہیں بلکہ پورا قبیلہ مراد ہے۔ قبیلہ مونث کی بنا پر امنت مونث آیا۔ ورنہ مذکر سالم کے لئے مذکر کا ہی صیغہ آتا ہے۔ ہاں جمع مکسر کے لئے اکثر مونث کا صیغہ آتا ہے کیونکہ بمعنی جماعت ہوتا ہے۔ و انا من المسلمین یہ تیسرا جملہ تاکیدی واؤ عاطفہ یا تفسیریہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یعنی۔ و انا من المسلمین یہ تیسرا جملہ تاکیدی واؤ عاطفہ ہے تفسیر یہ ہے۔ جس کا ترجمہ ہے یعنی۔ انا متکلم کی ضمیر کا مرجع فرعون ہے من حرف جار بعضیت کا ہے المسلمین جمع مذکر سالم الف لام جنسی کی بنا پر جمع کثرت ہوگیا۔ الئن حرف غیر عاملہ ہے جملے کے شروع میں آتا ہے جملہ اسمیہ ہو فعلیہ ہے کیونکہ اس جگہ قلت یا امنت پوشیدہ۔ الئن۔ خبر یہ اور سوالیہ ہر دو طرح مستعمل ہے یہاں سوالیہ ہے۔ حرف الان دراصل فقط آن ہے جس کا معنی ہے مطلق وقت الف لام عہد ذہنی لگ کر اس وقت کے معنی ہوگئے وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ واؤ حالیہ ہے۔ اور یہ جملہ حال ہے الان کے پوشیدہ فعل کا قد عصیت ماضی قریب معروف ہے۔ قبل ظروف ستہ میں سے ایک ظرف ہے یہ مضاف ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اس لئے پیش سے مبنی ہے۔ عصیٰ ناقص یائی ہے بمعنی اکڑتے ہوئے علیحدہ ہوتا جاتا اسی سے ہے اعصا یا عصا بمعنی لاٹھی کہ وہ بھی اکڑی رہتی ہے۔ حرف واؤ عاطفہ ہے کنت کان یکون سے مشتق ہے فعل تامہ ہے بمعنی ماضی بعید معروف من المفسدین حرف من بعضیت کو بیان کرتا ہے۔ یعنی فسادیوں میں سے

www.alahazratnetwork.org

ایک فالیوم ننجیک ببدنک۔ف تعقیبیہ ہے۔یعنی تیرے مرنے کے بعد الیوم۔الف لام عہد ذہنی یوم بمعنی عام دن الف لام نے عام کو خاص کردیا۔اور مطلب ہوا آج ننجی باب تفعیل کا مضارع معروف جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ۔نجیٰ سے مشتق ہے۔بمعنی بچالینا ک ضمیر واحد مذکر حاضر ہمیشہ روح مع الجسد کے لئے بولا جاتا ہے۔لیکن جب قید لگادی جائے تو قید ہی کا اعتبار ہوگا بلا قید زندہ کے لئے استعمال ہوتا ہے۔اگر یہاں اگلی قید نہ ہوتی تو زندہ فرعون کی نجات مراد ہوتی مگر ببدنک کی قید سے مردہ فرعون مراد ہوا ب زائدہ ہے روح البیان نے کہا ب مصاحبت کی ہے مگر یہ غلط ہے۔بدن سے مراد پورا جسم ہے مضاف ہے مضاف الیہ ک ضمیر۔یہ مرکب اضافی بدل ہے پہلے ک کا۔یعنی صرف تیرے بدن کو بچایا جائے گا لتکون لمن خلفک ایۃ لتکون۔کا لام تعلیلیہ ہے تکون واحد مذکر کا صیغہ ہے فعل تامہ ہے صار کے معنی میں۔اس کا فاعل فرعون ہے لمن کا لام حرف جار بمعنی عبرت۔من اسم موصول خبریہ ہے نہ کہ استفہامیہ خلفک خلف ظروف ستہ میں سے ایک ظرف ہے مرکب اضافی ظاہر ہے۔جمع نہیں معرب ہے ہے ایۃ بمعنی نشانی قدرت وان کثیرا من الناس عن ایاتنا لغفلون واؤ سرجملہ ہے۔ان حرف تحقیق کلام کی مضبوطی کا فائدہ دیتا ہے شروع جملے میں ہمیشہ ان کسرہ سے آتا ہے درمیان جملے میں ان زبروالا آتا ہے کثیرا کثرت سے بنا ہے مبالغہ کا صیغہ ہے من تبعیضیہ ہے جس نے کلیت کو ختم کردیا اگر کثیر نہ ہوتا تو تھوڑے لوگ مراد ہوتے مگر کثیر نے زیادتی ثابت کی اچھوں میں کم کو بیان کیا۔الناس میں الف لام استغراقی ہے یعنی تمام لوگوں میں سے زیادہ لوگ ناس نسیان سے ہے بمعنی بھولنے والی مخلوق عن حرف کبھی صرف بچنے کے لئے آتا ہے یہاں یہی معنی مراد ہیں آیات جمع ہے آیت کی مشترک المعانی ہے (۱) کلام اللہ (۲) معجزات (۳) عذاب دنیا (۴) نشان قدرت یہاں یہ آخری معنی زیادہ مناسب ہیں نا سے مراد اللہ تعالیٰ ہے لغافلون۔لام تاکیدی ہے یا تحقیقی یعنی یہ بات بالکل تحقیق شدہ یقینی ہے کہ وہ لوگ غافلون۔غفل سے مشتق ہے اسم فاعل جمع ہے۔غفل کے معنی پڑھ کر سیکھ کر یا دیکھ کر بھول جانا۔یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔اس میں علم کا ثبوت ہوتا ہے۔بھول جانے کی بہت سی وجوہ ہوتی ہیں بعض اچھی بعض بری۔

تفسیر عالمانہ: وجاوزنا بنی اسرائیل البحر۔اور ہم بنی اسرائیل کو دریا پار لے گئے۔یہ رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔یعنی ہم نے پار کیا اس میں جبریوں معتزلہ کا رد ہے کہ وہ کہتے تھے بندہ فعل کا خالق۔مذہب اہلسنت ہے کہ رب ہی خالق فعل ہے جیسے کہ یہاں جاوزنا سے ثابت ہوا بنی اسرائیل سے قوم اسرائیلی مراد ہے۔اس وقت یہ لوگ علاوہ بچوں عورتوں بوڑھوں کے چھ لاکھ جوان تھے (ابن کثیر) بحر سے مراد دریائے قلزم جس کو بحر سویس بھی کہتے تھے (بیان وصاوی) بہت بڑا دریا ہے اس میں بحری جہاز بھی چلتے ہیں۔اسی وجہ سے بعض لوگوں نے اس کو سمندر سمجھا۔اس کی چوڑائی اس مقام سے تقریباً دو میل تھی اس کا مختصر واقعہ اس طرح ہوا کہ تین دن پیشتر حضرت موسیٰ کو حکم ملا کہ سارے اسرائیلیوں کو خفیہ طور پر مصر سے نکال کر مقام تیہ کی طرف لے جاؤ حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کے ذریعے تمام بنی اسرائیل کو کہہ دیا کہ فلاں رات کو ہجرت کرنی ہے۔

بنی اسرائیل چونکہ اتنے امیر نہ تھے بلکہ قبطیوں کے خدام تھے۔اس لئے ہر تقریب شادی بیاہ پر عاریتاً قبطی عورتوں سے زیور مانگ لیا کرتے تھے۔اس موقعہ پر بھی تمام زیور ایک دن پہلے لے لئے بعد مغرب سب اسرائیلی حضرت موسیٰ و ہارون علیہما

www.alahazratnetwork.org

السلام کے رہنمائی میں ہجرت کر گئے ساری رات سفر کیا اور دن بھر چلتے رہے راستے میں کسی جگہ نہ ٹھہرے۔ صبح کو جب فرعونی لوگ بیدار ہوئے تو کوئی اسرائیلی نظر نہ آیا نہ کوئی کام کاج کرنے آیا۔ تب فرعون نے لشکر جمع کیا اور سب قبطیوں نے بنی اسرائیل کا پیچھا کیا فاتبعهم وجنوده بغيا وعدوا تو پیچھا کیا فرعون نے اور اس کے لشکر نے سرکشی اور بغاوت کرتے ہوئے۔ اگر چہ فرعون بادشاہ تھا لفظ بغاوت کو بادشاہ کی طرف نہیں لگایا جاتا مگر یہاں بغیاً فرمایا مقابلہ حق کی بنا پر یعنی جو بھی اللہ کے دین کی مخالفت اور دین والوں کا مقابلہ کرے وہ ہی باغی ہے اگر چہ وقت کا بادشاہ ہو۔ وعدوا۔ یہ پیچھا کرنا محض دشمنی کی بنا پر تھا۔ یا اس خطرے کے پیش نظر کہ کہیں وہ نئی حکومت نہ قائم کر لیں اگر چہ دونوں لشکر بہت تیزی سے چل رہے تھے مگر فرعون والوں نے بہت جلدی ان کو آن لیا۔ جب دور سے فرعونیوں کو دیکھا تو سخت گھبرائے۔ مگر قسمت نے یاوری کی کہ بجائے ادھر ادھر بھاگنے کے فوراً نبی کی بارگاہ میں آ گئے ان کا ایمان تھا کہ دنیا جہان کی مشکلیں یہیں حل ہوتی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے رب کریم سے عرض کیا جواب آیا کہ اپنی لاٹھی دریا کے پانی پر مارو۔ بارہ سڑکیں بن جائیں گی۔ ایسا ہی ہوا۔ تمام بنی اسرائیل ان سڑکوں پر بآسانی دریا پار کر گئے نو معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی تھا۔ ادھر یہ سب دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچے ادھر لشکر فرعون دریا کے قریب آ گیا فرعونی لوگ آٹھ لاکھ تھے (معانی التنزیل خازن) باقی بچے عورتیں بوڑھے بطور تماشائی بھی ساتھ تھے۔ سب مصر بجز ایک عورت مرد کے خالی ہو گیا تھا۔ سب مسلمان پار ہو گئے اور سڑکیں ابھی اسی طرح بنی تھیں آس پاس پہاڑوں کی شکل میں پانی کھڑا تھا عجیب ہیبت ناک نظارہ تھا۔ فرعون کو اس کے ساتھیوں نے منع کیا کہ آگے نہ بڑھنا کہ یہ معجزہ ہے۔ یہاں تیری خدائی کام نہ آئے گی مگر فرعون نے بڑے تکبرانہ انداز میں کہا کہ صرف بنی اسرائیل ہم سے زیادہ حقدار نہیں ہم بھی دریا پر کچھ حق رکھتے ہیں (ابن کثیر) یہ کہہ کر اپنی خدائی دعوے کا بھرم رکھتے ہوئے تھوڑا سا آگے بڑھا مگر قدرت کا ہیبت ناک نظارہ دیکھ کر لوٹ جانے کے ارادے سے پیچھے ہٹا تو حضرت جبریل گھوڑی پر سامنے نمودار ہوئے فرعون کا گھوڑا پیچھے چلپڑا اور روکے نہ رکا اس کی اقتدا میں سب فرعونی سرکش بھی دریا میں ان سڑکوں پر آ گئے جب سب دریا میں اتر گئے اور بیچوں بیچ آ گئے تب اولاً پانی میں کچھ حرکت پیدا ہوئی۔ سب سخت ترین ڈر گئے لگے فرعون کے منہ کو دیکھنے اس وقت حضرت جبریل نے جو شکل انسانی میں تھے فرعون کو ایک پرچہ دکھایا جس پر اسی کے قلم سے لکھا تھا کہ جو غلام اپنے مولا کی نعمتیں کھا کر پھر خود مولا بن بیٹھے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کو دریا میں ڈبو دیا جائے فرعون اپنا ہی لکھا ہوا یہ فتویٰ دیکھ کر گھبرا گیا حضرت جبریل روپوش ہو گئے اور پانی ایک دم سب کا سب آپس میں مل گیا حتى اذا ادركه الغرق یہاں تک کہ جب پکڑ لیا گھیر لیا اس کو غرق نے یہ سب غرقابی دوپہر کے وقت ہوئی۔ فرعون کے سامنے اس کے لشکر والے ڈوبنے لگے خود بھی مع گھوڑی کے ڈوب رہا تھا تو اپنی موت دیکھ کر چیخا قال امنت انه لا اله الا الذى امنت به بنو اسرائيل وانا من المسلمين۔ بولا میں ایمان لایا اس بات پر کہ اس ذات پاک کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے اور میں مسلمانوں میں سے ہوں یہ فرعون کا کلام ہے جو اس نے بہت زور سے موسیٰ علیہ السلام کی طرف منہ کر کے بطور فریاد و التجا اس خیال سے کہا کہ شاید سابقہ عذابوں کی طرح یہ عذاب بھی ٹل جائے ابھی کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ حضرت جبرئیل نے منہ میں خاک ڈال دی اور کہا کہ الان کم بخت

www.alahazratnetwork.org

اب ایمان لاتا ہے۔ فرعون کا یہ کلام بہت واضح ہے۔ پہلا جملہ اقرار ہے دوسرا جملے کا جملہ ایمان کی نسبت ہے۔ تیسرا جملہ تاکید ہے یا وضاحت۔ بعض مفسرین نے کہا یہ کلام نفسی ہے یعنی اس نے دل میں کہا مگر یہ صحیح نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرعون کے اس آخری کلام کا ابوجہل کے آخری کلام سے تقابل فرمایا ہے کہ ارشاد ہوا ہمارا فرعون یعنی ابوجہل فرعون موسیٰ سے سخت نکلا کہ اس کا غرور واکڑ مرتے وقت ختم ہوگئی اور کہا کہ امنت مگر ابوجہل مرتے وقت بھی سرداری کی اکڑ میں لمبی گردن کٹوانے کا حکم زبان سے دے رہا ہے دونوں کلاموں کا تقابل ہے تو جب ابوجہل کا کلام متفقاً لسانی ہے پس فرعون کا بھی زبانی قول ہوا نہ کہ نفسی۔ وقد عصیت قبل و کنت من المفسدین۔ حالانکہ تو اس سے پہلے تک نافرمان رہا اور تو بڑے فسادیوں میں تھا۔ کہ اپنے کو معبود کہلاتا رہا۔ خیال رہے کہ فساد تین قسم کا ہے (۱) قتل عام (۲) شرک (۳) تحقیق اہل اللہ فرعون سے یہ تینوں باتیں صادر ہوئیں۔ یہ کلام جبرئیل کا ہے یا اللہ تعالیٰ کا۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے جو صدائے ہاتف سے یا زبان جبرئیل سے فرعون کو سنایا گیا۔ اور اس آیت سے حتماً ثابت ہوا کہ فرعون کا یہ اس وقت کا ایمان لانا قبول نہیں ہوا اور کفر کی موت مرا۔ محی الدین عربی اور جلال الدین دوانی کا یہ فرمانا کہ فرعون پاک ہو کر مرا لغو ہے۔ اس کے علاوہ دیگر بہت سی آیات بھی کفر فرعون پر دال ہیں فالیوم ننجیک ببدنک لتکون لمن خلفک ایۃ پس آج ہم تیری بدن کو بچالیں گے تاکہ تو قیامت تک پچھلوں کے لئے عبرت کا نشان بن جائے۔ یہ بھی رب تعالیٰ کا کلام ہے اسی نے ثابت کیا کہ پہلا کلام الان (الخ) بھی رب کا کلام ہے۔ یہ کلام فرعون نے کانوں سنا اور ابھی کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ ایک زبردست لہر اٹھی جس نے فرعون کو مع گھوڑے ڈبو دیا اور پھر لاش کو پانی نے دوسرے کنارے جہاں بنی اسرائیل خوف زدہ اسی تذبذب میں کھڑے ہوئے تھے کہ نہ معلوم فرعون ڈوبا یا نہ وہیں لاش کو پھینکا تب بنی اسرائیل کا خوف ختم ہوا۔ دریا میں سے صرف فرعون کی لاش ہی نکلی تھی اس لئے کہ اسی کو نشان عبرت بنانا مقصود تھا۔ بنی اسرائیل اس لاش کو چھوڑ کر چلے گئے بعد میں دیہاتی لوگوں نے اس کو اٹھا کر بستی میں چھپایا اب تک مصر کے عجائب گھر میں یہ بحفاظت موجود ہے۔ ہمارے شہر کے بہت سی لوگوں نے دیکھا ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ فرعون کی عمر چار سو نو سال ہوئی لیکن روح البیان نے صرف چار سو سال لکھی۔ تین سو سال اس نے مصر پر حکومت کی۔ بعض اسرائیلیات میں لکھا ہے کہ کبھی کبھی خاص مصیبت کے وقت وہ خفیہ ہو کر اللہ تعالیٰ کو پکارتا تھا۔ اور اپنی عبدیت کا اقرار کرتا تھا مگر یہ صحیح نہیں وان کثیرا من الناس عن ایاتنا لغفلون۔ اور بے شک بہت سے انسان ہمارے نشانوں سے غافل ہیں کلی طور پر نہیں بلکہ کثرت گمراہوں کی ہے ناس سے مراد بعض کے نزدیک صرف کفار ہیں اور چونکہ دنیا میں ابتدا سے اب تک کفار کی کثرت رہی ایمان والے ہمیشہ ہی تھوڑے رہے اس لئے صرف کفار کو بھی کثیر فرمایا گیا۔ لیکن میرے نزدیک ناس میں گناہگار مسلمان بھی شامل ہیں کیونکہ گناہ کا ارتکاب غفلت کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ آیات سے مراد کتب آسمانی اور انبیاء کرام بھی ہیں (ابن عباس) کہ یہ بھی نشانی قدرت ہیں بلکہ ذات نبی علیہ السلام عظیم نشان ہے۔ نشان ہمیشہ واضح ہوتا ہے۔ جس کو ہر شخص چھوٹا بڑا عاقل عالم۔ امیر غریب اپنا پرایا سمجھ لے اور سمجھ کر بھولنا غفلت ہے یعنی بہت سے لوگ شانِ نبی کو جانتے پہچانتے ہوئے منکر ہو جاتے ہیں اسی لئے مثل فرعون طرح طرح کے عذابوں میں گرفتار

www.alahazratnetwork.org

ہو کر ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مسلمان کی غفلت یہ ہے کہ نماز کی فکر نہ روزوں کی پرواہ نہ ظاہر کی درستی نہ باطن کی صفائی۔ نہ رات کی فریادیں نہ سحر کی آہ وزاری حالانکہ بقول ڈاکٹر صاحب۔

عطا ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہ سحر گاہی

ہماری زبان محفوظ نہ دل قابو میں۔ اللہ تعالیٰ ہی غفلت کے دبیز پردوں سے نکالنے والا ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمانوں پر اٹھائے گئے اس لئے وہاں ان کے لئے فرمایا گیا ورفعک الی لفظ ک جسم اور روح دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور جسم مع روح زندہ شخص کو ہی کہا جاتا ہے تو ترجمہ ہوا اے عیسیٰ ہم تم کو زندہ اپنی طرف اٹھانے والے ہیں۔ یہ فائدہ ببدنک سے حاصل ہوا دیکھو فرعون کا صرف جسم بچایا گیا تو اس لئے ننجیک کے ساتھ ببدنک کی قید لگا دی۔ اگر بقول قادیانی و عیسائی۔ صرف نعش مسیح بغیر روح۔ بعد وفات اٹھانا مراد ہوتا تو یہاں بھی بدن کی قید لگ جاتی ضمیر مخاطب لفظ ک کا اطلاق بتا رہا ہے کہ حضرت مسیح زندہ اٹھائے گئے اور مرزائیوں کی بات قطعاً غلط ہے۔

دوسرا فائدہ: قرآن کریم کی سچائی و حقانیت۔ عقلاً نقلاً تجربے اور تاریخ ہر لحاظ سے ثابت ہے اور اس کی خبریں آج کے تجربے سے سچی بات ہو رہی ہے یہ فائدہ ننجیک سے حاصل ہوا۔ بائبل کی کتاب خروج میں فرعون مصر کا تمام واقعہ درج کیا گیا مگر وہاں نہ فرعون کی ڈوبتے وقت توبہ کا ذکر ہے نہ فرعون کی لاش کے بچانے کا تذکرہ ہے کسی اسرائیلی کتاب میں یہ نہیں۔ لیکن نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر پڑھے لکھے ہوتے ہوئے بھی اس وحی میں بدن فرعون کا تذکرہ فرمایا حالانکہ نبی کریم نے مصر کا سفر کبھی نہ فرمایا نہ اس کی نعش کو دیکھا آج دنیا کے سیاح اس لاش کو دیکھ کر زبانِ انصاف سے حقانیت قرآن کی گواہی دے رہے ہیں اور یہود و نصاریٰ کا یہ الزام کتنا حیرتناک ہے کہ مسلمان کے نبی نے انجیل زبور سے خبریں لے کر قرآن بنایا (معاذ اللہ) اے یہود و نصاریٰ کہاں ہے تمہاری بائبل دکھاؤ فرعون مصر کی حفاظت کا ذکر کہاں لکھا ہے۔ حالانکہ اس حقیقتِ قرآن کریم کو تمہاری بھی عقل سلیم جھٹلا نہ سکی۔ بلکہ مجھ کو گمان غالب ہے کہ اب موجودہ نئی انجیلوں میں کچھ اچھی باتیں قرآن سے چوری شدہ ہیں۔

تیسرا فائدہ: برے کام کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔ دیکھو فرعون نے تین سو سال ہر قسم کی برائی کے بیج بوئے تاکہ اس کی حکومت و سلطنت قائم رہے مگر اس کا انجام کیا ہوا؟ قیامت تک دور کی لعنت و پھٹکار۔ اس موقع سے ہر شخص کو عبرت پکڑنی چاہئے خاص کر۔ سلاطین۔ حکام۔ و امراء کو

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: انسان جب ڈوب جاتا ہے تو اس کے منہ سے بات نکل ہی نہیں سکتی تو یہاں ادرکہ الغرق کے بعد کیوں کہا گیا کہ قال امنت فرعون نے کہا میں ایمان لایا (کبیری)

www.alahazratnetwork.org

جواب: یہ کلام غرق ہونے کے بعد کا نہیں بلکہ غرق کے ابتدائی مراحل کا ہے یا یہ کلام اس وقت کا ہے جب اس نے اپنی قوم کو غرق ہوتے دیکھا اور اپنے بچنے کی صورت بھی نظر نہ آئی۔ یہ بات کرتے کرتے آدھا ڈوب گیا منہ تک پانی آتے آتے یہ کلام و جواب مکمل ہو گیا تھا۔ کیونکہ ڈوبنے میں کچھ دیر ضرور لگتی ہے۔

دوسرا اعتراض: فرعون نے تین دفعہ اپنے ایمان کا اظہار بیک زبان کیا۔ پہلے قال امنت سے پھر الذی امنت به بنو اسرائیل سے پھر وانا من المسلمین۔ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم ہے وہ اب اس کا ایمان کیوں نہ قبول فرمایا (دھرائے و آرئے)

جواب: تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس کی چند وجہیں بیان فرمائیں کہ فرعون کا ایمان نہ قبول ہونا یا اس لئے ہے کہ عذاب کے نزول کے وقت کی توبہ کفر معتبر نہیں۔ فرعون پر عذاب شروع ہو گیا تھا لہٰذا اب ایمان لانا نا مقبول ہوا۔ دوسری یہ ہے کہ فروعی مسائل میں تو تقلید ہوتی ضروری ہے مگر ایمان و عقائد میں تقلید منع ہے۔ فرعون نے اپنے ایمان میں بنی اسرائیل کی تقلید کی اور کہا کہ میں اس معبود پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے۔ گویا کہ اپنی معرفت کا انکار کرتا ہے کہ میں تو اس کو نہیں جانتا صرف بنی اسرائیل کی دیکھا دیکھی ایمان لا رہا ہوں۔ لہٰذا یہ ایمان مردود ہوا تیسری وجہ یہ ہے کہ اس کا اس وقت ایمان لانا خلوص و پر مبنی نہ تھا عذاب سے ڈر کر اور حسب سابق عذاب سے بچنے کے لئے ایمان لا رہا ہے۔ چوتھی وجہ یہ ہے قبولیت نہ ہونے کی کہ بنی اسرائیل ابھی اکثر لوگ کامل مومن نہ بنے تھے صرف قومیت کی بنا پر حضرت موسیٰ نے شامل فرما لیا تھا۔ ناقص ایمان بارگاہ خدا میں قبول نہیں فرعون نے اپنے ایمان کو ناقص ایمان سے مشابہت دی لہٰذا قبول نہ ہوا۔

تیسرا اعتراض: یہاں تو بقول امام رازی ایمان فرعونی اس لئے قبول نہ ہوا کہ اس نے ایمان میں بنی اسرائیل کی تقلید و مشابہت کی لیکن جادوگروں نے ایمان لاتے وقت اس طرح کہا تھا امنت برب موسیٰ و ھارون ہم موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتے ہیں۔ وہاں تقلید ہی تھی فرق صرف یہ ہے کہ یہاں اللہ ہے وہاں رب۔ یہاں بنی اسرائیل وہاں موسیٰ و ہارون۔ یہاں فرعون وہاں جادوگر کافر۔

جواب: قانون شریعت میں ایمان وہ معتبر ہے جو اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ہو۔ جادوگروں نے رب تعالیٰ اور اس کے انبیاء کرام دونوں کا نام لیا تھا اس لئے قبول ہوا لیکن فرعون صرف اللہ پر ایمان لایا اس کا ثبوت پر ایمان قطعاً ثابت نہ ہوا رب موسیٰ کا مطلب ہے کہ موسیٰ کے بتائے ہوئے رب پر۔ جس سے نبی کے وسیلے سے ایمان کا ثبوت ہوا لہٰذا قبول ہو گیا۔ یہاں یہ بات نہیں اس لئے نا مقبول۔ چوتھا اعتراض حضرت جبریل نے فرعون کے منہ میں خاک کیوں ڈالی۔ ایمان سے روکنا تو بری بات ہے پھر یہ رب کے حکم سے ہوا یا اپنی مرضی سے اگر حکم ربی سے خاک ڈالی۔ تو اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ کو قول لین (نرم بات) کرنے کا حکم فرما رہا ہے۔ یہاں کیوں سختی کا حکم ہوا اگر اپنی مرضی سے جبریل امین نے خاک ڈالی تو اس آیت کے خلاف ہے کہ وما تتنزل الا بامر ربک ہم آپ کے رب کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں۔

جواب: سچے اور باخلاص ایمان سے روکنا منع ہے۔ جب کہ حالت اختیاری میں ہو لیکن حالت نزع کا ایمان چونکہ معتبر ہی نہیں اس لئے اس سے روکنا برا نہیں۔ پھر حضرت جبریل نے اس دشمن انبیاء و مومنین اور خدائی کا دعویٰ کرنے والے کو فریاد

www.alahazratnetwork.org

گڑگڑانے سے روکا تھا کہ کہیں اس پر رحم نہ ہو جائے اور ڈوبنے سے بچ نہ جائے اس لئے خاک ڈالی تھی۔ اور یہ ان کا اپنا کام تھا نہ کہ بحکم رب۔ ملائکہ و جبرئیل کا نزول حکم ربی سے ہوتا ہے۔ نازل ہو کر پھر اپنے اختیار سے کام کر سکتے ہیں کفار پر نرمی بھی اس وقت جائز ہے جب ان کی تبلیغ مقصود ہو اسی لئے حضرت موسیٰ کو نرمی کا حکم ہوا کہ وہ وقت تبلیغ تھا۔ لیکن سخت کافر پر سختی کا حکم ہے۔ جیسا کہ واغلظ علیھم سے ثابت ہے۔

تفسیر صوفیانہ: حق میں زور ہوتا ہے مگر باطل میں محض شور ہوتا ہے۔ اس لئے کہ حق کے ساتھ صدق و سچائی ہے اور باطل کذب میں ہے اس دنیاء دون سے سب کا گذر ہے۔ اس عالم ناسوت میں جب اہل دل کا گذر ہوتا ہے تو بوجہ صدق بکمال خیریت معرفت الٰہی کے کنارے پر پہنچ جاتے ہیں اور رہبر کامل کے دامن تسلیم و رضا سے وابستہ رہ کر منزل مراد کو پا کر نفس فرعونی سے بچ جاتے ہیں۔ اھل اللہ دنیا میں رہ کر بھی دنیا سے بچے رہتے ہیں وہ دنیا میں آتے ہیں مگر دنیا ان میں نہیں آتی بخلاف اھل باطل و طالب نفس و ہوا کہ دنیا ان میں آ جاتی ہے۔ اور وہ ہلاک ہو جاتے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

آب در کشتی ہلاک کشتی است   آب اندر زیر کشتی پشتی است

عالم لاہوت کے مسافر رضاء یار سے دنیا میں آتے ہیں اور دنیا میں رضاء یار کو تلاش کرتے چلے جاتے ہیں نہ ان کو کچھ فکر ہے نہ ڈر دنیا کے پرستار دنیا کے لئے ہی غرور و تکبر سے دنیا میں آتے ہیں اور ہلاکت پر جھپٹ پڑتے ہیں پھر ان کو کون سنبھالے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اھل دنیا کی ہر حالت اھل اللہ کے لئے نشان عبرت ہے۔ ان کی فنا ان کی بقا ان کی موت ان کی زندگی ان کی امیری ان کی غریبی اور راہ طریقت کے سالک ہی اس سے استفادہ کرتے ہیں مگر یہ عرفا بہت کم ہیں۔ اکثریت ان کی ہے جو غفلت میں پڑے ہوئے ہیں انجام سے بے خبر ہو کر فرعون نفس کے پیچھے چل پڑتے ہیں۔ دنیا کی زیب و زینت پر مر مٹتے ہیں اللہ والوں کا پیچھا کرتے ہیں مگر اطاعت کے لئے نہیں بلکہ ان پر لعن طعن کرنے کے لئے اور ان کو ستانے کے لئے یہ سب کچھ محض ان کی غفلت کی بنا پر ہوتا ہے یہ غفلت ہی وہ ناسور ہے جو غافل کو کہیں کا نہیں چھوڑتی نہ اس کو دین کا ہوش رہتا ہے نہ عقل کا۔ نہ اللہ کا نہ رسول کا۔ بلکہ حالت یہ ہو جاتی ہے۔ شعر

دن عیش میں کھونا تجھے اور رات بھر سونا تجھے   خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

وَلَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ

اور البتہ بیشک ٹھکانہ دیا ہم نے قوم اسرائیل کو ٹھکانہ سچائی کا اور رزق دیا ہم نے

اور بے شک ہم نے بنی اسرائیل کو عزت کی جگہ دی اور انہیں ستھری روزی

الطَّیِّبٰتِ فَمَا اخْتَلَفُوْا حَتّٰى جَآءَهُمُ الْعِلْمُ اِنَّ رَبَّكَ

ان کو ستھرا حلال پاک چیزوں پس نہ اختلاف کیا انہوں نے یہاں تک کہ آ گیا ان کو علم بیشک رب

عطا کی تو اختلاف میں نہ پڑے مگر علم آنے کے بعد بے شک تمہارا

www.alahazratnetwork.org

يَقْضِي بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۳﴾

تعالی آپ کا درمیان ان کے فیصلہ فرما دے گا دن قیامت میں اس تھے جھگڑا کرتے

رب قیامت کے دن ان میں فیصلہ کردے گا جس بات میں جھگڑتے تھے

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پہلی آیات میں اس چیز کا ذکر تھا کہ بنی اسرائیل نے ہم کو چھوڑ کر دنیا داروں فرعونیوں کا سہارا پکڑا تو ان دنیاداروں نے ان کو ذلیل وخوار کیا اب فرمایا جارہا ہے کہ جب صحبت پاک موسوی سے انہوں نے ہم سے تعلق جوڑا تو ہم نے ان کو دنیا جہان میں بڑی عزت بخشی۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرعونیوں اور باطل پرستوں کی بیہودہ زندگی کے انتہائی دور کا ذکر تھا اس آیت میں بنی اسرائیل کی شاندار زندگی کی ابتداء کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ہم نے ذکر کیا تھا کہ ہم نے فرعون کو دنیا کی عزت دی تو وہ بجائے شکر کے سرکش ہوا پھر اس کا انجام دنیا نے دیکھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اے اسرائیلیو تم بھی عزت دولت پا کر تعلیم انبیاء کرام بھول کر ہم سے سرکش ہوتے جارہے ہو بس اپنا بھی انجام سوچ لو اور بندے بن جاؤ۔ ورنہ قیامت سے کسی کو فرار نہیں۔

تفسیر نحویانہ: ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق ۔ واؤ سر جملہ ہے کیونکہ یہ نیا کلام ہے ولقد بوانا ماضی قریب ہے لام نے تاکید پیدا کی بوء سے مشتق ہے اجوف واوی اور مہموز اللام ہے اس کا لغوی ترجمہ کسی کو اتارنا اس کے فاعل اک مرجع ذات باری ہے۔ بنی اسرائیل۔ یہ مفعول بہ ہے بانا کا مبوا بوء سے بنا ظرف مکان ہے اس لئے زیر والا ہے۔ بعض نے کہا یہ مصدر میمی ہے اور مضاف الیہ ہے اس کا مضاف لفظ مکان محذوف منوی ہے۔ صدق۔ مبو کا مضاف الیہ ہے۔ مبالغ کا صیغہ ہے۔ اصل صادق کے معنی میں ہے ورزقنھم من الطیبت واؤ عاطفہ ہے پچھلا جملہ معطوف علیہ ہے رزقنا جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ رزق سے مشتق ہے۔ بمعنی ہر نفع والی چیز (مجمع البحار) خواہ روحانی نفع ہو جیسے نماز روزہ یا جسمانی جیسے غذاء حلال ھم سے مراد یہی بنی اسرائیل ہیں من بعضیت کا ہے طیبات طیب کی جمع ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے حلال فما اختلفوا حتی جاء ھم العلم۔ ف تعقیبیہ اور ما نافیہ ہے اختلفو جمع مذکر غائب اک صیغہ ہے۔ فعل ماضی مطلق باب افتعال۔ اختلاف خلف سے مشتق اس کا لغوی ترجمہ ہے پیچھے رہنا۔ اسی سے ہے خلاف۔ خلاف اور اختلاف میں بہت طرح فرق ہے۔ اس کا ذکر تفسیر عالمانہ میں ہوگا۔ حتی انتہا کے لئے آتا ہے یہاں بمعنی الا ہے اس نے ماقبل کی نفسی کو ختم کیا اور یہاں نا اختلافی کو ختم کر کے اختلاف شروع ہونے کو بیان کیا۔ جاء جیء سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے قریب ہونا۔ آنا بھی قرب سے ہوتا ہے۔ لہذا جاء آنے کے معنی میں مستعمل ہے خواہ قدم اور جسمی آنا ہو۔ یا روحانی یا فہم وادراک میں یہاں آخری معنی مراد

www.alahazratnetwork.org

ہیں۔ ھم سے مراد یہودی بنی اسرائیل۔ العلم الف لام عہد ذھنی ہے۔ علم کے معنی نختاً جاننا۔ یہاں بمایعملون ہے۔ اگر جاء کا پہلا معنی لیا جائے تو علم سے مراد معلوم ہے ہوگا ان ربک یقضی بینھم یوم القیمۃ۔ ان تحقیق توبیخ ہے۔ ربک لفظ رب ک ضمیر کی طرف ہے اور واحد مذکر حاضر سے مراد نبی کریم ہیں اس میں اظہار شان مصطفیٰ یقضی۔ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے۔ بین بمعنی درمیان منسوب ہے ظرفیہ مکانی کی بنا پر اس کا مضاف الیہ ھم ضمیر جمع غائب سے مراد سب بنی اسرائیل ہیں کافر اور مومن یوم سے مطلق وقت مراد ہے اگرچہ اس کے حقیقی معنی ظہور آفتاب کا وقت ہے۔ القیمۃ۔ لفظ قیامت قوم سے مشتق ہے اس کا ترجمہ ہے کھڑا ہونا۔ ت مصدر کی ہے۔ جیسے کتابت طباعت وغیرہ قیام بروزن فعال خود بھی مصدر ہے مگر تاء مصدریہ نے مبالغہ پیدا کر دیا۔ اس لئے کہ اس دن بہت دراز کھڑا ہونا ہے۔ اللہ کریم ہماری مشکل اپنے حبیب کے صدقے سے حل فرمائے۔ فیما کانوا فیہ یختلفون۔ فی جار یقضی کے متعلق ہے۔ ما موصولہ مابعد کا پورا جملہ اس کا صلہ ہے۔ کانوا ماضی استمراری کا ہے۔ دراصل کانوا یختلفون تھا فیہ نے فاصلہ کر دیا جس سے تاکید کا فائدہ ہوا۔

تفسیر عالمانہ: ولقد بوانا بنی اسرائیل مبوا صدق اور البتہ بے شک ہم نے نازل کیا ہمیشہ بنی اسرائیل کو سچے اور اچھی مقامات پر۔ یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں غرق فرعونی سے تا نزول قرآن کریم مختصر مگر جامع تاریخ بنی اسرائیل اور اسرائیل تہذیب وتمدن کی طرف اشارہ مل رہا ہے کہ دور فرعونی میں تو ان پر علامیت جاری تھی مگر غرقابی کے بعد سے اب تک دنیا کی عظیم سلطنتیں حکومتیں سرداریاں اور دولتیں ان ہی بنی اسرائیل کے ساتھ رہیں مبوا صدق کا معنی ہے ہر لحاظ سے اچھائی اور بہتری کا مقام اہل عرب کا طریقہ ہے کہ جو چیز ان کو خوبصورت اور فائدہ مند معلوم ہو اس کی تعریف کرنے میں لفظ صدق استعمال کرتے ہیں۔ اسی رواج کے مطابق قرآن کریم میں بھی بہت جگہ لفظ صدق ارشاد ہوا۔ ایک جگہ تو یہ ہی دوسری جگہ ارشاد ہے رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق۔ یعنی اے رب کریم مجھ کو مقام صدق اچھی جگہ میں مقیم فرما۔ اور اچھی جگہ کی طرف ہی خروج ہو۔ یا اچھے طریقے سے نکال۔ بنی اسرائیل پر یہ انعامات محض اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم تھا۔ اسی لئے یہاں اس کا ذکر ہوا ورزقناھم من الطیبات۔ اور ہم نے ان کو رزق حلال اور پاک رزق عطا فرمائے۔ روح المعانی نے فرمایا کہ طیب کے معنی ہیں حلال۔ اور یہی صحیح تر ہے (منجد ص ۴۹۵) اور بعض نے کہا کہ طیب سے مراد لذیذ اشیاء ہیں۔ مگر یہ ٹھیک نہیں اس لئے کہ لذت صرف کھانے پینے میں ہوتی ہے حالانکہ رزق عام ہے ہر مستعمل چیز کو لہٰذا حلال مراد لینا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ یہ عام ہے اور پھر اس کی تائید حدیث پاک سے بھی ملتی ہے چنانچہ حدیث پاک کی کتاب ابن ماجہ ۲۳۳ پر ہے کہ مشہور کوا جو گھروں پر منڈلاتا ہے۔ وہ حرام ہے۔ اس حرمت کے لئے بھی لفظ غیر طیب استعمال ہوا۔ ارشاد ہے وقدسماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاسقا۔ واللہ ما ھو من الطیبات۔ یعنی نبی کریم علیہ السلام نے کوے کا نام فاسق (موذی) رکھا اللہ کی قسم یہ حلال جانور میں سے نہیں۔ موذی اور نقصان دہ صرف یہی کوا ہے جو گھروں سے چیزیں چمچے پیالے اٹھا کر لے جاتا ہے اور یہاں طیب سے مراد لذیذ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ بھی دیگر گوشتوں کی طرح گوشت ہے اگر عمدہ پکا کر کھلایا جائے تو لذت یقینی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہابیوں نے ۶/۸/۷۶ کو سلانوالی میں خوب دعوت کر کے کوے

www.alahazratnetwork.org

کھائے (حوالہ نوائے وقت اخبار ۷ اگست ۱۹۷۶ء صرف وہابی ہی اس کو حلال کہتے ہیں۔ قرآن و حدیث سے اس کی حرمت ثابت (دیکھو فتاوی العطایا احمدیہ) دنیا میں سب سے بڑی نعمت حلال طیب روزی ہے۔ جس کو یہ میسر وہ دین و دنیا میں خوش قسمت ہے۔ خیال رہے کہ رزق کی حلت و حرمت بندے کے اپنے فعل سے متعلق ہے۔ بندے ہی کے عمل سے روزی حلال ہو جاتی ہے اور بندے کے ہی فعل سے رزق حرام ہو جاتا ہے۔ مثلاً سود، رشوت۔ جس نے لیا۔ دیا ہے اس کے لئے ہی حرام حلال ہے اور وہی بدترین دگناہ گار ہوگا۔ دوسرا شخص خرید کر ہدیہ یا اجرت میں سودی چیز لے لے تو اس کے لئے حرام نہ ہوگا **فما اختلفوا حتی جآء ھم العلم** ۔ پس نہ اختلاف کیا انہوں نے کسی بات میں مگر جب آ گیا ان کو علم۔ یہ ان کی ناشکری کا ذکر ہے اختلاف سے مراد دینی فرقے بازی کا جھگڑا ہے یہاں اختلاف کے ابتدا کی بات ہے جس سے ثابت ہوا کہ پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا۔ اب اس میں اقوالِ مفسرین علیحدہ ہیں کہ پہلے کیا تھے۔ جمہور مفسرین فرماتے ہیں کہ در دموسیٰ علیہ السلام سے لے کر بعثت ختم المرسلین تک تمام نبی نبوت احمد مجتبیٰ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قائل تھے بلکہ حقیقاً منتظر تھے۔ اور آپ کے وسیلے سے دعائیں مانگتے تو قبول ہوتی تھیں۔ لیکن جب سراپاءِ علم محمد صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے تو بعض نے انکار کر کے آپس میں اختلاف کر لیا۔ بعض نے کہا یہ اختلاف نبی کریم کے بارے میں نہ تھا۔ بلکہ اپنے دین ایمان و کفر میں اختلاف تھا کہ کچھ کافر ہو کر شریعت موسیٰ علیہ السلام سے پھر گئے اور کچھ مومن رہے (معانی) علامہ طبری نے فرمایا کہ سب اسرائیلی پہلے کافر ہو گئے تھے اور سب نے ابن اللہ کا عقیدہ بنا لیا تھا بعثت سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کچھ یہودی آپ پر ایمان لے آئے۔ جس سے ان میں دو مختلف گروہ بن گئے۔ مگر ہمارے نزدیک پہلا قول معتبر ہے کہ مقصد کلام اسی طرف راغب۔ اس آیت پاک میں اگرچہ **اختلفوا** ہے مگر مراد خلاف ورزی ہے۔ قانون فقہ میں اختلاف اور خلاف میں چند طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ اختلاف وہ ہے کہ راستہ جدا جدا مگر منزل ایک ہی جیسے کہ شریعت کے چار سلسلے اور طریقت کے چار راستے۔ خلاف وہ ہے کہ راستے بھی جدا اور منزل بھی جدا۔ جیسے کہ اسلام کے دیگر فرقے وہابی۔ معتزل۔ خارجی۔ رافضی وغیرہ کا خلاف اہل سنت کے ساتھ۔ دوسرا فرق یہ کہ اختلاف فروعی مسائل میں اور خلاف اصولی مسائل میں ہوتا ہے۔ تیسرا فرق یہ ہے کہ اختلاف نظریات میں ہوتا ہے اور خلاف عقائد میں ہوتا ہے اس آیت میں یہ ہی مراد ہے۔ اور اختلاف سے مراد مخالفت ہے۔ حتی اس لفظ نے اختلاف کی ابتداء کا ذکر کیا جاء اس کا حقیقی ترجمہ ہے دور سے کسی چیز کا نزدیک ہونا۔ یہاں حقیقی معنی میں ہی ہے۔ ھم سے مراد موجودہ اسرائیلی ہیں یا جنس بنی اسرائیل العلم۔ جمہور فرماتے ہیں کہ علم سے مراد قرآن کریم ہے بعض نے کہا توریت و انجیل اور آنے سے مراد مجازاً پڑھنا سمجھنا ہے (بیان لیکن ایک قوی احتمال یہ بھی ہے کہ اس علم سے مراد خود نبی کریم کی ہی ذات مقدسہ ہو۔ اولاً اس لئے کہ کفار کا اختلاف نبی کریم کے بارے میں ہی تھا دوم اس لئے کہ لفظ جاء کا حقیقی معنی نبی پاک علیہ السلام سے ہی متعلق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں جاء اور ارسل بعث وغیرہ الفاظ انبیاء کرام کے لئے ہی مستعمل ہیں قرآن کریم اور دیگر کتب سماوی کے لئے انزل جیسے لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ سوم اس لئے کہ آیات سے ثابت ہے کہ نبی کریم سبب علم ہیں چنانچہ **یعلمھم الکتاب** والی آیت بھی یہی ثابت کر رہی ہے اور مشہور اصطلاح میں سبب کر مسبب کا نام دیا جاتا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

قرآن کریم کے متعلق یہ بات کسی آیت سے ثابت نہیں۔ چہارم اس لئے کہ پہلے سب بنی اسرائیل نبی اکرم کو جانتے مانتے تھے اور عقائد بالکل یکساں تھے جب نبی کریم تشریف لائے تب بعض کو حسد لگا اور یہ حسد یہودیوں کو ولادت پاک سے ہی شروع ہو گیا تھا نہ کہ نزول قرآن سے ان ربک یقضی بینھم یوم القیمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون ۔ بے شک آپ کا رب ان جھگڑالوؤں کے درمیان قیامت کے دن سچا فیصلہ فرمائے گا۔ اس طرح کہ دنیا میں تو ہر شخص ہر قوم ہر دین والا کہتا پھرتا ہے کہ میں سچا۔ یہاں کوئی خاص نشان معین نہیں جس کے ذریعے کھرے کھوٹے کی پہچان ہو کیونکہ یہ دار الجزا نہیں بلکہ دار العمل و دار الاختیار ہے یہاں پردہ پوشی بھی ہے اور ڈھیل بھی۔ آخرت دار الجزا ہے وہاں عذاب اور ثواب اس لئے وہاں تفریق ضروری ہے۔ وہاں ایسا مضبوط فیصلہ ہو گا کہ جھوٹا خود اپنے کو جھوٹا کہے گا۔ بینھم میں ھم ضمیر کا مرجع اگرچہ صرف بنی اسرائیل ہی ہیں مگر مراد سارے کافر ہو سکتے ہیں کیونکہ قیامت میں سب کفار و مسلمان کا فیصلہ ہو گا کہ ہر نیک و بد۔ صدیق و زندیق کا مقام درجہ علیحدہ ہو گا۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: تمام عزتیں اللہ رسول کی طرف سے میسر ہیں اگرچہ وسیلے جداگانہ ہوتے ہیں یہ فائدہ من الطیبت سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: حلال روزی کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اگرچہ ٹاٹ کا لباس۔ رہائش کی جھونپڑی۔ اور کھانے کی چٹنی ہو۔ حرام غذا و اشیاء سے بچنے والا ہی بندہ مومن اور ولی اللہ ہے یہ فائدہ من الطیبت سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: دینی امور میں خلاف تو ہر لحاظ سے منع ہے مگر برائے استفادہ اور خلوص قلبی اختلاف جائز ہے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق۔ خلاف اور اختلاف دونوں حرام ہیں۔ اللہ کریم نے کسی بشر کو اجازت نہ دی کہ اپنے عقلی جھگڑوں میں سرور کونین کو محور بنایا جائے۔ اسلام میں ہمیشہ بہت فرقے جنم لیتے رہے اور مجادلے مناظرے مکالمے ہوتے ہی رہے مگر صرف اسلامی باتوں میں۔ نبی کریم کے بارے کبھی کسی فرقے نے زبان درازی یا گستاخی نہ کی تھی گستاخی رسول اللہ کی ابتدا اسی موجودہ دور کے فرقہ باطلہ خبیثہ وہابیہ نے کی۔ اللہ ان کو خائب و خاسر کرے۔

چوتھا فائدہ: دنیائے دون میں باطل کا عروج دلیل حقانیت نہیں کیونکہ فیصلہ تو آخرت میں ہوتا ہے۔ یہ فائدہ یوم القیمۃ سے حاصل ہوا۔

پانچواں فائدہ: جھگڑا اور اختلاف صرف کفر و اسلام کا ہے۔ اسی کا فیصلہ قیامت میں ہو گا۔ کفریہ دلوں کے اعمال افعال و اقوال و عقائد کا آپس کا اختلاف شرعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اس لئے کہ الکفر ملۃ واحدۃ کفر سب ایک ہی ملت ہے یہ فائدہ یختلفون کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: پہلا اعتراض اس آیت کریمہ میں ارشاد ہوا رزقنھم ہم نے ان کو رزق دیا۔ حالانکہ دنیاوی رزق تو کسب انسانی کے اختیار میں ہے۔ پھر نسبت الی اللہ کیوں ہے۔ اگر کسب انسانی سے نہ مانا جائے تو حرام بھی رزق ہے وہ کون دیتا

www.alahazratnetwork.org

ہے۔ رزق حرام کی نسبت اللہ پاک کی طرف کرنا عین بے ادبی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ نیک بندے حلال کمائی کرتے ہیں اور برے آدمی حرام روزی کماتے ہیں۔ پس یہ انسان کا اپنا فعل ہے اور حصول رزق خود انسان کرتا ہے۔ تو رزقنهم کی نسبت کس وجہ سے ہے۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔

پہلا جواب: یہ کہ رزق ملنا تین طرح سے ہے ایک عطاءِ رزق دوسرا حصول رزق تیسرا ذریعہ رزق عطاءِ رزق محض فضل ربی ہے جس میں کسی بندے کے کسب کو دخل نہیں حصول رزق بندے کی ہمت پر موقوف ہے ذریعہ رزق بندے کا کسب اور تمام وسیلے ہیں۔ کسی کا کسی کو کچھ دینا محض ذریعہ عطاء اسی پروردگار عالم کی طرف سے ہوتی ہے۔ اگر عطاءِ رزق بالوسیلہ ہو تو صفت رازقیت ہے اس وجہ سے رب تعالیٰ کو رازق کہا جاتا ہے۔ یہ صفت خصوصی ہے کسی اور شخص کو رزاق کہنا گناہ ہے۔ یہاں رزقنهم کی نسبت سے یہی مراد ہے۔ اب بندہ اگر حصول رزق کے لئے بحکم نفس امارہ کسب کرے تو حرام روزی میسر ہوگی اور اگر نفس مطمئن کے ذریعہ راہ حلال اختیار کرے تو طیب رزق ملے گا بذات خود کوئی رزق حرام نہیں بندے کے غلط طریقے اس کو حرام کر دیتے ہیں۔

دوسرا جواب: اس طرح ہے کہ رازق اللہ کریم ہے۔ باقی ذریعے عارضی اور مجازی ہیں یہاں حقیقت کا ذکر ہے لہٰذا نسبت صحیح ہے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت پاک میں من الطیبات کے لفظ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو طیب رزق دیتا ہے کسی کو حرام اور یہ بھی پتہ لگا کہ رزق حلال بھی ہوتا ہے اور حرام بھی اور دونوں کا رازق اللہ ہی ہے تو پھر حرام خوروں کی برائی کیوں؟ کہ وہ بھی اسی کی عطا ہے۔

جواب: یہ اعتراض تب وارد ہوتا جب یہاں من تبعضیہ ہو۔ حالانکہ یہاں حرف من بیانیہ ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم نے ان کو طیب رزق ہی عطا فرمایا۔ اور حرام سے بچایا۔ خیال رہے کہ رزق ہر نفع والی چیز کو کہتے ہیں اور حرام میں نفع نہیں ہوتا بلکہ جسمانی یا روحانی نقصان ہی ہوتا ہے۔ روپیہ پیسہ وغیرہ بذاتہٖ حرام نہیں اس کی حرمت بغیرہ ہے جو بندے کے کسب سے ہوئی اس لئے سود وغیرہ کا پیسہ فقط سود خوار پر حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے سب بندوں کو طیب ہی عطا فرماتا ہے مگر بدکار لوگ اس کو گندہ کر لیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ جب مومن خشوع قلبی وخلوص ومحبت سے اتباع نبوت میں اللہ کی ذات میں مشغول ہوتا ہے تو رب تعالیٰ بطفیل نبی کریم علیہ السلام بندے مومن کو مقام صدق عطا فرماتا ہے۔ اس مقام میں بقا کا رزق میسر ہوتا ہے۔ جس سے معرفت روحانی کے سوتے پھوٹتے ہیں یہی ابدی رزق طیب ہے۔ اللهم ارزقنا بهذا الرزق۔ چمن معرفت کی اس بہار سے پہلے ہر نفس اس بہار کا متمنی ہوتا ہے مگر جب اکرم الاکرمین اپنے کرم ازلی سے علم لدنی عطا فرما دیتا ہے تو نفس امارہ اپنی سرکشی سے نفس مطمئنہ سے ہر طور مخالفت کرتا ہے۔ حالانکہ وہ سمجھتا ہے کہ اب نفوس قدسیہ کا ہی

www.alahazratnetwork.org

عروج ہے مگر ہر وقت اس کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ میری سرداری اور حکومت قائم ہو۔ میری ہی سچائی کا گن گایا جائے۔ اس لئے باطل اپنے آپ کو ہی درست سمجھتا ہے۔ اہل دنیا تو اس کے جھانسے میں آ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ اس عالم فانی میں حق و باطل کا کوئی امتیازی نشان نہیں مگر اللہ والے جانتے ہیں کہ اگرچہ عذاب و ثواب کا کوئی نشان یہاں ظاہر نہیں کیا جاتا۔ ایسا فیصلہ بذریعہ عذاب باطل و ثواب رب تعالیٰ قیامت کے۔ ن ہی فرمائے گا لیکن طریقت الہیہ کا ایک عظیم نشان یہاں بھی موجود ہے۔ جس سے عشق و معرفت والے بخوبی حق و باطل۔ خبیث و طیب۔ کھوٹے۔ کھرے کا فرد مومن کا فرق محسوس کر لیتے ہیں۔ وہ نشان عشق محمد مصطفیٰ ہے اور احترام احمد مجتبیٰ اور اولیاء اللہ کا ادب ہے کہ جس دل میں یہ رزق طیبات موجود ہے وہ اہل حق ہے اور جس کو اس سے محروم کیا گیا وہ باطل ہے۔

فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ فَسْــٴَـلِ الَّذِیْنَ
تو اگر ہو تو میں شک سے اس نازل کیا ہم نے طرف تیری تو پوچھ ان لوگوں
اور اے سننے والے اگر تجھے کچھ شبہ ہو اس میں جو ہم نے تیری طرف اتارا تو ان
یَقْرَءُوْنَ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ لَقَدْ جَآءَكَ الْحَقُّ مِنْ
پڑھتے ہیں کتاب سے پہلے تجھ سے البتہ بیشک آیا تیرے پاس حق سے
سے پوچھ دیکھ جو تجھ سے پہلے کتاب پڑھنے والے ہیں بے شک تیرے پاس
رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ ۟ۙ (۹۴) وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ
رب تیرے، تو نہ ہو تو سے شک کرنے والوں اور نہ ہو تو سے ان لوگوں
تیرے رب کی طرف سے حق آیا تو ہرگز شک والوں میں نہ ہو اور ہرگز ان میں نہ ہونا
الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَتَكُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ (۹۵)
جھٹلایا انہوں نے سے کو آیتوں اللہ ورنہ ہوگا تو سے گھاٹے والوں
جنہوں نے اللہ کی آیتیں جھٹلائیں کہ تو خسارے والوں میں ہو جائے گا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں بہت دور سے بنی اسرائیل کے تاریخی حالات کا سبق آموز عبرت انگیز ذکر چلا آ رہا ہے۔ جن میں کچھ واقعات تو رونما ہو کر نیست و نابود ہو چکے کہ ان کا نشان بھی باقی نہ رہا اور کچھ واقعات کے نشان باقی رہے جن کو دیکھ کر

www.alahazratnetwork.org

مشاہدہ کیا جا سکتا تھا۔ لیکن جن کے نشان بھی باقی نہ رہے ان کے تصدیق بجز اقوال و عبارات ممکن نہ تھی۔ قرآن کریم میں یہ سب ہی موجود ہیں مگر منکر لوگ یہود و نصاریٰ ان کو ماننے پر تیار نہ تھے اس لئے اس آیت پاک میں حکم دیا جا رہا ہے اگر تم لوگ ان قرآنی خبروں میں کچھ شک کرتے ہو تو جاؤ انجیل و زبور کے عالموں سے پوچھ لو یہ بعض واقعات ان کتب میں بھی لکھے ہیں۔ ان زبور و توریت کے جاننے پڑھنے والوں کو اس کے اقرار و تصدیق کے سوا چارہ نہیں یہودی راہبوں سے پوچھنے کی اس لئے دعوت دی گئی کہ قرآن کریم کی طرح انجیل وغیرہ اتنی عام مشہور نہ تھیں جو ہر ایک خود دیکھ کر پڑھ لیتا۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان صفات قدسیہ کا ذکر تھا جو کتب سابقہ میں مذکور تھیں۔ اور بعثت پاک سے پہلے سب اہل کتاب ان کو جانتے مانتے تھے بلکہ اہل سنت والجماعت کی طرح اپنی وعظ و تقریر میں بطور نعت خوانی ان محاسن کا ذکر فرمایا کرتے تھے لیکن جب احمد مجتبیٰ تشریف لے آئے تو یہ یہودی منکر شان رسالت بن گئے بلکہ جو یہودی یا عیسائی حسب سابق نبی کریم کی نعت خوانی یا محفل ذکر منعقد کرتا تو یہ اس کے مخالف ہو جاتے جیسے کہ آج کل دیو بندی وہابی۔ یہاں تک کہ اس چیز کا بھی انکار کر دیتے کہ انجیل توریت میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی نعت نہیں لکھی اس آیت میں اسی شک کا جواب دیا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا۔ اہل کتاب باوجود ہماری نعمتیں اور رزق پانے کے پھر ہمارے ہی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منکر ہوئے۔ اور دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو عبرت پکڑو۔ تم ایسے شکوک میں نہ پڑنا کہیں تم بھی گھاٹے میں رہو۔

تفسیر نحوی: فان کنت فی شک مما انزلنا الیک۔ ف تعقیبیہ ہے۔ حرف ان شرطیہ ہے۔ مگر زجاج نحوی کہتے ہیں کہ ان نافیہ ہے اور ان کے نزدیک یہ جملہ شرطیہ نہیں بلکہ خبریہ سالبہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمان بس نہیں ہے تو شک میں اس سے جو تیری طرف نازل کیا ہم نے لیکن مزید قوت یقینی کے لئے تجھ کو اہل کتاب سے پوچھنے کی اجازت ہے (روح المعانی) لیکن صحیح تر یہ ہے کہ ان حرف شرط ہے اور مابعد جملہ شرطیہ ہے کنت فعل ماضی کا تامہ سے صیغہ واحد اس کا فاعل ضمیر کا مرجع عام انسان ہے یا عام مسلمان بعض نے کہا یہ فعل ناقصہ ہے اور لاحق فی شک سے جڑ کر پوشیدہ خبر ہو گئی یہ بھی احتمال ہے کہ کنت بمعنی صرت ہو۔ تو مطلب ہو گا کہ اگر اب تجھ کو شک ہو فی شک فی حرف جار لفظ شک کو اسی سے زیر دیا۔ مما یہ دو لفظ ہیں (۱) من حرف جار (۲) ما اسم موصول اس کا اردو ترجمہ ہے اس سے۔ ما اسم موصول کا صلہ ہے انزلنا پورا جملہ۔ صیغہ جمع متکلم نسبت فاعلی اللہ تعالیٰ کی طرف ہے الیک الی حرف جار۔ ک ضمیر ہے واحد مذکر حاضر کی۔ اس کا مرجع عام انسان ہے یا عام مسلمان فسئل الذین یقرؤن الکتاب۔ یقرؤن بحث فعل مضارع بمعنی حال۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل۔ بنی اسرائیل کے راہب ہیں۔ اس کا مادہ قرء مہموز اللام ہے۔ قرء کا لغوی ترجمہ زبان سے پڑھنا ہے مگر یہاں مراد ہے جاننا علم رکھنا۔ الکتاب میں الف لام جنسی ہے اور اس سے تمام آسمانی کتب مراد ہیں من قبلک من حرف جر بیانیہ ہے قبل اسم ظرفی ہے اس کا مضاف الیہ ظاہر ہے اس لئے یہ حالت جر میں ک ضمیر واحد مذکر

www.alahazratnetwork.org

مضاف الیہ ہے اس کا مرجع بھی عام انسان ہے لقد جاء ک الحق من ربک فلا تکونن من الممترین لام تحقیقیہ اور قد جاء ک ماضی قریب معروف ک ضمیر واحد مفعول فیہ یعنی تیرے پاس۔ اس کا مرجع بھی عام انسان۔ الحق میں الف لام عہد ذہنی ہے مراد اس۔ سے قوی تر یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ ہیں من ربک من جارہ بیانیہ ہے اس کا معنی طرف سے ربک مرکب اضافی ضمیر تام ہے فلا تکونن ف فائدہ کی ہے لاتکونن فعل نہی بانون ثقلیہ جس سے تاکید کا فائدہ ہوا من الممترین میں من بعضیت کا ہے۔ ممترین اسم فاعل صیغہ جمع۔ مترے سے مشتق ہے۔ متر کا لغوی ترجمہ ہے آہستہ آہستہ پیچھے پیچھے ہٹنا اور کسی سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا ارادہ کرنا۔ دور ہوتا جانا رسی کھینچ لے جانے کے لئے بھی یہ معنی مستعمل ہیں کیونکہ اس طرح بھی دوری ہوتی ہے (معانی) منجد ۹۹۷ اس کا اصطلاحی ترجمہ صرف ابتدائی شک کرنا جو ابھی تکذیب کرنا جو ابھی تکذیب سے دور ہو لا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ فتکون من الخسرین۔ حرف واؤ سر جملہ ہے جس سے نئے جملے کی ابتداء لاتکونن نہی بانون ثقلیہ واحد کا صیغہ ہے جیسے کہ پہلے من یہاں تبعیضیہ ہے الذین حالت جر میں اسم موصول جمع مذکر ہے کذبوا باب تفعیل کا ماضی مطلق ہے جمع کے صیغہ سے سب کفار مراد ہیں اس کا معنی ہے کسی چیز کا مطلق انکار کرنا یا اس کے وجود کا یا اس کے صفات کا یا نوعیت کا۔ یہاں تینوں معنی شامل ہیں۔ بایات میں ب زائدہ ہے مگر عمل میں درست ہے کہ مابعد کو زیر دیا آیات کا لغوی معنی نسانی یہاں قرآن وحدیث مراد ہیں یا صفات احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور ان تمام کی نسبت اللہ کی طرف کرنی بالکل درست ہے کیونکہ قرآن کریم کی طرح فرمودات نبی کریم بلکہ خود ذات محمد مصطفیٰ آیات اللہ ہیں۔ فتکون۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجہ کی لئے اور اس کے معنی ورنہ تکون مضارع بمعنی مستقبل کان ناقصہ بمعنی صار سے مشتق ہے۔ اس کا اسم انت ضمیر کا مرجع وہی عام انسان یا عام مسلمان قیامت۔ من الخسرین من تبعیضیہ ہے الخسرین میں الف لام استغراقی ہے۔ خسرین اسم فاعل حالت جر میں ہے۔ جمع ہے خسر سے مشتق ہے۔ اس کا معنی ہے ہلاکت، جان، مال، عزت، دین ہر قسم کی ہلاکت کو شامل ہے۔

تفسیر عالمانہ: فان کنت فی شک مما انزلنا الیک۔ پس اگر تو اے انسان اس کی طرف سے شک میں ہو جو ہم نے تیری طرف نازل کیا۔ یہاں خطاب عام مسلمان سے ہے نہ کہ نبی کریم سے بعض مفسر کنت کا فاعل نبی کریم کو تصور کرتے ہیں مگر وہ بھی فرضاً کی قید لگاتے ہیں اور ان کے عقائد میں بھی یہ ہے کہ نبی کریم کا قرآن کریم یا کسی بھی وحی کے بارے شک کرنا محال بالذات ہے جو انبیاء کرام کے متعلق شک کرنے کا عقیدہ بنائے وہ شرعاً بے دین ہے میں کہتا ہوں کہ روشن کلام سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں عام مسلمان ہی مراد ہے عقلاً نقلاً نبی پاک کو مراد نہیں لیا جا سکتا اس لئے کہ اگر خطاب معاذ اللہ احمد مجتبیٰ کو ہو تو یا فرضی مانا جائیگا یا غیر فرضی۔ اگر فرضی مانا گیا تو غلط کیونکہ فرضی بات میں حکم نہیں دیا جا سکتا بلکہ فرضی کلام کے نتیجے کا ذکر ہوتا ہے مثلاً قرآن کریم نے فرمایا ہے اگر اللہ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو آسمان اور زمین میں فساد ہو جاتا یا جیسے کہ اگر زید شیر ہوتا تو پھاڑ کھاتا مگر اس آیت میں ان کنت کے بعد فاسئل کا حکم دیا جا رہا ہے جس سے واضح ہوا کہ یہ جملہ شرط فرضی نہیں بلکہ غیر فرضی ہے اور اگر غیر فرضی مان کر پھر نبی پاک ہی مخاطب مراد لے جائیں تو عین گمراہی کہ محال بالذات

www.alahazratnetwork.org

ہے لہٰذا صحیح تفسیر یہ ہی ہے کہ یہاں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ اور شک ہونا اگرچہ عیب تو ہے مگر عالم والوں کے لئے یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام شک سے یکسر منزہ اور مبرہ ہوتے ہیں اس لئے کہ یہ حضرات اعلم العالمین ہوتے ہیں۔ لیکن عوام اپنی بے علمی کی بنا پر یقینی باتوں میں بھی شک کر جائیں تو کفر یا گمراہی نہیں اس لئے کہ شک کرنا اپنے بس کی بات نہیں اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں کافر سے خطاب ہو۔ مگر یہ بات قوی نہیں کیونکہ کفار کا شک یقینی ہے وہاں ان کہنا کچھ غیر مناسب لگتا ہے میری اس تفسیر کی تائید اس حدیث پاک سے ہوتی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو تمام حاضرین کے سامنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لا اشک ولا اسئل یعنی اے قیامت تک کہ لوگو یہ نہ سمجھنا کہ یہ خطاب مجھ کو ہے کیونکہ میں تو نہ شک کرتا ہوں نہ پوچھتا ہوں۔ نبی کریم کی اس شان کو خود باری تعالیٰ بھی جانتا ہے تو پھر نبی کریم کو خطاب کرنا بے معنی ہو جاتا ہے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ خطاب نبی کریم کو ہے مگر مراد دیگر لوگ ہیں۔ مما انزلنا سے تمام قرآن مجید مراد نہیں بلکہ قرآن پاک اور احادیث مبارکہ کے بیان کردہ وہ قصے ہیں۔ جو توریت و زبور کے علاوہ تاریخی معتبر کتب میں بھی مذکور تھے اور مقصد اس کا یہ ہے کہ اس طرح نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق نبوت مورخین اور علماء عالم کی زبانوں سے بھی ہو جائے الیک خیال رہے کہ یہ قرآن کریم نبی پاک کی طرف بھی نازل ہوا اور صحابہ کرام کی طرف بھی اور ہم سب مسلمان کی طرف بھی اور تمام کفار کی طرف بھی۔ مگر نوعیت بیان مختلف ہے۔ جس کا ذکر مختلف جگہ پر قرآن کریم میں ہے اسی اسلوب کے مطابق یہاں الیک فرما کر عوام کو خطاب ہے فاسئل الذین یقرؤن الکتاب من قبلک۔ پس پوچھ لے ان لوگوں سے جو کتاب پڑھتے ہیں تجھ سے پہلے سے۔ فاسئل۔ اس لفظ سے ثابت ہوتا ہے کہ شک فرضی مراد نہیں بلکہ حتمی شک کی طرف اشارہ ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ نبی اکرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انسانوں کے تین گروہ بن چکے تھے ایک مخلص جیسے صحابہ کرام دوسرے بالکل منکر جیسے کافر۔ منافق۔ تیسرے شک میں پڑے رہنے والے کہ جن کے لئے ارشاد ہوا لا الی ھؤلاء ولا الی ھؤلاء۔ یہاں خطاب اس قسم کے لوگوں سے ہے الذین یقرؤن۔ سے کون سے افراد مراد ہیں اسمیں دو قول ہیں بعض نے فرمایا کہ اس سے وہ صحابہ مراد ہیں جو پہلے راہب اور عالم توریت وانجیل تھے۔ جیسے عبداللہ بن سلام۔ کعب احبار۔ تمیم داری۔ عبداللہ بن صوریا رضی اللہ تعالیٰ عنہم (کبیر) مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس سے قیامت تک کے کافر راہب پادری پڑھے لکھے مراد ہیں۔ اور وہ مسلمان بھی شامل ہیں جن کو معلومات عالم حاصل ہیں۔ کیونکہ یہی مقصد امر ہے۔ اور پھر حضرت عبداللہ بن سلام وتمیم داری وغیرہ اس آیت کے نزول کے بعد مدینے پاک میں ایمان لائے حالانکہ یہ آیات مکیہ ہیں (معانی) الکتاب میں جنسی۔ الف لام ہے (معانی) جس سے ہر معلوماتی تاریخی واتفاقی کتاب شامل ہو جاتی ہے۔ لیکن چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے۔ بجز آسمانی کتب کے دیگر کتب پر اتنا اعتماد کسی کا نہ تھا اس لئے یہاں مراد توریت زبور انجیل ہی ہو سکتی ہیں ان زمانوں میں مذہبی کتب اور قابل عیدہ بس یہی کتابیں تھیں۔ اس لئے من قبلک سے اشارہ فرما دیا۔ یعنی جو واقعات تمہارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سنا رہے ہیں وہ واقعات بہت سے راہب وغیرہ اپنی کتب میں پڑھ چکے ہیں تو جو ذات بغیر پڑھے سنے وہی واقعے تم کو بتائے وہ یقیناً اللہ کا نبی ہے کیونکہ غریب بجز نبی کون جان سکتا ہے لقد جآءک الحق

www.alahazratnetwork.org

من ربک فلا تکونن من الممترین ۔البتہ بے شک آیا تیرے پاس حق تیرے رب کریم کی طرف سے پس نہ ہو تو ۔شک کرنے والوں سے ۔ پہلے شاکی اور کم علم لوگوں کو دعوت عام تھی کہ جاؤ میرے حبیب کے فرمودات کی حقانیت کو جانچتے پھرو۔ ہر طرح حق پاؤ گے اب مسلمانوں کو مزید پیار سے سمجھایا جا رہا ہے کہ اے مسلم تیرے پاس حق یعنی ایسا مضبوط دین یا خود ذات محمد مصطفیٰ تشریف لے آئے جس کو کوئی طاقت ختم نہیں کر سکتی ۔حق کا حقیقی ترجمہ ہے ۔ ناقابل فنا چیز ۔اور پھر وہ حق کسی معمولی شخص کی طرف سے نہیں آیا کہ اس میں کچھ تردد کیا جائے بلکہ من ربک اس ذات نے اس حق کو بھیجا جو تجھ کو پالنے والا ہے اور ہمہ وقت تو اس کی پرورش میں ہے ۔ایسا رحیم کریم بھلا تیرے نقصان پر راضی ہو سکتا ہے جب کائنات کی ہر نعمت تیرے فائدے کے لئے ہے تو یقین کر لے کہ قرآن وحدیث اور اسلام میں بھی تیرے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے ۔پس نادان نہ بن اور کسی شیطان کے بہکانے سے فلا تکونن من الممترین نہ ہو جانا پھسلنے والوں میں سے ۔خیال رہے کہ ریب ۔ شک اور امتراء کا اردو لغت سے ایک ترجمہ ہے یعنی شک مگر حقیقت میں کچھ اختلاف ہے ۔چنانچہ ریب وہ ہے کہ چیز کے وجود یا صفت یا نوع میں فی الواقع کچھ گڑبڑ ہو ۔یا منکر کی اپنی ذہنی خرابی ہو ۔اور یہ گڑبڑ یا خرابی ابتداء ہی سے ہو ۔اور شک یہ ہے ابتداء ہی سے منکر کا دل اس پر نہ جمتا ہو ۔صدق وکذب کے کسی بھی پہلو پر وہ قائم مزاج نہ رہتا ہو اس کے اسباب خواہ کچھ بھی ہوں ۔امتراء یہ ہے کہ کسی چیز پر پہلے یقین ہو جائے بعد میں کسی بہکانے ورغلانے سے یقین کی منزل سے پھسل جائے ۔ یہاں امتراء سے مسلمانوں کو روکا جا رہا ہے ۔شک انسان کے بس کا نہیں ہوتا اس لئے اس سے نہ روکا گیا بلکہ اس سے بچنے کا حسب موقع موثر طریقہ بتا دیا گیا ۔لیکن امتراء سے بچنا انسان کے بس میں ہے کہ بری محفلوں کتابوں یاروں سے بچے ۔امترا ایسی بیماری ہے کہ اس سے ہی تکذیب کی کفریہ بیماری شروع ہوتی ہے اسی لئے آگے ارشاد ہوا ولا تکونن من الذین کذبوا بایات اللہ فتکون من الخاسرین ۔اور نہ ہونا تو ان لوگوں سے جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو ورنہ ہو جائے گا تو گھاٹے والوں سے یہ خطاب بھی عام مسلمان سے ہے اور مضمون مسلسل ہے یا مقصد ہے اظہار نتیجہ کہ اگر کوئی امتراء کرے گا تو وہ ہی گویا کہ جھٹلانے والوں کے مثل ہو گا اور یا یہ مراد ہے کہ امتراء جڑ ہے جس سے تکذیب وغیرہ کے نقصان وہ پھل لگتے ہیں اسی لئے پہلے امتراء سے منع کیا گیا بعدہٗ اس حکم کا ذکر ہوا ۔اس کا تفسیری ترجمہ اس طرح بھی کیا جا سکتا ہے کہ امتراء کرنے الوں سے نہ ہو ورنہ آئندہ چل کر تکذیب والوں سے ہو جائے گا اور وہ کون ہیں؟ وہ ہیں الذین کذبوا بایات اللہ وہ کافر جنہوں نے قرآن پاک رسول کریم اور آپ کے معجزات کو نہ مانا ۔پس اگر خدانخواستہ ایسا ہوا تو فتکون من الخسرین ۔تو سخت گھاٹے والوں سے ہو گا ۔لفظ خسرین ۔خسران سے مشتق ہے خاسر وہ ہوتا ہے جو سب کچھ کرے کیا کرایا برباد ہو جائے یہ سخت تکلیف وہ چیز ہوتی ہے ۔اے میرے رب کریم میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی سب امت کو اس خسارۂ اخروی سے بچانا ۔امین ۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ: سب بیماریوں سے سخت بیماری وہم اور شک کی بیماری ہے ۔شک وشبہ میں پڑا رہنے والا ہمیشہ پریشانی میں ہی

www.alahazratnetwork.org

مبتلا رہتا ہے۔ دنیوی معاملات میں بھی شک وشبہ بلاوجہ کرنا برا ہے خاص کر دینی معاملات اور قرآن وحدیث میں شکوک پیدا کرنا تو بہت ہی برا ہے جس کا نتیجہ خسارۂ اخروی بھی ہے اور دنیا کی ذلت بھی۔

مسئلہ: کوئی یقین شک سے نہیں ٹوٹتا (کتب فقہ)

دوسرا فائدہ: دین اسلام بہت ہی مضبوط دین ہے کہ اس کو رب تعالیٰ نے حق فرمایا۔

تیسرا فائدہ: چھوٹے گناہوں سے بچنا فرض ہے کیونکہ یہ چھوٹے گناہ بڑے گناہوں کا پیش خیمہ اور ذریعہ ہوتے ہیں۔ جس طرح بھی ممکن ہو ان سے بچا جائے۔ لہٰذا جس جگہ سے یہ چھوٹے گناہ کا اندیشہ ہو وہاں سے بھی بچو بری مجلسوں کتابوں سے اسی لئے منع کیا جاتا ہے۔

چوتھا فائدہ: نبی کریم کے فضائل سننے کے لئے کسی کے پاس جانا یا کسی کافر کی کتاب یا لکھی ہوئی نعت سننا بھی عبادت ہے یہ فائدہ فاسئل کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض وارد کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض: آخر کیا وجہ ہے کہ اس آیت میں نبی کریم کو مخاطب نہ بنایا جائے جب کہ بہت سی مفسرین نے تمام کلام کا فاعل نبی پاک کو ہی تصور کیا ہے اس آیت کے تمام واحد حاضر کے صیغوں کو موڑ کر دوسرے مسلمانوں کی طرف لے جانا ایک اختراع ہی معلوم ہوتا ہے۔

جواب: اس کی تین وجہ ہیں پہلی وجہ تو تفسیر میں عرض کر دی گئی کہ اگر خطاب حضور علیہ السلام کو ہو تو فرضی ماننا پڑے گا ورنہ گمراہی لازم ہے۔ اور فرضی ہو نہیں سکتا کیونکہ فاسئل کا امر بعد میں موجود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ حضور علیہ السلام کو خطاب مقصد آیت کے خلاف ہے۔ مقصد تھا نبی کریم کی شان کا اظہار۔ تو بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ نبی کریم خود اپنی اظہار شان کے لئے پوچھتے پھریں۔ تیسری وجہ یہ کہ شک ہوتا ہے جہالت اور بے علمی کی بناء پر انبیاء کرام بے علمی سے بالکل پاک ہوتے ہیں بلکہ جس جھوٹے کو اپنے جھوٹ کا علم ہو وہ بھی شک سے دور ہو سکتا ہے۔ اگرچہ کفر پھیلاتا پھرے۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں من الخسرین کیوں فرمایا گیا؟ من الکافرین ہونا چاہئے تھا۔ کیونکہ اللہ کی آیتوں کو جھٹلانا تو صراحتاً کفر ہے۔

جواب: اس لئے کہ کافر دو قسم کے ہیں اور ان کو علیحدہ علیحدہ دو قسم کی ہی رسوائیاں اور نقصان ہیں پہلا وہ کافر جس نے نیکی کی ہی نہیں اس کو قیامت میں حرمان یعنی نعمت عقبیٰ سے محرومی نصیب ہو گی مگر کم از کم اس نے دنیا میں عیش کر لیا۔ دوسرا وہ کافر جس نے پہلے اسلام قبول کر کے خوب نیکیاں عبادت و ریاضت کی مشقتیں کیں پھر امتراء اور شک کی بیماری میں مبتلا ہوا جس سے ساری نیکیاں برباد ہو گئیں۔ اس کو قیامت میں خسران نصیب ہو گا۔ یہی گھاٹے والوں سے گنا جائے گا جیسے کہ ایک وہ شخص جس نے کھیت بویا ہی نہیں اور دوسرا وہ جس نے مکمل بویا مگر حفاظت نہ کی جنگلی چوہوں نے سب برباد و ویران کر دیا تو پہلا شخص حرمان سے اور دوسرا خسران سے دو چار ہوا مگر زیادہ پریشانی اور گھاٹا دوسرے کا ہے اسی چیز کا یہاں من الخسرین

www.alahazratnetwork.org

فرما کر اشارہ کیا جارہا ہے
تیسرا اعتراض: یہاں مما انزلنا الیک بتارہا ہے کہ اس جگہ مخاطب نبی کریم ہیں کیونکہ وحی صرف انبیاء پر آتی ہے اور قرآن کریم نبی اکرم کی طرف ہی نازل ہوا۔
جواب: یہ غلط ہے۔ بلکہ ممترین اور خاسرین جیسے سخت الفاظ وعید ہی بتارہے ہیں نبی کریم مخاطب نہیں ہو سکتے۔ اور یہ ٹھیک ہے کہ انبیاء پر نزول وحی ہوتا ہے مگر ہونا سب کائنات کی طرف ہے۔ یہاں طرف کا ذکر ہے نہ کہ پر کا۔ اسی لئے قرآن پاک نے ایک جگہ فرمایا وانزلنا الیکم نورا مبینا۔ اس طرح کی بہت سی آیات موجود ہیں جن سے ثابت ہے کہ سب بندوں کی طرف قرآن مجید نازل ہوا۔ امام ابن ابی بکر رازی نے اس جگہ یہ بھی جواب دیا کہ ان کنت فی شک میں ان نافیہ ہے۔ اور پورے کلام کا ترجمہ اسی طرح ہے کہ اے حبیب تم شک میں تو نہیں ہو۔ پھر بھی پوچھ لو توریت و زبور پڑھنے والوں سے تاکہ ان کی زبان تصدیق بھی سب کو معلوم ہو جائے۔
تفسیر صوفیانہ: محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں راہ سلوک میں سب سے زیادہ جاہل عقل ہے اور سب سے زیادہ عالم عشق ہے۔ بعض عارفین نے فرمایا بد قسمت وہ ہے جس کو علوم وھبی و کشفی کا حصہ نہ ملا۔ ایسے شخص سے خطرہ ہے کہ خاتمہ بالخیر نہ ہو۔ کم از کم حصہ یہ ہے کہ اہل اللہ کی تصدیق کرتا رہے۔ اور کم از کم بدنصیبی یہ ہے کہ صدیقین اور مقربین کے علم سے کچھ بھی نہ ملے اور یہی منکر بد قسمت کی ادنیٰ سزا ہے۔ جب قلب مومن پر انوار معرفت کا نزول ہوتا ہے تو عقل وادی تحیر میں غوطہ زن ہو جاتی ہے اس کو ان آیات سے کچھ سمجھ نہیں آتا تو مرشد برحق اس بھٹکتی عقل کو ارشاد فرماتا ہے اگر تجھ کو ان آیات اسرار میں شک ہے جو قلب مرید پر ہم نے تیری ہدایت کے لئے نازل کی ہیں تو اس دریا کے پہلے شناور اور اس مدرسے کے پہلے شاگرد عشق سے پوچھ لے۔ یہ شریعت و طریقت کا حق تیرے رب کی طرف سے تیرے ہی لئے آیا ہے۔ پس اے عقل حیوانی امتزاء کے خاروار جنگل سے نکل۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تکذیب کے کانٹوں میں الجھ کر دامن ایمان و عافیت کو تار تار کر کے ابدی ازلی گھاٹے والوں میں سے ہو جائے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ حَقَّتْ عَلَیْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۹۶﴾
بیشک وہ لوگ مضبوط لگ گیا پر جن کلمہ رب تیرے کا نہ لائیں گے ایمان
بے شک وہ جن پر تیرے رب کی بات ٹھیک پڑ چکی ہے
وَلَوْ جَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰیَةٍ حَتّٰى یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ ﴿۹۷﴾
اگرچہ آئے ان کو ہر نشانی یہاں تک کہ دیکھ لیں عذاب دردناک
ایمان نہ لائیں گے اگرچہ سب نشانیاں ان کے پاس آئیں جب تک دردناک عذاب نہ دیکھ لیں

www.alahazratnetwork.org

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت مبارکہ میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو شیطانی وساوس سے عارضی طور پر شکوک وشبہات میں پڑ گئے مگر ان کا پھر ہدایت کی طرف رجوع ممکن تھا اب اس طبقہ کا ذکر ہو رہا ہے جن کا حق کی طرف آنا ناممکن ہے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ظاہراً بتایا گیا کہ اسلام کی باتوں میں شک مت کرو ورنہ گمراہ ہو جاؤ گے۔ اب اشارتاً فرمایا جا رہا ہے کہ کفر کی برائی میں شک نہیں کرنا چاہئے بلکہ بالکل یقین کر لو کہ ایسے سخت کافر کبھی ایمان نہیں لائیں گے۔ گویا کہ پہلے اچھوں کی اچھائی میں شک سے روکا گیا تھا اب بروں کی برائی میں شک سے روکا جا رہا ہے۔

تیسرا تعلق: پہلے فرمایا گیا تھا کہ اے مسلمانوں تم کیسے کچے ایمان کے ہو کہ باوجود اسلام میں آنے کے پھر ذرا سے وسوسے سے اسلام و قرآن جیسی مضبوط کتاب میں شک کرنے لگے۔ اس شک کی برائی فرمائی گئی اور بچنے کا طریقہ بھی ارشاد ہوا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ دیکھو کافر اپنے کفر میں کتنا سخت ہے کہ ہر طرح کی آیات دیکھ کر بھی کفر سے مشکوک نہیں ہوتا نہ کفر سے باز آتا ہے۔

چوتھا تعلق: پہلے ارشاد ہوا تھا کہ شک اور امتراء سے باز آ جاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دیکھ کر تکذیب نہ کرنا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جن کے دلوں پر مہر کفر لگ چکی ہے وہ تمام نشانات حق دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے۔

تفسیر نحوی: **ان الذین حقت علیھم**. ان حرف تحقیق ہے یہ حرف ہمیشہ شک کو دور کرنے اور کلام میں پختگی پیدا کرنے کے لئے لائے جاتے ہیں۔ اس کا صلہ اگلا جملہ ہے حقت۔ فعل ماضی باب **نصر ینصر** صیغہ واحد مونث کا ہے حق تعیب مقرون سے مشتق ہے بمعنی مضبوط ثابت ہوتا جو ختم نہ ہو سکے **علیھم**۔ علیٰ حرف جار جب کسی ضمیر سے متصل ہوتا ہے تو اس کا الف ممدوہ گر جاتا ہے **ھم** سے وہی مخصوص طبقہ کفر مراد ہے جو **الذین** کا صلہ ہے۔ **کلمت ربک** کلمۃ سے مراد کفر کی مہر ہے یا ازلی تقدیر کا فیصلہ مراد ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ نافع اور ابن عامر کی قرأت میں کلمات جمع ہے۔ مگر جمہور کے نزدیک کلمہ واحد لفظ ہے ربک مرکب اضافی ہے ک ضمیر سے مراد عام مسلمان ہے۔ **لا یؤمنون** ان کی خبر ہے اس لئے اس کا اعراب حکائی رفع ہے یہ جملہ اسم ان کا نتیجہ ہے۔ **ولو جاء تھم کل ایۃ** واؤ وصلیہ ہے لو حرف شرط ہے مگر یہاں محض وصل کے لئے ہو گیا۔ جائت صیغہ واحد مونث اس کا فاعل **کل ایۃ** ہے جی سے مشتق ہے بمعنی دور سے آنا۔ کل سے مراد صرف حق کی طرف ہے۔ آیۃ کا معنی نشانی یہاں مرکب اضافی استعمال کر کے ثابت کیا کہ ایک ایک نشانی کا پورا پورا جز **حتی یرو العذاب الالیم**۔ حرف حتی انتہاء کے لئے ہے۔ **یرو** کا جمع صیغہ فعل مضارع مراد زمانہ مستقبل ہے۔ رای سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا۔ خواہ آنکھ سے یا سب جسم سے **العذاب** الف لام عہد ذہنی ہے عذاب کے معنی سزا **الالیم** الف لام صفتیت کا ہے۔ یہ مرکب توصفی **یرو** کا مفعول بہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: **ان الذین حقت علیھم کلمت ربک لا یومنون** بے شک وہ کافر لوگ جن پر تیرے رب کا کلمہ ٹھیک پڑ چکا وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے۔ یہ آیت کریمہ انتہائی عبرت ناک ہے ہر انسان کو اپنے رب کریم کی پناہ کی دعا مانگنی

www.alahazratnetwork.org

چاہیے۔ یہاں ان کفار کا ذکر ہو رہا ہے جن کا کفر پر رہنا اور کفر پر مرنا مقدر ہو چکا ہے۔ لفظ حقت سے مراد یا تو ازلی تقدیری فیصلہ ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت حضرت آدم کو زندہ فرمایا گیا تو اللہ تعالیٰ نے پشت آدم علیہ السلام کے دائیں طرف دست قدرت پھیرا تو بہت سی ذریت کا خروج ہوا ارشاد ہوا یہ جنتی ہیں پھر بائیں طرف ہاتھ پھیرا تو بہت ہی زیادہ ذریت برآمد ہوئی تو ارشاد ہوا کہ جہنمی ہیں (ابوداؤد) ترمذی عن مسلم بن یسار) اسی طرح کی ایک حدیث مسند احمد میں بروایت ابونضرۃ ہے۔ یا حقت سے مراد لوح محفوظ میں لکھنا ہے۔ کلمت سے مراد یہی فیصلہ کفر ہے۔ اس آیت سے جہاں مسئلہ تقدیر ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ضد ہٹ دھرمی، غرور تکبر، بزرگان دین کی گستاخیاں انبیاء اولیاء سے حسد و بغض سب کچھ ان ازلی تقدیری مردودین بارگاہ کی علامات دنیاوی ہیں۔ ایسے لوگوں کو توبہ کی توفیق نہیں ہوتی **ولو جاء تهم كل اية** اگرچہ قرآن و حدیث اور معجزات و کرامات کی ہزار ہا نشانیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں اور ان کے پاس سب آیات آجائیں۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا کی قدرتی سزائیں ناگہانی آفات ان پر وارد بھی ہوتے رہیں۔ پھر بھی نگاہ عبرت نہیں کھولتے۔ یہ لوگ اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی رہتے ہیں **حتی یروا العذاب الالیم**۔ یہاں تک کہ یہ مردودین اللہ کا دردناک عذاب دیکھ لیں۔ یا موت کے وقت یا قیامت کے میدان میں۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہاں عذاب موت مراد ہے اس لئے کہ مومن کی موت تو وصال حبیب کی بنا پر لذت آفریں ہے مگر کافر کی موت بھی اس کے لئے دردناک عذاب ہے۔ اور بہت کافروں نے مرتے وقت کلمہ بھی پڑھا۔ جیسے کہ فرعون اور قارون وغیرہ۔ بلکہ زبان حال سے سب ہی کافر بوقت موت ایمان لے آتے اور جن چیزوں پر ایمان لانا ان کی غفلتوں کے خلاف تھا اب ملک الموت وغیرہ کو دیکھ کر مان جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بدر کے کنوئیں میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابوجہل سے پوچھا تھا اب بتا تو نے میرے رب کا وعدہ سچا پایا کہ نہیں۔ مگر اس وقت کا ایمان معتبر نہیں اسی لئے لفظ حتی بول کر ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کی انتہاء کا ذکر فرمایا اگر قیامت کا عذاب مراد ہو تب بھی ٹھیک ہے کیونکہ قیامت میں کافر کہیں گے کاش ہم کو دوبارہ دنیا میں بھیجا جاتا تو پھر کبھی کفر نہ کرتے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: تعلیم انبیاء کرام مثل بارش کے ہے کہ اس سے وہی فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جو تقدیر الٰہی میں مومن ہیں کہ یہ مثل زرخیز زمین بے آباد زمین کے ہیں ازلی مردودین اس سے فائدہ نہیں لے سکتے کہ وہ مثل پتھریلی چٹان کے ہیں۔ لیکن بارش سب جگہ ہی ہوتی ہے۔

دوسرا فائدہ: تقدیر دو قسم کی ہے (۱) تقدیر مبرم جو ٹل نہ سکے (۲) معلق جو دعاؤں سے ٹل جائے۔ مگر گستاخ نبوت و ولایت کی بدنصیبی مبرم ہے جو ٹل نہیں سکتی یہاں وہی مراد ہے۔

تیسرا فائدہ: موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں اسی طرح مجبوری کی خیرات یا جبر کی نماز بھی قابل ثواب نہیں جب مصیبت پڑی تو لگیں نیازیں بٹنے یہ اللہ کو پسند نہیں۔

www.alahazratnetwork.org

اعتراضات: یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں تو ارشاد ہوا کہ جن لوگوں پر رب کا حکم ثابت ہو چکا وہ کبھی بھی ایمان نہ لائیں گے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر کے آگے سب مجبور ہیں۔ مگر دوسری جگہ آگے ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر رب چاہے تو سب ایمان لے آئیں اور پھر بہت سے کافر دن رات مسلمان بنتے ہیں بہت سے بے دین دعاؤں سے ایمان والے بن جاتے۔ لہٰذا تعارض پیدا ہو گیا۔

جواب: بالکل صاف ہے یہاں فیصلے اور ازلی تقدیری حکم ہو چکنے کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو ایسا فیصلہ نہ ہوتا بلکہ سارے ہی مومن ہو جاتے۔ رہا دعاؤں سے ایمان تو یہ تقدیر معلق کی وجہ سے ہے اور پھر یہاں ان کفار کا ذکر ہے جن پر مہر لگ چکی نہ کہ سب کفار کا۔ لفظ الذین بتا رہا ہے کہ سب کافر ازلی مردود مہر شدہ نہیں۔ جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا پس جو لوگ کفر سے تائب ہوتے ہیں وہ ازلی تقدیری کافر نہیں ہوتے۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیا کی اصطلاح میں بدنصیب انسان وہ ہے جس کو نور معرفت کا صلہ عطا نہ ہو۔ ایسے ہی بدنصیبوں کی علامات اس آیت میں بیان ہو رہی ہے کہ ان لوگوں پر محرومیت اسرار کی مہر لگ چکی ہے۔ یہ کبھی بھی تصوف و طریقت کی حسین وادیوں کو تسلیم نہ کریں گے۔ اور ایسے ہی سردان راہ خدا کے کمالات پر **لایومنون** ایمان نہ لائیں گے۔ اگر چہ ان کی عقل سلیم اور نفس مطمئنہ انوار و تجلیات قلوب کی ساری علامتیں ان کے سامنے لے آئے۔ ہاں جب نفس مطمئنہ وادی فنا میں چلا جائے اور ضمر مردہ ہو کر طرح طرح کے واسواس شیطانی سے شق القلب کے درجے میں ہو اور نماز و ذکر اللہ سے حصول مدارج نہ ہو اور بے یقینی کا عذاب الیم دیکھ لیں تب حصہ معرفت اور راہ سلوک کے متلاشی ہوتے ہیں مگر اس وقت کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا پس اسی طرح خائب و خاسر ہو کر دنیا جہان سے جاتے ہیں۔ عرائس البیان نے فرمایا کہ سر ازلی نے ازل سے بارگاہ قدس میں اس کے قہر و لطف کا مطالبہ کیا کسی ایسے اہل کا جو لطف و قہر کے مصرف ہوں انہیں سے صادر ہوں انہیں کی طرف لوٹنے والے ہوں تو اللہ مجدہٗ کی طرف سے جواب آیا کہ اسرار الٰہیہ ازلی کھلے ہیں سعادت سعیدوں کے لئے ہے اور شقاوت شقیوں کے لئے ہے لہٰذا ضروری ہے لطف کے نشانات مقبولوں کے چہروں اور قہر کے نشانات مطرودین کی گردنوں پر۔ یہ نشانات مطرودین کی گردنوں پر ازل میں ہی لگائے گئے پس لطف والے ازل سے ابد تک لطف الٰہیہ سے بہرہ مند ہوں گے اور ان مقبولین سے رب تعالیٰ ہی کے ارادے مشیت اور کام صادر ہوں گے لیکن قہر والے ازل سے ابد تک ظلمات قہر میں رہیں گے اسی لئے وہ بدبخت انبیاء کرام اولیاء عظام کے وہ انعامات معرفت نہیں دیکھتے جو محض عطیات ربانی ہیں اسی وجہ سے منکر ہو جاتے ہیں وہ لوگ اندھیری آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ امام واسطی نے فرمایا وہ لوگ جو نور ازلی سے ملحق نہ ہوئے ان پر صفائی وقت روشن نہیں ہوتی کیونکہ اوقات کی صفائی انوار ازلیہ کے نتیجے ہیں اور یہ محرومی بھی دردناک عذاب ہے **اللھم وقنا من ھذا العذاب واعطنا انوار معرفتک امین یا رب العلمین۔**

www.alahazratnetwork.org

فَلَوْلَا كَانَتْ قَرْيَةٌ اٰمَنَتْ فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا قَوْمَ

تو کیوں نہ ہوئی یہ بات کہ کوئی بستی ایمان لائے پس نفع دے اس کو ایمان اس کا مگر قوم

تو ہوئی ہوتی نہ کوئی بستی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان کام آتا ہاں یونس کی قوم جب ایمان لائے

يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي

یونس جب کہ وہ ایمان لائے دور کیا ہم نے سے ان عذاب ذلیل میں زندگی

ہم نے ان سے رسوائی کا عذاب دنیا کی زندگی میں ہٹا دیا اور ایک

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۹۸﴾ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ

دنیا اور نفع دیا ہم نے ان کو تک ایک وقت اور اگر چاہتا رب

وقت تک انہیں برتنے دیا اور اگر تمہارا رب

لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ

تیرا البتہ ایمان لاتا وہ جو میں زمین تمام ان کے ایک دم کیا پس تو مجبور کرے گا

چاہتا زمین میں جتنے ہیں سب کے سب ایمان لے آتے تو کیا تم لوگوں کو

النَّاسَ حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۹﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ

لوگوں کو تاکہ ہوں وہ مومن اور نہیں ہے لیے کسی

زبردستی کروگے یہاں تک کہ مسلمان ہو جائیں اور کسی جان کی قدرت

اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ عَلَى

جان کے یہ کہ وہ ایمان لائے مگر سے حکم اللہ اور بناتا ہے عذاب کو پر ان

نہیں کہ ایمان لے آئے مگر اللہ کے حکم سے اور عذاب ان پر ڈالتا ہے

الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

کے جو نہیں عقل رکھتے

جنہیں عقل نہیں

تعلق: اس آیات کے پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں یہ فرمایا گیا تھا کہ موت یا عذاب الیم دیکھ کر ایمان لانا معتبر نہیں ہے۔ اس کے تجرباتی ثبوت کو بطور چیلنج اس آیت مبارکہ میں پیش کیا جارہا ہے کہ واقعۃً ایسا کبھی نہ ہوا کہ آخری دم کسی کا ایمان قبول ہوا ہو۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ ازل میں فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ جن کے کفر پر مرنے کا فیصلہ ہو چکا ہے وہ لاکھوں نشانات قدرت دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں گے۔ اب ارشاد ہوا کہ اگر اللہ چاہتا تو یہ فیصلہ نہ ہوتا بلکہ سارے انسان وجنات ایک دم مومنین ہو جاتے۔

تیسرا فائدہ: پچھلی آیت پاک میں بیان ہوا تھا کہ کافر لوگ عذاب الیم دیکھ کر ہی ایمان لا سکتے ہیں اس کے علاوہ نہیں اس کی دو وجہ ہیں ایک وجہ تو وہیں بیان فرمادی گئی کہ یہ ازلی فیصلہ ہے۔ دوسری وجہ اس آیت پاک میں بیان ہو رہی ہے کہ وہ بے عقل اور بے وقوف ہیں۔ اور اللہ کا عذاب ان کی اپنی بے وقوفیوں کی بنا پر ہے۔ گویا کہ پچھلی آیت کریمہ میں بغیر عذاب دیکھے ایمان نہ لانے کی وجہ بیان ہوئی تھی اور یہاں ان کفار ازلیہ پر عذاب آنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔

تفسیر نحوی: **فلولا**۔ یہاں ف سوالیہ ہے۔ **لولا**۔ **ھلا** کے معنی میں ہو کر توبیخ اور جھڑک پیدا کرتا ہے یعنی اے کم عقلو سمجھ لو کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تو اب کیوں موت کے انتظار میں بیٹھے۔ **کانت**۔ بعض نے فرمایا کہ یہ تامہ ہے اور **قریۃ** اس کا فاعل ہے اور جملہ فعلیہ تامہ مکمل ہو کر موصوف ہوا اگلا جملہ **امنت** اس کی صفت ہوا مگر صحیح تر یہ ہے کہ **کانت** فعل ناقصہ ہے۔ **قریۃ** اس کا اسم ہے اور **امنت** کا پورا جملہ اس کی خبر۔ **قریۃ** کا حقیقی معنی ہیں بستی۔ خیال رہے کہ چند اینٹ پتھر سے ایک دیوار چند دیواروں سے ایک گھر چند گھروں سے ایک گاؤں چند گاؤں سے ایک قصبہ چند قصبوں سے ایک تحصیل چند تحصیلوں سے ایک ضلع چند ضلعوں سے ایک کمشنری چند کمشنریوں سے ایک صوبہ چند صوبوں سے ایک ملک بنتا ہے۔ موجودہ انسان کی تقسیم قریہ لغوی لحاظ سے ہر بستی کو کہہ سکتے ہیں۔ مگر صرف عام میں چھوٹی دیہاتی بستی کو کہہ دیا جاتا ہے قرآن کریم میں بہت جگہ لغت کا اعتبار کیا گیا ہے جیسے کہ یہاں۔ **قریۃ** کا مجازی معنی ہے۔ بستی میں رہنے والے وہی یہاں مراد ہے گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔ **امنت** مونث کا صیغہ ہے اس کا فاعل قریہ کی ضمیر ھی اور یہ پورا جملہ **کانت** کی خبر ہے۔ **فنفعھا** ف عطف کی ہے پہلا جملہ معطوف علیہ اور سبب ہے اور یہ مسبب معطوف ہے (تفسیر صاوی) اگر **کانت** تامہ مانا جائے تو یہ **فنفعھا امنت** کا معطوف بنے گا پھر **امنت قریۃ** کی صفت ہوگی۔ **ھا** ضمیر کا مرجع **قریۃ ایمانھا** یہ مرکب اضافی **نفع** فعل متعدی کا فاعل ہے **الا قوم یونس**۔ **الا** حرف استثناء کے بارے نحاۃ کے تین قول ہیں پہلا یہ کہ یہ مستثنیٰ منقطع کے لئے ہے۔ علامہ زجاج وسیبویہ اور کسائی نحوی کے علاوہ اکثر نحوی علماء اسی طرف راغب ہیں (صاوی، معانی، مظہری، جلالین) دوسرے یہ کہ یہ استثناء متصل ہے یہ قول زمخشری کی طرف منسوب ہے۔ مگر بعض نے کہا کہ **الا** بمعنی **غیر** ہے۔ اور **الا** کو ماقبل کی صفت بنایا ہے۔ حالت نصب میں۔ **قوم** کو زبر پڑھایا گیا مگر چند نحویوں نے اس کو حالت رفعی میں مانا ہے۔ ان کے نزدیک یہ بدل ہے **قریۃ** کا اس وقت **الا** کو **غیر** کے معنی میں مان کر نفی پیدا کرنا ضروری ہے کیونکہ بدل غیر موجب کلام میں ہی ہوتا ہے۔ **یونس**۔ لفظ **یونس انس** سے مشتق ہے بھموز الفاء ہے بعض

www.alahazratnetwork.org

نحویوں نے کہا یہ ونــس سے مشتق ہے بمعنی تنہائی۔ لفظ یونس کی نون ہمیشہ مفہوم ہوگی غیر منصرف ہے وزن فعل اور علم کی وجہ سے روح البیان نے فرمایا کہ عجمی اور علم ہے۔ لــمــا۔ حرف شرط ہے یہاں بیان نتیجہ کے لئے ہے امنو یہ جملہ خبریہ ہے وجہ استثناء کی خبر دے رہا ہے کشفنا عنهم کشفنا صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل ضمیر نا کا مرجع ذات باری عزاسمہ ہے یہ کشف سے مشتق ہے بمعنی کھولنا ہٹانا دور کرنا یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں عنہم حرف عن جارہ بعد مکانی کے لئے ہے ہم سے مراد قوم یونس علیہ السلام ہے۔ یہ ہے وہ فائدہ جس کا لــمــا امنو سے بیان ہوا عذاب بمعنی سزا۔ خیال رہے کہ عذاب مطلق سزا کو کہتے ہیں یہ کشفنا کا مفعول بہ ہے الخزی۔ عذاب کا مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی تمام مفعول ہے الخزی خزی سے مشتق ہے بمعنی رگڑ نا ذلیل کرنا الف لام عہد ذہنی ہے۔ فی الحیوة الدنیا فی جارہ ظرفیت کے لئے خواہ زمانی یا مکانی۔ حیوة حیوة سے مشتق ہے بمعنی بقاء روح حیوانی مرکب توصیفی ہے۔ دنیا سے مراد عالم اجسام و متعنا الی حین۔ واؤ عاطفہ متعنا صیغہ جمع متکلم مراد رب تعالیٰ ہے متع سے مشتق ہے بمعنی کچھ نفع دینا هم سے مراد ہی قوم یونس۔ الی انتہاء کے لئے آتا ہے۔ حین سے مراد وقت غیر معینہ یا زمانہ غیر معینہ ولو شاء ربک واؤ سر جملہ ہے کیونکہ نئی بات کا ذکر ہو رہا ہے شاء فعل ماضی متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول ایمانهم پوشیدہ ہے۔ یہاں لفظ رب کا استعمال اسی طرف اشارہ کر رہا ہے یہ فیصلہ سابقہ انتہائی حکمت پر مبنی ہے۔ ربک شاء کا فاعل ہے۔ اور مضاف الیــہ کی ضمیر ک سے یا تو حسب سابق عام مسلمان ہی مخاطب ہے یا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ اس سے ربط کلام نہیں ٹوٹتا لامن۔ لام ابتدائیہ جو باشرط کے لئے ہے یہ لام اسم فعل حرف سب پر آجاتا ہے۔ امن فعل ماضی مطلق سابقہ شرط کی جزا ہے۔ من اسم موصول امن کا فاعل ہے۔ اصلاً وحدت کے لئے ہے مگر جمع کے لئے بھی آجاتا ہے یہاں جمعیت ہی مراد ہے مابعد قرینے کی بنا پر فی الارض فی بمعنی علی ہے یعنی زمین پر بسنے والے لوگ مراد صرف انسان ہیں بعض کے نزدیک جنات بھی شامل ہیں۔ ارض کے معنی فضاءِ زمین ہے نہ کہ فقط مٹی۔ اور فی کا اشارہ سکونت کی طرف ہے نہ کہ ظرفیت کا ارض کا لغوی ترجمہ برابر کیا ہوا بستر ہے یہ جار مجرور موجود پوشیدہ کے متعلق ہو کر موصول کا صلہ ہوگا اور پھر موکد ہو کر امن کا فاعل ہوا کلهم من کی تاکید ہے جمیعا کلهم کا حال ہے افانت تکره الناس۔ ہمزہ سوال انکاری کی ہے ف فانت ف تعقیب کی۔ ضمیر واحد کا مرجع دونوں سابقہ احتمال رکھتا ہے۔ مگر قوی یہ ہے کہ خطاب نبی کریم سے ہے تکرہ واحد حاضر کا صیغہ کرہ سے مشتق ہے۔ بمعنی جبر یا ناپسندیدگی یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ الناس میں الف لام عہد خارجی ہے اور ناس سے خطاب کے ہم زمانہ کافر مراد ہیں۔ حتی بمعنی کی۔ جس کا اردو ترجمہ ہے تاکہ مگر یہاں الــی ان کے معنی میں ہے یعنی یہاں تک۔ نحاۃِ کوفہ کے شیخ امام کسائی نحوی کے نزدیک حتی خود ناصب ہوتا ہے (الانصاف دوم) یکونوا۔ فعل مضارع معروف کان بمعنی صار سے بنا ہے۔ دراصل یکونون تھا۔ حتی نے نون اعرابی کی حذف کر دیا مومنین جمع ہے مومن کی اصطلاحی معنی میں ہے یعنی شریعت محمد مصطفیٰ اور طریقت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دل و زبان سے ماننے والا ما کان ماننی کا ہے۔ کان تامہ ہے اس کا فاعل قدرة یا ثبوت پوشیدہ ہے۔ اگر قدرت ہو تو یہاں سابقہ کلام کی وجہ ہوتی ہے۔ اور اگر ثبوت پوشیدہ ہو تو سابقہ کلام کی بطور تائید یا چیلنج خبر دی جا رہی ہے۔ لنفس لام جارہ ملکیت کا ہے، نفس سے

www.alahazratnetwork.org

مراد بدن وروح کا وہ مجموعہ جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل حکمت۔طبیعت،شہوت ودیعت فرمائے اس کا جوہر اصلیہ قلب ہے۔جار مجرور متعلق ہیں ماکان کے (کتاب النفس للامام رازی) ان تـومـن ان نـاصـبـہ تومن فعل مضارع مونث یہ جملہ ماکان کا مفعول بـہ ہے الا حرف استثناء ہے جس کا ماقبل مستثنیٰ منہ اور مابعد مستثنیٰ ہے۔اس نے سابقہ نفی مطلق کو ختم کر دیا ب جارہ معیت کے لئے ہے اذن سے یہاں مراد مشیت ہے کیونکہ اسی کا ذکر ہوا اس جگہ لفظ اللہ فرمانا ی صمدیت کی طرف اشارہ کرتا ہے ویـجعل یہ فعل حال جمہور قراء کے نزدیک صیغہ واحد غائب ہے ایک قرأت میں نـجعل صیغہ جمع متکلم ہے مگر فاعل ہردو صورت میں ذات باری ہے جـعـل سے بنا بمعنی بنانا ڈالنا۔اشارہ اس طرف ہے کہ عذاب خصوصی طور پر بنایا ان ہی بیوقوفوں کے لئے۔الـرجـس۔الف لام جنسی ہے۔رجـس ر کے زیر سے۔گندگی پلیدی۔بری حالت یا برا کلام وعمل را کے زبر سے یا دال کا کڑ کنا یہاں بکسر الراء ہے یعنی گندگی پلیدی کا عذاب۔علی الذین۔علی جارہ اپنے معنی میں ہے۔الذین اسم موصول جمع کے لئے ہوتا ہے اس سے عمومیت ختم کی جاتی ہے اوراز خود خصوصیت پیدا ہو جاتی ہے۔لایعقلون یہ فعل حال منفی ہے جس میں کفر کفار کی صفت اصلیہ اور وجہ کفر کی طرف اشارہ مقصود ہے یہ عقل سے مشتق ہے۔

تفسیر عالمانہ: فلولا کانت قریۃ امنت فنفعھا ایمانھا تو کیا کبھی ایسا ہوا بھی ہے کہ کوئی بستی بوقت عذاب ایمان لائی تو اس کو اس کے ایمان نے نفع دیا ہو۔یہ نیا کلام ہے جس سے ہلاک شدہ کفار کا ذکر ہو رہا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ قانون قدرت بن چکا ہے کہ عذاب دیکھ کر یا موت کے فرشتے دیکھ کر ایمان معتبر نہیں۔ایمان صرف وہی قابل بارگاہ ہے جو بغیر کچھ دیکھے اندھا دھند نبی علیہ الصلوۃ والسلام کی تعلیم اور حکم سے اختیار کیا جائے۔خیال رہے کہ عذاب دیکھنے سے مراد عذاب کا نزول ہے اور ملاحظہ کرنا ہے۔اس آیت کو فـلـولاء سے شروع کرنے کا مقصد دنیا بھر کے تاریخ دانوں اور جغرافیہ کے اساتذہ کو چیلنج عظیم ہے کہ اگر تم فیصلہ ازلیہ بانیہ سابقہ کو نہیں تسلیم کرتے یا تم معاذ اللہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر معترض ہو تو کیا نبی کریم کے اس بیان کردہ فیصلہ ربانیہ کے خلاف ثبوت پیش کر سکتے ہو۔عبارۃ یہ چیلنج فقط ان یہود ونصاریٰ کو ہے جو انجیل وتوریت میں عذاب کے تاریخی واقعات مثلاً فرعون وقوم کے واقعات پڑھتے رہتے تھے اور قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا کلام نہ مانتے تھے الا قـوم یـونـس سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے۔الا کے بعد قوم کا ذکر کرنا دو وجہ سے منقطع ہے اولاً اس لئے کہ الا سے پہلے قریۃ ہے اس سے قوم کرنا قبولیت والے حکم سے علیحدہ کرنا حالانکہ بستی اینٹ پتھر کی ہوتی ہے اور قوم انسانوں کی ہوتی ہے ان میں کوئی مناسبت جنسی یا نوعی نہیں دوئم اس لئے کہ قوم یونس کے عذاب دیکھنے اور ایمان میں دوسرے کفار سے فرق ہے۔لہٰذا فقط قوم یونس علیہ السلام کی یہ شان ہے کہ کـمـا امـنـوا کـشـفـنـا عـنـهـم عـذاب الخزی۔جس وقت وہ ایمان لائے ہم نے ان سے ذلت کا عذاب ہٹا دیا۔

حضرت یونس علیہ السلام کا پورا واقعہ: اس طرح ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے آٹھ سو سال پیشتر ملک عراق میں ایک قوم سیریا آباد تھی اور ان ہی کی سلطنت تھی اور سلطنت کا مرکزی مقام تقریباً ۵۰ میل مربعہ پھیلا ہوا ایک شہر نینوا دریاء دجلہ کے کنارے شہر موصل کے قریب واقع تھا۔یہ قوم بہت ظالم اور بت پرست تھی حضرت یونس علیہ السلام متی کے بیٹے نبی

www.alahazratnetwork.org

اسرائیل سے تھے حضرت الیاس علیہ السلام کی دعا سے دوبارہ زندہ ہوئے (صاوی سورۂ صافات اٹھائیس سال کی عمر شریف میں نبوت کا تاج عطا فرمایا گیا پھر قوم نینوا کی طرف بھیجا گیا یہ قوم نبی اسرائیلی نہ تھی۔ اس کو قوم یونس فرمانا ہی امت ہونے کی بنا پر ہے۔ کیونکہ ہر شخص نبی کی قوم میں شمار ہوتا ہے جو ان کی امت ہو خواہ برادری اور قبیلہ سے بھی نسبت ہو یا نہ ہو۔ اس قاعدے سے قیامت تک کے سب مسلمان آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ہیں حضرت یونس علیہ السلام نے ان کو ترک ظلم و بت پرستی کی تبلیغ فرمائی مگر انہوں نے آپ کی بات ماننے سے انکار کر دیا کافی عرصہ تبلیغ فرماتے رہے مگر ایک بھی مسلمان نہ ہوا تب آپ نے رب تعالیٰ سے عرض کی کہ اے مولا یہ تو میرا کہنا نہیں مانتے۔ وحی آئی کہ تین دن بعد ان پر عذاب نازل ہوگا حضرت یونس نے اپنی قوم سے یہ ہی فرما دیا۔ تب قوم نے آپس میں مشورہ کیا بعض نے کہا یہ جھوٹ ہے مگر اکثریت نے کہا کہ اس سے پہلے ہم نے ان کی زبان پر جھوٹ نہیں دیکھا یہ خبر آزمائش کے قابل اگر عذاب کی رات حضرت یونس ہمارے پاس ہوئے تو یہ بات اور عذاب کی خبر غلط ہے اگر نہ ہوئے تو ٹھیک ہے۔ عذاب کے وعدے والے دن سے پہلی رات کا جب کچھ حصہ گذر گیا تو حضرت یونس بستی سے نکل گئے۔ جب صبح طلوع ہوئی تو بستی والوں نے دیکھا کہ آسمان پر کالی گھٹائیں بڑے خوفناک طریقے پر چھائی ہیں اور تمام بستی پر عجیب اداسی چھائی ہوئی ہے۔ اور گھٹاؤں کا اندھیرا لحہ بہ لحہ زیادہ گہرا ہوتا جاتا ہے تب سمجھ لیا کہ اسی بادل میں عذاب ہے اور یہ ہو کا عالم عذاب ہی کا پیش خیمہ ہے پھر پریشان ہوئے اور دوڑے حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے مگر آپ نہ ملے تو اور بھی عذاب کا یقین ہوا۔ بس پھر کیا تھا سب بڑے بوڑھے۔ عورت و مرد۔ بچے جوان گھروں سے باہر نکل آئے۔ ہر شخص ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گیا۔ اولاد ماں باپ سے جدا۔ کوئی کسی کی طرف متوجہ نہ تھا۔ سب عذاب سے معافی اور سابقہ کفر بت پرستی، ظلم وغیرہ گناہوں سے سچی توبہ میں مشغول ہو گئے اور سجدہ ریز ہو کر رو رو کر گڑگڑاتے تھے اور عرض کرتے تھے اے ہمارے معبود ہم تیری وحدانیت پر اور تیرے انبیاء کی نبوت و تبلیغ پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں ہم بت پرستی و ظلم سے توبہ کرتے ہیں۔ تو وہ عذاب ان سے ہٹا دیا گیا (معانی، بیان، کبیر) ادھر حضرت یونس علیہ السلام بستی سے نکل کر دریائے دجلہ کے کنارے پہنچے اور کشتی پر سوار ہوئے یہ واقعہ جمعہ کے دن محرم کی دس تاریخ عاشورہ کے دن ہوا۔ حسن اتفاق اور میری خوش نصیبی ہے کہ اس آیت کی تفسیر بھی میں نے ۱۳۹۷ ہجری محرم کی دس عاشورہ کے دن بروز سنیچر (ہفتہ) کو شروع کی۔ اس زمانے میں عجیب قانون قدرت یہ تھا کہ جس کا غلام بھاگ کر دریا پار کرنے کی غرض سے کشتی میں بیٹھتا تو بیچ دریا کے کشتی رک جاتی ملاح کو پتہ لگ جاتا کہ کوئی فرار شدہ غلام کشتی میں بیٹھا ہے تو وہ قرعہ ڈال کر نام کا پتہ لگا لیتے جس کا نام نکلتا اس کو دریا میں پھینک دیتے تو کشتی چل پڑتی اسی طرح یہاں بھی ہوا کہ کشتی رک گئی جب ملاح نے قرعہ ڈالا تو حضرت یونس کا ہی نام نکلا۔ لوگوں نے حضرت یونس سے عرض کیا تو آپ نے فرمایا کہ میں ہی کسی ذات کا غلام ہوں مجھ کو دریا میں ڈال دو انہوں نے آپ کو دریا میں ڈال دیا تو کشتی چل پڑی۔ آپ کے دریا میں تشریف لاتے ہی بحکم ربی ایک بڑی مچھلی نے آپ کو نگل لیا۔ اور چالیس دن آپ شکم ماہی میں رہے جہاں آپ لا الـٰه الا انت سبحانک انی کنت من الظلمین کا ورد کرتے رہے۔ چالیسویں دن آپ کو مچھلی شریف نے کنارہ دجلہ پر اگل

www.alahazratnetwork.org

دیا۔ آپ بے ہوش تھے دس دن تک آپ بوجہ کمزوری اٹھ نہ سکے تو قدرت کی طرف سے کدو کی بیل نے آپ پر سایہ کیا اور مشک نافہ والی ہرن نے آپ کو دودھ پلایا۔ پچاس دن بعد آپ طاقت یافتہ ہو کر قوم میں تشریف لائے تو سب قوم بہت خوش ہوئی اور آپ کے دست مبارک پر بیعت ایمان کی تفسیر۔ صاوی نے فرمایا کہ آپ بستی سے نکل کر پہلے جنگل میں بیٹھ گئے اور عذاب کو دیکھتے رہے مگر جب عذاب ٹل گیا تو حضرت یونس نے گمان کیا کہ اگر اب میں اپنی قوم میں گیا تو مجھ کو جھوٹا کہا جائے گا۔ اس لئے آپ دریا کی طرف چل دیئے قوم یونس علیہ السلام کے مسلمان ہونے کے بعد ان کے آپس میں ظلم بھی ختم ہو گئے اور ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے رزق وافر سے نوازا گیا اور تقریباً سو سال ان کی سلطنت قائم رہی اسی لئے ارشاد ہوا یہ عذاب کا دور کرنا دنیا کی زندگی میں ہے۔ عذاب عذب سے مشتق ہے بمعنی دور رکھنا (منجد، مجمع البحار) قرآن کریم میں اکیس قسم کا عذاب بیان ہوا جن میں سے پندرہ قسم کے عذاب بعد قیامت جہنم میں کفار کو دیئے جائیں گے اور چھ قسم کے عذاب دنیا میں نازل ہوئے۔ چنانچہ (۱) عذاب مقیم (۲) عذاب آخرت (۳) نار (۴) عذاب مہین (۵) عذاب عظیم (۶) حون (۷) عذاب شدید (۸) عذاب اکبر (۹) عذاب حریق (۱۰) عذاب حمیم (۱۱) عذاب سعیر (۱۲) عذاب جہنم (۱۳) واصب (۱۴) جحیم (۱۵) عذاب خلد یہ تمام عذاب صرف کفار کو آخرت میں ہوں گے۔ اور (۱) عذاب غلیظ (۲) عذاب بئیس (۳) عذاب خزی (۴) عذاب الیم (۵) عذاب نکرا (۶) عذاب قریب۔ یہ دنیا میں کفار پر وارد ہو چکے۔ ان میں سے عذاب غلیظ، عذاب الیم۔ بعد قیامت بھی ہوگا۔ اس آیت کریمہ میں عذاب خزی کا ذکر ہے جو صرف دنیاوی عذاب ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزائیں تین قسم کی ہیں۔ (۱) سزاءِ عبرت یہ اکثر صرف مسلمانوں کی ہوتی ہے تاکہ وہ غفلت اور گناہوں سے باز آئیں اس میں چند ایک کو ہلاک کر کے باقی قوم کو بطور عبرت بچانا مقصود ہوتا ہے۔ یہ سزا قیامت تک جاری رہے گی (۲) سزاءِ عذاب یہ صرف کفار کے لئے ہے دنیا میں ہلاکت کفر کے لئے اور بعد قیامت تا ابدالم ناک ذلت کے لئے (۳) سزاءِ درگی جیسے استاد کا شاگرد کو مارنا یا سونے کو آگ کی بھٹی میں ڈالنا۔ یہ سزا صرف گناہ گار مسلمانوں کو بعد قیامت کچھ دن کے لئے ہوگی۔ مگر رب کریم نے اس سزا کا ذکر قرآن کریم میں کہیں نہ فرمایا صرف امت حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی پردہ پوشی فرماتے ہوئے اے ہمارے رب ان سب سزاؤں سے ہم کو بچا قوم یونس کا یہ عذاب دنیا میں ہی نازل ہونے والا تھا اس لئے فی الحیوۃ الدنیا۔ فرمایا گیا۔ یہ عذاب فقط ان کی سچی توبہ سے ہٹایا اور آخرت کے عذاب کا ہٹنا خاتمے پر موقوف ومتعنا ھم الی حین اور نفع دیا ہم نے ان کی کچھ مدت تک۔ یعنی صحبت نبی علیہ السلام جو سب سے بڑا خوش قسمتی کا نفع ہے اور دنیا کی سلطنت۔ عمر کی زیادتی۔ الیٰ حین سے مراد وقت وفات ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ قوم یونس علیہ السلام قیامت تک زندہ رکھی گئی جس طرح کہ اصحاب کہف اور پہاڑوں میں پوشیدہ ہے۔ (صاوی، معانی) معانی نے کہا کہ یہ قوم بقول بعضے امام مہدی کے زمانے میں ظاہر ہو کر ان کی معاون ہوگی واللہ اعلم۔ مگر میرے نزدیک یہ غلط ہے کیونکہ متعنا ھم کے خلاف۔ جب نہ سلطنت باقی نہ سرداری نہ جہان کی نعمتوں سے بہرہ مند ہوں تو متعناھم کا کیا مطلب ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ آثار عذاب دیکھ کر قوم یونس علیہ السلام نے اپنے علماء کرام کی تعلیم سے یہ دعا بکثرت پڑھی اللھم یا حی حین لا حی ویا حی یا محی

www.alahazratnetwork.org

الموتی ویا حی لا الہ الا انت۔ اس کی برکت سے عذاب دور ہوگیا ولو شآء ربک لامن من فی الارض جمیعا۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو ایمان لے آتا ہر وہ شخص جو زمین میں ہے تمام ایک دم۔ یعنی وہ اپنے فیصلے میں صمد اور صاحب اختیار ہے جیسے چاہے کرے چاہے تو سارے مومن ہوتے اور چاہتا تو اس کا برعکس ہوتا مگر حکمت یہ تھی کہ کچھ کافر کچھ مومن ہوں اس لئے وہ نہ چاہا جس کا ذکر آیت شریفہ میں ہوا۔ اللہ کریم عزوجل کے فیصلے پانچ طرح پر ہوتے ہیں (۱) رضاء رب تعالیٰ (۲) حکم رب تعالیٰ (۳) قانون رب تعالیٰ (۴) محبوبیت رب تعالیٰ (۵) مشیت رب تعالیٰ یہاں اسی کا ذکر ہے یہ سب فیصلے حکمت ربانی پر مبنی ہوتے ہیں۔ مگر ان میں فرق بہت ہیں۔ لفظ کلھم سے تمام افراد کا ایمان لانا مراد ہے اور جمیعا سے ایک دم بیک مجلس ایمان لانا مراد یہاں تو فیصلہ ربانی کا ذکر ہوا مگر انبیاء کرام اور خصوصا ہمارے آقا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام کے ایمان کے خواہش مند وحریص علیکم ہیں اور ان کی محبت میں اولیاء علماء اور عام مسلمان بھی چاہتے ہیں کہ سب لوگ مسلمان اور اللہ رسول کے مطیع ہو جائیں اس لئے سب سے خطاب ہوسکتا ہے کہ۔ افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مؤمنین کیا پس تم لوگوں کو مجبور کر سکتے ہو کہ وہ سب مومن ہو جائیں۔ ہرگز نہیں کیونکہ بعض کا ایمان اللہ کی مشیت میں ہے ہی نہیں۔ تو کون شخص اس کو ایمان یا ہدایت دے سکتا ہے۔ ہاں تمہارا کام صرف تبلیغ فرمانا ہے۔ اے نبی آپ کیوں طول خاطر ہوتے ہیں اور خود کو قلبی وجسمانی مشقت میں ڈالتے ہیں یا اے مبلغ اسلام مسلمانوں تم صرف اپنا فرض تبلیغ کئے جاؤ۔ ایمان دنیا تمہارے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ ماکان لنفس ان تومن الا باذن اللہ۔ کسی نفس انسانی یا جناتی میں طاقت نہیں کہ ہدایت وایمان پالے مگر اللہ تعالیٰ کی اجازت سے۔ یہاں ماکان میں مفسرین کے تین قول ہے حواشی شہابیہ میں فرمایا کہ یا وجد کے معنی میں ہے کہ آج تک پایا نہ گیا۔ اور یا ماصح کے معنی میں ہے یعنی یہ بات درست نہیں کہ بغیر امر ربی کوئی ایمان لے آئے اعلیٰ حضرت مجدد ملت علیہ الرحمۃ نے قدرت کے معنی لئے ہیں اگر ماوجد کے معنی لئے جائیں تو نفس کو کسی ذی علم سے مقید ماننا پڑے گا۔ دوسرے اقوال میں یہ احتمال نہیں چونکہ ذکر اذن کا ہے اس لئے ان تومن سے صرف ایمان کا بیان ہو اور نہ کفر کفار بھی اس کے باحکمت فیصلہ قدرت سے ہے۔ الا باذن اللہ۔ یہ استثناء مفرغ ہے حالات کی عمومیت سے یعنی کسی حال میں بھی ایمان نصیب نہیں ہوسکتا۔ امیر ہوں یا غریب بادشاہ ہوں یا رعایا عالم ہوں یا جاہل۔ خردمند ہوں یا بیوقوف غرضیکہ دنیا کی عقل سے دنیا کی ہزاروں چیزیں مل سکتی ہیں مگر دولت ایمانی اللہ تعالیٰ ہی کے اذن سے میسر ہوتی ہے پھر تا وفات اس دولت کا حافظ وناصر بھی وہی ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا یہ استثناء مفید اس بات کو ہے کہ جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے وہ کسی وجہ سے بھی ایمان نہیں لاسکتا۔ گویا کہ لوگوں کے ایمان تابع ہیں علم الٰہی کے۔ تو جس کا کفر اللہ کے علم میں ہے۔ اس کا ایمان بھی علم الٰہی میں ہونا محال ہے کیونکہ یہ نقیض ہے اور تبدیلی علم ہے اور انقلاب علم جہالت ہے اور جہالت ذات باری سے ناممکن کہ جب اللہ نے کسی کے کفر کا ارادہ کیا تو ایمان کا ارادہ محال اور جب ارادہ ہی نہیں تو بلا ارادہ الٰہی ایمان محال۔ اسی لئے فرمایا گیا ماکان لنفس (الخ) اذن سے مراد یا علم الٰہی یا مشیت الٰہی یا لطف الٰہی یا ارادہ الٰہی علامہ ابی طاہر کی تفسیر ابن عباس میں ارادہ ہی مراد لیا ہے۔ لیکن تفسیر خازن نے حضرت ابن عباسؓ کے مسلک میں امر الٰہی مراد لیا ہے۔ یا توفیق الٰہی

www.alahazratnetwork.org

مراد ہے خواہ آخری عمر میں ہو۔ ہاں البتہ علم الٰہی کے کافروں کی دنیا میں نشانی یہ ہوتی ہے کہ **ویجعل الرجس علی الذین لایعقلون** اور ڈالتا ہے رجس ان لوگوں پر جو بالکل عقل نہیں رکھتے۔ لفظ **یجعل** سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح خالق ایمان اور خیر اللہ تعالیٰ ہے اسی طرح خالق شر بھی اللہ ہے۔ رجس کا لغوی ترجمہ گندا عمل ہے۔ برے اور گندے عمل دو قسم کے ہیں (۱) کفر (۲) فسق و فجور۔ قرآن کریم میں دونوں معنی مراد لئے گئے ہیں۔ ایک جگہ ارشاد باری ہے **یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت** (الخ) اے اہل بیت نبی اللہ چاہتا ہے کہ تم سے رجس یعنی فسق و فجور دور ہٹائے۔ دوسری جگہ اس رجس سے کفر مراد ہے چنانچہ ارشاد ہے **فزادتھم رجسا الی رجسھم** پس زیادہ کیا نزول آیات و سور نے ان کو کفر میں ان کے کفر کی طرف۔ اس آیت مذکورہ زیر تفسیر میں چونکہ پہلے کفر ہی کا ذکر ہے لہٰذا یہاں رجس سے مراد کفر ہے (معانی و کبیر) مجدد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے رجس کا ترجمہ عذاب اس لئے کیا ہے کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے کیونکہ کفر و فسق ہی عذاب خداوندی کا سبب ہے۔ **علی الذین لا یعقلون** ۔ یہ عذاب ان پر آتا ہے جو نہ خود میں غور کرتے ہیں نہ زمین و آسمان میں اگر عقل سے غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار اور پھر شکر و حمد خالق بجالاتے اور دولت ایمانی سے سرفراز ہوتے عقل والے ہی جانتے ہیں کہ شکر سے شاکر کا ہی نفع ہے نہ مشکور کا۔ خیال رہے کہ عقل باری تعالیٰ رحیم کریم کی ایک عظیم نعمت ہے اور اسرار الٰہیہ میں سے ہے اس کی حقیقت اور محل وقوع کو بجز اللہ رسول کے کوئی نہ جان سکا۔ حکماء علماء عقلا مفکرین کے عقل کی تعریف و تقسیم میں بے شمار قول ہیں اور سب ایک دوسرے سے متفرق ہیں عقل کے بارے سب اقوال دیکھے جائیں تو عجب الجھاوے کا جال نظر آتا ہے گویا کہ عقل کی تعریف میں خود عقل ناکام ہے۔ چنانچہ حکماء فرماتے ہیں کہ عقل ایک لطیف شی ہے اس کی کیفیت ہمارے ذہن نہیں جان سکتے۔ اور فلاسفہ قدیم کہتے ہیں کہ عقل ایک جوہر ہے جو روح انسانی کو روشن کرتی ہے اور روح کو زندگی بخشتی ہے جیسے کہ روح جسم کو۔ تو جس طرح قوت جسم روح سے وابستہ ہے۔ اسی طرح قوت روح عقل ہے۔ قوت جسم سے انسانی دنیاوی اعمال و احوال پر بخوبی قابو پا سکتا ہے۔ اور قوت روح سے ایمان و عرفان نصیب ہوتا ہے۔ یہی عقل کفار کو میسر نہیں اس کا **لا یعقلون** میں ذکر ہے۔ بعض نے کہا کہ عقل محض سبب یا آلہ ہے حصول معرفت کا۔ بعض نے کہا یہ عقل روح سے متعلق نہیں بلکہ قلب انسانی سے متعلق ہے اور اس کو روشن کرتا ہے۔ (تمہید ابوشکور سالمی ص ۳) بعض نے کہا کہ عقل قوت نفس کا نام اور علم عقل کا تابع ہے۔ بعض منطقیوں نے کہا کہ عقل علوم غیبیہ کے ادراک کرنے کا ایک جوہر ہے (کتاب الاسلام ص ۵) علماء عارفین فرماتے ہیں کہ عقل چار قسم کی ہے۔

(۱) عقل حقیقی: اسی کو منطقی لوگ عقل اول کہتے ہیں اسی سے تمام عالم کا وجود ہے۔ اسی کے متعلق آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ **اول ما خلق ؟؟؟** اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے عقل پیدا فرمائی اسی عقل کو عرش والے احمد مجتبیٰ کہتے ہیں اور فرش والے محمد مصطفیٰ کہتے ہیں۔

(۲) عقل عزیزی: جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں پیدا فرمائی ہے۔ اس کے ذریعہ اچھے برے۔ صحیح۔ غلط کاموں میں فرق کر سکتا ہے۔ اسی کے ذریعے انسان جانوروں سے مخصوص و ممتاز ہے۔

www.alahazratnetwork.org

(۳) عقل مجازی: یہ ایک ادراک ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو عطا فرمائی اس میں زیادتی کمی ہوتی ہے یہ عقل کبھی کبھی ختم بھی ہو جاتی ہے اور کبھی خود بداعمالیوں سے چھین لی جاتی ہے صفائی قلب کی زیادتی سے اس میں زیادتی ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ فراست مومن کا لقب پاتی ہے۔ حلال غذا اور صحبت صالحین اس کے لئے اکسیر ہے حرام غذا زہر قاتل بعض نے فرمایا لایعقلون میں یہ ہی مراد ہے۔

(۴) عقل الہامی: بعد بلوغت یہ عقل انسان کو عطا ہوتی ہے اور لحظہ بلحظہ ملتی ہے۔ اس کے ذریعے خالق ومخلوق کے تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ اسی سے حق تعالیٰ کی صنعتیں اور قدرتیں جانتا ہے اسی نور سے قرآن وحدیث اشیاء عالم اور خود اپنی خلقت میں غور کرتا ہے۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہاں لایعقلون میں یہ ہی عقل مراد ہے کفار اس سے بے نصیب ہیں (ارشاد السالکین لا امام بلخی)

(۵) عقل دنیوی: جو صرف دنیا کی الجھنوں اور مکروفریب ہی کی طرف عاقل کو چلاتی ہے صوفیاء نے اس کی برائی کی ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: ہر شے کا خالق اللہ ہے خواہ وہ شی خیر ہو یا شر لہٰذا معتزلہ کا مذہب اس آیت کے خلاف ہوا اور مذہب اہل سنت برحق ہے۔

دوسرا فائدہ: حضرت یونس کے چند تاریخی واقعات نبی اکرم کی سیرت سے ملتے جلتے ہیں مثلاً نبی کریم کو بھی قوم کفار نے امین اور صادق الوعد کہا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو بھی یہی خطاب ملا۔ جیسا کہ آپ کی تاریخ میں عرض کیا گیا۔ قوم یونس سے بھی اللہ کریم نے عذاب نہ دینے کا وعدہ فرمایا۔ اسی طرح مسلمانوں کو بھی عذاب سے بچایا گیا اور جس طرح حضرت یونس کی قوم بعد میں ایمان لائی اسی طرح فتح مکہ کے دن نبی پاک کا قبیلہ اکثریت سے ایمان لایا۔ اسی طرف اشارہ کرنے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا لاتفضلونی علی یونس بن متی۔ مجھ کو یونس بن متی پر فضیلت مت دو۔ حالانکہ یہ امر متفقہ مسلمات سے ہے کہ ہمارے آقا نبی اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب انبیاء کرام سے افضل ہیں۔ اس حدیث پاک کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم مقابلہ بازی میں سڑکوں گلیوں میں یہود ونصاریٰ کے سامنے ایسی باتیں نہ کرو کہ یہ مجھ کو اچھی نہیں لگتیں۔ تب یہ اظہار کسر نفسی ہے یہ فائدہ حضرت یونس علیہ السلام کے تاریخی حالات سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ حضرت یونس علیہ السلام کے والد کا نام متی تھا۔

تیسرا فائدہ: دین اسلام خوش اخلاق اور محبت سے پھیلا نہ کہ تلوار سے۔ کتنے متعصب اور احمق ہیں وہ یہودی اور عیسائی جو اپنی کتابوں اور تعلیم گاہوں اسکولوں کالجوں میں اور جھوٹی بناوٹی تاریخوں میں یہی بتاتے ہیں کہ دین اسلام تلوار سے پھیلا حالانکہ اس آیت کریمہ میں تو افانت تکرہ الناس فرما کر ربانی جبر سے بھی منع فرمایا گیا اور پھر ایسی غلط بیانی سے نئی نسل کو اسلام سے متنفر کرنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کی یہ غلط بات ہی اسلام کی شان اور نبی کریم کا معجزہ ثابت کرتی ہے۔ اسلئے کہ تلوار

www.alahazratnetwork.org

سے دین پھیلانا انتہائی مشکل کام ہے کیونکہ دین کا تعلق دل سے ہے تلوار کے دباؤ سے جسم تو قابو میں کیا جاسکتا ہے مگر دل ہرگز مائل نہیں ہوتا۔ اور پھر ایک آدمی تلوار لے کر کثرت افراد پر قابو نہیں پا سکتا اس لئے وہ کثرت آنے والے کو مغلوب کرے گی اگر وہ فرد و مد کثرت کے مقابل زیر نہ ہو تو یہ بھی اس کا معجزہ ہے۔ ایک شخص عام کے لئے تلوار چلانے میں تلوار چلانے والا لشکر درکار ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ نبی کریم رؤف رحیم کسی ملک کے بادشاہ نہ تھے۔ اگر معاذ اللہ اسلام تلوار سے پھیلا تو تلوار چلانے والے اور قربان ہونے والے کہاں سے آئے کیونکہ تلوار سے تو نفرت پھیلتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کوئی لشکر کشی کرتا ہے تو صرف فوج اور شاہی خاندان کو نشانہ بناتا ہے نہ کہ عوام کو۔ عوام کو ہر حکومت خوش رکھنے کی کوشش کرتی ہے جو لوگ اس کے برعکس کرتے ہیں تاریخ اس کو ظالم کہتی ہے۔ اور ان کی جڑیں کمزور ہوتی ہیں۔ اسلام نے کروڑہا فدائی پیدا کئے جن سے امن تاریخ درخشاں ہے ثابت ہوا کہ اسلام تلوار سے نہ پھیلا بلکہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلق عظیم اور عادات حمیدہ سے پھیلا ہاں اسلام کی نشوونما کے بارہ سال بعد مسلمان نے صرف ظالم کے ظلم۔ مغرور سرکش بادشاہوں کی سرکشی توڑنے اور اپنے دفاع کے لئے اور ملکی انتظام کے لئے تلوار پکڑی نہ کہ اسلام کو پھیلانے کے لئے۔

اعتراضات: اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کا ابتدائی لفظ لولا ہے اس کا معنی مفسرین نے ھلا کیوں کئے اس کو اپنے اصل معنی میں کیوں نہ رکھا (امام واحدی نحوی وابو مالک)

جواب: اسلوب قرآن کریم کے مطابق تقریباً اس قسم کی تمام آیات کا تعلق سابقین سے بھی ہوتا ہے اور آئندہ نسلوں سے بھی۔ لولا کے معنی چھوڑ کر ھلا کے معنی میں لانے سے نفی اور توبیخ دونوں کا فائدہ حاصل ہوا کہ نفی کا تعلق سابقین سے ہو گیا۔ اور توبیخ کا تعلق سننے والی قیامت تک کی آئندہ نسلوں سے ہے اس لئے لولا بمعنی ھلا بالکل درست ہے (صاوی)

دوسرا اعتراض: اس آیت میں پہلے فرمایا گیا ربک پھر فرمایا باذن اللہ۔ وہاں لفظ رب یہاں لفظ اللہ ارشاد فرمانے میں کیا حکمت ہے دونوں جگہ ایک ہی لفظ چاہئے تھا یا ہر دو جگہ اللہ ہوتا یا فقط لفظ رب۔

جواب: لفظ رب میں کرم اور رحم کی صفت ہے اور ایمان کرم و رحم خداوندی سے ہی نصیب ہوتا ہے دوسرے یہ کہ لفظ کی اضافت ہے احمد مجتبیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ کی طرف وہاں محبوبیت کی جلوہ گری ہے اس لئے وہاں پیار اور کرم کا لفظ لانے میں عین حکمت و مصلحت ہے مگر باذن اللہ میں قوت وطاقت کا ذکر ہے اور لفظ اللہ جامع صفات ہے یہاں اظہار صمدیت اور بے پرواہی مقصود ہے۔ لہٰذا یہاں اسی لفظ کے ارشاد میں قوت وطاقت کا ذکر ہے اور لفظ اللہ جامع صفات ہے یہاں اظہار صمدیت۔ اور بے پرواہی مقصود ہے۔ لہٰذا یہاں اسی لفظ کے ارشاد میں حکمت ہے۔

تیسرا اعتراض: کہ فرعون اور اس کی آل عذاب کے وقت ایمان لائے تو قبول نہ ہوا اور عذاب سے ہلاک کر دیا گیا لیکن قوم یونس (قوم سیریا) عذاب کے وقت ایمان لائے تو ان کا ایمان قبول ہوا اور عذاب بھی ہٹا لیا گیا۔ اس تفریق کی وجہ کیا ہے۔

www.alahazratnetwork.org

جواب: قوم فرعون اور قوم یونس اور ان کے عذابوں میں چند طرح فرق ہے۔ ایک یہ کہ قوم فرعون نے انبیاء کرام کا مقابلہ کیا اور کرایا حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گستاخیاں کیں مگر قوم یونس نے نہ حضرت یونس کا مقابلہ کیا نہ گستاخی بلکہ آخری دم تک حضرت یونس علیہ السلام کی صداقت کا اعتراض کرتے رہے صرف مسلمان ہونے اور اپنے باپ دادا کا دین چھوڑنے سے انکار کیا۔ دوسرے یہ کہ قوم فرعون مغرور اور متکبر تھی اور تکبر قلبی ہی ایمان سے دور اور سرکشی سے قریب کرتا ہے لیکن قوم یونس میں ظلم اور غنڈہ گردی چوری لوٹ مار تو تھا مگر غرور وتکبر نہ تھا دیکھا گیا ہے کہ چور ڈاکو لٹیرے آوارہ بدمعاش قسم کے لوگ عوام پر ظلم تو واقعی بہت کرتے ہیں مگر اللہ کے عذاب اور پیر فقیر اولیاء علماء سے بہت ڈرتے ہیں۔ آستانوں کا مزارات کا بہت احترام کرتے ہیں اکثر دین کے کاموں میں پیش پیش رہتے ہیں کئی گرہ کٹ اور ڈاکوؤں کو تسبیح اور نماز کا پابند دیکھا گیا ہے۔ چور ڈاکو مغرور نہیں ہوتی تیسرے یہ کہ قوم فرعون کو جب عذاب کی خبر سنائی جاتی تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مذاق اڑاتے اور اس خبر کو قطعاً جھوٹ سمجھتے (معاذ اللہ) یہی حال تمام ہلاک ہونے والی قوموں کا تھا۔ مگر قوم یونس علیہ السلام خبر عذاب سن کر فوراً نرم پڑ گئی اور اپنے ایمان کو مقررہ رات میں حضرت یونس کی موجودگی پر موقوف کر دیا۔ چوتھے یہ کہ فرعون اور قوم فرعون اس وقت ایمان لائے جب ان پر عذاب اتر پڑا اور انہوں نے خود بعینہٖ عذاب کو دیکھ لیا۔ قانونی طور پر اس وقت کا ایمان معتبر نہ تھا۔ لیکن قوم یونس علیہ السلام نے بعینہٖ عذاب نہ دیکھا صرف نشان عذاب سیاہ بادل کو دیکھا اور ایمان لے آئے اور جب انہوں نے حضرت یونس کو تلاش کیا تو نہ پایا دن تاریخ بھی وہی تھی سمجھ گئے یہ یوم عذاب ہے۔ فوراً کفر سے تائب ہوئے۔ بادل بذات خود عذاب نہ تھا اس میں عذاب تھا نہ معلوم کس نوعیت کا تھا سیلاب کا تھا یا آگ کا یا پتھر کا۔ پس قوم یونس کا ایمان عذاب دیکھ کر یا عذاب کے نزول سے نہ ہوا اس لئے قبول ہوا۔

چوتھا اعتراض: اس آیت میں کلھم فرمانے کے بعد جمیعاً فرمانے کی کیا وجہ تھی۔ سب کی شمولیت اور احاطہ کلھم سے ہی معلوم ہو گیا تھا۔

جواب: جمیعاً کے لفظ نے اجتماعی صورت کو ثابت کیا یعنی سب کے سب ایک دم پیدا ہو جاتے اور عالم ارواح میں قالو بلیٰ کہنے کی طرح ایک دم سب مومن ہو جاتے ایک دم نماز ایک دم روزہ ایک ساتھ ساری کائنات کے جن وانس کا سجدہ سجود ہوتا۔ عجب نظارہ ہوا کرتا جیسے کہ فسجد الملائکۃ کلھم اجمعون کہ سب ملائکہ نے حضرت آدم کو ایک دن اجتماعی صورت سے سجدہ کیا۔

تفسیر صوفیانہ: سلطنت قالب میں عقل امیر مملکت اور عشق وزیر اعظم ہے۔ عقل اور عشق دونوں شہنشاہ قلب کے عملی میں ہیں۔ عقل کا کام ہے پہچاننا اور عشق کا کام ماننا۔ عقل ماننے پر راغب نہیں ہوتی اور عشق پہچاننے سے قاصر ہے۔ مومن اسرار الٰہیہ کے لئے دونوں ضروری ہیں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ فقط عقل کی پہچان سے ایمان بغیر عشق قبول بارگاہ ہوا ہو ایسی کہیں مثال نہیں ملتی مگر عشق الٰہی والی قوم کہ ان کا ایمان بہر حال قبول ہے اور وہی لوگ لذت انوار کا نفع ابد الآباد تک پاتے ہیں ان کی بے سروسامانی معمولی زندگی میں قبض کے دروازے پر بسط اور کشفنا کا حکم لگ جاتا ہے۔ ہاں نظام کائنات چلانے کے لئے

www.alahazratnetwork.org

کبھی کبھی اسرارو انوار کا دروازہ کشف سے قبض کے درجے میں آتا ہے۔ کیونکہ شعر

اگر درویش یک حالے بماندے سر دست ازدو عالم برفشاندے

اور کسی کو نعمت عشق میسر ہوتی ہے۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہی عشق کا متوالہ بنا دیا جاتا۔ عقل و عشق کا یہ عطیہ محض فضل ربی ہے اگر تم اے کائنات والو چاہو کہ کسی کو عاقل عاشق بنا دو تو ناممکن ہے۔ دولت ایمان معرفت تو اللہ الصمد کے لطف پر ہی موقوف ہے اور فراق کا عذاب انوار عقل سے محروموں کے لئے۔ عقل ایک نور کا شجر ہے۔ جس سے محبت، علم، حلم، انس، بقا حیات، کی کلیاں چٹکتی ہیں اور ہر کلی سے مختلف۔ سمع بصر، تکلم، شوق، طلب، صدق، ارادت، معرفت، وفا، حیا، تحمل، سکون، شفقت، رحمت، ثبات، دوام فہم، فراست کے پھول و پھل لگتے ہیں۔ پس جو عقل سے محروم وہ ان تمام نعمتوں سے بے نصیب رہا۔ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ رجس سے مراد عذاب حجاب ہے۔ اور لا یعقلون کی وہ بے عقل مراد ہیں وہ جن کے پاس نور ایمانی کے پہچاننے والی عقل نہیں اور اس کے طریقوں کے ماتحت نہیں ہوتی سنن الہیہ کے سامنے عقلیں حیران ہیں۔ بعض کو انوار ولایت سے مزین فرمایا بعض کو محروم کر دیا تاکہ محبوبوں کی خصوصیت باقی رہے۔ کسی ذی روح میں یہ طاقت نہیں کہ اس کی قبولیت محبت اور لطف معرفت کا مزہ لے سکے ہاں اس کے حکم ازلیہ سے ہی حصہ نصیب ہوتا ہے۔ (عرائس)

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ مَا تُغْنِی

تم کہہ دیکھو وہ جو میں آسمانوں اور زمین اور نہیں غنی

تم فرماؤ دیکھو آسمانوں اور زمین میں کیا کیا ہے اور آیتیں اور

الْاٰیٰتُ وَ النُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَهَلْ

کرتیں آیتیں اور ڈرانے والے کو اس قوم نہیں ایمان لاتے پس نہیں

رسول انہیں کچھ نہیں دیتے جن کے نصیب میں ایمان نہیں تو انہیں

یَنْتَظِرُوْنَ اِلَّا مِثْلَ اَیَّامِ الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

انتظار کرتے مگر مثل کا دنوں ان لوگوں کے گزر گئے سے پہلے ان کے

کا ہے کا انتظار ہے مگر انہیں لوگوں کے سے دنوں کا جو ان سے پہلے

قُلْ فَانْتَظِرُوْۤا اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ﴿۱۰۲﴾ ثُمَّ

تم فرماؤ پس انتظار کرو تم بیشک میں ساتھ تمہارے سے انتظار کرنے والوں پھر

ہو گزرے تم فرماؤ تو انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں پھر ہم

www.alahazratnetwork.org

نُنَجِّیۡ رُسُلَنَا وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا كَذٰلِكَ حَقًّا عَلَیۡنَا

بچاتے ہیں ہم رسولوں اپنے اور ان کو جو ایمان لائے اسی طرح ثابت ہے

اپنے رسولوں اور ایمان والوں کو نجات دیں گے بات بھی ہے ہمارے ذمہ کرم

نُنۡجِ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ ع ۱۰ ۱۱ ۱۵

پر	ہم	بچالیں	ہم	مومنوں	کو
پر حق	ہے	مسلمانوں	کو	نجات	دیں

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں سابقہ قوموں کے حالات انجام اور وجہ عذاب کا تذکرہ ہوا تھا ان آیات میں آئندہ نسلوں اور قوموں کو عبرت حاصل کرنے کی رغبت دی جا رہی ہے کہ آسمان میں غور کرو تاکہ پتہ لگے کہ خالق اور سچا معبود کون ہے اور نافرمانوں کے تاریخی حالات پڑھو سنو اور سبق حاصل کرو۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ کے حکم کے بغیر کوئی شخص ایمان نہیں پا سکتا۔ اس آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ قرآن کریم کی آیات یا انبیاء کرام بھی فقط ایمان والوں کو ہی غنی کرتے ہیں بے دینوں کو وہ بھی کچھ نہیں عطا کرتے۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ بے وقوفوں پر عذاب نازل ہوتا ہے یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر تم بھی بے وقوف ہو تو تم بھی عذاب کا انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ تمہاری ہلاکت دیکھنے کا منتظر ہوں۔

چوتھا تعلق: پہلے فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت یونس اور ان کی قوم کو عذاب سے بچالیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ بچانا قانون کے خلاف نہیں ہوا بلکہ یہ سب کچھ قانون کرم کے مطابق ہوا کیونکہ ہم اپنے رسولوں اور ان کے مومن فرماں بردار سچی توبہ کرنے والوں کو دنیا و آخرت کے عذابوں سے بچاتے رہے ہیں اور بچاتے رہیں گے۔

پانچواں تعلق: پہلے فرمایا گیا کہ ان کفار پر طرح طرح کے عذاب اس لئے آتے رہے کہ یہ بے وقوف اور بے عقل تھے اب اس آیت کریمہ میں ان کی بے عقلی کی نشانی بتائی جا رہی ہے کہ ان کو تدبر فی الخلوق کی دعوت دو اگر عقل ہوگی تو مخلوق الٰہی میں غور و فکر و تدبر کریں گے بلکہ سب سے پہلے خود میں غور کریں گے۔ اور روشن ضمیری حاصل کریں گے۔ لیکن وہ کبھی اس طرف نہ آئیں گے ثابت ہوا کہ بے عقل ہیں۔

چھٹا فائدہ: پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ایمان اللہ کی مشیت سے ملتا ہے اس میں جبر نہیں ہوتا اب آسمان و زمین میں غور کا حکم دیا جا رہا کہ ثابت ہو جائے کہ نبی کریم نے کبھی جبر فی الدین کو پسند نہ فرمایا بلکہ دعوت غور و فکر دی۔

www.alahazratnetwork.org

تفسیر نحوی: قل انظروا۔ لفظ قل بحث فعل امر حاضر قول سے مشتق ہے قرآن کریم میں یہ لفظ دو سو اٹھانے دفعہ آیا ہے اس میں عام طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے مگر بعض جگہ یہ بھی احتمال ہوسکتا ہے کہ عام مسلمان کو خطاب ہو مگر اس سے کافر کو ہرگز ہرگز خطاب نہیں ہوتا۔ بعض نحویوں نے فرمایا کہ قل کے لام کو زیر ہے اس لئے کہ جب دو ساکن جمع ہوں تو اول کو زیر دیا جاتا ہے بعض نے کہا کہ لام کو ضمہ ہے جو انظروا کے ہمزہ سے منتقل کیا گیا ہے انظروا امر حاضر جمع کا صیغہ ہے۔ اس سے مراد قلبی دیکھنا ہے تو یہ متعدی فی سے ہے۔ اور اگر آنکھ سے دیکھنا مراد ہے تو یہ متعدی الی سے ہے۔ پہلا قول صحیح ہے۔ (کبیر) ماذا فی السموت والارض۔ لفظ ماذا میں نحات کے تین قول ہیں ایک یہ کہ پورا ماذا اسم موصول ہے بمعنی الذی اور اگلی عبارت فی السموات (الخ) اس کا صلہ۔ اور پھر یہ سب انظروا کا مفعول بہ ہم نے اپنے لفظی ترجمے میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرے یہ کہ ماذا۔ پورا اسم استفہام ہوا اور مبتدا کی بنا پر حالت رفع میں ہوا اگلی عبارت اس کی خبر ہو پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہو پہلے فعل کا۔ اعلٰحضرت نے اپنے ترجمے میں اسی کو ترجیح دی ہے تیسرے یہ کہ لفظ ما سوالیہ اور ذا اسم موصول بمعنی الذی ہو مابعد کی عبارت اس کا صلہ ہو اور یہ سب ما مبتدا کی خبر ہو کر انظروا کے متعلق ہو کر محلاً زبر کی حالت میں ہے یہاں حرف فی۔ یا الی پوشیدہ ہے۔ اس کو تفسیر روح المعانی نے ترجیح دی۔ السموات میں الف لام استغراقی ہے یہ جمع ہے سماء کی اسی طرح والارض میں بھی الف لام استغراقی ہے۔ یہ دونوں مونث ہیں وما تغنی الایات والنذر۔ حرف ما صحیح یہ ہے کہ نفی کا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ ما صلے کا ہے بمعنی ای شیء تغنی مونث کا صیغہ فعل مستقبل غنیٰ سے مشتق ہے بمعنی محتاجی کو ختم کرنا۔ الایات میں الف لام استغراقی ہے جمع ہے آیت کی جمع مونث سالم والنذر۔ واؤ عاطفہ ہے۔ الف لام استغراقی ہے نذیر کی جمع ہے۔ مراد انبیاء کرام ہیں اور تا قیامت علماء و مشائخ ہیں۔ بعض نحوی ائمہ نے فرمایا یہ انذار بمعنی ڈرانے والی چیزوں کی جمع ہے۔ بعض کے نزدیک نذر واحد ہے اور خود مصدر بمعنی انذار ہے (تفسیر معانی) مگر پہلا قول مرجوع عن قوم لا یومنون۔ عن حرف جار نے متعدی کے معنی پیدا کئے قوم جماعت کو کہتے ہیں یہاں مراد وہ کفار ہیں۔ جن پر ختم اللہ کا فیصلہ الٰہیہ ہو چکا ہے۔ لفظ قوم موصوف ہے لا یومنون جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی فھل ینتظرون فعقیبیہ ہے۔ لفظ ھل نفی کے لئے ہے ینتظرون نظر۔ سے مشتق ہے بمعنی غور فکر کرنا باب افتعال میں آ کر طلب سے معنی پیدا ہو گئے یعنی آئندہ شی کا انتظار کرنا۔ خیال رہے کہ نظر بصر اور بصیرۃ بلحاظ ترجمہ سب کا پاک معنی ہے دیکھنا لیکن نوعیت مختلف ہے۔ جسمانی ظاہری آنکھ سے دیکھنا۔ بصر ہے۔ قلب یا دماغ سے دیکھنا بصیرت ہے اور نظر عام ہے ہر دو کو الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم۔ الاحرف استثناء نے نفی کو توڑ دیا مثل حرف تشبیہ پر محلاً زبر ہے ماقبل کی مفعولیت کی بنا پر قاعدہ نحویہ کی بنا پر ہر حرف تشبیہ بذات خود جزی تشبیہ پیدا کرتا ہے نہ کہ کلی۔ بلکہ بعض موقعوں پر کلی تشبیہ ناممکن ہوتی ہے جیسے کہ یہاں موجودہ ایام سابقہ ایام سے کلیۃً ہرگز مشابہ نہیں ہو سکتے صرف جنس عذاب میں تشبیہ ہے۔ اسی طرح بشر مثلکم میں بھی محض جزئی تشبیہ ہے۔ حمقاءِ زمانہ اس بات پر غور کرتے اور نبی کریم کی مثلیت کا دعویٰ کر کے ایمان برباد کر لیتے ہیں ایام جمع ہے یوم کی مراد ہے مطلق زمانہ۔ نہ کہ سورج والا دن۔ الذین اسم موصول جمع ہے۔ خلوا جمع کا صیغہ بحث ماضی مطلق معروف خلوا سے بنا لغتاً بمعنی

www.alahazratnetwork.org

علیحدہ ہونا اصطلاحاً بمعنی گزر جانا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ من زائدہ ہے قبلھم مرکب اضافی ہے یہ ظرف زمانی ہے۔ خیال رہے کہ چھ قسم کے ظرف زمانی و مکانی ایسے ہیں کہ ان کا اضافہ مقرر نہیں کیا جا سکتا (۱) قبل (۲) بعد (۳) فوق (۴) تحت (۵) عند (۶) بین یدیہ۔ یہ ظروف بجز متکلم محدود نہیں کئے جا سکتے ہم ضمیر جمع غائب مجرور متصل سے مراد موجودہ اہل عرب ہیں فانتظروا انی معکم من المنتظرین۔ قل میں خطاب صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ ف تعقیبیہ ہے انتظروا صیغہ امر جمع کا ہے اس کا فاعل کفار عرب ہیں یہ متعدی بیک مفعول ہے یہاں مفعول بہ پوشیدہ ہے۔ یا عذاب اور یا ہلاکی (میری ہلاکت) انی میں ان حرف تشبیہ کلام کی مضبوطی کے لئے لایا گیا۔ یاء متکلم کا مرجع ذات محمد مصطفی علیہ الصلوۃ والسلام ہے۔ مع ظرفیت زمانی کے لئے ہے صرف معیت انتظار ثابت کر رہا ہے کم سے مخاطبین کفار مراد ہیں معکم مرکب اضافی ظرف مقدم من تبعیضیہ ہے۔ المنتظرین میں الف لام عہد خارجی ہے بعض نے فرمایا الف لام اسمی بمعنی الذی ہے منتظرین اسم فاعل جمع ہے یہاں بھی مفعول بہ یا لفظ عذاب یا انزالا کلم پوشیدہ ہے ثم ننجی رسلنا والذین آمنوا۔ ثم حرف عطف ہے۔ اس کا معطوف علیہ پورا جملہ فعلیہ پوشیدہ ہے یعنی نھلکھم (مدارک کبیر) ننجی مضارع معروف صیغہ جمع متکلم نجی بمعنی علیحدہ ہونا سے مشتق ہے باب تفعیل میں علیحدہ کرنا کے معنی پیدا ہوئے۔ کسائی نحوی اور یعقوب نحوی نے فرمایا یہ بغیر تشدید باب افعال سے ہے۔ احتمال یہ بھی ہے کہ معطوف علیہ و معطوف دونوں فعل بمعنی حال ہوں مگر روشن کلام سے صحیح تر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر دو فعل مستقبل ہیں۔ رسلنا یہ مرکب اضافی حالت زبر میں مفعولیت کی بنا پر ہے رسل جمع ہے رسول کی مراد انبیاء مرسلین سب ہیں بوجہ لغوی عموم کے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات وحدہ لاشریک ہے واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف الذین اسم موصول جمع ہے اس کا صلہ امنوا جملہ فعلیہ ہے۔ کذالک حرف تشبیہ۔ سابقہ قانون کی مشابہت کے لئے ہوتا ہے۔ حقاً مفعول مطلق ہے اس کا عامل حققت یا حققنا پوشیدہ ہے۔ اس کا معنی ہے لازم کر لیا ہم نے لازم کرنا علینا اپنے پر۔ علی حرف جار محض لزوم کے لئے ہے وجوب شرعی کے لئے نہیں کیونکہ رب تعالیٰ پر کوئی چیز فرض یا واجب نہیں علیٰ کا الف۔ نا کے اتصال کی وجہ سے گر گیا نحوی قاعدہ ہے کہ آخری الف کبھی بھی درمیان میں نہیں رہ سکتا ننج ایک قرأت میں ننجی اصلی حالت میں ہے۔ پہلی قرأت میں۔ ی۔ بوجہ اتصال۔ الف لام۔ گر گئی باب افعال کا مضارع ہے بمعنی حال یہ جملہ فعلیہ حالت نصب میں ہے بوجہ حققنا فعل پوشیدہ کا مفعول بہ ہونے کے المومنین الف لام جنسی ہے (معانی) مگر میرے نزدیک استغراقی ہے۔ انبیاء اس میں شامل نہیں صرف امتیں مراد ہیں۔ مومنین جمع ہے مومن کی حالت زبر ہے ننج کا مفعول بہ ہے۔

تفسیر عالمانہ: قل انظروا ماذا فی السموات والارض اے پیارے حبیب تم فرماؤ کہ دیکھو اس کو جو آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اس آیت میں نبی اکرم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جا رہا ہے کہ موجودہ کافروں کو دعوت فکر دو کہ وہ آسمانوں زمین میں غور کریں۔ اس دعوت کی تین وجہ ہیں پہلی یہ کہ کفار کی بے عقلی ثابت کرنا مقصود ہے اس لئے کہ آسمانوں اور زمینوں کی خلقت وغیرہ میں غور و فکر کرنا معرفت الہیہ تک پہنچا دیتا ہے۔ کیونکہ رح

ہر فرقے دفتریست معرفت کردگار

www.alahazratnetwork.org

جب یہ کفار اس دعوت کو قبول نہ کریں گے تو ان کی بے عقلی سب پر ظاہر ہوگی دوسری وجہ یہ کہ آسمانوں میں عجائبات بھی ہیں۔ فلکیات بھی شمس و قمر بھی سیارے اور نجوم بھی بارش بھی ہے بجلی بھی۔ زمین میں ذرے بھی پہاڑ بھی نباتات بھی ہیں جمادات بھی۔ کانچ پتھر بھی ہیں لعل و یاقوت بھی ظواہر بھی ہیں اسرار بھی۔ اور دنیا میں مختلف اشخاص کے مختلف نظریات و نظریات ہیں ان ہی آسمانوں زمین میں منطقی فلسفی غور کرتا ہے تو اس کو ہر طرف سائنس ہی نظر آتی ہے۔ جب علماء فقہاء تدبر فرماتے ہیں تو ہر سمت میں قانون خداوندی اور عجائبات الٰہیہ ہی کی بہاریں نظر آتی ہیں۔ اولیاء اللہ کے تدبر سے ان آسمانوں زمینوں میں اسرار ہی اسرار سمجھ آتے ہیں۔ جیسی عقل ویسا تدبر و فکر ع

فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

ہر شخص کی فکر و نظر اس کی ہمت عقل کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر بے عقل لوگ کچھ بھی نظر نہیں رکھتے یہاں دعوت نظر اسی لئے دی گئی ہے تاکہ دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ ان کی فکر کو کس طرف لے جا رہی ہے اور جب آسمان و زمین میں تدبر سے نہ دنیا ہی حاصل کر سکے نہ دین ہی تو بے عقلی بالکل واضح ہے۔ تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات میں صرف آسمانوں اور زمین اور ان کی چیزوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی اس کے علاوہ کسی بھی چیز میں خاص طور پر دینی ایمانی روحانی عرفانی چیزوں میں کسی شخص کو عقل دوڑانے کی اجازت نہیں۔ اس لئے کہ عقل انسانی آسمانی و زمین اور ان کی اشیاء میں تو غور و فکر کر سکتی ہے اور کچھ اچھا نتیجہ برآمد ہو سکتا ہے۔ مگر ایمان اور ایمانیات کے سمجھنے میں عقل انسانی ناکارہ ہے۔ عقل وہ پرزہ ہے جو صرف دنیا سمجھنے کے لئے بنایا گیا ہے اس سے دین و ایمان کو نہ پرکھو۔ یہ عقل صرف اسی

انسانی ناکارہ ہے۔ عقل وہ پرزہ ہے جو صرف د...ات تو
لئے ہے کہ زمین و آسمان کو دیکھو اور ہو سکے تو اس سے خالق کا
صرف احمد مجتبیٰ کے دامن کی عطا ہے۔ اگر دامن مصطفیٰ سے وابستہ
اخروی فائدہ نہیں ہو سکتا۔ نہ یہ نشانات قدرت ایمان کی دولت کے
قوم لا یؤمنون اور نہیں غنی کر سکتیں آیتیں اور ڈرانے والے اس ق
مخلوق آیات اللہ ہے انسان کو چاہئے مخلوق کو دیکھے اور خالق کو پہچا
تفکروا فی الخلق ولا تتفکروا فی الخالق۔ (کبیر)
قدرت خدا تعالیٰ کو دیکھ کر بھی ان میں ایسا غور نہیں کرتے جو ان کی
اور غور بھی کریں تو بے ہودہ اور خلاف حقیقت جیسے کہ سائنسدان یا
دور کر دیا۔ نذر سے مراد انبیاء کرام یا ان کے فرمودات ہیں گویا کہ
ہیں ان سے بھی ایمان نہیں ملتا۔ اور ایسے کریم داتا سے بھی یہ بدنص
فھل ینتظرون الا مثل ایام الذین خلوا من قبلھم پس نہیں
گذر چکے۔ شروع کائنات سے کفار کا یہ طریقہ رہا کہ انبیاء کرام

کے نشان قدرت معلوم کرو دین و ایمان کی دولت تو
ں تو ہزار بار آسمانوں زمین میں غور کرنے سے بھی
غنی کر سکیں کیونکہ وما تغنی الایات والنذر عن
و جو ایمان نہیں لاتے۔ علماء مدبرین فرماتے ہیں کہ تمام
نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا
جس کا ایمان مشیت الٰہی میں نہیں ہے وہ واضح نشانات
نت خالق کائنات عطا کرے اولاً تو بغور دیکھتے ہی نہیں
نہ قدیم کہ ان کے غور نے ان کو ایمان و عرفان سے اور
ایمان قوم کو انبیاء کرام جو خزائن قدرت کے مختار ہوتے
ب خائب و خاسر رہتے ہیں اور ان کی حماقت ہے کہ یہ
ار کرتے مگر ان لوگوں کے دنوں کی مثل جو ان سے پہلے
نبروں کو جھٹلاتے اور مذاق اڑاتے رہے بلکہ عذاب کو

www.alahazratnetwork.org

جلدی مانگتے رہے۔ اسی طرح مکے کے کافروں نے بھی بطور مذاق مختلف قسم کی گستاخیاں کیں جن کو یہاں بیان فرمایا گیا۔ لفظ ایام کا یہاں استعمال کرنا گویا ظرف بول کر مظروف مراد لینا ہے۔ اس لئے کہ ایام سے مراد زمانہ ہے زمانے کا انتظار تو نہیں کیا جاتا نہ وہ لوٹ کر آ سکتا ہے۔ ہاں البتہ اس عذاب کا انتظار تھا جو پہلے زمانوں میں گذشتہ مردود کفار پر واقع ہوا لفظ خلوا میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اے پیارے حبیب نہ وہ کفار باقی نہ ان کا نام ونشان رہا سب کے سب گذر گئے نہ یہ باقی رہیں گے ایسے فنا ہو جائیں گے کہ نام نشان نہ رہے گا۔ ان سب کو فنا ہے ہاں بقا صرف نبی کریم اور ایمان والوں کی ہے۔ جو ابدالاباد تک ہے۔ اگر یہ کفار اس اشارے کو بھی نہ سمجھیں تو قل فانتظروا انی معکم من المنتظرین فرمادو۔ پس انتظار کرو بے شک میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں یعنی تم اپنی ہلاکت کا اور میں تمہاری ہلاکت کا۔ یا تم اپنے پر عذاب نازل ہونے کا اور میں مومنوں کے بچ جانے کا تا کہ ان کو بتایا جائے کہ دیکھو کافر نبی کی گستاخی کی بنا پر جنگ بدر میں باوجود کثرت کے ہلاک ہوئے اس لئے کہ جنگ بدر در حقیقت عذاب الٰہیہ تھا جو بیک وقت مسلمان اور فرشتوں کے ہاتھوں وارد ہوا۔ مسلمان فتح یاب ہو کر اپنی سچائی پر مزید مضبوط ایمان لے آئے اور مسلمانوں کو نبی کریم کی اس خبر پر مزید یقین آ گیا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہم عذاب سے کافر کو ہلاک کرتے ہیں ثم ننجی رسلنا و الذین امنوا۔ کذالک حقا علینا ننج المومنین۔ پھر بچا لیتے ہیں ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اسی طرح حق ہے ہم پر کہ بچالیں ہم مومنوں کو۔ حرف ثم نے ایک لطیف اشارہ فرمایا کہ نزول عذاب کے بعد بچایا جاتا ہے۔ جو بجز قدرت الٰہیہ کے ناممکن ہے یہ اس لئے ہے کہ ہر مومن اپنے بچنے پر حیران ہو کر رب کریم کی رحمت وشفقت پر بصدق دل مزید عین الیقین حاصل کرے نجات یا تو اس طرح ہوتی ہے کہ مومنوں کو ان کے نبی علیہ السلام کے ساتھ اس عذاب کی جگہ سے ہٹا لیا جاتا ہے یا وہیں رہ کر عذاب سے بچایا جاتا۔ اور یا اس طرح کہ وہی چیز کافروں کے لئے عذاب خداوندی بن جاتی ہے اور مومنون کے لئے رحمت مثلاً دنیا کی غربت مفلسی یا تکالیف کہ مومن ان کو منجانب اللہ سمجھ کر راحت قلبی اور صبر وعبادت کا ذریعہ بنا لیتا ہے مگر کافر ان میں دل تنگی کی موت مر جاتا ہے۔ یا جیسے موت یا جنگ میں قتل ہونا کفار کے لئے سراسر عذاب ہے مگر مومن کے لئے رحمت نجات پانے والے دو ہی گروہ ہیں ایک بلاواسطہ یعنی گروہ انبیاء۔ اور دوسرے بالواسطہ یعنی عام مومن کہ یہ لوگ دامن نبی کے واسطے سے نجات پاتے ہیں۔ کذالک سے جملہ معترضہ یعنی علیحدہ جملہ شروع ہوتا ہے جس میں اس نجات دینے کی وجہ بتائی گئی کہ یہ ہمارا شروع سے کرم رہا۔ اور ہم نے اپنے کرم سے اپنے پر یہ نجات لازم کر لی ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب استحقاقی نہیں۔ بندوں پر ہر چیز واجب استحقاق ہے۔ جس کے نہ کرنے سے بندہ گناہ گار ہوتا ہے۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی مصنوعات میں اور مخلوقات میں دیکھنا اور غور کرنا بہت مفید ہے عقل سے دیکھنے میں دنیاوی فائدے ہیں بشرطیکہ ایمان وعرفان کا ذریعہ بنے۔ عشق اور قوت روحانی سے دیکھنا محبوبین کے درجے تک پہنچا دیتا ہے ہر قسم کا علم سیکھنا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے مگر پہلے دینی علم سیکھنا چاہئے یہ فائدہ قل انظروا (الخ) سے حاصل ہوا۔

www.alahazratnetwork.org

دوسرا فائدہ: جس طرح کہ کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ جل شانہ کی معرفت کی بے شمار نشانات بکھرے ہیں صرف عقلوخرد کی نظر چاہئے۔ اسی طرح آسمان اور زمین میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صداقت اور آپ کی سچی نبوت پر بھی بے شمار دلائل ونشانات قائم ہیں صرف ذوق وشوق کی گہری نظر چاہئے۔ یہ فائدہ بھی قل انظروا ماذا (الخ) سے حاصل ہوا کیونکہ کفار کا یہی مطالبہ تھا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمیں اپنی نبوت اور صداقت پر کوئی نشان دکھایئے ان کے جواب میں یہی ارشاد فرمایا گیاقل انظروا ماذا فی السموات۔ (الخ) یعنی اے کاروآسمانوں زمین میں غور کرو ہزاروں لاکھوں نشانیاں ہمارے نبی کی صداقت پر مل جائیں گی تم غور ہی نہ کرو یا غور کرنے والی عقل ہی تمہارے پاس نہ ہوتو تمہارا اپنا قصور ہے۔

تیسرا فائدہ: مومن کا ہرکام عبادت ہے یہاں تک کہ ہلاکت کفار کا انتظار کرنا بھی نیکی ہے کیونکہ کافر اللہ کی دشمنی اور کسی کے دشمن کی ہلاکت چاہنے اس شخص کی دوستی اور محبت کی علامت ہے۔ لہٰذا کفار سے دشمنی بھی اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کی نشانی ہے جوعین عبادت ہے۔ اسی طرح مومنوں کی نجات اور فائدے کا انتظار کرنا یا ایمان والوں کو فائدہ پہنچانا بھی خوشنودی باری تعالیٰ کی نشانی ہے۔ لہٰذا مومن مسلمان کو کسی طرح نقصان پہنچانا۔ سارا سر بے ایمانی ہے۔ ہر مسلمان کو اس بدخصلت سے بچنا چاہئے۔

چوتھا فائدہ: لفظ مومنین میں۔ یاو الذین امنوا یاایھاالذین امنوا وغیرہ میں انبیاء کرام شامل نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ ننجی رسلنا سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس آیت کے شروع میں ارشاد ہواقل انظروا ماذا فی السموات والارض۔ لفظ ماذا عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ سات آسمان وزمین کی تمام چیزوں کو دیکھو۔ حالانکہ طاقت بشری تو درکنار طاقت جنی بلکہ طاقت ملکی کے لئے بھی اللہ کی ساری مخلوق کو دیکھنا محال ہی معلوم ہوتا ہے۔ ہم سب اشیاء کونہیں دیکھ سکتے ایک آسمان کی پوری چیزیں بھی نظر آتیں چہ جائیکہ سات آسمان کی چیزیں لہٰذا یہ امر بالمحال ہے۔ جوحکمت کے خلاف ہے۔ خود قرآن پاک ایک جگہ ارشاد فرماتا ہے لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ تو یہاں ایسا مشکل تر حکم کیوں دیا گیا؟

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ واقعی ماذا عام ہے۔ لیکن ہر شخص کے عقل اور ادراک کے اعتبار سے یعنی دیکھو وہ جو اے انسانوں تمہارے ادراک میں آسکے۔ مثلاً چاند، سورج، ستارے، دریا، سمندر، پہاڑ غار خزانے، کانیں، جمادات، نباتات، حیوانات پھران کی خلقت اور ان کی حکمتیں فائدے معلوم کر کے قدرت خداوندی کا مشاہدہ کرو۔ ہر انسان کو بحسب طاقت جونظر آسکے وہی اس کے لئے کل ہے۔ اور چونکہ یہ حکم قیامت تک کے تمام انسانوں کو ہے۔ جن میں فلسفی

www.alahazratnetwork.org

منطقی۔ سائنس دان سب ہی شامل ہیں جو آنکھوں کے علاوہ دوربین خوردبین سے بھی بے شمار چیزیں دیکھ سکتے ہیں اس لئے یہ حکم محال یا حکمت کے خلاف نہ ہوا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں نظر سے مراد غور کرنا ہے اور غور کرنے کے لئے آنکھ سے دیکھنا ضروری نہیں۔ غور کا تعلق ہمارے خیالات و تصورات سے ہے جن کا کوئی شمار نہیں۔

دوسرا اعتراض: اس آیت میں فرمایا حقا علینا تمام مفسرین۔ حقا کا ترجمہ واجب کرتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ پر واجب کوئی چیز نہیں۔ وجوب دو چیزوں کا متقاضی ہے (۱) محتاجی کو جس پر واجب ہے وہ محتاج ہو (۲) ترک پر گناہ لازم ہو یہ دونوں چیزیں خالق کائنات کے لئے ناممکن ہیں۔

جواب: واجب دو قسم کا ہوتا ہے۔ پہلا واجب استحقاقی جس کو واجب شرعی کہا جاتا ہے۔ اس کا تارک گناہ گار ہوتا ہے۔ یہ کسی کے واجب کرنے سے واجب ہوتا ہے۔ اپنی ذات کا اس واجب کرنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ یہ صرف بندوں پر واجب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ دوسرا واجب اختیاری ہے۔ جو خود اپنے پر بلا معاوضہ واجب کیا جاتا ہے محض کرم اور رحم سے۔ یہ کوئی دوسرا شخص واجب نہیں کر سکتا۔ اس کو واجب غیر استحقاق بھی کہا جاتا ہے۔ یہی یہاں مراد ہے اس کے ترک پر نہ گناہ نہ اس میں محتاجی کا شائبہ اس کی دنیاوی مثال اس طرح ہے کہ ایک شخص آپ کا کام اجرت پر کرتا ہے۔ اس پر واجب ہے کہ وقت معینہ تک کام کرتا رہے وہ چھوڑے گا تو مجرم ہوگا وہ آپ کا محتاج بھی ہے۔ دوسرا شخص آپ کا کام بلا معاوضہ حسن عقیدت میں کرتا ہے جیسے مرید یا شاگرد یا والد اپنے بیٹے کی شفقت میں اس کا کام کرے تو یہ جو اس نے اپنے پر واجب کیا خود اپنی رضا اور کرم سے کیا اس کے ترک پر نہ گناہ نہ ہے اس وجوب میں کچھ محتاجی۔ پس پہلا واجب شرعی ہے اور دوسرا واجب اختیاری۔ یہی یہاں مراد ہے لہٰذا اعتراض غلط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء کی اصلاح میں سموات گویا قلوب ہیں ارض گویا قالب ماذا سے مراد خطرات قلب و قالب اور واردات انوار و تجلیات ہیں۔ پیشانی مرد مومن مثل آفتاب اور خسارے مثل قمر ہیں۔ جن کو ضیا نور اور چمک ان محبوبوں کو نظر آتی ہے جو غیر پر نظر کرنے کی بجائے خود اپنے پر نظر رکھتے ہیں۔ اسی لئے ہر بشر انسان کو تا قیام قیامت دعوت عام ہے کہ اگر تمہارے پاس بصیرت صفاتیہ اور بصارۃ ذاتیہ ہے تو دیکھو اور غور کرو۔ کیونکہ جمال قدیم عاشقوں کی لئے ظاہر ہے اور مشتاقوں کی لئے عیاں ہے۔ محبین کے لئے بیان و منکشف ہے پس اے شعور والو قل انظروا ماذا فی السموات والارض دیکھو وہ جو تمہارے آسمان قلب اور زمین قالب میں ہے۔ مگر جن کو شعور کے چشموں سے کچھ حصہ نہ ملا اور جن بدقسمتوں کو انوار سے کوئی نور حاصل نہ ہوا وما تغنی الایات والنذر عن قوم لا یومنون ان کے لئے یہ قلب و قالب محض ایک گوشت کا ڈھیر ہے۔ ان کو آیات اور نشانیات کیسے غنی کر سکتے ہیں جو ایمان حقیقیہ سے محروم ہیں (عرائس البیان) بعض نے فرمایا کہ وہ عقلیں جو خالی ہیں راہ نجات کی توفیق سے ان کو ضیاء عقل رسوائی کے اندھیرے کے باوجود روشنی کے ذریعے غنی نہیں کر سکتی اس لئے کہ انوار عقل اس کو نفع دیتے ہیں جو توفیق کی انوار اور ازلی عنایات سے تائید شدہ ہو۔ ورنہ بہت سے بدنصیب اپنی

www.alahazratnetwork.org

عقل کی وجہ سے ہلاکت کے غار میں چلے جاتے ہیں اور اہل معرفت کے نزدیک یہ محرومی ہی سب سے بڑا عذاب قہار ہے جس سے اپنے رسولوں کو اور ان کے دامن عافیت ولذات سے وابستہ مومنوں کو بچالیا جاتا ہے ثم ننجی رسلنا والذین امنوا کذالک حقا علینا ننج المومنین ۔یعنی انبیاء کرام اور مومنین تا قیامت محفوظ ہیں نور عنائت کی وجہ سے قہر محرومی سے اس طرح کہ انبیاء کی نجات ہے خطرات کے حجابات سے۔ عارفین کو نجات دی سہوات کے حجاب سے اور عام مومنوں کو نجات دی۔ ابلیس کی غاتوں سے اور شیطانوں کے سلب ایمانی سے۔ یہ انعام اس رعایت قدیمہ کی بدولت ہے جو محبت ازلی سے وابستہ ہے چونکہ عارفین کو چن لیا کرامات اور ولایات سے۔ اس لئے حقا علینا۔ ان کی نجات ہم پر واجب ہے۔ بعض عرفا نے فرمایا کہ نجات کا مطلب ہے کہ ہم اپنے رسولوں کو۔ مراد نفس، غلبہ شہوت، غفلۃ وقت، دشمن کی غالبیت اور اسرار کی دوری سے بچاتے ہیں اسی طرح ان کو نجات دینا بھی ہم پر واجب ہے جو ہماری عبودیت میں صادق ہے۔

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ

فرما دو اے لوگو اگر ہو تم میں شک سے دین میرے پس

تم فرماؤ اے لوگو اگر تم میرے دین کی طرف سے کسی شبہ میں ہو تو میں تو اسے نہ

فَلَاۤ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ

نہیں عبادت کروں گا میں ان کی عبادت کرتے ہو تم سے سوا اللہ کے اور لیکن

پوجوں گا جسے تم اللہ کے سوا پوجتے ہو ہاں اس اللہ کو پوجتا ہوں جو

اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ ۖۚ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

میں عبادت کرتا ہوں اللہ کی وہ جو وفات دیتا ہے تم کو اور حکم دیا گیا ہوں میں یہ کہ رہوں

تمہاری جان نکالے گا اور مجھے حکم ہے کہ ایمان والوں

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ

میں سے مومنوں اور یہ کہ قائم رکھ تو چہرے اپنے کو لیے دین

میں ہوں اور یہ کہ اپنا منہ دین کے لیے سیدھا رکھ سب

حَنِيْفًا ۚ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۵﴾ وَلَا تَدْعُ

علیحدہ ہو کر اور نہ ہو تو بالکل سے مشرکوں اور نہ عبادت

سے الگ ہو کر اور ہرگز شرک والوں میں نہ ہونا اور اللہ کے

www.alahazratnetwork.org

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكَ وَلَا یَضُرُّكَ فَاِنْ

کر تو سے سوا اللہ اس کو جو نہ نفع دیتا ہے تجھ کو اور نہ نقصان دیتا ہے تجھ کو

سوا اس کی بندگی نہ کر جو نہ تیرا بھلا کر سکے نہ برا پھر اگر ایسا کرے گا تو اس

فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۰۶﴾

تو اگر کیا تو نے بیشک تو تب سے ظالموں

وقت تو ظالموں سے ہو گا

تعلق: اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں کفار کو دعوت غور فکر دینے کے ساتھ ان کی عقلی کمزوری بھی ثابت کی گئی تھی کہ ان کفار کو شک شبہ محض نادانی کی بنا پر ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ یہ لوگ راہ راست پر نہیں آسکتے کیونکہ یہ بے عقلی سے شک میں پڑے ہیں۔ عقل والا اگر شک کرے تب تو دلائل سے دور کیا جاسکتا ہے۔ لیکن جہالت کا شکر دور نہیں ہوسکتا لہذا اے مسلمانوں کہہ دو کہ تم سمجھ لو ہم تمہارے جہالت سے بنائے ہوئے معبودوں کو نہیں پوجیں گے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار عذاب کا انتظار کرتے ہیں اس آیت میں فرمایا گیا کہ موت بھی جو کفار کے لئے ایک سخت عذاب ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی دیتا ہے۔ لہذا کس طرح تم عذاب کا انکار کر سکتے ہو یا کسی طرح بچ سکتے ہو۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات پاک میں فرمایا گیا تھا کہ ہم مومنوں کو کفر اور عذاب سے نجات دیتے ہیں یہ ہمارا بہت بڑا انعام ہے اب فرمایا جارہا ہے کہ اس انعام کو نہ ٹھکرانا اور خود بخود مشرکوں سے نہ ہوجانا نہ ان کے ساتھ کسی محفل میں رہنا نہ ان کے لئے شرکیہ کام کرنا ورنہ تم بھی ظالم تصور ہوگے۔

چوتھا تعلق: پچھلی آیت میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہی نفع دیتا ہے کہ ایمان والوں کو نجات عذاب ملتی ہے اور اسی کی طرف نقصان آتا ہے کہ کفار عذاب سے ہلاک کیا جاتا ہے اس آیت میں فرمایا گیا کہ کافروں کے بت نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان گویا کہ پچھلی آیات میں نفع نقصان دینا اللہ کی طرف منحصر کیا گیا تھا اس آیت میں اس کا ثبوت دیا گیا۔

پانچواں تعلق: پچھلی بہت سی آیات میں کافروں کے عقیدے بت پرستی۔ ضد بازی۔ اسلام میں طرح طرح کے شک شبے اور وہم کرنا بیان ہوئے اب فرمایا جارہا ہے کہ اے مسلمانوں تم اپنے عقیدے بیان کرو کہ ہم بھی حق پر مضبوطی سے قائم رہیں گے۔

تفسیر نحوی: قل یایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی۔ قل کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یا حرف ندا ہے ایھا فاصلے کے لئے ہے کیونکہ بقاعدہ نحو منادی معرف باللام ہو تو فاصلہ ضروری تاکہ اعراب قائم رہے۔ جہاں کہیں فقط ایھا ہو جیسے کہ السلام

www.alahazratnetwork.org

علیک ایھا النبی وہاں بوجہ قرینہ حرف یا پوشیدہ ہوتا ہے۔ الناس جمع ہے انسان کی منجد والے عیسائی نے انسان کی جمع آناس لکھی ہے وہ بھی آتی ہے۔ وہ اس کی جہالت ہے قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ الناس میں الف لام استغراقی ہے۔ انسان کی جمع اناس اور انس بھی آتی ہے۔ ہر آدمی کو شامل ہے مگر یہاں فقط کافر مراد ہیں۔ ان حرف شرط ہے کنتم فعل تامہ ہے۔ یہ پورا جملہ شرط ہے فی ظرفیت کا ہے۔ شک مظروف ہے۔ من بیانیہ ہے۔ دین سے مراد قانون اسلامی بھی ہوسکتا ہے۔ یاءِ متکلم سے خود آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے فلا اعبد الزین تعبدون من دون اللہ۔ یہ پورا جملہ سابقہ شرط کی جزاء ہے فقط مرکب نحوی کے لحاظ سے ورنہ حقیقت میں خبر کے درجے میں ہے۔ لا اعبد واحد متکلم ہے اس کا فاعل ظاہراً باعتبار سیاق کلام نبی کریم ہیں مگر حکم تا قیامت سب مسلمانوں کو ہے۔ الذین اسم موصول مراد بت ہیں من زائدہ ہے دون کے معنی سوا۔ مرکب اضافی ہے لفظ اللہ مضاف الیہ ہے یہ ذاتی نام ہے اس لئے یہاں استعمال ہوا یہاں صفاتی نام مناسب نہ تھا جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں عرض کیا جائے گا ولکن اعبد اللہ الذی یتوفاکم۔ واؤ تفسیریہ کے درجے میں ہے۔ لکن حرف تحقیق استدراک کے لئے ہے جو پچھلے کلام کی نفی اور اگلے کلام کو ثابت کرتا ہے۔ اعبد عبد سے مشتق ہے بمعنی بلا سوچے سمجھے جھک جانا۔ عقل و شعور کو تردد باقی نہ رہے۔ یہ فعل متعدی بیک مفعول ہے۔ لفظ اللہ موصوف الذی موصول اس کی صفت ہے یتوفا وفی سے مشتق ہے بمعنی پورا کرنا یہاں مراد ہے عمر پوری کرنا وفات دینا فعل حال ہے یہ بھی متعدی بیک مفعول ہے کم اس کا مفعول یہ ہے اس کا مرجع کفار ہیں اور یہ سب جملہ اعبد کا مفعول بہ بنا ہے وامرت ان اکون من المؤمنین۔ واؤ سببیہ ہے۔ یعنی پہلی تمام عبارت اور گفتگو در پردہ مسبب ہے اور اس کا سببیہ ہے کہ امرت۔ صیغہ واحد متکلم کا فاعل ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہیں متعدی بیک مفعول اگلی ساری عبارت مفعول بہ ہے ان ناصبہ نے مفعول کا درجہ دیا اکون کون سے مشتق ہے بعض نے فرمایا تامہ ہے صحیح یہ ہے کہ بمعنی صار ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ رہوں میں۔ من بعضیت کا ہے۔ صحیح تر یہ بھی ہوسکتا ہے من میں ساتھ کے معنی ہوں یعنی مومنوں کے ساتھ المومنین میں الف لا استغراقی ہے اور قیامت تک کے مومن مراد ہیں وان وجھک للدین حنیفا۔ واؤ عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ تھا یہ آئندہ عبارت معطوف ہے۔ وجھہ کا لفظی ترجمہ چہرہ ہے مگر مراد ساری ذات ہے کیونکہ چہرہ جسم میں اشرف ہے اور اشرف کل پر دلالت کردیتا ہے۔ ک مرجع میں دونوں احتمال ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ سب تعلیم نبی پاک کو ہے۔ للدین۔ میں لام ملکیت کا ہے ہی تعلیلیہ ہے اور الف لام عہد ذہنی دین سے مراد پورا قانون اسلامی اور شریعت مطہرہ طریقت طیبہ۔ حنیفاً۔ حنف سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے ہر طرف سے ہٹ کر ایک جگہ مضبوطی سے لگ جانا۔ اس کی نحوی ترکیب میں تین احتمال ہیں (۱) یہ کہ حنیفا اقم کے فاعل کا حال ہو۔ دوسرے یہ کہ یہ وجہ کا حال ہو۔ تیسرے یہ کہ دین کا حال ہو۔ صحیح یہ ہے کہ وجہ کا حال ہے۔ اسی کو اعلیٰحضرت اور ہمارے حضرت صدر الافاضل نے اختیار فرمایا و لا تکونن من المشرکین۔ واؤ عاطفہ اور عطف پہلے جملے ان اقم پر ہے لا تکونن بحث نہی با نون ثقیلہ ہے۔ جس نے کلام میں شدت پیدا کردی من میں یہاں دو احتمال ہیں کہ یہ من بعضیت کا ہو یا بمعنی مع ہو المشرکین الف لام جنسی یا استغراقی ہے مشرکین مشرک کی جمع ہے۔ شرک سے مشتق بمعنی اللہ کو

www.alahazratnetwork.org

چھوڑ کر کسی اور کی عبادت کرنا یا اللہ تعالیٰ کے صفات خصوصیہ کسی مخلوق میں ماننا و لا تدع من دون اللہ مالا ینفعک و لا یضرک ۔ یہ واؤ بھی عاطفہ ہے ماسبق پر عطف ہے لاتدع فعل نہی ہے مگر یہاں نون ثقلیہ یا خفیہ سے شدت نہیں من زائدہ ہے ۔ دون کے معنی مقابل ہیں اضافت ہے ذات باری کی طرف ما اس موصول ہے اصلاً غیر عقل والوں کے لئے ہے مراد مٹی کے بت ہیں دھات کے بھی شامل ہیں ۔ لاینفع فعل نفی ہے دونوں زمانوں حال و مستقبل کو شامل ہے ۔ ک ضمیر سے مراد ہر مخاطب ہے و لا یضرک واؤ عطف کی لا یضر فعل نفی ہے ۔ نفع نقصان سے عام ہے کہ جسمانی ہو یا روحانی ۔ مالی ہو یا بدنی ۔ صیغہ مضارع منفی ضرر مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ۔ بمعنی چھینا فان فعلت فانک اذا من الظلمین ۔ ف تعقیبیہ بیان نتیجے کے لئے حروف عطف سے ہے اس کا معطوف علیہ یا تو فقط لاتدع کا جملہ ہے تشبیہ کے لئے ہے ۔ اور یا پچھلے تمام احکام پر عطف ہے تو یہ جملہ حقیقۃً شمار کے لئے ہے ۔ ان حرف شرط فعلت کا مرجع اگر نبی کریم ہیں تب یہ شرط بالمحال فرضی ہے اور اگر مرجع عام مسلمان ہے جیسا کہ سابقہ روش کلام سے ظاہر ہے تو شرط غیر محال حقیقی ہے فانک میں ف جزائیہ ہے ۔ ان حرف تحقیق نے کلام میں یقین پیدا کیا ک ضمیر اسم ان ہے ۔ اذا ذ مفاجاتیہ ہے بعد کا الف صرف من حرف جار تبعیضیہ سے تعلق کی بنا پر ہے الظالمین ۔ الف لام عہد خارجی ہے ۔ یعنی صرف اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے جس کو سب جانتے ہیں ۔ ظلم کے معنی ہیں ۔ نقصان کرنا کسی کا یا اپنا یہاں دوسرے معنی مراد ہیں ۔

تفسیر عالمانہ: قل یایھا الناس ان کنتم فی شک من دینی فلا اعبد الذین تعبدون من دون اللہ ۔ فرما دو اے حبیب اے لوگو اگر تم میرے دین میں شک میں پڑے ہو تو یاد رکھو میں ان کی عبادت نہیں کروں گا جن کی تم لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہو ۔ قل کا امر ظاہراً تو صرف نبی کریم کو ہے لیکن اشارۃً قیامت تک کے مسلمانوں کو یہ حکم ہے اسی طرح یا ایہا الناس سے اشارۃً تا قیامت تمام کفار کو خطاب ہے ۔ واضح رہے کہ اصطلاحات قرآنیہ کے مطابق ایہا الناس کا خطاب صرف کفار کو ہوتا ہے اس میں کوئی مسلمان مومن شامل نہیں ہوتا ۔ مسلمان کے لئے یایھا الذین امنوا کی پیارے لقب سے ندا ہوتی ہے اور اس لقب میں حبیب کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں ہوتے ۔ اگرچہ ان کا شک اور وہم یقینی تھا مگر حرف شرط فقط اپنے عقیدے کو ثابت اور بیان کرنے کے لئے ارشاد ہوا شک عام وہم کو کہتے ہیں ۔ اس کی تین قسمیں ہیں (۱) ریب (۲) امتراء (۳) تردد اگر عقلی دلائل سے شک پڑے تو ریب کہلاتا ہے اگر بلا سوچے سمجھے بغیر غور و فکر شک میں مبتلا ہو جیسے کہ جہلا حمقا کے شکوک وہ امتراء کہلاتے ہیں اور اگر شک و یقین دونوں جانب میلان نظر آتا ہو تو تردد ہے ۔ یہاں امتراء مراد ہے ۔ من دینی میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ میرے دین کی درستی میں شک ہو ۔ دوسرے یہ کہ خود مجھ میں دین پر قائم رہنے کی طرف سے کفار کو شک ہو اور اپنی طرف سے گمان کئے بیٹھے ہوں کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یا مسلمان لوگ (معاذ اللہ) ایک نہ ایک دن اسلام سے ہٹ کر ہم کفار کی موافقت میں آجائیں گے تو اے کافرو تمہاری یہ آرزو ہرگز پوری نہ ہوگی کیونکہ فلا اعبد الذین میں ان کی کبھی بھی عبادت پوجا نہ کروں گا ۔ اعبد میں چونکہ فقط پوجنے کا ہی مطلب ہوتا ہے اس لئے الذین فرما کر تمام معبودان باطلہ کو شامل کر لیا خواہ بے عقل ہوں جیسے مٹی اور دھات کے بت یا تصویریں یا چاند سورج ۔ خواہ ذوی

www.alahazratnetwork.org

عقول ہوں جیسے خدائی کا دعویٰ کرنے والے فرعون نمرود وغیرہ۔ یا جبراً خواہش معبود بنالئے جانے والے جیسے یہودیوں میں حضرت عزیر عیسائیوں میں حضرت عیسیٰ یا جیسے سنا گیا ہے کہ ایران میں حضرت علی کی خود ساختہ تصویر کی بھی پرستش کی جاری ہے۔ حالانکہ یہ پرستش ان بزرگوں کی خواہش کے قطعاً خلاف ہے غرضکہ مومن کو حکم ہے کہ ہر قسم کے کافر سے علی الاعلان کہہ دے فلا اعبد الذین تعبدون (الخ) من دون اللہ دون کے بہت سے معنی ہیں یہاں بمعنی سوا ہے۔ (روح المعانی) یہ جملہ اگرچہ ف جزائیہ کے ساتھ ہے مگر مقصود خبر دینا ہے یعنی کسی وقت کسی زمان میں بھی یہ بات ممکن نہیں۔ نہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ نہ سچے مومن سے کیونکہ جس پر احمد مجتبیٰ کے عشق و معرفت اور آپ کی تعلیم کا رنگ چڑھ گیا ہو بھلا اس کو کون بھٹکا سکے۔ یہاں لا اعبد فعل نفی کے پہلے لانے اور فعل مثبت تعبدون کے بعد میں لانے میں یہ لطف اشارہ ہے کہ عبدت انتہائی تعظیم ہے اور بت انتہائی ذلیل چیز ہے تو کس طرح ہوسکتا ہے کہ مخلوق میں اشرف انسان اور انسانوں میں اشرف عقلا اور عقلا سے اشرف مومن پھر اولیاء پھر علماء پھر صحابہؓ پھر انبیاء محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سب سے ذلیل کی عبادت کریں۔ تقدم نفی میں شدت پیدا ہوئی (خازن) لکن اعبد اللہ الذین یتوفاکم لیکن میں تو اس اللہ کی عبادت کرتا رہوں گا جو تم کو موت دیتا ہے۔ حرف لکن نے بتایا کہ عبادت کسی کی جائز نہیں خواہ کوئی مخلوق میں اچھے برے دینی دنیوی کسی مقام پر ہو سوائے اللہ تعالیٰ کے اس لئے کہ تعلیم اسلامی کے مطابق ہر بزرگ کی تعظیم حسب مرتبہ جائز ہے۔ تعظیم کی پانچ قسمیں ہیں (۱) خدمت گذاری (۲) فرمانبرداری (۳) اطاعت (۴) عبادت۔ اسی طرح تعظیم کے لائق بھی پانچ قسم کے بزرگ علی الترتیب (۱) والدین (۲) حکمران (۳) علماء (۴) انبیاء کرام (۵) خالق کائنات اللہ جل مجدہٗ پس جس طرح آخری اور انتہائی تعظیم عبادت ہے اسی طرح اس کے لائق بھی اللہ تعالیٰ ہی ہے کہ انتہائی بزرگی اسکی ہے چونکہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ کسی کی بڑائی اور بزرگی ناممکن ہے اس لئے عبادت بھی اس کے سوا کی کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم کی بے شمار صفات ہیں مگر یہاں مارنے کی صفت کا ذکر فرمایا اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ عقل والا ہر چیز کی دلیل کا طلب ہوتا ہے۔ یہاں اس چیز کا دعویٰ ہے کہ تمہاری عبادت کے لائق صرف اللہ تعالیٰ ہے یتوفاکم میں اس کی دلیل دی جارہی ہے کہ چونکہ وہی اللہ تم کو موت دیتا ہے اور اس سے

[redacted]

www.alahazratnetwork.org

ایک یہ ہے کہ میں حکم دیا گیا ہوں (الخ) اگر یہاں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات ہی مراد لی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ دیگر انبیائے کرام تو کچھ کچھ مدت کے لئے اپنی امتوں میں رہے مگر ہمارے نبی قیامت تک اپنے غلاموں کے پاس حاضر و ناظر ہیں۔ جیسا کہ موجودہ انجیل سے بھی ثابت ہے (یوحنا باب ۱۴ آیت ۱۸ نیا عہد نامہ ص ۹۹) یہی وجہ ہے کہ دیگر تمام چمن اجڑ گئے۔ ہمارے آقا محمد مصطفیٰ کا باغ اب بھی ہرا بھرا اور علماء اولیاء کے غنچے چٹکے ہوئے ہیں من المومنین۔ من میں معیت کے معنی پیدا ہیں۔ اور اگر یہ حکم عام مسلمان کو ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ اسلام پر قائم رہو اور ادھر ادھر مت بھاگو ہر وقت ہر حالت میں ہر لحاظ سے صرف مومنوں کے ساتھ رہو ان کی جماعت میں ہی شامل رہو۔ دوستی رکھو تو صرف مسلمانوں سے وہی تمہارے سچے دوست ہو سکتے ہیں کافر تمہارا دوست کبھی نہیں ہو سکتا۔ ہر طریقہ سے اپنا اسلام ظاہر کرتے رہو۔ شکل صورت، اعمال، افعال، کردار، اخلاق، لباس۔ گفتگو وغیرہ سے تمہارا مسلمان ہونا عجب شان امتیازی معلوم ہوتا رہے اس معاملے میں کچھ بناوٹ لگاوٹ نہ رکھو کیونکہ تقیہ اور فریب اسلام میں حرام ہے۔ دوسرا حکم یہ ہے **وان اقم وجهک للدین حنیفا** اور یہ حکم دیا گیا ہوں کہ قائم رکھوں اپنی ذات کو دین پاک کے لئے سب باطل دینوں سے علیحدہ ہو کر۔ یعنی اپنی طرف سے کسی عملی یا فعل سے اس کے لئے شریک نہ بناؤں نہ ظاہر نہ باطن۔ جس طرح کہ وہ ذات پاک اپنی مخلوق میں کسی کو شریک نہیں فرماتا نہ ہی خالقیت میں کوئی اس کا شریک ہے۔ اسی طرح مخلوق کو چاہیے کہ اس کی عبادت میں سجدہ سجود میں بھی کسی کو شریک نہ کرے خیال رہے کہ ہر وہ اطاعت جو کسی کو معبود سمجھ کر کی جائے یا خدائی طاقت مان کر کی جائے تو وہ عبادت ہوتی ہے۔ معبود سمجھنا یہ ہے کہ کسی میں ذاتی اختیار و قوت و کمالات تسلیم کئے جائیں دین سے یہاں مراد قانون الٰہی ہے حنیفا کا مطلب مخلص ہو کر بغیر ڈرے جھجکے اور بغیر ریا اس کی طرف مائل ہونا۔ مگر اس خلوص کے لئے پہلے ایمان شرط ہے اسی لئے **من المومنین** کا امر پہلے ہوا یہ امر بعد میں **ولا تکونن من المشرکین** اور قطعاً نہ ہونا تو مشرکین میں سے۔ یا اس طرح کہ خود مشرک نہ بننا تب یہ خطاب کی توجہ عام مسلمان کی طرف ہے اور یا اس طرح کہ ان کی دوستی کے ساتھ نہ ہونا یا ان کے مشابہ لباس وغیرہ میں نہ ہونا یا کسی وجہ سے ان کی حمایت میں نہ ہونا تب روئے خطاب نبی کریم کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ اے مسلمان جب تو نے ان حکموں کو عملی طور پر سمجھ لیا تو تجھ کو چوتھا حکم یہ ہے کہ **ولا تدع من دون اللہ ما لا ینفعک ولا یضرک** ۔ نہ دعا مانگ تو اس چیز سے جو نہ تجھ کو نفع دے سکے اور نہ تیرا نقصان کر سکے۔ لغوی اعتبار سے **لاتدع** کے تین معنی بن سکتے ہیں کبھی اس کا ترجمہ عبادت کرنا کئے جاتے ہیں۔ کبھی پکارنا، کبھی دعا مانگنا ہوتا ہے اور یہی اصل ہے کیونکہ لاتدع کا مادہ اشتقاق دعوٰ ہے اسی سے دعا ہے اگرچہ اس کے تین معنی ہوتے ہیں مگر یہاں عبادت کا احتمال درست نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ عبادت غیر اللہ کی نفی **لا اعبد الذین** سے ہو گئی یہاں ضرورت نہیں دوسری وجہ یہ کہ عبادت میں مطلق حکم ہوتا ہے کہ کسی کی بجز خدا تعالیٰ عبادت جائز نہیں جیسے کہ پہلے بیان کیا گیا خود باری تعالیٰ نے **الذین** فرما کر سب مخلوق کی عبادت باطلہ کی نفی کر دی مگر **لاتدع** میں بہت سی قیدیں لگائیں اور ثابت کیا کہ مطلق پکارنا اور غیر اللہ سے مانگنا برا نہیں فقط ان بتوں وغیرہم غیر ذوی العقول نباتاتی جماداتی چیزوں سے مانگنا حرام ہے **ما لا ینفعک ولا یضرک** جو تیرے مانگے پکارنے سے تجھ کو کچھ دے

www.alahazratnetwork.org

نہیں اور اگر تو ان کا منکر ہو تو تیرا کچھ نقصان نہیں کر سکتے۔ دنیا میں صرف مشرکین کے بت ہی ایسے ہیں ملائکہ اور جنات سے دن رات بکثرت اس نفع نقصان کا مشاہدہ ہو رہا ہے۔ اس لئے انسانوں فرشتوں جنوں سے مانگنا جائز ہے اور پکارنا بھی۔ پس ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ انبیاء کرام سے قبل وفات اور بعد وفات مانگنا بالکل جائز ہے ممانعت کہیں ثابت نہیں اگر یہ مانگنا اور پکارنا بھی منع ہوتا جیسا کہ کم عقل وہابی کہتے ہیں تو اس آیت میں لفظ ما۔ نہ ہوتا بلکہ۔ من یا الذی ہوتا۔ ما سے یہی ثابت ہوا کہ اے مسلمان تو بتوں سے مت مانگ فان فعلت فانک من الظلمین ۔اگر تو نے ان حکموں پر کان نہ دھرا اور یہ کار ہائے ممنوعہ کر لئے تو بے شک تو ظالموں کے ساتھ شمار ہوگا۔ یہ جملہ شرطیہ سابقہ چار حکموں کی مخالفت کا نتیجہ ہے۔ اس میں ظاہراً اور حقیقۃً ہر دو طرح عام مسلمان کو خطاب ہے (بیضاوی، خازن، مدارک) کیونکہ نبی پاک کے لئے یہ جملہ بولنا نتیجہ محال بالذات اور اگر کوئی اس جملے کی نسبت فاعلی نبی کریم کی طرف ہی کرے تو یہاں فرضی ترجمہ کیا جائے گا۔ یعنی اگر تم ایسا کرتے تو ایسے ہو جاتے۔ اور پھر اس ترجمے میں کچھ دشواریاں پیدا ہو جاتیں۔ پس بہتر ہماری ہی تفسیر ہے۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کی نسبت نبی پاک کی طرف کرنی جائز ہے لہٰذا جائز ہے یہ کہنا کہ نبی کریم کا قرآن نبی کریم کا سلام۔ حضور اقدس ﷺ کا قانون۔ نبی پاک کا کعبہ آپ ﷺ کی جنت۔ تمام کائنات آپ ﷺ کی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہ فائدہ من دینی میں نسبتِ احمد مجتبیٰ سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: بزرگان دین اور دیگر لوگوں کے خطاب القابات اور پکارنے میں فرق ہونا ضروری ہے۔ جو الفاظ و خطاب انبیاء کرام کے لئے مقرر ہیں وہ ہی الفاظ کسی اور کے لئے بولنے جائز نہیں اگرچہ صحابی ہو یا عالم یا ولی اللہ جیسے علیہ السلام یا صلی اللہ علیہ وسلم اور جو الفاظ صحابہ کے لئے معین ہیں وہ دیگر علماء اولیاء کے لئے استعمال کرنا غلط ہے جیسے رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ صحابہ کے لئے امتیازی جملہ بن چکا ہے۔ غیر صحابی کے لئے نہ بولا جائے۔ اسی طرح اس کے برعکس کہ عام خطابات میں خواص کو نہیں شامل کرنا چاہئے۔ جیسے یایھا الذین امنوا ۔ میں انبیاء کرام شامل نہیں ہوتے اور ایھا الناس میں مومن شامل نہیں یہ فائدہ یایھا الناس کے خطاب سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: اللہ کے بندوں کا کام اللہ ہی ہے۔ اولیاء اللہ سے مانگنا اللہ ہی سے مانگنا ہے۔ اسی طرح انبیاء کرام کا کسی کی مشکلیں حل فرمانا اللہ تعالیٰ ہی کی مشکل کشائی ہے۔ دیکھو موت دینا جان نکالنا حضرت عزرائیل کی ڈیوٹی ہے۔ مگر رب کریم نے ان کے اس فعل کو اپنی طرف نسبت کرتے ہوئے فرمایا یتوفاکم۔

چوتھا فائدہ: عبادت میں اور حاجت روائی کے لئے پکارنے میں بڑا فرق ہے عبادت کسی کی بھی جائز نہیں خواہ معبود ان باطلہ ہوں یا نبی ولی۔ مگر فریاد کرنا صرف بتوں وغیرہ سے منع ہے انبیاء کرام اولیاء علماء سے جائز ہے۔ یہ فائدہ فلا اعبد کے عموم اور لاتدع کے مقید فرمانے اور الگ ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔

www.alahazratnetwork.org

پہلا اعتراض: کفار کا شک کرنا دین اسلام میں یقینی امر ہے پھر اس کو ان کنتم سے جملہ شرطیہ کیوں بنایا گیا۔ اگر مگر سے چیز یقینی نہیں رہتی۔

جواب: اولاً اس لئے کہ سارے کافروں کا شک یقینی نہیں اس لئے کہ بعض کافر محض ضد سے نہیں مانتے۔ ان کو حقانیت اسلام کا یقین ہوتا ہے۔ جیسے کہ زمانہ نبوی کے یہود و نصاریٰ ایسے ہی کفار کے بارے میں ارشاد باری ہے یعرفونھم کما یعرفون ابناء ھم دوم اس لئے کہ یہاں جملہ شرطیہ بولنا ان کے قلبی ارادوں کو توڑ کر اپنے عقیدوں کو ثابت کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ شرط بمعنی وصیلہ ہے۔ یعنی اگر چہ تم شک میں ہو ہماری طرف سے مگر ہم تمہاری طرف آنے والے نہیں۔

دوسرا اعتراض: نحوی قاعدے کے مطابق حال یا فاعل کا ہوتا ہے یا مفعول بہ کا مگر یہاں لفظ حنیفا حال ہے اور اس کا ذوالحال دین ہے حالانکہ للدین نہ فاعل ہے نہ مفعول پس یہ آیت قواعد نحویہ کے خلاف ہے۔

جواب: نحویہ کا یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے اور نہ ہی قرآن کریم نحو کے انسانی ساختہ قوانین کا پابند ہے۔ اس کے باوجود لفظ حنیفا میں تین قول ہیں کہ اس کا ذوالحال یا اقم کا فاعل ہے یا وجھک مفعول بہ ہے ان دونوں صورتوں میں تو اعتراض پڑتا ہی نہیں تیسرا قول یہ کہ اس کا ذوالحال للدین ہو۔ جس کو معترض نے اختیار کیا مگر قاعدہ کلیہ نہ ہونے کی بنا پر اعتراض ختم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ: اے عشق الٰہیہ میں سرشار کہہ دے ان بے خبروں منکروں سے کہ اگر تم میری منزل حقیقیہ ابدیہ کے بارے شیطانی وہموں میں مبتلا ہو تو یاد رکھو کہ میں اس نفس امارہ کی اور اس کی خواہشات رذیلہ کی پیروی نہ کروں گا جس کی تم پرستش کرتے ہو اپنے خالق سے منہ پھیر کر۔ لیکن میں تو اسی کی عظمت قدیہ کا معترف رہوں گا جو تم کو فنا کی موت اور غفلت کی ہلاکت فرماتا ہے۔ جس سے ضمیر مردہ ہو کر راہ سعادت سے دور ہو جاتا ہے۔ اور میں امر کیا گیا ہوں کہ اسرار الٰہیہ کا مشاہدہ کرنے میں شامل رہوں۔ اور مشاہدین کے ساتھ رہوں پھر اپنی ذات ذی صفات کو محبت باری تعالیٰ اور دیدار کے شوق کے لئے اور معرفت صفات خداوندی کے لئے اس لئے قائم کردوں کہ تمام ماسویٰ اللہ کی محبتوں سے چہرہ پھیر کر۔ مخلوق سے بری ہو جاؤں اور اپنے خالق میں ایسا مشغول ہو جاؤں کہ اسی کو دیکھوں اسی کی طرف دوڑوں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دین محبت کا نام ہے اور دین حنیف ماسوای اللہ سے دور ہے۔ محبت الٰہی نور کے پردوں میں پوشیدہ ہے۔ آقائے کائنات جو ان خزانوں کے خازن ہیں صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ذرہ بھر حجاب ہٹ جائے اور ان انوار کا قطرہ منکشف ہو جائے تو حد بصر تک جل جائے ما فی السموات والارض اسی کا حکم ہے کہ اے مومن کامل مضبوطی سے قائم ہو جا۔ تاکہ رب کریم کے مشاہدے کے انوار کو برداشت کر سکے۔ اور جب یہ نعمت عظیم تجھ کو حاصل ہو جائے تو لا تکونن من المشرکین ان میں سے نہ ہو جانا جو اللہ سے غیر اللہ کے طالب ہو جاتے ہیں اور نہ ہی اس کے مشاہدے کے بعد پھر غیر کا مشاہدہ قلب و قالب میں آئے۔ کیونکہ جس نے اپنے مولیٰ کو پہچان لیا وہ اس معرفت کے بعد دوسری طرف متوجہ ہو تو یہ شرک طریقت ہے اس کو اصحاب قلوب شرک خفی کہتے ہیں (عرائس و تفسیر کبیر) اور اے مشاہدہ انوار سے قرب الٰہی پانے والے وہی موجود ہے باقی

www.alahazratnetwork.org

سب معدوم ہے اور جو کچھ ہے ایجاد حق سے ہے تو جب ایسا ہے پس ماسوا اللہ کا وجود اسی کی ایجاد ہے لہٰذا کوئی نافع نہیں بجز حق تعالیٰ کے اور کوئی ضار نہیں سوا رب کے لہٰذا اے بندے نہ فریاد کر مگر اسی سے اور نہ رجوع کر مگر اسی کی طرف اس کے اغیار کو نہ پکار کیونکہ وہ بے بس ہیں خود محتاج ہیں۔ اس کے اپنوں کے پاس جا کہ ان میں بڑی طاقتیں بڑے اختیار ہیں۔ لیکن اگر اس پیار اور محبت الٰہیہ کے حصول کے بعد پھر بھی اس کو پکارا جو خود اپنے نفع نقصان کا اختیار نہیں رکھتا تو پھر تو اس کے قہر سے مغلوب اپنے حصہ انوار سے متروک اور اپنی مراد سے محروم ہو جائے گا۔ اور غیر اللہ کی وجہ سے اللہ سے محجوب رہے گا۔ تیرا کوع، سجود، نماز، روزہ علم وعمل سب تیرے لئے حجاب ہوں گے تیری مرادیں فوت ہو جائیں گی اور جو ایسا ہو وہ اپنے نفس پر ظالم ہے۔ نور اگر تو نے نفع نقصان کا مرکز اللہ کے اپنوں کو چھوڑ کر غیروں کو بنالیا تو ظالموں میں سے ہو جائے گا اس لئے کہ کسی چیز کو اس کے اصل مقام سے ہٹا دینا ہی ظلم ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ (کبیر وعرائس)

وَاِنْ یَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ ۚ وَ

اور اگر تکلیف پہنچائے تجھ کو اللہ تعالیٰ سے نقصان تو نہیں کھولنے والا کو اس مگر وہ اور

اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں اس کے سوا اور

اِنْ یُّرِدْكَ بِخَیْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ ؕ یُصِیْبُ بِهٖ مَنْ

اگر ارادہ کرے تجھ کو خیر کا تو نہیں روکنے والا کوئی فضل اس کے پہنچاتا ہے کو فضل

اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں اسے پہنچاتا ہے اپنے

یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ یٰۤاَیُّهَا

جب کہ چاہتا ہے لیے بندوں اپنے اور وہ بخشنے والا رحیم ہے تم فرماؤ اے

بندوں میں جسے چاہے اور وہی بخشنے والا مہربان ہے تم فرماؤ اے لوگو

النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنِ اهْتَدٰی

انسانوں یقیناً آیا تمہارے پاس حق طرف سے رب تمہارے تو جو ہدایت پا گیا

تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا تو جو راہ پر آیا وہ اپنے

فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا ۚ

تو فقط ہدایت پاتا ہے لیے نفس اپنے اور جو گمراہ ہوا تو فقط گمراہ ہوتا ہے پر اپنے

بھلے کو راہ پر آیا اور جو بہکا وہ اپنے برے کو بہکا

www.alahazratnetwork.org

وَمَآ اَنَا عَلَيۡكُمۡ بِوَكِيۡلٍ ﴿۱۰۸﴾ وَاتَّبِعۡ مَا يُوۡحٰۤى اِلَيۡكَ وَ
نفس اور نہیں میں پر تم کچھ ذمے دار اور اتباع کرو اسی کی جو وحی کیا گیا طرف تیری
اور کچھ میں کروڑا نہیں اور اس پر چلو جو تم پر وحی ہوتی ہے اور
اصۡبِرۡ حَتّٰى يَحۡكُمَ اللّٰهُ ۚۖ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۱۰۹﴾ ع ۱۱/۱۶
اور صبر کرو یہاں تک کہ حکم کرے اللہ اور وہ اچھا تمام حاکموں سے
صبر کرو یہاں تک کہ اللہ حکم فرمائے اور وہ سب سے بہتر حکم فرمانے والا ہے

تعلق: اس آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں باطل اور جھوٹے معبودوں بتوں وغیرہ کی عبادت سے منع کیا گیا تھا اور بہترین عقلی وجہ بیان فرمائی تھی کہ جو نفع یا نقصان کا مالک نہ ہو وہ تو منہ لگانے کے قابل بھی نہیں ہوتا چہ جائیکہ عبادت کی جائے۔ اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ نفع نقصان اس اللہ کے قبضے میں ہے وہی اپنے بندوں کو یہ قوت عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا وہی تمہاری عبادت کا مستحق ہے۔

دوسرا تعلق: پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ سچے دین پر آجاؤ یہی ہدایت ہے۔ جس سے کسی کم عقل کو شک پڑسکتا تھا کہ شاید اسلام قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ کو یا رسول اللہ کو کوئی ذاتی نفع ہوگا۔ ان آیات میں اس باطل خیال کو توڑا جارہا ہے کہ ہدایت و گمراہی کا نفع نقصان خود اسی شخص کو ہے جس نے ان میں سے کوئی راہ اختیار کی۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات مطہرات میں یہ حکم تھا کہ اے مومنوں تم کافروں سے یہ کہہ دو۔ یہ کہہ دو۔ کہہ دو چار پانچ قول حکم تھے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ کفار کی بدتمیزیوں سے پریشان دل مت ہو بلکہ صبر کرو۔ اور اپنے حال پر ڈٹے رہو گویا کہ پہلے قال کا حکم تھا اور اب حال کا۔

تفسیر نحوی: وان یمسسک اللہ بضر کاشف لہ الا ھو۔ واؤ تفسیریہ ہے جو پچھلے صلے موصول کی تفسیر کرتی ہے۔ ان حرف شرط نے اس پورے جملے کو جملہ شرطیہ بنادیا یمسس فعل مضارع ہے مس بمعنی چھونا سے مشتق ہے باب سمع یسمع سے آکر چھلانا کے معنی پیدا ہوگئے۔ ک ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے لفظ اللہ فاعل ترکیبیہ ہے بضر ب بعضیت کی ہے ضر میں تنوین تنکیری ہے جس سے عموم پیدا ہوا۔ فلا میں خاء جزائیہ ہے۔ لا ما و لا والا ہے۔ بعض نے کہا کہ لائے نفی جنس ہے کاشف اسم فاعل کشف سے مشتق ہے بمعنی کھولنا۔ لام حرف جار مفعولیت کا ہے ہ ضمیر غائب سے مراد تکلیف ہے الا حرف استثنا منقطع ہے۔ ھو سے مراد باری تعالیٰ وان یردک بخیر فلا راد بفضلہ۔ واؤ عطف کی ہے ان حرف شرط ہے یرد۔

www.alahazratnetwork.org

دراصل یرید باب افعال کا مضارع تھا۔ حرف شرط نے جزم دیا تو اجتماع ساکنین کی بنا پر یاء کو گرا دیا۔ بمعنی ارادہ کرنا۔ ک مفعول بہ بخیر ب بعضیت کی ہے۔ خیر سے دنیا کی بھلائی اور نفع مراد ہے۔ فلا راد میں ف جزائیہ۔ لانفی جنس راد رد سے مشتق اسم فاعل ہے۔ لائے نفی جنس کا اسم ہے۔ لا کی خبر پوشیدہ موجود ہے۔ لفضلہ لام مفعولیت کا ہے۔ فضل سے مراد حلال رزق ہے ہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یصیب بہ من یشاء من عبادہ وھو الغفور الرحیم ۔یصیب فعل مضارع واحد غائب صوب سے بنا ہے بمعنی گرنا اسی سے ہے مصیبت ب مفعولیت کی ہے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع فضل ہے۔ من اسم موصول یصیب کا مفعول بہ ہے یشاء پورا جملہ صلہ مفعولی ہے نہ کہ فاعلی کیونکہ یشاء کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے من بعضیت کا ہے۔ عباد جمع ہے عبد کی ہ سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے وھو الغفور۔ واؤ سر جملہ تعلیلیہ ہے ماقبل مشیت اور عطاء فضل کی علت بیان کر رہی ہے۔ ھو مبتدا ہے۔ الغفور غفر سے مشتق ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے ڈھانکنا۔ اسی سے ہے مغفر یعنی سر کو ڈھکنے والی لوہے کی ٹوپی۔ الف لام عہد ذہنی ہے۔ یہاں مراد ہے گناہوں کو بخشنا۔ الرحیم۔ الف لام استغراقی ہے۔ بعض نے کہا یہاں بھی عہد ذہنی ہے۔ صفت مشبہ ہے رحم سے مشتق ہے یعنی ہر وقت مخلوق پر ہر طرح رحم فرمانا۔ رحم کا لغوی ترجمہ ہے۔ ہر شخص کو بلحاظ حیثیت جگہ دینی اسی کو شفقت کہتے ہیں قل یایھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم. قل امر میں نبی کریم کی ذات پاک مراد ہے۔ اور ناس سے مراد کافر ہیں۔ قد جاء فعل ماضی قریب ہے کم جمع میں تا قیامت کفار شامل ہیں۔ الحق میں الف لام عہد ذہنی ہے۔ حق بمعنی سچ۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ اور اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدسہ ہے۔ من کے معنی طرف سے ربکم مرکب اضافی میں رب کی نسبت کفار کی طرف کرنے سے اچھے کلام اور نرم زبان کی حکمت ہے۔ فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ۔ومن فانما یضل علیھا ۔ف تعقیبیہ ہے من، اسم موصول عموم پر دال ہے اھتدی باب افتعال کا ماضی مطلق ھدی سے مشتق ہے بمعنی صحیح راہ پر آنا ف جزائیہ ہے انما نے حصر کا فائدہ دیا یھتدی کا پورا جملہ بیان نتیجہ کے لئے ہے۔ اسی لئے اس میں حال و مستقبل ہر دو زمانہ مراد ہے۔ لنفسہ میں لام جارہ نفع کا ہے اور نفس سے مراد پوری ذات ہے۔ ہ کا مرجع من ہے۔ ومن ضل من واؤ عاطفہ ہے۔ من سے عموم ثابت ہے ضل فعل ماضی ہے باب نصر ینصر ضل مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ لفظ مشترک ہے۔ اس کے بہت معنی ہوتے ہیں یہ لفظ قرآن کریم میں مختلف جگہ مختلف معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یہاں تک کہ انبیاء مرسلین کے لئے بھی بولا گیا۔ وہابی لوگ اس لفظ سے گستاخی کا راستہ نکال لیتے ہیں مگر یہ ان کی اپنی جہالت اور کم عقلی ہے۔ فا تعقیبیہ ہے یضل فعل مضارع دونوں زمانوں کا حامل ہے۔ علیھا علیٰ فوقیت کے لئے ضمیر مونث من کے عموم اور جنسیت کو ثابت کر رہی ہے وما انا علیکم بوکیل ۔واؤ سر جملہ ما نافیہ مشبہ بلیس۔ انا ضمیر متکلم سے مراد نبی پاک ہیں۔ علیٰ فوقیت کے لئے ہے کم سے مراد مخاطبین کفار ہیں۔ ب زائدہ ہے۔ وکیل وکل سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ سپرد کرنا ہے۔ یہاں مراد ہے دار و اتبع ما یوحی الیک و اصبر حتی یحکم اللہ۔ واؤ سر جملہ اتبع۔ تبع سے مشتق ہے۔ بمعنی نقش قدم پر چلنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے پیچھے چلنا (منجد) یہاں مراد ہے روشنی پکڑتا چلنا۔ روشنی خواہ اپنے لئے پکڑی جائے یا کسی کے لئے۔ ما اسم موصول مفعول بہ ہے ماقبلا کا یوحی فعل مجہول اس کا صلہ ہے۔ وحی سے مشتق ہے بمعنی

www.alahazratnetwork.org

اللہ تعالیٰ کا پیغام۔ اس کے تین معنی (۱) کلام الہام یہ غیر نبی کو بھی عطا ہوتا ہے۔ یہ مجازی معنی ہیں (۲) کلام جلی اس کو وحی جلی بھی کہتے ہیں (۳) کلام خفی اس کو وحی خفی بھی کہتے ہیں۔ یہ دونوں معنی حقیقی ہیں یہاں یہ دونوں مراد ہیں۔ الیک۔ الیٰ انتہاء ظرفیت مکانی کے لئے ہے۔ ک سے مراد یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ واصبر واؤ عاطفہ ہے اصبر مطرد کے تیسرے باب کا امر ہے۔ صبر سے مشتق ہے بمعنی کسی بھی کاروائی سے رک جانا۔ حتیٰ انتہاء کے لئے ہے کوفی نحوی کہتے ہیں کہ حتیٰ خود ناصب ہے مگر بصر کے نحوی کہتے ہیں حتیٰ میں ان ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ وہ مضارع کو زبر دیتا ہے (الانصاف فی مسائل الخلاف ص ۵۹۷) یحکم فعل مضارع نصب کی حالت میں ہے۔ اس کا نصب حتیٰ کی وجہ سے ہے۔ یہ حکم سے بنا ہے یعنی فیصلہ کرنا۔ اس کا فاعل آگے لفظ اللہ ہے وھو خیر الحاکمین واؤ سر جملہ ھو مبتدا ہے اس کا مرجع اللہ کریم ہے۔ خیر کا معنی بہتر الحاکمین الف لام استغراقی ہے۔ حاکمین جمع سالم ہے۔ حاکم کی۔ عام ہے بادشاہ وزیر اعظم اور کسی بھی مفتی، قاضی، جج، مجسٹریٹ کو۔

تفسیر عالمانہ: وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الا ھو وان یردک بخیر فلا راد بفضلہ۔ اور اگر پہلا دے تجھ کو اللہ تعالیٰ کوئی نقصان تو نہیں ہے ہٹانے والا اس نقصان کو مگر وہی اللہ اور اگر اللہ ارادہ فرمائے تجھ کو بھلائی دینے کا تو کوئی بھی چھیننے والا نہیں ہے اس کے فضل کو۔ یعنی اگر تیرے اپنے قصور وخطا سے۔ اللہ کی ناراضگی کے باعث تجھ کو معمولی نقصان بھی پہنچے تو وہ بھی کوئی دور کرنے والا نہیں۔ کسی انسان میں طاقت نہیں کہ معمولی تکلیف کو بھی دور کر دے چہ جائیکہ بڑی مصیبت کو دور کر سکے۔ اسی لئے یہاں یمسس کا لفظ بولا گیا جس کا مطلب ہے فقط چھو جانا۔ وہی اللہ تکلیف کو دور کر سکتا ہے۔ یعنی اصل فاعل ذاتی جو خالق تکلیف ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ فاعل ذاتی اس کے سوا کوئی نہیں۔ نہ نبی نہ ولی نہ ڈاکٹر نہ حکیم نہ بادشاہ نہ وزیر۔ نہ حاکم نہ امیر۔ لیکن اس کے باوجود شریعت الٰہیہ نے ان کے پاس جانے ان سے مانگنے کا حکم دیا ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات اللہ کے اذن سے دے سکتے ہیں۔ انبیاء کرام تو دنیا وآخرت کی ہر تکلیف باذن پروردگار دور فرما دیتے ہیں تو گویا نا کا دینا رب کا شفا دینا ہے۔ اس آیت لاکاشف کی نفی سے مراد یہ ہے کہ اس کے مقابلے میں کوئی ایسا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہوتا ہے۔ ورنہ انبیاء اولیاء تو بڑی شان والی ہیں دنیا کی عام چیزیں تین قسم کی ہیں (۱) نفع دینے والی (۲) نقصان دینے والی (۳) نفع نہ نقصان (تفسیر کبیر) یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر مومن کا عقیدہ یہ ہونا چاہئے کہ کہیں سے شفا آئے اس کو منجانب اللہ ہی سمجھنا چاہئے۔ نقصان آئے تب بھی اسی طرف کو لگائے۔ جدھر بھی جائے اسی کے بھروسے پر۔ اس کی رضا سے سب دے سکتے ہیں اس کے بغیر رضا نہ نبی کچھ عطا فرمائیں نہ ولی نہ ڈاکٹر نہ حکیم شعر۔

سائیں آنکھیاں پھیریاں میرا وری ملک تمام ذرا سی جھاتی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

اور اسی طرح اگر اللہ تعالیٰ کسی قسم کی بھلائی کرنا چاہے تو رب تعالیٰ کے فضل کو کوئی روک نہیں سکتا۔ نہ چھین سکتا ہے۔ اس جگہ فلا ادلہ کی بجائے فلا راد بفضلہ فرمانے میں یہ نکتہ ہے کہ تکلیف اور نقصان بندے کے اپنے فعل گناہ خطا وغیرہ سے آتے ہیں مگر بھلائی رحمت اور دنیا وآخرت کی نعمتیں فقط رب تعالیٰ کی عنایت اور فضل سے ملتی ہیں (خازن، کبیر، ابن کثیر) اسی لئے پہلے فرمایا الا ھو۔ الا سے نفی توڑ کر ثبوت پیدا کیا گیا۔ پھر فرمایا فلا راد بفضلہ گویا کہ بندے کا نقصان

www.alahazratnetwork.org

مطلوب بالعرض ہے اور نفع مطلوب بالذات۔ یہی وجہ ہے کہ نقصان اور تکلیف تو مستحقین کو پہنچتی ہے مگر فضل رب العالمین بلا استحقاق عطا ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں ارشاد ہوتا ہے قال اللہ تعالیٰ سبقت رحمتی علی غضبی. میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ تکلیف اور خسارہ تو صرف بیوقوفوں کو ان کی اپنی کوتاہیوں کی بنا پر ہوتا ہے۔ مگر رزق حلال اور رحمت پروردگار یصیب بہ من یشاء من عبادہ۔ اپنا فضل پہنچاتا ہے جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے۔ یعنی طیب رزق جو محض فضل ربی سے ملتا ہے وہ بھی اسی اللہ کی عطا ہے بعض نے فرمایا کہ بہ سے مراد نفع نقصان دونوں ہی ہیں (خازن) مگر صحیح تر یہ ہے کہ صرف خیر مراد ہے (بیضاوی) کیونکہ من یشاء کی عمومیت اور من عبادہ کی پیار بھری عبادت میں شر یا نقصان کیسے مراد لیا جاسکتا ہے لہٰذا یصیب بہ سے صرف خیر اور فضل ہی مراد ہے اسی لئے اسکے آگے ارشاد ہوا وھو الغفور الرحیم اور وہی اللہ تمام گناہوں کو چھپانے والا یعنی بخشنے والا ہے۔ یہ کرم صرف مومنوں کے لئے ہے۔ رحم کرنے والا ہے۔ دنیا میں سب پر اور آخرت میں صرف ایمان والوں پر۔ یہ عبارت بھی اس کی خیر پر دال ہے۔ مقصود کلام یہ ہے کہ اے لوگو۔ خلق ایجاد، ابداع تکوین میں وہ اللہ واحد و منفرد۔ بجز اس کے کسی خیر و شر کا کوئی موجد نہیں لہٰذا وہی معبود ہو سکتا ہے۔ اتنی مدلل پیاری۔ اور شاندار تعلیم و تقریر سے بھی اگر یہ کفار ہدایت پر نہ آئیں تو اے میرے پیارے حبیب قال یایھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم فمن اھتدی فانما یھتدی لنفسہ ومن ضل فانما یضل علیھا۔ فرمادو! اے لوگو بے شک آگیا ہے تمہارے پاس حق۔ تمہارے رب کی طرف سے تو جو ہدایت لے لے پس ہدایت لیتا ہے اپنے ہی فائدے کے لئے اور جو غلط راستے چل پڑتا ہے وہ گمراہ ہوتا ہے اپنی ہی نقصان پر۔ جب کہ سابقہ کلام میں توحید، نبوت، موت و حیات نفع نقصان کے خالق حقیقیہ کے سب دلائل پیش کر دیئے گئے تو اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا جا رہا ہے کہ حق یعنی محمد مصطفیٰ خود تشریف لے آئے یہ تمہارے رب کی طرف سے آخری رسول ہیں ان پر رب تعالیٰ کی شریعت مکمل ہو چکی ہے ان سے جس نے بھی ہدایت لی ہے اس کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ اور جس نے اتنی باتیں سننے کے بعد بھی گمراہی پر ہی رہنا ہو اور سرور کائنات آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آستانے پر نہ آئے تو اس کی اپنی بد نصیبی ہے۔ اگر چہ چند مفسرین نے حق سے مراد قرآن یا اسلام لیا ہے مگر اکثر نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی مراد لیا ہے۔ اور یہی صحیح ہے دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ لفظ جاء مطابق اصطلاحات قرآنیہ ہمیشہ انبیاء کرام کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن کریم کے لئے انزل وغیرہ الفاظ بولے جاتے ہیں۔ یہاں قد جاء سے ثابت ہوا کہ حق سے مراد نبی کریم ہیں اگر قرآن مجید یا اسلام مراد لیا جائے تو حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی ماننے پڑیں گے حالانکہ بلا عذر ترک حقیقت ممنوع ہے جیسا کہ روح المعانی نے فرمایا۔ دوسری وجہ یہ کہ لفظ حق باصول نحو یہ مبالغ کا صیغہ ہے جو کثرت اور زیادتی کو چاہتا ہے اور حقانیت کی کثرت ہر لحاظ سے جتنی ذات محمد مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام میں موجود ہیں اتنی کہیں نہیں کہ علم، عمل، کردار، اخلاق، اطوار، معاملات، برتاؤ، تہذیب، حسن معاشرت، عدل انصاف، طرز گفتگو، رہن سہن، پختگی۔ غرضکہ ہر طرح حق ہیں۔ گویا مکمل قرآن اور مکمل اسلام خود میرے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ چالیس سال نبی کریم نے اپنے عمل سے قرآن مجید پیش فرمایا اور تیئیس سال اپنے قول سے۔ تو اے

www.alahazratnetwork.org

پیارے نبی فرمادو کہ اگر اب بھی تم مجھ سے دوری رہے تو میں تم کو اللہ کے عذاب سے ہرگز نہ چھڑاؤں گا نہ شفاعت کروں گا۔ کیونکہ وما انا علیکم بوکیل اور میں تمہارا کوئی ذمہ دار نہیں۔ کہ کل قیامت میں نہ تم میرے سامنے گڑگڑانا نہ فریاد کرنا۔ نہ تمہارا کچھ استحقاق مجھ پر قائم ہو سکے۔ نہ ہی تمہاری گمراہی کے بارے مجھ سے کچھ پوچھ گچھ ہو۔ مجھ کو تو صرف اپنے رب جل جلالہ کا یہ حکم ہے کہ واتبع ما یوحی الیک اور تم اسی راہ چلو جو وحی کی گئی ہے تمہاری طرف یعنی قانون خداوندی کی۔ عملی، قولی، تبلیغ فرمائے جاؤ۔ خیال رہے کہ امت پر واجب ہے کہ اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کرے۔ بجز انبیاء کسی کی پیروی جائز نہیں اگرچہ کوئی عالم ہو یا ولی۔ کیونکہ اتباع اور پیروی کہتے ہیں بلا سوچے سمجھے نقش قدم پر چل پڑنا۔ اور فطری طور پر بجز انبیاء ہر شخص کے اعمال و افعال میں لغزش ہو سکتی ہے۔ اسی لئے دیگر اکابر صرف اطاعت کا حکم ہے لیکن نبی علیہ السلام کی اطاعت کے علاوہ اتباع کا بھی حکم ہے۔ ہاں خود انبیاء کرام کو صرف کلام اللہ کے فرمودات کے مطابق اتباع یعنی تبلیغ وغیرہ کرنے کا حکم ہے اور یہ حکم اتنا اٹل ہے کہ اگر اس تبلیغ احکام خداوندی پر کفار کی طرف سے شدید تکالیف بھی پہنچیں تب بھی تبلیغ نہ چھوڑیں بلکہ واصبر حتی یحکم اللہ۔ اور صبر کئے رہو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ خود کوئی نیا حکم فرمائے۔ یعنی اے نبی کریم ابھی کچھ دن تو صرف عملی اور زبانی سمجھاؤ اور ان بیوقوفوں کی تکلیفوں پر صبر کرو۔ پھر جب سختی اور جہاد وغیرہ کا حکم فرمائے تو اس وقت کفار پر سختی اور اپنی قوت خداداد کا اظہار فرمانا تاکہ اس صبر سے کوئی شخص انبیاء کے متعلق بے ہمتی اور بزدلی کی رائے قائم نہ کر سکے مگر یہ سختی کا حکم ابھی نہیں وہ فیصلہ تو رب تعالیٰ کی اپنی حکمت پر مبنی اس فیصلے کے مناسب وقت کو وہ خود ہی سمجھتا ہے کیونکہ وھو خیر الحاکمین۔ اور وہ اللہ تمام حاکموں سے اچھا حاکم ہے کہ اس کے تمام فیصلے وقت کے بالکل مطابق ہوتے ہیں اور اس میں کوئی خطا کا امکان بھی نہیں ہوتا اس لئے کہ ظاہر باطن، وجود، وعدم سب کو جانتا ہے۔ بخلاف دیگر فیصلہ کرنے والوں کے وہ جاہل و غافل بھی ہو سکتے ہیں۔ اور کم عقلی کے ساتھ ان کے فیصلوں میں غلطی یا جلد بازی بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا چاند سورج اور دیگر تمام مخلوق کی پیدائش۔ اور نافرمانوں کے عذاب کی تاخیر اور اولیاء اللہ کو عطاء قوت اور قوم نوح کی غرقابی اور فرعون کی مدت بادشاہت اور پھر اس کی غرقابی بنی اسرائیل کی ذلت پھر حضرت موسیٰ کے ذریعے ان کو عزت بخشنا اور موسیٰ علیہ السلام کی قوت خداداد اور قوم یونس علیہ السلام کی قبولیت توبہ۔ یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ میں پہنچانا اور محفوظ رکھنا پھر سب سے آخر میں حق بنا کر اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجنا۔ ان پر اپنے کلام اور دین کو مکمل فرمانا۔ ان کے گستاخ گمراہ کو ابدی جہنم دینا۔ غرضکہ سارے فیصلے جو سورۂ یونس میں مذکور ہوئے بالکل درست اور بروقت ہیں کیونکہ اسی خیر الحاکمین کی طرف سے ہوئے۔ اس آیت میں نبی پاک اور صحابہ کو تسلی دینا مقصود ہے۔ حضرت ابن عباس اور حضرت مجاہد رضی اللہ عنہم نے اس آیت کو منسوخ کہا ہے۔ اس کی ناسخ آیات قتال ہیں خیال رہے کہ سورۂ یونس میں چار آیتیں منسوخ ہیں۔

پہلی آیت: انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم۔ اس کی ناسخ لیغفرلک اللہ ما تقدم (الخ) ہے

دوسری آیت: قل انتظروا انی معکم من المنتظرین۔ اس کی ناسخ سیف ہے۔

تیسری آیت: وان کذبوک فقل لی عملی۔ ہے اس کی ناسخ جہاد کی آیات ہیں

www.alahazratnetwork.org

چوتھی آیت: یہ آخری آیت۔ واتبع ما یوحی۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: مسلمان کو چاہئے کہ ہر موقع پر اللہ کا بھروسہ اپنے لئے سہارا بنائے اور پختہ عقیدہ رکھے کہ سب کچھ اللہ ہی دینے والا ہے اگرچہ کسی ذریعہ سے دے۔

دوسرا فائدہ: اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو نقصان نہیں دیتا۔ بندہ خود گناہ کر کے رب کو ناراض کر لیتا ہے تب اس کا قہر اور اس کی طرف سے تکلیف آتی ہے ہاں اللہ کی رحمت بلا معاوضہ خود بخود بندے کو عطا ہوتی ہے یہ فائدہ لہ کی جگہ لفضلہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: انبیاء کرام کی تبلیغ سے مومن کو فائدہ اور کافر کو نقصان ہوتا ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ کو یا اس کے رسولوں کو کوئی فایدہ یا نقصان نہیں۔

چوتھا فائدہ: انبیاء کرام بہت قوت و ہمت والے ہوتے ہیں مگر اس کا مظاہرہ بغیر حکم الٰہی نہیں کرتے۔ کفار کی سختیاں ظلم تشدد محض اتباع حکم پروردگار کی بنا پر برداشت کر جاتے ہیں نہ کہ کمزوری کی وجہ سے۔ یہ فائدہ واصبر فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض: اس کی کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جب ضرر اور نقصان کا ذکر فرمایا تو یمسس کا صیغہ فرمایا۔ اور خیر کے تذکرے میں ارادے کا ذکر کیا۔ حالانکہ سورۃ انعام کی آیت ۱۸ میں۔ ضر اور خیر دونوں کے لئے یمسسک ارشاد ہوا۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ سورۃ انعام میں قانون کا ذکر ہے کہ کسی انسان پر ضر اور خیر واقع ہوتی ہے۔ وہاں وقوع ہی وقوع کا ذکر ہے دونوں ایک درجے پر ہیں لہٰذا دونوں کے لئے ایک مس کا لفظ مناسب ہے مگر یہاں نقصان میں وقوع کا ذکر ہے اور خیر میں رد کا اس لئے دونوں کے لئے علیحدہ علیحدہ لفظ استعمال ہوئے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں نقصان کے ذکر میں فلا کاشف لہ الا ھو ہے۔ اور کشف کے لئے مکشوف شی کا ہونا ضروری ہے اس لئے یمسسک ارشاد ہوا لیکن رد کے لئے شی کے وجود کی ضرورت نہیں فقط ارادہ بھی رد کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارادہ نقصان نقصان نہیں نہ اس کے لئے کشف کی حاجت مگر ارادہ خیر بھی خیر ہے اور اس ارادے کو لوٹانا ناممکن تھا اس لئے فلا راد کہہ کر اس امکان کی نفی کر دی لہٰذا یہاں یردک کہنا بالکل مناسب ہے اور کشف کے لئے شی کا وجود ضروری ہے اس لئے وہاں یمسسک ارشاد ہوا بخلاف سورۂ انعام کے کہ وہاں واقع کرنا مقصود ہے۔ نہ کہ فقط ارادہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس کے ارادے کو بھی ٹالنے والا کوئی نہیں چہ جائیکہ وقوع نعمت کو۔

دوسرا اعتراض: اھتدی باب افتعال سے اور باب افتعال کی اصل خصوصیت ہے خود گیری اور اتخاذ ی خود۔ جس کا معنی ہوا خود ہدایت لے لے۔ حالانکہ اللہ کے سوا کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جیسا کہ بہت سی آیات سے ثابت ہے۔

جواب: اھتدیٰ کا معنی خود ہدایت لینا نہیں بلکہ ہدایت قبول کرنا ہے۔ ہدایت دینا اللہ کا کام ہے مگر ہدایت قبول کرنا اور

www.alahazratnetwork.org

انبیاء کرام کی بات ماننا بندے کا اپنا اختیار ہے۔

تیسرا اعتراض: وحی قرآنی آیات کا نام ہے۔ اور قرآن کریم تو صرف متقیوں کی ہدایت کے لئے ہے۔ نبی کریم تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں تو پھر آپ ﷺ کو واتبع ما یوحی کا حکم کیوں دیا گیا۔

جواب: وحی کا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً پیغام دینا اور اصطلاح شریعت میں رب کے پیغام کو وحی کہا جاتا ہے اگر یہ پیغام غیر نبی کی طرف ہو تو الہام کہلاتا ہے۔ اگر نبی کی طرف بذریعہ جبرئیل ہو تو وحی جلی یعنی قرآن پاک۔ اگر بلا واسطہ جبرئیل ہو تو وحی خفی یعنی حدیث شریف۔ اور یہ بات پہلے تفسیر میں بتا دی گئی کہ انبیاء کی اتباع تبلیغ ہے۔ خواہ وہ حکم جس کی تبلیغ کرنی ہے بشکل قرآن ہو یا حدیث۔

تفسیر صوفیانہ: صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ ویسے ہر مومن کو ہر معاملے میں اللہ ہی کا بھروسہ چاہئے لیکن خصوصی طور پر منزل طریقت اور راہ معرفت کو طے کرنے والوں پر تو اشد لازم ہے کہ ہر وقت اسی رب ذوالجلال کی بارگاہ میں سربسجود ہے۔ اور شکر پروردگار میں صلاۃ دائمی کا نمونہ اتم پیدا کرے۔ کہ یہ نازک رشتہ ہے ٹوٹتے دیر نہیں لگتی ذرا سی کوتاہی ہزاروں نقصان مرد مومن کو پہنچا سکتی ہے۔ تمام زیست و حیات اور تمام محرکات ازلیہ و ابدیہ اسی کے قبضہ جلال میں ہے ہر روح و جسم، قلب و نفس، ہمت و عقل، کفایہ و استغراق کے قدرت۔ بحر کی لہر ہے۔ ان پر اسی کے فیصلے اور قدرتیں جاری و ساری ہیں۔ اس کی ہر مشیت سے نفع نقصان کا امتحان ہے اسی رب قہار کا قبض ضرر ہے اور اسی رب کریم کے ارادہ محبوبانہ اولیاء کی فضیلت ہے۔ پس لائق ہے کہ مرد کامل بجز اس کے کسی غیر کو نہ دیکھے اگر وہ حجاب کے نقصان کو وارد کرے تو کوئی کھولنے والا نہیں بجز اسی کے انوار وصال کا ظہور اور اگر اے بندے مومن تجھ پر جہاں جہاں آرا کے ظہور سے خیر کثیر کا ارادہ فرمائے تو کوئی اس کے وصال کے فضل کو کسی سبب یا علت روکنے یا چھیننے والا نہیں۔ جو اس کے وصال ازلی سے مختص ہوا۔ کسی شی سے محجوب نہیں ہو سکتا۔ کسی شقاوت قلبی کا پردہ اس پر نہیں آ سکتا۔ مگر ایسی خوش نصیبی ہر ایک کو میسر نہیں آ سکتی بلکہ یصیب به من یشاء من عباده۔ اپنے عارفین کاملین میں سے جس کو چاہے اس کو لقاء محبوب کا تمغہ عطا ہو۔ اس لئے کہ اولیاء اللہ ہی قباء عصمت کے تحت ہیں۔ اس کے طوفان قہر سے محفوظ ہیں انہیں کے ساتھ اس کے جمال کا رحم اور وصال الٰہیہ کی پناہ ہے منزل حق اور رغبت اور رہبت کا راستہ یہی ہے کہ بندہ یقین سے سمجھے کہ ضار اور نافع فقط وہی ذات ہے اے حبیب کائنات کے بدنصیبوں اور خوش نصیبوں سے فرما دو کہ تمہارے رب کی طرف سے حق یعنی انوار ازلی ذات محمد مصطفیٰ وصفا احمد مجتبیٰ آ گئی جو اپنے رب کے حقائق کی کامل تعبیر ہے اور تجلی ذات ہے اس کی صفات میں اور تجلی صفات ہے اس کے فعل میں۔ یہی وہ حق ہے جو عارفوں کے سینے کو مشکوٰۃ چراغ ابدی بنانے والا ہے اسی نور سے ہر مبارک انسان برکات تجلی پانے والا ہے۔ مگر ہر محروم سے یہ نور دور ہے۔ پس جس نے اس نور کے قرب سے ہدایت معرفت حاصل کر لی تو اس کا ہی فائدہ ہے۔ اور جس نے منکرانہ حجاب کی بنا پر دوری اختیار کی اور اس لذت بے بہا سے جاہل رہا تو اس کی جہالت کا وبال اسی پر ہے کیونکہ ردائے کبریائی۔ معرفت عارفین۔ اور جہالت جاہلین سے پاک منزہ اور بے پرواہ ہے۔ نہ جاہلوں کی جہالت سے اس کا نقصان اور نہ عارفوں کی معرفت سے

www.alahazratnetwork.org

اس کا فائدہ۔ بس ہدایت وگمراہی کا متولی وہی اللہ وحدہ لا شریک وما انا علیکم بوکیل۔ میں تمہارا ذمہ دار نہیں۔ میں تو فقط گلشن معرفت کا مالی ہوں اور دنیا و دین۔ عرفان و اتفاق کی نعمتیں بانٹنے والا ہوں۔ دینے والا وہی ہے۔ مگر بانٹ میرے دروازے سے ہوگی پس جو آ گیا بارگاہ رسالت میں وہ پا گیا۔ جو نہ آیا وہ محروم اور کسی سے مواخذہ نہ ہوگا۔ اے قرب حق کے متوالو تمہارا کام یہ ہے کہ میری اتباع کرو اور مجھ کو حکم ہے کہ واتبع ما یوحی (الخ) اتباع کرو اس کی جو وارد ہو آپ علیہ السلام کے قلب پاک پر ازلی خطاب سے۔ اور جب تم اس خوشبو لذت وصال حاصل کرو تو اسی کے قیام پر صبر کرو۔ اور زیادتی وصل کی خواہش میں اضطراب نہ کرو۔ یہاں تک کہ رب ذوالجلال خود اپنے مشاہدے سے فراق کے پردے ہٹا دے اور اے پیارے حبیب آپ کی بدولت عارفین محبوبین مشاقین اس خوشبو مستانہ سے سرشار ہو کر حجاب کی تکلیف دہ بلاؤں سے بچ جائیں ہمیشہ کے لئے یہ ہے بہترین لذت آفرین فیصلہ اس ذات واحد کی طرف سے جو سب حاکموں سے اچھا حاکم ہے۔ اس طرح کہ تفریق فرماتا ہے اپنے دوست اور دشمن کے درمیان۔ اور ازلی محروموں کی اذیت سے اہل معرفت کو حاصل کر لیتا ہے۔ صوفیاء کے نزدیک اتباع پر صبر یہ ہے کہ نفس وعقل کی تدبیروں سے کنارہ کش ہو جائے اسی سے نفس کی مکاریوں سے نجات اور مخالفت حق کی موت ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ (عرائس۔ بیان۔ مواہب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سورۃ ھود مکی ہے یعنی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی مگر اس کی چار آیات مکی نہیں مدنی ہیں (۱) اقم الصلوۃ طرفی النہار (الخ) (۲) فلعلک تارک بعض ما یوحی الیک (الخ) (۳) اولئک یومنون بہ (الخ) (۴) ان الحسنات یذھبن السیئات (الخ) چونکہ پہلی آیت کا مدنی ہونا مختلف ہے اس لئے حقیقتاً مدنی صرف چار آیات ہیں اس میں کل آیات ایک سو تیس ہیں اور دس رکوع اور ایک ہزار چھ سو کلمات۔ اور نو ہزار پانچ سو سڑسٹھ حروف ہیں۔ اس سورت میں سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ حضرت ھود علیہ السلام کا ذکر ہے اس لئے اس کا نام سورہ ھود رکھا گیا۔ لفظ ھود غیر منصرف ہے عجمی اور علم ہے۔ اس سورت میں قیامت حشر نشر اور عذاب عتاب اور غضب الٰہی کا بہت ذکر ہے۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ صدیق اکبر نے ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اتنی جلدی بوڑھی کس طرح ہو گئے آپ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو سورہ ھود۔ واقعہ مرسلات عم یتساءلون۔ اذا الشمس کورت۔ الحاقۃ اور ھل اتاک حدیث الغاشیۃ نے بوڑھا کر دیا اللہ اکبر کتنا غم ہے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی گنہگار امت کا جس کا ذکر اور نافرمانیوں کی سزا کا تذکرہ ان سورتوں میں آ رہا ہے۔ سورہ ھود میں تین آیتیں منسوخ ہیں پہلی آیت من کان یرید الحیات الدنیا وزینتھا (الخ) اس کی ناسخ سورۃ بنی اسرائیل کی یہ آیت ہے من کانا یرید العاجلۃ (الخ) دوسری آیت وقل للذین لا یومنون اعملوا علی مکانتکم (الخ) اس کی ناسخ آیت جہاد ہے۔ تیسری آیت وانتظروا انا منتظرون (الخ) اس کی ناسخ بھی آیت جہاد ہے واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ ایک روایت ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔

www.alahazratnetwork.org

اٰیَاتُہَا ۱۲۳ ۱۱ سُوْرَۃُ ھُوْدٍ مَّکِّیَّۃٌ ۵۲ رُکُوْعَاتُہَا ۱۰

سورت ہود مکیہ ہے اس میں دس رکوع ایک سو تیئس آیتیں اور ایک ہزار چھ سو کلمے ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

سے نام اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا ہے

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ

یہ کتاب ہے حکمت دی گئی ہیں اس کی آیتیں پھر تفصیل کی گئی سے طرف

یہ ایک کتاب ہے جس کی آیتیں حکمت بھری ہیں پھر تفصیل کی گئیں

حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝۱ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنَّنِيْ لَكُمْ

حکمت والے خبر والے یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ بیشک میں لیے تمہارے

حکمت والے خبردار کی طرف سے کہ بندگی نہ کرو مگر اللہ کی بے شک میں تمہارے لیے اس

مِّنْهُ نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۝۲ وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ

سے اس ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں اور یہ کہ بخشش مانگو تم رب اپنے پھر

کی طرف سے ڈر اور خوشی سنانے والا ہوں اور یہ کہ اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی

تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى

توبہ کرو تم طرف اس کے نفع دے گا وہ تم کو نفع دینا اچھا مدت مقرر

طرف توبہ کرو تمہیں بہت اچھا برتنا دے گا ایک ٹھہرائے وعدے تک

وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ؕ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّيْٓ

اور دے گا ہر والے فضل فضل اس کا اور اگر پھر جاؤ تم پس

اور ہر فضیلت والے اس کا فضل پہنچائے گا اور اگر منہ پھیرو تو میں تم پر

www.alahazratnetwork.org

اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ کَبِیۡرٍ ﴿۳﴾ اِلَی اللّٰہِ مَرۡجِعُکُمۡ

بیشک میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب دن بڑے طرف اللہ لوٹنا ہے تمہارا

بڑے دن کے عذاب کا خوف کرتا ہوں تمہیں اللہ ہی کی طرف

وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿۴﴾

اور وہ پے ہر چیز قادر ہے

پھرنا ہے اور وہ ہر شے پے قادر ہے

تعلق: اس صورت کا پچھلی سورت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی سورت میں علمی اور عقلی بحثوں سے کفار کو سمجھا گیا تھا جس سے زیادہ تر پڑھے لکھوں نے سمجھ حاصل کی اس سورت میں مثالوں سے سمجھایا جا رہا ہے تا کہ کم عقل بھی سمجھ لیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی سورت میں اس نبی علیہ السلام کا ذکر تھا جو غیر قبیلے میں تبلیغ فرمانے آئے اور ان کی قوم ان کے خاندان کے علاوہ تھی اب اس آیت میں اس نبی کا ذکر پاک ہے۔ جو اپنے علاقے سے دوسرے علاقہ عرب میں تبلیغ کرنے تشریف لائے اس طرح کہ قوم سیریا میں پہلی مرتبہ نبی حضرت یونس تشریف لائے اور عرب میں پہلے نبی حضرت ہود مبعوث ہوئے۔ اس مناسبت سے سورۂ یونس کے بعد سورۂ ہود کو ترتیب دیا۔

تیسرا تعلق: سورۂ یونس کے گیارہ رکوعوں میں صداقت وحی پر علمی دلائل اور تاریخی واقعات کا ذکر ہوا جس سے کسی کسی کو سبق اور عبرت حاصل ہوتا ہے۔ یہاں عام مثالیں دے کر دلائل عام فہم پیش کئے گئے۔

چوتھا تعلق: سورۂ یونس میں۔ پیار محبت اور نرم کلام درگذری سے سمجھایا گیا تھا۔ یہاں شدت۔ عتاب اور جھڑک سے سمجھا جا رہا ہے کہ جب نرم کلامی سے منکر کو اثر نہ ہو تو عتاب و سختی ناگریز ہو جاتی ہے۔ اس طرح سورہ یونس کے بعد یہ سورت عین مناسب ہے۔

پانچواں تعلق: سورۂ یونس میں حضرت نوح کا ذکر بہت ہی مختصر اور اجمال کے ساتھ آیا تھا اس صورت میں واقعات نوح علیہ السلام بہت تفصیل کے ساتھ ذکر ہوئے اتنی تفصیل کسی اور جگہ مذکور نہیں ہوئی۔ سورۂ یونس اور سوۂ ھود میں یہ مناسبت بھی ہے کہ اس کے ابتدائی کلمات الر تلک ایات الکتاب الحکیم۔ اور سوۂ ھود کے ابتدائی کلمات الر کتاب احکمت ایتہ۔ معنی سراً مقصداً بالکل ایک جیسے ہیں۔

تفسیر نحوی: الرا اس لفظ کے بارے میں قرا اور علماء نحو کے بہت سے مختلف اقوال ہیں چنانچہ تفسیر روح البیان نے تاویلات سے قول نقل فرمایا کہ الر کا معنی ہے ھذا السورہ۔ یعنی یہ سورت۔ روح المعانی نے سیبویہ اور خلیل نحوی کے حوالے سے

www.alahazratnetwork.org

فرمایا کہ یہ سورت کا نام ہے۔ تنویر المقیاس نے فرمایا۔ الرا کا معنی ہے میں اللہ ہوں دیکھتا ہوں بعض نے کہا یہ قسم ہے۔ اور اس کا معنی ہے۔ اقسم بہ میں قسم کھاتا ہوں۔ تفسیر ابوالليث میں ہے کہ الف سے مراد آلاء رب تعالٰی یعنی نعمتیں اور لام سے مراد لطف اور اس سے مراد ربوبیت خداوندی۔ ان ہی مطالب و معانی کی بنا پر اس لفظ کو مختلف پیرائے سے ترکیب نحوی میں شامل کرلیا ہے چنانچہ امام رازی نے اس کو مبتدا بنایا اور کتب اس کی خبر ہے۔ انوار التنزیل نے کہا یہاں ھذا پوشیدہ ہے مگر یہ سب اختراعی باتیں ہیں صحیح تر یہ ہے کہ یہ حرف مقطعات میں سے ہیں اور اس کا مطلب قول امام حنفیہ کے مطابق مخلوق میں صرف محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم جانتے ہیں۔ کتاب نکرہ ہے اور تنوین تعظیم کی یعنی بہت بڑی کتاب ترکیب نحوی کے اعتبار سے موصوف ہے اور اگلی عبارت اس کی صفت ہے۔ پورا جملہ توصیفی ھذا مبتدا کی خبر ہے۔ یہی زجاج نحوی نے کہا۔ ان کا یہ قول صحیح ہے کہ آلرا مبتدا نہیں بن سکتا۔ اگرچہ ان کی دلیل غلط ہے کہ مبتدا ہونے کی شرط یہ ہے کہ خبر اس میں محصور ہو۔ حالانکہ مبتدا کی یہ شرط نہیں امام رازی نے زجاج کے اس قول کو صرف اسی دلیل کی بنا پر رد کردیا۔ یہ امام رازی کی لغزش ہے۔ کیونکہ دلیل کی غلطی سے اصل قول غلط نہیں ہوسکتا کیونکہ اس کی صحت پر اور بھی دلائل ہیں جن میں سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات ہیں ان کا ترکیب نحوی سے کوئی تعلق نہیں۔ ترکیب شروع ہوتی ہے کتاب سے کتاب کتب سے مشتق ہے۔ اس کے بہت سے معنی ہیں (۱) کتاب بمعنی مکتوب بھی لکھی ہوئی چیز (۲) واجب ولازم قانون (۳) کتاب بمعنی حکم یا زبردست شاہی فرمان یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ احکمت، حکم سے مشتق ہے۔ فعل ماضی مجہول۔ اصول فقہ کے لحاظ سے ظہور کے آخری درجے کو محکم کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ نحاۃ کے نزدیک حقیقتًا ثم تراخی کے لئے آتا ہے تراخی تین قسم کی ہے (۱) تراخی مکان (۲) تراخی زمان او وقت (۳) تراخی حال۔ یہاں تراخی حال مراد ہے (مدارک، کبیر) جیسی کہا جاتا ہے زید امیر ہے پھر سخی بھی ہے۔ فصلت میں دو قرأتیں ایک یہ کہ یہ صیغہ واحد مونث اس کا نائب فاعل کتاب کی ضمیر ہے۔ یہی جمہور قرأت ہے دوسری یہ کہ یہ واحد متکلم کا صیغہ ہے اور اس کا فاعل باری تعالٰی ہے۔ اسی طرح احکمت کی بھی دو قرأتیں ہیں۔ ہر دو قرأت میں باب تفعیل ہے اور فضل سے مشتق ہے بمعنی پورا کھول کر بیان کرنا۔ من حرف جر بیانیہ ہے۔ لدن اسم ظرف مبنی ہے اس کے آخر پر کوئی حرکت نہیں ہوسکتی۔ یہ بالکل ابتداء کے لئے آتا ہے خواہ ابتدا زمانی ہو یا مکانی بخلاف عند اور لدی کے کہ وہ مقصد کے ابتدا کے لئے بھی آجاتے ہیں اور انتہاء وغیرہ کے لئے بھی۔ حکم یا حکمۃ سے مشتق ہے اسی طرح خبیر بھی مبالغہ ہے خبر سے مشتق۔ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ لدن کے مضاف الیہ ہیں۔ بعض نے فرمایا یہ آپس میں موصوف صفت ہو کر مضاف الیہ ہے پھر یہ مکمل عبارت جملہ عاطفہ ہو کر صفت ہے کتاب کی الا تعبدو الا اللہ۔ الا دراصل ان لا تھا یہ ان ناصبہ تعلیلیہ ہے یہ پورا جملہ علت ہے اور پہلا جملہ معلول ہے۔ بعض کا قول ہے کہ ان تفسیر یہ ہے اور مابعد مفسر ہے ماقبل فصلت کا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ علیحدہ جملہ ہے۔ ماقبل سے منقطع ہے۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ اور ان سے پہلے لام جارہ پوشیدہ ہے۔ پوری عبارت لئلا تھی۔ نعبد اعبد مصدر سے مشتق ہے جمع حاضر کا صیغہ ہے۔ فعل نہی کی ممانعت سب انسانوں کو ہے الا بمعنی غیر ہے نہ کہ استثناء کے لئے لفظ اللہ اسم ذاتی ہے۔ تمام صفات

www.alahazratnetwork.org

خصوصیہ وغیر خصوصیہ کا جامع ہے (مناظرہ رشیدیہ ص ۳) صحیح یہ ہے کہ یہ لفظ جامد ہے انی لکم منہ نذیرو بشیر۔ ان محض تاکید کے لئے ہے یاءِ متکلم سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لکم میں لام نفع کا ہے۔ کم ضمیر سے مراد بھی تا قیامت سب انسان ہیں۔ من جارہ ابتداءِ مقصد کے لئے ہے۔ ہ کا مرجع اللہ تعالٰی ہے یہ جار مجرور۔ نذیر و بشیر۔ نکرہ کی صفت ہے تقدم سے حصر کا بھی فائدہ ہوا اور حال کا بھی۔ بعض نے فرمایا من حرف جار میں صلہ کے معنی پیدا ہیں۔ اور ہ کا مرجع یا اللہ تعالٰی ہے یا کتاب۔ نذیر مبالغہ ہے نذر سے مشتق ہے۔ بمعنی یقینی مصیبت سے ڈرانا واؤ عاطفہ ہے۔ بشیر بشر سے مشتق ہے۔ اسی سے ہے بشارت۔ ہر آنے والی اچھی چیز کی اچھی خبر دینا وان استغفروا ربکم واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا عطف الا تعبدوا (الخ) پر ہے۔ یہ جملے کا جملے پر عطف ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معطوف علیہ معطوف کے درمیان فاصلہ اجنبی سے جائز ہے۔ یہ بھی واضح ہوا کہ نفی کا عطف ثبوت پر اور اس کا عکس جائز ہے۔ ان مصدر یہ ہے قواعد نحویہ کے مطابق۔ فعل امر۔ نہی نفی ثبوت سب مضارعوں پر آ سکتا ہے۔ استغفروا امر حاضر غفر سے مشتق ہے۔ لغوی معنی چھپانا ہے۔ یہاں مراد گناہ چھپانا یا بخشا مٹانا ہے۔ باب استفعال میں آ کر طلب کے معنی پیدا ہوئے۔ ربکم۔ رب اسم صفاتی ہے۔ ربوبیت صفت لطف ہے نا کہ قہر۔ کم میں ہر انسان کافر، گنہگار اور نیک شامل ہیں ثم توبوا الیہ ثم حرف عطف تراخی زمانی کے لئے ہے فرا نحوی کہتے ہیں کہ ثم بمعنی واؤ عطف ہے اور عطف تفسیری ہے۔ بعض نے کہا کہ تراخی ربی ہے توبوا توب سے مشتق ہے۔ بمعنی رجوع کرنا۔ امر حاضر کا صیغہ ہے۔ الیہ الی جار انتہا غایت کے لئے ہے اس کا مغیہ ہ ضمیر کا مرجع ذات الٰہی ہے یمتعکم متاعا حسنا الی اجل مسمی ویوت کل ذی فضل فضلہ۔ یمتع باب تفعیل کا مضارع معروف متع سے مشتق ہے بمعنی نفع دینا الا تعبدوا سے توبوا تک تمام امر نہی کے صیغوں کا جواب ہے اور فِ جزائیہ یہاں پوشیدہ ہے۔ جس نے اس کو جزم دے دیا۔ متاعا موصوف ہے حسنا صفت اور مرکب توصیفی ماقبل فعل کا مفعول مطلق ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مفعول بہ ہے اس لئے کہ متاعا خود دنیا کی سامان آسائش کا نام ہوتا ہے۔ الی انتہاء کے لئے ہے اس کا ملتجا اجل بمعنی مدت سے مسمی اسم مفعول ہے وسم یا سمو سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے نام رکھنا یا نشان لگانا۔ یہاں مراد ہے مقرر کی ہوئی مدت جو بھی ہو۔ ویوت واؤ عاطفہ ہے۔ اس کا معطوف الیہ سابقہ فعل یمتعکم ہے یوت دراصل یوتی فعل مضارع معروف تھا۔ عطف کے جزم سے یاء آخری گر گئی۔ اس کا فاعل اللہ تعالٰی ہے یہاں زمانہ مستقبل مراد ہے کل مفعول بہ عموم نوعی کے لئے ہے ذی حالت جر میں ہے اسماء ستہ مکبرہ سے ہے فضل کا مضاف ہے فضل سے مراد ثواب ہے ہ کا مرجع یا تو ذی فضل ہے تب دونوں فضل سے مراد ثواب ہے یا اس کا مرجع پہلا فضل ہے تب پہلے فضل سے مراد نیکی اور دوسرے سے مراد ثواب یا اس کا مرجع اللہ ہے تب بھی دونوں فضل سے ثواب مراد ہو سکتا ہے۔ فضل نکرہ ہے حالت جری میں اضافت کی وجہ سے ہے۔ فضلہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ اس کا عامل، یوت ہے یہ پوری عبارت ویوت کل سے۔ قضیہ موجبہ کلیہ تقیدیہ ہے وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ واؤ سر جملہ ان حرف شرط تولوا فعل ماضی مطلق معروف ولو سے مشتق ہے۔ بعض کے نزدیک جمہور نحاۃ کہتے ہیں کہ ولی سے مشتق ہے۔ باب تفعل ہے اور یہاں سلبی معنی پیدا ہیں۔ یعنی ولی کے معنی ہیں اچھی دوستی لگانا۔ تولی کے معنی دوستی چھوڑنا۔

www.alahazratnetwork.org

باب تفعل کی چھ خصوصیات میں سے ایک سلب ہے۔ وہی یہاں ہے فانی میں ف جزائیہ ہے۔ ان نے تاکید بتائی یاء متکلم کا مرجع رحمت عالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اخاف متکلم مضارع خوف سے بنا ہے خوف کے معنی خوف کرنا یا خوف دلانا یہاں دونوں بن سکتے ہیں علیکم علی حرف جار مخالفت کے معنی میں ہے۔ یعنی تمہارے حق میں وہ نہیں ہے۔ کم سے مراد مخاطب کافر ہیں۔ عذاب سے مراد سزاء اخروی ہے مفعول بہ ہے اخاف کا۔ یوم کبیر موصوف صفت ہیں۔ کبیر مبالغے نے بتایا کہ ہمیشہ بڑا رہنے والا دن ہے۔ الی اللہ مرجعکم۔ الیٰ بیان انتہا کے لئے ہے یہ جملہ علت یا سبب ہے انی اخاف کا یہ انتہاء زمانی کے لئے ہے نہ کہ مکانی۔ کیونکہ اللہ کریم انتہاء مکانی سے پاک ہے۔ مرجع جیم کے فتح سے اسم ظرف ہوتا ہے۔ اور جیم کے زیر سے۔ مصدر میمی ہے یہاں یہی مراد ہے کم سے مراد کفار ہیں وھو علی کل شی ء قدیر۔ واؤ حالیہ ہے سر جملہ بھی ہو سکتا ہے ھو ضمیر واحد کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ علی جارہ فوقیت کے لئے ہے۔ قضیہ موجبہ کلیہ ہے۔ کل بحالت جر ایجاب کا سور ہے شی ء بمعنی مشیت ہے۔ قدیر صیغہ صفت مشبہ ہے یعنی ہمیشہ قدرت وطاقت والا۔ خبر ہے ھو مبتدا کی۔

تفسیر عالمانہ: الرا۔ اس کا مطلب اللہ تعالیٰ نے صرف اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے الرحمن علم القران۔ رحمٰن نے قرآن پاک سکھایا القرآن استغراقی الف لام ہونے کی وجہ سے لازمی بات ہے کہ پورا قرآن پاک سکھایا اور پورے میں تو یہ حروف مقطعات بھی ہیں پس ثابت ہوا کہ ان کا علم بھی اپنے رسول مکرم کو بتا دیا ورنہ نزول باطل ہو جاتا کتاب احکمت ایتہ ثم فصلت من لدن حکیم خبیر۔ یہ ایسی شان والی کتاب ہے کہ منظم ومضبوط کر دی گئیں اس کی تمام آیتیں پھر مکمل تفصیل کی گئی حکمت والے خبر والے کی جانب سے کتاب سے مراد قرآن پاک کیونکہ اس پر دو پیش (تنوین) تعظیم کے لئے ہیں۔ یعنی بڑی جامع مانع کتاب ہر لحاظ سے مکمل ومعظم کتاب بجز قرآن کریم کوئی نہیں ہوئی۔ لفظ احکمت میں دو قرأتیں ہیں پہلی جمہوری قرأت تو یہی ہمزہ مضمومہ کے ساتھ ہے۔ اس اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک کی آیات کی چار خصوصی شانیں ہیں پہلی یہ کہ اس کی تمام آیات شاندار منظم اور بہترین ترتیب کے ساتھ نازل ہوئیں دوسری یہ کہ صحابہ کرام نے خصوصاً خلفاء راشدین کا مسلمانوں پر احسان عظیم ہے کہ قرآن پاک کو اسی ترتیب کے ساتھ لکھا جس ترتیب سے عرش اعظم پر قرآن مجید لکھا ہوا ہے۔ یہی وہ ترتیب ہے جس کا احترام نماز اور بیرون نماز کرنا واجب ہے۔ تیسری شان محکم ہونے کی یہ ہے کہ قرآن پاک کی کوئی آیت۔ سورت۔ بلکہ الفاظ وحروف بھی بے جوڑ و بے تعلق نہیں جس طرح کہ ہم اپنی اس تفسیر میں ہر آیت کے تحت تعلقات میں بیان کر دیتے ہیں۔ چوتھی شان خصوصی یہ ہے کہ قرآن پاک کا قانون۔ شریعت۔ مضمون۔ عبارت اتنے اٹل۔ مضبوط ومحکم ہیں کہ تا قیامت کوئی انسان۔ کوئی کتاب۔ کوئی حکمت۔ اس کے ایک حرف یا ایک چھوٹے اور معمولی استحبابی قانون کو بھی منسوخ یا ختم نہیں کر سکتی۔ بخلاف انجیل، زبور، توریت، اور دیگر کتب کے کہ وہ سب ختم ہو گئیں اور ان کی شریعتیں منسوخ کر دی گئیں۔ پانچویں شان۔ محکم ہونے کی اس طرح ہے کہ اس کتاب کو عطا کرنے والا اپنی توحید میں اور لینے والا اپنی محبوبیت۔ نبوت۔ رسالت میں، محکم ولازوال ہے کہ جب تک وحدہ لاشریک اللہ کی توحید باقی ہے اس وقت تک پیارے آقا کی محبوبیت ونبوت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قرآن مجید۔ محکم۔ چھٹی شان یہ

www.alahazratnetwork.org

ہے کہ کسی آیت کا اپنے مابعد قبل کوئی تناقض یا ٹکراؤ و مخالفت نہیں۔ ایسی کمال فصاحت و بلاغت ہے کہ جس کی کائنات دھر میں مثال نہیں ملتی آیاتہ جمع ہے آیت کی بمعنی نشانی یہاں مراد ہے قرآن مجید۔ کے فصیح الفاظ و مضامین و قصص یا احکام یا صفات علم ادب کے لحاظ سے آیت صرف اس کلام کو کہا جاتا ہے جو فصاحت میں کمال کے درجے کو پہنچا ہو۔ وضمیر کی نسبت نے ثابت کر دیا کہ منزل فصاحت میں کمال کے درجے پر صرف رب العالمین کا ہی کلام ہے ثم کی تراخی جیسے کہ پہلے بیان ہوا ن ہ مکانی نہ زمانی بلکہ حالی ہے۔ یعنی دنیا بھر کے فصاحت و بلاغت اور علم کلام کے دعویدارو اور ملکہ خطاب و تصنیف رکھنے والو۔ تمہارے کلاموں خطابوں میں بیک وقت فقط ایک ایک شان اجاگر ہوتی ہے۔ مگر یہاں عظمت کتاب تو دیکھو کہ ہر آیت کے محکم ہونے کے ساتھ ساتھ فصلت ایسی مکمل تفصیل ہے کہ یہیں شریعت ہے یہیں طریقت۔ یہیں حقیقت ہے یہیں معرفت یہیں توحید ہے یہیں رسالت۔ یہیں علم بدیہی ہے جیسے قصص الانبیاء اور الفاظ قرآن کریم اور یہیں علم نظری ہے۔ جیسے اسرار قرآن معرفت الٰہیہ اور ملائکہ اور حقیقت محمدیہ یہیں علوم عملیہ ہیں۔ جیسے عبادات و ریاضات۔ یہیں علوم علویہ۔ اور پھر ایسی تفصیل ہوئی کہ صورت۔ سورت۔ آیت کی خوشبو علیحدہ ہوگئی۔ تفصیل کا یہ انداز ہ بھی کتنا حسین ہے کہ آیات قرآنیہ کا نزول مختلف ضروریات و موقعوں پر ہوتا ہے جس سے آیت منزلہ کے بہت سے مطالب کی تفصیل صرف نزول سے ہی سمجھ آ جاتی ہے۔ پھر طریقہ نول کو بجائے تحریر کے زبانی اور الفاظی شکل میں اختیار فرمانے سے کتنی بہترین تفصیل ہو جاتی ہے کہ بہت سے مقصد و معانی صرف طرز گفتگو سے سمجھ لئے جاتے ہیں یہ ہے وہ انوکھی تفصیل جو کسی اور کتاب یا تصنیف میں نہیں۔ یہ خصوصی شان صرف اس لئے ہے کہ من لدن حکیم خبیر ۔حکمت والے خبر والے اللہ کریم کی جانب سی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ تھوڑے الفاظ میں حلال حرام۔ ترغیب و ترھیب۔ امر نہی و عدو عید۔ مواعظ و نصائح۔ نذارت و بشارت۔ نشانات و عجائبات القاب و خطابات کے بحر بے کراں سمو دیے ہیں۔ اور حق ، باطل کا اس طرح فرق کیا کہ کوئی لہر کسی بحر سے نہیں ٹکراتی۔ صاحب کشاف نے فرمایا کہ یہ احکمت اور فصلت متکلم کے صیغے سے ہیں مگر یہ درست نہیں الا تعبد الا اللہ ۔ یہ تفصیل اس لئے کی گئی کہ تم اے دنیا والو اسی حکیم خبیر اللہ کی عبادت کرو۔ کسی اور کی طرف مت جھکو۔ اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تفصیل آیات یہ ہے کہ تم نہ عبادت کرو مگر اللہ جل جلالہ کی۔ رہا میرا سوال تو یاد رکھو کہ انی لکم منہ نذیر و بشیر ۔ اے قیامت تک کے انسانوں بے شک میں تم سب کو اپنے اللہ کی طرف سے ڈرانے والا ہوں اور خوش خبری دینے والا ہوں تم جہاں کہیں بھی رہو غاروں، صحراؤں بستیوں، دریاؤں میں مجھ کو معلوم ہے کہ تم میں سے کون ڈرائے جانے کے لائق ہے اور کون خوشخبری پانے کے لائق۔ میں اپنی رب کی طرف سے ایسا غیب دان با اختیار خبر والا اور مشاہد والا نذیر ہوں جانتا ہوں کہ جو کفر پر رہے گا اس کے لئے نذیر ہوں عذاب آخرت سے اور جو مومن متقی بن جائے اس کے لئے بشیر ہوں دنیا میں عزت و سکون کی بشارت اور آخری وقت خوشنودی باری تعالیٰ کی خوشخبری آخرت میں ثواب لازوال کی خوشخبری۔ لہٰذا بہتر اور فائدہ مند یہی ہے کہ بندے بن جاؤ ان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ اپنے پچھلے کفر اور گناہوں کی بخشش مانگو اپنے پالنے والے سے پھر ہر برے کام سے ہٹ کر اس کی طرف لوٹ جاؤ۔ یا اس طرح کہ شرک و کفر سے استغفار کرو اور گناہوں سے توبہ۔ یا اس طرح کہ رب سے

www.alahazratnetwork.org

بخشش مانگو اس کا طریقہ یہ ہے کہ توبہ کرو۔ اس صورت میں ثم واؤ تفسیر یہ کے معنی میں ہوگا۔ اور یا اس طرح کہ شرک اور گناہوں اور اعمال باطلہ سے بخشش مانگو پھر توبہ یعنی راہ نجات پر چلنے اور قائم دائم رہنے کی توفیق طلب کرو۔ فرا نے کہا کہ ثم بمعنی عاطفہ واؤ محض تاکید کے لئے ہے۔ استغفار اور توبہ ان کے نزدیک ہم معنی ہے۔ ربکم فرما کر صفت ربوبیت کا اظہار مقصود ہے۔ جس سے عظیم شفقت رحم کرم ثابت ہوتا ہے کہ اے بندو اس سے بخشش مانگو۔ اور اسی کے دین کی طرف لگ جاؤ اور اس کے ایسے بن جاؤ کہ اسی کا بولنا بولو۔ اسی کا کہنا سنو اسی کے دین کو شعار زندگی بنالو اس لئے کہ وہ ایسا کریم ہے کہ اس نے عالم ارواح و شکم مادر میں تمہاری ربوبیت فرمائی اور جب تم دنیا میں پیدا ہوئے تو تم دنیا میں کیسے بھی بن جاؤ۔ کافر یا مسلمان۔ فرماں بردار وہ اللہ یمتعکم متاعا الی اجل مسمی۔ ہر حال میں ہر قسم کا نفع عطا فرماتا ہے تم کو بے شمار نفع کی مقررہ مدت تک۔ علماء کرام فرماتے ہیں نفع تین قسم کا ہے (۱) نفع للدنیا۔ یہ صرف کفار کو عطا ہوتا ہے کہ وہ ہر قسم کی عیاشی کر لیتا ہے۔ مگر آخرت کے دروازے اس پر بند ہوتے ہیں (۲) نفع فی الدنیا یہ متقی مومن کو دنیاوی ساز و سامان سے میسر ہوتا ہے۔ اس طرح کہ وہ اپنی عبادت اخلاص تقوی اور سچی نیت سے دنیا کو بھی دین بنالیتا ہے اور اس متاع فانی کو باقی بنالیتا ہے۔ اس کے لئے پھر الی اجل کی قیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ ان دو نفعوں کا ذکر یہاں ہوا تیسرا نفع اخروی اس کا ذکر اگلی عبارت میں ارشاد ہوا ویوت کل ذی فضل فضلہ۔ اور عطا فرمائے گا ہر فضل والے کو اس کا فضل یا اس طرح کہ دنیا میں اس بندے مومن نے اپنے دن رات کو اللہ کے لئے وقف کر دیا۔ تو اللہ نے اس کے تھوڑے معمولی عمل میں اتنی برکت فرمائی کہ دنیا اس کو راحت قلبی میسر آئی۔ اور اس کا متاع قلیل اس کے لئے حقیقی فضل اعمال کی بدولت آخرت کا ثواب جنت کی نعمتیں عطا فرمائے گا جو صرف مومن کا حصہ فضل۔ یا اس طرح کہ متاع تو کسی چیز کا بدلہ بن سکتا ہے مگر فضل صرف کرم پر موقوف ہے بلا معاوضہ۔ یہ صرف پیاروں کو دیا جاتا ہے۔ نافرمان کفار کا اس میں کوئی حق نہیں یا اس طرح کہ صاحب عقل کو دنیاوی اعمال اخلاق و کمالات دیئے جاتے ہیں جس سے اچھا نفع پاتا ہے اور صاحب شعور کو کمالات روحانیہ عطا فرماتا ہے جو محض رب کریم کا فضل ہے۔ وان تولوا فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر۔ اور اگر تم نے اپنے رب سے دوستی نہ لگائی منہ پھیر لیا تو بے شک میں اندیشہ کرتا ہوں تم نافرمانوں پر بڑے دن کے عذاب کا۔ یعنی اے لوگو اگر تم نے میرے یہ حکم (۱) عبادت الٰہیہ (۲) استغفار (۳) اور توبہ حقیقیہ نہ مانے اور میرے دین سے منہ پھیرا تو تم کو اب رب تعالیٰ کا سخت عذاب ضرور پکڑے گا۔ میں اپنی رحم دلی اور کریم طبیعت کی بنا پر تمہاری مصیبتوں سے اندیشناک بھی ہوں اور غمگین بھی۔ اور پھر وہ عذاب آج دنیا میں نہ ہوگا کہ یہ تو معمولی ہے۔ ڈھلتی دھوپ ہے۔ اترتی چاندنی ہے۔ راہ سفر ہے۔ روز زیست کا آخری حصہ ہے۔ موت کی شام ہونے والی ہے۔ وہ عذاب تو یوم کبیر کو ہوگا۔ جو بہت ہی بڑا ہے جس کا اول ہے آخر نہیں۔ ابتداء ہے انتہاء نہیں (اے میرے کریم رب اپنے حبیب کے صدقے ہم سب مسلمانوں کو اس عذاب سے بچا۔ مجھ کو اور میری اولاد میری بیوی بہنوں بھائی کو بھی) بعض نے فرمایا کہ یہاں دنیا کی قحط سالی آفات و بلیات اور ذلت و خواری مراد ہے (کبیر، معانی، بیان) اے کافرو۔ یہ عذاب یقینی ہونے والا ہے اس سے بھاگ نہیں سکتے۔ کیونکہ الی اللہ مرجعکم اللہ کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے۔ الی اللہ

www.alahazratnetwork.org

کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا یعنی اور کسی طرف بھی نہیں جا سکتے۔ دنیا میں ہزاروں مفر ہوتے ہیں ہزاروں بچنے کے ذریعے لاکھوں حصول آرام کے واسطے ہوتے ہیں حق و باطل جدھر سینگ سمائیں انسان چلا جاتا ہے لیکن وہ دن ایسا ہے کہ خوشی سے ہو یا ناخوشی سے پیشی اسی کے حضور ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جو ہنستا خوش ہوتا ہے اس کی بارگاہ میں جائے حدیث پاک میں آتا ہے کہ رب کا ارشاد ہے جو ایک بالشت میری جانب بڑھتا ہے۔ میں دو بالشت اس کی جانب آتا ہوں (اربعہ تفاسیر) اور تم میں سے کوئی یہ بھی گمان نہ کرے کہ کوئی اس کے عذاب سے جبراً تم کو چھڑا سکے یا وہ عذاب نہ دے سکے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہ نافرمانوں کو پوری سزا دے گا اس لئے کہ وھو علی کل شیء قدیر۔ اور وہ اللہ اپنی ہر مشیت اور ارادے پر قادر ہے۔ اور یہ قدرت دنیا میں بھی ہے آخرت میں بھی اول سے آخر تک ازل سے ابد تک قدیم ہے۔ وہ قادر ہے کہ اپنے پیاروں کو انعامات سے اور دشمنوں نافرمانوں بدکاروں کو عذاب سے نوازے۔ وہی بدیع ہے متصرف فی الخلق ہے وہی مدبر تدبیر ہے نہ اس کی قضا کو کوئی دفع کرنے والا ہے نہ اس کی مشیت کو کوئی روکنے والا۔ پس سوچ لو کہ جب بندہ اتنا کمزور و حقیر ہو۔ اور مولیٰ اتنا قوی و قدیر ہو تو بندے کو کیا کرنا چاہئے اے میرے اللہ مجھ کو اور میری ذریت نسبت کو اپنے حصوں میں سچے سجدے کی توفیق عطا فرما و اللہ و رسولہ اعلم۔

فائدے: اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قوانین اسلامیہ ہر دور میں ہر انسان کے لئے یکساں مفید ہیں اور بہت آسان ہیں یہ جو بعض جہلا کہہ دیتے ہیں کہ معاذ اللہ اسلام پر پورا عمل نہیں کیا جا سکتا وہ قطعاً غلط ہے۔ یہ فائدہ حکمت کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر بہت محبت فرمانے والے ہیں۔ بلکہ غیر مسلموں اور کفار پر بھی شفقت فرماتے ہیں آپ ﷺ کو کسی انسان کی تکلیف گوارا نہیں انسانی ہمدردی آپ ﷺ کے قلب پاک میں بدرجہ اتم موجود ہے انگریز عیسائی یہودی یہ کہتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا (معاذ اللہ) وہ حقیقت کے خلاف محض اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں جھوٹا پرچار کرتے ہیں۔

اعتراضات: اس آیت کریمہ پر چند اعتراض وارد کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں تو فرمایا گیا کتاب حکمت۔ یہ کتاب محکم ناقابل نسخ ہے حالانکہ قرآن کریم میں کل دو سو بارہ آیتیں منسوخ ہیں جن میں سے بعض کو خود قرآن کریم نے منسوخ فرمایا اور کچھ آیات کو حدیث پاک نے۔ پھر محکم ہونا کس طرح ہوا۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ محکم ہونے کا مطلب ہے کوئی انسان یا کتاب اس طرح منسوخ نہیں کر سکتی کہ یہ شریعت ختم ہو جائے اس کی جگہ دوسری آ جائے جیسے کہ توریت و زبور سے ہوا۔ خود قرآن پاک یا حدیث پاک کا کسی آیت کو منسوخ کرنا۔ اس مطلب کے خلاف نہیں۔ اس طرح یہ محکم اور اس کا قانون تا قیامت اٹل اور آخری ہے۔ دوسرا جواب تفسیر کبیر نے دیا کہ زیادہ آیات غیر منسوخ ہیں بہت تھوڑی منسوخ ہیں پس للاکثر حکم الکل کے قاعدے سے گویا کہ یہ سب

www.alahazratnetwork.org

ہی محکم ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ محکم سے مراد آیات صفات و قصص و عدل و خبر ہیں۔ یہ ہرگز منسوخ نہیں ہو سکتیں۔ پہلا جواب قوی ہے واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا اعتراض: حدیث پاک میں نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ دنیا مومن کے لئے قید خانہ ہے اور کافر کے لئے جنت ہے۔ دوسری حدیث حسن میں ہے انبیاء کرام کو سب سے زیادہ تکلیفیں آتی ہیں۔ پھر اولیاء اللہ کو پھر عام مومنوں کو درجہ بدرجہ۔ اسی طرح قرآن کریم میں ہے کہ اگر نہ ہوتی یہ بات کہ لوگ ایک امت ہیں تو ہم ان لوگوں کے لئے جو رحمٰن کے کافر ہوئے ان کے گھروں کی چھتوں کو چاندی کا بنا دیتے ان احادیث و آیات سے تو ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے خاص فرماں بردار بندے دنیا میں مصیبتوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ مگر یہاں بتایا جا رہا ہے کہ متاعاً حسناً یعنی دنیا کی راحت و آرام سے نوازا جاتا ہے۔ آپس میں تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے۔

جواب: یہ بات تفسیر عالمانہ میں بھی بتا دی گئی یہاں بھی اور سمجھ لو کہ کافر کا متاع حسن دنیا کا ساز و سامان ہے۔ اس کو وہ دیا جاتا ہے۔ مگر مومن کا متاع حسن دنیاوی ساز و سامان نہیں بلکہ ذکر الٰہی عشق نبی محبت خداوندی۔ نماز روزے کی لذت۔ کیونکہ جس سے جس کو راحت اور آرام سکون حاصل ہو وہی اس کا متاع حسن ہے۔ اولیاء اللہ اور مومن کامل تو کل علی اللہ اتنا پختہ ہوتا ہے کہ اس کو نہ دنیا کے جانے کا غم ہوتا ہے نہ آنے کا سرور۔ وہ اپنے ہی حال میں مست و مسرور رہتا ہے دنیا داروں کی طرح دنیا کے لئے مضطرب پریشان نہیں ہوتا۔ یہ سکون قلبی ہی اس کے لئے متاع حسن ہے۔ اسی کا نام حب اللہ ہے۔ اسی سے بندے کو حیات طیبہ میسر ہوتی ہے۔ (کبیر)

تیسرا اعتراض: اس آیت میں لفظ اجل مسمّی سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کی دو موتیں ہیں کہ اگر نیک ہو تو اس وقت ہوگی اور اگر بد ہو تو اس وقت (معتزلی)

جواب: یہ غلط ہے ہرگز اس آیت سے ثابت نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ازل میں ہر انسان کا زندگی و موت کا فیصلہ فرمایا ہے۔ کہ فلاں نیک کتنا عرصہ زندہ رہے گا اور فلاں بد کب تک تو دو قسم کی زندگی دو قسموں کے شخصوں کی حیثیت سے ہے نہ کہ ایک شخص کی دو زندگی (کبیر)

چوتھا اعتراض: منافع دنیا کا نام متاع کیوں رکھا گیا اور منفعت اخروی کو فضل کیوں فرمایا گیا

جواب: اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ دنیا کی بڑی سے بڑی دولت حقیقۃً حقیر ذلیل خسیس ہے کیونکہ قابل فنا ہے دولت اخروی باقی ہے اور بے حد و بے شمار ہے۔ اس لئے اس کو فضل فرمایا گیا۔ (تفسیر کبیر)

پانچواں اعتراض: استغفار کو مقدم کیا گیا اور توبہ کو موخر اس میں کیا حکمت ہے۔ حالانکہ توبہ مقدم ہونی چاہئے استغفار پر۔

جواب: اس کے تین جواب۔ پہلا یہ کہ استغفار میں طلب فعل ہے کیونکہ باب استفعال سے ہے۔ اور توبہ میں بندے کا اپنا فعل ہے۔ پس اللہ کی مدد و توفیق مقدم ہونا ضروری ہے۔ بعد میں بندے کا عمل ہو سکتا ہے۔ اللہ کی امداد کے بغیر کچھ نہیں ہو

www.alahazratnetwork.org

سکتا اسی لئے یہاں استغفار میں شرک کفر کی گندگی سے نجات حاصل کرنا ہے اور توبہ میں رجوع الی اللہ ہے۔ استغفار کے مقدم کرنے میں اس حکمت کی طرف اشارہ ہے کہ پہلے پاک وستھرے ہو جاؤ پھر اللہ کی بارگاہ میں اطاعت کرتے ہوئے جاؤ۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ بقول فراء نحوی ثم تراخی کے لئے نہیں باقی بلکہ یہاں بمعنی واؤ عاطفہ ہے۔ اس قول سے اعتراض بالکل ختم ہو جاتا ہے (اسئلۃ الرازی ص ۱۳۳)

چھٹا اعتراض: جب کہ بغیر استغفار اور بغیر توبہ بھی متاع دنیا مل جاتی ہے۔ اور فاسق و کافر دنیاوی ساز و سامان کی وسعت اور درازیٔ عمر صحت وغیرہ حاصل کر لیتا ہے۔ جیسا کہ ابن عباسؓ اور ابن قتیبہؒ نے فرمایا۔ تو استغفار اور توبہ کا کیا فائدہ اور یہاں کیوں فرمایا گیا کہ توبہ استغفار سے متاع حسن ملے گا۔

جواب: اس کا ایک جواب تو ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کر دیا کہ توبہ استغفار متاع حسن کا سبب نہیں بلکہ توبہ الی اللہ کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ کیوں اللہ کی طرف جاؤ؟ اس لئے کہ وہ تمہارا محسن ہے تم سب کو متاع حسن عطا فرماتا ہے۔ دوسرا جواب مسائل الرازی ص ۱۳۳ پر اس طرح یاد ہے کہ جمہور صحابہ و محققین فرماتے ہیں کہ سچا متاع حسن اور اصل نفع استغفار اور توبہ سے ہی ملتا ہے۔ وہ رزق حلال ہے جو صرف مستغفر تائب اور متقی کر دیا جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ: تمام اولیات ازلیہ لائق ہیں اسی ذات الٰہیہ کو جو تمام لوازمات عبودیت کو پیدا کرنے والا ہے ازل سے واجب لازم ہیں اھل عبودیت پر ان اولین احکام کی اطاعت یہی اشارہ ہے الف اور لام سے ایسے ہی لازمی اطاعت کرنے والوں کو مشاہدہ ذات سے راحت۔ ہے یہ اشارہ را سے۔ تاویلات نجمیہ نے فرمایا۔ الف سے اشارہ ہے۔ اللہ جو شائقین ذات کو مشاہدہ جمال سے نوازنے والا ہے اور مراد لام سے جبریل عشق ہیں جو واسطہ خالق و مخلوق ہیں (۲) را سے مراد رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی طفیل و برکت جمال یار کا آئینہ ہے۔ مگر یہ سب صوفیانہ اشارات ہیں۔ ان کی حقیقت رسول پاک ہی جانتے ہیں کہ وہی کائنات دھر میں اللہ کی مکمل کتاب ہیں۔ بعض نے فرمایا کتاب قلب محمد مصطفیٰ ہے۔ جس پر عظمت کی تو ین جلال الٰہیہ کا مظہر اتم ہے احکمت ایتہ اس کتاب قلب پاک کی آیات یعنی معجزات حقائق اور صفات قدسیہ۔ معانی و اسرار و لطائف باطنیہ کو اتنا محکم و مضبوط بنایا کہ ابد تک مشتاق الٰہیہ سیراب ہوتے رہیں۔ اور عالم کلیات میں اس طرح ہمیشہ ثابت قدم رہیں کہ نہ ماحول سے تبدیلی نہ زمانے سے تغیر نہ طوفانوں کی یلغار سے پاء ثبات میں لغزش نہ اغیار کی سازشوں سے کچھ فساد محکم اس شان کا کہ ہر نقص و آفت سے محفوظ (دین عربی۔ عرائس) ثم فصلت۔ باطن ایسا تھا کہ عالم کل میں شان ایت اللہ بن کر جلوہ گر ہوا۔ اور ظاہر ایسا ہے کہ عالم جزئی میں اور کائنات ماکان و ما یکون کی جزی جز میں قدر معلوم و معین سے قلوب عارفین کی تفصیل کے لئے سمایا ہو (ابن عربی) روح عارف و قلب شائق میں ایسا تفصیل کیا گیا کہ ہر گل میں ہر شجر میں محمد کا نور ہے۔ یہ تفصیل اھل مشاہد و صاحب مکاشفہ کیلئے ہے تا کہ وہ احکام ربوبیت و عبودیت کو انوار حق کی کرنوں سے دیکھ کر عبادت الٰہی کی چاشنی حاصل کریں۔ یہی وجہ ہے لذت ذکر و عبادت صحابہ کی ہوئی وہ لذات اولیاء غوث و قطب بلکہ قطب الاقطاب کو نہیں مل سکتی۔ کیونکہ ان کی عبادت جمال جہاں آرا کی کرنوں سے چھن چھن کر گزرتی تھی من لدن حکیم

www.alahazratnetwork.org

خبیر یہ کتاب۔ آیات اور تفصیل کلام ازلی سے ہے۔ جس کا متکلم قدیم۔ اپنی معرفت وحکمت سے عرفان کے لئے ذات محمد علیہ السلام کو مصطفیٰ بنانے میں حکیم ہے۔ اور محبین کو عبودیت کی محبت کے وصف سے ان کی ہمت واستعداد کے مطابق مدارج قبولیت عطا فرمانے میں خبیر ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ قلب پاک محمد مصطفیٰ میں اسرار کی امانت رکھنے میں حکیم ہے اور اس کی تفصیل سے تعلیم دینے میں خبیر ہے۔ ایسا حکیم وخبیر کہ اس سے زیادہ شان والی تفصیل کوئی نہ کر سکے۔ اور ایسی تفصیل جو تقدیر۔ توقیت تدبیر وترتیب کے مدارج اعلیٰ پر ہے لہٰذا اے اسرار سرمدی کے طالبو الا تعبدوا الا اللہ شیطان۔ دنیا، ہوائے نفس اور ماسوا اللہ کی عبادت نہ کرو۔ کہ نہ زبان نطق سے نہ زبان حال سے دلالت غیریت ہونہ کردار سے۔ اور اس معبود حقیقی کی عبادت میں غیر اللہ کی طرف قطعاً توجہ نہ کرو۔ اگر تم نے ایسا کوئی انی لکم منہ نذیر میں اس کے فراق اور قبض کے بڑے قہر سے تم کو ڈرانے والا ہوں اور منزل شوق پر رواں دواں کو وصل الٰہی کے لطائف کی خوشخبری دینے والا ہوں۔ گویا کہ محرومین کے لئے فراق ابدی کا نذیر ہوں اور اہل شعور کے لئے وصل دوام کا بشیر ہوں۔ میں نشان قدرت ہوں اسی کی طرف سے جو حکیم وخبیر ہے۔ شرک جلی وخفی کا نذیر ہوں اور ثواب توحید کا بشیر ہوں۔ پھر حکم فرمایا مشاہدے کے خواہش والوں کو اور وصال پر فکر کرنے والوں کو طلب غیر سے نیت استغفار کرنے والوں کو اور اس کے قہر سے ہٹ کر لطف کی طرف رجوع چاہنے والوں کو۔ اور خواہشات کنارہ کر کے ارادہ اتباع حقیقہ کرنے والوں کہ وان استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ۔ بخشش مانگو راہ اسرار میں کوتاہیوں کی پھر توبہ کرو طلب انوار کے لئے۔ یا بخشش مانگو عمر کے ان دنوں کی جو طلب غیر اللہ وترک طلب اللہ میں گذرے۔ یا استغفار کرو ذلت سے اور توبہ کرو غفلت سے۔ کیونکہ۔ استغفار تقدیس ہے اور توبہ تخلیص کہا عرائس نے کہ حضرت سہل بن عبداللہ تستری سے کسی طالب مولیٰ نے پوچھا کہ وصل باللہ کا طریقہ کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ وصل الٰہی کے چار منازل ہیں۔ پہلا اجابت دوسرا انابت۔ تیسرا توجہ چوتھا استغفار۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ استغفار ظاہری قالب سے اور انابت قلب سے ہوتی ہے اور استغفار تقصیرات کی ہمیشگی توبہ ہے امام یوسف نے فرمایا۔ استغفار تین قسم کی (۱) عوام کی گناہوں سے (۲) خواص کی ظاہر پر نظر رکھنے اور توجہ باطنی کے چھوڑنے سے (۳) اکابر کی ماسوائی اللہ کو دیکھنے سے۔ عارفین کی استغفار اس سے بھی وراء ہے کہ وجود حق کے ساتھ اپنے وجود کے یال سے بھی استغفار کرتے ہیں جب بندۂ کامل اس طرح کی استغفار سے پاک منزہ ہو جاتا ہے تو یمتعکم متاعا حسنا نفع دے گا تم کو اچھا نفع کہ مقامات سفلیہ سے مدارج علویہ کی طرف ترقی ہوگی اور مدارج علویہ سے بارگاہ علی الکبیر میں باریابی نصیب ہوگی جو بہت خوش بختی کا مقام ہے کہ وہیں سے انوار توحید صفائی احوال حلاوۃ اذکار فرحت رضوان ظہور لطائف لذت اذکار۔ عیش مشاہدہ ذات ہے اور اس سے بھی سوا ویوت کل ذی فضل فضلہ۔ اور عطائے فرمائے گا ہر مجاہدے والے کو بقدر ہمت طلب کرامات فضل وعنایات ازل کہ متاع حسن تو راہ سلوک کے حصہ ہیں اور سالک کا زاد سفر اور وصول رب کی ابتداء۔ اس لئے وہ اجل مسمی مگر فضل کی اجلی کچھ نہیں۔ ہاں اے منزل عشق کے راہ نوردو یہ مقام صبر وہمت ہے۔ وان تولوا اور اگر طلب وصل سے ہمت ہار کر یا وسوسہ نفسانی کی وجہ سے منہ پھیر دیا اور سیر الی اللہ سے ہٹ گئے فانی اخاف علیکم عذاب یوم کبیر تو میں خوف کرتا ہوں تمہاری روانی ہلاکت کا

www.alahazratnetwork.org

فراق اور قبض اور ظلمات حجاب کے نابرداشت ہونے والے دن کے عذاب سے۔ نافرمانی کی صورت میں تم اس عذاب سے بچ نہیں سکتے کیونکہ الی اللہ مرجعکم اللہ ہی کی طرف ہے تم محروم و منصور کی آخری منزل۔ خوشی سے جاؤ یا ناراضی سے۔ خوش جانے والا کامیاب و کامران ہے۔ جبراً گھسیٹا جانے والا خائب و خاسر ہے۔ پھر تم مجبور و بے کس ہو گئے وھو علی کل شیء قدیر حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ ہر لطف و قہر پر قدر و قہر پر قادر ہے کہ سب دانش مندیاں، عقلیں۔ تدبیریں اس کے مقابل ہیچ ہیں۔

اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ
خبردار بیشک وہ لوگ دوہرے کرتے ہیں سینوں کو اپنے تاکہ پردہ کریں وہ سے اس
سنو وہ اپنے سینے دوہرے کرتے ہیں کہ اللہ سے پردہ کریں
اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
خبردار جس وقت ڈھانپتے ہیں کپڑوں سے خود کو جانتا ہے اس کو جو چھپاتے ہیں
سنو جس وقت وہ اپنے کپڑوں سے سارا بدن ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی اللہ انکا
وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝
اور اس کو جو ظاہر کرتے ہیں تحقیق وہ جاننے والا ہے کو سینوں والی
چھپا اور ظاہر سب کچھ جانتا ہے بے شک وہ دلوں کی بات جاننے والا ہے

تعلق: اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو متاع حسن دیتا ہے اور نیکوں کو فضل دیتا ہے۔ جس کا مدار بندے کی نیت اور خلوص عمل پر تھا اور نیت قلبی چیز جس کا نیت والے کو پتہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس آیت میں ایک عجیب انداز سے اس چیز کو ثابت کیا جا رہا ہے کہ اللہ ہر بندے کے ظاہر و باطن کو بخوبی جانتا ہے اس سے نہ تمہارا قلب پوشیدہ ہے نہ قالب۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیت کریمہ میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید سزا و جزا کی قدرت کا ہی تذکرہ ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس خیال باطل کی تردید کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ نہیں وہ اللہ مطلقاً ہر چیز پر قادر ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے ظاہر و پوشیدہ کو بھی جاننے پر۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں عذاب کا ذکر تھا اور عذاب جرم کے پتہ لگنے کے بعد ہوتا ہے تو اس آیت میں اس چیز کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر۔ پوشیدہ سب جرم جانتا ہے۔ لہٰذا عذاب دینے میں برحق ہے۔ گویا کہ یہ آیت پچھلی آیات کی علت ہے۔

www.alahazratnetwork.org

شان نزول: ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ یہ آیت اخنس بن شریک کے متعلق نازل ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں آ کر بڑی شیریں اور لگاوٹ کی باتیں کرتا مگر دل میں عداوت نبی کریم سے بھرپور ہوتا ایک دفعہ اسی طرح وہ آیا تو اسی وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت میں اس کی کیفیت ظاہری و باطنی کو تمثیلاً بیان فرمایا گیا۔ کہ یہ بے ہودہ لوگ اپنی بے دینی کو اس طرح چھپائے رکھتے ہیں جس طرح کپڑوں میں شرمگاہ۔ حالانکہ رب تعالیٰ سے جسم کا کوئی پوشیدہ نہیں اسی طرح قلبی دشمنی بھی چھپی ہوئی نہیں (خزائن) بخاری نے اپنے افراد میں دوسرا شان نزول بیان فرماتے ہوئے ایک حدیث شریف نقل کی۔ کہ غلبہ شرم و یا میں مغلوب مسلمان۔ خلوت کی جگہ اور استنجاء گاہ میں بھی شرمگاہ کھولتے جھجکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ سے شرم کرتے ہوئے ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی اور فرمایا گیا کہ اے بندو اتنا تکلف نہ کرو وہ تو خالق و مالک ہے اس سے کیا چھپ سکتا ہے وہ تو تمہارے کپڑوں کے اندر سے بھی تمہارے جسم کو دیکھتا ہے۔ پس ایسا جبر کر کے اپنی جانوں پر بوجھ نہ ڈالو۔ یہ شان نزول حق ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت مکی ہے۔ اور مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہ تھا۔ حالانکہ اخنس منافق مدنی تھا۔ حضرت ابن عباس کا کہنا فقط تشبیہ کے لئے ہو سکتا ہے نہ کہ شان نزول کے طور پر ایک صحیح قول یہ بھی ہے کہ مشرکین کی ایک جماعت مکے میں تھی جن کا طریقہ یہ تھا۔ ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی (خازن) جن لوگوں نے ابن عباس کا قول تسلیم کیا ہے وہ کچھ اس طرح تاویل کرتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت مکی ہے مگر اس میں منافق کی شناخت کرائی جا رہی ہے کہ وہ اس طرح کے ہوں گے بہرحال کلام کی تختی اس طرف بھی رائج ہے۔

تفسیر نحوی: الآ انهم يثنون صدورهم ليستخفوا منه الا حرف تنبیہ اگلے کو شدید اور خطرناک ثابت کرنے کے لئے لایا جاتا ہے۔ ان حرف تاکید۔ الا کے بعد ضرور آتا ہے۔ جس سے تختی کلام مزید ہو جاتی ہے۔ ھم سے وہی لوگ مراد ہیں جن کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی یثنون جمع غائب مضارع معروف کا صیغہ ہے۔ ثنی یا ثن سے مشتق ہیں ثنی کے معنی ہیں طے کرنا۔ مروڑنا اعراض کرنا۔ اور ثن ایک کمزور گھاس کو کہتے ہیں۔ عرب میں ایک چھوٹی بیل ہوتی ہے جس کو ثنا ملی کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے دل میں چیز چھپاتے ہیں۔ یا شرمندگی کی طرح سینے کو سمیٹتے ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی قرأت میں ہے تثنونی جمع مونث کے صیغے سے یہ مضارع ہے اس کا ماضی اثنو فی بروزن تفعوعل جیسے اغرعن یہ صیغے مبالغے کے وزنوں میں سے ہے۔ ایک قرأت میں ہے تثنون۔ یہ دراصل تثنون تھا۔ ثن سے مشتق ہونے کی صورت میں۔ مگر جمہوریت قرأت میں یثنون ہے جس کی اصل یثنیون تھی۔ عربی میں دو کو اثنان اسی لئے کہتے ہیں کہ ایک عدد اپنے پہلے واحد سے لپٹا ہوتا ہے۔ صدور جمع ہے صدر بمعنی سینے کی۔ صدر کے معنی نکلنا۔ یہاں مصدر بمعنی ظرف مکانی ہے یعنی نکلنے کی جگہ چونکہ سینے سے ہی ہر خیال و علم و یقین نکلتا ہے اس لئے عربی میں سینہ کو صدر کہتے ہیں صدر کے حقیقی معنی ہیں سامنا۔ مقابل مجازاً جسمانی سینے کو صدر کہتے ہیں کہ یہ بالکل صاف مثل میدان کے ہوتا ہے۔ صدورھم یثنون کی صورت میں حالت زبر میں ہے بوجہ مفعولیت اور تثنونی کی صورت میں حالت رفع میں بوجہ فاعلیت ھم سے مراد وہی لوگ ہیں جن کے بارے میں یہ آیت اتری ہے یستخفوا۔ لام تعلیلیہ ہے۔ خفی سے مشتق ہے بمعنی چھپنا باب استفعال سے طلب کے معنی پیدا ہوئے یعنی چھپنا چاہتے ہیں اگرچہ کامیابی نہ ہو۔ فعل

www.alahazratnetwork.org

مضارع معروف صیغہ جمع مذکر اس کا فاعل وہی لوگ ہیں جن کے لئے نازل ہوئی۔ اصل میں یستخفون تھا نون اعرابی لام جازمہ سے گر گئی۔ منہ میں بیان ہے اور ہ کا مرجع باری تعالیٰ الا حین یستغشون ثیابھم ۔ الا۔ حسب سابق حروف تنبیہ ہے۔ دوبارہ ارشاد میں مزید تاکید ہے حین ظرف زمانی ہے اسم جامد مبنی ہے۔ یستغشون کے متعلق ہے۔ بعض نے کہا یعلم کے متعلق ہے (معانی) مگر یہ صحیح نہیں۔ یستغشون۔ غشی سے مشتق ہے باب استفعال کا مضارع ہے۔ ابن شداد کے بمعنی یلتحفون ہے۔ یعنی رات کو لحاف اوڑھتے ہیں ایک قول ہے کہ بمعنی یستغطون ہے یعنی لباس پہنتے ہیں۔ غشی کا لغوی معنی ہے چھپانا یا چھپنا۔ یہاں لباس پہننے کے معنی زیادہ درست ہیں کیونکہ ثیابھم اس کا مفعول بہ جمع ہے ثوب کی۔ مطلقاً کپڑے کو کہتے مگر قدیم جدید اصطلاح میں مخصوص عربی کرتے کو کہتے ہیں ھم ضمیر جمع غائب کا مرجع یستغشون کا فاعل ہے یعلم ما یسرون وما یعلنون ۔ یعلم علم سے مشتق ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً جاننا۔ خواہ ہو یا عطائی۔ یہاں عطائی مراد نہیں ہو سکتا یہاں ذاتی مراد ہے جس کی کوئی تقسیم اور حد نہیں ہے ذاتی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ باقی تمام مخلوق کا علم عطائی ہے۔ منطقی لوگ کے پانچ معنی کرتے ہیں وہ صرف مخلوق کے علم کی اقسام ہیں۔ علم باری تعالیٰ ان سے وراء الورا ہے ما دونوں جگہ موصول ہے۔ اس کے صلہ یعنی شی ء پوشیدہ ہے ایک قول ہے کہ دونوں جگہ ما مصدر یہ ہے۔ پہلا قول قوی ہے۔ صلہ موصول پورا جملہ یعلم کا مفعول بہ ہے یسرون فعل مضارع سر سے بنا ہے۔ بمعنی۔ راز بھید۔ یا پوشیدہ بات۔ یہاں باعتبار شان نزول پوشیدہ جسم مراد ہے۔ یعلنون۔ مضارع معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ اعلان سے بنا ہے۔ بمعنی ظاہر کرنا انہ علیھم بذات الصدور ۔ یہ جملہ تعلیلیہ ہے۔ ماسابق کی علت بیان کر رہا ہے۔ ان حرف تشبیہ بالفعل ہے۔ شک دور کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع یعلم کا فاعل ہے یہ ان کا اسم ہے اگلا جملہ اسمیہ ان کی خبر ہے علیم صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ جس میں مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بذات الصدور۔ ب زائدہ ہے۔ لفظ ذات بمعنی ذو ہے جس کا ترجمہ ہے والا۔ صدور جمع ہے صدر کی اصطلاحاً سینے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے دل۔ ذات الصدور کا معنی ہوا دل والی باتیں۔

تفسیر عالمانہ: الا انھم یثنون صدورھم لا یستخفوا منہ ۔ خبردار بے شک وہ دوہرے کرتے ہیں اپنے سینوں کو تا کہ چھپا لیں خود کو اللہ سے اے ایمان والو خبردار ہو جاؤ ان مشرکین مکہ کی پر فریب چالوں سے کہ دل میں مسلمانوں کے نبی اور اسلام سے دشمنی رکھتے ہیں اور ظاہراً تم سے بہت میٹھی زبانوں اور طرح طرح کی لالچ دینے کے انداز سے ملتے ہیں اور تمہارے پاس بڑے جھکتے ہوئے اپنے اپنے سینوں کو نیچے کرتے لپیٹتے ہوئے آتے ہیں غلط عقیدہ سے کہ شاید ہم اللہ سے چھپ گئے یہ کفار اندھے چور کی مثل ہیں کہ مالک ان کی ہر حرکت دیکھتا ہے مگر یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ ہم دھوکا لگا گئے۔ یا اے پیارے حبیب سنو تو سہی کہ یہ بعض بھولے بھالے شرمیلے مسلمان اپنا سر کھولتے وقت۔ استنجا یا جماع کے وقت باوجود خلوت کتنے جھجکتے ہیں اپنے سینوں کو لجاجت سے سکیڑتے ہیں تا کہ چھپا لیں خود کو اس اللہ سے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ الا حین یستغشون ثیابھم یعلم مای یسرون وما یعلنون ۔ مزید ہوشیار ہو جاؤ اور سمجھو کہ جس وقت یہ اپنے دروازے بھی بند کر لیتے ہیں اور بستروں لحافوں میں اپنے جسموں کو چھپا لیتے ہیں اور نیند سے پہلے عادت انسانی کے مطابق جو خیالات ان کے

www.alahazratnetwork.org

دل میں گذرے ہیں یا جب یہ شرمیلے مسلمان اپنے جسموں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔تب بھی اللہ تعالیٰ ان کے تمام ان ارادوں کو جو عداوت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم میں پوشیدہ رکھتے ہیں یا جو آپس میں ایک دوسرے کے سامنے ظاہر کرتے ہیں یا جسم کے تمام اعضا جن کپڑوں سے پوشیدہ کر لیتے ہیں اور وہ اعضا ہاتھ پاؤں جو ظاہر کرتے ہیں اللہ سب کچھ جانتا ہے۔اور یہ جانا کیوں ہے اس کی علت کیا ہے؟ اس لئے کہ **ان علیھم بذات الصدور** بے شک وہ اللہ جل جلالہ۔ازل سے ابد تک اول سے آخر تک ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر دین دنیا کی۔ظاہر پوشیدہ، خیر وشر، دوستی، دشمنی سب کو جاننے والا ہے۔اور ہر موقع پر ہر طرح اپنے حبیب کو کائنات کی ہر چیز سے خبردار کرنے والا ہے۔لہٰذا ذاتی طور پر اللہ سے کچھ پوشیدہ نہیں اور عطائی طور پر اس کے حبیب علیہ السلام سے کچھ پوشیدہ نہیں پس نہ اس کو کوئی دھوکا دے سکے نہ اس کے حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔

فائدے: اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: قیامت تک ہر قسم کا کافر ہر طرح ہر مسلمان کو فریب دینے کی کوشش کرتا رہے گا خاص کر ہندو اور انگریز مسلمانوں کو چاہئے کہ ان کے فریب کاری سے بچتا رہے یہ فائدہ الا فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: کڑوی دشمنی سے میٹھی دشمنی زیادہ خطرناک ہے یہاں میٹھی دشمنی کا ذکر ہے اس سے بچنا زیادہ مشکل ہے یہ فائدہ **یثنون صدورھم** سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: تقویٰ یا طہارت، شرمندگی ہو یا حیاداری، نماز ہو یا روزہ وہی اچھی ہے جو رسول اللہ کے فرمان سے ہو۔ دیکھو ستر کھولنے میں جھجک اچھی ہے مگر یہاں صرف اس لئے برائی کی گئی کہ شریعت کے خلاف تھی۔لہٰذا ملنگوں اور جھوٹے پیروں کے خود ساختہ تقویٰ سب غلط ہیں۔

اعتراضات: اس آیت پر چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض: تنبیہ تو مجرم کو کی جاتی ہے نہ کہ غیر کو مگر یہاں الا سے تنبیہ مسلمان کو کی گئی۔ نہ کہ کفار کو کیونکہ یثنون غائب کا صیغہ ہے حالانکہ تنبیہ مخاطب کو ہوئی اور یہاں مخاطب مسلمان ہیں جیسا کہ آپ کی تفسیر سے بھی معلوم ہوا۔

جواب: تنبیہ دو قسم کی ہے۔ایک ہے مجرم کو باز رکھنے کے لئے اور دوسری ہے۔اپنوں کو بچانے کے لئے یہاں دوسری قسم مراد ہے۔

دوسرا اعتراض: یعلم سے پہلے حین ظرف زمانی یعلم اس کا مظروف ہوا جس سے لازم آتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اس وقت جانتا ہے جب کوئی بستر میں لیٹ کر خیال یا ارادہ کر لیتا ہے پہلے نہیں جانتا اس سے لازم آیا کہ اس کا علم محدود اور حادث ہے حالانکہ اللہ کی تمام صفات غیر محدود اور قدیم ہیں۔

جواب: اولاً تو یہ حین کا تعلق یعلم نہیں جیسا کہ روح المعانی میں صحیح قول منقول ہے۔بلکہ صرف یستغشون سے ہے اور یعلم کے تقدم سے مطلب ہوا کہ اس کو بھی جانتا ہے جو وہ بستروں میں چھپ کر ارادہ کرتے ہیں پس دوسری باتیں بذریعہ اولیٰ جانتا ہے۔ثانیاً یہ کہ صفات باری تعالیٰ بالقوۃ تمام قدیم ہیں مگر بالفعل اور بالظہور بعض حادث ہیں۔لہٰذا بعد ارادہ جاننا بھی اس کی

www.alahazratnetwork.org

شان کے لئے مضر نہیں۔ اور محدود ہونا تو کسی صورت لازم نہیں آیا۔

تفسیر صوفیانہ: اے انوار تجلیات کے طالبو۔ بحر معرفت کے غوطہ خورو۔ اور راہ تصوف کے مسافرو خبردار ہو جاؤ کہ اس منزل کو پانا آسان نہیں ہے۔ نفس و شیطان کے ہزاروں وسوسے منہ لپیٹے سینوں کو دہرا کئے دوستی کے لباس میں دشمنی لے کر تم کو بھٹکانے کے لئے اس طرح آئیں گے کہ ضمیر قلب اور نفس مطمئن سے اور قوت لاشعوری سے خود کو چھپا لیں۔ اور سنو کہ بعض بھولے بھالے منزل لاھوت کے نوارد۔ قلبی خطرات کو الٰہ العالمین سے بھی چھپانا چاہتے ہیں۔ سمجھ لو کہ جس وقت یہ کفار حقیقت مکر کے جال میں چھپتے ہیں یا جاہل صوفی راہ ابلیس میں چل کر طرح طرح کی غیر شرعی ریاضتیں محض طلب دنیا کے لئے کرتا ہے تو یعلم ما یسرون وما یعلنون اللہ جانتا ہے جو خطرات چھپاتے اور جو نظرات ظاہر کرتے ہیں یا جو اذ کار قلب چھپاتے ہیں اور جو اخبار غیب ظاہر کرتے ہیں۔ یا جو حالات چھپاتے اور جو معاملات ظاہر کرتے ہیں یا وہ فریبی جو اخلاص کو چھپاتے ہیں اور عبادات کو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی باطنی خباثت اسی طرح جانتا ہے جس طرح ظاہری کو کیونکہ انہ علیم بذات الصدور بے شک وہ ہر پوشیدہ کو پیدائش سے پہلے بھی جانتا ہے۔ قلبی خطرات اور قلب کو جاننے والا ہے شعرا ے کہ درد دل نہاں کنی سرے۔ آنکہ دل آفرید میداند۔ پس اے بندۂ عشق متنبہ ہو جا۔ کیونکہ قلب سلطان قالب ہے اور اعضاء ظاہر و باطنی رعایا ہیں اور نفس اور عقل ملک قالب کے مشرک و منافق ہیں۔ عشق بھولا بھالا ہے۔ لہٰذا عشق کو بچانے کے لئے قلب کی حفاظت اشد ضروری ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ عقل نفسانی کے چار سو بیس فریبوں میں سے کسی فریب میں یہ پھنس کر ہلاک ہو۔ شعر

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے　　　　عشق بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم

صورت ظاہر ندارد اعتبار باطنی باید مبرا از غبار۔ وصلی اللہ تعالیٰ خیر خلقہ ونور عرشہ سیدنا و مولانا محمد علی آلہ وازواجہ آبائہ وبارک وسلم۔ الحمد للہ پارہ گیارھواں ختم ہوا۔ اے اللہ مجھ کو بارھواں پارہ تفسیر کے ساتھ لکھنے کی اجازت عطا فرما۔ برحمتک یا ارحم الراحمین ۱۱/۱۲/۵۷

اَشرفُ التفاسِیرُ

تفسیرِ نعیمی

پارہ نمبر 12

مُفسّر

صاحبزادہ مُفتی اقتدار احمد خان نعیمی

ناشر
نعیمی کُتب خانہ
مُفتی احمد یار خان روڈ
چوک پاکستان، گجرات،

1Z 862

تنبیہ جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد خان محفوظ ہیں

کتاب	تفسیر پارہ نمبر 12
مصنف	صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی ر
ناشر	نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات
تعداد	گیارہ سو
سال اشاعت	2004
ہدیہ	

تقسیم کار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ فون: 7220479-7221953

فیکس نمبر:۔ 042-7238010

9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ فون:۔ 7225085

14۔ انفال پلازہ، اردو بازار، کراچی

Email:- zquran@brain.net.pk

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ بارھواں

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا	۹
۲	موسیٰ علیہ السلام اور ایک کیڑے کا واقعہ	۱۱
۳	بحق فلاں کہنے کا شرعی حکم	۱۳
۴	نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے کلی علم غیب کا قرآنی ثبوت	۱۱
۵	کسی مخلوق کا کیا ذوق اور مستقر و مستودع کیا ہے مخلوق کی قسمیں	۱۵
۶	وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ	۱۶
۷	عرش کے معنی	۱۸
۸	خالق اور موجد اور صانع و کاریگر میں فرق	۲۱
۹	نبی کریم کو معراج میں ملاقاتِ انبیاء کی ایک حکمت	۲۱
۱۰	ساتوں آسمانوں اور سیارگان اور اداح کا بیانِ تعلق	۲۲
۱۱	آسمان زمین پہاڑ اور عرش کرسی کس طرح بنے	۲۳
۱۲	کفار کی حماقت	۲۴
۱۳	مضارع کتنی جگہ ماضی کے معنی میں آجاتا ہے۔	۲۷
۱۴	روح کی قسمیں	۲۷
۱۵	وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً	۲۸
۱۶	خوف شوق ذوق کے اثرات	۳۱
۱۷	انسان کا صابر شاکر ہونا نبی کریم کے طفیل ہے	۳۲
۱۸	علم نجوم اور علم جفر کس نے ایجاد کیا۔	″
۱۹	صبر مومن کا امتیازی نشان	″
۲۰	فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ	۳۶
۲۱	لفظِ مثل کی قسمیں اور اُن کا بیان	۳۹
۲۲	انبیاء کرام کسی بھی گناہ پر قادر نہیں ہوتے	۴۰
۲۳	حضور نبی کریم کے سینۂ مبارکہ کی کشادگی کی ظاہر دلیل	۴۱
۲۴	کفار کو کس مثلیت قرآن کا چیلنج دیا گیا۔	۴۱
۲۵	قرآن مجید کے مثل لانے کا چیلنج کسی کافر نے کیوں قبول کیا	۴۲
۲۶	رافضی شیعوں کا یہ کہنا کہ صحابہ نے قرآن بدل ڈالا ہے	۴۵
۲۷	فَاِلَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا	۴۷
۲۸	عربی کی تین نفیوں کا فائدہ	۴۸
۲۹	اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ کے خطاب میں فرق اللہ کو واحد کے صیغے اور لفظ سے یاد کرو	۵۰
۳۰	زندگی کیا ہے اور حیاتِ دنیا کیا ہے	۵۲
۳۱	اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ	۵۵
۳۲	ریا کیا ہے اور کیا چیز ریا نہیں۔	۵۶
۳۳	کذب اور افتریٰ کا فرق	۶۰
۳۴	کفار کی تین دنیوی خصلتیں	۶۱
۳۵	ہمارے اور نبی کریم کے ایمان میں فرق	۶۱
۳۶	نعتِ نبی کریم سنتِ انبیا ہے	″
۳۷	انبیاء کرام گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے	″
۳۸	جھوٹی کرامتیں بنانا بدترین ظلم ہے	″
۳۹	...اَلَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ	۶۴
۴۰	بَغِیْ اور طاغی میں فرق	۶۶
۴۱	نفس کی قسمیں	″
۴۲	لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ	۷۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۴۳	نوح علیہ السلام کا نسب اور کچھ حالات	۷۷
۴۴	اچھی اور بُری زندگی کی پہچان	۷۷
۴۵	علماء سے کج بحثی کرنا طریقۂ کفار ہے	۷۸
۴۶	خَیْرٌ اور خَیْبَۃٌ میں فرق	۷۹
۴۷	اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰہَ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْکُمْ	۸۱
۴۸	جمع سالم اور جمع تکسیر میں فرق	۸۳
۴۹	آتا اور عطا میں فرق	〃
۵۰	سب سے پہلے بت پرستی کب شروع ہوئی اور پہلے بتوں کے نام	۸۴
۵۱	عبادت۔ اطاعت اور اتباع میں فرق	۸۷
۵۲	وَیٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مَالًا ط	۸۹
۵۳	عَوْنٌ۔ نَفْعٌ۔ ظُھُوْرٌ اور نَصْرٌ میں فرق	۹۱
۵۴	تبلیغ کا طریقہ انبیاء کرام سے سیکھنا چاہیے	۹۴
۵۵	محرومی کی چار صورتیں ہیں	۹۷
۵۶	وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ	۹۷
۵۷	الف لام جنسی اور غیر جنسی باقی اقسام کا فرق	۹۹
۵۸	ماضی مطلق جمع کے آخر الف کیوں آتا ہے۔	۱۰۰
۵۹	بیعت کا مقصد کیا ہے	۱۰۳
۶۰	خیر کی قسمیں	۱۰۴
۶۱	قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْکُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ	۱۰۶
۶۲	شرط سے جزا مقدم ہو سکتی ہے یا نہیں	۱۰۹
۶۳	ڈاکٹر اقبال کا ایک واقعہ	۱۱۰
۶۴	عذاب لانے میں انبیاء کو اختیار نہیں اس کی وجہ	۱۱۲
۶۵	قلب انسانی کے وزیر اور مشیر طیب و خبیث کا بیان	۱۱۴
۶۶	وَاصْنَعِ الْفُلْکَ بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا	〃
۶۷	مومن کی جان بچانا واجب ہے واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے	۱۱۶
۶۸	جَعَلَ اور صَنَعَ کا فرق	۱۱۷
۶۹	نوح علیہ السلام کی بیوی کا نام	۱۱۸
۷۰	علاقۂ نوحی کا حدود اربعہ	۱۱۸
۷۱	کشتی نوح کے تاریخی حالات	۱۱۹
۷۲	اسلام میں بطور سزا جیل و جرمانہ منع ہے	۱۲۰
۷۳	ھُزُوًا اور تَسْخَرُ میں فرق	۱۲۱
۷۴	صوفیاء کے نزدیک انسانوں کی قسمیں	۱۲۱
۷۵	حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ	۱۲۳
۷۶	کشتی میں سوار ہونے کا واقعہ	۱۲۷
۷۷	نبی اور دین کے مقابلے میں برادری کو چھوڑ دو۔	۱۲۹
۷۸	قَالَ سَاٰوِیْٓ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ	۱۳۱
۷۹	طوفانِ نوح کس جگہ آیا	۱۳۶
۸۰	کشتی جودی پر کیوں ٹھہری پہاڑ بھی کی کرسی ہیں	۱۳۹
۸۱	خاوند بیوی کی قسمیں	۱۴۰
۸۲	کون چیز سخت ہے ملک اور پہاڑوں کی تعداد	۱۴۲
۸۳	وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّہٗ فَقَالَ رَبِّ	۱۴۳
۸۴	سوال دُعا اور طلب کا فرق	۱۴۵
۸۵	عوج بن عنق کا واقعہ	۱۴۶
۸۶	نبی کی اولاد کافر ہو سکتی ہے والدین کافر نہیں ہو سکتے	۱۴۸
۸۷	قِیْلَ یٰنُوْحُ اھْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا	۱۵۲
۸۸	آدم ثانی لقب نوح علیہ السلام کیوں بنا	۱۵۶
۸۹	یوم عاشورہ کھانے اور پانی میں برکت کی وجہ	۱۵۶
۹۰	طوفانِ نوحی کے بعد پہلی بستی کا نام	〃

۳

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۹۱	نبی کریم کو علم غیب کب ملا	۱۵۷
۹۲	تقویٰ کے تین درجے	//
۹۳	حضرتِ ہود کا نسب نامہ	۱۵۸
۹۴	بارگاہ رب تعالیٰ میں شانِ انبیاء	//
۹۵	انبیاءکرام کو تمام غیوب عطا ہوئے	//
۹۶	انبیاءکرام اَن پڑھ نہیں ہوتے	۱۵۹
۹۷	یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا	۱۶۱
۹۸	بارش، دریا اور نہر میں فرق	۱۶۵
۹۹	گمراہ لوگوں کی بدخصلتیں	۱۶۶
۱۰۰	عقل بذاتِ خود نعمتِ الٰہی ہے	۱۶۸
۱۰۱	اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ	۱۷۰
۱۰۲	ثیبٌ یعنی ثواب اور کیدٌ کا فرق	۱۷۴
۱۰۳	سر اور پیشانی سے سارا جسم کیوں مراد ہوتا ہے	۱۷۵
۱۰۴	دُنیا کی رونق اللہ کے بندوں اور اُسکے ذکر سے ہے	۱۷۶
۱۰۵	علماء اور مشائخ کا دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے	۱۷۸
۱۰۶	وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا	۱۷۹
۱۰۷	توکل کیلئے تین شرطیں ہیں	۱۸۱
۱۰۸	قومِ ہود پر عذاب کس طرح آیا	۱۸۲
۱۰۹	حضرتِ ہود اور اُنکی اُمتِ مسلمہ کی نجات میں فرق	۱۸۳
۱۱۰	نبی کی مثل کوئی نہیں ہوسکتا نہ ذات میں نہ عمل میں	۱۸۵
۱۱۱	وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا - قَالَ يٰقَوْمِ	۱۸۷
۱۱۲	حضرتِ ہود اور حضرتِ صالح کا درمیانی فاصلہ	۱۸۹
۱۱۳	صالح علیہ السلام کا شجرہ نسب اور عمر شریف	۱۹۰
۱۱۴	مکانات تعمیر اور دنیا آباد کرنا عبادت ہے	۱۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۱۵	انبیاءکرام زمانے کو ڈھالتے ہیں خود زمانے میں نہیں ڈھلتے	۱۹۳
۱۱۶	شک تردد اور ریب میں فرق	//
۱۱۷	نشوٗ اور خلقٌ میں فرق	//
۱۱۸	قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ	۱۹۵
۱۱۹	انبیاءکرام اور اُمتیوں کی ذمہ داریوں کا فرق	۱۹۸
۱۲۰	صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا واقعہ	۱۹۹
۱۲۱	قدرتی رعب اور ہیبت کس طرح ملتی ہے	۲۰۱
۱۲۲	فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا	۲۰۳
۱۲۳	قوم ثمود میں کتنے کافر کتنے مومن ہوئے	۲۰۷
۱۲۴	کڑک اور چیخ کس کی آواز تھی	۲۰۷
۱۲۵	سورۃ ہود کا چوتھا قصہ	۲۰۹
۱۲۶	حضرت ابراہیم و قوم لوط کے ملائکہ کی تعداد	//
۱۲۷	سلام کرنے اور جواب دینے کے کچھ فقہی آداب	//
۱۲۸	اجنبی مرد عورت سلام نہ کریں نہ ہی بلاضرورت بات کریں	۲۱۰
۱۲۹	بندے چار قسم کے ہیں	۲۱۱
۱۳۰	فَلَمَّا رَاٰۤ اَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَيْهِ	۲۱۲
۱۳۱	خیفۃ اور خوف میں فرق	۲۱۶
۱۳۲	بحالتِ احرام عورت منہ کیوں نہیں ڈھک سکتی	//
۱۳۳	مجید کی صفات کیا ہیں	۲۱۸
۱۳۴	فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ	۲۲۰
۱۳۵	مردود - مرجوع - مصرف - مرفوع میں فرق	۲۲۴
۱۳۶	تقدیر مبرم اور معلق کا فرق	۲۲۶
۱۳۷	وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ	۲۲۹
۱۳۸	حضرت ابراہیم لوط علیہما السلام کے فرشتوں کو نہ پہچاننے کی وجہ	۲۳۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۳۹	قوم لوط کی بُری خصلتیں	۲۳۲
۱۴۰	لفظ رکن کی لغوی تحقیق	۲۳۴
۱۴۱	تمنائے موت کی قسمیں کونسی حرام اور کونسی جائز ہے	۲۳۵
۱۴۲	قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّکَ	۲۳۷
۱۴۳	عذاب قوم لوط کا واقعہ	۲۴۰
۱۴۴	قوم لوط حضرت لوط علیہ السلام کی خاندان نہ تھی	۲۴۲
۱۴۵	قوم لوط کی تعداد	۲۴۳
۱۴۶	نبی کی بیوی بدکارہ نہیں ہو سکتی	۲۴۴
۱۴۷	وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا	۲۴۶
۱۴۸	لفظ مدین کی تحقیق اور حضرت شعیب کا نسب	۲۴۹
۱۴۹	حضرت شعیب کا لقب خطیب الانبیاء تھا	۲۵۰
۱۵۰	مزدوروں غریبوں کا سچا سہارا اور ساتھی صرف انبیاء کرام ہیں	۲۵۱
۱۵۱	بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ	۲۵۴
۱۵۲	حلال اور حرام روزی کا ظاہری فرق	۲۵۶
۱۵۳	ملاوٹ بدمعاشی بددیانتی کے دنیوی نقصان	۲۵۸
۱۵۴	نعت گوئی کس کو مفید ہے کس کو نہیں	۲۶۰
۱۵۵	قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ	۲۶۳
۱۵۶	چھ نبی علیہم السلام بہت مالدار گذرے	۲۶۶
۱۵۷	قوم لوط اور مدین میں کتنے سال کا فاصلہ ہے	۲۶۸
۱۵۸	انبیاء کرام گناہ پر قادر نہیں ہوتے	۲۶۹
۱۵۹	وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ	۲۷۲
۱۶۰	توبہ کے پانچ معنی	۲۷۳
۱۶۱	ودودؔ کے معنی	۲۷۵
۱۶۲	کوئی نبی نابینا نہ ہوئے مستدرک کی روایت غلط ہے	۲۷۶
۱۶۳	توبہ کرنے کا صحیح طریقہ	۲۷۷
۱۶۴	وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ	۲۸۰
۱۶۵	رقیبؔ کے سات معنی	۲۸۲
۱۶۶	حضرت شعیب کا آخری وعظ پہلے وعظ سے ستر سال بعد	۲۸۴
۱۶۷	قوم شعیب کا عذاب کیسا تھا اور چنگھاڑ کیا تھی	۲۸۵
۱۶۸	قوم صالح اور قوم مدین کے عذابوں کا فرق	〃
۱۶۹	كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ	۲۸۸
۱۷۰	بیعؔ کے آٹھ معنی	۲۹۱
۱۷۱	حضرت نوح و موسیٰ علیہما السلام میں فرق اور تعداد رسل	۲۹۲
۱۷۲	نبی کریم کے معجزات کی تعداد اور حضرت موسیٰ کے معجزوں کا ذکر	〃
۱۷۳	ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰی نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ	۲۹۶
۱۷۴	جو حقائق نبی کریم نے بیان فرمائے وہ توریت وغیرہ میں نہیں	۲۹۹
۱۷۵	انبیاء کرام اور اولیاء اللہ سے آسیں توڑنا طریقہ کفار ہے	۳۰۲
۱۷۶	کفار نے دنیا کو بگاڑا اور اولیاء اللہ نے دنیا کو سنوارا	〃
۱۷۷	لبستی بول کر اہل بستی مراد لینا فصاحت اور محاورے کے خلاف نہیں	〃
۱۷۸	اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ	۳۰۴
۱۷۹	نیک بختی اور بدبختی کی نشانیاں	۳۰۸
۱۸۰	جہنم کے آسمان زمین کون سے ہیں	۳۰۹
۱۸۱	وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا	۳۱۳
۱۸۲	لفظ غیر کے پانچ معنی ہیں	۳۱۵
۱۸۳	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے عذاب کیوں نہ آئے گا	۳۱۸
۱۸۴	ایصال ثواب برحق ہے	۳۱۹
۱۸۵	قیاس شرعی برحق ہونے کی قرآنی دلیل	〃
۱۸۶	سعید اور شقی کی صوفیانہ علامتیں	۳۲۰

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱۸۷	اہل یقین کی تین نشانیاں	۳۲۱
۱۸۸	وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ	〃
۱۸۹	اُمت مسلمہ کی خوش نصیبی	۳۲۵
۱۹۰	سونے سے پہلے دم گھٹنے کے بعد نماز کا حکم کیوں ہے	۳۲۶
۱۹۱	ولایت اور دینی مرتبہ کس طرح ختم ہو جاتا ہے	۳۲۷
۱۹۲	وہابی نمازیں قرآن مجید کے خلاف ہیں	۳۲۸
۱۹۳	نہار اور یوم کا فرق	۳۲۸
۱۹۴	دشمنِ ولی کو اعلانِ جنگ	۳۲۹
۱۹۵	وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ	۳۳۰
۱۹۶	چار چیزیں چار چیزوں سے ملتی ہیں	۳۳۳
۱۹۷	قرن کے معنی	〃
۱۹۸	سب گناہ مشرکوں سے شروع ہوئے	۳۳۴
۱۹۹	کس چیز کی کیا زکوٰۃ ہے	۳۳۶
۲۰۰	وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ	۳۳۸
۲۰۱	دنیا میں کون سا کفر پہلے ہوا اور کفروں کی ترتیب	۳۴۱
۲۰۲	نبی کریم کو سب انبیاء کے حالات کا مکمل علم ہے	۳۴۳
۲۰۳	وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ	۳۴۷
۲۰۴	توریت کی ابتدائی آیات کیا تھیں	۳۵۰
۲۰۵	امر کے سولہ معنی ہیں	۳۵۰
۲۰۶	ذکر انبیاء اور ذکر مصطفٰے کا فائدہ	۳۵۱
۲۰۷	انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کیلئے حصول علم غیب کے تین طریقے	〃
۲۰۸	تکمیل تفسیر سورہ ہود	۳۵۳
۲۰۹	ابتدائی ذکر سورۂ یوسف	۳۵۴

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۱۰	سورہ یوسف کا شان نزول	۳۵۴
۲۱۱	سورہ یوسف کے فضائل اور نام	۳۵۵
۲۱۲	سورہ یوسف کو تلاوت کرنے کا فائدہ	۳۵۶
۲۱۳	سورہ یوسف کے خصوصی فوائد	〃
۲۱۴	قصۂ یوسف کی کچھ خصوصیات	۳۵۷
۲۱۵	حضرت یوسف کے خصوصی فضائل	۳۵۸
۲۱۶	سورۃ یوسف کا چلہ اور اس کا تعویذ	۳۵۹
۲۱۷	حضرت یوسف علیہ السلام کی ولادت اور نسب نامہ	۳۶۰
۲۱۸	دعا کرانے اور دعا لینے میں فرق	۳۶۱
۲۱۹	سُوْرَةٌ مَكِّيَّةٌ - الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ	۳۶۳
۲۲۰	ندا کی قسمیں	۳۶۶
۲۲۱	کتنی چیزوں کو قرآن مجید نے اَحْسَنْ کہا	۳۶۸
۲۲۲	یوسف علیہ السلام کے گیارہ ستاروں کے نام	۳۶۹
۲۲۳	وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ	۳۷۵
۲۲۴	کس نبی کو اللہ تعالیٰ نے کیا سکھایا	۳۷۸
۲۲۵	عورت نبی نہیں ہو سکتی	۳۸۲
۲۲۶	اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا	۳۸۴
۲۲۷	برادرانِ یوسف کے جرم	۳۸۹
۲۲۸	کنعان سے کنوئیں کا فاصلہ	〃
۲۲۹	چودھویں صدی میں سجدے کے سورج چاند اور گیارہ ستارے	۳۹۰
۲۳۰	فراست مومن کا بیان	۳۹۱
۲۳۱	تین شخصوں سے تین چیزیں ناممکن ہیں	〃
۲۳۲	محبت نبی اور گستاخی نبی کے گناہوں میں فرق	〃
۲۳۳	جو شخص یہ عقیدہ بنائے کہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں مگر بولتے نہیں وہ بدترین گمراہ ہے۔	۳۹۲

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۳۴	اَنْ یُّرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ	۳۹۴	۲۵۸	امتِ یوسفی کی تعداد	۴۲۵
۲۳۵	حضرت یعقوب نے بھیڑیے کا نام کیوں لیا	۳۹۹	۲۵۹	زلیخا کا خاندان اور تذکرہ	۴۲۶
۲۳۶	حضرت یوسف کا مار کھانا اور مسکرانا	۴۰۱	۲۶۰	معجزۂ یوسفی سے عزیزِ مصر کے خزانے بھر گئے	〃
۲۳۷	وحی کے پانچ معنیٰ	۴۰۱	۲۶۱	اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ کہنے کی وجوہ	۴۲۷
۲۳۸	جنگلی اشیاء پھل پھول گھاس وغیرہ کسی کی ملک نہیں	۴۰۲	۲۶۲	یوسف علیہ السلام کو چھتیس زبانیں آتی تھیں	۴۲۸
۲۳۹	کھیل کود کا شرعی حکم	۴۰۲	۲۶۳	حضرت یوسف کی عمر مصر میں آنے کے وقت	〃
۲۴۰	وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ	۴۰۴	۲۶۴	حضرات انبیاء کرام کا ماں سے زیادہ مظہر جمال الٰہی ہے	۴۳۰
۲۴۱	برادرانِ یوسف عشاء کے وقت کیوں آئے	۴۰۸	۲۶۵	علم دو قسم کا ہے اور عالم کون ہے	۴۳۳
۲۴۲	عشاء کا شرعی اور اصطلاحی وقت	۴۰۸	۲۶۶	ایمان کی چودہ شاخیں ہیں	〃
۲۴۳	یوسف علیہ السلام کے کنوئیں کا تاریخی پس منظر	۴۰۹	۲۶۷	وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ	۴۳۴
۲۴۴	صبرِ جمیل کی تعریف اور صبر کی قسمیں	۴۱۰	۲۶۸	لونڈی غلام کے بارے میں شرعی مسئلہ	۴۳۷
۲۴۵	چند جھوٹی روایات	۴۱۰	۲۶۹	ارادۂ یوسفی کے بارے میں صحیح قول	۴۳۸
۲۴۶	کتنے جانور جنت میں جائیں گے	۴۱۱	۲۷۰	برہانِ یوسفی سے مراد	۴۳۹
۲۴۷	تو اعلیٰ چیزیں تو ادنیٰ چیزوں میں	۴۱۲	۲۷۱	برہان کی جامع مانع تعریف	۴۴۰
۲۴۸	وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ	۴۱۵	۲۷۲	عورتوں کا نام قرآن مجید میں کیوں نہیں آیا	۴۴۰
۲۴۹	کوئیں سے نکل کر یوسف علیہ السلام کا پہلا وعظ	۴۱۸	۲۷۳	مخالفِ شریعت پیر بندۂ ابلیس ہے	۴۴۲
۲۵۰	حضرت یوسف کا پہلا معجزہ دعا کی قبولیت	۴۲۰	۲۷۴	وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِیْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ	〃
۲۵۱	حضرت یوسف کی فوٹو بنائی گئی	۴۲۱	۲۷۵	شاہد کے معنی	۴۴۵
۲۵۲	حسنِ یوسفی ایمان بخش معجزہ تھا	〃	۲۷۶	زلیخا اور یوسف دونوں بھاگے مگر نیت کا فرق	〃
۲۵۳	نگاہوں کی قسمیں	〃	۲۷۷	معجزاتِ یوسف علیہ السلام	〃
۲۵۴	صوفیا کے چلوں اور پرہیزی کھانے کا ثبوت	۴۲۲	۲۷۸	زنا کے نقصانات	۴۴۷
۲۵۵	حضرت یوسف کا علم غیب	〃	۲۷۹	حضرت یوسف کے سچا ہونے کی نو نشانیاں	۴۴۸
۲۵۶	بادشاہ اور پورے ملک کا آپ پر ایمان لانا	〃	۲۸۰	تیرہ آدمیوں نے بچپن میں کلام کیا	۴۴۹
۲۵۷	صرف کفار ہی نبی کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہیں	〃	۲۸۱	سچائی کے فائدے	〃

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۲۸۲	ام المومنین عائشہ صدیقہ سب سے افضل ہیں	۴۴۹
۲۸۳	فَلَمَّا رَاٰ قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ	۴۵۱
۲۸۴	قرآن مجید میں کتنی چیزوں کو عظیم فرمایا گیا	۴۵۵
۲۸۵	مصر کی عورتوں کے محرم اور فتی یعنی دلیر جوان	۴۵۶
۲۸۶	عشق اور مقاماتِ عشق کی قسمیں	۴۵۷
۲۸۷	عشق کی علامتیں اور نعت خوانوں کو پیسے دینا عشقِ مصطفےٰ کی ادنیٰ علامت	〃
۲۸۸	فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ	۴۶۰
۲۸۹	کید اور مکر میں فرق	۴۶۳
۲۹۰	انبیاء و اولیاء کی تعریف خدا کی تعریف ہے	۴۶۶
۲۹۱	سات چیزیں سات چیزوں سے اچھی ہوتی ہیں	۴۶۸
۲۹۲	قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ	۴۶۹
۲۹۳	جاہل اور بے وقوف کون ہیں	۴۷۳
۲۹۴	چھ دعائیں بعینہٖ قبول ہوئیں	〃
۲۹۵	زلیخا کو جیل کیوں نہ ہوئی مصر کی جیلوں کی قسمیں	۴۷۴
۲۹۶	محسن کی بارہ صفات	۴۷۵
۲۹۷	مومن کے کردار کی نشانی اور مسلم قوم کی تباہی کا باعث کیا ہے	۴۷۷
۲۹۸	قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖ	۴۷۸
۲۹۹	سات چیزوں سے سات چیزوں کو آفت ہے	۴۸۱
۳۰۰	جیل سے معجزانہ طریقے سے رہائی دلانا	۴۸۳
۳۰۱	علماءِ اسلام کے دینی کردار کا بیان	〃
۳۰۲	پیری مریدی کا اصل مقصد	۴۸۴
۳۰۳	شریعت اور ملت کا فرق	۴۸۵
۳۰۴	يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ	۴۸۷
۳۰۵	بت پرستی میں چھ خرابیاں	۴۹۱
۳۰۶	حضرت یوسف کا عظیم وعظ	۴۹۲
۳۰۷	شراب کی قسمیں	۴۹۳
۳۰۸	تبلیغ دین میں نرمی اور محبت چاہیے -	۴۹۴
۳۰۹	وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا	۴۹۶
۳۱۰	عبور، اعتبار اور تعبیر کا فرق	۴۹۹
۳۱۱	جیل میں یوسف علیہ السلام سے جبریلِ امین کا کلام	۵۰۰
۳۱۲	یوسف علیہ السلام کو جیل کیوں ہوئی	۵۰۱
۳۱۳	نبی اور غیر نبی کی خواب میں فرق	〃
۳۱۴	خواب کے شرعی احکام	۵۰۲
۳۱۵	جیل میں یوسف علیہ السلام نے کتنے مقامِ قرب طے کیے	۵۰۳
۳۱۶	قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ	۵۰۵
۳۱۷	جمع کی قسمیں	۵۰۸
۳۱۸	صادق اور صدیق میں فرق	۵۰۹
۳۱۹	اللہ تعالیٰ کے لئے واحد کے صیغے کہنے لازم ہیں-	۵۱۱
۳۲۰	بستیِ قلبِ مومن کے در و دیوار	۵۱۲
۳۲۱	قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا	۵۱۴
۳۲۲	شدت شداد شدود۔ مشدود کا فرق	۵۱۵
۳۲۳	معجزاتِ یوسفی کی تعداد	۵۱۶
۳۲۴	فضول خرچی کی قسمیں	۵۱۹

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۳۲۵	جائز اور ناجائز کھانوں کا بیان	۵۲۰	۳۳۳	ہتکِ عزت کا دعویٰ کرنا جائز ہے	۵۲۹
۳۲۶	سن اور عائم کا فرق	۵۲۰	۳۳۴	قاضی جج اور فی زمانہ مفتی اسلام پر تفتیش کرنا واجب ہے	۵۲۹
۳۲۷	قوائے حیوانیہ اور عاداتِ رحمانیہ کی تعداد	۵۲۱			
۳۲۸	عبدِ حقیقی کی نو نشانیاں	۵۲۲	۳۳۵	صوفیا کا فرقہ ملامتیہ گمراہ ہے	۵۳۱
۳۲۹	وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ	۵۲۲	۳۳۶	شریعت و طریقت کی امانتیں	۵۳۲
۳۳۰	سازش اور مکر کا فرق	۵۲۵	۳۳۷	قلبِ مومن کے چھ نام	۵۳۳
۳۳۱	اِلّا خلا اور حاشا کا فرق	″	۳۳۸	مناجاتِ نعیمیہ در بارگاہِ رحیمیہ	″
۳۳۲	یوسف علیہ السلام کے جیل سے نکلنے کا واقعہ	۵۲۹	۳۳۹	پچھلی امتوں کو زبور و توریت کی نصیحتیں	۵۳۵

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ

اور نہیں ہے جاندار بیچ زمین مگر پر اللہ رزق اس کا اور جانتا ہے

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو اور جانتا

مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ؕ كُلٌّ فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ⑥

ٹھکانا اس کا اور آخری مقام اس کا سب کچھ ایک صاف کتاب بیان کرنے والی

ہے کہ کہاں ٹھہرے گا اور کہاں سپرد ہو گا سب کچھ ایک صاف بیان کرنیوالی کتاب میں ہے

تعلق

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پہلے فرمایا گیا تھا عَلِيْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ دلوں کی باتیں جاننے والا۔ یہ ایک عظیم دعویٰ تھا اس آیت کریمہ میں ایک نئے دعوے کی شکل میں اس دعوے کی دلیل پیش کی جا رہی ہے کہ وہ اپنی تمام زمینی مخلوق کو جو کروڑوں کی تعداد میں ہے۔ حاجت و ضرورت کے مطابق رزق دے رہا ہے۔ جو جانتا نہ ہو وہ قلبی۔ خیالی۔ جسمانی ضروریات سے کس طرح واقف ہو سکتا ہے۔ اور کس طرح دے سکتا ہے۔ پہلے جاننا ہوتا ہے پھر دینا اس لئے پہلے اس آیت کا ذکر کیا بعد میں عطا کیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں زمانہ حال کے جاننے کا ذکر تھا اس آیت میں مستقر اور مستودع کا ذکر فرما کر زمانہ استقبال میں جاننے کا ذکر فرمایا جس سے کمالِ علم ثابت ہوا۔ ماضی کا علم زیادہ کمال نہیں ہوتا کہ وہ تاریخ اور گفت و شنید سے بھی جانا جا سکتا ہے۔ اس لئے اس کا ذکر نہ فرمایا۔ تیسرا تعلق۔ پہلے فرمایا گیا تھا کہ بعض انسان بعض موقعوں پر اللہ سے چھپنا چاہتے ہیں۔ جو محض فاسد گمان تھا اب بتایا جا رہا ہے کہ وہ اللہ کریم تو زمین کی اندرونی مخلوق کیڑوں مکوڑوں کو بھی جانتا ہے۔ بھلا انسان اس سے کس طرح پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ اسی لئے فِي الْأَرْضِ فرمایا گیا عَلَى الْأَرْضِ نہ کہا گیا۔ اور یہ بدیہی امر ہے کہ رازق کے لئے مرزوق کا جاننا ضروری۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے مرزوق کا ذکر کیا گیا بعد میں عطاءِ رزق سے اپنی رزاقیت کا۔ (تفسیر کبیر)

تفسیر نحوی

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ۔ واؤ سر جملہ ہے مانا فیہ من استغراقیہ صلہ کا ہے دَآبَّةٍ دَبٌّ یا دَبِيْبٌ سے مشتق ہے بمعنی روندنا۔ زمین اکھیڑنا۔ اسی سے ہے دَبَّابَہ بمعنی ٹینک موجودہ دور میں ٹریکٹر کو بھی دبابہ کہتے ہیں۔ ریچھ کو دُبٌّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ پیر ٹیکتا چلتا ہے۔ لغت کے لحاظ سے ہر زمینی جانور کو دابہ کہتے ہیں خواہ ہوائی پرندے ہوں یا کیڑے مکوڑے یا دریائی جانور بجز مچھلی کہ دیگر دریائی تو پانی سے باہر بھی جیتے زندہ رہتے ہیں مگر مچھلی خشکی پر قطعًا نہیں رہ سکتی۔ اصطلاح کے اعتبار سے دابہ صرف خشکی کے چوپایوں کو کہتے

ہیں۔ اورعرف عام میں دابہ فقط گھوڑے کو کہتے ہیں۔ یہاں لغوی معنیٰ مراد ہے اس لئے دَابَّۃٍ نکرہ نفی کے تحت ہے تاکہ سب جاندار زمینی مخلوق کو شامل ہوجائے فی ظرفیۃ کا ہے بعض نے کہا فی بمعنیٰ علیٰ ہے۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ عمومیت کے منافی ہے جبکہ سابقہ نکرہ عمومیت کو چاہتا ہے۔ اَلْاَرْضُ الف لام۔ استغراقی ہے جس سے تحت الثریٰ بھی شامل ہوگیا۔ ارض لفظاً مونث ہے اس کی تصغیر اُرَیْضَۃٌ ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ خوش منظر ہے اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا الاحرف استثنا ہے سابقہ نفی کو توڑا۔ یہاں اِلَّا لٰکِنْ کے معنیٰ میں ہے جس سے استدراک پیدا ہوا اور عطف بھی جیسے کہ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى میں اِلَّا لٰکن کے معنیٰ میں ہے (الانصاف اول ص ۲۲۹) قواعد نحویہ کے مطابق اِلَّا نو معنیٰ میں مستعمل ہے جن میں سے ایک بمعنیٰ لٰکِنْ ہوتا ہے۔ (غریب القرآن) علیٰ۔ اپنے معنیٰ میں ہے بعض نے کہا کہ علیٰ بمعنیٰ من ہے یعنی اللہ کیطرف سے (صاوی) رزق مضاف ھا ضمیر مضاف الیہ کا مرجع دابہ ہے رزق کا اصل معنیٰ ہے نفع والی چیز خواہ غذائی ہو یا دیگر مستعملہ اشیاء اصطلاحاً خوراک کو ہی رزق کہا جاتا ہے۔ یہاں لغوی اصلی معنیٰ مراد ہیں یہ عبارت اصل میں اس طرح ہے اِلَّا رِزْقُهَا عَلَى اللّٰهِ۔ علی اللہ کے تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا واؤ عاطفہ ہے جس سے علم الٰہیہ کی دوسری دلیل ثابت ہوئی مُسْتَقَرّ۔ استقرار سے مشتق صیغہ اسم مفعول بمعنیٰ ظرف یعنی ٹھہرنے قرار پکڑنے کی جگہ ھا ضمیر کا مرجع دَابَّۃ۔ واؤ عاطفہ مُسْتَوْدَعَهَا ودیعت سے بنا ہے۔ بمعنیٰ امانت رکھی ہوئی۔ مراد قبر ہے كُلٌّ فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۔ كُلٌّ۔ كُلٌّ۔ موجبہ کلیہ کا سور ہے بقاعدۂ نحویہ مبتدا ہے۔ فی ظرفیت کا ہے۔ کتٰب بمعنیٰ مکتوب ہے۔ یا بمعنیٰ لکھنے کی جگہ۔ مراد لوح محفوظ ہے۔ مُبِیْنٍ بَیَّنَ سے اسم فاعل ہے یعنی بیان کرنے والی۔ صفت ہے کتاب کی۔ تفسیر عالمانہ۔ ۱ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ اور نہیں کوئی جاندار زمین میں مگر اس کا رزق اللہ کے ذمے ہے۔ یہاں نادان لوگوں کے لئے علوم الٰہیہ کی ایک برہان پیش کرنے کے ساتھ ساتھ ایک عظیم قانون کلیہ بھی بتایا جارہا ہے۔ جس سے ایک مکمل ضابطۂ حیات کا سبق ملتا ہے۔ کیونکہ انسان توکل علی اللہ کے ساتھ کامیاب اور پرسکون زندگی گذار سکتا ہے۔ اگرچہ یہاں رزق کی نسبت مخلوق کے خاص طبقے کی طرف کی گئی ہے مگر باری تعالٰے تمام جاندار بے جان۔ کنکر۔ پتھر۔ لکڑی۔ لوہا زمین۔ آسمان۔ آبی۔ خشکی۔ ہوائی۔ فضائی۔ انسان جنات ملائکہ کیڑے مکوڑے سب کا رازق ہے۔ اس آیت میں صرف دابہ یعنی جاندار مخلوق کا ذکر بقول مفسرین دو وجہ سے کیا یا اس لئے کہ اگرچہ رب تعالیٰ سب کو رزق عطا فرماتا ہے مگر انسان صرف جاندار کی غذا وغیرہ کو دیکھ سکتا ہے۔ اور انسان ہی کو بتانا مقصود ہے اس لئے دابہ کا خصوصیت سے ذکر فرمایا (نور العرفان) یہی توجیہ زیادہ صحیح ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ رزق یعنی غذا وغیرہ کا محتاج صرف جاندار ہے۔ اس لئے دابۃ کا ذکر کیا گیا۔ مگر یہ بات صحیح نہیں۔ اس لئے کہ ہر مخلوق رزق کی محتاج ہے۔ یہ علیٰحدہ بات ہے کہ مختلف مخلوق کا رزق مختلف نوعیت کا ہوتا ہے۔ جن میں بعض کا عقل انسانی میں آسکتا ہے بعض کا نہیں حدیث پاک میں آتا ہے۔ ملائکہ کی غذا تسبیح ہے۔ جنات کی غذا کا ذکر بھی احادیث سے ثابت ہے۔ چرند پرند کا رزق بھی بعض حیثیت میں عقلِ

انسانی کے فہم سے وراء ہے۔ نباتات درخت وغیرہ بھی رزق پاتے ہیں۔ پتھر اور آگ کا کیڑا بھی رزق پاتا ہے مگر یہ سب فہم سے وراء ہے۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ حضرت موسٰی علیہ السلام کے قلب پاک میں ایک دفعہ یونہی اسی قسم کا خیال گزرا وحی آئی اے موسٰی قریبی پتھر پر لاٹھی مارو آپ نے ایک چھوٹی چٹان پر عصا مارا وہ ٹوٹ گیا اس میں ایک چھوٹا پتھر نکلا حکم ہوا اس چھوٹے پتھر کو مارو اس کو مارا تو اس میں سے بہت چھوٹا پتھر نکلا پھر حکم ہوا۔ پھر مارا تو بہت چھوٹا پتھر نکلا حکم الٰہی ہوا کہ اس کو توڑو جب اس کو توڑا تو اس میں ایک ننھا سا کیڑا تھا جس کے منہ میں اس کی کچھ غذا تھی اور اس کا منہ بھی کچھ پڑھ رہا تھا حضرت موسٰی نے کان لگائے تو اپنی زبان میں کہہ رہا تھا۔ پاک ہے وہ رازق جو مجھ کو دیکھتا ہے اور میری عرض سنتا ہے اور میری جگہ پہنچاتا ہے اور مجھے یاد رکھتا ہے بھولتا نہیں۔ اللہ اکبر۔ بس اسی کے لائق ہے رزاقیتِ کائنات۔ دابۃ میں بجز مچھلی تمام مخلوق حیوانی شامل ہے۔ کیونکہ وہ زمین پر چل سکتے ہیں۔ صحیح تر یہ ہے کہ جنات بھی دابۃ میں شامل ہیں۔ علیٰ۔ کا حرف اصطلاحِ شریعت میں وجوب کے لئے آتا ہے۔ یہاں اسی معنٰی میں ہے۔ مگر وجوب دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے پر واجب کرے۔ جیسے کہ عبادت۔ اِتباع۔ اطاعت اور بدلہ۔ فرمانبرداری اور بدلہ۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ یا دیگر حکام کی طرف سے دیگر بندوں پر واجب ہوتے ہیں۔ شرعاً اس کا تارک گنہگار ہے۔ واجب کی دوسری قسم یہ ہے۔ خود اپنی ذات پر محض کرم سے لازم کی جائے۔ اس کے ترک یا کمی پر گناہ نہیں نہ مواخذہ۔ یہاں علٰی سے یہی وجوب مراد ہے۔ خیال رہے کہ جب وجوب کی نسبت رب تعالیٰ کیطرف ہوگی تو مطلب ہوگا کہ اس کا خلاف ممکن نہیں۔ یعنی لازم (منجد) بعض نے کہا کہ علٰی بمعنٰی مِن ہے۔ اور علی اللہ کا مطلب ہے من اللہ یعنی اللہ کی طرف سے (معانی التنزیل خازن) مگر یہ درست نہیں کیونکہ مِن سمت بتاتا ہے اور رزق کی ظاہری سمتیں مخلوق کی طرف ہیں۔ کہ ظاہراً ہر شخص اپنے اپنے فعل سے رزق حاصل کر رہا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس کو جو وسائط عطا فرمائے انہی واسطوں سے رزق حاصل کرنے کا مکلف ہے۔ اور اُن ہی ذریعوں کی طرف سے اُن کو رزق ملتا ہے۔ چنانچہ انسان کو عقل اور مضبوط اعضا دیئے جس سے دوڑ بھاگ کر خود رزق مہیا کریں جانوروں پرندوں چرندوں کو صرف اعضا دیئے کہ اُن کا رزق بکھرا ہے صرف اُٹھانا ان کا اپنا کام ہے۔ دوڑیں بھاگیں اور رزق لائیں کھائیں۔ حجر شجر کو بھاگنے دوڑنے کی طاقت بھی نہ بخشی تو ان کا رزق بذریعہ پانی۔ ہوا خود ان کے پاس پہنچتا ہے۔ یہ سب سمتیں ہی ہیں ان طرفوں سے رزق آتے ہیں۔ پس علٰی کو اپنے معنٰی میں رکھنے سے جو جامعیت اور اظہارِ شان ہوتی ہے۔ وہ بمعنٰی مِن کرنے سے نہیں یہی وجہ ہے کہ شرعاً یہ کہنا جائز ہے کہ مجھ کو فلاں طرف سے یہ رزق ملا۔ مگر یہ کہنا منع ہے۔ کہ فلاں انسان کے ذمۂ کرم پر میرا رزق واجب ہے۔ وجوبِ کریمانہ کی نسبتِ رزقِ مخلوق تو صرف اللہ کریم پر ہے۔ مگر محض کرم سے نہ کہ حق سے۔ کیونکہ وجوب حقی جس کا ابھی پہلے ذکر کیا وہ کسی کا اللہ پر نہیں ہے۔ اس شرعی قانون سے بعض لوگوں نے دھوکا کھاتے ہوئے کہا کہ دعا میں بحقِ فلاں کہنا منع ہے۔ حالانکہ۔ یہ بات غلط ہے۔ کیونکہ وہاں حق سے مراد ہے طفیل یا صدقہ

(مجمع البہار) اس لئے شیخ سعدی نے فرمایا ۔ الٰہی بحق بنی فاطمہ ۔ کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ (بوستان ص) بعض وظائف میں اس طرح کے الفاظ شامل ہوتے ہیں بحق کٓھٰیٰعٓصٓ ۔ بحق طٰہٰ ۔ یٰسٓ رزقنا ۔ رزق کا معنی ہے نفع دینے والی چیز (منجد ص۲۶) اس لغوی معنی کے لحاظ سے صرف حلال چیز ہی رزق کہلا سکتی ہے نہ کہ حرام روزی غذا وغیرہ اس لئے کہ حرام غذا خواہ کتنی ہی اچھی کیوں نہ نظر آئے نقصان ہی دیتی ہے ۔ ظاہراً اگرچہ فائدہ نظر آتا ہو مگر باطناً سراسر نقصان ہے ۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حرام روزی مثل دیمک کے ہے کہ جس طرح دیمک زدہ لکڑی اوپر سے بہت صاف ستھری لگتی ہے مگر اندر سے کھوکھلی ناکارہ ۔ آگ کے قابل رہ جاتی ہے ۔ اسی طرح حرام زدہ جسم اوپر سے اگرچہ تندرست توانا دکھتا ہو مگر باطن میں بزدل ۔ سست ۔ کند ۔ بے نور ۔ بے رونق جرأت وہمت سے مفقود ہو کر رہ جاتا ہے ۔ نہ دنیوی عزت وجاہ کے لائق نہ دینی مصرف کا فقط ۔ نار جہنم کا ایندھن ہوتا ہے ۔ حرام رزق ۔ ابلیس اور ابلیسی ساتھیوں کی طرف سے ملتا ہے ۔ بجز انسان کے اور کسی مخلوق کی روزی حرام نہیں ۔ انسان کا اپنا فعل ہے جو اس کی روزی حرام ہوتی ہے ۔ ورنہ رب کریم تو اپنے بندوں کو صرف حلال روزی سے ہی نوازتا ہے جس طرح کہ رزق میں ۔ حلال غذا ۔ حلال لباس ۔ اور حلال رہائش وغیرہ سب شامل ہیں ۔ اسی طرح حرام روزی میں بھی یہ تینوں چیزیں شامل ہوتی ہیں وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر جاندار کی رہائش گاہ کو اور اس کی قبر کو ۔ یعنی یہی نہیں کہ سب کو رزق دیتا بلکہ سب کے رہنے سہنے چلنے پھرنے ابتدا ۔ انتہا ۔ موت ۔ حیات ۔ حشر نشر ۔ رہائش دنیوی اور قبر کو بھی جانتا ہے ۔ اس لئے کہ فریاد رس اور حاجت روا اور مشکل کشا کے لئے ۔ محتاج اور فریادی سے ہر طرح باخبر ہونا ضروری ہے ورنہ فریاد رسی ناممکن کہ نہ ربوبیت اس کے بغیر ہو سکے نہ رحمت ۔ یہ قول بھی درست ہو سکتا ہے کہ مستقر سے مراد والدہ کا پیٹ اور مستودع سے زمین کا پیٹ مراد ہو ۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے مراد عالم ارواح اور مستودع سے مراد عالم برزخ ہے ۔ بعض نے کہا کہ مستقر سے باپ کی پشت مراد ہے اور مستودع سے ماں کا پیٹ ۔ مگر جمہور قول یہ ہے کہ مستقر سے مراد دنیاوی زندگی ہے اور مستودع سے قبر وبرزخ کی زندگی ۔ اور یہی درست تر ہے ۔ اس لئے کہ ھا ضمیر کا مرجع دابۃ یعنی جاندار مخلوق ہے ۔ اور جاندار دابۃ صرف روح یا نطفے کو نہیں کہا جاتا بلکہ روح مع الجسم کو جاندار کہتے ہیں خواہ دنیاوی حیات میں ہو جو عارضی ٹھکانہ ہے یا اخروی زندگی جو دائمی امانت ہے ۔ بہرحال رب تعالیٰ ہر ذرے سے خبردار اور جاننے والا ہے ۔ یہی نہیں کہ صرف وہی علم رکھتا ہے بلکہ رب کریم اپنے خصوصی بندوں کو بھی بتانے کی مرضی رکھتا ہے ۔ اسی لئے ارشاد فرمایا كُلٌّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ یہ تمام علوم وحقائق ومعارف بڑی کتاب میں لکھے ہیں اور وہ کتاب بھی خفیہ یا پوشیدہ ۔ یا غیر بیّن نہیں ۔ بلکہ مبین ہے ۔ اس طرح کہ انبیاء اولیاء ۔ عارفین ۔ اور ملائکہ کو بیان کرنے والی سب کچھ بتانے والی جتنا کسی کا نور بصیرت زیادہ ہوا اتنا ہی لوح محفوظ سے علم حاصل ہو گا اے بندو یہ سب کچھ تمہارے ہی لئے لکھا گیا ہے تو تم اپنے اندر قوت ایمان پیدا کرو تاکہ تم بھی لوح محفوظ پر نظر کر سکو اور اولیاء کاملین کے گروہ میں داخل ہو جس

کے متعلق کہا گیا ہے کہ شعر لوح محفوظ است پیش اولیاء تمام مفسرین کا متفقہ قول ہے کہ کتب سے مراد یہاں لوح محفوظ ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ شریعت و طریقت پر کامیابی سے چلنے کے لئے، توکل علی اللہ سب سے بڑی عبادت ہے۔ اس کے بغیر کوئی مسلمان فلاحیت سے ہمکنار نہیں ہو سکتا اسی لئے بہت اہتمام سے عطائے رزق کا ذکر فرمایا کیونکہ رزق ہی ایک ایسی چیز ہے جس کا انسان اور دیگر مخلوق ہر وقت حاجت مند ہے۔ بڑی سے بڑی مخلوق اس کے بغیر لاغر و کمزور ہے۔ **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو لوح محفوظ کا علم عطا فرماتا ہے اور اولیاء اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ لوحِ محفوظ ہاں البتہ کسی کو تمام لوح محفوظ کا علم کسی کو بعض کا۔ جتنی جتنی درجہ بدرجہ قوت نگاہ ہو۔ اتنی اتنی نظر لوحِ محفوظ پر ہوتی ہے۔ سارے لوح محفوظ پر نگاہ اور لوحِ محفوظ کا سارا علم صرف محبوبِ اکبر حبیبِ اعظم محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا ہوا یہ فائدہ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ لکھنے کے دو ہی مقصد ہو سکتے ہیں۔ یا تو اپنی یاداشت کے لئے لکھا جاتا ہے یا کسی کو بتانے کے لئے۔ لکھنے والا تو باری تعالیٰ ہے کہ کُنْ فَیَکُوْنُ سے سب کچھ ہو گیا۔ بھول چوک کا یہاں احتمال ہی نہیں لہٰذا پہلا خیال شانِ باری کے خلاف ہے۔ وناممکن۔ پس دوسرا احتمال ثابت ہو گیا۔ ورنہ لکھنا بیکار ہو جائے گا۔ اور باطل و بیکار سے وہ پاک و منزہ ہے اس لئے عقلاً نقلاً ثابت ہوا کوئی ذات مخلوق میں ایسی بھی ہے جس کو تمام لوح محفوظ کی لکھی باتوں کا کُلّی علم ہے وہ ذاتِ پاک بجز محمدِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کون ہو سکتا ہے۔ اسی کو علم غیب کُلّی کہتے ہیں۔ جس کو چھپایا جاتا ہے وہ لکھا نہیں جاتا۔ اور پھر آخر چھپانے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اسرار صرف اغیار سے چھپائے جاتے ہیں ہمراز سے نہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں **پہلا اعتراض** آپ نے تفسیر میں فرمایا کہ رزق صرف حلال روزی کو کہتے ہیں حالانکہ احادیث کی ماثورہ دعاؤں میں اس طرح کی دعائیں بھی شامل ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ رِزْقًا حَلَالًا اور تفسیر میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ رزق صرف نفع بخش چیز کو کہتے ہیں حالانکہ دعا اس طرح بھی منقول ہے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ رِزْقًا نَافِعًا غَیْرَ ضَارٍّ عَاجِلًا غَیْرَ اٰجِلٍ پہلی دعا کا ترجمہ اے اللہ ہم کو حلال رزق دے۔ اور۔ اے اللہ ہم کو نفع والا رزق دے نہ کہ نقصان والا۔ جلدی عطا فرما نہ کہ دیر سے۔ اس قسم کی دعاؤں سے ثابت ہوتا ہے رزق حرام بھی ہوتا ہے اور غیر نافع بھی۔ ورنہ رزق کو موصوف کر کے حلال اور نافع کی صفت سے مقیّد کرنا کیونکر ہے۔ مقیّد اسی کو کیا جاتا ہے جس میں اور بھی احتمال ہو۔ **جواب** آپ کی پیش کردہ ہر دو روایات حدیث شریفہ کی کسی کتاب میں مجھ کو نہ ملیں۔ نہ جامع صغیر میں نہ کسی فہرست الحدیث میں۔ ہاں البتہ اگر کسی بزرگ کی منقولہ دعاؤں میں اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں تو یہ محض تاکید کے لئے ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ نہ ہر صفت قید کے لئے ہوتی ہے اور نہ ہر قید سے غیر کا احتمال۔ بلکہ صفت کبھی تو اظہارِ شان کے لئے آتی ہے۔ کبھی تاکید کے لئے۔ کبھی مقیّد کرنے کے لئے۔ جیسے اللہ تعالیٰ۔ تعالیٰ صفت

ہے لفظ اللہ کی مگر نہ قید ہے نہ تاکید فقط اظہارِ شان مقصود ہے۔ اس لئے کہ اللہ واحد ہی ہے کسی دوسرے کا احتمال بھی نہیں اور جیسے کہ قَمَرًا مُّنِیْرًا چمکتا چاند۔ یہاں لفظِ مُنیر صرف تاکیدی صفت ہے کیونکہ غیر مُنیر کوئی چاند دوسرا ہوتا ہی نہیں اور جیسے کہ جَاءَ زَیْدُنِ العَالِمُ عالم زید آیا۔ یہاں لفظِ عالم صفتِ قید ہے۔ اس لئے کہ بہت سے غیر عالم زید دنیا میں موجود ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ رزقاً حلالاً میں فقط تاکیدی صفت ہے اسی طرح رزقاً نافعاً میں بھی۔ لہذا رزق کی دوسری قسم ثابت نہیں ہوئی رزق نافع اور حلال ہی ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** آیت میں فی الارض کیوں کہا گیا علی الارض کیوں نہ کہا گیا۔ حالانکہ لفظ دابۃ کی مناسبت۔ عقلاً۔ نقلاً۔ اصطلاحاً۔ عرفاً۔ علیٰ فرمانے میں تھی۔ جواب مسائل الرازی کے صفحہ ۱۳۳ پر محمد بن ابوبکر رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ فی بمعنیٰ علیٰ ہے جیساکہ قرآن پاک میں چند جگہ اور بھی اسی طرح آیا ہے۔ مگر یہ صحیح نہیں کہ عمومیت ولغوی معنیٰ کے خلاف ہے۔ دابۃ کا لغوی معنیٰ بہت عام ہے جیسا کہ تفسیر میں ہم نے عرض کیا۔ یہی اصطلاح تو وہ ما وشما کی بنائی ہوئی ہے۔ قرآن پاک اس کا تابع نہیں۔ ان کا دوسرا جواب یہ ہے فی اپنے اصلی معنیٰ ظرفیت کے لئے ہی ہے۔ اس سے عمومیت ثابت کرنا مقصود ہے۔ اور لفظ دابۃ کی لغوی مناسبت سے یہ جواب درست ہے۔ **تیسرا اعتراض** رزق کے لئے صرف دابۃ کا کیوں ذکر کیا گیا۔ حالانکہ پرندے بھی اسی اللہ سے رزق پاتے ہیں۔ جواب اس کا ایک جواب تو تفسیر میں عرض کیا گیا کہ پرندے بھی لغتاً دابہ ہی ہیں دوسری آیت میں پرندوں کا علیٰحدہ ذکر کرنا فقط نوعیت کی تفریق کے لئے ہے۔ دوسرا جواب مسائل الرازی نے یہ دیا کہ دابۃ یعنی چرندے درندے کیڑے مکوڑے جسامت اور کثرت میں پرندوں سے زیادہ ہیں اور انسان کا واسطہ زیادہ چرندوں سے پڑتا ہے اس لئے ان کا ذکر اہتمام سے کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں ما من دابۃ کیوں فرمایا گیا۔ مخلوق کہہ دیا جاتا۔ جواب۔ عامی معنیٰ اور اصطلاح میں حقیر و کمزور اور بہت ہی چھوٹی مخلوق کو دابہ کہا جاتا ہے اس لئے یہ بتایا گیا کہ جو ذات اتنی حقیر و چھوٹی ذریت کو بھی رزق ہر آن دیتا ہے بھلا تم کو کیوں نہ دے گا اور تم سے کیونکر غافل رہ سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ۔ شریعت کی وادی ہو یا معرفت کی گھاٹی ہر مومن کے لئے سب سے بہتر زادِ راہ توکل علی اللہ ہے۔ کہ اس کے بغیر کسی منزل تک نہیں پہنچ سکتا۔ کسی حالت کسی مقام۔ کسی زمانے میں کسی کام میں لگا ہو۔ تصور باطنی یہی ہو کہ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا۔ ہر ذریت کا رزق روحانی وجسمانی اللہ ہی کے ذمہ کرم پر ہے کہ بعض مخلوق کو فقط جسمانی رزق عطا ہوا۔ بعض کو فقط روحانی۔ بعض کو دونوں۔ بعض کو کم۔ بعض کو زیادہ پھر جس طرح مخلوق الٰہی مختلف ان کے جسمانی رزق مختلف اسی طرح اس قاسم رزق نے عجب شان کبریائی سے اپنی تمام مخلوق میں روحانی رزق بھی بحیثیت لیاقت تقسیم فرمایا پس جس کو رزق روحانی سے حصہ ملا وہ علماء۔ اولیاء۔ صلحاء۔ عرفا اور مقربین میں شامل ہوا اور جس کو فقط جسمانی رزق ملا اور روحانی وعرفانی رزق سے محروم رہا وہ خبثاء اور زندیقین اور گستاخوں۔ موذیوں میں شمار ہوا۔ یہ مدارج صرف انسانوں ہی کو نہ ملے۔ بلکہ شجر۔ حجر اور درندوں چرندوں

پرندوں - وحشرات الارض کو بھی عطا ہوتے - چنانچہ عرائس البیان نے فرمایا کہ ظاہر کا رزق اشباہ کے لئے ہے اورمشاہدے کا رزق روح کے لئے ہے وصل الٰہی کا رزق اسرار کے لئے - خوف الٰہی کا رزق نفس کے لئے ہے - رغبت اورشوق کا رزق عقل کے لئے ہے - قرب ربانی کا رزق قلب کے لئے ہے - ملائکہ کا رزق خوف اور ذکر ہے - جنات کا رزق جھڑک اور وعید ہے - حیوان کا رزق روح عنصری ہے - کیڑے مکوڑوں کا رزق تسبیح الٰہیہ کے خطرات و الہامات ہیں - درندوں کا رزق عظیم افعال کے لئے اندھیروں میں خود کو مبتلا کرنا ہے - پرندوں کا رزق خوشی - اور ذکر نفی اثبات یعنی تہلیل کرنا رزق انسانی وہ ہے جس سے اس کے روح و جسم کو بقا ہے - وہ فیض انعال روح فعل نورصفۃ وشہود ہیں - رزق معدہ حلال غذا ہے جس سے بقاءعناصر اربعہ ہے - صوفیائے کرام فرماتے ہیں - موذی - انسان ہو یا جانور اس کو صرف رزق جسمانی دیا جاتا ہے - اس کی روح مردہ ہے - انسانوں میں تمام کافر - ظالم موذی ہیں - حشرات میں - چوہا - بچھو - سانپ - گرگٹ مکھی - مچھر - بھڑ وغیرہ موذی ہیں - درندوں میں بھیڑیا - گیدڑ - بندر - ریچھ - چیتا وغیرہ موذی ہیں - پرندوں میں - کوا - چیل الّو موذی ہیں - جنات میں - بھوت - چڑیل - بدروح - دیو - شیطان موذی ہیں - اجار میں - غیر پہاڑ - استنجا گاہ - پلید مقامات - خطرناک جنگل - بے فائدہ بنجر زمین موذی ہے اشجار میں جھاڑی - تھور کا درخت ایک بزرگ نے فرمایا کہ جس طرح جنات اور انسانوں میں سنی وہابی ہوتے ہیں اسی طرح شجر حجر میں بھی سنی ہیں اور بعض گستاخ وہابی ہیں چنانچہ یہ موذی شجر حجر فہرست وہابیہ میں شامل مستعمل چیزوں میں ٹوٹا برتن - ناپاک لباس - خراب بھسا کھانا موذی ہے ان کو شریعت میں خبیث کہا گیا - ان کو رزق روحانی یعنی تسبیح وذکر اللہ میسر نہیں ہوتا - مخلوق میں جن کو صرف رزق روحانی سے نوازا گیا وہ ملائکہ ہے اور جن کو دونوں رزقوں سے نوازا گیا وہ انسانوں میں انبیاء کرام - اولیاء اللہ - علماء صلحاء - مومن متقی ہیں - پرندوں میں - ہدہد - مور - کبوتر - بلبل - باز عقاب - شاہین وغیرہ ہیں - چرندوں میں ہرنے انسانوں کے گھریلو جانور - شیر - دریائی تمام جانور - شجرات میں بیری انار اور ہر قسم کا جڑی بوٹی بیل - پھل پھول دار - حشرات میں شہد کی مکھی - چیونٹی - تتلی - جگنو اور خوبصورت کیڑے - آسمانی اور گھریلو مکڑی وغیرہ اجار میں - احد پہاڑ - سرسبز اور معدنی پہاڑ - کوہ طور - صفا - مروہ - چشمہ دار پتھر لعل - یاقوت - ہیرے وغیرہ - ان کو رب کریم کی طرف سے رزق روحانی ملا - یہی قرب الٰہی کی معرفت حاصل کرنے والے ہیں - یہ مرزوق جسمانی وروحانی کہاں بھی کسی حالت میں ہوں ان کو اللہ تعالیٰ ہی رزق سے نوازتا ہے - کیونکہ وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ہر ایک کے سیر اور سکونت کو جانتا ہے - اس سے کچھ پوشیدہ نہیں وہ جانتا ہے کہ ارواح کا مستقر انوار ذات ہیں قلوب کا مستقر انوار صفات ہیں عقول کا مستقر انوار افعال ہیں - روحِ مخلوق کا مستودع مکاشفات ہیں - قلوب کا مستودع مشاہدات ہیں - عقول حیوانیہ کا مستودع عبادات ہیں - آیات الٰہیہ میں تدبر ایمانی سے سیر کرنا مستقر ہے اور مجاہدات کی قبریں مستودع - اہل معرفت کے نزدیک عقل کا مستقر ذکر الٰہی ہے اور مستودع فکر ذات ہے - قلب کا مستقر

محبت ہے اور مستودع معرفت ہے ۔ روح کا مستقر توحید ہے اور مستودع فنا فی اللہ ہے۔ تمام مخلوق کا مستقر عدم ہے اور مستودع انوار قدیم ہیں۔ ظاہر اسلام مستقر ہے۔ باطنی ایمان مستودع ہے۔ عابدین کا مستقر مسجد ہے عارفین کا مستقر تجلیات الہٰی کا مشاہدہ گاہ۔ قلب مومن مستودع معرفت ہے کہ اس میں معرفت ودیعت رکھی گئی۔ اللہ جانتا ہے ان کے مستقر و مستودع کو اور اس کے پیارے بندے بھی اس کی عطا سے جانتے ہیں کیونکہ کُلٌّ فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ کائنات کی ہر چیز لوح محفوظ میں لکھی ہے جس کو صفائی قلب سے ہی دیکھا جاسکتا ہے۔ اسی کا عکس قلب مومن میں جلوہ گر ہے۔ سلطان باہوؒ نے فرمایا۔ رباعی

دل دریا سمندروں ڈونگا کون دلاں دیاں جانے ہو ‏ ‏ ‏ وِچے بیڑے وِچے جھیڑے۔ وِچے ونج مہانے ہُو
چوداں طبق دلے دے اندر تنبو وانگوتا نے ہُو ‏ ‏ ‏ باہو جس نے قلب پچھاتا اُوسے رب پچھاتا ہُو

چار اشیاء کبھی نہیں بدلتیں ۱۔ رزق ۲۔ عمر ۳۔ موت ۴۔ سعادت یا شقاوت۔ حضرت امام عالی مقام امام حسین کی تلوار شریف پر چار کلمات کندہ تھے۔ ۱۔ اَلرِّزْقُ مَقْسُوْمٌ ۲۔ وَالْحَرِیْصُ مَحْرُوْمٌ ۳۔ وَالْبَخِیْلُ مَذْمُوْمٌ ۴۔ وَالْحَاسِدُ مَغْمُوْمٌ ترجمہ ۱۔ رزق ازل میں بانٹ دیا گیا ۲۔ لالچی ہمیشہ محروم ہے ۳۔ کنجوس ذلیل رہتا ہے۔ حاسد ہمیشہ جلتا بھنتا رہتا ہے۔ عوام کا توکل اسباب کو اختیار کرنا حرام سے بچنا اور خواص کا توکل ترک اسباب و متوجہ الی اللہ ہونا (روح البیان) ابن جوزی کا صوفیاء کے بعض خصوصی افعال کو تلبیس ابلیس کہنا ان کی نادانی ہے۔ (واللہ اعلم)

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ
اور وہ۔ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو میں چھ دنوں
اور وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ دن میں بنایا

وَّكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ
اور تھا عرش اس کا پر پانی تاکہ آزمائے تم کو کون تم میں زیادہ اچھا ہے
اور اس کا عرش پانی پر تھا کہ تمہیں آزمائے تم میں کس کا کام اچھا ہے

عَمَلًا ؕ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ
عمل میں اور اگر تم کہو بے شک تم اٹھائے ہوئے ہو سے بعد موت البتہ
اور اگر تم فرماؤ کہ بے شک تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے

لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ⑦

کہیں گے وہ جو کافر ہوئے نہیں مگر یہ جادو ظاہر ظہور

تو کافر ضرور کہیں گے کہ یہ تو نہیں مگر کھلا جادو ہے

وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُودَةٍ

اور البتہ اگر دیر کریں ہم سے اُن عذاب میں طرف مدت گنی ہوئی البتہ

اور اگر ہم ان سے عذاب کچھ گنتی کی مدت تک ہٹا دیں۔

لَّيَقُولُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ؕ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيهِمْ لَيْسَ مَصْرُوفًا

کہیں گے کس نے روکا اس عذاب کو۔ خبردار دن آئے گا ان کو نہیں پھیرا ہوا

تو ضرور کہیں گے کس چیز نے روکا ہے سن لو جس دن ان پر آئے گا ان سے

عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُونَ ⑧

ان اور گھیرے گا کو ان وہ کا اس مذاق کرتے

پھیرا نہ جائے گا اور انہیں گھیرے گا وہی عذاب جس کی ہنسی اڑاتے تھے

تعلق

اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالٰے کے علم کی یہ دلیل پیش کی تھی کہ وہ اللہ تمام مرزوقین کے حالات مقامات، عارضی۔ دائمی کو جانتا ہے۔ اس آیت پاک میں اس کے علم کی دوسری دلیل پیش کی جارہی ہے کہ وہ تمام مرزوق پر مکمل قدرت رکھتا ہے کیونکہ خالق کائنات ہے اور اب بتایا جارہا ہے کہ تمام مرزوقات اس کے مقدورات ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا۔ وہ اللہ ہر جاندار کو رزق عطا فرماتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ رزق دینے کا مقصد یہ ہے کہ آزمائے کون اچھے عمل والا ہے کون برے۔ کون اس کا رزق لے کر بطور احسان مندی بذریعہ عبادت و ریاضت شکر کرتا ہے۔ کون منکر گستاخ ہوکر۔ ناشکری کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کریم انسانوں وغیرہ کے مستقر یعنی مسکون رہنے کی جگہوں کو جانتا ہے۔ اب اس آیت کریمہ میں ان کی گھریلو گفتگو کا تذکرہ کیا جارہا ہے جو خفیہ طور پر اپنے مسکون میں بیٹھ کر کرتے ہیں۔ کہ جب موت زندگی کا ذکر کیا جائے تو اس کو جادو سمجھتے ہیں۔ اور اپنوں کو اس طرح سمجھا بجھا دیتے ہیں کہ یہ سب جادو کی باتیں ہیں اور جب عذاب میں دیر ہو تو آپس میں مذاقیہ طنزیہ گفتگو

کر کے مائل بہ اسلام کفار کو ورغلاتے ہیں **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیت میں تمام جان والوں کے رزق کا ذکر تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ عطاء رزق کفار کو اس دھوکے میں نہ رکھے کہ وہ بہت اچھے ہیں۔ نہ اس خیال میں سرمست رہیں کہ ان کو یہ رزق ہمیشہ ہی ملتا رہے گا۔ بلکہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ یہی عذاب شدید ان کو گھیرلے گا۔ جس کا مذاق اڑاتے ہیں۔

شانِ نزول ایک دفعہ اہل یمن نے اور ابی رزین نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ تمام مخلوق سے پہلے ہمارا رب کہاں تھا آپ نے فرمایا بس اللہ ہی تھا اور کچھ نہ تھا۔ نہ پانی نہ ہوا نہ عرش پھر عرض کی کہ عرش کہاں تھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ (کبیر۔ خازن)

تفسیر نحوی وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ ——— واؤ سرجملہ تعلیلیہ ہے۔ اس کو استینافیہ بھی کہتے ہیں۔ ماسبق کی علت بیان فرمانے کے لئے مستعمل ہوئی۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل نے الّذی موصول کو مضبوط کیا۔ ہر دو کا مرجع رب کریم ہے۔ خَلَقَ ماضی مطلق خَلْقٌ سے مشتق ہے۔ مطلق پیدائش کو شامل ہے خواہ اوّلی ایجاد ہو یا ثانوی یہاں ایجاد مراد ہے لہٰذا خَلَقَ بَدَءَ کے معنیٰ میں ہو سکتا ہے۔ اَلسَّمٰوٰتِ۔ الف لام عہد ذہنی ہے۔ سَمٰوٰتٌ سَمَاءٌ کی جمع ہے جو دراصل سَمَاءٌ تھا۔ سات معنیٰ میں مشترک ہے یہاں بمعنیٰ محیط کرّہ ہے جس کی تعداد سات ہے اس کی حقیقت اللہ رسول جانتے ہیں۔ واؤ عاطفہ ہے اَلْاَرْضَ میں الف لام عہد خارجی ہے۔ لفظی مؤنث ہے علامتِ تانیث پوشیدہ ہے۔ تین معنیٰ میں مشترک ہے ۱ کرۂ خاک ۲ سلطنت ۳ کھیتی۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ فِیْ ظرفیت مجازی زمانی کے لئے ہے۔ بِسِتَّةِ اَیَّامٍ۔ مرکب اضافی ہے۔ لفظ سِتَّۃ مؤنث ہے مذکر کے لئے۔ سُدُسٌ بولا جاتا ہے چھ کے لئے مستعمل ہے اَیَّام جمع یوم کی بمعنیٰ روشن دن۔ مجازی معنیٰ ہیں مطلق وقت۔ یہاں عموم مجاز مراد ہے وَکَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ واؤ حالیہ کَانَ تامہ ماضی بعید ہے۔ عَرْشُهٗ مرکب اضافی ہے۔ اضافت ملکیت کی ہے۔ ہٗ کا مرجع ذاتِ باری ہے۔ عرش کے حقیقی معنیٰ ہیں تخت۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مجازی تین معنیٰ ہیں ۱ سلطنت ۲ قدرت ۳ بنیاد۔ عَلٰی صرف چھ معنیٰ میں مشترک ہے یہاں جمہور قول ہے۔ استعلا کے لئے۔ بعض نے کہا بمعنیٰ مع ہے۔ یعنی عرش پانی کے ساتھ تھا۔ الماء میں الف لام عہد خارجی ہے۔ مَاءٌ دراصل مَوَهٌ تھا بوجہ ثقل ماہ کیا گیا پھر ماءٌ ہوا بمعنیٰ پتلی شی یا رونق یہاں پہلے حقیقی معنیٰ مراد ہیں۔ مراد سمندر ہے یعنی مظروف نہ کہ ظرف لِیَبْلُوَكُمْ اَیُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ لام تعلیلیہ ہے۔ یَبْلُوَ مضارع کو زبر دیا۔ بَلْوٌ یا بَلَاءٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ آزمائش اور امتحان کرنا۔ تجربہ کرنا بھی اس کا معنیٰ ہے مگر یہاں نہیں مراد ہو سکتے کہ محال بالذات ہے۔ کُمْ سے مراد سارے جن و انس ہیں اَیُّکُم۔ اَیُّ استفہامیہ بھی ہوتا ہے موصولہ بھی یہاں استفہامیہ ہے یہ کُمْ ضمیر جمع مذکر پہلے کُمْ کے مثل عام ہے۔ مؤنث کو بھی تبعاً شامل ہے۔ اَحْسَنُ

حُسْنٌ کا اسم تفضیل ہے۔ عَمَلًا اسم مصدریہ ہے حالت زبری ہے بوجہ تمیز کے عمل اس کام کو کہا جاتا ہے جو محنت سے کیا جائے اور فعل وہ کام ہے جس میں محنت مشقت نہ ہو خواہ فعل ہی تھوڑا ہو یا فاعل کو محسوس نہ ہو اسی لئے فعل کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف جائز ہے عمل کی نسبت منع۔ عمل عام ہے قلب وقالب کے کام کو۔

وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ. واؤ سر جملہ (استینافیہ) ان حرف شرط قُلْتَ سے نبی کریم بھی مراد ہو سکتے ہیں اور عام مومن بھی۔ اِنَّكُمْ۔ اِنَّ حرفِ تشبیہ تاکید اور شدتِ کلام ویقینیت کے لئے ہے۔ کُمْ سے مراد صرف مخاطب کفار ہیں۔ مَبْعُوْثُوْنَ اسم مفعول کا صیغہ جمع ہے۔ بعث سے مشتق ہے بمعنی بعد موت زندہ کیا جانا پانچ معنیٰ میں مشترک ہے یہاں مِنْ۔ زائدہ تاکید کے لئے ہے سولہ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے بَعْدِ کے دو معنیٰ ہیں۔ ۱ ہلاک ہونا ۲ تراخی۔ یہاں دونوں معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ الموت۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ مراد مرنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے منتقل ہونا لَيَقُوْلَنَّ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ . لامِ کُے ہے۔ جملہ جزا ہے۔ یقولون مضارع بمعنیٰ حال ہے۔ بعض نے کہا بمعنیٰ مستقبل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر ہے فاعل ہے۔ ماقبل فعل کا۔ كَفَرُوْا پورا جملہ صلہ ہے کُفْرٌ سے مشتق ہے اس کے حقیقی معنیٰ ہیں انکار کرنا۔ مجازی معنیٰ ناشکری۔ اور اصطلاحی معنیٰ ہیں انکارِ اسلامیات یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔ شرک بھی شامل ہے۔ اِنْ آٹھ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے مگر یہاں نافیہ ہے اور اس کی نفی مثل مانافیہ کے ہوتی ہے نہ کہ لم یا لن کی طرح۔ یہاں نفی ہونا اِلَّا کی وجہ سے ہے۔ هٰذَا اسم اشارہ قریب کے لئے ہے مذکر ہے۔ اس کا مونث هٰذِهٖ ہوتا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ محذوف قرآن کریم ہے۔ اِلَّا۔ حرف استثناء نے سابقہ نفی توڑ دی مستثنیٰ مِنْهُ۔ شَیْءٌ پوشیدہ ہے اس لئے۔ سِحْرٌ۔ مستثنیٰ مفرّغ ہے۔ دراصل اس طرح تھا۔ نہیں یہ قرآن کچھ بھی مگر جادو کھلا۔ سحرٌ خود مصدر ہے بمعنیٰ اسم جامد۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ دل پر چوٹ لگانی۔ خواہ ظاہری زخم یا باطنی عشق ومحبت۔ اسی لئے دلکش چیز کو بھی جادو کہا جاتا ہے۔ اصطلاحی ترجمہ ہے۔ دھوکہ۔ فریب۔ امام رازی علیہ الرحمت نے اس کا ترجمہ کیا ہے۔ باطل۔ دونوں معنیٰ درست ہو سکتے ہیں کیونکہ جادو دلکش بھی ہوتا ہے اور دھوکہ بھی اور باطل بھی۔ مبین۔ بَيْنٌ کا اسم فاعل ہے۔ یہ متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی یہاں لازم ہے۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ اسی طرف راغب ہے وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ . واؤ سر جملہ لَئِنْ کے لام میں۔ پہلے لَئِنْ قُلْتَ کی طرح دو احتمال ہیں ایک یہ کہ قسمیہ ہے۔ دوسرے یہ کہ تاکید یہ ہے۔ ان حرف شرط پہلی صورت میں جملہ شرطیہ نہیں بنتا بلکہ قسم اور جواب قسم۔ دوسری صورت میں جب کہ لام تاکیدیہ ہو یہ جملہ شرط اور اگلا جملہ جزا ہے۔

اَخَّرْنَا اَخْرٌ مہموز الفاء سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پیچھے کرنا خواہ مکانی یا زمانی۔ یہاں زمانی تاخیر مراد ہے یہ تین معنیٰ میں مستعمل ہے۔ ۱ دیر کرنا ۲ ملتوی رکھنا ۳ مہلت دینا۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں مگر آخری معنیٰ زیادہ مناسب ہیں۔ جمع متکلم کا صیغہ لیکن مراد اللہ تعالیٰ۔ بلحاظ فصاحت کلام عَنْهُمْ۔ عن حرف جار میں دو احتمال ہیں ۱ عن بمعنیٰ من ہے تب اَخَّرْنَا متعدی بیک مفعول ہوگا ۲ زائدہ۔ تب متعدی بدو مفعول ایک مفعول هُمْ

اور دوسرا اَلْعَذَابُ - اَلْعَذَابُ میں الف لام عہد ذہنی ہے عذاب بمعنی اُخروی سزا الیٰ حرف جر بیان انتہا کے لئے آتا ہے۔ اس کے علاوہ آٹھ غیر اصلی معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔ اُمَّۃٍ - کا اصلی لغوی ترجمہ ہے۔ گروہ۔ خواہ چھوٹا خواہ بڑا۔ دیگر چھ مجازی معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔ جن میں سے ایک ہے۔ مُدَّت - وہی یہاں مراد ہے۔ اُمت کا لفظی معنیٰ چند افراد - وہ افراد خواہ انسانی ہوں یا حیوانی - مکانی ہوں یا زمانی - زمانی افراد دن ہیں وہی یہاں مراد ہیں۔ جس طرح کے چند انسان ایک امت چند حیوان ایک امت اسی طرح چند دن بھی ایک امت ہوتے چونکہ لفظ اُمَّت قلیل کثیر کو عام تھا۔ اس لئے مَعْدُوْدَۃٍ فرما کر قلت کی تاکید فرمادی۔ معدودۃ عَدَدٌ بمعنی گنتی کرنا سے مشتق ہے ایک دو تین چار۔ کو عا دکہنا بمعنیٰ اسم مفعول ہے۔ ہر وہ چیز جس کو یاد ہی بلا تکلف گنا جا سکے وہ عربی میں معدود (یعنی چند) کہلاتی ہے لَیَقُوْلُنَّ مَا یَحْبِسُہٗ ط یہ جملہ - لَیَقُوْلُنَّ اخرنا - کا یا جواب قسم ہے یا جواب شرط - یعنی جزا - لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ فعل مضارع جمع مذکر معروف۔ اس کا فاعل ھم ضمیر جمع غائب اس کا مرجع تمام کافر۔ ما موصولہ استفہامیہ ہے یَحْبِسُہٗ حَبْسٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ جبراً روکنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ اس کا مرجع ما ہے۔ ظاہر ضمیر مفعول بہ ہے۔ یہ پورا جملہ مقولہ ہے قول کا اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ ۔ اَلَا پانچ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے یہاں بمعنیٰ حقاً ہے یعنی یہ بات بالکل حق اور یقینی ہے۔ یوم سے مراد مطلق وقت ہے اور یہ ظرف ہے یاتیھم کا ظرف میں تقدم متفقاً جائز ہے۔ تفسیر صادی نے فرمایا۔ اصل عبارت اس طرح تھی اَلَا لَیْسَ ھُوَ مَصْرُوْفًا عَنْھُمْ یَوْمَ یَاْتِیْھِمُ الْعَذَابُ ۔ اس طرح ترکیب نحوی بالکل بدل جاتے گی یاتی اِتْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ دور سے آنا لازم ہوتا ہے۔ لَیْسَ فعل ناقصہ ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ مَصْرُوْفًا صَرْفٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پھیرنا۔ موڑنا۔ عن۔ بمعنیٰ من ہے ھم کا مرجع وہی مذاق کرنے والے کافر ہیں۔ یہ پورا جملہ اسمیہ لیس کی خبر ہے وَحَاقَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ۔ حَاقَ فعل ماضی حَوْقٌ سے مشتق ہے باب مطرد کا پہلا ہے ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے بعض نے کہا کہ حق تھا اصل میں حق سے خفت کرنے کے لئے حاق ہوا۔ جیسے کہ زَلَّ سے زال ذَمَّ سے ذَامَ ہو جاتا ہے۔ (معانی) واؤ عاطفہ ہے۔ حوقٌ کا لغوی ترجمہ ہے۔ وسط میں کرنا۔ جو چیز کسی کو گھیرتی ہے وہ گویا وسط میں کرتی ہے یعنی ہر طرف عذاب نے گھیراؤ کرنا ہے۔ کہ مجرم بھاگ نہ سکے۔ ب زائدہ ھم ضمیر مفعول بہ کہ درجے میں ہو کر متعلق ہے حاقَ کا ما اسم موصول فاعل ہے۔ یہ اکثر اصلاً غیر عقل کے لئے مستعمل ہے۔ کانو فعل تامہ ہے بمعنیٰ ماضی بعید۔ بہ ب زائدہ کا مرجع ما ہے یَسْتَھْزِءُوْنَ ھُزْءٌ سے مشتق اس سے استہزاء استفعال کا مصدر بنا۔ ھزءٌ یا ھَزْیٌ کا لغوی ترجمہ ہے توڑنا۔ مذاق بھی چونکہ متکلم کی بات توڑنا ہے اس لئے اس کو استہزا کہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّۃِ اَیَّامٍ ۔ اور وہ اللہ وہ قدرت والا ہے کہ جس نے چھ دن کی قلیل مدت میں اتنے بڑے بڑے آسمان وزمین ایجاد فرماتے۔ اس جگہ تین

طرح اظہار قدرت عجیبہ ہے اولاً اس طرح کہ اتنی بڑی وبلند اشیاء صرف چھ دن کی معمولی مدت میں پیدا فرما دے دو دن میں آسمان دو دن میں تمام زمینیں اور دو دن میں آسمان وزمین کی تمام مخلوق۔ بعض نے کہا کہ پہلا دن اتوار تھا آخری دن جمعہ (بیان) مگر صحیح تر یہ ہے کہ اس وقت موجودہ ایام نہ تھے کیونکہ ان کا تعلق سورج اور فضاء زمین سے ہے اور یہ اس وقت نہ تھیں۔ بلکہ مطلق وقت مراد ہے جس کی مقدار موجودہ چھ دن کے برابر تھی حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس دن کی ایک ہزار سال مدت تھی۔ تو گویا چھ ہزار سال مدت ہوئی مگر یہ قول منشاء قدرت کے مطابق نہیں مقصود تو یہ بتانا ہے کہ اتنی بڑی مخلوق اتنی تھوڑی مدت میں پیدا فرمائی جبکہ دنیا کا بڑے سے بڑا صناع کاریگر چھوٹی چیز بنانے میں بھی خاصا وقت لگاتا ہے۔ دوسرے اس طرح کہ دنیا بھر کے موجد یا کارندے صرف نقشہ یا ڈھانچہ بدل کر صناعی کا تمغہ حاصل کرتے ہیں کہ لوہے پیتل سے اشیاء ایجاد کر دیں مگر لوہا۔ پیتل نہ بنا سکے۔ خالق وہ ہے جو اصل مادے کو پیدا فرما کر ان سے مختلف ڈھانچے پیدا فرماتا ہے۔ اسی لئے وہی معبود اور خالق کہلانے کے لائق ہے کسی اور کو خالق کہنا جائز نہیں نہ ہی اس کے سوا کسی اور کو معبود کہنا جائز۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اِنِّیۡۤ اَخۡلُقُ لَکُمۡ میں تمہارے لئے پرندہ پیدا کروں گا مگر ساتھ ہی مِنَ الطِّیۡنِ فرما کر اپنی خالقیت کا انکار کر دیا کہ میں خالق نہیں ہو سکتا کیونکہ خالق وہ ہے جس کی بناوٹ۔ صناعی کاریگری میں کسی دوسرے کی کوئی چیز شامل نہ ہو۔ تیسرے اس طرح کہ دنیاوی ایجادات میں کافی سے زیادہ کمیاں کمزوریاں۔ اور ضرورت کی چیزیں رہ جاتی ہیں جو بعد میں پوری ہوتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ اول اول چیزیں کیسی گھٹیا اور غیر مکمل ایجاد ہوئیں پھر جس جس طرح دماغ نے کروٹیں لیں ایجادات عالم زیادہ مفید۔ مضبوط اور خوشنما ہوتی چلی گئیں۔ مگر شان قدرت کیسی عظیم ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی ہے کہ اولین خلقت بھی ایسی مکمل۔ مفید۔ مضبوط اور خوشنما ہے کہ کسی زیادتی کی ضرورت نہیں۔ نہ ہی تبدیلی کی حاجت روز اول میں آسمان جیسے بنے ابد الآباد تک ویسے ہی رہیں گے۔ بعض احمق انگریز مورخین نے اپنے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) میں لکھا انسان پہلے بندر نما تھا پھر کچھ بدلا یہاں تک کہ خوبصورت انسان بن گیا۔ اور اپنی اس بیہودہ بات کی تائید میں خود ساختہ تصویریں بھی چھاپ ڈالیں۔ مگر یہ سب غلط ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ آدم علیہ السلام بہت خوبصورت تھے شب معراج میں نماز معراج اور مختلف آسمانوں پر از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام کی ملاقات ہونے میں دیگر بے شمار حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی تھی نبی کریم پہلی انسانی ایجاد بھی ملاحظہ فرما کر ان جیسے کم عقل مورخین انگریز وغیرہ کو بتا دیں کہ تم توانی اختراع اور ذہنی تصورات کی بات کر کے اس کو حقیقت کا لبادا پہنا دیتے ہو۔ اور میں خالق کی تمام مخلوق آنکھوں دیکھ کر کہتا ہوں کہ اس میں اول۔ آخر۔ ظاہر۔ باطن نہ کچھ کمی ہے نہ کمزوری۔ بلکہ پہلا انسان آج کے انسان سے زیادہ قوی دراز۔ مضبوط اور مکمل تھا یہی وجہ ہے کہ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے

بعض انبیاء مثلاً حضرت آدم حضرت ابراہیم ۔حضرت موسیٰ حضرت یوسف حضرت عیسیٰ علیہم السلام کی شکلیں بنا کر ہم شکل صحابہ کی نشان دہی بھی فرمادی تاکہ پتہ لگے کہ ابتدا وانتہا میں انسانی بناوٹ میں تو فرق ہو سکتا ہے ۔ مگر مصنوعات خالق میں یہ بات نہیں ۔ آسمانوں کی طرح زمینیں بھی سات ہیں لیکن نوعیت میں فرق آسمان علیحدہ علیحدہ سات ہیں جن کا فاصلہ مطابق حدیث پاک پانچ سو سال کی مسافت تیز اونٹ کی تیز رفتار سے ۔ پہلا آسمان موج مکفوف یعنی منجمد جھاگ کا بنا ہے یہ فلک القمر ہے بعد موت ارواح مومنین یہیں پر رکھی جاتی ہیں ۔ جن کا تعلق اجساد سے قائم رہتا ہے ۔ دوسرا آسمان سفید موتی کا ہے ۔ وہ عالم ارواح ہے اور یہی فلک عطارد ہے ۔ تیسرا آسمان لوہے کا بنا ہے ۔ فلک زہرہ ہے اور ارواح زاہدین کا ٹھکانا ۔ چوتھا آسمان پیتل کا ہے ۔ یہی سورج کا فلک ہے ۔ اور عارفین کی ارواح کا ٹھکانہ پانچواں آسمان ۔ تانبے کا ہے ۔ اور مریخ کا فلک یہی ہے ۔ ارواح انبیاء کرام کا عالم بھی ہے ۔

چھٹا آسمان چاندی کا ہے ۔ مشتری کا فلک اور مقام رسل علیہم السلام یہی ہے ۔ ساتواں آسمان سونے سے بنا ہے وہ زحل کا مدار ہے اور اولی العزم رسول جن کا نام قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کا مقام ہے ۔ اس سے اوپر اتنے ہی فاصلے پر کرسی ہے جو مقام مرسلین اور کتب سماوی ہے ۔ اس سے اوپر اتنے ہی فاصلے پر عرش ہے جو مقام روح مصطفےٰ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم السلام یہیں قضاء وقدر ۔ وعد ۔ وعید ۔ امر ۔ نہی و احکام الٰہیہ کا مصدر ہے (روح البیان) زمین بھی سات ہیں ۔ مگر قرآن کریم میں اکثر اس کو واحد اس لئے لایا گیا کہ ان میں فاصلہ نہیں بلکہ مثل پیاز کے چھلکے کے ہے ۔ بعض نے فرمایا کہ زمین اپنے خطوں کے لحاظ سے سات ہے چنانچہ اس طرح تقسیم کی گئی ۱؎ مغرب ۲؎ مشرق ۳؎ شمال ۴؎ جنوب ۵؎ جنگل دلدل ۶؎ بستی آبادی ۷؎ بحری ۔ تو گویا کہ پہلی تقسیم عمودی ۔ عموقی اور گہرائی کے لحاظ سے اس طرح نمی ۱؎ مٹی ۔ پھر ۲؎ ریت ۳؎ پھر پتھر ۴؎ علاقہ سرد ۵؎ پھر علاقہ معتدل ۶؎ پھر علاقہ گرم ۷؎ پھر علاقہ سیاہ جس کو تحت الثریٰ کہا جاتا ہے ۔ اور دوسری تقسیم باعتبار سطحی ہے ۔ اسرائیلی روایت میں ہے کہ زمینیں بھی اسی طرح فاصلے سے ہیں جس طرح سات آسمان مگر یہ غلط ہے ۔ یہودیوں کی بناوٹ ۔ سائنس دانوں کی طرح ہیں اسرائیلی روایات بھی اکثر خود ساختہ اور جھوٹی ہوتی ہیں ۔ سمٰوٰت میں خود آسمان اور تمام آسمانی مخلوق شامل ہے ۔ اسی طرح ارض میں زمین اور تمام زمینی مخلوق شامل ہے ۔ مخلوق میں سب سے نیچے پانی ہے ۔ اور سب سے اوپر عرش اعظم ہے ۔ یہ اب ہے ۔ مگر پہلے ۔ وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ اور اس کا عرش پانی پر تھا ۔ یا اس طرح کہ عرش اعظم پانی پر رکھا تھا ۔ بیچ میں کوئی خلا نہ تھا ۔ اس صورت میں علیٰ فوقیت مکانی کے لئے ہوگا اور ان فلاسفۂ اسلام کا قول درست ہوگا جو یہ کہتے ہیں کہ پانی پہلے پیدا ہوا پھر عرش اعظم ۔ اور دونوں سے پہلے ہوا تھی پھر جب آسمان وزمین کو پیدا فرمایا تب پانی کو دو حصوں میں تقسیم فرمایا ایک حصہ عرش اعظم سے ملحق نیچے رکھا اور دوسرے حصے کو زمین کے نیچے والی جگہ میں پہنچایا ۔ گویا کہ پانی کی جگہ تبدیل ہوئی عرش اعظم اور نصف پانی میں

اپنی جگہ قائم رہا۔ (روح المعانی) پانی کی خلقت اس طرح ہوئی کہ رب کریم نے سبز موتی پیدا فرمایا اس پر اپنی تجلی وارد فرمائی تو وہ پانی بن گیا (معانی بیان خازن) پانی کو ہوا پر رکھا گیا۔ اور پانی پر عرش کو۔ اور یا اس طرح کہ عرش اپنی جگہ تھا جس جگہ اب ہے اور پانی بھی موجودہ جگہ تھا درمیان میں کچھ نہ تھا۔ پانی کے اوپر صرف عرش تھا باقی سب خلا ہی خلا تھا۔ پہلے عرش بنا پھر ہوا پھر پانی۔ اور حرف علی فوقیت زمانی کے لئے ہے یعنی عرش اعظم پانی سے پہلے تھا اس طرح کہ سب سے پہلے نور محمدی پیدا فرمایا پھر اسی سے اس کے لئے عرش بنایا گیا۔ جب عرش کو قرب الٰہی نصیب ہوا تو اس کا خشیۃ ذات سے پسینہ بہا وہ پانی بن گیا۔ اس کو ٹھنڈا کرنے کے لئے ہوا پیدا فرمائی۔ پھر پانی پر تجلی ذات وارد ہوئی تو اس میں جوش پیدا ہوا جس سے دھواں اور جھاگ بنا۔ دھوئیں سے سات آسمان۔ جھاگ سے زمین۔ جھاگ کی گرمی سے پہاڑ اور دھاتیں پیدا ہوئیں۔ دھوئیں کو مختلف دھاتوں میں شکل دے کر آسمانوں کو مزین فرمایا۔ اور ان آسمانوں کا حصہ پوشیدہ رکھا گیا۔ مگر ہر آسمان سے سیارے ظاہر فرما کر نشان قدرت قائم کیا گیا اور اسی سے آسمانوں کی اصلیت کا بھی پتہ لگا (صاوی) یہ سب کچھ بندوں سے اس لئے چھپایا گیا۔ لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا۔ تاکہ آزمائے کہ کون تم میں سے زیادہ اچھے عمل کرنے والا ہے۔ کہ نہ تو سائنسی دنیا میں جا کر خود ساختہ کچی جھوٹی قیاس آرائیاں کرے بلکہ فلکیات اور تمام خلقت کائنات میں قرآن وحدیث وفرمودات اسلام کے نقطۂ نگاہ کو ہی تسلیم کرے۔ اور نہ مثل فلاسفۂ قدیم کے مخلوق عالم میں غور وتفکر سے خَلَّاقِ عَالَم کا منکر ہو کر دھریہ بنے۔ بلکہ ان آسمان زمین چاند سورج پہاڑ اور ان کے معدنیات وغیرہ میں تدبر کرکے۔ شکر خدا واتباع نبی کرو۔ اور ان چیزوں کو اپنی دینی ایمانی اعمال کا ذریعہ اور رب تعالیٰ کی مخلوق کے لئے جو چیز بھی ایجاد کرو وہ اسی اطاعت اور اس کے ممنوعات سے بچنے میں صرف کرو کہ یہ سب کچھ تمہارے ہی فائدے کیلئے ہے نہ اس میں زمین وآسمان کا فائدہ نہ خالق کا۔ اسی لئے اے انسان یہ سب کچھ تیرے قبضے میں دیا گیا اب تیری سلطنت کا نیا آغاز ہوتا ہے۔ تمہاری آزمائش ہوگی کہ کون اس خلافت الٰہیہ کی صحیح ذمہ داری اٹھاتا ہے کون غلط کون کس مخلوق سے کیا سلوک کرتا ہے۔ کون اچھے عمل کرکے محسن۔ مخلص منصف بنتا ہے کون اللہ کی مخلوق سے بُرا برتاؤ کرکے ظالم۔ کافر۔ سرکش بنتا ہے۔ جو سرکش ظالم ہوا اس کے لئے بعد موت اٹھنا اور عذاب چکھنا ہے۔ کیونکہ یہ آسمان زمین بیکار بے فائدہ نہیں بنائے گئے اے پیارے حبیب یہ کافر سمجھتے ہیں کہ شاید یہ دنیا یوں ہی کھیلنے۔ کھانے اور سرمستی کے لئے بنی ہے اور اسی طرح ہمیشہ رہے گی۔ اسی لئے وَلَئِنْ قُلْتَ إِنَّكُمْ مَبْعُوثُونَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُولَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُبِينٌ۔ اگر کہو تم کہ بے شک اے کافرو تم اٹھائے جاؤ گے بعد موت تو کہیں گے کافر کہ یہ باتیں تو نری جادو ہیں۔ یا یہ اٹھنا یا قرآن۔ یا نبی کریم کی خبریں۔ یا معجزات بالکل جادو ہیں یا مشابہ جادو کہ وہ بھی باطل ہے اور (معاذ اللہ) یہ بھی۔ کہ اوپر سے تو بہت فصاحت بلاغت اور دل دہلا دینے والا ہے لیکن بباطن کچھ حقیقت نہیں۔ یہ آیت گویا کہ پہلی عبارت لِيَبْلُوَكُمْ کا تتمہ

ہے۔ کہ آسمان وزمین کی پیدائش کا مقصد تو امتحان و آزمائش انسان و جنات ہے اور آزمائش کے لئے دو موقعوں کی ضرورت ہے۔ ایک موقعہ تیاری کا اور ایک امتحان گاہ کا۔ تیاری کے لئے تو یہ دنیا کی زندگی عطا ہوئی۔ امتحان کے لئے بعد موت اٹھنا لازم ورنہ امتحان لینے دینے کا موقعہ کون سا ہوگا۔ اس عبارت میں اشارۃً کفار کی حماقت بھی ثابت ہوتی ہے کہ کافر اس بات کے اقراری تھے اور مانتے تھے کہ زمین و آسمان کا خالق رب تعالیٰ ہی ہے اور پہلی ہی مرتبہ محض اپنے ذاتی علم سے سب کو پیدا کر دیا حالانکہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ اس مشکل ترین کام کو قدرت الٰہی سے مانتے تھے جیسا کہ دیگر آیت میں لَيَقُولُنَّ اللّٰهُ کے الفاظ میں ان کا اقرار مذکور مگر دوبارہ پیدا کرنے کو نہ مانتے تھے حالانکہ دوبارہ نقل آسان ہوتی ہے۔ یہ معمولی بات ان کی سمجھ میں نہ آتی۔ اس لئے اس کو جادو کہہ دیتے تھے۔ اور حالانکہ زمین آسمان کی پیدائش۔ و حشر نشر آپس میں سبب مسبب یا علت معلول ہیں کہ ایک کا انکار دوسرے کا انکار ہے کہ نتیجے کا منکر صغریٰ کبریٰ کا منکر ہوتا ہے (کبیر۔ تفسیر الحدیث۔ ابن کثیر) اور اپنی حماقت پر یہ کفار اتنے مضبوط ہو چکے ہیں اور حقانیت اسلام کے انکار پر اتنے شدید کے موعودہ عذاب کو جلدی مانگتے ہیں۔ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ ۔ لَيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ ۔ اور اگر ہم ان سے عذاب کو پیچھے رکھیں۔ ان کے مطالبے پر پہلے نہ لائیں کچھ دن بعد وقت مقررہ پر لانا چاہیں تو کہنے لگتے ہیں۔ کس نے روک لیا عذاب کو۔ یہ جملہ ان کفار کے جھٹلانے انکار کرنے کی دوسری صورت ہے انکار کے دو ہی طریقے ہوتے ہیں۔ اپنوں کے سامنے اور مخالف کے سامنے۔ اپنوں کے سامنے تو سنجیدہ بن کر قسمیں کھا کر انکار کیا جاتا ہے اور مخالف کے سامنے مذاق اڑا کر کیا جاتا ہے۔ یہاں بھی ہر دو طرح کفار کا انکار بتایا جا رہا ہے۔ پہلا طرز عمل اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ میں لام قسم اور جواب قسم سے ثابت ہے کہ اپنوں کو اسلام سے روکنے کے لئے قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں کہ نبی کریم کی باتیں نری جادو ہیں۔ دوسرا طرز عمل یہ بیان ہوا کہ مسلمانوں کے پاس آکر مذاق و ہنسی سے پوچھتے ہیں کہ بڑے عذاب عذاب کرتے پھرتے ہو تمہارا عذاب کس نے روک لیا اس کو یہ استفہام انکاری ہے یعنی عذاب وغیرہ کچھ نہیں صرف ڈراؤنی باتیں ہیں اور مذاق کے ساتھ ساتھ یہ مقصد بھی تھا کہ مائل بہ اسلام کفار کی ڈھارس بنا کر اور اپنی دیدہ دلیری بتا کر اسلام سے روک سکیں۔ عذاب سے مراد۔ عذاب جنگ۔ عذاب موت۔ عذاب قبر۔ عذاب آخرت بھی ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مفسرین نے بتایا صحیح تر یہ ہے کہ عذاب دنیا جنگ وغیرہ یا موت کے بعد قبر کا عذاب مراد ہے۔ کہ یہ عذاب عبرت ہے۔ اور روشِ کلام سے عبرت ہی منشا ثابت ہوتا ہے۔ اسی لئے کفار کو بتایا جا رہا اور مسلمانوں کو جواب سمجھایا جا رہا ہے کہ اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اے کافرو منکرو تم بھی سمجھ لو اور اے کفر کے سوال استہزا سے پریشان حال مسلمانو۔ تم بھی سنو اور جواب دو کہ خبردار جس دن عذاب آ جائے گا ان کے پاس تو نہیں ہے پھیرا ہوا ان سے اور ہر طرف سے ان کافروں کو گھیرے گا وہی عذاب جس کا مذاق اڑاتے تھے۔ اس طرح کہ اس وقت نہ ان کا اپنا اسلام کی طرف پھر آنا عذاب کو پھیرے نہ ہی

کوئی نبی۔ ولی۔ اللہ کا پیارا۔ اس عذاب کے پھرنے کی دعا یا سفارش فرماتے۔ بے یار و مددگار اسی طرح عذاب میں گھرے پڑے رہیں گے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں یَسۡتَعۡجِلُوۡنَ تھا۔ کیونکہ کفار مَا یَحۡبِسُہٗ کہہ کر عذاب جلدی مانگتے تھے مگر یَسۡتَھۡزِءُوۡنَ فرماکر مطالبے کا طریقہ بھی بتا دیا کہ ان کا مطالبہ خبر حاصل کرنے کے لئے یا بچنے کے ارادے سے نہ تھا بلکہ محض مذاق کرنا تھا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ **پہلا فائدہ**۔ انسان کو چاہیئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کرے بلکہ حسب طاقت غور و فکر کرکے آہستہ آہستہ بتدریج کام سرانجام دے۔ دیکھو رب تعالیٰ قادر و قیوم ہونے کے باوجود اپنے افعال کے لئے چھ دن مدت بیان فرماتا ہے۔ انسان کو جلد بازی میں ہمیشہ خسارہ ہے۔ اسی طرح وقت آنے پر دیر کرنا بھی نقصان کا باعث ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ زیادہ قسمیں کھانا کفار کا طریقہ ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔ اس طرح لوگ اس کو جھوٹا سمجھنے لگتے ہیں یہ فائدہ لَیَقُوۡلُنَّ کے لام قسمیہ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ تمام مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اب انسان کا فرض ہے کہ اس کو صحیح طرح استعمال کرے اور اس سے پورا پورا دینی دنیاوی فائدہ حاصل کرے ہر وہ کام جو دین کے ارادے سے کیا جائے وہ عملِ حَسَن ہے۔ اور دینی وہ کام ہے جو شریعتِ مصطفٰے صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کے تحت ہو۔ یہ فائدہ لِیَبۡلُوَکُمۡ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض وارد ہوتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** اللہ تعالیٰ کا عرش پہلے پانی پر کیوں رکھا گیا اور یہاں اس کا کیوں اظہار فرمایا گیا کہ آسمان زمین کی پیدائش سے پہلے ایسا تھا۔

جواب چند وجہ سے اظہارِ قدرت کاملہ کے لئے۔ پہلی وجہ یہ کہ عرش اعظم ساتوں زمین آسمان سے کئی سو گنا بڑا ہے اس کے باوجود پانی پر ٹھہرائے رکھنا حیرت ناک قدرت ہے۔ لہٰذا اس کی اس قدرت کو بھی تسلیم کرو کہ اُسنے بغیر ستون اتنے بڑے بڑے آسمان و زمین کو ٹھہرا لیا۔ دوسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے پانی جیسی نرم اور پتلی شے کو خلا میں بغیر کسی سہارے کے قائم رکھا حالانکہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ تو اس سے آسان فعل پر وہ رب کریم بدرجہ اَوۡلیٰ قادر ہے تیسری وجہ یہ کہ اب بھی عرشِ اعظم کو آسمانوں سے اونچا ٹھہرایا ہوا ہے۔ بغیر کسی ستون کے پانی کا سہارا تو پہلے تھا اب نہیں جب اتنے بڑے عرش کو جس کے سامنے سات آسمان مثل سات کنکریوں کے ہیں وہ اللہ ٹھہرانے پر قادر ہے تو آسمان و زمین پر اس کی قدرت کیوں نہ ہوگی۔ **دوسرا اعتراض**۔ روایات میں آتا ہے کہ کسی نے حضورِ اقدس صَلَّی اللہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ سے پوچھا آسمان زمین سے پہلے رب تعالیٰ کہاں تھا فرمایا نبی کریم نے کہ عَمَاء یعنی بادلوں میں تھا اس کے اوپر بھی ہوا اور نیچے بھی ہوا اس روایت سے جہاں اللہ کا محاط ہونا ثابت ہوتا ہے وہاں یہ بھی ثابت ہوا کہ سب سے پہلے ہوا پیدا ہوئی۔ اسی بنا پر بعض فلاسفہ قدیم نے ہوا کو قدیم مان کر شرک کا ارتکاب کیا **جواب** یہ روایت ضعیف بلکہ موضوع ہے۔ اصلاً یہ عبارت اسرائیلی اختراع ہے۔ مشہور روایت وہ ہے جو

شان نزول میں بیان کی گئی **تیسرا اعتراض** لِيَبْلُوَكُمْ کا لام تعلیلیہ ثابت کر رہا ہے کہ آسمان وغیرہ کی پیدائش صرف ابتلا اور امتحان کے لئے ہو حالانکہ امتحان صرف مُکلّف سے ہوتا ہے۔ لیکن خِلقتِ زمین و آسمان سے غیر مکلّفین کو فائدہ ہے۔ اور بجز امتحان آسمان و زمین کے بے شمار فوائد ہیں پھر علّتی حصر کیوں کیا گیا **جواب**: اصل مخلوق ذی عقل مخاطب مکلّفین ہی ہیں باقی سب نفع مند تابع ہیں اور جتنے بھی فائدے آسمان و زمین سے حاصل وہ سب مکلّفین کے لئے ہی ہیں اور ان کو حاصل کرنے کے طریقوں سے ہی امتحان ہوتا ہے۔ **چوتھا اعتراض** امتحان تو وہ لیتا ہے جو بے علم ناواقف ہو۔ رب تعالیٰ تو ہر شے سے علیم و خبیر ہے۔ پھر قرآن نے اُس کو بے علم کیوں ثابت کیا (آریہ۔ ہندو) **جواب**: یہ امتحان بندے کے علم کے لحاظ سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کے اللہ تعالیٰ تو ہر بندے کے اچھے برے اعمال سے خبردار انجام و نتیجے کا علم رکھنے والا ہے کون کامیاب کون ناکام سب کچھ جانتا ہے بروزِ قیامت بندوں کا حساب بندوں کے علم کے مطابق امتحان ہے جیسا کہ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ - تَتَّقُونَ - وغیرہ کے احتمالی صیغے بھی بندوں کے علم کی نسبت سے فرماتے جاتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہے **پانچواں اعتراض** جادو تو فعلی چیز ہے۔ قول کو جادو کیوں کر کہا گیا لَئِنْ قُلْتَ کو کفار نے سحر مبین کہا جس کو بلا تردید نقل فرمایا گیا۔ یہ بات حقیقت سے ہٹی ہوئی معلوم ہوتی ہے (موجودہ فلسفی) **جواب** اس کی تین وجہ ہیں پہلی یہ کہ جادو سے مراد دھوکہ ہے اور دھوکہ قول سے بھی ہوتا ہے۔ یہاں اصلی جادو مراد نہیں۔ بلکہ یہ تشبیہ ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ قول کو جادو نہ کہا گیا۔ بلکہ اس قول کے مقولے کو جادو کہا گیا اور وہ مقولہ بعد موت اٹھنا ہے اور وہ فعل ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ سحر بمعنیٰ باطل ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ کفار نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول پاک کو باطل اور جھوٹ کہا۔ بعض نے فرمایا کہ کفار نے قرآن پاک کو بطورِ طعن جادو کہا۔ اور قرآنِ کریم میں بعد موت اٹھنے کا قانون مذکور ہے اور اصل میں طعن کرنا فرع میں طعن ہے۔ **چھٹا اعتراض** عذاب سے کون سا عذاب۔ دنیاوی یا اُخروی۔ اگر دنیاوی مراد ہے تو وہ آیا ہی نہیں تاخیر تاخیر کا اور يَوْمَ يَأْتِيهِمْ کا مطلب کیا ہوا اور اگر اُخروی مراد ہے تو جنگِ بدر کی سزا کس شمار میں ہے اور دنیاوی عذاب تو عبرت بن سکتا ہے اُخروی عذاب عبرت نہیں بن سکتا۔ **جواب**: صحیح تر یہ ہے کہ اُخروی قبر و حشر کا عذاب مراد ہے۔ اور عبرت دلانا مقصود نہیں بلکہ ہلاک کرنا مقصود ہے عبرت کے لئے یہ خبر دینا کافی ہے۔ اور پھر عذاب آ جانے کے بعد عبرت پکڑنا مُعذَّب کے لئے بیکار ہے۔ عذاب سے عبرت تو آئندہ نسلوں کو ہی ہو سکتی ہے۔ نہ مسلمانوں کو نہ عذاب میں گرفتار کفّار کو کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی مومن متّقی ہیں اور معذّب کفّار عبرت لے ہی نہیں سکتے۔

ساتواں اعتراض۔ فعل حَاقَ۔ ماضی ہے۔ جس میں گذشتہ کی خبر ہوتی ہے حالانکہ عذاب تو آئندہ مستقبل میں آئے گا۔ موت کی شکل میں ہو یا قیامت کی۔ یہاں مضارع کا صیغہ چاہیے تھا **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ ماضی اپنے اصل معنیٰ میں ہی ہے اور یہاں گذشتہ زمانہ بطورِ تمثیل فرمایا تاکہ حکم یقینی حتمی ہو کر مضبوط

ہو جاتے۔ جیسا کہ ہر یقینی آنے والی چیز کو ماضی تعبیر کر دیا جاتا ہے گویا کہ وہ آ ہی گیا۔ اسی طرح یہاں فرمایا گیا کہ اے کافرو وہ عذاب اتنا یقینی ہے گویا کہ دَحَاقَ بِہِم اس نے کفار کو گھیر ہی لیا۔ اس سے قیامت یا موت کے بہت قریب ہونے کا بھی فائدہ حاصل ہوا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں ماضی بمعنی مضارع ہے۔ یعنی حَاقَ بمعنی یَحِیْقُ ہے۔ (بیان معانی) خیال رہے کہ جس طرح مضارع کا صیغہ چار جگہ بمعنی ماضی ہوتا ہے چنانچہ فارسی شعر اس طرح ہے۔

معنی ماضی۔ مضارع می دہد در چار جا ٭ در محلِ خطبۃ وتعریف وشرطؔ۔ اندر دعا

اسی طرح ماضی بھی چند جگہ بمعنی مضارع آجاتا ہے۔ جن میں سے ایک یہ ہے **آٹھواں اعتراض**۔ امتحان تو مومن۔ کافر سب کا ہے۔ کیونکہ قانون امر بالطاعۃ اور نہی بالعصیات ہر دو کا ہے۔ مگر اَیُّکُمْ سے خطاب اور احسن عمل کے الفاظ سے صرف مسلمان ہی مراد ہوتے ہیں۔ چاہیئے تھا کہ اَیُّھُمْ بھی کہا جاتا اور دَاَقْبَحُ عَمَلًا بھی کہا جاتا۔ تاکہ سب فریق شامل ہو جاتے۔ جواب یہ جملہ عام مخصوص البعض ہے۔ مراد سب ہیں مگر خطاب صرف مسلمانوں کو اسی طرح امتحان تو ہر عمل کا ہوگا مگر ذکر صرف اچھے عمل کا اس لئے کیا گیا کہ پتہ لگے کہ اللہ کے محبوب کون لوگ اور کون سے عمل ہیں۔ (مسائلُ الرّازی)

تفسیر صوفیانہ

اور وہی اللہ وہ ہے جس ذات پاک نے آسمان روحانیت قویہ کو پیدا کیا۔ اور وہ سات ہیں۔ ۱؎ روح سیرانی ۲؎ روح مقامی ۳؎ روح نوری ۴؎ روح ناری ۵؎ روح سفلی ۶؎ روح اعلےٰ ۷؎ روح الارواح اور زمین جسد خاکی کو صلب کے پانی سے بطن مادر میں چھ زمانوں میں پیدا کیا جو ایک قلیل مدت ہے کہ کم از کم چھ ماہ اور زیادہ سے زیادہ نو یا چوبیس ماہ اور یہ زمین ظاہر میں ایک ہے۔ اور اس کا عرش یعنی قلب مومن مادۂ جسدی اور تدابیر الٰہیہ کے پانی پر تھا یا وہ اللہ وہ ہے جس نے عالم جسدی کو چھ جہتوں میں پیدا کیا جب کہ اس کا وہ عرش جو عقل اول ہے خفا کے پانی پر تھا۔ یہ سب خلقت اس لئے ہوئی کہ تم میں سے شقی سعید کو آزمائے اور لوگوں کے اعمال نافعہ و ناقصہ ظاہر ہوں۔ اوّلاً رب تعالیٰ نے جوہر ھیولانیہ پیدا کیا اس پر عین جلال سے توجہ کی تو وہ پگھل کر تین حصے ہوا حصۂ حیا۔ حصۂ ماء حصۂ نار۔ حالانکہ اس وقت عرش پر زمانہ نہ تھا فقط ذات ہی ذات تھی۔ (ابن عربی شیخ اکبر) روح البیان نے تاویلات نجمیہ سے فرمایا۔ کہ ابتلاء امتحان دو قسم کا ہے ۱؎ نیک بختوں کا ۲؎ بدبختوں کا نیک بخت کا امتحان بلاء حسن ہے۔ کیونکہ عبد سعید آسمان زمین اور ان کی اشیاء کے فوائد کو مقصد اصلی نہیں سمجھتا بلکہ وہ ان چیزوں کو ذریعہ قرب بارگاہ مولیٰ عزوجل ورفیق اعلیٰ بناتا ہے اور سوا اللہ کو اذن اللہ سے اور امر اللہ دَنَہَیَ اللہ سے وسیلۂ قرب بنالیتا ہے اور اسی کو حصول کمال کا ذریعہ سمجھتا ہے یہی۔ اَحْسَنُ عَمَلاً ہے اور بدبخت دنیا دنیا اور اس کی چیز کو مقصد اصلی سمجھ لیتا ہے۔ شہوتوں لذتوں کی دنیا میں اتنا غافل ہوتا ہے کہ نار حرص میں گر جاتا ہے یہی اس کی ناکامی امتحان ہے۔ بندے پانچ قسم کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس کی زبانی اور جنانی دونوں جنتیں اُدْقُنَا کی دونوں جنتیں دنیا داری

کی ہوں۔ یہ شخص بدنیت کہلاتا ہے۔ دوسرا وہ کہ زبانی نیت بھی اور قلبی نیت بھی ذات خدا ہو یہ شخص مقرب الی اللہ ہوتا ہے۔ تیسرا وہ شخص جس کی زبانی جنانی قلبی نیت آخرت ہی ہو۔ وہ شخص ابرار سے ہے۔ چوتھا وہ شخص جس کی زبانی نیت آخرت کی ہو۔ جنانی یعنی قلبی نیت دنیا پر ہو وہ شقی کہلاتا ہے پانچواں شخص وہ ہے جس کی زبانی نیت دنیا ہو کہ ظاہرًا دنیا دار ہی نظر آتا ہو مگر نیت جنانی توجہ الی اللہ ہو۔ وہ شخص صاحب اسرار کہلاتا ہے۔ شقی اور بدنیت ہی کو کافر عشق و معرفت کہا جاتا ہے۔ اے پیارے حبیب صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم یہ بدنصیب ازلی وہ لوگ ہیں کہ وَلَئِنْ قُلْتَ اِنَّكُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ الْمَوْتِ لَيَقُوْلَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۔ اگر ان منکرین اسرار الہیہ سے آپ کہیں کہ موت قلبی کے بعد تم پھر اپنا انجام دیکھنے کے لئے اٹھائے جاؤ گے او۔ اے طالب دنیا منزل حقیقیہ کو چھوڑ کر مرنے والو تم نے ایک دن اپنی شقاوت کا حال دیکھنا ہے۔ تو البتہ یہ منکر معرفت اور کافر حقیقت کہیں گے۔ یہ لطائف انوار محض کھلا جادو ہے اور ہم یہ ہلاکت و شرمندگی و عذاب کا دن کبھی نہ دیکھیں گے۔ یہ دراصل اپنی ان باتوں سے اپنی ضد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی بدنصیبی چھپانا چاہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓى اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّيَقُوْلُنَّ مَا يَحْبِسُهٗ اگر ہم ان کفار اسرار سے عذاب محروی کچھ مہلت کے لئے موخر کر دیں تو اہل معرفت و صوفیا کا مذاق اڑاتے ہوئے کہتے ہیں کس چیز نے روک دیا تمہاری وعید کو۔ ہم نے اپنے پیاروں سے فرمایا کہ ان کو سنا دو اَلَا يَوْمَ يَاْتِيْهِمْ لَيْسَ مَصْرُوْفًا عَنْهُمْ ۔ سن لو اے جلد بازو کہ جب وہ قبض کا عذاب آجائے گا پھر نہ لوٹے گا۔ وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ اور ایسا گھیرے گا ان کو کہ پھر کبھی شہوات دنیا سے نکل ہی نہ سکیں گے پھر وہ عکس نار غفلت ان پر وارد ہو گا جس کا مذاق کرتے تھے پھر وہ فارمین الی اللہ میں کبھی شامل نہ ہو سکیں گے اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْفَارِّيْنَ اِلَيْكَ وَالْحَاضِرِيْنَ لَدَيْكَ ۔ جو اس سے محروم وہ شقی ازلی۔ اور جس نے یہ منزل پالی وہی ابتلاء عظیم میں کامران ہوا واللّٰہ اعلم بالصواب۔

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ
اور البتہ اگر چکھایا ہم نے انسان کو طرف سے اپنے رحمت پھر چھین لیا ہم نے سے اس
اور اگر ہم آدمی کو اپنی کسی رحمت کا مزہ دیں پھر اسے اس سے چھین لیں ضرور وہ
لَيَـُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ﴿۹﴾ وَلَىِٕنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ
بیشک وہ البتہ مایوس ہے ناشکرا ہے اور البتہ اگر چکھائیں ہم نے اسکو نعمتیں بعد مصیبت پہنچی
بڑا ناامید ناشکرا ہے اور اگر ہم اسے نعمت کا مزہ دیں اس مصیبت کے بعد جو اسے پہنچی

لَيَقُولَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ⑩

تو اس کو البتہ کہے گا چلی گئیں برائیاں سے مجھ۔ بیشک وہ اترانے والا فخر کرنے والا

تو ضرور کہے گا کہ برائیاں مجھ سے دور ہوئیں بیشک وہ خوش ہونے والا بڑائی مارنے والا ہے

اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ

مگر وہ لوگ صبر کیا جنہوں نے اور عمل کیے اچھے۔ یہی وہ لوگ ہیں لیے ان

مگر جنہوں نے صبر کیا اور اچھے کام کیے ان کے لیے

مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪

بخشش ہے اور اجر بڑا

بخشش اور بڑا ثواب ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت کریمہ میں بتایا گیا تھا کہ یہ کافر کتنے احمق ہیں کہ ہماری طاقت والی بااختیار مخلوق یعنی انبیاء کرام سے مقابلے پر اتر آتے ہیں کبھی ان کی باتوں کو جادو کہتے ہیں۔ کبھی ان کا مذاق اڑاتے ہیں یہ سب ان کی تکبرانہ حرکتیں ہیں۔ تکبر اس کو زیبا ہے جو طاقت ور ہے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ کافر اتنے کمزور دل ہیں کہ ایک حالت پر ان کو قرار ہی نہیں۔ جھٹ میں خوش جھٹ میں مایوس۔ کبھی فخریہ اکڑتے ہیں اور کبھی مایوسی و بد دلی کی ذلت میں ان کے منہ پر ہوائیاں اڑنے لگتی ہیں۔ طاقت ور کو استقامت اور مضبوط ارادی ہوتی مگر کمزور شخص ایک حالت پر ثابت قدم نہیں رہتا۔

دوسرا تعلق۔ پہلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اگرچہ ہم بعض مدت میں کفار سے عذاب کو موخر کر دیں مگر پھر بھی آخر ایک نہ ایک دن ایسا عذاب آنا ضروری ہے جو ان کو ہمیشہ کے لئے گھیر لے۔ اب فرمایا جا رہا کہ آخر یہ عذاب کا آنا کیوں ضروری ہے اس لئے کہ خود سر اور بزدل اور مغرور کافر ہیں اگر ان کو رحمت پہنچے اور پھر چھن جاتے تو ناشکرے۔ مایوس ہوتے ہیں اور اگر نعمت باقی رہے تو متکبر و سرکشی سے فخر کرتے ہیں۔ حالانکہ یہی کفر کی نشانی ہے۔ مومن ہمیشہ صابر یا شاکر ہوتا ہے۔ **تیسرا تعلق** پہلی آیت میں ارشاد ہوا تھا باری تعالیٰ باوجود قادر قیوم ہونے کے اپنے افعال آہستہ اور تدریج فرماتا ہے جو عین حکمت کے تحت ہوتے ہیں۔ چھ دن میں زمین آسمان بنانے پہلے۔ کچھ بنایا۔ پھر کچھ۔ پھر کچھ۔ جس سے ثابت ہو گیا تھا کہ یہ قانون فطرت ہے کہ جب جس کا وقت ہو گا موقع کے لحاظ سے وہی چیز پیدا کی جائے گی۔ کسی کی جلد بازی اس کی فطرت کو نہیں بدل سکتی یہاں تک کہ عذاب بھی وقت مقررہ پر ہی آئے گا۔ اب بتایا

جارہا ہے کہ کون اس فطرت کو تسلیم کرکے صابر وشاکر بنتے ہوئے راضی برضا رہتے ہیں۔ اور کون۔ ناشکرے بے صبرے مایوس ہوجاتے ہیں اور رحمت الٰہیہ پاکر سرکش ومغرور ہوتے ہیں نزول یہ آیت عبداللہ بن امیہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی وہی مسلمانوں کے سامنے ایسی متکبرانہ گفتگو کرتا تھا۔ (مواہب)

تفسیر نحوی وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ۔ واؤ عطفیہ لام قسمیہ حسب سابق۔ اِنْ حرف شرط اَذَقْنَا ماضی مطلق جمع متکلم ذَوْقٌ سے مشتق ہے بمعنی تھوڑا مزہ لینا۔ باب اِفْعَال۔ اصل میں تھا اَذْوَقْنَا بوجہ ثقل واؤ گرا کر فتح ماقبل کو دیا اَلْاِنْسَانَ میں الف لام عہد خارجی ہے اور وہی انسان مراد ہے جن کا ذکر پچھلی آیات میں چلا آرہا ہے یعنی کافر بعض نے کہا الف لام استغراقی ہے اور مراد عام انسان ہے خواہ کافر یا مومن مگر اول قول زیادہ مدلل ہے جیساکہ تفسیر عالمانہ میں بتایا جائے گا۔ انسان نَسْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی بھولنا مِنَّا مِنْ حرف جر ابتدائیہ کے معنی میں ہے نا ضمیر متکلم رحمۃ سے یہاں مراد دنیوی راحت آرام ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ثُمَّ تراخی کے لئے ہے جس نے اَذَقْنَا کی انتہا کو بیان کیا۔ نزعنا ماضی کا صیغہ جمع متکلم نزعٌ سے مشتق ہے بمعنی جبراً قوت لگاکر چھیننا۔ ھا ضمیر سے مراد رحمت۔ مِنْ میں تین قول ہیں یا یہ کہ مِنْ تعلیلیہ ہے اور یہی صحیح تر ہے یا یہ کہ مِنْ بمعنی عَنْ ہے یا یہ کہ مِنْ نَزَعْنٰهَا کا صلہ ہے۔ ہُ کا مرجع انسان ہے اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ کا مرجع انسان اِنَّ کا اسم ہے لام تاکید یہ یَئُوْسٌ بروزن فعول مبالغے کا صفت مشبہ بمعنی بہت سخت مایوسی والا کَفُوْرٌ بھی بروزن فعول ہے۔ بمعنی سخت ناشکری والا وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ ۔ واؤ استئنافیہ۔ لام حسب سابق قسمیہ اِنْ شرطیہ اَذَقْنٰهُ کا فاعل ذات باری تعالیٰ ہٗ کا مرجع وہی کافر انسان نَعْمَآءَ نعمت کی جمع ہے نِعَمٌ سے مشتق ہے بمعنی بلاعوض اچھی اور زیادہ چیز۔ اسی سے ہے انعام بمعنی کسی اچھے کام کرنے والے کو خوشی میں کچھ دینا مگر نعمت اس سے عام ہے کوئی اچھا کام کرے نہ کرے۔ بَعْدَ اسم ظرف ہے ظروف ستہ میں سے ایک ہے تاخیر زمانی۔ مکانی۔ جسمانی سب کے لئے آتا ہے یہاں زمانی مراد ہے ضَرَّآءَ ضَرَرٌ سے مشتق ہے ضَارٌّ کا مونث ہے بمعنی تکلیف دینے والی چیز مَسَّتْ مونث کا صیغہ مَسٌّ سے بنا ہے بمعنی آہستہ سے لگنا۔ ہُ کا مرجع وہی کافر انسان ہے لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ لام تاکید یہ ہے یہ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ کا صیغہ ہے۔ ذَهَبَ فعل ماضی ذَهَبٌ سے مشتق ہے بمعنی ہٹ جانا۔ چلا جانا۔ دور ہوجانا۔ یہاں یہ تیسرے معنی مراد ہے۔ السَّيِّاٰتُ میں الف لام استغراقی ہے۔ یہ سَیِّئٌ کی جمع ہے۔ یا سَيِّئَةٌ کی اس کے تین معنی ہے (۱) برائی (۲) برے کام کی سزا (۳) مصیبت یہاں تیسرے معنی مراد ہیں۔ عَنْ حرف جار۔ اس میں متعدی کے معنی پیدا ہوتے ہیں یاءِ متکلم کا مرجع وہی کافر انسان اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ پہلا جملہ جوابِ قسم ہے اور یہ جملہ اسمیہ جواب قسم کی علت ہے یا مسبب ہے اِنَّ حرف تحقیق ہٗ اس کا اسم

لام تاکیدیہ بمعنیٰ البتہ فَرِحٌ فارِحٌ کے معنیٰ میں ہے مبالغے کے لئے فارح کو فرح سے تحویل کیا گیا یہ لازم ہوتا ہے متعدی کبھی نہیں ہوتا اس کو اصلاً برائی کے لئے لایا جاتا ہے۔ اگر اچھائی کے لئے ہو تو کوئی قید لگانا ضروری ہے (معانی) بعض نحویوں نے کہا یہ لفظ فَرِحٌ ہے بروزن نطس فَرْحٌ سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ہے اپنے پر خوش ہونا۔ یا غرور کرنا۔ یعنی خود کو سب سے اچھا سمجھنا۔ فَخُوْرٌ بروزن فعول صفت مشبہ کا صیغہ ہے۔ فَخْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تکبر یہ صرف برائی کے لئے آتا ہے یہاں فَرِحٌ فَخُوْرٌ کا معنیٰ ہے اترانے والا مغرور۔ اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ اِلَّا حرف استثنا ہے اور اس سے استثنا منقطع ہی بنتا ہے اس لئے کہ الانسان میں الف لام عہدی ہے جس سے مراد صرف کافر ہیں مومن اس میں داخل ہی نہیں اس لئے استثنا منقطع ہے اگر الف لام استغراقی یا جنسی ہو تو مستثنیٰ متصل ہوگا۔ جیسا کہ تفسیر معانی۔ وبیان نے کہا اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع کے لئے ہے اس کا صلہ اگلا پورا جملہ صَبَرُوْا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر صَبْرٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ مضبوطی سے برداشت کرنا یا قائم رہنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں کیونکہ پہلے مصائب کا ذکر ہے۔ واؤ عاطفہ ہے بعض نے کہا تفسیریہ ہے عَمِلُوْا ماضی جمع مذکر کا صیغہ ہے مگر عمومی معنیٰ ہیں جس میں عورتیں بھی شامل ہیں عَمَلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے محنت سے کام کرنا۔ یہاں مراد ہے نیک کام الصّٰلِحٰتُ الف لام استغراقی ہے صالحات صالحۃ کی جمع صَالِحَۃٌ کا اسم فاعل ہے مؤنث ہے غیر ذوی العقول مذکر کے لئے مستعمل ہے عَمِلُوْا کا مفعول بہ ہے۔ صالح اس کام کو کہتے ہیں جو خوبصورت اور کھرا ہو۔ اس میں کھوٹ نہ ہو اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ ہے اس کا مشار الیہ اَلَّذِيْنَ ہے یہ معنیٰ جمع ہے اس کا واحد ذٰلِكَ یا ذاک ہے قریب بعید دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ ہمیشہ ماقبل کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ لَهُمْ لام حرف جر نفع کے لئے ہے ھُمْ کا مرجع اَلَّذِيْنَ مغفرۃ مصدر میمی ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حاصل مصدر۔ باعتبار لغت سات معنیٰ ہیں ۱۔ ڈھانکنا ۲۔ مٹا دینا ۳۔ رو کرنا ۴۔ محفوظ رکھنا ۵۔ بچانا ۶۔ بخش دینا ۷۔ معاف کرنا۔ یہاں بخش دینا مراد ہے۔ مغفرۃ کا معنیٰ ہوگا بخشش۔ واؤ عاطفہ یا تفسیریہ ہے اَجْرٌ کا معنیٰ ہے بدلہ۔ كَبِيْرٌ صفت ہے اَجْرٌ کی كُبْرٌ سے بنا صفتِ مشبہ برائے مبالغہ یعنی ہمیشہ زیادہ اور بڑا رہنے والا۔ اس کی حقیقت باری تعالیٰ جانتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ - اور اگر البتہ چکھائیں ہم انسان کو اپنے پاس سے عیش و آرام پھر چھین لیں ہم اس کو اسی کی حماقت سے بے شک وہ البتہ سخت مایوس ناشکرا ہے۔ اس آیت میں کافر کی عظیم نشانی بتائی جا رہی ہے۔ یہ بات ظاہر و لازم ہے کہ اس دنیا میں بلا امتیاز ہر کسی کو رنج و راحت کا حاصل ہونا ہے مگر کافر کا وطیرہ ہے کہ عیش و عشرت کو اپنے کسب پر محمول کرتا ہے اور رنج و تکلیف کو زمانے کی گردش کی طرف پھیر دیتا ہے۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے مومن جانتا ہے کہ ہر دو رنج و راحت باری تعالیٰ کی طرف سے عین حکمت کے مطابق بر وقت ہیں۔ لہٰذا

کا فر رنج و تکلیف میں انتہائی مایوس بزدل پریشان ہو جاتا ہے اور پچھلے عیش و آرام کو یکسر بھول جاتا ہے۔ مگر مومن نہ ماضی کو فراموش کرتا ہے نہ مستقبل سے بے خبر اس کی وجہ یہ ہے کہ پیارے آقا محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تعلیم ہی ایسی ہے کہ جس سے ہر مرحلہ پر ڈھارس بندھی رہتی ہے۔ اس لئے کہ تمام ادیان عالم میں اسلام یعنی فرمودات مصطفٰے کی یہ شان ہے کہ ہر چیز ہر عمل کا بیان واضح کر دیا گیا ہے۔ دوسرے دینوں میں۔ ہر عمل کے انجام سے بے خبری ہے۔ فطرتی امر ہے کہ انسان کسی بات تین وجہ سے مانتا ہے۔ یا خوف سے یا ذوق سے یا شوق سے۔ دیکھو حاکم کی بات رعایا مانتی ہے مگر خوف سے والدین کی یا اولاد کی بات مانی جاتی ہے مگر ذوق سے۔ مرید پیر کی یا دوست دوست کی بات مانتا ہے صرف شوق سے۔ لہٰذا خوف اور ذوق اور شوق سے منوانے کے لئے پہلے حاکم و عامر کا تعارف ضروری جب تک تعارف نہ ہوگا نہ خوف پیدا ہو گا نہ ذوق نہ شوق۔ جب کسی کام کے انجام کا بھی پتہ ہو اور مہربان حاکم کی مہربانی کا بھی۔ تو بندہ کبھی مایوسی سے ہمکنار نہیں ہوتا اسلام اور تعلیم محمد مصطفٰے صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی یہی ایک ایسی خوبی ہے جو اس دین کو اور مومن بندوں کو تمام سے بالاتر کئے ہوتے ہیں۔ مومن کیوں مایوس نہیں ہوتا اس لیے کہ جانتا ہے اللہ رحمٰن و رحیم ہے اور انجام کار جنت ہے اسلام ہی ہے جس نے بتایا کہ صبر میں بھی رب کے انعام ہیں اور شکر میں بھی مومن کو معلوم ہے کہ دولت کا آنا جانا۔ صبر و شکر کی لذتوں سے آشنا کرکے عشق کے مزے کو عطا فرماتا ہے مگر کافر ان لذتوں سے بے بہرہ و عیش و عشرت میں بیوقوف اور رنج و تکلیف میں مایوس و ناشکرا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اس کے پاس ابتدا تو ہوتی ہے انتہا نہیں۔ اعمال تو ہوتے ہیں انجام نہیں وہ دنیا میں محض جانوروں اور بہرے گونگوں کی طرح زندگی گذار دیتے ہیں یہی وجہ ہے کہ وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ ؕ اور البتہ اگر ہم اس کو نعمتیں چکھائیں ان مصیبتوں کے بعد جو پہنچی اس کو تو کہتا ہے چلی گئیں برائیاں تکلیفیں مجھے۔ یہاں انسان کی امتزاجی آثار چڑھاؤ کا ذکر ہے کہ انسان کسی حالت میں مطمئن نہیں ہوتا یہ عشق مصطفٰے ہی کا کرشمہ ہے کہ انسان ہر حالت میں شاکر بن جاتا ہے ورنہ انسانی اپنی ذاتی حالت وہی ناشکری بے صبری کی ہے جو یہاں مذکور ہوئی اس آیت پاک میں اس حالت کا ذکر کرنے کا مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو اسلام اور محمد مصطفٰے کی قدر معلوم ہو حضرت والد علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے۔ شعر

فیض نے تیرے یا نبی کر دیا مجھ کو کیا سے کیا
ورنہ دھرا ہوا تھا کیا مٹھی بھر اس غبار میں

یہ انسانی پریشانیاں اس بنا پر ہیں کہ انسانی مزاج کے چار عنصر ہیں ۱۔ آگ ۲۔ مٹی ۳۔ پانی ۴۔ ہوا اور ان چاروں میں افراتفری ہے ایمان نے پانچواں عنصر نور کا عطا کیا۔ جو سب پر غالب رہتا ہے۔ اور یہی مومن کافر میں فرق کر دیتا ہے۔ اس آیت میں ذوق اور مساس دو چیزوں کا ذکر ہوا اور یہ دونوں چیزیں بالکل ابتدائی ہیں یعنی لذت میں ابتدائی چیز

ذوق ہے اور تکلیف میں ابتدائی مرحلہ مساس ہے گویا کہ انسانی کمزوری و اضطرابی حالت یہاں تک ہے کہ ذوق اور مساس کی برداشت نہیں جو دنیا میں اکثر ہوتی ہیں تو اخروی سزا کو کیسے قبول کرنے کے لئے تیار ہو سکتا ہے۔ لہٰذا اے انسانو بہتر ہے کہ دامن مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں پناہ لے کر اطمینان کی زندگی بسر کرو۔ نعماء سے وہ چیزیں مراد ہیں جن کا اثر انسان کی ظاہری زندگی پر پڑتا ہو۔ یقولن سے کافر کی ذہنی کیفیت کا اظہار ہے کہ کافر انسان کا ذہن کسی حالت میں بھی اور خاص کر عیش و عشرت میں اپنے پاک پروردگار کی طرف نہیں رجوع کرتا نہ اپنے مالکِ حقیقی کی طرف خیال کرتا ہے اسی لئے شکر کا خیال تک نہیں آتا بلکہ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ بے شک وہ غرور سے اِترانے والا خود کو بڑا سمجھنے والا۔ یہ بھی اصلاً کافر کی صفات ہیں اُن کی دیکھا دیکھی بعض جاہل کم عقل مسلمان بھی ایسے ہی غرور و تکبر اور بحالت غربت بے صبری و ناشکری میں مبتلا ہو کر بعض وقت معاذ اللہ رب تعالیٰ کی گستاخی پر اتر آتا ہے۔ یہ ہی حرکتیں عذاب کو دعوت دیتی ہیں کیونکہ یہ سراسر کفر کی نشانیاں ہیں مومن و کافر میں یہ عظیم فرق ہے۔ اب تک کفار کی ذہنی نشانیاں بتائی گئیں کیونکہ صراحتاً کافر ذکر نہ تھا لفظِ انسان ہے جنسِ انسان کا شبہ پڑ سکتا تھا جیسا کہ بعض معترضوں کو ہوا اس شبہ کو توڑنے کے لئے فرمایا گیا اِلَّا الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ہاں وہ لوگ جنہوں نے صبر کیا اور عمل کئے نیک یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے بخشش اور بہت بڑا ثواب ہے۔ اِلَّا استثناء منقطع کے لئے ہے۔ صرف شبہ کو دور کرنے کے لئے ارشاد ہوا۔ اگر متصل ہو تو مطلب ہے کافر کی اصلی حالت وہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اگرچہ جاہل مسلمان بھی ناسمجھی میں ایسی بے صبری وغیرہ کر بیٹھتے ہیں مگر یہ ان کی بری صحبت کا نتیجہ ہوتا ہے نہ کہ فطرت مومن کی فطری اور اصلی حالت یہ ہے جو یہاں مذکور ہے۔ یہاں مومن کی تین صفات اور تین انعامات کا ذکر ہوا صبروا جس کے شرعی معنٰی ہیں کسی سچی حقیقی بات پر قائم ہو جانا۔ اور تقدیر پر راضی برضا رہنا بخلاف کافر کے کہ وہ زمانے کی گردش ہیں فلکیات اور ستاروں کی گردش پر ایمان لے آتے ہیں حالانکہ ستاروں کی گردش مؤثر حقیقی نہیں وہ صرف ایک علامت ہے جیسا کہ سورج کی آمد کی علامت مشرق کی سرخی ہے۔ مؤثرِ حقیقی باری تعالیٰ ہے۔ گویا کہ کافر تقدیر کا منکر ہو کر حرکتِ سیارگان پر ایمان لاتا ہے مگر مومن ستاروں کی گردش کو محض ایک علامت سمجھتا ہے۔ مسئلہ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں علم النجوم سیکھنا اور نجومی بننا اس سے علامات لینے جائز ہیں مگر اس پر کامل یقینی ایمان لانا یا ستارے کو مؤثر سمجھنا کفر ہے۔ خیال رہے علمِ نجوم سب سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام نے ایجاد کیا (روح البیان) اور علم جفر حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ دونوں علم بڑے مفید ہیں بشرطیکہ تقدیر پر صابر شاکر رہے۔ صبر مومن کا امتیازی نشان ہے۔ صبر کی نشانی نیک اعمال ہے بے علمی بھی بدعملی کی طرح بے صبری ہے۔ اس لئے دوسرا نشان عَمِلُوا فرمایا۔ عمل عام ہے اچھے برے کام کو۔ مگر صبر پر عطف سے تخصیص پیدا ہو گئی۔ یعنی ایمان والے عمل جو شرعاً جائز ہوں۔ خواہ عبادت ہو یا ذاتی اَغراض جیسے کھانا پینا تجارت وغیرہ۔ کہ یہ

کام اگرچہ سب انسانوں کے لئے جائز مگر ان میں تیسری نشانی الصّٰلحٰت مومن کی تیسری علامت یہ ہے کہ اس کے کام اس طریقے سے ہوتے ہیں کہ اس کے عام جائز کام عبادت اور نیکیوں میں شمار ہوجاتے ہیں یعنی مومن کا کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا۔ معاملات لین دین۔ تجارت وغیرہ ایسی خوشی اصولی اور مرضیٔ مولیٰ کے مطابق ہوتے ہیں کہ اس کے ہر صبر پہ مغفرت ہر عمل پر اجر اور ہر نیکی پر کبیر ثواب و درجہ انعام ملتا ہے یہ بات کافر کو میسر نہیں اگرچہ وہ بھی بہت سے جائز کام کر جاتا ہے کیوں کہ وہاں نہ صبر ہے نہ صالحیت نہ نیتِ خیر نہ شکر۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیق خیر عطا فرمائے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے۔ **پہلا فائدہ**۔ اس آیۂ کریمہ سے مسلمانوں کو ایک سبق اور فائدہ یہ حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ ناشکرے بے صبرے مایوس متکبّر انسان کو پسند نہیں فرماتا **دوسرا فائدہ** اس آیت پاک سے یہ پتہ لگا کہ یہ ضروری نہیں کہ ہر چیز ہر انسان کو مفید ہی ہو بلکہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں ایک کے لئے مفید تو دوسرے کے لئے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔ دیکھو امیری غریبی کافر کے لئے نقصان دہ کہ وہ ان دونوں سے عذاب اور جہنم ہی کماتا ہے مگر مومن کے لئے غریبی بھی رحمت کہ صابر بنتا ہے اور امیری بھی رحمت کہ شاکر بنتا ہے۔ چیز ایک ہی مزاج مختلف۔ شعر

پرواز ہے دونوں کی اسی ایک جہاں میں ۔۔۔ کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور

تیسرا فائدہ اصطلاحات قرآنیہ کے مطابق لفظ انسان سے مراد اکثر صرف کافر ہوتے ہیں ان میں مومن شامل نہیں یہ فائدہ اِلَّا منقطع سے حاصل ہوا اسی طرح لفظ مومنین و متقین سے صرف مسلمان امت مراد ہوتی ہے۔ نہ کہ انبیاء کرام باری تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ کبھی بھی انبیاء کرام کے لئے عام خطاب نہیں فرماتا جیسا کہ اصلوب قرآن مجید سے ظاہر ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات وارد ہو سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ اَذَقْنٰہُ کو اللہ تعالےٰ نے اپنی طرف نسبت کیا اور مَسَّتْہُ کو اپنی طرف نسبت نہ کیا حالانکہ ہر چیز کا مؤثر حقیقی باری تعالیٰ ہی ہے۔ **جواب** اس کی چند وجہ۔ ایک یہ کہ اصل مقصود انسان کو نعمت پہنچانا ہے تکلیف ایک عارضہ ہے۔ اور اصل مقصود افضل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی نسبت باری تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی۔ دوسری یہ کہ عطیہ باری تعالیٰ بلا استحقاق اور بلا معاوضہ ہوتا ہے۔ تنگی تکلیف بندے کی اپنی لغزش کوتاہی سے اس لئے اَذَقْنٰہُ کی نسبت اپنی طرف فرمائی مَسَّتْہُ کی نسبت خود تکلیف کی طرف تیسری وجہ یہ کہ اللہ کریم اپنے تمام بندوں کو دنیا و آخرت کا آرام پہنچانا چاہتا ہے۔ اسی لئے اسلام جیسا آرام دہ دین پیدا فرمایا اور نبی کریم جیسا رحمت عالمین پیدا فرمایا مگر انسان سرکش جب ان سے روگردانی کرتا ہے تو طرح طرح کی مصیبتیں اٹھاتا ہے۔ دامن حبیب اور گوشۂ اسلام چونکہ محض کرم

کے کرم سے میسر ہوتا ہے اور اس سے فرار اپنے نفس امارہ کی ورغلاہٹوں سے اس لئے اَذَقْنٰهُ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف اور مَسَّتْهُ کی نسبت ضَرَّآءَ کی طرف ہوئی **دوسرا اعتراض** آپ کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ انسان سے مراد صرف کافر ہیں اور صرف کافر ہی مایوس اور ناشکرا ہوتا ہے۔ حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے مسلمان بھی ایسی نازیبا حرکتیں کر بیٹھتے ہیں جس سے مایوسی بے صبری ناشکری ظاہر ہوتی ہے۔ **جواب**۔ اصلاً تو یہ تینوں باتیں مایوسی بے صبری وغیرہ کافر کی ہی عادتیں ہیں مگر صحبتِ بد اور فسق و فجور میں مبتلا ہونے کی بنا پر بعض دفعہ بے وقوف مسلمان بھی بے صبری ناشکری کر بیٹھتا ہے لیکن یہ اس کی اصلیت نہیں ہوتی اس کے باوجود مسلمان گناہ گار ہی کیوں نہ ہو بے صبرا یا ناشکرا تو ہو سکتا ہے مگر مایوس ہرگز نہیں ہوتا کیونکہ اس کا انجام پر اعتقاد اور یقین کامل ہوتا ہے اور اسلام کی تعلیم ہی ایسی ہے کہ مسلمان سے مایوسی ناممکن۔ عام مسلمان کی بے صبری اس کی جلد بازی کی بنا پر ہوتی ہے اور ناشکری غفلت اور حماقت کی بنا پر۔

تفسیر صوفیانہ

جس طرح کہ کائنات کی ہر چیز کا ظاہر و باطن ہے اسی طرح قرآن کریم کا بھی ظاہر و باطن ہے ظاہر کو علماءِ شریعت جانتے ہیں اور باطن کو صوفیائے راہِ طریقت۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آیت میں شریعت کے مفسرین کچھ تفسیر کرتے ہیں اور طریقت کے مفسرین کچھ اور چنانچہ اس آیت مطہرہ میں علماء کے نزدیک انسان سے مراد کافر ہے مگر صوفیاء کے نزدیک انسان سے مراد وہ مسلمان ہے جس نے وادیِ معرفت میں پہلا قدم رکھا ہو اور منزلِ عشق و مستی کا مرید ہو ایسے ہی ناواقف نووارد کی یہ شان ہے کہ وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ كَفُوْرٌ ۔ اور اگر ہم ایسے ہی انسان کو اپنے کرم سے بعض مقاماتِ الٰہیہ اور مشاہداتِ ربانیہ کے انوار کی لذت چکھا دیں پھر عین اپنی حکمت سے اس سے یہ انکشاف ہٹالیں اور اسرار چھپا لیں تو بجائے اس کے کہ آئندہ کی امید رکھے اور منعم حقیقیہ سے لو لگاتے اور ہر حال میں ہم پر ہی توکّل کرے مگر وہ ابلیس لعین کی طرح مایوس اور ناشکرا ہو کر دور وادیِ فنا میں ڈوب جاتا ہے۔ حالانکہ اس کے لئے لائق تھا کہ فقر وَعَلٰى سَيِّدِ ذُوْ رَحْمَا ۔ حضرت آدم میں مثلِ آدم علیہ السلام ہم پر ہی بھروسہ رکھے جاتا ہم میں مشغول رہتا اور قبض میں دعائیں کرتا اور حجاباتِ معرفت میں استغفار۔ ان ظلمات میں اپنی کوتاہیوں پر غور کرتا کہ یہ سب بلا اسی کی وجہ سے ہے۔ مگر یہ نالائق تو کسی حال میں بھی کارساز حقیقی کی طرف نہیں دوڑتا یہاں ذرا رحمت چھیننے سے مایوسی اور ناشکری اختیار کی وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ عَنِّيْ اِنَّهٗ لَفَرِحٌ فَخُوْرٌ ۔ اور البتہ اگر ہم فراق کی اس تنگی کے بعد وصل کی نعمت سے دوبارہ بہرہ ور اور لذت اندوز کر دیں محرومی و مردودی کے بعد پھر شرابِ محبت کا مزہ چکھا دیں تو پھر بشری ہیجان و اضطراب غالب آ جاتا ہے اور مقام لذت عُلیہ سے حالاتِ سفلیہ کی طرف گر جاتا ہے۔ اور کم ظرفوں کی طرح عوام کے سامنے فخریہ اور مغرورانہ کلام و لباس و عادات

اختیار کر لیتا ہے۔ اسرار کو ظاہر کرتا پھرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ شاید یہ نعمتِ وصلی ہمیشہ رہے گی اور مہجوری کا زمانہ اب نہیں آنے کا بلکہ لباس صوفیانہ کو دنیا پرستی کے لئے دامِ تزویر بنانا چاہتا ہے۔ اور اسی حماقت پر فخر کرتا ہے حالانکہ نہیں جانتا کہ منزل سے پھسل چکا ہے۔ یہی وہ بدنصیب انسان ہے جو فرحتِ ایمانی کو چھوڑ کر فرحتِ غافلین میں مشغول ہوا کہ نعمت پر فخر کیا اور نعمت والے کو بھلا دیا فرحتِ ایمانی وہ ہے کہ مُنعمِ حقیقی کی طلب اس کی عطا سے زیادہ ہو اور اس کی عطا کی طلب اپنی ذات سے زیادہ پیاری۔ یہ نعمت ان کو نصیب ہوتی ہے جن کی شان ہے اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ مگر وہ لوگ جنہوں نے تقرب و تنزل۔ قبض و بسط ترقی و ہبوط۔ نور و ظلمت۔ حجاب و انکشاف میں صبر جمیل کیا اور سب کچھ کو صنعت قدیر سمجھا اور حالت لذت سرمدی میں ایسا مست ہوئے کہ اضطراب و فخر کا ہوش ہی نہیں رہا۔ بس استقامت شریعت کے سہارے وادی معرفت میں خراماں خراماں قدم بڑھاتے ہوئے اعمال صالحہ کرتے رہے اُولٰٓئِكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے ظہور نفس امارہ کے گناہوں سے مغفرت ہے اور عقل و نفس کی لغزشوں سے بخشش ہے اور حجابات مہجوری سے بچا کر قبولیت کے مرتبے میں چھپانا ہے۔ اور انکشافات تجلیات سرمدی کا اجر کبیر ہے اور صفات قدسیہ و افعال جلیہ و دار الجنان خلد بریں کا بڑا ثواب ہے (روح البیان۔ ابن عربی) متلاشی حق پر واضح ہے کہ شریعت دن کو ملتی ہے اور طریقت رات کو شریعت کی شاہراہیں دشوار ہیں اور طریقت کی گھاٹیاں ان دونوں کے حصول میں نہ جلد بازی کرنی چاہیے نہ مایوسی نہ اضطراب نہ فخر و تکبر۔ کہ یہ حرکات سب سے بڑی رکاوٹ اور شانِ مسلم کے خلاف شریعت کے اعمالِ صالحہ سے ادب و اخلاق ملتا ہے اور طریقت کے اعمالِ صالحہ سے عشقِ اللہ و رسول۔ اور یہی سب سے بڑا اجر کبیر ہے۔ شریعت کے اعمال پنجگانہ نماز ہے اور طریقت کی نماز نمازِ تہجد۔

فَلَعَلَّكَ تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَضَآئِقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ
پس شاید تم چھوڑنے والے ہو بعض اس کو جو وحی کی جاتی ہے طرف آپ کی اور تنگ ہونے والا
تو کیا جو وحی تمہاری طرف ہوتی ہے اس میں سے کچھ تم چھوڑ دو گے اور اس پر دل تنگ ہو گے
اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَآءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ؕ اِنَّمَآ
ہے اس سے آپ کا سینہ یہ کہ کہتے ہیں وہ کیوں نہ اتارا گیا پر اس خزانہ یا آیا ساتھ اس کے
اس بنا پر وہ کہتے ہیں ان کے ساتھ کوئی خزانہ کیوں نہیں اترا یا ان کے ساتھ کوئی فرشتہ آتا

أَنْتَ نَذِيرٌ ۚ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيلٌ ﴿۱۲﴾ اَمْ يَقُولُونَ

فرشتہ فقط تم ڈرانے والے ہو اور اللہ ہی ہر چیز کا محافظ یا کہتے ہیں وہ جھگڑا

تم تو ڈر سنانے والے ہو اور اللہ ہر چیز پر محافظ ہے۔ کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے

افْتَرٰىهُ ۚ قُلْ فَأْتُوا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهِ مُفْتَرَيٰتٍ وَّادْعُوا

اسنے اس قرآن کو۔ فرما دیجئے۔ تم بھی لے آؤ دس سورتیں مثل اس کی بنائی ہوئی اور

اسے جی سے بنالیا۔ تم فرماؤ کہ تم ایسی بنائی ہوئی دس سورتیں لے آؤ اور اللہ کے سوا

مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُونِ اللّٰهِ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿۱۳﴾

بلاؤ جس کو چاہو طاقت رکھتے ہو تم سے مقابل اللہ اگر ہو تم سچے

جو مل سکیں سب کو بلا لو۔ اگر تم سچے ہو

تعلق اس آیۂ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے متکبرانہ کردار وگفتگو کا ذکر تھا اس آیت میں غرور کے نتیجے کا عملی ثبوت پیش کیا جارہا ہے کہ اسلام لانے میں طرح طرح کے بہانے بازیاں اور قسم قسم کے مطالبات ان کے غرور کی وجہ سے ہیں **دوسرا تعلق** پہلے بتایا گیا کہ کافر اتنا ناشکرا اور بے صبرا ہے کہ کسی حال میں اپنے رب سے بھی راضی نہیں ہوتا اب بتایا جارہا ہے کہ اے پیارے آپ دل تنگ نہ ہوں اور کافروں کی بیہودہ باتوں پر دھیان نہ دیں بلکہ تبلیغ کئے جاؤ۔

شانِ نزول وَلَئِنْ اَذَقْنَا سے لے کر فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تک عبداللہ بن امیہ مخزومی کے بارے میں نازل ہوئی وہ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا تھا کہ اگر آپ سچے رسول ہیں اور آپ کا خدا ہر چیز پر قادر ہے تو آپ کو خزانے کیوں نہیں دیتا اور آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آتے جو آپ کی نبوّت کی گواہی دیں تب یہ آیات نازل ہوئیں۔

تفسیرِ نحوی فَلَعَلَّكَ تَارِكٌ بَعْضَ مَا يُوْحٰى اِلَيْكَ حرفِ فا ماقبل کے بیانِ اندیشہ کے لئے ہے لَعَلَّ دو معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے یہاں تین معنیٰ میں مراد لیا جاسکتا ہے ۱ یا یہ کہ امید کے لئے ہو اور یہی زیادہ مشہور ہے۔ اس معنیٰ میں دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ سننے والے کافروں کی امید مراد ہو دوسرے یہ کہ مخاطب کی امید مراد ہو تیرا احتمال نہیں نکل سکتا۔ یا لفظِ لَعَلَّ استفہام انکاری کے لئے ہو یعنی شاید تم

چھوڑنے والے ہو۔ مطلب ہے کہ نہیں چھوڑنے والے ہو ۔ تیسرے یہ کہ لفظ لعلّ دوری اور ناممکن کے لئے ہو تب معنیٰ اس جملے کے یہ ہوں گے کہ تم نہیں چھوڑ سکتے۔ ک ضمیر واحد مذکر کا مرجع یا نبی کریم ہیں یا عام مبلّغ تارِکٌ اسم فاعل بمعنیٰ مستقبل ہے ترکٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مہمل کرنا بیکار کرنا غافل ہو جانا۔ بَعْضَ پورا جملہ مرکب اضافی ہو کر تَارِکٌ کا مفعول بہٖ ہے ما اسم موصول مضاف الیہ ہے یُوحٰی مضارع مجہول وَحیٌ سے مشتق ہے مراد آیات قرآنیہ و احکام اسلامیہ ہیں الیٰ حرف جر بمعنیٰ قرب مکانی کَ میں وہی دو احتمال ہیں جو پہلے کَ ضمیر میں تھے وَضَائِقٌ بِہٖ صَدْرُکَ اَنْ یَّقُوْلُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ کَنْزٌ واؤ عاطفہ ہے ضَائِقٌ اسم فاعل ضَیْقٌ اجوف یائی سے بنا بمعنیٰ دل کی پریشانی تَارِکٌ پر عطف ہے۔ دراصل ضَیِّقٌ بروزن سَیِّدٌ تھا بوجہ حدوث کے اسم فاعل سے بدل گیا۔ یہ عام قاعدہ ہے ب بعضیت کی ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع بَعْضَ مَا یُوْحٰی ہے۔ صَدْرُ میں دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ ضَائِقٌ کا فاعل ہو دوسرا یہ کہ تَارِکٌ معطوف علیہ ہو کر خبر مقدم ہو اور صدر مبتدا مؤخر۔ بعض نے فرمایا کہ ضَائِقٌ کی واؤ حالیہ ہے کیونکہ غیر متوقع شی پر عطف جائز نہیں ہوتا۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات بابرکات ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ ہے یَقُوْلُوْا مضارع معروف بمعنیٰ ماضی جمع مذکر غائب صیغہ ہے یَقُوْلُوْنَ تھا نون اعرابی اَنْ ناصبہ کی وجہ سے گرگیٔ اس کا فاعل سرداران قریش اور دیگر کفار مکہ ہیں لَوْلَآ ایک لفظ ہے حرف تحضیض ہے اس کے بعد فعل آنا لازم ہوتا ہے اس لئے اُنْزِلَ ماضی مجہول بولا گیا نُزُوْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اوپر سے نیچے آنا یہاں بمعنیٰ اُعْطِیَ یعنی کیوں نہیں عطا فرمایا گیا عَلَیْہِ علیٰ حرف جر بمعنیٰ فوقیت یہاں مع کے معنیٰ میں ہے کَنْزٌ اس خزانے کو کہتے ہیں جو خام شکل میں کانوں سے نکلتا ہے جس کی اصل حقیقت اور صورت سب سے پوشیدہ رہتی ہے جب تک کان میں رہے کنز مخفی کہلاتا ہے۔ باہر نکل کر کَنْزٌ کہلاتا ہے صاف ہو کر مخزون کہلاتا کَنْزٌ اُنْزِلَ کا نائب فاعل ہے۔ اَوْجَآءَ مَعَہٗ مَلَکٌ۔ اَوْ حرف عطف ہے جس نے اگلے جملے کو یَقُوْلُوْا کا مقولہ دوم بنا دیا جَآءَ فعل ماضی مَعَ ظرفیت کا ہے مَلَکٌ لام کے زبر سے فرشتے کو کہتے ہیں جن کا ظہور صرف انبیاء کے لئے ہوتا ہے اور انہی کے پاس ظاہراً آتے ہیں اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِیْرٌ اِنَّمَا ایک لفظ ہے جس سے حصر پیدا ہوتا ہے اس کا آسان ترجمہ ہے فقط اَنْتَ سے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مراد ہے۔ نذیر صفت مشبہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ ہر حالت میں ڈر سنانے والا وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ وَّکِیْلٌ واؤ عاطفہ بیانیہ لفظ اللہ اسم ذاتی باری تعالیٰ کا ہے علیٰ حرف جر غالبیت کے لئے ہے کل موجبہ کلیہ کا سور ہے جس نے تمام مخلوق کو شامل کر لیا شی م مضاف الیہ نے تخصیص پیدا کر دی شیٔ بروزن غیب مشیۃ اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے وَکِیْلٌ وَکیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ حفاظت کرنا ہر طرح سے اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىہُ۔ اَمْ حروف غیر عاملہ ہے جس کے معنیٰ کیا اور بَلْ دونوں آتے ہیں یہاں بمعنیٰ کیا ہے۔ جس سے فقرہ استفہامیہ یقینیہ بن گیا۔ اَمْ دو قسم کا ہے ۱ اَمْ متصلہ ۲ اَمْ منقطعہ اسی کو منفصلہ بھی کہتے ہیں۔ اگر اس کا ماقبل مابعد سے ملا ہوا اور سوال چند چیزوں میں ایک کے بارے ہو تو متصلہ ورنہ منقطعہ یہاں اَمْ

منقطعہ منفصلہ ہے ۔ متصلہ کا ترجمہ ہوتا ہے یا منقطعہ کا ترجمہ ہوتا ہے کیا ابن قشیری نے کہا یہ اَمْ متصلہ ہے اس کے معنی ہیں یا ۔ اور یہاں عبارت ماقبل پوشیدہ ہے (معانی) یقولون فعل مضارع استفہام عنہ ہے ۔ چونکہ یہ قول کافر اکثر بلکہ اب تک کہتے ہیں اس لئے اس پورے جملے کا نام ہوا استفہام یقینیہ ۔ معلومیہ جس چیز کے ہونے کا سائل کو علم ہو پھر اس کا سوال کیا جائے تو اس کو استفہام یقینیہ یا معلومیہ کہا جاتا ہے ۔ اِفْتَرَا باب افتعال سے ہے اس کے معنی ہیں خوب سوچ سمجھ کر بات بنائی جو سراسر جھوٹ ہو (منجد عربی صہ ۶۱۳) ہٗ کا مرجع قرآن مجید کی آیات ہیں قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ قُلْ صیغہ امر ہے جس میں امر نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے ۔ فَاْتُوْا فِ جزائیہ پہلے جملے کی جزا یہ اگلا جملہ ہے اِئْتُوْا اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لانا اِئْتُوْا امر ہے جمع مذکر حاضر کا صیغہ خطاب کفار کو ہے ۔ بِ حرف جر بیانیہ یا زائدہ ہے بعض نے کہا یہ بِ بعضیت کی ہے مگر یہ غلط ہے عَشْرٌ بمعنیٰ دس وجوہِ اعراب میں یہ اگرچہ جمع مذکر سالم کی مثل ہے مگر جمع نہیں مگر اس کی تمیز جمع ہی آتی ہے ۔ سُوَرٍ جمع ہے سورت کی جو تمیز یا صفت ہے عشر کی مِّثْلِهٖ مِثْلُ لفظاً واحد ہے صفت ہے سُوَرٍ جمع کی اگرچہ جمع کی صفت بھی جمع ہوتی ہے مگر لفظ مثل میں یہ مطابقت شرط نہیں اس لئے کہ مثل چند قسم کا ہے ۔ مثل فی الافراد ۔ مثل فی النوع ۔ فی الجنس ۔ فی الجزء ۔ فی الکل ۔ فی الجمع ۔ فی التثنیۃ ۔ یہاں مثل فی الافراد مراد ہے نہ کہ جمع اس لئے وحدت ہی درست ہے بعض نے کہا یہاں قدر پوشیدہ ہے وہ واحد ہے اس لئے اس کی صفت مثل بھی واحد ہے بعض نے کہا مثل سُوَر کی صفت نہیں بلکہ عشر کی صفت ہے اور عشر لفظاً واحد اس لئے مثل بھی واحد ہ ضمیر واحد کا مرجع قرآن مجید ہے مُفْتَرَيٰتٍ سُوَر کی دوسری صفت ہے اِفْتِرَاءٌ سے مشتق ہے ۔ اسم مفعول جمع مونث ہے ۔ وَّادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۔ واؤ عاطفہ مابعد کا جملہ معطوف ہے اُدْعُوْا امر کا صیغہ جمع مذکر حاضر ہے خطاب کفار مکہ سے ہے باب نَصَرَ یَنْصُرُ ہے مادہ دَعْوٌ بمعنیٰ دعوت دینا ہے مثال واوی ۔ مَنْ اسم موصول مفعول بہ ہے اُدْعُوْا کا اِسْتَطَعْتُمْ باب استفعال کا ماضی مطلق جمع حاضر کا صیغہ ہے ۔ یہ پورا جملہ صلہ ہے مَنْ کا مِنْ زائدہ دُوْنِ بمعنیٰ مقابل یا سوا دونوں ہو سکتے ہیں دون مضاف ہے لفظ اللہ مضاف الیہ اِنْ حرف شرط مابعد کا جملہ شرط مؤخر ہے اُدْعُوْا جزاء مقدم ہے ۔ كُنْتُمْ فعل ناقصہ جمع کا صیغہ خطاب کفار کو ہے اسم پوشیدہ ضمیر اَنْتُمْ ہے اور اس کی خبر صٰدِقِيْنَ جمع ہے صادق (بمعنیٰ سچا) کی صَدَقَ کا اسم فاعل ہے ۔

تفسیر عالمانہ

اس آیت میں خطاب سراسر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ اے پیارے حبیب شاید تم وحی قرآنی کے بعض ان حصوں کو چھوڑ دو گے جن میں کفار کے بتوں کی برائی آئی ہے کفار نے کہا تھا کہ ہم کو وہ آیتیں نہ سنایا کرو جن میں ہمارے بتوں کی برائی ہے ۔ کسی نے کہا کہ یہ قرآن مجید ہم کو منظور نہیں ۔ دوسرا قرآن لاؤ کیونکہ اس میں بتوں کی برائی ہے ۔ اور کفار نے آپس میں مشورہ کیا کہ نبی کریم کو اپنے ایمانوں کا اتنا یقین دلاؤ

اور اتنا مجبور کر دو تاکہ وہ ہمارے ایمان کی لالچ میں ایسی آیتیں سنانا چھوڑ دیں اور بعض کفار نے غلط قسم کے مطالبات کرنے شروع کر دیئے جس سے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے درست نہ ہونے سے غمزدہ رہتے باری تعالٰے نے کفار کو سنانے کے لئے فرمایا لَعَلَّكَ تَارِكٌ کافر سمجھے بیٹھے ہیں کہ شاید آپ ہمارے مطالبے مان کر بعض آیات کی تبلیغ چھوڑ دیں گے حالانکہ یہ محال بالغیر ہے کیونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں اور عصمت کے معنٰی ہیں عیب نہ کر سکنا انبیاء کو کسی عیب کی طاقت ہی نہیں ہوتی (نسیم الریاض . شفا . شرح تجرید) انبیاء نہ گناہ کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں جیسے کہ فرشتے یہ لفظِ لعلّ کفار کی ترجّی کے لئے آیا ہے ورنہ نبی کریم علیہ السّلام بتوں کی برائی کس طرح ترک کر سکتے تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو وہ آیات بھی صاف صاف بیان فرما دیں جس میں خود اپنی ذات پاک کو کچھ تنبیہ اور ظاہراً جھڑک تھی مثلاً عَبَسَ وَتَوَلّٰى وغیرہ . حالانکہ دیکھا گیا ہے کہ انسان وہ بات کبھی ظاہر نہیں کرتا جس میں اس کی ہیٹی ہوتی ہو لیکن پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہے کہ آپ نے تبلیغ میں ذرا کمی نہ کی . ہاں کفار کے بیہودہ مطالبوں سے آپ کی دل تنگی ضرور ہوتی تھی . صدر سے مراد دل ہے . کیونکہ یہ باتیں تبلیغ میں رکاوٹ پیدا کرتی کرتی تھیں . تبلیغِ وحی نبی کریم کی روحانی غذا تھی جس طرح تبلیغ فرما کر شرحِ صدر ہوتا تھا اسی طرح تبلیغی رکاوٹوں سے ضیقِ صدر ہوتا تھا . اسی تنگی کا ذکر رب تعالٰی نے یہاں فرمایا . ان کا کہنا یہ تھا کہ اگر آپ اللہ کے حبیب ہیں پیارے ہیں تو آپ کے پاس خزانے کیوں نہیں اُترتے یا آپ اکیلے ہی مارے مارے پھرتے ہیں تکلیفیں سہتے پھرتے ہیں آپ کی تصدیق کے لئے آپ کے ساتھ فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے . ان تمام باتوں کا جواب یہ ہی ہے کہ آپ صرف کفار کو ڈر سنانے والے ہیں اور اللہ تعالٰے ہر چیز کا ذمّہ دار ہے . دل چاہتا ہے تم ایمان لاؤ ورنہ خود مختار ہو . ہمارے نبی تمہارے بیہودہ مطالبے پورے کرنے کے لئے نہیں آئے . جب نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم ان کی کوئی بات نہیں مانتے تو کہنے لگتے ہیں کہ یہ قرآن تو اُن کا اپنا بنایا ہوا ہے . اس کا جواب تو بہت آسان ہے کہ فرما دو اُن سے اگر یہ کلام انسانی ساختہ ہے تو تم بھی اِس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو اور ہمارے نبی تو اکیلے ہی کلام سناتے ہیں تم کو کھلی اجازت ہے کہ جتنی طاقت رکھتے ہو دنیا بھر کے عربی دان اہلِ لسان فصیح بلیغ منطقی فلسفی اللہ کے سوا بلا لو اور سب مل کر سوچ سمجھ کر ایسے کلام جیسا بناؤ پھر تمہاری سچائی کا پتہ لگے گا . یہ آیت مکے مکرمہ میں نازل ہوئیں یہاں دس سورتیں لانے کا مطالبہ اور چیلنج دیا گیا مگر کسی کی کیا مجال تھی کہ اس مطالبے کو پورا کرتا . تو یہ بتانے کے لئے کہ دس سورتیں تم کیا بنا سکتے ہو تم تو اس جیسی ایک سورت بھی نہیں دکھا سکتے . لہٰذا مدینے منورہ میں جو پہلی سورت نازل ہوئی سورۂ بقرہ وہاں تیئسویں آیت میں فرمایا کہ فَأْتُوا بِسُورَةٍ اچھا ایک ہی سورۃ بنا لاؤ . اور پھر کفار کو یہاں تک ڈھیل دی کہ سورتیں انتہائی چھوٹی کر دیں . تاکہ درازئ سورت کا بہانہ بھی نہ کر سکیں . مگر تمام دنیا کے کفار آج تک دو لفظی سورت بھی نہ بنا سکے . یہ کلام خداوندی کا معجزہ ہے جو تا قیامت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم

یہ فائدہ من دون اللہ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس آیت کریمہ پر چند اعتراض وارد ہوتے ہیں ان کے جواب ملاحظہ ہوں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا ہے لَعَلَّکَ لفظ لعل ترجی اور امید کے لئے آتا ہے جس میں شک اور احتمال ہے رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ اور یہ جملہ مثل شکایت سے ہے۔ جیسے استاد شاگرد سے یا آقا غلام سے یا حاکم محکوم سے یا محبوب حبیب سے شکایت کرتا ہے۔ شکایت کرنا اللہ کی شان کے خلاف ہے۔ **جواب**۔ اس کے چند جواب تفسیر میں گذر گئے جن کا خلاصہ یہ کہ یہ ترجی کفار کی نسبت سے ہے یعنی وہ اس امید میں لگے بیٹھے ہیں اور اگر اس کی نسبت کفار کی طرف نہ کی جاتے تو مطلب یہ ہے کہ فرض محال ایسا ہو تو کفار کو سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی کریم صرف نذیر ہیں اور یا یہ کلام محض تسلی کے لئے ہے مگر پہلا جواب درست ہے **دوسرا اعتراض** اللہ تعالےٰ نے یہاں ضَائِقٌ فرمایا زیادہ مناسب یہ تھا کہ ضَیِّقٌ فعل ماضی فرمایا جاتا۔ تاکہ صدرک اس کا نتیجہ فاعل بن جاتا جملہ فعلیہ مضبوط اور حتمی ہوتا ہے اس کا زمانہ مقرر ہوتا ہے اسم فاعل میں کوئی حتمی زمانہ نہیں ہوتا **جواب**: اس لئے ضَائِقٌ فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ یہ تنگی دل حتمی یقینی اور مضبوط یا دائمی نہیں بلکہ عارضی اور غیر ثابت ہے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ مبارک جتنا کشادہ ہے اور کائناتِ عالم میں جتنے فسیح و فراخ دل ہیں مخلوق میں ایسا حوصلہ مند کوئی نہیں یہ نبی پاک کے سینۂ مبارکہ کی کشادگی اور فراخ دلی ہی کا نتیجہ ہے کہ وہابی جیسے گستاخ بھی زندہ بچے چلے آرہے ہیں۔ دنیا میں جتنے دشمن نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں کسی کے نہ ہوتے مگر پھر بھی سب پر اظہار رحمت ہی ہے۔ قربان جاؤں ایسے رحیم کریم فراخ سینے پر صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ آلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَسَلَّمْ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِہٖ مُفْتَرَیٰتٍ ۔ یعنی تم بھی اسے کا فرو اس جیسی دس بناوٹی سورتیں لے آؤ۔ گویا کہ تسلیم کر لیا کہ یہ بناوٹی ہیں کیونکہ مثلیت تو تب ہی مکمل درست ہو سکتی ہے۔ بہتر یہ تھا کہ کہا جاتا کہ اس کی مثل نہ لاؤ بلکہ تم اصل رب کا کلام لاؤ اس طرح مفتریات کہنے سے قرآن کریم کے افتراء کا خطرہ گذرتا ہے حالانکہ قرآن پاک افتراء نہیں ہے **جواب** مثلیت سے مراد جنسی یا نوعی تشبیہ نہیں ہے بلکہ صفتی وصفی مثلیت مراد ہے یعنی فصاحت و بلاغت میں مثل مقصد یہ ہے کہ اگر ہمارے محبوب نے ایسا فصیح و بلیغ کلام خود بنا لیا ہے تو اسکی مثل فصیح کلام تم بھی بنا لو یا مطلب یہ ہے کہ جس کو تم اپنے گمان میں بناوٹی کلام کہہ رہے ہو تو اسی جیسی بناوٹی تم بھی پیش کر دو اس مطلب سے یہ مثلیت جنسی بھی ہو سکتی ہے۔ **چوتھا اعتراض** قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے دنیا بھر کے معترضین مخالفین کو چار مرتبہ اس چیز کا چیلنج فرمایا کہ اے قرآن پاک کو انسانی اور غیر خدائی کلام کہنے والو تم اس جیسا کلام بنا کر دکھاؤ۔ پہلا چیلنج اور دعوتِ مقابلہ پورے قرآن کے متعلق ہے اور صاف صاف سب جنّات اور انسانوں کو ہے خواہ عربی ہوں عجمی ہوں فصیح ہوں یا بلیغ۔ چنانچہ ارشاد باری تعالےٰ ہے

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا
پ ۱۵ سورۂ الاسراء آیت ۸۸ ترجمہ فرما دیجئے کہ اگر سب کائنات کے انسان اور جنات جمع ہو جائیں اس بات پر کہ اس قرآن کی مثل لے آئیں تو کبھی اس کی مثل نہیں لا سکتے اگرچہ یہ سب ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں۔ دنیا بھر نے یہ چیلنج سنا مگر کسی نے قبول نہیں کیا۔ تو رب تعالیٰ نے دوسرا چیلنج دیا جس میں پورے قرآن مجید بنانے کا نہیں صرف دس سورتیں بنانے کی دعوتِ مقابلہ ہے جو یہیں مذکورہ آیات میں ہے۔ مگر کسی نے اس کو بھی قبول نہیں کیا۔ جب انسانی طاقتوں نے اس کی جرأت نہ کی تو تیسری مرتبہ صرف ایک ہی بڑی سورت بنا کر دکھانے کا چیلنج دیا جیسا کہ پارہ گیارہ سورۂ یونس ۱۰ آیت ۳۸ میں ہے قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ترجمہ اے پیارے نبی ان منکرین کلام النبیہ سے فرما دو کہ اچھا پورا قرآن نہ سہی دس سورتیں نہ سہی صرف ایک ہی بڑی سورت ہی اس جیسی بنا کر دکھا دو۔ مگر دنیا جانتی ہے کہ کسی بھی کافر نے یہ چیلنج بھی قبول کرنے کی ہمت نہ کی یہ تینوں چیلنج مکی زندگی پاک میں خود نبی کریم کی زبانی دلوائے گئے۔ جب یہ سارے شور مچانے والے کافر بڑی سورت لانے سے بھی عاجز رہ گئے تو چوتھی بار مدنی زندگی میں منکروں کو قرآن پاک کی چھوٹی سے چھوٹی سورت کی مثل بنانے کا چیلنج دیا گیا۔ چنانچہ پہلے پارے سورۂ بقرہ آیت ۲۳ میں فرمایا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ یعنی چھوٹی سی سورت اس کی مثل بنا کر دکھا دو۔ قرآن کریم میں سب سے چھوٹی سورت والعصر اور کوثر ہے مگر اس چیلنج کو بھی کوئی قبول نہ کر سکا۔ مِنْ مِّثْلِهٖ میں حرف مِنْ بعضیت کا ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ چھوٹی سورت مراد ہے۔ پس سوال یہ ہے کہ آخر اہل عرب اتنے بڑے بڑے شاعر فصیح بلیغ علماء عرب گذرے تو انہوں نے اس چیلنج کو قبول کیوں نہ کیا۔ یہ راز کیا ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ یہ چیلنج پوشیدہ رہے۔ بلکہ زمین کے کونے کونے میں مشہور طوفان کی لہروں میں سمندر کی تہوں۔ دشت و بیابان میں قرآن مجید پہنچا جن و انس نے سنا۔ **جواب** سائل کے سوال کے آخری شق یعنی مِنْ مِّثْلِهٖ میں مِنْ بعضیت کا بھی ہو سکتا ہے مگر اکثر مفسرین اس کو مِنْ بیانیہ کہتے ہیں اور مِثْلِهٖ کی ضمیر واحد غائب کا مرجع ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تب مطلب یہ بنتا ہے کہ قرآن مجید کی کوئی سورت خواہ چھوٹی خواہ بڑی اس جیسی ذات کی مثل سے بنوا کر لاؤ یعنی دنیا بھر میں نہ تم کو قرآن مجید جیسا کلام ملے گا اور نہ محمد مصطفےٰ جیسی ذات ملے گی۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تفسیر عشاق کے نزدیک زیادہ پسند ہے اور قواعد سے بھی قریب تر ہے مِنْ کو تبعیضیہ مان کر پھر چھوٹی سورت مراد لینا بقواعد نحویہ بعید ہے۔ ہاں البتہ سورۃ کی تنوین کو قلت کی تنوین مان کر پھر چھوٹی سورت مراد لی جا سکتی ہے لیکن پھر سائل کی پیش کردہ ترتیب درست نہ ہو گی بلکہ تینوں جگہ چھوٹی سورتیں ماننی پڑیں گی۔ یہ تو سائل کے طرز سوال پر جرح تھی مگر کسی اہل عرب عالم فاضل کا اس چیلنج کو قبول نہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن پاک کی عبارت میں چار خصوصیات ایسی ہیں جس کی وجہ سے کوئی انسان جن یا فرشتہ اس جیسا کلام نہیں بنا سکتا۔ ا خصوصیت

یہ کہ اس میں عظیم فصاحت ہے جس تک ذہنِ انسانی کی رسائی نہیں ہے اس کی بلاغت بے مثل ہے ۔ تیسری خصوصیت غیبی خبریں یہ خبریں بجز رب تعالیٰ کوئی نہیں دے سکتا ۔ چوتھی خصوصیت الفاظ کا بے مثل ربط ۔ اور تعلق ہے ۔ یہاں تک کہ حروفِ ابجد کے لحاظ سے بھی ایسا حیران کُن ربط ہے کہ پہلی آیت سے لے کر آخری آیت تک تسلسل جڑتا چلا گیا ہے اور جہاں جو لفظ ہے وہ ایسا مناسب ہے کہ اگر ایک حرف بھی وہاں سے تبدیل کر دیا جائے تو وہ ربط ٹوٹ جائے گا کلام بنانا تو درکنار اس ربط کو سمجھنے میں عقولِ عُقلا متحیر ہیں یہ سب باتیں وہی اہلِ عرب سمجھتے تھے اس لئے جرأت نہیں کرتے تھے کہ کچھ عبارت اس کے مقابلے میں بنائیں اور یہ گہرائی باریکی تو اہلِ زبان ہی جان سکتا ہے ۔ عجمی گنوار کو کیا پتہ لگے مثلاً صوفیاء کرام فرماتے ہیں بسم اللہ شریف قرآن مجید کی چابی اور مفتاح ہے صوفیاء کرام نے یہ بات اپنے تصوف کے اعتبار سے کی ہوگی یا غالباً کُن اسرار سے واقف ہو کر انہوں نے یہ فرمایا مگر اسی فرمان کا سہارا لے کر ہمارے دور کے مفکرین نے ایک نئی تحقیق پیش فرمائی چنانچہ لکھتے ہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ظاہری حروف انیس[19] ہیں ۔ جب ہم نے زیادہ غور کیا تو سارے قرآن مجید میں بسم اللہ کے الفاظ کو انیس[19] ہی کے گھیرے میں پایا ۔ بعض ۱۹ کے عدد میں بعض ۱۹ کے ضرب میں ۔ لفظ اسم سارے قرآن مجید میں انیس[19] دفعہ آیا ہے ۔ دوسرا لفظ اللہ جو کل چھبیس سو اٹھانوے[2698] دفعہ آیا اور ضرب دینے اور تقسیم کرنے سے ۱۹ پر پورا ہو گیا تیسرا لفظ رحمٰن ہے یہ بھی ۵۷ دفعہ آیا انیس کو ۳ سے ضرب دینے سے صحیح ہوا ۔ اسی طرح رحیم ۱۱۴ دفعہ ہے لیکن انیس کو چھ سے ضرب دیا تو ۱۱۴ ہوئے یہ کتنا عجیب اتفاق ہے ۔ ایسا رابطہ کتنے بڑے حساب دانی بلکہ قدرت کے عظیم شاہکار اور صفت الٰہی ہونے کی غمازی کرتا ہے ۔ اسی چیز نے کفر کی دنیا میں فتنہ ڈال دیا اور کوئی بھی اس کی مثل سورت نہ بنا سکا ۔ اور یہ بات خود قرآن مجید نے بھی اشارۃً بتا دی ہے ۔ چنانچہ سورۂ مدثر میں اس بات کا ذکر فرما کر کہ کافر اس کلام الٰہی کو بشر کا کلام کہتے ہیں پھر فرمایا عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ ۔ اس پر انیس[19] کی حکومت ہے پھر فرمایا وَمَا جَعَلْنَا عِدَّتَهُمْ اِلَّا فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور ان کی اس تعداد کو ہم نے کافروں کے لئے ایک بڑی آزمائش ہی بنایا ہے ۔ ان آیات سے انیس کے عدد کی اہمیت قرآن کریم نے بتائی ۔ علماءِ جفر بتلاتے ہیں ۔ کہ انیس کی پندرہ خصوصیات ایسی ہیں جو بیک وقت کسی عدد کی نہیں ۔ اِن میں سے ایک یہ ہے کہ انیس خود برابر تقسیم نہیں ہوتا ۔ دوسری یہ کہ انیس میں اوّل آخر عددِ اصلی جمع ہے ۔ وہ آخری اکائی ہے اور ایک پہلی اکائی ۔ اگر دنیاءِ کفر صرف بسم اللہ شریف میں غور کر لے تو واضح ہو جائے کہ یہ انسانی کلام نہیں ۔ بھلا کس انسان میں طاقت ہے کہ پہلے سے سوچ کر اپنے ذہن میں تیاری کرے کہ میں نے اتنی بڑی اتنی ضخیم کتاب بنانی ہے جس کا پہلا جملہ ساری کتاب پر محیط ہو گا ۔ خاص کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم جن کی زندگی پاک اہلِ مکہ کے سامنے گزری کسی سے حساب اور علم ریاضی نہ سیکھا ۔ سب وحیِ الٰہی صحابہ کے سامنے آئی جن میں منافق اور نکتہ چین عیب جُو نقاد عربی دان بھی پاس ہی ہوتے تھے اور نہ ہی بسم اللہ شریف اور قرآن مجید کے اس رابطے کو اتفاقی کہا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ اتفاق ایک یا دو مرتبہ ہو سکتا ہے زیادہ مرتبہ نہیں یہاں تو ہر لفظ ہی ۱۹ پر

مطابق ہے۔ اسم بھی رحمٰن رحیم بھی لفظ اللہ بھی ایک یا دو لفظ تو کسی بھی مصنف کے مطابقت دکھا سکتے ہیں مگر تمام الفاظ کی یہ حالت ہونا ناممکن ہے۔ بس ماننا پڑے گا کہ یہ قدرت کی صفت کاملہ اور معجزہ احمد مجتبیٰ ہے جو تا قیامت ظاہر و باہر ہے اور خود قرآن کریم نے فرمایا یہ حکمتوں والی کتاب ہے۔ یعنی اس کی حکمتیں ہر شخص پر ظاہر ہوتی رہیں گی۔ صرف عربی بنانے کا ہی چیلنج نہیں دیا گیا ہے۔ کوئی اس مقابلے کو قبول کرنے والا ایسی حکمتیں بھی تو لے کر آتے سب سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام سورۃ عَلَقْ کی وحی لے کر آتے یہ سورت اسی ترتیب سے انیسویں سورت ہے۔ دوسری وحی میں سورتِ قلم کی چند آیات لے کر آتے سورۃ علق میں انیس آیتیں ہیں۔ تیسری بار سورت مزمّل کی چند آیات وحی آئی۔ چوتھی وحی مُدَّثِّر کی تیس آیات ہیں۔ اسی کی تیسویں آیت میں انیس کا ذکر ہے اس کے بعد بسم اللہ شریف نازل ہوئی اس کے حروف انیس ہیں عَلَيْهَا تِسْعَةَ عَشَرَ میں ھا ضمیر ہے اس کا مرجع مُضْمَر ہے۔ مفسرین قدماء نے جہنم کے چوکیدار منتظم مراد لئے ہیں۔ لیکن اگر اس سے بسم اللہ شریف کے انیس حروف مراد لئے جائیں تب بھی ہوا ہے۔ انیس ۱۹ سورتیں ایسی ہیں جن کی ابتدا حروف مقطعات سے ہوتی ہے۔ صرف تدبر کی ضرورت ہے پتہ لگ جاتا ہے کہ قرآن مجید کا ایک ایک حرف نہایت پیچیدہ طریقے سے سجایا گیا ہے۔ اس طرح مناسب ترتیب سے حروف کا اجتماع ذہن انسانی سے ناممکن ہے۔ عربی حروف ۲۸ ہیں جن کا آدھا چودہ ہے۔ حروف مقطعات بھی چودہ۔ مثلاً ا۔ ل۔ م۔ ط۔ س۔ ح۔ ر۔ ص ع۔ ن۔ ک۔ ق۔ ی۔ ان کے مجموعے بھی چودہ ہیں۔ گویا کہ چودہ حرف۔ چودہ مجموعے اور انتیس سورتیں۔ کُل ستاون ۵۷ ہوئے ان کو تین سے تقسیم کرو تو ۱۹ ارہے۔ اشارہ ہے کہ بسم اللہ شریف ہی محیط ہے۔ یہ تو ہوا بسم اللہ شریف کا سارے قرآن مجید سے تعلق۔ اب دوسرے حرفوں کو دیکھئے۔ ایک حرف ق ہے۔ سورتِ شوریٰ اور سورتِ ق دونوں کے ابتدا میں ق ہے۔ ۵۷ عسق ۵۷ ق حیران کن بات یہ ہے کہ سورۃ شوریٰ میں حرف ق ستاون مرتبہ ہے اور سورۃ ق میں بھی اور ۵۷ تین دفعہ ۱۹ پر تقسیم ہو جاتا ہے۔ اور دونوں سورتوں کے قاف کو جوڑو تو ایک سو چودہ ۱۱۴ بنتے ہیں۔ انیس ۱۹ کو چھ سے ضرب دو تو ایک سو چودہ بنتے ہیں اور قرآن مجید کی سب سورتیں ۱۱۴ ہیں اس سے ثابت ہوا کہ اے انسانوں تمہارے لئے ق یعنی قرآن ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں میں ہے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ کون سی یکتا ذات ہے جس نے قرآن مجید کی ایسی شاندار تحریر فرمائی کہ جو اس میں ہی اس کے بے مثلیت ثابت کر رہی ہے ان باریکیوں سے کون جرأت کرے کہ اس کی مثل لے کر آتے۔ کس نے دونوں سورتوں کے حرفِ ق کو تعدادِ سُوَر کے برابر کر کے صفتِ خدا کے ساتھ ساتھ ہی قرآنِ پاک کو معجزۂ مصطفےٰ بھی بنا دیا۔ پھر جس طرح انیس حرفی بسم اللہ شریف قرآن کریم کی ہر سورت ہر آیت میں جلوہ گر ہے اسی طرح یہ بھی ثابت ہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن پاک کا جو حرف جہاں رکھا اس طرح سے عین مناسب رکھا کہ اگر ذرہ برابر اس حرف کو آگے پیچھے کر دیا جائے تو نظام کلام درہم برہم ہو جاتے اس کی مثال اس طرح سمجھئے کہ سورۃ قاف کی آیت ۱۳ اس طرح ہے وَعَادٌ وَّفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوطٍ۔

قرآن مجید میں بارہ جگہ آیا ہے قوم لوط مگر یہاں آیا ہے اِخْوَانُ لُوطٍ یہ ایسے ہی اتفاقیہ نہیں لکھا گیا بلکہ نہایت دانائی سے یہ سمجھ بوجھ اور علم وحکمت سے ایسا کیا گیا ہے کیونکہ اگر یہاں بھی اخوان کے بجائے قوم ہوتا تو اس سورت قاف میں ایک قاف بڑھ جاتا اور ستاون کے بجائے اٹھاون ق ہوتے اور ۱۹ سے ضرب نہ دیئے جا سکتے۔ اسی طرح دونوں سورتوں شوریٰ اور ق کے حروف ق کی تعداد ۱۱۵ ہو جاتی اور انیس کا نظام بکھرے ہو جاتا اور ظاہراً ق بالکل بے معنی ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ایک حرف کے زیادہ یا کم کرنے سے کتنا فرق پڑتا ہے پورا حسابِ قرآنی ختم ہو کر رہ جاتا ہے۔ کفارِ عالم کے علاوہ کتنے کم عقل ہیں وہ شیعہ رافضی جو یہ بکتے اور کہتے پھرتے ہیں کہ صحابہ نے قرآن مجید کی آیتیں بدل دیں۔ خدا کے بندو کچھ ہوش سے کام لو آیتیں تو درکنار اس کا تو ایک حرف نہیں بدلا جا سکتا۔ جیسا کہ اس تحقیق وتدبّر سے ثابت ہوا اسی طرح حرف نون ہے سورۃ القلم اسی سے شروع ہوتی ہے اس سورت قلم میں اس کی تعداد ایک سو تینتیس ہے۔ ۱۹ کو سات سے ضرب دو تو ۱۳۳ حاصل ہوتے ہیں۔ اسی طرح حرف صاد۔ سورت ص کے شروع میں ص آتا ہے۔ سورۃ فرقان۔ سورۃ مریم بھی اسی حرف سے شروع ہوتی ہے۔ ان تینوں سورتوں میں ص کا حرف ۱۵۲ مرتبہ آیا۔ ۱۹ کو آٹھ سے ضرب دو تو ایک سو باون بنتے ہیں۔ ایسے ہی سورۃ اعراف جو المص سے شروع ہوتی ہے اس کی آیت ۶۹ میں لفظ بَصْطَۃً ہے جو در اصل بَسْطَۃً تھا موافقت کے لئے س کو ص سے بدلا گیا۔ سات قرأتوں میں ص ہی ہے ایک قرأت میں س ہے۔ اس لئے مشہور قرأت ص ہی ہے اس جگہ ص آنے سے ص کی تعداد اس سورت میں ۱۵۲ ہوئی ورنہ ۱۵۱ ہوتا۔ اب اندازہ ہو گیا یہاں سے ص ہٹانا گڑبڑ پیدا کر دے گا ثابت ہوا کہ ہر لفظ ہر حرف اپنی جگہ انتہائی مفید ہے۔ اور کسی کی جرأت نہیں جو اس کے لفظوں میں تبدیلی کر دے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ یہ قرآن مجید صرف عربیوں کے لئے نہیں بلکہ ہر ایک انسان عربی عجمی کے لئے ہے۔ کیونکہ کلام اللہ کا یہ لفظی معجزہ ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کوئی شخص اس کی مثل بنانے کی جرأت نہیں کر سکتا سورۃ طٰہٰ میں۔ ط۔ ہ۔ کی مجموعی تعداد تین سو چھیالیس ہے۔ جب انیس کو اٹھارہ سے ضرب دیا تو ۳۴۲ ہوتے۔ حرف ط چار سورتوں کے اول میں آیا ہے۔ اور حرف ھا سورۃ مریم اور طٰہٰ کے اول میں آتا ہے۔ جب ہم نے ان سورتوں کے ط اور ہ کو جمع کیا تو مجموعہ ہوا پانچ سو نواسی۔ اس کو انیس سے ضرب کیا تو ۳۱ ضرب ۱۹ ہوا۔ اسی طرح۔ سورت شعرا۔ نمل۔ قصص۔ یٰسٓ۔ احقاف میں س کی اور حرف ی کی گنتی کریں تو ان کا مجموعہ ہو گا ۹۶۹ — اور جب ۱۹ کو ۵۱ سے ضرب دیا تو ۹۶۹ ہو گئے کیسا تعجب خیز اور حیران کن رابطہ ہے کہ ایک حرف کم نہیں ہو سکتا نہ ایک زاید اور ہر جگہ بسم اللہ شریف کی جلوہ گری ہے۔ ماننا پڑے گا کہ لفظ قُلْ ہُوَ اللہ جہاں لکھا وہیں مناسب ہے۔ اللہ الصمد جہاں لکھا گیا وہیں درست ہے ذرا آگے پیچھے کیا تو غلط ہوا۔ یہ تو وہ تحقیق ہے جو ہم جیسے عجمیوں کو بھی نظر آ جاتی ہے اہلِ عرب نے نامعلوم اس سے بڑھ کر کون کون سی معجزانہ

عبارت دیکھی تھی جس سے وہ اس کی مثل لانے سے قاصر ہے اور قاصر ہیں۔ بہرحال ماننا پڑے گا کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ اس کی مثل نہ ہوا ہے اور نہ کسی سے ہو سکے گا۔ یہ ایک ادنیٰ تحقیق ہے جو آپ کے سامنے پیش کی گئی۔ ورنہ اس کا تو ہر نقطہ معجزہ ہے اور تا قیامت باقی ہے کیونکہ نبی کریم تا قیامت باقی ہیں۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

ایک بزرگ نے فرمایا کہ بسم اللہ شریف میں توحید باری کا اشارہ ہے۔ کہ اس کے حرف ۱۹ یعنی نو اور ایک ہیں جب اُن کو جوڑا جائے تو ایک اور نو مل کر دس ہو جاتے ہیں۔ اور دس کا صفر بیکار ہے تو اس کو علیحدہ کیا جائے تو ایک اَحَد ہوا یہی توحیدِ الٰہی ہے کہ اُس کو واحد مانو۔

تفسیر صوفیانہ

جبلّت اور فطرت انسانی ہے کہ جب اس کی بات کو تسلیم کیا جائے اور خوشی کا اظہار مخاطبین سے ظاہر ہو تو متکلم کی خوشی دوچند ہو جاتی ہے اور اس کا سینہ مسرت سے کھل جاتا ہے اور اس کو تکلّم کا ایسا لطف آتا ہے کہ وہ سامعین کو جوہر علمی سے نوازتا ہے۔ اور متکلم کی لذت سے مخاطب کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ متکلم خواہ کسی مقام پر ہو۔ استاد ہو یا مبلغ واعظ مرشد ہو یا حاکم وقت ہر شخص اس بات کا متمنی ہوتا ہے۔ یہی وہ لذت ہے جس سے وعظ و نصیحت استادی شاگردی پیری مریدی کی سچی تبلیغ آسان تر ہوتی چلی جاتی ہے اگر مبلغ اور مرشد و ہادی کو یہ چیزیں میسر نہ آئیں تو ایسی دل تنگی ہوتی ہے کہ بڑے بلند حوصلے والے ہی اس میدان میں ٹھہر سکتے ہیں۔ اس میدان میں سب سے بلند حوصلہ انبیاء اکرام کا ہے ہزاروں دشمنوں میں چاروں طرف سے گھر کر بھی تبلیغ اسلام سے منہ نہ موڑا اور اپنے پرایوں میں بھی پوری سچی تبلیغ فرمائی۔ اور سب سے زیادہ تبلیغی دشواری کا سامنا تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوا کہ ایسی پیاری رحمت بھری سچی تعلیم کے مقابلے میں ہزاروں دشمن ہیں اور بجائے غور و فکر کرنے کے الٹے مذاق اور بیہودہ مطالبے کر کے دل تنگی اور گھبراہٹ کا سامان پیدا کرتے ہیں اور بجز پروردگار عالم کوئی تشفی و تسلی کرنے والا نہیں ایسے مرحلے کہ ہزاروں بہادروں کے حوصلے پست ہو جائیں مگر محمد ہیں کہ ان کے پاؤں میں لغزش نہ آتی تھی ان حالات میں دل تنگی اور غمگینی و افسوس لازمی امر تھا۔ جس کو دور کرنے کے لئے یہ تسلی آمیز کلام فرمایا گیا کہ اے پیارے حبیب تم تو فقط معرفت الٰہی سے دور ہونے والوں کو انجام کار سے ڈرانے والے۔ اور جو لذت عشق الٰہی سے بے خبر ہیں ان کو جگانے والے ہو جاگنا اور قریب آنا تو ان بدنصیبوں کا اپنا کام ہے۔ پھر یہ اتنے بے وقوف بن جاتے ہیں کہ کلام الٰہی کو بناوٹی کہہ دیتے ہیں حالانکہ خالق و مخلوق کی چیزوں میں واضح فرق یہ ہے کہ جس کی مثل بن سکے وہ مخلوق کی چیز ہے اور جس کی مثل نہ بن سکے وہ خالق کائنات جلّ مجدہٗ کی پیدا کردہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ اشیاء کی مثل کوئی نہیں بنا سکتا تو کلام تو بدرجۂ اولیٰ بے مثل ہے۔ اس کی مثل کوئی کس طرح بنا سکتا ہے۔ اگر اب بھی نہیں مانتے تو مقابلہ کر کے

دیکھ لو۔ اس جیسی دس سورتیں ہی بنا کر دکھا دو۔ بے شک اللہ تعالٰے اپنے حبیب کی ہر چیز پر وکیل و محافظ ہے تم اپنے سارے مددگاروں کو بھی بلا لو اور جتنی تم میں طاقت ہے زور لگا لو۔ مگر میرے حبیب کی کسی چیز کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اے پیارے ان کو کھلے دل عام چیلنج کر دو۔ بہر حال آپ کفار کو ڈراتے رہیں جو ڈر جائیں گے ان سے ہم حجاب باطنی کے پردے کھول کر ان کو وادی قرب میں لے آئیں گے اور وہ عشق و معرفت کے مزے پائیں گے۔ لیکن جو بے باک اور نڈر متکبر مغرور بنے رہیں گے تو ان پر آپ کی تبلیغ و حجت پوری ہو جائے گی

فَاِلَّمْ يَسْتَجِيبُوا لَكُمْ فَاعْلَمُوٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ

تو اگر نہ جواب دیں وہ کافر کی تمہاری بات تو جان لو فقط نازل کیا گیا ہے علم اللہ

تو اے مسلمانو اگر وہ تمہاری اس بات کا جواب نہ دے سکیں تو سمجھ لو کہ وہ اللہ کے علم ہی سے اترا ہے

وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۴﴾ مَنْ

اور یہ کہ نہیں معبود مگر وہ پس کیا تم ماننے والے ہو جو شخص ہو

اور یہ کہ اس کے سوا کوئی سچا معبود نہیں تو کیا اب تم مانو گے جو

كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ

چاہتا زندگی دنیوی اور اس کی زینت ہم پورا دیں گے طرف ان کی

دنیا کی زندگی اور اس کی آرائش چاہتا ہو ہم اس میں ان کا پورا پھل دے دیں گے

اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

عمل ان کے بیچ اس دنیا اور وہ بیچ اس نہ کم کیے جائیں گے یہ ہی ہیں

اور اس میں کمی نہ دیں گے یہ ہیں وہ

الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا

وہ لوگ نہیں ہے لیے ان کے بیچ آخرت مگر آگ اور برباد گیا وہ جو

جن کے لیے آخرت میں کچھ نہیں مگر آگ اور اکارت گیا جو

صَنَعُوْا فِیْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

کیا انہوں نے بیچ اس اور مٹ گئے وہ جو تھے وہ کرتے

کچھ وہاں کرتے تھے اور نابود ہو گئے جو ان کے عمل تھے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیات کریمہ میں اُن کے مطالبات اور کفریہ دعووں کا ذکر تھا کہ معاذ اللہ یہ قرآن کریم انسانی بناوٹ ہے۔ اُن کو چیلنج دیا گیا تھا کہ تم بھی اس جیسی بناوٹ کر کے دکھا دو اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کبھی بھی اس مقابلے میں نہیں آسکیں گے لہٰذا اے مسلمانو تم ثابت قدم رہو اور اے خوش بختو تم دامنِ محبوب سے لپٹے رہو۔ ان کو چھوڑ دو جو چاہیں کہتے پھریں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار سے فرمایا گیا تھا کہ اپنے جھوٹے معبودوں پنڈتوں پادریوں کو بلا لو اور ان سے کہو کہ ہماری مدد کرو ہمیں کچھ عربی کلام بنا دو تاکہ ہم قرآن پاک کا مقابلہ کریں اب فرمایا جا رہا ہے کہ بُت اور دیگر معبودِ باطل اور پنڈت پادری تمہاری دعوت کو قبول نہ کریں اور تمہاری ساری امیدیں خاک میں مل جائیں تو اب بھی بندے بن جاؤ اور جان لو کہ یہ قرآن کریم اللہ ہی کے علم سے نازل ہو رہا ہے۔ اور وہی سچا معبود ہے جس کی طرف محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بلا رہے ہیں خیریت اسی میں ہے کہ مسلمان ہو جاؤ کیا تیار ہو تم۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ کے پاس آسمانی دفینہ اور کثیر مال کیوں نہیں یہ مطالبہ ان کی دنیا پرستی اور دنیوی رغبت و خواہش کا مظہر تھا کیونکہ دنیا دار ہمیشہ اور ہر طرف دنیا ہی دیکھنا چاہتا ہے۔ دنیا دار انبیاء اولیاء کے پاس بھی دنیا ہی دیکھنا چاہتا ہے وہ سمجھتا ہے کہ دنیا ہی اور مال دولت ہی کامیابی اور سچائی کی دلیل ہے ان کی خواہش تھی کہ نبی کے دروازے سے بھی ہم کو دنیا کا مال ہی ملے۔ اب اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ اے بیوقوفو نبی پاک صاحب لولاک کے دروازے سے دنیوی حقیر ذلیل مال کی خواہش رکھتے ہو۔ ارے وہاں سے تو ایمان۔ عرفان۔ ایقان۔ بلکہ خود رحمت رحمٰن کی چاہت اور خواہش کرو ہاں اگر تم دنیا اور اس کی زینت کا ہی ارادہ لئے بیٹھے ہو تو ہم تم کو اپنے نبی کے ہی واسطے سے تم کو دنیا میں ہی حساب چکا دیں گے آخرت میں پھر کچھ نہ ملے گا۔ **شان نزول**۔ ان آیات کا شانِ نزول وہی ہے جو پچھلی آیات کا تھا۔

تفسیر نحوی فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فِ تعقیبیہ اِنْ حرف شرط ہے مگر نون پوشیدہ ہے اس لئے کہ علم تجوید کے مطابق نون حرف شمسیہ ہے اس کے بعد جب لام وغیرہ آتے تو شد لازم اور نون پوشیدہ ہو جاتا ہے لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا کا مادہ جَوْبٌ ہے بمعنیٰ دعوت قبول کرنا۔ جواب دینا باب استفعال کا نفی بلم اور مطلب ہے کہ خوب غور و فکر بھاگ دوڑ کے بعد تھک ہار کر چیلنج قبول نہ کریں۔ عربی کی تین نفیوں کا فائدہ یہ ہے کہ نفی بلا مطلق نفی ہے

جس میں دانستہ اور بھول کر دونوں طرح نفی ہو سکتی ہے مَا نفی بلم دانستہ نفی کے لئے ہی مستعمل ہے۔ لَمْ یفعل یعنی سمجھ سوچ کر نہ کیا مَا نفی بلن تاکیدی نفی کے لئے ہے لَكُمْ۔ لام مفعولیت کا ہے کم ضمیر جمع حاضر کا مرجع یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یا مسلمان یا کفار فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ ف سببیہ ہے اِعْلَمُوْا امر حاضر علم سے مشتق ہے بمعنیٰ یقین کر لو اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول کتب سماوی کی صفت ہے۔ اِنَّمَا میں ما کافہ ہے اور حرف مشبّہ سے مل کر کلمہ حصر بن گیا اس کا حصر اُنْزِلَ میں ہے یا بِعِلْمِ اللّٰهِ میں یعنی یہ قرآن مجید نازل ہی کیا گیا ہے یا مطلب ہے اس کے نزول کو اللہ ہی جانتا ہے مسلمانوں کا کام صرف یقین کرنا ہے وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ واؤ عطف کی ہے اور فَاعْلَمُوْا کی دوسری جز ہے اَنْ مخففہ ہے اَنَّ مشددہ سے اس کی ضمیر شان محذوف ہے دراصل تھا اَنَّہٗ۔ لَا نافیہ ہے یہاں اَنْ کی نون ضمیر شان کی وجہ سے ظاہر ہے اِلٰہ سے مراد صفت اِلٰہ ہے یعنی عبادت کے لائق۔ اِلَّا حرف استثنا بمعنیٰ غیر ہے ھُوَ ضمیر غائب بھی ہے جس کا مرجع اللہ اسم ذاتی ہے اور ھُوَ خود اسم ذات بھی ہے۔ لفظ ھُوَ فرما کر حرف لیاقت عبادت کی طرف اشارہ ہے لفظ اللہ جامع صفات ہے وہ یہاں ارشاد نہ فرمایا گیا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ فا عاطفہ سببیہ۔ ھَلْ حرف استفہام اَنْتُمْ کا مرجع یا مسلمان تو مراد ہے قائم رہو گے؟ یا کفار تو مراد مسلمان بن جاؤ گے۔ مُسْلِمُوْنَ اسم فاعل سَلَمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ مسلمان ہونا۔ مان لینا۔ جھک جانا۔ سلامت رہنا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا۔ مَنْ اسم موصول عام ہے ہر انسان کو یہ جملہ نیا ہے یہ لفظ مَنْ یہاں شرطیہ ہے یہ جملہ شرط ہے۔ کان فعل تامہ۔ يُرِيْدُ علیحدہ جملہ كَانَ کا مفعول بہ ہے۔ يُرِيْدُ فعل مضارع اِرَادَةٌ سے مشتق ہے۔ افعال قلوب میں سے ہے الحیٰوۃ الف لام حسی ہے حیٰوۃ موصوف ہے دنیا کی طرف دنیا ادنیٰ اسم تفضیل کا مؤنث ہے لغواً۔ ذلیل۔ قریب۔ اصطلاحی لحاظ سے یہ جہان۔ واؤ عاطفہ ہے زِيْنَتَهَا زینت سے مراد مال و دولت عزت اولاد نرینہ۔ ھَا کا مرجع دنیا یا حَیٰوۃ الدُّنْیَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ۔ نُوَفِّ دراصل نُوَفِّیْ تھا جمع متکلم کا صیغہ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ جملہ سابقہ شرط کی جزا ہے۔ اسی لئے حالت جزم میں ہو کر لام کلمہ یا مضمومہ حذف ہو گیا نُوَفِّ بمعنیٰ نُوَصِّلُ ہے یعنی ہم پہنچائیں گے اور یہ فعل متعدی بالی ہے اِلٰی حرف جر بمعنیٰ اِنتہا ھُمْ سے مراد وہ بدنیت عامل ہے۔ اعمال جمع ہے عمل کی۔ بمعنیٰ بدلہ ہے مجازاً سبب بول کر مسبب مراد لیا ہے فِيْهَا حرف فی جارۃ ظرفیت کے لئے ہے ھَا کا مرجع دنیا ہے حیٰوۃ نہیں ہو سکتا کہ حیاۃ ظرف نہیں وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ واؤ عاطفہ ہے ھُمْ کا مرجع وہی ریا کار عامل یا منافق۔ فی ظرفیت کا ہے ھَا کا مرجع یا تو عمل ہیں یا دنیا لَا يُبْخَسُوْنَ بَخْسٌ کا مضارع مجہول ہے۔ نائب فاعل وہی بدنیت لوگ۔ بَخْسٌ کا لغوی معنیٰ کسی بدلے میں کمی کرنا۔ بدلہ پورا نہ دینا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ اس کا مشار الیہ وہی لوگ ہیں جو اچھے اعمال سے اس دنیا کے طالب ہیں اور جن کو اُن کے اچھے عملوں کا بدلہ دنیا میں ہی مل جائے گا۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر کے لئے آتا ہے اس کا صلہ اگلی عبارت۔ لَيْسَ فعل ناقصہ اس کا اسم ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے

مَا اور لَا کی نفی غیر استغراقی ہوتی ہے۔ اس میں کچھ تھوڑا بہت ثابت ہو جاتا ہے۔ مگر لَیس کی نفی استغراقی ہے یعنی بالکل نہیں نہ بھول کر نہ دھوکے سے نہ رحم سے لَهُمْ لام استحقاقیہ ہے۔ یعنی وہ مستحق ہی نہیں۔ هُمْ کا مرجع وہی ریا کار طالبِ دنیا فِی ظرفیہ ہے آخرت سے مراد یوم حساب اور یہ ظرفِ زمان ہے۔ اگر میدان محشر مراد ہو تو ظرف مکان ہوگا۔ اِلَّا حرفِ استثنا بمعنی غَیْرُ ہے یا مستثنا مُفرغ ہے نار سے مراد وادیِ جہنم۔ خواہ زمہریر ہو یا اَسْفَلُ السَّافِلِیْن یا بھڑکتی آگ۔ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِیْهَا۔ واؤ عاطفہ ہے۔ حَبِطَ باب سَمِعَ یَسْمَعُ کا ماضی معروف ہے حَبْطٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی بے فائدہ یا نقصان دہ۔ مَا مصدریہ ہے یا موصولہ صَنَعُوْا صُنْعٌ سے مشتق افعالِ جوارح میں سے ہے بمعنی بنانا فِیْهَا یا متعلق ہے حَبِطَ کے تو مطلب ہوگا کہ آخرت میں برباد ہوگا اور اگر فِیْهَا کا تعلق صَنَعُوْا سے ہو تو مطلب ہے کہ دنیا میں ہی بے فائدہ۔ برباد۔ هَا کا مرجع پہلی صورت میں آخرت دوسری صورت میں دنیا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ واؤ عاطفہ بَاطِلٌ بَطَلٌ کا اسم فاعل ہے بمعنی بے فائدہ۔ غلط۔ نقصان دہ۔ کمزور۔ جھوٹ۔ فانی۔ خراب۔ بیکار۔ مذاق بہانہ۔ برباد کرنا۔ فی شی بدمعاشی یہاں حرف پہلے معنی بنتے ہیں اور لفظ باطل حَبِطَ کی تاکید ہے۔ مَا موصولہ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری۔ بَاطِلٌ خبرِ مقدم ہے اور مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ مبتدا مؤخر لفظِ مَا مرفوع ایک قرأت میں بَاطِلًا ہے۔ مفعول مقدم ہو کر۔

تفسیر عالمانہ

فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَکُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَآ اُنْزِلَ بِعِلْمِ اللّٰهِ۔ تو اگر اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وہ بیہودہ مطلبے کرنے والے کفار تمہاری چیلنج کا جواب نہ دے سکیں تو بتا دو کہ یہ کلام پاک صرف اللہ ہی کے علم سے نازل کیا گیا ہے یا اے مسلمانو۔ یا اے کفار اگر وہ تمہارے حمایتی بت اور پادری پنڈت اس چیلنج کے سامنے نہ آسکیں اور تمہاری دعوت نہ منظور کریں تو سمجھ لو کہ یہ کلام اللہ ہی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے۔ اس عبارت میں یہ تینوں احتمال ہیں پہلے احتمال کے اعتبار سے لَکُمْ اور فَاعْلَمُوْا کی جمعیت تعظیم کے لئے ہے جیسا کہ اس آیت میں یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ ان دونوں آیتوں میں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حبیب کریم کا ادبِ گفتگو سکھایا۔ خیال رہے کہ بارگاہِ رب کریم اور بارگاہِ نبوی میں خطاب کی تعظیم جداگانہ ہے خدا تعالیٰ کی توحید کا تقاضا یہ ہے کہ اس کو ہمیشہ واحد کے صیغہ سے خطاب کرو۔ یہی اس بارگاہ کا ادب ہے۔ وہاں تُو اور وُہ کہہ کر پکارنا ہی عینِ توحیدی ایمان ہے اسی لئے کسی نبی صحابی ولی نے جمع حاضر یا غائب کے صیغے سے اُس ذات پاک کا ذکر نہ کیا۔ بلکہ تُو اور وہ سے تکلم کیا کہ یہ اس کی شانِ وحدت اور اظہارِ توحید ہے۔ تاکہ مسلمانوں کی عام گفتگو اور دعاؤں میں بھی توحید باری تعالیٰ ظاہر ہوتی رہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر بزرگوں کا ادب یہ ہے کہ اُن کو آپ جناب کہہ کر خطاب کرو اُن کے لئے جمع کے صیغے بولو جیسا کہ اِن آیات سے ثابت ہے اس سے آج کل کے توحیدی ماڈل کے وہابی عبرت پکڑیں جو اللہ واحد کو تم اور آپ جیسے شرکیہ لفظ بولتے ہیں اور نبی کریم کو تو وغیرہ واحد کے صیغے سے خطاب کرتے

تم محض اپنی گستاخی ظاہر کرنے کے لئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں لکم وغیرہ میں مسلمانوں سے خطاب ہے۔ اور جمہور نے فرمایا کہ یہاں خطاب کفار سے ہے اور بتایا جارہا ہے کہ اے کافرو جن بتوں کو تم معبود سمجھتے ہیں اور جن پر تم کو بہت بھروسہ ہے وہ تمہاری اس فریاد کو نہ پہنچیں اور تمہیں اس چیلنج کی شکست سے نہ بچائیں تو سمجھ لو کہ یہ کلام اللہ کے علم کے ساتھ ہے اور اس میں صرف وضاحت ظاہری اور بلاغت لفظی ہی نہیں بلکہ علم الٰہیہ کے ہزارہا اسرار ہیں یہ کلام صرف بلاغت کا رسالہ ہی نہیں بلکہ علم وعرفان کا گنجینہ اور تم کو اس چیلنج میں صرف ظاہری کلام کا مقابلہ ہی نہیں بلکہ ایسی دس سورتیں لانی ہیں جو علم الٰہی کا اس جیسا خزانہ ہو۔ اور ایسا مقابلہ کرنے کے لئے تمہارے جب وہ بت وغیرہ تیار نہ ہوں تو سمجھداری سے کام لینا اور جان لینا کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور ساتھ یہ سمجھ لینا کہ تمہارے معبود باطل ہیں وَاَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔ اور وہی صاحبِ کلام ہی سچا معبود ہے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو صرف اپنی زبان پاک سے سنانے والے ہیں تو کیا اس شکستِ باطلاں کے بعد بھی تم حقیقی معبود پر ایمان لے آؤ گے۔ ہمارا یہ سمجھانا فقط تمہاری خیر خواہی کی بنا پر ہے اگر تم نے اب بھی اپنا رویہ نہ بدلا تو یاد رکھو مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَهُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ کہ جو شخص دنیوی زندگی اور اس کی عیش عشرت کا ارادہ کر کے اچھے کام کرے ہم اس کو اس کے اعمال کا بدلہ صرف دنیا میں ہی پورا دے دیں گے اور ذرا کمی نہ کئے جائیں گے۔ اس میں مراد آخرت کے منکر کفار ہیں یعنی یہ کافر جو بھی کام کرتے جس میں کچھ ظاہری اچھائی کا پہلو نکلتا ہو مثلاً سڑکیں پل گلیاں بنانا یا غربا کو کھانا دینا خیرات کرنا جیسا کہ ہندوؤں سے سنا گیا ہے تو ان کا بدلہ دنیا میں اُن کو مل جاتا ہے اور یہ کفار کی دنیوی زیب وزینت اسی چیز کا نتیجہ ہے۔ گویا کہ دنیا میں امیر ہونا آخرت کی بدنصیبی کا نشان ہے بعض نے فرمایا کہ اس میں سب ریاکار شامل ہیں خواہ مسلمان ہوں یا کافر یہود ونصاریٰ یعنی جو شخص بھی کوئی نیکی لوگوں کو دکھانے کے لئے کرے اس کا بدلہ صرف دنیا میں ملے گا اس لئے کہ نیکی تو اللہ رسول کو دکھانے کے لئے اور اُن کی رضا کے لئے ہوتی ہے اور اللہ رسول کی نظرِ کرم کا دارومدار آخرت پر ہے۔ جب کسی نے نماز روزے سے دنیا کا دکھلاوا کرنا ہے اور اپنی شہرت کا طالب بنتا ہے تو گویا وہ نیکی کی نسبت دنیوی انسانوں کی طرح کر رہا ہے اور درپردہ وہ معبودِ حقیقی سے علیحدہ ہو کر اُن کو ہی معبود بنلتے بیٹھا ہے۔ جن کو اپنی نیکیاں دکھا رہا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ چونکہ ہر طرح رحیم وکریم ہی ہے باوجود اس شرکِ خفی کے پھر بھی ان کے یہ اچھے عمل بالکل برباد نہیں فرماتا بلکہ اُن کی حسب منشاء اُن کو دنیوی عزتوں سے نواز دیتا ہے اور یہ بھی اُس کا لطف ہے ورنہ یہاں بھی اگر ایسے بیوقوف کو رسوائیاں ہی ملتیں تو کون روکنے والا تھا اسی لئے ارشاد ہوا نُوَفِّ ہم اُس کو پورا اجر دے دیتے ہیں اور پھر ذرہ کم نہیں بلکہ بہت کچھ زیادہ ہی ہوتا ہے۔ حدیث پاک میں اُن قاریوں عالموں کے سخت ترین عذاب کا ذکر ہے جو دنیا کو دکھانے کیلئے پڑھتے پڑھاتے ہیں یہ بات ظاہر ہے کہ حیوٰۃِ دنیا میں۔ دنیوی عیش وعشرت نیک کاروں کو بھی مل جاتی ہے اور ریاکاروں منافقوں کو بھی۔ مگر فرق یہ ہے

کہ یہی دولت عزت مومن مخلص کو بطورِ انعام اور شاباش ملتی ہے ۔ جیسے گندم کی نیت سے کھیت میں محنت کرنے والے کسان کو بھی گندم ملتی ہے اور بھوسہ بھی کہ گندم اس کا اجر ہے اور بھوسہ اس کا مزید انعام مگر ریا کار کو صرف بھوسہ ملتا ہے جس نے کہ خراب وقت میں خراب زمین میں بیج ڈالا تو اللہ تعالٰے نے اس کا کھیت تو لگا دیا مگر اس میں دانا نہ لگایا اور سب کھیت مثل بھوسہ جانوروں کی خوراک بنا۔ اسی طرح دکھلاوا اور دنیا کی عزت چاہنے والے خراب طریقے اور خراب نیت سے نیکی کا بیج بوتے ہیں تو ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا فِيْهَا وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ یہی وہ احمق لوگ ہیں جن کے لئے آخرت میں صرف دوزخ ہی ہے اور برباد ہو گئے جو کچھ بھی انہوں نے اچھے عمل کئے اور باطل ہے جو وہ کرتے رہتے تھے اس لئے کہ ان کی ہمتیں ۔ کوششیں ۔ نماز ۔ روزے ۔ وعظ تقریریں ۔ پیری مریدی ۔ چلے ۔ وظیفے ۔ بھاگ دوڑ ۔ خیر خیرات سب کچھ دنیا کمانے کے لئے تھا ۔ حقیر چیز کی ہمت کی جائے تو حقارت ہی ملے گی ۔ بیکار چیز میں کوششیں صرف کی جائیں تو بیکاری ہی ہاتھ آتے گی ۔ باطل میں رغبت کرو گے تو ہر چیز باطل ہی ہو گی چوراہے پر ہانڈی پھینکو گے تو چکنا چور ہی ہو گی ۔ سرمایہ قیمتی کو رستوں میں ڈالو گے تو لوٹا ہی جاتے گا ۔ فنا میں گھسو گے تو فنا ہی ہو جاؤ گے ۔ یہ تو ضابطہ فطرت ہے ہر کہ در کانِ نمک رفت نمک شد ۔ اب کسے شکوہ کس کی شکایت ۔ لہٰذا اے بندو ابھی وقت ہے سانسیں باقی ہیں اُن کی ہی پناہ میں آجاؤ جن کو پناہِ کائنات بنایا گیا اُسی کے دامنِ عافیت میں نیکیوں کے بیج ڈال دو جس کی زندہ زمین نے ہزاروں غوثیت و قطبیت ایسے پھول کھلاتے کہ ابد الاباد تک باقی ہیں نہ باطل ہوں نہ فانی لیکن جو ان سے رابطہ توڑ لیتے ہیں تو بَاطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اُن کے سب اچھے کام باطل ہو جاتے ہیں جو وہ کرتے رہتے تھے ۔

فائدے اس آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ۔ **پہلا فائدہ** کائناتِ عالم میں اللہ تعالٰی کی چیزوں کا مقابلہ کوئی شخص نہیں کر سکتا ۔ یہاں تک کہ اگر ہزار علم بھی کوئی انسان جانتا ہو اور سینکڑوں قسم کی ایجادات کا ماہر ہو تب بھی پرندے کا ایک پر بھی نہیں بنا سکتا یہ بھی ایک عظیم فرق ہے جو مصنوعاتِ خالق و مخلوق میں ہے یہی وجہ ہے کہ کلامِ مجید کی ایک چھوٹی سورت کا بھی کوئی لفظی مقابلہ نہ کر سکا نہ آج تک اس چیلنج کے قبول کرنے میں کسی انسان کو ہمت ہوئی بھلا رسولِ کریم کا مقابلہ کوئی کیونکر کر سکتا ہے **دوسرا فائدہ** لفظ حَيٰوةٌ حَيٰوةٌ سے مشتق ہے فلسفی کہتے ہیں کہ زندگی نام ہے روح مع الجسد کا مگر علماءِ علمِ عقائد والے فرماتے ہیں زندگی یعنی حیات نام ہے اِصلاحِ مقصد کا یعنی مقصد کو درست کر سکے روح مَعَ الْجَسَدْ ہو یا نہ ہو ۔ اسی معنٰی سے صفتِ باری تعالٰے ہے حَیٌّ قَیُّوْمٌ ورنہ اللہ کریم جسم اور روح سے پاک ہے ۔ حیوٰۃِ دنیا سے مراد اس جہان کی زندگی نہیں بلکہ دنیا یعنی گھٹیا ذلیل زندگی مراد ہے لالچ ۔ حسد ۔ بغض ۔ سرکشی ۔ شرک ۔ کفر ۔ منافقت ۔ ریاکاری ۔ دھوکہ دہی ۔ غضب طلبِ ۔ جاہ و حشم یہ زندگی حیاتِ دنیا ہے اس کے مُرید دنیا دار بدنیت لوگ ہوتے ہیں اسی جہان میں مخلص مومن کی

زندگی۔حیات طیبہ ہوتی ہے اور یہ دونوں زندگیاں خود بخود حاصل نہیں ہوتیں بلکہ بندے کے اپنے ارادے سے یہ فائدہ یُرِیْدُ کے جملے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالےٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا باری تعالےٰ جس طرح کِذب سے پاک اور سبحان ہے اسی طرح ظلم سے بھی پاک ہے۔سخت ترین دشمن کافر کو بھی اس کے دنیوی ظاہری اچھے کاموں کا اجر دیتا ہے۔تو مومن مخلص کے اعمال کس طرح برباد ہو سکتے ہیں۔ **شعر**

دوستاں را کجا کنی محروم　　　　تو کہ با دشمنان نظر داری

ہاں البتہ دنیا کے عمل چونکہ مضبوط نہیں ہوتے اس لئے آخرت تک باقی نہیں رہ سکتے یہ اعمال اور عامل کا قصور ہے نہ کہ اس کی عطا کا۔

اعتراضات

اس آیت کریمہ پر چند اعتراض پڑھتے ہیں۔جن کے جواب یہ ہیں۔ **پہلا اعتراض** اللہ تعالیٰ نے پہلے فرمایا قُلْ فَاْتُوْا وہاں واحد حاضر امر کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوا تھا کہ خطاب شخصِ واحد کو ہے اب فرمایا گیا لَکُمْ جمع کی ضمیر ارشاد ہوئی۔جس سے پتہ لگ رہا ہے کہ خطاب بہت لوگوں کو ہے۔ یہ بات فصاحت کے خلاف ہے ان میں مطابقت کیوں کر ہو سکتی ؟ (موجودہ عیسائی) **جواب**۔اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ یہ کلام یا تو اللہ تعالےٰ کا تکلم ہے تب یہ لَکُمْ کی ضمیر کا مرجع نبی کریم ہیں۔اور کُمْ جمع تعظیم کے لئے ہے اور اگر یہ تکلم نبی کریم کا ہے اور یہ سارا جملہ اسی قُل کا مقولہ بن رہا ہے تب لَکُمْ کا مرجع کفار ہیں۔پہلی توجیہ میں اَوَّلاً قُلْ واحد فرما کر مخاطَب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو معین کرکے بعدہٗ کُمْ جمع سے ثابت کیا کہ تعظیم آپ کی ہی مقصود ہے اگر وہاں اور یہاں قُوْلُوْا کہا جاتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مخاطب ہونے میں تردد پیدا ہو جاتا اور کُمْ کی تعظیم حتماً ثابت نہ ہوتی۔یہ وجہ ہے وہاں قُل اور یہاں لَکُمْ فرمانے میں **دوسرا اعتراض** اس آیت میں پہلے فرمایا گیا وَحَبِطَ مَا صَنَعُوْا جس کا معنیٰ ہے کہ باطل ہو گیا جو انہوں نے عمل کیا پھر آگے فرمایا گیا وَبٰطِلٌ مَّا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ جب حبط کا معنیٰ بھی باطل ہونا ہے تو دوبارہ بَاطِلٌ فرمانا عبث ہے تحصیلِ حاصل ہے جو محال ہے۔تاکید بھی نہیں بن سکتی کیونکہ تاکید مؤکَّد کا ایک ہونا شرط ہے حالانکہ وہاں صَنَعُوْا ہے اور یہاں یَعْمَلُوْنَ **جواب**! مخلص اور ریاکار کے اعمال میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مخلص کے اعمال جسماً قلباً لِساناً ایک ہی رخ پر ہوتے ہیں مگر ریاکار کے اعمال کے دو رخ ہوتے ہیں جسم کے اور زبان کے۔جسماً وہ مخلوق کے سامنے ہوتا ہے زبان سے اللہ تعالےٰ کے حضور حاضر ہوتا ہے اور قلب سے دنیا کا خواہش مند ہوتا ہے۔اس کا کوئی عمل بھی یکطرفہ للّٰہی نہیں ہوتا۔اس لئے پہلے حبط فرما کر عمل کی بربادی کا ذکر کیا گیا بعدہٗ اس کی ریاکاری اور منافقت اور فریب کارانہ چال کا پردہ چاک کرتے ہوئے فرمایا بَاطِلٌ مَّا کَانُوْا فرمایا ریاکار کا منشا یہ ہوتا ہے کہ باغباں بھی خوش رہے۔راضی رہے صیاد بھی۔یعنی رند کا رند رہوں ہاتھ سے جنت بھی نہ جائے۔اس لئے دو لفظ فرمائے گئے کہ حَبِطَ ان کے افعالِ خیر برباد۔وَبٰطِلٌ ان کی نیتیں

برباد - حَبِطَ یعنی دنیا میں ہی خراب کہ کوئی ان پر اعتبار نہیں کرتا - ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہم کو حاجی نمازی سخی عالم - قاری سیاستدان - لیڈر - پیر کہا جاتے مگر خلوص وعقیدت سے کوئی نہیں کہتا ہاں دنیا مل جاتی ہے - بَاطِلٌ آخرت کی بربادی - اسی لئے یہاں مَاكَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری کا صیغہ استعمال کیا گیا۔

تیسرا اعتراض پہلے فرمایا گیا کہ ہم ان کے اعمال کا بدلہ پورا دیں گے لَا يُبْخَسُوْنَ بالکل کمی نہ ہوگی اب فرمایا جا رہا ہے - وَحَبِطَ وَبَاطِلٌ برباد ہوتے اور باطل ہیں - جو چیز بالکل برباد ہو اس کا اجر کیسا اور جس کا اجر ہو وہ برباد کیسے ؟ یہاں تعارض معلوم ہوتا ہے **جواب** کوئی تعارض نہیں اس لئے کہ بدلے کا مطلب ہے عارضی قابلِ فنا چیز مل جاتی ہے - اور بربادی وبطلان سے مراد ہے - اصل مقصد اعمال کا جزائے دائمی اخروی لذات وانعامات کا نہ ملنا آم کا درخت لگا کر پتے شاخیں لکڑی حاصل ہو آم نہ ملیں تو گویا مالی کی محنت برباد ہے - گندم بوئے بڑے بڑے ہو جائیں مگر دانے نہ لگیں تو جس طرح کسان کی محنت برباد ہے اسی طرح ریاکاری کے اخروی اعمالِ خیر سے دنیا تو مل جاتے مگر جنت اور رضاءِ الٰہی نہ ملے تو گویا عمل اور محنت برباد ہی ہوئی -

تفسیر صوفیانہ

ذات جل مجدہٗ سبحان ہے اور اللہ جل شانہٗ کے چار گروہ ہیں دو گروہ جماعت ملائکہ اور جماعت انبیاء کرام معصوم ہیں تیسرا گروہ علماء ربانی مامون ہیں چوتھا گروہ اولیاءِ عظام ومخلصین محفوظ ہیں جب ان میں سے کوئی قوانینِ ربانیہ ومشاہداتِ الٰہیہ کی بات کرتا ہے تو گروہِ شیطانی اس کو اپنی عقل کی میزانِ باطل میں تولنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب وہ متشابہات مقطعات ان کی ناقص عقل میں نہیں آتے تو انکار کر دیتے ہیں تب ان خاصوں کو الہام ربانی سے خطاب ہوتا ہے کہ ان کو دعوت غرقابی دو تا کہ بحرِ انوار کا پتہ لگ سکے اگر وہ تمہاری دعوت نہ قبول کر سکیں تو بتا دو کہ واردات نازلہ ذات وحدت ہی کے نور علم سے ہے اور دریائے عشق میں غوطہ زن کے لئے ہر سمت وہی جلوہ آشکار ہے اس کے سوا کچھ موجود نہیں وہا ذات اتم ہے - لفظ ہو اسم تام ہے دروح البیان ، تو کیا تم اس کو مانتے ہو کہ لامعبود اِلَّاهُوَ لَامَقْصُوْدَ اِلَّاهُوَ لَامَوْجُوْدَ اِلَّاهُوَ اگر مسلمان بنتے ہو تو تم حیات طیبہ کے طالب ہو - لیکن جس نے عرفان کا راستہ بھی حیات دنیا کے لئے پکڑا اور اپنی محنت مشقت سے واعمال صالحہ سے بھی جاہ وحشم وریاکاری کا ارادہ کیا حظِّ نفسانیہ کا خواہش مند ہوا وصالِ تجلیات ورغبتِ معرفت نہ رکھی تو لذاتِ نفسانیہ کے پورا حصہ ہم دے دیں گے لیکن عالمِ لاہوت کے مشاہدات سے بالکل محجوب ہوگا - علماءِ کرام کے نزدیک ریا لوگوں کے لئے عمل ہے صوفیا کے نزدیک ترک عمل لوگوں کی رضا کے لئے ریا ہے - زاہدِ رضاءِ حق کا علانیہ عمل بھی ریا نہیں - لہٰذا لوگوں کی وجہ سے ترکِ عمل گناہ ہے ریا کا تعلق قلب غافل سے ہے محض خیالِ ریا ریا نہیں کہ اس پر قابو نہیں - جس بندۂ مومن کے اعمال محض رضاءِ الٰہی کے لئے ہوں دولت دنیا صرف بقاءِ جسم کے لئے تلاش کرے اس کو ہم حیوٰۃِ طیبہ عطا کرتے ہیں جس کی نشانی یہ ہے کہ دنیا اور دنیا

والے اس کے خدام بن جاتے ہیں۔ یہ لوگ دنیوی زندگی کے طالب نہیں ہوتے ریا کاروں کو شرف آخرت سے محرومی ہے اس لئے کہ وہ آخر تک حسد کی نار میں جلتے رہتے ہیں اور ان کا سب کیا دھرا برباد ہوجاتا ہے۔ دنیا میں ان کا بدلہ کم نہ ہوگا اس لئے کہ جب اعمال قلبیہ کو بشکل نفسانیہ بنایا اور پلیدی نفس سے ملوث کر لیا تو یہ حظ نفس کی گندگی ان کو پوری دی جائے گی اور وہ بے وقوف یہ گندگی لے کر پھولے ہی نہیں سماتے یہی وہ لوگ ہیں جن کو آخرت امر میں محرومی وحجابی تلب کی آگ ہی ملتی ہے تفسیر عرائس نے فرمایا کہ حیاۃ دنیا اتباع شہوات اور ارتکاب خواہشات ہے اور موت سے غفلت ہے حرام حلال ہے بے پرواہی کرنا ہے کہ طَالِبُ الدُّنْيَا كِلَابٌ ہیں وطالب العقبیٰ مسعود ہیں۔ جو عمل کئے وہ باطل ہوگئے کہ دنیا میں دنیا کے لئے کئے۔ فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ الاعمال بالنیات عمل کا مدار نیت پر ہے۔ اور ارشاد ہوا لِكُلِّ امْرِءٍ مَا نَوٰى ۔ ہر شخص کے لئے وہی ہے جو نیت کرے (تفسیر ابن عربی) روح البیان نے فرمایا کہ اعمال اگرچہ حق ہوں مگر جب غیر اللہ کے لئے کئے جائیں تو باطل ہیں۔ اس لئے کہ وہ عمل حق سے طلب غیر کرتا ہے اور طلب غیر مشرب صوفیا۔ میں باطل لہٰذا عمل و مطلوبِ عمل ہر دو باطل۔ جس عمل کا وجود ذات باری جدا ہو وہ کالعدم ہے اور عدم باطل ہے جب عارف کامل کے اعمال وجود ذات سے واصل ہوتے ہیں تو مثلِ مشاہدۂ ذات ہے۔ شریعت کی نماز یہ ہے کہ نمازی کو خدا دیکھے اور معرفت کی نماز یہ ہے کہ نمازی خدا تعالےٰ کو دیکھے ماسوا کو نہ دیکھے۔ عارف مبتدی جب مقامات قرب کا وصل کرتا ہے تو اس کو ماسوا اللہ ہر چیز باطل نظر آتی ہے اور شہود خلق سے حجابِ حق میں آجاتا ہے۔ جہاں لغزش کا احتمال ہوتا ہے۔ پھر جب عرفان کامل نصیب ہوتا ہے تو خالق ومخلوق کو آن واحد میں مشاہدہ کر لیتا ہے پھر لغزش کا احتمال نہیں رہتا اور اس کے اعمال باطل نہیں ہوتے اور اس کو عباد مخلصین میں شمولیت نصیب ہوتی ہے۔ یا اللہ مجھ کو بھی یہ مقام عطا فرما اور قال کو حال بنا۔

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ
کیا پس جو شخص ہو پر دلیل طرف سے رب اپنے اور آگے اس کے پاس گواہ طرف
تو کیا وہ جو اپنے رب کیطرف سے روشن دلیل پر ہو اور اس پر اللہ کی طرف سے گواہ آئے
مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً ؕ اُولٰٓئِكَ
سے اس کی اور سے پہلے اس کے کتاب موسیٰ علیہ السلام کی امام اور رحمت یہی لوگ ایمان لاتے
اور اس سے پہلے موسیٰ کی کتاب پیشوا اور رحمت وہ اس پر

يُؤْمِنُونَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ

ہیں اس پر اور جو کفر کرے اسکا جماعتوں سے تو آگ ٹھکانہ ہے اس کو پس نہ ہو تو

ایمان لاتے ہیں ۔ اور جو اس کا منکر ہو سارے گروہوں میں تو آگ اس کا

مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ ۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ

شک اس سے بیشک وہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے

وعدہ ہے تو اے سننے والے تجھے کچھ اس میں شک نہ ہو بیشک وہ حق ہے ۔ تیرے

رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۞ ۱۷ وَمَنْ اَظْلَمُ

اور لیکن اکثر لوگ ایمان نہیں رکھتے اور اس سے بڑھ کر

رب کی طرف سے لیکن بہت آدمی ایمان نہیں رکھتے اور اس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰي

ظالم کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے وہ اپنے رب کے حضور پیش کیے جائیں

کون جو اللہ پر جھوٹ باندھے وہ اپنے رب کے حضور پیش کیے

رَبِّهِمْ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰي رَبِّهِمْ

گے اور گواہ کہیں گے یہ ہیں وہ لوگ جھوٹ بولا جنہوں نے اپنے رب پر

جائیں گے اور گواہ کہیں گے یہ ہیں جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ بولا تھا ۔

اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَي الظّٰلِمِيْنَ ۞ ۱۸

خبردار لعنت ہے اللہ کی پر ظالموں

ارے ظالموں پر خدا کی لعنت

تعلق اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ کفار دنیا کی زندگی اور وہیں کا عیش وعشرت چاہتے ہیں اور دنیوی دولت وزینت کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ بے وقوفو اصل دولت اور انعام دنیوی مال وجاہت نہیں بلکہ اصل اللہ روشن دلیل اور عقل سلیم

ہے جو محض رب تعالیٰ کے کرم سے دستیاب ہوتا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے عمل و عقیدے کا ذکر ہوا کہ ان کا عقیدہ ہے ان کے جھوٹے معبود بُت۔ پنڈت پادری وغیرہ ان کے سفارشی ہیں لہٰذا دنیا میں جو چاہو عیش عشرت حرام حلال کر لو یہ بت ہم کو بچالیں گے کیونکہ اللہ کے اوتار ہیں اللہ نے ہی ان کو ہمارے سفارشی بنایا ہے۔ اس آیت کریمہ میں ان کے اس عقیدے اور اس کے بل بوتے پر ان کے باطل اعمال کو رد فرمایا جارہا ہے کہ یہ سب کچھ ان کا افترٰی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو خالق تعالےٰ پر افترٰی بنائے۔ اور جھوٹ بولے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کافر لوگ نبی کریم کی نبوت اور کلام پاک کے کلام الٰہی ہونے کو نہیں مانتے تھے لہٰذا قرآن پاک کی ثبوتِ حقانیت کے لئے تو اس کی مثل دس سورتوں کا مطالبہ فرما کر ان کا منہ بند فرما دیا تھا اب مَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ فرما کر بتایا جارہا ہے کہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم معجزات اور بیّنات الٰہیہ رکھتے ہیں اور جو اس شان کا مالک ہو وہ نبی ہی ہوتا ہے۔

شانِ نزول

کفارِ مکہ اور کچھ یہودی کہتے پھرتے تھے کہ جو مسلمان ہو جاتے ہیں وہ بیوقوف ہیں اور دین موسوی کے منکر ہیں یہود کی باتیں اس وقت ہوئیں جب چند یہودی مسلمان ہو گئے تب یہ آیات اَفَمَنْ كَانَ سے لے کر مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ تک نازل ہوئیں۔

تفسیرِ نحوی

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ الف یعنی ہمزہ استفہام کی ہے۔ مَنْ موصولہ ہے كَانَ فعل ناقصہ ہے تامہ عَلٰی حرفِ جر بمعنی بَيِّنَةٍ بَيِّنٌ سے مشتق ہے آخری ھا مبالغ کی ہے اور تنوین (دو زبریں) تعظیمی ہے یعنی بہت ہی بڑی دلیل مِنْ ظرفیہ ہے بمعنی قِبَلَ رَبِّهٖ۔ رب یعنی اللہ تعالیٰ ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع مَنْ ہے۔ وَيَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَ مِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰى يَتْلُوْ مضارع واحد مذکر تَلْيٌ سے مشتق ہے بمعنی پیروی کرنا پیچھے آنا۔ تلاوت قرآن کریم کو تلاوت اسی لئے کہتے ہیں کہ یہ بھی اتباع کے لئے پڑھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی کتاب کے پڑھنے کو تلاوت کہنا ناجائز ہے۔ ہٗ کا مرجع مَنْ ہے۔ شَاهِدٌ بمعنی گواہ ایک قرأت شَهِدٌ بغیر الف ہے مِنْ حرف جار بمعنی طرف ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع ذات رب ہے۔ واؤ عاطفہ ہے مِنْ تبعیضیہ جارّہ ہے قَبْلِ ظرف زمان ہٖ کا مرجع بَيِّنَةٌ ہے یا مَنْ ہے۔ یہ جار مجرور حال ہے کتاب کا (ضاوی) کتاب سے مراد توارت یہ مرفوع ہے بوجہ مبتدا ایک قرأت میں منصوب ہے کہ عطف ہے يَتْلُوْهُ کے ہٗ ضمیر مفعول بہٖ پر۔ بہرحال مضاف ہے لفظِ موسٰی مضاف الیہ ہے۔ اِمَامًا یعنی قابلِ اطاعت واقتدا یعنی ہمیشہ فائدے مند یہ دونوں حال ہیں کتب موسٰی کے اس لئے منصوب ہیں۔ تنوین دونوں میں تعظیم کی ہے اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ۔ اسم موصول مراد اس سے بیّنہ والے۔ يُؤْمِنُوْنَ۔ پورا جملہ صدہے بِهٖ میں ضمیر کا مرجع قرآن مجید اور کتاب موسٰی وغیرہ ہیں وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔ واؤ عاطفہ ہے مَنْ موصولہ شرطیہ ہے يَكْفُرْ کو جزم دیا بہٖ میں باجارّہ بمعنی مفعولیت ہٖ کا مرجع قرآن کریم وغیرہ کتب سماوی مِنْ حرف جر بعضیت کے لئے

احزاب جمع ہے حزب کی بمعنی گروہ فا جزائیہ مَنْ یَّكْفُرْ کا سارا جملہ شرط اور یہ سارا جزا نار بمعنی آگ مراد وادی جہنم موعد اسم ظرف یعنی وعدے کی جگہ ۂ کا مرجع مَنْ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ ف تعقیبیہ لَا تَكُ اصل میں تَكُوْنُ تھا فعل نہی ہے صیغہ مذکر حاضر نون مجزومہ تخفیف کے لئے حذف ہوئی اور واؤ پہلے ہی گر گئی تھی جب نہی کا جزم آیا۔ فِیْ حَالَةِ مِرْیَةٍ میم کے کسرے سے اور ایک قرأت میں میم کے پیش سے مُرْیَةٍ ہے مصدر میمی ہے رَیْبٌ سے مشتق ہے۔ مِنْهُ کا مرجع قرآن پاک ہے۔ اور پورے جملے کا مخاطب عام مسلمان ہے۔ جیساکہ اعلیحضرت کے ترجمے سے ظاہر یہی صاوی ومعانی نے کہا اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ اِنَّ حرفِ تحقیق ۂ کا مرجع قرآن پاک یعنی بَیِّنَہ۔ اَلْحَقُّ مرفوع ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی الف لام عہد ذہنی حق سے مراد نہایت سچائی۔ مِنْ ظرفیہ بمعنی طرف سے رب سے مراد اللہ تعالیٰ لَكَ ضمیر حاضر کا مرجع عام مسلمان۔ لٰكِنَّ حرفِ تحقیق مشبہ بالفعل اِستدراکیہ دفع شک کے لئے۔ اَكْثَرُ اسم تفضیل بمعنی کثرت کُلّ کا ضد۔ النَّاسِ الف لام عہد خارجی ناس سے مراد کافر لوگ لَا یُؤْمِنُوْنَ مضارع جمع یہ جملہ فعلیہ خبر ہے لٰكِنَّ کی۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ واوُ سر جملہ یعنی نیا جملہ شروع ہوا ہے مَنْ موصولہ استفہام انکاری اور تعجب کے لئے ہے۔ اَظْلَمُ اسم تفضیل متعدی مِنْ جارّہ سے افترٰی باب افتعال کا ماضی مطلق فَرْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے علیٰ بمعنی مع كَذِبًا اسم فاعل ہے فاعلیت کا الف گر گیا اس کے عوض آخر میں تنوین آئی منصوب بوجہ مفعول بہ ہے اُولٰٓىِٕكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ۔ اُولٰٓىِٕكَ اسم موصول مراد مَنْ اَظْلَمُ ہے۔ یُعْرَضُوْنَ فعل مضارع مجہول علیٰ حرفِ جر بمعنی عِنْدَ یعنی نزدیک یا سامنے رب بمعنی دنیا کا مربی ھم سے مراد کفار وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ واوُ عاطفہ ہے یقول فعل مستقبل ہے الف لام عہدی ہے الاشہاد جمع ہے شاھد کی بمعنی گواہ مراد ملائکہ ہیں هٰٓؤُلَآءِ اسم موصول ہے مراد کافر ہیں اور یہ جملہ یقول کا مقولہ ہے الَّذِیْنَ اسم موصول ہے دونوں تابع متبوع ہیں پہلا موصول حصر کے لئے ہے دوسرا صلہ کے لئے كَذَبُوْا ماضی مطلق جمع کا صیغہ مراد کفار ہیں یہ جملہ صلہ ہے عَلٰى فِیْ نِسْبَةٍ ہے رَبِّهِمْ۔ رَبّ بمعنی اللہ پالنے والا دنیوی زندگی میں ھِمْ سے مراد وہی ظالم کافر ہیں اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ۔ اَلَا حرفِ تنبیہ ہے لعنۃ بمعنی رحمت سے دوری یہ فعل خصوصی ہے اللہ کے لئے۔ لفظ اللہ مضاف الیہ ہے اور اضافۃ ناملی ہے بمعنی فَوْقَ الظّٰلِمِیْنَ میں الف لام استغراقی ہے۔ یا عہد ذہنی۔

تفسیر عالمانہ

اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَیَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰٓى اِمَامًا وَّرَحْمَةً۔ کیا پس وہ شخص جو ہو دلیل پر اپنے رب کی طرف سے اور آئے گواہ اسی کی طرف سے اور اس سے پہلے حضرت موسیٰ کی کتاب بھی امام اور رحمت ہو چکی ہو۔ یہاں حق و باطل کا بہت شاندار طریقے سے مقابلہ کیا جا رہا ہے کہ ایک وہ گروہ ہے جو دنیا کی ہر چیز کو للچائی نظروں سے دیکھ رہا ہے اس کو صرف مطلب پرستی آتی ہے وہ اپنے عیش ہی ڈھونڈھتا ہے اس کی عقل سلیم پر نفسانیت کا غلبہ ہے اس کو دنیا پرستی نے اندھا کر دیا ہے اور دوسرا وہ ہے کہ جب

اس کی نظریں اٹھتی ہیں تو ہر طرف مشاہدات انوار کے پرتو نظر آتے ہیں جب وہ پیارا انسان کامل اپنی مخمور عشق الٰہی والی آنکھیں بلند کرتا ہے تو ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص ساری کائنات سے پہلے ہی تجلیاتِ الٰہی کا نظارہ کر چکا ہو اس کے لئے کوئی چیز غیب نہ رہی ہو۔ ایمان بالغیب کی اس کو کیا ضرورت اور یہ سب مشاہدے اسی کے رب کی طرف سے ہوں۔ اور پھر اس کے پاس خود اپنی حقانیت کے گواہ بھی ہوں۔ خواہ اس کے ساتھی ہوں یا رب کا آخری کلام یا سابقہ انبیاء کی امتوں میں سے اس کے امتی بن کر گواہی دے رہے ہوں یا انجیل و زبور ہو جس کا لفظ اس کی تصدیق کرتا ہو خواہ درند و چرند پرند ہوں جو عالم دھر کے سامنے اس کی تصدیق کر رہے ہو۔ خواہ دشمن کی زبان ہی اس کی سچائی کی گواہی دے رہی ہو۔ خواہ خود اس کا اپنا وجود ہی اس کے لئے گواہ ہو۔ کہ جو بھی عقل و عشق سے بصارت و بصیرت سے صرف ایک نظر اس کو دیکھ لے اس کو اس جسم اطہر میں تجلیات نظر آ جائیں اور پھر اس سے پہلے والی عظیم کتاب تورات جس کو اے یہود و نصاریٰ تم مانتے ہو تمہارے نبی موسےٰ پر آئی جو اپنی قوم کی امام اور رحمت تھی وہ بھی اس ہستی کی تائید کر رہی ہو بھلا ایسا شخص اللہ پر ایمان لانے سے کب علیحدہ ہو سکتا ہے اتنی کھلی نشانیوں اور تائیدی گواہیوں کے باوجود تو کوئی ضدی ہٹ دھرم ہی منکر ہو سکتا ہے۔ رہے عقل والے تو اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ یہ لوگ یقیناً ایمان لے آتے ہیں اس ذات پر مفسرین کے نزدیک بَیِّنَہٖ سے مراد ذات پاک محمد مصطفےٰ ہے اور من سے مراد بھی خود نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم ہیں اور شاہد میں چند قول ہیں یا اس سے مراد نبی کریم کی زبان ہے۔ جس کے متحیر العقول فصیح و بلیغ کلامؐ اقوامِ عالم پر ثابت کر دیا کہ یہ زبان معجزہ ہے۔ اور معجزہ تو دلیلِ نبوت ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ زبان خود گواہِ نبوت بن گئی یا اس سے مراد سابقہ امتوں کے مسلمان ہونے والے جن کا ایمان لانا ہی ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی تھی یا مراد حضرت علی ہیں کہ آپ نے بچپن میں کلمہ پڑھ کر نبوت کی گواہی دی یا حضرت خدیجہؓ کہ گھر والے کم ہی مانتے ہیں آپ نے سب سے پہلے کلمہ پڑھ کر گواہی دی کہ یہ وہ ذات والا صفات ہے کہ جس کی گھریلو زندگی بھی ایسی ہے کہ اس کو نبی مانا جائے یا چرند و پرند و شجر و حجر کی نعت گوئی و خدمت برآری آپ کی نبوت کی کھلی گواہی ہے۔ کتاب موسےٰ سے مراد توریت ہے جس کے لفظ لفظ میں پیارے آقا کی نعت خوانی ہے گواہ سے مراد قرآن پاک بھی ہو سکتا ہے جو سراسر نبی کریم کا معجزہ ہے۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اتنے کھلے دلائل نبوت کے ہوتے ہوئے وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۔ انسانی قوموں میں سے اب بھی جو اس نبی یا اس دین و قانون کا کفر کرے گا تو جہنم ہی اس کا مقام و عدہ ہے۔ احزاب جمع ہے حزب کی مراد سارے کافر گروہ ہیں بعض نے کہا اہل مکہ مراد ہیں۔ جہنم کے ایک سو تیس نام ہیں جن میں ایک نام نار ہے اور موعدہ بھی اس کے ناموں میں شامل ہے کفار چونکہ اپنی دنیا پرستی کی وجہ سے بےعقل بے بصیرت ہو چکے ہیں وہ کفر کی طرف ہی آئیں گے مگر اے عقل اور دانش والے صاحب بصیرت انسان ۔ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْيَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ۔

تو اس میں شک کرنے والا نہ ہونا کیونکہ یہ تیرے رب کی طرف سے حق ہے۔ یعنی یقینی ہے۔ لہٰذا ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ کفار کو دائمی جہنم نہ دی جائے اور نیکوں کو جنت خلود نہ ملے۔ بلکہ یہ دونوں اپنے اپنے ٹھکانے پر ضرور جائیں گے لہٰذا آج ہی دامن مصطفٰے پکڑلو صلی اللہ علیہ وسلم وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ لیکن اکثر لوگ یعنی کفار ایمان نہیں لاتے یا اس لئے کہ کم عقل ہیں یا اس لئے کہ ان کا غور و فکر دنیا کی طرف لگا ہوا ہے آخرت کا تو خیال ہی نہیں آتا یا اس لئے کہ متکبر مغرور ہیں اہل علم یعنی علماء صوفیاء کے پاس بیٹھنا ان کی سننا اپنی توہین سمجھتے ہیں حالانکہ رب تعالیٰ کی باتیں تو ان ہی اللہ والوں کے پاس ہیں خزانے نور کے تو یہی لئے بیٹھے یہ علماء فقراء رب کے خزانچی ہیں۔ علم و حکمت دانش و عقل سب کچھ انہی کے دامن میں ہے جہلاء یہ سمجھتے ہیں کہ عالم اور صوفی بے وقوف ہیں۔ خود کو بڑا عقل والا سمجھتے ہیں یہ ان کی غلط فہمی ہے اور اپنی اسی غلط فہمی سے طرح طرح کی جھوٹی اور غلط باتیں اللہ کی طرف لگاتے ہیں حالانکہ قرآن کریم کے اس فیصلے کو نہیں دیکھتے کہ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۔ اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اپنے پچھے اللہ پر جھوٹا افتراء باندھے۔ یعنی یا تو اس طرح کہ عقیدہ بنائے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے معاذ اللہ اور یا اس طرح کہ اپنے پاس سے بات بنا کر کہے کہ اللہ نے یہ فرمایا ہے۔ حالانکہ جانتا ہو کہ میں جھوٹا ہوں۔ فرمایا کہ اس سے زیادہ بدبخت ظالم کوئی نہیں یہاں ہر قسم کا بدبخت جھوٹ باندھنے والا مراد ہے خواہ دیوبندی کی طرح مولوی پرستی کرے یا بدعتی لوگوں کی طرح پیر پرستی۔ اس طرح کہ اپنے مولویوں کو انبیاء عظام سے زیادہ مقام دے دے جیسے کہ دیوبندی لوگ کرتے ہیں (ارواح ثلاثہ) یا اولیاء اللہ کے لئے ناجائز کرامات بناتا پھرے۔ خیال رہے کہ اپنی طرف جھوٹ لگانا کذب ہے اور کسی کی طرف جھوٹ لگانا یعنی بنا کر افتراء ہے۔ آج یہ لوگ افتراء کریں ان کو ڈھیل ہے لیکن ایک زمانہ آنے والا ہے جبکہ اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ یہ لوگ اپنے رب کی بارگاہ عدالت میں پیش کئے جائیں گے اس طرح کہ ان کی تمام بدعملیاں افتراء جھوٹ وغیرہ ان کے ساتھ ہوں گے اور پھر عجیب پریشانی ذلت و رسوائی ہوگی۔ وہاں سے نہ بچ سکیں گے نہ انکار کر سکیں گے کیونکہ اگر انکار کریں تو وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۔ اور گواہ کہیں گے یہی ہیں وہ لوگ جنہوں نے اپنے رب پر جھوٹ باندھا تھا یا وہ فرشتے جو ان کے اعمال پر ہمیشہ حاضر رہے یعنی کراماً کاتبین۔ یا خود ان کے اعضاء ہی ان کے خلاف گواہی دیں گے۔ یا ان کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ اور یا میدان محشر میں ان کی رسوائی ذلت کی گرفتاری دیکھ کر آس پاس کھڑے نیک لوگ یہ کہیں گے اس طرح ان پر آوازے کسے جائیں گے تو اور ذلت ہوگی۔ بس اب ایک ہی آس لگی ہو گی کہ شاید رب تعالیٰ رحم فرمادے۔ مگر وہاں سے بھی فیصلہ آجائے گا اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ۔ خبردار ظالموں پر اللہ کی لعنت ہی ہے اس لئے کہ آج اس کی طرف آسیں باندھتے ہو۔ جب اس کے رسول اس کے پیغامبر تم کو سمجھانے گئے ہر طرح پیار و محبت سے سمجھایا تب تم نے سخت تکبر کیا ان کی گستاخیاں کیں دنیا میں کفار کی تین

خصلتیں ہیں ۱ شدت حرص دنیا کا عیش و دولت ۲ انکار نبوت یعنی نبی علیہ السلام کے فیضان و اختیار کا انکار اور نبی سے نا امیدی ۳ بتوں سے امیدیں۔ اور یہ تینوں جرم نا قابل معافی ہیں اس لئے دائمی لعنت کا فیصلہ کیا گیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** ساری دنیا کا ایمان بالغیب ہے مگر نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایمان بالشہادہ ہے یہ فائدہ مِنْ بَيِّنَةٍ سے حاصل ہوا جو ہستی رب پاک ایمان میں بھی بے مثل ہو بھلا اس کی ذات کا ہم مثل کون ہو سکتا ہے **دوسرا فائدہ** پچھلی کتب آسمانیہ میں ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گواہی تذکرہ اور نعت خوانی تھی اور انبیاء سابقین علیہم السلام نے جس طرح ان کتب سے توحید باری کی تبلیغ فرمائی تو لازماً ہمارے آقا کی نعت گوئی اور سیرت پاک کی تبلیغ بھی فرمائی۔ اور یہی مقصد باری تعالیٰ بھی ہے ورنہ ان کتب میں نبی پاک کا ذکر رکھنے کا مقصد کیا ہے۔ **تیسرا فائدہ** چونکہ انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے اس لئے ان کو نہی کا خطاب نہیں ہوتا بظاہر جو نہی انبیاء کی طرف متوجہ نظر آتی ہو وہ در حقیقت اُمت مخاطب ہوتی ہے نہ کہ نبی اکرم سے یہ فائدہ فَلَا تَكُ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** سب سے بڑا گناہ جھوٹ بولنا اور جھوٹ باندھنا ہے اور جو اس گناہ کا مرتکب ہو وہ بدترین مجرم ہے۔ وہ لوگ عبرت پکڑیں جو جھوٹی کرامتیں اور بناوٹی روایتیں بناتے رہتے ہیں خاص کر دین میں بناوٹ و افترا بہت بری عادت ہے کہ یہی فرقہ پرستی کا باعث ہے۔ یہ فائدہ مَنْ أَظْلَمُ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** اللہ رسول کی کریمی و رحیمی ہے کہ دنیا میں ہی انسانوں کو آئندہ حالات اور اخروی عذابوں۔ ذلتوں۔ رسوائیوں سے آگاہ کر دیا گیا ہے تاکہ انسان عقل و ہوش کر کے دنیا میں ہی راہ راست حاصل کرے۔ یہ فائدہ يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اللہ تعالیٰ مکان سے پاک نہیں بلکہ جگہ اور مکان کی اس کو ضرورت ہے کرسی و عرش اعظم اپنے بیٹھنے کے لئے بنایا دیکھو یہاں فرمایا گیا يُعْرَضُونَ عَلَىٰ رَبِّهِمْ۔ اپنے رب کے قریب پیش کئے جائیں گے معلوم ہوا کہ رب کسی جگہ میں ہوگا جہاں مجرموں کو لے جایا جائے گا (معتزلی و ابن تیمیہ وہابی) **جواب** تفسیر رازی نے اس کا یہ جواب دیا کہ یعرضون کا یا یہ مطلب ہے کہ رب کی مقرر کردہ حساب کے لئے جگہ یعنی میدان محشر میں ان کو لے جایا جانا مراد ہے علیٰ مجازی معنی میں ہے بمعنی عِنْدَ نہیں جس طرح کچہری وغیرہ حکومت کی مقرر کردہ جگہ ہوتی ہے تو وہاں حکومت کے علاقے میں حکومت کے روبرو آنا ہوتا ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی یا مراد ہے ملائکہ اور انبیاء کے پاس گرفتار شدہ پیش ہونا رب کے حضور پیش ہونا ہے لہٰذا اس سے لازم نہیں آتا کہ رب وہاں سامنے کسی جگہ میں ہو **دوسرا اعتراض** اگر یہاں ملائکہ کے سامنے پیش ہونا ہے تو گواہ سے کون مراد

ہے وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ. گواہ کہیں گے حالانکہ تفاسیر میں گواہ سے مراد ملائکہ ہیں۔ **جواب!** ملائکہ بہت سی قسم کے ہیں اعمال لکھنے والے اور ہیں میدان محشر میں گرفتار کرکے پہچانے والے اور۔ گواہ سے مراد اگر ملائکہ ہی لئے جائیں تو کراماً کاتبین ملائکہ مراد ہیں۔ کہ یہ بھی وہاں ہی ہوں گے جہاں عدالتِ الٰہیہ قائم ہوگی **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اَلْاَشْهَادُ یہ لفظی اور معنوی جمع مکسّر ہے۔ اس کی واحد کیا **جواب** اگر اشہاد سے مراد ملائکہ ہوں تو اس کا واحد شاہد ہے۔ جیسے صاحب کی جمع اصحاب اور ناصر کی جمع انصار اور اگر مراد انبیاء کرام ہوں تو اس کا واحد شہید ہے۔ شریف کی جمع اشراف قرآن کریم نے انبیاء کرام کو شہید ہی اکثر فرمایا جبکہ بطور گواہ مذکور فرمایا۔ جیساکہ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا اور جیسے کہ وَجِئْنَا بِکَ عَلٰی هٰٓؤُلَآءِ شَهِیْدًا اور بقاعدۂ نحوی۔ شاہد اور شہید دونوں کی جمع اشہاد آجاتی ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ یہ فعل نہی ہے اور خطاب نبی کریم کو ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام کو بھی گناہ ہوں سے روکا جاتا ہے تب رکتے ہیں۔ باوجود اس کے وہ معصوم ہوتے ہیں لہٰذا یہ کہنا درست ہوا کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں۔ مگر کرتے نہیں اور یہی عصمت انبیاء کی تعریف ہے۔ کیونکہ دین میں شک کرنا گناہ کبیرہ ہے جس سے نبی کو روکا گیا۔ روکا اس کو جاتا ہے جس کے ارتکاب کا اندیشہ ہو ورنہ تحصیلِ حاصل ہوگا (بعض جاھل نام نہاد بریلوی) **جواب** تمام مفسّرین فرماتے ہیں کہ یہ نہی عام مسلمانوں کو ہے نہ کہ نبی کریم کو۔ اور عصمت کی تعریف تمام اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ گناہ پر قادر نہ ہو۔ جیسے کہ فرشتے۔ عصمت ملائکہ اور عصمت انبیاء۔ ایک قسم کی ہے۔ یعنی عدم اسی لئے قرآن پاک کی کوئی نہی انبیاء کی طرف نہیں لوٹتی۔

تفسیر صوفیانہ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ وَیَتْلُوْهُ شَاهِدٌ مِّنْهُ وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتٰبُ مُوْسٰۤی اِمَامًا وَّرَحْمَةً اُولٰٓىٕكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ. اے عالمِ ناسوت کے بھٹکے مسافرو۔ اس دنیاء دون میں دو قسم کے انسان ہیں ایک وہ جن کا ذکر پہلے ہوا وہ اغیار ہیں دوسرا گروہ ابرار کا تم دونوں کو ایک طرح کا یا ابرار کو احقر سمجھے ہو مگر مقام عبرت ہے۔ سوچو تو جو شخص اپنے رب کی معرفت ولایت قدرت کرامت کا مشاہدہ کرنے والا ہو اس کی مثل وہ کس طرح ہو سکتا ہے جو گمراہیوں جہالتوں کی نیچی تہوں میں پڑا ہو۔ جب عارف حق تعالیٰ کا اپنے قلب روح اور عقل سلیم اور سرّ وحدت سے مشاہدہ کر لیتا ہے تو انوار جمال اسی طرح اس کے قریب ہو جاتے ہیں کہ ہر عضو میں سرایت کر گئے ہیں اور اس کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ ہر شخص کو اس کے چہرے میں اللہ کا نور جھلکتا نظر آتا ہے۔ یہ نور ہی اس کی حقانیت پر شاہد اور گواہ ہے۔ گواہ ہر اپنے پرائے کو نظر آتا ہے۔ بیّنہ بصیرتِ معرفت ہے اور شاہد یہ ہے کا نور ہے بیّنہ کلام معرفت ہے اور شاہد قرآن مجید اور حدیث پاک ہے۔ بیّنہ اسرارِ قلبی ہیں شاہد۔ امور غیبیہ ہیں بیّنہ علم حقیقت ہے اور شاہد علم شریعت ہے۔ جو شخص اس مقام ترقی پر پہنچتا ہے۔ عینِ حقیقی سے غیبی اسرار قلبی انوار دیکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ اس کی بصیرت پر غالب اس کی بصیرت اس کے یقین پر۔ اس کا یقین اس

اس کے عقیدے پر عقیدہ اس کی عقل اس کے نفس پر غالب ہوتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی خواہشات نفسانیہ اس کے اسرار غیبیہ پر غلبہ نہیں کر سکتے نہ ہی اس کے راہِ معرفت میں رکاوٹ بن سکتے ہیں اور نفس شیطانی کی ظلمت انوار قرب کے مقابل نہیں آسکتے کیونکہ نفس اور اس کی خواہشیں باطل اور فانی ہیں۔ ظلمتیوں کو بقا نہیں۔ جس کو انوار معرفت سے نوازا گیا وہ جہالتوں کی ظلمتوں میں پھنس گیا۔ اس کا نفس اس کی عقل پر اس کی عقل اس کی بصیرت پر اس کی بصیرت اس کے یقین پر اس کا یقین اس کے مشاہدے پر غالب ہوتا ہے۔ اس کے مکاشفے کے بعد اعمال کی کتاب ہے جس کا ورود پہلے ہے جو منزلِ الہیات کا پیشوا ہے اور نوازشاتِ ربّانی کی رحمت ہے جن پر یہ انعام ہیں حقیقتِ حال کا اُن ہی کو پتہ ہے۔ ہدایات مرشد پر وہی ایمان لاتے ہیں نوافل و ریاضات کی لذت وہی پاتے ہیں ذکر قلبی کے مومن وہی ہیں۔ جس کے پاس برہان عقلی اور وجدان کشفی کے یقین کا بیّنہ ہے اور یقین محکم کا شاہد ہے اور کتاب قلبی کا موسیٰ ہے جو فرعون نفس کے مقابل ہے۔ جس نے اس قلب ایمانی کو امام بنا لیا۔ اور خود کو اس امام کا مقتدی بنایا کہ تلاش حق میں اسی کے پیچھے چلا اس نے رحمت رحیم کا تزکیہ پایا۔ یہی گروہ مقدسہ و مبارکہ حقیقت سری پر ایمان لاتا ہے۔ قرآن مجید اسی لئے نازل ہوا کہ فرق کرے اہل قہر و اہل لطف میں۔ زمین پر اہل لطف نیر تاباں ہے اور اہل قہر ظلمتوں کے بھبوکے ہیں۔ نعاروں میں نعارہیں خاروں پھول ہیں۔ اہل لطف کے لئے شاہدِ کشف ہے۔ لیکن وَمَنْ یَّکْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ۔ جو بے خبر کور چشم اہلِ لطف کے حالات بجز فنا کے بقا کا کفر کرتا ہے۔ شیطانی حزبوں سے اور نفسانی ٹولوں سے بس ہجر کی آگ فراق کی جلن اور دوری کی گرمی اس کا دائمی ٹھکانہ کبھی منزل مراد کو نہیں پہنچ سکتا۔ فَلَا تَكُ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ اے ربیبیت و یقینیت کے برزخ میں حیران کھڑے لوگو یا اے اہلِ لطف والے پیارو ان اہلِ واردات یا واردات کی طرف سے کسی شک میں نہ رہنا یہ تمہارے رب جلیل کی طرف سے عین حق ہے۔ کسی کے لئے علم الیقین ہے کسی کے لئے حق الیقین ہے کسی کے لئے عینُ الیقین ہے۔ اور اکثر لوگ جو قعرِ مذلّت میں ہیں ازل سے ہی جن پر نور کا پرتو نہ پڑا وہ اہلِ قہر کی لذت سے منکر ہیں۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اُولٰٓئِكَ یُعْرَضُوْنَ عَلٰی رَبِّهِمْ وَیَقُوْلُ الْاَشْهَادُ هٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ كَذَبُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَی الظّٰلِمِیْنَ۔ جن پر رب کریم نے اپنے اسرار غیبیہ ظاہر فرمائے انکے چہرے سے ہی ان کے درجات کی گواہی ملتی رہتی ہے وہ خود عالم ابصار میں مدعی نہیں ہوتے لیکن جنہوں نے مکرو فریب کے جال بچھائے وہ ہر قسم کا دعویٰ کرتے کبھی فقط زبان سے کبھی جبہ و دستار سے کبھی اہلِ ذوق و طلب سے کبھی اغیار سے۔ ان سے بڑھ کر ظالم کون ہے کہ انہوں نے اپنے لئے مقام قدس و ولایۃ ربانی کا افترا باندھا۔ اللہ پر اور ارادہ محض یہ ہے کہ اہل دنیا کا رخ اپنی طرف پھر جائے جس سے پیٹ کی آگ بھرے اور نفسِ امارہ کی خواہشات پوری ہوں مفتری وہ ہے جو کہے کہ اللہ مجھ کو سعادتِ ازلی بخشی ہے حالانکہ وہ نفس

رذیل کا بندہ ہو عالم سفلی میں رہ کر باتیں مقام علیا کی کرے۔ جب یہی لوگ مقام قہر پر پہنچائے جائیں گے تو ان ہی کا قلب مقہور۔ اور روح مجبور۔ یا اہل قرب کے مشاہدین۔ ان مغلوبین وہم و نفس و شیطان کے بارے گواہی دیں گے کہ یہی وہ فریبی ہیں جنہوں نے سیادت کا لباس پہن کر مکر کی تسبیحیں پکڑ کر ان مکاشفات و بحر انوار کی تیراکی کا جھوٹا دعویٰ کیا جو حاصل نہ تھا۔ یہ ہے ان کی رسوائی کا دن جب کہ ان کی حضوری اہل حق کی موجودگی میں مشہد حق میں ہو گی۔ تب کہا جائے گا۔ خبردار لعنت ہے یعنی ہجر و فراق کی دوری ہے ان بدبخت ریا کار ظالموں کے لئے۔ اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ پر غیریت کا افتریٰ باندھا۔ اور کہا کہ اللہ اپنے نبیوں ولیوں سے دور ہے۔ اور اللہ کے ساتھ غیر کو ملایا۔ یہی لوگ جب محجوبین اور مردودین کے گروہ میں شامل کئے جائیں گے تب اہل وحدت ان کے خلاف شرک باطنی کی گواہی دیں گے۔ پھر یہ لوگ بدنصیب حجاب اور فراق کی دوری میں رہیں گے۔ کیونکہ انہوں نے جو کیا وہ محض دعویٰ تھا شعر

ایں مدعیاں در طلبش بے خبر انند
کانرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد

ترجمہ ہمیشہ دعویدار بے خبر ہوتا ہے۔ جس کو اس کی خبر ہو گئی پھر اس کی خبر دنیا والوں کو نہیں ہوتی علماءِ شریعت فرماتے ہیں یہ آیات کفار کے لئے ہیں جنہوں نے دینیات میں اللہ پر افترا کیا صوفیاءِ معرفت فرماتے ہیں کہ یہ آیات ان فریب کاروں کے بارے میں ہے جنہوں نے مشائخ کا لباس پہنا اور جنہوں نے روحانیت میں فریب کیا۔

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ؕ وَ
وہ لوگ روکتے ہیں سے راستے اللہ کے — اور تلاش کرتے ہیں اس میں ٹیڑھ اور
جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں — اور اس میں کجی چاہتے ہیں اور
هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ⑲ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ
وہ پر آخرت ہی کافر ہیں — یہ لوگ نہیں ہیں عاجز کرنے والے زمین میں
وہی آخرت کے منکر ہیں — وہ تھکانے والے نہیں
فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ م
اور نہیں ہے لیے ان کے سے مقابل اللہ سے کوئی دوست
زمین میں — اور نہ اللہ سے جدا ان کے کوئی حمایتی

يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۚ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ

سے دو گنا کیا جائے گا ان کے عذاب نہیں طاقت رکھتے سننے کی

انہیں عذاب پر عذاب ہوگا وہ نہ سن سکتے تھے

وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿٢٠﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور نہیں تھے وہ دیکھتے یہی لوگ ہیں گھاٹے میں رکھا انہوں نے جانوں کو اپنی

اور نہ دیکھتے وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں گھاٹے میں ڈالیں

وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٢١﴾

اور گم ہو گیا ان سے ان جو وہ گھڑتے تھے

اور ان سے کھوئی گئیں جو باتیں جوڑتے تھے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ظالمین پر لعنت کا ذکر تھا مگر لعنت اور ظلم کی تعریف نہیں بتائی گئی تھی۔ تو ان آیات میں اولاً ظلم کی تعریف اور ظالم ہونے کی وجہ بتائی گئی کہ اسلام سے لوگوں کو روکنا اور اسلام میں نئی راہیں اور من مرضی کی گنجائشیں نکالنا ظلم ہے اور انکار قیامت گویا لعنت ہے۔ **دوسرا تعلق** کفار میں چودہ صفاتِ ذمیم ہیں جن میں سے چار کا ذکر پچھلی آیات میں کیا گیا تھا دس بری صفتوں کا ذکر اب کیا جا رہا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار بہت ہی جھوٹی باتیں افترا کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے کفار لوگوں کو اسلام سے روکنے میں کچھ کامیاب ہو جاتے ہیں اور مسلمانوں کی وہ کثرت نہیں ہوتی جس کی صحابہ کو توقع تھی اس سے بعض حساس لوگ اندیشہ کرتے تھے کہ شاید اسلامی قوت کمزور نہ پڑ جائے جس طرح افواہوں سے سلطنتوں کی دفاعی قوتوں پر اثر پڑتا ہے اب ان آیات میں اس خدشے کو دور کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ دنیوی سلطنتوں پر اسلامی شہنشاہی کو قیاس نہ کرو۔ یہ کافر لوگ ہزار افترا کریں وسوسے ڈالیں لوگوں کو ورغلائیں مگر اسلام والوں کو عاجز نہیں کر سکتے۔

تفسیر نحوی اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۚ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے جمع مذکر کے لئے آتا ہے يَصُدُّوْنَ مضارع معروف جمع ہے صَدٌّ سے مشتق عَنْ حرف جر یہاں تجاوز زوالی کے لئے آیا ہے۔ حرف عن نحات کوفہ کے نزدیک سات معنی میں مستعمل ہے یہاں بمعنی تجاوز ہے اور تجاوز کی دوسری قسم یعنی طلب زوال۔ سبیل سُبُلٌ سے مشتق ہے بمعنی خلا۔ یعنی رکاوٹ

نہ ہو۔ یہاں بوجہ نسبت الٰہیہ راہ شریعت یعنی دین اسلام مراد ہے۔ واؤ عاطفہ ہے۔ یَبْغُوْن مضارع جمع
ہے۔ بغیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ تلاش کرنا خواہش کرنا کسی کی برائی کو چاہنا بغیٌ ہے اچھائی کو چاہنا
طلبٌ ہے اسی سے ہے بغاوت۔ ھَا ضمیر مونث کا مرجع سبیل ہے حالت نصب میں ہے بوجہ ظرفیت۔ عِوَجًا
مصدر ہے بمعنیٰ جھکنا۔ راستے سے ہٹنا۔ ٹیڑھا ہونا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں اس کا زیر بوجہ مفعول ہے
اور تنوین عوض کی ہے۔ واؤ تفسیریہ یا حالیہ ہے۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے بِا بمعنیٰ علیٰ ہے یا بمعنیٰ عن
طلب زوال ہے آخرت سے مراد حشر نشر۔ ھُمْ ضمیر جمع کی تکرار حصر کے لئے ہے کٰفِرُوْنَ اسم فاعل جمع کُفْرٌ سے
مشتق ہے بمعنیٰ کفر اصلاحی اُولٰٓئِكَ لَمْ یَكُوْنُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
مِنْ اَوْلِیَآءَ۔ پہلا جملہ صلہ موصول ہوکر مبتدا کے درجے میں تھا اُولٰٓئِكَ اسم موصول صلے سے مل کر خبریت کے
درجے میں لَمْ یَكُوْنُوْا كَوْنٌ کا فعل ناقصہ بمعنیٰ صَارَ پورا جملہ آئندہ۔ صلہ ہے موصول کا۔ معجزین اسم فاعل جمع کا
صیغہ باب افعال سے ہے خبر ہے فعل ناقصہ کی اس لئے حالت زیر میں ہے۔ فی بمعنیٰ علیٰ واؤ عاطفہ ہے وَمَا كَانَ
ماضی مطلق منفی ہے لَهُمْ میں لام حرف جر نفع یا ملکیت کا ہے ھم کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے مِنْ جَارَّہٗ زائدہ ہے۔
دُوْن بمعنیٰ مقابل مضاف ہے لفظ اللہ مضاف الیہ۔ دون اسم ظرف مضاف ہے اسم اللہ کی طرف من حرف
جر زائدہ ہے استغراقِ نفی کا فائدہ دیا۔ اولیاء جمع ولی کی ہے یا باعتبار افراد کافرین کے یا باعتبار معبودانِ باطلہ
کے اولیاء غیر منصرف ہے بیانِ حال کے لئے ہے یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا
كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ یہ جملہ مستانفہ یا بددعائیہ ہے۔ یُضٰعَفُ مضارع مجہول باب مُقَابَلَۃٌ سے ایک قرأت نضعف
باب تفعیل سے ہے ضعف سے مشتق ہے بمعنیٰ کسی چیز کا خواہ مخواہ بڑھنا ڈبل ہونا۔ خواہ فائدے مند خواہ نقصان
دہ اسی سے ہے ضعیفی کمزوری لام نفع کا ہے ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے عذاب عَذْبٌ سے مشتق ہے
بمعنیٰ عیش و آرام دور ہونا یہاں اخروی سزا مراد ہے مَا كَانُوْا یَسْتَطِیْعُوْنَ ماضی استمراری منفی ہے طَوْعٌ
سے مشتق ہے باب استفعال ہے بمعنیٰ ایسی بے رغبتی کہ جس سے طاقت ہی نہ رہے السَّمْعُ مصدر بمعنیٰ اسم آلہ
یعنی کان سے سننا۔ واؤ عاطفہ ما كَانُوْا یُبْصِرُوْنَ یہ بھی ماضی استمراری منفی ہے اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ
عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا یَفْتَرُوْنَ اُولٰٓئِكَ اسم موصول ہے خَسِرُوْا باب سَمِعَ کا ماضی ہے پورا جملہ
صلہ ہے اسی سے ہے خسران بمعنیٰ گھاٹا یہ متعدی بیک مفعول ہے اَنْفُسَهُمْ جمع ہے نفس کی ھُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے
نفس کے چار معنی نفسِ امارہ۔ نفس لوامہ۔ نفس مطمئنہ۔ نفسِ ذات یعنی روح مع الجسم۔ یہاں یہ آخری معنی مراد
ہیں۔ واؤ عاطفہ ہے ضَلَّ ماضی مطلق باب ضرب کا ضَلٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ خود گم ہونا دیعنی گمراہی) یا اس
سے کچھ کم ہونا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں مگر دوسرے زیادہ مناسب ہیں عَنْ مجاوزت زوالی کے لئے ہے۔ ما

مَاكَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ماضی استمراری منفی ہے۔ باب افتعال سے ہے۔ مادہ فری ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَلَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ کفار کی دوسری شرارت یہ ہے لوگوں کو روکتے ہیں اللہ کے راستے سے یعنی اس کے دین اور اس کی اطاعت سے نبی کریم کے دامن رحمت میں پناہ لینے سے اور سچے دین کو سمجھتے ہیں کہ یہ ٹیڑھا راہ ہے۔ حالانکہ آخرۃ قیامت کے منکر تو خود ہی ہیں۔ خود کافر ہیں مگر کہتے دوسروں کو ہیں۔ لفظ سبیل مونث سماعی ہے اور يَبْغُوْنَ کا مطلب ہے چاہتے ہیں ان کی قلبی مرض یہ ہے کہ ہمارا برادین لوگ مان لیں اور اللہ کا سچا دین چھوڑ دیں۔ اور ان کی یہ شرارتیں نادانی میں نہیں بلکہ جان بوجھ کر يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۔ بغوٌ ۔ یا بغیٌ کا معنی ہے مطالبہ کرتے ہیں خواہش رکھتے ہیں اس سے پہلے کفار کی چار شرارتیں بیان ہوئی۔ یہاں تین شرارتوں کا ذکر ہے۔ يَصُدُّوْنَ يَبْغُوْنَ يَصِفُوْنَ ھم ضمیر کا دوبارہ آنا تاکید کے لئے ہے۔ یعنی کافر وہی ہیں۔ یہ ساتویں شرارت ہے کہ جنبیوں کے سامنے اسلام کا غلط نقشہ پیش کرتے ہیں پھر خود ہی شبہات پیدا کر کے غیروں کو متنفر کرتے ہیں۔ گویا کہ ان کو مہت ہی نہیں ہے کہ صحیح بات۔ بتا کر پھر اعتراض کریں يَبْغُوْنَ بول کر يَصِفُوْنَ مراد لیا گیا۔ اس طرح مسبب بول کر سبب مراد لیا۔ کہ ان کی خواہش سبب تھی اور اسلام کو غلطی سے موصوف کرنا مسبب تھا۔ ھُمْ کی تکرار سے ان کی سختی کفر کا پتہ لگا کہ کافر تو اور بھی ہیں مگر اتنے تیز ضدی ہٹ دھرم اور کوئی نہیں۔ یہ کفار اپنی ان شرارتوں میں ہر طریقے سے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور سمجھتے بوجھتے لوگوں کو اس لئے گمراہ کرتے ہیں کہ وہ خود گمراہ ہیں۔ اپنی سرداری حکومت مال و دولت دھونس طاقت سب کچھ لگا دیتے ہیں اس کے باوجود اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ۔ یہ لوگ اللہ کو عذاب دینے سے جبراً نہیں روک سکتے۔ اس طرح کہ ملائکہ عذاب سے مقابلہ کریں یا اس طرح کہ بھاگ جائیں یا اس طرح کہ عذاب کو روک سکیں۔ ساری زمین میں کہیں بچاؤ نہیں اور پھر اللہ کے مقابلے میں ان کا کوئی مددگار نہیں ہوسکتا۔ یہاں کفار کی کمزوری کا اظہار ہے کہ شرارتیں اتنی کرتے ہیں مگر کمزوری کا یہ حال ہے کہ جب عذاب آیا تو ایک سیکنڈ ایک انچ آگے پیچھے نہیں کر سکتے بچنا تو درکنار ہاں ڈھیل ہے جب تک ہے بلکہ یہ ڈھیل بھی ان کی بدنصیبی ہے کہ اس سے عذاب دائمی کی نشان دہی ہوتی ہے فِي الْاَرْضِ کی قید اس لئے لگائی کہ زمین میں ہی ان کی سرداری حکومت۔ طاقت۔ قوت ہے۔ یہاں ہر طرح طاقت استعمال کر سکتے ہیں توجب یہاں حالت یہ ہے آخرت میں تو بیچاروں کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔ ارض سے یا تمام زمین مراد ہے کہ سارے کا فرمل کر بھی اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے یا اس کے فرشتوں سے پناہ نہیں لے سکتے یا مراد ہے ان کا اپنا حکومتی علاقہ کہ یہاں تمہارا پاس فوج لشکر ہتھیار سب کچھ ہے مگر پھر بھی کچھ نہیں کر سکتے لفظ مَا كَانَ سے یا دنیا کی زندگی مذکرہ معنی مال ہے اور یا یہ کلام آخرت میں ہوگا کہ ان کو کوئی مددگا

نہ تھا۔ دنیا میں تو ذلت ورسوائی کا عذاب آئے گا مگر آخرت میں یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ۔ دگنا مارا جائے گا ان کو عذاب کیونکہ وہ خود بھی گمراہ تھے اور لوگوں کو گمراہ بھی کرتے تھے نہ وہ حق سننے کی ہمت رکھتے تھے نہ وہ اللہ تعالےٰ کی نشانیوں کو دیکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ یہ جملہ نیا ہے جس نے کفار کی شرارتوں کا نتیجہ بیان فرمایا۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے کفار کی گیارہ حالتیں بیان فرمائیں کچھ تو ان کے مجرمانہ اعمال کی اور کچھ اس کے نتیجے کی ۱؎ وہ افترا کرنے والے ہیں ۲؎ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انکی ذلت آمیز حاضری ۳؎ ان کو دنیا میں بھی ذلت ورسوائی ہو گی ۴؎ عند اللہ ملعون ہونا ۵؎ اللہ کے دین سے روکنا ۶؎ دین میں شبہے ڈالنا اور یہ چاہنا کہ ہم دین کی طرف نہ جھکیں دین ہمارے لئے جھک جائے۔ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا ۷؎ آخرت کے منکر کافر ۸؎ اللہ تعالےٰ کے عذاب سے نہ بچ سکنے والے لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اعجاز یعنی عاجز کرنے کے معنی ہیں کسی کو اس کے عمل وارادے سے روکنا باز رکھنا ۹؎ ان کا کوئی مددگار نہ ہونا جو ان کو عذاب الٰہی سے بچائے جب یہ حالت صرف کفار کی ہوئی تو ثابت ہوا کہ مومنین کے مددگار ہیں جو ان کو عذاب سے بچالیں۔ یہ مددگار خود رب کریم کے اپنے ہیں نہ کہ مقابل ۱۰؎ ایسے کفار پر عذاب کا دگنا ہونا ۱۱؎ یہ کفار حق سننے کی ہمت نہیں رکھتے کیوں کہ اپنے جرموں کا ان کو پتہ ہے اور اللہ کی نشانیوں پر غور نہیں کرتے۔ (تفسیر کبیر و سراج المنیر) کفار کی ان ہی حرکات کی بنا پر ان کی حالت یہ ہوئی کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ دنیا میں یہی لوگ وہ ہیں جنہوں نے اپنی اس تجارت میں اپنے آپ کو گھاٹے میں رکھا اور سب برباد ہوئے ان کے وہ شرارت آمیز اعمال فریب کاریاں اور جس طرح سے بھی وہ افترا باندھتے تھے۔ کہ دنیا میں آکر اللہ کو چھوڑا بتوں کو معبود بنایا۔ انبیاء سے دور ہٹے۔ شیطان کے قریب ہوئے۔ عبادت الٰہی کے بدلے میں جھوٹے معبودوں کی عبادت خرید لی ہدایت سے منہ موڑا گمراہی حاصل کی۔ متاع دنیا پہ ایسا فخر کیا کہ متاع آخرت کی پرواہ نہ کی۔ جنت کو بیچا۔ جہنم کو خریدا۔ حق سننے کی ہمت نہ۔ اور اللہ کی نشانیو۔ خود اپنے نفسوں میں غور کرنے سے نفرت کی۔ تھوڑے پر بھول بیٹھے۔ زیادہ سے ہٹ گئے۔ خَسِرُوْا۔ خُسْرَانٌ سے بنا ہے جس کے معنی فنا کرنا بالکل ختم کرنا۔ اَنْفُسَهُمْ کا مطلب ہے کہ اپنے نفسوں یعنی جسموں روحوں کا مقصد حیات فنا کر دیا۔ روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں لفظ سعادت یا لفظ راحت پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا سَعَادَتَ اَنْفُسِهِمْ یا رَاحَةَ اَنْفُسِهِمْ۔ مدعٰی یہ ہے کہ کفار کے جسمانی روحانی صرف ڈھانچے رہ گئے ہیں۔ فائدے کی چیز ختم ہو گئی گویا کافر صرف چھلکے ہیں۔ پس جیسے کہ کوئی شخص بازار میں جاکر اپنا مال دولت روپیہ پیسہ خرچ کرے اور چھلکے کوڑے کے ڈھیر زیادہ سمجھ کر خریدتا ہے یا مٹی جیسی ترکاری محض اس لئے خریدے کہ یہ دیکھنے میں زیادہ ہے سستی ہے۔ آسانی سے مل جاتی ہے۔ تو وہ بیوقوف گھاٹے میں رہا مال اور رقم بھی خرچ ہو گئی ہاتھ کیا آیا۔ بوجھ۔ بدبو۔ بے نفع چیزیں۔ اسی طرح کفار نے متاع

دنیا کے لیے حیات دنیا جیسے قیمتی سرمائے کو خرچ کر ڈالا فنا کر دیا اور حاصل کیا کیا۔ بے کار دنیا بے نفع بلکہ نقصان دہ اعمال۔ جن باتوں کو یہ بہت کچھ سمجھے رہے وہ سب برباد اور ضائع ہوا کسی کا کچھ نہ بگڑا اپنا ہی خسارہ ہوا جو سمجھے بیٹھے تھے کہ ہمارے بت ہماری شفاعت کریں گے وہ سب غلط نکلا۔ اور شرمندہ ہو کر دنیا سے گئے (کبیر، معانی روح، جمل، خازن، مظہری، صاوی، تفسیر الحدیث، مدارک، ابن کثیر، تنزیل، تاویل)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** جو لوگ اسلام میں اپنی من مانیاں کرنا چاہتے ہیں وہ مثل کفار کے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے اصول و فروع کی پابندی نہ کرنا بلکہ اسلام میں غلط تاویلیں توڑ مروڑ۔ اپنے مطلب کے لئے تحریفیں کرنا کفار کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ يَبْغُوْنَهَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اللہ کے ذکر اور ذکر کی مجلسوں سے روکنا ان کو برا کہنا اور نیکوں کے پاس یا ان کے مزارات کے پاس جانے سے روکنا بھی کفار کا سا کام ہے یہ فائدہ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا جو لوگ محفل میلاد جلوس میلاد اور اذان سے پہلے یا بعد درود شریف سے روکتے ہیں وہ یا جو لوگ بعد جماعت نماز بلند ذکر اللہ سے منع کرتے ہیں اور بہانہ نماز کا بناتے ہیں وہ سب غلطی پر ہیں وہ اس آیت سے عبرت حاصل کریں **تیسرا فائدہ** ایمان والوں کے مددگار بحمدہٖ تعالیٰ دنیا میں بھی ہیں اور آخرت میں بھی قبر میں بھی ہیں حشر میں بھی۔ ہاں کفار کا مددگار کوئی نہیں کیونکہ وہ اللہ تعالےٰ سے دشمنی رکھتے ہوئے پھر مددگاروں کی مدد سے آس لگائے بیٹھے ہیں۔ یہ فائدہ لَهُمْ اور مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اصل سے نفی نقیض میں ثبوت ہوتا ہے (منطق) اور عِلّتْ بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ (علم اصول) **چوتھا فائدہ** خوش قسمتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کی سمجھ عطا فرمائے اور شرح صدر کی دولت عطا فرماتے ورنہ صرف کتابیں یا قرآن و حدیث پڑھ لینا کوئی دلیلِ سعادت نہیں۔ صرف الفاظ کو جان لینا کمال نہیں معنیٰ و اسرار کی دولت ملنا خوش نصیبی ہے۔ یہ فائدہ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو کفار سب کچھ سنتے تھے کانوں کی سماعت رکھتے تھے۔ بہرے نہ تھے مگر فرمایا گیا کہ وہ سننے کی طاقت نہ رکھتے تھے کیوں؟ اس لئے کہ وہ صرف الفاظ سنتے تھے اس کے اسرار ان کے حواس باطنہ قبول نہ کر سکتے تھے۔ آج بھی ہر فرقہ قرآن لئے پھر رہا ہے مگر گمراہ ہے صرف اس لئے کہ الفاظ میں الجھے بیٹھے ہیں معانی و اسرار تک رسائی نہیں۔ یہ نعمت تو صاحبِ اسرار مشفقِ دلدار سے ملتی ہے۔ شعر

صد کتاب و صد ورق در نار کُنْ
روئے دل را جانبِ دلدار کُنْ

پانچواں فائدہ اللہ تعالےٰ جَلَّ مَجْدَهٗ کا ہی کرم ہوتا ہے تب بندے کو دین کی صحیح سمجھ آتی ہے ورنہ۔ عربی دانی منطق دانی۔ فلسفہ، ریاضی۔ عقل و خرد سب دھری رہ جاتی ہیں یہ فائدہ مَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ سے حاصل ہوا۔ رب تعالےٰ نے بعدِ صحابہ کرام سب سے زیادہ دین کی سمجھ امام اعظم ابو حنیفہ رح کو عطا فرمائی پھر غوث اعظم عبدالقادر جیلانی

کو عطا فرمائی کہ وہاں شریعت کامل یہاں طریقت کامل۔ **چھٹا فائدہ** دین کے مقابل انسان جو کچھ جائے کرے جو چاہے بنائے۔ اللہ رسول کی راہ سے ہٹ کر ساری محنتیں سارے اعمال برباد و بیکار ہیں یہ فائدہ ... ... سے حاصل ہوا لہٰذا بے دین فرقوں کی ریاضتیں پڑھنا پڑھانا۔ مدرسے مسجدیں بنانا وعظ تقریریں تبلیغیں کرتے پھرنا سب بیکار ہیں۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا یُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ان کو عذاب دگنا دیا جائے گا حالانکہ قرآن پاک کی دوسری آیات سے ثابت ہے کہ دگنا ہونا نیکیوں کے اجر و ثواب سے مخصوص ہے۔ گناہوں کے عذاب کے متعلق رب تعالیٰ کا ارشاد ہے وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا جو گناہ لے کر آیا تو اس کا عذاب ایک گناہ کا اس کی مثل یعنی ایک ہی ہوگا۔ معلوم ہوا کہ عذاب دگنا نہیں ہوگا اس آیت اور اس آیت میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔ **جواب**۔ تفسیر صاوی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں گناہ بھی دو ہیں ایک گمراہ ہونا دوسرا گمراہ کرنا لہٰذا دو گناہوں کے دو گنا عذاب ہوئے نہ کہ ایک گناہ کے دوگنا عذاب معترض کی پیش کردہ آیت میں ایک گناہ کا ذکر ہے لہٰذا تعارض نہ ہوا۔ مگر میں اس کا جواب اس طرح دیتا ہوں کہ یہاں دگنا ہونے کا مطلب عددی دگنا نہیں کہ ایک بار پھر دوسری بار۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ہوگا ایک ہی بار خواہ کتنا ہی دراز ہو مگر ہوگا شدید۔ مثلاً ایک آدمی کسی کو چپت مارے مگر نرم طریقے سے دوسرے آدمی کو سخت زور سے چپت مارے تو عدد میں دونوں چپت برابر ہیں مگر شدت میں دوسرا پہلے سے دگنا ہے۔ یہی مطلب پیش کردہ آیت کا ہے کہ فرمایا اِلَّا مِثْلَهَا یعنی جیسا گناہ ویسا عذاب اگر گناہ ڈبل اور زیادہ نقصان دہ نوعیت کا ہے تو عذاب بھی اس کی مثل شدید ڈبل ہوگا تو یُضٰعَفُ کا مطلب دوگنا کے بجائے ڈبل کرلیا جائے تو اعتراض ختم ہو جاتا ہے۔ ہمارے علاقے میں میدہ کی ڈبل روٹی بنائی جاتی ہے موتی وہ ایک ہی ہے مگر موٹی ہوتی ہے اس لئے اس کو ڈبل روٹی کہہ دیتے ہیں۔ ایسے ہی یہاں ہے کہ عذاب ایک ہی ہوگا مگر شدید ہوگا۔ معترض کی پیش کردہ آیت کے لفظ مِثْلَهَا سے اور ہماری اس تقریر سے تعارض ختم ہو گیا بعض نے جواب دیا کہ دگنا سے مراد دائمی اور مسلسل عذاب ہے مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ دائمی عذاب تو سب قسم کے کفار کو ہے۔ لیکن خصوصی طور پر یضاعف فرمایا گیا۔

دوسرا اعتراض آیت میں فرمایا گیا مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ۔ کفار سننے کی طاقت نہیں رکھتے حالانکہ وہ کان والے تھے آپس کی بولیاں گفتگو سنتے سناتے تھے اور اگر سمع سے سمجھنا مراد لیا جائے تب ٹھیک نہیں کیونکہ وہ عربی دان تھے بھلا عربی عبارت کو کیوں نہ سمجھیں۔ **جواب** تفسیر کبیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ قدرت نے انسان کی سماعت میں تین قوتیں رکھی ہیں ایک ظاہری جس کو حواس خمسہ میں قوت سامعہ کہتے ہیں یہ ہر جاندار کو حاصل ہے۔ دو قوتیں باطنی ہیں ۱ قوت فہم ۲ قوت ادراک قوت فہم سے انسان زبان سمجھتا ہے اور ترجمہ کا معنی

جان لیتا ہے قوت ادراک سے انسان اس بات کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ جب تینوں قوتیں موجود تب انسان اسے قبول کرتا ہے۔ جب ایک قوت بھی ختم ہو جائے گی تو کلام سننا سنانا بیکار ہو جائے گا۔ اور وہ سننانہ سننے کے برابر ہوگا۔ کفار کے پاس قوت سامعہ اور فاہمہ تو تھی مگر قوتِ درک وتوجہ نہ تھی اس لئے وہ کبھی بھی اسکو قبول نہ کرتے تھے اور یہ قوت درک صرف ایمانی لحاظ سے ناپید تھی نہ کہ دنیوی لحاظ سے۔ **تیسرا اعتراض** آپ نے تفسیر میں فرمایا کہ کفار کے سب کام برباد بے نفع ہیں مگر ہم دیکھتے ہیں کہ ان کی محنت سے دولت ان کی سیاست سے ملک وسلطنت ان کی عقل سے عزت ان کو خوب مل جاتی ہے تو یہ پھر بے نفع کیونکر ہوئے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ یہ نفع دنیوی ہے جو مثل کوڑے اور چھلکوں کے ہے اصل دائمی مقصود حیات والا نفع نہ ملا۔

تفسیر صوفیانہ

الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَيَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ یہ دام فریب بچھانے والے ظالم لوگ مجاز کو حقیقت ابلیسیت کو روحانیت نار کو نور ظلمت کو روشنی کا نام دے کر بھولے بھالے طالبانِ حق کو اپنے گھیرے میں لے کر اللہ کی راہِ طریقت سے روکتے ہیں۔ اور ناآشناؤں کو منزل سے بھٹکانے کے لئے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جس راہ کی آواز دے کر جس منزلِ آخری پر پہنچانے کا وعدہ کر رہے ہیں اس کے سرے سے منکر و کافر ہیں۔ قوت ولی اختیار انبیاء کرام عقائد ایمانیہ مکاشفاتِ غیبیہ کے سرے سے منکر ہیں۔ اولیاء اللہ کا لباس محض دھوکہ دینے کے لئے اختیار کیا ہے۔ وظائف سفلیہ کو کرامات کا نام دیا ہے۔ مشائخ ربانی کی دشمنی میں مشائخ بنے ہیں توحید سِری سے روکتے ہیں اور مستانِ الٰہیہ کو کجی سے موصوف کرتے ہیں۔ لیکن تمام جال و فریب لگالیں مگر اللہ کے ولیوں کو عاجز نہیں کر سکتے اپنی حکومت اور علاقے میں بھی بادشاہت وقوت کے باوجود ولی کی طاقت نہیں چھین سکتے۔ کیوں کہ اولیاء اللہ کو استقامت کا نصیبہ میسر ہے۔ ان محروموں کا حیلہ اللہ کے پیاروں پر نہیں چل سکتا۔ کیونکہ یہ لوگ دنیا میں حق سے محجوب ہیں اور آخرت میں حجاب اکبر میں رہیں گے۔ حجاب انوار صرف انہی کے لئے ہے۔ نہ کہ اہل ادیانِ صدق کے لئے وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ان اہل حجاب کے لئے اللہ کے آستانۂ قدس کو چھوڑ کر۔ کوئی راہ نمائے ہدایت نہیں۔ ان پر ہزاروں حجابات کا دگنا چوگنا عذاب نارِ فراق ہے۔ کیونکہ انہوں نے مشاہدات عالم کو ظاہری آنکھوں سے تو دیکھا مگر چشم روحانی کو کھلنے نہ دیا بصارت ظاہری کو کھولا بصیرت باطنی سے دور رہے اور خطاب حق یعنی قرآن حدیث کو ظاہری کانوں سے سنا دل کے کانوں سے نہ سُنا سماعت باطنی کو ناکارہ کر دیا یہ ہی دنیا میں عذاب باطنی ہے۔ یہ بڑے نقصان کی دلیل ہے اگر یہ اپنے ظاہر کو چھوڑ کر روح وقلب کی طرف متوجہ رہتے تو ذرے ذرے میں نور اَزلی کے جلوے آشکارا

ہوتے کیونکہ۔

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار   ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

جس صاحبِ نظر کو ہوش مندی سرمدی حاصل ہوئی اس کی فراست میں ہر پتہ معرفتِ الٰہی کا دفتر ہے مگر جس کی آنکھیں ازل کی پھوٹی ہیں اس کے لئے پتہ محض گھاس ہے۔ ایسے بدبخت کو انوارِ قربت کا حصہ نہیں ملتا۔ نہ صدیقین نہ عارفین سے شناسائی ہو اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۔ دنیاءِ فانی میں تو چند دن عیش کے مل گئے لیکن آخرت میں یہی لوگ ہیں جنہوں نے سخت نقصان پہنچایا اپنی جانوں کو بعض نے کہا کہ جسم کو انہوں نے آرام پہنچا لیا مگر روح و قلب کو ذلت کے نقصان میں رکھا۔ اور آخرت میں وہ فریب کاری جبہ دستار جس کا افترا باندھے تھے اور جھوٹے ہو کر سچوں کا نقشہ باندھتے اور سچوں کی بدنامی کرتے تھے اپنی بدکرداری سے وہ سب اُن سے غائب ہو گئیں بعض نے کہا کہ جسم و ظاہر پر جس ولایت و غوثیت کو سجاتے تھے اور جھوٹے مدّعی بنتے تھے۔ اُن کی روح میں وہ چیزیں غائب تھیں۔ ظاہراً چکا چوند چاندنی میں تھے مگر روح فسق و گناہ کی ظلمتوں میں بھٹک رہی تھی جس دابۂ ناسوتی پر وہ سوار رہتا تھا۔ مگر قلب و ضمیر کی شرمندگی کے دلدل میں پھنسا رہتا تھا۔ ان کے دعوے روح کی سر زمین میں نظر نہ آتے تھے وہاں سے غائب تھے اور گمراہی جہالت کا راج رہا کرتا تھا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں جس نے دینِ خودی کا سودا کر دیا دنیا کے بدلے۔ اور حظِ نفس کی خاطر مدّعی مع اللہ ہوا ریاست کی طلب میں اور زہد و شیخوخیت لذّتِ دنیا کے لئے اختیار کی وہ زبانِ اولیاء اللہ میں ملعونِ ازلی اور راندۂ درگاہ ہے۔ نفس کی منزل سعادت تھی اس نے نفس کو بھٹکا کر اُس پر ظلم کیا پس مستحقِ لعنت ہوا۔ (روح البیان۔ عرائس البیان۔ ابن عربی)

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ

یقیناً بیشک وہ ہیں آخرت ہی نقصان والے زیادہ   بے شک

خواہ نخواہ وہی آخرت میں سب سے زیادہ نقصان میں ہیں   بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ

وہ لوگ جو ایمان لائے   اور عمل کیے نیک   اور جھک گئے طرف اپنے رب کی

جو ایمان لائے   اور   اچھے   کام   کیے   اور اپنے رب کی طرف رجوع

أُولَٰٓئِكَ أَصْحَٰبُ ٱلْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَٰلِدُونَ ﴿۲۳﴾

یہی لوگ والے ہیں جنت کے وہ ہیں اس ہمیشہ رہنے والے

لاسے وہ جنت والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

مَثَلُ ٱلْفَرِيقَيْنِ كَٱلْأَعْمَىٰ وَٱلْأَصَمِّ وَٱلْبَصِيرِ وَٱلسَّمِيعِ ۚ

مثال دو فریقوں کی جیسے کہ اندھا اور بہرا اور جیسے دیکھنے والا اور سننے

دونوں فریق کا حال ایسا ہے جیسے ایک اندھا اور بہرا اور دوسرا دیکھتا اور سنتا

هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا ۚ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿۲۴﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا

والا کیا دونوں برابر ہیں مثال میں۔ کیا پس نہیں نصیحت لیتے تم اور البتہ بیشک بھیجا

کیا ان دونوں کا حال ایک سا ہے تو کیا تم دھیان نہیں کرتے اور بے شک ہم نے

نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِۦٓ إِنِّى لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۲۵﴾

ہم نے نوح علیہ السلام کو طرف قوم ان کی بیشک میں لیئے تمہارے ڈرانے والا ہوں کھلا

نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا کہ میں تمہارے لیئے صریح ڈر سنانے والا ہوں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ظالموں پر لعنت کا ذکر تھا اب اس لعنت کے نقصان کا ذکر ہے۔ کہ وہ گھاٹے ہی گھاٹے میں ہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں دنیا کی ایک قوم یعنی کفار اور ان کے اعمال انجام کا تذکرہ ہوا اور فرمایا گیا تھا کافر کا کوئی ولی شفیع مددگار نہیں اب اس جہان کی دوسری قوم یعنی مسلمان اور ان کے اعمال و افعال و انجام بالخیر کا ذکر ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ کوئی احمق یہ نہ سمجھ لے کہ مسلمانوں کا بھی ولی مددگار کوئی نہیں بلکہ ان کے بے شمار شفیع و مددگار ہیں۔ **تیسرا تعلق** کافر و مومن کا فرق بتانے کے بعد۔ اب وجہ فرق بتایا جا رہا ہے کہ مومن سمیع و بصیر ہیں اس لئے ایمان لے آتے ہیں حق سن لیتے۔ انوار کلام الٰہی دیکھ لیتے ہیں۔ جس سبب سے خدا و غیر خدا کے کلام میں فرق جان لیتے ہیں مگر کافر اندھے بہرے ہیں نہ وہ حق سنتے ہیں نہ انوار تجلیات دیکھتے ہیں۔ لہٰذا وہ قرآن کریم کیا جانیں **چوتھا تعلق** پہلے ان کافروں کا تذکرہ فرمایا گیا جن کو تھوڑی مدت تبلیغ کی گئی جیسے مکے کے کافر۔ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ ہو جاتے تھے آپ کی تسلی کے لئے اس کے بعد نوح علیہ السلام کا ذکر کیا گیا

تو اے پیارے حبیب نوح علیہ السلام نے تو ان کفار اندھے بہروں کو ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی پھر بھی ایمان نہ لائے۔

تفسیر نحوی

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ۔ لانفی کا جَرَمَ میں سات اقوال ہیں مگر صحیح قول وہ ہے جو اتقان میں امام سیوطی نے فرمایا کہ جَرَمَ اسم ہے اور لانفی جنس ہے بمعنی لَا بُدَّ یہ لفظ قرآن کریم میں پانچ جگہ آیا ہے یہ پہلی جگہ ہے جَرَمَ سے پہلے لا اور بعد میں اَنَّ لازم ہے۔ حرف مشبہ پورا جملہ اسمیہ بن کر خبر ہے لا نفی جنس کی ھم ضمیر جمع اسم اَنَّ ہے فی ظرفیہ آخرت سے مراد قیامت ہے ھُمْ ضمیر حصر کے لئے ہے بمعنی ہی الاخسرون الف لام بمعنی اَلَّذِیْنَ ہے اسمی ہے اَخْسَرُوْنَ اسم تفضیل جمع ہے خَسْرٌ سے مشتق ہے بمعنی اصل پونجی کا ہی نقصان ہو جائے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْا اِلٰى رَبِّهِمْ یہ جملہ مستانفہ ہے اِنَّ [illegible] بوجہ ابتدا اَلَّذِیْنَ جمع اسم موصول اٰمَنُوْا فعل ماضی اس کا صلہ واو عطف کی عَمِلُوْا یہ جملہ گویا نتیجہ ہے الصّٰلِحٰتِ الف لام استغراقی یعنی تمام اعمال نیک ہوں نہ کہ بعض و عاطفہ اور جملہ نتیجہ اَخْبَتُوْا [illegible] سے مشتق ہے بمعنی ہمہ تن مشغول ایک ہی دھن سوار ہونا باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع ہے الٰی انتہاء غایت کے لئے ہے رَبِّهِمْ رب سے مراد اللہ کریم۔ ھم کا مرجع اٰمَنُوْا کا فاعل اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اُولٰٓئِكَ اسم موصول ہے دراصل اولاء تھا کاف زائدہ ہے اس کا اشارہ مومنین مذکورین کی طرف ہے اصحاب جمع ہے صاحب کی بمعنی والا مضاف ہے جنت کی طرف اَلْجَنَّةِ الف لام عہدی یعنی مراد عرش اعظم کے پاس جنت دائمی ہے۔ جو زمین و آسمان سے پہلے مخلوق ہوئی هُمْ ضمیر جمع کا مرجع اولئک ہے مبتدا ہے فیھا۔ فی ظرفیہ ھا کا مرجع جنت خٰلِدُوْنَ اسم فاعل جمع باب نَصَرَ سے ہے فِيْهَا اس کا ظرف مقدم ہے خلود سے مشتق ہے بمعنی بہت دراز مدت رہنا۔ یہاں مراد دوام ہے مَثَلُ الْفَرِيْقَيْنِ كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ مَثَلُ مِثْلٌ سے مشتق ہے بمعنی مشابہت الفریقین الف لام عہد خارجی ہے فریقین تثنیہ ہے فریق کی بمعنی مخالف ساتھی کاف تشبیہ کا ہے الاعمٰی الف لام عہدی ہے اعمٰی اسم تفضیل عَمْیٌ سے مشتق ہے بمعنی سیاہ بادل چھانا خواہ آسمان پر خواہ آنکھوں پر خواہ دل پر یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ اعمٰی یعنی بہت ہی اندھیرے والا۔ اسی وجہ سے اندھے کو اعمٰی کہتے ہیں۔ اصم صمم سے مشتق بمعنی ڈاٹ لگا کر روکنا۔ یہاں کان کو ڈاٹ لگنا مراد ہے یا دل کو وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ واؤ عاطفہ بصیر بَصَرٌ سے بنا ہے بروزن کریم بمعنی بہت دیر تک دیکھنے والا۔ واؤ عاطفہ الف لام عہدی سمیع بھی صفت مشبہ ہے بمعنی بہت دیر تک سننے والا اگر یہ اللہ کی صفت ہو تو مراد ہے ہمیشہ سے ہمیشہ تک دیکھنے سننے والا هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا یہ جملہ استفہام انکاری ہے۔ ھل لفظ سوالیہ ہے یَسْتَوِیٰنِ مضارع معروف تثنیہ ہے۔ اس کا فاعل ھُمَا کا مرجع فریقین ہے باب استفعال ہے سَوْیٌ سے بنا ہے اسی سے ہے سَوَاءٌ۔ مثلاً یا تمیز ہے

یا مفعول فیہ ہے یا مفعول لہٗ اسی لئے زبر ہے اَفَلَا تَذَکَّرُوْنَ یہ جملہ بھی استفہام انکاری اور تعلیلیہ ہمزہ سوال تعقیبہ لَا نَافِیَہ تَذَکَّرُوْنَ مضارع منفی بابِ تفعیل سے دراصل تَتَذَکَّرُوْنَ تھا ایک تا خفت کے لئے گر گئی۔ خطاب کفار سے ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ۔ واؤ ابتدائیہ لام کئے قَدْ حرفِ تحقیق اَرْسَلْنَا باب افعال متعدی بیک مفعول صیغہ جمع متکلم نَا کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ نُوْحًا لفظِ نُوْحٌ نَوْحٌ سے مشتق ہے مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت نوحہ کرنے والے اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت کے لئے قوم سے مراد امتِ دعوت یا برادری رشتے دار ہٖ کا مرجع حضرت نوح اِنِّیْ لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔ اِنَّ حرف مشبہ سے پہلے قال پوشیدہ ہے کیونکہ اس کے ظاہری مقولے میں یاء متکلم قال کا قرینہ ہے لہٰذا تخفیف کے لئے پوشیدگی جائز ہوئی اِنَّ کا مکسور ہونا قال کی وجہ سے ہے۔ لَکُمْ لام جارہ کُمْ ضمیر حاضر جمع کا مرجع قوم ہے نذیر مبالغ کا صیغہ ہے نَذَرٌ سے مشتق ہے بمعنی مستقبل سے ڈرانا مُبِیْنٌ اسم فاعل ہے باب افعال کا بَیَنٌ سے بنا ہے۔ بمعنی صاف صاف کھلا کھلا بیان بغیر ایچ پیچ۔

تفسیرِ عالمانہ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ۔ اس آیت کی تین نحوی ترکیبوں کی بنا پر اس کی تین تفسیریں ہوں گی یہ نہیں نفع دیا ان کو ان کی سیاسی چالبازی شرارتوں اور کفریہ عقیدوں نے اور لازم ہو گیا کہ بیشک وہ آخرت میں بھی گھاٹے والے ہیں۔ یہ ترکیب سیبویہ نحوی کی ہے ان کے دنیوی گھاٹے سے یہ بات حاصل ہوئی کہ آخرت میں گھاٹا ہے ان کو یہ ضروری ہے یہ کہ ان کو قیامت میں گھاٹا ہو اور یہ بات بالکل بدیہی اور آسان سمجھ میں آنے والی ہے کہ جو کسان کھیتی بیجنے والا ہے وہ تو کٹائی کے وقت باعزت طریقے سے بہت کچھ حاصل کرے گا لیکن جو اپنی عیش و عشرت میں مگن رہا۔ زمین بیکار چھوڑی رکھی وہ بجز ذلت و گھاٹے کے کیا لیگا ضحاک سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے پوچھا کہ زہد کیا ہے فرمایا کہ جو قبر اور عذاب کو نہ بھولے اور زینتِ دنیا کو ترک کرے وہ زاہد ہے یہاں اَلْاَخْسَرُوْنَ اسم تفضیل جمع فرما کر دوسروں کے خسران سے فرق کر دیا کہ دیگر کافر یا فاسق تو گھاٹے میں ہوتے ہیں لیکن یہ بہت زیادہ گھاٹے والے کہ دوسروں کو صرف عذاب ان کو ذلت بھی عذاب بھی اور سختی بھی۔ گویا کہ کمیت و کیفیت دونوں طرح عذاب زیادہ اس لئے دوسرے کفار خسران میں اور یہ اخسر (تفسیر کبیر معانی جمل۔ بیان) اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ ہاں وہ لوگ جو اللہ کے تمام واجبات پر مکمل بے چون چرا ایمان لاتے اور شریعت و طریقت پر پورا عمل کیا جو بھی اس کے امر تھے ان کو کیا نہی اور ممنوعات سے باز رہے حکم ربانی کے سامنے جھک گئے کوئی شبہ اندیشہ اعتراض سوال نہ کیا یہ لوگ ابتداء سے جنتی ہیں وہی اس میں ہمیشہ رہیں گے اَخْبَتُوْا کا معنیٰ ہے مثل گھریلو سدھاتے جانور کے کان جھکا کر مالک کی ماننا۔ اپنی کسی لیاقت کو یاد نہ رکھنا یہی مومن کی شان ہے کہ خواہ کتنا بڑا ذہین و علیم ہو۔ جب رسول اللہ کی بات آجائے تو فوراً عاجز ہو کر جھک جائے

خواہ وہ بات چھوٹے سے سنے یا بڑے سے مخالف سے سنے یا موافق سے اور یہ لوگ صرف ساکنین جنت نہ ہوں گے بلکہ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ یعنی جنت کے مالک ہوں گے۔ یہ انعام ان کو اس لئے ملا کہ انہوں نے اپنے اندر چار خصلتیں پیدا کیں ۱؎ انہوں نے ہمارے کلام کی تصدیق کی ۲؎ انہوں نے ہماری آیتوں اور اپنے وجود میں بصیرت سے غور کیا ۳؎ انہوں نے نفسانی و شیطانی کج بحثی کو چھوڑ کر ہمارے فرمان پر ایک دم خود کو جھکا دیا۔ اور ہماری ہر نرمی گرمی برداشت کی ۴؎ انہوں نے ہم سے سچا عشق کیا اور ہم پر کامل اطمینان و بھروسہ کیا اور انہوں نے عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اعمالِ جوارح اور اَخۡبَتُوۡۤا سے افعال قلب سب کچھ ہمارے لئے کیا کہ ان کا اٹھنا بیٹھنا چلنا پھرنا شادی و خوشی رسم و رواج سب ہماری مرضی کے مطابق ہوئے کسی کام میں بھی کسی غیر کا راستہ نہ پکڑا نہ عروج کے طالب ہوئے نہ شبہات میں پھنسے مثل نرم زمین کے ہو گئے نہ اس میں دلدل ہوتی ہے نہ سپاٹ سختی تو ہم اور ہماری سب چیزیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کی ہو گئیں۔ جس طرح ہم دشمنوں کو عذاب دیتے اسی طرح ہم اپنے دوستوں کو انعام بھی دیتے ہیں دوست دشمن برابر نہیں ہو سکتے کیونکہ مَثَلُ الۡفَرِیۡقَیۡنِ کَالۡاَعۡمٰی وَ الۡاَصَمِّ وَ الۡبَصِیۡرِ وَ السَّمِیۡعِ ؕ هَلۡ یَسۡتَوِیٰنِ مَثَلًا ؕ اَفَلَا تَذَکَّرُوۡنَ ۔ (اے سننے والو) تم کو کتنا تعجب ہوگا کہ دنیا میں دو ہی تو گروہ ہیں۔ ایک طرح کی مخلوق ہے ایک طرح رہتے بستے ہیں مگر ایک ٹولہ اندھا اور بہرا ہے اور دوسرا دیکھنے والا سننے والا ہے بھلا کیا یہ دونوں گروہ حال اور صفت میں ایک مثال برابر ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں تو پھر تم کیوں نہیں نصیحت پکڑتے۔ لفظ مثال کا حقیقی معنی ہوتا ہے کسی کو کسی کی صفات یا حالات کے جزئیاً ایک جیسے ہونے کی بنا پر تشبیہ دینا۔ مگر مجازاً یہ لفظ تعجب کے لئے بھی مستعمل ہوتا ہے یہاں اسی طرح ہے۔ اندھا اور بہرا یہ دو ذاتیں نہیں بلکہ دو صفتیں اور یہ عطف ذاتی نہیں بلکہ صفاتی یعنی ذات اور شخص ایک ہو اور اس میں یہ دونوں حالتیں ہیں کہ اندھا بھی ہے اور بہرا بھی۔ اسی طرح بصیر و سمیع بھی عطف صفاتی ہے یعنی ایک شخص میں دونوں صفتیں ہیں۔ اس جگہ خطاب مکے کے کافروں سے ہے کہ جب کافر اندھا بھی ہے بہرا بھی۔ جسمانی طور پر کوئی چاہتا ہے کہ میں اندھا اور بہرا ہو جاؤں ہرگز نہیں اس لئے کہ یہ سخت مصیبت اور ہلاکت ہے کیونکہ صرف اندھے کو آواز دے کر بچایا جا سکتا ہے۔ اور صرف بہرے کو اشارہ کر کے۔ مگر ہر دو عیب والے کا بچنا بہت دشوار۔ ان آیات میں کفار کی تین مزید صفات بیان فرمائیں پہلی یہ کہ انہوں نے اپنے آپ کو خود گھاٹے میں رکھا۔ دوسری یہ کہ ان کی تمام سیاست بیکار گئی دین تو گیا ہی تھا۔ دنیا بھی ہاتھ نہ آئی تیسری یہ کہ اخروی نقصان و عذاب شدید انہوں نے یقینی خرید لیا۔ یہ حالتیں اُن کی کیوں ہوئیں اس لئے کہ یہ دنیا میں دل کے اندھے بہرے ہو گئے۔ تو اے موجودہ کافرو منکرو تم کیوں عبرت نہیں پکڑتے۔ ہم نے ایسا ہی نہیں کہہ دیا کہ وہ سابقہ کفار اندھے اور بہرے تھے بلکہ ان کے اندھے بہرے ہونے کا ثبوت یہ ہے کہ وَلَقَدۡ اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِهٖۤ ۫ اِنِّیۡ لَکُمۡ نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ اور قسمیہ بات ہے کہ البتہ بے شک ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا فرمایا

نوح نے بے شک میں تم کو ظاہر ظہور آخرت سے ڈرانے اور جہنم سے بچانے والا ہوں۔ دنیا میں پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح ہیں ان کو نوح اس لئے کہا گیا کہ یہ اللہ کے حضور بہت رونے والے آہیں بھرنے والے تھے یعنی نوحہ کرنے والے یہ لقب ہی ان کا نام ہو گیا۔ سلسلہ نسب اس طرح ہے نوح یعنی حضرت شاکر ابن ملک ابن متوشلخ ابن ادریس علیہما السلام ان کا مادری نام شاکر ہے۔ چالیس سال کی عمر میں ان کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی۔ نوسو پچاس ۹۵۰ سال انہوں نے تبلیغ فرمائی کل عمر ایک ہزار پچاس سال ہوئی اس طرح ان کی زندگی تین حصوں میں تقسیم ہوتی ہے پہلے چالیس سال عملی تبلیغ میں قولی تبلیغ کی اجازت نہیں ملی تھی۔ دوسرا دور نوسو پچاس سال طوفان سے پہلے قولی وایمانی تبلیغ کا تیسرا دور بعد طوفان ساٹھ سال عبادت وریاضت کی تبلیغ کا۔ دمشق میں رہائش تھی اس کے قریبی گاؤں کوفہ میں مزار ہے۔ اس وقت اس بستی کا نام کوفہ نہ تھا بلکہ کرک تھا یہیں کے تندور سے طوفانی پانی نکلا۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جنت سے تشریف لانے کے ایک ہزار چھ سو بیالیس سال بعد نوح علیہ السلام پیدا ہوئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ آپ کا مدفن قدس کے اس غار میں ہے جس میں حضرت ابراہیم کی والدہ نے حضرت ابراہیم کو چھپا کر رکھا تھا اگرچہ بعض اقوال میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رونے کے کچھ خطائی اسباب لکھے ہیں لیکن اصل وجہ خوف خدا وعشق الٰہی کا جذبہ ہی بکاء انبیاء کرام کا سبب ہوتا ہے۔ جیسا کہ صاف دل حضرات پر مخفی نہیں (از روح البیان مع زیادت) بتایا یہ جا رہا ہے کہ اے موجودہ کافرو منکرو۔ ایک دو نہیں بلکہ یکے بعد دیگرے ہم نے بہت پیغمبر اپنی اپنی قوم کے پاس بھیجے مگر وہ ایسے اندھے بہرے ہوئے کہ انہوں نے نہ کلام حق سنا نہ انبیاء کرام کے اشارے اور ممنوعات سمجھے تو یہ عذاب شدید سے بچے کس طرح جسمانی اندھے بہرے کو پھر اٹھا کر بھی بچا لیا جاتا ہے مگر یہ تو روحانی قلبی اندھے بہرے اور ہر نبی کی قوم میں زیادہ تر ایسے ہی اندھے بہرے ہوتے تھے اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا۔ ہاں کچھ ایسے بھی خوش نصیب ہوتے تھے جو روحانی آنکھ کان والے ہوتے جن کے دل روشن سینے پاک قلب منور تھے وہ سمیع بھی ہوئے کہ اور بصیر بھی دونوں برابر کس طرح ہو سکتے تھے لہٰذا ایک کو عذاب شدید دوسرے کو انعام عظیم یقیناً عطا ہوا ہم نے صاف صاف بتا دیا تو اب تم کیوں نصیحت نہیں پکڑتے (کبیر۔ معانی۔ بیان۔ صاوی۔ جمل مدارک۔ ابن کثیر سراج منیر) تفسیر خازن نے کہا کہ حضرت نوح کی عمر ایک ہزار چار سو پچاس سال ہوئی طوفان کے بعد دو سو پچاس سال ٹھہرے۔ واللہ اعلم۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** دنیا آخرت کا نمونہ ہے جو چاہتا ہے کہ اپنا انجام اور اخروی زندگی معلوم کرے اس کو چاہیئے کہ اس زندگی پر غور کرے اگر یہ زندگی دینی لحاظ سے خراب ہے۔ عیش پرستی۔ دین سے غفلت۔ اعمال صالحہ سے سستی علماء اولیاء سے دوری نفرت سے زندگی گزر رہی ہے بس سمجھ لے کہ اخروی زندگی بھی عذاب والی ہے۔ یہ فائدہ لَاجَرَمَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** علماء پر

اعتراض کرنا۔ مسائل دینیہ میں کج بحثی کرنا نہ ماننے کے لئے قوانین اسلامیہ کی حکمتیں پوچھنا اور اپنی عقلیں دوڑانا کہ یہ کیوں اور یہ کیسے۔ ایسا کیوں نہ ہوا۔ یہ کفار کے طریقے ہیں مومن دینی باتوں میں کج بحثی نہیں کرتا بلکہ اللہ رسول کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم کردیتا ہے یہ فائدہ وَاَخْبَتُوْٓا فرمانے سے حاصل ہوا۔ آج جاہل سے جاہل انسان جسے منہ دھونے کا طریقہ نہ آتا ہو وہ بھی علماء سے ہر مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے تیار ہوتا ہے بلکہ فی زمانہ جہلاء کے لئے علماء سے بحث کرنا اور ان کی تذلیل کرنا ایک فخریہ فیشن بن گیا۔ یہی بے علم لوگ جب ڈاکٹر مستری ترخان۔ کسان کی باتیں سنتے ہیں تو بے چون وچرا سر جھکا کر مان لیتے ہیں مگر جب عالم دین کوئی مسئلہ بتائے تو شیر دلیر بن بن کر بحث مباحثے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اس جگہ یہی فرمایا جارہا ہے کہ یہ کام مومن کا نہیں۔ لہٰذا آج کل کے فیشن زدہ مسلمان اس سے عبرت پکڑیں۔ عالم سے عالم بحث کرتا ہوا اچھا معلوم ہوتا ہے نہ کہ جاہل **تیسرا فائدہ** جو لوگ اللہ رسول کی نہ سنیں علماء اولیاء کی نہ مانیں قانون قرآن مجید کو نہ اپنائیں حدیث و قرآن کے امر و نہی کی پرواہ نہ کریں وہ خواہ کتنے ہی پڑھے لکھے دانشور اور ذہین و عقل و بصارت والے ہوں مگر اللہ تعالےٰ کے نزدیک اندھے بہرے ہیں۔ اور جو شخص دنیوی اعتبار سے کم عقل بے پڑھا ہو۔ مگر اللہ رسول کی مانے سچے دین اسلام کی پیروی کرے اولیاء انبیاء علماء کا ادب احترام کرے وہ اللہ کی بارگاہ کا قابلِ احترام اور سَمِیْع وَّبَصِیْر ہے یہ فائدہ مَثَلُ الْفَرِیْقَیْنِ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** انبیاء کرام اور ان کی اتباع میں اولیاء اللہ کبھی دنیا کی مصیبتوں تکلیفوں پر نہیں روتے نہ پریشان ہوتے ہیں نہ ان کو دنیوی غم فکر ہوتا ہے نہ ان کو کسی وقت بھی اپنی جان کا خوف ہوتا ہے بلکہ ان کا رونا آہیں بھرنا خوف خدا اور عشقِ الٰہی میں ہوتا ہے بخلاف دنیا پرست کے کہ وہ دنیا کے لئے روتا پریشان ہوتا ہے یہ فائدہ نوحًا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اس آیت میں اندھے بہرے کا ذکر پہلے کیا گیا اور سمیع وبصیر کا ذکر بعد میں ہوا۔ حالانکہ سمیع وبصیر اچھوں کی صفت ہے اور اچھوں کا ذکر پہلے ہونا چاہیئے۔ بُروں کا بعد میں۔ جیسا کہ قرآن پاک کا طریقہ ہے **جواب** اس کا جواب تفسیر میں اس طرح دیا گیا کہ یہاں کثرت کا لحاظ رکھا گیا چونکہ اندھے بہرے زیادہ۔ نیک لوگ سمیع وبصیر کم ہیں اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا دوسرے یہ کہ برے پہلے سے تھے نیک بعد میں تبلیغِ نبوت سے ہوتے اس لئے پہلوں کا ذکر پہلے ہوا بعد والوں کا بعد میں تیسرے یہ کہ برے خود بنتے ہیں اور نیک صحبتِ انبیاء علیہم السّلام اور اُن کی تبلیغ سے اور تبلیغ ہوتی ہی اس کو ہے جو برا ہو تو پہلے لوگ بہرے بنتے ہیں تب اُن کے پاس انبیاءِ کرام علیہم السلام مبعوث ہوتے ہیں تو اندھوں بہروں کا پہلے ذکر کرکے ان کی پہلی حالت کی طرف اشارہ کیا اور سمجھایا کہ نبی سے علیحدہ ہوکر کوئی نیک اور سمیع بصیر نہیں ہو سکتا خواہ کتنا ہی عقل والا ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَاَخْبَتُوْٓا اِلٰی رَبِّهِمْ کہ مومن اپنے

رب کی بات پر بلا سوچے سمجھے جھک جانا ہے اپنی عقل کا دخل نہیں دیتا اس فعل کو ایمان و مومن کی اچھی نشانی بتائی گئی۔ مگر ایک جگہ ارشاد ہے لَمْ یَخِرُّوْا عَلَیْهَا صُمًّا وَّ عُمْیَانًا - مومن کسی چیز پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے یعنی ہر بات کو عقل سے پرکھ کر مانتے ہیں اور عقل کا دخل دیتے ہیں آیات میں تعارض ہے۔ **جواب** یہاں اخبات ہے وہاں خرّ ہے۔ اخبات کے معنی ہیں۔ جھکنا رکوع کرنا۔ بھروسہ کرنا۔ اور خرّ کے معنی ہیں۔ گر پڑنا۔ جھکنے رکوع کرنے اور بھروسے میں کسی سمت اور شخصیت کی حاجت ہے۔ گرنے میں خود اپنی ذات کا تعلق ہے کسی سمت کی ضرورت نہیں معترض کی پیش کردہ آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ مومن لوگ اللہ کی آیات احکام وغیرہ سن کر خود ہی اس پر نہیں گر پڑتے کہ اپنی عقلوں سے کریدنا شروع کر دیں اور بے علمی میں غلط مطلب تفسیر بالرائے کر کے اسی کو دین بنا لیں جیسا کہ طریقہ جہلا ہے بلکہ سچے مومن بندے ان آیات کو اولیاء، علما مجتہدین کے پاس یا صحابہ کرام بارگاہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لے آتے ہیں اور ان سے اس کا مطلب معانی پوچھ کر پھر عمل کرتے ہیں۔ یعنی تقلید شخصی کا ثبوت ملا۔ اور یہاں اَخْبَتُوْا فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ جب ان آیاتِ الٰہیہ کا مطلب معانی مقصد علماء ربانی بتا دیں تو پھر کچھ کج بحثی ہٹ دھرمی اور حیل و حجت نہیں کرتے بلکہ فوراً جھک جاتے ہیں اور اسی طرف رجوع کر لیتے ہیں اور بھروسہ کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں گویا کہ نبی ولی عالم کی طرف جھکنا ان کی طرف جانا ان کی بات پر بھروسہ کرنا اللہ کی طرف ہی جھکنا اور رجوع کرنا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ دنیا، انسانیت آخرت کا نمونہ ہے عالم ناسوت عبرت گاہ اقوام ہے ناسوت سے لاہوت کا پتہ ملتا ہے یہاں اسی ڈیوٹی کے لئے نیابت عارضی ملی ہے جو مشقت کرے گا کامیاب و کامران ہو گا۔ لیکن جو سستی کاہلی اور خواب غفلت میں وقت گنوائے گا لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ - یقیناً وہی آخرت میں سخت گھاٹے والے ہیں کہ مقام ابتدا میں عیش کیا اور مقام انتہا جب کہ بازار طریقت بند ہونے لگا اور خلوت خانہ جلوہ گاہ میں حاضری کا وقت آیا تو وصل کے تحفے سے ہاتھ خالی پایا بلکہ اصل مال ہی گم پایا۔ یہی اصلی خسارہ ہے [illegible] الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَخْبَتُوْا اِلٰی رَبِّهِمْ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ۔ بے شک جن لوگوں نے ایمان سرمدی حاصل کیا یقینی اور عینی اسرار لوما، اور جن پیاروں نے مقام عشق پر پہنچ کر توبہ، زہد، انابت، عبادت، صبر، شکر، محض لقاء الٰہی اور قرب ذات کے لئے سالک راہ کے طریقے پر یہ اعمال صالحہ کئے اور اہل سلوک کے مدارج پر رہے اور متوجہ الی اللہ ہو کر رو کو جھکا لیا اور شوق و ذوق سے اس کی طرف بکمال اطمینان رجوع کیا۔ اسی لذت بقا کے لئے فنا سے منقطع ہو گئے وہی جنت قلب والے ہیں انہی کے قالب فنا میں بقا کے باغ لے ہیں اور بقا کے باغ میں انوار کے پھول پھل لگے ہیں جن پر کبھی فنا نہیں۔ یہ مجذوب عشق اور سالک نظر ہمیشہ ان انوار و تجلیات میں رہنے والے ہیں [illegible] لقاء رب کریم

کے تین سدا بہار سے کوئی بھی ان کو نکالنے والا نہیں کیونکہ وہ غیبی وعدوں پر یقین سے ایمان لائے رویتِ الٰہی کی جو صفت انہوں نے سنی تھی اور اپنی محنت کوشش سے اس طرح قربِ حق کے لئے نیک عمل کئے کہ صفائی ذکر سے ان کے باطن پاک ہو گئے اور تدبر و تفکر سے اپنے رب کی طرف رجوع لائے سلطانِ کبریا کے انوار میں اپنے کو ایسا فنا کیا کہ اپنی باطنی بصارتوں سے ان تجلیات کو دیکھ لیا۔ یہ وہ ہی ہیں جن کو فنا کے بعد بقا ملی اور اصحابِ مشاہدہ بن گئے اور اب نور قدسی سے ایسی قوت نصیب ہوئی کہ فنا کے نقصان سے نکل گئے۔ محو کی طرف سعی کی توفضلِ الٰہیہ نے اصحابِ صحو بنا دیا شاہِ کرمانی نے فرمایا۔ جنت یعنی توجہ اور رجوع تین قسم کا ہے ۱۔ گناہوں کی کثرت سے توبہ کی قبولیت کے لئے مایوسی کا غم ۲۔ شاہد ذات کو پردۂ فراق کا خوف رہے یہی غم اور خوف سبب رجوع ہوتا ہے ۳۔ صفت عدل کی بنا پر ہر وقت کوتاہیوں لغزشوں پر عقوبت و سزا کا خطرہ۔ یہ سب خطرے صاحب ایمان اولیاء کو میسر ہیں۔ بعض صوفیاء نے فرمایا خشیت خداوندی سے دل کو دائمی انکسار میں رکھنا اخبات ہے اور مخبتون کی علامت یہ ہے کہ تقدیر ازلی کے جاری ہو جانے کے غم میں پگھلتے رہتے ہیں کہ نہ معلوم یہ استعانت بہتری بند ہو یا باقی رہے جس نے بلاءِ دنیا اور قبر کو یاد رکھا زینت کو ترک کیا اور زمانہ بقا میں فنا کا اثر اختیار کیا اور مستقبل کا غم نہ کیا خود کو مُردا سمجھا وہی مُخبِت ہے جو طلب مولیٰ میں نکلا اور اعمالِ صالحہ سے مطلوب تک وصل پایا وہی دیدار کی جنت والے ہیں اور ہمیشہ اس طلب کی لذت میں رہنے والے ہیں۔ مَثَلُ الْفَرِيقَيْنِ كَالْأَعْمٰى وَالْأَصَمِّ وَالْبَصِيرِ وَالسَّمِيعِ هَلْ يَسْتَوِيَانِ مَثَلًا أَفَلَا تَذَكَّرُونَ۔

دارِ فنا میں دو گروہ شروع سے چلے آ رہے ہیں ایک اندھا بہرا اور دوسرا سننے دیکھنے والا۔ اہل شریعت کے نزدیک یہ دونوں گروہ جسمانی بیمار اور تندرست ہیں مگر اہل باطن کے نزدیک اندھا وہ ہے جو حق کو حق نہ دیکھے اور باطل کو باطل نہ سمجھے بلکہ اوندھی بصارت سے حق کو باطل اور باطل کو حق دیکھے اسی طرح بہرا وہ ہے جو باطل آواز کو حق مانے اور صوتِ حق کو باطل سنے۔ بصیر و سمیع وہ ہے جو حق کو حق سمجھے اور اس کی اتباع کرے باطل کو باطل دیکھے سنے اور بچے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سمیع و بصیر وہ ہے جو وحدت الوجود کی وادی میں پہنچ کر نہر ذوق میں غوطہ زن ہو کر اللہ سے اللہ کی سنے۔ غیر کی نہ سنے اور اسی کی طرف دیکھے ہر غیر سے نظریں ہٹالے۔ اندھا اور بہرا وہ ہے۔ جو اس وادیٔ معرفت سے دور خواہشات کے پردے میں طغیانی کے جال میں پھنسا کنارے پر کھڑا ہے نہ رب کی سن سکتا ہے کیونکہ دور ہے نہ اس کی طرف دیکھ سکتا ہے کیونکہ پردے میں ہے۔ بعض نے فرمایا جو حدود اللہیہ کے اندر رہے وہ بصیر و سمیع ہے جو حدود سے باہر ہو جائے اندھا بہرا ہے کہ ارتکاب صغیرہ کبیرہ کے دلدل میں پھنسا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ جس کو اس دائمی محبت کا راستہ مل گیا۔ اور بدنصیب ہے دوسرا گروہ جس کی آنکھ اندھی اور معرفت کے کان بہرے ہیں وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلٰى قَوْمِهِ إِنِّي لَكُمْ نَذِيرٌ مُّبِينٌ۔

ہر دو گروہ کی یہ جزا و سزا ان کی اپنی عملی کوشش کی بنا پر ہے ورنہ ہم نے تو البتہ بے شک نوحِ روح کو اس کی قوم قلب کی طرف بھیج ہی دیا اور ہر فرد بشر کی نوحِ روح نے اپنی قومِ قلب سے کہا کہ اے نفس امارہ کے قلعے میں رہنے والے دل اور

بدن فانی کے مقید قلب بے شک میں روحِ نوحہ کناں تمہارے لئے نذیر ہوں کہ ظاہر ظہور تم کو شہوات دنیا اور درکات آخرت
سے ڈرانے والی ہوں اے قلب کے سمیع و بصیر۔ تیری رغبت الی اللہ فی اللہ ہو۔ تاکہ مع اللہ ہو جاتے۔ ہر روح دردِ فراق
میں نوحہ کناں ہے اسی لئے نوح روح ہے۔

اَنْ لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ؕ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ عَذَابَ یَوْمٍ
یہ کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ کی بے شک میں ڈرتا ہوں پر تم عذاب سے دن
کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پوجو بے شک میں تم پر ایک مصیبت والے دن کے عذاب سے
اَلِیْمٍ ﴿٢٦﴾ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ
دردناک تو کہا سرداروں نے ان لوگوں کے جو کافر ہوئے سے قوم ان کی نہیں دیکھتے ہم
ڈرتا ہوں تو اس کی قوم کے سردار جو کافر تھے بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی
اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ
تجھ کو مگر بشر مثل ہماری اور نہیں دیکھتے ہم تجھ کو کہ اتباع کی کسی نے تیری مگر ان ہی نے
دیکھتے ہیں اور ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کسی نے کی ہو مگر ہمارے کمینوں
اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ۚ وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍۭ
جو ہمارے کمینے ہیں ایک دم اور نہیں دیکھتے ہم لیے تمہارے اپنے پر کوئی سے
نے سرسری نظر سے اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ
بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِیْنَ ﴿٢٧﴾ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ
فضیلت بلکہ گمان کرتے ہیں ہم تم کو جھوٹا فرمایا اے قوم میری رائے دو تم اگر ہوں میں پر دلیل
ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں بولا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے
عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ
سے رب اپنے اور دے وہ مجھ کو رحمت سے پاس اپنے تو نابینا کر ڈالی گئی پر تم
رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت

عَلَيْكُمْ ؕ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾

کیا ہم لازم کر دیں گے وہ رحمت تم کو حالانکہ تم اس کو ناپسند کرتے ہو

بخشی تو تم اس سے اندھے رہے کیا ہم اسے تمہارے گلے چپیٹ دیں اور تم بیزار ہو

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ نوح علیہ السلام نذیر بھی ہیں اور مبین بھی اب ان ہر دو القاب کا مقصد بیان کیا جا رہا ہے۔ کہ مبین ہیں مومنوں کے لئے کہ اللہ ہی کی عبادت میں عمریں گذار دو اور نذیر ہیں کفار کے لئے کہ اگر کفر پر ہی مرے تو دردناک عذاب قبر و حشر میں ملے گا۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تبلیغ اور کفار کی بے توجہی اور نہ ماننے کا ذکر تھا۔ اور پھر انسان پر رب تعالیٰ کے کرم و انعام کا ذکر تھا اور انسانوں کی نافرمانیوں کا تذکرہ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے پیارے حبیب۔ آپ سے پہلے بہت رسولان عظام نے کفار کو تبلیغ فرمائی اور سب کی تبلیغ یہی توحید و رسالت کی تھی۔ مگر کفار نابہجار نے ان پیاروں سے بھی ایسی ہی بے رخی و تکبرانہ روش اختیار کی۔ ان انبیاء میں سب سے پہلے نوح علیہ السلام کو یہ بے رخی برداشت کرنی پڑی۔

تفسیر نحوی اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ۔ اَلَّا دراصل اَنْ لَا تھا بوقت ادا نون لام میں پوشیدہ ہو گیا کیونکہ حرف نون ذلقیہ ہے اور حرف لا بھی ذلقیہ ہے جب دوسرے حرف ذلقیہ سے مل کر آئے تو پہلا حرف دوسرے میں مدغم ہو کر چھپ جاتا ہے۔ اَنْ مصدریہ زائدہ ہے لا نہی کا ہے تعبدوا عَبْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی کسی کو خدا سمجھ کر اطاعت کرنا عبادت کہلاتا ہے اِلَّا حرف استثنا نے ماقبل نہی کو توڑ کر امر پیدا کیا اللہ اسم ذاتی ہے معبود حقیقی کا اِنِّیْ یہ جملہ استینافیہ ہے شروع کلام کی وجہ سے اِنَّ آیا یاءِ متکلم ضمیر کا مرجع نوح ہیں اَخَافُ خَوْفٌ سے مشتق ہے بمعنی پریشانی عذاب سے مراد خدائی سزا یوم بمعنی زمانہ الیم اَلَمٌ سے مشتق ہے بروزن کریم صیغہ صفت مشبہ فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ۔ ف تعقیبیہ قَالَ جواب ہے پہلے مقولے کا ف لام تعظیمی ہے۔ مَلَأٌ مصدر میمی بمعنی مفعول ہے۔ لغوی لحاظ سے بمعنی بھرا ہوا یعنی رعب ہیبت اور غرور و تمکنت سے بھرے ہوئے لوگ اصطلاحاً بڑے سرداروں کا گروہ اَلَّذِيْنَ جمع موصول نے مَلَأ کے عموم کو ختم کر دیا كَفَرُوْا کا پورا جملہ صلہ ہے مِنْ تبعیضیت کا ہے قوم بمعنی رشتے دار مَا نَرٰىكَ ماضی کا مَا نافیہ نحذف تا نون مضارع جمع متکلم پر آیا كَ ضمیر واحد حاضر متصل کا مرجع حضرت نوح ہیں اِلَّا حرف استثنا نے سابقہ ماقبل کی نفی توڑ کر ما بعد کا ثبوت پیش کیا بشرًا بَشَرٌ سے مشتق ہے بمعنی ظاہری جسم مِثْلَنَا مثل کے معنی مشابہت منصوب ہے اور نا سے مراد ہیں گروہ کفر وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِىَ الرَّاْىِ ۔ واؤ عاطفہ ہے پہلے مانری

پر عطف ہے نَرَا جمع متکلم ہے بمعنی آنکھ سے دیکھنا اور پہلا مانری قلبی عقلی دیکھنا مراد ہے کہ ضمیر کا مرجع حضرت نوح ہیں اِتَّبَعَكَ یہ جملہ فعلیہ حال ہے ماقبل فعل کا اَلّا حرف استثنا بمعنی غیرَ ہے الذین اسم موصول محل ثبوت میں آیا ھم ضمیر صلہ ہے اَرَاذِلُ جمع ہے رذیل کی اسم تفضیل جمع ہے۔ رذیل کی جمع ارذلون بھی آتی ہے مگر اراذل جمع مکسر لانے کا مقصد کثرت رذالت ہے یعنی بہت ذلیل لوگ جمع سالم افراد کی جمع ہے مگر جمع تکسیر میں جمعیت کے ساتھ ساتھ وصف کی شدت بھی ہوتی ہے بعض نے کہا یہ جمع الجمع ہے یعنی اراذل جمع ہے اَرْذَلُ کی اور ارذل جمع ہے رَذْلٌ کی۔ مگر یہ خلافِ قیاس ہے۔ اراذل سے مراد گھٹیا بے عقل لوگ نا کا مرجع مَلَأٌ ہے بَادِیَ بَدُوٌّ یا بَدْوٌ سے مشتق ہے بَدْوٌ کے معنی سرسری نظر بغیر غور و فکر بَدَءٌ کے معنی ہیں پہلی نظر اَلرَّاْیِ بمعنی نظر و مَا نَرٰی لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۭ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ۔ یہ جملہ نتیجیہ ہے واؤ سرجملہ ما نافیہ نَرَا مضارع جمع متکلم اس کا مرجع مَلَأٌ ہے لام ملکیت کا ہے کُمْ ضمیر کا مرجع امتی اور نبی سب ہیں علیٰ فوقیت میں اپنے اصل معنیٰ پر ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع مَلَأٌ ہے مِن حرفِ جر تبعیضیہ ہے فضل بمعنی دنیوی دولت طاقت سرداری وغیرہ بل حرف عطف ہے بمعنی اِنَّ اور تبدیلی غرض کے لئے ہے نَظُنُّ۔ نَظُنُّ ظن سے مشتق ہے بمعنی گمان۔ وہم۔ یقین یہاں بمعنی یقین ہے کیونکہ بل بمعنی اِنَّ ہے کُمْ کا مرجع وہی مسلمان ہیں كٰذِبِيْنَ جمع اسم فاعل ہے کَاذِبٌ کی کذب سے مشتق ہے بمعنی حقیقت کے خلاف دکھانا یا کہنا کاذبین میں انکا فروں نے سب کو شامل کیا کہ حضرت نوح خود کو نبی مانکر اور امتی آپکو نبی کہہ کر اور نبی مان کر کاذب ہوئے قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ ۔ قال کا فاعل حضرت نوح ہیں اگلا جملہ قال کا مقولہ ہے یا حرفِ ندا قریب وبعید دونوں کے لئے آتا ہے یہاں یاءِ متکلم پوشیدہ کی گئی تخفیف کے لئے اَرَاَیْتُمْ یہ جملہ سوالیہ ہے مخاطب کافر ہیں اِن حرف شرط کنتُ فعل تامّہ ہے فاعل نوح ہیں علیٰ بمعنی مع ہے بَیِّنَہ بَیْن سے مشتق ہے بمعنی روشنی ظاہر و صاحت کی محتاجی نہ ہو۔ مِن بمعنی طرف سے رَبِّیْ خالق و معبود حقیقی واؤ عاطفہ آتانی آتا ماضی مطلق اتی سے مشتق ہے بمعنی دور سے دینا بغیر طلب دنیا اور عطا بمعنی قریب سے دنیا طلب سے دینا نون وقایہ ہے۔ یعنی بچانے والے نون اس نون نے اتا کے آخری الف اور یاءِ متکلم کے کسرے کو بچالیا رحمۃ بمعنی ہر طرح ہر وقت فائدے مند چیز یہاں مراد نبوت ہے کہ وہ بھی ہر طرح ہر وقت فائدے مندی ہے مِن بمعنی طرف سے عند اسم ظرف ہے یہ پانچ معنی میں مستعمل ہوتا ہے ۱ زمان ۲ مکان ۳ سامنے خواہ کتنی ہی دور ہو اسی کو حضور کہتے ہیں ۴ مقابل اسی سے عنید ہے بمعنی باغی سرکش ۵ ملکیت یا مقبوضہ ۶ قرب جسمانی خواہ سامنے یا پیچھے یا دائیں بائیں۔ اسی کو قرب مکانی بھی کہتے ہیں یہاں یہی مراد ہیں ہٖ کا مرجع ذات باری تعالٰے ہے فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ ف تعقیبیہ یا جزائیہ ہے عُمِّیَتْ باب تفعیل کا ماضی مجہول ہے عَمْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی اندھا ہونا۔ اندھا کیا جانا۔ یہاں قلب و شعور ہوش و خرد کا اندھا کیا جانا مراد ہے۔ علیٰ اپنے اصل معنیٰ یعنی فوقیت کے لئے ہے کُمْ سے مراد تمام

نافرمان قوم نوح ہے اَنُلۡزِمُکُمُوۡهَا وَاَنۡتُمۡ لَهَا كٰرِهُوۡنَ یہ جملہ استفہام انکاری ہے اَ ہمزہ سوالیہ بمعنی کیا یہ جملہ جواب شرط کے قائم مقام ہے جو پہلے اَرَءَیۡتُمۡ میں گذری۔ بعض نے کہا یہ عبارت۔ ان کُنۡتُ کا مفعول بہ ہے۔ مگر میرے نزدیک پہلا قول قرین قیاس ہے نُلۡزِمُ فعل مستقبل معروف باب افعال متعدی بدو مفعول کُمُوۡ ضمیر جمع مذکر حاضر اپنی اصلی شکل میں ہے واوٗ واوٗ وصیلہ نہیں جیسا کہ بعض حُمقا نے کہا بلکہ اصلیہ ہے کثرت استعمال کی وجہ سے تخفیف کے لئے گر گئی تھی اب یہاں آ گئی واپس ہوکر۔ ھا ضمیر مونث کا مرجع رحمت ہے۔ واوٗ حالیہ ہے۔ انتم ضمیر جمع حاضر کے مخاطبین کفار ہیں۔ کُمۡ اور اَنۡتُمۡ دونوں ضمیریں جمع مذکر حاضر ہیں مگر پہلی متصل ہے اور اَنۡتُمۡ منفصل ہیں لام مفعولیت ہے کٰرِهُوۡنَ اسم فاعل جمع کا صیغہ بمعنی حال کُرۡہٌ سے مشتق ہے بمعنی نفرت۔

تفسیر عالمانہ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ ۔ میں تمہارے لئے نذیر اس لئے ہوں کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ واحد کی اگر تم نے میری بات نہ مانی اور بت پرستی شراب فحاشی سے باز نہ آئے تو بے شک میں خوف کرتا ہوں تم پر ایک دن دردناک عذاب کا یا دردناک خطرناک دن کے عذاب کا۔ یہ جملہ بیان ہے نذیر ہونے کا خوف بمعنی پریشانی اور غم اندیشہ الیم یا یوم کی صفت ہے تب پہلا ترجمہ ہے یا عذاب کی صفت ہے تب زیر پڑھنا حقِ جوار ہے الیم بمعنی مُؤلَم ہو تو بندے کی صفت ہے اور بمعنی مُؤلِم ہو تو اللہ کی صفت ہے نوح علیہ السلام کو جب تبلیغ کی اجازت ملی اور آپ نے پہلی تبلیغ فرمائی تو اس دن ان کی عید کا دن تھا حضرت نُوح نے سب لوگوں کو وہاں عید گاہ میں اس طرح جمع پایا کہ شراب پی رہے ہیں کچھ بتوں کی پوجا میں مشغول ہیں اور نوجوان امراء ہر طرف ظاہر ظہور بے پردہ کتوں کی طرح زنا کاری میں مشغول ہیں تب آپ نے یہ تبلیغ فرمائی تَعۡبُدُوۡا عَبۡدٌ سے مشتق ہے جس کا مطلب معبود سمجھ کر حکم ماننا لہٰذا اس میں پوری شریعت کے حکم شامل ہیں۔ عبادت صرف سجدہ ریزی کا نام نہیں (روح البیان۔ کبیر۔ معانی۔ خازن) قوم نوح علیہ السلام نے اپنے پہلے چار بزرگوں کے نام پر چار پتھر کے بت بنائے ہوئے تھے ۱ وُدٌّ ۲ سواع ۳ یعوق ۴ نسر ان میں تین بت مذکر کی شکل میں تھے اور نسر بت عورت کی تصویر میں تھا۔ اوّلاً شیطان نے ان انسانوں کی تصویریں بنا کر ان کو دیں بعدہٗ پرستش پر چلایا تو اس طرح پہلی مرتبہ دنیاءِ انسانیت میں غیر خدا کی پوجا شروع ہوئی۔ جب حضرت نوح نے کفار کی عید گاہ میں پہلی دفعہ ایسا دلخراش واقعہ دیکھا تو آپ نے تبلیغ دین کے سلسلے میں ان کے خلاف اس طرح آواز اٹھائی اور بدکاری۔ پست، اخلاق سے روکا۔ لفظ یوم چونکہ نکرہ موصوفہ ہے اس لئے عام ہے اس بات کو کہ عذاب دنیا ہو طوفانی شکل میں یا عذاب آخرت ہو جہنم کی صورت میں۔ جب عذاب مطلق سے ڈرایا تو سب لوگ آپ کے پاس جمع ہو گئے اور بڑے لوگ ان کے نمائندہ حیثیت سے پیش ہوتے فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ ۔ تو کہا ان لوگوں کے سرداروں امیروں رعب ڈالنے والوں نے جو کافر تھے حضرت

نوح کی قوم ہیں کہ ہم تو آپ کو اپنے جیسا ہی کھاتا پیتا چلتا پھرتا سوتا جاگتا دیکھتے ہیں سب کچھ ہماری طرح کرتے ہو صرف فرق اتنا ہے۔ ہماری مجلسوں میلوں عیدوں میں شامل نہیں ہم سے دور۔ دور رہتے ہو بھلا ایسا شخص نبی ہو سکتا ہے۔ اور ہم نے آپ کی سابقہ زندگی میں یہی دیکھا ہے کہ آپ کے پاس گھٹیا قسم کے ذلیل لوگ۔ مزدور غریب بیوقوف لوگ ہی آتے جاتے اور مجلسوں کی رونق بنے رہتے ہیں۔ کسی امیر رئیس سردار قوم کو آپ کے پاس آتے آپ کی ملاتے نہیں دیکھا۔ آتے جاتے گزرتے ہماری اچٹتی نگاہیں تو یہی دیکھتی ہیں۔ یا ہمارے دل یہی محسوس کرتے ہیں کہ جن ریلی موچیوں جلاہوں کو ہم اپنی جوتیوں میں بھی نہیں بیٹھنے دیتے آپ ان پر بڑی شفقت کی نظر رکھتے ہیں۔ یا یہ کہ ان رذیلوں نے آپ کی اتباع بادی الرای یعنی بلا سوچے سمجھے کرلی اس لئے کہ ان کے پاس سوچنے والی عقل ہی نہیں۔ عقل و خرد والے ہم ہیں۔ ہماری عقل کہتی ہے کہ ہم آخر آپ کو کیوں مانیں جبکہ حالت یہ ہے کہ مَا نَرٰی لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ۔ ہم کوئی ایسی فضیلت بھی آپ سب میں نہیں دیکھتے جس سے لازم آتے کہ ہم آپ کی اتباع کریں نہ آپ لوگوں کے مال ہم سے زیادہ ہے نہ طاقت ہے نہ عقل و خرد ہے جس سے ہم کو پتہ اور ثبوت ملے کہ واقعی آپ لوگ ٹھیک راستے پر ہیں۔ ان باتوں کو سوچتے ہوتے ہم کو یقین ہو چلا ہے کہ آپ لوگ جھوٹے ہیں کہ آپ خود دعوئے نبوت میں اور وہ غریب عوام آپ کی تصدیق میں جھوٹے ہیں یہ تھا پہلا مقابلانہ مجادلانہ مناظرانہ قومِ نوح کا کلام اور گفتگو۔ تبلیغ کو سن کر قوم نے نہ ماننے کے لئے تین عذر اور شبہے پیش کئے پہلا یہ کہ نبوت اور خدائی پیغامبری اور دعویدار انسان نہیں ہو سکتا یا فرشتہ ہو سکتا یا جنات سے ہو یا عجیب مخلوق ہو۔ جو ہم میں ہی پیدا ہوا پلا بڑھا وہ کس طرح نبی ہو سکتا ہے۔ دوسرا یہ کہ۔ نبی کے پاس تو بڑے اونچے لوگ ہونے چاہئیں جس سے وہ قوت حاصل کرے اور خدائی تبلیغ کو بزور سرداری چلائے اور چونکہ سرداروں کی دوستی کے لئے۔ سرداری۔ دولت۔ قوت۔ چوہدراہٹ ہونا ضروری ہے۔ اس لئے انہوں نے تیسرا شبہ پیش کیا کہ تم لوگوں کے پاس نہ مال و دولت ہے نہ سرداری کی قوت و طاقت ہے پھر کیوں اپنے کو اس لائق سمجھ رہے ہو کہ ساری جہان تمہاری اتباع کرے جس کے پاس یہ تین حیثیتیں ہوں۔ وہ قابل اتباع نبی ہو سکتا ہے۔ اگر اللہ نے نبی بھیجنا ہوتا تو ہم میں سے کوئی رئیس قوم یا سردار ہوتا۔ یا کوئی فرشتہ آتا تمہارے پاس یہ بڑائیاں نہیں لہٰذا تم اپنے دعوے اور تصدیق میں جھوٹے ہو۔ مَلَأٌ سے مراد دولت و طاقت سے بھرے ہوتے لوگ۔ بَشَرًا سے مراد ظاہری گوشت پوست کے جسم والے مثل سے ظاہری مشابہت مراد ہے۔ اَرَاذِلُ جمع ہے رذیل کی مراد مزدور پیشہ لوگ تیلی نائی موچی وغیرہ۔ فضل سے مراد دنیوی زیادتی ہے مال و دولت قوت سرداری وغیرہ اس مناظرے کے وقت ایسی حالت تھی کہ تمام کفار بڑے چھوٹے نوجوان بوڑھے گھیرا ڈال کر کھڑے ہوتے اور مغرور متکبر رئیس لوگ محض حضرت نوح کو پریشان کرنے شکست دینے اور تبلیغ بند کر دینے کے لئے ایسی باتیں کر رہے ہیں۔ یہ تینوں باتیں مختلف روٴسا امراکی ہیں (تفسیر کبیر۔ صادی جمل خازن۔ مدارک مظہری۔ سراج منیر۔ مقباس) نوح

علیہ السلام تنہا ہیں یہاں شان نبوت کا اور قوت نبوت کا پتہ چلتا ہے۔ کہ جانتے ہیں کہ کفر کی سب قوتیں مخالفت میں جمع ہوگئی ہیں مگر بے انتہا دلیری نہایت اطمینان عجیب تمکنت ہے کہ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَاَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّیَتْ عَلَیْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ۔ حضرت نوح نے کافر قوم کا انتہائی احمقانہ جاہلانہ متکبرانہ بے باکانہ۔ گستاخانہ کلام سن کر بہت ہی نرمی اور محبت سے ایسا جامع مانع فصیح بلیغ جواب فرمایا کہ جس کی مختصر عبارت سے کفار کے تینوں شبہوں کا جواب ہوگیا۔ فرمایا اے میری قوم۔ کتنا محبت کا کلام ہے کہ دشمن کو پیار سے اپنا فرما رہے ہیں۔ تم دل کی گہرائیوں سے سوچو اور پھر مجھے بتاؤ۔ کہ اگر میں اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے عظیم ایمانی روشنی کے ساتھ ہوں جس سے مجھ کو پتہ لگ گیا ہو کہ تمہاری بدکاری بد اعمالی کا انجام کیا ہونے والا ہے۔ اور یقیناً اللہ نے مجھ کو نبوت عطا کی ہو کیونکہ عطاءِ نبوت کا معیار وہ نہیں جو تم نے سمجھا کہ فرشتہ ہو یا رئیس قوم ہو۔ سردار ہو۔ جابر حاکم ہو۔ پھر وہ نبوت تم پر پوشیدہ کر دی گئی ہو تاکہ تمہارا ایمان بالغیب رہے۔ پھر ضروری نہیں کہ ہر چیز تم کو دکھائی جائے۔ بہت سی اشیاء تم نہیں دیکھتے۔ مگر مانتے ہو۔ تو نبوت کو بھی بن دیکھے مانو۔ بہت سی چیزیں دکھائی نہیں دیتیں محسوس کر کے مان لی جاتی ہیں پھول کی خوشبو۔ ہوا کی موجودگی وغیرہ تو میری نبوت بھی اگرچہ تم سے پوشیدہ ہے۔ مگر میرا کردار میرے عمل۔ میری زندگی کا خاکہ میرا بچپن۔ جوانی۔ بڑھاپے کی دہلیز تمہارے سامنے ہے تم نے صرف میرے کھانے اور بشریت کو دیکھا میرے باطن کی دلکشی کو نہ دیکھا کیونکہ وہ پوشیدہ ہے تو کم از کم اس بے مثل زندگی سے باطنی کیفیات کو محسوس کرتے ہوئے مان لو کہ میں نبی ہوں اور میری تبلیغ سچی ہے۔ اگر تم نے میری ساری زندگی میں میرا کوئی عیب دیکھا ہو تو بھرے مجمع میں بیان کر دو اور اگر تمہارے قلب جانتے ہیں اور یقیناً جانتے ہیں کہ اس کو میری زندگی کا ہر لمحہ تم میں بے مثل ہے تو میری دعوت قبول کر کے بندۂ خدا بن جاؤ۔ ہم کو بڑے سرداروں۔ طاقت ور برادری۔ سرداری اور حکومت کی کیا ضرورت ہے۔ ہم نے تو پیار محبت سے سمجھانا۔ دین کو بزور شمشیر نہیں سمجھایا جاتا وہ تو اخلاقِ کریمانہ سے پھیلتا ہے۔ بھلا ہم محبتِ دین والے آپ لوگوں پر جبر کریں گے ہم پر بس تبلیغ فرض ہے جو ہم کرتے رہیں گے ہم تم کو اپنا پیارا ہی سمجھیں گے اگرچہ تم ہم سے اور ہمارے سچے دین سے نفرت ہی کرو ہمیں مال و دولت کی بھی ضرورت نہیں تاکہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ غریبوں کو دولت سے پھنسایا ہے۔ یا اس لئے کہ تم نے اگر ماننا ہے تو قلبی محبت سے مانو ہماری سچ دھج اور مال و دولت سے مرعوب ہو کر نہ مانو۔ چڑھتے سورج کے سلامی نہ بنو۔ تم ہماری مفلسی غریبی کی بنا پر ہم سے کراہت کرتے ہو تو کئے جاؤ ہم تم کو صرف بتائیں گے اگر تم دین سے کراہت کرتے ہو تو ہم جبر اور قوت نہ دکھائیں گے۔ لہٰذا اے کافرو تم نے جو نبوت کے لئے تین چیزیں لازم سمجھی ہیں وہ غلط ہے نبی کو نہ مال کی ضرورت ہے۔ نہ سرداری کی۔ نبوت رحمت ہے۔ تبلیغ شفقت و پیار ہے۔ غریب کو تم لوگوں کے پاس سے یہ چیزیں نہیں ملتیں اس لئے محبت کے بھوکے غریب عوام میرے دامنِ عافیت میں آجاتے ہیں اور جو محبت و شفقت

انسان انسان کو دے سکتا ہے وہ فرشتہ نہیں دے سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ نبی رحیم شفیق کے روپ میں کامل انسان ہوتا ہے

فائدے اس آیت کریمہ میں چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** سچے دین کا قانون یہ ہے کہ عبادت صرف اللہ تعالیٰ اور اتباع نبی علیہ السلام کی ہو۔ اور کسی کو معبود سمجھ کر اس کا حکم ماننا عبادت ہے۔ نبی سمجھ کر بات ماننا اتباع ہے۔ پیر استاد۔ حاکم۔ ماں۔ باپ سمجھ کر بات ماننا اطاعت ہے لہٰذا نبی ولی کی بات ماننا ان کے حکم کو شریعت سمجھنا شرک نہیں۔ اسی طرح تقلید بھی شرک نہیں یہ فائدہ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡۤا اور اَتۡبَعَكَ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کافر ہمیشہ ظاہر کو دیکھتا ہے مومن باطن کو۔ کافر سمجھتا ہے کہ مومن بیوقوف ہے حالانکہ حقیقتاً مومن ہی اہل عقل اور صاحب بصیرت ہے اور اس نے اصلیت کو دیکھ کر پالیا۔ یہی وجہ ہے کہ کافر نبی کو دیکھ کر گمراہ ہوا مومن صحابی بنا۔ یہ فائدہ بَادِیَ الرَّاۡیِ اور نَظُنُّكُمۡ كٰذِبِيۡنَ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** قوم میں نبی سب سے زیادہ دلیر اور جرأت مند ہوتا ہے اور ساتھ ہی نہایت رحیم کریم و شفیق بھی۔ اگر قوم کی طرف سے اذیت برداشت کریں تو ان کی رحم دلی ہے نہ کہ کمزوری۔ یہ فائدہ قَالَ يٰقَوۡمِ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** کافر کو نبی کی اصلیت نہیں دکھائی جاتی نہ اسرار بتائے جاتے ہیں۔ یہ نعمتیں مومن کو میسر ہیں یہ فائدہ عُمِّيَتۡ میں عَلَيۡكُمۡ کی قید سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** آپ کی تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح کی یہ پہلی تبلیغ تھی اور آیت سے پتہ لگ رہا ہے کہ اس گفتگو سے پہلے بھی لوگ آپ کے متبع ہو چکے تھے اور غریب عوام آپ پر ایمان لاچکے تھے یہ اختلاف کیونکر ہے۔ **جواب** اس آیت میں قولی تبلیغ کا ذکر ہے جو دعوت ایمان کی شکل میں وعظ و نصیحت کے طریقے پر شروع فرمائی گئی جس سے امراء و سرداران کفر کو مائل بہ اسلام کرنے کے لئے ہوئی۔ غریب عوام کا آپ پر پہلے ہی ایمان لے آنا اور آپ کے حکم پر چل کر عبادات میں مشغول ہونا آپ کی عملی پاکیزہ زندگی دیکھ کر متاثر ہو کر تھا۔ گویا کہ اللہ کے نبی کی عملی تبلیغ بچپن سے شروع ہو جاتی ہے۔ جس سے روشن دل خود بخود مائل ہو جاتے ہیں صدیق اکبر کی روشن دلی کی کیا شان ہے وہ تو نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی عملی تبلیغ سے شکم والدہ میں متاثر ہو چکے تھے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فَعُمِّيَتۡ عَلَيۡكُمۡ تم پر نبوت چھپائی گئی۔ سوال یہ ہے کہ نبوت کیوں چھپائی گئی جس کا اقرار کرانا تھا وہ ظاہر ہونا چاہئے تھا۔ اور اگر چھپائی گئی تو انکار پر عتاب کیوں؟ (آریہ ہندو) **جواب** اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں دو طاقتیں پیدا کی ہیں۔ بصارت اور بصیرت۔ بصارت سے دنیا کی ظاہری چیزیں نظر آتی ہیں بصارت ان کو دیکھنے کے لئے بنی ہے ہزاروں چیزیں ایسی ہیں جس کو بصارت نہیں دیکھ سکتی جن کو حواس اربعہ سے جانا جاتا ہے اسی طرح عالم اسرار کی چیزیں بصارت سے نظر نہیں آتیں اس کے لئے رب نے قوت بصیرت عطا کی ہے۔ نبوت عالم اسرار کی چیز ہے۔ کافر چاہتا ہے کہ بصیرت سے نبوت نظر آئے۔ فرمایا گیا عُمِّيَتۡ عَلَيۡكُمۡ تم صرف بصارت کے پیچھے پڑے ہو تم پر یہ پوشیدہ ہے اگر نبوت دیکھنا چاہتے ہو تو قوتِ بصیرت کو استعمال کرو اور چونکہ تم نے قوتِ بصیرت کو استعمال نہ

کیا لہٰذا تم پر عتاب وعذاب ہے **تیسرا اعتراض** پھر عَلَیۡکُمۡ کی قید کیوں لگائی بصارت تو سب کی یکساں ہے مومن ہو یا کافر جب مومن کی بصارت سے نبوت پوشیدہ تو عَلَیۡکُمۡ کہنا غلط ہوا **جواب** جب انسان بصیرت سے ہر چیز کو دیکھنے کا عادی بن جاتا ہے تو بصارت بصیرت کے تابع ہو جاتی اور صاحب بصیرت کی بصارت یعنی آنکھ بھی وہ چیزیں دیکھ لیتی ہے جو محض بصارت والوں کو نظر نہیں آتیں جن فرشتے لوح وقلم پوشیدہ مگر صاحب بصیرت آنکھ سے سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ لہٰذا کافر ومومن کی بصارت میں فرق ہوا۔ مومن کی بصارت سے نبوت واسرار پوشیدہ نہیں بلکہ ع۔ لوح محفوظ است پیش اولیا۔ پس علیکم کی قید بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّا اللّٰهَ اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡكُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ نوح روح نے اپنی قلب قوم کے پاس پہنچ کر ہمارا یہ پیغام سنایا کہ اے میری قوم بدن۔ نفس اور قلب دنیا اور اس کی خواہشات کی عبادت نہ کرو۔ نہ دنیا کے لئے پوجو اور نہ آخرت کے لئے نہ وہاں کے درجات کے حصول اور درکات کے خوف سے عبادت کرو بلکہ صرف اپنے خالق مالک کی خوشنودی کے لئے۔ نہ لقاء الٰہی کے لئے۔ کیونکہ اصل رضاء رب کریم ہے ع

لقاء دوست چہ خواہی رضائے دوست طلب

جب بندے کی عبادت معلول اور علت غیر اللہ ہو تو وہ اللہ کی عبادت نہیں۔ بجز رضا کے سب کچھ مقصود غیریت ہے۔ اہل شریعت کی عبادت طلب ثواب وخوف عقاب سے ہے مگر صوفیا کی عبادت رضاء یار سے ہے۔ اہل معرفت کو رغبت، ایمان اور زہد وطاعت جو مع اللہ یا فی اللہ نہ ہو نافع نہیں۔ کیونکہ اصل ایمان رضاء الٰہی ہے۔ جب وہ راضی تو ثواب وعقاب کا خیال بیکار بلکہ پھر یہی خوف وخوشی گناہ حجاب کبیرہ ہے فَقَالَ الۡمَلَاُ الَّذِیۡنَ كَفَرُوۡا مِنۡ قَوۡمِهٖ مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثۡلَنَا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیۡنَ هُمۡ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاۡیِ وَمَا نَرٰى لَكُمۡ عَلَیۡنَا مِنۡ فَضۡلٍ روح نوح کی پاکیزہ گفتگو سن کر نفس امارہ جو بدنی سردار بنا ہوا تھا اس نے جواباً کفر کرتے ہوئے کہا اے روح تو ہم جیسی ہو کر ہم کو سمجھا رہی ہے ہم تجھ کو اپنا ہی ایک بشری حصہ سمجھتے ہیں۔ یہ بیہودہ جواب اس لئے ہے کہ نفس اور اس کی طبیعت سفلی ہے اور روح اور اس کی طبیعت علوی ہے۔ اعلیٰ ہر شے کو اعلیٰ سمجھ کر اعلیٰ کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے اور سفلی یعنی کمینہ گھٹیا ادنیٰ۔ اپنی خستہ طبعی کی وجہ سے ہر شے کو اپنی مثل ذلیل سمجھتا ہے اس لئے وہ خود ذلالت میں رہ کر اعلیٰ کو بھی اپنی طرف لانے کی خواہش رکھتا ہے۔ اسی لئے کفار کو نبوت کا اعلیٰ مقام کبھی نظر نہیں آتا بلکہ دنیوی نظر سے ہی دیکھتے ہوئے کبھی بشر مثل کبھی ساحر کبھی مجنون سمجھتے ہیں یہ سب نفس کے بندے ہیں۔ اے روح یہ اعضاء بدن جو تیرے کہنے پر چل رہے ہیں یہ سب ہم میں ذلیل ہیں عقل اور فقر سے کورے تیرے سامنے مسحور ہو چکے ہیں اصلیت سے بے خبر ہیں صوفیا فرماتے ہیں بدن انسانی شہر ہے اس کے اعضا اس شہر لَدُنِّیۡ کے عاجز ومغلوب ساکنین ہیں۔ نفس اس پر حکومت کرنا چاہتا مگر روح امر ربی ہے جو اعضاء خاکی کو شریعت کے اعمال کی طرف لاتی ہے اور کامیاب ہوتی ہے کیونکہ اس کی قوت سب سے

زیادہ ہے۔ نفس امارہ اپنی کمینگی کی وجہ سے روح کی دعوت کو قبول نہیں کرتا بلکہ کفر کرتے ہوئے اغراض فاسدہ کی طرف لاتا ہے۔ یہ ہی کام نفس پرستوں کا ہے۔ یہ بدبخت شقاوت ازلیہ کے پردوں میں ہیں اسی لئے انوار جمالِ انبیاء سے بے بصر ہیں اگر کبھی انبیاء کے حال کا ذرہ بھی دیکھ لیں تو حسرت شوق میں مرجائیں۔ انہوں نے ارواح قدس کی قوت کو نہ جانا ان کو عالم جبروت اور سیر ملکوت کا پتہ نہیں۔ ان کے پاس حقیقت بینی اور معرفت وادراک کی قلت ہے۔ اسی لئے صرف ہیکل بشری کو دیکھ سکتے ہیں بغیر تفکر سے دیکھنے والا عقل کے حجاب میں ہے۔ نفس چاہتا ہے کہ اعضائے بدن میرے کہنے پر چل کر ظلم اور گناہ کریں مگر یہ اعضاء جب روح کے حکم پر چل کر نہ کسی کو ستاتے ظلم کرتے ہیں نہ وادی تکبر میں جاتے ہیں بلکہ مسکین بنے شریعت وزھد میں مشغول رہتے ہیں اور اسی کو راہ عافیت سمجھتے ہیں تب نفس اور نفس کے بندے کہتے ہیں بَلْ نَظُنُّكُمْ كَاذِبِيْنَ اے روح اور اس کے تابعدارو ہم تم کو جھوٹا خیال کرتے ہیں یہ عافیت کے دعوے سب جھوٹے ہیں وہ راستہ درست نہیں جس پر تم چل رہے ہو۔ وہاں عزت نہیں عزت تو دولت وسرداری میں ہے۔ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ عَلَيْكُمْ اَنُلْزِمُكُمُوْهَا وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ۔ . . . . مالک عقل وعشق نے کہا کہ اے نفس پرستو کچھ غور کرو کہ اگر میں اپنے رب تعالےٰ کی عنایات و عطیات والا ہوں میرے پاس علم لاہوتی اور رحمت کاملہ کا سرمایہ ہو۔ تم کو عقل ملی ہے۔ سوچنا واجب ہے۔ نبوت مافوق العقل وفطرت ہے اسی طرح مقام روح بھی مافوق العقل وخرد ہے اگر تم پر ظاہریت کا پردہ ہے جس سے باطن تک تمہاری رسائی نہیں نہ تم اس کی خواہش کرتے بلکہ نفرت کے دلدل میں پڑے ہو۔ اس لئے کہ اندھاپا تم پر ڈال دیا گیا ہے ہم اندھوں اور متنفروں پر دیدارِ حق کس طرح اجاگر کر سکتے ہیں۔ یہاں تو طلب صادقہ اور ارادۂ کاملہ والے ہی چل سکتے ہیں۔ جس کی خواہش ہے وہ روحِ شوق کی اِتباع تزکیۂ نفس کرے تاکہ انوارِ عقیدت ظاہر ہوں اور مقامِ قبولیت حاصل ہو۔

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى
اور اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے پر اس دولت نہیں ہے اجر میرا مگر پر اللہ
اور اے قوم میں تم سے کچھ اس پر مال نہیں مانگتا میرا اجر تو اللہ ہی پر ہے
اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ
اور نہیں میں سے ہٹانیوالوں ان لوگوں کو جو ایمان لائے بے شک وہ مومن
اور میں مسلمانوں کو دور کرنے والا نہیں بے شک وہ اپنے رب سے

وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ

ملنے والے ہیں رب اپنے سے اور لیکن دیکھتا ہوں تم کو قوم کہ جاہل ہو تم اور اے میری قوم کون مدد

ملنے والے ہیں لیکن میں تم کو قوم جاہل لوگ پاتا ہوں اور اے قوم مجھے اللہ سے کون

مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾

کرے گا میری مقابل سے اللہ کے اگر چھوڑا میں نے ان کو کیا پس نہیں نصیحت لیتے تم

بچائے گا اگر میں انہیں دور کر دوں گا تو کیا تمہیں دھیان نہیں

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے تین وہموں کا ذکر کیا گیا تھا کہ نمبر ۱ نبی علیہم السلام ہم جیسے بشر ہوتے ہیں ۔۲۔ ان کی اتباع غریب اور بیوقوف لوگ کرتے ہیں۔ ۳۔ انبیاء کو عوام پر کچھ فضیلت نہیں ہوتی۔ ان وہموں کی بنا پر ان کفار کا خیال ہو سکتا تھا کہ شاید نوح علیہ السلام نے ضروریات زندگی پورا کرنے اور دولت حاصل کرنے کیلئے یہ چکر چلایا۔ اب اس خیال کو رد کرنے کے لئے ان آیات میں لَاۤ اَسْئَلُكُمْ سے ان کی تردید کی جارہی ہے اور اپنی صفائی و وضاحت **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں دنیا پرستوں کی کیفیت و عادت بیان کی گئی تھی کہ وہ غریبوں عاجزوں مسکینوں سے نفرت کرتے ہیں اب سیرت پاک انبیاء کرام کا تذکرہ ہے کہ وہ سب سے عاجزوں مسکینوں کو گلے لگاتے ہیں یہ ثبوت ان کی دنیا سے بے رغبتی بے لالچی کا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں دنیا پرستوں کی حالت بیان ہوئی کہ ان کو دولت و عزت دنیا پر بھروسہ اور گھمنڈ ہوتا ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ انبیاء کرام اور ایمان والوں کو فقط اللہ کا خوف اور اسی کا توکل ہوتا ہے۔ یہی ان کی کامیابی کا راز ہے۔

تفسیر نحوی

وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ

واؤ عاطفہ ہے اور پہلے مقولے پر عطف ہے یا حرف ندا قریب و بعید دونوں کے لئے آتا ہے یہاں قرب کے لیے ہے جیسے کہ پہلے قوم سے مراد امت دعوت خواہ رشتے دار ہوں یا شہر والے اس کا کسرہ یاء متکلم کا قرینہ ہے لَاۤ اَسْئَلُكُمْ مضارع منفی کُمْ اس کا مفعول بہ عَلٰی حرف جر سببیہ ہے ہٖ کا مرجع تبلیغ مَالًا اسم جامد ہے۔ مفعول دوم ہے لَاۤ اَسْئَلُ کا اِنْ آٹھ معنی میں مستعمل ہے شرطیہ۔ نافیہ۔ تاکید۔ بمعنی لیکن۔ اذا کے معنی میں بمعنی قد۔ اِذْ کے معنی میں یعنی تعلیلیہ ثاکیدیہ جب حرف اِنْ کے بعد اِلَّا آجائے اور درمیان میں پورا جملہ نہ ہو تو وہ اِنْ نافیہ ہوتا ہے۔ چونکہ شرط نفی کے قریب ہوتی ہے اور اِلَّا نفی اور شرط دونوں کے مخالف ہے اس لئے اِنْ نفی کے معنی ہو کر اِلَّا سے ٹوٹتی ہے بدیں وجہ اِلَّا کا ماقبل اِنْ نفی کا معنی دیتا ہے۔ اسی معنی میں اِنْ یہاں مستعمل ہے۔ اَجْرِیَ مرکب

اضافی یہاں یاءِ متکلم کو اس لئے باقی رکھا تاکہ اگلی ہمزہ مکسورہ کا تعلق دور ہو یٰقَوْمِ میں یہ بات نہ تھی وہاں خود یاءِ متکلم سے ثقل تھا۔ اِلَّا حرفِ استثنا بمعنی لٰکِنْ علی لزوم کے لئے اللہ ذاتی نام ہے رب کریم کا صحیح تر یہ ہے کہ لفظ جامد ہے۔ واؤ عاطفہ ہے معطوف علیہ یٰقَوْمِ کا پورا جملہ ہے مَا نفی کا ہے حرف عاملہ ہے انا ضمیر متکلم اس کا اسم ہے۔ ضمیر کا مرجع حضرت نوح بازائدہ ہے یا بیانیہ۔ زائدہ وہ ہوتا ہے جو حکم نہ لگا سکے عمل بہر حال کرے گا طارد اسم فاعل طرد سے مشتق ہے بمعنی دور کرنے والا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کے لئے ہے مفعول بہ ہے طارد کا اٰمَنُوْا پورا جملہ فعلیہ بن کر صلہ ہے اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ واؤ ہر جملہ لٰکِنَّ حرفِ مشبہ استدراک کے لئے یاءِ متکلم اس کا اسم منصوب اَرٰی پورا جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے اَرٰی رویت سے مشتق ہے معنی سمجھنا عقل سے دیکھنا کُم سے مراد کفار ہیں قومًا سے مراد وہی جہلا سردار تَجْهَلُوْنَ مضارع معروف جہل سے مشتق ہے۔ بمعنی ضدی بے علم۔ ظلم کرنا حق مارنا۔ بدسلوکی کرنا۔ نادانی سے بناوٹی جہل بنے رہنا یہ سب معنی بن سکتے ہیں یہاں آخری معنی زیادہ موزوں ہیں۔ وَیٰقَوْمِ مَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ واؤ عاطفہ ہے یہ تیسرا مقولہ ہے قال کا یاقوم دراصل قومی تھا یاءِ متکلم کو گرادیا خفت کے لئے مَنْ موصولہ نے اس سارے اگلے جملے کو سوالیہ بنا دیا لفظ مَنْ صرف عقل والوں کے لئے مستعمل ہے بخلاف مَا موصولہ کے کہ وہ بوقت ضرورت ہر دو کیلئے ہے یَنْصُرُ مضارع معروف نَصْرٌ سے مشتق ہے اس سے مراد وہ مدد ہے جو مشکلات کو دور کرنے سے ہو عَوْنٌ وہ مدد جو کچھ دے کر کی جائے فَتْحٌ وہ مدد جو دشمن کے مقابل کی جائے ظَهْرٌ۔ وہ مدد جو کسی کو قوت دے کر کی جائے نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم یَنْصُرُ کا مفعول بہ ہے مِنْ حرف جر تقابل کے لئے لفظ اللہ ذاتی نام ہے مجرور ہو کر متعلق ہے یَنْصُرُ کا اِن حرف شرط یہ اگلا جملہ شرطیہ اس کی جزا مَنْ یَّنْصُرُ کا جملہ مقدم ہے طَرَدْتُ واحد متکلم ضمیر کا مرجع حضرت نوح طَرْدٌ بمعنی دور کرنا سے مشتق ہے ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع فقرا مومنین ہیں۔ اَ یہ ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ف تعقیبیہ ہے لَا تَذَكَّرُوْنَ مضارع معروف منفی ہے بمعنی حال ذِکْرٌ سے مشتق بمعنی نصیحت پکڑنا۔ غور کرنا۔ یاد کرنا یہاں غور کرنا مراد ہے باب تفعّل طلب کے لئے ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَیٰقَوْمِ لَاۤ اَسْــٴَـلُكُمْ عَلَیْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ حضرت نوح علیہ السلام نے کفار کے تین شبہوں کا پہلے مختصر الفاظ اور نوعیت سے دیا اب انکے چوتھے قلبی اندیشے کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ اے میری قوم میں رسالت کی یا اپنی اس کارکردگی پر تم سے کوئی اجرت مال و دولت نہیں مانگوں گا۔ کہ تم سمجھو کہ شاید مسلمان ہوگئے تو ہم کو ایمانی ٹیکس دینا پڑے گا یا یہ مال جمع کرنے کے لئے ایسی تبلیغ کر رہے ہیں نہیں ہرگز نہیں ہم کو مال کی کوئی خواہش کوئی ضرورت نہیں ہم تو تم کو سچی راہ پر دیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ رہا اس محنت کا اجر تو وہ صرف اللہ تعالٰے کے ذمۂ کرم پر ہے۔ اسی سے امید یقینی ہے کہ وہ ہم کو اچھا اجر عطا فرمائے گا لہٰذا ادھر سے مطمئن ہو جاؤ۔ تمہاری دولت کو کوئی نہیں چھیڑے گا اور پھر اے لوگو تم ہم کو اجرت دے کیا سکتے ہو۔ ہم تم کو بذریعہ ایمان

حیات جاودانی دیریہے گیا اور تم بجز فانی چیز کے کیا دے سکتے ہو۔ اجرت تو بحیثیت کام کے ہوتی۔ اسی لئے ہماری اجرت سوائے رب کے کوئی نہیں دے سکتا جب چیز جاودانی ہے تو اجرت بھی جاودانی ہونی چاہیئے۔ اس آیت میں قوم نوح کے پہلے تین شبہات کا جواب دیا گیا مگر دوسری نوعیت کے کہ اے کافرو تم نے کہا کہ آپ ہم جیسے بشر ہیں۔ تم لوگوں نے ہم کو اپنے جیسا سمجھا اگر ہم تمہاری مثل ہوتے تو مال و دولت کے حریص دنیا پرست عیش میں پڑے ہوتے۔ ہم بھی ہر وقت دنیا میں مشغول رہ کر مال جمع کر سکتے تھے۔ مگر ہم کو ان اشیاء کی خواہش نہیں جس سے صاف ظاہر ہے کہ ہم تمہاری مثل نہیں۔ تم کو اس پر بھی اعتراض ہے کہ غریب مفلس عوام ہم پر ایمان کیوں لائے اور ہم نے ان کو اپنے سینے سے کیوں لگا لیا۔ تو یاد رکھو کہ چونکہ ہم کو مال دنیا کی کوئی حاجت نہیں ہم تو صرف رب کریم کے دروازے پر جھکنا اور جھکانا چاہتے ہیں لہٰذا وہی ہم کو پیارا ہے جو رب کا بندہ بن جائے خواہ غریب ہو یا امیر۔ اگر ہم لوگ مال کے طالب ہوتے تو سب سے پہلے امرا کے دروازے کھٹکھٹاتے اور ان کو اپنا بنانے کی کوشش کرتے۔ جیسا کہ جھوٹے مدعیوں کا طریقہ ہے۔ ہم بھی غریبوں کو پاس نہ آنے دیتے کہ ان سے کیا ملنا ہے بلکہ اوپلے سے کھلانا پڑتا ہے ہمارا نمونہ کردار ہی بتا رہا ہے کہ لَآ اَسْئَلُكُمْ مَالًا تمہارا فاسد اور غلط خیال ہے کہ نبی کو دولت مند ہونا چاہیئے اور دنیوی فضیلتوں والا ہونا چاہیئے کیونکہ انبیاء کرام کو جو فضیلتیں رب تعالیٰ کی طرف سے ملی ہیں اس کے سامنے دنیا کی ہر چیز ہر فضیلت ہیچ ہے نہ ہم کو پہلے مال کی حاجت تھی نہ اب ہے۔ آئندہ اگر تم مسلمان ہو گئے تو بھی تم سے مال نہ مانگیں گے۔ میری یہ مشقتیں اور محنتیں اور تمہاری یہ زبان درازیاں طعنے بازیاں اس لئے برداشت نہیں کر رہا ہوں کہ تم سے کوئی لالچ ہے بلکہ میرا اجر تو اللہ کے پاس ہے۔ لہٰذا چونکہ میں لالچی نہیں اسی لئے کسی دولت مند کا مجھ کو خوف نہیں نہ کسی کے دباؤ میں آنے والا ہوں نہ تمہاری ناجائز بات مانوں گا اگر تم غریب عوام مخلص مومنوں سے نفرت کرتے ہوئے یہ کہو کہ میں ان کو اپنے دامن سے دور کر دوں تو یہ خواہش فضول ہے کیونکہ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ۔ اور میں ہرگز ہٹانے والا نہیں اپنے ان پیارے مخلص مومنوں کو جو سب کچھ چھوڑ کر تمہاری دشمنی مخالفت کی پرواہ کئے بغیر تن من دھن کی بازی لگا کر میرے اور صرف میرے ہو گئے۔ مومن ہوئے صحابی بنے اور اللہ کے سچے بندوں میں اپنا نام لکھایا نبی کا آستانہ ہی تو ان ٹھکرائے ہوؤں ٹوٹے دلوں کا سہارا ہے۔ اور نبی کی آنکھوں کی ٹھنڈک تو یہی غریب مزدور محنت کش مومنین ہیں ان کے بارے تم کہتے ہو کہ میں ان کو اپنے قرب سے ہٹا دوں کیسا غلط مطالبہ ہے تم جیسے ہزاروں ان پر قربان کر دوں گا چھوڑ دوں گا مگر ان کو اپنے قرب سے دور نہ کروں گا اور پھر وہ بھی تو مجھ سے دور نہیں ہونا چاہتے وہ تو کہتے ہیں کہ شعر

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندۂ پاک
ہم نبی کس کو بنائیں جو خفا تم ہو جاؤ

ان کا قرب میرے لئے باعث شرم نہیں بلکہ باعث فخر ہے۔ شعر

نظر کردن بدرویشاں منافی بزرگی نیست
سلیماں با چناں حشمت نظرھا بود باموش

(روح البیان) میری اس محبت وشفقت وپیار نے ان کو اس معراج پر پہنچایا کہ مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ اپنے رب سے دنیا میں روحانی اور آخرت میں جسمانی طور پر قرب حضوری کے ساتھ ملنے والے ہیں جس کو اللہ تعالےٰ دور نہ کرے میں کس طرح دور کردوں۔ ہاں البتہ ایسے بیہودہ متکبرانہ مطالبے کرکے تم اپنی ہی جہالت ثابت کررہے ہو کہ ان پیاروں سے نفرت ہے اور دنیا پرستی سے محبت ہے تم کو تو چاہیئے کہ ان کے دل جیت لو ان سے دعائیں کراؤ کہ یہ رب کے پیارے بن چکے ہیں جو نعمتیں ان کو ملی ہیں وہ تم بھی پالو اور دنیا و آخرت کے خوش قسمت بن جاؤ مگر تم بجائے سعادت کے راہ پر آنے اور اپنی ان چرب زبانیوں سے اور زیادہ گمراہی میں جارہے ہو میں سمجھ گیا کہ تم نری جاہل قوم ہو۔ یہ ہے نبی کی دلیری بے خوفی سرکش امراء دشمنوں کے سامنے کیسی سخت گیر گفتگو فرمارہے ہیں اور یہ ہے تبلیغ کا سچا طریقہ کہ مجرم سے پیار ہے اور پیارے پر لطف خطاب سے یا قوم کہہ کر اظہار محبت فرمارہے ہیں کہ اے لوگو تم میرے ہو۔ میرے ہو کر کدھر بھٹک رہے ہو۔ آؤ میرے پاس میرا دامن عافیت کھلا ہوا ہے۔ یہاں دنیا و آخرت کا آرام ہے۔ مگر جرم سے نفرت ہے کہ جہالت کی گندگی دور کرو۔ گویا کہ یہ سخت گفتگو زخم کا نشتر ہے اور یٰقَوْمِ زخم کا مرہم تم پر جہالت کے پردے پڑے ہوئے ہیں لہٰذا تم اللہ کی عظمت اس کی ربوبیت کی لذت اس کی وحدانیت کا قرب نہیں پا سکتے۔ یا یہ مطلب ہے کہ میں تم کو صرف طعنے باز اور غریبوں کو ستانے والی متکبر اور مغرور قوم سمجھتا ہوں جہالت کا معنی ستانا اور مذاق کرنا بھی ہے۔ بس یہی وجہ ہے کہ تم کو ہدایت سعادت نصیب نہیں ہوتی۔ تم دنیا کے مردار خور یہ مومنین شمع رسالت کے پروانے۔ پروانہ شمع پر قربان تو ہوجاتا ہے تڑپ کر جان تو دے دیتا ہے مگر اپنے محبوب شمع کی جدائی گوارا نہیں کرتا۔ تو سمجھ لو کہ تمہارا یہ مطالبہ کتنا ظالمانہ جاہلانہ ہے اگر خدانخواستہ میں تمہاری بات مان کر ان محبوبوں پیاروں مخلص مومنوں کو اپنے پاس سے ہٹا دیتا ہوں جن کو تم محض ضد۔ عناد۔ غرور و دولت سے۔ غلیظ قابل نفرت سمجھتے ہو تو۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ اے میری قوم مجھ کو ذرا یہ سمجھاؤ کہ یہ مومنین تو میری محبت کی بنا پر قرب الٰہی میں آگئے۔ اب اگر تمہارے مطالبے کی بنا پر ان کو میں دھتکار دوں یا تمہاری خاطر مجلس سے ان پروانوں کو ہٹا دوں تو کیا مجھ کو تین طرح نقصان نہ ہوگا؛ ایک یہ کہ اگر یہ درد فراق میں روتے ہوئے اللہ سے میری عاشقانہ محبوبانہ شکایت کردیں اور اللہ ان ٹوٹے دلوں فریادیوں کی فریاد کی بنا پر مجھ پر عتاب فرمائے تو کون میری طرف سے صفائی پیش کرے گا اور کون میرے رب تعالےٰ کے حضور مدد کرے گا دوسرا یہ کہ تم تو میرے بنے نہیں ابھی بننے کا وعدہ ہی کررہے ہو اور وہ بھی ہزار شرطوں نخروں

کے ساتھ۔ ان کو میں دور کردوں تم پھر بھی نہ مانو اور میرے نہ بنو اور بنے بھی تو ساری عمر مطالبے ہی کر کر کے دین کو کھیل بنادیا۔ تو پھر ہیں اللہ کے دین کی مدد کے لئے سچے مخلص کہاں سے پاؤں گا تیسرے یہ کہ تم کافر ہو۔ وہ سچے مومن۔ خدائی قانون ہے کہ کافر فاسق کی ذلت اہانت واجب ہے مومن مخلص کی عزت وتکریم وشفقت واجب تمہارے اس مطالبے کے تسلیم کرنے میں۔ تمہارے لئے ان کو نکالنا۔ تمہاری یعنی کفر کی عزت ہوگی اور مومن کی ذلت حالانکہ یہ سراسر لغزش اور خطا ہے ان باتوں میں تم لوگ غور کیوں نہیں اور ایسا کیوں نہیں کرتے کہ بغیر مطالبے کے مومن بن کر بارگاہِ حاضرین میں شامل ہوجاؤ اور خود ہی نصیحت پکڑ لو اور پھر دیکھو یہ غریب عوام مخلص مومن ہونے کی وجہ سے تمہارے کس طرح مددگار اور دست وبازو بنتے ہیں۔ ان سے محبت کر کے ان کو اپنے سینے سے لگا کے تو دیکھو۔ حدیث پاک میں ہے کہ فقراء ومساکین سے محبت انبیاء مرسلین کے اخلاق ہیں اور ان کی مجلسوں سے نفرت ان سے بُغض منافقوں کے اخلاق ہیں (روح البیان۔ کبیر۔ معانی۔ صاوی۔ مدارک مظہری۔ تفسیر الحدیث۔ خازن۔ جلالین سراج منیر) یہ آیت حضرت نوح کی سابقہ سخت گفتگو کی وجہ بیان کر رہی ہے سوالیہ طریقہ پر اشارہ یہی ہے کہ تم لوگ دولت کے نشے میں عقل سے کام نہیں لیتے نرے جاہل بنے پھرتے ہو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** بے غرض بے لالچ انسان ہمیشہ قوم میں عزت کا مقام حاصل کرتا ہے۔ دنیا کی بے رغبتی سے تین کمال حاصل ہوتے ہیں ۱ بہادری ۲ قوم میں عزت وقار ۳ فتح مندی۔ یہ فائدہ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ فرمانے کے بعد نوح علیہ السلام کی دلیرانہ سخت گیر گفتگو سے حاصل ہوا۔ کہ پہلے آپ نے اپنی بے غرض مال دنیا سے بے رغبتی کا ذکر فرما کر ان کی سرزنش کی جس کا ایسا رعب پڑا کہ کفار باوجود قوت وطاقت اور جتھے کے۔ کڑوی کسیلی باتیں سنتے رہے مگر کوئی نازیبا حرکت کی جرأت نہ پا سکے۔

دوسرا فائدہ اس واقعہ سے مبلغین اسلام اور علماءِ کرام کو نصیحت اور طریقے تبلیغ سیکھنا چاہئیے کہ انبیاء کرام کے نقش قدم پر چل کر علماء کو دنیا سے بے رغبتی چاہیئے اور امراء کی مجلسوں صحبتوں سے پرہیز چاہیئے۔ دیکھو حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے۔ سب مطالبے کرنے والوں کی مجلس اور صحبت کو ٹھکرا کر غریب مومنوں کی صحبت ومجلس کو پسند فرمایا **تیسرا فائدہ** باری تعالےٰ رب العزت کو اپنے پیارے حبیب کی دلجوئی بہت محبوب ہے دیکھو حضرت نوح اور انبیاء کرام سابقین کے واقعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا کر آپ کی تسلی فرمائی جارہی ہے۔ کہ اے حبیب یہ کفار مکہ آپ سے مطالبہ کر رہے ہیں کہ غریب مومنوں کو اپنی مجلس سے ہٹا تب ہم آپ کے پاس آئیں گے۔ آپ ان کے اس مطالبے سے نہ رنجیدہ ہوں نہ مانیں۔ یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے ایسے ہی مطالبے قوم نوح کے کفار نے بھی کئے تھے **چوتھا فائدہ** اللہ رسول کی بارگاہ میں مخلص مومن بہت پیارا ہے اگرچہ سادا ہو غریب ہو کافر اگرچہ خوبصورت امیر لاسی پرب زبان ہو مگر وہ قابل نفرت اور جاہل ہے۔ یہ فائدہ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ سے حاصل ہوا

پانچواں فائدہ سچی مجلسیں ایمانی محفلیں ہمیشہ مسکینوں غریبوں سے سجتی بنتی ہیں اور سچے آدمی کی نشانی یہ ہے کہ غریبوں کے دل اس کی طرف جھکتے ہیں۔ جھوٹے نبی۔ جھوٹے انسان کی محفلوں میں اوّلاً امراء کا جمگھٹا ہوتا ہے۔ دیکھو مرزا غلام قادیانی اور غلام احمد پرویز لاہوری چکڑالوی کی محفلیں جھوٹے لوگ ہمیشہ امراء پرست ہوتے ہیں خدا سے دور ہوتے ہیں۔ مگر غریب خدا کے پیارے جلدی بن جاتے ہیں یہ فائدہ اِنَّهُمۡ مُلٰقُوۡا رَبِّهِمۡ سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** تبلیغ ہمیشہ نرم اور محبت کے کلام سے چاہیئے مگر کفر کی پردہ پوشی نہ چاہیئے ان کے پورے عیوب بیان کر دیئے جائیے۔ کلام میٹھا ہو۔ بارعب ہو۔ لجاجت، ہچکچاہٹ نہ ہو۔ یہ فائدہ یٰقَوۡمِ اور اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** کفار نے تو حضرت نوح سے مال مانگنے نہ مانگنے کا کوئی ذکر نہیں کیا تھا۔ یا ان کی غریبی مسکینی پر کوئی طعن نہ تھا۔ پھر حضرت نوح نے لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ کیوں فرمایا **جواب** تفسیر میں بتا دیا گیا کہ اگرچہ بظاہر ان کی تین ہی گستاخیاں تھیں ۱۔ اپنے جیسا بشر سمجھنا ۲۔ رذیلوں کیوں کو پاس بٹھانے کو برا جاننا ۳۔ کوئی خاص بزرگی فضیلت نبی میں نہ سمجھنا۔ مگر ان حرکتوں سے ان کے قلبی خدشے کا شبہ ہو رہا تھا کہ شاید اپنے جیسا بشر اس لئے سمجھ رہے ہیں کہ بشریت متقاضی ہے مال دنیا کی لہذا یہ دنیوی غریبی کی بنا پر ایسا نہ کرتے ہوں اور معاذ اللہ دنیا کمانے کے لئے نبوت کا ڈھونگ رچایا ہو۔ اس قلبی خدشے کو دور کرنے کے لئے آپ نے فرمادیا۔ لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ یہ دل سے فکر نکال دو کہ میں تم سے کچھ مانگوں گا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مالدار آدمی دنیا کا بہت حریص ہوتا ہے۔ دنیا کی یہ حرص ہی اس کو آخرت کے کاموں سے روکے رکھتی ہے۔ تو ان کو سمجھایا گیا تم اپنی دولت کی فکر نہ کرو ہم تم سے مال کا کوئی مطالبہ نہ کریں گے نہ ہمیں حاجت ہے۔ ہم تم کو صرف یہ کہیں گے۔ شعر

تم شوق سے کالج میں پھلو پارک میں پھولو — چاہو تو جہازوں پہ اڑو چرخ پہ جھولو

پر ایک سخن بندۂ مسکیں کی رکھو یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

دوسرا اعتراض یہ کیا بات ہے کہ حضرت نوح کے اس فرمان میں ہے وَیٰقَوۡمِ واؤ ابتدائیہ کے ساتھ مگر اس کے مطابق قول حضرت ھود کا نقل ہوا وہاں صرف یٰقَوۡمِ ہے واؤ نہیں ہے۔ اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔ نحوی لحاظ سے واؤ نہ ہونے سے کیا فرق پڑ سکتا ہے۔ **جواب** محمد بن ابی بکر رازی نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت نوح اور حضرت ھود دونوں کے کلاموں میں لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ عَلَیۡهِ ہے۔ اور علیہ کی ضمیر واحد مذکر غائب لوٹ رہی ہے۔ تبلیغ رسالت کی طرف یعنی میں تبلیغ رسالت پر تم سے مال نہیں مانگتا۔ مگر چونکہ کفار قوم کی گفتگو کے بعد حضرت نوح نے لَاۤ اَسۡـَٔلُكُمۡ سے پہلے ایک جملہ اور فرمایا قَالَ یٰقَوۡمِ اَرَءَیۡتُمۡ (الخ) پھر بعد میں لَاۤ اَسۡـَٔلُ (الخ) فرمایا اس لئے واؤ ابتدائیہ لائی گئی تاکہ فاصلہ ثابت رہے۔ مگر حضرت ھود کا قول مسلسل ہے بیچ میں کفار کا قول پھر اپنا قول کا فاصلہ کوئی نہیں ہے۔ نوح علیہ السلام نے پہلے تبلیغ کی پھر کفار نے بات کی پھر نوح علیہ السلام نے جواباً بات کی۔ اس طرح یہاں فاصلہ ہے۔ جبکہ

کلام غیر سے فاصلہ ہوگا وہاں واؤ ابتدائیہ ضرور ہوگی۔ جہاں فاصلہ نہ ہوگا واؤ نہ ہوگی۔ یہ وجہ فرق ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ نوحِ روح نے فرمایا اے میری قوم نفس اور نفس کے ساتھیو قلب اور قلب کے باسیو بدن اور بدن کے ساکنو۔ میں تم سے اس دعوت منزل شوق اور ہدایت ابدیہ کی تبلیغ پر۔ تمہاری خواہشات کی دولت نہیں مانگتا تمہارا یہ مال فانی ہے مجھ کو بقا کی طلب ہے۔ نہ تمہارے دار فانی کی سرداری کا حاجت مند۔ کہ یہ ظلمات کی وادی ہے۔ میری منزل بقلب ہے۔ بھلا بلبلِ باغِ جناں گندگی کے کیڑے سے کیا مطالبہ کر سکتی ہے۔ کرم خاکی شاہینِ فضا کو کیا دے سکتا ہے میں گلستانِ اجر کا حاجتمند ہوں۔ مجھے انوار قرب کی حاجت ہے اور یہ اجر صرف اللہ تعالیٰ ادا کر سکتا ہے لہٰذا میرا اجر صرف اللہ ہی کے ذمہ کرم پر ہے۔ وہی روح کو جلا بخشتا ہے۔ پس متنبہ رہو کہ مجھ کو تم سے کچھ غرض و طلب نہیں۔ کیونکہ روحِ معطر کو فانی دنیا سے کچھ غرض نہیں ہوتی اور جو لوگ صاحب عقل سلیم اور دعوت حق کے مومن ہوتے ہیں میں ان کو دار بقا کے راہ سے اور وادی عمل وغیرہ سے دور کرنے والا نہیں۔ میں تو وصل کے لئے ہوں فصل نہیں چاہتا۔ وصل کے طالبوں کو میں بھگانا نہیں چاہتا کیونکہ وہ اہل قرب ہیں۔ منزل حق کے راہی ہیں۔ جو لوگ اپنے رب سے ملنے والے ہوں وہ اس کے پیارے ہیں وہی مقصود کائنات ہوتے ہیں۔ ان کے لئے اس عالم میں بھی مشاہدات قرب اور ملاقات انوار ہوتا ہے جن کو رب تعالیٰ نے اپنی نظر جمال سے نوازا اور مقام قدس کی بلندیوں پہ بٹھا دیا اور اپنے کلام کو سننے کی لذت بخشی۔ اور صفات کی معرفت عطا کی اور اعمال کو قبول کیا اور بقا کی چادر لم یزل کا لباس دیا ان کو دور کر کے کون ہٹا سکتا۔ اے نفس خبیثہ تو ان اعضاء ممنونہ کی مسکینیت۔ اور راہ طریقت کا انکسار مت دیکھ اور دنیا کی بے رغبتی اور پھٹے لباس ظاہری سے گھبرا عقل بے نور نہ سمجھ شعر

خاکساران جہاں را بحقارت منگر

توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

ظاہر میں یہ لوگ ہی عالم ملکوت کے برجوں کے کبوتر ہیں اور عالم جبروت کی معراجوں کے شاہین ہیں۔ ان ہی کے پاس دولت علم لدنی ہے۔ تم اے نفسانی لوگو خود کو علم والے سمجھتے ہو حالانکہ وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ اور لیکن میں تم منکرین کا فروں کو جاہلوں میں سے سمجھتا ہوں کیونکہ تم نے نعمت ناسوتی کا کفران کیا۔ نہ اعمال صالحہ کو اختیار کیا اور نہ رفقاء انبیاء کو پہچانا اور حصول خواہشات دنیا میں عقل و عمر گزار دی۔ کم عقلی کو عقل اور خسارے کو نفع کا نام دیا۔ یہی جہالت تامہ ہے۔ وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ طَرَدْتُّهُمْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۔ نوحِ روح نے قوم نفس سے کہا اے میری قوم۔ کون بچائے گا تجھ کو اور مجھ کو اگر میں نے اور تو نے اعضاء بدنیہ کو اعمال ظاہری سے روکا اللہ کی عبادت اور اطاعت رسول میں نہ لگایا۔ اللہ کی پکڑ اس کے قہر حجاب و عذاب فراق سے۔ کیونکہ صرف ایمان باطنی کافی نہیں ہے جیسا کہ فلاسفہ اور اہل دنیا سمجھتے ہیں کہ صرف ایمان ہی کافی ہے اعمال کی ضرورت نہیں مگر اہل حقیقت و طریقت فرماتے ہیں کہ ظاہر

باطن کا عنوان ہے۔ جب اعمال ظاہری نصیب ہوتے ہیں تو باطن اخلاق حمیدہ کے زیور سے مزین ہوتا ہے۔ اور قلب کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ اعمال ظاہری سے ہی معرفت کی منزل باطنی نصیب ہوتی ہے فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تم میں سے کسی کا ایمان درست نہیں جب تک کہ قلب درست نہ ہو اور قلب درست نہیں ہوتا جب تک کہ زبان درست نہ ہو اور زبان درست نہیں جب تک کہ اعمال درست نہ ہوں۔ یعنی ارکان شریعت پر پورا عامل نہ ہو۔ سیر باطن میدان شریعت سے شروع ہوتا ہے۔ طبیعت میں ظلمتیں ہیں شریعت میں نور ہیں۔ انبیاء اولیاء علماء صوفیاء ظلمت سے نکال کر نور میں لاتے ہیں۔ روح سعید اسی منزل کی راہنما ہے۔ مگر نفس اُلّو جو اندھیرے کو پسند کرتا ہے۔ اے نفس پرستو تم اس بات کو یاد نہیں رکھتے اور روح کی نصیحتیں نہیں لیتے۔ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں پر غالب و قاھر ہے۔ اس کے راہ کے مسافروں کو ستانا۔ روکنا اس کے عذاب کا واجب کرنا ہے۔ تم اس سے نصیحت نہیں پکڑتے تقاضاءِ قدرت کو نہیں جانتے اور یہ بات کیوں نہیں سمجھتے کہ جو اس دنیا میں ظالم و جاہل بن کر رہا اس پر قرب جمال کا رزق حرام۔ وہ ان لذتوں سے محروم رہے گا۔ اس کو وادی فنا کی ٹھوکروں کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح حق چار قسم کے ہیں اسی طرح محرومیٔ حق بھی چار قسم کے ہیں ۱ ظلم کی وجہ سے محرومی ۲ مظلومیت کی وجہ سے محرومی ۳ قہر کی وجہ سے محرومی ۴ حجاب کی وجہ سے محرومی۔ جو تماشہ گاہ عالم میں۔ دریا سے ہٹ گیا۔ اور ساتھیوں کو ہٹالے گیا وہ چاروں محرومیوں میں بھٹکے گا۔ مگر جس کی روحِ ھابیلی نفسِ قابیل پر غالب آئی اور زیر کر لیا یہاں تک کہ فراق کی نار سے وصل کی زکوٰۃ ادا کر کے تزکیہ حاصل کیا اس لئے وہ متذکرین کی جماعت میں شامل و شاغل ہو کر ظلمت اور ظلم سے بچا۔ اور انوار کی محافلِ قدسیہ میں جگہ پائی۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا ھٰذَا۔

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ

اور نہیں کہتا میں کو تم پاس میرے خزانے ہیں اللہ کے اور نہیں یہ کہ جانتا

اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ کہ میں غیب

الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ

ہوں میں غیب اور نہیں کہتا میں کہ بیشک میں فرشتہ ہوں اور نہیں کہتا میں کہ ان لوگوں کو جن کو ذلیل

جان لیتا ہوں اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں اور میں انہیں نہیں کہتا جن کو تمہاری

تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ

کھتی ہیں نگاہیں تمہاری کا ہر گز نہیں دے گا ان کو اللہ بھلائی اللہ زیادہ جاننے والا ہے

نگاہیں حقیر سمجھتی ہیں کہ ہرگز انہیں اللہ کوئی بھلائی نہ دے گا اللہ خوب جانتا ہے جو

بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۚۖ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۳۱) قَالُوْا

اور سے اس میں دلوں ان کے بیشک میں تب تو البتہ سے ظالموں بولے سب سردار اے

ان کے دلوں میں ہے　　ایسا کروں تو ضرور میں ظالموں میں ہوں گا　　بولے

یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا

نوح بے شک جھگڑا کیا تو نے ہم سے پس زیادہ کیا تو نے جھگڑا ہمارا پس لے آ تو ہمارے پاس

اے نوح تم ہم سے جھگڑے اور بہت ہی جھگڑے تو لے آؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے

تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ (۳۲)

اس کو وعدہ کیا تو نے ہم سے جس کا اگر ہے تو سے سچوں

ہو اگر تم سچے ہو۔

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے تخیلات کو رد کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد ہوئی تھیں۔ جن سے ایک گمان فاسد کو باطل کیا گیا تھا۔ ان آیات میں باقی وہموں کو رد کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** کفار نے کہا تھا کہ اے نوح غریبوں کو اپنے پاس سے ہٹا دو تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام نے ان کے اس مطالبے کو رد فرمایا تھا۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان کی جا رہی ہے۔ کہ جن کو تم ذلیل و بے وقار سمجھتے ہو وہی سب سے دین کے کارآمد ہو سکتے ہیں انہی کو سب سے زیادہ توفیق خیر ملے **تیسرا تعلق**! پچھلی آیات میں کفار کی بیہودہ اور فضول باتوں کو توڑتے ہوئے نوح علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر تھا کہ اگر ایمان و نصیحت لینی ہے تو بغیر مطالبہ خشوع اور عاجزی کرتے آؤ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کافروں کی حالت دیکھو کہ وہ اتنی اچھی تبلیغ فائدہ مند دعوت بہترین مشورے کو جھگڑے کا نام دے رہے ہیں۔

تفسیر نحوی وَلَاۤ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآىِٕنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ --- واؤ عاطفہ لَاۤ اَقُوْلُ مضارع متکلم منفی یہ قول اس کا مقولہ اگلا پورا جملہ لفظ غیب تک ہے لَكُمْ کا لام حرف جار

تخصیص کے لئے ہے بمعنی عن یعنی صرف تم سے نہیں کہتا لام بیں معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ کُم ضمیر جمع سے مراد کفار ہیں عِنْدَ اسم ظرف مکانی کے لئے ہے مرکب اضافی مضاف الیہ یاء متکلم ہے خزائن جمع منتھی ہے خزانے کی مراد کثرت مال دنیا ہے جس کی وجہ سے انسان کو سرداری کی اور اپنی ہر جھوٹی بات منوانے کی طبعاً خواہش ہوتی ہے۔ مرکب اضافی لفظ اللہ مضاف الیہ ہے۔ یعنی وہ دولت جو اللہ کریم نے دی ہو بغیر کسی محنت مشقت کے واؤ عاطفہ لا اعلم کا پورا جملہ سابقہ مقولے پر معطوف ہے لَا اَعْلَمُ۔ مضارع متکلم منفی متعدی بیک مفعول ہے الغیب الف لام جنسی ہے کیوں کہ غیب واحد ہے اور خلاف کوئی قرینہ نہیں اصلی الف لام جنسی ہی ہوتا ہے جو بغیر قرینہ آتا ہے باقی اقسام کسی قرینے سے آتے ہیں۔ غیب ہر وہ چیز جو حواس خمسہ سے معلوم نہ ہو سکے۔ جو شعور سے معلوم ہوتی ہے شعور خاص عطیہ ربانی ہے۔ وَلَا اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ وَّلَا اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا ۔ واؤ سر جملہ یہ عبارت نیا جملہ ہے علیحدہ قول اور مقولہ ہے پہلا لَا اَقُوْلُ لام تخصیص نے کُمْ سے خاص کر دیا تھا مگر یہ جملہ مطلقہ حقیقیہ ہے اور یہ نفی حقیقی ہے۔ اِنِّیْ اس میں یہاں حرف تحقیق اِنَّ آیا یاء متکلم اس کا اسم ہے حالت نصب میں ہے مَلَكٌ بمعنی فرشتہ خبر اِنَّ ہے واؤ عاطفہ ہے لَا اَقُوْلُ تیسرا قول ہے۔ مگر عطف دوسرے قول پر ہے اسی لئے یہاں بھی کوئی تخصیص نہیں اور نفی تحقیقی ہے لِلَّذِیْنَ لام استحقاقیہ ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول مراد مخلص مومنین ہے تزدری باب افتعال مضارع معروف، مونث ہے زَرْیٌ سے مشتق ہے باب افتعال کی ت دال بن گئی اس لئے کہ ماقبل زا ہے علم تجوید کے مطابق د۔ ط اور ت کا ایک ہی نوک زبان اور ثنایا علیا مخرج ہے اس لئے افتعال کی ت کبھی طا سے بدل جاتی ہے۔ کبھی دال سے یہاں دال سے بدلی زَرْیٌ کا لغوی معنی یہاں باطل اور ذلیل سمجھنا ہے یہاں افتعال متعدی ہے لہٰذا لازم کی تین اقسام میں سے کوئی نہیں ہے۔ اَعْیُنُكُمْ مرکب اضافی جمع ہے عَیْنٌ کی بمعنی ظاہری آنکھ کم کا مرجع رؤساء کفر ہیں لَنْ یُّؤْتِیَهُمْ نفی تاکید مستقبل اَتٰی سے بنا بمعنی کسی وجہ سے دینا۔ ھُمْ ضمیر غائب مفعول بہ کا مرجع مومنین اس کا فاعل لفظ اللہ خَیْرًا سے مراد دینی دنیوی عزت غلبہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ ۔ لفظ اللہ مبتدا اس لئے مرفوع ہے یہ جملہ اسمیہ معللہ ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر مطلق زیادتی کے لئے آتا ہے با حرف جار ما اسم موصول مجرور فی حرف جر اَنْفُسٌ جمع ہے نفس کی بمعنی دل ھُمْ ضمیر کا مرجع مومن لوگ یہ دونوں جار اپنے اپنے مجرور سے مل کر اعلم کے متعلق ہوتے بعض کے نزدیک مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ با اپنے پورے جملے کے ساتھ اَعْلَمُ کا متعلق ہے اور فی اَنْفُسٌ لفظ مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کے متعلق ہے اور وہ موجود صلہ ہے اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ یہ جملہ اسمیہ مقطوعہ ہے کیوں کہ یہاں۔ اِذَا قُلْتُ ۔ پوشیدہ ہے یہ بیان تعلیلیہ ہے تیسرے لا اقول کی نہ کہ پہلے اور دوسرے کی اس لئے کہ پہلی نفی حقیقی نہیں اور دوسری نفی اگرچہ حقیقی مگر حق تلفی نہیں حالانکہ ظلم حق تلفی کو کہتے ہیں اِنَّ حرفِ تحقیق شروع کلام کی بنا پر مجرور ہوا یاء متکلم کا مرجع نوح ہیں اِذًا اسماء ظروف

زبان میں سے ہے لام تاکید کے لیے ہے اس کا نام لامِ ابتداء ہے اگلے جملے کی تاکید کرتا ہے۔ اس کا نام لام تاکید نہیں صرف فعل مضارع اور اس کے مشتقات پر آتا ہے مِنْ جارہ ہے اَلظّٰلِمِیْنَ الف لام استغراقی ہے بمعنی اَلَّذِیْ ظالمین جمع اسم فاعل ظَلَمٌ سے مشتق ہے بمعنی حق تلفی خواہ اپنی یا کسی کی قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ قَالُوْا ماضی مطلق جمع واؤ کے بعد الف مدِ فوقانی کے درجے میں واؤ کو پُر کرنے کے لئے اس کا فاعل کفار سردار یا حرفِ ندا نوح اس قوم کے نبی علیہ السلام کا نام ہے بہت گریہ زاری کرتے تھے اس لئے نوح نام ہوا عجمی لفظ ہے قَدْ جٰدَلْتَنَا ۔ ماضی قریب معروف فاعل حضرت نوح ہیں باب مفاعلہ ہے مشارکت کے لئے ہے بعض نے کہا کہ تکلف کے لئے ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہٖ ہے فا تعقیبیہ اَكْثَرْتَ كَثْرٌ سے مشتق۔ عدد کی زیادتی کو کثرت کہتے ہیں یہاں مراد کلام کی تعداد جس میں آپ کا ڈرانا دھمکانا اور بار بار دعوتِ اسلام دینا سب شامل ہے باب افعال کا ماضی ہے متعدی بیک مفعول ہے جِدَالَ مرکب اضافی ہے بروزن فِعَال عدل ہے معنی مصدری میں ہے نَا ضمیر جمع متکلم اضافت مفعولی ہے نہ کہ فاعلی فا جزائیہ عاطفہ ہے اور یہ جملہ معطوفہ ہے۔ اِئْتِ صیغہ امر ہے اَتْیٌ سے مشتق ہے فاعل حضرت نوح ہیں متعدی بدو مفعول ہے مفعول اول حقیقی طور پر نا ضمیر ہے مفعول فیہ ہے۔ مجازاً دوسرا مفعول بما کا پورا جملہ ہے۔ بِ جارّہ زائدہ ما موصولہ بمعنی وہ عذاب۔ تَعِدُ باب ضَرَبَ کا مضارع ہے وَعْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی وعید۔ نَا ضمیر مفعول بہٖ کا مرجع کفار سردار اِنْ كُنْتَ یہ پورا جملہ شرط مؤخر ہے اس کی جزا فَاْتِنَا جملہ فعلیہ جزاء مقدم ہے اِن حرفِ شرط ہمیشہ مقدم ہوتا ہے اس کے بعد فعل لازم ہے خواہ ظاہر خواہ پوشیدہ كُنْتَ فعل ناقصہ اس کا اسم ضمیر پوشیدہ ہے اس کی خبر ثابتًا اسم فاعل پوشیدہ ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے الصّٰدِقِیْنَ الف لام استغراقی بمعنی اَلَّذِیْنَ صَادِقِیْنَ صِدْقٌ سے اسم فاعل جمع ہے۔ بمعنی سچی بات حقیقت اور واقع کے مطابق کہنے والا۔

تفسیرِ عالمانہ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ ...... ہمیشہ مدعی کے دعوے کے مطابق اس کا مطالبہ کیا جاتا ہے جب اپنے دعوے کو پورا ثابت نہ کر سکے تب اس کا انکار کرنا روا ہے اے میری قوم کے سردارو میں نے تو کبھی دعویٰ نہیں کیا اور اب بھی تم سے نہیں کہتا ہوں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ یہ دعویٰ کیا کہ غیب جان لیتا ہوں پھر تم نے میری فقیری کی وجہ سے میری نبوت کا انکار کیوں کیا اور مجھ سے غیبی چیزوں کے مطالبے کیوں کرتے ہو۔ قوم نوح کے تین شبہوں کا جواب حضرت نوح نے پہلے دو طریقوں سے عطا فرمایا اب ان ہی تینوں شبہوں کو تیسرے طریقے بحکمت احسن طرح پر رد فرمارہے ہیں انہوں نے [illegible] تم میں اپنے پر کوئی فضیلت نہیں دیکھتے اور فضیلت سے مراد تھا مال دولت اب یہی فرمایا جارہا ہے کہ میں نے اس فضیلت کا دعویٰ ہی کب کیا ہے۔ انہوں نے کہا تھا کہ ہم تمہارے پاس صرف گھٹیا قسم

کے لوگوں کو بیٹھا دیکھتے ہیں نبی کریم کی شان کے لائق تو یہ تھا کہ اس کے پاس عقل والے پڑھے لکھے اونچے طبقے کے لوگ آکر بیٹھتے جواباً فرمایا کہ میں نے غیب کا دعویٰ کب کیا ہے کہ کس کے دل میں نور ایمانی ہے کس کے دل میں نارِ شیطانی یہ میرے رب کی شان ہے جس کے دل میں چاہے ایمان کی روشنی پیدا کردے وہ میرے پاس آجائے اور مومن مخلص بن جائے تم جو کہتے ہو کہ یہ غریب لوگ بُرے ہیں تو تمہاری اپنی بات ہے۔ برا اچھا ہونا قلبی اور غیبی چیز ہے میں کسی کو برا کیوں کہوں میں نے غیب دانی کا دعویٰ نہیں کیا۔ کفار نے کہا تھا کہ اے نوح ہم تم کو اپنی جیسا بشر ہی دیکھتے ہیں۔ جواباً فرمایا وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ ۔ اور نہ یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں کہ تم میری بشریت کی وجہ سے میرا انکار کرو میں تو یہ ثابت کررہا ہوں کہ نبی ہوتا ہی بشر ہے۔ فرشتہ یا جن نبی نہیں ہوتا تم دنیوی فضیلت کے طالب ہو۔ میں تم کو روحانی قلبی وہ فضیلت دینا چاہتا ہوں جو بشریت کا خاصہ ہے۔ تم مجھ سے علم غیب کے طلبگار ہو مگر میں تم کو ایسی منزل پر پہنچانا چاہتا ہوں کہ اسرار الٰہیہ تم پر بھی منکشف ہوجائیں تم نبی کو فرشتہ دیکھنا چاہتے ہو۔ اور میں چاہتا ہوں کہ تم اپنے اندر ایسے اخلاق حسنہ پیدا کرو کہ فرشتوں سے اشرف ہوجاؤ۔ نہ میں غربت کی شکایت لے کر آیا کہ تم سے مال طلب کروں نہ امیروں کا غرور وتکبر لے کر آیا کہ کہتا پھروں میں خزانوں کا مالک ہوں اے قوم والو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں نے نبوت کا اعلان یہ بتانے کے لیے کیا ہے کہ میں اللہ کی مقدورات میں جو چاہوں کروں جسے چاہوں دوں جسے چاہوں منع کروں۔ ہرگز نہیں میں اللہ کے حکموں کا پابند ہوں شریعت کی رسی میں بندھا ہوا ہوں میں تم کو بھی اسی طرح شریعتِ الٰہیہ کا پابند دیکھنا چاہتا ہوں کہ یہ زندگی آزادی کی نہیں۔ تم تو مجھ پر ایمان لانے میں بچوں کی طرح شرطیں لگاتے ہو۔ کبھی غیب کی خبریں سننا چاہتے ہو کبھی مال و دولت کے خواہش مند بنتے ہو مگر جن لوگوں کو حقیر سمجھ رہے ہو انہوں نے ایمان لانے میں کوئی شرط کوئی مطالبہ نہ کیا اس لیے وَلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْٓ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْٓ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ میں نہیں کہتا ان لوگوں کے بارے میں جن کو تمہاری آنکھیں حقیر جانتی ہیں یعنی تمہارے دلوں نے ان کو برا سمجھا اور آنکھوں نے اظہار کیا کہ ان کو اللہ کبھی بھی دنیا اور آخرت میں بھلائی نہ دے گا بلکہ عنقریب ان کو دنیا میں مال و دولت اور آخرت میں جنت کا ثواب عطا فرمائے گا۔ اللہ بہت خوب جاننے والا ہے اُس کو جو اُن کے دلوں میں ایمان۔ معرفت اور مضبوطی ہے۔ اگر میں ایسا کہوں تو میں ان کی توہین کرنے والا اور اُن کا نقصان کرنے والا ہوں گا اس میں اشارۃً غیب کی خبر ہے اور ان مومنین مساکین کی آئندہ حالت کی خبر ہے اس سے پہلے مُلٰقُوْا رَبِّهِمْ میں بھی اس چیز کی خبر تھی مقصد کلام یہ ہے کہ یہ غریب فقیر مومن لوگ اللہ کو پیارے ہیں اس لئے کہ انہوں نے ایمان قبول نہ تو کسی لالچ میں کیا نہ غیبی باتیں پوچھنے کیلئے اگر ان کا مقصد دولت مند بننا ہوتا تو مجھ جیسے ظاہراً فقیر آدمی کے ساتھ نہ لگتے بلکہ امرا کے دروازوں سے چمٹے رہتے نہ میں نے ان سے کوئی ایسے وعدے کر رکھے ہیں یہ محض حق کو حق سمجھتے ہوئے ایمان لائے

دنیا کی ہر چیز کو ٹھکرا کر رب تعالیٰ کے دروازے پر گر پڑے ہیں۔ انہوں نے اصل نبوت کا مقصد سمجھ لیا۔ نبی دنیا کی دولت نہیں اعمال کی دولت دینے آتا ہے۔ نبی غیب کی خبریں یا شعبدے بازی کے لئے نہیں آتا۔ اس کے پاس دنیوی لالچ لے کر مت آؤ۔ اسے دنیا کے لئے مت مانو دین کے لئے مانو۔ نبی کی ذات سے دنیوی خواہشات کی امید مت رکھو۔ یہاں دل کی کلیاں کھلاؤ۔ نبی کی ذات تو عالم ناسوت سے عالم لاہوت کی طرف لے جانے والی ہے۔ یہاں تو عشقِ الٰہی کے سدا بہار پھول کھلے ہیں جو دنیا سے بے نیاز ہو کر آخرت کی خاطر نبی کے قدموں میں آئے گا۔ اس کو کون بدنصیب بے مراد کہہ سکتا ہے وہی تو خوش نصیب بامراد ہے۔ آج تم مخمور ہو کل وہ مسرور ہوں گے۔ تم لوگ ایسے پیاروں کو برا سمجھ کر ظالم ہو رہے ہو تم لوگ میرے بتائے ہوئے سچے راستہ پر آؤ مجھ کو اپنے برے راستے پر مت لاؤ مجھے ظالموں میں سے مت بناؤ۔ کتنی پیاری کیسی میٹھی تبلیغ ہے کیسا دل نشین وعظ ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ فوراً قدموں میں گر جاتے ایمان لے آتے مگر قَالُوۡا یٰنُوۡحُ قَدۡ جَادَلۡتَنَا فَاَكۡثَرۡتَ جِدَالَنَا فَاۡتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنۡ كُنۡتَ مِنَ الصّٰدِقِيۡنَ ۔ ان ساری محبت آمیز نصیحتوں کو نظر انداز کر کے بولے تم نے ہم سے جھگڑا کیا اور تمہارا جھگڑا طول پکڑ گیا۔ لہٰذا اب زیادہ باتیں نہ کرو اب تم وہ عذاب لاؤ جس کا تم نے عذاب یَوۡمٍ اَلِیۡمٍ سے وعید کیا ہے۔ دیکھیں تو سہی کہ تم کتنے سچے ہو۔ ہمیشہ غلط کار آدمی سمجھتا ہے کہ میں جھگڑالو نہیں ہوں۔ سچے آدمی کو جھگڑالو سمجھتا ہے۔ یہاں بھی وہی حالت ہے کہ جھگڑے کی نسبت حضرت نوح کی طرف کر رہے ہیں اور سمجھانے کو دلائل دینے کو کثرت جدال کہہ رہے ہیں تَعِدُنَا کے بعد بہٖ پوشیدہ ہے کیونکہ یہ فعل متعدی بدو مفعول کے درجہ میں ہے۔ صادقین سے مراد اس وعدے میں سچا ہونا ہے۔ یہ کلام یا تو آخری ہے جیسا کہ اگلی گفتگو سے ظاہر ہے یعنی اے نوح تم ہم سے ساڑھے نو سو سال جھگڑتے رہے نہ ہم نے تم کو مانا نہ تم جھگڑے سے باز آتے اور یا یہ اول کلاموں سے ہے۔ جِدَال بنا ہے جَدَلٌ سے اس کے معنیٰ ہیں حقیقت کے خلاف بات پر مُصِر ہونا ضد کرنا قوم نوح علیہ السلام کے کفار کی نظر اور عقلی عقیدے میں حضرت نوح کی سب باتیں حقیقت کے خلاف تھیں وہ کہتے تھے کہ بشر کا نبی ہونا حقیقت کے خلاف ہے۔ کیونکہ انہوں نے جس بشر کو دیکھا تھا گھناؤنے کردار بُرے اعمال کا مالک اُن کے ذہن میں بشر کا تصوّر صرف یہی تھا کہ بشر چور۔ ڈاکو۔ راہ زن۔ جواری شرابی ہوتا ہے۔ انہوں نے انسانیت کا معیار صرف یہی سمجھا تھا اور مقصد حیات یہی جانا تھا کہ انسانیت صرف دنیا پرستی کا نام ہے۔ یہی وہم پکا کر انہوں نے کہا کہ ارے بشر بھی نبی ہو سکتا ہے۔ حضرت نوح یہی سمجھانا چاہتے تھے اے بیوقوفو تمہارے اس کردار کا نام بشریت نہیں۔ یہ تو تمہاری اپنی حریصانہ ذہنیت کی اختراع ہے۔ مقام اور مدارج بشریت تو یہ ہے کہ ملائکہ بھی رشک کریں۔ نبی تو نبی عام مومن سے بھی تم ہم مثل نہیں ہو سکتے۔ کہ وہ انوارِ تجلّیات سے بہرہ مند اور تم اندھیروں ظلمتوں میں بھٹکنے والے۔ تم لوگوں نے اللہ کے نبی سے بھی اپنی دنیا پرستی والی امیدیں وابستہ کیں۔ انبیاء اولیاء کے آنے کا مقصد یہ نہیں کہ ان پر ایمان اور ان کی پیری مریدی صرف اس لئے کی جائے کہ ہماری دنیوی حاجات سرداریاں ملتی رہیں۔ ان سے تو آخرت اور آخرت والے

رب کو پانے کی کوشش کرو۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء۔ اولیاء کے درباروں میں دنیا طلبی کے لئے مت جاؤ وہاں سے آخرت و معرفت کی بھیک مانگو۔ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا اسی طرح صرف دنیوی لالچ میں پیر کی بیعت نہ کرو نہ پیر کو لائق ہے کہ شعبدے دکھا کر مرید بناتے اور نہ دنیا کا لالچ دے کر عوام کو مائل کرے۔ جیسا کہ آج کل بہت فریبی ایسا کرتے ہیں۔ دیکھو حضرت نوح علیہ السلام نے نبی ہونے کے باوجود صاف کہا کہ میں ان چیزوں کا دعویدار نہیں میرے پاس ان ارادوں سے نہ آنا **دوسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کو غیب کا علم عطا فرماتا ہے مگر انبیاء کرام کے ذمے اس کا ظاہر کرنا واجب نہیں یہ فائدہ لَآ اَقُوْلُ کی آیت میں لَکُمْ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی حقیقت کا انکار نہیں بلکہ تم کو بتانے کا دعویٰ کرنے کا انکار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس میں صرف بتانے اور دعوے سے انکار ہے حقیقتاً انکار نہیں وہاں تو دونوں مقولوں کے لئے ایک قول آیا۔ لیکن جہاں حقیقتاً انکار ہے اس کا قول علیحدہ ہے اگر تینوں مقولے ایک ہی درجے کے ہوتے تو تینوں کے لئے ایک ہی دفعہ لَآ اَقُوْلُ فرمایا جاتا۔ ثابت ہوا کہ غیب اور خزانوں میں صرف دعوے سے انکار ہے نہ کہ حقیقت میں اور مَلَکٌ ہونے میں حقیقتاً انکار ہے **تیسرا فائدہ** غریب مومن کو برا حقیر سمجھنا طریقۂ کفار ہے اور یہ ظلم ہے اور مومنوں سے پیار کرنا ان کا احترام قائم کرنا سنتِ انبیاء ہے یہ فائدہ تَزْدَرِیْ اور لَآ اَقُوْلُ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** سچی بات کو جھگڑا کہنا بھی طریقۂ کفار ہے یہ فائدہ قَدْ جٰدَلْتَنَا سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** کفار بہت بیوقوف ہوتے ہیں اس لئے کہ کوئی شخص اپنی مصیبت نہیں مانگتا مگر کفار عذاب کے طلبگار ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ فَاْتِنَا۔ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ان آیات سے ثابت ہوا کہ ملائکہ انبیاء کرام سے افضل ہوں۔ کفار نے بشر کو کم سمجھا اس لئے نبوت کے لئے فرشتہ ہونا لازم جانا حضرت نوح نے بھی اپنی انکساری کرتے ہوئے بشریت کا اقرار قائم رکھا اور فرمادیا کہ میں فرشتہ نہیں ہوں **جواب** تفسیر خازن نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں بشریت و ملکیت کا تقابل مراد نہیں۔ بلکہ ان کفار کے اس گمان باطل کو توڑنے کے لیے کہ چونکہ مَلَکٌ افضل ہے اس لئے اس کو نبی ہونا چاہیئے یہ جواباً کلام فرمایا اور واضح کیا کہ نبی کو فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرنے کی کوئی حاجت نہیں وہ تو بشریت و انسانیت میں اتنا کامل ہوتا ہے کہ مقام ملائکہ سے بلندیوں پر ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی گناہ کر سکتے ہیں۔ کیوں کہ کہا گیا کہ میں اگر ایسا کروں تو میں ظالموں سے ہو جاؤں گا **جواب** یہاں محال کو محال پر مشروط کیا گیا ہے۔ اس سے واقع میں ہونا لازم نہیں آتا۔ جیسے کہ فرمایا گیا ہے اگر خدا کا بیٹا ہوتا تو میں پہلے پوجتا وہاں بیٹا ہونا اور پوجنا دونوں محال اسی طرح یہاں بھی **تیسرا اعتراض** ان آیات سے ثابت ہوا کہ نبی جس طرح فرشتہ نہیں ہوتا اسی طرح غیب دان اور کسی چیز کا مالک و مختار بھی نہیں ہوتا

یہاں تینوں چیزوں کی نفی ہے۔ تو اہلسنت لوگ نبی کے غیب کے قائل کیوں ہیں (وہابی) جواب اس کا جواب روح المعانی نے یہ دیا کہ حضرات انبیاء کرام مالک خزائن تو ہیں مگر اللہ کی رضا کے بغیر نہیں چہتے عندی کا مطلب ہے اپنی مرضی سے استعمال کی نفی۔ لیکن زیادہ آسان جواب وہ ہے جو ابھی تفسیر میں ہم نے دیا کہ غیب اور خزانوں میں دعوے کی نفی ہے نہ کہ حقیقت کی اور ملکیت میں حقیقت کی۔ اسی لیے لَا اَقُوْلُ دو دفعہ فرما کر دراز عبارت لائی گئی۔

تفسیر صوفیانہ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَاۤ اَعْلَمُ الْغَیْبَ۔ اور اے نامحرمو اسرار سے ناواقفو میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں میں نے صرف تجلیات نبوت کا دعویٰ کیا ہے دنیا کے دروازوں پر دنیا ملتی ہے صاحب اسرار کے دروازے پر نبوت کا نور نظر آتا ہے۔ اے کور چشم بد بختو یہاں طلب دنیا کے لیے نہ آؤ۔ کہ طالب دنیا مردود ہوتا ہے طالب عقبیٰ مسعود ہوتا ہے اور طالب مولیٰ محمود۔ اگر فلاح دارین چاہتے ہو تو مسعود یا محمود بنو یہ جگہ دنیوی دعووں کی نہیں یہاں دین کے دعوے دار بننا چاہیے اور یہ دعویٰ ہے کہ میں خود اسرار باطن و رموز عشق جو غیبوں کا غیب ہے کو جانتا ہوں حقیقی بندہ وہی ہے جو انا کو فنا کرے ہر شے کو نسبت اسی رب کی طرف کرنا عبادت ہے جو اپنے بندوں کو اسرار بے خودی بتاتا ہے۔ اسی کی عطا سے بندۂ برحق غیب دان عالم بن جاتا ہے۔ جو مدعی ہے وہ بے بصر ہے جو صاحب بصیرت ہے وہ مدعی نہیں بنتا وَلَاۤ اَقُوْلُ اِنِّیْ مَلَكٌ میں نے یہ بھی نہ کہا تھا کہ میں فرشتہ ہوں کہ قوت ملکیہ کے ذریعے بدن انسانی کو قالب و قلب کو ظلمتوں سے بچا لیا جائے گا۔ اعمال کی محنت شاقہ تو ہر ذی روح کو اس دنیاءِ دون میں کرنی پڑے گی کہ یہ مقام کسب ہے یہاں عیش و آرام کی طلب بیکار بلکہ نقصان دہ وَلَاۤ اَقُوْلُ لِلَّذِیْنَ تَزْدَرِیْۤ اَعْیُنُكُمْ لَنْ یُّؤْتِیَهُمُ اللّٰهُ خَیْرًا۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِیْۤ اَنْفُسِهِمْ اِنِّیْۤ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِیْنَ نوح روح نے اپنی قوم کے نفس سرکش سے کہا کہ اے نفس کے ساتھیو تمہاری نظر میں جو عاملین صالحین ذلیل و حقیر نظر آتے ہیں میں نہیں کہتا کہ ان کو بارگاہ سرمدی سے خزانہ خیر نہ ملے گا۔ اس لئے کہ قانون فطرت ہے ڈھونڈھنے والا پانے والا ہے۔ مستحقین کو اس دروازۂ ابد قرار سے محروم نہیں پھیرا جاتا۔ اے سرکشو تم جسم کے امیر ہو وہ قلب کے غنی ہیں تم ظاہر کے سردار ہو وہ باطن کے تمہاری عزت دنیا کے دروازوں پر ہے ان کی رب کے دروازۂ دائمی پر تم کو فنا کی حکومت ملی ان کو بقا کی بظاہری سزا و جزا ہے لیکن انکی ذات میں کتنے اسرار و انوار مضمر ہیں وہ اللہ ہی زیادہ جاننے والا ہے تم اپنے منہ سے کہتے پھرو کہ ان کو کچھ بھلائی نہ ملے گی کہ تم اندھے بہرے ہو۔ تم گناہ کو نیکی برائی کو خیر سمجھتے ہو۔ مال دنیا کو بھلائی سمجھتے ہو۔ حالانکہ خیر دینی ہے۔ جو میرے پاس ہے وہی رب کی بارگاہ میں خیر ہے وہی حقیقت میں عافیتِ ہر دو جہان ہے۔ رب ہی عارف اکمل ہے اسی کو علم ہے کہ خیر ہمارے پاس ہے یا تمہارے پاس۔ اگر ان ہدایت یافتہ حضرات کو خیر سے دور سمجھا جائے تو بے شک میں تب تو ظالموں میں ہوں گا جبکہ مستحق حقیقی کو محروم کروں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خیر پانچ قسم کی ہے ۱ خیر جسدی جو عالم ناسوت کی

دولت ہے۔ یہ ہر کس وناکس اہل نا اہل۔ عالم جاہل اچھے برے کو مل جاتی ہے۔ دنیا پرست کی قرار اسی تک ہے دن رات اسی کے حصول میں خائب وخاسر ہے مولانا فرماتے ہیں شعر

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند!
روز و شب در زق زق و در بق بق اند

۲ خیر مخلوقی جو اہل اللہ کے آستانوں سے ملتی ہے ۳ خیر ایمانی۔ جو اعمال شرعی کے انوار سے حصہ مرزوق ملتا ہے۔ ۴ خیر خالق اسی کو توفیق عمل صالحہ کہا جاتا ہے ۵ خیر ایمانی۔ جو گدایان قضا جویان رضا کو مشاہدۂ قدس سے عطیے ملتے ہیں یہ خاصانِ خوش بخت کا حصہ ہے۔ یہ خزانے اغیار واشرار سے چھپائے جاتے ہیں۔ ابرار کو بتائے جاتے ہیں اور اخیار کو دیے جاتے ہیں۔ خیر اول کو فنا ہے خیر آخر کو دوام اور خیر آخری کو بقا۔ اسی خیر کی طرف روح ازلی نے بلایا ابرار تو دامن میں آ گئے مگر اغیار کچھ نہ سمجھے اور پکار اٹھے قَالُوْا یٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ بولے وہ اغیار واشرار جن کو نفس نے عیش کے وعدے دیے تھے کہ اے نوحہ کرنیوالی روح مستقبل کے عذاب سے ڈرانے والی۔ تو نے ہم میں جھگڑا وفساد ڈال دیا کسی کو شقی کسی کو سعید کر دیا کسی کو محروم کسی کو مسرور کر دیا۔ کسی کو مسعود کسی کو مردود بنا دیا یہ سب فرقہ بندی تیری ہے۔ پس زیادہ ہی جھگڑا بنا دیا تو نے ہمیں۔ کہ ازل کی گروہ بندیاں کر دیں۔ جنم کے سب ایک تھے اہل معرفت فرماتے ہیں کہ شروع سے کور بختوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ نور کو ظلمت دن کو رات اچھائی کو برائی۔ اصلاحِ قوم کو جھگڑے کا نام دیا۔ اصل مصلح کو فسادی اور بد باطن فسادی کو مصلح قرار دیا جاتا رہا ہے۔ یہی وہ بیماری ہے جس سے معالجِ فطرت کے راہ مسدود کئے جاتے ہیں۔ یہ ہی سختی۔ دل اور کثافت قلبی ہے۔ جہاں یہ ناسور ہوتے ہیں وہاں خوف خدا کا آنسو نہیں آتے جہاں ایسے جھنکاڑ اُگ گئے ہیں وہاں خشیتِ الٰہی کی نرم وگداز کلیاں نہیں چٹکتیں۔ جہاں ایسی بے باکی جنم لیتی ہے وہاں عبرت کے درس بھلا دیے جاتے ہیں بلکہ عبرتِ آمیز وعیدوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے۔ اور کہا جاتا ہے فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ۔ بس لے آ تو ہمارے پاس اس عذاب کو جس سے وعید دیتا ہے تو ہم کو اگر تو سچا ہے اہل شقاوت کے دل سے سب سے پہلے نبی کا خوف نکلتا ہے۔ بارگاہ نبوت کے گستاخ بنتے ہیں۔ پھر شریعت وطریقت کا پھر عذاب وسزا وعتاب وقہر کا یہاں تک کہ باری عَزَّ اِسْمُہٗ کا خوف بھی جاتا رہتا ہے اور اسفل السافلین کے زمرے میں شامل ہو کر مردود ازلی بن جاتا ہے جس طرح کہ نبوت کا ادب سارے ادبوں کی چابی ہے۔ اسی طرح اس بارگاہ کا بے ادب سارے ادبوں کا راہ زن ہے (روح البیان۔ عرائس البیان۔ ابن عربی مع زیادت)

قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ ۳۳

فرمایا فقط لائے گا تم پر کوئی عذاب اللہ اگر چاہا اس نے اور نہیں ہو تم عاجز کرنیوالوں سے

بولا وہ تو اللہ تم پر لائے گا اگر چاہے اور تم تھکا نہ سکو گے

وَلَا یَنْفَعُكُمْ نُصْحِیْۤ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ

اور نہ نفع دے گی تم کو نصیحت میری اگر ارادہ کروں میں یہ کہ نصیحت کروں میں کو تم اگر ہو اللہ

اور تمہیں میری نصیحت نفع نہ دے گی اگر میں تمہارا بھلا چاہوں جب کہ

اللّٰهُ یُرِیْدُ اَنْ یُّغْوِیَكُمْؕ هُوَ رَبُّكُمْ۫ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ۳۴

ارادہ کرتا یہ کہ گمراہ کرے تم کو وہ رب ہے تمہارا اور طرف اس کی لوٹائے جاؤ گے تم

اللہ تمہاری گمراہی چاہے وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف پھرو گے

اَمْ یَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُؕ قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُهٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ

یا کہتے ہیں وہ کہ خود بنا لیا اس قرآن کو فرما دو اگر بنا لیا ہے میں نے اس کو تو پر مجھ ہے گناہ میرا

کیا یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے اسے اپنے جی سے بنا لیا تم فرماؤ اگر میں نے بنا لیا ہوگا

وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۳۵ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ

اور میں بری ہوں اس سے جو جرم کرتے ہو تم اور وحی کی گئی ہے طرف نوح شان

تو میرا گناہ مجھ پر ہے اور میں تمہارے گناہ سے الگ ہوں اور نوح کو وحی ہوئی کہ تمہاری

لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا

یہ ہے کہ ہرگز مومن نہ بنیں گے سے قوم آپ کی مگر وہ شخص جو ایمان لا چکا پس غمگین نہ ہو

قوم سے مسلمان نہ ہوں گے مگر جتنے ایمان لا چکے تو غم نہ کھا اس پر

كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ۳۶ ۚ

تم وجہ سے اس کی جو تھے وہ کرتے

جو وہ کرتے ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کی دو حماقتوں کا ذکر ہوا تھا ایک یہ کہ انہوں نے دعوت حق کو جھگڑے بازی کہا تھا اور دوسری یہ کہ عذاب کا مطالبہ اور جلد بازی کی تھی۔ ان آیات میں ان کی دوسری حماقت کا جواب دیا جا رہا ہے کہ عذاب لانا اللہ کا کام ہے جب لائے گا تو تم میں کوئی بھی روک نہ سکے گا میں اب بھی نہیں چاہتا کہ تم پر عذاب آتے ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اللہ کی رضا کے بغیر تم میری نصیحت نہیں مان سکتے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ قوم نوح کے کافروں نے کہا تھا کہ یہ سب باتیں وعدے وعید نوح علیہ السلام اپنے پاس سے کرتے ہیں اب اس کا جواب دیتے ہوئے نوح علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں یہ سب کچھ اللہ کے قبضے میں ہے یہاں تک کہ تمہاری ہدایت بھی اسی ذات جل مجدہ کے اختیار میں ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات سے ثابت ہوا کہ نوح علیہ السلام نے بڑی جانفشانی اور مشقت سے کفار کو تبلیغ اسلام فرمائی یہاں تک کہ پورا جھگڑا بھی کیا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے وحی کے ذریعے ان کو فرمایا کہ آپ کی تبلیغ میں کمی نہیں مگر ان کی بدنصیبی ہے کہ وہ ایمان نہ لائیں گے گویا رب تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کو تسلی عطا فرمائی۔

تفسیر نحوی قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۔ قَالَ ماضی انما پورا مجموعہ حرف حصر ہے مَا کافہ بمعنی فقط یاتیکم مضارع فعل مستقبل کُم ضمیر مفعول معہ کا مرجع معتر کافر بِہٖ کا جارہٖ ہٖ سے مراد عذاب یَاْتِیْ کا فاعل لفظ اللہ اِنْ شرطیہ جملہ شَآءَ کا شرط موخر ہے۔ واؤ حالیہ ہے مَا نافیہ اَنْتُمْ ضمیر منفصل با حرف جر بعضیت کے لیے یا تاکید کے لیے مُعْجِزِيْنَ اسم فاعل عِجْزٌ سے مشتق ہے بمعنی تھکانا عاجز کرنا وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْ واؤ سر جملہ لَا يَنْفَعُ مضارع معروف منفی یہ جملہ استمرار نفی کے لیے ہے یعنی کبھی بھی کسی حالت میں ایسا نہیں ہو سکتا نُصْحِیْ نون کے پیش سے بمعنی نصیحت کی بات ایک قرأت میں نَصْحِیْ نون کے زبر سے مصدر ہے یعنی نصیحت کرنا۔ یہ جزاء مقدم ہے۔ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ یہ جملہ شرطیہ موخر ہے مگر بصری نحوی اس قول کے مخالف ہیں ان کے نزدیک جزا مقدم نہیں ہو سکتی اِنْ حرف شرط اَرَدْتُّ متکلم کا مرجع نوح ہیں اَنْ ناصبہ اَنْصَحُ باب فَتَحَ کا مضارع متکلم لَکُمْ میں لام نفع کا کُمْ کا مرجع کفار رئیس سردار۔ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ یہ جملہ مقولہ ہے دراصل اِنْ اَرَدْتُّ پہلے نہ تھا یہاں دو شرطیں ساتھ ساتھ ہیں لہٰذا قانون کے مطابق لَا يَنْفَعُكُمْ پہلی شرط کی جزاء مقدم ہے (شرح تسہیل) اِنْ حرف شرط بمعنی اذا ظرفیہ ہے کَانَ فعل ناقصہ لفظ اللہ اس کا اسم يُرِيْدُ کا پورا جملہ خبر کَانَ ہے یرید اِرَادَةٌ سے بنا ہے بمعنی منشا یا حکم نہ کہ رضا۔ اَنْ ناصبہ مابعد جملے سے مل کر يُرِيْدُ کا مفعول بہٖ يُغْوِيْ باب افعال کا مضارع معروف منصوبہ اَغْوَاءٌ سے بنا ہے مادہ غَوِیٌ بمعنی سیدھے راستے سے ہٹ کر چل پڑنا۔ کُمْ ضمیر کا مرجع سرکش کفار هُوَ مبتدا رَبُّ صفاتی نام باری تعالیٰ ہے کُمْ مضاف الیہ ہے اضافت مفعولی ہے واؤ سر جملہ اِلٰی جارہٖ ہٖ کا مرجع لفظ رب ہے تُرْجَعُوْنَ مضارع مجہول جمع مذکر رَجْعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی لوٹنا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ

ام حرف عطف سوالیہ ہے یہ جملہ استفہامیہ یَقُوْلُوْنَ مضارع معروف کہنے والے قوم نوح کے سرکش کفار ہیں افترٰی قول کا مقولہ ہے اس کا فاعل حضرت نوح باب افتعال کا ماضی مطلق معروف ابتداءِ فعل کیلئے آیا ہے فَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنی اپنی بناوٹ کسی اور طرف نسبت کرنا ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع پیغاماتِ الٰہی اور وعدہ وعید ہے قُلْ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فَعَلَیَّ اِجْرَامِیْ وَاَنَا بَرِیْءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ قل۔ امر ہے باب نَصَرَ کا اس میں خطاب نوح علیہ السلام سے ہے امام مقاتل اور تفسیر کشف نے کہا کہ خطاب نبی کریم کو ہی مناسب ہے اِنْ حرفِ شرط اگلا جملہ پورا شرط ہے افْتَرَیْتُ واحد متکلم باب افتعال سے افترا کے معنی ہیں ایسا بھرپور من گھڑت کلام سنانا کہ اصل کے مشابہ ہو جائے ہٗ ضمیر غائب کا مرجع وہ کلام جو منسوب الی اللہ تھا نا جزائیہ علیٰ حرف جر ہے پہلے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ ہے یا ءِ متکلم مضاف الیہ ہے اجرام الف کے زیر سے مصدر ہے باب افعال کا ایک قرأت میں اجرام زبر سے جمع ہے جُرْمٌ کی یہاں مضاف پوشیدہ ہے دراصل تھا فَعَلَیَّ وَبَالُ اِجْرَامِیْ۔ بعض نے کہا سبب مسبب کی جگہ قائم ہے اس قول پر اجرام مضاف الیہ نہیں ہو۔ کہتے وَاَنَا واؤ عاطفہ اَنَا ضمیر متکلم کا مرجع حضرت نوح ہیں بَرِیْءٌ اسم فاعل بمعنی صفت مشبہ بروزن فعیل یعنی بیزار من حرف جار ما مصدریہ ہے بعض نے کہا موصولہ ہے مگر اس صورت میں ضمیر محذوف ماننا پڑے گی تُجْرِمُوْنَ باب افعال کا مضارع جمع حاضر کا صیغہ ہے اس کا فاعل کفار ہیں۔ جُرْمٌ سے مشتق ہے۔ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ واؤ سے جملہ اُوْحِیَ ماضی مجہول الٰی حرف جر لفظ نوح مجرور۔ ہر دو متعلق ہیں اُوْحِیَ کے وَحْیٌ سے مشتق ہے اَنَّ مشبہ بالفعل اسم خبر سے مل کر نائب فاعل ہے فعل اُوْحِیَ کا ہٗ اس کا اسم ہے لَنْ یُّؤْمِنَ نفی بلن سے جملہ خبریہ ہے زمانہ مستقبل کا مِنْ بیانیہ ہے قوم سے مراد امتِ دعوت كَ ضمیر حاضر کا مرجع حضرت نوح اِلَّا حرف استثنا مَنْ موصولہ مستثنیٰ منقطع ہے۔ اِلَّا بمعنی لٰکن ہے۔ متصل یہاں ممنوع ہے۔ قَدْ اٰمَنَ ماضی قریب ہے فَ تعقیبیہ ہے لَا تَبْتَئِسْ نہی حاضر ہے بُؤْسٌ فعل ذوم مہموز العین سے مشتق ہے باب افتعال میں طلب کے معنی ہیں بمعنی بددل ہونا بِمَا میں بِ جارہ سببیہ ہے ما موصولہ مراد کفار کی تکلیف دہ حرکات ہیں كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ ماضی استمراری بمعنی حال۔ جمع غائب کا صیغہ۔ اس کا فاعل ھم ضمیر کا مرجع قوم نوح کا کافر ٹولہ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ اِنَّمَا یَاْتِیْكُمْ بِہِ اللّٰہُ اِنْ شَآءَ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِیْنَ حضرت نوح نے فرمایا ذرا صبر کرو عذاب میں جلدی نہ کرو اگر اللہ چاہے گا تو تمہارے پاس ہی عذاب لاتے گا۔ جلدی یا دیر سے۔ عذاب دینا نہ دینا یہ کام میرے سپرد نہیں اور نہ یہ میری قدرت میں داخل اس لئے کہ عذاب اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے برے اعمال عذاب نہیں لاتے۔ اعمال وجہ عذاب ہوتے ہیں نہ کہ فاعل عذاب۔ ابھی تو تم مذاقاً جلد بازی کر رہے ہو لیکن جب آ گیا تو پھر تمہارے پاس کوئی راستہ کوئی طاقت نہ ہوگی کہ تم عذاب کو روک سکو یا عذاب بھیجنے والے کو عاجز کر سکو

اور نہ تمہارا کوئی کام اللہ کو یا ملائکہ ۔ عذاب کو عذاب دینے سے روک سکے گا۔ یعنی یہ نہ ہو سکے گا کہ اللہ تعالیٰ تو عذاب دینا چاہے مگر تم اور تمہارے معبود روک دو ۔ کس کی طاقت ہے جو اس قادر مطلق سے مقابلہ کر سکے ۔ اے قوم عذاب اسی اللہ نے دینا ہے جس کو تم نہیں مانتے جس کے امر کے تم نافرمان بن رہے ہو۔ مَآ اَنۡتُمۡ کا جملہ اسمیہ نفی کے استمرار یعنی ہمیشگی کے لئے ہے نہ استمرار کی نفی کے لیے اس کی وجہ یہ ہے بِمُعۡجِزِیۡنَ میں با زائدہ ۔ عذاب اگرچہ اچھی چیز نہیں مگر عذاب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے وہی دنیا میں جس کافر پر چاہے عذاب کرے جس پر چاہے نہ کرے دنیا میں کفار پر عذاب یقینی نہیں ۔ یہاں دنیوی عذاب ہی کا ذکر ہے ۔ معجز مجزے بنا ہے اس کے معنی ہیں مدِ مقابل کو اس کے ارادے سے روکنا نہ ہونے دینا ۔ کائنات میں اس چیز کی ہمت کسی کی نہیں کہ اللہ کے فرشتوں کو عذاب دینے سے یا اس طرح تھکا دے کہ جنگ و مقابلہ کرے یا اس طرح تھکا دے کہ بھاگ جائے اور بھاگتا رہے فرشتے اس کے پیچھے بھاگیں یہاں تک کہ تھک جائیں ۔ وَلَا یَنۡفَعُكُمۡ نُصۡحِیۡۤ اِنۡ اَرَدۡتُّ اَنۡ اَنۡصَحَ لَكُمۡ اِنۡ كَانَ اللّٰهُ یُرِیۡدُ اَنۡ یُّغۡوِیَكُمۡ هُوَ رَبُّكُمۡ وَاِلَیۡهِ تُرۡجَعُوۡنَ ۔ جب نوح علیہ السلام نے ان کے تمام قولوں کا جواب مکمل شافی دے دیا اور سمجھ لیا کہ یہ قوم درست نہیں ہو سکتی تو آخری کلام فرما کر حجت ختم کر دی کہ اے قوم تم کو میری نصیحت نفع نہیں دے سکتی خواہ میں تم کو کتنی ہی نصیحت کروں ۔ اگر اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہو کہ تم کو تمہاری سابقہ حرکات اور ظلموں کی وجہ سے بھٹکا ہی رہنے دے وہی تمہارا خالق مالک ہے اس کو تم میں تصرف کرنے کا پورا اختیار ہے اور یہ تو دنیا کے عذاب کی بات ہے تم تو مر کر بھی اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے ۔ وہاں کا دائمی عذاب اس کے علاوہ ہے ۔ یہ جملہ دراصل مقلوبی ہے ۔ دو شرطیں ہیں جس کی ایک جزا مقدم ہے ۔ ایک شرط دوسری شرط سے عارض ہے ۔ ایسی صورت میں پہلی شرط دوسری سے ملحق ہوتی ہے کہ اگر دوسری شرط ہو بعد میں پہلی شرط ہو تو جزا واقع ہو گی ورنہ نہیں اس کی مثال فقہ میں اس طرح ہے کہ کوئی خاوند بیوی سے کہے تجھے طلاق ہے اگر تو گھر میں گئی اگر تو نے زید سے کلام کیا ۔ تو بیوی پہلے گھر میں گئی بعد میں زید سے بات کی طلاق نہ پڑے گی (سراج منیر معانی) اس لئے کہ اس طرح کے جملوں میں فقہاء عظام کے تین قول ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ بصری نحویوں کا مذہب ہے جزا شرط پر مقدم نہیں ہو سکتی کوفی نحوی کہتے ہیں کہ ہو سکتی ہے (کتاب النحو الانصاف) قانون یہ ہے کہ جس عبارت میں دو شرطیں اور ایک جواب تو وہ جواب دو شرط کا ہو گا کہ وہ آخری ہے اور پھر دوسری شرط اور جواب دونوں مل کر پہلی شرط کا جواب بن جائیں گی تو اس عبارت قرآنی کا بقاعدہ نحو مطلب یہ ہوا کہ اگر اللہ تم کو بھٹکانا چاہے تو میری نصیحت تم کو مفید و نافع نہیں ۔ بشرطیکہ میں تم کو نصیحت کروں ۔ ہم نے یہاں امام یوسف کا قول نقل کیا ہے ۔ امام محمد اور امام شافعی کا مذہب اور ہے ۔ لفظ نصحی جامع کلمہ ہے ۔ خیر کے کرنے شر سے رکنے کے حکم کے لیے یعنی نصیحت میں دونوں باتیں آجاتی ہیں اگر استاد اپنے شاگرد کو نصیحت کرے کہ سبق پڑھ تو مطلب یہ ہو گا ترکِ پڑھائی نہ کر

مقصد کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاءِ عظام ہوں علماءِ ملت ہوں یا صوفیاءِ امت ہوں کفار و فساق کو کسی کی نصیحت اس حالت میں مفید نہیں ہو سکتی جبکہ ارادہ الٰہیہ میں ان کا بھٹکنا گمراہ ہونا مقدر ہو چکا ہے۔ لہٰذا مبلغین امت کو دو چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے ایک یہ کہ اگر اس کی تبلیغ سے کسی کو راہ ہدایت مل جائے تو اللہ کا شکر کرے کہ ہدایت رب نے دی عزت اس کی بن گئی اپنی بڑائی نہ کی جائے۔ کہ یہ میری فصاحت میرے حسن بیان سے ہوا ہے دوسری یہ کہ مجرم سے نفرت نہیں کرنی چاہیئے جرم سے نفرت چاہیئے۔ لطیفہ۔ علامہ اقبال جب شیر محمد صاحب شرقپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بغرض زیارت گئے تو علامہ صاحب کو حضرت نے شرف بخشنے سے انکار کر دیا کیونکہ کچھ تو ان کے غلط اشعار حضرت کے پاس پہنچے ہوئے تھے اور شکل و لباس خلاف شرع تھا۔ علامہ صاحب بہت رنجیدہ ہوئے اور لکھ کر بھیجا کہ۔ جرم سے نفرت چاہیئے نہ مجرم سے۔ نہ معلوم اس مختصر عبارت میں کیا اثر تھا کہ حضرت شرقپوری فوراً تشریف لے آئے اور زیارت بخشی۔ غالباً اس آیت کی تفسیر ذہن میں آ گئی ہو۔ حافظ شیرازی لکھتے ہیں کہ شعر

مکن بچشم حقارت نگاہ بر من مست
کہ نیست معصیت و زہد بے مشیت اوست

حسن بصری ؒ کہتے ہیں کہ یغوی کا مطلب ہے عذاب دنیا۔ یعنی اس نے تمہارے لیے عذاب ہی رکھا ہے کیونکہ تم چاہتے ہو طلب کر رہے ہو تو اب میری نصیحت کیا کرے۔ اس لئے کہ اگر میری نصیحت مان کر تم اب بوقت عذاب ایمان لے بھی آئے تو کوئی فائدہ نہیں گویا کہ میری نصیحت تم کو مفید تو تھی مگر تم نے فائدہ حاصل کرنے کا وقت گذار دیا اس سے ثابت ہوا کہ یہ آخری کلام ہے اور اس وقت علامات عذاب قائم ہو چکی تھیں جس کا احساس کفار کو بھی ہو چکا تھا آسمان کا رنگ بدل چکا تھا جسے کہتے ہیں تجھی مجس۔ بیدار ہونا یا یہ کہ تمہاری ہٹ دھرمی۔ ضدی پن ہی اغواءِ الٰہیہ عذاب خدائی کی علامت ہے جو مجھے اور تمہیں دونوں کو نظر آ رہی ہے اور کیوں نہ عذاب آئے کہ تم نے اس کی نافرمانی کی ہے جو تمہارا خالق مالک اور مُربّی ہے۔ لہٰذا وہ ہر طرح تم کو بنا بگاڑ سکتا ہے۔ موت سے پہلے بھی موت بھی یہ انتہائی وعید ہے پھر بعد موت اسی کے حوالے تم نے ہونا یہ سخت تحذیر ہے (کبیر۔ معانی۔ صاوی۔ جمل مدارک۔ بیان۔ خازن۔ ابن کثیر۔ مظہری۔ جلالین) اَمْ يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۔ قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ وَاَنَا بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ۔ اے نوح یہ کفار زبانِ قال سے کہہ رہے ہیں یا زبانِ حال سے کچھ رہے ہیں کہ یہ عذاب وغیرہ اور بتوں کا جھوٹا ہونا اور اللہ کی توحید سب تمہاری گھڑی ہوئی باتیں ہیں۔ اکثر مفسرین یہی ترجمہ کرتے ہیں کہ یہ عبارت مسلسل قصۂ نوح علیہ السلام کا جملہ شاملہ ہے بتایا یہ جا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کو رب نے فرمایا کہ اتمامِ حجت کے لئے ان کا یہ وہم بھی دور کر دو کہ یہ عذاب آنا اور دین کا حق ہونا خدا کی وحدانیت کا برحق ہونا یہ میرا وعظ خود ساختہ نہیں بلکہ بالکل حق ہے غالباً اسی گمان سے ایمان لانے پر تیار نہیں ہوتے یا تمہارے لوگ ایک دوسرے سے ایسی باتیں کرتے پھرتے ہیں۔ اے نوح آپ فرما دیں

نوح آپ فرمادیں اگر میں نے یہ چیزیں گھڑی ہیں تو تم فکر کیوں کرتے ہو اس کا وبال مجھ پر ہے۔ اجرام یا مصدر ہے یعنی میرا گناہ کمانا یا اجرام جمع ہے جرم کی یعنی میرے جرموں کی مصیبت تکلیف۔ لفظ وبال پوشیدہ۔ دراصل تھا وَبَالُ اِجرامی۔ اور ہاں اگر تم نے میری تبلیغ نہ مانی ایمان نہ لائے بت نہ چھوڑے تو پھر جو تم پر تمہارے ان جرموں کے بدلے عذاب آ جائے تو میں بری یا یہ اس طرح کہ مجھ سے نہ کہنا کہ بچاؤ یا اس طرح کہ مجھے کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ غم ہوگا یا اس طرح کہ تمہارے جرموں کا بدلہ مجھ سے نہ لیا جائے گا جس طرح میرے جرم کا بدلہ تم پر نہ ہوگا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ عبارت جملہ معترضہ ہے اور یہ کفار مکہ کی حالت بیان ہو رہی ہے کہ جب قصہ نوح کی بذریعہ وحی یہ آیات مکے میں مشہور ہوئیں تو کفار مکہ نے کہا یہ سب جھوٹے من گھڑت افسانے ہیں تو درمیان قصہ کے ان کا جواب سمجھایا گیا کہ پیارے حبیب ان سے اس طرح فرما دو۔ اگر اِفْتَرَیْتُہٗ میں ھُوْ ضمیر کا مرجع اگر قصہ نوح ہو تو یہ جملہ معترضہ ہے اور دینی عقائد ہوں تو یہ مسلسل کلام ہے۔ وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ۔ جب کفار کی ایذائیں اور صبر نوح علیہ السلام حد سے گذرا تقدیر الٰہی کا وقت پہنچ چکا تھا۔ تب وحی کی گئی حضرت نوح کی طرف کہ شان یہ ہے کہ اب آپ کی قوم میں سے کوئی ایمان نہیں لائے گا ان کے ایمان کی مایوسی ہے مگر وہ جو ایمان لا چکے وہی اس پر قائم رہیں گے یا جن کے ایمان کی امید ہے وہ ضرور ایمان لائیں گے تو اے پیارے نبی نوح تم ان کفار کے کفریہ کرتوتوں بدعملیوں گستاخیوں سے غمناک نہ ہو غم محبت میں ہوتا ہے ان کی محبت چھوڑ دو جو تکلیفوں کا زمانہ تھا وہ لد گیا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** دنیا میں اعمال کا بدلہ ضروری نہیں مشیت باری تعالےٰ پر موقوف ہے۔ بہت دفعہ نیکوں کو تکلیفیں پہنچ جاتی ہیں اور بدمعاش مزے میں پھرتے ہیں لہٰذا ان دنیوی حالات کو بدبختی یا نیک بختی کی علامت نہ سمجھنا چاہیئے۔ یہ فائدہ اِنْ شَآءَ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** مرکز ہدایت جناب باری تعالےٰ ہے باقی سب ہادی اس کی رضا سے ہیں۔ مگر تبلیغ کرنے والوں کو ان کی تبلیغ کا ثواب مل جاتے گا لہٰذا باوجود علم ہونے کے کہ اس کو اثر نہ ہوگا مسئلہ بتا دینا چاہیئے خواہ کسی کو اچھا لگے یا برا یہ فائدہ لَا یَنْفَعُكُمْ سے حاصل ہوا کہ دیکھو حضرت نوح جانتے ہیں کہ ازلی جاہل یعنی کافر ہیں کہ فرما رہے ہیں قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ مگر پھر بھی تبلیغ فرماتے رہے **تیسرا فائدہ** اچھی سچی نصیحتوں کو نہ ماننا اور اس میں شک ڈالنا اس میں غور نہ کرنا اپنے عیوب نہ دیکھنا کفار کا کام ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے علماء صوفیا اور بزرگان دین کے قول وفعل کو محبت ایمانی کی نظر سے دیکھنا چاہیئے اس کی نصیحت لینا چاہیئے یہ فائدہ اِنِ افْتَرَیْتُہٗ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** دین کی تبلیغ کرنے والوں کو بہت بڑا حوصلہ رکھنا چاہیئے۔ بڑے صبر و تحمل سے تبلیغ کئے جاتے یہ سمجھے کہ یہ رب کی لگائی ہوئی ڈیوٹی ہے جو میں نے کرنی ہی کرنی ہے قوم کی جہالت و بیہودگی سے رنجیدہ نہ ہو

یہ فائدہ فَلَا تَبْتَئِسْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں پہلا اعتراض آیت کریمہ میں فرمایا گیا اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ یہاں اِلَّا حرف استثناء ہے اس کا مستثنٰی مذکور ہے متصل ہے اور مستثنٰی منہ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ ہے یہ فعل مستقبل ہے جو حدوث فعل کو مستلزم ہے تو چاہیئے تھا مستثنٰی میں بھی حدوث فعل ہوتا حالانکہ مستثنٰی میں استمرار فعل ہے یہ استثنا کے تقاضے کے خلاف ہے کہ ایک ہی جملہ استثنائیہ میں مستثنٰی منہ سے حدوث ایمان کی نفی ہو۔ اور مستثنٰی میں استمرار کا ثبوت ہو۔ بقاعدہ نحو یہ سخت غلطی ہے۔ آسان لفظوں میں اعتراض اس طرح ہے لَنْ یُّؤْمِنَ کا معنی ہے کہ آپ کی قوم سے ایمان نہیں لائیں گے تو اس کا صحیح استثنایہ تھا کہ مگر کچھ لوگ ایمان لائیں گے۔ لیکن ارشاد ہوا مگر وہ شخص جو ایمان لا چکا **جواب** استمراری امور دو قسم کے ہوتے ہیں ۱ دائمی ۲ غیر دائمی۔ عام طور پر امور استمراری دائمی کہ ان کے دوام کی وجہ سے ابتدا کا حکم دے دیا جاتا ہے گویا کہ یہ فعل تو پہلے ہو چکا ہے مگر اس کا دوام آئندہ ہوگا اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ میں ایمان واقعی استمرار ہے یعنی جو پہلے سے ایمان لا چکے مگر بقاءِ ایمان اور دوامِ ایمان کا حدوث ہے کہ یہ اب سے آئندہ تک ہوتا ہے مقصد یہ ہے کہ نیا مومن کوئی نہ بنے گا مگر جو مومن پہلے بن چکے ان کا ایمان عارضی نہیں بلکہ دائمی ہوگا۔ جیسے کہ مسئلہ ہے اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ یہ پہنا ہوا کرتہ میں نہ پہنوں گا۔ تو اگر اسی وقت نہ اتارے تو قسم ٹوٹ جائے گی کفارہ واجب ہوگا کیونکہ استمرار فعل تھا مگر قسم کھاتے ہی ہر لحہ نیا حدوث فعل ہو رہا ہے لہٰذا فوراً اتارے ایسے ہی یہاں ہے۔ یہاں حدوث فعل کا استثنا حدوث دوام پر ہے اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس طریقہ سے فعل کی شان اور فاعل کی عظمت کا اظہار ہے۔ گویا کہ باقی قوم کے کفر کے ساتھ ساتھ مومنوں کے شانِ ایمان کو ظاہر فرمایا اور غیبی خبر دی کہ یہ تا ابد مومن رہیں گے ان میں کوئی مرتد نہ ہوگا۔ یہ جواب روح البیان نے دیا ہے۔

دوسرا اعتراض اہلسنت لوگ کہتے ہیں کہ انبیاء دنیا میں صاحب اختیار ہو کر آتے ہیں یہ مسلک قرآن مجید کے خلاف قرآن کریم سے ثابت ہے کہ نبی بالکل بے اختیار ہوتا ہے دیکھو یہاں حضرت نوح نے صاف کہہ دیا کہ میں عذاب لانے میں بے اختیار ہوں اللہ چاہے تو لائے چاہے تو نہ لائے (وہابی) **جواب** اس کا جواب دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ پہلا یہ کہ مخلوقِ خدا دو طرح کی ہے ایک یہ کہ خلقت پہلے اس کا استعمال بعد میں دوسری یہ کہ ساتھ ساتھ خلقت ساتھ ساتھ استعمال۔ عذاب اسی مخلوق میں سے ہے کہ ورود کے وقت ہی پیدا کیا جاتا ہے۔ تو یہاں حضرت نوح کا یہ قول وضاحت اس بات کی کر رہا ہے کہ عذاب کا خالق رب تعالیٰ ہے جس وقت تمہارے عذاب کو پیدا کرے گا تم پر فوراً آ جائے گا۔ وہ خلقت میں مرضی کا مالک ہے میں عذاب اس لئے نہیں لا سکتا کہ میں خالقِ عذاب نہیں۔ عذاب کوئی ایٹم بم نہیں کہ لیبارٹری یا گودام میں پہلے سے بنا پڑا ہو جو چاہے اٹھا کر دے مارے۔ ہاں اللہ کی دیگر مخلوق میں نبی صاحب اختیار ہوتا ہے۔ شریعت طریقت قانون۔ دین دنیا۔ رحمت و کرم میں انبیاءِ کرام کو اختیار دیا جاتا ہے۔ تو یہاں خلقت میں بے اختیاری کا ذکر

ہے نہ کہ خلقت میں **تیسرا اعتراض** اس آیت میں چار جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوا پہلے دو جگہ لفظ رب آیا تیسری جگہ یَاْتِیْكُمْ بِهِ اللّٰه لفظ اللہ فرمایا پھر چوتھی جگہ رَبُّكُمْ فرمایا اس میں کیا حکمت ہے، **جواب** پہلی دو جگہ اپنا اور مومنوں کا ذکر ہوا اس لئے رب اسم جمالی بولا گیا جس سے اشارۃً پتہ لگا کہ اللہ کریم انبیاء پر اور ان کے طفیل سے مومنوں پر انتہائی جمال والا ہے۔ تیسری جگہ عذاب کا ذکر ہے اس لئے وہاں اسم جلالی اللہ ارشاد ہوا کہ باری تعالیٰ کفار پر صاحب جلال ہے اور عذاب اس کی صفت جلال کا مظہر ہے چوتھی جگہ رجوع الی اللہ کا تذکرہ ہے اور سرسری انداز میں آخری تبلیغ ہے کہ اے کافرو وہ ذات جس کی طرف دنیا میں تم کو میں بلا رہا ہوں وہ بلا وجہ جابر قاہر نہیں بلکہ وہ تمہارا مشفق و مُربّی تم نے پھر جو اس کی طرف لوٹنا ہے تو آج ہی اس کی بارگاہ میں آجاؤ یہ آخری بار تم سے کہہ رہا ہوں اس لئے یہاں اسم جمال رب ارشاد ہوا۔

تفسیر صوفیانہ چونکہ دنیا دُون راہِ فرار ہے اس لئے اس کی طبیعت جبلی میں جلد بازی ہے مگر فطرت کے افعال اپنے وقت سے معلق ہیں کائنات کی فنا و بقا سے یہ اظہر ہے کہ ہر چیز کی آمد اپنے وقت پر ضرور ہوتی ہے نہ کسی کی جلد بازی سے پہلے ہو سکتی ہے نہ کسی کے انکار سے دیر ہو سکتی ہے ظاہر بین وقت آنے سے پہلے ہی اس کا منکر ہو جاتا ہے مگر مومنِ قلب جانتا ہے کہ اللہ کا وعدہ اور وعید ضرور آ کے رہتا ہے۔ مذاق کرنے والے اور جلد باز عذاب آنے پر ایسے پچھتائے جس سے بچ نہیں سکتے۔ مرد کامل پر جب اسرار کا ورود ہوتا ہے اور کشف باطنی سے نوازا جاتا ہے تو اس کو شقی و سعید کا پتہ لگ جاتا ہے وہ اپنے رحم قلبی کی بنا پر شقیوں کو بتاتا ہے کہ اے شقیو عنقریب تم پر نار فراق کا عذاب آنے والا ہے اس سے پہلے تم ظلمتوں کے سیلاب میں ڈبوئے جاؤ گے تو شقی لوگ اس صوت قلبی کا انکار کرتے ہیں اور جلد بازی چاہتے ہیں۔ قلب الرجال پکارتا ہے کہ ضرور تم پر جدائی کا عذاب آئے گا پھر تم اس کو روک نہ سکو گے تمہارا قلب قالب اسی میں سڑتا گلتا رہے گا۔ پھر تم کو ہدایت بھی نہ مل سکے گی آج میری نصیحت کو اسی لئے نہیں مانتے کہ تم ازلی بدنصیب ہو۔ رب تعالیٰ جس کو شیطان کے راہ پر ٹھکرا دے تو اس کو کسی ناصح برحق کی نصیحت کارگر نہیں ہوتی۔ عالم فنا کی دلچسپیوں میں اس کو محسوس نہیں ہوتا کہ میرا رب کون ہے اور میں نے کس کی طرف پلٹنا ہے مرد راہ کو سب معلوم ہے بار بار آگاہ کرتا ہے کہ اللہ ہی تمہارا رب ہے۔ رجوع اسی طرف ہے تو کیوں وادی محرومی کے رستے ادھر جاتے ہو رضاء الہیہ کی نعمتوں سے اس کے حضور حاضر ہو۔ مگر بد عقلی سے اس خدائی آواز کی سچائی کے منکر ہوتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں وعدے وعیدیں افترا ہیں بناوٹی ہیں۔ عالمِ امر کا یہ پیغمبر من کی دنیا سے وعظ کہتا ہے کہ افترا جرم ہے اور اس کا گناہ مفتری پر وارد ہوتا ہے وادیِ عشق میں ہر شخص کو اسی کے جرم کی سزا ملے گی کہ وہ طلبِ صادق سے ناواقف رہے گا۔ عشق کا حاکم کسی مجرم سے بے خبر نہیں وہ صادق و کاذب کو جانتا ہے اس کو علم ہے کہ کس کو بسط کا انعام دینا ہے اور کون قبض کے لائق ہے۔ اسی لئے نوحِ روح نے قومِ قلب کے مجرموں

سے کہا کہ تم اپنے جرم میں ضرور گرفتار ہو گے۔ میرے جرم کا تم سے اور تمہارے جرم کا مجھ سے حساب نہ ہو گا۔ جب روح قدسیہ اپنے قالب کے خبثاءِ نفس کو سمجھا کر تھک جاتی ہے اور نفس امارہ کی سرکشیوں سے غمگین ہوتی ہے تو عالم انوار کی طرف سے صوت سرمدی بلند ہوتی ہے کہ اے ہماری پاک روح یہ نفس سرکش راہ سعادت پر نہیں آسکتا۔ صرف قالب اور اعضاءِ سعیدہی تیرے وعظ کے عامل اور تیرے حکم کے مومن ہیں تو ان کے ساتھ ہی عالم امر کی فضاؤں میں مسرور ہو۔ نفس کی سرکشی پر غمگین نہ ہو نفس اور اس کے پرستار اسی طرح بددیانتی اور **خیانتیں** کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ فنا کی لہروں میں غرق ہوں گے۔ منزلِ شوق مومن عشق کے نصیب میں ہے۔ بندۂ عقل فریبی ہے۔ بندۂ عشق عاجز مسکین۔ فریب دار فنا کی طرف اور عجز دار بقا کی طرف لے جاتا ہے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا يَدًا اِلَى الْبَقَآءِ ۔ قالب انسانی کے چار وزیر اور حاکم ہیں ۱ روح یہ بادشاہ ہے ۲ قلب یہ وزیر اعظم ہے ۳ نفس ۴ طبیعت۔ جب پیدا ہوتے تو سب پاک، وصاف تھے بعد بلوغت ہر ایک نے اپنا مشیر بنایا چار مشیر طیب ہیں چار خبیث ۱ مجلس صالحین ۲ فکر و تدبر ۳ تزکیہ ۴ ہمت مردانگی۔ یہ سب طیب مشیر ہیں اپنے ساتھیوں کو مومن بنا دیتے ہیں ۱ جہالت ۲ غیر اللہ کی محبت ۳ دنیوی خواہشات ۴ شہوت یہ سب خبیث ہیں۔ جہالت روح کو میلا کرتی ہے محبتِ غیر اللہ قلب کو خواہشات نفس کو۔ شہوت طبیعت کو ایک کے گناہ کا دوسرے پر اثر نہیں ہوتا جب تک اس سے بیزار رہے۔ سب سے پہلے نفس امارہ بگڑتا ہے پس عاقل پر واجب ہے کہ توجہ بارگاہِ صمدیت اور عمل ہدایت اور ترک شہوات سے اپنے نفس کو مارتا اور قلب کو صیقل کرتا ہے (روح البیان)

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَ وَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ
اور بناؤ کشتی میں نگاہوں ہماری اور وحی ہماری سے اور نہ سفارش کرنا مجھے بارے
اور کشتی بناؤ ہمارے سامنے اور ہمارے حکم سے اور ظالموں کے بارے
فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۝۳۷ وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ
میں ان کے جو ظالم ہوئے بے شک وہ ڈبوئے ہوئے ہیں ۔ اور بناتے ہیں کشتی کو
میں مجھ سے بات نہ کرنا وہ ضرور ڈوبائے جائیں گے اور نوح کشتی بناتا ہے اور جب
وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ ۭ قَالَ
اور جب کبھی گزرتے پر ان سردار سے قوم آپ کی ہنستے وہ کافر سے آپ فرمایا
اس کی قوم کے سردار اس پر گزرتے اس پر ہنستے بولا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو

إِنْ تَسْخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُونَ ﴿٣٨﴾

اگر ہنستے ہو تم سے ہم تو بیشک ہم بھی ہنسیں گے پر تم جس طرح تم ہنستے ہو

ایک وقت ہم تم پر ہنسیں گے جیسا تم ہنستے ہو تو اب جان جاؤ گے

فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۙ مَنْ يَأْتِيهِ عَذَابٌ يُخْزِيهِ وَ

تو عنقریب جان لو گے تم کون ہے وہ آتا ہے جس پر عذاب ذلیل کرے اس کو اور اترتا ہے

کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے اور اترتا ہے

يَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُقِيمٌ ﴿٣٩﴾

پر اس عذاب قائم رہنے والا

وہ عذاب جو ہمیشہ رہے

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں قوم نوح کی بدنصیبی اور ایمان نہ لانے کا ذکر تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اتمام حجت ہو چکا آپ نے تبلیغ فرمادی مگر وہ نہ مانے لہٰذا اب عذاب آتا ہے اور اس کے ابتدائی نشانات ظاہر ہونے والے ہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں نوح علیہ السلام کو کفار کے ایمان نہ لانے پر غمگین ہونے سے روکا گیا تھا اب مسلمانوں کو عذاب سے بچانے کے لئے کشتی بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے **تیسرا تعلق**! پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ کے عذاب کو کوئی روک نہیں سکتا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں عذاب سے بچ سکتے ہو وہ اس طرح کہ میرے نبی کے ساتھ لگ جاؤ ان کی کشتی میں سوار ہو جاؤ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کا کہنا تھا نوح علیہ السلام ہر بات اپنے پاس سے کہہ دیتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ نہیں انبیاء کرام کے تو ظاہری دنیوی کام بھی ہماری نگاہوں اور ہماری وحی سے ہوتے ہیں۔ مگر کافر مذاق ہی سمجھتے سمجھتے مار کھا جاتے ہیں۔

تفسیر نحوی

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِأَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ ...... واؤ عاطفہ فَلَا تَبْتَئِسْ پر عطف ہے اِصْنَعِ امر حاضر ہے صَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنی سوچ سمجھ کر کوئی چیز بنانا اَلْفُلْكَ مفعول بہ ہے اِصْنَعْ کا الف لام عہد ذھنی ہے یا خارجی۔ بعض نے کہا کہ جنسی ہے فلک واحد ہے اس کی جمع ہے فُلْكٌ یا فَلَائِكُ بعض کے نزدیک واحد جمع ایک ہی ہے (قاموس القرآن) فُلْكٌ کا معنی ہے بڑا جہاز چھوٹی کشتی کو سفینہ کہتے ہیں جس کی جمع ہے سفائن بِأَعْيُنِنَا با ملابست ہے جار مجرور فاعل

کے حال کی جگہ ہیں اَعْیُنٌ بروزنِ اَفْعُلٌ جمع ہے عین کی لفظ عین مشترک المعانی ہے یہاں مراد نظر نگاہ ہے اس کی جمعیت مبالغہ کے لئے ہے یعنی ہر سمت ہر طرح ہماری نگاہ یعنی حفاظت میں نا ضمیر جمع متکلم مراد باری تعالیٰ واوٗ عاطفہ ہے۔ وَحْیِنَا وحی سے مراد خفیہ پیغام اور احکامِ خصوصی یعنی تعلیم کشتی وَلَا تُخَاطِبْنِیْ واوٗ سر جملہ لاتخاطب فعل نہی بعض نے فرمایا وَاصْنَعْ اور نہی دونوں وجوب کے لئے ہیں نِیْ نون وقایہ یاءِ متکلم فی ظرفیہ یہاں لفظِ شفاعت پوشیدہ ہے اَلَّذِیْنَ سے مراد قوم نوح کے کافر ہیں مگر وضاحت کے لئے فرمایا ظَلَمُوْا بصیغہ ماضی جمع ہے صلہ ہے موصول کا اِنَّھُمْ اِنَّ حرف تحقیق ھُمْ ضمیر اسم اِنَّ مُغْرَقُوْنَ اسم مفعول بمعنیٰ مستقبل مجہول یہ خبر ہے اِنَّ کی اور پورا جملہ اسمیہ لاتخاطب کی علت ہے وَیَصْنَعُ واوٗ سر جملہ یَصْنَعُ مضارع اس کا فاعل حضرت نوح اَلْفُلْکَ میں الف لام عہدی ہے فُلْکٌ واحد ہے بروزنِ قُفْلٌ اس کی جمع بھی فُلْکٌ ہی ہوتی ہے بروزنِ اُسُدٌ یہ جملہ زمانہ حالیہ ہے وَکُلَّمَا واوٗ سر جملہ جس نے نئے کلام کا اشارہ کیا کُلَّمَا یہ لفظ متصلہ ہے لفظ کُلٌّ حرف دوامی ہے اور کلیت وکثرت کے لئے ما مصدریہ سے متصل ہوکر لفظ استمراری بن گیا۔ بمعنیٰ جب کبھی یعنی بار بار مَرَّ فعل ماضی مَرٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گزرنا عَلٰی جارہ بمعنیٰ عِنْدَ یعنی قریب سے ہٖ ضمیر کا مرجع حضرت نوح یا کشتی مَلَأٌ بمعنیٰ اُمَرَاءِ کُفَّار مِنْ بعضیت کا ہے قوم سے مراد تمام برادری ہٖ کا مرجع حضرت نوح سَخِرُوْا باب حَسِبَ کا ماضی جمع ہے سَخْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مذاق بازی کرنا مِنْہُ اپنے معنیٰ میں ہٗ کا مرجع یا کشتی یا حضرت نوح قَالَ ماضی مطلق اس کا فاعل نوح ہیں اگلا جملہ اس قول کا مقولہ ہے ان حرف شرط تَسْخَرُوْا جملہ شرطیہ مخاطبین وہی سردارانِ کفر ہیں مِنَّا من حرف جر۔ نا ضمیر جمع متکلم اس کا مرجع تمام مسلمان فَاِنَّا میں تین لفظ ہیں فَ اِنَّ۔ نَا۔ فَا۔ جزائیہ اِنَّ حرف یقینی نَا ضمیر جمع متکلم اس میں یقینی غیب کی خبر ہے نَسْخَرُ فعل مستقبل مِنْکُمْ۔ مِنْ اپنے معنیٰ میں ہے کم ضمیر سے مراد وہی مذاق کرنے والے کفار ہیں کَمَا حرف تشبیہ ہے مگر یہاں مشابہت جنسی بیٹے ہے نہ کہ نوعی کے لئے تَسْخَرُوْنَ فَسَوْفَ فَا تعقیبیہ ہے سَوْفَ ظرف ہے قرب زمانی ومکانی ہر دو کے لئے آتا ہے پچھلے کلام کو مضبوط کرنے کے لئے آیا یہاں ظرف زمانی ہے۔ من اسم موصول اپنے پورے صلے سے مل کر مفعول بہ ہے تَعْلَمُوْنَ فعل مستقبل کا یَاْتِیْ فعل مستقبل اَتْیٌ سے مشتق ہے ہٖ ضمیر مفعول عَذَابٌ فاعل ہے یَاْتِیْ کا موصوف ہے یُخْزِیْ کا باب افعال کا مضارع خِزْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے ہٖ ضمیر واحد کا مرجع مَنْ ہے واوٗ عاطفہ یَحِلُّ مضارع مستقبل حِلٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ موجود ہونا موجود رہنا عَلٰی بمعنیٰ فوقیت ہٖ کا مرجع عَذَابٌ یَحِلُّ کا فاعل ہے مراد خدائی سزا اُخروی ہے مُقِیْمٌ اقامت سے بنا باب افعال کا اسم فاعل یعنی ہمیشہ رہنے والا اس لئے کہ جملہ اسمیہ میں استمرار ہوتا ہے اور تین چیزیں استمرار پیدا کرتی ہیں ۱۔ اسم فاعل ۲۔ اسم مفعول ۳۔ صفت مشبہ اور ان ہی تین سے جملہ اسمیہ بنتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۔ جب اتنے دراز زمانے تک کفار نوح کو تبلیغ اور دعوت ایمان کا فائدہ نہ ہوا اور مقدر عذاب کا زمانہ بھی قریب آگیا تو رب تعالیٰ نے پہلے تو حضرت نوح کو تبلیغ سے روکا اور کفار کی ایذاؤں پر تسلی دی پھر وجوبی حکم عطا فرمایا کہ اے نوح علیہ السلام ایک خاص قسم کی کشتی بناؤ۔ یہ امر وجوبی اس لئے ہے کہ آج بوقت عذاب کائنات میں انسانی جانوں کو بچانے کا واحد ذریعہ وہ کشتی ہوگی اور انسانی جان یعنی مومنوں کو بچانا بھی شرعاً واجب ہے اور ادائِ واجب کا ذریعہ بھی واجب ہوتا ہے۔ خاص قسم کی کشتی اس لئے کہ اَلْفُلْك میں الف لام عہدی ہے۔ بعض نے کہا کہ الف لام جنسی ہے تو مطلب ہوگا عام طرح کی ایک کشتی بناؤ۔ مگر صحیح یہ ہے کہ الف لام عہدی ہے جیسا کہ روشِ کلام سے ظاہر ہے۔ صنع کے معنیٰ ہیں کام کرنا مطلق یہاں مراد ہے باقاعدہ اول سے آخر تک مکمل کشتی بنانا۔ جَعْل کا معنیٰ بھی بنانا ہے مگر فرق یہ ہے کہ جعل عام ہے صحیح۔ غلط۔ اچھی بری خوبصورت بدصورت۔ مضبوط۔ کمزور ہر طرح کی بناوٹ کے لئے لیکن صَنْعٌ کے معنیٰ ہیں ہر طرح سے اچھی۔ صحیح۔ خوبصورت۔ مضبوط۔ مکمل فائدے مند۔ اس مختصر سے امر میں اتنا عظیم جامع۔ مانع اور مکمل حکم عطا فرمایا کہ جس کی مثال نہیں یہ ہے بلاغت قرآن۔ اور فصاحت کلام۔ جب کوئی لائق ترین کاریگر اور استادِ فن کوئی چیز بنانا چاہتا ہے تو اس کی دوررس نگاہ ہیں چار چیزوں میں غور کرتی ہے ۱ سامان بہترین ہو ۲ نقشہ بہترین ہو نمونہ لاجواب ہو ۳ فن کاری بہت زیادہ ہو ۴ ہر ضرورت پوری ہو۔ لفظِ اِصْنَعْ میں یہ سارے امر دے دیئے کہ اے نوح لکڑی بہت شاندار پختہ ہو کشتی کا نمونہ نقشہ بہت اچھا ہو اپنی پوری فن کاری صرف کر دینا تاکہ کشتی کشتی نہ رہے بلکہ نبی کا معجزہ بن جائے۔ پھر اس میں بہت زیادہ اور بہت قسم کی مخلوق نے سوار ہونا ہے۔ تو یہ حکم ظاہراً عوام کے لئے تو مجمل ہے مگر حضرت نوح چونکہ عالمِ کائنات تھے اور مدرسۂ الٰہیہ کے پڑھے ہوئے اس لئے یہ مجمل بھی ان کے لئے مفصل تھا یہی وجہ ہے اتنا دراز اور جامع امر لے کر بھی کوئی ہدایت طلب سوال نہ کیا اے نوح ہماری حفاظت میں کشتی بناؤ گے اعین جمع ہے عین کی اس کا ترجمہ ہے آنکھ۔ نگاہ۔ چونکہ نگاہ سبب ہے حفاظت کا اس لئے اَعْيُنٌ بول کر حفاظت مراد لی ورنہ اللہ تعالیٰ نگاہوں آنکھوں سے پاک ہے۔ گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا۔ یا مطلب ہے ہمارے معائنے میں کہ اے نوح تم بناتے جاؤ ہم اس کو پاس کرتے جائیں کام نبی کا ہو تصدیق رب کی ہو۔ یہ گویا پیشگی تصدیق کا وعدہ ہے۔ اعین جمع ہے یا بلحاظ عدد کے کیونکہ حفاظتیں بہت سی قسم کی ہوتی ہیں دشمن سے حفاظت۔ کیڑے مکوڑے سے حفاظت چوری ہونے۔ جلنے سے حفاظت۔ وغیرہ وغیرہ یا بلحاظ ضمیر جمع متکلم آئے مطلب یہ کہ ہماری وحی سے بنانا ہے یعنی ہم جس طرح وقتاً فوقتاً تم کو وحی جلی یا خفی یا الہام بھیجتے رہیں تم اسی طرح کام کرتے چلے جانا لہٰذا رب نے پہلی وحی میں نقشہ سمجھایا کہ مرغ کے سینہ کی شکل کی کشتی بنانا جس طرح آج کل جہاز اور کشتیاں ہیں یہ نقشہ وہیں سے لیا گیا ہے اور بیس سال نوح علیہ السلام نے کشتی کی لکڑی جمع فرمائی (روح البیان) اس بیس سال انتظار کا فائدہ یہ ہوا کہ نئی اولاد پیدا

نہ ہوئی اور نہ بچے بالغ ہوگئے ان کو تبلیغ نبوت پہنچی مگر انہوں نے بھی ماں باپ کا راستہ پکڑا اس لئے وہ بھی مستحق عذاب ہوئے تب آپ نے کشتی بنانی شروع کی اور اے نوح اب قوم کے بارے مجھ سے اچھی بری کوئی بات نہ کرنا یہ جاہل ظالم و بدتمیز لوگ ہیں۔ یعنی اپنی رحم دلی کی بنا پر ترس کھا کر مجھے دفع عذاب کی دعائیں نہ مانگنا بلکہ اس بارے بالکل خاموش رہنا اور دیکھتے رہنا کہ میں جس کو چاہوں عذاب دوں۔ کیونکہ فیصلہ ربانی ہوچکا ہے اور قلم سوکھ چکا ہے کہ یہ سارے کے سارے کافر غرق کئے جائیں گے مُغْرَقُوْنَ اسم مفعول بمعنی مستقبل مجہول ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اَعْيُنٌ سے مراد چیزیں ہیں یعنی ہماری ظاہری باطنی چیزوں سے تم کشتی بناؤ۔ ظاہری اشیاء ساز و سامان لکڑی لوہا ہتھیار وغیرہ باطنی اشیاء علم و ہنر جو سینۂ نوح علیہ السلام میں پہلے ہی تھا لَا تُخَاطِبْنِیْ کی نہی ہیں۔ بیٹے کنعان اور بیوی واعلہ یا والعہ کی طرف اشارہ ہے۔

وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ

اب دیکھو ہمارے نوح کشتی بنا رہے ہیں۔ یہاں یصنع فعل مضارع حال کے معنی میں ہے مگر حکایت ماضی کی ہے۔ اس نظارہ عجیبیہ کا نقشہ کھینچنے کے لئے۔ گویا کہ ابھی کر رہے ہیں اس میں اظہار پیار ہے۔ کیونکہ پیاری چیز بھلائی نہیں جاتی۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں واقعہ اتنا پیارا اور دلکش تھا کہ ابھی تک میری آنکھوں میں پھر رہا ہے گویا کہ ابھی ایسا ہو رہا ہے یہ محض سامعین کے سامنے اظہار محبت ہوتا ہے اور واقع سے پیار ثابت کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اس کے بنانے کے دوران جب کبھی نوح علیہ السلام کی قوم کے مغرور امیر رئیس لوگ وہاں سے گزرتے تو ان سے کشتی کے بارے مذاق کرتے۔ یا اس طرح کہ انہوں نے کشتی کبھی دیکھی نہ تھی ساحل سمندر بہت دور تھے دریا اس طرف ہے ہی نہیں کیونکہ قوم نوح کا علاقہ موصل۔ بابل و مضافات ہیں اس کی مشرقی جانب پانچ سو میل کے فاصلے پر دریائے دجلہ اور مغربی جانب سات سو میل یا ہزار میل دریائے فرات ہے۔ جبل جودی موصل سے دو سو میل ہے جودی کی بلندی سطح سمندر سے تیرہ ہزار فٹ ہے جب وہ کافریہ لکڑی کا ڈھانچہ دیکھتے تو ہنس کر پوچھتے اے نوح یہ کیا بنا رہے ہو آپ فرماتے یہ گھر ہے جو پانی پر چلے گا تو کہتے کہ پانی کہاں ہے۔ یا یہ کہ انہوں نے کشتیاں دیکھی تو تھیں مگر اس شکل کی نہ دیکھی تھی لہٰذا حیرانی سے پوچھتے اور جب آپ فرماتے کہ کشتی ہے تو مذاق کرتے کہ بھلا اس شکل کی بھی کشتی ہوتی۔ اور یا اس طرح کے کہ وہ سمجھتے تھے کہ یہ کشتی ہے مگر جب خشک ریگستان کو دیکھتے کہ یہاں کشتی کا کیا مقصد تو مذاق کرتے یا اس طرح کہ حضرت نوح سے کہتے کہ تم کل تک تو نبی تھے اب نجار یعنی بڑھئی بن گئے اب نبوت کہاں گئی۔ اور کبھی کہتے کہ پانی کے عذاب کی بات کرتے تھے وہ تو آیا نہیں اب کشتیاں بنا بنا کے ڈرا رہے ہیں۔ جب یہ مذاق بڑھ جاتا تو آپ فرماتے کہ اگر تم لوگ آج ہم سے مذاق کر رہے ہو تو پس بے شک کل ہم بھی تم سے دنیا میں غرق ہونے کے وقت آخرت میں نار دوزخ میں جلنے کے وقت اس مذاق کا بدلہ لیں گے۔ مِنَّا ضمیر سے فرمانا یا محض فصاحت کے لئے ہے یا مومنین بھی شامل ہیں کہ وہ کافر نوح علیہ السلام سے ہٹ کر سرا ہے مومنین کو بھی ستاتے مذاق کرتے تھے۔ كَمَا میں تشبیہ نوعی یا جنسی نہیں بلکہ عملی ہے۔ یعنی ہم تم کو اس نوعیت کا مذاق نہ کریں گے جس طرح

تم کرتے ہو کہ شان نبوت اور شان مومن کے خلاف ہے بلکہ اس کے بدلے میں تم پر عذاب دنیا وآخرت آئے گا تو ہم تم کو دیکھتے ہوں گے تم ہم کو اس وقت تمہاری ذلت اور ہماری دید تمہاری اس مذاق کا بدلہ ہوگا۔ کہ تم کو ایک تو ڈوبنے جلنے کی تکلیف دوسرے ہمارے دیکھنے کی تکلیف یا مطلب ہے کہ وہ عذاب چونکہ ہماری ہی وجہ سے ہوگا گویا وہ ہمارا بدلہ ہوگا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ اور اے کافرو یہ بدلہ کچھ دور نہیں بلکہ چند دنوں کی بات ہے پس عنقریب ضرور جان لوگے تم اس کو جس پر عذاب آتا ہے ایسا کہ ذلیل کر کے رکھ دے گا اور وہ عذاب شروع تو دنیا میں ہوگا مگر اس مجرم کے ساتھ ایسا حائل ہوگا کہ تا ابد قائم رہے گا کہ دنیا میں غرق برزخ میں ملائکۂ عذاب کی مار اور کڑک میدان محشر میں رحمت سے دوری اور مومن کافر کا فرق جہنم میں مرق یعنی جلنا۔ پل صراط پر فرشتوں کی جھڑک۔ خِزْیٌ کا مطلب ہے کہ جب تم ڈوبتے چیختے چلاتے ہوگے تو وہی مومن جن کو تم حقیر ذلیل سمجھتے ہو وہ نہایت سکون واطمینان سے تم کو دیکھتے ہوگے یہ دیکھنا تم پر ڈبل تکلیف کا باعث ہوگا کہ یہ ذِلّت ہے۔ لفظ مَنْ یا موصولہ ہے یا سوالیہ اگر موصولہ ہے تو یہ جملہ خبریہ ہے اور مفعول بہ ہے۔ تَعْلَمُوْنَ متعدی بیک مفعول ہے۔ کشتی بنانے کے حکم سے مکمل بننے تک دو سو سال کا عرصہ لگا مگر رب تعالیٰ نے یہ عرصہ کشتی کا طول وعرض واضح نہ فرمایا صرف اشارۃً بِاَعْیُنِنَا وَوَحْیِنَا۔ سے کچھ سمجھا دیا۔ نہ یہ بتایا کہ ہلاکت کفار کا فیصلہ اتنے عرصے بعد کیوں فرمایا لَا یَنْفَعُکُمْ سے اشارہ ملتا ہے کہ جب تک حضرت نوح خود نہ مایوس ہوئے اس وقت تک عذاب نہ آیا جب آپ نے ان کے ایمان سے بالکل مایوس ہو کر دعا کی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ (الخ) تب عذاب آیا۔ آپ کی بددعا سے پہلے زمین روئی کہ یا اللہ مجھ پر کفر کی اور بے ادبی نبی کی انتہا ہو گئی۔ پرندے روئے کیڑے مکوڑوں نے فریاد کی (روح البیان) مفسرین نے کچھ اختلاف سے ان باتوں کی وضاحت کی صحیح تر یہ ہے کہ کشتی کی شکل جوان مرغے کی طرح تھی حضرت نوح نے اس کے لئے لکڑی تلاش کروائی تو مناسب لکڑی تیار وافر مقدار میں نہ ملی لہٰذا آپ نے خود ساگوان کے بیشمار درخت لگوائے جو بقول روح البیان بیس سال میں اور بقول خازن۔ معانی۔ صاوی سو سال میں پختہ لکڑی بنے اور یہی صحیح ہے کہ ساگوان یعنی شیشم (ٹالی) بیس سال میں پختہ نہیں ہوتی۔ آپ بقدر ضرورت کٹوا کر منگواتے رہتے اس طرح آپ نے اور آپ کے مسلمان غلاموں امتیوں نے سو سال میں مکمل کشتی تیار کردی اس کی لمبائی بارہ سو گز تھی اور چوڑائی چھ سو گز یعنی اس سے آدھی اور اونچائی تیس گز۔ تین منزلہ تھی نیچے کی منزل میں درندے چرندے۔ بیچ کی منزل میں پرندے اور اوپر کی منزل میں حضرت اور تمام مسلمان عورت مرد۔ باقاعدہ اترنے چڑھنے کے لئے سیڑھیاں گزرگاہیں تھیں ہر منزل کے درمیان میں دروازہ تھا۔ صحیح یہ ہے کہ بابل شہر میں کشتی بنائی گئی۔ معانی نے جزیرہ ابن عمر کو مقام کشتی بتایا ہے۔ بنانے والے صرف حضرت نوح تھے اور مزدوروں اور دیگر مسلمانوں کے علاوہ حضرت نوح کے تین لڑکے تھے ۱ حام ۲ سام ۳ یافث آپ کا چوتھا بیٹا جو سب سے بڑا تھا کافر تھا۔ اس میں اور بہت سی روایات ہیں کہ کتا کیسے پیدا ہوا گدھے کے ساتھ شیطان کشتی میں چلا گیا۔ گوبر بہت جمع ہو گئے تو اس سے خنزیر پیدا ہوا۔ شیر کے نتھنوں سے بلی پیدا ہوئی۔ چوہے نے شرارت کی وغیرہ یہ سب روایات بے

سند ہیں غالباً اسرائیلیوں نے بنا ڈالی ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** نیک لوگ ظاہراً کتنے ہی بے سروسامان ہوں مگر اللہ کی حفاظت میں ہوتے ہیں کیوں کہ نیکوں کا کام اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہوتا ہے یہ فائدہ بِاَعْيُنِنَا سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** قانونی اور شرعی مجرم کی شفارش نہیں کرنی چاہیئے جن لوگوں نے مجرم کی سفارش کر کے رشوتیں دے کر مجرم کو بچا لینے کی عادتِ بد ڈالی وہ قوم ملک تباہ ہوگئی۔ جرم بند ہونے کی سب سے زیادہ مفید ترکیب یہ ہے کہ مجرم کو فنا ہونے دو۔ اسلام نے مجرم کو کبھی بھی قابل معافی نہ سمجھا۔ یہ فائدہ لَا تُخَاطِبْنِي سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** حاصل ہوا اسی لئے اسلام میں جیل اور جرمانہ کوئی سزا نہیں بلکہ یہ سزائیں اسلام میں منع ہیں۔ جیل و جرمانے کی سزا انگریز کی ایجاد ہے ہمیشہ اچھوں کا مذاق جاہل لوگ کرتے ہیں اور بزرگوں کے اعمال افعال میں برائیاں اور عیب نکالتے ہیں وجہ یہ ہے کہ جاہل ظاہر بیں ہوتا ہے وہ ہنر کو عیب۔ عیب کو ہنر سمجھ لیتا ہے۔ غلطی کو درستی۔ درستی کو غلطی سمجھ لیتا ہے۔ وہ خود کو بڑا عقل مند سیاست دان سمجھنے لگتا ہے۔ حالانکہ حقیقت بزرگوں نیکوں کے پاس ہوتی ہے۔ سبق یہ ملا کہ علماء اولیاء صوفیا پر جہالت کے اعتراض اور تنقیدیں مت کرو۔ یہ فائدہ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ سے حاصل ہوا۔ حرف سوف ثبوت میں اسیطرح تاکید پیدا کرتا ہے جسطرح حرف لَنْ نفی میں۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں کفار کے لئے مُغْرَقُوْنَ فرمایا گیا یہ اسم مفعول ہے اور اسم مفعول فعل حال کی کیفیت بیان کرتا ہے یعنی ابھی غرق کئے ہوتے ہیں۔ حالانکہ طوفان نوح اس واقع اور فرمان کے کئی سال بعد آیا اور وہ تب غرق ہوتے یہاں بجائے مُغْرَقُوْنَ کے يُغْرَقُوْنَ فرمانا چاہیئے تھا یہ آیت علم فصاحت کے بھی خلاف ہے اور حقیقت کے بھی **جواب** اس کے دو طرح جواب ہو سکتے ہیں ایک تو وہی جو تفسیر عالمانہ میں دیا گیا کہ اسم مفعول کا بمعنیٰ حال ہونا کلیہ نہیں اکثریہ ہے۔ یہاں بمعنیٰ مستقبل ہے یعنی غرق کئے جائیں گے۔ دوسرا جواب اس طرح ہے کہ يُغْرَقُوْنَ بمعنیٰ فعل حال ہی ہے مگر یہ جملہ تشبیہی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ان کفار کا غرق ہونا اتنا یقینی ہے کہ گویا یہ غرق ہو ہی گئے۔ کر ہی دیئے گئے۔ جیسا کہ ہم دن رات اپنے محاوروں میں کہتے ہیں کہ سمجھو فلاں کام ہو ہی گیا **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ لفظ يَصْنَعُ فعل مضارع ہے۔ جس میں یا حال کا ترجمہ ہوتا ہے یا مستقبل کا۔ مگر یہ واقع ماضی میں ہو چکا تو یہاں مضارع فعل کیوں بولا گیا۔ اگر یہاں حال کا ترجمہ کریں تو جھوٹ لازم آئے گا۔ اور مستقبل کا معنیٰ کرنا تو بالکل ہی غلط ہے۔ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ تشبیہی جملہ ہے کہ گویا ابھی بنا رہے ہیں صرف اظہار محبت کے لئے **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ ہم بھی تم سے مذاق کریں گے۔ مذاق کرنا تو جہلا کا کام ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں حضرت موسیٰ کا کلام منقول ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ میں مذاق نہیں کرتا میں تو جاہلوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں تو حضرت نوح نے یہ کیوں کہا۔ **جواب** اس کے دو جواب مفسرین نے دیئے ایک تو تفسیر میں بیان کر دیا گیا کہ اِنَّا نَسْخَرُ کی تشبیہ نوعی نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ تم زبانی

مذاق اڑاتے ہو ہم تمہاری ذلت کو دیکھ کر تمہارا مذاق کریں گے۔ ہمارا دیکھنا ہی تمہارا مذاق ہوگا۔ یعنی ہم مذاق کا بدلہ لیں گے کہ عذاب تم پر آئے گا جو ہماری وجہ سے ہوگا۔ دوسرا جواب اس طرح ہے کہ نَسْخَرُ سَخْرٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے ذلیل کرنا۔ ذلیل سمجھنا مطلب ہے کہ تم آج ہم کو ذلیل سمجھتے ہو کل ہم تم کو ذلیل سمجھیں گے۔ اور کفر کو ذلیل کرنا جائز ہے تیسرا جواب اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا معاملہ مسلمانوں کے ساتھ تھا۔ مسلمان کا مذاق اڑانا جہالت اور بُرا ہے یہاں معاملہ کفر کا ہے کفر کا مذاق اڑانا شرعاً منع نہیں۔ خواہ زبانی ہی کیوں نہ ہو۔ چوتھا جواب اس طرح بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں هُزُوًا ہے یہاں نَسْخَرُ ہے۔ هُزُوًا اس گفتگو کو کہتے ہیں جس میں گھٹیا پن ظاہر ہو وہ واقعی نبی کی شان کے خلاف ہے لیکن نَسْخَرُ میں وہ مذاق مراد ہے جو حقیقتِ حال پر مبنی ہو۔

تفسیر صوفیانہ

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰهِ سے نوح روح کو حکم ملا کہ اعمال صالحہ کی کشتی بنا ہماری حفاظت کے قلعوں میں ہمارے بتائے ہوئے ڈھانچہ قلبی کے مطابق۔ اور جنہوں نے شہوتوں اور لذات دنیا کے ظلم کئے ان کے نجات کے بارے میں ہم سے بات نہ کرنا۔ کیونکہ وہ فنا کی اندھیریوں میں غرق کئے ہوئے ہیں کفر کے غلافوں میں ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ قالب یعنی جسم انسانی پانچ قسم کے ہیں ۱۔ انسان حیوانی جن پر شہوتوں کے حال طبیعت کے اوصاف غالب ہوتے ہیں اور یہ مغلوب و مقہور ہو جاتا ہے ۲۔ انسان شیطانی جن پر حالات شیطانی نفس کے اوصاف غلبہ کر لیتے ہیں۔ ابلیس کے جال میں جکڑے ہوتے ہیں اگر دنیا سے ایمان سلامت لے جائیں تو اصحاب یمین ہیں اگر ایمان سے خالی چلے گئے تو اصحاب لعین ہیں ۳۔ انسان ملکی جن پر حالات ملائکہ علیہم السلام اور روح کے اوصاف کا غلبہ ہو یہ ہی ارباب جمال ہیں یہ تینوں جنتی ہیں مگر پہلے دو فضل کے جنتی اور قالب ملکی عدل کا جنتی۔ اس کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت ہے اس کے ایمان و اعمال کو بقا کا تمغہ ہے۔ پہلے دو قسم کے انسانوں کو ہر لحظہ خطرہ ہے اگر بلا ایمان دنیا سے گئے تو یہی اصحاب شمال اور قہر و جلال والے ہیں ۴۔ قالب مشترک اور انسان جانبین۔ جن پر خیر و شر برابر ہے۔ وصف طبعی وصف نفسانی روحی اور ملکی شریک ہیں۔ ان میں اکثر پار لگ جاتے ہیں بشرطیکہ مرشد روح دستگیری کرے یہی اصحاب اعراف ہیں ۵۔ انسان ربانی جن پر اسرار کا حال کشف کا وصف غالب ہو۔ جو سالک راہ اور مجذوب عقل و عشق ہوں یہی ارباب کمال اور مقرب بارگاہ سَابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ ہیں ان کا مقام معلوم اور رزق مقسوم ہے وَيَصْنَعُ الْفُلْكَ وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيْهِ مَلَاٌ مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ۔ روح پاکیزہ صبر و رضا کی کشتی تیار کرتی ہے اور حیوانی لوگ جب مَن کی دنیا سے نکل کر گوشۂ روحانی کی طرف گزر کرتے ہیں تو اپنے شیطانوں کے ساتھ جمع ہو کر مذاق و تمسخر کرتے ہیں۔ کبھی صوفیاء جذب کا کبھی متقیوں کی نمازِ عشق کا۔ کبھی علماءِ بحر و بر کا کبھی پریشان ظاہر اطمینان باطن والے فقراء کا مذاق کرتے ہیں اور ملکی لوگ روح القدس کے ہمراہی جب دنیاء دون و عالم سفلی

سے نکل کر عالم بالا کی طرف محو پرواز ہوتے ہیں تو ملائکہ مقربین کے ساتھ جمع ہوتے ہیں اور نفس پرستوں دنیاداروں سے کہتے ہیں آج تم مسخری کرتے ہو کچھ دیر بعد میدان محشر کی ملاقات میں ہم تمہاری مسخری کا اسی طرح جواب دیں گے جس طرح تم اب مسخری کرتے ہو۔ وہاں روز حشر سب کے مقام جدا ہوں گے۔ حیوانیت والوں کا مقام شیطانی ہو گا۔ اصحاب یمین کا مقام ملکی ہوگا اصل جانبین کا مقام بین الطرفین ہوگا۔ رحمانی گروہ کا مقام۔ قرب رحمٰن ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے۔ اے لوگو جس طرح زندگی گذاروگے اسی طرح موت پاؤگے اور جس طرح موت پاؤگے۔ اسی طرح حشر کروگے فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَيَحِلُّ عَلَيْهِ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ اے مسخری کرنے والو عنقریب جان لوگے کہ کون ہے وہ بدنصیب جس پر عذابِ حرمان آتا ہے جو اس کو اپنے پرایوں کے سامنے ذلیل و رسوا کر دے اور حائل رہے گا اس پر دائمی حجاب کا عذاب۔ امام الصوفیا یحییٰ رازی نے فرمایا کہ آدمی تین قسم کے ہیں ۱ ایک وہ کہ جس کی آخرت نے اس کے عیش کو بھلا دیا۔ یہ لوگ دونوں جہان میں کامیاب اور فائزین ہیں۔ دوسرے وہ جس کے عیش نے اس کی آخرت کو بھلا دیا یہ لوگ ہلاک ہونے والے ہیں۔ ان کی زندگی مذاق کرتے گذرتی ہے اور آخرت مذاق کروانے میں۔ تیسرے وہ جو دونوں طرف کے مزے چکھتا ہو۔ یہ مقام اور درجہ ہمت والوں کا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اللہ کے کچھ خواص بندے ہیں جو رفیع قرب کی جنتوں میں ساکنین ہیں۔ وہ سب انسانوں سے زیادہ عقل والے ہیں۔ یہ محبوب کے لیے ظاہر دنیا تارکِ ریاست ہیں اِن کی سبقت رب کی طرف ہے اور اِن کی سرعت رضا کی طرف لہٰذا ان کو قلیل پر صبر ہے اور مُدتِ طویل پر آرام ہے۔ اہل بصیرت اور روشن لوگ فرماتے ہیں کہ روحِ مومن مثل نوح کے ہے صفات مومن قوم نوح ہے جو ایمان لاچکے نفسِ مومن اصلِ کُفرانُ و سرکشی ہیں جسم مومن کشتی نوح ہے جب روح مومن صوت سرمدی کے حکم سے کشتی قالب بنانے لگتی ہے۔ تو عینِ ربوبیت نگاہِ ازلیہ میں سے حقیقت صَنَّاعی کی حفاظت فرماتی ہے اعمال کی لکڑی پر خشیت الٰہی کے نقش و نگار اور زہد دنیا کی منزلیں بنتی چلی جاتی ہیں وہ عیون صفات جو انوار کے معدن اور ذات کے حقائق ہیں اسی کی حفاظت اور توفیق سے وجود سفینہ کو قرار ہے یہی مشاہداتِ ربانی جسد کشتی پر رحیم وکریم ہیں حدیث پاک میں ہے کہ بندے کے اعمال صالحہ رب کی نگاہ لطف میں ہے۔ لہٰذا بندہ ایسی نماز پڑھے اور عمل خیر کرے كَاَنَّكَ تَرَاهُ گویا کہ تو اس کو وہ تجھ کو دیکھ رہا ہے۔ یہی اَعْيُن معرفت ہے روحِ لطیف ہے اور قلبِ مومن رفیق۔ اپنی ملطافت اور رقتِ قلبی کی بنا پر نفس سرکش کے لئے دعا و خیر کا حصہ بناتا ہے۔ حکم ربی آتا ہے کہ لَا تُخَاطِبْنِیْ ان سرکشوں کو دعا نہ دو یہ ازل کے محروم ہیں اور شقاوت کے دریا میں غرق ہونے والے ہیں (روح البیان و عرائس البیان) بندۂ حق میدانِ عمل میں بیٹھ کر شریعت کی کشتی بناتا محبت اہل بیت کی منزلیں آراستہ کرتا ہے ہے۔ صحابہ کے ستاروں کی شمعیں جگمگاتا ہے اِن ستاروں کا سہارا پکڑتا ہے۔ ابتلاؤ مصائب کے طوفان سے پار نکل جاتا ہے مگر نفس پرست۔ اہلِ علم کے اعمال کو محض مذاق سمجھتے ہیں اس لئے عذابِ حسرت دائمی کی موت مرتے ہیں۔

نفسانی لوگ ظالم ہیں کیونکہ اشیاءِ عملیات کو غیر جگہ میں رکھتے ہیں۔ عبادتِ حق کا مقام تو رضاءِ حق ہے مگر یہ ریاکار اس کو دنیا اور شہوتوں کی جگہ رکھتے ہیں اسی لئے فتنوں کے طوفان میں غرق ہو جاتے ہیں۔ بچتا وہی ہے جو روح کی تربیت میں سفینۂ شریعت و معرفت میں سوار ہو جاتے اھلِ شقاوت شریعت کی کشتی میں بیٹھنے والوں پر ہنستے مذاق کرتے ہیں کیونکہ شریعت کے انوار اور معرفت کے اسرار سے دور ہیں جس طرح بے عمل عالِم اور جاہل برابر ہیں اسی طرح بے عمل عارف اور غافل برابر ہیں کہ یہ سب دروازۂ الٰہیہ سے مردود ہیں کیونکہ فقط علم اور معرفت ذریعۂ نجات و قبولیت نہیں۔ جبکہ کتاب و سنت پر عمل نہ ہو۔

حَتّٰیٓ اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَ فَارَ التَّنُّوْرُ ۙ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا

یہاں تک کہ جب آ گیا امر ہمارا　اور اُبلا تنور فرمایا ہم نے سوار کر لو میں اس سے ہر

یہاں تک کہ جب ہمارا حکم آیا　اور تنور ابلا ہم نے فرمایا کشتی میں سوار

مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ

جوڑے میں سے دو نر و مادہ　اور اہل اپنے مگر وہ کہ گذر گیا پر اس

کر لے ہر جنس میں سے ایک جوڑا نر و مادہ اور جن پر بات پڑھ چکی ہے ان کے

الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ؕ وَ مَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ (۴۰) وَ قَالَ

قانون　اور اس شخص کو جو مومن ہے اور نہیں ایمان لائے تھے ساتھ ان مگر تھوڑے اور

سوا اپنے گھر والوں اور باقی مسلمانوں کو اور اس کے ساتھ مسلمان نہ تھے مگر تھوڑے

ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَ مُرْسٰىهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ

نوح علیہ السلام نے فرمایا سوار ہو جاؤ تم میں اس سے نام اللہ کے بہنا اس کا اور رکنا اس کا بیشک

اور بولا اس میں سوار ہو اللہ کے نام پر اس کا چلنا　اور اس کا ٹھہرنا بیشک میرا رب

لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (۴۱) وَ هِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۫ قف

رب میرا البتہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے اور وہ کشتی بہتی رہی ساتھ ان کے بیچ موج ایسی موجوں جیسے

ضرور بخشنے والا مہربان ہے　اور وہ انہیں لئے جا رہی ہے ایسی موجوں میں جیسے پہاڑ

وَنَادٰی نُوۡحُ ۨابۡنَهٗ وَكَانَ فِیۡ مَعۡزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارۡكَبۡ

پہاڑ اور پکارا نوح نے بیٹے اپنے کو اور تھا وہ میں علیحدگی اے بیٹے میرے سوار ہو جا ساتھ

اور نوح نے اپنے بیٹے کو پکارا اور وہ اس سے کنارے تھا اے میرے بچے ہمارے

مَّعَنَا وَلَا تَكُنۡ مَّعَ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۴۲﴾

ہمارے اور نہ شامل رہ تو ساتھ کافروں کے

ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کے ساتھ نہ ہو

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ نوح علیہ السلام نے کفار سے کہا کہ عذاب بھیجنے والا اللہ تعالےٰ ہی ہے جس سے اشارۃً معلوم ہوا تھا کہ عذاب بھی اللہ کے امور میں سے ایک امر ہے اب وضاحت سے فرمایا جا رہا ہے کہ عذاب ہمارا ہی امر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کے کشتی بنانے اور کفار کے مذاق کا ذکر ہوا کہ وہ نہ سمجھے کہ کشتی کیوں بن رہی ہے جبکہ دور دور تک نہ کوئی دریا نہ سمندر نہ نہر ہے۔ ان آیات میں عملی طور پر کفار کے مذاق کا عبرتناک جواب دیتے ہوئے کشتی بنانے کی حکمت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ کہ ہم نے نوح علیہ السلام سے فرمایا کہ صرف مسلمانوں کو کشتی میں سوار کرنا تاکہ مذاق کرنے والے عبرت کی نگاہوں سے دیکھتے رہیں اور ڈوبتے رہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اے نوح علیہ السلام مجھ سے ظالموں کے بارے سوال نہ کرنا اب فرمایا جا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو پکارا کہ ظالموں کافروں کے ساتھ نہ لگ جس سے پتہ لگا کہ اسی طوفان اور عذاب الٰہی سے کافر کوئی نہ بچے گا اگرچہ نسلِ نوح ہی کیوں نہ ہو۔

تفسیر نحوی

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمۡرُنَا لفظ حَتّٰی چھ معنیٰ میں مستعمل ہے ۱۔ زائدہ ۲۔ ابتدائیہ ۳۔ استثنائیہ ۴۔ تعلیلیہ ۵۔ بمعنیٰ اِلٰی ۶۔ غایت کے لئے یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں اور جارہ بھی ہو سکتا ہے صحیح یہ ہے کہ عاطفہ ہے۔ اِذَا حرفِ شرط ظرفیت کے لئے ہے جَآءَ فعل ماضی بمعنیٰ مضارع۔ چار جگہ فعل ماضی مضارع کے معنیٰ میں آجاتا ہے ۱۔ خطبہ ۲۔ دعا ۳۔ شرط ۴۔ تعریف کرتے وقت۔ امر سے مراد حکم یا اذن یا معاملہ ہے۔ حکم یعنی سوار ہونا اِذن یعنی مسلمانوں کو سوار کرنا معاملہ یعنی عذاب۔ نَا جمع متکلّم کا مرجع ذاتِ رب کریم ہے۔ وَفَارَ التَّنُّوۡرُ۔ واؤ عاطفہ معطوف علیہ حَتّٰی کا جملہ ہے جس طرح جَآءَ میں دو احتمال ہیں کہ بمعنیٰ مضارع یا خود اپنے معنیٰ میں اسی طرح فَارَ ماضی میں بھی دو احتمال ہیں زیادہ صحیح یہی ہے کہ دونوں جگہ ماضی اپنے ہی معنیٰ میں ہے

فَارَ فَوْرٌ سے مشتق ہے بمعنی تیزی کرنا اَلتَّنُّوْرُ نُوْرٌ سے مشتق ہے یا نَارٌ سے اس کی جمع ہے تنانیر مراد روٹیوں کا تندور ہے دراصل تَنْوُوْرٌ تھا باب تفعّل کا مصدر واؤ پر ضمّہ ثقیل تھا نقل کرکے ماقبل کو دیا حق جوار کی بنا پر تشدید بھی منتقل ہو گئی۔ ایک قول میں تَنْوُوْرٌ تھا بروزن تَفْعُوْلٌ پہلی واؤ کو ہمزہ سے بدلا بوجہ قرب ہمزہ کو حذف کیا برائے تخفیف اس کے عوض نون مشدّد کیا۔ قُلْنَا ماضی جمع متکلم اپنے معنی میں ہے اِحْمِلْ امر حاضر خطاب حضرت نوح کو ہے فی حرف جر ظرفیت کے لیے ھَا کا مرجع کشتی مِنْ بعضیت کا ہے کُلٍّ روئے زمین کی تمام جاندار مخلوق ہے۔ اس لئے کہ لفظ کُلٍّ موجبہ کلیہ کا سور ہے زوجین تثنیہ ہے زوج کی مراد نر و مادہ اثنین عدد تثنیہ تاکید کے لئے ہے واؤ عاطفہ ہے اہل اپنی اصلی شکل میں ہے۔ اسی سے متغیر ہوکر آل بنتا ہے یہاں مراد گھر والے ہیں یا سارے مسلمان لَہٗ سے مراد حضرت نوح اِلَّا حرفِ استثنار متّصل ہے مَنْ اسم موصول عام غیر مخصوص البعض کے لئے سَبَقَ ماضی معروف سَبْقٌ سے مشتق ہے بمعنی پہلے ہونا عَلٰی فوقیت کے معنی میں لزوم کے لئے ہٖ کا مرجع مَنْ اَلْقَوْلُ سے مراد تقدیری فیصلہ ربانی۔ وَمَنْ اٰمَنَ واؤ عاطفہ ہے جس نے بتایا کہ اہل سے مراد صرف اہل بیت ہیں نہ کہ مسلمان کیونکہ اہل معطوف علیہ ہے اور یہ معطوف اور ہر دو کا حکم جدا ہوتا ہے مَنْ اسم موصول غیر مخصوص البعض ہے وَمَآ اٰمَنَ واؤ حالیہ مَا نافیہ۔ اٰمَنَ فعل ماضی یعنی یہی فقط مومن بنے تھے۔ مَعَہٗ۔ مَعَ لفظ جامد ہے ظرفیت کے لئے ہے مراد کشتی میں ساتھ ہونا۔ ہٗ کا مرجع حضرت نوح ہیں اِلَّا حرف استثنا متصل ماقبل نفی کو توڑا قَلِیْلٌ صفت مشبہ کا صیغہ ہے بروزن کَرِیْمٌ قِلَّۃٌ۔ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ قلیل بمعنی کم (تھوڑا) تین معنی میں استعمال ہوتا ہے ۱۔ ذلت ۲۔ معنی ہلکا ۳۔ تعداد میں تھوڑا یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ سو سے کم کو قلیل کہا جاتا ہے وَقَالَ ارْکَبُوْا فِیْھَا بِسْمِ اللّٰہِ مَجْرٖىھَا وَمُرْسٰھَا۔ واؤ ابتدائیہ قَالَ فعل ماضی کا فاعل یا ذات باری ہے اور یا حضرت نوح ہیں اور یہی صحیح تر ہے۔ اِرْکَبُوْا امر حاضر جمع کا صیغہ ہے باب فتح سے ہے رَکْبٌ سے مشتق ہے رَکْبٌ کے معنی ہیں کسی منقول اور متحرک چیز پر چڑھنا۔ خواہ حرکت ارادی ہو جیسے گھوڑا وغیرہ خواہ حرکت قسریہ غیر ارادیہ ہو جیسے کشتی بحری جہاز ہوائی جہاز ریل بس وغیرہ۔ جب لفظ رکب متحرک ارادیہ کے لیے مستعمل ہوگا تو حرف علٰی سے متعدی ہوگا اور متحرک قسریہ میں رکوب متعدی فی ظرفیہ سے ہوگا۔ یہاں یہی ہے۔ فِیْھَا ھَا کا مرجع کشتی ہے بسم اللہ میں ب ملابست کی ہے اور پورا جار مجرور اِرْکَبُوْا کا حال ہے۔ جیساکہ ابھی تفسیر عالمانہ میں وضاحت ہوگی انشاء اللہ تعالےٰ۔ مَجْرٖ اور مُرْسٰی یہ دونوں ظرف زمانی ہیں زبر کی حالت میں ہیں مفعول فیہ ہونے کی وجہ سے دونوں کے مصدر علی الترتیب اِجْرَاءٌ وَاِرْسَائٌ ہے اور مادے جَرْیٌ وَرَسْیٌ ہیں ناقص یائی۔ ھَا ضمیر سے مراد کشتی ہے اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ یہ جملہ قال کے فاعل کا قرینہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبِّیْ مرکب اضافی اس کا اسم منصوب ہے لَغَفُوْرٌ لام کے ہے جس کے معنی ہوتے ہیں البتہ غَفُوْرٌ غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی چھپانا بچانا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں غفور بروزن فَعُوْلٌ

صفت مشبہ ہے یعنی ہمیشہ بہت زیادہ بچانے والا۔ رحیم بروزن کریم دنیا میں رحم فرمانے والا وَهِيَ تَجْرِي بِهِمْ فِي مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۔ واؤ ابتدائیہ ھِیَ کا مرجع کشتی تجری فعل مضارع بِھِم با حرف جر بمعنی مع ظرفیت کا ہے اپنے ہی معنی میں ہے لفظ موج اسم جنس بمعنی جمع ہے۔ اس کی عددی جمع امواج اور اس کی واحد مَوْجَةٌ ہے (روح المعانی) یہ پورا جملہ یا تو بسم اللہ میں پوشیدہ ضمیر کا حال ہے یا ارْكَبُوا پوشیدہ کا حال ہے اور یا جملہ مستانفہ ہے وَنَادَىٰ نُوحٌ ابْنَهُ وَكَانَ فِي مَعْزِلٍ يَا بُنَيَّ ارْكَب مَّعَنَا وَلَا تَكُن مَّعَ الْكَافِرِينَ ۔ واؤ سر جملہ نادیٰ فعل ماضی اس کا فاعل لفظ نوح اس کا مفعول بہ ابن ہے ہُ کا مرجع حضرت نوح ہیں واؤ حالیہ کَانَ تامہ بمعنی ماضی بعید فی ظرفیت کا ہے معزل اسم ظرف مکانی عَزْلٌ بمعنی علیحدگی سے مشتق ہیں یٰبُنَیَّ یا حرف ندا بن مضاف منادیٰ یاءِ متکلم مضاف الیہ یاء کا زیر الف محذوفہ کے بدلے میں کہ دراصل تھا یَا بُنَيَّا ارکب امر ہے رکب بمعنی سوار ہونا سے مشتق ہے یہ امر وجوب کے لیے ہے مع ظرفیہ مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع سب سوار۔ واؤ عاطفہ لَا تَكُن فعل نہی کان تامہ سے مَعَ الْكَافِرِينَ مع ظرفیہ مکانیہ اَلْکَافِرِیْنَ الف لام عہد خارجی کافرین سے قوم نوح یا دنیا بھر کے کافر مراد ہیں۔

تفسیرِ عالمانہ

حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّورُ قُلْنَا احْمِلْ فِيهَا مِن كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ إِلَّا مَن سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ آمَنَ ۔ حضرت نوح کشتی بناتے رہے یہاں تک کہ ادھر کشتی مکمل ہوئی اور ادھر ہمارا عذاب آ گیا جسکی علت ہمارا فیصلہ ہے امر سے علت بول کر معلول مراد ہے اور ابتدائی علامت جو پہلے ہی نوح علیہ السلام کو بتا دی گئی تھی یہ ہوئی کہ کوفے یا بابل کا تندور ابل پڑا جس میں روٹیاں پک رہی تھیں عورتیں بچے مرد بیٹھے ہوتے تھے اپنے حال میں مست تھے۔ کوفہ اور بابل کا فاصلہ پچیس میل کا ہے بالکل قریب ہیں یہ کشتی بھی وہاں تھی۔ جہاں قریب ہی تندور تھا۔ جو روایتی اختلاف کشتی میں ہے وہی تندور میں ہے اور یہ اختلاف قرب کی وجہ سے ہے بعض لوگوں نے کشتی اور تندور کو ہند میں کہا ہے۔ بعض نے شام میں مگر یہ سب باتیں روایت و درایت کے خلاف ہیں جنہوں نے کوفے میں تندور مانا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ یہ تندور کوفے کی عبادت گاہ کے پاس تھا یہاں مسلمان عبادت کرتے تھے۔ روح البیان نے کہا کہ آج کوفے کی جامع جہاں بنی ہے وہاں ہی اُس وقت ایک گھر میں تندور تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ تنور سے مراد روئے زمین حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ فَارَ التَّنُّورُ کا مطلب صبح طلوع ہو گئی۔ مگر یہ سب تاویلیں ہیں جمہور صحابہ کا قول یہی ہے کہ روٹیوں کا تندور تھا صبح کی روٹیاں پک رہی تھیں کہ آگ بجھنے کی آواز آئی لوگ حیران ہو گئے تیزی سے چشمہ پھوٹا تندور بھرنا شروع ہو گیا دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ہانڈی کی طرح پانی تنور ابل رہا تھا۔ سارے علاقوں میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی کفار کو پھر ہوش نہ آیا تماشہ دیکھنے تندور کے پاس آتے۔ لیکن رب فرماتا ہے کہ۔ کہا ہم نے بذریعۂ وحی اے نوح سوار کر لو اس اپنی کشتی میں۔ یہ جملہ جواب ہے۔ اِذَا کا ھَا مونث ہے اس لئے کہ فُلْکٌ غیر عقل والی چیز ہے جس کے لئے ضمیر مذکر مونث دونوں آ سکتی ہیں۔ روح البیان نے کیا

کہ چونکہ سَفِیْنَۃٌ لفظی مونث ہے اس بنا پر ضمیر مونث آئی حقیر اقتدار کہتا ہے کہ یہ درست نہیں کیونکہ لفظ سفینہ پہلے آیا ہی نہیں تو وہ مرجع کس طرح بن سکتا ہے اس کا مرجع تو فلکٌ ہی ہے۔ ہر حیوان کے جوڑے دُو دُو لفظ اثْنَیْنِ تاکید یہ نہیں بلکہ تمیزی صفت ہے۔ بعض نے کہا کہ تاکیدی ہے اور مطلب ہے ایک جوڑا جو دو جانور ہوں مذکر مونث۔ حضرت نوح نے دعا کی یا اللہ جو تیری منشا میں حیوان ہیں ان کو بھیج دے تو درندے چرندے پرندے ہر قسم کا ایک جوڑا دوڑتا ہوا آگیا۔ کیڑے مکوڑے شامل نہیں تھے۔ حضرت نوح جلدی جلدی جانوروں کو پکڑتے دایاں ہاتھ بڑھاتے تو نر جانور آتا بائیں میں قدرتی مادہ جانور عرض کیا مولیٰ ان کو خوراک فرمایا کشتی کے سوار اتنے عرصہ بغیر خوراک ہماری قدرت سے زندہ رہیں گے۔ لہٰذا کسی انسان حیوان کو اتنا عرصہ نہ بھوک لگی نہ بول براز ہوا۔ کشتی بالکل پاک صاف رہی تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ جب گدھے کو سوار کرنے لگے تو گدھے کی دم شیطان نے پکڑلی جس سے وہ آگے نہ بڑھ سکے حضرت نوح نے اس کو ڈنڈے مارے مگر پھر نہ بڑھا تو آپ نے فرمایا بڑھ ملعون اگرچہ تیرے ساتھ شیطان ہو گدھے کے ساتھ کشتی میں آ گیا۔ شیطان کو گدھے سے بہت پیار سب جانوروں کی بولی تسبیح ہے مگر گدھے کی آواز شیطان کی خوشی ہے۔ اس لئے لاحول پڑھنے کا حکم مرغ کی آواز شیطان کو بھگانے والی ہے۔ فرمایا کہ گدھے کو حضرت نوح کی بد دعا ہے وہ ڈنڈے ہی کھاتا رہے گا اور خچر نے حضرت ابراہیم کی نار میں لکڑیاں جلدی جلدی ڈالیں تو حضرت ابراہیم نے بد دعا کی اس کی نسل بند ہو گئی گرگٹ نے نجر پر بیٹھ کر پھونکیں ماریں تاکہ آگ تیز ہو۔ سانپ اور بچھو نے درخواست کی کہ ہم کو بھی سوار کر لو مگر منظوری نہ ہوئی اس لئے اگر کسی کو سانپ یا بچھو سے خطرہ ہو سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ کثرت سے پڑھا کرے اور اپنے اہل کو بھی یعنی بیوی بچوں کو بھی سوار کر لو ہاں ان کو مت سوار کرنا جن کے بارے عذاب کا فیصلہ پہلے ہو چکا وہ دو ہیں کنعان بیٹا اور بیوی واعلہ اور اپنے اہل بیت کے علاوہ جتنے مومن ہیں ان کو بھی سوار کر لو۔ اگرچہ اہل بھی مومن تھے مگر علیحدہ علیحدہ ذکر کرنے کی حکمت اصل کا استثنا کرنا ہے۔ حضرت نوح کے مومن اصل ایک بیوی۔ تین بیٹے ۱؎ سام جن سے عرب نسل چلی حام ۲؎ جن سے سوڈانی نسل اور یافث ۳؎ جن سے ترکی نسل چلی۔ اور ان کی بیویاں یہ تینوں اس وقت شادی شدہ تھے مگر ابھی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اہل بیت اور حضرت نوح آٹھ افراد تھے باقی مومنین ایک روایت میں تیس تیس تھے مگر صحیح یہ ہے چالیس چالیس تھے۔ جانوروں میں سب سے پہلے مولا چڑیا کو داخل کیا اور سب سے آخر گدھے کو۔ یافث کے اولاد سے ہی یاجوج ہیں۔ دنیا کی باقی نسلیں دیگر مومنوں کی اولاد سے ہیں یہ طوفان صرف قوم نوح پر آیا۔ اور ساری زمین پر پھیلا بجز ان پہاڑوں کے جو پہاڑ جودی سے بھی اونچے تھے۔ اس وقت تک نسل انسانی صرف قوم نوح ہی تھی۔ اور نبی بھی دنیا میں ساڑھے نو سو سال تک صرف اکیلے نوح علیہ السّلام ہی رہے آپ کے بعد سام کو بھی نبوت ملی (روح المعانی) وَمَآ اٰمَنَ مَعَہٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ اور اتنی دراز تبلیغ کے باوجود آپ پر بہت ہی تھوڑے ایمان لاتے۔ فقط اتنی تعداد جو پہلے بتائی گئی مع بمعنی علیٰ ہے۔ یہ جملہ خبریہ معترضہ ہے۔ جب وحی کے ذریعے آپ کو رب کا حکم ملا تو قَالَ ارْکَبُوْا فِیْہَا بِسْمِ اللّٰہِ

مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَاؕ اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ زور سے آواز دی نوح علیہ السلام نے سوار ہو جاؤ تم اس کشتی میں آج سے اس کا چلنا شروع ہوتا ہے تم کو چلانے کی ضرورت نہیں اللہ کے نام سے ہی اس کا چلنا ہے اسی سے اس کا ٹھہرنا ہے بس اے مسلمانو تم اس کا نام لئے جاؤ نمازوں سجدوں میں مشغول رہو۔ بے شک میرا رب گناہوں کو بخشنے والا ہے نہ کہ کفر کو اور رحم فرمانے والا ہے دیکھو تم کو کیسا بچایا پس اس کے شکر میں اس کا نام ہی ورد کرتے رہو اس کشتی کے چلنے کا وقت اور ٹھہرنے کا وقت کہ کب ٹھہرے گی اللہ جانتا ہے یہ نجات محض اس کے رحم سے ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص کشتی میں سوار ہو کر یہ دعا بسم اللہ سے غفور رحیم تک پڑھے تو کشتی ڈوبنے سے بچے گی۔

حکایت ایک مومنہ بڑھیا نے عرض کیا اے پیارے نبی ہمارے آقا یہ کشتی کیوں بنا رہے ہو فرمایا پانی کا عذاب آنے والا ہے کفار غرق ہوں گے مومنوں کو اس میں بچایا جائے گا۔ اس نے عرض کی یا حضرت مجھ کو بچا لینا فرمایا تم گھر میں بیٹھی رہو بلا لیا جائے گا وہ بڑھیا ذکر اذکار اور تصور نوح علیہ السلام میں مشغول رہی جب بوقت طوفان آپ نے کشتی میں سب کو سوار کر لیا تو کثرت کار کی وجہ سے آپ کو بڑھیا کا خیال ہی نہ رہا۔ وہ بڑھیا اسی خیال میں رہی کہ اب بلاتے ہیں۔ طوفان چلا گیا جب باخیریت حضرت نوح مع مومنین عرصہ کے بعد اپنی اسی بستی میں واپس آتے تو وہی بڑھیا بی بی صاحبہ باہر آئیں اور عرض کیا کہ آپ نے کہا تھا کہ پانی کا عذاب آتے گا تو وہ کب آئے گا آپ بھی اور آپ کے ساتھی بھی اللہ کی اس قدرت پر بہت متعجب ہوتے اور شکر خدا کیا پھر فرمایا کہ اے مائی طوفان تو آ بھی چکا اور ختم بھی ہو گیا تو وہ بھی حیران ہو کر سجدۂ شکر میں گر گئی (روح البیان) وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ ۔ اور وہ کشتی جاری ہوتی ہے یعنی گذشتہ زمانے ہیں یہاں بھی فعل مضارع بمعنی حال ارشاد فرمانے کی وہی حکمت ہے جو یَصْنَعُ میں بیان کی گئی۔ پانی کی موجوں کے بیچ میں جو موجیں مثل پہاڑ کے تھیں اس طرح کہ لہریں پانی کی اٹھتیں تو کشتی سے اونچی ہو جاتیں مگر قدرت الٰہی سے اندر نہ جاتیں بعض نے فرمایا کہ کشتی قدرت الٰہیہ و معجزہ نبی سے آبدوز بن گئی تھی اور مثل مچھلی کے پانی کے اندر تھی یہ جملہ یا نیا ہے خبریہ ہے۔ یا بسم اللہ کے پوشیدہ فعل کے فاعل کا حال۔ لفظ موج جمع ہے اس کا واحد مَوْجَةٌ ہے جبال کا مشبہ موج ہے کہ کشتی۔ یعنی پہاڑ کی طرح کشتی نہ لگتی تھی۔ بلکہ پانی کی موجیں پہاڑ کی طرح تھیں وَنَادٰى نُوْحُ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۔ اور پکارا نوح علیہ السلام نے اپنے سگے بیٹے کو یا منہ بولے بیٹے کو مگر صحیح روایت ہے کہ سگا بیٹا تھا اس کا نام کنعان تھا یا یام تھا۔ اور کھڑا تھا وہ آپ کا بیٹا کنعان ایک علیحدگی میں یا اس طرح کہ دیگر کفار تو ادھر ادھر بھاگ دوڑ اور پانی سے بچاؤ کی عقلی تدبیروں میں مشغول تھے مگر وہ دور کھڑا اپنے والد کی کشتی کو دیکھ رہا تھا۔ تو والد کو ترس آیا اور بلایا کہ اب بھی مسلمان ہو کر آجا۔ یا اس طرح کہ حضرت نوح سے علیحدہ ہو کر کھڑا جب سب اہل چڑھ گئے تو آپ نے فرمایا کہ آ تو بھی آجا۔ اس تفسیر کی بنا پر بعض نے کہا کہ کنعان کھلا کافر نہ تھا بلکہ منافق تھا اور دیگر مومنین بلکہ خود حضرت نوح کو اس کی توبہ کا گمان ہوا تھا اس لئے ندا کی۔ یا

اس طرح کہ دین سے دور تھا تو آپ نے توجہ کیطرف متوجہ کیا جس کے سبب سے کشتی میں جگہ ملنی تھی۔ مگر دل کو مائل با سلام کرنے حالات سے خوف دلانے کے لئے آپ نے فرمایا اے میرے بچھڑے یعنی پیارے بچے سوار ہو جا ہمارے ساتھ یعنی مسبب بول کر سبب کا ارادہ فرمایا کہ پہلے ایمان لا پھر سوار ہو بُنَیَّ اسم مصغر ابن کا بر وزن ۔ فُعَیْلٌ پیار کے موقعہ پر بولا جاتا ہے ۔ یہ پیار نبی نہیں کیونکہ کفار سے نسبی پیار شانِ نبوت کے خلاف ہے بلکہ فریضۂ تبلیغ کا پیار ہے تاکہ اس پیار بھرے انداز سے بلانے میں اس کا دل موم ہو یہ آپ کی آخری تبلیغ ۔ یا اس طرح کہ چونکہ وہ اس وقت تمام کفار سے علیحدہ تھا آپ نے گمان فرمایا کہ شاید وہ اب اسلام کی طرف مائل ہے لہٰذا ندا فرمائی ۔ اسی لئے فرمایا کہ اب کفار کے ساتھ مت لگنا اتنا زمانہ تو نے کفر میں گذارا تو اب آخری وقت جسمی طور پر علیحدہ ہوا ہے تو قلبی طور پر علیحدہ ہو جا اور ہمارے ساتھ لگ جا بچ جائے گا ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** مومنوں کے طفیل جانوروں پر رحم کیا جاتا ہے کہ طوفانی عذاب دراصل آیا تھا کفار کو ڈبونے مومنوں کو بچانے کے لئے مگر جانور بھی بچائے گئے ۔ یہ فائدہ مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ سے حاصل ہوا ثابت ہوا کہ نیکوں کے لئے نیک اعمال سے انسان تو انسان زمینی حیوانات کو فائدہ پہنچتا ہے تو جو کہے کہ نبی ولی کی ذات سے کوئی مشکل حل نہیں ہوتی وہ کتنا بدنصیب ہے **دوسرا فائدہ** نبی کا خاندان ہونا اتنی سعادت نہیں جتنی کہ نبی کے تابع فرمان مسلمان ہونا دیکھو عذاب سے غیر لوگ اپنے اسلام اور غلامیِ نبی کی بنا پر بچ گئے مگر اپنی بیوی سگا بیٹا کشتی میں سوار نہ ہو سکا نہ بچ سکا کہ وہ گستاخِ نبی تھا لہٰذا کوئی بھی سید زادگی ۔ پیر زادگی عالم زادگی پر ناز نہ کرے نبی کریم کی اتباع ہی اصل ناز کی چیز ہے ۔ یہ فائدہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ **تیسرا فائدہ** مومن کی شان یہ ہے کہ وہ ہر لمحہ اللہ کی ذات پر بھروسہ کرتا ہے ۔ مدرسۂ نبوت سے یہی سبق ملتا ہے کہ سہارا اور وسیلہ ظاہری اسباب کا ہو اور بھروسہ رب کی ذات پر ہو یہ فائدہ بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا سے حاصل ہوا کہ اتنی مضبوط کشتی ہونے کے باوجود پھر ہر آن نگاہیں رب کیطرف لگائی گئیں یہ ہے تعلیم نبی تو جب کشتی کا وسیلہ توکل علی اللہ کے منافی نہیں پھر انبیاء کرام اولیاء اللہ کا وسیلہ منافی کیونکر ہوگا اور مفید کیوں نہ ہوگا **چوتھا فائدہ** اولاً مجرم کو ہدایت پانے کی مہلت ملتی ہے مگر جب ہدایت کی صلاحیت نہ رہے تو ان فاسد عناصر کو ہلاک کرنا ہی بہتر ہوتا ہے تاکہ ان کے وجود سے آئندہ نسلیں خراب نہ ہوں اور کافر و مجرم کو ہلاک کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ جسم کے ناسور والے عضو کو کاٹ کر پھینکنا ۔ **پانچواں فائدہ** اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ نبی اور دین کے مقابلے میں کسی برادری کسی رشتہ داری کا غم نہ کھائے نہ پیار کرے ۔ دیکھو قوم نوح کے مومنوں نے نوح علیہ السلام کی خاطر سب برادری کو چھوڑ دیا اسی طرح نوح علیہ السلام نے دین کی خاطر سگے بھائی بیٹے سے نسبی پیار نہ فرمایا یہ فائدہ يٰبُنَيَّ کی تفسیر سے حاصل ہوا ۔ اسی شانِ ایمانی کا مظاہرہ غازیانِ بدر نے میدان بدر میں کیا ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** انسان اشرف المخلوقات ہے جانوروں سے اور عام انسانوں سے مومن افضل ہیں تو یہ کیا وجہ ہے کہ اللہ نے سوار کرنے میں جانوروں کا ذکر پہلے کیا پھر اہل کا پھر مومنوں کا **جواب** یہاں یہ ترتیب افضلیت یا اشرفیت کی بنا پر نہیں بلکہ سوار ہونے کی صلاحیت کی بنا پر ہے۔ حکم تھا۔ اَحْمِلْ باب افعال کا امر اے نوح تم خود سوار کرو تو جانوروں کو چونکہ خود سوار کرانا پڑتا ہے۔ احمل کے حقیقی معنیٰ کا یہاں مظاہرہ تھا اس لئے ان کا ذکر پہلے ہوا اور دوسری وجہ یہ تھی حیوانات کے سوار کرانے میں مشقت تھی اس لیے ان کو پہلے سوار کرنے کا حکم ہوا انسان تو بھاگ کر خود ہی چڑھ سکتا ہے۔ اس میں نہ دیر کا اندیشہ نہ مشقت کی فکر۔ یہاں احمل کا مطلب صرف زبانی حکم دینا ہے۔ ہاں اہل کا ذکر پہلے کرنا شرافت نسبی کی بنا پر ہے۔ باقی مومنوں کا بعد میں ذکر کر کے ادب بزرگان کا طریقہ سکھایا گیا۔ **دوسرا اعتراض** زوجین بھی تثنیہ ہے اثنین بھی تثنیہ تو اثنین لانے کا فائدہ **جواب** یا یہ فائدہ کہ زوجین نے بتایا دونوں جانور ایک صنف کے نہ ہوں ایک نر ہو تو دوسرا مادہ۔ اور اثنین نے بتایا ہر جانور دو دو عدد ہوں ایک نہ ہو تین چار نہ ہو۔ گویا کہ پہلا صنفی تثنیہ ہے دوسرا عددی یا یہ فائدہ کہ زوجین نے تثنیہ (دو ہونا) بتایا اور اثنین نے تاکیداً حصر بتایا یعنی دو ہی **تیسرا اعتراض** حضرت نوح نے طوفان شروع ہونے کے بعد اپنے بیٹے کو دعوت ایمان دی جیسا کہ ارکب معنا کی تفسیر سے معلوم ہوا حالانکہ یہ طوفان عذاب الٰہی تھا اور عذاب دیکھ کر ایمان لانا قبول نہیں اور جب ایمان نہیں تو دعوت ایمان فضول ہوئی۔ اور فضول کام شان نبوت کے خلاف ہے جواب عذاب دیکھنے کا مطلب ہے عذاب میں مبتلا ہو جانا تکلیف پاکر پھر کوئی ایمان لائے تو معتبر نہیں۔ یہاں تو ابھی ان کفار کو احساس ہی نہیں کہ یہ پانی عذاب ہے ابھی کہ نہیں ابھی تو بہت تھوڑا ہے۔ یا ہو سکتا ہے ابھی تک ان لوگوں کے پاس پانی آیا ہی نہ ہو۔ ابھی دور ہو۔ اور کنعان ابھی یہ ہی سمجھ رہا ہو کہ پتہ نہیں یہ کیوں کشتی میں سوار ہوئے ایسی حالت کا ایمان معتبر ہے مگر پہلا جواب قوی ہے

تفسیر صوفیانہ

حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ وَمَنْ اٰمَنَ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ ....

یہاں تک کہ جب اہل شقاوت اور نفس امارہ کی ہلاکت کا ہمارا حکم آگیا اور بدن انسان کا تنور جو نار ظلمت سے بھرا تھا اور گناہ کی رطوبات فضلیہ سے پر تھا وہ ابل پڑا یہ ہی نشان ہلاکت تھا کہ جب بندہ گناہ کرتے کرتے پیمانے کو لبریز کر دیتا ہے۔ تو عبرت ناک انتہائی سزا کا وقت آجاتا ہے۔ امر ھلاکت مصنوعی اور باطنی موت کا ہوتا ہے طبیعت خواہشات کا پانی قلب کی دنیا پر گناہوں کا طوفان بن کر امڈتا ہے تو سرکش نفس اور اس کے ساتھیوں کی ہیولہ جسمانی کے دریا میں غرقابی کی موت واقع ہو جاتی اپنے سیلاب میں خود بہہ جاتے ہیں۔ ہم نے کہا اے روح قدسیہ تو عشق و محبت کی کشتی میں سوار ہو جا اور شریعت و معرفت ظاہر و باطن کی ہر قسم کی لذت حلال میں سے ہر عضو کے عمل کا جوڑا جوڑا ساتھ لے لے اور اپنے بدن کے اہل کو بھی منزل معرفت کیساتھ لگائے مگر وہ نفس بدبخت کہ جسپر ازل سے ہی ملعونیت کا طوق پڑ گیا۔ اے روح وہ تیرے اہل ہونے کے لائق نہ رہا۔ اور انکو ہمراہی بنا جو تیری سچائی پر ایمان لا چکے اگرچہ وہ تھوڑے ہیں۔ روح مقدسہ کا اہل وہ ہے جو تزکیہ ذات کیوجہ سے مثل روح لطیف ہو جائے اور کثافت جسد کی

لطافت نوری کا پرتو ہو جاتے۔ اسی مقام وحدت پر پہنچ کر حکم الٰہی آتا ہے کہ قَالَ ارْكَبُوا فِيهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰهَا اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ . فرمایا اے ازلی خوش بختو بحرِ قدم کے نظارے لینے کے لئے۔ اس قلب عارف کے سفینے میں سوار ہو جاؤ جو ناطقہ ربانیہ کی روح کی ہمراہی میں عنایات الٰہیہ کی شمولیت کے ساتھ اسم اللہ سے ہے اس کا جاری ہونا صفات کے قلزم میں اسی ذات محمد کے نام سے ہے اس کا ٹھہرنا قاموس ذات میں ہے بھروسہ کشتی پر نہیں اسم ذات پر ہے۔ جو اس کے ساتھ لگا وہ حادث بھی فنا نہیں وہ ضعیف بھی محروم نہیں بے شک میرا رب جس نے کہ اپنے پیاروں کے لئے اپنے مشاہدے کے انوار جمال بچھا دیئے جن کا جاری ہونا صفات قدس میں ہے اور قبض یعنی ٹھہرنا عظمت کے دبدبوں میں ہے۔ اسم اللہ ہر عارف کامل کا وجود ہے۔ عالم جسمانی کے دریا میں کشتی شریعت کا جاری ہونا ہے اوامر شرعی میں اور ٹھہرنا ہے نواہی شرعی میں۔ میرا رب غفور ہے کہ بخش دیتا ہے ان ظلمات بدنیہ اور ذنوب طبعیہ کو جو ہلاک کرنے والے ہیں اور رحیم ہے کہ الہامات کشفیہ عملیہ کی عطا سے رحم فرماتا ہے اور ہیئۃ نورانیہ کے ذریعے نجات دیتا ہے اگر یہ معرفت ورحمت نہ ہو تو اپنے ہم جنس کفار کی طرح سب ہلاک ہو جائیں۔ یہ سفینۂ حقیقت مرکز تجلیات ایسی موجوں میں جاری رہتی ہے جو دریائے طبیعۃ جسمانیہ کے فتنوں سے پر ہے اور جو غلبۂ خواہشات میں مثل پہاڑ کے ہے۔ حجاب ظلمت ہے۔ تجلیات کے دیدار کے لئے۔ گناہوں کی ملاوٹ کی موجیں ہیں۔ وَنَادٰی نُوْحُ ۨ ابْنَهٗ وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ ۔

- - - - - - - - - - روح لطیف نے طبع لطیف کو ندا دی جو مثل بیٹے کے اسی کے جسد کثیف کے صفات میں سے تھا اور تھا وہ طبع۔ شریعت اور معرفت کے کنارے پرا ے راہِ سلوک کے ہمراہی۔ ہمارے دین میں داخل ہو کر تجلیات کے جھرمٹ میں آ جا اور محجوبین اور ہلاک ہونے والوں میں نہ رہ ورنہ طبیعت کے دریا میں بہہ کر خواہشات نفس کی موجوں میں غرق ہو جائے گا۔ ایمان وہ روشنی ہے جو قلب منور کے آئینے سے ظاہر ہوتی ہے خواص کا ایمان عین کرم خداوندی سے ان دلوں پر نزول فرماتا ہے جو بلا واسطہ فیض الٰہی کے قابل ہیں اور عوام کا ایمان اقرار زبان اور عمل ارکان کے واسطے سے دل میں داخل ہوتا ہے۔ اسی لئے مومن تھوڑے ہوتے ہیں۔

قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ؕ قَالَ

بیٹا بولا ابھی پناہ لیتا ہوں میں طرف پہاڑ بچالے گا وہ مجھ کو سے پانی فرمایا نہیں بچا سکتا

بولا اب میں کسی پہاڑ کی پناہ لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچالے گا کہا آج

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ ۚ وَحَالَ

کوئی آج سے عذاب اللہ کے مگر وہ شخص رحم کیا اللہ نے جس پر اور حائل ہوگئی

اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں مگر جس پر وہ رحم کرے اور ان

بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ ﴿۴۳﴾ وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ

درمیان ان دونوں کے بڑی لہر تو ہوگیا وہ سے ڈوبتوں اور حکم کہا گیا اے زمین

کے بیچ میں موج آڑے آئی تو وہ ڈوبتوں میں رہ گیا اور حکم فرمایا گیا کہ اے

ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ وَ

چوس لے پانی اپنا اور اے آسمان رک جا اور خشک کیا گیا پانی اور

زمین اپنا پانی نگل لے اور اے آسمان تھم جا اور پانی خشک کردیا گیا اور

قُضِيَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِيِّ وَقِيْلَ بُعْدًا

ختم کردیا گیا تمام معاملہ اور کشتی برابر لگی پر جودی اور فرمایا گیا

کام تمام ہوا اور کشتی کوہ جودی پر ٹھہری اور فرمایا گیا کہ دور

لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ ركوع

ہوں بے انصاف لوگ

ہوں بے انصاف لوگ

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں نبی علیہ السلام کی پیاری بھری پکار کا ذکر تھا۔ اب کافر بیٹے کے متکبرانہ جواب کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں اس خطاب کا ذکر ہوا جو اللہ کریم نے نوح علیہ السلام کو کیا کہ ہمارا عذاب آگیا تم سب مسلمان بسم اللہ پڑھتے سوار ہو جاؤ مسلمان تو خبردار ہو گئے مگر کفار ابھی تک اسی گمان میں تھے کہ یہ عام سیلاب ہے ابھی ختم ہو جائے گا۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ نوح علیہ السلام نے سوار ہو کر علی الاعلان سب کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ عذاب ہے اس سے سوائے مومن کوئی نہیں بچ سکتا۔ تاکہ کوئی بے خبری سے نہ مارا جائے۔ اب بھی وقت ہے کشتی میں آ جاؤ مومن بن جاؤ۔

تعلق پچھلی آیات میں کفار کے آخری کفر کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں نوح علیہ السلام کی آخری تبلیغ اور ان کو آخری دعوت اسلام دینے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحویانہ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ قَالَ فعل ماضی کا فاعل ابن نوح علیہ السلام کنعان ہے س حرف تقریب ہے بمعنی عنقریب اٰوِی فعل مضارع واحد متکلم اَوْیٌ سے مشتق بمعنی پناہ لینا اِلٰی انتہاء مکانی کے لئے ہے جَبَلٍ جَبْلٌ سے بنا ہے بمعنی سخت۔ مضبوط۔ اسی سے ہے جِبِلَّتٌ بمعنی مضبوط اصل عادت یہاں بمعنی پتھر کا پہاڑ یَعْصِمُنِیْ یَعْصِمُ فعل مضارع معروف عصمت بمعنی بچانا لغوی معنی مراد ہیں نہ کہ اصطلاحی معنی نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ مِنْ حرف جر بمعنی باء جارہ اَلْمَآءِ الف لام عہد ذہنی ماء بمعنی طوفانی سیلاب۔ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ قال کا فاعل حضرت نوح ہے پہلے مقولے کا جوابی قول لَا عَاصِمَ میں لا نفی جنس ہے عَاصِمَ اسم فاعل عَصْمَتٌ سے بنا ہے لا کا اسم منصوب ہے اَلْیَوْمَ ظرف زمان ہے عَاصِمَ کا بحالت نصب میں ہے مِنْ تبیینیہ اَمْرٌ بمعنی عذاب سبب بول کر مسبب مراد ہے لفظ اللہ مضاف الیہ اِلَّا مَنْ اِلَّا حرف استثناء متصل کے لئے مَنْ اسم موصول نکرہ موصوفہ کے لئے رَحِمَ فعل ماضی باب سَمِعَ کا اقطرب فاعل مضاف ہے یاء متکلم کی طرف جس کا مرجع حضرت نوح ہیں وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ واؤ سرجملہ ہے حَالَ حَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی گھومنا حائل ہونا بَیْنَ ظرف مکان ہے هُمَا کا مرجع باپ بیٹا ہے الموج میں الف لام عہدی ہے۔ موج مصدر بھی ہے اور اسم جامد بھی یہاں اسم جامد ہے فا تعقیبیہ کَانَ بمعنی صَارَ یعنی اس وقت ہوگیا مِنْ تبعیضیہ المغرقین میں الف لام استغراقی مغرقین جمع کثرت وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ واؤ سرجملہ قِیْلَ فعل ماضی مجہول اس کا نائب فاعل نادی کا پورا جملہ وہی مقولہ ہے قائل باری تعالیٰ یا حرف ندا سَمَاءُ منادی مفرد مبنی برضم اِبْلَعِیْ باب افعال کا امر حاضر مونث بَلْعٌ سے مشتق ہے بمعنی جانوروں کا گھاس نگلنا یا پانی چوسنا یہاں یہ دوسرے معنی مراد ہیں۔ مَآءَكِ مضاف كِ ضمیر مونث مضاف الیہ اور یہ اضافت مقامیہ ہے نہ کہ نسبتی یعنی زمین کے اوپر طوفانی پانی۔ واؤ عاطفہ یا حرف ندا سماء منادی مفرد۔ مفرد تین قسم کا ہے ۱ مفرد مقابل تثنیہ جمع ۲ مفرد مقابل مرکب ۳ مفرد مقابل مضاف یہاں یہ آخری معنی مراد ہے اَقْلِعِیْ فعل امر حاضر مونث سماء جمع مذکر مکسّر ہے اَقْلِعِیْ کا فاعل اس کی ضمیر ہے یہاں مذکر کے لئے افعال مونث جائز ہے قَلْعٌ سے مشتق ہے بمعنی ایک دم بند ہونا رکنا سماء باعتبار لغوی معنی بادل مراد ہے وَغِیْضَ الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ واؤ استینافیہ غِیْضَ فعل ماضی مجہول بروزن بِیْعَ غَیْضٌ سے مشتق ہے بمعنی کم کرنا الماء الف لام عہد ذہنی یا خارجی ماء سے مراد طوفان کا سیلابی پانی نائب فاعل ہے واؤ عاطفہ قُضِیَ باب ضَرَبَ کا فعل مجہول قَضْیٌ ناقص یائی سے مشتق بمعنی فیصلے کو جاری

کر دینا الامر الف لام عہدی امر سے مراد عذاب کفار و نجات مومنین واؤ عاطفہ یا ابتدائیہ ہے۔ استوت فعل ماضی مونث اس کا فاعل کشتی نوح ہے علیٰ حرف جر اپنے اصلی معنی میں ہے الجودی الف لام معرفہ کا ہے۔ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ . واؤ مرتبہ قیل۔ فعل ماضی مجہول اس کا مجہول فاعل صحیح مذہب میں باری تعالیٰ ہے بعض نے کہا یہ حضرت نوح کا قول ہے بعض نے حضرت جبریل کی طرف نسبت دی مگر صحیح پہلا ہے اور مقولے سے مراد وحی الٰہی ہے۔ بُعْدًا تنوین عوض کی ہے یہ مقولہ دراصل لِيَبْعُدُوا بُعْدًا۔ تھا مفعول مطلق ہے فعل محذوف لِيَبْعُدُوا کا مراد بُعد سے لعنت مخصوصہ لفظ مخصوصۃً کے عوض تنوین ہے یہ نکرہ مخصوصہ ہے لِلْقَوْمِ میں لام صلہ کا ہے یا تعلیلیہ تب متعلق ہے قیل کے پہلی صورت میں بُعداً سے ملحق ہے الف لام تخصیصی ہے قوم سے غرق شدہ کافر ہیں الظَّالِمِينَ الف لام بمعنی الذین ظالمین جمع کثرت ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالَ سَآوِي إِلَىٰ جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ ۔ اتنا دلکش و دلنشیں کلام سننے کے باوجود سختی۔ کفر یہاں تک تھی کہ پسر نوح کنعان بولا ابھی عنقریب میں پناہ پکڑلوں گا کسی پہاڑ کی طرف جو اپنی بلندی کی وجہ سے مجھ کو بچالے گا۔ اس پانی سے لہٰذا میں غرق نہیں ہو سکتا۔ اس لئے مجھے ایمان لانے کی ضرورت نہیں نہ میں کشتی میں سوار ہوں گا۔ وہ اس پانی کو عام سیلاب سمجھا تھا اس کو خبر نہ تھی کہ یہ پانی تو آیا ہی کفار کو ہلاک کرنے کے لیے۔ یہ سیلاب نہیں عذاب ہے۔ آج بجز مومنوں کے کسی جگہ پناہ نہیں۔ آج تو دامن نبی ہی بچا سکتا ہے۔ اس کے اسی گمان فاسد کو مٹانے کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِلَّا مَن رَّحِمَ . حضرت نوح نے فرمایا آج کوئی ذاتاً یا صفۃً بچانے والا نہیں۔ یعنی ویسے تو اللہ کے مقابل کبھی بھی کوئی کسی طرح نہیں بچا سکتا لیکن خصوصیت سے آج تو نہ کوئی ذاتی طور پر بچا سکے کہ وہ تیرے پاس آکر تجھے بچائے اور تجھے پکڑ کرلے جائے نہ صفاتی طور پر بچا سکے کہ تو اس کے پاس پہنچ کر خود بچ سکے اللہ تعالیٰ جلّ شانہ کے امر یعنی اس کے مسبب عذاب سے جو بشکل طوفان ہے یہ کلام بطور مشفقانہ تنبیہ کے ہے۔ کہ اُس نے اس کو پانی سمجھا چاہیئے تھا کہ اس کو عذاب سمجھتا اور اللہ کے حضور جھک جاتا۔ ہاں مگر وہی بچ سکتا ہے جس پر اللہ رحم فرمائے۔ یہاں عاصم بمعنی معصوم ہے یعنی آج کوئی بچایا ہوا نہیں مَن رَّحِمَ میں رَحِمَ بمعنی مرحوم ہے یا راحم۔ یعنی مگر وہ جو رحم کے لائق ہو یا جس پر اللہ تعالیٰ رحم کرنے والا ہو۔ یہاں اِلَّا ایک روایت میں متصل ہے۔ یہاں چار طرح مطلب بن سکتے ہیں۔ ۱ نہیں کوئی بچانے والا مگر رحم کرنے والا ہی بچا سکتا ہے ۲ نہیں کوئی بچا ہوا مگر وہی جس پر رحم کیا ہوا ہے ۳ نہیں کوئی بچانے والا کسی کو مگر اسی کو جس پر رحم کیا ہوا ہو ۴ اور نہیں کوئی بچا ہوا مگر وہی جس پر رحم کرنے والا ہو۔ پہلی دو صورتوں میں مستثنا دو طرفہ ایک جنس سے ہے لہٰذا مستثنیٰ متصل ہے اور دوسری دو صورتوں میں چونکہ غیر جنس ہے اس طرح کہ ایک طرف عاصم یعنی مستثنیٰ منہ عاصم۔ اور مستثنیٰ مرحوم۔ اور چوتھی صورت مستثنیٰ منہ معصوم مستثنیٰ راحم۔ لہٰذا استثناء منفصل

منقطع ہوا۔ یہ چار احتمال تو بچنے والے اور بچانے والے میں مرحوم وراحم میں تھے۔ اسی طرح وقت رحم میں بھی دو احتمال ہیں اگر گزشتہ رحمت مراد ہے یعنی عطاءِ ایمان توفیق خیر نبی اکرم کی اطاعت وغلامی وغیرہ تو لَا عَاصِمَ کا جملہ مجمل ہے اور اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کا جملہ استثنائیہ اس کی تفصیل ہے اور اگر آئندہ کی عصمت ورحمت مراد ہے تو مستثنیٰ منہ کا یہی پہلا جملہ مُبْہَم ہے اور مستثنیٰ کا یہ دوسرا جملہ اس کی تفسیر ہے اور یہاں رحمت کرنے کی علت غائی سمجھانے کے لئے اس طرح ارشاد ہوا کہ اے بیٹے ہر جگہ ہر شخص کے لئے پہلے رب کا رحم ہے عطاء کے ہاتھ بلند ہیں بڑے سے بڑا مجرم گناہ گار فاسق بلکہ کافر بھی رحم کی امید نہ توڑے مایوس نہ ہو صرف دامنِ التجا وتمنا پھیلانے کی ضرورت ہے۔ تو دامن تو پھیلا پھر دیکھے گا کہ اس کریم رحیم کے سوا کوئی آج تیرے دامن کو ایمان عرفان تقوا محبت عافیت سے بھرنے والا نہیں ابھی تجھ پر اس کا غضب ہے مگر جب تونے دامن التجا پھیلا دیا تو اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب آجائے گی تو اس عذاب سے بچ جائے گا۔ لیکن اگر تونے دامن ہی نہ پھیلایا تو صاف ظاہر ہے کہ ع

جھولی ہی تیری تنگ ہے ۔ اس کے یہاں کمی نہیں

پھر تجھے کون بچائے اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا رحم یہ ہے کہ بندے نبی کے قدموں میں ڈال دے جس کو نبی اللہ کے دامن سے وابستگی کی توفیق مل گئی اس کے لئے ہزاروں بچانے والے مدد کرنے والے ہیں لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ وہ ہے جو آستانۂ نبی سے دور ہے۔ اس لئے کشتی میں سوار مومنوں سے لا عاصم نہیں فرمایا کہ وہ قرب اور حفاظتِ نبی میں تھے حضرت نوح بھی بیٹے کو اپنے پاس بلا رہے ہیں یعنی آج میرے قرب میں حفاظت ہے۔ یہ باتیں وعظ نصیحت تبلیغ ہو رہی تھی مدارجِ عشق سمجھائے جا رہے تھے۔ معرفت کے جام لنڈھائے جا رہے تھے ادھر پانی مسلسل بڑھتا جا رہا تھا کشتی ہچکولے کھاتی اُٹھ رہی تھی بیٹا بنتا تو بھاگ کر کشتی میں چڑھ جاتا ایسے مشفق مہربان پیار کرنے والے والد کے قدموں سے لگ جاتا ندامت کے آنسوؤں سے پہلی خطاؤں گناہوں کو دھو ڈالتا۔ رحیم باپ کریم مشکل کشا نبی حاجت روا رسول تو پہلے ہی دامن محبت کھولے کھڑا ہے وہ بھی خوش ہو جاتا۔ اس کے بھی وفور محبت سے آنسو نکل آتے دونوں بغل گیر ہوتے۔ کافر ومومن اس نظارۂ دلفریب کو دیکھتے رہتی دنیا تک نام روشن ہو جاتا کہ منانے والا تو تھا ہی مگر ماننے والا بھی کیسا عظیم تھا۔ مگر بدبختی وبدنصیبی یہ کہ اس آخری مہلت میں بھی وقت کو گنوا دیا نبی کے فرمان کے مقابل عقل نفسانی کو لگا دیا۔ یہاں تک کہ وَحَالَ بَيْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِيْنَ اور دونوں باپ بیٹوں کے درمیان ایک بڑی موج پانی کا دندناتا ہوا ریلا حائل ہو گیا جس نے یہ سلسلۂ کلام اور ایک دوسرے کو دیکھنا منقطع کر دیا۔ حضرت نوح اور مومنوں کی نگاہیں ابھی بھی باہر کی طرف لگی ہوئی ہیں۔ جب اس موج کا لہراتا پانی نیچے بیٹھا تو وہ بیٹا کنعان ڈوبنے والوں میں ہو چکا تھا۔ کہ اس ایک لہر نے دور دور تک کفر کے میدان صاف کر دیئے تھے ظلم کے پردے توڑ دیئے تھے۔ صفاتی طور پر تو پہلے ہی وہ لڑکا مغرقین میں تھا مگر بالفعل اب ہوا مغرقین میں سے باطل کا شور ظلم کی چیخ پکار کفر کا غرور سرکش کی غراہٹ۔ بدکار کی مہلتیں بس یہیں تک تھیں۔ ظلم ختم

کفر انجام کو پہنچا۔ لہٰذا وَقِيْلَ يٰۤاَرْضُ ابْلَعِىْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِىْ ۔ اور اس چالیس روزہ چڑھتے طوفان کے بعد فرمایا گیا اے زمین چوس لے اپنے پانی کو جو بھی اس وقت تیرے اوپر ہے خواہ تجھ سے نکلا ہوا یا بادل سے اترا ہوا کہ اب وہ زمینی پانی بن گیا۔ مظروف ہمیشہ ظرف کی طرف ہی منسوب ہوتا ہے اور اے آسمان یعنی بلند بادل تھم جا۔ رُک جا۔ چالیس دن رات متواتر موسلا دھار بارش ہوتی رہی اور پانی اتنا بلند ہوا کہ زمین کے اونچے پہاڑ سے چالیس گز بلند تھا چالیس دن بعد پانی کی چڑھائی بند ہوگئی اللہ اکبر۔ پانچ مہینے تک کشتی زمین کا طواف کرتی رہی۔ کسی چیز پر نہ ٹھہری۔ جب فضاء کعبہ شریف کے پاس آئی تو حرم میں داخل نہ ہوئی۔ ایک روایت ہے کہ خانہ کعبہ جو حضرت آدم نے سب سے پہلے بنایا تھا وہ سیلاب سے محفوظ رہا پانی کو قدرت الٰہی نے اس سے دور رکھا۔ ایک روایت میں ہے کہ کعبے کو اس کے مقابل ساتویں آسمان تک اٹھا لیا گیا جہاں بیت المعمور ہے (جمل و روح البیان) یہ طوفانی سیلاب تندور سے شروع ہوا جو ایک صحیح روایت کے مطابق حضرت حوا کا بنایا ہوا بڑا تندور زمین کے اندر گڑھا ہوا پتھریلا تھا پھر حضرت نوح علیہ السلام کے گھر کے اندر وہ شامل ہوا اور حضرت نوح علیہ السلام کی دوسری بیوی جو مومنہ تھیں بعض نے کہا کہ حضرت نوح نے اپنی دونوں بیویوں کے نام ان کی طبیعت کے مطابق خود رکھے تھے پہلی بیوی ضدی طبیعت اور بات بات میں دھوکہ فریب کرنے والی تھی تو اس کا نام واعلہ رکھا۔ دوسری بیوی نرم دل صاف گو تھی اس کا نام والعدر کھا۔ یہ دونوں لفظ عبرانی ہیں۔ پہلی کافرہ دوسری مومنہ ہوئی یہ مومنہ بیوی حضرت نوح کے اسی گھر میں ان کے ساتھ رہتی تھیں۔ پہلی کافرہ بیوی اپنے میکے میں کفار کے ساتھ زیادہ رہتی تھی۔ تندور سے پانی نکلنا حضرت نوح کے لئے اطلاعی علامت تھی۔ اس لئے سب سے پہلے تندور سے پانی نکلا۔ بعد میں علاقے کے مختلف مقامات سے پانی پھوٹ پڑا اور آناً فاناً سب کو پتہ لگ گیا کہ سیلاب آرہا ہے۔ سمجھتے تھے کہ یہ عذاب ہے بجائے ایمان لانے کے۔ بچنے کے لئے اپنی سیاستیں اور عقلیں دوڑانے لگے ہمارے دو ایک اردو مفسر ابھی تک اسی چکر میں ہیں کہ یہ سیلاب صرف حضرت نوح کے علاقہ کردستان۔ ارمینیا۔ دیار بکر۔ نینوا ہی میں ہی آیا نہ کہ ساری دنیا میں ان عقل کے کوڑوں کو ابھی تک یہ سمجھ نہیں آئی کہ آخر اتنا بلند پانی جو اونچے پہاڑوں سے تیس تیس۔ چالیس چالیس گز اونچا تھا۔ اس نے زمین کا کون ساحصہ میدانی چھوڑا ہوگا۔ جبکہ تجرباتی مسئلہ ہے کہ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ ہاں یہ طوفان آیا ساری روئے زمین پر مگر عذاب صرف قوم نوح کے لئے تھا کیونکہ اس وقت دنیا میں صرف یہی انسانی قوم تھی اور صرف حضرت نوح ہی ساری روئے زمین پر ایک واحد نبی اس قوم کی نفری بقول جمل تقریباً پچیس لاکھ تھی جو ان مذکورہ بالا بارہ علاقوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ پس اس وقت حضرت آدم کی تیئیس سو سالہ عرصے کی یہی اولاد تھی۔ ساری دنیا کے سیلاب کو صرف اس لئے نہ ماننا کہ اسرائیلی روایت میں اس کا ذکر آگیا یا عیسائیوں نے اپنی کتاب پیدائش باب آیت ۱ تا ۱۹ میں اس طرح لکھ دیا۔ یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ حقیقت ماننی ہی پڑتی ہے خواہ کوئی بتائے۔ حضرت نوح نے بددعا کی تھی رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ الخ۔ یہاں الارض میں الف لام عہدی نہیں ہے بلکہ استغراقی ہے اَلْكٰفِرِيْنَ کی جمع

کثرت بتا رہی ہے۔ ربِّ قدیر نے دونوں کو آسمان و زمین کو حکم دیا اس نے فوراً مانا اس لئے وَغِيضَ الْمَآءُ وَقُضِىَ الْاَمْرُ وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُودِيِّ وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ زمین نے بحکم رب تعالیٰ پانی چوسنا شروع کیا نہ کہ نگلنا ہمارے کچھ مترجمین نے نگلنا ترجمہ کیا ہے وہ یا تو چوسنے نگلنے میں فرق نہیں کرتے یا انہوں نے توجہ نہ دی حالانکہ چوسنے نگلنے میں بڑا فرق ہے۔ چھوٹے منہ سے بغیر کھولے ہوئے چوسنا ہوتا ہے۔ منہ پھاڑ کر پینا نگلنا ہوتا ہے۔ جب پانی نکلا تھا تو جگہ جگہ زمین سے منہ پھاڑ کر نکلا تھا اس لئے تھوڑی سی مدت چالیس دن میں پانی کہاں جا پہنچا تھا جب پانی اترا تو دس مہینے لگا اور پھر نکلا تھا صرف تیرہ چشموں سے۔ لیکن چوسا زمین کے ہر حصے نے کہ فرمایا اور کم کیا جاتا رہا پانی اتنی تیزی سے نہیں بلکہ بتدریج اب وہ جلدی نہ تھی کیونکہ قُضِيَ الْاَمْرُ فیصلہ کبھی کا ختم ہو چکا مکمل ہو چکا۔ اور پانی آہستہ آہستہ اترتا کم ہوتا رہا یہاں تک کہ پانچ ماہ بعد وہ کشتی برابر ہوئی یعنی ٹھہری جودی پہاڑ پر۔ دریا دجلہ کی مشرق سمت میں جو پہاڑی سلسلہ ہے اس کو کوہ اراراط کہتے ہیں اس کی ایک چوٹی کا نام جودی ہے۔ اس کی سب سے اونچی چوٹی کا نام بھی اراراط ہے اس کی بلندی سولہ ہزار نو سو چھیالیس فٹ ۱۶۹۴۶ سطح سمندر سے ہے جودی کی بلندی پہلے بتا دی گئی (تیرہ ہزار فٹ ۱۳۰۰۰) محرم شریف کی دس تاریخ جمعہ دن عین نماز کے وقت کشتی جودی پر ٹھہری آپ نے سب پرندوں اور جانوروں کو آزاد کر دیا۔ آپ نے لوگوں سے کہا کہ لاؤ بھئی جو کچھ کھانے کو کسی کے ساتھ ہے سب اشیاء ایک جگہ پکائی گئی جو سب نے مل کر پانچ ماہ بعد پہلے کھانے کے طور پر کھایا گیا۔ اسی کی یاد میں اسی تاریخ کو مسلمان حلیم پکاتے ہیں۔ ابھی نیچے جہان میں ہر طرف پانی ہے جو روز بروز کم ہو رہا ہے۔ پانی کے بالکل ختم ہونے میں مزید پانچ ماہ خرچ ہوئے۔ آپ اور آپ کی یہ جماعت چار ماہ جودی پر ٹھہرے پھر اپنے علاقے میں تشریف لا کر مزید ساٹھ سال آباد رہے۔ اور فرمایا گیا رب کی طرف سے حضرت نوح گویا تا قیامت انسانوں کو دوری ہو یا اس طرح کہ ہلاکت دنیوی ہو یا اس طرح کہ پھٹکار ہو دنیوی۔ یا اس طرح کہ لعنت ہو اخروی۔ کافر قوم کو یہ جملہ خبر ہے یا دعائیہ ہمارا ترجمہ دعائیہ کا ہے (کبیر۔ معانی۔ بیان مظہری۔ جمل۔ سراج منیر۔ تفسیر الحدیث خازن۔ صاوی)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** ہر کامیابی کو رب کی طرف سے جاننا چاہیئے۔ وہی حقیقی کارساز ہے۔ اس کے مقابلے کوئی کسی کو بچا نہیں سکتا۔ یہی عقیدہ مومن کی شان ہے۔ کافر اپنی عقل کو سیاست اور سیاسی چالوں کو کامیابی کا ذریعہ سمجھتا ہے اور نقصان اٹھاتا ہے یہ فائدہ قَالَ سَاٰوِىْٓ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اللہ تعالےٰ کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے۔ انسان کو چاہیئے کہ ہمہ وقت رحمت کا طالب رہے گنا ہگار کو بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے یہ فائدہ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ہر چیز رب کی تابع فرمان۔ یہاں تک کہ جمادات نباتات حیوانات بھی۔ کسی کو اس کے حکم عدولی کی جرئت نہیں۔ صرف انسان ہی وہ سرکش اور بدبخت ہے جو اپنے رب کی کھلم کھلا نافرمانی حکم عدولی کرتا ہے اور اس کے نبیوں سے سرتابی کرتا ہے۔ مومن

اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ یہ فائدہ یٰاَرْضُ ابْلَعِیْ الخ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اشارۃً فرمایا گیا کہ زمین و آسمان نے ہمارا حکم مانا جو اتنے بڑے ہیں مگر چھوٹے سے انسان کمزور جان نے ہمارا حکم نہ مانا **چوتھا فائدہ** حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کے بارے میں اس کی زندگی میں کچھ نہ پوچھا۔ نہ باوجود کفر کے اس کو بچانے کی درخواست رب کے حضور پیش کی۔ بلکہ بعد موت صرف ایک ابھرتے ہوتے ذہنی سوال کی تسلی چاہی تھی۔ یہ فائدہ حَالَ بَیْنَہُمَا الْمَوْجُ کے پہلے فرمانے سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** نبی ہر وقت مشکل کشا حاجت روا ہوتے ہیں اور ہر کفار کو دولت ایمان دیکر دنیا و آخرت کی مصیبت سے بچا سکتے ہیں کافر خود دور رہ کر مصیبت میں ہلاک ہو جاتا ہے۔ یہ اس کا اپنا قصور ہے۔ یہ فائدہ لاعاصمَ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ اس کو کوئی نہیں بچا سکتا جو نبی سے دور ہو ورنہ جو نبی کے قریب آجاتے تو نبی علیہ السلام اس کے بچانے میں مجبور نہیں بلکہ مکمل قادر ہیں۔ جن جہلا نے لَا عَاصِمَ کے لفظ سے نبی کی مجبوری ثابت کی ہے یہ ان کی کور چشمی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ اس آیت میں فرمایا گیا لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ اس پر استثنار کیا ہے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ کو یہ استثنا مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ عاصِم بمعنی معصوم اور رَحِمَ بمعنی مرحوم ہے۔ اس استثناء سے لازم آتا ہے رحم پہلے ہو عصمت بعد میں حالانکہ رحم کیا ہے! یعنی آج طوفان سے بچانا یہ ہی عصمت ہے اس لئے کہ طوفان سے معصوم کون وہی جس کو کشتی میں بٹھا کر رحم کیا گیا۔ تو رحم بعد میں ہوا۔ استثنا چاہتا ہے کہ رحم پہلے ہو۔ **جواب** محمد ابن ابی بکر رازی نے اس کے جواب میں فرمایا کہ عاصم تو بمعنی معصوم ہے کیونکہ بہت دفعہ اسم فاعل بمعنی اسم مفعول آجاتا ہے۔ ایک آیت میں ہے مِنْ مَّآءٍ دَافِقٍ دافق بمعنی مدفوق فِیْ عِیْشَۃٍ رَّاضِیَۃٍ میں راضیہ بمعنی مَرْضِیَّۃ۔ عرب کہتا ہے سِرٌّ کَاتِمٌ یعنی مَکْتُوْمٌ چھپا ہوا بھید۔ وغیرہ وغیرہ مگر رحم بمعنی مرحوم نہیں بلکہ راحم ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ آج کوئی معصوم نہیں مگر جس پر راحم یعنی اللہ رحم کرے اب کوئی اعتراض نہ رہا اعتراض اسی صورت میں تھا جب ہم مرحوم مراد لیتے **دوسرا اعتراض** اللہ تعالےٰ نے آسمان و زمین کو حکم دیا کہ تو رک جا تھم جا اور تو پانی چوس لے۔ حالانکہ یہ دونوں بے عقل چیزیں ہیں اور امر نہی اس کو ہوتا ہے۔ جو عقل رکھے خطاب سمجھے **جواب** اس کا جواب بھی ابوبکر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دو طرح دیا ہے ایک یہ کہ ظاہراً حکم اور خطاب زمین و آسمان کو ہے مگر حقیقت میں حکم ان ملائکہ مدبرات امر کو ہے جو بارش برسانے اور پانی بہانے پر مامور ہیں مگر یہ جواب ٹھیک نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ امر دو قسم کے ہیں ۱ امر ایجاب ۲ امر ایجاد امر ایجاب صرف ذی عقل مکلفین کو ہوتا ہے مگر امر ایجاد اس میں عقل و فہم کی شرط نہیں ہے کیونکہ کائنات کی تمام اشیاء باعتبار امر ایجاد کے اللہ کے حضور مطیع و فرمانبردار ہیں۔ بہت جگہ اللہ کے امر ایجادی پائے گئے۔ چنانچہ فرماتا ہے اِذَآ اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَہٗ کُنْ فَیَکُوْنُ اور فرماتا ہے۔ فَقَالَ لَهَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ یعنی اللہ کہتا ہے ہو جا تو ہو جاتی ہے رب اللہ نے زمین کو کہا خوشی نا خوشی سے نیچے جھک جا۔ مگر میں یہ جواب دیتا ہوں کہ ہمارے اعتبار سے زمین و آسمان کو عقل و فہم نہیں ہم نے یہ سمجھ لیا

حالانکہ حقیقت میں ہر شے کو اپنے اپنے لحاظ سے عقل بھی ہے فہم بھی ہے نطق بھی **تیسرا اعتراض** کشتی نوح جودی پہاڑ پر کیوں ٹھہری زمین پر کیوں نہ ٹھہری جبکہ چلی زمین سے تھی **جواب** اس کی چند وجہ ہیں ۱ مقصد حاصل ہوگیا تھا کفر کو مٹانا اب زیادہ دیر ٹھہرنا ضروری نہ تھا زمین پر اترنے کے لئے خواہ مخواہ پانچ ماہ اور صرف ہوتے ۲ طوفان کی بلندی کا اظہار مقصد تھا کہ جب پانی خشک ہونا شروع ہوا تو پانچ ماہ بعد جودی جیسے بلند پہاڑ کی چوٹی ابھری ۳ دنیا میں پہاڑ نبی کی کرسی ہیں۔ اسی لئے ہر نبی کو ایک پہاڑ عطا ہوا۔ حضرت آدم کو سراندیپ حضرت نوح کو جودی۔ حضرت ابراہیم کو طائف۔ حضرت اسمٰعیل کو صفا مروہ حضرت موسیٰ کو طور خضر علیہ السلام کو قاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُحُدٌ

تفسیر صوفیانہ

جب نوح روح سعادت ابدیہ نجات ازلیہ کی طرف بلاتی ہے تو باطنی بدبختی والے عقل بندے کہتے ہیں اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ مِنَ الْمَآءِ ۔ ہم شریعت اور معرفت کی کیوں پناہ لیں ہم اپنے اس دماغ اور مغز کی پناہ پکڑ لیں گے جو محل عقل ہے دریاءِ عمیق کی لہروں سے سزا و عذاب کے طوفانوں سے مجھ کو میری عقل اور معقول بچالے گی میں اس طوفان و سیلاب کا مقابلہ کر لوں گا۔ تب نوح رحم و کرم کی ضمیر سے جواباً کہا جاتا ہے آج کوئی عقل و خرد دانش و فلسفہ فیصلۂ عذابِ رب سے بچانے والا نہیں۔ آج تو کرم خداوندی رحم حق تعالےٰ کی طرف آجانا ہی بچنے کا ذریعہ ہے۔ وہی بچے گا جس کو رب تعالیٰ توحید و شریعت سے نوازے گا یہ مکالمہ ابتداء سے ہر شقی و سعید کے سینۂ فیض گنجینہ میں ہلاکت اخروی تک لگا رہتا ہے عمر کے ہزاروں دن بیت جاتے ہیں سینۂ فیض کے انوار کا اثر ازلی بدبختوں کو نہیں ہوتا نہ صحبت روح کی لطافت ان کی کثافت کو دور کر سکتی ہے یہاں تک کہ وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ ۔ جدائی کی گھڑیاں قریب آجاتی ہیں۔ شقی و سعید کے امتیاز کے لمحے پہنچ جاتے ہیں اور دریاءِ موت کی ایک موج ان دونوں کے درمیان ایسی حائل ہوتی ہے اور خواہشات نفس کی موج ایسی حائل ہوتی ہے کہ بحر طبعی کے گہرے پانی بہائے جاتی۔ ابھی جس کو سانسوں کی ڈوری سے مضبوط بندھا سمجھتے تھے ایک ہی جھٹکے میں باپ بیٹے آل اولاد دنیا اور دنیا پرست اچھے برے کے درمیان انتہائی حجاب کی دوریاں ہوتی ہیں۔ وقت گذر جاتا ہے پچھتاوا اور حسرتیں رہ جاتی ہیں فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ ۔۔۔۔ پس ہو جاتا ہے ہیولاءِ جسمانی فنا کے بحر ناکنارے میں غرق والوں میں سے کنعان نفس اور نفس پرستوں کی سرکشی کی موت کے بعد مِثْلِ یَآ اَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ ۔۔ حق قدیم کی طرف سے شریعت و معرفت کی زبان سے طبیعۃ جسمانیہ کی زمین کو ندا کی گئی کہ اے زمین سفینہ نگل اپنے حوادثات و امتثال کے پانی کو شریعت اور اس کے احکام کے نفاذ کے لئے اور اے آسمانِ عقل وابتلاءُ مصائب وارداتِ گناہ سے رک جا تاکہ روح و قلب کو عافیت میسر ہو اے حجاب کے بادلو ہٹ جاؤ تاکہ جودی انوار پر کشتی شریعت کا قیام ہو وَغِیْضَ الْمَآءُ اور سُکھا دیا گیا وہ قوت طبعیہ جسمانیہ کا پانی اور ختم کر دی گئی حجاب کی وہ تری جو حیات حقیقیہ کو نور حقیقیہ سے منع کرنے والی تھی وَقُضِیَ الْاَمْرُ اور پورا کر دیا گیا بلاء و نجات۔ قبض و بسط موت و حیات باطنی کا فیصلہ وَاسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ اور کشتی اخیار فضل و کرم کے تھپیڑوں میں جودی انوار پر ٹھہری خوش بخت ہے وہ مومن جس

واردات وانعامات ہوں۔ لیکن وَقِيلَ بُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اور کہہ دیا گیا کہ لعنت کی دوری ہو ان ظالم نفسوں پر جنہوں نے دین خدا کو جھٹلایا۔ انبیاء کی گستاخی کی حق تعالے کو چھوڑ کر خواہشات کی عبادت کی عبادت الٰہی کی بجائے شریعت کی جگہ طبیعت کو رکھا جب بندے پر قلنا کا خطاب ربانی آ گیا تو بندہ مامور من اللہ ہو گیا کہ کشتی شریعت پر خود بھی سوار ہو اور ہر قسم کی صفات نفسانیہ کے جوڑے کو سوار کر لے۔ کیونکہ تا قیامت تندور قالب سے شہوتوں کا پانی ابلتا رہتا ہے جو کشتی روح نوح میں سوار ہوگا وہی بچے گا باقی کوئی نہ بچے گا۔ ہر قالب میں بے شمار صفات نفسانیہ اور ذات لاہوتیہ کے خاوند بیوی ہیں۔ شہوت بیوی ہے عفت خاوند ہے۔ حرص زوجہ ہے قناعت خاوند ہے۔ بخل زوجہ ہے سخاوت خاوند ہے غضب زوجہ ہے حلم خاوند ہے کینہ پروری زوجہ ہے سلامتی خاوند ہے۔ عداوت زوجہ ہے محبت اس کا خاوند ہے۔ تکبر بیوی ہے تواضع وعاجزی خاوند ہے۔ راہ خیر کی سستی کاہلی بیوی ہے عجلت اس کا خاوند ہے۔ غفلت زوجہ ہے۔ ہوش وحواس خاوند ہے۔ مکر وفریب زوجہ ہے عقل وخرد خاوند ہے جسم انسانی کی تمام صفات رذیلہ وعاداتِ ضمیمہ مثل عورت کے کمزور وکم عقل ہیں اور صفات حمیدہ مثل مرد کے غالب وقوی اہل فکر وتدبر ہیں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو تم عقل ودین میں ناقص ہو۔ قرآن مجید نے فرمایا اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ۔ مرد عورتوں پر غالب ہیں اصطلاح صوفیا میں مرد وہ ہے جس کی صفات حمیدہ اوصاف رذیلہ پر غالب آ جائیں۔ اگر صفات رذیلہ کا غلبہ ہو جاتے تو وہ شخص اہل طریقت کے مشرب میں بزدل کمزور عورت ہے اگرچہ ظاہراً مرد بنا پھرے۔ یہی حال ظاہری شرعی عورت کا ہے کاملیت ظاہر باطن کے کمال سے ہے۔ اور ظاہر کے اعمال باطن کا نشان اعظم ہیں اسی لئے باطن کتنا ہی صاف ہو کشتیٔ شریعت پر سوار ہونا ہر ایک پر فرض عین ہے جو پیر یا شیخ لباس صوفیا پہن کر شریعت سے دور ہو وہ دراصل کنعان نفس اور بندۂ شیطان ہے اہل شریعت کہتے ہیں کہ کنعان کو صحبت کفار نے خراب کیا مگر طریقت والے کہتے ہیں کہ کفار کو کنعان نے برباد کیا۔ اسی طرح اہل ظاہر کہتے ہیں کہ پیروں عالموں کی اولاد کو صحبت فساق نے خراب کیا مگر اہل باطن کہتے ہیں پیروں عالموں کی بُری اولاد مریدوں اور مقتدیوں کو برباد کرتے ہیں۔ کنعان نفس سردار ہے خصائل رذیلہ عاداتِ خبیثہ کا۔ کفار نے اپنے کفر کے لئے کنعان کے اعمال کا سہارا پکڑا۔ مرید پیر کے گھرانے کے کردار سے سہارا پکڑتے ہیں۔ اسی لئے حکم ہوا کہ اپنے اہل کو بھی کشتیٔ شریعت میں سوار کر صفات روح اہل روح ہیں لیکن کنعان نفس شقی ازلی ہے وہ اس کشتی میں سوار نہیں ہو سکتا۔ اپنا فرض سمجھانا بلانا ہے مگر ایمان صرف قلب اور سر ہی قبول کر سکتے ہیں۔ صفات قلب بمقابلہ عادات بہت تھوڑے ہیں۔ لیکن نجات مومن قلبی کے نصیب میں ہی ہے۔ گروہ فلاسفہ کہتا ہے کہ نجات کے لئے صرف اخلاق حمیدہ کافی ہے اعمال شرعی کی ضرورت نہیں یہ سراسر غلط اور تجربے ومشاہدے خلاف اس لئے کہ اخلاق

تمیدہ طبیعت کے صدور سے ہیں اور طبیعت نہیں جانتی کہ اعضاءِ ظاہری کی اصلاح و علاج کس طرح ہوگا اس کو نہیں پتہ کہ تزکیہ نفس کی مقدار کیا ہے اور زیورِ نفسِ مطمئن کیا ہے۔ کیونکہ طبیعت تو خود کتنی دفعہ بیماریِ خودی میں مبتلا ہوتی ہے۔ طبیب کامل ہی سچا علاج کر سکتا ہے وہ طبیب جو کسی طبیب کا حاجتمند نہ ہو وہ شریعت اور صاحبِ شریعت انبیاء کرام ہیں اسی لئے ہر شخص پر کشتیِ شریعت میں سوار ہونا لازم ہے فرق صرف اتنا ہے کہ صفاتِ قلبیہ اور حالاتِ سریّہ پار لگنے کے لئے سوار ہوں نوحِ روح پار لگانے کے لئے تا کہ مرض صحت۔ بیماری دوا کا پتہ لگ جاتے۔ پھر اسے منزلِ شوق اور مقصدِ ازلیہ کے مسافر قَالُوْا بَلٰى کی صدا لگانے والے گامزن۔ کشتیِ شریعت میں اپنی طبیعت کے حکم سے سوار نہ ہونا کہ یہ نفاقِ باطنی ہے اور سوار ہونے والا منافق ہے۔ مگر امرِ ربّی اور حکمِ خدا کے مطابق سوار ہونا۔ شریعت کا بحری جہاز نفس کے فتنوں والے طوفان اور دنیا کی دلچسپیوں تماشہ گاہ کے سیلاب سے نجات دینے والا معمول ہے۔ اسی کشتی کے سواروں پر شریعت کے اسرار کھلتے ہیں بشرطیکہ خالقِ روح کے حکم کی وجہ سے سوار ہو تب ہی نجات ہے تب ہی مفید ہے۔ اگر باپ دادا کی دیکھا دیکھی یا دوستوں کی ہمراہی میں سوار ہوا تو نہ نجات نہ فائدہ کشتیِ نوح علیہ السلام میں ابلیس بھی سوار ہوا تھا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ منافق کو کسی عادت و عبادت کا فائدہ نہیں ہے۔ کہ رضاءِ نفس کے لیے عبادات کرتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جو لذت کے لئے نماز پڑھتا ہے وہ منافق ہے جو رب کے لئے پڑھتا ہے وہ مخلص ہے۔ ہر آن سفینۂ شریعت اس لئے ضروری ہے کہ اس کا مَجْرٖىهَا مِنَ اللّٰهِ ہے اور اس کا مرسٰی الی اللہ ہے۔ جب بندہ طلبِ صادق میں ہو تو اللہ غفور ہے نجاتِ دنیا دے کر رحیم ہے قربِ الٰہی دے کر۔ بہت سے کم عقل شریعت کو بیکار اور کمزور سمجھتے ہیں نہ اس کو احترام کا مقام دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کشتیِ شریعت اتنی مضبوط ہے کہ اگر دریاءِ ابتلا سیلابِ مصائبِ نفس کے فتنے پہاڑ برابر موجوں کے ساتھ ہوں تو یہ سفینۂ نبوت جاری ہی رہتی ہے نہ اس میں دنیا کا سیلاب آتا ہے نہ یہ ڈوبتی ٹوٹتی پھوٹتی ہے اسی لئے نوحِ روح نے بار بار کنعانِ نفس کو پکارا کہ اے ولدِ قلب و سر سے پیدا ہونے والے تو بھی دور نہ رہ پناہِ عافیت میں آجا وہ معرفتِ حق اور طلبِ خدا سے دور تھا۔ ملعونوں کے ساتھ شریعت و ارکانِ شریعت کی فضیلت سے ناآشنا۔ اس لئے مثلِ فساق بولا کہ کشتی والے مولوی لوگ بیوقوف ہیں میں عقل کے پہاڑ پر پناہ لے لوں گا۔ ہر دور میں اہلِ شریعت کو بیوقوف اور اہلِ دنیا کو عقل مند سمجھا جاتا رہا۔ یہ دنیا پرست کہتے اور سمجھتے ہیں کہ تفکراتِ دنیا سے پریشانیِ حال سے دنیا پرستی بچالے گی مگر یہ خیال خام ہے۔ شعر

جو اہلِ دنیا کا رخ کروگے سکونِ خاطر کبھی نہ ہوگا   شریکِ غفلت بہت ملیں گے شریکِ عبرت کوئی نہ ہوگا

یہی مذہب کا جزوِ اعظم کہ دین دنیا پہ ہو مقدم

نئے طریقے میں لیکن اے دوست اور ہوگا سب کچھ یہی نہ ہوگا

اہل شریعت جب کامل ارادے سے شریعت کی کشتی میں سوار ہو جاتا ہے تو وہ کشتی کے سہارے دنیا و دون میں ہوتا ہے مگر دنیا اس میں نہیں آتی۔ لیکن بدنصیب کشتی سے دور دنیا، بشریت میں شہوات وشبہات سے پانی میں ارض جسدی پر جہاں ملاذ دنیا کا پانی ابلتا ہے اور آسمان قضا کا پانی برستا ہے۔ بھٹکتے پھرتے ڈوب جاتے ہیں۔ بچتے صرف وہی ہیں جنہوں نے حکم نبی کے دامن کو مضبوطی سے پکڑا۔ سدا وقت ایک جیسا نہیں رہتا ایک زمانہ ایسا بھی آتا ہے کہ کنعان نفس اور عقل کے بندے کے درمیان اور عقل سلیم کے درمیان حیوان نفسی کی شہوتوں کی موج اور دنیا کے تماشوں کے فتنوں کی موت حائل ہو جاتی ہے جس سے نفس و نفس پرست وادی فنا میں غرق ہو جاتا ہے۔ ہر شخص کو ہر آن شریعت کی حاجت ہے کیونکہ یہی جودی انوار تک لے جاتی ہے۔ اسی میں مومن کی معراج ہے۔ مقام اصل پر پہنچنا معراج ہے۔ انبیاء کرام عالم انوار کی مخلوق ہیں اس لئے ان کی معراج بلندیوں پر ہے۔ بندہ خاکی مادہ خاک سے اس لئے اس کی معراج قرب خاکی ہے۔ شریعت سجدہ ریز بناتی ہے اور سجدہ تواضع سکھاتا ہے اور تواضع رجالُ اللّٰہ کا آخری مقام حقیقت ہے۔ تواضع عبودیت کے قلب سے ریاست و بادشاہت کی لذت نکال دیتی ہے تب وہ قلب وقالب صدیقین میں شامل ہو جاتا ہے تواضع و عاجزی اسرار الٰہیہ میں سے ایک بھید ہے۔ یہ بھید صاحب کمال کو بتایا اور دیا جاتا ہے۔ صاحب کمال انبیاء کرام ان کے طفیل صدیقین پھر شہدا پھر صالحین یہی رُدُوسَاءِ خَیْرِ اُمَرَآ باطن ہیں مولیٰ علی رض نے فرمایا کہ عالم اجسام میں ظاہراً پہاڑ سب سے سخت نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں لوہا پہاڑ سے۔ آگ لوہے سے پانی آگ سے اور بادل پانی سے اور ہوا بادل سے اور انسان ہوا سے اور نیند انسان سے اور موت نیند سے زیادہ شدید کشتی شریعت کا سوار موتِ روحی وقلبی سے بچ جاتا ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح عالم ناسوت میں سات ملک ہیں اور ایک سو اٹھتر پہاڑ ہیں اسی طرح قالب خاکی میں سات اقلیم لطائف ہیں اور انوار وظلمتوں کے ایک سو اٹھتر پہاڑ ہیں۔ سجدۂ شریعت میں سات ہی اعضاء کو معراج خاکی پر جھکانا پڑتا ہے کوہِ شریعت جودی انوار ہے اور کوہِ طریقت اُحدِ عشق ہے۔ جب قلب مومن جودی انوار قدس پر نزول کرتا ہے تب حکم ربانی زمین بشریت کی طرف پہنچتا ہے کہ اپنے شہوات وخواہشات کے پانی کو یہیں باطن کی گہرائیوں میں ختم کردے اور آسمان قضا کو حکم ملتا ہے کہ آفاتِ خلقیہ کی بارش سے رک جا کیونکہ اب زمین قدس پر صالحین کا راج ہے تو ظلمت کا پانی اور فتنوں کا طوفان نور شریعت کی وجہ سے کم ہو جاتا ہے۔ اور جو خلقتِ روح و سر عقل وقلب۔ عشق ونصرت۔ نفس وطبیعت کا مقصد تھا وہ پورا کر دیا گیا اور کشتی معرفت مقام مقصود یعنی جودی انوار پر سکونت کرتی ہے اور اعضاءِ ظاہری عبودیتِ خالق کے لئے آزادی سے بلا خوف وخطر باہر نکلتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ظالموں کو دوریٔ دوریِ فراق کی لعنت ہے۔ جو سفینۂ قلبی غیوب قدیم کے دریا میں غوطہ زن ہوتی اور چلتی ہے۔ غیوب کی عظمتوں میں۔ قریب ہے کہ طوفانِ غیرت میں ڈوب جاتے تو فوراً عنایاتِ ازلیہ سبقت کر کے بچا لیتی ہیں)

تاکہ فنا کی وادی میں عبودیت عبد فنانہ ہو اور سنت وصال ندا کرتی ہے کمال ذات کے آسمان کو اور صفات زمین کو کہ اپنے اپنے ادراک سے رک جاؤ تاکہ اعمال وآیات کا مشاہدہ ہو در روح البیان عرائس البیان۔ محی الدین ابن عربی)

وَنَادٰی نُوۡحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابۡنِیۡ مِنۡ اَهۡلِیۡ

اور پکارا نوح نے رب اپنے کو تو عرض کیا اے میرے رب بیشک بیٹا میرا تھا سے

اور نوح نے اپنے رب کو پکارا عرض کی اے میرے رب میرا بیٹا بھی تو میرا گھر والا

وَاِنَّ وَعۡدَكَ الۡحَقُّ وَاَنۡتَ اَحۡكَمُ الۡحٰكِمِيۡنَ ﴿۴۵﴾

اہل میرے اور بیشک وعدہ تیرا حق ہے اور تو اچھا حاکم ہے تمام حاکموں سے

ہے اور بے شک تیرا وعدہ سچا ہے اور تو سب سے بڑھ کر حکم والا

قَالَ يٰنُوۡحُ اِنَّهٗ لَيۡسَ مِنۡ اَهۡلِكَ‌ۚ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيۡرُ

فرمایا اے نوح بیشک وہ نہیں تھا سے اہل تیرے بے شک وہ بہت عمل کرنے والا تھا

فرمایا اے نوح وہ تیرے گھر والوں میں نہیں بے شک اس کے کام بڑے

صَالِحٍ‌ ۖ فَلَا تَسۡـئَلۡنِ مَا لَيۡسَ لَكَ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ اِنِّىۡۤ

برے نادرست تو نہ پوچھنا مجھے وہ بات نہیں ہے لیے تیرے کی اس خبر بیشک میں نصیحت

نالائق ہیں تو مجھ سے وہ بات نہ مانگ جس کا تجھے علم نہیں میں تجھے نصیحت

اَعِظُكَ اَنۡ تَكُوۡنَ مِنَ الۡجٰهِلِيۡنَ ﴿۴۶﴾ قَالَ رَبِّ

کرتا ہوں تجھ کو اس سے کہ ہو تو سے جاہلوں عرض کیا اے رب

فرماتا ہوں کہ نادان نہ بن عرض کی اے رب میرے

اِنِّىۡۤ اَعُوۡذُ بِكَ اَنۡ اَسۡـئَلَكَ مَا لَيۡسَ لِىۡ بِهٖ عِلۡمٌ‌ ؕ

میرے بیشک میں پناہ مانگتا ہوں تیری اس سے کہ پوچھوں میں تجھ سے وہ بات نہیں کو مجھ

میں تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ چیز مانگوں جس کا مجھے علم نہیں

وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ (۴۷)

کا جس خبر اور اگر نہ بخشے تو کو مجھ اور نہ رحم کرے تو مجھ پر ساہو جاؤں میں سے گھاٹیوالوں

اور اگر تو مجھے نہ بخشے اور رحم نہ کرے تو میں زیاکار ہو جاؤں

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام اور کفار اور بیٹے کنعان کے آپس کے مکالمے کا ذکر ہوا۔ اب نوح علیہ السلام کی مناجاتوں التجاؤں اور رب سے باتوں کا ذکر ہے کہ جب کفار ڈوب گئے تو نوح علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے کیا عرض و معروض کی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کنعان بیٹے کے ڈوبنے کفر پر مرنے کا ذکر تھا۔ جس سے نوح علیہ السلام کو ایک معمولی خیال گزرا تھا۔ اب اس آیت میں اس خیالی الجھن کے حل کرانے اور نوح علیہ السلام کے سوال کرنے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کے اہل کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں واضح کیا جارہا ہے کہ آپ کے اہل کون تھے اور یہ کہ نبی کا اہل کون ہو سکتا ہے کون نہیں۔

تفسیر نحویانہ وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ واؤ استینا فیہ یعنی سر جملہ۔ نادیٰ فعل ماضی نِدَاءٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ زور سے پکارنا یہاں بمعنیٰ قلبی ارادہ بھی ہو سکتا ہے لفظ نوح نُوْحٌ تھا بروزن فُعول مبالغ کا صیغہ بقاعدۂ نحویہ واؤ ثانی گر گئی غیر منصرف نہ ہے اس لئے تنوین رفع آئی فاعل ہے نادیٰ کا رَبَّهٗ رَبَّ مفعول بہ مضاف ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع نوح ہے فَقَالَ فا تعقیبیہ ہے ندای کا بیان ہے قَالَ فعل ماضی قول سے مشتق ہے کلام لسانی و قلبی و نفسی ہر سہ کو شامل ہوتا ہے رَبِّ۔ دراصل یَا رَبِّیْ تھا حرف ندا ناوی کے قرینے سے حذف ہوا یاءِ متکلم مضاف الیہ بوجہ تخفیف حذف ہوئی ب کا زیر یاءِ متکلم کی نشانی ہے اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ اِنَّ۔ حرف مشبہ بالفعل شک کی نفی کے لئے ہے یہاں ذہنی ورواجی شک کی نفی ہے نہ کہ حقیقی اِنَّ زیرے قال کی وجہ سے ہے نہ کہ ابتدا کی بنا پر ابنی مرکب اضافی مضاف الیہ یاءِ متکلم حذف نہ ہوئی کیونکہ یہاں ادغام کی شدت نہیں ہے مِنْ تبعیضیہ حرف جر اَهْلِیْ مرکب اضافی یاءِ متکلم مضاف الیہ ہے اہل بمعنیٰ خاندان یا نسل وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ۔ واؤ حالیہ اِنَّ حرف تحقیق یقین کے لیے ہے وَعْدَ مضاف ہے طرف كَ کے اسم جنس ہے یعنی تمام وعدے حق لفظ مشترک ہے کثیر المعنیٰ ہے یہاں بمعنیٰ سچا۔ واؤ عاطفہ ہے اَنْتَ ضمیر منفصل مرفوع اَحْكَمُ اسم تفضیل ہے حاکم کی نہ کہ حکیم کی۔ حاکم بمعنیٰ فیصلہ کرنے والا جبکہ حکیم بمعنیٰ تدبیر کرنے والا ہوتا ہے حکیم کی جمع حکما ہوتی ہے حاکم کی جمع حاکمین الحاکمین مضاف الیہ ہے احکم کا جس سے ثابت ہوا کہ احکم بمعنیٰ حاکم ہے ورنہ احکم۔ حاکم حکیم دونوں کا اسم تفضیل بن جاتا ہے۔ الف لام جنسی ہے یا استغراقی قَالَ یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔

قال کا فاعل رب تعالیٰ ہے یہ جملہ سابقہ مقولے کا جواب ہے یٰا حرف ندا لفظ نوح منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس لئے ضمہ پر مبنی ہے یہ سب جملہ مقولہ ہے قال کا اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۔ حرف تشبیہ قال کی وجہ سے زیر سے آیا ہ اسم اِنَّ اگلی عبارت خبر اِنَّ مِنْ بعضیت کا اہل سے مراد خاندان کَ ضمیر کا مرجع نوح اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ ۔ اِنَّ حرف تشبیہ زیر سے اس لئے ہے کہ ابتدا میں ہے جملہ اسمیہ سبب ہے لَيْسَ کا ہ ضمیر کا مرجع اِبْنِیْ ہے عَمَلٌ یہاں دو قرئتیں اور ہیں ذُوْ عَمَلٍ ذُوْ عَمَلَ غیر صالح ۔ صحیح تر پہلی ہے یعنی ذُو پوشیدہ ہے غَيْرُ صَالِحٍ مرکب اضافی غَیر صفت ہے عَمَلٌ کی فَلَا تَسْئَلْنِ فَا عاطفہ لَا تَسْئَلْ ۔ نہی ہے نون وقایہ کا زیر یاء متکلم مفعول بہ پر دلالت کرتا ہے۔ دراصل تھا لَا تَسْئَلْنِیْ متعدی بدو مفعول ہے مفعول دوم اگلا جملہ ما موصولہ ہے لَيْسَ فعل ناقصہ لَكَ لام جارہ مفعولیت کے لئے کَ ضمیر کا مرجع نوح بِہٖ ب جارہ ہ ضمیر کا مرجع ما ہے عِلْمٌ مصدر ہے اسم لَيْسَ ۔ فعل ناقصہ ہے بدیں وجہ مرفوع ہے اِنِّیْٓ اَعِظُكَ ۔ حرف تشبیہ ہے یاء متکلم اسم اِنَّ ہے بوجہ اضافت نون کسرہ سے ہے اَعِظُ فعل مضارع بمعنیٰ حال وعظ سے مشتق ہے مراد ہے عام لوگوں کے لئے نصیحت اگرچہ مخاطب خاص ہو کَ ضمیر حاضر کا مرجع لفظ نوح ہے اَنْ تَكُوْنَ اَنْ مصدریہ بیانِ نصیحت کے لئے ہے نصیحت اور وصیت خاص ہے مگر وعظ خاص نفی کو یعنی نہ ہو تم مِنَ الْجٰهِلِيْنَ من تبعیضیہ ہے الجاہلین الف لام استغراقی جاہل کی جمع ہے جَهْلٌ سے مشتق ہے بمعنی جان بوجھ کر بے علم رہنا ۔ قَالَ یہ کلام ہے حضرت نوح کا قَوْلٌ سے مشتق ہے فعل ماضی واحد غائب ۔ رَبِّ یہ جملہ مقولہ ہے دراصل تھا رَبِّیْ بوجہ اضافت مضاف الیہ یاءِ متکلم حذف ہے با کا کسرہ اس پر دال ہے اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْئَلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ حرف تحقیق بوجہ قال کے بعد ہونے کے مکسور ہے یاءِ متکلم اسم اِنَّ ہے اَعُوْذُ صیغہ واحد متکلم عَوْذٌ اجوف واوی سے مشتق ہے فاعل مخاطب حضرت نوح ہیں بِكَ کی ب تعدیہ استعانت کی ہے کَ ضمیر کا مرجع ذات باری ہے ۔ ان حرف ناصب مفعول بہ ہے اَسْئَلَكَ فعل مضارع منصوب سوال سے بنا ہے جس میں صرف پوچھنا پایا جاتا ہے نہ کہ دعا اصطلاحِ عرب میں سوال محض پوچھنا ہے دعا محض مانگنا ہے اور طلب عام ہے ہر دو کو کَ ضمیر سے مراد اللہ تعالیٰ ہے ما موصولہ مفعول بہ ہے اسئلك کا لَيْسَ فعل ناقصہ نفی زمانی خصوصیہ کے لیے بخلاف لاءِ نفی کے کہ وہ نفی مطلق کے لئے ہے یہاں لیس کی نفی میں عجیب عارفانہ راز ہے لِیْ لام حرف جر ہے جو ظاہر اسم اور ضمیر متکلم متصل میں زیر والا ہوتا ہے باقی **ضمائر** میں زبر والا اس کے کثیر استعمال ہیں ۔ یہاں مفعولیت کے اختصاص کے لئے ہے بِہٖ ب حرف جر تعدیۂ محضہ کے لئے ہ ضمیر غائب کا مرجع مطلق عام سوال ہے عِلْمٌ مصدر اسم لَيْسَ ہے وَاِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ واؤ عاطفہ ہے جملے کا جملے پر عطف ہے ہر دو قال کا مقولہ ہیں اِلَّا دراصل ان لا تھا یہ حروف قریبہ میں سے ہیں نون کو حذف کر کے لام میں مدغم کر دیا اِنْ حرف شرط لا تغفر فعل مضارع ان شرطیہ نے جزم دیا لِیْ میں لام مفعولیت ہے واؤ عطف کی ہے ترحمْ مضارع

ہے جزم عطف کی وجہ سے ہے اَكُنْ اَكُوْنَ تھا نون کو جزم ہوا بوجہ جزاء شرط۔ واؤ پہلے ہی ساکن تھی لہٰذا گر گئی صیغہ واحد متکلم فعل تام ہے بمعنی صَادِمِنْ جارہ بعضیت کے لئے اَلْخٰسِرِیْنَ الف لام استغراقی بمعنی اَلَّذِیْ خٰسِرِیْنَ جمع ہے خاسر کی خَسْرٌ سے مشتق خاسر وہ ہے جس کا تمام مال برباد ہو جائے نہ نفع باقی رہے نہ اصل مال۔

تفسیر عالمانہ

وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ مِنْ اَهْلِیْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ۔ اور حضرت نوح نے اپنے رب تعالےٰ کو ندا کی تو تفصیل سے عرض کیا اے میرے رب میرا بیٹا کنعان جو میری نسل کا ابن یعنی بنا تھا اور بنیاد تھا میرے گھر والوں میں تھا اور گذشتہ زمانوں میں تو نے وعدہ فرمایا کہ تیرے اہل کو بچایا جاتے گا قُلْنَا احْمِلْ کے حکم سے دَلَالَۃً یہ ثابت ہو رہا ہے کہ تمام اہل بچائے جائیں گے یہ میرا اہل ہیں اس لئے ہے کہ ظاہراً بیوی اولاد لونڈی غلام گھر کے رہائشی یا خاندانی قرابت دار اہل ہی ہوتے ہیں یہاں تک کہ مربوب اور متبنّٰی بھی اہل بیت سکونی میں شمار ہوتے ہیں اور بے شک تیرا وعدہ حق ہے یعنی ایسا ثابت ومضبوط ہے کہ اس کا خلاف ناممکن ہے اور تیری ذات پاک عادلوں کی عادل سب حاکموں کا فیصلہ فرمانے والوں سے بہترین فیصلہ فرمانے والا ہے کریموں سے بہتر کریم ہے۔ کیونکہ کائنات تیرے مشاہدۂ قدرت میں ہے لہٰذا فیصلہ غلط کس طرح ہو سکتا ہے۔ غلطی تو وہ کرے جس کی بات میں کمی ہو۔ ظاہر کلام اور ترتیب نظم سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ یہ بیٹے کی غرقابی کے بعد ہے نہ کہ پہلے بعض مفسرین نے فرمایا ہے کہ یہ عرض ومعروض کنعان کے غرق ہونے سے پہلے ہے۔ مگر یہ ہر طرح غلط اور خلاف کلام ہے۔ یہ طوفان دس ہزار گز بلند آیا جیسا کہ صوفیا کے بعض قصص میں منقول ہے گویا کہ تیس ہزار فٹ بلند تھا سب کافر ہوتے بجز ایک کافر کے جس کا نام موج بن عنق تھا روح البیان نے لکھا ہے کہ اس کافر کا قد تین ہزار تین سو تیس گز لمبا تھا تین ہزار سال زندہ رہا۔ یہ قریبی کسی پہاڑ پر چڑھا تو اس کی کمر تک پانی تھا مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ اپنے لمبے قد کی وجہ سے عذاب سیلاب سے بچا مگر یہ غلط ہے بچا اس لئے کہ اس نے کافر ہونے کے باوجود حضرت نوح علیہ السلام کی یہ خدمت کی کہ دور دور سے لکڑی درخت اٹھا اٹھا کر حضرت نوح کے پاس پہنچائی تھی یہ اتنا طاقتور تھا کہ بیس درخت پورے ایک دم اٹھا کر میلوں دوڑتا چلا آتا تھا۔ اور بڑی خوشی سے اس نے یہ کام کیا اس خدمتِ نبی کے صدقے میں اس کو عذاب سے بچا لیا گیا۔ جیسے کہ آل فرعون کے ایک کافر کو غرق نیل سے محض اس لئے بچا لیا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ٹوپی سے پیار کرتا تھا اور اس طرح کی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔ اور کئی دفعہ حضرت موسیٰ کا پورا لباس پہن کر از راہِ دل لگی لوگوں کو دکھایا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کی نقل بھی پسند فرماتا ہے اگرچہ کافر ہی کیوں نہ کرے اور اس نقل کے طفیل دنیوی عذاب سے کافر کو نجات مل جاتی ہے۔ اگر موج بن عنق کو اس کے قد کی وجہ نجات ملی تو اتنے عرصے سویا کہاں۔ بیٹھا کہاں۔ کھایا کیا۔ طوفان تو دس ماہ رہا پتہ لگا کہ قدرت الٰہی نے اپنے کرم سے بچایا اسلئے ہی تمام عرصہ نہ بھوک لگی نہ سونے بیٹھنے کی حاجت ہوئی۔ یہ سب

معمولی خدمت کا صدقہ ہے لیکن کنعان نے گستاخی کی تو باوجود بیٹا ہونے کے غرق کر دیا گیا۔ بعض علماء نے یہ بھی فرمایا ہے۔ یہ ندا لہر اٹھنے کے فوراً بعد کی ہے جب ابھی وہ گمان غالب میں زندہ ہوگا تب نوح علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے مولا یہ میرا بیٹا تو اہل سے ہے جس کو تونے غرق فرمایا کیا اس کو ابھی بچایا جائے گا اعلحضرت کا ترجمہ اسی طرف راغب اس صورت میں بھی یہ محض استفسار ہے دعا نہیں ہے قَالَ يَا نُوحُ إِنَّهُ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ إِنَّهُ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْأَلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ إِنِّي أَعِظُكَ أَنْ تَكُونَ مِنَ الْجَاهِلِينَ رب تعالےٰ نے جواب میں ارشاد فرمایا اے نوح بے شک وہ کنعان تمہارا نسبی بیٹا تو ہے مگر تمہارا اہل نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ جب اہل کو سوار کرنے کا حکم ملا تھا تو وہاں استثنا کر دیا تھا إِلَّا مَنْ سَبَقَ اور کسی کے لئے استثنا نہیں کیا گیا تھا۔ بارگاہ حق تعالےٰ میں اہلیت کا مدار قرابت دنیوی یا نسبی نہیں۔ بلکہ قرابت دینی۔ مومن اور کافر کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ کافر ہونے کے علاوہ بے شک وہ بے عمل بلکہ بدعمل تھا بدکار تھا صلاحیت کا کوئی عمل اس کے پاس نہ تھا۔ اس طرح کہ مغرور متکبر بدمعاش اور والد کا نافرمان نبی اللہ کا بے ادب گستاخ تھا۔ نیکی کے یا اچھے کام کے کبھی قریب بھی نہ گیا تھا اور دنیوی یا اخروی یا دونوں مقام کی نجات کا دارومدار تو اچھی عادتیں اچھے کام ہیں۔ اگر اس کی عادتیں ہی اچھی ہوتیں تو کم ازکم دنیوی اس عذاب سے بچ جاتا۔ جب ایسا برا تھا تو آپ کے اہل بننے کے لائق کیسے ہو سکتا تھا فَلَا تَسْأَلْنِ. پس اے نوح مجھ سے ایسے سوال ایسی حکمتیں نہ پوچھو۔ اللہ تعالےٰ نے حضرت نوح کی اس ندا کو سوال فرمایا نہ کہ دعا معلوم ہوا کہ بعد غرق ندا ہے جو احمق لوگ اس کو دعا بنا کر پھر یہ گستاخی کرتے ہیں کہ نبی کی دعا قبول نہیں ہوتی وہ بے دین ہیں۔ اے نوح جن حکمتوں اور ربانی رازوں کو تم جان نہیں سکتے ان کے بارے لوگوں کے سامنے سوال مت کرو۔ ایسے سوالات کا کوئی فائدہ نہیں۔ بے شک میں نصیحت کے ذریعے منع کرتا ہوں تم کو اس بات سے کہ ہو تم نادانوں میں جب ہم نے تم کو پہلے ہی خبردار کر دیا تھا ان کو سوار نہ کرنا جن کے عذاب کا پہلے فیصلہ ہو چکا تمہارے اہل سے ہم نے استثنا کر دیا تھا۔ تم کو اب محبت پدری میں اشتباہ نہیں ہونا چاہیئے تھا۔ تم پر واجب ہے کہ کفر کو سمجھو کہ یہ عذاب سے بچنے والے نہیں۔ اس جملے میں رب تعالےٰ نے بہت وضاحت سے جواب بھی عطا فرمایا کہ ہم نے اس لئے غرق کیا کہ وہ آپ کی اہل سے نہ تھا اور اہل اس لئے نہ تھا کہ غیر صالح عمل والا تھا یہ آپ کی بارگاہ کے لائق نہ تھا پھر ساتھ ہی ایسے سوالات سے منع بھی فرمایا کہ تم ایسے سوال نہ کرو جبکہ اس کی بدعملی اس کے کفر کو تم بھی جانتے ہو اور اس کا غرور سب پر عیاں ہو گیا کہ آخری مرتے وقت بھی اس کا کفر یہ غرور نہ ٹوٹا۔ رہی اس کی حکمت تو تم یہ کیوں پوچھتے ہو یہ اللہ کے راز ہیں سب کے سامنے مت پوچھو تم کو کوئی فائدہ نہیں۔ بعض نے کہا کہ علم بمعنیٰ مطلب، مقصد اور فائدہ ہے یہ اللہ کے راز ہیں کہ جنتی سے جہنمی کو نکالے اور جہنمی سے جنتی کو نکالے چاہے تو صلب آدم علیہ السلام سے قابیل کو نکالے خواہ صلب نوح سے کنعان کو چاہے تو صلب ابو جہل سے عکرمہ کو نکالے۔ یہ تو ہوا ہے

کہ نبی کی اولاد کافر ہوئی مگر یہ نہیں ہوا کہ نبی کا والد کافر ہوا ہو۔ جن لوگوں نے آزر کافر کو ابراہیم علیہ السلام کا والد کہا ہے وہ یا بے دین ہیں یا ناسمجھ۔ حضرت ابراہیم کے والد تارخ تھے جو صحیح مومن تھے۔ بعض نے یہ تفسیر بھی کی ہے کہ نوح علیہ السلام نے عرض کی مولیٰ تعالیٰ تو نے کشتی میں سوار کرنے سے منع فرمایا تھا مجھ کو مگر میری عرض ہے کہ وہ میرا اہل تھا اس کو ایمان کیوں نہ ملا جواب فرمایا کہ یہ ہمارا بھید ہے اس کے بارے سب کے سامنے سوال نہ کرو جو کچھ آنکھوں دیکھ لیا دل سے سمجھ لیا بس وہی کافی رکھو۔ نوح علیہ السلام نے یہ سوال اسلئے کیا تھا کہ کنعان نے کفر چھپائے رکھا تھا آج کہہ رہا ہے کہ میں کشتی میں نہیں آتا کسی پہاڑ کی پناہ پکڑ لوں گا آپ نے کنعان کی اس بات کو بھی اس کا کفر نہ سمجھا بلکہ گمان کیا کہ شاید وہ اس پانی کو کفار کے لئے عذاب نہیں سمجھتا بلکہ ویسے ہی کہہ رہا ہے کہ ابا جان میں کشتی میں نہیں آؤں گا بہت بھیڑ ہے اگر زیادہ پانی آیا تو کسی پہاڑ پر چلا جاؤں گا۔ ابھی یہی بات چیت ہو رہی ہے کہ لہر نے بہا دیا تب آپ نے یہ سوال عرض کیا۔ جس کا یہ جواب دیا مَعَ الْكَافِرِيْنَ کا مطلب معیت مکانی ہو نہ کہ قلبی مقصد کلام یہ کہ اے نوح یہ جو تمہارا جوان بیٹا کنعان تمہاری آنکھوں کے سامنے ڈوب رہا ہے یا بہت دن ہوتے جو ڈوب چکا ہے وہ تمہارا اس لئے اہل نہ تھا کہ کفر و ایمان میں کوئی تعلق۔ ولایت وراثت نہیں ہے۔ تم جو کہ نبی ہو ایسے سوال کیوں کرتے ہو جس میں عام انسانی جذبات کی مغلوبیت پائی جائے یہ ٹھیک ہے کہ ایمان پسر کا ہی سوال ہے نہ کہ نسب پسر کا مگر یہ ہمارے راز ہیں حکمتیں ہیں تم نہ ایسے نادان بنو۔ تم تو ہمارے لئے عظمت نبی ہو اور نبی عام بشر سے کروڑوں درجے اونچے خیالات رکھتا ہے اس میں بشری جذبات کبھی نہیں ابھرتے قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْـَٔلَكَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌؕ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ۔ عرض کیا حضرت نوح نے یہ جواب اور تنبیہ سن کر معذرت کرتے ہوئے اور اس بات کو سمجھتے ہوئے اب یہ حکم مجھ پر واجب کیا جا رہا ہے کہ ایسے سوال نہ کرنا یہ وجوب کریمانہ مجھ کو سیکن پھر خطا کے احتمال سے عرض کیا اے میرے رب میں تیری ہی پناہ پکڑتا ہوں اس بات سے کہ میں ایسے سوال کروں تجھے تیری ہدایت ہی مجھ کو بچانے والی ہے میری توبہ میں ایسی کوئی بات طلب نہ کروں گا مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ۔ جو میرے مطلوب و مقصود سے ورا ہو۔ تو میری حفاظت فرما۔ اور اگر تو میری بخشش نہ فرمائے سابقہ اس غلط سوال کے بارے اور آئندہ بچا کر اور مجھ پر رحمت نہ کرے کہ کائنات میں درجے بلند نہ کرے اور میری تبلیغ کو قبول نہ کرے کہ یہی میرا سرمایۂ حیات ہے تو میں بہت نقصان والوں سے ہو جاؤں۔ یہ ہے شانِ انبیاء کہ لغزش پچھلے ہی آئندہ کے لئے توبہ کر رہے اور اپنے کسی عمل کسی محنت فی الدین کی تبلیغ کو کوئی حیثیت نہیں دے رہے۔ بس عجز ہی عجز ہے۔ کیسی مشفقانہ محبوبانہ پیار کی جھڑک ہے اور کیسی عاجزی معذرت ہے قربان جاؤں اس سوال و جواب پر۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ تعالےٰ کے رسولوں کو سب سے

زیادہ محبت اللہ اور اس کے دین سے ہوتی ہے اس کے مقابلے میں وہ کسی بیٹا بیٹی اولاد کو کچھ اہمیت و حیثیت نہیں دیتے دیکھو حضرت نوح نے اپنے کافر بیٹے کے بچائے جانے کی دعا نہ کی بلکہ خود تیر اس کو دین کی تبلیغ کشتی نعمت خداداد کی اہمیت بتاتے رہے۔ جب وہ غرق ہوگیا تو ایک ذھن میں ابھرتا ہوا سوال عرض فرمایا جو کسی بھی آئندہ وقتوں میں مخالفین کی طرف سے اٹھ سکتا تھا اس کا فقط جواب سمجھنے کے لئے پوچھا یہ فائدہ فَلَا تَسْـَٔلْنِ کی تفسیر اور ان آیات کے روشِ کلام سے حاصل ہوا۔ مومن کو بھی دین سے ایسی ہی محبت چاہیئے۔

دوسرا فائدہ ہر شخص کو وہ علم حاصل کرنا چاہیئے جو بہت ضروری ہے بے فائدہ علم بے ضروری سوالات کرنے اور ہر وقت یہی سوچتے رہنا کہ فلاں پر کیا سوال کروں کہ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔ بری بات ہے کہ زیادہ تر دنیا کا وقت اچھے اعمال میں خرچ کیا جانا چاہیئے۔ سب سے ضروری علم مومن کے لئے دینی علم ہے۔ دنیوی علم بقدرِ ضرورت سیکھے۔ خاص کر عورتوں کو کالجوں یونیورسٹی وغیرہ میں پڑھانا تو بالکل ہی بیکار ہے کہ عورت کا مقام چار دیواری ہے۔ یہ فائدہ لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** صرف گناہ چھوڑ دینا ہی مدار نجات نہیں بلکہ دو چیزیں اخروی نجات کا ذریعہ ہیں ۱ گناہ چھوڑنا ۲ نیکی کرنا۔ شریعت پاک کے تمام امر و نہی پر عمل کرنا۔ یہ فائدہ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ عَمَلٌ کو مبالغہ کے لئے مصدر فرمایا اور غَيْرُ صَالِحٍ کے معنیٰ ہیں کہ عمل تو ہیں مگر گناہ ہی ہیں نیکی کوئی نہیں **چوتھا فائدہ** رب تعالیٰ کے حضور فوراً غلطی کا ماننا ہی محبوبیت ہے۔ انبیاء کرام کی ذیشان تعلیم قولی وفعلی ہم کو یہی سبق سکھا رہی ہے یہ فائدہ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** انبیاء کرام معصوم تو ہوتے ہیں مگر عصمت انبیاء کا معنیٰ یہ ہے کہ گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں کہ انبیاء کو گناہ کی نہی وارد ہوتی ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا لَا تَسْـَٔلْنِ یہ نہی وجوبی ہے اور ایسے سوال گناہ ہیں اسی لئے منع فرمایا گیا (ایک گمراہ مولوی) **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ جواب الزامی تو یہ ہے۔ جس سوال سے منع فرمایا گیا وہ تو پہلے کر چکے ہیں پھر تمہاری عصمت کیا رہی۔ اور اگر انبیاء کو بھی بذریعہ نہی ہی گناہ سے روکنا ہے تو فاسق اور نبی میں فرق کیا رہا ممانعت سے مجرم بھی باز رہتا ہے۔ افسوس کہ تم نے نبوت کی قدر نہ کی تم بیوقوفوں کی ان ہی باتوں سے بہت سے گمراہوں نے سرے سے عصمت کا انکار ہی کر دیا اور وہ آپ سے اچھے رہے کہ ایسی عصمت سے تو انکار ہی بہتر ہے۔ ان منکروں نے عوام کو دھوکا تو نہ دیا تم نے تو اقرارِ عصمت کا جال پھیلا کر انکار کیا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ معصوم ہونے کا معنیٰ ہے کہ نبی گناہ پر قادر ہی نہیں گناہ کر سکتا ہی نہیں۔ یہ نہی وجوبی نہیں۔ بلکہ ترکِ فضیلت کی نہی ہے اور پہلا سوال کرنا خطاءِ اجتہادی ہے جس کا نہ کرنا بہتر تھا فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اے نوح بہتر ہے کہ ایسے سوال نہ کرو۔ اگر یہ بات نہیں تو گناہ کا کفارہ کیوں نہ دلوایا اور وضاحت سے پہلے خود رب تعالیٰ نے جواب کیوں عطا فرمایا۔

دوسرا اعتراض نبی کی صحبت اور پاس رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ دیکھو نوح علیہ السلام کا بیٹا بدمعاش رہا۔ بیوی زانیہ بدکارہ رہی اسی طرح لوط علیہ السلام کی بیوی بھی زانیہ تھی اور یہ کہ نبی کو غیب نہیں ہوتا اگر ہوتا تو نہیں پتہ لگ جاتا کہ میری بیوی زانیہ ہے اور کنعان حرامی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے سورۃ تحریم آیت نمبر امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَاهُمَا۔ ان دونوں بیویوں نے اپنے اپنے نبی خاوند سے خیانت کی اور بیوی کی خیانت یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنے خاوند کا حق صحبت کسی اور کو دیدے۔ **جواب** روشن کلام بتا رہا ہے کہ یہاں خیانت سے مراد کفر ہے نہ کہ زنا۔ کیونکہ پہلے کفر کو ہی ظاہر فرمانے کا ذکر ہے نیز احادیث و تفاسیر سے ثابت ہو رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کی یہ کافرہ بیوی۔ نوح علیہ السلام کی اس طرح خیانت کرتی تھی کہ خاوند کا حق ادب نہ کرتی تھی حضرت نوح کو دیوانہ کہتی تھی۔ اور حضرت لوط کی بیوی جاسوسی کرتی تھی کفار سے ملی رہتی تھی (نور العرفان) نبی کی بیوی کافرہ ہو سکتی ہے فاحشہ نہیں ہو سکتی (کبیر۔ معانی۔ صاوی۔ جلالین۔ خازن۔ بیان۔ جمل۔ مظہری۔ سراج منیر) **تیسرا اعتراض** انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں اور کوئی انسان بھی اس پر قادر نہیں ہو سکتا کہ ہر وقت اس بلند ترین معیار کمال پر قائم رہے جو مومن کے لئے مقرر کیا گیا ہے بسا اوقات کسی نازک نفسیاتی موقع پر نبی جیسا اعلیٰ انسان بھی تھوڑی دیر کے لیے اپنی بشری کمزوری سے مغلوب ہو جاتا ہے (مودودی) لہٰذا انبیاء سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جس طرح کہ دوسرے عام انسانوں سے **جواب** جہلاء زمانہ کی بدبختی کو کیا جائے کہ وہ مقام نبوت نہیں جان سکا۔ اپنی جہالت سے اندھا بن کر نبی کو عام ترازو میں تولنا چاہتا ہے۔ یہ عقیدہ بنانا کفر یہ تو ہو سکتا ہے کوئی اس گمراہی کو نہیں مان سکتا اس لئے کہ نبی کبھی بھی بشری کمزوری سے مغلوب نہیں ہو سکتا وہ ہمیشہ ہر آن بلند ترین معیار کمال پر قائم رہتا ہے جو معیار ہر مومن کے لئے مقرر ہے اس سے بھی کروڑوں درجے بلند معیار نبوت کا ہوتا ہے جس پر ہر آن نبی فائز اور قائم رہتا ہے۔ یہ کہنا انتہائی بدتمیزی ہے کہ انبیاء بھی انسان ہی ہوتے ہیں۔ کہنا یہ چاہیئے تھا کہ انبیاء انسان بھی ہوتے ہیں۔ جو شخص بارگاہ نبوت میں ہی اور بھی کا فرق نہ سمجھے اس میں شیطانیت نہیں تو اور کیا ہے۔ اگر نبی صرف انسان ہی ہوتے اور بشری کمزوری سے مغلوب ہو جایا کرتے تو حضرت نوح کو اس طرح تنبیہ نہ فرمائی جاتی بلکہ عام انسانی خطاؤں کی طرح درگذر کی جاتی یہ مشفقانہ عتاب ہی بتا رہا ہے کہ نبوت کی شان جداگانہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ مقام انوار میں پہنچا کر رب جلیل اپنے عبد خلیل کا امتحان لیتا ہے بندہ پکارتا ہے وَنَادٰى نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِيْ مِنْ اَهْلِيْ وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ۔ نوح روح نے ندا کی اپنے مربی حقیقی کو تو عرض کیا اے میرے رب میرا وہ نفس جسدی جو روح و قالب کے ازواج اور ملاپ سے نکاح سری کے ذریعے پیدا ہوا تھا وہ میرا ہی اہل تھا۔ اور بے شک تیرا وعدہ ازلیہ نجاتِ مصائب و آلام کا برحق اور سچا ہے اس طرح کہ جب رب تعالیٰ نے اپنی حکمۃ فائقہ سے ارادہ فرمایا کہ اعلیٰ علیین کی ارواح مقدسہ کو مقام علو سے

اس کے پڑوس جسد اسفل السافلین کے قرب میں اتارے تو انبیاء اولیاء اور غواص الخواص کی روحوں نے بارگاہ لم یزل میں عرض کیا اے ہمارے رب ہم کو اپنے قرب خاص کے مقام سے اپنی دوری کی درکاتِ اسفل کی طرف اتارتا ہے عالم بقا سے عالم فنا کی طرف دار سرور سے دار حزن کی طرف دار لقا سے دار فراق کی طرف دار رحمت سے دار بلا کی طرف ۔منزل وصل سے منزل نسل کی طرف منزل تجرد اور خلوت سے منزل تناسل درجلوت کی طرف مقام اجتبا سے مقام ابتلا کی طرف رتبہ اصطفا سے رتبہ اجتہاد کی طرف نازل فرماتا ہے تو وعدہ کیا تھا رب کریم نے اپنے احسان کے الطاف عمیم سے کہ ضرور تم کو اور تمہارے اہل کو ہلاکتِ بُعدی کے بھنور سے نجات ہوگی پھر جب روح قدس کے حکمت خالق سے چار بیٹے روحانی اور لطیف پیدا ہوئے تین مومن ایک کافر ۔ قلب ۲ سر ۳ عقل مومن ۴ نفس امارہ کافر تو مثل نوح تین بیٹے کشتی قرب میں سوار ہو کر حیات پا گئے اور نفس کنعان مشاہدات شرعی کی کشتی سے مُعْتَزِلْ یعنی دوری میں رہا۔ اور جب طوفان فتنہ اور بحر دنیا میں نفس گم ہو کر فنا کی آغوش میں چلا گیا تب عرض کیا مولیٰ کیا یہ نفس میرے حصۂ جسدی میں سے نہ تھا اور تیرا وعدہ نجات ابدیہ تھا۔ تو عادلوں سے زیادہ عادل حاکموں سے بہتر حاکم ہے تیرے سب افعال عین حکمت ہیں جواباً قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ اِنَّهٗ عَمَلٌ غَيْرُ صَالِحٍ فَلَا تَسْــَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۔ فرمایا اے نوح روح وہ نفس خبیث تیرے انوار دینی اور ملت قرب کا اہل نہیں۔ اہلیت دو قسم کی ہے ۱ اہلیتِ قرابت اور ۲ اہلیت دین وملت یہاں پہلے نفی قرابت ہے کیونکہ تمام جسم کی طرح نفس کی نشوونما بھی بطفیل روح ہے یہی ولادت معنوی ہے۔ پھر نفی اہلیت دینی ہے کہ وہ خود پرستی کی بدعملی میں ہے وہ خلقتاً امارہ گناہ ابدیہ ہے اے روح اہل قرب کے لئے شہنشاہ کی بارگاہوں کا ادب یہ ہے کہ جس کا تجھ کو علم حقیقی نہ ہو اس کے بارے سوال نہ کرنا کہ اہل قرب کے لئے خاموشی عین عبادت ہے کلام ہی حجاب ہے کلام بقا کا نشان مگر وہاں فنا میں نجات ہے۔ یہ ہمارا ہی کرم ہے کہ لطف لطیف کی طرف سے شفقت کی نصیحت ہے اس بات سے کہ اے روحِ قدس جاہل ظالم نفسوں کے ساتھ رہے اس لئے کہ روح اعلیٰ جب نفس سفلی اور اس کی خواہشوں کی متابعت میں رہے تو وہ روح ادنیٰ ہمت جاہل طبیعت والی ہے قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ اَنْ اَسْــَٔلَكَ مَا لَيْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ وَ اِلَّا تَغْفِرْ لِیْ وَ تَرْحَمْنِیْۤ اَكُنْ مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ۔ نوح روح نے عرض کی اے میرے حقیقی ازلی ابدی مربی میں توبہ کرتا ہوں تیری پناہ میں کہ نفسِ ممتحنہ کی نجات کا سوال کروں ان شہوات دنیا آفات عقبیٰ طوفان فتنہ سے جس کا علم باطنی حقیقی مجھ کو نہیں ہے۔ اگر تو ہی انوارِ مغفرت سے میری تائید نہ فرمائے اور اپنی ہدایت کاملہ و عاجلہ سے مجھ پر رحم نہ کرے میری عاجزی کو نہ سنبھالے تو میں دونوں جہان اور عالم تجلیات کے نقصان والوں میں رہ جاؤں۔ کیونکہ رحمت رب خسارے کو روکنے والا ہے یہ قانون حکمت ہے کہ جو مسلمان امتحان میں ہو اس سے اسرار مناجات لطائف خطاب حقائق مکاشفات چھپائے جاتے ہیں اور ضروری نہیں کہ اس پر نجاتِ ازلیہ کا حکمِ سابق جاری ہو۔ وہ ادراکِ مراد سے محروم اور محلِ بلوغ سے ساقط

رہتا ہے۔ عمل غیر صالح یہ ہے کہ معرفت درسالت و قربت نہ ملے۔ جاہل وہ ہے جو قدر الٰہی سے ناواقف ہو اور
اپنے اہل کی عادات سے غافل روح کو عالم اسرار میں سب کچھ بتا دیا تھا اب بھولنے پر مشفقانہ نصیحت ہے کہ تو اب جاہل
نہ بن۔ اگر رب کرم نہ فرمائے تو ہر شخص حقائق معرفت کی بے علمی کے خسارے میں ہی ہے اسی لئے بندے کو مثل نوح روح کے ہمہ
وقت توبہ کے آستانے پر رہنا چاہیئے۔

قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى

کہا گیا اے نوح اتر جاؤ سے سلامتی طرف سے ہماری اور برکتوں پر تم اور پر امتوں سے ان جو

فرمایا گیا اے نوح کشتی سے اتر ہماری طرف سے سلام اور برکتوں کے ساتھ

اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ؕ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ

ساتھ تمہارے　　اور امتیں عنقریب نفع دیں گے ہم ان کو پھر پہنچے گا ان کو

جو تجھ پر ہیں اور تیرے ساتھ کچھ گروہوں پر اور کچھ گروہ وہ ہیں جنہیں ہم دنیا برتنے دیں

مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۴۸﴾ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ

طرف سے ہماری عذاب دردناک　　یہ سے خبر ہا غیب کی وحی کرتے ہیں ہم ان کو طرف آپکی

گے پھر انہیں ہماری طرف سے دردناک عذاب پہنچے گا یہ غیب کی خبریں

اِلَيْكَ ۚ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

نہیں تھے آپ جانتے ان کو خود بخود　　اور نہ قوم آپ کی سے پہلے اس بتانے

ہیں ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں انہیں نہ تم جانتے تھے نہ تمہاری قوم اس سے پہلے

ع　هٰذَا ۛؕ فَاصْبِرْ ۛؕ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَاِلٰى عَادٍ

تو صبر کرو بیشک اچھا اخیر لیئے ہے بچنے والوں کے　　اور طرف عاد کی

تو صبر کرو بے شک بھلا انجام پرہیزگاروں کا اور عاد کی طرف ان کے

اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ

ہود کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے

ہم قوم ہود کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا

مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ﴿۵۰﴾

لیے تمہارے کوئی لائق عبادت سوا اس کے نہیں تم مگر خود بنا لینے والے

کوئی معبود نہیں تم نرے مفتری ہو

تعلق پچھلی آیات کا ان آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں طوفان کی ابتدا اور کشتی پر چڑھنے کا ذکر تھا۔ اب طوفان کی انتہا اور اختتام اور کشتی سے اترنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کے مرمٹنے کا ذکر تھا کہ طوفان سے کفر کو فنا کر دیا گیا ان کی برکتیں دنیوی نفع سب ختم۔ اب ان آیات میں مومنوں کی سلامتی اور برکتوں کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان کافروں کا ذکر تھا جو حضرت نوح کی قوم سے تھے اب اس جگہ ان کفار کا بھی ذکر ہوا جو آئندہ ہوں گے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام کا قصہ اور کفار کی اذیتیں ہٹ دھرمیں سنا کر اپنے پیارے حبیب کو تسلی دی گئی اور مسلمانوں کا غم دور کیا گیا تھا اب ان آیات میں ایک اور نبی اور ایک اور کافر ضدی قوم کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ تاکہ پتہ لگے کہ مکے کے کافر ہی ایسے نہیں ہیں پچھلی امتیں بھی ایسا ہی سلوک کرتی رہی ہیں۔

تفسیر نحویانہ قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ ۔ قیل فعل مجہول ماضی مثبت اگلا جملہ اس کا مقولہ ہے یا حرفِ ندا۔ منادیٰ اللہ تعالےٰ نے ہے چونکہ بلا واسطہ نہیں اس لئے یا نوح سے قبل قیل مجہول آیا۔ اهبط هُبُوْطٌ سے مشتق ہے بمعنی جسماً اترنا بسلام میں ب سببیہ ہے سلام بمعنی سلامتی ۔ مِنَّا دو لفظ ہیں ایک حرفِ جار مِنْ ابتدائیہ بمعنی طرف سے نَا ضمیر جمع متکلم کا مرجع رب تعالےٰ واؤ عاطفہ برکات معطوف ہے بسلام کیطرف جمع ہے برکت کی عَلَيْكَ جارہ بمعنی فوقیت كَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع نوح علیہ السلام واؤ عاطفہ اُمَمٍ جمع ہے امت کی بمعنی قبیلہ یا ماتحت مِمَّنْ دو لفظ ہیں مِنْ جارہ اور مَنْ موصولہ اگرچہ ذوی العقول کے لئے آتا ہے مگر یہاں عمومیت کے لیئے ہے مَعَكَ مع ظرفیت کا مضاف ہے كَ ضمیر کا مرجع حضرت نوح۔ مضاف الیہ ہے وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ واؤ ابتدائیہ اس طرف ترا خی کے لئے ہے نُمَتِّعُ فعل مضارع جمع متکلم مرجع ذات باری ہے هُمْ کا مرجع اُمَمٌ ہے اس امم سے مراد صرف

انسانی گروہ بخلاف پہلے امم کے کہ وہاں کل مخلوق مراد تھی ثُمَّ تراخی بعید کے لئے ہے۔ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا ۔ تِلْكَ اسم اشارہ تانیث کے لئے ہوتا ہے مگر یہاں غیر ذوی العقول کے لئے ہے مِنْ بعضیت کا ہے انباء جمع ہے نَبَاءٌ کی بمعنی خبر مضاف ہے الغیب الف لام عہد ذہنی ہے غیب ہر وہ چیز ہے جس کو انسانی حواس خمسہ نہ جان سکے نُوْحِیْ فعل مضارع وَحْیٌ سے مشتق ہے مراد وحی جلی ہے یعنی نزولِ قرآن ھا کا مرجع اَنْۢبَآءُ الی حرف جار ظرفیت کے لئے كَ ضمیر سے مراد نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں مَا كُنْتَ تَعْلَمُ فعل ماضی استمراری منفی واحد حاضر فاعل نبی کریم علیہ السلام ھا ضمیر واحد غائب مگر جمع غیر عقلی کے لئے استعمال ہو رہا ہے۔ اَنْتَ ضمیر تاکید کے لئے نہیں بلکہ عطف کے لئے ہے کیونکہ ضمیر متصل پر اسم ظاہر منفصلہ کا عطف نہیں ہو سکتا لا حرف عطف تاکیدی قَوْمُ اَنْتَ کا معطوف ہے۔ مراد صحابہ کرام مِنْ بیانیہ قبلِ اسم ظرف مضاف ہے هٰذَا مضاف الیہ اسم اشارہ قریب ہے اس لئے قبل کو جر آیا هٰذَا کا مشار الیہ زمانہ حال ہے فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ فا تعقیبیہ اِصْبِرْ امر حاضر۔ مخاطب نبی کریم ہیں اِنَّ حرف تحقیق بیان علت صبر کے لئے ہے عَاقِبَۃٌ سے آخرت کی زندگی یعنی حیات مراد ہے وَ اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ۔ واؤ سر جملہ الی حرف جر بتا رہا ہے کہ کوئی فعل پوشیدہ ہے۔ جس کا قرینہ سابقہ ہے اَرْسَلْنَا یا بَعَثْنَا ماضی پوشیدہ عَادٍ ایک قوم کا نام ہے جن کا اعلیٰ ابو عاد کے نام پر یہ نام ہوا اَخَاهُ اَخٌ کی نصبی حالت ہے مراد رشتے دار ہم قوم۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع عاد ہے جو اگرچہ لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع ہے۔ ھود مفعول بہٖ ہے فعل پوشیدہ بَعَثْنَا یا بَعَثْنَا یا اَرْسَلْنَا کا ان کے نبی اکرم کا اسم پاک ہے۔ قَالَ کا فاعل ھُوْد ہیں۔ یٰقَوْمِ کا جملہ مقولہ ہے دراصل تھا یَاقَوْمِیْ یا متکلم بوجہ ثقل گرا دی گئی اُعْبُدُوْا اللہ امر جمع ہے عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بے سوچے سمجھے کسی کو معبود سمجھ کر کہنا ماننا۔ اللہ ذات باری تعالیٰ اسم اعظم ہے مفعول بہٖ ہے اُعْبُدُوْا کا۔ مَا نافیہ لَكُمْ میں لام جارہ بوجہ علت ہے۔ مِنْ استغراقیہ ہے۔ اِلٰهٌ اَلَہٌ سے بنا۔ یہاں نکرہ ہے۔ غَیْرُہٗ بعض کے نزدیک حالت رفع سے ہے الہ کے محلی اعراب سے اس کی صفت ہے لفظ الہ پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا نائب فاعل ہے۔ دراصل تھا مَوْجُوْدٌ لَكُمْ اِلٰهٌ غَیْرُهٗ ۔ بعض نے کہا غیرِ کو زیر ہے کہ یہ صفت ہے اِلٰہ کے ظاہری اعراب پر ہٗ ضمیر کا مرجع ذات پاک ہے اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ ان حرف شرط بمعنیٰ ما نافیہ ہے انتم ضمیر مرفوع منفصل ہے اِلَّا حرف استثنا نے نفی توڑ دی مُفْتَرُوْنَ فَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ خود ساختہ عملاً یا قولاً باب افتعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع ہے۔

تفسیر عالمانہ قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَ بَرَكٰتٍ عَلَیْكَ وَ عَلٰۤى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَ اُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ یَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۔ —————— جودی پہاڑ پر کشتی کے ٹھہرنے کے بعد کہا گیا یا اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا اور یہی قوی ہے بِسَلٰمٍ مِّنَّا کے قرینے سے یا جبرئیل

امین نے کہا یا ملائکہ مدبرات امر نے کہا جو خدمت میں مقرر تھے اے نوح اتر دیا اتارو۔ پہلی صورت میں لازم ہے اور مصدر ہبوط بروزن فعول ہے۔ دوسری صورت متعدی ہے اور مصدر ھَبْطٌ بروزن ضَرْبٌ ہے کشتی سے ابھی جبکہ ٹھہری ہے۔ بعض نے فرمایا کہ حضرت نوح کشتی میں ہی رہتے رہے حالانکہ کشتی جودی پر ٹھہر چکی تھی آپ نے سب جانوروں کو تو آزاد کر دیا مگر خود قیام وہیں رکھا کیوں کہ کوئی اور مکان روئے زمین پر نہ تھا یا آپ انتظار فرماتے رہے کہ جب سوار ہوتے تھے تو رب تعالیٰ کے حکم سے اب اتریں گے تو اسی کے حکم سے جب ہمارا کریم علیم حکیم رب ہمارے ساتھ ہے تو اپنی مرضی کیوں کریں۔ اس انتظار میں ایک ماہ گزر گیا تب یہ حکم آیا۔ یا کشتی کو تو اسی وقت چھوڑ دیا مگر پہاڑ سے نیچے ابھی دنیا میں پانی ہی پانی تھا۔ اس لئے پانچ ماہ تک آپ پہاڑ پر ہی رہے اور جنگلی خودرو اناج کھاتے رہے پانچ ماہ بعد جب پانی بالکل خشک ہو گیا تب یہ حکم آیا کہ جودی سے اترو یا ان سب مسلمانوں کو اتارو تاکہ دنیوی نظام میں مشغول ہوں۔ اس حال میں کہ اب سلامتی ہی سلامتی ہے۔ اب بادشاہت تمہاری ہے ہماری طرف سے یا اس شان سے کہ اے نوح اور ان کے ساتھیو غلامو تمہیں ہماری طرف سے اس نجات پر مبارک باد ہو۔ اور برکتیں ہوتی رہیں گی اے نوح تم پر اور ایک تفسیر کے مطابق ان امتوں پر جو تمہارے ساتھ ہیں۔ یہ تو مومن شکر گزار ہیں ان کی نسلوں میں رزق میں کاروبار میں بے شمار برکتیں ہوں گی پچھلی غربتیں یکسر ختم ہو جائیں گی کیوں کہ انہوں نے ہمارے نام پر صبر کیا تو یہ انعام پایا۔ اب زمین کی بادشاہت انہی کی ہے۔ شعر

جملہ را رزاق روزی می دھد قسمتِ ہر کس کہ پیشش می نہد
سالہا خوردی وکم نامد زخور ترکِ مستقبل کن و ماضی نگر

(مثنوی) ہاں بعد میں تم میں سے کچھ گروہ پھر بری صحبتوں سے گمراہ ہو جائیں گے تو ان کو بھی اسی طرح کچھ دن عیش کی مہلتیں ملتی رہیں گی پھر دنیا میں ان کو چھوئے گا یا آخرت میں مکمل پہنچے گا ان کو ہمارے فیصلے سے دردناک عذاب ایک تفسیر یہ کہ روح البیان نے فرمایا کہ پہلی اُمَمٌ سے مراد نوح علیہ السلام کی نسل ہے اور دوسری اُمَمٌ سے مراد باقی مسلمانوں کی نسل ہے کہ کچھ عرصے بعد وہ سب مسلمان فوت ہو گئے اور بعد طوفان جو ان کی اولاد ہوئی وہ کافر ہوئی ان کو ہلاک کر دیا گیا صرف آپ کی نسل رہ گئی حضرت نوح نے اپنے تینوں مسلمان بیٹوں کو دنیا کے مختلف حصوں میں آباد ہونے کا حکم دیا۔ اور اس طرح ان تین بیٹوں سے ہی دنیا کی مکمل آبادی ہوئی اسی لئے نوح کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔ جس طرح کہ نسلِ سادات زین العابدین سے چلی۔ روایت ہے کہ جب مسلمان کشتی سے اترے تو حضرت نوح نے کوے کو بھیجا کہ جا دیکھ کر آ کہ کہاں تک خشکی ہوئی ہے اور کافر بستیوں کا کیا حال ہے کوے نے ایک پہاڑ پر کسی کافر کی لاش دیکھی تو وہیں کھانے لگا اور خبر دینا بھول گیا بعد انتظار کبوتر کو بھیجا تو پہلی مرتبہ درخت زیتون کے پتے چونچ سے توڑ کر لایا۔ دوسری مرتبہ کیچڑ میں پیر ڈبو کر مٹی لگا کر لایا آپ نے پہچان لیا کہ یہ مٹی کس علاقے کی ہے اور کہاں تک پانی بالکل اتر

گیا اور کہاں تک کے صرف درخت ظاہر ہوئے ہیں۔ آپ نے کبوتر کو دعا دی اس لئے وہ انسانوں سے مانوس ہے آپ نے کوّے کو بد دعا دی اس لئے وہ انسانوں سے ڈرتا ہے دور دور رہتا ہے۔ لمبے سفروں میں پڑا رہتا ہے اسی سفر کی وجہ سے اس کو غراب کہتے ہیں غُراب البین بھی اسی لئے نام ہوا کہ یہ حضرت نوح سے بلا اذن جدا ہوا۔ (حیوات الحیوان۔ روح البیان) واللہ اعلم۔ جودی پر اتر کر سب سے پہلا کام آپ نے روزے رکھنے کا کیا شکریے میں سب نے ایک روزہ رکھا۔ شام کو سب جمع شدہ مختلف غلہ پکا کرا فطار کیا۔ علماء فرماتے ہیں اس دن تا قیامت غلے کی برکت نوح علیہ السلام کی وجہ سے ہے اور اس عاشورے (دس محرم) کے دن آبِ زمزم کی تمام دنیا میں روانگی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی وجہ سے ہے حضرت نوح پانی کے ڈھلنے کے ساتھ اترتے آتے تھے چنانچہ آپ نے کچھ نیچے اتر کر ایک بستی بنائی جس کا نام آپ نے آٹھ اہل بیت کے نام پر قریۃ الثمانین رکھا حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ اہل بیت کے ہر فرد نے اس بستی میں اپنا اپنا محلہ بنایا اور دیگر مسلمانوں کو بانٹ کر اپنے ساتھ رکھا اس لئے اس گاؤں کا نام سوق الثمانین بھی ہوا ایک ماہ تک آپ جودی پر ٹھہرے کہ کشتی آپ کا رہائشی مکان رہا پھر وہ بستی بنائی اس میں تین ماہ رہے پھر نیچے اترے تو پہلا قیام موصل میں ہوا (معانی) بَرَکٰتٌ کی واحد بَرَکَۃٌ ہے بَرْکٌ سے بنا بمعنی صدور کی جگہ۔ اسی لئے چشمے کو برک الماء کہا جاتا ہے۔ ہر غیر محسوس زیادتی کو برکت کہا جاتا ہے اللہ کو تبارک کہا جاتا ہے اسی لئے کہ اس کی فضیلتیں کسی کے احساس اور شمار میں نہیں آ سکتیں دوسری تفسیر کے مطابق پہلی امم سے مراد قیامت تک کے مومن ہیں اور دوسرے امم سے مراد تا قیامت کفار ہیں اور تیسری تفسیر کے مطابق پہلی امم سے مراد قوم نوح۔ قوم ہود قوم صالح۔ قوم لوط۔ قوم شعیب کے مومن ہیں اور دوسری امم سے مراد ان ہی قوموں کے کفار ہیں۔ کامل مومنوں کے دلوں میں تو کوئی وسوسہ نہ تھا ذکر الٰہی میں مست و سرشار تھے۔ مگر بعض کمزور دلوں کو وہم نے ستایا کہ جب کشتی سے اتریں گے کہاں رہیں گے کیا کھائیں گے۔ سب مکان ٹوٹ پھوٹ چکے ہوں گے۔ زمین دلدل بن چکی ہوگی ان لوگوں کے ان خیالات باطلہ کو توڑنے کے لئے فرمایا گیا کہ اے نوح ان کو اتار دے پھر یہ دیکھیں کہ ہماری طرف سے کیسی سلامتی کتنی برکتیں کیسے شاندار رزق کیسی عظیم نسلیں کتنی رونقیں میسر ہوتی ہیں ہاں جن لوگوں نے ہم پر بھروسہ نہ کیا اور شیطانی وسوسے میں لگ گئے ان کی نسلوں سے ہم کچھ کو چند روزہ عیش دکھائیں گے پھر ان کی ناشکری بے توکلی اور کفرانِ نعمت کی وجہ سے ان کو عذاب الیم کی سزا دیں گے (کبیر) تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَاۤ اِلَیْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَاۤ اَنْتَ وَ لَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ۔ اے پیارے حبیب یہ نوح علیہ السلام کا واقعہ ان غیبی خبروں میں سے ہے جو وحی کرتے رہتے ہیں ہم آپ کی طرف خواہ وحی خفی سے خواہ جلی سے اس ہمارے بتانے سے پہلے نہ آپ ہی ان غیبوں کو جانتے تھے نہ آپ کی امت۔ ہاں وحی خفی سے تو آپ نے جانا اور جب وحی جلی آئی یعنی قرآن مجید کی یہ فصیح آیات تو تا قیامت سب امت نے جان لیا۔ مگر کافر ان سچے اور عبرت انگیز واقعات

کو اب بھی نہیں مانتے نہ ایمان لاتے ہیں بلکہ موجودہ بناوٹی توریتوں انجیلوں میں غلط اور گستاخانہ قصہ لکھ دیتے ہیں۔ پس آپ صبر کیجئے کفار کی تکذیب پر جیسا کہ صبر کیا نوح علیہ السلام نے اتنی دراز مدت کو یہ صبر ہی تقویٰ ہے اور اچھا انجام۔ دنیا میں فتح مندی سے آخرت میں کامیابی سے صرف متقیوں۔ صابروں کے لئے ہے۔ جیسا کہ نوح علیہ السلام نے اور ان کی قوم نے اچھا انجام دیکھا۔ اس آیت میں صحابہ کرام اور غریب مہاجرین کو تسلی وتشفی دی جا رہی ہے۔ کہ اے لوگو سدا ایک جیسا وقت نہیں رہتا۔ کہ باطل ظاہراً ہزار سال تک بھی مہلت اور ڈھیل پالے تب بھی آخر فنا ہے۔ مومن اور حق پرست ظاہراً کتنی ہی مصیبت میں ہو آخر حیات ابدی نصیب ہوگی اور دائمی آرام۔ شعر

سروش عالم غیبم بشارتے خوش داد
کہ کس ہمیشہ گرفتارِ غم نخواھد ماند (حافظ شیرازی)

یعنی دنیا کی ہر شے فنا ہے نہ یہاں کے غم پہ گھبراتے نہ یہاں کی خوشی پر اتراتے۔ یہاں کے زندہ باد بھی فضول یہاں کے مردہ باد بھی کچھ نہیں۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن کو عشق کا ٹیکہ لگ گیا اور دنیا وما فیہا سے مستغنی ہو گئے اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ بِحُبِّكَ وَعِشْقِ حَبِیْبِكَ۔ یہ غیبی واقعات جن کو لوگ بہت دراز زمانہ گزرنے کی وجہ سے بھول چکے تھے یہ غیبی انباء ہیں جن کو تم اور تمہاری قوم اس قرآن سے پہلے نہ جانتے تھے انباء جمع ہے نَبَاءٌ کی نَبَاءٌ کے معنی خبر مطلق اس لئے اضافت سے اس کو مقید کیا گیا۔ اب اس کی یہ قید لازمی ہوگئی لہٰذا اب مذکور نہ بھی ہو تب بھی مراد ہوگی اسی سے بنا ہے نبی یعنی غیب کی خبر دینے والا۔ غیب دو قسم کا ہے ۱ وہ غیب جس میں مخلوق کے علم اور واقع کا کوئی تعلق نہ ہو اس کو غیب مطلق یا غَیْبَہٗ کہتے ہیں ۲ وہ غیب جس میں مخلوق کا تعلق ہو۔ پہلا غیب خاص الخاص بندوں کو ملتا ہے۔ جیسا کہ رب نے فرمایا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ مَنْ یَّشَآءُ۔ دوسرا غیب عام اولیاء اللہ کو بھی بلکہ قرآن پاک کی ان آیتوں کے ذریعے ہر مسلمان کو۔ پھر وحی جلی یعنی قرآن پاک کی اِن غیبی خبروں کا علم ہر شخص کو اس وقت آئے گا جس وقت اس کو قرآن مجید آئیگا۔ جسکو آج قرآن پاک کی سمجھ آگئی اسکو آج ان غیبی خبروں کا علم آیا جسکو ایک صدی پہلے قرآن کریم کی سمجھ آئی اس نے ایک صدی سے پہلے ہی ان غیبی خبروں کو جانا پس سمجھ لو کہ جس ذات مقدس نے ازل میں قرآن پاک سیکھا اور جسکو خلقت مخلوق سے پہلے ہی اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کی سند مل گئی اور جو ذات بابرکات نزول قرآن سے پہلے ہر سال ماہ رمضان میں جبرائیل امین کے ساتھ دور فرماتی رہی۔ اس نے یہ سب غیبی واقعات سالہا سال پہلے ہی کیوں کر نہ جان لئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آیت میں اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ کو علیٰحدہ عطف سے بیان کیا لَا یَعْلَمُوْنَ یا مَا اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ سب کو ایک صیغے میں جمع نہ فرمایا۔ عطف نے بتایا کہ لاعلمی میں سب برابر کیونکہ معطوف علیہ معطوف کا حکم ایک ہوتا ہے مگر صیغے اور ضمیر کی تفریق نے بتایا کہ زمانۂ علم میں کروڑوں سال کا فرق ہے۔ نبی کریم کو ازل میں یہ غیب بتائے گئے جبکہ دیگر مخلوق کو نزول قرآن سے یہ غیب آئے ورنہ اُن آیات سے تعارض لازم آئے گا معانی متمزیدت تقوے کے تین درجے ہیں ۱ تمام شریعت

پر عمل ، نعمت پر شکر ، مصیبت پر صبر۔ یہاں تیسرا درجہ مراد ہے اور متقین سے مراد صابرین ہیں۔ نبی قوم کا نذیر ہوتا ہے۔ نذیر کے لئے ضروری ہے کہ خود غیب سے واقف ہو۔ حجاب اٹھے ہوں۔ نذیر کا کام ہے کہ مومنوں سے غیب کے پردے اٹھائے اور منکروں کو ان خبروں کے ذریعے انجام بد سے ڈراتے وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا ۔ قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ۔ یہاں کوئی فعل علیحدہ پوشیدہ نہیں بلکہ وہی پہلا فعل اَرْسَلْنَا جو قصۂ نوح علیہ السلام میں ابتداءً تھا۔ یعنی اور بھیجا ہم نے ھود علیہ السلام کو ان کی قوم عاد کی طرف جو ان کے قومی بھائی لگتے تھے علاقہ یمن میں یہ قوم آباد تھی عربی النسل تھی چوتھے دادا عاد سے اس قبیلے کا نام چلا تھا۔ اَخَا یعنی بھائی ہونے کا مطلب ہے قوم کے ایک فرد۔ ان کے شجرۂ نسب میں اختلاف ہے صحیح تر یہ ہے۔ ھود بن شالخ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ شالخ کا اصل نام عبداللہ تھا مومن موحد تھے عوص کا اصل نام عاد تھا بعض نے کہا کہ عاد عوص کے بیٹے تھے۔ تو شجرہ اس طرح ہوا ہود بن عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح۔ پھر یہ قبیلے کا نام ہوا۔ بعض نے کہا یہ عاد علاقے کا نام تھا نہ کہ کسی مرد کا۔ مگر یہ غلط ہے دونوں میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ پہلے مرد کا نام ہو پھر اس کی اولاد نے ہی علاقے کا نام رکھ دیا ہو۔ جیسے کہ ہند۔ سندھ ملتان مشہور ہے کہ آدم علیہ السلام کے بیٹے پوتوں کا نام تھا اور جیسا کہ فی زمانہ عام طور پر بڑے لوگوں کے نام پر شہروں علاقوں کے نام رکھے جاتے ہیں۔ حضرت ھود کو بھی چالیس سال بعد تبلیغ کی اجازت ملی۔ چالیس سال تک آپ عبادت و ریاضت میں مشغول رہے۔ آپ کی قوم بت پرست تھی اس لئے آپ نے پہلی تبلیغ میں فرمایا اے میری قوم عبادت کرو تم اللہ تعالیٰ کی اس کی وجہ یہ ہے کہ کائنات میں بجز اس کے کوئی بھی معبود نہیں تمہاری عبادت کے لائق وہی ہے نہ کہ اس کا غیر۔ لہٰذا اسی کے لئے عبادت خاص کر دو یہ جو کچھ تم بت پرستی کرتے یہ تمہاری خود ساختہ چیزیں ہیں یا بناوٹی عقیدے ہیں یا ہاتھ کے بنائے ہوئے بت ہیں۔ اپنے ہاتھ سے بنا کر پھر ان ہی کو کہتے ہو کہ یہ بت جن کو ہم نے بنایا ہے ہمارے خالق ہیں کیسی صاف عقل میں آنے والی حماقت ہے جو تم کرتے ہو یا یہ افترا ہے کہ تم کہتے ہو بت پرستی کا حکم اللہ نے دیا ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** بارگاہِ خداوندی میں جو شان انبیاءِ کرام کی ہے وہ کسی کی نہیں۔ کہ جس کو وہ بد دعا دیں وہ کبھی بچ نہیں سکتے اور جو ان کے ساتھ لگ جاتے وہ کبھی فنا نہیں ہو سکتا۔ عزت نبی بچانے کے لئے اگر سارے جہان کو غرق کرنا پڑے تو قانون فطرت دریغ نہیں فرماتی یہ نبی ہی کی خواہش تھی کہ بڑا طوفان آیا سب کو غرق کر دیا مگر بچایا صرف ان کو ہی جو دامن نبی سے وابستہ تھے یہ فائدہ بِسَلٰمٍ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نبی کے صدقے کافر کو بھی نفع پہنچ جاتا ہے مگر صرف دنیوی یہ فائدہ سَنُمَتِّعُھُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انبیاءِ کرام اور خصوصاً ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے تمام غیوب

پر ازل سے ہی مطلع فرما دیا تھا اللہ تعالیٰ کے بتانے سے پہلے حضور اقدس کچھ نہیں جانتے تھے۔ دیگر لوگوں کو جو علم ملے وہ نزول قرآن کے بعد ملے یہ فائدہ اَنْتَ وَقَوْمُكَ کو علیحدہ علیحدہ بیان کرنے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** قصہ نوح علیہ السلام تو پہلی کتب میں مشہور تھا پھر یہ کیوں فرمایا گیا کہ غیب کی خبروں میں سے ہے تم اور تمہاری قوم اس قرآن سے پہلے نہ جانتے تھے۔ **جواب** تفسیر کبیر اور خازن نے اس کا ایک جواب یہ دیا کہ جو مشہور تھا وہ مجمل تھا تفصیل کسی کو معلوم نہ تھی تو یہ تفصیل بتائی گئی۔ دوسرا جواب یہ دیا کہ واقعہ نوح کتابوں میں لکھا ہوا تھا مگر چونکہ نبی کریم اور آپ کی قوم اَن پڑھ تھی اس لئے یہ واقعہ خود رب نے بلا پڑھے بتایا لہٰذا اس کو غیبی خبر کہا گیا۔ مگر یہ جواب قطعاً غلط ہے۔ چند وجہ سے پہلی یہ نبی پاک اَن پڑھ نہیں ہوتے دیکھو جب یہود مدینہ نے ایک زانی کی قرآنی سزا رجم پر اعتراض کیا تو نبی پاک نے فرمایا یہ سزا توریت میں لکھی ہے یہودی نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا توریت لاؤ وہ توریت لاکر پڑھنے لگا اور لفظ رجم پر انگلی رکھ لی آگے پیچھے سے پڑھ دی آپ نے فرمایا انگلی ہٹاؤ اس نے انگلی ہٹائی تو آپ نے فرمایا یہ لکھی ہے۔ اس پر وہ شرمندہ ہوا ہاں یہ ہے کہ نبی کریم نے دنیا میں آکر نہیں پڑھا اور نہ اظہار کبھی فرمایا۔ دوسری یہ کہ قوم میں بڑے بڑے پڑھے موجود تھے عبد اللہ بن سلام تو انجیل و زبور و توریت کے زبردست عالم تھے فاروق اعظم نے ایک دفعہ توریت بارگاہ اقدس میں پڑھنی شروع کر دی۔ تیسری وجہ یہ کہ اگر یہ صحیح قصہ توریت وغیرہ کتب میں اسی طرح لکھا ہوتا اور امی ہونے کی بنا پر اس کو غیبی خبر کہا گیا ہوتا تو یہودی عیسائی بلکہ کفار مکہ ان آیات کا مذاق اڑاتے کہ یہ کیسی غیبی خبر ہے جو کہ پہلے ہم کو معلوم ہے پس میرے نزدیک صحیح جواب یہ ہے کہ اس طرح سچا یہی واقعہ پہلے کسی کو معلوم نہ تھا نہ مجمل نہ مفصل صرف نوح علیہ السلام کا نام مشہور تھا ان کے ساتھ ایسے غلط قصے بنا رکھے تھے کہ معاذ اللہ سراسر گستاخی تھی چنانچہ پیدائش ۹ باب ۲۱ آیت میں ہے کہ نوح نے شراب پی اور نشے میں ننگا ہو گیا اور سب نے ننگا دیکھا (توبہ نعوذ باللہ) یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی بھی گستاخی کی چنانچہ پیدائش باب ۶ آیت ۵/۶ ص ۹ پر ہے خدا تعالیٰ انسان کو پیدا کر کے پچھتایا (ملول ہوا) اور دل میں غم کیا۔ معاذ اللہ اسی طرح کنعان کے بارے بہت غلط واقعہ ہے اور یہ تو اب موجودہ انجیلوں میں ہے جو ہر پانچ سال بعد تبدیل کی جاتی ہیں اس وقت تو غالباً بہت ہی گڑبڑ ہوگی اب تو قرآن پاک دیکھ کر پادریوں نے کچھ نہ کچھ صحیح بھی ملاوٹ کر لیا ہوگا **دوسرا اعتراض** قصہ نوح علیہ السلام تو سورۃ یونس میں بھی گزر گیا یہاں پھر تکرار کا کیا فائدہ **جواب** ایک ہی قصہ سے موقعہ محل کے اعتبار سے چند مقصد ہو سکتے ہیں۔ پہلی جگہ سورۃ یونس میں کفار مکہ کو اس بات کا جواب دیا تھا کہ تم عذاب کی جلدی مچاتے ہوتے ہو۔ تم سے پہلے قوم نوح نے بھی جلدی مچائی تھی تو ان کا یہ انجام ہوا۔ اور اب یہاں کفار مکہ کی ایذاؤں کی بنا پر مسلمانوں کی تسلی کے لئے یہ قصہ سنایا کہ دیکھو نوح علیہ السلام نے اور ان کی امت نے کفار سے کتنی ایذائیں پائیں۔ تو گویا کہ ایک ہی قصہ نوح وہاں کافروں کو سنایا یہاں مومنوں کو لہٰذا تکرار بے فائدہ نہ ہوئی۔

تیسرا اعتراض پہلے سمجھایا گیا کہ کافر کی قومیت مفید نہیں اور کافر اہل نہیں اسی قانون سے کنعان کو غرق کر دیا یہاں حضرت ھود کو اَخَاعَادٍ فرما کر قومیت کو مفید بتایا۔ کفر کی قومیت کا تذکرہ کیا۔ اس کی وجہ کیا؟ **جواب** کفر کی قومیت واقعی مفید نہیں مگر یہاں اَخَاعَادٍ کہہ کر فائدہ نہیں بتایا جا رہا ہے بلکہ کفار عرب کے اس وہم کا جواب دیا جا رہا ہے جو وہ کرتے تھے کہ بھلا وہ بھی کبھی نبی ہو سکتا ہے۔ جو ہماری قوم سے ہو ہم ہی پلے بڑھے پھر ہم پر ہی نبی بن بیٹھے جوابًا فرمایا کہ یہ شروع سے ہی الٰہی قانون رہا ہے کہ ہر قوم میں قوم ہی کا ایک فرد نبی ہوتا ہے۔ لہٰذا اے کفار عرب یہ بات وجہ اعتراض نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صوفیانہ قِيلَ يٰنُوحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا وَبَرَكٰتٍ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اُمَمٍ مِّمَّنْ مَّعَكَ وَاُمَمٌ سَنُمَتِّعُهُمْ ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِّنَّا عَذَابٌ اَلِيْمٌ جب روح نے تواضع سے اقرارِ خطا کر لیا اور رجوع الی اللہ کیا تو مالک کبریائی نے عافیت و امن کا لباس پہنایا اور انوار قرب و بارگاہ عظمت میں شان و شوکت سے بلایا۔ الہام سرمدی سے کہا گیا اے نوح روح ہماری صفات غیر خصوصیہ سے متصف ہو کر وادی جبل میں اُتر آ سفینہ حقیقیہ سے ابدی سلامتی میں جو ہماری طرف سے ہے اس کو کبھی فنا نہیں اور وصال کی برکتیں ہوں تجھ پر اور تیرے ان ازل کے ساتھیوں امتیوں پر جو قالوا بلٰی سے عالم ارواح میں مومن بنے تھے اور تیری برکت سے تیری دوستی والوں کو بھی عذاب فرقت سے نجات ہے۔ لیکن آئندہ جوان لطائف میں کثافتیں پیدا ہوں گی۔ عنقریب وہ مقام فنا اور عالم سفلی سے کچھ دن نفع پالیں گی مگر مشاہدۂ جمال سے عالم بقا میں لذت نہ لے سکیں گی پھر حجاب کے عذاب فراق کے درد دوری بارگاہ کا غم محرومی لذات کے مصائب ان کو تا ابد ہماری طرف سے پہنچتے رہیں گے (عرائس البیان) مقام اسرار کی طرف سے کہا گیا کہ اے روح اتار لا تمام عاملین کاملین اعضاء ظاہری و باطنی کو محل خلوت کی تنہائیوں اور مقام ولایت کی بلندیوں سے اور استغراق فنا فی اللہ کے درجوں سے شاہ راہ توحید میں تفصیل و تشریح نبوت کی طرف خلق سے ہٹ کر خالق کی طرف مشاہدات کی کثرت سے چشمۂ وحدت میں اس شان سے کہ نہ غضب ہو گا حق کے حجاب سے اور نہ ان کے کفران کی وجہ سے ان کی محجوبیت پر رضا ہو گی ایسی سلامتی کے ساتھ کہ کبھی کثرت حجاب نہ ہو گا اور نہ ہی نفس امارہ کے ظہور و غلبے کا خطرہ نہ ہدایت کے بعد گمراہی کا اندیشہ یہ سلامتی محض کریم کے کرم کی طرف سے ہو گی اور برکتیں ایسی کہ عدل کی بنیادوں پر قوانین شریعت کا ڈھانچہ بنے گا یہ کرم اے روح تجھ پر اور تیرے تابع فرمان اور تیرے دین کے مطیع تیرے طریقے کے ماننے والی امت پر لیکن جو فسادی دماغ و عقل سے پیدا ہو کر الگ گروہ بنالیں گے ہم ان کو صرف کچھ زمانہ حیات دنیوی کا مزہ و نفع دیں گے آخرت سے محجوب ہوں گے یہ امت تیرے ہی حام قلب و سام عقلِ نظری اور یافثِ عقل عملی اور نفس مطمئنہ کی بیوی کے اختلاط سے پیدا ہوں گی اے نوح روح تیری پہلی بیوی طبیعۃ جسمانیہ اور تیرا پہلا بیٹا کنعانِ وہم جو کوہِ دماغ کی پناہ پکڑتے تھے حوادثات نفس امارہ کی لہروں میں ڈوب چکے ہیں۔ تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهَآ اِلَيْكَ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ اَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ

هٰذَا فَاصْبِرْ اِنَّ الْعَاقِبَةَ لِلْمُتَّقِیْنَ ۔ اے روح کائنات کو منور کرنے والے نور منیر یہ واردات کشفیہ اسرار غیب کی خبریں ہیں۔ جو وحی نبوت اور الہام محبت تیری طرف ہم کرتے ہیں۔ کشف اور انبا دو قسم کا ہے ۱۔ اشباح یعنی جسد لطیف وکثیف کے دیوان غیب میں ظہور سے پہلے۔ یہاں تک کہ اہل کشف اسرار مکتوم کو نور غیبی سے دیکھ لے۔ اور دوسرا کشف وانبا وہ ہے جو اشباح فکری کے ظہور غیب کے بعد ہو اہل خبر و بصر جو دیکھے وہی سنے جو سنے وہی غیب ہو۔ اجرام کثیف داخل ہونے سے پہلے۔ مگر مشاہدے کا ذکر نہ ہو۔ تجھ کو تیری روح نور بننے سے پہلے پتہ نہ تھا لیکن بعد خلقت کے جانتا تھا نور کی پیدائش کے وقت ماکان ومایکون کا علم تجھ کو دیا گیا تیرے واسطے سے تیری قوم کو علم لدنی ملا یہ سب کچھ تسکین خاطر کے لئے ہوا پس صبر کے گھوڑے پر سوار ہو جا حقائق وجودی کے قرار کے لئے ہمت رفیعہ سے کیونکہ انجام خیر ان ہی متقیوں کا ہے جو وصال حق کی خاطر غیر حق سے بیزار ہیں جن کی نظریں جمال وجلال الٰہی کی طرف لگی ہیں۔ اس منیر کائنات کے لئے وہ غائب ظاہر ہوئے جس کو دیکھنے کی کسی مخلوق میں طاقت نہ تھی۔ کیونکہ یہ منیر امین اسرار ہے امانت داری کو خزانہ غیب دکھائے جاتے ہیں پس جو جتنا بڑا امین ہوگا اتنا ہی اس کا مکاشفہ زیادہ ہوگا انجام نجات اسی کو ملتا ہے جس نے تقوے کے ہتھیارے طہارات کے زیورسے خود کو مسلح ومزین کیا وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۔ نوح روح کے بعد ہم نے ھود قلب کو اس کی قوم عاد نفس کی طرف بھیجا ھود قلب عاد نفس کا عالم باطن کا بھائی ہے اس لئے کہ دونوں قالب وروح کے ازدواج سے پیدا ہوتے ہیں پس جس طرح روح مومن قابل فیض حق تعالیٰ ہے اسی طرح قلب بھی قابل فیض ہے۔ اور لائق عنایات ازلیہ ہے۔ یہ قلب منور نفس اور اس کی صفات کو خطاب کرتا ہے کہ اے نفس ونفسانیات متوجہ ہو جاؤ عبودیت خالق اور طلب حق تعالیٰ کی طرف تمہاری عبادت اور رجوع کا بجز اس اللہ کے سوا کوئی مستحق نہیں تمہاری محبوبیت مطلوبیت کا تمہارا معبود حق دار ہے کیونکہ وہ ہی تمہارا اور تمہارے والدات غیبی کا خالق ہے۔ اے بدنصیب نفس پرستو تم نے دنیا کی خواہشات اور دولت فانی کو معبود ومطلوب بنا کر بہت بڑا افترا کیا ہے (روح البیان - محی الدین ابن عربی اور عرائس)

یٰقَوْمِ لَآ اَسْــَٔلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی
اے قوم میری نہیں مانگتا میں تم سے پر اس اجرت مگر پاس اس کے پیدا کیا مجھ کو جس نے
اے قوم میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا میری مزدوری تو اسی کے ذمہ
الَّذِیْ فَطَرَنِیْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا
کیا پس نہیں عقل رکھتے تم　　اور اے قوم میری استغفار کرو تم
ہے جس نے مجھے پیدا کیا تو کیا تمہیں عقل نہیں　　اور اے میری قوم اپنے رب سے

رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا

رب اپنے سے پھر توبہ کرو تم طرف اس کی بھیجے گا آسمان سے پر تم زور کی بارش

معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ تم پر زور کا پانی بھیجے گا

وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۵۲﴾

اور زیادہ فرمائے گا تم کو قوت۔ میں طرف قوت تمہارے اور نہ پھرو تم مجرم ہو کر

اور تم میں جتنی قوت ہے اس سے اور زیادہ دے گا اور جرم کرتے ہوئے

قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ

بولے سب اے ہود نہیں لائے تم ہمارے پاس سے نشانیوں اور نہیں ہم سے چھوڑنے والوں

روگردانی نہ کرو بولے اے ہود تم کوئی دلیل لے کر ہمارے پاس نہ آئے اور ہم

اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۵۳﴾

معبودوں کو اپنے سے کہنے تمہارے اور نہیں ہم لیے تمہارے سے ایمان لانے والوں

خالی تمہارے کہنے سے اپنے خداؤں کو چھوڑنے کے نہیں نہ تمہاری بات پر یقین لائیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالےٰ نے کفار کی طرف اتنا عظیم طوفان بھیجا کہ جس کی مثال نہیں۔ اس لئے بھیجا کہ کائنات کو انبیاء کرام کے گستاخوں منکروں کو عبرت حاصل ہو۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ ضدی کافر کو کسی سمجھانے بجھانے سے عبرت نہیں آسکتی انہوں نے نوح علیہ السلام کی گستاخیاں کر کے عذاب منگایا تو اب حضرت ہود کی مخالفت پر کمر بستہ ہیں دوسرا تعلق پچھلی آیات میں حضرت نوح کی تبلیغ کا طریقہ بتایا گیا تھا اب حضرت ہود کی تبلیغ کا طریقہ بتا کر مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ طریقہ تبلیغ اگرچہ قدرے مختلف ہوتا رہا مگر اصلاً سب کی دعوت ایک ہی تھی۔

تفسیر نحوی يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا یا حرف ندا قوم مرکب اضافی منادیٰ لَآ اَسْئَلُكُمْ مضارع منفی کُمْ ضمیر جمع حاضر مفعول بہ اَجْرًا مفعول دوم عَلَيْهِ متعلق ہے فعل مضارع۔ اِنْ نافیہ اَجْرِیْ مرکب اضافی یاءِ متکلم منصوب ہے اِنْ کی وجہ سے اِلَّا حرف استثناء جس نے سابقہ نفی کو توڑا عَلَی جارہ اَلَّذِیْ اسم موصول فَطَرَنِیْ جملہ فعلیہ نون وقایہ۔ یاءِ متکلم مفعول بہٖ۔ صلہ ہے موصول کا۔ مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ اَفَلَا

تَعْقِلُوْنَ الف ہمزہ سوالیہ ہے لَا تَعْقِلُوْنَ مضارع منفی مخاطبین اہل قوم کے معززین ہیں وَیٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَیْهِ یُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَیْكُمْ مِّدْرَارًا وَّ یَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِیْنَ۔ واؤ عاطفہ ہے۔ قوم منادیٰ اسْتَغْفِرُوْا امر حاضر جمع ہے اس کا فاعل قوم والے ہیں غَفْرٌ مادہ صحیحہ سے مشتق ہے اس کے چند معنی ہیں یہاں مراد کفر کی بخشش اور توبہ ہے۔ رَبَّكُمْ مفعول بہ ہے امر حاضر کا ثُمَّ حرف تعقیب کے لئے ہے تُوْبُوْا تَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی رجوع کرنا۔ اِلٰى ظرفیہ مکانی کے لئے ہے ہٖ کا مرجع ذات باری۔ یُرْسِلُ فعل مضارع۔ یا بمعنی حال ہے تو یہ جملہ فعلیہ ہٖ ضمیر کی صفت ہوگی اور مرفوع ہوگا اور یا بمعنی مستقبل تو سابقہ جملہ شرطیہ ہوگا اور یہ اس کی جزا اور مجزوم السَّمَآءَ لغوی معنی مراد ہیں یعنی بلندی۔ یہاں حرف مِنْ جارہ پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا۔ مِنَ السَّمَآءِ یعنی بلندیوں کی طرف سے مِدْرَارًا دَرٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ بروزن مضراب اسم آلہ نہیں بلکہ بروزن معطار ومقدام ہے بمعنی بہت زور کی بارش مبالغے کا صیغہ ہے۔ وَیَزِدْكُمْ واؤ عاطفہ ہے۔ یَزِدْ دراصل یَزِیْدُ تھا یُرْسِلُ جزاء مجزومہ پر عطف کی وجہ سے یہ دال مجزوم ہوئی اجتماع ساکنین کی وجہ سے درمیانی یا۔ گر گئی كُمْ مفعول بہ اوّل ہے قُوَّةً مفعول بہ دوم۔ اِلٰى حرف جر بمعنی عَلٰی ہے قُوَّةِ مضاف ہے طرف كُمْ ضمیر کے پہلا لفظ قوت نکرہ ہے دوسرا معرفہ کیونکہ ضمیر کی طرف مضاف ہے۔ وَلَا تَتَوَلَّوْا واؤ تعلیلیہ ہے لَا تَتَوَلَّوْا فعل نہی ہے۔ بصیغہ جمع وَكَلٌ یا وَلْیٌ وَلِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا۔ مجرمین اجرام مصدر کا اسم فاعل جمع ہے۔ حال ہے فعل نہی کے فاعل کا قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ۔ قَالُوْا فعل ماضی جمع ہے اس کا فاعل قوم ھود کے معززین سردار ہیں۔ یا ھُوْدُ یہ جملہ ندائیہ مقولہ ہے۔ ما موصولہ جِئْتَ فعل ماضی واحد حاضر کا صیغہ نا یا مفعول بہٖ یا مفعول فیہ ہے بِ جارہ بعضیت کے لئے ہے بیّنات جمع ہے بَیِّنٌ کی۔ واؤ حالیہ مانافیہ سے نَحْنُ ضمیر مرفوع منفصل جمع متکلم ہے بِتَارِكِیْ با جارہ تارکی ترکٌ کا اسم فاعل بصیغہ جمع ہے مذکر سالم ہے دراصل تھا تارکین نون اضافت کی وجہ سے گر گئی اٰلِهَةِ مضاف الیہ بھی ہے تارکی کا اور مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم کا۔ اِلٰہ کی جمع ہے۔ عَنْ جارّہ تعلیلیہ ہے قول مصدر ہے مضاف ہے كَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع حضرت ھود علیہ السلام ہیں واؤ عاطفہ مَا نَحْنُ کا جملہ معطوف ہے۔ ما نافیہ نحن ضمیر جمع متکلم لَكَ لام حرف جر بمعنی عَلٰی ہے یہ جار مجرور اور پہلا جار مجرور تارِکِیْ کا متعلق ہے مگر ایک قول میں لَكَ متعلق مقدم ہے بمومنین کا اور عَنْ قَوْلِكَ متعلق ہے تارکی کا بعض نے کہا وہاں صادرین پوشیدہ ہے بِمُؤْمِنِیْنَ با جارّہ بعضیت کا۔ مُؤْمِنِیْنَ جمع مذکر سالم ہے مُؤْمِنٌ۔ کا اِیْمَانٌ باب افعال کے مصدر سے بنا ہے۔

تفسیر عالمانہ

یٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى الَّذِیْ فَطَرَنِیْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اے میری قوم میں اپنی اس تبلیغ رسالت پر توحید باری تعالیٰ کے درس پڑھانے پر تم سے کچھ اُجرت

نہیں مانگتا یہی تمام انبیاء عظام نے اپنی قوموں کو فرمایا سچے نبیوں اور سچی تبلیغ کی یہی شان ہے۔ نہ جائز اجرت یعنی حق المحنت مانگتے ہیں کہ صحیح مسئلہ بتائیں اور اس پر تنخواہ طلب کریں نہ ناجائز اجرت کہ غلط مسئلہ بتا کر رشوت لیں یعنی مجھ کو بالکل بھی تمہاری دولت کی پرواہ نہیں نہ مجھ کو تمہاری ذاتی حلال کمائی مال دولت سے دکھ ہے۔ تم کو تمہاری دولت مبارک رہے میں ایک آنکھ اٹھا کر بھی اس طرف نہیں دیکھتا کیونکہ نہیں ہے میرا اجر اور اس تبلیغی محنت کا بدلہ مگر اسی ذات کریم کے ذمۂ کرم پر جس نے مجھے پیدا کیا اور فطرت نبوت و خصائل حمیدہ عطا فرمائے۔ کیا پھر بھی تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ کہ کائنات پر نظر دوڑا کر توحید باری تعالیٰ کا پتہ لگا کر میری بات کی تصدیق کرو اور مومن خالص بن جاؤ یا تم اس بات کو عقل سے نہیں سوچتے کہ ہم گروہ انبیاء دنیوی مال و جاہ اور ثناء مخلوق کی قطعًا لالچ نہیں رکھتے اور تمام مخلوق سے اچھے اوصاف بلا تناقض ہمارے رب نے ہمارے پیدا کئے ہیں۔ یہی دلیل نبوت ہیں میں تم سے کوئی ایسی بات نہیں کرتا جو تمہاری عقلوں کو تحیر کردے میں سیدھی سادھی عقل میں آنے والی باتیں سنا رہا ہوں مگر تم عقل استعمال نہیں کرتے یہی وجہ ہے کہ تم میری بات ماننے پر تیار نہیں ہوتے۔ تم بے عقل جانور بھی نہیں کہ تم کو ایسا ہی چھوڑ دیا جاتے اللہ نے تم کو عقل دی ہے تو تم سوچتے کیوں نہیں۔ تم دنیا داروں کو دولت دنیا پیاری ہے تم کو یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم تم سے دولت نہ مانگیں تو خوب سمجھ لو کہ ہم کو اللہ تعالیٰ اور آخرت سے پیار ہے ہم تم سے کچھ دولت نہیں مانگتے جو مال و دولت سے پیار کرے گا اس کو رب تعالیٰ دنیا کا مردار و فانی مال دے دیتا ہے۔ لیکن جو اس کی محبت اس کے خوف سے اس کے کام میں لگتا ہے تو اس کا بدلہ اخروی نعمتوں سے اسی کے ذمے ہوتا ہے۔ یہ تم کو تسلیم ہے کہ آسمان زمین کو اللہ نے پیدا کیا تو عقل سے سوچو کہ رزق و دولت بھی وہی دینے والا ہے۔ اس کی ذات پر کیوں بھروسہ نہیں کرتے۔ جب ہم نے بھروسہ کیا ہے تو تم بھی بھروسہ کرو۔ جب پیدا کرنا۔ زندہ کرنا، مارنا۔ پالنا۔ کھلانا۔ پلانا۔ سب اسی کے ذمے پر ہے اور اسی کی جانب سے ہے تو تمہارے دستی بنائے ہوئے بت پتھر کے کس طرح کس کام میں اس کے شریک ہوتے کیا تم اتنا بھی نہیں عقل سے سوچتے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ تمہاری عقل ماؤف کرکے تم سے اپنی بات منواؤں۔ یا شعبدے دکھا کر قائل کروں نہیں میں تو تم کو دعوت غور و فکر دے رہا ہوں کہ جلد بازی نہیں محض عقیدت سے میری نہ مانو بلکہ خوب غور کرو سوچو۔ ضرور تمہاری سوچ تم کو میری بات ماننے پر مجبور کرے گی کہ آخر ایک شخص بلا کسی لالچ کے اتنی محنت مشقت عیش و آرام کو چھوڑ کر کر رہا ہے تو کچھ سچائی ہی ہے۔ اور یہ بھی فکر دل سے نکال دو کہ مسلمان ہو کر تم غریب ہو جاؤ گے بلکہ

وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ۔ اور اے میری قوم آؤ میں تم کو ایمان لانے کا طریقہ بتاتا ہوں کہ سب سے پہلے تم استغفار کرو اور سابقہ ظلم شرک و کفر کی بخشش مانگو تاکہ اس کا جلال جمال میں تبدیل ہو جاتے۔ یہی ایمان لانا ہے یہ سب سے پہلے ضروری ہے پھر اس اللہ تعالےٰ معبود حقیقی سچے خالق مالک کی طرف جھک جاؤ رجوع اور رغبت کرو ہر ایک محبت دل سے نکال دو۔

بتوں کی عبادت سے پکی توبہ کر لو۔ کیونکہ ایمان کے بعد مضبوط توبہ شرط ہے۔ پھر دیکھنا کہ اس ایمان کی برکت سے تم پر آسمان کی طرف سے کتنی موسلا دھار بارشیں نازل ہوتی ہیں جس سے فائدہ ہی فائدہ ہو گا کہ کھیتیاں۔ باغات پھل پھول غلّہ دانا اس کثرت سے ہوں گے کہ تم۔ تمہاری اولاد۔ تمہارے جانور اس روزی حلال رزق خدا کی وجہ سے خوش باش صحت یاب ہو جاؤ گے جس سے تمہاری نسل۔ جانور دولت۔ عزت سب میں ترقی ہو گی اور موجودہ قومی قوت سے کئی گنا زیادہ قوت ہو گی۔ وہ اللہ تعالیٰ رحیم و کریم تمہاری قوت پر قوت زیادہ فرماتا رہے گا۔ صرف اس کی طرف آ کر تو دیکھو ابھی تک تم نے اپنی نفسانی عقلوں سے سوچ کر دولت کمائی ہے اور اسی دنیا کی فکر و پریشانی میں سرگرداں ہو۔ حرص و حوس کے جال میں ایسے جکڑے گئے ہو کہ حلال و حرام کی پرواہ نہیں کرتے۔ ذرا ایمانی عقل سے چل کر دیکھو ابھی تک بتوں سے آس لگائے بیٹھے ہو ذرا رب تعالےٰ سے لَو لگا کر دیکھو ابھی تک شیطان کی مانی ذرا نبی کی مان کر دیکھو۔ ابھی تک کفر کے دروازے پر جھکے رہے ذرا نبی کے دروازے پر آ کر دیکھو کہ خدا تعالےٰ کے علاوہ خدائی بھی تمہاری ہو گی یہ تو ایمان کی ابتدائی شرطیں اور اس کے انعام ہیں۔ انتہاءِ ایمان یہ ہے کہ پھر کبھی اس کرم کرنے والے کریم کے دروازے سے مجرم ہو کر نہ ہٹنا۔ یا اس کے مجرموں غداروں سے محبت نہ کرنا کہ ایک دل میں دو محبتیں جمع نہیں ہو سکتیں۔ دنیوی نعمتوں کا تذکرہ بھی حضرت ھود کی تبلیغ ہے۔ کیونکہ غلط سے صحیح۔ حرام سے حلال۔ ظلم سے عدل کی طرف مائل کرنا بھی ایمانی حکم ہے۔ یہاں بارش کا ذکر کیا گیا دریاؤں نہروں سیلابوں کا ذکر نہ کیا گیا چند وجہ سے۔ ایک یہ کہ دریا۔ نہر سے پانی کے حصول میں مشقت ہے اور انسانی فعل و محنت کا دخل ہے بارش میں یہ نہیں۔ دوسری یہ کہ نہری دریائی۔ سیلابی پانی میں حرام اور ظلم کا بھی اندیشہ ہے کہ کسی کی طرف سیلاب کا رخ پھیر دیا یا کسی کا حق مار کر خود پانی لے لیا۔ یا اس پانی پر ناجائز ٹیکس لگا دیا غریب نہ لے سکا۔ بارش میں یہ بات نہیں۔ تیسری یہ کہ۔ دریاؤں نہروں کا پانی بھی اگرچہ رب تعالےٰ کا ہی ہے مگر اس پر حکومتوں کا قبضہ بھی ہوتا ہے۔ بارش پر کسی کا قبضہ نہیں۔ چوتھی یہ کہ دریاؤں نہروں کنوؤں۔ سیلابوں کے پانی میں وہ تاثیر نہیں جو بارش کے پانی کی تاثیر ہے بارش نہ ہو تو مصیبت بن جاتی ہے۔ پانچویں یہ کہ دریا۔ نہر۔ کنواں۔ سیلاب صرف میدانی علاقوں میں پانی پہنچا سکتے ہیں مگر بارش میدانی۔ پہاڑی سب علاقوں میں۔ چھٹے یہ کہ نہر دریا کا پانی دھونس اور زور سے بھی لیا جا سکتا ہے۔ مگر بارش محض رب تعالےٰ کے کرم نبی کے معجزے اور ولی اللہ کی دعا سے ملتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دریا اور نہر کے لئے کوئی دعا نہیں کراتا بارش کے لئے دعا کرائی جاتی ہے۔ ساتویں یہ کہ دریا و نہر کا پانی صرف کھیت اگانے میں مفید ہے وہ بھی صرف جڑوں کو پہنچتا ہے مگر بارش کا پانی کھیت باغ کے علاوہ۔ موتی لعل یاقوت۔ بناتا ہے۔ موسم تبدیل کرتا ہے درختوں کو سنوارتا ہے بہاروں کو لاتا ہے۔ پھلوں میں مٹھاس پھولوں میں نکھار پیدا کرتا ہے۔ آٹھویں یہ کہ دریا و نہر کا کوئی کوئی حاجتمند مگر بارش کے ہر جگہ ہر شخص حاجتمند یہاں تک کہ کیڑے مکوڑے بھی۔ ثابت ہوا کہ ایک بارش ہی کروڑہا نعمتوں کے برابر ہے اسی لیے بارش کا ذکر فرمایا۔ پھر وہ قوم کھیتی باڑی اور باغات کی دلدادہ تھی اس لئے ان کو راغب کرنے کے لئے بارش کا ذکر کیا کیونکہ

باغ اور کھیت والا بارش کا بہت حاجت مند ہوتا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قوم عاد پر اکثر بارشیں بند رہتی تھیں اور قحط سالی کا نمونہ طاری رہتا تھا۔ کیونکہ وہ یمنی علاقہ انتہائی مشرقی تھا جہاں خشکی زیادہ ہوتی تھی اس وقت بھی جب یہ تبلیغ فرما رہے ہیں تین سال بارشیں بند اولاد یا تو ہوتی نہیں یا ہوتی ہے تو سوکھی مڑی۔ بیماری زدہ۔ اس لئے حضرت ھود نے سب سے پہلے استغفار کا حکم دیا کیونکہ استغفار کا وظیفہ رزق اور اولاد عزت و خوشحالی کے لئے اکسیر ہے۔ امام حسنؓ سے کسی نے تنگی اولاد کی شکایت کی تو آپ نے یہی وظیفہ بتایا۔ امیر معاویہؓ نے وجہ پوچھی تو آپ نے اسی آیت سے استدلال فرمایا یہ وظیفہ اس شخص کو مفید رہا اور اس کے دس صحت مند بیٹے پیدا ہوئے۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ تم کو قوت ایمانی یعنی روحانی بھی ملے گی اور جسمانی بھی کہ تم میں اولیاء علماء بھی پیدا ہوتے رہیں گے اور نیک پاک دولت مند بھی۔ طاقتور صحت مند صاحب اولاد بھی۔ بس شرط یہ ہے کہ تم لوگ ایمان لا کر اس کے دروازے پر بندے بن کر پڑے رہو۔ مجرم بن کر پھرو مت۔ ایسی خوش خلق اور پیاری تبلیغ کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیئے تھا کہ فوراً ایمان لے آتے مگر ہوا یہ کہ دیگر جاہل لوگوں شیطانی عقل والوں کی طرح قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ یہی بولے وہ کافر لوگ اے ہود تم ہمارے پاس کوئی ایسا معجزہ ایسی نشانی نہیں لاتے جو تمہاری نبوت کو ثابت کرے اور سخت عناد اور دشمنی میں بولے کہ ہم فقط تمہاری ان لمبی چوڑی تقریروں سے تو اپنے ان پتھر کے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے۔ اور چونکہ بتوں پر ہمارا ایمان پختہ ہے اس لئے آپ جو کہ ہمارے بتوں کے دشمن ہیں ہم آپ پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اس طرح کہ نہ آپ کی توحید مانیں گے نہ اللہ کو معبود جانیں گے نہ عقل سے سوچیں گے نہ علم سے کام لیں گے دین کے معاملے میں بالکل جاہل رہیں گے۔ یہی بیماری آج ہر پرست گمراہوں میں پیدا ہوتی جا رہی ہے۔ کہ علماء سے عداوت علم سے نفرت عقلا سے دوری اور طرح طرح کے طعنے۔ کبھی کہتے ہیں۔ العلم حجاب اکبر کبھی کہتے ہیں دین مُلا فی سبیل اللہ رب تعالٰی ہدایت دے۔ یہ جملہ استینا فیہ ہے اور قوم عاد کے امرا سرداروں کا کلام ابتداءِ دنیا سے یہ بات چلی آ رہی ہے کہ جن لوگوں کو مال اولاد مل جاتا ہے وہی لوگ مغرور بے ادب گستاخ ہو جاتے ہیں۔ ہر سرکشی اور ظلم اور دین کے مقابلے میں بڑھ چڑھ کر وہی حصہ لیتے ہیں۔ بلکہ اچھی باتوں کو ماننے میں اپنی ذلت سمجھتے ہیں اور چونکہ غریب مزدور پیشہ ور لوگ ان ہی امرا کے دروازوں سے بے غیرتی کی روٹی کھاتے ہیں اس لئے وہ بھی ان کے جی حضوری ہو جاتے ہیں بدیں وجہ چند ایک کی کفریہ گفتگو سب کی مانی جاتی ہے۔ رب تعالٰے فرماتا ہے۔ اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ تمہارے مال و اولاد فتنہ ہی ہیں۔ کیونکہ ان سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ یہ کہ دشمن چور ڈاکو کے سامنے بزدلی سکھاتے ہیں اور کنجوسی لاتے ہیں کہ امیر جتنا زیادہ ہوگا بزدل بھی اتنا ہی ہوگا۔ صاحب اولاد اکثر کنجوس اور بزدل ہوتے ہیں۔ ایسا ہی حدیث پاک میں آتا ہے دوسری خرابی یہ کہ اپنے بزرگوں مصلحوں سمجھانے والوں کے سامنے بڑی پھرتی دیدہ دلیری بے خوفی گستاخی بے ادبی سکھاتی ہے۔ دیکھ لو امیر آدمی کا فرکی دشمن کی بزدلانہ خوشامدانہ تعریفیں

کرے گا اپنے علماء صوفیاء اور بزرگوں کو حقیر سمجھے گا۔ قوم عاد کو بھی اسی قسم کا غرور تھا جو حضرت ھود کے سامنے مقابلے میں آگئے اور گستاخ ہوتے تَارِكِیْ اور بِمُؤْمِنِیْنَ دونوں جگہ جملیہ اسمیہ کا مطلب ہے ہم کبھی ایسا نہیں کریں گے کیونکہ جملیہ اسمیہ استمرار کو چاہتا ہے۔ مقصد گفتگو یہ ہے کہ اے ھود تم ہماری طرف سے مایوس ہو جاؤ آئندہ ہم کو تبلیغ نہ کرنا۔ چونکہ حضرت ھود نے دعوت غور و فکر کی تھی اس لئے انہوں نے بِبَیِّنَةٍ کا مطالبہ کیا یعنی غور و فکر سے تو شاید ہم کچھ آپ کی مان ہی لیں لیکن ہم کو ایسی صاف روشن ظاہر و باہر معجزہ چاہیئے جو ہماری مرضی کا ہو۔ اور ہمیں سوچنے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ مگر ایسا معجزہ دکھانا شان نبوت کے خلاف ہے کہ یہ ایک قسم کا کمزور ہونا اور جھکاؤ ہے کسی بھی نبی نے کفر کے اس طرح کے مطالبے سے معجزہ نہیں دکھایا حالانکہ سارے نبی ہی صاحب معجزہ ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے (کبیر معانی۔ روح البیان۔ مظہری۔ جمل۔ صاوی۔ خازن۔ نور العرفان۔ سراج منیر۔ ابن کثیر)

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء کرام بہت شان کے مالک ہوتے ہیں ان کو ان کے مقصد اور ڈیوٹی سے دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہیں کر سکتی نہ کسی دنیوی دولت سے مرعوب ہوں یہ فائدہ عَلَى الْاِعْلَانِ لَا اَسْئَلُكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اپنے محبوب بندوں کو رب خود پالتا ہے جو اس کے کام میں مشغول ہو وہ سب دنیا میں بے پروا ہو جاتا ہے۔ علماء صوفیا کو یہ سبق یاد رکھنا چاہیئے یہ فائدہ اِنْ اَجْرِیَ الخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** اللہ کے ذکر سے اخروی فائدوں ثوابوں کے علاوہ دنیا میں بھی بہت فائدہ پہنچ جاتا ہے مگر مومن کی نیت آخرت کی طرف ہونی چاہیئے۔ کیونکہ آخرت مثل دانے کے ہے اور دنیا مثل بھوسے کے کسان کی نیت دانے کی ہوتی ہے مگر بھوسہ خود بخود مل جاتا ہے یہ فائدہ یُرْسِلُ کی ترتیب ذکری سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** اصل طاقت مومن کو حاصل ہے۔ عارضی طاقت اگرچہ کافر کو بھی مل جاتے یہ فائدہ اِلٰی قُوَّتِكُمْ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** حضرت ھود نے اپنے معجزے دکھاتے تھے مگر کفار نے اپنی ضد اور دشمنی عناد کی بنا پر ان کو تسلیم کرنے سے انکار کیا وہ اپنی مرضی کا معجزہ مانگتے تھے یہ فائدہ بِبَیِّنَةٍ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ علماء ربانی کو چاہیئے کہ مخالفین کے بیجا مطالبوں کی پرواہ نہ کرے بلکہ کوئی مانے یا نہ مانے صرف رضاءِ الٰہی کے لئے تبلیغ جاری رکھے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ایمان کے لئے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیوں فرمایا گیا۔ عقل کی دعوت کیوں دی گئی۔ عقل تو بری چیز ہے سب بزرگ اس کی برائی کرتے چلے آئے ہیں۔ کسی نے کہا۔ شعر

عقل کو تنقیص سے فرصت نہیں　　　عشق پر بنیاد رکھ ایمان کی

پیر رومی فرماتے ہیں ع۔ عقل قربان کن بپیشِ اولیا۔ وغیرہ واعظین فرماتے ہیں۔ عقل سے ایمان نہیں ملتا۔ عقل

تو نمرود شیطان اور ابوجہل کے پاس بہت تھی **جواب** عقل بذات خود بری نہیں بلکہ اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے عقل مثل سفید کپڑے کے ہے کہ سفید کپڑے کو جیسا رنگ کرو گے ویسا وہ ہو جائے گا بعض حکمار نے فرمایا کہ عقل مثل ملک کے ہے جیسا اس پر سلطان ہوگا ویسا ملک ہوگا۔ پیر رومی نے ہی اس کا فیصلہ فرمایا شعر

عقل اندر حکم دل یزدانی است　　چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

یہاں اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ میں دو باتیں سمجھائی گئیں ایک یہ کہ اے احمقو تم یہ سمجھتے ہو کہ دین کو عقل سے مت سمجھو۔ نہیں عقل کو خوب استعمال کرو اندھے بہرے ہو کر دین مت پکڑو تم نے دین کو اندھے اور بے عقل ہو کر سنا سنایا مانا اسی لئے کافر بت پرست ہوئے اگر ذرا عقل سے سوچتے تو تم کو اپنے بتوں کی حقیقت کا پتہ چلتا اور ذرے ذرے میں توحید کے جلوے نظر آتے سچا دین عقل کو ناکارہ نہیں کرتا بلکہ عقل کو روشن کرتا ہے۔ صرف عقل ہی کیا سارے اعضاء انسانی کو استعمال کا صحیح طریقہ دین ہی سکھاتا ہے۔ دوسری یہ کہ دین کے معاملے میں عقل اپنی مرضی سے استعمال نہ کرو ورنہ حسب سابق گمراہ ہوگے۔ اب میں تم سے کہہ رہا ہوں اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ میرے کہنے سے عقل استعمال کرو کیونکہ جب عقل نبی کے فرمان سے استعمال کی جاتی ہے تو وہی عقل مقام صدیقیت تک پہنچ جاتی ہے۔ نبوت کسی عضو کسی نعمت کو نہ ضائع کرنے دیتی ہے نہ غلط استعمال فرمایا یہ جا رہا ہے ابھی تک تم نے اپنی عقلیں دولت کمانے ظلم چوری فریب کرنے میں استعمال کی یہ غلط استعمال ہے۔ عقل کو صرف دین اور علم دین کے لئے استعمال کرو اس سے معرفت الٰہی کو حاصل کرو دنیا کی دولت تو تم کو خود رب ہی عطا فرمائے گا وہ ہی کارساز ما و شما ہے تم مومن تو بنو **دوسرا اعتراض** حضرت ھود نبی تھے اور نبی صاحب معجزہ ہوتا ہے لیکن حضرت ھود کے پاس کوئی معجزہ کیوں نہ تھا۔ کہ کفار کو کہنا پڑا مَا جِئۡتَنَا بِبَیِّنَۃٍ ہمارے پاس کوئی معجزہ نہیں لاتے تم **جواب** صرف کفار کے اس انکار سے معجزے کا نہ ہونا لازم نہیں آتا۔ مخالف دشمن کی تو عادت ہوتی ہے ابوجہل نے بہت سے معجزے دیکھ کر بھی یہ کہا کہ ہم کو کوئی معجزہ دکھاؤ۔ حضرت ھود کے پاس معجزہ تھا مگر آپ نے اس لئے نہیں دکھایا کہ معجزے کی ضرورت نہ تھی آپ صاحب شریعت نبی نہ تھے حضرت نوح کی شریعت ہی پر آپ نے عمل کرانا تھا۔ ابھی تو آپ توحید باری تعالیٰ کی حقانیت اور بتوں کا جھوٹا ہونا ثابت فرما رہے ہیں کہ میری باتوں پر غور کرو۔ شریعت کے وہ قانون نہیں بتا رہے جو عقل انسانی سے وراء ہیں جب شریعت کی طرف لایا جائے گا تب معجزے دکھانے کا وقت آئے گا۔ معرفت پروردگار اور باطل کا بطلان تو عقل میں آنے والی چیز ہے۔ صرف توسّل نبی چاہیئے **تیسرا اعتراض** اگر کفار کی عقل اس لائق ہوتی کہ وہ دین و ایمان توحید و رسالت کو سمجھ سکتی تو پھر حضرت ھود کی تکذیب کیوں کرتی۔ اور اگر اس لائق نہیں تھی تو ان کو دعوتِ عقل کیوں دی؟ **جواب** عقل تو تھی مگر انہوں نے نبی کے فرمانے کے باوجود استعمال نہ کی۔ یا اس لئے کہ عقل قاصر تھی باپ دادا کی اندھی تقلید کی بنا پر یا اس لئے کہ حضرت ھود سے دشمنی کی بنا پر اس طرف آتے ہی نہیں **چوتھا اعتراض** حضرت ھود کی تبلیغ سے دو چیزیں ثابت ہوئیں

ایک یہ کہ مومن بن کر دنیوی عیش ملتا ہے۔ دوسری یہ کہ دین کے لئے دنیا کا لالچ دیا۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں ٹھیک نہیں حدیث پاک میں ہے کہ دنیا میں انبیاء اولیاء کو تکالیف زیادہ ہوتی ہے اور دوسری روایت میں ہے مومن کے لیے دنیا مثل قید کے ہے۔ سچے دین کی تعلیم تو یہ ہے کہ دنیا کماؤ دین کے لئے نہ کہ دین لو دنیا کے لئے۔ **جواب** یہ فرمان حلال روزی اور نعمت الہٰی کی طرف ترغیب ہے اور یہ چیزیں دنیا نہیں بلکہ دین میں شامل ہیں۔

تفسیر صوفیانہ يٰقَوْمِ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ اے دولت دنیا کے لیے پریشان و سرگرداں قوم نفسانیہ وھواءِ طبعیہ میں تم کو منزل مراد کی طرف صرف اس لئے بلاتا ہوں کہ تم میری قوم ہو میرے وطن جسمانی کے رہنے والے ہو تم سے کچھ لالچ نہیں نہ میری کچھ خواہشات ہیں میرا اجر تم دے ہی نہیں سکتے تمہارے پاس شہوات رذیلہ وصفات ذمیمہ ہیں یہی تمہارا سرمایہ ہے اسی کو تم مزید حاصل کرنا چاہتے ہو یہ سب فنا کی پونجی ہے۔ میں طائر لاہوتی ہوں بلبل باغ بقا ہوں مشاہدات کے پھولوں کا رسیا ہوں انوار کی کلیدوں کا طالب ہوں اس لئے میرا اجر تم نہیں دے سکتے نہ میں تم سے اجر مانگتا ہوں میرا وہ اجر جس کا میں حاجت مند ہوں میرے اسی کریم کے ذمہ کرم پر ہے جس نے مجھ کو پیدا کیا نیست سے ہست بے حال سے صاحب حال کیا۔ اے میرے ہم وطن جسدی کیا تم عقل سے سمجھتے نہیں کہ تم کو بھی اسی جلّ مجدہٗ نے پیدا کیا مگر تم کو صاحب قال بنایا مجھ کو صاحب حال تم کو مطیع ہونے کے لئے مجھ کو مطاع ہونے کے لئے تم کو مقتدی مجھ کو امام تم کو تابع مجھ کو متبوع بنایا اور ہم سب کو طالب مقصود جلّ وعلیٰ بنایا۔ وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى قُوَّتِكُمْ وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ ۔ اے میری قوم صفات نفس کے حجاب اور پرواز لاہوتی سے رک جانے کے گناہ اور خواہشات شرکیہ کے کفر سے باز آؤ اور بخشش اپنے مربی حقیقی ذات وصفات کو پالنے والے سے بصد عجز طلب کرو پھر توحید پر خلوص وراہ سلوک اور طریقۂ خلوت وتجرد کی توبہ سے متوجہ ہو جاؤ اسی رب تعالیٰ کی طرف تو آسمان روح سے وہ معبود حقیقی تم پر علوم حقیقیہ اور معارف یقینیہ کی موسلا دھار بارش بھیجے گا۔ اور قوت اجسام کی طرف قوت کمال بھی زیادہ فرمائے گا۔ اس لئے کہ جسمانی اور استعدادی قوت سبب ہے قوت اعمال کی اور قوت اعمال سبب ہے قوت پرواز کی اور پرواز لاہوتی سبب ہے قربت پروردگار کی۔ وہاں کچھ مشقتیں ضرور ہیں گھبرا نہ جانا ایسا نہ ہو کہ مجرم غفلت وکسل ہو کر پیچھے لوٹو۔ قوت قدسیہ تو دائرۂ محیط ہے۔ جدھر کو بھاگو گے پہنچنا اسی کی طرف ہے۔ (محی الدین ابن عربی) اے میری قوم بخشش مانگو غیر حق کی طرف دیکھنے سے اور رجوع کرو اپنے نفسوں سے اسی رب کی اطاعت کی رویت میں اس سے اسی کے طالب بنو نہ غیر سے طلب ہو نہ غیر کی طلب ہو پھر نظارۂ جمال کرنا اور دیکھنا کہ آسمان قدم سے تمہارے چہروں پر انوار تجلیات کی تیز بارش ہو گی جس سے پرواز روح کی قوت تم کو زیادہ ہو گی تمہاری عبادت کے باغوں میں سجدوں کی کیاریاں زیادہ ہوتی چلی جائیں گی اور شراب دائمی جام سرمدی سے اور انگور قدس چمن ازلی اور مشاہدات

ذات وصفات سے حاصل ہوں گے یہ انعامات نفس حرام سے نہ ہوں گے بلکہ انوارِ حلال سے ہوں گے جس سے قوتِ کمال وجلال حاصل ہو۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حرام غذا سے نفس موٹا قلب چھوٹا ہوتا ہے حلال سے قلب قوی اور نفس مردہ ہوتا ہے جس سے تاریکی دور اور روشنی باطن بڑھتی ہے یہی عطار بخشش اور حصول توبہ سب ہے ۔۔۔ قَالُوْا یٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَیِّنَةٍ وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِیْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِیْنَ. بولے وہ لوگ جو عالم جبروت کی بلندیوں سے ناواقف تھے اپنے فہموں کے تصور اور اپنی بصیرت کے اندھا ہونے کی وجہ سے کھوٹی طبیعت کے ذریعے برہان حق کو نہیں دیکھ سکتے اے قلب ھود تو نے اپنے اقوالِ سِرّی اور دعوتِ لاہوتی پر کوئی ظاہر دلیل ہم کو نہ دی صرف تیرے کلام سے ہم اپنے معبودانِ حرص وہوس کو نہیں چھوڑ سکتے اور ہم تیری وجہ سے اسرارِ مکتومہ اخبارِ پوشیدہ پر ایمان نہیں لائیں گے ہم عقل وخرد کو چھوڑ کر تجھ پر کیوں کر ایمان لائیں۔ شروع سے کور چشموں کی عادت رہی ہے کہ دامنِ تدبر کو چھوڑ کر ظاہر بینی کو ہی مطمعِ نظر رکھتے ہیں اسی لئے ناکامیوں کی اتھاہ تاریکیوں میں گرتے چلے جاتے ہیں۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قدرت کے ہزاروں نشان نفوس انسانیہ میں موجود ہیں جو بیّناتِ معرفتِ کردگار ہیں۔

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ

نہیں کہتے ہم مگر یہ کہ مارا پہنچی تم کو بعض معبودوں ہمارے کی سے برائی کی وجہ فرمایا بے شک

ہم تو یہی کہتے ہیں کہ ہمارے کسی خدا کی تمہیں بری جھپٹ پہنچی کہا میں اللہ کو گواہ کرتا

اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْۤا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝۵۴

میں گواہ بناتا ہوں اللہ کو اور تم گواہ ہو جاؤ کہ بیشک میں بری ہوں سے اس شرک کرتے ہو تم

ہوں اور تم سب گواہ ہو جاؤ کہ میں بیزار ہوں ان سب سے جنہیں تم اللہ

مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ ۝۵۵

مقابل اس کے تو مکاریاں کرو تم مجھ سے سب مل کر پھر نہ مہلت دو مجھ کو

کے سوا شریک ٹھہراتے ہو تم سب مل کر میرا برا چاہو پھر مجھے مہلت نہ دو

اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ؕ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا

بے شک میں نے بھروسہ کیا پر اللہ جو رب ہے میرا اور رب ہے تمہارا نہیں کوئی سے چلنے

میں نے اللہ پر بھروسہ کیا جو میرا رب ہے اور تمہارا رب کوئی چلنے والا نہیں جس

هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۵۶﴾

والا مگر وہ اللہ پکڑنے والا ہے سے پیشانی اس کی بیشک رب میرا پر راستے سیدھے

کی چوٹی اس کے قبضۂ قدرت میں نہ ہو۔ بے شک میرا رب سیدھے راستہ پر ملتا ہے

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ ؕ

تو اگر منہ پھیرو تم پس بیشک پہنچا دیا میں نے تم کو وہ سب بھیجا گیا میں ساتھ جسکے طرف تمہاری

پھر اگر تم منہ پھیرو تو میں تمہیں پہنچا چکا جو تمہاری طرف لے کر بھیجا گیا

وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۚ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا ؕ

اور پیچھے لاسکتا ہے رب میرا دوسری قوم کو جو غیر ہے تم سے اور نہیں نقصان دے

اور میرا رب تمہاری جگہ اوروں کو لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے

اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ﴿۵۷﴾

سکتے تم اس کو کچھ بے شک رب میرا ہر چیز پر حفیظ ہے

بے شک میرا رب ہر شے پر نگہبان ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت ھود کی قوم کی باتیں نقل ہوئیں کہ اے ھود تمہارے پاس کوئی معجزہ نہیں جو آپ کی سچائی پر دلیل بنے ۔ اور فقط آپ کی باتوں سے ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے ۔ اور نہ ہم آپ پر ایمان لائیں گے اب ان آیات میں کفار کا عذر اور ایمان نہ لانے کا سبب نقل کیا جا رہا ہے کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے اور یہ ہمارے معبودوں کی بددعا اور پھٹکار ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ھود علیہ السلام کے وعظ شریف کا کچھ ذکر ہوا جس کو قوم ھود نے بیچ میں کاٹ دیا تھا اب حضرت ھود کے وعظ کا بقیہ بیان کیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ۔ اِنْ حرف نفی نَقُوْلُ فعل مثبت بمعنی منفی اِلَّا نے نفی توڑ کر حصر پیدا کیا اِعْتَرَاكَ باب افعال کا ماضی مطلق ہے عَرْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے نحوی معنی ننگا ہونا۔ عیب دار ہونا۔ بدنصیب ہونا یہاں مراد یہی آخری معنی ہیں۔ متعدی بیک مفعول ہے یعنی عیب دار یا بدنصیب کر دیا تجھ کو بَعْضُ فاعل تنکیری ہے بمعنی کسی اٰلِهَةَ جمع ہے اِلٰہ کی بِسُوْٓءٍ ب مفعولیت کی سوء برائی

یہ جملہ استثناءِ مفرغ سے لغو ہے اور مقولہ ہے نَقُوْلُ کا قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ قال
یہ جوابی جملہ ہے فرمانِ حضرت ھود ہے۔ اِنِّیْ جملہ اسمیہ مقولہ ہے قول کا یا متکلم اسم اِنَّ اُشْهِدُ اللّٰهَ فعل مضارع متکلم
بابِ افعال سے متعدی ہوا اِشْهَدْ سے بنا بمعنی گواہ بنانا اللّٰهَ مفعول بہٖ ۔ واؤ عاطفہ اَشْهَدُوْا امر جمع ہے اَنِّیْ اَنَّ
حرف مشبہ بالفعل جوفِ جملہ میں آیا لہٰذا مفتوح یاءِ متکلم اسم ہے پہلا اِنِّیْ قال سے تعلق دار ہے اور اَنِّیْ کا جملہ اَشْهَدُ
وَاشْهَدُوْا سے تعلق دار ہے اور شہادت علیہ ہے بَرِیْٓءٌ خبر اَنَّ ہے بروزن فعیل صفۃ مشبہ ہے اَنَا ضمیر اس کا
فاعل ہے مِمَّا مِنْ جارہ بیانیہ ما موصولہ عمومیہ تُشْرِكُوْنَ فعل مضارع بمعنی حال جمع مذکر حاضر شِرْكٌ سے مشتق ہے
یعنی تمام چیزوں سے بیزار ہوں جس سے تم شرک کرتے ہو مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ مِنْ
جارہ بیانیہ دون بمعنی مقابل ہ ضمیر غائب کا مرجع ذات باری ہے فَكِیْدُوْنِیْ ف تعقیبیہ كِیْدُوْا جمع مذکر حاضر
امر آخر میں الف نہیں بوجہ نون وقایہ یا ضمیر واحد متکلم کا مرجع ھود علیہ السلام ہیں جَمِیْعًا حال ہے کیدو
کے فاعل کا ثُمَّ حرف عطف برائے تراخی لَا تُنْظِرُوْنِ فعل نہی جمع مذکر حاضر نون وقایہ یاءِ متکلم پوشیدہ مفعول بہٖ
نظر سے مشتق ہے بمعنی غور کرنا یعنی مہلت دینا اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَرَبِّكُمْ ۔ اِنَّ حرف تحقیق یاءِ متکلم اسم
اِنَّ تَوَكَّلْتُ فعل ماضی مشتق ہے وکل سے مثال واوی سے مشتق ہے بمعنی سپرد کر دینا یعنی بھروسہ کرنا علی حرفِ جر بمعنی فوقیت
رب تابع بدل ہے لفظ اللّٰہ متبوع مبدل منہ کا واؤ عاطفہ ہے رَبِّكُمْ معطوف ہے رَبِّیْ پر مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا
هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا مانافیہ مِنْ جارہ تبعیضیہ دَآبَّةٍ دبٌّ سے مشتق ہے بمعنی زمین کو اکھیڑنے روندنے والا مراد
ہر جاندار اِلَّا حرفِ استثنا نے نفی کو توڑا اٰخِذٌ اسم فاعل مذکر خبر ہے هُوَ مبتدا کی هُوَ کا مرجع اللّٰہ ہے اَخْذٌ سے
مشتق ہے بمعنی پکڑنا با جارہ بیانیہ ہے نَاصِیَۃ نَصْیٌ سے بنا بمعنی اگلے بال ھا کا مرجع دَآبَّةٌ ہے ۔ اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ
مُّسْتَقِیْمٍ ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبِّیْ مرکب اضافی ہے یاءِ متکلم کی طرف ۔ عَلٰی بمعنی عِنْدَ یعنی پاس ۔ صراط کھلا راستہ مستقیم
باب استفعال کا اسم فاعل ہے طلب کے معنی میں ہے یعنی درستی چاہنے والا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ
بِهٖٓ اِلَیْكُمْ ۔ فا تعقیبیہ اِن حرف شرط تَوَلَّوْا ایک قرأت میں مضارع ہے باب تفعل کا اور ایک قرأت میں فعل ماضی ہے
اسی باب کا وَلْیٌ سے مشتق ہے بمعنی پھرنا فَقَدْ ف تعقیبیہ قَدْ اَبْلَغْتُ فعل ماضی قریب كُمْ مفعول بہٖ مَا اسم
موصول اُرْسِلْتُ ماضی مجہول بِهٖ کی با بمعنی ساتھ ہ ضمیر صلہ ہے الٰی حرف جار ظرفیت کے لئے ہے كُمْ ضمیر جمع سے مراد قوم
ھود ہے وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ۔ واؤ ابتدائیہ یہ جملہ استئنافیہ ہے یستخلف باب افتعال خلفٌ سے بنا ہے
رب بمعنی اللّٰہ مضاف طرف یاءِ متکلم کے قومًا مفعول بہٖ غَیْرَ بمعنی سوا صفت کے لئے كُمْ کا مرجع قوم ھود وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ
شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ واؤ عاطفہ لَا تَضُرُّوْنَ مضارع بمعنی حال اور مستقبل ہ کا مرجع ذات باری تعالیٰ
شَیْئًا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا یا مفعول بہٖ ۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ لَا تَضُرُّوْنَ متعدی بیک مفعول ہے اِنَّ

حرف تحقیق بیان علت کے لئے ہے رَبِّیۡ یہ سب فرمان ہے حضرت ھود کا۔ عَلٰی حرف جر استعلاء حقیقی کے لئے ہے کُلِّ موجبہ کلیہ کا سور ہے شَیۡءٍ مضاف الیہ ہے مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی چاہا ہوا حَفِیۡظٌ باب ضَرَبَ یضرب کا ایک فاعل ہے بمعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک حفاظت کرنے والا۔

تفسیر عالمانہ اِنۡ نَّقُوۡلُ اِلَّا اعۡتَرٰٮكَ بَعۡضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوۡٓءٍ ؕ اے ھود ہم تم پر اس لئے ایمان نہیں لاتے کہ ہم جان گئے تم کو جنون ہو گیا ہے اور اس پاگل پن کا سبب بجز اس کے ہم کچھ نہیں کہتے کہ تم کو ہمارے کسی بت معبود نے غیبی مار ماری ہے۔ یہ جملہ پہلے قول وما نحن کا بیان علت ہے یعنی تم نے ہمارے کسی بت پرست کو برا کہا تو اس نے یہ سزا دی کہ تم بہکی بہکی باتیں کرنے لگے یا تم تو ہمارے سارے ہی بتوں کو برا بھلا کہتے رہتے ہو۔ ہمارے بت خاموش ہیں مگر شاید کسی بت سے برداشت نہ ہو سکا تو اس نے اس طرح سزا دی کہ تم خلل دماغی میں مبتلا ہو گئے اور جن علاقوں میں تم بڑی امن سے رہتے تھے۔ وہاں سب تمہارے دشمن ہو گئے اور تم اس طرح ہذیانی باتیں کرنے لگ گئے۔ تو ہم تمہارے ہذیان کی بنا پر اپنا آبائی دین کس طرح چھوڑیں قوم ھود نے۔ حضرت ھود کی تبلیغ کے جواب میں تین باتیں کہیں ۱۔ تم نے کوئی ظاہر معجزہ نہ دکھایا لہٰذا ہم اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے ۲۔ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے ۳۔ ہمارا پختہ یقین ہے کہ تم پر ہمارے بتوں کی مار پڑی ہے اس لئے تمہاری یہ حالت ہوئی ہے اور تمہاری یہ بے عزتی ہو رہی ہے قوم کی نگاہوں میں۔ کفار کی ان تینوں باتوں کا جواب حضرت ھود نے اس طرح فرمایا قَالَ اِنِّیۡۤ اُشۡهِدُ اللّٰهَ وَاشۡهَدُوۡۤا اَنِّیۡ بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِكُوۡنَ ۙ مِنۡ دُوۡنِهٖ فَكِيۡدُوۡنِىۡ جَمِيۡعًا ثُمَّ لَا تُنۡظِرُوۡنِ ۔ فرمایا تم نے میری باتوں کی تصدیق نہیں کی تو مجھ کو کوئی غم نہیں کیونکہ اللہ کو اپنا شاہد بناتا ہوں وہی میری حقانیت کی گواہی دیتا ہے۔ تم اپنے بتوں سے لپٹے رہو ان سے آسیں لگائے رہو اور زندگی برباد کرتے رہو اگر تمہارے بت جھوٹے معبود اتنے ہی لائق اور پہنچے ہوئے ہوتے تو تم سے دلدر نحوستیں دور نہ کر دیتے تین سال سے بارشیں بند نسل اولاد ختم ہے کیوں نہیں لاتے چلو میں تو ان کو برا کہتا ہوں اس لئے مجھ سے ناراض ہیں۔ تم تو ہر وقت ان کے قدموں میں پڑے رہتے ہو تمہاری مشکل کشائی کیوں نہیں کرتے۔ اگر آس امید ہی لگانی ہے تو نبیوں ولیوں سے لگاؤ ان کے قدموں کو پکڑو ان کے آستانوں سے چمٹ جاؤ تاکہ رحمت باری کے دروازے کھل جائیں ان بتوں سے کیا لینا ہے۔ میں تو بیزار ہوں اور گواہ بن جاؤ کہ میں بے شک بیزار رہوں گا ان بتوں سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو اس سچے معبود کے مقابل۔ یہ تو مجھ کو بھی پتہ ہے کہ تمہاری زبانیں میری گواہ نہ بنیں گی مگر تمہارے دل میرے گواہ ہوں گے۔ چونکہ مِنۡ دُوۡنِهٖ میں آیت علیحدہ ہے اس لئے یہاں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالےٰ ہو۔ یہی مراد اعلیٰحضرت کے ترجمے میں ہے یہی اکثر مفسرین نے کہا ہے اسی کو ہم نے اوپر کی تفسیر میں مراد لیا۔ دوسرا یہ کہ ہٖ کا مرجع اُشۡهِدُ اللّٰهَ یعنی اللہ کی گواہی ہو اور مقصد یہ ہو کہ میرا حقیقی شاہد اللہ ہے تم اس گواہی کے مقابل گواہ ہو جاؤ۔ یہ کفار کو گواہ بننے کا کہنا ان کی اہانت کے لئے ہے۔ جیسے دشمن کو کہا جاتا ہے تو دیکھتا

رہ میں کرتا رہوں۔ جب کفار نے کہا کہ ہمارے معبودوں کی مار ہے تو جواباً آپ نے کہا۔ کہ میں تو اب بھی بیزار ہوں اور ان بتوں سے متنفر ہوں تم مشاہدہ کر ہی رہے ہو۔ تمہاری ان باتوں سے خوف زدہ نہیں ہوں۔ آئندہ بھی بتوں کو جھوٹا کہتا ہی رہوں گا۔ لہٰذا میری طرف سے کھلی عام اجازت ہے کہ تم میرے ساتھ میرے خلاف جو چاہو مکاریاں کر لو سب مل کر۔ کَیْدًا کا لغوی ترجمہ ہے خفیہ تدبیر جو مقابل کو نقصان پہنچاتے جب بندے کی طرف نسبت ہو تو معنٰی ہے حیلہ سازی چال سازی اور جب اللہ کی طرف نسبت ہو تو تدبیر کا معنٰی ہو گا۔ اور مطلب ہو گا کہ اللہ مخلوق کو اعمال بد کا بدلہ دیتا ہے۔ اچھے اعمال کا بدلہ ثَیْبٌ ہے برے کا کَیْدٌ اسی طرح بندے کا بندے کے لئے اپنی اچھی سوچ پر عمل کرنا ثیبٌ ہے بری سوچ پر عمل کرنا کید ہے۔ پھر ایسا مکر کھیلو کہ مجھ کو بالکل بچنے کی مہلت مت دو یعنی اپنے ارادۂ بد کو ایسا چھپاؤ کہ تمہاری طرف سے مجھ کو پتہ بھی نہ لگنے پائے۔ تاکہ اس سے بچنے کا میں کوئی طریقہ نہ بنا سکوں۔ جمیعًا نکرہ ہے جس کا مفہوم ہے کہ یہ مکاریاں صرف تم اکیلے سرداروں نے نہیں کرنی بلکہ تم سب چھوٹے بڑے کفار اور تم تو ایک بت کی مار کی بات کرتے ہو میں کہتا ہوں کہ تمہارے سارے بت جھوٹے معبود بھی تمہارے ساتھ اس مکاری چال سازی میں شامل ہو جائیں پھر دیکھ لینا کہ تمہاری اور تمہارے سب بناوٹی معبودوں کی ساری مکاریوں سے میرا کچھ بھی نہ بگڑے گا۔ کیونکہ اِنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّیْ وَ رَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بے شک میں نے ازل سے ہی کامل بھروسہ کیا ہے اللہ جل شانہ پر جو میرا بھی ہر گھڑی پالنے والا ہے۔ اس طرح کہ مصیبتیں دور کرتا ہے میری حفاظت فرماتا ہے۔ میری بلا کت میں کسی کا مکر نہیں چلنے دیتا وہ تو زہریلے کیڑے مکوڑوں سے بھی مجھ کو بچاتا ہے تو انسانوں سے بچانا اس کے لیئے آسان ہے۔ رب کہنے میں اتنی باتیں حاصل ہوئیں کیونکہ رب ہوتا ہی وہ ہے جو ہر طرح پالے اور پرورش حقیقی ہوتی ہی تب ہے۔ جو صاحب اختیار ذاتی ہو ہر چیز پر اس کی پوری قدرت ہو اس کے ارادے سے کوئی باہر نہ ہو سکے جب وہی رب ہے تو وہی مالک ہے اور مالک کو اپنی چیز سے پیار ہوتا ہے وہ اس کی حفاظت کرتا ہے اور اے قوم والو وہ اللہ تو اتنا رحیم کریم ہے کہ تم جیسے نافرمانو شرک کرنے والے گستاخوں کو بھی دنیا میں پال رہا ہے لہٰذا وہ تمہارا بھی رب ہے۔ تمہارا مالک بھی وہی ہے تم سب کے سب یہاں تک کہ جانور حیوان بھی اس کے قبضہ میں ہیں اور اس طرح قابو میں ہیں کہ کوئی زمین پر چلنے والا اپنی قوت سے زمین کو روندنے والا ایسا نہیں مگر جس کو وہ اللہ اس کی پیشانی سے پکڑنے والا ہے۔ گویا کہ بالکل قابو میں ہے اس کلام میں عرب کے محاورے اور عربی اصطلاح کا اشارہ کیا گیا اہل عرب کے نزدیک جس مجرم کو اس طرح مضبوطی سے پکڑ لیا جاتے جس سے وہ دم نہ مار سکے بالکل ہر طرح قابو میں آجاتے پکڑنے والے کے مقابل اس کی ساری طاقت ختم ہو جاتے اور اس طرح پکڑنے کا مقصد اس کو ذلیل کرنا ہو تو وہاں پیشانی سے پکڑنا کہتے ہیں۔ ویسے بھی پیشانی کے قریب سر کے بالوں سے پکڑنا بہت مضبوط پکڑنا ہوتا ہے پکڑے ہوئے کے ہاتھ پیر کی طاقت مفلوج ہو جاتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ سر میں مغز ہے اور مغز میں ایک دم ہے جس کو حرام مغز کہتے ہیں وہ دم بہت نرم پٹھا سا ہوتا ہے جو ریڑھ کی ہڈی

میں نیچے تک جاتا ہے جب بال پکڑے جائیں پیشانی کی طرف سے تو حرام مغز سکڑ جاتا ہے جس سے سارے اعضا کی رگیں تنگ ہو جاتی ہیں اور اعضا کی طاقت کم ہو جاتی ہے۔ انسان ہو یا جانور قابو میں آجاتا ہے۔ اگر ناصیہ سے مراد پیشانی کے بال ہوں تب تو یہ مطلب ہے لیکن اگر خود پیشانی ہی مراد ہو تب مراد ہے پورا سر و چہرا کہ جانور کا چہرہ قابو میں آجائے تو سارا جسم بے بس ہو جاتا ہے اس لئے نکیل ڈال کر یا چہرے پر رسی جکڑ کر جانور کو قابو کر لیا جاتا ہے۔ یا ناصیہ سے مراد پورا جسم ہے کیونکہ ناصیہ یعنی پیشانی ماتھا۔ سر اور چہرے میں ہوتا ہے اور سر بول کر پورا جسم مراد ہوتا ہے (کتب فقہ واصول فقہ) یہاں ناصیہ سے پکڑنے کا منشا قہر اور غلبہ ہے اور پکڑے ہوئے کا ہر وقت ہر طرح ہر لحاظ سے مطیع ہونا ہے کہ رب تعالیٰ جس طرح چاہے ان سے سلوک کرے بنائے بگاڑے ان کی بات چلنے دے یا نہ دے۔ اے مشرکو تم تو اپنے بتوں کی ہیبت لئے پھرتے ہو مگر میں کہتا ہوں کہ تمہارے یہ معبود تو نرے مٹی کے ڈھیر ہیں۔ قہر۔ جلال۔ کبریائی تصرف۔ قدرت۔ طاقت۔ اختیار۔ تو صرف میرے رب کا ہے میں اس کی ان شانوں کا اقراری ہوں تم انکاری لہٰذا تمہارے مکر مجھ پر کیسے چل سکتے وہ ہر طرح تم کو بگاڑ سکتا ہے مگر چونکہ وہ رحم و کرم والا ہے۔ اس لئے ظلم کے راستے پر نہیں بلکہ عدل و انصاف کے درست اور صاف سیدھے راستے پر ہے۔ کہ ظالم اس کے دربار میں کبھی فلاح اور کامیابی نہیں پاتا اور مظلوم کبھی محروم و مایوس نہیں پھرتا۔ اے قوم کے بت پرستو تم سمجھتے ہو کہ شاید ہم بتوں کو مان کر اللہ کو پالیں گے یہ تمہاری کج فہمی ہے۔ بتوں کا راستہ تو ٹیڑھا راستہ ہے۔ ٹیڑھا ستون ٹیڑھی دیوار کمزور اور نقصان دہ ہوتی ہے اسی طرح ٹیڑھا دین و مذہب بھی نقصان اور عذاب دہ ہوتا ہے۔ اگر اللہ کو پانا چاہتے تو نبی کے بتاتے ہوئے صراط مستقیم پر آؤ میں نبی ہوں اور میں ہی کہہ رہا ہوں بے شک میرا رب سیدھے راستے پر ہے یعنی صراط مستقیم پر ملتا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ تمہارا بھی رب ہے مگر میری نسبت سے اس پر ایمان لاؤ کیونکہ جس کو میں کہوں گا کہ یہ میرا رب ہے وہی تمہارا رب ہوگا میں نے تم کو ہر طرح وضاحت سے سنا دیا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَیْكُمْ وَ یَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ وَ لَا تَضُرُّوْنَهٗ شَیْـًٔا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ ۔ تو اگر اب بھی تم حق سے پھرے ہوئے ہی رہے تو مجھ پر کوئی شکایت نہیں نہ تمہاری طرف سے اگر تم پر کوئی عذاب آیا اور نہ اللہ جل شانہٗ کی طرف سے بصورت عتاب کیونکہ پس بے شک میں نے ان سب باتوں کی تم کو تبلیغ کر دی جس کے ساتھ میں تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں اس میری بات نہ ماننے اور مجھ پر ایمان نہ لانے کا نقصان تم کو ہی ہے کہ میرا مالک میرا محافظ اللہ تعالیٰ تم کو ہلاک کرنے کے بعد تمہارے سوا ایک اور قوم لے آئے گا۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تم سے دنیا آباد ہے تمہارے وجود سے دنیا کی رونق ہے اور تمہارے ختم ہونے سے اللہ کی زمین کی رونق ختم ہو جائے گی یا تم یہ گمان کئے ہوئے ہو کہ تم کو کوئی مٹا نہیں سکتا۔ یا تمہارا یہ عقیدہ ہے کہ تمہارے بت تم کو خدا کے مقابل بچالیں گے اور خدا تعالیٰ کو روک دیں گے ہرگز ایسا نہیں ہوگا تم کو جب وہ ہلاک کرے گا تو تم اس کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتے کیونکہ تم سے دنیا آباد نہیں تمہاری وجہ سے رونق کائنات

نہیں دنیا کی آبادی اور رونق اللہ کے نیک بندوں اور اللہ کے ذکر سے ہے۔ نیک بندوں سے ہی چمن عشق کے پھول کھلتے ہیں بزم توحید کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ تم اور تم جیسی دیگر مغرور قومیں سمجھتی ہیں کہ ہم ہی دنیا کے مہتمم اعلیٰ ہیں یہ خیال خام ہے۔ اور ہلاکت سے رک کر بچ کر تمہارے بت تمکو بچا کر اس کے عمل میں رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتے لہٰذا تم اس کا کچھ نقصان نہیں کر سکتے نہ اسکو تم بھلا سکتے ہو نہ چکمہ دے سکتے ہو۔ کیونکہ بے شک میرا رب ہر چیز کا محافظ اور محاصرہ فرمانے والا ہے۔ کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں یہ جملہ توکل کی وجہ بیان فرما رہا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ خوب بہتر جانتا ہے کہ کون ظالم کون مظلوم کون اچھا کون بد۔ کس کو بچانا ہے کس کو مٹانا ہے۔ کس کو کیا بدلہ دینا ہے لہٰذا اس پر ہی کامل توکل کرنا چاہیئے۔ تم نے کفر پر اصرار کیا بس تم کو ہلاک کر کے دوسری قوم آباد فرما دے گا۔ یا اس طرح کہ نئی قوم پیدا کرے گا یا اس طرح کہ تم میں جو غریب مسلمان ہوتے تم کو ہلاک کر کے تمہاری جگہ اُن کو دنیا کی سرداری عطا فرما دے گا اور چونکہ وہ ہر چیز کا محافظ ہے اس لئے وہ میری حفاظت فرمائے گا حضرت ھود علیہ السلام کا یہ کلام کس طرح عظیم شان والا ہے (۱) یہ غیبی خبر ہے (۲) یہ آپ کا ایک معجزہ بھی ہے (۳) یہ ایک بہادر و دلیری کی بیّن دلیل ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**

پھول کی پتّی سے کٹ سکتا ہے ھیرے کا جگر ٭ مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

کتنا ہی فصاحت و بلاغت کا کلام ہو کتنی ہی بہترین نصیحت ہو مگر بدقسمت نادان انسان اس سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتا اگر خوشی آئے تو کہتا ہے کہ میری عقل و سیاست سے ایسا ہوا اور اگر غمی ہو تو کہتا ہے کہ ستاروں کی گردش۔ اللہ کی طرف کبھی بھی اس کا دھیان نہیں جاتا۔ مرضی کے مطابق بات سنیں گے تو خوش ہو جاتے ہیں اگرچہ وہ زہر ہی ہو خلاف مرضی بات سنیں گے تو منکر اور ناشکرے ہو جاتے ہیں۔ اور سنانے والے کو بے عقل و خرد سمجھتے ہیں اگرچہ وہی سچا و خیر خواہ ہو شروع سے طریقۂ کفار رہا یہ سبق و فائدہ اِلَّا اَعْتَرَاکَ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** مومن کو چاہیئے کہ ہر آن ہر حالت میں رب تعالیٰ پر بھروسہ کرے اور سمجھے کہ مالک حقیقی وہی ذات ہے کوئی غم تکلیف خوشی و شادمانی بغیر ارادۂ الٰہی نہیں آ سکتے۔ عزت ذلت اسی کے ہاتھ ہے۔ تعلیمات انبیاء کرام سے یہی سبق ملتا ہے یہ فائدہ اِنِّی تَوَکَّلْتُ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ہر نبی صاحب معجزہ ہوتا ہے یہ فائدہ لَا تُنْظِرُوْنِ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ یہ غیبی خبر ہے۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام معجزہ دکھانے میں با اختیار ہوتے جب چاہیں دکھائیں خواہ نہ دکھائیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں حضرت ھود کا قول اس طرح نقل ہوا کہ اِنِّیْ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْا چاہیئے یہ تھا کہ اس طرح فرماتے اُشْهِدُ اللّٰهَ وَ اُشْهِدُكُمْ تاکہ دونوں جملے مناسب ہو جاتے اس غیر مناسب طریقے سے بولنے میں کیا حکمت ہے؟ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں

بھی دیا گیا اور امام ابوبکر رازی علیہ الرحمۃ نے اس طرح جواب دیا کہ چونکہ یہاں مقصود شہادت ہر دو جگہ جداگانہ ہے اس لئے دونوں جملے مختلف طریقے سے لانا ہی مناسب ہے۔ اللہ کی گواہی کا مطلب ہے۔ ادا ؤ تبلیغ پر گواہی شرک سے بیزاری پر گواہ بنانا صحیح اور سچی گواہی۔ ایمان اور توحید باری تعالیٰ پر مضبوطی اور تاکید کو گواہی۔ مگر کفار کے گواہ ہونے کا مطلب ہے ان کو ذلیل کرنا ان کا استہزا ان کو ان کے کفر پر گواہ بنانا جیسے نالائق شاگرد کو استاد کہتا ہے کہ میں بھی تیرے کرتوت دیکھ رہا ہوں اور تو بھی دیکھتا رہ اگر بہادر ہے تو ایسے ہی برے کام کرنا۔ ایسا کلام دراصل رسوا اور جھڑک کے لئے ہوتا تو چونکہ نوعیت شہادت علیحدہ تھی اس لئے اس کے اظہار کے لئے مختلف طریقوں سے فرمایا۔

دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ اگر تم نے ایمان سے منہ پھیرا تو میں نے تبلیغ کر دی تم کو بقاعدۂ نحوی اِنْ تَوَلَّوْا جملہ شرطیہ ہے اور فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ جملہ جزا ہے۔ شرط ہمیشہ پہلے ہوتی ہے جزا بعد میں۔ اس طرح فرمانے سے لازم آیا کہ کفار کا پھرنا پہلے ہوا اور تبلیغ بعد میں۔ حالانکہ تبلیغ پہلے تھی اور منہ پھیرنا بعد میں **جواب** اس کا جواب بھی ابوبکر رازی نے یہ دیا ہے۔ کہ یہاں تبلیغ کرنا۔ منہ پھیرنے کی جزا نہیں بلکہ ایک قول میں یہاں قَدْ اَبْلَغْتُ سے پہلے ایک یہ عبارت پوشیدہ کہ اگر تم نے منہ پھیرا تو مجھ پر عتاب الٰہی نہیں ہوگا کیونکہ قَدْ اَبْلَغْتُ بے شک میں نے مکمل درست تبلیغ کر دی۔ ایک قول میں یہ عبارت پوشیدہ ہے۔ اے قوم اگر تم نے منہ پھیرا تو اے ھود فرما دو کہ بے شک میں نے تم کو تبلیغ کر دی مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے۔ لفظِ قُلْ کو محذوف ماننا بعید ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ قَالَ اِنِّیْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ فَكِیْدُوْنِیْ جَمِیْعًا ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ یہ بات عالم فطرت میں ظاہر ہے کہ ذہن انسانی نفس امارہ کے تحت ہو کر ہر اچھائی کو برائی سمجھتا ہے۔ رہنمائی کو گمراہی نصیحت کو مخالفت اور خیر خواہی کو بد خواہی سمجھتا ہے۔ تجربہ ہے کہ جب بھی عقل سلیم نے درست مشورہ دیا تو من چلوں نے ناصح کو دیوانہ سمجھا اور کہا کہ ہم تو یہی کہیں گے کہ اے برائی سے روکنے والے تجھ پر کسی گرو۔ پنڈت۔ پادری یا مظلوم کی آہ پڑی ہے گویا یہ برائی سے بچانا دیوانگی ہے۔ دنیا آماجگاہِ مقابلہ ہے یہاں ہمیشہ جنگ وجدال ومقابلے ہی ہوتے رہے کبھی نبوت وکفر کا مقابلہ رہا کبھی روح ونفس کا۔ کبھی قلب وقالب کا کبھی نور وظلمت کا۔ کبھی علم وجہالت کا۔ علماء سمجھاتے رہیں راہ ہدایت دکھاتے رہیں۔ قرآن وحدیث سناتے رہیں۔ نورِ اسلام کی طرف بلاتے رہیں۔ گمراہی سے ہٹاتے رہیں۔ مگر جھوٹے نفسانی پیروں کے چکروں میں پھنسے ہوتے بے عقل مرید شیطانیت اور تلبیسِ ابلیس میں ہی مخمور ہیں۔ علماء ناصحین کو ہی برا سمجھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ہمارے فلاں پیر کی پھٹکار پڑ گئی آج اصولِ شریعت کو بیکار سمجھا جا رہا ہے اور سمجھتے ہیں کہ ساری معرفت ناچ کود ڈھول باجہ قوالی میں ہی آ گئی آج وہ بہت بڑا صوفی ہے جو لمبے بال رکھ کر ڈھولوں کے ساتھ اچھا ناچ سکے ہیر اس لئے نہ تھے کہ گمراہ اور گمراہ گر بنیں مرید کا کام یہ نہیں ہے کہ پیر کو خدا یا نبی سمجھ لے بلکہ مقصد یہ ہے کہ علماء کرام لوگوں کے

جسم کو بارگاہِ شیخ میں حاضر کریں اور شیخ کامل لوگوں کی روح کو علماء کرام کے دربار گہربار شریعت میں پیش کریں
عالم لوگوں کو پیر کا مرید بنائیں اور پیر عالم کا شاگرد بنائیں تاکہ جسم کو طریقت اور روح کو شریعت ملے۔ مگر نفس اس رہ پر کب
آنے دیتا ہے۔ قلب ہود فرماتا ہے اے ازل کے محرمو میں جلال ازلی کے دریاؤں میں ہوں کیونکہ میں صَنَائِعِ لَمْ یَزَلْ
کو اپنا گواہ بناتا ہوں تم بھی مشاہدہ کرنا۔ میں ابد کا بیزار ہوں اس انکارِ وحدت وجود سے کہ تم شرک خفی کرتے ہو اس لا
مقصُودَ اِلَّا ہُو کے مقابل۔ فقیرِ راہِ لَاھُوت کو سُکّانِ کوئے نفس کے بولنے کا کیا خطرہ اور عقلِ طاغوت کے حیلے بہانوں
اور مکر و فریب سے شاہدِ کوچۂ جبروت کو کیا اندیشہ پس تم جتنا چاہو مجھ سے فریب و مکر کرو اور پھر مجھ کو اپنے ہواؤ ہوس
کے حملے سے بچنے کی مہلت بھی نہ دو اِنِّیْ تَوَکَّلْتُ عَلَی اللّٰہِ رَبِّیْ وَرَبِّکُمْ مَا مِنْ دَآبَّۃٍ اِلَّا ھُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِہَا اِنَّ رَبِّیْ
عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ بے شک مجھ کو میرے رب کے مشاہدۂ جمال کا بھروسہ ہی کافی ہے میں نے اُسی کی حمایتِ کبریٰ پر بھروسہ
کیا ہے وہ میرا بھی رب ہے کہ مجھ کو اپنے مشاہدات کے انوار سے پالتا ہے اور اپنے وصل کے لطائف سے پرورش فرماتا ہے
جس سالکِ راہِ جمال کے قلبِ عرفانی کو ایسی نعمتیں ملیں اس کا توکل کیوں نہ کامل ہوگا۔ وہ تمہارا بھی رب ہے کہ مُوجِدِ
کائنات ہے ظاہری غذاؤں سے تربیت فرمانے والا ہے اسی کے جلال کی قدرت ہے اور ہر ذرّے پر اُسی کا احاطہ ہے۔
زمینِ قالب پر کوئی نفس اور خواہش طاری ہونے والی نہیں مگر وہ قہار و جبار اللہ اس کو پکڑنے والا ہے قِدَم کے
ہاتھوں سے عدم کے مکانوں میں۔ پس جذب کے عجز میں عرشِ واردات سے تحتُ الثریٰ تک ہر شے کو گھیرنے والا ہے
مُلک و ملکوت میں کوئی اُس کے احاطے سے باہر نہیں وہ ہی اللہ سچا معبود اپنی ذات و آیات و صفات کی تجلیات سے
روح کو مشاہدے کی غذائیں دیتا ہے اور قلب کو مشاہدۂ صفات عقلوں کو مشاہدۂ انوار افعال اور نفسوں کو
طبیعتوں کی غذائیں عناصرِ فنا سے بے شک میرا رب قلوبِ اولیا کے راہِ ربوبیت، طریقۂ صمدیت کے
صراط مستقیم پر ہے سب چلنے پھرنے والے اُسی کے تصرفِ مملکیت اور قدرت کے تحت ہیں ہر شی فعل و تاثیر سے
عاجز ہے رب بھی ظلِّ وحدت کے طریقِ مستقیم اور راہِ عدل پر ہے فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقَدْ اَبْلَغْتُکُمْ مَّآ اُرْسِلْتُ بِہٖۤ اِلَیْکُمْ
وَیَسْتَخْلِفُ رَبِّیْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَہٗ شَیْئًا اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ حَفِیْظٌ اے طلبِ خیر و شر کے لئے
ہاتھ پاؤں مارنے والو تم سب تو اسی رب اجسام کے قبضۂ قدرت میں ہو وہی خیر و شر کی طرف کھینچتا ہے۔ وہی
صراطِ مستقیم پر ملتا ہے کیونکہ اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی شریعت صراطِ مستقیم ہے لہٰذا جس نے
رب کو پانا ہو وہ دامنِ مصطفٰے میں آجاتے لیکن اگر تم نے منہ پھیرا اور وارداتِ تجلیات سے علیحدہ ہوتے تو سمجھ لو کہ
قلبِ ھود نے تم کو سمجھا دیا جس حکم و پیغام عالم امر سے وہ بھیجا گیا اے نفسانی لوگو وہ قادرِ مطلق نفس اور اُس کی صفات
کو شیطان اور اس کی ہوا و ہوس و دنیا پرستی کو مٹا کر عملیاتِ قلب کو تم پر وارد کر سکتا ہے اور تم اس کو کچھ نقصان
نہیں پہنچا سکتے تمہاری فریب کاری زمینِ قالب پر چند گھڑیاں ہے۔ بے شک دنیا و آخرت۔ ناسوت و لاھوت

فنا و بقا کی ہر شی پر میرے رب کریم کی حفاظت و نگہداشت ہے قلب کے انوار اسی کے تحلی حضور میں تائید ربانی کی حفاظت میں ہیں قلب عارف پر کسی کا مکر نہیں چلتا۔

وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ

اور جب آیا امر ہمارا بچا لیا ہم نے ہود کو اور اُن کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے سے رحمت

اور جب ہمارا حکم آیا ہم نے ہود اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت

بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۚ وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ ﴿۵۸﴾ وَ

طرف سے ہماری　اور بچا لیا ہم نے سے سخت عذاب　اور

فرما کر بچا لیا　اور انہیں سخت عذاب سے نجات دی　اور

تِلْكَ عَادٌ ۟ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ

یہ قوم عاد ہے　انہوں نے انکار کیا کا آیتوں رب اپنے کی اور نافرمانی کی انہوں نے

یہ عاد ہیں کہ اپنے رب کی آیتوں سے منکر ہوگئے اور اسکے رسولوں کی نافرمانی

وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ﴿۵۹﴾ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ

رسولوں کی اس کے اور اتباع کی امر کی ہر مغرور ضدی　اور پیچھے لگائے گئے اس دنیا میں

کی اور ہر بڑے سرکش ہٹ دھرم کے کہنے پر چلے　اور ان کے پیچھے لگی اس

الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اَلَآ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا

لعنت اور دن　قیامت　خبردار بے شک عاد کافر ہوگئے

دنیا میں لعنت　اور قیامت کے دن　سن لو بے شک عاد اپنے رب سے

رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ ﴿۶۰﴾

وہ عاد رب کے اپنے۔ خبردار دُور کار ہو

منکر ہوگئے ارے دور ہوں عاد ہود کی قوم

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت ھود اور قوم ھود کا مکالمہ ذکر ہوا اب اس کا انجام اور نتیجہ ذکر کیا جا رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ھود علیہ السلام کی بیزاری اللہ جبار و قہار کی پکڑ اور اس کی قدرت کاملہ کا ذکر ہوا۔ اب اس کے ظہور کا ذکر ہے کہ اس نے جب پکڑا اور عذاب بھیجا تو صرف مومن ہی امن و حفاظت میں رہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کافر لوگ انبیاء کرام کی نہیں مانتے بلکہ نفرت کرتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ کافر لوگ رحیم کریم اللہ رسول کی تو نہیں مانتے ہاں مغروروں سرکشوں ظالموں کی اتباع کر لیتے ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر دنیا و آخرت میں لعنت پڑتی ہے۔

تفسیر نحوی وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا هُوْدًا وَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ۔ واؤ سر جملہ لَمَّا بمعنی اِذْ مفاجاتیہ یعنی جب اچانک جاءَ فعل ماضی اَمْرُنَا بمعنی ہمارا فیصلۂ عذاب واحد ہے اس کی جمع امور نَجَّیْنَا فعل ماضی جمع متکلم نجیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے باب تفعیل ہے ہُوْدًا معطوف علیہ مفعول بہٖ واؤ عاطفہ ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب مَعَهٗ مرکب اضافی اسم ظرف مفعول فیہ ہے اٰمَنُوْ کا اور پورا جملہ صلہ ہے مع بمعنی علیٰ ہے بِرَحْمَةٍ میں با سببیہ رحمۃ سے مراد رحم و کرم ہے تنوین تعظیم کی ہے بعض نے کہا رحمۃ سے مراد ایمان مگر یہ غلط ہے جس کی وجہ تفسیر عالمانہ میں معلوم ہو گی مِنَّا میں مِنْ جارہ ظرفیت کے لئے یعنی اپنی طرف سے نا ضمیر جمع متکلم وَنَجَّیْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِیْظٍ واؤ تفسیریہ ہے بمعنی یعنی ہُمْ ضمیر کا مرجع قوم مسلمان ہے مِنْ بیانیہ ہے عذاب عَذْبٌ سے مشتق ہے بمعنی تکلیف دہ چیز غَلِیْظٌ غَلْظٌ سے مشتق ہے بمعنی تہہ بر تہہ یعنی دوگنا تگنا وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا تِلْكَ اسم اشارہ مونث ہے عَادٌ مذکر ہے مراد قبیلہ ہے اور وہ مونث ہے۔ آپس میں مبتدا و خبر ہے۔ جَحَدُوْا یہ نیا جملہ ہے فعل ماضی جَحْدٌ سے مشتق ہے بمعنی جانتے بوجھتے انکار کرنا بِاٰیٰتِ میں ب مفعولیت کی آیات سے مراد معجزاتِ ھود یا قانونِ ایمان رب یعنی اللہ تعالیٰ حالتِ جری میں ہے ہم کا مرجع کفار ہیں وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۔ واؤ عاطفہ عَصَوْا فعل ماضی جمع مذکر کا صیغہ عَصْیٌ سے بنا بمعنی نافرمانی رُسُلٌ جمع ہے رسول کی ہ کا مرجع وَاتَّبَعُوْ واؤ عاطفہ اِتَّبَعُوْا اِتِّبَاعٌ سے مشتق بمعنی بلا سوچے سمجھے کسی کے نقش قدم پر چلنا۔ اَمْرٌ سے مراد قول یا عمل ہے كُلِّ بمعنی ہر جَبَّارٌ سرکش یعنی اچھی بات نہ ماننے والا عَنِیْدٌ اسم فاعل ہے بمعنی اندرونی دشمنی رکھنے والا بعض کے نزدیک۔ جبار بمعنی حق سے روکنے والا زبردستی عنید خود بھی محض دشمنی سے بڑکنے والا وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً فعل مجہول باب افعال یعنی پیچھے ڈالی گئی بمعنی چپٹ گئی فی ظرفیہ هٰذِهٖ اشارہ قریبی کے لئے۔ دنیا یہ جہان لعنت بمعنی رحمت سے دوری ہمیشہ کے لئے بروزن فَعْلَةٌ مبالغہ کا صیغہ وَیَوْمَ الْقِیٰمَةِ واؤ عاطفہ یوم ظرفیت کے لئے مراد بعد قیامت کا زمانہ۔ نہ کہ روز محشر اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ۔ اَلَا حرف تنبیہ بمعنی ہوش کرو۔ اِنَّ حرفِ تحقیق شروع کی وجہ سے ہمزہ مکسورہ عَادًا اسم اِنَّ ہے تنوین تنکیری كَفَرُوْا فعل ماضی جملہ تعلیلیہ ہے رَبَّهُمْ مرکب اضافی مفعول بہٖ

ہے اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ یہ دعائیہ جملہ ہے یعنی بددعا اَلَا حرف تنبیہ بُعْدًا اسم ظرف ہے بروزن فُعْلًا کُتُبًا۔ لِعَادٍ لام جارہ بمعنٰی مفعول عاد معطوف علیہ ہے۔ عطف بیانیہ ہے قوم مضاف ہے اس لئے تنوین نہ آئی ھود سے مراد نبی علیہ السلام قوم وطنی نہ کہ دینی۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ۔ اور جب اچانک آیا ہمارا امر یعنی عذاب۔ تب یہ لفظ امر واحد ہے امور کا یا فیصلہ۔ عذاب تب یہ لفظ مصدر ہے۔ اس وقت ہم نے حضرت ھود اور ان کے ساتھیوں غلاموں کو امتیوں کو جو ان کے ساتھ یعنی ان پر ایمان لے آئے تھے بڑی رحمت کے ذریعے بچا لیا۔ یہ رحمت بلا معاوضہ ہماری ہی طرف سے تھی اور نجات دی ہم نے ان مسلمانوں کو ایسے عذاب سے جو بہت سخت اور بہت زیادہ تھا۔ اس جملے کا تعلق وربط پچھلے جملے سے اس طرح ہے کہ پچھلے جملے میں توکل علی اللہ کا ذکر تھا توکّل کامل میں تین شرطیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ توکل حقیقی کے لائق وہ ذات ہے جس کی ربوبیت عام ہو ہر ایک کے لئے ہو اور مربوب کے تمام امروں وحاجتوں کی تدبیر جانتا ہو اور ہر طرح مربوب کی حفاظت کر سکتا ہو۔ پس مربوب کو کسی اور کی حفاظت کی محتاجی نہ رہے۔ لہٰذا توکل کامل درست ہوا ایسی ذات پر اب بھی جو توکل نہ کرے وہ مردود ہے۔ دوسری یہ کہ ہر ذی نفس جاندار اس ذات حفیظ کے قہر کے نیچے عاجز اور قیدی اس طرح ہو کہ اپنے غیر میں کوئی عمل کوئی تصرف نہ کر سکے بلا اُس قاہر وقدیر کے ارادے کے۔ لہٰذا اس ذات سے بچنے کی نہ حاجت ہے نہ طاقت۔ تیسری یہ کہ اس ذات کے پاس عدل وکرم ورحم ہی ہو۔ ظلم قطعًا نہ ہو اس طرح کہ بغیر استحقاق کسی کو کسی پر مسلّط نہ کرے ہاں مستحق کو حق ضرور دلوائے یا کسی مربوب کے ظلم گناہ جرم اخلاقی کی بنا پر غیر کو اس پر مسلّط کرے اور کسی کو بغیر گناہ سزا نہ دے تو وہ ذات لائق ہے کہ اُس پر کامل بھروسہ کیا جائے یہ تینوں شانیں اللہ تعالٰی میں ہی ہیں کسی غیر میں نہیں اس لئے فرمایا گیا کہ ہم نے مجرموں پر عذاب بھیجا کہ اس کے مستحق تھے یہ عذاب ہمارے عدل کا مظہر ہے۔ جب اچانک یعنی بغیر اطلاع نہ کہ بغیر مہلت۔ ہم نے عذاب نازل کیا۔ تو ہمارے قہر کے سامنے کوئی نہ بول سکا اور چونکہ ہم رحیم بھی ہیں اس لئے ہم نے محض اپنے رحم اور عظیم رحمت سے اُن کو بچا لیا جن کے بچانے کا ارادہ کیا ان کے ایمان کے سبب نہ بچایا۔ ایمان سبب ہو سکتا ہے ہماری رحمت کا۔ رحمت وکرم ذریعہ ہے بچانے کا یا اس لئے کہ دنیوی عذاب وسزا کا آنا ایمان نہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ نیکوں کو بھی تکلیف آجاتی ہیں۔ یا اس لئے کہ وہ مالک ومختار ہے بلا قصور بھی سزا دیدے تو ظلم نہیں بلکہ حکمت ہے لہٰذا کوئی شخص اپنے ایمان یا اعمال کے ذریعہ نہیں بچ سکتا۔ یہ دونوں اس کی خوشنودی کے لئے کرو۔ اس کی خوشنودی تم کو ضرور بچائے گی اس کی خوشنودی ہی رحمت کاملہ ہے۔ عذاب کا امر کس طرح آیا یا اس طرح کہ فرشتوں کو حکم دیا گیا کہ عذاب لے جاؤ۔ اور فیصلہ عذاب پہلے ہو چکا تھا یا اس طرح کہ اب ہی فیصلہ ہوا اور خود عذاب کو حکم دیا کہ نازل ہو جا۔ تو سخت طوفانی آندھی چلی جس نے درخت اکھیڑے

گھر توڑے کفار کو اٹھا اٹھا کر پھینکا اس طرح کہ ان کی ناکوں میں ہوا گھستی نظام بطن کو خراب کرتی ہوئی دبر کے راستے نکلتی۔ سانس بند ہو جاتا۔ ہوا کے دباؤ سے ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ جاتی اور کافر مرجاتا لیکن اسی عذاب سے ہم نے اپنے پیاروں کو بچا لیا جن کی تعداد تین ہزار یا چار ہزار تھی۔ اس عذاب سے بچانے کا ذریعہ کیا تھا فقط ہماری رحمت و فضل ایمان تو پہلے ہی لا چکے تھے رحم اس وقت ہوا کہ وہی ہوا کفار کے لئے عذاب غلیظ تھا مومنوں کے لئے نرم ہوا۔ مثل نسیم سحری نہ ان کے گھروں کو توڑا نہ ان کے باغوں درختوں کو اکھیڑا نہ ان کی ناکوں میں داخل ہوئی۔ یہ عذاب آٹھ دن اور سات راتیں مسلسل ہوا کی صورت میں طاری رہا۔ یہ ہوا کبھی ایک دم انتہائی گرم لو بن جاتی پھر اچانک ایک دم انتہائی سرد ہو جاتی۔ جس سے سرد گرم ہو کر جان ختم ہو جاتی۔ جانور یا انسان کے پیٹ میں داخل ہو کر پھکنے کی طرح اس کو اٹھاتی پھر نیچے گرا کر چکنا چور کر دیتی کیا قدرت کے کرشمے ہیں کہ پچیس ہزار کفار کے لئے وہی ہوا عذاب بنی ہوئی ہے اور چار ہزار مومنین کے لئے ایک نبی کے صدقے وہی رحمت ہے یہ عذاب اس کی قدرت کا دوسرا کرشمہ ہے کہ وہ قادر و قیوم چاہے تو قوم نوح کی طرح بلند کر کے بچاتے چاہے قوم لوط کی طرح بستی سے نکال کر بچاتے یا وہیں رکھ کر ہی بچا لے۔ کہ ایک ہی چیز ایک ہی جگہ ایک زمانہ ایک ہی وقت ایک کے لئے عذاب دوسرے کے لئے رحمت۔ بعض نے فرمایا رحمت سے مراد حضرت ھود ہیں کہ نبوت ہی رحمت ہوتی جس کا فائدہ خود نبی کی پاک ذات کو بھی اور ان کی امت مخلصہ کو بھی پہنچتا ہے۔ اس رحمت کی وجہ سے ان مومنوں کو کیا پتہ وہ کیسا عذاب تھا وہ تو صرف ہواؤں کی چیخ و پکار اور ہوا کے شراٹے ہی سن رہے تھے اور کفار کا اکھڑنا پچھڑنا ہی دیکھ رہے تھے۔ ہوا کی تیزی تندی سردی۔ گرمی کا انہیں کیا علم ان کو تو رحمت کاملہ نے پردہ کر دیا تھا۔ اس کی سختی تو ان کافروں سے پوچھو جو بیچارے مر رہے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ ہم نے اُن ایمان والوں کی سخت ترین عذاب غلیظ سے بچایا تھا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ عذاب غلیظ سے مراد دنیوی عذاب نہیں بلکہ یا قبر اور برزخ کا عذاب مراد یا اخروی بعد حشر کا عذاب۔ یعنی ہم نے کافروں کو تین عذاب دیئے دنیا میں یہ ہوا کا عذاب اس کے علاوہ۔ جو اس عذاب سے زیادہ غلیظ (شدید) ہے یا آخرت بعد حشر زیادہ سخت عذاب ہوگا مگر مومنوں کو ہم نے ان سخت عذابوں سے بچا لیا کہ دنیا میں نجات دی ہم نے اس طوفانی ہوا سے اور قبر کے سخت عذاب سے بھی بچا لیا یا بعد حشر جہنم کے عذاب غلیظ سے بچالیں گے پہلی دو تفسیروں میں نَجَّيْنَاهُمْ اپنے ہی اصل معنی ماضی میں ہے تیسری تفسیر میں نَجَّيْنَاهُمْ بمعنی مضارع مستقبل ہے ہماری اس تفسیر کی بنا پر لَمَّا جَآءَ جملہ شرطیہ اور نَجَّيْنَا هُوْدًا اس کی جزا۔ مگر بعض نے لمَّا کے بعد فعل پوشیدہ مان کر اس کو شرط بنایا جَآءَ اَمْرُنَا کو اس کی جزا اور معنی یہ کہ جب کافر نے تبلیغ نبوت نہ رعایت کیے نہ خوف خدا آیا نہ ڈرے نہ مومن بنے تب ہمارا امر آیا۔ اور نَجَّيْنَا هُوْدًا یا جزاء دوم یا تکمیل جزاء اوّل۔ عذاب غلیظ کی دو تفسیریں ہم نے اوپر بیان کیں مگر حقیر بندہ یہ کہتا ہے کہ دو دفعہ نَجَّيْنَا اس لئے ارشاد ہوا کہ کوئی بیوقوف یہ نہ سمجھ لے کہ شاید نبی حضرت ھود اور ان کے امتی کی نجات ایک ہی قسم کی تھی کہ ہر دو کو عذاب ہی سے بچایا۔ نہیں بلکہ امت کو عذاب غلیظ

سے اپنی رحمت کے سبب بچایا اور حضرت ھود کو تبلیغ کی کلفت کفار کی شرارت انگیز گستاخیوں ۔ طعنے کی پریشانیوں اور مومن نہ ہونے کے غم سے بچایا ۔ اس وقت طوفان سے بچانا صرف امت کے لئے ہے ۔ نبی تو پہلے ہی عذاب سے بچے ہوتے ہیں بلکہ مثل ملائکہ وہ تو بچانے کی ڈیوٹی انجام دیتے ہیں ۔ جس طرح خلقتًا فرشتہ عذاب میں جاکر بھی بچا رہتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی اعلیٰ طریقے سے نبی اپنی خلقت کے اعتبار سے ازلًا بچا ہوتا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ پہلے نَجَّیْنَا میں ھود علیہ السلام کا ذکر تھا لہٰذا وہاں عذاب کا ذکر نہیں صرف اَمْرُنَا فرمایا اور امر عام ہے بہت معنی کو دوسرے نَجَّیْنَا میں جہاں صرف امت کا ذکر ہے وہاں عذاب غلیظ کا ذکر ہے حکم کا مرجع صرف اُمّت ہے ۔ اس میں نبی کو شامل کرنا اصطلاح قرآنی کے خلاف ہے لہٰذا گستاخی ہے وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوْۤا اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ ۔ اور یہ عاد ہے ۔ یہ عبارت یا جملہ استفہامیہ استہزائیہ ہے تب خطاب کفار مکہ سے ہے کہ اے مکے کے کافرو تم نے سن لیا قوم عاد کا قصہ ۔ یہ تھی وہ قوم جو بڑی شہ زور متکبر مغرور بنی پھرتی تھی دیکھ لی تم نے ساری اکڑ ۔ کہاں گیا غرور اور اپنے نبی کے سامنے اکڑبازی مناظرہ اور مکر سازی کیا ہوئی یہ سب دھری کی دھری رہ گئی فنا ہوگیا سب کچھ نام ونشان بھی باقی نہ رہا آج تمہاری بھی وہی کیفیت ہے ۔ یہ قوم طاقت دولت شہ زوری میں تم سے زیادہ تھی پس دیکھ لو یہ ہے قوم عاد اور یہ رہا اس کا انجام ۔ تم بھی غور کرلو کہ کس کے سامنے منہ زوری دکھا رہے ہو ایسے مشفق و مہربان میٹھے پیارے پیچے کردار والے آقا محبوب سے ضدیں کرتے ہو ۔ عاد کو دیکھو اور ہوش سنبھالو ۔ یا مطلب ہے کہ یہ داستانِ عاد عبرت ناک اے مسلمانو امتِ مصطفےٰ کے شہ پارو میرے محبوب کے دلدارو ۔ یہ تھی ان کی حیثیت اور اس پر یہ ظلم کہ اُسی رب کا کھا کر اپنے اُسی رب کا اور اس کی آیتوں کا قانون کا یا نشاناتِ قدرت کا جو نبی کی ذات سے ظاہر ہوئیں انکار کرتے رہے ۔ لفظ تِلْكَ اسم اشارہ ہے قریب کے لئے ۔ مراد یا ان کی قریبی اُجڑی بستی یا یہ کہانی یا تصور اور ذہن میں آئی ہوئی قوم ۔ ہماری نشانیاں تو کچھ پوشیدہ بھی تھیں جن کا انکار معاف کیا جا سکتا تھا مگر اِن بدنصیبوں نے تو ہمارے اُن رسولوں کا بھی انکار اور نافرمانی کی جو بالکل ظاہر ظہور بڑے بلیغ انداز میں ان کو سمجھاتے معجزے دکھاتے رہے عذاب سے ڈراتے رہے ۔ ان کے پاس ایک ہی رسول حضرت ھود آئے مگر انہوں نے گویا سب رسولوں کا ہی انکار کیا کیونکہ تبلیغ شریعت اصول ۔ حکم اور ایمان علیٰ توحید سب کا ایک ہی تھا ہمارے انبیاء نے کوئی انوکھی عقل سے ورا بات تو نہ منوائی تھی انہوں نے تو درس معرفت توحید کی تبلیغ فرما کر عقل سے سوچنے کی مہلت دی تھی ان کی مشفقانہ میٹھی باتوں نے تو صاف سمجھا دیا تھا کہ ہم پر ایمان لانا ہماری تبلیغ ماننا دنیا و آخرت میں مفید ہے ۔ مگر یہ عاد ۔ کیا کیا اس نے کہ نبی کی محبت سے لبریز وعظ دنیا میں و آخرت میں نفع دینے والے ایمان اور دین کو چھوڑ کر کس کی بات مانی کس کی اتباع کی کس کے پیچھے لگے ان تمام لوگوں کی اتباع کی جو جبار تھے اس طرح کہ اپنی امیری اپنی سرداری کے سبب اُن پر ظلم کرتے ان پیروی کرنے والوں کو کمّی اور حقیر سمجھتے مارتے پیٹتے اور پھر عَنِیْد بھی تھے کہ ان سے دشمنی رکھنے والے یہ ہزار غلامیاں اور خدمتے کرتے مگر

ان کا غرور ہی نہ ٹوٹتا ان میں کچھ نے ڈر کر ان کی اتباع کی کسی نے محض اپنے نبی کی دشمنی میں ان جباروں کی پیروی کی۔ یا دین خدا تعالے کو مغلوب سمجھنے والے اور مقابلہ کر کے دین پر اور انبیاء کرام پر خود کو غالب سمجھنے والے اور عنید اس طرح کہ نبی سے کج بحثی کرنے والے پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا ان چھوٹوں بڑوں کمینوں سرداروں کو اس سرکشی میں کیا ملا بس یہی کہ وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ۔ اِن سفیہوں سفلیوں نے سرکشو حق کے دشمنوں کی اتباع کی ان کے پیچھے بے سوچے سمجھے لگے تو کل کو چھوڑا اس کے انجام میں پیچھے لعنت ڈالے گئے دنیا میں اس طرح کہ ذلّت کا عذاب طوفان سے ہلاک ہوئے اور جو برکتیں رحمتیں بارشیں قوتیں صحت مند اولاد ملی تھی سب سے محروم کئے گئے قحط سالی میں بھوکے ننگے ابتر ہو کر مرے اور وہ ان کا ظلم سب فنا ہوا تا قیامت لوگوں کی پھٹکار ہاتھ آئی شعر

نماند ستم گارِ بد روزگار ٭ بماند برو لعنتِ پائدار　(سعدی علیہ الرحمۃ)

اور پھر صرف دنیا میں ہی نہیں قیامت کے دن بھی ان کے پیچھے لعنت ہی لگے گی کہ وہاں رحمت الٰہیہ سے دور ہٹا تے جائیں گے اور یہ دوری ابد الآباد تک ہوگی۔ اس مسلسل لعنت کی وجہ یہ ہے خوب غور سے سُن لو کہ بے شک عاد نے صرف اپنے رب کا انکار کیا تھا یا اس طرح کہ اس کے وجود کے ہی منکر ہو بیٹھے دھریئے بن گئے یا اس طرح کہ اس کی ذات کو مانا تو تھا مگر نبی کے حکم سے اور اس کے بتاتے طریقے سے نہ مانا حالانکہ ایمان یہی ہے کہ رب تعالے کو نبی کے وسیلے سے مانو حرف اَلَا استفتاحی ہے دو کلاموں کے درمیان آتا ہے۔ کلام کی نزاکت۔ اہمیت وعظمت کے لئے لایا جاتا ہے یہاں مقصد ہے کہ اے سننے والو عبرت کا مقام ہے اس حرکت پر ان کو یہ ابدی سزا ملی تو اب کون اس حرکت کے بعد بچ سکتا ہے۔ غور کرو کہ تمام مخلوق کی تا قیامت یا فرشتوں کی یا مومنوں کی بددعا ہے ان کو کہ ہلاکت ہو عاد کے لیے کون عاد۔؟ وہی جن کو قومِ ھود ہونے کا شرف حاصل ہوا تھا جس کی نسبتِ خاندانی اللہ کے نبی سے ملی تھی۔ اس عظمت پر جتنا بھی شکرِ خدا بجالاتے کم تھا مگر بد قسمتی نے سب کچھ گنوا دیا۔ نبی کی نسبت نبی کا دیدار ان کے وعظ ونصیحت سے کچھ فائدہ نہ لے سکے۔ اے مکے کے خوش بختو بالکل اسی طرح تم کو بھی یہ وقت یہ زمانہ یہ نعمت میسّر ہوئی ہے گزرتا وقت ہاتھ نہ آئے گا۔ جلدی قومِ مصطفٰے سے لگ جاؤ اور دامنِ مراد کو بھر لو کہیں ایسا نہ ہو کہ تا قیامت تمہارے لیے بھی لوگ کہتے پھریں۔ شعر

حسن ز بصرہ بلال از حبش صہیب از روم　　ز خاکِ مکّہ ابو جہل این چہ بوالعجبی است

تم دیکھتے رہ جاؤ خزانے اغیار لوٹ لے جائیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** دنیا کے ہر دور میں اچھے بھی ہوتے بُرے بھی۔ خوش قسمتی یہ ہے کہ اچھے کے ساتھ لگے نور معرفت کی شعاعیں اچھوں کے پاس ہی ملتی ہیں عشق کی

کلیاں نیکوں کے قرب میں چٹکتی ہیں۔ بدنصیب وہ ہے جو اچھوں سچوں کو چھوڑ کر بدوں کے پیچھے چلے۔ بدوں کے ساتھ رہنے کا انجام ہمیشہ بدی ہے یہ فائدہ وَاتَّبَعُوْٓا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** دنیوی لحاظ سے کوئی کتنا بڑا سردار کیوں بن جائے پڑھا لکھا عقل مند کہلاتے اور سمجھا جاتے۔ مگر نبی کے دروازے سے ہٹ جاتے تو دنیا آخرت میں قابل نفرت اور ملعون ہی ہوگا **تیسرا فائدہ** انبیاءِ کرام ہر طرح بے مثل ہیں کوئی شخص کسی مقام پر پہنچ جاتے صحابیت غوثیت قطبیت وغیرہ نبی کے برابر نہیں ہو سکتا ذات تو درکنار اعمال وحالات میں بھی مثلیت نہیں ہو سکتی۔ یہ فائدہ اَنْجَیْنَا کو دوبارہ فرمانے سے حاصل ہوا اور اس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** جو درجہ صحابی کا ہے وہ غیر صحابی کا نہیں ہو سکتا کیونکہ صحابی کو قرب نبی حاصل ہے اور قرب نبیؐ سے قرب خدا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے مومنین عاد کو معہٗ کے پیارے لفظ سے نوازا یہ شرف وفضل غیر صحابی کو حاصل نہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اٰمَنُوْا مَعَہٗ لفظ مع کے معنی ہیں ساتھ اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ھود دنیا میں آکر مومن ہوتے اسی طرح تمام انبیاء ہر آدمی کی طرح دنیا میں آکر مسلمان ہوتا ہے اور بعد بلوغت اس کو اسلام قبول کرنا پڑتا ہے۔ یہاں معیت زمانی ہے۔ اہل سنت کا یہ کہنا کہ انبیاءِ کرام ازل میں مومن ہوتے ہیں اس آیت کے خلاف ہے اور پھر جب وہ مومن ہی یہاں آ کر ہوتے تو نبوت کس طرح پہلے ہوئی (وہابی۔ دیوبندی) **جواب** اس کے جواب تین طرح ہو سکتے ہیں ایک جواب تو ہم نے تفسیر میں ہی دے دیا ہے کہ مع کا معنی ساتھ نہیں بلکہ مطلب ہے ان پر ایمان لائے **دوسرا جواب** یہ کہ یہاں معیت زمانی مراد نہیں بلکہ معیت مکانی مراد ہے یعنی ان کے ساتھی یہی مطلب اعلیٰحضرت نے لیا ہے **تیسرا جواب** یہ کہ مع سے مراد ماھیتِ ایمان ہے یعنی وہ لوگ جو ھود علیہ السلام کی طرح کے مومن متقی ہیں اور یہ تشبیہ جنسی ہے نہ کہ نوعی نوعیت میں انبیاء کا ایمان بھی بے مثل ہوتا ہے صرف ایک مطلب کو لے کر اعتراض کر دینا کوئی انصاف نہیں بتقاضاءِ عقل بھی ثابت ہے کہ نبی ازل سے ہی مومن متقی اور نبی ہوتا ہے۔ یہاں تو خلق کے لئے مومن گر بن کر آتا ہے لہٰذا معیت زمانی تو ممکن ہی نہیں زمانی معیت سے لازم آتا ہے ان کے ایمان سے پہلے جو ان عوام کی حالت تھی وہی حالت معاذ اللہ نبی کی بھی ہو۔ حالانکہ انبیاءِ کرام کے متعلق ایسا تصور بھی کفر ہے **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا بُعْدًا لِّعَادٍ۔ اہل عرب کے نزدیک یہ کلمہ بددعائیہ ہے۔ مطلب ہے کہ ہلاک ہو عاد۔ اوّلاً تو اللہ تعالیٰ بددعا دینے سے پاک ہے دوم ہلاک ہو جانے کے بعد یہ کہنا کہ ہلاک ہوں فضول ہے۔ **جواب** تفسیر میں بتایا گیا کہ اگر یہ بددعا ہے تو مسلمانوں یا فرشتوں کا قول ہے۔ اور ہلاکت سے مراد یا دائمی ذلت کا عذاب ہے یا رحمت سے دوری اور یا یہ بددعا عذاب سے پہلے کی ہے کہ فرشتے یا مسلمان پہلے یہ کہا کرتے تھے یا مراد پھٹکار ہے اور جملہ خبریہ ہے بددعائیہ نہیں تب یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے **تیسرا اعتراض** یہاں دو دفعہ نَجَّیْنَا کیوں فرمایا **جواب** چار وجہ سے یا یہ

کہ نبی علیہ السلام اور امتی کی نوعیت نجات میں فرق کرنے کے لئے جیسا کہ تفسیر میں عرض کیا گیا۔ یا یہ کہ پہلے میں عذاب دنیوی سے نجات دوسرے میں عذابِ آخروی سے بچانا مراد ہے یا یہ کہ پہلے نَجَّیۡنَا میں یہ بتایا کہ ہم نے کس ذریعے سے بچایا اور دوسرے نَجَّیۡنَا میں بتایا کہ ہم نے کس عذاب سے بچایا یا یہ کہ پہلے محض بچانے کا ذکر ہے اور دوسری بار نَجَّیۡنَا فرما کر بچانے کی اہمیت کا اظہار مقصود ہے تاکہ موجودہ کفار عبرت لیں اور موجودہ مومنین شکر کریں۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَمَّا جَآءَ اَمۡرُنَا نَجَّیۡنَا هُوۡدًا وَّالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مَعَهٗ بِرَحۡمَةٍ مِّنَّا وَنَجَّیۡنٰهُمۡ مِّنۡ عَذَابٍ غَلِیۡظٍ۔ دنیاءِ دنی ہر طالب خیر و شر کو چند ایام کی مہلت ملتی ہے جس میں وہ اپنی تقدیر و تدبیر سے ذخیرۂ شر یا خزانۂ خیر جمع کرتا رہتا ہے جب کاسۂ ظلم بھر جاتا ہے اور دامنِ مظلوم مکمل تر ہو جاتا ہے اور ظلم چھلکتا ہے۔ تب خالقِ ہر دوسرا عالمِ جبروت سے طالبِ خیر و شر کی طرف اپنا امر فیصلۂ قضا ارسال فرماتا ہے وہ امرِ الٰہی شر کی انتہا اور خیر کی بقا کے لئے ہوتا ہے۔ علماء کی زبان فرماتی ہے یہ واقعہ حضرت ھود اور قوم ھود کا ہے جو پچھلے زمانوں ہوا۔ صوفیاء کی زبان فرماتی ہے کہ یہ واقعہ اگرچہ ظاہراً پچھلے زمانوں میں ہی ہوا مگر تا قیامت ہر انسان کے قلب و قالب میں ہو رہا ہے قالب دِل کی زمین ہے جہاں طالبِ خیر قلب اور روح اور اعمال اعضاء بھی ہیں اور طالب شر نفسِ امارہ اور رؤساءِ اعضاءِ باطنی طبیعۃِ ذمیمہ اور اوصافِ خبیثہ بھی ہیں جب امرِ الٰہی آیا تو پہلے ہی واردات الہام سے قلب ھود اور اس کی قوم لاھوتی اور مومنین قدوسی کو ہمارے کرم بے مثال نے بچا لیا محض اپنی رحمت سے اور باطنی ابدی موت کے سخت گہرے اور مجسم عذاب اور فنا کے عتاب سے اِن فرمان بردارانِ قلبی کو نجات دے دی صوفیاءِ عظام فرماتے ہیں کہ عذابِ موتِ فراق دو قسم کا ہے۔ عذاب خفیف اور عذاب غلیظ۔ خفیف وہ عذاب شقاوت ہے جو تخلیق خلق سے پہلے مقدر ہو چکا تھا جس کے لئے مناسب حال اور مطابق قال نفس و نفسانیات کی مخلوق پیدا کی گئی اور عذاب غلیظ جو معاملات شقاوت کے بعد شقیوں کو پہنچتا ہے۔ یہ دو طرح کا عذاب ہے۔ عذابِ تقدیر یعنی خفیفہ اور عذابِ تدبیر جو اس شقی نے حیات قلیل میں تدبیر کثیرہ سے اعمالِ بد کئے اس کی سزا وَتِلۡكَ عَادٌ جَحَدُوۡا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمۡ وَعَصَوۡا رُسُلَهٗ وَاتَّبَعُوۡۤا اَمۡرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِیۡدٍ۔ ہلاکت نفسِ رذیل اور فناءِ اوصافِ ذمیمہ کے بعد قلبِ منور کی آنے والی نسلِ اعضا کو سمجھایا جاتا ہے کہ اے نورِ ازلی و تجلیاتِ قدیمی کے طالبو تم نے باطل کا انجام دیکھا تم سے کچھ دور نہیں یہ خلوت خانۂ نفسِ عاد کے کھنڈرات خواہشات و شہوات سے ویران پڑے انہوں نے اپنے رب کی آیات وارداتِ اور حالات فنا و بقا کا انکار کیا تھا اور اسی طبیعۃِ خبیثہ نے رب تعالیٰ کے پیغام سعادت و نذارت و بشارت لانے والے قاصدِ قلوبِ لاھوتیہ و ذواتِ قدوسیہ کی نافرمانی کی تھی اور ہر نفس امارہ دشمن روحانیت اور مغرور ابلیس کی پیروی کی تھی تو ان ازلی بدبختوں کا انجام یہ ہوا کہ وَاُتۡبِعُوۡا فِیۡ هٰذِهِ الدُّنۡیَا لَعۡنَةً وَّیَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوۡا رَبَّهُمۡ ؕ اَلَا بُعۡدًا لِّعَادٍ قَوۡمِ هُوۡدٍ۔ اور پیچھے لگا دی گئی ان نفسانیات ملعونہ کی پھٹکار دائمی اور ذلت کثیرہ اجسام دنیا میں بھی

اور جو فنا کی منزلیں ہیں اور میدان قیامت میں بھی جو زمانۂ قیام وبقا ہے لعنتِ فنا باطن ہے اور لعنتِ بقا ظاہر ہے۔ یہ سلامت کی موت اس کفرانِ نعمت اور سرکشی کی بنا پر ہے جو عادِ نفسانیہ نے اپنے غذا و ظاہری سے پالنے والے مربیِّ قدیم سے کی۔ خبردار ازل کی دوری ہے عادِ نفس کے لئے قلب ھود کی قوم نافرمان کے لئے۔ عادِ نفس کے فناءِ وصل وموتِ حجاب کے بعد قلبِ ھود اور مومنینِ قدس کو کعبۂ وصل اور قبلۂ انوار اور مشاہداتِ حرم میں لایا جاتا ہے۔ جہاں تا عمر یہ قافلہ بقاءِ عبادتِ صمدیہ میں جھکا رہتا ہے اور شب وصل کے روزے اور صبح سعادت کے سجدے کرتا ہے۔ منورِ قدیم کی طرف سے انوارِ مشاہدات کے انعام وارد ہوتے اور قبولیت کے تمغے ملتے۔ یہ ہی قلبِ مومن کا اصل مقام ہے۔ یہی اولیاءِ قدس کی منزلِ انتہاء ہے۔ اسی منزل تک پہنچنے کے لئے ہر ایک کو حیاتِ ناسوتی دی گئی جو اِن سانسوں میں غافل رہا وہ ازل کا محروم ہے۔ اسی کو پچھتانا ہے۔ قرآن کریم کے یہ واقعات اسی لئے نازل ہوئے کہ مسافرِ راہ فنا مقامِ قدس کے محلاتِ انوار اور شاہراہِ مستقیم پر آجاتے۔ خوش نصیب ہے جس نے یہ راہ پکڑی اے میرے کریم مجھ کو بھی اس لذت سے آشنا فرما۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَٰلِحًا ۚ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
اور طرف ثمود کے بھائی ان کے صالح کو فرمایا اے میری قوم پرستش کرو اللہ کی نہیں ہے
اور ثمود کی طرف ان کے ہم قوم صالح کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس
مَا لَكُمْ مِنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۖ هُوَ أَنْشَأَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ
تمہارے معبود غیر اس کے اس نے پیدا کیا تم کو سے زمین
کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تمہیں زمین سے پیدا کیا
وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيهَا فَاسْتَغْفِرُوهُ ثُمَّ تُوبُوا إِلَيْهِ ۚ إِنَّ
اور آباد کیا تم کو بیچ اس تو بخشش مانگو اس سے پھر توبہ کرو تم طرف اس کے بیشک
اور اس میں تمہیں بسایا تو اس سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ بیشک
رَبِّي قَرِيبٌ مُجِيبٌ ﴿٦١﴾ قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنْتَ فِينَا
رب میرا پاس دعا قبول کرنے والا سب بولے اے صالح بیشک تھے تم میں ہم میں
میرا رب قریب ہے بولے اے صالح اس سے پہلے تو تم ہم میں

مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰىنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا

دار پہلے اس سے کیا منع کرتے ہو تم ہم کو اس سے کہ پوجیں ہم اس کو اور بے شک

ہونہار معلوم ہوتے تھے کیا تم ہمیں اس سے منع کرتے ہو کہ اپنے باپ دادا کے معبودوں کو

وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝ (۶۲)

جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑی دھوکہ ڈالنے والے شک میں ہیں

پوجیں اور بیشک جس بات کی طرف ہمیں بلاتے ہو ہم اس سے ایک بڑے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ھود علیہ السلام کا ذکر ہوا تھا۔ اور چونکہ ھود علیہ السلام کے بعد صالح علیہ السلام کا زمانہ آیا اس لئے اب ان آیات میں حضرت صالح کی دعوت اسلام کا ذکر ہو رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کافروں کے جابر و ظالم و مغرور ہونے کا ذکر تھا کہ وہ غریبوں کو حقیر سمجھتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے احمق لوگو اپنی حقیقت و اصلیت کو تو دیکھو جس زمین پر غرور سے اکڑتے پھرتے ہو اسی گندی مٹی سے تم پیدا ہوئے ہو اور اسی زمین سے غریب لوگ پیدا ہوئے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم عاد کی سرکشی اور غرور و تکبر کا ذکر ہوا اب اس کے بعد آنے والی قوم ثمود کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُن پر بھی دنیوی انعامات ہوئے اور ان پر بھی انہوں نے بھی بجائے شکر کے کفر کیا انہوں نے بھی کفر ہی کیا۔

تفسیر نحوی وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا واؤ ابتدائیہ لفظ ثَمُوْدُ عجمی اسم جامد ہے غیر منصرف ہے اَخَا بمعنی برادری کا بھائی اَخٌ کا لغوی ترجمہ مشفق و مہربان ھُمْ ضمیر کا مرجع ثمود جو معنیً جمع ہے صالحًا منصرف ہے عربی عَلَم ہے فعل پوشیدہ اَرْسَلْنَا کا مفعول بہ ہے قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قال فعل کا فاعل حضرت صالح علیہ السلام اگلا جملہ مقولہ ہے یَا حرفِ ندا قوم دراصل تھا قومی یاءِ متکلم بوجہ وصل گر گئی اُعْبُدُوْا قوم کو درس ایمانی ہے۔ اللہ یہ اسم ذاتی ہے مَا نافیہ لَكُمْ میں لام نفع کا ہے کُمْ سے مراد ساری قوم ہے مِنْ جارہ بیانیہ غَيْرُهٗ غیر بمعنی اِلّا استثنائیہ ہے ہٗ کا مرجع اللہ تعالیٰ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا یہ جملہ تعلیلیہ ہے۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے اگلا جملہ اس کی خبر ہے۔ انشا فعل ماضی باب افعال سے نَشَاءٌ یا نُشُوْءٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کر کے پالنا بڑھانا کم ضمیر کا مرجع ظاہری تو قوم ہے مگر اصلاً سب مخلوق مِنَ الْاَرْضِ مِنْ جارہ بمعنی فِیْ اس کا نون مفتوح ہے بوجہ وصل کے الارض الف لام جنسی ہے یعنی جنس زمین وَاسْتَعْمَرَ واؤ عاطفہ استعمر باب استفعال کی ماضی مطلق ہے مادۂ اشتقاق عُمْرٌ ہے۔ مراد آباد کرنا ہے۔ فِيْهَا فی جارہ بعض نحاۃ کے نزدیک بمعنی علیٰ ہے مگر صحیح یہ ہے اپنے معنی ظرفیت

میں ہے ھَا کا مرجع ارض ہے فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ فَا سببیہ ہے استغفروا امر حاضر جمع باب استفعال سے غفر سے مشتق ہے بمعنی چھپانا مٹانا ختم کردینا بخشنا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں ہٗ کا مرجع اللہ کی ذات۔ ثُمَّ حرف عطف بمعنی واؤ عاطفہ ہے تُوْبُوْا امر حاضر جمع ہے آخر کا الف حشو یعنی جمعیت کے بھراؤ کے لیے تَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی باز آجانا رجوع کرنا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ اِلَيْهِ جار مجرور اِلٰی بمعنی لام ہے معنی اول کے لحاظ سے یعنی باز آؤ اللہ کے لئے لیکن دوسرے معنی کے لحاظ سے الی انتہاء غایت کے لئے۔ اِنَّ تحقیق علت کے لئے رَبِّیْ مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے قَرِیْبٌ اور مُجِیْبٌ دونوں صفتیں خبریں ہیں اِنَّ کی قریب کا تعلق تُوْبُوْا سے ہے اور مجیب کا فَاسْتَغْفِرُوْهُ۔ قَالُوْا يٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ قَالُوْا فعل ماضی فقرہ جوابی ہے۔ بصیغہ جمع ہے مراد قوم کے سرکردہ سرکش اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا یَا حرف ندا اس کا منادیٰ حضرت صالح منادیٰ مفرد ہے بدیں وجہ مبنی ہے ضمہ پر قَدْ كُنْتَ فعل تامہ بمعنی ماضی بعید یعنی تھا تُو فِیْ جارہ ظرفیت کے لئے نَا ضمیر جمع متکلم مَرْجُوًّا اسم مفعول ہے باب نَصَرَ کا رَجَاءٌ سے مشتق ہے بمعنی امید کیا ہوا قَبْلَ اسم ظرف فتحہ پر مبنی ہے۔ مضاف ہے هٰذَا کی طرف اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ہمزہ سوالیہ ہے اور پورا جملہ قبل هٰذَا کی بیان وجہ ہے تَنْهٰى فعل مضارع باب فَتَحَ کا۔ نَهْیٌ سے بنا بمعنی منع کرنا متعدی بدو مفعول ہے نَا ضمیر متکلم مفعول اول اگلا جملہ مفعول دوم اَنْ ناصبہ مصدریہ نَعْبُدُ فعل مضارع جمع متکلم اس کا فاعل پوری قوم میں سے سرکردہ لوگ مَا اسم موصول مفعول بہ۔ نَعْبُدُ کا يَعْبُدُ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسم ظاہر اٰبَاءٌ جمع ہے اَبٌ کی مراد باپ دادے نَا ضمیر متکلم مضاف الیہ۔ واؤ حالیہ بھی ہوسکتی ہے اِنَّ حرف تحقیق نَا ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے لَفِیْ لام کے بمعنی البتہ فِیْ ظرفیت ذہنی کے لئے شَكٍّ مصدر مضاعف مصدری معنی میں ہی ہے بحالت عمل ہیں اس کا معمول اگلی عبارت مِمَّا ہے۔ مِنْ جارہ مَا موصولہ اگلا جملہ اس کا صلہ تَدْعُوْنَا فعل مضارع واحد حاضر کا صیغہ باب نَصَرَ سے متعدی بیک مفعول نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ ہے اِلَيْهِ اِلٰی جارہ ظرفیت مکانی ذہنی کے لئے۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع پچھلی تبلیغ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِيْهَا ۔ اور حضرت ھود کی وفات کے سو سال بعد ہم نے قوم ثمود کے طرف ان کے قومی برادری خاندانی بھائی حضرت صالح کو بھیجا۔ یہاں اَرْسَلْنَا پوشیدہ ہے بعض نے کہا پہلے اَرْسَلْنَا نُوْحًا پر عطف ہے لفظ ثمود میں مفسرین کے قول ہیں اکثر نے فرمایا کہ ثمود حضرت صالح اور قوم کے چھٹے دادے کا نام ہے قوم عاد کے چوتھے دادا عاد دوسرے بیٹے ثمود نے اپنی رہائش یمن سے دور اپنی رہائش سنگلاخ پہاڑوں میں رکھی وہیں اس کی نسل بڑھ کر قوم ثمود کے نام سے مشہور ہوئی صالح علیہ السلام کا شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ صالح

بن عبید بن آسف بن ماتخ بن عبید بن خاور بن ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہم السلام حضرت صالح کی عمر کل دو سو اسی سال ہوئی۔ آپ نے بھی چالیس سال کی عمر میں تبلیغ فرمانی شروع کی۔ یہ قوم پہاڑوں میں بہت خوب صورت مکان تعمیر کرنے کا فن جانتی تھی۔ سنگتراشی کی ابتدا ایک قول کے مطابق انہی سے شروع ہوئی۔ یہاں حضرت صالح کی پہلی تبلیغ کا ذکر ہے۔ تین جگہ آپ کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے ۱۔ اعراف وہاں وضاحت سے آیا ہے ۲۔ سورۂ ھود یعنی یہاں ۳۔ سورہ والشمس میں۔ اس جگہ پہلی تبلیغ اس طرح ہوئی کہ قوم ثمود کسی تقریب میں جمع تھی تو آپ کو اجازت ملی کہ جا کر ایمان کی تبلیغ فرماؤ۔ تب۔ کہا حضرت صالح نے اے میری قوم ملا جلا کر شرکیہ عبادت مت کرو بلکہ فقط واحد اللہ کی عبادت کرو کیونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس کی دلیل یہ کہ وہی اللہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا نیست سے ہست کیا یہ کہ تمہارے جدِ اعلیٰ حضرت آدم کو زمین یعنی مٹی سے ایجاد کیا۔ اس لئے وہ موجد اور بدیع انسان ہے۔ یا اس طرح کہ زمین سے مٹی۔ مٹی سے کھیتی۔ کھیتی سے غذا۔ غذا سے خوراک۔ خوراک سے خون۔ خون سے نطفہ اور نطفے سے تم انسان اور پھر پیدا کرنے کے بعد تم کو ایسے ہی معطل نہیں چھوڑا وحشی جانوروں کی طرح تم کو آوارہ نہ کیا بلکہ تم کو دنیا کا عامر یعنی منتظم۔ نظام چلانے والا بادشاہ حاکمِ مخلوق بنایا اور تم کو اپنی زمین پر بسایا یا اس طرح کہ تم کو صحت مند دراز عمریں دیں تاکہ تم اس کی زمین سے تادیر خوب نفع لو عیش اڑاؤ رچو بسو یا اس طرح کہ تم کو اس زمین پر بہترین معمار مستری کاریگر اچھے مکان تعمیر کرنے والا بنایا یہ سب قوتیں اور ہنر اسی کے دیئے ہوئے ہیں۔ تفسیر مدارک نے فرمایا کہ ہر شخص کی عمر تین سو سال تھی زیادہ سے زیادہ ہزار سال تھی۔ اتنی عمر کے ساتھ اتنی قوت و طاقت اور مہارت ملنا عین اس کا کرم ہے۔ اے میری قوم تم کتنے بختاور ہو کہ زمین کو تمہارے لئے قابل بنایا اور تم کو زمین پر قادر بنایا۔ روایت ہے کہ قوم ثمود نے اتنی کثیر عمارات مکانات اور باغات بناتے تھے کہ ایک نبی نے رب تعالیٰ سے عرض کیا کہ مولیٰ اتنے مکانات یہ کیوں بنا رہے ہیں رب کی طرف سے جواب ملا کہ یہ دنیا پرست نوکر و خادم اور بحیثیت غلام ہیں کہ بنائے جائیں پھر میرے پیارے بندے اس میں آرام کریں اور ان میں میرا ذکر میرے نبیوں ولیوں کا چرچا ہو۔ صالح علیہ السلام کی تبلیغ کا مقصد بھی یہ تھا کہ اے قوم والو تم بنا رہے ہو۔ میری خواہش ہے کہ تم ہی ان کو برتو اور اس کا طریقہ یہ ہی ہے کہ رب کے حضور جھک جاؤ عاجز ہو جاؤ بتوں کو چھوڑ دو فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ۔ اپنے سابقہ گناہوں اور کفر شرک کی معافی مانگو۔ اس طرح ایمان لے آؤ مجھ کو نبی اللہ تسلیم کرو پھر بتوں کی محبت کو دل سے نکال کر ایمان کا نور دل میں لے کر توبہ کرو اسی اللہ تعالیٰ کی طرف۔ لوٹو اسی کی طرف کیونکہ یہ وہی ایمان برحق ہے جو پہلے تمہارا تھا اس لئے کہ کُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ۔ ہر انسان دین حق پر پیدا ہوتا ہے۔ بعد میں کافر ہوتا ہے لہٰذا لوٹو رجوع کرو اس دین کی طرف اور اسی رب کریم کی طرف جس کے پاس سے قَالُوْا بَلٰى کا وعدہ کر کے آئے ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ بارگاہِ خدا بڑی دور ہے بڑی دشواریاں ہیں وہاں تک فریاد لے

جانے میں اپنے بادشاہوں کے دربار کی طرح مت سمجھنا کہ وہاں پہنچنے تک ہزار سفارشیں رشوتیں چلانی پڑتی ہیں پھر بھی وہ غرور کے پتلے غریبوں سے متنفر اور دور ہی رہتے ہیں۔ اتنے غافل اتنے دور کے مظلوم کی فریاد تک نہیں سن سکتے۔ سائل کی پکار ان تک نہیں پہنچتی۔ اے دنیا کے طالبو تم نے ان کے درباروں پہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر دیکھ لیا اور ذرا ان جھوٹے فانی درباروں کو چھوڑ کر میرے رب کے دربار میں آؤ یہاں یہ کس مپرسی ذلت خواری نہ ہوگی کیونکہ میرا رب بے شک سب کے قریب اور سب سے قریب۔ نہ وہ دور نہ اس کا دربار دور۔ اس کی بارگاہ بہت ہی قریب ہے۔ نبی کا آستانہ ہی تو اُس کی بارگاہ ہے۔ اولیاء اللہ کے ٹھکانے ہی تو اس کی رحمت کے اسٹیشن ہیں۔ مرد مومن کا عشق و معرفت سے لبریز دل ہی تو اس کے ملنے کی جگہ یہ مسجدیں یہ خانقاہیں اسی کے ہی نور کا ظہور ہیں کدھر بھٹکتے پھر رہے ہو ادھر میری طرف آؤ اُس کو پکارو جو عالم غیب والشہادۃ ہے جو حقیقی فریاد رس مشکل کشا حاجت روا ہے۔ جو شہ رگ سے زیادہ قریب ہے مگر شرط یہ ہے کہ جس طرح شہ رگ بغیر آئینہ کے وسیلے کے نظر نہیں آتی وہ اللہ بھی بغیر وسیلۂ نبی نہیں ملتا۔ یہ مجھ کو بھی معلوم ہے تم بھی اور تمام مشرکین بھی اس اللہ کو خالق مانتے ہو ڈوبنے بچانے والا مانتے ہو۔ اسی رب کی تلاش میں ہو مگر تم نے اس جَلَّ شَانُہٗ کو بتوں میں۔ شرک و کفر میں ڈھونڈھا اب تک نہ پایا کاش نبی کے دامن سے وابستہ ہو جاؤ تو بالکل قریب ہی رب تعالٰے کو پاؤ۔ شاید کوئی احمق کہے کہ قریب تو ہمارے بت بھی ہیں۔ ہمارے گھروں میں سفروں میں بستروں میں جیبوں میں۔ تو سنو وہ قریب تو ہیں مگر تم جب ان سے مانگو تو بے بس ہیں جب ان کو فریاد سناؤ تو بہرے ہیں جب ان کو اپنی حالت زار دکھاؤ تو اندھے ہیں جب کچھ عرض کرو تو جواب سے گونگے ہیں۔ کس کام کا ایسا بیہودہ قرب یہ تو اور وبال جان ہے۔ ہاں میرا رب سبحان اللہ ایسا قریب ہے کہ ہر دعا کا مجیب ایسا مجیب ہے کہ ہر آن ہر جگہ ہر بندے کو دیکھنے والا دیکھ کر اس کی فریاد سننے والا۔ سن کر قبول فرمانے والا اور قبول فرما کر حاجت سے زیادہ دینے والا۔ کہ لینے والا بندہ پکارا اٹھتا ہے ع

کریم ایسا ملا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے

پس اس کے دربار سے کوئی مظلوم۔ حاجتمند۔ فریاد کرنے والا دعا مانگنے والا مایوس نہیں لوٹتا چاہیئے تو یہ تھا کہ ایسی مدلل میٹھی پر کیف لذت آفریں تقریر سن کر سابقہ لغزشوں پر ندامت کے آنسو بہاتے ہوئے نبی کے قدموں میں گر جاتے استغفار پڑھتے توبہ کرتے اور خوش قسمتی سمجھتے کہ ایسا شفیق سمجھانے والا ملا۔ مگر بد نصیبی دکھاتے ہوئے قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَاۤ اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَ اِنَّنَا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ اور کوئی جواب بن نہ پڑا تو بولے کہ اے صالح بے شک تم تو ہم میں بہت لائق سمجھدار مانے جاتے تھے کیونکہ تمہارا حسن تمہارا ڈیل ڈول صحت جوانی تمہارا اُٹھان پھر اُس پر تمہاری شرافت کم گوئی۔ بچی نظریں۔ عبادت ریاضت۔ غرضیکہ تمہاری ہر ادا عجیب بے مثال تھی ہم کو تم سے بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔ ہم تم کو اپنا سردار بنانے کی سوچ

رہے تھے۔ ہم کو خیال تھا کہ تم اپنے باپ دادوں کا دین خوب چمکاؤ گے اچھے اچھے بت بنایا کرو گے خود بھی پوجو گے اور نئے نئے طریقوں سے ہم کو پجاؤ گے۔ آج سے پہلے ہم امید لئے بیٹھے تھے کہ تم ہمارے بادشاہ بنو گے کیونکہ تم اچھے حسب نسب اور دولت والے ہونے کے ساتھ ساتھ نہایت حیادار شرمیلے اور اسم بامسمّٰی تھے۔ آج تم کو کیا ہو گیا۔ مرجوًّا رجاءٌ سے بنا ہے اس کے معنی صرف امیدی ہوتے ہیں نہ کہ حقیر۔ قبل ہٰذا میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ تمہاری آج کی اس تبلیغ سے پہلے ہمیں یہ امیدیں تھیں اور یہی احتمال قوی ہے۔ دوسرا یہ کہ اس تبلیغ کے بعد ہم نے یہ سمجھا تھا کہ تم نے ویسے ہی یہ تبلیغ کر دی ہے تم ہم سے علیحدہ دین اختیار کرو گے نہیں تم ہمارے ہی دین میں رہو گے مگر اب یہ تمہاری یہ پختگی ثابت کر رہی ہے کہ ہمارا خیال ہماری امیدیں غلط تھیں تم نے اپنی اس ہٹ سے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا کیا تم اب یہاں تک جرأت دکھا رہے ہو کہ ہم کو منع کر رہے ہو اس بات سے کہ ہم عبادت کرتے ہیں اس کی جس کی عبادت کرتے رہے ہمارے آباؤ اجداد یعنی یہ عبادت تو ہمارا پرانا دین ہے۔ ہمزہ استفہام انکاری یعنی اے صالح ہم کو منع مت کرو۔ نَعْبُدُ فعل حال ہے۔ اور یَعْبُدُ فعل مضارع بمعنی ماضی ہے مضارع کے صیغہ سے استمرار حاصل ہوا اور بے شک ہم سب قوم کے سمجھدار لائق ذمہ دار حضرات البتہ تمہاری دعوت توحید سے اور اپنے آبائی دین کو جھٹلانے سے شک میں مریب ہیں یعنی سخت پریشان ہیں۔ تم نے نفسوں کو مضطرب دل کو بے آرام عقل کو پریشان کر دیا۔ شک تردد۔ اور ریب تینوں ہی وہم پیدا کرتے ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ شک وہ وہم جس میں اضطراب اور پریشانی نہ ہو عقل سوچنے پر قادر ہو۔ تردّد یہ ہے کہ وہم حق و باطل دو طرفہ ایک جیسا ہو۔ ریب وہ وہم جس میں دل پریشان عقل مضطرب ہو جاتے۔ اس میں مُرِیب کو غم بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ اے صالح غم ہم کو اس بات کا ہے کہ تم تو ہمارے ضعیفوں کے مددگار یتیموں کے فریاد رس بیکسوں کے مشکل کشا تھے اسی وجہ سے تم ہم کو سب سے پیارے تھے تم سے ہم لڑنا جھگڑنا تمہارا دشمن ہونا نہیں چاہتے تھے اب تم نے یہ کون سا راہ اختیار کیا کہ ہم کو دشمن ہونا پڑے گا کیونکہ معاملہ دین کا ہے (تفسیر کبیر۔ معانی۔ بیان۔ مظہری۔ خازن۔ صاوی۔ نور العرفان۔ خزائن العرفان مدارک۔ جمل) یہ تھا سورۃ ہود کا تیسری قوم کا واقعہ جس کے بیان کرنے سے مسلمانوں کو چند سبق اور چند فائدے حاصل ہوتے۔

فائدے پہلا فائدہ سب مخلوق ہی زمین سے پیدا ہوئی ہے اور سب کا ایک خالق اللہ تعالیٰ مگر کوئی بالواسطہ پیدا ہوئی کوئی بلا واسطہ خدا تعالے ہر طرح پیدا کرنے پر قادر ہے دوسرا فائدہ مکان تعمیر کرنے اور دنیا آباد کرنی واجب شرعی ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا اِسْتَعْمَرَکُمْ یہ باب استفعال سے ہے جس میں طلب کے معنی ہیں اور طلب مطلق جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو امر اور وجوب کے معنی میں ہوتی ہے تو معنی یہ ہوتے کہ تم کو حکم دیا تھا اس زمین میں آبادی اور تعمیر کا اسی لئے تم کو یہ فن دیا لہٰذا تارک الدنیا ہونا راہب بننا اس وجوب کے منافی ہے۔ پس گناہ تیسرا فائدہ انبیاء کرام کی تمام زندگی نمونۂ قدرت ہوتی ہے جس کا دشمن بھی اقرار کرتا ہے۔ دنیا کے لوگوں کو زمانہ ڈھالتا

ہے مگر وہ زمانے کو ڈھال دیتے ہیں۔ ذاتِ نبی عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ پر کسی ماحول کا اثر نہیں پڑتا نہ وہ ماحول سے متاثر ہو کر رواجاً کوئی عمل کرتے ہیں۔ خون کا پیاسا دشمن بھی ان کی زندگی پر کوئی عیب نہیں لگا سکتا یہ فائدہ مَرْجُوًّا کی تفسیر سے حاصل ہوا انبیاءِ کرام کی وضع قطع لباس شکل وصورت بناوٹ سب وحیٔ الٰہی سے ہوتا ہے **چوتھا فائدہ** دین واسلام اور اللہ تعالٰے کے نبیوں ولیوں کی باتوں اور علماءِ حق کے فرمودات میں شک وشبہ کرنا کفار ومنافقین وکمزور ایمان والوں کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ مُرِیْبٍ کی تفسیر سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** انبیاء اولیاء اور دین کے سچے علماء سے اپنی مرضی اور مطالبوں خواہشوں کی امید رکھنا اور اپنی مرضی کے مسئلوں فتووں کو چاہنا اور مرضی کے خلاف ہونے پر علماء اولیاء اور انبیاء کا دشمن بن جانا کفار کا طریقہ ہے۔ مسلمان عوام اور حکومتیں وَاُمَرا اس سے عبرت پکڑیں یہ فائدہ مرجوًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دین دنیا کے ہر کام رسومات اور رواجوں میں اولیاء علماءِ ربانی کی مانو اور شریعت کی لائن پر چلو۔ خود کو دین کے ماتحت کرو۔ دین کو دبانے کی کوشش مت کرو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** حضرت صالح نے فرمایا اُعْبُدُوا اللّٰہَ اللہ کی عبادت کرو چاہیئے تھا کہ فرماتے اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اللہ پر ایمان لاؤ ایمان پہلے ہوتا ہے عبادت بعد میں اس فرمان کی کیا وجہ؛ **جواب** اس کے دو طرح جواب ہیں پہلا یہ کہ عبادت سے مراد ایمان ہی ہے کیونکہ عَبْدٌ کے معنی ہیں کسی کو معبود سمجھنا اور پھر اس کی بات ماننا اور اللہ کو معبود سمجھنا ہی اس پر ایمان لانا ہے۔ دوسرا یہ کہ انکا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لائے ہوئے ہیں وہ اللہ کو خالق رازق مانتے تھے صرف مالکیت میں شرک کرتے تھے مقابلے میں بتوں کو برابر کا مانتے تھے۔ اگر حضرت صالح یہ فرماتے کہ اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ اللہ پر ایمان لاؤ تو وہ جواباً کہہ دیتے کہ ہم تو پہلے ہی ایمان لاتے ہوتے ہیں حضرت صالح نے ایسی بلیغ اور جامع مانع تبلیغ فرمائی کہ پہلے ہی ان کے تمام عذر اور اعتراض ختم کر کے رکھ دیئے۔ اسی طریقہ مبارکہ کو علماءِ اصول براعۃِ استہلال کہتے ہیں۔ یعنی اگر سچے مومن ہو تو فقط اس کی عبادت کرو محض زبانی دعوے بازی ٹھیک نہیں عملی ثبوت دو۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا ھُوَ اَنْشَاَکُمْ۔ ھُوَ خَلَقَکُمْ کیوں نہ فرمایا گیا حالانکہ ایک جگہ ارشاد ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنَ اس فرق کی وجہ کیا ہے **جواب** اَنْشَاَ اِنْشَاءٌ سے مشتق ہے جس کا معنیٰ یا یہ ہے کہ ایجاد اور اول پیدائش یعنی اِف بندوں کا اُس کے سامنے کوئی نمونہ نہ تھا اس نے تم کو ابتدا ہی سے ایسا خوبصورت حسین طاقتور بنایا اس نے کسی کی نقل نہ کی اور نہ کوئی تم کو بنانے میں اس کی نقل کر سکتا یا اس نے ہی ابتدا انتہا۔ اول۔ آخر اسوقت اَنْشَاَ اس وقت اور آئندہ تا قیامت تم کو بنایا ہے اس بنانے میں کوئی شریک نہیں تو تم عبادت میں کیوں شرک کرتے ہو یہ وضاحت خَلْقٌ میں ظاہر نہ تھی۔ یہاں کفار کو یہ بات سمجھانی ہے کہ رب تعالٰی کے تم پر کتنے احسان ہیں وہ کیسا قدرتوں والا ہے تمہارے بت کیا حقیقت رکھتے ہیں اور اس معترض کی پیش کردہ آیت میں یہ مدعا نہیں۔ اس لئے یہاں نشوٗ مناسب وہاں خَلْقٌ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ وَاسْتَعْمَرَكُمْ فِیْهَا فَاسْتَغْفِرُوْهُ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَیْهِ اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ مُّجِیْبٌ —

فریب دینے والے دماغ پر فتور قوم ثمود کی طرف اسی وطن قالب کے ہم وطن شعورِ صالح کو بھیجا تاکہ وہ دماغِ ثمود کو سمجھائے بتائے کہ جہنم کی بدبختیاں کیا ہیں اور ازل کی سعادتیں کیا ہیں جب حکمِ یزدانی سے شعورِ صالح کو نوازا گیا تب فرمایا اے میری قومِ دماغ جھک جاؤ اللہ خالق مالک کی طرف اسی کی سوچو اسی کی حقیقت میں غور کرو۔ سوچو یہ کہ اس کے سوا کسی ہستی میں یہ لیاقت نہیں جو تمہارا معبود بن سکے۔ سمجھو یہ کہ اسی نے تم کو زمین قالب سے پیدا کیا۔ پالا پرورش کی بڑھایا قوتِ تفکر بخشی اور ایسی دولت تدبر عطا کی کہ ساری زمین قالب کی تعمیرِ افعال تیرے سپرد کر دی اور تم کو لمبی عمر بھی دی اسی قالب میں پس اپنی غور فکر اور سمجھداری کو بخشش مانگنے کی طرف لگاؤ اور پہلے اس ذات رحیم و کریم سے بخشش مانگو پھر اپنے تمام کمالات ظاہری و باطنی کے ساتھ اس کی بارگاہِ صمدی کی طرف توبہ اور رجوع کرو بے شک میرا رب تعالیٰ تمہاری ہر فکر کے قریب ہے ہر وقت قریب ہے۔ تمہاری خفیہ توبہ کرنا اور بخشش مانگنا سنتا ہے اور نہایت ہی رحیم و رحمٰن ہے۔ ہر ایک کی ہر وقت کی التجائیں فریادیں قبول فرما لیتا ہے۔ صرف بندگی کی طرف مائل ہونے والے بندے صادق کی نیتِ خلوص ہونی لازم ہے۔ دماغِ فتور بارگاہِ قدس کو بعید جانتا ہے اس لئے سرکشی پر راغب التجاؤں دعاؤں سے دور رہتا ہے حالانکہ حقیقت وہی ہے شعورِ باطنی کو معلوم ہے کہ وہ ذات سرمدی قریب سے قریب تر ہے اھلُ اللہ اور عالِم باللہ کو مبارک ہے جو نور و مشاہدات کی دعائیں مانگ کر توبۂ معرفت میں داخل ہو جاتا ہے۔ حسرت ہے ازل کے تکبر والے گونگے بہرے اندھوں کو جو بارگاہِ معلّیٰ میں جھکنے رجوع کرنے سے محروم رہے صوفیا فرماتے ہیں کہ قالب زمین کی عمارت ظاہری افعال شریعت ہیں اور ان کے اسباب عمارت باطنی اخلاق ربانی ہیں یہ بقا کی نیووں پر قائم ہیں اور عمارت نفسانیہ کا معمار دماغ ناسوتی ہے اس کو فنا ہے۔ عمارت بقا کا سامان واجب فرض سنت نفل حلال مباح طیب طاہر ہے اس سے عمارت قالب ظاہری تیار کر کے عمارت باطنی کا رنگ و روغن زہد و تقویٰ اخلاق ربانی سے مزین کرنا ہے یہی قالب بقا کا مٹی گارا ہے عمارت فنا کا سامان حرام ناجائز فسق ظلم سرکشی باطل ممنوع مکروہات ہیں یہ حرص و ہوس کی کمزور و فانی بنیادوں پر قائم رہتا ہے ہے دماغ ثمود تو حرص کے دریاؤں پر قانون شرعی کے امروں کا پل بنا اور ہلاکت کی نہروں پر ثمودِ عقل کی ممنوعات کا چھوٹا پل بنا۔ اس شہرِ قالب میں ایمانی قلعے تعمیر کر شکر کی مسجدیں ذکر اللہ کے لنگر خانے سجا۔ ذکر رسول نعت مصطفےٰ کے گوشۂ رہبری میں مدرسے خانقاہیں تعمیر کر خواہشات و ہوس کے جنگل میں حرام و ناجائز اور ممانعت شرعیہ کی حد بندی کر۔ ان تمام کا مقصد صرف یہ ہے کہ فنا کی بارش سے گناہ کی سردی سے ظلم کی گرمی سے ساکنانِ قالب کو بچایا جاتے ورنہ عذابِ ربِ ذِالجلال سے کون بچ سکتا ہے۔ خزانۂ رحم صاف ستھرے ایمان کے کمروں میں ہی آتا ہے۔ گندے جوہڑوں کو ہیروں سے نہیں نوازا جاتا ہے۔ دنیا پرست اسی لئے بیوقوف ہے کہ وہ

بحرِ طغیان میں شہوات کی کچی مٹی سے کمزور دیواریں تیار کرتا ہے اور لالچ کی خاردار جھاڑیوں کے لئے اعمال سیاہ کی نہریں کھودتا ہے مگر مرشد شعور صالح اس کو جب منع کرتا ہے تو قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ اَتَنْهٰنَآ اَنْ نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا وَاِنَّنَا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ۔ ثمودِ سرکش نے بجائے نصیحتیں قبول کرنے کے کہا اے شعورِ صالح تو ساری زمینِ قالب میں ہم سے ہونہار لائق سمجھدار تھا ہم کو تجھ سے یہ امید تھی کہ تو ہمارے ارادوں میں ہمارا معاون ثابت ہوگا مگر تو ہم کو اس شہوتوں خواہشوں کی پوجا سے منع کرتا ہے جس کی پرستش نفس اَمّارہ وسواسِ شیطانی اور ابلیس جیسے ہمارے باپ دادا کرتے رہے۔ دنیا اور دنیا کی لذتیں تو ہمارے سامنے ہیں جن مشاہدات و انوار۔ توبہ و استغفار کا تو وعدہ دیتا ہے اور جن خزانہ رحم وکرم ازلی ابدی کی دعوت تو ہم کو دیتا ہے ہم کو شک ہے کہ وہ غلط ہیں۔ اس کی طرف سے ہم پریشانی اور بے اطمینانی میں ہیں۔ اگرچہ دماغ مرکز تفکر ہے۔ مگر چونکہ تختِ ابلیس سب سے پہلے یہیں بچھایا جاتا ہے اور شیطان سب سے پہلے اس کو اپنا غلام بنانا اس پر پورا قبضہ کرنا چاہتا ہے لہٰذا سب سے پہلے جسم انسانی کے اعضاءِ باطنی میں سے دماغ ہی بگڑتا ہے اور اسی جگہ دنیوی تفکرات و تحیرات کا تنگھٹا لگتا ہے جب رحمت رب کی نہریں جوش میں آتی ہیں اور اخیار کی گھٹائیں چھاتی ہیں انوار کی بجلیاں کوندتی ہیں اور مشاہدات کی پُر بہار ہوائیں چلتی ہیں تو شعورِ جسدی بیدار ہوتا ہے اور جسم میں واردات سرمدی کے پیغامات آتے ہیں۔ سعادت کی راہیں دکھائی جاتی ہیں۔ بصیرت کی کھیتیاں اُگتی ہیں۔ دماغ طاغوتی بے شعوری کی دلدل میں پھنستا چلا جاتا ہے (روح البیان۔ ابن عربی)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

فرمایا اے قوم میری رائے دو تم اگر ہوں میں پر ظاہر نشانی طرف سے رب اپنے

بولا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل پر ہوں

وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ

اور دی ہو اس نے مجھے طرف سے اپنی رحمت اور کون مدد کرے گا میری مقابل اللہ کے اگر

اور اس نے مجھے اپنے پاس سے رحمت بخشی تو مجھے اس سے کون بچائے گا اگر میں

عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ﴿۶۳﴾ وَيٰقَوْمِ

نافرمانی کروں میں اس کی تو کیا زیادہ کرو گے تم میرا سوائے نقصان کے اور اے قوم

اس کی نافرمانی کروں تو تم مجھے سوا نقصان کے کچھ نہ بڑھاؤ گے اور اے میری قوم

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْٓ

میری یہ اونٹنی ہے اللہ کی ہے تمہارے لئے نشانی تو چھوڑ دو آزاد اس کو کھاتی پھرے بیچ زمین

یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لیئے نشانی تو اسے چھوڑ دو اللہ کی زمین

اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ

اللہ کی اور نہ چھوؤ تم اس کو بُرائی کہ پکڑے تم کو عذاب نزدیکی

میں کھائے اور اسے بُری طرح ہاتھ نہ لگانا کہ تم کو نزدیک عذاب

قَرِيْبٌ ﴿٦٤﴾ فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِيْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ

پس کاٹ دیں کوچیں اس کی تو فرمایا کہ موج میں کر لو تم بیچ گھر اپنے تین دن

پہنچے گا تو انہوں نے اس کی کوچیں کاٹیں تو صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور

اَيَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ ﴿٦٥﴾

وہ وعدہ ہے نہ جھٹلایا ہوا

رہ برت لو یہ وعدہ ہے کہ جھوٹا نہ ہو گا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قوم ثمود نے حضرت صالح کی تبلیغ میں شک کا اظہار کیا تھا اور شک چونکہ انسان کے اپنے ہی غور و فکر سے دور ہوتا ہے۔ نہ کہ سمجھانے بجھانے سے اس لیئے اب اِن آیات میں حضرتِ صالح کی حکیمانہ موقع کے مطابق گفتگو اور دعوتِ غور و فکر کا ذکر ہو رہا ہے کہ خواہ مخواہ شک نہ کرو بلکہ عقلِ سلیم سے غور کر کے بتاؤ کہ اگر میں واقع میں نبی ہوں پھر تم نہ مانو یا میں تبلیغ نہ کروں تو کیا بنے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت صالح کی زبانی تبلیغ کا ذکر ہوا تھا۔ جس میں کفار نے شک کر لیا تھا اب معجزہ دکھا کر اُن کی عقلوں کو متحیر کر کے عملی تبلیغ فرمانے کا ذکر ہے اور شک دور کرنے کا بہترین اور کامل مضبوط طریقہ ہے **تیسرا تعلق**! پچھلی آیات میں کافر قوم کا یہ قول مذکور ہوا کہ وہ حضرت صالح کی تبلیغ سے شک میں پڑ گئے اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ اُن کی بکواس اور غلط بیانی ہے۔ حقیقت میں اُن کو شک نہیں پڑا اُن کو صالح علیہ السلام کی فصیح و بلیغانہ حکیمانہ وعظ سن کر آپ کی سچائی پر یقین تو پہلے ہی آ چکا تھا اگر واقعتاً اُن کو شک ہوتا تو غور و فکر سے دور

ہوجاتا اور پھر ناقے کا معجزہ دیکھ کر تو یقیناً شک دور ہو جاتا ..... اس کے باوجود پھر بھی کافر ہے اور پاک اونٹنی سے بھی گستاخی کی ثابت ہوا کہ محض ضد عناد و تکبر ہے نہ کہ شک۔

تفسیر نحوی

قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ ۔ قَالَ فعل ماضی کا فاعل صالح علیہ السلام یا ندائیہ قوم منادیٰ مضاف بسوئے یاء متکلم اَ ہمزہ استفہامیہ ہے رَءَیْتُمْ فعل ماضی بمعنیٰ امر رَءْیٌ سے بنا بمعنی نظر اور دل سے بیکدم دیکھنا۔ اِنْ یا یہ حرف شرط ہے شک کے لئے ہے اور شک کی نسبت قوم کی طرف کیونکہ انبیاء دین میں شک سے پاک ہوتے ہیں یا یہ دراصل اِنَّہٗ تھا۔ كُنْتُ صیغہ واحد متکلم فعل تامہ ہے علٰی اپنے ہی معنیٰ میں ہے بعض نے کہا بمعنیٰ مع ہے بَیِّنَةٍ لغوی معنیٰ کھلی چیز مراد کھلا دین حق اور ظاہر دلیل مِنْ جارّہ ظرفیت کے لئے بمعنیٰ قِبَلْ رَبِّیْ مرکب اضافی رَبّ بمعنیٰ مُرَبِّیْ اسم صفاتی اور اس لفظ کو بولنے والا ثنا کرتا ہے وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ واؤ عاطفہ ہے ایک قول میں واؤ حالیہ ہے اٰتَا فعل ماضی متعدی بدو مفعول نِیْ نون وقایہ یاء متکلم مفعول اول مِنْ ظرف کا بمعنیٰ عِنْدَ یا بمعنیٰ قبل ہٗ ضمیر مجرور متصل کا مرجع رَبِّیْ ہے رَحْمَةً مفعول دوم مراد نبوت ہے واؤ ابتدائیہ مَنْ اسم موصول برائے استفہام انکاری ہے یَنْصُرُ فعل مضارع معروف نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بچانا نِیْ نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ مِنْ ابتدائیہ بیانیہ ہے لفظ اللہ مجرور بوجہ اضافت پوشیدہ لفظ عذاب پوشیدہ مضاف ہے۔ اِنْ حرف شرط اگلا جملہ شرط مؤخر عَصَیْتُ ماضی بمعنیٰ مضارع عصیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ نافرمانی ہٗ کا مرجع رَبِّیْ یا لفظ اللہ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ فا تعقیبیہ مَا تَزِیْدُوْنَ مضارع منفی بمعنیٰ مستقبل زِیْدٌ سے بنا بمعنیٰ بڑھانا نِیْ نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ، غَیْرَ بمعنیٰ اِلَّا تخسیر باب تفصیل کا مصدر بمعنیٰ مفعول غَیْرَ نے نفی توڑ دی وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً واؤ سے جملہ یا قوم جملہ ندائیہ ہٰذا اسم اشارہ قریب نَاقَةٌ دودھ والی اونٹنی کو کہا جاتا ہے مضاف لفظ اللہ مضاف الیہ ہے اضافۃ تشریفی ہے۔ لَكُمْ میں لام نفع کا کُمْ سے مراد ساری قوم اٰیَةً لغتاً نشانی مراد معجزہ فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ۔ فا سببیہ ہے ذَرُوْ فعل امر بصیغہ جمع ہے خطاب قوم کو ہے ھَا کا مرجع ناقہ یا كُلُ فعل مضارع بحالت رفع بوجہ اس جملے کے حال ہونے کے مضارع بمعنیٰ مستقبل استمراری فِیْ بمعنیٰ علیٰ اَرْض سے مراد کھیت ہیں اضافت تشریفی ہے لفظ اللہ مضاف الیہ۔ واؤ بیان نتیجہ کے لئے عاطفہ ہے پہلا فعل امر تھا یہ نہی تَمَسُّوْا مَسٌّ سے بنا بمعنیٰ ہاتھ سے چھونا مراد تکلیف دینا بِسُوْٓءٍ با ربعضیت کی ہے سوء مجرور بمعنیٰ برائی تکلیف فَیَاْخُذَكُمْ ف اظہار نتیجہ کے لئے یَاْخُذَ فعل مضارع منصوب بوجہ شرط یا اِنْ مقدرہ کے یعنی اگر تم نے تکلیف دی تو پکڑے گا عَذَابٌ مستقبل کے معنیٰ میں ہے عذابٌ بمعنیٰ خدا کی غیبی سزا تنوین تعظیم کی ہے قَرِیْبٌ قُرْبٌ سے بنا بمعنیٰ قرب زمانی یعنی زمانہ دنیا فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ فا رتعقیبیہ عَقَرُوْا فعل ماضی جمع ہے عَقْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ رگ کا کاٹنا یہاں مراد ہے رگیں یا پٹھے کا کاٹنا ھَا کا مرجع اونٹنی

فقال فا تعقیبیہ قال فعل ماضی واحد ہے اس کا فاعل صالح علیہ السلام اگلا جملہ مقولہ ہے تَمَتَّعُوْا فعل مضارع بمعنی امر حاضر دراصل تھا تَتَمَتَّعُوْا ملا مضارع بوجہ تخفیف محذوف ہوئی صحیح یہ ہے کہ بذات خود امر حاضر جمع ہے باب تفعل کا مَتَعٌ سے بنا بمعنی نفع لینا۔ فِیْ ظرفیت کے لئے دار بمعنی گھر یا بستی کُمْ کا مرجع کا فر قوم۔ ثَلٰثَۃَ لفظ خاص اپنے حقیقی میں ہے اَیَّام جمع ہے یوم کی بمعنی روشن دن اور ان کی دو راتیں ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لئے مشار الیہ پوشیدہ ہے یعنی عذاب وَعْدٌ بمعنی مَوْعُوْدٌ اسم مفعول غَیْرُ حرف نفی مضاف ہے بِسُوْءٍ مکذوب۔ اسم مفعول ہے کِذْبٌ سے مشتق ہے بمعنی جھوٹ ہونا باب ضَرَبَ سے ہے یہاں فِیْهِ پوشیدہ ہے۔ غَیْرُ کو رفع بوجہ صفت ہے موصوف وَعْدٌ ہے نوادرات نحات سے ہے کہ کہ مکذوب مصدر ہے بروزن معقولٌ مجلودٌ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ غَیْرَ تَخْسِیْرٍ۔ فرمایا حضرت صالح نے۔ اے میری قوم میں نے تم کو بہت اچھی طرح سمجھایا مگر تم نے نہ سمجھا تم اس بات کو ماننے کے لئے تیار نہیں کہ میں نبی ہوں اور خدا تعالیٰ کا خاص پیغام خالص سچا دین لے کر تمہارے پاس آیا ہوں تو اچھا اب اس طرح سمجھنے کی کوشش کرو اور خوب غور کرو اور بعد غور کے مجھ کو بتاؤ اگر میں سچائی پر اور حقیقت بھی یہی ہے اور جو کچھ میں نے تم کو تبلیغ کی ہے وہ بالکل درست ہے۔ میرے رب کی طرف سے ہی ہے اور اس اللہ نے اپنے کرم اور حکمت بالغہ سے مجھ کو نبوت عطا کی ہو جس کو تمہاری عقلیں نہیں مانتیں حالانکہ یہ حقیقت اور یقین ہے جس کو میں ہی سمجھتا ہوں۔ شک تو صرف تم کو ہے۔ لہٰذا تم بتاؤ کہ مجھ کو اللہ کے عتاب سے کون بچائے گا اور کون میرا مددگار ثابت ہوگا اگر میں تمہاری منت وسماجت مان کر یا تمہارے ڈرانے دھمکانے سے مرعوب ہو کر اس اللہ جَلَّ شَانُہٗ کی نافرمانی کروں۔ یا اس طرح کہ تبلیغِ رسالت چھوڑ کر شرک و کفر کی برائی بیان کرنا چھوڑ کر بیٹھ جاؤں اور گوشۂ تنہائی اختیار کر لوں بس اپنی عبادت وریاضت میں لگا رہوں تم ڈوبتوں کو نہ بچاؤں جس ڈیوٹی عہدے اور ذمہ کے ساتھ یہاں بھیجا گیا ہوں وہ انجام نہ دوں تو تم میں سے کون ہمت والا ہے جو اللہ کے عذاب سے بچالے۔ اس لئے کہ میری خلوت نشینی میرے لئے گناہ ہے۔ ہر شخص کا گناہ اس کی ذمے داریوں کے مطابق ہوتا ہے۔ تمہاری ذمے داری تو صرف عبادتِ خدا تعالیٰ کرنا ہے مگر میری ذمے داری عبادت کرنا بھی ہے کرانا بھی ہے تمہارا کام تو فسق کفر شرک۔ بت سازی۔ برائی سے بچنا ہے لیکن میرا کام تم کو ان تمام برائیوں سے بچانا ہے۔ تمہاری خلوت نشینی کی عبادات تم کو مفید مگر مجھ کو میری خلوت نقصان دہ۔ یا اس طرح کہ تمہاری خواہش کے مطابق تمہارے دین کو سچا کہہ دوں ذرا سوچو کہ تمہاری ان امیدوں سے جو تم نے مجھ سے لگائی ہوئی تھیں یا لگائی ہیں میرا فائدہ ہوگا کہ نقصان۔ یہ دوسرا آسان طریقہ ہے جس سے میں تم کو تبلیغ کر رہا ہوں مگر اب بھی تم سمجھنے کے قریب معلوم نہیں ہوتے۔ تمہاری عقلیں نہ معلوم تم کو کس طرف لے جا رہی ہیں مگر میں شروع سے سمجھتا ہوں کہ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ

غَیْرَ تَخْسِیْرٍ پس تم میرے لئے کچھ زیادہ نہ کرو گے۔ سوائے اس کے کہ اور زیادہ میرا نقصان در نقصان ہو گا تمہارے ساتھ ملنے سے تو تم مجھ کو سرداری بادشاہت کا لالچ دے رہے ہو مگر میں جانتا ہوں کہ تمہارے ساتھ لگنے میں میرا کتنا نقصان ہے۔ ناراضیٔ رب تعالیٰ اعمال کی بربادی عذابِ عتاب ناشکری کی سزا وغیرہ وغیرہ اور غور کرو کہ جب میں تمہارے اس شرکیہ راستے کو تمہارا خسارہ کہہ رہا ہوں بس اگر میں خود اس میں مبتلا ہو گیا فرض محال تو پھر تو میں دگنے تگنے خسارے میں ہوں گا۔ غیرَ تخسیر کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ نہیں الزام لگا سکتے تم مجھ پر سوائے اس بات کے کہ میں نے تم کو کہا ہے کہ تم اپنے اس شرک وکفر کی وجہ سے نرے گھاٹے میں ہو (کبیر۔ معانی۔ بیان۔ سراج منیر۔ جمل۔ صاوی) حضرت صالح کی یہ تبلیغ بہت بڑے میلے میں ہوئی تھی۔ حسب عادت مشرکوں نے معجزہ طلب کیا تو آپ نے فرمایا کون سا معجزہ مانگتے ہو تو ان کے سردار جندع بن عمرو نے کہا کہ اس کاثبہ نامی چٹان سے ایک موٹی تازی خوبصورت حاملہ اونٹنی پیدا ہو تب ہم سب آپ پر ایمان لائیں گے آپ نے ان سے پختہ وعدے لے لئے ان کے اس مطالبے کا ذکر سورۃ الشعراء میں ہے جب آپ نے یہ ایمان لانے کا وعدہ سب کفار سے لے لیا تب آپ نے نفلِ حاجت پڑھے اور اس معجزے کے عطا کی دعا مانگی رب نے قبول فرمالی دیکھتے دیکھتے اسی وقت چٹان پھولنا شروع ہوئی اور پھر پھٹی۔ جس میں سے جوان خوبصورت حسب مطالبہ دس ماہ کی حاملہ اونٹنی برآمد ہوئی تب حضرت صالح نے فرمایا وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَیَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ ـــ اور اے میری قوم یہ لو اپنا مطالبہ اللہ کی اونٹنی۔ اللہ کے ہونے کا مطلب یا یہ ہے شرافت اور فضیلت وعزت میں سب انسانوں سے بھی زیادہ ہے کیونکہ نبی کے معجزے اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ذریعے حیران کن طریقے سے آئی ہے یا یہ مطلب ہے کہ تمام جہان کی اونٹنیوں سے انوکھی بغیر ولادت بغیر عمر سے بڑھنے والی دس مہینے کی حاملہ اونٹ کا بچہ فوراً نکل کر جننے والی بغیر اونٹ کے ملے حاملہ ہے داس کا حمل بغیر باپ کے، لَکُمْ کا تعلق اگر نَاقَةُ اللّٰہِ سے ہے تو معنی یہ ہے کہ یہ اونٹنی تمہارے لئے ہے تم اس کے لئے نہیں یعنی یہ تم کو نفع اور فائدہ دے گی مگر تم نے اس کا کوئی انتظام نہیں کرنا تم کو اس کی کوئی مشقت نہیں کرنا پڑے گی اور اگر لَکُمْ کا تعلق اٰیَةً سے ہے تو معنی یہ ہیں کہ لو یہ میرا معجزہ ہے تمہارے لئے نشانی" قدرت ہے اب وعدے کے مطابق ایمان لاؤ۔ پس اس کی حالت پر اس کو چھوڑ دو یہ خود ہی اپنی غذا کھانا بھی پانی بھی حاصل کرتی رہے گی نہ اس کو باندھو نہ روکو نہ بھگاؤ نہ جھڑکو نہ اس کے غذا کی مشقت کرو یہ خود ہی درختوں کے پتے کھائے گی اور ایک دن کا سارا پانی کنوئیں تالاب کا پئے گی اور تم کو اتنا کثیر دودھ دے گی کہ تم سارے قبیلے سے ختم نہ ہو سکے گا وہ قبیلے والے پندرہ سو تھے ایک روایت میں نو سو تھے۔ یہ اونٹنی خود ہی کھا پی کر بازار میں آجاتی اور ہر گھر کے سامنے آجاتی گھر والا نکلتا اور دودھ دوہ لیتا سارے برتن بھر لیتا۔ جب آخری برتن بھر جاتا تو اونٹنی کو علم ہو جاتا خود ہی آگے چل جاتی یہاں تک کہ سارا قبیلہ دودھ حاصل کرتا اور جانے کی بھی لوگوں کو مشقت نہ کرنی پڑتی۔ نہ تلاش کرنا پڑتا نہ انتظار لوگ تندرست ہو گئے بچے اولاد موٹی تازی ہو

گئی دودھ بچ رہتا کمی نہ ہوتی اونٹنی سے فائدہ حاصل کرتے رہے مگر اپنے وعدے ایمان سے پھر گئے اور ایمان نہ لاتے۔ چند ماہ اسی طرح گذر گئے مگر چونکہ کافر قوم کا فر ہمیشہ کا فسادی ہے اس کو ایمان کی کوئی چیز گوارہ نہیں ہوتی خواہ اس میں کتنا ہی آرام کتنی ہی لذت و نفع کیوں نہ ہو۔ اسی فسادی طبیعت کی بنا پر حضرت صالح کا معجزہ بھی گوارا نہ ہوا تو اونٹنی کے خلاف مختلف سازشیں شروع ہوگئیں کبھی کہتے اونٹنی سارا پانی پی جاتی ہے۔ کبھی کہتے ہمارے کھیت کھا جاتی ہے حالانکہ یہ جھوٹ تھا۔ کبھی کہتے اس کے جسم سے بدبو آتی ہے کبھی کہتے اس سے ہمارے جانور ڈرتے ہیں۔ زیادہ تر یہی عذر تھا کہ یہ ایک دن کا سارا پانی پی جاتی ہے۔ ایک دن ہمارے لئے ہوتا ہے۔ یہ نہ سوچتے کہ پانی کے بدلے تم کو دودھ کتنا دیتی ہے۔ ان سازشوں کی بنا پر حضرت صالح نے احتیاطاً آگاہ فرمایا کہ خبردار اس اونٹنی کو برے ارادے سے ہاتھ بھی نہ لگانا۔ نہ مارنا نہ ستانا۔ نہ لاٹھی چھڑی چلانا ورنہ بہت جلدی تم کو عذاب پکڑے گا۔ اور اونٹنی سے زیادہ بلبلا کر مرو گے یہ خبر یا بوجہ علم غیب تھی یا بذریعہ وحی الٰہی تھی۔ قریب سے یا مراد دنیوی چند دن ہیں اور دنیا کا ہی عذاب ہلاکت مراد ہے یا مراد آخرت کے مقابل قریب۔ مگر پہلا قول درست ہے اگلی آیت کے مطابق ہے مگر وہ کب ماننے والے تھے جب انہوں نے پہلی تبلیغ اور اللہ رسول کو نہ مانا تو ایک اونٹنی کی کیا پرواہ کرتے اور پھر جب بدبختی سر پر سوار ہو تو عقل کب ساتھ دیتی ہے فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ؕ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ۔ پس ان سب نے اونٹنی کے ٹخنے کی پچھلی رگیں کاٹ دیں جس سے سارا خون بہہ گیا اور اونٹنی مر گئی اور اس کا بچہ جنگل میں غائب ہوگیا۔ یا پہلے کونچیں یعنی ٹخنے کی رگیں کاٹیں پھر ساتھ ہی گلا کاٹ کر ذبح کر دیا دونوں روایتیں ملتی ہیں۔ ذبح کرنے اور کاٹنے والا صرف ایک شخص قدار بن سالف تھا مگر چونکہ سب کفار کے مشورے اور حکم سے اس نے ایسا کیا اس لئے عقروا جمع فرمایا پھر گوشت بنا کر سب نے تقسیم کرکے کھا لیا کفار کی خباثت دیکھ کر انتہائی غم و غصہ و جلال کی حالت میں حضرت صالح نے فرمایا۔ کر لو عیش اپنے اپنے شہر یا اپنے گھروں یا اپنے ٹھکانوں علاقوں میں دار بنا ہے دَارَ یَدُوْرُ سے بمعنی بلا روک ٹوک پھرنا۔ چونکہ انسان اپنے گھر اپنے شہر اپنے علاقے میں بلا رکاوٹ پھرتا ہے اس لئے حقیقتاً گھر اور مجازاً شہر و علاقے کو دار کہہ دیا جاتا ہے۔ عرب کا عام محاورہ ہے کہ شہروں کو دیار کہا جاتا ہے جیسے کہ دیار مدینہ دیار بکر صرف تین دن۔ بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ۔ اونٹنی کا ذبیحہ چھپ کر بدھ کی رات کو ہوا تھا۔ اور یہ چھپنا حضرت صالح کے خداداد رعب اور ہیبت سے تھا۔ اگرچہ صالح علیہ السلام اکیلے ہی تھے مگر رعب و جلال کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے سردار خوشامدی بنے رہتے تھے منہ اٹھا کر بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی تھی اور کچھ خاموشی اور حق پرستی کا بھی رعب تھا صبح کو حضرت صالح نے یہ ہیبت ناک خبر سنا دی۔ یہ تین دن بھی ان کے آرام کے نہ گزرے بلکہ یہ خبر سنتے ہی ان کے رنگ پیلے پڑ گئے دوسرے دن سب کے رنگ انتہائی سرخ ہو گئے تیسرے دن وہ سرخی گہری ہوتی ہوتی انتہائی سیاہی میں تبدیل ہو گئی۔ آپ نے ساتھ ہی یہ فرما دیا تھا کہ وہ عذاب اب ایسا وعدہ یعنی وعید تمہارے حق میں اور وعدہ میرے حق میں بنا

چکا ہے کہ غَيْرُ مَكْذُوبٍ ہے۔ ٹلنے والا نہیں۔ نہ تم اس سے بھاگ سکتے ہو۔ نہ کوئی بت تم کو بچا سکتا ہے۔ اور جھٹلانے سے جھٹلایا ہوا نہیں ہو سکتا۔ نہ اس میں جھوٹ کا کوئی امکان رہا۔ مکذوب کذب سے بنا معنی باطل۔ یا متخلف۔ یا غلط یہ خبر حضرت صالح علیہ السلام کے غیب کو ثابت کرتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء کرام بھی رب تعالے سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ ان کے ایمان کی نشانی ہے۔ جس کے پاس جتنا زیادہ مضبوط ایمان ہوگا اتنی ہی اس کو خشیت الٰہی زیادہ ہوگی خوف خدا تعالیٰ مومن کا زیور اور روح کا حسن ہے۔ قلب کی چمک ہے۔ جب انبیاء و مرسلین ہیبت الٰہی میں مگن ہیں تو ما و شما کس شمار میں۔ یہ فائدہ فَمَنْ يَنْصُرُنِي الخ کی پوری عبارت سے حاصل ہوا میدان محشر میں کافر خشیت الٰہی سے لرزاں ہوگا مگر مومن خشیت الٰہی میں مگن **دوسرا فائدہ** پچھلے انبیاء کرام کے معجزات دنیا میں ظاہر ہوتے اور ختم ہو گئے بلکہ انبیاء کرام کی موجودگی میں ہی ختم ہو گئے لیکن ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ نہیں بلکہ ہزاروں سینکڑوں معجزے اب تک ظاہر ہیں مثلاً قرآن مجید۔ اذان۔ کلمہ۔ نماز۔ حج۔ اولیاء اللہ علماء اسلام کا وجود بھی معجزہ ہے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ یہ فائدہ ذٰلِكَ وَعْدٌ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انبیاء کرام کو رب تعالے قدرتی رعب و ہیبت عطا فرماتا ہے کافر کتنے تعدادی ہوں مگر خوف زدہ مرعوب رہتے ہیں اور نبی خواہ اکیلا ہی ہو مگر ہزاروں کے سامنے نہایت جرأت سے کلام فرماتا ہے اس کی وجہ ایک یہ بھی ہے کہ ان کو خوف خدا بہت ہوتا ہے۔ انبیاء کے صدقے جس مومن کو جتنا خوف خدا زیادہ ہوگا اتنا ہی اس کا رعب زیادہ ہوگا اور لوگوں کے دلوں میں اس کا وقار بڑھتا جاتے گا۔ انسان تو انسان جانور بھی مرعوب ہوں گے شیخ سعدی نے فرمایا

شعر
تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

یہ فائدہ فعقروا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** انبیاء کرام غیب جانتے ہیں یہ فائدہ ثلثۃ ایام کی پیشگی خبر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** انبیاء کرام جو بات کرتے ہیں نہایت پکی سچی اور درست و مضبوط ہوتی ہے بلکہ خدائی بات ہوتی ہے بخلاف جھوٹے نبی کے کہ اس کی ہر بات غلط اور جھوٹی ہوتی ہیں۔ جیسے کہ مرزا قادیانی کی سب خبریں بکواس ثابت ہوتی رہیں یہ فائدہ غَيْرُ مَكْذُوبٍ بعد میں ٹھیک وقت پر عذاب آنے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** حضرت صالح نے فرمایا اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ اگر حقانیت پر ہوں حرف اِنْ شک کے لئے آتا ہے شک کرنا دینی باتوں میں منع ہے اور حضرت صالح نبی ہیں اللہ کے نبی کو اپنی سچائی کا یقین ہونا چاہیئے تو یہاں شک والا حرف کیوں بولا گیا؟ **جواب** یہاں حرف اِنْ شک کے لئے نہیں آیا بلکہ ان کفار کی رائے لینے کے لئے آیا ہے اور ان کو حقیقت حال پر غور کرانے سمجھانے کے لئے آیا ہے کہ یہ طریقہ سمجھانے کا بہتر تھا۔ اور آسان تھا۔ اور اگر شک کے لئے بھی ہو تو شک کی نسبت کفار کی طرف ہے نہ کہ حضرت صالح کی طرف۔ مشفقانہ تبلیغ کا یہ ہی طریقہ ہوتا ہے **دوسرا اعتراض** جب صالح علیہ السلام نے

عذاب کی خبر دی تو انہوں نے حضرت صالح سے علامات عذاب پوچھیں جیسے کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں تب حضرت صالح نے ان کو بتایا کہ پہلے دن کفار کے منہ پیلے ہوں گے دوسرے دن سرخ تیسرے دن سیاہ ہوں گے چوتھے دن عذاب سے ہلاک ہوں گے۔ تو جب یہ علامات مطابق فرمان ظاہر ہوئیں اس وقت وہ لوگ اپنے کفر پر مصر کیسے رہے مائل بہ ایمان کیوں نہ ہوتے **جواب**: اس کا جواب اوّلاً تو وہ ہے جو تفسیر میں بتایا گیا کہ یہ علامات کسی نے پوچھی نہیں تھیں نہ حضرت صالح نے بتائیں تھیں بلکہ خود بخود ان کے چہروں یا سارے جسموں پر ظاہر ہوئیں۔ یا یہ واقعی علامات عذاب تھیں یا اس خبر کی دہشت سے ان کے یہ حال ہو گئے تھے ظاہراً اپنی حالت کو خوش باش دکھانا چاہتے تھے مگر قلبی ہیجان ان کی شکلوں کے متوحش ہونے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ ثانیاً جواب وہ ہے جو تفسیر کبیر نے دیا کہ جس طرح کفار نے حضرت صالح کی پہلی نصیحت اور وعظ کا اعتبار نہیں کیا تھا اسی طرح اس خبر عذاب اور نشانیوں پر بھی ان کو اپنے سختیٔ کفر کی بنا پر یقین نہیں آیا تھا۔ مذاق میں ٹالتے رہے۔ یہاں تک کہ چوتھا دن ہوا تب کچھ مائل ہوتے اور گڑگڑاتے مگر اب ایمان بیکار تھا۔ **تیسرا اعتراض** تفسیر سے اور قرآن مجید کی دوسری آیات سے معلوم ہوا کہ ناقہ صالح معجزہ تھی۔ تو معجزہ کفار نے کیسے مٹا دیا۔ جبکہ عصائے موسوی کو اسّی ہزار جادوگر نہ مٹا سکے **جواب** اونٹنی کا نکلنا معجزہ تھا نہ کہ اس کا جسم گوشت پوست ہڈی چمڑہ۔ اگر سب کچھ معجزہ ہوتا تو دودھ بھی نہ پیا جا سکتا۔ بخلاف عصاء موسوی کے کہ جب وہ سانپ بنتی تھی تو جسماً معجزہ ہوتی تھی۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ مِنْهُ رَحْمَةً فَمَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ اِنْ عَصَيْتُهٗ فَمَا تَزِيْدُوْنَنِيْ غَيْرَ تَخْسِيْرٍ ۔ شعور صالح نے فرمایا اے میری قوم ذہن وخیال شک تردّد قلق واضطراب میں نہ پڑو بہ نظر تدبریہ دیکھو کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے مشاہدات ظاہرہ اور منزل نظارۂ جمال پر ہوں اور اس ذات کریم مربیّ خلائق ظاہری و باطنی نے مجھ کو اپنی طرف سے رحمت مکاشفات عطا فرمایا ہو تو اگر میں اس کے حکم عرشی عبادت فرشی سے منہ موڑوں نافرمانی کروں تو کون عذاب فراق اور عتاب حجاب سے مجھ کو بچا کر وصل کے دامنوں سے ملا کر میری مدد کرے گا۔ یہ لذات وصل اگر وادی بُعد میں گم ہو گئیں۔ بسط کے بعد قبض کے اندھیرے چھا گئے تو کون ہاتھ پکڑنے والا ہے تم تو خود ڈوبے جا رہے ہو میرا بھی سوائے خسارے اور گھاٹے نقصان نہ بڑھاؤ گے اے وطن قالب کے ہم وطنوں۔ خیر خواہ کی باتوں میں شک تردد قلق واضطراب نہ کرو کیونکہ شک و تردد کا قران ازلی کا کام ہے اور قلق اور پریشانی واضطراب فاسقوں کا کام ہے جب حق ظاہر ہو جاتا ہے تو حق سے منہ پھیرنا صرف گمراہی و ذلت و رسوائی ہی ہے تم صرف باتوں سے نہیں مانتے اور مجھ سے نشانی حقیقیہ کے ہی طالب ہو تو وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ قَرِيْبٌ ...... اے دماغ پُر فتوری میری قوم ثمود مغرور یہ بے مرکّبِ ضمیرِ روحانیات اللہ کے زیر حکم چلنے والی تمہارے لئے بڑی نشانی اس کے راستے میں عقل کے

پھندے فریب کی رکاوٹیں نہ کھڑی کرنا بلکہ اس کو میدان جسدی میں کھلا پھرنے دینا کہ نعمات الٰہیہ کے کھیتوں سے نور کے خوشے چرتی پھرے اور لذات کے کنوؤں چشموں تالابوں سے سیراب ہوتی رہے۔ اس کو بے غیرتی کی برائی سے مت چھونا۔ ورنہ اے ذخیرۂ غور و فکر تم کو بے عقلی کا عذاب ایسا پکڑے گا جو قریب ہی ہوگا یہ ناقۂ ضمیر انسانی قربِ خدا سے مختص ہے۔ اس کی اطاعت میں سرشار ہے۔ اے ثمود دماغ تیرا پینا قوت عقل و عمل سے ہے لیکن ضمیر ناقۃ اللہ کا مشرب اور پینا عقل نظری و کشف فطری سے ہے تم پیتے ہو تو فسق و فجور کا بول و براز بنتا ہے یہ ضمیر قلبی پیتی ہے تو نور مشاہدات کا دودھ بنتا ہے۔ جس سے تمہاری فکروں کے برتن بھر سکتے ہیں۔ یہی شیر انوار علوم معرفت اخلاق فطری کا گنجینہ ہے شریعت و آداب کے مکھن یہیں سے نکلیں گے۔ یہ خود بدن شعور سے نکلی ہے جو ایک عجیب خرق عادت ہے فَعَقَرُوْهَا فَقَالَ تَمَتَّعُوْا فِیْ دَارِكُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ ذٰلِكَ وَعْدٌ غَیْرُ مَكْذُوْبٍ ۔ باوجود ہر طرح کی مصیبت و تکلیف وذلت و خواری سے آگاہ کرنے کے پھر بھی نفسِ خود سر کے حکم سے دماغِ پُر غرور نے ضمیر کو مردہ کر دیا تب شعورِ صالح نے فرمایا کہ اے ایمان کے وعدے سے پھرنے والی ثمودِ دماغ و عقلیات اپنے پنجرہ جسدی کے دار فنا میں چند سانس نفع لے لے تین دن یومِ غفلت یومِ ذلت یومِ حسرت پھر ہلاکتِ قبض کا دن ہے وہ دوریِ رحمت کا عذاب ایسا یقینی وعدہ ہے کہ جس کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں اہلِ شر ظاہری عقل و خرد کے باوجود جاہلِ بحر و بر ہیں ان کی عقلیں جہالت کے ایسے کام کر لیتی ہیں جس کا خمیازہ بھگتنا پڑتا ہے۔ یہ اس لئے ہوتا ہے کہ دنیوی خرد حقیقت کا پردہ ہے اور حقیقتُ الْاَمر سے حجاب ہونا جہالت ہے اور جہالت سے بڑھ کر کوئی بیماری نہیں۔ دنیا مسکن نفس ہے دماغ کا مقر ہے مگر یہاں سے آخر مفر ہے صرف تین دن لذت فنا کا نفع ہے پہلا یوم جہالت ہے جس میں شرمندگی کی زردی ہے دوسرا دن یوم غفلت ہے جس میں خوف کی سرخی ہے تیسرا دن یومِ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ ہے جس میں ہلاکتِ سیاہی ہے۔ دماغ کی ساری عقلی گتھیاں فریب کاری کے جال فنا میں صرف عذاب کو بقا ہے پس عاقل شعور پر واجب کہ مُہرِ عذاب لگنے سے پہلے معرفتِ الٰہی سے جہالت کے عذاب کو اور بیداریِ چشم بصیرت سے غفلتِ دماغ و نفس کو زائل کر دے کیونکہ حجاب کے بعد پھر اُس کا علاج ناممکن ہے۔ اس بارگاہِ صمدیت میں اگر نورِ جمال ہے تو نارِ جلال بھی ہے دماغ کو شعورِ باطنی کے ماتحت کر دو ورنہ دائمی عذابِ فراق کی نار میں جلنا ہے (تفسیر روح البیان۔ تفسیر عرائس البیان مع زیادت)

فَلَمَّا	جَآءَ	اَمْرُنَا	نَجَّیْنَا	صٰلِحًا	وَّالَّذِیْنَ	اٰمَنُوْا

تو جب کہ آیا امر ہمارا نجات دی ہم نے صالح کو اور ان کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے

پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے صالح اور اس کے ساتھ کے

مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ

سے رحمت طرف سے ہماری اور سے ذلت اس دن . بے شک رب تمہارا

مسلمانوں کو اپنی رحمت فرما کر بچا لیا اور اس دن کی رسوائی سے بے شک تمہارا رب

هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ﴿٦٦﴾ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ

وہ طاقت والا غالب ہے ۔ اور پکڑ لیا ان کو جو ظالم ہوئے چیخ نے تو صبح کی انہوں

قوی عزت والا ہے اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آ لیا

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿٦٧﴾ ۙ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ

نے بیں گھروں اپنے اسے . گویا نہیں عیش کی انہوں نے بیں گھروں خبردار

تو صبح اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے گویا کبھی یہاں بسے ہی نہ تھے

اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ ؕ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ﴿٦٨﴾ ع

بے شک ثمود کافر ہوئے رب اپنے کے خبردار دور کار ہو کو ثمود

سن لو بے شک ثمود اپنے رب سے منکر ہوئے ارے لعنت ہو ثمود پر

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ

اور البتہ بے شک آئے پیغام والے ہمارے ابراہیم کے پاس ساتھ خوشخبری بولے سلامتی

اور بیشک ہمارے فرشتے ابراہیم کے پاس مژدہ لے کر آئے بولے سلام

قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿٦٩﴾

ہو وہ بھی بولے سلامتی ہو تو نہ ٹھیرے کہ لائے کو بچھڑا بھنا

کہا سلام پھر کچھ دیر نہ کی کہ ایک بچھڑا بھنا لے آئے

تعلق اس آیت کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت صالح کے مناظرے مکالمے اور دینی تبلیغ کا ذکر ہوا تھا اور کفار کی ضد۔ ہٹ دھرمی۔ عناد اور گستاخیوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان گستاخیوں کا خمیازہ بھگتنے اور برے انجام کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کفار کی سرکشیوں کا ذکر ہوا کہ انہوں

نے ناقۂ صالح کو شہید کر کے اور حضرت صالح کا مقابلہ کر کے یہ سمجھ لیا کہ ہم کفار بہت قوی ہیں ہمارا کوئی نہیں بگاڑ سکتا۔ یہ درپردہ حقانیت نبوت کو چیلنج تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ رب قادر و قیوم نے اس چیلنج کو قبول فرما کر عصمت نبوت اور قوت نبی کو کائنات پر ثابت کر دکھایا اور بتا دیا کہ اے کافرو تم قوی نہیں بلکہ اللہ ہی قوت و طاقت والا ہے **تیسرا تعلق** قوم ثمود نے صالح علیہ السلام کی نبوت اور حقانیت میں ظاہراً شک کیا تھا۔ جس کو دور کرنے کے لئے پچھلی آیات میں صالح علیہ السلام نے دو مضبوط دلیلیں پیش فرمائی تھیں ایک دعوت غور و فکر دوسری دلیل اونٹنی کا معجزہ مگر ان لوگوں نے دونوں دلیلوں کو نہ مانا۔ تو اب اس جگہ تیسری دلیل کا ذکر کیا جا رہا ہے جو خود رب تعالیٰ نے اقوام عالم کے سامنے پیش فرمائی کہ عذاب سے حضرت صالح اور مومن محفوظ رہے یہ بھی ان کی حقانیت کی دلیل ہے۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِىٕذٍ ۔ فاءِ تعقیبیہ جاءَ فعل ماضی مذکر اَمْرُ مرفوع اس کا فاعل نا ضمیر جمع متکلم بحالت مبنی ہے مراد عذاب نَجَّیْنَا باب تفعیل کا ماضی آخری صیغہ صالِحًا بحالتِ زبر مفعولیت کی بنا پر معطوف علیہ ہے واؤ حرف عطف اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کے لئے اٰمَنُوْا فعل ماضی جملہ فعلیہ صلہ ہے اَلَّذِیْنَ موصول کا مَعَهٗ مع ظرفیت کے لئے اگر اس کا تعلق نَجَّیْنَا سے ہو تو مع بمعنی ساتھ اگر اٰمَنُوْا سے ہو تو مع بمعنی علیٰ یعنی ان پر ایمان لائے بِرَحْمَةٍ باء سببیہ رحمۃ بمعنی کرم تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑے کرم سے مِنْ جارہ بمعنی قِبَل یعنی طرف سے نا ضمیر کا مرجع ذات رحمٰن الرحیم واؤ عاطفہ اگلی عبارت خِزْیِ معطوف ہے اور معطوف علیہ نَجَّیْنَا کا پوشیدہ مفعول اول ہے خزیٌ مصدر بمعنی اسم فاعل مضاف ہے اس کا مضاف الیہ یوم ہے لفظ یوم مضاف ہے اذ ظرفیہ مبنیہ کی طرف بعض نحاۃ مرکب اضافی کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے اس کو ایک سمجھ کر یَوْمَ کو مبنی کرتے ہوئے نصب دیتے ہیں اس کے بدلے اذ کو اضافت کا زیر دیا۔ بعض نحاۃ اصل کو دیکھتے ہوئے ہر دو کو جدا مانتے ہیں وہ یوم کو اضافت کا زیر دیتے ہیں اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ ۔ لفظاِنَّ ابتدائیہ ہے اس لئے بکسر ہمزہ ہے وجہِ عذاب کے لئے رَبَّكَ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع نبی کریم ہیں هُوَ ضمیر بدو وجہ مرفوع ہے۔ بلحاظ ماقبل خبر اِنَّ ہے۔ بلحاظ مابعد مبتدا الْقَوِیُّ بروزن فعیل ہے صفت مشبہ مرکب توصیفی العزیز اس کی صفت ہے ہر دو خبر مبتدا وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ۔ واؤ سر جملہ اَخَذَ فعل ماضی دراصل تھا اَخَذَتْ تاءِ تانیث دو میں سے ایک وجہ سے گر گئی یا تو اس لئے کہ اس کا فاعل صیحۃ مونث لفظی مجازی ہے اس کے لئے مذکر فعل بھی آسکتا ہے جیسے طَلَعَتْ وَطَلَعَ الشَّمْسُ اور یا اَلَّذِیْنَ مفعول بہ کے فاصلے کی وجہ سے ظَلَمُوْا فعل ماضی اَلَّذِیْنَ کا صلہ ہے اَلصَّیْحَةُ صَیْحٌ مصدر بمعنی مبالغے کا مونث ہے بمعنی چیخ چنگھاڑ۔ انسانی بلند آوازی کو اردو میں چیخ کہا جاتا ہے حیوانی بلند آواز کو چنگھاڑ کہا جاتا ہے بوجہ مشابہت برعکس مستعمل ہے یہاں چنگھاڑ مراد ہے فَاَصْبَحُوْا

فا سببیہ ہے اَصْبَحُوْا فعل ماضی صُبْحٌ سے مشتق فعل ناقصہ زمانی ہے یعنی بوقت صبح عذاب آیا اور فوراً ہلاکت ہوئی فی ظرفیہ دیار جمع ہے دار کی مراد چار دیواری جٰثِمِیْنَ جَثْمٌ سے بنا اسم فاعل بصیغہ جمع ہے لغتاً معنیٰ ہے گھٹنوں کے بل اوندھے گرنا بشکل سجدہ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا۔ كَاَنْ کاف تشبیہ اَنْ کے ساتھ مل کر بنا ہُمْ ضمیر اسم اَنْ پوشیدہ ہو گیا بدیں وجہ اَنْ کا شدّ گر گیا اور ساکن ہوا لَمْ یَغْنَوْا نفی جحد بلم بمعنی ماضی غنیٌ سے بنا بمعنی عیش سے رہنا یہاں مراد ہے مطلقاً قیام فی ظرفیہ ھَا کا مرجع دیار اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَاۡ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ - اَلَا حرفِ تنبیہ اِنَّ حرفِ تحقیق ثَمُوْدَ یہ اس قوم کے جد اعلیٰ کا نام اس اعتبار سے یہ عجمی عَلَم ہے لہٰذا غیر منصرف اب یہ قوم کا نام ہے لہٰذا منصرف بدیں وجہ بعض نے زبر پڑھا بعض نے زیر كَفَرُوْا یہ جملہ خبر اِنَّ ہے رَبَّهُمْ رب بمعنی اللہ تعالیٰ هُمْ ضمیر جمع کا مرجع ثمود قوم ہے جو معنیً جمع ہے اگرچہ لفظاً واحد ہے۔ اَلَا یہ جملہ یا خبریہ ہے یا انشائیہ ہے اگر انشائیہ ہے تو بددعا ہے بُعْدًا بمعنی رحمت سے دوری مصدر مفعول مطلق ہے۔ معنی مصدری ہیں استمرار ہے لِثمود لام جارہ بمعنی مفعولیت وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِیْمَ بِالْبُشْرٰی واؤ استینا فیہ کہ نیا قصہ شروع ہوا لام تاکید قَدْ جَآءَتْ ماضی قریب بمعنی بے شک رُسُل جمع ہے رسول کی بمعنی قاصد جمع مکسّر کی وجہ سے جآءت مؤنث ہوا۔ نا سے مراد اللہ تعالیٰ ابراہیم عجمی علم ہے غیر منصرف ہے بحالت نصب ہے دراصل تھا اِلٰی ابراہیم حرف جر محذوف ہوا بالبشریٰ با بمعنی مع بشریٰ بروزنِ فُعلیٰ مصدر ہے بمعنی بشارت خوشخبری نہ کہ بروزن دنیا۔ قَالُوْا سَلٰمًا۔ قَالُوْا کا فاعل رُسُل ہے سلامًا مفعول مطلق ہے فعل محذوف کا یہ مقولہ جملہ فعلیہ ہے۔ قَالَ سَلٰمٌ قَالَ کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں سَلٰمٌ مصدر مبتدا ہے اس کی خبر پوشیدہ ہے دراصل تھا سَلٰمٌ دَآئِمٌ عَلَیْكُمْ یہ جملہ اسمیہ ہے اس میں دوام پایا جاتا ہے۔ تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑا سلام فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِیْذٍ فا تعقیبیہ مَا لَبِثَ فعل ماضی منفی لُبْثٌ سے مشتق ہے بمعنی دیر کرنا ٹھہرنا سوچنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں اس کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اَنْ مصدریہ مفعول بہ پورے جملے کے ساتھ جَآءَ فعل ماضی لا و جارہ متعلق ہے جآءَ عِجل گائے کا مذکر بچہ قریب جوانی کے حَنِیْذ بروزن فعیل بمعنی مفعول جیسے قتیل بمعنی مقتول مراد پتھر کو بطور تَوا استعمال کر کے اس پر تلا ہوا خود اپنی ہی چربی میں۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْیِ یَوْمِىٕذٍؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِیُّ الْعَزِیْزُ تو اس غافل ناشکری قوم پر جب آیا ہمارا عذاب یا فیصلۂ عذاب بچا لیا ہم نے اپنے پیارے بندے صالح کو اور ان کے صحابہ کو جو ایمان لا چکے تھے۔ یا جو ان پر ایمان لا چکے تھے۔ یا جو ایمان والے ان کے ساتھ رہتے تھے۔ یہ تین تفسیریں اس لئے ہیں کہ مَعَهٗ کا تعلق یا نَجَّیْنَا سے ہے یا اٰمَنُوْا سے یا صالحًا سے اگر اٰمَنُوْا سے تعلق ہے تو مع بمعنی علیٰ ہے یعنی صالح پر ایمان لاتے اور چونکہ نبی پر ایمان لانا ہی خدا تعالیٰ پر ایمان لانا اس لئے مَعَهٗ فرمانا درست ہے۔ اس تعلق میں مع اپنے معنی میں نہیں ہو سکتا کیونکہ معیت زمانی نبی اور امتی کے ایمان میں محال ہے اگر اس مَعَهٗ ظرف و مظروف کا تعلق نَجَّیْنَا سے مانا جائے تو نجات میں معیت زمانی و مکانی درست ہے کیونکہ حقیقت کے مطابق ہے اگر مَعَهٗ کا تعلق صالحًا

سے مانا جائے تو مطلب ہے کہ ان کے ساتھی مسلمان۔ اعلیٰحضرت قدس سرہٗ اور حکیم الامت نے یہ ہی معنیٰ مراد لئے۔ (کنزالایمان ونورالعرفان) بچایا ہم نے اپنی رحمت کے ذریعے جو خاص ہماری طرف سے تھی بغیر کسی استحقاق کے۔ بڑی عظیم رحمت سے۔ تنوین تعظیمی ہے۔ بعض نے کہا کہ رحمت بنسبت صالح علیہ السلام سے مراد نبوت ہے اور باعتبار مومنین کے ایمان ہے مگر یہ قول قوی نہیں۔ مراد کرم خداوندی ہی ہے اور بچا لیا ہم نے ان سب کو اس ذلت یا پریشانی یا رسوائی سے یا اس طرح کہ وہ عذاب ان مومنوں کو نہ دکھایا نہ سنایا۔ تاکہ اس ہیبت ناک منظر کو دیکھ کر نہ گھبرائیں نہ پریشان ہوں۔ یا اس طرح کہ جس عذاب سے بچایا وہ شرائط خزی اور رسوائی والا تھا۔ اس کی وجہ سے وہ دن بھی وہ گھڑیاں وہ ساعتیں بھی بری ہو گئی تھیں ہم نے پورے دن سے ان کو روپوش کر کے بچا لیا۔ اور اس طرح کرنا اللہ کے لئے کچھ مشکل نہیں کیونکہ بے شک اے پیارے حبیب آپ کا رب وہی بہت قوت والا ہے کہ عذاب آیا کفار کو مٹایا۔ اور گزر گیا۔ مومنین ذکر الٰہی میں اس طرح مخمور ہوئے کہ ان کو پتہ بھی نہ لگا۔ یہ سب اس کی قوت و قدرت کے کرشمے ہیں اور یہی عذاب کفار پر اس طرح دندناتا ہوا آیا کہ کوئی اس کو روک نہ سکا۔ کیونکہ بھیجنے والا عزیز و غالب ہے دشمنوں پر۔ اس جملے میں پہلے عذاب یا اس کے فیصلے آنے کا ذکر کیا پھر نجات کا اس کے بعد آئندہ آیات میں عذاب کی نوعیت کا ذکر ہوا اس لئے کہ نجات مومنین زیادہ اہم ہے ہلاکت کفار سے۔ کچھ مفسرین فرماتے ہیں کہ وَمِنْ خِزْيِ سے پہلے نَجَّيْنَا پوشیدہ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلے نَجَّيْنَا پر عطف ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ معطوف علیہ کسی کو بنایا نہیں جا سکتا۔ مِنْ کو متعلق بنایا جا سکتا ہے کیونکہ واؤ موجود ہے۔ اس لئے ایک نَجَّيْنَا پوشیدہ ماننا زیادہ درست ہے۔ واؤ ابتدائیہ بن جائے گی۔ جنہوں نے پہلے نَجَّيْنَا پر متعلق مانا ہے وہ کہتے ہیں کہ واؤ زائدہ ہے مگر یہ بصریوں کے خلاف ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ واؤ کا زائدہ ہونا ناجائز ہے (الانصاف) ایک قول ہے کہ خزی سے مراد عذاب آخرت ہے اور مقصد کلام ہے کہ یہاں بچنا علامت ہے وہاں کے عذاب سے بچنے کی۔ تب یہ کلام تشبیہی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ خزی سے مراد شرمندگی ہے کہ اگر چوتھے دن عذاب نہ آتا تو مسلمانوں کو اور صالح علیہ السلام کو کفار کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا۔ وہ مذاق اور خوشی سے تالیاں بجاتے۔ لیکن چونکہ ہمارے نبی کی زبان پاک سے نکل چکا تھا کہ تین دن بعد عذاب آئے گا ہم نے اپنے سارے قانونوں کو توڑ کر نبی کی بات رکھ لی اور اس دن کی رسوائی سے بچا لیا کیونکہ ہم کو جہان یا جہان کا قانون پیارا نہیں ہم کو تو اپنا نبی پیارا ہے۔ قانون تو نبی کی اداؤں سے بنتے ہیں۔ ع

جو شب کو کہہ دیا دن ہے تو دن نکل آیا
جو دن کو کہہ دیا شب ہے تو۔ رات ہو کے رہی

یہ تو تھی ہمارے نبی اور ان کے صدقے مومنوں کی نجات کا ذکر۔ ہم نے کافروں کو کیسے مارا۔ صبح ہی کا وقت تھا کہ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ اور پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے اپنی جانوں یا اپنے ساتھی کافروں کو گمراہ کر کے ان کی جانوں پر یا مسلمانوں غریبوں پر ظلم کیا تھا وہ ایک روایت کے مطابق چار ہزار تھے اتنے ہی ان کے مومن ہو گئے تھے (صاوی) کڑک دار چیخ نے جو ہیبت میں چنگھاڑ کی مثل تھی یا حضرت جبرئیل کی آواز تھی یا آسمان کی طرف سے

بجلی کی کڑک کی طرح تھی جس کی گونج ایسی تھی کہ ہر طرف سے بجلیوں کے کڑکے معلوم ہوتے تھے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت
جبرئیل علیہ السلام نے آسمان کی طرف سے ایک ہی چنگھاڑ ماری وہ گونج کی صورت میں کئی طرف سے آئی اور آناً فاناً
تمام کفار کو ختم کر دیا۔ اس چیخ سے زلزلہ بھی پیدا ہوا اس لئے اس کو رَجْفَۃ کہا گیا ہے۔ جیسا کہ اعراف میں ہے فَاَخَذَتْهُمُ
الرَّجْفَةُ ۔ یعنی اتنی سخت چیخ تھی کہ زمین بھی دہل گئی تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کافر ان تین دنوں میں خوف سے اپنے گھروں
سے نہ نکلے بلکہ قبر نما گڑھے کھود لئے تاکہ اس میں چھپ جائیں قدرت نے خود ان سے ان کی قبریں کھدوا لیں کہ مسلمان کہاں تک
ان کو دفن کریں گے نہ کریں تو تعفن پھیل جاتے جب چوتھا دن ہوا تو سورج نکلنے تک کوئی عذاب نہ آیا سب خوشی خوشی مذاق اور
دل لگی کرتے ہوئے گھروں سے باہر نکل آئے تو یکدم حضرت جبرئیل اپنی اصلی ہیبت ناک شکل میں نمودار ہوئے سر آسمان تک
بہت سے پر پر سفید دانت پروں میں مختلف رنگ اس خطرناک شکل کو دیکھ کر پھر الٹے پاؤں گھروں کو بھاگے اور ان ہی قبر نما
گڑھوں میں جا گھسے تب چیخ آئی تو سب کے سب ایک دم مر گئے اور زلزلے سے تمام مکانات ایسے گر گئے کہ وہ بستی ایک ویران
میدان چٹیل نظر آنے لگے۔ صرف مسلمان اپنے مکانوں میں محفوظ رہے۔ اس قول میں یہ عذاب اشراق کے وقت آیا۔ جب عذاب ختم
ہوا مسلمان اس بستی سے باہر آئے تو دیکھا کہ اَصْبَحُوْا صبح ہی صبح اوندھے پڑے ہوئے ہیں فِیْ دِیَارِهِمْ اپنے گھروں میں دیار جمع ہے
دار کی۔ اصلی معنی میں ہے یعنی گھروں میں جَاثِمِیْنَ جُثُمٌ سے اسم فاعل ہے۔ یعنی اس طرح اوندھے پڑے تھے جس طرح خرگوش پڑے
ہوتے ہیں پیر نکال کر۔ کچھ لوگ سمجھے شاید زندہ ہیں مگر حرکت نہیں کرتے قریب جا کر معلوم ہوا کہ مردہ ہیں۔ اس میں اختلاف ہے کہ تعداد
کفار کتنی تھی بعض نے کہا پندرہ سو تھی بعض نے نو سو بعض نے چار ہزار بتائی ہے۔ بعض نے کہا کہ مسلمانوں کی تعداد چار ہزار اور
کافر پندرہ سو تھے۔ بعض نے کہا کہ قوم ثمود آٹھ ہزار نفر پر مشتمل تھی۔ ان میں مطابقت اس طرح ہو سکتی ہے کہ مکانات پندرہ سو تھے
ان میں آٹھ ہزار افراد قوم ثمود تھے جن میں صرف امراء و سردار نو سو تھے (بیان وصاوی) عذاب کے بعد اکثر مردے مٹی پتھر میں دفن
ہو چکے تھے کچھ ظاہر رہ گئے جن کو دیکھ کر ان کی موت کا طریقہ و کیفیت معلوم ہوئی۔ دور سے دیکھنے سے معلوم ہوتا تھا بڑے
سکون سے پڑے ہیں۔ کبیر نے فرمایا کہ ہوا بھی تیز تھی۔ مطابقت اس طرح ہے پہلے چیخ آئی جس سے سب کا فریک لخت مر
گئے پھر اس چیخ کی سختی سے زلزلہ آیا جس کے جھٹکے سے مکانات گرے پھر ہوا نے ان پر مٹی ڈال کر ایسا برابر کر دیا کَاَنْ لَّمْ
یَغْنَوْا فِیْهَا۔ گویا وہ قوم یہاں کبھی آبادہی نہ تھی۔ یَغْنَوْ۔ غَنْوٌ یا غَنِیٌّ سے بنا ہے جس کا معنی عیش کرنا امیر دولت مند کو غنی اسی لئے
کہتے کہ اپنے اختیار سے عیش کرتا ہے۔ یہاں مراد زندگی گزارنا ہے اَلَآ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ ۔ غور کرو
کہ بے شک قوم ثمود نے کتنا سخت اپنا نقصان دائمی کیا کہ اپنے رب کا کفر کیا۔ اس طرح کہ اس کی وحدانیت کا لاشریک ہونے کا انکار
کیا اس کے پیارے نبی کی گستاخی کی۔ پس اے موجودہ لوگو تم کو تنبیہ اور ڈرانا عبرت دلانا اور آئندہ نسلوں کو یہ خبریں سنا کر
ایسے ظلموں کفروں سے بچانا۔ غور کرو کہ کیسی حلاکت ہوئی ثمود کی۔ یا سوچو کہ کیسی بد دعائیں ملیں انہیں ہر طرف سے یہ کہ تباہی
ہو ثمود کی یا دائمی عذاب ہو اس کو یا رحمت سے دوری ہو ابد الآباد تک اس بدبخت قوم کو ان کے کفر خدا اور تکذیب نبی

اور استہزا مومنین۔ عقر ناقہ کی وجہ سے روایت ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہ غزوۂ تبوک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ فرمایا اے لوگو انبیاء کرام سے زیادہ مطالبے ٹھیک نہیں۔ دیکھو قوم ثمود نے مطالبہ کر کے اونٹنی حاصل کی پھر اس کی وجہ سے عذاب آیا۔ یہ تین قصے ہوئے جن میں اللہ کے رسل فرشتے عذاب لے کر آتے چوتھا قصہ اس طرح ہے کہ۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرَاهِيمَ بِالْبُشْرَىٰ قَالُوا سَلَامًا قَالَ سَلَامٌ فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ اور البتہ بے شک آئے ہمارے پیغام والے فرشتے خوبصورت لڑکوں کی شکل میں ان کی تعداد میں پانچ قول ہیں ۱ تین فرشتے جبرائیل میکائیل اسرافیل ۲ ان تین کے ساتھ سات اور ۳ ان تین کے ساتھ نو اور ۴ صرف جبرئیل انکے ساتھ نو اور گیارہ اور فرشتے ۵ حضرت جبرئیل کے ساتھ بارہ دوسرے ملائکہ عذاب (مظہری) ابراہیم علیہ السلام کے پاس۔ یہاں عِنْدَ یا اِلٰی پوشیدہ ہے خوشخبری کے ساتھ اس وقت حضرت ابراہیم کی صرف ایک ہی بیوی حضرت سارہ تھیں بوڑھی تھیں لاولد تھیں یہ بشارت حضرت اسحٰق اور ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام دو بیٹوں کی تھی یا قوم لوط کی تباہی کی خوشخبری یا دونوں چیزوں کی خوشخبری تھی۔ کیونکہ کفار کی موت مومن کے لئے خوشخبری ہوتی ہے۔ ذاتی دشمن کی موت پر خوشی منع ہے (کتب فقہ) فرشتے بولے۔ اے ابراہیم ہم نے تم پر سلام بھیجا ہے۔ یہ لفظ سلامًا منصوب ہے جملہ فعلیہ ہے۔ فعل سَلَّمْنَا پوشیدہ۔ جملہ فعلیہ دوام کو نہیں چاہتا ہے مطلب ہے اب تم پر سلامتی ہو حضرت ابراہیم نے جوابًا فرمایا تم پر بھی سلامتی ہو ہمیشہ یہ کلام جملہ اسمیہ ہے مبتدا ظاہر ہے سلامٌ اس کی خبر قائمٌ یا ثابتٌ علیکم پوشیدہ ہے معنٰی ہے تم پر ہمیشہ ہی سلامتی ہو۔ جملہ اسمیہ استمرار کو چاہتا ہے۔ مسئلہ۔ سلام کا جواب سلام سے بہتر ہونا چاہیئے یہی سنت ابراہیمی ہے۔ سلام سب فرشتوں نے کیا جیسا کہ قالو کے جمع سے ثابت ہوا۔ مگر جواب صرف ابراہیم علیہ السلام نے دیا۔ کیونکہ نوکر غلام اندر کام میں مشغول تھے اور بیوی اگرچہ ساتھ ہی پردے موجود تھیں عورت کو جواب دینا منع ہے یا یہ کہ جس کو سلام ہو وہی جواب دے یہ خاص مجلس کا حکم ہے عام مجلس میں چونکہ سلام سب کو مشترکہ ہوتا ہے اس لئے جو چاہے دے (کتب فقہ) ابھی تھوڑی ہی دیر گذری تھی فَمَا لَبِثَ کچھ زیادہ نہ ٹھہرے تھے کہ آگیا پتھروں کے توے پہ بھنا ہوا بچھڑے کا کچھ حصہ حسب ضرورت۔ با بعضیت کی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے خادم لے آئے جو یا تو ان مہمانوں کے لئے ہی پکایا گیا تھا یا پہلے سے تیار تھا ان کی خاطر کے لئے پیش کیا گیا۔ بعض نے کہا ہے کہ پورا سالم بچھڑا لے آئے تھے کیونکہ مہمان زیادہ تھے۔ چونکہ حضرت ابراہیم مہمان نواز بہت تھے اس لئے مہمانوں کو دیکھتے ہی بچھڑا تیار کرنے کا حکم دے دیا ان میں ذرا غور نہیں فرمایا ورنہ پہچان لیتے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ اپنے نبی کریم کی بات کو رائیگاں نہیں جانے دیتا نہ قوم کے سامنے شرمندہ کرتا ہے بلکہ نبی کے منہ میں جو بات بھی نکلے فورًا پوری فرما دیتا ہے یہ فائدہ خِزْیِ یَوْمِئِذٍ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کافر مٹی کے ڈھیر ہیں اور مومن قیمتی موتیوں کی ڈبیہ اسی لئے کافروں کو ہلاک کر دیا جاتا ہے اور مومنوں کو بچا لیا جاتا ہے یہ فائدہ نجینا سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کافر کی موت بشارت ہے کیونکہ

وہ دشمن خدا ہے۔ اسی طرح دشمن نبی کی موت پر خوشی کرنا بھی اچھا ہے۔ یہ فائدہ بُشریٰ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** سلام کا جواب سلام سے بہتر ہونا چاہیئے۔ دیکھو حضرت ابراہیم نے سلام جملہ فعلیہ کے جواب میں جملہ اسمیہ فرمایا جو فعلیہ سے بہتر ہے اب جواب میں ورحمۃ اللہ کہہ دینا چاہیئے اگر سلام کرنے والا ورحمۃ اللہ بھی کہہ دے تو جواب میں تیسرا لفظ وبرکاتہ کہہ دینا چاہیئے **پانچواں فائدہ** عورتوں کو جائز نہیں کہ اجنبی مردوں کو سلام کا جواب دیں۔ یہ فائدہ قال کے واحد ہونے سے حاصل ہوا۔ بات بھی بلاضرورت کرنی منع ہے کہ اس میں فتنہ ہے **چھٹا فائدہ** نبی پر مل کر سلام بھیجنا سنت ملائکہ ہے لہٰذا جائز بلکہ مستحب عین ثواب کے لائق یہ فائدہ قَالُوْا سَلَامًا جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض ہو سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں اَخَذَ کا فاعل صَیْحَۃٌ ہے حالانکہ اَخَذَ فعل مذکر ہے اور صَیْحَۃٌ اسم ظاہر مونث ہے۔ نحوی لحاظ سے یہ غلط ہے **جواب** دو وجہ سے فعل مذکر آیا۔ ایک یہ کہ فاعل کے درمیان جب کسی مذکر کا فاصلہ آجاتے تو مونث فاعل کے لئے مذکر فعل جائز ہے۔ کیونکہ یہ فاصلہ تاءِ تانیث کے عوض ہو جائے گا۔ دوم یہ کہ یہاں صَیْحَۃٌ بمعنی۔ صَیَاحٌ ہے۔ اس صورت میں اعتراض ختم ہو جاتا ہے **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَلَقَدْ جَاءَتْ۔ فقط جَاءَتْ کہہ دینا کافی تھا۔ لَقَدْ کی زیادتی بے فائدہ ہے **جواب** بے فائدہ نہیں بلکہ لام تاکید کے لئے آیا اور قد امید و توقع کے لئے اور مقصد یہ ہے کہ اے سننے والے ابھی ان عبرت ناک واقعات کا سلسلہ جاری ہے۔ اگلی آیات میں مزید قصوں کی توقع رکھو **تیسرا اعتراض** حضرت ابراہیم نے سَلَامٌ کیوں فرمایا السلام کہنا چاہیئے۔ جواب نکرہ کمال اور مبالغہ کو مفید ہے۔ معرف با لام سے یہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ اور پھر یہ کہ نکرے پر تنوین تعظیم کی آسکتی ہے معرفہ پر نہیں اور نیز یہاں مبتدا بنانا تھا۔ نکرہ جب موصوفہ ہو تو مبتدا بن سکتا ہے بخلاف معرفہ کے کہ وہ صرف ماہیت کا فائدہ دیتا ہے۔ نکرہ کہہ کر یہ بتایا کہ اے فرشتو تم پر بہت عظمت والا بے حد بہت زیادہ سلام ہوں۔ اور ہمیشہ ہوں کیونکہ یہ کوئی معمول سلام نہیں نبی خلیل اللہ کا سلام ہے **چوتھا اعتراض** پھر ہم نماز میں اور بعد نماز السلام علیکم۔ الف لام کے ساتھ کیوں کہتے ہیں؟ **جواب** وہاں معرفہ بولنا اپنی نسبت سے ہے یعنی میرا سلام تم پر ہو۔ نکرے میں تخصیص نہیں ہو سکتی اور حضرت ابراہیم کا سلام نکرہ اس لئے تھا کہ اے مہمانو یہ فقط میرا سلام نہیں بلکہ ہم سب گھر کی طرف سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَمِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ ۔۔۔۔ قانون فطرت کے مطابق جب ہمارا فیصلہ ازلی آیا تو محبت کے جام پلا کر سرور کی نعمتیں کھلا کر نجات دائمی دی ہم نے شعور صالح اور اس کے فرمانبردار مومن اعضاء ظاہری کو جو ہر ظلم ناسوتی اور شر طاغوتی کے برداشت کرنے میں اس کے ساتھ ہی رہے اور کسی وقت بھی شعور کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا ہم نے اپنے طرف سے رحمت مشفقانہ کے ذریعہ بچا لیا اور اس ذلت غرور کے دن رسوائی سے ہٹا لیا اے مجمع انوار مخزن اسرار محبوب کردگار بے شک تیرا رب تعالیٰ ہی ہر زمانے میں قوت دینے اور لینے والا ہے اور سب قوتوں کا مالک ہے تمام سرکش و مغرور اس کے سامنے

مغلوب و عاجز کیونکہ وہ ہی غالب اور عزیز ہے اپنے بندوں کو وصل کی خمر طہور سے مخمور کرتا ہے۔ خود پرست و خود سر کو مجہول
کرتا ہے مقہور و مجہول کی مدت حیات فقط تین دن ہے اور مخمور اَلَسْت کی نجات کا سرِ بقا تک ۔صوفیاء کرام فرماتے ہیں بندے
چار قسم کے ہیں ۱؎ عوام کا لانعام یہ نفس کی حدود غیر متعینہ اور دماغ سرکش کے وعدوں ۔سوچوں میں جکڑے ہوتے بے
بس پڑے جب تک ان کا جال نہ ٹوٹے مثل غلام کے نفس کے حکم اپنے فائدے کی ضمیر کو مردہ کرتے رہتے ہیں ان میں سے
بعض خوش قسمت شعور کے دامن میں پناہ لیتے ہیں اور اکثر راہ مستقیم سے بھٹکے بھٹکے ہی ہلاکت کی موت مر جاتے ہیں ۲؎ سالک
منزل عشق یہ لوگ ہر بھٹکے مسافر کو اپنے ساتھ راہِ شوق و لذت کشاں رواں دواں لئے چلے جاتے ہیں یہاں تک منزل رحمت خاص
پر پہنچ کر خود بھی اور ان کے ساتھی بھی نجات دائمی پاتے ہیں پھر بھٹکے مسافر اپنی قسمت پر ناز کرتے کہ رحمت رب کریم کی خاص
عنائت سے کیسا مرشد راہنما پایا ۳؎ مجنون جس نے دماغ پر فتور کے کہنے پر چل کر دین و دنیا کی رسوائی و ذلت کے خسارے لئے دامن
عقل و شعور کو چھوڑا ضمیر کو قتل کر کے ہر طرح کی پھٹکار پائی ۴؎ مجذوب جس نے ضمیر کے شیریں دودھ سے شراب دیدار کا خمار
حاصل کر کے دامن شعور میں آرام پایا اپنے مرشد کے دروازے سے ہر طرح سکون پاکر ذکر خدا کی رسی سے خود کو باندھ کر سکون ابدی
پایا اور رحمت کے گہوارے چین پالیا اور ظلم بیوت سے نکل گیا۔ یہی وہ لوگ خوش بخت ہیں جنہوں نے سکوت و خدمت کو لازم
پکڑا عوام ان کو مبہوت و دیوانہ سمجھتے ہیں مگر حقیقت میں یہی عقل بیدار کے مالک ہیں اور بنیادی قوت والے ہیں۔ ان مردان خدا
کو ہی نجات ۔ ہے ان کا شعور صالح ہے ان کا بدن ناقہ ہے ان کا شعور وصل کی غذاؤں میں ان کا بدن فاقے میں ۔شعور کو
آفات ابلیس سے نجات ہے لیکن بدن زخموں سے چور ہے۔ شعور کو انکار نہیں۔ اس لئے کہ نور یزدانی کفار کے فریب چکنی چپڑی
باتوں میں آنے والا نہیں یہ امتحان و ابتلاء و اجماع ہے کہ اس کو بدن خاکی تن فاقہ عطا کیا اے نفس امارہ تن اولیاء کے ناقے
کا غلام بن جاتا کہ صحبت و معیت شعور کے ساتھ تجھ کو بھی نجات دائمی ملتی مگر نفس و دماغ اس راہ خیر کو نہیں پکڑتے شر کو نہیں
چھوڑتے لہٰذا وَاَخَذَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَا
بُعْدًا لِّثَمُوْدَ اور پکڑ لیا ان نفسانیات کو جنہوں نے شک و تردد و قلق و اضطراب کا ظلم کر کے شعور صالح کی نصیحت و دعوت کو
نہ مانا قہر کی چنگھاڑ نے تو اپنے دیار فنا میں ایسے ہلاک ہوتے گویا کہ کبھی قالب جسدی میں یہ فتنہ دماغ تھے ہی نہیں ۔ اب سکون
بدنی نصیب ہوا۔ خبردار ثمود متکبرین نے اپنے ہی مربی اعلیٰ اور موجد اکرم کی کفران نعمت کیا۔ خبردار نفس پرست ثمود
دماغ کو فنا اور ہلاکت کی دوری ہے۔ عقل خود سر اور اس کے صفات کی ہلاکت صاعقہ اور عذاب بعد سے ہوتی ہے مگر
جو مردان حق حرم شریعت میں آگئے وہ قرب کی جنت پاکر فراق کی بعد سے بچ گئے ساکنان ناسوتی چار قسم کے ہیں ۱؎ اہل
قرب جن کو رب تعالیٰ نے ازل سے چن لیا ان کی پہنچ رضا کے گلستاں ۔خوشنودی کے چمن میں بغیر عمل و کسب ہے ۲؎ اہل بعد یہ اللہ
سے دور ہو کر اغیار میں مشغول ہو گئے ان کا کچھ علاج نہیں لہٰذا فنا کی وادی میں ایسے غرق ہوتے کہ نشان تک نہ رہا ۳؎ اہل
طریق ہوا جو راستے میں پڑے رہے اصل مقصد تک نہ پہنچے راستے کو مقصد و منزل سمجھ گئے ۴؎ اہل طبع جن کو راستہ منزل دونوں کا

پیتہ نہ لگا۔ وَلَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُنَآ اِبۡرٰهِيۡمَ بِالۡبُشۡرٰى قَالُوۡا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنۡ جَآءَ بِعِجۡلٍ حَنِيۡذٍ البتہ بے شک آئے سلطان جبروت اور انوار ملکوت اور سنائے جمال اور سر جلال سے ہمارے قاصد خلیل فواد کی طرف جو گوشۂ قلب کے گہوارۂ محبت وخلوت میں محو ریاضت اور شوق وصل میں تھا بشارت کشف جمال کے ساتھ ہمارے رسول آتے تو سارے قاصد بولے اے خلیل ظاہر تمہاری خلت دائمی اور اصطفاء ابدی کو بقا کا سلام ہے۔ خلیل فواد ومحبوب اسرار نے فرمایا تم کو بھی سرور واکرام کا سلام محبت الوار میں کچھ دیر نہ گذری کہ جگر مذبوح بیخودی روح مجروح الفت نفس مبذول ناسوت کا بچھڑا روغن شکر سے آتش عشق پر بھنا ہوا طباق محبت میں سجا کر مہمانان قدس کی ضیافت میں رکھا تاکہ یہ انوار بھیجنے والے خالق حقیقی کے مہمانوں کا اکرام ہو۔ یہ باطنی اکرام اور ضیافت ہی طریقۂ اولیاء محبوبین ہے

فَلَمَّا رَاٰۤ اَيۡدِيَهُمۡ لَا تَصِلُ اِلَيۡهِ نَكِرَهُمۡ وَاَوۡجَسَ

توجب دیکھا ہاتھوں کو ان کے کہ نہیں پہنچتے طرف اس کی غیر جانا ان کو اور اندیشہ کیا طرف

پھر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں پہنچتے ان کو اوپری سمجھا

مِنۡهُمۡ خِيۡفَةً ؕ قَالُوۡا لَا تَخَفۡ اِنَّاۤ اُرۡسِلۡنَاۤ اِلٰى قَوۡمِ

سے ان کی خوف بولے وہ مہمان نہ ڈرئیے بے شک ہم بھیجے گئے ہیں طرف قوم

اور جی ہی جی میں ان سے ڈرنے لگا بولے ڈریئے نہیں ہم قوم لوط کی طرف بھیجے گئے

لُوۡطٍ ۞ وَامۡرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتۡ فَبَشَّرۡنٰهَا بِاِسۡحٰقَ

لوط کے اور ان کی بیوی کھڑی تھیں پس وہ ہنسیں تو بشارت دی ہم نے ان کو کی اسحاق

ہیں اور اس کی بی بی کھڑی تھی وہ ہنسنے لگی تو ہم نے اسے اسحٰق کی

وَمِنۡ وَّرَآءِ اِسۡحٰقَ يَعۡقُوۡبَ ۞ قَالَتۡ يٰوَيۡلَتٰٓى ءَاَلِدُ

اور سے بعد اسحٰق کے یعقوب کی بولیں ہائے تعجب کیا جنوں گی میں

خوشخبری دی اور اسحاق کے پیچھے یعقوب کی بولی ہائے خرابی میرے بچہ

وَاَنَا عَجُوۡزٌ وَّهٰذَا بَعۡلِىۡ شَيۡخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَىۡءٌ

حالانکہ میں بوڑھی ہوں اور یہ میرے خاوند بوڑھے بے شک یہ البتہ چیز ہے

ہوگا اور میں بوڑھی ہوں اور یہ ہیں میرے شوہر بوڑھے بیشک یہ تو اچنبے کی بات ہے

عَجِیْبٌ ﴿۷۲﴾ قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰہِ رَحْمَتُ اللّٰہِ

عجیب فرشتے بولے کیا تم نے تعجب کیا سے امر اللہ کے رحمت اللہ کی

فرشتے بولے کیا اللہ کے کام کا اچنبا کرتی ہو اللہ کی رحمت

وَبَرَکٰتُہٗ عَلَیْکُمْ اَھْلَ الْبَیْتِ ط اِنَّہٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ ﴿۷۳﴾

اور برکتیں پر تمہارے اے اہل بیت بے شک وہی ہے تعریفوں بزرگیوں والا

اور اس برکتیں تم پر اے گھر والو بے شک وہی سب خوبیوں والا عزت والا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں اس سلسلے کی چوتھی حکایت کا ذکر ہوا کہ حضرت ابراہیم کے زمانے میں کافر قوم نے کیسی کیسی بیہودگیاں کیں اور ان پر کیسے کیسے عذاب آئے۔ اور اور عذاب کے فرشتے اس طریقے سے بھیجے گئے کہ حضرت ابراہیم بھی پہچان نہ سکے یہ ایک تعجب خیز بات تھی۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ فرشتوں کا بھیس بدل کر آنا اتنی حیرانی اور ڈرنے کی بات نہیں۔ اس سے زیادہ حیران کن تو بڑھاپے کی اولاد ہے اللہ تعالےٰ کی قدرت ورحمت سے تو وہ بھی بعید نہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان کافر قوموں کا ذکر ہوا جنہوں نے انبیاء اور ان کے معجزات پر ظلم کیا تھا۔ اب اس جگہ ان کافروں کا ذکر کیا جارہا ہے جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور پچھلی قوموں کی طرح عذاب میں مبتلا ہوئے۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا رَاٰی اَیْدِیَھُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْہِ نَکِرَھُمْ وَاَوْجَسَ مِنْھُمْ خِیْفَۃً .... فا بمعنی ثُمَّ رَاٰ فعل ماضی رایٌ سے مشتق ہے بمعنی باغور دیکھنا قلب ونظر سے۔ اَیْدِیَھُمْ اَیْدِیَ۔ جمع ہے یدکی بمعنی ہاتھ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے رَاٰی کا اور ذوالحال ہے اگلے جملے کا ھُمْ ضمیر کا مرجع رُسُل ہے۔ اَیْدِیْ منقوص ہے لَاتَصِلُ مضارع منفی وَصْلٌ سے بنا بمعنی ملنا الی ظرفیہ ہ ضمیر کا مرجع عِجْل ہے جملہ حال ہے لَمَّا حرف شرط تھا نَکِرَ اس کی جزا باب سَمِعَ کا ماضی بمعنی اَنْکَرَ یا اِسْتَنْکَرَ بمعنی اجنبی پایا۔ ھُمْ کا مرجع رُسُل واؤ عاطفہ سببیہ اَوْجَسَ وَجْسٌ سے بنا اس کا لغوی ترجمہ قلبی آواز ہے یہاں بمعنی محسوس کیا۔ مِنْ بمعنی قِبَلْ یعنی طرف سے ھم سے وہی رسل فرشتے مراد ہیں خِیْفَۃ بروزن فِعلۃٌ جیسے قِبْلَۃٌ مبالغہ کے لئے خوفٌ سے بنا ہے بمعنی پریشانی قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ۔ فعل ماضی جمع فاعل وہی ملائکہ ہیں لَاتَخَفْ فعل نہی واحد حاضر اِنَّا دو لفظ ہیں اِنَّ اور نا حرف تحقیق وضمیر جمع متکلم اس کا اسم منصوب متصل اُرْسِلْنَا جمع متکلم ماضی مجہول اِلٰی حرفِ جر انتہائیہ قوم معنیً جمع لفظاً واحد مضاف بطرف لوط علیہ السلام یہ لفظ منصرف ثلاثی ہے وَامْرَاَتُہٗ قَآئِمَۃٌ فَضَحِکَتْ فَبَشَّرْنٰھَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ یَعْقُوْبَ ...

واؤ حالیہ اِمْرَاَتُہٗ بمعنی عورت عام ہے مگر بحالت اضافت مراد بیوی ہے یہاں بوجہ مضاف ہونے ہٗ ضمیر کی طرف حضرت ابراہیم کی بیوی پاک مراد ہیں قَآئِمَۃٌ اسم فاعل مونث فاء تعقیبیہ ضَحِکَتْ باب سَمِعَ کا ماضی مونث ہے۔ فاء تعقیبیہ بَشَّرْنَا بصیغہ جمع متکلم اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ھَا ضمیر کا مرجع امرأتہ ہے باسحٰق باء جارہ برائے مفعولیت اسحٰق عجمی علم ہے لہذا غیر منصرف واؤ عاطفہ مِنْ جارہ وَرَآءِ بمعنی علاوہ یا بعد اسحٰق غیر منصرف بحالت جر مضاف الیہ ہے۔ یَعْقُوْبَ عَقْبٌ سے مشتق ہے اِسْحٰقَ سَحْقٌ سے بنا ہے بمعنی قدرتی خوشبو والا عَقْبٌ کے معنی ایڑی یعقوب ایڑی سے جڑا ہوا یہ غیر منصرف ہے مگر یا بحالت جر ہے تو وراء سے متعلق ہے اور یا بحالت نصب بَشَّرْنَا کا مفعول بہ ہے قَالَتْ یٰوَیْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَاَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَیْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِیْبٌ قَالَتْ۔ بیوی صاحبہ کا مقولہ یا حرف ندا ویلتی وَیْلٌ کا مونث یا بمعنی ہائے ویلتی لغواً بلاکت۔ برائی۔ تعجب یہاں یہی مراد ہے أ ہمزہ استفہام سوال تعجب کے لئے نہ کہ انکاری اَلِدُ فعل مضارع متکلم بمعنی مستقبل واحد متکلم ولد سے مشتق ہے اس کا معنی ہے جَنْنَا واؤ حالیہ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل عجوز عجز سے بنا بمعنی انتہائی کمزوری بروزن فعول بوڑھی عورت کے لئے مستعمل ہے جو ناقابل اولاد ہو۔ واؤ عاطفہ ھٰذا اسم اشارہ قریبی بَعْل خاوند بروزن فَحْل اس کی مونث اور مصدر بُعُوْلَۃٌ بمعنی چڑھنے والا یا کھڑے ہونے والا۔ شَیْخًا عربی لفظ ہے شاخ یشیخ کے باب کا صفت مشبہ مبالغے کے لئے اس کا مونث شَیْخَۃٌ ہے بمعنی بہت بوڑھا۔ اِنَّ حرف تحقیق یہ جملہ وجہ تعجب کے بیان کے لئے ہے ھٰذا اسم اشارہ اس کا مشار الیہ یہ بشارت لشیٔ بمعنی چیز یعنی مشیت عَجِیْبٌ بروزن فعیل بمعنی حیران کرنے والی قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَیْكُمْ اَهْلَ الْبَیْتِ اِنَّهٗ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ - - قَالُوْا فعل جمع اس کا فاعل رُسُل۔ اگلا سب جملہ مقولہ ہے قول کا۔ أ ہمزہ استفہام انکاری ہے تَعْجَبِیْنَ فعل مضارع صیغہ واحد مونث حاضر عَجْبٌ سے بنا من جارہ بیانیہ یا بعضیت کا امر بمعنی مشیت ورضا یا قانون لفظ اللہ ذاتی عَلَم ہے رحمۃ بمعنی رحم و شفقت مضاف ہے بسوئے لفظ اللہ مرفوع بوجہ مبتدا یا بوجہ فاعلیت کے فعل محذوف کے واؤ عاطفہ بَرَكٰتٌ جمع ہے برکت کی ہٗ ضمیر کا مرجع لفظ اللہ اگر وہاں ثَبَتَ پوشیدہ نہ ہو تو یہاں ثابتٌ پوشیدہ خبر مبتدا ہے علیٰ جارہ اپنے مجرور کُمْ ضمیر سے مل کر اسی کے متعلق ہے۔ اَھْلَ اپنی اصلیت پر ہے اس کی تصغیر اھیل ہے اھل کی ھا کو الف مقصورہ سے بدلو تو آل بن جاتا ہے جس میں عمومیت پیدا ہو جاتی ہے اھل میں خصوصیت ہے اسی لئے حقیقۃً بیوی کو اھل کہا جاتا ہے غیر کو مجازاً بیت بروزن بیعٌ مصدر ہے بمعنی بیت اسم ظرف بمعنی رات گذارنے کی جگہ اصطلاح میں کوٹھڑی کو بیت کہا جاتا ہے یہاں مراد پورا گھر ہے۔ اہل بیت مرکب اضافی ہے بحالت نصب ہے منادیٰ مضاف ہے حرف ندا۔ یا پوشیدہ ہے اِنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ اسم اِنَّ ہے جملہ ابتدائیہ حَمِیْدٌ بروزن کریم مبالغہ ہے محمود کا نہ حامد کا یعنی لائق حمد مَجِیْدٌ مَجْدٌ سے مبالغہ ہے بمعنی ماجد۔ یعنی بہت ہی بزرگی والا دونوں مرفوع ہیں بوجہ خبر اِنَّ۔

تفسیر عالمانہ :- فَلَمَّا رَآٰ اَیْدِیَهُمْ لَا تَصِلُ اِلَیْهِ نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِیْفَةً ؕ قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّا

اُرْسِلْنَا اِلٰی قَوْمِ لُوْطٍ　پس جب حضرت ابراہیم نے ان کے ہاتھوں کو دیکھا کہ وہ ہاتھ ان میں سے کسی کے اس کھانے کی طرف نہیں بڑھتے۔ تو برا لگا حضرت ابراہیم کو ان　مہمانوں کا یہ رویہ۔ کیونکہ حضرت ابراہیم بہت مہمان نواز تھے ہر کھانے پر مہمان کا انتظار فرماتے ان دنوں چند روز سے کوئی مہمان نہیں آیا تھا ان مہمانوں کو دیکھ کر بہت ہی خوش ہوتے فوراً بغیر ان کی حقیقت ان کی شخصیت میں غور کئے کھانا لگوا دیا۔ اوّلاً یہ نہ پوچھا تم کون ہو۔ دو وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ انبیاء کرام اللہ کی طرف سے قوم کے داتا بن کر آتے ہیں جس نے دینا ہی ہے وہ کبھی لینے والے کی شخصیت میں غور نہیں کرتا۔ اس کی تو شان عطا ہی یہ ہوتی ہے کہ ؎

ہاتھ جس سمت اٹھے غنی کر دیا

ان کریم جوادوں کی نگاہیں نیچی ہوتی ہیں ہاتھ اونچے اٹھے ہوتے ہیں تاکہ اپنا پرایا مستحق غیر مستحق سب ہی بڑھ بڑھ کر لیتے رہیں کوئی جھجک محسوس نہ کرے۔ ان کی اس عام عطا سے احمق سمجھتے ہیں کہ شاید نبی بے خبر ہے اس کو غیب کا علم نہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ خوشی کی وارفتگی میں ان کی اصلیت کی طرف توجہ ہی نہ دی اس بے توجہی سے بے علمی ثابت نہیں ہوتی انسان انتہائے خوشی کے جذبات میں قریبیوں کو بھول جاتا ہے۔ تفسیر صاوی نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا اے میرے معزز مہمانوں کھاتے کیوں نہیں۔ تو ان میں سے بڑے مہمان یعنی حضرت جبریل نے عرض کیا ہم لوگ بغیر قیمت کھانا نہیں کھایا کرتے آپ اس کی قیمت ہمیں بتائیں اور لیں تب آپ کی دعوت قبول ہو گی حضرت ابراہیم نے فرمایا۔ ہاں میرے کھانے کی قیمت ہے۔ وہ یہ کہ کھانے سے پہلے بسم اللہ پڑھو کھانے کے بعد الحمد للہ کہو۔ حضرت جبریل نے میکائیل کو دیکھا اور آہستہ سے کہا۔ واقعی یہ سرکار۔ خلیل اللہ ہونے کے لائق ہے۔ لیکن جب پھر بھی انہوں نے کھانے کو ہاتھ نہ لگایا۔ تو محسوس کیا ابراہیم علیہ السلام نے ان کی طرف سے خوف۔ اَوْجَسَ وَجْسٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے پریشانی اور غم۔ رنج اس کا مصدر وجوش بر وزن دخول آتا ہے۔ خیفہ کا معنیٰ خوف یہ لفظ بہت معنیٰ میں مشترک ہے اور خوف بہت طرح کا ہوتا ہے۔ یہاں خوف یا اس معنیٰ میں ہے کہ شاید یہ کھانا ان مہمانوں کو پسند نہیں یا شاید یہ ہم سے کچھ ناراضگی رکھتے ہیں۔ یا ہم سے ان کو کچھ شکایت ہے یا یہ ہم سے لڑنے آئے ہیں اس زمانے میں طریقہ تھا کہ ہر آنے والے کو پہچاننے کے لئے اس کے سامنے کھانا رکھا جاتا تھا اگر وہ کھانے لگتا تو میزبان اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتا ورنہ سمجھتا کہ یہ دشمن ہے اور اس سے نپٹنے کے لئے تیاری کرنے لگتا۔ حضرت ابراہیم کو ان قسموں میں سے کوئی پریشانی لاحق ہوئی اس کو اصطلاح میں خوف رحمت و شفقت کہا جاتا ہے۔

حضرت ابراہیم یا کسی بھی نبی کو کبھی خوف بشریت یعنی جان کا خوف نہیں ہو سکتا　کیونکہ جان کا خوف بزدلی ہے۔ اور بزدلی حقیر ترین عیب ہے۔ حضرت موسیٰ کا سانپ بننے کے وقت بھاگنا اور رب تعالیٰ کا ان کو لاتخف فرمانا۔ یہ سانپ کا خوف نہ تھا۔ بلکہ اچانک کلام الٰہی کی ہیبت تھی جس کا ظہور اس سانپ کو دیکھ کر ہوا۔ جیسے کہ اندھیرے سے ہیبت کھانے والے کی ہیبت کا ظہور پتہ گرنے سے ہوتا ہے۔ یا جیسے کہ پہلی وحی کے وقت کلام الٰہی کی ہیبت جسم پاک مصطفےٰ پر وارد ہوئی۔ اگر نبی کو جان کا خوف ہوتا تو نار نمرود کے وقت تَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ فرما کر اس دلیری اور بےخوفی

کا اظہار نہ فرماتے۔ کچھ مفسرین نے نَکِرَ اور اَوْجَسَ کا معنی یہ بھی کیا ہے۔ آپ کا چہرہ مبارک جوان کے آنے کی خوشی سے چمک اٹھا تھا وہ اُن کے اِس رویے سے پریشانی یا رنج میں بدل گیا۔ تو اُن فرشتوں نے کہا اے ابراہیم خوف نہ کرو۔ کیونکہ ہم آپ کے مہمان نہیں نہ آپ ہماری میزبانی فرمائیں۔ بے شک ہم اللہ کے فرشتے بھیجے گئے ہیں عذاب کے ساتھ آپ کی یعنی نمرود وغیرہ کی طرف نہیں بلکہ لوط علیہ السلام کی قوم کی طرف لہٰذا آپ کوئی غم نہ کریں نہ اس بات کا کہ ہم نے کھانا کیوں نہیں کھایا اور نہ اب یہ سن کر کہ ہم عذاب لے کر آئے ہیں اپنی قوم کا فکر کریں۔ اس وقت تو فقط قوم لوط پر عذاب ہوگا حضرت لوط نبی تھے متفق علیہ یا حضرت سارہ کے سگے بھائی تھے یا حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے۔ یہاں لفظ خِیْفَۃً فرمایا گیا۔ مفسرین جس کا معنی خوف کرتے ہیں مگر لغوی طور پر خوف اور خیف میں یہ فرق ہے کہ جب ڈر کا اثر چہرہ پر ظاہر ہو تو وہ خیف ہے اور جب دل میں ہی ہو ظاہراً کچھ آثار نہ ہوں تو وہ خوف ہے۔ ابن عباس سے روایت ہے کہ آپ نے اس وقت فرشتوں کو خود ہی پہچان لیا تھا جب انہوں نے کھانا نہ چھوا اس وقت آپ نے ذرا تفکر کیا اور اپنے قوت علمی سے پتہ لگا لیا پھر خوف اس بات کا ہوا کہ یہ لباس بشری میں آتے ہیں اور اس طرح ان کا آنا خطرناک ہوتا ہے یعنی پتہ نہیں کس کی شامت آنے والی ہے۔ آیا گنا ہگار وں کی یا کافروں کی۔ تب اس طرح کا جواب ملائکہ نے دیا بعض نے کہا کہ خِیْفَۃً خِفَّۃً کے معنی میں ہے یعنی اپنی بے توجہی میں کھانا رکھ دینے کی شرمندگی۔ کیونکہ آپ نے ملائکہ کو پہچان لیا تھا اور آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ملائکہ کھانا نہیں کھایا کرتے جیسے کوئی بھول کر بے خیالی میں روزے دار کے سامنے کھانا رکھ دے حالانکہ پہلے جانتا ہو کہ یہ روزہ دار ہے۔ پھر ایک دم خیال آنے پر خفت محسوس کرتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب وَامْرَاَتُهٗ قَآىِٕمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ وَمِنْ وَّرَآءِ اِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ اور حضرت ابراہیم کی بیوی سارہ بنت ہاران بن ناحور یا بنت آذر بن باجور اس طرح حضرت سارہ خلیل اللہ کی چچا زاد بہن بنتی ہیں۔ قریب ہی کھڑی تھیں پردے کے پیچھے۔ بعض نے کہا کہ بلا پردہ کیونکہ بوڑھی تھیں بعض نے کہا بلا پردہ اس لئے کہ پردے کے احکام پچھلی امتوں پر نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ سنت ھاجرہ قائم کرنے کے لئے اب بھی عورت وہاں بحالت احرام منہ نہیں ڈھک سکتی۔ ملائکہ کی باتیں سن رہی تھیں۔ تو وہ ہنس پڑیں یا اس وقت جبکہ ملائکہ آئے اور روضہ ابراہیم نے ان کی طرف توجہ نہ دیتے ہوئے کھانا فوراً پیش کیا تو آپ اس بنا پر ہنسیں کہ حضرت ابراہیم نے ان کو پہچانا نہیں حالانکہ حضرت سارا نے پہچان لیا تھا۔ یا اس لئے ہنسیں کہ حضرت ابراہیم کے پاس ہزاروں خادم نوکر چاکر تھے پھر آپ کیوں گھبراتے۔ اس توجیہ سے ثابت کہ حضرت سارہ بھی نہ پہچان سکیں انہوں نے ان فرشتوں کو اپنے خدام کے مقابل چند نفر سمجھا لہٰذا ہنسیں (قبل یا اس وقت ہنسیں جب ملائکہ نے بتایا کہ ہم ملائکہ ہیں اور حضرت ابراہیم کی پریشانی جاتی رہی۔ یا اظہار شفقت کے لئے ہنسیں تاکہ یہ اجنبی مہمان جو ہمارے بچوں کی مثل ہیں بزرگانہ محبت و شفقت کو دیکھ کر مانوس ہوں اور کھانا کھائیں یا اس وقت ہنسیں جب فرشتوں نے کہا لَا تَخَفْ۔ تب سرور میں ہنسیں یا اس وقت ہنسیں جب بشارت ملی۔ مگر یہ درست نہیں کہ سیاق کلام کے خلاف ہے۔ سب سے درست توجیہ یہ ہے کہ آپ اس وقت ہنسیں جبکہ ملائکہ نے کہا کہ ہم قوم لوط کے کفار کو عذاب

دینے والے فرشتے ہیں۔ اس بشارت ھلاکت کفار پہ آپ ہنسیں کیونکہ آپ چند دن پیشتر خواب میں قوم لوط کا عذاب دیکھ چکیں تھیں اور حضرت ابراہیم کو بتا چکیں تھیں تعبیر کے ظاہر ہونے اپنے خواب کی سچائی پر ہنسیں بطور شکریہ اور اس ہنسی کی آواز سن کر فرشتے ان کی طرف متوجہ ہوتے۔ کیونکہ ہنسی وہی ہوتی ہے جس میں آواز پیدا ہو بے آواز اظہار مسرت کو تبسم و مسکراہٹ کہا جاتا ہے (جمل۔ صاوی۔ کبیر۔ بیان۔ معانی۔ خازن) تو ہم نے یعنی اللہ تعالیٰ نے بزبان ملائکہ۔ ان بیوی سارہ کو بشارت دی۔ بشارت کے معنی جسم یا پھول کا کھلنا خوش کن بات سن کر منہ کھل جاتا ہے اس لئے بُشرٰ وبشارتؔ کہہ دیا جاتا ہے بشرؔ کے معنی ہیں ظاہری کھال۔ اس بشارت کی نسبت سارہ کی طرف اس لئے کی گئی کہ حضرت ابراہیم تو بواسطہ ھاجرہ آج سے تیرہ۱۳ یا چودہ۱۴ سال پیشتر حضرت اسماعیل سے صاحب اولاد ہو چکے تھے طلب اولاد وچاہت تو حضرت سارہ کو تھی اور پھر بیٹے کی خوشی باپ سے زیادہ ماں کو ہوتی ہے لخت جگر اسحاق کی بشارت یہ عبرانی لفظ ہے دراصل تھا اضحاک یا ضحاکؔ بمعنی ہنسانے خوش رکھنے والا اور ان کے بعد لفظ وَرَاءؔ بروزن فعالؔ ہے اصلاً ظرف مکانی کے لئے ہے یہاں عاریۃً ظرف زمانی کے لئے جب مضاف ہوتا ہے تو فتحہ پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ زیر ہوتی ہے حرف جر کی بنا پر اس لئے یہاں وَراءِ ہے۔ یعقوب کی خوشخبری ہے یعنی اے سارہ صرف یہی بشارت نہیں کہ تم بیٹے کو پاؤ گی بلکہ اپنے بیٹے کی بہاریں بھی دیکھو گی کہ اپنے پوتے یعقوب کو بھی کھلاؤ گی۔ تفسیر کبیر وغیرہ نے ایک تفسیر یہ بھی کی ہے کہ اِمْرَاَتُهٗ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ ۔ ان ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ بھی وہاں موجود تھیں ابھی یہ مکالمہ ہو ہی رہا تھا کہ وہ حائضہ ہو گئیں۔ ان مفسرین نے قَآئِمَةٌ کے معنی موجودہ کئے اور ضَحِكَتْ کا معنی حائضہ ہونا کیا عربی میں بہت جگہ کلام شعراء میں ضحک بمعنی حیض آتا ہے کیونکہ وہ کافی زمانے سے بوجہ بڑھاپے کے آئسہ یعنی حیض سے مایوس تھیں اور حیض ہی علامت جوانی ہوتا ہے اور جوانی علامت اولاد ہوتا ہے۔ مگر یہ قانون الٰہی ہے جو عوام کے لئے ہے اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کی خوشنودی کے لئے قانون توڑ کر قدرت عجیبہ کا اظہار فرماتا ہے ابھی حضرت سارا اسی حیض کی حیرانی میں تھیں کہ ملائکہ نے بیٹے اور پوتے کی بشارت دی تو قَالَتْ يٰوَيْلَتٰٓى ءَاَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّهٰذَا بَعْلِیْ شَيْخًا ؕ اِنَّ هٰذَا لَشَیْءٌ عَجِيْبٌ ۔ اس خوشخبری کو سن کر خوشی اور تعجب کے ملے جلے جذبات سے بولیں ہائے حیرانی یٰوَیْلَتٰی دراصل تھا یٰوَیْلَتِیْ تخفیف کے لئے کسرہ دوری کو حٹا کر الف اور فتحہ لایا گیا۔ اصلاً شر اور مصیبت کے اظہار کے لئے ہے مگر اصطلاحًا تعجب کے لئے یا عام معنی ہیں۔ جیسے سبحان اللہ اصلاً حمد باری ہے مگر خوشی و فرحت کے موقعہ پر بولا جاتا اسی طرح لَاحَوْلَ حمد ہے مگر شرارت کے وقت مستعمل ہے۔ کیا میں جنوں گی حالانکہ میں بوڑھی ہوں ننانوے۹۹ سال کی اس عمر میں کب کسی عورت کے بچہ پیدا ہوتا ہے اور یہ میرے خاوند جو تمہارے سامنے ہیں یہ بھی بڑھاپے کی حالت میں ایک سو بیس سال کی عمر میں لفظ بعل کا ایک معنی اصل یعنی جڑ ہے چونکہ خاوند اولاد کے حق میں، بیوی کی جڑ کی حیثیت رکھتا ہے اس لئے اس کو بعل کہتے ہیں۔ ان ہر دو طرفہ ضعیفی کی وجہ سے بے شک یہ اولاد کا ہونا البتہ قانون الٰہی کے اعتبار سے تعجب ناک بات ہے یہ جملہ فقط استعجابی ہے جو عادت بشری اور تقاضاءِ فطرت کے لحاظ سے نہ کہ

استبعاد۔ اللہ کی بارگاہ میں قدرت پر تعجب کفر ہے اسی کو استبعاد کہتے ہیں۔ لیکن استعجاب عادی یعنی قانون پر تعجب جائز ہے وہابی لوگ اسی فرق کو نہیں سمجھتے اور کرامات کا انکار کر دیتے ہیں۔ اگر ہر قسم کا تعجب کفر ہوتا تو سارہ کبھی ایسا نہ کہتیں اور اسی سوالیہ تعجب سے وجہ پوچھ کر اپنی خوشی کو مکمل کرنا چاہتی تھیں اور یہ عام عادت انسانی ہے قَالُوْٓا اَتَعْجَبِیْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ اِنَّهٗ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ۔ چونکہ یہ تعجب بھی صرف حضرت سارہ کو ہوا تھا ابراہیم علیہ السلام کو بالکل تعجب نہ ہوا تھا اس لئے ان بی سارہ سے مخاطب ہو کر سب فرشتوں نے بیک دم یا وقفے سے کہا کہ اے محترمہ سارہ کیا تم تعجب کر رہی ہو اللہ کے فیصلۂ قدرت سے حالانکہ تم دن رات معجزات اور عجیب عجیب قدرت کے کرشمے دیکھتی رہتی ہو کیونکہ اعلیٰ نبی خلیل اللہ کے گھر میں رہتی ہو۔ تم پر تو اللہ کی بے حد رحمتیں ہیں اور اس کی برکتیں ہیں۔ اے نبی کے اہل بیت حقیقی اصلی پہلا مقولہ سوالیہ تعجب پر تعجب ہے اور سوال انکاری ہے یعنی یہ تعجب اور قانون کی طرف خیال کرنا تمہاری شان کے لائق نہیں۔ اگلا مقولہ یا خبریہ ہے یا دعائیہ اگر خبریہ ہے تو سوال انکاری کی وجہ ہے اور دعائیہ ہے تو اہل بیت کی ثنا مقصود ہے۔ قانون تو عمومی ہے مگر وہ اللہ بے شک اپنے پیارے بندوں کے لئے حمید ہے کہ قانون چھوڑ کر کرشمۂ قدرت کا اظہار فرماتا ہے جس پر وہ لائق حمد ہے کہ بندوں پر حمد اس کی واجب ہو جاتی ہے اور بندے اس کی حمد پر مجبور ہو جاتے۔ کیونکہ انسانی عادت ہے کہ جب کسی سے اچھی بات سنتا ہے جو سامع کی طاقت سے باہر ہو تو خود بخود تعریفی نعرے بلند کرنے لگتا ہے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ اس کی حمد کر رہا ہے کیونکہ وہ حمید ہے اور چونکہ وہ اپنے بندوں کو بلا عوض رحمتوں برکتوں انعاموں سے نوازتا ہے اس لئے وہ مجید ہے۔ مجید مجدٌ سے بنا ہے مجید مبالغہ کا صیغہ ہے امام غزالی نے فرمایا مجید وہ ہے کہ ذاتہ جمیل افعالہ جزیل عطاؤہ کثیر غضبہ قلیل نوالہ شریف جس میں یہ صفات ہیں وہ ہے مجید۔

فائدے اس آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** مہمان کو پاس بٹھانا اور کھانا پیش کرنا اور اس کی طرف دیکھنا عبادت ہے۔ اور اس کو کہنا کہ کھاؤ احسن طریقہ اور آداب میزبانی ہے۔ یہ فائدہ فَلَمَّا رَاٰ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** مسلمان عورتوں پر پردہ لازم ہے یہ فائدہ قَآئِمَۃٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ دیکھو جب نبی کی بوڑھی بیوی پردہ فرما رہی ہیں جو عند اللہ گناہوں سے محفوظ ہیں اور بتقاضاءِ عمر بھی گناہوں سے دور ہیں جہاں گناہ کا شائبہ بھی نہیں تو آج کل کی جوان بہو بیٹی پر پردہ کیوں نہ فرض ہوگا **تیسرا فائدہ** پردہ ویسے بھی فرض ہے اگرچہ گناہ کا اندیشہ نہ ہو۔ یہ فائدہ عجوزٌ سے حاصل ہوا لہٰذا بوڑھی مسلمان عورت بھی چادر یا برقعے سے باہر نہ ہو۔ پردے کا حکم عام ہے خواہ غریب کی بہو بیٹی۔ بیوی ہو یا حاکم۔ وزیر۔ بادشاہ کی۔ آفرین ہے صدر ایوب مرحوم پر کہ انہوں نے تا عمر اپنی بیوی کو با پردہ رکھا۔ جبکہ آجکل بڑے بڑے اسلام کے دعویدار حکام اپنی بیوی بیٹی کو بے پردہ اخبار میں لے آتے ہیں **چوتھا فائدہ** واحد کے لئے جمع کا صیغہ بولنا ادب و احترام کے لئے ہوتا ہے عربی میں مستعمل ہے۔ جیسے کہ یہاں اَتَعْجَبِیْنَ جمع کا لفظ اور ایک دوسری آیت میں یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ واحد کے لئے جمع بولا گیا محض ادب کے لئے۔ لیکن اللہ کا ادب جمع بولنے میں نہیں۔ بلکہ

اس کی بارگاہ میں یہ گستاخی ہے۔ وہاں تو وحدت کا صیغہ ہی لائق توحید ہے۔ توحید کے ٹھیکیدار وہابی اللہ کے لئے جمع کا صیغہ بولتے ہیں۔ گویا کہ خود اپنی توحید کا حلیہ بگاڑتے ہیں۔ اگر اللہ کے لئے جمع کا صیغہ بولنا اس کا ادب ہوتا تو اسی طرح حضور کوئی نبی کوئی صحابی کوئی فرشتہ۔ جمع کے صیغے سے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا۔ مگر کہیں ثابت نہیں یہ وہابی لوگ ہم سے ہر بات کا ثبوت مانگتے ہیں ذرا اپنی اس ایک بات کا تو ثبوت دکھا دیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** قدرت پر تعجب کفر ہے تو حضرت سارہ نے یہاں تعجب کیوں کیا؟ **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ یہ تعجب قدرت پر نہیں جس کو استبعاد کہتے ہیں بلکہ یہ تعجب حسب عادت وعرف قانونی لحاظ سے ہے۔ اور پھر یہ تعجب بطورِ انکار نہیں جس طرح آجکل کے وہابی بہت سی کرامات اولیاء کا انکار کر دیتے ہیں یہ تعجب کفر یا گناہ نہیں۔ بلکہ حضرت سارہ کا تعجب بطور استفسار تھا جس میں بھی شکر خداوندی کا ایک پہلو مضمر تھا **دوسرا اعتراض** حضرت علی۔ عباس۔ عقیل سب ہی اہل بیت نبی ہیں اور اصل اہل بیت یہی ہیں۔ بیوی وغیرہ اگرچہ اہل بیت ہیں مگر اصل نہیں۔ دیکھو بیوی سارہ کے لئے فرشتوں نے عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ کہا حالانکہ وہ اکیلی تھیں اور مونث تھیں علیکم جمع مذکر ضمیر ہے۔ مراد ہے اصل گھر کے مردان کی اتباع میں حضرت سارہ بھی شامل ہو گئیں (شیعہ) **جواب** اس کے دو جواب ہیں پہلا جواب الزامی یہ کہ پھر تو حضرت علی اہل بیت نہیں ہونے چاہئیں کیونکہ حضرت ابراہیم کا کوئی داماد نہیں تھا جس کو یہاں اہل بیت میں شامل کر کے قیاس کر دو۔ بلکہ مردوں میں یا حضرت ابراہیم تھے یا خدام غلام نوکر چاکر ان کو تم بھی اہل بیت نہیں مانتے حالانکہ تمہارے اس اعتراض اور عقیدے سے وہ نوکر بھی اہل بیت بن جاتے ہیں۔ دوسرا جواب تحقیقی یہ ہے کہ علیکم میں خطاب صرف حضرت سارہ کو ہے کوئی دوسرا داخل نہیں ہو سکتا اس لئے کہ علیکم کا مرجع وہی ہے جو أَتَعْجَبِينَ کا ہے أَتَعْجَبِينَ کا مرجع بجز سارہ کے کوئی نہیں ہو سکتا ورنہ جھوٹ۔ لازم آئے گا۔ جس سے فرشتے معصوم ہوتے ہیں۔ تو لازم آیا کہ علیکم کا مرجع بھی بجز انکے کوئی نہ ہو۔ ضمیر جمع مذکر کو مونث واحد کے لئے لانا اظہار عظمت کے لئے ہے نہ اتباع کیلئے اور اصل اہل بیت بیوی ہوتی ہے کیونکہ گھر بنتا ہی بیوی سے ہے بیوی کے بغیر تو صاحبِ خانہ خود اہلِ بیت ہوتا ہے نہ صاحب خانہ دیکھو حضرت عیسٰی کے کوئی اہل بیت نہیں۔ کیونکہ ان کی بیوی کوئی نہیں۔ باقی سب اہل بیت بیوی کے تابع ہوتے ہیں۔ بیوی ہوگی تو اولاد و داماد ہوں گے۔ مگر اوندھی عقل والوں کو کیا کہا۔

تفسیر صوفیانہ عالم قدس کے باشندے عالم ناسوت کی چیزوں کو پسند نہیں کرتے عشق والے عقل کی میزبانی سے لگاؤ نہیں رکھتے اس لئے دنیاء فنا کی دلچسپیوں کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتے خلیل شوق نے جب دیکھا کہ انوار کے قاصد مہمان عرش جگر مذبوح کے بچھڑے کو ہاتھ نہیں لگاتے تو ان کو قہر و جلال والا جانا آثار خشیت مغلوبیت ظاہر ہوئے خلیل رحیم نے نور جمال کو نار جلال جانا تو قاصدان نور بولے اے قلب وقالب کے سلطان اعظم خلیل اکرم خوف شفقت نہ کر نفس بدکار پر رحمت سے غم نہ کر بے شک ہم لوط مطمئنہ کی قوم ذمیمہ کی طرف وادیٔ قہر اور بحر غضب سے بھیجے گئے

ہیں حجاب ندامت اٹھا دیئے گئے اور عتاب کے پتھر برسادیئے گئے خلیل رحیم کی ازلی ساتھ دینے والی لطیفۂ سری پاس ہی قائم تھی سرور ایمانی لذت ایقانی سے خوشی ہوئی تب ہم ذات قدیم نے اس کو زینت دنیا کی خوشخبری دی اور زینت دنیا کے بعد زیور ایمانی کی بشارت سنائی لطیفۂ سری نے عرض کیا مولیٰ مجھ کو قوم اعضا ظاہری کے بچنے سے سرور بے بحر حیرانی اور امواج تعجب نے گھیر لیا کہ اب مجھ سے یہ انوار کس طرح ظاہر ہوں گے۔ مجھ میں ضعف بشری عجز فعلی ہے اور میرے اس رہبر منزل خلیل فواد میں ناتوانیِ ناسوتی ہے۔ بے شک اے صانعِ کائنات ان نعمتوں کا وجود تیری قدرت عجیبہ ہے۔ عالم قدس کے یہ پیغامبرانِ ملکوتی بولے اے لطیفۂ سری کیا تجھ کو امر الٰہی سے حیرانی ہے۔ عالم دھر میں اللہ تعالیٰ قادر مطلق کی امر سنت اور امر قدرت دونوں جاری ہیں۔ امر سنت امر عوام ہے اور امر قدرت امر خواص ہے یہی اظہار آیات ہے اعجاز قدرت ہے کہ لطیفۂ سریہ کو حیض پلید سے بچا کر لذات فنا بقا عطا کیں۔ اے بیت مشاہدات میں سکونت کی اہلیت ولیاقت رکھنے والو تم پر ہی قرب کی رحمت اور جمال کی برکتیں ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ قلب جسمانی سے چھ لطیفے ہیں ۱؎ لطیفۂ سری یہ سب سے پہلے اور غالب ہے یہی مقام روح ہے اور منزل انوار ہے اسی پر سلطان ابوالارواح کا پایۂ تخت ہے یہیں سے انوار غیبیہ کا طلوع وظہور ہوتا ہے یہی مقام احدیت سے خلیل وحبیب کا فرق معلوم ہوتا ہے کہ حبیب کو بلاواسطہ اور خلیل کو واسطے سے سلامِ ابدی کا مژدہ سنایا جاتا ہے ۲؎ لطیفہ کشف ۳؎ لطیفۂ دماغ ۴؎ لطیفۂ روح ۵؎ لطیفۂ صوتِ سرمدی یہ مقام وحی والہام ربانی ہے ۶؎ لطیفۂ خیرات ہر لطیفے پر تین حجاب ہیں ۱؎ حجابِ ظلمت ۲؎ حجابِ کثافت ۳؎ حجابِ نور طالب مولیٰ ان حجابوں سے پار نکل جاتا ہے اور قرب کی رحمتیں وصل کی برکتیں پا لیتا ہے بشرطیکہ مرشد خلیل کی ہمراہی ہو۔ بغیر مرشد حجاب ظلمت پر ہی تعجب کے حدود میں محدود رہ جاتے ہیں۔ مگر یہ کم ہمتوں کا کام ہے۔ (روح البیان وعرائس مع زیادت)

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى
توجب جاتی رہی اسے ابراہیم پریشانی اور آئی ان کو خوشخبری تو ضد
پھر جب ابراہیم کا خوف زائل ہوا اور اسے خوشخبری ملی
يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ﴿۷۴﴾ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ
کرنے لگے ہم سے بارے میں قوم لوط کے کیونکہ ابراہیم بہت ہی نرم دل آہیں کرنے
ہم سے قوم لوط کے بارے میں جھگڑنے لگا ابراہیم تحمل والا بہت آہیں

مُّنِيبٌ ﴿٧٥﴾ يَا إِبْرَاهِيمُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا ۖ إِنَّهُ قَدْ جَاءَ

والے لوٹ لوٹ کر آنیوالے ہیں اے ابراہیم علیحدہ ہو جائے سے اس خوم کیونکہ بیشک آچکا امر

کرنے والا رجوع کرنیوالا ہے اے ابراہیم اس خیال میں نہ پڑ بے شک تیرے

أَمْرُ رَبِّكَ ۖ وَإِنَّهُمْ آتِيهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُودٍ ﴿٧٦﴾

رب تمہارے کا اور بیشک وہ لوگ آکر رہنے والا ہے ان کو عذاب نہ پھیرا ہوا

رب کا حکم آچکا اور بے شک ان پر عذاب آنے والا ہے کہ پھیرا نہ جائے گا

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ

اور جب آئے ہمارے قاصد لوط کے پاس پریشانی کی گئی وجہ سے ان کی اور تنگ

اور جب لوط کے پاس ہمارے فرشتے آئے اسے ان کا غم ہوا اور ان کے سبب

ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ ﴿٧٧﴾

دل ہوگئے وجہ سے ان کی کچھ اور فرمایا یہ دن مشکلات کا

دل تنگ ہوا اور بولا یہ بڑی سختی کا دن ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں۔ حضرت ابراہیم کی مہمان نوازی اور مہمان کے کھانا نہ کھانے سے پریشانی کا ذکر تھا جس کو لفظ خوف سے تعبیر کیا گیا یہ آپ کی انتہائی نرم دلی اور حلم کا اظہار تھا اب ان آیات :: میں آپ کے حلم و شفقت کا دوسرا ثبوت پیش فرمایا جا رہا ہے کہ جب عذاب قوم لوط کا سنا تو اللہ کے حضور فوراً ان کی سفارش کے لئے عرض و معروض میں مشغول ہوگئے یہ بھی آپ کی حلیمی و کریمی تھی اسی لئے رب تعالیٰ بالوضاحت فرمادیا لَحَلِیْمٌ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ملائکہ کے آنے کا ذکر تھا اب یہاں آنے کی وجہ کا تذکرہ ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں انبیاء سابقین کی تبلیغی سلسلے میں چوتھا واقعہ ذکر ہوا تھا یہاں سے اب پانچواں واقعہ شروع ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرَاهِيمَ الرَّوْعُ وَجَاءَتْهُ الْبُشْرَىٰ يُجَادِلُنَا فِي قَوْمِ لُوطٍ - فاء تعقیبیہ برائے ربط و سببیہ لَمَّا حرف شرط ذَهَبَ فعل ماضی واحد غائب ذَهْبٌ سے بنا بمعنی جانا ختم ہونا

نشان مٹنا یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں عَنْ بمعنی مِنْ ہے اِبْرَاهِيْم یہ لفظ عجمی عَلَم ہے لہٰذا غیر منصرف الرَّوْعُ مصدر ہے اس کا فعل باب نصر سے متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے ایک قرأت میں رُوعُ را کے ضمہ سے۔ بمعنی دل کا وہ حصہ جو مقام تفکر ہے یہی مقام رَوْعْ یعنی خوف ہے واؤ عاطفہ برائے سبب جَاءَتْ فعل ماضی مونث ہٗ کا مرجع حضرت ابراہیم دراصل تھا عِنْدَہٗ یعنی ان کے پاس اَلْبُشْرٰی الف لام عہد ذہنی بُشْرٰی بروزن فُعْلٰی قُرْبیٰ مادۂ اشتقاق بِشْرٌ ہے مصدر ہے بمعنی خوشخبری۔ یُجَادِلُ باب مفاعلۃ کا فعل مضارع جَدَلٌ سے بنا ہے بمعنی دو طرف بذریعہ سوال بحث کرنی مگر یہاں یا فرشتوں سے مکالمہ مراد ہے یا عذاب ٹلنے کے لئے گڑ گڑا کر دعا مانگنی فی ظرفیت کا ہے قوم سے مراد کفار مضاف ہے طرف لفظ لوط کے نام ہے ایک پیغمبر علیہ السلام کا اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۔ اِنَّ حرف تحقیق ابتدائیہ ہے ابراہیم بحالت زبر ہے اسم ہے لامِ کَیْ ہے حَلِیْمٌ حِلْمٌ سے صفت مشبہ مبالغہ کے لئے بمعنی بردبار جو انتقام لینے میں دیر لگاتے۔ اَوَّاهٌ بروزن فَعَّالٌ جیسے مترادف قتّال اسم فاعل بمعنی نرم دل کسی کے دکھ پر آہیں بھرنے والا۔ مُنِیْبٌ نوبٌ سے بنا بمعنی بار بار لوٹنا اسی سے ہے نائبۃ بمعنی حادثہ اور نائب خلیفہ جو اصل کی غیر حاضری میں بار بار لوٹ کر آتا ہے۔ منیب یعنی اللہ کے حضور ہر معاملے میں بار بار لوٹنے والا۔ يٰۤاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۔ یا حرف ندا سے پہلے قَالَتْ یا قُلْنَا پوشیدہ ہے لفظ ابراہیم مفرد ہے لہٰذا مرفوع ہے اَعْرِضْ فعل امر واحد مذکر باب افعال عَرْضٌ سے بنا بمعنی ایک طرف ہونا چھوڑنا یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں عَنْ حرف جار بمعنی مِنْ ھٰذَا اسم اشارہ مشار الیہ مجادلہ پوشیدہ اِنَّ ابتدائیہ ہٗ ضمیر شان قَدْ جَآءَ ماضی قریب امر بمعنی فیصلہ اگر امر سے مراد عذاب ہے تو ماضی بمعنی مستقبل ہوگا۔ اور استعمال ماضی بوجہ یقین کامل ہے ربّ یعنی اللہ تعالیٰ کَ ضمیر مخاطب کا مرجع ابراہیم وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ ۔ واؤ سر جملہ اِنَّ ابتدائیہ لہٰذا مکسورہ اٰتِیْہِمْ اسم فاعل اتیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے ایک قرأت میں اَتٰہُمْ ماضی سے ہے اِنَّہُمْ کی ضمیر جمع غائب شان ہے لہٰذا اسم فاعل بمعنی مستقبل کے ضمیر جمع آتی۔ دراصل تھا اٰتٍ علیہم حرف جار محذوف ہوا اور بحالت نصب مفعول فیہ بنا۔ عَذَابٌ فاعل ہے اٰتٍ کا موصوف ہے غَیْرُ صفت ہے اور مضاف ہے مَرْدُوْدٍ اسم مفعول کا رَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا واؤ سر جملہ لَمَّا حرف شرط بمعنی ظرفیت جملہ خبریہ ہے۔ نہ کہ انشائیہ۔ رُسُلُ یعنی فرشتے لُوْطًا اصل میں تھا عِنْدَ لُوْطٍ مفرد منصرف صحیح ہے منصوب ہے بوجہ مفعول بہٖ سِیْٓءَ فعل ماضی مجہول یہاں غیر اختیار فعل کے لئے استعمال ہوا فعل ذم ہے بمعنی فعل معروف ہے یعنی غم ہوا یا برا لگا بِہِمْ میں باء سببیہ ہِمْ کا مرجع رسل واؤ عاطفہ ضَاقَ فعل ماضی یہ جملہ عطف سابقہ شیٔ پر اور دونوں معطوف علیہ معطوف جوابِ شرط ہے۔ ضَیْقٌ سے مشتق ہے بمعنی مطلقًا تنگی یہاں مراد قلبی گھبراہٹ پریشانی بِہِمْ ب سبب کی ہے ہِمْ کا مرجع بھی رُسُلُ ملائکہ ہیں ذَرْعًا نکرہ مفرد ہے لغت میں ہاتھ کو کہا جاتا ہے کہنی سے پنجے تک کپڑا ناپنے کے پیمانے کو بھی ذرع کہا جاتا ہے کہ وہ بھی آدھے ہاتھ برابر ہوتا ہے یہی عربی گز کہلاتا تھا۔ چونکہ سارے جسم کی طاقت ہاتھ میں ہوتی ہے اس لئے ذرع بمعنی کلائی سے مطلق طاقت بھی

مراد ہو جاتی ہے یہاں یہی مراد ہے وَقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ وا دوسرا جملہ قَالَ فعل جوارح سے ہے ھٰذا اسم اشارہ مشار الیہ باطنی ہے یعنی یہ آنا یا ظاہری یہ وقت یَوْمٌ بمعنی وقت یہ مشار الیہ کا مرکز ہے موصوف ہے عَصِيْبٌ بروزن فعیل اسم فاعل کے معنی میں مبالغہ ہے عصب سے بنا بہت سخت چیز یا واقعہ۔ انسانی پٹھے کو بھی عصب کہہ دیا جاتا ہے بمعنی شدت گرم دن غم ناک دن۔ پریشانی لانے والے وقت کو بھی یوم عصیب کہا جاتا ہے یہاں تیسرے معنی موزوں ہیں۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ تو جب ابراہیم علیہ السلام سے وہ پریشانی جاتی رہی۔ جو پہلے وارد ہوئی تھی فرشتوں کی حقیقت کی طرف متوجہ نہ ہونے سے اور ان کو خوشخبری بھی مل گئی یا قوم کی نجات کی یا بیٹے پوتے کی ولادت کی اصل خوشی اگرچہ بیوی صاحبہ کو ہوئی لیکن ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی لازمی خوشی ہوئی اسی لئے دوسری جگہ ارشاد ہے وبشرناہ ہم نے ابراہیم کو خوشخبری دی پھر ملائکہ کی طرف بغور متوجہ ہوتے اور جان لیا کہ اس وقت رب کریم کا رحمت کا دریاء محبت جوش میں ہے اس وقت جو چاہا جائے گا مل جائے گا دل میں خیال آیا کاش قوم لوط کو کچھ اور مہلت مل جاتے ہو سکتا ہے وہ قوم راہ راست پر آجاتے مومن ہو جاتے میرا رب توکیا بعید ہے اس کے قانون پر اس کی قدرت اس کے غضب پر اس کی رحمت غالب وہ ہزاروں قانونوں کو اپنے پیاروں کے لئے توڑ کر قدرت کا کرشمہ دکھا دیتا ہے۔ اگرچہ فیصلہ عذاب ہو چکا ہے مگر اس کا ٹالنا اس کی قدرت میں کیا مشکل ہے وقت بھی کرم کا ہے کہ بشارت عظمیٰ ابھی ابھی ملی ہے۔ اس بنا پر یُجَادِلُنَا۔ ہم سے یعنی ہمارے فرشتوں سے۔ یا بلا واسطہ ہم سے ہی۔ اپنے سجدوں دعاؤں میں بڑے ہی ناز سے جھگڑا کرنے لگے۔ قوم لوط کے اس وقت چھٹکارے کے بارے میں یہ ایسا ہی جھگڑا تھا جیسا کہ پیارا بیٹا شفیق باپ سے یا لاڈلا شاگرد مہربان استاد سے یا غلام اپنے کریم آقا سے۔ یا محبوب اپنے حبیب سے کسی کی سفارش میں جھگڑا کرتا ہے۔ یہ جھگڑا کریم آقا شفیق باپ۔ حبیب کو برا نہیں لگتا بلکہ ایسی ضدوں سے تو پیارا بچہ اور پیارا لگتا ہے۔ یہ ضعیف کا جھگڑا قوی سے ہے فقیر محتاج کا جھگڑا کریم غنی سے ہے۔ اس جھگڑے کا ذکر کر کے شان ابراہیم بتائی جا رہی ہے کہ بارگاہ الٰہیہ میں مقام خلیل کیا ہے۔ جھگڑا اس طرح ہوا کہ اے میرے رب کے معزز فرشتو تم اس قوم کو سب کو ہلاک کر دو گے اگرچہ اس میں پچاس مومن ہوں ملائکہ نے کہا نہیں۔ فرمایا اگرچہ چالیس ہوں بولے نہیں فرمایا اگرچہ تیس ہوں بیس ہوں۔ یا دس ہوں پانچ ہوں بولتے رہے نہیں۔ نہیں۔ فرمایا اگرچہ ایک ہی ہو بولے نہیں۔ تو فرمایا کہ ان میں حضرت لوط موجود ہیں پھر کس طرح ان پر عذاب آئے گا بولے ملائکہ ان کو بچانے کا وعدہ ہو چکا ہے۔ یا جھگڑا کہنا مجازاً کیونکہ بہت اصرار کر کے یہ سوال کیا تھا کہ کیا واقعی اب عذاب ہی آئے گا اور کامل فیصلہ ہو چکا یا صرف ڈراوا دینا ہے اور کیا اب مہلت نہیں مل سکتی۔ آج کون کسی کے لئے جھگڑا کرتا ہے کون کسی کو بچانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ انبیاء کرام کا ہی کرم و محبت ہے کہ دشمنوں کی جان بخشی کے لئے بھی انتہائی کوشش فرما رہے۔ اس مبادلہ سفارش میں کوئی ذاتی منفعت نہیں وجہ صرف یہ ہے کہ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۔ بے شک ابراہیم علیہ السلام

البتہ بہت ہی حلیم ہیں۔ یعنی دشمن سے انتقام لینے میں جلدی نہیں فرماتے خون کے پیاسے کو بھی مہلت دلانا چاہتے ہیں۔ اَوّاہ ہیں۔ بہت نرم دل ہیں کہ دوسروں کا دکھ دیکھ کر ٹھنڈی آہیں بھرنے والے غم سے نڈھال ہونے والے یا راتوں کو یادالٰہی عشق خدائی میں آہیں بھرنے والے۔ دن میں کسی کو غمزدہ دیکھ کر خود غمگین ہونے والے۔ منیب ہیں ہر دم ہر حالت میں اللہ کی طرف رجوع فرمانے والے۔ اسی ذات کبریائی کو کامل سہارا سمجھنے والے۔ کہ لینا ہے تو اسی سے مچلنا ہے تو اسی کے دروازے پر کہنا ہے تو اسی سے سننا ہے تو اسی کی۔ ضد کرنا ہے تو اسی سے کون کسی کی ضد سنتا ہے بجز رب کریم کے کیسا پیارا ہے وہ آستانہ۔ یہ اس کا کرم ہی تو ہے کہ اس نے ادھر تو حضرت ابراہیم کو۔ حلیم۔ اوّاہ۔ منیب۔ تین عظیم صفتوں سے مزین فرمایا اور ادھر ہمارے لئے اپنے پیارے نبی محمد مصطفٰے احمد مجتبٰی کو ایسا رحمت عالمین بنایا کہ دنیا پکار اٹھی۔ شعر

سلام اس پر کہ جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں + سلام اس پر کہ سب گستاخیاں سن کر دعائیں دیں

ہمارے ابراہیم تو حلیم اور اوّاہ ہیں اپنے گستاخ مجرم کی بھی شفاعت پر کمر بستہ ہیں۔ مگر ہم قہار و جبار بھی ہیں ہم نبی کی گستاخی گوارہ نہیں کرتے اور گستاخوں کو ہرگز مزید مہلت نہیں دیا کرتے لہٰذا ہم نے کہہ دیا ابراہیم علیہ السلام سے یَاۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ۔ چونکہ یہ فیصلہ تقدیر مبرم تھا جو ٹل نہیں سکتی تھی اس لئے عنایت پیار و محبت سے یا خود رب تعالیٰ نے یا اس کے حکم سے فرشتوں نے کہا اے ابراہیم چھوڑ دیجئے اب اس بدکار قوم کا غم اور ایسی ناکارہ خلائق گندی قوم کو مہلت دلوانے کا خیال۔ کیونکہ اب بے شک حالت یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ آپ کے رب کا مبرم فیصلہ ہو چکا ہے کہ گندوں سے زمین خدا پاک کر دی جائے اب ان کو مرنے ہی دیجئے۔ ہم کو معلوم تھا کہ تمہاری رحیمی کریمی والی عادت تم کو اپنے بھتیجے کی قوم کو بچانے پر آمادہ کرے گی ہم نے اسی لئے پہلے تم کو بشارت دے کر سمجھا دیا کہ ہم قدرت والے ہیں لیکن اب یہ بھی سمجھ لو کہ رب تعالیٰ کا قانون مبرم جب جاری ہو جائے تو ٹلا نہیں کرتا بے شک وہ کافر لوگ اس حالت میں ہیں کہ ان پر آنے والا عذاب قطعاً یقیناً غیر مردود ہے یعنی اب پھیرا اور ہٹایا نہیں جائے گا۔ اس طرح کہ نہ کسی کی دعا کام آئے تو سفارش ہاں اے ابراہیم تم کو ان کے دین میں آنے کی تمنا والی سفارش کا ثواب مل جائے گا۔ اور یہ عذاب اس لئے نہیں پھیرا جائے گا۔ کہ ان کے تین جرم ان میں مضبوط ہو چکے ہیں ایک ان کا سخت کافر ہونا دوم نبی کی گستاخی اور تکذیب سوم بدمعاشی یعنی لواطت سے لڑکوں کے ساتھ وطی کرنا۔ یہ اتنے بڑے جرم ہیں جو اس سے پہلے کسی نے نہ کئے۔ قانون شرعی کے مطابق تقدیر دو قسم کی ہے ۱ مبرم یعنی اٹل ۲ معلق یعنی کسی پیارے بندے کی سفارش سے ٹل جانے والی۔ مردود۔ مرجوع۔ مصروف۔ مدفوع یہ چاروں اسم مفعول ہیں قریباً ہم معنیٰ ہیں مگر یہاں مردود فرمایا گیا۔ اس لئے کہ اگرچہ یہ چاروں صیغہ تقریباً ایک ہی مقصد ظاہر کرتے ہیں لیکن فرق اس طرح ہے کہ مدفوع۔ جس کو وہ پھیرے جس کے پاس آیا ہے مصروف وہ عذاب یا وہ چیز جس کو بھیجنے والا خود اپنی طرف پھیرے یا کسی اور کی طرف۔ مرجوع وہ عذاب یا چیز جو خود ختم ہو جائے۔ مردود ان سب کو عام ہے۔ یعنی یہ عذاب قوم لوط کا کہ [illegible] نہیں ہو سکتا وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ۔

ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۔ اور حضرت ابراہیم سے رخصت ہو کر جب دوپہر کے وقت آئے ہمارے فرشتے حضرت لوط کے پاس۔ جَاءَتْ ماضی ہے واحد مونث اس کا فاعل رُسُلُنَا یہاں ذَهَبَتْ نہیں فرمایا کہ یہ قرب شانِ عجلت لوط کی کے اظہار کے لئے ہے حضرت لوط شہر سدوم میں رہتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام چھ میل ادھر مقام الخلیل ہیں جو فلسطین کے سرحدی علاقوں میں ہے پہلے اس کا نام کچھ اور تھا اب اس کا نام الخلیل ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ملائکہ بغیر راستہ پوچھے سیدھے حضرت لوط کے پاس پہنچے اور دوسری روایت میں ہے کہ آپ جب بستی میں داخل ہوتے تو کوئیں پر پہنچے وہاں حضرت لوط کی بیٹیاں اور کچھ عورتیں پانی بھر رہی تھیں ان اجنبی لڑکوں کو دیکھا تو پوچھا کہ تم یہاں کیوں آئے ہو جلدی بھاگ جاؤ ورنہ یہاں کے لوگ تم کو پکڑ کر غلام بنالیں گے یہ بات انہوں نے بدلا کر بہت شرم سے کی۔ ملائکہ بولے کیا یہاں کوئی مہمان نواز نہیں ہے جو کچھ دیر ہمیں ٹھہرائے تو لوط علیہ السلام کی بیٹی محترمہ نے اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا کہ وہاں چلے جائیے۔ وہ بزرگ آپ لوگوں کو ٹھہرا سکیں گے۔ وہ سب وہاں گئے تو سلام کیا۔ حضرت لوط اپنے گھر یلو کھیت میں کچھ کام کر رہے تھے اجنبی مہمانوں کو جو خوبصورت قریب البلوغ لڑکوں کی شکل میں تھے۔ دیکھا گھبرا کر کھڑے ہو گئے پریشان ہوتے اور غمزدہ سِيْٓءَ فعل ماضی مجہول کا مقصد ہے ایک دم پریشانی نازل ہونا۔ جس سے انسان حواس کھو بیٹھے یہاں مراد ہے انتہائی دکھ افسوس۔ اس فعل سے ثابت ہوا کہ حضرت لوط نے اس اچانک پریشانی کی وجہ سے ملائکہ کو نہ پہچانا اگر دور سے دیکھ لیتے اور غور کا موقعہ مل جاتا تو پہچان لیتے لہٰذا کوئی شخص اس سے علم غیب کی نفی نہیں کر سکتا۔ حضورِ علم کی نفی ہے نہ کہ علم کی۔ اور حضورِ علم کی نفی میں ہزار ہا حکمتیں پوشیدہ ہوتی ہیں یہ سب دلائل سِیْٓءَ کے مجہول فرمانے سے ظاہر ہے۔ پریشانی اس لئے لاحق ہوئی کہ اس سے پہلے بھی آپ اجنبی ان مہمانوں کو اپنی پناہ میں لے لیتے تھے جو بدمعاشوں سے گھبرا کر بھاگتے پناہ ڈھونڈتے تھے آپ کی قوم آپ سے لڑتی تھی کہ تم ان کو کیوں چھپاتے ہو ہمارے حوالے کرو حضرتِ لوط ان کو جھڑکتے لعنت ملامت کرتے۔ حضرت لوط کی بیوی کو کفار نے لالچ دے کر کافر بنالیا تھا وہ چھپے ہوؤں کی مخبری جا کرتی تھی۔ تو قوم آکر جھگڑتی تھی۔ اس سے چند دن پیشتر ایسا ہی واقعہ ہو چکا تھا اور قوم نے کہہ دیا تھا کہ اب اگر آپ نے کسی مہمان کو گھر میں رکھا یا پناہ دی تو ہم جبراً آپ کی پناہ توڑ کر ان کو اٹھا کر لیجائیں گے اس لئے اب ان بھولے بھالے خوبصورت۔ بچوں کو دیکھ کر ان کی معصوم شکلوں کو دیکھ کر ترس کھاتے ہوتے غم زدہ ہوئے کہ ابھی قوم کو پتہ لگ جائے گا اور وہ بدبخت سرکش لوگ ان کی بھی بے عزتی کر دیں گے اور میری بھی توہین ہو جائے گی۔ اور سمٹ گئیں ان کی وجہ سے حضرت لوط کی ساری طاقتیں یعنی حضرت لوط نے اپنے آپ کو اس موقعہ پر بالکل بے بس کمزور سمجھا۔ اور دل تنگ ہوتے اگر کوئی شرافت کی جنگ ہوتی تو لاکھوں کے سامنے بھی نبی کی یہ حالت نہیں ہوتی کیونکہ اللہ کے نبی کی طاقت ساری کائنات سے زیادہ ہوتی ہے۔ مگر یہاں تو بے غیرتی کا مقابلہ تھا۔ بہادر انسان شیر ولے سے تو لڑ سکتا ہے مگر کتوں سے کیونکر ہاتھا پائی کرے جہاں ایک شریف آدمی شرم سے ہی پانی پانی ہو رہا ہے۔ بہادر پہلوان کو تو مار گرایا جا سکتا ہے۔ مگر بازاری عورت سے مقابلہ کون کرے۔ اور پھر وہ قوم اپنی ہی کہلاتی تھی یہ مزید شرمندگی تھی ذَرْعًا کی تحقیق تفسیر نحوی میں کر دی

گئی۔ سب طرف سے گھبرا کر بولے هٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ یہ آج کا دن میرے لئے بہت سخت دن ہے مصیبتوں کا دن ہے جس نے میرے رونگٹے کھڑے کر دیئے ہیں پٹھے اور رگیں سکیڑ دی ہیں۔ غم خوف اور پریشانی میں انسان کا یہی حال ہوتا ہے۔ پھر اپنی بیوی کو دیکھا اور کہا کہ تجھ کو ہلاکت ہو اندر چھپ جا کسی کو نہ بتانا۔ کفار سے اس کو لالچ تھی تھوڑی دیر تو صبر سے پاس بیٹھی رہی پھر پیشاب یا کسی ضرورت کا بہانہ کر کے باہر نکل تو گھر گھر خبر دیتی آئی اور بتا آئی کہ ایسے خوبصورت چہرے جسم اچھے لباس والے خوشبودار مہمان لوط کے ہمارے گھر آئے ہیں سِیْءَ اور ساءَ معروف مجہول یہ دونوں صرف لازم ہی ہوتے ہیں بعض لوگ ان کو نادانی سے متعدی بھی کہہ دیتے ہیں۔ متعدی تو ہو گا جب افعال میں آ کر اساءَ ہو گا۔
(صاوی۔ جمل۔ معانی۔ بیان۔ کبیر۔ خازن۔ سراج منیر۔ ابن کثیر)

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اللہ کے پیارے بندے اللہ تعالیٰ پر ناز فرماتے ہوئے اس سے جھگڑتے بھی اس پر ضد بھی کر لیتے ہیں ان کی یہ ضد رب کریم کو پسند ہے **دوسرا فائدہ** رب تعالیٰ کے بندوں سے بات کرنی رب ہی سے بات کرنی ہے۔ دیکھو حضرت ابراہیم نے ملائکہ سے بات کی تھی مگر رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا يُجَادِلُنَا ہم سے مجادلہ کیا۔ یہ فائدہ يُجَادِلُنَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کفار کے لئے شفاعت جائز نہیں۔ نہ کوئی نبی ولی کافر کی شفاعت کر سکتا ہے۔ دیکھو کافر کی سفارش کو جدال فرمایا گیا اس سے روک دیا گیا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم نے کفار کو بچانے کا ذکر نہ کیا تھا بلکہ مہلت کا تذکرہ تھا کہ شاید ایمان لے آئیں یہ فائدہ يُجَادِلُنَا اور أَعْرِضْ فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** تقدیر مبرم کسی کی دعا سفارش سے نہیں ٹل سکتی نہ کسی مخلوق میں طاقت ہے کہ تقدیر مبرم کو بدل سکے۔ تقدیر معلق بدل سکتی ہے۔ یہ جو کہا گیا ہے کہ نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔ یہاں تقدیر معلق مراد ہے۔ یہ فائدہ غَيْرُ مَرْدُودٍ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء کرام کی بہت عزت ہے۔ لہٰذا اگر ان کی زبان پاک سے ایسی بات بھی نکل جاتے جو نہ ہونے والی ہو تو ان کو اس کی حکمت سمجھا کر دعا سے روک دیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ إِنَّهُمْ آتِيهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** ملائکہ نے فوراً جاتے ہی عذاب کیوں نہ نازل کر دیا۔ پہلے حضرت لوط علیہ السلام کے گھر مہمان بن کر کیوں گئے۔ جس طرح کہ سابقہ کفار پر قوم نوح۔ قوم عاد۔ قوم ثمود پر ایک دم فرشتوں نے عذاب نازل کر دیا **جواب** اس کی وجہ تفسیر جمل نے اس طرح بیان فرمائی کہ پچھلی امتوں پر عذاب صرف ان کے کفر اور گستاخی انبیاء کرام کی وجہ سے آئی۔ جو ہر وقت ان کے ساتھ ظاہر تھا لیکن قوم لوط پر تین وجہ سے عذاب آیا۔ ایک کفر دوسری وجہ گستاخی نبوت۔ تیسری وجہ۔ یہ بدکاری لواطت۔ اس لئے ان کو تینوں چیزوں کی سزا ملنی تھی۔ دو جرموں پر عذاب اور تیسرے جرم یعنی بدکاری پر شرعی تعزیر۔ اور شرعی تعزیر کے لئے جرم کی شہادت ضروری ہے۔ اس لئے اولاً حضرت لوط کے گھر جا کر ان کی گواہی لی۔ پھر جب قوم کو ان مہمانوں کا پتہ لگا تو وہ دوڑ کر آ گئے اور حضرت لوط سے بات چیت کی تو

ملائکہ کو مجرم کا بحالت جرم مشاہدہ بھی ہو گیا اور اقراری گواہی بھی مل گئی۔ کہ انہوں نے بے غیرتی دکھاتے ہوئے کھلم کھلا جرم کا اقرار کیا جس سے شرعاً تعزیر واجب ہو گئی۔ اور یہ گواہی علم ملائکہ کے لئے نہیں تھی بلکہ قانون شریعت کو پورا کرنے کے لئے تھی۔ یہی رب کا حکم تھا۔ اسی حکمت سے ان کو لڑکوں کی شکل میں بھیجا گیا **دوسرا اعتراض** حضرت لوط نے مہمانوں کو دیکھ کر دل تنگی کیوں کی مہمان تو اللہ کی رحمت ہوتا ہے۔ یہ عادت شان نبوت کے خلاف ہے **جواب** اس کا جواب ابھی تفسیر میں عرض کر دیا گیا۔ کہ دل تنگی مہمانوں کی وجہ سے نہ تھی قوم بدکار کی وجہ سے تھی اور اپنی بیوی کی خباثت نفس کی وجہ سے تھی۔ اور مہمان کے لئے وہ تنگی منع ہے جو محض کنجوسی اور سختی دل کی بنا پر ہو **تیسرا اعتراض** تم کہتے ہو کہ نبی کی ہر بات بارگاہ خداوندی میں قبول ہوتی ہے مگر حضرت ابراہیم نے اتنا جھگڑا کیا لیکن قوم لوط کو نہ بچا سکے (وہابی) **جواب** اس کا ایک جواب تو ابھی تفسیر میں دیا گیا کہ یہ تقدیر مبرم تھی حضرت ابراہیم نے سمجھا یہ معلق ہے۔ اس لئے جواباً اللہ تعالیٰ نے ان کو سمجھا دیا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم نے کب ان کو بچانا چاہا تھا بلکہ آپ کو اپنی نرم دلی کی بنا پر امید تھی کہ شاید وہ کل ایمان لے آئیں لہٰذا اگر کچھ مزید مہلت مل جاتی تو وہ سیدھے ہو جائیں اور یہ پوچھنا مقصود تھا کہ یہ فیصلہ عذاب تقدیر مبرم ہے یا معلق لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

تفسیر صوفیانہ

فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ اِبْرٰهِيْمَ الرَّوْعُ وَجَآءَتْهُ الْبُشْرٰى يُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ ؕ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَحَلِيْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِيْبٌ ۔ علماء شریعت کا ملک وملکوت تمام عالم ظاہر ہے مشرق ومغرب پر شریعت کا دور دورہ ہے مگر صوفیاء طریقت کی سلطنت جسم انسانی پر ہے۔ ظاہراً سرزمین دنیا بہت وسیع نظر آتی ہے مگر باطن میں نفوس انسانی عالم بیکنار ہے۔ اسی میں خار ہیں اسی میں گلزار ہیں، بحروبر ہیں۔ یہیں پھول وکانٹے ہیں یہیں طور عرفان اور آتش شریعت ہے یہیں آتش نمرود ہے یہیں عشق خلیل اسی محل میں لوح روح ہے اور قلب صود اسی جگہ طوفان عذاب ہے اور یہیں کشتی شریعت اسی قالب میں یہاں میں خلیل وحبیب ہیں یہیں زینت اسحٰق اور رونق یعقوب ہے یہیں نفس بدکار ہے اور یہاں ہی غیرت لوط ہے یہاں ہی انوار کے پیغامبر آتے ہیں اور مکاشفات اسرار کی بشارتیں ملتی ہیں۔ یہیں پر بقا ملتی ہے یہیں پر فنا یہی قلب وقالب درست ہو تو نجات دائمی ہے اگر یہ ہی بگڑ جاتے تو عذاب ابدی ہے۔ ان ہی نفوس کی وادی حیرت میں گم ہونے والا نفس کی دلدل میں پھنس کر ہلاک ہوتا ہے۔ لیکن تدبر سے سنبھلنے والا مقام بقا پا جاتا ہے۔ بصیرت سے کام لینے والا دریاء مشاہدات میں غوطے لگاتا ہوا کنارۂ قرب کے افلاک پر پہنچ جاتا ہے۔ غرضیکہ جسم انسانی قالب ایمانی قدرت کا عجیب شاہکار ہے۔ علماء شریعت ظاہر کو درست کرتے ہیں اور صوفیاء طریقت باطن کو۔ ظاہری اشیاء عالم باطن کا سبب ہیں اور باطنی اوصاف لطیفہ وکثیفہ ظاہر کی علامت ہیں۔ اسی قالب اسی مرکز روح میں جب انوار کے قاصد آتے ہیں اور بشارت حسن عرفانی دیتے ہیں تو جب خلیل بیدالی سے خوف حمایت وشفقت ختم ہوا اور سلامتی حسن ابدی کی بشارت مل گئی تو سراپا اہل ناز بن کر لوط غیرت باطنی کی قوم ذمیمہ ورذیلہ کے بچانے میں یا معاملہ ریاضت وتوجہ کے چاہنے میں محبت کے جھگڑے کرنے لگا

سفارش کے ناز دکھانے لگا۔ کیونکہ بے شک خلیل فواد البتہ ہمیشگی سے علم لطیف والا ذکر و عشق سے آہیں بھرنے والا۔ منزل وصل کی طرف رجوع کرنے والا ہے یٰۤاِبْرٰهِیْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَ اِنَّهُمْ اٰتِیْهِمْ عَذَابٌ غَیْرُ مَرْدُوْدٍ ۔ ۔ ۔ ۔ جب ہمارے اسرار خاص کے پیارے خلیل سے بُعد کا خوف دوری کا کھٹکا چلا گیا اور قرب کی بشارت مل گئی محبت قلبی کا مزہ چکھ لیا خلیل کے چہرۂ نور پر خلت کا سکر چھا گیا۔ طالب و مطلوب خلیل و محبوب کا ملاپ ہو گیا اور محبت ناز نے محبوب نیاز سے طلب رحم کے جھگڑے کر لئے شراب وصل پا لیا جو خلیل ہی کے لائق تھا کیونکہ وہ حلیم قوم ہے بد دعا نہیں کرتا خود ہی آتش عشق میں کود جاتا ہے۔ دیدار جمال کے لئے ذکر کی آہیں بھرنے والا ہے یہی اہل عشق کا طریقہ ہے۔ مشاہدۂ ملکوت کے لئے مجالس اُنس کی طرف رجوع فرمانے والا ہے ایسے خلیل کا جھگڑا بھی جہالت سے نہیں کرامت و شفقت سے ہے۔ محبوب کُل جَل مجدہٗ۔ عارفین کا غضب محبین کا غصہ صدیقین کا مجادلہ اور عاشقین کا کھلنا ناز کرنا پسند کرتا ہے۔ یہ افعال بجز ان پیاروں کے کسی کو لائق نہیں۔ جب طالب کی طرف ناز ہو تو مطلوب کی طرف نیاز ہوتا ہے جب عاشق کی طرف پیار کا جھگڑا ہو تو معشوق کی طرف شفقت کا سمجھانا ہوتا ہے۔ ابراہیم باطنی نے جب محبوبانہ جھگڑا کیا تو ہم نے حبیبانہ طریقے سے سمجھایا اے ابراہیم تم ان رحیمانہ سفارشوں مشفقانہ شفاعتوں سے علیحدہ ہو کر ہمارے ذکر کے۔ بکرمیں چلے جاؤ تم ہمارے ہو ہم تمہارے ہیں تم خلوت خانۂ جمال میں لذت دیدار کے مزے لوٹو۔ تمہارے رب کا فیصلۂ ازلی آچکا ہے۔ اب اوصاف ذمیمہ خصائل رذیلہ پر فنا کا ایسا عذاب آنے والا ہے جو کبھی نہ لوٹایا جائے گا۔ کیونکہ لوط باطن اور زمین کی یہ قوم اب سنبھلنے والی درست ہونے والی نہیں یہ انوار جمال کے قاصد نار قہر اور آتش جلال کے ساتھ آتے ہیں یہ قاصد بارگاہ خلت و الفت میں نور جمال ہیں اور لیکن جب اوصاف رذیلہ کی وادیٔ ندامت میں پہنچیں گے تو قہر ذوالجلال بن کر ظاہر ہوں گے وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِیْٓءَ بِهِمْ وَ ضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّ قَالَ هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ ــــــــــ اور جب ہمارے رسولان اہل تدبیر قہر قہار بن کر نفس مطمئنہ کے حضور آتے تو حسن جلال اور لطف رحمان کی جھلکیاں چہرۂ تاباں میں دیکھ کر اپنی قوم ذمیمہ خصائل رذیلہ کی بے حمیتی کی وجہ سے کلفت و پریشانی ہوئی کہ اے مولیٰ گندے مقام اور نفسانی خباثتوں کی پلید جگہ پر یہ حسن و جمال کی بارش کیوں ہو رہی ہے یہ نفسانی بدکار گندگیاں تو ان پیکران حسن رعنائی کو خراب کریں گے اس تصور و گمان سے نفس مطمئنہ دل تنگی میں آیا اور بارگاہ لطیف و عمیم میں گڑگڑا کر بولا هٰذَا یَوْمٌ عَصِیْبٌ یہ دن غیرت ایمانی کی موت کا سخت دن ہے۔ نفس و نفسانیات کی زندگی غیرت و حمیت کی موت ہوتی ہے۔ عالم قدس کے مہمان جب قلب پرور وارد ہوتے ہیں۔ تو قلب کے وزراء حلم و کرم ان کی پذیرائی و میزبانی کا شرف حاصل کرنے میں اپنی خوش قسمتی سمجھتے ہیں مگر جہاں نفس و نفسانیات کے طبیعیات خبیثہ کا راج ہو اوصاف رذیلہ کا تسلط ہو عادات ذمیمہ کا غلبہ ہو۔ وہاں لوط مطمئنہ اوصاف حمیدہ خلوت خانۂ غمگینی میں اندوھگیں ہو کر بیٹھتے ہیں۔ اس غلبۂ شیطانی کے قالب میں جب قلب و جگر کی خاطر انوار کے مہمان نزول کرتے ہیں تو غیرت ازل والے۔ پریشان ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ان کے پاس بٹھلانے

کو جگہ ٹھہرانے کو مقام عفت نہیں ہوتا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اہل صفا اور طالبان حق کو ابتدائی مراحل میں یہ دشواریاں پیش آتی ہیں تب فریاد کناں پکارتے ہیں ع

نفس و شیطان زد کریا راہ من

جس نے استقامت کی اس نے تائید رحمانی سے غلبہ پایا۔ اور اپنی محنت شاقہ و اولادِ اعضاءِ رئیسہ اور اعمال مومن کو بچا کر وادیِ ظلمات سے نکل کر عافیت خلیل میں قرار پالیا اور بدبخت و بے حمیت خواہشات رذیلہ رکھنے والوں کو فنا کے عذاب سے ہلاک کر دیا۔ (عرائس البیان)

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ يُهْرَعُوْنَ اِلَيْهِ ؕ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا

اور آئی ان کے پاس قوم ان کی دوڑاتے جاتے ہوئے طرف انکے اور سے پہلے تھے وہ عمل

اور اس کے پاس اس کی قوم دوڑی آئی اور انہیں آگے ہی سے برے

يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ؕ قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ

کرتے بد معاشی کے فرمایا اے قوم میری یہ ہیں قومی بیٹیاں میری یہ پاکیزہ ہیں

کاموں کی عادت پڑھی تھی کہا اے قوم یہ میری قوم کی بیٹیاں ہیں یہ تمہارے

اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِيْ ضَيْفِيْ ؕ اَلَيْسَ

لیے تمہارے تو ڈرو اللہ سے اور نہ پریشان کرو تم مجھے بیچ مہمان میرے کیا نہیں

لیے ستھری ہیں تو اللہ سے ڈرو اور مجھے میرے مہمانوں میں رسوا نہ کرو کیا تم میں

مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝۷۸ قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ

سے تم میں کوئی مرد سمجھدار سب بولے البتہ بے شک جان لیا تم نے کہ نہیں

ایک آدمی بھی نیک چلن نہیں بولے تمہیں معلوم ہے کہ تمہاری قوم کی بیٹیوں میں

بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ ۚ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝۷۹ قَالَ لَوْ

ہے لیے ہمارے بیچ قومی بیٹیوں تمہاری حق اور بیشک تم نہیں جانتے جو چاہتے ہیں ہم فرمایا کاش

ہمارا کوئی حق نہیں اور تم ضرور جانتے ہو جو ہماری خواہش ہے بولے اے کاش

اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ ﴿۸۰﴾

بے شک کاش میرے تم پر طاقت ہوتی یا پناہ لیتا میں طرف رکن مضبوط کی

مجھے تمہارے مقابل زور ہوتا یا کسی مضبوط پائے کی پناہ لیتا

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں قوم لوط کی ہلاکت و عذاب کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان کی اس ہلاکت کی وجہ یعنی بدکاری بدمعاشی کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حلیمانہ مشفقانہ سفارش کا ذکر ہوا کہ آپ نے کس طرح قوم لوط کو بچانے کا ارادہ فرمایا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت لوط علیہ السلام نے بھی آخری بار عذاب سے بچانے کی بہت کوشش فرمائی اور طرح طرح سے سمجھایا **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ ہم نے اس عذاب کے نازل ہونے کو اس طرح پوشیدہ رکھا کہ اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم بھی نہ پہچان سکے کہ یہ ملائکہ عذاب ہیں یا انسانی مہمان۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ اس پوشیدگی کو قائم رکھتے ہوئے ہم نے خود حضرت لوط کو بھی پہچان نہ ہونے دی۔ تاکہ بدکار قوم سے وجہ عذاب پوری طرح ظاہر ہو جائے اور اتمام حجت ہو۔

تفسیر نحوی وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ۔ واؤ سے جملہ جاء فعل ماضی بصیغہ واحد کیونکہ فاعل ظاہر ہے قومُ پہلے ہُ اور دوسرے ہُ کا مرجع لوط علیہ السلام پہلی ضمیر منصوب متصل دوسری مجرور متصل جاءہ دراصل تھا جاء عندہ عِنْدَ محذوف کی وجہ سے ہُ مفعول فیہ یُہْرَعُوْنَ فعل مجہول بصیغہ جمع ہَرَعٌ سے مشتق ہے۔ لغوی معنی خون کی تیز گردش۔ یہاں مراد تیزی دوڑنا جیسے کوئی ہنکا رہا ہو یا دشمن پیچھے لگا ہو مجہول کہتے ہیں اور بھی شدید دوڑ کی طرف اشارہ ہے۔ گویا ہنکائے جا رہے تھے اور ہنکانے والا مجہول ہے۔ اِلٰی حرف جر انتہاء و غایت کے لئے ہُ مرجع لوط۔ واؤ حالیہ مِن جارہ ابتداء کے لئے قبل ظرف مفرد ہے۔ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری بصیغہ جمع السَّیِّاٰتِ جمع مؤنث سالم سَیِّئَۃ کی جمع ہے مفعول بہ ہے ماضی استمراری کا قَالَ یٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ۔ قال ماضی قول ہے حضرت لوط کا یا ندائیہ قوم دراصل تھا قومی یاء متکلم کو حذف کیا تخفیف کے لئے اور زیر کو قائم مقام کیا ہٰؤُلَاءِ اسم اشارہ جمع ہے بنات جمع بنات جمع سالم ہے بِنْت کی اضافت یاء متکلم کی طرف اصل میں مراد عام عورتیں ہیں ضمیر جمع مؤنث اَطْہَرُ اسم تفضیل خبر ہے ضمیر مبتدا کی اسم تفضیل واحد مذکر ہے جبکہ ہُنَّ جمع مؤنث بوجہ فعل تفضیل کے واحد ہونے کے لَکُمْ لام جارہ کُمْ ضمیر کا مرجع وہ آنے والے قومی لوگ یا ساری قوم فا سببیہ یا جزائیہ اِتَّقُوْا امر ہے تقویٰ سے مشتق ہے لفظ اللہ مفعول بہ بحالت نصب واؤ عاطفہ جملے کا جملے پر عطف ہے

لَا تُخْزُوْنِ خِزْیٌ بمعنی رسوائی سے مشتق ہے فعل نہی بصیغہ جمع باب افعال سے متعدی بیک مفعول ہے دراصل تھا۔ نِی نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ۔ فعل نہی اصل میں لَا تُخْزُوْنَنِیْ تھا نون نحو یا حرف علت گر گئی نی ظرفیت کے لئے ضیف بمعنی مہمان بروزن فعیل مبالغے کا صیغہ اسی سے ہے ضیافت کہ محبت و میلان مہمانوں اور دعوتوں میں نمایاں ہوتی ہے یاء متکلم سے مراد حضرت لوط ہیں اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ ۔ ہمزہ استفہام تعجب کے لئے ہے لَیْسَ فعل ناقصہ سے جملہ انشائیہ نہ کہ خبریہ مِنْ بمعنی فی کُمْ ضمیر مخاطب کا مرجع موجودہ اوباش لوگ رَجُلٌ نکرہ مفرد تنوین تنکیری بمعنی کوئی موصوف ہے رشید بمعنی مرشد یا مرشد یعنی ہدایت لینے والا یا ہدایت دینے والا قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ قَالُوْا۔ فعل ماضی کا فاعل وہی قوم ہے اوباش لوگ ہیں لَقَدْ عَلِمْتَ لام تاکید بمعنی البتہ یقیناً قَدْ عَلِمْتَ ماضی قریب بصیغہ واحد مذکر حاضر یہ جملہ مقولہ ہے مَا نافیہ لَنَا کا لام جارہ نفع کا یا ملکیت کا نا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل فی حرف جر بنات۔ جمع مونث سالم کَ ضمیر حاضر کا مرجع حضرت لوط ہیں اور بنات مجازی معنی میں ہے۔ مِنْ تبعیضیہ تنکیریہ حق بمعنی تعلق یا مطلب۔ حق سات معنی میں مشترک ہوتا ہے۔ واؤ سے جملہ اِنَّ حرف تحقیق کَ ضمیر واحد کا مرجع حضرت لوط ہیں۔ تَعْلَمُ فعل مضارع مثبت بمعنی تَعْرِفُ علم سے مراد معرفت ہے لام تحقیق کا ہے۔ ما میں تین احتمال یا موصولہ یا مصدریہ یا استفہامیہ مفعول بہ ہے فعل متصل کا۔ نُرِیْدُ فعل مضارع معروف بصیغہ جمع متکلم جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ما کا اگر اس کو موصولہ مانا جائے۔ اگر استفہامیہ مانا جائے تو یہ متعلق تَعْلَمُ کا قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِكُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰى رُكْنٍ شَدِیْدٍ۔ قَالَ کا فاعل لوط علیہ السلام جوابی قول ہے۔ لَوْ شرطیہ جزا محذوف ہے یا لَوْ بہاتے تمنا ہے بمعنی کاش تب مقدر کچھ نہیں اَنَّ حرف مشبہ ہے درمیانِ کلام ہے لہٰذا نصب ہمزہ سے ہے لِیْ جار و مجرور متعلق ہے ثابت پوشیدہ کا وہ اسم اَنَّ ہے بِكُمْ متعلق دوم پوشیدہ عامل کا با بمعنی علیٰ کُمْ سے مراد وہی آنے اور گھیراؤ کرنے والے لوگ ہیں قُوَّةً نکرہ مصدر ہے تنوین تنکیری ہے منصوب ہے بوجہ تمیز پوشیدہ عامل ثابت کے فاعل کا یا یہاں مِنْ بعضیت کا محذوف ہے یعنی مِنْ قُوَّةٍ تب متعلق ہے اور نصب حذف جار کی بنا پر ہوا۔ اَوْ حرف عطف یا اپنے معنی میں ہے یا بمعنی بل ماقبل جملہ معطوف علیہ ہے ما بعد کا جملہ معطوف ہے۔ اٰوِیْ فعل مضارع واحد متکلم باب ضرب سے ہے اَوٰى الیٰ سے مقرون سے مشتق ہے۔ اِلٰى رُكْنٍ الیٰ جارہ برائے انتہاء رُكْنٍ مصدر مادہ ہے لغوی ترجمہ ہے پناہ گاہ۔ اگر اَوْ بمعنی بل ہو تو اٰوِیْ فعل حال ہوگا اور رکن سے مراد اللہ کی پناہ اگر اَوْ بمعنی یا ہو تو اٰوِیْ تمنائی مضارع ہوگا اور رکن سے مراد گوشہ مضبوط یا برادری کی قوت ہوگی۔ شدید بروزن فعیل اسم فاعل صیغہ صفت ہے بمعنی قوت و شدت والا۔

تفسیر عالمانہ

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ ۙ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ ۔ اور اس حال میں کہ حضرت لوط اپنے مہمانوں کے لئے اس قسم کی قوم کے متعلق باتیں کر رہے تھے اور سوچ رہے تھے کہ یہ لوگ پتہ جائیں۔ آپ کی کافر قوم سب کی سب اس طرح دندناتی ہوئی آئی گویا ان کو ہانکا جا رہا ہے یا ایک دوسرے کو اکساتے

دھکیلتے لئے چلے آئے یا ان کی شہوت ان کو دھکیلتی لائی یا خود ہی گرتے پڑتے بے حیائی دکھاتے ہوئے چلے آتے کچھ تو بھاگنے کی وجہ سے اور کچھ جوش شہوت سے جسموں پر کپکپی طاری تھی۔ سیدھے حضرت لوط کی طرف چلتے چلے آئے۔ یہ خبر ان کو یا تو لوط علیہ السلام کی بیوی نے دی ان پیسوں کی لالچ میں جو کفار نے لالچ دے رکھا تھا یا کسی اور نے راہ چلتے دیکھ کر۔ آج اس بے غیرتی بے حیائی سے اس لئے آگئے کہ ان کی شرم وحیا پہلے سے اتری ہوئی تھی اور مِنۡ قَبۡلُ كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ السَّيِّاٰتِ ۔ پہلے زمانوں سے ہی بہت قسم کی برائیاں کرتے رہتے تھے۔ یا لواطت پہلے سے کرتے رہتے تھے۔ روایت ہے کہ قوم لوط کو سب سے پہلے کبوتر بازی کی عادت پڑی۔ پھر پرندوں کی بولیاں بولتے پھر آداب مجلس کا خیال نہ رکھنا بزرگوں کے سامنے ہی ایک دوسرے کو سیٹیاں مارنا گوز مارنا تالیاں بجانا پھر ان بدتمیزیوں پر قہقہے لگانا۔ کوئی بزرگ ان سے بات تو در کنار ان کے پاس بیٹھ نہ سکتا تھا بلکہ ان کے پاس سے صحیح سلامت باعزت گزر نہ سکتا تھا۔ پھر ان میں تیسرا عیب یہ پیدا ہوا کہ راستوں کے کنارے پر بیٹھ جاتے اور ہر آتی جاتی بہو بیٹی پر آوازے کستے کوئی منع کرنے والا نہ تھا ہر شریف آدمی ان کے اس کردار سے گھبرایا ہوا تھا۔ کوئی اگر منع کرنے کی جرأت کرتا بھی تو بجائے شرمندگی یا وقتی طور پر لحاظ اور ادب کرنے کے اس کو مذاق کا نشانہ بناتے (بیان) ان لوگوں کے پاس گندم کی منڈی تھی لوگ دور۔ دور سے گندم لینے آتے تھے۔ کئی دفعہ حاجتمند ایسے وقت میں بھی آجاتے جب ان کے آرام کا وقت ہوتا تو یہ بڑے پریشان ہوتے ایک دفعہ انہوں نے مشورہ کیا کہ ہم کیا کریں کہ لوگ فلاں فلاں وقت نہ آئیں تو ابلیس نے شکل انسانی میں آکر ان کو لواطت کا مشورہ دیا۔ پہلی مرتبہ تو جان چھڑانے کے لئے اس بدفعلی کے مرتکب ہوئے پھر تو اتنی بے غیرتی لادی کے بر سر عام بھی شروع ہو جاتے اور کسی سے نہ جھجکتے آج یہی بے جھجکی بے غیرتی نے یہاں تک گل کھلایا کہ نہ دن دیکھا نہ رات نہ شرم نبی نہ مہمانوں کی غیرت جاہل اپنے حال سے غافل اپنے مال سے سَیِّاٰت اسی لئے جمع فرمایا۔ بعض مفسرین نے کہا کہ عیب صرف یہی تھا سَیِّاٰت کو جمع اس لئے کہا گیا کہ یہی عیب پے درپے دن رات بار بار کرتے تھے۔ اور یہ حال تھا کہ راستہ چلتوں کو پکڑ لیتے۔ جب ان نووارد اجنبی مہمانوں پر حملہ آور ہونے کا ارادہ کرنے لگے تب حضرت لوط نے فرمایا قَالَ يٰقَوۡمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىۡ هُنَّ اَطۡهَرُ لَـكُمۡ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخۡزُوۡنِ فِىۡ ضَيۡفِىۡ ؕ اَلَيۡسَ مِنۡكُمۡ رَجُلٌ رَّشِيۡدٌ ۔ بولے اے میری قوم یہ سب پاس کھڑی قوم کی عورتیں میری بیٹیاں ہیں۔ ان لوگوں کی اس بے تحاشہ بھاگ دوڑ کا تماشہ دیکھنے کے لئے بچے بوڑھے اور عورتیں سب جمع ہو گئے تھے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِىۡ بَنَات جمع ہے بنت کی۔ ان میں سے بعض تمہاری بیویاں ہیں تم ان کے خاوند ہو۔ بعض غیر شادی شدہ ہیں تو تم میں کنوارے لوگ عام شریفانہ رواج کے مطابق ان سے نکاح کر لو یہ میری قومی بیٹیاں تمہارے لئے بہت ہی پاکیزہ ہیں۔ تفسیر روح البیان نے کہا کہ بیٹیوں سے مراد نسبی بیٹیاں ہیں مگر یہ عقلاً نقلاً غلط ہے اولاً اس لئے کہ لوط علیہ السلام کی صرف دو بیٹیاں تھیں اور اس وقت نابالغہ تھیں ان کا نام رِیثا رَغوراء تھا یہاں فرمایا گیا بَنَاتِی جو جمع ہے دوم اس لئے کہ اگر اپنی بیٹیوں سے نکاح کرانا ہوتا تو پہلے کیوں

نہ کر دیا ہوتا۔ سوم اس لئے کہ قوم کے سینکڑوں آدمی آئے تھے بلکہ سارے ہی جیسا کہ قَوْمُهٗ کے اطلاق بلا حرف بعضیت سے ظاہر ہے۔ تو دو بیٹیوں والا ساری قوم کو دعوت کس طرح دے سکتا ہے۔ چہارم اس لئے کہ قوم کے کفر کے متعلق تو کہا جا سکتا ہے کہ اس شریعت میں کفار سے مومنہ کا نکاح جائز تھا جیسا کہ ابتداءً اسلام میں بھی جائز تھا۔ مگر عام شریف آدمی بھی گوارا نہیں کرتا کہ میری بیٹی کا نکاح گندے بے غیرت بدمعاش سے ہو۔ تو اللہ تعالیٰ کا مکرم اس نکاح کا خیال تک کیسے کر سکتا ہے۔ آنکھیں بند کر کے تفسیر لکھ دینی کوئی کمال نہیں۔ اتنا کلام فرما کر پھر جھڑکتے ہوتے فرمایا اللہ سے ڈرو کہ گناہ اور ایسی بیہودہ حرکات کو چھوڑ دو اور مجھ کو رسوا نہ کرو میرے مہمانوں کے سامنے یا ان کے ذریعے کیونکہ مہمان کی ذلت میزبان کی ذلت ہوتی ہے۔ جیسے کہ مہمان کی عزت کرنا میزبان کی عزت ہے۔ لفظ ضیف مصدر اسم جنسی ہے جو قلیل کثیر سب کے لئے مستعمل ہے۔ مگر اس کی جمع اضیاف اور تثنیہ ضیافان آتی ہے یہاں ضیف بمعنیٰ اضیاف ہے۔ ضیف کا لغوی ترجمہ ہے۔ ضیافت یعنی دعوت کھانے والا۔ جب اتنی باتوں کا بھی اثر ہوتا نہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا تم میں کوئی لائق ہدایت یافتہ مرد نہیں ہے یا قابل ہدایت جو میری باتوں کو سن کر ہدایت اور سمجھداری قبول کرے اور یہاں سے ہٹ جاتے۔ یا تم میں کوئی ان سب بے غیرتوں کو سمجھانے والا نہیں ہے۔ یہاں رشید بمعنیٰ مرشد ہے یا مرشد دوسرے معنیٰ درست ہیں۔ ایسا دردناک وعظ کلام سن کر بھی نہایت بے غیرتی سے کھڑے رہے اور قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ سب یک زبان بولے یا ایک ان سب میں زیادہ بے باک سب کی طرف سے بولا اے لوط البتہ تو نے پہلے ہی جانا ہوا ہے کہ نہیں ہے ہمیں کوئی حاجت تیری ان قومی بیٹیوں میں جو ہماری بیویاں بنی ہوئی ہیں عَلِمْتَ بمعنیٰ عَرَفْتَ ہے۔ کیونکہ علم کا تعلق دل سے ہوتا ہے اور عرف کا تعلق دماغ سے یہاں دل سے جاننا مراد نہیں بلکہ عقل اور آنکھ سے جاننا۔ یعنی اے لوط تو ہم کو پہلے سے ہی جانتا ہے۔ ہماری بیویاں حق زوجیت ادا نہ کرنے کی شکایات تیرے پاس ہی لے کر آتی ہیں۔ یا تو نے آنکھوں سے کئی دفعہ دیکھا ہوگا کہ ہم بیویوں سے بالکل دور ہیں۔ ہم کو بیویوں سے بالکل شہوت نہیں آتی لہٰذا اب ہمیں ان کی کیا حاجت رہی۔ حق کے معنیٰ حاجت یا ضرورت ہیں تاریخوں میں لکھا ہے کہ ان کی طبیعت بالکل کتوں اور جانوروں جیسی ہوگئی تھی جس طرح کتے کو اس وقت تک شہوت نہیں آتی جب تک کتیا میں وہ خاص بو نہیں پیدا ہوتی۔ اسی طرح ان لوگوں کو بیویوں کو دیکھ کر یا خلوت صحیحہ میں جا کر بھی شہوت نہیں پیدا ہوتی تھی۔ اور یہ بات عام مشہور ہو چکی تھی ان کی کافرہ عورتیں دوسروں سے زنا کراتی پھرتی تھیں اور سب کچھ دن دھاڑے ہوا کرتا تھا۔ کسی کی غیرت روکنے والی نہ تھی۔ بدیں وجہ انہوں نے کہا مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ کہ جس کو تم اپنی بیٹیاں کہہ رہے ہو۔ ہمیں ان کی حاجت نہیں اور بے شک تم یہ بھی جانتے ہو کہ ہمارے ارادے کیا ہیں۔ اس لئے ہم نے پہلے ہی تم سے کہہ دیا تھا کہ ہر ایک کو تم پناہ مت دیا کرو اور ہمارے راستے کے لئے رکاوٹ نہ بن جایا کرو لہٰذا اب بھی دروازہ چھوڑ دو اور ہمیں اندر جانے دو جہاں وہ اجنبی مہمان بیٹھے ہیں۔ حضرت لوط نے جب ان

کی ہے نبوت کا ظاہر طور پر یہ حال دیکھا تو اس آخری تبلیغ کے بعد ان کی ہدایت اور درستی سے بالکل مایوس ہو کر فرمایا
لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّۃً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُکْنٍ شَدِیْدٍ بولے کاش اس وقت میرے لئے تمہارے سامنے کچھ قوت ہوتی کہ تم کو یہاں
سے بھگا سکتا۔ یا اس طرح کہ باقاعدہ ہتھیار لے کر تم سے اکیلا ہی جنگ کرتا یا دوسری قوم کے لوگوں کو بلا کر لاتا جو تم سے
نمٹتے اور تم کو مار کر بھگاتے۔ مگر حالات ایسے پیدا ہو گئے ہیں کہ میں کہیں جا نہیں سکتا تم سے زیادہ دیر جھگڑا کر نہیں سکتا۔ گھر
میں مہمان بیٹھے ہیں۔ میں اکیلا ہی ان کا میزبان ہوں۔ وہ اجنبی مسافر ہیں۔ تم ان کے درپے ہو میں ان کی حفاظت میں
ہوں میرے ساتھ اور کوئی معاون بھی نہیں۔ تم کو ذرا غیرت نہیں۔ مہمان تمہارے متعلق کیا سوچیں گے کیا دنیا میں تم جیسا
کوئی بے حمیت اور مہمانوں کو ستانے والا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا بیٹا کوئی نہ تھا جیسا کہ تاریخوں سے ظاہر ہے۔ مقصد
کلام یہ ہے کہ اگر مجھ کو پہلے پتہ ہوتا کہ تم لے آج ایسی حنت بے حیائی دکھائی ہے تو میں یا تو پہلے ہی تیاری کر لیتا یا کسی پہاڑ کے
رکن یعنی غار میں چھپ کر پناہ پکڑ لیتا اور مضبوط رکن جو بہت خطیبہ ہوتا وہاں جا چھپتا۔ تاکہ نہ میں یہاں ہوتا نہ یہ مہمان
یہاں ٹھہرتے نہ میں آج اس طرح ان پیارے مہمانوں کے سامنے رسوا ہوتا۔ رکن کا معنی ہے مضبوط ستون جس پر پوری چھت
کا بوجھ ہوتا ہے۔ پہاڑ کے غار کو بھی رکن کہہ دیا جاتا ہے کہ باقی پہاڑ اس کے اوپر ہوتا ہے۔ رکن کا معنی قوم کا اونچا فرد بھی
ہے۔ شدید بمعنی سخت۔ اس سے چیز کی سختی مراد ہوتی ہے گو خود ناقص ہے کسی کے ساتھ مل کر اپنا معنی دیتا ہے جیسی شی ہو اسی قسم
کی شدت ہوتی ہے کھار کی شدت زیادہ گہرائی۔ ستون کی شدت زیادہ مضبوطی اور موٹا ہونا ہے۔ سردار کی شدت زیادہ امیر ہونا ہے
بادشاہ کی شدت زیادہ رعایا۔ آقا کی شدت زیادہ غلام۔ باپ کی شدت زیادہ بیٹے۔ امیر کی شدت زیادہ دولت۔ یہاں رکن شدید
کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ کاش میری اس قوم کے سردار ہی میرے ساتھ ہوتے مومن بن گئے ہوتے تاکہ ان کے ذریعے تم کو
دفع کرتا یا پھر تم کو اس طرح آنے کی جرأت ہی نہ ہوتی۔ ایک تفسیر یہ بھی ہے کہ رکن شدید سے مراد ذات باری تعالیٰ ہے اور
مقصد یہ ہے کہ کاش میں آج سے پہلے اللہ کو پیارا ہو چکا ہوتا۔ جس میں تمنائے موت کیطرف اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ سب سے زیادہ
شدید رکن ذات باری تعالیٰ ہے بہرحال رکن کے معنی ہیں مضبوط عضو کو نماز کے داخل فرض کو۔ کسی جماعت کے فرد کو رکن
اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** انبیاء کرام قوم میں مثل باپ کے ہوتے ہیں اور سب
قوم مثل بیٹوں کے اور ان کی عورتیں بیویاں مثل بیٹیوں کے ہوتی ہیں یہ نبی کا کرم ہوتا ہے کہ کافروں
کو بھی اپنے بیٹے بیٹیاں سمجھتے ہیں۔ اور ان کی گستاخی کو برداشت کرتے ہوئے ان سے بچوں جیسا پیار کرتے ہیں۔ حضرت
لوط نے ان عورتوں کو اس طرح بیٹی فرمایا جیسے بزرگ چھوٹی بچیوں کو بلکہ بہوؤں کو بیٹی کہہ دیتے ہیں **دوسرا فائدہ** مہمانوں کی
خدمت اور ان کی حفاظت سنت انبیاء ہے اگرچہ مہمان اجنبی ہو **تیسرا فائدہ** مہمان کی عزت کرنے سے میزبان کی خوشی ہے
دیکھو حضرت لوط کی یہی خواہش تھی کہ قوم والے ان میرے مہمانوں کی عزت کریں اسے ذکر ہے پہلا آقا دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

کی بھی یہی خوشی ہوتی ہے کہ اہل مدینہ ان لوگوں کی عزت کریں جو مدینہ منورہ میں زائر ہو کر جائیں۔ اور واقعی اہل مدینہ خدمت و عزت کرتے ہیں۔ ان کی عزت کرنے کی دلیل یہ ہی آیت ہے۔ اسی طرح سب اہل مدینہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہیں ان کی عزت ہم سب مسلمانوں پر فرض ہے۔ یہ فائدہ کی تتقوا اللہ سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** غیر خدا کا سہارا پکڑنا یا اس سہارے کی تمنا کرنا شرک نہیں یہ فائدہ لو انّ اور اوی فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو حضرت لوط علیہ السلام نے اس بات پر افسوس کیا کہ قوم نے میری مدد میرا تعاون نہ کیا اور اس مشکل وقت میں کسی نے مجھ کو سہارا نہ دیا۔ اگر غیر کا سہارا شرک ہوتا تو اللہ کے نبی حضرت لوط اس طرح کبھی خیال نہ کرتے۔ (تفسیر معانی، کبیر، بیان صاوی، جمل، خازن، جلالین، مظہری، ابن کثیر)

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** خاوند پر بیوی کے اور بیوی پر خاوند کے بہت سے حقوق ہوتے ہیں خاوند اور بیوی ہونا بھی ایک حق ہے۔ یہاں قوم نے یہ کیوں کہا مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ یہاں حرف جو مِنْ بیانیہ ہے جس سے ثابت ہوتا ہے یعنی کوئی حق نہیں کسی قسم کا **جواب** مفسرین نے اس اعتراض کے کچھ جواب دیئے ہیں کسی نے فرمایا حق سے مراد نکاح ہے اور مالنا کا مطلب ہے کہ ہم نکاح نہیں کریں گے کسی نے کہا کہ بنٰتك سے مراد آپ کی بیٹیاں ہیں اور حق سے مراد نکاح اور مطلب یہ کہ ہم آپ کی بیٹیوں سے نکاح نہیں کریں گے کیونکہ آپ ایمان لانے کی شرط لگائیں گے وہ ہم کو منظور نہیں۔ مگر صحیح جواب وہی ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا کہ قوم والے تقریباً سب ہی شادی شدہ تھے اور ان کی بیویاں موجود تھیں حق سے مراد ہے حاجت یعنی وہ کہہ رہے تھے کہ ہم کو ان کی حاجت نہیں ہمارے اس جواب کی دلیل وہ آیت کریمہ ہے جو رب نے فرمائی وَتَذَرُوْنَ مَا خَلَقَ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ یہ بھی حضرت لوط کا فرمان ہے جس کا ذکر سورۃ الشعراء میں آیت ۱۶۶ میں ہوا کہ۔ اور چھوڑتے ہو تم اس کو جو تمہارے رب نے تمہارے لئے تمہاری بیویوں سے پیدا کیا **دوسرا اعتراض** لواطت کرنا اور اس کی سزا و تعزیر شرعی جرم ہے۔ شریعت کے احکام تو صرف مومنوں پر جاری ہوتے ہیں کافر ان کے مکلف نہیں ہوتے تو حضرت لوط ان کو باز رہنے کی تکلیف کیوں دے رہے اور رب تعالیٰ ان کو اس جرم کی سزا کیوں دے رہا ہے۔ **جواب** شریعت کے قانون تین قسم کے ہیں ۱۔ عقائد ۲۔ معاملات ۳۔ عبادات۔ کافر صرف عبادات کا مکلف نہیں۔ باقی پہلے دو کا مکلف ہے۔ لواطت معاملات و حقوق العباد کا جرم ہے اس لئے ان کو دنیوی سزا ملی یہاں اخروی سزا ان کو صرف کفر کی ہوگی **تیسرا اعتراض** لو انّ لی کی ایک تفسیر سے معلوم ہوا کہ حضرت لوط نے موت کی تمنا کی حالانکہ شریعت کا قانون ہے کہ موت مانگنا حرام ہے تو حضرت لوط نے موت کیوں مانگی **جواب** ۱۔ موت نہیں مانگی۔ بلکہ تمنائے موت کی وہ بھی زمانۂ ماضی ہیں یہ تمنا حرام نہیں جیسا کہ حضرت مریم نے کہا تھا یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا ہائے کاش میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی یہ بھی تمنائے موت تھی مگر حرام نہیں۔ زمانۂ حال یا زمانہ مستقبل کی تمنائے موت حرام ہے۔ جیسے کہ کاش میں مرجاؤں۔ اسی کو دعائے موت کہتے ہیں یہ حرام ہے **چوتھا اعتراض** حضرت

لوط نے کفار کی قوت وطاقت دیکھ کر یہ تمنا کیوں کی کہ کاش مجھ کو بھی طاقت ہوتی طاقت جسمانی دنیوی چیز ہے اور دنیوی چیز پر حسد یا رشک حرام ہے۔ دامن نبوت اس سے پاک ہونا چاہیئے **جواب** کفار کی طاقت دیکھ کر یہ تمنا نہ کی بلکہ کفار کی بے غیرتی بدتمیزی دیکھ کر اسلام کم غلبے کے لئے یہ تمنا کی کہ کاش مجھ کو طاقت ہوتی تو میں اسی وقت تم کو یہاں سے بھگا کر شرعی قانون کی حفاظت کرتا۔ کہ مہمان کی حفاظت شریعت کا حکم ہے۔ رہا قوم کے تعاون کی تمنا تو یہ اسلامی غلبے کیلئے ہے نہ کہ اپنی ذات کے لئے۔ دین وایمان کے لئے دولت۔ طاقت۔ سلطنت کی تمنا بلکہ مطالبہ جائز ہے۔ دیکھو حضرت یوسف نے دین پھیلانے کے لئے ملک لینے کا ارادہ ومطالبہ کردیا کہ فرمایا قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ فرمایا۔ سلطنت کے خزانے میرے سپرد کردے **پانچواں اعتراض** لَوْ اَنَّ لِیْ یہ جملہ اسمیہ ہے اٰوِیْٓ اِلٰی رُکْنٍ یہ جملہ فعلیہ ہے ان دونوں کا حکم جداگانہ ہوتا ہے۔ اسمیہ میں دوام ہوتا ہے فعلیہ میں عدم دوام تو حرف اَوْ سے عطف کیوں کیا گیا حالانکہ عطف ایک حکم پیدا کرتا ہے؟ **جواب** تفسیر کبیر نے یہاں دو جواب دیئے پہلا یہ کہ اَوْ کے بعد اَنْ ناصبہ پوشیدہ اَنْ ناصبہ مصدریہ فعل کو مصدری معنی میں کر کے جملہ اسمیہ کے درجے میں لے آتا ہے۔ اب آیت کے معنی یہ ہوتے کہ کاش مجھے قوت ہوتی اور مجھ کو چھپنا ملتا دوسرا جواب یہ کہ حرف اَوْ بمعنی واؤ ابتدائیہ ہے عاطفہ نہیں ہے لہٰذا اب اعتراض ختم ہوگیا۔

تفسیر صوفیانہ

وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ یُهْرَعُوْنَ اِلَیْهِ وَمِنْ قَبْلُ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ قَالَ یٰقَوْمِ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ فِیْ ضَیْفِیْ اَلَیْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ۔

خصائل ذمیمہ ان رسولان جمال حسن کے لئے نفس مطمئنہ کو گھیرنے آتے جو راہ خلافت میں اسی کی طرف بھگائے جاتے تھے۔ حالانکہ یہ نفسانیات اور شیطانیت کی پیروی کرنے والی قوم پیدائشی طور پر پہلے سے ہی بدکاری اور اعمال خبیثانہ کے مرتکب تھی ایسے ہی فسق کرتی تھی۔ لوط مطمئنہ نے فرمایا اے میری قوم رذیلہ وخبیثہ واوصاف ذمیمہ یہ قالب جسدی کی پاکیزہ بیٹیاں عفت وعصمت۔ غیرت وحمیت۔ عظمت وجرأت۔ حسن سیرت وصورت میں مثل میری بیٹیوں کے ہیں خانہ عبرت کی رونق انہی سے ہے یہ ہی تمہارے لئے پاک ومنزہ ہیں اپنی عادات ابلیسیہ کو چھوڑ کر ان مستور باطنی کو اختیار کرو اور نہ رسوا کرو تم مجھ کو میرے قدسی مہمانوں کے سامنے اپنی نجاستیں پھیلا کر۔ کیا تم میں ایک بھی خصلت حمیدہ نہیں ہے لوط مطمئنہ اس سے قبل مقام فراست میں تھا حسن ورجا محل ناز میں رہا تھا یاس وعذاب سے واقف نہ تھا اسی لئے قہر جلال کو نہ پہچانا حال بسط میں مشغولیت حق کے ساتھ ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے کہ قرب لطیف کا ساکن اور رجاء محبت میں قائم دائیں بائیں کا ہوش نہیں رکھتا اور عارضی بے توجہی کی وجہ سے جمال وجلال میں امتیاز نہیں کر سکتا قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِیْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِیْدُ۔ اہل دنیا اور مریدین ابلیس گناہ کرتے ہیں جو موجب ہلاکت وعذاب ہوتے ہیں پھر جب عذاب آتا ہے تو عذاب کو حسن ظاہر سمجھ کر اس کی طرف بھاگتے ہیں آگ کو سونا اور زہر کو شربت سمجھتے ہیں اور خباثت نفسی سے اپنی نجاست ظاہر کرتے ہیں یہاں تک کہ مکمل شقاوت اور سرعت عذاب کے مستحق ہو جاتے

ہیں اور بدبختی کو نہ سمجھتے ہوتے کہتے ہیں اے مطمئنہ تجھ کو ہماری رذالتِ ازلی کا پتہ ہے تو جانتا ہے کہ ہم کو عفت و عصمت سے کیا کام ہمارے اوصاف پلیدہ کو ان پاکیزگیوں میں کوئی حق و حصہ نہیں اور اے ہمارے ابتدا کے ساتھی تو جانتا ہے کہ ہمارے ارادے کس نجاست و خباثت کے ہیں مگر نفس مطمئنہ بار بار پکارتا ہے کہ گروہ رذیلہ و ذمیمہ والو کیا تم میں کوئی بھی قابل تعریف صفت نہیں ہے جو میری نصیحت کو قبول کرے اور بطریقۂ صدق حضور صمدیت میں توبہ کرے تاکہ اس کی برکت سے عذاب فنا اور حجاب فراق سے نجات پالے جب کوئی سچائی ظاہر نہیں ہوتی تو۔ نہایت عجز و انکسار کے اظہار سے نفس مطمئنہ کہتا ہے قَالَ لَوْ اَنَّ لِیْ بِکُمْ قُوَّةً اَوْ اٰوِیْۤ اِلٰی رُكْنٍ شَدِیْدٍ جب نفس مطمئنہ نے خود کو ابتلا اور امتحان و آزمائشوں کی منزلوں میں پایا اور دیکھا کہ مشاہدات کے دروازے مکاشفات کے دریچے اور واردات کے روشن دان سب بند ہیں اور بیت تنہائی سے باہر مکر کے چہرے دھوکے و خداع کے اجسام و محلات ہیں اور تکبر و بڑائی کا خطرہ ہے تو بولا اگر مجھ کو اس ساعت ابتلا میں صفات قدرت و قوت سے ملاپ ہوتا اور قدر ازلی اسی طرح میرے پاس ہوتی جیسا کہ اس امتحان و آزمائش سے پہلے تھی تو یقیناً اے خباثت و نجاست کے اندھیرے دلدل میں پھنسنے والو اور بدکاری کی لذت فنا میں اندھے ہونے والو تم کو کفر و گناہ ذلیل سے دور کر دیتا یا تمہارے اس کفر و طغیانی سرکشی بے حیائی خباثت و نجاست کا بدلہ لیتے ہوئے تم کو یہاں فنا کی وادی میں دفع کر دیتا۔ یا اگر عدم کے قوام کے کناروں میں سے کوئی کنارہ مجھ پر منکشف ہو جاتا تو ادھر ہی تمہارے چہروں سے دور ہو کر عالم ملکوت کے کسی مضبوط رکن لم یزل کے قرب میں پہنچ جاتا اور اس یوم عصیب کی ندامت سے بچ جاتا اور اگر مجھ کو تمہاری ہدایت کی امید ہوتی تو تم کو ربانی اور رحمانی زبان سے دعوت مشاہدات جمال دیتا اور پھر تم ان قدسی مہمانوں کے چہرۂ جمال کے انوار کے بجائے خالق انوار کو دیکھتے اور تجلیات کا دیدار کرتے تاکہ حقوق اللہ کو پہچانتے۔ یا اگر مجھ کو اہل جلال سے بنایا جاتا اور مجھ کو بد دعا کی جرأت جلالی ہمت غضبی ہوتی تو میں تم کو بد دعا دیتا۔ تم کو معلوم ہوتا کہ نبی کی ظاہری اور باطنی شان کیسی ہوتی ہے۔ اور غیب کے رکن اعظم کی پناہ میں چلا جاتا۔ لیکن اب شقاوت و سعادت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اے نفسانیو بے حمیتی کی ناپاک پٹی باندھنے والو تمہاری فنا کا وقت اب آ چکا ہے تمہاری موت ہی سے قالب ناسوتی میں سکون و راحت ہے

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْۤا اِلَیْكَ فَاَسْرِ
مہمان بولے اے لوط۔ بیشک ہم قاصد ہیں رب کے تمہارے ہرگز نہیں پہنچیں گے طرف آپ
فرشتے بولے اے لوط ہم تمہارے رب کے بھیجے ہوئے ہیں وہ تم تک نہیں پہنچ

بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا

کی تو نکال لے جاؤ راتوں رات کو اہل بیت اپنے کو کچھ سے رات کے اور نہ پیچھے تو تم کو دیکھے

سکتے تو اپنے گھر والوں کو راتوں رات لے جاؤ اور تم میں کوئی پیٹھ پھیر کر نہ دیکھے سوائے تمہاری

امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ

سے تم کوئی مگر بیوی تمہاری شان یہ ہے پہنچنے والا ہے اس کو وہ جو کہ پہنچے گا ان سب

عورت کے اسے بھی وہی پہنچنا ہے جو انہیں پہنچے گا بے شک ان کا وعدہ صبح کے

الصُّبْحُ ؕ اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ﴿۸۱﴾ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا

کو بے شک وعدہ کا وقت ان کا صبح ہے کیا نہیں ہے صبح قریب تو جب آیا امر ہمارا بنا دیا ہم

وقت ہے کیا صبح قریب نہیں پھر جب ہمارا حکم آیا ہم نے

جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً

نے اوپر کو اس بستی کے نیچا اس کا اور برسائے ہم نے پر اس پتھر سے کنکر کے لگاتار

اس بستی کے اوپر کو اس کا نیچا کر دیا اور اس پر کنکر کے پتھر لگاتار

مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ﴿۸۲﴾ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ

نشان لگے ہوئے پاس سے رب کے آپ کے

برسائے جو نشان کئے ہوئے تیرے رب کے پاس ہیں

وَمَا هِيَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ بِبَعِيْدٍ ﴿۸۳﴾ ع

اور نہیں وہ پتھر سے ظالموں کچھ دور

اور وہ پتھر کچھ ظالموں سے دور نہیں

تعلق اس آیات کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ لوط علیہ السلام نے فرشتوں کو نہ پہچانا یہ نہ پہچاننا تعجب خیز تھا نہ ہی کفار نے پہچانا جس کی وجہ سے لوط علیہ السلام پریشان ہوئے

اب خود فرشتوں کی زبانی تعارف کرا کے پریشانی دور کرادی گئی اور مقصد آمد ظاہر ہوا اور جن کی آمد نے حضرت لوط کو پریشان کیا تھا خود انہیں کی زبانی خوشخبری پہنچی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت لوط نے اپنی کمزوری اور قوم کی غنڈہ گردی اور خبیثانہ قوت وگھیراؤ کا اظہار کیا تھا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ حقیقت میں کفر ہی کمزور ہوتا ہے اگرچہ باطل میں شور کتنا ہی کیوں نہ ہو۔ زور وقوت حق میں ہی ہوتا ہے۔ کفر وبطلان کو انجام کار ہلاکت ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرشتوں کے خاص شکل انسانی میں آنے کا ذکر تھا جس سے خیال گزرتا تھا کہ شاید ان کا آنا ہی عذاب ہے۔ اب اس خیال کو رد کرتے ہوئے فرمایا جارہا ہے کہ فرشتے عذاب نہ تھے بلکہ آزمائش اور مخبر عذاب تھے۔ عذاب کا ذکر اب کیا گیا ہے۔

تفسیر نحوی

قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ ۔ قالو کا فاعل ھُم ضمیر جمع غائب ہے اس کا مرجع رُسُل ملائکہ ہیں اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا یا حرف ندا کا منادا لفظ لوط ہے لوط کا لغوی ترجمہ خوشبو سے سرشار ہونا (منجد عربی) إِنَّا حرف تحقیق یا ضمیر جمع متکلم اسم إِنَّ رُسُل بحالت رفع خبر إِنَّ تنوین سے مانع اضافت ہے رَبّ حالت جری میں ہے كَ ضمیر کا مرجع لوط ہیں لَن يَصِلُوا ۔ نفی تاکید بلَن بصیغہ جمع بمعنی مستقبل وَصَلَ بمعنی قرب مکانی سے ملنا۔ الی جارہ انتہاء غایت کے لئے كَ ضمیر مجرور متصل سے مراد حضرت لوط ہیں فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ ۔ فا سببیہ ہے أَسْرِ باب افعال کا امر ہے۔ سَرىٰ ناقص یائی سے مشتق ہے۔ لغت میں رات کو سفر کرنا مراد ہے با بمعنی مع ہے یعنی ساتھ یا بہ ب مفعولیت کی ہے اہل سے مراد اہل بیت حقیقی یعنی صرف گھریلو افراد بِقِطْعٍ با بعضیت کی قِطْعٍ مجرور بمعنی حصہ مِن جارہ بعضیت کے لئے ہے اللَّيْل الف لام عہد ذہنی یا عہد خارجی ہے لیل بمعنی رات واؤ حالیہ یا عاطفہ ہے لَا يَلْتَفِتْ فعل نہی بصیغہ غائب لَفَتَ بمعنی ظرف سے بنا ہے مِن تبعیضیہ کُم سے مراد اہل نبوت أَحَدٌ نکرہ مفرد ہے إِلَّا امْرَأَتَكَ إِنَّهُ ۔ إِلَّا حرف استثناء ہے اس کا مستثنیٰ منہ کا ضمیر ہے نہ کہ لَا يَلْتَفِتْ امْرَأَتَكَ مستثنیٰ منصوب كَ ضمیر کا مرجع إِنَّ ابتدائیہ نیا جملہ ہے ہُ ضمیر شان ہے مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ مُصِيبٌ ۔ اسم فاعل صیبٌ یا صَوْبٌ سے بمعنی پہنچنا ھا ضمیر کا مرجع امْرَأَت مبتدا۔ ما موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ خبر مبتدا أَصَابَ فعل ماضی بمعنی مستقبل ھم ضمیر کا مرجع قوم کفار إِنَّ ابتدائیہ یہ سب علیحدہ علیحدہ مقولے ہیں مَوْعِد اسم ظرف زمان ہے باب ضَرَبَ سے وَعْدٌ سے بنا مضاف منصوب ہے بوجہ اسم إِنَّ ھُم ضمیر مضاف الیہ الصُّبْحُ بحالت رفع خبر إِنَّ ہے وقت صبح اشراق کے آخری وقت تک ہوتا ہے یہاں مراد سحر ہے قبل طلوع آفتاب۔ أَ ہمزہ سوالیہ انکاری ہے لَيْسَ فعل ناقصہ سے تامہ ہے الصُّبْحُ فاعل ہے بِقَرِيبٍ با زائدہ قریب بروزن فعیل بمعنی مفعول یعنی بہت قریب کیا ہوا یہ جملہ ما ے کی تاکید کے لئے فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ

فا تعقیبیہ لَمَّآ حروف شرط جَآءَ فعل ماضی اَمْرُ بمعنی عذاب نا ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ جملہ شرط ہے اگلا جملہ پورا معطوفہ جزاء شرط ہے جَعَلْنَا جمع متکلم کا صیغہ ہے جُعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی فِعْلٌ یعنی کردیا ہم نے متعدی بدو مفعول ہے عَالِیَهَا عُلُوٌّ سے بنا بمعنی مکانات وغیرہ ھَا سے مراد بستی یا بستی والے سَافِلَهَا سُفْلٌ سے بنا مفعول دوم ھا ضمیر مضاف الیہ واؤ عاطفہ اَمْطَرْنَا باب افعال کا ماضی مطلق مَطَرٌ سے بنا عَلٰی جارہ بمعنی فوقیت ھَا سے مراد بستی والے حِجَارَةً جمع ہے حَجَرٌ کی بمعنی پتھر مگر یہاں مراد اینٹ ہے مِنْ اضافت کا ہے سِجِّیْل سِجْلٌ سے بنا دراصل تھا سَجْنٌ سِجِّیْنٌ جہنم کا ایک ناری طبقہ کا نام بھی یہاں آگ کا پکا ہوا مٹی کا ٹکڑا مراد ہے یعنی اینٹ مَنْضُوْدٍ اسم مفعول ہے نَضْدٌ سے بنا بمعنی پے درپے لگاتار مجرور ہے سِجِّیْلٍ کی صفت ہے بعض نے کہا حِجَارَةً کی صفت ہے مگر بحالت جر ہے جوار کی وجہ سے مُسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ مُسَوَّمَةً حِجَارَةً کی صفت دوام ہے اسم مفعول مؤنث ہے سَوْمٌ سے بنا بمعنی نشان لگانا یا لگنا یہاں لازم عِنْدَ ظرف ہے قرب مکانی کے لئے رَبِّ بحالتِ جر مضاف الیہ ہے كَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ لفظ رب کا وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ ۔ واؤ ابتدائیہ ما نافیہ ھِیَ ضمیر مبتدا اس کا مرجع حجارۃ مِنْ جارہ ابتدائیہ بمعنی عَنِ الظّٰلِمِیْنَ الف لام عہد ذہنی ظالمین جمع ہے ظالم کی مراد قوم لوط ہے بِبَعِیْد با جارہ زائدہ ہے بعید بروزن فعیل اسم فاعل بُعْدٌ سے بنا لازم ہے نہ کہ متعدی۔

تفسیر عالمانہ

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ۔ حضرت لوط نے مہمانوں کو اندر بٹھا کر باہر کا دروازہ بند کردیا تھا تاکہ کوئی ان معصوموں کو ایذا نہ دے سکے۔ ابھی تک حضرت لوط نے ان کو پہچانا نہیں تھا کیونکہ ان کی طرف توجہ کرنے کی مہلت ہی نہ ملی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی نامعلوم کتنی حکمتیں کتنے راز پوشیدہ تھے کہ ان ملائکہ کو اوّلاً اوّلاً حضرت ابراہیم سے بھی پوشیدہ رکھا ان کی بھی توجہ ادھر سے ہٹا دی گئی پھر جب حضرت لوط کے پاس پہنچے تو ان کی توجہ بھی قوم کی طرف سے پریشانی کی طرف پھیر دی کہ وہ بھی نہ پہچان سکے۔ حالانکہ دونوں نبی علم غیب کے زیور سے مزین تھے مگر توجہ نہ رہی۔ توجہ کی نفی سے غیب کی نفی نہیں ہوتی۔ اسی ناپہچان میں حضرت لوط انتہائی غمزدہ ہوکر قوم سے باتیں فرمارہے ہیں۔ جب ملائکہ نے دیکھا کہ قوم کو حضرت لوط کی کوئی بات پسند نہیں آتی۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہ نبی ہماری حفاظت کی طرف سے پریشان ہورہے ہیں۔ تب بولے سب فرشتے۔ یا بیکدم۔ یا باری باری یا ایک ہی فرشتہ سب کی طرف سے۔ اے حضرت لوط۔ یہ عبارت ملائکہ کا مقولہ ہے۔ بے شک ہم آپ کے رب کے رسول یعنی قاصد ہیں ہم نے مجرموں کے جرموں کا بھی مشاہدہ کرلیا اور آپ کی زبان مبارک سے بھی تین چار مرتبہ ان کے جرموں کی گواہی سن چکے ہیں لہٰذا اب ان کے ہلاک ہونے کا وقت آچکا ہے۔ آپ دروازہ کھول دیں لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ ۔ یہ لوگ آپ پر کسی قسم کا کوئی حملہ نہ کرسکیں گے اور اب نہ آپ کے سامنے بڑھ چڑھ کر چرب زبانی کرکے آپ کی بے ادبی کرسکیں گے۔ کیونکہ آپ کا رکن یعنی رب تعالیٰ کی پناہ بہت شدید اور قوی ہے اب آپ دے اس

طرف توجہ دی اور فوراً پہچان لیا کہ یہ جبرئیل ہیں یہ میکائیل وغیرہ پھر سجدۂ شکر کر کے دروازہ کھول دیا۔ ملائکہ تو کہہ رہے ہیں کہ دروازہ کھول دو یہ آپ کو تکلیف نہ دے سکیں گے مگر حضرت لوط کو اپنا خطرہ نہ تھا نہ اس سے پہلے ورنہ دروازے سے باہر کھڑے ہوکر اتنی دلیری بہادری سے کلام نہ فرماتے۔ بلکہ کافر قوم بھی جانتی ہے کہ نبی کا ہم کچھ بگاڑ نہیں سکتے رعب کا یہ عالم ہے کہ دور سے کھڑے باتیں تو بنا رہے ہیں مگر قریب آکر خود دروازہ کھولنے کی جرأت نہیں کرتے اتنا کثیر مجمع ہے لیکن حضرت لوط کو دروازے سے کوئی ہٹا نہیں سکتا۔ یہ کہنا بالکل غلط ہے کہ حضرت لوط نے اندر سے دروازہ بند کر لیا تھا اور خود بھی مہمانوں کے ساتھ مقید ہو گئے تھے اور یہ ساری گفتگو اندر سے کواڑوں کی درازوں سے کی۔ یہ سب بناوٹی اور غلط باتیں ہیں۔ روش کلام بتا رہی ہے کہ یہ بالمشافہ گفتگو ہوئی کیونکہ آپ نے دور کھڑی عورتوں کو دیکھ کر ھٰٓؤُلَآءِ سے اشارہ کیا۔ کواڑ کی درزوں سے دور کی چیز نظر نہیں آتی۔ اور پھر اگر اندر مقید ہو کر اتنی دلیرانہ گفتگو فرماتے تو قوم طعنہ دے سکتی تھی۔ ثابت ہوا کہ دروازہ باہر سے بند کیا تھا۔ صرف نوعمر لڑکے مہمانوں کی حفاظت کے لئے۔ اور جب دروازہ کھول کر اندر گئے تو ملائکہ نے عرض کیا فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ ابھی آج رات اپنے گھر والوں کو رات کے کسی حصے میں لے کر چلے جاؤ۔ ظہر کے وقت یہ ملائکہ آئے تھے اور اب رات ہو گئی تھی۔ سب کو کھانا پینا بھولا ہوا تھا کافروں کو بھی مومنوں کو بھی مگر فرق کتنا عظیم ہے۔ مومن کا یہ ترک طعام دین کی حفاظت میں ہے اور کفار کا شیطانیت میں۔ آج یہ رات سب پر آئی مگر سب ہی جاگے کوئی نہ سو سکا۔ مگر کسی کا جاگنا یادِ خدا حفاظت دین میں اور کسی کا جاگنا شہوت و بدکاری کے خیال میں۔ حضرت لوط گھر سے نکلنے کی تیاری میں لگ پڑے اپنے اہل یعنی خود اور دو بیٹیاں فقط۔ آپ کی قوم میں سے ایک بھی مسلمان نہ ہوا تھا۔ جب تیار ہو گئے تو ملائکہ نے کہا کہ جس وقت عذاب آئے گا آپ جا رہے ہوں گے آپ کو آوازیں آ رہی ہوں گی مگر پیچھے مڑ کر تم میں کوئی نہ دیکھے نہ پیچھے توجہ کرے کہ یہی حکمت ہے نہ واپس لوٹے۔ ہاں البتہ آپ کی بیوی اس حکم سے علیحدہ ہے۔ یا اس طرح کہ آپ کے ساتھ جائے گی ہی نہیں یا۔ جاتی ہو گی مگر اس کے دل میں یادِ پچھلوں کی ہو گی۔ اور وہ پیچھے مڑ کر دیکھ لے گی۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ کفار اندر داخل ہوتے حضرت جبرئیل نے رب تعالیٰ سے کچھ کرنے کی اجازت مانگی اجازت مل گئی تب جبرئیل امین اپنی اصلی شکل میں آ کر یا اسی طرح ان کے چہروں پر یکدم اپنا ہاتھ یا پَر پھیرا تو سب کے سب ایک دم اس طرح اندھے ہو گئے کہ آنکھیں سرے سے نابود ہو گئیں۔ روتے چیختے گرتے پڑتے پیچھے بھاگے یہ کاروائی آناً فاناً ہوئی کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ کیا ہوا۔ بس یہی پکارتے تھے کہ بچاؤ۔ بچاؤ یہاں تو جادوگر ہیں۔ اور پھر بجاتے توبہ کے حضرت لوط کو برا بھلا کہتے بھاگے جاتے تھے جیسے اندھا بھاگتا ہے اور کہتے جاتے تھے کہ اے لوط ہم تجھ کو کل اس کی سزا دیں گے اور کل تو دیکھے گا کہ ہم تیرے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ جب وہ سب نکل گئے تو حضرت لوط نے ملائکہ سے پوچھا کہ عذاب کب ہو گا۔ میری بیوی کا کیا بنے گا۔ تب جواباً فرشتوں نے کہا اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ

اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ۔ یقیناً وہی کچھ آپ کی بیوی کو پہنچنے والا ہے جو باقی تمام کافروں کو پہنچے گا۔ اِلَّا کا استثناء اس میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ یہ استثنا متصل ہے اور یہی قول قوی ہے اسلئے اس کا مستثنیٰ منہ یا بِاَھْلِكَ ہے تب اس کا تعلق اَسْرِ امر سے ہے کہ اے لوط اپنے اہل کو راتوں رات اس بستی سے نکال کر لے جاؤ مگر بیوی کو نہ لے جانا یا اس کا مستثنا منہ اَحَدٌ ہے تب معنی یہ ہے کہ اے اہل بیت تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے سوائے اے لوط علیک السلام آپ کی بیوی کے کہ وہ ضرور دیکھے گی اور ہلاک ہوگی۔ پہلی بات مضبوط ہے کہ ان کو لے کر ہی نہ جانا اگر خود چل بھی پڑی تو راستے میں اسی عذاب سے ہلاک ہوگی جس سے باقی کفار دوسرا قول یہ کہ یہ استثنا منقطع ہے۔ اس لئے بیوی کافرہ تھی اور کافرہ مومنین اور اہل میں داخل نہیں ہو سکتی اور تمہارا یہ پوچھنا کہ کب شروع ہوگا تو سنو اِنَّ مَوْعِدَھُمُ الصُّبْحُ عذاب کے وعدے کا وقت صبح سویرے ہے۔ اور اکثر رب کے عذاب دنیوی کفار پر صبح کے وقت ہی آتے رہے۔ لوط علیہ السلام کو چونکہ ان کے گندے وجود سے سخت نفرت تھی اور اب اس واقعے سے اور بھی دل تنگ ہوگیا۔ پوچھا کہ اس سے جلدی عذاب شروع کر دو ملائکہ نے بڑے ادب سے عرض کیا اے لوط علیہ السلام اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ کیا صبح بالکل ہی قریب نہیں بعض مفسرین نے فرمایا مَوْعِدَھُمُ کا جملہ علت ہے اَسْرِ امر کی یعنی تم رات کے کسی حصہ میں بستی سے نکل جاؤ کیونکہ یا تاکہ صبح کو عذاب آجائے۔ ثابت ہوا کہ عذاب کی یہ تاخیر اہل بیت کو نکالنے کی خاطر تھی۔ اَسْرِ کی ہمزہ یا اصلی ہے یا وصلی اگر اس کا مادۂ اشتقاق اَسْرٌ ہے تب اصلی ہے اگر سَرْیٌ ہے تب وصلی۔ اَسْرٌ کا معنی ہے رات کو سیر کرنا اور بِقِطْعٍ تاکید یا بعضیت کیلئے ہے۔ اگر سَرْیٌ سے ہو تو معنی ہوئے نکلنا لہٰذا رات کا ذکر بیان تکمیل کے لئے ہے۔ صبح کے وقت عذاب دو وجہ سے آتے ہیں ۱۔ یہ وقت کافروں کی غفلت و آرام کا ہوتا ہے۔ اس وقت کے عذاب سے بھاگنا تو درکنار سنبھلنے کا موقعہ نہیں ملتا ۲۔ عبرت کے لئے تاکہ لوگ اس وقت میں خاص طور پر جاگیں۔ حضرت لوط چل پڑے اور بستی سے نکل کر ایک پہاڑی پر بیٹھے یہ تہجد کا وقت یہ تینوں حضرات ایک والد اور دو بیٹیاں ذکر الٰہی میں مشغول رہیں اور بیوی غفلت میں جب فجر طلوع ہوئی تو عذاب نازل ہوگیا آپ مع اہل بیت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف چل پڑے بیوی پیچھے پیچھے قوم کی یاد لئے ہوتے جارہی تھی ہوا میں پتھروں کی سائیں سائیں برابر آرہی تھی بیوی نے اچانک مڑ کر دیکھا اور مرتے ہوؤں کو دیکھ کر کہا ہائے قوم بس ایک پتھر آیا کہ اس کا کام بھی تمام ہوگیا۔ حضرت ابراہیم کا دولت خانہ اگرچہ چھ میل کے فاصلے پر تھا مگر رب کریم نے طَیِّ ارض فرما کر آن کی آن میں پہنچا دیا۔ ادھر تو با خیریت پہنچے اور ادھر فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَھَا سَافِلَھَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْھَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ۔ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا ھِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ۔ پس جبکہ ہمارا امر یعنی عذاب یا فیصلہ تقدیر مبرم والا عذاب صبح کے وقت مقررہ پر آگیا۔ ہم نے اپنی پوری قدرت کاملہ سے بذریعہ ملائکہ ان بستیوں کو الٹا کر دیا اس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بحکم پروردگار ان پانچ بستیوں والے صوبے کو اٹھایا بلندیوں پر لے جا کر الٹا کر پھینک دیا کہ نیچے کی جگہ اوپر اور اوپر کی نیچی ہوگئی۔ قوم لوط حضرت لوط کا خاندان نہ تھی اس لئے حضرت لوط کو قوم کا بھائی نہ فرمایا گیا بلکہ آپ غیر قوم کی طرف مبعوث ہوئے اس قوم کی تعداد (مردم شماری) چار لاکھ تھی

جو پانچ قریبی شہروں میں آباد تھی اس صوبے کا نام موتفکات تھا ان میں بڑا شہر سلام تھا یہیں حضرت لوط کی رہائش تھی کوئی بھی ایمان نہ لایا تو پانچوں بستیاں الٹادی گئیں۔ اور ساتھ ہی ہم نے ان بستیوں پر پتھر برسائے جو کھردرے تھے۔ من حرف جر بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ یعنی سارے پتھروں کی حالت کھردری نوک دار تھی چکنے صاف پتھر نہ تھے کیونکہ صاف پتھر کی چوٹ سے کم زخم ہوتے ہیں۔ اور برسائے اس طرح پے در پے کہ موسلا دھار بارش کی طرح۔ منضوظ نضدٌ سے بنا ہے اس کا معنی ایک دوسرے سے جڑا ہوا ہونا۔ اور قدرت الہیہ سے ان پر ہر مجرم کا نام لکھا تھا۔ وہ اسی کو لگتا جس کا نام لکھا ہوتا۔ اے پیارے حبیب وہ پتھر یا وہ عذاب یا وہ پتھروں کی لکھائی آپ کے رب کے پاس سے تھے۔ ان پتھروں سے کوئی کافر نہ بچ سکا۔ جو باہر سفر میں ان کو سفر میں ہی جا لگا اور وہیں ہلاک کر دیا روایت ہے کہ ایک کافر حرم کعبہ میں چھپ گیا تو اس کے نام کا پتھر چالیس دن تک زمین و آسمان کے درمیان لٹکا رہا۔ جب وہ مطمئن ہو کر نکلا تو پتھر لگا اور مر گیا (روح البیان) اور ہمارا وہ عذاب یا وہ پتھر اگرچہ آسمان سے نازل ہوئے تھے مگر اپنی تیزی اور جلدی آنے کی وجہ مجرموں سے دور نہیں تھے دیکھنے سے ایسا پتہ لگتا تھا کہ کہیں قریب سے ہی آرہے ہیں۔ ہمارے دور کے ایک نادان مفسر لکھتے ہیں آتش فشاں پھٹا تھا۔ میں کہتا ہوں کہ اب کیوں نہیں پھٹتا۔ اگر آتش فشاں پھٹتا تو مُسَوَّمَۃً کہنا غلط ہو گا۔ یا اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم وہ عذاب اب بھی کچھ دور نہیں ہے اگر ظالم ظلم و بدکاری سے باز نہ آئے تو اب بھی اس طرح کا عذاب آسکتا ہے یہ کفار تو آپ کے طفیل بچے ہوتے ہیں بہرحال اس جملے میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر بعید کا مظروف یا قوم لوط ہے تب یہ جملہ خبر ہے یا موجودہ کفار ہیں تب یہ عبارت عبرت ہے۔ نہ ایسا عذاب کسی قوم پر آیا کہ پہلے تھپڑوں سے اندھا کیا گیا۔ پھر بستی الٹ گئی پھر پتھر برسائے گئے۔ اور نہ ایسی بدکاری پہلے کسی قوم نے کی۔ مسئلہ امام اعظم کے نزدیک لواطت کرنے اور بخوشی کرانے والے کو تعزیر لگائی جاتی ہے حد نہیں۔ تعزیر کرنے میں عدالت اختیار سے ہے کہ چاہے قتل کرے چاہے اونچی جگہ سے پھینک کر مارے چاہے اسی طرح رجم کرے جس طرح ملائکہ نے رجم کیا۔ ببعید سے مراد ظرف مکانی ہے اور خطاب کفار مکہ سے ہے کہ اے کافرو یہ علاقہ تم سے کچھ دور نہیں اب بھی جا کر اس کی تصدیق کر لو۔ کیونکہ یہ بستیاں ملک شام میں ہیں جو مکے سے بالکل قریب ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** کفار کی ہلاکت پر غم کرنا گناہ اور باعث عذاب ہے یہ فائدہ اِلَّا امْرَاَتَکَ سے حاصل ہوا لوط علیہ السلام کی بیوی نے کافر قوم کی ہلاکت پر غم کرتے ہوئے کہا تھا ہائے میری قوم تو ہلاک ہوئی اگرچہ اس کی ہلاکت مقدر تھی مگر یہ کہنا اس کا سبب بنا۔ اس سے ان ھندو نواز لوگوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو مسلمانوں کے مخالف ھندوؤں کی محبت کا دم بھرتے ہیں **دوسرا فائدہ** سب گناہوں سے بڑا گناہ بدکاری ہے اس لئے اس کی سزا بھی بہت سخت۔ اسلام میں قتل کی سزا قتل ہے جو آناً فاناً ہو جاتا ہے مگر زنا کی سزا رجم ہے جو سخت سسک سسک مارتا ہے۔ قوم عاد و ثمود کو بھی عذاب سے مارا گیا مگر اتنا سخت عذاب کسی

پر نہ آیا کہ پہلے اندھے ہونے کا عذاب ٹھوکریں کھاتے رہے گرتے پڑتے زخمی ہوتے رہے پھر بستی اوندھی ہوئی پھر پتھر برسے یہ سختی بدکاری وجہ سے ہے یہ فائدہ مَا اَصَابَہُمْ کی تفسیر اور اَمْطَرْنَا سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** بوقت مقابلہ کفار نبی کو مغلوب نہیں کر سکتے خواہ کتنے ہی طاقتور کفار ہوں یہ فائدہ لَنْ یَّصِلُوْا فرمانے سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** گناہگار فاسق کی عزت کرنا اور گناہ پر اس کی امداد کرنا بھی سخت تر گناہ ہے اور دونوں کی سزا ایک جیسی ہوتی ہے عِنْدَ اللّٰہِ یہ فائدہ مُصِیْبُہَا فرمانے سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** گناہگار مسلمان بلکہ فی زمانہ کفار بھی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عذاب سے بچے ہوتے ہیں یہ فائدہ بِبَعِیْدٍ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** کیا وجہ ہے کہ ملائکہ اپنی شکلوں کو بدل کر آتے اپنی اصلی صورتوں میں کیوں نہ آتے۔ یہ تو دھوکا دینا ہوا۔ دھوکا دینا بھی بدترین گناہ اور جرم ہے۔ فرشتے معصوم ہیں تو یہ گناہ ان سے کیوں سرزد ہوا۔ **جواب** قانون شریعت کے مطابق۔ نیک مسلمان کو اس طرح دھوکہ دینا کہ اس کا نقصان ہو جرم ہے۔ اور اسی کو دھوکا کہا جاتا ہے ان ملائکہ کے بھیس بدلنے سے انبیاء کرام کو کچھ نقصان نہ ہوا بلکہ فائدہ ہوا کہ دشمنوں کو ختم کیا گیا اور کفار کو موذی ظالم کو دھوکہ دینا جائز بلکہ ثواب ہے۔ جیسے کہ پولیس مجرم کو پکڑنے کیلئے وردی اتار دیتی ہے یہاں تک کہ مجرم جرم میں اپنے ہاتھ رنگے ہوتا ہے یعنی ملوث کئے ہوتا ہے کہ پکڑا جاتا ہے اسی کو کہتے ہیں رنگے ہاتھوں پکڑا جانا۔ یا مجرم کا جرم ثابت کرنے کے لئے خفیہ پولیس بنائی جاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنگ میں دھوکا جائز ہے **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اِلَّا امْرَاَتَکَ الاحرف استثناء ہے حالانکہ یہاں نہ استثنا متصل ہو سکتا ہے نہ منقطع۔ نہ مفرغ۔ متصل اس لئے نہیں ہو سکتا کہ مستثنیٰ منہٗ اہل ہے اور اہلیت کفر سے ختم ہو گئی جب اہل میں داخل ہی نہ ہوئی استثنا متصل نہ ہوا۔ منقطع اس لئے نہیں مشہور قرأت میں اِمْرَءَتُکَ بحالت رفع ہے اور مرفوع مستثنیٰ نہیں ہو سکتا بدل بن جاتا ہے اَحَدٌ کا **جواب** بحالت رفع مشہور قرأت نہیں مشہور نصب ہی ہے اور یہ مستثنیٰ متصل ہے۔ کیونکہ اہل میں داخل تھی بعض نے کہا کہ بیوی کافرہ نہ تھی صرف فاسقہ تھی کیونکہ فاسقوں کی مدد کرتی تھی یا صرف محبت قومیت میں یا رشوت کے لالچ میں اور یہ ہلاکت اس کے لئے عذاب نہ تھی بلکہ عتاب تھی۔ اکثر نے اسکو کافرہ مانا مگر بیوی ہونے کی وجہ سے اہلیت ختم نہیں ہوئی جب ان کی شریعت میں کفر کی وجہ سے نکاح ہی نہیں ٹوٹا تو اہل ہونا کیسے ختم ہو۔ اگر اہلیت ختم ہو جاتی تو اس کو اِمْرَاَتَکَ نہ فرمایا جاتا **تیسرا اعتراض** اہل سنت کا مسلک ہے کہ نبی کی بیوی فاحشہ بدکارہ نہیں ہو سکتی مگر حضرت لوط کی بیوی فاحشہ اور بدکارہ ہوئی اسی لئے ایک جیسی سزا ملی **جواب** واقعی نبی کی بیوی بدکارہ زانیہ نہیں ہو سکتی۔ حضرت، لوط کی بیوی فاسقہ تھی کہ فاسقوں کی مدد کرتی تھی ورنہ خود اس کا نہ کوئی گناہ ثابت نہ زنا۔ اور سزا کے ایک ہونے کی وجہ فاسق قوم کی محبت ہے۔ سزا کے ایک ہونے سے جرم کا ایک ہونا ثابت نہیں ہوتا اسلام میں بہت سے جرموں کی سزا کوڑے ہیں۔ اسی طرح قتل کی سزا بھی قتل ہے بطور حد شرعی

اور ماہ رمضان کی بے حرمتی کرنے والے ۔ اغلام بازی کرنے والے ۔ بغاوت کرنے والے کی سزا بھی قتل ہے بطور تعزیر

تفسیر صوفیانہ

قَالُوْا یٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ یَّصِلُوْٓا اِلَیْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ اِلَّا امْرَاَتَكَ ؕ اِنَّهٗ مُصِیْبُهَا مَاۤ اَصَابَهُمْ ؕ اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ؕ اَلَیْسَ الصُّبْحُ بِقَرِیْبٍ ۔

جب عارف نفس مطمئنہ ضعف بدنی کو ذوق کی حالت میں دیکھتا ہے تو بارگاہ ذو الجلال میں قوت جبروتی کی تمنا کرتا ہے ذاکر کامل عارف اکمل اپنے ذکر کی طلب اور دوام میں انتہاء عجز و ضعف میں ہوتا ہے کیونکہ عاجزی محبوب درگاہ خدا ہے یہ تاثیر وحدت جمعیت کے تحت ہو نیکی ہے ۔ صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ عارف حق موکل ہوتا ہے اور حق تعالیٰ اس کا وکیل ہوتا ہے ۔ وکیل متصرف کل ہوتا ہے ۔ موکل منتہاء عجز میں ہر چیز کو اسی کے سپرد فرما دیتا ہے تب مقام عبدیت نصیب ہوتا ہے ۔ موکل وکیل کے قبضہ و اختیار میں ہوتا ہے کہ ہمت تصرف عطا کرے تو تصرف کرے منع کرے تو رک جاتے اختیار کائنات دے تو مختار کل ہو جاتے ۔ یہی بندے کا رکن شدید ہے ۔ ظاہر بین انسان کی نگاہ خالق سے ہٹ کر مخلوق کی طرف لگ جاتی ہے اس لئے اس کو قنوط و مایوسی کی بیماری لگ جاتی ہے اور نا شکروں میں لکھا جاتا ہے باطن کو جاننے والا مخلوق سے ہٹ کر خالق کی طرف نگاہیں پھیرتا ہے تو وہ مقام اطمینان پر فائز ہوتا ہے اور مخلوق کو بتا دیتا ہے کہ نہ میرے پاس قوت جسد خاکی ہے نہ دنیوی کسی رکن شدید کا بھروسہ ہوتا ہے ۔ اگر یہ میرے پاس ہوتیں تو میں تم میں نہ ہوتا مقام اسفل سے اٹھ کر اعلیٰ علیین میں پہنچ جاتا ۔ مگر مجھ کو تم میں اصلاح حال کے لئے رکھا گیا ہے جب بندۂ رب اس مقام توکل پر قیام کرتا ہے تب انوار سرمدی کے قاصد عرض کرتے ہیں کہ اے بارگاہ احدیت کے منظور و مقبول لوط مطمئنہ ہم جمال و حسن کے پیکر مہمان نہیں بلکہ قہر ذی الجلال کے امانت عذاب ہلاکت لانے والے قاصد با اختیار ہیں اے نفس مطمئنہ اوصاف ذمیمہ کی نجاستیں تجھ تک نہیں پہنچ سکتیں اب تیرا کام ختم ہوا بدکاروں کا انجام شروع ہوا آج شب وصل کے حصۂ آخری میں جو وصل محبوب کا وقت خاص ہوتا ہے وادی مکر و فریب ذخیرۂ ظلمات کے جاءِ نجاست سے اپنے اہل اعضاء ظاہری کے ساتھ کعبۂ وصل کی بلندیوں میں نکل جانا اور توجۂ سابقہ کو پیچھے نہ چھوڑنا تاکہ قالب خاکی اعمال سفر میں اور قلب نوری ذکر یار میں اور فکر مقال میں یکسو رہے غیر اللہ کا خیال بھی نہ آنے اس لئے کہ خیال باطن نگاہ ظاہر کے تابع ہوتا ہے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوْ ۔ کا تصور لئے ہوتے نگاہوں کو قبلۂ قدس کی طرف رکھنا اشرار دنیا میں نہ گھمانا مگر تیری بیوی خواہش بشری جس کی نگاہیں خیال اغیار سے لگی ہوں گی بے شک وہ عذاب فنا اور غضب فراق عتاب ہلاکت اس خواہش بشری کو بھی پہنچنے والا ہے جو اوصاف ذمیمہ خیالات رذیلہ عادات خبیثہ کی قوم مطمئنہ کو ہلاک کرے گا ۔ جب بندہ صادق مقام قرب میں پہنچنے لگتا ہے تو منزل مراد سے پہلے ہی خواہش بشری کو بحر فنا میں ڈبو دیا جاتا ہے اور مغلوبیت کے پتھروں سے خواہشات کو کچل دیا جاتا ۔ بے شک عذاب فنا کا وعدہ انوار یزدانی کے صبح عبرت میں ہے ۔ اے قرب یار کے طالب فکر کر اور سوچ کہ کیا نور ازلی کی صبح قریب نہیں ہے

فرقت ومصائب کی رات ختم ہونے والی ہے اور ہر رات کے بعد صبح لذات ہے۔ شب انتظار ختم ہونے والی ہے اور واردات غیب صبح مشاہدات آنے والی ہے مجالس جبروت میں مکاشفے کا سورج طلوع ہونے والا ہے عنایات الٰہیہ کا مشرق رویت جلال سے چمکنے والا ہے یہ پیشگی خوشخبری اس لئے ہے کہ قلوب ابرار کو مشقت انتظار کی برداشت نہیں فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِیَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَیْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّیْلٍ مَّنْضُوْدٍ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ وَمَا هِیَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ بِبَعِیْدٍ۔ جب آیا ہمارا حکم ازلی اور پکڑ لیا عذاب جاری نے تو ہم نے ان کی بستی عیش وعشرت اور لذات خبیثہ کے گھروں اور زمین نجاست کو الٹا کر دیا ان کے غرور اعلیٰ کو ذلت اسفل بنا دیا اور پھر لعنت وقہر کے سخت پتھر لگا تار برسائے ہر پتھر پر ازلی شقاوت کا نشان تھا یہ عذاب الیم اے نورِ ازلی مدینۂ شوق مکۂ عشق کے حبیب تیرے اس رب کے پاس آیا تھا جو اپنے محبوب کو غذاءِ دیدار جمال سے پالتا ہے۔ اے حبیب خلوت رضا یہ حجاب عذاب فراق کا بعد تارکِ سنت اور منکرِ اتباع سے دور نہیں ہے کیونکہ یہ منکرین غفلت وبے پرواہی کے ظلم کرنے والے تھے اور غلط تاویلوں سے حرام کو حلال کہنے والے ظالم تھے چونکہ انہوں نے غفلت وسستی سے امرالٰہی کو دور سمجھا اور غلط مطلب وتاویل کر کے نہی خداوندی کو قریب کیا اس لئے لعنت کا عذاب ان سے دور نہ رہا (عرائس مع زیادت)

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ط قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور طرف مدین بھائی ان کا شعیب فرمایا اے قوم میری عبادت کرو اللہ

اور مدین کی طرف ان کے ہم قوم شعیب کو کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو

مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ط وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْیَالَ

کی نہیں ہے لیے تمہارے کوئی معبود سوائے اس کے اور نہ کم کرو تم ناپ

اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور ناپ اور تول میں کمی نہ کرو

وَالْمِیْزَانَ اِنِّیْ اَرٰىكُمْ بِخَیْرٍ وَّاِنِّیْ اَخَافُ عَلَیْكُمْ

اور ترازو بے شک میں دیکھ رہا ہوں تم کو امیری میں اور بے شک میں ڈرتا ہوں پر تم

بے شک میں تمہیں آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تم پر گھیر لینے والے دن

عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ ﴿٨٤﴾ وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَ

عذاب دن گھیرنے والے کے | اور اے قوم میری پوری کرو تم ناپ اور

کے عذاب کا ڈر ہے | اور اے میری قوم ناپ اور تول انصاف

الْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ

ترازو سے انصاف | اور نہ کم دو تم لوگوں کو چیزیں ان کی

کے ساتھ پوری کرو اور لوگوں کو ان کی چیزیں گھٹا کر نہ دو

وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿٨٥﴾

اور نہ پھرو تم میں زمین فساد پھیلانے والے ہوکر

اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں نافرمان قوموں میں سے پانچویں قوم کی سرکشی اور ہلاکت کا پورا اختصاراً واقعہ نقل ہوا اب ان آیات میں چھٹی قوم جس کو مدین کا نام دیا جاتا تھا اس کا ذکر ہورہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ہر نافرمان سرکش کافر قوم کے کفر کے علاوہ دوسری خصوصی بری خصلتوں کا ذکر ہوا تھا اب یہاں قوم مدین کے خصوصی افعال مذمومہ واعمال بد کا ذکر ہورہا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم لوط کی بدعملیوں کا ذکر تھا جو ان کا اپنی جانوں پر ظلم تھا۔ اب یہاں قوم مدین کی ان بدعملیوں کا ذکر ہے جو دوسروں پر ظلم تھا۔ گویا کہ پہلے بے غیرتی کا ذکر ہوا اور اب حرام کمائی کا جو بے غیرتی کا سبب ہے۔

تفسیر نحوی وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا واؤ سر جملہ الی جارہ سے پہلے ارسلنا فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم پوشیدہ محذوف کا قرینہ الی ہے کیونکہ جارہ کبھی ابتدا میں نہیں آسکتا مَدْيَنَ اوّلاً ایک آدمی کا نام تھا پھر قوم کا پھر بستی کا نام ہوا مضاف الیہ ہے اس کا مضاف یا اولاد یا قوم یا اہل ہے منصوب ہے بوجہ مضاف محذوف منوی ہونے کے اَخَا بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے فعل پوشیدہ کا هُمْ کا مرجع اہل مدین ہے جو معنیً جمع ہے یہ مبدل منہ ہے اس کا بدل الکل لفظ شعیبًا ہے بحالت زبر ہے بوجہ تابع ہونے کے نام ہے حضرت ابراہیم کے چوتھی جگہ پوتے کا یہ نبی ہیں قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ قَالَ فعل کا فاعل حضرت شعیب ہیں اگلا جملہ مقولہ ہے يٰقَوْمِ یا نداءیہ قوم مرکب اضافی ہے یاء متکلم محذوفہ کی طرف مراد اہل مدین اُعْبُدُوا اللّٰهَ امر بصیغہ جمع ہے عَبْدٌ سے

مشتق ہے باب نصر سے ہے متعدی بیک مفعول ہوتا ہے لفظ اللہ اس کا مفعول ہے مَا نافیہ مشبہ بلَیْسَ لَکُمْ جار مجرور متعلق ثابتٌ پوشیدہ کے مِنْ تنکیریہ بیانیہ اِلٰہٍ نکرہ مفرد ہے تنوین تنکیری غَیْرُهٗ بحالت رفع بمعنی اِلَّا استثنائیہ یا بحالت جر۔ اگر یہ لفظ غیر مستثنا ہو اِلٰہٍ کا تو حالت زیر میں ہے اگر غَیْرُهٗ اپنے معنی میں ہو کر صفت مانافیہ کے اسم کی تو حالت رفع میں ہے ہٗ ضمیر کا مرجع اِلٰہٌ ہے وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ اِنِّيْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ — واؤ عاطفہ ہے عبارت سابقہ متصلہ معطوف علیہ ہے مابعد معطوف ہے۔ وَلَا تَنْقُصُوا نَقْصٌ۔ سے بنا فعل نہی بصیغہ جمع متعدی بدو مفعول ہے۔ مفعول اوّل مکیال و میزان مفعول دوم اصلاً یا شیئًا پوشیدہ۔ مکیال و میزان جملہ معطوفہ ہے درمیانی واؤ عاطفہ ہے دونوں صیغے اسم آلہ کے ہیں کَیْلٌ اور وزنٌ سے مشتق ہیں۔ کیل بمعنی ناپنا برتن یا پیالے سے وزنٌ بمعنی تولنا۔ اِنِّیْ اِنَّ ابتدائیہ ہے یہ نیا کلام ہے یاءِ متکلم اس کا اسم ہے اَرٰی رَاٰیٌ مہموز العین و ناقص یائی سے مشتق بمعنی آنکھ سے دیکھنا اور دل دماغ سے سمجھنا سوچنا بصیغۂ واحد متکلم کُمْ مفعول بہ بِخَیْرٍ باء بمعنی فی خَیْرٍ بحالت جر مراد دنیوی دولت واؤ عاطفہ اِنِّیْ اِنَّ اپنے اسم یاءِ متکلم کے ساتھ ابتدائیہ ہے نیا کلام ہے اَخَافُ فعل مضارع بصیغہ واحد متکلم بمعنی اَضْطَرِبُ پریشانی کے لئے ہے۔ عَلَیْکُمْ علیٰ جارہ کُمْ مجرور متصل متعلق ہے اَخَافُ سے عَذَابَ مفعول بہ بحالت زبر مضاف ہے طرف یَوْمٍ کے۔ لفظ یوم سے مراد مطلق ہے خواہ دن خواہ رات بوجہ عموم مجاز مگر لفظ محیط نے اس کی صفت بن کر عموم ظرفیت کو توڑ دیا اور مراد ہے روز قیامت یا دنیوی زمانہ محیط اسم فاعل ہے باب افعال کا حیطٌ سے مشتق ہے بمعنی چار دیواری۔ گھر یلو باغ کو حیطان اسی لئے کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہے گھیرنے والا عذاب وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ — واؤ سرجملہ۔ کلام نیا ہے۔ یا تکرار کلام ہے۔ یا یہ دوسرے موقعے کا دوسرا وعظ ہے یا ندائیہ قائم مقام اَدْعُوْ قَوْمِ منادیٰ مضاف۔ مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔ اَوْفُوْا فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر وَفٰیٌ سے بنا ہے۔ بمعنی پورا کرنا۔ موت کو وفات اسی لئے کہتے ہیں کہ مردہ اپنی عمر طبعی کو پورا طے چکا ہوتا ہے۔ مکیال کَیْلٌ سے مشتق ہے کیل بمعنی ناپ۔ اندازہ یہاں ہر دو جگہ اسم آلہ بمعنی مصدر ہے۔ واؤ عاطفہ۔ المیزان۔ الف لام تمام جگہ جنسی یا استغراقی ہے۔ میزان اسم آلہ بمعنی مصدر ہر دو جگہ وزنٌ سے بنا۔ تین معنی کا مشترک ہے ۱ وزن کرنا ۲ عدل کرنا ۳ مقدار صحیح رکھنا۔ یا مقدار کا پتہ لگانا باء سببیہ ہے القسط لغوی ترجمہ حصہ اصطلاحًا انصاف مراد ہے واؤ عاطفہ ہے لَا تَبْخَسُوْا فعل نہی باب فَتَحَ سے متعدی بدو مفعول بَخْسٌ سے بنا۔ بمعنی تھوڑی چیز۔ ناقص چیز۔ ظلم سے کم کردہ چیز۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ النَّاس۔ الف لام استغراقی ہے مراد سب انسان خریدار بلا امتیاز مومن و کافر۔ مفعول بہ اول ہے بدیں وجہ بحالت زبر میں ہے اشیاءِ شیءٌ کی جمع بمعنی مشیت یعنی جس کو خریدنے کی خریدار کو چاہت ہے ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع النَّاس ہے۔ یہ مفعول دوم ہے وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ واؤ عاطفہ لَا تَعْثَوْا فعل نہی معروف بصیغہ

جمع مذکر حاضر عثیٰ سے بنا ہے بمعنی بلا ترتیب زمین میں بکھر جانا یہاں مراد کفار کا اپنی من مرضی کرتے پھرنا فی جارہ علیٰ کے معنی میں ہے۔ یعنی زمین پر۔ مفسدین اسم فاعل ہے باب افعال کا بحالت زبر ہے حال ہے لا تعثوا کے فاعل کُمْ ضمیر کا فَسَدٌ سے مشتق ہے بمعنی چیرنا پھاڑنا۔ یہاں مراد ہے ظلم۔ چوری، ڈکیتی یا لوٹ مار۔

تفسیر عالمانہ

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۔ جتنے بھی جملے اس طرح کے پہلے گذرے وہ سب یا تو معطوف ہیں پہلے لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا پر یا ہر جگہ واقعے میں ایک ارسلنا پوشیدہ ہے اور معنی یہ کہ۔ اور ہم نے بھیجا قوم مدین کی طرف یا شہر مدین کی طرف۔ مدین ایک بزرگ آدمی کا نام تھا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا پوتا تھا یا بیٹا۔ پھر اس کی نسل کا نام اسی کے نام پر چلا اور قبیلہ مدین بن گیا اسی قوم مدین نے اپنے علاقے کا نام بھی مدین رکھا یہ علاقہ حجاز اور شام کے درمیان ہے ان کے بھائی نسبی یا قومی یا شہری۔ پہلے دو قول زیادہ صحیح ہیں جیسا کہ شجرۂ نسب سے ثابت ہے۔ شعیبًا۔ شعیب علیہ السلام کو یہ عطف بیان ہے۔ مدین آپ کا تیسرا دادا ہے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ شعیب بن میکائیل بن یشجر بن مدین۔ بھیجنے کا مطلب ہے مبعوث نبوت فرمانا۔ نہ کہ کسی دوسری جگہ سے بھیجنا۔ جیسا کہ لوط علیہ السلام کو دوسری جگہ سے بھیجا گیا۔ فرمایا اے میری قوم یہ جملہ استینا فیہ بیانیہ ہے۔ معبود مانو تم ایک اللہ وحدہ لاشریک کو۔ اس طرح کہ کسی بت وغیرہ کی عبادت نہ کرو اس کی کسی فرمانبرداری میں کسی غیر کو شریک نہ سمجھو نہ کہو۔ کیونکہ نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود اس کے سوا۔ اور میرے کہنے سے اس کو معبود مانو تاکہ تم کو پہلے رسالت پھر توحید پر ایمان ملے ہی سب انبیاء کرام کی تبلیغ تھی اور اس کی عبادت کا حکم پہلے کیوں دیا گیا کہ یہی اصل اور قوام ایمان ہے۔ ایمان پہلے اعمال بعد میں کیونکہ ایمان حق اللہ ہے۔ بندوں کے لحاظ سے پہلے حق اللہ پھر حق النبی پھر حق العبد مگر سزا ـ نا کے اعتبار سے پہلے حق العبد پھر حق اللہ یہ رب تعالیٰ کی کریمی ہے کہ اپنے حق کو خود موخر فرمایا۔ لیکن حق النبی بہر حال حق العبد سے مقدم ہے۔ فرماں برداری اور بندے کے عمل میں حق اللہ مقدم ہے کہ جب کوئی انسان حق اللہ رسول کا ہی پورا نہ کرے تو بندے کا حق کیونکر پورا کرے گا اور اس کو بندے کی کیا پرواہ ہوگی بدیں وجہ انبیاء کرام کی تبلیغ میں سب سے پہلے حقوق باری تعالے کا ذکر ہوتا ہے۔ پھر قوم کی اس بدعملی اور اخلاقی کمزوری کا جس کا تعلق قانون الٰہی میں حق العبد سے ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے حقوق کی تلفی فسادِ روح کا باعث ہوتی ہے اور بندوں کی حق تلفی فسادِ جسم اور ملک کا باعث ہوتی ہے اسی لئے ایمان اور معرفت الٰہی کا درس دینے کے فوراً بعد فرمایا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ۔ اور بالکل بھی کم نہ کرو تم اپنے پیمانوں اور ترازوؤں کو۔ نہ اس طرح کہ ناپ تول میں دیتی دفعہ کمی کرو۔ کم ناپو۔ کم تولو نہ اس طرح کہ قیمت لیتی دفعہ بھاؤ سے زیادہ لو۔ یا اس طرح کہ جب تم بیوپاریوں سے خریدو تو بھارے باٹ یا بڑے پیمانے سے خریدو جب دوسرے گاہکوں کو دینے لگو تو ہلکے باٹ یا چھوٹے پیمانے نکال لاؤ جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ قوم مدین والوں نے دو قسم کے پیمانے اور ترازو بنائے ہوتے تھے۔ چھوٹے دینے کے لئے

اور بڑے لینے کے لئے۔ اے قوم والو میں تم کو اس لئے ان بدعملیوں سے منع کر رہا ہوں کہ تم کو بے شک میں بہت خیر یعنی عیش و آرام اور دولت مندی میں دیکھتا ہوں۔ اس طرح کہ رذیل حرکتیں اور غریبوں پر ظلم تو وہ کرے جس کو پوری نہ پڑتی ہو۔ تم تو عاجز مسکین نہیں ہو پھر تم لالچ کیوں کرتے ہو۔ رب نے تم کو امیر کبیر بنایا ہے اس کا شکریہ تو یہ تھا کہ تم اس کے غریب بندوں پر صدقہ و خیرات کرتے چیزیں سستی بیچتے غریبوں کی سہولت ہوتی دیہاتی کاشت کاروں کو فائدہ پہنچاتے مگر تم نے تو بالکل ہی مسکینوں کا رہا سہا خون بھی چوس کر راتوں رات امیر ہونا چاہا ہے۔ جو والی وارث خالق و مالک تمہارا ہے وہی ان غریبوں کا بے مظلوموں کی آہ و فریاد سننے والا ہے۔ سدا وقت ایک جیسے نہیں رہتے اگر تمہارے یہی کرتوت رہے تو اِنِّیۡۤ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ بے شک مجھ کو تم پر خوف ہے ایسے عذاب کا جو تمہارے پورے زمانے پر محیط ہو جاتے اور کہیں بچنے کی راہ نہ ملے لَا تَنۡقُصُوۡا فعل متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول ظاہر ہے معطوف علیہ معطوف۔ دوسرا مفعول اصلاً پوشیدہ ہے جس کا معنی ہے بالکل۔ عذاب عَذْبٌ سے بنا ہے اس کا معنی ہوتا ہے روکنا۔ پانی کو عذبٌ اسی کہا جاتا ہے کہ وہ پیاس کو روکتا ہے یہاں مراد ہے ظلم۔ سرکشی۔ کفر کو روکنے مٹانے والا۔ یوم محیط۔ محیط دراصل صفت ہے عذاب کی یوم کی طرف اسناد مجازاً ہے۔ دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ آج کل تم بہت مزے میں ہو کہ رزق میں برکتیں ہیں ہر چیز سستی ہے تھوڑی چیز بہت افراد کو کافی ہو جاتی ہے۔ رحمتوں میں زندگی بسر کر رہے ہو۔ یہ سب کچھ اس کا محض کرم ہے اگر تم ان کنجوسیوں ظلموں سے باز نہیں آتے تو یہ سب کچھ ختم ہو جاتے گا ظاہراً سب کچھ نظر آ رہا ہے گا مگر برکتیں ختم ہو جائیں گی۔ اور یہ بھی ایک عذاب ہے جس کی موت دراز ہوتی ہے۔ یا مراد ہے قیامت کا عذاب مگر قوی تفسیر یہ ہے خصوصی ہلاکت کا عذاب مراد ہے وَیٰقَوۡمِ اَوۡفُوا الۡمِکۡیَالَ وَالۡمِیۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ اَشۡیَآءَہُمۡ وَلَا تَعۡثَوۡا فِی الۡاَرۡضِ مُفۡسِدِیۡنَ - چونکہ تمہارا غریبوں کو کم تول کر دینا قیمت زیادہ کی وصول کرنا ایسی بددیانتی ہے جو باعث عذاب ہے لہٰذا اے میری قوم پورا کیا کرو ناپ کو اور تول کو تاکہ تم بھی مطمئن ہو اور تمہارے گاہک اور تاجر بھی تم سے مطمئن رہیں میں یہ بھی نہیں کہتا کہ تم اپنا نقصان کرو بلکہ بِالۡقِسۡطِ انصاف سے کام لو اور عدل مساوات کی حالت میں تجارت کرو حضرت شعیب علیہ السلام کا یہ دوسرا وعظ ہے۔ یا ایک محفل میں پہلے نفی سے تبلیغ فرمائی پھر امر سے اور سمجھانے کا بہت اعلیٰ طریقہ ہے۔ حضرت شعیب بہت فصیحانہ کلام فرمایا کرتے تھے اسی لئے ان کا لقب تھا خطیب الانبیاء آپ نے اس مختصر وعظ کا پہلے تفصیلی طور پر ان کے عیوب بیان فرماتے ہوئے ان کے نہ کرنے والے اور کرنے والے کاموں کا تذکرہ فرمایا۔ پھر اجمالی طور پر اسی وعظ کو دہرایا۔ کہ نہ تم ناپ میں کمی کرو نہ ترازو کی ڈنڈی مارو نہ اپنا نقصان کرو نہ خود کو بدنام کرو۔ غرضکہ وَلَا تَبۡخَسُوا النَّاسَ مطلقاً لوگوں کی چیزوں کو گھٹایا مت کرو یعنی لوگوں کو گھاٹے میں مت رکھا کرو۔ خواہ اپنے ہوں یا پرائے اور خواہ ناپ طول کی چیز کا لین دین ہو یا ان کی قیمت کا اور یا کوئی اور امانت وغیرہ تمہاری نظر میں وہ چیز معمولی ہو یا جلیل الشان۔ کیونکہ کبھی چھوٹی چنگاری گھر جلا دیتی ہے اور کبھی ایک

قطرہ پانی جان بچا لیتا ہے۔ نہ معمولی گناہ کرو نہ چھوٹی نیکی چھوڑو۔ اس قوم کی عادت یہ بھی تھی کہ جب خریداری کا وقت آتا تو باہمی مشورے سے چیزوں کے بھاؤ گرا دیتے اور آنے والے مزدوروں کسانوں کاشت کاروں کو کہہ دیتے کہ سب منڈی سے پتہ کر لو بھاؤ گر گئے ہیں چیزیں سستی ہو گئیں ہیں۔ اس طرح خریدتے بہت معمولی قیمت میں اور ناپ تول کے وقت بڑے برتن اور باٹ سے تول کر مزید ظلم کرتے۔ اور دوسرے دن بیچنے کا وقت آتا تو پھر باہمی مشورے سے بھاؤ بڑھا لیتے اور پیمانے چھوٹے لے آتے۔ یہ انتہائی درجے کا ظلم تھا اور ظلم سے ہی دنیا کا فساد ہے اسی لئے حضرت شعیبؑ نے فرمایا۔ نہ پھرو تم زمین میں یعنی اپنے علاقے میں یا سارے جہان میں کہ تم کو دیکھ کر دوسروں کو بھی بددیانتی کی عادت پڑے گی یا تاریخ عالم میں تمہاری خباثتیں نشر ہوں گی اور بروں کو برائی کے طریقے آئیں گے وہ تمہاری بری خصلتیں اپنائیں گے اور اس کے ذمہ دار تم مفسدین ہی ہو گے۔ لہذا تم فساد پھیلاتے نہ پھرو۔ تَعْثَوْا عَثِیٌّ سے بنا ہے جس کے معنی بہت سخت فساد یا دائمی فساد۔ فساد کا معنی ہے حقوق کو کم کرنا۔ افساد کا معنی ہے فساد کی عادت ڈالنا یہاں مفسدین فرما کر یہی بتایا گیا کہ تم نے ایسے فساد کی عادت ڈال دی ہے جس سے ایک دو کی نہیں بلکہ ملکوں سلطنتوں بادشاہتوں کی تباہی ہوتی ہے۔ غریب عوام محنت کش کسان مفلس مزدور کب برداشت کریں گے آج ظالم۔ اس طرح غریب کا خون چوس کر غریب کو غریب تر کر کے یہ چاہتا ہے کہ یہ طبقہ مساکین امیر کے سامنے بولنے کے قابل نہ رہے جس سے اولاً تو نتیجہ خوش کن نظر آتا ہے مگر جب اللہ تعالٰی کی بے آواز لاٹھی اٹھتی ہے تو یہی کمزور نادار آفت ناگہانی بن کر محلات میں ہوتے ہوتے غافل ظالم کو خس و خاشاک کر دیتے ہیں پھر کبھی اسی فساد کو بغاوت کا نام دیا جاتا ہے۔ کبھی حق مانگنے والے کو غدار کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ تاریخ کچھ بھی کہتی رہی لیکن قانون الٰہی میں مفسدین وہی ظالم ہیں جنہوں نے اس ظلم۔ بددیانتی کی بنیاد ڈالی۔ دنیا میں ایسے ظلم ہوتے رہے۔ فساد پھیلتے رہے۔ غریب پستے رہے۔ مزدور کچلے جاتے رہے مگر کسی امیر نے خواب غفلت سے کروٹ تک نہ لی کوئی غریب پروری مزدور دوستی کے نعرے لگانے والا لیڈر۔ کسی بے بس۔ بے کس کا سہارا نہ بنا۔ ہاں ایسے موقعوں پر اگر کوئی غریب کا سہارا بنا تو وہ دامن نبوت ہی ہے اگر کسی نے ظالم کو جھنجوڑا تو وہ دلیرانہ جرأت دکھانے والی ذات نبی ہی ہے۔ کیونکہ رب کائنات ہی اپنے بندوں کا سچا سہارا ہے۔ مقصد کلام یہ کہ اے قوم والو اللہ تعالٰی کو ایسا معبود سمجھو ہر وقت اسی کی عبادت و ریاضت میں مشغول ہو جاؤ تاکہ تمہاری روح درست ہو اور پھر تمہارے دل میں اس عذاب کا خوف پیدا ہو جس کا دھڑکا تمہارے متعلق مجھ کو لگا ہوا ہے اور اس عذاب سے ڈر کر یا اللہ کو سچا واحد معبود سمجھ کر ظلم سے باز آ جاؤ اور ناپ تول میں کمی نہ کرو تم کوئی غریب نہیں اچھے کھاتے پیتے ہو۔ اس ممانعت کو سن کر تم بالکل تجارت مت چھوڑ دو۔ بلکہ خوب تجارتیں کرو مگر با انصاف ناپ۔ تول پورا کرو۔ تجارت بری چیز نہیں۔ اس میں بے ایمانیاں ملاوٹیں اور بددیانتی بری ہیں ان بری عادتوں سے بچایا جا رہا ہے تاکہ حلال تجارت سے اور پھر تجارت ہی کیا۔ کسی چیز میں بھی لوگوں کو نقصان نہ پہنچاؤ۔ کیونکہ یہ ظلم اور فساد

ہے۔ فساد کی مدت تھوڑی ہوتی ہے نتیجہ دائمی تباہی ہوتا ہے (تفسیر مدارک۔ خازن۔ صاوی جلالین۔ کبیر۔ معانی۔ بیان۔ جمل۔ سراج منیر۔ مظہری۔ تفسیر الحدیث۔ ابن کثیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** جب گناہ بہت زیادہ ہو جاتے ہیں اور فساق گناہ پر فخر کرنے لگتے ہیں تو رب تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرام مبعوث ہوتے ہیں۔ وہ قوم کو سمجھاتے ہیں جب کفار وفساق ان کی وعظ ونصیحت قبول نہیں کرتے تب ان پر ایسا عذاب آتا ہے جس میں ان کے بے گناہ بچے اور جانور بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اسی کو عذاب محیط کہتے ہیں۔ یہ فائدہ۔ اِنّی اَخَافُ اور یوم محیط فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** معاملات شرعیہ میں کافر بھی مکلف ہیں۔ اگرچہ عبادات شرعیہ میں مکلف نہیں یہ فائدہ وَلَا تَنْقُصُوا کے واؤ کے ذریعے لَا تَنْقُصُوا کو اُعْبُدُوا پر معطوف کرنے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ واؤ عاطفہ جمع کے لئے ہوئی جس سے پتہ لگا کہ کفار ایمان لانے اور معاملات درست کرنے کے بیک وقت مکلف ہیں۔ لیکن نماز روزے کے مکلف ایمان لانے کے بعد ہوں گے۔ چوری ڈکیتی سود خوری جو مسلمان سے ہو۔ اسی طرح ملاوٹ۔ مہنگائی۔ کم ناپ تول سے حکومت اسلامیہ جس طرح مسلمانوں کو روکے گی اسی طرح کفار کو بھی سختی سے روکا جائے گا اور جس طرح ان معاملات کا مجرم مسلمان شرعی سزا کا مستحق ہوگا اسی طرح کافر بھی سزا پائے گا یہ فائدہ مدین کے کفار کو لَا تَنْقُصُوا فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کسی اچھے کام میں اگر لوگوں کی بدنیتی سے برائی شامل ہو جائے تو وہ کام برا نہ ہوگا اور کام کو نہ چھوڑا جائے گا بلکہ اس برائی کو ختم کیا جائے گا۔ کام بدستور جاری رکھا جائے گا یہ فائدہ لَا تَنْقُصُوا کے بعد اَوْفُوا فرمانے اور اس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا۔ عرس اولیاء۔ محافل میلاد۔ جلوس عید میلاد۔ مجالس گیارھویں جیسے کار ہائے خیر میں اگر احمق لوگ غلط رسومات شامل کر دیں تو وہ رسومات مٹائی جائیں گی نہ کہ یہ پاک اعمال۔ اگر مسجدوں میں جوتی چوری ہونا شروع ہو جائیں تو چوری کو بند کیا جائے گا نہ کہ مسجدوں کو **چوتھا فائدہ** مومن کامل وہ ہے جو تمام شرعی حقوق و معاملات میں درست ہو خواہ تجارتی ہوں یا گھریلو اپنوں سے ہوں یا پرایوں سے۔ عدل و انصاف میں کسی کی رورعایت نہیں چاہیئے۔ یہ فائدہ مکیال و میزان کی مساوات کے بعد وَلَا تَبْخَسُوا فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ (الخ) جس میں ناپ تول کی کمی سے ممانعت فرمائی گئی جس سے معنوی طور پر یہ ثابت ہو گیا تھا کہ پورا ناپو۔ پورا تولو پھر بعد میں اَوْفُوا الْمِكْيَالَ (الخ) کیوں فرمایا یہ معناً تکرار ہے اور تکرار بلا فائدہ ہے۔ اس کے بعد پھر فرمایا گیا وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ الخ یہ کلام بعینہ پہلے اور دوسرے کلام کے مطابق ہے یہ بھی تکرار ہے۔ اس دوہری تکرار کا کیا فائدہ ہے **جواب** تفسیر خازن نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ قوم والے بہت عرصے سے بری طرح اس بددیانتی کے ظلم میں مبتلا تھے اس لئے پہلے ان کو منع کیا گیا کہ کم مت دو۔ پھر ان کو امر کیا گیا کہ پورا دو اس تکرار سے ان امر و نہی کی اہمیت بیان کی گئی اس تکرار نے

نے شدۃ اہتمام کا فائدہ دیا اور لا تبخسوا میں تکرار نہیں بلکہ دیگر معاملات میں کمی سے روکا گیا ہے۔ تفسیر کبیر نے اس اعتراض کا جواب یہ دیا کہ لاتنقصوا میں ان کو بددیانتی سے ممانعت ہے۔ اور اَوْفُوا کے امر میں عدل وانصاف قائم کرنے کا حکم ہے اور لَا تَبْخَسُوْا سے یہ فرمایا گیا۔ برابر تول سے بھی کچھ نیچا تول کر دیا کرو۔ اور ناپ کو برابر کر کے بھی تھوڑا سا زائد ڈال دیا کرو تاکہ انصاف کا یقین ہو جائے اور تمہاری محبت وانصاف کا چرچا ہو۔ اور چند دانے ڈال دینے سے تمہیں کچھ فرق نہ پڑے گا مگر ہم نے تفسیر میں اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ لاتنقصوا کی نہی نے صرف تجارت۔ اور معاملات کی بددیانتی کو روکا۔ اور اَوْفُوْ کے امر نے آئندہ تجارت صحیح طریقے سے کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ صحیح تجارت بھی عبادت ہے اور لا تبخسوا کی نہی میں تجارت کے علاوہ دیگر معاملات میں ایمانداری کا سبق ہے لہذا یہاں تکرار نہیں **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا لا تعثوا فی الارض۔ عَثُوْ کے معنی بھی فساد ہے تو لَا تُفْسِدُوْا فرمادینا کافی تھا دراز عبارت کرنے کا کیا فائدہ **جواب** یہاں کثرت فساد کا ذکر ہے کہ ایک تو تم کافر ہو اور دوسرے تم بددیانت ہو۔ تمہارے وجود سے خالق و مخلوق دونوں ناراض ہیں بخلاف لفظ فساد کے کہ وہاں صرف خرابی تو ثابت ہوتی ہے مگر کثرت خرابی کا پتہ نہیں لگتا یا مقصد یہ کہ تفسدو میں صرف دوسرے کے نقصان کا ذکر ہوتا ہے لیکن لَا تَعْثَوْا نے یہ بتایا کہ جو کام تم کرتے ہو اس میں صرف دوسروں کا ہی نقصان نہیں بلکہ تمہارا نقصان ہے کہ تمہاری تباہی کا باعث ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّیْۤ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ وَّاِنِّیْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ شریعت کے ارکان جسم خاکی پر جاری ہوتے ہیں مگر اس کے انوار اعضاء باطنی پر موثر ہوتے ہیں اسی لئے پہلے شریعت ہے بعد میں طریقت و معرفت اور جب اللہ خالق ظاہر وباطن نے تمام قالب مدین کی طرف ان کے خیر خواہ طالب عافیت بھائی شعیبِ بصیرت کو بھیجا تو سب سے پہلے اس نے قالبِ ناسوتی کو شریعت کا حکم سنایا کہ عبادت سے جھک جاؤ اپنے اللہ کے حضور کسی طرف نہ دیکھو ہر حال میں وحدت الوجود کی تکبیریں بلند کرتے ہوتے یہ یقین بصدق دل رکھو کہ اس کے علاوہ عالم دھر میں کوئی معبود نہیں جب یہاں خلوص و خشیت کا اظہار کامل ہو جاتے تو اب عناصر اربعہ کی منڈی آگ وآب وباد وخاک کے بازار میں جب محبت کے سودے طلب کے بیوپار عشق کی تجارتیں کرنے لگو تو محبت کے ناپ اور طلب کی ترازو کو کم نہ کرنا محبت مکیال اور پیمانہ ہے دنیا وخواہشات دنیا کی محبت یہ کمی ہے اللہ کی محبت اور ماسوا اللہ کی دشمنی یہ پورا ناپ تول ہے یہی سچی تجارت ہے جیسا کہ عارفِ قلبِ خلیلِ حق نے فرمایا سب میرے دشمن ہیں سوائے رب العالمین کے جب بندۂ عارف کسی بھی گھڑی اللہ کے ساتھ ماسوا اللہ کی محبت لاتا ہے تو مکیالِ محبت میں کمی کرتا ہے یہی شرک اہل معرفت وراہ طریقت ہے۔ شریعت وطریقت کی طرف قدم بڑھانا ارادۂ مضبوط سے سیر الی اللہ کرنا اہل اللہ کے نزدیک میزان طلب ہے جب سیر ملکوتی چمن شریعت کی طرف اٹھنے والے قدموں میں ذرہ بھر بھی یا سستی ہوئی اور کوئی قدم غیر راہ پر پڑ گیا تو یہی میزان کی کمی ہے۔ پس بازار

محبت میں عشق کی منڈی میں عرفان کی دکان سجانے والے سالک مستقیم پر واجب ہے کہ انبیاء کرام اور شریعت وطریقت کے اولیاء کے آداب واعمال کے باٹ پیمانہ ۔ترازو اختیار کرے اور جس طرح قدم رکھنے کا حکم دیا جائے اسی طرح قدم رکھے ہر مومن پر خاص کر بندۂ عارف پر امانت اسرار اور استقامت دائمی شرط ہے ۔اور غرض ہے کہ جسد روح ۔ظاہر وباطن کے اعضاء جمیلہ ورئیسہ کے حقوق ازلی ابدی کو ادا کر دے جب بندہ اس مرتبہ دیانت پر پہنچتا ہے تب دنیا میں قبول ومدح سے اور آخرت میں ثواب وانعام سے نوازا جاتا ہے اس کی موت بھی سعید حیات بھی سعید ہوتی ہے لیکن جب ملک ناسوتی میں غداری کرے سلطنت شریعت میں فسق کی بغاوت پھیلاتے امانت اسرار میں خیانت کرے ظلم و تکبر سے بازار محبت صمدیت کو خراب کرنا چاہے تو پھر اِنّیٓ اَرٰىكُم کا اعلان سنا کر بتایا جاتا ہے کہ تم خیرات الٰہیہ میں رہ کر بھی بددیانتی کرتے ہو شعیب بصیرت کہتی ہے کہ گھیرنے والی ظلمات کے یوم عذاب کا تم پر خطرہ اور اندیشہ ہے ۔ اگر تم درست نہ ہوئے تو دنیا میں عدل وانصاف کے قانون خداوندی عذاب یقینی مردودیت میں اور ذلت ورسوائی میں اور یوم آخرت میں انتقام اور عقاب کا عذاب دائمی ہوگا ۔ نہ فضل رب ملے گا نہ معافی اور زندگی بھی شقاوت کی آخرت بھی حشر بھی بدبختی میں جتنی معرفت اور قرب زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی خوف الٰہی زیادہ ہوتا ہے ۔ مردود بارگاہ کو بے خوفی کی لعنت ہوتی ہے ازلی انعام سب کیلئے یکساں ہیں بدبخت کھو بیٹھتا ہے اور خوش نصیب محفوظ رکھتا ہے وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَآءَهُمْ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ۔ — اے قالب مدین کے رہنے والی میری قوم پورا کرو پیمانہ عشق و محبت کو اور طلب مشاہدات کی میزان کو انصاف شریعت سے اور حقوق ذات کو ان کی روحانی غذائیں و ضرورت عبدیت کی چیزیں پوری دو ۔ زمین قالب میں فساد فسق وگناہ رذالت وذمامت خیانت وخباثت نہ پھیلاتے پھرو ۔

بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَا
برکت اللہ کی اچھی ہے لیے تمہارے اگر ہو تم ایمان والے اور نہیں
اللہ کا دیا جو بچ رہے وہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تمہیں یقین ہو اور میں
اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ﴿۸۶﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ
ہوں میں پر تم سے محافظ سب بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز حکم دیتی
کچھ تم پر نگہبان نہیں بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمہیں

تَأْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ

تم کو اس کا کہ چھوڑ دیں ہم اس کو کہ عبادت کرتے تھے باپ دادا ہمارے یا یہ کہ

یہ حکم دیتی ہے کہ ہم اپنے باپ دادا کے خداؤں کو چھوڑ دیں

فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا ۭ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ ﴿۸۷﴾

کریں ہم مالوں اپنے میں جو چاہیں ہم بیشک تم ہی البتہ ضرور ہو گئے ہو نیک چلن اور لائق

یا اپنے مال میں جو چاہیں نہ کریں ہاں جی تمہیں بڑے عقلمند نیک چلن ہو

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی بد اعمالی بد دیانتی دنیوی حرص وہوس کا ذکر ہوا اب حضرت شعیب علیہ السلام کی اسلامی تبلیغ اور سمجھانے کا ذکر ہے کہ اے لوگو حرص وہوس سے پوری نہیں پڑتی۔ برکت تو رب کی خیر سے ہوتی ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں پہلی قوموں کی مخالفت انبیاء کا ذکر تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام کی مشفقانہ پیاری تبلیغ کا کس طرح مقابلہ کیا۔ اب حضرت شعیب کی قوم کی مخالفت کا ذکر ہے۔ یہ سب اسی سلسلے کی کڑی ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں اشارۃً ثابت کیا گیا تھا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نہایت حلیم کریم مشفق ہوتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ کفار دیگر صفات انبیاء کے منکر ہونے کے ساتھ اس صفت کے بھی درپردہ منکر ہیں اسی لئے ازراہ مذاق و انکار و استفہام ایسی گفتگو کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ لفظ بَقِيَّتُ میں قُرّاءِ عرب کے تین اقوال ہیں ایک یہ کہ بقیہ بمعنی ابقاء باب افعال کا مصدر متعدی۔ دوم یہ کہ بقیہ بمعنی باقی اسم فاعل۔ سوم یہ کہ بروزن فعیلٌ مبالغہ کا صیغہ ہے مراد ہے حلال نفع مضاف ہے بطرف لفظ اللہ مرکب اضافی مبتدا ہے خَیْرٌ بمعنی دنیوی فائدہ مند یعنی عزت کی روزی لفظ خیرٌ بروزن بَیْعٌ مصدر ہے بمعنی مفعول لَکُم الف لام نفع کا ہے کُم ضمیر کا مرجع قوم شعیب علیہ السلام۔ اِنْ حرف شرط ہے جزاءِ مقدم کی بعض نے فرمایا کہ شرط مقدم ہے اس کی جزا فَارْضَوْا عَلَیْہِ پوشیدہ ہے یعنی اگر تم مومن ہو تو اللہ کی عطا پر راضی ہو۔ کُنْتُمْ فعل تامہ نہیں بلکہ ناقصہ ہی ہے اسکا اسم پوشیدہ ہے یعنی اَنْتُمْ مؤمنین جمع سالم ہے منصوب ہے اسی فعل شرطیہ ناقصہ کی خبر ہے وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ واؤ سر جملہ ہے یا عاطفہ یا حالیہ تینوں مناسب ہو سکتی ہیں مَا نافیہ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل اسم ما علیکم علی جارہ بمعنی مع یا بمعنی عِنْدَ کُم ضمیر حاضر مجرور متصل کا مرجع قوم ہے بحفیظ با جارہ زائدہ ہے حفیظ بمعنی حافظ یعنی ذمہ دار یا بمعنی محافظ یعنی نگہبان قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا الخ۔ قَالُوْا قوم شعیب کا جواباً قول ہے یا نِدائیہ شعیب ان کی طرف مبعوث نبی کا اسم پاک ہے اَ ہمزہ استفہام انکاری۔ لفظ صلوٰۃ

بعض قراء کے نزدیک جمع ہے صَلَوٰتُ. ان کی دلیل ہے کہ اگر لفظ صلٰو واحد مضاف ہوتو بغیر واؤ یعنی صلات آتا ہے یہاں چونکہ واؤ کے ساتھ ہے لہذا جمع ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ واحد ہے اور یہی کثیر کا مسلک ہے واؤ کا آنا قرأت کی سہولت کے لئے ہے کَ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مبتدا تَامُرُ فعل مضارع معروف با فاعل متعدی بدو مفعول دوسرا نَترُکَ مفعول ہے پورا اور پہلا مفعول کَ ضمیر منصوب متصل اور یہ متعدی بدو مفعول کا جملہ فعلیہ خبر ہے۔ مبتدا کی اَنْ ناصبہ نترک مضارع منصوب ہے اس کا فاعل ضمیر جمع متکلم اس میں ہی پوشیدہ ہے مَا موصولہ مفعول بہ ہے اپنے اگلے صلے کے ساتھ یَعْبُدُوا فعل مضارع عَبْدٌ سے بنا ہے آباء جمع ابٌ کی بمعنی باپ مراد باپ دادے اور خاندانی بزرگ۔ اَوْ حرف عطف بمعنی یا اَنْ ناصبہ مصدریہ پہلے اَنْ پر عطف ہوکر مفعول تابع ہے نَترُکَ فعل ظاہری کا نَفْعَلَ یا اَوْ بمعنی واؤ عاطفہ ہے اور جملہ علیحدہ ہے عاطفہ نہیں کیونکہ اس طرح نَفْعَلَ کا عطف ماننا پڑے گا تَامُرُو پر اور یہ غلط ہے کیونکہ اَنْ نَفْعَلَ جواب نہی ہے نہ کہ جواب امر۔ فِیْ ظرفیہ ہے یا فی بمعنی مع ہے مَا اسم موصول مفعول ہے نَفْعَلَ کا نَشَاءُ فعل مضارع نہ کہ حال کے معنی میں نہ مستقبل کے معنی میں بلکہ اپنے ہی معنی میں شَیْءٌ بمعنی چاہت سے مشتق ہے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ - ان حرف تحقیق کَ اسم اِنَّ لَاَنْتَ لام کے معنی البتہ ضمیر منفصل اَنْتَ پر داخل ہوا اَنْتَ کا مرجع حضرت شعیب ہیں الحلیم الرشید ہر دو جگہ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ ہے حِلْمٌ واشدٌ سے بنا۔ حلم بمعنی نرم طبیعت رشد بمعنی ہدایت یافتہ یہ جملہ یا استہزائیہ ہے یا حقیقیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

بَقِیَّتُ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ وَمَاۤ اَنَا عَلَیْكُمْ بِحَفِیْظٍ - اے قوم والو تم تو کثرت دولت کی ہوس میں پڑے ہو۔ تم کو کیا معلوم کہ حلال روزی میں کتنی برکتیں ہیں۔ حرص وہوس کو چھوڑ کر صرف وہی لو جو اللہ کی طرف سے تم کو اس تجارت سے باقی مال حلال ملے۔ کیونکہ اللہ کا بقیہ جس کو اللہ تمہارے لئے باقی بچاتے وہی تمہارے لئے خیر و برکت والا ہے بمقابلے اس زیادتی کے جو تم گاہکوں تاجروں سے ظلم اور کم ناپ تول کر جمع کر رہے۔ اس لئے کہ تمہاری بد دیانتی سے کمائی ہوتی دولت ہبا منثورہ اُڑتی دھول کی طرح فانی ہے بے برکتی ہے لیکن دیانت داری سے کمائی ہوئی دولت ہی اصل میں شرافت اور حلال کی روزی ہے اس کو اللہ اتنا بابرکت کرتا ہے کہ بقیۃ اللہ کا لقب پاک حاصل کرکے تا عمر بلکہ تا قیامت باقی باللہ ہوجاتی ہے کہ اللہ راضی مخلوق خوش اور خود صاحب دولت مطمئن ہوتا ہے۔ بخلاف حرام دولت کے کہ دولت والا کتنا ہی امیر کبیر بن جاتے اور کتنا ہی حرام ذریعوں میں دولت خرچ کرے مگر نہ خلقت خوش ہو نہ دولت مند کو اطمینان نصیب ہو ہر وقت حرص دنیا کی بےچینی لگی رہتی ہے مولانا روم نے دنیا داروں کے متعلق فرمایا ہے شعر

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند ☆ روز و شب در زق زق و در بک بک اند

حلال روزی تھوڑی ہو تو بہت معلوم ہوتی ہے گھر بھرا ابھرا رہتا ہے۔ یہی مطلب خیرٌ لکم ہونے کا ہے مگر یہ اسرار و رموز اس وقت کھلیں گے یہ حقیقت تب آشکارا ہوگی اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ اگر تم مومن بن جاؤ جب تک مومن نہ بنو گے تم کو اس کی معرفت

آنے کی توفیق ہی نہ ملے گی کہ تم حرام چھوڑ حلال کماؤ۔ یا یہ تفسیر ہے کہ اگر تم میری ان باتوں کو تسلیم کرتے ہو تو تب تمہاری دولت تمہارے لئے خیر ہوگی۔ اور اللہ اس کو ایسی بقا عطا فرماتے گا کہ تم سے ختم نہ ہو سکے گی۔ اور وہی دولت تمہارے دل کا سرور دنیا کا ظہور آخرت کا نور بن کر رضائے رب غفور ہوگی لہٰذا فضل یعنی زیادتی کے طالب نہ بنو۔ برکت کی دعائیں مانگو۔ لفظ بقیۃ بوزنِ فعیلۃٌ مفعول مستقبل کے معنی میں ہے اور یا اضافت تشریفی ہے۔ جیسے ناقۃ اللہ۔ بیت اللہ اور یا اضافت فاعلی ہے یعنی اللہ تعالیٰ اس کو باقی رکھنے والا ہے۔ جیسا کہ ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ۔ اللہ حرام سود کو مٹاتا ہے۔ صدقات حلال کو پرورش فرماتا ہے بقیۃ اللہ کی تفسیر تقیۃ اللہ اور اطاعت اللہ بھی کی گئی ہے یہ تجربہ ہے کہ حرام روزی کے تین نقصان اور حلال روزی کے تین فائدے صاحب روزی کو پہنچتے ہیں ۱؎ حرام روزی میں برکت نہیں ہوتی ۲؎ حرام روزی اچھی جگہوں میں خرچ نہیں ہوتی حرام کے راستہ میں ہی جاتی ہے ۳؎ حرام روزی مفید نہیں ہوتی طرح طرح کی بیماریوں سے صاحب دولت کو کھانا برتنا نصیب نہیں ہوتی ڈاکٹر لوگ پرہیز پر پرہیز بتاتے چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر۔ وکیل اور دیگر لوگ اس دولت سے مزے اڑاتے ہیں اور خود دولت والا پرہیزی کھانے اُبلے ساگ کھا کھا کر اور چارپائی پر یا ہسپتالوں میں پڑے پڑے مرجاتا ہے۔ حلال روزی میں اس کے برعکس تینوں فائدے ہیں۔ میں نے دیکھا کہ دو عملوں کی وجہ سے مسلمان دو مصیبتوں سے بچا رہتا ہے ۱؎ اللہ تعالیٰ کی قطار یعنی نماز باجماعت کی صف میں پابندی سے لگا رہنے والا دنیا کی ساری قطاروں سے بچے گا جو اللہ تعالیٰ کی اس قطار سے بھاگے گا وہ دنیا کی قطاروں میں دھکے کھاتا نظر آتے گا۔ کہ کبھی تیل کے لئے کبھی آٹے چینی کے لئے کبھی سیمنٹ وغیرہ کے لئے۔ قطاروں میں لگتا پھرے گا اگر ہم سچے دل خوفِ خدا عشقِ مصطفےٰ سے اللہ کی قطاروں میں لگیں تو ہمارے سارے ملک سے دنیا کی الجھنیں مصیبتیں دور ہو جائیں ۲؎ اللہ تعالےٰ کے بتاتے ہوئے صرف ایک پرہیز کو مضبوط پکڑنے والا کسی موقعے پر نہ پھسلنے والا۔ دنیا کے باقی پرہیزوں سے بچ جاتا ہے۔ جو حرام سے مکمل پرہیز کرے گا رب تعالیٰ اس کو حلال سے پرہیز نہ ہونے دے گا۔ حلال روزی کے پرہیز میں وہی مبتلا ہوتا ہے جو حرام سے پرہیز نہ کرے۔ جس طرح ناممکن ہے کہ بیک وقت رات و دن جمع ہوں۔ نور و ظلمت اکٹھے ہوں اسی طرح ناممکن ہے ایک بندۂ مومن جو نماز کی صف میں کھڑا ہوتا ہو پھر دنیا کی قطاروں میں دھکے کھائے یا ایک سینے میں حرام و حلال غذائیں جمع ہوں۔ چونکہ حلال روزی ان ہی دنیا و آخرت کی مصیبتوں سے بچاتی ہے اس لئے اسی کو حضرت شعیب نے خیرٌ لکم فرمایا کہ اے میری قوم یہ ہی تمہارے لئے حقیقۃً خیر ہے بشرطیکہ تم میری بتائی ہوئی شریعت پر ہر طرح ایمان لاؤ اور میں نہیں ہوں تم پر ہر وقت محافظ میں نے تم کو تبلیغ بہت صاف صاف کر دی اچھا برا سمجھا دیا۔ آئندہ تم خود سمجھدار

شعر

من آنچہ شرطِ بلاغ است با تو میگویم ❖ تو خواہ از سخنم پند گیر و خواہ ملال

فقط تبلیغ ہی کا مجھ کو حکم تھا مجھ کو کفار سے جہاد کا حکم نہیں خیال رہے کہ انبیاء کرام دو قسم کے گروہ میں منقسم ہوئے ہیں ۱؎ جن کو کفار سے جنگ کا حکم ملا جیسے موسیٰ داؤد و سلیمان علیہم السلام ۲؎ جن کو صرف تبلیغ کا حکم ملا جیسے حضرت نوح۔ لوط ابراہیم

شعیب عینی علیہم السلام وغیرہم زمین میں اللہ تعالیٰ کی ترازو عدل ہے خواہ عبادات اور احکام ہوں یا معاملات جب کوئی
اس سے عدول کرتا ہے تو پکڑ میں آتا ہے۔ پس چاہیئے کہ بندہ ظلم سے بچے۔ ظلم ہر وہ کام ہے جس سے کسی کو ضرر پہنچے خواہ
قلبی ضرر یا بدنی یا ایمانی۔ عدل ہر وہ کام ہے جس سے غیر کو فائدہ پہنچے۔ تفسیر روح البیان نے بروایت سعید بن مسیب
فرمایا کہ جب تاجر لوگ کھوٹ اور ملاوٹ زیادہ کرنے لگیں تو غیر قوموں کا غلبہ اور رعب طاری ہو جاتا ہے اور جب بد معاشی
اور زنا کثرت سے ہو تو موتیں زیادہ ہوتی ہیں اور جب ناپ تول میں بد دیانتی ہونے لگے تو اللہ تعالیٰ رزق کے دروازے
بند فرما دیتا ہے اور جب خون ریزیاں زیادہ ہوں تو حاکم ظالم مسلط ہو جاتے ہیں۔ آج یہ سب بیماریاں ہم میں موجود ہیں
خدا تعالیٰ اپنے حبیب کے صدقے ہم کو بچاتے۔ حکایت ایک آدمی ہر روز دودھ میں خوب پانی ملاتا تھا اور زیادہ کر کے بیچا کرتا
ایک دن سیلاب آیا اور اس کی گاتے کو بہا کر لے گیا۔ اس کی ایک چھوٹی بچی تھی بولی ابا جو پانی تم دودھ میں ڈالا کرتے تھے وہی
پانی سیلاب بن کر آیا اور ہماری گاتے کو بہا لے گیا (تفسیر روح البیان) یہ سب عبرت ناک وعظ و نصیحت ہیں مگر نہ ہم
سنتے ہیں نہ سن کر عمل کرتے ہیں اور نہ قوم مدین نے حضرت شعیب کی ان فائدہ مند باتوں کو مانا بلکہ بجائے ماننے کے قَالُوْا
یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِیْۤ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِیْمُ الرَّشِیْدُ
جب حضرت شعیب کو اجازت تبلیغ ملی تو آپ نے دن کا تمام وقت اسی قسم کی تبلیغ پر صرف کرنا شروع فرما دیا اور رات کو تو
پہلے ہی بہت نمازیں پڑھا کرتے تھے اب دن کی نمازیں بھی رات کو شروع فرما دیں۔ اس کثرت تبلیغ سے اُکتا کر بلکہ بہت
غیظ و غضب میں آ کر اور از راہ مذاق کرتے اور طعن دیتے ہوتے بولے اے شعیب کیا تمہاری نماز تمکو یہی حکم دیتی ہے
کہ تم ہمارے ساتھ چھیڑ خانی کرو اور ہم کو ستاؤ تاکہ ہم اس عبادت یا ان معبودوں کو چھوڑ دیں جس کی ہمارے باپ دادے
عبادت کرتے رہے۔ یہ جملہ استفہام استہزائی ہے۔ یا انکاری یعنی ایسا مت کرو۔ اور ہم کو بتوں کی عبادت سے مت روکو
ہم غلط ہو سکتے ہیں ہمارے باپ دادا تو غلط نہیں ہو سکتے۔ آج سے پہلے ہم کو کسی نے نہ روکا صرف تم کہاں سے آ گئے
ہم کو روکنے والے یہ ضرور تمہارے دل کا ذاتی وسوسہ ہے کوئی خدائی حکم نہیں یہ حضرت شعیب کی پہلی تبلیغ کا جواب احمقانہ
ہے۔ اور تمہاری یہ نمازیں سجدہ ریزیاں یہ بھی کہتی ہیں کہ تم ہم کو ہماری پرانی تجارتوں اور تجارت کے سیاسی طریقوں سے روکو
اور اس بات سے کہ ہم اپنے مالوں میں جواب تک چاہتے چلے آتے اب بھی ویسا ہی کریں۔ آخر ہم اپنے مالوں میں اپنی من
مانی کیوں نہ کریں۔ ہم کو پہلے کسی نے نہ روکا۔ کیا بے شک تم ہی البتہ بہت نرم مزاج غریبوں کے خیر خواہ اور لائق فائق
رہ گئے ہو۔ یہ جملہ بھی استفہامیہ ہے یا پہلی ہمزہ کے تحت ہے یا نئی ہمزہ پوشیدہ۔ اور استفہام استہزائی ہے تب تو وہ ہی تفسیر
ہے جو بیان ہوئی اور اگر استفہام انکاری ہے تو تفسیر اس طرح ہے کہ بے شک البتہ تم کہاں کے حلیم و رشید آ گئے ہو
یعنی تم حلیم و رشید نہیں نہ تم میں غریبوں کی کوئی ہمدردی ہے صرف ہم کو ستانے ہم میں بڑا بننے کے لئے یہ سب کچھ کر رہے ہو
صلوٰۃ میں چند قول ہیں بعض نے فرمایا صلوٰۃ سے مراد دین ہے یعنی کیا تمہارا دین تم کو یہ حکم دیتا ہے۔ بعض نے قرأت اور

دعا مراد لئے ہیں۔ بعض نے وظائف مراد لئے ہیں بعض کے نزدیک صلوات جمع ہے اموال سے مراد یا درہم دینار ہیں یا غلوں کا خریدنا بیچنا یا بھاؤ گھٹانا بڑھانا۔ یہاں حلیم کے معنی نرم دل ہیں۔ رشید رشدٌ سے بنا یہاں اس کے معنی ہیں لائق کفار مدین نے شعیب علیہ السلام کی دونوں باتوں کا جواب اس طرح دیا کہ دین کا معاملہ محض تقلید کا ہے لہٰذا ہم باپ دادا کی تقلید نہیں چھوڑ سکتے اور دنیا کا معاملہ محض عقل پر ہے لہٰذا وہ ہم اپنی عقل کے مطابق درست کر رہے ہیں کہ ہماری چیز ہے جس طرح چاہیں لیں جس طرح چاہیں دیں اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں تمہارا دین ہم کو کیوں روکتا ہے یہی نظریہ اسلام اور قانون الٰہی کے خلاف ہے۔ انبیاء کرام نے آکر اسی باطل نظریہ کو ختم کیا نہ دین محض تقلید کا نام ہے نہ دنیا فقط عقل سے چل سکتی ہے۔ حلیم ورشید میں تین تفسیریں ہیں ایک وہ جو ہم نے بیان کی دوسری یہ کہ بے شک تم اپنی قوم میں حلیم ورشید ہو گئے۔ ہم تم کو کیا سمجھتے ہیں۔ تیسری یہ کہ ہم تو تم کو حلیم ورشید سمجھتے تھے اب تم کو کیا ہو گیا جو ایسی بہکی بہکی باتیں کرنے لگے۔ مقصد کلام یہ ہے کہ جب حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا کہ اے میری قوم زیادہ کی ہوس مت کرو جو نفع تمہارے لئے اللہ عطا فرماتے اور دے دلا کر اس کا مال علیحدہ کر کے جو باقی بچے اس کو اللہ کی طرف سے حلال و طیب ستھری روزی جانو اور وہی تمہارے لئے خیر و برکت ہے۔ اگر تم مومن بن جاؤ یا اگر تم مومن ہو تو اسی اللہ کی عطا پر راضی رہو۔ اور یہ معاملات کی صفائی ایمانداری اللہ کو وحدہ لاشریک مان کر اس کی عبادت ٹھیک ٹھاک ناپ تول میری وجہ سے یا مجھ کو دکھلانے کے لئے یا میری شرما حضوری کے لئے مت کرو۔ میں تم پر ہر وقت محافظ نہیں بلکہ اللہ کی رضا کے لئے کرو وہی تم پر حفیظ ہے نہ لوگوں کے دکھلاوے کے لئے کرو تاکہ ریاکار نہ بنو تب جواباً قوم نے بہت گستاخی سے آپ کا فقط نام لے کر پکارتے ہوئے کہا اے شعیب تمہاری نماز یا تمہارا دین تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ تمہارے منع کرنے سے ہم چھوڑ دیں اپنے باپ دادا کا دین یا ہم اپنے مالوں کی اپنی مرضی سے خرید و فروخت کرنا چھوڑ دیں ایک تفسیر کے مطابق۔ اے شعیب تمہاری نماز تم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہمارے مالوں کو تم اپنی مرضی سے بکواؤ یعنی مال ہمارا ہو اس میں مرضی تم اپنی چلواؤ۔ تم تو بڑے حلیم غریبوں کے خیر خواہ اور کچھ زیادہ ہی عقل والے بنے پھرتے ہو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** دین وایمان کے تمام کاموں میں نماز افضل ہے اور سب سے زیادہ اہم عبادت نماز ہی ہے گویا کہ نماز راسُ الاسلام ہے۔ دیکھو مفسرین کے نزدیک صلوٰۃ سے مراد دین ہے۔ جیسے کہ شریعت میں سر بول کر پورا جسم مراد لیا جا سکتا ہے کیونکہ سر بہت اہم ہے۔ اسی طرح نماز بول کر پورا دین مراد لیا جا سکتا ہے۔ اور جس طرح سر کٹ جاتے تو جسم مردہ بیکار ہو جاتا ہے اسی طرح اگر نماز چھوڑ دی جائے تو باقی اعمال ٹھیک نہیں رہتے۔ یہ فائدہ اَصَلٰوتُکَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نمازیوں کا مذاق اڑانا کفار کا طریقہ ہے۔ اور یہ بیماری آج کے فاسق و فاجر اور خدا سے غافل لوگوں سے شروع نہیں ہوئی بلکہ آج سے ہزاروں سال پہلے سے ہے۔ یہ نئی روشنی نہیں بلکہ پرانی ظلمت واندھیرا ہے۔ ہر کافر و فاسق نمازیوں کو صرف اس لئے طعن کرتا

کرتا ہے کہ وہ گھبراتا ہے کہ یہ ہم کو برائیوں سے نہ روکے۔ اور ہماری آزادی اور خود مختار بے راہ روی کے لئے آڑ نہ بن جاتے۔ یہی وجہ ہے کہ بدکار اور بد دیانت انسانوں کو متقی پرہیز گار مخلص مومن ایک آنکھ نہیں بھاتا۔ اس کی دینداری نمازیں۔ صدقے تنقید و مذاق بنتی رہتی ہیں یہ سبق وفائدہ حَلِيْمُ الرَّشِيْدُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف نماز روزے کا نام ہی نہیں اور رب تعالیٰ کی فرمانبرداری صرف مسجدوں میں سجدہ ریزی سے ہی نہیں مکمل ہو جاتی۔ بلکہ ہر شعبۂ معیشت میں رب کی حاکمیت تسلیم کرتے ہوتے۔ اسی کے احکام وقوانین کو زندگی کا نمونہ بنایا جاتے۔ آج ہمارے معاشرے کا کتنا غلط طریقہ ہو گیا ہے کہ بیوقوف مسلمانوں نے اسلام کو صرف مسجدوں تک محدود سمجھ لیا اور قرآن مجید کو صرف الفاظ گردانی تک ہی جانا اور عوام نے اسلام کی پوری خدمت صرف اس کو سمجھ لیا کہ بچوں کو مسجدوں سے قرآن کریم کے الفاظ پڑھوا دیئے بس حق اسلام ادا ہو گیا قانون ہے تو کافرانہ معاشرہ ہے تو ظالمانہ رسم و رواج ہے تو ھندوانہ شکل و صورت ہے تو یہودیانہ۔ کھانا پینا ہے تو جانورانہ۔ یہی اخلاقی بیماریاں عذاب الٰہی کا باعث ہوتی ہیں ان سے مسلمانوں کو بچنا چاہیئے۔ یہ سبق اور فائدہ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** حلال رزق میں برکت ہے حرام میں بے برکتی دیکھو بکری دو بچے دیتی ہے اور بکریاں ہزاروں کی تعداد میں روزانہ ذبح ہوتی ہیں کتیا سؤریا کوئی نہیں مگر دنیا کے ہر گوشے میں ریوڑ بکریوں کے دیکھے جاتے ہیں کتیوں کے نہیں۔ سوروں کے شاذ و نادر یہ فائدہ خَيْرٌ لَّكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** توہین کی نیت سے اچھے الفاظ بولنے بھی کفر ہیں۔ دیکھو حلیم و رشید اچھے لفظ ہیں مگر کفار نے حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بنیت مذاق کہے تو یہ ہی کفر بن گیا۔ اسی لئے نعت گو شعرا کو نیت خیر چاہیئے کہ ثواب بقدر نیت ملتا ہے یہ فائدہ حَلِيْمُ الرَّشِيْدُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** اللہ رسول کی تعریف کرنے کے لئے عقیدے کی درستی شرط اول ہے۔ مدین والوں نے شعیب علیہ السلام کو حلیم و رشید کہا مگر ان کے متعلق عقیدہ غلط رکھا تو ان کو یہ نبی کی تعریف مفید نہ ہوئی یہ فائدہ حلیم و رشید کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو نعتیں غیر مسلم لکھتے ہیں مثلاً ھندو شاعروں نے یا جو نعتیں مرزا غلام قادیانی نے لکھیں اس پر ان کو کوئی ثواب نہیں۔ اسی طرح بدعمل شعراء جو نعتیں محض فن کاری چمکانے پیسے کمانے کے لئے لکھ لیتے ہیں وہ باعث ثواب نہیں۔ جو نبی کی ذات اہم ہے تو اس ذات کی نعت بھی اہم ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ۔ یعنی یہ حلال نفع جائز منافع تم کو تب مفید ہے جب تم مومن ہو مفید اور خیر ہونے کے لئے ایمان کی شرط کیوں لگائی گئی جائز منافع تو کفار کو بھی مفید ہے۔ دنیا میں اس طرح کہ ناموری ہوگی جس سے تجارت خوب چمکے گی آخرت میں اس طرح کہ بد دیانتی کا عذاب نہ ہوگا لہٰذا یہ شرط بے فائدہ ہے **جواب** اس کے دو جواب ہیں ایک تو وہی جو ہم نے تفسیر میں دیا کہ اِنْ كُنْتُمْ۔ ایک تفسیر کے مطابق شرط مؤخر نہیں اور اس کی جزا پہلا جملہ مبتدا اور خبر نہیں

یا صرف خَیْرٌ لَّكُمْ نہیں بلکہ یہ شرط مقدم ہے اور اس کی جزا پوشیدہ ہے فَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ عَطِيَّةِ اللّٰهِ تب تو کوئی اعتراض نہیں دوسرا جواب امام بن عبدالقادر رازی نے دیا کہ خَیْرٌ سے مراد صرف دنیوی فائدہ نہیں بلکہ رزق کی بقا۔ دنیوی برکات توفیق خیر۔ اور اخروی ثواب سب کو جامع ہے۔ جو ایمان لانے سے زیادہ ظاہر ہوگا کہ ایمانی چمک بھی نمایاں ہو گی آخرت کے عذاب عقاب سب سے مطلقاً اَمْنٌ ہوگی۔ اور کافر کو یہ فائدہ نہیں کہ جب اس کو دنیا و آخرت انجام کار عذاب کفر ہونا ہی ہے تو نوعیت عذاب کے تبدیل ہونے سے کیا فرق پڑے گا۔ جب عذاب ہی ہے تو کیا کفر کا کیا بددیانتی کا معذب کے لئے یکساں۔ فائدہ تو تب ہے جب بالکل عذاب ختم ہو۔ اور اس کے لئے ایمان شرط ہے۔

ایک جواب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم میری نصیحت کو مانو ایمان بمعنی تسلیم ہو **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ یہ جملہ مشبہ ہے اور حرف عطف اَوْ ہے معطوف علیہ نَتْرُكَ ہے۔ تو معنی یہ ہوا کہ اے شعیب تمہاری نماز تم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم بتوں کی پوجا چھوڑ دیں اور یہ حکم دیتی ہے کہ ہم کریں اپنے مالوں میں جو ہم چاہیں اس سے لازم ہوا کہ نماز نے برائی کا حکم دیا جواب مفسرین نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اَوْ بمعنی واؤ ہے اور عطف نترک پر نہیں بلکہ ما یَعْبُدُ پر ہے اَنْ مصدریہ نے نَفْعَلَ کو بمعنی مصدر بنا کر مفعول بہ کے درجے میں کر دیا ہے۔ اور معنی اس طرح ہے کہ اے شعیب تم کو تمہاری نماز یہ حکم دیتی ہے کہ ہم بتوں کی عبادت کو چھوڑیں اور اپنے مالوں میں اپنی من مانی کرنا چھوڑیں۔ لہذا اعتراض ختم ہو گیا کیونکہ اب معطوف علیہ معطوف دونوں ایک نَتْرُكَ کے تحت ہو گئے۔ بعض نے ایک اور نَتْرُكَ مقدر مانا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ فعل اَنْ نَّفْعَلَ جمع متکلم نہیں بلکہ اَنْ تفعل واحد مذکر حاضر ہے اور مطلب ہے ہمارے مالوں میں تم جو چاہو کرو۔ بہرحال اعتراض کسی صورت نہیں پڑتا۔

تفسیر صوفیانہ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۔ اے حرص و ہوس کے پرستارو ہوس کا پیٹ تو کبھی بھرتا ہی نہیں۔ قناعت کے گوشۂ تنہائی میں بیٹھو صبر کی دکان کھول کر شکر کے سودے رکھو اعمالِ صالحہ عرفانِ کاملہ کی نعمتوں سے بازارِ قالب سجاؤ پھر جان لو گے کہ بَقِيَّتُ اللّٰهِ خَيْرٌ اللہ کے قرب کا بقیہ وصال انوار کا سچا نفع اولیاء قدس کی کرامات سنیہ کا ذخیرۂ درجات رفیع کا سرمایہ راسَ المال ہی خیر دنیا جہان جن طریقوں سے تم دولت جمع کرنا چاہتے ہو وہ خرا فسادِ اعمال ہے جو باعثِ عذابِ نار ہے اگر تم شعیبِ بصیرت کے بتائے ہوئے اسرارِ غیبیہ پر ایمان لاتے ہو تب ہر عمل خیر ہے ورنہ ہر کام فساد شر ہے۔ جب تک تم ناصحِ اسرار کی بات نہ مانو گے اس وقت تک شرک خفی کے پردوں میں افکارِ باطلہ کے حجابوں میں حق سے محجوب رہو گے مال خبیث کی جستجو میں اپنے اوقاتِ عظیمہ ضائع کرتے رہو گے یہ حیاتِ عارضی طلبِ معاش میں برباد کرنے کے لئے نہیں ہے بلکہ مقام سفلیہ سے درجاتِ علویہ تک پہنچنے کے لئے یہ زندگی ملی ہے۔ نفسِ امارہ خواصِ بہیمیہ سکھاتا ہے۔ شریعت کمالِ انسانیت عطا فرماتی ہے تصوف کی وادی سے کمالِ روح اور رونق قلب حاصل ہوتی جب بندہ صدق دل سے شاہراہ

شرع کو جبۂ طریقت پر گامزن ہوتا ہے تو عین حفاظت جلال میں آجاتا ہے پھر کسی حفاظت کی ضرورت نہیں رہتی لیکن ظلم و فساد کے انتہائی گہرے غار میں گرنے والے کی حفاظت کون کرتا ہے۔ بچانے والا بھی کہہ دیتا ہے وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۔ میں تمہاری حفاظت نہیں کر سکتا نہ ہر وقت تم کو سنبھالنے کی ذمہ داری قبول کر سکتا ہوں میرا کام سمجھانا تھا درس بصیرت سے بصارت کو جگانا تھا۔ تم نہیں مانتے لہٰذا میں ذمہ دار نہیں قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ جب شعیب بصیرت نے کہا کہ اے قالب مدین میں رہنے والو جو سعادتیں بارگاہ رب العزت میں اور کمالات دربار احدیت میں تمہارے لئے باقی ہیں وہی خیر ہیں ان تجارات فانیہ سے تو مدین قالب والے بولے اے بصیرت فطریہ کیا تیری ریاضت و عبادات جو ہمارے عقل و ہوس سے وراء ہے۔ تجھ کو اس بات کا حکم دیتی ہے کہ ہم اس پرستش کو چھوڑ دیں جو ہمارے بت پرست باپ دادا کرتے رہے یعنی نفس امارہ جو سب کفریات و فواسق کا باپ دادا ہے بت خواہشات اور صنم حرص و ہوس کا پرانا پجاری ہے اسی کے حکم اور اسی کی نقل میں دماغ و عقلیات شیطانیہ حرص و ہوس کی نجاستوں سے ملوث ہوتے اور بدباطنی سے ذلت کو عزت۔ خیانت کو امانت داری۔ دولت فانی کو خزانۂ باقی سمجھنے لگے حیات دنیا کے جھمیلوں میں جب تک مشغول رہتے تب تک عیش و عشرت کو ہی مقصدِ دنیا سمجھتے ہیں مگر موت کی کڑواہٹ سب لذتوں کو ختم کر دیتی ہے۔ تمام کمائیاں لٹ جاتی ہیں باقی صرف ذکر خدا نعت مصطفٰے کا خزانہ ہے موت سے پہلے بدخصلت کو سمجھ نہیں آتی اور کہتا ہے کہ اعضاء ظاہری میرے غلام ہیں ان کے اعمال میری دولت اور میرے مال ہیں۔ ہم اپنے مال میں جو چاہیں کریں ہر خود پرست اور دولت کا پجاری اسی خیال خام میں مبتلا ہے وہ نہیں جانتا کہ ہر چیز کسی اور ہی ذات کی امانت ہے مالک کائنات ملکیت عارضی تو عطا فرما دیتا ہے مگر اس ملکیت سے ناجائز فائدہ اور ظلم کی اجازت نہیں دیتا۔ ذات یکتا جَلَّ مجدہٗ کو کسی نے دنیا میں دیکھا نہیں مگر منشا اسی کا پورا ہوتا ہے۔ ہر طرف قانون اسی کا جاری و ساری ہے۔ غلبۂ تامہ اسی کا ہے بندوں کے پاس یہ سب طاقتیں اور قوتیں دولتیں چند روزہ ہیں چشم بصیرت دیدۂ بصارت کو یہی سمجھاتی بتاتی ہے مگر نا سمجھ نصیحت و عبرت کے بجائے الٹا زبان طعن دراز کرتے ہوتے کہتے ہیں کہ کیا تو ہی سارے قالب ناسوتی میں حلم اور بردباری والا اور علم ولیاقت وہدایت والا رہ گیا ہے۔ یہ گفتگو اگرچہ بطور طعن کہی جاتی ہے مگر اہل حقیقت جانتے ہیں کہ واقعی شعیب بصیرت حلیم و رشید ہے۔ سب قوتوں پر اس کا غلبہ ہے۔ مگر یہ حقیقت کس سے پوشیدہ ہے کہ شریعت اسلام جتنی آسان ہے راہ تصوف اتنا ہی مشکل ہے۔ اس پر چلنا اغیار کے طعنے برداشت کرنا ہر ایک کا کام نہیں (عرائس البیان۔ ابن عربی)

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ

فرمایا اے قوم میری راے دو تم اگر ہوں میں پر روشن دلیل طرف سے رب اپنے

کہا اے میری قوم بھلا بتاؤ تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے ایک روشن دلیل

وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ

اور رزق دیا اُسنے مجھ کو پاس سے اپنے رزق اچھا اور نہیں چاہتا میں یہ کہ خود مخالفت کروں

پر ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے اچھی روزی دی اور میں نہیں چاہتا ہوں

اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا

میں تمہاری طرف اس بات کے منع کروں میں تم کو جس سے نہیں چاہتا میں مگر درستی۔ جتنی

کہ جس بات سے تمہیں منع کرتا ہوں آپ اس کے خلاف کرنے لگوں میں تو

الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ

جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور نہیں ہے توفیق میری مگر سے طرف اللہ

جہاں تک بنے سنوارنا ہی چاہتا ہوں اور میری توفیق اللہ ہی کی طرف سے ہے

عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ﴿۸۸﴾ وَيٰقَوْمِ لَا

کی پر ہی اس بھروسہ کیا میں اور ہی طرف اس کی لوٹتا ہوں اور اے قوم میری نہ جرم

میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف رجوع ہوتا ہوں اور اے قوم میری ضد

يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيْٓ اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ

بنا دے تم کو مخالفت میری یہ کہ پہنچے تم کو مثل اس کے جو پہنچا قوم نوح کو یا قوم

یہ نہ کموادے کہ تم پر پڑے جو پڑا تھا نوح کی قوم

قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ

یا قوم ہود کو یا قوم صالح کو اور نہ گوری قوم لوط سے تم کچھ دور پر اور لوط کی قوم تو کچھ

یا ہود کی قوم یا صالح کی قوم پر اور لوط کی قوم

مِّنۡكُمۡ بِبَعِيۡدٍ ﴿۸۹﴾
تم سے دور نہیں
تو کچھ تم سے دور نہیں

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت شعیب کی سیدھی سادھی تبلیغ اور سمجھانے کا ذکر تھا جس کا انہوں نے بے سوچے سمجھے محض باپ دادا کی رسمیں سمجھتے ہوتے فقط ضد سے انکار کیا تھا۔ اب ان کو دعوت غور وفکر اور عقل سے کام لینے کی تبلیغ نقل کی گئی کہ اے بدنصیبو ہٹ دھرمی نہ کرو بلکہ عقل سے سوچو تب بھی میری حقانیت آشکارا ہو جائے گی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم مدین کی لالچی اور حریصانہ فطرت کا ذکر ہوا۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ انبیاء کرام۔ متوکل علی اللہ اور قناعت پسند اور حرص وہوس و لالچ وطمع سے بالکل پاک صاف وطیب ومنزہ ہوتے ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں کافروں کے حرام مال اور پلید روزی کا ذکر ہوا جو وہ ظلماً اور دھوکہ دہی سے حاصل کرتے تھے۔ اب انبیاء کرام کے طیب مال ودولت اور رزق حسن کا ذکر ہے کہ اے لوگو رب کریم کی روشن دلیل ہدایت وعلم کی کوشش کرو۔ رزق حسن خود بخود تم کو ملتا رہے گا جیسے کہ مجھ کو بینہ بھی عطا ہوئی تو اس کے سبب سے وافر رزق حسن بھی۔

تفسیر نحوی

قَالَ يٰقَوۡمِ اَرَءَيۡتُمۡ اِنۡ كُنۡتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنۡ رَّبِّىۡ وَرَزَقَنِىۡ مِنۡهُ رِزۡقًا حَسَنًا ——— **قَالَ** فعل ماضی خطاب ہے حضرت شعیب کا یا قوم فقرہ ندائیہ ہے مقولہ ہے قول کا اَرَءَيۡتُمۡ۔ اَرٰی سے بنا جس کا معنی ہے قلب ونظر سے دیکھنا بغور دیکھنا مراد ہے غور کرو اِنۡ كُنۡتُ فعل تامہ جملہ شرطیہ ہے اس کی جزا پوشیدہ ہے یعنی اگر میں اتنا انعام یافتہ ہوں تو کیا میں تبلیغ روک سکتا ہوں كُنۡتُ فعل با فاعل ہے عَلٰى بَيِّنَةٍ علی جارہ بینۃ مجرور بَيِّنٌ سے مشتق ہے بمعنی ظاہر دلیل مِنۡ ظرفیہ بمعنی قِبَلَ رَبِّىۡ مرکب اضافی ہے یاء متکلم کی طرف واؤ عاطفہ رَزَقَ فعل ماضی نون وقایہ یعنی اعراب کو بچانے والی نون یاء متکلم مفعول بہ رِزۡقٌ سے مشتق ہے مِنۡ بمعنی قِبَلُ طرف سے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب سے ذات پاک رِزۡقًا مفعول مطلق ہے موصوف ہے حسنًا صفت ہے۔ حُسۡنٌ سے بنا بمعنی نفع اور فائدے والا جس میں لذت بھی ہو وَمَاۤ اُرِيۡدُ اَنۡ اُخَالِفَكُمۡ اِلٰى مَاۤ اَنۡهٰٮكُمۡ عَنۡهُ ۔ واؤ سر جملہ ما نافیہ اس کے بعد اَنۡ پوشیدہ یعنی نہیں یہ بات کہ ارادہ کروں تمہاری مخالفت کا اُرِيۡدُ فعل مضارع بحالت رفع ہے کیونکہ اَنۡ ظاہر نہیں ان ناصبہ اپنے منصوب کے ساتھ مفعول بہ ہے اُرِيۡدُ کا اُخَالِفَ فعل مضارع اپنے معنی میں اَنَا ضمیر فاعل کا مرجع حضرت شعیب ہیں کُمۡ ضمیر مفعول بہ الی جارہ انتہا کے لئے ما موصولہ اَنۡهٰى فعل مضارع متکلم باب فَتَحَ سے نَهۡیٌ سے بنا ہے کُمۡ مفعول

بہ کا مرجع قوم عَنْہُ جار مجرور متعلق ہے اَنْہٰی کے ہ کا مرجع اصلاحی فعل یعنی جو ما صولہ کا مطلب ہے ۔ عَنْ مِنْ ترک فعل کے لئے ہے اِنْ اُرِیْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ اِنْ نافیہ اُرِیْدُ فعل مضارع میں حصر پیدا کیا اِلَّا حرف استثناء نے نفی کو توڑا لغو عمل ہے اَلْاِصْلَاحُ صُلْحٌ سے بنایا گیا ہے باب افعال کا مصدر بحالت زبر ہے ۔ مفعول بہ کی وجہ سے بعض نے کہا بدل بعض کل بدل منہ ہے ۔ بعض نے کہا بدل اشتمال کا ہے تب یہاں منہ مقدر ہے بعض نے کہا بدل کل کا ہے ۔ تنوین سے مانع الف لام عہد ذہنی ہے ۔ معنی ہیں درستی ۔ مَا موصولہ نے مصدری معنی پیدا کئے ظرفیت کیلئے ہے اِسْتَطَعْتُ عامل ہے ما موصولہ میں اگر لفظ اصلاح مبدل منہ ہو تو یہ بدل ہے ۔ اِسْتَطَعْتُ باب استفعال کا ماضی ہے طَوْعٌ سے مشتق ہے بمعنی طاقت پانا یا طوعٌ سے مشتق ہے بمعنی وہ کام کرنا جس سے خوشی محسوس ہو دراصل تھا اِسْتَطْوَعْتُ ۔ واؤ کی حرکت فتح ماقبل کو دی او ۔ واؤ کو الف سے بدل دیا ۔ پھر الف گر گیا ساکنین کی وجہ سے وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ ۔ واؤ ابتدائیہ ما نافیہ برائے توفیق باب تفعیل کا مصدر ہے وَفْقٌ سے بنا بمعنی مقصد کے مطابق حالات درست ہونا یا ء کی طرف مضاف اِلَّا نے نفی کو توڑ جس سے حصر پیدا ہوا ۔ با بمعنی علیٰ ہے لفظ اللہ مجرور ۔ علیٰ جارہ اپنے مجرور کے ساتھ مقدم ہوا تَوَكَّلْتُ اپنے عامل فعل پر جس حصر پیدا ہوا ۔ تَوَكَّلْتُ وَكْلٌ سے مشتق ہے بمعنی سپرد کرنا بھروسہ کرنا باب تفعّل کا ماضی متکلم ہے واؤ عاطفہ الیہ جار مجرور کے تقدم نے بھی حصر پیدا کیا اُنِیْبُ باب افعال کے مصدر اِنَابَۃٌ سے مشتق ہوا اِنَابت کا معنی طلب توفیق ہے فعل مضارع متکلم ہے بمعنی ماضی وَیٰقَوْمِ لَا یَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِیْٓ اَنْ یُّصِیْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ واؤ مرتبلہ یا حرف ندا اس کے منادی حضرت شعیب علیہ السلام ہیں اور منادیٰ مرکب اضافی بسوء یاء متکلم قوم ہے ۔ مضاف الیہ محذوف ہے کلام خفیف کرنے کے لئے لَا یَجْرِمَنَّ نہی معروف بانون ثقیلہ جرمٌ سے مشتق ہوا متعدی بدو مفعول ہے کُمْ ضمیر مذکر جمع مفعول اول ہے اس کا مرجع قوم شعیب ہے ۔ شقاق بروزن فعال کتاب حساب بمعنی مشقوقٌ اسم مفعول بزمانہ ماضی یا بمعنی مصدر ہے شُقُوْقٌ سے بنا لغوی ترجمہ چیرنا ۔ یہاں مراد مخالفت ہے یاء متکلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے لَا یَجْرِمَنَّ کا ۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ اپنے منصوب سے مل کر مفعول دوم ہے لَا یَجْرِمَنَّ کا ۔ یُصِیْبَ فعل مضارع باب افعال ہے ہے صَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لگنا یا پہنچنا کُمْ ضمیر مفعول بہ ہے ۔ مِثْلُ لفظ تشبیہ ہے بحالت رفع فاعل ہے ماقبل کا تنوین سے مانع اضافت ہے ما اسم موصول بحالت جر معنوی بوجہ مضاف الیہ ہونے کے اَصَابَ فعل ماضی متعدی بیک مفعول یہ جملہ صلہ ہے قَوْمَ نُوْحٍ مرکب اضافی مفعول بہ ماقبل فعل کا اَوْ حرف عطف قَوْمَ ہود مرکب اضافی درمیانی عطف اَوْ عاطفہ قومَ صالح آخری عطف ۔ حرف اَوْ برائے تفریق یہ سب عبارت اَنْ یُصِیْبَ سے مل کر مفعول دوم لَا یَجْرِمَنَّ کا ۔ یہ سب جملہ تعلیلیہ ہے وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ ۔ واؤ مرجملہ یہ جملہ ابتدائی ہے تعلیل ثانی کیلئے ما نافیہ قوم مرفوع ہے بوجہ مبتدا ہونے کے لُوْطٍ لفظ لوط مضاف الیہ ہے ۔ ما نافیہ کے بعد کَانَ تامہ پوشیدہ ہو تو قوم

اس کا فاعل ہے اور من جارہ اپنے مجرور سے مل کر اس فعل پوشیدہ کا متعلق اول ہے من ابتداءِ مکانی یا زمانی کیلئے بعید با زائدہ حرف جار اپنے مجرور سے مل کر متعلق دوم ہے کان پوشیدہ کا بعید بر وزن فعیل مبالغے کا ظرف زمانی یا مکانی ہے۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَمَاۤ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَاۤ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ ؕ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ ؕ وَمَا تَوْفِيْقِيْۤ اِلَّا بِاللّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ۔

فرمایا حضرت شعیب نے اے میری قوم تمہاری باتیں سن لیں سمجھ لیں کہ میرے بارے اور میری نصیحتوں کے بارے تم کو شک ہے میں تمہارا شک بجز اس کے کس طرح دور کر سکتا ہوں کہ تم خود غور کر کے مجھ کو راتے دو اور خبر دو اگر میں واقعی اپنے رب تعالیٰ کی طرف سے ظاہر روشنی یعنی نبوت کے ساتھ ہوں اور اس نے مجھ کو نبی بنا کر اس وعظ کرنے کی وحی فرمائی ہو جو اس ہی اللہ کریم نے مجھ کو اپنے پاس سے بلا محنت و مزدوری رزق حسن یعنی نبوت حکمت خطابت سمجھداری عقل سلیم کا رزق بھی دیا ہو یا تم اے قوم والو دیکھتے ہو کہ اس رب نے مجھ کو کتنا رزق حسن یعنی مال دولت دے رکھا ہے جس میں حرام کا شائبہ بھی نہیں۔ روایات سے ثابت ہے کہ حضرت شعیب علیہ السلام بہت امیر آدمی تھے چھ پیغمبران کرام بہت مالدار گذرے ۱۔ ابراہیم علیہ السلام ۲۔ شعیب علیہ السلام ۳۔ داؤد علیہ السلام ۴۔ ایوب علیہ السلام ۵۔ سلیمان علیہ السلام ۶۔ حضرت ذی القرنین ان کی نبوت میں اختلاف ہے۔ سوچو کہ آخر میں اپنے اس جواد کریم کے کہنے سے تبلیغ کیوں نہ کروں اور جو چیز تم کو تباہ کر رہی ہے ہلاکت کے قریب لے جا رہی ہے میں اس سے تم کو کیوں نہ روکوں۔ میرے اور مجھ سے پہلے تمام انبیاء کرام کی بعثت کا مقصد یہی ہوا کرتا ہے۔ تم باوجود اپنے تمام جوہروں فلسفوں ہنرمندیوں عقلوں کے علم نبی کے سامنے مثل نادان بچوں کے ہو۔ اپنی سمجھ بوجھ کے ذریعے برائیوں تباہیوں سے نہیں بچ سکتے کوئی عقل والا بھی نہیں بچا سکتا جب تم کو بچائے گا تو دامن نبی ہی بچائے گا۔ جن برائیوں سے میں تم کو بچانا چاہتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں تم باز آجاؤ میں ارادہ بھی نہیں کر سکتا کہ خود ان ہی برائیوں کی طرف لگ جاؤں۔ اس طرح کہ تم تو بچ جاؤ اور میں وہی برے کام کرنے لگ جاؤں اور تمہارے مخالف کام کرنے لگ جاؤں یا اس طرح کہ تم کو نصیحت کرنے سے پیچھے ہٹ جاؤں یا اس طرح کہ میرے دل میں کوئی لالچ ہو سنو میرے دل میں یہ طمع نہیں کہ تم کو ہٹا کر خود اس طرح کا کاروبار شروع کر دوں اور تمہاری ناجائز تجارت پر خود قابض ہو جاؤں۔ کیا تم نے کبھی مجھ کو میری ساری زندگی میں اس قسم کی بددیانتی کرتے دیکھا ہے میں ایسا واعظ نہیں کہ صرف زبانی وعظ کروں عمل نہ کروں۔ روایت میں آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اے ابن مریم پہلے خود کو وعظ کر پھر لوگوں کو۔ ورنہ وعظ چھوڑ دے (روح البیان) اور جب اے قوم مدین والو تم جانتے ہو دیکھتے ہو کہ میرا عمل و قول برابر ہے تو سمجھ لو کہ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ۔ میں فقط یہی چاہتا ہوں کہ اصلاح ہو اور نہیں ارادہ کرتا میں مگر طاقت کے مطابق اصلاح و درستی، معاشرہ کا۔ یا نہیں ارادہ کرتا ہوں میں مگر اس درستی کی جو مجھ

کو طاقت ہے۔ ما استطعتُ کا مَا یا مصدریہ ہے یا موصولہ۔ اعلیٰحضرت کے ترجمے میں ما مصدریہ ہے جس سے کلام میں زیادہ جذبہ و ہمت کا اظہار ہوتا ہے۔ بعض نے ما مصدریہ کو ظرف کی جگہ مانا ہے۔ تب مطلب یہ ہو گا کہ جب تک میں تم میں رہوں گا اصلاح و درستی کے سبق ہی دیتا رہوں گا خواہ تم مجھ سے راضی ہو یا ناراض۔ شیخ سعدی نے فرمایا

شعر
بگو آنچہ دانی سخن سودمند — دگر ہیچ کس را نیاید پسند

اور یہ توفیق مجھ کو صرف میرے رب نے عطا کی ہے لہٰذا میں کسی ظالم سے ڈرتا نہیں بلکہ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ اسی ذات کریم پر میں نے بھروسہ کیا ہے اس لئے کہ وہ قادر ہے ہر مقدور پر اور ماسوا اللہ عاجز ہیں میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تم کو اپنی اولاد یا مال پر بھروسہ ہو گا کہ اس طرح کے طعن و تمسخر کرتے ہو۔ مجھ کو نہ مال پر بھروسہ ہے نہ اولاد پر۔ اسی اللہ پر توکل ہے۔ علیہ کو مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ بدیں وجہ میں اپنے سارے کام کاج معاملات اپنی ذات و صفات کو اسی رب کریم کی طرف لوٹاتا ہوں ہر بات میں اسی کا سہارا لیتا ہوں یا جو کچھ میں تم کو تبلیغ کر رہا ہوں سب اسی سے پوچھ کر ہے۔ میں نے اس پر بھروسہ کیا تم مجھ پر بھروسہ یعنی اعتماد کرو میں تم کو غلط راہ نہیں ڈال رہا۔ میری پہنچ رب تک ہے اور تم مجھ تک پہنچو میرے قریب آنے کی کوشش و ہمت کرو۔ میں تم کو اسی اچھائی کا حکم دے رہا ہوں جس کا اپنے آپ کو کافی مدت سے پابند کئے ہوئے ہوں کیا شان ہے حضرت شعیب کے اس تبلیغی وعظ کی مختصر سے کلام میں بلاغت کے دریا بہا دیئے۔ بینۃ فرما کر بتا دیا کہ علم ہدایت عقل۔ دین۔ نبوت۔ لیاقت۔ امانت الٰہیہ میرے ہی پاس ہے رزقًا فرما کر بتایا کہ میں کوئی بھوکا ننگا نہیں کہ تمہارا عیب برداشت کروں۔ رزقًا حسنًا فرما کر بتایا کہ روحانی رزق۔ جسمانی رزق۔ دنیوی رزق۔ اخروی رزق۔ حلال رزق۔ مفید چیزیں برکتیں۔ رحمتیں تو سب مجھ کو دے دی گئیں ہیں تم مجھ سے جدا ہو کر یہ خزانے کہاں سے پاؤ گے یہ سب خزانے تو آستانہ نبوت سے ملتے ہیں اَرَءَیْتُمْ کہہ کر یہ بتایا کہ یہ گفتگو تمہارے اس طعن کا جواب ہے جو تم نے حلیم الرشید کہہ کر دیا تھا واقعی میں حلیم ہوں کہ رب تعالیٰ کے حکم کی تبلیغ نہایت حلم و بردباری سے کر رہا ہوں اور واقعی میں رشید ہوں کہ رب کی امانت کے رکھنے لینے کے لائق ہوں۔ تم نے تو حلیم و رشید کہہ کر یہ طعنہ دیا کہ اے شعیب تم حلیم و رشید ہو کر ہم کو بت پرستی سے منع کرتے ہو۔ میں جوابًا کہتا ہوں کہ چونکہ میں حلیم و رشید ہوں اسی لئے تم کو منع کر رہا ہوں۔ اور کیوں نہ منع کروں کہ اس ذات پاک نے مجھ کو اتنی نعمتوں سے نوازا نبوت دی وحی بھیجی رزق حلال دیا۔ یہاں یہ جواب پوشیدہ ہے بھلا میں اس کا حکم کیوں نہ مانوں جو اتنی نعمتیں لے کر منعم کا حکم نہ مانے وہ تو خائن ہے۔ اَنْ اُخَالِفَکُمْ کے بعد اِلٰی فرمانے میں یہ فائدہ ہوا کہ جو تم کر رہے ہو وہ میں نہ کروں گا۔ اگر یہاں حرف عَنْ ہوتا مطلب الٹ ہوتا۔ مقصد کلام یہ کہ اے مدین والو مجھ کو رائے دو کہ جب مجھ کو دنیا و آخرت کی روحانی جسمانی اتنی دولتیں ملی ہیں تو کیا میرے پاس کوئی گنجائش باقی رہ گئی ہے کہ میں رب تعالیٰ کے حکم کی تم کو تبلیغ نہ کروں۔ لہٰذا تم میرے قول و عمل سے متاثر ہو کر بد دیانتی سے باز آ جاؤ اور پھر دیکھنا کہ جس راہ سعادت پر میں نے تم کو چلایا ہے میں بھی اس میں تم سے پیچھے نہ رہوں گا لہٰذا اب تم بھی راہ

راہ راست پر آجاؤ۔ وَیٰقَوۡمِ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شِقَاقِیۡۤ اَنۡ یُّصِیۡبَکُمۡ مِّثۡلُ مَاۤ اَصَابَ قَوۡمَ نُوۡحٍ اَوۡ قَوۡمَ ہُوۡدٍ اَوۡ قَوۡمَ صٰلِحٍ ؕ وَمَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡکُمۡ بِبَعِیۡدٍ۔ اور اے میری قوم میں چاہتا ہوں کہ نہ مجرم بناتے تم کو یا نہ مجرم بڑھاتے تم کو میری مخالفت اور دشمنی لَا یَجۡرِمَنَّ یہاں متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول ضمیر کم ہے دوسرا مفعول اَنۡ یُّصِیۡبَ اس حالت کو کہ پہنچے تم کو اس کی مثل عذاب جو پہنچا حضرت نوح کی قوم کو غرق سے۔ یا قوم ھود کو آندھی سے یا قوم صالح علیہ السلام کو چیخ سے۔ ان تاریخی عذاب کے واقعات کو تم جانتے ہو تم نے اپنے بڑوں سے سب کچھ سن رکھا ہے۔ قصوں کی کتابوں میں تم نے یقیناً پڑھا بھی ہوگا اور اب میں تم کو سنا رہا ہوں۔ لیکن ان دور کے واقعات کو اگر بھول چکے ہو تو وَمَا قَوۡمُ لُوۡطٍ مِّنۡکُمۡ بِبَعِیۡدٍ قوم لوط کے عذاب و ہلاکت کا واقعہ تو تم کسی طرح بھی دور نہیں۔ نہ ان کے عذاب کو زیادہ زمانہ گذرا۔ نہ ان کی بستی کے کھنڈرات تم سے زیادہ دور ہیں اس تباہ شدہ اجڑی بستی کو تم دن رات آتے جاتے سفروں میں دیکھتے ہو ان کی تو ہڈیاں بھی ابھی سفید نہیں پڑیں یہ تفسیر زیادہ مناسب ہے کیونکہ زمانی بُعد تو بہت زیادہ ثابت کہاں زمانۂ ابراہیم ولوط۔ کہاں زمانۂ شعیب وموسیٰ علیہم السلام نہ ان کا جرم تمہارے جرم سے کچھ زیادہ دور ہے کہ وہ بدکار ہوکر ظالم بنے تو بددیانت ہوکر۔ آخر تم میں کون سی صلاحیت ہے کہ تم پر وہ عذاب آتے اگر تم اپنے اسی بطلان پر ڈٹے رہے تو عذاب یقیناً آتے گا۔ لفظ قوم مذکر و مونث میں یکساں ہے اسی لئے بعید واحد لایا گیا کیونکہ لفظ بعید۔ قریب۔ قلیل۔ کثیر مصادر کے ہم وزن ہونے کی بنا پر تذکیر و تانیث میں برابر ہوتے ہیں۔ شقاق میں اضافت مفعولی ہے۔ یعنی تمہاری دشمنی مجھ سے ہے لہٰذا میری دشمنی میں اتنی ہمیشگی نہ دکھاؤ بلکہ ان واقعات گزشتہ سے عبرت پکڑلو۔ بعض نے فرمایا کہ قوم لوط اور قوم مدین بلحاظ رشتے داری کے بھی بہت قریب تھے کچھ بُعد نہ تھا اس لئے فرمایا کہ تمہارے یہ رشتے دار جنہوں نے اپنے نبی کی مخالفت کی تو ان کی شقاق کا جو نتیجہ نکلا وہی تمہارا انجام ہونا ہے۔ نبی کا ہم قوم ہونا اگرچہ بڑا درجہ ہے مگر نہ ان کو مفید رہا نہ تم کو مفید رہے اگر تم نے عبرت نہ لی۔ بعض نے کہا کہ قوم لوط طاقت میں تم سے دور یعنی کم نہ تھی یا تعداد افراد میں تم سے کم نہ تھی۔ یا دولت میں تم سے کم نہ تھی۔ ان تفسیروں میں بعید معنیٰ کم ہے۔ اور یہ جملہ خبریہ ماننی بعید کے معنیٰ ہیں۔ اور مطلب یہ کہ ان کی طاقت۔ دولت۔ نفری ان کے کام نہ آئی تو تم کو یہ چیزیں عذاب سے کس طرح بچا سکتی ہیں لہٰذا ان پر گھمنڈ مت کرو۔ اور آستانۂ نبی پر پناہ لو۔ لفظ بعید ان تمام احتمالات کا جامع ہے یعنی معنیٰ بن سکتے ہیں ایک غیر معروف روایت ہے کہ قوم مدین کی تعداد بھی چار لاکھ تھی اور قوم لوط کی تعداد بھی اتنی ہی تھی۔ اور حضرت شعیب کے اس فرمان کے وقت۔ قوم لوط کی ہلاکت کو تقریباً آٹھ ہزار چار سو ستر سال گذرے تھے یہاں قوم لوط کے لئے قرب کا ذکر بمقابلے دیگر عذابوں کے ہے کہ قوم لوط کا عذاب قوم عاد و ثمود کے بعد ہے اس درمیان مدین تک کوئی عذاب نہیں۔ ورنہ قوم لوط و مدین میں بہت دراز فاصلہ ہے کہ لوط ہم زمانۂ ابراہیم اور شعیب علیہ السلام ہم زمانۂ موسیٰ ہیں (مواہب مع زیادت) کبیر۔ معانی۔ بیان۔ جمل۔ مظہری۔ خازن

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** حلال روزی سے صرف جسم کو ہی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ روحانی ایمانی ہر طرح فائدہ حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ رزق کو حسن کہنے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** حلال رزق وہ ہے جس میں حرام کا شائبہ بھی نہ ہو لہذا مخلوط مال کو رزق حلال نہیں کہا جا سکتا۔ یہ فائدہ بھی رزقًا حسنًا سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انبیاء کرام گناہ تو در کنار ارادۂ گناہ سے بھی معصوم ہیں۔ نہ وہ گناہ پر قادر۔ یہ فائدہ ما ارید کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا بلکہ انبیاء کرام کی طرف سے شیطان مایوس ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے شروع میں ہی کہہ دیا تھا اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اے ابلیس میرے بندوں پر تیرا کوئی داؤ نہیں چل سکتا۔ ارادۂ گناہ بھی ابلیسی داؤ ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام اس سے معصوم ہیں۔ شیطان کو خود بھی پتہ ہے کہ انبیاء کرام پر میرا فریب نہیں چل سکتا۔ لہٰذا جو شخص یہ کہے کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں وہ شیطان سے بدتر ہے **چوتھا فائدہ** کوئی شخص رب تعالیٰ کی ہدایت نبی اکرم کی دستگیری کے بغیر محض اپنی عقل سے اسلام کی توفیق نہیں پا سکتا نہ سچے راستے کو سمجھ سکتا ہے یہ فائدہ وَاِلَیْهِ اُنِیْبُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اے لوگو۔ میرا ہاتھ رب کے ہاتھ میں ہے اور تمہارا میرے ہاتھ میں ہونا چاہیئے۔ میں رب کا محتاج تم سب میرے محتاج ہو **پانچواں فائدہ** رب تعالیٰ سے براہ راست تعلق بلا وسیلہ صرف پیغمبران کرام کا ہوتا ہے۔ باقی لوگ ان کے وسیلہ سے رب تعالیٰ تک پہنچ سکتے ہیں۔ نبی کو چھوڑ کر یا ان پیاروں کی مخالفت کر کے کوئی کتنے ہی اچھے کام کرے خدا تک رسائی نہیں ہو سکتی یہ فائدہ شِقَاقِیْ سے حاصل ہوا **چھٹا فائدہ** جب انسان کو شیطان ورغلا دے تو وہ اولیاء انبیاء کی مخالفت میں ایسا اندھا ہو جاتا ہے کہ اپنے نفع نقصان کو بھی نہیں سوچتا یہ سبق اور فائدہ بھی شقاقی اَنْ یُّصِیْبَكُمْ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ مِّنْكُمْ بِبَعِیْدٍ۔ **ترکیب نحوی** کے اعتبار سے لفظ بعید متعلق ہے کان تامہ پوشیدہ کے اور مراد قوم کی حالت ہے۔ جیسا کہ تفسیر نحوی سے ثابت ہو چکا۔ لفظ قوم معنًا جمع ہے اور لفظًا مونث ہے۔ کیونکہ اس کی تصغیر قُوَیْمَۃٌ آتی ہے تو یہاں لفظ بعید واحد اور مذکر کیوں آیا چاہیئے تھا کہ یَا بَعِیْدَۃٌ یا بَعِیْدِیْنَ آتا۔ کسی چیز کا تو لحاظ رکھا جاتا۔ یا بُعَدَاءُ جمع مکسر آتا۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب یہاں ھلاک پوشیدہ دراصل تھا وَمَا كَانَ ھَلَاكُ قَوْمِ لُوْطٍ بِبَعِیْدٍ۔ لہٰذا لفظ بعید کا تعلق قوم سے نہیں بلکہ لفظ ہلاک سے ہے اور ہلاک واحد بھی ہے مذکر بھی اس لئے بعید واحد مذکر بالکل ٹھیک ہے دوسرا جواب جو ہم نے تفسیر میں دیا ہے کہ لفظ قوم اور لفظ بعید مذکر مونث سب کے لئے یکساں مستعمل ہے۔ اسی طرح قوم اگرچہ معنًی جمع ہے مگر لفظًا واحد ہے اور ظاہری طور پر لفظی حکم جاری ہو گا نہ کہ معنٰی کا رہی تصغیر تو قُوَیْمٌ بھی آتی ہے قُوَیْمَۃٌ بھی جب ذوی العقول کے لئے لفظ قوم استعمال ہو گا تو تصغیر قویمٌ ہو گی جب غیر ذوی العقول کے لئے ہو تو تصغیر قویمۃٌ ہو گی (تفسیر روح المعانی و مسائل الرازی) **دوسرا اعتراض** یہاں حضرت شعیب نے اَرَءَیْتُمْ کیوں فرمایا۔ یہ سوال تو شک کے لئے ہوتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ بعض دفعہ انبیاء کرام کو اپنی نبوت بھول جاتی ہے یا ابتداءً نبی کو معلوم نہیں ہوتا کہ میں نبی ہوں

حضرت شعیب علیہ السلام کی یہ پہلی تبلیغ تھی اس لئے ابھی یقین سے نہیں کہہ سکتے تھے بدیں وجہ فرمایا اَرَءَيْتُمْ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پہلی وحی پر غار حرا میں جبرائیل علیہ السلام کو نہ پہچانا تھا (وہابی) اور جب انبیاء کرام بھول سکتے ہیں تو حضرت جبرائیل بھی وحی کے مقام اور مہبط وحی کو بھول سکتے ہیں کہ بعض وحی حضرت علی کی طرف لانے کی بجائے محمد مصطفےٰ کی طرف لے آتے (رافضی شیعہ) جواب یہ اعتراض دو شقوں میں ہے ایک شق وہابیوں نے نکال کر گستاخی نبوت کی دوسری شق شیعہ لوگوں نے بنا کر کفر کیا۔ مگر ہر دو کا جواب تحقیقی یہ ہے کہ نہ انبیاء کرام کو بھول ہوتی ہے نہ جبرئیل علیہ السلام کو اگر معاذ اللہ نبوت یا وحی میں بھول کا امکان ہو تو سارا دین۔ قرآن بلکہ توحید و رسالت اور کل صفات باری مشکوک ہو جائیں اَرَءَيْتُمْ فرمانا قوم کفار کے لحاظ سے ہے اور یہ کفار کو دعوت فکر ہے جس سے مجھنا سہل ہو جاتا ہے۔ بس یہ مجھانے کا ایک فصیحانہ طریقہ ہے نہ کہ شک کے لئے اور مدمقابل کے منہ سے جواب سننے کے لئے ایسا کلام کیا جاتا ہے۔ جیسے مناظر اپنے مقابل سے کہتا ہے کہ بتاؤ کیا یہ بات تمہاری کتاب میں لکھی ہے کہ نہیں یا بتاؤ اس وقت دن ہے کہ نہیں ہے۔ حالانکہ وہ جانتا ہے کہ یہ بات میری کتاب میں ہے اور سب جانتے ہیں کہ اس وقت دن ہے شک کسی کو نہیں ہوتا۔ اسی طرح حضرت شعیب کا یہ کلام ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ اِنْ اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ بصیرت کا ملہ نے اہل قالب کو فرمایا کہ اے میری بھٹکی ہوئی قوم فکر بصیرت کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور سوچو کہ اگر میں توحید باری کی برھان یقینی پر ہوں۔ نوری غذاؤں سے پالنے والے کریم ورحیم وعمیم رب کی طرف سے اور اس ذات جمال نے مجھ کو حکمت علمیہ توفیق عملیہ کمال ابدیہ تکمیل تو بیہ سے استقامت کا رزق حسن عطا فرمایا ہو تو کیا میں شرک باطن کی نہی الہٰی ظلم کثافت کی حرمت ازلیہ کو چھوڑ دوں اور نہ مانوں۔ تزکیہ سے اصلاح قالب تخلیہ سے حصول وصل چھوڑ دوں۔ اور مثل تمہاری قبض وخباثت میں پڑ جاؤں۔ کیا تم اس میں غور نہیں کرتے کہ تمہاری خوش نصیبی ہے جو تمہارے ہی قریبی کو انوار جمال کا مشاہدہ ہو رہا ہے اور عنایات سرمدیہ حاصل ہیں جب اہل دنیا اپنے قریبی خاندان والے کو دنیوی مرتبہ ملنے پر خوشیوں کا اظہار کرتے ہیں اور اس انعام والے کے ساتھ تعلق جوڑنے قرب حاصل کرنے کی تمنا کرتے ہیں تو اے قوم والو دینی مرتبہ ملنے پر تم خوش کیوں نہیں ہوتے اور میرے قریب آنے میرے ساتھ تعلق جوڑنے کی تمنا کیوں نہیں کرتے۔ دنیا دار تم کو کچھ نہیں دے سکتا میں تو تم کو عنایات ازلیہ کے تمغے دے رہا ہوں مجھ کو تم سے لالچ نہیں ہے میں تمہاری مخالفت کا ارادہ نہیں رکھتا نہ مجھ کو تمہاری امیری دولت مندی سے حسد ہے قالب جسدی میں تمہارا عیش وعشرت مجھ کو برا نہیں لگتا۔ میں تو یہ چاہتا ہوں تمہارا یہ عیش وآرام دائمی ہو جائے مدت فنا کے بعد بھی لذت بقا حاصل رہے۔ میں تم کو اوصاف ذمیمہ سے اس لئے منع کر رہا ہوں تاکہ تم ان بری عادتوں سے باز آؤ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ اوصاف ذمیمہ تم کو ہلاکت خیز گرداب بلا میں نہ بہالے جائیں مگر تم کچھ اور ہی خیال بنائے ہوئے

ہیں۔ میں صرف یہ ارادہ کرتا ہوں کہ جب تک میری ہمت ہے اس وقت تک اپنی تمام تر طاقت سے قوم بد دیانت کی اصلاح کرتا رہوں۔ میری زندگی میرا وقت میری طاقت میرا علم میری قوت میرا شعور اسی میں صرف ہو اور اپنے و تمہارے نفسوں کو قبول حکمت کے لئے تزکیہ و تصفیت اصلاح سے کر دوں۔ کیونکہ صادقین اہل اللہ خلق کے ساتھ اسباب دنیا کے لئے مخالفت نہیں کرتے ان نفوس قدسیہ کو دولت و ثروت دنیا کی حقیقت کا علم ہوتا ہے ان کی شاہین نظروں میں دنیا کی تمام زیب و زینت محض کچرے کی کھیری اور کوڑے کا ڈھیر ہوتی ہے طیب لوگ دنیا پرستوں کی اس وقت مخالفت کرتے ہیں جب اہل دنیا ترک سنت اتباعِ شریعت سے علیحدہ ہوتے ہیں اور انبیاء اولیاء کے کمالات و استمداد کے گستاخانہ منکر ہوتے ہیں ان کی یہ مخالفت بھی مصلحانہ شفقت ہے۔ اور اصلاح وہی کر سکتا ہے جو خود عامل ہو بے عمل عالم بے علم صوفی کی نصیحت غلط۔ وعظ بے اثر ہوتا ہے۔ اہل دل صاحب بصیرت کہتا ہے کہ میری عقل میری نیت میں صرف اصلاح ہے مگر جس طرح میری قوت طاقتِ الٰہی سے ہے اسی طرح وَمَا تَوْفِيقِيٓ إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ وَيَٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شِقَاقِيٓ أَن يُصِيبَكُم مِّثْلُ مَآ أَصَابَ قَوْمَ نُوحٍ أَوْ قَوْمَ هُودٍ أَوْ قَوْمَ صَٰلِحٍ وَمَا قَوْمُ لُوطٍ مِّنكُم بِبَعِيدٍ میری یہ توفیق اور بارگاہ قدس میں تمام اعضاء رئیسہ و خسیسہ کو چھوڑ کر صرف مجھ کو کارِ خاص قدرت کیلئے چن لینا اور ولایت اختیار عطا فرمانا صرف اللہ کے کرم کریمانہ کی طرف سے ہے۔ میرا سکون دولت و ثروت اور عیش و آرام سے نہیں بلکہ اسی رب کائنات کے بھروسے پر ہے تم کو اس کے وعدوں پر شک ہے اور دنیا فانی پر ناز ہے کیونکہ تم راہ ابلیست پر ہو مگر مجھ کو اسی کے وعدوں پر بھروسہ ہے میرا سب کچھ وہی ہے اسی کی طرف ہر رنج و راحت میں میں دوڑتا ہوں نعمت شوق میں بقاء رب کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ صوفیاء کے نزدیک توفیقِ حسن عنایت کا نام ہے جو اللہ کی طرف سے بندے کو ملے۔ اور توکل یہ ہے کہ شدتِ فاقہ کے باوجود اسباب کی طرف نظر نہ اٹھے خالقِ اسباب کو دیکھے اطلاع غیب کے باوجود سکون الی الحق رہے۔ اور اے میری قوم کہیں میری مخالفت تم کو مجرمِ اشرارہ بنا دے۔ اور تم کو وہی فراق کا عذاب ذلت کی آگ پہنچے جو روحِ نوح کی قومِ قلبِ نفسانیہ اور قلبِ ہود کی قومِ نفس یا ضمیرِ صالح کی قومِ دماغ کو پہنچا اور لوط شعور کی قوم ذمیمہ کی وادیِ قبر تو تم سے کچھ دور ہی نہیں نظرِ بصارت سے تو آتے جاتے دیکھتے ہو نگاہِ عبرت سے بھی دیکھو۔ انسان کی جبلی فطرت ہے کہ جب اس کو الٰہی امر ملتا ہے تو انکار اور تکبر سامنے لا کر ابلیست کا مظاہرہ کرتا ہے اور جب نہی کا قانون ملتا ہے تو حرصِ آدمیت سامنے رکھتا ہے۔ صفات شیطانی اور طبیعت انسانی کے لشکر دونوں یہیں جمع ہیں۔ خالق تعالیٰ کی اطاعت مخلوق کی اطاعت سے زیادہ آسان ہے۔ اطاعت مخلوق میں ذلت ہے اطاعت خالق میں عزت روح قلب۔ نفس کی تکسیر و خواری ہے پس جس کو عنایات ازلیہ رعایات ابدیہ کی توفیق ملتی ہے وہ امر کا عامل نہی کا فاجر۔ اور گناہ سے دور رہتا ہے۔ اور باطنی قاصدوں کی اطاعت کرتا ہے یہ اطاعت اس کو صفات مخلوقیت کے ظلمات سے نکال کر صفات خالقیت کے انوار میں لے جاتی ہے لیکن جس کے پھوٹے نصیب میں شقاوت بدبختی لکھی ہو وہ ذلیل نفس کے پیچھے رہتا ہے اللہ رسول کی اطاعت نہیں کرتا ایمان سے تکبر اور قبول دعوت حق سے تمرد کرتا ہے۔ لہذا [illegible] قہر میں مبتلا ہوتا ہے جو نفس و شیطان عقل و

دماغ پر پہنچا۔ (روح البیان۔ عرائس البیان۔ تفسیر ابن عربی)

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ؕ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ

لہٰذا بخشش مانگو تم سب رب سے اپنے پھر توبہ کرو تم سب طرف اس کے بیشک رب میرا ہمیشہ

اور اپنے رب سے معافی چاہو پھر اس کی طرف رجوع لاؤ بے شک میرا رب

وَّدُوْدٌ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا

رحیم ہے اور محبت فرمانیوالا ہے سب بولے اے شعیب نہیں سمجھتے ہم بہت کو سے اس جو کہتے ہو

مہربان محبت والا ہے بولے اے شعیب ہماری سمجھ میں نہیں آتیں تمہاری بہت سی

تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ۚ وَلَوْلَا رَهْطُكَ

تم اور بیشک ہم البتہ دیکھتے ہیں تم کو بیچ اپنے کمزور اور اگر نہ ہوتا خاندان

باتیں اور بے شک ہم تمہیں اپنے میں کمزور دیکھتے ہیں اور اگر تمہارا کنبہ نہ ہوتا

لَرَجَمْنٰكَ ۫ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ﴿۹۱﴾ قَالَ يٰقَوْمِ

تمہارا البتہ سنگسار کر دیا ہوتا ہم نے تم کو اور نہیں تو پر ہم کچھ غالب فرمایا اے قوم میری

تو ہم نے تمہیں پتھراؤ کر دیا ہوتا اور کچھ ہماری نگاہ میں تمہیں عزت نہیں کہا اے میری قوم

اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ

کیا میرا خاندان زیادہ غالب ہے پر تم سے اللہ اور ڈال دیا ہے تم نے اس کو پیچھے

کیا تم پر میرے کنبے کا دباؤ اللہ سے زیادہ ہے اور اسے تم نے اپنی پیٹھ کے

ظِهْرِيًّا ؕ اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۹۲﴾

پیٹھ کے بے شک رب میرا کو اس جو تم کرتے ہو گھیرنے والا ہے

پیچھے ڈال رکھا بے شک جو کچھ تم کرتے ہو سب میرے رب کے بس میں ہے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیات سے چندطرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم کو فرمایا کہ اگر تم اس دھوکہ دہی اور حرام روزی سے نہ بچے تو تم پر عذاب آجائے گا۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ حضرت شعیب نے ان کو عذاب سے بچنے کا ایسا طریقہ بتایا کہ جس سے پچھلے گناہ معاف ہوتے اور آئندہ عذاب سے بچے رہتے۔ اور دولت مند بھی بن جاتے مگر انہوں نے نہ مانا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت شعیب کی دعوت غور وفکر اور عقل سے سوچنے کا ذکر تھا اب فرمایا جارہا ہے کہ ان حمقا کے پاس سوچنے کی صلاحیت اور عقل ہی نہ تھی۔ اس لئے کہ

ع خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے

حضرت شعیب کی صاف ستھری باتیں بھی اگر سمجھ نہ آئیں تو یہ بے وقوفی کے سوا کیا ہو سکتا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ قوم مدین جس رزق کو حرام طریقے سے حاصل کرتی تھی وہ صرف جسم کی پرورش کر سکتا ہے اور اس سے گوشت پوست موٹا ہو سکتا ہے مگر روح کو کوئی فائدہ نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے۔ یہ لوگ اسی کو اپنی بڑی عقل مندی سمجھتے تھے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ حضرت شعیب نے فرمایا اے لوگو وہ رزق حاصل کرو جس سے روح اور بدن دونوں کی پرورش ہو یہی عقلمندی ہے۔ وہ رزق حسن اور ذکر اللہ ہے۔

تفسیر نحوی وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ - واؤ سر جملہ استغفروا فعل امر حاضر بصیغۂ جمع مذکر استغفار سے بنا اس کا مادہ غفر ہے آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ڈھانکنا۔ مٹا دینا۔ واپس کرنا۔ محفوظ رکھنا۔ بچانا۔ پناہ دینا۔ بخشش دینا۔ معاف کرنا۔ باب استفعال میں آکر طلب کے معنی پیدا ہوتے یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں یعنی بخشش مانگو یا معافی مانگو لہٰذا گزشتہ گناہوں کا ذکر ہے۔ رَبَّ بمن پوشیدہ ہے لہٰذا مفعولیت کی بنا پر زبر آیا کُمْ ضمیر کا مرجع وہی قوم۔ ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لئے ہے توبوا توبٌ سے بنا یہ بھی امر ہے پانچ معنی میں مشترک ہے ۱ آئندہ گناہوں سے بچنا ۲ رجوع کرنا ۳ روش بدلنا ۴ اعمال یا حالات زندگی بدلنا ۵ بندوں پر رحم کرنا یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ لیکن حرف الی جارہ کی وجہ سے دوسرے معنی یعنی رجوع کرنا مناسب ہیں۔ الی انتہا کے معنی میں ہ ضمیر واحد کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے اِنَّ حرف تحقیق ابتدائیہ تعلیلیہ بمعنی کیونکہ رَبِّیْ مرکب نعت وحمد ہے۔ رَحِیْمٌ رَحْمٌ سے بنا بمعنی شفقت مبالغے کے لئے ہے وَدُوْدٌ بھی مبالغے کا ہے بروزن فعول وُدٌ مضاعف ثلاثی سے بنا لغوی ترجمہ خانۂ قلبی ہے۔ اصطلاحی ترجمہ میلان قلبی۔ اس سے رب پاک ہے۔ اسی لئے اکثر قراء ونحاۃ نے ودود بمعنی مفعول مانا یعنی محبت کیا ہوا۔ جنہوں نے بمعنی فاعل کہا۔ انہوں نے مجازی معنی مراد لئے قَالُوْا یٰشُعَیْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا یہ قوم کا کلام ہے۔ یٰشُعَیْبُ یہ جملہ مقولہ ہے مَا نَفْقَهُ مضارع منفی جمع متکلم فِقْهٌ سے مشتق ہے بمعنی دنیوی یا دینی سمجھ یہاں پہلے معنی مراد ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ كَثِيْرًا مفعول بہ ہے فعل کا کثرٌ سے مبالغہ ہے یا بمعنی اکثر ہے۔ مِنْ جارہ ما موصولہ سے مل کر متعلق ہے فعل کا تَقُوْلُ فعل مضارع

بمعنی حال صلہ ہے واؤ استدائیہ یا عاطفہ یا حالیہ اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے لَنَرٰىكَ لام کے بمعنی البتہ نَرَا مضارع جمع متکلم رُئِیٌ سے مشتق ہے بمعنی سمجھنا کَ ضمیر کا مرجع شعیب علیہ السلام ہیں فی جارہ ظرفیہ مکانی ہے ضَعِیْفًا بروزن فعیلاً ضعفٌ سے بنا بمعنی انتہائی کمزوری جسمانی یا مالی یا قومی وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ ۔ وَلَوْ میں لَوْ حرف شرط لَا مشبہ بلیس رھط لغتًا قبیلہ اصطلاحًا وہ چند خصوصی قریبی برادری والے جو بر وقت مدد کو پہنچ سکیں۔ اور لوگوں میں سرکردہ ہوں مضاف بسوء ضمیر مخاطب۔ کَ ضمیر کا مرجع شعیب علیہ السلام ہیں۔ لَرَجَمْنٰكَ لام ئے رجمنا ماضی جمع متکلم رَجْمٌ سے بنا بمعنی پتھر پھینکنا مراد ہے بری طرح قتل کرنا واؤ حالیہ ما نافیہ برائے فعل پوشیدہ دراصل تھا مَا كُنْتَ اَنْتَ۔ انتَ ضمیر منفصل تاکیدی فاعل ہے عَلٰی حرف جر بمعنی غلبہ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع یہ سردار قوم ہیں متعلق اول ہے کنتَ فعل کا بِعَزِیْزٍ باء زائدہ ہے عزیز بروزن فعیل عِزٌّ سے بنا بمعنی عزت والا بلحاظ سے جسمًا۔ قوۃً مالاً وغیرہ متعلق دوم ہے قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ ۔ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا ۔ قَالَ جوابًا قول ہے یٰقوم جملہ ندائیہ مقولہ ہے۔ اَ ہمزہ استفہام تعجب انکاری ہے۔ رھط اسم جامد ہے مراد قریبی رشتہ دار جو قوت اور بات والے ہوں اَعَزُّ اسم تفضیل عِزٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا غیر منصرف مرفوع ہے خبر ہے مبتدا رھطی کا عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر سے مراد وہی قومی کفار ہیں مِنْ جارہ بمعنی مقابلے یا بدل کے لئے لفظ اللہ مجرور۔ واؤ عاطفہ اِتَّخَذْتُمُوْهُ باب افتعال کا ماضی جمع ہے اَخْذٌ سے بنا ہے اصل ہمزہ کو تا بنایا اور دونوں تا کا ادغام کیا۔ بمعنی بنانا یا ڈالنا یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں ظِهْرِيًّا ظَهْرٌ سے بنا۔ بمعنی پیٹھ یاء نسبت لگنے سے مطلب ہوا پیٹھ والا یا پیٹھ پیچھے یعنی بیکار بحالت نصب مفعول بہ دوم ہے مفعول اوّل ہے ہٗ ضمیر غائب وَرَآءَكُمْ مرکب اضافی ظرف زمان ہے اِتَّخَذْتُمُوْا ۔ کا متعدی بدو مفعول ہے۔ وَرَاءَ کے لغوی معنی ہیں۔ علاوہ پیچھے۔ بیکار۔ یہاں بمعنی پیچھے اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ۔ اِنَّ حرف تحقیق شروع کلام میں ہے۔ رَبِّیْ کلام حمد ہے بِمَا باء تعدیہ کی ہے یا بمعنی علی ہے ما موصولہ ہے تَعْمَلُوْنَ مضارع بمعنی حال عَمَلٌ سے بنا ہے جملہ فعلیہ صلہ موصول ہو کر متعلق مقدم ہے مُحِیْطٌ کا۔ اسم فاعل ہے باب افعال سے حَیْطٌ سے مشتق ہے بمعنی سب طرف سے گھیرنا اسی سے ہے احاطہ۔ بحالت رفع خبر اِنَّ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ ۭ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ اور اے میری قوم والو چونکہ تم پہلے زمانہ ماضی میں بہت گناہ اور ظلم کر چکے ہو اس لئے ان گناہوں کی بخشش مانگو اپنے رب تعالےٰ سے پھر اس استغفار پڑھنے بخشش مانگنے کے بعد چونکہ آئندہ بھی تم نے اچھے اعمال کرنے کا عہد کرنا ہے اس کے لئے توبہ کرو رجوع کرو اسی رب تعالیٰ کی طرف یا چونکہ تم بت پرستی کرتے رہے شرک میں بتلا رہے اس لئے استغفار کرو اور چونکہ تم کم ناپ تول کرتے رہے بد دیانتی سے غریبوں پر ظلم کرتے رہے لہٰذا اس اللہ کی بارگاہ میں توبہ کرو۔ یا یہ کہ پہلے استغفار کرو یعنی ایمان لاؤ کہ مجھ کو اللہ کا نبی صاحب شریعت رسول مانو اور اللہ کو وحدہٗ لاشریک معبود مانو۔ پھر میرے حکم پر چل

کہ جس طرح میں توبہ کراؤں اس طرح پچھلے گناہوں کی معافی مانگنے۔ آئندہ ظلم کفر فسق نہ کرنے کا عہد کرکے سچی توبہ کرو کیونکہ پہلے ایمان شرط ہے ہر توبہ کے لئے اور اے میری قوم والو تم اس توبہ استغفار میں نہ مجھ سے شرم کرو نہ مایوس ہو کیونکہ بے شک میرا رب ہمیشہ سے ہمیشہ تک رحم کرنے والا ہے وہ اپنی طرف آنے والے بندوں پر ایسی نظر شفقت فرماتا ہے اتنی نعمتیں دیتا ہے کہ ساری جھجکیں شرمیں ٹوٹ جاتی ہیں اور بندہ عاجزی ناز کرتا ہے اور وہ رب میرا ودود ہے۔ کہ کوئی بھی اس کے در سے مایوس نہیں پھرتا بلکہ کائنات کا محبوب ہے۔ اگر لفظ وَدُوْدٌ بمعنی مفعولٌ ہو۔ اور اگر بمعنی فاعلٌ ہو تو مطلب ہے کہ میرا رب اپنے پیارے بندوں آستانے پر آنے والوں سے محبت کرنے والا ہے۔ بلکہ اتنی جلدی توبہ قبول فرماتا ہے کہ توبہ کرنے والے بندے کا دل حیرانی اور محبت کے جذبات سے لبریز ہو جاتا ہے۔ گویا کہ وہ رب بندے کی توبہ کے ہی انتظار میں تھا۔ کہ کب بندہ یا اللہ کہہ کر اس کی طرف دوڑے اور وہ کب اسے میرے بندے کہہ کر اس کو آغوش قرب میں لے۔ اہل لسان کے نزدیک وَدُوْدٌ میں تین احتمال ہیں ایک یہ کہ یہ لفظ اسماء الٰہیہ میں سے ایک اسم ہے۔ جیسا کہ امام ازھری نے اپنی کتاب شرح اسماء اللہ تعالیٰ میں لکھا۔ اسی لئے اس لفظ کے وظیفے حب کے لئے پڑھے جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ ودود بروزن رکوب اور حلوب بمعنی مفعول ہے اس معنی سے مقصد ہوگا کہ بندے رب سے محبت کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کا محبوب ہے سوم یہ کہ وَدُوْدٌ بروزن غَفُوْرٌ اور شَكُوْرٌ ہو کر بمعنی فاعلٌ ہو تب معنی یہ ہوں گے کہ وہ اپنے نیکوں سے محبت کرنے والا ہے اور بندے اس کے محبوب ہیں۔ حضرت شعیب نے اپنی اس تقریر دلپذیر میں وعظ کے ساتھ اپنی حقانیت کے بھی پانچ دلائل پیش فرمائے ۱ مجھ پر اللہ کے کثیر انعام ہیں۔ اور جس پر کثیر انعام ہوں وہ تبلیغ میں خیانت کیوں کر سکتا ہے ۲ جب تم مانتے ہو کہ حلیم و رشید ہوں تو میں کیوں نہ تم کو بھی حلم اور ہدایت کی دعوت دوں میں خود کس طرح وہ کام کر سکتا ہوں جس سے تم کو منع کر رہا ہوں ۳ میری اس دعوت حق صلاحیت میں اور درستیاں ہی ظاہر ہوں گی اور فتنے ختم ہوں گے لہٰذا ایسی دعوت غلط کیسے ہو سکتی ہے ۴ محض میری مخالفت اور عناد کی خاطر دین حق سے نہ پھرو باطل پر مت اڑو یہ ہٹ دھرمی اور میری دشمنی تم کو عذاب شدید کی طرف لے جائے گی۔ جیسے کہ پہلوں کو لے گئی ۵ یہ باتیں فرما کر پھر اسی توحید کی طرف لوٹ اس سے تبلیغ کی ابتدا کی تھی ذرا غور کرنے سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ انتہائی باکمال وعظ ہے لیکن ان عقلوں کے اندھوں نے ایسا بے مثل وعظ سن کر بھی عبرت نہ لی بلکہ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا وَ لَوْ لَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَ مَاۤ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ بولے وہ سرکردہ قوم والے آپ کی شفقانہ مخلصانہ تبلیغ کا تردیدی جواب دیتے ہوئے۔ یا شعیب نہیں سمجھتے ہم۔ فقہ کا لغوی ترجمہ ہے متکلم کے کلام سے اس کی غرض کا پہچاننا۔ یعنی نہیں پہچانتے ہم تمہاری ان بہت سی باتوں کو جو تم کہتے رہتے ہو یا یہ جواب اس لئے ہے کہ ہم تمہاری باتوں کو سنتے ہیں مگر ہم کو تمہاری باتوں سے باوجود سننے کے ۔ ۔ ۔ مقصد کا پتہ نہیں چلتا کہ تمہارے ارادے کیا ہیں۔ یا یہ جواب اس لئے ہے ہماری سمجھ سے وراء باتیں کر رہے ہو۔ یہ فطرتی امر ہے کہ جب کسی کی قسمت میں سچا دین نہیں ہوتا تو اس کی عقل اوندھی ہو جاتی ہے صحیح صاف سیدھی باتیں اس کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ ع خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے۔

یا یہ جواب ازراہ مذاق ہے کہ تم اے شعیب الوکھی ہی عقل لے کر آتے ہمارے پلے کچھ نہیں پڑتا یا یہ جواب بطور بے پرواہی ہے کہ کرتے رہو باتیں ہم کچھ نہ سمجھیں گے ہمیں کوئی ہمت والا ہی سمجھا سکے گا تم میں بھلا کیا طاقت جو ہم کو بتوں کی عبادت۔ اور ناپ تول کی کمی سے روک سکو۔ حالانکہ بے شک ہم تم کو اپنے علاقے میں یا اپنے گروہ میں یا اپنے مقابلے میں انتہائی کمزور سمجھتے ہیں یا عقل میں کمزور یا جسم میں کہ تم وہ سیاست کاروباری نہیں جانتے جو ہم جانتے ہیں یا تم کو کوئی پوچھتا نہیں اپنے پاس نہیں بیٹھنے دیتا ہم خاندانی اور پارٹی والے آدمی ہیں تم اکیلے ہو تمہاری کوئی بات سننا پسند نہیں کرتا اگر تم عقل کی باتیں کرتے تو لوگ تمہاری باتیں سنتے سناتے۔ یا تم ویسے ہی اکیل مار ہو تمہارے ساتھ کون لگے۔ یہ قدرتی بات ہے کہ جس طرح عقلاء حضرات احمقوں کو ضعیف الرائے سمجھتے ہیں اسی طرح احمق لوگ بھی عقل مندوں کو بری رائے اور کمزور مشورے والے سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ آجکل عام دیکھا جا رہا ہے کہ جب برادری کے مقتدا دنیا دار لوگ کسی مشورے میں بیٹھتے ہیں تو اگر ان سے کہا جاتے کہ کسی عالم سے بھی رائے لیلو یا اپنی ہی برادری کے فلاں نمازی متقی نیک آدمی کو شامل کر لو تو بڑی نفرت سے کہتے ہیں کہ اس نے کیا بات کرنی ہے وہ تو نرا مسجد کا لوٹا ہے۔ اس نے تو مسئلہ ہی بتانا ہے۔ وہ تو کتابوں کا ہی کیڑا بنا رہتا ہے اس کو کیا عقل وہ برادری کی گتھیوں کو کیا جانے۔ یہی بیماری اور احمقانہ روش معاشرے کی تباہی کا باعث اول ہے یہ بیماری آج کی نہیں بلکہ سینکڑوں سال پہلے کی ہے۔ ہر دیوانہ صحیح الدماغ کو دیوانہ سمجھتا ہے اسی بیماری میں قوم مدین مبتلا تھی۔ یہی وجہ ہے ان کے دلوں میں دنیا داروں اور دنیوی سرداروں کا تو احترام تھا مگر اللہ کے برگزیدہ نبی کی شرم نہ تھی۔ حضرت شعیب کو اس لئے ضعیف سمجھ رہے تھے کہ وہ اکیلے یا بوڑھے تھے۔ بجائے احترام کے کس دیدہ دلیری سے کہتے ہیں کہ اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تم کو پتھر مار مار کر ہلاک کر دیتے یا تم کو سخت گالیاں دیتے لیکن ہم یہ لحاظ کیوں کر رہے ہیں؟ صرف اسلئے کہ تمہارے خاندان کے دس بارہ آدمی ہم میں سردار ہیں یا تمہاری برادری والے ہمارے دینی بھائی بنے ہوتے ہیں یا تمہارا خاندان پرانا اونچا خاندان ہے ہم تم سے یا تمہارے خاندان سے ڈرتے نہیں صرف قومی عزت و احترام ہے۔ اور فقط تم ہم پر غالب نہیں ہو۔ یا تم ہم کو بالکل پیارے نہیں ہو۔ کہ تمہارا خیال یا تمہاری عزت یا تمہارا رعب ہم کو ہمارے ان اعمال سے روک دے یا تمہارے رحم و قتل سے ہم کو روک دے ہم تو صرف اپنے ان دینی بھائیوں کی وجہ سے تمہارا لحاظ کرتے ہیں جو تمہارے خاندان کے اونچی عزت والے ہیں لفظ رَهط زیادہ سے زیادہ چالیس آدمیوں کے گروہ کو کہتے ہیں۔ یہ تھا قوم کا متعصبانہ جواب جو انہوں نے حضرت شعیب کی با دلائل بہترین تبلیغ کی تردید کرتے ہوتے دیا۔ بعض مفسروں نے ضعیف کا معنی نابینا کہا ہے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت لی ہے۔ مگر یہ سب کچھ غلط اور روایت ضعیف ہے۔ مستدرک حاکم نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ لیکن تفسیر کبیر نے فرمایا کہ حاکم کا کسی روایت کو صحیح قرار دینا محدثین کے نزدیک معتبر نہیں۔ مذہب اہلسنت یہ ہے کہ کوئی نبی پیدائشی یا دائمی نابینا نہیں ہوتے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا آنکھوں پر سفید موتیا آجانا عارضی چیز تھی جو تمیص یوسفی سے جاتی رہی۔ قوم کا یہ جواب سن کر حضرت شعیب نے قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ فرمایا اے میری قوم کیا میرا قبیلہ زیادہ عزت دار ہے تمہارے نزدیک اور تم کو زیادہ پیارے دوست ہیں اللہ کے مقابل یعنی میں نے اب تک جو کچھ تم کو سنایا ہے وہ سب کچھ اللہ ہی کا ہے میرا کچھ بھی نہیں یہاں تک کہ میں خود اللہ کا ہوں میری عزت اللہ کی عزت ہے میری بات ماننا اللہ کی بات ماننا ہے میرے در پر آنا اللہ کی بارگاہ میں آنا ہے تم جو مجھ پر یہ احسان چڑھا رہے ہو کہ تمہارے خاندان کی عزت کا پاس ہے میں کہتا ہوں کہ میرے خاندان کی عزت نہ نبھاؤ اپنے خالق ومالک کی عزت کرو اس کی محبت اپنے دل میں لاؤ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ تم میری مانو میری بات نہ ماننا اللہ کی گستاخی نافرمانی ہے۔ تم نے تو اللہ تعالیٰ کو معمولی سمجھتے ہوئے پس پشت ڈال دیا ہے۔ یہ ایک عربی محاورہ ہے جس کو بے اعتنائی لاپرواہی کے وقت بولا جاتا ہے۔ وَرَآءَ کا معنیٰ ہے۔ پیچھے وَرَآءَ اضافت فاعل ہے ظہریا کے معنی ہیں یعنی تم نے پیچھے ڈالا ہے اپنی پیٹھ کے۔ اور مقصد یہ ہے کہ اللہ کی ذات وصفات اور اس کے احکام سے اس طرح لاپرواہ بے خوف ہو گئے ہو گویا کہ بیکار سمجھ کر پیٹھ پیچھے پھینک دیا حالانکہ بے شک میرا رب تم کو اچھی طرح جانتا ہے تمہارے سارے اچھے برے اعمال کو گھیرے ہوتا ہے۔ احاطہ کا معنیٰ ہے شیٔ کو اس کے کمال سے جاننا۔ تم اپنے اعمال بد کو بھول سکتے ہو مگر وہاں کوئی بھول نہیں ہے میں نے تم سے کب کہا کہ میری برادری کا پاس کرو مجھکو تو خود انپر کوئی بھروسہ نہیں۔ میں تو کہتا ہوں کہ اگر میرا احترام کرنا ہے تو اللہ کی خاطر کرو جو میرا بھی رب ہے تمہارا بھی۔ مجھ کو صرف اللہ پر بھروسہ ہے اسی لئے اتنی دلیری سے تم سب کے سامنے موجود ہوں اور تمہاری حقارت کے باوجود تم کو شفقت ونرمی سے سمجھا رہا ہوں۔ کیونکہ جانتا ہوں کہ میری سب طاقت وقوت رب کی طرف سے ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** توبہ بہت اہم چیز ہے اور بڑی اچھی عبادت ہے کہ ہر نبی نے اپنی قوموں کو اس کا حکم فرمایا۔ توبہ گناہ سے ہوتی ہے کفر سے بھی یہ فائدہ وَاسْتَغْفِرُوْا کے بعد ثُمَّ تُوْبُوْا فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** اس ترتیب ذکری سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جیسا جرم ویسی توبہ کفر کی توبہ کفر چھوڑ کر علانیہ گناہ کی توبہ علانیہ ہو پوشیدہ گناہ کی توبہ پوشیدہ۔ حقوق کی توبہ ان کا ادا کرنا ہے۔ خواہ حقوق اللہ ہوں یا عبادت جب تک جسم پر یا ظاہری اعمال پر گناہ باقی ہے اسوقت تک منہ سے توبہ توبہ کافی نہ ہوگی لہذا کوئی مرد بلا وجہ ریشمی کپڑے پہنے ہو تو توبہ اتارنے سے شروع ہوگی پھر آئندہ نہ پہننے کا پکا عہد کرنے سے توبہ مکمل ہوگی اسیطرح داڑھی منڈوانے والا جب داڑھی منڈانا چھوڑ دے اور اسکی داڑھی بقدر شرع چار انگل پوری ہو جائے تب اسکی توبہ شروع ہوگی پھر جب آئندہ نہ منڈانے کا نہ کترانے کا پکا وعدہ کریگا تو اسکی توبہ مکمل ہوگی کیونکہ یہ علانیہ گناہ ہیں ان کا وجود جب تک ختم نہ ہو زبانی توبہ کچھ فائدہ مند نہیں اسی قانون سے جب تک تین انگل سے کم داڑھی چہرے پر قائم ہے اس وقت تک وہ فاسق ہے اگرچہ قسمیں کھا کر کئی مرتبہ لوگوں کے سامنے زبانی توبہ کر چکا ہو۔ اور اور چونکہ فاسق کی گواہی اور امامت جائز نہیں لہذا یہ ایسا شخص اس وقت تک امامت وغیرہ نہیں کرا سکتا جب تک کہ چار انگل داڑھی پوری نہ ہو جائے۔ یہ فائدہ تُوْبُوْا کے لغوی ترجمے رجوع کرنے۔ روش بدلنے۔ مٹانے سے حاصل ہوا

تیسرا فائدہ انبیاء کرام کا کلام ظاہری عقل سے سمجھ نہیں آتا اس کے لئے ایمانی عقل چاہیئے۔ جیسے کہ نبی کو دیکھنے کے لئے ظاہری نظر نہیں بلکہ ایمانی نظر ہونی چاہیئے اور یہ عقلیں اور یہ فہمیں اور یہ نظریں ملتی بھی نبی کے آستانے سے ہے یہ فائدہ مَا نَفْقَهُ سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** انبیاء کرام اور ان کے غلاموں ولیوں کو کمزور سمجھنا کفار کا کام ہے۔ یہ فائدہ فِيْنَا ضَعِيْفًا سے حاصل ہوا وہابی دیوبندی حضرات کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ یا خود کو کافر سمجھ لینا چاہیئے **پانچواں فائدہ** دین کے مقابلے میں برادری سے خائف ہونا یا رشتہ داروں میں ناک کٹنے ذلیل ہونے سے ڈرنا بھی طریقہ کفار ہے یہ فائدہ وَلَوْلَا رَهْطُكَ سے حاصل ہوا۔ نیک لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں نہ کہ برادری سے **چھٹا فائدہ** جو خود ذلیل ہو وہ نبی ولی کی عزت نہیں جان سکتا۔ یہ فائدہ بِعَزِيْزٍ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جس کی زبان یا کتاب سے انبیاء کرام یا اولیاء اللہ کی گستاخیاں سنو پس جان لو کہ یہ دنیا و آخرت میں ذلیل مردود ہے **ساتواں فائدہ** نبی کے فرمان کو پیٹھ پیچھے ڈالنا درحقیقت رب تعالیٰ کے فرمان کو پیٹھ پیچھے ڈالنا ہے۔ یہ سبق اور فائدہ وَرَاءَكُمْ ظِهْرِيًّا سے حاصل ہوا۔ پس لازم آیا کہ نبی اکرم کی بات ماننا ان کے پاس جانا۔ رب کے پاس جانا اس کی بات ماننا ہے۔ کیونکہ رب کریم کی جلوہ گری وہیں ہوتی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** مفسرین حضرات ضَعِيْفًا کے معنی اندھا ہونا کہتے ہیں۔ کہ حضرت شعیب نابینا تھے اس لئے ان کو ضَعِيْفًا کہا گیا۔ کیونکہ اندھا آدمی ضعیف ہوتا ہے حالانکہ مذہب اہل سنت ہے کہ کوئی نبی پیدائشی نابینا ہوتے نہ ہی کسی معیوب بیماری میں مبتلا ہوتے۔ تو یہ مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب** مطابقت کی کوئی ضرورت نہیں۔ اُن مفسرین کا قول بالکل غلط ہے جنھوں نے حضرت شعیب کو نابینا لکھا ہے۔ مسلک اہلسنت برحق ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ کوئی نبی اللہ نابینا نہ ہوتے۔ حضرت یعقوب کی آنکھوں میں رونے کی کثرت سے چٹا موتیا اتر آیا تھا۔ رواجی و اصطلاحی طور پر بھی اس کو نابینائی نہیں کہا جاتا۔ کتب تفاسیر میں ایک حدیث غیر مشہورہ بروایت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت شعیب علیہ السلام عشق الٰہی میں بہت روتے تو رونے کی وجہ سے آپ کی روشنی جاتی رہی مگر کچھ دن بعد فضل الٰہی سے عود ہو گئی۔ یہاں ضعیف سے مراد اندھا ہونا نہیں بلکہ جسمانی یا انفرادی کمزوری ہے۔ جیسا کہ تفسیر ماماتہ میں چند احتمال بیان کئے گئے۔ کیونکہ لفظ فینا بتا رہا ہے کہ یہاں کمزوری مراد ہے اگر اندھے ہوتے تو فینا نہ کہا جاتا کہ جو نابینا ہوتا ہے وہ ہر جگہ نابینا ہی ہوتا ہے نا کہ فینا۔ امّی ہونا کسی ملک۔ قوم۔ کسی جگہ۔ کسی وقت سے خاص نہیں ہوتا **دوسرا اعتراض** قوم مدین کا یہ کہنا کہ لَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ۔ عقلاً نقلاً اور رواجاً بتا رہا ہے کہ یہ فقط حضرت شعیب کے لئے ہے۔ بمقابلہ ان کی برادری سے ہے کہ تمہاری عزت نہیں تمہاری برادری کی ہے تو حضرت شعیب رب تعالیٰ کے ذکر کو مقابلے میں کیوں سامنے لائے۔ رب تعالیٰ کا ذکر قوم نے نہیں کیا تھا؟ **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر میں دے دیا گیا

کہ حضرت شعیب اس کلام سے یہ بتانا چاہتے تھے کہ تبلیغ میں تو میں نے اپنا نام تک نہیں لیا رب کے احکام ہی بتاتے ہیں میرا کچھ بھی نہیں ہے لہٰذا میری مخالفت رب تعالیٰ کی ہی مخالفت ہے اور جب تم نے یہ کہا کہ ہم تمہاری عزت نہیں کرتے تمہاری برادری کی کرتے ہیں تو گویا تم نے یہ کہا کہ ہم رب کی نہیں کرتے۔ لہٰذا یہ جواب بالکل ٹھیک ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ وَّدُوْدٌ قَالُوْا يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا — اے غرور دنیا و باطنی میں مبتلا لوگو، صفات ردیہ سے بخشش مانگو اور تمام معاملات بددیانتی سے توبہ کرو اور اس کے بدلے میں عادات اسلامیہ و معاملات دیانت سے نفع لو لیونکہ اسی میں تزکیۂ نفس ہے پھر شریعت اور طریقت کے دونوں قدموں سے چل کر بارگاہِ الٰہی میں حاضری دو تاکہ اشیاء فنا سے ہٹا کر زیور بقا سے تم کو مزین کیا جاتے۔ صفات ذمیمہ کی گندگی والوں کو زینت نہیں دی جاتی۔ بے شک میرا رب رحم کی محبت کرنے والا ہے اور سب کے دلوں میں محبت ڈالنے والا ہے۔ استغفار کرو اپنی اس قدرت پر جو تم کو گناہ پر ملی اور تم نے گناہ کر لیا اور اس قدرت پر جو تم کو اطاعت فرمانبرداری نیکی کرنے کی ملی اور تم نے نہ کی۔ نیکی اور گناہ دونوں ہی سعادت و شقاوت سے تعلق رکھتے ہیں۔ یہیں سے ازلی رضا و ناراضی کا ثبوت ہوتا ہے۔ پھر رجوع کرو اس اللہ جل جلالہ کی طرف اس طرح کہ اپنی ہمت و قوت کو چھوڑ کر عجز سے اس کی درگاہ میں گر جاؤ۔ جب تم نے کمالات قدرت کا یقین کر لیا اور تم اپنے وجود کی رویت اور اپنی ہستی کے علم سے نکل گئے اور مقام لاموجود پر آ گئے تم نے مان لیا کہ یہ اعضاء ظاہری و باطنی ہماری شی نہیں سب کچھ اسی کا ہے۔ اسی کے قبضے میں ہے۔ لہٰذا اسی کا قانون ان پر جاری ہو گا ہم اس کو اپنا مال سمجھ کر خود مختار نہ بنیں تب تم کو لباس معرفت پہنایا جاتے گا بے شک میرا رب رحیم ہے کہ عرفان عطا فرماتا ہے اور ودود ہے کہ اہل ود کو قلبی محبت کی مٹھاس عطا فرماتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں۔ جس کے پاس صحیح توبہ کے ذریعے استغفار کی میراث نہیں اور صحیح محبت کے ذریعے توبہ کی میراث نہیں وہ کاذب ہے اور مبتلا ہے۔ ودود وہ ہے جو قدیم و جدید نعمتوں سے نوازے بلا استحقاق قالب مدین کے رئیسان نفس نے کہا اے شعیب قلب و جگر تو ایسی الٹی الٹی نصیحتیں کرتا ہے جس کو ہم نہیں سمجھتے بہت سی باتیں جو تو کہتا ہے تیری راتے کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ اور بے شک قالب جسدی کے بڑے بڑے رئیسان باطلہ کے مقابل نفس و دماغ کے سامنے اور اپنے نزدیک ہر لحاظ سے ہم تجھ کو نہایت کمزور جانتے ہیں تیری راتے ناقص تیری عقل ضعیف عادات زمانہ ہے کہ جیسے عاقل بیوقوف کو عالم جاہل کو ضعیف سمجھتے ہیں۔ ایسے ہی جہلا و حمقا لوگ علماء و عقلا کو بھی ضعیف سمجھتے ہیں۔ جب قالب وجود دین سے خالی ہو تو وہ اہل دانش کی خوش مقالی سے بے سمجھ رہتا ہے۔ اے شعیب جگر اس سے بڑھ کر ضعف عقلی اور کیا ہو گی کہ ہماری دولت مندی سیاسی تجارت اعضاء ظاہری پر غلبے کو تو برا سمجھتا ہے حالانکہ سب اس کو اچھا جانتے ہیں۔ اور اپنی نبوت رسالت نمازوں عبادتوں کو اچھا سمجھتا ہے حالانکہ اس کا کوئی فائدہ نظر نہیں آتا بجز اس کے کہ تجھ پر انتہائی بے کسی بے بسی طاری رہتی ہے۔ جو بات عقول خلائق سے وراء ہے تیرے معجزات

مشاہدات کس کی سمجھ آتے ہیں وَلَوْلَا رَهْطُكَ لَرَجَمْنٰكَ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ. قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَاتَّخَذْتُمُوْهُ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ اوراگر تیرے ساتھ اعضاء ظاہری اور عقل سلیم کا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تجھ کو وسوسوں کے پتھروں سے رجم کردیتے اور نہ تو ہم پر غلبہ پاسکتا ہے نہ شفقت سے ہم کو پیارا ہے۔ ہم تیرے مخالف تو ہم سے جدا۔ نفس شیطانی اور قالب مدین کے ساکنین قلب مسکین پر اعضاء باطنی وظاہری کے خوف سے وسواس ابلیسی کے ہتھیاروں سے حملہ کرنے کی ہمت نہیں رکھتے نہ کہ خوف الٰہی سے اس لئے کہ خلق کا پردہ راہ حق میں حائل ہے جس سے خشیت الٰہی کو سمجھتے ہی نہیں۔ اہل بطلان مردان حق کو پیارا اس لئے نہیں سمجھتے کہ قانون فطرت کی رو سے ہر شخص کو ایک ہی پیار مل سکتا ہے۔ یا خلق کا یا خالق کا جو بارگاہِ صمدیت میں پیارا وہ جہلا کو عزیز نہیں ہوسکتا یہ اس لئے ہے کہ عزت و شرافت دنیا پرست جہلا کے نزدیک دولت و مرتبے سے ہے۔ اور اہل حق کے نزدیک دین و کمال سے ہے۔ دنیا دار صورتوں اور مالوں کو دیکھتے ہیں اور حق تعالیٰ قلوب و اعمال کو دیکھتا ہے۔ بارگاہِ لم یزلی میں کالا بدصورت غریب اہلِ کمال پیارا ہے۔ حسین بے کمال سے۔ شعیبِ فوادنے، پکارا اے میری قومِ جسد کیا تجھ کو میرے قبیلہ اعضاء کا زیادہ خوف ہے۔ خالقِ قبیلہ سے جس اللہ نے تم سب کو پیدا کیا اس کی بات کو غفلت کی پیٹھ پیچھے ڈال دیا ہے بے شک میرا رب تم سب کے اعمال کو وادیِ فنا میں گھیرنے والا ہے۔ منزل قرب سے دور بھٹکنے والے اہل غفلت اپنی شقاوت ازلیہ کی بنا پر محبت ذات کو بے رغبتی سے پھینکنے والے ہیں اور لیکن مقربینِ بارگاہ محبتِ الٰہی کو نور نظر اور نگاہ بصیرت کی آغوش لذت میں رکھنے والے ہیں اور مخلوق اور وسواس مخلوق کو نفرت کی پیٹھ پیچھے ڈالتے ہیں۔ اور کیسا ہی نظارہ پر جمال کیوں نہ ہو مکاشفات اسرار سے ہٹ کر ہرگز اشیاء کونین کی طرف متوجہ نہیں ہوتے (عرائس۔ ابن عربی۔ بیان)

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ

اور اے قوم میری کیے جاؤ پر اپنی جگہ بے شک میں (اپنی جگہ) کر رہا ہوں عنقریب

اور اے قوم تم اپنی جگہ اپنا کام کیے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں اب جانا چاہتے

تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ

جان لوگے تم کون ہے وہ آتا ہے جس کو عذاب ذلیل کرے اس کو اور کون ہے وہ جو

ہو کس پر آتا ہے وہ عذاب کہ اسے رسوا کرے گا اور کون

كَاذِبٌ ؕ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ ﴿۹۳﴾ وَلَمَّا جَآءَ

جھوٹا ہے اور انتظار کرو تم بے شک میں ساتھ تمہارے انتظار کرنیوالا ہوں اور جب آیا

جھوٹا ہے اور انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار میں ہوں اور جب

اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ

امر ہمارا بچا لیا ہم نے شعیب کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ساتھ ان کے سے رحمت

ہمارا حکم آیا ہم نے شعیب اور اس کے ساتھ کے مسلمانوں کو اپنی رحمت

مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا

طرف اپنی اور پکڑ لیا ان لوگوں کو ظلم کیا جنہوں نے چیخ نے تو صبح کی انہوں نے میں

فرما کر بچا لیا اور ظالموں کو چنگھاڑ نے آ لیا تو صبح اپنے گھروں

فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

گھروں اپنے ۔ اوندھے منہ

میں گھٹنوں کے بل پڑے رہ گئے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت شعیب کی تبلیغ کا ذکر تھا اب قوم مدین کے ایمان سے مایوسی کا ذکر ہے کہ یہ قوم اتنی عظیم تبلیغ سے مومن نہیں بن سکی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں قوم شعیب کے لڑنے جھگڑنے اور شعیب علیہ السلام کو قتل کی دھمکی دینے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انبیاء کرام کی جرأت قوت اور بہادری کا تذکرہ ہے کہ باوجود اکیلے ہونے کے اتنے عظیم لشکرِ اعدا کے مقابل تبلیغِ حق فرماتے ہیں اور ان کا ایک ایک عیب گنواتے ہوئے عذاب سے ڈرا رہے ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں عذاب آنے کی پیشین گوئی تھی اب فرمایا جا رہا ہے کہ قوم مدین پر چیخ و چنگھاڑ کا عذاب آیا۔

تفسیر نحوی وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ ۔ اِنِّیْ عَامِلٌ واؤ سر جملہ قوم دراصل تھا قَوْمِیْ اِعْمَلُوْا امر جمع حاضر ہے امر توبیخی ہے نا کہ طلبی عَلٰی بمعنی فِیْ مَكَانَةِ تَمَكُّنٌ سے بنا مصدر ہے آخر میں تا مصدریہ ہے اور اول کی میم اصلیہ ہے لازم ہے بمعنی قدرت پانا بعض نحویوں کے نزدیک یہ كَوْنٌ مصدر ناقصہ ہے بروزن مَفْعَلَةٌ

دراصل تھا مَکْوُنَۃٌ واؤ کو الف سے بقاعدۂ تعلیل بدل دیا مَکَانَۃٌ ہوا تب میم زائدہ ہے تاء مصدری ہے مراد حالت ہے مضاف ہے کم ضمیر کی طرف اِنِّیْ اِنَّ حرف تحقیق تاکید کلام کے لئے ہے یاءِ متکلم اس کا اسم عَامِلٌ اسم فاعل مشتق ہے عَمَلٌ سے خبر اِنَّ۔ یہاں جار مجرور علیٰ مکانتی پوشیدہ ہے یعنی میں اپنی حالت یا اپنی جگہ عامل رہو۔ یہاں عمل کے مشتقات میں استمرار ہے یعنی عامل رہوا ور رہوں سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ سَوْفَ حرف تقریب علامت فعلی ہے مبنی بر فتح تعلمون فعل مضارع جمع حاضر سوف نے معنی مستقبل کر دیا یہ جملہ ابتدائیہ نیا کلام ہے سوال مقدر پھر کیا ہوگا کا جواب ظاہری ہے بدیں وجہ ف نہیں آیا۔ انتم ضمیر مخفی اس کا فاعل ہے من موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ اس کا مفعول بہٖ ہے علم بمعنی عرفان یعنی پہچان ہے یَاْتِیْ مضارع بمعنی مستقبل ہ مفعول بہٖ جملہ فعلیہ صلہ ہے عذابٌ موصوف ہے عذبٌ بمعنی پھیلنا سے بنا بحالت رفع فاعل ہے یَاْتِیْ کا یُخْزِیْ خِزْیٌ سے بنا باب افعال کا مضارع معنی مستقبل متعدی بیک مفعول ہٖ ضمیر واحد غائب اس کا مفعول بہٖ جملہ فعلیہ شرط ہے عذابٌ کی واؤ عاطفہ بمعنی اَوْ مَنْ موصولہ بحالتِ زبر پہلے مَنْ کا تابع عطفی ہے۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے کَاذِبٌ اسم فاعل کذبٌ سے بنا بمعنی جھوٹ بولنے والا لازم ہے۔ وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَكُمْ رَقِیْبٌ واؤ عاطفہ ہے اِرْتَقِبُوْا باب افتعال کا امر حاضر ہے بصیغہ جمع رَقَبٌ سے بنا۔ لفظِ رقبٌ سات معنی میں مشترک ہے گردن ۲ لحاظ کرنا ۳ پابندی کرنا ۴ آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا ۵ ادھر ادھر دیکھنا ۶ خیال رکھنا ۷ انتظار کرنا یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں اِنَّ حرف تحقیق مضبوطیِ کلام کے لئے ہے یاء متکلم اسم اِنَّ مع اسم ظرفی ہے زمانی نہ کہ مکانی کُمْ ضمیر سے مراد قوم کفار ہے رَقِیْبٌ بروزنِ فَعِیْلٌ۔ یا بمعنی مُرْتَقِبٌ جیسے رَفِیْع بمعنی مرتفع ہوتا ہے۔ یا بمعنی راقب جیسے ضریب بمعنی ضارب یا بمعنی مراقب جیسے عشیر بمعنی معاشر ہوتا ہے۔ فرق ہر سہ معنی میں یہ ہے۔ مُرْتَقِبٌ گردن اٹھا کر انتظار کرنے والا کامل بھروسے سے راقب بحالتِ پوشیدہ سکون سے انتظار کرنے والا۔ مراقب در پردہ انتظار کرنے والا ظاہراً اپنے اعمال میں مشغول رہے مگر دل میں ہر گھڑی انتظار ہو وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّیْنَا شُعَیْبًا وَّالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا ——— واؤ ابتدائیہ لَمَّا حرف شرط جَآءَ فعل ماضی اَمْرُ فاعل مجازی معنی یعنی عمل یا فیصلہ مراد عذاب قانونی ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات باری تعالیٰ یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے بمعنی خبریہ نَجَّیْنَا باب تفعیل کا ماضی جمع متکلم نَجِیٌ ناقص یائی سے بنا متعدی بیک مفعول ہے پورا جملہ جزائیہ ہے شعیبًا مفعول بہٖ ہے واؤ عاطفہ ہے شعیبًا پر عطف اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع کا ہے اٰمنوا فعل ماضی بصیغۂ جمع اس کا فاعل اس کے اندر پوشیدہ ھُمْ ضمیر مراد قوم مسلم ہے مع ظرفیہ بمعنی علیٰ ہے ہٗ ضمیر سے مراد شعیب علیہ السلام ہیں برحمۃ میں باء سببیہ ہے یعنی اپنی رحمت کے ذریعے تب رحمت سے مراد نبوّتِ شعیب ہے یا بمعنی مِنْ ہے تب رحمت سے مراد شفقت و پیار ہے مِنْ جارہ نا ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ مِنَّا یعنی اپنی طرف سے۔ وَاَخَذَتِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الصَّیْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ۔

واو عاطفہ نجینا پر عطف ہے۔ اَخَذَتْ فعل ماضی بصیغہ مونث غائب تاء ساکنہ تانیثیہ کو عارضی زبر دیا وصل کے لئے متعدی بیک مفعول ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع اس کا صلہ ہے ظَلَمُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع غائب موصول با صلہ مفعول بہ مقدم ہے الصَّیْحَۃُ فاعل پر۔ صَیْحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی چیخ یا چنگھاڑ۔ فَاَصْبَحُوْا فا تعقیبیہ اَصْبَحُوْا فعل ماضی ناقصہ سے تامہ ہو امراد ہے صبح کو ہو گئے یا اَصْبَحَ بمعنی صَارَ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ دیار جمع ہے دار کی بمعنی گھر ھِمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع قوم کفار ہے جاثمین۔ اسم فاعل ہے بصیغہ جمع مذکر بحالت زبر خبر ہے اَصْبَحُوْا۔ اس کا اسم ھم ضمیر پوشیدہ ہے جُثُمٌ سے بنا بمعنی سینے کے بل اوندھے منہ گرنا۔ جیسے مردہ پرندہ گرتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَیٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ کَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ رَقِیْبٌ جب شعیب علیہ السلام قوم کی درستی سے مایوس ہو گئے تب یہ آخری نتیجہ خیز کلام فرمایا کہ اے میری قوم اب تمہاری ضدی طبیعت کا مجھ کو پتہ لگ گیا اب تم سے کچھ نہ کہوں گا تم اپنی اسی گمراہی اور کفریہ حالت پر رہتے ہوئے جو چاہو عمل کرو یا اپنے گھروں دکانوں میں۔ یا تم اپنی جگہ جو چاہو عمل کرو۔ جو تم سے ہو سکے میری مخالفت دشمنی میں وہ کر لو۔ میں اپنی جگہ اپنے وہ اعمال عبادت وریاضت کے کروں جو مجھ کو رب ہدایت عطا فرماتے۔ مراد یہ کہ تم اپنی راہ لو میں اپنی راہ لوں۔ یہ تم کو چھوٹ نہیں بلکہ ڈھیل ہے۔ معافی نہیں بلکہ مہلت ہے اور یہ مہلت و ڈھیل تمہارے لئے اچھائی نہیں بلکہ برائی ہے۔ اس سے تمہاری خوش قسمتی وابستہ نہیں بلکہ بدبختی کا ظہور ہے اور یہ کلام تہدید عظیم اور وعید شدید ہے۔ ہوا کی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ ہے۔ کیونکہ عنقریب جان جاؤ گے تم کہ کون وہ جس پر آتا ہے عذاب ایسا جو ذلیل کر کے رکھ دے گا اس شخص کو یا بہت جلدی جان لو گے تم اس کو جس پر وہ عذاب آئے گا جو دونوں جہان میں اس کو رسوا کر دے گا۔ اور یہ بھی جان لو گے۔ کہ کون اس علاقے میں جھوٹا ہے۔ یا اس کو بھی جان لو گے جو جھوٹا ہے ابھی تو باتیں بنا رہے ہو مذاق کر رہے ہو۔ مجھ کو غلط خود کو صحیح سمجھ رہے ہو۔ اور عذاب کی جلدی مچا رہے ہو اور ذرا انتظار کرو تم بے شک میں بھی انتظار کرنے والا ہوں۔ تم اپنی بدنصیبی۔ ہلاکت۔ انجام کا انتظار کرو میں بھی تمہاری اسی حالت کا انتظار کر رہا ہوں۔ مَکَانَتِکُمْ استعارہ ہے حالت کا یا راستے کا۔ اِنِّیْ عَامِلٌ میں مکانتی پوشیدہ ہے جو مفعول فیہ ہے عَامِلٌ کا۔ مَنْ یَّاْتِیْهِ میں مَنْ یا استفہامیہ ہے یا موصولہ۔ اسی لحاظ سے ہم نے دو ترجمے کئے ہیں۔ اعلحضرت نے سوالیہ مراد لیا ہے۔ مَنْ هُوَ کَاذِبٌ یہ معطوف ہے یَاْتِیْهِ پر۔ یہ قسیم نہیں رَقِیْبٌ صیغہ مبالغہ ہے بوجہ صفت مشبہ ہونے کے مگر یہاں بمعنی راقب ہے۔ جس نے بتایا کہ اب انتظار کرنے والا ہوں۔ اگر رقیب اپنے معنی میں ہوتا تو مطلوب ہوتا کہ ہمیشہ سے یا پہلے سے ہی انتظار کرنے والا تھا اہل لغت کے نزدیک رقبٌ کے معنی ہیں ٹکٹکی باندھ کر سب کام کاج چھوڑ کر کسی کا انتظار کرنا۔ یا دیوار یا دروازے کی دراز سے کسی کو تانکنا جھانکنا۔ یہ جب ہوتا ہے جب وہ چیز بہت ہی قریب آ چکی ہو۔ یا منتظر انسان اس کو جلدی چاہتا ہو۔ مقصد کلام یہ ہے کہ اے قوم تم سے جتنی

طاقت لگ سکے گناہوں ظلموں بد دیانتیوں پر لگالو ۔ اور مجھ سے جتنی ہو سکے نیکیاں کئے جاؤں ۔ سوال ہوا کہ پھر کیا ہوگا ۔ جواب آیا کہ عنقریب ایسا ذلیل کرنے والا عذاب آئے گا جو کھوٹے کھرے ۔ سچے جھوٹے ۔ اچھے برے ۔ صحیح غلط کو سب کے سامنے نکھیر کر رکھ دے گا ۔ اور سب دیکھ لیں گے تم بھی دیکھ لو گے ۔ اور عنقریب کچھ دور نہیں بلکہ بس گھڑی کی گھڑی ٹکٹکی اور تانک جھانک ہی ہے ۔ رقیب یا بروزن ضریب ہے بمعنی راقب ناظر ۔ غور سے کسی کا انجام دیکھنا ۔ یا بروزن ندیم ہے بمعنی مراقب ۔ گوشہ نشین ہو کر کسی کا انجام دیکھنا ۔ یا بروزن فقیر بمعنی مُرتَقِب کسی کو انتظار گاہ تک کھینچ کر لے جانا ۔ مکانتکم میں مکان کونٌ سے ہے میم زائدہ ہے بمعنی ثابت قدم رہنا ۔ یعنی اگر تم باپ کے بیٹے ہو تو اب اس بد دیانتی و کفر پر ثابت رہنا ذرا نہ ہٹنا ۔ شعیب علیہ السلام کا یہ آخری کلام ستر سال تبلیغ کے بعد ہوا پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو یا اہل عرب اور آئندہ تا قیامت آنے والی نسلوں کو واقعے کی خبر دیتے ہوئے فرمایا وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ۔ اور جب آگیا ہمارا وہ فیصلہ یا عذاب جو ازل میں قوم شعیب کے لئے مقدر تھا لفظ امر واحد ہے امور کی تو بچا لیا ہم نے حضرت شعیب کو اور ان ڈیڑھ لاکھ مسلمانوں کو جو مومن ہو کر حضرت شعیب کے ساتھی بن گئے تھے ۔ مع ظرفیہ سے مراد ظرفیت مکانی ہے ۔ یا ظرفیت تشبیہی ہے تو مطلب ہے ان مومنوں کو بچا لیا جو شعیب علیہ السلام جیسا ایمان لے آتے تھے ۔ معیت زمانی نہیں ہو سکتی کیونکہ نبی کا ایمان ازلی پہلے ہوتا ہے ۔ اور امتی کا بعد تبلیغ نبوت ۔ اٰمَنُوْا کا معنی یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی ہم نے بچا لیا جو ہمارے پیارے نبی حضرت شعیب کے تابع فرمان بن گئے تھے ۔ کسی بدلے میں نہیں بلکہ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا فقط اپنے رحم و کرم سے کیونکہ دنیا دار العمل ہے دار الجزا نہیں ۔ ان پیاروں کے اعمال کا بدلا تو آخرت میں دیا جاتے گا ۔ ہمارے وعدۂ کرم کے مطابق ان کے اعمال واقعی مستحق انعام و خیر الجزا تھے وہ اعمال دنیا میں ختم نہیں ہو سکتے ۔ لہٰذا دنیا کے انعام اور عیش و عشرت و حلال رزق کا میسر ہونا مسلمان پر محض کرمِ خداوندی ہے ۔ ایک قول میں رحمت سے مراد توفیق ایمان ہے ۔ مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ توفیق ایمان تو پہلے ہی مل چکی ہے وہ بھی اگرچہ رحمت ہی تھی مگر یہ دوسری رحمت ہے ۔ یعنی شفقت و پیار ۔ اور جکڑ لیا یعنی ہر طرف سے پکڑ لیا ان لوگوں کو جنہوں نے ظلم کیا غریبوں پہ کم تول کر کم ناپ کر زیادہ قیمت وصول کر کے بھاؤ بڑھا چڑھا کر یا مسلمانوں پر ظلم کیا طعنے بازی اور مذاق تمسخر ی اور مومنوں کے دل دکھا کر یا اپنے نبی پاک کی مخالفت و نافرمانی کر کے یا اپنی جانوں پر ظلم کیا بت پرستی کفر شرک اور بد دیانتی کر کے اور غرور انکار حق کر کے ۔ ان سرکشوں کو پکڑ لیا زبردست چنگھاڑنے جو اللہ کے حکم سے حضرت جبرائیل نے ماری تھی ۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ صرف دھاڑ تھی یا الفاظ تھے ۔ بعض نے فرمایا وہ ایک زوردار کلام تھا کہ موتو جمیعًا مر جاؤ سب فوراً اکثر کا قول ہے صرف آواز ہولناک تھی ۔ اس آواز سے زلزلہ بھی پیدا ہوا مکانات گر گئے اور وہ عذاب چاروں طرف سے گونج کر ظاہر ہوئی ۔ پہلے سخت گرمی پیدا ہوئی سب گھروں سے نکل کر درختوں کے نیچے آگئے پھر سیاہ بادل اٹھا اس سے بجائے

بارش کے آگ کی بجلیاں لگاتار گرنے لگیں اور ساتھ ہی چیخ بلند ہوئی۔ زلزلہ آیا زمین پھٹی کچھ چیخ سے کچھ آگ سے جل کر مر گئے۔ چنانچہ حال کیا ہوا۔ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دِیَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ۔ اپنے گھروں میں صبح ہی صبح گھٹنوں کے بل اوندھے پڑے رہ گئے۔ یا اپنے علاقوں میں یا محلوں میں یا شہروں میں۔ کیونکہ یہ قوم چھوٹی چھوٹی قریبی بستیوں میں بٹی ہوئی تھی جن میں گلیاں محلے بنے ہوئے تھے لفظ دیار عام ہے سب کو۔ جٰثِمِیْنَ کی تفسیر پہلے بھی کر دی گئی ہے کہ اس طرح اوندھے منہ گر کر مرنا جیسے کوئی بیٹھے بیٹھے مر جاتا ہے۔ بڑی ذلت سے اوپر مکانات گرے۔ جس سے دھول مٹی میں کچلے بھی گئے یہ جثم یا جثوم سے بنا بمعنی پرندوں کا پر پھیلا کر گرنا اور منہ نیچے کر کے زمین پر بیٹھنا۔ ان کے مرنے کو اس طرح سے تشبیہ دی گئی ہے ان کی ذلت کے اظہار کے لئے۔ یہاں ہلاکت کفار اور نجات مومنین دونوں کا ذکر ہوا اس لئے کہ کفار کا عذاب وہلاکت میں عدل تھا اس کو کفر کفار کی طرف اضافت کیا گیا پس بتقاضاء حکمت اظہار رحمت وفضل بھی ضروری تھا اس لئے نجات مومنین کو رحمت کی طرف نسبت کیا۔ اور چونکہ فرمان خداوندی ہے کہ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ غَضَبِیْ۔ بے شک میری رحمت میرے غضب قہر پر غالب ہے یعنی پہلے ہے اور زیادہ ہے۔ اس لئے رحمت سے پہلے بچانے کا ذکر ہوا غضب سے مارنے کا بعد میں قوم مدین کے عذاب کو مختلف آیات میں مختلف اسماء سے ذکر کیا گیا چنانچہ صیحۃ فرمایا گیا اعراف میں رَجْفَۃ یعنی اچانک جھٹکا ارشاد ہوا سورۂ شعراء میں عَذَابُ یَوْمِ الظُّلَّۃ فرمایا۔ وجہ اس کی یہ کہ یہ امت واحدہ تھی اور عذاب بھی ایک تھا مگر نوعیت تین طرح کی تھی یا آگے پیچھے بیکدم یہ مختلف طریقوں سے عذاب آیا۔ صاوی نے کہا کہ مختلف بستیوں میں مختلف عذاب آتے مگر بیک وقت آتے اور یہ عذاب اس وقت آیا جب حضرت شعیب اپنا آخری مذکورہ وعظ فرما کر گھر تشریف لے گئے تو قوم سب جنگل میدان میں اکٹھے ہوتے اس بستی سے باہر نکل کر۔ اس وقت اس بستی میں صرف حضرت شعیب اور مسلمان رہ گئے۔ بستی میں سخت گرمی تھی اس لئے تمام کفار ات ہی کو میدانوں میں نکل گئے جہاں کالا بادل اور ٹھنڈی ہوا تھی۔ اس اجتماع میں مسلمانوں کو برا بھلا کہنا شروع کیا۔ قریب ہی ایکہ والی بستی تھی جس میں سب کفار تھے مسلمانوں کی یہ بستی اس وقت کفار سے خالی تھی اس لئے ان پر عذاب نہ آیا۔ میدان میں آگ برسنے کا عذاب آیا اُسی کالے بادل نے آگ برسائی۔ ایکہ والوں پر زلزلہ اور زمین پھٹنے کا عذاب چیخ سب تک پہنچی۔ ایکہ والے بھی قوم مدین کا ہی ایک قبیلہ تھا۔ مومنین ڈیڑھ لاکھ یا ایک لاکھ ایک ہی بستی میں شعیب علیہ السلام کے قرب وجوار ہائش رکھتے تھے کچھ ابتداءً کچھ نقل مکانی کر کے تاکہ اطمینان سے سایۂ رحمت نبی میں عبادت کر سکیں۔ کفار تین لاکھ مختلف قریبی بستیوں میں ساکن تھے۔ فعل اَصْبَحَ یا تامہ ہے تو بمعنی صَارَ ہے یا ناقصہ ہے تو بمعنی دَخَلَ ہے یعنی صبح میں داخل ہوئے تو اس مردہ حالت میں۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ بجز قوم صالح اور قوم مدین کے کسی زمانے میں دو قوموں کو ایک جیسا عذاب نہیں آیا۔ یہ دونوں قومیں چیخ سے ہلاک ہوئیں اور زلزلہ بھی آیا اور اسی طرح اوندھے ہو کر مرے فرق صرف اتنا تھا کہ قوم صالح پر نیچے سے چیخ آئی اور قوم مدین پر اوپر سے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** نبی کی موجودگی میں عذاب نہیں آتا جب عذاب آنا امر تکوینی اور ازلی فیصلے میں مقدر ہو چکا ہو تو یا وہاں نبی علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکال دیا جاتا ہے جیسے حضرت لوط علیہ السلام اور یا مجرم قوم کو اس بستی سے نکال دیا جاتا ہے جیسے قوم شعیب میں سے ان لوگوں کو جو بستی شعیب میں رہتے تھے یا جیسے فرعونیوں کو نکال کر دریا تک پہنچا دیا یہ فائدہ نجینا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** نیکوں کا ساتھ ہر مصیبت میں مشکل کشا ہے۔ دیکھو حضرت شعیب کے قریب رہنے سے مومنوں کو عذاب سے بچا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رحمت بھی ان ہی پہ ہوتی ہے جو اس کے نبی کے دامن میں پناہ گزیں ہوں ورنہ اللہ بے نیاز ہے اس سے کہ دانوں کے ساتھ گھن پس جاتے یہ فائدہ مَعَهٗ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کے نبی غیب جانتے ہیں۔ اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کون سا ازلی فیصلہ کب ہونے والا ہے۔ دیکھو عذاب کا آنا ایک انتہائی غیبی امر ہے مگر حضرت شعیب نے عین اس گھڑی خبردار کر دیا جب کہ چند ساعتوں کے بعد عذاب آنے والا تھا یہ فائدہ رقیب اور وَارْتَقِبُوْا کے لغوی ترجمے اور تفسیر سے حاصل ہوا۔ کیونکہ رَقَبٌ کے معنی ہیں بہت نزدیکی چیز کا انتظار **چوتھا فائدہ** پہلے زمانوں میں صرف انبیاء کرام پر تبلیغ فرض تھی راہبوں اور عالموں پر تبلیغ فرض نہ تھی۔ لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ہر فرد پہ تبلیغ فرض ہے اور ہر حکم کی تبلیغ جو کسی کو آتا ہو دوسرے کو بتا دے یہ فائدہ۔ ان تمام سورۂ ھود کے مذکورہ واقعات میں لقوم فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور ہمارے آقا نے فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً وَّحَرْفًا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں کہا گیا تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ عمل کرتا ہوں پھر اس کے بعد عاملین کے انجام کا تذکرہ ہے تو اس طرح کہنا چاہیئے تھا کہ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَمَنْ هُوَ صَادِقٌ ۔ تاکہ دونوں طرفوں کا ذکر ہوتا۔ موجودہ کلام میں تو صرف باطل لوگوں کا ہی ذکر ہوا **جواب** کفار دو باتیں علی الاعلان زور شور سے کہا کرتے تھے ایک یہ کہ اے مسلمانو تم پہ ہمارے بتوں کی طرف سے مصیبت نازل ہوگی۔ دوسری یہ کہ اے شعیب تم جھوٹے ہو۔ اس کا تردیدی جواب دیا گیا اب دیکھنا کہ مصیبت ہم پر آتی ہے یا تم پر اور جھوٹے ہم ہیں یا تم۔ اِس بنا پر مَنْ هُوَ كَاذِبٌ کہنا بالکل درست ہوا۔ اگرچہ قیاس یہی چاہتا ہے کہ یہاں مَنْ هُوَ صَادِقٌ کہا جاتا۔ مگر یہ تب درست تھا جبکہ محض خبر دینا مقصود ہوتا کہ کون سچا کون جھوٹا۔ لیکن یہاں تو ان کی گستاخی کا جواب دینا مقصود تھا **دوسرا اعتراض** حضرت شعیب نے اِعْمَلُوْا عَلٰی مَكَانَتِكُمْ فرما کر ان کے اعمال سے رضامندی کا اظہار کیا اور قوم مدین کے اعمال کفر و بد دیانتی والے تھے تو یہ کام کرنے کی اجازت دینا تو شرعًا درست نہیں کفر اور ظلم پہ تو رضامندی بھی حرام ہے چہ جائیکہ اس کا حکم دینا۔ تو یہ قول شرعًا کیونکر درست ہوا **جواب** یہ قول حکم یا رضا نہیں بلکہ تحویل اور تہدید ہے یعنی جھڑک ہے۔ یا مایوسی کا اظہار ہے۔ کیونکہ حضرت شعیب نے اپنے غیب

کے ذریعے جان لیا تھا کہ ان پر عذاب آنے والا ہے اور یہ کفر پر ہی مریں گے۔ ایسے کلام تو دن رات اپنے محاورے میں بطور جھڑک مستعمل ہے **تیسرا اعتراض** یہاں سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ فرمایا گیا چاہیئے تھا کہ فسوف فا کے ساتھ فرمایا جاتا کیونکہ وصل ہے حرف وصل ضرور ہونا چاہیئے تھا **جواب** یہاں وصل ظاہری نہیں بلکہ وصل خفی ہے۔ اس لئے ف نہ لانا بہت ہی درست ہے۔ یہ کلام دراصل استینا فیہ یعنی شروع کلام ہے۔ کیونکہ سوال مقدر ہے کہ جب کہا گیا تم اپنی جگہ عمل کرو میں اپنی جگہ کرتا ہوں تو سوال پیدا ہوا کہ پھر کیا ہو گا۔ تب جواباً علیحدہ جملہ ارشاد ہوا کہ عنقریب جان لوگے اور اس طرح سے یہ جملہ خوفناک بن جاتا ہے کہ انجام کا ذکر ہے **چوتھا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ قوم عاد اور قوم مدین پر عذاب کا ذکر ہوا تو وَلَمَّا حرف واؤ سے ابتدا ہوئی۔ اور جب درمیان میں قوم صالح اور قوم لوط پر عذاب کا ذکر ہوا تو فرمایا گیا فَلَمَّا حرف فا سے۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب** وجہ فرق ہے وعدہ کرنا۔ قوم صالح و قوم لوط علیہم السلام پر عذاب آنے سے پہلے وعدے کا ذکر ہے۔ کہ قصہ صالح علیہ السلام کی آیات میں ہے وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوبٍ قوم لوط کی آیات میں ہے مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ۔ تو یہاں ف لانا ضروری تھا تاکید اور اظہار وعدہ کے لئے۔ بخلاف قوم عاد و مدین کے کہ وہاں وعدہ عذاب کا ذکر نہیں لہٰذا واؤ مناسب تھی تاکہ کلام ہر جملہ ہو جائے کسی سے معلق نہ رہے۔ (بیان۔ صاوی۔ خازن۔ مدارک۔ بیضاوی)

تفسیر صوفیانہ

وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ ۔ بد کا انجام بد ہی ہوتا ہے اور اچھے کا آخری نتیجہ اچھائی ہی ہوتا ہے۔ قالب انسانی کے باطنی ناصح ضمیر کی آواز تبلیغ باطنی میں مصروف رہتی ہے ہر گناہ پر بڑی دلیری سے نفس کو روکتی ہے شروع شروع میں اس آواز شعوری کا سارے قالب میں گونج پیدا ہوتا ہے۔ نیک خصلت بڑی شدت سے ضمیر کی اس پکار کو محسوس کرتا ہے اور گناہ پر پچھتاتا ہے۔ پژمردہ ہو کر ندامت کے آنسو بہاتا ہے آئندہ کے لئے بچنے کا عہد کرتا ہے۔ مگر بدخصلت ناپاک طینت والا محسوس کرنے کے باوجود طرح طرح کے بہانوں سے اس آواز کو دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ باطنی حساس کی آواز دبتی چلی جاتی ہے اور آخر کار ختم ہو جاتی ہے تب آخری لمحات موت و سکرات موت کیوقت باطنی پیغام ملتا ہے کہ اے میری اندرونی قوم نفسانیہ تم اپنی جگہ اوصاف ذمیمہ خصائل رذیلہ کا مظاہرہ کرتے رہو۔ میں اپنے مقام شہود میں اپنا کام کرتا رہوں گا۔ قہر جلال کا وقت آنے والا ہے۔ عنقریب جان لوگے کہ کون بدطینت ازلی ہے جس کو ذلت کا عذاب پکڑتا ہے۔ اور کون شہوات و لذات کی جھوٹی امیدوں میں مبتلا ہے۔ بس تھوڑا ہی انتظار کرو۔ حسرت کے بادل چھانے والے ہیں موت فنا طاری ہونے والی ہے میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں گروہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ جب تک قلب و فواد۔ شعور و ضمیر کی شمعیں جسد کافوری میں روشن رہتی ہیں قالب کا بازار چمکتا ہے۔ جسم بیدار رہتا ہے۔ پھر جہاں نفس کی حکومت قائم ہو جاتی ہے چراغ معرفت بجھتے چلے جاتے ہیں اور ظلمات کے

پردے کھل جاتے ہیں بس ہلاکت ہی کا انتظار باقی رہ جاتا ہے۔ اکثر تو اس عذاب کو پوشیدہ ہی رکھا جاتا ہے مگر بڑے گستاخ کھلے فسادی کو دنیا میں ہی ذلت جسمانی میں مبتلا کر دیا جاتا ہے جس سے وہ عبرت اقوام بن جاتا ہے۔ موت حیات کے وقت ایسے آثار پیدا ہوتے ہیں کہ دنیا میں ہی شقی کی شقاوت بے ادب گستاخ کی گستاخی منتظر لوگوں کے سامنے آجاتی ہے اور گستاخ ذلت کی موت مرتا ہے خاص کر گستاخ نبی علیہم السلام کی موت۔ جس کا دن رات مشاہدہ ہے اللہ تعالیٰ ہر مخلص کو اس سے بچائے وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ اَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ۔ ظاہر کی موت روح وجسم کی جدائی ہے اور باطن کی موت انوار تجلیات کی جدائی اور رحمت ربانی کا فراق ہے۔ امر ازلی میں دونوں کی تقسیم چلا ہے جس طرح ظاہر اجسام شقی وسعید کی اخیر متفرق ہوتی ہے کہ موت سعید دعوت بارگاہ ہوتی ہے اور موت شقی وارنٹ گرفتاری اسی طرح باطنی موت بھی دو طرح کی ہے اہل شقاوت کے لئے امر ازلی مژدۂ نجات ہوتا ہے اور ان کو ازل کے الہام سے خوشخبری ملتی ہے اور جب ہمارا امر آیا تو نجات دی ہم نے شعیب جگر وقلب کو اور اس کے تابع فرمان اعضاء ظاہری کو جنہوں نے قلب وجگر کی وعید جلال مژدۂ جمال پر ایمان قبول کیا۔ یہ نجات کاملہ کسی بدلۂ اعمال میں نہیں ہے بلکہ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا فقط اپنی رحمت ازلیہ کرم صمدیہ کی بنا پر بچایا۔ اور یہی فیصلہ عدالت قہار دربار جبار جب شقاوت باطنی نفس رذیل دماغ لعیم اور مدین قالب کی طرف آیا تو قہر کے مواخذے سے پکڑ لیا ان بدباطنوں کو صوت سرمدی کی ایسی شدید چنگھاڑ نے کہ اپنی خواہشات وشہوات کے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے قانون فطرت ہے کہ جس کی شام مستی میں گذرے اس کی صبح بدبختی میں ہوتی ہے اور جس کی شام شہوت میں اس کی صبح غفلت میں جس کی شام خباثت میں اس کی صبح ہلاکت میں ہوتی ہے۔ شعیب قلب کے تابع فرمان کو چاہیئے کہ شام خشیت الٰہی میں گزرے تاکہ صبح حمیت الٰہی پائے۔ شام ریاضت کل میں ہوتا کہ صبح سعادت کل حاصل ہو جائے شام دعاؤں میں گزرے صبح نجات میں جس طالب حق کی شام درد فراق میں گزرتی ہے۔ اس کی صبح ازل لذت قرب میں بسر ہوتی ہے۔ خوش بخت ہے وہ جس کی شام عشق کی تڑپ میں رکوع وسجود کرتے گزرے اور صبح امید جمال محبت میں نصیب ہو۔ مردان راہ کی شام مناجات فریاد میں گزرتی ہے۔ اور صبح نغمات رحمت میں ملتی۔ حقوق روح وجسم کے ظالم بدنصیب کی شام ظلمت کفر کی گنگناہٹ میں گزرتی ہے اور صبح عبرت ہلاکت کی چیخ میں آتی ہے۔ یا اللہ ہم کو خوش نصیبوں میں شامل فرما بدنصیبوں سے بچا۔ (تفسیر روح البیان۔ عرائس البیان۔ محی الدین ابن عربی)

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ؕ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ					
گویا نہ بسے وہ میں اس بستی خبردار دُرکار ہے لیئے مدین کے				جیسے کہ دُرکارے ہوئے	
گویا کبھی وہاں بسے ہی نہ تھے	ارے	دور	ہوں	مدین جیسے دور ہوئے	

ثَمُودُ ﴿۹۵﴾ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ ﴿۹۶﴾

ثمود اور البتہ بیشک بھیجا ہم نے موسیٰ کو نشانیوں اپنی اور طاقت ظاہر

ثمود اور بے شک ہم نے موسیٰ کو اپنی آیتوں اور صریح غلبہ کے ساتھ

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَاتَّبَعُوا أَمْرَ فِرْعَوْنَ ۖ وَمَا أَمْرُ

طرف فرعون اور سرداراس کے تو پیروی کی ان سب نے امر کی فرعون کے اور نہ تھا امر

فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف بھیجا تو وہ فرعون کے کہنے پر چلے اور فرعون کا کام راستی کا نہ تھا

فِرْعَوْنَ بِرَشِيدٍ ﴿۹۷﴾ يَقْدُمُ قَوْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَوْرَدَهُمُ

فرعون کا سے سچائی آگے ہوگا وہ قوم اپنی کے دن قیامت کے تو کھینچ لائے گا

قیامت کے دن تو انہیں دوزخ میں لا اتارے

النَّارَ ۖ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُودُ ﴿۹۸﴾ وَأُتْبِعُوا فِي هَٰذِهِ

ان کو دوزخ میں اور برا ہے اترنے کا ٹھکانہ ڈالے گئے وہ میں اس دنیا

گا اور وہ کیا ہی برا گھاٹ اترنے کا اور ان کے پیچھے پڑی اس جہان

لَعْنَةً وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُودُ ﴿۹۹﴾

لعنت اور دن قیامت کے میں برا ہے وہ انعام جو تحفہ دیا ہوا ہے

میں لعنت اور قیامت کے دن کیا ہی برا انعام جو انہیں ملا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عذاب کی نوعیت بتائی گئی تھی ان آیات میں عذاب کے **نتیجے** کا ذکر ہے کہ عذاب کے بعد اس بستی کا ایسا حال ہوا گویا کبھی یہاں بستی تھی ہی نہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں اس سلسلے کے واقعات میں چھٹے واقعے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیات میں ساتویں واقعے کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان انبیاء کرام کا ذکر ہوا جن کو صرف ایک ایک **معجزہ** عطا ہوا اور وہ صرف صاحب شریعت نبی تھے جن کو رسول کے معظم و مکرم القاب سے نوازا جاتا ہے اب حضرت موسیٰ کا ذکر ہے جو پہلے صاحب کتاب اور ایک سے زیادہ معجزے لے کر تشریف لائے **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں ان قوموں کا ذکر ہوا جنہوں نے صرف

بندوں سے مقابلہ کیا اب اس سرکش کافر کا ذکر شروع ہوا جس نے خدا سے مقابلے کی ٹھانی تھی گویا کہ پہلے کفر کی ابتداؤں کا ذکر ہوا تھا اب کفر کی انتہاء کا۔

تفسیر نحوی

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۔ کاف جارہ حرف تشبیہ اَنَّ حرف تحقیق تشبیہ کی تاکید کے لئے اَنْ درمیان کلام کی وجہ سے مفتوح ہے اسم اَنَّ پوشیدہ ضمیر ہے دراصل تھا كَاَنَّهُمْ لَمْ يَغْنَوْا نفی جحد بلم بصیغہ جمع غائب فاعل ھم ضمیر کا مرجع ہلاک شدگان غنوٌ سے بنا ہے بمعنی بسنا آباد ہونا فی ظرفیہ اپنے معنی میں ہے ھا ضمیر مونث کا مرجع علاقۂ مدین ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ بعدًا بروزن فُعلاً بمعنی ذلت کی دوری یعنی پھٹکار لِمَدْيَنَ لام حرف جر بمعنی مفعولیت مَدْيَنَ غیر منصرف عجمی ہے لہذا بحالت جر زبر آیا۔ كَمَا کاف حرف تشبیہ ما کافہ بَعِدَتْ دراصل بَعُدَتْ تھا باب کَرُمَ کا ماضی بصیغہ مونث ایک قرأت مشہورہ میں بَعِدَتْ باب سَمِعَ سے ہے بمعنی پھٹکار ہوئی۔ تشبیہ بہرحال نوعی ہے خواہ پھٹکار بمعنی عذاب ہو یا ناراضی رب تعالیٰ اس کا فاعل ہے ثَمُوْدُ۔ قوم صالح علیہ السلام کا نام وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۔ واؤ سر جملہ لام گئے قَدْ اَرْسَلْنَا فعل ماضی قریب۔ قرب زمانی کے لئے ہے فاعل نا ضمیر متکلم مراد اللہ تعالیٰ موسٰی اسم مقصورہ بحالت تقدیری فتح مفعول بہ ہے باء بمعنی مع یعنی ساتھ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی معجزہ مضاف ہے نا ضمیر متکلم کی طرف واؤ عاطفہ سُلْطٰنٍ سَلْطٌ سے بنا بمعنی غلبہ اسی سے ہے تَسَلُّطُ بادشاہ کو سلطان اسی لئے کہتے ہیں کہ اس کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہاں مبالغے کا صیغہ ہے بروزن فعلان الف نون زائد ہیں۔ بحالت جر ہے بوجہ عطف موصوف مبین صفت مجرور کا۔ اسم فاعل ہے باب افعال کا بَيْنٌ سے بنا بمعنی ظاہر کرنا۔ یاءِ مکسورہ کو ساکن کیا تخفیف کے لئے اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ۔ الٰی حرف جار انتہاءِ ارسال کے لئے ہے لفظ فرعون لقب شاہی ہے غیر منصرف ہے بحالت جر میں زبر ہے واؤ عاطفہ ہے مَلَاءٍ جمع ہے مَلَاٌ بمعنی دولت مند۔ ہٖ کا مرجع فرعون ف تعقیبیہ فعل ماضی بصیغہ جمع باب افتعال اس کا فاعل یا مَلَاءٍ ہے یا پوری قوم اَمْرَ بحالت زبر مفعول بہ ہے امر بمعنی حکم یا قانون فرعون مضاف الیہ بحالت جر ہے واؤ حالیہ ما نافیہ اَمْرُ بحالت رفع مبتدا لفظ فرعون غیر منصرف مضاف الیہ ہے بِرَشِيْدٍ با زائدہ جار و مجرور متعلق ہے صالح پوشیدہ کا رَشِيْدٌ رُشْدٌ سے بنا ہے بمعنی لائق درست۔ فائدہ مند ہدایت والا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ ۭ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ۔ يَقْدُمُ فعل مضارع بمعنی مستقبل قَدْمٌ سے بنا بمعنی آگے ہونا قَوْمَ مفعول بہ ہٗ کا مرجع فرعون يَوْمَ اسم ظرف بحالت زبر مفعول فیہ ہے مراد زمانہ یا وقت الْقِيٰمَةِ الف لام عہدی ہے۔ قیام بروزن فعال مصدر ہے آخری تا مصدریہ ہے مضاف الیہ ہے۔ فاء تعقیبیہ اَوْرَدَ فعل ماضی باب افعال سے بمعنی مستقبل۔ یقین کامل کی وجہ سے ماضی آیا وِرْدٌ سے بنا بمعنی پہنچانا هُمْ اس کا مفعول بہ النَّارَ الف لام عہد ذھنی مراد جہنم ہے نَارَ بحالت زبر مفعول فیہ ہے۔ نار

کا لغوی معنی آگ ہے۔ واؤ حالیہ بِئْسَ فعل ذم ہے بزمانہ ماضی بوجہ یقین کامل کے ہے۔ اَلْوِرْدُ اسم مشتق ہے ورود مصدر سے بنا۔ بمعنی پانی کی طرف جانا۔ لغوی ترجمہ۔ نرم جگہ آسانی سے اور محبت سے چلنا آسان وظیفے کو بھی اسی لئے ورد کہتے ہیں۔ اس کی جمع ہے اَوْرَاد مخصوص بالذم ہے۔ المورود اسم مفعول فاعل ہے فعل ذم کا۔ اس کا مادہ بھی ورد ہے اسی سے وارد بمعنی آگے چلنے والا وَاُتْبِعُوْا فِیْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّیَوْمَ الْقِیٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اُتْبِعُوْا ماضی مجہول بصیغہ جمع۔ تبع سے بنا۔ آٹھ معنی میں مشترک ہے ۱ نقش قدم پر چلنا ۲ پیروی کرنا ۳ خدمت کرنا ۴ مدد کرنا ۵ پیچھا کرنا ۶ جاری رکھنا ۷ مغلوب کرنا ۸ کام کا مسلسل ہونا یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں فِیْ ظرفیہ هٰذِهٖ اسم اشارہ قریب ہے۔ لَعْنَةً یا مفعول فیہ ہے اور تمییز ہے۔ اُتْبِعُوْا کے نائب فاعل ھم ضمیر جمع کا۔ لعنت مصدر ہے تاء مصدریہ آخر میں ہے بمعنی رحمت سے دوری۔ واؤ میں دو قول ہیں۔ پہلا یہ کہ عاطفہ ہے تب یَوْمَ کا تعلق اتبعوا فعل مجہول سے ہوگا۔ دوسرا یہ کہ واؤ سر جملہ ہے تب یہ نیا جملہ ہے اور مابعد کا تعلق آگے سے ہے۔ یَوْمَ بحالت زبر ظرف موخر ہے یا مقدم واؤ کی مناسبت سے دونوں احتمال ہیں۔ قیامت سے مراد میدان حشر ہے۔ بئس فعل ذم اَلرِّفْدُ اسم مشتق ہے بروزن وِرْدٌ اس کا مصدر رفود یا ارفاد ہے۔ تین معنی میں مشترک ہے ۱ ٹیک ۲ عطیہ ۳ مدد یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں فاعل ہے فعل ذم کا اگلا لفظ المرفود ہے۔ بمعنی مفعول۔ یہ بئس ذم کا مخصوص بالذم ہے۔ مادہ اشتقاق دونوں کا ایک ہے۔

تفسیر عالمانہ كَاَنْ لَّمْ یَغْنَوْا فِیْهَا اَلَا بُعْدًا لِّمَدْیَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ ۔ وہ چیخ سے انسان مرے آگ سے درخت اور کھیتیاں جلیں طوفان اور زلزلے سے مکانات گرے اور ایسے ملیامیٹ ہو گئے آن کی آن میں گویا کبھی آباد ہوتے ہی نہ تھے۔ جیسے یہاں بستیاں تھی ہی نہیں۔ نہ وہ سرکشی رہی نہ ظلم و غرور کی اکڑ نہ وہ شور رہا۔ کہ باطل کا صرف شور ہی ہوتا ہے۔ زور اور بقا صرف حق کا ہوتا ہے۔ متنبہ رہو کہ پھٹکار پڑی قوم مدین پر جیسے کہ پھٹکارے گئے ثمود یا ملعون ہوتے ثمود اسی طرح مدین والے یا ہلاکت آئی مدین کے لئے جیسے ہلاک ہوتے ثمود۔ جرم اگرچہ دونوں کے مختلف تھے مگر کفر اور گستاخی نبی سب کی یکساں تھی اس لئے عذاب یکساں ہوا۔ صرف تھوڑا فرق ہوا۔ لفظ بعد اگر ب کے پیش سے ہو تو بمعنی دوری ہے اگر ب کے زیر سے ہو تو بمعنی ہلاکت ہے ان دونوں صورتوں میں عین کو حرکت ہوگی زیر یا زبر کی اگر ب کو پیش اور عین کو سکون ہو تو مصدر ہوگا۔ بمعنی ہلاک ہونا۔ یہاں تینوں اعتبار سے تین تفسیریں کی دی گئی ہیں۔ باب سمع سے ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ دونوں قومیں بالکل قریب قریب بستیاں تھیں اور ایک جرم یعنی ڈکیتی میں دونوں ملوث رہتے تھے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ۔ اور البتہ بے شک بہت اہتمام سے بھیجا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ظاہر نشانیوں کے ساتھ اور رعب دار روشن حجۃ قطعی کے ساتھ سورۂ ھود کا یہ چھٹا واقعہ ہے اس سے پہلے پانچ انبیاء کرام کا ذکر ہوا مگر ان میں لَقَدْ اَرْسَلْنَا ایک ہی دفعہ تھا۔ باقی واقعات میں اسی

ارسلنا کو حال مانا گیا تھا یا پوشیدہ رکھا گیا۔ یہاں پھر وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا سے شروع فرمایا گیا اس کی چند وجہ ہیں پہلی یہ کہ حضرت نوح پہلے صاحب شریعت نبی ہیں جن کو اصطلاح شرع میں رسول کہا جاتا ہے اور حضرت موسیٰ پہلے صاحب کتاب نبی ہیں جن کو اصطلاحاً مرسل کہا جاتا ہے۔ نبی ایک لاکھ چوبیس ہزار صحیح روایت کے مطابق ان میں رسول ۳۱۳ اور ان میں مرسل چار۔ حضرت نوح پہلے رسول نبی حضرت موسیٰ پہلے مرسل نبی۔ اس لئے وہاں بھی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فرمایا گیا اور یہاں بھی۔ حضرت ھود۔ صالح اور شعیب علیہم السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام متفق علیہ رسول ہیں حضرت لوط ایک قول میں صاحب شریعت نہیں بلکہ شریعت ابراہیمی کے نبی تھے۔ جیسے حضرت یوسف علیہ السلام۔ دوسری وجہ پہلے انبیاء کرام اپنی اپنی قوم کی طرف تشریف لاتے مگر حضرت موسےٰ دو قوموں کی طرف قبطی اور بنی اسرائیل کی طرف چوتھی وجہ پہلے انبیاء کرام قوم کے امراء اور سرداروں کی طرف مبعوث کئے گئے مگر حضرت موسیٰ ایک سرکش بادشاہ اور اس کے ظالم و مغرور لشکر جرار کی طرف چوتھی وجہ پہلے انبیاء کرام ان کفار کی طرف بھیجے گئے جنہوں نے اپنے ہاتھ سے مٹی کی مورتیاں بنا کر ان کو خدا کہنا شروع کر دیا حضرت موسیٰ اس کافر کی طرف بھیجے گئے جو خدا بن بیٹھا تھا ان خصوصیات کی بنا پر یہ واقعہ نئے سرے سے لَقَدْ فرما کر شروع فرمایا گیا۔ لام اور قد دونوں حرف تاکید ہیں یہاں ڈبل تاکید کرنے سے واقعے کی اہمیت کا اظہار کیا گیا۔ اس اہمیت کی بنا پر بعض نے فرمایا یہاں باللہ قسمیہ پوشیدہ اور یہ جملہ قسم ہے۔ یعنی اللہ کی قسم ہم نے بھیجا۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنی معجزہ خواہ بشکل عذاب ہو یا بشکل نمائش۔ وہ عذاب جو ہلاکت نہ کرے وہ معجزوں میں شمار ہے۔ حضرت موسیٰ کو اس طرح کے نو معجزے عطا ہوئے اتنے کسی نبی کو نہ ملے۔ بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ تو سراپا معجزہ تھے علماء کرام فرماتے ہیں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات چار لاکھ ہیں جن میں سے ہزاروں کا اب بھی مشاہدہ ہے موسیٰ علیہ السلام کے معجزات جن کو یہاں آیات فرمایا گیا یہ ہیں ۱ عصا کا سانپ ۲ چمکتا ہاتھ۔ یہ دلیل معجزہ تھے ۳ طوفان ۴ ٹکڑی کا برسنا ۵ جوؤں کا آنا ۶ مینڈک کا آنا ۷ خون ہونا ۸ قحط ۹ انسانی جانوں کا نقصان۔ سلطان بنا ہے سلطۃ سے جس کا معنی ہے غلبہ۔ رعب اسی سے ہے۔ تسلط۔ بھی دلیل کو حجت اسی لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے مخالف پر رعب طاری ہوتا ہے اور حجت کو سلطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ حجت یعنی مضبوط دلیل ہے لوگوں پر اس طرح غالب آجاتا ہے جیسے بادشاہ رعایا پر۔ بادشاہ کو سلطان اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ زمین پر حجۃ اللہ ہوتا ہے۔ آیاتنا کا عطف سلطان پر ایسا ہی ہے جیسا موصوف کا عطف صفت پر مبین سے مراد یا تو ظاہر ہونے والا تب یہ لازم ہے یا ظاہر کرنے والا تب یہ متعدی ہے۔ یہاں ان نو میں سے ایک معجزہ مراد ہے۔ اکثر کے نزدیک عصا مراد ہے۔ جس نے جادوگروں کی موجودگی میں حق کو ظاہر و غالب کیا۔ یا حضرت موسیٰ کا وہ پہلا خط ہے جس نے فرعون کو مبہوت کر دیا اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاْئِهٖ۔ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی طرف بھیجا اور اس کے درباریوں کی طرف۔ لفظ مبین پر آیت مکمل ہو گئی تھی مگر مضمون مکمل نہ تھا اس لئے آیت پر وقف ناجائز تھا۔ حرف الی ارسلنا کا متعلق ہے۔ بدیں وجہ جملہ مکمل نہ ہوا تھا مگر آیت اس لئے مکمل تھی مبین پر مقصد مکمل ہو جاتا ہے۔ درباریوں سے قبطی مراد ہیں کہ وہی اس کے ہم قوم تھے ان ہی میں سے امرا فرعون کے مشیر خاص تھے

اصل حکومت قبطیوں کی تھی بنی اسرائیل اقلیت میں تھے اور قبطی ہی فرعون کے دینی متبع تھے وہی سب غرق ہوئے تمام چھوٹے بڑے عذاب ان پر ہی آتے رہے اسرائیلیوں نے فرعون کو دل سے معبود نہ مانا تھا وہ صرف نوکروں کی حیثیت سے وہاں پھنسے ہوئے تھے اگر کوئی اسرائیلی فرعون کو سجدہ کرتا بھی تھا تو مجبوراً صرف جسم سے نہ کہ دل سے۔ حضرت موسیٰ قبطیوں اسرائیلیوں سب کی طرف مبعوث تھے مگر چونکہ فرعون اور اس کے رؤسا کو سمجھانا اصل مقصود تھا کہ ان کے سمجھنے سے سب کا سمجھنا تھا اس لئے خصوصیت سے ارسلنا کا تعلق الیٰ فرعون و ملائہ سے کیا گیا۔ حضرت موسیٰ نے بہت اچھے طریقے سے سمجھایا کہ ہر کس وناکس کی عقل سمجھ گئی کہ فرعون جھوٹا ہے بلکہ خود فرعون بھی آمادہ بایمان ہوگیا۔ لیکن حضرت موسیٰ کو ماننے میں اپنی ذلت سمجھ کر ضد کر بیٹھا پس اس کے درباری بھی اسی کے متبع ہوتے۔ اور حضرت موسیٰ کے معجزات کا زبانی کفر کیا حالانکہ ان کی عقلیں حقانیت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی گھبراہٹ مان گئیں۔ اور عقل انسانی تکذیب فرعون تو پہلے ہی کرتی تھی کہ بھلا بشر خدا کب ہوسکتا ہے مگر فرعون کے اتنے سو سالہ رعب کی وجہ سے حق کے ماننے اور توحید کے اقرار سے منکر ہوئے اور فرعونیوں کا یہ کفر بالکل ظاہر تھا لہٰذا اس کا ذکر یہاں نہ کیا جو فرعون کہتا رہا یہ امراء اس کی اتباع کرتے رہے ہاں میں ہاں ملاتے رہے اور فرعون ایسا جاہل تھا کہ اس کا کوئی کام عقل کا نہ تھا رشید رشد سے بنا ہے بمعنی ہدایت، اور عقل والا کلام مقابل غی یعنی گمراہی سرکشی کے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ فرعون دہریہ تھا کسی کو خالق نہ مانتا تھا خود کو معبود کہتا تھا جبراً اپنی عبادت کراتا تھا یہ تمام امور بالکل ہی رشد و ہدایت سے خالی تھے۔ اس لئے فرمایا مَا اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ فرعون کے احکام عقل کے نہیں يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ حضرت موسیٰ نے ایسا وعظ و تبلیغ فرمائی جو ہر انسان کے عقل میں آنے والی تھی مگر کفار نے پھر بھی نہ مانی اور اندھے بن کر فرعون کے پیچھے لگے رہے اس لئے قیامت تک یہ کفار قبطی فرعونی عقل اور دل کے اندھے ہی بنے رہیں گے یہاں تک کہ روز محشر بعد حساب کتاب جب جہنمی جہنم میں جائیں گے تو فرعونیوں کی یہ مذکورہ حالت ہوگی کہ يَقْدُمُ قَدْمٌ سے بنا بمعنی آگے ہونا اسی سے ہے قائد۔ فرعون کفر و غرور کا جھنڈا پکڑ کر آگے آگے ہوگا اور اس کی یہ قوم کفار اس کے پیچھے چلے گی اپنے آگے بھڑکتا جہنم دیکھ کر رکنے کی کوشش کریں گے مگر رک نہ سکیں گے تب فرعون کو برا بھلا کہیں گے مگر اب کیا فائدہ۔ یہ جلوس سیدھا جہنم کے مقررہ طبقے میں چلے جائیں گے اور ظاہراً فرعون ہی ان کو لے جائے گا۔ اَوْرَدَ ماضی فرمایا گیا یقین کے لئے وِرْدٌ کا معنی ہے پانی کا آنا پانی چونکہ نرم ہوتا ہے اس لئے اس مشابہت سے یہ بتایا گیا کہ ان کا جہنم کی طرف آنا بہت آسان ہوگا۔ لیکن باوجود آسانی کے یہاں آنا ٹھکانہ بنانا بہت ہی برا ہے، کیونکہ پانی پر آنا پیاس بجھانے اور کلیجہ ٹھنڈا کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ مگر یہاں ان کو آگ نصیب ہوگی اور وہ بھی دائمی۔ مقصد کلام یہ ہے کہ دنیا میں وہ سرداری کا لالچی تھا اور قائد بننے کی "تمنا" لئے رہا اسی لالچ نے اس کو خدائی کے دعوے پر اکسایا۔ اس کی یہ تمنا قیامت میں بھی پوری کی جائے گی لفظ ورد کبھی بمعنی وارد اسم فاعل ہوتا ہے کبھی بمعنی ورود مصدر ہوتا ہے اور کبھی بمعنی مورود۔ یہاں ورد بمعنی وارد ہے یا ورود پہلے اعتبار سے اس کا فاعل فرعون ہے دوسرے لحاظ سے یہ معنی وارد ہوتا ہے فرعون تو اپنی لالچ میں رہا مگر ہوا کیا وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ دنیوی نفع تو بہت فرعون کو ہوا مگر پیچھے ڈالے گئے وہ سب اس دنیا میں بھی تا قیامت لعنت و پھٹکار میں کہ ہر شخص ان پر لعنت کرتا

ہے کوئی شخص نام لینا پسند نہیں کرتا بلکہ جس طرح لفظ یزید ظلم و سرکشی علامتی لقب بن چکا ہے اسی طرح لفظ فرعون بھی ظلم و تکبر کا لقب بن گیا ہے اور قیامت کے میدان میں ان پر خصوصی لعنت وارد ہو گی یا اس طرح کہ فرشتے لعنت کریں گے یا اس طرح کہ اللہ تعالیٰ لعنت فرمائے گا یا اس طرح کہ خود آپس میں ایک دوسرے کو لعنت ملامت کرتے ہوں گے۔ یہ مفسرین کے اقوال ہیں میں کہتا ہوں یہ سب ہی عذاب ان پر ہوں گے کیونکہ معذب ہی ملعون ہوتا ہے۔ جیسا کہ ذلیل ہی بے توفیق ہوتا ہے۔ برا ہے یہ عطیہ یعنی دنیا کی لعنت جس نے مدد کی اخروی لعنت پر یا بری ہے وہ دنیوی لعنت کی مدد جس کی وجہ سے اخروی لعنت ملی۔ اور اس طرح لعنت کے بعد لعنت ملتی رہی پہلی لعنت سبب ہوئی دوسری کی۔ اگر وہ نہ ہوتی تو یہ بھی نہ ہوتی۔ دنیا پرست چاہتا ہے کہ جہان میں میری عزت ہو مگر اس کے لئے غلط راستہ اختیار کرتا ہے تو بجائے عزت کے دنیا جہان کی لعنت اختیار کر لیتا ہے اور وہی اخروی لعنت کا سبب بن جاتی ہے۔ (تفسیر کبیر روح البیان۔ معانی۔ مظہری۔ خازن۔ مدارک جمل۔ صاوی۔ سراج منیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** حشر میں ہر کافر اپنے کافر پیشوا کے ساتھ ہوگا اور جس طرح وہ قائد کفر یہاں غرور و تکبر سے پیشرو بنا پھرتا تھا اسی طرح وہاں ذلت و پھٹکار کے ساتھ آگے لگا ہوگا پیچھے سے لعنتیں پڑتی جائیں گی یہ فائدہ یَقْدُمُ اور وردا موروے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** برے ساتھ کا انجام ہمیشہ برا ہی ہوتا ہے تو اچھے ساتھی والے کا انجام اچھا ہی ہوگا یہ فائدہ رِفْدُ الْمَرْفُوْدُ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** دنیا کی رسوائی اور ذلت نیک لوگوں کا کسی کو برا کہنا اخروی لعنت کا سبب ہے یہ فائدہ بھی مَرْفُوْدُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا نیک لوگوں کا کسی کا ذکر خیر کرنا اخروی کامیابی کی علامت ہے **چوتھا فائدہ** جو لوگ دنیا میں انسانوں کو گمراہ کرنے اور ورغلانے میں لگے ہوئے ہیں کل قیامت میں وہی لوگ اپنے گمراہ شدہ چیلوں مریدوں اور شاگردوں کے قائد ہوں گے۔ اور گمراہ لوگ انہیں کے جھنڈے نیچے ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ یہ فائدہ بھی یَقْدُمُ قَوْمَهٗ سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** باطل کا صرف شور ہوتا ہے اور کچھ نہیں ہوتا۔ جب قہر الٰہی کی ایک ہی لہر اٹھتی ہے تو باطل کا نام و نشان تک بھی مٹ جاتا ہے یہ فائدہ كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا یَقْدُمُ قَوْمَهٗ یہ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے۔ بالکل مناسب ہے پھر ساتھ ہی فرمایا گیا فَاَوْرَدَهُمُ یہ فعل ماضی سے ہے بالکل مناسب نہیں کہ زمانہ ورود تو بعد قیامت آئے گا مستقبل واقعے کو ماضی سے کیوں بیان فرمایا گیا چاہیئے تھا کہ یَقْدُمُ اور حقیقت کی مناسبت سے فَیُوْرِدُهُمُ کہا جاتا **جواب** ا بقاعدہ نحویہ مستقبل چیز کو ماضی سے ذکر کرنے میں مبالغے اور یقینی صورت کا اظہار مقصود ہوتا ہے تو یہاں بھی اس کے اہتمام اور اظہار یقین کے لئے اَوْرَدَ ماضی ارشاد ہوا اس واقعے کی یقینی حالت بیان ہوئی گویا کہ ایسا ہو ہی گیا۔ کیونکہ ماضی ہمیشہ موجود کے وجود پر دلالت کرتی ہے **دوسرا اعتراض** مورد سے مراد نار ہے اور لفظ نار عربی میں مونث ہوتی ہے تو چاہیئے تھا کہ بِئْسَتِ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ فرمایا جاتا **جواب** ا نار

اگرچہ مونث ہے مگر نحوی قاعدہ ظاہر پہ جاری ہوتا ہے نہ کہ معنوی اور مراد پہ۔ یہاں ظاہری لفظ جو بئس کا فاعل اور مخصوص بالذم بن رہا ہے وہ ورد اور مورود ہے اور یہ دونوں مذکر ہیں۔ ہاں البتہ یہاں بئست بھی کہنا جائز ہے معنی کا لحاظ رکھتے ہوئے مگر زیادہ مناسب بئس مذکر ہی ہے۔ جیسے کہ کہا جاتا ہے نِعْمَ الْمَنْزِلُ دَارُكَ اور نعمت الْمَنْزِلُ دَارُكَ لفظ دار مونث ہے تو جب دار کا لحاظ رکھا جائے گا تو فعل مونث پڑھنا جائز اور جب منزل کا لحاظ رکھا جائے تو فعل مذکر پڑھنا بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

كَاَنْ لَّمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ۔ دنیاء دون دولت مخزون عزت مرہون پر غرور کرنے والے آخر انجام اس طرح گم نام ہو جاتے ہیں اور ہلاکت کی وادی میں اس طرح فنا ہوتے ہیں گویا کبھی غنی کی منزل پر آئے ہی نہ تھے۔ اہل عشق کی بے نیازانہ چہل قدمی مفسدوں کے نشان راہ کو یکسر مٹا دیتی ہے اور اہل ہوا کو ان کی بے علم کی آندھیاں اس طرح اڑائے جاتی ہیں کہ زمین قالب اور میدان عمل میں ان کا ایک نشان قدم و نقشہ سکونت بھی باقی نہیں چھوڑتیں۔ یہ مظلوم قلب سکین جگر اور قالب مدین کے ظلموں سے پریشان ہونے والے ضمیر و شعور کے قاصدان پیغام اسرار کی بددعاؤں کا نتیجہ ہے کہ دوری ابدی لعنت دائمی کا تمغۂ گمنامی نصیب ہوا۔ ہم اگرچہ جدا ہیں۔ کردار ظلم اگرچہ مختلف ہیں مگر دوری فراق کی لعنت قالب مدین پر بھی وہی وارد ہے جو ثمود دماغ ذمیمہ پر ڈالی گئی۔ صاحب کفر اور اہل ہوا نے۔ طلب دنیا اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لئے قوت روحانی اور طاقت فطری میں فساد تباہی مچایا۔ حق سے تکبر اور قبول ہدایت وادی انوار سے منہ پھیرا باطل کو لیا۔ حق کو چھوڑا۔ صورۃً اور معنیً ہلاکت کی راہ چلے۔ صورۃً تو اس طرح اعضاء ظاہری گناہوں کے کیچڑ میں پھسلایا اور اعمال مفسدانہ کروائے اور معنیً اس طرح کہ جوار الہی اور عیش طیبہ سے دور رہے۔ اسفل السافلین کے گروہ خبیثہ کے ساتھ قطعی قرب پایا۔ پس یہی برے نصیب والے ہیں جو نار فرقت میں جلتے رہیں گے نہ زندگی پائیں گے نہ موت۔ حیات فانیہ سے ان کو کوئی نفع نہیں۔ جبرائیل سرمدی کی چنگھاڑ سے ایسے فنا ہوئے گویا تھے ہی نہیں۔ لیکن بحر تجلیات پر ایمان لانے والے مومن شعیب قلب کے نغمات توحید اور نفخۂ حیات ابدی سے زندہ ہو کر سرور دائمی پا لیتے ہیں۔ قلب و فواد کی زندگی اکسیر جسدی ہے جو اپنے قلب و جگر کی دوری اور موت کا خواہشمند ہے وہ ظالمین و بد قسمتوں میں ہے مردان صالحین کو چاہئے کہ حالات ظالمین سے عبرت پکڑیں کیونکہ ظالمین بدبختوں نے دنیا رذیل کو پکڑا اور اسی پر آخرت کو استرار کیا پھر ان سے رب جلیل نے ایسا سلب باطن فرمایا اور دیار انوار سے ان کو ایسا نکالا گویا کہ انہوں نے کبھی نفع لاہوت پایا ہی نہیں اور کبھی وادی مشاہدات میں ٹھہرے ہی نہیں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا خواب نیند کا جھٹکا ہے۔ آخرت حیات ابدی ہے اچھی اچھوں کے لئے بری بروں کے لئے۔ جنت دنیا کی بکھیر کرنا ہے۔ اور جہنم آخرت کو بکھیرنا۔ خیر امت اطاعت الٰہی ہے۔ مردان راہ۔ طالب قافلہ کی طرح گروہ اصفیا یا اولیاء کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ قرار رذیہا۔ تلاش قافلہ کی مقدار ہے۔ دنیا و آخرت کا فاصلہ پلک جھپکنا ہے۔ اہل شقاوت زاہد آخرت و راغب دنیا ہے اور اہل سعادت زاہد دنیا و راغب آخرت ہے یہی وہ پہچان ہے جو

مالک بحر و بر مختار رلم یزل نبی ختم رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی۔ جبہ و دستار سے پہچان نہیں ہوتی وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ۔ اہل بصارت جانتے ہیں کہ جنگل میں ایک ہی خاردار جھاڑی نہیں ہوتی بلکہ مختلف کانٹے خودرو جھاڑیاں اُگتی رہتی ہیں اور جنگل کے سالک قافلہ راہ قافلہ ہموار کرنے کے لئے ان کانٹوں کو اکھیڑتے توڑتے رہتے ہیں یونہی اہل بصیرت باطن انسانی کو جب دیکھتے ہیں تو وہاں بھی ہزاروں فرعون و شداد دکھائی دیتے ہیں مگر رب کریم اپنے کرم سے کانٹوں سے پھول۔ زہر سے تریاق۔ مصیبت سے راحت بنا دیتا ہے۔ خود فرماتا ہے اور البتہ بے شک بھیجا ہم نے موسیٰ انوار کو اپنی آیاتِ قدرت اخبارِ جلال۔ حقائق بارگاہ۔ فضائل معارف مکاشفات منتشرہ کے ساتھ اور سلطان نور ازلیہ کے ساتھ جو نشاناتِ محبت میں مبین ہے۔ کلام شوق کی سلطنت کے ساتھ۔ اور قوتِ خطاب کی آیتوں اور دیدارِ جمال کے سلطان کے ساتھ اور بارگاہِ الٰہی میں عجز کی آیتوں اور اعداءِ الٰہیہ کے سامنے تکبر کلیمی کے سلطان ظاہر بادشاہت ہیبت کے ساتھ فرعون عقل طاغوتی اور اس کے گروہ عقلیات کی طرف۔ عقلیات فانیہ نے عقل طاغوتی کے نقشِ قدم ہی کی پیروی کی حالانکہ فرعون عقلِ طاغوتی کا حکم اور فیصلہ منزلِ طورِ عشق تک پہنچانے والا نہ تھا بلکہ نارِ فساد میں جلانے والا اور بحرِ ظلمات میں ڈبونے والا تھا۔ وادی رشد جمال سے دور کرنے والا تھا يَقْدُمُ قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَاَوْرَدَهُمُ النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِئْسَ الرِّفْدُ الْمَرْفُوْدُ۔ عقل کی جنور میں پھنسنے والی ذریتِ عقلیاتِ سرکش کبھی منزل نجات نہیں پاتی محرومیِ قیامت اور محشرِ ہلاکت میں بھی عقلِ طاغوتی پیچھے نہ رہے گی بلکہ رذالت کی سالاری اوصافِ ذمیمہ کی پیشوائی سے آگے ہی ہوگی تو آتشِ ظلمات میں دھکیل دے گی۔ آج نہیں سمجھتے مگر اس بے کسی کے وقت ہر شقی جان لے گا کہ عالم قہر میں سب سے بری یہی جگہ ہے اور اتباعِ عقل کا خسارہ یہ ہے کہ زمینِ قالب میں دوریِ بارگاہِ صمدیت کی لعنت ہے اور محرومیِ قیامت میں حاضری کے دن خصائلِ ذمیمہ کی وجہ عذابِ فراق اور آتشِ ہجر کا برا انعام ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مرشد کامل کے حضور سکوتِ زبان کی طہارت کا وضو کرنے والا۔ گندگی فرعونی سے حفاظت کر شیخ قلب کی اتباع میں تکبیر کہنے والا ہی رفقائے ابرار میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ بری خصلتیں اور اہل ھویٰ کی اتباع فاسقوں کی صحبت انعام ذلت ہے۔ کیونکہ انسانی طبیعت جاذبہ ہے اور میل ملاقات موثر ہے اور امراضِ شیطانی سرایت کرنے والے ہیں۔ اور رگیں اہلیت کی طرف جھکنے والی ہیں لہٰذا اے طالبِ خیر۔ خبرِ شرک اور مجلسِ کفر سے دور ہو اور اخلاق ذمیمہ کی اتباع نہ کر ورنہ وارداتِ خبیثہ کے مورد اور انعامِ قبیحہ کے مرفود میں نارِ ابدی میں جلنا ہوگا۔ (روح البیان۔ عرائس)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ
وہ سے خبروں بستیوں کی بیان فرماتے ہیں ہم ان کو پر آپ سے ان بعض قائم ہیں
یہ بستیوں کی خبریں ہیں تمہیں سناتے ان میں کوئی کھڑی ہے اور کوئی

وَّحَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ

اور بعض کٹ چکیں   اور نہ ظلم کیا ہم نے ان پر اور لیکن خود ظلم کیا انہوں نے جانوں اپنی پر

کٹ گئی   اور ہم نے ان پر ظلم نہ کیا بلکہ خود انہوں نے اپنا برا

فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

تو نہ بچایا کو ان معبودوں نے ان کو وہ معبود پوجتے تھے سے سوا

کیا تو ان کے معبود جنہیں اللہ کے سوا پوجتے تھے ان کے کچھ

اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ

اللہ کے ۔ سے ذرا چیز جب کہ آیا عذاب رب کا آپ کے   اور نہ زیادہ ہوئے وہ کافر

کام نہ آئے جب تمہارے رب کا حکم آیا   اور ان سے انہیں ہلاک

غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى

ان باطل معبودوں کی وجہ سے سوا ہلاکت کے اور اسی طرح ہے پکڑ رب کی آپ کے جب بھی پکڑا بستیوں کو

کے سوا کچھ نہ بڑھا   اور ایسی ہی پکڑ ہے تیرے رب کی جب بستیوں کو پکڑتا

وَهِيَ ظَالِمَةٌ ۭ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾

حالانکہ وہ بستیاں ظالم ہوں بے شک پکڑ اس کی دردناک سخت تر ہے

ہے ان کے ظلم پر بے شک اس کی پکڑ دردناک کڑی ہے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں سات قوموں کے ذکر ان کے کفران کی سرکشی انبیاء کرام سے مقابلہ اور عذاب الٰہی سے کفر پر موت کا واقعہ بیان ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ ان واقعات کے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ تاکہ اے پیارے حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کی تسلی ہو اور اقوام عالم کو پتہ لگ جائے کہ جس قوم پر بھی عذاب آیا ان کی اپنی ہی کفریہ حرکتوں کی بنا پر آیا۔ رب نے کسی پر ظلم نہ فرمایا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کافروں کی بت پرستی جھوٹے معبودوں پر بھروسہ کرنے کا ذکر ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ جن پر کفار کو بھروسہ تھا وہ ان کے کسی کام نہ آئے نہ عذاب سے بچا سکے نہ جہنم کی تکالیف سے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں سابقہ امتوں کی نافرمانی اور عذاب

ذکر ہوا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ جبار و قہار اسی طرح ہر ظالم سرکش مغرور متکبر فسادی کافر۔ فاسق فاجرہ کی پکڑ فرماتا رہے گا اللہ کی سخت پکڑ سے بجز اس کے جو پیارے نبی کے دامن میں آگیا۔ کوئی نہیں بچ سکتا۔ گویا کہ پہلے اولین کی سزاؤں کا ذکر سنا کر اب آخرین کو عبرت دلاتے ہوئے خبردار اور متنبہ کیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ - ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ کیلئے من تبعیضیہ انباء جمع ہے نبأ کی بمعنی بھی خبر۔ القُریٰ الف لام عہدی ہے قُریٰ جمع ہے قَریۃ کی۔ یہ ذٰلِکَ مبتدا ہے مِنْ جارہ سے پہلے اَلْمَوْجُوْدُ پوشیدہ ہے خبر اول ہے نَقُصُّ فعل مضارع بصیغہ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ قَصَصٌ سے بنا بمعنی تفصیل سے بیان کرنا ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع انباء ہے کیونکہ وہ بھی لفظی واحد ہے عَلٰی جارہ بمعنی عندک ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام مسلمان۔ مِن بعضیت کا ھا ضمیر مونث کا مرجع قُریٰ ہے۔ قَائِمٌ اسم فاعل بمعنی مفعول یعنی موجود ہیں قیامٌ سے بنا۔ واؤ عاطفہ حَصِیْدٌ بروزن فعیل بمعنی محصود یعنی اکھڑی ہوئی حَصْدٌ سے بنا جس کے معنی کھیت کاٹنا۔ یا جڑ سے اکھیڑنا یہ جملے کا جملے پر عطف ہے اور پھر یہ قُریٰ کا حال ہے وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ واؤ سر جملہ مَا ظَلَمْنَا ماضی منفی بصیغہ جمع متکلم ظُلْمٌ سے بنا اس کا ترجمہ ہے بلا جرم سزا دینا یا نقصان کرنا ھُمْ ضمیر کا مرجع تباہ شدگان واؤ عطف کا لٰکِنْ استدراکیہ ایک کی نفی کے بعد اس کو قائم رکھتے ہوئے دوسرے کو ثابت کرنا ظَلَمُوْا جملہ خبریہ فعل ماضی جمع اَنْفُسَ جمع نفس کی مراد اپنی ذات یعنی روح مع اَجْسَامِهِمْ سے مراد تمام سابقہ کفار فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ - فا تعقیبیہ مَا اَغْنَتْ ماضی منفی باب افعال سے ہے غِنیٰ سے بنا۔ یہ چھ معنی میں مشترک ہے۔ محتاج نہ ہونا ۲ باقی رہنا ۳ مالدار ہونا ۴ کافی ہونا ۵ نفع دینا ۶ کام آنا یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ عَنْ زائدہ ھُمْ ضمیر سے سارے سابقین کفار مراد ہیں متعلق ہے اغنت کا آلِھَۃُ جمع ہے اِلٰہٌ کی مرکب اضافی فاعل ہے اغنت کا اَلَّتِیْ اسم موصول مونث ہے۔ صفت ہے اٰلِھَتُھُمْ کی یَدْعُوْنَ فعل مضارع ہے یہاں کانوا پوشیدہ ہے اس لئے ماضی استمراری کے معنی میں ہے دَعْوٌ سے بنا بمعنی پکارنا مراد ہے پوجنا من جارہ عملاً زائد نہیں معنی زائد ہے دون اسم جامد ہے بمعنی مقابلہ مضاف ہے لفظ اللہ مجرور مضاف الیہ ہے مِنْ معنی زائدہ ہے شیءٌ نکرہ مفرد مجرور بمعنی کچھ لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ - لَمَّا حرف شرط۔ اس کا مابعد جملہ شرط یا شرط موخر ہے یا اپنے مقام پر اور اگلی عبارت اس کی جزا۔ جَآءَ فعل ماضی اَمْرُ بمعنی قانون یا عذاب کا فیصلہ مضاف بطرف رب بحالت جر مضاف الیہ و مضاف کَ ضمیر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مخاطب ہیں یا عام مسلمان۔ واؤ عاطفہ یا ابتدائیہ مَا زَادُوْ ماضی منفی بصیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل اٰلِھَۃٌ ہے متعدی بدو مفعول مفعول اول ھُمْ ضمیر جمع مذکر مفعول دوم غَیْرَ بحالت زبر مضاف ہے بطرف تتبیب باب تفعیل کا مصدر ہے متعدی ہے تَبٌّ سے بنا بمعنی ٹوٹنا۔ یا ہلاک کرنا پہلے معنی سے لازم ہے۔ یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَاۤ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِیَ ظَالِمَةٌ - واؤ سر جملہ کَذٰلِکَ حرف تشبیہ مبنی اصل ہے اَخْذُ مصدر متعدی مضاف ہے مشبہ ہے مشبہ بہ سابقہ تمام کلام ہے رَبٌّ، اسم مشتق ہے صفت مشبہ فاعل مضاف الیہ ہے

اخذ مصدر کا۔ اذا حرف شرط بمعنی کُلَّمَا یعنی جب کبھی اَخَذَ ماضی معروف اس کا فاعل ذات باری تعالیٰ اَلْقُرٰی الف لام بمعنی ہے قُرٰی جمع قَرْیَۃٌ کی واو حالیہ ہے ھِیَ مبتدا کا مرجع قُرٰی ہے۔ بمعنی بستی مراد ہیں۔ اہل بستی ظَالِمَۃٌ اسم فاعل بمعنی اپنا نقصان کرنے والی مونث کا صیغہ ہے اِنَّ اَخْذَہٗٓ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ یہاں اِنَّ ابتداء کلام ہے حرف تحقیق دفع شک کے لئے ہے اَخْذَ بحالت زبر مصدر متعدی ہے اِنَّ کا اسم ہے ہٗ ضمیر واحد غائب فاعل مضاف الیہ اَلِیْمٌ شَدِیْدٌ دونوں خبر اِنَّ ہیں بروزن فعیلٌ مبالغے کے لئے اَلَمٌ بمعنی دردناک سے بنا اور شَدِیْدٌ شدٌّ بمعنی سخت سے بنا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَیْكَ مِنْهَا قَآىٕمٌ وَّ حَصِیْدٌ ۔ ذٰلِکَ۔ ترکیب نحوی میں مبتدا ہے اور یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ جس کا ترجمہ اس طرح ہے وہ گذرے واقعات خبر ہے جو بتائیں ہم نے بستیوں کی خبروں سے۔ من جارہ بعضیت ہے یعنی ساری خبریں نہ بتائیں بلکہ چند واقعات بیان کئے ورنہ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبران کرام کے واقعات تو بہت زیادہ ہیں۔ ان واقعات میں نہ کچھ کمی زیادتی ہے نہ بھول چوک نہ جھوٹ یا غلط بیانی کیونکہ نَقُصُّهٗ خود ہم خالق ارض و سماوات اِن واقعات کو بیان فرما رہے ہیں۔ پھر کس کے سامنے عَلَیْكَ اے پیارے حبیب آپ جیسے شاہد نبی کے سامنے اگر ان مضبوطیوں کے باوجود یہ کفار یقین نہیں رکھتے تو تیری تصدیق یہ ہے کہ مِنْهَا قَآىٕمٌ ان عذاب شدہ قوموں کی بستیوں میں سے بہت بستیاں ابھی بھی کھنڈرات کی شکل ہیں یا نشانات کی شکل ہیں یا ویران بے آباد مکانات کی شکل میں موجود ہیں۔ ان کو دیکھو اور ہمارے نبی کے فرمودات کی تصدیق کرو۔ اور ان بستیوں کی نشاندہی صحیح پاکر باقی ان بستیوں کے عذاب کے نزول پر بھی ایمان لے آؤ جن بستیوں کی حالت ہے وَّ حَصِیْدٌ یہاں منہا پوشیدہ ہے۔ یعنی اور بعض ان میں سے وہ بستیاں بھی ہیں جن کے ساکنوں پر عذاب الٰہی آیا تو قوموں کے ساتھ بستیاں بھی ایسی ٹوٹ پھوٹ گئیں جیسے کٹی ہوئی کھیتی کہ ان کے نشان بھی مٹ گئے۔ صرف جغرافیہ سے سمتیں اور حدود اربعہ رہ گئے آج وہاں اجاڑ بیابان جنگل ہے جن کو دیکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کبھی یہاں فلاں قوم آباد تھی ایسے چمن زار تھے۔ اتنی عظیم بستی تھی۔ یا آج صرف کھنڈرات ہیں۔ یا کچھ بھی نشان باقی نہ رہا تاریخ نے بالکل ہی ان کو بھلا دیا صرف علم الٰہی میں ہیں۔ یہ منہا کا جملہ نَقُصُّ کے جملے سے علیحدہ ہے۔ دوسری تفسیر اس طرح ہے اے نبی وہ تمام واقعات ہم نے آپ کو اس لئے بتلائے ہیں کہ ان میں آپکی امت کے لئے آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کیونکہ یہ سب غیبی چیزیں ہوگئی ہیں بعض کے تو کچھ نشانات بھی دیکھے جاتے ہیں جیسے قوم عاد و ثمود اور بعض تو بالکل نیست و نابود ہوگئیں کہ نشان بھی نہ رہا جیسے قوم نوح اور قوم لوط یہ واقعات دلائل نبوت اس لئے ہیں کہ باوجود اس کے کہ آپ نے وہ واقعات نہ پڑھے نہ سنے پھر بھی آپ کی زبان پاک کفار کے سامنے وہ قصے ایسے صحیح صحیح سنا رہی ہے کہ عقلا اور جغرافیہ دان حیران ہیں کہ عرب کا ایک اُمّی لقبی جو اپنے حجرے کی چار دیواری کے باہر نہ نکلا تاریخ دانوں سے نہ ملا کس طرح ان مقامات کی نشان دہی کر رہا ہے جن کو تم نے ہزار مشقتوں سفروں کے بعد دیکھا اور جغرافیائی طور پر درست پایا اے ہمارے نبی یہ واقعات اس لئے بھی آپ کی نبوت کے دلائل ہیں کہ منسوخ شدہ توریت و زبور میں یہ واقعات کچھ تو ہیں ہی نہیں اور جو چند

ایک ہیں رہ بھی غلط اور بیہودہ طرح پر ہیں۔ اور بہت سے واقعات حقیقت و جغرافیہ کے خلاف ہی وجہ ہے کہ عیسائی جو بیان کریں وہ یہودی اور دیگر قومیں نہیں مانتیں اور جو یہودی بیان کریں وہ عیسائی جھٹلاتے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمائے ہوئے واقعات کو اپنے پرائے سب نے مانا اور حقیقتاً مانا نہ کہ محض عقیدتاً۔ اے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعات اس لئے بھی نبوت کے دلائل ہیں کہ اس نے عقلا کی عقلوں کو ماؤف کر دیا ہے اور اے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ واقعات اس لئے بھی دلائل نبوت ہیں کہ ان کو بیان کرنے سے نبوت کی تبلیغ کا مقصد پایا جاتا ہے یہ محض قصہ ہی نہیں بلکہ عبرت کی انتہائی سرگذشتیں ہیں جن میں آخرت کے عذاب نافرمانوں کے انجام نیکو کاروں کی نجات۔ دامن نبی کا فائدہ دامن میں آنے والوں کی خوش نصیبی کا پورا خاکہ کھینچا گیا اہل عقل تو عبرت پکڑ کر سچے راستے پر آجاتے ہیں اور اہل دل بن جاتے ہیں۔ کفر میں ٹھٹھرے ہوئے بار بار سن کر کنارۂ عافیت پر لگ جاتے ہیں مگر اندھے بدباطن فقط قصہ ہی سمجھتے رہتے ہیں۔ پس عبرت لینے والا دنیا میں ثنا و جمیل اور آخرت میں ثواب جزیل پاتا ہے۔ اور عبرت نہ لینے والا دنیا میں لعنت اور آخرت میں عتاب پاتا ہے

وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ ۭ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ——— اور یہ جتنی قوموں پر جتنے بھی عذاب زلزلے چیخ وھاڑ سے ہلاکتیں آئیں ہم نے ظلم نہ کیا ان پر۔ اس جملے اور اس سے پہلے کلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے ظَلَمْنٰ کے بعد علی پوشیدہ ہے۔ یعنی ان بستیوں والوں پر۔ ظلم کا معنی ہے بلا فائدہ یا اپنے فائدے کے لئے کسی کا نقصان کرنا یا اپنا نقصان کرنا۔ ظلم ہر طرح گناہ اور عیب ہے رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ اگرچہ باری تعالیٰ اپنی مخلوق پر کلی مختار ہے اس کا کوئی فعل ظلم نہیں ہو سکتا خواہ قصور سے مارے یا بلا قصور کیونکہ وہ مالک ہے۔ مالک اپنی ملک میں جو چاہے کرے اس پر کچھ گلہ نہیں۔ یہاں مَا ظَلَمْنَا فرمانا اظہار سبب عذاب ہے کہ ان پر عذاب کیوں آیا اگرچہ رب تعالیٰ بے قصور بھی ہزاروں بلکہ ساری مخلوق بگاڑ سکتا ہے۔ اور یہ بگاڑ ظلم نہیں۔ لیکن ان مذکورہ قوموں کو بلا قصور نہیں مارا وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ لیکن ان کافروں نے ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اس طرح کہ مرتکب ہوئے وہ ان کفریات کے جو ہلاکت کا سبب بنے حالانکہ ان کفریات اور شرکیات سے بے خبر نہ رکھے گئے تھے بلکہ ہمارے نبیوں نے سب کچھ ان کو سمجھا دیا تھا اس کے باوجود انہوں نے رزق اللہ کا کھایا زمین و آسمان اللہ کا استعمال کیا عبادت غیر اللہ کی حتیٰ کہ مخلوق اللہ کی مگر کہنا غیر اللہ کا مانا ہمارے نبیوں کا کہنا نہ مانا۔ ان کو دامن انبیاء میں آنا چاہیے تھا مگر گئے اپنے جھوٹے معبودوں کے پاس اور اپنے بناوٹی بتوں کا سہارا پکڑا فَمَآ اَغْنَتْ عَنْهُمْ تو نہ سہارا دیا نہ بچایا نہ غنی کیا نہ نفع نہ قدرت دی بچنے کی ان کافروں کو یہ معنی بن سکتے ہیں اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ ان کے ان باطل معبودوں نے جن کو وہ کافر پوجتے تھے۔ اور جن کے سامنے اللہ رسول کو چھوڑ کر گڑگڑاتے تھے۔ يَدْعُوْنَ سے پہلے كَانُوْا پوشیدہ ہے ماضی استمراری ہے جب کسی کے سامنے دعائیں مانگی جائیں اس کو معبود سمجھ کر تو اس دعا کا معنی ہوتا ہے عبادت کرنا اور زیادہ گڑگڑا کر دعا مانگنا سجدے میں ہوتا ہے۔ اس لئے یدعون کے معنی ہیں پوجنا عبادت کرنا اور اللہ کے مقابلے کسی کا سہارا پکڑنا اس کی عبادت کے مترادف ہے

حدیث پاک میں ہے کہ اَلدُّعَاءُ عِبَادَۃٌ دعا کے معنی عبادت بھی ہیں۔ اسی لئے یَدْعُوْنَ کے بعد قید لگائی گئی مِنْ دُوْنِ اللہِ وہ گڑگڑاتے تھے اللہ کے مقابلے میں یا اللہ کو چھوڑ کر پس کچھ بھی فائدہ نہ ہوا۔ مِنْ شَیْءٍ میں مِنْ بعضیت نے کل کی نفی کردی یہ جھوٹے معبود اپنے پجاریوں کی کیا مدد کرتے ان کا تو اپنا یہ حال تھا کہ لَمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ جب کبھی اے پیارے نبی آپکے رب کا عذاب آیا تو۔ وَمَا زَادُوْهُمْ اور وہ بت کچھ بھی زیادہ نہ دے سکے۔ اپنے ان پجاریوں کو سوائے ہلاکت اور نقصان اور گھاٹے کے کہ عذاب کیا روکتے خود بھی اپنے پجاریوں کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ کر فنا ہوتے۔ حالانکہ خود کفار نے ان بتوں کی فنا کو دیکھا۔ زَادُوْا کا فاعل بت ہیں یہ فعل لازم ہے یعنی بت زیادہ نہیں مگر تتبیب یعنی ٹوٹ کر فنا ہونے میں غیر بعلی اِلَّا ہے یا فعل متعدی ہے کہ بتوں نے اپنے پجاریوں کا نقصان ہی بڑھایا کہ ان کا اعتقاد توڑا عذاب انہیں کی وجہ سے آیا۔ اچھے خاصے دنیا میں رہتے تھے اگر ایمان سے آتے مزے سے با عزت زندگی گذارتے نفعے ہی نفعے ہوتے۔ مگر بتوں سے بروں سے لگے تو مصیبت ہی مصیبت رہی شعر۔

اچھوں کے سنگ لگ کر میری جھول پھول پڑے ٭ بدکاروں کے سنگ ہوا تو پہلے بھی گر گئے

اے موجودہ کافرو عبرت پکڑو جب انکے بت عذاب الٰہی کو نہ روک سکے تو اب کون روک سکتا ہے۔ اب بھی اسی طرح عذاب آ سکتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۔ اور اسی طرح جس طرح کہ پچھلی قوموں کو اللہ قہار نے پکڑ کر فنا کر دیا جیسا کہ کفار نے سن لیا ان کی اجڑی بستیوں کے کھنڈرات سفروں میں راہ گزرتے یا آثار قدیمہ کی کھدائی کرتے دیکھ لئے اے نبی آپ کے رب کی پکڑ ہے۔ غافل ظالم کفار و بدکار عبرت حاصل کریں ان کھنڈرات اور آثار قدیمہ کو محض اتفاقی نہ سمجھیں تماشے کے طور پر دیکھنے نہ جائیں کہیں ایسا نہ ہو کہ تم ان واقعات کو دیکھنے کے باوجود سرکش و سرمست ہی رہو۔ ع

اور تماشہ دیکھنے والو تماشہ خود نہ بن جانا

جب کبھی رب تعالیٰ نے کسی بستی یعنی اہل بستی کو عذاب سے پکڑا تو اس حالت میں کہ وَهِيَ ظَالِمَةٌ وہ قوم ظلم میں مبتلا تھی ہمارے نبی کی گستاخی نافرمانی میں آلودہ تھی لتھڑی تھی پھر جب پکڑا تو دنیا نے دیکھ لیا کہ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ۔ بے شک اس اللہ کی پکڑ دائمی درد اور تکلیف والی اور سخت ہے کہ کتنے ہی زور والا مجرم ہو خود کو چھڑا نہیں سکتا نہ چھوٹنے کی امید ہے حدیث پاک میں ہے کہ کافر اور بدکار ظالم کو کثیر مہلت دی جاتی ہے اس دوران انبیاء اولیاء اور علماء کے ذریعے اس کو بچانے توبہ کرنے پاک ہو جانے کی سب طرح کی تبلیغیں دی جاتی ہیں جب مدت مقررہ گذر جاتی ہے تب پکڑ میں آتا ہے تو ایسا شکنجہ چڑھتا ہے کہ چھوٹنے کی ساری آسیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ مقصد کلام یہ کہ جو عذاب کے قصے ابھی سورۂ ہود میں تم کو سنائے وہ اس لئے ہوئے ہم کسی کو بغیر گناہ اور جرم اور بغیر اطلاع بے خبری میں نہیں مارتے کہ یہ تو ظلم ہے اور ہم ظلم نہیں کرتے بلکہ انسان خود اپنے پر ظلم کرتا ہے اور کرتا تھا کہ انبیاء کو چھوڑ کر بتوں کو مانا تو جب ہم نے اپنے انبیاء کے

کہنے سے یا نہر دینے کے مطابق کفار پر عذاب بھیجا تو کوئی بت عذاب دور کرکے اپنوں کو نہ بچا سکا بلکہ خود بھی فنا ہوگیا یہ کفار تو انبیاء اولیاء اللہ سے آسیں توڑ کر بتوں سے آسیں لگائے بیٹھے تھے مگر بتوں نے ان کا نقصان ہی کیا کہ ان ہی کی وجہ سے عذاب آیا۔ یہ موجودہ کفار نہیں سمجھتے تو نہ سمجھیں مگر ہماری پکڑ ہر ظالم بستی پہ اسی طرح ہوتی چلی آئی ہے عین ظلم کی حالت میں پکڑا جاتا ہے پھر ایسا پکڑتا کہ تاریخ عالم نے جان لیا بے شک اس کی پکڑ نہایت، دردناک اور سخت ہے کہ نہ مجرم خود اپنے کو چھڑا سکے نہ کوئی اس کو چھڑا سکے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** بتوں کی عبادت تو بہر حال حرام و نقصان دہ ہے مگر اللہ تعالیٰ کی وہ عبادت جو نبی کے حکم کے بغیر کی اور تعلیم نبوت و ایمان کے بغیر کی جاتے وہ بھی حرام و نقصان دہ ہے یہ فائدہ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ سابقہ وہ قومیں بھی ہلاک ہوئیں جو اللہ کو مانتی تھیں مگر غلط طریقے نبی کی تعلیم کے مطابق نہیں مانتا تھا **دوسرا فائدہ** بروں کی بات ماننا اور ان کے ساتھ رہنا ہلاکت کا ہی باعث ہے تو لازم آیا کہ اچھوں کی قربت دنیا و آخرت میں مفید ہے یہ فائدہ مَازَادُوْهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** انسانوں کے گناہ کی وجہ سے بے گناہ جانور اور بستیاں بھی ہلاک اور اجڑ جاتی ہیں تو لازمی بات ہے کہ نیکوں و ولیوں کی برکت سے جانوروں حیوانوں کیڑے مکوڑوں پر کرم ہو جاتے ہیں۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ علماء کے لئے پانی کی مچھلیاں بھی دعا کرتی ہیں یہ فائدہ اَخَذَ الْقُرٰى سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** ان آیات میں مسلمانوں کو فائدہ پہنچتا ہے کہ عبرت پکڑ کر مقرب بارگاہ بن جاتے غفلت چھوڑ کر قدرت و توفیق میں آجاتے ہیں مگر زندیق لوگ اور زیادہ پکڑ کے مستحق بن جاتے ہیں کہ ان عبرت کے واقعات کو محض اتفاق سمجھتے ہیں یہ فائدہ وَهِيَ ظَالِمَةٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَهِيَ ظَالِمَةٌ هِيَ ضمیر مؤنث کا مرجع قریۃ ہے تو قریۃ کو ظالم فرمایا گیا حالانکہ قریہ بستی کو کہتے ہیں بستی ہے بان گھروں کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ ظلم کرنا عقل والے انسانوں کا کام اینٹ پتھر تو ظلم نہیں کر سکتے۔ تو بستی کو ظالم کیوں کہا گیا؟ جواب یہ سوال محمد بن ابو بکر رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خود ہی اپنی کتاب مسائل الرازی میں قائم فرمایا اور خود ہی جواب فرمایا کہ ظلم کی نسبت قریہ یعنی بستی کی طرف مجازی ہے اور مراد اہل بستی ہیں جیسے کہ قرآن کریم میں ایک جگہ اس طرح ہے هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ الفاظ الظالم یہ ظالم بستی اور جس طرح کہ دوسری جگہ ارشاد ہے وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ قریہ سے پوچھئے حالانکہ قریہ تکلم پر قادر نہیں تو جس طرح یہاں قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں اسی طرح یہاں اور یہ عام عربی محاورہ ہے اس لئے فصاحت کے مطابق ہے کیونکہ یہاں التباس کا خطرہ نہیں اور نہ یہ بات نظری ہے بلکہ بدیہی ہے کہ جب ظلم کی نسبت بستی کی طرف کی جائے تو اہل بستی ہی کی طرف ذہن جاتا ہے۔ ہم بھی دن رات اسی قسم کی بات کرتے ہیں مثلاً پاکستان بڑا بہادر ہے۔ فلاں ملک شکست کھا گیا بار کھا گیا تو ایسے کلام میں اہل ملک ہی مراد ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی ہے **دوسرا اعتراض** ذٰلِكَ اسم اشارہ واحد

بعید کیلئے ہوتا ہے مگر یہاں اشارہ بہت سے قصوں کی طرف ہے تو یہاں ذٰلِکَ بولنا مناسب نہ تھا بلکہ ذَالِکُمْ بولا جاتا یا ذُوَالِکَ بولا جاتا جیسا کہ بعض شعراء کے کلام میں اس طرح کی جمع ملتی ہے **جواب** ذالک کی جمع ذوالک نہیں آتی۔ اگر کہیں ہے تو شاذ ہے اور شاذ کا استعمال فصاحت کے خلاف ہوتا ہے ذالک خود ہی جمع تثنیہ اور واحد کے لیے مستعمل ہے۔ ذالکم بھی ذالک کی جمع نہیں نہ یہ مشار الیہ کے جمع ہونے کے وقت اس طرح جمع کی ضمیر کے ساتھ آتا ہے بلکہ یہ جمعیت مخاطبین کے اعتبار سے ہے۔ اگر ذالکم ذالک کی جمع ہوتی تو مشار الیہ کے جمع ہونے کی صورت میں ہی اس طرح ہوتی حالانکہ ایسا نہیں بلکہ دیکھو ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ۔ مشار الیہ واحد ہے مگر ذالکم آیا۔ یہ جواب زیادہ مناسب ہے بعض نے یہ جواب دیا کہ ذالک کا مشار الیہ قصے نہیں بلکہ اَلَّذِیْ ذُكِرَ ہے یعنی سابقہ سارا کلام جو من حیث المجموعہ واحد ہے

تیسرا اعتراض ذالک سے اشارہ غائب کی طرف ہوتا ہے مگر یہاں ان قصوں کی طرف اشارہ ہے جو حاضر مذکور ہیں لہٰذا یہ اشارہ درست نہیں تھا **جواب** مفسرین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ قصے اب نزول قرآن کے وقت غائب ہیں اور وہی مشار الیہ ہیں نہ کہ ذکر کرنا مگر یہ جواب کمزور ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ ذالک اصل لغوی اعتبار سے بعید کے لئے نہیں ہے لہٰذا غائب کے لئے بھی نہ ہوا بعید ہی غائب ہوتا ہے صرف عرف عام میں اس کو بعید کہہ دیا گیا ہے جیسا کہ لفظ دابہ اصلاً ہر چوپائے کے لئے ہے مگر عرف میں صرف گھوڑے کے لئے۔ تو ضروری نہیں کہ ہر جگہ یہ عرف عام مراد ہو۔ لغوی معنٰی بھی مراد لئے جاتے ہیں جیسے کہ مَا مِنْ دَآبَّةٍ۔ اسی طرح یہاں ذالک لغوی معنٰی میں مستعمل ہے لہٰذا عام حاضر غائب کے لئے ذالک میں ذا اسم اشارہ لام تاکید اور کَ ضمیر مخاطب۔ اور ذا مطلق اشارے کے لئے وضع ہوا ہے۔ اسی سے پہلے ھا ضمیر لگی تو ھٰذا ہوا۔ لام و کاف بعد میں لگا تو ذالک ہوا اسی کے اوّل کافِ تشبیہ لگا تو کذالک ہو گیا۔ یہ جواب ہر طرح درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ مِنْهَا قَآئِمٌ وَّحَصِيْدٌ۔ اے قلبِ سری کے شہنشاہ حبیبِ انوارِ روح، ضمیرِ خلائق کے روحِ رواں بحرِ مشاہدات کے تیراکِ اعلیٰ وہ وارداتِ غیوب جو وادیٔ دل اور خانۂ تجلیات کی خبروں سے ہے وہ ہم ہی تجھ پر ظاہر کرتے ہیں ان میں سے بہت سی وہ خبریں ہیں جو پردۂ غیب پر غنچۂ شاخ کی مثل قائم ہیں نگاہِ عبرت و بصارتِ غیرت و بصیرتِ فطرت سے ان کو دیکھا جا سکتا ہے اور بہت سی ان میں سے وہ واردات ہیں جن کا نشان بھی زمین قالب پر نہ رہا کٹی ہوئی کھیتی کی مثل وہ دل کی دنیا سے دور پھینک دی گئیں۔ جو نفس فسا نفسانیات راہِ راست پر آسکتے ہیں اور جو وسواسِ شیطانی نے بگاڑا ہے اس کی اصلاحِ درستی ہو سکتی ہے اور وہ قابلِ تدارک ہیں وہ قائم ہیں قوتِ یزدانی کے قدموں پر۔ اور جن نفسانیات کو موتِ فنا کی آری نے مایوسیٔ فراق کی درانتی نے ایسا کاٹ کر رکھ دیا کہ قابلِ تدارک لائقِ اصلاح نہ رہا وہ نگاہِ حقیقت میں حصید ہے وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَمَاۤ اَغْنَتْ عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِیْ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ وَمَا زَادُوْهُمْ غَيْرَ تَتْبِيْبٍ۔ اور ان خبثاء نفوسیہ پر ہم نے ظلمِ باطنی و ظاہری نہ کیا اور لیکن البتہ انہوں نے خود ظلم کیا اپنے آپ پر کر ان امراء باطنی قواء خفی کو انعامات سریہ استعداد

روحانی کی وہ قوت ملی حصول کمال کے لئے توفیق کے ایسے آلے ملے جو ملائکہ مقربین کو بھی نہ ملے مگر ان ازل کے کور بختوں نے اس قوت روحانی اور آلہ جسمانی کو طبیعت رذیلہ کے کہنے پر استعمال کیا۔ حاکم قلب کے قانون شریعت کو چھوڑا پس طاغوت خواہشات کی عبادت کی دنیوی مورتیوں کو پوجا بتان شہوت کی پرستش کی پھر جب اسماء جلالیہ کے ہاتھوں ہلاکت کی مار پڑنے لگی تو ان کے کسی معبود باطل نے ان کو نہ بچایا نہ کوئی دنیوی خواہشات و شہوات مضطرب قہاری کو دور کر سکا۔ ان ہی کو اللہ کے سوا پوجتے تھے اور اہل باطل بجز خسارہ کچھ نہیں دے سکتے۔ اس لئے کہ جھوٹے دین کے جھوٹے بانی جھوٹے ہی وعدوں میں اُمتوں کو ورغلاتے ہیں وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ اِنَّ اَخْذَهٗۤ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ۔ سینۂ انسان گنجینۂ امارت عبرت ہے جب سینۂ قالب پر ظلمتوں کی آندھیاں چلتی ہیں تو بستی ناسوتی قالب ملکوتی سے تبدیل ہو کر قریہ ظلم بن جاتی ہے قہر الٰہی، بجلیاں چمکتی ہیں جبر کی گھٹائیں چھا جاتی ہیں۔ صوت مواخذہ کی کڑک آتی اور سب کو جلا کر تباہ و برباد کر دیتی ہے یہ پکڑ الٰہی کسی خاص قوم کے لئے نہیں بلکہ اسی طرح ہر اس بستی اور اہل بستی کے لئے ہے جو ظلم ظاہری و باطنی میں مبتلا ہو جائے۔ بے شک اس جبار قدیم کی پکڑ دردناک بھی ہے اور شدید بھی۔ دردناک اس طرح کہ سینۂ باطل کی فریب کاری مکر شیطانی کو مسل کر رکھ دیا جاتا ہے اور شدید اس طرح کہ کسی تدبیر کسی ذریعے سے بچ نہیں سکتے۔ تو بندۂ مجبور کو بجز اسی کی بارگاہ میں توبہ و فریاد کے کچھ چارہ نہیں۔ (تفسیر روح البیان)

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ؕ
بیشک میں اُن البتہ نشانیاں ہیں لیے اُس شخص کے جو ڈرا عذاب سے آخرت کے
بے شک اس میں نشانی ہے اس کے لیے جو آخرت کے عذاب سے ڈرے
ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾
وہ آخرت جمع کیے ہوئے ہیں لیے اس دن کے سب لوگ اور وہ دن حاضر کیا ہوا ہے
وہ دن ہے جس میں سب لوگ اکٹھے ہوں گے اور وہ دن حاضری کا ہے
وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ يَوْمَ يَاْتِ
اور نہیں ہٹاتے ہم اس کو مگر لیے مدت کچھ گنی ہوئی وہ دن آئے گا تو نہ کلام
اور ہم اسے پیچھے نہیں ہٹاتے مگر ایک گنی ہوئی مدت کے لیے جب

لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾

کرے گا کوئی نفس مگر سے اجازت اسکی پس سے ان میں برے ہیں اور اچھے

وہ دن آئے گا کوئی بے حکم خدا بات نہ کرے گا تو اُن میں کوئی بدبخت ہے اور کوئی خوش

فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّ

تو لیکن وہ جو برے ہے پس وہ ہیں میں آگ لیئے ان کے ہیں اس گدھے کی بولی ہے اونچی اور

نصیب تو وہ جو بدبخت ہیں وہ تو دوزخ میں ہیں اور اس میں گدھے کی طرح رینکیں

شَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَ

نیچی ہمیشہ رہنے والے ہیں میں آگ جب تک کہ قائم ہے آسمان اور

گے وہ اس میں رہیں گے جب تک آسمان وزمین رہیں مگر

الْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾

زمین مگر جتنا چاہا رب نے آپکے بیشک رب آپ کا ہر طرح کرنیوالا ہے اسکو جو ارادہ کرے وہ

جتنا تمہارے رب نے چاہا بے شک تمہارا رب جب جو چاہے کرے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں عبرت دلائی گئی تھی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ کون شخص عبرت حاصل کر لیتا ہے کون نہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں بکھری قوموں بکھرے مزاجوں اور مختلف دینوں اور مختلف عذابوں کا تذکرہ ہوا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ اے جھوٹ بول کر بچے بننے والو اے باطل ہو کر حق جتانے والو ایک دن ایسا بھی آنے والا ہے جب سب ایک جگہ ایک مزاج ایک رائے کے ساتھ ایک دربار میں حاضر ہوں گے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں مختلف قوموں کے عارضی دنیوی عذاب کا ذکر ہوا تھا اب ان پر جہنم کے دائمی عذاب کا ذکر ہے

تفسیر نحوی اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ———— اِنَّ حرف تحقیق برائے یقین فی جارہ ظرفیہ ہے پہلے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول اسم اِنَّ پوشیدہ ہے ذٰلِكَ دور کے اشارے کیلئے لَاٰيَةً لام کے معنی البتہ تنوین تعظیمی ہے آیت بمعنی نشانِ عبرت بحالتِ زبر ہے خبر ہے اِنَّ کی لِمَنْ لام جارہ مَنْ اسم موصول متعلق ہے اٰیتً مصدر کے یا ثابتًا صفت پوشیدہ کے خَافَ فعل ماضی خوفٌ سے بنا متعدی بیک مفعول ہے عذاب الآخرۃ مرکب اضافی

مفعول بہٗ خَافَ کا جملہ فعلیہ صلہ ہے موصول کا ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ ۙ لَّهُ النَّاسُ وَ ذٰلِكَ یَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی
مشار الیہ کے لئے مجموعٌ اسم مفعول بمعنی مستقبل۔ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے مجموعٌ کا ہٗ کا مرجع اللہ تعالیٰ یا ہٗ کا مرجع
وہ روز قیامت ہے النَّاسُ اس کا نائب فاعل ہے واؤ عاطفہ ذٰلِكَ بعیدی اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ یومٌ مشہودٌ
ہے مرکب توصیفی یوم بمعنی زمانہ مشہود اسم مفعول شہدٌ سے مشتق ہے بمعنی حاضر کیا ہوا ماضی کے معنی میں ہے بوجہ یقین
کامل گویا ہو ہی چکا وَمَا نُؤَخِّرُهٗۤ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ واؤ سرحبلہ مَا نُؤَخِّرُ مضارع منفی باب تفعیل سے بنا اَخَّرَ مادہ بمعنی
دیر لگانا پیچھے کرنا۔ یہاں دوسرے معنی مناسب ہیں ہٗ ضمیر مفعول بہ الا حرف استثنا متصل کے لئے۔ لام تعقیبیہ اجل
بمعنی پوری مدت اسم جامد ہے معدود اسم مفعول عدد سے بنا بمعنی گنا ہوا حساب لگایا ہوا یَوْمَ یَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا
بِاِذْنِهٖ۔ یوم ظرف مقدم ہے یات فعل مضارع مستقبل کا اذا حرف شرط پوشیدہ ہے لَا تَكَلَّمُ مضارع مستقبل
باب تفعل سے جزا ہے دراصل لا تتکلم نفس اس کا فاعل اِلَّا حرف استثنا بمعنی غیر نے نفی مطلق کو توڑا صحیح یہ ہے کہ الّا
اپنے معنی میں ہے لغو ہے باذن باء جارہ متعلق ہے لا تتکلم کے اذن بمعنی اجازت ہٗ کا مرجع ذات باری تعالیٰ فَمِنْهُمْ
شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ۔ فاء استینافیہ من حرف جار ھم ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا مرجع یا نفس ہے یا الناس۔ نفس اسم جنس ہونے
کی بنا پر ضمیر جمع کا مرجع بن سکتی ہے۔ شقیٌّ مبتدا موخر فمن ھم خبر مقدم کا یہ جار مجرور متعلق ہوں گے موجودٌ پوشیدہ کا
شقوٌ سے بنا بمعنی قلب کی سختی بروزن فعیلٌ شقیوٌ تھا واؤ کو یاء سے تبدیل کیا واؤ عاطفہ ہے سعیدٌ سعدٌ سے بنا لغت میں
خوشبودار نرم گھاس کو کہتے ہیں یہاں مراد نرم دل ہے جس میں ایمان کی خوشبو ہو فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا
زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ۔ فاء عطف بمعنی لکن اَمَّا کی معاونت کے لئے اَمَّا حرف استدراک اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع شَقُوْا فعل ماضی
جمع لازم ہے فاء جزائیہ فی جارہ سے پہلے داخلٌ پوشیدہ ہے۔ النَّار بمعنی آگ مراد دوزخ ہے۔ مظروف کو ظرف کی جگہ قائم
کیا گیا ہے۔ الف لام عہدی ہے لَهُمْ نیا جملہ خبریہ ہے لام جارہ ھُمْ ضمیر مجرور متصل یہاں بھی اسم فاعل ثابتٌ پوشیدہ ہے
اور فیہا ہر دو اس کے متعلق ہیں ھا کا مرجع النَّار ہے زَفِیْرٌ بروزن فعیل زَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی تیزی سے اندر سانس
کھینچنا۔ جس سے چیخ پیدا ہو جیسے گدھا چیختا ہے۔ شَهِیْقٌ بروزن فعیل شهقٌ سے بنا بمعنی سانس باہر پھینکنا جس سے آواز بھی
پیدا ہو۔ جیسے گدھے کی آخری آواز۔ یہ ہر دو معطوف علیہ معطوف فاعل ہیں ثابتٌ پوشیدہ کا خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ
وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ۔ خالدین اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر خلدٌ سے بنا بمعنی ہمیشہ رہنا اسی سے ہے خُلْد جنت کا نام
اور خلود بروزن فعول مادام فعل ناقصہ بصیغہ واحد مذکر فی جارہ ظرفیہ ھا کا مرجع النَّار ہے۔ اسم ناقصہ السَّمٰوٰتُ ہے
جمع ہے سماءٌ کی الف لام استغراقی واؤ عاطفہ الارض جمع جنسی معنوی ہے لفظاً واحد مؤنث الف لام جنسی ہے عطف ہے
السَّمٰوٰتُ پر الا حرف استثنا ہے اس کا مستثنیٰ منہٗ خلود ہے ما موصولہ سے مراد خلود ہے شاءَ فعل ماضی ہے شیٌّ سے
بنا بمعنی مشیت یعنی چاہت اس کا فاعل ربٌّ ہے بحالتِ رفع كَ ضمیر واحد مذکر مخاطب جملہ فعلیہ صلہ موصول کا اِنَّ

رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ - اِنَّ حرفِ یقینی حال ہے اسم و خبر ہیں رَبَّكَ مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے لہٰذا بحالتِ زبر۔ فَعَّالٌ بروزنِ ضَرَّاب بمعنی کثیر الفعل مبالغے کا صیغہ ہے لِمَا لام جارہ بمعنی مفعولیت مَا موصولہ بحالتِ جر۔ جار مجرور متعلق ہے فَعَّال صفت مشبہ کے يُرِيدُ مضارع مثبت بزمانہ حالیہ بصیغہ واحد مذکر غائب اِرَادَۃٌ سے بنا۔ بمعنی ارادہ کرنا۔ تیاری کرنا۔ آمادہ ہونا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ۔ ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ بے شک ان میں یعنی ان گذشتہ واقعات میں یا ان کو اس جگہ قرآن مجید میں ذکر کرنے میں لَاٰيَةً البتہ سخت عبرت ہے منکروں کے لئے نصیحت ہے مومنوں کے لئے اس کی علامت یہ ہے کہ اس نے خوف رکھا قیامت کے عذاب کا یا زندگی کے آخری ایام کا یا قبر کے عذاب کا اس کے لئے یہ واقعات ایک بڑی نشانی جو بصیرت والے کے غور کے لئے کافی ہے لیکن جس نے انکار ہی کا راستہ پکڑا ہے اس کے لئے سب کچھ محض اتفاق ہے۔ حالانکہ کائنات میں کچھ بھی اتفاق سے نہیں ہوتا جو کچھ ہو رہا ہے یا ہوتا رہا یا ہوگا سب کچھ ایک بہت عظیم پروگرام کے مطابق ہے جس کا انجام کار۔ ذٰلِكَ يَوْمٌ وہ دن ہے جمع کئے ہوئے ہیں یا جمع کئے جائیں گے اس دن کے لئے تمام انسان اول زمانوں کے اور آخر زمانوں کے تا قیامت تاکہ سب کا حساب کتاب جزا سزا ہو اور بتایا جاتے کہ کس نے کیا کیا تھا اور کیوں عذاب آیا تھا۔ یہاں تو یہ واقعات کسی نے دیکھے کسی نے صرف سنائے کسی نے سنے۔ کسی نے ان سُنے سناؤں کو مانا کسی نے نہ مانا مگر ذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ وہ دن ایسا ہے کہ سب کا مشاہدہ کیا ہوا ہے کہ سب نے سب کو اور سب کچھ ہی دیکھ لینا ہے۔ آسمانی اور زمینی مخلوق ایک دوسرے کا مشاہدہ کریں گے اور ظالم و مظلوم ایک دوسرے کا انجام دیکھ لیں گے۔ ان آیات میں بھی خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے مگر سنانا سب کو ہے مَجْمُوْعٌ اور مَشْهُوْدٌ دونوں اسم مفعول ہیں مگر ظرفیت کے معنیٰ ہیں۔ قیامت میں لوگ شاہد ہوں گے۔ جزا مشہود اور وہ دن مشہود فیہ۔ ابتداءِ کلام میں حرفِ اِنَّ نے اس کلام کی مضبوطی ظاہر فرما دی۔ ذالک سے مراد یہ بھی ہے کہ اللہ کی وہ پکڑ و آیت نشانی ہے۔ اس بات کی کہ آخرت میں ضرور عذاب ہوگا۔ اور کوئی مجرم اس سے بچ نہ سکے گا نہ وہ جن کو دنیا میں ہلاکت کا عذاب پہنچ چکا نہ وہ جنہوں نے بدکاری کا ظلم و سرکشی کا رواج ڈال کر اپنی نسلوں کو برباد کیا اور قوموں کے باپ دادے بن کر بغیر عذاب کے دنیا سے سدھار گئے۔ انہوں نے اگر یہاں عذاب نہ پایا تو کیا ہوا آخرت کے عذاب سے نہیں بچ سکتے وہ تو سخت تر اور حقیقی عذاب ہے۔ اور ان ہی باپ دادوں کے ساتھ جن کی پیروی کا یہ حوالہ دیتے تھے دائمی عذاب چکھیں گے۔ دنیا کا وہ عذاب جو ان قوموں پر آ چکا اخروی کا بدلہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دنیوی عذاب جزاءً نہیں بلکہ صرف آئندہ نسلوں کو کفر سے بچانے عبرت دلانے کے لئے یہ دنیا دارالجزا نہیں۔ دنیا قلیل تو اس کی ہر چیز قلیل ہے یہ دن اتنے بڑے اجتماع کے باوجود پھر ایسا ہوگا کہ ہر شخص ایک دوسرے کو دنیا کی طرح جانے پہچانے گا۔ اور کوئی یہ نہ کہہ سکے گا کہ فلاں کافر کو عذاب کیوں نہ ہوا اور دنیا سے بلا عذاب اپنی موت مر کر کیوں چلا گیا لفظ مشہود شُہُوْدٌ سے بنا جس کا معنیٰ ہے

دیکھنا اور جاننا پہچاننا بغیر پہچانے دیکھنا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ دنیا میں صرف چند قوموں کو عذاب آیا حالانکہ کفر بہت ہوا سب کا عذاب موخر کیا گیا۔ لیکن وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ۔ اور نہیں دیر لگاتے ہم یا نہیں تاخیر کریں گے ہم اس دن کے لانے میں ایک قرأت میں ہے ما یُؤَخِّرُہٗ وہ اللہ دیر نہیں فرمائے گا اس روز قیامت کے لانے میں ما نافیہ مضارع پر آیا سرف الاّ کی وجہ سے مگر اس مدت تک جو ازل میں گنی ہوئی ہے اور اس یوم جمع وشہود کے لئے مقرر کی گئی ہے۔ یہ فعل آنے کی ابتداء کے لئے تاکہ اس یوم کے انتہاء کے لئے ان آیات میں ڈرانا اور خوف دلانا ہے تاکہ غافلین اپنے حال کو درست کرلیں۔ چونکہ معدود کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ رسول کے۔ لہٰذا ہر انسان ڈرے اور اس اجل کے آنے سے پہلے پہلے تزکیۂ نفس میں مشغول ہو جاتے۔ بعض نے فرمایا کہ مراد اجل سے موت ہے کہ ڈرانا وہیں تک مفید ہے اور ہر انسان کی قیامت صغریٰ موت ہی ہے۔ اس میں بے ثباتی دنیا اور موثر حقیقی کے وجود کا اس طرح ثبوت ہے کہ ہر معدود چیز انتہاء والی ہے اور ہر انتہاء والی شیٔ قابل فنا ہے اور معدود تو سب دنیا اور سارے جہان لہٰذا سب ہی فنا ہونے والے فنا ہونے کے لئے فنا کرنے والے کی ضرورت ہے۔ لہٰذا مؤثر حقیقی واجب الوجود ہوا اور باقی اشیاء ممکن الوجود۔ اجل کا معنی کل مدت معینہ بھی۔ اس میں موجودہ دھریوں اور سابقہ فلاسفہ کا رد ہے۔ کہ ان کے نزدیک مدت دنیا کو انقضاء نہیں ہے لاجل میں لام انقضاءِ مدت۔ ہی کے ثبوت کے لئے ہے بدیں وجہ الی اجل نہ فرمایا۔ کیونکہ لام نے وقت کو ثابت کیا جس سے تاخیر کی حکمت کا پتہ لگا۔ الی صرف انتہا اور خاتمے کو بتاتی ہے يَوْمَ يَاْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَّسَعِيْدٌ۔ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّشَهِيْقٌ۔ وہ دن ایسا ہیبت ناک ہوگا کہ جب شروع ہوگا کوئی نفس بات تک نہ کر سکے گا انسان تو انسان جانور بھی دم بخود ہوں گے۔ نہ اپنے لئے بات کر سکے گا نہ کسی کی شفاعت میں نہ آپس میں نہ زور سے نہ کھسر پھسر سب کے سب یکدم ششدر ہوں گے۔ مگر جب ان کو اللہ کی طرف سے اجازت ملے گی یا جن کو شروع سے اجازت ہوگی وہی بات کر سکیں گے۔ ان ہی مذکورہ نفوس میں جو جمع شدہ انسان میں کچھ شقی بدبخت قابل عذاب ہوں گے یا اب ہیں وہی وہاں ہوں گے اور شقی زیادہ ہیں ان کا ذکر اس لئے پہلے کیا گیا اور کچھ نیک بخت خوش نصیب۔ نیک بختوں کا ذکر بعد میں یا اس لئے کیا گیا کہ وہ کم ہی رہے ہر زمانے میں۔ لہٰذا ان کا اس دن مجموعہ بھی کم ہی ہوگا۔ یا اس لئے بعد میں ذکر کیا کہ یہاں ڈرانا خوف دلانا مقصود ہے بدبختوں کو اس وجہ سے شقیوں کا ذکر پہلے کیا گیا۔ دنیوی زندگی میں بدبختوں شقیوں کی نشانی بھی پانچ ہیں اور نیک بختوں کی نشانیاں بھی پانچ ہیں ۱ دل سخت اور ظالم ۲ خوف خدا میں نہ رونا ۳ دنیا کی محبت ۴ لمبی امیدیں ۵ بے حیائی بزرگوں کی بے ادبی۔ نیک بختی کی نشانیاں ۱ نرمی دل ۲ زیادہ رونا اللہ رسول کی یاد میں ۳ درویشانہ زندگی گزارنا ۴ دنیوی امیدیں کم ہونا آخرت کا ہر وقت دھڑکا لگا رہنا اسی تیاری میں مشغولیت ہونا ۵ کثرتِ حیا و بزرگوں کی شرم بڑوں کے سامنے اونچی آنکھ نہ کرنا۔ جو شقی ہیں ان کے لئے وعدۂ جہنم ہے سعیدوں کے لئے وعدۂ جنت ہے۔ پس دنیا میں اس وعید کے مطابق فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا لیکن وہ لوگ جو بدنصیب ہوتے آگ میں ان کی چیخیں دو طرح کی ہوں گی۔ ایک ابتدائی آواز

مثل زفیر کے ہوگی باہر کو زور لگا کر گدھے کی طرح چیخنا اور دوسری شہیق، اندر کو سانس کھینچتے وقت گدھے کی طرح ہونکنا ۔ کہ پہلی آواز سینے سے نکلتی ہے دوسری حلق سے ۔ گویا کہ جہنم میں چیخ دھاڑ بھی ہوگی یہ دس ڑیں سختی عذاب کی بنا پر ہوں گی آوازیں بدل جائیں گی دنیا میں بھی کسی کو دردناک مار پڑے تو آواز بدل جاتی ہے بلکہ طرح ڈر آتا ہے رنگ بھی بدل جاتا ہے تو قیامت تو اس سے بھی زیادہ شدید ہے ۔ سعادت ۔ وہ نعمت ہے جو نیکی میں بندے کی معاون بدی میں رکاوٹ ہوتی ہے ۔ شقاوت وہ قہر رب ہے جو بدی میں معاون اور نیکی میں رکاوٹ ہوتی سعادت بھی دو قسم کی ہے ۔ دنیوی اور اُخروی ۔ شقاوت بھی دو قسم کی ہے دنیوی اور اخروی جس پر موت ۔ واقع ہو جائے وہ اخروی ہے جو موت سے پہلے ختم ہو جائے وہ دنیوی ۔ ہر شخص کو ہر وقت رب کریم کی پناہ مانگنی چاہیے ۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ موقت صرف دو ہی ہیں موقت سعادت یا موقت شقاوت ۔ ان ہی کا ظہور قیامت میں ہوگا ۔ پھر یہ بدبختی کی چیخ دھاڑ عارضی نہ ہوگی بلکہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ ہمیشہ ابدالآباد تک وہ بدبخت کافر اس جہنم میں ہی رہنے والے ہیں ۔ جب تک کہ جہنم کی وہ بلند چھتیں مثل آسمانوں کے اونچیں اور جہنم کی وہ زمین جس پر یہ کافر پڑے ہوں گے موجود رہیں گے اور ان آسمان و زمین کو تو دوام ہے لہٰذا ان کے عذاب و خلود کو بھی دوام اور ہمیشگی رہے گی اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ جہنم کے اوپر بھی آسمان ہوں گے اور وہ آسمان جہنم کے طبقے ہوں گے ایک روایت میں ہے اٹھارہ ہوں گے ایک روایت میں نو ایک میں سات ۔ جہنم کا سب سے نیچا طبقہ اسفل السافلین جہنم کی زمین ہوگی چنانچہ قرآن مجید سورۂ ابراہیم آیت ۴۸ میں ہے یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ قیامت کے دن تبدیل کر دی جائے گی اس زمین کے بدلے دوسری زمین اور آسمان اور زمین بھی یہاں بھی یہ ہی مراد ہیں ۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ عرب کے محاورے کے مطابق مادامت السّمٰوات (دائم) سے مراد ہمیشگی ہے ۔ اور یہ محاورے کے طور پر بولا گیا ہے اور محاورے والا محاورے سے اصل مطلب سمجھ جاتا ہے تو یہاں دوام لفظوں سے نہ سمجھا گیا بلکہ عربی محاورے سے پہلے قول کے مطابق جس طرح جہنم کے آسمان وزمین ہیں جنت کے بھی آسمان وزمین ہیں ۔ بعض نے کہا کہ یہی زمین و آسمان وہاں منتقل ہو جائیں گے مگر یہ عقلاً نقلاً غلط ہے عقلاً تو سب اس لئے کہ یہ آسمان و زمین چھوٹے ہیں ۔ جنت و جہنم بڑے علاقے ہیں بڑے مکان پر چھوٹی چھت اور چھوٹا فرش کس طرح کارآمد ہو سکتا ہے ۔ نقلاً اس طرح کہ روایت صحیحہ میں ہے کہ جنت و دوزخ مکمل طور پہ اس دنیا سے پہلے پیدا ہو چکی ہے ۔ اور اس طرح کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے كُلُّ مَنْ عَلَیْهَا فَانٍ مَنْ یہاں عام ہے ذوی العقول و غیر ہم کو جیسا کہ بہت دفعہ عام ہوتا ہے ۔ اور کل سے مراد سب مخلوق ہے جن میں خود زمین آسمان بھی شامل ۔ ان کو بھی فنا ہے ۔ اور خلود دائمی منافی فنا ہے ۔ جہنم میں جب ساکنین کو دوام ہے تو مسکن کو بھی ایک قول یہ بھی ہے مادامت سے مراد دنیوی آسمان وزمین کی مدت بقا ہے جو حضرت آدم سے کروڑوں سال پہلے سے تا قیامت اور مطلب یہ ہے کہ کفار کی سکونت جہنم کی پہلی مدت تو آسمان وزمین کی مدت کے برابر ہے اس کے بعد پھر جتنا اللہ چاہے اور اللہ کی چاہت دائمی لہٰذا خلود دائمی ہوا ۔ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ

مگر وہ فاسق گنا ہگار جن کو رب کریم دوزخ سے نکالنا چاہے۔ یہاں استثناء منقطع بھی ہو سکتا ہے کیونکہ مستثنا منہ شقی کافر ہیں اور مستثنیٰ شقی فاسق رہیں۔ اور استثنا متصل بھی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ہر دو جہنمی شقی ہیں لہٰذا جنسی لحاظ سے متصل ہے نوعی اعتبار سے منقطع ہے بعض نے کہا کہ اِلَّا لغو ہے اور مطلب ہے کہ خلود آتنا ہے جتنا رب تعالیٰ چاہے اور چونکہ رب کی چاہت دائمی تو خلود بھی دائمی۔ لفظ ما موصولہ بمعنی مَنْ موصولہ یا اس سے مراد خلود ہے مگر پہلا قول قوی ہے۔ اِنَّ رَبَّکَ۔ بے شک اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا رب۔ اللہ تعالیٰ نے اکثر مقام پہ اپنی ربوبیت کی نسبت نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف فرمائی اس کی وجہ اور حکمت تامہ یہ ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی رب ہوا اور نبی کریم سب سے پہلے مربوب ہیں۔ بدیں وجہ فرمایا آپ کا رب فَعَّالٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔ یعنی ہمیشہ سے ہمیشہ تک وہی کرنے والا ہے۔ لِمَا یُرِیْدُ جس کا ارادہ فرمالیتا ہے نہ کوئی اس کو روکنے والا ہے نہ ٹوکنے بلکہ بلا روک ٹوک وہ رب ارادہ فرمالیتا ہے اور وہ کام بھی ہو جاتا ہے بعض نے فرمایا کہ اِلَّا کا استثناء محالی ہے نہ لا محالی یعنی مگر اس کے چاہے سے یہ کفار جہنم سے نکل بھی سکتے ہیں لیکن وہ چاہتا نہیں کیونکہ اس کا چاہنا محال ہے کہ خلاف وعدہ ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** دنیا میں سب سے بڑی نعمت خوف خدا ہے اور اللہ کے عذاب سے ڈرنا ہے۔ کہ اسی سے آیات الٰہیہ کی سچی سمجھ آتی ہے اور اسی سے انسان بندہ بنتا ہے ورنہ کلام الٰہی سنتے سب ہیں مگر عبرت خوف وخشیت والے لیتے ہیں۔ یہ فائدہ لِمَنْ خَافَ سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو خوف وخشیت عطا فرمائے **دوسرا فائدہ** دنیا میں ہی بتا دیا گیا کہ کون سعید کون شقی اس کی علامتیں سمجھا دی گئیں اخروی علامتیں اس کے علاوہ ہیں لہٰذا ہر انسان کو خاص طور پر مسلمانوں کو شقاوت کی علامات سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے سعادت کی علامات اختیار کرنی چاہیے اور اس کا آسان طریقہ اولیاء اللہ کی صحبتیں اچھی کتابیں پڑھنا۔ بری مجلسوں صحبتوں بری کتابوں سے بچنا ہے۔ یہ فائدہ شَقِیٌّ وَّ سَعِیْدٌ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** کفار کے لئے جہنم میں زفیر اور شہیق جیسی گدھے کی آواز ہوگی مگر گنا ہگار مسلمان کے لئے یہ آواز نہ ہوگی اگرچہ کچھ دن وہ جہنم میں بھی رہے گا۔ مگر وہ عذاب پانے کے لئے دوزخ میں نہ جائے گا بلکہ پاک صاف ہونے کے لئے آگ میں جائے گا جیسے گندا سونا بھٹی میں جاتا ہے محض کھوٹ سے پاک ہونے خوبصورت زیور بننے کے لئے۔ مومن جہنم میں جائے گا تو اسے یا تو تکلیف ہی نہ ہوگی یا برداشت کی ہمت مل جائے گی اس کی آواز تک نہ نکلے گی بخلاف کفار کے کہ وہ شدت تکلیف سے گدھے کی طرح رینگیں گے۔ یہ فائدہ زفیر وشہیق کے بعد ان کو خالدین فرمانے سے حاصل ہوا زفیر وشہیق چونکہ دائمی ہے تو اسی کے لئے ہو سکتی ہے جس کی سکونت دائمی ہے۔ مومن کی سکونت جہنم دائمی نہیں تو اس کی یہ آواز بھی نہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں، **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ تمام انسان دو قسم کے ہیں شقی وسعید۔ حالانکہ انسانوں کے دو گروہ اور بھی ہیں ۱؎ وہ لوگ جن کی نیکی وبدی برابر نہ ان کو شقی کہا جا سکتا ہے نہ سعید۔

رہے جن کی نہ کوئی نیکی ہے نہ کوئی بدی ان کو کیا جائے گا جیسے مجنون پاگل چھوٹے بچے۔ **جواب** اس کے تین جواب ہیں پہلا یہ کہ شقی اور سعید ہونا اگرچہ دنیا کی زندگی میں ہوتا ہے مگر اس کا دارومدار اخروی جزاء و سزا سے متعلق ہے جو ہر انسان کو بتا دیا گیا تو علم انسانی کے مطابق انسانوں کے دو ہی گروہ ہیں شقی و سعید اور چونکہ یہاں ان ہی چیزوں کا ذکر شروع سے ہو رہا جن کو انسانوں نے دیکھا اور سمجھا ہے اس لحاظ سے دو گروہ کئے گئے کہ شقی و سعید ان کے انجام کا ہر انسان کو حتماً و یقیناً پتہ ہے۔ رہے دوسرے دو گروہ جن کا معترض نے ذکر کیا ان کے انجام کا حتماً کسی کو پتہ نہیں۔ وہ علم الٰہی میں ہے کہ مجنون کہاں ہوگا پاگل دیوانے چھوٹے نابالغ کفار کے بچے کہاں رہیں گے یہی وجہ ہے کہ ان کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں کفر و اسلام کی تقسیم ہے۔ اس لحاظ سے دو ہی گروہ ہیں شقی و سعید۔ لیکن وہ لوگ جن کی نیکی بدی برابر ہیں وہ مسلمان ہی ہیں چھوٹے بچے اور پیدائشی پاگل بھی دین فطرت پر مانے گئے ہیں اس لئے وہ بھی مسلمانوں میں شامل اگرچہ ان کے ماں باپ کافر ہوں اور ان کی رہائش بھی کفر میں ہو رہے وہ پاگل جو بلوغت کے بعد ہوئے ان کی اس حالت کا اعتبار ہے جو بلوغت کے وقت تھی۔ کافر کی نیکی ہوتی ہی نہیں۔ تیسرا جواب یہ کہ مِنْهُمْ شَقِيٌّ میں مِنْ بعضیت کا ہے اور اسی مِنْ کے تحت سعیدٌ ہے جس نے بتا دیا کہ سب سعید و شقی نہیں بلکہ بعض ایسے اور بعض ایسے اور بعض تیسرے گروہ کے جو نہ جہنم کے نہ جنت کے بلکہ اعراف کے جیسے پاگل۔ اور نابالغ بچے۔ گویا اس کا جواب خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ قیامت کا زمانہ ایسا ہوگا کہ کوئی بات نہ کر سکے گا حالانکہ دوسری آیات میں ہے يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَفْسِهَا یعنی آپس میں وہ کافر خوب جھگڑیں گے اور جھگڑے میں خوب شور مچتا ہے ثابت ہوا قیامت میں باتوں کا شور پڑا ہوگا۔ تیسری آیت میں کفار کا باتیں کرنا اس طرح مذکور ہے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ خدا کی قسم ہم مشرک نہیں تھے بہت سی احادیث مبارکہ میں بھی کافروں کی باتیں مذکورہ تو یہ تعارض کیونکر ختم ہو؟ **جواب** مفسرین کرام نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ زمانۂ قیامت کے احوال مختلف ہیں کبھی نفسی نفسی کا شور ہوگا کبھی شفاعت کے لئے بھاگ دوڑ فریاد و التجا کا شور ہوگا اور کفار کے جھگڑے کا۔ کبھی مسلمانوں کی شفاعت و سفارش کا نظارہ للچائی نظروں سے دیکھتے ہوئے کفار کا یہ کہنا ہوگا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ مگر یہ حالتیں بعد کی ہیں پہلی حالت سب کی سراسیمگی اور ہیبت ناک خاموشی اور سناٹے کی ہوگی یہاں ابتدائی حالت ہی کا ذکر ہے **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا يَوْمَ يَاْتِ۔ یَاتِ کا فاعل بھی یوم پوشیدہ ہے اور اس کا ظرف مقدم بھی یوم ہے۔ جس کا معنیٰ ہوا جس دن آئے گا وہ دن۔ دن ہی ظرف دن ہی مظروف یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ **جواب** اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ یَوْمَ ظرف سے مراد مطلق وقت ہے اور یوم مضمر سے مراد قیامت ہے اور معنیٰ ہے کہ جب وہ قیامت آئے گی۔ دوسرا جواب یہ کہ یومَ ظرف اور یوم مضمر دونوں سے مراد زمانہ ہے نہ کہ روشن دن اور زمانہ زمانے میں آ سکتا ہے ایک زمانہ دوسرے زمانے کا ظرف اور مظروف ہو سکتا ہے۔ دیکھو ساعت دن کی جزء اور مظروف ہے دن ہفتے کا ہفتہ مہینہ کا مہینہ سال کا سال صدی کا (تفسیر روح البیان۔ کبیر۔ معانی۔ مدارک۔ جمل۔ صاوی۔ ابن کثیر)

تفسیر صوفیانہ

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَةً لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْآخِرَةِ ۚ ذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّجْمُوعٌ لَّهُ النَّاسُ وَذَٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُودٌ ۔ وَمَا نُؤَخِّرُهُ إِلَّا لِأَجَلٍ مَّعْدُودٍ ۔ تہدید ربانی ہے اور قہار و جبار کی طرف سے جھڑک ہے اس مقہور پر جو اللہ کی نعمتیں پائے اور یہ نعمتیں اس کو منعم حقیقی کریم و رحیم کی رویت جمال سے مشغول اور دور کر دیں۔ سب سے بڑا قہر یہ ہے کہ نعمتیں اور عیش و عشرت نصیب ہو مگر توفیق شکر یا دائمی نہ ملے دلوں سے یاد خدا بھلا دی جائے جب انسان نعمتیں پاکر اس حالت میں رہتا ہے تب دریا و گناہ میں غرق ہو جاتا ہے۔ اور لائق سزا ہوتا ہے۔ پھر دنیاء دون کے آثار چڑھاؤ بھی اس کیلئے عبرت نہیں بنتے بدقسمتی کی اندھیریاں خوش بختی کی آنکھیں بند کر دیتی ہیں۔ لیکن یہی حالات زمانہ اور واقعات عالم قوموں کے قصے ان خوش نصیبوں کے آیات قدرت نشان عبرت بن جاتے ہیں جو مقام عرفان میں حرمان کے عذاب سے ڈرتے ہیں جو شاہد انوار کے مقام خوف پر پہنچ کر عذاب قبض اور فراق سے ڈرتے ہیں جو لوگ حال کی درستی کی خواہش رکھتے ہیں ان کے لئے یہ آیات تہدید و خوف ہیں کہ اے راہ معرفت کو طے کرنے والو منزل وصل کا ارادہ رکھنے والو صفائی قلب طہارتِ اعمال محاسبہ نفوس کی طرف اجل کے پہنچنے سے پہلے راغب ہو جاؤ کیونکہ بندہ وہی کاٹے گا جو اگائے گا۔ اے راہ حیات کے بکھرے ہوئے مسافرو۔ وہ دن انوار و تجلیات کا زمانہ ہے جبکہ عارفین کو دیدار جلال عاشقین کو مشاہدۂ جمال کے لئے یاد کبریائی اور دامن عظمت میں جمع کیا جائے گا اور محبوبین کو لقاء و بقا میں موحدین کو شہود ازلی کے دروازوں میں صابرین کو الفت کے دریچوں میں شاکرین کو قدرت کے طریقوں میں عابدین کو عظمت کی بلندیوں میں زاہدین کو حلو ذوق میں اور نافرمان منکروں کو قہر کے حجابوں میں مشرکین کو جبر کے بیابانوں میں جمع کیا جائے گا وہ دن ضرور آنے والا ہے جبکہ اہل سعادت کو جمال یار کا اہل شقاوت کو سوزشِ نار کا مشاہدہ ہو گا۔ اے غافلو دنیا یوم مشہود ہے کچھ کر لو زمانۂ قبر یوم مفقود ہے اس سے ڈرو۔ قیامت یوم مورود ہے۔ واردات قہر سے بچنے اور مہر الٰہی کے حصول کا طریقہ سوچ لو جزا یوم موعود ہے اس کی طرف توجہ کرو۔ سزا یوم محدود ہے اس سے بچو ہم اس کو موخر نہ کریں گے مگر چند گنتی کے دن یہی چند دن کمائی کے ہیں۔ پس ان ہی دنوں کا اختیار اعمال بندوں کو دیا گیا ہے يَوْمَ يَأْتِ لَا تَكَلَّمُ نَفْسٌ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ فَمِنْهُمْ شَقِيٌّ وَسَعِيدٌ ۔ فَأَمَّا الَّذِينَ شَقُوا فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ خَالِدِينَ فِيهَا مَا دَامَتِ السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ إِلَّا مَا شَاءَ رَبُّكَ ۚ إِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيدُ : اے عالم ناسوت میں کفر و انکار کا شور بیہودہ فساد و ہلاکت ڈالنے والو جب وہ یوم جبروت آئے گا تو کوئی نفس بھی حیبت جلال الٰہی کی بنا پر کلام لفظی و نفسی سری و علانی۔ خفی و جلی نہ کر سکے گا نہ نفس امارہ نہ نفس مطمئنہ مگر اسی حاکم مطلق کی اذن جمال و کرم سے وہ چھانٹ کا دن ہے۔ پس اس دن صحیح علم ہو گا کہ ازلی شقی یہ ہیں اور ان میں سے ازلی نیک بخت یہ ہیں دنیا میں اہل شقاوت کی چھ نشانیاں ہیں اور آخرت میں تین ہیں۔ ۱ حق سے نفرت ۲ طلب حق سے دوری ۳ گناہوں پر دلیری بغیر ندامت ۴ دنیا کے حلال و حرام پر حرص ۵ شہوات کی پیروی ۶ بدعتوں کی تقلید۔ اور اخروی علامتیں یہ ہیں ۱ شقیوں کو نار جہنم میں ڈالا جائے گا ۲ درد عذاب سے چیخ پکار ۳ اور چنگھاڑ گدھے کی آواز کے مشابہ۔ سینۂ ظلمات اور دنیا پرست کی آواز عالم ناسوت کی زق زق و بک بک کے اندر مثل زفیر و شہیق ہے۔ دنیا مثل شہد ہے

اور دنیا پرست مثل مکھی شہد کی حرص میں شہد پر گرنے والی مکھی ہمیشہ شہد میں پھنسکر ہلاک ہوتی ہے اسی طرح دنیا دار
دنیا کی فریب کاریوں اور لذتوں میں پھنستا چلا جاتا ہے اور جب تک روح وقلب کے آسمان اور نفوس وبشریت کی زمین
رہے گی اہل شقاوت دنیا کی شقاوتوں میں پھنسے رہیں گے۔ مگر جس کو چاہے توفیق مشیت سے ابتداءً بچالے۔ بے شک اے
انوار جمال والے محبوب ازلی ابدی تیرا رب تعالیٰ جو چاہے کر سکتا ہے اس کو کوئی روکنے والا نہیں اہل شقاوت دو قسم کے ہیں ۱۔ شقی عصیان
یہ سزاء فراق پاکر وصل کی جنت میں آجاتا ہے ۲۔ مگر شقی کفران یہ نار فراق میں ہمیشہ جلنے والا ہے۔ (بیان۔ عرائس)

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا

اور لیکن وہ جو اچھے کیے گئے تو وہ ہیں جنت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں اس میں جب تک

اور وہ جو خوش نصیب ہوئے وہ جنت میں ہیں ہمیشہ اس میں رہیں گے جب

دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ؕ

کہ قائم ہیں آسمان اور زمین مگر اور جتنا چاہے رب آپ کا عطا ہے

تک آسمان وزمین رہیں مگر جتنا تمہارے رب نے چاہا

عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ

نہ ختم کی ہوئی تو نہ ہو تو ہیں شک سے اس پوجتے ہیں یہ کافر

یہ بخشش ہے کبھی ختم نہ ہو گی تو اے سننے والے دھوکہ میں نہ پڑ اس سے جسے یہ کافر

هٰٓؤُلَآءِ ؕ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ

جس کو نہیں پوجتے یہ سب مگر ویسا جیسا پوجتے رہے باپ دادا ان کے سے

پوجتے ہیں یہ ویسا ہی پوجتے ہیں جیسا پہلے ان کے باپ دادا پوجتے تھے

قَبْلُ ؕ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ ع

پہلے اور بیشک ہم البتہ پورا دینے والے ہیں ان کو حصہ انکا بغیر کمی کے

اور بے شک ہم ان کا حصہ انہیں پورا بھر دیں گے کمی نہ ہو گی

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَلَوْلَا

اور البتہ بے شک دی ہم نے موسٰے کو کتاب تو گڑبڑ کی گئی میں اس اور اگر

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تو اس میں پھوٹ پڑ گئی اگر

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَاِنَّهُمْ

نہ ہوتا حکم جو پہلے ہوا طرف سے رب آپ کے البتہ فیصلہ ہو چکا ہوتا درمیان ان کے اور

تمہارے رب کی ایک بات پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو جبھی ان کا فیصلہ کر دیا جاتا اور

لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾

بیشک وہ البتہ میں شک طرف سے اس کی پریشانی

بے شک وہ اس کی طرف سے دھوکا ڈالنے والے شک میں ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں میدان حشر کے مجتمعین کی دو قسمیں بیان فرما کر بدبختوں کا ذکر کیا تھا اب دوسری قسم کے خوش بختوں کا ذکر ہے کہ ان کو کیسی کیسی بھلائیاں ملیں گی۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں شقاوت و سعادت کا ذکر فرما کر اب مسلمانوں کے لئے مزید شرح فرمائی جا رہی ہے کہ اے لوگو اپنے زمانے کے کفار کی بت پرستی اور عیش و عشرت دیکھ کر مشکوک مت ہونا ان کا انجام بھی گذشتہ کافروں کی طرح ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار مکہ توحید باری تعالیٰ کے منکر ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ انبیاء کرام کی نبوت کے انکار پر بھی مصر ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی کتاب میں اختلاف کر بیٹھے چوتھا تعلق پچھلی آیات میں گذشتہ امتوں کے دنیوی عذاب کا ذکر ہوا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کریم کی امتِ دعوت کو دنیا میں عذاب نہ ہوگا اگرچہ کتنا ہی کفر کریں ہاں آخرت میں پوری سزا ہو گی۔

تفسیر نحوی وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۔ واؤ سر جملہ اَمَّا حرف استدراک بمعنی لٰكِنْ ہو تو یہاں شرطیہ ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول ہے سُعِدُوْا ماضی مجہول یہ قرأت مشہور ہے ایک قرأت میں فعل معروف سَعِدُوْا ہر حال سَعْدٌ سے بنا ہے بمعنی نیک بخت فاء جزائیہ یا تعقیبیہ اگر اَمَّا سے جملہ اول کو شرط مانا جائے تو یہ جملہ جزا ہے اگر اَمَّا بمعنی لٰكِنْ ہی رہے تو وہ جملہ خبریہ ہے اور یہ فا جزائیہ نہیں فی جارہ اس سے پہلے يُقِيْمُوْنَ فعل پوشیدہ اَلْجَنَّةِ الف لام عہدی ہے جنۃ کا لغوی ترجمہ پوشیدہ مصدر بمعنی مفعول ہے یہاں مراد ہے فردوس خٰلِدِيْنَ خلود سے بنا بمعنی ہمیشہ رہنا فِيْ جارہ ظرفیہ ھا ضمیر مونث کا مرجع جنت ہے ما دَامَتِ فعل ناقصہ بصیغہ مونث اَلسَّمٰوٰتُ جمع ہے سَمَاءٌ کی واؤ عاطفہ اَلْاَرْضُ

الف لام جنسی جملہ عاطفہ ناقصہ کا اسم ہے اِلَّا حرف استثناء متصل ہے خالدین کے دوام کو توڑنے کے لئے۔ خالدین کا تعلق کس سے ہے اس کا ذکر عالمانہ تفسیر میں آئے گا شَآءَ مشیت سے بنا یعنی چاہت۔ رضا باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق ہے شیٔ سے اجوف و مہموز اللام ہے رَبُّ اس کا فاعل مضاف ہے طرف کَ ضمیر مخاطب کے عَطَآءً مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ اُعْطُوْا مجہول کا یا اَعْطٰی پوشیدہ کا۔ موصوف ہے تنوین تعظیمی ہے غَیْرَ نافیہ مجرورہ ہے۔ نحویوں کے نزدیک غَیْر پانچ معنی میں مستعمل ہے ۱۔ سوا ۲۔ بدلنا ۳۔ استثناء کے لئے ۴۔ کلی نفی کے لئے ۵۔ جزئی نفی کے لئے۔ یہاں کلی نفی کیلئے یعنی کبھی نہیں مجذوذ اسم مفعول ہے جذٌّ سے مضاعف ثلاثی بمعنی ٹوٹا ہوا۔ رکا ہوا۔ ختم شدہ۔ بند کیا ہوا۔ یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ۔ فاء تعقیبیہ ترکیب کے لئے لا نہی کا فعل نہی واحد حاضر دراصل تھا لَا تَكُنْ كَوْنٌ سے بنا نون اعرابیہ تخفیف کے لئے گر گیا۔ فِيْ ظرفیہ۔ مِرْيَةٍ بحالت زیر ہے۔ مِرْيٌ سے بنا مصدر بمعنی اسم حاصل یعنی شک۔ شبہ۔ آخری تا مصدریہ ہے۔ مِنْ جارہ بمعنی باء جارہ ما موصولہ يَعْبُدُ فعل مضارع حال۔ هٰٓؤُلَآءِ موصول مبنی ہے بحالت رفع ہے فاعل ہے يَعْبُدُ کا اسم ظاہر ہے لہذا فعل واحد ہے مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ۔ مَا يَعْبُدُوْنَ مضارع منفی بصیغہ جمع غائب اس کا فاعل اسم ضمیر غائب ہے یہ جملہ استینافیہ سابقہ نہی کا بیان علت ہے اِلَّا حرف استثناء نے نفی کی نوعیت کو توڑا تشبیہ کو جوڑا مستثنیٰ شیئًا پوشیدہ ہے۔ كَمَا کاف حرف جارہ تشبیہ کے لئے مَا کافہ يَعْبُدُ مضارع بمعنی ماضی استمراری اس کا فاعل اٰبَآءُ اسم ظاہر ہے جمع ہے اب کی مراد ہے باپ دادے هُمْ ضمیر کا مرجع موجودہ کفار مِنْ جارہ بیانیہ قَبْلُ اسم ظرفی مبنی ہے ضمہ پر کیونکہ مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا قَبْلِهِمْ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ واؤ سرجملہ اِنَّ حرف تحقیق مخففہ نا ضمیر جمع متکلم لَمُوَفُّوْا۔ لام کئے یا لام تاکید مُوَفُّوْا۔ اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر اس کا مادہ وَفْیٌ ہے لفیف مفروق بمعنی پورا کرنا اس کا واحد مُوَفِّیْ ہے باب تفعیل ہے دراصل تھا مُوَفُّوْنَ لام کئے نے جزم کی وجہ سے نون اعرابی گرا دی هُمْ ضمیر کا مرجع تمام کفار ہیں متعدی بدو مفعول پہلا مفعول هُمْ ہے مفعول دوم نَصِيْبَهُمْ ہے نصیب بروزن فعیل نصبٌ سے بنا بمعنی مقرر کرنا مراد حصہ ہے مضاف ہے هُمْ ضمیر کی طرف غَيْرَ بمعنی سوی بحالت زبر ہے حال نَصِيْبَهُمْ کا ہے منقوص اسم مفعول ہے نقصٌ سے بنا متعدی ہے بمعنی کم کرنا وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ واؤ ابتدائیہ۔ قَدْ اٰتَيْنَا ماضی قریب بصیغہ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ لفظ موسیٰ اسم مقصور بحالت زبر مفعول بہ اول ہے اَلْكِتٰبَ مفعول بہ دوم ہے اٰتَيْنَا کا الف لام عہدی حرفی ہے۔ فاء تعقیبیہ اُخْتُلِفَ فعل ماضی مجہول خَلْفٌ سے بنا۔ تین معنی میں مشترک ہے ۱۔ پیچھے ہونا ۲۔ غلط راستہ پکڑنا ۳۔ جھگڑا کرنا یہاں دوسرے دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ فی جارہ ظرفیہ ہ ضمیر کا مرجع کتاب ہے واؤ سرجملہ۔ لَوْ حرف شرط لا مشبہ بلیس كَلِمَةٌ بحالت رفع اسم لا ہے۔ کَلْمٌ سے بنا بمعنی تقدیری قسمت کا فیصلہ۔ سَبَقَتْ پورا جملہ فعلیہ خبر لا ہے فعل ماضی بصیغہ مؤنث سَبْقٌ سے بنا بمعنی پہلے ہونا۔ گزر جانا۔ مِنْ جارہ ظرفیہ قَبْلَ کے معنی میں رَبِّ بحالت جر مرکب اضافی ہے کَ ضمیر کا مرجع عام مسلمان

بھی ہو سکتا ہے لام کے قُضِیَ ماضی مجہول قَضٰیْ سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا متعدی بیک مفعول ہے اسی سے ہے قاضی وقضا۔ بَیْنَ اسم ظرف مفعول فیہ ہے بحالت زبر ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع کفار ہیں وَاِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ واؤ سرتیلہ اِنَّ حرف بمعنی یقینی ھُمْ اسم اِنَّ ضمیر جمع غائب کا مرجع موجودہ کفار ہیں۔ لام کے فِیْ جارہ ظرفیہ شَكٍّ اسم جامد ہے بمعنی قلبی تفکر جس میں کسی طرف ترجیح نہ ہو مِنْ بمعنی قِبَلَ یعنی طرف سے ہٗ ضمیر غائب کا مرجع ذہنی قرآنِ پاک مُرِیْبٍ۔ باب افعال کا اسم فاعل رَیْبٌ سے بنا بمعنی ہر طرف سے پریشانی بے اطمینانی۔ بحالت زیر دراصل تھا موقع مُرِیْبٌ یا ذُو مریب بمعنی شک بمعنی شک کرنے والے تے یا شک کرنے والے کے اہل سے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَمَّا الَّذِیْنَ سُعِدُوْا فَفِی الْجَنَّةِ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَیْرَ مَجْذُوْذٍ۔ اور لیکن وہ لوگ جو ازل سے ہی نیک بخت کئے گئے اور اسی نہج پر زہد وعبادت سے اللہ رسول کو راضی کرتے ہوئے انہوں نے زندگی گزاری پس وہ اللہ کی جنت میں ہیں شروع سے ہی ہمیشہ رہنے والے ہوں گے اس جنت میں جب تک کہ جنت کے آسمان وزمین قائم رہیں گے۔ مگر بعض فاسق مسلمانوں کی وہ مدت جو آپ کا رب چاہے کہ جنت میں نہ گزرے بلکہ جہنم میں گزار کر پھر آئیں۔ جنتیوں کو جنت میں آپ کا رب اپنے کرم کریمانہ سے ایسی عطائیں فرمائے گا جو کبھی بند نہ کی ہوئی ہوں گی بلکہ مسلسل لگاتار ابد الآباد تک ملتی ہی رہیں گی۔ دنیا میں بھی انسان مختلف گروہ اور فرقوں جماعتوں میں بٹے ہوئے ہیں جو سینکڑوں کی تعداد میں ہیں بعض فرقہ بندی اچھی بعض بری مگر آخرت میں دو ہی ٹولے ہوں گے ایک جہنمی جن کا ذکر پہلے کیا گیا ایک جنتی جن کا یہ اب ذکر ہے۔ اس گروہ کے خلود فی النار میں بھی مَا دَامَتِ السَّمٰوٰت کی قید ہے اور یہاں بھی لہٰذا جو تفسیری احتمال وہاں تھے وہی یہاں ۱ سموات سے مراد جنتی سموات مراد ہیں ۲ عرب کے محاورے کے مطابق ہمیشگی کا ذکر ہے ۳ دنیا کے آسمان وزمین مراد ہیں کہ ان کی مدت کروڑوں برس ہے ان کے فنا کے بعد اتنی مدت جنت وجہنم کی پھر اس کے بعد مشیت ربانی کی لامحدود۔ جس کی کبھی انتہا نہ ہو گی صادی ۴ دنیا کے آسمان وزمین کو ہی وہاں قائم کر دیا جائے گا۔ مگر یہ قول غلط ہے جیسا کہ پہلے کیا گیا۔ جس طرح وہاں ساکنین دوزخ اِلَّا مَا شَآءَ سے استثنا کر کے بعض کو نکالا گیا اسی طرح یہاں بھی اِلَّا فرمایا گیا۔ مگر فرق یہ ہے کہ وہاں انتہا کے لئے تھا یہاں ابتدا کے لئے۔ یعنی وہاں فرمایا گیا تھا کہ جہنم میں شقی ہمیشہ رہیں گے لیکن بعض شقی جو فاسق ہیں وہ کچھ مدت بعد نکال لئے جائیں گے۔ ان کی رہائش جہنم کی انتہا ہو جائے گی۔ اور یہاں مطلب ہے سب جنتی شروع سے جنت میں جائیں گے مگر اللہ کی مشیت کے مطابق کچھ جنتی جنت میں بعد میں جائیں گے اور ان کی رہائش جنت کی ابتدا دوسرے سعیدوں سے سوا ہو گی ایک قول تفسیری یہ ہے کہ دونوں جگہ اِلَّا جملہ استثنائیہ متشابہات میں سے ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اِلَّا بمعنی سوا ہے۔ اور اس کا تعلق خٰلِدِیْنَ سے ہے۔ تیسری تفسیر یہ ہے کہ اس کا تعلق اپنی پچھلی عبارت عَطَآءً سے ہے یعنی مگر جس کو اللہ چاہے نہ ختم ہونے والی عطائیں بخشے اس تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے جنتیوں کے لئے اپنی مشیت کا ذکر فرمادیا مگر شقیوں کے لئے مشیت کا اظہار نہ فرمایا صرف فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ کہہ دیا۔ عطاءً سے

پہلے ایک فعل اُعْطِی پوشیدہ ہے عَطَاءً اس کا مفعول مطلق (روح البیان) بعض نے فرمایا کہ دونوں زندگیوں کو اِلَّا سے مستثنیٰ کرنے میں برزخی زندگی کو جو حساب کتاب سے پہلے ہے خارج کیا گیا ہے۔ یعنی بعد مدت جتنا رب چاہے گا جنت و دوزخ سے باہر رکھے گا۔ ایک تفسیر میں دونوں جگہ اِلَّا بمعنی واؤ عاطفہ ہے۔ یعنی اور جو آپ کا رب چاہے وہ ہوگا۔ (خازن و بیضاوی) ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ استثنا دونوں جگہ خالدین فیہا ابدا سے منسوخ ہے (ابن کثیر) چنانچہ اس خلود کے بعد موت کو ذبح کر کے فنا کر دیا جائے گا۔ اور جنت و جہنم میں اعلان عام ہو جائے گا کہ اب ہمیشہ ہمیشہ رہو اپنے اپنے مقامات میں اس اعلان سے ایک گروہ کو انتہائی خوشی کہ اگر موت ہوتی تو خوشی سے مرجاتے اور ایک گروہ کو انتہائی غم کہ اگر موت ہوتی تو غم سے مرجاتے فَلَا تَكُ فِي مِرْيَةٍ مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ ۚ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ ۚ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ جب ہم نے بتا دیا کہ ان سرکش مغرور بتوں کے پجاریوں جھوٹے معبودوں کا سہارا وسیلہ لینے والوں کا انجام دنیا میں کیا ہوا کہ ساری طاقتیں سلطنتیں گھمنڈ ایک ساعت میں خاک میں مل گئے کوئی بت کسی پجاری کو نہ بچا سکا اور آخرت میں جو حال ہوگا وہ بتا دیا تو اب ان کی دنیوی سج دھج اکڑ غرور اور تخت و تاج دیکھ کر۔ اے مسلمان کسی شک میں نہ رہنا اس وجہ سے کہ یہ کافر کس کو پوجتے ہیں یہ جملہ نیا ہے۔ اس میں خطاب عام مسلمانوں سے ہے۔ کیونکہ کفار کی ظاہری عزت اور مال و دولت دیکھ کر کوئی مسلمان شک میں پڑ سکتا ہے جس نے حقیقتِ حال میں غور نہ کیا ہو بعض لوگوں نے یہاں نبی کریم سے خطاب سمجھا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ کیونکہ انبیاء کرام کی شان تو بہت بلند ہے مخلص اور پختہ مومن بھی اس شک میں نہیں ہوتا وہ بھی سب حقیقت کو سمجھتا ہے۔ مِمَّا میں ما موصولہ سے مراد بت ہیں یا کفار کی حالت یا عبادت باطلہ۔ معنی ہیں کہ نہ شک میں ہو ان باطل معبودوں سے یا کفار کی حالت فاخرہ سے بعض نے کہا ما مصدریہ ہے تو معنی ہوں گے کہ یا ان کی عبادت سے کہ ان کے معبود ان باطل یا ان کی کفریہ عبادت سجدہ ریزی بتوں کے سامنے فریادیں دعائیں نہ کسی کا نقصان کر سکتی ہیں نہ خود ان کا کچھ فائدہ کیونکہ یہ سب کچھ بے سند بے دلیل مذہب ہے۔ مَا يَعْبُدُوْنَ نہیں عبادت کرتے یہ کافر مگر ایسی ہی حماقت میں جیسے کہ ان کے باپ دادے عبادت کرتے رہے پہلے سے یہ جو کچھ کفار کی عزتیں مال و دولت تم دیکھ رہے ہو اے مسلمانو یہ ان کی عند اللہ قبولیت یا عظمت کی دلیل نہیں بلکہ یہ تو ان کا انسانی اور مخلوق ہونے کی حیثیت کا حصہ ہے وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ جب بے شک ہم ہیں دنیا میں ان کو پورا چکا دینے والے ہیں۔ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ پورا کا پورا جملہ بغیر ذرہ بھر کم کئے ہوئے۔ مُوَفُّوْ باب تفعیل کا اسم فاعل ہے بمعنی حال بعض نے کہا بمعنی مستقبل ہے تب اس کا تعلق آخرت سے ہے اور مطلب یہ ہے کہ بے شک ہم ان کفار کو ان کے عذاب کا پورا حصہ دیں گے جیسے کہ ان کے باپ دادوں کو دیں گے کچھ فرق یا کمی یا زیادتی نہ ہوگی اس لئے کہ جرم ایک جیسا ہے۔ نصیب کے معنی ہیں پورا حصہ۔ غیر منقوص کے معنی بھی پورا حصہ مکمل لہذا یہ تاکید کے لئے ہے اس آیت کی دوسری تفسیر یہ ہے کہ اے مسلمان ان قصوں کو سننے کے بعد اب ان بتوں کی طرف سے شک میں نہ رہنا جیسا کہ کفار کا بدعقیدہ ہے کہ اگر کافر بتوں کو پوجیں تو ان کو وہ نفع دیں اور اگر ترک عبادت کریں تو وہ بت اپنے پجاریوں کو نقصان پہنچائیں گے یہی عقیدہ باپ دادے

چلا آرہا ہے اس بدعقیدگی میں بیچارے دھڑا دھڑ بت پرستی میں لگے ہوئے حالانکہ تم نے سن لیا کہ اللہ ہی نفع دیتا ہے اپنے فرمانبرداروں کو اور نقصان یعنی عذاب دیتا ہے نافرمانوں کافروں کو اور ہم نہ دنیا کے حصہ میں کسی کو کمی کریں نہ آخرت عذاب میں کمی کریں۔ کتنی صاف آیات ہیں جنہیں صاف طرح سمجھایا گیا کہ بتوں کی عبادت کرنے سے نہ نفع نہ نقصان یہاں بتوں کے آستانوں سے روکا گیا۔ کتنا ظالم ہے وہ مفسر جو ان آیتوں کو انبیاء و اولیاء پر چسپاں کرے ہمارے زمانے کا ایک اردو مفسر جس نے سارے قرآن کریم کی تفسیر اپنی رائے سے کی ہے وہ ان آیات سے انبیاء و اولیاء کے آستانے اور معجزے و کرامات کا انکار ہی کرتا چلا گیا۔ اللہ تعالیٰ گمراہوں سے ہم کو بچائے وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ اے مسلمانوں یا اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کے قرآن پاک آپ کی تبلیغ کو یہ موجودہ مکے اور عرب کے کافر نہیں مانتے تو فکرمند و افسردہ نہ ہو آپ کے آنے سے پہلے ہم نے البتہ بے شک موسیٰ علیہ السلام کو کتاب توریت عطا فرمائی۔ تو وہ بنی اسرائیل کافر جنہوں نے فرعون کو غرق ہوتے اپنی آنکھوں دیکھا آپ کی امت دعوت نے تو عذاب کے واقعات صرف سنے ہیں ان ظالموں نے تو خود دیکھا لیکن پھر بندے نہ بنے بلکہ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ اللہ کی کتاب میں اختلاف کرنے لگے یہاں تک کہ اس کتاب توریت میں ملاوٹ و گڑبڑ کی گئی۔ اور بعض قوم ایمان لائی بعض کفر کر گئی کہ یہ توریت خدا کا کلام ہی نہیں ہے۔ یہی حرکت ان کفار نے کی تو تم تسلی رکھو آزردہ نہ ہو اور اس بات سے غمگین مت ہو کہ یہ قرآن مجید کی توہین کیوں کرتے ہیں۔ اگر ہماری حکمت داعیہ کے مطابق فیصلہ الہیہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا کہ کفار کو عذاب بعد قیامت ہی ہوگا دنیوی زندگی ان کی مہلت کی ہو گی تو انہوں نے حرکتیں تو ایسی ہی کی ہیں کہ مستحق ہو گئے اس بات کے کہ آج ہی ان بدبختوں کے درمیان فیصلہ کر دیا جاتے اور دردناک عذاب کا مزہ چکھا دیا جائے جیسا کہ پہلی قوموں کو دنیا میں عذاب سے فنا کر دیا گیا لیکن اے پیارے ان پر دنیا میں عذاب اس طرح کا یک دم نہ آئے گا۔ یا اس لئے کہ ان سابقہ قوموں کی نسلوں میں ایمان ختم ہو چکا تھا ان کی نسلوں میں ابھی ایمان باقی ہے جیسے کہ ابوجہل کی نسل میں عکرمہ رضہ موجود ہیں۔ جب عکرمہ پشت ابوجہل سے نکل جائیں گے تب میدان بدر میں قتل کرا دیا جاتے گا۔ یا اس لئے کہ اے پیارے نبی ان کے انبیاء نے بددعائیں کی تھیں تب عذاب آیا مگر آپ بددعا نہیں فرماتے ہم رب تعالیٰ تو اپنے نبیوں کی عرض پر عذاب بھیجتے رہے مگر آپ تو رحمت عالمین ہیں لہذا آپ کے ہوتے عذاب نہیں آئے گا۔ اگرچہ یہ کافر ہمارے کتنے ہی نافرمان ہو جائیں اور حالت یہ ہے۔ بے شک یہ کافر البتہ اس قرآن مجید کی طرف سے یا بیان کردہ قصوں کی طرف سے یا آپ کی نبوت کی طرف سے یا آخرت کی عذاب والی زندگی کی طرف سے بہت بڑے شک میں پڑے ہیں منہ کی ضمیر کا مرجع اگر قرآن مجید ہے تو ذہنی مرجع ہے کیونکہ پہلے مذکور نہیں ہوا اتنا بڑا شک ہو رہا ہے اس کی وجہ سے مُرِیْب یعنی پریشان ہوتے پھرتے ہیں گویا کہ چاروں طرف اضطراب ہے اور خود اس میں پھنسے ہوئے ہیں مریب اسم ظرف ہے یا اسم فاعل دونوں ہو سکتے ہیں۔ پریشانی یہ کہ جب نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے معجزات اور کلام الٰہی کی بے مثالی اور شان دیکھتے ہیں تو دل سے سچائی کے قائل ہو جاتے ہیں

مگر جب ساتھی وسوسے ڈالتے ہیں تو ہٹ جاتے ہیں مضطرب ہوتے ہوئے لہٰذا مریب یعنی ریب کی جگہ پھنسے ہیں یا ریب کرنے والے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** جنت اور جنت کی نعمتوں کو فنا نہیں نئی پیدا تو ہوں گی لیکن پیدا ہو کر ختم نہ ہوں گی یہ فائدہ غیر مجذوذٍ فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** کافر سرداروں کو اگرچہ دگنا تگنا عذاب ہوگا مگر ان کا کہنا ماننے والوں کا عذاب بھی کم نہ ہوگا۔ قیامت تک ہر بری رسم ڈالنے والے اور ان کے ساتھیوں کا یہی حال ہے۔ اسی طرح نیکی کی رسم ڈالنے والوں کو دگنا ثواب مگر عاملین کا ثواب کم نہ ہوگا یہ فائدہ لَمُوَفُّوْهُمْ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ایصال ثواب برحق ہے اور اس سے بھیجنے والے کا ثواب کم نہیں ہوتا یہ فائدہ نصیبھم غَیْرَ منقوص سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** قیاس شرعی برحق ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے موجودہ کافروں کو پچھلے کافروں پر قیاس کیا یہ فائدہ کَمَا یَعْبُدُ سے حاصل ہوا۔ مگر موجودہ وہابی اس کے منکر ہیں۔ خدا ان کو ہدایت دے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** جس طرح کہ شقیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا تھا۔ خَالِدِیْنَ فِیْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ۔ بالکل اسی طرح یہاں جنتیوں کے جنت میں رہنے کی مدت بھی آسمان وزمین کی مدت سے لامحدود کر دی گئی حالانکہ بعض جہنمیوں کی دوزخی رہائش تو محدود ہو سکتی ہے کہ فاسق مسلمان جہنم میں دنیوی آسمان وزمین کی مدت تک جہنم میں رہیں گے مگر جنتی لوگ تو کبھی بھی جنت سے نہ نکلیں گے۔ اور آسمان وزمین کی مدت تو دائمی نہیں چنانچہ ایک آیت میں ارشاد ہے کَلَّآ اِذَا دُكَّتِ الْاَرْضُ دَكًّا دَكًّا یعنی زمین ٹکڑے کر دی جائے گی دوسری آیت میں ہے اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ جب آسمان پھٹ پڑے۔ تیسری آیت میں یوم نطوی السَّمَآءَ قیامت کے دن ہم آسمان کو لپیٹ دیں گے۔ ان آیات سے ثابت ہوا کہ آسمان وزمین کی مدت ختم ہو گی لہٰذا محدود اور جنتیوں کی مدت لامحدود تو یہاں لامحدود سے معلق کیوں فرمایا گیا **جواب**۔ اس کا جواب پہلی صورت جہاں شقیوں کا ذکر ہوا تفسیر عالمانہ میں دیا گیا تھا کہ مادامت السمٰوٰت میں چار احتمال ہیں جن میں ایک یہ کہ یہاں دونوں جگہ دنیوی آسمان مراد نہیں بلکہ جنت کے آسمان زمین مراد ہیں۔ جو مثل جنت کے ابدی ہیں ان کو فنا نہیں ان کی مدت لامحدود ہے۔ دوسرے یہ کہ یہ قول عربی محاورے کے لحاظ سے ہے کہ آسمان وزمین کی مدت کو محاورے میں ہمیشگی سے تعبیر کیا جاتا ہے **دوسرا اعتراض** تو پھر یہاں اِلَّا سے استثناء کیوں کیا گیا استثنا محدود کا ہی ہوتا ہے لامحدود کا نہیں ہوتا **جواب** یہاں اِلَّا بمعنی سوای ہے یا غَیْرُ ہے یا لغو ہے نہ کہ استثنائیہ جیسا کہ پہلی تفسیر عالمانہ میں بتایا گیا یا بمعنی واؤ عاطفہ ہے۔ اور اگر استثنائیہ ہی مانا جاتے تو بعض جنتیوں کا استثنا ہے جو شروع سے جنت میں نہ آئیں گے کچھ دن بعد آئیں گے اور شروع میں آنے کا استثنا کیا گیا ہے نہ کہ نکلنے کا۔ اور ہمیشہ رہنے کا۔ **تیسرا اعتراض** نصیبٌ فرمانے کے بعد پھر غیر منقوص کیوں کہا گیا۔ جبکہ دونوں کا معنی ہے پورا حصہ **جواب**۔ اس کا جواب بھی تفسیر میں دیا گیا کہ نصیب کی تاکید کے لئے غیر منقوص فرمایا گیا **چوتھا اعتراض** آپ کی تفسیر نے بتایا کہ شَكٍّ مِّنْهُ میں ہ ضمیر

مرجع قرآن مجید ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت۔ یا آخرت کا عذاب۔ حالانکہ نحوی قاعدے سے مرجع کا پہلے ہونا اشد لازم ہے مگر یہاں پہلے دور دور تک کہیں قرآن پاک یا نبوت یا عذاب آخرت جو ان سب کے لیئے ہے اس کا ذکر تک نہیں مرجع کس طرح ہو گیا؟ **جواب**۔ نحوی قاعدہ کے مطابق مرجع ذہنی بھی ہوتا ہے۔ جیسا کہ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ میں مرجع ہٗ کا قرآن مجید ہے۔ رہا نبوت یا عذاب۔ تو انتفاضی طور پر روشِ کلام سے ظاہر ہے۔ اور مرجع بننے کے لیئے اتنا ہی کافی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا فَفِى الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ۔ اور لیکن وہ نیک بخت نور کے سانچوں میں ڈھلنے والے جن کے لیئے ازل میں عبادتِ کبریٰ سبقت لے گئی اور نوری محلات میں عبادتِ توحید میں مصروف ہوئے اور رضا کی رف رف پر طلب معرفت میں عرش کی چوکھٹ تک دوڑے۔ گلستانِ محبت کی سعادتیں حاصل کیں پس وہ مشاہداتِ تجلیات اور غنچۂ محبت کی جنت میں ہیں جہاں رضاء رب کی کیاریوں میں انوار کی کلیاں کھلتی رہیں گی ابد الآباد تک اسی پُر بہار باغوں میں رہیں گے۔ جب تک کہ روح و قلب کے آسمان اور نفوسِ قدسیہ و بشریت بریہ کی زمین باقی رہیں گی۔ مگر اے نفس مطمئنہ جو تیرے رب مربی برحق روحانی غذاؤں سے پالنے والے نے چاہا اپنے پیاروں کو دیا۔ عارفین محبوبین اور مشتاقین پر مشیتِ الٰہی کا ورود طلب ہے۔ کہ یہ خواص۔ رحمانی بندھنوں میں بندھ کر قبۂ انوار میں داخل ہوتے ہیں۔ اس دخول کی ابتداء ہے مگر انتہا کوئی نہیں کیونکہ مشیت الٰہی کی انتہا نہیں معطی کو فنا نہیں لہٰذا عطا کو بھی انقطاع نہیں۔ جب دینے والا موجود اس کی رضا موجود تو عطا کیوں بند ہو۔ شقی وہ ہے جو رحمت سے محروم ہو۔ سعید وہ جو رحمت سے مرزوق ہو۔ شقی وہ ہے جو اپنی قوت و تدبیر پر بھروسہ کرے سعید وہ ہے تفویضِ الٰہی پر توکل کرے اور اپنے سب امور خالق و مالک کے سپرد کر دے۔ شقی وہ ہے جس کا قلب ورودِ تجلی سے مر گیا ہو رویتِ جمال دیدارِ جلال کے قابل نہ ہے۔ سعید وہ ہے کہ توفیق ازل نے جسکو سعادتِ مقامات آسانی طاعات کی عطاءِ غیر مجذود سے نوازا ہو۔ شقی وہ ہے جو نارِ محرومیت میں جلے آثارِ عذاب آلامِ الیمات دیکھے۔ سعید وہ ہے جو مرادات کی جنت ثوابات کی لذت پا لے۔ شقی وہ ہے جس کے قالب میں نفس کے لشکر ہوں۔ حجاب۔ ذلتیں بھٹکنا۔ اعانتیں ناراضیِ حق کی ظلمتیں ہوں۔ سعید وہ ہے جس کے قالب میں قلب کی سلطنت ہو، رضاءِ الٰہی لطفِ اکرام، اعزاز کے باغ ہوں، اپنی اپنی سلطنت میں دونوں کو دوام ہے بجز درجات و درکات تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ یہی معنی ہے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ اور غیر مجذوذٍ کا۔ شقی نفس مقامِ سفلیت میں دائمی ہے مگر درکاتِ قیام جب تک رب چاہے۔ اسی طرح سعید مقامِ مکا تستغوِ علیین میں ابدی ہے مگر درجاتِ مشاہدات کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے جو رب چاہے۔ سعید کی دنیا میں نو نشانیاں ہیں۔ ۱ قبولِ حق ۲ طلب خدا ۳ استغفار ۴ توبہ ۵ قناعتِ دنیا ۶ حلال کی طلب ۷ اتباعِ سنت ۸ بدعت سیئہ سے پرہیز ۹ خواہشاتِ نفس کی مخالفت۔ اہلِ سعادت دو قسم کے ہیں ۱ سعید ۲ اسعد۔ سعید مقامِ علیین تک پہنچنے کی سعادت لینے والا ہے بلحاظ عبادت مقامِ ثواب پانے والا اور اسعد وہ ہے جو مقامِ وصل و قرب لینے والا بلحاظ معرفت تقویٰ اور محبت کے فَلَا تَكُ فِىْ مِرْيَةٍ مِّمَّا

يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ مِّنْ قَبْلُ وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ اے طالب دھر کے نوسلم۔ انجام واختتام کو سمجھنے کے بعد اب نفوس رذیلہ کی صفاتِ ذمیمہ وعاداتِ خبیثہ کی عبادت باطل سے حیرانی اور تعجب اور شک میں نہ رہنا۔ یہ فقط آباء سرکشی اجداد عنادکی دیکھا دیکھی عبادت کرتے ہیں جو مانع طاغوتی کے پہلے وقتوں میں کرتے تھے۔ قانونِ فطرت کے مطابق ہم ہر ایک کو بغیر کمی اُس کا حصہ جس کے وہ لائق ہو دیتے ہیں۔ بلبل کو پھول تو پروانے کو شمع۔ عاشق کو عشق تو حبیب کو محبت۔ اہل خبث کو خباثت۔ محبت ابلیس رکھنے والے کو ابلیسیت کا حصہ ملتا ہے۔ ارباب طبیعت دنیا اور خواہشات کی عبادت کرتے ہیں اور ارباب عشق کی عبادت ترک ھویٰ اور اتباع ھدیٰ ہے۔ اپنا اپنا حصہ اپنا اپنا نصیب ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ وَاِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ - اور البتہ بیشک ہم نے موسیٰ نورِ قلبی کو کتاب سینۂ اسرار عطا کی تو اہل ھدیٰ کی طرف سے اختلاف کیا گیا اگر کلمات ازلیہ قدیمہ کا ورود مسعود جلوۂ ناسوتی پر تیرے رب کی طرف سے سبقت نہ لے جاتا اور جلوۂ کرم آشکارا نہ ہوتا تو اوصافِ کثیفہ عادات رذیلہ کے درمیان فیصلۂ فراق دفنا کر دیا جاتا اور حیات عارضی کی بھی مہلت نہ ملتی۔ اور بیشک وہ طاغوتی طاقتیں اب بھی البتہ کرم کریم کی طرف سے پریشانی ہے۔ اطمینانی اور شک میں مبتلا ہیں۔ کلمات الٰہیہ ازلیہ سعادت اہل ایمان اور شقاوتِ اہل کفر سے سبقت لے گئے۔ تمام اہل باطن اور اہل ظاہر کفر اور قہر کے قبضے میں ہیں۔ ان کی مہلتیں اور تاخیر میں سعادت وشقاوت کی تکمیل کے لیے ہیں اور اللہ کی کتاب روحانی شمع کافوری جو نفوسِ پلید کو پاک کرنے کے لیئے اور نفوسِ قدسیہ کو چمکانے کے لیئے ہے جو اس پر ایمان لایا تکمیلِ سعادت پا گیا۔ اور جو کفر اور ترک کی بیچا سکتا میں شاغل رہا اس کی شقاوت مکمل ہو گئی۔ فریقِ اول اہل یقین ہے۔ فریق ثانی اہل شکوک وشبہات۔ یقین کا بیڑا پار ہے۔ شکوک کی دلدل میں ہلاکت اہل یقین کی تین نشانیاں ہیں (۱) تکلیف پر صبر (۲) بلا پر تحمل (۳) بیوقوف سے حلم (۴) جہلا کو معافی (۵) بے حیا سے درگذر۔ یہی اخلاق انبیاء ہیں۔ اِن سے ہی صدقِ عبودیت ظاہر ہوتا ہے (عرائس۔ بیان)

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ ۚ اِنَّهٗ بِمَا

اور بیشک تمام کو جتنے بھی ہیں البتہ پورا دے گا ان سب کو رب آپ کا بدلہ ان کا بے شک وہ اس سے

اور بے شک جتنے ہیں ایک ایک کو تمہارا رب اس کا عمل پورا بھر دے گا اسے ان کے

يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۱۱﴾ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ

جو وہ کرتے ہیں خبر والا ہے تو ثابت قدم رہو جیسا کہ حکم دئے گئے ہو تم اور وہ شخص توبہ کی

کاموں کی خبر ہے تو قائم رہو جیسا تمہیں حکم ہے اور جو تمہارے ساتھ رجوع

مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا ۚ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿١١٢﴾ وَلَا تَرْكَنُوا

جس نے ساتھ آپکے اور نہ شرارتیں کرو اے کافرو بیشک وہ اللہ کو آس جو کرتے ہو تم دیکھنے

لایا ہے اور اے لوگو سرکشی نہ کرو بیشک وہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے اور ظالموں کی

إِلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُم مِّن

والا ہے اور نہ جھکو تم طرف ان کی جو ظالم ہوئے ورنہ لگے گی تم کو آگ اور نہ ہو گا لیئے تمہارے

طرف نہ جھکو کہ تمہیں آگ چھوئے گی اور اللہ کے سوا تمہارا کوئی

دُونِ اللَّهِ مِنْ أَوْلِيَاءَ ثُمَّ لَا تُنصَرُونَ ﴿١١٣﴾ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ

مقابل اللہ کے سے مددگاروں پھر تم نہ مدد کیئے جاؤ گے اور قائم رکھئے نماز دونو

حمایتی نہیں پھر مدد نہ پاؤ گے اور نماز قائم کرو

طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ اللَّيْلِ ۚ إِنَّ الْحَسَنَاتِ

کناروں دن کے اور کچھ حصہ رات بے شک نیکیاں ختم کر دیتی ہیں تکلیفوں

دن کے دونوں کناروں اور کچھ رات کے حصوں میں بے شک نیکیاں برائیوں

يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ ۚ ذَٰلِكَ ذِكْرَىٰ لِلذَّاكِرِينَ ﴿١١٤﴾

کو وہ نصیحت ہے لیئے نصیحت والوں کے

کو مٹا دیتی ہیں یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کو

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح ہے۔ پہلا تعلق: پچھلی آیات میں وعدوں اور وعیدوں کے متعلق ورانہ گفتگو فرمانے کے بعد اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ یہ سب نبی کریم اور مسلمانوں کی تسلی کے لیئے تذکرہ ہوا لہٰذا اب کفار کی حرکتیں آپ کو نہ ڈگمگا دیں بلکہ تبلیغ و تعلیم تعلم میں ثابت و قائم رہو۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ سبکو اعمال کی پوری جزا دے گا اب فرمایا جا رہا ہے کہ وہ سب کے اعمال دیکھ رہا ہے جو اب دیکھنے پر قادر ہے وہ پوری جزا دینے پر بھی قادر مختار ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ باوجود حق ہونے کے کافر تمہاری طرف نہیں آتے۔ اب سمجھایا جا رہا ہے کہ تم بھی ان کی طرف مت جھکو۔ بلکہ اللہ کی طرف جھکو اور اس کی طرف جھکنے کا طریقہ صرف پابندی نماز ہے۔ لہٰذا ان آیات میں نماز قائم رکھنے کا حکم دیا گیا۔

شانِ نزول

مسلم بخاری نے فرمایا کہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ سے مروی ہے۔ ابو الیسر صحابی نے مسلم نے اپنی نادانی سے ایک عورت اجنبیہ کا بوسہ لے لیا۔ بعدمیں سخت نادم ہوئے بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنا گناہ بیان کیا تب یہ آیات اور نماز کا حکم نازل ہوا۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ سے لِلذّٰکِرِیْنَ تک (لباب النقول للسیوطی)

تفسیر نحوی

وَاِنَّ کُلًّا لَّمَّا لَیُوَفِّیَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اِنَّهٗ بِمَا یَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ — واو ابتدائیہ کُلًّا موجبہ کلیہ کا سور ہے تنوین عوض کی دراصل تھا کُلُّهُمْ ھم ضمیر مضاف الیہ کے بدلے میں آئی۔ اسم اِنَّ ہے لَمَّا بمعنیٰ اِلَّا اگر بغیر شد ہو یعنی لَمَا تو ما زائدہ ہے اور لام تاکیدی ہے۔ دراصل تھا لَمِنْ مَا یعنی نہیں اس کے سوا۔ طلب ہے یقینًا البتہ سی ہے۔ لَیُوَفِّیَنَّ فعل مستقبل لازم تاکید بانون تاکید ثقیلہ وَفِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی پورا دینا ھُمْ ضمیر کا مرجع یا اختلاف کرنے والے یا کل مخلوق رب فاعل ہے ک ضمیر میں وہی دونوں احتمال ہیں کہ یا نبی پاک کی نسبت ہے یا مسلمان۔ اعمال مفعول دوم ہے لَیُوَفِّیَنَّ فعل کا ھُمْ کا مرجع مختلفین کا فر۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہ اسم اِنَّ مراد باری تعالیٰ بِمَا جار مجرور متعلق ہے خَبِیْرٌ اسمِ مشبہ ہے۔ یَعْمَلُوْنَ مضارع مثبت بمعنی حال یہ فعل صلہ ہے ما موصولہ کا۔ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ — فا سببیہ بیانیہ اِسْتَقِمْ باب استفعال کا امر حاضر اسکا فاعل اَنْتَ ضمیر خطاب عام مسلمانوں کو ہے یا نبی کریم کو کَمَا کاف تشبیہ مَا کافہ اُمِرْتَ فعل ماضی مجہول بصیغہ واحد حاضر اَمْرٌ سے بنا واؤ عاطفہ کا تعلق یا فَاسْتَقِمْ سے ہے یا اُمِرْتَ تَابَ فعل ماضی تَوْبٌ سے بنا بمعنی کفر سے اسلام کی طرف رجوع کرنا۔ مَعَ اسم ظرف مضاف ہے ضمیر مخاطب کی طرف۔ واؤ ابتدائیہ لَا تَطْغَوْا فعل بصیغہ جمع مذکر طُغْیٌ سے بنا۔ بمعنی ۱ سرکشی ۲ غرور کرنا۔ کمزوری دکھانا یا راستے سے ہٹنا۔ اپنا کام چھوڑنا۔ یہاں یہ آخری دو معنی مناسب ہیں۔ اِنَّ تحقیقی حرف لا اسم اِنَّ ب جارہ متعلق مقدم بَصِیْرٌ کا ما موصولہ تَعْمَلُوْنَ فعل مضارع حال جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے۔ بَصِیْرٌ بروزنِ فَعِیْلٌ ہے۔ خبر اِنَّ ہے وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ — واؤ سرِجملہ لَا تَرْكَنُوْا فعل نہی مصدر رُكُوْنٌ سے مشتق ہوا لغوی ترجمہ کسی کا ہو جانا یہاں مراد ہے کسی کے سامنے جھکنا محبت سے خطاب مسلمانوں کو ہے اِلٰی انتہاء غایت کے لیئے ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع ہے ظَلَمُوْا فعل اس کا صلہ فا جزائیہ سببیہ تَمَسَّ فعل مضارع دراصل تھا تَمَسَّ اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہے فا جزائیہ لہٰذا بحالت نصب ہوا مَسٌّ سے بنا ہے بمعنی چھونا لگنا۔ پہنچنا یہاں تینوں معنی ہو سکتے ہیں باب نَصَرَ ہے۔ کُمْ سے مراد مخاطب نہی ہیں مفعول بہ ہے اَلنَّارُ الف لام عہدی ہے بحالت رفع بوجہ فاعل ہونے کے۔ واؤ حالیہ ما نافیہ مشبہ بلیس و اللّٰكُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ مِنْ جارہ بمعنی زائد ہے دون اسم ظرفی ہے مضاف ہے لفظِ اللّٰہ بمعنی مقابل۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے یعنی کوئی اولیا جمع ولی کی بمعنی مددگار ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے ہے لَا تُنْصَرُوْنَ مضارع منفی مجہول بمعنی مستقبل۔ نَصْرٌ سے بنا وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَیِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّیْلِ — واؤ عاطفہ عطف تفسیری ہے۔ یعنی اس طرف مت جھکو ادھر جھکو اَقِمْ فعل امر بصیغہ واحد حاضر قَوْمٌ وقیام سے بنا متعدی

بک مفعول ہے۔ اَلصَّلٰوۃَ الف لام جنسی ہے یا عہدی طَرَفَیْ مثنیٰ ہے طَرَفَیْنِ تھا نون اعرابی بوجہ اضافت گر گئی طَرَفٌ واحد ہے مراد کنارہ مطلق ہے وقت یا جسم کا کنارہ اَلنَّهَارِ۔ الف لام استغراقی ہے نَہَار سے مراد طلوع فجر صادق سے غروب آفتاب تک واؤ عاطفہ زُلَفًا بحالت زبر ہے مفعول فیہ اَقِمْ کا زَلَفٌ کا لغوی ترجمہ ہے قریب ہونا۔ لمبے بالوں کو زلف اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ گردن کے قریب ہوتے ہیں۔ یہاں مراد رات کا وہ حصہ جو دن کے قریب ہو یعنی شام۔ مِنْ تبعیضیہ اَللَّيْلِ۔ الف لام جنسی ہے یا استغراقی یہی قوی تر ہے۔ یعنی ہر رات غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک رات ہوتی ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ اِنَّ حرف تحقیق یقین کو مفید ہے اَلْحَسَنٰتِ۔ الف لام۔ استغراقی حسنات جمع مؤنث سالم ہے بحالت زبر اسم اِنَّ ہے يُذْهِبْنَ باب افعال متعدی بیک مفعول کا مضارع معروف ہے بصیغہ جمع مؤنث فاعل هُنَّ ضمیر مؤنث اسی میں پوشیدہ۔ اَلسَّيِّاٰتِ۔ الف لام استغراقی ہے جمع مؤنث سالم بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ يُذْهِبْنَ کا جملہ فعلیہ خبر اِنَّ ہے ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لیے مراد سابقہ تمام واقعات عبرت انگیز ہیں ذِکْرٰی۔ بروزن اِحْدٰی۔ اَلِف مؤنث سماعی ہے۔ بعض کے نزدیک ذکری بروزن اَفْضَل اسم تفضیل مؤنث ہے۔ بہر صورت مراد نصیحت لِلذّٰكِرِيْنَ۔ لام جارہ۔ الف لام۔ استغراقی ذاکرین جمع سالم ہے۔ ذاکر کی لغتاً یاد رکھنے والا۔ مراد ہے نصیحت پکڑنے والا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ - اور بیشک دونوں گروہوں شقی و سعید میں سے ہر ایک کو قسم ہے رب کی البتہ وہی رب آپ کا پورا پورا دے گا ان کو بدلہ ان کے اعمال کا لَمَّا کا لام قسمیہ ہے اور دوسرا لام تاکیدیہ ہے کلام کی حدت اور مضبوطی کے لیے ہوتا ہے۔ یعنی نیک و بد کسی کا حقہ جزا و سزا کم نہ ہوگا۔ اس طرح کہ بدوں کو بدی کا پورا بدلہ ملے گا۔ وہ اپنی بدی کسی کو نہیں بخش سکتا لیکن نیکی بخشی جانے کے باوجود بھی نیک کے ثواب میں کمی نہیں ہوگی۔ پس بد کو اس کے حصہ کی پوری جہنم اور نیک کو اس کے حصہ کی پوری جنت دی جائے گی۔ یہ پوری عطا بھی قدرت کے عظیم کمالات میں سے ایک کمال ہے ورنہ کوئی شخص اس طرح پورا نہیں بانٹ سکتا اس لیے کہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہر شخص کو کما حقہ نہیں جان سکتا بخلاف اللہ جالنر و تر رب کے کہ اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ۔ بیشک وہ اللہ آپ کا رب ان کے تمام اعمال سے پورا پورا ہمیشہ سے ہمیشہ تک خبر رکھنے والا ہے جو وہ کرتے تھے اور کرتے ہیں۔ اور کریں گے۔ ذرہ برابر بھی اس پر پوشیدہ نہیں خواہ کوئی کہیں بیٹھ کر کچھ بھی چھوٹا بڑا عمل کرے۔ یہ فرمان بیک وقت وعدہ بھی ہے وعید بھی۔ یہاں لَمَّا اگر مخفف ہو گا تب بھی لام قسم بنے گا اور ما موصولہ بمعنی مَنْ ہوگا۔ جیسے فَانْكِحُوْا مَا طَابَ میں بمعنی مَنْ طَابَ ہے۔ آج بڑے بڑے ذہین و فہیم دیدہ و دل والا انسان چھوٹے سے اجتماع پر پورا محاسبہ و سنبھالا نہیں کر سکتا۔ قدرت الٰہی ہے کہ کروڑہا مخلوق کے ذرے ذرے سے خبردار ہے مگر کم عقل لوگ جہاں اور کمالات بلکہ صاحب کمال جل مجدہٗ کے وجود کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ تو اس کمال کے انکار کرنے سے کم ڈریں گے۔ چونکہ یہ گوارہ عقل انسانی

میں حیران کن تھا اس لیے سات تاکیدوں سے بیان فرمایا ۱۔ پہلی تاکید اِنَّ فرما کر ہوئی ۲۔ دوسری تاکید کُلًّا فرما کر ۳۔ تیسری تاکید لَمَّا پر لام لگانے سے ۴۔ چوتھی تاکید لَمَّا مخففہ کے ما موصولہ سے ۵۔ پانچویں تاکید لام کے قسمیہ ہونے سے ۶۔ چھٹی تاکید لَیُوَفِّیَنَّھُمْ کے لام سے جو جواب قسم ہے۔ ساتویں تاکید لَیُوَفِّیَنَّھُمْ کی نون تاکید ثقیلہ سے۔ ان سات تاکیدوں نے اس پر بھی دلالت کی کہ ربوبیت اور عبودیت کا مکمل کام قیامت میں ہوگا۔ لہٰذا اے مسلمان یا اے حبیب دنیوی مطلب پر جلدی نہ کرو بلکہ فَاسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ وَمَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ہمیشہ استقامت کرو یعنی صبر اور مستقل مزاجی کے ساتھ پورے کے پورے صحیح طریقے سے تمام اعمال اخلاق محمدی اسلامی پہ پابندی سے قائم رہو۔ جیسا کہ تم اپنے رب کی طرف حکم دیئے گئے۔ اگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے تو معنیٰ ہے کہ مسلمانوں کو سبق اور طریقہ سکھانے کے لیے عمل استقامت فرمائیے اور لوگوں کو قائم رکھئے اور وہ لوگ بھی یہ کام اپنے آئندہ لوگوں کو سکھائیں جو توبہ کر کے اور ایمان لا کر آپ کے ساتھی اور صحابی بن گئے ہیں۔ یہاں تین باتیں خیال میں رکھنی ضروری ہیں۔ پہلی بات یہ کہ قرآن مجید میں نہی شرعی انبیاء کرام کو قطعاً نہیں ہوتی۔ لہٰذا گذشتہ فلاں فلاں والی نہی سے عام مسلمان ہی مراد ہیں۔ اس میں نبی کو ہرگز خطاب نہیں، جن لوگوں نے حضور اقدس کو خطاب مانا ہے ان کو تاویلیں کرنی پڑیں بغیر تاویل جو خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مانے وہ گمراہ ہے۔ البتہ امر کے صیغوں میں بعض میں صراحتاً انبیاء کرام ہی کو ہوتا ہے بعض میں امت کو سکھانے کے لیے، یہاں فَاسْتَقِمْ کا امر اسی قسم کا ہے۔ دوسری بات مَنْ تَابَ سے مراد ساتھی اور صحابی ہیں۔ کیونکہ معیت صحبت مراد ہے نہ کہ معیت توبہ۔ نبی کریم اصطلاحی توبہ سے پاک ہیں۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہاں خطاب امت مسلمہ سے ہو اور مَنْ تَابَ سے مراد آنے والی نسلیں۔ تو یہ حکم ہر نبی پیشوا کو ہوگا کہ خود بھی استقامت اختیار کرے اور اپنے مریدو شاگردوں کو بھی اس کی تلقین کرتا رہے اس لئے ہر چیز کی جڑ ہوتی ہے اور اعمال و عقائد کی جڑ استقامت ہے تمام مدارج دینی دنیوی اخروی اسی سے پروان چڑھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خود تو پہلے ہی استقامت کے مقام اعلیٰ پر فائز تھے اس آیت کے بعد ایسے درس پڑھائے کہ استقامت کی عملی قولی تعلیم پہ بیشمار احادیث مرتب ہو گئیں۔ غالباً اسی زمرے میں فرمایا کہ مجھ کو سورہ ھود نے بوڑھا کر دیا۔ یا استقامت پر مزید شدت عمل نے یا ھیبت ناک و عبرت انگیز عذاب کے واقعات نے اور اے مسلمانو استقامت فی الدین کا تقاضا یہ ہے کہ لَا تَطْغَوْا کسی قسم کی سرکشی نہ دکھانا۔ نہ حدود شرعی سے تجاوز کر کے نہ افراط و تفریط یعنی دین میں زیادتی کمی کر کے۔ اللہ تعالیٰ نے سوائے چند چیزوں کے باقی تمام چیزوں کو حلال فرمایا ہے تم کو یہ جرأت نہ ہونی چاہیئے کہ اپنے تعصب اور جہالت سے حرام کے فتوے لگاتے پھرو۔ اور مسلمانوں کو بلا دلیل شرعی مشرک بدعتی بناتے پھرو۔ اگر کوئی مسلمان ایسی حرکت کرے تو یہ اس کی طغیان یعنی سرکشی ہوگی۔ اے مسلمانو تم وہ خوش قسمت جماعت ہو کہ تمہارے ہر عمل کی طرف جو کچھ کرتے ہو وہ رب جلیل کمال نظر عنایت سے بصیر یعنی متوجہ ہے۔ خبیر تو سب کائنات کے اعمال سے ہے مومن ہو یا کافر مگر بصیر تمہارے اعمال پر ہے۔ تم کو خوش ہونا چاہیئے کہ شہنشاہ کی نظر میں تم ہو لہٰذا بڑی احتیاط

کرو۔ تم تو قرب کی نظر میں ہو اور یہ بھی کرم احمد مجتبیٰ کے طفیل ہے کہ بصیرت الٰہی ہوئی خاص حبیب کریم کے لیے اور تم ان کے قریب تو تم بھی توجہ الٰہی سے نوازے گئے۔ اور جب تم نے قرب مصطفیٰ پا کر توجہ خداوندی پائی تو اس کا شکریہ ادا اس نعمت کو بچانا اس طرح ہے کہ وَلَا تَرْكَنُوْٓا ہرگز مائل بھی نہ ہونا ان بد بخت کافروں کی طرف جو سراسر دنیا جہان میں خالی ہے یعنی قولی عملی محبت تو درکنار ان کی تعریف کا دل میں خیال تک نہ آنے پائے۔ نہ ان کے کسی عمل سے کبھی خوش ہونا۔ نہ دین کے مقابل کبھی کسی معاملے میں کسی کافر کی اطاعت کرنا، نہ کفار اور بدکاروں کی مجلسوں صحبتوں میں بیٹھنا لَا تَرْكَنُوْا کی نہی ان تمام طریقوں کو عام ہے۔ ان میں سے جو کام بھی کیا جائے تو میلان پایا گیا۔ لہٰذا اے مسلمانو اگر تم باز نہ آئے تو اللہ رسول کی محبت تم سے مٹ جائے گی۔ اس کا انجام کیا ہوگا۔ فَتَمَسَّكُمُ تو تم کو جہنم کی آگ بھڑکتی ہوئی چھو لے گی اور اس کا چھونا بھی بڑا عذاب ہے یعنی اگرچہ تمہارے لیے وہ آگ ہمیشہ نہ ہوگی چند دن کے لیے ہوگی مگر یہ بھی کیوں ہو تم تو محبوب کی امت ہو عارضی جہنم سے بچو۔ یہ تو صرف میلان ظلم کی سزا ہے تو اندازہ لگاؤ کہ ظالم کی سزا کیا ہوگی اور اگر تم خدانخواستہ اللہ رسول سے کٹ گئے تو ذٰلِكُمْ اور کوئی بھی اللہ کے مقابل تمہارا مددگار نہ ہوگا جو تم سے اس کا عذاب اس کی ناراضگی دور کرے وہ کافر ظالم جن کی طرف تم مائل ہوئے وہ تو اس لئے تمہاری مدد نہیں کر سکتے کہ وہ خود جہنم میں پڑے جلتے ہوں گے اور انبیاء اولیاء تمہاری مدد نہ کریں گے کہ وہ تم سے ناراض ہوں گے۔ شفاعت تو صرف گنہگاروں کی ہوگی مگر یہ حرکتیں تو غداری اور بغاوت ہے۔ غداری کی شفاعت کیسی۔ آج دنیا میں سنبھلے رہو ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ پھر قیامت میں ایسا نہ ہوگا کہ یہاں من مانیاں نافرمانیاں جی بھر کر کر لو اور وہاں بھی مدد پا لو ہرگز نہیں۔ لَا تُنْصَرُوْنَ خدا کی مدد نہ پا سکو گے یعنی اولیاء تو ملیں گے نہیں خدا کی امداد بھی حاصل نہ کر سکو گے اس لیے کہ حدیث پاک نے فیصلہ کر دیا ہے کہ اَلْمَرْءُ يُحْشَرُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ دنیا میں جس کی طرف میلان اور محبت ہوگی اس کے ساتھ حشر ہوگا۔ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ اے مسلمانو چونکہ استقامت ہی اصل اصول ہے اور وہ تم پر لازم تو اس کے ذرائع و اسباب بھی تم پر لازم ہیں۔ جن میں پہلا اور اشد ذریعہ نماز ہے لہٰذا حکم دیا جاتا ہے کہ قائم رکھو اور یا قائم کرو یہ امر بصیغۂ واحد اس لیے کہ ظاہراً حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مگر حقیقتاً سب تا قیامت مسلمانوں کو ہے یہ کلام بھی بلاغتِ قرآنی سے ہے دن کے دونوں کناروں یعنی شام و صبح۔ طرفی تثنیہ ہے طرف کا نون تھا بحالت نصب ہے فرضیت کی بنا پر کیونکہ مضاف الیہ وقت ہے۔ رب تعالیٰ صبح و شام نماز پڑھنے کا حکم فرماتا ہے اس میں تین راز ہیں پہلا یہ کہ جب کائنات پر رات طاری ہوتی ہے تو نوم کی چادر لے کر آتی ہے جو غفلت کی علت ہے لہٰذا رات شروع ہونے پر رب کا ذکر کرو۔ اور سوتے وقت صبح نماز کے لیے اٹھنے کی نیت سے سوئے تاکہ اس کی ساری رات عبادت بن جائے۔ دوسرا راز یہ ہے کہ نیند مثل موت کے ہے لہٰذا موت کے قریب جانے سے پہلے بھی ذکر الٰہی کی عادت پڑ جائے اور جب اٹھ کر روزانہ نماز پڑھے گا تو ہو سکتا ہے کہ اس مبارک عادت کی بنا پر جب قبر سے اٹھے گا تو فوراً نماز کی فکر لگ جائے جس کی وجہ سے

حساب قبر ختم ہو جائے۔ تیسرا راز یہ کہ بندے پر مولا کریم کا شکر واجب ہے تو دن جب خیریت سے گذرا اس کا شکریہ ادا کرو نماز سے اور رات خیریت سے گذری تو بھی شکریے میں نماز ادا کرے کیونکہ نماز ہی شکر کا سب سے بہتر ذریعہ ہے اکثر فقہا اکرام کے نزدیک طرفی النہار سے فجر اور عصر مراد ہے۔ اس آیت سے دو نمازیں فجر و عصر ثابت ہوئیں۔ پہلے زمانے کے خوارج اور آجکل کے چکڑالوی صرف دو نمازوں کو مانتے ہیں فجر و عصر۔ مگر یہ حماقت ہے وہ آگے نہیں دیکھتے کہ ارشاد ہوا ہے وزلفا من اللیل اور رات کے حصوں میں بھی نماز قائم کرو۔ خوارج کہتے ہیں وزلفا میں زلفا صفت ہے طرفی کی اور واؤ سے موصوف کا عطف ہے صفت پر اور یہ عطف جائز ہے قرآن مجید اور کلام شعرا میں اس کی بہت مثالیں ہیں (تفسیر کبیر) مگر یہ سب جہالت کی باتیں ہیں۔ دن کا رات سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ضدیں ہیں اور صفت ہونا ضد کے خلاف ہے اور زلفا یا زلفا جمع ہے زلفۃ کی جیسے کہ ظلما جمع ہے ظلمۃ یا یسرا جمع ہے یسرۃ کی بمعنی آسانی۔ اور جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے۔ حالانکہ طرفی تثنیہ ہے اس کی صفت جمع کیسے ہو سکتی ہے۔ لہٰذا زلفا سے تین نمازیں ثابت ہوئیں مغرب، عشاء، وتر یا تہجد۔ زلفا کا تعلق بوجہ عطف کے اقم الصلوٰۃ سے ہے۔ اِنَّ الْحَسَنٰتِ۔ بے شک یہ نیکیاں یعنی یہ نمازیں یا ایمان اور استقامت جو بہت مشقت والا عمل ہے۔ یا ہر طرح کی نیکی یُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ۔ لے جاتی ہیں برائیوں کو یعنی مٹا دیتی ہیں سابقہ گناہوں کو یا سوائے حقوق العباد کے روک دیتی ہیں آئندہ گناہوں سے جیسا کہ دوسری جگہ ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ - غرضکہ نماز اور استقامت اللہ کی عظیم الشان نعمتیں ہیں اور ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ۔ وہ استقامت یا یہ نمازیں، یا یہ سب کچھ نصیحت ہے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے۔ یا اللہ کے ذاکروں کے لیے۔ کہ استقامت کی قدر و منزلت نمازوں کی لذت انہی کو حاصل ہے وہی جانتے ہیں کہ کیسی نعمت ہے۔ خدا مجھے نصیب کرے ؎

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ ہزار کرامت ایک استقامت۔ سب سے بڑی نیکی استقامت ہے کہ بندہ خوشی غمی، رنج و راحت، امیری غریبی، بیماری تندرستی مصیبت آرام، ہر حال میں رب کو نہ بھولے اور جس عمل خیر کو شروع کرے، پھر مرتے دم تک جان بوجھ کر نہ چھوڑے۔ یہ فائدہ فاستقم کو نمازوں اور حسنات سے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ کفار کی تعریف کرنا سب سے بڑا گناہ۔ لہٰذا وہ لوگ عبرت پکڑیں جو ہر وقت انگریزوں ہندوؤں کی مدح خوانی کرتے رہتے ہیں۔ اور مسلمانوں کو برا کہتے اور حقیر سمجھتے رہتے ہیں۔ روایت ہے کہ اگر کوئی ولی کامل ہو اور کسی کافر کو خوش ہو کر راستہ بتا دے اس کی تعظیم کرتے ہوئے تو اللہ تعالیٰ سے اس کا تعلق کٹ جاتا ہے۔ یہ فائدہ ولا ترکنوا سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ کافروں کا کوئی مددگار نہیں، اور کفار کو آسمانی زمینی جھوٹے معبودوں کی پرستش کوئی مفید نہیں نہ مضر ہے۔ یعنی نہ چاند سورج ستارے اپنے پجاریوں سے رب کا عذاب دور کر سکیں۔ نہ اپنے منکروں کو عذاب دے سکیں۔ اسی طرح زمینی بت آگ پیپل وغیرہ بھی نہ نقصان دے سکیں نہ نفع۔ بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کے اللہ تعالیٰ بہت مددگار بنا دیئے گا۔ یہ فائدہ وما لکم من دون اللہ من فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ ان آیات سے چار نمازیں فرض اور ایک نماز واجب ثابت ہوئی

یہ فائدہ طرفی کے تثنیہ اور زلفا کو جمع فرمانے سے حاصل ہُوا، ظہر کی نماز اور نوافل دوسری آیات سے ثابت ہوتے ہیں۔ پانچواں فائدہ نیکیوں کی طفیل برائیاں معاف ہو جاتی ہیں۔ تو لازماً نیکوں کی طفیل بروں کو معاف کر دیا جائے گا۔ یہ فائدہ اِنَّ الْحَسَنٰتِ الخ سے ثابت ہُوا۔ شعر

شنیدم کہ در روز امید و بیم بداں را بہ نیکاں بخشد کریم

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ طرفی النہار۔ طرفی تثنیہ ہے طرف کا بمعنی کنارہ اور کنارہ لغتاً اصطلاحاً حقیقتاً شی کے آخری حصہ کو کہتے ہیں۔ تو اس لحاظ سے دن کے دونوں کنارے عین سورج کے طلوع غروب کی ساعت میں ہوئے حالانکہ اس وقت نماز پڑھنا بلکہ صرف سجدہ کرنا بھی حرام ہے تو طرفی النہار میں نماز کا حکم کیوں دیا گیا۔ اور حدیث پاک میں سورج کے طلوع و غروب کے وقت نماز منع کیوں ہوئی معنوں میں مطابقت کیوں کر ہو۔ جواب۔ طرف کا حقیقی معنیٰ اگرچہ آخری کنارہ ہی ہے مگر اس وقت حدیث پاک میں شرعی ممانعت کی وجہ سے طرف کا مجازی معنیٰ مراد ہے یعنی نزدیک طرف پس مطلب ہُوا کہ فجر کی نماز دن کے نزدیک طرف حصے میں ادا کی جائے یعنی سورج کے طلوع سے تقریباً آدھ گھنٹہ پہلے خوب اجالا کر کے تاکہ دن شروع ہو جائے۔ اسی طرح عصر کی نماز خوب دیر کر کے پڑھی جائے جبکہ ہر چیز کا سایہ زوال کا سایہ چھوڑ کر دگنا ہو جائے۔ تاکہ دن کا آخری نزدیک طرف حصہ شروع ہو جائے۔ یہی امام اعظم کا مسلک ہے کہ فجر اجالے میں پڑھو اور عصر دیر کر کے دو مثل سایہ ہونے پر ادا کرو۔ ثابت ہوا کہ امام اعظم ابو حنیفہ رح کا مسلک عین قرآن کریم کے مطابق ہے۔ جو غیر مقلد وہابی فجر اندھیرے میں اور عصر جلدی ایک مثل پڑھ لیتے ہیں وہ سخت غلطی ہیں۔ کیونکہ قرآن مجید کی آیات کے خلاف ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ اسلام میں صرف دو نمازیں فرض ہیں۔ (۱) فجر اور (۲) عشاء۔ ان آیات میں طرفی النہار کا یہی مطلب ہے کہ دن کا پہلا کنارہ فجر ہے اور دوسرا کنارہ، موصوف ہے زُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ سے یعنی رات کے حصے سے اور رات شروع ہوتی ہے عشاء سے کیونکہ جب دن کا کنارہ ختم ہو تو رات شروع ہے تو یہ عطف توصیفی ہے اور وہ جائز ہے (خوارج اور چکڑالوی موجود پرویزی)۔ جواب۔ لفظ نہار روشن دن کو کہا جاتا ہے۔ چونکہ یہاں طرفی النہار نہ کہ طرفی الیوم ہے۔ یوم شرعی کی مدت فجر صادق سے تا غروب شفق ہے۔ لیکن نہارِ شرعی اور لغوی کی مدت فجر روشن سے لیکر سورج پیلا ہونے اور مغرب تک ہے۔ معترض نے لفظ نہار اور یوم میں فرق نہ کر کے دھوکا کھایا اور گمراہ ہُوا۔ لہٰذا اس سے عشا تو کسی صورت ثابت نہیں ہو سکتی۔

تفسیر صوفیانہ

وَإِنَّ كُلًّا لَّمَّا لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ أَعْمَالَهُمْ إِنَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ خَبِيرٌ فَاسْتَقِمْ كَمَا أُمِرْتَ وَ
مَنْ تَابَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ اے قلب عرش کے نور الانوار تیرا رب ہر طالب خیر و شر کو پوری طلب دے گا بدلہ ان کے اعمال اعضاء باطنی کا بیشک وہ علام الغیوب خفی و جلی اسرار و رموز کے ساتھ ان اعمال کی خبر رکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں اے تجلیات انوار کی وادی کو طے کرنے والے عارف صادق تو اور تیرے ساتھ کے بارگاہِ صمدیت

میں توبہ و رجوع کرنے والے تمام ہمراہیٔ منزل سفہاءِ باطنی کے طعنوں سے نہ گھبرانا خار وارِ جہالت سے نہ اکتانا، دوریٔ منزل سے نہ کترانا بلکہ راہِ معرفت میں شوق کے قدموں کو مستقیم رکھنا جیسا کہ صورت سروری کے الہام ستری سے تجھ کو حکم دیا گیا ہے کیونکہ براق استقامت ہی معراج وصل تک پہنچانے والی ہے اور بیابانِ طریقت کے گوشوں میں بیٹھنے والو راہِ طالبان میں سرکشی کے کانٹے نہ بکھیرو، بیشک وہ اللہ تمہارے سارے اعمال خیر و شر کو نظرِ قدرت سے دیکھنے والا ہے، رب نے روح قدسی کو عہد ازلی میں حکم دیا کہ امانت کنزِ قدیم کو اٹھالے اور قدرتِ ربوبیت سے انوار صفات کے مکاشفات اور توحید ذات قدیم کے افکار اور نغمات توحید کے زیور سے مزین ہو کر احوال دو اداتِ کشفِ اسرار اور کرامات جمال و حقائق محبوبیت کے حصول میں تو بھی اور ولایت صغریٰ والے تیرے ساتھی مستقیم ہو جائیں، کیونکہ استقامت ہی منزل مراد تک پہنچانے والی ہے۔ آنا کو فنا کر دو تصوف کی بنیاد چار چیزوں پر ہے ۱ اجتہاد ۲ سلوک ۳ سیر ۴ طیر۔ حقائق ایمانی کی جستجو اجتہاد و ولایتِ کبریٰ ہے۔ حقائق احسان کی تلاش سلوک اور طریقۂ سالکین معرفت ہے۔ حقائق اسرار کی تلاش سیر الی اللہ ہے۔ اور معرفت الٰہی کی منزل کی رغبت میں جو دو احسان میں جذب ہو جانا اہل ظاہر کی نماز، استنجاء، وضو، طہارت و ارکان نماز ہیں۔ اہل باطن یعنی قلب و جگر کی نماز اجتہاد سلوک اور سیر و طیر ہے۔ جس کا استنجا نہیں اس کا وضو نہیں، جس کا وضو نہیں اس کی نماز نہیں۔ اور اسی طرح جب اجتہاد نہیں تو سلوک نہیں، سیر نہیں، طیر نہیں، جب اس وصل جذب طیر قدسی کی ولایت میں پہنچتا ہے تب اعلان ہوتا ہے۔ مَنْ عَادٰى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ ۔ جس نے میرے ولی سے دشمنی کی اس کو میری طرف جنگ کا اعلان ہے۔ اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۔ اے غنچۂ گل میں بسنے والو گندوں اور گندگی کی طرف مت جھکو اے حلال کی تھوڑی کھانے والو ان ظالموں کی طرف مت جھکو جنہوں نے حرام کے ڈھیر جمع کئے ہوئے ہیں اپنے پیٹوں کو حرام غذا کی آگ سے بچاؤ۔ نہ اقتداء کرو ریاکار جاہلوں کی۔ ورنہ تم کو آتش فراق مہلکت دوراں پہنچے گی۔ جاہ و ریاست، ہوس ملک گیری کو دل میں نہ بساؤ ورنہ تم کو بدعت و گمراہی کی آتش سوزاں چھوئے گی۔ اشرار کے پاس مت بیٹھو، ورنہ محافل اخیار سے محرومی کی جلن ملے گی۔ اے قلب منور نفسانیات ذمیمہ کی طرف مائل نہ ہو کیونکہ وہ ظلمات کی وادی ہے ناراضی رب اور محرومی کی آگ فنا ہے اور تم جیسے محبوبین متقاوت معذبین ہلاکت کے لیے اللہ کے مقابل کوئی مددگار نہیں جو عذاب قدرت کو روک سکے۔ اور تمہارے امر باطنی کی تدبیر کرے اور باطنی غذاؤں سے ممکن روحانی قلبی پرورش دے سکے۔ اے راہ طلب کے مسافر پھر اُس وقت تم تائید الٰہی نصرت غیبی سے مدد نہ کئے جاؤ گے۔ لہٰذا اس فراق کے آنے سے پہلے ہی درستی حاصل کر کے مستقیم ہو جاؤ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِّنَ الَّيْلِ اِنَّ الْحَسَنٰتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ ۔ بندۂ کمال پر چار حق واجب ہیں۔ ۱ حق شریعت ۲ حق طریقت ۳ حق معرفت ۴ حق حقیقت۔ اعضاء جسدی سے عمل کرنا حق شریعت ہے۔ مرتبۂ طبیعت میں شرع کی رعایت حق شرع ہے۔ مرتبۂ نفس میں رعایت طریقت مرتبۂ روح میں رعایت معرفت اور مرتبۂ سیر میں رعایت حقیقت ان رعایتوں میں ثابت قدم رہنا استقامت

ہے۔ یہی کمال ولایت شبعدے اور کرامات دکھاتے پھرنا، ولایت الٰہی نہیں۔ یہ ہی نماز معراج مومن اے طالب حق ایسی نماز قائم کر یوم تجلیات کے دونوں کناروں قبض و بسط میں اور شب فراق کے کچھ حصے، رعایت شریعت و طریقت کی نماز قائم کر کیونکہ نور حسنات، نماز ظلمات کو اور گناہوں کے اندھیرے کو ختم کر دیتا ہے۔ یہ نماز اہل ذکر کے لیے نعمت اذکار اور نصیحت عشق ہے۔ جب بندۂ غافل کا دل ھیئتِ جسمانیہ میں مشغول ہو جاتا ہے اور قوت باصرہ نور سے محجوب ہو جاتی ہے قوت سامعہ کلام معنوی سے دور ہوتا ہے۔ قوت شامہ جناب قدس کے گلوں سے محروم مقدار الرجس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ قوت لامسہ میدان وحشت میں بھٹک جاتی ہے۔ قوت ماسہ وادی اشرار کی طرف چلتی ہے تب ان حواس خمسہ کو منزل کی طرف راہنمائی کے لیے پانچ نمازیں دی جاتی ہیں تاکہ بندۂ منتشر حضور قلبی سے فارغ الی اللہ ہو جائے اور حواس کے دروازے بند ہو جائیں

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَلَوْلَا

اور صبر کرو پس بیشک اللہ نہیں ضائع کرتا اجر نیکوں کا کیوں نہیں

اور صبر کرو کہ اللہ نیکوں کا نیگ ضائع نہیں کرتا تو کیوں

كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ

ہوئے سے زمانوں سے پہلے تم نیکی والے باقی۔ جو روکتے سے فساد میں

نہ ہوئے تم سے اگلی سنگتوں میں ایسے جن میں بھلائی کا کچھ حصہ لگا رہا ہوتا کہ

عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ

زمین مگر تھوڑے تھے سے ان بچا لیا ہم نے کو ان اور پر پڑے

زمین میں فساد سے روکتے ہاں ان میں تھوڑے تھے وہی جن کو ہم نے

وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۶﴾

رہے وہ جو ظالم نے اس کے جو عیش دیے گئے میں اس دنیا تھے وہ مجرم

نجات دی اور ظالم اسی عیش کے پیچھے پڑے رہے جو انہیں دیا گیا اور وہ گنہگار تھے

وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱۷﴾

اور نہیں ہے رب آپ کا ایسا کہ ہلاک کرے بستی کو سے ظلم حالانکہ اہل اس کے متقی ہوں

اور تمہارا رب ایسا نہیں کہ بستیوں کو بے وجہ ہلاک کر دے اور ان کے لوگ اچھے ہوں

تعلق

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں مسلمانوں کو استقامت علی الدین کا حکم دیا گیا تھا جس کے لیے دو چیزیں لازمی تھیں ۔ نماز اور صبر ۔ تو پہلے نماز کا حکم دیا گیا ، اور اب صبر کا حکم دیا جا رہا ہے ۔ دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں نماز کا حکم فرمایا گیا ۔ اور اب فوراً بعد صبر کا حکم دیا جا رہا ہے ۔ جس سے ثابت ہوا کہ علی الترتیب سب سے پہلے ایمان استقامت پھر نماز پھر صبر سب سے بڑے اعمال ہیں ۔ تیسرا تعلق ۔ پہلی آیات میں پچھلی امتوں کو دنیوی عذاب دینے ہلاک کرنے کا ذکر ہوا تھا ۔ اور فرمایا گیا تھا نبی کریم کے بعد یہ دنیوی عذاب کفار یا فساق پر نہیں آئے گا ۔ اب اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اس امتیاز و تفریق کے دو سبب ہیں ۔ ایک یہ کہ پچھلی قوموں میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو فساد کو روکتا ، ایک بھی نیک نہ رہا تو عذاب آیا ۔ مومنوں کو جو چند ایک تھے ان کے نبی کے ساتھ پہلے نکال لیا جاتا رہا ۔ دوسرا سبب یہ کہ وہ اپنی عیاشی میں اتنے غافل ہوئے کہ رجوع الی الحق کا امکان نہ رہا ۔

تفسیر نحوی

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ واؤ عاطفہ اقم پر عطف اصبر یا اصبر باب نصر یا ضرب فعل امر بصیغہ واحد مذکر حاضر خطاب عام امت کو ہے ۔ صَبْرٌ سے بنا ۔ صَبْرٌ کے چار معنی ہیں ۱ دائم رہنا ۔ ۲ برداشت کرنا ۳ جرأت کرنا ۴ خود کو روکے رکھنا ۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں فا تعلیلیہ ہے بمعنی کیونکہ اِنَّ بمعنی یقیناً لفظ اللہ اس کا اسم لَا يُضِيْعُ حال منفی باب افعال سے ہے ۔ متعدی ہے ۔ مفعول ضَيْعٌ سے بنا بمعنی برباد کرنا ۔ ضائع کرنا اجر اسم جامد ہے ۔ بمعنی بدلہ ۔ یا ثواب اَلْمُحْسِنِيْنَ الف لام استغراقی محسنین باب افعال کا اسم فاعل حسن سے بمعنی اچھا کام اچھی بات اچھی صورت شکل ۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں ۔ یعنی دینی کام اچھا کرنے والے ۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ ۔ فاء زائدہ لَوْلَا حرف تحضیض بمعنی کلّا یعنی کیوں نہیں ، ہمیشہ شروع کلام میں آتا ہے اس کے ذریعہ آمادہ کیا جاتا ہے ۔ خلیل نحوی نے کہا ہے کہ قرآن مجید میں جتنی جگہ لَوْلَا آیا ہے وہ سب بمعنی کلّا ہے مگر یہ غلط ہے فقیر کے نزدیک ۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ سے تامہ ہے ۔ مِنْ بعضیت کا ہے ۔ اَلْقُرُوْنِ بحالت زیر ، الف لام استغراقی قرون جمع ہے قرن کی بمعنی زمانہ مراد اہل زمانہ ہیں ۔ مِنْ زائدہ قبل اسماء ظروف میں سے ہے ۔ بحالت زیر ہے مضاف ہے ۔ ضمیر ظاہر کی طرف اُولُوْا اسماء مکبرہ میں سے ہے بَقِيَّةٍ مضاف الیہ ہے اُولُو کا ۔ یہ جملہ موصوف ہے يَنْهَوْنَ فعل مضارع بمعنی نہی یہ جملہ فعلیہ صفت ہے ۔ بصیغہ جمع غائب نہی بمعنی بار اَلْفَسَادِ الف لام جنسی فساد فسدٌ سے بنا بمعنی توڑنا بگاڑنا مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت توڑ پھوڑ کرنا یا کرانا بروزن فعال ۔ کمال ۔ خراب اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مَآ اُتْرِفُوْا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۔ اِلّا حرف استثنا ہے۔ مستثنا مِنْہٗ ینھون کا فاعل ہے قَلِیْلًا بحالت زبر مستثنا ہے تنوین عوض ہے دراصل تھا قَلِیْلُھُمْ۔ مضاف الیہ کے عوض تنوین آئی مِنْ جارہ بمعنیٰ فِیْ یا مِنْ موصولہ اسم ملا اَنْجَیْنَا۔ باب افعال کا ماضی معروف بصیغۂ جمع متکلم مرجع ذات الٰہی مِنْ تبعیضیہ کا ھم ضمیر مجرور متصل کا مرجع اُولُو بقیہ ہے۔ واؤ حالیہ اِتَّبَعَ۔ باب افتعال کا ماضی بصیغہ واحد مذکر اس کا فاعل الذین اسم موصول ہے تَبِعَ سے بنا بمعنیٰ پیچھے چلنا حکم ماننا، ہم شکل بن جانا یا بنانا۔ تابع فرمان ہو جانا۔ ظَلَمُوْا فعل ماضی یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے کا موصولہ مفعول بہ ہے اتبع کا۔ اُتْرِفُوْا فعل ماضی مجہول بصیغۂ جمع غائب مذکر۔ تَرَفٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ صحت و دولت کا عیش۔ اور معنیٰ کہ اتباع بمعنیٰ غرور و تکبر ہے۔ فی جارہ ظرفیہ ہٖ کا مرجع الرض ہے واؤ یا حالیہ ہے یا عاطفہ۔ اس طرح کانوا فعل ماضی ناقصہ بھی دو معنیٰ میں سے ایک ہوگا۔ بمعنیٰ ماضی بعید یعنی حالانکہ تھے وہ۔ یا بمعنیٰ صَارُوْا۔ یعنی اور ہو گئے وہ۔ ھم ضمیر جمع اسم کان مجرمین بحالت زبر خبر کان جمع مجرم اسم فاعل کی جرم سے بنا۔ بمعنیٰ نافرمان۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ ۔ واؤ مستانفہ جملہ ما کان فعل ناقصہ ماضی منفی اپنے ہی معنیٰ میں ہے۔ رَبُّ مضاف اپنے مضاف الیہ کے ضمیر مخاطب سے مل کر اسم کان ہے۔ لِیُھْلِکَ کا پورا جملہ فعلیہ خبر کان ہے۔ لام تاکید نفی کے لیے ہے بعض نے کہا زائدہ ہے یُھْلِکَ فعل مضارع باب افعال سے بحالت زبر بوجہ لام تاکید بمعنیٰ کَے اَنْ پوشیدہ ہے۔ ھَلَکَ سے مشتق بمعنیٰ فنا کرنا۔ القریٰ میں الف لام استغراقی قریٰ جمع ہے قَرْیَۃٌ کی بمعنیٰ بستی مراد اہل بستی با، جارہ بمعنیٰ مِنْ تبعیضیت کا واؤ حالیہ اَھْلُ مبتدا، مضاف ھا ضمیر واحد مؤنث، مضاف الیہ کا مرجع قریٰ لفظاً بمعنیٰ واحد بوجہ الف لام جنسی مُصْلِحُوْنَ اسم فاعل بصیغۂ جمع مذکر باب افعال سے ہے اس کا واحد مُصْلِحٌ ہے صَلَحَ سے بنا بمعنیٰ درست کلام کرنا۔

تفسیر عالمانہ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ جس طرح کہ استقامت کے لیے پہلی شرط نماز ہے جو نماز نہیں پڑھتا وہ استقامت کو پا ہی نہیں سکتا، اگرچہ پیری مرشدی کا دعوے دار ہو۔ یا بڑا صوفی بنا پھرتا ہو یا مقرر بے بدل ہو یا واعظ خوش بیان سب مکر و فریب ہے۔ اسی طرح دوسری شرط استقامت کی صبر ہے لہٰذا نماز حکم کے بعد فرمایا وَاصْبِرْ اور اے پیارے نبی صبر پر قائم رہیے یا اے امت نبی کریم صبر کر۔ قرآن مجید میں اکثر امر کے صیغے سے خطاب واحد کے صیغے سے ہوتا ہے اور ظاہراً معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر حقیقتاً حکم امت کو ہوتا ہے۔ اور نہی کا صیغہ ہر طرح امت کو ہی ہوتا ہے بجز تنزیہات کے۔ یہاں بھی اسی سلوک سے ہے کہ اے دنیا کے مسلمان صبر کر دنیا کی صعوبتوں پر۔ دنیا سے شکوہ نہ کر کیونکہ اس صبر کا بھی بڑا اجر ہے مگر آخرت میں ملے گا ضرور اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ بیشک اللہ تعالیٰ نہ ضائع ہونے دے گا یا نہ ضائع کرے گا نیکوں کا بدلہ ذرہ ذرہ بدلہ ملے گا۔ نماز ہو یا روزہ یا صبر یا اچھے اخلاق یا اللہ کی چیزوں کا ادب انبیاء کا احترام، اولیاء، علماء سے محبت

لفظ احسان سب کو شامل ہے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ چار چیزیں چار چیزوں سے ملتی ہیں۔ ۱ اللہ تعالیٰ کی رضا ملتی ہے صابر ہو کر رب کی اطاعت میں۔ ۲ زندگی میں بے فکری اور سہولت ملتی ہے ظہر کی نماز پر پابندی سے۔ ۳ دین کی سلامتی ملتی ہے زبان کو سلامت رکھنے سے ۴ اور قبر کا نور ملتا ہے تہجد کی نماز میں۔ یا اللہ مجھ کو یہ چاروں نعمتیں عطا فرما، پس عاقل کو چاہیئے ان چاروں کی طرف جان توڑ کر کوشش کرے۔ علماء کے نزدیک صبر تین قسم کا ہے ۱ نیکی پر پختگی ۲ گناہوں سے بیزاری ۳ دنیوی مصیبتوں میں دروازہ خدا سے نہ ہٹنا۔ فَلَوْلَا كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِیَّةٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ اللہ کا کرم تو شروع سے ازل سے ہی ایسا تھا کہ کسی نیک کا اجر ضائع نہیں فرمانا۔ پہلے لوگوں نے جو کچھ عذاب پایا وہ ان کی اپنی حرکتوں کی بنا پر تھا، اگر انہوں نے رب تعالیٰ کی مہربانی سے انعام و کرم دیکھے تھے۔ تو کیوں تم سے پہلے زمانوں میں اطاعت والے نہ ہوئے، یا عقل و فہم والے نہ ہوئے کہ خود بھی باز رہتے اور اپنے ساتھیوں کو بھی روکتے، روئے زمین میں یا اپنے علاقے میں فساد کرنے سے۔ قرون جمع ہے قرن بمعنی مضبوط اسی لیے سینگ کو قرن کہا جاتا ہے اور بمعنی پیشرو اسی سے ہے قرین۔ یعنی قائد ساتھی۔ پچھلے زمانے کو قرن کہا جاتا ہے کیونکہ ہر انسان پچھلے زمانے کی عادت اور اقتدار کو پسند کرتا ہے کہ اس کے بڑوں کا زمانہ ہوتا ہے۔ کفار بھی غلط دین کے لیے یہی ایک سہارا پکڑتے تھے کہ یہ باپ دادے کا دین ہے۔ یہاں قرون سے یہی پچھلے زمانے مراد ہیں۔ اس کی کم از کم مدت ایک صدی ہے۔ حدیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ صدی یعنی سو سال ایک قرن ہے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نومولود بچے کو ایک قرن زندہ رہنے کی دعا فرمائی تو وہ سو سال زندہ رہا۔ (روح البیان) بَقِیَّةٍ کا لغوی معنی ہے محفوظ چیز باقی کو باقی اسی لیے کہتے ہیں کہ محفوظ ہوتی ہے یہاں مراد عقل ہے کہ وہ بھی محفوظ ہوتی ہے۔ اس کے چار معنی ہیں۔ عقل، فہم، اطاعت، بزرگی سخاوت یہاں سب معنی درست ہیں۔ ارض سے مراد روئے زمین ہے کیونکہ ایک جگہ فساد پھیلانا تمام زمین کو خراب کرنا ہے کیونکہ برائی بہت جلد رواج پکڑ جاتی ہے۔ تب یہ معنی مجازی ہے یا مراد اپنا اپنا علاقہ ہے۔ تب حقیقی معنی ہے یا روئے زمین اس طرح مراد ہے کہ سب زمانوں میں مختلف علاقے فساد زدہ ہوتے ہیں۔ جنکو جمع کرنے ملانے سے تمام زمین ہی شامل ہو جاتی ہے۔ لہذا قرون جمع کا لحاظ رکھا گیا۔ گویا کہ سب قرنوں نے سب زمین پر فساد پھیلایا اِلَّا قَلِیْلًا۔ مگر ہر دور میں تھوڑے ہی لوگ ایسے تھے جو ہمارے سچے بندے بنے۔ ہمارے انبیاء کرام کی غلامی میں شامل ہوئے۔ قرون کی قومیت کا لحاظ رکھا جائے تو مستثنیٰ متصل ہے۔ اگر دین کا خیال رکھا جائے تو منقطع ہے اور اِلَّا بمعنی لیکن ہوگا، انہوں نے ہی ہم سے کرم کی نعمتیں پائیں، کہ ان پیارے بندوں میں سے تمام کو ہم نے نجات دی عذاب دنیوی اور عذاب اخروی سے اور یہ نجات آتنا بڑا اکرم ہے کہ تھوڑی مدت یعنی فقط چند لمحے ہماری اطاعت کر کے ابد الآباد کی دولتوں، رحمتوں، برکتوں، نعمتوں، جنتوں سے مالا مال ہو گئے۔ مِنْهُمْ کا مِنْ بیانیہ نہ کہ تبعیضیہ کیونکہ نجات سب کو ہی ملی مسلمانوں

کا حال یہ تھا کہ تن من دھن کی بازی لگا کر عزت و آبرو کو قدمِ نبی پر قربان کر کے عیش و عشرت اور دنیوی مال و جاہ کو جلا کر دامنِ نبی میں پناہ گزین ہوئے مگر کافر اور گستاخِ نبی کا حال یہ تھا وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ اور پیچھے لگے رہتے ہیں وہ منکر لوگ جو ظالم ہوئے تھے۔ فساد برپا کر کے، نبی کی گستاخی کر کے، اللہ کے حکموں سے سرپھیر کر اور اللہ تعالیٰ کی ممنوعہ چیزوں کو کر کے۔ ان عیش پرستیوں میں جو نعمتیں دی گئیں تھیں ان کو۔ فِیْهِ اس زمانے میں یا اس دنیا میں۔ وہ حریصِ دنیا طلبِ دنیا کے لیے پیچھے لگے کہ ہماری نعمتوں کا بجائے شکر کے کفر کیا بجائے لذت کے شہوت حاصل کی مومن دنیا کی نعمتوں سے لذت حاصل کرتا ہے اور کافر صرف شہوت، جیسے کہ مومن انگور کھاتا ہے جو میٹھا لذیذ اور خوشبودار ہوتا ہے اور کافر انگور کا شراب بنا کر پیتا ہے جو سخت کڑوا بدمزہ اور بدبودار ہوتا ہے یہی اس کی ساری زندگی کا حال ہے۔ یہ بدنصیبیاں اور ہلاکتیں، سزائیں اس لیے نہیں کہ کَانُوْا مُجْرِمِیْنَ، وہ سب مجرم تھے۔ کچھ گناہ کر کے اور کچھ باوجود قادر ہونے کے جرموں کو نہ روک کر، اور کچھ جرموں کی حمایت، تائید اور تعاون کر کے لہٰذا وہ سب ہی مجرم ہوئے ورنہ اللہ تعالیٰ خاص کے جرموں سے عوام کو سزا نہیں دیتا۔ یہ آیات گویا کہ تمام سورۂ ھود کا تتمہ ہے کہ پہلے تمام واقعات عذاب اور قوموں کی تباہیوں کا تذکرہ فرما کر اور پوری تفصیل سنا کر اب گویا اختصاراً بتایا جا رہا ہے کہ ہلاکتوں کے اصل سبب دو ہی تھے۔ ایک یہ کہ اس قوم میں کوئی بھی ذی عقل باقی نہ رہا تھا جو انبیاء کرام کی تعاون و تائید میں اپنے ساتھیوں، ماتحتوں کو سمجھاتا کہ یہ کام برا ہے اس سے باز رہو اور یہ اچھا ہے یہ کرو۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ وہ حرام عیش پرستی میں اس قدر منہمک تھے اور مشغول ہو کر پھنس چکے تھے۔ کہ ان میں بزدلی کے آثار پیدا ہو گئے تھے۔ اور غفلت مسلسلہ طاری ہو گئی تھی کہ وہ گوشۂ عیش میں پڑے رہنے کو غنیمت سمجھتے تھے ان کی مثال بالکل ایسی تھی کہ ایک کشتی دریا میں تیر رہی ہو مسافر بھرے ہوں، ایک لونڈا اس کے پیندے میں سوراخ کرنا شروع کر دے، باقی لوگ خاموش رہیں۔ کہ ہمیں کیا وہ سوراخ کرتا ہے تو کرتا رہے۔ اگر کوئی روکنے بھی لگے تو یہ لوگ یا تو اس کی مخالفت کریں اور خاموش رہیں اور اس اکیلے کی آواز کا کچھ اثر نہ رہے۔ تو لازماً انجام کار سب ہلاک ہوں گے فرمایا جا رہا ہے کہ بلا تشبیہ یوں ہی ان قوموں کا حال ہوا۔ ہم نے اپنے ان بندوں کو بچا لیا جنہوں نے ہمارے نبی کی تائید فرمائی تھی، باقی سب کے سب ہلاک ہو گئے وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۔

ایسا کبھی نہ ہوا نہ آئندہ ہوگا کہ کسی قوم کو بلا ظلم ہلاک کر دیا گیا ہو، اس لیے کہ آپ کا رب ایسا نہیں ہے کہ کسی بستی کو اپنے ظلم سے یا بستی کے ظلم کر لینے سے ایک دم ہلاک کر دے، حالانکہ بستی والے سارے کے سارے یا اکثر یا کچھ نیک لوگ وہاں موجود ہوں لِيُهْلِكَ میں لام تاکیدیہ ہے ما کان کی نفی کے لیے۔ اَنْ مصدریہ اس میں پوشیدہ ہے مقصد ہے کہ آپ کے رب کی شان یا صفت یا طریقہ ظلم سے بستی کو ہلاک کرنے کا نہیں۔ نہ ہی ظالم بن کر اس کا تعلق ہے۔ یا ظلم کی نسبت بستی کی طرف ہے کہ بستی ظالم یعنی مشرک ہو کہ شرک ہی سب ظلموں کی اصل ہے جتنے ظلم بے انصافیاں، حقوق مارنے کی عادت ہے وہ سب مشرکوں سے شروع ہوئے، ان سے منتقل ہوتے ہوئے بدکاروں میں آئے اس لیے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے حق کی پرواہ

نہیں کرتا وہ کسی بندے کو کیا حیثیت دے گا۔ سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ بے نمازوں کو قرض مت دو کیونکہ جو اللہ کی حق نماز کی پرواہ نہیں کرتا، وہ تیرے حق کو مارنے میں بھی باک نہیں سمجھے گا۔ لیکن اس کے باوجود رب کریم کا رحم ہے کہ جب تک ایک مصلح بھی اس علاقے میں رہے گا عذاب نہ آئے گا۔ اگر عذاب ناگزیر ہو جائے تو نیکوں کو وہاں سے نکال دیا جاتا ہے۔ یا اٹھا لیا جاتا ہے۔ اگر ظلم سے مراد صرف شرک ہو تو مطلب ہے کہ صرف شرک کی بناء پر عذاب نہیں آتا جب تک کہ وہ مشرک قوم خائن اور بد دیانت نہ ہونے لگے۔ ظلم کے تین معنی ہیں ۱۔ شرک رب فرماتا ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ نہ ظالموں یعنی مشرکوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ۲۔ ظلم یعنی خطا لغزش آدم علیہ السلام نے عرض کیا تھا۔ ربنا ظلمنا اے ہمارے رب ہم نے ظلم یعنی خطا کر لی۔ ۳۔ ظلم یعنی ایذاء دینا مظلوم کو رب تعالیٰ فرماتا ہے فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا۔ ظالموں یعنی موذیوں کے لیے جہنم کا ویل ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق کو موخر فرماتا ہے۔ بندوں کے حقوق سے۔ یہی وجہ ہے کہ پچھلی قومیں بیشک صرف شرک و بت پرستی کرتی رہیں عذاب نہ آیا مگر جب قوم نوح نے حضرت نوح کو ستایا، قوم صالح نے اونٹنی کو ہلاک کیا۔ قوم لوط نے لڑکوں سے بد معاشی کی، قوم شعیب نے ناپ تول میں بد دیانتی کی قوم فرعون نے بنی اسرائیل کے حقوق مارے اور حضرت موسیٰ و ہارون کو ایذائیں دیں تب عذاب آیا۔ اس تفسیر کی بناء پر مصلحون سے مراد حقوق العباد اور معاملات میں درست لوگ ہوں گے اور مصلح کے معنی دنیوی نیک ہے نہ دینی نیک۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ مومن کو چاہیئے کہ کسی کام میں جلد بازی نہ کرے۔ نہ نتیجے کی دیری سے گھبرائے۔ بلکہ اعمال خیر کئے جائے اجر دینے والا بخوبی جانتا ہے کہ اس کا اجر اور پھل کب مناسب ہے۔ رب تعالیٰ کے گھر میں دیر تو ہوتی ہے مگر اندھیر نہیں۔ یہ فائدہ وَاصْبِرْ اور لَا يُضِيْعُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ علماء حق اہل سنت کی پیروی نجات کا سبب ہے۔ امراء کی اطاعت باعث عذاب و مصیبت۔ وہی لوگ گمراہ جلدی ہوتے ہیں جو علماء کرام سے دور اور متنفر رہتے ہیں۔ دولت مندوں کے دروازوں پر چکر لگانے والے دنیاداروں کے پاس رہنے والے اکثر گمراہ ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ اُولُوْا بَقِيَّةٍ اور اِلَّا قَلِيْلًا سے حاصل ہوا کہ ان قوموں میں جاہل زیادہ تھے علماء بہت کم تھے۔ اور وہ جہلاء علماء کی بات نہ مانتے تھے۔ آج آوارہ خیال مسلمانوں کو ان سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ **تیسرا فائدہ**۔ جو عالم، پیر مرشد، خطیب، واعظ باوجود علمی، قولی، استطاعت کے اپنے شاگردوں، مریدوں، مقتدیوں اور اہل علاقہ کو گناہوں، بدکاریوں برائیوں سے نہ روکے اور خاموش تماشائی بنا رہے وہ شرعی طور پر ان بدکاروں کے ساتھ شامل ہے۔ عنداللہ اسی سزا کا مستحق ہے جو قیامت میں اصل بدکاروں کو ملے گی۔ یہ فائدہ کانوا مجرمین کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا آجکل کے ان پیروں کو عبرت پکڑنی چاہیئے۔ جو اپنے مریدوں کو آجکل کی موجودہ فحاشی۔ برائی۔ اخلاقی پستی۔ تصویر کشی۔ ٹیلیویژن وغیرہ بد تہذیبیوں سے نہیں روکتے۔ صرف مرید بنانے کی ہوس میں ہیں۔ بلکہ مریدوں کے لیے سہولتیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں اور غلط مسئلہ بتا کر مریدوں کو خوش کرنا ہی ان کی کامیاب پیری کا راز ہے۔ اسی طرح وہ خطباء حضرات جو صرف تقریر کے نذرانے در خطابت

کی تنخواہیں ہی لینا چاہتے ہیں۔ قوم کو برائیوں سے نہیں روکتے، صرف اس ڈر سے کہ کہیں مقتدی اور انجمن والے یا سامعین ناراض نہ ہو جائیں، یا کسی مرید کا جاہل پیر غصے نہ ہو جائے۔ جب مساجد میں بھی شریعت نافذ نہ ہونے دی جائے تو خطیب کی خطائیں کیس لائق۔ اللّٰھم ارحم علی امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ **چوتھا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ ظلم سے پاک ہے یہ فائدہ بِظُلْمٍ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**۔ جہاں نیک لوگ ہوں وہاں عذاب نہیں آتا۔ لہٰذا ایک آدمی کی نیکی سب کو مفید ہے نیک پڑوسی سے سب محلہ امن میں رہتا ہے۔ یہ فائدہ مصلحون کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ پس غور کرو کہ اولیاء اللہ کا قرب کس درجے مفید ہوگا۔ **چھٹا فائدہ**۔ اس دنیا میں دنیا جہان کی آفات اور آخرت کی مصائب سے وہی بچے گا جو دامنِ نبوت کا پناہ گزین ہو گیا۔ یہ فائدہ اَنْجَیْنَا فرمانے سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں نماز کا ذکر آیا ہے وہاں ساتھ ہی زکوٰۃ کا ذکر آیا ہے۔ اور چند جگہ نماز کے ساتھ صبر کا ذکر آیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ۔ اور یہاں ارشاد ہوا پہلے وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ طَرَفَیِ النَّهَارِ۔ پھر اب ارشاد ہوا وَاصْبِرْ۔ نماز، زکوٰۃ اور صبر میں کیا تعلق ہے۔ **جواب**۔ باری تعالیٰ جل مجدہٗ نے انسانی بقا کے لیے تین چیزیں پیدا فرمائیں۔ دو داخلی ایک خارجی۔ داخلی جسم ظاہری اور قلب ہے۔ خارجی چیز مال و دولت۔ یہ تینوں چونکہ باری تعالیٰ کی طرف سے عین نعمت ہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ان تینوں ہی سے ادا ہوتا ہے۔ مال و دولت کا شکریہ زکوٰۃ ہے۔ بدن کا شکریہ نماز ہے قلب کا شکریہ صبر سے ہے کیونکہ صبر دلی ارادہ کا نام ہے۔ دل کی نیت پر ہی صبر کا دارومدار ہے۔ اس لیے ان تینوں کو ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ یہ تینوں ہم شکل ہیں کہ دل کی زکوٰۃ صبر ہے۔ بدن کی زکوٰۃ نماز ہے۔ مال کی زکوٰۃ خیرات ہے۔ اسی طرح مال کا صبر زکوٰۃ دینا ہے کہ مالدار اپنے صبر کے ساتھ اپنے مشقت سے کمائے مال کو اپنے ہاتھوں سے غریب کو دے دیتا ہے۔ بدن کا صبر نماز پڑھنا ہے۔ کہ مسلمان پانچ وقت اپنی دنیا کے کاروبار آرام، نیند اور تمام چیزوں سے یک دم منہ موڑ کر رب کی طرف رجوع کرتا ہے جو نفس پر بہت شاق ہے۔ اور دل کا صبر، رضاء رب کی نیت سے راہِ خدا کی ہر مصیبت کو برداشت کرنا ہے۔ چونکہ ہر طرح ان تینوں عبادتوں کا آپس میں خواص تعلق ہے۔ اسی لیے ان کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے۔ اور پھر ان تینوں عبادتوں کا قبول ہونا بھی ایک دوسرے کی ادائے پر موقوف ہے کہ تارک نماز زکوٰۃ کی پرواہ نہیں کرتا۔ نہ اس کو صبر کی عادت ہوتی ہے۔ اسی طرح بے صبر آدمی زکوٰۃ و نماز سے گھبراتا ہے۔ اور زکوٰۃ نہ دینے والے کا دل سخت متکبر اور سرکش ہو جاتا ہے۔ نمازیوں میں بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ ان وجوہ سے ان تینوں عبادتوں کو ذکر میں ساتھ رکھا گیا۔ بندۂ کامل تب ہی بنتا ہے جب تینوں عبادتیں کرے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَاصْبِرْ، پھر اسی آیت میں فرمایا اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۔ چاہیے تھا کہ اَجْرَ الصَّابِرِيْنَ فرمایا جاتا کیونکہ صبر کی وجہ اجر ہے۔ علت و معلول میں فرق کیوں؟ **جواب**۔ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ کا تعلق صرف وَاصْبِرْ سے نہیں بلکہ پچھلے تمام امروں سے ہے یعنی فَاسْتَقِمْ، وَاَقِمْ اور وَاصْبِرْ سے۔ اور ان تینوں کو مضبوطی سے اختیار کرنا احسان ہے اور کرنے والا

محسن ہے۔ اس لیے یہاں محسنین فرمایا۔ جس مسلمان میں ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوگی وہ محسن نہیں ہو سکتا۔ پس اس لفظ نے اشارۃً احسان اور محسن کی تعریف بھی کر دی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَلَوْلَا کَانَ یہ فعل تامہ ہے اس کا فاعل اُولُوْ بَقِیَّۃٍ ہے جس کی وحدت سے ثابت ہوا کہ ایک بھی مبلغ اور صاحب عقل بندہ اُن پچھلی قوموں میں نہ تھا تو پھر اِلَّا سے استثنٰی کیونکر درست ہوا۔ جب مستثنٰی منہ واحد ہو تو بے قاعدہ نحوی استثنا نہیں ہو سکتا۔ جیسے کہ یہ کہنا غلط ہے کہ ایک آیا سوائے ایک کے۔ **جواب**۔ تفسیر عالمانہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ استثنا یا منقطع ہے یا متصل۔ اگر منقطع مانا جائے پھر تو اعتراض ہی ختم ہو گیا کیونکہ اِلَّا بمعنٰی لٰکِنْ ہوگا۔ اور اگر مستثنٰی متصل مانا جائے تو یہ اُولُوْ بَقِیَّۃٍ مفرد تنکیری ہوگا نہ کہ وحدت کا۔ اور تنکیری مفرد عموم کو ثابت کرتا ہے اِلَّا سے عموم ہی توڑا گیا۔ جیسے کہ یہ کہنا جائز ہے کہ کوئی نہیں آیا سوا ایک کے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ فَلَوْلَا کَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ قَبْلِکُمْ اُولُوْا بَقِیَّۃٍ یَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِی الْاَرْضِ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّنْ اَنْجَیْنَا مِنْهُمْ وَاتَّبَعَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا مَاۤ اُتْرِفُوْا فِیْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِیْنَ اللہ تعالیٰ نے اہل مشاہدات کے اوقات کی حفاظت فرمائی ہے۔ اور بارگاہ قدس کی حاضری کا تعین فرمایا ہے۔ اور اطاعتوں کے وظیفوں سے ان کی ملاقات مقرر کی ہیں۔ تاکہ مراقبات سے مجالس حاضری میں آجائیں اور اطاعت سے قربات درجات تک پہنچ جائیں اس لیے کہ بو روح قلب اور عقل کے ذکر و مراقبے کی محفل لاہوتی کا حاضر باش مجاہدی سیر معرفت سے دیدار شہود تک پہنچتا ہے۔ مسافر معرفت کے لیے ہر وقت انوار کشف کا دن ہوتا ہے۔ راستے میں ذلت و غفلت کے ڈاکو ہوتے ہیں۔ لہٰذا مقابلہ کے لیے ہر وقت ہتھیار بند رہنا لازمی ہے۔ دن کے دونوں کنارے یعنی جملہ اشرار فتنہ اغیار کا وقت ہے کسی وقت نماز و اذکار سے صفائی میدان قلب کی شدید ضرورت ہے تاکہ حلاوت ذکر کے خنجر وجدان قلب کی تلوار سے پردہ غفلت کو پھاڑا جا سکے اور غبار خطرات کا مقابلہ ہو سکے۔ جنات کے تیروں سے سیئات وہم و خیال کے لشکروں کو مٹایا جا سکے۔ راہ صفا کے جانبازو مجاہدو اہل ذکر مریدو۔ اہل مراقبہ محبوبو۔ اہل رعایت عارفو۔ اس کٹھن راہ منزل دورہ میں صبر کرنا۔ خطرات مذمومہ کی فنا میں مکاشفے کے نور مجاہدے کی مشقت سے مدد لے کر چادر کبریائی کی تجلی کے پیچھے پناہ لے کر بیشک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرماتا۔ جمال بقا کے کشف و دیدار کے ملنے سے۔ بندے کا کام ارتکاب جرم سے ہٹ کر ادائے اطاعت پر صبر مشقت کرے جو بندہ حقوق عبودیت کے آداب کو اپنے وجود کو خرچ کر کے ادا کرے۔ معبود نے اسکو پورا اجر انوار و مشاہدات کی شکل میں عطا فرمایا۔ اے طالب صادق عاشق محبوب کی طلب میں ذکر دائمی کے ذریعہ اوقات عزیز کو خرچ کرنے میں صبر کر کیونکہ یہ زمانہ صبر کا ہے۔ اے قالب خاکی کے ساکنو تم سے پہلے گروہوں نے حق عبودیت کیوں نہ ادا کیا۔ جانتے سمجھتے اہل خیر کیوں نہ بنے جو زمین قالب کے قوت شامہ۔ لامسہ باصرہ سامعہ۔ ماشیر کو جسد عنصری کی زمین میں فساد و فراق و ہلاکت اور خصائل رذیلہ کے بگاڑ سے روکے، ہاں قلب و جگر فواد و روح ضمیر و شعور کے تھوڑے تابع فرمان ایسے تھے جنہوں نے حق عبودیت ادا کرتے ہوئے میدان عمل میں بہادری کے جوہر دکھائے بلیت زمون وعامان کو سمجھایا اس سعادت کی بنا پر قعر ظلمات سے ہم نے ان خوش بختوں کو نجات بقا عطا فرمائی اور جنہوں نے

عادات ذمیمہ کو جمع کر کے حجاب باطنی کو لے کر خود پر ظلم کیا وہ آخرانجام تک نور بصیرت سے اندھے رہے اور ان کو بھی قوت ناسوتیہ نانیہ کے میشوں کی اتباع کی جو ان کو حیات عارضی کے لیے دیا گیا۔ اور مجرم ابدی ہو گئے یا پہلے ہی عناصر خباثت کے باعث تھے وہ مجرم شقاوت۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّ اَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ۔ اور شانِ کبریائی یہ نہیں ہے۔ یا اے انوارِ جمال کے محبوب ابدی تیرے رب رحیم و کریم کا یہ طریقہ کبھی نہ ہوا، کہ قلوب عارفین کی بستیوں کو محض عتاب ظلم سے فراق و فنا کی ہلاکت دے حالانکہ ارواح قدسیہ نفوسِ ملکوتیہ والے اہلِ بستی شکر کے سجدوں ذکر کے رکوعوں فکر کے قیام، تدبر کے تعدے۔ بصیرت کے تشہد اور مخالفتِ نفوس سے نیک ہو کر صالحین ابدی ہوں۔ اور زمین قرار بستی سکون میں اصلاح کرنے والے ہوں۔ اس لیے قانونِ فطرت ہے کہ ارواحِ جدیدہ جب نشاناتِ نفوسِ رذیلہ کی مخالفت کرے اس طرح کہ ذکر کے چراغوں سے فکر کی شمعوں سے وادی ظلمات کے حاشیوں پر تجلی ضیا نذر والے تو ان روحانیات پر تجلیات قدس کے انوار کے لشکر نازل ہوتے ہیں۔ جس سے ان روحانِ معطر کے قلوب محبت و انس کی کیاریاں بن جاتی ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ ان مقدسات کو خطراتِ باطنی نشاناتِ نفوس خبیثہ کے ہاتھوں میں ہلاکت کے لیے نہیں دیتا۔ اور ان اصلاح خیر کی بستیوں پر احکام قہر نازل نہیں فرماتا بلکہ انوارِ مشاہدات سے منور فرماتا ہے اور قرباتِ وصل سے نوازتا ہے۔ قانونِ ازلی صمدی یہ نہیں ہے کہ اہلِ یقین عارفین کو محبینِ صادقین کو نفوسِ مطمئنہ کے ذکر سری کے باوجود عذاب ہجر سے ہلاک کرے۔ ہاں اگر نفسِ امارہ کے ورغلانے یا ابلیسی وسوسوں کا کوئی خطرہ لاحق ہونے کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ حلیم و خبیر اہل حق کو اسرارِ غیوب سے محجوب نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے جمال و مشاہدات کی تائید سے ارواحِ معطر اور نفوس صالحہ کو بچاتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ظلم ظاہری سے رب تعالیٰ پاک ہے اسی طرح ظلم باطنی سے حجاب سری سے بھی پاک ہے۔ خاص کر جن مقبولین کو ازل سے صلاحیتِ نفوس و اجسام کے لیے چن لیا اور قبولِ معرفت کے لائق بنا لیا۔ اس طرح کہ اپنی صفاتِ قدیمہ خفیہ کے مکاشفات سے اپنی ذات وحدہٗ لاشریک کی معرفت عطا کی۔ پس یہ صلاحیت ان مقدسین میں باقی رکھی۔ علماء شریعت کے نزدیک جسم ظاہری کو عبادتِ ظاہری کی طرف لگانا اصلاح ہے اور عابدین جلی مصلحون ہیں مگر صوفیائے طریقت کے نزدیک تفرغ قلبی سے رجوع الی اللہ اصلاح حقیقی ہے (تفسیر عرائس البیان۔ روح البیان)

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ
اور اگر چاہتا رب آپ کا البتہ بنا دیتا سب لوگوں کو امت ایک اور رہیں گے یہ انسان
اور اگر تمہارا رب چاہتا تو سب آدمیوں کو ایک ہی امت کر دیتا اور ہمیشہ اختلاف

اپنی پاکیزگیوں میں مقامِ رفعت پر فائز ہے تو وہی عقل سلیم والا دامن نبوت سے وابستہ ہونے قدم نبی میں ملنے کے لیے بے تاب ہو جاتا اور صحبت پاک رسول سے فیضیاب ہو کر جہان فانی کی ہزار ہا مصیبتوں کو برداشت کرنے کا حوصلہ پالیتا ہے اور دنیا کے ہر ابتلاء سے بطریقۂ احسن برد آزما ہونے کے لیے تیاری کرتا ہوا زندگی کی طمانیتیں روح و جگر کی پاکیزگی میں کوشش کرتا ہوا رواں دواں ہوتا ہے۔ کتنے اعلیٰ ہیں اس سورت میں جواہرات کتنے قیمتی ہیں موتی۔ کیسی حقیقتیں ہیں اس قصے میں۔ کیسا بے مثل پیرایہ ہے اس کے بیان کا اسی لیے اس کو احسن القصص فرمایا کہ یہاں زندگی کے آلام و آرام۔ دھوپ چھاؤں۔ فنا بقا کا عمدہ نقشہ کھینچا گیا ہے۔ دوسری خصوصیت اس قصے کی یہ ہے کہ دیگر قصص القرآن خود نازل کیے گئے بغیر کسی کے مطالبے کے مگر یہ قصہ کفارِ مکہ کے مطالبے پر نازل ہوا۔ یہود علاقہ نے کفار مکہ کو اکسایا کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے کہو کہ ہم کو یوسف نبی کی بابت خبر دے۔ ان کا یہ مطالبہ محض آپ کو پریشان کرنے کی نیت سے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے فوراً یکدم مکمل و مفصل عجیب لذت آمیز پیرائے میں یہ قصہ مبارکہ نازل فرما کر سب کفار کی پیالیاں توڑ کر رکھ دیں۔ تیسری خصوصیت ہے یہ کہ سارے قصوں میں صرف یہی قصہ وہ ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کا نقشہ پیش کرتا ہے۔ اور در پردہ کفارِ مکہ کو بتایا جا رہا ہے کہ اے کفار مکہ جو کچھ حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ ان کے بھائیوں نے ظالمانہ سلوک کیا وہی کچھ ظلم کر رہے ہو۔ اور جو بھائیوں کے ارادے تھے کہ یوسف ذلیل و خوار ہوں یا ہلاک ہوں قتل کے منصوبے بنائے تھے اسی طرح تمہارے ارادے ہیں لیکن جس طرح اللہ تعالیٰ نے بھائیوں کے سب منصوبے خاک میں ملا کر حضرت یوسف کو کمال عروج پر پہنچایا۔ اسی طرح ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم دن بدن ترقی و تمدن سے بام بلندی پر پہنچتے چلے جائیں گے۔ بھائیوں نے حضرت یوسف کو وطن سے نکالا بیت حضا کا رانہ طریقہ سے جس سے یوسف علیہ السلام کے دل کو بہت دکھ پہنچا۔ مگر یہ نکلنا ترقی اور درجات کا پیش خیمہ ہوا اسی طرح تم بھی ہمارے ان حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہجرت پر مجبور کر دو گے مگر ان کی ہجرت بھی ان کی شان مرتبت کا پیش خیمہ ثابت ہو گا اور جس طرح ہم نے اتنے دکھوں رنجوں تکلیفوں مصیبتوں کے بعد یوسف علیہ السلام کو مصر کی شہنشاہی عطا فرمائی۔ اسی طرح اس تکلیف بھری ہجرت کے بعد ہم اپنے نبی محمد مصطفیٰ کو بھی شہنشاہ عرب و عجم بنا دیں گے۔ اور شاہ مصر بن کر جس طرح یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے محسنانہ محبانہ سلوک فرمایا۔ اسی طرح یہ حبیب بھی شاہِ عرب بن کر تمام مکے والوں سے وہی رحیمانہ کریمانہ سلوک فرمائیں گے جس طرح آج حضرت یوسف علیہ السلام کا عالم کائنات میں حسین چرچہ ہے اس سے کہیں بڑھ کر ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچہ ہو گا۔ اور چار دانگ عالم میں ہمارے پیارے نبی کے تاقیامت جھنڈے بلند ہوں گے۔

حضرت یوسفؑ کے خصوصی فضائل

رب تعالیٰ نے اپنے ہر نبی علیہ السلام کو معجزات عطا فرمائے ہیں۔ مگر یوسف علیہ السلام کو نرالا معجزہ ملا جو سر تا بقدم

رکوع ۔ دوسرا قصہ موسیٰ علیہ السلام کا چنانچہ ارشاد ہوا۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰی ۔ پ ۳۰ سورۃ نازعات رکوع
اول ۔ تیسرا قصہ جانوروں کا۔ چنانچہ ارشاد ہوا وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْکُمْ پ ۱۴ سورۃ نحل رکوع ۹ چوتھا
قصہ حضرت یوسف علیہ السلام کا۔ چنانچہ ارشاد ہوا لَقَدْ کَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۔ سورت
یوسف پ ۱۳ رکوع ۱۲۔

قصہ یوسف کی کچھ خصوصیات

قرآن مجید میں انبیاء کرام کے قصے بہت جگہ درج ہیں مگر سب مختصر طریقے سے حیات طیبات کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرتے ہیں۔
کسی قصہ مبارک کو مکمل رطب و یابس آثار پڑھاؤ اور زمانہ حیات کے ہر پہلو سے بیان نہیں کیا۔ مگر جب اسی قرآن پاک میں قصہ یوسف کو پڑھا جاتا ہے تو اس کو ہر لحاظ سے مکمل پایا جاتا ہے۔ اس قصہ پاک میں ہر انسان کو انسانی زندگی گزارنے اور مقصد حیات کو پالینے کے پورے پورے سبق سکھائے گئے۔ کامل زندگی کی بلند و بالا آخری منزل تک جو صراط مستقیم جاتا ہے۔ اس کے تمام موڑ پیشی و زحمت پیچ و خم اور راہ سعادت پر چلنے والے کے لیے جو مشکلات پیش آتی ہیں۔ اور جس سے کم ظرف انسان گھبرا جائے وہ سخت ترین حادثات اسی قصہ عبرت میں سنائے گئے ہیں۔ راہ حق سے ڈگمگا دینے والے سنگین مراحل۔ غافل کرنے والی خوبصورت دنیا کا پردہ دوری قصہ عجیبہ میں چاک کیا گیا ہے۔ قدم قدم پر ٹھوکر کھانے والی پرکشش دلچسپیوں کا اس قصہ نادرہ میں اس طرح سے واضح کیا گیا ہے کہ شک وشبہ کی ذرہ بھر جگہ نہیں رہتی۔ کبھی تو ایسی دشواریاں ہیں کہ پدر مہربان کی نرم و نازک آغوش مشفقانہ سے اٹھا کر کنعان کے سنسان اندھیرے خشک کنوئیں میں گرا جاتا ہے۔ جس سے بڑے بڑے بہادروں کے قدم استقلال ڈگمگا جائیں۔ اور کبھی وہ شاہانہ بلندیاں ہیں کہ بازار مصر سے بلوا کر تخت شاہی پر پہنچا دیا جاتا ہے جس سے بڑے بڑے ناموں کے بھی حوصلے بلند ہو جاتے ہیں۔ اور سر تو زندگی کے نشیب و فراز اور کٹھنائیاں ہیں۔ اور دوسری طرف یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ ایسے دشوار دراز راستے کو طے کرنے کے لیے۔ راہ طریقت کے مسافر کو کتنے صبر، توکل، پرہیزگاری، عزم اور مضبوط ارادے، اعلیٰ ہمت، حیا، باطل سے بے رغبتی، حق سے لگاؤ کی ضرورت ہے کتنا دلنشین ہے۔ اس سورت کا طرز بیان کتنا موثر ہے۔ کلام ربانی کا یہ فرمودہ قصہ۔ اور کتنا اونچا ہے کائنات میں مقام نبوت کہ جب ذرا سی عقل سلیم اور قلب سعید رکھنے والا یہ دیکھتا ہے کہ وہ عشق الٰہی کا متوالا۔ جام الست کا سرمست اولوالعزم نبی محبت معبودی میں سرشار رسول مصائب کے طوفانوں سے ٹکراتا ہوا۔ ہلاکت انگیز گردابوں سے کھیلتا ہوا ظلم کی چٹانوں کو برداشت کرتا ہوا گناہوں کی وادی کو روندتا ہوا شیطانی محبت اور گناہ آلود لہروں سے دامن بچاتا ہوا چپ چاپ خاموش کمن سے کچھ دیکھتا دکھاتا اور سنتا سناتا۔ بچتا بچاتا قرب حضوری کے ساحل مراد تک بڑھتا چلا آ رہا ہے۔ اور زبان خاموش ہے آنکھیں نیچی ہیں سر بلند ہے۔ جسم بیتاب ہے بازو بیک الٰہی سے وابستہ قلب مستغنی ہے قدم پا استقلال ہیں۔ روح

دوسرا ملائکہ اس کو سورۃ حسن کہتے ہیں کہ بیاس سلامتی اس سے ملتا ہے۔ تیسرا انبیاء کرام اس کو سورۃ روح کہتے ہیں۔ کیونکہ تقرب کی بشارت اس میں ہے ملا صوفیائے کرام اس کو سورۃ ریاضت کہتے ہیں کیونکہ سالکان راہ طریقت کے لیے بھی عشق اور منزل حاجات پانے کے لیے ریاضت کرنا اسی سورۃ نے سکھایا۔

اس سورت کو تلاوت کرنے کا فائدہ

قرآن مجید کو پڑھنے کے ثواب کا تعلق تو آخرت سے ہے جو مخلصین کو ضرور عطا ہوگا لیکن دنیوی زندگی میں بھی قرآن پاک کی تلاوت سے بیحد و بے شمار فوائد ہیں۔ چنانچہ اہل عمل حضرات نے ہر سورت کے خواص و فوائد علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے ہیں۔ اور جس طرح ثواب اخروی کے لیے کوئی شخص تین مرتبہ قل شریف یعنی پوری سورت اخلاص پڑھ لے یا دو دفعہ درۃ فاتحہ پڑھ لے تو اس کو پورے قرآن مجید کا ثواب مل جاتا ہے۔ جیسا کہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ اسی طرح عاملین کاملین فرماتے ہیں۔ کہ دنیوی فوائد کے لیے کوئی شخص روزانہ سورۃ یوسف تلاوت کرلے تو اس کو قرآن پاک کی ایک سو چودہ سورتوں کے فوائد حاصل ہوتے رہیں گے۔ شیخ امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غمگین آدمی سورۃ انعام پڑھے۔ عذاب قبر سے بچنے کے لیے سورۃ اعراف پڑھے۔ نفاق اور منافقوں سے بچنے کے لیے سورۃ انفال پڑھے۔ بیجا غصہ سے بچنے کے لیے سورۃ العصر پڑھے۔ دل کی گی سے بچنے کے لیے دو سورتیں آخری قل اور ناس پڑھے جن کو معوذتین بھی کہتے ہیں۔ اور جو چاہے ایسے سارے فائدے مجھ کو حاصل ہوں۔ وہ سورۃ یوسف پڑھے روزانہ ایک بار اس کا طریقہ عاملین نے فرمایا کہ بوقت شب باوضو قبلہ رخ ہو کر ایک مرتبہ یا تین مرتبہ مرشد کی اجازت سے پڑھے۔ اول آخر گیارہ مرتبہ درود شریف پڑھے۔

سورت یوسف کے خصوصی فوائد

شیخ امام زاہد فرماتے ہیں کہ ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد پاک فرمایا کہ جو شخص سورت یوسف کو تلاوت کرے اور اس پر عامل ہو جائے تو اللہ تعالیٰ سختی موت کے وقت اس کی مدد کرتا ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جو شخص دنیا میں اور دین میں بڑا مرتبہ چاہے وہ ہر روز ایک مرتبہ مندرجہ بالا طریقہ سے سورۃ یوسف تلاوت کیا کرے۔ تفسیر روح البیان نے ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سورت یوسف کی تلاوت سے سکرات موت آسان ہو جاتے ہیں۔ اور پڑھنے والا حاسدین کے حسد سے محفوظ رہتا ہے۔ جو سرور اللہ کے نبی حضرت یوسف کو حاصل ہوئے وہی سرور یا خوشی پڑھنے والے مومن کو حاصل ہوتے ہیں غمزدہ کو سنانے سے غم دور ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں چار قصوں کو عبرت فرمایا گیا۔ پہلا قصہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا گیا وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ...... پ ۳

انجیل میں حضرت یوسفؑ کا واقع اس طرح نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ اگر یہ قصہ بائیبل سے لیا جاتا تو بعینہٖ اسی طرح ہوتا جس طرح انجیل پیدائش کی بائیس میں حالانکہ بائیبل میں جس طرح حضرت یوسف کی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے اس کو پڑھ کر کوئی بھی شخص حضرت یوسف کو اولوالعزم ذی شان نبی تو درکنار ایک شریف انسان ماننے کے لیے بھی تیار نہیں۔ حضرت یوسف کو بچپن میں بائیبل نے چغلخور بنایا (پیدائش باب ۳۷ آیت ۲) حضرت یعقوب کو نادان بے صبرا اور رندا کا گستاخ بنایا۔ (پیدائش باب ۳۷ آیت ۲۹) یوسف کو جوانی میں تہمت لگانے والا بنایا (پیدائش باب ۴۲ آیت ۸-۹) حضرت یوسف کو مصر میں ایک ظالم حاکم بنایا (پیدائش ۴۴ آیت ۱۳-۱۴) بھائیوں سے ملاقات پر شرابی بنایا۔ (پیدائش باب ۴۳ آیت ۳۴) مگر قرآن کریم اس واقعہ کو بیان کرتا ہے۔ تو زندگی کا تابناک پہلو اور زندگی کے ہر پہلو پر درخشندہ اسباق تمام نسل انسانی کے لیے فراہم ہوتے چلے آئے ہیں۔ اور جغرافیائی لحاظ کے علاوہ پاکیزگی اور توحید باری تعالیٰ کا تذکرہ کرنے میں انجیل و قرآن میں فرق نمایاں ہے۔ قرآن مجید جب بھی انبیاء کرام کے قصے بیان کرتا ہے تو دنیا کے سامنے حیات انبیاء مہکتے پھولوں کی طرح دلنشین انداز میں سامنے آجاتی ہے۔ مگر بائیبل نے دنیا کے سامنے انبیاء کرام کا جو حلیہ پیش کیا اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سراسر عداوت نبوت اور قرآن مجید ہر واقعہ کا جغرافیائی لحاظ سے تذکرہ فرما رہا ہے۔ اور مخالفین کو دیکھنے آنے کی دعوت دے رہا ہے۔ مگر بائیبل نے اندھیرے گڑھے میں ڈالنے کے سوا کچھ نہ کیا۔ ان تغیرات کے ہوتے ہوئے بھلا کس طرح ہو سکتا ہے کہ بائیبل سے کچھ لیا گیا ہو۔ بلکہ بائیبل سوسائٹی نے بہت سے مقامات پر قرآن مجید سے فائدہ حاصل کیا۔

سورۃ یوسف (علیہ السلام) کے فضائل

سورۂ یوسف کے نام

اس کا ایک نام سورہ یوسف ہے اس لیے کہ اس میں تفصیل سے حضرت یوسف علیہ السلام کا مکمل تذکرہ ہے۔ یہی نام عوام کی زبان میں مشہور ہے۔ یہی نام ہی قرآن مجید میں لکھا جاتا ہے۔ (۲) اس کا دوسرا نام سورۂ عبرت ہے۔ کیونکہ اس میں صابروں کے لیے عبرت ہے (۳) اس کا تیسرا نام سورت وعید ہے۔ اس لیے کہ اس میں دھوکہ بازوں، جھوٹوں، فریبیوں، ظالموں کے لیے وعید اور جھڑک ہے۔ (۴) اس کا چوتھا نام سورۂ احسن ہے۔ کیونکہ اس سورۃ میں احسان کرنے والوں کے لیئے امید رحمت کا تذکرہ بدین وجہ حکماء اس کو سورت احسن کہتے ہیں۔ (۵) زاہد اس کو سورۃ زہد کہتے ہیں کیونکہ اس میں عارفوں کے لیے معرفت کی زیادتی اور اسباق ہیں (۶) عارفین اس کو سورۂ معرفت کہتے ہیں کہ اس میں نور اور خوبصورتی اور پہچان ملتی ہے۔ (۷) غمگین لوگ اس کو سورۂ حب کہتے ہیں کہ سچی محبت کا طریقہ یہیں سے حاصل ہوتا ہے۔

یا اللہ جل جلالہٗ — بسم اللہ الرحمٰن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم — یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سورۂ یوسف مکی ہے۔ ترتیبِ قرآن مجید کے لحاظ سے بارہویں سورت ہے۔ اس کی آیات ایک سو گیارہ ہیں۔ اس کے اعداد ابجد کے حساب سے ۰۳۹۸۰ دا ہیں۔ اس کے رکوع بارہ ہیں۔ اس میں ایک ہزار چھ الفاظ ہیں۔ اور سات ہزار ایک سو چھیاسٹھ حروف ہیں۔ (خازن)

شانِ نزول

اس کے شانِ نزول میں دو قول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قرآن مجید سنانا شروع کیا، اور کفار مکہ پریشان ہوگئے تو ارد گرد کے یہودیوں نے کفار مکہ سے کہا ہم تم کو ایک طریقہ بتاتے ہیں جس سے تم کو محمد مصطفیٰ سے نجات مل جائے گی۔ وہ یہ کہ ان کا دعویٰ ہے کہ قرآن یہ خدا کا کلام آتا ہے۔ اور ان کی عمر ساری کی ساری مکے میں ہی گزری ہے۔ لہٰذا بطورِ امتحان اُن سے پوچھو کہ بنی اسرائیل مصر میں کس طرح پہنچے۔ اگر وہ غلط باتیں کرتے ہیں تو ضرور پریشان ہوں گے۔ اور وہ کسی یہودی سے پوچھنے کے لیے باہر نکلیں گے تم ان کا پیچھا کرنا۔ تم کو سچ جھوٹ کا پتہ لگ جائے گا۔ اور یا آئندہ کلام بنانا، سنانا چھوڑ دیں گے۔ مکے میں کوئی جانتا نہ تھا۔ نہ صحیح تاریخ شائع تھی۔ تب کفار مکہ نے آپ سے یہی سوال اور مطالبہ کیا۔ بڑی دور کے آخری دن تھے۔ تو یہ ساری کی ساری سورت اسی وقت مکے شریف میں نازل ہوئی۔ نبی کریم کو کہیں جانا نہ پڑا۔ (مظہری) یہ ضحاک کی روایت ہے۔ عن ابن عباسؓ۔ دوسرا قول بروایت سعد بن ابی وقاص ہے۔ کہ مکے کے کافروں نے جب کچھ دنوں قرآن پاک سنا تو بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کیا کہ ہمیں کوئی کہانی سنائیں جس سے ہمارا دل خوش ہو۔ بعض کافر کہتے تھے کہ معاذ اللہ یہ مدعیٔ نبوت صرف قصہ گوئی کرتے ہیں۔ اور کہانی بناتے رہتے ہیں پھر ہم کو سنا دیتے ہیں ہم کیا جانیں کہ یہ قصے سچے ہیں یا جھوٹے۔ عرب کے لوگ خاص کر مکے کے لوگ زیادہ تر جاہل تاریخ سے بالکل ناواقف تھے۔ اس لیے یہی بیہودگیاں کرتے تھے۔ تب یہ سورت نازل ہوئی۔ اور فرمایا گیا کہ اپنے ساتھیوں یہودیوں سے تصدیق کرو کہ یہ واقعہ سچا ہے کہ نہیں ۔

فائدے

اس سورت سے چند فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ پہلا فائدہ یہ سورت نبی کریمؐ اور قرآن پاک کی حقانیت کی ایسی دلیل ہے کہ جو کفار نے خود مطالبے سے حاصل کی۔ دوسرا فائدہ۔ عام طور پر اس زمانے میں بھی اور آجکل بھی کفار اور مغربی انگریزی اور یہود و نصاریٰ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے سن سنا کر یہ قصے بنا ڈالے۔ کفار مکہ تو یہ کہتے تھے۔ کہ نبی کریم قصہ گویوں کے پاس بیٹھ کر قصے بنا لیتے ہیں۔ اور یہودی کہتے ہیں اور کہتے تھے۔ کہ ہمارے موجودہ توریت اور بائبل وغیرہ سے سن کر نبی کریم نے قرآن بنا لیا۔ اس کی تردید ہر واقعہ میں موجود ہے خاص کر اس سورتِ یوسف میں بڑی وضاحت سے جواب ہے کہ توریت

نفس امارہ بسبب روسیاہیوں کے طلب الٰہی سے دور ہے۔ ان سے ہی نشہ ہر طرح بھر جائے گا۔ کہہ دے اے انوار قلوب کے بادشاہ کہ اے ناموہ رازہیب تو نفس ہلاکو ہی ان لے اور اس کلام کے بھید کو پاے تو ان بات ہر حال کے لیے متعلقہ کے حصوں میں خروج کر اور واصلین حق کا مقام حاصل کرنے کی کوشش کر۔ کہ یہی انتہائی مقصد ہے۔ حق اس کی طرف آتا ہے جس کے لیے رب تعالیٰ اپنے الطاف قدم کے دروازے کھولدے۔ لطف وقہر دونوں کے دروازے بند اور مقفل ہیں ان کی چابیاں مفتاح التقدیر کے ہاتھ میں ہے جس طرح بغیر چابی قفل کھلتے نہیں کبھی اسی طرح لطف کے دروازے بھی مفتاح تقدیر کے بغیر نہیں کھلتے۔ عاقل بادم کو چاہیے حق کو اس کے باب لطف سے طلب کرے نہ کہ باب قہر سے۔ راہ مراد میں طلب رزق اسباب سے اور دخل ایمان یاب سے ہے۔ اے اول وآخر کے بادشاہ انکو فرما دے جو طلب حق اور وجدان خدا کو نہیں مانتے تم باب قہر میں رہ کر مقاصد فناہ کی طلب میں عمل بیہودہ کرتے رہو عمریں برباد وقت ضائع کرتے رہو اور ہم اپنے باب لطف وکرم میں بیٹھ کر طلب حق کے عمل کرتے رہیں۔ تم قہر کا انتظار کرو ہم مہر ومحبت اور وجدان الٰہی کا انتظار کرنے والے ہیں۔ جب تک عاشق الٰہی کی طرف رب کی نظر لطف رہتی ہے بندہ دو عالم سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ حالت قرب میں پکارتا ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ عبادت عبدی کے تین مقام ہیں ا مقام توکل کی عبادت توکل ہے دو مقام رضا کی عبادت رضا ہے سوم مقام فنا کی عبادت فنا ہے اور عبادت ترک عادات ہے قلب عبادت مخالفت نفس ہے۔ آسمان عبادت ماسوی اللہ سے دور رہنا ہے۔ اور زمین عبادت مجاہدات عجز ونیاز ہیں۔ ان عبادتوں کے ذریعہ بندہ مقام عبادت سے ترقی پاکر مقام عبودیت تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ عبادت کمال توحید سے ملتی ہے۔ اور کمال توحید مداومت اعمال سے اور مداومت۔ ملازمت عبادات سے ملتی ہے۔ اور ملازمت عبادات ذکر ہر حالات سے نصیب ہوتی ہے۔ اللہ کے زمین وآسمان کے غیب ہیں۔ اور اسی کی طرف ہر خیر وشر معاملات رجوع کرتے ہیں۔ پس اے روح وقلب شعور وضمیر اعضاء ظاہری وباطنی اسی کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔ اور نہیں ہے تیرے ظاہر وباطن کا رب غافل اس سے جو تم اے شعور قلب، ضمیر وروح اعمال کرتے ہو۔ آسمان ارواح اور زمین قلوب کے تمام غیبی اسرار ات کے علم میں ہیں ذات سوکے پوشیدہ خزانے اسی کے علم تقدیر میں ہیں۔ ہر روح امری اپنے مشرب کے اعتبار سے اسی کی طرف لوٹنے والی ہے اے مردمیدان راغب ہو عبادات ذات قدیم کی طرف۔ کیونکہ عبودیت سے حریت حریت سے توحید۔ توحید سے تجرید سے تفرید۔ اور تفرید سے محوذات۔ اور محوذات سے صحو صفات پیدا ہوتی ہے۔ جب مقام ملتا ہے تو بندے کو زوال کا خوف نہیں رہتا۔ شکر ہے رب کریم کا۔ احسان ہے پیارے رسول کا نظر ہے غوث جیلان کی اور نوازش ہے والد رحیم کی۔ کہ آج بروز جمعرات ۱۱ ربیع الاول شریف ۱۴۰۱ھ مطابق ۲۹ فروری ۱۹۸۱ء سورۂ ہود شریف کی تفسیر سونیا نہ مکمل ہوئی۔ تفسیر روح البیان کی یہ سورۃ بھی ۱۱۰۳ھ میں ربیع الاول شریف کی ۲۴ بروز سینچر مکمل ہوئی تھی۔ یا رب دونوں کو قبول فرما

انبیاء کرام اور بعض اجلائے اولیاء اللہ علمِ غیب جانتے ہیں، وہ اس حصر کے خلاف ہے؟ (دہابی)۔ **جواب**۔ اگر یہاں حصرِ مطلق مانا جائے تو معترض کے بھی خلاف ہے کیونکہ انبیاء، اولیاء کے لیے بعض علمِ غیب کا وہ بھی قائل ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ یہ حصر علمِ ذاتی کلی ہے۔ یعنی ذاتی علمِ غیب صرف اللہ کریم جل وعلیٰ کو ہے ذرہ بھر کسی کو شک نہیں۔ ہاں علمِ عطائی انبیاء کرام و اولیاء اللہ کو بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ - اے قلبِ عرش کے مکینِ محبت فرما دے ان اہلِ کثافت کو جو کفرانِ ظلم کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے تم اپنی جگہ اعمالِ ذمیمہ فسادِ لعینہ مچاتے پھرو، بیشک ہم اپنے مقامِ قرب میں اعمالِ وصل کرنے والے ہیں تم بھی عذابِ فراقِ فناء ہلاکت کا انتظار کرو۔ بیشک ہم بھی تم پر اسی سزا و وعید کا انتظار کرنے والے ہیں۔ عنقریب ایک وقت آنے والا ہے جب عالمِ اجسام میں نفسی نفسانیات کی ایسی ہلاکت ہوگی۔ کہ نام و نشان بھی باقی نہ رہے گا۔ ظلمات کا دور دورہ ختم ہو چکا ہوگا۔ سلطنتِ انوار قائم ہوگی۔ سینۂ عاشق میں زورِ باطل کم ہو جائے گا۔ جلوہ گری مطلوب کی ہوگی۔ راہِ عرفان کے مسافر کو جاننا چاہیئے کہ ادیانِ عالم کے لحاظ سے چار قسم کے طالب ہیں (۱) لباسِ سعادت میں روح و نفس کے اہلِ سعادت۔ یہ لوگ عشق کی اطاعت کرنے والے ہیں۔ شریعت و طریقت ان کے باطنی خزانے ہیں (۲) لباسِ شقاوت میں شقی ازلی، یہ لوگ اہلِ کفر و سرکشی پر رہنے والے ظاہر و باطن کے بدنصیب (۳) لباسِ سعادت میں شقاوتِ نفس والے چراغِ مصطفوی لے کر دھوکے فریب کا فساد پھیلانے والے یہ منافق عادات کے نفسانی ساتھی ہیں (۴) لباسِ شقاوت کو پہن کر سعادتِ روح کے چراغ جلانے والے خزانۂ ظاہری سے محروم رہ کر دولتِ وصل پانے والے یہ وہ بندگانِ بارگاہِ قدس ہیں جن کو خود ید اللہ سرمدی لباسِ شقاوت اتار کر انوار و جمال کا لباس ابدی اور دستارِ ولایت اور تختِ محمود عطا فرماتا ہے پس اصلِ اصول یہی عنایتِ ازلیہ، عنایتِ الٰہیہ اور سعادتِ اصلیہ ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ طریقت کی پہلی سیڑھی ہدایت توفیق الٰہی دوسری سیڑھی ایمانِ تحقیقی تیسری سیڑھی عقیدت و ارادت، چوتھی سیڑھی راہِ سلوک، پانچویں سیڑھی وصلِ انوار، چھٹی سیڑھی، مشاہدۂ جمال، ساتویں سیڑھی مکاشفۂ اسرار آٹھویں سیڑھی دیدۂ معرفت نویں سیڑھی قربِ ذات یہ مقامِ محبوبیت کا ابتدائی باب لطف ہے۔ ہدایت کے بغیر ایمان نہیں، ایمان کے بغیر ارادت نہیں۔ ارادت کے بغیر سلوک نہیں۔ سلوک کے بغیر وصول نہیں۔ طالب مختلف ہیں۔ کوئی طالبِ دنیا۔ کوئی طالبِ آخرت، کوئی طالب مولیٰ۔ طالبِ حق اور طالبِ مولیٰ وہی ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ طبیعتِ جسمانیہ کی ظلمت سے نکال کر اپنی رحمت کے نور میں داخل فرما دے اور قوتِ روحانیہ سے نکال کر طلب ربوبیت کے نور کی طرف لے جائے۔ جو بندہ اس احسان میں جاتا ہے تو وہ نہ طالبِ دنیا ہوتا ہے نہ طالبِ عقبیٰ بلکہ طالب جمالِ خدا اور عاشق جلالِ الٰہ ہوتا ہے۔ اسی طلب و تلاش کے لیے بندوں کو پیدا کیا گیا۔ طالبِ حسن کی استعداد و قوت اسی کا کرم ہے۔ طلب کی توفیق اس کا رحم ہے اور وجدان کی فضیلت اس کا فضل ہے۔ ہر ایک کا حصہ ازل میں مقرر ہو چکا ہے۔ ارواحِ متکبر جو قابلِ ہلاکت ہیں۔ ذریتِ ابلیس کا حصہ جہنم فراق و درد ہے وہ ان ہی سے بھری جائے گی۔ اور جو نفوس

فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں کفار کو کفر اور بددیانتی ظلم کرنے کی اجازت یا حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ فقط اظہار ناراضی ہے **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ضرور ضرور علم غیب عطا فرماتا ہے۔ کیونکہ یہ عطائے غیب باختیار ملکیت کلیہ کے اظہار کے لیے ہے یہ فائدہ لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا کیونکہ لام خصوصیت اور ملکیت کا ہے جیسے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ مالک ہے آسمان و زمین کا، تو زمین جس کو چاہے دے اور وہ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔ بندوں کے پاس زمین ہونا، ملکیت الٰہی کے خلاف نہیں۔ اسی طرح بندوں کے پاس علم غیب ہونا رب کی ملکیت غیب کے خلاف نہیں۔ یوں ہی رب تعالیٰ آسمانوں کی ملکیت عارضی اپنے نبیوں کو عطا فرماتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ دنیا میں بندوں کو اطمینان قلبی فقط دو چیزوں سے میسر ہوتی ہے ما اللہ کی سکینہ جماعت کے نزول سے اور ذکر انبیاء سے۔ مگر ذکر انبیاء کی شان بڑھ گئی کہ سکینہ فرشتے خود حل کر آتے ہیں۔ تب سکون ملتا ہے لیکن انبیاء کے ذکر ہی سے یہ فائدہ حاصل ہو جاتا ہے۔ سکینہ جماعت تو کسی پر آتی ہے کسی کے پاس نہیں، مگر ذکر انبیاء رب تعالیٰ نے ہمارے اختیار میں دے دیا۔ کہ جب چاہو اس سے مردہ دلوں کو زندہ غمگینوں کو خوش دل کر لو۔ جب ذکر انبیاء کی یہ شان ہے تو ذکر مصطفیٰ کی کیا شان ہوگی۔ یہ فائدہ نقص کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کا علم غیب تو ذاتی قدیم ہے مگر بندوں یعنی اولیاء اللہ انبیاء کرام کا علم غیب تین طرح سے۔ اللہ کی وحی سے۔ الہام سے اور تعلیم سے۔ اولیاء اللہ کا علم الہام سے تمام انبیاء کرام کا علم غیب وحی خفی و جلی سے مگر پیارے آقا محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کا علم غیب تعلیم الٰہی سے۔ یہ فائدہ لِلّٰهِ (الخ) میں لام تخصیص سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑھ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ۔ یعنی عبادت کا ذکر پہلے کیا توکل کا بعد میں۔ حالانکہ توکل پہلے مذکور ہونا چاہیے۔ کیونکہ توکل علی اللہ ہوتا ہے تب ہی عبادت خالص اور صحیح ہو سکتی ہے۔ اس عکس کی کیا وجہ ہے؟ **جواب**۔ اولاً تو واؤ ترتیب کے لیے نہیں ہوتی، اس لیے ترتیب حقیقی نہ ہوئی لہٰذا کہا جا سکتا ہے کہ توکل پہلے ہو اور عبادت بعد میں۔ اور ترتیب ذکری ترتیب حقیقی کو ختم نہیں کر سکتی۔ جواب دوم یہ کہ سیر ملکوت کے لیے اور قرب الٰہیہ کے واسطے درجات اولیٰ عبادت سے پائے جاتے ہیں۔ اس لیے عبادت کا حکم پہلے ہے اور سیر الی اللہ کی انتہا توکل ہے لہٰذا اس کا ذکر بعد میں۔ علماء شریعت فرماتے ہیں کہ عبادت بیج اور جڑ ہے توکل کی۔ جو عبادت نہ کرتا ہو۔ تارک نماز ہو وہ توکل کر سکتا ہی نہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اِعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ۔ یہ امر کفار کو دیا گیا، حالانکہ کفار کے عمل کفریہ ہی ہوتے ہیں۔ تو کفر کرنے کو لازم یا جائز کیوں کہا گیا؟ **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ امر صرف وجوب کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ اس کے بہت معنی ہیں۔ یہاں امر اظہار غضب کے لیے ہے۔ جیسے کہ دشمن سے کہا جاتا ہے کہ کر لے دشمنی جتنی تیری طاقت ہے تو یہ رضا نہیں ہوتی۔ اسی طرح یہاں بھی اِعْمَلُوْا میں رضا نہیں ہے نہ اجازت کفریات **تیسرا اعتراض**۔ وَلِلّٰهِ کو مقدم کرنا غَيْبُ السَّمٰوٰتِ پر حصر کا فائدہ دیتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ کو ہی علم غیب ہے۔ اہلسنت لوگ۔

اس طریقہ سے عموم کا فائدہ ہوا کہ کائنات کا سب غیب اللہ جانتا ہے۔ جب وہ اللہ اپنے بندوں کو جانتا ہے تو اُن کے اعمال سیئہ و حسنہ سے کیونکر بے خبر ہو سکتا ہے۔ اعمال پر بھی اللہ تعالیٰ پوری طرح غالب ہے کیونکہ وَاِلَیْهِ یُرْجَعُ اور اس کی طرف اے نبی کریم لوٹائے جاتے ہیں ہمیشہ دنیا جہان میں یا لوٹائے جائیں گے آخرت میں۔ تمام معاملات و مقدمات اور دعوے بھی عدالت اُسی کی ہے۔ وہ خود ہی ہر ایک کا عدل و فضل سے فیصلہ کرنے والا ہے۔ تو تم کو کیا فکر ہے فَاعْبُدْهُ تمہارا کام یہ ہے۔ کہ بس اس رب کریم کی ہمہ تن مصروف رہ کر ہر وقت عبادت کئے جاؤ، اور ثابت و قائم رہ کر اس کی توحید کے نقارے بجاتے رہو۔ اپنے کاموں کی روزی و رزق اور سامانِ حیات کی کفار کی ایذاؤں کی فکر مت کرو، بلکہ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ اس کے سپرد کر دو۔ اسی پر کامل بھروسہ کرتے ہوئے، سزا و جزا کی دیر سے اے مسلمانوں پریشان نہ ہونا، یہ وہ عدالت یا وہ حاکم نہیں، جو اپنی فائلوں، ریکارڈوں، مدعی یا مدعیٰ علیہ سے غافل ہو جائے، اس حاکم کل، عادلِ مطلق کی شان یہ ہے وَمَا رَبُّكَ۔ آپ کا رب آپ تمام لوگوں کے کسی عمل سے غافل نہیں تم انسانوں میں سے جو جس قسم کا عمل کرتا ہے اچھا یا بُرا وہ اللہ اس کو جانتا ہے پورا بدلہ دے گا۔ یہ ڈھیل اور تاخیر تو صرف چند دنیوی ساعتوں کی ہے۔ اس کی بارگاہ میں نہ غفلت ہے نہ سہو نہ کسل۔ نہ ظلم جو اتنی شاندار عدالت ہو تو پھر فکر کا ہے کی۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت کی ابتدائی آیات سورۂ انعام کے مثل تھیں۔ اور آخری آیات سورۂ ھود کی یہ آخری آیات تھیں (روح البیان) اِلَیْهِ کو یُرْجَعُ پر مقدم کرنے سے حصر کا فائدہ ہوا۔ کہ تمام معاملات اسی بارگاہ میں پیش ہوں گے یا ہوتے ہیں۔ نہ کہ کسی اور کے پاس ایک قرأت ہے تَعْلَمُوْنَ لیکن دوسری قرأت میں یَعْمَلُوْنَ تب یہ وعید ہوگی (مدارک) بندہ جن کی پہچان کے لیے دنیا میں بھیجا گیا ہے۔ وہ تین چیزیں ہیں ۱ ماضی ۲ حال ۳ مستقبل۔ بندے کی ماضی تو یہ ہے کچھ نہیں جانتا بجز چند صفات باری عَزَّ اِسْمُهٗ کے بس اعتقاد بنا لے کہ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، اللہ ہی جاننے والا ہے تمام کلیات جزئیات کا معدومات موجودات حاضرات غائبات حیوانات ذرّات کے غیبی حالات۔ بندے کے حال کی شان یہ ہے کہ ہر طرح محتاج ہے۔ لہٰذا اس پر واجب ہے فَاعْبُدْهُ فا۔ بندے کا مستقبل یہ ہے کہ غور کر لے اس کا حال کیا ہونے والا ہے سعادت سے یا شقاوت سے حیات جسمانیہ کے ختم ہونے کے بعد بس یاد رکھیے وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ ہم فنا ہو جائیں گے۔ ہماری ہڈیاں بھی خاک بن کر اڑ جائیں گی۔ ہم غفلت کی دبیز تہوں میں فنا ہو چکے ہوں گے۔ مگر تیرا رب ہمارے کرتوت سے غافل نہ ہوگا۔ عبرت کے لیے یہ تو آخری کلمہ ہی کافی ہے۔ (مظہری۔ مدارک۔ ابن کثیر۔ معانی بیان۔ تفسیر الحدیث۔ جمل۔ صاوی۔ سراج منیر) بحمدہ تعالیٰ آج مورخہ ۲۸ ذیقعدہ ۱۴۰۰ھ بروز بدھ گزار کر جمعرات کی رات بعد نماز عشاء مطابق آٹھ اکتوبر ۱۹۸۰ء سورۂ ھود کی تفسیر عالمانہ مکمل ہوئی۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ امر ہمیشہ وجوب کے لیے نہیں ہوتا بلکہ امر کے حقیقی سولہ معنی ہیں وجوب کے علاوہ بھی اظہار غضب کے لیے بھی امر کا صیغہ بولا جاتا ہے یہ فائدہ اِعْمَلُوْا

آپ بھی فرما دیجئے ان لوگوں کو جو اہل مکہ میں سے ایمان نہیں لاتے اس دین حق پر۔ نہ مواعظ حسنہ سے اثر لیتے، نہ تذکروں سے عبرت پکڑتے ہیں۔ کہ اے کافرو تم اپنے ٹھکانوں پر یا اپنی جگہ یا اپنی سرکشی سے کفریہ اعمال کئے جاؤ۔ بیشک ہم مسلمان اپنے حال پر اپنے دین پر اعمال کئے جاتے ہیں۔ تم نصیحت نہیں پکڑتے تو نہ پکڑو ہم تو نصیحت ماننے والے سچے دل کے لوگ ہیں۔ اب ہم کو تمہاری ایذاؤں، سختیوں، بائیکاٹوں اور طعنوں کی پرواہ نہیں ہے نہ ہم تمہاری گستاخیوں سے غمگین ہوں کیونکہ ہمارے پروردگار نے سابقین کے قصوں کے وسیلے اور ملاء رسید سے ہمارے دلوں کو مطمئن پرسکون، اور مضبوط فرما دیا ہے۔ اب تو صرف یہی ہے وَّانۡتَظِرُوۡا تم اپنے شیطانی وعدوں کا انتظار کرو۔ اِنَّا مُنۡتَظِرُوۡنَ۔ بیشک ہم اپنے رب کریم کے وعدوں کا انتظار کرنے والے ہیں۔ یا تم اپنے پنڈتوں پادریوں، راہبوں کے جھوٹے اقوال کے مطابق جو آسیں لگائے بیٹھے ہو۔ اس کا انتظار کرو۔ اور ہم مسلمان اپنے نبیوں، ولیوں، عالموں کے سچے فرمان کے مطابق اللہ کی رحمت کی آس دنیا و آخرت میں لگائے بیٹھے ہیں اس کا انتظار کریں۔ یا وہ عذاب دنیا یا آخرت جو تم پر عنقریب ٹوٹنے والا ہے۔ جس کو تم جھٹلائے بیٹھے ہو۔ تم اس کا انتظار کرو۔ اپنے پر اور ہم بھی انتظار کر رہے ہیں تم پر آنے کا کہ دنیا میں آئے گا بشکل جنگ اور قتل عام اور آخرت میں بشکل جہنم۔ یا تم اگر مصیبت کا انتظار کرو جیسا کہ تمہارا عقیدہ ہے کہ ہمارے بت تم کو ذلیل کریں گے۔ اور ہم تم پر ذلت و خواری کا انتظار کرتے ہیں۔ کہ تم کو اسی اپنے وطن اپنی برادری کے شہر میں منہ چھپانے کی جگہ نہ ملے گی، اور تمہارے یہی بت سڑکوں پر ٹوٹے پھوٹے غلاظتوں میں پڑے ہوں گے۔ ان آیات میں جھڑک اور وعید شدید ہے کہ ابھی تمہارا وقت ہے کر لو اپنی طاقت کے بل بوتے پر من مانی شرارتیں، اس لیئے یہ آیات محکم ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ آیات یعنی مہلت دینا ہے تب یہ منسوخ ہوں گی، جہاد کی آیات سے کہ جہاد فرض ہونے پر کفار کو من مانی شرارتیں کرنے کی مہلت نہ رہی۔ مگر مفسرین کے نزدیک پہلا قول قوی ہے میں بھی اپنی تمام تفسیر میں درست قول پہلے نقل کرتا ہوں۔ ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام حضرت شعیب علیہ السلام کے کلام کی مثل ہے کہ اے کافرو تم جتنی مجھ کو اور مسلمانوں کو ایذائیں دینا چاہتے ہو، دے لو جو کچھ ہم پر پہاڑ ڈھانا طوفان لانا چاہتے ہو، ڈھا لو اور لے آؤ، جو عمل کرنا چاہتے ہو کر لو، ہم اپنی آسیں اپنے عمل یعنی صبر، شکر کریں گے، تم شرارتوں پر ڈٹے رہو ہم صبر پر۔ تم اپنی آسیں پوری کر لو اللہ کے ذکر کو سجدوں محفلوں سے بند کرا کر ہم اپنی آسیں پوری کر لیتے ہیں دھوم دھام سے اللہ رسول کا چرچہ کر کے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، سب حرکتیں جانتا ہے کیونکہ۔ وَلِلّٰهِ غَيۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ يُرۡجَعُ الۡاَمۡرُ كُلُّهٗ فَاعۡبُدۡهُ وَتَوَكَّلۡ عَلَيۡهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ۔ اور خاص اللہ ہی کے لیئے ہے آسمانوں اور زمین کا غیب کہ وہ مالک کل ہے غیب کا اور جو کل مالک ہوتا ہے وہ دوسرے کو دینے پر قادر ہوتا ہے۔ ورنہ ملکیت تامہ نہ ہو گی۔ لفظ غیب مصدر بمعنی غائب ہے اس کی اضافت آسمان کی طرف اضافت ظرفیہ ہے کیونکہ یہاں فی پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا غَيۡبٌ فِي السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ

واؤ سرجملہ قل امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا فاعل اَنْتَ خطاب نبی کریم کو ہے لام جارہ مفعولیت کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول بحالت جر متعلق ہے قل لَا یُؤْمِنُوْنَ فعل حال منفی ہے اس کا مصدر اِیْمَانٌ باب افعال سے ہے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے موصول جمع کا ۔ اِعْمَلُوْا یہ جملہ مقولہ ہے قول کا فعل امر ہے بصیغۂ جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے بنا علٰی جارہ بمعنی فِیْ مَکَانَتِہٖ اسم ظرف مؤنث مضاف ہے ضمیر کُمْ کا ۔ اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ عٰمِلُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر کا صیغہ اس کا واحد عامِلٌ ہے ۔ عَمَلٌ سے بنا بمعنی دلی لگاؤ سے کام کرنا ، واؤ عاطفہ اِنْتَظِرُوْا فعل امر بصیغۂ جمع مذکر باب افتعال سے ہے ۔ یہ جملہ عطف ہے قل کے مقولے پر ۔ اِنَّ تحقیقی نا ضمیر اس کا اسم مُنْتَظِرُوْنَ اسی باب کا اسم فاعل جمع بمعنی انتظار کرنا ۔ نَظْرٌ سے بنا ۔ لغت کا ترجمہ آنکھ لگانا ۔ وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَیْہِ یُرْجَعُ الْاَمْرُ کُلُّہٗ ۔ واؤ استینافیہ لام جارہ ملکیت کا لفظ مجرور متعلق ہے ثابت اسم فاعل پوشیدہ مبتدا کے غیب مصدر مضاف ہے وزن بیع بمعنی اسم مفعول یعنی مغیب اسم جنسی ہے ۔ اَلسَّمٰوٰتِ الف لام استغراقی ۔ سموات جمع ہے سماء کی مفعول فیہ مضاف الیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضِ الف لام استغراقی یا عہدی معطوف سموات کا ۔ واؤ سرجملہ اِلٰی جارہ ہٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اللہ تعالٰی متعلق مقدم ہے یُرْجَعُ سے یہ فعل یا مضارع مجہول یا معروف اگر مجہول ہو تو بمعنی رَدٌّ اگر معروف ہو تو بمعنی عَوْدٌ یعنی لوٹنا اَلْاَمْرُ الف لام عہدی یا استغراقی مؤکد ہے کُلُّہٗ سے لفظ اسم جمع ہے کلیہ کا سور ہے بحالت رفع تاکیدی تابع ہے ام کا اور ہ فاعل یا غائب فاعل ہے یُرْجَعُ کا مرجع امر ہے یا یہ عطف بیان ہے ۔ فَاعْبُدْہُ وَتَوَکَّلْ عَلَیْہِ وَمَا رَبُّکَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۔ فاء ترتیبیہ اُعْبُدْ فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر اَنْتَ کا مرجع یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا عام مومن ہٗ کا مرجع اللہ تعالٰی واؤ عاطفہ تَوَکَّلْ باب تفعّل کا امر حاضر معروف وَکْلٌ سے بنا بمعنی سپرد کرنا یہاں مراد بھروسہ کرنا ۔ علٰی حرف جر بمعنی فوقیت ہٖ کا مرجع ذات باری تعالٰی ۔ خطاب میں وہی دونوں احتمال جو فَاعْبُدْہُ میں تھے ۔ واؤ سرجملہ مَا نافیہ مشبہ بلیس رَبٌّ بمعنی مربی مبالغے کا صیغہ ہے مراد اللہ تعالٰی مضاف ضمیر مخاطب کی طرف اسم مَا ہے ۔ بِغَافِلٍ ، با زائدہ معنی ندکر مثلاً ۔ غَافِلٌ اسم فاعل واحد مذکر غَفْلٌ سے بنا بمعنی بھولنے والا بوجہ لا پرواہی ۔ اور کند ذہنی سے بھولنا نسیان ہے ۔ عَنْ حرف جر بمعنی مِنْ بیانیہ مَا موصولہ مجرور تَعْمَلُوْنَ فعل مضارع معروف بصیغۂ جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے بنا بمعنی عقیدۃً کام کرنا ۔ یہ جملہ صلہ ہو کر متعلق ہے غافل کے ۔

تفسیر عالمانہ

وَقُلْ لِّلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۔ اے پیارے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم قصہائے مبارکہ سے معلوم ہو گیا کہ انبیاء سابقین نے کیا فرمایا اور قوم نے کیا جواب دیا ۔ بالکل اسی طرح کا سلوک آپ سے آپ کی یہ کی برادری کر رہی ہے لہٰذا چونکہ آپ بھی ہر طرح ان کو سمجھا چکے سابقہ قوموں کے حالات وانجام انہوں نے بھی سن لیے مگر بجائے نصیحت پکڑ کر ایمان لانے کے ان کی خباثتیں اور ایذائیں مسلمانوں پر زیادہ ہی ہوتی جا رہی ہیں ۔ لہٰذا جس طرح انبیاء سابقین نے اپنی قوموں سے آخری کلام فرمایا

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ

اور فرمادو کران جو نہیں مومن بنتے عمل کیئے جاؤ پر جگہ اپنی بے شک ہم اپنا عمل

اور کافروں سے فرماؤ تم اپنی جگہ کام کیئے جاؤ ہم اپنے کام

اِنَّا عٰمِلُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلِلّٰهِ

کرنے والے ہیں اور انتظار کرو تم بے شک ہم بھی منتظر ہیں اور لیئے

کرتے ہیں اور راہ دیکھو ہم بھی راہ دیکھتے ہیں اور اللہ

غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ

اللہ کے غیب ہے آسمانوں اور زمین کا اور طرف اس کے لوٹائے جائیں گے امر

ہی کے لیئے ہیں آسمانوں اور زمین کے غیب اور اسی کی طرف سب کاموں

كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ

سب کے سب تو عبادت کرو اور بھروسہ کرو پر اسی اور نہیں ہے رب آپ کا کچھ غافل

کی رجوع ہے تو اس کی بندگی کرو اور اس پر بھروسہ رکھو اور تمہارا رب تمہارے

عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

اس سے جو کرتے ہو تم لوگ

کاموں سے غافل نہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں وہ کلام درج تھا جو رب نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا۔ جس میں تسلیاں اور چند احکام تھے۔ اب نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہو رہا ہے کہ جس طرح سابقہ انبیاء نے کفار کے ایمان سے مایوس ہو کر آخری فیصلہ کن بات کہی تھی آپ بھی کفار سے اسی طرح فرما دیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا۔ کہ ہم تمہارے اعمال دیکھتے ہیں۔ اب اس کا سبب بتایا جا رہا ہے کہ ہم غیب داں ہیں اور عالم الغیب کا لقب ہمارا خصوصی لقب ہے۔ اور یہ کہ ہم غفلت ونسیان سے بھی پاک ہیں۔ گویا کہ یہ آیت پچھلی آیات کا خلاصہ ہے (تفسیر رازی)

تفسیر نحوی۔ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنَّا عٰمِلُوْنَ۔ وَانْتَظِرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ۔ واؤ

ہے ہر ایک کا سبیلِ ذات طریقِ صفات جدا ہے۔ ہر طالب اپنے اپنے مذاق اپنے اپنے مشرب پر ہے۔ کوئی کوچۂ معرفت میں کوئی بادیۂ توحید میں کوئی بیابانِ وحدت میں، کوئی بازارِ محبت میں کوئی میدانِ شوق میں کوئی محلاتِ عشق میں کوئی خاردارِ حالات میں، کوئی گلستانِ ارادت میں، کوئی چمنِ معاملات میں رواں دواں ہے۔ مریدین کا حال طالبین سے طالبین کا حال متوسلین سے متوسلین کا حال۔ عارفین سے عارفین کا حال مرسلین سے مشابہ نہیں ہر ایک کے علوم و معرفت علیحدہ ہیں اور اگر چاہتا تیرا رب البتہ بنا دیتا سب اہلِ انس کو ایک امت فطرت اور توحیدِ الٰہیہ کی استعداد کے متفق۔ لے واردات تجلیات کے تنفیق ابدال۔ یہ اہل سعادت و شقاوت جبت و استعداد میں اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ خوش بخت ناصح سمجھاتے اور بدبختوں کو روکتے ٹوکتے ہی رہیں گے۔ گرتوں کو اٹھاتے ڈوبتوں کو بچاتے ہی رہیں گے۔ مگر بدخصلت نفوسِ خبیثہ اپنے خیر خواہوں سے نفرت و فساد۔ کدورت و حسد رکھتے ہی رہیں گے۔ ہر خیر و شر والے احوال و مقام اور افعال و اقوال میں مختلف رہیں گے۔ مگر وہ بندگانِ خواص جن پر توحید ہدایت اور توفیق کمال کا رحم فرمایا تیرے رب نے وہ اہل خیر سیرت طریقت۔ مذہب و مقصد متفق رہیں گے۔ ان کا قبلہ حق ہے۔ ان کا دین توحید ہے۔ ان کا کعبہ محبت ہے۔ ان کا بیت المقدس عشق الٰہی ہے۔ یہی لوگ انوارِ قدم میں مقام غیب پر پہنچتے ہیں۔ دبدبہ اور سطوتِ ازلی میں خود کو فنا کر کے محو تمکین کی بقا پا لیتے ہیں۔ ان پر مقام اتصاف عطا کر کے رحم کیا جاتا ہے۔ کیونکہ تمکینِ اتحاد میں تلوینِ اختلاف نہیں ہوتا ہے رحم رحیم اور کرم کریم اور اسی رحم کے لیے ان کو پیدا کیا۔ یا اسی اختلافِ خفی و جلی کے لیے قالب و قلب۔ عقل و فواد۔ امارہ و مطمئنہ کو پیدا کیا۔ تاکہ ہر ایک اپنی ہمت و استعداد میں کوشاں ہے۔ اور خارو گل پیدا ہوتے رہیں اور نظامِ عالم بااثر قائم ہے۔ نفس و دماغ دمِ فطری اپنی سرکشی پھیلاتے رہیں گے مگر تیرے رب کا کلمۂ تقدیر پورا ہو گیا۔ کہ البتہ تمام جنات اشرار باطنی اور انسان خصالِ رذیلہ سے جہنم فراق دوزخ عذاب اور آتشِ لعنت کو بھر دوں گا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ أَنۢبَآءِ ٱلرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهِۦ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِى هَٰذِهِ ٱلْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَذِكْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ۔ اے محبوب تیرے حبیب مصطفیٰ ہم تمام قاصدان انوار واردات احوال کے واقعاتِ اسرار لطائف غیب تجھ پر ظاہر فرما دیتے ہیں جن سے معراج عرش پر تیرا انوار جسدی ثابت و قائم ہو۔ یہ واقعاتِ حسن و جمال وہ ہیں جن سے تیرے لیئے معرفت حق ہے اور قلب عرش کے ماننے والے کے لیئے اہل معاملات کے لیے بصیرت کا وعظ اور بصارت کی نصیحت۔ وارداتِ اجسام اور تغیراتِ قالب کی خبریں قلب انوار کے سامنے اس لیے بیان کی جاتی ہیں کہ یہ قصے روح و شعور کے لیے ثبوتِ حق ہے اور حالاتِ باطن اعضاءِ ظاہر کے لیئے عبرت کا موعظہ ہیں۔ واقعاتِ اشرار مومنین اخیار کے لیے ذکریٰ اور نصیحتِ ہمت و تقویٰ ہے۔ (تفسیر محی الدین ابن عربی۔ عرائس البیان) ؎

کر دین اور حق و باطل میں اختلاف کرتے رہیں گے۔ حالانکہ یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اختلاف کرنے سے مراد زبان رنگ و نسل، خوراک کا روبار کا اختلاف ہو۔ **جواب۔** یہ نہیں ہو سکتا۔ دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ لفظ مختلف باب افتعال کا اسم فاعل واحد ہے۔ باب افتعال بصیغہ اسم فاعل اپنی تینوں خاصیتوں میں متعدی ہوتا ہے اور متعدی فعل اختیاری کو چاہتا ہے نہ کہ اضطراری کو یعنی ہر انسان اپنی نفسانی خواہش سے خود اختلاف کرتا ہے گا لیکن رنگ نسل خوراک کا اختلاف فعل اضطراری ہے۔ کسی کے بس کی بات نہیں۔ اگر یہاں یہ نسلی لسانی اختلاف مراد ہوتا تو لفظ مُخْتَلِفِیْنَ نہ ہوتا۔ دوسری وجہ یہ کہ کلام پاک سیاق و سباق بتا رہا ہے کہ یہاں دینی اختلاف مراد ہے۔ کیونکہ پہلے ہے وَلَوْ شَآءَ یعنی اللہ کی مشیت اگر ہوتی تو ایک امت ہوتی اور امت اصطلاح میں دینی جماعت کو کہتے ہیں۔ اس کے بعد ہے اِلَّا مَنْ رَّحِمَ یعنی مختلفین پر رحم نہیں ہو گا۔ کیونکہ اختلاف جرم ہے حالانکہ نسل، قومی، لسانی، خوراکی اختلاف جرم نہیں۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ایک تفسیر میں ذٰلِكَ سے مراد رحمت ہے۔ لفظ رحمت مؤنث ہے۔ تو چاہیئے تھا تِلْكَ ہوتا۔ ذٰلِكَ کیوں آیا؟ **جواب۔** رحمت کی تانیث حقیقی نہیں۔ لہٰذا اس کو فضل او ربخشش سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ جیسے ایک آیت ہے هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ اور جیسے کہ اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ۔ ہر دو جگہ هٰذَا اور قریب مذکر ہیں۔ اور مراد رحمت ہے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ فقط رحمت ہے ہی نہیں جیسا کہ ابھی تفسیر میں بیان ہوا۔ **تیسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا كُلًّا نَّقُصُّ جس سے ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کے قصے بیان ہو گئے اور دوسری آیت میں ہے کہ اے نبی ہم نے آپ کے سامنے بعض انبیاء کے قصے بیان کر دیئے بعض کے نہیں۔ دونوں آیتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے؟ **جواب۔** تعارض نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہم نے بعض بیان کئے اور بعض نہیں بیان کئے۔ اور معنی ہے کہ ہم نے اپنے نبی کریم کو قرآن مجید کے علاوہ بھی واقعات سنائے۔ جو سب مل کر تمام ہو گئے تو معترض کی پیش کردہ آیت میں صرف قرآنی قصے مراد ہیں۔ اور تمام اس کے اور بھی جواب دیئے گئے ہیں۔ مگر یہ سب سے بہتر ہے۔ **چوتھا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا هٰذِهِ الْحَقُّ اس سورت میں حق بیان ہوا ہے۔ تو کیا دوسری سورتوں میں جو واقعات مذکور ہیں وہ حق نہیں ہیں؟ **جواب:** یہاں حق باطل کا مقابل نہیں بلکہ حق بمعنی مفصل ہے یعنی یہاں واقعات خوب تفصیل سے بیان ہوئے باقی دوسری سورتوں میں تھوڑے تھوڑے اجمال اور اختصار کے ساتھ۔ (صاوی، خزائن الرازی، کبیر، سراج منیر)

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ بدیع کائنات جل شانہ کی عین حکمت بالغہ ہے کہ قالب ظاہری اجسام باطن کے ہم وطنوں کو اپنے علوم تدبیریہ کے منشا سے عرفان کے طریقوں میں مختلف کیا۔ کسی کو نفس امارہ کسی کو نفس مطمئنہ کسی کو قلب کسی کو روح کسی کو ضمیر کسی کو شعور بنایا۔ پھر ظاہر میں کسی کو باصرہ کسی کو شامہ کسی کو سامعہ کسی کو لامسہ بنایا اور ہر ایک کو
۱۰ استعدادِ معرفت ذات و صفات کا علیحدہ راستہ بتایا اور ساکنان باطنی میں سے ہر ایک اپنے متفرق راستے پر سیر طلب کر رہا

کسی سے پوچھنے پڑھنے کی سکھنے ضرورت نہیں ہر چیز محاط ہے۔ اور آپ کا علم پاک سب کو محیط ہے بخلاف دنیا کے دیگر لوگوں کے ان کے لیے قرآن مجید پچھلے حالات اور دنیا کے علوم مجمل ہیں بغیر پڑھے نہیں آسکتے، وہ بھی انتہا اور حدود کے اندر بے انتہا اور بے حد صرف علم مصطفیٰ ہے۔ اس لیے ایک جگہ رب کریم نے فرمایا هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا اللہ نے ان پڑھوں میں اپنا رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھیجا۔ یعنی نبی پاک کی تمام امت ان پڑھ جاہل ہے اور امت کی کثرت یہ ہے کہ کَافَّةً لِّلنَّاسِ سارے انسان تا قیامت آپ کی امت ہیں حالانکہ ان میں بڑے بڑے محدث، مفسر، منطقی، فلسفی، سائنسدان ہیں مقصد یہی ہے کہ اے نبی تمہارے مقابل اَن پڑھ ہیں۔ اور یہ قرآن نبی پاک کے لیے حق یعنی مفصل برہان ربی ہے۔ اعمال کے لحاظ سے ذکر بلیغ ہے کہ سب کے اعمال غذا مومن کے لیے بقا۔ اور تذکرہ دنیا و حشر نشر میں قبر و برزخ میں۔ اور نصیحت ہے۔ یعنی دنیا سے نفرت دلانے والی آخرت کی آفت سمجھانے والی (تفسیر کبیر، معانی، بیان، مظہری، خزائن، خازن، مدارک، جمل صاوی، سراج منیر، ابن کثیر)

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ رب تعالیٰ کی ساری مخلوق میں انسان عجیب شان والی مخلوق ہے۔ کہ اس کی پیدائش کی حکمت عبادت ہے۔ اور اس کی پیدائش کا نتیجہ اختلاف ہے لہٰذا جو مسلمان خاندان میں پیدا ہوا اس کو رب تعالیٰ کا بہت شکر کرنا چاہیئے۔ کیونکہ رب کریم نے سب میں سے چن کر اسکو اپنی رحمت کے لیے علیحدہ کر لیا، یہ محض اس کا کرم ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ یہ فائدہ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ اور اس سے پہلے لَا یَزَالُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ جہنم میں کافر فاسق جن بھی جائیں گے اور انسان بھی۔ مگر جنت میں صرف انسان مومن ہی جائیں گے نیک جنات کو فنا کر دیا جائے گا یا عالم اعراف میں رکھا جائے گا۔ فاسق جنات کو بعد سزا جہنم فنا کر دیا جائے گا یا اعراف میں پہنچا دیا جائے گا۔ کافر جنات ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دوزخ میں رہیں گے۔ یہ فائدہ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ نبی کریم کو رب تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کے حالات بیان کر کے بتا دیئے۔ اور نبی کریم کا علم بہت وسیع بلکہ لامحدود ہے۔ کائنات میں کسی مخلوق کا علم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے برابر نہیں ہو سکتا۔ جتنے علوم قرآن مجید سے نبی کریم جانتے ہیں اتنا کوئی نہیں جانتا۔ نبی کریم کا علم قرآن مجید کے علاوہ بھی ہے۔ یہ سب فائدے كُلًّا نَّقُصُّ سے حاصل ہوئے۔ **چوتھا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کے ذکر سے دلوں کو چین و اطمینان ملتا ہے۔ یہ فائدہ مَا نُثَبِّتُ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**۔ ساری مخلوق میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی پاک صاحب لولاک سب سے عزت و شان والے اور پیارے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان کے دل کو غمگین نہیں رہنے دیتا۔ کہ جب کبھی کفار کی بیہودگیوں سے آپ غمگین ہوتے تو تسلی رب دیتا ہے۔ یہ فائدہ فُؤَادَكَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات پڑھ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا لَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ۔ دنیا بھر کے انسان اختلاف کرتے رہیں گے۔ مفسرین نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے

یا فقط آخرت میں تیسرا قول یہ کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ فقط اختلاف ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ ہم نے صرف اسی لیے انسان کو پیدا کیا کہ یہ اختلاف کرتے پھریں، حق و باطل میں جھگڑتے رہیں۔ تاکہ باطل بطلان کا تخم پھیلیں، باطل میں طرح طرح کے کانٹے اگائیں اور حق پرست دن رات اپنی ہمت کوشش، عقل دماغ، عشق و الفت، تحریر و تقریر، منطق و فلسفہ سے شریعت و طریقت کے پھول کھلاتے رہیں، کانٹے ہٹاتے رہیں۔ یہ قول اگرچہ پہلے قول سے قریب تر ہے مگر اِلَّا کے استثنا کے خلاف ہے اور لَاَمْلَئَنَّ کے تقاضے کے خلاف ہے کہ جب تقدیر ازلی میں کفار کے لیے جہنم کا فیصلہ ہو چکا۔ حالانکہ سیاقِ کلام نے بتایا ہے کہ سارے مختلفین جہنم میں ہوں گے۔ پس ظاہر ہے کہ اختلاف والے اور رحمت والے علیحدہ علیحدہ ہو کر ہی ذٰلِكَ کا مشار الیہ ہے۔ دونوں مقصدوں کے لیے انسانوں کو پیدا کیا گیا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ ۔ اور اے پیارے نبی تمام کے تمام واقعات ہی ہم آپ کے سامنے کھول کر بیان فرما دیں گے۔ یا فرما رہے ہیں تمام انبیاء کرام کی غیبی خبروں سے وہ خبریں جن کے ذریعے آپ کے غمگین قلبِ پاک کو تسلی اور تسکین ہے۔ مضبوط اور ثابت رکھیں گے ہم اور آئیں آپ کے پاس اس سورتِ ھود میں سچی کہانیاں عظیم الشان نصیحتیں اور عبرت کے تذکرے صرف مومنوں کے لیے کیونکہ وہی نصیحت لے کر عبرت پکڑ کر نفع حاصل کرنے والے ہیں۔ لفظ كُلًّا مفعول بہ کو عامل فعل پر مقدم فرما کر ثابت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام انبیاءِ عظام کے واقعات سنائے کچھ قرآنِ مجید میں ذکر ہو گئے کچھ حدیث پاک میں اور کچھ وحی خفی کے ذریعہ۔ دنیا والوں کو تو صرف ان ہی پیغمبران کرام کا پتہ ہے جن کا ذکر پیارے آقا نے فرما دیا۔ لیکن آپ کو ایک ایک نبی علیہ السلام کا نام اور حالات کا مکمل علم ہے۔ نبی کریم سے کچھ پوشیدہ نہیں۔ مِنْ اَنْۢبَآءِ میں مِنْ تبعیضیہ ہے۔ جس نے بتایا کہ کچھ خبریں بیان کیں کچھ نہیں بیان کیں۔ جن کی ضرورت تھی وہ سب اپنے نبی کو بتا دیا۔ لفظ رسل جمع ہے رسول کی اصطلاحاً اگرچہ رسول ایک خاص طبقہ کو کہا جاتا ہے جن کی تعداد تین سو تیرہ ۳۱۳ ہے مگر یہاں لغوی رسول مراد ہے۔ یعنی ایک لاکھ چوبیس ہزار ۱۲۴۰۰۰ انبیاء کرام نُثَبِّتُ سے بتایا گیا ہے۔ کہ ظاہراً تو نبی کریم کو تسلی دی جا رہی ہے دراصل موجودہ و آئندہ نسل اسلامی کو تسکین و تسلی ہے کہ اے مسلمانو دین کے اختیار کر لینے کے بعد تم ہی کو تکلیفیں دنیا داروں کی طرف سے نہیں پہنچیں بلکہ پہلے بھی ایمان والوں کو ایسی مصیبتیں جھیلنی پڑیں ہیں۔ تسکین اس طرح کہ فطرتِ انسانی کے مطابق جب تکلیف کے متعلق پتہ لگ جائے کہ یہ سب کو ہی ہے تو تکلیف کی سختی حسابی طور پر کم ہو جاتی ہے۔ فُؤَاد قلب کے اس حصہ کو کہتے ہیں جو مقامِ حسِ تکلیف ہے کہ خوشی و غمی قلب کے اسی پردے پر وارد ہوتی ہے۔ هٰذِهٖ کا مشار الیہ یا پوری سورۂ ھود ہے۔ اور یہی قول قوی تر ہے۔ یا یہ آیت یا دنیا یعنی اس دنیا میں آپ کے لیے ہر چیز حق ہے۔ یا ہر چیز تفصیل وار ہے۔ لفظِ حق کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ صاف ظاہر و واضح۔ تو مطلب یہ ہے کہ یہ قرآن آپ کے لیے بالکل مفصل ہے کہ کسی سے پوچھنے کی حاجت نہیں یا دو یہ پچھلے واقعات آپ کے لئے ایسے صاف واضح ہیں گویا آپ نے سب آنکھوں دیکھے ہوئے۔ یا یہ ساری دنیا یہاں کی ہر چیز آپ کے لیے بالکل مفصل ہے

پھر قدری پھر روافض پھر خوارج وغیرہ وغیرہ فرقے بنتے چلے گئے۔ لیکن ہر دور میں صراطِ مستقیم قائم دائم چمکتا دمکتا رہا اور ان ہی کفروں میں سے مسلمان ان ہی کانٹوں میں سے پھول انہی اندھیروں میں سے اُجالے۔ ان ہی نمرودوں میں سے خلیل ان ہی فرعونوں میں سے موسیٰ (علیہم السلام) زندیقوں میں سے صدیق ان ہی یزیدوں میں سے حسین پیدا ہوتے رہے لہٰذا اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ سے استثنا متصل ہی ہے۔

شعر ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز — چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

آخری نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کفر کے فرقے تھے اب اسلام کے تہتر فرقے ہیں تفسیراتِ احمدی نے صـ۲۰۶ پر پوری فہرست مرتب کی ہے۔ حرف لو شرطیہ امتیلیہ ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مشیت امت وحدہ ہونے میں نہ تھی قانونِ شرعی میں پہلے ہر فعل پر مشیت ہوتی ہے۔ پھر ارادہ پھر حکم پھر نفاذ۔ رضائے الٰہی ان سب سے علیحدہ ہے بعض جگہ مشیت ہوتی ہے رضا نہیں ہوتی اور بعض جگہ رضا ہوتی ہے تو مشیت اس کے بعد ہوتی ہے مگر یہ سب کچھ حکمت الٰہی کے تحت ہیں۔ ان ہی مشیتوں میں سے اختلافِ انسانی ہے۔ اگر اختلاف سے مراد حق و باطل کا اختلاف ہے تو مستثنیٰ متصل ہے جیسا کہ ابھی پہلے بیان ہوا۔ اور اگر فروعی اختلاف مراد ہے جیسا کہ مجتہدین یا علماء اہلسنت کا آپس میں اختلاف تو مستثنیٰ منقطع ہے اور آیت کی تفسیر اس طرح ہوگی کہ لوگ اختلاف کرتے رہیں گے مگر جن پر اللہ کا رحم ہوگا وہ زیادہ درستی پر ہوگا اور باقیوں پر بھی رحم ہوگا اگرچہ کم درستی ہو۔ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۔ اور اسی رحمت اور اختلاف کے لیے پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے ان انسانوں کو کہ مومن خبایت اسلام اور انبیاء عظام کی نبوت کو مان کر رحمتِ الٰہیہ میں سدا بہار پھولیں پھلیں۔ اور کفار اختلاف ہی میں الجھے رہیں۔ وجہ یہ ہے کہ اور پورا ہو چکا آپ کے رب کا یہ کلمہ تقدیرِ ازلی میں کہ البتہ ضرور بھروں گا میں جہنم کو کافر جنات اور کافر انسانوں سے۔ سب سے ایک دم۔ اس میں اختلاف ہے کہ ذٰلِكَ کا مشار الیہ کون ہے۔ ایک قول ہے کہ رحمت و اختلاف دونوں مراد ہیں یہی قول قوی ہے۔ یہی جمہور اہلسنت کا ہے قرآن مجید کی اگلی آیت بھی اسی طرف راغب ہے۔ (تفسیر کبیر) ہم نے اپنی اس تفسیر میں اسی کو ترجیح دی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ مراد صرف رحمت ہے اور مطلب ہے کہ ہم نے تو بندوں کو صرف رحمت کیلئے پیدا کیا تھا مگر بندے خود ہی ہماری رحمت سے ہٹ کر عذاب میں چلے گئے۔ یہ مذہب جمہور معتزلہ کا ہے۔ یہ قول کمزور ہے۔ اس لیے کہ آگے باری تعالیٰ کا ازلی فیصلہ سنایا جا رہا ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ اگر سب کو رحمت ہی کے لیے پیدا کیا گیا تھا تو دو باتیں لازمی تھیں ایک یہ کہ جہنم کو کفار سے بھرنے کا قدیمی فیصلہ نہ ہوتا۔ دوم یہ کہ پھر انسانوں کو خود مختار نہ بنایا جاتا جدھر چاہے جائے۔ بلکہ یا تو نافرمانی کی قوت پیدا ہی نہ فرمایا یا قوتِ اختیار سلب کر لی جاتی۔ یا ہر وقت قہر کی لاٹھی سروں پر مسلط رہتی جس کے خوف سے گناہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی انسان نہ دیکھتا مگر ایسا نہ ہوا تو پتہ لگا کہ ہر انسان رحمت کے لیے پیدا نہیں ہوا۔ بلکہ اللہ نے اپنے انبیاء کے وسیلہ سے دو راستے دکھا دیئے کہ یہ جنت کا راستہ ہے اور یہ جہنم کا راستہ ہے۔ اے لوگو! اب تم خود مختار ہو جدھر چاہو جاؤ۔ اللہ کی طرف سے تم پر کوئی جبر و قہر نہ ہوگا۔ اگر رحمت والے کام کرو گے تو رحمت ضرور پاؤ گے اور اگر عذاب کے کام کرو گے تو عذاب ضرور پاؤ گے دنیا اور آخرت

فی جارہ ظرفیہ ھٰذِہٖ اسم اشارہ قریبی مشار الیہ یا قرآن پاک یا قصص انبیاء اور یا یہ دنیا ہے۔ اَلْحَقُّ الف لام عہدی ہے حق بمعنی سچی بات۔ باطل کا مقابل یا صراطِ مستقیم۔ واؤ عاطفہ مَوْعِظَۃٌ اسم ظرف ہے یا مصدر میمی ہے بروزن مَنْطِقَۃٌ وَعْظٌ سے بنا بمعنی نصیحت دینا بحالتِ رفع معطوف اَلْحَقُّ فاعل جاء پر واؤ عاطفہ ذکریٰ بروزنِ فعلیٰ بمعنی نصیحت لینا۔ بحالت رفع بوجہ معطوف ہونے کے اَلْحَقُّ کا۔ اَلْحَقُّ معطوف الیہ پر الف لام تعریفی آیا۔ مگر دونوں معطوفوں پر نہ آیا دو وجہ سے یا اس لیئے کہ اَلْحَقُّ شی فی نفسہٖ کا حال ہے لہٰذا خاص ہے پس معرّف باللّام ہوا اور موعظہ و ذکریٰ غیر پر قیاس سے وقف ہیں۔ لہٰذا عام ہوئے بدیں وجہ نکرہ۔ اور یا اس لیے حق صرف نبی کریم کے لیئے ہے۔ ان کی نسبت سے ہے لہٰذا خاص معرفہ ہوا۔ اور موعظہ و ذکریٰ تمام امت کے لیئے لہٰذا عام نکرہ ہوا۔ لِلْمُؤْمِنِیْنَ لام جارہ نفع کا ہے اَلْمُؤْمِنِیْنَ الف لام تعریفی اسمی بمعنی اَلَّذِیْ جمع کثرت کے لیئے ہے مومنین جمع تکثیر سالم اس کا واحد مومن بحالتِ جرّ نون مفتوحہ آیا

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ --- اے پیارے حبیب یا اے مسلمانوں تمام واقعات تم نے سن لیے اور تم کو معلوم ہو گیا کہ ابتدائے آفرینش سے کفر و اسلام کا اختلاف اور لڑائی جھگڑا ہوتا چلا آیا ہے آج کوئی نیا اختلاف نہیں۔ تو جان لو کہ یہ سب کچھ حکم الٰہی کے مطابق کسی خاص حکمت کے تحت ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اگر چاہتا آپ کا رب تو مشیت الٰہی کے مطابق البتہ بنا دیتا تمام لوگوں کو ایک ہی امت جو متفقہ طور پر دین اسلام پر قائم رہتے نہ اختلاف ہوتے نہ جھگڑے نہ قتل و غارت۔ نہ نفس امّارہ کے شرارے ہوتے، نہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام تشریف لاتے نہ اتنی کتب آسمانی آتیں، نہ علماء اور اولیاء ہوتے۔ نہ مناظرے و مکالمے ہوتے، نہ آمد انبیاء کے نظارے، نہ انبیاء کے دم قدم کی چہل پہل ہوتی لیکن حکمت الٰہی یہ نہ تھی کہ سب آدمی ایک گروہ بنے رہیں۔ اور حق کی لذت ہی نہ آئے، بلکہ حکمت اور رضا جو کچھ تھی۔ اس پر حکم جاری ہوا اور نہ زائل ہوں گے یعنی تا قیامت یہ انسان اختلاف کرتے ہی رہیں گے۔ اس لیئے کہ یہ انسان فطری طور پر اسی لائق ہیں۔ ان کا خمیر چاہتا ہی نہیں کہ انہیں اتفاق ہو، ہاں وہ اتفاق جو حضرت آدمؑ کے ابتدائی دور میں ہوا، اور آخر زمانہ میں حضرت عیسیٰؑ کی دوبارہ آمد پر ہوگا وہ اس ازلی تقدیر سے خارج ہے۔ کہ وہ جزوقتی بات ہے نہ کہ کلی۔ بعثت انبیاءِ پاک کا مقصد بھی کفر مٹانا نہیں، بلکہ کفر دبانا ہے پس جب کفر کا بیج باقی تو اختلاف اور جھگڑے بھی جنم لیتے ہی رہیں گے۔ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ۔ مگر وہ شخص گمراہی کے جھگڑوں سے بچے گا جس پر آپ کا رب رحم کرے گا۔ جو انبیاء اکرام کے بارے اور قرآن و حدیث اور دین حق میں جھگڑا نہ کریں گے۔ کیونکہ بندہ کاسبِ فعل ہے اور رب تعالیٰ خالق ہے فعل کا۔ چونکہ بندے کا کام رب کے پیدا کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔ اس لیے سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم اور ارادے کے تحت مرید و محکوم ہے۔ کسی کو دم مارنے کی جرأت نہیں۔ اِلَّا سے مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ کفر بہت قسم کا ہے سب سے پہلا کفر جو دنیا پر ہوا وہ قوم نوح علیہ السلام یعنی بت پرستی تھا پھر نمرود یعنی ستارہ پرستی پھر سورج پرستی، پھر چاند پرستی پھر دھریت یعنی منکر خدا ہر دین سے ہر پرستش سے جدا، پھر یہودیت پھر مجوسی پھر نصرانی پھر جبری

تفسیر نحوی

وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلَا یَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِیْنَ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ .... واؤ ابتدائیہ لو حرف شرط شاء ماضی معروف جملہ شرطیہ انشائیہ کے معنی میں بشیت سے بنا، بمعنی چاہت اس کا فاعل رَبُّ اضافت ضمیر مخاطب کَ کی طرف، لَجَعَلَ لام تاکید جزا کے لیئے آیا جَعَلَ فعل مگر جملہ انشائیہ جزائیہ متعدی بدو مفعول اوّل مفعول اَلنَّاس الف لام استغراقی ناس بمعنی انسان اُمَّةً موصوف وَاحِدَةً صفت مفعول دوم ہے تنوین تنظیم کی ہے واؤ حالیہ لَا یَزَالُوْنَ مضارع منفی بمعنی مستقبل زوال اجوف واوی سے بنا باب سَمِعَ۔ بمعنی زائل ہونا ختم ہونا یہاں زوال کی نفی ہے۔ یعنی نہیں ختم ہوں گے۔ مراد ہے رہیں گے مُخْتَلِفِیْنَ باب افتعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر خلف سے بنا، بمعنی ایک دوسرے کو پیچھے دیکھ لینا یعنی نظریاتی اختلاف کرنا اِلَّا حرف استثنا منقطع ہے بعض نے متصل مانا ہے مَنْ موصولہ رحم فعل ماضی باب سَمِعَ رَحِمَ سے مشتق ہے۔ متعدی ہے اس کا مفعول بہ کا ضمیر پوشیدہ ہے رَبُّ بحالت رفع فاعل ہے رَحِمَ کا وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ واؤ حالیہ لام حرف جر ادر ...... ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ رحم ہے بعض نے کہا اختلاف ہے متعلق مقدم ہے خَلَقَ فعل ماضی معروف کا۔ اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلنَّاس

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔ واؤ برجلہ تمت ماضی مثبت بصیغہ واحد مؤنث باب نَصَرَ تَمَّ سے بنا بمعنی مکمل کرنا یہاں لازم ہے کَلِمَةُ بحالت رفع فاعل ہے۔ تمت مضاف ہے لفظ رب کی طرف کَلِمٌ سے لغوی ترجمہ چیرنا یا چرنا۔ متعدی یا لازم۔ مراد فیصلہ ربی ہے۔ لَاَمْلَئَنَّ لام کی بمعنی یقیناً۔ البتہ یہ جملہ بدل ہے۔ اَمْلَاً اَمْلَئَنَّ فعل مضارع مستقبل بصیغہ واحد متکلم متعدی ہے۔ یک مفعول جَهَنَّمَ اسم جامد ہے بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ مِنْ جارہ اَلْجِنَّة اسم جامد ہے جن کی دراصل تھا اَلْجِنَّاتِ الف جمع حذف ہوا تخفیف کے لیے واؤ عاطفہ اَلنَّاس جمع ہے انس کی۔ ہر دو جگہ الف لام استغراقی ہے یا عہد خارجی۔ اجمعین جمع ہے اسم تفضیل اَجْمَعُ کی بحالت زبر ہے حال جِنَّةِ والناس ہیں تاکید محض یا تاکید معیت کے لیے آیا۔ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ - واؤ ابتدائیہ كُلًّا اسم جمع ہے۔ تنوین عوضی ہے مضاف الیہ کے بدلے میں آئی دراصل تھا کُلُّھَا بحالت زبر مفعول بہ مقدم ہے۔ نَقُصُّ فعل مضارع حال کا باب نَصَرَ قَصَصٌ سے بمعنی ضرورت کے مطابق بیان کرنا۔ قصہ کہنا۔ کسی کا ذکر حیات سنانا۔ یہاں سب معنی ہو سکتے ہیں بصیغہ جمع متکلم۔ علی جارہ بمعنی عِنْدَكَ ضمیر مخاطب مجرور متصل مِنْ جارہ بعیضیہ اَنْبَا جمع نَبَاءٌ بمعنی غیبی خبر مجرور ہے مِنْ جارہ سے مضاف ہے بطرف اَلرُّسُل۔ متعلق دوم ہے نَقُصُّ کا۔ رُسُل جمع رسول کی مَا موصولہ صفت ہے انبار کی نُثَبِّتُ فعل مضارع اپنے معنی میں بصیغہ جمع متکلم باب تفعیل سے ہے ثَبْتٌ سے بنا بمعنی ثابت کرنا مضبوط کرنا۔ تسلی دینا۔ فُؤَادَ اسم جامد ہے۔ بحالت زبر مفعول بہ ہے نُثَبِّتُ کا۔ کَ ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مراد قلب پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وَجَآءَكَ فِیْ هٰذِهِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى ..... واؤ برجلہ جاءَ فعل ماضی كَ ضمیر واحد حاضر دراصل عِنْدَكَ ظرف ہے جاء کا بحالت زبر مبنی ہے

مُخْتَلِفِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ ؕ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ؕ

جھگڑا کرنے والے — مگر وہ شخص کہ رحم فرمایا رب نے آپ کے جس پر اور لیئے اسی پیدا کیا

میں رہیں گے — مگر جن پر تمہارے رب نے رحم کیا اور لوگ اس لیے بنائے ہیں

وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ لَاَمْلَـَٔنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ وَ

ان کو اور پورا ہو گیا حکم رب کا آپ کے کہ البتہ بھر دوں گا جہنم سے جنات اور

اور تمہارے رب کی بات پوری ہو چکی کہ بے شک ضرور جہنم بھر دوں گا جنوں اور

النَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۱۱۹﴾ وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ

انسانوں تمام کا تمام — اور بہت کچھ بیان کرتے ہیں ہم پر آپ سے خبریں

آدمیوں کو ملا کر — اور سب کچھ ہم تمہیں رسولوں کی خبریں سناتے

الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ ۚ وَجَآءَكَ فِيْ هٰذِهِ

انبیاء کی ایسی کہ مضبوط کریں ہم ذریعے جن کے دل آپ کا اور آیا آپ کے لیئے میں ان خبروں

ہیں جس سے تمہارا دل ٹھہرائیں — اور اس سورت میں تمہارے

الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۲۰﴾

حقانیت اور نصیحت اور یاد رکھنے کی چیز لیئے مومنوں کے

پاس حق آیا اور مسلمانوں کو پند نصیحت

تعلق

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں مختلف نظریات مختلف دینوں کا اوران پر مختلف عذابوں کا ذکر ہوا، اب فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب کچھ ہماری مشیت کے تحت ہو رہا ہے ہماری مشیت سے کچھ باہر نہیں ہم اپنی مشیت سے چاہتے تو ایک ہی دین ایک ہی امت کائنات میں ہوتی۔ مگر وہ حکمت کے خلاف تھا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں انبیاء سابقین کی محنت مشقت اور حلم و برداشت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں نبی کریم کی محنت مشقت اور صبر و تحمل کا ذکر کرتے ہوئے تسلی فرمانے کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق**۔ تمام سورت میں انبیاء کرام کے قصے ہی مذکور ہوئے اب اس کی علت غائی بیان ہوئی کہ بزرگوں کے تذکرے میں نصیحتیں ہوتی ہیں (تفسیر کبیر رازی)

معجزہ ہے۔ وہ آپ کا حسن اور خوبصورتی ہے۔ تمام علماء فرماتے ہیں کہ حسنِ یوسفی معجزۂ یوسفی تھا۔ اس کی دو دلیلیں ایک یہ کہ جس طرح عورت کے لیے حرام ہے کہ اپنا حسن مردوں کو دکھاتی پھرے اسی طرح مرد پر بھی اجنبی عورتوں کو اپنا حسن دکھانا حرام ہے مگر یوسف علیہ السّلام نے دکھایا کیونکہ آپ کا حسن معجزہ تھا۔ اور معجزہ دکھانا جائز ہے۔ اسی لیے اس حسنِ یوسفی کو دیکھ کر زنانِ مصر حمدِ باری میں مشغول ہوئیں نہ کہ نفسانیت میں۔ دوسری دلیل یہ کہ یہی وجہ ہے کہ روایات کے مطابق آپ کی عمر شریف ۱۱۰ سال ہوئی ہے مگر آپ پر بڑھاپا نہیں آیا۔ اور آپ اخیر عمر تک اسی طرح بائیس ۲۲ سالہ نوجوان نظر آتے تھے جس طرح نکاحِ زلیخا اور عزیزِ مصر ہونے کے وقت تھے۔ اس لیے کہ بڑھاپا حسن کو ختم کر دیتا ہے اور معجزہ ختم نہیں ہوتا اور پھر یہ بھی ثابت ہے کہ حضرت یوسف کا حسن بچپن ہی سے موجود تھا معلوم ہُوا کہ نبی کی نبوت بچپن ہی سے ہوتی ہے ہاں تبلیغ کی اجازت بعد میں عطا ہوتی ہے معجزہ صرف نبی کرم ہی کو دیا جاتا ہے ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ معجزے بچپن میں دے دیئے جائیں جن کو ارحاص کا لقب دیا گیا ہے۔ اور کچھ بوقتِ تبلیغ۔ ارحاص ہو یا کچھ اور خرقِ عادت۔ بہرحال ان اشیاء سے نبوت ثابت ہے اور نبی کے لیے معصوم ہونا شرطِ نبوت ہے پس لازم آیا کہ نبی بچپن ہی سے معصوم ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ مجدہٗ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے نور سے حسن کو پیدا فرما کر اس کے دو حصے کئے۔ ایک حصہ ساری مخلوق میں تقسیم فرمایا اور دوسرا حصہ حضرت یوسف علیہ السّلام کو دیا حضرت یوسف کی دوسری خصوصی فضیلت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو تعبیرِ رویا کا کامل علم عطا فرمایا۔ اس بات میں مفسرین کا اختلاف ہے کہ حضرت یوسف صرف نبی ہیں یا صاحبِ شریعت رسول ہیں صحیح تو یہ ہے کہ آپ صرف نبیؑ ہیں شریعت ابراہیمی پر عامل اور اسی کو نافذ کرنے والے۔

سورت یوسف کا چلہ اور اسکا تعویذ

علماء عاملین اور چلّہ کش بزرگ لوگ فرماتے ہیں کہ جو شخص ۴۱ دن اکتالیس مرتبہ بعد نماز اس سورۃ کو باوضو خوشبو لگا کر قبلہ رخ بیٹھ کر پڑھے تو اس کا عامل ہو۔ چلے کے دوران پھل ہر قسم کا چھوڑ دے اور بڑا گوشت کچا پیاز لہسن۔ سگریٹ۔ حقہ ہمیشہ کے لیے ترک کر دے۔ چلے کے بعد روزانہ بعد نماز عشا ایک مرتبہ پڑھے۔ اگر کسی حاکم کے پاس جانا ہو کسی حاجت کے لیے تو تیرہ مرتبہ پڑھ کر جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ حسب منشا حاجت پوری ہو۔ اگر کسی اور کی حاجت پوری کرانی ہو تو سورۂ یوسف کا تعویذ لکھ کر دے دے۔ جو شخص اس کا تعویذ اپنے پاس رکھے تو اس کو عزت و ثروت ملے سورۂ یوسف لکھ کر آبِ زمزم سے یا سات مسجدوں کے پانی سے جو مسجد کی زمین سے نکلتا ہو گھول کر اکیس دن پیئے تو مفلسی ہمیشہ دور ہو۔ سورۂ یوسف کے کل اعداد ۵۰۳۹۸۰ پانچ لاکھ تین ہزار نو سو اسی ہیں۔ اس لیے تعویذ کی چال خانہ ۹ میں ہے۔ یعنی نویں خانہ میں ایک عدد کم کیا جائے گا۔

(تعویذ اگلے صفحہ پر ہے)

۷۸۶

۱۲۵۹۸۷	۱۲۶۰۰۱	۱۲۵۹۹۸	۱۲۵۹۹۴
۱۲۵۹۹۹	۱۲۵۹۹۳	۱۲۵۹۸۸	۱۲۶۰۰۰
۱۲۵۹۹۲	۱۲۵۹۹۶	۱۲۶۰۰۳	۱۲۵۹۸۹
۱۲۶۰۰۲	۱۲۵۹۹۰	۱۲۵۹۹۱	۱۲۵۹۹۷

اور بھی بہت سے اس کے فوائد ہیں۔ ہر کام میں محنت اور احتیاط شرط ہے۔ اللہ کا کلام ہر لحاظ سے برحق ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

حضرت یوسف علیہ السلام کی ولادت اور نسب نامہ

لفظ یوسف عبرانی ہے عرب میں آکر عجمی۔ علم ہو کر غیر منصرف ہے۔ حضرت یوسف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے پوتے ہیں یعنی پڑپوتے۔ بخاری و احمد نے حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یوسف کریم۔ الکریم ابن الکریم ابن الکریم۔ یوسف بن یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام (مظہری۔ مسند احمد حنبل۔ بخاری دوم) یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب کے متعلق بنی اسرائیل نے بڑی بڑی فضول کہاوتیں بنا رکھی ہیں۔ آپ کی پیدائش میں بھی بہت فضولیات گھڑ رکھی ہیں۔ صحیح کلام اس طرح ہے کہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی بیوی حضرت جمصر اور ایک روایت میں رفقہ کے بطن سے دو بیٹے بیک وقت پیدا ہوئے پہلے والا بیٹا اس کے جسم پر بہت سے بال اُگے تھے مثل بکری کے۔ اس لئے اس کا نام عیص یا میسو رکھا۔ لغت میں بالوں والے درخت کو عیص کہتے ہیں۔ (منجد عربی) اس کی ایڑی کے بال دوسرے بیٹے کے سر کے بالوں سے جڑے تھے۔ ایڑی کو اُن کی زبان میں بھی عقب کہا جاتا تھا۔ اس لیے اُن کا نام یعقوب رکھا۔ اور جیسے کہ فطری طور پر اکثر ایسا ہوتا ہے کہ والد کو پہلی اولاد پیاری ہوتی ہے۔ والدہ کو آخری۔ اسی طرح عیص بیٹا والد محترم کو پیارا لگا۔ اور ساری عمر منظور نظر رہا۔ اور حضرت یعقوب والدہ کے منظور نظر بنے۔ اور والدہ نے اُن سے ہی زیادہ پیار کیا۔ جب حضرت اسحاق ایک سو اسی سال کی عمر میں پہنچے تو انتہائی بڑھاپے کی وجہ سے آپ کی بینائی بہت کمزور ہوگئی۔ تنہائی پسند اور خلوت نشین تو آپ شروع سے ہی تھے۔ اب اور بھی بتقاضائے عمر اندھیری کوٹھڑی اور محراب خانہ میں ہمہ تن ذکر و اذکار میں مشغول ہو لئے۔ جب وفات شریف میں چند دن باقی رہ گئے۔ تو آپ نے اپنے لاڈلے بیٹے حضرت عیص کو بلایا اور فرمایا کہ اے میرے بیٹے میری زندگی کے چند دن باقی ہیں۔ میں چاہتا ہوں آخری وقت میں تجھ کو قلبی دعا سے نوازوں لہٰذا تو میرے لیے بہترین شکار مار کر لا۔ اور اس کا شاندار گوشت بنا کر مجھ کو کھلا تاکہ کھا کر میرے دل سے خود بخود دعا نکلے اور تجھ کو دعا کرانے کی حاجت نہ رہے بلکہ یہ تیری خدمت دعا لینے کا ذریعہ بن جائے۔ یہ حکم

عیص کو دینے میں تین وجہ تھیں۔ ایک یہ کہ حضرت عیص بہت بڑے شکاری تھے۔ اور ان کا کاروبار ہی شکار کی تجارت تھی۔ جبکہ حضرت یعقوب علیہ السلام بکریوں بھیڑوں کا کاروبار کرتے تھے۔ دوسری وجہ یہ کہ قیامت تک کی مسلمان نسل کو سبق سکھانا تھا کہ دعا کرانا کمال نہیں دعا لینا کمال ہے۔ اور دعا لینا خدمت سے ہوتا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ سب سے بڑی خدمت اور دعا لینے کا ذریعہ کھانا کھلانا ہے۔ اور درویش اپنی محنت خون پسینے کی کمائی سے یہی وجہ ہے کہ بزرگان دین لنگر جاری کرتے ہیں۔ اولیاء اللہ کے آستانوں پر دن رات لنگر خانے کھلے رہتے ہیں۔ اس کی اصل یہی سنت اسحاق علیہ السلام ہے۔ گیارہویں شریف۔ بارہویں شریف اور دیگر ختمات و عروس کی بھی یہی وجہ ہے۔ اور فائدہ ہے۔ حضرت اسحاق نے یہ کلام خفیہ نہ فرمایا تھا۔ بلکہ بلند آواز سے فرمایا تھا اس لیے کہ سنانا مقصود سب کو تھا۔ جب حضرت عیص تو فوراً ہتھیار سنبھال کر شکار کو چل پڑے مگر اسحاق علیہ السلام کی بیوی جن کے نام کے بارے میں چار روایتیں ہیں ۱) حسلہ ۲) ربقہ ۳) رائقہ ۴) رتبہ آپ بہت ولی اللہ تھیں آپ کو معلوم تھا کہ ہر نبی کو ایک خصوصی دعا ملتی ہے جو لازمی قبول ہوتی ہے جس کو وہ نبی اکرم خاص موقع، خاص شخص کے لیے استعمال فرماتے ہیں ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں میں نے وہ دعا استعمال نہیں کی، میدان محشر میں شفاعت امت کے لیے بچا رکھی ہے کیا کریں ہے سبحان اللہ کیسے بخت میں ہم امتیوں کے۔ حضرت حسلہ نے اپنے لاڈلے یعقوب کو بلایا اور فرمایا کہ بیٹے رب تعالیٰ نے سنہری موقعہ دیا ہے باپ کی دعا لینے کا اور باپ بھی وہ جو جماعت انبیاء میں رسول عظیم ہے۔ فوراً ایک بہترین بکری لا کر ذبح کرو۔ اور اس کی دستی کا گوشت خود پکا کر بہترین مزیدار والد محترم کی خدمت میں پیش کرو اور تم پرانی بکری کی کھال اوڑھ لینا۔ حضرت یعقوب نے جلدی جلدی سب کچھ کر کے پیش کیا تو والدہ نے عرض کیا کہ آپ کا بیٹا گوشت پکا کر لے آیا ہے۔ حضرت اسحاق نے اندھیرے میں بیٹھے ہوئے فرمایا عیص آ گیا، اس پر کسی نے جواب نہ دیا تو حضرت اسحاق نے پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور فرمایا کہ جسم تو عیص جیسا ہے مگر خوشبو یعقوب کی ہے۔ یہ نبی کی معجزانہ حس شامہ ہے۔ ورنہ ہر شخص کو انسانی خوشبو نہیں آ سکتی۔ جب آپ نے گوشت تناول فرمایا تو اتنا لذیذ تھا کیونکہ نبی نے دست نبی نے پکایا تھا۔ اس لیے کہ نبی کا ہر عمل بے مثل ہوتا ہے۔ اس لذت سے سرشار ہو کر آپ کے منہ سے قلبی دعائیں نکلیں۔ یا اللہ میرے اس بیٹے کو نبی رسول بنا دے اور آپ نے اپنی وہ خصوصی دعا استعمال فرما دی۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عیص شکار کا گوشت لے کر حاضر ہوئے۔ تو آپ نے فرمایا عیص تم اب آئے ہو خصوصی دعا تو یعقوب لے گیا۔ اچھا اب صبر کرو میں تم کو نسل کثیر کی دعا دیتا ہوں۔ اللہ کے نبی حضرت اسحاق کی یہ دعا بھی قبول ہوئی مگر عیص نے دل میں تہیا کر لیا کہ میں یعقوب کو ہلاک کر دوں گا۔ اس نے میرا حق چھینا۔ اسحاق علیہ السلام نے اپنے علم غیب کے ذریعے جان لیا کہ عیص کا یہ ارادہ کیا ہے۔ علیحدگی میں یعقوب علیہ السلام کو فرمایا کہ مجھ کو خطرہ ہے کہ عیص تم کو نقصان پہنچائے گا۔ لہٰذا تم اپنے ماموں لیا بن ناہز کے پاس شام میں چلے جاؤ حضرت اسحاق کنعان میں رہتے

تھے۔ آپ کے بھائی حضرت اسماعیل مکہ مکرمہ میں رہتے تھے اس وصیت کے تیسرے دن حضرت اسحاق علیہ السلام کا انتقال ہوگیا

بعد تدفین حضرت یعقوب شام کو ہجرت کر گئے۔ ماموں نے یعقوب علیہ السلام کو اپنے پاس بہت محبت سے رکھا ماموں لیابن ناحور کی دو بیٹیاں تھیں۔ بڑی لایا جو عمر میں یعقوب علیہ السلام سے بڑی تھی دوسری راحیل حضرت یعقوب نے نکاح کا پیغام اور خواہش کی تو لیّا نے کہا کہ حق مہر کے لیے کچھ مال ہے آپ نے فرمایا نہیں تو ماموں نے کہا کہ سات سال میری خدمت کرو حضرت یعقوب نے منظور کی۔ سات سال بعد لیابن ناحور نے لایا بڑی بیٹی سے نکاح کر دیا۔ اور ایک لونڈی جہیز میں حضرت یعقوب کی ملک کر دی۔ جب خلوت صحیحہ میں پہنچے تو دیکھا کہ بڑی لڑکی دلہن بنی ہوئی ہے۔ آپ نے سسر سے شکایت کی کہ میں نے چھوٹی بیٹی راحیل سے نکاح کی خواہش یا پیغام دیا تھا۔ سسر نے جواب دیا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بڑی بیٹی بیٹھی رہے اور میں چھوٹی کا نکاح کر دوں اگر تیری خواہش چھوٹی سے ہے تو سات سال اور خدمت کرو چھوٹی سے بھی نکاح کر دوں گا۔ شریعت ابراہیمی میں دو بہنوں کو ایک کے نکاح میں جمع کرنا جائز تھا۔ حضرت موسیٰ کی شریعت نے اس حکم کو منسوخ کیا۔ سات سال بعد راحیل سے بھی نکاح ہو گیا۔ اور ایک لونڈی جہیز میں حضرت یعقوب کو دی گئی۔ اس طرح حضرت یعقوب کی اولاد چار عورتوں میں تقسیم ہوئی۔ دو بیویوں اور دو لونڈیوں میں۔ پہلی لونڈی کا نام زلفہ تھا۔ دوسری کا بلہہ۔ لایا بیوی کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی ہوئی (۱) روبین (۲) شمعون (۳) یہودا (۴) لاوی (۵) یسحر (۶) زبالون (۷) بیٹی دینہ۔ زلفہ لونڈی سے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ (۱) دان (۲) نفتالی۔ بلہہ لونڈی سے بھی دو بیٹے پیدا ہوئے۔ (۱) جاد (۲) آشر۔ اس طرح دس بیٹے اور ایک بیٹی پیدا ہوئے۔ ابھی تک راحیل سے کوئی اولاد نہ ہوئی۔ جب یہ بچے کچھ بڑے ہو گئے تو راحیل حاملہ ہوئیں پہلا بچہ یوسفؑ پیدا ہوئے۔ پھر ایک سال بعد ایک لڑکی پیدا ہوئی اس کا نام زینب رکھا۔ پھر ایک سال بعد ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام بنیامین رکھا۔ ایام نفاس میں ہی راحیل کا انتقال ہو گیا تب تو بلہہ نے زینب کو پالا۔ اور لایا نے یوسف کو سنبھالا اور زلفہ نے بنیامین کو۔ چونکہ ان تینوں نازک بچوں کی والدہ نہ تھی۔ اس لیے حضرت یعقوب کو ان سے بہت پیار تھا۔ اگرچہ لایا وغیرہ نے بہت محبت سے ان کو پالا مگر ماں کی محبت نہ ملنے کی وجہ سے ان تینوں میں بہت ہی بھولپن تھا۔ اور اپنے دیگر بھائیوں کی طرف بہت ہی معصومانہ طریقے سے دیکھا کرتے تھے نہ کبھی زیادہ کھیل سے رغبت نہ شرارتیں۔ تینوں ہی حسن کے پیکر تھے۔ مگر یوسف بے مثل تھے۔ ان کی مسکینیت اور بے ماں کے بچے ہونے کی وجہ سے حضرت یعقوب کبھی ان تینوں کو اپنے سے جدا نہ کرتے تھے۔ اس محبت نے سب سے پہلے زلفہ کے دل میں حسد ڈالا۔ پھر لایا کے دل میں حسد پیدا ہوا۔ ان دونوں کے اکسانے پر یوسف کے بھائیوں میں حسد پیدا ہوا۔ اس حسد کا حضرت یوسف کو کوئی پتہ نہ تھا وہ اپنی ربیبہ ماں لایا سے انتہائی محبت کرتے تھے۔ لایا چاہتی تھی کہ یوسف یہاں سے چلا جائے۔ لایا نے یوسف سے چال چلی اور کہا تمہارے ماموں یعنی لایا کے بھائی بت پرست ہیں، جاؤ ان کے بت توڑ دو۔ اور جو نہ ٹوٹے وہ میرے پاس لے آنا۔ لایا کو پتہ

تھا کہ ایک بت سونے کا ہے وہ نہ ٹوٹے گا۔ یوسف بھولے بھالے پانچ سال کے تھے۔ وہ گئے کچھ اٹھا کر پھینکے
وہ ٹوٹ گئے سونے کا بت نہ ٹوٹا تو اٹھا کر لے آئے اور زلیا کو دیدیا۔ لایا نے وہ چھپا لیا اور خود ہی اپنے کا فر باپ
سے مخبری کر دی۔ کہ یہ یوسف نے توڑا اور چرا لیا ہے۔ مقصد تھا وہاں کے قانون کے مطابق مجرمانہ حیثیت سے یوسف
کو وہ بھائی لے لے گا مگر بھائی نے جب یوسف بھانجے کو بلایا تو انہوں نے باوجود کم سنی کے سب کچھ بتا دیا ادھر
زینب بہن نے سب باتیں لایا کی سن لی تھیں۔ اس نے گواہی دی اور کچھ یوسف کا بچپنہ بھولا پن۔ ماموں نے کچھ
نہ کہا مگر حضرت یعقوب سب کچھ سمجھ گئے۔ اس لئے لایا اور زلفہ کو وہیں چھوڑ کر باقی سب اولاد کو اور بلھہ کو لے کر
آپ پھر کنعان میں حضرت اسحاق کے گھر اپنے بھائی عیص کے پاس آ گئے۔ اب عیص بھی چھیانوے سال کے تھے اور
یعقوب بھی چھیانوے سال کے تھے۔ اب وہ دشمنیاں بھلائی جا چکی تھیں عیص بہت امیر تھے سینکڑوں تک اولاد تھی
ان کے بڑے بیٹے کا نام روم تھا، اس کے نام پر نسل اور علاقے کا نام پڑ چکا تھا۔ دور دور تک نسل علاقہ پھیلا ہوا تھا۔
یہ والد بی حضرت اسحاق کی دعا کا اثر تھا جب یوسف پیدا ہوئے اس وقت یعقوب علیہ السلام کی عمر نوے سال کی تھی جب
شام سے کنعان واپس آئے تو یوسف چھ سال کے تھے۔ کنعان میں آ گئے۔ ایک سال ہوا تب سات سالہ یوسف
نے خواب دیکھی تھی جس کا واقعہ قرآن مجید میں ہے ۔:۔

اٰیَاتُهَا ۱۱۱	۱۲ سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ ۵۳	رُكُوْعَاتُهَا ۱۲
آیتیں ایک سو گیارہ	سورت یوسف مکی	رکوع بارہ
آیتیں ایک سو گیارہ	سورت یوسف مکی	رکوع بارہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع سے نام اللہ کے جو بخشنے والا رحم کرنے والا

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝۱ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا

الف لام را یہ آیتیں ہیں کتاب روشن کی بیشک ہم نے ہی اتارا اس کو

یہ روشن کتاب کی آیتیں ہیں بے شک ہم نے اسے عربی

عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢﴾ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ

قرآن بنا کر عربی میں شاید تم عقل رکھو ہم ہی بیان کرتے ہیں پر تم سب سے

قرآن اتارا تاکہ تم سمجھو ہم تمہیں سب سے اچھا بیان

أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ

زیادہ اچھے قصے۔ وجہ سے اس کی کہ وحی کی ہم نے طرف آپ کی اس قرآن کی

سناتے ہیں اس لیے کہ ہم نے تمہاری طرف اس قرآن کی

وَإِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ ﴿٣﴾ إِذْ قَالَ

اگرچہ تھے تم سے پہلے اس کے البتہ بھول جانے والوں میں سے یاد تو کرو جب کہا

وحی بھیجی اگرچہ بے شک اس سے پہلے تمہیں خبر نہ تھی۔ یاد کرو جب

يُوسُفُ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ إِنِّي رَأَيْتُ أَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا

یوسف نے کو باپ اپنے اے والد میرے بیشک میں نے دیکھا گیارہ تارے

یوسف نے اپنے باپ سے کہا اے میرے باپ میں نے گیارہ تارے

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَأَيْتُهُمْ لِي سَاجِدِينَ ﴿٤﴾ قَالَ

اور سورج اور چاند دیکھا میں نے ان کو کہ سب میرے لیے سجدہ کرنے والے ہیں فرمایا اے

اور سورج چاند دیکھے انہیں اپنے لیے سجدہ کرتے دیکھا کہا اے

يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ

بیٹے میرے نہ بیان کرنا خواب اپنی پر بھائیوں نے ورنہ مکر بنائیں گے وہ لیے تیرے

میرے بچے اپنا خواب اپنے بھائیوں سے نہ کہنا کہ وہ تیرے ساتھ

كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿٥﴾

مکر بے شک شیطان ہے انسان کے دشمن ہے ظاہر

کوئی چال چلیں گے بے شک شیطان آدمی کا کھلا دشمن ہے

تعلق

اس سورت کریمہ کا تعلق پچھلی سورت ہود سے چند طرح سے ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی سورت میں انبیاء کرام کا مختلف اور مجموعی تذکرہ ہوا، اس سورت میں صرف ایک نبی حضرت یوسف کا مکمل ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی سورت میں جن انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا ان میں صرف تبلیغ اور کفار کی سرکشی کا ذکر کرکے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا۔ اب اس سورت میں حضرت یوسف کی پوری زندگی بیان فرما کر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے مشابہت بیان فرمائی گئی۔ گویا کہ واقعات یوسف کو بیان کرکے نبی پاک کی سوانح حیات بیان کرنا مقصود ہے جیسا کہ آئندہ واضح کیا جائے گا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی سورت بھی الٓرا سے شروع تھی۔ اور یہ بھی۔ پچھلی سورت میں تمام آیات قرآنیہ کی مضبوطی اور محکم ہونے کا ذکر تھا۔ یہاں ان آیات قرآنیہ کے نہایت واضح اور سمجھ کے قریب ہونے کا ذکر ہے۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی سورت میں انبیاء کرام کی ان ایذاؤں کا ذکر تھا جو غیروں اور کافروں کے ذریعے پہنچیں۔ اب اس ایذا کا ذکر ہے جو اپنوں کے ذریعے پہنچی۔

تفسیر نحوی

الٓرا۔ یہ حروف مقطعات ہیں جن کا علم مخلوق میں صرف آقائے کائنات نبی مخلوقات صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ۔ اسم اشارہ مؤنث قریبی کے لیے آیات جمع ہے آیت بمعنی نشان۔ عبارت [illegible]۔ یہاں یہی مراد ہے۔ مضاف ہے الکتب کی طرف الف لام عہد خارجی ہے کتاب بروزن فعال مصدر ہے بمعنی المکتوب۔ المبین صفت ہے الکتاب کی اسم فاعل ہے باب افعال کا ماضی ابان ہے مگر یہاں لازم ہے یعنی ظاہر ہونے والی۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ اِنَّ تردد کلام میں [illegible] ہے اَنْزَلْنَا باب افعال کا ماضی متعدی بیک مفعول ہے بصیغہ جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے قرآن بروزن فعلان اسم جنس ہے۔ جزو کل دونوں کو کہا جاتا ہے۔ مگر علم ہے کل کلام کا۔ بحالت زبر ہے حال ہے ہٗ ضمیر کا اس کا مرجع کتاب ہے۔ تنوین تنکیری۔ جب قرآن معرف باللام ہو تو پورا ہی مراد ہے۔ عربیا یہ بحالت زبر ہے۔ یا صفت ہے قرآن سے یا اس کا حال ہے۔ یا دوسرا حال ہے ہٗ ضمیر کا۔ عرب سے بنا بمعنی فصاحت سے بیان کرنا۔ یہاں زبان عربی مراد ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ فعل مضارع احتمالی۔ علت غائی ہے اَنْزَلْنَا کی بصیغہ جمع مذکر حاضر۔ عقل سے بنا بمعنی ذہن سے الفاظ کو سمجھانا۔

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ۔

نَحْنُ ضمیر جمع متکلم منفصل نَقُصُّ فعل مضارع بصیغہ جمع متکلم قصص سے بنا بمعنی نقش قدم کا نشان یا اہم واقعہ بیان کرنا۔ یہاں دوسرے معنی ہی زیادہ مناسب ہیں علی جارہ بمعنی [illegible] ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اَحْسَنَ اسم تفضیل ہے۔ حسن سے بنا بمعنی خوبصورتی۔ واقعہ کی خوبصورتی اس کی سچائی ہے اور بیان کی خوبصورتی فصاحت و بلاغت۔ بحالت زبر ہے یا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا یا مفعول بہ فعل ظاہر کا۔ مضاف اَلْقَصَصِ مضاف الیہ ہے مجرور ہے قصص مصدر ہے بمعنی بیان

اسم جامد، یہ قصے کی جمع نہیں۔ وہ قاف کے زیر سے ہوتی ہے۔ بِمَا۔ با سببیہ ہے مَا موصولہ۔ اَوْحَیْنَا فعل ماضی وحی سے بنا بمعنی پیغام الٰہی اِلٰی جارہ بمعنی انتہا و غایت۔ کَ ضمیر مخاطب کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی مفعول بہ ہے۔ اَلْقُرْاٰنَ سے مراد سارا کلام پاک ہے۔ مشار الیہ ہے۔ واؤ وصلیہ اِنْ حرف شرط کُنْتَ فعل ناقصہ بمعنی ماضی بعید مِنْ جارہ بیانیہ قَبْلِهٖ اسم ظرف ہٖ کا مرجع نقص یعنی وقت بیان لام کی مِنْ جارہ تبعیضیہ اَلْغٰفِلِیْنَ۔ الف لام استغراقی غافلین اسم فاعل ہے غفل سے بنا۔ اس کے تین معنی ہیں (۱) بھول جانا (۲) احساس نہ ہونا (۳) بے احتیاطی کرنا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔ اِذْ قَالَ یُوْسُفُ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ .... اِذْ ظرفیہ بمعنی جب اس سے پہلے ہمیشہ فعل پوشیدہ ہوتا ہے اذکر یا اذکروا واحد یا جمع کا۔ یہاں اذکر ہے۔ قَالَ یہ جملہ ماتحت اذکر پوشیدہ کا مفعول بہ ہے۔ یُوْسُفُ اسم عجمی ہے اسف سے بنا بحالت رفع قال کا فاعل ہے غیر منصرف ہے اسماء رباعیہ میں سے ہے۔ اس میں ترخیم یعنی حرف آخری کا حذف جائز ہے۔ لام جارہ بمعنی مفعولیت اَبِیْ اسم مکبر ہے بحالت جر۔ ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع یوسف ہے۔ یا حرف ندا اس کا منادی حضرت یوسف قرآن مجید میں ندا بارہ قسم کی آئی ہے۔ (۱) حضرت آدم کی ندا۔ ندائے توبہ (۲) نوح علیہ السلام کی ندا۔ ندائے اجابت (۳) حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ندا۔ ندائے کرامت تھی۔ (۴) ندائے رحمت حضرت یونس کی تھی۔ (۵) ندائے ضرر حضرت ایوب کی تھی۔ (۶) ندائے غربت حضرت زکریا کی تھی (۷) ندائے بشارت حضرت مریم کی تھی (۸) ندائے رحمت امت مسلمہ کو ہے (۹) ندائے حسرت دوزخیوں کے لیے ہوگی (۱۰) ندائے مصیبت کفار کے لیے دنیا میں ہے (۱۱) ندائے نعمت جنتیوں کے لیے ہے (۱۲) ندائے رؤیا یٰۤاَبَتِ میں ہے۔ ان نداؤں کا بدلہ (۱) مغفرت (۲) قبولیت (۳) تعدیہ (۴) نجات (۵) خلاصی (۶) نبی کا بیٹا ملنا (۷) مسیح جیسا بیٹا (۸) رحمت (۹) سزا (۱۰) وعید (۱۱) حور و قصور (۱۲) یوسف علیہ السلام اس ندا کے بدلے بادشاہت ملی۔ منادی اَبَتِ دراصل مرکب اضافی اَبِیْ تھا یائے متکلم کو تائے تانیث سے بدلا بوجہ اظہار شفقت۔ زیر سے کر یائے متکلم کا نشان رکھا۔ بمعنی اے پیارے ابا۔ اِنِّیْ اِنَّ حرف تحقیق۔ یائے متکلم اسم اِنَّ۔ رَاَیْتُ بصیغہ واحد متکلم فعل ماضی رَاٰی سے بنا بمعنی قلبی دیکھنا۔ مراد ہے خواب میں دیکھنا۔ اَحَدَ عَشَرَ اسمائے عدد سے ہے مبنی ہے فتحہ پر مبنی ہے کَوْکَبًا اس کی تمیز کاف زبر سے کوکب اسم جامد ہے۔ اس کی جمع کواکب ہے کوکب اسم جنس ہے۔ جمع پر بھی بولا جاتا ہے۔ واؤ عاطفہ اَلشَّمْسَ الف لام زائدہ ہے شمس بمعنی سورج۔ دھوپ کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور نور کو بھی۔ واؤ عاطفہ اَلْقَمَرَ الف لام زائدہ ہے بمعنی چاند۔ بحالت نصب بربنائے عطف رَاَیْتُ کا مفعول بہ ہے۔ رَاَیْتُهُمْ یہ علیحدہ جملہ ہے برائے وضاحت ھُمْ ضمیر کا مرجع چاند سورج ستارے ہیں۔ لِیْ لام جارہ ہے مجرور یائے متکلم بمعنی مفعولیت یعنی مجھ کو سٰجِدِیْنَ اسم فاعل جمع ساجد کی سجدہ سے مشتق ہے بمعنی زمین سے لگنا۔ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاكَ عَلٰۤى اِخْوَتِكَ فَیَكِیْدُوْا لَكَ كَیْدًا .... قَالَ فعل ماضی قول جوابی ہے۔ یا ندائیہ بُنَیَّ تصغیر ہے ابن کی بمعنی مضاف یائے متکلم کی طرف ہے لہٰذا

یا یوسف تو ہوا جملہ مقولہ ہے۔ قول کا لاتقصص فعل نہی بصیغہ واحد حاضر مخاطب نہی یوسف ہیں۔ رُؤیا بروزن فُعلا مبالغہ ہے بمعنی خواب کَ مضاف الیہ کا مرجع یوسف ہیں۔ علیٰ یا اِخوتِکَ بمعنیٰ جنداخوت جمع ہے اخ کی بمعنیٰ بھائی او یا بت یا طہاریا ظرف ہے۔ یعنی تسفقت کی ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ فا سببیہ ہے۔ یکیدوا مضارع بمعنی مستقبل بصیغہ جمع کید سے بنا بمعنی حیلہ فریب دھوکہ کرنا۔ متعدی بنفسہ ہے یعنی مادہ متعدی ہے ہر باب میں متعدی رہتی ہے بعض مادوں کا تعدی ہونا کسی باب سے خاص ہوتا ہے۔ یہاں لام سے تعدی کا استعمال ہوا۔ لک لام بمعنی مع ہے یا بمعنی لئے کیدًا مفعول مطلق ہے۔ تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑا حیلہ تاکید کے لیے مفعول مطلق آیا۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ۔ اِنَّ حرف تحقیق الشیطان الف لام عہد خارجی ہے بروزن فعلان مبالغہ کا ہے۔ شطن سے بنا بمعنی اچھلنا تیز پھیلنا مراد ابلیس ہے۔ لام جارہ زائدہ الانسان الف لام جنسی ہے انسان سے مراد آدمی جار مجرور متعلق ہے تا بتا پوشیدہ کا عَدُوٌّ بروزن فعول مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنی بہت عداوت کرنے والا موصوف۔ مُبِیْنٌ اسم فاعل باب افعال سے بحالت رفع صفت ہے صفت موصوف خبر اِنَّ ہے۔

تفسیر عالمانہ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ اِنَّاۤ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَاۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ وَ اِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِیْنَ۔ الٓرٰ اگرچہ امام غزالی وغیرہ بزرگوں نے اس کے مطالب کچھ بیان کئے ہیں۔ کہ الف سے مراد آلاء یعنی نعمتیں لام سے مراد لطف۔ را سے مراد ربوبیت۔ روح البیان نے فرمایا کہ الٓرٰ کا معنی ہے اَنَا اللّٰهُ اَرٰی وَاَسْمَعُ۔ وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب خود ساختہ باتیں ہیں جن پر کامل یقین نہیں کیا جا سکتا۔ صحیح تر یہ ہے کہ یہ حروف مقطعات میں سے ہے اس کا حقیقی مطالب ومعنی مخلوق میں سوائے نبی کریم کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اور چونکہ یہ اسرار الٰہیہ ہیں۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بتائے ہی نہیں۔ تلک اپنے حبیب کو کچھ رمز کی باتیں سمجھا کر فرمایا یہ جن کا مطالبہ کفار مکہ نے یہود کی اکساہٹ پر کیا ہے انشانیاں ہیں یا آیتیں ہیں کتاب یعنی لوح محفوظ کی۔ بعض نے قرآن مجید مراد لیا۔ مبین جو ظاہر ہے اس کے خاص بندوں پر یا قرآن کریم ظاہر ہے تمام کائنات میں۔ اس طرح کہ ہر شخص دل سے اس کے معجزہ ہونے کا اقراری ہے۔ اگرچہ بدبخت کفار زبانی اقرار نہ کریں یا وہ لوح محفوظ اور قرآن مجید ہر علم کو بیان کرنے والا ہے۔ بیشک ہم نے نازل کیا اس لوح محفوظ میں سے قرآن پاک کو عربی بنا کر۔ یا اس کتاب کو قرآن بنا کر عربی زبان میں یا ہم نے نازل کیا اس واقعہ یوسفی کو عربی زبان میں۔ تاکہ تم اے کافرو کچھ تو عقل کرو کہ اس نبی اُمی نے تمہارے مطالبے کو کتنی جلدی پورا فرمایا۔ اور عقل سے کام لیتے ہوئے ہمارے نبی پر ایمان لے آؤ یا اے عربیو تم فوراً سمجھ لو تم کو ہمارا کلام سمجھنے کے لیے کسی اور کے پاس نہ جانا پڑے کائنات کے عقلاء۔ علماء ذہین فہیم اس کلام کو سمجھنے کے لیئے تمہارے محتاج ہوں تمہارے پاس آئیں اور چونکہ تم عربی دان لوگ ہی عربی فصاحت وبلاغت۔ اسرار ورموز سمجھتے ہو جب اس قرآن کو سمجھو گے تو جلدی جان لو گے کہ

یہ قرآن انسانی کلام نہیں عجمی یا نورِ نا انسان کیا جانیں کہ فصاحت و بلاغت، اسرار و رموز کے نکات کیا ہوتے ہیں
سب معارف سامنے گنگ ہیں جس نے تم کو گنگ کیا وہ قرآن ہے۔ یہاں تک خطاب عام لوگوں کو تھا۔ اس میں
نبی کریم داخل و شامل نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آگے خطاب ہے کہ اے پیارے نبی ہم خود آپ کے سامنے
قرآن میں ایسے قصے بیان کرتے ہیں جو تمام فصاحت و بلاغت کی کہانیوں سے زیادہ حسین و جمیل ہیں۔ عجیب و غریب
زمانہ نو طرح سے فصیح و ذہین ہیں کہ لوگ ہر ایسے سے اچھی کہانی کسی کو سناتے ہیں۔ اس میں محض دلچسپی پیدا ہوگی وہ
بھی صرف وقتی۔ مگر یہ قصہ ایسا حسین ہے کہ دلچسپی کے ساتھ ساتھ ایسی ہی حکمتیں اور نکات اور فوائد ہیں جو
دنیا و آخرت میں کام آئیں۔ بلکہ پوری دنیا کا نقشہ کھینچ گیا۔ زندگی کے ہر موڑ پر یہ قصہ مشعلِ راہ بن سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ
نے پانچ چیزوں کو احسن فرمایا ۱۔ قرآن پاک کو ۲۔ انسانی شکل و صورت کو ۳۔ اذانِ نماز کو ۴۔ دینِ اسلام کو ۵۔ یوسف
علیہ السلام کے قصہ کو۔ قرآن مجید کو اس لیے احسن فرمایا کہ اس میں امر نہی، وعدہ، وعید، تمثیلیں، خبریں، قصے، وصل
ہجر، حمد، شکر، وعید، وجود، اتصال، انفصال، تذکرہ، تفکر، نیکی بدی، عقاب، ثواب، حساب، عذاب، حیرت، جرأت
دعویٰ، لطافت، کثافت، حلال، حرام وغیرہ لاکھوں علوم ہیں۔ لہٰذا یہ ہی احسن ہونے کے لائق ہے۔ شکل انسانی کو
اس لیے کہ باری تعالیٰ نے آگ، پانی، ہوا اور مٹی پر نقشہ کھینچا ہے۔ حالانکہ کوئی مصور ان چیزوں پر نقشہ نہیں کھینچ سکتا
اذان کو اس لیے احسن فرمایا کہ اس کی ندا تمام نداؤں سے اعلیٰ اور اس کا منادی یعنی مؤذن سب میں بلند مرتبہ والا۔ کہ
یہ خدا تعالیٰ کے امین ہیں دینِ اسلام کو اس لیے احسن فرمایا کہ سب انبیاء کو رب کریم نے ایک دو چیزیں واجب کر کے دیں مگر
اسلام میں سب کا مجموعہ واجب کیا گیا۔ یہ قصہ احسن اس لیے ہے کہ دوسری کہانیوں، افسانوں میں جھوٹ ہوتا ہے
یہاں سچ ہے۔ وہاں مجاز ہوتا ہے یہاں حقیقت، وہاں بناوٹ ہوتی ہے یہاں اصلیت۔ وہاں نقطہ تفریح طبیعت
ہوتی ہے یہاں زندگی کی حقیقی بہاریں۔ وہاں عارضی دلچسپی ہوتی ہے یہاں دائمی لذت۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ
ہم نے اے پیارے نبی آپ کی طرف اس قرآن مجید کی وحی کی ہے۔ اس لیے یہ صفت موصوف ہے۔ یہ واقعات
آپ کو پہلے معلوم تو تھے مگر اب ہم نے وحی کی۔ اگرچہ وحی سے پہلے تم بھولنے والوں میں سے تھے۔ لفظ غافلین غفل
سے بنا جس کا معنی ہے بھولنا پردے میں کرنا چھوڑنا۔ دیکھو عربی مصدر (۱۱۸) بھولی وہ چیز جاتی ہے۔ جو پہلے معلوم
ہو پس یہ غافلین بتا رہا ہے کہ یہاں بے علمی مراد نہیں۔ صرف نسیان یا اس کی جستجو کر کے دور کیا گیا۔ اس لیے
آپ کے انتظار ہو۔ اذ ۔ سے پہلے یاد کرو نحوی قاعدے کے مطابق جہاں اذ ظرفیہ ہو وہاں فعل امر اُذکر پوشیدہ ہوتا ہے
رد و حج بیان و معانی یاد بھی دو چیزیں کرائی جاتی ہیں۔ جو یا دیکھی ہوں یا سنی ہوں یا پڑھی ہوں۔ نبی کریم نے
ہو رہا ہے۔ مگر کچھ پڑھا۔ نہ کسی کے پاس بیٹھے جس سے واقعات سنے ہوں۔ پس لامحالہ دیکھی ہوئی چیز یاد کرائی جاری
ہے۔ جب قال یوسف لابیہ یٰابت انی رایت احد عشر کوکبا والشمس والقمر رایتھم لی سٰجدین ۔ عرض

کیا یوسف نے۔ لفظ یوسف میں چھ قرأتیں ہیں ۱۔ یُوسُف۔ یہی مشہور ہے ۲۔ یُوسَف ۳۔ یُوسِف ۴۔ یُؤسُف ۵۔ یُؤسَف ۶۔ یُؤسِف۔ سب قرأتوں میں غیر منصرف ہے۔ لِأَبِيهِ۔ یہ متعلق ہے قَالَ سے اپنے باپ یعنی والد یعقوب علیہ السلام سے۔ يَا أَبَتِ اے میرے مشفق ومہربان پیارے ابا جان۔ یہ جملہ مقولہ ہے قَالَ کا۔ بیشک میں نے خواب میں گیارہ ستارے اور ایک سورج اور ایک چاند دیکھا ہے۔ ان کو میں نے دیکھا کہ وہ مجھ کو جھک جھک کر سجدہ کررہے ہیں۔ یا اس طرح کہ میرے سامنے جھکے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح کہ زمین پہ مجھ کو نیچے نظر آرہے ہیں آسمان سے اترے زمین پہ آلئے۔ یہ خواب ماہ رمضان شب قدر جمعہ سے پہلی رات میں دیکھی۔ امام غزالی نے فرمایا یہ خواب یوسف نے دن میں اس وقت دیکھی جب حضرت یوسف والد کی گود میں سر رکھے سو رہے تھے۔ اور جو لوگ کہتے ہیں کہ دن کی خواب معتبر نہیں ہوتی یہ غلط ہے۔ جیل کے ساتھی قیدیوں کی خواب بھی دن ہی کی تھی۔ بقول امام غزالی مگر یہ درست نہیں۔ کیونکہ قیدیوں کی خواب بناوٹی تھی جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہے۔ اس وقت جناب یوسف کی عمر سات سال تھی۔ بعض نے کہا بارہ سال تھی۔ بعض نے کہا سترہ سال تھی۔ مگر پہلا قول قوی ہے۔ یوسف علیہ السلام کی کل عمر جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے۔ ایک سو بیس سال ہوئی۔ اس خواب کی تعبیر ملک مصر میں چالیس سال بعد ظاہر ہوئی۔ یہی قوی ہے۔ بعض نے اسی سال بتائے۔ بعض بائیس سال۔ بعض اٹھارہ سال۔ یوسف علیہ السلام کے والد حضرت یعقوب کی کل عمر ایک سو سینتالیس سال اور یوسف کے دادا حضرت اسحاق کی کل عمر ایک سو چھتر سال ہوئی (صاوی) جب یہ سورت یہودیوں نے سنی اور چند یہودی سردار اور پادری بطور امتحان خدمت اقدس میں آکر پوچھنے لگے کہ وہ گیارہ ستارے آسمان کے کون سے تھے جو اترے اور ساجد ہوئے آپ نے فرمایا کہ میں نے بتا دیا تو تم مسلمان ہو جاؤ گے۔ انہوں نے اقرار کیا تو آپ نے جواباً ان ستاروں کے نام بتا دیئے کہ ۱۔ جَرَيَان ۲۔ طَارِق ۳۔ ذَيَّال ۴۔ قَابِس ۵۔ عَمُودَان ۶۔ فَلِيق ۷۔ مُصْبِح ۸۔ فَرْغ ۹۔ وَثَّاب ۱۰۔ ضَرُوح ۱۱۔ ذو الكتفين (صاوی۔ خازن۔ معانی) کیفیت خواب اس طرح ہوئی کہ پہلے ستارے اترتے نظر آئے اور زمین پر حیوانی شکل میں یا کیڑوں کی شکل میں حضرت یوسف کے سامنے سجدے میں گر گئے۔ پھر سورج اپنی پوری آب تاب کے ساتھ اترتا دکھائی دیا اور سجدے میں گر گیا۔ پھر چاند اسی طرح نظر آیا اسی ترتیب سے حضرت یوسف نے والد محترم کو خواب سنائی۔ اسی لئے نحوی لوگ کہتے ہیں کہ یہ واؤ بمعنی ثُمَّ کے ہے نہ کہ معیت کی (معانی) پہلا سجدہ ستاروں کا ہوا پھر سورج کا پھر چاند کا۔ ابتداء میں علیحدگی ہے۔ مگر انتہاء میں سب جمع ہو گئے۔ کسی کا سجدہ ختم نہ ہوا تھا کہ آنکھ کھل گئی۔ اس لیے ساجدین جمع فرمایا۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ سب ستارے اور چاند سورج گول نظر آئے اور جس طرح تھال الٹی زمین پر گر جاتی ہے اس طرح وہ سب ستارے وغیرہم حضرت یوسف کے سامنے اکٹھے گر گئے یہ ہی ان کا سجدہ تھا واللہ اعلم بالصواب۔ یہ خواب سنکر حضرت یعقوب قریب آئے اور قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ

رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۔ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۔ فرمایا اے میرے بچے بُنَیَّ بُنَیٌّ کی تصغیر
ہے ابن کی بروزن فعیل بُنَیّ جب یاء متکلم کی طرف مضاف کیا گیا۔ تو دونوں یاء کو آپس میں ادغام یعنی مشدد کر دیا گیا۔
تصغیر کرنے کی وجہ یہاں اظہار شفقت ہے۔ اردو میں اس مصغر کا ترجمہ ہوگا ننھا یا پیارا بچہ۔ چھوٹا بچہ چونکہ ہر لحاظ سے
پیارا لگتا ہے اس لیے اس کی تصغیر کر دی جاتی ہے حضرت یعقوب اپنے علم نبوت سے خواب کی تعبیر جان گئے
تھے۔ اور ان کو معلوم ہو گیا تھا کہ یوسف علیہ السلام کو اللہ کی طرف سے کتنا عظیم مقام ملنے والا ہے۔ کہ نبوت رسالت
بادشاہت کے عطیے نصیب ہوں گے۔ لہٰذا فرمایا لَا تَقْصُصْ نہ بیان کرنا اپنی خواب کو۔ رویا قلبی اور نظری یا صرف
قلبی دیکھنے کو کہتے ہیں۔ اس کا مؤنث ہے رویۃ۔ صرف قلبی دیکھنے کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ عام اصطلاح میں خواب کو
رویا کہا جاتا ہے۔ امام بیضاوی فرماتے ہیں کہ صورت متخیلہ کا حس مشترک کے ساتھ افق متخیلہ پر طاری اور منطبع ہونا
یعنی واقعات محسوسہ کا چھاپہ دماغ کی قوت متخیلہ کے پردے پر لگنا خواب ہے۔ ۲۔ الہام ۳۔ مکاشفہ بھی رویا کہلاتا
ہے۔ مختلف احادیث کے اجتماع سے خواب کی بارہ قسمیں ہیں ۱۔ خواب وحی یہ انبیاء کو ہوتی ہے ۲۔ خواب مشابہ وحی
۳۔ خواب عوام ۴۔ خواب نفسی ۵۔ خواب الہام ۶۔ خواب شیطان ۷۔ خواب حلم اس کی احلام یعنی دن کے تفکرات
رات میں نظر آئیں۔ ۸۔ خوفناک خواب ۹۔ خواب محزونہ یعنی غمزدہ کرنے والی خواب ۱۰۔ خواب اولیاء ۱۱۔ خواب بشارت
الٰہیہ ۱۲۔ خواب حدیث نفس۔ عقل سے مراد دین ہے یعنی لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم دین حقیقی پالو۔ آقائے دو عالم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس میں عقل نہیں اس میں دین نہیں۔ لَا دِيْنَ لِمَنْ لَّا عَقْلَ لَهٗ۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ
پھر تو مجنون مومن نہیں ہو سکتے۔ فرمایا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے عقل سے جنون کی ضد مراد نہیں۔ بلکہ ایمان کی
ضد مراد ہے۔ (امام غزالی) یعنی جس میں ایمان نہیں اس کے پاس دین نہیں ہو سکتا۔ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ۔ اپنے بھائیوں پر
بھائیوں سے مراد یا تو صرف سوتیلے بھائی ہیں۔ یعنی سوتیلے بھائیوں کو خواب نہ بتانا۔ تَقْصُصْ کا معنی ہے ذکر تک نہ
کرنا نہ اجمالی کہ یہ کہہ دینا میں نے ایک خواب دیکھی ہے۔ نہ تفصیلی کہ پوری خواب سنانا۔ یہ اس لیے کہ وہ بھائی حسد
کریں گے یا اس لیے کہ وہ الٹی سیدھی تعبیر دے دیں گے۔ جس سے خواب کی توہین ہوگی۔ یا اس لیے کہ یہ صرف
خواب ہی نہیں بلکہ اسرار الٰہیہ کی وحی ہے۔ جس کا افشار گناہ ہے۔ یا سگا بھائی بنیامین بھی ان میں شامل ہے کہ
بنیامین کو بھی نہ بتانا یا تو اس آخری وجہ اسرار الٰہیہ ہونے کی بنا پر۔ یہ اس لیے کہ کہیں یہ بنیامین اپنے بھائیوں میں
نہ بتا دے۔ مگر پہلی تفسیر قوی ہے۔ کہ اِخْوَتِكَ سے مراد صرف سوتیلے بھائی ہیں۔ اور نہی کی وجہ حسد ہے کیونکہ آگے
اشارہ ہے کہ فَيَكِيْدُوْا پس وہ ایسا مکر اور فریب کریں گے۔ جو بہت سخت ہوگا۔ اگر یہاں فا اپنے معنی میں ہے
تو یہ غیبی خبر ہے۔ کہ اے یوسف ہوشیار رہنا، وہ بھائی ایسا کرنے والے ہیں۔ اور اگر فا بمعنی اِلَّا یعنی ورنہ ہے
تب یہ نہی کی وجہ ہے اور مطلب ہے کہ ان کو خواب نہ بتانا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تجھ سے کچھ مکر چل جائیں۔ ابھی

تک تو محبت پدری کے جلا دیے میں صرف حسد ہی کرتے ہیں ان کو تیرے اصل مرتبے کا پتہ نہیں۔ لیکن خواب کے بعد شیطان ان کو کچھ کر گزرنے پر بھڑکائے گا کیونکہ شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے۔ ڈھکا چھپا نہیں بلکہ مبین کھلا کھلا اس لیے کہ اس نے خود منہ سے کہہ دیا ہے کہ نیک بندوں کا دشمن ہوں کہ ان کو ہی اپنوں کے ساتھ رسوا و ذلیل ہلاک کراؤں گا۔ اور بروں کا بھی دشمن ہوں کہ ان کے ذریعے کراؤں گا۔ اور انہیں مصیبتوں میں پھنساؤں گا۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ اصل قرآن عربی زبان میں اس کے ترجمے قرآن نہیں۔ نہ ان کی تلاوت جائز نہ نماز میں پڑھنا جائز۔ صرف ترجمہ چھاپنا ناجائز ہے۔ الفاظ عربیہ کی حفاظت رب کے ذمہ کرم پر ہے نہ کہ ترجمے کی۔ لہٰذا ترجمے غلط ہو سکتے ہیں۔ اور اشرف علی تھانوی وغیرہ دیابیان زمانہ نے ترجمے غلط کیے ہیں۔ یہ فائدہ قرآناً عربیاً سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ عربی میں قرآن پاک آنا عربیوں پر احسان ہے اور یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل ہوا۔ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی احسان ہے یہ فائدہ بھی عربیاً سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ قرآن پاک لوگوں کو سمجھانے عقل دینے کے لیے آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ آنحضور کائنات تو سب کچھ پہلے ہی سمجھے ہوئے تھے۔ یہ فائدہ تعقلون فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ نزول قرآن مجید کے بعد حضور علیہ السلام کسی شے سے غافل نہ رہے اگرچہ عالم ماکان و مایکون تو آپ پہلے تھے۔ یہ فائدہ لمن الغافلین فرمانے سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ**۔ یوسف علیہ السلام کے بھائی مومن صحابی تھے۔ کیونکہ ان کو ستاروں کی شکل میں دیکھا۔ اور یہ کہ گناہ سے کفر لازم نہیں آتا۔ اور وہابیوں کا یہ عقیدہ باطل ہے کہ بے نمازی وغیرہ گناہگار کافر ہیں۔ یہ فائدہ احد عشر کوکباً سے حاصل ہوا۔ **چھٹا فائدہ**۔ ہر شخص کو خواب نہ سنانی چاہیے۔ خاص کر جاہل اور دشمن کو۔ نہ اچھی خواب نہ بری۔ کیونکہ خواب کا مدار تعبیر پر ہے۔ اس لیے کسی محبوب دوست اور تعبیر جاننے والے عالم کو سنانی چاہیے۔ یہ فائدہ لا تقصص سے حاصل ہوا۔ **ساتواں فائدہ**۔ انبیاء کرام آئندہ غیبی واقعات کو جانتے ہیں اور حضرت یعقوب آئندہ کے تمام حالات کا علم غیب رکھتے تھے اس لیے آپ نے یہ نہ فرمایا کہ کہیں تم کو ہلاک نہ کردیں۔ بلکہ فرمایا وہ بھائی صرف مکر ہی کر سکتے ہیں۔ ہلاکت پر قدرت نہیں ہے۔ یہ فائدہ فیکیدوا الخ سے حاصل ہوا۔

آٹھواں فائدہ۔ اعتبار انجام اور آخیر کا ہوتا ہے۔ حضرت یعقوب نے اپنے ان ہی دس حاسد بیٹوں کو بھیڑیوں کی شکل میں دیکھا تھا۔ اور حضرت یوسف نے ان ہی کو ستاروں کی شکل میں دیکھا کہ یعقوب علیہ السلام کو گناہ کا ابتدائی وقت دکھایا گیا۔ اور یوسف علیہ السلام کو انتہائی توبہ کا وقت دکھایا گیا۔ اسی طرح بندہ گناہ کے وقت مثل بھیڑیئے کے ظالم ہوتا ہے۔ اور سچی توبہ کے وقت مثل ستاروں کے۔ یہ فائدہ کوکباً اور فیکیدوا سے حاصل ہوا۔

اعتراضات: یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف

کو شب قدر میں خواب آئی۔حالانکہ اس وقت شب قدر کہاں ہوتی تھی۔ یہ تو مسلمانوں کے لیے اس اسرائیلی کے مقابل بنائی گئی۔ جو ہزار مہینے عبادت کرتا رہا۔ **جواب**:۔ مسلمانوں کے لیے صرف اس کا ثواب بتایا گیا۔ ورنہ یہ رات حضرت آدم سے ہی چلی آرہی ہے۔ اسی رات حضرت آدم علیہ السلام جنت سے اترے۔ اور اسی رات نور محمدی حضرت آدم کو نظر آیا۔ اور آپ نے انگوٹھے چومے۔ اب بھی کئی صالحین کو اسی رات میں نور محمدی نظر آتا ہے یہ ایک قول ہے **دوسرا اعتراض**۔ آپ کی تفسیر نے بتایا کہ اِذْ کے بعد اُذْکُرْ پوشیدہ ہوتا ہے اور اُذْکُرْ کا معنی ہے یاد کیجئے جس سے نبی کریم کا علم غیب اور حاضر و ناظر ہونا۔ پچھلے واقعات کا مشاہدہ کرنا ثابت ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یا بنی اسرائیل اذکروا۔ اے بنی اسرائیل میری نعمتیں یاد کرو۔ تو چاہیئے کہ سب یہود کافر سب علم غیب رکھتے ہوں۔ اور جب یاد کرنے سے وہاں غیب وغیرہ ثابت نہیں تو یہاں بھی نہیں (دیوبندی سوال) **جواب**۔ یاد کرانا دو قسم کا ہے ما پڑھے ہوئے کو یاد کرانا دوسرے بے پڑھے کو یاد کرانا۔ پڑھے ہوئے انسان کو وہی چیز یاد کرائی جاتی ہے جو اس نے پڑھی ہو۔ یہودیوں کو وہ نصیحتیں یاد کرائی گئیں جو انہوں نے اپنی توریت میں پڑھی تھیں۔ کتب سابقہ میں مطالعہ کی تھیں۔ لہٰذا یہ غیب نہ ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں بے پڑھے ہیں۔ نہ توریت کو دیکھا نہ کسی کتاب کو۔ تو آپ کو یاد کرانا، فقط مشاہدہ یاد کرانا ہے۔ کیونکہ اَن پڑھوں کو صرف مشاہدہ سے یا سنی سنائی چیز یاد کرائی جاتی ہے۔ نبی کریم نے تو یہ واقعات کسی سے سنے بھی نہ تھے لہٰذا ثابت ہوا کہ مشاہدہ یاد کرایا جا رہا ہے۔ تاکہ غفلت بھی دور ہو۔ اور کفار کو بھی علم نبوت کا پتہ چل جائے۔ **تیسرا اعتراض**۔ غافلین کا معنی ہے بے علم ہونا جیسا کہ تفسیر سے ثابت ہے نہ کہ بھولا ہوا ہونا آپ نے اسکا ترجمہ بھولنا کیا ہے وہ سب تفسیروں کے خلاف ہے اور بالکل غلط ہے۔ **جواب**۔ بالکل نہیں بلکہ لغت کے مطابق اور قرآن کریم کے منشا کے مطابق ہے۔ جیسا کہ پہلے لغات کی کتاب سے ثابت ہوا کہ غفلت کا معنی ہے نسیان اور لفظ اُذْکُرْ پوشیدہ بھی بتا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واقعاتِ عالم پر حاضر و ناظر اور مشاہد تھے۔ اس سے مزید ثابت ہوا کہ آئندہ تا قیامت بھی کوئی چیز آپ پر پوشیدہ نہیں کہ یہ مشاہدہ زیادہ آسان ہے۔ جب تمام مفسرین اذکر پوشیدہ مانتے ہیں تو ہماری تفسیر ان کے خلاف کیسے ہوئی۔ قرآن پاک میں چونتیس جگہ مختلف آیات میں غفلت کے صیغے آتے ہیں۔ اور سب جگہ بھولنا ہی معنی نکلتا ہے اصطلاح میں بھی بے علم اور غافل میں فرق کیا جاتا ہے۔ غفلت کو بے علمی کہنا سراسر جہالت ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یوسف علیہ السلام نے اَحَدَعَشَرَ کَوْکَبًا الخ کہہ کر عبارت بلا فائدہ دراز کر دی ہے۔ چاہیئے تھا کہ ثلاثہ عشر کوکبًا کہہ دیتے۔ **جواب** اس طرح فرمانے میں خواب کی حقیقی کیفیت بیان نہ ہوتی آپ نے ذرا سی عبارت دراز کر کے خواب کی کیفیت پوری واضح فرما دی کہ شمس قمر سے اور قمر ستاروں سے ممتاز ہوتا ہے۔ جو مجھ کو نظر آئے وہ بھی اسی طرح ممتاز تھے۔ اور ترتیب بیان سے کیفیت رویت ثابت ہوئی۔ کہ پہلے تارے دیکھے پھر سورج پھر چاند اگرچہ واؤ عاطفہ ترتیب کو نہیں چاہتا مگر طرز بیان نے ترتیب بتا دی۔ لہٰذا درازیٔ عبارت بے فائدہ نہ ہوئی۔ **پانچواں اعتراض**۔ حضرت یوسف نے دو دفعہ رَاَیْتُ فرمایا۔ اس تکرار کا

کیا فائدہ؟ **جواب**۔ یہ تکرار نہیں بلکہ استیناف ہے اور اس کا فائدہ یہ کہ پہلے رَاَیْتُ سے صرف دیکھنا اور تاروں و سورج چاند کا قریب آنا بتایا۔ دوسرے رَاَیْتُ سے یہ بتایا کہ ان ستاروں وغیرہ نے آکر کیا عمل کیا۔ تکرار تب ہوتی ہے جب دونوں رَاَیْتُ ایک ہی بات بتاتے۔

تفسیر صوفیانہ

الٓرٰ تاویل صوفیا میں الف سے مراد اَنَا وَاحِدٌ ہے اور لام سے اہل توحید مراد را سے مراد اہل تفرید ربانیہ ہیں۔ (عرائس بیان) کچھ صوفیا کہتے ہیں کہ الف لام را کا معنیٰ ہے اللہ نے معرفت والوں کے لیے جبریل کی زبان سے قلب رسول اللہ پر آتارا اپنے کلام حقیقت کو۔ دلائت معرفت کی کتاب محبوب سے محب کی طرف نازل ہوئی۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۔ یہ سینۂ اہل صفا کو ظاہر کرنے والی کتاب قلب کی آیتیں ہیں۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ بیشک ہم محبوب کائنات نے اہل توفیق کی طرف نازل کیا اس وحی باطنی المناجات سری پیغامات صمدی کو عرش قلب کو فرش قالب سے اہل ذوق کو شوق سے ملانے والا قرآن عجم نفس کے سامنے ہوتا ہوا نغمات عرب تاکہ محبت شاہد بیان غائب کے ذریعہ طریق وصول کی ہدایت پا لے محبوب ذات کی طرف اور لے جستجو مرادیں بھٹکنے والو معانی معرفت کی حقیقت واشارات خفیہ کی عقل و فہم رکھو اور لغت و حروف کے پردوں سے نکل کر دلالت حق کے معانی سمجھو نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۔ اے عرش قلب کے مکین اعلیٰ ہم ہی بیان کرتے ہیں تیری عقل اول کی طرف معاملات روح واشباح خلافت روح اور وراثت قلب امانت نفس۔ تعبیر و تفسیر اشارہ۔ بشارت۔ عشق۔ حبس۔ قبض و بسط۔ قرار و فرار والا سب قصوں سے زیادہ اچھا قصہ ان میں جو وحی باطنی کی ہم نے لے حبیب انوار اول تیری طرف۔ رجوع الی اللہ سے وصول الی اللہ کی طرف تاکہ معلوم ہو کہ ہر مشاہدہ ذات کا قرآن روح و قلب کی ترکیب اور سرّ و نفس کے ملاپ کی معرفت انسانی ملانے والا ہے۔ ظاہری حواس خمسہ اور چھ باطنی قوتیں جو قلب یوسف کے وصل و قرب کے بھائی ہیں اور یعقوب روح کے بیٹے ہیں۔ اور راحیل نفس کی کوکھ سے پیدا ہونے والے ہیں۔ یہ ترکیب انسانی اور فطرت ایمانی کے ارکان اعلیٰ ہیں۔ اگرچہ تو ان کو بھول چکا ہے اور ہم تجھ کو وہ باتیں یاد کراتے ہیں جو عالم ادراک میں تو نے دیکھیں مگر وارفتگی عشق میں تو بھول گیا۔ پس یاد کر۔ اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ رَاَيْتُ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۔ جب کہا یوسف قلب نے اپنے والد روح کشفی سے اے مکاشفات اسرار کو جنم دینے والے بیشک میں نے مراتب ذات محو میں گیارہ چمکتے ستارے دیکھے ہیں۔ پانچ حواس ظاہرہ سامعہ۔ بصارت۔ شامہ۔ ذوق۔ لامسہ اور چھ حواس باطنی مدرکہ ذاکرہ حافظہ متخیلہ قوت وہم و حس مشترک۔ یہ سب حواس اگر نور یزدانی کے پرتو میں آجائیں تو چمکتے صداقت شہود کے تارے ہیں۔ اور اگر حسد نفس امارہ کے تحت ہو جائیں تو بیابان گمراہی کے بھیڑیے ہیں۔ یہ سب حواس قلب حسین کے بھائی ہیں۔ کیونکہ یہ سب یعقوب روح اور راحیل نفس والدہ طبیعِ نفسی کی صحبت باطنی سے تولد ہوئے اور

اسے باپ شمسِ روح کو بھی اور قمرِ مطمئنہ کو بھی دیکھا کہ سب مجھ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ یعنی قلبِ منوّر کے سامنے جھکے ہوئے ہیں
اور کمالیت انسان کی بشارتِ عظمیٰ ہے کہ قالب جسدی کی سب قوتیں سلطانِ قلب کے سامنے جھک جائیں یہی فتح
مطلق ہے۔ وارث مقام کو دنیوی فنا اور اخروی بقا ہے۔ نفس حیوانی بدن اور روح کے درمیان برزخ فراق ہے۔ اسی
لیے جب قلب اجسام پر روح کو بشارت مراقبہ کی خبر سری دیتا ہے تو روح ربانی سمجھاتی ہے۔ قَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَقْصُصْ
رُؤْيَاكَ عَلَىٰ إِخْوَتِكَ فَيَكِيدُوا لَكَ كَيْدًا ۖ إِنَّ الشَّيْطَانَ لِلْإِنسَانِ عَدُوٌّ مُّبِينٌ۔ روح الارواح نے فرمایا اے پسرِ قلب اپنے
وارداتِ حال کو اپنے حواس ظاہری و باطنی اور حسِ مشترک کے بنیامین پر بھی ظاہر نہ کرنا ورنہ حواسِ ذمیمہ قالب جسدی
میں حسد کے زرب سے مکر کے جال فساد کے حیلے تیار کریں گے۔ بیشک اے قلب وشعور رکھنے والے انسان عالمِ
روحانیت میں سب سے بڑا اور کھلا بے باک تیرا دشمن شیطان ہے۔ جو اس سے بچ گیا وہ کامیاب ہے۔ ملاحات
عرفانین حروف ہیں جو صفات قدیمہ کی کتاب مبین ہیں صدیقین کے دلوں پر بشکل انوار وارد ہوتے ہیں۔ ان کے آثار
ملک وملکوت کے مشاہدات میں سجتے ہیں۔ ان میں ایک حرف انعام اسرار ہے جو عارفین کے مکاشفات میں ہوتا ہے۔ دوسرا
رحمتِ ابرار ہے جو اہل مشاہدات مقربین کو ملتا ہے۔ تیسرا حرف لعنت تبار ہے جو اہل حسد کو دی جاتی ہے۔ یہ آیات و
حروف اغیار سے چھپائے جاتے ہیں۔ ابرار واحباب کو دکھائے جاتے ہیں۔ یہ حبیب کا محبوب سے بھید ہوتا ہے۔ ان
آیات پر حرف وہی مطلع ہوتا ہے جو اس دریا سے پیئے اور ان نہروں سے سیراب ہو۔ یہ وہ نشاناتِ قدرت ہیں جن کے
حرف اشارات ورموز ہی ہیں۔ صرف وہی اولیاء ربانی جانتے ہیں جو عالم ملکوتیت اڑنے والے ہیں۔ اور عالم جبروت میں
سیر کرنے والے ہیں۔ بیشک وہ لوگ جو مین غفلت اور لہو دنیا پرستی میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ ان آسان مگر کثیر
المعانی والے الفاظ کو نہیں سمجھتے۔ اہل حق جانتے ہیں کہ دنیا کثیر ہے آخرت یسیر ہے۔ مقام واردات دو قسم کے
ہیں۔ کثیفہ یہ بحر والے۔ خطیریہ فجر صادق والے ان ہی بحث والوں کے لیے کتاب مبین ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے
جب ارادہ فرمایا کہ اقتباس کے پیاسوں کو بحر معرفت کا زلال پلائے۔ اور عنقاء ہمت کو عشق کے جال میں لائے تو صفت
جمال سے تجلی فرمائی۔ صوفیاء وعظام کی نظر میں احسن القصص ہونے کی پانچ وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس سورت میں امتحان
عشق کا ذکر ہے اور عشق جمالِ ازلی کے مشاہدے کی سیڑھی ہے۔ اور حسن قصہ یہ ہے کہ عشق انسانی روح عاشق
کے مراتب میں ہے اور عشق مجازی سے عشقِ الٰہی کی طرف پرواز ہوتی ہے اور اونچی پرواز مشاہدۂ انوار ذات ہے اسی
لیے رب کریم نے اس کا نام احسن القصص رکھا۔ عشق میں آٹھ مقام ہیں۔ ۱ تسلیت ۲ عبرت ۳ ذوق ۴ شوق ۵ فراق۔
۶ وصل ۷ بلا ۸ عناد۔ ان مقامات کے بغیر عشق کامل نہیں ہوتا۔ اور عشق کے بغیر قصہ موزوں نہیں ہوتی۔ عاشق و
معشوق کے تذکرے میں امر اور نہی فرض وواجب نہیں ادا و قضا نہیں ہے بلکہ اثر جمال اور تاثیر وصال ہوتا ہے۔ اس
لیے اس کو احسن القصص کہا گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ یہاں طالب کو مطلوب سے۔ حبیب کو محبوب سے حسن کی کمال سے

مماثلت ومشابہت ہے یہ تو تھی وجہ یہ کہ تمام قصے صرف عوام کی سمع سے تعلق رکھتے ہیں مگر یہ قصہ عوام کی سماعت ہے۔ خواص کی عبرت ہے۔ عقل کی فکر ہے دماغ کا ہوش ہے۔ قلب کا جوش ہے۔ پانچویں وجہ یہ کہ اس قصے میں احوال مومنین کی صداقت ہے۔ متقین کی صفت کے معانی ہیں محبین کی محبت کے حقائق ہیں۔ بہتر عارفین کی صفائی ہے صابرین کے انجام کا حسن ہے۔ صادقین کے سلوک طریقت کی رغبت ہے۔ متوکلین کے راستہ پر لگنت کرانا ہے۔ زاہدوں کے زہد کی اقتدا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وصل اور تعلق پر اعتماد کی دلالت ہے۔ مصیبتوں کے نزول کے وقت بدبختوں کے حالات کا کشف ہے جھوٹوں کے طریقوں کی قباحت کا بیان ہے۔ خواص کی محنتوں اور مصیبتوں میں مبتلا ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور اس کے انجام اعزاز و اکرام کا ذکر ہے۔ اور اسی قصے میں شدت کا راحت سے تنگی کا نعمت سے عبدیت کا ملکیت سے تبدیل ہونے کا تذکرہ ہے۔ اور حبیب ومحبوب کا ذکر ہے۔ اس لئے یہ احسن القصص ہے لفظ یوسف میں چار حرف ہیں۔ ی۔ واؤ۔ س۔ ف۔ اور ان سے چار وضاحتیں ہو رہی ہیں۔ ی سے سلطنت قالب کی سیر یعنی آسانی واؤ سے وضاحت ذات اور حسن چہرہ۔ س سے اسرار غیب پر اطلاع اور تعبیر الرویا و مکاشفات ف سے وفاء عہد جس میں صفات حسینہ ہوں۔ اس میں خاص عبدیت کی شعاعیں ہیں۔ اور حزن عشق وشوق جمال ربوبیت سے ان مقامات جبروت تک وہی پہنچ سکتا ہے۔ جو خواص کی باتیں عوام کو ظاہر نہ کرے۔ اور مکاشفات لاہوتیہ اسرار صمدیہ کو نااہلوں پر آشکارا نہ کرے۔ یہی حکم ہے معرفت کے تعلق والوں کو۔ مرید باصفا کو جائز نہیں کہ بجز شیخ کامل کے کسی دوسرے کو سر مکاشفہ کا اظہار کرے بلکہ دنیوں کو چھوڑ کر بحر حجاب سے نفع حاصل کرے۔ اور غیرت کے چشموں میں گردی ہو جائے۔ یا اللہ مجھ کو بھی اس بحر ناپیدا کنارکی سے لہروں سے نواز دے۔ اور ظلمات نفس کے کنوئیں سے نکال کر انوار مصر میں داخل فرما۔ ع

بر کریماں کارہا دشوار نیست

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ
اور اسی طرح چن لے گا تجھ کو رب تیرا اور سکھائے گا تجھ کو تعبیر خوابوں کی اور پوری فرمائے گا نعمت اپنی پر تجھ
اور اسی طرح تجھے تیرا رب چن لے گا اور تجھے باتوں کا انجام نکالنا سکھائے گا
الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ
اور پر آل یعقوب کی جیسے پورا فرمایا اس نعمت کو
اور تجھ پر اپنی نعمت پوری کرے گا اور یعقوب کے گھر

كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ؕ

پر والدین تیرے سے پہلے ابراہیم اور اسحٰق

والوں پر جس طرح تیرے پہلے دونوں باپ دادا ابراہیم اور اسحاق پر

اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶﴾ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَ ع ۱ ۱۱

بیشک رب تیرا علیم ہے حکمت والا ہے البتہ بے شک تھیں میں یوسف اور

پوری کی بیشک تیرا رب علم و حکمت والا ہے بے شک یوسف اور

اِخْوَتِهٖٓ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ﴿۷﴾ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ

بھائیوں اس کے نشانیاں لیے پوچھنے والوں کے یاد تو کرو جب کہا سب نے کہ البتہ یوسف اور

اس کے بھائیوں میں پوچھنے والوں کے لیے نشانیاں ہیں جب بولے کہ ضرور یوسف اور اس

اَحَبُّ اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ

بھائی اسکا زیادہ محبوب ہے طرف والد ہمارے کے سے ہم حالانکہ ہم مضبوط جماعت ہیں بیشک باپ

کا بھائی ہمارے باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں اور ہم ایک جماعت ہیں بے شک

ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ﴿۸﴾

ہمارے البتہ ہیں سخت محبت کھلی

ہمارے باپ صراحۃً ان کی محبت میں ڈوبے ہوئے ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے ہی آپ کو یہ سب داستان بتائی جس سے آپ غافل ہو چکے تھے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حضرت یوسف اور تمام سابقہ انبیاء کو بھی ہم نے ہی ہر طرح علم سکھایا اور ہم نے اپنی شاگردی کے لیے چن لیا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں یوسف علیہ السلام کی خواب کا ذکر ہوا۔ اب یہاں خواب کی تعبیر جاننے کے علم کا ذکر ہے۔ کہ کس نے یہ علم سکھایا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں محبتِ پدری کا ذکر ہوا۔ اب یہاں بھائیوں کی دشمنی کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی۔ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ .... واؤ ابتدائیہ کذالک اسم

تشبیہی مشبہ لہٗ۔ سابقہ عبارت خواب دکھانا۔ اور مشبہ اگلا جملہ یَجْتَبِیْ فعل مضارع بمعنیٰ مستقبل جتبیٰ ناقص یائی سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ہے پسند کرنا چن لینا۔ اہل بنانا یا اہل پانا۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں کَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ رَبُّکَ مرکب اضافی فاعل ہے۔ فعل واؤ عاطفہ یُعَلِّمُ تعلیم سے بنا۔ بمعنیٰ علم سکھانا فاعل ہو ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ کَ مفعول بہ مِنْ بیانیہ تَاْوِیْلِ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اَوْل سے بنا بمعنیٰ بدلنا۔ الٹا کرنا۔ متعدی بنفسہٖ ہے مضاف اَلْاَحَادِیْثِ۔ مضاف الیہ ہے۔ الف لام استغراقی، حدیث کی جمع حدث سے بنا۔ بمعنیٰ نئی پیدا شدہ بات یا کلام یا چیز یا فعل صحیح یہ ہے۔ کہ یہ حادثہ کی جمع تکسیر ہے۔ جیسے باطل کی اباطیل۔ بعض نے کہا یہ اسم جمع مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ اسم جمع مفاعیل کے وزن پر نہیں آتا۔ وَیُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ وَعَلٰۤى اٰلِ یَعْقُوْبَ كَمَاۤ اَتَمَّهَا عَلٰۤى اَبَوَیْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ۔

واؤ عاطفہ یُتِمُّ باب افعال کے مضارع معروف کا عطف ہے یَجْتَبِیْ پر۔ تَمَّ سے بنا بمعنیٰ پورا کرنا۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ نِعْمَتَ واحد ہے انعام کا۔ مراد بلا عوض اچھی نفع بخش چیز دینی۔ ہٗ ضمیر کا مرجع ذات باری تعالیٰ عَلٰی جارہ بمعنیٰ لام ملکیت کا یعنی تیرے لیے کَ ضمیر کا مرجع۔ یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ جارہ کا جار پر عطف ہے۔ آل بمعنیٰ متبع یا بمعنیٰ اہل بیت یا اہل خاندان نبوت یَعْقُوْبَ۔ غیر منصرف ہے۔ علم ہے وزن فعل ہے عَقَبَ سے بنا۔ کثرت نحات اس طرف راغب کہ یہ اسم عجمی ہے۔ اس کا مادہ اشتقاق کوئی نہیں۔ اسم جامد ہے۔ کَمَا کاف حرف تشبیہ مَا زائدہ۔ مشبہ بہ اتمام ہے۔ اگلا جملہ مشبہ ہے۔ اَتَمَّ فعل ماضی متعدی بیک مفعول ھَا ضمیر مؤنث غائب کا مرجع نعمت ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ اَتَمَّ کا عَلٰی جارہ حسب سابق اَبَوٰی تثنیہ ہے اَبٌ کا اَبَوَیْنِ تھا نون تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی۔ مِنْ جارہ قَبْلُ اسم ظرف مبنی ہے ضمہ پر۔ مضاف الیہ محذوف ہے دونوں اسم عجمی ہیں۔ اِنَّ رَبَّكَ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۔ اِنَّ رَبَّكَ اِنَّ حرف اپنے اسم رَبَّکَ اور اپنی خبر عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہے جس نے ما سبق کی علت بیان کی عَلِیْمٌ "علم" سے بنا۔ بروزن کریم اور حَکِیْمٌ حُکْمٌ سے بنا اسی وزن پر دونوں علیحدہ علیحدہ خبریں ہیں لَقَدْ كَانَ فِیْ یُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰیٰتٌ لِّلسَّآىٕلِیْنَ۔ لام کی قَدْ کَانَ ماضی قریب کَانَ تامہ ہے فِیْ ظرفیہ اس کا مظروف یوسف نہیں بلکہ لفظ حال یا لفظ قصہ پوشیدہ وہ مضاف ہوئے یوسف یعنی فی حال یُوْسُفَ واؤ عاطفہ اِخْوَتِ اس کا معطوف ہٖ کا مرجع حضرت یوسف۔ آیات جمع ہے آیت کی بمعنیٰ نشانیاں۔ تنوین یعنی دو پیش تعظیمہ کی ہیں۔ لام جارہ نفع کا ہے۔ اَلسَّائِلِیْنَ جمع ہے سائل کی۔ سَئَلَ سے بنا بمعنیٰ خواہش کرنا۔ پوچھنا۔ طلب کرنا۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اِذْ قَالُوْا لَیُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِیْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ۔ اِذْ ظرفیہ بمعنیٰ جب قَالُوْا فعل ماضی جمع ہے اس کا فاعل اِخْوَتٌ ہے۔ لَیُوْسُفُ لام کی جواب قسم کے لیے ہے۔ دراصل تھا وَاللّٰهِ لَیُوْسُفُ۔ بحالت رفع مبتدا ہے اپنے معطوف اَخُوْہُ سے مل کر اَحَبُّ اسم تفضیل غیر منصرف ہوتا ہے۔ وزن فعل کی وجہ سے اَحَبُّ بمعنیٰ محبوب اِلٰی جارہ بمعنیٰ عِنْدَ اَبِیْ اسما مکبرہ سے بحالت جر مضاف ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم کی طرف۔ نَا کا مرجع اِخْوَتٌ ہیں مِنْ حرف جر بدلے کے لیے نَا ضمیر متکلم مجرور متصل۔ واؤ حالیہ نَحْنُ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا، عُصْبَةٌ خبر ہے عَصَبَ سے بمعنیٰ جسمانی تسمہ یا بمعنیٰ بندھن۔ خواہ رشتہ کا جیسے وارث عصبہ یا

عقیدے کا ہو جیسے متعصب لوگ خواہ وعدے کا ہو جیسے معاہدہ . یہاں مراد جسمانی مضبوطی ہے ۔ عُصْبَۃٌ وہ جماعت مراد ہے جس کے افراد دس یا تیرہ ہوں یا پندرہ یا بیس یا چالیس ۔ اِنَّ اَبَانَا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۔ اِنَّ حرف یقین اَبَا اسم اِنّ بحالت زبر ہے . نا ضمیر متکلم مضاف الیہ ہے . لَفِیْ لام کی برائے تاکید فی جارہ ظرفیہ ضلال مظروف موصوف مجرور ضلّ سے بنا . یہ لفظ دس معنوں میں مشترک ہے ۱ غلطی کرنا ۲ بہک جانا ۳ نقصان کرنا ۴ خیال کرنا ۵ وقت پر دھوکہ دینا ۶ گم ہوجانا ۷ چھپ جانا ۸ ضائع کرنا ۹ پریشان ہونا ۱۰ محبت میں انجان کو پہنچنا . یہاں یہ آخری یا پہلے معنی ہی مناسب ہیں . مُبِیْنٍ باب افعال کا اسم فاعل مُبِیْنٍ سے بنا . یعنی ایسا ظاہر جو سب کو نظر آئے .

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ كَمَآ اَتَمَّهَا عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۔ اور اے بچے جس طرح اب تیرے بھائیوں میں سے رب تعالیٰ نے تجھ کو چن لیا . عزت . ولی اور نبوت کے لیے . اسی طرح آئندہ بھی اختیار اور پسند فرمائے گا تجھ کو تیرا رب کہ آج کا یہ مشاہدہ خواب کل کو حقیقت بن کر سامنے نظارہ ہوگا . اگلی عبارت علیحدہ جملہ ہے . یہاں ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے . ورنہ اصل تھا وَھُوَ یُعَلِّمُکَ اور وہ اللہ تعالیٰ سکھاتا ہے یا سکھائے گا تجھ کو اے میرے بیٹے خوابوں کی تعبیر کہ جب اس نے اپنے خاص اسرار کی رویت کرادی . تو اس کی تعبیر بھی ضرور بتلائے گا . اللہ تعالیٰ نے دس انبیاء کرام کو دس علم خصوصی دے کر ان میں کامل فرمایا . ۱ حضرت آدم کو کل چیزوں کے نام سکھائے ۲ حضرت ادریس کو بہترین لکھنا سکھایا . ۳ حضرت ابراہیم کو علم مناظرہ سکھایا ۴ حضرت داؤد کو حکمت سکھائی ۵ حضرت سلیمانؑ کو پرندوں کی بولیاں ۶ حضرت موسیٰؑ کو مناجات کا علم سکھایا ۷ حضرت خضر علیہ السلام کو فراست اور علم باطنی طریقت وغیرہ سکھائی ۸ حضرت عیسیٰؑ کو معرفت اور علم تصوف سکھایا ۹ حضرت یوسف کو علم تعبیر سکھایا مگر ہمارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام علوم سب سے پہلے سکھائے تعلیم کے معنی پڑھانا . جو بول نہ سکے . تاویل اَوْل سے بنا . یعنی حال سے مآل کی طرف باطن سے ظاہر کی طرف خواب سے حقیقت خارجی کی طرف لوٹنا یہاں مراد ہے خواب کو سلسلہ بتانا . احادیث جمع ہے . حدیث کی جس کا مادہ ہے حَدَثٌ یعنی نئی چیز یہاں مراد خوابیں ہیں . خواہ حدیث النفس ہو یا شیطانی یا صادق ہو یا غیر صادقہ . اصطلاح شریعت میں نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات عطرات کو حدیث کہا جاتا ہے . اور اے یوسف رب کریم تجھ کو زمانہ قریب میں اپنی نعمت یعنی نبوت پوری طرح تمام فرمادے گا کہ تبلیغ احکام اور ملک گیری کا پورا اختیار سونپ دے گا . اور آل یعقوب یعنی میری باقی آل پر بھی نعمت ہدایت پوری فرمادے گا . اس طرح کہ تجھ کو نبی اور ان کو ہدایت کے ستارے بنادے گا . حرف علیٰ کا دوبارہ آنا اس لیے ہے تاکہ ضمیر متکلم کا اسم ظاہر پر عطف جائز ہوجائے . یہ اتمام نعمت تجھ پر محض اسی طرح کرم ہے جس طرح اے یوسف تیرے آباؤ اجداد پر نعمت نبوت مکمل فرمائی . من قبل ظرف مضاف ہے مضاف الیہ محذوف منوی ہے یا مطلب ہے من قبل

پہلے یا اس زمانے سے پہلے۔ ابراہیم علیہ السلام جد اعلیٰ پر اور اسحٰق علیہ السلام دادا محترم پر۔ یہ عبارت معطوف بیان ہے
اتمام نعمت حضرت ابراہیم پر یہ ہوئی کہ ان کو خلیل بنایا نارِ نمرود سے بچایا۔ آگ کو گلزار بنایا۔ لختِ جگر کو ذبح سے بچایا
قربانی کو منظور فرمایا۔ اسحٰق علیہ السلام پر اس طرح نعمت کو پورا فرمایا کہ یعقوب جیسا فرزند عطا فرمایا۔ نسل کو صدیوں چلایا۔
اور ان کی اولاد میں بہت سوں کو نبی و رسول بنایا۔ تین آسمانی کتابوں کو ان میں بھیجا اور اعتصا البنیہ کو بعض نے ذبیح
اسحاق تھے مگر یہ روایۃً و درایۃً غلط ہے۔ بیشک اے یوسف تیرا رب اپنے تمام افعال میں ازلی ابدی قدیم علیم ہے
ہر طرح ظاہر و باطن جاننے والا ہے۔ جس کو جو دیتا ہے بالکل درست دیتا ہے۔ اس کے کسی فعل پر کسی کو اعتراض نہیں۔
کیونکہ حکیم یعنی حکمت والا ہے کون مجتبیٰ بننے کے لائق ہے کس کو مصطفیٰ بنایا جا سکتا ہے۔ اس کو وہی جانتا ہے
خود بننے والا بھی اس بھید کو نہیں پاتا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ نعمت کی تکمیل اور تتمیم یہ ہے کہ دنیاکی نعمت اخروی
درجات کا باعث بنے۔ احادیث خواب اگر یہ فرشتے کی طرف سے ہو تو صادقہ ہے شیطان کی طرف سے ہو تو کاذبہ ہے
اس کا فرق عالم تعبیر ہی بتا سکتا ہے۔ آل سے مراد حضرت یعقوب کی یہ اولاد نرینہ ہے۔ بعض نے کہا کہ سب
بیٹے انبیاء بنائے گئے۔ مگر یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ انبیاء کرام شروع سے معصوم ہوتے ہیں۔ اور معصوم گناہ
کر سکتا ہی نہیں۔ ان میں قدرتِ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ ان بیٹوں سے بہت گناہ صادر ہوئے۔
للہذا یہ صحابیت کے درجہ پر ہی ہیں۔ اور ہدایت کے تارے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ آل سے مراد انبیاء بنی اسرائیل
ہیں کیونکہ سب ہی اولاد یعقوب ہیں۔ رازی فرماتے ہیں۔ کہ اللہ کا اجتباء انبیاء کرام سے خاص ہے ان کے
طفیل اور وسیلے سے صدیقین و شہداء و علماء اولیاء کو نصیب ہے۔ اللہ کی بعض نعمتیں صرف مخلوق کے لیے ہیں
مگر بواسطۂ نبوت اور بعض نعمتیں صرف انبیاء کے لیے ہیں مگر دیگر مخلوق کو بھی مل جاتی ہیں بطفیل نبوت جیسے چراغ
اور بلب کا نور چمنی ہی کے قریب ہے۔ اور چمنی ہی کو میسر ہے۔ اگر چمنی سفید ہو تو مقصود عوام کو روشنی پہنچانا۔ یہ
نور چمنی کے لیے نہیں اگر چمنی ہری پیلی ہو تو مقصود چمنی کو نور دینا ہے۔ خوبصورت بنانا ہے۔ اس کے طفیل کچھ روشنی
بھی عوام کو مل جاتی ہے۔ پس عبادات وہ نعمتیں ہیں جو امت کے لیے ہیں۔ انبیاء کرام صرف سکھانے اور لذت کے
لیے کرتے ہیں۔ انعامات اکرامات علم افضل انبیاء عظام کے لیے ہیں۔ امت کو ان کے طفیل ملتی ہیں۔ رازی فرماتے ہیں
کہ تاویل احادیث عام ہے اس کو کہ خوابوں کی تعبیر ہو یا مخلوق خدا کی روحانی جسمانی کیفیات اور انتظام کائنات کو
درست کرنے کا سلیقہ ہو۔ اور تمام نعمت سے مراد نبوت ہی ہے کہ نبوت سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ انسان
پر اتمام نعمت یہی ہے کہ اس کو نبوت تک پہنچا دیا جائے۔ اس تفسیر کے مطابق کہنا پڑے گا کہ آل یعقوب سے مراد
یہ گیارہ بیٹے نہیں بلکہ آئندہ نسل میں انبیاء بنی اسرائیل ہیں جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ بیٹے بھی بعد میں نبی بنائے گئے
اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کب بنائے گئے۔ سیدنا یوسف تک نبوت ثابت نہیں۔ ابھی تک تو وہ جرم کرتے ہی

چلے آرہے ہیں۔ لَقَدْ كَانَ فِيْ يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖۤ اٰيٰتٌ لِّلسَّآئِلِيْنَ ۝ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝ البتہ بیشک یوسف علیہ السلام اور ان کے گیارہ بھائیوں کے اس قصے اور حکایات اور واقعات میں جو کچھ حسب پر بیتا بہت بڑی عبرت کی نشانیاں ہیں۔ یا قدرت الٰہیہ کی یا حکمتہ عظیم کی سوال کرنے اور ان واقعات میں غور و خوض کرنے والوں کے لیے۔ کہ کس طرح یوسف نے خواب دیکھی، اور والد محترم نے منع کر دیا کہ بھائیوں کو نہ بتانا گھر کی کسی عورت نے یا بہنوں نے شام کو عبادت کے بعد بھائی گھر آئے تو خواب کا سب واقعہ سنا دیا۔ اس طرح خواب کا بھید ایک عورت کے ذریعے فاش ہوا۔ امام غزالی فرماتے ہیں آپ کی خالہ نے حسدًا یہ بھید ظاہر کیا۔ یہ کہتے ہوئے اے بیٹو محنت و مشقت تم کرو مگر باپ کی نظر میں مرتبہ یوسف کا زیادہ ہو۔ روایت میں ہے کہ چار عورتوں نے چار بزرگوں کے بھید ظاہر کئے۔ شمعون کی ماں نے یوسف کی خواب کا۔ حضرت نوح کی بیوی نے نوح علیہ السلام کی کشتی کا بھید کافر قوم سے ظاہر کیا ۲ لوط علیہ السلام کی بیوی نے حضرت لوط کے مہمانوں کا بھید ظاہر کیا۔ ۳ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گھریلو راز ظاہر کیا۔ تین عورتوں کا قرآن مجید میں ذکر آگیا لیکن ام شمعون کا ذکر نہیں آیا۔ بھائیوں کا حسد اور زیادہ ہوا۔ ان سب جابروں طاقت والوں نے یوسف کے خلاف بڑی سخت تدبیریں کیں۔ خدا تعالیٰ نے کس طرح کمزور یوسف کو دنیا جہان کی قوت و طاقت بخشی اور ان جابروں کو اس کمزور کے سامنے جھکنا پڑا۔ کیسی قدرتیں حکمتیں اور عبرتیں ہیں۔ اللہ اکبر کبیرا۔ بعض نے فرمایا لَقَدْ کا لام قسمیہ ہے اور واللہ پوشیدہ ہے۔ اے پیارے حبیب اس وقت کو بھی یاد فرمایئے کہ جب برادران یوسف نے سب سے چھپ کر خفیہ طریقے سے روبیل کے گھر میں بات چیت کی۔ یوسف علیہ السلام اور ان کے سگے بھائی بنیامین کے بارے میں کہ اے لوگو کتنے غم کی بات ہے کہ البتہ بیشک یوسف اور اس کا چھوٹا بھائی سگا بنیامین ہمارے والد کی نظروں میں زیادہ محبوب ہے ہم سب سے اور جب سے خواب دیکھا ہے اس وقت سے تو محبت اور بھی زیادہ ہوگئی۔ حالانکہ کام کاج میں اصحت اور تندرستی میں، دراز قد اور جوانی میں ہم زیادہ مضبوط ہیں۔ محبت پدری کے حقدار تو ہم ہیں نہ کہ دو کمزور اور کم سن بچے ہم تو یہ کہیں گے اور سمجھیں گے کہ ہمارے والد اس ترجیحی محبت میں البتہ بیشک کھلی غلطی میں ہیں۔ لَيُوْسُفُ کی عبارت پوری مقولہ ہے قَالُوْا کا لام تاکید یہ نے بتایا کہ یہ مشورہ بڑی دلچسپی اور تاکید سے ہو رہا تھا اور ان پر یہ محبت بڑی شاق تھی۔ اَحَبُّ اسم تفضیل بمعنی محبوب مفعولیت کی بنا پر ہے۔ یہ خبر ہے اس کے مبتدا لَيُوْسُفُ اور اَخُوْهُ دونوں ہیں۔ چونکہ یہ اَفْعَلُ مِنْ سے متصل ہے اس لیے یہ اکیلی خبر جائز ہے۔ لفظ عصبہ دس سے بیس تک کی جماعت کو کہا جاتا ہے اور لفظ رہط پانچ سے دس تک کے وفد کو کہا جاتا ہے ایک قول کے مطابق دس سے چالیس تک کو عصبہ کہا جاتا ہے کیونکہ اس سے گروہی اور جماعتی مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ اس کو جم غفیر بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ رمضان مبارک کے چاند میں مطلع صاف ہونے کی صورت میں

بھی اتنے ہی گواہ معتبر ہیں۔ اسی سے تعصب ہے کہ غلطی پر اڑ جانا۔ یوسف علیہ السلام کے دس علاتی بھائیوں کا یہ خفیہ مشورہ اور والد محترم کے متعلق یہ کہنا کہ وہ غلطی میں ہیں۔ محض اس لیے تھا کہ ان کی نظر دنیوی جاہ جلال اور منفعت دنیا تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ شاید وہی محبتِ پدری کا حقدار ہے جو دنیوی اعتبار سے اعلیٰ ہو مگر وہ اس نکتے کو نہ سمجھ سکے کہ نبی کی محبت اور توجہ دنیوی لحاظ سے نہیں ہوتی۔ وہاں تو للہیت اور اخروی جاہ جلال دیکھا جاتا ہے۔ بھائیوں نے صرف یہ دیکھا کہ ہم طاقتور کاروباری اور خاندان کا بوجھ اٹھانے والے ہیں بکریاں چرا کر تھک جانے والے ہیں مگر انہوں نے یوسف کے بے ماں ہونے نازک اندام اور بھولے بھالے ہونے اور یوسف کے چہرے سے معصومیت کی جھلکیاں، انہوں نے اس پر غور نہ کیا کہ ہم کو تو بچپن میں ماں باپ دونوں کا پیار مل گیا تھا۔ اگر یوسف اور اس کے بھائی کو صرف والد کا پیار مل جائے تو کیا مضائقہ ہے ان کو یہ گوارا بھی نہ ہوا۔ وہ ان دونوں کو اس سے بھی محروم کرنا چاہتے تھے۔ ان کے دل میں اس پیار سے حسد کی آگ تھی۔ روایت ہے کہ چھ شخصوں نے چھ بزرگوں اور نیکوں سے حسد کیا۔ اور حسد میں ان کو ہلاک اور خراب کرنے کی کوشش کی مگر اللہ کریم نے ان کے تمام مکر و فریب کو درہم برہم کر دیا اور اپنے پیاروں کو بچا لیا ۱؎ قوم نوح نے حضرت نوح کو ہلاک کرنے کی ۲؎ نمرود نے حضرت ابراہیم کو ۳؎ فرعون نے حضرت موسیٰ کو ۴؎ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ کو ۵؎ اہل مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۶؎ اور برادران یوسف نے حضرت یوسف کو ہلاک کرنے کی کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے حاسدین کو برباد کر دیا اور اپنے پیاروں کو بچا لیا۔ یونہی شیطان مومنوں کو خراب کرنے کی کوشش کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کو بچا لیتا ہے۔ ہاں مومن کو چاہیئے کہ تین چیزوں سے بچے ۱؎ حسد ۲؎ تکبر ۳؎ اجنبی عورت کی خلوت سے کیونکہ یہ تینوں شیطان کے جال ہیں۔ یعقوب علیہ السلام کو پتہ تھا کہ اگرچہ یوسف جسمانیت اور عمر میں کمزور اور صغیر ہے مگر فضیلت و عظمت میں سب بھائیوں سے بڑا ہے۔ بھائیوں کو یہ بھی پتہ چل گیا تھا کہ ستاروں سے مراد ہم بھائی ہیں اور سورج سے مراد ہم سب کے والد حضرت یعقوب اور چاند سے مراد یوسف کی سوتیلی ماں اور ہماری سگی والدہ لیا ہے۔ حضرت یعقوب کو یوسف سے تین وجہ سے محبت تھی۔ ایک وجہ تو یہ کہ حضرت یوسف اور بنیامین کی والدہ بچپن ہی میں انتقال کر گئی تھیں۔ دوسری وجہ یہ کہ حضرت یوسف اور بنیامین ہر وقت خدمت والدین میں حاضر رہتے۔ اور گھر کی تمام خدمات والد محترم کی وہی انجام دیتے۔ بخلاف دیگر بھائیوں کے کہ اپنے بڑے ہونے کی وجہ سے کبھی بازار کبھی شکار اور کبھی سفر اور حضر میں رہتے۔ ان کی خدمات مشترک تھیں۔ یوسف اور بنیامین کی خدمات وقف تھیں۔ نبی اکرم کے لیے ظاہر بات ہے کہ ہمہ وقت حاضر باش زیادہ مستحق محبت ہو جاتا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ یوسف علیہ السلام میں بچپن ہی سے رشد و ہدایت۔ نجابت و صلاحیت کے وہ آثار ہویدا تھے جو دیگر بھائیوں میں نہ تھے۔ یہی امتیاز نبوت ہے کہ نبی بچپن میں بھی باقی مخلوق سے ممتاز و بے مثل ہوتا ہے قانون

فطرت کے برخلاف ہے کہ کوئی دل بھر کر گناہ بھی کرتا رہے پھر اس کو نبی بنایا جائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا، کہ آیات سے مراد نشان دلائل نبوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اور سائلین سے مراد وہ یہودی اور اہل مکہ ہیں جنہوں نے قصۂ یوسفی اور گیارہ ستاروں کے متعلق پوچھا تھا اور نبی کریم بہر یہ قصہ وحی ہوا تو آپ نے فوراً سب کو سنایا تو سائلین اور منکرین حیران رہ گئے اور بہت سے مسلمان ہو گئے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے علم غیب کے ذریعے آئندہ تمام حالات کا پتہ تھا۔ حضرت یوسف کے گمشدگی کے زمانے میں یعقوب علیہ السلام یوسف سے بے خبر نہ تھے۔ یہ فائدہ یَجْتَبِیْکَ فعل مستقبل فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** فرزندان یعقوب علیہ السلام میں صرف حضرت یوسف نبی ہیں اور کوئی بیٹا نبی نہیں۔ یہ فائدہ یَجْتَبِیْکَ میں کَ ضمیر واحد مذکر سے حاصل ہوا کہ نبوت کے لیے چناؤ صرف یوسف کا ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضرت یوسف کے گیارہ باقی بھائی اولیاء اللہ تھے کیونکہ اتمام نعمت یعنی فضیلت و عظمت اور محفوظ ہونا کفر و گناہ سے ان میں سب آلِ یعقوب شامل ہے یہاں تک کہ حضرت یعقوب کی بیویاں، بیٹیاں بھی اس میں شامل ہیں۔ کیونکہ آل میں بیوی بیٹی شامل ہوتی ہے یہ فائدہ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ (الخ)، سے حاصل ہوا۔ اتمام نعمت سے نبوت مراد نہیں ہو سکتی کیونکہ عورت نبی نہیں ہو سکتی۔ حالانکہ عورت آل میں شامل ہے۔ لہٰذا جن مفسرین نے اس سے یہ دلیل پکڑی ہے کہ آپ کے سب فرزند نبی تھے۔ وہ کمزور دلیل ہے۔ **چوتھا فائدہ**۔ بعض اولاد سے زیادہ محبت کرنا بعض سے تھوڑی محبت کرنا گناہ نہیں ہے۔ یہ فائدہ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا (الخ) سے حاصل ہوا اور لَيُوْسُفُ لام تاکید سے حاصل ہوا کہ واقعتاً حضرت یعقوب کو یوسف و بنیامین سے زیادہ محبت تھی مگر یہ زیادتی محبت گناہ نہ تھی۔ کیونکہ یعقوب علیہ السلام متفقاً نبی ہیں اور نبی گناہ پر تیار نہیں ہوتا بوجہ عصمت۔ **پانچواں فائدہ**۔ نبی کی ذاتی رائے کی مخالفت کفر نہیں ہوتی، یہ فائدہ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ سے حاصل ہوا کہ برادران یوسف نے اپنے والد نبی محترم کی ذاتی محبت کی مخالفت کی مگر رب تعالیٰ نے ان کو ہدایت کے تارے بنایا حضرت یعقوب نے ان کو کافر نہ کہا۔ یوسف علیہ السلام نے ملاقات ہونے پر ان کو توبہ کا حکم نہ دیا۔ ہاں گناہ ضرور ہے جیسا کہ اگلے کلام سے ظاہر ہے اور ثابت ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات پڑتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السلام کے بھائی نبی تھے۔ مگر آپ کی تفسیر نے بتایا کہ نبی نہ تھے۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب**۔ تمام مفسرین نہیں بلکہ چند ایک نے ایسا کہا ہے مگر یہ غلط ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر عالمانہ میں ھود قرآن مجید کے دلائل اور سیاق و سباق سے ثابت کر دیا کہ برادران یوسف نبی نہ تھے۔ رہا بعض مفسرین کا یہ کہنا کہ وہ نبی تھے چشم پوشیوں میں سے ایک چشم پوشی ہے۔ اور اس طرح کی چشم پوشی اور لغزشیں انسان کی فطرت

سے بعید نہیں۔ دیکھو مفسرین فرماتے ہیں کہ لیّا بنت لیان کے فوت ہونے کے بعد یعقوب علیہ السّلام کا راحیل سے نکاح ہوا حالانکہ یہ بات عقلاً اور نقلاً جمہور کے خلاف ہے۔ کیونکہ یوسف علیہ السّلام نے خواب میں گیارہ تارے اور چاند سورج دیکھے تھے کہ وہ یوسف علیہ السّلام کو سجدہ کر رہے ہیں۔ ستاروں سے مراد بھائی اور ایک قول میں سورج سے مراد ماں اور چاند سے مراد والد یعقوب۔ یہ تعبیر تقریباً چالیس یا اسی سال بعد ظہور میں آئی تھی حالانکہ والدہ یوسف راحیل ان کی بچپن میں فوت ہو چکی تھی۔ اگر لیّا بھی فوت ہو چکی تھیں تو ماں سے کون مراد ہوگا۔ یہی مفسرین کہتے ہیں کہ ماں سے مراد خالہ لیّا تھیں۔ (صاوی) پس جیسے اس کو ماننا پڑے گا اسی طرح نبی ہونے کا قول بھی ضعیف ہے۔ دوسرا اعتراض:۔ اسکی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا علیم، حکیم، علیم پہلے حکیم بعد میں مگر بہت جگہ قرآن میں لفظ حکیم پہلے علیم بعد میں ہوتا ہے یعنی حکیم علیم ہوتا ہے۔ جواب۔ صفت علیم میں حضور علمی کا اعتبار ہے اور حقیقتہ علمیہ حکمت کے تابع ہوتی ہے اس لیے کہ علم کا تعلق اشیاء سے اس کے وجود کے بعد ہوتا ہے اور حکمت وجودِ اشیاء سے پہلے لازمی ہے کہ حکمت کے تحت شی پیدا کی جاتی ہے اور شی پیدا ہو کر علم کا معلوم بنتی ہے اس لیے حکیم پہلے فرمایا جاتا ہے علیم بعد میں۔ اور جہاں علیم پہلے فرمایا گیا حکیم بعد میں جیسے یہاں وہاں اشیاء معینہ کا حضور مراد ہوتا ہے اور حکمت کا تعلق معین اشیاء میں تابع ہے علم کے یہی معنیٰ ہیں اس قول کا کہ معلوم تابع ہے علم کے حکمت نام ہی اس کا ہے معلومات کو ترتیب دینا اپنے مراتب میں۔ للٰہذا علیم حکیم اور حکیم علیم دونوں درست ہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ جب یہ بات شروع سے مروج ہے کہ بعض اولاد سے محبت کرنا اور بعض سے نہ کرنا بعض کو بعض پر فضیلت دینا حسد کا باعث ہے تو حضرت یعقوب نے ایسا کیوں کیا اور اگر کرنا ہی تھا تو پوشیدہ محبت رکھتے **جواب**:۔ انسانی فطرت محبت میں مجبور اور معذور ہے۔ محبت کی نہیں جاتی محبت ہو جاتی ہے اور رہا یہ کہ محبت چھپائی کیوں نہیں، تو اس کا جواب اوّلاً یہ ہے کہ محبت چھپی بھی نہیں رہتی کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جاتی ہے۔ دوم یہ کہ یعقوب علیہ السّلام اپنے غیب کے ذریعے سب انجام سے باخبر تھے۔ ان کو معلوم تھا کہ میری محبت پھر ان بھائیوں کا حسد اور اس کا انجام کیا ہوگا۔ للٰہذا چھپانا بیکار تھا۔ سوم یہ کہ یہ محبت ناجائز نہ تھی۔ بلکہ عین ایمان تھی کہ باپ کی بیٹے سے نبی کی نبی سے طاقتور کی کمزور اور بالیس کی بے بس سے محبت چھپانے کے قابل نہیں ہوتی۔ کسی کے گناہ کے خوف سے نیکی چھپانا منع ہے۔ **چوتھا اعتراض** برادران یوسف علیہ السّلام جانتے تھے کہ ہمارے والد نبی اور رسول ہیں۔ پھر انہوں نے نبی کے فعل پر اعتراض کیوں کیا؟ نبی کے فعل پر اعتراض کفر ہے؟ **جواب**: برادران یوسف کو غلط فہمی یہ لگی کہ وہ سمجھے کہ ہمارے والد کا یہ عمل ان کے اجتہاد سے ہے اور ان کا یہ اجتہاد بغیر سوچے ہوئے ہے۔ اس غلط فہمی کی بنا پر اعتراض کرنا کفر نہیں صرف گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَكَذٰلِكَ يَجْتَبِيكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَعَلَىٰ آلِ يَعْقُوبَ كَمَا أَتَمَّهَا عَلَىٰ أَبَوَيْكَ مِن قَبْلُ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ إِنَّ رَبَّكَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ اے قلب یوسف نورا اسی طرح تجھ کو لباس نور سے زمرۂ مطلوبین میں چن لیا۔ اور فرحت کمال سے نور جمال کی دستار سے نوازا۔ اور سکھائے گا تجھ کو تیرا رب علوم الٰہیہ کے مکاشفات مقامات قدرت دیدار تحقیق کی اسرار بےخودی کی باتوں کا راز سمجھائے گا۔ استقامت کی نعمت کامیابی کی لذت کا ذوق پورا عطا فرمائے گا۔ روحِ یعقوب کی تمام اولاد فرمانبردار کو بھی ان نعمتوں سے نوازے گا کہ واردات احوال کے انعام پورے فرمائے گا۔ اور وصل کی ایسی آیتیں عطا فرمائے گا جیسے ابراہیم فواد اسحٰق لطائفِ سریہ پہ اپنی باطنی نعمتیں پوری فرمادیں۔ کہ طہارت قدس اور امتحان عشق کی کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ بےشک تیرا رب غیوب کائنات کو جاننے والا ہے۔ اہل طلب کی صحبت لطائف کی عطا کا حکمت پہچاننے والا ہے۔ وسواس شیطان سے بچا کر تخت ولایت پر بٹھا کر تاج رحیمیت پہنانے والا ہے۔ ترک انتقام کے جذبہ عطا کر کے دونوں جہان میں مجتبیٰ بنانے والا ہے۔ اور نفس و نفسانیت۔ دماغ و شعور کو تیرے سامنے جھکا کر نعمت سرداری پوری فرمانے والا ہے۔ یہی تیرے مکاشفات کی تکمیل ہے وہ علیم ہے کہ باطن کو جانتا ہے۔ شاکر نعمت ذاکر منعم کو پہچانتا ہے۔ حکیم ہے کہ نفس و قلب کے مقام جدا فرماتا ہے۔ وہ اپنی حکمت بالغہ سے جانتا ہے۔ کہ کون محبوبیت کے لائق ہے کون سروریت کے قابل۔ یوسف قلبی پر اتمام نعمت یہ ہے کہ تجلیات ذات کا اس پر ورود فرمائے اور تمام صفات کا استقرار وہیں فرمائے۔ کیونکہ قلب جسدی ہی مرکز انوار ھو کا عرش حقیقی ہے ذکر ماسوا۔ اسی استحقاق کی بنا پر قلب تاب جسم کمال حسن سے مختص ہوگیا اور جب تجلی ذات قدس کا ورود ہوا تو آئینہ دل سے نیر تاباں کی شعاعیں نکل کر روح و حواس اور قوتیں اعضاء باطنی ظاہری کو اور یعقوب روح کی تمام آل کو مزین کردیا۔ لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ۔ تمام آیات الٰہیہ میں قدرت کی بڑی نشانی اور آیت رحمانی قلب مومن ہے۔ اسی میں انوار حق کے پہاڑ ہیں۔ یہاں پر ہی علوم غیب کے غار ہیں۔ اسی کے اندر معرفت ذات مجیدہ کے مکاشفات ہیں۔ اور صفات قدسیہ کے دریا ہیں۔ اور نعمت کرم کی نہریں ہیں۔ لطائف کی لہریں جمعیت صمدیت کے گلستان ہیں اور یہیں پر شہوات کے نفوس باطنہ و عادات ظالمہ ہیں۔ اخوتِ حواس باطنی اور برادران حواس ظاہری بھی یہیں ہیں۔ دماغ رذیل کے شر و فریب اور طغیان و سرکشی کے رویل اور لطائف سریہ کے بنیامین بھی یہاں پر ہی ہیں۔ عجب آیات قدرت نشانات فطرت ہیں۔ ان ہی قلب و حواس میں مریدین محبین عارفین کے لیے تذکرہ و تبصرہ ہے۔ اللہ کے عطاؤں میں کسی ارادے محنت مشقت کا تعلق نہیں وہ محض کرم پر منحصر ہے۔ مراتب استعداد سے ازل میں وصل ہوتا ہے کیونکہ جس کو اللہ خیر کائنات دے۔ کوئی ختم نہیں کر سکتا۔ اور جس کی رب کریم حفاظت کرے اس کو تیر زوال نیزہ صدمات کون لگا سکتا ہے۔ جسم انسانی اللہ کی آیات ہے۔ یہی

جلوہ ذات ہے۔ اسی پر واردات لمحات ہے۔ مگر شیطان کا سب سے بڑا حملہ یہیں پر ہوتا ہے۔ قلبِ مومن اسی سے ربِ عظیم کی پناہ طلب کرتا ہے۔ قلبِ مستعد محبوب عقل یعقوب ہے۔ حواس باطنی شہوۃ و غضب کے جال میں حواس ظاہری کو ساتھ ملا کر اپنی قوت شہوات جذبۂ خواہشات۔ لذتِ طبعی کو قابل قدر سمجھتے ہوئے مقام ظلمات رذیلہ میں مشورہ کرتے ہیں۔ اِذْ قَالُوْا لَيُوْسُفُ وَاَخُوْهُ اَحَبُّ اِلٰۤى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ ؕ اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنِ ۚ۔ تمام خاکی کی سب حواس شہویہ نے کہا۔ البتہ قلبِ یوسف اور اس کا قربِ وصل کا بھائی حسِ مشترک محبوبِ اکمل ہے۔ روحِ لاہوتی کی عقل لطیف ہیں۔ ہم سے زیادہ حالانکہ ہم قوت جذبات سامعہ ولامسہ میں زیادہ مضبوط ہیں۔ بیشک روحِ لاہوتی ظاہراً غلط محبت میں ہے۔ حواس کثیف عقل کی قوتِ فکر اور قلب کے کمالات علم و اخلاق کو نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان لطائف انعامیہ سے کراہت کرتے ہیں۔ نہیں چاہتے کہ قوتِ حواس کو قلب منور کے حکم سے استعمال کریں۔ بلکہ حسدِ ابلیسی کی بنا پر ان قوتوں کو لذاتِ بدنیہ، شہوات حیوانیہ میں خرچ کرتے ہیں۔ مگر فکرِ روحانی کی نظر الفت قلب ہی کی طرف ہوتی ہے۔ اور میلانِ عشق سعادت قلبی کے حصول کی طرف زیادہ ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ علم و فضل کی حسین شعاعیں یہیں نمودار ہیں

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ

قتل کر دو یوسف کو یا پھینک آؤ اس کو بیابان میں کہ خالی ہو جائے واسطے تمہارے چہرہ والد

یوسف کو مار ڈالو یا کہیں زمین میں

وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَ تَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا

کا تمہارے اور بن جانا تم سے بعد اس کے

پھینک آؤ کہ تمہارے باپ کا منہ صرف تمہاری ہی طرف رہے اور اس کے بعد پھر

صٰلِحِيْنَ ۝۹ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ

قوم متقی کہا کہنے والے نے ان میں سے نہ قتل کرو تم یوسف کو

نیک ہو جانا ان میں ایک کہنے والا بولا یوسف کو مارو نہیں

وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ

اور ڈال دو تم اس کو بیچ اندھیرے کوئیں کے پکڑلے جائے اس کو کوئی مسافر اگر ہو تم

اور اسے اندھے کنوئیں میں ڈال دو کہ کوئی چلتا اسے آکر لے جائے

اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰﴾ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا

کرنے والے سب بولے اے باپ ہمارے کیا حال ہے

اگر تمہیں کرنا ہے بولے اے ہمارے باپ آپ کو کیا ہوا کہ یوسف

عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

آپ کا کہ نہیں مطمئن ہوتے ہم سے پر یوسف حالانکہ ہم بیشک اس کے خیر خواہ ہیں

کے معاملہ میں ہمارا اعتبار نہیں کرتے اور ہم تو اس کے خیر خواہ ہیں

تعلق

پچھلی آیات سے ان آیات کا چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں انبیاء کرام پر اللہ رب العزت کے انعام کا ذکر ہوا۔ جن میں محبت بھی ایک انعام ہے۔ اب یہاں حاسدوں کے حسد کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی دشمنی کے زبانی تذکرے کا ذکر ہوا۔ اب یہاں عملی دشمنی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی حقیقی دشمنی کا ذکر ہوا۔ اب یہاں منافقانہ محبت کا تذکرہ ہے

تفسیر نحوی

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ ۔ اُقْتُلُوْا باب نَصَرَ کا امر حاضر بصیغہ جمع مذکر یوسف بحالت زبر اس کا مفعول بہ۔ اَوْ حرف عطف

اِطْرَحُوْهُ باب نَصَرَ کا امر ہی صیغہ طَرْحٌ بمعنی پھینکنا دور کرنا۔ ہ کا مرجع یوسف علیہ السلام اَرْضًا تنوین تنکیری بحالت زبر ظرف مبہم ہے۔ یَخْلُ یَخْلُوْ تھا۔ واؤ بوجہ جزم حذف ہوئی خَلْوٌ سے بنا۔ معنی خالی ہونا۔ تنہا ہونا۔ متوجہ ہونا۔ یہاں پہ آخری معنی مناسب ہیں۔ لَکُمْ لام نفع کا کُمْ ضمیر جمع سے مراد مخاطب بھائی ہیں۔ وَجْہُ کا اصل ترجمہ چہرہ مراد ذات یا رجحان قلبی۔ مضاف اَبِیْ اسماء مکبرہ سے بحالت جر مضاف الیہ۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر کی طرف مرجع جو پہلے کم کا ہے واؤ بمعنی اَوْ یعنی پھر۔ بحالت جزم عطف ہے جواب امر یَخْلُ پر۔ دراصل تھا تَکُوْنُوْنَ۔ جزم نے نون اعرابی کو گرا دیا۔ مِنْ جار زائدہ ہے بعد اسم ظرف نکرہ مضاف ہے ہ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع یا قتل ہے یا طرح ہے یا یوسف ہے جار مجرور متعلق ہے تَکُوْنُوْا کے فعل ناقصہ پر امر کے مشابہ معنوی کُمْ پوشیدہ ضمیر اسم ہے قَوْمًا نکرہ ہے بحالت زبر خبر ناقصہ ہے۔ صٰلِحِیْنَ جمع ہے صالح اسم فاعل کی بحالت زبر ہے یا صفت ہو کر قَوْمًا یا حال قَوْمًا ذوالحال کا۔ قَالَ

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ۔ قَالَ فعل ماضی

قولٌ اجوف واوی سے بنا قائلٌ بمعنی اسی سے اسم فاعل بنا بحالت رفع فاعل ہے قال کا منہم جار مجرور بنیت کا۔ ھُم ضمیر جمع کا مرجع اِخوۃ ہے۔ لَا تَقْتُلُوْا فعل نہی بصیغہ جمع مذکر حاضر مقولہ ہے۔ قول کا یوسف بحالت نصب مفعول بہ ہے۔ واوٗ بمعنی لٰکِن اَلْقُوْہُ امر دراصل تھا اُلْقِیُوْہُ باب افعال لَقْوٌ سے بنا بمعنی پھینکنا فی ظرفیہ غَیٰبَت۔ غیب سے بنا صفت مشبہ بمعنی زیادہ گہرا جہاں گہرائی کا اندھیرا ہو۔ گہرائی نظر نہ آئے گری چیز غائب ہو جائے۔ اَلْجُبّ الف لام عہدی ذہنی ہے یا جنسی ہے جَبّ سے بنا بمعنی کچا کنواں مبالغہ کا صیغہ ہے۔ پکے کنوئیں کو بیر کہتے ہیں یَلْتَقِطْهُ فعل مضارع مذکر ہے بمعنی مستقبل اِلْتِقَاط سے بنا اس کا لغوی ترجمہ گم شدہ چیز کا ملنا۔ اسی سے لقطہ یا لقیط لغت اس کا فاعل ہے مضاف السیارۃ کی طرف الف لام جنسی ہے۔ سیارہ بروزنِ فعّال صرف سیّار مذکر ہے۔ سیّارۃ مؤنث ہے یہاں بھی جمع مراد ہیں۔ سیر سے ہے بمعنی بہت پھرنے والا۔ اِن حرفِ شرط کُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی جمع مذکر فاعلین اسم فاعل جمع ہے بحالت نصب خبر ہے کنتم کی یہ جملہ شرطیہ مؤخر ہے۔ اور اَلْقُوْہُ جملہ فعلیہ تامہ جزاء مقدم ہے۔ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ۔ قالوا فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل سارے بھائی ہیں یا حرفِ ندا اگلا جملہ ندائیہ مقولہ ہے قول کا اَبَا اسماء مکبر سے ہے بحالت نصب منادیٰ مضاف ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے۔ مَا حرفِ استفہام لَکَ لام جارہ مفعولیت کا ہے۔ کَ ضمیر کا مرجع اَبَا ہے۔ استفہام تعجب ہے۔ لا تامنّا مضارع منفی بلا نا ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے۔ امن سے امن کا امن والے سے بنا بمعنی بات ماننا۔ ایمان لانا۔ مطمئن ہونا۔ یہاں یہی مراد ہیں علیٰ بمعنی فی یعنی بارے میں یوسف بحالت جر ہے۔ غیر منصرف ہے۔ لہٰذا زبر آیا یہ جملہ مقولہ ذوالحال ہے۔ واوٗ حالیہ اِنَّ حرفِ تحقیق نا ضمیر اس کا اسم منصوب متصل لام کی ناصحون جمع ہے ناصح کی اسم فاعل ہے۔ نُصح سے بنا بمعنی خیر خواہی کرنا۔ شفقت کرنا۔ متعدی بنفسہ ہے۔ یہ جملہ حال ہے

تفسیر عالمانہ

اُقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا مِنْۢ بَعْدِهٖ قَوْمًا صٰلِحِيْنَ لہٰذا اس جلاپے سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ قتل کر دو یوسف کو یا تار پھینکو اس کو کسی دور جگہ یا ان جنگل میں پھر دیکھنا تمہارے والد کی توجہ اور پوری کی پوری محبت تمہارے ہی لئے مستقل ہو گی۔ اور اس گناہ کبیرہ کے بعد تم لوگ نیک جماعت میں شامل ہو جانا یعنی توبہ وغیرہ کر کے یا والد کی بہت خدمت کر کے اور بہت ہر طرح سے خوش رکھ کر ان کی محبت کو حاصل کرنا تو وہ یوسف کو بھول جائیں گے اور تم کو صالحین یعنی محبوبوں میں شمار کریں گے۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا ہے کہ جس وقت برادران یوسف آپس میں اس موضوع پر بات کر رہے تھے کہ یوسف کے لئے محبت پدری کس قدر زیادہ ہے اور اس محبت کو ختم کرنے کی کوئی تدبیر نظر نہ آتی تھی تو شیطان ابلیس بوڑھے آدمی کی شکل میں بھائیوں کے پاس آیا اور بولا کہ میں تم کو ایک ترکیب بتاتا ہوں۔ یوسف چاہتا ہے کہ تم کو غلام بنا لوں اور والد بھی

تم کو ذلیل کرنا چاہتا ہے۔ لہٰذا تدبیر یہ ہے کہ اسکو قتل کر دیا بیابان میں پھینک آؤ تاکہ درندہ کھا جائے۔ کچھ بھائیوں نے کہا یہ تو گناہ کبیرہ ہے۔ تو ان پسند کرنے والے بھائیوں نے یہ اگلی بات کہی کہ بعد میں نیک بن جانا۔ اَرْضًا تین وجہ سے منصوب پڑھا گیا۔ یا اس لیے کہ یہاں حرف جر فی پوشیدہ ہے اور بقاعدہ نحو یہ جب جار پوشیدہ ہو۔ تو منصوب ہوتا ہے۔ یا اس لیے کہ ابہا ظرف ہے یا اس لیے کہ اُطْرَحُوْهُ کا مفعول ثانی ہے۔ اور طرح بمعنٰی انزال ہے اور دو مفعولی بعد مفعول ہوتا ہے۔ اُقْتُلُوْا سے پہلے قائل یا انکو پوشیدہ ہے۔ اگر قائل ابا ہے تو اس کا فاعل امام وہب کے نزدیک شمعون ہے۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے نزدیک دان ہے حضرت مقاتل فرماتے ہیں کہ روبیل نے کہا تھا۔ تب حقیقی مراد ہے اگر قالُوْا پوشیدہ ہو تو قول مجازی ہے۔ کہ ایک کہنے والا اور سب تائید کرنے والے بجز ایک کے جس نے قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ان بھائیوں میں سے ایک کہنے والے صاحب رائے نے کہا۔ حضرت قتادہ کے نزدیک یہ وہ تھے کہ جن کا نام یہودا تھا عمر میں بڑے تھے۔ بعض نے کہا یہ قول روبیل کا ہے۔ وہ یہودا سے بڑے تھے۔ تفاسیر میں ہے۔ کہ یہ رائے یوسف علیہ السلام کے لیے پہلی باتوں سے نرم تھی۔ یہ کہنا محبت یوسفی بھی تھا یا قتل کو گناہ عظیم سمجھنے کی بنا پر برادران یوسف نے پہلے دو مشورے دیئے تھے۔ یا قتل یا جنگل میں پھینکنا۔ تو یہاں صرف قتل سے منع کیا گیا۔ کہ کہا لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ۔ یوسف علیہ السلام کو قتل نہ کرو۔ اس نہی سے اِطْرَحُوْا۔ کی نہی بھی ہوگئی۔ کیونکہ بیابان میں چھوڑ دینا بھی گویا قتل ہی ہے۔ اس لیے قائل نے خود تدبیر بتا دی کہ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ۔ اے میرے بھائیو تمہارا مقصد تو یہ ہے کہ باپ کی نظروں سے اس کو دور کر دیا جائے لہٰذا یہی کافی ہے کہ ڈال دو اس کو کسی بہت گہرے اندھیرے کنوئیں میں۔ جس کی تہہ نظروں سے غائب ہو۔ اور اس کا پانی دیکھ نظر نہ آتا ہو۔ اس مشورے میں پانچ باتیں مد نظر رکھی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ کنواں ہو کوئی تالاب یا گڑھا نہ ہو۔ تا کہ کوئی درندہ وہاں نہ پہنچ سکے۔ دوسری یہ کہ بہت ہی گہرا ہو تاکہ یوسف خود نکل کر پھر نہ آجائے۔ نہ آواز اور چیخ و پکار کوئی سن سکے۔ تیسری یہ کہ کنواں خشک اور بے آباد نہ ہو تاکہ کوئی پانی لینے آئے یہ نہ ہو کہ وہاں کوئی آئے ہی نہ۔ چوتھے یہ کہ کنواں رہگذر پر ہو۔ پانچویں یہ کہ کنواں بہت گہرا ہو تاکہ اس میں پانی بہت تھوڑا ہو۔ یوسف ڈوب نہ جائے۔ گہرے کنوئیں میں پانی عموماً نیچا ہوتا ہے اور تھوڑا۔ خاص کر ان سب ملاقوں میں۔ اے بھائیو میرے مشوروں کو مان لو تاکہ جب ہم پھینک کر چلے آئیں تو اس رہگذر و کنوئیں سے جب کوئی پانی لینے آئے تو يَلْتَقِطْهُ اچک لے۔ لقط گمشدہ چیز یا لقیط یعنی گمشدہ چیز سمجھ کر بڑے نرم طریقے سے اس کو کوئی قافلے والا۔ میرا یہ مشورہ انتہائی نیک ہے۔ اور یہ ساتھ سے اعلیٰ حکیم عمل کرنے والے ہو۔ یا اگر تم باپ بیٹے کے درمیان جدائی کرنے والے ہو تو یہ کام کرو۔ اس مشورے کو سب نے پسند کر کے فیصلہ دے دیا کہ بس اب ایسا ہی کرنا ہے۔ محمد بن اسحاق راوی فرماتے ہیں اس مشورے اور مجمع

مشاورت میں سات جرموں پر اتفاقِ رائے ہوا۔ ایک یہ کہ انہوں نے قطع رحمی کیا۔ دوم یہ کہ والد کی نافرمانی۔ سوم یہ کہ اپنے بے گناہ بے ضرر صغیر سنی بھائی سے بے مروتی اور کج خلقی مستحق محبت سے محبت نہ کرنا۔ چہارم یہ کہ امانت یعقوبی میں خیانت۔ پنجم یہ کہ عہد شکنی وعدے کی خلاف ورزی۔ ششم یہ کہ جھوٹ بولنا اپنے نبی والد سے۔ ہفتم یہ کہ حق العبد مار نا قتل پر راضی ہونا۔ یہ سب جرم گناہ کبیرہ ہیں۔ اسی بنا پر اکثر مفسرین۔ تفسیر کبیر۔ جمل خازن وغیرہ نے ان بھائیوں کو نبی نہ مانا اور فرمایا کہ صحیح یہ ہے۔ کہ یعقوب علیہ السلام کا ایک ہی بیٹا حضرت یوسف نبی تھے۔ اور کوئی نبی نہ تھا۔ ان کا سب سے بڑا جرم قتل یوسف کا مشورہ تھا اگر یہ قتل کر دیتے تو عذاب دائمی میں مبتلا فوراً ہو جاتے۔ یہودا نے اس جرم سے روکا ان کو یہ انعام ملا کہ انہی کی نسل میں کثیر انبیاء بنی اسرائیل ہوئے۔ اور سب سے زیادہ نسل انہی کی چلی۔ اگرچہ یہ لوگ قتل یوسف پر قادر نہ ہو سکتے تھے۔ کیونکہ ارادہ الٰہی میں نہ تھا مگر یہودا یا روبیل یا شمعون نے قتل سے باز رہنے کا مشورہ دے کر اجر پایا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ روبیل عمر میں سب سے بڑا تھا۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ یہ اتنے بڑے جرم تھے جن کی بخشش کی امید نہ ہو سکتی تھی مگر دو وجہ سے یہ آخر عمر میں معاف ہو گئے۔ ایک وجہ یہ کہ یہ سب کچھ محبتِ نبی اور محبتِ پدری کے حصول میں کئے۔ لہٰذا معاف کر دیا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ خود حضرت یعقوب و یوسف نے معاف کر دیا۔ اور نبی و صاحب حق کا معاف فرما دینا بارگاہ رب العزت میں قبول ہے۔ ایک قرأت میں غیابات جمع ہے اور مقصد یہ ہے۔ کہ گہرے کنوئیں میں بہت سے سوراخ اور دراڑیں اور اندھیرے غار بنے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے بہت سی اندھیری جگہیں بن جاتی ہیں۔ لیکن جگہ ایک ہی مراد ہے اَلْجُبّ کا الف لام جنسی ہے۔ یعنی اس قسم کا کوئی بھی کنواں ہو۔ تفسیر صاوی اور کبیر نے فرمایا الف لام عہد خارجی ہے۔ اور مراد خاص مقررہ دیکھا بھالا کنواں تھا۔ یا یہ کنواں اردن میں تھا یا بیت المقدس میں یا کنعان سے تین کوس یعنی دس کلومیٹر دور تھا۔ یہ بات دو وجہ سے درست نہیں۔ ایک یہ کہ اگر یہ کنواں مقررہ دیکھا بھالا مراد ہوتا تو اس کنوئیں یا اس کی جاء مقام کا نام لیا جاتا۔ کیونکہ غیابات اَلْجُبّ تو بہت ہوتے ہیں۔ دوسری یہ کہ پہلے مشورے میں اَرْضًا عام تھا۔ لہٰذا اس کے بدلے میں غَیٰبَتِ الْجُبِّ بھی عام ہے۔ جب مشورہ کر لیا گیا۔ تو اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے دوسرے دن اپنے والد یعقوب علیہ السلام کی بارگاہ میں حاضر ہوئے ایک دن پہلے بوقتِ عصر یہ مجلس مشاورت منعقد ہوتی ہے۔ بعض صوفیائے کرام نے فرمایا ہے۔ کہ یہ مشورہ نو محرم کو ہوا۔ اور دس محرم کو حضرت یوسف کو کنوئیں میں ڈالا گیا۔ اتفاق دیکھئے کہ آج اس وقت کہ جب میں یہ تفسیر لکھ رہا ہوں تو بوقت عشاء نو محرم کا دن گزر گیا ہے اور دسویں محرم کی شب ہے۔ کل صبح یوم عاشورہ پندرہویں صدی ہجری کا پہلا محرم شریف ہے ۱۴۰۱ھ کا پہلا مہینہ ہے۔ دست بدعا ہوں کہ مولیٰ کریم اس صدی ہجری میں بھی ہر طرح اسلام کا بول بالا ہو اور جس طرح سابقہ چودہ صدیوں میں علماء، عرفا، زاہدین، عابدین پیدا ہوتے رہے ہیں۔ اسی طرح اب بھی چمنِ محمدی میں پھول کھلتے رہیں۔ اور

ان کے کفش برداروں میں مجھ کو بھی شامل فرما۔ اور جس طرح چودھویں صدی میں سنت کے سورج اعلیحضرت بریلوی
اور برجِ نبوت کے چاند صدر الافاضل مراد آبادی اور ان کے گیارہ ستاروں ۱ وصی احمد سورتی ۲ حامد رضا خان ۳
مولانا عبد العلیم صدیقی ۴ حشمت علی خان پیلی بھیتی ۵ امام امجد علی خان صاحب بہارِ شریعت ۶ سید دیدار علی شاہ
الوری لاہوری ۷ مولانا ظفر الدین بہاری ۸ سید محمد محدث کچھوچھوی ۹ مولانا احمد حسن کانپوری ۱۰ مولانا ارشاد
حسین رامپوری ۱۱ مصطفیٰ رضا خان مفتی اعظم ہند سے نور پھیلایا اس پندرہویں صدی میں بھی ایسے نورانی بزرگ
پیدا فرما۔ برادرانِ یوسف صبح ہی صبح حاضر ہو کر عرض کرنے لگے قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ
لَنٰصِحُوْنَ سب یک زبان ہو کر بولے یا ایک یہودا یا روبیل نے کہا باقیوں نے تائید کی ہاں میں ہاں ملائی کہ
کہ اے ابا جان دیکھئے کیسا موسم بہار ہے ہر طرف پھول کھلے ہیں۔ کلیاں چٹکی ہیں۔ بلبلیں مست ہیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم
سب بھائی سکم شہر کے ان اپنی زمینوں پر چلے جائیں۔ صبح سے شام تک شکار کھیلیں اور شام کو واپس آ جائیں۔ یوسف
کو بھی ہمارے ساتھ کر دیجئے۔ یہ بھی تازہ بہاروں کا لطف اٹھائے گا۔ یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تم جاؤ
یوسف اور بنیامین نہیں جا سکتے کیونکہ وہ میری بہار ہے۔ اور یہ اس کی بہار تمہارا کوئی بھروسہ نہیں کہ تم اس سے
بے خبر ہو جاؤ حضرت یعقوب کا یہ جواب سنکر تمام بھائی یوسف کے پاس آئے اور ان سے کہنے لگے کہ ہم توکل
زمینوں پر جا رہے ہیں۔ موسم بہار کی دلفریب لذتیں لینے اگر تم بھی چلو تو بہت لطف ہے۔ حضرت یوسف سے
اس طرح ناز و ادا اور محبت آمیز طریقہ سے باتیں کہ حضرت یوسف بھی آمادہ ہو کر والد محترم کی بارگاہ میں حاضر ہو
گئے اور اجازت چاہنے لگے ابھی حضرت یعقوب کچھ کہنے نہ پائے تھے کہ بھائی بول پڑے يٰۤاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى
يُوْسُفَ اے ہمارے والد۔ باپ کے لفظ سے مخاطب کرنے میں منشاء یہ تھا کہ رشتہ یاد کریں۔ اور دل نرم ہو
ہو جائے۔ یعنی آپ ہمارے والد ہیں ہم آپ کے بچے ہیں پھر بھی کیا حال ہے آپ کا کہ آپ ہم پر بھروسہ نہیں کرتے
اور قطعی اعتبار نہ رہا آپ کو ہمارا یوسف کے بارے آخر کیا مقصد ہے آپ کو کہ آپ ان کو چھوڑ کر خوفزدہ ہیں۔
اطمینان کو بے سوز کر کے رکھ دیں۔ ہم نے اس سے پہلے کب کوئی ایسی عہد شکنی کی ہے۔ جس نے ہمارا اعتبار توڑ دیا۔ آپ کو
ہماری طرف سے کب ایسا تلخ تجربہ ہوا جس کی بنا پر آپ یوسف کے بارے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے۔ آپ
ہم کو آزمائیں اور یوسف کو ہمارے ساتھ بھیج دیں۔ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ بہر حال بیشک ہم اللہ یقیناً اس یوسف
کے خیر خواہ ہیں۔ اور مہربان اور نصیحت کرنے والے ہیں۔ اور ناصح ہمیشہ اچھائی کو چاہتا ہے اور برائی سے روکتا
ہے تو وہ کیسے برا ہو سکتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہاں واؤ حالیہ ہے یہی معتبر ہے اور معنی ہے ہر حال میں
یعنی طرف اس ذات ہی آپ کے سامنے محبت نہیں بتا رہے۔ آپ کی غیر موجودگی اور علیحدگی میں بھی اس کے
شفیق ہیں۔ مالك میں اظہار تعجب ہے۔ لیکن مکر اور فریب کا نصیحت کے معنی ہیں خیر خواہی پانا۔ ان لوگوں

منشا یہ تھا کہ ثابت کریں۔ کہ آپ ہم پر اعتماد نہیں کرتے یہ آپ کی زیادتی ہے انبیاء کرام تو دلی ارادوں کو جانتے ہیں اسی لیے حضرت یعقوب بھی ان کے دل میں پوشیدہ ارادوں کو جان گئے۔ جب حدیث پاک نے فراستِ مومن کو اتنا عظیم فرمایا ہے تو علم انبیاء کی کیا شان ہوگی۔ روایت میں ہے کہ چار حضرات نے چار حضرات کے لیے فراست کی تو صحیح ہوئی۔ ۱۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اس اولاد کا حال فراست سے جانا۔ جو بالکل صحیح ہوا۔ حضرت یوسف کی نسبت زلیخا کی فراست ہوئی۔ کہ یہ ہی عزیز مصر بننے والا ہے۔ ام المومنین حضرت خدیجہؓ نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے بارے میں فراست سے معلوم کرکے نکاح کا پیغام دیا۔ یہ فراست بالکل ٹھیک ہوئی صدیق اکبرؓ نے بوقت وفات فاروق اعظم کو خلافت کی فراست سے جانا۔ جو بالکل درست ثابت ہوئی۔ آج دنیا نے کائنات میں اسی کا فیض ہے۔ جس وقت برادران یوسف نے مانگ کیا اس وقت ان کے دلوں میں حسد یوسف تھا۔ زبان پر نرمی تھی۔ باتوں سے اظہار محبت تھا۔ کہ ہم نصیحت کرنے والے ہیں۔ یعقوب علیہ السلام نے جان لیا کہ حاسد سے نصیحت ناممکن ہے۔ جیسے کہ منافق سے سچ بولنا اور حرص والے سے دیانت داری اور بخیل کنجوس سے مروت ناممکن ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ گناہ دو قسم کے ہیں۔ محبت نبی میں گناہ اور بغض اور گستاخی نبی میں گناہ پہلی قسم کے گناہ کو توبہ کی توفیق مل جاتی ہے دوسری قسم کے گناہ کو توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ دیکھو برادران یوسف اور برادر ہابیل۔ یعنی قابیل نے عداوت سے یکساں ہی جیسا گناہ کیا کیونکہ ارادہ قتل اور قتل اپنے گناہ ہونے میں برابر ہیں۔ اگرچہ جرم ہونے میں تفریق ہے برادران یوسف نے والد کی محبت حاصل کرنے کے لیے کیا تھا اس لیے توبہ کی توفیق مل گئی۔ قابیل نے عداوت سے کیا تھا کہ اے میرے والد آدم ہابیل کی حمایت کرکے غلطی کر رہے ہو اور آپ کا میرے نکاح کو ناجائز کہنا اپنی رائے سے ہے نہ کہ خدا کی شریعت۔ اس لیے اس کو توبہ کی توفیق نہ ملی۔ قابیل کی یہ حرکت نفس امارہ کے بے تحی۔ برادران یوسف کی یہ حرکات محبت پدری میں تھیں۔ یہ فائدہ نخل نکم سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ توبہ کے ارادہ سے گناہ کر لینا کفر ہے۔ کہ یہ رب تعالیٰ سے بے خوفی کا اظہار ہے۔ اسی طرح کسی کو ستا کر حق العباد مار کر توبہ کرنا بھی قبول نہیں۔ ہاں مظلوم سے معافی مانگ کر خدمت کر کے معاوضہ دے کر توبہ کرنا قبول ہو سکتی ہے۔ برادران یوسف نے یہی کہا تھا۔ کہ ہم والد محترم کی اتنی خدمت کریں گے۔ کہ وہ راضی ہو جائیں گے۔ یہ فائدہ تو قوما صالحین سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ قلب کی رقت اور نرمی دل اللہ کی نعمت ہے۔ یہ نعمت کسی کسی کو ملتی ہے۔ بہت سے گناہوں سے انسان رقت قلبی کے ذریعے خود بھی بچ جاتا ہے اور دوسروں کو بھی بچا لیتا ہے۔ یہ قال قائل سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ ارادۂ قتل گناہ اکبرالکبائر ہے۔ کہ حق العبد کی بھی حق تلفی ہے۔ اور حق اللہ کی بھی۔ پھر ان بھائیوں سے کیوں سرزد ہوا جبکہ یہ نبی بھی تھے۔ **جواب**:۔ اس کا جواب مفسرین نے بہت طریقوں سے دیا ہے مگر صحیح تر جواب یہ ہے جو تفسیر مظہری۔ خازن۔ کبیر نے دیا۔ کہ یہ بھائی نبی نہ تھے یہی جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہے کیونکہ انبیاء کرام مثل ملائکہ معصوم ہوتے ہیں۔ گناہ پر قادر نہیں ہوتے اور سب انبیاء کرام پیدائشی عالم ارواح سے ہی نبی ہوتے ہیں۔ ہاں بعض انبیاء کی نبوت کا ظہور جوانی میں یا بڑھاپے میں ہوتا ہے۔ بعض کا کسی اور نبی کی دعا سے جیسے ہارون علیہ السلام۔ یہ بھی عقیدہ اہلسنت ہے۔ اس دور میں ایک گمراہ مولوی نے بدعقلی کا ثبوت دیا کہ ایک کتاب میں لکھ بیٹھا ہے انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں (معاذاللہ) اللہ اسکو ہدایت دے۔ **دوسرا اعتراض**۔ اس ارادے گناہ کرنا کہ ہم بعد میں توبہ کرلیں گے۔ یہ تو بہت سخت جرم ہے بلکہ بعض فقہاء اس کو کفر لکھتے ہیں۔ کیونکہ یہ ایک قسم کی رب تعالیٰ سے بے خوفی ہے۔ تو برادران یوسف نے یہ جرم کیوں کیا۔ اور پھر بھی مسلمان رہے۔ **جواب** قوماً صالحین کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم رب کریم سے توبہ کرلیں گے۔ بلکہ منشا یہ ہے کہ ہم والد کی نظر میں تب اچھے صالح شمار ہوں گے۔ جب یہ کام کرکے یوسف کو جدا کردیں گے پھر ہم وہی کردار ادا کریں گے جو یوسف کر رہا ہے تو لامحالہ اور چاروناچار والد محترم ہم سے محبت کریں گے۔ تکونوا فعل مضارع بمعنیٰ مستقبل ہے۔ اور جملہ خبریہ ہے۔ یہ ان کا ذاتی فقط خیالِ خام تھا۔ اس کا ایک جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کیا کہ تکونوا یعنی کونوا امر حاضر ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ پھر تم کو صحیح موقعہ ملے گا۔ والد کی محبت حاصل کرنے کا۔ اور تم کوشش و ہمت سے پچھلی لغزشوں کو چھوڑنا اور خدمت پدری میں ہمہ وقت مشغول رہنا۔ اور قابل التفات لائق محبت بننے کی کوشش کرنا۔ **تیسرا اعتراض**۔ ناصحون تو نصیحٌ سے بنا ہے معنیٰ سمجھانا۔ یہاں برادران یوسف کہہ رہے ہیں۔ لَنَاصِحُونَ۔ انہوں نے کیا سمجھایا تھا۔ **جواب**:۔ لغوی طور پر نصیحٌ کے تیرہ ۱۳ معنی ہیں۔ وعظ بھی اس کا معنیٰ ہے۔ مگر یہاں خیر خواہ ہونا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اقْتُلُوا يُوسُفَ أَوِ اطْرَحُوهُ أَرْضًا يَخْلُ لَكُمْ وَجْهُ أَبِيكُمْ وَتَكُونُوا مِن بَعْدِهِ قَوْمًا صَالِحِينَ

.... جسم خاکی کے حواس باطنہ کو صرف نور ازلی کے حسن والے قلب سے ہی حسد نہیں بلکہ اس کے برادر قریبی اخوۃ جنانی بنیامین قوت عاقلہ عملیہ سے حسد ہے کیونکہ یہ دونوں ایک ہی راحیل نفسِ لوامہ کے بطن جبروتی سے جنم والے ہیں۔ یعقوب روح نے نفسِ لوامہ سے علیحدگی وجدائی کے بعد لطیفۂ کشفی کو کمو لنے کے لیے لیاءِ نفس امارہ سے تعلق جوڑا۔ جس کے بطن سے حواسِ ظاہری وباطنی کو عروج ملا۔ بنیامین عقل سلیم جس طرح کہ علوم ومعارف سے تکمیلِ قلب کا خواہش مند ہے۔ اسی طرح اعمال شریفہ اخلاقِ جمیلہ اور انواعِ فضیلہ سے اس

قوتِ حصول کا بھی طالب ہے۔ اسی لیے وہ بھی روح ربانی کا محبوب و مطلوب ہے۔ روحِ ربانی کی یہ الفت و شفقت مکاشفاتِ باطنی کی وجہ سے ہے مگر نفسِ شقی کے پیروکار ان ہی اعمالِ صالحہ کو درستی سے دور سمجھتے ہیں۔ اہل بصارت بصیرت سے محروم ہونے کی بنا پر عاداتِ متخیلہ کی وجہ سے محبت بدنی میں رہنے کی بنا پر لذاتِ نعیم سے بے خبر عشق معرفت سے بے نصیب ہیں۔ اسی لیے اہل عشق کو ضلالِ عقل سے مبتلا سمجھتے ہیں۔ سب اہل دنیا کا یہی طور ہے۔ باقی قالب چاہتے ہیں۔ کہ روح امر ہم سے بھی محبت کرے مقام سفلی سے نکال کر آغوشِ نسمیت میں ڈال دے۔ اور خواہش محبت کو استحقاقِ حواس سمجھتے ہیں۔ اور گمانِ فاسد یہ رکھتے ہیں۔ کہ ہم ہی اپنی قوت نمو سے اعمالِ رسانی کا سبب اعظم ہیں۔ مگر سلطانِ محبت اپنے ملک جمال اور سلطنتِ کمال میں کسی کی شرکت قبول نہیں کرتا۔ اس لیے کسی کا مکر و فریب حجاب نہیں بنتا۔ جب عقدۂ مواس عشرہ حل نہیں ہوتا تو حواس باطنیہ قوت ظاہریہ مقامِ رذالت میں جا کر مشیرانِ نفسانیہ سے مشورہ کرتے ہیں۔ کہ یوسف قلب کو مواد انسانیہ کی چھری سے قتل کر دو کیونکہ دل کی موت منشاء خواہشات ہے۔ خواہشات اور شہوات سے دل مردہ ہوتا ہے ہولو نفس قلب جسمانی کے لیے زہر قاتل ہیں۔ اگر قتل نہ کرو تو زمینِ بشریت کے اندھیرے کنوئیں میں ڈال دو تاکہ ظلماتِ بشریت میں ہلاک ہو جائے۔ اور قلب کی موت کے بعد روحِ امری قوت باطلہ حواس ذمیمہ کی طرف متوجہ ہو جائے تاکہ حواسِ نفسانیہ کی شہوتیں اور مرادیں پوری ہوں۔ ادراکِ حواس خمسہ باطنیہ اور حواسِ خمسہ ظاہریہ قوت قلب کے بعد نعمت حیوانی اور لذاتِ نفسانی کے حصول سے۔ اوصاف طبعیہ سے صالح اور درست ہو جاتا۔ ہر انسان جب مقامِ ولایت پر وادیٔ ایمان سے گزر کر انوار سے وصل پاتا ہے۔ تب اس کو ان حواس سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ باطنی قوتیں کبھی نہیں چاہتیں کہ وجودِ عنصری کو مقام محبوبیت نصیب ہو۔ جب مجالس باطنی میں ان خواہشات ذمیمہ کا اظہار ہوتا ہے۔ قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوا يُوسُفَ وَأَلْقُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ إِن كُنتُمْ فَاعِلِينَ .... ایک کہنے والے ہوشیار متفکر نے کہا ان حواس باطنیہ میں سے کہ ہوائے نفسانیہ کی چھری سے قلب یوسف کو قتل نہ کرو۔ بلکہ قالبِ عنصری کے منبع ظلمات اور محرومیت انوار کے کنوئیں میں ڈال دو۔ جو سفلت بشریت کے جنگل میں ہو۔ حوادثِ نفسانیت کے قافلے۔ ابلیس راہگذر منزل شیطانی کے مسافر اس کو لے جائیں گے یہ ہی ہماری مراد کو پورا کرنے والی ہے۔ اگر تم قوت لامہ و ماشیہ کی کوشش کرنے والے ہو۔ اہل سعادت کو جاننا چاہیئے کہ حیات قلبی ہی حقیقی زندگی ہے۔ قلبِ مومن بیت اللہ ہے۔ اور تجلیات ربانی کا محلِ استوا ہے۔ تعجب ہے۔ اس ناقص پر جو وادی الفت سے دور ہوتا ہے۔ میدان مشاہدات اور بیابان وحدت سے منقطع ہوتا ہے۔ حالانکہ ان ہی صحراؤں میں حرم الہٰی اور بیت محبوبیت ہے۔ جب بندۂ خاص اپنے نفس اور ہوا کو وصل قلب کی راہ پر لگاتا ہے تو محبت دل جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور آثار مولیٰ نصیب ہوتے ہیں۔ ذکر اللہ اس منزل کی سواری ہے۔ اسی سے زادِ وصل طے

ہوتا ہے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ ذکر الٰہی قلب کی زمین میں ہل چلاتا ہے۔ اور ذکر نبی اس میں پھول پھل کی تروتازگی پیدا کرتا ہے۔ اور فیضِ سدا بہار کے باغ لگاتا ہے۔ اور جب قلب ذکر حق تعالیٰ سے خالی ہو تو حرارت نفس اور نارِ شہوات کی جھلسا دینے والی ہواؤں سے قساوتِ قلبی اور سختیٔ دل اور خشکیٔ خزاں پیدا ہوتی ہے۔ دل کی اس سخت فضا سے اعضاء اطاعتِ رب جلیل سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اعضاء ظاہری مردہ جڑ کی خشک شاخوں کی شکل جو تے ہیں۔ کہ نوڑی تو جا سکتی ہیں مگر اطاعت معبود میں لگائی نہیں جا سکتی۔ اور جو حواس و اعضاء تروتازہ نہ ہوں وہ آتش فراق کے لائق ہے۔ نور الفت کے لائق نہیں۔ وہ کتنے ہی حیلے بہانے کرے مگر محبت روح اس کو نصیب نہیں۔ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ ہر ذی عقل قیمتی خزانے کو بحفاظت کثیر اور انتہائی خطرے سے چھپاتا ہے۔ قلبِ مومن سب سے بڑا قیمتی خزانہ ہے۔ روح زبان اس کی حفاظت کرتی ہے نہ حواس مالک کو اس کے پاس آنے دیتی ہے۔ اور نہ اس کو حواس رذیلہ کے سپرد کرتی ہے۔ اب نفس حواس چاہتے ہیں کہ قلب ہمارے قبضے میں رہے۔ لہٰذا سب بولے اے ہم کو عالم بالا سے عالم اسفل کی طرف لائی روح پدری تیرا کیا حال ہے کہ یوسف قلب کی الفت شوق میں تو ہم پر مطمئن نہیں۔ حواسِ وجودی عجیب مکر و فریب کے طریقے استعمال کرتے ہیں۔ لیکن مہربانی کی شان ہے کہ اپنے اہل بندگانِ خواص کو دیوان ازل میں ولایت کبریٰ سے پردۂ غیب کو منکشف کرتا ہے۔ اور نفس و حسد و خداعت کی آفات سے بچاتا ہے۔ اور بچا جاتا ہے۔ وہ کرتا ہے۔ نفس کے کائد شدیدہ کا اظہار ہوتا ہے۔ کہ بیشک ہم تمام قوتِ حسابیہ آب حسدی کی امداد کرنے والے خیر خواہ ہیں۔ حالانکہ یہ قوتیں اپنے اندر تمام خطا کو چھپاتی ہیں۔ اہل کدورت کو مشرب صفا اور مسلک مودت کا پتہ نہیں۔ فراست روح سے ذہب میں ہیں۔ کیونکہ حسد و بغض کے اظہار سے نور فراست دور ہوتا ہے۔ مگر عارفین صادقین پر مکر نفسانی آشکارا ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اظہار نہیں کرتے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اظہار کا وقت ابھی نہیں۔ اہل بصیرت کی نظر میں نفس پر ہوتی ہے لیکن اہل بصیرت کی نگاہیں حکمت ربانی سے ملی ہوئی ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِسَعَادَاتِ اَهْلِ الذُّرِّيَّةِ الْمُكَوَّنِ۔

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ (۱۲)

بھیج دیجئے اس کو ساتھ ہمارے کل صبح کہ کھائے اور کھیلے اور بیشک ہم لیے اس کے البتہ محافظ ہیں

کل اسے ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ میوے کھائے اور کھیلے اور بیشک ہم اس کے نگہبان ہیں

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَ اَخَافُ اَنْ

فرمایا بے شک یہ البتہ غمگین کرے گا مجھ یہ کہ لے جاؤ تم کو اس اور ڈرتا ہوں میں اس سے

بولا بے شک مجھے رنج دے گا کہ اسے لے جاؤ اور ڈرتا ہوں کہ اسے

یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَ اَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ⑬ قَالُوْا

کر کھا جائے اس کو بھیڑیا اور تم سے اس غفلت والے ہو سب بولے

بھیڑیا کھا لے اور تم اس سے بے خبر رہو بولے اگر

لَىٕنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَ نَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ⑭

البتہ اگر کھایا اس کو بھیڑیے نے اور ہم مضبوط جماعت ہیں تب تو ہم اسوقت یقیناً بیکاری والے ہوئے

اگر اسے بھیڑیاں کھا جائے اور ہم ایک جماعت ہیں جب تو ہم کسی مصرف کے نہیں

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَ اَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ

تو جب لے گئے وہ کو اس اور متفق ہوئے اس پر کہ ڈال دیں وہ اس کو بیچ اندھیرے کوئیں

پھر جب اسے لے گئے اور سب کی رائے یہی ٹھہری کہ اسے اندھے کنویں میں ڈال

الْجُبِّ ۚ وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا

اور وحی کی ہم نے طرف اس کی کہ البتہ خبر دے گا تو ان کو کی معاملے

دیں اور ہم نے اسے وحی بھیجی کہ ضرور تو انہیں ان کا یہ کام جتا دے گا ایسے

وَ هُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ⑮

ان کے اس اس حال میں کہ وہ نہ یاد رکھتے ہوں گے

وقت کہ وہ نہ جانتے ہوں گے

تعلق

ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح سے ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کے ملاتی بھائیوں کی اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے اظہار حسن گفتگو۔ اب اس محبت پر اعتماد اور یقین کر لینے پر اصرار کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کے

بھائیوں کی باتیں اور محبت یوسفی کا زبانی اظہار تھا۔ اب ان کے والد حضرت یعقوب کی جوابی گفتگو کا ذکر ہے جس میں حضرت یعقوب نے بھائیوں کے دلی ارادوں کا خفیہ چالوں کا دبی زبان میں اظہار فرمایا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں۔ بھائیوں کے ایک باطل عقیدے کا ذکر تھا کہ وہ سمجھے تھے کہ نبی غیب کا علم نہیں رکھتے۔ یہی عقیدہ لے کر حضرت یعقوب سے چال چلنے آئے تھے۔ اب ثابت کیا جا رہا ہے کہ اللہ کے نبی غیب کا علم۔ دلی ارادوں خفیہ تدابیر سے پورے واقف ہوتے ہیں۔ مگر حکمت ربانی کے تحت پورا اظہار نہیں فرماتے۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں یوسف علیہ السلام کے لیے محبت پدری کا ذکر تھا۔ جو بھائیوں نے آپس میں کیا تھا۔ اب یہاں خود والد کی زبانی اظہار محبت کا ذکر ہے ۔:۔

تفسیر نحوی

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اَرْسِلْ فعل امر باب افعال کا۔ ارسال سے رَسْلٌ مادۂ اشتقاق متعدی بنفسہ بمعنی بھیجنا ہ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ مَعَ اسم ظرفیہ بمعنی ساتھ مضاف ہے طرف نا ضمیر متکلم کے مفعول معہ ہے اَرْسِلْ امر کا غَدًا بحالت زبر ظرف ہے آنے والے کل کو کہتے ہیں۔ يَرْتَعْ فعل مضارع معروف بمعنی استقبال بحالت جزم ہے۔ کیونکہ یہاں لام جازم پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا لِيَرْتَعْ اس لفظ يَرْتَعْ میں قراء نے پانچ احتمال نکالے ۱۔ يَرْتَعْ ۲۔ يُرْتَعْ مجہول ۳۔ نَرْتَعْ بصیغہ جمع متکلم ۴۔ نُرْتَعْ بصیغہ جمع متکلم مجہول۔ ۵۔ يَرْتَعِ آخری عین کے کسرہ سے۔ پہلے چار احتمال میں رَتْعٌ سے بنا بمعنی بے فکری سے کھانا پینا۔ اسی لیے جانور کے جنگل میں چرنے کو رَتْعٌ کہا جاتا ہے۔ پانچویں احتمال میں رَعْیٌ سے بنا ہے باب افتعال سے۔ يَرْتَعِی تھا۔ یاء آخری بوجہ جزم گر گئی۔ اور رَعِ کو زیر باقی رہا۔ رَعْیٌ کا ترجمہ جانور کو کھیلنا یعنی بھگانا۔ دوڑانا۔ یہاں پانچوں احتمال بن سکتے ہیں۔ واؤ عاطفہ يَلْعَبْ فعل مضارع بصیغہ واحد غائب لَعِبٌ سے بنا بمعنی کھیلنا مگر یہاں مراد ہے شکار کھیلنا۔ بحالت جزم ہے لام جازم پوشیدہ دراصل تھا لِيَلْعَبْ معطوف ہونے کی بنا پر اس میں وہی چار احتمال ہیں۔ جو يَرْتَعْ میں تھے۔ باعتبار صیغہ وفعلیت مگر احتمال باعتبار مادے کے تھا وہ یہاں نہیں۔ واؤ حالیہ اِنَّا حرف تحقیق مع ضمیر جمع متکلم لَهٗ جارہ مفعولیت کے معنی میں ہ ضمیر کا مرجع یوسف لَحٰفِظُوْنَ لام کی بمعنی البتہ حافظون جمع ہے حافظ کی حِفْظٌ سے بنا۔ تین معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ یاد کرنا۔ اسی سے ہے حفظ قرآن ۲۔ یاد رکھنا ۳۔ بچانا یعنی محافظت چوکیداری۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں قَالَ اِنِّیْ لَيَحْزُنُنِیْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۔ قال فعل ماضی معروف کا فاعل ضمیر غائب پوشیدہ کا مرجع حضرت یعقوب علیہ السلام۔ اِنَّ حرف تحقیق مقولہ ہے قول کا یاء متکلم اسم اِنَّ لَيَحْزُنُ۔ لام کی يَحْزُنَ مضارع بمعنی مستقبل خبر اِنَّ ہے۔ حُزْنٌ سے بنا بمعنی غمگین کرنا۔ متعدی بیک مفعول۔ اَنْ ناصبہ اپنے منصوب تَذْهَبُوْا فعل مضارع بزمانۂ استقبال سے مل کر فاعل ہے يَحْزُنَ کا نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ ہے۔ تَذْهَبُوْا ذَهَبٌ سے بنا بمعنی

جانا لازم ہوتا ہے مگر جب اُس کے بعد مفعولیت کی ب جارّہ آ جائے تو متعدّی ہوتا ہے۔ یہاں متعدّی ہے۔ ہٗ کا مرجع یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ اَخَافُ بصیغہ واحد متکلم فعل با فاعل۔ اَنْ ناصبہ منصوب مفعول بہ ہے۔ یَاْکُلَ مضارع مستقبل بحالت نصب اَنْ ناصبہ کی وجہ سے ہٗ کا مرجع یوسف اَلذِّئْبُ الف لام جنسی ذئب فاعل ہے فعل کا واؤ حالیہ اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا عن حرف جارّہ ہٗ ضمیر مجرور متعلق مقدم غٰفِلُوْنَ جملہ اسمیہ خبر مبتدا کی غفلۃ سے بنا۔ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّاۤ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ قَالُوْا فعل ماضی جواب قول لَئِنْ یہ پورا جملہ مقولہ ہے۔ لام قسمیہ یا ابتدائیہ ہے۔ بمعنی کی اِنْ حرف شرط جملہ مابعد شرطیہ اَکَلَ فعل ماضی متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔ بیک مفعول ہٗ مفعول بہ کا مرجع حضرت یوسف ہیں۔ اَلذِّئْبُ الف لام جنسی ذئب درندہ چھوٹا۔ اردو میں اس کا نام بھیڑیا ہے۔ بحالت رفع فاعل ہے اکل واحد غائب صیغے کا واؤ حالیہ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع متصل مبتدا عُصْبَةٌ نکرہ مفرد لفظی معنیً جمع ہے بمعنی مضبوط جماعت خبر ہے اِنَّ حرف تحقیق نا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اسم اِنَّ یہ جملہ جزا شرط ہے اِذًا اسم ظرف ہے بمعنی اس وقت یا تب تو لام کی لَّخٰسِرُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر خسر سے بنا۔ یہ لفظ پانچ معنی میں مشترک ہے۔ ١ ٹھگنا ٢ دھوکا کھانا۔ ٣ ھلاک ہونا ٤ نقصان اٹھانا ٥ گھاٹا پانا۔ یہاں یہی مناسب ہیں فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْۤا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ -- لَمَّا حرف شرط بعض نے کہا اس جملہ شرطیہ کی جزا پوشیدہ ہے بعض نے کہا اَوْحَیْنَاۤ کا جملہ جزا ہے۔ ذَهَبُوْا ماضی جمع سے متعدّی ہے بیک مفعول بعض نے کہا یہ اَذْهَبُوْا تھا۔ ہمزہ اصلیہ باب افعال سے پوشیدہ ہے مگر یہ خاذ ہے بعض نے کہا یہ لازم ہے بہٖ کی با بمعنی مع ہے۔ اگر متعدی مانا جائے تو با مفعولیت کی ہے ہٖ ضمیر کا مرجع یوسف ہے۔ واؤ عاطفہ اَجْمَعُوْا باب افعال کا ماضی معروف بصیغہ جمع مذکر۔ جمع سے بنا۔ اجماع کا معنیٰ کسی بات پر متفق ہونا متعدّی ہے۔ اگلا جملہ اس کا مفعول بہ ہے۔ اَنْ ناصبہ یَجْعَلُوْنَ فعل مضارع بحالت زبر نون اعرابی گر گئی۔ دراصل تھا یَجْعَلُوْنَ ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہے۔ جعل سے بنا بمعنی گرانا یا ڈالنا فی ظرفیہ غَیٰبَتِ۔ اندھیری جگہ۔ اَلْجُبِّ۔ الف لام عہد خارجی وَاَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ واؤ ستر عاطفہ لیکن اگر یہ جزا ہو ما قبل جملے کی تو واؤ زائدہ ہے یا بمعنی لام جزائیہ۔ اَوْحَیْنَا باب افعال کا ماضی مطلق بصیغہ جمع متکلم وَحْیٌ سے مشتق ہوا۔ بمعنی الہامی پیغام یا وحی نبوت بذریعہ جبرائیل علیہ السلام اِلٰی جارہ، انتہاء غائت کے لیے ہٖ کا مرجع یوسف ہیں۔ اگلے جملہ کی بنا پر یہی درست معلوم ہوتا ہے۔ مگر بعض نے کہا ہٖ کا مرجع یعقوب علیہ السلام ہیں لَتُنَبِّئَنَّ لام تاکید مبنی بر فتحہ فعل مستقبل با نون ثقیلہ نَبَاءٌ سے بنا بمعنی خبر دینا بصیغہ واحد حاضر متعدّی بسہ مفعول ہے۔ پہلا مفعول ھُمْ ضمیر جمع غائب۔ اس کا مرجع اِخْوَتٌ ہے بِاَمْرِھِمْ با زائدہ امر کا معنیٰ ہے تمام وہ سلوک اور معاملہ جو بعد میں یوسف پر آنے والا ہے۔ ھِمْ کا مرجع اِخْوَتٌ ہے یہ جار مجرور مفعول دوم کے درجے میں۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی۔ مشار الیہ یہ موجودہ سلوک و برتاؤ۔ واؤ حالیہ ھُمْ ضمیر جمع مذکر مرفوع

منفصل مبتدا ہے۔ مرجع اخوت لَا یَشْعُرُوْنَ مستقبل منفی شعر سے بنا ہے۔ یہ لفظ چار معانی میں مستعمل ہے۔ محسوس کرنا ادراک کرنا اور سمجھنا ان تین معانی میں یہ متعدی ہے بالباء مستعمل۔ چوتھے معنی میں آخری حد تک سمجھنا بمعنی شعارہ اسی سے ہے شعائر اللہ۔ یہاں معنی سمجھنا مناسب حال ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا یَّرْتَعْ وَیَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ اے ہمارے والد محترم ہماری باتوں پر اعتماد فرمایئے۔ اور بھیجئے اس یوسف کو ہمارے ساتھ کل اپنی زمینوں پر جنگلی پھل خوب کھائے گا۔ اپنی مرضی سے بلا روک ٹوک خوب بھاگے دوڑے گا۔ پرندوں اور جانوروں کے بچے اور خوش ہو کر کھیلے گا۔ کچھ تجربہ اور صحت حاصل کرے گا۔ اور آپ یوسف کی کمزوری اور جنگل کے ماحول سے ناتجربہ کاری کا فکر نہ کریں اسکو کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ کیونکہ بیشک ہم البتہ اس کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ رتع اصلاً جانوروں کے چرنے کے [illegible] ہے کیونکہ چرنے [illegible] میں بہت کھاتا ہے۔ اور چل پھر کر کھاتا ہے۔ مجازاً انسان کے کھانے کو بھی چرنا کہہ دیا جاتا ہے۔ جبکہ چل پھر کر اور درختوں سے توڑ کر کھائے۔ یہاں موسم بہار کا چرنا مراد ہے۔ کیونکہ اس زمانے میں پھل بھی کثیر ہوتے تھے۔ اور جنگل میں پہلی بار آنے والا بھی بہت محبت اور خوشی سے کھاتا ہے۔ اور کبھی کسی درخت کی طرف جاتا ہے کبھی کسی طرف۔ لَهٗ کو پہلے کہنے میں حصر کا فائدہ ہے۔ یعنی ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں لَحٰفِظُوْنَ پر لام تاکید نے زیادتی حفاظت کو بیان کیا۔ اور اسم فاعل جمع بمعنی مستقبل ہے۔ یا بمعنی عام زمانہ۔ یعنی ہم بہت ہی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔ دل وجان سے حفاظت کریں گے۔ یا ہم تو روح سے ہی اس پیارے ننھے بھائی کے بہت محافظ ہیں۔ حفظ کا لغوی معنی ہے امانت کی حفاظت۔ چونکہ یوسف کو امانت کے طور پر لے جانے کا مطالبہ کر رہے تھے۔ اس لیے لَحٰفِظُوْنَ کا لفظ بولا گیا۔ یعنی جس طرح لے کر جائیں گے اسی طرح باخیریت شام کو آپ کے پاس واپس لے آئیں گے۔ لفظ یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ میں پانچ قرأتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ دونوں فعل مضارع صیغہ غائب باب فتح اس کا فاعل یوسف ہے یہی مشہور ہے۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ واؤ حالیہ ہے اور لحافظون میں فرما کر حفاظت کی شان بتانا مقصود ہے کہ ہم اپنی بہت سے ایک کی حفاظت کریں گے اور ہم حفاظت کرنے کے لیے ہی ہیں (خازن) یہ ایسی گفتگو تھی کہ جس نے دونوں کو یعقوب اور یوسف علیہ السلام کو پریشان کر دیا۔ دو طرفہ فکر میں خاموش حضرت یوسف فراق پدری کو سخت رہے تھے۔ اور حکمت الٰہی میں غور کر رہے تھے۔ حضرت یوسف کو کھیل کود اور کھانے پینے سے کچھ دلچسپی نہ تھی۔ وہ صحبت پدری کو ہی غنیمت سمجھتے تھے۔ اسی لیے یوسف نے ہاں یا نہیں بالکل کچھ نہ فرمایا۔ خود والد محترم نے فرمایا

قَالَ اِنِّیْ لَیَحْزُنُنِیْۤ اَنْ تَذْهَبُوْا بِهٖ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ ۔ بیشک شان اور حالت یہ ہے کہ اے بیٹو یہ بات مجھ کو سخت غمگین کرے گی۔ کہ تم اس کو میرے پاس سے ایک آن کے لئے بھی لے جاؤ۔ اور یہ غمگینی اس لیے ہے کہ یوسف کی جدائی مجھ پر شاق ہے اور صبر کی مجھ میں ہمت نہیں برادران یوسف نے

جب مشورہ کیا تھا۔ کہ یوسف کو اندھیرے کنوئیں میں پھینک دیں۔ تب یہ بھی مکمل فیصلہ ہو گیا تھا کہ دانہیں اگر والد سے کیا کہا جائے گا۔ حضرت یعقوب نے اپنے غیب کے ذریعے یہ سب کچھ معلوم کر لیا تھا۔ اس لیے بطور تنبیہ جتا دیا کہ وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ۔ مجھے خوف ہے۔ کہ اس کو بھیڑیا کھائے گا۔ یعنی تم نے یہی بہانا سوچا ہوا ہے۔

اس کلام سے ثابت ہے کہ حضرت یعقوب ان کے دلی ارادوں کو جان گئے تھے۔ تین وجہ سے۔ ایک یہ کہ حضرت یوسف کی عمر اس وقت گیارہ سال تھی، یا بارہ سال تھی۔ اور گیارہ سالہ لڑکے کو بھیڑیا نہیں کھا سکتا۔ جبکہ قد بھی دراز ہو۔ قصص الانبیاء کتاب میں آپ کا قد شریف چھ فٹ لکھا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ اس علاقے میں بھیڑیئے اتنے زیادہ نہ تھے۔ نہ ہی وہ درندوں کا جنگل تھا۔ تیسری وجہ یہ ہے۔ کہ بھیڑیا ہمیشہ رات کو بچوں کو حملہ کر کے لے جاتا ہے۔ اور یہاں دن کا وقت تھا۔ چوتھے یہ کہ کسی اور درندے کا ذکر یعقوب علیہ السلام نے نہ کیا۔ اور تم لیے پھرتے ہو تماشے میں اس طرح لگ جاؤ اس یوسف سے غافل رہو۔ یا تم لوگ شروع سے ہی اس سے بابت غفلت میں رہنے والے ہو۔ لہٰذا اب میں تمہاری طرف سے مطمئن نہیں۔ یہ جملہ جواب ہے پہلے جملے کا۔ بعض نے کہا یہ نیا جملہ ہے۔ بقول تفسیر کبیر ایک روایت میں ہے کہ ذئب سے مراد ان ہی بیٹوں میں سے ایک ہے اور غفلت سے مراد باتیں کا تماشا دیکھنا ہے۔ اور ایک بھائی کا پکڑ کر کنوئیں میں ڈالنا ہے۔ کیونکہ کئی دن پہلے حضرت یعقوب نے خواب دیکھا تھا کہ یوسف کے پیچھے دس بھیڑیئے پڑے ہیں۔ حضرت یعقوب نے یوسف کو روکنے کے لیے دو عذر پیش فرمائے۔ ایک تملی غم فراق محبوب کا دوسرے بھیڑیئے کا۔ بعض نے کہا کہ اس علاقے میں بھیڑیئے بکثرت تھے۔ اس لیے آپ نے بھیڑیئے کا ذکر کیا۔ انبیاء کرام کا حوصلہ اور تحمل کس شان کا ہے۔ کہ باوجود سب کچھ جانتے ہوئے پھر بھی ظالموں یا جاہلوں سے غضب کے لفظ استعمال نہ فرماتے بلکہ غافلون فرمایا یعنی نا سمجھ لفظ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کا قہر نہ پڑ جائے۔ جیسے کہ ماں اپنے سخت مجرم بیٹے کے لیے کہتی ہے کہ اس سے بھول اور غفلت ہو گئی۔ مفسرین کے نزدیک یہاں غافلون میں دس احتمال ہیں۔ ۱) تم میری محبت یوسفی سے غافل ہو۔ ۲) تم اللہ سے غافل ہو ۳) تم اپنے نفس سے غافل ۴) تم اس کے انجام سے غافل ہو ۵) تم اس کی جزا سزا سے غافل ہو ۶) تم یوسف کی نیک بختی خوش نصیبی سے غافل ہو ۷) تم اس سے غافل ہو کہ یوسف ذلیل نہ ہوگا۔ حالانکہ تم اس کو ذلیل کرنا چاہتے ہو ۸) تم اس سے غافل ہو کہ تم سب یوسف کے احسان مند ہوتے غلام ہو گئے ۹) تم ترک خدمت سے غافل ہو ۱۰) تم یوسف کے کرم اور بخششوں سے غافل ہو۔ غافلون فرما کر یہ بھی تنبیہ کی کہ غافل ہی نادم اور قابل سزا ہوتا ہے۔ ابھی شاید حضرت یعقوب نے کچھ اور بھی فرمانا تھا کہ بیٹوں نے بات بیچ میں کاٹ کر کہا۔ قَالُوْا لَئِنْ اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ والد محترم کی رمز کو نہ سمجھے یا سمجھ تو گئے مگر پردہ ڈالتے ہوئے بولے خدا کی قسم البتہ اگر کھا جائے اس یوسف کو

کوئی بھیڑیا حالانکہ ہم اتنی مضبوط قوی ھیکل جماعت والے پاس ہوں کہ ہم میں ہر ایک دس شیروں سے مقابلہ کر سکتا ہے اور جنگل ہی میں رہتے بستے عمر گزاری ہے۔ نہ قوت میں کمی ہے نہ تجربہ میں ہمارے ہوتے ہوئے اگر یہ مصیبت ہو جائے تب تو بیشک ہم نرے بیوقوف ہی رہے۔ اور اتنے نقصان اور شرمندگی میں ہوئے اور ہمارے مرنے کا مقام ہے۔ بعض نے کہا کہ خٰسِرُوْنَ کا مطلب ہے۔ کہ ہم تو دن رات اپنی زمینوں پہ اپنے جانوروں کی حفاظت کرتے ہیں اگر ہم بھیڑیوں سے نبرد آزما نہ ہو سکتے ہوں تو وہ تو ہمارے جانوروں کو چیر پھاڑ کھائیں۔ اور ہم یکدم خسارے میں رہ جائیں۔ جب ہم نے اس میں ابھی تک نقصان نہ اٹھایا تو یوسف کو بچانا کیا مشکل ہے۔ یہ جملہ جواب ہے حضرت یعقوب کی دو معذرتوں میں سے ایک معذرت کا لئن قسم ہے یہاں واللہ پوشیدہ اور اِنَّا اِذًا جواب قسم ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ دعائیہ فقرہ ہے کہ اگر ہم اس کی حفاظت نہ کر سکیں تو ہم پر خسارہ پڑے۔ (تفسیر کبیر، روح المعانی) ایسی لگا لپیٹ کر باتیں کیں کہ باپ بھیجنے پر مجبور ہوئے اور یوسف جانے پر۔ رات گزر گئی لیکن اس رات نہ حضرت یعقوب کو نیند آئی نہ یوسف کو وہ ان کو دیکھتے ہیں وہ ان کو آنکھوں آنکھوں میں رات بسر ہو گئی۔ کیونکہ یہ وصل کی آخری رات بھی فراق کی گھڑیاں قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی ہیں۔ عاشق ہی جانتا ہے کہ کیسا اور کتنا کٹھن وقت ہوتا ہے صبح ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ السلام نے لخت جگر کو نہلایا دھلایا دولہا بنایا۔ بہترین روٹی پکا کر ساتھ رکھی اور بھائیوں کے سپرد کر دیا غلطی اور چوک یہ ہوئی کہ فراق کے غم میں خدا تعالیٰ کے سپرد کرنا بھول گئے۔ فَلَمَّا

ذَهَبُوا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ۔ تو

جب لے کر چل پڑے وہ سب بھائی اس یوسف کو والد بھی کچھ دور ساتھ آئے۔ جب تک والد کی نظروں میں رہے اس وقت تک بہت عزت سے اور پیار سے کبھی کوئی محبت سے ہاتھ پکڑتا کبھی کوئی اور ہنس ہنس کر یوسف کو دیکھتے رہے۔ بعض مفسرین نے کہا کہ کندھوں پر اٹھاتے رہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس وقت حضرت یوسف کی عمر میں چار قول ہیں ۱۔ سترہ سال ۲۔ پندرہ سال ۳۔ بارہ سال ۴۔ سات سال اور پہلا اور تیسرا قول زیادہ مشہور ہے۔ اتنی عمر کا لڑکا کندھوں پر سوار نہیں کیا جاتا۔ جن بزرگوں نے کندھوں پر سوار مانا ہے انہوں نے غالباً سات سال یا چھ سال عمر مانی ہے۔ حضرت یعقوب انہیں پھیرتے واپس ہوئے اور اوجھل ہو گئے۔ تب بھائیوں کے تیور بدل گئے۔ کوئی جھڑکتا۔ کوئی طعنہ دیتا۔ کوئی دھکا دیتا۔ اسی حالت میں اپنی زمینوں پر مقام سکم میں آگئے۔ مگر وہاں ٹھہرے نہیں۔ بلکہ مقام دوتن یا دالتن کے جنگل میں یوسف کو گھسیٹ گھسیٹ کر لے آئے وہیں ایک کنواں تھا۔ یہ جگہ کنعان یعنی حبرون موجودہ الخلیل سے چھ کوس کے فاصلے پر اور مصر کی شاہراہ میں تھی۔ ادھر جب یعقوب علیہ السلام واپس گھر تشریف لائے تو بہن زینب آنسو بہا رہی تھیں۔ والد غمزدہ نے رونے

کی وجہ پوچھی تو کہنے لگیں کہ اے اباجان میں نے ابھی اشراق کے وقت خواب دیکھا ہے۔ کہ میرے بھائی یوسف کے پیچھے دس بھیڑیئے لگے ہیں۔ اور وہ تنہا ہیں۔ اس درد سے یہ خواب سنائی۔ کہ یعقوب علیہ السلام بھی رو پڑے۔ رونے کی یہ ابتداء ہوئی کہ چالیس یا اسّی سال متواتر آپ روتے رہے۔ لمّا کا جواب پوشیدہ ہے یعنی جب ان کو لیکر چلے تو مقام دوتن میں ٹھہرے۔ اور یوسف علیہ السلام کو بہت ہی بیدردی سے مارنا اور دھکے دینا شروع کیے۔ حضرت یوسف کبھی کسی کو بھائی کہہ کر پکارتے کبھی کسی کو۔ کبھی کسی کو حسرت بھری نگاہ سے دیکھتے کبھی کسی کو۔ کبھی کسی کی طرف دوڑتے کبھی کسی کی طرف دوڑ کر پناہ لینا چاہتے۔ وہ دھکا دے دیتا۔ جب کافی دیر اسی طرح گزر گئی تو حضرت یوسف آسمان کی طرف دیکھ کر مسکرا پڑے۔ بھائیوں نے پوچھا اے یوسف یہ ہنسنا کیسا ہے۔ حضرت یوسف نے جواب دیا کہ ایک دن میں نے اپنے دوستوں کے سامنے کہا تھا کہ مجھے کسی کا ڈر نہیں کیونکہ میرے اتنے طاقت والے دس بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی۔ اس لیے اس کریم نے مجھے تمہارے ہی ہاتھوں سزا دلوائی۔ میں اس کی بے نیازی پر مسکرایا۔ کہ وہ بھی سچا دوست ہے۔ یہ بات سنکر یہودا کو ترس آیا اور اس نے سب کو روکا اور کہا کہ اے بھائیو وعدہ خلافی نہ کرو۔ ہاں یہ فیصلہ ہوا تھا کہ مارنا اور قتل نہیں کرنا اگر تم اپنا وعدہ بھول گئے۔ ہو اور قتل ہی کرنا چاہتے ہو تو پہلے مجھ کو قتل کرو تب سب بھائی باز آئے۔ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ۔ اور سب اس بات پر جمع ہوئے یعنی متفق ہوئے۔ کہ اس یوسف کو اسی اندھیرے کنوئیں میں ڈال دیں پس پھر کیا تھا فوراً یوسف کی قمیص پہلے فیصلے کے مطابق اتاری اور یوسف کو اسی سے باندھ کر کنوئیں میں لٹکا دیا جب آدھا کنواں طے ہوگیا تو نہایت بے دردی اور کثافت قلبی سے شمعون یا روبیل یا دان نے رسّی چھوڑ دی۔ اس ارادے سے کہ کسی پتھر سے ٹکرا کر مر جائے۔ چونکہ کنوئیں میں اندھیرا تھا۔ پتہ نہ لگا کہ یوسف زندہ ہیں یا نہیں تب شمعون نے آواز دی یوسف سمجھے کہ شاید محبت سے پکار رہے ہیں اور مجھ کو نکال لیں گے۔ جواباً فرمایا جی اے میرے بھائیو۔ اس پر شمعون اور لاوی اور ریان نے بڑا پتھر اٹھا کر پھینکنا چاہا کہ مر جائے۔ یہودا نے بڑی سختی سے روکا۔ اتنی کارروائی کر کے بھائی واپس چلے یوسف تنہا اندھیرے کوئیں میں تنہا ایک پتھر پر بیٹھے ہیں نہ کوئی یار و مددگار کہاں وہ باپ کی پیار بھری گود۔ بھائی بہن کی میٹھی باتیں کہاں۔ اب یہ تنہائی تب بے سہاروں کے سہارا بے آسروں کے آسرا رب تعالیٰ نے وحی فرمائی تاکہ پیارے یوسف کو تسلی ہو۔ اور ہم نے وحی کی اس کی طرف۔ یہ وحی نبوت کی نہ تھی۔ بلکہ بذریعہ حضرت جبریل پیغام ولایت تھا۔ جو الہام کی قسم کا ہوتا ہے۔ وحی کے شرعاً پانچ معنی ہیں ما خبر لینا ما خبر دار کرنا۔ یہی یہاں مراد ہیں ۳ مناجات ۴ الہام کرنا ۵ پیغام نبوت اور دینی قانون عطا کرنا۔ بعض نے کہا یہ وحی نبوت تھی۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ وحی نبوت تبلیغ کے لیے ہے وہ مصر میں شروع ہوئی جیسا کہ آگے بیان آئے گا۔ یہاں تبلیغ مقصود نہ تھی۔ یہاں تو صرف یہ فرمایا گیا لَتُنَبِّئَنَّهُمْ۔ البتہ ضرور تم ان بھائیوں کو ان کے اس ظالمانہ سلوک کی خبر دو گے

یعنی یوسف گھبراؤ مت ہم تم کو ضائع نہیں کریں گے۔ تم کو وہ مقام اور وہ قوتیں ملیں گی کہ وَھُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ان بھائیوں کو آج اس کا شعور بھی نہیں رہا خیال و گمان بھی نہیں رہے گا۔ تب ہوش کی آنکھیں کھلیں گی جب تم انکو ان کے کرتوت کی خبر دو گے ۔

فائدے

اس آیت کریمہ سے چند سبق اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ اللہ کے نیک بندوں کا کام رب کا کام ہے۔ دیکھو کلام جبریل امین نے فرمایا مگر ارشاد ہوا وَاَوْحَیْنَا۔ ہم نے وحی کی۔ یہ فائدہ اَوْحَیْنَا کی ضمیر متکلم سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کو سب کچھ پہلے بتا دیتا ہے اور یہ ہی علم غیب ہے۔ یہ فائدہ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ جنگلی میوے کھانے اور جائز کھیل کھیلنا ہر شخص کے لیے جائز ہے۔ یہ فائدہ یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ سے حاصل ہوا۔ جنگلی درخت اگرچہ حکومت کی ملکیت ہو جائیں مگر اس کے پھل کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ دریا کی ریت اور پانی اور گھاس وغیرہ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ کھیل کود شریعت میں حرام ہے۔ پھر بھائیوں نے کیسے کہا کہ یَرْتَعْ وَیَلْعَبْ یہ کھیلے گا اور ایک قرأت میں ہے نَرْتَعْ وَنَلْعَبْ ہم کھیلیں گے حضرت یعقوب نے شرعی مخالفت کیوں نہ فرمائی۔ **جواب**۔ لعب کہتے ہیں بے مقصد اور بے ارادہ کام کو۔ وہ جائز بھی ہوتے ہیں اور ناجائز بھی۔ شریعت نے تین کاموں کو جائز رکھا ہے۔ گھڑ دوڑ اور صحت بنانے کے لیے اور دو بیویوں سے کھیلنا تاکہ گھر کا ماحول خوشگوار رہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت یوسف اس وقت نابالغ تھے اور نابالغ پر شرعی پابندیاں نہیں ہوتیں اس لیے اور نابالغ بچے کو ہر کھیل جائز ہے مگر یہ جواب کمزور ہے۔ کیونکہ نبی نابالغی میں بھی شریعت کے خلاف نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچپن میں ایک بچوں سے گزرے تھے کہ وہ کھیل رہے تھے۔ بچوں نے کہا آئیے محمد آؤ مل کر کھیلیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مَا لِلَّعِبِ خُلِقْنَا ہم کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ بعض نے جواب دیا کہ یہاں لعب مجازی طور پر بولا گیا ہے۔ مقصد کھیل نہ تھا بلکہ جنگلی کاموں کا تجربہ و کمانے کا ذکر تھا۔ **دوسرا اعتراض**۔ لَئِنْ اَکَلَهُ میں لام کیوں لایا گیا۔ اس کا کیا فائدہ۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب دیئے۔ ایک یہ کہ یہاں واللہ قسم پوشیدہ لام قسمیہ ہے دوسرا جواب یہ کہ لام تاکیدیہ ہے اور اس لیے آیا کہ اِنْ حرف شرط جزا کا مستلزم ہوتا ہے۔ لہذا اس کی تاکید ضروری ہے یعنی اگر ایسا ہو جائے تو ہم خاسر ہوں گے۔ **تیسرا اعتراض**۔ خاسرون کہنے کا کیا مطلب اور مراد۔ **جواب**۔ اس کے چار معنی ہیں۔ ایک یہ کہ تب تو ہم ضعیف ہیں عاجز ہیں۔ دوسرے یہ کہ بد دعا ہے کہ اگر ہم حفاظت پر قادر ہوئے تو ہم ہلاک ہوں۔ اور یہ کہ ہم خود ہی ہیں پھر تو ہم نے جتنی پہلے خدمتیں اور مشقتیں کیں وہ سب برباد ہوں گی۔ اور یہ بڑا گھاٹا ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ جب بیٹوں نے کہا کہ یوسف کو ہمارے ساتھ بھیجدو تو حضرت یعقوب نے دو عذر پیش کئے

ایک یہ کہ میں غمگین رہوں گا۔ دوسرا یہ کہ اس کو بھیڑیا کھائے گا۔ مگر بیٹوں نے ایک عذر کا جواب دے کر ختم کیا۔ دوسرے کا کوئی ذکر نہ کیا۔ اس کی وجہ کیا ہو گی؟ **جواب**۔ یا اس لیے کہ بھیڑیئے کو روکنے پر قادر تھے۔ غم ختم کرنے پر قادر نہ تھے یا اس لیے کہ یوسف کی طرف سے تو غمزدہ کرنا ہی چاہتے تھے۔ بھلا وہ غم ختم کیوں کرتے یا اس لیے کہ جب یوسف کو واپس لے آئیں گے تو والد کا غم خود بخود ختم ہو جائے گا اور بھیڑیئے سے بچانا ہی واپس لانا ہے تو گویا انہوں نے ایک بات کر کے دونوں عذروں کا جواب دے دیا یا اس لیے کہ آپ کا غم آئندہ ہمارے وجود سے ہماری خدمت سے ختم ہو گا۔ اور اس کو وہ صرف باتوں سے ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے۔ یا اس لیے کہ یہ سارا پروگرام تو بنا ہی اس لیے تھا کہ تم کو یوسف سے ہی محبت و پیار کیوں ہے۔ اور اس کی جدائی کا غم کیوں ہے۔ ہم کیا کریں اگر تم غمگین ہو گئے تو۔

تفسیر صوفیانہ

أَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۔ قَالَ إِنِّي لَيَحْزُنُنِي أَنْ تَذْهَبُوا بِهِ وَأَخَافُ أَنْ يَأْكُلَهُ الذِّئْبُ وَأَنْتُمْ عَنْهُ غَافِلُونَ ۔ اے یعقوب روح اسی یوسف قلب کو اپنی آغوش محبت سے ذرا جدا کر پابندیِ الفت سے ذرا آزاد کر اور رسوم معرفت سے نکال کر کل تسبیح و صوم و صلوٰۃ باطنی کے ساتھ اس کو بھیج دے تاکہ چمنِ عقلیات کے پھل چبائے اور میدانِ نظریات میں لذاتِ لعب حاصل کرے اور بیشک ہم حواسِ خمسہ ظاہری و باطنی اس دل کے آس پاس رہنے والے تمام خطرات، آفات و سوائے حجاب سے اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ روحِ امر نے فرمایا اے حواسِ متنزلہ اور قوائے مختلفہ بیشک تمہارا قلب کی توجہ کو مجھ سے جدا کر کے لے جانا مجھ کو غمگین کرے گا۔ کیونکہ قلب کی بے توجہی تازگیٔ روحانی کو فنا کرتی ہے۔ اور روح کو پژمردہ اور کملا دیتی ہے۔ قلب صنوبری جب تک روح کی نظر میں مراتب تجلیات رہتا ہے۔ حواس ذوق کے اشتعال مشغولیت سے دور رہتا ہے۔ خواہشاتِ حواس بد ہوتی ہے کہ دل ان کے قبضے میں ہو اور یوسف قلب کو ان کے ساتھ بھیجا جائے تاکہ لذت حیوانیت کے پھل کھائے۔ اور صحرائے محرومیت میں سیر نا سوتی کرے۔ اور حواس ظاہری باطنی کو قلب مکین فراق روح کے زمانے میں ناجائز فائدے اٹھانے کا موقعہ ملے۔ مگر روح ربانی مطمئن نہیں ہوتی کیونکہ مکاری حواس سے واقف ہے اور جانتی ہے کہ جب قلب منور روح کی سرحد سے جدا ہوا تو ذئب شیطان ہلاک کر دے گا۔ لہٰذا یعقوب روح فرماتا ہے۔ کہ مجھ کو خوف ہے کہیں اس قلب بیچارہ کو ابلیسی بھیڑیا میدان دعوائے شہوات میں لے جا کر ہلاکت ہجران نہ دیدے۔ اور تم رب۔ قوائے جسمانیہ بجائے غفلت میں پڑے رہو۔ قَالُوا لَئِنْ أَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ إِنَّا إِذًا لَخَاسِرُونَ ۔ قوائے باطنیہ حواس ظاہریہ نے جواب دیا۔ کہ قوت سامعہ۔ باصرہ۔ شامہ اور تدبر، تفکر، تخیل کے ہوتے ہوئے اگر ذئب ابلیسی قلب مکین پر قبضہ پالے تو ہم کس کام کے حالانکہ ہم قوت عقل و خرد والے ہیں۔ بیشک ہم تب تو البتہ یقیناً ذلت کے بڑے نقصان میں ہیں۔ اب ہم سمجھتے ہیں کہ

شاید اپنی عقل وعلم کے ذریعے ہم شیطان سے بچ جائیں گے۔ اس گمان باطل میں کسی بری منفل بُری لقاب کو حاصل کرنے میں پرہیز نہیں کرتے۔ شیطان قبضہ جمالیتا ہے مگر یہ محسوس بھی نہیں کرتے۔ پھر ان ہی کے منہ سے شیطان ان چیزوں کی تعریف کرالیتا ہے جو ایمان کے خلاف ہیں۔ اور آہستہ آہستہ بے دینی میں مصروف ہوتے چلے جاتے ہیں۔ مگر سمجھتے ہی نہیں۔ کہ ہم درستی پر ہیں یہاں تک کہ کانٹوں کو پھول۔ برائی کو اچھائی۔ گناہ کو نیکی، بیماری کو تندرستی خیال کرنے لگتے ہیں۔ جس انسان کا قلب روح اس کی نظر سے دور ہو شیطانی بجبر یا اس سے قریب ہوتا ہے۔ دل میں اپنی حکمرانی کا تصرف کرتا ہے۔ اور ہلاکت کی وادی میں اس کو گھسیٹتا ہے یہ سارے جسم کا خسارہ ہے کیونکہ قلب کی ہلاکت قالب روحانی کی موت ہے۔ دل کی سلامتی میں حواس کا نفع ہے۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ بچوں کی طرح کھیل میں نہ جائے اور دینی فتنوں آفتوں سے بچے۔ نفس کو لگام دے تاکہ شہوات کے کنوئیں میں نہ گرے۔ وادیٔ عشق الٰہی میں رہنے کی کوشش کرے تاکہ ما سوا اللہ کی محبت سے ہٹے۔ فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيَابَتِ الْجُبِّ وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِأَمْرِهِمْ هَٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ؏

عشقِ مسکین پر عقل مکار کا غلبہ ہوا۔ تدبیر پر تقدیر غالب آئی۔ تب غیرت الٰہی روح و قلب کا حجاب بن گئی۔ پس جب غلبۂ تقدیری سے قلب یوسف کو بیابان وذلت میں لے گئے تو سب حواس لعینہ نے متفق ہو کر یوسف قلب کو جب قالب اور بشریت سفلیہ کے اندھے کنوئیں میں ڈال دیا۔ قلب گھبرایا۔ دل غمگین ہوا۔ تب ہم نے اس کی طرف منطق ربوبیت سے ازل کی خبروں سے وحی کی اور حواسِ باطنہ کی حرکات رذیلہ کی غیبی علوم بخشے کہ اے قلب حسین فراق محبوب اور جفاء منحوس کا غم نہ کر عنقریب میدان معرفت میں سلطنت عشق میں دربار شاہداتی میں ملاقات ہے۔ تو اُن کو اُن کی اِن حرکات کی ساری خبریں دے گا۔ حالانکہ یہ شعور وخرد گما چکے ہوں گے۔ اے دنیا پرستو قانون نظرت ہے کہ جب وسائل واسباب ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور بندۂ مجبور مصائب کے کنوئیں میں گر جاتا ہے تب پیغام سروری اور وصل مولیٰ نصیب ہوتا ہے۔ (عرائس۔ محی الدین ابن عربی۔ روح البیان)

وَجَآءُوٓا أَبَاهُمْ عِشَآءً يَبْكُونَ ⑯ قَالُوا يَٰٓأَبَانَآ إِنَّا
اور سب آئے باپ کے پاس اپنے عشاء کے وقت روتے جاتے تھے سب بولے اے باپ ہمارے
اور رات ہوئے اپنے باپ کے پاس روتے ہوئے آئے بولے اے ہمارے باپ

ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَأَكَلَهُ

بیشک ہم چلے گئے بھاگتے ہوئے اور چھوڑا ہم نے یوسف پاس سامان اپنے تو کھا گیا اس کو بھیڑیا

دوڑ کرتے نکل گئے اور یوسف کو اپنے اسباب کے پاس چھوڑا تو اسے

ثلثہ الذِّئْبُ ۚ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ ﴿١٧﴾

اور نہیں تم سے ایمان لانے والوں لیئے ہمارے اگرچہ ہوں ہم سچ بولنے والے

بھیڑیا کھا گیا اور آپ کسی طرح ہمارا یقین نہ کریں گے اگرچہ ہم سچے ہوں

وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ ۚ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ

اور آئے وہ سب پر قمیص اس کی ساتھ خون جھوٹے کے فرمایا بلکہ فریب دیا کو تم

اور اس کے کرتے پر ایک جھوٹا خون لگا لائے کہا بلکہ تمہارے دلوں نے ایک

لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا ۖ فَصَبْرٌ جَمِيلٌ ۖ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ

دلوں نے تمہارے ایک چیز کا تو اب صبر ہی مفید ہے اور اللہ ہی مدد مانگا ہوا ہے

بات تمہارے واسطے بنالی ہے تو صبر اچھا اور اللہ ہی سے مدد چاہتا

عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ ﴿١٨﴾ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا

پر اس جو تم بناتے ہو اور آیا ایک قافلہ تو بھیجا انہوں نے نوکر کو اپنے

ہوں ان باتوں پر جو تم بتا رہے ہو اور ایک قافلہ انہوں نے اپنا پانی لانے والا

وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ ۖ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ ۚ

پس ڈالا اس نے ڈول اپنا۔ بولا واہ خوشخبری یہ لڑکا ہے اور بھید بنا دیا انہوں نے

بھیجا تو اس نے اپنا ڈول ڈالا بولا آہا کیسی خوشی کی بات ہے یہ تو ایک لڑکا ہے

وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً ۚ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿١٩﴾

اس کو ذریعے کھوٹی پونجی کے اور اللہ خوب جاننے والا ہے اس کو جو وہ کرتے ہیں

اور اسے ایک پونجی بنا کر چھپا لیا اور اللہ جانتا ہے جو وہ کرتے ہیں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں والد محترم حضرت یعقوب کے قلبی اندیشے کا ذکر تھا۔ اور بھائیوں کے اطمینان دلانے اور اپنی امانت و قوت کے اظہار کا ذکر تھا اور حضرت یوسف کو لے جانے کا ذکر تھا۔ اب بھائیوں کی چال اور فریب کاری پوری ہونے کا ذکر ہے۔ کہ کس طرح محبت سے لے کر گئے۔ اور اب کیا کر کے لوٹے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں عملی چال کا ذکر ہوا تھا۔ اب قولی پشیمانی والی چال کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی عملی چالبازی کے جواب میں حضرت یعقوب کی گفتگو کا ذکر ہوا جس سے آپ کی غیب دانی ثابت ہوتی تھی۔ اب بھائیوں کی قولی پشیمانی کے جواب میں حضرت یعقوب کی غیب دانی کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کو والد سے جدا کرنے، گھر سے لے جانے اور کنوئیں میں ڈالنے کا ذکر تھا۔ اب یہاں حضرت یوسف کو شہر سے جدا کرنے اور حضرت یوسف علیہ السلام کے کنوئیں سے نکالنے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً یَّبْكُوْنَ - واؤ عاطفہ جَآءُوْ فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر غائب جَیْئٌ سے بنا بمعنی آنا۔ اَبَا اسم مکبّر ہے۔ بحالت زبر ہے۔ ظرف ہے دراصل تھا عند ابی ھم۔ ھم ضمیر جمع کا معنی ہے اپنے۔ عشاءً ظرفیت کا زبر ہے۔ تنوین تنکیری۔ عَشْیٌ سے بنا بمعنی مغرب سے لے کر فجر صادق تک کے وقت کو عشا کہتے ہیں۔ بعض نے کہا اس کی اصل تھی عشوًا حرف علت واؤ کا زیر ماقبل شین کو دیا۔ کیونکہ ہمیشہ علت کی حرکت حرف صحیح کو دی جاتی ہے۔ الف اور واؤ دو ساکن واؤ گر گئی رہ گیا عشاءً۔ یَبْكُوْنَ مضارع معروف بصیغہ جمع۔ جملہ حالیہ بمعنی مفعول یعنی روتے ہوئے بُکَیٌ سے بنا۔ لغت میں چیخیں مار کر رونے کو بکاء کہا جاتا ہے۔ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا۔ قالوا فعل ماضی جمع ہے اس کا فاعل ھم ضمیر پوشیدہ کا مرجع اخوۃ یہ قول ہے اس کا مقولہ جملہ ندائیہ ہے اَبَانَا مرکب اضافی ہے منادیٰ قریب ہے۔ اِنَّا حرف تحقیق با اسم منصوب ذَهَبْنَا فعل ماضی لازم ہے۔ بصیغہ جمع متکلم۔ ذَهَبٌ سے بنا۔ بمعنی چلنا۔ نَسْتَبِقُ مضارع معروف جمع متکلم سَبْقٌ سے بنا۔ بمعنی آگے بڑھنا یا دوڑنا۔ ماضی سے متعلق ہے۔ لہٰذا بمعنی ماضی ہے۔ واؤ عاطفہ ترکنا فعل ماضی جمع متکلم تَرْكٌ سے بنا بمعنی چھوڑنا متعدی بیک مفعول ہے۔ یُوْسُفَ مفعول بہ عِنْدَ ظرف ہے۔ مضاف ہے شائع حالت زیر مضاف الیہ ہے۔ اور مضاف ہے طرف ضمیر جمع متکلم نَا کے۔ مَتَاعٌ سے بنا بمعنی نفع والی چیز۔ بر وزن فعال مبالغے کا ہے۔ فا تعقیبیہ ہے۔ اَکَلَ فعل ماضی مطلق متعدی بیک مفعول ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع یوسف ہے۔ الذِّئْبُ۔ الف لام جنسی ہے نہ کہ عہدی ذئب بحالت رفع فاعل ہے اکل کا واؤ عاطفہ مانا فیہ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل اسم ما ہے بِمُؤْمِنٍ با حرف جر زائدہ ہے۔ مُؤْمِن اسم فاعل باب افعال

اُمنٌ اسے بنا مصدر ہے ایمانٌ بمعنی ماننا لَنَا لام جارّہ زائدہ بمعنی مفعولیت ہے نَا ضمیر مجرور متصل۔ واؤ وصلیہ لَوْ حرف شرط کُنّا فعل ماضی ناقصہ صیغہ جمع متکلم اس کا اسم صادقین اسم فاعل ہے صادق خبر ہے کُنّا کی۔ یہ جملہ شرط مؤخر ہے۔ اور مَا اَنْتَ کا جملہ جزاء مقدم ہے۔ واؤ سے جملہ جَاؤُا فعل ماضی جیئٌ سے بنا بمعنی آنا۔ علٰی بمعنی فوق۔ قَمِیْص بروزن فعیل قمصٌ سے بنا بمعنی عزت دار لباس پہننا۔ بِدَمٍ۔ بار جارّہ زائدہ یا بمعنی مِنْ تبعیضیہ دم اسم جامد ہے بمعنی خون تنوین تاکیدی نکرہ موصوفہ۔ کَذِبٍ بروزن فَعِلٍ مصدر ہے۔ بمعنی المکذوب صفت ہے دم کی۔ اگر بار زائدہ ہو تو دم کذب حال ہوگا اور علٰی قمیصہ ذوالحال۔ قال یہ جوابی قول ہے۔ بل حرف استدراک ہے جو سابقہ کو غلط قرار دیتا ہے۔ سَوَّلَتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مؤنث غائب باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر تسویلٌ ہے۔ اس کا مادہ سُؤلٌ ہے بمعنی ایسا دھوکہ دینا کہ منافقت کی جائے۔ لَکُمْ لام مفعولیت کا ہے۔ کُمْ ضمیر مخاطب کا مرجع اخوہ یوسف ہے۔ سَوَّلَتْ کا فاعل اَنْفُسُ ہے اَنفس کی جمع مکسر ہے۔ لہٰذا اس کا عامل فعل مؤنث آیا۔ کُمْ کا مرجع وہی ہے جو پہلے بیان ہوا اَمْرًا بحالت زبر مفعول بہ ہے۔ بمعنی واقعہ۔ فَصَبْرٌ فاء سببیہ صَبْرٌ بحالت نکرہ موصوفہ ہے مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ دراصل تھا فَاَمْرِیْ صَبْرٌ جَمِیْلٌ صبر مصدر ہے لغوی ترجمہ رکھنا یا روکنا۔ پہلے ترجمہ میں لازم ہے دوسرے میں متعدی اصطلاحاً برداشت کرنا جمیل صفت ہے صبر کی بروزن فعیل مبالغہ کا صیغہ جمل سے بنا معنی یا بندیا خوبصورت ہونا یا خوشی لانا یا مناسب ہونا یا پورا ہونا یا اچھا ہونا۔ یہاں آخری تین معنی سے ایک مناسب ہے۔ وَاللّٰہُ۔ واؤ عاطفہ لفظ اللہ بحالت رفع مبتداء ہے۔ اَلْمُسْتَعَانُ۔ باب استفعال کا اسم مفعول ہے۔ عونٌ سے بنا: نیٔ مدد دینا لازم ہے۔ باب استفعال میں آکر اور معنی ہوا مدد مانگنا۔ بحالت رفع خبر ہے مبتداء کی۔ عَلٰی جارّہ مَا نی ظرفیہ یا موصولہ تَصِفُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر حاضر وصفٌ سے بنا بمعنی دلیری سے بیان کرنا۔ خواہ سچا یا جھوٹا یہاں جھوٹا مراد ہے۔ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰى دَلْوَهٗ واؤ عربیہ جاءت فعل ماضی مؤنث اس کا فاعل اسم ظاہر ہے۔ سَیَّارَۃٌ لفظی مؤنث ہے۔ معناً مذکر بمعنی قافلہ یعنی سفر کرنے والے لوگ اس کا مذکر ہے سیَّارٌ بروزن فعّال سَیْرٌ سے بنی بہت چلنے والا۔ فار تعقیبیہ اَرْسَلُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر باب افعال سے متعدی بمعنی بھیجنا۔ وَارِدٌ اسم فاعل وُرُوْدٌ سے ہے۔ اس کا مادہ وَرْدٌ بمعنی آگے آگے خدمت کے لیے جانا۔ جانے والا یہاں بہشتی دستہ۔ فار سببیہ ہے۔ اَدْلٰی باب افعال کا ماضی مطلق دَلْوٌ یا دَلْیٌ سے بنا بمعنی کنوئیں میں ڈول ڈالنا۔ اب اصطلاحاً مطلقاً ڈالنے کے معنی میں مستعمل ہے۔ اسی لیے دَلْوَہٗ بعد میں مفعول بہ ہے۔ ہٗ ضمیر کا مرجع وارد ہے۔ لفظ دَلْوٌ مؤنث سماعی ہے۔ اس کی تصغیر دُلَیَّۃٌ ہے۔ اس کی جمع دِلَاءٌ۔ قَالَ يٰبُشْرٰى هٰذَا غُلٰمٌ وَاَسَرُّوْهُ بِضَاعَةً۔ قال فعل ماضی کا فاعل ھُوَ ضمیر ہے اس سے

مراد وارد ہے جملہ نیا ہے۔ یا بشریٰ مقولہ ہے قول کا۔ یا حرف ندا اس کا منادیٰ بشریٰ بروزن فعلیٰ مؤنث ہے اسم تفضیل اَبْشَرُ کا۔ هٰذا اسم اشارہ مبتدا ہے۔ غلام غلم سے بنا بمعنی اقرب بلوغ لڑکا ہے۔ تنوین تفخیم کے لیے ہے۔ تفخیم کے معنی کسی کو بزرگ یا عظیم الشان سمجھنا۔ غلامٌ یعنی عظیم الشان سمجھنا۔ فا بمعنی ثُمَّ اَسَرُّوْہ باب افعال کا ماضی دراصل تھا۔ اَسْرَرُوْا۔ سِرٌّ سے بنا بمعنی چھپانا ؤ ضمیر کا مرجع غلام۔ بِضَاعَةً بروزن فِعَالَة جیسے کِتَابَة مصدر ہے۔ اس کا مادہ بَضْعٌ ہے بمعنی سامانِ تجارت۔ یا قیمتی چیز یا جسم کا ٹکڑا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ۔ واوٗ سے جملہ لفظ اللہ مبتدا علیمٌ صفت مشبہ کا صیغہ برائے مبالغہ یعنی خوب جاننے والا علم سے بنا یہ خبر مبتداء ہے بما با جارہ زائدہ ہے ما موصولہ مجرور موصول اپنے صلے سے مل کر علیم سے متعلق ہے۔ یعملون فعل مضارع صیغہ جمع غائب عمل سے بنا۔ بمعنی عمل کرنا اس کا فاعل ھم ضمیر غائب کا مرجع اخوۃ یوسف ہیں فقط یا یہ قافلے والے بھی

تفسیر عالمانہ

وَجَآءُوْٓ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ۔ برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کے ہاتھ باندھ کر کنوئیں میں ڈال دیا۔ حضرت جبرئیل نے آکر ہاتھ کھولے اور ننگے بدن یوسف کے گلے سے چاندی کا وہ تعویذ کھولا جو والد محترم نے چلتے وقت یا کچھ دن پہلے ہی ڈالا تھا۔ اس میں جنت کی وہ قمیض تھی جو نار نمرود میں جاتے وقت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہنائی تھی۔ حضرت ابراہیم نے وہ قمیض حضرت اسحٰق کو عطا فرمائی۔ اور حضرت اسحٰق نے وہ جنتی قمیض اپنے فرزند یعقوب علیہ السلام کو عطا فرمائی۔ یعقوب علیہ السلام نے وہ باریک جنتی ریشم کی قمیض چاندی کے خول میں لپیٹ کر یوسف علیہ السلام کو تعویذ بنا کر ڈال دیا۔ آج پھر حضرت جبرئیل نے ہی وہ قمیض تعویذ سے نکال کر یوسف کو پہنائی اور کچھ ورد وظیفہ بتا کر چلے گئے اس قمیض کی کرامت تھی کہ سارے کنوئیں میں روشنی پھیل گئی۔ ادھر دو گھنٹے میں فارغ ہو کر سکم زمینوں پر چلے آئے۔ اور عشاء کے وقت حالانکہ دوپہر تک گھر آ سکتے تھے مگر اس خوف سے کہ کہیں والد صاحب آدمیوں کو لے کر تلاش میں نہ نکل پڑیں۔ اور جائے واردات کو نہ دیکھ لیں یا اس لیے کہ دن میں ہمارا جھوٹا رونا ان پر کھل جائے گا سارا دن ادھر ادھر گھومے پھرے اور مغرب یا عشاء یا آدھی رات کے وقت اپنے والد کے پاس آئے اور زور زور سے روتے چیختے چلاتے دھاڑیں مارتے ہوئے آئے۔ شرعی اصطلاح میں تو عشاء نماز عشاء سے فجر صادق تک کا وقت ہے۔ مگر لغت میں مغرب سے آدھی رات تک عشاء ہوتی ہے۔ امام ابو اللیث نے کہا عصر سے آدھی رات تک کا وقت عشاء کہلاتا ہے۔ جب اس مکر کے رونے کو یعقوب علیہ السلام نے سنا تو گھبرا کر باہر نکلے اور فرمایا کیا ہوا کیا بکریوں کو کچھ ہو گیا اور نگاہیں یوسف کو ڈھونڈنے لگیں۔ نہ پایا تو پوچھا

یوسف کہاں ہے۔ تب تاؔ لُوا یاَ اَبَانَا۔ سب بولے یا سب کا نمائندہ بن کر ایک بولا باقی روتے رہے اور مصنوعی ہچکیاں لیتے رہے۔ اے ہمارے باپ بیشک ہم جنگل میں گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ گئے یعنی برتنوں اور کمبلوں چادروں کے پاس چھوڑ گئے پس پتہ نہیں کہ کدھر چھپا بیٹھا تھا بھیڑیا جس نے نکل کر اس یوسف کو کھا لیا۔ اور ہمیں پتہ ہے کہ آپ ہماری اس بات پر ایمان نہیں لائیں گے اگرچہ ہم سب حقیقت میں سچ بولنے والے ہی ہوں کیونکہ آپ کو یوسف سے انتہائی محبت ہے۔ اور ہماری باتوں پر آپ کو پہلے ہی کم اعتماد آتا ہے انسان حسد اور ظلم میں اندھا اور بے عقل ہوتا ہے۔ یہ نہ سوچا کہ جھوٹے ہونے کا تو ہم خود ثبوت مہیا کر رہے ہیں اگر والد پوچھیں کہ یوسف کی ہڈیاں کدھر ہیں۔ یا جامہ کدھر ہے تو کیا جھوٹے نہ پڑیں گے۔ معانا نے فرمایا کہ یہاں کو کُنَّا صادِقِین میں یہ تاویل ضروری ہے کہ آپ کے اعتماد میں ہم سچے ہوں۔ یعنی آپ کا قلب ہم کو سچا ہی سمجھتا ہو تب بھی آپ ہم کو زبان سے سچا نہ کہیں گے۔ کیونکہ ہمارے پاس اپنی سچائی پر کوئی مضبوط دلیل نہیں۔ ایمان تصدیق ہی کا نام ہے۔ اس لئے مومن کے بعد صادقین کہا۔ اس کنوئیں کے بارے چند روایات ہیں۔ ۱ یہ کنواں نمرود کے وزیر شداد بن عاد نے بنوایا تھا ۲ یہ سام بن نوح نے بنوایا تھا۔ سر راہ تھا بڑا خطرناک تھا اس کا نام جُبُّ الحزن یا دوش تھا اردن کے جنگل میں تھا۔ اس کے نشان اب لوگوں نے دیکھے ہیں۔ حضرت یعقوب کے گاؤں سے بارہ میل فاصلے پر تھا اس کنوئیں میں گرنے کے متعلق لوگوں میں بہت مشہور ہیں کسی نے کہا ایک دفعہ یعقوب علیہ السّلام نے بھکاری کو بھیک نہ دی۔ یوسف علیہ السلام گود میں لئے بیٹھے رہے۔ تب اس نے غمزدہ ہو کر جدائی کی بد دعا دی جس کی وجہ سے یہ جدائی پڑی۔ کسی نے کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السّلام نے یوسف علیہ السّلام کے لئے ایک بکری خریدی اور اس کا بچہ بیچ دیا تاکہ دودھ زیادہ ہو اور یوسف ہی پیئے۔ تب بکری نے بد دعا دی۔ کہ جس طرح تم نے میرے بچے کو مجھ سے جدا کیا خدا تمہارے اس بچے کو بھی جدا کرے۔ یہ بد دعا قبول ہوئی۔ (روح البیان) کسی نے کہا کہ یوسف علیہ السّلام نے ایک دفعہ اپنی شکل دیکھ کر کہا کہ مجھ سا جہان میں کوئی نہیں۔ اگر میں غلام ہوتا تو بڑی قیمت میں بکتا۔ اس لئے یہ سزا ملی۔ مگر یہ سب باتیں جھوٹی بناوٹی ہیں۔ ان بنانے والوں نے انبیاء کرام کی قدر نہ جانی۔ وَجَآءُوْ عَلٰى قَمِيْصِهٖ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ یعقوب علیہ السلام نے یہ غمناک خبر سنی تو بڑے تحمل سے ٹھنڈی آہ ماری، آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اپنے ان چیخنے دھاڑنے والے بیٹوں کے چہرے بغور دیکھنے شروع کیے بیٹے گھبرائے شاید ہمارے رونے کی بناوٹ میں کچھ خامی ہے۔ جس سے حضرت والد کو کچھ شبہ پڑ گیا ہے۔ تو فوراً یوسف علیہ السّلام کی قمیص جس پر دیس سے فیصلے اور پروگرام کے مطابق اپنے ہی ریوڑ کی بکری ذبح کر کے اس کا خون لگا لائے تھے۔ یعقوب علیہ السّلام کے سامنے کر دی۔ وہ خون جھوٹا تھا۔ نسبت میں کہ وہ بکری کا خون تھا مگر انہوں نے ظاہر کیا کہ یہ یوسف کا خون کَذِب کا معنیٰ ہے ذی کذب اگر صرف قمیص سامنے کر دی ہو اور اگر انہوں نے اپنے منہ سے کہا بھی کہ یہ یوسف کا

خون ہے تو کذب یعنی مکذوب۔ یہ فرمان باری تعالیٰ کا ہے۔ حضرت یعقوب نے اس قمیص کو دیکھا اور پہچان لیا تو مزید روئے اور باوجود شدید کثیر کے چیخ کی شکل میں آہیں نکلیں۔ لیکن جب پوری قمیص دیکھی تو ہنسی نکل گئی۔ بیٹوں نے پوچھا کہ ابا جان اس وقت ہنسنے کی کیا وجہ ہے۔ تو قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۔ بات سمجھ آگئی کہ تمہارے امارہ نفس نے تم کو فریب دیا۔ اور یہ کام تمہارے لئے مزین کر دیا۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ تسویل باب تفعیل کا مطلب ہے۔ ایک کام کو اس لئے چھپا کر کرنا کہ مرضی کے مطابق پورا ہو اور نتیجہ خواہش نفسانی کے مطابق نکلے۔ لہٰذا اب اس کو اپنی کوشش سے بڑے مزین طریقے سے ہشیاری سے چالاکی سے کرتا ہے۔ امراً کہ تم نے یہ کام کیا جو بڑے رنگھیلے لوگوں کے کاموں میں سے ایک کام ہے۔ لفظ بل تردید اعتراض کے لیے ہے۔ کہ تمہارے منہ کی بات نشانات دہ سادہ تا سب فریب ہے۔ اصلیت میں تمہارا حسد ظاہر ہو رہا ہے۔ کسی بھیڑیئے نے کچھ نہیں کیا۔ جو کیا تو تم نے کیا۔ بھلا ایسا بھی کوئی عقل مند بھیڑیا ہے جو بغیر پھاڑے قمیض بدن سے اتارے اور گوشت ہڈی پسلی سب کھا جائے۔ تم لوگوں نے میرے ساتھ جو اسرار و معاملہ کرنا تھا وہ کر دیا۔ اب میرے لیے یہی امر ہے کہ صبر جمیل کروں۔ یہ سنکر سب بیٹے سخت شرمندہ ہوئے۔ اور غلطی محسوس کی کہ ہم نے قمیض پھاڑ کیوں نہ لی۔ روایت ہے کہ تین قمیصوں نے تین لوگوں کو شرمندہ کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کی قمیض نے بنی اسرائیل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص نے منافقوں کو اور یوسف علیہ السلام کی قمیص نے بھائیوں کو۔ علماء کرام فرماتے ہیں۔ صبر جمیل یہ ہے کہ مخلوق کے کام پر مخلوق سے کوئی شکوہ شکایت نہ کی جائے۔ لیکن ہر وقت اللہ سے شکایت کی جائے تاکہ مصیبت دور ہو لیکن بددماغ نہ ہو۔ صبر تین قسم کا ہے ۱۔ مصیبت پر ۲۔ اطاعت پر ۳۔ گناہوں پر۔ امام شافعیؒ نے فرمایا سب عبادت سے بڑھ کر ثواب صبر پر ہے۔ اسی لئے حضرت یعقوب نے فرمایا تھا۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۔ اللہ سے مبنی فریاد کی جائے آنی خوبی ہے۔ اور صبر جمیل سے اجمل ہوتا چلا جاتا ہے۔ اگر اللہ سے بھی شکوہ فریاد نہ کی جائے۔ تو وہ توکل ہے اور دونوں اپنے اپنے موقعوں پر مفید ہیں۔ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ ۔ اے بیٹو! جو کچھ تم نے صورت بنایا میں تم سے کیا کہوں اور اور اللہ ہی مدد مانگا ہوا ہے اسی سے فریاد ہے۔ روایت میں ہے کہ حضرت یعقوب غم سے نڈھال ہو کر بے ہوش ہو گئے۔ تب بھائی پریشان ہوئے کہ شاید فوت ہو گئے اور ایک دوسرے کو طعن دینے لگے۔ کہ تم لوگوں نے بہت برا کیا۔ ان کو قتل کر دیئے۔ وہ سب اب پچھتا رونے لگے۔ اور پچھتائے کچھ دیر بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کو افاقہ ہوا۔ تو سب بھائی جنگل میں گئے اور ایک بھیڑیا بوڑھا پکڑ کر لے آئے۔ اور والد کے پاس لا کر کہا۔ اس بھیڑیئے نے یوسف کو کھایا ہے۔ یعقوب علیہ السلام نے بھیڑیئے سے پوچھا کیا تو نے میرے یوسف کو کھایا۔ بھیڑیا قدرت خدا سے بولا کہ ہم پر انبیاء کا گوشت حرام ہے۔ کیسے کھا سکتا ہوں۔ یہ جھوٹی تہمت ہی مجھ کو پکڑ کر لائے۔ میں تو خود اپنے بھائی کے غم میں تلاش کرتا ہوا مصر سے یہاں آیا ہوں

ہاں مجھ کو پتہ ہے کہ یوسف کہاں ہے۔ مگر میں بتاؤں گا نہیں کیونکہ یہ غیلمودی ہے اور یہ میرے دانت نہیں میں بوڑھا
ہوں میں کس طرح شکار کرکے کھا سکتا ہوں۔ میں تو دوسروں کا مارا شکار کھا لیتا ہوں۔ یعقوب علیہ السلام کو اس پر
بہت رحم آیا۔ وہ بہت مدت یعقوب علیہ السلام کے پاس ہی رہا۔ روایت ہے کہ سات چیزیں علاوہ جنتیوں کے
جنت میں جائیں گی۔ یعقوب علیہ السلام کا یہ بھیڑیا۔ حضرت صالح کی اونٹنی۔ حضرت عزیر کا گدھا۔ اصحاب کہف کا
کتا۔ نبی کریم کی اونٹنی قصویٰ۔ حضرت علی کا دلدل خچر، احد پہاڑ۔ والد محترم کی محبت و کریمانہ کرم تو دیکھئے کہ بیٹوں کا جرم
ان کے امارہ نفسوں کی طرف منسوب کیا یہ نہ کہا تم نے یہ فریب کیا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ نفس ہی کے پاس سب
عیب اور بیماریاں گناہ وغیرہ ہیں۔ نفس امارہ ہی خالق و مخلوق کے سامنے شرمندہ کراتا ہے۔ نفس ہی سب سے بڑا
دشمن انسان ہے۔ انسان کے لیے کتنا سخت ابتلا اور فتنہ ہے کہ اندر والا نفس امارہ خواہشات سے بھرا پڑا
ہے۔ اور اس کا باہر یعنی دنیا آفتوں سے بھری پڑی ہے۔ اس کا نتیجہ یعنی جہنم سزا و عذابوں سے بھرا پڑا ہے۔ بچنے
کی تدبیر صرف یہ ہے۔ کہ دامن مصطفیٰ میں آجاؤ۔ جو کہ بخششوں سے بھرا پڑا ہے۔ یہ دامن از آدم تا قیام قیامت سب
کے لیئے فریادرس ہے۔ برادران یوسف ہر دن آتے اور اس کنوئیں کے آس پاس پھرتے۔ جانور چلاتے رہتے۔
چوتھے دن انہوں نے دیکھا کہ وَجَآءَتْ سَیَّارَةٌ فَاَرْسَلُوْا وَارِدَهُمْ فَاَدْلٰی دَلْوَهٗ قَالَ یٰبُشْرٰی هٰذَا غُلٰمٌ وَاَسَرُّوْهُ
بِضَاعَةً وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ اور ایک قافلہ مدین اور شام کی طرف سے آیا جو مصر کو جا رہا تھا۔ کنوئیں کے قریب ٹھہرا
قافلے کے سردار مالک بن دعران مصری تھے۔ اس نے پچاس سال پہلے خواب دیکھا تھا کہ کنعان کے جنگل میں ایک
سورج زمین سے نکلا۔ اور اس کی آستین میں گھس گیا۔ اس نے آستین سے نکال کر اپنے سامنے رکھا تو بادل سے
اس پر موتی برسے جن کو مالک بن دعران نے چن لیا۔ صبح عالم نے تعبیر دی کہ کنعان سے تیرے ہاتھ کوئی عظیم غلام
لگے گا جو تیری قسمت کو پھیر دے گا۔ اس کو خواب تو یاد تھی لیکن آج یہ پتہ نہ تھا کہ یہیں سے غلام ملے گا۔ قافلے
والوں نے اپنے خادم کو پانی لینے کے لیئے کنوئیں کی طرف بھیج دیا۔ اس وقت کنوئیں کی شان یہ تھی کہ کنوئیں کے اندر
جنت کے غلمان تھے، جو تین دن سے یوسف علیہ السلام کے پاس تھے ساتھ مل کر ذکر الٰہی کرتے تھے۔ اس ذکر
کے طفیل اور لذت میں یوسف علیہ السلام کو نہ بھوک لگی نہ پیاس۔ کنوئیں کے باہر فرشتے تھے جو دیکھنے والوں کو
پرندے معلوم ہوتے تھے۔ قافلے کے گدھوں نے اپنا اپنا بوجھ پھینک کر کنوئیں کی زیارت کے لیے دوڑ لگائی۔
لوگ سمجھے شاید پیاسے ہیں۔ جب خادم نے ڈول نیچے ڈالا تو یوسف علیہ السلام یہ سمجھ کر کہ شاید بھائیوں نے نکالنے
کے لیے ڈالا ہے۔ ڈول میں بیٹھ گئے۔ خادم نے بڑی مشقت سے نکالا اور سورج جیسا چہرہ دیکھا حیرت و خوشی
کے ملے جلے جذبات میں پکار اٹھا یا بشریٰ اے خوشخبری ہو، یہ غلام ہے بجائے پانی کے بعض نے کہا بشریٰ نامی
ایک غلام تھا قافلے میں اس سے مالک بن ذعر ان نے دعوٰی کیا تھا۔ کہ اگر وہ خواب والا غلام مجھ کو مل گیا تو تجھ کو

آزاد کر دوں گا اور بہت مال دوں گا۔ اور اپنی لڑکی سے شادی بھی تیرے ساتھ کر دوں گا (امام غزالی۔ روح البیان) سب اہل قافلہ دوڑتے ہوئے گئے۔ جب دور کھڑے ہوئے بھائیوں نے دیکھا کہ کنوئیں پر جمگھٹ ہے تو سب آ گئے اور یوسف کو دیکھ کر بولے یہ ہمارا غلام ہے۔ مالک نے کہا میرے ہاتھ فروخت کر دو۔ بھائیوں نے علیحدہ بلا کر یوسف کو کہا کہ اپنی غلامیت کا اقرار کرے۔ ورنہ ہم ان سے لے کر تجھ کو قتل کر دیں گے۔ پھر قافلے کے سردار سے مخاطب ہوئے۔ کہ اس میں تین عیب ہیں۔ ۱ چور ہے ۲ جھوٹا اور جھوٹے خواب بیان کرنے والا ۳ بھگوڑا ہے۔ مالک نے پوچھا اے لڑکے کیا تو واقعی غلام ہے۔ حضرت یوسف نے بھائیوں کے خوف سے کہا یہ سچے ہیں یہ میرے صاحب ہیں میں غلام ہوں اور مراد لیا اللہ کا عبد۔ تب مالک نے کہا ان عیبوں کے ساتھ تم غلام کو کتنے میں بیچو گے۔ اب بھائی حیرت میں پڑ گئے۔ کہ کیا مانگیں۔ خود مالک بولا کہ میرے پاس صرف یہ بتیس درہم کھوٹی یعنی ملاوٹی چاندی کے ہیں۔ حالانکہ اس کے پاس چار لاکھ دمشقی دینار تھے۔ یہ اس نے جھوٹ بولا تھا (امام غزالی) بھائیوں نے سوچا اگر انکار کرتے ہیں تو یوسف کو گھر لے جانا پڑے گا چونکہ مقصد تو یہاں سے دور کرنا ہے سودا کر لیا یوسف کو بیچ دیا۔ قافلے والوں نے اَسَرُّوۡهُ بِضَاعَةً قیمتی پونجی دولت سمجھ کر چھپا لیا۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چھپے ظاہر کو جانتا ہے۔ جو کچھ لوگ کرتے ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند سبق اور فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ ہر رونے والا سچا نہیں ہوتا۔ علما فرماتے ہیں کہ رونا چار قسم کا ہے ۱ گناہگار کا رونا۔ ۲ عاشق کا رونا ۳ جدائی کا رونا ۴ مکر کا رونا۔ یہی برادرانِ یوسف کا رونا تھا۔ یہ فائدہ یَبۡکُوۡنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** حاکم پر واجب ہے کہ مجرم کے سامنے ایسی بات نہ کرے جس سے مجرم کو اپنے بچنے کی دلیل یا بہانہ مل سکے۔ یعقوب علیہ السلام کے اَخَافُ اَنۡ یَّاۡکُلَهُ الذِّئۡبُ فرمانے سے برادرانِ یوسف کو یہ بہانہ تراشنے کا موقعہ مل گیا۔ یہ فائدہ فَاَكَلَهُ الذِّئۡبُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ یعقوب علیہ السلام اپنے غیب سے اسرارِ الٰہیہ جانتے تھے۔ اسی لیے تلاشِ یوسف کے لیے نہ نکلے۔ یہ فائدہ بل سولت سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ ایمان والوں کو خاص کر فی زمانہ اولیاء علماء کرام کو مصائب دنیا سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام باوجود نبی مکرم ہونے کے کتنے مصائب برداشت کر رہے ہیں۔ مگر اُف تک نہیں کرتے۔ یہ مصیبتیں نیکوں کے مدارج بڑھانے کے لیے ہوتی ہیں طریقہ قدرت یہ ہے۔ کہ ہر قیمتی چیز کو چھپایا جائے۔ چنانچہ باری تعالیٰ نے نو اعلیٰ اور قیمتی چیزوں کو نو گھٹیا چیزوں میں چھپایا ۱ موتی کو سیپی میں ۲ مشک کو نافے میں ۳ ریشم کو کیڑے میں ۴ شہد کو مکھی میں ۵ سونے چاندی کو پتھر میں ۶ ایمان کو قلبِ انسان میں ۷ علم کو دماغ انسانی میں ۸ یوسف علیہ السلام کو کنوئیں میں ۹ نبی کریم کو غار ثور میں۔ پس عقل والوں نے اندر کو دیکھا تو قدر کی بے عقلوں نے باہر کو دیکھا تو قدر نہ جانی اور کھوٹے داموں فروخت کر دیا۔ اسی

طرح رب نے پانچ چیزوں کو پانچ میں چھپایا والصلوٰۃ الوسطیٰ کو پانچ نمازوں میں ۲۔ مومنوں میں ولیوں کو ۳۔ ساعتوں میں قبولیت کی ساعت کو ۴۔ راتوں میں شب قدر کو ۵۔ اسموں میں اسم اعظم کو۔ یہ فائدہ اَسْتَبِقُ کے بضاعہ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ برادران یوسف نے والد محترم کے پاس آکر کہا نَسْتَبِقُ ہم بھاگ دوڑ کر رہے تھے۔ یہ کام تو بچوں کا ہے یہ جوان لوگ اس میں کیوں شامل ہوئے۔ **جواب**:۔ یہ بھاگ دوڑ بے فائدہ قسم کی نہیں ہے بلکہ شہ سواری گھڑ دوڑ کے ہے۔ کہ جنگل میں بھاگ دوڑ کا مقابلہ کرنا تجربے کیلئے تھے یا شکار کرتے ہیں وہ بھاگنے کی مشق۔ اور پھر بھاگنا سیر و تفریح میں داخل ہے اور سیر و تفریح جائز ہے صحت مندی کا سبب ہے اور ذریعہ ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ آپ کی تفسیر سے پتہ لگا۔ کہ حضرت یوسف نے بھائیوں سے ڈر کر خود کو غلام کہا۔ یہ سراسر جھوٹ ہے اسی کو تقیہ کہتے ہیں۔ لہٰذا یا تقیہ کو جائز مانو یا یوسف علیہ السلام کو جھوٹا مانو۔ **جواب**:۔ یہ تقیہ نہیں بلکہ توریہ ہے۔ تقیہ شرعاً حرام ہے اور توریہ شرعاً جائز ہے۔ حدیث پاک سے ثابت ہے۔ دونوں میں فرق ہے۔ توریہ یہ ہے کہ بات کچھ ہوتی ہے۔ اور اپنی جگہ صحیح ہوتی ہے۔ مگر سننے والا کچھ اور سمجھتا ہے۔ حضرت یوسف نے کہا یہ لوگ میرے صاحب ہیں یعنی ساتھی قافلے والے سمجھے صاحب کے معنی ہیں مالک یعنی آقا۔ پھر حضرت یوسف نے کہا میں عبد ہوں یعنی بندہ غلام ہوں۔ آپ نے مراد لیا اللہ کا بندہ، قافلے والے سمجھے ان لوگوں کا۔ تقیہ یہ ہے کہ بات ہی غلط کی جائے جان بچانے کے لیے۔ اگر یوسف علیہ السلام یہ کہتے کہ میں ان کا بندہ ہوں نسبت کر دیتے تو جھوٹ تھا اور تقیہ بن جاتا۔

تفسیر صوفیانہ اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ قَالُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ وَتَرَكْنَا يُوْسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صٰدِقِيْنَ ۔ طبیعت بشری آلۂ مکر و فریب ہے۔ بزمارِ شیطان طاؤس و رباب نفسانی ہے۔ جب یہ اپنی مراد کو پا لیتا ہے۔ تو رقت کے آنسو دکھاتا ہے اور بکاء و فغان کرتا ہے۔ لیکن اس کی غمگینی، رونا عبرت یا تلق۔ حزن یا پریشانی۔ تاسف یا ملال کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ دھوکے کی فرحت اور فریب کی کامیابی۔ عزت و جاہ و مرتبے اور حکومت ملنے کی طمع کی محبت میں قلب یوسف کو قالب ناسوتی کے غیابت الجب میں ڈال کر۔ عشاءِ آخرت کے وقت پدر روح کے مکر کا رونا روتے ہوئے جب دل ہلاکت میں پڑا ہوتا ہے تو اعضاء رئیسہ بھی مضمحل ہوتے ہیں یہاں تک کہ ذوق و شوق کی عبادت ان سے ختم ہو جاتی ہے۔ مرتے گرتے عبادت کرنا سستی کسل مندی کا ذکر قلب کی جدائی کی علامت ہے۔ لیکن ازل کے اعضاء خبیثہ بھی اور حواس ذمیمہ بھی بطور مکر درد فراق کی

آپس بھتے ہیں نفس بھی چیختا ہے۔ قوت متخیلہ اور واہمہ بھی روتی ہے مگر یہ فریب کی گریہ صرف روح غمگین کو
سنائی دیتی ہے۔ روح عشق کا غم اور تازہ ہوجاتا ہے۔ بولے اے ہمارے پدر روح ہم اپنے اعمالِ ذوقیہ
وشوقیہ میں مشغول ہوگئے۔ یوسفِ قلب کو اپنے متاعِ دنیوی میں چھوڑا دل اس میں غافل تھا کہ شیطانی
بھیڑیا حسد کا درندہ کھا گیا اور تو ہم سے مطمئن نہ ہوگا۔ اگرچہ ہم مقام صدق میں ہوں۔ روح کے قالب سے
ملنے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس وطی صحبت سے دو قوتیں پیدا ہوتی ہیں ۱ قوت قلب علوی ۲ قوت نفس
سفلی ان کی دلالت باطنی سے قویٰ اور حواس پیدا ہوتے ہیں۔ روح و قالب کا میلان ومحبت اور نزاع عالم
روحانیات کی طرف ہوتا ہے۔ اور نفس وحواس بدبختوں کا میلان ومحبت عالم حیوانیت کی طرف ہوتا ہے
قلب جتنی تیزی سے بلند پرواز کرتا ہے۔ نفس اتنی ہی تیزی سے نیچے کو گرتا ہے۔ پس جو روح انسانی قلب
کو نفس کے سپرد کردیتی ہے۔ نفس، بدن کا روح قالب پر غلبہ ہوجاتا ہے۔ اور نفس وحواس کی مکاریوں
پر صبر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں جیسم انبیاء کا یہی حال ہے اور اگر اندھیرے کنوئیں میں پڑے ہوئے
قلب کی تائیدِ غیبی ربانی سے ہوجائے اور عنایاتِ ازلیہ کی سبقت ہوجائے تو نفس، بدن روح وتعب
کا غلبہ ہوتا ہے۔ اور یہ اہل سعادت کا حال ہوتا ہے۔ وَجَاءُوا عَلَى قَمِيصِهِ بِدَمٍ كَذِبٍ قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنفُسُكُمْ
أَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللَّهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ ۔ بارگاہِ روح ربانی میں جب مکاران نفس وحواس
آئے تو انوارِ قلب کی قمیص پر جھوٹے دیدہ عشق کے زخموں کا جھوٹا خون محبت لگا کر لائے۔ روح الذات
نے فرمایا اے زخم محبت اور خون عشق کے جھوٹے دعویدارو تمہارے امر نفس امارہ نے تم کو راہِ سعادت اور
منزل خون ودرد سے غلایا اور تمہارے لیئے رذالت وخباثت کے راہ کو چمکایا۔ راہ الست کے مستوں کے لیئے
صبرِ جمیل ہے کردہ ظاہراً جفاء جلال کی صورت میں ہیں۔ مگر باطن میں دریائے انعام صبر واحتمال کے زیوروں
سے مزین ہیں۔ حواس کے دام تزویر کے مقابل اللہ ہی سے مدد لی جاتی ہے کیونکہ صبر جمیل بھی اسی کی
توفیق سے آتا ہے۔ جو حیلے مکر اور کذب تم بناتے ہو۔ اس پر میرا اللہ مدد دینے والا ہے جس طرح
آبِ حیات بحرِ ظلمات میں ملتا ہے۔ اسی طرح ظلماتِ بشریت میں حیات قلبی کا چراغ روشن ہوتا ہے
اور اس چراغ میں صبر جمیل کا تیل ہوتا ہے۔ وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ فَأَدْلَىٰ دَلْوَهُ قَالَ يَا بُشْرَىٰ هَٰذَا غُلَامٌ
وَأَسَرُّوهُ بِضَاعَةً وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ۔ جب عدم کے مکانوں سے فنا کے مکین نکلے اور مواعِ
قدرت کے تماشے آئے۔ صحرائے کبریائی میں ٹھہرے۔ دنیوی کنوئیں میں ہمت عمل کے ڈول ڈالے۔ ازلی
تنوئیں کے مطلع منیر پر مشاہدے کا سورج چمکا تو آوازِ عشق بجودی سے پکار کر خوشخبری ہو تشار سے
مراد مل گیا۔ سبحے مکاشفات و معارف کی پونجی ملی۔ اہل سعادت نے اسی کو پاکر بشارت انوار پائی۔ لیکن

اشقیاء بدبخت نے اس قدر عزت اور جمال ذات انمول موتی کی قدر نہ جانی اور حواس بے عقل نے یوسف قلب کو اسی قافلۂ معارف کے ہاتھوں جوہری جوہر شناس کے لیے اس کی جھوٹی لالچ اور اعمال فضولیہ کے بدلے فروخت کر دیا۔ اور اللہ جل شانہ قالب وحواس کے سارے اعمال کو جاننے والا ہے۔ مبیشہ سے ہمیشہ تک (عرائس۔ روح البیان)

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا

اور سب بھائیوں نے بیچ دیا اس کو بدلے قیمت حقیر درہم چند اور تھے

اور بھائیوں نے اسے کھوٹے داموں گنتی کے روپوں پر بیچ ڈالا اور انہیں اس

ع فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَالَ الَّذِى اشْتَرٰىهُ

وہ میں اس سے نہ محبت رکھنے والوں اور کہا اُسنے جس نے خریدا اس کو سے

میں کچھ رغبت نہ تھی اور مصر کے جس شخص نے خریدا وہ

مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِىْ مَثْوٰىهُ عَسٰۤى اَنْ يَّنْفَعَنَاۤ

مصر کو۔ بیوی اپنی شفقت سے بنا اس کی رہائش عنقریب ہے یہ کہ فائدہ

اپنی عورت سے بولا انہیں عزت سے رکھو شاید ان سے ہمیں نفع پہنچے

اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا ؕ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ

دے یہ ہم کو یا بنالیں ہم اسکو بیٹا اور اسی طرح مضبوط سکونت دی ہم نے کو یوسف بیں

یا ان کو ہم بیٹا بنالیں گے اور اسی طرح ہم نے یوسف کو اس زمین میں جماؤ

وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ؕ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى

زمین اور تاکہ سکھائیں ہم اس کو سے تعبیر خوابوں کی اور اللہ غالب ہے پر

دیا اور اس لیے کہ اسے باتوں کا انجام نکالنا سکھائیں اور اللہ اپنے کام پر

اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ

امراپنے کے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اور جب کر پہنچے یوسف جوانی کو

غالب ہے مگر اکثر آدمی نہیں جانتے اور جب اپنی پوری قوت کو

اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾

اچھی دیا ہم نے ان کو قانون اور علم اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم. نیک لوگوں کو

پہنچا ہم نے اسے حکم اور علم عطا فرمایا اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں بھائیوں کے چند وہ فریب ذکر ہوئے جو انہوں نے اپنے والد سے کئے۔ اب یہاں ان بھائیوں کے اس جھوٹ وفریب کا ذکر ہے۔ جو انہوں نے قافلے والوں سے کیا کہ حضرت یوسف کو بھگوڑہ غلام ظاہر کیا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں بھائیوں کی بھائی سے دشمنی کی اس نوعیت کا ذکر ہوا تھا جس میں وہ اپنی طرف سے مار مکا چکے تھے۔ اب یہاں بھائی کو بیچ کھانے کا ذکر کیا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کو ان کے حقیقی قریبی رشتے داروں کے ہلاک کر ڈالنے کے منصوبے اور اس کو عملی جامہ پہنانے کی بابت ذکر تھا۔ اب یہاں کرشمۂ قدرت سے اللہ کریم کے کرم ورحم سے بچا لیے جانے اور عظیم ترین انعامات دیئے جانے کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی محنت و مشقت وتکالیف کا ذکر اور شفقتِ والدِ پاک۔ وطن۔ دوستوں۔ ساتھیوں اور چھوٹے بھائیوں سے جدائی کا دردناک واقعہ اور بھائیوں کے ہاتھوں کھوٹی پونجی میں بکنے کا واقعہ ذکر ہوا تھا۔ اب یہاں اصل مقام پر پہنچنے اور دوسری بار بکنے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ وَّكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ ۔ واو سر جملہ۔ شروا باب ضرب ماضی بصیغۂ جمع مذکر غائب شری سے بنا ہے۔ شری کے معنی ہیں ایک چیز کے بدلے دوسری چیز۔ خواہ قیمت کے بدلے چیز خواہ چیز کے بدلے قیمت۔ پہلی صورت میں بمعنی خریدنا اور دوسری صورت میں بیچنا۔ یہاں اگر فاعل کی ضمیر ہم کا مرجع اخوۃ یوسف ہے تب بمعنی بیع ہے۔ اور اگر مرجع سیارۃ ہے۔ تب بمعنی اشتری ہے۔ ہٗ ضمیر کا مرجع غلام ہے بحالت زیر مفعول بہ ہے با عوض کی ثمنٍ اسم یا مصدر ہے۔ شرعاً بازاری قیمت کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد مطلقاً بدلہ یعنی عوض ہے۔ بخس۔ صفت ہے ثمن کی۔ بخس کا لغوی ترجمہ ہے۔ حقیر۔ خواہ دینی حقیر

یعنی درہم خواہ دنیوی حقیر یعنی کھوٹے دَرَاھِمَ جمع منتھی الجموع ہے درہم کی غیر منصرف ہے بحالت زبر تمییز ہے ثمین بخس کی یا بدل کُل ہے اس کا معدودۃ اسم مفعول مؤنث عَدٌّ سے بنا بمعنی چند۔ واؤ سببیہ ہے۔ کَانُوا فعل ناقص ماضی بعید کے معنی ہیں۔ فی ظرفیہ ہٗ ضمیر واحد کا مرجع یوسف ہے۔ مِنْ بعضیت اَلزَّاھِدِیْنَ۔ الف لام استغراقی زاہدین اسم جمع ہے زاہد کی زہد سے بنا۔ بمعنی بے رغبتی کرنا۔ یا نفرت کرنا۔ وَقَالَ الَّذِی اشْتَرٰىهُ مِنْ مِّصْرَ لِامْرَاَتِهٖۤ اَكْرِمِیْ مَثْوٰىهُ۔ واؤ سر جملہ قَالَ فعل کا فاعل اَلَّذِی اسم موصول ہے۔ اشترا فعل ماضی باب افتعال شریٰ سے بنا۔ بمعنی خریدنا۔ ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ مِن بمعنی فی ظرفیہ مصر علاقہ و شہر کا نام ہے۔ منظروف ہے۔ لام جارہ بمعنی مفعولیت اِمْرَءَۃٌ لغتاً عورت کو کہتے ہیں واحد اس کی جمع کوئی نہیں تثنیہ ہو جاتا ہے۔ یہاں مراد بیوی ہے۔ ہٖ کا مرجع اَلَّذِی ہے۔ اَکْرِمِیْ فعل امر حاضر معروف واحد مؤنث کا صیغہ باب افعال سے ہے۔ کرم سے بنا۔ تین معنی میں مشترک ہے ۱۔ معزز یعنی جلیل القدر ۲۔ خوشگوار ۳۔ نفع بخش یہاں بمعنی خوشگوار ہے۔ مَثْوٰی اسم ظرف ہے ثویٰ سے بنا بمعنی ٹھہرنا۔ گھر بنانا۔ پہلے معنی میں لازم ہے دوسری میں متعدی بنفسہٖ یہاں ظرفی معنی ہے یعنی رہائش کی جگہ بحالت زبر ہے۔ ہٗ کا مرجع یوسف۔ عَسٰۤى اَنْ یَّنْفَعَنَاۤ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ عسیٰ فعل مقاربہ بمعنی مستقبل۔ اَن ناصبہ یہ جملہ فاعل ہے عسیٰ کا۔ یَنْفَعُ مضارع مستقبل اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع یوسف ہیں۔ نا ضمیر مفعول بہ اَوْ حرف عطف اباحت تخییر کے لیے نَتَّخِذُ مضارع بصیغہ جمع متکلم۔ اِتِّخَاذٌ سے بنا بمعنی پکڑنا۔ بنانا۔ لگانا۔ یہاں معنی بنانا۔ اَخْذٌ مادہ مہموز اللام ہٗ کا مرجع یوسف ہیں۔ متعدی بدو مفعول ہے ہٗ ضمیر مفعول اوّل۔ وَلَدًا مفعول دوم۔ لغت میں وَلَدٌ اپنے نطفے کے بیٹے کو کہتے ہیں۔ اور اصطلاح میں ہر نابالغ بچے کو کہتے ہیں۔ یہاں بمعنی متبنّٰی ہے۔ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِیُوْسُفَ فِی الْاَرْضِ٘ وَ لِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ۔ یہ جملہ معترضہ ہے واؤ سر جملہ کَذٰلِکَ حرف تشبیہ۔ مَكَّنَّا فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم۔ باب تفعیل تَمَکُّنٌ سے بنا بمعنی قدرت دینا۔ مضبوط کرنا محفوظ کرنا۔ یہاں تمام معنی بن سکتے ہیں۔ لام مفعولیت کا ہے یا زائدہ ہے۔ لفظ یوسف بحالت جر غیر منصرف ہے فی ظرفیہ اَلْاَرْضِ الف لام عہد خارجی ارض بمعنی علاقہ مصر ہے۔ واؤ عاطفہ جمع کے لیے لام تاکیدی وصل ہے۔ نُعَلِّمُ مضارع جمع متکلم تعلیمٌ سے بنا بمعنی سکھانا۔ پڑھانا۔ بتانا۔ علمٌ مادہ ہے۔ مِنْ بعضیت کا ہے۔ تاویل باب تفعیل کا مصدر اَوْلٌ سے بنا بمعنی تعبیر خواب۔ اَلْاَحَادِیْثُ۔ الف لام استغراقی ہے۔ احادیث جمع ہے حدیث کی یا حادث کی وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ واؤ سر جملہ۔ لفظ اللہ بحالت رفع مبتدا ہے۔ غَالِبٌ اسم فاعل نکرہ ہے۔ تنوین تعظیم کی ہے۔ غَلَبٌ سے بنا بمعنی شکست دینا۔ فتح پانا۔ کسی کو زیر کرنا ۲۔ اپنے کام میں سہولت پانا ۳۔ کوئی مقابلہ نہ کر سکے ۴۔ کوئی روک نہ سکے۔ یہاں معنی مناسب ہیں۔ یہ جملہ اسمیہ خبر مبتدا ہے عَلٰی جارہ اپنے معنی میں یا بمعنی فی ظرفیہ امر سے مراد افعال باری تعالیٰ یا ارادہ۔ واؤ حالیہ لٰکِنَّ حرف استدراک مشبہ بالفعل

اَکثر۔ اسم اکثر ہے الناس مضاف الیہ بحالت زیر۔ الف لام جنسی ہے لَا یَعْلَمُوْنَ۔ مضارع منفی بمعنی حال
وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ۔ واؤ ابتدائیہ لما حرف ظرفیہ مشابہ شرط۔ بَلَغَ
فعل ماضی بلوغ سے بنا بمعنی انتہا کو پہنچنا دم حاصل کرنا یا پانا۔ عمدہ ہونا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔
لہذا لازم ہے۔ اَشُدَّ۔ جمع ہے شدۃ کی جیسے نعمت کی جمع ہے انعم۔ شدۃ سے بنا بمعنی سختی پانا۔ مضبوط
ہونا۔ ہ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ مفعول بہ ہے۔ اٰتَیْنٰا۔ فعل ماضی بعید جمع متکلم اتی سے بنا بمعنی دینا۔ ہ
ضمیر غائب کا مرجع یوسف ہیں۔ حُکْمًا۔ بروزن فعلًا بمعنی حکومت یا بمعنی حکمت۔ بحالت زبر مفعول بہ ہے
واؤ عاطفہ عِلْمًا معطوف ہے مراد دینی و دنیوی علم یا مراد نبوت ہے۔ واؤ مستانفہ کذالک حرف تشبیہ نَجْزِی فعل
جمع متکلم فصاحت کے لیے جزی سے بنا ہے۔ یعنی بدلہ دینا یہاں مراد ہے کرم کرنا۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ۔ الف لام
استغراقی ہے۔ مُحْسِن کی جمع حُسن سے بنا۔ یعنی خوبصورت۔ یہاں خوبصورت اعمال ہیں۔ یعنی نیکیاں
کرنے والا مراد ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۢ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُوْدَةٍ ۚ وَكَانُوْا فِيْهِ مِنَ الزَّاهِدِيْنَ۔ قافلے کے سردار مالک نے اور اس کے نوکروں نے تو یوسف کو چھپا لیا تاکہ کوئی اور قافلے کا مسافر حصہ داری کا دعویٰ نہ کرے۔ مگر بھائی دوڑے آئے انہوں نے کہا کہ ہمارے غلام کو واپس کر دو اور اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو خرید لو۔ یوسف علیہ السلام سب کچھ سن رہے تھے۔ مگر خاموش تین دن کی بھوک پیاس اور کنوئیں کی ٹھنڈک کی وجہ سے کانپ رہے تھے۔ بھائیوں نے پوچھا اے یوسف تم نے کنوئیں میں تین دن کیسے گزارے اور کیسے نجات پائی۔ یوسف نے فرمایا ایک ایسے کلمے کی وجہ سے جو ایمان کے دل میں اگا ہے اور ہمیشہ تروتازہ ہے۔ جس نے اپنوں کو رلایا ہے جس نے زندہ بھی کیا ہے۔ اور ہلاک بھی۔ جس نے لوگوں کو جمع بھی کیا ہے اور متفرق بھی، جس نے آزادی بھی دی ہے اور قید بھی۔ بے چینی بھی دی ہے اور انسیت بھی۔ تندرست بھی کیا ہے بیمار بھی۔ جس نے اسرار کو چھپایا بھی ہے اور ظاہر بھی۔ وہ ایسا کلمہ ہے کہ جس نے اسے سنا وہ اس کا عاشق ہو گیا۔ اور جسے عشق ہوا اس نے مخالفت نہ کی۔ بھائیوں نے التجا کی وہ کلمہ ہمیں بھی بتا دے فرمایا وہ کلمہ ہے۔ اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ یہ کلمہ زبان عبرانی توریت میں لکھا ہوا ہے (امام غزالی)
خریدار خریدنے کے لیے تیار ہوا اور بھائیوں نے گھٹیا قیمت میں اس یوسف کو بیچ دیا۔ یا چند گنے ہوئے درہموں سے جو چالیس سے کم تھے کیونکہ چالیس درہم اس زمانے میں تولے جاتے تھے اس سے کم گنے جاتے تھے اس لئے رب تعالیٰ نے معدود یعنی گنے ہوئے فرمایا۔ بعض نے کہا بیس تھے، بعض نے کہا چودہ، بعض نے کہا دس تھے بعض نے کہا سات تھے۔ موتی کی قیمت جوہری جانتا ہے۔ اور یوسف کی قیمت زلیخا ہی جانتی ہے۔ دیدار محمد مصطفیٰ

کی قیمت صدیق ہی جانتے ہیں ۔ روایت میں ہے کہ اللہ تعالٰی نے تین ذاتوں کو تین سے چھپایا اور تین کو دکھایا ۔ ۴۰
۱؎ اپنی ذات کو مخلوق سے چھپایا، محمد رسول اللہ کو دکھایا ۔ پس سوائے نبی پاک کے خدا کو کسی نے نہ پہچانا ۔ اسی
لیے حبیب خدا ہوئے ۲؎ حقیقت محمدیہ کو تمام امت سے چھپایا ابوبکر کو دکھایا تو آپ ہی نے رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانا ۔ لہٰذا آپ ہی یار غار ہوئے ۳؎ حضرت موسٰی کو سوائے یوشع بن نون کے کسی نے نہ
دیکھا ۴؎ حضرت عیسٰی کو سوائے شمعون بن فارسیہ کے کسی نے نہیں پہچانا اور وہی اُن کے سچے ساتھی بنے ۔ یہ جمال ظاہر کا
تھا ۔ جو لوگوں نے دیکھا کہ اس کو کوئی خطرہ نہیں رب کی امانت تو جمال باطنی ہے جسکو چھپایا جاتا ہے ۔ ۵؎ یوسف
علیہ السلام کو بھائیوں نے چھپایا اور زلیخا کو دکھایا ۔ تو وہی قریب جمال ہوئی ۔ بجز والد محترم اور زلیخا کے کسی نے یوسف کو
نہ پہچانا ۔ اگر پہچان لیتے تو نہ بیچنے والے بیچتے ، نہ خریدنے والے کی ہمت خریدنے کی ۔ یہ بھی اس لیے فرمایا گیا کہ وہ بھائی
اس یوسف کے بارے میں بے رغبت ۔ ان کو یوسف سے کوئی محبت نہ تھی ۔ کھوٹے درہم برابر بھی نہیں ۔ خریدار
نے غلام لے کر درہم دے کر کہا کہ ایک پرچے پر خرید و فروخت کی دستاویز لکھ دو ۔ تاکہ نہ تم بعد میں کچھ دعویٰ کر
سکو نہ یہ غلام ہم پر جرم لگا سکے نہ بھاگ سکے ۔ بھائیوں نے دستاویز لکھ کر کہا کہ اس بھگوڑے غلام کی احتیاط
کرنا کہیں بھاگ نہ جائے ۔ یہ کہہ کر بھائی واپس ہوئے تب حضرت یوسف غم سے نڈھال ہو کر روئے قافلے
والوں کو تعجب ہوا کہ بھگوڑا غلام آقا کی جدائی سے رویا نہیں کرتا یہ کیونکر روتا ہے ۔ مالک نے پکارا اے غلام
فرمایا لبیک بولا میرے قریب آ ۔ قریب گئے تو اس نے بھائیوں کے کہنے کے مطابق بہت پرانی صوف کا کرتہ پہنا
دیا اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیں ہاتھ پیچھے باندھ دیئے ۔ یوسف علیہ السلام نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا تو دور منگر
سب بھائی کھڑے تھے ۔ آپ نے مالک سے کہا کہ اگر اجازت دے تو اپنے صاحبوں سے آخری ملاقات کر
لوں ۔ مالک نے اجازت دی ۔ جب یوسف قریب گئے تو بھائی صف باندھ کر کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں یوسف
کیا کہتا ہے ۔ یوسف کو اسی حالت میں دیکھ کر سب رونے لگے ۔ یوسف نے فرمایا اے بھائیو! خدا تم پر رحم
کرے اگرچہ تم نے مجھ پر رحم نہ کیا ۔ خدا تم کو عزت دے اگرچہ تم نے مجھ کو ذلیل کیا اور اس مصیبت میں پہنچایا ۔
خداوند کریم تمہاری مدد کرے اگرچہ تم نے میری مدد نہ کی ۔ خدا تعالٰی تمہاری حفاظت کرے اگرچہ تم نے مجھ کو بیچ دیا ۔
بھائیوں نے روتے ہوئے کہا اے یوسف ہم شرمندہ ہیں ۔ اگر ہم کو باپ سے کسی بات کا خوف نہ ہوتا
یا ہم نے دستاویز لکھ کر دی نہ ہوتی ۔ تو ضرور تجھ کو چھڑا کر باعزت باپ کے پاس لے جاتے ۔ حضرت یوسف ابھی
کھڑے رو ہی رہے تھے کہ مالک کا نوکر آیا اور یوسف کو اٹھا کر لے گیا ۔ کیونکہ آپ چل نہ سکتے تھے ۔ بیڑیاں
بڑی موٹی تھیں عصر کے وقت قافلہ چل پڑا ۔ مالک بن ذعر نے بعض نے کہا دعر دال نے ۔ اپنے غلام ملیح حبشی کے
سپرد کر دیا ۔ ملیح نے کہا اے آقا کیا وہی غلام ہے ۔ بس کا تم نے خواب دیکھا تھا ۔ مالک نے کہا یہ وہ نہیں معلوم

ہوتا کیونکہ اس کی کوئی شان ظاہری نہیں۔ معبّر نے تو بہت شان بیان کی تھی۔ قافلہ رات بھر چلتا رہا۔ یوسف کو ہاتھ پیر باندھ کر ایک اونٹ پر بٹھایا ہوا تھا۔ راستے میں جب والدہ کی قبر آئی اور یوسف کی نگاہ پڑی چاندنی رات تھی۔ یوسف نے خود کو گرا دیا۔ اور والدہ کی قبر سے لپٹ کر عرض کیا یا اُمّی بھائیوں نے مجھے والد سے جدا کر دیا مجھے گرمی میں گھسیٹا۔ مجھے طمانچے مارے۔ اور میرے قتل کا ارادہ کیا۔ میرا کرتہ اتار کر رسی سے باندھ دیا۔ اور بیابان کنوئیں میں ڈالا۔ میرے پیٹ کو پاؤں سے روندا۔ مجھے ٹھنڈے پانی سے پیاسا رکھا مجھے بھوکا رکھا میرے نازک ہاتھوں کو مروڑا۔ اے میری پیاری ماں اگر تم میری حالت کو دیکھتیں تو تڑپ کر مجھے چھڑا لیتیں۔ اے امی اٹھو دیکھو میں کس حال میں پڑا ہوں مجھے میرے بھائیوں نے غلام بنا کر بیچ دیا۔ مجھے ان کے کپڑے پہنائے مجھے بیڑیوں میں باندھا۔ میرے نازک اور کمزور کلائیوں کو مضبوط رسیوں سے باندھا میں ابھی تک بھوکا ہوں پیاسا ہوں کسی نے ابھی تک مجھ کو کھانا نہیں کھلایا۔ اے میری امی اٹھو میرے ہاتھ کھول دو مجھے درد ہو رہا ہے۔ یہ دردناک فریاد سنکر قبر کانپی اور قبر سے آواز آئی یا قرۃ عینای یا ولداہ وا ثمرۃ فؤاداہ اصبر فصبرک مع اللہ اے آنکھوں کی ٹھنڈک، اے بچے اے دل کے ٹکڑے صبر کر اور تیرا صبر اللہ پر ہے۔ حضرت یوسف یہ سنکر سجدۂ شکر بجا لائے۔ جب فارغ ہوئے تو قافلے کی طرف چل پڑے۔ جو کچھ دور جا کر ٹھہر گیا تھا۔ ملیح نے آواز دی عبرانی غلام بھاگ گیا، قافلہ رک گیا۔ اور ملیح تلاش میں دوڑا کچھ دور اپنی طرف یوسف کو آتے دیکھا تو پکڑ لیا اور طمانچے مارنے لگا اور گرا کر پاؤں پکڑ کر گھسیٹنے لگا اور کہنے لگا کہ تیرے مالکوں نے سچ کہا تھا کہ تو چور اور بھگوڑا ہے۔ حضرت یوسف نے فرمایا کہ مجھ کو مت مار میں بھاگا نہیں میں تو قافلے کی طرف ہی جا رہا تھا جیسا کہ تو نے مجھ کو دیکھا میں مظلوم بچہ۔ راستہ میں والدہ کی قبر تھی۔ میں بے اختیار ہو گیا۔ خود کو قبر پر گرا دیا۔ اور فریادیں کرتا رہا۔ اسی گفتگو میں قافلہ آ گیا۔ حبشی غلام ابھی تک ظلم ڈھا رہا تھا۔ اپنے آقا مالک بن ذعر کو خوش کرنے کے لیے۔ مگر حضرت یوسف بھوکے پیاسے صبر کی تصویر بنے خاموش تھے دوبارہ اونٹ پر بٹھایا۔ قافلہ روانہ ہوا اچانک ایک بادل سیاہ آیا۔ اس سے موٹے موٹے اولے پڑنے شروع ہوئے قافلے میں بھگدڑ پڑ گئی سب پریشان ہوئے انسان اور جانور زخمی ہونے لگے۔ تب سردار قافلہ مالک نے منادی کی کہ اے لوگو اگر کسی نے کوئی گناہ کیا ہے تو ہلاکت سے پہلے توبہ کرے ورنہ سب ہلاک ہو جائیں گے۔ ملیح نے کہا گناہ مجھ ہوا ہے کہ میں نے عبرانی غلام کو مارا اور زمین پر گھسیٹا ہے جب کہ اس نے کہا بھی تھا کہ میں مظلوم ہوں۔ مالک دوڑتا ہوا حاضر بارگاہ ہوا اور عرض کیا۔ ملیح غلام کی خطا معاف کر دے اور دعا کرے کہ یہ عذاب الٰہی دور کر دے۔ حضرت یوسف نے بارگاہ ایزدی میں دعا کی فوراً اولے بند ہو گئے۔ وقت صبح کا تھا۔ بادل ختم ہوا آفتاب نکل آیا اب مالک کو پتہ لگا کہ غالباً یہ وہی غلام ہے جس کی میں نے خواب دیکھی تھی۔ فوراً حضرت یوسف کی

بیڑیاں کھولیں ہاتھ سے رسی کھولی اور ان کا کرتہ اتار کر عمدہ لباس پہنایا اور قافلہ روانہ ہوا یہاں تک کہ شہر بیسان میں آیا۔ یہ شہر دومتی سے بنیتیں میل دور مصر کی شاہراہ پر ہے۔ اس کو بیت ایل بھی کہتے ہیں۔ آج حسن یوسفی مثل چڑھتے سورج کے ہے۔ یہاں کے لوگوں نے جب قافلے کے اگلے اونٹ پر یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو حسن یوسفی سے حیران رہ گئے۔ یہ مصوروں اور بت تراشوں کا شہر تھا بہت سوں نے آپ کے فوٹو اور بت بنائے اور پوجنے لگے۔ تاریخ میں ہے کہ ہزار سال تک یوسف کے بت کی پوجا ہوئی۔ تین دن قافلے کا یہاں قیام رہا۔ یہیں آپ نے پہلا کھانا کھایا۔ پس یہاں سے روانگی ہوئی تو دوسرے شہر تابلستان میں پہنچے جس کو آجکل بیر شبیع کہتے ہیں۔ یہ ۵۰ میل دور تھا۔ بیسان سے یہاں کے سب لوگ بت پرست تھے۔ مگر شکلِ یوسفی کو دیکھ کر حیران ہوئے اور پوچھا اے انسان تجھ کو کس نے پیدا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ وحدہٗ لاشریک نے سب بولے جس نے تجھ کو پیدا کیا ہم اس پر ایمان لائے۔ اس گاؤں کے چار ہزار لوگوں نے حضرت یوسف کے سامنے اسلام قبول کیا۔ اور بت توڑ دیئے۔ حضرت یوسف نے ان کو تعلیم عبادت فرمائی ہزار سال تک یہ لوگ یوسف علیہ السلام کی امت بن کر عبادتِ خدا میں مشغول رہے۔ شانِ قدرت تو دیکھو کہ شکل یوسفی ایک مگر دیکھنے والی نگاہیں مختلف۔ کوئی دیکھ کر کافر ہوا کوئی دیکھ کر مومن صحابی۔ اہلِ تحقیق فرماتے ہیں۔ نگاہیں بیس قسم کی ہیں (۱) نگاہِ محبت (۲) نگاہِ عشق (۳) نگاہِ عبرت (۴) نگاہِ شہوت (۵) نگاہِ الفت (۶) نگاہِ شفقت (۷) نگاہِ غضب (۸) نگاہِ قہر (۹) نگاہِ ظلم (۱۰) نگاہِ مظلومیت (۱۱) نگاہِ ذکر (۱۲) نگاہِ مکر (۱۳) نگاہِ ایمانی (۱۴) نگاہِ طغیانی (۱۵) نگاہِ عقل (۱۶) نگاہِ قلبی (۱۷) نگاہِ جنون (۱۸) نگاہِ بد (۱۹) نگاہِ ظاہری (۲۰) نگاہِ باطنی۔ بیسان والوں نے نگاہِ طغیانی سے دیکھا۔ کافر ہوئے تابلستان والوں نے نگاہِ ایمان سے دیکھا مومن ہو گئے بھائیوں نے نگاہِ غضب سے خریداروں نے نگاہِ عقل سے حضرتِ یعقوب نے نگاہِ شفقت سے دیکھا۔ زلیخا نے پہلے نگاہِ باطنی سے دیکھا پھر مختلف وقتوں میں مختلف نگاہوں سے دیکھا۔ زنانِ مصر نے نگاہِ عبرت سے دیکھا۔ یوسف ایک ہے۔ دیکھنے والی نگاہیں مختلف۔ یہاں بھی یہ قافلہ تین دن ٹھہرا یہاں سے شہر قدس کو چلا یہ شہر ۸۰ میل دور ہے تابلستان سے اس کا نام حبشی بھی ہے۔ یہاں سے مصر کا پہلا شہر بلبیس پچاس میل ہے تفسیر سجستانی میں لکھا ہے کہ شہر کے بادشاہ کو خواب دکھایا گیا کہ تیرے شہر میں خلق میں بہتر ایک شخص آ رہا ہے تو اس کا استقبال کر۔ امیر نے بیدار ہو کر دعوت اور استقبال کا انتظام کیا۔ جب قافلہ آیا تو امیر شہر نے کچھ لوگوں کے ساتھ استقبال کیا اور دعوت کی اس عزت افزائی سے مالک بن دعر حیران ہوا کہ میں کئی دفعہ اس شہر میں آیا ہوں مگر اتنی عزت کبھی نہ ہوئی۔ ہو نہ ہو یہ عزت اس عبرانی غلام کی وجہ سے ہو رہی ہے۔ ادھر امیرِ شہر شکلِ پاک دیکھ کر ہی سمجھ گیا تھا کہ بہترین یہی ہستی ہے مگر ظاہر کرنے کی اجازت نہیں۔ ایک قول ہے کہ حضرت یوسف نے پہلا کھانا نو دن کے بعد یہیں کھایا۔ بادشاہ نے سب کو

مختلف کھانا کھلایا مگر آپ کو دودھ چاول کھلایا۔ گویا یہ کھانا بحکم ربی تھا کیونکہ یہ آپ کا زمانۂ چلّہ تھا اور چلّہ میں صوفیا یہی کھانا کھاتے ہیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم بھی غارِ حرا میں آٹھ یا نو دن کا روزہ رکھا کرتے تھے۔ امیر نے عیلی ٰ میں یوسف علیہ السلام سے پوچھا تم کون ہو؟ آپ نے فرمایا میں وہ ہوں جس کا تجھ کو استقبال اور دعوت کا حکم ہوا ہے۔ وہ حیران ہوا کہ تم کو میرے خواب کا کس نے بتایا؟ آپ نے فرمایا میرے رب نے جس نے تجھ کو میری خبر دی۔ اس نے عرض کی مجھ کو کچھ نصیحت اور حکم فرماؤ آپ نے فرمایا تو بھی مسلمان ہو جا اور سارے شہر کے بت خانے توڑ دے وہ مسلمان اور صحابی یوسف علیہ السلام ہوا اور سب بت خانے تڑوا دیئے۔ جب حضرت یوسف امیر کے گھر میں داخل ہوئے تو امیر کے عورسی بت نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا۔ اور گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ یہ سب کچھ ہوا مگر مالک بن ذعر اور قافلے والوں کی عقل میں کچھ نہ آیا کیونکہ رب نے ان کی عقلوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ یہاں بھی تین دن قیام ہوا۔ یہاں سے قافلہ روانہ ہو کر شہر عسقلان میں پہنچا وہاں کے بادشاہ کو کسی طرح اطلاع پہنچی کہ ایک بہت خوبصورت غلام مصر میں بکنے کے لیے جا رہا ہے۔ اس نے دل میں خیال کیا کہ میں جبراً قافلے والوں سے اس کو چھین لوں گا۔ اس ارادہ سے ایک ہزار سپاہی لے کر شہر کے دروازے پر آیا مگر سپاہیوں کو صرف یہ بتلایا کہ شہر کا دورہ کرتا ہے۔ جب وہ دروازے پر آیا تو حسن یوسفی کی تاب نہ لا کر بیہوش ہو گیا۔ لشکریوں کو اس کی فکر لگ گئی۔ اور قافلہ شہر میں داخل ہو گیا تین دن ٹھہرا اور مصر کو چلا گیا۔ یہ بادشاہ نگاہ یوسف کی لذت سے تین دن بیہوش رہا۔ قافلہ یہاں سے شہر عریش پہنچا وہاں دو دن ٹھہرا پھر دریائے نیل کے کنارے وہاں مالک بن ذعر نے جن غلاموں کو فروخت کرنا تھا ان کو غسل کرایا۔ کپڑے پہنائے۔ سب سے آخر میں حضرت یوسف کو بہترین لباس پہنایا سر پر موتیوں کا تاج رکھا۔ آج حسن یوسفی کی آب و تاب ایسی تھی کہ مالک بن ذعر کو بھی دیکھنے کی تاب نہیں مغلوب ہو کر نظروں میں جھکا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ بازار مصر میں دوسری صبح کے وقت تک عجیب آب و تاب سے حسن جہاں تاب جلوہ افروز ہوا مصر میں پہلے ہی شہرت ہو چکی تھی کہ عظیم غلام بکنے کے لیے آیا۔ مالک بن ذعر مسرور تھا کہ آج اس کے نام کے ڈنکے مصر کے گلی کوچوں میں بج رہے ہیں۔ دیکھنے والا وہ ہو جس نے پچاس سال اس غلام کا انتظار کیا ہو بکنے والا شہنشاہِ حسن ہو تو خریدار کیسا ہوگا۔ کس کی ہمت ہے جو قیمت لگائے۔ سودا یوسف کا ہونا ہے قسمت مالک کی کھلی ہے۔ جب یوسف علیہ السلام کی آمد مصر میں ہوئی تو پتہ نہ سے چھپانے لگے لوگوں کو قدرتی اتنی خوشی ہوئی کہ اس رات خوشی میں کسی نے نہ کھایا نہ پیا۔ صبح کے وقت سب لوگ مالک کے دروازے پر آ گئے۔ لاکھوں آدمیوں کا ہجوم دیکھ کر اپنے گھر کی چھت پر چڑھا اور بولا کہ اے لوگو تم کیا چاہتے ہو سب نے کہا جو غلام تو لایا ہے وہ ہم کو دکھا دے صرف ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں۔ مالک نے جواباً کہا کہ اس میں کیا خوبی ہے جس کی وجہ سے تم اتنے مشتاق ہو گئے وہ تو بالکل تم جیسا بشر ہے۔ کیونکہ مالک کافر تھا۔ ابھی تک اس پر کفر کے پردے تھے۔ اس لیے وہ یوسف کو اپنے جیسا بشر ہی کہتا رہا۔ کیونکہ کفار کی ہمیشہ سے عادت ہے کہ نبی کو اپنے جیسا ہی سمجھتے ہیں۔ لیکن نگاہ بول

قالوا

جان جاتے ہیں کہ نبی بے مثل ہوتا ہے۔ مالک کو یوسف کی تنہا خوانی پسند نہ آئی، اس کو کسی مشیر نے یہ مشورہ دیا کہ غلام کے دیدار کو روکنے کے لیے اور جھگڑے کو مٹانے کے لیے غلام کو دیکھنے پر ایک دینار فی آدمی مقرر کر دو۔ پھر کوئی بھی مفلس دیدار نہ کرے گا۔ مالک نے اس ارادہ سے اعلان کر دیا کہ فی کس ایک دینار ٹکٹ لگے گا ہجوم نے کہا ارے احمق تو دروازہ تو کھول تو نے بہت تھوڑا ٹکٹ لگایا ہے۔ اس وقت کے ایک دینار کی دو سو درہم قیمت تھی جبکہ اس نے بیس کھوٹے درہم میں یوسف کو خریدا تھا۔ ابھی یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ چھ لاکھ دینار کا ڈھیر دروازے پر لگ گیا۔ اللہ اکبر اے میرے اللہ تیری شان کے قربان کہاں وہ درہم کے اور کہاں یہ کہ صرف دیدار کی تمنا میں چھ لاکھ چولست پڑے ہیں۔ مالک کے خادموں نے وہ دینار بٹورے۔ دروازہ کھولا، لوگوں کے سامنے چہرۂ پاک ہے اور وارفتہ ہیں لذت دیدار میں عشاق بے ہوش ہو رہے ہیں تن بدن کا ہوش نہیں۔ مالک کے حکم سے خدام نے لوگوں کو باہر نکالا مگر اس حال میں کہ انہیں کو نہ گھر کا ہوش نہ در کا نہ قریب کا نہ دور کا امام غزالی نے فرمایا کہ جب مخلوق کو دیکھنے کا یہ حال ہے تو خالق کو دیکھنے کا کیا حال ہوگا۔ مالک کو دیدار کرانے کا مزہ آگیا۔ یہ لوگ تو تین دن لذت دیدار یوسفی میں مست رہے۔ مالک نے دوسرے دن اعلان کیا کہ جو لوگ عبرانی غلام کا دیدار کرنا چاہتے ہیں وہ فی شخص دو دینار لائے۔ باقی ماندہ لوگ دوڑتے آئے دو دو دینار دیئے دس ہزار دینار پھر جمع ہو گئے۔ تیسرے دن بازار مصر میں مالک نے تخت بچھایا۔ اس پہ یوسف کو تاج پہنا کر بٹھا دیا۔ اور اعلان کیا کہ کون خریدار ہے جو خریدنا چاہتا ہے وہ خرید لے۔ پہلے دن ہی ایک لاکھ آدمی آئے جنہوں نے اپنا سارا مال غلام کی قیمت میں دیئے۔ مگر شام تک غلام نہ بک سکا۔ شام کو واپس گھر آیا۔ دوسرے دن مالک مصر کے بڑے بڑے تاجر آئے اور مالک کے گھر میں دیکھا کہ مالک تاج پہنے بیٹھا ہے۔ لوگوں نے مالک کو کہا کہ تو خوش بخت ہے آج تیرے دروازے پرہجوم لوگ جمع ہیں جو تیرے غلام کے دیدار کی بھیک تجھ سے طلب کرتے ہیں مالک حضرت یوسف کے پاس آیا اور کہا اے غلام تیرا نام کیا ہے؟ مجھ کو شرم آتی ہے تجھ جیسے شہنشاہ حسن وجمال کو غلام کہوں تب یوسف علیہ السلام نے اپنا اسم پاک بتایا۔ آج مالک کو پتہ چلا کہ یہ یوسف ہے جس کو یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے بیچا مالک نے دست بوسی کی اور عرض کیا کہ میرے لیے دعا کر کہ میں صاحب اولاد ہو جاؤں میں بے اولاد ہوں۔ حضرت یوسف نے فرمایا تو اللہ وحدہ لاشریک کو مان لے ایمان لے آ تو تیرے لڑکا پیدا ہوگا مالک ایمان لے آیا اس کا وہ حبشی اسود غلام ہاتھوں کی بیماری میں مر چکا تھا کیونکہ ان ہی ہاتھوں سے یوسف پر ظلم کیا تھا۔ وہ کنویں ہی تھا۔ مالک نے بصد ادب عرض کیا کہ دور دور کے لوگ تیرے دیدار کے مشتاق ہیں۔ اگر حکم ہو تو دیدار کے لیے حاضر ہوں۔ آپ نے فرمایا جو تیری مرضی۔ کثیر لوگوں نے اس دن بھی دیدار کیا۔ اس ہجوم میں عزیز مصر کے کارندے اور درباری تھے۔ حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یوسف کو دیکھنے والے تین طرح کے لوگ تھے۔ ایک گروہ کی حالت تھی جیسے مست دار ایک گروہ حیرت زدہ لوگوں کی طرح تھا ایک گروہ مجنونوں کی طرح تھا۔ لوگوں کا

عجب حال تھا کہ دیدار کرنے کے لیے دوڑے چلے آتے مگر واپس جانے کی ہمت نہ پاتے۔ یہ دور والوں کا حال تھا مگر قریب والے بے بصر تھے نہ مالک بن ذعر عارف حال و حقیقت تھا نہ اس کے گھر والے۔ کیونکہ قرب چار قسم کا تھا (۱) قرب جسمانی (۲) قرب مقبوبت (۳) قرب رحمت (۴) قرب الٰہی یا قرب حق۔ مصر میں ایک عورت بازعہ نامی بنت معالقہ بن عاد بن سود بن زیاد بن عاد بن شداد نمرود کا وزیر جس نے جنت ارم بنائی تھی بہت امیر عورت تھی اس نے خریداری کا ارادہ کیا اپنی تمام دولت لے کر یوسف علیہ السلام کو خرید نے آئی جب ایک نظر یوسف پر پڑی تو عقل ششدر ہوئی آنکھیں بھتر اگئیں۔ اور بولی کیا تو غلام ہے یوسف نے فرمایا ہاں غلام ہوں۔ مراد لیا اللہ کا عبد ہوں۔ عبد تین قسم کے ہوتے ہیں (۱) عبد کرامتہ جیسے فرشتے (۲) عبد محبت جیسے انبیاء کرام (۳) عبد خدمت جیسے جیسے خدام دنیا نوکر چاکر یا خدام دین جیسے علماً اولیاء عورت بازعہ نے عرض کیا تیرا خالق کون ہے فرمایا میرا خالق اللہ ہے عرض کیا میں تیرے خالق پر ایمان لاتی ہوں یہ کہا اور اپنی ساری دولت فقراء میں تقسیم کر دی۔ یہ کہتے ہوئے کہ ساری دنیا بھی اس غلام کی قیمت نہیں بن سکتی۔ اور جھونپڑی میں تا حیات یاد الٰہی میں مشغول رہی۔ ان ہی ایام میں عزیز قطفور نے اپنی بیوی زلیخا سے کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اس غلام کو خرید لوں جس کی شہرت سارے ملک میں پڑی ہے۔ جا تو جا کر دیکھ لے۔ زلیخا نے رو کھا جواب دیا کہ میں اپنے عزیز کے سوا کسی کو پسند نہیں کرتی۔ مراد وہی خواب میں دیکھا ہوا عزیز مصر تھا جس کے عشق میں اور انتظار میں ساری عمر گزارنے کا ارادہ کیا تھا مگر قطفور سمجھا شاید میرا ذکر ہے خوش ہوا۔ اور دوسرے دن کا اعلان سنا ہوا تھا کہ بعد کے دن غلام کی نیلامی ہوگی جو بڑھ کر قیمت لگائے گا وہی خرید سے گا عزیز مصر بھی بدآمدہ خریداروں کی صف میں شامل ہوا سب نے بڑھ بڑھ کر بولی دی لیکن جب عزیز مصر نے بولی دی تو سب خاموش ہو گئے۔ عزیز مصر نے کہا کہ غلام کے وزن کا سونا اس کے وزن کی چاندی۔ ہیرے۔ یاقوت۔ ریشم۔ عنبر۔ کافور تول کر قیمت ہے مالک نے منظور کیا اور سودا ہو گیا۔ لیکن جب عزیز مصر نے جلوۂ یوسفی دیکھا تو سارا ہی خزانہ دے دیا۔ اور کچھ باقی نہ چھوڑا تو لنے تلانے کی نوبت ہی نہ آئی۔ ابھی تک مالک بن ذعر کے لیے حسن یوسفی پردے میں تھا۔ جب خزانے کو دیکھا، تو بہت خوش ہوا کہ بہت اچھے داموں بکا ہے لیکن جب آخری ملاقات کے لیے یوسف علیہ السلام کے پاس حاضر ہوا تو غش کھا کر گر پڑا۔ جب افاقہ ہوا تو حضرت یوسف نے پوچھا اے مالک تجھ کو کیا ہوا مگر اب وہ مالک مالک نہیں پر وہ اُمڈ چلا تھا رو تا ہے اور کف افسوس ملتا ہے۔ کہ میں نے یوسف کو کیوں گنوایا کیوں بیچا جس مال کو میں نے کثیر سمجھا وہ تو قلیل تھا کثیر تو حسن یوسف تھا۔ انسان اندھا ہے جو دنیا کو عظیم اور آخرت کو قلیل سمجھتا ہے جن کی آنکھیں روشن ہیں ان سے پوچھ کہ قلیل کون ہے اور کثیر کون۔ مالک نے عرض کیا اے یوسف مجھ کو بتا کہ تو اصل میں کون ہے مجھ سے راز کا پردہ اٹھا دے حضرت یوسف نے فرمایا کہ اگر تو کسی

نہ کہے تو میں بتاؤں مالک نے سچا وعدہ کیا۔ حضرت یوسف نے فرمایا وہ دس آدمی جو کنعان کے جنگل میں مجھ کو بیچنے
والے تھے وہ میرے بھائی تھے۔ میرے والد یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ہیں۔ یہ سنا تو مالک زار زار رویا اور خطاؤں
کی معافی مانگی۔ پھر تجارت وغیرہ چھوڑ کر یادِ الٰہی میں مشغول ہو گیا۔ اس کے ایک بیٹا ہوا اور ساری دولت اس کی
والدہ کی سپرد کر کے راہیِ ملکِ عدم ہوا۔ عزیز مصر نے اپنے خزانے خالی کر دیئے مگر رب کی امانت کائنات کے
خزانوں سے دامن بھر لیا۔ اہلِ مصر قیمتِ عزیز پر رشک کر رہے ہیں۔ جب گھر لے کر آیا۔ ایک روایت میں ہے کہ
مالک نے عرض کیا کہ اے یوسف میرے لڑکیاں ہیں لڑکا کوئی نہیں۔ دعا فرما کہ رب مجھے لڑکا دے۔ آپ نے دعا
دی۔ رب تعالیٰ نے اس کو چوبیس لڑکے عطا فرما دیئے۔ جن کے نام یہ ہیں ۱ مانا یہ ۲ نوید ۳ نادی ۴ حمید
۵ ولائل ۶ ذکوان ۷ رائیص ۸ زبیر ۹ سالیس ۱۰ ضمیر ۱۱ طیوم ۱۲ طفیل ۱۳ عجیل ۱۴ کنانہ ۱۵ نادیل ۱۶ اشقول
۱۷ اسرئیل ۱۸ مکس ۱۹ بیان ۲۰ عیر ۲۱ کنشار ۲۲ سفان ۲۳ خانم ۲۴ فارق۔ مالک نے عرض کیا تو
تمہارے بھائیوں نے کیوں بیچا۔ فرمایا وہ میرے بھائی ہیں یہ بھید ظاہر نہیں کروں گا۔ کریمی کی شان کہ خون کے پیاسوں پر اتنا رحم۔ اور ثابت ہوا کہ نبی کی
ذات سے ہر ذکو ہی مانند پہنچ جاتا ہے وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا ۚ وَكَذَٰلِكَ
مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ ۚ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ
اور کہا اس نے جس نے خریدا اس کو مصر کے رہنے والے مالک بن ذعر سے یہ دوسرا خریدار عزیز مصر تھا۔
بادشاہ کے سارے خزانے کا منتظم اس کا نام قطفیر تھا نامرد تھا۔ جب اس نے یوسف کو بالکل خرید لیا تو
دس ہزار تاجروں کے پتے پھٹ گئے اس غم میں کہ ہم کیوں نہ خرید سکے اور دس ہزار مر گئے اور چالیس ہزار بیمار ہو
گئے۔ اس زمانے میں مصر کا بادشاہ ریان بن ولید تھا وہ قحط سالی کے بعد مرا اس کے بعد قابوس بن مصعب
بادشاہ بنا مگر زیادہ اختیار عزیز مصر کے ہوتے تھے۔ جیسے کہ پارلیمنٹ حکومت میں وزیرِ اعظم کے اختیار زیادہ
ہوتے ہیں صدر کے کم کہ اسی کی اولاد میں سے وہ فرعون تھا جس کو فرعونِ موسیٰ کہتے ہیں۔ اسی لئے رب تعالیٰ
نے قوم موسیٰ یعنی قبطیوں اور فرعون کو خطاب فرمایا وَلَقَدْ جَاءَكُمْ يُوسُفُ مِن قَبْلُ بِالْبَيِّنَاتِ بیشک البتہ آئے تمہارے
پاس یعنی تمہارے باپ دادوں کے پاس یوسف پہلے گذشتہ زمانے میں کھلی نشانیوں کے ساتھ۔ حضرت
یوسف کی بابت ایک [illegible] ہوئی۔ ولید کو اسلام پیش نہ کیا گیا کیونکہ اس کے سارے زمانے میں حضرت یوسف ابتلاء
میں ہی رہے بجز سات سال کے اور وہ اتنا گرویدہ بھی نہ ہوا قابوس کو آپ نے دعوتِ اسلام دی مگر وہ نہ مانا۔ یہ
دونوں بادشاہ قوم عمالقہ سے تھے۔ اس وقت ملک مصر کا دار الخلافہ یعنی پایۂ تخت منفس شہر تھا اس کو اب منف
کہتے ہیں۔ حضرت یوسف کی نیلامی تین دن ہوتی رہی۔ بدھ۔ جمعرات۔ جمعہ: روح البیان نے فرمایا کہ ایک بڑھیا
نے سنا کہ عبرانی غلام کی قیمت بہت بڑی ہے۔ کہ ساری دولت دو اور غلام کو خرید لو۔ وہ سمجھی کہ شاید جتنی جس کی

دراہم ہو اس نے یوں ہی خریدے۔ اور یہ بھی سنا کہ آج تین دن ہوئے غلام بکنے نہ پایا۔ اس نے اپنی دولت پر
غور کیا تو اس کا سارا سرمایہ بمشکل پیش کی ہوئی رقم کی تھی۔ اس نے عشق یوسفی کی وہ سب اٹھائی اور مالک کے سامنے ڈھیر
کردی۔ کہ یہ لے لے اور یوسف مجھ کو دیدے۔ یہ میری ساری عمر کی پونجی ہے۔ کچھ دیر بعد عزیز مصر نے خرید لیا اور گھر لے جا
کر اپنی بیوی زلیخا کو دیا۔ یہ عورت سارے ملک مصر میں اور تمام عورتوں میں سب سے زیادہ حسین تھی جسطرح
کہ مردوں میں یوسف کا ثانی کوئی نہ تھا۔ اسی طرح عورتوں میں اس کے برابر خوبصورت کوئی عورت نہ تھی۔ مگر یوسف
علیہ السلام زلیخا سے بھی ایک لاکھ گنا زیادہ حسین تھے۔ زلیخا شاہ طیموس جو سارے مغرب یعنی تہائی دنیا
کا بادشاہ تھا اس کی بیٹی تھی جو خواب میں دیدار یوسف سے مشرف ہو چکی تھی اور آپ نے اپنا پتہ بتایا تھا کہ
میں عزیز مصر ہوں اور میں تیرے لیے ہوں اور تو میرے لیے۔ زلیخا کئی سال پہلے ہی اپنے اس خواب والے عزیز مصر پر
عاشق ہو چکی تھی۔ اگرچہ بادشاہوں اور خوبصورت شہزادوں کے پیغام نکاح آئے مگر زلیخا نکاح پر راضی نہ ہوئی
جب عزیز مصر کا پیغام آیا تو فوراً راضی ہو گئی اور جہیز سے اس کی شادی ہو گئی۔ جب پہلی بار منہ دکھلائی ہوئی تو
زلیخا سخت غمزدہ ہوئی اور خودکشی کرنے کا ارادہ کیا لونڈیوں میں ایک لونڈی نے کہا تو صبر کر تیری خواب پوری ہو گی
اور بتایا اگر عزیز نامرد ہے تو فکرمند نہ ہو۔ عزیز مصر کبھی رات بھی زلیخا کے قریب نہ آسکا۔ اور زلیخا کنواری ہی رہی گویا
اور رب تعالیٰ نے زلیخا کو قطفیر کے پاس امانت بنا کر رکھا جیسا کہ بلقیس ثنا خر کے پاس مستعار تھی حقیقت میں
سلیمان علیہ السلام کی امانت تھی اور جیسے کہ حضرت آسیہ فرعون کے پاس مستعار تھیں، کنواری تھیں، حقیقت میں
خادمۂ موسیٰ کے لیے وقف تھیں۔ اور جیسے کہ حضرت خدیجہ ام المومنین اپنے پہلے خاوند عمرو بن کندی کے پاس
مستعار تھیں حقیقت میں امانت احمد مختار تھیں۔ اسی طرح زلیخا امانت یوسف تھیں۔ ثنا خر بلقیس کے لیے فرعون
آسیہ کے لیے عمرو کندی خدیجہ کے لیے نامرد تھے قطفیر زلیخا کے لیے۔ مگر قطفیر کو زلیخا سے محبت تھی اسی کی
خاطرداری کے لیے یہ غلام خریدا اور سارا خزانہ لٹایا۔ حضرت یوسف کے وزن کے برابر سب خزانے تولے گئے
اس وقت حضرت یوسف کا وزن ۸۰ رطل یعنی پانچ من تھا۔ اس طرح تقریباً پچاس من خزانہ قیمت میں دیا گیا۔
درباریوں نے کہا اپنے ایک غلام کے لیے سارا خزانہ ختم کر دیا۔ اب ملک کیسے چلے گا۔ تب عزیز کو فکر لاحق ہوئی اور
سب خزانچیوں کو بلایا۔ کہ دیکھو کچھ خزانہ ہے یا سارے خالی ہو گئے۔ خزانچی اپنے اپنے خزانے میں گئے تو دیکھا کہ
سونے چاندی زمرد۔ یاقوت۔ ریشم۔ مشک۔ عنبر۔ کافور وغیرہ کے خزانے پہلے سے زیادہ بھرے ہیں۔ سب خوشی خوشی
دوڑتے دوڑتے آئے اور خوشخبری دی۔ عزیز مصر حیران ہو گیا۔ سمجھا شاید مالک سے جبراً چھین لیا ہو۔ مالک کے
پاس گیا تو دیکھا کہ سب خزانے ویسے ہی موجود ہیں۔ خود جا کر اپنے خزانوں کو دیکھا تو دگنے تگنے بھرے
ہوئے تھے اور خزانچیوں کی۔ درست تھی۔ سب حیران تھے کسی کی سمجھ میں یہ راز نہ آتا تھا انہوں نے اس سے

پہلے یہ معجزہ کب دیکھا تھا۔ ایک درباری نے کہا کہ آپ غلام ہی سے پوچھیں وہی اس راز سے پردہ اٹھا سکتا تھا۔ عزیز نے کہا وہ کیونکر اس راز کو جانتا ہوگا درباریوں نے کہا اس نے اس کے ساتھ پرندوں کو باتیں کرتے دیکھا ہے وہ کوئی عام انسان نہیں ضرور وہ بے شک کمال ہے۔ عزیز نے یوسف کو بلایا اور پوچھا کہ اے یوسف ہم نے سارے خزانے تیری قیمت میں خالی کر دیئے تھے۔ مگر وہ پھر دگنے بھر گئے ہیں یہ کیا راز ہے فرمایا کہ میرے اللہ نے تیرے خزانے بھر دیئے اس نے پوچھا اللہ کون ہے جواباً فرمایا جس نے مجھ کو تجھ کو اور ساری کائنات کو پیدا کیا پوچھا اس نے یہ کرم کیوں کیا؟ آپ نے فرمایا یہ کرم تجھ پر نہیں بلکہ مجھ پر ہے اس لیے کہ تو میری وجہ سے لشکریوں درباریوں اور بادشاہ کے سامنے مطعون و معتوب نہ ہو تیرا مجھ پر احسان نہ رہے۔ میری شان تیری نظروں میں بلند ہو جائے عزیز مصر خوش ہوا گھر آیا اور کہا اکرمی مثواہ اے بیوی اس غلام کے لیے خوبصورت کمرہ ہر طرح آراستہ پیراستہ تیار کر جہاں یہ خوش و خرم رہا کرے۔ یہ حکم یا اس لیے دیا کہ عزیز مصر نے فراست سے پہچان لیا کہ یوسف سے زلیخا کی محبت ہو گئی کیونکہ جب زلیخا کی پہلی نظر یوسف پر پڑی اور دونوں نگاہیں ملیں تو زلیخا عجیب دیوانوں کی طرح اس کو دیکھتی ہی رہی مگر حضرت یوسف کی نگاہیں پھر نہ اٹھیں نیچی ہی رہیں یا اس لیے حکم دیا کہ عزیز کو یوسف علیہ السلام کی فضیلت و شرافت معلوم ہو گئی تھی۔ یا اس لیے حکم دیا کہ عزیز نے آج رات خریدنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ اے عزیز غلام کو خرید اور زلیخا کے سپرد کر دے دونوں میں جدائی نہ ڈالنا یا اس لیے حکم دیا کہ عسٰی ان ینفعنا۔ عنقریب یہ بچہ ہم کو نفع دے گا یا اس طرح کہ حکومت میں میرا ہاتھ بٹائے گا مفید مشورے دے گا کیونکہ سارے ملک میں اس جیسا ذی عزت ہونہار کوئی نہ دیکھا یا اس طرح کہ ہم اس کو بیچیں گے تو بہت نفع آئے گا۔ یا اس لیے حکم دیا کہ او نتخذہ ولدا۔ اے زلیخا تجھ کو اس سے محبت بھی ہے۔ تجھ کو جدائی گوارا بھی نہیں ہم اس کو اپنا متبنّٰی بیٹا بنالیں گے۔ یا اس لیے اکرمی کا حکم دیا کہ زلیخا نے بھی کہا تھا کہ اے عزیز تو نے سارا خزانہ خرچ کر دیا تب عزیز نے جواباً کہا اگر ہی تو خزانے کا فکر مت کر اس غلام کا خیال رکھ جس کے پاس یہ ہو اس کو خزانوں کی پرواہ نہیں ہوتی یا اس لیے حکم دیا کہ اے زلیخا یہ میرا رب ہے اس کا اکرام کر کیونکہ میں کریم ہوں اور اس کو بھی میں نے کریم پایا۔ یا اس لیے حکم دیا کہ اے زلیخا اس کو پہچان اور اپنے سے اچھا مکان دے۔ زلیخا نے جانا کہ سب سے اچھا مکان تو دل ہے پس دل میں جگہ دی یا اس لیے حکم دیا کہ عزیز نے جان لیا تھا کہ جس سے پرندے باتیں کریں۔ وہ ضرور خدا کا پیارا ہے اگر ہم اس کی عزت کریں گے تو اس کا خدا ہماری عزت فرمائے گا۔ یا اس لیے حکم دیا کہ عزیز نے جان لیا تھا کہ یہ ہمارا قائم مقام ہوگا۔ عزیز مصر نے یوسف علیہ السلام کی عزت کی رب تعالیٰ نے اس کے بدلے میں عزیز کو ایمان دیا۔ اور چوتھے دن عزیز خفیہ طریقے سے مومن صحابی بنا جس طرح کہ فرعون کے جادوگروں نے حضرت موسیٰ کا ادب کر کے ایمان پایا اور یہ سب

بڑا انعام ہے جو ہم نے عزیز مصر کو دیا کہ دنیا کے خزانے لٹا ئے اور دنیا بھی واپس پائی، خزانہ ایمانی بھی پا لیا۔ ہمارا رب کتنا کریم و عظیم ہے۔ کہ اس کا بن کر تو دیکھے فرماتا ہے اور اسی طرح ہم نے جگہ دی یا قوت دی زمین میں یوسف کو نو طریقے سے یوسف کو زمین میں قوت ملی۔ عزیز زلیخا کے گھر میں سب سے شان والی جگہ ملی اور عزت ایسی ملی کہ دونوں خاوند بیوی خدمت گزاری میں لگ گئے۔ دوسرے یہ کہ عزیز کا تخت یوسف کو دیا جو مصر کے علاقے مصر کی حکومت میں تھا ملک مصر چالیس میل لمبا چالیس میل چوڑا تھا۔ تیسرے یہ کہ ہم نے یوسف کو نبوت دی۔ چوتھے یہ کہ حکمت دی۔ پانچویں یہ کہ لوگوں کے دلوں پر قدرت دی۔ چھٹے یہ کہ خزانے اس کو دیئے۔ ساتویں یہ کہ سب پر غلبہ دیا قحط میں سب اس کے غلام بن گئے۔ آٹھویں یہ کہ مصر کے علاوہ سات ملک اس کو اور دیئے۔ اور اس کی حکومت مصر سے باہر بھی ہوئی۔ بغیر جنگ کے خود بادشاہوں کو اس کا مطیع فرمان کر دیا۔ نویں یہ کہ جن لوگوں نے اس کو ذلیل کیا یا کرنے کی کوشش کی وہ اس کے سامنے کمزور اور ذلیل ہوئے۔ اور یہ طاقتور رہا۔ دوسرا انعام یہ کیا کہ وَلِنُعَلِّمَهُ مِن تَاوِيلِ الْاَحَادِيثِ اور البتہ ہم سکھاتے ہیں اس یوسف کو باتوں کی تاویل کرنا۔ اس طرح کہ خوابوں کی تعبیر یوسف کے سوا کوئی نہ جان سکتا تھا۔ اور اس طرح ہم نے یوسف کو زمین کی نو سو زبانیں آسمان کی نو سو زبانیں، ہوائی پرندوں کی نو سو زبانیں، کیڑے مکوڑوں کی نو سو زبانیں سکھائیں۔ اور اس طرح کلام کا ظاہر بھی سکھایا اور باطن بھی بتایا۔ کلام کی چار قسمیں ہیں حضرت یوسف سب کو جانتے تھے: ظاہر۔ باطن۔ عبارت۔ اشارت۔

اور اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک غالب ہے اپنے فیصلے پر۔ غلبہ کہتے ہیں چاہت اور منشا کے پورے ہونے کو اللہ ہمیشہ سے غالب ہے۔ یعنی جو وہ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے جو بندہ چاہتا ہے وہ نہیں ہوتا۔ یعقوب علیہ السلام نے کیا چاہا۔ بھائیوں نے کیا چاہا۔ یوسف نے کیا چاہا۔ مالک نے کیا چاہا۔ عزیز مصر نے کیا چاہا۔ زلیخا نے کیا چاہا مگر ہوا وہی جو رب نے چاہا کیونکہ وہ ہی غالب ہے اپنے فیصلہ پر۔ ازل سے ابد تک مشیت رب اور مشیت بندے کا مقابلہ ہے مگر وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰى اَمْرِهٖ۔ غلبہ رب کی مشیت کو ہے۔ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ لیکن اکثر لوگ اس کو نہیں جانتے۔ لفظ ناس قرآن میں بہت لوگوں کے لیے استعمال ہوا کبھی واحد کے لیے کبھی تبع کے لیے یہاں منافق یا عام کفار یا بیوقوف لوگ یا صرف مکے والے مراد ہیں۔ جنہوں نے اس قصے کا مطالبہ کیا تھا اس خریداری اور زلیخا کے گھر میں آنے کے وقت حضرت یوسف کی عمر بارہ سال تھی۔ عزیز مصر کی عمر ساٹھ سال زلیخا کی غالباً تیس سال عمر تھی وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اور جب ہمارا یوسف اپنی قوت جسمانی یعنی جوانی کو پہنچ گیا۔ جوانی کی عمر پندرہ سے تیس سال تک ہوتی ہے اور عقل کی پختگی تیس سے چالیس سال تک ہوتی ہے اور ہیبت و رعب کی زندگی چالیس سے پچاس سال تک ہوتی ہے۔ عمر کی سات قسمیں ہیں عمر طفلی از یوم پیدائش گیارہ سال تک۔ عمر آمدی گیارہ سال سے پندرہ سال تک۔ عمر جوانی پندرہ سے تیس سال تک دوم عمر پختگی تیس سے

چالیس سال تک ۵ عمرِ قوت چالیس سال سے پچاس سال تک ۶ عمرِ گھٹوٹ پچاس سال سے پچھتر سال تک ۷ عمرِ ضعیفی جو نشت پچھتر سال سے سو سال تک یا اس سے اوپر جتنی بھی ہو (روح البیان مع زیادت) یہاں مراد تیس سال کی عمر ہے یعنی یوسف تیس سال کی عمر کو پہنچے۔ تب ہم نے ان کو حکم یعنی حکومت دے دی۔ بعض نے کہا علم دانائی کا کمال دیا اور ظاہری علم بھی دیا۔ یا ظاہری علم سے برتنے کی اجازت دے دی۔ امام حسن سے روایت ہے حضرت یوسف کنوئیں میں آنے کے وقت سے نبی تھے۔ مگر اب ان کو تبلیغِ نبوت کی اجازت ملی۔ بعض نے کہا حکم سے مراد حکمتِ عملی ہے اور علم سے مراد حکمتِ نظری یعنی غور و تدبر ہے اور اسی طرح جس طرح کہ عجیب و غریب، ثواب و جزا، برکت و رفعت یوسف علیہ السلام کو ہم نے دی تاقیامت دیتے رہیں گے یا دیتے ہیں۔ ہر نیک کار انسان کو بشرطیکہ محسن بن کر حاضر درگاہ ہو۔

شعر
آج بھی ہو جو براہیم سا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

بعض نے کہا کہ حکم سے مراد عقل ہے۔ اور علم سے مراد عقل کو استعمال کرنے کا طریقہ۔ بعض نے کہا عقل علم سے بہتر ہے کہ حصول علم کا ذریعہ ہے۔ بعض نے کہا علم عقل سے بہتر ہے کہ علم سے ہی عقل استعمال ہوتی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ عشق دونوں سے اعلیٰ ہے کہ دونوں پر غالب اور دونوں کا راہنما ہے۔ عقل دنیا کے لیے ہے اور عشق دین کے لیے ہے۔ اس میں علماءِ کرام کے چند قول ہیں۔ کہ محسنین سے کیا مراد ہے ایک قول یہ کہ مراد نمازی ہیں۔ ایک یہ کہ مراد اچھے اخلاق والے ہیں۔ ایک یہ کہ مراد بے ریا عمل کرنے والے ہیں جو فقط اللہ کے لیے کیا جائے کسی کو دکھایا بتایا جتایا نہ جائے۔ ایک یہ کہ مراد انبیاء کرام ہیں۔ یعنی ہم انبیاء کرام کو اسی طرح جزاء لقا عطا فرماتے ہیں۔ یہی قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے یہ ہی قول درست ہے کیونکہ کذالک کی تشبیہ مشبّہ بہ کی برابری چاہتی ہے۔ ایک یہ کہ مراد محسنین سے سب عبادات کرنے والے متوکلین علی اللہ ہیں۔ اور جزا سے مراد وصلِ الٰہی ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے کرم کے لیے کسی حیلے وسیلے کی چنداں ضرورت نہیں جب کرم کرنے پر آتا ہے تو بے وسیلہ انسان کو بھی تختِ شاہی پر بٹھا دیتا ہے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کو اپنے بھائی بندوں عزیزوں، جان پہچان والوں میں جان کی امان اور پناہ نہ ملی یہ دنیا کی حالت ہے۔ مگر جس مالک میں نہ زبان پہچان، غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر لایا جانے والا جن کے ذہنوں میں یوسف کے متعلق چور اور بھگوڑے غلام کا تصور بٹھایا گیا۔ عام غلاموں کی طرح منڈی میں لا کر فروخت کیا جانے والا یوسف اُس کی شان کا اسی ملک میں اتنا عظیم ہو جانا کہ جس نے غلام بنا کر خریدا وہی غلاموں کی طرح خدمت کرے۔ نہ کوئی ہنر دیکھا نہ ظاہری فضل۔ یہ سب رب ہی کا کرم ہے۔ یہ فائدہ کذالک مکنا لیوسف سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہنر، فضل، عقل مندی سب بیکار ہے وہاں احسان اور عمل صالح کی عزت وہاں زور مندی یا حیلہ سازی بے فائدہ ہے۔ وہاں تو زاری۔ عاجزی کی ضرورت ہے۔ شعر

زور را بگذار زاری را بگیر رحم سوئے زاری آید اے فقیر

یہ فائدہ بحر المحسنین سے حاصل ہوا۔ خدا تعالیٰ زاری نصیب کرے۔ تیسرا فائدہ: اپنی والدہ کو یاد کرنا اور شکوہ شکایت کرنی، صبر اور توکل کے خلاف نہیں، نہ ہی نیکی کے خلاف ہے۔ دیکھو حضرت یوسف نے اپنی والدہ کی قبر پر پہنچ کر سب شکوے شکایت کئے اور فریاد کی کیونکہ دنیا میں والدہ مظہر جمالِ خدا تعالیٰ ہیں۔ تو ماں سے فریاد کرنی رب ہی سے فریاد کرنی ہے۔ پس جاننا چاہئے کہ انبیاء کرام بعد وفات بھی امت کے لئے مظہر جمالِ الٰہی ہیں۔ لہٰذا دنیوی تکالیف میں انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے آستانوں پر فریاد کرنا، شکایت کرنا، شکوے شکایت کرنا بالکل جائز ہے۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یا رسول اللہ فلاں شخص نے مجھ کو ستایا ہے۔ مجھ پر ظلم کیا ہے۔ اور اس طرح مخلوق سے فریاد کرنی سنتِ نبی ہے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے ہزاروں تکلیفیں، مصیبتیں، ایذائیں برداشت کیں مگر کسی سے شکوہ شکایت نہ کیا۔ نہ روئے پیٹے۔ بلکہ کمال متانت سے بردباری سے تحمل فرمایا۔ لیکن والدہ کی قبر پر آکر تمام شکوے شکایت کئے۔ اور زار زار روئے کیونکہ جانتے تھے کہ آغوشِ مادر میں رحم و جمالِ الٰہی کا جلوہ آشکارا ہے۔ اسی طرح دامن مصطفیٰ بھی امت کے لئے رحم و کرم الٰہی کا دروازہ ہے۔ یہاں رونا اور فریاد کرنا خدا تعالیٰ ہی سے فریاد ہے۔ یہ فائدہ بحر الزاهدین کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ اہلِ قبور سے فریاد کرنا بھی جائز اور مفید ہے۔ یوسف علیہ السلام نے والدہ راحیل کی قبر پر حاضر ہو کر ہی فریاد کی تھی۔ یوسف علیہ السلام نبی ہیں اور نبی کوئی ناجائز کام نہیں کرتا۔ اور راحیل نہ نبیہ تھیں، ولیہ تھیں۔ ثابت ہوا کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر حاضر ہو کر ان سے فریاد کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ بھی بحر الزاهدین کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ۔ کافر کی درست اور ستھری تجارت کی کمائی حلال ہے۔ اس کا کھانا، کافر کی دعوت قبول کرنا جائز ہے۔ اس کے ہدیے قبول کرنا بھی حلال ہے۔ یہ فائدہ اکرمی مثواہ سے حاصل ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یوسف علیہ السلام کو عزیز مصر جیسے کافر اور موسیٰ علیہ السلام کو فرعون جیسے کافر کے گھر پرورش کرایا۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کرام کو حرام غذائیں نہیں کھلواتا۔ اگر کافر کی کمائی حرام ہوتی تو ایسا ہی نہ ہوتا۔ چھٹا فائدہ۔ سب سے ضروری چیز ایمان ہے۔ پھر علم۔ ایمان جڑ ہے، علم اس کا پھل۔ جتنا مضبوط ایمان ہوگا اتنا ہی زیادہ پھل۔ علم نصیب ہوگا۔ اچھے ایمان والوں کو علم لدنی آتا ہے۔ بے ایمان کتنے ہی پڑھے لکھے ہوں مگر علم حقیقی سے محروم ہی رہتے ہیں۔ یہ فائدہ ولنعلمہ سے حاصل ہوا۔ ساتواں فائدہ۔ مصیبتیں رب کی رحمت ہیں اسی لئے نبیوں، ولیوں، عالموں، نیکوکاروں پر اور انبیاء کرام پر زیادہ آتی ہیں۔ ان مصیبتوں نے ہی یوسف علیہ السلام کو تختِ شاہی پر پہنچایا۔ مصیبت ہی صبر و شکر اور رب کی بارگاہ میں گریہ زاری کا ذریعہ ہے۔ اسی سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ دنیا مومن کا قیدخانہ ہے۔ پیارا ہی زیر قید رکھا جاتا ہے۔ یہ فائدہ

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ سے حاصل ہوا۔ آٹھواں فائدہ۔ دین ہو یا دنیا کوئی شے بغیر محنت، مشقت حاصل نہیں ہوتی۔ لہٰذا طالب حق کو مصائب دنیا سے نہ گھبرانا چاہیئے۔ یہ فائدہ واقعات یوسفی سے حاصل ہوا۔ نواں فائدہ۔ انبیاء کرام کا علم بھی بے مثل ہوتا ہے۔ ان جیسا علم کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ نہ انسانوں کے پاس نہ جن نہ فرشتوں کے پاس کیونکہ سب شاگرد ہیں مخلوق کے مگر یہ حضرات انبیاء کرام شاگرد ہیں خالق کائنات کا یہ فائدہ وَلِنُعَلِّمَهٗ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یوسف علیہ السلام کے لیے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے لیے فرمایا۔ وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ یہاں وَاسْتَوٰی فرمایا پہلی آیت میں وَاسْتَوٰی نہیں۔ اس فرق بیان کی وجہ کیا ہے۔ **جواب**۔ استوٰی کے معنی ہیں چالیس یا ساٹھ سال پورے ہونے کے بعد ہم نے دیا۔ اور بلغ اشدہ کے معنی ہیں چالیس سال سے پہلے ہی ہم نے حکمت و دانائی اور علم دیا۔ (ابن ابی بکر رازی) اور وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف نے ملک نبوت دیا تو کچھ ادلاد نہ ہوا اور خاندان نبوت ہونے کی وجہ سے وراثت میں نبوت ملی۔ اور کچھ ان کو جلد میں طے کرا دیئے گئے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ مدارج عمر کے لحاظ سے طے کرائے گئے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍۭ بَخْسٍ۔ مفسرین فرماتے ہیں بخس کا معنی ہے حرام اور خبیث کمائی۔ تو حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے کیوں لئے۔ خاندانِ نبوت تو حرام کمائی سے پاک ہوتا ہے۔ **جواب**۔ اولاً تو بعض مفسرین نے بخس کا معنی کھوٹا سکہ یعنی جعلی چاندی کے درہم معنی کئے جو رائج تو تھے مگر کھوٹے تھے، بمقابلہ خالص چاندی والے درہموں کے۔ قرآن مجید کی اگلی عبارت بھی اسی معنی کی تائید فرماتی ہے۔ کہ فرمایا معمولی گنتی کے چند درہم تھے۔ ثانیاً اگر بخس کا معنی حرام کمائی ہی کیا جائے۔ تب بھی اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں بنتی۔ کیونکہ وہ بچانا دیں کا ابتدائی نسبتی محبور سا دور تھا۔ اس وقت تک اتقاء و تقویٰ حضرت یعقوب نے ان کو سکھایا تھا۔ خاندانِ نبوت کے آثار تو توبہ کے بعد ظاہر ہوئے۔ اس وقت کے اعتبار سے ان کو سکھانا بنا کر دکھایا گیا۔ اور یہ حرام ہونا پہلے نہ تھا۔ یعنی وہ کمائی اور پیسہ جو مالک بن ذعر کی ملکیت میں حرام نہ تھا۔ جب برادرانِ یوسف نے لی تب حرام ہوئی۔ کیونکہ آزاد کو غلام بنا کر بیچنا حرام ہے اور حرام چیز کی قیمت بھی حرام۔ یہ قیمت یوسف نہ دی نہ تھی۔ بلکہ ان کی غلامیت کو ظاہر کر کے غلامیت کی تھی۔ **تیسرا اعتراض**۔ پہلی آیات میں فرمایا گیا وَاَوْحَيْنَاۤ اور یہاں فرمایا گیا۔ وَلَمَّا بَلَغَ۔ پہلی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت بچپن میں عطا ہوئی۔ جب بھائیوں نے کنوئیں میں ڈالا اور اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ نبوت اس وقت عطا ہوئی جب زلیخا کے گھر میں رہتے ہوئے بھی کئی سال گزر چکے تھے۔ دونوں آیتوں میں تعارض ہے۔ **جواب**۔ اس کا ایک

جواب تو یہ ہے جو ہم نے تفسیر میں عرض کیا. کہ اَوْحَیْنَا کا معنی ہے الہام جو قبل نبوت اور غیر نبی کو بھی ہو جاتا ہے اور لَمَّا بَلَغَ سے مراد ہے. اب تبلیغ نبوت کی اجازت کے لیے علم و حکمت عطا ہونا. دوسرا جواب وہ ہے. جو تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اَوْحَیْنَا سے وحی نبوت مراد ہے اور نبی بنایا جانا. اور لَمَّا بَلَغَ سے مراد ہے حضرت یوسف کا رسول بنایا جانا. رسول کا درجہ نبوت سے اونچا ہے. اس لیے اس کے واسطے علم و حکمت بھی زائد چاہیئے جو آپ عطا ہوئی.

تفسیر صوفیانہ

وَشَرَوْهُ بِثَمَنٍ بَخْسٍ دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ وَكَانُوا فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ. حیاتِ ابدی کا پانی ظلماتِ عالمِ ناسوت کے ظلماتِ بحر میں ملتا ہے اسی طرح علم الٰہی کا پانی قلب مومن کو ظلماتِ ناسوت میں نصیب ہوتا ہے. اور جب قلب حسین حیاتِ ابدی لے کر ظلماتِ ابتلاء کے غیاباتِ الجب سے نکلتا ہے. تو اہل نظر جمالِ باطن کو دیکھتے ہوئے اسرہ بضاعہ کے تمام عظمت اور قدر و منزلت کے آداب بجا لاتے ہیں اور نظر عرفانی کے اندھے صرف جمال ظاہر پر نظر رکھتے ہوئے قلب عرفانی کو خواہشات نفسانیہ کے کھوٹے سکوں کے عوض خریدتے ہیں. اور اہل فکر و نظر اس تجارت خسارہ سے خود کو بہت دانشور سمجھتے ہیں مگر امر فطرت ہے کہ جمال ظاہر کے لیئے دنیوی خطرات نہیں. دشمن زیادہ جمالِ باطن کے ہیں. قلب کو ادنیٰ شہوت سے بچانا بڑی حماقت ہے مگر اولٰی دل کو صبر و قناعت لازم ہے. قلب حسین اخروی نفع کی طرف راغب ہوتا ہے تاکہ تجلی جمال و جلال کے شراب طہور کی مستی میں شواہد ربانیہ کا تمام حاصل ہو. اسی لیئے منازل قلبیہ کے حصول کے لیے مجاہدۂ نفسی وہبی ضروری ہے. لیکن طبیعۃ نفس اور قوت حواس اپنے تقاضوں کو اور شہوتوں کو پورا کرنے کے لیئے حقیقت دل اور اصلیت قلب کو نہیں پہچانتے کیونکہ ناسوت کنعان کے بیابان بلکہ قریب میں ہیں. ہاں اگر قلب کے حسن اصلی کی عزت دیکھنی ہے تو معرفت اور بازار تجلیات میں محلاتِ عشق قریب دکھائی جاتی ہے. جہاں طالب دل حبیب قلب عشق حقیقی سے خطاب فرماتا ہے. وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ عَسَى أَنْ يَنْفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا وَكَذَٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْأَرْضِ وَلِنُعَلِّمَهُ مِنْ تَأْوِيلِ الْأَحَادِيثِ وَاللَّهُ غَالِبٌ عَلَىٰ أَمْرِهِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ. جب یوسف قلب طبیعت کے اندھیرے کنوئیں اور ظالم ناقدرے حاسدان عشق کے جنگل سے نکل کر مصر شریعت میں داخل ہوا تو دلائل شریعت کے عزیز قانون نے کہا کیونکہ قلب کا سچا خریدار اور مالک یہ ہے اس کی تعظیم لازمی تھا. اپنی صورت مکلوم سے ایسا کہ خدمت و اکرام سے تمام ظاہر پر طیب بجادۂ طریقت اب منزل تک پہنچتا کر راہ منزلت میں عالم حقیقت کی طرف وصل پاسے اور منزل حبیب میں قدم فرمائے. خدمت کیونکہ ہمارے نقصان اب قریب ہے جب یہ اقرار شریعت ہے ہم کو نفع وصل ہے اور یا ہم

شریعت اور دنیا اس کو قانون شرعی اور قدرت طریقت کے دودھ سے اور لذات دنیا سے پرورش کر لیں۔ اور گہوارۂ شریعت کے حدود میں رہکر حلال وطیبات دنیوی سے فرمانبردار بچہ بن جائے۔ جب قلب جسد زمین بشریت میں شریعت اور دنیا بامحبت کی پرورش میں سکون وقوت پالیتا ہے تب رب قدیر کی طرف سے صوتِ سرمدی کا آوازۂ شیدائی بلند ہوتا ہے کہ ہم نے اسیطرح یوسف قلب کو زمین بشریت میں سکونت وحکومت وقدرت وطاقت بخشی۔ اور یقیناً ہم ہی قلب مطہرہ کو اسرارِ غیوب کی باتوں کا نور وشعور عطا فرماتے ہیں۔ پس جیسے درختانِ نباتیہ کی جڑیں مضبوط ہوں تو پھول وپھل لگتے ہیں اسی طرح تجرِ قلب کی جڑ جب انسانیتِ کاملہ کی مٹی میں مضبوط ہو جائے تو خیابانِ قلبی میں علومِ دینیہ کے غنچے معارفِ حقیقیہ کے پھول اور مشاہداتِ ربانیہ کے پھل لگتے ہیں۔ اور اللہ ہی غالب ہے دل کی تمام کیفیات پر قلب کے تمام امر پر رب تعالیٰ کا ہی غلبہ ہے وہاں کسی باطل کا حکم نہیں چلتا۔ اِس لیئے دلِ انسانی اللہ کی محبت وطلب میں شاغل رہتا ہے۔ جذباتِ عنایات میں حکمِ ربانی کا ہی غلبہ ہے وہی اللہ قلب کو خار وعارضی کے صراطِ مستقیم سے بچا کر اسی راہ کے ذریعے تختِ بقا پر بٹھاتا ہے جہاں انانیتِ نفس کا خاتمہ ہے اور تصرفات بقا باللہ وفی اللہ و لِلّٰہ یعنی اللہ کے غالب امر سے ذاتِ احدیں اسی کے لیئے تھا ہے لیکن اکثر حواس اور اہل حواس اسکو نہیں جانتے کہ زمینِ قالب میں حواسِ جسدیہ صرف کمال کے حصول وقبول کی کوشش کے لیئے پیدا کیئے گئے ہیں نہ کہ میدان نقصان وخسارے میں سرمستی کرنے کے لیے۔ عالم جبروقدر میں نفس کا حصہ جہالت ہے جو علامتِ ابلیسیت ہے اور قلب کا حصہ علم جو عطاءِ رحمانی ہے جہالت بری ہے کیونکہ جہنم کی خاردار جھاڑیاں ہیں۔ علم اچھا ہے کیونکہ نور کے چھپر کھٹ ہیں۔ علم دو قسم ہے۔ علم شریعت۔ علم طریقت۔ شریعت نعمت ہے اور طریقت احسانِ ربانی ہے۔ علوم کا شہنشاہ علم باللہ ہے کہ اس سے صفائی باطن اور آئینۂ قلب کی جلا ہے جاہل کے اعمالِ خیر زیادہ ہوں تو بھی نفع تھوڑا علم باللہ کے تھوڑے اعمالِ خیر بھی زیادہ نافع ہیں۔ عالم وہی ہے جس نے ظاہر سے باطن کو پا لیا۔ شریعت سے معرفت کو پایا ورنہ جاہل ہی ہے۔ اکابرین کی نظر اصلاحِ قلب کی طرف ہوتی ہے نہ کہ قالب کے زنجیروں میں۔ قلب نظرِ خالق کا مظہر ہے اور قالب نظرِ مخلوق کا مظہر ہے۔ جب اصلاحِ قلب مکمل ہوتی ہے۔ تب پیغام ربانی ہوتا ہے وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗۤ اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۔ اور جب چمنستانِ شریعت کی پُربہار حدود وحفاظت میں رہکر یوسف قلب فیضانِ الہٰی وارداتِ ربانی کے قبول کرنے کی طاقت ولیاقت میں اپنے قوتِ کمال کو پہنچ گیا تو ہم نے اپنے کرمِ عمیم سے اس قلب کو سلطنتِ قالب عطا کی اور علم اجسام بخشا۔ حکمتِ الٰہیہ اور علم لدنی کے موتی اور پھول نچھاور کئے اور تمام اعضاءِ رئیسہ اور اعمالِ جوارح کو جب وہ اخلاقِ شریعت واعمالِ طریقت وانکسارِ معرفت سے محسن بن جائیں اسی طرح ہم مقامِ حقیقت پر پہنچا کر نظارۂ تجلیات کا بدلہ وجزا خیر دیتے ہیں کیونکہ کمالِ علمی افضل ہے کمال عملی سے اور علمی کمزوری شدید بری عملی کمزوری سے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ علم سے ایمان ہے اور ایمان سے مومن ہے اور مومن دانا۔ عاقل اور خائف ہے۔ ایمان درخت ہے علم اس کی جڑ ہے۔ مومن اس کا پھل ہے اور اس درخت کی چودہ مشلی شاخیں ہیں۔ ۱ ایمان مثلِ کشتی ہے کہ پار لگاتا ہے ۲ ایمان مثلِ عرش ہے کہ سب کے اوپر ہے۔ ۳ مثلِ آسمان ہے کہ سب نور اسی میں ہیں ۴ مثلِ سورج ہے کہ سب اندھیرے ختم کرتا ہے ۵ مثلِ تارہ ہے کہ ہدایت دیتا ہے ۶ مثلِ زمین کی مٹی ہے کہ سب کچھ اگاتا ہے ۷ سونے کی مثل ہے کہ ہر چیز اسی سے مل جاتی ہے ۸ مثل چاندی کے ہے ملاوٹ ظاہر ہو جاتی ہے۔ ۹ ایمان مثلِ دریا ہے کہ پلیدی دور کرتا ہے ۱۰ مثلِ چمن ہے کہ زینت دیتا ہے۔ ۱۱ مثلِ مشک وعنبر ہے کہ دور تک خوشبو دیتا ہے۔ ۱۲ مثلِ کافور ہے کہ قلبِ مومن کو ٹھنڈک دیتا ہے ۱۳ مثلِ عصاء موسوی ہے کہ باطل کے سب سانپ فنا ہوئے ۱۴ مثل انگوٹھی کے ہے کہ نشانِ بادشاہت ہے۔ (روح البیان امام غزالی)

وَرَاوَدَتْهُ الَّتِىْ هُوَ فِىْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ

اور ورغلایا اس کو اس عورت نے وہ تھا میں گھر جس کے سے خواہشات اسکی سے اور بند کیے

اور وہ جس عورت کے گھر میں تھا اس نے اسے لبھایا کہ اپنا آپا نہ روکے اور

الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ؕ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ

عورت نے دروازے اور بولی آجا تیرے ہی لیے فرمایا پناہ اللہ کی بیشک وہ مربی

دروازے سب بند کر دیے اور بولی آؤ تمہیں سے کہتی ہوں کہا اللہ کی پناہ وہ

رَبِّىْٓ اَحْسَنَ مَثْوَاىَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾

ہے میرا اچھا بنایا اس نے رہائش گاہ شان یہ ہے کہ نہیں کامیاب ہوتے ظلم کرنیوالے

عزیز تو میرا رب یعنی پرورش کرنے والا ہے اس نے مجھے اچھی طرح رکھا بیشک ظالموں

وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ ۚ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ

اور البتہ بیشک ارادہ کر لیا عورت نے کا اس اور ارادہ کر چکے ہوتے کا اس اگر نہ دیکھ لیتے برہان کو

کا بھلا نہیں ہوتا اور بیشک عورت نے اسکا ارادہ کیا اور وہ بھی عورت کا ارادہ کرتا اگر اپنے

رَبِّهٖ ؕ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ؕ

رب اپنے کی اسی طرح البتہ پھیرتے رہیں گے ہم سے اس مصیبت کو اور برائی کو کہ

رب کی دلیل نہ دیکھ لیتا ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾

بیشک وہ سے بندوں ہمارے اخلاص والوں

بیشک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی دنیوی ابتلاء مشکلات کا ذکر ہوا اب دینی آزمائشوں اور مشکلات کا ذکر شروع ہوا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں

بھائیوں کی طرف سے عداوت ودشمنی کی بنا پر پہنچی ہوئی مصیبتوں کا ذکر ہوا اب یہاں عشق ومحبت کی بنا پر پہنچی ہوئی مشقتوں کا آزمائشوں کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ان تکلیفوں کا بیان ہوا جن سے بچنا اپنے اختیار میں نہ تھا۔ ان تکلیفوں کا ذکر ہوا جن سے بچنا اپنے اختیار میں تھا **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں یوسف کو دیکھنے والی مختلف نظروں اور نظریات کا ذکر کیا گیا اب زلیخا کی نظر کا ذکر کیا گیا کہ جب زلیخا نے دیکھا تو کیا نظریہ قائم کیا۔ گویا کہ یوسف ایک دیکھنے والوں کے خیالات مختلف۔

تفسیر نحوی وَرَاوَدَتْهُ الَّتِي هُوَ فِي بَيْتِهَا عَن نَّفْسِهِ وَغَلَّقَتِ الْأَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ واؤ سر جملہ۔ رَاوَدَتْ فعل ماضی مونث واحد رَوْدٌ سے بنا بمعنی قلبی خواہش کو نرمی سے ظاہر کرنا خواہ دنیوی خواہش یا دینی خواہ اچھی یا بری۔ اس کی ابتدا میلان نفس سے ہوتی ہے اور انتہاء اظہار لسان یا افعال سے ہوتی ہے۔ باب مفاعلہ بغیر مشارکت ہے کیونکہ متعدی بیک مفعول ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ کا مرجع یوسف ہیں اَلَّتِیْ اسم موصول مونث ہے صفت ہے ہی ضمیر مستتر فاعل کی ھُوَ ضمیر منفصل مبتدا ہے جملہ اسمیہ صلہ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ سے پہلے مَوْجُوْدٌ یا سَاکِنٌ یا مُقِیْمٌ پوشیدہ خبر مبتدا ہے بَیْتٌ اسم جامد ہے بروزن عَیْبٌ اور مصدر بھی ہوتا ہے۔ بروزن بیع بمعنی رات گذارنا یہاں مراد ہے گھر ھا ضمیر غائب کا مرجع رَاوَدَتْ کا فاعل مونث ہے۔ عَنْ جارہ بمعنی باء سببیہ ہے یا بمعنی مِنْ تعلیلیہ مگر صحیح یہ ہے کہ عَنْ زائدہ نفس سے مراد ذات یعنی شخصیت ہے یا دل ہٖ ضمیر کا مرجع یوسف واؤ عاطفہ۔ عطف ہے فعل کا فعل پر غَلَّقَتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مونث باب تفعیل میں آکر زیادتی کے معنی پیدا ہوتے یعنی سختی سے دروازے بند کئے غَلْقٌ سے بنا۔ اَلْاَبْوَابَ الف لام عہدی ہے ابواب جمع مکسر ہے بَابٌ کے بمعنی دروازہ واؤ بمعنی ثُمَّ قَالَتْ مونث کا صیغہ یہ قول ہے اسی مونث کا اگلی عبارت مقولہ ہے۔ هَيْتَ۔ فعل امر ہے اس کی لغت میں چار قول ہیں ۱ یہ اسم فعل ہے بمعنی امر حاضر ۲ یہ اسماء تحضیض میں سے ہے۔ ۳ یہ عبرانی لفظ ہے ۴ یہ عربی لفظ ہے ھَیٌّ سے بنا باب سَمِعَ سے ہے۔ واحد حاضر ماضی بمعنی امر۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ لفظ عربی ہے اسماء افعال سے ہے بمعنی جلدی آ۔ امر ہے۔ یا جلدی کر مبنی بر فتح ہے۔ لَكَ میں لام بیانیہ ہے۔ کَ ضمیر واحد حاضر کی تاکید کے لئے ھیت واحد جمع اور تثنیہ سب کے لئے مستعمل ہے للہٰذا اس کے بعد لَكَ لَكُمَا۔ لَكُمْ لَنَا لَہُنَّ لَکُنَّ سب ضمیریں آسکتی ہیں۔ بعض نے کہا هَيْتَ مصدری معنی میں ہے اور لَكَ اس کے متعلق ہے۔ یعنی جلدی آنا ضروری ہے تیرے لئے قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ یہ جوابی قول ہے۔ اس کا فاعل یوسف مَعَاذَ۔ اسم ظرف دراصل مَعْوَذٌ تھا بمعنی چھپنے کی جگہ مراد ہے پناہ یہ مقولہ ہے قول کا یہاں فعل اَطْلُبُ پوشیدہ ہے یہ اس کا ظرف ہے یا مفعول بہ ہے قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ إِنَّهُ رَبِّي أَحْسَنَ مَثْوَايَ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر اسم اِنَّ کا مرجع ذہنی ہے۔ یا یہ ضمیر شان ہے رَبّ بمعنی مُربّی سے مراد عزیز مصر ہے یاء متکلم مضاف الیہ اَحْسَنَ فعل ماضی کا فاعل۔ ربی کی ضمیر ھُوَ مستقر ہے۔ مثوا اسم ظرف ہے بحالت زبر بمعنی رہائش گاہ یاء متکلم مضاف الیہ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر شان۔ لَا یُفْلِحُ مضارع بمعنی حال یا مستقبل۔ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ الف لام استغراقی ظالمون جمع ہے ظالم کی

ظُلْمٌ سے بنا بمعنی نقصان کرنے والا وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔ واؤ ابتدائیہ هَمَّتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مونث هَمَّ مضاعف ثلاثی سے بنا بمعنی پختہ ارادہ کرنا باء جارہ بمعنی مع مفعولیت کے لئے ہے ہٖ ضمیر کا مرجع یوسف ۔ واؤ ہمز جملہ ہے هَمَّ نیا جملہ ہے اسی فعل کا مذکر صیغہ ہے یہ جملہ فعلیہ جزاء مقدم ہے اور لولا کا جواب یعنی جزا کا مقدم ہونا جائز ہے تمام نحات کوفہ اس پر متفق ہیں بصری نحویوں میں سے مبرد نحوی بھی جائز مانتے ہیں چند نحویوں نے اس کو ناجائز کہا ہے امام رازی نے فرمایا ضرورةً جائز ہے با بمعنی مع ھا ضمیر مونث غائب کا مرجع هَمَّتْ کا فاعل ہے ۔ لَوْ حرف شرط ۔ لا نافیہ دراصل تھا لا یکونُ اَنْ ناصبہ یا اَنْ ان تھا رَاٰی ماضی مطلق بمعنی شرط متعدی بیک مفعول ہے رَاٰیٌ سے بنا بمعنی دیکھنا مہموز العین وناقص یائی ۔ بُرْهان ۔ وہ دلیل جو ہر طرح مضبوط ہو بروزن فعلان عثمان الف نون زائد تان ہے بُرُوْہٌ سے بنا ثلاثی ہے بعض نے کہا رباعی ہے بَرْهَنٌ سے بنا بروزن سُرْوَالٌ ۔ بمعنی مطلق ۔ دلیل بوجہ مضاف بطرف رَبِّهٖ کے مضبوطی پیدا ہوئی ۔ رب بمعنی اللہ تعالیٰ ہٖ کا مرجع یوسف كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۔ كَذٰلِكَ حرف تشبیہ ۔ مشبہ بہ ۔ سابقہ متصلہ جملہ ۔ لِنَصْرِفَ فعل امر فعل امر بصیغہ جمع متکلم ۔ عَنْ ظرفیہ بمعنی مِنْ ہٗ کا مرجع یوسف السُّوْٓءَ الف لام جنسی ہے سوء سے مراد یا گناہ صغیرہ یا ۔ اسباب گناہ یا خیانت یا ہے عام گناہ ۔ بغیر فحش واؤ عاطفہ ہے الفحشاء الف لام استغراقی ہے جمع ہے فحش کی مراد ہر قسم کی بے حیائی اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر اسم ان کا مرجع یوسف علیہ السلام ہیں مِنْ تبعیضیہ عباد جمع عبد کی ۔ عَبْدٌ مصدر بمعنی عابد نا ضمیر متکلم کا مرجع ذات باری تعالیٰ اَلْمُخْلِصِيْنَ ۔ الف لام استغراقی مخلصین یا اسم فاعل ہے باب افعال کا لام پر زیر ہے مخلص کی جمع مخلص سے بنا بمعنی خالص کرنے والا ۔ عبادت کو اللہ کے لئے یا یہ اسم مفعول جمع ہے اسی باب اور اسی مادہ سے بمعنی چنا ہوا ۔ جمع ہے مخلَص کی بفتح لام ۔

تفسیر عالمانہ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَيْتَ لَكَ ۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّيْٓ اَحْسَنَ مَثْوَايَ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ حیات یوسفی کا ایک دور ختم ہوا اور دوسرا شروع ہوا جس کی ابتداء اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ سے ہوئی ۔ اس زندگی کی دوسری واردات یہ ہے کہ اور بہلایا پھسلایا صرف اس عورت زلیخا نے ہی اس یوسف کو جس کے گھر میں یوسف رہتے تھے جب خوب جوان ہو گئے اس وقت یعنی بعمر اٹھارہ یا بیس سال اس یوسف کی ذات یا نفس امارہ کے ذریعے کہ یہ نفس امارہ کی خواہش سے مجھ پر آجائیں یا اپنی ذات میرے حوالے کر دیں اور اس یوسف کے لئے خصوصی بنائے ہوئے مکان کے ساتوں کمروں کے سب دروازے خوب مضبوطی سے بند کر دیئے یعنی تالے لگا دیئے اور دور کھڑے یوسف کو پکارا اور کہا کہ آجا یہ سب کچھ حسن زینت ۔ میں اور میرا فیشن تیرے ہی لئے ہے ۔ یوسف علیہ السلام نے فرمایا پناہ مانگتا ہوں میں اللہ کی پناہ لفظ معاذ مصدر میمی ہے یا مفعول مطلق ہے برائے تاکید یا مفعول بہ ہے پہلی صورت میں اصل معنی ہے اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مَعَاذًا ۔ اسی خیانت سے جو تو کرانا چاہتی ہے بے شک وہ میرا اللہ میرا رب ہے یا وہ تیرا خاوند یقیناً میرا مربی ہے ۔ یا وہ عزیز مصر تیرا خاوند میرا آقا ہے مالک ہے میں اس کا غلام ہوں ۔ ربی کے بارے میں پہلے دو

قول درست ہیں مگر یہ تیسرا قول ضعیف اور غلط ہے کیونکہ نہ یوسف علیہ السلام شرعًا غلام تھے نہ ان کو بیچنا خریدنا کسی کے لئے جائز تھا پچھلی آیات وَشَرَوْهُ فرمانا اور پھر اِشْتَرَاهُ مِنْ مِصْرَ فرمانا مجازًا ہے یعنی انہوں نے اپنی طرف سے اپنے معلومات کے مطابق بیچ دیا اور یوسف علیہ السلام نے بتایا بھی نہیں کہ میں آزاد ہوں اس لئے شریعت میں وہ کمائی حلال ہے کیونکہ بائع اور خریدار کو صحیح حالات کا علم نہیں۔ لیکن حقیقتًا یوسف غلام نہ بنیں گے اس لئے خود یوسف علیہ السلام کا کہنا کہ وہ میرا مالک ہے میں اس کا غلام ہوں ہرگز نہیں ہو سکتا اس لئے یہ تیسری تفسیر غلط ہے۔

مسئلہ: اگر ایک آدمی کوئی عورت لونڈی ظاہر کر کے بیچ دے لونڈی بھی خاموش رہے اصلیت نہ بتلائے تو خریدار کو وطی جائز اولاد حلال ہو گی تاجر بائع اگر اصلیت سے واقف ہے تو یہ قیمت اس کے لئے حرام ہے ورنہ حلال۔ کیونکہ آزاد کو بیچنا حرام ہے حرام کام کی کمائی بھی حرام ہوتی ہے۔ ہاں یہ کہنا جائز ہے کہ وہ میرا پرورش کرنے والا مربی ہے۔ اس نے مجھ کو بہت آرام کی رہائش دی ہے۔ اس طرح کہ بہت خوبصورت مکان آس پاس باغ اچھی خوراک خوبصورت لباس پھر غلام سمجھنے کے باوجود کوئی خدمت نہیں لیتا بلکہ خدمت کے لئے غلام دیئے ہیں سارا دن فارغ رہتا ہوں۔ روایت ہے کہ حضرت یوسف نے اپنے دنوں کو تین حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پہلے حصے میں نماز پڑھتے رہتے دوسرے حصے میں یاد الٰہی میں روتے اور تفکر کرتے رہتے تیسرے حصے میں تسبیح و تہلیل ورد وظائف میں مشغول رہتے۔ رات میں نہ جانے کیا کرتے یہ بھید نبی کا ہے جس کو بجز خدا کوئی نہیں جانتا۔ زلیخا نے ایک دفعہ عشق میں وارفتہ ہو کر بلایا تو آپ اپنے باغ میں بھاگ گئے زلیخا سمجھی شاید آپ کو یہ باغ یہ مکان بہت پسند ہے اس لئے وہاں کے علاوہ کہیں نہیں جانا چاہتے تب زلیخا نے محض خلوت اور قرب یوسف کے لیے اس سے بھی زیادہ خوبصورت مکان سات کمروں والا بنایا اور کمرے کے اندر بنایا اور یوسف کو کہا کہ آ میں تجھ کو اپنا مکان دکھاؤں یہ سب مکانات عزیز مصر کے بہت بڑے قلعہ نما محل کے اندر ہی بنائے گئے حضرت یوسف مکان کے دیکھنے کی نیت سے چلے گئے اور وہ پیچھے تالے لگاتی رہی جب آخری کمرے کے دروازہ کو تالا لگا دیا اور کمرے میں پرستش کے بتوں پر کپڑے کا پردہ ڈال دیا پھر دعوت گناہ دی آپ نے فرمایا میرے رب کے مجھ پر اتنے کرم ہیں کہ اس نے بیگانوں کو اپنا بنا دیا عیش و عشرت دیا۔ کیا یہ ظلم نہیں کہ میں اسی کا جرم اسی کا گناہ کروں۔ یاد رکھو اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ بے شک میرا اللہ ظالموں کو کبھی کامیاب نہیں ہونے دیتا۔ اے زلیخا تو اپنے جھوٹے معبودوں سے غیرت رکھتی تو کیا میں اپنے غیب دان ہر جگہ حاضر سچے معبود اللہ تعالیٰ سے غیرت نہ رکھوں۔ روایت ہے زلیخا خود اتنی حسینہ تھی کہ جب یوسف علیہ السلام نے اس کو اس طرح بنا ٹھنا دیکھا تو بارگاہ رب کریم میں عرض کیا کہ مولیٰ معصوم کے سوائے اس سے کوئی بچ نہیں سکتا جب یوسف علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ کی تعریف زلیخا کے سامنے کی تو زلیخا نے کہا اگر تیرا معبود تجھ سے ناراض ہو تو میں اپنے سارے خزانے اس کے بندوں پر نثار کر کے اس کو راضی کر لوں گی وہ تجھ سے راضی ہو جائے گا آپ نے فرمایا میرا رب صرف پرہیزگاروں کے ہدیے قبول کرتا ہے۔ اللہ نے زلیخا کی بھی تین باتیں ظاہر کیں گناہ کا ارادہ۔ پھسلانا۔ دروازے بند کرنا اور یوسف علیہ السلام

کی جو تین باتیں ذکر کیں۔ خدا کی پناہ۔ وہ میرا رب ہے۔ اس نے مجھ کو اچھا ٹھکانا دیا۔ ثابت ہوا کہ نبی کے پاس اچھائی ہی ہوتی ہے اور جو نبی سے دور ہو اس کے پاس صرف برائی ہی ہوتی ہے۔ امام غزالی نے فرمایا کہ زلیخا کا احسان عزیز کے احسان سے زیادہ تھا مگر وہ گناہ سے لتھڑ گیا اس لئے احسن مثوی کی نسبت عزیز کی طرف ہوئی نہ کہ زلیخا کی طرف اس کی سب محنت برباد گئی۔ کیونکہ گناہ دنیا کی ذلت ہے آخرت کی حسرت ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۔ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۔ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِیْنَ اور البتہ بیشک اس عورت نے جس کا نام راعیل بنت طیموس تھا اس گناہ کا بالکل ارادہ کر لیا تھا۔ بلکہ کئی دن سے اسی اہتمام و انتظام میں اور موقع کی تلاش میں لگی ہوئی تھی۔ ھَمٌّ اس ارادہ قلبی کا نام ہے جس کو ابھی کیا نہ ہو مگر اسباب پورے مہیا ہوں ارتکاب بالکل قریب ہو اور آمادگی و رضا و چاہت پختہ ہو۔ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ زلیخا اس وقت اپنی عمر میں پہلے گناہ کی طرف بالکل مائل یہ کام ہے معصومیت یوسف کا کہ جس نے دونوں کو گناہ سے بچائے رکھا۔ ہاں اس میں بہت روایتیں ہیں کہ حضرت یوسف کا اس وقت کیا حال ہوا۔ یہود و نصاریٰ نے اس بارے میں بڑی بڑی خبیثانہ بکواسات کی ہیں اور ہمارے بعض مفسروں نے اندھا بن کر ان کو نقل کر دیا مگر میں اُن کا دُہرانا بھی کفر سمجھتا ہوں کیونکہ گستاخی نبی کا ارتکاب ہے اور بلا وجہ اسرائیلیات کی تشہیر ہے۔ ہاں ہمارے سلجھے ہوئے مفسرین نے دو باتیں بیان کی ہیں اگرچہ میں ان سے بھی متفق نہیں مگر ان کے نقل کرنے میں مضائقہ نہیں ایک قول یہ ہے کہ ھَمَّ بِہَا اور یوسف بھی اس کے قتل کا ارادہ کر لیتے۔ یعنی زلیخا نے گناہ کا ارادہ کر لیا اور یوسف نے اس کے قتل۔ دوسرا قول یہ کہ زلیخا نے گناہ کا ارادہ کر لیا تھا اور یوسف نے حسن زلیخا کو دیکھ کر اپنے قوت مردمی میں ہیجان محسوس کیا اگرچہ فعل بد سے متنفر ہی رہے جیسے کہ کوئی جانور کو صحبت کرتا دیکھ کر انسان کی مردمی قوت میں ہیجان پیدا ہوتا ہے حالانکہ اس جانور سے صحبت کرنا قطعاً گوارا نہیں ہوتا یا جیسے کہ سخت بھوکا آدمی گائے بھینس کو کھاتا دیکھ کر بھوک کا ہیجان محسوس کرتا ہے یا پیاسا آدمی کتے کو نالی سے پانی پیتا دیکھ کر اپنی پیاس کی شدت محسوس کرتا ہے۔ حالانکہ اس کھانے پینے سے طبعی متنفر ہوتا ہے۔ اسی طرح یوسف علیہ السلام گناہ سے متنفر رہتے ہوتے قوت مردمی کا ہیجان محسوس کرنے لگے۔ اور یہ اس لئے ہوا کہ آپ کوئی خنثیٰ نہ تھے بلکہ قوت مردمی والے جوان تھے۔ اور عصمت انبیاء صرف گناہ کی قدرت کو ختم کرتی ہے نہ کہ قوت مردمی کو۔ قوت مردمی کا ہیجان تو کئی دفعہ چلتے پھرتے بھی ہو جاتا ہے۔ تیسرا قول یہ بھی ہے کہ جس طرح کئی سال پہلے زلیخا نے خواب میں جمال یوسف دیکھا اور سنا کہ یہ شخص تیرے لئے ہے اسی طرح حضرت یوسف نے بھی کئی سال پہلے خواب میں زلیخا کو دیکھا اور سنا تھا کہ یہ عورت تیرے لئے ہے آج جب یہ خلوت ہوئی تو زلیخا گناہ پر آمادہ ہوئی اور یوسف علیہ السلام کو اپنا بنانے پر آمادہ ہوتے اور ارادہ کیا کہ اس کو بیوی بنا لینا چاہیئے۔ یہ قول امام غزالی نے پسند کیا۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سب باتیں بیکار ہیں اور روش کلام کے خلاف۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت یوسف نے قطعاً کوئی بھی ارادہ نہ کیا نہ اچھا نہ برا۔ قرآن مجید ارادے کی نفی فرما رہا ہے۔ اس لئے کہ ارتکاب فعل کی تو

دونوں سے نفی ہے فرق ارادے میں ہوا اگر ارادہ دونوں کا ثابت ہو تو لَوْلَا نہ آتا۔ حرفِ لَوْ ماقبل کو توڑتا ہے بتایا یہ جا رہا ہے کہ زلیخا نے تو ارادہ کر لیا تھا یوسف ارادہ کر لیتے۔ یعنی کیا نہیں اٰنْ رَّاٰی بُرْهَانَ رَبِّهٖ اگر برہان الٰہی نہ دیکھ لیتے ثابت ہو گیا کہ برہان کو ارادہ سے پہلے دکھایا گیا۔ ابھی ارادے کی مہلت نہ ملی۔ کہ برہان دیکھ لی برہان میں پندرہ قول ہیں م۱ ایک پرندہ جس نے کان میں پچھلے واقعات یاد دلاتے م۲ شکل یعقوب علیہ السلام دیکھی م۳ نور ازلی دیکھا جس سے متوجہ الی اللہ ہو گئے یہی قول قوی تر ہے م۴ بتوں پر پردہ دیکھ کر غیرت ایمانی کا غصہ آ گیا م۵ خود اپنے دل سے آواز آئی اے اللہ کے نبی یہ امتحان گاہ ہے م۶ قدرت الٰہی سے مکان کی چھت چر گئی اور دونوں کی توجہ ہٹ گئی م۷ زمین کو دیکھا تو ایک کلام صحف ابراہیم لکھا دیکھا جس میں بدی کے انجام کا ذکر تھا م۸ فرشتہ آیا جس نے توجہ ہٹا دی م۹ عزیز مصر کی آواز سنائی دی م۱۰ زلیخا بہت بدصورت نظر آئی کہ یہ شکل قابل نفرت م۱۱ جنت کی حور نظر آئی جو زلیخا سے کہیں زیادہ حسینہ تھی۔ م۱۲ غیبی آواز آئی جس سے توجہ ہٹی م۱۳ کنعانی دوستی والا کنواں نظر آیا تو خوف سے رونگٹے کھڑے ہو گئے انعامات ربانی یاد آ گئے م۱۴ بڑا اژدھا نظر آیا جس نے کہا میں زانیوں کا عذاب ہوں م۱۵ الہام ہوا کہ ہم نے تم کو نور نبوت سے نوازا ہے تم نے معاذ اللہ کہہ کر ہماری پناہ لی جو ہم کو یاد کرتا ہے ہم اس کے ہو جاتے ہیں اور اسی طرح اس یوسف کو خطاؤں یا گناہوں یا فریب کے جالوں سے ہم پھیرتے رہیں گے اور فحش بدکاریوں سے۔ یعنی جس طرح برہان دکھا کر ہم نے یوسف کو ارادہ سے پھیر دیا۔ متوجہ الی اللہ کر لیا آئندہ بھی اس کو سُوْء یعنی خیانت اور فحشا یعنی ہر قسم کے فسق سے ہم پھیر دیں گے کہ قدرت نہ پائیں گے یہ کرم نوازیاں سب اس لئے ہیں کہ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ بے شک وہ یوسف ہمارے خالص کئے ہوئے بندوں میں سے ہے۔ لہٰذا شیطان کا اس پر تسلط قطعًا نہیں ہو سکتا کیونکہ شیطان نے جب کہا تھا کہ میں تیرے بندوں کو اغوا کروں گا تو ساتھ ڈر کر کہہ دیا تھا کہ تیرے خالص بندوں پر میری ہمت نہیں ہے۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** انبیاء کرام کو گناہ کا صدور تو درکنار خیالِ گناہ بھی لاحق نہیں۔ زلیخا سامنے ہے یوسف دیکھ رہے ہیں اس موقعے پر گناہ کا خیال آنکھ کا زنا بن جاتا اور یہ بھی گناہِ کبیرہ اس کی توبہ لازم اگر یہ ارادہ بھی ثابت ہو تو حضرت یوسف پر توبہ فرض تھی اگر توبہ کرتے تو قرآن مجید میں ضرور مذکور ہوتی اور اگر توبہ نہ کی تو مجرم ہوتے نہ کہ مخلص حالانکہ رب تعالیٰ نے ان کو مخلص فرمایا۔ ثابت ہوا کہ ارتکاب یا ارادہ تو درکنار خیال تصور سے بھی پاک و منزہ ہیں یہ فائدہ مخلصین فرمانے سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** انبیاء کرام ہر آن الی اللہ ہوتے ہیں دیکھو یوسف علیہ السلام زلیخا کی دعوت کو رد بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ساتھ حمد باری تعالیٰ کرتے جا رہے ہیں جس سے تبلیغ ایمان بھی ہو رہی ہے یہ فائدہ معاذ اللہ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** حضرت یوسف م زلیخا کے پاس نہ گئے بلکہ زلیخا یوسف کے پاس آئی آپ آگے آگے ہیں مکان دیکھ رہے ہیں اور زلیخا پیچھے پیچھے دروازہ بند کرتی آ رہی ہے۔ اسی لئے ہر فعل مؤنث آیا اور ہر فعل کا فاعل زلیخا کو بنایا یہ فائدہ راودت اور غلقت کے مؤنث فرمانے سے حاصل ہوا

چوتھا فائدہ یوسف علیہ السلام نے کسی قسم کا کوئی ارادہ بھی نہ کیا یہ فائدہ ھَمَّتْ اور ھَمَّ کو الگ کرنے سے حاصل ہوا اگر دونوں نے کچھ ارادے کئے ہوتے تو ایک صیغہ بول دیا جانا کافی ہوتا **پانچواں فائدہ** انبیاء کرام اللہ کی برہان ہوتے ہیں یہاں یعقوب علیہ السلام کو برھان فرمایا اور قَدْ جَآءَکُمْ بُرْھَانٌ میں نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو برہان فرمایا یہ فائدہ بُرْھَانَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ برہان اس دلیل کو کہتے ہیں جو دعوے کی مثل بن کر دعوے کو ثابت کرے اور کسی سے ٹوٹ نہ سکے رب تعالیٰ کے دعوے ہیں علیم ہونا۔ خبیر ہونا۔ مالک کائنات ہونا۔ حاجت روا مشکل کشا ہونا۔ حاضر و قریب ہونا تو اب برھان وہی ہو سکتی ہے جس میں یہ عطائی کمالات ہوں اور خود علیم ہو کر خبیر مشکل کشا ہو کر ثابت کرے کہ جب میں عطا سے یہ کام کر سکتا ہوں اور اتنی طاقت رکھتا ہوں تو ذاتی قوتوں والا کتنا عظیم ہو گا اس کی مثال یوں ہے کہ ایک استاد کہتا ہے میرا علم دیکھنا ہے تو میرے فلاں شاگرد کو دیکھو لازمی بات ہے کہ اس شاگرد میں استاد کے عطا کردہ استاد جیسے علمی جوہر ہوں گے۔ ورنہ استاد لوگوں کے سامنے اس کو پیش نہ کرتا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا رَاوَدَتْہُ یہ فعل باب مفاعلۃ کا ماضی مطلق ہے باب مفاعلۃ کی خاصیت ہے دو طرفہ کام ہونا۔ جیسے مقاتلہ ایک دوسرے سے جنگ کرنا۔ مقابلہ ایک دوسرے کے سامنے آنا تو لازم آیا کہ اس کا معنی ہو ایک دوسرے کو بہلانا ورغلانا پھسلانا **جواب** ہر فعل میں اصل صیغہ مذکر ہوتا ہے اور اصلیت میں عموم ہوتا ہے۔ جب اصل سے ہٹا کر عارضی چیز بیان کی جائے تو عمومیت ختم ہو جاتی ہے۔ یہاں راودت مؤنث صیغہ بول کر ثابت کیا جا رہا ہے کہ یہاں دو طرفہ یہ فعل نہیں۔ جیسے چور کا پیچھے کرنے کے لئے عَاقَبْتُہٗ بولا جاتا ہے یعنی گھر والے نے ہی چور کا پیچھا کیا یہ مطلب نہیں کہ چور نے گھر والے کا اور گھر والے نے چور کا پیچھا کیا۔ بعض نے اس کا جواب یہ دیا کہ چونکہ راودت کے بعد واحد کی ضمیر مفعول بہ بن رہی اس لئے باب مفاعلۃ کی وہ خاصیت یہاں باقی نہ رہی اگر بالکل مفعول بہ مذکور نہ ہوتا یا تثنیہ مفعول بن جاتا اگرچہ یہ مشکل ہے تب دو طرفہ ورغلانا مراد ہوتا۔ بعض نے جواب دیا کہ باب مفاعلۃ کی یہ خصوصیت لازمی حتمی اور قاعدہ کلیہ نہیں کبھی اس کے خلاف بھی ہوتا ہے۔ مہمانوں کی خاطر مدارات کرنا۔ ڈاکٹر یا حکیم کا بیمار کی مداوت کرنا یعنی علاج اور دوائی کرنا یہاں دو طرفہ دوائی کرنا مراد نہیں ہو سکتا کہ ڈاکٹر نے بیمار کی اور بیمار نے ڈاکٹر کی دوائی کی اسی طرح یہاں راودت میں ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن مجید میں بڑے اہم واقعات آئے ہیں جن کی عورتوں کا ذکر ہے مگر بجز حضرت مریم کے کسی عورت کا نام ذکر نہیں حتیٰ کہ ام زلیخا کا نام ذکر نہیں حالانکہ دراز واقعہ بیان کیا گیا **جواب** منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ عورتوں کو پردے میں رکھا جائے یہاں تک کہ اس کا نام بھی عورت یعنی پردہ ہی بنا رہے اور یہ بندوں کو سبق سکھایا گیا کہ اے بندو عورت تو مرد و خبردار اپنی عورتوں کو ظاہر نہ کرنا جسم تو درکنار نام تک اخبار و رسالوں میں ظاہر نہ کرنا یہ صنفِ نازک پردے میں رہنے سے ہی اچھی لگتی ہے۔ یہ اشارۃً امر استحبابی ہے۔ حضرت مریم کا نام دو وجہ سے ظاہر فرمایا۔ ایک تو حضرت عیسیٰ کی وجہ سے یہ بتانے کے لئے کہ یہ عیسیٰ بغیر باپ محض ہماری قدرت سے بوسیلہ

مریم پیدا ہوئے اور نبوت کو مریم کی طرف نسبت کرنے کی بنا پر فرمایا گیا عیسیٰ بن مریم دوسری وجہ یہ کہ حضرت مریم کو عیسائیوں نے معاذاللہ خدا تعالیٰ کی بیوی کہنا شروع کیا تو ان کی بندگی اور مخلوق ہونا اہتمام سے رب تعالیٰ نے ذکر فرمائی لہٰذا نام ظاہر کرنا ضروری تھا تاکہ مریم کے بندہ ہونے میں شک شبہ نہ رہے۔ **تیسرا اعتراض** حضرت یوسف آزاد مرد تھے ان کا غلام بنایا جانا ان کا فروخت کیا جانا اور خریدنا سب ناجائز تھا جس کو یوسف علیہ السلام جانتے تھے تو پھر یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کو اپنا آقا کیوں کہا۔ اِنَّهٗ رَبِّیْ **جواب** اس کا جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں دے دیا کہ رب کی نسبت یا اللہ کی طرف ہے تب کوئی اعتراض ہی نہیں رہا۔ یا عزیز مصر کی طرف ہے تب رب بمعنی مربی ہے نہ کہ آقا کسی لغت میں رب کا معنی آقا نہیں قرآن مجید میں کئی جگہ لفظ رب بندوں کے لئے استعمال ہوا ہے وہاں مراد مربی یعنی پرورش کرنے والا ہی ہے۔ جیسے کہ كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا **چوتھا اعتراض** جب زلیخا نے یوسف علیہ السلام کو دعوتِ گناہ دی تو آپ نے صاف لفظوں میں انکار نہ کیا بلکہ تین جواب دیئے ۱۔ مَعَاذَ اللّٰهِ ۲۔ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ ۳۔ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ اس کی کیا وجہ **جواب** آپ نے صرف انکار ہی کرنا پسند نہ کیا بلکہ اپنے انکار کے ساتھ وجہ انکار بھی بتائی اور اپنی قوت و طاقت بھی بتائی اور اس کو رکنے کی تلقین فرمائی۔ معاذاللہ کہہ کر یہ بتایا کہ اگرچہ حکومت اور لشکروں والی ہے مگر مجھ پر غلبہ نہیں پا سکتی کیونکہ میں احکم الحاکمین قادر و قیوم غالب علی کل غالب کی پناہ میں ہوں میری طاقت تجھ سے زیادہ ہے۔ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ فرما کر یہ اشارہ کیا کہ میں شکر گذار بندہ ہوں ناشکرا اور خائن نہیں۔ اس وجہ سے تیری دعوت قبول نہیں کر سکتا لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ فرما کر تبلیغ فرمائی کہ یہ سراسر ظلم ہے میں تو اس سے بچا ہی ہوا ہوں تو بھی بچ جا یہ فائدے مندا شارے صرف انکار میں نہ ملتے **پانچواں اعتراض** تمہاری نحوی تفسیر سے ثابت ہوا کہ هَمَّ بِهَا۔ لَوْلَآ کی جزا ہے حالانکہ مشہور بصری نحوی زجاج کہتے ہیں کہ لَوْلَآ کی جزا پر ہمیشہ لام تاکید آتا ہے اگر یہ جزا مقدم ہوتی تو لَهَمَّ ہوتا **جواب** تفسیر کبیر نے اس کا جواب دیا کہ لام آنا واجب نہیں صرف بہتر ہے قرآن مجید میں ایک اور جگہ بھی ایسا نہیں ہوا چنانچہ ارشاد ہے اِنْ كَادَتْ لَتُبْدِیْ بِهٖ لَوْلَآ اَنْ رَّبَطْنَا یہاں اِنْ كَادَتْ سب کے نزدیک لولا کی جزا مقدم ہے۔ لہٰذا هَمَّ بھی لولا کی جزا بن سکتا ہے اگر اس کو نہ مانا جائے تو دوسری جزا کہاں سے لاؤ گے۔ اور لَوْلَآ بغیر جزا ہوتا ہی نہیں اس بنا پر هَمَّ بِهٖ پر آیت ختم ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْۤ اَحْسَنَ مَثْوَایَ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ جب تک بندہ کی صفاتِ انانیت فنا نہیں ہوتیں اس وقت تک بندہ طالبِ دنیا عاشقِ لذاتِ شیداءِ شہوات سے ہوتا ہے۔ اور جب صفاتِ انانیت فنا ہو کر یوسفِ قلب کو مقامِ حقیقت کے مرتبے مل جاتے ہیں تو دنیا اس پر عاشق ہو جاتی ہے۔ اور قلب کو محلِ جسمانی کے خلوت خانۂ جسدی میں جکڑ کے عشقِ زلیخا کی شکل میں طرح طرح کے لباسِ خواہشات کے بھیس بدل کر جھوٹی دنیا۔ قلب کو خراب کرنے بہلانے پھسلانے کی کوشش کرتی ہے۔ اپنی لذات کی طرف بلاتی ہے کہ اے بندۂ دل یہ تیرے لئے ہے اور تو اسی دنیا کے لئے پیدا کیا گیا۔ ارکان

شریعت کے سدا بہار دروازے بھی بند کر دیتی ہے تاکہ قلبِ مسعود حق سے دور رہے۔ مگر تجلیاتِ معرفت اور مشاہداتِ انوار کی لذتیں لینے والا قلب دنیاءِ فنا کو کہتا ہے کہ میرا ٹھکانہ میری پناہ بارگاہِ الٰہیہ میں مقامِ بقا ہے۔ بیشک اس نے مجھ کو الطافِ ربوبیت کے دودھ سے پالا ہے۔ وہ میرا رب ہے جس نے بحرِ انوار امطارِ تجلیات میں اچھا ٹھکانا عطا فرمایا غلامیتِ نفسِ فانی سے بچا کر عالمِ حقیقت میں پہنچایا دنیا جس کی طرف بلاتی ہے وہ وادیِ ظلم ہے۔ وہ سخت ظالم ہے جو اپنے مولا کو چھوڑ کر دنیا کو قبول کرے اور ظالم کبھی منزلِ فلاح اور مقامِ کامیابی پر نہیں پہنچ سکتے۔ مولیٰ کی طلب شاہراہِ شریعت میں ہوتی ہے شریعت کی حدودِ اربعہ میں ہی مولیٰ ملتا ہے۔ طالبِ مولیٰ کو وادیِ شریعت میں خود آنا چاہیئے اور پیر و مرشد کی دعا کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے۔ یہاں دعاؤں سے کام نہیں چلتا۔ یہاں تو ہمت مردانگی کی ضرورت ہے۔ جو شخص ذرہ بھر شریعت کی مخالفت کرے وہ مردود ہے اگرچہ بڑا پیر و مرشد بنا پھرے۔ ایسا شخص مجہول کا جو بھی مرید بنے گا وہ بندۂ ابلیس ہوگا جب بندہ طالبِ حق اپنے آپ کو شریعت کی باریک تاروں سے جکڑ لیتا ہے تب مولیٰ تعالیٰ خود اس کو پکڑ کر کوچۂ معرفت میں لے جاتا ہے۔ اگر اٹھا کر لے جائے تو عارفِ مجذوب بنتا ہے اگر چلا کر لے جائے تو راہِ عشق کا سالک بنتا ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ شریعت کے میدان میں خود کود پڑو کسی کی آس میں نہ رہو۔ مگر کوچۂ معرفت میں خود نہ آؤ بلکہ دستگیرِ کائنات کی امداد کی دعا کرو اور طالبانِ مولیٰ کی دعائیں لو جو شخص اس کے خلاف چلے گا تباہ و برباد اور ابلیس کا شکار ہو جائے گا۔ کیونکہ دنیا بہت فریب کے لباسوں میں ہے وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ ۚ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ ۚ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ۔ قلبِ منتفر کو دنیا زیادہ محبت کے جال میں پھنساتی ہے اور البتہ بے شک زلیخاءِ دنیا نے یوسفِ قلب کو گناہ کی دلدل خواہشاتِ انسانیہ کے جنگل میں ہلاکت فنا کا پکا ارادہ کر لیا۔ لیکن قلبِ صنوبری نے کوئی ارادہ نہ کیا ہاں البتہ نفس حریص کے ساتھ مل کر لذاتِ دنیا کا ارادہ کر لیتا۔ اگر نورِ قناعت نظرِ عنایت کی برہانِ جبروت نہ دیکھ لیتا۔ ہم قلوبِ صادقین کو اسی طرح حبِ دنیا کی سوء اور شہوت دنیا کے فحشاء سے بذریعہ نظرِ عنایت مشاہدۂ جمال کی طرف پھیر دیتے ہیں بے شک قلب ہمارے مخلصوں میں سے ہے نہ کہ دنیاءِ دون کا غلام۔ کیونکہ قلب کا کمال یہ ہے کہ وجودِ مجازی کی جنس سے علیحدہ ہو کر خالص وجودِ حقیقی سے واصل ہو۔ بندۂ آزاد وہ ہے جو اوصافِ وجود سے فانی ہو اور اوصافِ ربانی سے باقی ہو۔ (روح البیان مع زیادت)

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّ

اور آگے پیچھے بھاگ پڑے دونوں دروازے کو اور کھینچتے ہوئے چیر دی عورت نے قمیص اس کی

اور دونوں دروازے کی طرف دوڑے اور عورت نے اس کا کرتہ پیچھے سے چیر لیا

وَأَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ ۚ قَالَتْ مَا جَزَاءُ مَنْ

سے پیچھے اور پا یا دونوں نے خاوند کو اس عورت کے قریب دروازے کے بولی کیا بدلہ اس

اور دونوں کو عورت کا میاں دروازے کے پاس ملا بولی کیا سزا ہے اس کی جس

أَرَادَ بِأَهْلِكَ سُوءًا إِلَّا أَنْ يُسْجَنَ أَوْ عَذَابٌ

کا جس نے ارادہ کیا ہے اہل بیت تیرے بدی کا مگر یہ کر قید کیا جائے یا سزا دردناک ۔

نے تیری گھر والی سے بدی چاہی مگر یہ کہ قید کیا جائے یا دکھ کی مار

أَلِيمٌ ﴿٢٥﴾ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِي عَنْ نَفْسِي وَشَهِدَ

فرمایا اس نے ہی ورغلایا مجھ کو بارے نفس میرے کے اور راز کھولا

کہا اس نے مجھ کو لبھایا کہ میں اپنی حفاظت نہ کروں اور عورت کے

شَاهِدٌ مِنْ أَهْلِهَا إِنْ كَانَ قَمِيصُهُ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ

کھولنے والے نے یں سے خاندان اس عورت کے کہ اگر ہو قمیص اس کی چری ہوئی سے آگے

گھر والوں میں سے ایک گواہ نے گواہی دی اگر ان کا کرتہ آگے سے چرا ہے تو

فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٢٦﴾ وَإِنْ كَانَ قَمِيصُهُ

تو عورت سچی اور یوسف سے جھوٹوں اور اگر ہو قمیص اس کی چیری گئی

عورت سچی ہے اور انہوں نے غلط کہا اور اگر ان کا کرتہ پیچھے سے

قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٢٧﴾

سے پیچھے تو عورت جھوٹی اور وہ سچے ہیں سے

چاک ہوا تو عورت جھوٹی ہے اور یہ سچے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی ایک کڑی آزمائش کا ذکر ہوا۔ اب یہاں اس آزمائش میں پورا اترنے کا تذکرہ ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی پاکدامنی

کا ذکر اور آپ کے خلوص قلبی کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان کے انتہائی مشکل عمل سے اس کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی خیانت کا ذکر تھا یہاں زلیخا کے جھوٹ بول کر جان بچانے کا ذکر ہے۔ اور اپنی شرمندگی مٹاتے ہوئے اپنی طرف سے یوسف کو تہمت لگانے کا بیان **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کے ارادے کا ذکر ہوا اب یہاں اس کے ارادے پر عمل کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ۔ واؤ سے جملہ اِسْتَبَقَا فعل ماضی بصیغہ تثنیہ ھُمَا ضمیر مستتر اس کا فاعل اس کا مرجع یوسف اور زلیخا۔ مستترہ ضمیر ہوتی ہے جو فعل کے اندر پوشیدہ ہو ظاہر بالکل نہ ہو صرف صیغہ کی شکل سے معلوم ہو۔ استبقا باب افتعال سے ہے۔ سبق سے بنا بمعنی آگے پیچھے دوڑنا تیزی سے الباب الف لام عہد خارجی ہے۔ یا جنسی کیونکہ پہلے ابواب آچکا ہے یہاں الی جارہ پوشیدہ دراصل تھا الی الباب۔ واؤ بعض نے کہا عاطفہ ہے اور بعض نے کہا حالیہ ہے قَدَّتْ فعل ماضی بصیغہ مونث باب نَصَرَ قَدٌّ سے بنا بمعنی کھینچنا اس طرح کہ پھٹ جائے۔ مطلقاً کھینچنے کو جذبٌ کہتے ہیں۔ متعدی ہے۔ قَمِيْصَهٗ مرکب اضافی اس کا مفعول قمیص سے لغت میں مطلق لباس مراد ہے مگر اصطلاح میں صرف کاندھے سے گھٹنے تک کے لباس کو کہتے ہیں یعنی کرتہ مِنْ بمعنی قِبَلْ یعنی طرف دُبُرٌ اسم جامد بمعنی ریڑھ کی ہڈی اصطلاح میں پیٹھ کو کہتے ہیں یہاں مراد پچھلی طرف ہے جو کاندھے سے ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ وَاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ۔ واؤ عاطفہ عطف ہے استبقا پر۔ فعل ماضی بصیغہ تثنیہ مذکر۔ لَفْیٌ سے بنا بمعنی اچانک پانا۔ سَيِّدٌ اسم مبالغہ ہے سَيْدٌ یا سَيْوِدٌ سے بنا بمعنی سردار۔ اس کا مادہ سَادٌ ہے۔ یہاں بمعنی خاوند ہے بحالت زبر مفعول بہ ہے فعل کا ھا ضمیر مونث کا مرجع زلیخا ہے۔ لَدَا اسماء ظروف سے ہے بمعنی قرب مکانی الباب الف لام عہدی ہے باب مضاف الیہ لدا کا بمعنی دروازہ۔ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ یہ جملہ استینافیہ یعنی نیا ہے۔ قَالَتْ فعل مونث کا فاعل زلیخا ہے۔ مَا میں دو قول ہیں یا نافیہ ہے یا سوالیہ۔ جَزَآءُ مضاف بحالت رفع مبتدا ہے۔ مَنْ میں بھی دو قول ہیں ما موصولہ ہے ما نکرہ موصوفہ بحالت زیر ہے مضاف الیہ ہے۔ اَرَادَ فعل ماضی باب افعال اس کا مصدر ارادۃٌ ہے۔ بمعنی دلی توجہ باء جارہ بمعنی مَعْ۔ اَهْل اسم جامد ہے اپنی اصلیت پر ہے مراد بیوی کَ ضمیر مخاطب کا مرجع سَيِّدَهَا ہے۔ سُوْٓءٌ نکرہ ہے بحالت زبر بمعنی برائی مطلقاً۔ اِلَّا حرف استثناء ہے۔ اگر مَا سابقہ نافیہ ہے تو اِلَّا متصل ہے۔ اگر ما موصولہ ہے تو اِلَّا لغو بمعنی سَوَاءَ اَنْ ناصبہ مستثنیٰ ہے پورا جملہ يُسْجَنَ مضارع مجہول سجنٌ سے بنا بمعنی قید کرنا متعدی بیک مفعول ہے۔ اَوْ حرف اختیاریہ۔ عَذَابٌ بروزن فَعَال عَذْبٌ سے بنا بمعنی سزا و دہری اَلِيْمٌ اَلَمٌ سے بنا صفت ہے عذابٌ موصوف مرفوع۔ اَلَمٌ بمعنی وہ سزا جس میں جسمانی درد ہو۔ خواہ زیادہ خواہ تھوڑا۔ عطف جملہ فعلیہ کا اسمیہ پر قَالَ هِیَ رَاوَدَتْنِیْ عَنْ نَّفْسِیْ۔ قَالَ فعل ماضی کا فاعل یوسف ہیں ھی مبتدا مقولہ ہے قول کا رَاوَدَتْ فعل مونث بمعنی ورغلایا نون وقایہ یا متکلم مفعول بہ۔ عَنْ بمعنی مع نفس بمعنی

ذات یعنی شخصیت مضاف ہے یاء متکلم کی طرف اس کا مرجع یوسف ہیں وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ واؤ ابتدائیہ شَهِدَ فعل ماضی شُهُدٌ سے بنا یہ گیارہ معنی میں مشترک ہے ۱گواہی دینا ۲گواہ بنانا ۳حاضر ہونا ۴حاضر رہنا ۵تصدیق کرنا ۶قسم کھانا ۷نگہبانی کرنا ۸امام یا بادی مرشد بنانا ۹محسوس کرنا ۱۰فیصلہ کرنا ۱۱مشورہ دینا (المنجد عربی۔ غیاث۔ کشوری۔ قاموس) یہاں آخری دو معنی مناسب ہیں اس کا استعمال لازم سے بھی ہے متعدی سے بھی اس کا فاعل شاہدٌ ہے اسم فاعل ہے اسی سے مِنْ تبعیضیہ اصل کا معنی والافراد ہے تعلق داری والا ھا ضمیر کا مرجع زلیخا۔ اِنْ حرف شرطیہ جملہ بیانیہ شرط ہے۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ کَوْنٌ سے بنا۔ قَمِيْصُ اسم کَانَ۔ تنوین سے مانع اضافت ہے ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ قُدَّ ماضی مجہول خبر کَانَ ہے قَدٌّ سے بنا بمعنی پھٹنا مِنْ جارہ ظرفیہ بمعنی قِبَل قُبُلٌ اسم جامد بمعنی سامنے آگے سینے سے لے کر پیر تک کو قُبُلٌ کہا جاتا ہے۔ فاء جزائیہ ہے۔ جملہ جزاء شرط ہے صَدَقَتْ فعل ماضی بمعنی سچا ہونا صِدْقٌ سے بنا۔ واؤ عاطفہ هُوَ ضمیر مذکر غائب مبتدا ہے مِنْ بعضیت کا۔ اَلْكٰذِبِيْنَ۔ الف لام استغراقی کٰذِبِیْن اسم فاعل جمع ہے کاذبٌ کی کِذْبٌ سے بنا بمعنی جھوٹ بولنا۔ لازم ہے۔ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ واؤ سے جملہ علیحدہ دوسرا جملہ۔ یا عاطفہ ہے تب یہ سب مل کر شَهِدَ کا بیان بنے گا۔ اِنْ حرف شرط اگلا جملہ شرط کان فعل ناقصہ قمیص اسم کان ہٗ کا مرجع یوسف قُدَّ مجہول اپنے متعلق سے مل کر خبر کان دبر بمعنی پچھلا حصہ۔ فاء جزائیہ كَذَبَتْ ماضی مطلق مونث کا صیغہ ہے اس کا فاعل ھی ضمیر مستتر کا مرجع وہ عورت ہے واؤ عاطفہ ہُوَ مبتدا مِنْ جارہ بعضیت کا الصادقین۔ الف لام استغراقی صادقین جمع ہے صادق کی صدقٌ سے بمعنی سچا ہونا۔

تفسیر عالمانہ

وَاسْتَبَقَا الْبَابَ وَقَدَّتْ قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا سَيِّدَهَا لَدَا الْبَابِ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّاۤ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ قَالَ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ اور بھاگ پڑے وہ دونوں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کے ارادے سے یا طریقے سے یعنی دونوں اپنے اپنے زور لگا کر بھاگے مگر نیتوں کا فرق تھا یوسف پہلے بھاگے زلیخا بعد میں یوسف پیچھا چھڑانے کے لئے زلیخا پکڑنے کے لئے یوسف برہان دیکھ کر بھاگے زلیخا یوسف کو دیکھ کر بھاگی۔ زلیخا عشق یوسفی میں بھاگی یوسف نفرتِ زلیخا سے بھاگے آخری دروازے تک کیونکہ مقصودِ یوسف وہیں تک پہنچنا تھا اس لئے یہاں باب واحد آیا۔ ارادہ یوسف علیہ السلام کے لحاظ سے یہاں باب واحد کا تذکرہ ہے۔ فعل زلیخا کے اعتبار سے وہاں ابواب جمع فرمایا گیا۔ زلیخا نے ساتوں دروازوں کو تالے لگاتے ہوتے تھے مگر نگاہ یوسف کی طاقت سے وہ سارے تالے کھلتے چلے گئے زلیخا بھی اس کرشمۂ قدرت کو دیکھتی جا رہی ہے اور حیران تھی دیکھنا ہی مقصود تھا یہ بھی حضرت یوسف کا معجزہ ہی تھا ابھی تک چار معجزے یوسف سے ظاہر ہو چکے ہیں ۱جس کوئیں میں آپ گرے اور آپ کا پاؤں پانی سے لگ گیا وہ کنواں کھاری تھا تو قیامت تک کے لئے میٹھا ہو گیا ۲پرندوں کا آپ سے گفتگو کرنا

ت عزیز مصر کے خالی خزانے بھرتے چلے جانا ۵ زلیخا کے لگائے ہوئے تالے کھلتے چلے جانا۔ عزیز مصر نے صرف ایک معجزہ دیکھا تو آپ کی عزت کی جو بعد میں اس کے ایمان کی وجہ بنے۔ زلیخا نے یوسف کا پیچھا نہ چھوڑا جوش محبت کا وسیلہ پکڑ کر بھاگتی رہی یہاں تک کہ یوسف کو پالیا تو جو بندہ نبی کا وسیلہ پکڑ کر خدا تعالیٰ کی طرف بھاگتا ہے وہ بھی یقیناً خدا کو پائے گا۔ اور پکڑ کر پھاڑ ڈالا اس یوسف کی قمیص کو پیچھے سے اس طرح کہ یوسف نے تیزی دکھائی اور قوت میں بھی زیادہ تھے اور قد میں بھی آپ کی تیزی تین وجہ سے تھی ۱ مرد ہونا مرد ہمیشہ عورت سے خلقتاً قوی ہوتا ہے مگر شاذ و نادر۔ خاص کر نبی کیونکہ نبی میں سو مردوں کی قوت ہوتی ہے اگرچہ اظہار نہ کریں یہی وجہ ہے کہ حضرت یوسف نے اتنی تکلیفیں ماریں برداشت کیں اور اُف تک نہ کیا ۲ قوی و صحت مند ہونا۔ بیمار آدمی تندرست عورت سے کمزور ہوسکتا ہے ۳ دراز قد ہونا۔ لمبے قد والا آدمی تیز بھاگتا ہے بلکہ اس کا چلنا بھی چھوٹے قد والے کے بھاگنے کے برابر ہوتا ہے حضرت یوسف کو دروازہ کھولنے کی رکاوٹ تھی یہ رکاوٹ زلیخا کو نہ تھی اس لئے زلیخا نے پیچھے سے پکڑ لیا مگر کرتہ ہاتھ آیا اس وقت دو زور لگے پیچھے سے کھینچنے کا آگے سے بھاگنے اور چھڑانے کا لہٰذا کرتہ لمبائی میں پھٹ گیا قَدٌّ کا معنی ہے لمبائی میں پھاڑنا اور شَقٌّ کے معنی ہیں چوڑائی میں پھاڑنا اور جَذْبٌ کے معنی ہیں صرف کھینچنا۔ یہ وہ قمیص تھی جو زلیخا نے پہنائی تھی اس کے نیچے وہ قمیص تھی جو تعویذ سے نکال کر کوئیں میں حضرت جبرائیل نے پہنائی تھی یہ جنت کی تھی اس کی خاصیت یہ تھی کہ نہ پھٹتی تھی نہ میلی ہوتی تھی نہ دھل سکتی تھی نہ جل سکتی تھی نہ اس کی بھینی خوشبو کبھی ختم ہوتی تھی حضرت یوسف نے بجز غسل کبھی نہ اتارا سردیوں میں گرم ہوتی تھی گرمیوں میں ٹھنڈی سب سے نیچے جسم کے ساتھ وہی ہوتی تھی باقی کپڑے کرتے واسکٹ وغیرہ اس کے اوپر یہ جنتی ریشم کی بنی ہوئی تھی اندھیرے میں چاند کی طرح روشن ہوتی تھی حضرت یوسف مصر میں اگر ہمیشہ دو قمیصیں پہنتے تھے ایک جنت کی ایک دنیا کی۔ اسی رب کی رضا بھی زلیخا نے پیچھے کے کرتے کو ہاتھ نہ ڈالا حالانکہ وہ لمبا تھا نظر آرہا تھا اس لئے کہ وہ معرفت اور عطاءِ ربانی کا تھا وہاں تک شیطانی ہاتھوں کی رسائی نہیں ہوسکتی اوپر کا کرتہ اپنے اعمال کسب و کمائی کا تھا وہاں تک شیطان کی پہنچ ہے اسی لئے جب تک انسان اعمال و اطاعت کی حد تک رہتا ہے ہر وقت اس کو شیطان اور قرین شیطان کا دھڑکا خوف لگا رہتا ہے لیکن جب معرفت کی منزل میں آجاتا ہے تو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ کا درجہ پالیتا ہے اسی کشمکش میں دونوں آخری دروازے سے جو محل کے صحن میں کھلتا تھا باہر نکل آئے۔ اچانک پایا ان دونوں نے اسی عورت زلیخا کے خاوند کو دروازے کے قریب یا وہ اس طرف کسی کام سے آرہا تھا یا زلیخا کے چچازاد بھائی یملیخا کے ساتھ گفتگو کرتا گزر رہا تھا یا کچھ دور کھڑا تھا اگر بالکل قریب ہوتا تو اس کشتی دھینگا مشتی اور پکڑ دھکڑ چیر پھاڑ کی آواز خود سن لیتا۔ اگرچہ اہل مصر اور خود عزیز مصر کے گمان میں یہی تھا کہ یوسف میرا زر خرید غلام ہے اور میں اس کا مالک ہوں مگر حقیقت میں وہ مالک نہ تھا نہ یہ غلام اسی لئے سَيِّدَهٗ یا سَيِّدَهُمَا نہ فرمایا گیا بلکہ سَيِّدَهَا یعنی صرف زلیخا کا مالک فرمایا گیا اور مراد خاوند لیا گیا۔ کیونکہ خاوند بھی تین وجہ سے اپنی بیوی کا مالک ہوتا ہے ۱ مِلْکِ بُضْعٍ کی وجہ سے ۲ بیوی کے کُلّی نان نفقہ اور ضروریات کے انتظام

وانصرام کی وجہ سے ۳ ہر قسم کی جائز پابندی بیوی پر لگانے کے اختیار ہونے کی وجہ سے۔ حضرت یوسف کے چھوٹ کر نکل بھاگنے کی تلخ حسرت کے بعد ایک دم خاوند کو دیکھ کر گھبرا گئی اور سمجھی کہ شاید یوسف میری شکایت لگا دے پہل کرتے ہوئے فوراً بولی مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اے میرے پیارے خاوند اس کی کیا سزا ہے جو تیری بیوی اہل خانہ تیرے گھر کی رونق سے برائی کا ارادہ کرے اس کلام میں زلیخا نے تین طرح خود کو بری قرار دیا ۱ مَنْ اَرَادَ یعنی صرف ارادہ کیا ارتکاب نہ ہوا کیونکہ ارتکاب بغیر عورت کی رضا کے نہیں ہو سکتا ۲ اَرَادَ باب افعال بولا جس میں صرف ایک طرف سے ارادے کا اظہار ہوتا ہے نہ کہ رَاوَدَ باب مفاعلہ کا کیونکہ اس میں دو طرف ارادہ ثابت ہوتا ہے ۳ بِاَهْلِكَ اس لفظ سے خاوند کا غصہ ٹھنڈا کرنا اور اپنی محبت ظاہر کرنا مقصود تھی کہ میں تیری محبت والی بیوی ہوں آج تک ہزاروں حسین دیکھے مگر تجھے خیانت کا داغ مجھ میں نظر نہ آیا تو آن بھی اس نے ہی مجھ کو ورغلانے کی کوشش کی ہے نہ کہ میں نے۔ زلیخا کو یہ گھبراہٹ خوف کی نہ تھی بلکہ ندامت و شرمندگی کی تھی کیونکہ عزیز مصر اپنی بیوی سے عشق کی حد تک محبت کرتا تھا اور دیکھا گیا ہے جو لوگ نامرد ہوتے ہیں یا ہو جاتے ہیں وہ اپنی بیوی سے زیادہ محبت کرتے ہیں اسی لئے بوڑھے کو اپنی بڑھیا سے زیادہ محبت ہوتی ہے۔ سوء کے معنی زنا ہیں اور زنا سب شریعتوں میں حرام رہا اس لئے کہ زنا سے پندرہ خرابیاں لازم آتی ہیں ۱ شرک کے بعد سب سے بڑا جرم زنا ہے اس کے بعد والدین کی ایذا رسانی ۲ دین کا نقصان ۳ عقل کا نقصان ۴ نقصان علم کہ اس سے نسیان پیدا ہوتا ہے ۵ نقصان عمر ۶ نقصان رزق ۷ غضب الٰہی کا سبب ۸ مفلسی کا سبب ۹ چہرے کی بدصورتی ۱۰ اچھے لوگ عداوت کرنے لگتے ہیں ۱۱ ہر وقت کی بے اطمینانی ۱۲ عبادت کی توفیق نہیں ملتی اگر کچھ کرتا ہے تو قبول نہیں ہوتی ۱۳ خدا کی دشمنی اور دوری ۱۴ موت خراب ہوتی ہے ۱۵ کسی کی نیکی اور نماز جنازہ بھی نہیں پہنچتا یعنی اس کے لئے کوئی دعا فائدہ مند نہیں (امام غزالی) یہ کہہ کر معاً یوسف پر نظر پڑی پھر عشق نے جوش مارا غور کیا کہیں یہ قتل نہ ہو جائے سزا خود تجویز کر دی۔ مگر یا قید کر دیا جائے۔ یُسْجَنَ جملہ فعلیہ ہے جو عدم دوام کو چاہتا ہے یعنی کچھ دن معمولی طور پر۔ قانونی نہیں کیونکہ وہ ملکی عدالتی جیل میں ہوتی ہے بلکہ گھر میں ہی نظر بند یا دردناک عبرت ناک سزا یا مار ماری جائے یہاں فعل مجہول یضرب پوشیدہ اور جملے کا جملے پر عطف ہے۔ یہاں بھی دوام کی نفی ہے۔ کیونکہ یہ بھی جملہ اسمیہ نہیں یعنی زیادہ دنوں تک مار نہیں یا زیادہ دراز نہیں بلکہ صرف اتنی جو اس کے لائق دردناک ہو جس سے آئندہ کے لئے عبرت آجائے زلیخا تو اس وقت بھی بار بار یوسف کو بنظر محبت دیکھ رہی تھی مگر یوسف نے نہایت خودداری اور غیرت کی حالت میں صرف عزیز مصر کو دیکھا زلیخا کی طرف قطعاً نگاہ نہ اٹھائی اور اپنی براءت میں ھی کو غائب کی ضمیر سے مراد لیتے ہوئے فرمایا وہ جھوٹی ہے بلکہ هِيَ رَاوَدَتْنِيْ اس نے مجھ کو ورغلایا بھڑکایا اے عزیز اے میرے مربی تو میرے متعلق غلط رائے قائم نہ کرنا اگر زلیخا کی طرف دیکھا ہوتا تو بجائے هِيَ کے هٰذِهٖ فرماتے یا یہ کہتے کہ تو نے مجھ کو ورغلایا عزیز مصر کے پاس مدعی اور مدعی علیہ دونوں حاضر ہیں دونوں کا بیان ہو گیا۔ زلیخا سے پوچھا تیرے پاس کوئی گواہ ہے بولی نہیں یوسف سے پوچھا تیرے پاس کوئی گواہ ہے

فرمایا نہیں۔ عزیز نے اندر جا کر موقعے کا معائنہ کیا زلیخا نے ساتویں کوٹھڑی میں جا کر بتایا میں سو رہی تھی کہ یوسف نے میری چادر کھینچی اور مجھ کو پھسلایا واپس آ کر عزیز مصر نے غور کیا تو اس کو نو علامتیں ملیں ۱ ہر دروازے کے پاس تالا ٹوٹا پڑا تھا ۲ چابیوں کا پوچھا تو زلیخا کی جیب سے چابیاں ملیں ۳ یہ گھر اس خفیہ طریقے پر زلیخا نے بنوایا تھا اپنی مرضی سے تو کہ یوسف نے پہلے کبھی اس طرح کے گھر کی ضرورت نہ پڑی ۴ پہلے دن سے پتہ لگ گیا تھا کہ زلیخا یوسف سے محبت کرتی ہے ۵ زلیخا کا چہرہ زرد تھا اور اس پر گھبراہٹ تھی مگر یوسف کا چہرہ مطمئن ۶ زلیخا دروازے تک کیوں آئی اگر ماری ہوئی آئی تو اس کا کوئی نشان نہیں تھا مار کھانے والے کی حالت مطمئن نہیں ہوتی ۷ بھرے شاہی گھر میں اجنبی غلام کو یہ جرأت نہیں ہو سکتی۔ ۸ زلیخا نے اپنی برائت میں مجمل اور کئی مطلب والی عبارت بولی کہ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ سُوْٓءًا اس کے کئی مطلب ہو سکتے ہیں یوسف نے مفصل عبارت بول کر زلیخا کا صاف صاف گناہ بیان کر دیا

۹ زلیخا نے زینت کی نہ کہ یوسف علیہ السلام نے ان نو علامتوں سے زلیخا کا جھوٹا ہونا اور یوسف کا سچا ہونا ثابت تھا مگر قانونی طور پر حاکم اپنی معلومات پر فیصلہ نہیں کر سکتا غیر جانبدار گواہی شرط ہے لہٰذا عزیز ابھی اسی تفکر میں تھا کہ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ اور مشہود دیا یا شہید بمعنی اشہد ہے یعنی مشاہدہ کرایا حالات سے پردہ اٹھایا۔ ایک شاہد نے جو اسی زلیخا کے اہل خاندان اس کے ماموں کا بیٹا تھا دو سال کی عمر کا دودھ پیتا تھا۔ ماں کی گود میں تھا اور ماں قریب کھڑی مقدمہ سن رہی تھی یا وہ خود بول پڑا یا حضرت یوسف نے اس کی طرف اشارہ کیا یہاں شاہد کے معنی عام اصطلاحی گواہ نہیں کیونکہ وہ تو موقعے کا مشاہدہ کرنے والا ہوتا ہے اور صحیح گواہ کی گواہی اگر مگر سے نہیں ہوتی یہ گواہ مجازی معنی میں ہے اور مطلب ہے مشاہدہ کرانے والا اس طرح کہ اے عزیز اے لوگو دیکھو مشاہدہ کرو۔ اگر یوسف کی قمیص آگے سے پھٹی ہوئی ہو تو وہ زلیخا سچی ہے۔ اور وہ یوسف جھوٹوں میں سے ہے۔ بعض نے کہا یہ گواہ جوان مرد زلیخا کا چچا زاد بھائی تھا اور اس نے سوراخ سے آگے دوڑنا اور زلیخا کا یوسف کو پکڑنا دیکھ لیا تھا بعض نے کہا ایک ہرنی آئی اور قدرت الٰہی سے بافصاحت صاف صاف قبطی زبان میں بولی۔ مگر یہ سب غلط ہے قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔ ہرنی مِنْ اَهْلِهَا نہیں ہو سکتی۔ اور جوان مرد دیکھنے والا اپنے دیکھنے کا ذکر کرتا نہ کہ اگر مگر۔ حدیث پاک میں ہے نبی کریم نے فرمایا بچوں نے چار لوگوں کے لئے شیر خوارگی میں کلام کیا ۱ زلیخا کے اہل نے یوسف کے لئے ۲ فرعون کی منہ بولی بیٹی کے ایک سالہ بچے نے موسیٰ کے لئے ۳ حضرت عیسیٰ نے ۴ جریج کے لئے عاجشہ مزینہ کے حرامی بچے نے۔ ثابت ہوا کہ شیر خوار بچے نے کہا وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اور اگر یوسف کی قمیص اس حالت میں کہ پھاڑی گئی ہو پیچھے سے

تو زلیخا جھوٹی ہے اور یوسف سچوں میں سے ہے پہلے کہ آگے سے قمیص پھٹنا دفاع پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف نے بارادہ گناہ حملہ کیا اور زلیخا نے اپنا بچاؤ کیا دونوں کے سامنے کھینچا تانی میں دھکا
دیا جس سے اگلا دامن پھٹ گیا۔ پیچھے سے قمیص پھٹنا خواہش اور طلب اور پکڑ پر دلالت کرتا ہے کہ یوسف بھاگے آگے تک کر آگے والا پیچھا چھڑانا چاہتا ہے ۸
زلیخا پیچھے بھاگی پیچھے بھاگنا پکڑنے کے لئے ہوتا ہے۔ قمیص ہی بتا دے گی کہ کون پیچھے تھا کون آگے کون طالب تھا کون مطلوب کون سچا ہے کون جھوٹا بعض

نے کہا کہ اصل شاہد قمیص تھی مگر مجازاً بچہ۔ تفسیر بیان نے فرمایا کہ تیرہ آدمیوں نے بچپن میں کلام کیا۔ ۱؎ شاہد یوسف نے ۲؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳؎ حضرت عیسٰی نے ۴؎ حضرت مریم نے ۵؎ ابراہیم علیہ السلام نے ۶؎ نوح علیہ السلام ۷؎ یوسف علیہ السلام نے ۸؎ موسٰی علیہ السلام نے ۹؎ یحیٰی علیہ السلام نے ۱۰؎ اخدود والے مسلمانوں کا وہ بچہ جس کو ظالم بادشاہ نے تندور کی آگ میں پھینک دیا تھا ۱۱؎ ایک کافر کے بچہ مبارک یمامہ شیر خوار بچے نے نبی کریم کی گواہی دی ۱۲؎ جریج راہب کے لئے مزینہ کے بچے نے ۱۳؎ محی الدین عربی علیہ الرحمت کی بیٹی نے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** سچ ہمیشہ سچ ہی ثابت ہوتا ہے اور غالب رہتا ہے یہ فائدہ شہدَ شاھِدٌ سے حاصل ہوا حدیث شریف میں ہے کہ جب انسان سچ بولنے کی عادت ڈال لے تو رب تعالٰی اس کو صدیقین میں شامل فرمالیتا ہے۔ سچ کے تین فائدے ۱؎ سچا آدمی بے تاج بادشاہ ہوتا ہے ۲؎ سچے کی دنیا عزت کرتی ہے ۳؎ نہ سچا کسی کو نقصان دے سکتا ہے نہ سچے کا کوئی نقصان ہوتا ہے۔ کیونکہ سچے کا محافظ خدا ہوتا ہے۔ **دوسرا فائدہ** آزاد کی بیع اور خرید باطل ہے اور پھر آگے بیچنا بھی باطل کتنی دفعہ بیع در بیع ہو کہیں تک بکتا چلا جائے بیچنا باطل اور خریدنا غلط اور یہ فعل حرام اس سے وہ احمق مسلمان عبرت پکڑیں جو نکاح کے وقت بیٹی کو بیچ دیتے ہیں جیسے کہ صوبہ سرحد میں بعض ہمارے خاندان یوسف زئی پٹھان کرتے ہیں۔ یہ فائدہ سیّدَھا کی تفسیر سے حاصل ہوا آزاد کو اگر کوئی بیچ دے تو ملکیت ثابت نہ ہوگی اور نکاح درست ہوگا۔ اگر وہ بکنے والا بھاگ جاتے تو خریدنے والا قانوناً نہیں پکڑ سکتا **تیسرا فائدہ** ارادہ زنا بھی صرف زلیخا سے سرزد ہوا یہ فائدہ ھِیَ رَاوَدَتْنِیْ کے اس حصر سے حاصل ہوا جو ھِیَ کو مقدم کرنے سے ہوا۔ **چوتھا فائدہ** حاکم کے سامنے کسی کی شکایت کرنا جائز ہے غیبت نہیں۔ اسی طرح خود کو بری کرنے کے لئے کسی کے سامنے کسی کے عیب کو ظاہر کرنا بھی جائز ہے۔ سنت انبیاء ہے یہ فائدہ قَالَ ھِیَ (الخ) سے حاصل ہوا **پانچواں فائدہ** حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا مرتبہ سب کائنات کی عورتوں سے زیادہ ہے۔ نبی کریم حبیب رحیم کی وجہ سے کیونکہ ام المومنین حضرت عائشہ پر تہمت لگی خود رب تعالٰی نے پاکیزگی وپاکدامنی کی شہادت دی یہ فائدہ بھی وَشَھِدَ شَاھِدٌ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے ابواب جمع فرمایا پھر باب واحد فرمایا۔ جواب اس کی وجہ ہم نے تفسیر میں عرض کی کہ پہلے جرم کا ذکر تھا وہ ہر دروازے میں ہوا کہ ہر دروازے کو جرم کا ذریعہ بنایا گیا اور کنڈی بند ہوئی تالا لگایا گیا یہ زلیخا کا فعل تھا۔ اس لئے ابواب فرمایا گیا اس نے کوئی دروازہ تالے بغیر چھوڑا نہیں اب یہاں جرم کے ظاہر ہونے کا ذکر ہے وہ ایک ہی دروازے سے ہوا پہلے دروازے کھلتے رہے مگر مجرم پکڑا گیا فقط آخری دروازے سے اس لئے ایک ہی دروازے کا ذکر کیا گیا امام ابوبکر رازی نے یہ جواب دیا کہ وہاں احتیاط کا طریقہ سنانا منظور تھا کہ زلیخا نے ایسی احتیاط کی تھی اور یہاں یوسف کے بھاگنے کی سمت بتانا مقصود ہے کہ

یوسف جس دروازے کا قصد کر کے بھاگے وہ یہی آخری باہر کا دروازہ تھا۔ سب دروازوں سے نکلنا مقصود نہ تھا جو حائل ہوا اس سے نکلنے ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں شَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا کیوں فرمایا اتنا کہنا کافی تھا وَشَهَادَةٌ مِّنْ اَهْلِهَا اور یہ قول شہادت نہیں ہے۔ شہادت میں خبر ہوتی ہے یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہے۔ **جواب** چونکہ یہاں ایک دعوے کا فیصلہ سنانا مقصود ہے جس سے ایک کی بات باطل ہو گی ایک کی ثابت۔ اور اس کا ذریعہ یہی بچے کا قول ہے اس لئے لغوی اور مجازی طور پر اس کو شہادت اور گواہی فرمایا گیا۔ اور شَهِدَ کا معنٰی یہاں یہ ہے۔ بتا دیا یا ظاہر کر دیا۔ یا حکم دیا۔ یا فیصلہ کر دیا ایک شاہد نے **تیسرا اعتراض**۔ سنی بریلوی لوگ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم حاضر و ناظر ہیں اور دلیل میں شاہدًا کا لفظ پیش کرتے ہیں جس کا ترجمہ کرتے ہیں مشاہدہ کرنے والے۔ حالانکہ یہاں رب تعالٰی نے شاہدا کو فرمایا جو بالکل ہی اس واقعے پر حاضر نہ تھا نہ مشاہدہ کیا تھا معلوم ہوا کہ مشاہدہ کرنے والے کو شاہد نہیں کہتے بلکہ مسئلہ سمجھانے والے کو شاہد کہتے ہیں اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ نبی کریم باین معنی شاہد ہیں کہ آپ صرف مسئلے سمجھاتے ہیں۔ دیوبندی۔ وہابی، **جواب** شاہد اصل معنٰی کے لحاظ سے اسی کو کہتے ہیں جو موقعہ کا مشاہدہ کرنے والا ہو۔ اور عام استعمال اس کا اصل معنٰی میں ہی ہوتا ہے۔ اصل گواہ کی چار شرطیں ہیں۔ ۱۔ عاقل ۲۔ بالغ ۳۔ آنکھوں سے بینا ۴۔ کم از کم دو مرد یہاں ان میں سے کوئی شرط نہیں لہٰذا یہ مجازی شاہد ہے۔ جو گواہ عدالت میں گواہی دینے چلا جائے مگر واقعات کو دیکھا بھالا نہ ہو اس کو جھوٹا گواہ کہتے ہیں۔ یہاں شاہد لغوی معنٰی میں ہے۔ یعنی مشاہدہ کرانے والا یا ظاہر کرنے والا۔ یہاں اس بچے نے مسئلہ نہیں سمجھایا تھا بلکہ جرم کا مشاہدہ کرایا تھا۔ **چوتھا اعتراض** پیچھے سے قمیص پکڑ کر کھینچی جائے تب پھٹنے کا امکان ہے لیکن دفاع کرنے والے قمیص کیسے پھاڑ سکتے ہیں ... عام طور پر جب آمنے سامنے لڑائی ہوتی ہے تو گلے سے قمیص پکڑ کر ادھر ادھر کرتے ہیں یہی مطلب یہاں ہو سکتا ہے کہ زلیخا نے شاید سینے سے کرتہ پکڑ کر جھنجھوڑا ہو یا دھکا دیا ہو پھٹنے کا یہ مطلب نہیں کہ نیچے دامن کو ہی پھاڑا ہو بس سامنے کا سمت مراد ہے خواہ اوپر خواہ نیچے **پانچواں اعتراض** بچے کا یہ کہنا بھی کافی تھا کہ زلیخا جھوٹی ہے کیونکہ یہ حیران کن گواہی خدائی تھی **جواب** تو تم کہہ رہے ہو وہ کافر تو اس کو جادو سمجھتے۔

تفسیر صوفیانہ جب قلب مومن نورِ عنائت کی برہان دیکھ لیتا ہے اور قناعت عصمت کا مشاہدہ پا لیتا ہے تو دنیا اور اس کی لذتوں خواہشوں سے بھاگتا ہے۔ لیکن عشقِ مجازی کی زلیخاءِ دنیا اس کی طلب میں اس کے پیچھے دوڑتی ہے۔ کیونکہ دنیا پرست دنیا کا مرید ہوتا ہے اور دنیا اس کی مراد لیکن اہل اللہ دنیا کے مراد بن جاتے ہیں اور دنیا ان کی مرید یہ فطرتِ قانونی ہے کہ تم دنیا کے طالب بنو گے دنیا دور بھاگے گی تم دنیا سے نفرت کرو گے دنیا پیروں میں آئے گی جب ولیِ کامل صاحبِ قلب حسین دنیا سے نفرت کرتے ہوئے بھاگتا ہے تو دنیا اس کے پیچھے عاشق ہو کر بھاگتی ہے یہاں تک کہ دونوں انجام کار دنیا و آخرت کے درمیان دروازۂ موت پہ آ جاتے ہیں اور دنیاءِ مجاز موت تک پیچھا کرتی ہے مقامِ آخر پر پہنچ کر بھی شہوتوں کا ہاتھ لباسِ زہد و عبادت پر ڈالتی ہے اس لئے کوئی بھی مرتے دم تک خود کو محفوظ نہ جانے دنیاءِ رذیل سے رب کی پناہ مانگتا رہے۔ یوسفِ قلب کی قمیصِ بشریت بجانب پشت سے پھٹتی ہے اور اہل اللہ لبادۂ بشریت

کو پھاڑ کر وصل کی وادیِ موت میں پہنچ کر مشاہدۂ جمال پاتے یہ اُن کے عرس وخوشی کے ایام ہوتے ہیں کیونکہ یہ زمانۂ اُخروی۔ لذاتِ دنیا کی ذلت اور دنیا سے بھاگنے والوں کی عزت کا وقت ہے۔ دروازۂ موت پر مربی قلب ولایت الٰہیہ کا صاحب دنیا کا سردار ہادی ومرشد دستگیری کے لئے موجود ہوتا ہے۔ یہی مرشد دنیا وآخرت کے سادات اور دنیا میں اختیارِ کلی سے تصرف کرنے والے مردانِ حقیقی ہیں۔ دنیا کسی کی سچی دوست نہیں۔ جس سے عشق لگاتی ہے۔ مصیبت کے وقت اسی کو رسوا کرتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اس قلب اور اہل قلب کی کیا سزا ہے۔ جو شریعتِ طاہرہ کے خلاف طبیعتِ ذمیمہ کے مطابق فسقِ دنیا میں مبتلا ہو گیا اور مرید دنیا ہوا۔ اس کی یہی سزا رذیل ہے کہ اس کو صفاتِ رذیلہ نفسانیہ کے قید خانے میں قید کر دیا جائے یا بُعد اور فراق کے عذاب کی دردناک سزا دی جاتے۔ دنیاءِ باطل کا یہ ور تو ڈر جاتا ہے مگر مقامِ لَا خَوْفٌ پر فائز ہونے والا قلب دلیر صاف صاف اعلان کرتا ہے کہ اس دنیاءِ رذیل نے ہی مجھ کو ورغلانے کی کوشش کی تھی مجھ کو تو رب کریم کے فضل وکرم نے بچا لیا۔ یوسفِ قلب لباسِ بشریت پھڑوا کر دروازۂ موت پر پہنچ کر عداوتِ دنیا کو ظاہر کرتا ہے لیکن دنیا ہزار مکر سے اہل اللہ کو ورغلاتی ہے اور قعرِ مذلت میں گرانا چاہتی ہے۔ مگر یَدُ اللہِ لاھوتی دستگیری فرماتے ہوئے دنیا ہی کے اہل سے عقلِ ناسوتی کو شاہدِ لاہوتی بنا دیتا ہے اور وہ ربانی گواہ فیصلۂ امر بھجاتا ہے۔ عقلِ مجرد مشورۂ ایمانی ودینی اُخروی امور کے لئے ہوتی ہے اور عقلِ عزیزِ ناسوتی مشورۂ امورِ دنیا کے لئے ہوتا ہے۔ مگر قدرتِ الٰہیہ سے عقلِ عزیزِ دین والوں کی حمایت میں بھی ہو جاتی ہے۔ اور کہتی ہے کہ اگر یوسفِ قلب کی قمیصِ بشریت شہوات وحرص کی طرف سے دامنِ طمع سے پھٹی ہے تو قلب جھوٹا ہے اور دعوئے دنیا سچا ہے اور اگر لباسِ بشری نفرتِ خواہشات کے دبر سے پھٹا ہے تو قلبِ صنوبری سچا ہے اور دنیا واہل دنیا جھوٹے ہیں۔ کیسا غافل ہے وہ انسان جو پھر بھی دنیا ولذاتِ دنیا سے فریب کھاجاتا ہے دنیا کی بے ثباتی محبت اور عشقِ دلفریب محض اترتی چھاؤں ڈھلتی دھوپ ہے اے راہِ معرفت کے بندۂ محسن منزلِ الٰہیات کی طرف بھاگ ہر ایک نے دروازۂ موت سے گزرنا ہے بھاگنے والا دروازے پر نگاہ رکھتا ہے تو بھی موت کو نگاہ میں رکھ۔ دنیا کے لباسِ فاخرہ پر عاشق نہ ہو۔ اس کا عشق مجازی ہے اس کی محبت جھوٹی ہے۔ یا اللہ ہم سب مسلمانوں کو راہِ معرفت عطا فرما اور فریبِ دنیا ابتلاءِ آخرت سے محفوظ رکھ۔

(روح البیان مع زیادت)

فَلَمَّا رَاٰ قَمِيصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَيْدِكُنَّ
توجب دیکھا اس عزیز مصر کرتہ ان کا پھاڑا گیا سے پیچھے بولا بیشک وہ سے مکر تمہارے
پھر جب عزیز نے اس کا کرتہ پیچھے سے چرا دیکھا بولا بے شک یہ تم عورتوں کا

اِنَّ كَيْدَكُنَّ عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا سکتۃ

بے شک مکر تو عورتوں کا بڑا ہے ۔ یا یوسف درگزر کرو سے اس

چر تر ہے بے شک تمہارا چر تر بڑا ہے اے یوسف تم اس کا خیال نہ کرو

وَاسْتَغْفِرِيْ لِذَنْۢبِكِ ۚ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾

اور تو اے عورت بخشش مانگ کی گناہ اپنے بیشک تو ہی تھی سے خطا کاروں

اور اے عورت تو اپنے گناہ کی معافی مانگ بے شک تو خطاواروں میں ہے

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ

اور بولیں عورتیں بیچ شہر۔ بیوی عزیز کی ورغلاتی ہے جوان کو اپنے سے دل اس کے

اور شہر میں کچھ عورتیں بولیں کہ عزیز کی بی بی اپنے نوجوان کا دل لبھاتی ہے بے شک

فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۭ اِنَّا لَنَرٰىهَا

بے شک وارفتہ کر دیا جوان نے اس کو محبت میں بے شک البتہ دیکھتی ہیں ہم

ان کی محبت اس کے دل میں پیر گئی ہے ہم تو اسے صریح

فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

اس عورت کو بیچ عشق میں گھلا

خود رفتہ پاتے ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف پر لگائی گئی تہمت سے پاکدامنی پر ایک شیر خوار بچے کے معجزانہ کلام اور شاہدی فیصلے کا ذکر تھا۔ اب اس فیصلے کی بنا پر صحیح صورت حال کے پتہ لگنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی طرف سے بدنام کرنے کا ذکر ہوا اب یہاں آپ کے سچا ہونے کی بنا پر زلیخا کے خاوند عزیز مصر کی معذرت اور زلیخا کی طرف سے معافی مانگنے کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی تہمت حضرت یوسف پر لگنے کا اور آپ کو بری کرنے کا ذکر ہوا۔ اب یہاں خود زلیخا پر تہمت اور بدنامی لگنے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ فاء عاطفہ بمعنی ثُمَّ لَمَّا ظرفیہ بمعنی جس وقت رَاٰ فعل ماضی رَأْیٌ سے بنا بمعنی بغور دیکھنا متعدی بیک مفعول ہے قَمِیْصَ مفعول بہ ہے ہٗ کا مرجع یوسف قُدَّ ماضی مجہول بمعنی اسم مفعول مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لئے دبر بمعنی پشت۔ قَالَ فعل ماضی جواب ہے لَمَّا کا قول ہے عزیزِ مصر کا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق مقولہ ہے قول ہٗ ضمیر اسم اِنَّ اس کا مرجع یہ بھاگ دوڑ اور الزام کا واقعہ اور یا جزاءٌ کا جملہ ہے۔ مِنْ بعضیہ ہے کَیْدِ اسم جنسی ہے۔ کَیْدٌ سے بنا بمعنی مکر فریب کید وہ چال ہے جو اپنے بچاؤ کے لئے آنًا فانًا چل جائے۔ کُنَّ ضمیر جمع مونث حاضر۔ مگر مراد واحد ہے۔ اِنَّ یقینیہ ہے کَیْدَ بحالت زبر اسم اِنَّ مضاف بطرف کُنَّ کے عَظِیْمٌ عَظْمٌ سے بمعنی سخت چبھنے والی چیز۔ یا بڑی یا اونچی۔ یا زیادہ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا یوسف منادیٰ مفرد معرفہ ہے لہٰذا مبنی ہے رفع پر۔ حرفِ ندائی پوشیدہ دراصل تھا یا یوسف اَعْرِضْ فعل امر بصیغہ واحد مذکر حاضر خطاب ہے سابقہ منادیٰ کو اور منادیٰ ہے عزیز مصر عَنْ جارہ بمعنی مِنْ هٰذَا اسم اشارہ قریبی کے لئے مشارالیہ مقدم ہے کیدِکُنَّ ہے وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـٕیْنَ واؤ سر جملہ استغفری باب استفعال کا امر ہے بصیغہ مونث حاضر۔ غَفْرٌ سے۔ یہ چھ معنی میں مشترک ہے ۱۔ مٹانا ۲۔ چھپانا ۳۔ رد کرنا ۴۔ بچانا ۵۔ بخش دینا ۶۔ معاف کرنا۔ یہاں یہ آخری میں ہے باب استفعال میں اگر طلب کے معنی پیدا ہوتے۔ یعنی معافی مانگ لے لام جارّہ تعلیلیہ ذنب کے بھی چند معنی ہیں مگر یہاں بمعنی گناہ و کبیرہ ک۔ ضمیر مونث حاضر کا مرجع زلیخا۔ اِنَّ حرفِ یقینی۔ بیان سبب کے لئے کِ ضمیر اسم اِنَّ كُنْتِ فعل تامہ مونث حاضر کا صیغہ بمعنی ماضی بعید یا ماضی قریب۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ الخاطئین۔ الف لام استغراقی ہے اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر خَاطِیٌ کی جمع ہے خَطْیٌ سے بنا ہے۔ اسی سے خطاءٌ۔ بمعنی غلطی۔ قصور اصطلاحًا گناہِ صغیرہ کو کہتے ہیں شرعًا۔ زبانی بھول کو بھی کہا جاتا ہے اور پہلا گناہ کبیرہ کو بھی کہا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا۔ واؤ ابتدائیہ قال فعل مذکر اس کا فاعل نِسْوَةٌ مونث ہے۔ اس لئے کہ لفظ نِسْوَةٌ ایسا جمع مونث ہے اس کا واحد کوئی نہیں۔ لہٰذا یہ مونث سماعی کے مشابہ ہوا اور مطلب ہوا عورتوں کا گروہ بدیں وجہ فعل واحد مذکر آیا فی ظرفیہ کا تعلق یا نسوۃٌ سے ہے تب یہاں موجودٌ پوشیدہ ہے جو صفت ہے نسوۃٌ کی یا تعلق ہے قال سے تب کچھ مقدر نہیں المدینہ۔ الف لام عہد خارجی ہے مَدْنٌ سے بنا۔ بمعنی رہائشی مکان۔ یہاں مراد شہر ہونا ہے۔ لفظ مدینہ بالعموم تین جگہ استعمال ہوتا ہے ۱۔ قلعہ ۲۔ قلعہ کے آس پاس کی زمین ۳۔ شہری علاقہ اور بالخصوص مدینہ منورہ کے لئے استعمال ہے۔ جب نسبت یائی عمومی مدینے کے ساتھ لگائی تو ہوگا مَدِیْنِیٌّ اور جب مدینہ منورہ سے یائی نسبت لگے تو ہوتا ہے مَدَنِیٌّ۔ اِمْرَءَةٌ اسم جامد ہے واحد ہے اس کی جمع کوئی نہیں مضاف ہے اَلْعَزِیْزُ الف لام عہد ذہنی ہے مراد خالص معین افسر ملک مراد ہے۔ ورنہ ہر ناظم الامور کو عزیز کہا جاتا تھا۔ عزیز مضاف الیہ ہے یہ مرکب مبتدا ہے اس کی دو جزیں جزِ اول تُرَاوِدُ کا پورا جملہ فعل مضارع حال بصیغۂ واحد

مونث غائب رَوْدٌ سے بنا بمعنی اپنی محبت میں کھینچنا۔ فَتٰی اسم جامد ہے بمعنی مضبوط جوان مضاف ہے ھا ضمیر مونث کا مرجع اِمْرَءَتُ العزیز ہے۔ عَنْ مِنْ کے معنی میں ہے نَفْسِہٖ مرکب بمعنی صفت موصوف۔ مراد ہے شخصیت ہ کا مرجع فتٰی قَدْ شَغَفَ ماضی قریب شَغْفٌ سے بنا بمعنی قلب کا پردہ میں آجانا۔ جز دوم ہے۔ مبتدا اِمْرَءَتُ کی ھا ضمیر مفعول فیہ اس کا مرجع اِمْرَءَتُ ہے حُبًّا بحالتِ زبر تمیز ہے ھا کی۔ یہ جملہ محولہ یعنی بدلا ہوا ہے در اصل تھا۔ قَدْ شَغَفَ حُبٌّ فِیْ قَلْبِہَا اِنَّا لَنَرٰهَا فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ اِنَّا حرفِ مشبہ با اسم خود ضمیر جمع متکلم مونث اس کا مرجع نِسْوَۃٌ ہے۔ لام کی نَرٰا مضارع بمعنی حال رائی سے بنا بمعنی سمجھنا ھا ضمیر مونث کا مرجع امرءتُ العزیز ہے فی ظرفیہ ضَلٰل اسم مبالغہ ہے بروزن فَعَال ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا۔ نو معنی ہیں مشترک ہے غلطی کرنا۔ بہکنا۔ بھٹکنا۔ نقصان کرنا۔ بھولنا یا خود بھلا دینا۔ گم ہونا۔ دھوکہ دینا۔ گمراہ کرنا یا ہونا۔ محبت میں بے انتہا ہونا۔ یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ مبین اسم فاعل بابِ افعال سے بصیغۂ واحد مذکر بَیْنٌ سے بنا بمعنی ظاہر ظہور۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ بچے کی گفتگو سن کر سب لوگ سخت حیران ہوئے اور سمجھ گئے کہ یہ خدائی فیصلہ ہے غلط نہیں ہو سکتا یہ حضرت یوسف کا چھٹا معجزہ ہے اس سے پہلے پانچواں معجزہ تالوں کا ٹوٹنا تھا۔ ایک دم عزیز مصر اور سب لوگوں نے پہلے سامنے اور آگے کی طرف دیکھا پھر جب پیچھے کی طرف سے اس یوسف کی قمیص کو دیکھا پھاڑی گئی تھی پیچھے سے۔ تب ہر چیز صاف نکھر کر سامنے آگئی کہ کون جھوٹا اور کون سچا ہے تب کہا عزیزِ مصر نے بے شک یہ سب شرارت اے عورت تو تمہارے مکر سے ہے یہ سخت غصے کی گفتگو ہے اور عام طور پر غصے میں ایک شخص کا جرم سب کی طرف لگایا جاتا جیسے ایک بچہ شرارت کر رہا ہو تو باپ سخت غصے میں کہتا ہے کمبختو تم نے ناک میں دم کر دیا ہے۔ یا مقصود جمع کہنے کا یہ ہے کہ ایسی مکاری تم سے تعجب ناک نہیں تم عورتوں کی فطرت ہی مکاری ہے۔ بیشک تم عورتوں کی مکاری ہمیشہ بڑی ہی ہوتی ہے۔ عظیم بروزنِ کریم مبالغہ کا صیغہ ہے جس میں دوام پایا جاتا ہے۔ کُنَّ ضمیر جمع مونث سے کلیت مراد نہیں نا جنسیت مراد ہے بلکہ اکثریت مراد ہے اس لئے کہ بڑی بڑی پاکدامن عورتیں گزری ہیں جن کی شرافت پر دین ناز کرتا ہے۔ کید سے مراد یہ بدمعاشی چوری ٹھگی فریب کاری لڑائی جھگڑے ناجائز عشق و محبت کسی بے گناہ کو تہمت کے جال میں پھانسنے کی مکاریاں ہیں ورنہ اس کے علاوہ ملکی سیاسی قتل و غارت ڈاکہ زنی جیسی مکاریوں میں مرد زیادہ چالاک حیلہ ساز واقع ہوئے یہ قول اگرچہ عزیزِ مصر کا ہے لیکن چونکہ رب تعالیٰ نے کہیں اس کی تردید نہ فرمائی اس لئے یہ بات واقعتاً درست ہوگئی شرعی قانون یہ ہے کہ نبی کریم جس کام کو کرتا دیکھیں اور منع نہ فرمائیں وہ جائز ہو جاتا ہے اور قرآن مجید جس کو بیان فرمانے پچھلی شریعت یا پچھلوں کی نقل فرما کر تردید نہ کرے تو وہ اسلام میں بھی قانون کی حیثیت رکھتا ہے اور وہ حقیقت ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے قرآن کریم نے بارہ چیزوں کو عظیم فرمایا۔ اپنی ذات کو عظیم فرمایا اس لئے کہ ذاتِ واحد ہے اور سب کائنات کا اکیلا خالق ہے اور کائنات کے ذرے ذرے کو جانتا ہے۔

ع ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ذرّے ذرّے میں اُس کی کاریگری کے جوہر نمایاں ہیں ۱ عرش کو عظیم فرمایا اس لئے کہ مخلوق میں سب سے بڑا ہے اس کے چار ستون ہیں اور ہر ستون کے تین سو ساٹھ پائے ہیں ہر پایا اتنا موٹا ہے کہ فرشتہ اپنی رفتار سے اسی برس میں ایک چکر کاٹتے ہیں ۲ نبی پاک کے اخلاق کو عظیم کہا اس لئے کہ آپ کا خلق قرآن پاک ہے اور دشمنوں پر احسان فرماتا ہے ۳ حضرت اسماعیل کے فدیہ کو عظیم کہا اس لئے کہ تین ہزار تین سو ستر سال تک جنت میں اس کی پرورش ہوئی ۴ فرعون کے جادو کو عظیم کہا کہ کے سب سانپ بن گئے رسیاں بانس جو ستر یا اسی اونٹوں پر لدی تھیں ۵ قیامت کے زلزلے کو عظیم کہا اس لئے کہ سب عزیز ایک دوسرے سے اس وقت بھاگ جائیں گے۔ ۶ شرک کو عظیم کہا کہ شرک سے زمین آسمان پہاڑ ٹوٹنے کے قریب ہو جاتے ہیں اور بحر جن انس سب کانپ جاتے ہیں ۷ قرآن پاک کو عظیم کہا اس لئے کہ ہر خشک و تر چیز اس میں ہے ۸ تخت بلقیس کو عظیم کہا اس لئے کہ دنیا کے تختوں میں سب سے بھاری تھا ۹ قیامت کو عظیم کہا اس لئے کہ سب سے بڑے اجتماع کا دن ہے ۱۰ بہتان تراشی کو عظیم کہا اس لئے کہ یہ سب سے بڑی خیانت ہے ۱۱ اور یہاں عورتوں کے مکر کو عظیم کہا اس لئے کہ اس کے زیادہ نقصان ہے۔ شیطان کے مکر کو ضعیف کہا کیونکہ عورتوں کا مکر شیطان کے مکر سے ڈبل ہوتا ہے اور عورت ہزار ناز نخرے فیشن چست لباس سے مرد کو لبھا سکتی ہے بھلا شیطان سرخی پوڈر لگا کر مرد کو کس طرح بہکائے اور ساڑھی باندھ کر کس طرح آئے ہر عورت کے مکر میں شیطان کا مکر شامل ہے کیونکہ عورت شیطان کا جال ہے۔ شیطان کا مکر اکیلا ہوتا ہے۔ اور یہ ضعیف و عظیم ہونا دنیا والوں کے اعتبار سے ہے نہ کہ رب کے سامنے اس ذات پاک کے سامنے تو ہر چیز نیست ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ صرف اتنا جھڑکنا غیرت کے خلاف ہے قتل کیا جانا چاہیئے تھا مگر یہ غلط ہے کیونکہ ارتکاب جرم ثابت نہیں صرف ارادہ ثابت ہوا قانونی طور پر ارادہ میں قتل جائز نہیں۔ یہ جرم صرف اتنی جھڑک اور شرم دلانے کے ہی لائق تھا۔ یہ سخت جھڑک سن کر زلیخا سخت شرمندہ ہوئی۔ اور ندامت کے آثار جسم پر ظاہر ہوئے تب عزیز نے کہا۔ يُوسُفُ أَعْرِضْ عَنْ هَٰذَا اے یوسف تم اس واقعے سے درگذر کرو اگرچہ تم کو سزا دلوانے رسوا کرنے دشمنی لینے میں اس مکار کمبخت نے کوئی کسر نہ چھوڑی مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے سب لوگوں کے سامنے تم کو باعزت پاکدامن ثابت کر دیا جس سے تمہاری عزت میں چار چاند لگ گئے تم کو ناراض نہیں رہنا چاہیئے اور غم نہ کرنا چاہیئے۔ یہ سمجھا بجھا کر پھر زلیخا کی طرف متوجہ ہوا وَاسْتَغْفِرِي لِذَنبِكِ إِنَّكِ كُنتِ مِنَ الْخَاطِئِينَ اور تو بھی اے زلیخا معافی مانگ مجھ سے اپنے اس گناہ کی یا آئندہ کے لئے ان حرکات سے باز رہنے کا سچا وعدہ کر بے شک تو بڑے بدکاروں میں ہے یہاں استغفار کا مطلب مجھ سے معافی ہے یا آئندہ کے لئے باز رہنے کا وعدہ مراد ہے۔ ذنب وہ گناہ ہے جو جانتے بوجھتے ہوئے کیا جائے خاطئین جمع مذکر لانا یا اظہار عظمت کے لئے ہے کہ بڑی خطا کار یا اس لئے کہ اصل و اکثر خطا کار مرد ہوتے ہیں عورتیں بالتبع بعض مفسروں نے کہا کہ أَعْرِضْ کا معنیٰ ہے اے یوسف اس بات کو چھپانا اور زلیخا کے اس واقعے کو نشر و مشہور نہ کرنا۔ مگر یہ غلط ہے

کیونکہ وہاں پہلے ہی کثیر مجمع تھا لونڈی غلام نوکر چاکر چچازاد بھائی۔ اگر چھپانے کی خواہش ہوتی تو سب کو منع کیا جاتا۔ صحیح تفسیر وہی ہے جو اوپر بیان ہوئی یہ کہ کر عزیز مصر ناراضگی میں باہر چلا گیا چالیس دن تک زلیخا۔ سے نہ ملا حضرت یوسف کو بھی اپنے ساتھ ہی رکھا (روح البیان۔ صاوی) وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ اور شہر میں کسی جگہ بیٹھ کر یا محل ہی سے کسی کمرے میں بیٹھ کر یا ایک دوسرے کے گھر جا کر بولیں عورتیں جو شہر میں رہتی تھیں۔ نسوۃ مونث غیر حقیقی ہے اس لئے اس کا فعل مذکر آیا۔ فی کی ظرفیہ کا تعلق یا قال سے یا پوشیدہ فعل سے۔ ارے دیکھو تو ہی تعجب کی بات ہے کہ گورنر کی بیوی کبھی اس کی بات نہیں سنی اب اس کو کیا ہوا ورغلانے لگ گئی اپنے جوان غلام کو امرأۃ العزیز مبتدا ہے اس کی دو خبریں ہیں پہلی تراود فتٰها دوسری قد شغفها ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گہرا چیر دیا ہے اس کو غلام کی محبت نے۔ عزیز مصر نے بہت چاہا تھا کہ اس واقعے کا کہیں تذکرہ نہ ہو۔ مگر داستان عشق ومحبت بھی کبھی چھپی رہتی ہے۔ یہ وہ آگ ہے کہ جتنا پانی ڈالا جائے اتنی ہی بھڑکتی ہے۔ شہر کی چالیس پچاس عورتوں میں یہ بات پھیل گئی تب محل کی پانچ عورتوں نے کسی محفل میں یہ بات کی ۱؎ شراب والے ساقی کی بیوی ۲؎ دربان کی بیوی ۳؎ عزیز کے مشیر خاص کی بیوی ۴؎ اور مشیر خاص کی بہن ۵؎ باورچی کی بیوی۔ شَغَفَ کا معنی ہے دل کا باریک پردہ پھاڑ کر کوئی چیز اندر چلی جائے ایک پردہ دل کے سب پردوں سے اونچا ہوتا ہے جو قلب کو سانس کی ہوا کھانے پانی سے مس کرنے اور دل تک پہنچنے سے بچاتا ہے۔ فتا اس جوان کو کہتے ہیں جو اپنی ہمت وجوانی کے جوہر دکھلانے کے قابل ہو جائے اسی لئے جب حضرت ابراہیم نے بتوں کو توڑا تب ان کو فتیٰ کہا گیا یعنی ابراہیم نے بڑی جواں مردی کا کام کیا نمرود جیسے ظالم بادشاہ اور اس کے ظالم رئیسوں درباریوں کے سب بت توڑ دیئے۔ اور اصحاب کہف نے جب جابر بادشاہ ظالم حاکم کی بھرے دربار میں علی الاعلان اطاعت سے منہ موڑا تو لوگوں نے ان کو فتیٰ کہا یعنی بڑے دلیر اسی طرح جب یوسف علیہ السلام نے زلیخا کے منہ پر عزیز کے سامنے بڑے ہجوم میں نہایت دلیری اور جرأت سے زلیخا کو جھٹلایا تب لوگوں کی زبان پر ان کے لئے فتیٰ کا لقب آیا۔ فتی یعنی جوان مرد چھ قسم کے ہیں ۱؎ آدمی امیر ہو کر غریب ہو جاتے مگر اس کی خودداری غیرت مندی رکھ رکھاؤ میں فرق نہ آتے شکر کی منزل پر اسی طرح چلتا ہے صبر کی لاٹھی کا تکیہ بناتے کھڑا رہے ۲؎ مانگنے سے پہلے سائل اور محتاج کو عطا کرے اور فقیر کے حالات پر نظر رکھے ۳؎ جوانمرد وہ ہے جس کا ظاہر وباطن یکساں مزین ہو ۴؎ فتی یعنی جوانمرد وہ ہے جو دشمن خونخوار پر قابو پا کر معاف کر دے ۵؎ فتی وہ ہے جو مخلوق سے شکوہ شکایت نہ کرے راضی برضا رہے یا اسی خالق مالک سے فریاد کرے ۶؎ فتی یعنی جوانمرد وہ ہے جو امیری غریبی تنگی ترشی خوشی وغمی ہر حال میں حیثیت کے مطابق راہ حق میں خیرات کرتا رہے۔ سب نے یوسف کی تعریف کی کہ اس کو فتیٰ یعنی دلیر کہا۔ لیکن زلیخا کو لعن طعن اور برا کہا کہ اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ بے شک ہم البتہ سمجھتی ہیں ہم اس عورت کو ظاہر ظہور غلط محبت میں۔ محبت سب ہی کرتے ہیں مگر ایسا بیہودہ پن ہدایت سے دور عقل کے خلاف کام کسی نے نہیں کیا زلیخا نے یوسف سے تین قسم کا عشق کیا۔

۱؎ عشقِ روحانی جب خواب میں دیکھا ۲؎ جب مصر میں دیکھا تو عشقِ نفسانی نے غلبہ کیا اور زلیخا کے مکر کے ساتھ شیطان معاون ہوا ۳؎ جب زلیخا مسلمان ہوئی تو اخلاص نصیب ہوا اور شیطان بھاگ گیا اس کا تسلط ٹوٹا۔ تب عشقِ ایمانی ہوا۔ پہلا عشق دماغ میں ہوتا ہے دوسرا نفسِ امّارہ میں بعض نے کہا اسی کو شغف کہتے ہیں بعض نے کہا سارے بدن میں عشق کا اثر جاری ہو تو وہ شغف ہے تیسرا عشق دل میں ہوتا ہے۔ عاشقِ ایمانی چار کام کرتا ہے ۱؎ محبوب کو راضی رکھنا چاہتا ہے ۲؎ اس کے دوستوں کی دوستی اس کے دشمنوں سے دشمنی چاہتا ہے ۳؎ محبوب کی روح کی قسمیں کھاتا ہے ۴؎ مطلوب کی رضا چاہتا ہے چونکہ یہاں عشقِ نفسانی تھا اس لئے زلیخا کو اپنی جان وعزت کی فکر پڑ گئی یوسف کی فکر نہ رہی یہی حال سب دنیا اور دنیا کی دوستی کا ہے۔ عشقِ نفسانی کو ننا ہے اس لئے یہ عشق ضلال مبین ہے۔ عشقِ روحانی کی چار نشانیاں ہیں ۱؎ مفلسی جیسی کہ زلیخا کو عزیزِ مصر کے مرنے کے بعد ملی ۲؎ سرد آہیں بھرنا جیسی کہ زلیخا دیدارِ یوسفی سے پہلے بھرتی تھی ۳؎ اُنس اور پیار ۴؎ وسواس اور ہر وقت جدائی کا دھڑکا۔ اسی لئے طالب اپنے مطلوب کو اپنے میں سمو لینا چاہتا ہے غیر کی طرف اس کی نظر بھی برداشت نہیں کرتا۔ معشوق کسی کی طرف مسکرا کر بھی دیکھے تو عاشق کے دل پر چھری چل جاتی ہے۔ عاشق کی مفلسی بھی اس لئے ہوتی ہے کہ وہ معشوق کے ذکر اور نام پر ہر چیز نثار کر دیتا ہے۔ یہ جو سنی بریلوی لوگ نعت خوانوں کو ایک نعت پر ہزاروں روپیہ دے دیتے ہیں سب ذکرِ مصطفےٰ کے عشق کی علامت ہے۔ (تفسیر روح البیان - صاوی - کبیر - نزائن - مدارک خازن)

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** جنسِ عورت مطلقاً فریبی ہے اگر کوئی نیک ہو ولیہ ہو تو صحبتِ ولی اور نسبتِ مردِ صالح کا اثر ہو گا۔ اور مرد فطرتاً نیک ہے اگر کوئی بد ہو گا تو بری صحبت کی بنا پر۔ اسی لئے حدیث پاک میں ہے عورت شیطان کا جال ہے شیطان چھپ کر پھسلاتا ہے عورت سامنے آ کر یہ فائدہ کَیۡدَ کُنَّ (الخ) سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** سب سے زیادہ فساد عورت کے وجود سے ہوتا ہے۔ دنیا میں پہلا قتل عورت کی بنا پر ہوا اسی لئے اولیاء اللہ اپنے چلوں کے دوران سب سے زیادہ پرہیز عورت سے کرتے ہیں۔ انبیاءِ کرام بھی چالیس سال تک عورت سے دور رہتے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں عورتوں کی محفل میں بیٹھنے والا مرد تین بری خصلتوں کا عادی ہو جاتا ہے اگرچہ کتنا لائق عالم پڑھا لکھا ہو ۱؎ چغل خوری ۲؎ حسد ورشک ۳؎ کم عقلی اور جلد بازی کے فیصلے اسی لئے ایسے شخصوں کو مفتی یا قاضی بنانا جائز نہیں یہ فائدہ عَظِیۡمٌ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** زلیخا کا یہ پہلا جرم تھا اتنی عمر ایک نامرد آدمی کے ساتھ اپنی عفت وپاکدامنی کی پوری حفاظت کر کے گزاری تھی۔ اسی لئے اس تعجب کی بات کا حیرانگی سے چرچا ہوا اگر زلیخا کا یہ پہلا جرم نہ ہوتا تو عزیزِ مصر یہاں ضرور تذکرہ کرتا کہ تُو تو شروع کی بدکار ہے اور پھر اتنی تحقیق وتفتیش بھی نہ ہوتی بلکہ عزیزِ مصر جوان غلام کو گھر ہی نہ رکھتا اس کو سابقہ اعتماد تھا۔ اور گناہ محبت کبھی چھپا نہیں رہتا جس طرح یہ فعل باوجود چھپانے کے ظاہر ہو گیا اسی طرح وہ ظاہر ہو جاتا اور آج اس فعل پر عورتوں کو

حیرانی نہ ہوتی بلکہ کہتیں کہ یہ تو پہلے کی بدکار ہے۔ مگر عفت زلیخا پر کسی کو انگلی اٹھانے کی جرأت نہ ہو سکی۔ ہمارے اس دور کے دو مفسروں مودودی صاحب اور بھیروی صاحب نے زلیخا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو برا بھلا کہا ہے یہ ان کی کج فہمی اور وہابیت نوازی ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ عزیزِ مصر نے زلیخا سے کہا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ استغفار یعنی بخشش مانگ اپنے گناہ کی اور بخشش رب تعالیٰ سے مانگی جاتی ہے کیونکہ وہی گناہ بخشنے والا ہے۔ اور زلیخا و عزیزِ مصر ابھی تک مسلمان نہ ہوئے تھے تو یہ بخشش و استغفار کا کیا مطلب ہے؟ **جواب** ہم نے تفسیر عالمانہ میں بتا دیا کہ یہاں استغفار کا اصطلاحی معنی مراد ہے۔ یعنی معافی مانگنا۔ اور چونکہ شادی شدہ اگر زنا کا ارادہ کرے تو اس نے تین جرم کئے پہلا حق اللہ مارنے کا کیونکہ شریعت میں اللہ نے ہی اس کو حرام کیا ہے اس نے نافرمانی اللہ کی کردی ہے مگر یہ کافر پر لاحق نہیں ہوگا۔ مسلمان عورت پر ہے دُ خاوند کا حق مارا کہ ملکِ بضعہ میں اس کی خیانت کی تیسرا یہ کہ جس کو ورغلایا اگر وہ مان گیا تو اس نے اس کا تقویٰ گنوایا اگر نہ مانا تو اس نے اس پہ اتہام لگا کر اس کا وقار مٹایا۔ یہ دو جرم کافر پر ہیں۔ زلیخا نے یہ دونوں جرم کئے تھے اس لئے استغفار کے معنی ہوتے کہ مجھ سے خیانت کی معافی مانگ اور یوسف سے بے عزتی کرنے کی معافی مانگ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا خاطِئِیْنَ چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا خاطئات **جواب** اس کا جواب بھی تفسیر میں دے دیا گیا کہ مذکر فرمانا زیادتی کے لئے ہے یعنی سخت خطا کار۔ کیونکہ بڑے کی خطا بھی بڑی ہوتی ہے۔ بڑے کی طرف نسبت کرنا اسی لئے ہوتا ہے کہ وہ بڑا ہے یا بڑا ہونے والا ہے **تیسرا اعتراض** جب انسان خلقتًا ضعیف ہے جیسا کہ قرآن پاک فرماتا ہے تو اس کا کَید کس طرح عظیم ہو سکتا ہے **جواب** انسان جسمًا کمزور ہے لیکن عقلاً عظیم ہے اور انسانوں میں عورت کا کید عظیم ہے مرد کا مکر عظیم ہے دونوں کا فرق ہم نے تفسیر میں بیان کر دیا ہے

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا رَاٰ قَمِیْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ مِنْ كَیْدِكُنَّؕ اِنَّ كَیْدَكُنَّ عَظِیْمٌ ۔ یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ ۔ جب زلیخائے دنیا کے صاحب وسید اہلِ ولایت نے حاکمِ دانش اور شاہدِ عقل کے مشورۂ بصارت کے بعد قوتِ بصیرت سے دیکھا کہ دنیا کا تصرف قلبِ مومن تک صرف بشریت کے کمزور کرنے کے ذریعے ہی پہنچتا ہے بجز لباسِ انسانیت دنیا کے پھندے میں آنے کا کوئی سبب نہیں اور بشریت کی کمزوری ہی نشانِ مکر و فریب کا پتہ دیتی ہے۔ تب حاکمِ مختار نے کہا بے شک یہ یوسفِ قلب کی قمیصِ بشریت سے تعلق پیدا کرنا دنیائے دون اور اس کی شہواتِ رذیلہ کا پُر فریب جال ہے۔ بے شک اے دنیاء ذمیمہ خواہشاتِ طبعیہ تمہارا مکر نہایت سخت ہے کہ بڑے بڑوں کو وصلِ الٰہی کے راہ سے پھسلا دیتی ہو۔ وادیٔ مشاہدات کے عاشقوں کو دنیا، مکر و فریب سے ہی بچنا چاہیئے ورنہ دنیا راہِ منزل کے مسافروں کو ہزار لباسوں سے ورغلا کر قعرِ ذلت میں ڈال کر وصلِ محبوب سے جدا کر کے قید خانۂ فنا میں ڈال دیتی ہے۔ ابلیسِ نفس کا سب سے بڑا ہتھیار دنیا کی زیبائش ہی ہے مگر اہل اللہ

کا قلبِ سلیم دنیا کے مکرِ عظیم سے بچالیا جاتا ہے۔ اور مرتیِ الطافِ قدس کلامِ محبت فرماتا ہے کہ اے قلبِ منور خباثتِ دنیا سے درگذر کرکے محلاتِ عشق میں جاکر خلوتِ وصل کی لذتیں قبول کر لے دنیاءِ ذمیمہ کا ذکر نہ کرنا کیونکہ کثرتِ ذکر محبت کو پیدا کرتی ہے اور محبتِ دنیا ہر گناہ کی جڑ ہے۔ اے دنیاءِ رذیل اپنے گناہ مکر کو دور کرے مجالس اولیاء اور محافل عشاق میں تیرے مکر کے پروے جال ہیں بجز استغفار چارہ نہیں بے شک تو قلب منور سے حیلۂ شہوت زینت زحمت اور طریقہ وصل الٰہیہ کے توڑنے کی سعی میں بدبخت خطاوار ہیں اور ان لوگوں کی مثل بدکار ہے جو خود بھی خار دار ظلمات میں گمراہ ہوئے اور ہزاروں کو گمراہ کیا گمراہ کو ایمان ازلی نہیں ملتا کیونکہ ایمان تین چیزوں سے مکمل ہوتا ہے ۱۔ تصدیق ۲۔ اقرار ۳۔ اعمالِ صالحہ اور یہ تینوں چیزیں شعورِ باطنی سے حاصل ہوتی ہیں اور گمراہ کے پاس شعور نہیں ہوتا۔ گناہ شعور کو تباہ کرتا ہے۔ قلب انسانی جب تک قالب کو گناہوں سے بھرا دیکھتا ہے تو غمگین ہوتا ہے اور جب نیک نیتی اور معرفت کا شاہد دیکھتا ہے تو سرور کی لذتوں سے سرشار ہو جاتا ہے بندے کو چاہیئے کہ بھروسۂ الٰہیہ کی چوکھٹ پر نیک نیت سے معرفت کی بھیک مانگتا رہے۔ جس طرح گناہ چھپے نہیں رہ سکتے ہاتھ پاؤں زمین ومکان آنکھ ناک کان معتبر گواہ ہیں جو اچھی وضاحت سے گناہ بتادیں گے اسی طرح نیک بخت کی نیکی بھی عالمِ انوار میں نیرِ تاباں بن کر چمک جاتی ہے۔ جیسے کا نور ہی طہارتِ قلبی کا شاہدِ برحق ہے۔ بندے کی پانچ چیزیں تقدیر نے مقرر کر دیں ۱۔ رزق ۲۔ رہائش ۳۔ عمر ۴۔ عمل ۵۔ اجل۔ جب قلبِ مومن معبودِ قدیر کا قصد و ارادہ کرے تو رب تعالٰی کا گھر اس کی کشتی ہوتی ہے کہ وہ خود کسی طرف جا نہیں سکتا کشتی خود پار لے جاتی ہے۔ اور اللہ کا وصل اس کا شکار ہوتا ہے۔ یوسفِ قلب کا کام سوال ہے صاحبِ دل کا کام کوشش اور خالق کا کام لطف و کرم کی نرمی کرنا ہے بارگاہِ ایزدی میں کسی کی صورت شکل جان وہاں کی باریابی نہیں ہو سکتی وہاں تو صرف قلب و نیت کو شرفِ حاضری نصیب ہوتا ہے لہٰذا انہی کو سجانا بنانا چاہیئے شکل و صورت کی سجاوٹ میں مشغول ہونا اہلِ دل کا کام نہیں وہ تو دنیا پرستوں اور شہوانی عورتوں کا پیشہ ہے۔ اعمالِ قلبیہ مقامِ قبولیت کے لائق ہیں مگر ریاکاری اور اہلِ دنیا کو دکھانے کے لئے اعمال برباد ہیں۔ دروازۂ موت کھلنے پر سب رسوائی کا سبب ہیں اور عذابِ فراق کا باعث۔ ریاکار جس دنیا کو دکھانے کے لئے عمل کرتا ہے وہ ہی اس کو ملعون و ذلیل کرتے ہیں وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِينَةِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ تُرَاوِدُ فَتَاهَا عَنْ نَفْسِهِ ۔ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ۔ إِنَّا لَنَرَاهَا فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ شہرِ جسد اور بستیِ قالب کے کمزور گروہ صنفِ نازک جیسی صفاتِ بشریہ۔ عاداتِ نفسانیہ۔ فضائلِ شیطانیہ۔ رذالتِ بہیمیہ۔ اخلاقِ بیہودہ۔ بدتمیزیِ درندگی نے کہا کہ اتنی بڑی دنیا اپنے ہی بندۂ محتاج قلب کی محبت میں مکر و فریب سے اس کے نفسِ مطمئنہ کو ورغلاتی ہے۔ زمانۂ تربیتِ قلبی میں قلب ابتداءً دنیاءِ دون کا محتاج نظر آتا ہے مگر جب نظرِ الٰہی کے صابن اور تجلیاتِ انوار کے صیقل سے کمالِ قلب حاصل ہوتا ہے پھر نورِ بازلی کی بجلیاں اور چراغِ معرفت کی شعاعیں قلبِ مومن پر وارد ہوتی ہیں تب جمال و جلال کے حسنِ عالم تاب سے دل ایسا منور ہوتا ہے کہ ہر شیٔ دنیا و ما فیہا اس کی محتاج اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتی ہے اور دنیاءِ متکبرہ کے قلب جگر اور اہلِ دنیا کے دلوں میں اس کی محبت اور عشق پیدا ہو جاتا ہے۔

اور جمالِ حق کے آثار چہرۂ دل پر نظر آتے ہیں۔ صفاتِ بشریہ کو کیا خبر کہ یوسفِ قلب کا جمال کیا ہے۔ اسی لئے اہل شقاوت سالکینِ عشق کو طعنے دیتے ہیں۔ خود گمراہی میں ہوتے ہیں لیکن عشق کے مستانوں کو ضلالِ مبین کا طعنہ دیتے ہیں۔ گمراہ وہ ہے جو دنیا کو لے کر آخرت میں بیچ دے مجاز کے بدلے حقیقی دے دے۔ بدبخت ضعیف الایمان کمزور یقین والا دنیا کو بلند کرتا ہے۔ دین کو نیچا کرتا ہے۔ خوش بخت نجاست و کثافت کو دھو کر آنسوؤں کے پانی سے گناہوں کا میل مٹا کر قربِ بارگاہ حاصل کر لیتا ہے۔ نادانوں کے طعن کی پرواہ نہیں کرتا۔ اہل سعادت جانتے ہیں کہ صراط مستقیم وہ کٹھن راہ ہے جہاں طعنوں ملامتوں کی بے شمار جھاڑیاں ہیں۔ یہاں کبھی دل چھلنی کرنے پڑتے ہیں کبھی کپڑے پھاڑے جاتے ہیں (امام غزالی۔ تفسیر روح البیان) یہاں رات اندھیری ہے آنکھیں اندھی پھسلن رستہ دھکے دینے والے بہت دستگیر کوئی نہیں بجز اللہ رسول۔ اولیاء کے دامن میں آ کر رب کے عفو کی اس کے عذاب سے اس کے مہر کی اس کے قہر سے پناہ لینے والا ہی فلاح دارین کا حقدار ہے۔

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ

تو جب اس نے سنا کو مکر ان کے بھیجا دعوت نامہ طرف ان کی اور تیار کیں لیے

تو جب زلیخا نے ان کا چرچا سنا تو ان عورتوں کو بلا بھیجا اور ان کے لیے

لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا

ان کے مسندیں [illegible] اور دی ہر ایک کو سے ان میں چھری بولی اور نکل آ سامنے

مسندیں تیار کیں اور ان میں ہر ایک کو ایک چھری دی اور یوسف سے کہا

وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۚ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ

ان کے تو جب دیکھا عورتوں نے ان کو بڑائی بولنے لگیں ان کی اور کاٹ لیے

ان پر نکل آؤ جب عورتوں نے یوسف کو دیکھا اس کی بڑائی بولنے لگیں اور

اَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ

انہوں نے ہاتھ اپنے اور بولیں شان ہے لیے اللہ کے نہیں یہ انسان نہیں۔ یہ تو مگر فرشتہ

اپنے ہاتھ کاٹ لیے اور بولیں اللہ کو پاکی ہے یہ تو جنس بشر سے نہیں یہ تو نہیں مگر

اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِىْ لُمْتُنَّنِىْ فِيْهِ

کرم والا بولیں زلیخا پس یہی ہیں وہ ملامت کیا تم نے مجھ کو بارے میں

کوئی معزز فرشتہ زلیخا نے کہا تو یہ ہیں وہ جن پر تم مجھے طعنہ دیتی تھیں

وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ؕ وَلَئِنْ لَّمْ

جن کے اور البتہ بیشک میں نے ورغلایا ان کو سے دل ان کے تو بچا لیا انہوں نے خود کو اور البتہ

اور بے شک میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تو انہوں نے اپنے آپ کو بچا لیا اور

يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

اگر نہ کیا انہوں نے وہ حکم دیتی ہوں میں جس کا البتہ قید کیے جائیں گے اور ضرور ہوں گے خوار

بے شک اگر وہ یہ کام نہ کریں گے جو میں ان سے کہتی ہوں تو ضرور قید میں پڑیں گے اور ذلت ضرور اٹھائیں گے

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی خدا تعالےٰ کی طرف سے پاکدامنی کا ذکر ہوا اب زلیخا کا خود اپنے کو تہمت اور طعنوں سے بچانے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کے حسن ایمانی کا ذکر ہوا۔ اب یہاں یوسف علیہ السلام کے حسنِ جسمانی کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں یوسف علیہ السلام کے ایک ایسے معجزے کا تذکرہ تھا جو ایک شیر خوار بچے پر ظاہر ہوا اب یہاں آپ کے دوسرے اس معجزے کا ذکر ہے جو آپ ہی کے جلوے کی تجلیات سے مصری عورتوں پر ظاہر ہوا۔

تفسیر نحوی

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا۔ فا، تعقیبیہ۔ لَمَّا ظرفیہ سَمِعَتْ فعل ماضی بصیغہ مونث ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل باء زائدہ ہے۔ مکر کے معنی ہیں خفیہ کام۔ خواہ سازش ہو یا عمل ہو۔ خواہ بات۔ یہاں خفیہ بات مراد ہے۔ جس کو اردو میں کانا پھوسی کہا جاتا ہے۔ جس طرح عورتیں آپس میں کسی کے خلاف چپکی چپکی باتیں کرتی ہیں۔ ھِنَّ ضمیر جمع مونث غائب سے نِسْوَۃٌ مراد ہیں۔ اَرْسَلَتْ جواب لَمَّا ہے۔ ارسال باب افعال کا ماضی مونث ہے اس کا فاعل عزیز کی بیوی ہے۔ متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول بہ دَعْوَۃً پوشیدہ ہے الیٰ جارہ انتہاء کے لئے ہے ھِنَّ ضمیر جمع مونث مجرور متصل ہے واؤ عاطفہ اَعْتَدَتْ دراصل تھا اِعْتَدَيْتَ باب افتعال سے ماضی ہے۔ عَدٌّ مادہ ہے بمعنی شمار کرنا۔ ایک قول ہے کہ یہ باب افعال سے ہے عَتَدٌ سے بنا بمعنی تیار کرنا۔ یہ ہی صحیح ہے لَهُنَّ لام جارہ نفع کا ہے۔ ھُنَّ ضمیر کا مرجع

وہ باتونی عورتیں ہیں۔ مُتَّکَأً اسم ظرف ہے مشتق ہے وَکْأٌ سے بمعنی ٹیک لگانا۔ یہاں مراد دعوت خانہ ہے۔ واؤ
عاطفہ اٰتَتْ فعل ماضی واحد صیغہ مونث غائب اَتْیٌ سے عربی میں یہ لفظ تین معنی میں مستعمل ہے ۱ آنا یہی اصل
ہے ۲ لانا ۳ دینا یہاں یہی آخری معنی مناسب ہیں متعدی ہے بدو مفعول اس کا مفعول اوّل کُلَّ ہے لفظ کُلٌّ
الفاظ جمع سے ہیں واحدۃً مونث عددی ہے اس کی مذکر واحدٌ ہے من جارۃ تبعیضیہ ھُنَّ مجرور متصل سِکِّیْنًا۔ اسم
مشتق ہے۔ مبالغے کا صیغہ بروزن صِرِّیْفٌ باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر ہے تسکین مذکر ہے بمعنی فاعل۔ متعدی
ہے بمعنی ساکن کرنے والی۔ چونکہ چھری سے مذبوحہ جانور ساکن ہوجاتا ہے اس لئے چھری کو سکین کہا گیا۔ تنوین تنکیری
ہے وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ واؤ حرف عطف بمعنی ثُمَّ قَالَتْ زلیخا کا قول ہے
اُخْرُجْ فعل امر مقولہ ہے قول باب نصر سے ہے لازم ہے علٰی جارہ عِنْدَ کے معنی میں ہے ھِنَّ ضمیر جمع مونث۔ فاء تعقیبیہ
یعنی بعد میں ہونا لَمَّا حرف شرط مقام ظرفیت میں ہے رَاَيْنَ فعل ماضی جمع مونث غائب کا صیغہ۔ رَائیٌ سے بنا بمعنی خوب
غور سے دیکھنا متعدی بنفسہٖ ہے ہٗ مفعول بہ ہے اَكْبَرْنَ باب افعال کا ماضی بصیغۂ جمع مونث اس کا فاعل وہی باتونی
عورتیں ہیں۔ مصدر اکبار ہے بمعنی بڑائی بیان کرنا قلب وزبان ہٗ مفعول بہٖ کا مرجع یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ جمعیت
کے لئے ہے قَطَّعْنَ ماضی مطلق معروف جمع مونث باب تفعیل ہیں اگر زیادتی کے معنی پیدا ہوئے۔ یعنی خوب کاٹنا۔ اَيْدِيَ
جمع ہے یَدٌ کی بمعنی پورا ہاتھ یہاں مراد ہے پھل پکڑنے کی جگہ یعنی انگلیاں ھُنَّ ضمیر جمع مرجع وہی عورتیں ہیں وَقُلْنَ حَاشَ
لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا ۔ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ واؤ عاطفہ قُلْنَ قول ان مہمان عورتوں کا فعل ماضی بصیغہ جمع مونث۔ حَاشَا اس
لفظ میں چھ قرأتیں ہیں ۱ حَاشَ ۲ حَاشَا ۳ حَاشَ اللہ مضاف۔ مضاف الیہ بناکر ۴ حاشًا ۵ حَشَا ۶ حاشٌ بعض
نے فرمایا یہ اسم جامد ہے تبرئۃ بمعنی پاکبازی کے لئے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ فعل ماضی ہے باب مفاعلۃ سے حَشْوٌ مادہ
دراصل تھا حاشَوَ بغیر الف واؤ کو بقانون نحو الف سے بدل دیا۔ پھر برائے تخفیف الف کو گرادیا۔ مگر بولنے میں الف
مروج ہے اس کا معنی بزرگی ثابت کرنا ہے بھرپور طریقے سے۔ بعض نے کہا یہ اسم فعل ہے بمعنی ماضی اِتَّبَرَءَ یہ لفظ انتہائی
حیرانی میں بدیہیً بولا جاتا ہے۔ لام تحسین کا یا ملکیت کا مَا نافیہ هٰذِهٖ اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ یوسف ہیں بَشَرًا اسم
جامد ہے بُشْرٌ سے بنا بمعنی کھال اور گوشت پوست والا مراد ہے عام انسان اِنْ نافیہ هٰذَا اسم اشارہ قریبی اَلْاَحرف
استثنا بمعنی سوا حصر کے لئے مَلَكٌ اسم جامد ہے بمعنی فرشتہ کَرِیْمٌ بروزن فعیل بمعنی مفعول۔ کرمٌ سے مشتق ہے
صفت ہے مَلَکٌ کی۔ بمعنی معزز۔ جلیل القدر۔ شریف النفس۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ
لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ۔ قَالَتْ فعل ماضی بصیغہ مونث کا فاعل زلیخا ہے فاء فصیحۃ کلام کی ہے۔ ذٰلِكُنَّ ذٰلِكَ تھا كُنَّ ضمیر
مونث کے ساتھ۔ مطلب ہے یہ تمہارا وہی ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصولہ مذکر خبر ہے مبتدا کی۔ ذٰلِكُنَّ مبتدا ہے۔ لُمْتُنَّ باب نصر
کا ماضی مطلق معروف بمعنی بعید بصیغۂ جمع مونث ہے اس کا واحد لَامَ۔ لومٌ سے بنا بمعنی ملامت کرنا نِیْ نون وقایہ

یاءِ متکلم مفعول بہٖ بمعنی ملامت کرنا برا بھلا کہنا بعض نے فرمایا دراصل تھا ذَالِکَ۔ لُمْتُنَّ ماضی بعید۔ موصول نے فاصلہ کر دیا للذاکُنَّ ضمیر ذالِکَ سے جڑ گئی۔ فی ظرفیہ ہ مرجع یوسف وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ واؤ عاطفہ عطف سابقہ مقولے پر ہے۔ لام کی رَاوَدْتُّ واحد متکلم کا اقراری صیغہ ہے۔ رَوْدٌ سے بنا بمعنی کھینچنا یعنی محبت سے ورغلانا ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف مفعول بہ ہے۔ عَنْ جارہ بمعنی مِنْ۔ نفس معنی شخصیت فاتعقیبیہ اِسْتَعْصَمَ باب استفعال کا ماضی۔ مطلق بمعنی بعید اس کا فاعل حضرت یوسف ہیں عَصْمٌ سے بنا بمعنی بچنا۔ لازم ہے باب استفعال میں آکر متعدی بیک مفعول ہوا۔ وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ واؤ عاطفہ عطف ہے قالت کے پہلے مقولے پر۔ لام کی اِنْ حرف جملہ شرطیہ منفیہ ہے لَمْ يَفْعَلْ فعل نفی جحد بلم بمعنی ماضی اختیاری فعل کے لئے اس کا فاعل یوسف ہیں ما موصولہ اس کا مفعول بہ۔ اٰمُرُ فعل مضارع متکلم فاعل اَنَا ضمیر مستتر۔ ہٗ اس کا مفعول بہ مرجع یوسف ہیں لَيُسْجَنَنَّ يفعل لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ مستقبل مجہول نائب فاعل هُوَ ضمیر مستتر مراد یوسف ہیں۔ واؤ عاطفہ لَيَكُوْنًا لام تاکید بانون تاکید خفیفہ دراصل تھا لَيَكُوْنَنْ مِنْ جارہ کی میم سے جوڑنے کے لئے الف لگایا گیا بشکلِ تنوین مثلاً لَنَسْفَعًا نون خفیفہ الف سے بدل گئی مِنْ جارہ تبعیضیہ اَلصّٰغِرِيْنَ الف لام استغراقی ہے صٰغِرِيْن اسم فاعل جمع ہے اس کا واحد ہے صَاغِرٌ صِغَرٌ سے بنا باب سمع سے ہے۔ بمعنی چھوٹا ہونا یہاں مراد ہے چھوٹا ہونا یعنی عزت میں چھوٹا ہونا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً وَّاٰتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ یہ واقعہ مصر کے گلی کوچوں میں مشہور ہو گیا کوئی کہیں تذکرہ کر رہا ہے کوئی کہیں۔ یہاں تک کہ جب اس کی اپنی ملازمہ اور رئیس زادیوں نے ایسی طعن آمیز گفتگو کی اور اس کو خبر پہنچی تو جان لیا کہ یہ کچھ ضرور مکر پھیلائیں گی لہٰذا پہلے ان کا بندوبست کرنا چاہیئے تو جب زلیخا نے سنا ان کے مکر کو۔ مکر اور کید میں فرق یہ ہے کسی کو پھانسنے کیلئے جال پھیلانا کید ہے اور کسی کے نقصان کیلئے کوئی عملی چال چلنی مکر بعض نے کہا کہ کسی کو غلط راہ پر ڈالنا کید ہے اور خود پیچھے رہ کر کسی کو آگے لگا کر تیسرے کے خلاف قدم اٹھانا مکر ہے ایک قول یہ ہے کہ کسی کو دھوکہ دینا کید ہے اور کسی کو دھوکے میں رکھنا مکر ہے۔ ایک قول ہے کہ ظاہر ظہور اپنا مطلب نکالنا کید ہے اور ظاہر میں کچھ ہو باطن میں کچھ مرضی ہو یہ مکر ہے وہی یہاں مراد ہے کہ ان عورتوں نے ظاہراً تو زلیخا کو ملعون اور برا کہا۔ دل میں مرضی یہ تھی زلیخا ہم کو بھی وہ غلام دکھلائے یا یہ چاہت تھی کہ یوسف کو گھر سے نکال دیا جائے اور وہ ہم سے کسی کو مل جاتے مگر پہلا قول قوی ہے بدیں وجہ اَرْسَلَتْ زلیخا نے ان کی طرف پیغام دعوت بھیجا یہ دعوت اس واقعے کے چھ ماہ یا دو ماہ بعد ہوئی۔ ادھر تو کل کی دعوت کا پیغام لے کر قاصد ہر گھر کو روانہ ہوا ادھر وَاَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَاً۔ زلیخا نے اپنی ملازماؤں اور لونڈیوں کے ذریعے نہایت عمدہ طریقے سے دعوت گاہ سجایا۔ اس اہتمام کے تین مقصد تھے ۱۔ اگرچہ وہ سب عورتیں زلیخا کی ملازمین اور ماتحتوں کی بیویاں۔ اور مائیں بہنیں تھیں مگر ان کی عزت افزائی کی تاکہ آئندہ وہ طعن میں زبان نہ کھولیں۔ غریب اور مزدور پیشہ کو جب کوئی عزت

دیتا ہے خواہ بناوٹی اور مطلبی عزت ہی کیوں نہ ہو تو وہ اتنا خوش ہوتا ہے کہ اس کا بندۂ بے دام بن جاتا ہے۔ جتنے بھی
باطل و عیار لوگ ہیں وہ یہی ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں مزدور جلدی ساتھی بنتا ہے ف اگرچہ وہ عورتیں اتنی اہمیت
اور عزت افزائی کے لائق نہ تھیں مگر دیدار جس کا کرانا تھا جس کی شان کی دھاک بٹھانی تھی وہ بڑا عظیم تھا۔ علماء کرام
فرماتے ہیں کہ جس جگہ قرآن مجید پڑھنا ہو وہاں خوب خوشنمائی سجاوٹ کرو خوبصورت پردے قالین بچھاؤ خوشبو مچاؤ۔
اسی طرح ذکر نبی کریم کے لئے بھی محفل سجانا فرض ہے یہ مہمانوں کا ادب نہیں بلکہ قرآن کریم اور صاحب قرآن کا احترام ہے
ف کچھ عورتیں رئیس زادیاں تھیں ان کی خاطر اتنا اہتمام کیا گیا۔ ایک لونڈی نے کہا وہ عورتیں تو تیری بدگو ہیں پھر ان کا اتنا
احترام کیوں زلیخا نے کہا میں تلوار کی مار نہیں مارنا چاہتی بلکہ دیدار یوسفی دکھا کر پھر فراق کی مار مارنا چاہتی ہوں عاشق جب
تک فراق کے بھنور میں رہتا ہے اس سے بڑھ کر دیوانہ کوئی نہیں ہوتا۔ کیونکہ وہ تلاشِ محبوب میں مجنون ہوتا ہے اور
جب وصل پاتا ہے تو اس سے بڑھ کر سیانا کوئی نہیں ہوتا کیونکہ وہ مطلوب کی حفاظت میں ہر شے پر نظر رکھتا ہے ہر چیز
کو سمجھتا ہے زلیخا نے عورتوں کی باتیں سنیں تو فوراً تہہ تک پہنچ کر مکاری کو سمجھ گئی اور دعوت کے لئے بلا لیا جب سب آ
گئیں اور اپنے اپنے مقام پر تکیوں سے ٹیک لگائی تو اتت لا کر دی یا آکر دی یعنی ہر عورت کے ہاتھ میں خود پکڑائی ان تمام
عورتوں میں سے ہر ایک کو وہ چالیس عورتیں تھیں جن میں وہ مذکورہ پانچ عورتیں بھی سِکِّیْنًا چھری یہ دعوت بھی ایک مکر
تھا ان کے مکر کے جواب میں یہ دعوت کھانا غذا کی نہ تھی بلکہ بعد نماز ظہر قبل عصر عصرانہ تھی جس میں صرف پھل اور دودھ
ہوتا ہے آجکل چائے ہوتی ہے جب سب بیٹھ گئیں بڑے ناز سے تکیہ لگائے امراء کی طرح تو زلیخا نے کھانے کی اجازت
دی اور خود شامل نہ ہوئی سب نے ایک ایک پھل اٹھایا اور زور سے حسب عادت کاٹنے لگیں۔ عورتوں کو بجز دعوت کچھ
پتہ نہ تھا وہ پھل کاٹ رہی ہیں اور تیز چھری پھلوں پر رگڑی جا رہی ہے وقالت اور ایک دم زلیخا نے یوسف علیہ السلام
کو کہا کہ نکل آؤ ان عورتوں کے سامنے زلیخا نے حضرت یوسف کو پہلے ہی سے ساتھ والے کمرے میں بٹھایا تھا۔ مُتَّکَاً
کے بارے چار قول ہیں ایک یہ کہ تکیہ گاہ جگہ تب یہ تکؤ سے بنا امراء لوگ اس طرح بیٹھتے ہیں اسلام میں تکیہ لگا کر بلا عذر
کھانا منع ہے دوم یہ کہ یہ مُتْکٌ سے بنا یعنی سخت کھانا جس کو چھری سے کاٹا جائے ایک لغت بَتْکٌ بھی ہے اگر لیموں
مراد ہو تو کھانے کے آخری حالت مراد ہے سوم یہ کہ متکاء سے مجازاً انار یا سیب یا لیمو مراد ہے چہارم یہ کہ گوشت بھنا
مراد ہے مگر صحیح یہ ہے کہ سیب تھے وہ اپنی قوت سے کاٹ رہی تھیں کہ یوسف باہر سامنے آ گئے فَلَمَّا رَاَیْنَهٗۤ اَكْبَرْنَهٗ
وَقَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ یہاں یہ ایک جملہ پوشیدہ ہے خَرَجَ عَلَیْهِنَّ یوسف
ان کے سامنے نکل آتے تو جب ان عورتوں نے دیکھا دنگ رہ گئیں اور یوسف علیہ السلام کی نعت خوانی کرنے لگیں
یعنی بھلا ان لوگوں نے ایسا جاہ و جلال۔ حسن و جمال کب دیکھا تھا حسن یوسف معجزہ یوسفی تھا جس کا ہر دور نرالا تھا
اور اس کو دیکھنے کے لئے ہر آنکھ مختلف تھی۔ بعض نے کہا کہ یہ حسن آپ کی پردادی سارہ کی میراث تھا وہ بھی

بہت حسینہ تھیں مگر یہ میراث ہونا درست نہیں۔ پھل کاٹتے کاٹتے مدہوش ہوگئیں اور اسی مدہوشی میں چھری چلاتی ہیں پھل کٹ گئے چھری پیچھے انگلیوں پر آئی اور چلتی رہی اور خوب کاٹا کھال کٹی گوشت کٹا اور بعض کی ہڈی تک کٹ گئی قَطَّعْنَ باب تفعیل کا ماضی ہے جس میں کثرت کے معنی ہیں یعنی خوب ہی کاٹے مگر درد ذرہ بھر نہ ہوئی اور کہتی رہیں حَاشَ لِلّٰهِ اللہ ہی کو کبریائی ہے جس نے ایسا پیدا کیا۔ نہیں ہے یہ بشر کیونکہ آج تک ایسا بشر دیکھا نہ گیا۔ ایک قرأت میں حَاشَ ہے ایک میں حَاشَا معنی سب کا ایک ہے تخفیف کے لئے الف گرایا۔ نہیں یہ یوسف مگر بہت ہی مکرم فرشتہ یعنی عام فرشتہ بھی نہیں بلکہ عام فرشتوں سے اعلیٰ۔ یہ سب مدہوشی اور وارفتگی کے عالم میں گفتگو ہوئی اس طرح کہ نگاہوں میں جمالِ یوسف زبانوں پر ثناءِ یوسف اور ہاتھوں میں قضاءِ یوسف یعنی چھری۔ کچھ دیر جھلک دکھائی پھر چلے گئے یا خود یا زلیخا کے کہنے سے۔ جب اچھی طرح بدحالی ہوگئی اور جمال یوسف نگاہوں سے اوجھل ہوگیا تب درد محسوس ہوا اور پتہ لگا کہ پلک جھپکنے میں کیا ہوگیا۔ اب درد بھی ہے تڑپ بھی اور پھر رگ بھی تو زلیخا بولی قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ؕ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ بولی پس دیکھ لیا تم نے وہ یوسف تمہارا یہ تھا۔ ذٰلِكُنَّ سے مراد یوسف ہیں اور کُنَّ سے مراد یہ عورتیں ھٰذا نہ کہا دو وجہ سے ایک یہ کہ جسمًا وہ تم سے غائب ہوگیا دور چلا گیا کیونکہ نحوی قاعدے سے ذالکن غائب کے لئے بولا جاتا ہے دوم یہ کہ عقلًا اور فہمًا اب بھی تم سے دور ہے اور اس وقت بھی جب کہ یہاں تھا۔ اور خود زلیخا سے بھی کیونکہ نبی کی حقیقت بجز خدا کوئی نہیں جان سکتا وہ تھا یہ جس کے بارے میں تم مجھ کو ملامت کرتی رہیں اب تم نے دیکھ لیا کہ ایک جھلک دیکھنے کی تم میں تاب نہیں تمہاری نظروں یعنی ظاہر نے یوسف کو دیکھا تو کیا حال ہوا کہ ظاہر جسم زخمی لہولہان ہوگیا میرے تو دل نے قلب نے باطن نے سینہ و جگر نے عقل و دماغ نے یوسف کو دیکھا تو کیا حال ہوا ہوگا۔ میں کیونکر عشق میں مجنون نہ ہوتی اور جنون میں کیا کچھ نہ کرلیتی اور اب بھی میرا عشق سرد نہیں ہوا میں تو کشتۂ عشقِ یوسفی ہوں۔ میں اپنے گناہِ عشق جرمِ وارفتگی کا اقرار کرتی ہوں تم کیا چھپا رہ گیا ہے واقعی اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ میں نے ہی اس کی ذات سے اس کو پھسلایا بہکایا۔ مگر اس بہادر دلیر کی شان دیکھو کہ فَاسْتَعْصَمَ ایسے خوشنما جال سے بچ گیا کہ جوانی قدموں پر نثار ہو رہی تھی حسن غلام بنا کھڑا تھا دولت لونڈی بن کر آگئی تھی سلطنت پاؤں تلے آنے کی تیاری میں تھی۔ اس نے سب کو ٹھکرا دیا میرا عشق ایسا جھوٹا نہیں کہ ختم ہو جائے للٰہ اب بھی زبانِ محبت و عشق سے یہ کہہ رہی ہوں وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ اور قسم کھا کر کہتی ہوں کہ اگر وہ غلام اب بھی میری اس بات کو نہ مانے گا جس کا میں اب اس کو حکم دیتی یا آئندہ دوں گی یعنی محبت کا جواب محبت سے دینے کا یا اس کا کہ تو مستقل میرا بن جا۔ مجھ سے بے رغبت نہ ہو۔ زلیخا نے پانچ طرح یوسف علیہ السلام کو بہکانے کی کوشش کی ۱۔ میں سب سے زیادہ حسینہ ہوں ۲۔ میں مالدار ہوں ۳۔ میں سخی بھی ہوں جیسا کہ تم نے دیکھ لیا کہ تمہاری خاطر کتنی دولت لٹائی اور تم کو کیسا عیش دیا ۴۔ میں نافرمان کو سزا بھی دے دلا سکتی ہوں کیونکہ حکومت میرے قبضے میں ہے۔ تو البتہ ضرور قید کیا جائے گا۔ اور البتہ ضرور اپنی موجودہ شان و شوکت گنوا کر ذلیلوں میں ہوگا کہ وہی پھٹے کپڑے ہوں گے اور یوسف ہوگا وہی سوکھی روٹی خشک ٹکڑے ہوں گے اور یوسف

ہوگا ہر طرح کے مجرم قاتل چور ڈاکو ہوں گے اور ان کی بدتمیز صحبت ہوگی اور یوسف ہوگا۔ وہی جیل کا فرش خاکی ہوگا اور یوسف ہوگا۔ چونکہ مجھ کو یہ برداشت نہیں لہٰذا یوسف میری محبت برداشت کرے یہ سب کلام اوپری زبان سے ہے نہ کہ قلب کی گہرائی سے زلیخا نے حضرت یوسف کی غیر موجودگی میں کیا۔ یا واقعی دیوانگی کے جوش میں یہ سب کچھ کہہ گزری یا عورتوں پر رعب جمانے کے لئے اور یہ تاثر دینے کے لئے کہ مجھ کو غلام سے خائف نہ سمجھو میں اس کو زیر کرنا چاہتی ہوں۔ ورنہ جو عورت ایک معمولی طعنہ نہ برداشت کر سکے غیرت مندی میں آجائے۔ اپنے خاوند کے سامنے اپنا عیب کھلنا پسند نہ کرے بحالت باہوش حالت میں اب اپنا عیب کس طرح افشا کر سکتی ہے۔ اور کیسے آئندہ گناہ کا تذکرہ کر سکتی ہے۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** زلیخا حضرت یوسف کی سچی عاشق تھی اور عاشق اپنے معشوق کو طالب اپنے مطلوب کو حبیب اپنے محبوب کبھی تکلیف دینے پر آمادہ نہیں ہوتا اسی لئے لَيُسْجَنَنَّ بصیغہ مجہول کہا یعنی قید کیا جائے گا اپنا ذکر نہ کیا کہ میں قید کراؤں گی بتایا یہ کہ یہ خود اپنی حرکتوں سے نافرمانیوں سے اور محبت کو ٹھکرانے سے قید ہوگا۔ بندے کو چاہیئے کہ اللہ کی نافرمانی چھوڑ دے تاکہ رب تعالیٰ بندے کا طالب ہو جائے اور بندہ محبوب۔ کوئی بھی اپنے محبوبوں کو تکلیف نہیں دیتا تو رب تعالیٰ اپنے محبوبوں کی تکلیف کیوں گوارا فرمائے گا۔ یہ فائدہ لَيُسْجَنَنَّ مجہول فرمانے سے ہوا **دوسرا فائدہ** بیخودی کی حالت میں انسان مکلّف نہیں رہتا دیکھو عورتوں نے ہاتھ کاٹ لئے مگر ان کو قانونی مجرم نہیں قرار دیا حالانکہ خود کو زخمی یا خودکشی کرنے کا ارادہ کرنا قانونی جرم جو شخص خودکشی سے بچ جاتے اس پر حکومت مقدمہ چلاتی ہے کہ تو نے خودکشی کا ارتکاب کیوں کیا۔ مگر مجنون کی کوئی حرکت جرم نہیں لہٰذا مجذوب فقرا بھی شرعی احکام و قانون کے مکلف نہیں۔ مجذوب اولیاء اللہ پر اس چیز کا طعن کرنا برا ہے۔ یہ فائدہ قَطَّعْنَ (الخ) سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے اس فعل کی برائی نہ فرمائی **تیسرا فائدہ** حضرت زلیخا کو اب برا نہ کہا جاوے کیونکہ ان سے جو گناہ سرزد ہوا وہ حالت بیخودی میں تھا قرآن کریم نے ان کی توبہ ذکر فرمائی رَاوَدْتُّهٗ اقرار جرم بھی توبہ ہے اور بعد کی گفتگو بھی محض عشق کی جلن کی بنا پر تھی۔ یہ فائدہ رَاوَدْتُّهٗ (الخ) سے حاصل ہوا **چوتھا فائدہ** کہ حضرت یوسف بالکل پاکدامن رہے اگر یوسف علیہ السلام نے ذرا بھی میلان دکھایا ہوتا تو زلیخا کبھی پاکدامنی بیان نہ کرتی یہ فائدہ فَاسْتَعْصَمَ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** اجنبی عورتوں کو اپنا جلوہ دکھانا حرام ہے حضرت یوسف نے اپنا دیدار کیوں کرایا **جواب** اولاً اس لئے کہ حضرت یوسف کا حسن معجزہ تھا اور معجزہ دکھانا جائز ہے دوم اس لئے کہ رغبت کے لئے دکھانا حرام رعب پیدا کرنے کے لئے دکھانا جائز ہے اسی لئے حسن یوسف کو دیکھ کر عورتیں مرعوب ہوئیں نہ کہ راغب ہیں۔ سوم اس لئے کہ زلیخا نے کہا تھا اور مقصد ان کا طعن توڑنا تھا۔ نبی کی کیلئے ان کے دل میں جو غلامیت کی حقارت تھی اس کو دور کرنا مقصود تھا اور ان کے منہ سے کہلوانا تھا کہ تم نے پہلے جس کو غلام کہا اسی کو اب اپنے ہی منہ فرشتہ کریم کہہ کر اس کی ثنا خوانی کرو۔ یہ بھی تبلیغ دین ہے کیونکہ انبیاء اولیاء کی تعریف خدا کی تعریف ہے۔

دوسرا اعتراض مصر کی عورتیں تو کافرہ تھیں پھر انہوں نے حَاشَ لِلّٰہِ اور مَلَكٌ كَرِيمٌ کیوں کہا؟ ان کو خدا تعالیٰ اور فرشتوں کا کیا پتہ **جواب** یا محض رسمی اور رواجی طور پر سن سنا کر جس طرح کہ بہت عیسائیوں ہندوؤں کو اللہ تعالےٰ کی قسم کھاتے دیکھا ہے۔ اور اسلامی سلام کرتے دیکھا ہے یا اس لئے کہ بت پرست کافر خدا کو بھی مانتے ہیں اور بتوں کو بھی۔ **تیسرا اعتراض** عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو فرشتوں سے کیوں مشابہت دی اور بشریت کی نفی کی حالانکہ انسان زیادہ خوبصورت ہے۔ **جواب** ہر انسان خوبصورت نہیں اور ہر فرشتہ ایک جیسا نور ہے۔ اور یہ تشبیہ دیکھ کر نہیں تھی صرف سنی سنائی اور خیال کے مطابق تشبیہ تھی جیسے آج ہم کسی خوبصورت عورت کو پری کہہ دیتے ہیں۔ بعض نے یہ جواب دیا حضرت یوسف میں عورتوں کو تین چیزیں ظاہر ہوئیں ۱۔ جلال ۲۔ جمال ۳۔ بھولا پن معصومیت۔ اس لئے انہیں یقین ہو گیا کہ یہ گناہ گار یا غلام نہیں ہو سکتا کیونکہ غلام میں جلال نہیں ہو سکتا اور گناہ گار میں بھولا پن اور معصومیت نہیں ہو سکتی اور انہوں نے سن رکھا تھا کہ فرشتے معصوم ہوتے ہیں اس لئے کہا مَلَكٌ كَرِيمٌ **چوتھا اعتراض** عورتوں نے ایک دفعہ دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے زلیخا نے کیوں نہ کاٹے نہ ہی کسی مرد نے کاٹے **جواب** زلیخا نے جب سے عشق کیا تھا کبھی چھری استعمال نہ کی (امام غزالی) دوسرے یہ کہ زلیخا نے اپنا قلب و جگر کاٹ لیا تھا اس کو ہاتھ کاٹنے کی فرصت کہاں جس نے یوسف کے ظاہر کو ظاہری آنکھ سے دیکھا اس نے ظاہری جسم یعنی ہاتھوں کو کاٹا جس نے باطن کو دیکھا یا باطنی نگاہ سے دیکھا اس نے باطنی جسم یعنی جگر کے اور قلب کے ٹکڑے کئے۔ اور عورتیں جمال دیکھ کر عاشق اور وارفتہ ہوتی ہیں مگر مرد کمال دیکھ کر عاشق ہوتے ہیں حضرت یوسف کے پاس جمال تھا محمد مصطفےٰ کے پاس کمال۔ عورتیں وارفتہ ہوتی ہیں تو ہاتھ کاٹتی ہیں مرد وارفتہ ہوتے ہیں تو سر کٹاتے ہیں۔ شعر

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں ٭ سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

جمال والے کو دیکھ کر عشق پیدا ہوتا ہے مگر کمال والے کے نام پر ہی کروڑوں عاشق بن جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ أَرْسَلَتْ إِلَيْهِنَّ وَأَعْتَدَتْ لَهُنَّ مُتَّكَأً وَآتَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّينًا وَقَالَتِ اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ ۖ فَلَمَّا رَأَيْنَهُ أَكْبَرْنَهُ وَقَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا هٰذَا بَشَرًا إِنْ هٰذَا إِلَّا مَلَكٌ كَرِيمٌ جب عشق و مستی کی دنیا اہل شقاوت کی ملامت سنتی ہے تو محبت کی مار مارتی ہے نہ کہ عداوت کی تاکہ اہل باطل پر بھی حقیقت آشکارا ہو جائے اور ہر صفت کو اس کی حیثیت کا کھانا اور شراب الفت کے رس پلاتی ہے۔ اور ہر ایک کو خنجر عشق مجازی پکڑا دیتی ہے اور پھر زلیخاء دنیا صوت ناسوتی سے پکارتی ہے اے احوال قلب کے غلبات وارد ہو جاؤ صفات بشریت و بہیمیت ونفسانیہ پر۔ اس تکیہ گاہ نفس و خواہشات پر اس وقت تک حیوانیت چھائی رہتی ہے جب تک قلب سلیم حجاب میں رہتا ہے لیکن جب تجلیات یوسف قلب کا ظہور ہوتا ہے۔ اور صفات ناسوتیہ ان انوار کو دیکھتی ہیں تو جمال لم یزل کی عظمت کے نعرے لگاتی ہیں اور حالت مستی و وارفتگی میں ذکر کی چھری سے غیر اللہ کے تعلق والے ہاتھ کاٹ لیتی ہیں یہ ہی کمال قلب ہے کہ حیوانیت

کو لذتِ عشق نے مست کر دیا۔ اور پکارتی ہیں یہ انوارِ جمال بشریت کے نہیں ہو سکتے یہ تجلیاتِ حسن انسانیت کی نہیں ہیں یہ قلب انسانی نہیں لباس قلب میں عالم قدس کا مقرب و مکرم فرشتہ ہے۔ جب دل مومن اس مقام پر پہنچتا ہے اور معراج معرفت حاصل کر لیتا ہے تب کائنات جسد کی ہر قوت و طبیعت اس کی مریدی کے گن گاتی ہے۔ قلب ایمانی زلیخا دنیا میں ہی رہتا ہے مگر دنیا اس میں نہیں آ سکتی۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ سات چیزیں سات چیزوں کے دیدار سے اچھی ہو جاتی ہیں ۱ دنیا ذکر محبوب سے اچھی ہوتی ہے اور محبوب کائنات صرف ذات باری ہے ۲ عقبیٰ بخشش الٰہی سے اچھی ہوتی ہے ۳ زمانہ اطاعت شریعت سے اچھا ہوتا ہے ۴ راتیں عاشق مناجات سے ۵ دن اچھا ہوتا ہے خدمت دین الٰہی سے ۶ نعمت اچھی ہوتی ہے مغفرتِ پروردگار سے ۷ اور دل اچھا بنتا ہے عشق و محبت رب ذی الجلال والاکرام سے قلب مومن بُرے فعل پر شرمندہ ہوتا ہے لیکن منافق اَسرار کا دل فسادِ باطنی اور شرورِ نفس سے بھی شرمندہ نہیں ہوتا۔ زندگی کے ایام حیات ذیوی کی سانسیں نعمتِ ربِ کریم ہیں ان کو غنیمت سمجھنا چاہیئے موت کے دروازے کی طرف ہر قلب یوسف کو بھاگنا ہے جب آوازہ بلند ہو جائے کہ تندرست بیمار ہو گیا اور بیمار لاغر ہو گیا اور لاغر فوت ہو گیا۔ تب ملامت و فصاحت و بلاغت کی بکاری ختم ہو جائے گی اور کوئی دوا کھانا پینا مفید نہ رہے گا زندوں سے تعلق چھوٹ جاتے گا پھر کون نیکی کی راہ چل سکتا ہے یہ غفلتیں اور سستیاں اور اہلِ حق پر طعنے بازیاں اس وقت تک ہیں جب تک کہ گھوارے عشق میں جام محبت کا گھونٹ نہیں پیا۔ جس نے ایک گھونٹ پی لیا اس کو قیامت تک کی مٹھاس مل گئی قَالَتْ فَذٰلِكُنَّ الَّذِیْ لُمْتُنَّنِیْ فِیْهِ ۔ وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ ۔ وَلَئِنْ لَّمْ یَفْعَلْ مَاۤ اٰمُرُهٗ لَیُسْجَنَنَّ وَلَیَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِیْنَ دنیاءِ عشق و مستی نے کہا اے فراقِ حجاب کے محبوبو یہ وہی ذوقِ محبت ہے جس کی تم نے مجھ کو ملامت کی تھی اب تم نے اس کو فقط جانا اور میں نے اس کی لذت عشق کو چکھا۔ اسی لئے میں نے ہی اس کو سلایا و رغلایا۔ راہِ مستقیم سے ہٹانے کی کوشش ناکام کی لیکن اس قلب مطہر نے معصومیتِ قدس حاصل کر لی کیونکہ اس کا باطن شہوت کے میل کچیل سے اور علتِ بشریت، اور برائی و فحاشی کی محبت سے پاک و صاف ہے اگر یہ قلبِ حسین دنیا کے حکم محبت سے لذاتِ دنیا میں خواہشاتِ ذمیمہ۔ حرص و ہوسِ رذیلہ میں مشغول نہ ہوا۔ اور ان دنیوی زیب و زینت سے علیحدہ زاہد راہِ صفا رہا تو مشقتِ ریاضتِ زہد باطن جفائے الفت کے قید خانے میں رہ کر شریعت کی بیڑیوں طریقت کے بندھنوں میں قید کیا جائے گا اور وادیِ حیرت میں کمزور و پریشان ہوتا رہے گا۔ اہلِ دنیا اس کو ذلیل و دیوانہ کہا کریں گے۔ دنیا کا یہی طور ہے کہ راہِ سعادت والے کو احمق و بیوقوف کا لقب دیا جاتا ہے اور انعامِ ابدی پانے والے کو صاغرین میں شمار کیا جاتا ہے۔ مدبرین و محققین جانتے ہیں کہ احمق وہی ہے جو لذاتِ دنیا سے لگا رہا۔ (عرائس البیان و امام غزالی)

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْٓ اِلَیْهِ

عرض کیا اے میرے رب قید خانہ زیادہ پیارا ہے طرف میری کہ ہے اس بلاتی ہیں طرف

یوسف نے عرض کی اے میرے رب مجھے قید خانہ زیادہ پسند ہے اس کام سے جس کی

وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ کَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَکُنْ

جس کی اور اگر نہ پھیرے سے مجھ مکر ان کا لاچار ہو جاؤنگا میں طرف ان کی اور ہو جاؤنگا میں

طرف یہ مجھے بلاتی ہیں اور اگر تو مجھ سے ان کا مکر نہ پھیرے گا تو میں ان کی طرف مائل

مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۳﴾ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ

ناسمجھوں میں سے تو قبول کی دعا کی اس رب نے اس کے پس پھیر دیا سے

ہونگا اور نادان بنونگا تو اس کے رب نے اس کی سن لی اور اس سے عورتوں

عَنْهُ کَیْدَهُنَّ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۳۴﴾ ثُمَّ

اس مکر ان کا بے شک وہ ہی سننے والا جاننے والا ہے پھر خیال

کا مکر پھیر دیا بے شک وہی سنتا جانتا ہے پھر سب کچھ نشانیاں دیکھ

بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰیٰتِ لَیَسْجُنُنَّهٗ

ظاہر ہوا لیے ان کے سے بعد اس کے کہ دیکھ لیں نشانیاں کہ ضرور قید کریں اس کو

دکھا کر پچھلی مت انہیں یہی آئی کہ ضرور ایک مدت تک اسے قید خانہ میں ڈالیں

حَتّٰی حِیْنٍ ﴿۳۵﴾ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَیٰنِ ؕ قَالَ

تک کچھ مدت اور داخل ہوئے ساتھ ان کے قید میں دو جوان بولا ایک

اور اس کے ساتھ قید خانہ میں دو جوان داخل ہوئے ان میں

اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ

ان دونوں سے بیشک میں نے خواب دیکھا کہ نچوڑتا ہوں شراب اور کہا دوسرے نے دیکھا میں نے خواب میں خود کو اٹھاتا ہوں

ایک بولا کہ میں نے خواب دیکھا کہ شراب نچوڑتا ہوں اور دوسرا بولا میں نے

اَرٰىنِیْۤ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْهُؕ	
اوپر سر اپنے روٹی کھا رہے ہیں پرندے اس سے بتائیے ہم کو	
خواب دیکھا کہ میرے سر پر کچھ روٹیاں ہیں جن میں سے پرندے کھاتے ہیں	
نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۳۶﴾	
سے تعبیر اس کی بیشک ہم سمجھتے ہیں آپ کو سے نیکوں	
ہمیں اس کی تعبیر بتائیے بے شک ہم آپ کو نیکو کار دیکھتے ہیں	

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات سے چند طرح سے ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی وارفتگی عشق یوسفی میں چند دھمکی آمیز لغویات کا ذکر تھا اب حضرت یوسف کی قوت ایمانی اور اسی قوت کی بنا پر دھمکیوں کی پرواہ نہ کرنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کا عزیز مصر سے کلام کرنے اور عورتوں کی محفل میں تشریف آوری کا تذکرہ ہوا اب یہاں حضرت یوسف کا رب کریم کی بارگاہ میں حاضری اور اس ذات پاک جل مجدہ سے مناجات اور زیادہ کا تذکرہ ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں زلیخا کی طرف سے ذلت و رسوائی کی دھمکی اور ایک خاص چال اور مکر کا ذکر تھا کہ کسی طرح یوسف بھی مجھ سے محبت کریں اب اللہ رب العزت کی طرف سے عزت و مرتبے کا وعدہ اور عورتوں کے مکر کو توڑنے کا ذکر ہے **چوتھا تعلق** پچھلی آیات میں قید کی دھمکی کا ذکر تھا اب یہاں منشاء قدرت الٰہیہ کے مطابق یوسف علیہ السلام کے قید میں جانے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ۔ قَالَ فعل ماضی قول ہے حضرت یوسف کا رَبِّ مضاف ہے اور مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا رَبِّیَ اَلسِّجْنُ ایک قرأت میں سَجْنُ۔ سِجْن اسم جامد ہے بمعنی ظرف اس کا ترجمہ ہے قید خانہ سَجْنُ مصدر ہے بمعنی قید ہونا۔ مبتدا ہے۔ اَحَبُّ۔ اسم تفضیل ہے حُبٌّ سے بنا بمعنی محبوب محبت کیا ہوا مراد ہے زیادہ پسند اِلَیَّ جارہ بمعنی لام جارہ یاء متکلم مجرور۔ مِمَّا مِنْ مَا تھا۔ مِنْ جارہ بمعنی باء مَا موصولہ یَدْعُوْنَ فعل مضارع حال صلہ ہے جمع مونث غائب کا صیغہ ہے۔ یدعون کی واؤ ضمیر کے قائم مقام نہیں وہ جمع مذکر میں ہوتی ہے یہاں مادے کی واؤ ہے۔ نِیْ نون وقایہ یعنی فعل کا اعراب بچانے والی یاء متکلم بحالت زیر مفعول بہ ہے۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لئے ہ کا مرجع زلیخا کا منشاء وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَاَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ واؤ ابتدائیہ اِلَّا دراصل تھا اِنْ لَا اِنْ حرف شرط لَا تَصْرِفْ فعل مستقبل منفی بحالت جزم۔ اِنْ شرطیہ نے جزم دیا صَرْفٌ سے بنا بمعنی۔ پھیرنا۔ بچانا۔ خرچ کرنا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں عَنْ جارہ یاء متکلم مجرور کَیْدَ بمعنی چال بازی مفعول

مضاف ہے عَنِّیْ کی ضمیر کی طرف ھُنَّ ضمیر جمع مونث ہے مگر مراد واحد عورت ہے۔ اَصْبُ واحد متکلم فعل مستقبل صَبْوٌ سے بنا تین معنی میں مشترک ہے ۱ نادانی کا کام کرنا اسی لئے بچے کو صبی کہا جاتا ہے ۲ اشتیاق و محبت میں مائل ہونا ۳ راستے سے ھٹنا یہاں بمعنی مائل ہونا ہے اِلٰی جارہ ھِنَّ ضمیر جمع مونث کا مرجع صرف زلیخا ہے واؤ عاطفہ عطف ہے اَصْبُ پر یہ بھی بحالت جزم ہے جملہ جزا ہے لَا تَصْرِفْ شرطیہ کا۔ اَصْبُوْ تھا واؤ بوجہ جزم گر گئی۔ اَکُنْ اَکُوْنُ تھا بوجہ عطف بحالت جزم ہوا واؤ اصلیہ گر گئی واحد متکلم مِنْ جارہ تبعیضیہ الف لام استغراقی جَاھِلِیْنَ جمع ہے جاہل کی جَہْلٌ سے بنا۔ بمعنی ۱ بے علم ۲ بے عقل ہونا۔ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ فاء تعقیبیہ استجاب باب استفعال کا ماضی مطلق جَوْبٌ سے بنا بمعنی درخواست یا دعا قبول کرنا لَهٗ لام جارہ نفع کا ہے ہٗ کا مرجع یوسف فا سببیہ یا تعقیبیہ صَرَفَ ماضی صَرْفٌ سے بنا بمعنی پھیرنا عَنْ جارہ مجاوزت زوالی کے لئے ہے ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ کَیْدَ مفعول بہ ہے صرف فعل کا ھُنَّ ضمیر جمع کا مرجع زلیخا ہے اِنَّ حرف یقین یہ جملہ نیا ہے ہٗ ضمیر اسم اِنَّ منصوب متصل ھُوَ ضمیر منصوب منفصل تاکیدی تابع ہے ہٗ ضمیر کا اس تاکیدی ضمیر ھُوَ نے حصر پیدا کیا اَلسَّمِیْعُ اسم فاعل بروزن فعیل بمعنی مبالغہ الف لام اسمی ہے بمعنی اَلَّذِیْ۔ خبر اول ہے اِنَّ کی اَلْعَلِیْمُ خبر دوم ہے اِنَّ کی۔ ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ۔ ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لئے ہے بَدَا فعل ماضی بَدْأٌ سے بنا بمعنی ظاہر ہونا۔ نتیجہ نکلنا۔ آخری فیصلہ کرنا۔ مصلحت سمجھنا۔ یہاں یہ آخری معنی مناسب ہیں۔ لام جارہ ھُمْ کا مرجع یا صرف عزیز مصر یا درباری لوگ مِنْ جارہ زائدہ بعد اسم ظرفی ہے مضاف ہے۔ ما موصولہ مضاف الیہ ہے۔ رَاَوْ ماضی مطلق بمعنی بعید بصیغہ جمع غائب رَاْیٌ سے بنا بمعنی غور و فکر سے دیکھنا سمجھنا۔ اَلْاٰیٰتِ الف لام استغراقی یا ذہنی جمع ہے آیت کی مراد ہے حقانیت یوسف کی نشانیاں لَیَسْجُنُنَّ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع مذکر غائب کا صیغہ۔ نون اعرابی اور جمع کی واؤ گر گئی حَتّٰی بمعنی اِلٰی حِیْنٍ اسم ظرف ہے بمعنی مدت نکرہ غیر معین ہے معرب ہے وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ واؤ ابتدائیہ دَخَلَ فعل ماضی لازم مع ظرفیہ مضاف ہے بطرف ہٗ ضمیر مفعول معہ ہے دَخَلَ کا السجن الف لام عہد خارجی بحالت زبر مفعول فیہ ہے دَخَلَ کا فتیان تثنیہ ہے فَتٰی کا بمعنی دو جوان مرد قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ قال فعل ماضی یہ نیا جملہ ہے۔ قول ہے ایک قیدی کا اَحَدُ بحالت رفع فاعل ہے قال کا ھُمَا ضمیر تثنیہ مضاف الیہ ہے اِنَّ حرف تحقیق یاء متکلم اسم اِنَّ اَرٰی فعل مضارع بصیغہ واحد متکلم فاعل اَحَدُ ہے۔ یا بمعنی ماضی ہے یا تمثیل ہے یعنی گویا کہ اب دیکھتا ہوں نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ۔ خود فاعل خود مفعول۔ اَعْصِرُ مضارع متکلم عَصْرٌ سے بنا اس کے پانچ معنی ۱ زمانہ گزرنا ۲ آخری وقت ہونا اسی معنی سے دن کی آخری نماز کو عصر کہتے ہیں ۳ ہواؤں کا بگولا ہونا ۴ بادل پانی والا ہونا ۵ نچوڑنا۔ یہاں یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں کہ نچوڑنے سے چیز آخری حالت پر آجاتی ہے۔ خَمْرًا مفعول بہ ہے لہٰذا بحالت زبر ہے خمر انگوری شراب کو کہتے ہیں۔ نکرہ مفرد ہے واؤ سے جملہ قال فعل ماضی اَلْاٰخَرُ اس کا فاعل اٰخر سے بنا۔ اسم تفضیل ہے بمعنی جسکے

بعد کوئی نہ ہو یہاں مراد ہے دوسرا۔ اِنّی یہ جملہ مقولہ ہے اِنَّ یقینیہ اَ رٰی فعل با فاعل نی نون وقایہ یاء مفعول بہ رَ اٰی رُؤیٰ سے بنا بمعنی قلبی دیکھنا مراد ہے خواب اَحْمِلُ واحد متکلم فعل حال حَمْلٌ سے بنا بمعنی اٹھانا فَوْقَ ظرف مکانی مضاف ہے رَاْسِیْ۔ لغت میں اصل کو کہتے ہیں یہاں مراد ہے سر۔ کیونکہ وہ جسم کی جڑ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے فعل کا خُبْزًا مفعول بہ ہے اسم جنسی ہے مراد کثرت ہے۔ ذوالحال ہے۔ تَاْکُلُ فعل حال بصیغہ واحد مونث یہ جملہ حال ہے الطَّیْرُ الف لام جنسی ہے طَیْرٌ بر وزنِ صید جنسی جمع ہے طائر کی طیور بھی اسی کی جمع تکسیر ہے مگر یہ عددی جمع ہے مراد کثیر پرندے اس کا مادہ بھی اسی وزن پر طَیْرٌ ہے بمعنی اڑنا۔ لازم ہے مِنْ بعضیت کا ہٗ ضمیر کا مرجع خبزاً ہے نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ نَبِّئْ امر واحد حاضر نبیٌ سے بنا بمعنی خبر دینا۔ بتانا۔ سمجھانا۔ یہاں تینوں معنی مناسب ہیں نا ضمیر مثنیہ متکلم مفعول بہا ہے با جارہ زائد ہے تاویل باب تفعیل کا مصدر بمعنی اسم مفعول۔ اَوَّلٌ سے بنا۔ اس کا ترجمہ ہے بدلنا مراد تعبیر ہے ہٖ کا مرجع رویا ہے یعنی اپنی اپنی خواب اِنَّ حرفِ تحقیق نا ضمیر تثنیہ متکلم نَرٰی فعل حال بصیغہ جمع متکلم مراد تثنیہ متکلم مِنْ جارہ بعضیت کا ہے۔ الْمُحْسِنِیْن الف لام استغراقی محسنین جمع محسن کی باب افعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مصدر ہے احسان۔ یعنی فیض پہنچانا۔ عملاً یا قولاً یا قلبیاً

تفسیر عالمانہ

قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ ۚ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ یوسف تو ساتھ کے کمرے میں تھے اور باقی عورتیں اپنے درد میں نڈھال تھیں زلیخا اپنی ہی وارفتگی میں مذکورہ باتیں کئے جا رہی تھی عورتیں اس کی وارفتگی کو سمجھتے ہوئے ترس کھاتے ہوئے ہاں میں ملائے جا رہی تھیں یہ عورتوں کی نرم طبیعت ہی کا باعث ہے کہ کل تک جس عیب پر زلیخا کو لعن طعن کر رہی تھیں اور جس لعن طعن سے زلیخا پریشان ہو گئی تھی۔ آج ذرا سی باتیں سن کر ترس کھانے میں آ گئیں اسی لئے حکما کہتے ہیں کہ عورتوں کی بات کبھی قابل اعتماد نہیں ہوتی مثل پاءِ خر جہاں دل چاہے ٹھہر جائے۔ جب زلیخا یہ باتیں کر چکی تب کچھ عورتوں نے کہا ہم یوسف کو سمجھائیں گے۔ حضرت یوسف ان عورتوں کی کتر زبانیوں سے پہلے ہی گھبرائے ہوئے تھے اب جب یہ سب گفتگو اور ان تمام عورتوں کا زلیخا کے ہم زبان ہونا اور خود یوسف کو سمجھانے ورغلانے کا سنا تو وہیں سجدے میں گر گئے اور عرض کیا مولا ایک طرف سزاءِ قید ہے اور ایک طرف حسن و جمال کی معصیت ہے۔ ایک طرف عذابِ دنیا ہے ایک طرف عذابِ آخرت مجھ کو دنیا کی تکالیف اور قید خانہ زیادہ محبوب ہے اس سے جس کی طرف یہ عورتیں مجھ کو بلا رہی ہیں یا یہ زلیخا مجھ کو دعوت دے رہی ہے۔ پہلی صورت میں یَدْعُوْنَ جمع مونث کا فاعل سب عورتیں ہیں اور مراد بلانے سے آئندہ بلانا ہے جس کا عورتیں تذکرہ کر رہی ہیں دوسری صورت میں یَدْعُوْنَ کا فاعل صرف زلیخا ہے اور جمع کا صیغہ رسماً روا جاتا اور بطورِ محاورہ ہے جیسے کہ کَیْدَ هُنَّ میں اور مراد گذشتہ کا تجربہ آئندہ کا خطرہ اے میرے رب اگر تو نے میری مدد نہ کی اور مجھ سے ان کا جال اور کید مکر نہ پھیری نہ دور کی اور ان کی تجبیتا نہ حیلہ سازیاں نہ توڑیں اور وہ پھر بارِ معصیت مجھ پر ڈالنے لگیں تو اندیشہ ہے کہ میں بھی اَصْبُ اِلَیْهِنَّ گر پڑوں گا ان کی طرف اور گھبرا کر مائل ہو جاؤں گا ان کی طرف یا اے مولا ادھر ہر طرح کا شیطانی سامان ہے حسن و جمال جوانی خوبصورتی زیب و زینت دلربائی مستی۔ عیش و عشرت

صحت و دولت۔ آزادی و بے پرواہی۔ بے پردگی و بے حمیتی میں اکیلا ہوں اِدھر ہر طرح کے خار و غار ہیں۔ ؏

رات اندھیری پھیلن رستہ کون کرے رکھوالی ؎ ٹھوکر دینے والے زیادہ نہ کوئی مالی والی

اگر خدا نہ کرے میرا قدم ذرا بھی ڈگمگایا تو اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ ہو جاؤں گا میں جاہلوں میں سے۔ کیونکہ جو اپنے علم پر عمل نہ کرے وہ جاہل ہے اور خود کو گناہوں کی گندگی میں گرا دے وہ حکیم نہیں سفیہ ہے عقل والا نہیں بیوقوف ہے۔ انسان کتنا ہی منطق فلسفہ سائنس ریاضی جغرافیہ اقلیدس حکمت و دانائی کے علوم حاصل کر لے جب تک عمل صالح اور معرفت الٰہی حاصل نہ ہوگی وہ شخص خائب و خاسر جاہل و کم عقل ہے اگرچہ دنیا والے اس کو عقل مند اور دانشور کہیں۔ حضرت یوسف نے رو کر گڑگڑا کر ایسی دعا مانگی کہ فرشتے بھی رو پڑے۔ حضرت جبرئیل حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ اے یوسف مبارک ہو کہ تمہارے رب نے تمہاری دعا قبول فرمالی۔ رب کریم سلام ارشاد فرماتا ہے اور فرماتا ہے کہ ذرا صبر کرو کیونکہ صبر کشادگی کی کنجی ہے اور صبر کا انجام اچھا ہے۔ حضرت یوسف اگرچہ معصوم تھے گناہ پر قادر نہ تھے مگر تقاضا و شکر یہ ہے کہ بندہ ہر وقت اپنے رب سے فریاد کرے۔ دنیا دار کا حیلہ و مکر دنیوی ساز و سامان سے ہے مگر بندہ مومن کا حیلہ رب تعالیٰ کی طرف دوڑنا اور ہر مصیبت میں رجوع الی اللہ ہے یوسف علیہ السلام نے اہل مصر اور زلیخا کے ہزار جالوں مکروں کے مقابل ایک ہی حیلہ کیا کہ سجدے میں گر کر رب کے دروازے پر آ گئے تو کیا ہوا۔ رب نے بہت جلدی ان کی دعا قبول فرمالی پھیر دیا ان حضرت یوسف سے ان عورتوں کا وہ فریب جو وہ جال بنا کر یوسف کا گھیراؤ کرنا محبت زلیخا پر مائل کرنا چاہتی تھیں بے شک وہ اللہ ہی فریادوں کو سننے والا اور سب فریادیوں بے بسوں بے کسو گھبراتے ہوؤں پریشان ہونے والوں مظلوموں کو جاننے والا ہے قریب ہوں یا دور۔ کسی وقت کسی زبان کسی حال میں فریاد کریں۔ ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا جب معصوم نبی اس طرح سے آہ و زاری فریاد کر رہے ہیں تو ہم گناہ گاروں کا کیا حال ہے کہ اس سے دور ہیں اور رات نوم میں دن لعب میں گنوا رہے ہیں۔ ہمیں بھی ہر حال میں اسی کے دروازے فریاد کرنی چاہیئے کیونکہ سننے والا جاننے والا ہے دیکھو حضرت یونس نے دعا مانگی تو اس نے قبول کی روایت میں ہے چھ دعائیں اسی طرح قبول ہوئیں جس طرح مانگی گئیں ایک یہی حضرت یونس کی دعا ۲ حضرت ایوب کی دعا ۳ نوح علیہ السلام کی دعا ۴ حضرت موسیٰ و ہارون کی دعا ۵ حضرت زکریا کی دعا ۶ حضرت یوسف کی یہ دعا۔ چونکہ حضرت یوسف نے خود قید کو پسند کیا تھا اس لئے باوجود ہر طرح بری ثابت ہونے کے ثُمَّ بَدَا لَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ ان حکام مصر یعنی عزیز مصر اور اس کے مشیروں کو حضرت یوسف کی برائت و پاکدامنی کی تمام نشانیاں دیکھنے جاننے سمجھنے کے بعد پھر بھی یہی عقل آئی کہ البتہ ضرور قید کریں اس یوسف کو کچھ مدت تک اس عدلیہ نے یوسف کی پاکدامنی پر پانچ نشانیاں دیکھیں مثالوں کا ۱ گوشنا ۲ بچے کی وضاحت ۳ پیچھے سے قمیص کا پھٹا ہونا۔ ۴ عورتوں کا حسن یوسفی کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹنے ۵ اور خود زلیخا کا اپنے جرم کا اقرار کرتے ہوتے یوسف علیہ السلام کا بچا رہنا بیان کرنا۔ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ زلیخا کو سزا ہوتی یوسف علیہ السلام کو بری کیا جاتا مگر معاملہ الٹا ہوا تین وجہ سے

ایک یہ کہ منشاء الٰہی یہ ہی تھا کیونکہ حضرت یوسف نے جیل پسند کی تھی اگر آپ اَحَبُّ اِلَیَّ نہ کہتے تو بلا قیدی بری ہوتے
پسند کرنا ہی مصیبت اور بلا ہے کچھ شخصوں نے کچھ چیزوں کو پسند کیا اور مصیبت و غم اٹھایا ۱؎ نوح علیہ السلام نے
اپنے بیٹے کنعان کو پسند کیا تو وہ ڈوبا ۲؎ آدم علیہ السلام نے ہابیل کو پسند کیا تو وہ شہید ہو گیا ۳؎ شیطان نے آگ پسند
کیا کہ اَنَا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ تو دائمی آگ کا دکھ اٹھایا ۴؎ حضرت موسیٰ نے اپنی قوم کو پسند کیا تو وہ طور پر جل مری ۵؎ سیدنا
یعقوب نے یوسف علیہ السلام کو پسند کیا تو وہ جدائی کا غم دے گئے اور خود بھی ہزار مصیبتوں سے پریشان ہوئے۔
۶؎ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل کو پسند کیا تو جیل کا دکھ ملا یہ فیصلہ عزیز مصر نے نہ کیا تھا بلکہ شاہ مصر ریان نے کیا
دوسری وجہ یہ کہ اس واقعہ کا بہت سخت چرچا ہو گیا اب یوسف کو زلیخا کے گھر رکھنا خطرناک ہو گیا تا بھی کچھ ہوتا پھر بھی
بدنامی تھی باتیں بنتی چلی جاتیں زلیخا نے عورتوں کے سامنے جو آئندہ اپنا ارادہ پیش کیا تھا وہ بھی نشر ہو گیا اس لئے یہ خبر
بادشاہ ریان تک پہنچی تب بہت سوچ بچار غور و فکر کے بعد یہی فیصلہ کیا کہ اس کا حل یہی ہے۔ یوسف کو جیل کر دیا جائے
اور ایسی جگہ رکھا جائے جہاں سے زلیخا کا ملنا ناممکن اور دشوار ہو۔ اگر کسی گھر میں نظر بند کیا جاتا تو زلیخا کسی نہ کسی طرح
ملنے کا سبب پیدا کر لیتی۔ زلیخا کو اس لئے قید نہ کیا کہ مصر میں عورتوں کی جیل کوئی نہ تھی۔ اور پھر کئی سفارشیں آجاتیں کہ
گورنر کی بیوی تھی۔ سوم یہ کہ جرم سزا کے قابل نہ تھا صرف ارادے پر سزا نہیں ہوتی یوسف علیہ السلام کو جیل بھیجنا بھی
سزا نہ تھی صرف جدائی مقصود تھی تاکہ یہ بات آگے نہ بڑھے اور پچھلے واقعات لوگوں کے ذہن سے محو ہو جائیں۔ چہارم یہ کہ زلیخا
کو جدائی اور فراق کی مار ہی کافی تھی۔ تیسری وجہ کہ یہ فیصلہ سراسر ظلم اور ناانصافی شمار کیا جاتے کہ اہل مصر نے یہ ظلم کیا سا اور
یوسف کو جیل بھیجا یہ اس لئے کیا تاکہ لوگ جو شاہی خاندان کو بدنام کر رہے ہیں اس فیصلے سے سمجھ جائیں کہ یوسف مجرم ہے
مگر ان کے دل کہہ رہے تھے کہ یوسف پاک دامن ہیں شاہ مصر نے تین طرح کی جیل بنوائی ہوئی تھیں ۱؎ سجن العذاب یہ جیل
تہ خانے میں تھی اس میں سانپ بچھو چوہے وغیرہ بکثرت تھے طرح طرح سے تڑپایا جاتا اور توبہ کرا کر باہر نکال لیا جاتا۔ چند
دن سزا دی جاتی قیدی خواہ مجرم ہوتا یا مظلوم ۲؎ سجن القتل یہ جیل بھی تہ خانے بلکہ چالیس گز لمبے چوڑے کنوئیں میں تھی
اس میں بارادۂ قتل ڈال دیا یہاں تک کہ قیدی مر جاتا ۳؎ سجن العافیہ یہ جیل زمین پر تھی بہت شاندار آرام دہ محل کے
قریب تھی سیاسی اور زیر تفتیش مجرموں کو یہاں رکھا جاتا تھا۔ اسی جیل میں حضرت یوسف کو رکھا گیا حَتّٰى حِیْنٍ کچھ مدت کے
لئے اس میں چار قول ہیں ۱؎ غیر معین مدت ۲؎ پانچ سال ۳؎ سات سال ۴؎ بارہ سال زلیخا نے خفیہ طور پر جیل کے
داروغہ سے کہا کہ ایک خوبصورت کمرہ ہر طرح آرام والا یوسف کے لئے جیل میں بنا دو میں خرچہ دیتی ہوں اس کی
بات مانی گئی وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ۚ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ وَقَالَ الْاٰخَرُ اِنِّیْٓ اَرٰىنِیْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِیْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّیْرُ
مِنْهُ ۚ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ اور داخل ہوئے جیل میں اس یوسف کے ساتھ دو جوان ایک کا نام یونا تھا دوسرے کا نام مخلب تھا
یونا شاہی باورچی تھا اور مخلب شاہی ساقی دونوں پر الزام تھا کہ یہ بادشاہ کو زہر دے کر مارنا چاہتے ہیں اس لئے

دوران تفتیش جیل میں آئے۔ حضرت یوسف کے پہنچتے ہی جیل کا ماحول بدل گیا آپ کے اخلاق سے جیل کی فضا معطر و موثر ہوئی سب کو پتہ چل گیا کہ یوسف بڑے جوانمرد بامروت انتہائی خوش اخلاق۔ سچے امانت دار بڑے عابد زاہد اور خوابوں کی تعبیر بتانے والے جب ان دو قیدیوں کو یہ پتہ لگا کہ یہ تعبیر بتا دیتے ہیں تو صرف آزمائش کے طور پر بناوٹی خوابیں بتائیں ان میں سے ایک نے کہا بے شک میں نے دیکھا ہے خواب کہ میں شراب نچوڑ رہا ہوں اور دوسرا بولا یعنی یونا کہ میں خواب میں دیکھا ہے خود کو کہ میں سر پر روٹیاں اٹھائے ہوتے ہوں اور پرندے جھپٹ جھپٹ کر اوپر روٹیاں کھا رہے ہیں۔ اے یوسف ہم نے سنا ہے کہ تم خواب کی تعبیر جانتے ہو اور بہت اچھی باتیں بتا سکتے ہو لہٰذا ہم کو تعبیر بتائیے اس کی بے شک ہم تجھ کو محسنین بااخلاق بامروت سمجھتے ہیں یہ دونوں قیدی ان دونوں کو فتیٰ یا اس لئے کہا کہ ان دونوں کی طرف بڑے جرم کا الزام لگا۔ یا اس لئے کہ یہ بڑی اچھی صحبت یعنی صحبت یوسف میں تھے ابھی تک کافر تھے اس لئے آزمائش پر آمادہ ہوئے۔ اَعْصِرُ مجازی معنیٰ میں ہے کیونکہ شراب نہیں نچوڑی جاتی مراد ہے انگور نچوڑنا اور انگور سے شراب یعنی خمر بنتی ہے یا مراد ہے کپڑے سے چھاننا۔ مگر یہ ضعیف ہے تاویل کے معنیٰ ہیں کسی گذری بات یا دید و شنید کا مطلب لفظوں میں بیان کرنا محسن کی بارہ صفتیں ہیں ۱ قائم اللیل ۲ صائم النہار ۳ اچھی نصیحت کرنے والا ۴ با اخلاق ۵ صابر ۶ باوفا ۷ بیماروں کی عیادت کرنے والا ۸ غم زدہ کے غم دور کرنے والا ۹ اچھی صورت والا ۱۰ خوشخبری دینے والا ۱۱ بہت علم والا ۱۲ سخاوت کرنے والا یہ ساری صفات حضرت یوسف میں ان لوگوں نے پائیں اس لئے کہا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ہم آپ کو محسنین میں سے جانتے ہیں۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ کے مقبول مصیبت کو گناہ کے مقابلے میں قبول کر لیتے ہیں یہ فائدہ اَحَبُّ اِلَیَّ سے حاصل ہوا دیکھو یوسف علیہ السلام نے جیل اور قید کو پسند کیا۔ اس ذیوی عزت والے گناہ کے مقابل **دوسرا فائدہ** کوئی مسلمان اپنے کو شیطان اور گناہ سے محفوظ نہ سمجھے اور ہر وقت اللہ کی بارگاہ میں عجز و نیاز کرتا رہے ہر شخص ہر وقت خدا تعالیٰ کا محتاج ہے دیکھو یوسف نبی اللہ معصوم ہونے کے باوجود رب کی بارگاہ میں کس طرح عاجزی کر رہے ہیں۔ یہ فائدہ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ سے حاصل ہوا یوسف علیہ السلام بری محفلوں سے بچائے جانے کی دعا مانگتے ہیں۔ ہم کو بھی چاہیئے کہ بری مجلسوں بری صحبتوں بری کتابوں سے بچیں۔ **تیسرا فائدہ** مومن کا کردار اخلاق میں اعمال میں معاملات میں تجارتی لین دین میں ایسا پاکیزہ ہونا چاہیئے کہ دشمن اور کافر بھی تعریف کریں بلکہ مومن کا کردار ہی کافر کو مسلمان بنا سکتا ہے۔ دیکھو دشمنوں کافروں نے حضرت یوسف کو محسنین کہا۔ ہمیشہ نیک آدمی کی دنیا عزت کرتی ہے برے کی عزت تو اپنی اولاد نہیں کرتی حضرت یوسف کے کردار سے سبق لینا چاہیئے کیونکہ انبیاء کی قولی اور عملی زندگی تعلیم ہی ہے۔ آج مسلمان ہر جگہ چوری فریب کاری بد معاشی ملاوٹ میں بدنام ہو رہے ہیں اسی لئے کہ اسلام کی تعلیم بھول رہے ہیں کارخانے ہمارے خراب منڈی ہماری تباہ۔ کاروبار ہمارا

غارت ہم کو اپنے مال پر جرمن جاپان کی مہر لگانی پڑتی ہے پاکستان کا نام آجائے تو مال واپس کر دیا جاتا ہے جاپان کا پیک شدہ شہد خالص ہوتا ہے پاکستان شہد شیشیوں میں بھرے چینی یا گڑ کی ملاوٹ اللہ تعالیٰ ہم پر رحم کرے اور انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** جبکہ رب تعالیٰ مطلقاً دعا قبول فرمانے والا ہے۔ تو حضرت یوسف نے خود کیوں اپنی دعا میں قید خانے کا ذکر کیا **جواب** حضرت یوسف کو بذریعہ علم غیب معلوم ہوگیا تھا کہ مجھ کو قید ضرور بھگتنی ہے اور مجھے دو چیزوں میں سے ایک کو اختیار کرنی ہے یا معصیت یا مصیبت لہٰذا آپ نے معصیت کے مقابل مصیبت کو اختیار کیا یہ اظہارِ اختیار تھا نہ دعاءِ مستقل اس لئے راضی برضا ہونے کا ذکر کرنے کے لئے دعا میں یہ الفاظ بڑھائے اور پھر نبی اپنی خواہش سے نہیں بولتا جو بولتا ہے رب کریم کی وحی اور رضا سے کلام فرماتا ہے **دوسرا اعتراض** مکر کا جال پھیلانے والی تو اکیلی زلیخا تھی پھر یوسف علیہ السلام نے کَیْدَهُنَّ کیوں فرمایا کیدھا چاہیئے تھا **جواب** اوّلاً اس لئے کہ رواج و اصطلاح میں واحد کے لئے جمع کی ضمیر آجاتی ہے اس فعل کے اہتمام ظاہر کرنے کے لئے جیسے یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ وغیرہ دوم اس لئے کہ حضرت یوسف کو خطرہ پڑ گیا تھا کہ یہ سب عورتیں مجھ کو اسی گناہ پر پریشان اور آمادہ کریں گی۔ اس لئے سب کی طرف کید کی نسبت فرمائی پھر خدا کے کرم سے دعا قبول ہوئی اور وہ سب اپنے گھروں کو چلی گئیں **تیسرا اعتراض** خواب تو بشارت ربانی ہوتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوتی ہے یہ دونوں قیدی کافر تھے ان کو ایسی بشارت اور نتیجہ خیز خواب کیوں آئی **جواب** اوّلاً تو اس میں اختلاف ہے کہ یہ سچی خواب تھی یا بناوٹی صحیح یہ ہے کہ یہ بناوٹی تھیں اگر سچی بھی ہوں تو یہ بشارت ایمانی نہیں بشارت رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے اس لئے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی خواب نبوت کا چالیسواں حصہ ہوتا ہے نہ کہ ہر ایک کی مومن سے بھی متقی اولیاء علماء مراد ہیں **چوتھا اعتراض** حضرت یوسف نبی اور رسول ہیں انبیاء کرام گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے پھر آپ نے اَصْبُ اِلَیْهِنَّ کیوں فرمایا کہ ان کی طرف گناہ میں مائل ہو جاؤں گا **جواب**۔ اس کے جواب مفسرین نے تین طرح دیئے ہیں ایک یہ کہ فقط عجز و انکسار کے لئے اور امت کو درس عبرت دینے کے لئے کہ تم بھی معصیت کے گھیرے جاؤ تو اسی رب کی پناہ پکڑو۔ دوسرا یہ کہ عصمت انبیاء ایک عطائی نعمت ہے۔ جو ختم ہوسکتی ہے اس لئے اگر فرضاً عصمت ختم ہو جائے تو مائل ہونے کی قدرت آسکتی ہے جب تک عصمت قائم ہے قدرتِ گناہ نہیں تیسرا یہ کہ اَصْبُ کا معنی گناہ کر لینا نہیں صرف طبیعت میں نرمی پیدا ہو جانا ہے جس میں ارادے کا خیال احتمال ہے نہ کہ ارتکاب کا یہ اگرچہ شرعی گناہ نہیں مگر شانِ نبوت اور شانِ رسالت اور شانِ عصمت کے خلاف ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا یَدْعُوْنَنِیْۤ اِلَیْهِ وَ اِلَّا تَصْرِفْ عَنِّیْ كَیْدَهُنَّ اَصْبُ اِلَیْهِنَّ وَ اَكُنْ مِّنَ الْجٰهِلِیْنَ فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ فَصَرَفَ عَنْهُ كَیْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ جب قلبِ مومن تقاضاءِ

بشریت کے بلاوے کو قبول نہیں کرتا اور دنیا و مکر کے عشق مجازی کو ٹھکرا دیتا ہے۔ اور تکالیفِ مجاہدات کی دھمکی سنتا
ہے تب بارگاہِ ابدی قدیم میں مناجاتِ سرمدی سے عرض کرتا ہے اے لطف و عنایات کی غذاؤں سے پالنے والے
میرے رب مرشد برحق شریعت کا قید خانہ۔ طوقِ عصمت۔ طریقت کی بیڑیاں مجھ کو زیادہ پسند ہیں اس لذت و شہوت
و عیش و عشرت سے جس کی طرف یہ دنیاء پر فریب اور طبیعتِ بشریت اور خصائلِ حیوانیہ مجھ کو بلا رہی ہیں اے میرے
کریم مجھ کو تیرا قہر محبوب ہے ان کے مہر سے۔ تیری سختی پیاری ہے ان کی نرمی سے تیری کڑواہٹ لذیذ ہے ان کی مٹھاس
سے۔ اے خالقِ قلب و جگر اگر تو مجھ کو ان اہل دنیا اور دنیا کی مکاریوں سے نہ پھیرے تو میں ان کے وسواس کی طرف مائل
ہو جاؤں گا اور قعرِ مذلت میں گرے ہوتے بیابانِ ظلمات میں پھنسے ہوتے دلدل معصیت میں ڈوبے ہوئے جاہلوں کی
طرح ہو جاؤں گا۔ ہر بندۂ مومن کا قلب یہی پکارتا ہے۔ کیونکہ قلب منور خواہ کتنے ہی عروج کمال پر پہنچ جائے جب تک
کہ پروردگارِ عالم اس کو مکاریِ دنیا۔ آفاتِ بشریت۔ خواہشاتِ نفسانیت۔ وسواسِ شیطانیت سے نہ بچائے ہر وقت
ظلوم و جہول نفس اور دنیاء رذیل کی طرف مائل ہونے کا خطرہ ہے اے میرے رب میری دستگیری فرما اور نفس پر غلبہ و
قوت عطا فرما۔ قلبِ اولیاء پر مشاہدات کے انوار وارد ہوتے ہیں جس کی وجہ سے وہ عالمِ کائنات ہو جاتا ہے اگر وہ قلب
مائل خواہشاتِ نفسانیہ ہو جاتے خواہ ایک آن کے لئے بھی ہو تو قلب پر حظِ نفس کا پردہ آ جاتا ہے جس کی وجہ سے علمِ لدنی
کی روشنی حجاب میں چلی جاتی ہے اور اسرار و مشاہدات سے جاہل ہو جاتا ہے قلبِ انسانی کی مثال صحرا کے خشک پتے کی
طرح ہے صحراوِ قالب پر ہر طرح کی ہوائیں چلتی نفسانی شیطانی۔ رمانی اور رحمانی یزدانی۔ عرفانی بس قلب پر تجلیات لطیف
کا پتھر رکھا ہو تو اس کو بری ہوائیں نہیں اڑا سکتیں اس لئے قلب مومن التجائیں فریادیں کرتا ہے تب رحیم و کریم
اس کا رب اس کی مناجات قبول فرما لیتا ہے اور تائید قدسیہ سے دستگیری فرماتا ہے الہامات سبوحی سے اس کو قوت
بخشتا ہے اور اہلِ شقاوت کے رجس سے اس کو پھیر کر بارگاہِ قدس میں مقامِ عرفانی عطا فرماتا ہے۔ اور مکرِ دنیا دور
فرماتا ہے۔ بے شک وہ ہی مقامِ اسرار میں مناجاتِ قلب سننے والا اور انعاماتِ صائبین و تائبین کو جاننے والا ہے۔ ثُمَّ
بَدَا لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى حِيْنٍ۔ وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ۔ قَالَ اَحَدُهُمَآ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا وَقَالَ
الْاٰخَرُ اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ۔ نَبِّئْنَا بِتَاْوِيْلِهٖ۔ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ طہارتِ قلبی ظاہر ہونے کے باوجود حکمتِ
ربانی کے فیصلے سے۔ مصرِ ظلمات کے شاہِ فکر عزیزِ عقلِ نفس و طبیعیات و حیوانیات و بہیمیت نسوۂ شہر پر یہی ظاہر ہوا
کہ خلوتِ مجاہدات میں قلبِ حسین کو قید کیا جائے اس وقت تک جب تک کہ وارداتِ لاہوتی کی ابتداء سے تاجِ عرفانی کا
مستحق نہ ہو جائے جب یوسفِ قلب قید خانۂ شریعت میں داخل ہوا تو نفسِ امارہ کے دربار سے دو مجرم نفس بھی قیدِ شریعت
میں داخل ہوئے ایک ساقیِ نفسِ فکری جو وسواسِ ابلیسیت کے شراب پلاتا ہے دوسرا خبازِ بدن جو قوتِ طاغوتی
کی روٹیاں پکاتا ہے جس کو کھا کر نفس موٹا ہوتا ہے۔ مگر قلبِ اولیاء کی صحبتِ خیر کے اثر سے مومن بن جاتے ہیں

اشاراتِ یزدانی سے نوازے جاتے ہیں ایک کو شرابِ طہور کا تمغہ ملتا ہے دوسرے کو وصلِ محبوب کی سولی ملتی ہے یوسفِ قلب کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں اے مرشدِ روحانی ان اشارات ومقامِ اصلِ دنیا کی تعبیر عطا فرما۔ بے شک ہم تجھ کو حاضرِ بارگاہِ قدس اور مشاہدۂ انوار کی عبادت سے محسن پاتے ہیں۔ یہ حسین انوار ہم نے پہلے کبھی کسی کے پاس نہ دیکھا نہ نفس وعقل کے پاس نہ فکر ونظر کے پاس۔ شہودِ حقیقت سے غفلت کی نیند میں اشارۂ سری ہوا کہ معرفت روح کے انگوروں کو قوتِ محبت سے نچوڑ کر خمرِ عشق بنا رہا ہے۔ خبازِ روح نے بھی غفلتِ شہود کی نیند میں اشارۂ سری پایا کہ حصولِ لذات کی روٹیاں سرِ طاغوتی پر رکھی ہیں اور شہوات وخواہشات طبیعات کے پرندے حظوظ شیطانی سے کھا رہے ہیں۔
(محی الدین ابن عربی۔ روح البیان۔ عرائس البیان)

قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقَانِهٖٓ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا

فرمایا نہ آئے گا تم دونوں کو کھانا پاتے ہو تم دونوں جسکو مگر بتا دوں گا میں تم دونوں کو اسکی تعبیر اس کی پہلے اس کے

یوسف نے کہا جو کھانا تمہیں ملا کرتا ہے وہ تمہارے پاس نہ آنے پائے گا کہ میں اس

بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ

کہ آئے تم دونوں کو کھانا سے اس علم جو سکھایا مجھ کو رب نے میرے بیشک میں نے چھوڑا دین

کی تعبیر اس کے آنے سے پہلے تمہیں بتاؤں گا اُن علموں میں سے ہے جو

رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ

اس قوم کا جو نہ مومن ہیں پر اللہ اور وہ

مجھے میرے رب نے سکھایا ہے۔ بیشک میں نے ان لوگوں کا دین نہ مانا۔ جو اللہ پر ایمان نہیں

بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ

سے قیامت وہی منکر ہیں اور پیروی کی میں نے دین کی باپ دادوں

لاتے اور وہ آخرت کے منکر ہیں اور میں نے اپنے باپ دادا

اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ مَا كَانَ لَنَآ اَنْ

کے اپنے ابراہیم کے اور اسحٰق کے اور یعقوب کے نہیں قدرت ہے کو ہم اگلی کو شرک

ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کا دین اختیار کیا ہمیں نہیں پہنچتا

نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

کریں ہم ساتھ اللہ کے کچھ چیز وہ سے کرم اللہ کا ہے

کہ کسی چیز کو اللہ کا شریک ٹھہرائیں یہ اللہ کا ایک فضل ہے ہم پر

عَلَیْنَا وَ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۳۸﴾

اور پر لوگوں اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

اور لوگوں پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں قید کے ساتھیوں کا خواب بیان کرنے کا ذکر تھا اب ان کی تعبیر بتانے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں زمانۂ قید کی عملی تبلیغ کا ذکر تھا جس کو دیکھ کر اور حضرتِ یوسف کے اعمالِ صالحہ سے متاثر ہو کر آپ کو نیکو کار سمجھنے پر مائل ہوتے تھے اب جیل میں حضرت یوسف کی زبانی تبلیغ کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا قَالَ فعل کا فاعل یوسف ہیں یہ جملہ جوابی قول ہے لَا یَاْتِیْ مضارع منفی بمعنی مستقبل۔ اَتْیٌ سے بنا لغوی ترجمہ ہے آنا یا لانا یہاں لانا مراد ہے اس کا فاعل طَعَامٌ ہے طَعْمٌ سے بنا بر وزنِ فعال لُعَابٌ بمعنی مَطْعُوْمٌ یہ موصوف ہے اگلا جملہ صفت ہے تُرْزَقٰنِ مضارع حال صیغہ تثنیہ رزقٌ سے بنا بمعنی نفع بخش روزی مراد کھانا ہ ضمیر کا مرجع طَعَامٌ ہے۔ اِلَّا حرف استثنا مفرغ نے نفی کو توڑا نَبَّاْتُ فعل ماضی بابِ تفعیل بمعنی مستقبل فاعل ضمیر متکلم مستتر كُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر مفعول بہ ہے با زائدہ تاویل بمعنی تعبیرہٗ کا مرجع خواب قَبْلَ اسم ظرف بنی ہے فتح پر کیونکہ اس کا مضاف الیہ موجود ہے اَنْ ناصبہ یَاْتِیَ فعل مضارع منصوب بمعنی مستقبل اس کا فاعل ہ ضمیر مستتر کا مرجع یعنی مراد طعام ہے ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ هُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ذٰلِكُمَا دراصل تھا ذَالِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ۔ كُمَا ضمیر تثنیہ مخاطب مشار الیہ یعنی وہ تمہاری خوابوں کی تعبیریں مِمَّا مِنْ جارہ تبعیضیہ مَا موصولہ عَلَّمَ فعل ماضی بابِ تفعیل کا جملہ صلہ ہے۔ اشارہ مشار الیہ بحالتِ رفع مبتدا ہے موصول صلہ خبر ہے۔ مِمَّا جار و مجرور سے پہلے ظَہَرَ فعل پوشیدہ کے متعلق ہو کر خبر ہے عَلَّمَ بمعنی سکھایا نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہ رَبِّیْ مرکب اضافی فاعل ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ یاءِ متکلم اسم اِنَّ تَرَكْتُ ماضی مطلق واحد متکلم تَرْكٌ سے بنا بمعنی چھوڑنا مگر یہاں مراد ہے مَنَعْتُ یعنی شروع باز رہا۔ یہ جملہ تعلیلیہ ہے علت ہے عَلَّمَنِیْ کی لام تعلیلیہ محذوف ہے دراصل تھا لِاَنِّیْ مِلَّۃٌ اسم جامد ہے اس کی جمع ہے مِلَلٌ لغوی ترجمہ مائل ہونے

کی چیز مراد ہے دین۔ مفعول بہ ہے تَرَکْتُ کا بحالت زبر ہے تنوین سے مانع اضافت ہے قوم مضاف الیہ نکرہ غیر معین ہے تنوینِ تنکیری قوم موصوف اس کی صفت لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ مضارع منفی بمعنی حال باء جارہ بمعنی علی لفظِ اللہ مجرور واؤ عاطفہ ہے ھُمْ ضمیر جمع مبتدا ہے باء جارہ بمعنی علی ہے اَلْاٰخِرَۃُ الف لام عہد خارجی ہے آخرت مونث لفظی یا بروزن فاعلت مصدر ہے۔ مراد قیامت وجنت ودوزخ۔ ھُمْ ضمیر منفصل کا دوبارہ آنا محض تاکید کے لئے تاکید یا ترکتُ کی ہے یا کفر کی کٰفِرُوْنَ بروزن فاعلون جمع ہے کافر کی کُفْرٌ سے بنا بمعنی شرک وَاتَّبَعْتُ مِلَّۃَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ واؤ عاطفہ ہے اِتَّبَعْتُ فعل ماضی باب افتعال۔ بصیغہ واحد متکلم اَنَا فاعل مِلَّۃَ بمعنی دین بحالت زبر مفعول ہے فعل کا مضاف ہے اٰبَآءِیْ مضاف الیہ ہے یاء متکلم کی طرف مراد یوسف ہیں آباء جمع ہے اب کی مراد باپ دادے ہیں۔ مبدل منہ۔ ابراھیمَ غیر منصرف بحالت جر عجمی ہے واؤ عاطفہ اسحٰقَ عجمی ہے۔ غیر منصرف بحالت جر واؤ عاطفہ یَعْقُوْبَ عجمی علم ہے غیر منصرف ہیں بوجہ عطف بحالت جر تینوں علم بدل الکل ہیں مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ ما کانَ ماضی منفی لام جارہ تقویت کے لئے نا ضمیر جمع متکلم مجرور اس کا مرجع تمام انبیاء ہیں کان تامہ کا فاعل اَنْ ناصبہ کا منصوب جملہ ہے۔ نُشْرِکَ باب افعال کا مضارع معروف جمع متکلم ہے۔ باء جارہ مفعولیت کی لفظ اللہ مجرور مِنْ بعضیت کا برائے تنکیر شیءٍ مصدر بمعنی مفعولیت کی لفظ اللہ مجرور مِنْ بعضیت کا برائے تنکیر شیءٍ مصدر بمعنی مفعول نکرہ ہے یعنی کچھ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ۝ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ اس کا مشار الیہ اِتَّبَعْتُ ہے مِنْ جارہ بیانیہ فصل بمعنی رحم کرم یا نبوت فَضْلٌ سے بنا ہے یعنی زیادہ عطا بلاعوض مضاف معرفہ ہے لفظِ اللہ مضاف الیہ ہے۔ علٰی جارہ بمعنی فوقیت نا ضمیر جمع متکلم واؤ عاطفہ علی جارہ النّاس جمع۔ انسان کی الف لام استغراقی ہے یعنی تمام انسان خواہ مومن خواہ کافر واؤ ابتدائیہ لکنّ بمعنی اِلَّا استثنائیہ مفرغ۔ اَکْثَرَ اسم تفضیل جمع مذکر ہے کَثْرٌ سے بنا بمعنی زیادہ مضاف ہے النّاس مضاف الیہ الف لام عہدی ہے ناس بمعنی انسان مراد کافر وفاسق ہے۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے لکن کا لَا یَشْكُرُوْنَ مضارع منفی بلا۔ یہ جملہ فعلیہ خبر انّ بمعنی حال ہے شُکْرٌ سے بنا۔ لغوی ترجمہ احسان مند ہونا شرعی ترجمہ ہے اعمال خیر کرنا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَا یَاْتِیْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّاْتِیَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِیْ رَبِّیْ ؕ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ حضرت یوسف کو ان کی تعبیر کا فوراً پتہ لگ گیا تھا کہ ایک بچنے والا ہے اور ایک مرنے والا اس لئے آپ نے چاہا کہ موت سے پہلے ان کو اسلام کی تبلیغ کردینی چاہیئے تاکہ خواب کی تعبیر بتانا ہی اصل مقصود نہ رہے بلکہ مقصود ہدایت اور راہ راست پر لانا ہو اور یہ کام بھی نیکیوں میں لکھا جائے اس لئے آپ نے کلام کی تمہید باندھتے ہوئے تعبیر بتانے سے پہلے تعارفی کلام دراز فرمایا کہ اے میرے جیل کے ساتھیو نہیں آئے گا تمہارے پاس حسب معمول وہ دوپہر کا کھانا جو ہر روز دیئے جاتے ہو تم گھر میں تم دونوں کو اسکی

تعبیر بتا دوں گا اس سے پہلے کہ وہ کھانا ناشتہ تم دونوں کے پاس آئے یہ بعد ناشتہ صبح کا وقت آخری تھا بتادیتھما میں ضمیر غائب کا مرجع خواب ہے اور چونکہ ایک کلام میں دونوں کو علیحدہ علیحدہ خطاب کیا تھا اس لئے دونوں خوابوں کے لیے ضمیر واحد ہی رکھی۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس ضمیر غائب ہ کا مرجع کھانا ہے اور جیسے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا معجزہ تھا کہ میں تم کو خبر دے سکتا ہوں کہ تم روزانہ کیا کھاتے ہو کیا بچاتے ہو۔ اسی طرح حضرت یوسف کا بھی یہ معجزہ تھا اسی کا یہاں ذکر ہے کہ خواب کی تعبیر تم نے پوچھی ہے یہ تو معمولی بات ہے میں تو تم کو تمہارے کھانا آنے بلکہ ابھی تو کھانا پکا بھی نہیں پکنے سے بھی پہلے تم کو بتا سکتا ہوں کہ آج کیا کھانا کس رنگ کا کس مزے کا کھانا آئے گا اور کھانے کے بعد اس کا اثر تم پر کیا ہو گا کہ کھا کر تندرست رہو گے یا بیمار پڑ جاؤ گے شاہ مصر کا طریقہ یہ تھا کہ جو مجرم ملکی ہوتا مثلاً چور ڈاکو قاتل اس کو تو ظاہر ظہور یعنی قتل میں پھینک کر مار ڈالتا یا برسر عام قتل کراتا لیکن خطرناک سیاسی قیدیوں کو جو اس کی جان یا سلطنت کے دشمن ہوتے ان کو یعنی عافیت میں رکھتا تاکہ عوام پر ظاہر ہو کہ تفتیش ہو رہی ہے مگر کسی طرح کھانے میں زہر ڈلوا کر مروا دیتا یا ہلکا زہر ڈلواتا جس سے قیدی کو مہلک بیماری لگ جاتی جس سے آہستہ آہستہ گھُڑ گھُڑ کر مر جاتا۔ اس لئے حضرت یوسف ؑ نے فرمایا میں تم کو تمہارے کھانے کی حقیقت بتا دوں جس سے تمہاری خوابوں کی تعبیر بھی ہو جائے گی کہ کس کو مارنا چاہتا ہے اور کس کو باقی رکھنا۔ مگر یہ ایک تفسیری قول ہے میں اس سے متفق نہیں کیونکہ تعبیر خواب بتانا ہی مراد ہے۔ دونوں قیدی سخت متعجب ہوتے اور بولے اے یوسف کیا تم جادوگر ہو فرمایا نہیں بولے کیا تم کاہن ہو یا نجومی ہو فرمایا نہیں تو بولے پھر یہ علم تم کو کہاں سے آیا تب آپ نے جواب دیا کہ تم دونوں کی یہ خوابوں کی تعبیر یا چیز آنے سے پہلے اس کی حقیقی پوری خبر دینا۔ یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھ کو میرے رب نے سکھایا قیدی بولے آپ کا رب کون ہے اور اس نے آپ کو کیوں سکھایا فرمایا میرا رب اللہ تعالیٰ میرا تمہارا خالق ہے اور مجھ کو یہ علم اس لئے سکھایا کہ میں نے شروع سے ہی وہ دین چھوڑے رکھا یا اس قوم کا دین میں نے مانا ہی نہیں جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے اور وہ قوم والے سرے سے آخرت کے ہی کافر ہیں یعنی انکار کرنے والے ہیں۔ یہ تھا وہ پہلا وعظ جو یوسف علیہ السلام نے جیل کی کوٹھڑی میں نہایت مشرکانہ ماحول میں باطل کے سامنے سنایا یہاں سے آپ کی تبلیغ نبوت شروع ہوتی ہے۔ روایت ہے کہ سارے قیدی اور جیل کا عملہ جمع ہو گیا تو آپ نے اپنا مصلحانہ نصیحت آمیز کلام مزید دراز فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم میرے علم سے متاثر مت ہو میرے حسن سے بھی متاثر نہ ہو یہ بندوں کے پاس امانتِ پروردگار ہے دنیا میں دنیا کی چیز کبھی فائدے مند کبھی نقصان دہ یاد رکھو کہ سات چیزیں سات چیزوں کے لئے آفت ہیں۔ ۱ تکبر حسن و جمال کے لئے آفت ۲ بے عمل علم کے لئے آفت ہے ۳ خاندان کی بڑائی کے لئے سرکشی آفت ہے ۴ فضول خرچی سخاوت کی آفت ہے ۵ شیخی اور ریاکاری فضول خرچی کی آفت ہے ۶ خواہش نفسانی دین کی آفت ہے ۷ سستی عبادت کی آفت ہے تم اس پر نظر رکھو جس نے یہ نعمتیں دی ہیں اور اس کی طرف دوڑو جس کی وجہ سے نعمتیں ملیں تم سب باطل دین اور

غلط راستے پر ہیں تم نے وہ دین چھوڑا وَاتَّبَعۡتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیۡۤ اِبۡرٰهِیۡمَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ ؕ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنۡ نُّشۡرِكَ بِاللّٰهِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ ذٰلِكَ مِنۡ فَضۡلِ اللّٰهِ عَلَیۡنَا وَعَلَی النَّاسِ وَلٰـكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا یَشۡكُرُوۡنَ اور پیروی کی میں نے اپنے آباؤ اجداد کی۔ جانتے ہو وہ کون ہیں؟ وہ ابراہیم ہیں میرے پردادا اور اسحٰق ہیں میرے دادا اور یعقوب ہیں میرے والد علیہم السلام۔ حضرت یوسف نے پہلے ان سب لوگوں کو اس طرح مائل کیا کہ ان کو بتایا کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے دیا ہے جو وحدہٗ لاشریک ہے وہی میرا تمہارا سب کا خالق ہے اس تعارف الٰہی سے وہ کچھ مائل با سلام ہوتے۔ اور کیوں نہ مائل ہوں کہ تعارف رب کا ہو اور زبان یوسف کی ہو کلام فصیح ہو زبان بلیغ ہو جب آپ نے کچھ میلان ومحبت جانی تو اب اپنا تعارف کرایا کیونکہ کلام کا اثر کلام والے کی پہچان سے بڑھ جاتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جس رب تعالیٰ کے اتنے انعام ہوں تو ہم بندوں پر بھی واجب ہے کہ اس پر ایمان لائیں اور برے دنیوی مشرکانہ حرکتوں کو چھوڑ دیں اس کی توحید کے ڈنکے بجائیں جب اس کی نعمتیں ہم استعمال کرتے ہیں تو ہم کو یہ لائق نہیں کہ ہم کسی چیز کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھرائیں۔ نہ چاند نہ سورج نہ اپنے ہاتھوں کے بنائے ہوئے بتوں کو کہ یہ سب تو اس کی مخلوق ہے اور اس کے حکم کے بندے۔ ماکان لنا کی دو تفسیریں ہیں۔ ایک یہ کہ ہم گروہ انبیاء کو یہ قدرت نہیں کہ ہم شرک کریں اس لحاظ سے گویا یہ حضرت یوسف نے پہلے اپنے خاندان نبوت کا تعارف کرا کے اب اپنا بھی تعارف کرا دیا کہ میں بھی نبی ہوں۔ دوسری تفسیر یہ کہ ہم بندوں کو لائق نہیں کہ ہم مشرک بنے رہیں تب یہ لوگوں کو خطاب ہے اپنی ذات شامل نہیں اور جمع متکلم کی ضمیر لانا آداب کلام کے اعتبار سے ہے جیسے کہ عام طور پر بزرگ لوگ علماء مشائخ اپنے مواعظ حسنہ میں اکثر فرماتے ہیں کہ دیکھو بھئی ہم لوگوں کو جائز نہیں کہ ہم چوری کریں وغیرہ جس طرح یہاں چوری میں خود شامل نہیں ہوتے صرف ادباً اس طرح کہا جاتا ہے ایسے ہی حضرت یوسف کے کلام میں ہے۔ وہ سب کرم نوازیاں دولتیں نعمتیں عزتیں عظمتیں کسی چیز کے بدلے میں نہیں بلکہ محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہے۔ ذالک کا مشار الیہ اگر نبوت ہو تو مطلب ہے کہ نبوت کسبی نعمت نہیں کسی کے کسب زہد وعبادت تقویٰ طہارت یا نیک اعمال کے بدلے میں نہیں نہ یہ دعاؤں سے اپنے آپ کو ملے۔ ہاں نبی کی دعا سے نبوت بھی مل جاتی ہے جیسے کہ حضرت موسیٰ کی دعا سے ہارون علیہ السلام کو نبوت ملی۔ اور اگر ذالک کا مشار الیہ عام نعمتِ دنیا یا نعمت ایمان ہو تب مطلب ہے کہ اس کی بارگاہ میں کوئی بھی مستحق انعام نہیں جس کو عطا فرماتا ہے فقط اپنے فضل وکرم سے بلا عوض دیتا ہے یہ تفسیر قوی ہے کیونکہ آگے ہے عَلَیۡنَا وَعَلَی النَّاسِ۔ یہ فضل ہم پر اور عام یا خاص لوگوں پر ہے۔ اس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ لَنَا کی ضمیر سے بھی ہم بندے مراد ہیں نہ کہ ہم گروہ انبیاء۔ بہر حال دونوں تفسیریں اپنی جگہ درست ہیں سب پر ہی اللہ جَلَّ شَانُہٗ کا فضل ہے خاص کر مسلمانوں پر جن کو نبی کے وسیلے سے دولتِ ایمانی نصیب ہوئی اور لیکن اکثر لوگ یعنی کافر ان نعمتوں کا شکر نہیں کرتے ابھی آپ کا وعظ مبارکہ ختم نہیں ہوا تھا کہ سب قیدی اور جیل کا اکثر عملہ مسلمان ہو گیا یہ دونوں بھی مسلمان ہو گئے۔ آپ نے قیدیوں سے فرمایا

کہ اے قیدیو تم کفر کی قید سے آزاد ہو چکے اب بتاؤ اس جیل میں رہنا چاہتے ہو یا آزاد ہو کر اپنے گھروں میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہونا چاہتے ہو اس وقت جیل میں ایک ہزار چار سو قیدی تھے ایک ہزار نے کہا ہم جیل سے نکلنا چاہتے ہیں بعض نے کہا یہ سب مظلوم اور متہم تھے زیرِ تفتیش تھے مگر بادشاہ کی لاپرواہی کی وجہ سے تفتیش ختم نہ ہوتی تھی۔ حضرت یوسف نے اپنے علم غیب سے یہ سب کچھ جان لیا تو آپ نے ان کو آزاد کرنا چاہا لیکن قیدیوں نے عرض کیا یا حضرت ہمارے پیروں میں بیڑیاں ہیں گلے میں طوق ہیں ہم کس طرح آزاد ہوں گے آپ نے بیڑیوں اور طوق کو نظر بھر کر دیکھا تو وہ کھل گئے پھر قیدیوں نے عرض کیا۔ ہم لوگ اسی مصر کے رہنے والے ہیں جانے پہچانے ہوئے ہیں ہم کو پہچان لیا جائے گا اور پھر پکڑے جائیں گے تب آپ نے دعا کی رب نے سب کی صورتیں بدل دیں اور رنگ بھی بدل گئے اس طرح وہ سب آزاد ہوئے چار سو قیدی لوگوں نے کہا ہم کو آپ سے محبت ہے ہم آپ کی صحبت پاک میں رہنا چاہتے ہیں آپ نے درد بھرے لہجے میں فرمایا میرے دوستو مجھ سے محبت نہ کرو جس نے مجھ سے محبت کی اس کی محبت سے مجھ کو مصیبت اور غم آیا۔ مجھ سے میرے والد نے محبت کی تو جدائی کی مصیبت آئی مجھ سے زلیخا نے محبت کی تو قید کی مصیبت آئی نہ معلوم تمہاری محبت سے کیا مصیبت آئے اس پر سب رونے لگے اور آپ کے لئے اللہ کے حضور دعائیں کیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** اللہ کے مقبول بندے کفار کا بھی دل رنجیدہ اور غمگین نہیں ہونے دیتے حضرت یوسف نے جب تعبیر سے پتہ لگا لیا کہ یہ ایک قیدی سولی چڑھنے والا ہے تو آپ نے تعبیر بتانے میں دیر لگائی اور اللہ رب العزت کا ذکر شروع کر دیا تاکہ اس پر موت آسان ہو جائے لذت دنیا ختم ہو کر لذت وصال الٰہی نصیب ہو دنیا سے منہ موڑ کر آخرت کی یاد میں انعامات پروردگار میں منہمک ہو جائے لہٰذا بندوں کو چاہیئے کہ در پر آتے ہوؤں کو اپنے اخلاقِ حسنہ سے خوش و خرم رکھیں اسی لئے شریعت میں دل دکھانے والا مذاق حرام ہے یہ فائدہ قَالَ لَا يَأْتِيكُمَا (الخ) کی دراز عبارت سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** ہر مسلمان خاص کر علمائے کرام مشائخ عظام کو چاہیئے کہ اپنی ذات سے لوگوں کی بدگمانیاں دور کریں صرف قول سے ہی نہیں بلکہ ہر عمل سے یہاں تک کہ چلنے پھرنے کھانے پینے کردار معاملات سے۔ زکوٰۃ اعلان کر کے دیں نماز ظاہر ظہور پڑھیں۔ بری محفلوں اور تہمت کی جگہوں میں نہ جائیں۔ دیکھو یوسف علیہ السلام سے جب ان قیدیوں نے تعبیر پوچھی تو ان کا گمان تھا کہ شاید یوسف بھی کوئی کاہن نجومی تعبیر بتانے والے ہیں یہ خیال عیب تھا اور نبی پر تہمت تھی اس لئے آپ نے اس تہمت کو اور ان کے گمانِ فاسد ختم کرنے کے لئے فرمایا میں کاہن نجومی نہیں مجھ کو رب تعالیٰ نے علوم عطا فرماتے ہیں اور میری تعبیر عقل و قیاس سے یا تخمینے سے نہیں بلکہ علم الٰہی سے ہے جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی یہ فائدہ مِمَّا عَلَّمَنِي سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** اپنا تعارف جبکہ قوم کی اصلاح کے لئے ہو تو جائز بلکہ کبھی واجب ہے دیکھو یوسف علیہ السلام نے اس لئے اپنا ذاتی

وخاندانی تعارف کرایا تاکہ یہ کافر لوگ دامنِ اسلام میں آجائیں اور فلاحِ دارین پائیں یہ فائدہ ۔ وَاتَّبَعْتُ الخ سے حاصل ہوا لہٰذا علماء ومشائخ کو بھی چاہیئے کہ قوم کے سامنے اپنا علمی تعارف کرائیں بلکہ اپنا لباس وضع قطع ہی ایسی رکھیں کہ ہر شخص پہچان سکے کہ یہ عالم ہے اور مسائل دین پوچھیں۔

مسئلہ عالم کو یہ کہنا جائز ہے کہ میں عالم ہوں مفتی ہوں۔ سند یافتہ ہوں تاکہ لوگ اس سے دینی مسائل پوچھیں اور اس کی بات پر اعتماد کریں بشرطیکہ نیت میں تکبر ریاکاری دکھلاوا بڑائی اور ادب کرانا مقصود نہ ہو اگر یہ ارادہ ہو تو تعارف حرام ہے صوفیا کے لئے اپنا تعارف حرام ہے خواہ نیت میں تکبر ہو یا نہ ہو۔ کیونکہ شریعت ظاہر کرنے کے لئے ہے اور طریقت چھپانے کے لئے ۔ لہٰذا کسی صوفی کو یہ جائز نہیں کہ کہتا پھرے میں پیر ہوں ولی ہوں غوث وقطب ہاں جبکہ کفرستان میں ہو اور الہام سے اظہار وتعارف کا حکم ملے تب جائز ہے جیسے کہ قصیدہ غوثیہ میں تعارف ہے ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** قیدیوں نے تو تعبیرِ خواب پوچھی تھی آپ نے بجائے خواب کی تعبیر بتلانے تبلیغ کرنی شروع کر دی **جواب** تین وجہ سے ایک یہ کہ آپ کو پتہ لگ گیا تھا کہ ایک قیدی نے مر جانا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ مسلمان ہو کر دنیا سے جاتے نبی کی صحبت کا کچھ تو فائدہ حاصل کرے ۔ گلشن یعقوبی کی کچھ تو خوشبو پائے کریم ہمیشہ کرم ہی کرتا ہے کچھ دیر تو لگادی مگر ابد الآباد کی دولت دے کر آخرت سنوار دی اگر تعبیر پہلے بتا دی جاتی تو سن کر اتنا غمزدہ ہوتا کہ پھر کوئی بات سننے کی طرف توجہ نہ دیتا اس لئے آپ نے پہلے مسلمان کر کے عشق الٰہی کا ٹیکہ لگا کر مست کر دیا پھر موت کی خبر سنائی تو اس کو پرواہ بھی نہ ہوئی دوسری وجہ یہ کہ یہ اتنا بڑا اجتماع صرف تعبیر سننے کے لئے جمع ہو گیا تھا ان کے لئے تو یہ محفل ایک تماشہ تھی حضرت یوسف اس تماشہ گاہ کو ذکر الٰہی کا چمن بنانا چاہتے تھے اور پھر اتنے عمر رسیدہ کافروں کو اسلام کی طرف مائل کرنے میں کچھ وقت لگنا تھا اس لئے یہ خطبہ پہلے ارشاد فرمایا تیسری وجہ یہ کہ تعبیر بتانا دنیوی کام تھا اور مسلمان بنانا دینی کا لہٰذا دین کو پہلے کیا دنیا کو بعد میں تاکہ مسلمانوں کو معلوم ہو جائے کہ دین مقدم ہے دنیا پر اور دنیا کو دین کے لئے حاصل کرو نہ کہ اس کے الٹ ۔ سبق ہے پیروں کے لئے کہ تعویذ ورد وظیفے ۔ اور پیری مریدی صرف اس لئے کرو کہ لوگ شریعت پر عامل ہو جائیں ان کو معاشرے کی خرابیوں دینی فلاح وبہبود سے آگاہ کرو آج کل کی آزاد خیالی فحاشی تصویر کشی فوٹو نوازی سے بچاؤ فقط نذر ونیاز کے لئے یہ متبرک کام شروع نہ کرو **دوسرا اعتراض** حضرت یوسف نے کھانے کی خبر دینے کا ذکر کیا یہ معجزہ ہے اور معجزہ کا تذکرہ دعوئے نبوت کے بعد ہوتا یہاں دعوئے نبوت کا ذکر پہلے کوئی نہیں تو معجزے کا تذکرہ کیوں فرمایا۔

جواب اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ خبر دینے سے مراد خوابکی تعبیر مراد ہے نہ کہ کھانے کی خبر دینا ۔ یہ تو کچھ مفسروں کا ایک قول تھا جو ہم نے نقل کر دیا دوسرا جواب یہ کہ ضروری نہیں کہ دعوئے نبوت کے بعد ہی معجزہ دکھایا یا بتایا یا ذکر کیا جاتے پہلے بھی ہو سکتا ہے دیکھو عیسٰی علیہ السلام نے بچپن میں بچوں کے سامنے فرمایا وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ

وَمَا تَدَّخِرُوْنَ یہ معجزہ ہی تھا مگر دعویٰ نہ تھا اس معجزے کا نام ارہاص ہوتا ہے جو دعوئے نبوت سے پہلے ہو یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ یہ تذکرہ ہی دعوۂ نبوت ہو۔ چوتھا جواب یہ بھی ہو سکتا ہے چونکہ ابھی ساتھ ہی مَا کَانَ لَنَا میں دعوۂ نبوّت ہے اس لئے یہ معجزہ دلیلِ مقدّم کے طور پر مذکور فرمایا اور معنی یہ ہوں کہ میں تم کو کھانے کی غیبی خبر دے سکتا ہوں کیونکہ میں نبی ہوں تیسرا اعتراض۔ حضرت یوسف نے کہا تَرَکْتُ مِلَّۃَ قوم میں نے چھوڑ دی۔ چھوڑی وہ چیز جاتی ہے جو پہلے اختیار کی گئی ہو جیسے وہی شخص کہہ سکتا ہے میں نے شراب چھوڑ دی جو پہلے پیتا ہو۔ تو کیا حضرت یوسف معاذ اللہ پہلے اس قوم کی ملت پر تھے؟ جواب لغوی اور شرعی لحاظ سے ترک کی دو قسمیں ہیں ۱ ترکِ انتقال جو شروع کرنے کے بعد چھوڑا جاتے یہاں یہ مراد نہیں ۲ ترکِ اعراض اس کا معنی ہے چھوڑے رکھنا یا نہ ماننا وہی یہاں مراد ہے اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں چوتھا اعتراض یہاں ضمیر هُمْ دو دفعہ کیوں آئی وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ جواب دو وجہ سے ایک یہ کہ پہلی ضمیر نے یہ بتایا کہ وہ قوم ایمان کے مبدا یعنی اعتقاد ایمانی و عملیات شرعی قانونی کے منکر ہیں اور دوسرے هُمْ نے بتایا کہ آخرت کے حساب کتاب سزا و جزا کے منکر ہیں پہلے ضمیر نے بتایا کہ شریعت کے منکر ہیں جو ظاہری قانون اور ظاہری اسلام ہے دوسرے هُمْ نے بتایا کہ وہ طریقت کے منکر ہیں جو باطنی قانون ہے اور باطنی دین ہے دوسری وجہ یہ کہ پہلی ضمیر نے ان کے کفر کا تذکرہ کیا دوسری ضمیر نے خصوصی تاکید کی کہ یہ ہی خاص طور پر کافر ہیں یا اس طرح کہ چونکہ یہ توحید باری تعالیٰ کے منکر ہیں اور توحید کا منکر ہی خاص طور پر آخرت کا منکر ہوتا ہے۔ اگرچہ اپنے دین میں قیامت اور جنت و دوزخ کا ذکر کرتے رہیں۔ جیسے آجکل یہود و نصاریٰ قیامت کو مانتے ہیں مگر پھر منکرین آخرت میں شمار ہیں کیونکہ توحید باری تعالیٰ کے عملاً منکر ہیں قولاً موحد ہی بنے پھرتے ہیں پانچواں اعتراض حضرت یوسف نے اپنی نبوت سے پہلے اپنے خاندان کی نبوت کا ذکر کیوں کیا؟ جواب ایک تو تعارف کرانے کی غرض سے کیونکہ ان کی عظمت و نبوت مشہور تھی۔ اسی لئے فقہاء فرماتے ہیں اپنے دینی اور نیک خاندان کا چرچا کرنا جائز ہے کہ اس سے خاندان والوں کو نیکی کا شوق پیدا ہوگا بزرگوں کی سوانح عمری لکھنے کا یہی فائدہ ہے خاندان کی دینی بڑائی بیان کرنا جائز ہے۔ دنیوی بڑائی بیان کرنا ناجائز ہے کیونکہ دینی بڑائی کے تذکرے سے آئندہ نسل میں عجز و انکسار و اخلاق صالحہ پیدا ہوتے ہیں دنیوی بڑائی کے تذکرے سے تکبر پیدا ہوتا ہے۔ دوسری یہ وجہ کہ تواضعاً وہ صاف صاف خود کو نبی کہنا نہ چاہتے تھے اُن کی نبوت کو وضاحت سے بیان کرکے اپنی نبوت اشارۃً بیان کر دی تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ بتانا یہ چاہتے تھے کہ میں کوئی نئی باتیں لے کر نہیں آیا بلکہ ملت وہی ہے چھٹا اعتراض جبکہ حضرت یوسف خود بھی نبی رسول صاحبِ شریعت تھے تو آپ نے یہ کیوں فرمایا وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ آبَائِي (الخ)؟ جواب شریعت اور ملت میں فرق ہے۔ شریعت نام ہے مستقل قانون کا وہ ہر رسول لے کر آتا ہے ملت کے معنی ہیں فطری بنیادی دین اس لحاظ سے نبی کریم بھی ملت ابراہیمی پر ہیں اسلام شروع ہوا ہے حضرت آدم سے ملت شروع ہوئی ہے حضرت ابراہیم سے اور شریعت

ہر رسول کی علیحدہ کتاب ہر مرسل کی علیحدہ مثال یوں سمجھو اسلام شجرِ طیبہ ہے جو بڑے آخری بلند شاخ تک سے
ہر نبی کو نیل پتّی بھی اس میں شامل ہوتی رہتی ہے کوئی پتہ بدعت یعنی اس سے علیحدہ نہیں اس کا تنا ملت ہے اس
کی موٹی شاخیں کتب سماوی ہیں پتے شریعت ہیں **ساتواں اعتراض** انبیاء معصوم ہوتے ہیں پھر آپ نے کیوں فرمایا
مَا كَانَ لَنَا ہمیں لائق یا بہتر نہیں کہ ہم شرک کریں یہ تو ہر مسلمان کیلئے ہے **جواب** یہ اعتراض اور اسکا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا ہے کہ مَا كَانَ کا مطلب لائق یا بہتر
نہیں بلکہ یہاں لفظ قدرت پوشیدہ یعنی ہم کو طاقت وقوت اور قدرت ہی نہیں ہم شرک کر سکتے ہی نہیں ہم نے اپنی تفسیر حاشیہ میں یہ جواب دیا ہے اگر لَنَا کی جمع ضمیر سے گروہ انبیاء مراد ہیں تب
یہاں لفظ قدرت پوشیدہ اور اگر ضمیر سے مراد عام بندے ہیں تب یہاں لائق اور ینبغی پوشیدہ۔ بہرحال پوشیدہ ضرور ہے کیونکہ كَانَ فعل ناقصہ ہے
بغیر کسی کے ملے معنی کامل نہیں دیتا **آٹھواں اعتراض** یہاں مِنْ شَیْءٍ کیوں فرمایا صرف نُشْرِكَ بِاللّٰهِ کہنا کافی تھا۔
جواب مشرکین بہت سی قسم کے تھے اور ہیں ۱۔ بت پرست ۲۔ سورج پرست ۳۔ چاند ۴۔ آگ ۵۔ ستارے پرست ۶۔
نفس پرست جیسے دھریے ۷۔ عقل پرست جیسے بے دین لوگ ۸۔ طبیعت پرست وغیرہ مِنْ شَیْءٍ فرما کر سب کا رد کر دیا۔
نواں اعتراض حضرت یوسف نے ایمان کے لئے لَا يَشْكُرُوْنَ کیوں فرمایا شکر تو اللہ کے فعل پر ہوتا ہے اور ایمان
لانا بندے کا فعل ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا کہ دنیوی دولت وعزت اور رزق صحت ملنے پر شکر کا ذکر
ہے اور اگر ایمان ہی مراد ہو تو توفیق اور سہولت اور ملنے پر شکر ہے کیونکہ جو نیکی کرتا ہے اسی رب کی توفیق سے کرتا
ہے اسی کی دی ہوئی عقل وفہم سے سمجھتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖۤ اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا ؕ ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ ؕ اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ
قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۝ یوسفِ قلب نے غلامانِ فکر سے
کہا کہ اصل منزلِ مقصود قربِ الٰہی کا پالینا ہے اس کا علم اور اس کی طلب پہلے ہونی چاہیئے عناصر اربعہ کی حاجات
و بیان بعد میں لازم۔ اہلِ سعادت فکرِ معاش کو موخر اور فکرِ وصالِ یار کو ہمہ وقت مقدم رکھتے ہیں منزلِ مشاہدات
میں طالبانِ عشق ومستی کے لئے مدرسۂ انوار میں یہ پہلا سبق ہے جس سے قناعت وصبر تحمل وبرداشت اور حوصلہ و
ہمت پیدا ہوتی ہے تمہارے پاس رزقِ باطنی کی غذاءِ روحانی جو تم کو عالمِ بالا میں دی جاتی رہی اس کے آنے سے پہلے
اشاراتِ سِرّیہ کی تعبیر بتادوں گا اور اسرارِ غیبیہ کی خبر دینا میرا کمال نہیں بلکہ اس علمِ لدنی اور مکاشفاتِ سرمدی سے
ہے جو میرے رب تعالیٰ نے مجھ کو سکھایا۔ وارداتِ مشاہدات کا یہ کرم اس لئے ہے کہ میں نے نفس وھویٰ اور طبیعتِ
بشریت والی قومِ ذمیمہ کا طریقۂ شہوات چھوڑ دیا۔ وہ معبودِ قدیم خالقِ حقیقی پر ایمان نہیں لاتے بلکہ نفس پرست۔
نفس کی ربوبیت کو مانتے ہیں اور اُن کے پہلو کا نفسِ امارہ ربوبیت کا دعویدار ہے۔ اور ھواءِ نفسانی کو الٰہ بنا لیا ہے
اور یہی نفس وھوا کی عبادت وپرستش کرنے والی قوم۔ انجامِ شقاوت اور عذابِ فراق اور قیامتِ حجاب اور حاضریِ
قہار کے کافر ومنکر ہیں۔ انہوں نے اقوالِ شریعت کا کفران کیا اور اس کے مقابل طبیعتِ ذمیمہ کی اتباع کی۔ یہی وہ

جھوٹی خصلتیں ہیں جن کے جسم ظلمت پر یوم آخرت میں شقاوت کی سیاہی ہوگی۔ ان کو نصیحتِ عشقِ معرفت بیکار ہے
کیونکہ نہ ہر شاخ درخت بننے کے لائق نہ ہر درخت پھل دینے کے قابل نہ ہر پھل باغ سجانے کے لائق نہ ہر بندہ مناجات
کے قابل نہ عزت قومیت ونسب سے ہے نہ محبت طلب سے نہ نجات بھاگنے سے نہ قربِ خدا استحقاق ودعویٰ سے
وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْٓ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ. مَاكَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ. ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَى
النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ اے تفکراتِ دنیا کے غلامو میں نے خود عشقِ جمال کے حصول کے لئے سلوک
عشق طے کرتے ہوئے خلیلِ محبت کی ملت حلم وسخا تسلیم ورضا کی اتباع کی اور اسحاقِ نیتِ صادقہ کے دین طلب
مشاہدہ کی پیروی کی اور یعقوبِ عقلِ عاملہ کے دین صبر وحزن تحمل وبقا کی اتباع کی۔ کیونکہ یہی کمالِ توحید ہے جو آبائے قلب
کا دینِ ملکوتی ہے ہم قلوبِ ربانیہ کو طاقت نہیں کہ راہ محبت وحدانیت میں محبت غیر کو شامل کرنے کا شرک قلبی کریں کیونکہ
ایک قلب منور میں حق وباطل کی دو محبتیں جمع نہیں ہوسکتیں یہ اتباعِ نفوسِ صادقہ اور عصمتِ نفوسِ طاہرہ اپنے زورِ
کمال سے نہیں بلکہ عینِ عنایتِ فضلِ ربانی اور الہامِ احکام پُر اسرار خطابِ اِعلامِ ربوبیت آثارِ عبودیت سے ہیں یہ فضل
قلبِ مومن پر ہے اور قلب کا وجود ہونا قالبِ انسانی پر اللہ کا بڑا فضل ہے کیونکہ دل ہی شمائلِ جلال کا ظہور ہے
اگر جسدِ خاکی میں قلبِ عرش نہ ہوتا تو پرتوِ انوارِ تجلیاتِ اسرار نہ ہوتیں۔ لیکن اکثر اہلِ شقاوت وجودِ قلب پر انوارِ
ازلیہ کے وارد ہونے کا شکریہ نہیں کرتے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اصلاحِ قلب متابعتِ ابرار اور تعظیم صالحین سے ہے
اور اصلاحِ قالب اِتباعِ قلب اور شکرِ خالقِ قلب سے ہے۔ یا اللہ ہم کو توفیقِ شکر عطا فرما۔ (عرائس البیان۔ روح البیان)

یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ
اے ساتھیو میرے قید کے کیا بہت سے رب علیحدہ علیحدہ اچھے یا اللہ ایک جو سب
اے میرے قید خانہ کے دونوں ساتھیو کیا جدا جدا رب اچھے یا ایک اللہ جو
الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۳۹﴾ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً
کائنات پر غالب نہیں عبادت کرتے ہو تم سے سوائے اس کے مگر
سب پر غالب تم اس کے سوا نہیں پوجتے مگر نرے نام جو تم نے
سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ
صرف ناموں کی گھڑا تم نے جن کو خود اور باپ دادا نے تمہارے نہ اتاری اللہ نے
اور تمہارے باپ دادا نے تراش لیے ہیں اللہ نے ان کی کوئی

سُلْطٰنٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ

اس کے سند نہیں قانون مگر اللہ کا حکم دیا کہ نہ پوجو تم مگر اس کو

نہ اتاری حکم نہیں مگر اللہ کا اس نے فرمایا کہ اس کے سوا کسی کو نہ پوجو

اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

ہی وہ ہی دین سیدھا کرنے والا ہے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے اسے

سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے

يَعْلَمُوْنَ ۝٤٠ يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّآ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ

اے دونوں ساتھیو میرے قید کے لیکن ایک تم دونوں سے پس پلائے

اے قید خانہ کے دونوں ساتھیو تم میں ایک تو اپنے رب

رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ

لیگا مربی بادشاہ اپنے شراب اور لیکن دوسرا پس سولی دیا جائے گا تو کھائیں گے پرندے

(بادشاہ) کو شراب پلائے گا رہا دوسرا وہ سولی دیا جائے گا تو پرندے اس کا

مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ۝٤١

سے سر اس کے فیصلہ کر دیا گیا ہے تقدیر میں وہ جس فتوےٰ مانگتے ہو تم دونوں

سر کھائیں گے حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں ایمان اور شرک باللہ کے ذکر سے تبلیغ یوسف علیہ السلام کا تذکرہ ہوا اس تبلیغ میں صرف سنایا گیا تھا اب ان آیات میں ذہن نشین اور پختہ بٹھانے کے لئے سامعین سے سوال کرنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں رسالت کا ذکر تھا کہ انبیاء کرام کی یہ شان ہے وہ شرک وکفر سے اور فسق وفجور سے معصوم ہوتے ہیں اب یہاں توحید کا ذکر ہے اور ایمان کے لئے یہ دونوں چیزیں لازم ہیں **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کے تعبیر خواب بتانے کے وعدے کا ذکر ہوا تھا اب تعبیر بتا کر وعدہ پورا کرنے کا تعلق ہے۔

تفسیر نحوی

يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ یا حرفِ ندا صَاحِبَيِ دراصل صَاحِبَيْنِ تھا نون تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی مضاف الیہ یاءِ متکلم ہے۔ السِّجْنِ الف لام عہدی ہے سِجْن کا معنیٰ قید خانہ مضاف الیہ ہے اس کا مضاف پورا جملہ ندائیہ۔ ءَ ہمزہ سوالیہ انکاری ہے یا تقریری ارباب جمع رب کی مراد معبود مُتَفَرِّقُوْنَ باب افتعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر اس کا واحد مُتَفَرِّقٌ فَرْقٌ سے بنا بمعنیٰ مختلف لغوی ترجمہ جدا جدا ہونا یہ استفہام تقریری مبتدا ہے۔ خَيْرٌ خبر ہے۔ خَيْرٌ مصدر ہے یعنی اچھا ہونا۔ اَمْ حرفِ عطف اختیاری۔ اللہ اسم ذاتی ہے معبودِ حقیقی کا بحالتِ رفع ہے عطف ہے مُتَفَرِّقُوْنَ پر خبر مبتدا درمیان میں آئی۔ لفظ موصوف اس کی دو صفتیں پہلی صفت الواحد۔ الف لام تعریفی بمعنیٰ الذی واحد بروزن فاعل وَحْدٌ سے بنا۔ بمعنیٰ منفرد انوکھا۔ یعنی بے مثل القہار۔ الف لام تعریفی ہے صفتِ دوم ہے بروزن فعّال۔ قہر سے بنا بمعنیٰ بہت غلبے والا مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ تَعْبُدُوْنَ مضارع منفی بصیغہ جمع مذکر حاضر عَبْدٌ سے بنا بمعنیٰ عبادت کرنا مِنْ زائد دُوْنَ حرفِ استثناء بمعنیٰ سوا۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ اِلَّا حرفِ استثناء مفرغ ہے بلکہ لغو ہے۔ اَسْمَآءً بحالتِ زبر مفعول بہ مَا تَعْبُدُوْنَ کا اِسْمٌ کی جمع بمعنیٰ نام موصوف۔ اگلا جملہ اس کا صلہ ہے سَمَّيْتُمُوْ فعل ماضی باب تفعیل کا بصیغہ جمع مذکر حاضر ھا ضمیر غائب کا مرجع اَسْمَآءً ہے اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل عطف کے لئے آئی کیونکہ ضمیر متصل پر عطف جائز نہیں ہوتا۔ واؤ عاطفہ آباء جمع اَبٌ کی بمعنیٰ باپ مراد ہیں باپ دادے معطوف ہے انتم کا مضاف ہے بسوءِ کُمْ ضمیر مرجع مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ مَا نافیہ اَنْزَلَ فعل ماضی منفی اللہ فاعل باء جارہ بمعنیٰ علی مِنْ بعضیت کا ھا ضمیر کا مرجع اسماءً۔ سلطان بروزن فُعلان نکرہ ہے۔ اِنْ حرف شرط نافیہ ہے اَلْحُكْمُ الف لام استغراقی ہے حکم بمعنیٰ غالب فیصلہ اِلَّا حرف استثناء نے نفی کو توڑا اس کا مستثنیٰ پوشیدہ ہے دراصل تھا اِلَّا الحکم لِلّٰهِ مستثنیٰ متصل ہے اِن شرطیہ اسی وقت نافیہ بنتا ہے جب بعد میں اِلَّا آتا ہو اور مطلب اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کوئی حکم ہے تو وہ فقط اللہ کا ہے اِنْ کا یہاں آنا مفیدِ حصر ہے لِلّٰهِ میں لام جارہ ملکیت کا ہے اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ اَمَرَ فعل ماضی اَمْرٌ سے بنا بمعنیٰ فیصلہ کرنا قانون بنانا۔ یا حکم دینا یہاں ب بمعنیٰ مناسب اَلَّا اَنْ ناصبہ مصدریہ لَا تَعْبُدُوْا فعل نہی بصیغہ جمع مذکر حاضر اِلَّا حرف استثناء اتصالیہ ہے اِيَّا اسم نکرہ ظاہری ہے بمعنیٰ حقیقت ہٗ ضمیر متصل کو اِلَّا کے ساتھ لانے کے لئے لفظ اِيَّا لایا گیا ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ یہی سابقہ جملہ ہے۔ مبتدا ہے اَلدِّيْنُ۔ الف لام عہد خارجی ہے۔ دین بمعنیٰ قانون۔ یا عقیدہ موصوف ہے بحالتِ رفع ہے خبرِ مبتدا ہے القیّم الف لام تعریفی حرفی زائدہ ہے قَيِّمٌ۔ اسم فاعل مبالغہ ہے بمعنیٰ قیام اسی سے ہے قَيُّوْمٌ بمعنیٰ بہت مضبوطی رہنے والا۔ صفت ہے واؤ سرِ جملہ حالیہ لٰكِنَّ حرف استدراک مشبّہ بالفعل ہے اَكْثَرَ اسم تفضیل بحالتِ زبر اسم ہے

لکِنَّ کا مضاف ہے النَّاس مضاف الیہ ہے۔ لَا یَعْلَمُوْنَ مضارع منفی جمع غائب کا صیغہ خبر ہے لکِنَّ کی یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ یا ندائیہ صَاحِبَیِ تثنیہ ہے صاحب کا در اصل تھا صاحبین۔ نون تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی مضاف الیہ یاءِ متکلم ہے۔ السجن الف لام عہدی ہے سِجْن بمعنی قید خانہ بحالت زیر ہے مضاف الیہ ظرفی ہے کیونکہ دراصل تھا فی السجن اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ خَمْرًا وَ اَمَّا الْاٰخَرُ فَیُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّیْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ۔ اَمَّا حرفِ تفصیل اَحَدُ مبتدا لہٰذا مرفوع ہے مضاف ہے کُمَا ضمیر تثنیہ۔ فا رابطے کے لئے یَسْقِیْ فعل مستقبل واحد مذکر غائب سَقْیٌ سے بنا بمعنی پانی پلانا متعدی بنفسہٖ بدو مفعول ہے۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے رَبَّهٗ مرکب اضافی مفعول بہ ہے رب بمعنی مربی مراد بادشاہ مصر۔ پہلا مفعول ہے خَمْرًا مفعول بہ دوم ہے بمعنی لغوی ڈھانپ لینا۔ بدیں وجہ دوپٹہ کو خمار اور نشے کو خُمار کہتے ہیں کہ وہ جسم کو اور یہ عقل کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اصطلاح میں انگوری شراب کو خمر کہتے ہیں یہاں مراد ہے مطلقًا شراب۔ واؤ ابتدائیہ اَمَّا حرف تفصیلیہ۔ اَلْاٰخَرُ الف لام عہد خارجی بمعنی دوسرا شخص۔ فا برائے رابطہ یُصْلَبُ مضارع مجہول صَلْبٌ سے بنا بمعنی سولی پانا یا سولی دینا یہاں متعدی ہے فا عاطفہ بمعنی تعقیب تَاْكُلُ فعل مستقبل واحد مونث اس کا فاعل الطَّیْرُ ہے الف لام جنسی طیر یا اسم جنسی ہے مراد بہت پرندے یا جمع ہے طائر کی مراد گوشت خور پرندے مِنْ جارہ ظرفیہ بمعنی قبل رَاْس بمعنی سر مراد سارا جسم ہے ہٗ کا مرجع اٰخَرُ قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ قُضِیَ فعل ماضی مجہول قَضٰی ناقص یائی سے بنا بمعنی فیصلہ کرنا اسی سے ہے قاضی اور قضا۔ یہاں ازلی فیصلہ مراد نہیں وہ تقدیر مبرم ہوتی ہے بلکہ ماضی قریب کے معنی میں ہے جس کو تقدیر معلق کہا جاتا ہے اَلْاَمْرُ بمعنی تقدیر اَلَّذِیْ اسم موصول واحد ہے مراد مقصد سوال یعنی آزمائش یوسف علیہ السلام ورنہ خوابیں اور تعبیر دو ہیں فی جارہ ظرفیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل متصل ضمیر وہ ہوتی جو اپنے عامل سے جڑ کر آئے لہٰذا اٰكُوْ اِیَّاكَ وغیرہ میں ہٗ اور كَ منفصل ہیں اگرچہ لفظاً یا سے اِتّصال ہے جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ تَسْتَفْتِیٰنِ مضارع معروف تثنیہ بمعنی ماضی استمراری کا نا پوشیدہ ہے باب استفعال میں اگر طلب کے معنی پیدا ہوئے فَتْوٰیٌ سے بنا بمعنی تفصیلی اور مضبوط جواب مانگنا۔ اسی سے فتویٰ ہے۔

تفسیر عالمانہ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ اے میرے قید کے دونوں ساتھیو یا اے دونوں جیل کے قیدیو۔ پہلی صورت میں صاحب بمعنی ساتھی ہے دوسری صورت میں صاحب بمعنی والا ہے یعنی جیل میں رہنے والے حضرت یوسف نے اپنی اور اپنے خاندان کی نبوت کا ذکر فرما کر اصل مقصد کیطرف ان کفار کے ذہنوں کو پھیرا لہٰذا اپنے قریب بیٹھے ہوئے قیدیوں کو کی مگر خطاب سب سامعین سے ہے کیونکہ اس وقت اصل مقصود تبلیغ کا ان دونوں کو سمجھانا یا اس لئے کہ یہ جانے والے تھے دوسرے قیدیوں کو بعد میں بھی تبلیغ ہو سکتی ہے جیسا کہ آپ سات سال جیل میں درس دیتے رہے اور چونکہ یہ بڑے پرانے خاندانی کافر تھے جن کو اپنے جھوٹے معبودوں سے بہت محبت تھی اس لئے ایک دم یہ نہ کہا کہ تمہارے بت جھوٹے بلکہ پیار محبت کے انداز میں خود ان کے اعتقاد کو

سامنے رکھ کر ان ہی سے پوچھتے ہیں کہ اے لوگو میں تمہاری عقیدت کو چیلنج نہیں کرتا صرف تم اپنی عقلوں ذہنوں سے پوچھو کہ کفار نے ہزاروں قسم کے رب بنا لئے ہیں۔ چاند۔ سورج۔ ستارے۔ فلک۔ درخت۔ سفر حضر اور ہر موسم کا بت علیحدہ بنا لیا ہے کیا یہ اتنے بہت سے متفرق اور مختلف رب اچھے تم کو لگتے ہیں یا ایک ہی رب جو اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لاشریک سب پر قہار و غالب ہے حضرت یوسف نے کمال ذہانت و فطانت سے ہر قسم کے مختلف عقیدے رکھنے والے کفار کو عقل سے سوچنے سمجھنے کی دعوت دی۔ ابھی تک یہ لوگ لکیر کے فقیر بنے ہوئے تھے۔ بغیر سوچے سمجھے بتوں کو رب کہے جا رہے تھے بس باپ دادا کی اڑتی خبروں کی نقل کئے جا رہے تھے اب جب دعوتِ تفکر ملی تو ذہن کی کھڑکیاں کھل گئیں یوسف علیہ السلام نے اپنے اس مختصر کلام میں چھ دلائل قائم فرمائے اور بتایا کہ جب تم میری اس بات کو عقل و فراست سے سوچو گے تو تم کو اپنے اپنے دین میں چھ خرابیاں نظر آئیں گی پہلی یہ کہ کائنات کسی نظام کی محتاج ہے اور اس کیلئے ناظم ضروری ہے ایک سے زیادہ منتظم ہوں اور سب اختیار ایک درجے کے ہوں تو ہر ایک نے اپنی مرضی کرنی ہے ہمہ وقت متفق ہونا محال ہے لہٰذا کائنات میں خلل پڑ جائے گا دوسری خرابی یہ کہ یہ بت وغیرہ چاند سورج ستارے درخت تم دیکھتے ہو اُگتے بگڑتے ٹوٹتے بنتے اور چاند و کواکب نہایت پابندی سے مقررہ سمت پر دوڑتے چلے جاتے ہیں اپنی مرضی سے ان کو کبھی کسی نے رکتے چھپتے نہ دیکھا ثابت ہوا کہ یہ کسی کے حکم کے بندے ہیں لہٰذا یہ قاہر نہیں مقہور عامل نہیں معمول ہیں حالانکہ معبود وہ ہوتا ہے جو عبد پر قاہر و عامل ہو تیسری خرابی یہ کہ بہت سے معبودوں میں نہیں پتہ لگتا کہ کون پیدا کر رہا ہے کون مار رہا ہے کون رزق دیتا ہے کون مصیبتیں دور کرتا ہے۔ لہٰذا کون ہماری عبادت کا مستحق ہے یہ پتہ نہیں لگتا مگر ایک معبود مان کر یہ دشواری نہیں ہوتی چوتھی خرابی یہ کہ زیادہ معبود ہوں تو کس کس کو راضی کرو گے۔ ایک کو راضی کیا تو دوسرا ناراض ہوا اس کو راضی کیا تو وہ ناراض پانچویں خرابی کفار کہتے ہیں کہ ہمارے یہ معبود نفع دیتے ہیں مگر ان کے نفع کے وقت مقرر ہیں ایک وقت میں فلاں بت کی باری ہے دوسرے وقت میں فلاں کی اسی طرح نفع کی قسمیں بھی بٹی ہوئی ہیں یہ نفع اتنے بت دیں گے اور وہ نفع اتنے بت یہ بارش برسانے والے یہ دولت بانٹنے والے لہٰذا اس جنجال سے بہتر یہ نہیں ہے کہ ایک ہی اس معبود کو مانے چلے جاؤ ہمیشہ سے ہمیشہ تک قاہر و غالب ہے اور اس کا واحد ہونا ہی اس کی عبادت کو واجب کر رہا ہے چھٹی خرابی تمہارے معبودوں میں کوئی اعلیٰ کوئی ادنیٰ کوئی زیادہ کوئی تھوڑا لہٰذا ان کو بگاڑنے والا کوئی بنانے والا۔ حالانکہ رب اور معبود ہونے کے وہ لائق ہے جو واحد ہو سب پر غالب ہو سب سے اعلیٰ ہو ہمیشہ سے ہو ہمیشہ تک ہو۔ واجب الوجود ہو۔ ممکن یعنی قابلِ فنا نہ ہو قاہر ہو مقہور نہ ہو جو واجب ہوگا وہی قاہر ہوگا مقہور نہ ہوگا عامل ہوگا معمول نہ ہوگا غالب ہوگا مغلوب نہ ہوگا لیکن جو ممکن ہوگا مقہور معمول مغلوب ہوگا کیونکہ جو اس کو فنا کر دے بگاڑ دے توڑ دے مروڑ دے وہ اس پر غالب ہو گیا بالذات سے مغلوب مقہور رب اچھے یا ایک غالب قاہر معبود اچھا پھر مزید حیرانی اور سوچنے والی بات یہ ہے کہ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَا

اَنۡتُمۡ وَاٰبَآؤُكُمۡ مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ یہاں سب سامعین سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ اے لوگو تم سب اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر صرف ناموں کو پوجتے ہو جن میں کچھ تم نے خود رب رکھ لئے ہیں اور کچھ پہلے سے چلے آرہے ہیں جن کو تمہارے باپ دادا نے رکھا تھا یا اس طرح کہ تم نے ایک بت اپنے ہاتھ سے بنایا اور اس کا نام معبود رکھ دیا اور یا ایک چیز تم نے دیکھی تم کو پیاری خوبصورت لگی تم نے اس کو معبود کہنا شروع کر دیا یا تم نے کوئی ہیبت ناک خطرناک چیز دیکھی تم ڈر گئے اور مے معبود ہے معبود کہنا شروع کر دیا۔ اسی طرح تمہارے باپ دادا کرتے رہے تمہارے بعد تمہاری نسلیں بھی اسی طرح کچھ اپنے معبودانِ معبودوں میں شامل کر لیں گی اور بلا دلیل تعداد بڑھتی رہے گی یا اس طرح کہ بتوں کا جو تم نے نام رکھا ہے ان کی کچھ بھی حقیقت نہیں۔ مثلاً ناگ دیوتا پیپل رانی کالی دیوی۔ ہنومان۔ دھنسر کسی کے منہ پر سونڈ لگا دی کسی کے پیچھے دم کسی کے دس سر کسی پانچ سر کسی کے بارہ ہاتھ بنا دیئے اس طرح کی مخلوق دنیا میں کبھی کہیں نہ تھی تم خود اختراع کی ہے یا اس طرح کہ پہلے تم نے ایک عقیدہ بنایا کہ اللہ یعنی معبود نور ہے بڑا نور خدا ہے چھوٹے نور فرشتے ہیں انہی کے نام پر تم نے بت بنانے شروع کر دیئے کسی شخص کے متعلق یہ سنا کہ وہ بڑا عقل والا تھا تو اس کے نام کا بت بنا کر دس سر لگا دیئے یعنی اس کی عقل دس عقلوں کے برابر تھی گویا کہ یہ معبود دس بارس پاور کا اور یہ پانچ بارس پاور کا۔ وغیرہ بہر حال یہ من گھڑت نام ہیں مَّاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنۡ سُلۡطٰنٍ اس پر اللہ نے کوئی دلیل نہ اتاری۔ اور تم میں سے بعض کفار کا یہ کہنا کہ ہم ان بتوں کو خالق رازق نہیں مانتے ہم ان کو معبود سمجھتے ہیں صرف اس لئے کہ اللہ نے ہم سے کہا ہے کہ ان کی عبادت کرو یہ بھی غلط تمہارے پاس اگر کوئی دلیل ہے تو دکھاؤ اللہ نے کوئی حکم نہیں فرمایا اگر اس نے کچھ دلیل بھیجی ہوتی تو ضرور شائع ہوتی ہم اس لئے تم سے دلیل الٰہی مانگ رہے ہیں کہ عبادت کے معاملے میں خاص کر اِنِ الۡحُكۡمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ نہیں حکم چلتا مگر اللہ کا بھی یا نہیں کوئی حاکم مگر اللہ رب۔ یہاں حکم سے مراد حقیقی اور تکوینی یعنی تدبیرِ عالم کا حکم ہے اس لئے کہ حکم تین قسم کے ہیں ۱ حقیقی تکوینی اس میں بجز رب تعالیٰ کسی کو اختیار نہیں ۲ حکم شرعی اس میں انبیاء کرام با اختیار حاکم ہیں ۳ قانونی اس میں بادشاہ با اختیار حاکم ہے مگر چلتے سب حکم رب کے ارادے سے ہیں اس لئے ہم نے جو ترجمہ کیا ہے اس میں ہر حکم شامل ہے۔ اسی کی بات مانی جائے گی لیکن تمہارے پاس نہ حجت نہ برہان نہ دلیل نہ سلطان۔ ہاں اگر ہم سے دلیل پوچھتے ہو تو ہم علی الاعلان کہتے ہیں اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ۔ اس رب کریم نے تو یہ ہی کا حکم دیا ہے کہ نہ پوجو مگر اسی واحد لاشریک رب کو اور یہ حکم اس لئے ہے کہ انتہائی تعظیم اور جلال والا ماننا اور بے حد عظمت اور پاکی بولنا عبادت ہے پس نہیں لائق مگر اسی ذات کیلئے جس سے بے انتہا انعام ملتے ہیں اور وہ صرف ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس لئے کہ جو اس سے بندوں کو انعام ملتے ہیں وہ کسی سے نہیں مل سکتے نہ کوئی دے سکتا ہے مثلاً زندگی موت پیدائش اچھی شکل و صورت عقل رزق ہدایت ایمانی عرفانی اور اس کے علاوہ کروڑ ہا نعمتیں جن کی انتہا ہی نہیں آگ ہوا مٹی پانی اتنی نعمتیں جن کے فقط گننے کے لئے عمر انسانی کافی نہیں للہذا وہی مخلوق کی عبادت کے لائق ہے ذٰلِكَ الدِّيۡنُ الۡقَيِّمُ۔ اور وہی دین ثابت مضبوط مستقیم سیدھا ہے

اُسی کے اصول و فروع نہایت خوبصورت و مضبوط ہیں اس میں نہ کوئی ٹیڑھ ہے نہ افراط نہ تفریط اس کی اصل یعنی جڑ ایک ہے اور فروع یعنی شاخیں بے شمار ہیں وہ دین ہے جو امیر غریب۔ آقا غلام بیمار تندرست کے لئے گورے کالے کے لئے یکساں ہے اس کی ہر چیز ضابطے کے تحت ہے اس کی سچائی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اسی میں صاحب معجزات انبیاء کرام اور صاحب کرامات اولیاء اللہ ہیں وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ اور لیکن اکثر لوگ یعنی کافر اور خدا سے دور اور گمراہ نہیں جانتے۔ اور جہالت میں بھٹکتے پھرتے ہیں۔ حادثات عالم کو فلکیات اور سیاروں سے منسوب کر دیتے ہیں۔ ہاں علم و عقل شعور والے جانتے ہیں کہ ماسوا اللہ سب کچھ ڈھلتی پرچھائیں گزرتا سایہ ہے۔ جاھل سایہ کے پیچھے دوڑتا ہے کہ وہ اسی کو سب کچھ سمجھتا ہے مگر عاقل خالق سایہ کی طرف کیسی شان والی حمد و وعظ ہے سچ ہے اللہ کی حمد کے لئے نبی کی ہی زبان لائق ہے سب سے پہلے مصر میں دین الٰہی یوسف علیہ السلام نے پھیلایا جب اپنے کلامِ پُراثر سے سب کو مسلمان کر لیا دین کا کام مکمل ہوا تب دنیا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ. اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا. وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ. اور میرے قید کے دونوں ساتھیو۔ لیکن تم میں سے جس نے تین شاخوں سے انگور نچوڑتے خود کو دیکھا تھا وہ تین دن بعد جرم سے بری نوکری پر بحال اور پہلے سے زیادہ عزت دیکھے گا اور لیکن دوسرا جس نے تین ٹوکرے روٹیوں کے اپنے سر پر دیکھے تھے وہ تین دن بعد سولی دیا جائے گا تو پرندے اس کے سر سے گوشت کھائیں گے یہ تعبیر سن کر پہلا تو خاموش رہا لیکن دوسرا گھبرا کر بولا ہم نے یہ خوابیں بناوٹ کی تھیں۔ تب یوسف علیہ السلام نے فرمایا اب کچھ نہیں ہو سکتا جو میرے منہ سے تعبیر نکل گئی اسی کا تقدیرِ ازلی میں فیصلہ کر دیا گیا اگرچہ بناوٹی تھیں لیکن تم نے تو اپنے منہ سے ان خوابوں کو بیان کر کے ہی فتویٰ مانگا تھا جب تم نے بیان کیا وہ اسی وقت خواب بن گئی اور میری تعبیر سے نتیجہ ہو کر رہے گا تین دن بعد وہی ہوا کہ ایک کو سولی دی گئی سولی کی موت دنیا میں سب سے پہلے اسی باورچی کو دی گئی اور دوسرے کو بادشاہ نے بری کر کے شراب پلانے پر اسی طرح ملازم رکھ لیا۔ شراب کی چھ قسمیں ہیں ۱؎ شراب قدرت یہ دنیا میں ہر انسان کو ملتی ہے جیسے آسمانی بارش دریا و سمندر کا پانی یہ شرابِ قدرت ہے ۲؎ شرابِ عبرت۔ حلال جانوروں کا دودھ ہے ۳؎ شرابِ کرامت وصلِ الٰہی کا شراب جو اولیاءُ اللہ کو ملتا ہے ۴؎ شرابِ ثواب جو جنت میں نیکوں کو ملے گا اسی کا نام شرابِ طہور ہے ۵؎ شرابِ قربت یہ انبیاءِ عظام علیہم السلام اور مقربین کو ہر عالم میں ملتا ہے ۶؎ شرابِ عذاب یہ دوزخیوں کو دوزخ میں ملے گا جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ انفرادی طور پر کسی کافر کو ساتھی یا دوست کہنا جائز ہے اسی طرح رشتے کے لحاظ سے بھی ابا چچا بھیا کہنا جائز ہے ہاں قومی اعتبار سے کافر بھائی یا دوست یا سمجھنا حرام ہے مثلاً ھندو بھائی سکھ بھائی۔ اسی طرح کسی کافر کو وطنی بھائی کہنا ناجائز ہے یہ فائدہ صَاحِبَيِ السِّجْنِ سے حاصل ہوا کہ حضرت یوسف نے انفرادی لحاظ سے صاحب کہا۔ جس کے معنی دوست ہیں یا ساتھی۔

دوسرا فائدہ تبلیغ میں نرمی کرنا اور کافر عقائد باطلہ کا بھی خیال رکھنا اور باطل عقائد کو برا نہ کہنا چاہیئے ہاں دلائل ایسے مضبوط ہوں کہ کافر خود اپنے عقائد کو برا کہنے لگے یہ فائدہ ءَاَرۡبَابٌ دالخ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** مرتے وقت ایمان کی تلقین کرنا جائز ہے۔ بشرطیکہ سکراتِ موت نہ شروع ہو یوسف علیہ السلام نے تعبیر سے ہی پتہ لگا لیا تھا کہ ایک سولی پر مرنے والا ہے۔ اس لئے اس کو ایمان کی تلقین کی وہ مسلمان ہو کر مرا بلکہ صحابی بن کر **چوتھا فائدہ** نبی کے منہ سے جو نکلتا ہے رب اس کو پورا کر دیتا ہے دیکھو یوسف علیہ السلام کے منہ سے دو دفعہ ان دونوں کا قول کے لئے صاحب کا لقب نکلا رب کریم نے ان کو صحابیت بخش دی اسی طرح جو تعبیر ان کے منہ سے نکلی پوری ہو کے رہی کوئی اور ایسا درجہ نہیں لے سکتا۔ مگر ان کی غلامی کے طفیل **پانچواں فائدہ** کفار مشرکین کے بعض بت جیسے گنیش وغیرہ نام نہاد ہیں حقیقت کچھ نہیں بعض گمراہ سیاسی قسم کے ابوالکلام جیسے مودودیوں نے ان کو نبی لکھا ہے وہ سخت گمراہی ہے ان کا تو وجود ہی ثابت نہیں **چھٹا فائدہ** عقائد میں قیاس کافی نہیں کلام نبی کی سند ضروری ہے یہ فائدے سمیتھوھا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوتے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا اَمَرَ اَلَّا تَعۡبُدُوۡا اَمَرَ سے مراد فعل امر ہے اس کی تفسیر اَلَّا تَعۡبُدُوۡا ہے اور وہ نہی ہے اَمَر کی تفسیر نہی سے کیسے ہو سکتی ہے کیونکہ یہ دونوں آپس میں ضدین ہیں **جواب** امام ابوبکر رازی نے اس کا جواب یہ دیا کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ دراصل اس طرح تھا اَمَرَ اَمۡرًا یَقۡتَضِیۡ اَنۡ لَّا تَعۡبُدُوۡا۔ یعنی حکم دیا ایک حکم جس نے لَا تَعۡبُدُوۡا کا تقاضا کیا۔ مگر فقیر اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ اَمَر بمعنی اَوۡجَبَ ہے اور لَا تَعۡبُدُوۡا سے مراد قانون ہے نہ کہ فعل نہی یعنی اللہ نے تم پر یہ قانون واجب کر دیا کہ تم بجز اس کے کبھی بھی کسی کی عبادت نہ کرو **دوسرا اعتراض** بت رب نہیں ہو سکتے تو اللہ کے نبی حضرت یوسف نے ان کو رب کیوں کہا کہ فرمایا اَرۡبَابًا **جواب** دو وجہ سے ایک اس لئے کہ ان کے اعتقاد کا تذکرہ کرتے ہوتے کہ تم ان کو رب یعنی معبود کہتے ہو تو اتنے بہت سے گھڑی بھر رب اچھے یا ایک۔ دوسرے اس لئے کہ فرض محال اگر یہ رب ہوں تو چھوٹے چھوٹے اتنے مقہور مغلوب رب اچھے یا ایک قاہر غالب رب اچھا **تیسرا اعتراض** یوسف علیہ السلام نے فضیلت اور خیر کو تقسیم کر دیا کہ وہ اچھے یا وہ ایک خیر حالانکہ بتوں میں تو بالکل خیر ہو سکتی ہی نہیں پھر اس کا سوال کیوں کیا؟ **جواب** یہ کہنا بھی فرضًا تھا کہ اگر فرض محال ان بتوں میں کچھ قدرے خیر ہو تو دونوں میں مقابلۃً کون اچھا ہے یہ جواب تفسیر کبیر نے دیا۔ مگر فقیر نے اس کا جواب تفسیر میں یہ دیا کہ تم کو کون اچھا لگتا ہے۔ یعنی خیر سے مراد تم کو اچھا لگنا ہے واقعہ اور حقیقت کا ذکر نہیں **چوتھا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا ءَاَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ جس سے ثابت ہوا کہ ان معبودوں کا وجود ہے پھر اگلی آیت میں فرمایا گیا اِلَّاۤ اَسۡمَآءً دالخ جس سے ثابت ہوا ان کا وجود کوئی نہیں یہ تعارض ہے **جواب** پہلے بتوں کے وجود کا ذکر ہے وہ واقعتًا موجود ہے سب مندروں میں نظر آتا ہے۔ اگلی آیت میں ان دیوتاؤں کے وجود کی نفی ہے جن کے نام پر یہ بت بنائے گئے جیسے گنیش۔ ہنومان وغیرہ یا یہ کہ بت کا وجود ہے مگر ان کے معبود کہنے کا وجود نہیں ہے

تو یہاں وجود کا ذکر ہے وہاں ثبوت کا **پانچواں اعتراض** حضرت یوسف کی تعبیر وحی سے تھی یا کہ علم تعبیر سے۔ اگر وحی سے تھی تو غلط کیونکہ اگلی آیت میں ظن فرمایا گیا ہے وحی الٰہی ظن یعنی خیال گمان نہیں ہو سکتی وہ تو حتمی یقینی ہوتی ہے نیز حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ یہ تعبیر علم سے تھی اور اگر یہ تعبیر علم تعبیر سے تھی تو وہ ظن تخمینہ سے ہوتی ہے اس میں یقین و جزم نہیں ہوتا تو پھر اس کو قُضِیَ الْاَمْرُ کیوں فرمایا قُضِیَ میں جزم لازم ہے جواب یہ تعبیر علم سے تھی مگر نبی کے علم میں ظن اور تخمینہ نہیں ہوتا وہاں جزم و یقین ہوتا ہے کیونکہ خود رب نے سکھایا ہوتا ہے وہاں عَلَّمَنِیْ کا خطاب آ چکا تھا۔ اگلی آیت میں ظن ہے وہ بمعنی یقین ہے جیسے رب تعالیٰ فرماتا ہے یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ **چھٹا اعتراض** یہ ساقی تو مسلمان ہو چکا تھا پھر اس کو شراب پلانے کی اجازت کیوں دی جواب پہلی بہت سی شریعتوں میں شراب حرام نہ تھی حضرت عیسیٰ کی شریعت میں شراب حرام نہ ہوئی اسلام میں بھی اولاً شراب حرام نہ ہوئی۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت یوسف کے قانون میں بھی شراب کی حرمت نہ ہو۔

تفسیر صوفیانہ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ اے میری قید شریعت کے ساتھیو نظر و فکر کے غلامو تفریق و تعدد چند ہونا تقسیم ہونا یہ اشیاء حادثہ کی صفت ہے۔ ذاتِ قدیم نہ متفرق ہے نہ منقسم ذاتِ ازلی ابدی قدیم ہونا صفتِ رحمٰن ہے جو تقسیم سے پاک ہے۔ لہٰذا چند اور متفرق ہونا کمزور و ضعیف ہونے کی علامت ہے اور واحد لاشریک ہونا قوی و قہار ہونے کی نشانی ہے اب غور کرو کہ بہت سے متفرق حادث کمزوروں لاغروں بے طاقتوں بے بسوں کو رب بنا لینا اچھا ہے یا ایک اللہ واحد قہار قدیم ازلی ابدی غالب کو رب ماننا زیادہ اچھا۔ اے افکارِ شیطانیہ۔ نظریاتِ ابلیسیہ جن طبیعیاتِ رذیلہ نفسیاتِ کثیفہ کی تم پوجا پرستش کرتے ہو یہ فقط نام ہی ہیں جو تم نے اور تمہارے نفسِ امارہ دماغِ طاغوتیہ نے رکھ لئے۔ خلّاقِ عالم اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ نے اِن ہواءِ نفسانی کی صداقت پر کوئی غالب دلیل نازل نہ فرمائی بے بسوں لاغروں کے امر اور حکم بھی کمزور و کم عقلی کے ہوتے ہیں لیکن قادر و قیوم کا حکم حکمت و دانائی فائدے و راہنمائی سے پُر ہوتا ہے اسی لئے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ قلب و قالب۔ جسد و جسم پر صرف اللہ تعالیٰ غالب علیٰ کل غالب کا ہی حکم و قانون جاری و ساری ہے عقل و شعور کو اس ذات ازلی نے یہی حکم فرمایا ہے کہ بجز ذات قدیم و قہار کے کسی کی عبادت نہ کرو وہ دین جو فہم طاغوتی فکر ناسوتی سے بہت دور ہے۔ وہی دین سدا بہار قائم دائم رہنے والا ہے ہر شے کو فنا ہے مگر اس دین کو بقا ہے کیونکہ جس میں واحد قہار کی معرفت ذات جبار کی عبادت اور اغیار سے نفرت و اعراض ہو وہی مقیم و مستقیم ہے اس پر کبھی خزاں نہیں آ سکتی لیکن اکثر اہل شقاوت نہیں جانتے کہ حادث چیز قدیم نہیں ہوتی اور قدیم ذات بندگی بندگان اور ربوبیتِ ازلیہ میں لَا شَرِیْكَ لَهٗ ہوتی ہے۔ اس کے آیات الٰہیات شواہدِ مملکت

بے شل ہوتے ہیں۔ بندۂ عقل غلام فکر اشیاء عالم کو تو جان لیتا ہے مگر اپنے اندر کی خبر نہیں رکھتا۔ خواہش نفس اگر عبادت بھی کرے تو نیت ثواب اور طمع جنت میں کرتا ہے مگر قلب کی رغبت عبادت و اطاعت۔ ہے۔ عشق یز دانی طلب رحمانی ہوتا ہے کہ یہ ہی اصل مقصود ہے۔ اسی کو شرف اوّلیت حاصل ہے۔ قلب رحمانی جب معرفت الٰہی کے سبق پڑھا کر لذت مشاہدات کی مٹھاس چکھا کر عشق ذات میں سولی فنا کو آسان بنا تا ہے پھر تاویل اغیار اور مصائب ابرار کی طرف توجہ دلاتا ہوا کہتا ہے يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ خَمْرًا ۚ وَاَمَّا الْاٰخَرُ فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ قُضِيَ الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ اے کلام محبت کے سننے والے میرے دونوں ساتھیو قید معرفت کے دونوں صاحبو تم میں سے پہلا شاہ قالب کو محبت ذات کی ایسی شراب پلاتے گا مستی الست میں شرکیات سے دور خمار میں ہوگا۔ اور لیکن دوسرا وہ تعزیر عشق کی سولی دیا جائے گا۔ اس طرح کہ افعال نفس سے مردہ ہو گا پس قوت نفسانیہ سے پرواز کرنے والے دماغ طاغوتی کو نوچ نوچ کا بطن ظلمات کو بھریں گے۔ یہ فتواء ازلی ہے۔ جو اٹل ہے تقدیر پر کسی کو دسترس نہیں طاقت خواہشات تدبیریں سوچتی ہے مگر قلب شہودی مشاہدۂ تقدیر کی تعبیر دیتا ہے تقرب بارگاہ اور مقام ولایت کے ظہور کا وقت مقرر ہو چکا ہے شہود ذاتی کا وقت قریب ہے سانس کی دوری چند گھڑیوں کی ہے۔ گوشۂ خلوت ختم ہونے والا ہے۔ جب قید زندگی سے آزادی ملے گی تب ظاہر ہو گا کہ کس کو کتنی بیخودی اور کس کو کتنا ہوش ہے کون خنجر عشق سے گھائل ہوتا ہے اور کون شراب معرفت کے جام پلاتا ہے۔ جیل خانۂ حیات میں تو شقی و سعید دونوں ہی یکساں ہیں۔ (عرائس و روح البیان)

وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ

اور فرمایا کو اس جس کو یقین کر لیا کہ بے شک وہ بچ جانے والا ہے سے دونوں ذکر کرنا تو میرا

اور یوسف نے ان دونوں میں سے جسے بچتا سمجھا اس سے کہا اپنے رب

رَبِّكَ ۫ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ

پاس مربی اپنے کے پس بھلا دیا اس کو شیطان نے ذکر مربی کو اپنے تو رہے بیچ قید

(بادشاہ) کے پاس میرا ذکر کرنا تو شیطان نے اسے بھلا دیا کہ اپنے رب (بادشاہ)

بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ۴۲ وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّيْۤ اَرٰى سَبْعَ

چند سال اور کہا بادشاہ نے بے شک میں نے خواب میں دیکھیں سات

کے سامنے یوسف کا ذکر کرے تو یوسف کئی برس اور جیلخانہ میں رہا اور بادشاہ نے کہا کہ میں نے خواب

بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعَ

گائیں پلی ہوئیں کھا رہی ہیں ان کو سات دبلی اور سات بالیں

میں دیکھا سات گائیں فربہ کہ انہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات بالیں ہری

سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِيْ

ہری اور دوسری خشک اے سردارو فتویٰ دو مجھ کو میں خواب

اور دوسری سات سوکھی اے دربار یو میری خواب کا جواب

فِيْ رُءْيَايَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾

میری۔ اگر ہو تم کی خوابوں تعبیر نکال سکتے

دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں دونوں قیدیوں کو خوابوں کی تعبیر بتانے کا ذکر تھا اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمارے نبی حضرت یوسف نے قیدیوں کو جیسا کہا ویسا ہی ہوا کیونکہ نبی کے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ ایک قیدی نے سولی پاکر مر جانا ہے اور ایک نے جان بخشی پاکر پھر شاہی دربار میں اپنے سابقہ عہدے پر بحال ہونا ہے اب بتایا جا رہا ہے کہ اس دوسرے سے حضرت یوسف نے کیا فرمایا **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں قیدیوں کی خوابوں کا اور ان کی تعبیروں کا ذکر ہوا اب یہاں بادشاہ مصر کے خواب کا ذکر ہوا وہ تعبیر بتانا پیش خیمہ تھی اس تعبیر بتانے کی۔

تفسیر نحوی وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِي السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ واو سر جملہ کیونکہ نیا کلام قَالَ کا فاعل یوسف ہیں۔ لام جارہ مفعولیت کے لئے یعنی اس کو اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر اس کا صلہ ظَنَّ فعل کا پورا جملہ۔ باب نَصَرَ کا ماضی ظَنٌّ سے بنا بمعنی گمان کرنا ۲ خیال دوڑانا ۳ یقین کرنا اگر ظَنَّ کا فاعل یوسف ہیں تو بمعنی یقین اگر فاعل الذی ہے تو بمعنی گمان یا خیال۔ اَنَّ درمیانِ کلام میں ہے لہٰذا ہمزہ مفتوح ہوئی حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم نَاجٍ اسم فاعل باب ضَرَبَ کا نَجْیٌ سے بنا۔ اس کے تین ترجمے ہیں ۱ بچانا ۲ نجات پانا ۳ کسی سے خفیہ بات کرنا۔ اسی معنی سے ہے مناجات یعنی آہستہ دعا ۴ آزاد ہونا یہاں یہی معنی مراد ہیں لازم ہیں در اصل تھا ناجِیٌ بروزنِ ضَارِبٌ یا طرف ہیں بعد کسرہ ثقیل تھی پس گرا دیا تنوین مرفوع زیر سے بدل گئی یاء

محذوف کی نشان دہی کے لئے مِنْ جارہ تبعیضیہ متعلق ہے ناجٍ کا هُمَا ضمیر تثنیہ غائب کا مرجع صاحبین قیدی یہ سب عبارت قال کے متعلق ہے اُذْكُرْ فعل امر بابِ نَصَرَ کا واحد حاضر یہ جملہ مقولہ ہے۔ ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنی یاد کر یا تذکرہ کر۔ یا بیان کر اس کا فاعل اَنْتَ کا مرجع ناجٍ ہے نون وقایہ یاءِ متکلم مفعول بہٖ عِنْدَ اِسم ظرفی مضاف ہے رب کی طرف بمعنی سردار یعنی شاہِ مصر كَ ضمیرِ واحد حاضر متصل مجرور کا مرجع وہی ناجی قیدی مرکب اضافی ظرف ہے اُذْكُرْ کا فاءِ تعقیبیہ اَنْسٰی باب افعال ماضی ہے بصیغہ واحد غائب متعدی بیک مفعول نسیٌ سے بنا بمعنی بھولنا یہ لازم ہے اِفعال نے متعدی بنایا۔ ہٗ ضمیر کا مرجع وہ قیدی ہے جو آزاد ہوا شیطان بمعنی ابلیس شَطَنٌ سے بنا تب یہ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ اگر شَیْطٌ سے بنا تب الف نون زائد تان ہے مگر یہ قول ضعیف ہے فاعل ہے اَنْسٰی کا ذِکْرَ مفعول بہٖ ہے اَنْسٰی کا بحالت زبر ہے مضاف ہے اس کا مضاف الیہ رَبِّ ہے بمعنی سردار ہٖ ضمیر مضاف الیہ مجرور متصل کا مرجع وہی قیدی یہ اضافت مطالبہ ہے۔ یہ عبادت اصل میں اس طرح تھی ذِکْرُ یُوْسُفَ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ اصل اضافت صریح فاعل اور مفعول کی طرف ہوتی ہے مگر بعض جگہ غیر صریح کی طرف بھی ہوجاتی ہے اس کو اضافتِ ملابسہ کہتے ہیں فاءِ سببیہ لَبِثَ فعل ماضی لُبْثٌ سے بنا بمعنی ٹھہرنا لازم ہے۔ عارضی قیام کے لئے استعمال ہوتا ہے فی جارہ ظرفیہ السِّجْنِ الف لام عہدی سِجْنٌ مظروف بِضْعَ اسم عددی ہے بمعنی چند تین سے نو تک کو کہا جاتا ہے۔ تھوڑے سامان کے لئے بھی اسی معنی سے لیا جاتا ہے جس کو بضاعت کہا جاتا ہے۔ سِنِیْن جمع سالم ہے سَنٌ کی بمعنی سال وَقَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ۔ واوٗ ابتدائیہ جملہ نیا ہے قَالَ فعل ماضی فاعل اسم ظاہر ہے اَلْمَلِكُ الف لام نے نکرہ مخصوصہ بنایا عہدی ہے اِنَّ حرفِ تحقیق یاءِ متکلم اسمِ اِنَّ مقولہ ہے قول کا اَرٰى فعل ماضی رَاْیٌ سے بنا بمعنی خواب دیکھنا کیونکہ خواب کا تعلق محض دل سے ہوتا ہے۔ بصیغہ واحد متکلم۔ فاعل مَلِكٌ ہے سَبْعَ ممیز ہے بَقَرٰتٍ تمیز ہے سِمَانٍ صفت ہے بَقَرٰتٍ۔ سبع اسم عددی ہے بمعنی سات۔ بَقَرٰتٍ جمع مونث سالم مضاف الیہ تمیز ہے اس کا واحد بَقَرَۃٌ ہے بمعنی گائے سِمَانٍ سَمْنٌ سے بنا۔ جیسے سُمْعٌ سے سَمَاعَتٌ اس کی واحد سَمِیْنٌ ہے۔ بمعنی جسمانی موٹی۔ لغوی ترجمہ چربی یا گھی والی گائیں۔ گھی کو سمن کہا جاتا ہے یَاْكُلُ فعل حال بصیغہ واحد غائب کیونکہ فاعل اسم ظاہر ہے اَکْلٌ سے بنا بمعنی چبا کر کھانا متعدی ہے هُنَّ ضمیر جمع مونث کا مرجع بَقَرٰت ہیں سَبْعٌ اسم عددی ہے موصوف ہے عِجَافٌ صفت ہے۔ بحالتِ رفع کیونکہ موصوف وصفت مل کر فاعل ہے یَاْكُلُ کا عِجَافٌ۔ جمع قیاسی ہے عَجَفٌ کی جیسے حُمُرٌ کی حَمْرَاءُ۔ بعض نے کہا اس کا واحد عجفاءُ ہے مگر یہ خلافِ قیاس۔ عَجَفٌ سے بنا بمعنی بہت دبلی موصوف صفت فاعل ہے یَاْكُلُ کا واوٗ عاطفہ عطف ہے سَبْعَ بَقَرٰتٍ پر اسمِ عددی ممیز مضاف سنبلٰتٍ۔ جمع مونث سالم ہے سُنْبُلٌ کی بمعنی گندم کی بالی تمیز مضاف الیہ ہے موصوف ہے خُضْرٍ صفت کا خُضْرٍ بحالتِ زیر ہے جمع تکسیر ہے اَخْضَرُ کی بمعنی بہت ہری تازی جس میں کچے دانے بن گئے ہوں اُخَرُ آخر کی جمع تکسیر ہے بمعنی دوسری یا بلسٹ۔ جمع مونث سالم ہے یَابِسٌ کی بمعنی

خشکی۔ یَبْسٌ سے بنا لغوی لحاظ سے یَبْسٌ چار قسم کا ہے ایک یُبُوْسَتٌ یعنی زمین کی خشکی اس طرح کہ اندر تک زمین خشک ہو دو یُبْسَتٌ کپڑے کا خشک پانی سے تیسرا اس نباتات شجر سبزی ترکاری کا مکمل پختہ ہونا کچا پن نہ رہے۔ چوتھا یُبَیْسَتٌ مقصود ہوا یہاں معنی خشک جسکی ہریالی بالکل ختم ہو چکی ہو۔ یعنی پختہ بالی یہاں واؤ عاطفہ ہے مگر عطف سبع سنبلات پر نہیں ورنہ یہاں بھی سبع ہوتا۔ بلکہ عطف صرف سبع پر ہے اور سنبلات یہاں تمیز پوشیدہ ہے یٰاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ یا ندائیہ اَیُّهَا اسم فاصلہ۔ حرفِ ندا کو معرف با لام سے جوڑنے کے لئے اَیُّھَا لایا جاتا ہے یہ لفظ خاص ہے ندا سے اس لئے کبھی کبھی حرفِ ندا پوشیدہ بھی ہو جاتا ہے۔ اَلْمَلَاُ الف لام عہد ذہنی ہے مَلَاٌ اسم جامد لفظاً واحد ہے معناً جمع بمعنی گروہ یہاں مراد ہے درباری رئیسوں نجومیوں کا گروہ اَفْتُوْا فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر اصل میں تھا اَفْتِیُوْا باب افعال یاء علت بوجہ ثقل گر گئی فَتْوٰی سے بنا بمعنی مضبوط اور تسلی بخش جواب نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ۔ فی ظرفیہ رویا مضاف ہے بروزن فعلا بمعنی مفعول یعنی دیکھی ہوئی مراد خواب یاء متکلم مضاف الیہ ان حرف شرط اگلا جملہ شرط موخر ہے اور یہ سابقہ جملہ جزاءِ مقدم ہے كُنْتُمْ كَوْنٌ سے بنا فعل ماضی تامہ ہے بصیغہ جمع حاضر۔ لِلرُّءْیَا لام جارہ برائے مفعولیت یا برائے خبر کنتم۔ یا زائدہ ہے الرؤیا الف لام جنسی رؤیا بمعنی خوابیں۔ تَعْبُرُوْنَ فعل مضارع باب نَصَرَ سے عَبْرٌ سے بنا ایک سے ہٹ کر دوسرے میں جانا یا لے جانا۔ عام ہے اس کو کہ ایک خیال سے ہٹ کر دوسرے خیال میں جانا اس کو اعتبار کہتے ہیں یا ایک جگہ سے دوسری جگہ میں اس کو عبور کہتے مثلاً نہر دریا کے ایک کنارے سے دوسرے پر جانا یا ایک ارادے یا قصد سے ہٹ کر دوسرے ارادے میں جاتے اس کو عبرت کہتے۔ یا ایک بات کے مطلب سے دوسرے میں جاتے اس کو تعبیر کہتے ہیں اصطلاح میں خواب کے مطلب بیان کرنے کو تعبیر کہتے ہیں۔ اس کو تاویل بھی کہتے ہیں مگر تاویل عام ہے دوسری جگہ بھی استعمال ہو جاتا ہے۔ لیکن لفظِ تعبیر صرف خوابی مطلب کے لئے خاص ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ لِلَّذِیْ ظَنَّ اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَ رَبِّهٖ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ اور فرمایا یوسف نے اس قیدی سے جس کے متعلق یقین کیا کہ یہ بے شک نجات پانے والا ہے اُن دونوں قیدیوں میں سے کہ اے مخلب ساقی جب تو بادشاہ کے پاس جائے تو موقعہ دیکھ کر دوسرے یا تیسرے دن میرا ذکر کرنا کہ وہ بے گناہ قید میں پڑا ہے اپنے مربی بادشاہ کے پاس۔ اور اس لئے اس سے کہا کہ وہاں کے بادشاہ کا یہ ہی فلانہ ظلم تھا کہ زیرِ تفتیش قیدی سالوں قید میں پڑے رہتے کوئی پرسانِ حال نہ تھا بادشاہ اپنی مستیوں میں مست رہتا یہ اندھیر نگری وہاں مچی ہوئی تھی بہت سے بے گناہ قیدی اسی طرح کئی سالوں سے قید میں تھے۔ ان حالات کو دیکھ کر حضرت یوسف نے پیغام بھجوایا یہ دو قیدی صرف اس لئے جلدی آزاد ہوتے حضرت یوسف کے منہ مبارک سے تین دن کی مہلت نکل گئی تھی اور امر ربی اس کی موت کا ہو گیا تھا یا اس لئے کہ بادشاہ کو ساقی کی ہر وقت ضرورت رہتی تھی۔ جن کی ضرورت نہ تھی وہ پڑے سڑتے رہیں قید میں پس بھلا دیا اس نجات پانے والے کو شیطان نے ذکر کرنا حضرت یوسف کا اپنے مربیؐ بادشاہ کے پاس تو ٹھہرے رہے قید میں یوسف کئی سال یہ تفسیر اکثر مفسرین کی ہے لیکن چند مفسر اس طرح تفسیر کرتے

ہیں اور فرمایا یوسف نے اس قیدی کو جس کو گمان تھا کہ میں نجات پانے والا ہوں ان دونوں میں سے کہ اسے آزاد و بری ہونے والے اپنے بادشاہ مربی کے پاس میرا تذکرہ کرنا۔ پس بھلادی یوسف کو شیطان نے اس وقت اس کے رب کی یاد۔ یعنی بجائے رب سے فریاد کرنے کے قیدی کے ذریعے بادشاہ سے استمداد طلب کی انہوں نے یہ تفسیر مندرجہ ذیل چند وجوں سے کی پہلی وجہ ظن کے معنی گمان ہیں اور حضرت کو یقین تھا گمان صرف قیدی کو تھا دوسری وجہ۔ شیطان نبی کو بھلا سکتا ہے تیسری وجہ ذکر مضاف ہے رَبِّہٖ کی طرف جس سے صاف ظاہر ہے کہ یوسف علیہ السلام کا بھولنا مراد ہے یعنی رب کا ذکر نہ کہ رب سے ذکر اگر قیدی کا بھولنا مراد ہوتا تو اس طرح ہوتا فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ ذِكْرَهٗ لِرَبِّهٖ۔ پس بھلا دیا اس قیدی کو شیطان نے اس یوسف کا ذکر کرنا اپنے بادشاہ کے پاس مگر عبارت اس طرح تو نہیں اس لئے کہ یوسف علیہ السلام کا بھولنا مراد ہے نہ کہ قیدی کا۔ ہم کہتے ہیں کہ ظن بمعنی یقین بھی بہت دفعہ آتا ہے یہاں بھی بمعنی یقین ہے لہٰذا اس کا فاعل یوسف ہیں اور فَاَنْسٰهُ میں فا تعقیبیہ ہے بلا تراخی اس کے معنی ہیں قول پہلے ہے نسیان بعد میں اگر شیطان نے یوسف علیہ السلام کو بھلایا ہوتا تو تعقیب کی ف نہ آتی اور بھلانا پہلے ہوتا اور یوسف علیہ السلام کا قیدی سے یہ کہنا بعد میں ہوتا۔ ثابت ہوا کہ جس وقت یوسف علیہ السلام یہ بات کہہ رہے ہیں اس وقت بھول کا وجود نہیں تھا۔ اور آپ نہ بھولے تھے بلکہ قیدی بھول گیا اپنے کاموں میں مشغول ہو گیا اور شیطان نے اس کو سات سال یہ ذکر کرنا بھلائے رکھا

بعض نے کہا دس سال کیونکہ بضع کا معنی تین سے دس تک کا عدد ہے اور ذِکْرَ کی اضافت رَبِّہٖ کی طرف تخفیف کے لئے ہے ذِکْرَ کا اصل مضاف الیہ ہٗ ضمیر غائب پوشیدہ اور اس کی مثالیں قرآن مجید میں بہت ہیں جیسے کہ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ میں ایک تفسیر کے مطابق صاحبین کا مضاف الیہ ضمیر متکلم ہے جو پوشیدہ ہے محض تخفیف کے لئے اسی طرح یہاں بھی۔ پہلی تفسیر کو روح البیان اور اکثر مفسرین نے اختیار فرمایا دوسری تفسیر کو امام رازی صاحبِ تفسیر کبیر نے ایک روایت میں ہے کہ جب قیدی جیل سے چلا گیا تو حضرت جبرائیل حاضر بارگاہ ہوئے اور فرمایا اے حضرت یوسف تم کو کوئیں سے کس نے بچایا فرمایا اللہ نے۔ جبرئیل بولے تم کو تاجروں سے کس نے چھڑایا۔ تم کو زلیخا کے جال سے کس نے نکالا۔ تم کو پیدا کس نے کیا والد کے دل میں تمہاری محبت کس نے ڈالی۔ تم کو علم کائنات۔ تعبیر بتانا۔ پرندوں کی بولی کس نے سکھائی سب کے جواب میں یوسف فرماتے رہے اللہ نے۔ جبرائیل بولے اللہ فرماتا ہے اب تم نے بادشاہ سے مدد کیوں طلب کی حضرت یوسف یہ سن کر بہت روئے اور معذرت مانگی۔ جبرائیل بولے اب تم کو سات سال اس کی پاداش میں قید بھگتنا ہے آپ نے فرمایا میرا رب مجھ سے راضی ہے یا ناراض جبرائیل بولے راضی ہے فرمایا تب مجھ کو قید کا کوئی غم نہیں ایک روایت میں ہے کہ حضرت یوسف جیل میں بارہ سال رہے پانچ سال دونوں قیدیوں کے ساتھ اور سات سال بعد میں۔ کیونکہ یہ سب مدت اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ کے بدلے میں سزا کے طور پر ہوئی پہلے پانچ سال اسی میں شامل کئے گئے کیونکہ اس عبارت کے بھی بارہ حرف ہیں (روح البیان) حدیث پاک میں ہے اگر یوسف علیہ السلام اُحبِّ الیَّ نہ کہتے تو بالکل جیل نہ ملتی جیل کو

پسند کیا للذا پانچ سال جیل ملی - دوسری حدیث پاک میں ہے اگر یوسف علیہ السلام اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ نہ کہتے تو یہ مزید جیل نہ ہوتی حضرت یوسف کو جیل میں سات سال گزر گئے زلیخا کے سوا کسی کے دل میں یوسف کی یاد نہ آئی زلیخا ہر سال کے گزرنے پر عزیز مصر یعنی اپنے خاوند سے کہتی کہ اب یوسف کو چھوڑ دو مگر عزیز مصر بادشاہ سے کوئی تذکرہ نہ کرتا اپنے ہی کاموں میں الجھا رہتا۔ یہاں تک کہ سات سال پورے ہوتے تب ایک رات یوسف علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں عرض کی کہ اے میرے پروردگار اب مجھ کو جیل سے چھڑا دے بس اسی رات بادشاہ نے خواب دیکھی جب اٹھا تو سخت پریشان تھا اور صبح کو اپنے سب درباریوں کو جمع کیا وَقَالَ الْمَلِكُ إِنِّي أَرَىٰ سَبْعَ بَقَرَاتٍ سِمَانٍ يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَسَبْعَ سُنبُلَاتٍ خُضْرٍ وَأُخَرَ يَابِسَاتٍ يَا أَيُّهَا الْمَلَأُ أَفْتُونِي فِي رُؤْيَايَ إِن كُنتُمْ لِلرُّؤْيَا تَعْبُرُونَ ۝ اور کہا بادشاہ نے جس کا نام ریان بن ولید تھا اے نجومیو آج رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کسی نہر خشک میں سے سات عدد موٹی گائیں نکلیں تو کنارے پر کھڑی ہوئی سات بہت ہی کمزور گایوں نے جن کی ہڈیوں کی مینگ بھی خشک ہو چکی تھی ان موٹی گایوں پر حملہ کرکے ان کو کھا لیا اور اس طرح کھایا کہ ان کی ہڈی پسلی بھی کھالی۔ بالکل ختم کر دیا۔ پھر اسی جگہ میں نے دیکھا کہ سات عدد گندم کی تروتازہ ہری بھری بالیاں ہیں اور سات گندم کی بالکل خشک مرجھائی ہوئی بالیاں ہیں جب ہری بھری بالیوں کے ساتھ یہ خشک لگیں تو وہ بھی خشک ہو گئیں۔ سمان جمع ہے سمین کی اور یہ جمع مطابق قیاس کے ہے۔ عجاف عجفاء کی جمع ہے مگر خلاف قیاس صرف سمان کے ہم وزن کرنے کے لئے کیونکہ فعلاء کی جمع فعال نہیں آتی۔ علماء کرام کے نزدیک نظیر کو نظیر کے ہم وزن کرنا جائز ہے اور نقیض کو نقیض کے ہم وزن کرنا جائز ہے موٹا اور دبلا ہونا آپس میں نقیض ہیں یہ خواب حضرت یوسف کی رہائی کا پیش خیمہ ہے چار وجہ سے ۱۔ بادشاہ نے خواب دیکھا نہ کہ کسی اور نے اگر کوئی اور یہ خواب دیکھتا تو اس کا کوئی اہتمام نہ ہوتا ۲۔ بادشاہ خواب دیکھ کر سخت پریشان ہو گیا وہ سمجھا شاید میرے ملک میں اندرونی یا بیرونی کچھ گڑبڑ ہونے والی ہے جو مجھ کو ایسا اشارہ ہوا ہے اگر بادشاہ پریشان نہ ہوتا تو بھی خواب کی پرواہ نہ ہوتی ۳۔ بادشاہ کو بہت جلدی تعبیر کی فکر پڑی اگر تعبیر کا خیال نہ آتا تب بھی معلوم کتنے دن پریشان رہ کر ٹھیک ہو جاتا اور خواب بھول جاتا ۴۔ کسی نجومی نے خواب تعبیر نہ کہی۔ اگر نجومی ہی تعبیر خواب بتا دیتے تو بھی یوسف علیہ السلام کی طرف کسی کا خیال نہ جاتا ثابت ہوا کہ رب تعالٰے نے اسی رات میں یوسف علیہ السلام کی دعا قبول فرمائی خواب بھی ایسی عجیب تھی کہ سب کو فکر میں ڈال دیا بادشاہ نے خواب سنا کر پوچھا اے میرے درباری نجومیو کا صنو فتویٰ دو تم مجھ کو میری خواب کے بارے میں اگر تم خواب کی تعبیر دے سکتے اور تمہاری سمجھ میں یہ خواب آگیا ہے تب بولنا غلط بات نہ کرنا بالکل صحیح تعبیر دینا ہر شخص خوابیں دیکھتا ہے اور ہر خواب کی مراد ظاہر میں کچھ اور ہوتی ہے اسی لئے بادشاہ نے تعبیر پوچھی ہاں نبی علیہم السلام کی خوابیں بعینہٖ وہی ہوتی ہیں جو دیکھیں خواہ خود انبیاء خواب دیکھیں یا انبیاء کرام کو کوئی خواب میں حلیے مبارک کے مطابق دیکھے۔ اس لئے کہ ہر خواب میں شیطان کو دخل ہو سکتا ہے مگر انبیاء پر نہ شیطان کا تسلط ہو سکے نہ نبی کی شکل شیطان بن سکتا ہے۔ اسی لئے حضرت ابراہیم

نے جب دیکھا کہ اسمٰعیل کو ذبح کر رہا ہوں تو تعبیر نہ پوچھی بلکہ جیسی خواب دیکھی اسی طرح اس پر عمل شروع فرمایا آج کوئی بھی خواب دیکھے کہ میں اپنے بچے کو ذبح کر رہا ہوں تو اس کو تعبیر پوچھنی پڑے گی اور بعینہٖ خواب پر عمل جائز نہ ہوگا ۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ہم کو خواب میں دیکھا اس نے حق دیکھا یہاں تک کہ نبی کریم کوئی چیز عطا فرمائیں وہ بھی بعینہٖ حق ہوتا ہے تعبیر کی ضرورت نہیں تقی ابن مخلد نے خواب میں دیکھا کہ نبی کریم نے مجھ کو دودھ پلایا ہے بیدار ہو کر تھوڑی سی قے کی تو قے میں خوشبودار دودھ نکلا ۔ باقی دودھ پیٹ ہی میں رہا تو اس کی وجہ سے بہت علم نصیب ہوا امام بوصیری کو خواب میں چادر عطا فرمائی تو بیدار ہو کر انہوں نے اپنے گلے میں چادر دیکھی ۔ کاش مجھ کو بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کچھ عطا فرمادیں تو میرے خاندان کا بھلا ہو جاتے ۔ علمِ تعبیر کے لئے اٹھارہ علم چاہیئے جن میں سب سے پہلے محبتِ الٰہی کا علم پھر صحیح عقیدے کا علم پھر ترکِ گناہ کے لئے گناہوں کا علم پھر تصوف و معرفت کا علم پھر قرآن و حدیث کا علم کیونکہ ہر خواب کا باطن تو وہ ہے جو اس نے دیکھا لیکن ظاہر مختلف ہے جس کو علمِ تعبیر والا ہی جانتا ہے ہر شخص کو خواب نہ سنانی چاہیئے ۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** بندے کو رب کہہ سکتے ہیں جبکہ بمعنٰی مربی یعنی پرورش کرنے والا ہو ۔ مگر شیعہ لوگ حضرت علی کو رب کہتے ہیں وہ شرک ہے کیونکہ یہ لوگ بمعنٰی اللہ کہتے ہیں ۔ ان کے ہی ایک شعر کا مصرع ہے ۔ ع نہ کیوں پوجیں تمہیں کیونکہ نصیری کے خدا تم ہو ۔ اسی گروہ کا نام فرقہ نصیریہ ہے ۔ خود علی مرتضٰی نے کچھ شیعوں کو زندہ جلا دیا تھا صرف اسی لئے کہ وہ آپ کو رب بمعنٰی معبود کہتے تھے سنا گیا ہے کہ ایران میں بعض شیعہ حضرت علی رضہ کی نوٹو کی پوجا کرتے ہیں ۔ ہمارے علاقے میں اصطلاحًا صرف خدا تعالٰی کو رب کہا جاتا ہے ۔ لہٰذا یہاں کسی اور کو رب کہنا گناہ ہے ۔ جہاں اصطلاحی طور پر عام رواج میں مربی کو رب کہا جاتا ہو وہاں کہنا جائز ہے ۔ یہ فائدہ عِنْدَ رَبِّکَ سے حاصل ہوا ۔ **دوسرا فائدہ** ہر چیز کی باطنی شکل بھی ہوتی ہے اور ظاہری بھی باطنی شکل اللہ کی بارگاہ میں ہے اور ظاہری شکل دنیا میں ۔ خواب میں باطنی شکل دکھائی جاتی ہے لیکن یہ ہر شخص کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس باطنی کی ظاہری شکل کیا ہے یہ بات رب تعالٰی جس کو بتا دے وہ عالِمِ تعبیر ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا وہ احادیث بالکل برحق ہیں جن میں اعمال کی شکلیں بتائی گئیں ۔ منکرینِ حدیث کا ان پر اعتراض غلط ہے ۔ قیامت میں اعمال مختلف شکلوں میں ہی ہوں گے انعامات ہیں ۔ بیماریاں مختلف ڈراؤنی شکل میں نظر آتی ہیں **تیسرا فائدہ** شیطان کو اختیار ہے کہ نبی کو دنیوی نقصان پہنچا دے خواہ خود یا کسی ذریعے سے یہ فائدہ فَاَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ سے حاصل ہوا دیکھو یہاں شیطان نے یوسف علیہ السلام کو نقصان پہنچایا قیدی کے ذریعے کہ اس کو بھلا دیا اور آپ سات سال قید رہے ۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو خود شیطان نے پھونک مار کر بیمار کیا تو آپ سات سال بیمار رہے لہٰذا اللہ تعالٰے اپنے بندوں کو بھی اختیار دیتا ہے کہ وہ لوگوں کی بیماریاں اور مشکلیں دور کرے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** غیر اللہ سے مدد مانگنی ناجائز ہے دیکھو یوسف علیہ السلام نے غیر اللہ سے مدد مانگی تو اللہ تعالیٰ نے عتاباً ان کو سات سال کی قید دی اور فرمایا شیطان نے ان کو ذکر الٰہی بھلا دیا لہٰذا کسی بھی نبی ولی سے امداد طلب کرنا گناہ ہے (دیوبندی۔ وہابی غیر مقلد) **جواب** یہ اعتراض ان دونوں فرقوں کا ہے اس کے دو طرح جواب ہیں پہلا یہ کہ معترضین کو صرف نبی ولی سے دشمنی ہے اسی لئے صرف نبی ولی کا ذکر اعتراض میں کیا گیا۔ اگر یہ گناہ ہے تو پھر ڈاکٹر حاکم دنیا دار سب سے ہی گناہ ہونا چاہیئے اور سب کا ذکر کرد اور سب سے حشر اور اگر یہ گناہ ہے تو گویا حضرت یوسف نے گناہ کر لیا حالانکہ تم بھی کہتے ہو کہ نبی گناہ سے معصوم ہے کر سکتا ہی نہیں۔ اگر گناہ ہے تو حضرت یوسف نے حاکم و بادشاہ سے مدد مانگی نبی ولی سے نہ مانگی اس سے تو پھر یہ ثابت ہوتا ہے کہ حاکم حکیم سے مدد مانگنی حرام ہو نہ کہ نبی ولی سے تم الٹی عقل سے الٹا ہی فیصلہ کئے بیٹھے ہو کہ حاکم سے مدد کے طالب ہوتے ہو نبی سے منکر۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اعتراض ہم پر نہیں بلکہ تفسیر کبیر پر ہے۔ ہم تو یہ مانتے ہی نہیں کہ حضرت یوسف کو شیطان نے بھلایا۔ ہم تو کہتے ہیں کہ آزاد شدہ قیدی کو بھلایا اور اس آیت سے تو استمداد غیر اللہ سے مانگنا جائز ثابت ہو رہا ہے۔ کیونکہ یوسف علیہ السلام نے مدد مانگی قیدی نے جا کر مدد نہ پہنچائی اور بھول گیا۔ اس بھولنے کو رب نے شیطانی کام کہا۔ یعنی مدد مانگنا شیطانی کام نہ تھا اور شیطانی کام ناجائز ہوتے ہیں لہٰذا بھولنا ناجائز اور برا ہوا۔ امام رازی نے اپنی تفسیر کے مطابق اس کا جواب یہ دیا کہ استمداد غیر اللہ بذات خود منع نہیں بلکہ صرف حضرت یوسف کو یہ مناسب نہ تھا کیونکہ آپ اس وقت مقام متوکلین میں تھے حضرت یوسف نے چار مقام طے کئے ۱؎ محبوبیت ۲؎ مقام علم ۳؎ مقام صبر ۴؎ اور اب مقام توکل یہاں پہنچ کر بندہ اس شان میں ہو جاتا ہے کہ حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ۔ نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کریں تو گنہگار ہوں۔ اس وقت یوسف منزل ابراہیمی پر تھے۔ کہ جب جبرائیل امین نے عرض کیا کہ اے خلیل اللہ آگ میں جا رہے ہو کچھ حاجت ہے فرمایا تم سے کچھ نہیں عرض کیا اللہ سے کچھ حاجت ہے فرمایا وہ خود جانتا ہے کہنے کی ضرورت نہیں۔ اگر مستقل اور مطلق استمداد منع ہو تو بہت سے انبیاءِ کرام پر الزام آتا ہے **دوسرا اعتراض** خواب بشارتِ ربانی ہے پھر کافر بادشاہ کو کیوں آئی **جواب** ہر خواب بشارتِ ربانی نہیں خواب کی سولہ قسمیں ہم پہلے بیان کر چکے ہیں یہ خواب دنیوی خواب تھی اور ملکی انتظام کی طرف اشارہ تھا اور مقصود یوسف کی نجات تھی **تیسرا اعتراض** جب حضرت یوسف کی استمداد شرعاً بالکل درست تھی بقول آپ کی تفسیر کے تو پھر سزا ایں سات سال سزا کیوں ہوئی **جواب** اس میں پانچ حکمتیں ہیں ۱؎ حضرت یوسف کے لئے اور جیل کے قیدیوں کے لئے آپ کا قید میں رہنا مفید تھا کہ تبلیغ اسلام جاری تھی اور لوگ ہر چیز سے فارغ تھے ہمہ تن گوش ہو کر تبلیغ سنتے تھے اور مسلمان ہوتے تھے۔ آپ کو ریاضت و عبادت کا کثیر وقت ملتا تھا ۲؎ جیل حضرت یوسف کے لئے غارِ حرا کی مثل تھی کہ وہاں رب سے راز و نیاز ہوتے تھے اور ترقیِ درجات ۳؎ ہر نبی کو معراج

ہوئی یوسف علیہ السلام کو معراج جیل میں ہوئی ۴ زلیخا کو فراق کی سزا دے کر عشق کی آگ سے گناہوں کے میل دھو کر لائق یوسف بنانا ۵ جیل میں ہر قسم کے قیدی سے ملا کر حکومت کا تجربہ سکھانا مگر اس کا وسیلہ قیدی کی بھول کو بنایا اور حضرت یوسف کے اس قول کو اُذْكُرْنِي عِنْدَ رَبِّكَ خلوت میں جلوہ یار کی جو لذت ہے وہ جلوت میں نہیں **چوتھا اعتراض** پھر آخری وقت میں آپ نے رہائی کی دعا کیوں مانگی **جواب** نبی کا ہر فعل وحی الٰہی ہوتا ہے کام اسی طرح ہونا تھا مگر دعا کا مزید ثواب ملا۔ اسی لئے بندوں کو ہر وقت جائز دعا مانگنے کا حکم ہے کہ تم مانگو جائز دینی دنیوی دعائیں اگر قابل قبول نہ بھی ہوں تو بھی دعا مانگنے کا ثواب تو مل ہی جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ قوتِ فکر کا غلام غارِ صحبتِ قلب کے حصول سے پہلے فکر و نظر کو شہوات و لذاتِ نفسانیہ کی شراب پلاتا ہے لیکن جب جیل خانۂ شریعت میں محفلِ انوارِ قلبِ ربانی پاکر سیرِ ملکوتی کی آزادی پاتا ہے تو قالبِ مصر کے شہنشاہِ فکر کو مجاہدات کے پیالوں میں معاملاتِ اُخروی کے جاموں سے شرابِ مکاشفہ و خمرِ مشاہدہ پلاتا ہے۔ ساقیِ قلب کو روحِ ملکوتی کی خدمتِ دائمی آزادیِ سیرِ عزت نصیب ہوتی ہے اور بدنِ انسانی کے جبّازِ فضلات کو موت۔ کی رسی سے شاہراہِ شریعت میں سولی دے دی جاتی ہے اور فضاءِ دماغی کے پرندے خیالاتِ فاسدہ کے سر سے آتم دماغ میں جمع شدہ وہمیاتِ طاغوتیہ کو کھا جاتے ہیں پھر بدنِ خاکی میں صرف تین قرنیں ہی باقی رہ جاتی ہیں ۱ صفاتِ قلب کی صفائی۔ ۲ ذکر اللہ کا اُنس ۳ خیر الاذکار توحید کا فکر ولایت کبریٰ کی یہ پہلی منزل ہے کیونکہ خنجرِ عشق کا پہلا وار ذکرِ الٰہی کے چار اڈے ہیں ۱ ایمان کا جھنڈا ملتا ہے ۲ براءتِ منافقت کا تمغہ ملتا ہے ۳ حفاظتِ شیطانی سے قلعہ ملتا ہے ۴ نارِ فراق سے چھٹکارا پاتا ہے اور اسیرانِ قالب کے جس قیدی کو مجاہداتِ تدبر سے آزادیِ یقین ملتی ہے۔ یوسفِ قلب اس کو کہتا ہے۔ کیونکہ قلب صفاتِ بشریت کے ساتھ قیدِ شریعت میں رہتا ہے اے شرابِ نفس کے سابقہ ساقی جب تو شاہِ فکر کے دربار میں پہنچے تو معرفتِ قلبی کا ذکر کرنا۔ اپنے مربیِ لذات کے سامنے کہ اے فکرِ لاہوتی معاملاتِ قلب تیرے قبضے میں ہے اور قلب کی آزادی میں تیری روح کی طاقت ہے۔ حواسِ خمسہ کی پیدا کردہ غفلتوں سے بچنے کا طریقہ صرف پروازِ قلب ہے لہٰذا خصائلِ بشریہ کے اعمالِ کثیفہ سے قلبِ مطہر کے چھڑانے میں کوشش و ہمت کر۔ اے بندۂ فکر، فکرِ طاغوتی کو قلبِ ربانی کی پہچان کرا۔ تاکہ شیطانیت سے رحمانیت کی طرف آجائے اور شاہِ فکر قلبِ ربانی کا مطیع ہو جائے کیونکہ قلب کی اطاعت میں ہی خالقِ قلب کی اطاعت ہے جب فکرِ انسانی قلبِ رحمانی کے ماتحت ہوتی ہے تو امرِ شریعت کا حکم دیتی ہے اور ممنوعات و حرام سے روکتی ہے اللہ کی توحید بیان کرتی ہے شیطان سے چھٹکارا پاتی ہے۔ اسی لئے بندۂ فکر کو دماغِ شیطان نے بھلا دیا پس قلبِ مخلص قیدِ شریعت میں صفاتِ بشریہ کو پاک کرنے کے لئے لطائفِ سبعہ میں قید رہتا ہے۔ لطائف کے سات سال کی قیدِ عرفانی سے سات کثافتیں دور کر کے سات مقامِ عُلیا حاصل کرتے ۱ کثافتِ حرص ۲ بخل ۳ شہوت ۴ حسد ۵ عداوت ۶ غضب ۷ تکبر۔ زمانۂ ناسوت کے سات سال گزرنے کے

بعد کثافتِ مصر کے نمودشاہِ فکر کو وارداتِ الٰہیہ سے اشارۂ نوم ہوتا ہے۔ اور بولا بادشاہ کہ میں نے اسرارِ معنوی میں سات قوتِ حیوانیہ کو دیکھا ہے جو سات لطائف مسکینیہ کو کھا کر ختم کر رہی ہیں اور سات نور کی بالیاں اور نار کی جھاڑیاں دیکھیں ہیں اے مصرِ قالب کے اہلِ دربار کے اعضاءِ رئیسہ جوارحِ انسیہ میرے اشارۂ قدسی کا مطلب سمجھاؤ گر تم دماغِ طاغوتی کے علم واستعداد سے تعبیر دے سکتے ہو۔ اور اسرارِ غیبیہ پر دسترس رکھتے ہو (عرائس۔ روح البیان۔ محی الدین ابن عربی) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اسرارِ غیبیہ صرف مشتاقانِ جمالِ الٰہیہ پر کھلتے ہیں۔ کیونکہ مشتاقوں کے دل اللہ کے نور سے منور ہوتے ہیں جب اہلِ شوق کی زبان ہلتی ہے تو آسمان وزمین کے دریچے روشن ہوجاتے ہیں اور اسرارِ غیوب آشکارا ہوتے ہیں۔ اہلِ شوق وہ ہیں جن کا وصل رب پسند کرتا ہے۔ پس سب نعمتوں میں بڑی نعمت شوق کا تمغہ ہے (امام غزالی)

قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ ۚ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ

سب بولے ذہنی پریشانی کی خوابیں ہیں اور نہیں ہم کو مطلب خوابوں کے سے جانت

بولے پریشان خوابیں ہیں اور ہم خواب کی تعبیر نہیں

بِعٰلِمِيْنَ ﴿٤٤﴾ وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ

والوں اور بولا وہ جو بچ گیا تھا سے ان دونوں قیدیوں اور یاد آگیا بعد

جانتے اور بولا وہ جو ان دونوں میں سے بچا تھا اور ایک مدت

اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿٤٥﴾ يُوْسُفُ

بڑی مدت کے میں خبر لادونگا تمہارے پاس کی مطلب اس کا تو بھیج دو مجھ کو

بعد اسے یاد آیا میں تمہیں اس کی تعبیر بتاؤں گا مجھے بھیجو اے یوسف

اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ

یوسف اے سچ کرد کھانے والے فتویٰ دیجئے ہم کو بیچ سات گائیں موٹی کھا رہی

اے صدیق ہمیں تعبیر دیجئے سات فربہ گایوں کی جنہیں سات دُبلی کھاتی ہیں

يَأْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ
ان کو سات دبلی اور سات بالیں ہری اور دوسری خشک
اور سات ہری بالیں اور دوسری سات سوکھی شاید میں لوگوں

وَّاُخَرَ یٰبِسٰتٍ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ
تاکہ میں لوٹوں طرف لوگوں کے تاکہ وہ بھی
کی طرف لوٹ جاؤں شاید

يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾
جان جائیں
وہ آگاہ ہوں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ بادشاہ نے خواب دیکھ کر اپنے دربار کے تمام درباریوں نجومیوں وغیرہم سے تعبیر پوچھی اب ذکر ہے کہ کسی نے تعبیر نہ بتائی بلکہ خواب کو احلام کہا **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں دوسرے بچ رہنے والے قیدی کے جو حضرت یوسف کا ذکر کرنا بھول چکا تھا بھولنے کا ذکر تھا۔ اب اس کے بھولی بات کو یاد کرنے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں بادشاہ کا درباریوں سے تعبیر پوچھنے کا واقعہ بیان ہوا اب یہاں حضرت یوسف کے پاس تعبیر کے لئے اسی قیدی کا بحکم بادشاہ آنے کا ذکر ہے

تفسیر نحوی قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ یہ جوابی جملہ ہے قالوا فعل ماضی بصیغہ جمع کا فاعل ملا ہے اَضْغَاثٌ جمع تکسیر ہے ضِغْثٌ کی۔ بمعنی ایک دوسرے کو بلا ترتیب ملانا جس سے گڑبڑ پیدا ہو جائے خواہ باتوں کو جیسے ضِغْثُ الْحَدِیْثِ کہتے ہیں خواہ خواب کو جیسے ضغث الاحلام کہا گیا اس کا مادہ ضَغْثٌ ہے جس کا معنی پریشان ہونا۔ اضافت توصیفی ہے اَحْلَام مضاف الیہ۔ جمع حُلُمٌ کی بمعنی شیطانی خواب۔ اَحلام جمع ہے اور ایک خواب کو احلام اس لئے کہا کہ جمعیت جس طرح کثرت افراد پر دلالت کرتی اسی طرح کثرتِ صفات پر دلالت کرتی ہے اسی لئے اضافت میں توصیفی لائی جاتی ہے۔ احلام کے لغوی معنی ہیں بحالت ہیجان وغضب خود کو قابو میں رکھنا۔ اسی سے ہے حلیم یعنی حلم کرنے والا اسی معنی میں واحد و جمع ایک ہی وزن پر ہیں جمع اَحلام بر وزنِ اَقطاب۔ واحد احلام اِحرام کے وزن پر ہے۔ حُلُمٌ بھی شیطانی خواب کو کہتے ہیں اسی سے ہے احتلام۔ رویا اچھی خواب کو کہتے ہیں۔ واؤ حالیہ ما نافیہ

نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مبتدا ہے۔ بار جارہ زائدہ تاویل باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اَوْلٌ سے بنا بمعنی مطلب بدل کر بیان کرنا یہاں مراد ہے خواب کی تعبیر دینا الاحلام الف لام استغراقی ہے۔ احلام حُلُمٌ کی جمع ہے بمعنی پریشان خوابیں بِعٰلِمِیْنَ بار جارہ زائدہ ہے عالمین جمع مذکر سالم ہے جمع قلت ہے اس کا واحد عالم ہے عِلْمٌ سے بنا لازم نہیں بمعنی جاننا۔ سمجھنا۔ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ ۔ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ واؤ سرجملہ قَالَ فعل اس کا فاعل اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر واحد نَجَا فعل ماضی بمعنی بعید دراصل تھا کان نجا صلہ ہے اس کا فاعل ھو ضمیر مستتر مِنْ جارہ بعضیت کا ھُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع وہی قیدی دونوں۔ واؤ حالیہ اِدَّكَرَ باب انفعال سے ماضی مطلق بصیغہ واحد مذکر ذِکْرٌ سے بنا بمعنی یاد آنا۔ دراصل تھا اِذْتَكَرَ چونکہ دال ذال تاء کا مخرج ایک ہی نوک زبان ہے اس لئے تاء کو ذال بنایا اور ذال کو دال بنایا اور پھر مشدد کر دیا بعد اسم ظرف زمانی مضاف ہے اُمَّةٍ بحالت زیر۔ تنوین تنکیری ہے اُمٌّ سے بنا بمعنی اصل۔ یا بمعنی ماں ۳ بمعنی مضبوط۔ اُمَّةٍ تین معنی میں مستعمل ہے ۱ گروہ ۲ امام ۳ حادی ۴ مدت یہاں بمعنی مدت ہے اَنَا ضمیر متکلم واحد منفصل برائے حصر مبتدا ہے۔ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ۔ اُنَبِّئُ فعل مضارع بمعنی مستقبل نَبَأٌ سے بنا یعنی خبر دوں گا۔ بار جارہ زائدہ۔ تاویل بمعنی تعبیر مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع خواب ہے۔ فاء سببیہ اَرْسِلُوْ فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر اس کا واحد اَرْسِلْ متعدی بنفسہ ہے نون وقایہ یاءِ متکلم محذوف ہوئی تخفیف کے لئے یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ منادیٰ مفرد معرفہ ہے حرف ندا یا پوشیدہ لہٰذا بحالت رفع ہے۔ اَیُّهَا دراصل یا اَیُّهَا تھا یا حذف ہوا بوجہ قرینہ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ منادیٰ ہے بروزن سِتِّیْرٌ مبالغہ ہے صِدْقٌ سے بنا بمعنی بہت ہی زیادہ سچ بولنے والا اس لفظ کو بول کر براعۃِ استہلال کا فائدہ ہوا۔ اَفْتِ۔ امر ہے بصیغہ واحد مذکر حاضر فتویٰ سے بنا بمعنی فتویٰ دینا یعنی تسلی بخش مضبوط با دلائل جواب دینا اسی کو فتویٰ دینا کہا جاتا ہے نا ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے اس کا مرجع اہل دربار مع اس شخص فی جارہ ظرفیہ سَبْعِ اسم عددی بَقَرٰتٍ جمع مونث ہے بَقَرَةٌ کی بمعنی گائے۔ جمع تکسیر ہے اس کا واحد سَمِیْنٌ موصوف ہے۔ یَاْكُلُهُنَّ یہ جملہ صفت ہے۔ سَبْعٌ اسماءِ عدد سے عِجَافٌ جمع ہے عَجَفٌ وہ کمزوری جس سے ہڈی میں مینگ نہ رہے واؤ عاطفہ عطف ہے پہلے سبع مجرور پر مضاف ممیز ہے سُنْۢبُلٰتٍ جمع ہے سنبل کی تمیز مضاف الیہ اور موصوف ہے خُضْرٍ کا بمعنی سر سبز ترو تازہ۔ اخضر کی جمع واؤ عاطفہ ہے سبع سنبلٰت مجرور اُخَرَ جمع تکسیر اسم تفضیل ہے اُخْرٰی بحالت زیر فتح آیا کیونکہ غیر منصرف ہے ممیز ہے یٰبِسٰتٍ جمع مونث سالم یَابِسٌ کی لَعَلِّیْٓ اَرْجِعُ فعل مضارع اِحتمالی بصیغہ واحد متکلم نون وقایہ حذف ہوئی دراصل لَعَلَّنِیْ تھا اس لئے کہ لَعَلَّ تعلیلیہ ہے یہاں حذف نون جائز ہے۔ یا لَعَلَّ بمعنی گئے ہے۔ اِلٰی ظرف مکانی کے لئے النَّاس الف لام عہد ذہنی ہے ناس جمع مستقل ہے مراد ہیں درباری لوگ اور بادشاہ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ فعل مضارع احتمال یہاں لَعَلَّ میں دو احتمال ہیں یا بمعنی کَیْ یا تعلیلیہ بصیغہ جمع مذکر غائب فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع درباری ہیں عِلْمٌ سے بنا بمعنی سمجھنا جاننا۔

تفسیر عالمانہ

قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِیْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِیْنَ وَقَالَ الَّذِیْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِیْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ سب نجومی اور کاھن حیران و متفکر ہوتے جب کچھ سمجھ نہ آیا تو بولے اے بادشاہ یا یہ خواب علوم غیبیہ سے تعلق رکھتی ہے جس کو وہی جان سکتا ہے جو علم غیب رکھتا ہو۔ ہم علم غیب نہیں جانتے ہم تو تخمینے قیاسیات اور اپنے ستاروں کے علم سے خوابوں کی تعبیریں بتا سکتے ہیں جو صحیح بھی ہو سکتی ہیں اور غلط بھی اور یا یہ خواب اضغاث ہیں کہ دن کے تفکرات جمع ہو کر رات کو خواب کی شکل میں نظر آ جاتے ہیں یا یہ خواب احلام میں سے ہے۔ کہ شیطان طرح طرح کے وسوسے ڈال کر سونے والے کو پریشان کرتا ہے اولاً خوابیں تین قسم کی ہوتی ہیں ۱ خواب من اللہ یعنی بشارت ربانی ۲ خواب من الشیطان ۳ خواب حادثات۔ یہاں مرکب توصیفی بشکل اضافی بنا کر دونوں کو ایک درجے میں رکھا تاکہ بادشاہ یہ نہ کہے کہ تم میری الجھنوں کا مذاق اڑا رہے شیطان کی طرف پھیر دیا یعنی یہ شیطانی خوابیں محض الجھاؤ ہیں اور ہم صحیح خوابوں کا تو جواب بتا سکتے ہیں لیکن احلام کی تعبیر جاننے والے ہم نہیں یہ کلام بادشاہ کی تسلی کے لئے تھا کہ تم فکرمند مت ہو ان خوابوں میں الجھنے کی ضرورت نہیں۔ بادشاہ کے ذھن کو اس طرف اسلئے منتقل کیا جا رہا ہے تاکہ بادشاہ ان کاہنوں کو احمق اور جاہل نہ سمجھے اور کہیں دربار سے نہ نکال دے اور تنخواہیں بند نہ کر دے تاریخ شاہد ہے کہ پہلے زمانوں میں شاہی خزانہ بادشاہوں پر لٹایا جاتا تھا یا کاہنوں جادوگروں پر ان کاہنوں کی انتہائی خواہش تھی کہ بادشاہ بس یہیں پر بات ختم کر دے کسی اور نجومی کو نہ بلائے کہ اگر اس نے کچھ بتا دیا تو ہماری بے عزتی ہوگی اس لئے انہوں نے ایک خواب کو احلام جمع کہا یعنی یہ ایک دو خواب نہیں بلکہ وسوسوں کا مجموعہ ہے ہم نے خوب غور کر لیا ہے کہ اس خواب کا ہر پہلو وسوسہ شیطانی ہے۔ ہمارے تعبیر نہ بتلانے کی وجہ ہمارے علم کی کمی نہیں بلکہ یہ خواب ہی گڑبڑ ہے۔ نحن کہہ کر یہ بتایا کہ صرف ہم درباری ہی نہیں بلکہ جتنے بھی ہم جیسے کاھن نجومی ہیں وہ بھی نہیں جانتے ظاہراً ایسی باتیں کر رہے تھے لیکن حقیقت میں وہ بھی متفکر اور اپنی بے علمی وجہالت کے معترف ہو گئے صرف اپنی ساکھ اور عزت قائم رکھنے کے لئے ایسی باتیں بنا رہے تھے ان نجومیوں نے بہت کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے یہ فکر نکل جاتے مگر ؏

مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی

بادشاہ کو مزید فکر ہونے لگا۔ کبھی سوچتا کہ شاید بڑی خطرناک بات ہے اور یہ مجھ سے چھپا رہے ہیں۔ کبھی کچھ فکر کرتا۔ یہاں تک کہ سارے محل میں یہ بات پھیل گئی کہ بادشاہ نے خواب دیکھا اور اس کی تعبیر کسی کو نہیں آرہی تب وہ ساقی دوڑتا ہوا آیا یا پہلے ہی وہاں موجود تھا اور جب ان کاھنوں کو عاجز دیکھا تو سب پچھلے واقعات اس کو یاد آ گئے اور فوراً بولا وہی قیدی جو آزاد ہوا تھا نجات پا کر ان دو قیدیوں میں سے اور وہی بات جو بھول گیا تھا جو شیطان نے ذھن سے اتار دی تھی اب اتنی مدت کے بعد اس کو یاد دلایا اُمَّۃٌ جمع مقلوب ہے حِیْنٌ کی جیسے اِمْرَءَۃٌ کی نِسْوَۃٌ جمع تین قسم کی ہوتی ہے ۱ فرد کی جمع جس میں زیادہ جمع ہوتے ہیں ۲ وصف کی جمع جس میں اوصاف کی کثرت ہوتی ہے ۳ جمع زمانی جس میں وقت اور زمانے زیادہ ہیں یہاں امت جمع زمانی ہے۔ اُمَّۃٌ جمع انفرادی بھی ہوتی ہے اور زندہ

مستعمل ہے امت کا اصلی معنیٰ انسانوں کی جماعت ہے یہاں وقتوں کی جماعت کے معنیٰ میں ہے۔ اس میں دو قرأتیں اور بھی ہیں اِمَّۃٍ اور اَمْہٍ یہ جملہ معترضہ ہے۔ اگلی عبارت مقولہ ہے قول کا اے بادشاہ میں تم کو اس خواب کی تعبیر لا کر دیتا ہوں۔ میں جب جیل میں تھا تو وہاں میری ملاقات ایک بہت ہی عابد زاہد عامل عالم خوش خلق حسین خوبصورت بزرگ سے ہوئی وہ اس کی تعبیر ضرور بتادیں گے کیونکہ ہم نے بھی ایک دفعہ جیل میں ان سے خواب کی تعبیر پوچھی تھی تو جیسی تعبیر انہوں نے بتائی ویسا ہی ہوا۔ تم مجھ کو وہاں بھیج دو یعنی جانے کی اجازت دو۔ اس قیدی کو سب کچھ یاد آ گیا اور یہ بھی یاد آ گیا کہ حضرت یوسف نے بادشاہ سے ذکر کرنے کا حکم دیا تھا مگر ڈرتے ہوتے اب نہ بتایا کہیں بادشاہ کو مجھ پر جلال نہ آ جائے اور مروا دے کہ تو دربار میں رہ کر ایسا بھولنے والا ہے۔ کبھی ہمارا نقصان کر بیٹھے گا بعض بڑی ضروری خبریں ہوتی ہیں۔ تنبیہ ساقی نے کُمْ ضمیر بھی جمع بولی اور اَرْسِلُوْنِ بھی امر جمع بولا۔ تعظیم کے لئے بعض نے کہا کہ سب درباریوں کو خطاب کیا تھا مگر یہ غلط ہے آداب شاہی کے خلاف ہے شاہوں کے دربار میں صرف بادشاہ کی طرف ہی توجہ کی جاتی ہے۔ بادشاہ نے خوش ہو کر فوراً اجازت دی تب یہ ساقی بھاگتا ہوا جیل میں آیا اور بولا یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ اَفْتِنَا فِیْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍ ۔ لَّعَلِّیْۤ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۔ آزاد شدہ غلام خدمت عالیہ میں حاضر ہوا پہلے تو بہت معافی مانگی کہ مجھ سے غلطی ہو گئی آپ کی بات میرے ذہن سے بالکل اتر گئی۔ میں بھول گیا حضرت یوسف نے سات سال بعد بھی اس کو پہچان لیا اور کچھ رنجیدگی کا اظہار نہ فرمایا پہلے کچھ باتیں ہوئیں پھر اس ساقی نے خدمت عالی میں عرض کیا اے یوسف یہاں حرف ندا یا پوشیدہ ہے دراصل یَا یُوْسُفُ چونکہ یہ قیدی مسلمان بھی آپ کے ہاتھ پر ہوا تھا اور آپ ہی کی برکت آپ ہی کی تعبیر بتانے سے اس کو نجات ملی تھی آپ سے فیضیاب تھا اور سمجھتا تھا کہ یہ مشکل کشا حاجت روا ہیں۔ اس لئے بڑے ادب و احترام سے معزز القاب سے ندا کی اے صدیق یعنی نہایت ہی سچ کہنے والے کہ اس علاقے میں اس جیسا کوئی سچا نہیں۔ صادق بھی سچے کو کہتے ہیں اور صدیق بھی مگر فرق دونوں میں یہ ہے کہ جیسا واقعہ ہو ویسا ہی وہ کہدے وہ صادق ہے اور اگر واقعے میں ایک چیز نہ ہوئی ہو اور اس نیک بندے کی زبان سے نکل جائے تو رب تعالیٰ ویسے ہی کر دے اس کو صدیق کہا جاتا ہے اسی لئے اس قیدی نے حضرت یوسف کو صادق نہ کہا صدیق کہا کیونکہ دیکھ چکا تھا کہ ہم نے جھوٹی خوابیں بنا کر تعبیر پوچھی مگر ان کی زبان سے جو تعبیر نکل گئی وہ ہو کر رہی اور جب تعبیر سن کر ہم نے اپنے فریب کا اقرار کرتے ہوئے کہا کہ ہم نے تو جھوٹی خوابیں بنائی تھیں تب جواباً آپ نے فرمایا تھا قُضِیَ الْاَمْرُ تمہاری خوابیں غلط ہوں یا صحیح سچی ہوں یا جھوٹی جو میرے منہ سے نکل گیا وہ ہو کر رہے گا۔ یہی واقعہ حضرت ابوبکر صدیق کے ساتھ ہوا کہ مالک بن سنان شہید ہو چکے تھے جنگ احد میں آپ کی والدہ نے صدیق اکبر سے پوچھا میرا بیٹا مالک کہاں ہے آپ کے منہ سے نکل گیا پیچھے آ رہا ہے رب تعالیٰ

نے زندہ کر کے واپس بھیجدیا اس وقت سے آپ کا لقب بھی صدیق ہوگیا اور چونکہ یہ لقب نبی کریم رؤف رحیم نے دیا اس لئے صدیق اکبر لقب ہوا۔ آج حضرت مالک بن سنان کا مزار مقدس مدینہ منورہ کے ایک مکان میں ہے۔ حضرت مالک کا لقب صحابہ کے زمانہ میں زندہ پڑ گیا تھا اسی بناء پر پھر آپ کئی سال زندہ رہ کر بغیر شہادت فوت ہوتے۔ آزاد شدہ قیدی نے کہا فتوا دیجئے ہم کو یعنی اہل دربار کو متکلم واحد کی ضمیر نہیں بولی نا ہی جمع غائب کی۔ یعنی نہ تو یہ کہا کہ مجھ کو فتویٰ دیجئے نا یہ کہا کہ ان کو فتوی دیجئے بلکہ کہا ہم کو یا اس لئے کہ یہ کلام کی فصاحت ہے۔ جمع متکلم کی ضمیر اکثر فصاحت کے لئے بولی جاتی ہے جیسے اِنَّا اَنْزَلْنٰہُ وغیرہ اور یا اس لئے کہ میں تعبیر دینے والا ہوں آپ کے دھن پاک سے اور وہ سب درباری پوچھنے والے ہیں اور ان کو ہی ضرورت بھی ہے اس لئے جامع کلام بولا۔ تاکہ پتہ لگے کہ یہ تعبیر صرف میرے لئے ہی نہیں جیسے کہ پہلے تھا۔ بلکہ اس تعبیر پر سب اہل دربار یا سب اہل حکومت یا سب اہل مصر کی آنکھیں لگی ہوتی ہیں آج سب آپ کی تعبیر کے شدت سے منتظر ہیں۔ بادشاہ نے آج گذشتہ رات خواب دیکھا ہے کہ سات موٹی گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات سبز سٹوں کو گندم کے سات خشک سٹوں نے سکھا کر خراب کر دیا آپ اس کی تعبیر دیں۔ اپنی خواب تو سنا کہ اس نے آج سے سات سال پہلے بہت سچی اور مفید تعبیر لے لی تھی جس سے یہ بہت خوش ہوا تھا۔ لیکن آج ابھی شش و پنج اور وسوسوں میں تھا کہ پتہ نہیں اس خواب کی تعبیر ان کو سمجھ آتی ہے یا نہیں۔ کیونکہ وہ دیکھ چکا کہ دربار کے اتنے بڑے عمر رسیدہ کاھن نجومی اس کی تعبیر سے عاجز بیٹھے تھے یا یہ خیال آیا کہ اگر تعبیر بتا بھی دیں تو کہیں بہت خطرناک بادشاہ یا ملک کے حق میں بری ہو تو میں کس طرح جا کر بتاؤں گا۔ اس لئے شک کا صیغہ بولا لَعَلِّیْٓ اَرْجِعُ شاید یہ آپ سے تعبیر سن کر صحیح طرح خوشی خوشی ان لوگوں کے پاس جا سکوں۔ ناس سے مراد یا نجومی ہیں یا سب اہل دربار مع بادشاہ۔ دوسرا تردد اس ساقی کو یہ ہوا کہ اس تعبیر کو سن کر میں تو پسند کر لوں کیونکہ میں پہلے ہی حضرت یوسف کے تقوے طہارت علم و فضل کا قائل ہوں اس لئے کہ مسلمان ہوں اور سب کچھ سابقہ مدت میں اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا ہوں لیکن نامعلوم یہ تعبیر سن کر وہ کاھن آپ کے علم و فضل کے قائل ہوتے ہیں یا نہیں اور مرضی اس کی یہی تھی کہ چونکہ بیچ میں میرا واسطہ ہے اور میں نے آپ کی وہاں بہت تعریف کی ہے۔ اس لئے اچھی اور صاف تعبیر فرمایئے لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ شاید کہ وہ آپکے علم و فضل کو جان لیں یا تعبیر سمجھائیں اور جو عمل کرنے والے کام ہوں ان پر عمل کریں بعض نے فرمایا کہ دونوں لَعَلَّ شک کے لئے نہیں بلکہ معنی کئے ہے یعنی تاکہ بعض نے کہا کہ پہلا لَعَلَّ بمعنی کئے ہے اور دوسرا لَعَلَّ بمعنی شاید ہے یعنی اپنے معنی میں ہے۔ یہ جیل خانہ ایک قول کے مطابق محل سے قریب ہی تھا اور وہ ساقی پیدل ہی چلتا گیا مگر روح المعانی نے بروایت ابوحیان فرمایا یہ جیل خانہ سجنِ عافیت محل سے آٹھ میل دور تھا قیدیوں کے حالات کو دیکھتے ہوئے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہی بات صحیح ہے اولاً اس لئے محل کے قریب کبھی جیل نہیں ہوتی دوم اس لئے اگر قریب ہوتا تو تفتیش میں اتنی دیر نہ لگا کرتی یہ دوری ہی تھی جس کی وجہ سے قیدیوں کا پرسان حال کوئی نہ ہوتا تھا۔ (تفسیر کبیر۔ صاوی

روح البیان ۔ معانی ۔)

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے **پہلا فائدہ** خواب دیکھنے والے کو چاہیئے کہ ہر ایک کو اپنا خواب نہ سنا‌ئے بلکہ کسی بہت بڑے عالم کو جو تعبیر کا بھی ماہر ہے خواب سناتے اور اگر بڑا عالم نہ ملے یا ماہر تعبیر نہ ملے تو پہلے شرط لگالے کہ اگر تم کو میری خواب کی تعبیر معلوم نہ ہو سکے تو خاموش رہنا کوئی غلط تعبیر نہ دینا اگر یہ شرط لگائی ہو گی تو خواب کی تعبیر اگر غلط بھی دے دی جائے یا خواب برا بھی کہہ دیا جائے تب بھی خواب خراب ہو گی اور نقصان نہ ہو گا یہ فائدہ قَالُوْۤا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ سے حاصل ہوا کہ دیکھو بادشاہ نے پہلے شرط لگا لی کہ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا۔ اگر تم خواب کی تعبیر جانتے ہو تب بتانا۔ انہوں نے اپنی جہالت سے خواب کو ہی خراب کہہ دیا مگر خواب غلط نہ ہوئی **دوسرا فائدہ** خواب کی تعبیر میں جلدی نہ کرنی چاہیئے نہ بتانے والا جلدی کرے نہ پوچھنے والا اگر عالم تعبیر کے تلاش کرنے میں کچھ دیر بھی لگ جائے تب بھی کسی اور کو نہ سناتے اور دیر میں کچھ حرج نہیں ہاں جان بوجھ کر دیر نہ لگاتے بلکہ حَتَّی الْاِمْکَان جلدی جا کر پوچھے یہ فائدہ وَقَالَ الَّذِیْ کی تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** دوسرے شخص کو خواب سنانا اگرچہ وہ علم تعبیر سے ناواقف ہو اس لئے جائز ہے کہ وہ کسی سے پوچھ کر بتلائے گا۔ ہاں اس خواب کے سننے والے پر تین طرح احتیاط واجب ہے ایک یہ کہ خود بالکل نہ تعبیر دے بلکہ خاموش رہے دوسری یہ کہ خواب خوب غور سے سنے تیسری یہ کہ جیسے سنے ویسے ہی عالم کو سنا دے نہ کچھ زیادتی کرے نہ کمی **چوتھا فائدہ** حضرت یوسف نہ بھولے نہ ہی اَنْسٰهُ الشَّیْطٰنُ کا معنی یہ ہو سکتا ہے کہ شیطان نے حضرت یوسف کو بھلا دیا۔ بلکہ قیدی بھولا اور شیطان نے قیدی کو بھلایا جن مفسرین نے اَنْسٰهُ کی ضمیر مفعول کا مرجع یوسف علیہ السلام کو قرار دیا ہے وہ غلطی پر ہیں یہ فائدہ وَادَّكَرَ فرمانے سے حاصل ہوا اگر قیدی نہ بھولا تھا تو اب کیا یاد آیا **پانچواں فائدہ** جس سے کچھ علم اور ہدایت حاصل کی اس کی تعظیم کرنا واجب ہے لہٰذا شاگرد استاد کی مرید پیر کی بیٹا باپ کی مقتدی امام کی عوام علماء کی تعظیم کریں اور یہ تعظیم ان پر لازم ہے یہ فائدہ یُوْسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیْقُ سے حاصل ہوا کہ چونکہ اس نجات یافتہ قیدی نے حضرت یوسف سے دینی دنیوی معلومات حاصل کیں تھی اور کچھ دن اسلام کے درس پڑھے تھے اس لئے اس نے تعظیم کے الفاظ استعمال کئے **چھٹا فائدہ** ادب کے لئے جمع کا صیغہ بولنا جائز ہے قرآن مجید میں اس کی بہت مثالیں ہیں اگرچہ مخاطب واحد ہی ہو یہ فائدہ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ کی کم ضمیر اور فَاَرْسِلُوْنِ کے امر جمع سے حاصل ہوا لہٰذا سلام میں یا نبی سلام عَلَیْكُمْ کہنا بہتر ہے جہاں تک ہو سکے اشعار میں جمع کا صیغہ اور ضمیر بولیں لیکن ضرورت شعری معاف ہے۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کے لئے جمع کے غائب یا جمع مذکر حاضر کے صیغے بولنا منع ہے کہ مشرکین سے مشابہت اور شرک کی بو ہے توحید کے خلاف اس کے لئے عام گفتگو اور دعاؤں میں بھی واحد غائب یا واحد حاضر کا صیغہ استعمال کرو تاکہ عام گفتگو میں توحید کی جھلکیاں نمودار ہوں۔ اس کا ادب یہی ہے کہ اس کی توحید ظاہر ہوتی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام بزرگوں کے لئے تو قرآن

حدیث میں جمع غائب کے صیغے استعمال ہوتے ہیں مگر اللہ کے لئے ایسا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ نبی ورلی نے اللہ کریم کو تُ اور ھُوَ اور ہٗ اور اَنْتَ سے پکارا۔ لیکن نبی کریم کے لئے ظَلَمْتُمْ کا صیغہ قرآن پاک میں موجود ہے اور یہاں بادشاہ کے لئے فارسلو جمع آیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** خوابوں کی تعبیر کی کیا خصوصیت ہے کہ رب نے اتنے اہتمام سے اس کا علم سکھایا اور ذکر فرمایا کہ اُنَبِّئُکُمْ اور اتنے بڑے نجومی بادشاہ کی ایک خواب سے عاجز رہ گئے۔ **جواب** اس کی وجہ یہ ہے کہ امور متخیلہ کا منتقل کرنا حقیقت عقلیہ اور حقیقت روحانیت کی طرف پہلے ہی بہت مشکل تھا مگر اس میں اختلاط مضطربہ سے یہ کام اور بھی مشکل ہوگیا۔ اس لئے کہ باطن کو ظاہر میں ڈھالنے کا نام خواب کی تعبیر ہے۔ اور یہ ڈھالنا ہر ایک کا کام نہیں کیونکہ باطن اللہ کا ہے تو جب تک وہ خود نہ بتائے اس وقت تک یقینی پتہ نہیں لگ سکتا۔ بدیں وجہ فرمایا عَلَّمَنِیْ مجھ کو میرے رب نے سکھایا **دوسرا اعتراض** اتنے عمر رسیدہ کاہنوں نے اس کی تعبیر سے عاجزی کا اظہار کیوں کیا؟ **جواب** یا اس لئے کہ رب کی قدرت سے ان کا دماغ ماؤف ہوگیا۔ یا اس لئے کہ خواب بڑی مشکل اور عجیب تر تھی۔ ان کو سمجھ نہ آئی کہ یہ خواب کیا راز ہے۔ اور مقصد دماغ بند کرنے کا یا خواب کو مشکل کرنے کا صرف یہ تھا کہ شانِ یوسف لوگوں کو معلوم ہو۔ اور یہ بتانا مقصود تھا کہ بزرگی از عقل و علم است نہ بسال قیامت تک عبرت یہ دلانی تھی کہ کوئی شخص کسی عالم کی بات صرف اس لئے نہ ٹھکرا دے کہ وہ عالم عمر میں ہم سے چھوٹا ہے۔ علم رب کی عطا ہے چاہے تو چھوٹوں کو مل جاتے اور بڑے عمر رسیدہ محروم ہی رہ جائیں۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ۔ وَقَالَ الَّذِيْ نَجَا مِنْهُمَا وَادَّكَرَ بَعْدَ اُمَّةٍ اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ جسدِ خاک کے اعضاء و جوارح رؤساء قالب بولے یہ اشارۂ سریہ وہم محجوب کی عقل شریفہ ہے جو نظورِ دماغی کے سمجھنے سے قاصر ہیں جہالت والوں کا یہ شروع سے وطیرہ ہے کہ احوالِ ریاضت کو خرافات کا لقب دیتے ہیں۔ اعضاء و جوارح نے تو اشارۂ سریہ کو اضغاث واحلام کہہ کر کنارہ کشی کرلی مگر قیدِ ابتلاء سے رہائی پانے والے نفسِ ملہم کو رسولِ محبت کا وہ بھولا ہوا پیغام بہت وارداتِ احوال گزرنے کے بعد یاد آیا۔ تو بولا وہ جس نے ان دونوں میں سے نجات پائی تھی۔ روحِ ملہمہ کے واسطے سے جب یہ یاد آئی۔ کہ میں خبر دوں گا تم کو اس اشارۂ خفیہ کی تفصیل، وتعبیر کی پس اے شاہ جسدی مجھ کو وحدت سے کثرت کی طرف بھیج دو يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اَفْتِنَا فِيْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ ۔ لَّعَلِّيْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ○ قالبِ انسانی میں قلب کے انوارِ تجلیات کا مکاشفہ سب سے پہلے نفسِ ملہم کو ہوتا ہے وہی قلب صنوبری کے استوارِ حال اور استقامتِ اعمال سے خبردار ہوتا ہے۔ وہ جان لیتا ہے کہ خواہشات وہوس ونفسانیات کی ہزاروں آندھیاں چلیں مگر نابِ حسین کے حالات وعزائم واعمال اور حسن وجمال میں فرق نہیں آیا۔ اور جس کا باطن وظاہر اس طرح یکساں صفا

ہوری مقامِ صدیقیت پر فائز ہوتا ہے۔ اسی سے ایقان وعرفان کی عجیب غیبی خبریں مشاہدے میں آتی ہیں۔ اسی لئے زبانِ حال ویقین اور عقیدۂ حقیقیہ سے کہتا ہے اے یوسفِ قلب مدارجِ صدیقیت کو طے کرنے والے سات سات قوتِ باطنی کے بارے مکاشفہ فرما جو سات طبیعاتِ ضعیفہ کو مقامِ فنا میں لاکر ختم کر رہی ہیں اور چمنِ ایمانی کی وہ سات شاداب وسرسبز بالیاں اور نارِ سموم سے مرجھائی ہوئی دوسری سات کمزوریاں کیا ہیں۔ اِن اشاراتِ غیبیہ اور واردات سرّیہ کی تعبیر فرما تاکہ میں عالمِ وحدت میں دنیاءِ کثرت کی طرف لوٹ کر مکاشفاتِ قلبی اور مراتب ومدارجِ قلبِ مومن کا صوتِ جبروتی سے میدانِ اجسام ووجود میں اعلانِ اظہار کروں اور سب قواءِ باطنیہ اور فکر وتدبر کے اُمراءِ جوارح۔ صداقتِ قلب اور اشارۂ غیبی اسرارِ بے خودی کو جان لیں۔ اور افکارِ عالم والے سمجھ جائیں کہ قدرتِ قلب کے سامنے سب قوتیں عاجز ہیں۔ اور ہر شخص قلب کی درستی وصحت میں مشغول ہوکر قحطُ الرِّجال کی مصیبت سے نجاتِ لاہوتی حاصل کرلے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں جہاں تعلق ہوتا ہے وہاں امید ہوتی ہے۔ جہاں امید ہوتی ہے وہاں خوف بھی ہوتا ہے اور جہاں خوفِ عبدی ہوتا ہے وہاں احسانِ معبودی ہوتا ہے۔ اور جہاں احسانِ معبودی ہوتا ہے وہاں لذتِ حیاتِ دنیا نہیں رہتی قلبِ مومن شہرِ لافانی ہے۔ جس کی زمین معرفت ہے۔ اور چمن ایمان ہے اس کا سورج شوق ہے اس کا آسمان یقین ہے اس کا چاند محبت وعشقِ الٰہی ہے۔ اس کے ستارے خطراتِ قلبیہ ہیں۔ زمینِ قلب کی مٹی ہمتِ مردانگی ہے۔ اس کا بادل فضلِ ربانی ہے۔ بجلی امید ہے کڑک خوفِ جبار ہے۔ وہاں کی بارش رحمتِ غفار ہے۔ بستیٔ دل کے درخت وبیل بوٹے وغلے ان کے پھل حکمت ودانائی ہے اس شہرِ عجیب کے دریاء علومِ ظاہری باطنی ہیں۔ یہاں کی روشنی فراستِ مومن ہے یہاں کا دن اعمالِ صالحہ ہیں۔ یہاں کی رات فسق وفجور ہیں۔ یہاں کا اندھیرا کفر وشرک ہے۔ وادیٔ دل کے چور منافقت ہے یہاں کے تالے صبر ہیں اور چابی ذکر ومجاہدات ہیں۔ محلاتِ قلبِ لاہوتی کی چار دیواریں ہیں پہلی دیوار محبت ۲ دیوار توکل ۳ دیوار صدق ۴ دیوار رضا اس کے دروازے بھی چار ہیں ۱ بابِ علم ۲ باب حلم ۳ بابِ خلوت ۴ عبادت وریاضت کہ ان کے بغیر وادیٔ قلب میں کوئی نہیں داخل ہوسکتا۔ منزلِ شوق کے مسافر ہزاروں ہیں لیکن بارگاہِ لم یزل تک کوئی کوئی رجوع کرسکتا ہے۔ قلبِ روشن کی علامات مقبول چہروں پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ بندہ جب تک بارگاہِ قلب میں حاضر ہوکر خالقِ قلب کی معرفت حاصل نہیں کرتا اس وقت تک شہوات کی ہوائیں اس کو اُڑاتے اُڑاتے پھرتی ہیں لیکن جب اپنے مولیٰ کی معرفت اور مشاہدے کی جھلک پالیتا ہے تو پھر کوئی چیز اس میں اثر نہیں کرتی نہ کوئی شی پایۂ استقامت کو جنبش دے سکتی ہے لیکن بارگاہِ قلب کی حاضری اور حضوریِ دربارِ الٰہیہ نصیب ہونے کی صورت فقط یہی ہے کہ اپنے جسم کے اعضاءِ ظاہری وباطنی کو غذاءِ حرام ولباسِ خبیثہ سے بچائے اور حرام کی چھوٹی چنگاری یہ ہے کہ چنے کے دانے برابر۔ بغیرِ مالک کے اجازت کے کھائے یا کسی طرح برتے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ حرام خوراک ولباس قلب کا اندھیرا ہے نفسِ مُلہم اُسی وقت بارگاہِ قلب میں جاسکتا ہے جب صبر کا تالہ مجاہدہ کی چابی سے

کھول سکے۔ اے منزل مراد کے عاشق۔ منزل دور نہیں صرف ہمت کی مٹی اکھیڑ کر توکل ورضا۔ محبت وصدق کی چاردیواری بنانے کی بات ہے۔ اے میرے کریم رحیم ازلی ابدی قدیم رب مجھ کو بھی یہ نعمتیں عطا فرما تا کہ میرے شہر قلب کی جگمگاتی گلی کوچہ معرفت میں انوارِ مصطفائی کا ورود ہو (آمین) (عرائس بیان۔ محی الدین ابن عربی۔ امام غزالی)

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا ۚ فَمَا حَصَدْتُّمْ

فرمایا کھیتی کروگے تم سات سال مسلسل تو جو کاٹو تم پس چھوڑے رکھو اس کو میں بالیوں

کہا تم کھیتی کرو گے سات برس لگاتار تو جو کاٹو

فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾

اسی کی مگر تھوڑا سے جس کھا لو تم۔ پھر آئیں گے سے بعد ان کے سات قحط کے۔ جو

اسے اس کی بالی میں رہنے دو مگر تھوڑا جتنا کھا لو

ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا

کھا ڈالیں گے وہ سب جو پہلے جمع کر رکھا ہوگا تم نے لیے ان کے مگر تھوڑا

پھر اس کے بعد سات کرّے برس آئیں گے کہ کھا جائیں گے جو تم نے ان کے لیے

قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ ثُمَّ

سے اس جو چھوڑ رکھو گے تم پھر آئیگا

پہلے جمع کر رکھا تھا مگر تھوڑا جو بچا لو پھر

یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ

سے بعد ان کے موسم بہار میں جس گھٹائیں برسائیں جائیں گے لوگ

ان کے بعد ایک برس آئے گا جس میں لوگوں کو مینھ دیا جائے گا

وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾

اور میں اس رس نچوڑیں گے

اور اس میں رس نچوڑیں گے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں تعبیر پوچھنے کا ذکر تھا اب یہاں تعبیر بتانے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی صدیقیت کے لقب دینے کا ذکر ہوا جس کا مطلب تھا بہت درست علم والا اب یہاں یوسف علیہ السلام کے بے مثل علم کا ثبوت موجود ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیات میں ایک ایک لفظ باوضاحت صاف صاف خواب کا بیان کیا گیا اب ان آیات میں ایک ایک لفظ صاف صاف تعبیر کا بیان ہو رہا ہے۔ تاکہ کڑی سے کڑی جڑتی چلی جاتے۔ سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔

تفسیر نحوی قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ قال فعل ماضی کا فاعل حضرت یوسف ہیں جملہ قول جوابی ہے۔ تَزْرَعُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر ہے اس کا مرجع مصری کسان۔ مراد ذہنی ہے۔ بلحاظ عبارت سابقہ بمعنی مستقبل جملہ خبریہ کیونکہ یہ تعبیر خواب بتاتا ہے۔ اور بلحاظ اگلی عبارت کے یہ فعل مضارع بمعنی امر ہے اور جملہ انشائیہ ہے۔ یعنی ایسا کرو گویا یہ عبارت صنعت طباق ہے۔ ذو معنیین سَبْعَ اسماءِ اعداد سے ہے بحالت زبر مفعول فیہ ہے سِنِیْنَ جمع ہے سَنٌ کی بمعنی سال تمیز مضاف الیہ ہے۔ بحالتِ زیر۔ دَاَبًا اسم جامد ہے معرب ہے تنوین تنکیری ہے جس نے استمرار کے معنی پیدا کئے اس کے پانچ معنی ہیں۔ حالت۔ طریقہ۔ ملکی رواجی دستور۔ عادت۔ ہمت واجتہاد یہاں آخری دو معنی مناسب ہیں اگر فعل بمعنی امر ہے تو داب کے معنی ہمت اگر مستقبل ہے تو داب بمعنی عادت بحالتِ زبر ہے بوجہ حال ہونے کے تَزْرَعُوْنَ کے فاعل کا یا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا دراصل تھا تَدْاَبُوْنَ دَاَبًا۔ یہ بھی بمطابق سابق جملہ خبریہ یا انشائیہ بنے گا یعنی حسب سابق۔ فاء تعقیبیہ مَا موصولہ حَصَدْتُّمْ جمع مذکر حاضر حَصْدٌ سے بنا بمعنی کھیت کاٹنا متعدی بنفسہ۔ اسی سے ہے حَصِیْدٌ بمعنی حصود بروزن مفعول یعنی کٹی کھیتی۔ فاء تعقیبیہ ذَرُوْهُ فعل اَمر بصیغہ جمع مذکر حاضر ذَرْوٌ سے بنا بمعنی پہلی حالت پر رکھنا۔ چھوڑ دینا۔ بکھیر دینا۔ اسی سے ذَارِیَاتٌ ہے بمعنی احکامِ الٰہی بکھیرنے والا۔ مراد مبلغینِ اسلام ہیں۔ یہاں بمعنی چھوڑ دینا فی جارہ ظرفیہ ہے سنبلہ مرکب اضافی سنبل واحد اسم جنسی ہے نہ کہ جنس مراد جمع ہے ہٖ ضمیر کا مرجع ما موصولہ ہے اِلَّا نے ذرو کے امر کو توڑا استثناء متصل ہے قَلِیْلًا بحالت زبر مستثنٰی ہے۔ قضیہ محصورہ ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ مَا موصولہ تَاْكُلُوْنَ اس کا صلہ ہے فعل مضارع بمعنی مستقبل جمع مذکر حاضر مراد اہلِ ملک ہیں ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لئے یَاْتِیْ فعل مستقبل واحد غائب اَتْیٌ سے بنا۔ بمعنی آنا۔ مِنْ جارہ زائدہ بَعْدِ اسم ظرفی بحالت زیر۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لئے مشار الیہ سَبْعَ سِنِیْنَ ہے۔ سَبْعٌ فاعل ہے یَاْتِیْ فعل کا شِدَادٌ صفت ہے سَبْعٌ کی بحالتِ رفع۔ جمع ہے شدید کی۔ اس کی جمع شدائد بھی آتی ہے اَشِدَّاءُ بھی آتی ہے شُدُوْدٌ بھی۔ شَدٌّ سے بنا بمعنی سخت۔ تفکرات سخت ہوں تو جمع شدائد ہو گی طبیعت سخت ہو تو جمع اَشِدَّاء ہو گی۔ الفاظ متشدد ہوں تو شدود ہو گی اور زمانہ یا حالات

زندگی سخت ہو تو جمع شداد ہوگی۔ وہی یہاں مراد ہے۔ بمعنی قحط سالی۔ یَأْكُلْنَ فعل مضارع مستقبل بصیغہ جمع مونث غائب اَكْلٌ سے بنا ترجمہ ہے کھا لینا۔ اس کا فاعل شِدَادٌ ہے۔ مجازاً مظروف کی جگہ ظرف رکھا گیا ما موصولہ مفعول بہ قَدَّمْتُمْ فعل ماضی باب تفعیل کا بمعنی مستقبل ہے۔ مگر ماضی کا لانا امر یقینی کے لئے ہے۔ لَهُنَّ لام جارہ زائدہ ہے هُنَّ ضمیر کا مرجع شِدَادٌ ہے۔ قَدَّمْتُمْ تَقَدُّمٌ سے بنا بمعنی پہلے ہونا یہاں مراد ہے ذخیرہ گندم اِلَّا استثناء ہے یَأْكُلْنَ کا قَلِيلًا مستثنیٰ ہے۔ مِنْ جارہ بیانیہ تبعیضیہ ہے ما موصولہ تُحْصِنُوْنَ فعل مضارع معروف بمعنی مستقبل یا امر بصیغہ جمع مذکر حاضر باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول ہے۔ حِصْنٌ سے بنا بمعنی حفاظت سے رکھنا۔ پناہ پکڑنا۔ پس انداز کرنا یہاں یہ ہی معنی مراد ہیں۔ یعنی بیج رکھنا ثُمَّ يَأْتِيْ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ۔ ثُمَّ برائے تراخی یعنی دیر سے ہونا یَاْتِیْ فعل مستقبل اَتْیٌ سے بنا بمعنی آنا مِنْ زائدہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مشار الیہ شِدَادٌ ہے بعد ظرفیہ کا مضاف الیہ ہے عَامٌ اسم جامد ہے بحالت رفع فاعل ہے یَاْتِیْ کا تنوین تنکیری ہے۔ بمعنی مطلق غیر خصوصی زمانہ مراد ہے موسم بہار کا سال فِیْ جارہ ظرفیہ ہٖ ضمیر کا مرجع عَامٌ ہے عَامٌ ذو الحال یُغَاثُ یہ پورا جملہ حال فعل مجہول مضارع بمعنی مستقبل باب افعال سے ہے غَیْثٌ اجوف یائی سے بنا۔ اس کا معنی بادل برسایا جاتے گا۔ اَلنَّاسُ بحالت رفع نائب فاعل ہے۔ مراد تمام انسان اہل مصر۔ واؤ عاطفہ فِیْہِ ظرف مقدم بشکل جار مجرور۔ یَعْصِرُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع اہل مصر ہے ایک قرأت میں تَعْصِرُوْنَ جمع مذکر حاضر کے صیغہ سے بلحاظ سابقہ صیغوں کے عَصْرٌ سے بنا تین معنی میں مستعمل ہے۔ زمانہ گزرنا۔ نچوڑنا یہاں یہ ہی معنی مناسب ہیں۔

تفسیر عالمانہ قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِيْ سُنْۢبُلِهٖٓ اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ۔ ساقی کا سارا بیان سن کر حضرت یوسف علیہ السلام نے اس طرح تعبیر بیان کرنا شروع فرمائی کہ خداداد علم وحکمت کے دفتر پھیلا دیئے صرف تعبیر ہی نہ بتائی بلکہ نظام سلطنت کا پورا قانون سمجھا دیا۔ وہ حکمت کی باتیں سمجھائیں جو شاید کسی بہت بڑے دانا کو بھی نہ آتیں۔ کھیت کی وہ باریکیاں بتائیں جو بڑے بڑے تجربے کار زمیندار کو نہ معلوم ہوں اور ثابت کر دیا کہ نبی اللہ خواہ کسی ماحول میں پلا بڑھا ہو مگر اس کا بے مثل علم اقوام عالم کو محیط ہے اور ذہن عقلا پر غالب ہے۔ فرمایا اے مصر والو کھیتی کرو گے تم۔ سامنے تو فقط ساقی تھا مگر خطاب سارے مصر والوں کو کیا یہ خطاب کا بہترین طریقہ ہے اسی کو علم ادب والے صنعت کلام کہتے ہیں تَزْرَعُوْنَ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے اور یہ غیب کی خبر ہے آئندہ کا حال بیان کیا جا رہا ہے یہ بھی حضرت یوسف کا معجزہ ہے حضرت یوسف کو رب تعالیٰ نے بھائیوں کی تعداد کے مطابق گیارہ معجزے عطا فرماتے تھے ۱۔ خوش خلقی ۲۔ کھاری کوئیں کا میٹھا ہونا ۳۔ پرندوں کا آپ سے کلام کرنا ۴۔ عزیز مصر کے خزانے بھر جانا ۵۔ زلیخا کے تالے ٹوٹ جانا ۶۔ شیر خوار بچے کا گواہی دینا ۷۔ قیدیوں کی بیڑیاں ٹوٹنا اور شکلیں بدلنا ۸۔ گناہ سے بچنا اور عورتوں کا مکر ٹوٹنا بوجہ عصمت کیونکہ عصمت بھی نبوت کے معجزات میں شمار ہے

(امام غزالی) ۵۔ تعبیر کا علم ۶۔ غیب کی خبریں دینا ۷۔ حسن یوسفی کہ اسی کو دیکھ کر عورتوں نے انگلیاں کاٹ لیں۔ رب تعالیٰ نے چار پیغمبروں کو حسن کا نور عطا فرمایا ۱۔ ابراہیم علیہ السلام کو بالوں اور داڑھی شریف میں کہ سب سے پہلے دنیا میں آپ کے بال مبارک مثل نور کے سفید ہوئے اسی حسن بزرگی کے طفیل نار نمرود سے نجات پائی ۲۔ حضرت یوسف ان کے چہرے میں حسن کا نور رکھا انہوں نے اسی حسن کے ذریعہ کوئیں سے نجات پائی ۳۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے داہنے ہاتھ میں حسن کا نور عطا فرمایا۔ انہوں اسی حسن کے ذریعہ دریا سے نجات پائی ۴۔ سید المرسلین خاتم النبیین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کے پشت مبارک میں حسن کا نور رکھا اسی حسن کے ذریعے آپ معراج میں لامکان تک پہنچے (امام غزالی) اسی حسن کی وجہ سے بار دو عالم کا ذمہ رب نے آپ پر ڈال دیا کہ قرآنِ کریم جیسی عظیم امانت آپ نے اٹھالی اعلحضرت بریلوی قدس سرہٗ نے فرمایا۔ شعر جس کو بارِ دو عالم کی پرواہ نہیں ، ایسے بازو کی قوت پہ لاکھوں سلام

تاقیامت آپ کی ہی نسل باقی ہے۔ حسن بھی اللہ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے پھر علم کی ملاحت ساتھ ہو تو کمال شہیم ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا تَزْرَعُوْنَ فعل مضارع بمعنیٰ امر ہے یعنی تم کھیتی کرو سات سال۔ اور وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں اس کی مثالیں بہت ہیں جہاں مضارع بمعنیٰ امر ہے جیسے اَلْمُطَلَّقَاتُ یَتَرَبَّصْنَ۔ یَتَرَبَّصْنَ فعل مضارع بمعنیٰ امر ہے۔ اور جیسے تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ یہاں تُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع بمعنیٰ امر ہے یعنی ایمان لاؤ اور جیسے وَتُجَاھِدُوْنَ جہاد کرو۔ یہاں بھی مضارع بمعنیٰ امر ہے۔ اسی طرح تزرعون بھی بمعنیٰ امر ہے اور دلیل یہ ہے کہ آگے فرمایا فَذَرُوْہُ یہ فعل امر قرینہ ہے اس معنوی امر کا مگر میں کہتا ہوں کہ یہ مثالیں اپنی جگہ درست ہیں اُن کو بمعنیٰ امر لیا جا سکتا ہے مگر تَزْرَعُوْنَ۔ تعبیرِ خواب ہے جس میں آئندہ کی خبر ہوتی ہے۔ لہٰذا یہ مضارع امر کے معنیٰ میں نہیں ہو سکتا کیونکہ امر انشاء ہے اور قرینہ بھی نہیں بن سکتا کیونکہ یہ تعبیر ہے وہ جملہ معترضہ کے طور پر ذاتی حکمت و دانائی کا مشورہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ تَزْرَعُوْنَ کے معنیٰ ہیں تم سات سال متواتر اسی طرح کھیتی کرتے رہو گے جس طرح آج کل اور پچھلے زمانوں سے کرتے چلے آ رہے ہو۔ ان سات سالوں میں تمہاری کھیتی باڑی کو آسمانی زمینی نہری دریائی کوئی رکاوٹ نہ ہوگی یہ سات سال تعبیر ہے سات موٹی گایوں کی اور یہ سات سال کی کھیتی باڑی تعبیر ہے سات سبز بالیوں کی دأبًا یعنی مسلسل پے در پے کھیتی کرو گے خواہ اپنی خوشی سے یا اس عزیز مصر کے حکم سے یا کسی دوسرے عزیز کے حکم سے کیونکہ کار مختار اور اصل حکمران و منتظم ملک عزیز ہی ہوتا تھا۔ دأبًا حال ہے تَزْرَعُوْنَ کے فاعل کا یعنی تم اس کھیتی کرنے پر مجبور ہو گے ایک سال بھی چھوڑ نہیں سکتے یا دأبًا کا معنیٰ ہے حسبِ معمول جتنی قسم کی کھیتیاں تم اگاتے ہو گندم۔ باجرہ۔ چاول۔ مکئی۔ جوار۔ اور باغات میں بھی انگور انار وغیرہ جو ہر سال لیتے ہو اسی طرح لیتے رہو گے یہ تو تعبیر ہے آگے میرا مشورہ دے دینا کہ پس ہر سال جو تم نے کاٹا۔ یہاں حَصَدْتُّمْ فعل ماضی بمعنیٰ مضارع ہے اور یقین کا ثبوت دینے کے لئے ماضی فرمایا یعنی یہ کاٹنا اتنا یقینی ہے گویا تم نے کاٹ ہی لیا جو کچھ تم کو گندم وغیرہ ملے تم کاٹو گے تو ان کو ان کی بالیوں میں چھوڑ دینا اور اپنے سلطانی گوداموں حکومت

کے قبضے میں جمع کرتے جاؤ یا اگر اپنے گھروں میں گنجائش ہو تو وہیں چھوڑے رکھو اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مگر تھوڑا غلہ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قَلِیۡلًا کا تعلق تَذَرُوۡهُ سے ہے یعنی سارا چھوڑو مگر تھوڑا نہ چھوڑو جتنا تم شہر والے عموماً کھاتے ہو۔ یہاں تَاۡكُلُوۡنَ سے مراد شہر والے ہیں اور تزرعون سے مراد صرف کھیتی باڑی کرنے والے زمیندار اور مزارع اس لئے کہ کھیتی صرف زمین والا جانتا ہے اور کھانے کی حاجت سب کو ہوتی ہے اور اگر سب ہی کھیتی باڑی میں لگ جائیں تو دوسرے ملکی امور کون کرے اور پھر کون بیچے کون خریدے اور پھر اپنی زمین میں دوسرے کو کون گھسنے کھیتی کرنے دیتا ہے پھر ہر ایک کو طریقہ نہیں آتا تو بیج برباد کرنے والی بات ہے۔ لہٰذا تَزۡرَعُوۡنَ اور تَاۡكُلُوۡنَ میں یہ تفسیری اختلاف بہت درست ہے۔ فقیر حقیر خطا کار اقتدار کہتا ہے کہ قَلِیۡلًا کا تعلق تَاۡكُلُوۡنَ سے بھی ہو سکتا ہے اور معنی یہ ہے کہ اگاؤ بہت۔ جمع کرو بہت بالیوں سٹوں میں رہنے دو بہت مگر کھاؤ کم جتنا پہلے کھاتے ہو اس سے کم کھانے کی عادت ڈالو۔ اور معنی یہ ہو سکتا ہے۔ کہ مگر اتنے دانے نکال لو اس غلے سے جو تھوڑے کھاؤ تم قلیلاً مفعول مقدم ہے اور پورا جملہ مستثنا ہے تفسیر جملہ اس طرح ہے مگر جتنا پہلے کھاتے ہو اس سے تھوڑا کھاؤ گے دتب گزارا ہو گا) اس سے تین فائدے ہوں گے ایک یہ کہ غلہ زیادہ جمع ہو گا قحط کے زمانے میں تم بھی کھا سکو گے اور دور دور کے قحط زدہ بھی دوسرا فائدہ تھوڑے کھانے سے تمہاری صحت ٹھیک رہے گی محنت اور صحت سے کھیتی وغیرہ میں زیادہ کام کر سکو گے تیسرا فائدہ یہ کہ بھوک برداشت کرنے کی عادت پڑے گی غریبوں کی محبت کا جذبہ پیدا ہو گا بھوکے کی بھوک کا احساس ہو گا امتحان بڑا سخت آنے والا ہے تیاری بہت کرنی لازم ہے سہولت کے یہ سات سال تو بڑی جلدی گزرتے محسوس ہوں گے۔ قحط کے سال صبر سے گزارو گے تو پتہ چلے گا۔ کتنا عظیم وعظ کتنی مفید نصیحت ہے جو چند لفظوں میں سنا دی جب یہ سمجھ لیا تو ذہن نشین کر لو کہ ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ سَبۡعٌ شِدَادٌ یَّاۡكُلۡنَ مَا قَدَّمۡتُمۡ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیۡلًا مِّمَّا تُحۡصِنُوۡنَ ۔ ثُمَّ یَاۡتِیۡ مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیۡهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیۡهِ یَعۡصِرُوۡنَ ۔ پھر آئیں گے ان سات سالوں کے بعد سات سال سخت شدت اور مصیبت والے۔ شداد جمع ہے شدید کی نہ کہ اشد کی۔ یعنی بہت ہی سخت سال۔ کیونکہ بھوک سب مصیبتوں میں بڑی مصیبت ہے۔ قتل اور قید بھی اتنی سخت نہیں۔ قتل و غارت میں صرف کچھ انسانوں کو وقتی تکلیف ہوتی ہے مگر قحط میں سب مخلوق پر مصیبت آتی ہے کہ بادل بند بارش ختم دریا خشک نہریں فنا۔ کھیت تباہ اور باغ اجڑ جاتے ہیں۔ غیر حساس مخلوق پر تو یہ مصیبت ہوتی ہے لیکن حساس مخلوق چرند پرند۔ درند اور انسان سب ہی تڑپتے پھڑکتے ہیں۔ اس لئے دیگر مصیبتیں اشد ہیں مگر یہ شدید ایسی کہ کھا جائیں گی۔ یہ سات سالیں اُن تمام غلوں کو جو تم ملک والوں نے جمع کر رکھا ہو گا ان ہی قحط کی سات سالوں کے لئے قَدَّمۡتُمۡ بھی فعل ماضی بمعنی مستقبل ہے یاكُلۡنَ جمع مونث کا صیغہ ہے اور ظاہراً یہی معنی بنتے ہیں کہ یہ سالیں کھا جائیں گی مگر حقیقت میں انسان اور جانور کھائیں گے۔ لیکن چونکہ کھانے کا سبب یہ قحط کے سال ہیں اس لئے مسبب کی جگہ سبب بول دیا۔ دو وجہ سے ایک کہ عبارت مختصر

ہو جاتے ورنہ کہنا پڑتا کہ ان سالوں کی وجہ سے تم لوگ یہ جمع شدہ غلہ کھا جاؤ گے مسبب کو کھاتے کے لئے سبب بولنا ضروری ہوتا ہے لیکن اگر سبب ہی بول دیا جاتے تو مسبب خود بخود سمجھ آجاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ۔ یہ عام محاورہ ہے اور محاورے کا استعمال زودہ اثر ہوتا ہے دن رات کہا جاتا ہے میری دولت بیماری کھا گئی ظاہر ہے ڈاکٹر اور حکیم کھا گئے مزید کریدنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اسی طرح یہاں ہے یعنی تم لوگ ہی کھاؤ گے مگر کچھ تھوڑا بچے گا وہ تم نے حصنوں یعنی اپنے قلعوں اور سرکاری گوداموں میں بیج کے لئے سنبھال کے رکھا ہوگا ابھی اس کے کھانے کی باری نہ آتے گی کہ قحط ختم ہو جاتے گا یہ سات سال تعبیر ہیں سات دُبلی لاغر گایوں کی اور ان سالوں میں جو غلے تم ان خشک بالیوں سے نکلوا کر کھا جاؤ گے وہ تعبیر ہے سات خشک بالیوں کی جب یہ ساتوں سال اور پچھلے ساتوں سال کا غلہ قریب الختم ہوگا تو پھر وہ زمانہ آتے گا اس کے بعد جس زمانے میں بارش دیتے جائیں گے سب لوگ کھیت والے بھی باغ والے بھی میدانی علاقے والے بھی پہاڑی بھی بیک وقت سارے ملک پر مددگار بارش ہوگی۔ الناس سے مراد ساری مخلوق ہے ایسا نہ ہوگا کہ کہیں بارش ہو رہی ہے کہیں نہیں۔ الف لام استغراق ہے یُغَاثُ کا نائب فاعل غیث ہے۔ غیث اس بارش کا نام ہے جو ہر طرح ہر وقت مفید ہی ہوتی ہے۔ اسی سے ہے غوث یعنی مدد کرنے والا۔ اور پھر اتنا غلہ اناج پھل فروٹ پیدا ہوگا کہ تم کھا کر نہیں ختم کر سکو گے نہ بیچ کر ہی بلکہ فِیْہِ یَعْصِرُوْنَ ان دنوں میں تم جوس بنا بنا کر پیو گے نچوڑ نچوڑ کر ان کے شیرے تیل روغنیات ذخیرہ کرو گے جب چیز کم ہوتی ہے تو لوگ اس کو صرف کھاتے ہیں۔ لیکن جب چیز بہت کثرت سے ہو تو کئی طرح نخرے سے استعمال کرتے ہیں کچھ کھاتے ہیں کچھ پھینکتے ہیں مثلاً انگور تھوڑے اور مہنگے ہوں تو خریدار خرید کر چھلکا بھی کھا جاتا ہے۔ اگر کثرت سے ہوں تو نچوڑ کر پانی پی لیتا ہے اور پھٹ پھوک پھینک دیتا ہے۔ اسی طرح گندم کم ہو تو فقط روٹی بنا کر کھائی جاتی ہے اگر زیادہ تو روٹی۔ دلیہ۔ نشاستہ وغیرہ نہ جانے کیا کیا بنا کر کھایا جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کسی کو قحط سے واسطہ نہ ڈالے اگر ذرا سی گندم کی کمی آجاتی ہے تو لوگ روٹی پکانا بھی ترک کر دیتے ہیں گندم اُبال کر یا بھون کر کھاتے ہیں تاکہ بھوسی بھی ضائع نہ ہو۔ پس یَعْصِرُوْنَ کے جملے سے کثرت کا ثبوت ہوا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند سبق اور فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** باوجود اس کے کہ ہر چیز تقدیرِ الٰہی میں ہے مگر بندے کو تدبیر کرنی اشد ضروری اور مرضیٔ مولیٰ تعالیٰ کے عین مطابق ہے۔ یہ فائدہ تَذَرُوْهُ سے حاصل ہوا۔ ہر وہ تدبیر جو اصلاح کے لئے ہو وہ درست اور قابلِ قبول ہے۔ تقدیر کے منافی نہیں **دوسرا فائدہ** کھانے میں فضول خرچی منع ہے اور فضول خرچی تین قسم کی ہے ۱؎ ایک وہ جو صحت کو بگاڑے ۲؎ دوسری وہ جو دولت کو بگاڑے ۳؎ جو ایمان کو بگاڑے۔ لہٰذا بھوک سے زیادہ کھانا بے دینوں اور بلا مقصد یا دنیوی اغراض یا حصولِ دنیا کے لئے کھلانا یا حرام کمائی کھانا یا ظلم کے لئے کھلانا سب فضول خرچی میں شامل ہے۔ یہ فائدہ

إِلَّا قَلِيلًا مِّمَّا تَأْكُلُونَ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا۔ جائز کھانے کی چار قسمیں ہیں (۱) زاہدین کا کھانا تین لقمے (۲) حریصوں کا کھانا پیٹ بھر کے (۳) صالحین کا کھانا تہائی پیٹ (۴) مومن کا کھانا آدھا پیٹ۔ بھوک باقی ہو تو اُٹھ جائے اسی طرح ناجائز کھانے کی بھی تین قسمیں (۱) فاسقوں کا کھانا حرام غذائیں (۲) حریصوں کا کھانا پیٹ بھر کے (۳) مٹاپے کے لئے کھانا جیسے ہندو پنڈت کھاتے ہیں **تیسرا فائدہ** انبیاءِ کرام دنیوی دینی سب علوم اور تجربے جانتے ہیں اور ہر فن کے رازوں سے واقف ہوتے ہیں دیکھو یوسف علیہ السلام نے کھیتی باڑی زمینداری کے کیسے عجیب راز سمجھائے کہ غلہ اگا ڈ پھر اس طرح محفوظ رکھو خراب نہ ہو گا۔ نہ چوہا کیڑا کاٹے کھائے۔ یہ فائدہ فَذَرُوهُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** گندم کو ذخیرہ کرنا جائز ہے جبکہ احتکار یعنی ظلماً نہ ہو یا مہنگا بیچنے کے لئے نہ ہو اور آئندہ کے لئے کچھ سرمایہ جمع کرنا بھی جائز ہے توکل کے خلاف نہیں یہ فائدہ بھی فَذَرُوهُ سے حاصل ہوا۔ **پانچواں فائدہ** کافر کی خواب بھی سچی ہو جاتی ہے اور یہ کہ حالات اور مصیبتوں کی شکلیں ہوتی ہیں جو خوابوں سے نظر آتی ہیں۔ ایسے ہی اعمال کی بھی شکلیں ہیں جو قبر اور قیامت میں نظر آئیں گی یہ فائدہ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** خواب کی تعبیر تو ختم ہو گئی تھی پھر آپ نے ثُمَّ يَأْتِي مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ کیوں فرمایا خواب میں اس کا ذکر کوئی نہیں **جواب** یا اس لئے کہ ان کو اطمینان ہو جائے کہ یہ تکلیف صرف سات سال ہو گی اس کے بعد آرام کا زمانہ ہو گا یا اس لئے کہ وحیِ الٰہی میں حکم ہو گیا تھا کہ بعد کے حالات کا بھی ذکر کر دو اور یا محض اپنے خداداد علمِ غیب کی بنا پر ان کے سامنے وضاحت فرمائی **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے سنین فرمایا پھر سبع شداد فرمایا پھر عام فرمایا تینوں مدتوں کو مختلف طریقے سے بیان کیوں فرمایا۔ اور عام اور سن کا مطلب کیا ہے یا یہ دونوں ایک چیزیں ہیں **جواب** سنین جمع ہے سَنۃ کی بارہ مہینہ کی مدت کا نام سن کہلاتا ہے۔ اور غیر معین مدت کو عام کہا جاتا ہے۔ خواہ دو ماہ ہوں یا تین یا بارہ ماہ یا دو سال یا تین سال ایک طرح کے موسم کو عام کہا جاتا ہے بدلتے موسم کو سن چونکہ ہر سال میں چار طرح کے موسم آتے ہیں کبھی گرمی کبھی سردی۔ بہار۔ خزاں۔ اس لئے اس کو سن کہا جاتا ہے۔ تیسرا فرق تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ مشقت اور مصیبت کے دنوں کو سن کہا جاتا ہے اور آرام سہولت کے دنوں کو عام۔ چونکہ پہلے سات سال محنت اور مشقت کے تھے اس لئے ان کو سنین کہا گیا۔ دوسرے سات سال قدرتی مصیبت کے انسانی دخل نہ تھا اس لئے ان کو سَبْعٌ شِدَادٌ کہا۔ اس کے بعد آرام کا زمانہ تھا اس لئے اس کو عام کہا گیا یا یہ وجہ ہے کہ پہلے وقت مقرر تھے کہ اتنی مدت تم نے محنت کرنی ہے۔ اتنی مدت تم نے قحط دیکھنا ہے یہ دونوں مدتیں مقرر و مکمل تھیں اس لئے سَبْعٌ اور سنین فرمایا ان چودہ سال کے بعد جو زمانۂ آرام آنے والا ہے وہ مقرر نہیں وہ شروع میں تو پندرھواں سال ہے مگر انتہا پر نا معلوم کتنے سال ہو اس لئے عامٌ کہا اگر سَنۃٌ واحد فرماتے تو بارہ مہینے مقرر ہوتے اور تثنیہ فرماتے تو دو سال بنتے اگر جمع فرماتے تو بھی کسی عدد سے معین کرنا پڑتا اور تعیین کا اظہار فضول

تھا اس لئے عامٌ فرمایا اور پہلے سنین تو خواب نے معین کر دیئے تھے **تیسرا اعتراض** یہاں دو جگہ فیہ کیوں فرمایا گیا ۱ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ ۲ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ جواب پہلے رب تعالیٰ کا فعل مذکور ہے یغاثُ اس میں حصر پیدا کرنے کیلئے فیہ مقدم کیا گیا اور دوسری بار لوگوں کے فعل کا تذکرہ ہے اس میں حصر پیدا کرنے کے لئے دوسرا فیہ لایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ فِیْ سُنْۢبُلِهٖۤ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ۝ یوسفِ قلب نے نجات پانے والے نفسِ ملہم کے قیدی سے انوارِ لاہوتی کی زبان میں کہا۔ کہ تاویل اشاراتِ خفی میں جسدِ باطنی کی سات قوتیں حیوانیہ ہیں ۱ حرص ۲ بخل ۳ شہوت ۴ حسد ۵ عداوت ۶ غضب ۷ تکبر۔ یہ قواءِ حیوانیہ شہوانیہ سات عاداتِ رحمانیہ و رحیمیہ سکینیہ پر قحطِ مجاہدات کے زمانے میں غلبہ پالیں گی اور عاداتِ مسکینیہ۔ قناعت۔ سخاوت۔ عفت و پاکدامنی۔ شفقت۔ حلم۔ تواضع۔ علم و بصیرت علاقاءِ قالب میں قحط الرجال کے زمانے میں مغلوب رہیں گی۔ جسدِ انسانی میں چار نفس ہیں اور چاروں ہی ترجمانِ قالب ہیں ۱ نفسِ امارہ ترجمانِ شیطان مخبرِ ابلیس ہے ۲ نفسِ مطمئنہ ترجمانِ عرش، جبروت ۳ مخبرِ فرش، ناسوت ہے ۴ نفسِ لوامہ حواسِ خمسہ ظاہری اور حواسِ خمسہ باطنی کے درمیان ترجمان و مخبر ہے ۵ نفسِ ملہم قلب و فکر کے درمیان ترجمان ہے۔ نفسِ ملہم ہی ملکوتِ روحانی میں پروازِ جاودانی اور سیرِ جنانی کرتا ہے۔ مشاہداتِ قلب سے بہرہ مند ہو کر قوتِ فکر کی طرف لوٹتا ہے یہی نفس فکرِ مبہوت اور قلبِ ملکوت کے درمیان عظیم رابطہ ہے اور دل کی زبان سمجھتا ہے۔ لسانِ خیال اور لغاتِ فکر سے واقف ہے۔ قلبِ لاہوتی بذریعہ نفسِ ملہم فکرِ مبہوتی کو مشورہ دیتا ہے کہ اشارۂ خفیہ پر عمل اس طرح کرو کہ لطائفِ قدس کے ہفت اقلیم میں بشریت کی سات صفات کی تربیت کے لئے وارداتِ احوال کے سات زمانوں میں مجاہداتِ ذکر اللہ سے زمینِ معرفت میں حصولِ انوار کی کھیتی باڑی کرو اور اخلاقِ حمیدہ سے جو کچھ کشتِ اعمال میں جمع پاؤ تم اس کو خزانۂ ولایتِ کبریٰ میں جمع کر رکھو۔ بجز اُن اعمالِ شریعت کے جن کو چھپانا گناہ ہے صوفیائے کرام فرماتے ہیں شریعت غذا ہے جس کے بغیر گذارہ نہیں اس کو بازارِ طلب میں کھلی دکانوں پر بیچو تاکہ ہر طالب کو ہر موسم میں ملے۔ اور طریقت لذتِ عشق کے پھل ہیں جو صرف ایمانی صحت مندوں کو دیئے جاتے ہیں اور صرف زمانۂ موسم میں ملتے ہیں موسم کے بعد چھپالئے جاتے ہیں کیونکہ باسی اور خراب ہونے کا خطرۂ شیطانی ہر وقت لگا ہوا ہے جس طرح بے موسمی پھل کھلانا مضرِ صحت ہیں اسی طرح نااہل کو طریقت کے راز سمجھانا اور شریعت کے بغیر گلستانِ طریقت میں آنا محرومی کا باعث ہے جو شریعت سے دور ہے وہ نااہلِ طریقت ہے طریقت کے پھل ایمان کی پھلیوں میں رکھنا ہی اہلِ سعادت کا عمل صالح ہے ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ سَبْعٌ شِدَادٌ یَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ اِلَّا قَلِیْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ثُمَّ یَاْتِیْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَامٌ فِیْهِ یُغَاثُ النَّاسُ وَفِیْهِ یَعْصِرُوْنَ ۝ اس مجاہدۂ ہفت اقلیم کے بعد قحطِ حجاب کے ابتلاؤ امتحان کے سات ایسے سخت قبض فیض آتے ہیں کہ اگر صاحبِ ولایتِ عظمیٰ نے پہلے سے مجاہدات کے

خزانے جمع نہ کئے ہوں تو وادیِ حیرت کے سُراب خشک کی تشنگیِ محبت سے ہلاک ہوجاتے کیونکہ عاشقِ صادق کی بھوک پیاس محض غذاءِ وصل اور بقاءِ مسجود ہے جسم کی خوراک غذاءِ رزق ہے اور روح کی غذا ملاقاتِ محبوب ہے یہ ابتلاءِ عشق کے سات سال ذاتِ وحدت کے سوا سب کو فنا کردیتے ہیں اس لئے کہ عشق ایسی آگ ہے جو ماسوا اللہ کو جلا کر فنا فی اللہ کردیتی ہے یہ عشق ہی ہے جس کے ہر شعلے سے لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا ھُوْ کی صدا سنائی دیتی ہے۔ اس ہفت رنگ دریاءِ وحدۃ الوجود کے فنا سے گزرنے کے بعد پھر وارداتِ احوال کا ایک سال ایسا آتے گا کہ حدِ بلاغت قریب ہوگی اور آئینۂ قلب میں نورِ عقل کی بارشیں ہوں گی اور بھولے بھٹکے انسان الہامِ حق کے گچھے چنیں گے اور صفاتِ بشریت کے سات سال کی نحوست زائل ہوگی اعضاءِ جوارح عالَمِ اجساد کے چمن سے روحانیت کے انگوروں کی قوتِ لطف سے محبت کی شراب نچوڑیں گے جس کے پینے سے سالکِ معرفت کو منزلِ جذباتِ عنایات مل جاتے گی معاملاتِ شریعت میں بندۂ اسرار کو لذتِ دائمی نصیب ہوگی۔ انانیت کے پردے دور ہوں گے۔ یہی حقیقی کامیابی ہے۔ اطمینانِ روحانی اور امنِ بسط کے نفس ونفوس کو نفع ہوں گے اس طرح کہ کوئی مریدِ شیخ ہوتا ہے اور کوئی مراد بن جاتا ہے جو اہلِ عمل ہیں وہ جنت کے مشتاق اور جو شرابِ عشق نچوڑتے ہیں جنت اُن کی مشتاق ہو جاتی ہے۔ طالبِ محبت کو پہلے فراقِ یار کے سات روزے رکھنے پڑتے ہیں تاکہ قالب سے بیماریِ گناہ نکل جاتے یہ روزے بڑے کٹھن ہیں۔ لیکن صیامِ لذات کے بعد ایک گھڑی عیدِ وصل ہے۔ بغیر روزے کے عید نہیں ملا کرتی۔ ریا کار کو آتشِ فراق ہے مخلص کو عیدِ مراد ہے۔ کیونکہ جب سینکڑوں مصیبتوں مشقتوں کے بغیر مخلوق نہیں ملتی تو خالق کا وصل بغیر محنتِ کثیر کس طرح مل سکتا ہے۔ لہٰذا اے طالبانِ حق طلبِ مولیٰ میں اتنی محنت کرو کہ عبدِ حقیقی کے نو صفات نصیب ہوجائیں ۱؎ ملاحت ۲؎ فصاحت ۳؎ صباحت ۴؎ شجاعت ۵؎ مروت ۶؎ قوت ۷؎ دیانت ۸؎ حفاظت ۹؎ امانت یہ قلبِ ربانی کی نو منزلیں جس کو طے کرنا طالبِ حق پر فرض ہے۔ اِس لئے کہ طالبِ مولیٰ امینِ قلبِ موحد ہے اور توحید کا بوجھ سب سے زیادہ ہے۔ بدنصیب وہ جو اس امانت میں خیانت کرے۔ وصلِ ملاقات میں اِسی کی بازپُرس ہوگی کہ اے بندے تو نے کس کی محبت کی اور کس کی دشمنی۔ کس کی مانی کس کی توڑی۔ کس کی عزت کی کس کی چھوڑی وہ وقت ریا کاروں کی شرم وندامت کا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہم کو اس شرم ندامت سے بچائے۔ (روح البیان۔ عرائس۔ ابن عربی)

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ ۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ

اور بولا بادشاہ لے آؤ پاس میرے کو ان پس جب آیا ان کے پاس قاصد

اور بادشاہ بولا کہ انہیں میرے پاس لے آؤ تو جب اس کے پاس ایلچی آیا کہا اپنے رب

قَالَ ارۡجِعۡ اِلٰی رَبِّکَ فَسۡئَلۡہُ مَا بَالُ النِّسۡوَۃِ الّٰتِیۡ

فرمایا جالوٹ جا طرف مربی کے اپنے تو پوچھ اس سے کیا کیفیت ہے عورتوں کی

(بادشاہ) کے پاس پلٹ جا پھر اس سے پوچھ کیا حال ہے ان عورتوں کا جنہوں نے

قَطَّعۡنَ اَیۡدِیَہُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّیۡ بِکَیۡدِہِنَّ عَلِیۡمٌ ﴿۵۰﴾ قَالَ

جنہوں نے کاٹ لیے تھے ہاتھ اپنے بیشک رب میرا کو مکر ان کے خوب جاننے

اپنے ہاتھ کاٹے تھے بیشک میرا رب ان کا فریب جانتا ہے بادشاہ نے کہا

مَا خَطۡبُکُنَّ اِذۡ رَاوَدۡتُّنَّ یُوۡسُفَ عَنۡ نَّفۡسِہٖ ؕ

والا ہے بولا بادشاہ کیا معاملہ تھا تم عورتوں کا جب ورغلایا تم نے یوسف کو بارے

اے عورتو تمہارا کیا کام تھا جب تم نے یوسف کا جی لبھانا چاہا بولیں اللہ کو پاکی

قُلۡنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمۡنَا عَلَیۡہِ مِنۡ سُوۡٓءٍ ؕ

دل اس کے سب بولیں شان ہیں لیے اللہ کے نہیں جانا ہم نے پر ان کچھ

ہے ہم نے ان میں کوئی بدی نہ پائی

قَالَتِ امۡرَاَتُ الۡعَزِیۡزِ الۡـٰٔنَ حَصۡحَصَ الۡحَقُّ ۫

برائی بولی پڑی بیوی عزیز اب کھل گیا بھید کہ میں نے ورغلایا ان کو بارے

عزیز کی عورت بولی اب اصلی بات کھل گئی

اَنَا رَاوَدۡتُّہٗ عَنۡ نَّفۡسِہٖ وَ اِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیۡنَ ﴿۵۱﴾

میں دل ان کے اور بیشک وہ البتہ سچائی والوں سے ہیں

میں نے ان کا جی لبھانا چاہا تھا اور وہ بے شک سچے ہیں

ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ

فرمایا وہ تحقیق اس لئے ہے کہ وہ جان لے بیشک میں نے نہ خیانت کی اس کی اس کی غیر موجودگی

یوسف نے کہا یہ میں نے اس لئے کیا کہ عزیز کو معلوم ہو جائے کہ میں نے پیٹھ پیچھے اس کی

لَا يَهْدِیْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

بے شک اللہ نہیں راہ دیتا مکر کو خیانت کرنے والوں کے

خیانت کی اور اللہ دغا بازوں کا مکر نہیں چلنے دیتا

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں تعبیر بتانے کا ذکر تھا اب یہاں بادشاہ مصر کی حیرانی اور خوشی کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں دوسرے قیدی کے بھول جانے اور پھر آپ کے بہت سال تک قید میں رہنے کا ذکر ہوا اب یہاں حضرت یوسف کے صبر حلم اور کمال جراٗت مندی اور باوقار طبیعت کا ذکر ہے کہ اب بھی بادشاہ کے پاس جانے قید سے نکلنے میں جلدی نہیں کرتے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں بادشاہ کا مطلب حل کرنے کا ذکر تھا اب یہاں اپنا مسئلہ حل کرانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ واو مستانفہ جملہ قَالَ فعل ماضی اس کا فاعل اسم ظاہر الْمَلِكُ الف لام تخصیصی ہے اِئْتُوْ فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی بلانا متعدی ہے۔ نون وقایہ یاء متکلم ضمیر مفعول بہ فعل امر کا باء جارہ مفعولیت کا ہ ضمیر واحد مجرور متصل کا مرجع یوسف علیہ السلام ہیں۔ یہ جملہ مقولہ ہے قول کا فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ فاء تعقیبیہ لَمَّا ظرفیہ زمانی ہے جَآءَ فعل ماضی جَیْءٌ سے بنا اجوف یائی مہموز لام بمعنی آنا۔ پہنچنا۔ لانا۔ لے کر آنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ ہ ضمیر مفعول فیہ ظرف مکانی دراصل تھا عِنْدَهُ الرَّسُوْلُ الف لام عہدی ہے رَسُوْلٌ بروزن فعول اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی بھیجا ہوا اصطلاح میں قاصد کو کہتے ہیں۔ رُسُلٌ سے بنا بمعنی بھیجنا۔ قال فعل کا فاعل یوسف ہیں۔ ارجع فعل امر واحد مذکر حاضر رَجْعٌ سے بنا بمعنی لوٹنا اِلٰى جارہ انتہاء غایت کے لئے ہے رَبِّ مجرور معنیً بمعنی مُرَبّی سردار یعنی شاہ مصر كَ ضمیر مخاطب کا مرجع رسول ہے۔ فاء عاطفہ بمعنی ثُمَّ اِسْئَلْ فعل امر باب فتح سے واحد حاضر کا صیغہ سُؤْلٌ سے بنا بمعنی پوچھنا ما استفہامیہ یعنی حرف سوال بمعنی کیا۔ بَالُ کا ترجمہ لغوی۔ شان۔ حال اہمیت کے لئے بولا جاتا ہے بَالُ اسم جامد ہے مضاف ہے اَلنِّسْوَةِ۔ الف لام عہد خارجی ہے نِسْوَةٌ لفظاً جمع ہے۔ اَلّٰتِیْ اسم موصولہ جمع مؤنث قَطَّعْنَ فعل ماضی باب تفعیل ہے بصیغۂ جمع مونث غائب اس کا فاعل هُنَّ ضمیر جمع غائب اَيْدِیَ جمع ہے يَدٌ کی بمعنی

ہاتھ اصطلاحًا و شرعًا کندھے تک ہاتھ کو کہتے ہیں یہاں مراد انگلیاں ہیں۔ ھِنَّ ضمیر کا مرجع اَلنِّسْوَۃُ ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِھِنَّ عَلِیْمٌ اِنَّ حرف یقینی رب اسم اِنَّ بمعنٰی مُرَبِّی تب عزیز مصر مراد ہے یا بمعنٰی رب تعالیٰ تب اللہ تعالیٰ مراد ہے بازائدہ۔ کید بمعنٰی مکر۔ یا ارادہ۔ سازش مکروہ ہے جس میں اپنا فائدہ مطلوب ہو دوسرے کا نقصان ہو یا نہ ہو سازش وہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان مقصود ہو اپنا فائدہ ہو یا نہ ہو۔ ارادہ عام ہے ہر دو کو یہاں کید بمعنٰی مکر ہے۔ بحالتِ جر ہے۔ مضاف ہے ھِنَّ کی طرف ضمیرِ جمع مونث غائب کا مرجع نِسْوَۃٌ ہے۔ عَلِیْمٌ مبالغہ کا صیغہ بمعنٰی اسم فاعل یعنی خوب اچھی طرح جاننے والا قَالَ مَا خَطْبُکُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ یُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِہٖ۔ قال ماضی کا قائل شاہِ مصر ہے۔ ما استفہامیہ خَطْبُ اسم ہے بمعنٰی فعل تین معنٰی میں مستعمل ہے را بات کلام۔ اسی سے خطبہ مہ چیز ما معاملہ خواہ مال ہو بدنی ہو یا کلامی یہاں مراد کلامی اس میں مبالغہ بھی ہو جاتا ہے یعنی خوب زیادہ باتیں۔ یہاں یہ ہی مراد ہیں۔ کُنَّ ضمیر جمع مونث حاضر کا مرجع زلیخا اور اس کی سب دعوت والی سہیلیاں مراد ہیں اِذْ اسم ظرفی ہے یہ مکمل اس طرح ہوتا ہے زَمَنَ اِذْ یعنی جس وقت تخفیف کے لئے حین حذف کیا گیا رَاوَدْتُّنَّ فعل ماضی مطلق معروف بصیغۂ جمع مونث حاضر بمعنٰی مائل کیا یُوْسُفَ مفعول بہ ہے۔ عَنْ جارہ بمعنٰی مِنْ نفس بمعنٰی شخصیت مونث لفظی ہے اس کی جمع اَنْفُسٌ بھی ہے نفوس۔ نفس بمعنٰی شخص کی جمع نفوس۔ اور معانی میں جمع انفس ہوتی ہے ہ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں قُلْنَ حَاشَ لِلّٰہِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْہِ مِنْ سُوْٓءٍ۔ قُلْنَ عورتوں کا جوابی قول ہے فعل ماضی۔ حاشا یہ جملہ مقولہ چونکہ حروف استثناء استعمال مختلف ہیں۔ اِلَّا اَفرادی استثناء ہے خلا استثناءِ مکانی کے لئے۔ عدا عمومًا استثناءِ نوعی کے لئے۔ مگر حاشا کُلی استثناء کے لئے ہوتا ہے حروفِ استثناء کا کام مستثنٰی دور کرنا۔ بدیں وجہ حاشا اَوَّلاً حرفِ استثناء تھا۔ پھر منتقل کر کے اسم تنزیہی بنایا گیا اور بمعنٰی اسم فعل حاشا ماضی کے معنٰی میں یعنی ہر عیب سے پاکی ہے۔ لِلّٰہِ لام جارہ ملکیت کا یا وصفیت کا۔ لفظِ اللہ مجرور اس کا استعمال بطورِ قسم بھی ہوتا ہے بطورِ تعجب بھی۔ مَا عَلِمْنَا فعل ماضی منفی بصیغۂ جمع مونث متکلم۔ علٰی جارہ بمعنٰی فِیْ ظرفیہ ہ ضمیر کا مرجع یوسف مِنْ جارہ بیانیہ سُوْٓءٍ بمعنٰی برائی۔ جو ہر گناہ صغیرہ کبیرہ و خطا کو شامل ہوتا ہے قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّہٗ عَنْ نَّفْسِہٖ وَاِنَّہٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ قالت فعل۔ ماضی کا فاعل اِمْرَءَتْ ہے مضاف ہے۔ العزیز کی طرف یعنی زلیخا۔ اَلْئٰنَ اسم ظرفی زمانی مبنی یہ جملہ مقولہ ہے قول کا۔ حَصْحَصَ مضاعف رباعی ہے۔ حَصْحَصَۃٌ سے بنا بمعنٰی ٹ کاٹنا علیحدہ کرنا۔ چھانٹنا۔ اسی سے ہے حصہ حَصِیْصَۃٌ مخفف کر کے حصہ بنا دیا۔ مراد چھانٹنا ہوا جز کل میں۔ یہاں مراد ہے صاف نکھر گیا ظاہر ہو گیا فعل ماضی ہے اس کا فاعل اَلْحَقُّ ہے الف لام عہد ذہنی۔ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل واحد متکلم مبتدا ہے یہ جملہ اسمیہ بیان ہے سابقہ جملہ حَصْحَصَ کا۔ رَاوَدْتُّ ماضی متکلم واحد مونث متکلم مراد زلیخا ہے ہٗ ضمیر کا مرجع یوسف عَنْ جارہ بمعنٰی مِنْ نَفْسِ بحالت جر بمعنٰی شخص ہٖ کا مرجع یوسف واؤ حالیہ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ اسم اِنَّ لام کی مِنْ بعضیت کا الصّٰدِقِیْنَ جمع ہے صادق کی بمعنٰی پاک

یا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۔ اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ عورتوں کی باتیں اور صفائی بیان کرنا ہے۔ یہ تمام عبارت مقولہ ہے پوشیدہ قول کا حضرت یوسف کا قَالَ پوشیدہ جملہ ہے لِيَعْلَمَ لام تاکیدی يَعْلَمَ فعل مضارع هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل اس کا مرجع یا عزیزِ مصر ہے یا شاہِ مصر اَنِّ حرف تحقیق یاء متکلم اسم اِنَّ یہ مفعول بہ ہے لِيَعْلَمَ کا لَمْ اَخُنْ نفی جحد بلم۔ بصیغۂ واحد متکلم خَوْنٌ سے خِيَانَةٌ سے بنا بمعنی دھوکہ دینا اس کو جس نے اعتبار کیا ہو ۔ خیانت کرنا امانت میں ۔ عہد شکنی کرنا وعدہ کر کے ۔ دغا بازی کرنا اس سے جس نے نفع دیا ہو۔ یہاں پہلے اور آخری معنی مناسب ہیں۔ ہٗ ضمیر کا مرجع یا عزیزِ مصر یا شاہِ مصر بِالْغَيْبِ باء جارہ بمعنی فی ظرفیہ ملابست کی ہے تب لفظِ غیب حال ہے اَخُنْ کے فاعل کا یا مفعول بہٖ کا۔ یا یہ باء جارہ ظرفیہ کی ہے تب لفظ غیب ظرف ہے فعل کا واؤ عاطفہ اَنَّ درمیان کلام ہے اس لئے زبر والا ہوا۔ حرف تحقیق لفظ اللّٰہ اس کا اسم ہے۔ لَا يَهْدِيْ مضارع منفی بلا معنی حال۔ هُدًی سے بنا بمعنی درست راستہ پر لے جانا یا پہنچانا۔ یہاں ہدایت کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی مطلقًا چلانا کیونکہ مفعول بہ کَیْدَ یعنی مکر ہے۔ اس کے لئے سچا راستہ نہیں ہوتا اَلْخَآئِنِيْنَ الف لام استغراقی ہے۔ خَآئِنِيْنَ جمع ہے خائن کی۔ مراد ہر قسم کا خائن ہے یا صرف دغا باز۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْـَٔلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِيْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ اِنَّ رَبِّيْ بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ۝ ساقی یہ تعبیر اور نصیحتیں اور خوشخبریاں سن کر دوڑا آیا دربار میں وہاں وہ سب لوگ جمع تھے نجومی کاھن بادشاہ وزراء اُمراء عزیز وغیرہ ساقی نے بڑے اچھے انداز سے سب تقریر کو مکمل طریقے سے سنا دیا سب لوگ حیران و متعجب ہوئے کہ اتنا بڑا عالم فاضل دانشور ہماری قید میں پڑا ہے۔ اور ہمیں خبر نہیں پھر سوچا کہ اتنے سخت آنے والے زمانے کا ہم مقابلہ نہیں کر سکتے لہٰذا ایسے عقل والے انسان کی اور اس کے عظیم مشوروں کی امورِ سلطنت کے لئے سخت ضرورت ہے۔ تب بادشاہ نے اسی ساقی سے کہا کہ جاؤ یہ پروانہ لے جاؤ اور لے آؤ میرے پاس اس بزرگ کو اُئْتُوا فعل امر جمع کا صیغہ ہے جس سے ثابت ہوا کہ اس تعبیر سے بادشاہ اتنا متاثر ہوا کہ پہلے تو صرف ساقی کو تعبیر پوچھنے کے لئے بھیجا تھا مگر اب ساقی کے ساتھ اور معززین کو بھی بھیجا کہ نہایت عزت سے اس کو لے کر آؤ۔ اس جلوس کا سالار وہی ساقی تھا کیونکہ اسی کو معلوم تھا کہ یوسف کہاں ہیں۔ جمع صیغہ بولنے کا اور کوئی مقصد نظر نہیں آتا۔ بادشاہ کو آپ کے علم اور فضل سے آپ کے اعمال کا پتہ چل گیا اس لئے یہ عزت کی۔ پس جبکہ آیا وہ قاصد اس کے پاس ۔ اس گمان سے جلدی جلدی آپ کے پاس آیا کہ آپ فوراً تیار ہو جائیں گے۔ آتے ہی کہتا ہے مبارک ہو تم کو بادشاہ نے بلایا ہے۔ ہمیشہ دنیا دار اس بات پر بڑا فخر کرتے ہیں کہ ان کو کوئی وزیر یا افسر بلالے جامے میں پھولے نہیں سماتے اور ایسے دنیا پرستوں کا یہی نظریہ ہوتا ہے کہ شاید یہی سب سے بڑی خوش نصیبی ہے اسی نظریے کے تحت قاصد نے بڑے فخر سے کہا کہ اَجِبِ الْمَلِكَ بادشاہ کا بلاوا قبول فرمائیے۔ آپ نے اس کی گفتگو اور

پیغام سن کر کچھ خوشی کا اظہار نہ فرمایا۔ اور نہ ہی آپ جانے کے لئے تیار ہوتے قاصد بڑا حیران ہوا کہ اتنی بڑی خوشخبری سن کر بھی آپ متاثر نہ ہوتے اسے کیا معلوم تھا کہ نگاہِ فقر میں شانِ سکندری کیا ہے۔ آپ نے نہایت بردباری تحمل اور اطمینان سے جواب دیا۔ جا واپس لوٹ جا اپنے مربی بادشاہ کی طرف کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں جیل سے گھبرا کر ایسے ہی ایک پیغام پر چلا جاؤں گا یا تو یہ سمجھتا ہے کہ میں نے جو تجھ سے اپنے تذکرے کے متعلق پہلے کہا تھا وہ جیل سے گھبرا کر کہا تھا یا میں فقط جیل سے آزاد ہونے کا خواہش مند ہوں۔ ہرگز نہیں بلکہ میں تو اس وقت بھی اب بھی یہ چاہتا ہوں کہ فَسْئَلْهُ بادشاہ سے پوچھ کہ پہلے یہ تفتیش کرلے کہ مَا بَالُ النِّسْوَةِ ان عورتوں کا حال کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹے تھے۔ شاہِ مصر شاید عورتوں کے مکر سے ناواقف ہو اور حقیقت حال کو نہ جانتا ہو مگر میرا رب تعالیٰ بے شک ان عورتوں کے مکر کو بخوبی جانتا ہے۔ مفسرین نے فرمایا کہ حضرت یوسف نے یہ نہ فرمایا کہ بادشاہ سے کہو کہ تفتیش کرے بلکہ صرف یہ کہا کہ اے ساقی اے قاصد تو جا کر پوچھ۔ یوسف علیہ السلام کے اس طرح کہنے کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ تفتیش کا کہنے سے بادشاہ کی کسر شان تھی اور شاید وہ اس سے برا مناکر بالکل اس طرف توجہ نہ دیتا۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ جانتے تھے کہ بادشاہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ کیونکہ شہر کے لوگ واقف ہوگئے تو بادشاہ کے کانوں تک یہ بات کیونکر نہ پہنچی ہوگی۔ مگر اب بادشاہ کو یاد دلاؤ تاکہ بادشاہ کو پتہ لگے کہ جو شخص بارہ سال سے ایک ہی مقدمے میں جیل کاٹ رہا ہے اب باہر کیوں نہیں آتا محض اس لئے کہ وہ بیگناہ اور مظلوم ہے اپنی بے گناہی کو ملک والوں پر ثابت کرنا چاہتا ہے۔ تفتیش کا مقابلہ یا یاددہانی کا تذکرہ مجرم نہیں کرسکتا۔ وہ تو واقعے کا بھولنا زیادہ پسند کرتا ہے۔ اس کو تفتیش میں خطرہ ہوتا ہے۔ حضرت یوسف نے عورتوں کا نام لیا مگر زلیخا کا نام نہ لیا ہمارے مفسر کہتے ہیں کہ زلیخا کے ادب و احترام کے لئے۔ میں کہتا ہوں یہ غلط ہے۔ کیونکہ زلیخا اس وقت تک کافرہ بھی تھی اور راودہ اور فاسقہ بھی مجرمہ بھی اور نبی کی شان کے لائق نہیں کہ کافر کا احترام وادب کریں۔ صرف اس لئے نام نہ لیا کہ یہاں تفتیش میں گواہیوں کی ضرورت تھی زلیخا تو اب مدعیٰ علیہ ہوگی۔ اس کو تو خود ہی حاضر ہونا پڑے گا۔ پوچھا تو عورتوں سے جاتے گا کہ تم نے یوسف کو کیسا پایا۔ جب عورتیں ہی حق گواہی دے دیں گی تو زلیخا خود کاذبہ ثابت ہو جاتے گی۔ یا اس لئے نام نہ لیا کہ زلیخا اب بھی وارفتہ محبت ہے جیسا کہ جیل میں اطلاعیں ملتی رہتی تھیں جس کا دماغ وارفتہ ہوچکا ہو اس نے کیا صحیح بات کرنی ہے۔ اِنَّ رَبِّیْ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ رب سے مراد اللہ تعالیٰ ہے اور یہی صحیح ہے دوسرا یہ کہ رب سے مراد عزیز مصر ہے کیونکہ اس کو پہلے بھی آپ نے رب کہا ہے۔ مگر لفظ عَلِیْمٌ سے پتہ لگ رہا ہے کہ یہ دوسرا قول غلط ہے۔ آپ کے اس قول سے آپ کا صبر آپ کا تحمل بُردباری خودداری کرم عقل۔ فہم وفراست اور ثابت قدمی بدرجۂ کمال ثابت ہوئی۔ اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ازراہِ انکسار یوسف علیہ السلام کی عزت بڑھانے کے لئے فرمایا کہ مجھ کو یوسف علیہ السلام کے صبر پر تعجب ہے کہ اتنے سال جیل کاٹ کر بھی نکلنے میں جلد بازی نہیں کرتے اگر میں ان کی جگہ ہوتا تو نکلنے میں جلدی کرتا بلکہ خواب کی تعبیر بھی اس شرط پر دیتا کہ مجھ کو جیل

سے نکالو۔ یہ محض انکسار اور عزت افزائی ہے جیسے استاد شاگرد کے متعلق کہے کہ وہ تو مجھ سے بھی زیادہ سمجھدار ہے اسی طرح نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیگر انبیاء کرام کی اقوامِ عالم کے سامنے عزت افزائی فرمائی قاصد نے واپس جاکر اسی طرح سب کچھ سنا دیا بادشاہ جو پہلے ہی آپ سے متاثر ہوچکا تھا۔ اس تحمل برداشت خودداری کو سن کر اور بھی متاثر و مرعوب ہوا۔ فوراً ان تمام عورتوں کو بلایا۔ جب آگئیں تب قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ۔ کہا بادشاہ نے اے عورتو تمہارا کیا بیان ہے عدالت کے سامنے اُس وقت کے بارے میں جب تم نے زلیخا کے کہنے پر یوسف کو بہلانے پھسلانے کا جال پھیلانا چاہا تھا اُس کے قلب کے بارے یعنی دل میں وسوسہ ڈالنا چاہا تھا کیا تم نے یوسف میں کچھ میلان یا نرمی یا بگاڑ محسوس کیا تھا۔ بیک زبان سب بولیں پاک ہے اللہ یا قسم خدا کی قطعاً محسوس نہ کیا ہم نے یوسف پر ذرہ برائی کا۔ زلیخا وہیں خود آگئی تھی یا اُس کو بھی بلا لیا گیا۔ بہرحال وہ وہاں موجود تھی یا سامنے یا پس پردہ پہلے تو سنتی رہی کہ عدالت کے سامنے یہ عورتیں کیا بیان دیتی ہیں جب سن لیا کہ یہ تو سب میرے خلاف بیان دے گئیں اور اُن کی گواہی مضبوط ہے اُن کی گواہی پر ہی فیصلہ ہوگا اور امید بھی یہی تھی تب سامنے آکر بولی کیونکہ ڈر گئی تھی کہ اب اگر سچی بات نہ کی تو بڑی بے عزتی ہوگی اور ایک وجہ سچ بولنے کی یہ تھی کہ پہلے بھی وہ اقرار کرچکی تھی عورتوں کے سامنے اپنے جرم کا اور حضرت یوسف کی پاکدامنی کا یا اس لئے سچ بولا کہ یوسف کو وہ جھوٹا نہ کرسکتی تھی ہٰذا قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ بولی عزیز مصر کی بیوی کہ اَلْـٰٔنَ یعنی اب جس طرح لفظِ حین مطلق وقت کو کہتے ہیں اسی طرح اَلْـٰٔنَ موجودہ حالیہ اور مختصر وقت کو کہتے ہیں۔ اس وقت ظاہر ہوگیا یا ممتاز ہوگیا یا نکھر گیا یا علیحدہ حصہ ہوگیا حق کا۔ بہت سے حق داروں کا حصہ جب تک مخلوط رہے پتہ نہیں لگتا کس کا کتنا اور کون سا حصہ ہے علیحدگی سے پتہ لگتا ہے اسی طرح حق و باطل مخلوط ہیں تو پتہ نہیں لگتا کون حق ہے کون باطل، عورتوں کی گواہی سے دونوں علیحدہ ہوگئے یعنی باطن میں تو زلیخا اور عورتوں کو پہلے ہی پتہ تھا کہ حق کون ہے باطل کون مگر سب کے سامنے اب ایسا ظاہر ہوا ہے کہ چھپایا نہیں جا سکتا اس لئے میں بھی اقرار کرتی ہوں کہ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ میں نے اس یوسف کو اس کے دل سے پھسلایا تھا اور بے شک یہ یوسف البتہ سچوں میں سے ہے۔ کہ اس نے اس وقت بھی سچ بولا تھا جب کہا تھا رَاوَدَتْنِیْ اور اس کے بعد بھی ہر موقعے پر سچ ہی سنا گیا۔ اور یہ تفتیش بھی اُسی کے مطالبے پر ہوئی ہے جس نے اس کی سچائی پر قوی دلیل دی۔ اس میں تین قول ہیں کہ اس وقت یوسف علیہ السلام کہاں اور یہ کلام کہاں ہوا ما یوسف علیہ السلام جیل میں تھے اور کلام بھی جیل میں ہوا بادشاہ نے اپنی کچہری وہیں لگا کر عورتوں کو وہیں بلا لیا تھا مگر یہ ضعیف ہے عقل میں نہیں آتا۔ دوسرا یہ کہ دربار شاہی میں یوسف علیہ السلام آگئے تھے اور ان کے سامنے یہ سب کچھ کلام ہوا تیسرا قول یہ کہ دربار میں سب کلام ہوا مگر یوسف کو یہ کلام سن کر بعد میں بلایا گیا عورتیں ابھی موجود تھیں بادشاہ نے یہ سارے بیان سن کر جیل میں پیغام بھیجا کہ اے یوسف سب عورتوں سے تفتیش کرا لی گئی ہے۔ سب عورتوں اور زلیخا

زلیخانے اپنے جرم کا اقرار کرلیا ہے اب آؤ تاکہ تمہارے سامنے سزا سنائی جاتے۔ تب حضرت یوسف دربار میں تشریف لاتے اس طرح کہ بادشاہ کا بھیجا ہوا شاہی لباس زیب تن تھا ہزاروں کا جلوس پیادہ اور گھوڑسوار ساتھ تھا۔ خود بادشاہ کے خاص گھوڑے پر سوار تھے مگر شکر الٰہی میں نگاہیں نیچی تشکر کے آنسو رواں ہیں۔ اس وقت عزت و توقیر اور فاتحانہ شان میں آپ کو وہ وقت یاد آیا جب اسی شہر میں بیڑیاں پہنے غلامانہ حیثیت سے اون کے پھٹے لباس کے ساتھ آپ داخل ہوتے تھے اللہ اکبر واہ میرے مولیٰ تیری کبریائی کے قربان اپنے نبیوں کو کتنی عزت عطا فرماتا ہے اور تیرے دربار میں انبیاء کرام کی کتنی عظمت ہے۔ جب محل کے دربار میں داخل ہوتے تو سارا دربار بصد ادب اُٹھ کھڑا ہوا خود بادشاہ بھی جس نے پہلی دفعہ یوسف کو دیکھا تھا اور جو کبھی کسی کے لئے نہ اُٹھا تھا آج جلالِ یوسفی کی تاب نہ لاکر اپنے ملک کے سارے خزانے قدمِ یوسف پر قربان کرنے کے لئے وہ بھی اُٹھ کھڑا ہوا اور تخت کی سیڑھیوں سے نیچے اتر کر حضرت یوسف کو تخت پر اپنے ساتھ بٹھایا۔ اور بڑی محبت سے درخواست کی کہ مجرم حاضر ہیں جو چاہو سزا دلواؤ عورتیں کانپ رہی ہیں زلیخا گھبرا رہی ہے درباری دیکھ رہے ہیں بادشاہ منتظر ہے آج سب کی نگاہیں چہرہ یوسف کو دیکھ رہی ہیں جنبشِ لب کے انتظار میں عدالت کا قلم رُکا ہوا ہے حضرت یوسف نے کھڑے ہوکر پاکیزہ الفاظ میں فرمایا میں نے اپنے سب مجرموں کو معاف کیا۔ دربار میں نعرہ تحسین بلند ہوا اور تعجب سے بادشاہ نے یوسف کو دیکھا کہ ایسا حوصلہ مند انسان کبھی نہیں دیکھا واقعی عورتوں نے صحیح کہا تھا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ بادشاہ کی حیرانی کو محسوس کرتے ہوتے فرمایا ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ۝ ذٰلِكَ وہ تفتیش کا مطالبہ جو قاصد کو واپس کرکے کیا تھا میں نے اس لئے نہ کیا تھا کہ کسی کو سزا دلوائی جائے۔ بلکہ میرا مقصد یہ تھا کہ تاکہ یہ بادشاہِ مصر یا عزیز مصر جان لے بیشک میں نے اس عزیز مصر کی امانت زلیخا بیوی میں اس کی غیر موجودگی میں خیانت نہیں کی ہے۔ لِيَعْلَمَ کے فاعل میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا فاعل بادشاہ ہے دوسرا یہ کہ اس کا فاعل عزیزِ مصر ہے یہ دونوں مناسب ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کا فاعل اللہ ہے (معانی) مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ پہلے آچکا ہے۔ عَلِيْمٌ وہ سب جاننے والا ہے۔ لَمْ اَخُنْهُ کی ہُ ضمیر میں سب کہتے کہ اس کا مرجع عزیز ہے۔ یعنی بادشاہ جان لے کہ میں نے خیانت نہ کی اور یہ جان لے بے شک اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے جال اور فریب کو ہدایت کے راہ چلنے نہیں دیتا۔ اگر میں خائن ہوتا تو آج اس طرح بری نہ ہوتا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اپنے حق اور اپنی عزت کے لئے عدالت میں مقدمہ کرنا جائز ہے دیکھو حضرت یوسف نے بادشاہ کے دربار میں عورتوں اور زلیخا پر ہتکِ عزت کا دعویٰ کیا ثابت ہوا کہ عزت بچانا فرض ہے خاص کر علماء اور مشائخ کے لئے کیونکہ وہ لوگوں کو ہدایت اور تبلیغ کرنے کے لئے ہیں یہ فائدہ اِلٰی رَبِّكَ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** عدالت اور مفتی اور قاضی پر فرض ہے کہ مقدمہ کی تفتیش ضرور کرے فتویٰ بھی نی زمانہ بغیر چھان بین کے نہ دے اور دوران تفتیش صرف ان لوگوں سے پوچھے جو اس مقدمے سے متعلق ہو تاکہ

وقت بھی ضائع نہ ہو اور صحیح حالات کا پتہ لگ سکے اور گواہوں کو بھی لازم ہے کہ بغیر رو رعایت سچی بات بتا دیں یہ فائدہ مَا بَالُ اور مَا خَطْبُكُنَّ اور قُلْنَ (الخ) سے حاصل ہوا دیکھو حضرت یوسف نے صرف عورتوں کا نام لیا بادشاہ نے بھی عورتوں کو بلایا اور عورتوں نے بغیر رو رعایت سچا بیان سچی گواہی دے دی **تیسرا فائدہ** بعض بت پرست اللہ کو بھی مانتے ہیں ان میں سے ہی مصر کے لوگ تھے یہ فائدہ حَاشَ لِلّٰهِ سے حاصل ہوا کہ انہوں نے سب کے سامنے اللہ کا ذکر کیا مگر کسی نے روکا ٹوکا نہیں۔ مگر رب کا فر ہی **چوتھا فائدہ** تقویٰ اور صبر اللہ کی بڑی نعمت ہے جس کو اللہ دے دے وہ خوش نصیب ہے صبر کڑوا لگتا ہے مگر اس کا پھل اس کا انجام بہت میٹھا ہوتا ہے یہ فائدہ اِئْتُوْنِیْ و ارْجِعْ سے اور ذَالِكَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ حضرت یوسف کے تقوے اور صبر نے سب سلطنتِ مصر کو آپ کے مطیع کر دیا کہ بادشاہ بھی آپ کی خوشامد کر رہا ہے کہ حضور والا جیل سے باہر تشریف لے آئیے۔ اور سابقہ کوتاہیوں کو درگذر فرمائیے **پانچواں فائدہ** حضرت زلیخا اب نیک پاک مسلم صحابیہ اور زوجۂ یوسف ہیں ان کو برا نہ کہنا چاہئے اَبْ جو اُن کو برا کہتا یا لکھتا ہے وہ اپنے نامۂ اعمال سیاہ کرتا ہے اور گستاخانِ صحابہ واہلِ بیت میں اپنا نام درج کراتا ہے کیونکہ زلیخا نے اپنے گناہ کی توبہ کر لی قرآن پاک نے اس کا اعلان فرما دیا توبہ کرنے والا بے گناہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ اقرارِ جرم کرنے والا توبہ کرنے والا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں **پہلا اعتراض** حضرت یوسف نے كَيْدِهِنَّ کہہ کر کید کو عورتوں کی طرف کیوں نسبت کیا۔ اصل سب کام تو زلیخا کا تھا **جواب** یا اس لئے کہ عورتوں نے بھی ان ایام میں یوسف علیہ السلام کو بہلانا پھسلانا چاہا تھا۔ اپنے لئے یا زلیخا ہی کے لئے۔ یا اس لئے کہا کہ کسی چیز کے اہتمام کے لئے رواجی طور پر جمع کی ضمیر لگا دیتے ہیں مراد واحد ہی ہوتا ہے جس کی مثالیں پہلے گزریں۔ یہاں بھی مراد زلیخا ہے مگر کید کے اہتمام کے لئے هُنَّ ضمیر جمع لائی گئیں یعنی وہ اتنا بڑا کید تھا گویا بہت سوں نے کیا۔ **دوسرا اعتراض** یوسف علیہ السلام نے ذَالِكَ سے اپنا کلام شروع کیا ذٰلِكَ دور کے اشارے کے لئے ہوتا ہے۔ حالانکہ تحقیق و تفتیش تو وہیں ہو رہی تھی **جواب** ...... اولاً اس لئے کہ آپ نے ذَالِكَ سے اپنے اس قول کی طرف اشارہ کیا جو قاصد کو ارْجِعْ کہہ کر پہلے جیل میں ہی سنا چکے تھے یعنی میں نے قاصد کو اس لئے لوٹایا تھا اور یہ قول بعید ہو تھا یا زمانے کے اعتبار سے یا مکان کے لحاظ سے اس لئے ذَالِكَ بالکل درست ہے اور یا اس لئے کہ اب تفتیش بھی ہو چکی ہے جو کام ہو چکے وہ بعید ہو جاتا ہے **تیسرا اعتراض** لِيَعْلَمَ کی ضمیر فاعل بادشاہ کی لوٹتی ہے حالانکہ تسلی تو عزیز کی کرانی تھی کیونکہ عیب اُس کی بیوی سے لگا تھا۔ آپ نے یہ کیوں کہا کہ بادشاہ جان لے۔ **جواب** عزیزِ مصر کو پہلے ہی تسلی تھی اس نے بہت سی علامات اور خدائی گواہیاں پالی تھیں جس سے زلیخا کا جرم اور حضرت یوسف کی برائت ثابت ہو گئی چونکہ بادشاہ نے یہ جیل کروائی تھی اس لئے لِيَعْلَمَ کہا یعنی بادشاہ جان لے اور بادشاہ کو پتہ تھا کہ کون سی عورتیں اس میں ملوث ہیں سب سے خبردار تھا ورنہ جب عورتوں کا پچھوایا تھا تو فوراً بادشاہ نہ بلوا سکتا بلکہ پہلے پوچھتا کہ کون سی عورتیں۔ چوتھا اعتراض حضرت یوسف نے سزا کیوں نہ دلوائی اور سزا رکوا دی یہ عدالتی قانون میں

دخل اندازی ہے اپنے اثر و رسوخ سے عدالت کے قلم کو روکنا یہ خود جرم ہے جواب۔ یہ دعویٰ ہتکِ عزت کا تھا جو خالصتہً حق العبد ہے اور عدالت خود اختیار دے رہی ہے لہٰذا سزا دلوانا آپ کا اپنا حق تھا آپ نے انتہائی کرم کا ثبوت دیتے ہوئے معافی کا اعلان فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُونِي بِهِ فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ ۝ اور کہا شاہِ فکر نے نفسِ ملہم کو یوسفِ قلب کو میرے پاس بلا کر لا۔ پس جب قاصدِ فکر قلبِ ربانی کی بارگاہ میں آیا تو قلبِ منور نے کہا اپنے مربی باطنی کے پاس لوٹ جا پس پوچھ اُس سے کہ اُن فریبِ بشریت مکرِ نفسانیت دھوکۂ بہیمیت وسواسِ شیطانیت کے اب کیا خیالات ہیں جنہوں نے جمالِ قلب دیکھ کر سکینِ ذکر خنجرِ اُلفت سے ماسوا اللہ کے تعلق کی انگلیاں کاٹ لیں۔ اے نفسِ ملہم تیرا رب جس کو خود تو نے اپنا رب بنا لیا وہ تو حقیقتِ حال سے بے خبر و بے علم ہے اگرچہ فکرِ کثیر کا حامل ہے مگر حجاباتِ جہالت کا محجوب ہے۔ لیکن میرا رب جس کو میں نے رب کہا ہے اس دنیاءِ ذمیم کے مکر اور دامِ فریب کو جاننے والا ہے اَزل سے اَبد تک۔ اس خطبۂ قلبی کو سن کر نفسِ ملہم حیرت کرتا ہے اور حلیم دل صبرِ قلب کو آفرین کہتا ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں تہمت گناہ و ملامتِ دینی سے بچنا ہر مسلمان پر خصوصاً علماء اولیاء کو بچنا فرض ہے دُنیوی جاہ وعظمت کی پرواہ نہ کرے ہاں دینی عزت کو نہ جانے دے اس لئے دینی جاہ مرتبے میں عیشِ آخروی دائمی ہے اور دنیوی عزت وجاہ میں آرامِ فانی و عارضی ہے۔ عارضی کے حصول میں دائمی کو فنا نہ کرے۔ فی زمانہ صوفیا کا ملامتی فرقہ عجیب حماقت میں ہے کہ دنیوی شان وشوکت پیری مریدی زیب و زینت پر آنچ نہیں آنے دیتا۔ لیکن شریعت کے معاملے میں ہر طرح مخالفِ شریعت بن جاتا ہے۔ یہ طریقۂ ملامت نہیں بلکہ ذلتِ دینی ہے۔ صحیح طریقہ یہ ہے کہ دنیوی مصیبتوں کو دین کی عزت کے لئے پسند کرے یہی قلبِ ایمانی کا اٹل فیصلہ ہے۔ دنیوی عیش و آرام کو حمایتِ دین اور مصائب و ابتلاءِ ایمانی اور امتحانِ رحمانی کی کامیابی پر قربان کر دو یہی وہ درسِ یزدانی ہے جو قلبِ ربانی ہر نفسِ مُلہم کو عطا فرماتا ہے تب نفسِ ملہم شاہِ فکر کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ إِذْ رَاوَدتُّنَّ يُوسُفَ عَن نَّفْسِهِ ۚ قُلْنَ حَاشَ لِلَّهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِن سُوءٍ ۚ قَالَتِ امْرَأَتُ الْعَزِيزِ الْآنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ أَنَا رَاوَدتُّهُ عَن نَّفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصَّادِقِينَ مصرِ قالب کے شاہِ فکر نے قواءِ حیوانیہ اور قوتِ نفسانیہ سے کہا کیا جواب دعویٰ ہے تمہارا اُن واقعاتِ اسراریہ خفیہ کے بارے میں جب تم نے دنیا کا ورغلانا دیکھا تھا اور تم نے دنیاءِ مکر و فریب کے ساتھ مل کر قلب کو پھسلانا چاہا تھا۔ کیا تم نے قلبِ منور میں بھی کچھ میلانِ دنیا دیکھا تھا؟ قوتِ حیوانیہ وشہوانیہ نے کہا قسم ہے خالقِ قلب وجگر کی قلبِ نورانی میں ہم نے کوئی رذالت نہ دیکھی۔ وہ قواءِ نفسانیہ جن پر دنیاءِ رذیل کو بھروسہ اور حمایت کا اعتماد تھا انہوں نے تزکیۂ قلب سے متاثر ہو کر دنیا کی مخالفت اور قلب کی حمایت کی مگر قلبِ حلیم نے باوجود عداوتِ دنیا کے اور مصائب و آلامِ مکرِ دنیوی کے پھر بھی دنیا کی مخالفت نہ کی۔ یہی اہل اللہ کا طریقۂ حلم ہے۔ قلب کی منزلیں اور مقامِ جبروتی کمالِ لاہوتی اسی

دنیا کے طفیل ہے۔ اہلِ سعادت مخلوقِ خدا کا دل نہیں دُکھاتے۔ اپنے جسم پر مصیبتوں کے پہاڑ برداشت کر لیتے ہیں اور کمالِ شہود پا کر شہنشاہیتِ قالب کے تخت پر جلوہ گر ہوتے ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ ان سب مدارجِ قلبیہ کا وسیلہ اور سبب دنیا و مصائبِ دنیا ہے۔ اس لئے اہلِ حق دنیا کی برائی نہیں کرتے بلکہ حیاتِ دنیا کو بھی غنیمت و نعمت سمجھ کر شکرِ روحانی بجا لاتے ہیں۔ دنیا و ناسوت قلب کی اسی عزت افزائی اور قواءِ نفسانیہ کی مخالفت کی بنا پر اقرارِ جرم کر کے یوسفِ قلب کو ظلماتِ عقل اور جرائمِ فکر سے بری کر دیتی ہے۔ صفائیٔ قلب کا بیان دیتے ہوئے کہتی ہے کہ اب قدسیوں کی سچائی ظاہر ہو گئی ہیں نے ہی قلبِ پاکیزہ کو آلائشِ ابلیسیہ سے بہکانے پھسلانے کی کوشش کی تھی قلبِ مومن فوادِ اولیاء۔ دلِ اصفیا باطنِ عشاق تو ازل سے ہی سچوں میں سے ہے۔ میری استغفار ہی نامقبول تھی قلب کے اعمالِ صدق تو پہلے ہی رضاءِ الٰہی کے موافق تھے۔ اغراضِ ذمیمہ سے خالی اور صفاتِ نفسانیہ سے پاک تھے جب صدق میں کمال ہوتا ہے تو ذنب میں اعتراف آ جاتا ہے اور جب صدق میں اطمینان ہوتا ہے تو ذنب میں استغفار کی توفیق آ جاتی ہے کہ جب ذنبِ دنیا اعترافِ جرم کر لیتی ہے تو قلبِ صادق کہتا ہے ذٰلِكَ لِيَعْلَمَ اَنِّيْ لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَيْبِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ یوسفِ قلب نے فرمایا اہلِ حواس کے بھرے دربار میں کہ اے قالبِ مصر کے اعضاء و جوارح نفوس و عقول فکر و تدبر۔ تقدیرِ قلب کا یہ مکالمہ صرف اسی لئے ہے کہ مخالفینِ ارواح کو پتہ لگ جائے کہ قلبِ ربانی نے غیر اللہ کی محبت کا میلان کر کے اپنے مربی کی خیانت نہیں کی۔ قلب اور اہلِ قلب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خیانتِ اسرارِ الٰہیہ والوں کو منزلِ مرادِ عشق کی ہدایت نہیں دیتا۔ کیونکہ خائنِ باطنی مرادِ طلب کے پانے میں کبھی کامیاب نہیں ہوتا جس شقی کی طبیعتِ لئیم میں خیانت ہو وہ معرفت و مشاہدات محبت کی راہ نہیں پا سکتا۔ نہ مکاشفۂ اسرار کا لائق بنتا ہے خیانت مکرِ ابلیس کا جال ہے جو سالکینِ راہ کو بھٹکانے کے لئے ہے۔ بجز ربِ قدیر کے کوئی خائنین کے خفیہ جال کو نہیں توڑ سکتا۔ مسافرینِ راہِ طریقت کو چاہیئے کہ امانتِ حیاتِ دنیا میں گناہ و فسق لغزش و خطا کی خیانت نہ کریں۔ جیسے کہ امانتِ خصلتِ محمودہ ہے اسی طرح خیانت خصلتِ ذمیمہ ہے اور بد دیانتی عادتِ رذیلہ ہے۔ خزانۂ قلب میں شریعت کی نو امانتیں ہیں نماز۔ روزہ۔ ناپ۔ تول۔ بندگی۔ ودیعت۔ امامت۔ خطابت۔ زکوٰۃ و خیرات اور طریقت کی پانچ امانتیں ہیں۔ سمع بصر۔ ہاتھ۔ پاؤں۔ پیٹ۔ قلب کا کام ہے کہ ان امانتوں کو الفتِ مولیٰ اور نظامِ کائنات میں لگاتے اور ماسوا اللہ کی محبت سے بچاتے بارگاہِ قدس میں پہنچاتے۔ اسی قالب میں نفسِ امارہ ہے جو خیانت و قباحت کا مرکز ہے۔ قلبِ ربانی خطا کر سکتا ہے سرکشی نہیں کرتا لیکن نفسِ خبیث سرکشی کرتا ہے اس لئے قلب کا عیب ظاہر نہیں کیا جاتا جب مخلوق میں محبوب اپنے حبیب کا گناہ و عیب ظاہر نہیں ہونے دیتا پردہ ڈالتا ہے تو رب تعالیٰ بھی عیبِ گنہگار پر پردہ ڈالتا ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ قلبِ منور نفسِ امارہ کو تلقین کرتا ہے کہ اے مردودِ ازلی ساری عمر گناہوں میں بسر ہو گئی اب وقتِ اخیر تو سنبھل جا اور توبہ کر لے۔ بندہ راہِ حق میں جو کچھ خرچ کرتا ہے وہ اسی حق تعالیٰ کا ہے مگر اس کے باوجود اس کو بدلہ مل جاتا

ہے۔بدنصیب ہے وہ جو حق سے انعام نہ پا سکا۔ مقامِ ولایت کے قریب جاکر محروم رہا۔ قالب کی سب امانتیں اعضاءِ جوارح کے لئے ہیں مگر خود قلب این خالقِ کریم کے لئے ہے۔ یہ فروخت نہیں ہو سکتا۔ اس کا خریدار فقط اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی قلب کی حفاظت کے لئے ملائکہ اجسامِ انسانی کی حفاظت کرتے ہیں۔ تمام مخلوق میں قلبِ انسانی کا درجہ اس لئے بلند ہے کہ اس میں معرفت کی امانت ہے۔ دل مومن کے چھ نام ہیں ۱۔ زُجاج ۲۔ طاق ۳۔ چراغ ۴۔ قندیل ۵۔ آئینہ ۶۔ شعاع۔ قالبِ مومن مثلِ مکان ہے۔ زجاج مثلِ ایمان ہے۔ طاق مثلِ شریعت ہے۔ چراغ مثلِ معرفت ہے قندیل مثلِ توحید ہے آئینہ مثلِ نور ہے۔ اور شعاع مثلِ اَعمال ہے۔ بندۂ اصلیت وہ ہے جو شیطان سے بھاگے رحمان کی طرف۔ تاکہ حفاظتِ خدا کو پالے جو بندہ جستجو و خدا سے چمٹا رہتا ہے۔ وہ کبھی نہ کبھی خدا کو پالیتا ہے

آج مورخہ دس ربیع الثانی ۱۴۰۱ھ مطابق سولہ فروری ۱۹۸۱ء بروز پیر بعد نمازِ عصر بارھویں سپارے کی تفسیر صوفیانہ مکمل ہوئی اس طرح بارھواں حصہ تفسیر نعیمی کا مکمل ہوا۔ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ وَتُبْ عَلَیْنَا یَا مَوْلَانَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ شکر ہے ربِّ کائنات کا کہ تفسیر صوفیاء و اولیاء عین اس وقت مکمل ہوئی جبکہ پندرھویں صدی ہجری کی پہلی بڑی گیارھویں شریف حضور غوث الثقلین رضی اللہ عنہ کا یوم وصال اور حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی جاری کردہ محفلِ ختمِ غوث پاک کی تیاریاں ہورہی ہیں غوث پاک کے عاشق مخلص حضرت مولانا قاری علی اکبر صاحب خطیب کوٹلہ جناب قاری ہدایت اللہ صاحب خطیب آزاد کشمیر۔ اور مشہور بلبلِ پاکستان نعت خوانِ عظیم جناب عبدالستار خان نیازی فیصل آباد کی آمد آمد کا حسین انتظار ہے۔ اے میرے کریم رحیم علیم وخبیر خالق رازق مالک آج اِس راتِ ولایت کے طفیل سے میرے دل کو کھول دے دن بنادے۔ اے مولیٰ سب آنکھیں سورہی ہیں اور تارے بھی چھپ گئے ہیں مگر تو جاگ رہا ہے تیرے لطف ظاہر ہیں سب بادشاہوں نے دروازے بند کرلئے ہیں اور دروازوں پر چوکیدار اور دربان کھڑے کردیئے ہیں اور ہر دوست اپنے دوست سے علیحدہ ہے مگر تیرا دروازہ مانگنے والوں کے لئے کھلا ہے۔ یا اللہ میں سائل ہوں تیرے در پر حاضر ہوں۔ گناہگار محتاج خطاوار مسکین ہوں۔ تیرے دروازے پر کھڑا ہوا ہوں۔ تیرے ہی در پر آیا ہوں۔ اے رحیم تیری رحمت کا امیدوار ہوں۔ اے کریم اے ارحم الراحمین آستانے پر آیا ہوں تاکہ تو نگاہِ لطف سے میری طرف دیکھے۔ اے رات کے اندھیرے میں مجھ حاجتمند اور بیقرار کی دعا قبول کرنے والے۔ اے مرض کی حالت میں نقصان اور مصیبت کو دفع کرنے والے۔ جو لوگ تیرے قرب میں آتے وہ گردِ کعبۂ عشق میں سوتے اور صبح محبت کی حطیم میں بیدار ہوتے۔ اے قیوم تیری سخاوت کی آنکھ نہیں سوتی۔ اگر نیکوں کے سوا تیری عطا کا کوئی امیدوار نہیں تو مجھ جیسے گناہگار پر کون بخشش کرے گا۔ اے رب اے مولا۔ کعبۂ حرم کے حق کے صدقے میرے رونے پر رحم کر تو غفور ہے میرے گناہ بخش دے اور کرم سے معاف فرمادے۔ معافی کا انعام محض کرم سے عطا فرما۔ اے کریم مولیٰ اگر میں علم اد

معرفت کے ساتھ تیری اطاعت کروں گا تو تیرے ہی لئے شکر اور حمد ہے اور مجھ پر تیرا احسان ہے۔ اور اگر میں نے تیری نافرمانی کی تو تیری سزا مجھ پر قائم ہے۔ اے اچھے اللہ مجھ پر رحم کر کے میرے سب گناہ بخش دے اور میرے اعمال کو میرے آقا کی آنکھوں کی ٹھنڈک بنا صلے اللہ علیہ وسلم اپنے حبیب مقبول بارگاہِ ازلی کے دیدار کے شرف سے مجھ کو محروم نہ رکھ۔ اے عالمین کے رب میں ساری مخلوق کو چھوڑ کر قصد کر کے تیرے پاس آیا ہوں تیری بخششوں کے دروازے پر آیا ہوں۔ تو گناہگاروں کی پناہ ہے۔ اپنے فضل سے مجھ پر رحم کر۔ اے میرے رب حقیقت میں تو ہی صاحبِ فضل واحسان ہے۔ اور وادیِ گناہ کی دہشت زدہ لوگوں کا مونس ہے اے رحیم کریم دنیا وآخرت تیرے بغیر اچھی نہیں۔ اے غفور کائنات نیکیوں سے تجھے کچھ فائدہ نہیں اور بدیوں سے تجھے کچھ نقصان نہیں۔ میں گناہوں کا ذخیرہ ہوں اگر تو معاف فرمادے تو میرا فائدہ ہے اگر معاف نہ فرمائے تو میرا نقصان ہے میں حقیر تیرا ہی بندہ ہوں تو حقیروں کم عقلوں سے پیار فرمانے والا ہے۔ اے میری حفاظت کرنے والے مجھے ہر وقت تجھ سے حاجت اور امید ہے۔ میں نے اپنی مصیبت کی شکایت تجھ سے کی اے امیدوں کو پورا کرنے والے تو ہی میری مصیبت کو دور کرنے والا ہے میرے سب گناہ بخش دے اور میری حاجت پوری کر میرا توشہ کم ہے۔ میں جانتا ہوں مجھ کو منزل تک نہیں پہنچا سکتا۔ منزل دور ہے توشہ کم ہے اس لئے میرے ساتھ اگر تیری امداد نہ ہو تو میرے لئے رونا ہی رونا ہے۔ میں نے نہایت برے عمل کئے بدعملی نے مجھ کو ذلیل اور خوار کیا۔ دنیا میں مجھ سے زیادہ کسی کے پاس گناہ نہیں۔ مجھ جیسا بدکار کوئی نہیں تجھ جیسا ستار کوئی نہیں۔ میں مسافرِ تن تنہا کم لشکر ہوں رات اندھیری ہے راستہ پھسلن ہے۔ تو نے ہمیشہ مجھ کو میری رغبت سے پہلے دیا۔ اے آسمانوں کے رب اپنی بخشش کو پورا کر کے مجھے جلدی آرام پہنچا۔ تو ہی فریادیوں کی فریاد کو پہنچنے والا۔ تجھے واسطہ ہے میرے پیرومرشد کربلا کے آخری مسافر امام علی اوسط امام زین العابدین امام التائبین مقتداءِ عاشقین منتہاءِ سالکین غمزدوں کے تاجدار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا میرے بھی سینہ کربلا میں نفسِ امارہ کا شمر خنجرِ شیطانی سے قلبِ حسین کو شہید کرنے کے درپے ہے۔ میرے قلبِ پریشان کی حفاظت قربِ جمال مصطفیٰ ﷺ فرما اور شہادت گاہِ ذوق میں شہیدِ الفت کا درجہ عطا فرما۔ اس دن مجھے اللہ تعالےٰ کے سامنے کیا شرمندگی ہوگی جس وقت اللہ تعالیٰ مجھ سے فرمائے گا اے بندے میں نے تجھے پیدا کیا اور اچھے دین کے ساتھ تجھے بزرگی دی اور رکوع اور سجدے کے ذریعے تجھ کو اپنا قرب دیا اور تیرے دل کو معرفت اور سخاوت عطا کی مگر تیرے نفسِ ریا کار نے تیرے سامنے دین کے بدلے دنیا کو آراستہ کیا۔ اے بندے تو مجھ سے ہی بھاگا میری ہی مخالفت کی کیا مجھ جیسا کریم رب تجھ کو کہیں مل سکتا ہے اے میرے کریم اَب ضعیفی اور عاجزی کے وقت تو نے مجھ پر مہربانی کی اور راتوں کی تاریک جنگلوں میں میری مدد کی اپنے ولیوں کے ذریعے تو نے میرا حال اچھا کر دیا۔ تو نے مجھ کو خونخوار دشمنوں کے مکر سے بچایا۔ تیرے ہی لئے حمد وثنا ہے۔ اولیاء اللہ نے فرمایا جو اخلاص کے ساتھ رب کریم کی معرفت میں قائم ہوتا ہے۔ سب چیزیں اس کے قبضہ واختیار میں ہو جاتی ہیں مگر مومن پھر بھی اس دنیا کو قید خانہ سمجھتا ہے۔ رب تعالےٰ جب دنیا سے بندے کو نکالتا ہے تو بے انتہا اکرام فرماتا

ہے۔ اسی لئے بندۂ مومن دنیا میں آنا نہیں چاہتا۔ اور کافر واپسی کے لئے مچلتا ہے۔ کافر دنیا کا خواہش مند مگر مومن متقی وہ ہے جو نفس کو خواہشوں سے دل کو ہر غفلت سے۔ حلق کو ہر ایک لذت سے۔ اعضاء کو ہر گناہ سے باطن کو ہر آفت سے بچائے جب یہ سعادت نصیب ہو تو رب تک مقامِ وصل کی امید ہے۔ جس کا ظاہر و باطن خوفِ خدا میں لرزاں ہوں وہ متقی ہے۔ ہر شخص کو جاننا چاہیئے کہ اجر دو قسم کے ہیں ۱؎ اجرِ دنیا ۲؎ اجرِ آخرت دنیا کا اجر فنا اور مشقت سے ہے اور آخرت کا اجر شفقت و الفت سے ملتا ہے اسی لئے اس کا نام جنت ہے۔ جس کا معنٰی ہے چھپا ہوا یہ اُس کا اجر ہے جو نیکی کو اِس طرح چھپائے جس طرح بدی کو چھپایا جاتا ہے۔ بندوں کو دنیا میں چار زمانے اور چار وقت عبادت و مجاہدات کے ملے ہیں ۱؎ قبلِ بلوغت ۲؎ بعدِ بلوغت ۳؎ جوانی ۴؎ بڑھاپا اور چار وقت دن رات۔ صبح۔ شام۔ ان کے اجر میں جو جنت ملے گی اس میں چار باغ۔ چار مکان۔ چار شرابیں۔ چار جوڑے ہیں۔ چار باغ۔ عدن۔ فردوس۔ نعیم۔ ماویٰ۔ چار مکان۔ دارُ السلام۔ دارُ الخلد۔ دارُ المقامہ۔ دارُ الحیات۔ چار شرابیں۔ پانی دودھ۔ شہد۔ طہور۔ چار جوڑے۔ لباسِ عطا۔ لباسِ بقا۔ لباسِ رضا۔ لباسِ لقا عابل کو یہ اجر آخرت میں ملتا ہے مگر عارف کو ہر وقت کیونکہ اُس کی نظر جب اِن انعاموں کے خالق کی طرف لگتی ہے تو بجز خدا تعالٰی سب کچھ بھول جاتا ہے۔ جو بندہ خلوص سے رب کی طرف دیکھتا ہے سب دنیا اُس کی غلام بن جاتی ہے اور دونوں جہان کی عزت پاتا ہے جب تک بندہ دنیا کی طرف دیکھے دنیا اس کو ذلت کی حقیر قیمت سے اس کو بیچ دیتی ہے۔ مخلص بندے کی نشانی یہ ہے۔ راہِ خدا میں الفتِ مصطفٰے میں ہزار مصیبتیں اٹھانی پڑیں مگر محبت سے منہ نہ پھیرے۔ عارفوں کی یہی نشانی ہے۔ اے میرے کریم یہ عارفوں کی شان تھی میرے پاس کیا ہے جو تیرے حضور پیش کروں۔ نہ میرا قیام نہ میرا رکوع سجود۔ نہ عبادت۔ نہ علم نہ زُہد اِس لائق کہ تیرے تحفے بناتے جاسکیں۔ اے کریم میں اندھا مقامِ حیرت میں کھڑا رو رہا ہوں اپنے بندوں کو میری طرف پھیر دے اور مجھ کو توفیق عطا فرما کہ تیری طرف پیدل چلوں اور تیری وصل کی راہ میں ہمت و کوشش خرچ کروں۔ میں صرف تجھ کو ہی دیکھتا ہوں کیونکہ تجھ سے زیادہ کوئی حسین اور اچھا نہیں۔ اے میرے کریم میں تیرے ولیوں کو اس لئے دیکھتا ہوں کہ ان میں تیرا ہی جلوہ آشکارا ہے اے میرے کریم رب میں سجدوں میں تیری رحمت کا منتظر ہوں۔ تو پُلِ صراط پر میری نجات کا منتظر ہو جا۔ بندے کا دین کامل ہو تو ملے جلے عمل بھی منظور ہو جاتے ہیں۔ اے رب میرا دین خالص ہے۔ مگر میرے عمل خالص نہیں اپنے کرم سے بخش دے۔ اے ساتھیو۔ قبر میں صرف دینیات کا سوال ہو گا۔ مگر قیامت میں اعمال کا آسمان کے نیچے زمین کے اوپر جلدی جلدی کچھ کر لو یہ سب کچھ تمہارے لئے ہے جب تم سب دنیا سے چلے جاؤ گے تو آسمان اور زمین توڑ دیئے جائیں گے۔ چاند سورج ستارے نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔ علماءِ کرام کی زبان میں مادیات کا نام آسمان زمین چاند سورج ستارے ہیں۔ لیکن صوفیا کی اصطلاح میں آسمان عابلِ شریعت ہے اور زمین عارفِ صالح ہے اور اُن کا نور باری تعالٰی ہے۔ پچھلی امتوں کو تین نصیحتیں توریت میں تین زبور میں ملیں اور تین انجیل ہیں۔ توریت کی

باتیں یہ ہیں کہ ۱ اللہ تعالیٰ ہر غمگین کو دوست بناتا ہے ۲ صدقہ دینے والوں کو اجر دیتا ہے ۳ موٹے کو پسند نہیں کرتا زبور کے لفظ یہ ہیں ۴ قناعت والا ہی سیر ہے ۵ جو صابر ہوا وہ کامیاب ہے ۶ گوشہ نشین بچ گیا انجیل کے اقوال یہ ہیں ۷ اصل دولت قناعت ہے ۸ ترکِ خواہشات عزت ہے ۹ عزت میں سلامتی ہے ان سب کا خلاصہ اور حصول قرآن مجید کی تین نصیحتوں میں ہے ۱۰ کہ متقی کا ہی صدقہ قبول ہوتا ہے ۱۱ متقی اور محبوب توبہ کرنے والا ہے ۱۲ اللہ تعالیٰ عارفوں عالموں مومنوں کا نور ہے۔ کامل وہ ہے جو عامل ہو پھر رب تعالیٰ اس کو عارف بنائے عامل کی تشبیہی نشان پچیس ہیں۔ عامل مثل پانی ۱ ہے۔ مثل مٹی ۲ ہے۔ مثلِ سونا ۳ ہے۔ مثلِ چاندی ۴۔ جوہر ۵ ہے۔ یاقوت ۶ ہے موتی آبدار ۷ ہے۔ مشکِ تابدار ۸ ہے۔ عنبر ۹ ہے۔ کافور ۱۰ ہے۔ ریحان ۱۱ ہے۔ شقایق ۱۲ ہے۔ مومن مثلِ کشتی ۱۳ ہے۔ براق ۱۴ ہے معراج ۱۵ ہے۔ پہاڑ ۱۶ ہے۔ آگِ عشق ۱۷ ہے۔ آندھی ۱۸ ہے۔ سورج ۱۹ ہے۔ چاند ۲۰ ہے۔ ستارہ ۲۱ ہے۔ دریا ۲۲ ہے۔ گلستان ۲۳ ہے۔ گل نرگس ۲۴ ہے۔ شہدِ خالص ۲۵ ہے۔ عمل راستہ ہے معرفت اس کی منزل جب عامل کے عمل بارگاہِ معبود میں قبول ہو جاتے ہیں تو اس کو چودہ مقامِ قربِ نصیب ہوتے ہیں ۱ عارف مثل مشک و عطر ہے ۲ معرفت مثلِ عنبر عقل بڑھاتی ہے ۳ معرفت مثلِ کافور ہے کہ قلب مومن ٹھنڈا ہوتا ہے ۴ معرفت مثلِ ریحان چمنِ قلب کو مزین کرتی ہے ۵ مثل کشتی ہے کہ نور اور دین اس میں بھرا ہے کشتیِ معرفت میں آٹھ مسافر ہیں۔ توحید۔ اخلاص۔ یقین۔ توکل۔ رضا۔ تسلیم۔ ذکر۔ شکر ۶ معرفت مثلِ براق ہے کہ بندۂ عارف کو خدا سے ملا دیتی ہے اور وصل کے عرش تک لے جاتی ہے ۷ معرفت مثل کیل ہے کہ دینِ حق کو عارف سے جوڑ دیتی ہے اور سکون پیدا کرتی ہے ۸ مثل آتشِ ہر مخالفت و گناہ کو جلا کر فنا کر دیتی ہے ۹ مثلِ آندھی ہے کہ حرص ہوس کے کیڑے کو اڑا پھینکتی ہے ۱۰ معرفت مثلِ سرسبز گھاس ہے کہ زمانے کی تبدیلی عارف کو بگاڑ نہیں سکتی ۱۱ مثلِ نرگس عارف ہمیشہ سجدہ ریز ہوتا ہے ۱۲ مثلِ دریا ہے کہ گناہوں سے ناپاک نہیں ہوتا ۱۳ مثل جنت معرفت ہمیشہ باقی رہنے والی ہے ۱۴ معرفت مثل سورج۔ چاند۔ ستارہ ہے کہ مسافرِ راہِ سلوک راہِ رو منزلِ وصل کو اسی کے ذریعہ نشاناتِ راہ کا پتہ چلتا ہے۔ یہی بھٹکتے عاشقوں کو ہدایتِ مقصود دیتی ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت دو قسم کی ہے ۱ ہدایتِ توفیق یہ ابتداءِ معرفت ہے ۲ ہدایتِ وصل الی المطلوب یہ معرفت کی انتہا ہے۔ درمیان میں چار ہدایتیں ہیں۔ پہلی ہدایت انبیاءِ کرام ہے یہ ہدایت مثلِ چراغ ہے۔ دوسری ہدایت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وسلم یہ دستگیری ہے اس کے بغیر اللہ کی ہدایتیں بھی نہیں مل سکتیں۔ دامنِ عشقِ مصطفیٰ رب مدد کی چابی ہے۔ کسی نے صدیق اکبر سے پوچھا کہ تجھ کو ہدایت کس نے دی۔ فرمایا کہ صاحبِ معراج صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ کردگار نے ہی وصل کی لذتوں سے آشنا کر کے معراجِ عرش تک راہنمائی فرمائی۔ سائل نے پوچھا کہ کیا تجھ کو اللہ نے ہدایت نہیں کی۔ فرمایا بڑا احمق ہے تفریق کی راہیں نکالتا ہے رب کی ہدایت یہ ہے کہ اس نے اپنے رسولِ حبیب کو خزانۂ معرفت دے کر بھیجا۔ اور طالب کے دل میں شوقِ وصل پیدا کیا۔ اور دامنِ یار میں منتظر بیٹھنے والوں کو وصل کی طرف کھینچا۔ تیسری ہدایت

ایمان۔ چوتھی ہدایت قرآن و مجاہداتِ نفس۔ اس ہدایت سے کمزوروں کو قوت ملتی ہے جس سے بارگاہ قدس تک پہنچنے کے قابل ہوجاتے ہیں اور ان کے چہروں پر حاضری بارگاہ کے انوار کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں۔ اے میرے رب مجھ کو بھی دامن مصطفٰے میں جگہ عطا فرما تاکہ خزانۂ معرفت سے حصہ پالوں۔ اے میرے کہنے پر چلنے والے ساتھیو دنیا اسی کی ہے جس نے اعمال صالحہ سے خزانۂ معرفت کا انعام پالیا۔ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَعُلَمَاءِ اُمَّتِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔ فقیر حقیر طالب رب قدیر، احمد یار بدایونی نعیمی۔ قادری۔ رضوی۔ حال گجرات پاکستان

۱۹-۲-۸۱

تمت بالخیر

نقل

سرٹیفکیٹ برائے تصحیح پروف ریڈر میں تصدیق کرتا ہوں کہ میں نے تفسیر نعیمی پارہ بارہواں کی تصحیح کی ہے اور بنظر غور تمام عربی عبارات و آیاتِ قرآنیہ کی صحت کردی ہے۔

اب بحمد اللہ تعالٰی اس تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ میں کوئی عربی غلطی نہیں ہے اور تصحیح شدہ با مہر سرٹیفکیٹ ادارہ نعیمی کو دیدیا ہے۔

دستخط حافظ محمد صدیق کوثر پروف ریڈر منظور شدہ حکومت پاکستان

ساکن پارموسٰی۔ تحصیل پھالیہ ضلع گجرات

نوٹ:۔ اصل سرٹیفکیٹ ادارے کے دفتر میں موجود ہے۔

محمد اکرم (ادارہ کتابت)
حضرت کیلیانوالہ شریف
ضلع گوجرانوالہ

اسمِ تاریخی

اشرفُ التفاسیر

۱۳۶۳ھ

تفسیرِ نعیمی

پارہ تیرھواں (۱۳)

مفسر صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

خلف الرشید

حکیم الامت مولانا الحاج المفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: نعیمی کتب خانہ گجرات

مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات۔ پاکستان۔

1Z83

جملہ حقوق بحق مفتی عبدالقادر خان محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــــ تفسیر نعیمی پارہ نمبر ۱۳

مفسّر ـــــــــ مفتی اقتدار احمد خان صاحب
خلف الرشید
حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی ؒ

ہدیہ ـــــــــ

سنِ اشاعت ـــــــــ جون 2006

تعداد ـــــــــ ۱۱۰۰

ناشر: **نعیمی کتب خانہ گجرات**
مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات ۔ پاکستان ۔

بسم الله الرحمن الرحيم

بحضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وسلم

بلغ العلیٰ بکمالہ

کشف الدجیٰ بجمالہ

حسنت جمیع خصالہ

صلوا علیہ وآلہ

علیہ الصلوٰۃ والسلام

کلام شیخ سعدی

کتبہ گوہر قلم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	دیباچہ۔	۳
۲	وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ آیت ۵۳، ۵۴، ۵۵	۷
۳	ماضی مضارع کو منفی کرنے کا طریقہ اور حروف	۸
۴	مَآ اُبَرِّئُ کی غلط تفسیر کا رد اور عصمتِ نبوت کا بیان	۱۰
۵	کن حالات میں کفار کی ملازمت نوکری جائز ہے	۱۲
۶	یوسف علیہ السلام اور بادشاہ مصر کی مختلف زبانوں میں گفتگو	۱۲
۷	اصل زہد و عبادت کیا ہے	۱۳
۸	وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ آیت ۵۶، ۵۷، ۵۸	۱۶
۹	یوسف علیہ السلام کو بادشاہ نے تین چیزیں دیں	۱۹
۱۰	حضرت زلیخا سے نکاح اور یوسف علیہ السلام کی اُس وقت عمر	۲۰
۱۱	جنتی چیزوں اور دنیوی چیزوں میں کس طرح فرق ہے	۲۰
۱۲	شریعت میں بندے اور اعمال و ایمان پانچ قسم کے ہیں۔	۲۱
۱۳	یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر بنتے ہی اسلامی سلطنت کس طرح سنبھالا۔	۲۱
۱۴	قحط کے سات سالوں میں غلہ کس طرح تقسیم کیا گیا	۲۲
۱۵	برادرانِ یوسف کی پہلی بار حاضری دربارِ یوسفی میں	۲۲
۱۶	بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ عزت انبیاء کرام کی ہے۔	۲۳
۱۷	مہنگائی کی حالت میں حکومت کا قبضہ منڈی بازار پر جائز ہے۔	۲۳
۱۸	وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ آیت ۵۹، ۶۰، ۶۱	۲۶
۱۹	دلہن کو جہیز کیوں دیا جاتا ہے۔ جہیز کا معنی۔	۲۷
۲۰	برادرانِ یوسف کی شاہانہ میزبانی۔ اور حضرت یوسف کی رو سے داڑھی اور [illegible] رکھنے کی وجہ۔	۳۰
۲۱	پانچ لَكُمْ فرمانے کی وجہ اعلیٰحضرت کے ترجمے کی خوبی۔	۳۲
۲۲	قالب جسمی پر اعضاءِ خفیہ کا بیان علم کی قسمیں۔	۳۴
۲۳	وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ آیت ۶۲، ۶۳، ۶۴	۳۵
۲۴	الف لام کی عربی میں قسمیں۔	۳۷
۲۵	حروفِ مجا اور حروفِ ابجد اور حروفِ عاملہ عوامل	۳۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	لکھنے کا طریقہ۔	
۲۶	لفظِ اللہ کی لغوی شان۔	۳۹
۲۷	جاہل مفسروں کی خرابیاں۔	۴۰
۲۸	حضرت یوسف کا بھائیوں کی قیمت واپس کرنے کی حکمتیں۔	۴۰
۲۹	شریعت میں چھ چیزیں ممنوع ہیں۔	۴۲
۳۰	وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا آیت ۶۵، ۶۸	۴۵
۳۱	اصل توکل علی اللہ کیا ہے۔	۴۷
۳۲	فتحوا وغیرہ صیغوں کے آخر میں الف کیوں آتا ہے	۴۷
۳۳	مبالغے کے صیغوں کی تعداد۔	۴۸
۳۴	ترجمہ اعلیٰحضرت کی خوبی۔	۵۱
۳۵	حضرت یعقوب کو یوسف علیہ السلام کا مکمل علم تھا گیارہ آیتوں سے ثبوت۔	۵۳
۳۶	وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ آیت ۶۷، ۶۸	۵۵
۳۷	کیمیت کی پندرہ قسمیں۔	۵۸
۳۸	مصر کے دروازے اور اس کی شہری حدود	۶۰
۳۹	نظرِ بد لگنا حق ہے۔ نظر اتارنے کے طریقے۔	۶۱
۴۰	کتنی چیزیں برحق ہیں اور نظرِ بد کیوں لگتی ہے۔	۶۱
۴۱	تدبیر اور تقدیر کا فرق۔	۶۳
۴۲	اللہ تعالیٰ کی خصوصی اور غیر خصوصی صفات کا فرق	•
۴۳	معرفت کے بیس علم۔	۶۵
۴۴	وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ آیت ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲	۶۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۵	بنیامین اور یوسف کی ملاقات کے وقت عمریں	۷۱
۴۶	قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا آیت ۷۳، ۷۴، ۷۵، ۷۶	۷۵
۴۷	کان فعل کی مختلف حالتیں۔	۷۹
۴۸	برادرانِ یوسف کا تقویٰ اور نیک نیتی۔	۸۰
۴۹	ذی علم اور علیم میں گیارہ طرح فرق ہے۔	۸۲
۵۰	کس جرم میں حدِ شرعی اور کس جرم میں تعزیر ہوتی ہے۔	۸۳
۵۱	قَالُوْۤا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ آیت ۷۷، ۷۸، ۷۹	۸۶
۵۲	لفظ اَبٌ کے سات معنی	۸۹
۵۳	اولادِ یعقوب کے بارے میں اسرائیلی لغو باتیں۔	۹۱
۵۴	رحم کی اپیل کا شرعی حکم۔	۹۳
۵۵	فراقِ یوسفی اور فراقِ بنیامین میں فرق۔	۹۴
۵۶	فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا آیت ۸۰، ۸۱، ۸۲	۹۶
۵۷	بھائیوں کا واپس کنعان آکر بنیامین کے متعلق بیان دینا۔	۱۰۳
۵۸	گاؤں میں جمعہ پڑھنا منع ہے۔	۱۰۴
۵۹	مایوس ہونے کی قسمیں کونسی مایوسی جائز کونسی ناجائز۔	″
۶۰	جسم انسانی میں کون بڑا ہے کون چھوٹا۔	۱۰۵
۶۱	قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا آیت ۸۳، ۸۴، ۸۵، ۸۶	۱۰۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۲	قسم کی دو قسمیں مثبت اور منفی اور ان کا نحوی فرق۔	۱۱۰
۶۳	هَمّ۔ حُزْن۔ بَثّ کا فرق	۱۱۱
۶۴	صبر جمیل کی تعریف اور قسمیں۔	۱۱۲
۶۵	غم یوسفی کی مدت تیس سال۔	۱۱۳
۶۶	شکایت کی قسمیں۔	۱۱۳
۶۷	بثّ اور حزن میں چھ طرح فرق ہے	۱۱۳
۶۸	کوئی صحابی عالم غوث قطب کا علم نبی کے برابر نہیں	۱۱۴
۶۹	بیماری سے کوئی نبی نابینا نہ ہوئے۔	۱۱۴
۷۰	يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ آیت ۸۷، ۸۸، ۸۹	۱۱۷
۷۱	تحسّس اور تجسّس کا فرق۔	۱۲۱
۷۲	کافر اور مومن کا عجیب فرق۔	۱۲۲
۷۳	یاس اور قنط کا فرق۔	"
۷۴	تصویر فوٹو ہر شریعت میں حرام تھی۔	۱۲۳
۷۵	بعض مفسروں کی غلط تفسیریں۔	"
۷۶	خریداروں نے سات میں کیا کیا قیمتیں دا کے قرض خریدا۔	۱۲۴
۷۷	دیدار یوسفی سے بھوک پیاس مٹتی تھی۔	"
۷۸	درود پاک کے اثرات و فائدے۔	"
۷۹	تلاش حق کے لیے سفر کرنا جائز و ضروری ہے۔	۱۲۵
۸۰	غیر اللہ سے فریاد کرنا جائز ہے۔	"
۸۱	کھانے پینے کی اشیا ہر طرح ناپ تول کر بیچنا جائز ہے۔	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۸۲	قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ آیت ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۹۳	۱۲۸
۸۳	سوال کی چار قسمیں ہیں۔	۱۳۰
۸۴	مدینہ منورہ کی بستی کا بانی شخص اور مدینہ طیبہ کو یثرب کہنے کی وجہ اب یثرب کہنا گناہ ہے۔	۱۳۲
۸۵	نبی کی قمیص مشکل کشا ہوتی ہے۔	۱۳۶
۸۶	وہ کونسی قمیص تھی۔	"
۸۷	برادران یوسف کے کردار اور صحابہ کرام کی جنگوں کو نوعیت کیا تھی۔	۱۳۷
۸۸	حسن یوسف دنیا کے لیے اور حسن مصطفےٰ قبر و حشر کے لیے عظیم معجزہ ہے۔	۱۳۸
۸۹	وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ آیت ۹۴، ۹۵، ۹۶، ۹۷، ۹۸	۱۴۰
۹۰	ضلال کے آٹھ معنیٰ۔	۱۴۲
۹۱	ذنب کے سات معنیٰ۔	۱۴۳
۹۲	یوسف علیہ السلام نے خواب میں بھائیوں کو ستارہ کیوں دیکھا تھا۔	۱۴۷
۹۳	دعا قبول ہونے کے بیس وقت ہیں اور اس خصوصیت کی وجہ۔	"
۹۴	نبی کی ہر چیز بے مثل ہوتی ہے۔	۱۴۸
۹۵	شریعت میں قسم کھانے کی چار قسمیں ہیں، سورۂ یوسف میں تین دفعہ قسم بولی گئی۔	۱۴۹
۹۶	فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ آیت ۹۹، ۱۰۰	

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۷	ادب کے لغوی اصطلاحی معنی۔ اور سجدے کا شرعی طریقہ۔	۱۵۴		تمنا میں فرق۔ اور شرعی حکم۔	
۹۸	لگے اور رشتے کے بھائی اور قومی بھائی میں لفظی فرق کیا ہے۔	۱۵۵	۱۱۲	کس کام پر شرما تنخواہ یعنی اجرت مانگنی جائز ہے کس پر ناجائز ہے۔	۱۶۹
۹۹	دو موقعوں پر فرشتوں نے زمین سے تا فلک قطاریں باندھیں۔	۱۵۶	۱۱۳	طریقت کے آسمان و زمین۔ موت کی قسمیں۔	۱۷۱
۱۰۰	سجدۂ یوسفی کس طرح ہوا اور کتنے افراد کنعان سے آئے	۱۵۷	۱۱۴	وَكَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْهَا آیت ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸	۱۷۲
۱۰۱	نسل یعقوب، اور نسل نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تعداد۔	〃	۱۱۵	فعل مضارع تین معنی میں آتا ہے۔	۱۷۵
۱۰۲	کنوئیں اور جیل کی مصیبتوں کا فرق۔	۱۵۸	۱۱۶	شرک فی التوحید کیا ہے۔ آیت برھان دلیل اور علامت کا فرق۔	۱۷۷
۱۰۳	سوتیلی ماں کا ادب واجب ہے۔ سجدۂ تعظیمی ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔	۱۵۹	۱۱۷	اچانک موت کا ذکر۔ کتنے انبیاء کرام کو اچانک موت شریف ہوئی۔	۱۷۹
۱۰۴	گاؤں اور شہر کا کس طرح فرق ہے۔	۱۶۰	۱۱۸	وَمَاۤ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ آیت ۱۰۹، ۱۱۰	۱۸۲
۱۰۵	مجلس انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے آٹھ دور	۱۶۱	۱۱۹	انسانوں کا نبی رسول ہونا نعمت اور کرم ہے۔	۱۸۷
۱۰۶	رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ آیت ۱۰۱، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۴	〃		مردوں کی چار خصوصیت۔	〃
			۱۲۰	مردوں کو نبی بنانے کی وجہ۔	〃
۱۰۷	زلیخا اور یوسف علیہ السلام کی عمریں خارق والد کی تخت اور سلطنت۔	۱۶۶	۱۲۱	عورتوں کو امام قاضی جج۔ پیر مرشد یا حاکم یا بادشاہ امیر قوم بنانا حرام ہے۔	۱۸۹
۱۰۸	یوسف علیہ السلام کو نو نعمتیں ملیں۔	〃	۱۲۲	لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ آیت ۱۱۱	۱۹۲
۱۰۹	یوسف علیہ السلام کی قبر کی برکتیں۔ آپ کو تین بار دفعہ دفن کیا گیا۔	۱۶۸	۱۲۳	یوسف علیہ السلام اور سرکار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانوں کا درمیانی فاصلہ۔	۱۹۵
۱۱۰	نبی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف آخری نبی عیسیٰ اور	۱۶۸			
	کل انبیاء نبی اسرائیل کی تعداد۔	〃	۱۲۴	واقعات یوسف چار طرح عبرت ہیں۔	۱۹۶
۱۱۱	اولیاء اللہ کی عظیمیں نعمت ہیں۔ موت کی دعا اور	۱۶۹	۱۲۵	سورۂ یوسف کی آخری آیت میں پانچ صفات ہیں	〃

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۱۲۶	قرآن مجید کے لیے کس کو کیا فائدہ ہوا۔	۱۹۷
۱۲۷	ہجرت کے پانچ معنی، پانچ مقام اور پانچ مدارج	۱۹۹
۱۲۸	شاعر سیالکوٹی کی فلسفیانہ خودی اور غلطی	؟
۱۲۹	سورۃ یوسف کی تفسیر کا خلاصہ۔	۲۰۰
۱۳۰	یوسف علیہ السلام کا شجرہ برادری اور والدین۔	۲۱۹
۱۳۱	یعقوب علیہ السلام کی بیویوں لونڈیوں اولاد کے نام۔	〃
۱۳۲	شاہ مصر، عزیز مصر اور زلیخا۔ قیدی ساتھیوں کے نام۔	۲۲۰
۱۳۳	کتنی قوموں کی مصر پر حکومت رہی۔	〃
۱۳۴	یوسف علیہ السلام کی امت کی تعداد چار ہزار ہوئی	〃
۱۳۵	**سورۂ رعد کا مختصر بیان اور وجہ تسمیہ**	〃
۱۳۶	سورتوں کے نام رکھنے کی وجہ کیا ہے۔	〃
۱۳۷	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ الٓمّٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ۔ آیت ۱ تا ۲	۲۲۲
۱۳۸	کسی بندے کو رب کہنا حرام ہے۔ یہ اللہ کا خصوصی نام ہے۔	۲۲۴
۱۳۹	چاند کے نام۔	۲۲۵
۱۴۰	حق کے چار معنی۔	۲۲۷
۱۴۱	حدیث و قرآن دونوں ہی وحی الٰہی ہیں۔	۲۳۰
۱۴۲	مومن کامل کی چھ نشانیاں۔	۲۳۱
۱۴۳	هُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ آیت ۳ تا ۴	۲۳۲

صفحہ	مضمون	صفحہ
۱۴۴	تجلی کے آٹھ معنی۔ مشرکیوں کی ایک کو دلیل	۲۳۴
۱۴۵	ترجمہ اعلیٰحضرت کی تفسیری خوبی۔	۲۳۵
۱۴۶	جنسیت اور تاثیر کا متحد ہونا ضروری ہے اس کا پورا بیان۔	۲۳۵
۱۴۷	مسلمانوں کے ایجاد کردہ چند علوم آسمان و زمین کی پانچ پانچ نشانیاں۔	۲۳۸
۱۴۸	آسمانوں اور زمین میں آیات الٰہیہ کی کچھ مختصر ظاہری تفصیل۔	۲۴۲
۱۴۹	سورج کے گیارہ فائدے چاند کے سات فائدے	۲۴۴
۱۵۰	زمین کی تیرہ خصوصیات۔	۲۴۵
۱۵۱	دنیا کے پہاڑوں میں بیس قسم کے پتھر ہوتے ہیں	۲۴۶
۱۵۲	دنیا کے ایک سو چھیانوے دریاؤں اور ملکوں کے نام۔	۲۴۷
۱۵۳	پانی کی حیرت کن خصوصیات۔	۲۵۰
۱۵۴	وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا آیت ۵، ۶	۲۵۸
۱۵۵	تعجیل۔ تاجیل۔ تاخیر۔ توقیت کا فرق۔	۲۶۲
۱۵۶	وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ آیت ۷، ۸، ۹	۲۶۸
۱۵۷	حرف لولا کے تین معنی۔	۲۶۹
۱۵۸	اعلیٰحضرت کے ترجمے کی شان	۲۷۰
۱۵۹	نذیر اور منذر کا فرق۔	〃
۱۶۰	رحم مادر کی حیرت کن بناوٹ۔	۲۷۴
۱۶۱	حمل کی کم از کم اور زیادہ سے زیادہ مدت	٠

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	ائمہ مجتہدین کے اقوال و مشاہدات۔	
۱۶۲	حضرت عیسیٰ کتنے عرصہ شکم مادر میں رہے اور ایک غلط قول۔	۲۷۵
۱۶۳	سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ آیت ۱۰، ۱۱، ۱۲	۲۷۸
۱۶۴	سب زمینی مخلوق انسان کی دشمن ہے کتنے فرشتے حفاظت کرتے ہیں۔	۲۸۴
۱۶۵	نیکی فوراً بڑھا کر لکھدی جاتی ہے مگر گناہ کافی دیر کے بعد۔	۲۸۵
۱۶۶	آسمانی بجلی کے فائدے اور نقصان۔	۲۸۶
۱۶۷	کس شخص نے کیا گناہ کیا جس سے ان کی نعمت چھن گئی۔	۲۸۹
۱۶۸	وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ آیت ۱۳، ۱۴، ۱۵	۲۸۹
۱۶۹	مدح۔ حمد۔ تسبیح۔ شکر۔ ثنا کا لغوی و شرعی فرق۔	۲۹۲
۱۷۰	عربی نحو میں تْ کی چھ قسمیں۔	۲۹۳
۱۷۱	خوف اور خیفہ کا لغوی فرق۔	"
۱۷۲	رعد کی تحقیق۔ برق اور صاعقہ کا فرق۔ بجلی نہ گرنے کی دعا۔	۲۹۵
۱۷۳	چار قسم کے بندوں اور سات چیزوں پر آسمانی بجلی نہیں گر سکتی۔	۲۹۵
۱۷۴	سجدۂ تلاوت کی تعداد اور سجدۂ شکر کا حکم۔	۲۹۸
۱۷۵	قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ آیت ۱۶	۳۰۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۷۶	عربی لغت میں لام کی قسمیں۔	۳۰۴
۱۷۷	معبودیتِ خدا تعالیٰ پر ایک عقلی گفتگو۔	۳۰۶
۱۷۸	کسی کو کسی چیز کا خالق یا کسی چیز کو تخلیقاتِ فلاں کہنا حرام ہے۔	۳۰۷
۱۷۹	بتوں کے نام پر لگائی ہوئی جائداد اور اشیا بتوں کی ملکیت نہ ہوں گی۔	"
۱۸۰	اولیا کی قسمیں اور اولیاء اللہ کو ماننے کا صحیح طریقہ۔	۳۰۸
۱۸۱	اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌۢ بِقَدَرِهَا آیت ۱۷	۳۱۰
۱۸۲	وادی اور اودیہ کا فرق۔	۳۱۳
۱۸۳	دنیا میں سولہ قسم کی دعائیں ہیں۔	۳۱۵
۱۸۴	باطل اور حق کی فنا و بقا کا تاریخی شاہد۔	۳۱۶
۱۸۵	اہلسنت کے چار پھول چار غنچے چار نشانات۔	۳۱۷
۱۸۶	اولیاء اللہ غوث و قطب مشکل کشا حاجت روا ہو سکتے ہیں۔	"
۱۸۷	لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا آیت ۱۸، ۱۹، ۲۰	۳۲۰
		نصف
۱۸۸	حسن کی تین قسمیں۔	۳۲۲
۱۸۹	آٹھ شخصوں کا حساب قیامت میں نہ ہوگا۔	۳۲۶
۱۹۰	دعوتِ حق کو قبول کرنے والے بندے چھ قسم کے ہیں۔	۳۳۰
۱۹۱	راہِ معرفت کے مسافر چار قسم کے ہیں اور تصوف کے چودہ طبق۔	"
۱۹۲	وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ	

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	آیت ۲۱، ۲۲، ۲۳	۳۳۱
۱۹۳	آٹھ رشتے جن کے ملانے اور صلح رحمی کا اسلامی حکم ہے۔	۳۳۵
۱۹۴	خشیت اور خوف میں چھ طرح فرق ہے۔	۳۳۶
۱۹۵	علانیہ نفقہ چار قسم کا ہے۔ پوشیدہ اور علانیہ خیرات کے طریقے۔	۳۳۷
۱۹۶	جنتِ عدن۔ جنت کی ایک گلی کا نام ہے۔	۳۳۷
۱۹۷	سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ آیت ۲۴، ۲۵، ۲۶	۳۴۱
۱۹۸	جنت میں فقیرِ الٰہی کی خصوصی شانیں اور انعامات۔	۳۴۶
۱۹۹	دنیوی اور اخروی لعنت کیا ہے۔	۳۴۷
۲۰۰	فرحتِ دنیا کے چودہ نقصان اور حیات دنیا پر سرور کے نو فائدے۔	״
۲۰۱	فخر۔ سرور۔ فرحت۔ متاعِ دنیا۔ حیاتِ طیبہ کا فرق۔	۳۴۸
۲۰۲	صبر کے اٹھائیس مقام ہیں۔	۳۵۰
۲۰۳	وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنْزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ آیت ۲۷، ۲۸، ۲۹، ۳۰	۳۵۱
۲۰۴	ذکر تین چیزوں کا نام ہے۔ اور اطمینانِ قلبی آٹھ حصوں کا نام ہے	۳۵۸
۲۰۵	طوبیٰ ایک جنتی درخت ہے اور اس کے بارے چند اقوال۔	״
۲۰۶	قلبِ انسانی اور ذکرِ قلبی کی قسمیں۔	۳۶۱
۲۰۷	وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ أَوْ قُطِّعَتْ	۳۶۲

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	بِهِ الْأَرْضُ آیت ۳۱	
۲۰۸	رب تعالیٰ کے قانونی افعال چار طرح کے ہیں	۳۶۹
۲۰۹	کفار اور گستاخوں پر رحم کھانا یا رحم کی دعا کرنا یا ان کے مطالبے ماننا گناہ و ناجائز ہے۔	۳۷۰
۲۱۰	موجوداتِ کائنات تین قسم کی ہیں۔	۳۷۲
۲۱۱	وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِنْ قَبْلِكَ فَأَمْلَيْتُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا آیت ۳۲، ۳۳	۳۷۳
۲۱۲	حرفِ قد کی تحقیق اور فائدے۔	۳۷۵
۲۱۳	استہزاءِ نبوت کیا ہے۔	۳۷۹
۲۱۴	مہلت اور ڈھیل کا فرق۔	۳۸۰
۲۱۵	لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ آیت ۳۴، ۳۵، ۳۶	۳۸۳
۲۱۶	اصلی زندگی تین قوتوں کا نام ہے۔	۳۸۴
۲۱۷	حرفِ من کے چودہ معنی۔ اور تشبیہ کی پانچ قسمیں۔	۳۸۶
۲۱۸	دنیا اور آخرت میں سایہ کا فائدہ اور سایہ تیرہ قسم کا ہے۔	۳۹۰
۲۱۹	اسی پادری اور راہب۔ صحابہ مسلمان ہوئے	۳۹۱
۲۲۰	وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ آیت ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۰	۳۹۴
۲۲۱	انبیاءِ کرام کی ازواج پاک اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج و اولاد کی گنتی۔	۴۰۰
۲۲۲	انبیاءِ کرام رسولانِ عظام اور مرسلین محترم کی تعداد۔	۴۰۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۳	تقریر کی تین قسمیں ہیں۔ گناہوں سے عذر گھٹتا ہے اور نیکیوں سے بڑھتا ہے۔	۴۰۲
۲۲۴	انبیاء کرام علیہم السلام کی جماعت اور نبوت و رسالت کا بیان۔	۴۰۵
۲۲۵	انسانیت کے چار حصے۔ انسان کے چار زمانے	۴۰۶
۲۲۶	لوحِ قضا کی چار قسمیں۔	۴۰۸
۲۲۷	اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا آیت ۴۱، ۴۲، ۴۳	۴۰۹
۲۲۸	طرف اور اطراف کا معنیٰ۔	۴۱۴
۲۲۹	کتنی قوموں سے دنیا آباد ہے اور کتنی قوموں سے دنیا برباد ہے۔	۴۱۵
۲۳۰	مکر اور تدبیر کا فرق۔ قانون اور فریب کا فرق	۴۱۵
۲۳۱	گواہی چار قسم کی ہوتی ہے۔	۴۱۶
۲۳۲	**سورۂ ابراہیم مکی ہے اس میں باون آیتیں اور سات رکوع**	۴۲۱
۲۳۳	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ الٓرٰ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ آیت ۱ تا ۳	۴۲۱
۲۳۴	سورۂ رعد اور سورۂ ابراہیم میں نو مناسبتیں	۴۲۲
۲۳۵	سببِ نزول بیان کرنا کب ضروری ہوتا ہے	۴۲۳
۲۳۶	سورۂ ابراہیم کے سات رکوعوں کی مختصر نقلی تفسیر	۴۲۶
۲۳۷	ظلمات بائیس ہیں۔	۴۲۷
۲۳۸	قرآن مجید نبی کریم کی ہدایت کے لیے نازل نہیں ہوا بلکہ امت کے لیے۔	۴۲۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۳۹	وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ آیت ۴، ۵	۴۳۱
۲۴۰	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نام موسیٰ کی وجہ تسمیہ	۴۳۴
۲۴۱	توریت عبرانی زبور یونانی اور انجیل سریانی میں تھی	۴۳۵
۲۴۲	رب تعالیٰ کی ہدایت اور توفیق کی صورتیں۔	۴۳۶
۲۴۳	حضرت موسیٰ کے نو معجزات کے نام اور ان کے علاوہ دیگر معجزے۔	۴۳۶
۲۴۴	صبر اور شکر کی پانچ پانچ قسمیں۔	۴۳۷
۲۴۵	عقل۔ علم اور صبر و شکر کا بیان	۴۳۸
۲۴۶	وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ آیت ۶، ۷، ۸	۴۴۱
۲۴۷	قبطی قوم بنی اسرائیل کو سات قسم کے ظلم سے تکلیف دیتے تھے۔	۴۴۷
۲۴۸	دنیوی باطنی علم تین قسم کے ہیں۔	〃
۲۴۹	شکر کی جامع مانع تعریف۔ اصولی نعمتیں پانچ ہیں۔	۴۴۸
۲۵۰	شکر کے فائدے میں ایک حکایت۔	۴۴۹
۲۵۱	کس شکر پر کونسی نعمت ملتی ہے۔	۴۵۱
۲۵۲	چھ رزق چھ شکر چھ زیادتیوں کا بیان	۴۵۲
۲۵۳	اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ آیت ۹	۴۵۲
۲۵۴	عاد اور ثمود کس کا نام تھا۔	۴۵۴
۲۵۵	مشہور چیزوں کو تسلیم کرنا جائز بلکہ ضروری ہے اگرچہ شرعی حدِ ثبوت تک نہ ہو۔	۴۵۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵۶	جنت کے راستے میں تین کانٹے ہیں۔	۴۶۰
۲۵۷	انبیاء کرام علیہم السلام کی تعلیم کے آٹھ درجے ہیں	۴۶۱
۲۵۸	مردِ کامل کے دس نشانات ہیں زاہد کی تین حالتیں۔	۴۶۱
۲۵۹	نبوت کے اٹھارہ خزانے ہیں۔	۴۶۳
۲۶۰	قَالَتْ رُسُلُهُمْ أَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ آیت ۱۰، ۱۱	۴۶۴
۲۶۱	بشریت صفت ہے نہ کہ ذات۔	۴۶۹
۲۶۲	انبیاء کرام معجزہ دکھانے پر ہر وقت با اختیار ہیں۔	۴۷۰
۲۶۳	اعلیٰحضرت کے ترجمہ کا کمال و خوبی۔	۴۷۱
۲۶۴	انسان کی پانچ قسمیں۔	۴۷۱
۲۶۵	وَمَا لَنَآ أَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا آیت ۱۲، ۱۳، ۱۴	۴۷۲
۲۶۶	صبر کی چار قسمیں۔	۴۷۴
۲۶۷	کھڑا ہونا پانچ قسم کا ہوتا ہے	۴۷۶
۲۶۸	ترجمۂ اعلیٰحضرت کی تفسیری شان اور خوبی	۴۷۶
۲۶۹	توکل علی اللہ چار چیزوں کا نام ہے	۴۷۷
۲۷۰	خوفِ الٰہی کی پانچ صورتیں۔ اور صدیق اکبر کی حکایت۔	۴۷۸
۲۷۱	حضرت منصور کی آخری گفتگو۔	۴۸۰
۲۷۲	شقاوت یعنی بدبختی کی تین نشانیاں ہیں۔	۴۸۱
۲۷۳	خوفِ الٰہی کے نشانات۔	//
۲۷۴	وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ آیت ۱۵، ۱۶، ۱۷، ۱۸	۴۸۲
۲۷۵	جہنم میں چودہ قسم کا عذاب ہے۔	۴۸۴
۲۷۶	دوزخیوں کا ایک گھونٹ چالیس ہزار من کا ہوگا۔	//
۲۷۷	اعمال اور افعال میں پانچ طرح فرق ہے۔ کافر کو نیک کرنا منع ہے اسی طرح اس کے اچھے کاموں کو نیکی کہنا گناہ ہے۔	۴۸۹
۲۷۸	راکھ کی پانچ خاصیتیں ہیں۔	۴۹۰
۲۷۹	أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ تا مَحِيْصٍ از آیت ۱۹ تا ۲۱	۴۹۲
۲۸۰	هَلْ اور ہمزہ استفہامیہ میں دس طرح فرق ہے۔	۴۹۵
۲۸۱	دنیا کے اعمالِ انسانی تین قسم کے ہیں۔	۴۹۶
۲۸۲	آثارِ کائنات کے برابر کسی کا علم نہیں ہوسکتا سوا قیامت۔	۴۹۹
۲۸۳	نبی ولی علما کا وسیلہ مفید ہوگا۔	//
۲۸۴	کلام میں ربط اور تعلق جوڑنا کلامِ الٰہی ہونے کی نشانی نہیں۔	۵۰۰
۲۸۵	بارگاہِ الٰہی کی حاضری تین قسم کی ہے۔	۵۰۱
۲۸۶	وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ تا عَذَابٌ أَلِيْمٌ آیت ۲۲	//
۲۸۷	میدانِ محشر کی شفاعت کا نقشہ۔	۵۰۵
۲۸۸	جہنم میں شیطان کی تقریر اور کفار سامعین کا جلسہ۔	۵۰۶
۲۸۹	رب تعالیٰ نے بندوں سے تیس وعدے فرمائے	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٢٩٠	ابلیس نے کافروں فاسقوں سے سترہ وعدے کیئے۔	٥٠٧
٢٩١	شیطان کے وسوسے ڈالنے کا طریقہ	٥٠٨
٢٩٢	دنیا کی آٹھ چیزوں کا اثر دل پر ہوتا ہے۔	//
٢٩٣	مرزائی مناظر کا ایک دیوبندی مناظر کو لاجواب کرنا۔	٥١٠
٢٩٤	سچی محبت کی تین بنیادیں۔	٥١١
٢٩٥	وَأُدْخِلَ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ تا مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ آیت ۲۳ تا ۲۶	٥١٢
٢٩٦	کلمۂ اور کلام کا باریک فرق۔ فرعٌ کی تحقیقی تفسیر۔	٥١٥
٢٩٧	قرآن مجید میں جنتیوں کے تین سلام ثابت ہیں	٥١٧
٢٩٨	تین مکمل اعمال پر تین مکمل ثواب۔ اور عمل صالح کی تین علامتیں۔	″
٢٩٩	سیرت طیبی کی پندرہ تعلیمیں۔ اور بندے کی بندگی علامات۔	٥١٨
٣٠٠	يُثَبِّتُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا تا إِلَى النَّارِ آیت ۲۷ تا ۳۰	٥٢٢
٣٠١	مغرب پرستوں سے مانع تین چیزیں کیا ہوتی ہیں۔	٥٢٦
٣٠٢	کلمہ طیبہ سے قوت ایمانی پیدا ہوتی ہے	٥٢٧
٣٠٣	قبر میں منکر نکیر کے سوالات کب سے شروع ہوئے۔	//
٣٠٤	ترجمہ اعلیٰحضرت کی خوبی۔	٥٣١
٣٠٥	متع اور متاع میں چار طرح فرق ہے۔	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٣٠٦	الحقیا نے تین نعمتوں کو تین بری خصلتوں سے بدلا۔	٥٣٢
٣٠٧	قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ تا وَالنَّهَارَ آیت ۳۱ تا ۳۳	//
٣٠٨	چاند کے ذاتی اور صفاتی نام۔	٥٣٧
٣٠٩	اقامت نماز کی بارہ شرطیں۔ بندوں کو تین چیزیں یاد دی گئی ہیں۔	٥٣٨
٣١٠	دنیا کے اصلی دریا پانچ ہیں۔	٥٣٩
٣١١	مومن پر پانچ طرح کی عبادتیں فرض ہیں۔	٥٤٠
٣١٢	دن اور رات میں تین طرح فرق ہے۔	٥٤١
٣١٣	وَآتَاكُمْ مِنْ كُلِّ مَا سَأَلْتُمُوهُ تا غَفُورٌ رَحِيمٌ آیت ۳۴ تا ۳۶	٥٤٣
٣١٤	رب تعالیٰ کی نعمتیں احسان حال زبان حال زبان ضرورت کا فرق۔	٥٤٧ //
٣١٥	ایک نقمے کے لیے رب تعالیٰ نے کتنی نعمتیں پیدا فرمائیں۔	″
٣١٦	انسان کی جبلی اور نفسانی عادات کا بیان۔	٥٤٨
٣١٧	شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت کا فائدہ۔	٥٤٨
٣١٨	رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي تا لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ۔ آیت ۳۷ تا ۳۹	٥٥٢
٣١٩	حضرت ابراہیم کا حنیف وَدُعِ کہنے کے تین مقصد۔	٥٥٨
٣٢٠	لفظ اسمٰعیل کا ترجمہ۔ ولادت اسماعیل کے	٥٥٩

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	وقت حضرت ابراہیم کی عمر۔	۵۵۹
۳۲۱	حضرت اسحٰق کی ولادت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر۔	"
۳۲۲	حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کی مختصر تفصیل اور واقعہ پس منظر۔	" "
۳۲۳	حضرت اسماعیل کی ایڑی کی رگڑ سے آب زمزم جاری ہوا۔	۵۶۳
۳۲۴	طائف شریعت کی وجہ تسمیہ۔ مطاف کعبہ میں مزارات انبیاء ہیں۔	۵۶۴
۳۲۵	صنم یعنی بتوں کی قسمیں۔	۵۶۸
۳۲۶	مرید کی قسمیں۔ متبعین کے اعمال تین قسم کے ہیں	۵۶۹
۳۲۷	علم کی تین قسمیں ہیں۔	۵۷۰
۳۲۸	راہِ سلوک میں بندے کے تیرہ حالات ہیں	۵۷۱
۳۲۹	رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ ۔تا۔ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۔ آیت ۴۰ تا ۴۳	"
۳۳۰	دعا اور ندا میں چھ طرح فرق ہے۔	۵۷۶
۳۳۱	حضرت ابراہیم کی تین دعائیں اور لفظ حاجرہ کا معنی۔	۵۷۷
۳۳۲	ابراہیم علیہ السلام کی والدہ والد اور چچا کا نام۔ اور نبی کریم کے آباؤ اجداد مومن ہوئے ہیں۔	" "
۳۳۳	والد۔ والدہ۔ ولد۔ اُم۔ اَب اور ابوی کا تحقیقی بیان۔	۵۷۸
۳۳۴	وَاَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ ۔تا۔ مِنْهُ الْجِبَالُ ۔ آیت ۴۴ تا ۴۶	" ۵۸۰
۳۳۵	قرآنِ پاک کی آیت سے کفار کے چودہ قول منقول ہیں۔	۵۸۶
۳۳۶	دوزخی لوگ ابتدائی زمانے میں عربی زبان بولیں گے اس زمانے کی مدت۔	"
۳۳۷	دوزخیوں کی ابتدائی گفتگو کتنی سورتوں میں مذکور ہے۔	۵۸۶
۳۳۸	جنتیوں کی آخری بات چیت۔	۵۸۸
۳۳۹	کفار کے منصوبے کس طرح ناکام ہوتے ہیں	۵۸۹
۳۴۰	وعظ تقریر میں لطیفے بازی ہنسانا منع ہے بلکہ آخرت اور گناہ سے ڈرنا اور ڈرانا چاہیے	۵۹۰ "
۳۴۱	فقہاء کرام کا قیاس قرآنِ مجید سے ثابت ہے	۵۹۰
۳۴۲	عارفین کے نزدیک دولت کی تین قسمیں۔	۵۹۲
۳۴۳	مومن کے چھ دوست ہیں۔	۵۹۳
۳۴۴	نفس و شیطان سے بچنے کے لیے تین چیزوں پر عمل ضروری ہے۔	۵۹۴
۳۴۵	فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ۔تا۔ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ آیت ۴۷ تا ۵۱	۵۹۵
۳۴۶	لفظ بروز اور بروزی کی وضاحت و تفسیر	۵۹۷
۳۴۷	رب تعالیٰ نے انبیاء کرام سے چودہ وعدے فرمائے۔	۵۹۹
۳۴۸	سزا اور جزا کے لیے جنت۔ دوزخ اور اس کی ابدیت کیوں ہے۔	"
۳۴۹	زمین و آسمان کس طرح کس چیز سے کس حالت میں تبدیل ہوں گے۔	" "

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۵۰	میدان محشر اور اس سے پہلے کے حالات	۶۰۰	۳۵۵	بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورۃ حجر کی ہے ۔	۶۰۴
۳۵۱	قیامت کے دن تین تکلیفیں ہوں گی	״	۳۵۶	الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ آیت ۱	۶۰۵
۳۵۲	جنت میں ایک مسجد بنائی جائے گی اس کا عرض مینارہ ۔	۶۰۱	۳۵۷	لفظ سورت کا لغوی اور اصطلاحی تفسیری بیان	۶۰۷
			۳۵۸	ہر انسان کو تین قوتیں دی گئیں ۔ عقل اور لب میں فرق	۶۱۳
۳۵۳	توبہ کے تین مقام ہیں ۔	۶۰۳	۳۵۹	سورۃ ابراہیم ۔ سورۃ حجر ۔	״
۳۵۴	هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ تا اُولُوا الْاَلْبَابِ آیت ۵۲	״	۳۶۰	سورۃ ابراہیم ۔ سورۃ حجر ۔	

دنیائے اہلسنّت میں اعلحضرت کے فتاوٰی رضویہ
کے بعد عظیم الشان مدلّل مفصّل فتاوٰی

العطایا الاحمدیہ فی فتاوٰی نعیمیہ

جلد اوّل ــــ قیمت :

جلد دوم ــــ قیمت :

جلد سوم ــــ زیر طبع ۔

کاتب : عارف حسین چھٹہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ

اور نہیں ذاتی بری سمجھتا میں اپنے آپ کو کیونکہ جنس نفس ہر وقت البتہ حکم دینے والا ہے

اور میں اپنے نفس کو بے قصور نہیں بتاتا بیشک نفس تو برائی کا بڑا حکم دینے والا ہے

بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ

برائی کا بجز اس نفس کے کہ رحم کرے میرا رب جس پر کیونکہ میرا رب ہمیشہ سے بخشنے والا۔

مگر جس پر میرا رب رحم کرے۔ بیشک میرا رب بخشنے والا۔

رَّحِيْمٌ ﴿۵۳﴾ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ

رحم کرنے والا ہے اور کہا بادشاہ نے لاؤ تم میرے پاس اس کو خالص کرنا چاہتا ہوں

مہربان ہے اور بادشاہ بولا انہیں میرے پاس لے آؤ کہ میں انہیں خاص اپنے

لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا

میں اس کو لیے اپنی حکومت کے تو جب بادشاہ نے بات کی اس سے کہا شاہ نے بیشک تم آج ہم سب کے لوں میں

لیے چن لوں پھر جب اس سے بات کی کہا بیشک آج آپ ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں یوسف

مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ﴿۵۴﴾ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَاۗىِٕنِ

قابل رہائش اور امانت دار ہو ۔ کہا بنا دے مجھ کو حاکم سلطنت کے خزانوں

نے کہا مجھے زمین کے خزانوں پر کر دے بیشک میں حفاظت والا

الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ ﴿۵۵﴾

پر کیونکہ میں حفاظت والا سمجھنے والا ہوں

علم والا ہوں

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی صفائی بیان کا ابتدائی تذکرہ تھا ان آیات میں آپ کے کلام کا تذکرہ اور تتمہ ہے دوسرا تعلق۔ پہلی آیتوں میں سابقہ الجھائیوں اور بری ذمہ ہونے کی نسبت یوسف علیہ السلام نے اپنی طرف فرمائی تھی جس میں در پردہ نبوت کی شان معصومیت کا تعارف مقصود تھا۔ ان آیات میں تمام کمالات کا ثلث کی عطاء کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف فرما کر تبلیغ احکام خداوندی کا شاندار مظاہرہ ہے تاکہ دربار مصر کے تمام امراء وزار اور بادشاہ رعایا رب کریم کے لطف و کرم پہچان کر قائل بہ ایمان ہو جائے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں پرانے دشمنوں کی زبانی حضرت یوسف کی پاکدامنی نیکی امانت داری کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں دشمنوں کی زبانی ہی تمام سلطنت و امور سلطنت کی سپرداری کا تذکرہ ہے۔ گویا کہ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کی اخلاقی فتح کا ذکر ہوا اور ان آیات میں آپ کی خداداد سیاسی فتح مذکور ہوئی۔

چوتھا تعلق۔ پچھلی آیات میں اس عشق زلیخا کے آخری انجام کا ذکر ہوا تھا جو حسن یوسفی دیکھ کر ہوا تھا۔ اب بادشاہ مصر کی اس محبت یوسفی کا تذکرہ ہے جو کلام یوسفی سن کر ہوئی گویا کہ یوسف ایک ہیں مگر ان سے نوعیت عشق جدا گانہ کر ایک عشق نے قید کرا دیا دوسرے عشق نے قید سے چھڑا یا تخت پر بٹھایا۔ یہ سب میرے رب کی شانیں ہیں۔

شان نزول یہ پوری سورت یکدم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ اس طرح کہ صحابہ کرام کی موجودگی میں چند کافروں نے یوسف علیہ السلام کا ذکر پوچھا تو نبی کریم بحکم خداوندی خانہ کعبہ میں تشریف لے آئے تب وہاں یہ پوری سورت نازل ہوئی جس طرح کہ پہلے ابتداء میں بیان کیا گیا اس لیے اس کی آیتوں کا علیحدہ شان نزول کوئی نہیں یہی خیال ہے کہ اکثر احکام کی آیتوں کے موقعہ بموقعہ شان نزول ہوتے ہیں۔ واقعات ایک دم ہی نازل ہوتے رہے۔

تفسیر نحوی وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ واؤ عاطفہ ہے اس کا ماقبل جملہ معطوف علیہ ہے۔ مَآ اُبَرِّئُ۔ فعل مضارع منفی۔ مضارع منفی کے حروف اصلیہ تین ہیں ۱۔ نفی بلا ۲۔ نفی بلم ۳۔ نفی بلن۔ اور ماضی کی نفی کا ایک حرف ما ہے۔ مگر جب کبھی ماضی مضارع کے مشابہ ہو تو ماضی منفی لا سے ہو جاتا ہے اور جب مضارع میں ماضی کی مشابہت ہو جائے تو مضارع منفی بما ہو جاتا ہے۔ جس کی قرآن مجید میں بہت مثالیں ہیں۔ یہ بھی ان میں سے ایک ہے۔ صیغہ واحد متکلم ہے۔ بَرِیٌّ سے مشتق ہے۔ ناقص یائی ہے۔ اسی سے ہے برائت۔ بَرَّءَتْ تَبْرِیْۃً باب تفعیل اس کا مصدر ہے۔ نَفْسِیْ مرکب

انانی بیاءِ متکلم۔ مفعول بہ ہے۔ اِنَّ حرف تحقیق ماابرّی کا سبب بیان کرتا ہے۔ اَلنَّفس اسم ہے اِنَّ کا الف لام جنسی ہے۔ اَمّارۃٌ خبر اِنَّ ہے لام کرو۔ اَمّارَۃٌ بروزنِ فَعّالَۃٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔ بمعنی بہت حکم دینے والا اَمْرٌ سے مشتق ہے۔ یہ عامل ہے اس کا معمول بالسُّوءِ۔ جار و مجرور متعلق ہے امارۃٌ کا۔ اِلّاَ حرفِ استثنا۔ متصل کے لیے اثنا اس کا نفس ہے اور مستثنیٰ منہ رَحِمَ ہے مَا موصولہ یا مصدریہ ظرفِ زمان فعل ماضی رَحِمَ سے مشتق ہے۔ اس کے چار معنی ہیں رحم کرنا، بخشنا، بھلا کرنا، حفاظت کرنا، نرمی کرنا۔ یہاں بمعنی حفاظت کرنا ہے۔ رَبِّیْ مرکب اضافی بطرف یاءِ متکلم ہم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا فاعل ہے رَحِمَ کا اِنَّ تحقیقیہ یا تاکیدیہ ہے ربی اس کا اسم ہے۔ غَفُوْرٌ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ نحات کے نزدیک مبالغہ کا معنیٰ ہے کسی فعل کی زیادتی یا ہمیشگی یا دونوں کو ظاہر کرنا۔ اس کے چار صیغے ہوتے ہیں (۱) فعیلٌ (۲) فعّالٌ (۳) فعولٌ (۴) کسی مصدر کو معمول بنا کر استعمال کرنا مثلاً زیدٌ عَدْلٌ۔ بروزنِ فَعْلٌ۔ رحیمٌ بروزنِ فعیلٌ مبالغہ ہے رَحْمٌ سے مشتق ہے غفورٌ اور رحیم میں یہ فرق ہے کہ غفورٌ گناہ چھپانے مٹانے بخشنے عذاب دینا۔ رحیم نعمتیں دینی اور نیکیوں کی توفیق دینی۔ دگنی ثواب عطا فرمانا۔ صاوی نے کہا کہ یہ پوری عبارت پوشیدہ عبارت کا حال ہے۔ اور واؤ حالیہ ہے۔ یعنی میں رب کریم سے برائت طلب کرتا ہوں اس حال میں کہ (الخ) وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ۔

واؤ بمعنی فِ تعقیبیہ قَالَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف اَلْمَلِکُ اس کا فاعل ہے۔ مِلْکٌ مادہ اشتقاق سے بنا ہے۔ اِئْتُوْا امر حاضر صیغہ جمع مذکر۔ اِتْیَانٌ سے بنا ہے۔ بِ مفعولیت کی ہے۔ جار مجرور متعلق امر کے ہٖ ضمیر واحد غائب متصل کا مرجع یوسف ہیں۔ اَسْتَخْلِصْهُ۔ فعل مضارع معروف واحد متکلم باب استفعال خَلَصَ سے مشتق ہے بمعنی چن لینا خالص کر لینا دراصل تھا اَسْتَخْلِصُ بوجہ جواب جزم کیا گیا۔ ہٗ ضمیر غائب متصل یوسف ہیں مفعول بہ ہے لِنَفْسِیْ جار مجرور مرکب اضافی بیاءِ متکلم۔ متعلق ہے اَسْتَخْلِصُ کا مرجع بادشاہ ہے۔ فَلَمَّا۔ ف تعقیبیہ ہے لَمَّا ظرفِ زمانی مشابہ شرط ہے۔ اسی طرح اِنَّکَ کا مرجع بہر حال یوسف ہیں۔ اَلْیَوْمَ بمعنی آج ظرف مراد زمانی مطلق زمانہ لَدَیْنَا ظرفِ مکانی مضاف بجانب ضمیر جمع متکلم مَکِیْنٌ۔ بروزنِ فعیلٌ خبر ہے اِنَّکَ میں اِنَّ کی مَکَنٌ سے مشتق ہے بمعنی محبوب۔ اَمِیْنٌ صفت ہے مَکِیْنٌ کی اَمْنٌ سے بنا بمعنے امانت دار خیانت سے بچنے والا مبالغہ ہے بروزن فعیلٌ۔ فاعل اور مفعول دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ یہاں بمعنے فاعل ہے۔ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ قَالَ فعل کا فاعل حضرت یوسف ہیں۔ اِجْعَلْنِیْ پورا جملہ مقولہ ہے اِجْعَلْ امر واحد مذکر حاضر جَعْلٌ سے بنا بمعنے بنانا۔ مقرر کرنا۔ نافذ کرنا۔ یہاں بمعنی مقرر کرنا ہے۔ نون وقایہ یِ متکلم مفعول بہ علیٰ جارہ۔ خزائن جمع خزینہ کی بمعنی جمع شدہ پونجی کثیر۔ اَلْاَرْضِ۔ بمعنے علاقۂ سلطنت۔ الف لام عہدِ خارجی ہے۔ اِنِّیْ۔ اِنَّ حرف تحقیق یاء متکلم اس کا اسم حَفِیْظٌ بروزنِ فعیلٌ خبر اِنَّ موصوف عَلِیْمٌ صفت دونوں مبالغے کے صیغے ہیں بمعنی بہت ہی سمجھداری

سے بخشنے والا اور ہر طرح جاننے والا! باحفاظت اور باشعور تقسیم کرنے والا!۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ ۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ ؕ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔۔۔ اور نہیں سمجھتا میں خود کو بری اپنے آپ کو کیونکہ نفسانیت تو برائی کا ہی حکم دینے والی ہے ہاں جس پر میرے رب نے رحم فرمایا۔ بیشک میرا رب ہمیشہ سے بخشنے والا رحم والا ہے یہ کلام حضرت یوسف کے پچھلے کلام کی علت ہے۔ یعنی پہلے فرمایا تھا لَمْ اَخُنْهُ۔ میں نے خیانت نہ کی اب اُس کی علت اس طرح بیان ہوئی کہ یہ امانتداری میری اپنی طرف سے نہیں بلکہ اُس شانِ عصمتِ نبوت کی بنا پر ہے جو رب غفور رحیم نے ہم تمام نبیوں کو عطا فرمائی اور وہی عصمتِ نبوت کسی بھی صورت میں متشکل ہو کر اُس وقت برہانِ ربی بن گئی تھی جب زلیخا نے پھسلایا تھا۔ یہاں بعض متقدمین مفسرین نے انتہائی حماقت کا ثبوت دیتے ہوئے لکھا کہ جب حضرت یوسف نے لَمْ اَخُنْهُ۔ فرمایا تو حضرت جبرئیل آئے اور کہا وَلَا حِیْنَ هَمَمْتَ۔ تب حضرت یوسف نے کہا وَمَآ اُبَرِّئُ۔ (الخ) میں کہتا ہوں کہ کتنے نادان ہیں یہ مفسرین کہ اس بیہودہ لغویات اور جھوٹی تفسیر سے صرف حضرت یوسف کی ہی گستاخی نہیں ہوتی بلکہ قرآن مجید اور جبرئیل کی بھی گستاخی ہو رہی ہے۔ کیونکہ قرآن ہَمَّ فرما کر ارادے کی نفی کر رہا ہے۔ اور جبرائیل حِیْنَ هَمَمْتَ کہہ کر ارادے کو ثابت کر رہے ہیں۔ کیا جبرائیل کی جرأت ہے کہ خدا تعالیٰ کے کلام کو غلط قرار دے۔ اور مقامِ غور ہے کہ جب حضرت یوسف نے برائی کا ارادہ کیا ہی نہیں تو جبرئیل کو جھوٹ بولنے کی کیا ضرورت ہے لہٰذا ماننا پڑے گا یہ تفسیریں غلط یہ مفسر جھوٹے۔ اللہ کے سب نبی سچے۔ کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں اور معصوم گناہ پر قادر نہیں ہوتا معصومین سے گناہ محال بالغیر ہے اِن ہی غلط تفسیروں کی آڑ لے کر ہمارے دور کے ایک کم عقل انسان نے یہاں تک گستاخی لکھ دی کہ (معاذ اللہ) انبیاء گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ اِن ہی مفسرین سے کسی نے دھوکا کھایا کہ معاذ اللہ انبیاء کو گناہ سے بچنے کا ثواب ملتا ہے۔ کیا بدنصیبی ہے کہ انبیاء کرام کو بھی عام لوگوں جیسا سمجھنے لگے۔ خیال رہے کہ ہم بندے ثواب و جزا کے محتاج ہوتے ہیں مگر انبیاء کرام کسی ثواب و جزا کے محتاج نہیں اُن کے درجے رب کے کرم سے بلند ہوتے چلے جاتے ہیں۔ گناہ تو وہ کر سکتے ہی نہیں خیال ہی نہیں آ سکتا جیسے ملائکہ۔ ہاں البتہ نیکیوں پر قربِ کمال اور خوشنودیِ رحمٰن کے تمغے ملتے ہیں۔ اسی کو اعزازی ثواب کہہ دو تو مضائقہ نہیں مگر حقیقت ہے کہ نبی اگر کوئی نیکی نہ بھی کرے تو بھی صاحبِ انعامات ہے۔ بلکہ نبی کا ہر فعل ہی امت کے لیے نیکی ہے کیونکہ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ میرا رب ہمیشہ سے بخشنے والا ہے جب کہ ابھی کوئی بدی نیکی پیدا نہ ہوئی تھی۔ ازل میں کونسی مغفرت تھی ایسی قربِ کمال و عطاءِ عصمت کے تمغے۔ فَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِىْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِىْ ۚ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ انا فصیح و بلیغ اور دلنشین وعظ سن کر شاہِ مصر نے کمال وارفتگی اور عشق یوسفی سے سرشار ہو کر کہا۔ ایسی ہستی کو میرے قربِ خاص میں لاؤ میں اُس کو اپنے لیے

خاص کر لوں۔ قرآن پاک نے حضرت یوسف کے چار کلام نقل فرمائے پہلا تعبیر خواب بیان کرنے کا جس کو بادشاہ نے سنا تو آپ کا وہ احترام دل میں پیدا ہوا جو علم دوست بادشاہوں کے دل میں ہر اہل علم کا ہوتا ہے۔ اور بادشاہ کی مرضی صرف یہ ہوئی کہ اُس کو بلاؤ تاکہ خود اُس کی زبانی تعبیر سن کر اگر ضرورت ہوئی تو اپنے درباری نجومیوں کے گروہ میں کوئی بڑا عہدہ دیدوں اس لیے اُس نے فقط۔ اِئْتُونِی بِهٖ کہا۔

دوسرا کلام۔ اَنِّی لَمْ اَخُنْهُ بِالْغَیْبِ سن کر بادشاہ دل میں تین طرح سے آپ کا دبدبۂ امانت اور محبت کا جذبہ پیدا ہوا کیونکہ پہلے کلام میں خداداد علمی ذہانت ثابت ہوئی اور اس دوسرے کلام میں تبلیغ اسلام۔ شان نبوت اور حمد باری تعالیٰ کے علاوہ آپ کی امانتداری بلند خیالات پاکدامنی دنیا سے بے رغبتی حقوق اللہ اور حقوق العباد کی حفاظت۔ بردباری جیسے جوہر تابدار ظاہر ہوئے جو ایک عالمگیر فاتح شہنشاہ کے لیے ملک چلانے میں اہم امتیازی نشانات ہوتے ہیں۔ تب بادشاہ نے آپ کو ان الفاظ محبوبانہ سے بلایا پہلے کی طرح نہیں کہ اُسی ایک قاصد کو بھیج دیا۔ بلکہ ہزاروں شان و شوکت گھوڑے جوڑے اور شاہانہ جلوس کے ساتھ بلایا۔ اس جلوس میں ستر گھوڑے شاہی اور ستر نوجوان ایک وہی قیدی ساتھی ایک سب سے حسین گھوڑے جوڑے کے ساتھ حضرت یوسف جن کی قدرتی خوشبو سے ساری فضا مہکی ہوئی تھی آج یوسف ایک انوکھی شان سے بازار مصر سے گذر رہے تھے کہ زہد و تقوے کا حسن تقدس کی تمتماہٹ رخ انور پر موجزن تھی جدھر سے گذر ہوتا سب کی آنکھیں جھک جاتیں کیا شان خداوندی ہے کہ غلام بن کر شاہی محل میں رہنے والا قیدی بنکر شاہی جیل میں ٹھہرنے والا۔ آج فاتح مصر بنکر بلکہ فاتح قلوب اہل مصر بن کر دربار شاہانہ میں جارہا ہے۔ مگر جبلی سعادتوں اور تقدس جذب و سلوک میں کوئی تغیر نہیں کہ نہ اُس وقت جزع فزع نہ آج تکبر و ریا یہ تیسرا یہ کلام کہ فَلَمَّا كَلَّمَهٗ۔ اب جب کہ شاہ نے اپنے روبرو کلام کی مٹھاس محسوس کی کہ آنکھوں میں تقدس حسن یوسف کی جھلکیاں ہیں۔ کانوں میں فصیحانہ کلام کی مٹھاس رس گھول رہی ہے۔ جبکہ قلب میں محبت نبوت کی بہاریں جھوم رہی ہیں۔ دیر تک یہ کلام جاری رہا اور حضرت یوسف نے ہی اتنی دیر کلام فرمایا شاہ مصر خاموشی سے سنتا رہا ایک ایک بات سے حمد باری کے نغمات کے سوتے پھوٹ رہے تھے۔ وفور جذبات سے لبریز ہو کر پکار اُٹھتا ہے اِنَّكَ الْیَوْمَ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ۔ آج ہمارے دلوں میں ہماری کل کائنات پر تو ہی مکین یعنی قبضہ جمانے والا اور تو ہی ہمارے دل و دماغ ملک و سلطنت کا امین ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ شاہ مصر ستر زبانیں جانتا تھا اور اُس کو اپنی اس زبان دانی پر ناز تھا۔ مگر حضرت یوسف اُس وقت کے تمام انسان و حیوان و حوش طیور کی زبانیں جانتے ہیں۔ یہ کوئی معمولی معجزہ نہیں کہ چھوٹی عمر کا جوان اتنی کثیر زبانیں جانیں اور بغیر کسی اُستاد کے۔ بوڑھے بادشاہ نے نہ معلوم کتنا عرصہ کتنی مصیبتیں جھیل کر اتنی زبانیں سیکھی ہوں گی۔ آج میں برطانیہ بریڈ فورڈ میں صرف ایک زبان انگریزی سیکھنے کے لیے شدت کا بوجھ محسوس کرتا ہوں۔ اردو میری مادری زبان۔ پنجابی وطنی زبان اور عربی فارسی

پڑھنے پڑھانے میں ساری عمر گذر گئی۔ (انشاء اللہ) پتہ لگے گا کہ نبی کی ہر چیز معجزہ ہے۔ شاہِ مصر کے پاس اگر پہلے آپ نے عبرانی میں کلام کیا مگر وہ نہ سمجھا اور بولا یہ کونسی زبان ہے آپ نے فرمایا یہ میرے آباؤ اجداد کی زبان ہے پھر آپ نے عربی میں کلام فرمایا۔ شاہ یہ بھی نہ سمجھا اور پوچھا یہ کونسی زبان ہے تو آپ نے فرمایا یہ میرے تایا زاد قبیلے عرب کی زبان ہے۔ پھر آپ نے اُس کی معلوماتی چند زبانوں میں کلام فرمایا جس سے وہ مرعوب ہوا اور سابقہ نازو غرور ٹوٹا گویا نبوت کی پہلی تبلیغ نے سرکشی و نازو غرور ختم کردیا۔ تب شاہ نے عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے کہا مَكِينٌ أَمِينٌ۔ جواباً یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ فقط یہی نہیں بلکہ۔ قَالَ اجْعَلْنِي عَلَىٰ خَزَائِنِ الْأَرْضِ إِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ۔ فرمایا مجھ کو اپنی تمام زمین سلطنت کے خزانوں پر مکین بنا۔ کیونکہ بیشک قدرتِ کاملہ نے مجھ میں یہ بھی جوہر رکھے ہیں کہ میں سارے خزانوں کا حفیظ یعنی باحفاظت باصلاحیت خرچ کرنے والا ہوں۔ اور سارے جہان کے انتظامیہ معاملات کو جاننے والا ہوں۔ یعنی جس ہستی پاک نے مجھ کو جتنی زبانیں سکھائی ہیں اسی ذاتِ اقدس نے مجھ کو اُن تمام مخلوقات کا حفیظ وعلیم بنایا ہے۔

فائدے — ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کسی بندے کو اپنے اعمال اپنی ذات اپنے علم وکمال پر ناز۔ غرور۔ اور بھروسہ نہیں کرنا چاہیئے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام نے اتنے شاندار اعمال صالحہ کرکے بھی رب تعالیٰ کی اعانت و کریمی رحیمی کا کن پیارے الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ یہ فائدہ الاَّ مَا رَحِمَ رَبِّي (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ حمد سے پہلے نعتِ انبیاء ضروری ہے۔ تاکہ معلوم ہو کہ مقصود توحید الٰہی ہے مگر پہلے وسیلہ نبوت ہونا اشد لازم۔ اس لیے پہلے نبوت سے متعارف ہو پھر وحدتِ باری تعالیٰ حاصل کرسکتے ہو۔ دیکھو حضرت یوسف نے۔ انی لم اخن فرما کر پہلے اپنا تعارف کرایا پھر رب تعالیٰ کی شانِ غفاریت کا جرچہ کیا۔ تیسرا فائدہ۔ کوئی بندہ اپنے نفسِ امارہ سے غافل نہ رہے۔ بلا جھجک ہر کتاب ہر دوست۔ ہر مجلس کو نہ لے۔ دیکھو یوسف علیہ السلام۔ شاہِ مصر کی مجلس میں جاتے وقت کس طرح اپنے نفسِ امارہ پر غورو فکر کر رہے ہیں اور سب لوگوں کو اس کے شر سے آگاہ فرما رہے ہیں یہ بھی پتہ لگا کر انبیاء کرام کے نفوس امارہ بالسُّوء نہیں ہوتے۔

احکام القرآن — ان آیات سے چند فقہی مسائل ثابت ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ لائق اور سمجھدار آدمی کو لوگوں کے سامنے اپنی حقیقی اور قابلِ ضرورت تعریف اور مدح کرنی جائز ہے یہ ریا غرور نہیں یہ مسئلہ اِنِّي حَفِيظٌ عَلِيمٌ سے مستنبط ہوا۔ دوم یہ کہ بوقتِ ضرورت شدیدہ عدل قائم کرنے اور ظالم کو روکنے۔ ملک کو تباہی سے بچانے کے لیے حکومت کی طلب جائز ہے۔ ہوس نہیں۔ سوم یہ کہ بوقتِ ضرورت کفار کی ماتحتی والی نوکری جائز ہے جب کہ اپنے دین کو نقصان کا اندیشہ نہ ہو نہ رکاوٹ ڈالی جانے کا خطرہ ہو۔ چہارم یہ کہ کفار کے صوبے لینا

تب جائز ہے جب کہ حرام مال نہ ہو۔ پنجم یہ کہ دین چھپانا آئیہ کنا حرام ہے۔ حضرت یوسف نے دورِ غلامیت سے لے کر حاضری دربار تک کہیں بھی دین نہ چھپایا

اعتراضات ان آیات کریمہ پر چند اعتراضات ہو سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ دنیا سے بے رغبتی لذات سے زہد اور آخرت میں مشغولیت انبیاء کرام کی خصوصی شان ہے پھر یوسف علیہ السلام نے طلب حکومت کیوں کی کہ فرمایا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ مجھ کو زمین کے خزانوں کا حاکم بنادے۔

جواب۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے تمام اقوال و افعال بوجہ اللہ تعالے اور منفعت دینی اور اصلاح عباد کے لیے ہوتے ہیں۔ طلب حکومت دنیوی اغراض کے لیے حرام۔ لیکن اشاعتِ دین کے لیے جائز بلکہ فرض ہے دوم یہ کہ سچا زہد و عبادت یہی ہے کہ ہمہ وقت خدمتِ دین اور اصلاحِ انسانیت میں مشغولیت ہو۔ اولاد بگڑتی ہے۔ قوم تباہ ہوتی رہے پرواہ نہ کرے خود قائم اللیل صائم الدھر بنا رہے تو یہ منشاءِ الٰہی اور تعلیم رسول اللہ کے خلاف ہے۔ ارشادِ باری ہے قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا خود کو اور اپنے اہل کو جہنم سے بچاؤ۔ حضرت یوسف کا مطالبہ یا عہدہ کربلا کسی خود غرضی کی بنا پر نہ تھا بلکہ اشاعت دین اور قوم کی اصلاح کے لیے تھا۔ اور حقیقی عبادت زہد لذاتِ دنیا سے بے رغبتی۔ توجہ الی الآخرت یہی ہے جنگلوں میں بیٹھ جانا زہد نہیں ہے وہ رہبانیت ہے۔ مولائے رومی فرماتے ہیں۔

چیست دنیا از خدا غافل بودن
نے قماش و نقرہ و فرزند و زن

زہدِ اصلی یہی ہے کہ دست بکار دل بیار۔ ہمہ کار و دل بیار و دل۔

دوسرا اعتراض۔ جب شاہ مصر نے خود ہی یہ کہدیا تھا کہ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِیْ اور خود حضرت یوسف کے سامنے بھی کہدیا تھا کہ لَدَیْنَا مَكِیْنٌ اَمِیْنٌ۔ یعنی تم کو اے یوسف ہم قابل قدر امانت دار سمجھتے ہیں۔ اور یوسف کو میں اپنے لیے چن لینا چاہتا ہوں۔ پھر حضرتِ یوسف نے خود کیوں فرمایا کہ مجھ کو خزانوں پر حاکم بنادے۔ جواب تین وجہ سے! ایک یہ کہ پہلا کلام حضرت یوسف کے سامنے نہ ہوا تھا۔ غالباً لوگوں کی زبانی حضرت کو خبر پہنچی تھی۔ دوم یہ کہ جو الفاظ مکین امین حضرت یوسف کے سامنے بادشاہ نے کہے وہ بہت معانی والا مشترک کلام تھا۔ سوم یہ کہ بادشاہ مصر اس وقت کافی متاثر اور مرعوب اور حضرتِ یوسف سے انتہائی محبت کرنے والا ثابت ہو رہا تھا۔ اس لیے یہ خیال تھا کہ شاید حضرت یوسف کو اپنے خاص ذاتی مشیروں میں رکھ لے یا اہل دربار کا سردار بنادے۔ یا اپنے ذاتی گھر میں بیٹا بنا کر رکھ لے جس کا تلخ تجربہ پہلے ہو چکا تھا۔ یہ تصور نہ بادشاہ کے ذہن میں تھا نہ اہل دربار کے دماغوں میں

اور نہ ہی شاہی کلام اس کا مقتضی تھا کیونکہ مشترک المعانی عبارتیں کسی سمت متعین نہیں ہو سکتیں۔ اور دانشور طبقہ یہ جانتا ہے کہ قوم کے رہنما مرشدین برحق کسی وقتی عزت و تکریم کو ذاتی مفاد کے لیے کبھی استعمال نہیں کرتے بلکہ کامیابی بھی یہی ہے کہ ذاتی اغراض کو قومی اور دینی مفاد پر قربان کردیا جائے۔ حضرت یوسف اُس وقت شاہ مصر سے سب کچھ منوا سکتے تھے۔ آپ کے سامنے دونوں راستے تھے اپنا ذاتی عیش و آرام بھی اور متقبل کے سات سالہ قحط زدہ بھوکے پیاسے تڑپتے بلکتے بچے بوڑھے جوان بھی۔ آپ کی نگاہِ نبوت مستقبل کے سارے نقشے کو دیکھ ہی تھی۔ آپ جانتے تھے کہ آنیوالے قحط سے نبرآزما ہونے کے لیے کسی بہت بڑے مردِ کامل ذی شعور ناظم اعلیٰ حوصلہ مند شخصیت کی ضرورت تھی۔ کنعان سے لے کر زندان تک ہر میدان ہر شخص ہر تخت و تاج ہر عدالت ہر عادل و قاضی کو آپ آزما چکے ہیں۔ عزیزِ مصر کی نامردی بھی آپ سے ڈھکی چھپی نہ تھی کہ جب چند عورتوں کے معاملات کا صحیح فیصلہ نہ کرسکا تو دور دور کی قحط خوردہ سلطنت کا بوجھ کس طرح اُٹھا سکتا ہے۔ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ مصیبت زدہ علاقے کی ذمہ داری قبول کرنا کتنا کٹھن اور دشوار ہے۔ مگر شان نبوت والے ہمدردانِ امت غمگساران قوم ان مصائب کی پرواہ نہیں کرتے اس لیے فرمایا اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ۔ بادشاہ نے غنیمت جانا کیونکہ سب حقیقت جان چکا تھا۔ تیسرا اعتراض۔ ذاتی مدح سرائی کرنا یا کرانا اور سننا خوش ہونا یہ معیوب ہے اور متکبرین مغرورین کا پیشہ ہے تو حضرت یوسف نے یہ کیوں کی کہ درباریوں سے سنی بھی اور خود بھی اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ

جواب۔ ذاتی مدح اور تعریف تب بری ہے جب کہ غرور کے لیے ہو اور اصلیت کے خلاف ہو مگر یہ سب باتیں حقیقت اور تجربے کے مطابق تھیں۔ اہل مصر نے کچھ دیکھا تھا تب کچھ کلام عزت کیا تھا۔ ہر چیز کا موقعہ ہوتا ہے۔ یہاں کفر و اغیار کے سامنے انکسار کا موقعہ نہ تھا یہاں تو زمام حکومت پکڑ کر ڈوبتی قوم کو بچانے کا مسئلہ تھا۔ اور پھر نبی کی ہر قوت۔ سطوت شان و شوکت علمی جوہر منجاب اللہ ہوتا ہے جس کا اظہار نعمت الٰہیہ کا چرچہ ہے جو عین عبادت ہے۔ موقعہ پر کسی مفید چیز کا اظہار محض مدحت سرائی نہیں بلکہ عین حکمت اور ضروری ہے۔ تڑپتے مریض کے سامنے کسی ڈاکٹر حکیم کا یہ کہنا کہ لائق حاذق ہوں مدحت سرائی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ مکمل اسلام شریعت اور طریقت کا نام ہے۔ علماءِ شرح قرآن مجید سے وہ موتی اور زرنگار لباس بُنتے ہیں جس سے انسانی ظاہری قالب درست اور مزین ہو۔ اور علماءِ طریقت صوفیاءِ کرام اسی قرآن سے وہ باطنی زیور حاصل کرتے ہیں جس سے انسان کی توجہ باطنی رموز کی طرف مبذول ہو اور قلب کو مزین کرنے کی کوشش کرے۔ اسی لیے حکم یہ ہے کہ جب تک انسان باطن میں مشغول رہے شریعت کی ڈھال پہنے رہے اور جس وقت باطن سے نکل کر ظاہر کے عروج پر آئے تو طریق کا زیور پہنے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں مرید

کی ابتدا شریعت ہے کہ اس کو شریعت کی شاہراہ پر چلائے کہ سب دیکھیں مرید کی انتہا طریقت و تصوف باطنی ہے۔ پیر کی ابتدا طریقت ہے کہ خود کو معرفت کی لہروں میں گم کردے کسی کو حقیقت کا پتہ نہ لگے حالانکہ آشکارا ہو۔ پیر کی انتہا یہ ہے کہ معرفتِ الٰہیہ کی چوٹی پر چڑھ جائے پھر مریدوں کو پتہ لگے کہ یہ کیا تھا جو ہم میں سے چلا گیا۔ حضرت یوسف جب تک مصر کی قید میں رہے شریعت ہی بتاتے سمجھاتے سکھاتے رہے اپنے ساتھیوں کو شریعت کا لباسِ فاخرہ پہنا کر شاہ راہِ عبادت پر چلاتے رہے اور تمام قیدیوں کو ایمان کے موتی لٹاتے رہے جب قید سے باہر نکلے تو دروازۂ جیل پر لکھ دیا کہ جیل آزمائشوں کی منزلیں ہیں۔ زندوں کی قبریں ہیں دشمنوں کی حاسدانہ خوشی ہے۔ اور دوستوں کا تجربہ گاہ ہے۔ ظاہراً مبتدیوں کے لیے پہلے شریعت پھر طریقت لیکن باطناً منتہیوں کے لیے پہلے طریقت۔ انسان کے لیے پہلی جیل ماں کا پیٹ اس کو ہمیشہ یاد کرتے رہو۔ پھر نابالغی کا مدرسہ اور دورِ غلامی پھر جوانی کی شریعت پھر بڑھاپے کی طریقت۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں۔ قرآن مجید کے یہ قصے مسلمان کے باطن کو روشن کرنے کے لیے سنائے جاتے ہیں۔ اس لیے کہ جو کچھ تاریخ کائنات میں بکھرا پڑا ہے وہ سب کچھ بیدائشی انسان کے اندر ہے۔ چنانچہ محی الدین عربی اور صاحب تفسیر روح البیان ارشاد فرماتے ہیں۔ قالب گویا مصر ہے روحِ انسانی شاہِ مصر ہے۔ عقل۔ عزیزِ مصر ہے نفسِ امارہ زلیخا ہے۔ وسواسِ شیطانی زنانِ مصر ہیں۔ دماغ۔ دربار اور تاج و تختِ مصر ہے۔ قلبی پریشانیاں مصری جیل ہے۔ قلبِ مومن گویا یوسف ہے۔ روحانی نظارے خوابِ شاہی ہے۔ سات سالہ فراخی مکاشفاتِ الٰہیہ کے سات واردات ہیں جس میں اعمالِ صالحہ کی مہلت ہے سات سالہ قحط قبضِ کشف کی سات کثافتیں ہیں جس میں قلب کی حکمرانی ضروری ہے۔ اور پورا قصۂ یوسفی گویا انسانی زندگی کا پورا نقشہ ہے۔ اور یعقوب کنعانی گویا ارادۂ باطنی ہے۔ ارادۂ باطنی سب کچھ جانتا ہے کہ قلب ہی کی آخری منزل معرفت کا تخت و تاج ہے۔ ارادہ کا دوسرا نام نیت ہے۔ ارادہ ہی قلب کا پیرِ کنعانی ہے یہی مرشدِ برحق ہر وقت قلب کو آمادۂ اعمالِ صالحہ اور وادیِ ظلماتِ اشرار کا شیرِ نر اور اندھیری مصائب کا چراغ اور حکمت و دانائی کا تاجور بنائے رکھتا ہے۔ اگر ارادہ ساتھ نہ دے تو شیاطینِ عشرہ کے چاہِ کنعانی میں ہی ہمیشہ پڑا رہ کر دل مردہ ہو جائے۔ ظاہراً طاغوتِ عشرہ فراق ڈال دیتے ہیں مگر باطن میں ارادہ قلبِ مومن کے ساتھ ہی رہتا ہے جب زلیخاءِ نفس کی ساری بندھنیں۔ اور جالِ فریب لوٹ گئے اور قلب زیر نہ ہو سکا تو قلب دلیر نے کہا میں خائن نہیں کہ نفس کا کہنا مانتا میں تو خالقِ کائنات کی امانتوں کا امین ہوں میری آغوشِ فطرت میں تو نورِ مصطفٰے کی عظیم امانت ہے جس کو سنبھال کر دربارِ قرب تک لیجانا میری ذمہ داری ہے۔ قلبِ مومن اسی ڈیوٹی کے لیے بنایا گیا ہے۔ مجھ پر میرے خالق کا رحم ہے کہ ان مصائب سے مقابلے کی ہمت عطا فرمائی اور اُس کی غفاریت ہے کہ اس نے مجھ کو دشمنوں سے بچا کر دامنِ عافیت میں چھپایا۔ جب بندہ قربِ الٰہی میں ہوتا ہے تو ہر شخص اُس کے قرب کا خواہشمند

ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ روح القدس بھی اُس کی اس قلب کو اپنے قریب کرنے کی تمنا کرتے ہیں۔ اور محبوب مخلص بنانا چاہتے ہیں۔ یہی وہ وقت ہوتا ہے جب روح پر قلبِ مومن کی قوت جوہریت آشکارا ہوتی ہے اور روحِ مقدس قلب کی ماتحتی پر ناز کرتی ہوئی اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ" کے دل آرا الفاظ سے قلب کی مدحت سرائی کے نغمات گاتی ہے۔ تب قلب یوسف اپنے رب کی حمد کرتے ہوئے اُس کی نعمتوں کی چرچہ فرماتا ہے۔ اور تمام طالب کو انوار و تجلیات کے رزقِ لاہوتی کی تقسیم سے بہرہ مند کرنا چاہتا ہے۔ قلب مومن ہی جانتا ہے کہ خزانۂ اسرار سے حصے پانے کا کون حقدار اور لائق ہے۔ اور کون محرومِ ازلی ہے قلب ہی خزائن زمینِ انوار کا حفیظ ہے اور قلبِ مومن ہی وارداتِ کثیفہ کے قبض والے قحط کو بسط میں لانے والا علیم ہے۔ تا قیامت جو بھی حیاتِ دنیا میں قحط الرجال کے مصائب سے بچنا چاہتا ہے وہ قلبِ مومن کی رعایا بن جائے۔ ورنہ ابلیسی باد صرصر کے جھونکے گناہ کے جنگل میں لیجا کر ایمانی اعمال بھوک پیاس سے ہلاک و تباہ کر دیں گے

شعر

عقل اندر حکم دل یزدانی است

چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ وَاِلَيْهِ الْبَلَاغُ

وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا

اور اسی طرح طاقت ور بنایا ہم نے یوسف کو زمین مصر میں اپنا قانون چلائے اس

اور یوں ہی ہم نے یوسف کو اس ملک پر قدرت بخشی اس میں جہاں چاہے

حَيْثُ يَشَآءُ ؕ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا

علاقے میں جہاں چاہے ہم پہنچاتے ہیں کو رحمت اپنی جس کو چاہتے ہیں اور نہیں

رہے۔ ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں۔ اور ہم نیکوں کا

نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ

ضائع کرتے ہم اجر ثواب نیکوں کا اور البتہ ثواب آخرت کا

نیگ ضائع نہیں کرتے۔ اور بیشک آخرت کا ثواب اُن کے لیے

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَ

اچھا ہے بیے اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور ہوئے متقی ۔ اور

بہتر جو ایمان لائے اور پرہیزگار رہے اور

جَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ

آئے بھت سے بھائی یوسف کے تو حاضر ہوئے اُن یوسف کے سامنے تو پہچان لیا

یوسف کے بھائی آئے تو اُس کے پاس حاضر ہوئے تو یوسف نے انہیں پہچان لیا

وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

اُن یوسف نے اُن کو حالانکہ وہ بھائی گواں نہ پہچاننے والے

اور وہ اُس سے انجان رہے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں حمدِ باری تعالیٰ اور حضرت یوسف کے مطالبۂ حکومت اور شاہ مصر کی عزت یوسف علیہ السلام کا ذکر ہوا کہ شاہ مصر اخلاق و عادات و اطوار و بیاناتِ یوسفی سے کس طرح متاثر ہوا اِن آیات میں ارشاداتِ الٰہیہ مذکور ہوئے اور سمجھایا گیا کہ مقام یوسفی کی یہ شان اگرچہ اسباب ظاہری میں کچھ اور ہیں مگر درحقیقت یہ سب کچھ فضلِ پروردگار سے ہے اُسی نے حضرت یوسف کو کمزوری سے قوت ۔ قید سے رہائی غلامیت خود ساختہ سے سلطنتِ زمین عطا فرمائی ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف کا ہمہ وقت ہر حال شکر و صبر کا ذکر ہوا ۔ اِن آیت میں شاکرین و صابرین کے اجر و ثواب کا ثواب کا ذکر ہے ۔

تیسرا تعلق ۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو مدتِ دراز سے دو تکلیفیں تھیں ایک اپنوں کی جدائی اور دوسری قیدوں کی بیگناہ تکلیف ۔ پہلی آیتوں میں مدتِ قید ختم ہونے کا ذکر ہوا ۔ اِن آیتوں میں اپنوں کے فراق اور جدائی کی گھڑیاں ختم ہونے کا ذکر ہے ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں ۔ نیک لوگوں کی دنیوی عزت کا ذکر ہوا اور اب ان آیات میں نیکوں کے اُخروی اجر و ثواب کا ذکر ہے ۔

تفسیر نحوی وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِى الْاَرْضِ ۔ واؤ ابتدائیہ کذالک حرفِ تشبیہ ۔ علوم عربیہ

میں کہاوت بیان کرنے کے لیے پانچ طریقے ہوتے ہیں۔ تشبیہ، تمثیل، تعریب، تعریض، مثل۔ لفظ کذالک ان تمام میں استعمال ہو سکتا ہے۔ یہاں برائے تعریب استعمال ہوا۔ مَکَّنَّا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم مَکْنٌ سے بنا ہے اسی سے ہے مکان بمعنی چار دیواری یا جگہ۔ لغوی ترجمہ مضبوطی دینا لیوسف لام زائدہ ہے بمعنی مفعولیت جار مجرور متعلق مَکَّنَّا کے فی ظرفیت کے لیے اَلْاَرْض الف لام عہدی ہے ارض سے مراد علاقہ سلطنت یَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَیْثُ یَشَاءُ ط یہ جملہ تفسیر ہے مَکَّنَّا کی مگر بعض نے فرمایا یہ جملہ حال ہے یوسف کا اور یَتَبَوَّاُ فعل مضارع معروف باب تفعل بَوَاٌ سے مشتق ہے بمعنی شاندار رہائش گاہ اور قانون ساز حکومت یا یہ نَبَیٌ سے بنا بمعنی بلندی مرتبہ۔ عربی اہل لسان اس طرح دعا دیتے ہیں هَنَّاكَ اللّٰهُ بَیَّاكَ اللّٰهُ۔ (معجم، محیط۔ منجد) مِنْ جارہ تبعیضیہ ھا ضمیر کا مرجع علاقہ سلطنت۔ حَیْثُ اسماء ظروف میں عرب عموی ہے بمعنی جہاں کہیں۔ یَشَاءُ فعل مضارع شَیْءٌ سے بنا اسی سے ہے مشیت باب فتح۔ نُصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَاءُ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ نُصِیْبُ فعل مضارع جمع متکلم صَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنی بلا معاوضہ عطا کرنا یہ پورا جملہ علیحدہ ہے بِرَحْمَتِنَا ب مفعولیت کی ہے رحمت ہر وہ چیز ہے جو ہمیشہ نفع والی ہو اور بلا استحقاق عطا ہو یہ خاص عطیہ رب ہی ہوتا ہے بالواسطہ نبی کریم نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع فعل نُصِیْبُ کا فاعل باری تعالیٰ مَنْ اسم موصول مفعول بہ مقدم ہے نَشَاءُ کا نشاء جمع متکلم جملہ فعلیہ ہو کر نُصِیْبُ کا مفعول بہ ہوا وَ عاطفہ۔ عطف ہے نُصِیْبُ کے پورے جملے پر لَا نُضِیْعُ فعل مضارع منفی بصیغہ جمع متکلم باب افعال ضیعٌ سے مشتق ہے اَجْرَ ثلاثی متعدی بیک مفعول ہے اَجْرَ اسم جامد مفعول بہ ہے لَا نُضِیْعُ کا مضاف ہے اَلْمُحْسِنِیْنَ۔ اسم فاعل ہے باب افعال متعدی کا جمع ہے مُحْسِنٌ کی اس کا مصدر ہے احسان بمعنی ایسی نیکی کرنا جس کا فائدہ دوسروں کو بھی پہنچے خواہ نیکی کرنے والے کا ارادہ فائدہ پہنچانے کا ہو یا نہ ہو۔ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ع وَ سے جملہ یا حالیہ بمعنے حالانکہ اَجْرُ بمعنی بدلہ یعنی ثواب جو آخرت میں ہی ملتا ہے۔ الف لام عہد خارجی ہے مراد قیامت ہے یہ مرکب اضافی لام اول گرگئے ہے بعض لے فرمایا لام قسم ہے۔ مبتدا ہے۔ خَیْرٌ۔ یہ پورا جملہ خبر ہے اپنے مبتدا کی مصدر ہے عامل ہے بمعنی مُخَیَّرٌ اسم مفعول۔ لِلَّذِیْنَ۔ لام جارہ اپنے مجرور سے مل کر خَیْرٌ کا متعلق ہوگا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع۔ یہ پورا جملہ محسنین کی تفسیر ہے۔ یعنی محسنین کون! اٰمَنُوْا وَكَانُوْا یَتَّقُوْنَ ضمیر کی جگہ ظاہر اسم کو لایا گیا ہے۔ تاکہ وصف احسان کے بعد ایمان و تقویٰ سے وضاحت ہو جائے دراصل عبارت اس طرح تھی وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لَّهُمْ یعنی آخرت میں محسنین کا اجر اس سے بھی زیادہ ہے جو دنیا میں ملا۔ اٰمَنُوْا فعل جملہ خبریہ ہے۔ وَ۔ عاطفہ کانو یَتَّقُوْنَ فعل ماضی استمراری بمعنی متقی بنے رہتے تھے۔ بلحاظ آخرت ہے۔ ترتیب مکانی نے ترتیب مدارج اظہار فرمایا یعنی

ایمان پہلے تقویٰ بعد میں ہو تب مفید ہے بلا ایمان تقویٰ مفید نہیں بلکہ نقصان دہ ہے وَجَآءَ اِخْوَةُ یُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَیْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ فا بمعنیٰ سرِ جملہ اِخْوَۃٌ جمع ہے اَخٌ کی بمعنیٰ بھائی۔ اَخٌ کی جمع اِخْوَۃٌ بھی ہے اور اِخْوَانٌ بھی اس لیے کہ اخوت یعنی بھائی ہونا دو قسم کا ہے ۱۔ نسلی جس کو اُردو میں سگا بھائی باپ شریکا ماں شریکا اور رضاعی بھائی کہہ دیتے ہیں اس کی جمع اِخْوَۃٌ آتی ہے۔ یہ برادرانِ یوسف چونکہ باپ شریکے علاتی بھائی تھے اس لیے یہاں اَخٌ کی جمع اِخْوَۃٌ آئی اخیافی اور رضاعی اور سگے بھائی کے لیے اَخٌ کی جمع اِخْوَۃٌ ہوگا۔ ۲۔ قرابتی اَخٌ جس کو برادری کہا جاتا ہے اُس کی جمع اِخْوَانٌ ہے۔ مذہبی مسلمانوں کو اخوان المسلمین کہا جاتا ہے نہ کہ اخوۃ المسلمین۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ۔ وہاں تشبیہ نسلیت مراد ہے یعنی اخوان اور برادری کی محبت سے بھی زیادہ مسلمان آپ میں سگے بھائیوں کی طرح بھائی بنیں۔ اَخٌ کا مؤنث اُخْتٌ ہے اس کی جمع اَخَوَاتٌ ہے۔ اَخٌ اپنے دوسرے معنیٰ برادری کے اعتبار سے اِخَاوَتٌ اور مواخات ہے یعنی غیروں کو جوڑ کر بھائی بنا دینا جس کو بھائی چارہ کہتے ہیں۔ جاءَ فعل ماضی جملہ خبریہ ہے۔ یُوْسُفَ بحالتِ خبر غیر منصرف مضاف الیہ ہے اِخْوَۃُ مضاف کا۔ فَدَخَلُوْا فا ظرفیہ بمعنیٰ اِذَا یعنی جب دَخَلُوْا ماضی مطلق معروف بصیغۂ جمع اس کا فاعل برادرانِ یوسف ہیں علیٰ جاتہ بمعنیٰ عِنْدَ ظرفیہ مکانی ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع حضرت یوسف ہیں۔ فَعَرَفَ فَ تعقیبیہ بمعنیٰ فوراً ابلا واسطہ بغیر کسی کے بتائے عَرَفَ یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا ہُمْ ضمیر کا مرجع برادرانِ یوسف ہیں۔ وَهُمْ۔ وَ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ ہُمْ سے مراد وہ سب بھائی۔ مُنْكِرُوْنَ۔ اسم فاعل مذکر کا صیغہ باب افعال کا اسم فاعل اس کی واحد مُنْکِرٌ ہے نُکْرٌ سے مشتق ہے نکرہ کا مقابل معرفہ لغوی بمعنیٰ تعین نہ کرنے والا یعنی نہ پہچاننے والا اصلاحی ترجمہ انکار کرنے والا۔ یہاں لغوی ترجمہ مراد ہے یہ خبر ہے ہُمْ مبتدا کی۔

تفسیر عالمانہ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ۚ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ ۚ نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ اور اسی طرح۔ جس طرح پہلے انبیاء کرام پر رب تعالیٰ نے انعامات وخزائنِ رحمانیہ کی بارشیں فرمائیں یا جس طرح یوسف علیہ السلام کو پہلے محبتِ پدری کی آغوش میں ہم نے ہی جگہ دی تھی پھر جدائی ڈالی گئی یہاں تک کہ اپنے وطن کی سرزمین میں بھی سکون سے نہ رہنے دیا گیا۔ کوئیں اور قید کی مصیبتوں کا مزہ دیا گیا۔ کیونکہ دین والوں کو ہمیشہ دنیا پرستوں سے یہی کچھ ملتا رہا۔ مگر ہم نے جب نوازا کہ چالیس مربعہ میل کا دراز علاقہ ان کا مکان بنا دیا۔ یہ تو ملکِ مصر کا دارالخلافہ تھا کہ جہاں چاہتے رہائش فرما لیتے۔ روایتوں میں ہے کہ بادشاہِ مصر نے عزیزِ مصر قطفیر کو معزول کر کے حضرت یوسف کو عزیزِ مصر بنایا تو اپنا تاج اور اپنا تخت اور اپنی انگوٹھی دیدی۔ حضرت یوسف نے تاج نہیں کیا کہ یہ میرا لباس نہیں نہ

میرے آباؤ اجداد کا۔ تختِ شاہی پر جلوہ فرمایا اور انگوٹھی لے لی تخت بہت ہی قیمتی تھا۔ آپ نے فرمایا اس تخت سے تیرے ملک مضبوط کروں گا اور انگوٹھی سے تیرے قانون کو۔ شاہِ مصر نے کہا کہ اے یوسف تم قانوناً تو عزیز یعنی وزیر اعظم ہو مگر اصلیت میں تم ہمارے دلوں کے بادشاہ ہو۔ یہ سب کچھ تمہاری عزت افزائی کے لیے ہے۔ چند دن بعد عزیز مصر قطفیر فوت ہو گیا تو اسی دن حضرت یوسف کا نکاح حضرت زلیخا سے کیا گیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نکاح آٹھ ماہ بعد ہوا۔ اور بادشاہ اس نکاح میں موجود تھا۔ واللہ اعلم۔ جس دن حضرت یوسف عزیزِ مصر بنائے گئے اس وقت آپ کی عمر شریف تیس برس تھی مگر ایک قول ہے کہ سینتالیس سال تھی اکثریت اسی پر ہے (روح البیان)۔ یہ کرم نوازیاں حضرت یوسف کی خصوصیت نہیں بلکہ ہم اپنے بندوں سے جس کو چاہیں اپنی رحمتیں عطا فرماتے ہیں۔ بشرطیکہ بندہ مثل یوسف ہر حال میں ہمارے دروازہ پر رہے۔ اور ہم نیکوں کا بدلہ ضائع نہیں کرتے دنیا یا آخرت یا دونوں جگہ عطا فرما دیتے ہیں مگر بندے کو چاہیے کہ آخرت کا طلب گار رہے۔ دنیا میں کسی نیکی کا بدلہ نہ مانگے کہ یہ خسارہ ہے۔ ہاں خود مل جائے تو خوب شکر کرے۔ حضرت یوسف کو یہ عہدہ اور تخت وغیرہ آپ کی طلب کے ایک سال بعد ملا۔ ملک مصر میں ہر دولت کے بڑے بڑے خزانے تھے وہ سارے شاہِ مصر نے یوسف کے سپرد کر دیئے۔ (صاوی خازن) یہاں تک کہ اپنی خصوصی تلوار بھی دیدی اور تمام دربار۔ فوج۔ پولیس کے سیاہ سفید کا مالک بنا دیا۔ یہ تو دنیوی عطائیں تھیں وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ اور یقیناً آخری ثواب بہت ہی ہر وقت ہر طرح اچھا ہے۔ فقط اُن لوگوں کے لیے ہے جو عقائد میں پورے اسلام پر ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ میں پورے متقی بنے رہیں۔ علماء شریعت فرماتے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی چیزوں میں آٹھ طرح فرق ہے۔

ما۔ دنیا کی چیزیں کچھ مفید کچھ مضر مگر آخرت کی جنتی چیزیں سب مفید۔ ۲۔ دنیا کی چیزیں کبھی مفید کبھی مضر مگر آخرت کی جنتی چیزیں ہمیشہ مفید۔ ۳۔ دنیا کی چیزیں ایک طرح استعمال کرنے پر مفید دوسری طرح مضر مگر آخرت کی جنتی چیزیں ہر طرح مفید۔ ۴۔ دنیا کی چیز آج مفید کل مضر مگر آخرت کی جنتی چیزیں ہر وقت مفید ۵۔ دنیا کی چیزیں ایک کے لیے مفید دوسرے کے لیے مضر مگر آخرت کی جنتی چیزیں ہر ایک جنتی کے لیے مفید۔ ۶۔ دنیا کی کچھ چیز موسمی کچھ بے موسمی مگر آخرت کی جنتی چیزیں سب ہی موسمی تر و تازہ۔ ۷۔ دنیا کی چیزیں کبھی موجود کبھی ختم مگر آخرت کی جنتی چیزیں ہمیشہ تک موجود۔ ۸۔ دنیا کی چیزیں کسی کو ملتی ہیں کسی کو نہیں مگر آخرت کی جنتی چیزیں ہر جنتی کو ملیں گی۔ اس لیے آخرت ہی خیر ہے۔ ابو ہریرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیک وسلم جنت کس چیز سے پیدا کی گئی۔ فرمایا پانی سے۔ اسی لیے پانی کو بھی خیر فرمایا گیا۔ (بیان) لیکن جنت صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو عقیدے میں مومن ہوں لہٰذا بدعقیدہ مومن نہیں بلکہ کافر ہے۔ اور

اعمال میں متقی ہو۔ شریعت میں ایمان بھی پانچ ہیں اور اعمال بھی پانچ ہیں ۔ اللہ پر ۔ انبیاء پر ۔ آسمانی کتابوں پر ۔ ملائکہ پر ۔ قیامت پر ۔ ۱ کلمہ پڑھتے رہنا ۲ نماز ادا کرتے رہنا ۳ روزہ فرضی ۔ نفلی رکھتے رہنا ۔ ۴ زکوٰۃ خیرات صدقات فرضی واجبی نفلی دیتے رہنا ۵ حج عمرہ طواف وسلام فرضی نفلی کرتے رہنا ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بندے پانچ قسم کے ہیں ۔

۱ ۔ مسلمان جو عقل اور قانون اور دیکھا دیکھی اللہ رسول کو مانیں ۔ ۲ ۔ مومن جو عشق اور محبت الفت سے مانیں ۳ متقی ۔ جو ہر نیکی کو کرے اور ہر برائی سے بچے ۔ ۴ مخلص وہ جو ۔ کہ عبادت اُس کی غذا بن جائے ۔ اور نیکیاں غذا کی طرح اس میں جذب اور فنا ہوتی جائیں ۔ ۵ خالص ۔ کہ وہ عبادات میں جذب اور فنا ہو جائے یعنی وہ عبادات کی غذا بن جائے ۔ پانچ ایمان پانچ اعمال پانچ بندے ۔ اسی مجموعے نے یوسف علیہ السلام کو صدیق بنا دیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے حضرت علیؓ کو ولیوں کا سردار فاطمہ زہراؓ کو خاتونِ جنت اور جنت کی کلی ۔ حسنؓ کو عاشقِ ربانی حسینؓ کو شہید کربلا بنا دیا ۔ اسی لیے یہی پنجتن پاک ہیں ۔ اجرِ آخرت ان ہی کے لیے ہے صحابہ کے بعد باقی امت ان کے طفیل ہے تا قیامت وَجَاءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُوْنَ ۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے سلطنت کی باگ ڈور سنبھالتے ہی پانچ کام کئے ۔ آپ کو معلوم تھا کہ اب سے سات سال بعد قحط شروع ہوگا ۔ کیونکہ سات موٹی گائیں سات سال سہولت کے تھے لیکن ان سات سالوں کو موٹا اور تروتازہ کرنا آپ کو آتا تھا ۔ اس لیے پہلا کام یہ کیا کہ سارے ملک کے کسانوں کو کھیتی باڑی کی طرف لگا دیا صحرا ۔ میدانی علاقہ پہاڑی زمینوں میں گندم کی پیداوار کی طرف متوجہ ہو گئے ۔ پھوٹی اور شہری زمینوں میں دیگر ضروریات کی پیداوار ہوتی رہیں ۔ دوسرا کام تمام معماروں کو بڑے بڑے گودام بنوانے پر مقرر کر دیا ۔ اور فوجیوں ۔ مزدوروں کو ۔ اس کی مزدوری پر لگا دیا تیسرا کام یہ کیا کہ ہر شخص کی خوراک تہائی کر دی زیادہ سے زیادہ غلہ اگا کر وہ سارا دربار شاہی میں لایا جاتا ۔ پھر اُس کے تین حصے کئے جاتے ۔ سب سے بڑا حصہ اسی طرح بالیوں میں جمع کر دیا جاتا اس سے چھوٹا حصہ کنبے کے اعتبار سے ہر گھر کو فروخت کیا جاتا ۔ ان سالوں میں ہر شخص کو اُس کے کام کی مزدوری علیحدہ دی جاتی خواہ کسان یا کوئی اور اس لیے کسانوں کے ہاتھ بھی خوراک کی گندم فروخت ہوتی ۔ تیسرا سب سے چھوٹا حصہ آئندہ سال بیجنے کے لیے رکھا جاتا ۔ چوتھا کام اہل دربار مختلف ٹولیوں کی شکل میں سارے ملک کے مختلف کاموں کی نگرانی پر مامور کئے ۔ پانچواں کام یہ کہ خود حضرت یوسف ہفتہ وار دورے پر نکلتے ۔ اور چھ دن دربار لگتے آنے جانے والوں کی ملاقات ۔ مشکلات ۔ شکایات ۔ روئداد ۔ کارکردگی کا تخمینہ لگایا جاتا ۔ غرض کہ عجب رواں ۔ دواں ۔ دوڑ دھوپ کا زمانہ تھا مورخین فرماتے ہیں کہ اتنی مصروفیات کے باوجود حضرت یوسف کے حسن اخلاق کا یہ عالم تھا کہ ہر شخص ہر کام عشق و محبت

ہے کر رہا تھا۔ یہاں تک کہ پلک جھپکتے سات سال گذر گئے۔ نئے پرانے سب گودام بھر گئے۔ روایات مؤرخین میں ہے کہ اتنا غلہ جمع ہو گیا تھا جو سات کروڑ باشندوں کو سات سال تک کافی تھا اتنی گلوں کی محنت کے علاوہ برکت اتنی تھی کہ تھوڑا کھانا بہت سوں کو کافی ہوتا اور سب کا پیٹ بھر جاتا۔ اُدھر قحط شروع ہو گیا اور عرب کے ساتوں علاقوں میں قحط آیا پہلے سال تو سب نے پچھلے جمع شدہ غلے وغیرہ استعمال کئے مگر دوسرے سال کچھ نہ اگا اور ہر ملک غلے سے خالی ہو گیا چنانچہ دوسرے سال سب علاقوں والے مصر کی طرف دوڑ پڑے۔

روایتوں میں آتا ہے کہ پہلی دفعہ لوگوں نے سونا چاندی دے کر غلہ خریدا دوسرے سال یعنی قحط کے تیسرے سال جواہرات اور مال مویشی چوتھے سال غلام لونڈیاں پانچویں سال زمینیں مکانات چھٹے سال اپنی نابالغ اولاد ساتویں سال خود اپنے آپ کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کر کے غلہ خریدا اسی طرح یوسف کو غلام کہنے والے خود اُن کے غلام بن گئے ملک مصر میں تو پہلے ہی سب کو معلوم تھا کہ عزیز مصر غلہ دیتے ہیں اردگرد کے علاقوں لوگوں میں کہیں، اعلان کرایا گیا کہیں خود ہی پتہ لگ گیا ہر آنے والے کے ہاتھ افرادِ خانہ کے متعلق پوچھ گچھ کر کے ایک سال کے لیے ایک اونٹ بوجھ (دو بوری) گندم ناپ کر فروخت کی جاتی نہ کم نہ زیادہ اور یہ سب کچھ نہایت احتیاط سے ہوتا جس کے نگرانِ اعلیٰ خود حضرت یوسف تھے یہاں تک کہ خبر پہنچتے پہنچتے تقسیم اول کے چھٹے ماہ کنعان میں حضرت یعقوب کو یا پہلے اُن کے بیٹوں کو یہ خبر پہنچی تو چونکہ قحط وہاں بھی تھا اس لیے حضرت یعقوب نے بیٹوں کو بلایا اور فرمایا کہ جاؤ تم بھی اپنے اور گھر والوں کے لیے گندم خرید لاؤ۔ بیٹوں نے عرض کیا کہ وہاں کے حکمران جابر اور عوام ظالم ہیں کہیں ہم کو نقصان نہ پہنچائیں حضرت یعقوب نے اپنے علم غیب کے ذریعہ فرمایا کہ نہیں اب وہاں پہلے والے دورِ جہالت کے حالات نہیں ہیں۔ چنانچہ نہایت تیاریوں کے ساتھ والد گرام کی پندو نصائح سن کر ملکِ مصر کی طرف چل پڑے جو کنعان سے اٹھائیس منزل دور تھا ایک منزل تین کوس یعنی نو میل کی ہوتی تھی گویا صرف تقریباً سارا فاصلہ اسّی کوس یا بہتر کوس بنتا ہے جب مصر میں داخل ہوئے تو ان پر عوام یا اہلِ دربار نے جاسوسی کا شبہ کیا۔ کیونکہ اتنا بڑا وفد ایک ہی علاقے کا اس سے پہلے نہیں آیا تھا۔ پھر ان کی زبان غیر تھی اِن کی آپس کی گفتگو لوگوں کو شک میں ڈالدیتی تھی پولیس پیچھے لگ گئی یہاں تک کہ دربارِ شاہی کے پاس آگئے وہاں تفتیش ہوئی انہوں نے قسمیں کھا کر یقین دہانی کرائی کہ ہم جاسوس نہیں بلکہ قحط زدہ ہیں غلہ لینے آئے ہیں۔ یا ہو سکتا ہے کہ سب سے ہی اسی طرح تفتیش کی جاتی ہو۔ بہرکیف ان کو بارگاہِ یوسفی میں حاضر کیا تو یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا۔ یا اس لیے کہ نبی غیب دان ہوتا ہے یا اس لیے کہ اُن کی شکلوں میں تبدیلی نہ آئی تھی کیونکہ تبدیلیِ جسامت کے صرف تین مرحلے ہوتے ہیں۔

ف: بچپن میں ۲: جوانی میں داڑھی اور قد وغیرہ سے ۳: جوانی ختم ہو کر بوڑھاپے میں بچپن کے اندر ہی کنی

سال بعد دیکھنے سے بھول نہیں ہوتی اسی طرح جوانی میں ہی کسی کو دوبارہ دیکھنے سے بھول نہیں ہوتی۔ ملاقات برادرانِ یوسف پہلی اور یہ جوانی میں ہی تھی۔ یا اس لیے کہ صنعت بھی ویسی ہی تھی جیسی پہلے تھی۔ مگر برادرانِ یوسف نے حضرت یوسف کو بالکل نہ پہچانا۔ یا اس لیے کہ پہلے کہیں بچپن میں سات سالہ یا سترہ سالہ دیکھا تھا یا اس لیے کہ اپنی غربت اور دربارِ شاہی کے رعب کی وجہ سے غور سے دیکھنے کا وقت نہ تھا یا اس لیے کہ حضرت یوسف نے پردے میں سے بات کی تھی نہ اُن کو اندر بلایا نہ خود باہر تشریف لے گئے اس خیال سے کہ مبادا پہچان لیں حالانکہ ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ یا اس لیے نہ پہچانا کہ حضرت یوسف اس وقت شاہی لباس میں تاج پہنے ہوئے تختِ شاہی کی کرسی پر بیٹھے تھے اور صرف قانونی گفتگو فرما رہے تھے انسان شکل کے علاوہ چال ڈھال تو کا ٹھ یا اٹھنے بولنے سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ بیٹھے رہنے اور کاروباری یا قانونی بارعب گفتگو سے پہچان مشکل ہوتی ہے۔ یا اس لیے نہ پہچانا کہ اُن کا تو خیال گمان بھی نہ تھا کہ جس معصوم چھوٹے سے پتلے دبلے یوسف کو کندھوں پر اُٹھا اُٹھا کر پھٹختے رہے کنوئیں میں پھینکا پھر چند دن بعد بیس کھوٹے سکوں میں بیچ دیا آج چالیس سال یا بائیس سال بعد ملاقات میں سمجھ لیتے کہ یہ وہی ہمارا یوسف ہے بہر کیف حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں سے گھر کے سب حالات پوچھ لیے مگر اپنا کچھ نہ ظاہر ہونے دیا۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں انبیاء کرام علیہم السلام کی شان بہت زیادہ ہے صرف دامنِ یوسفی سے غلامی کا دھبہ دھونے کے لیے سارے ملک کو قحط سے پریشان کر دیا گیا۔

دوسرا فائدہ۔ انبیاءِ عظام کا علم ساری مخلوق سے زیادہ ہوتا ہے۔ دین کو تو سنبھالتے ہی ہیں دنیا بھی سنبھالنا اور چلانا جانتے ہیں اور کام کے انجام سے باخبر ہوتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ ہر کام رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اگرچہ اُس کا ظہور بندوں کے ہاتھ سے ہو۔ دیکھو یوسف علیہ السلام کو شاہ مصر نے عزیزِ مصر بنایا مگر رب نے فرمایا مَكَّنَّا۔ ہم نے بنایا۔ **چوتھا فائدہ**۔ بعض نیک بندوں کو نیکیوں کا بدلہ دنیا میں بھی مل جاتا ہے مگر آخرت میں اصل بدلہ علیحدہ ملے گا اور دنیا کا بدلہ اس میں کاٹا نہ جائے گا۔

احکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: قدرتی یا مصنوعی قحط کی حالت میں حکومتِ وقت کو جائز ہے کہ تمام اشیاءِ خوردنی رعایہ سے لے کر اپنے بھاؤ سے راشن بندی کر کے تمام رعایہ کو نظم و ضبط کی پابندی سے اتنا دے جس سے سب کا گزارہ ہو جائے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ ایسے ہی ہنگامی حالات میں حکومت کو جائز ہے زمینداروں کی زمینوں پر اپنی کھیتی اگوا کر مزدوروں کو کام کی اُجرت دے کر پیداوار پر قبضہ کرے اور اپنے ڈپوؤں پر فروخت

کرے تاکہ ظلم یا قحط سے نجات ملے لیکن زمینوں کو ملکیت سے چھینا نہیں جا سکتا۔ اس لیے سوشلزم اور کمیونزم ظالمانہ قانون ہے۔ (احکام القرآن للجصاص)۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض ہو سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ پہلے فرمایا گیا نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا جس کا معنیٰ نبوت ہے اور پھر فرمایا لَا نُضِيعُ اَجْرَ۔ یعنی ہم جس کو چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچاتے ہیں کیونکہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبوت بھی اعمال کے بدلے میں مل سکتی ہے۔ حالانکہ نبوت نہ دعا سے نہ بدلے نہ عوض کسی طرح نہیں مل سکتی یہ تو کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتی ہے۔

جواب۔ یہ اعتراض تین طرح لغو ہے اول اس لیئے کہ یہاں رحمت سے مراد نبوت نہیں ہو سکتا ورنہ پہلے نُصِيبُ خدا آتا بلکہ رحمت سے مراد دنیوی نعمتیں ہیں۔ دوئم اس لیئے کہ واؤ عاطفہ ہے جس سے واضح ہوا کہ نُصِيبُ اور چیز ہے لَا نُضِيعُ اور چیز ہے۔ سوم اس لیئے کہ اگر رحمت سے مراد نبوت ہی ہو اور واؤ تعلیلیہ ہی ہو تب بھی وہبی اور عطائی ہونے کے خلاف نہیں۔ اِس وجہ سے کہ اجر صرف اعمال کے بدلے کو ہی نہیں کہا جاتا لیاقت اور کمال کے بدلے کو بھی اجر کہدیا جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا۔ لَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ہم نیکوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتے۔ حالانکہ اجر تو جنتی چیزیں ہیں۔ وہ تو ویسے بھی ضائع نہیں ہوں گی ضائع کا معنیٰ ہے برباد فنا ہونا یہاں یہ فرمانا چاہیئے تھا کہ ہم اعمال ضائع نہیں کرتے۔

جواب۔ ضائع کرنے کا معنیٰ ہے حقدار کے پاس حق۔ ضرورت مند کے پاس ضرورت اور محتاج کے پاس محتاج بہ کا نہ پہنچنا عمل۔ بندے کا کام ہے وہ اُس نے کر لیا اور رب تعالیٰ کا کام قبول کرنا نہ کرنا تو یہاں بتایا یہ جا رہا ہے کہ قبولیت عمل کی نشانی ہے عمل کا بدلہ (اجر) اور بدلہ نہ ملنا اُس کا ضائع ہونا ہے عمل کا ضائع کر دیا ہونا اُس کا قبول نہ ہونا۔ عدم قبولیت کی پانچ وجہ ہیں۔

۱۔ عامل محسن نہ ہو۔ ۲۔ قبول کرنے والا کریم نہ ہو۔ ۳۔ قادر نہ ہو عاجز ہو۔ ۴۔ باخبر نہ ہو جاہل ہو۔ ۵۔ بخیل ہو۔ یہاں پہلی حالت بندے کی ہے مگر مُحْسِنِينَ کہہ کر اُس کی نفی ہوئی باقی حالتیں رب کی طرف منسوب مگر وہاں بخل جہالت اور عجز محال بالذات ہے۔ لہٰذا ضائع کرنا بھی محال ہوا۔ **تیسرا اعتراض** یہاں اَجْرُ الْمُحْسِنِينَ فرمایا گیا جس سے پتہ لگتا ہے کہ غیر محسنین کا اجر ضائع ہو جاتا ہے حالانکہ گنہگار مسلمان محسنین نہیں مگر ان کو بھی شفاعت یا سزا کے بعد جنت ملے گی اور وہی انکا اجر ہے۔ ضائع تو نہ ہوا۔ جواب۔ ہر مسلمان نیک و بد محسن ہے مگر درجہ بدرجہ کلمہ پڑھ لینا بھی محسن بننا ہے۔

☆ ☆ ☆

تفسیر صوفیانہ وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوسُفَ فِي الْاَرْضِ يَتَبَوَّاُ مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ نُصِيبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِينَ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ اٰمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ۔

عالم جسدی میں تین زمینیں ہیں ۱ بیت ابنیا ۲ بیت صدیقین ۳ بیت حبشین نفس امارہ اپنی خباثتوں کے ساتھ جسم پر عرصہ دراز تک عزیز یعنی غالب بنا رہتا ہے یہاں تک کہ رب تعالیٰ کا کرم ارض صدیقین یعنی عقل پر قلب کو قوت حکومت عطا فرماتا ہے اور اسی طرح جسم ناہوتی پر قلب کو عزیز مصر بنا دیا جاتا ہے ۔ اور یہ عزت و غلبہ دار محنت سے نکال کر دار نعمت میں پہنچاتا ہے ۔ کہ جب چاہے جہاں چاہے ٹھکانا بنائے ۔ رب تعالیٰ کا قیامت تک ہر بندے کے لیے قانونی ارشاد ہے کہ ہماری نعمتیں ہماری کرم اور رحمت کسی کے ساتھ خاص نہیں، جو چاہے اپنے اندر طلب سے پہلے حصول کی لیاقت پیدا کرے ۔ نالائق کو ہماری رحمت نہیں مل سکتی ۔ ہم جس کو قابل دیکھتے ہیں اپنی رحمت کاملہ پہنچا دیتے ہیں ۔ محسنین عاشقین زاہدین عابدین کا اجر ضائع نہیں کرتے ۔ اہل محنت اور تقویٰ کو ان کی محنت کا بدلہ دنیا میں لذت عشق انوار تجلیات اور تمغۂ رضا کی شکل میں دیا جاتا ہے ۔ اور اُخروی دائمی اَبدی اجر ۔ وصل و قرب کی کیفیت میں اس سے بھی کہیں زیادہ اچھا ہے ۔ دنیا کا پہاڑ بھر فانی سونا چاندی حقیر ہے اس اُخروی دائمی کنکر ۔ ٹھیکری کے مقابل جس کو فنا نہیں ۔ اور جب دنیا فانی کنکر ہے مٹی کی ٹھیکری ہے اور آخرت بقا کا چاندی سونا ہے تو کون احمق ہے جو آخرت کو چھوڑ کر دنیا قبول کرے ۔ اہل دنیا اجر اخروی سے گھبراتے ہیں مگر طالب آخرت سلطنت دنیا لے کر بھی تارک دنیا اور زاہد عشق اور عابد مولیٰ بنے رہتے وہی لوگ وصول کے مومن اور حصول کے متقی ہیں ۔ ایمان کے بھی پانچ درجے ہیں ۔ ۱ کفر سے نفرت ۲ شرک جلی و خفی سے عداوت ۔ ۳ اسباب کفر و شرک سے دوری ۔ ۴ ہر چیز قلب کے ماتحت کر دینا ۵ آستانۂ قدوسیہ اور بارگاہ صدیقین تک خود کو پہنچانا ۔ سات چیزیں ولایت الہیہ ہیں ۱ محنت ۲ تکلیف ۳ اضطراب ۔ ۴ صبر ۵ ہر حال میں شکر گزاری اور ۶ جزع فزع سے بچنا ۔ اور ۷ ہوش کا خیال رکھنا ۔ یہی یوسف باطنی کے بارہ بھائی ہیں ۔ وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوسُفَ فَدَخَلُوا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهُ مُنْكِرُونَ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب تک بندے کا دل محبت لاابالیت اور مشقت کے کوئیں ریاضت و زہد کی جیل میں رہتا ہے ہر عضو اس سے کنارہ کش ہوتا ہے لیکن وہی دل جب طور انوار پر جلوہ گر ہو جاتا ہے تو کنعان قالب کے سارے باطنی اعضا ظاہر و باطن کی غذا حاصل کرنے حضور قلب کے پاس حاضر ہو کر دیل معرفت کے داخل ہوتے ہیں مگر قلب اپنے نور معرفت اور جلوۂ محمدی کی وجہ سے سب کو پہچان لیتا ہے مگر باقی اعضا اپنے ظلمت میان عدم عرفان اور توجہ کے حرمان کی وجہ سے قلب کی صفت کو نہیں پہچان سکتے خیال رہے ۔ عقل ۲ شعور ۳ تدبیر ۴ تفکر ۵ حج ۶ بحر ۷ خانہ ۸ لاسر ۹ نفس امارہ ۱۰ مطمئنہ ۔ یہ دس برادران قلب ہیں جو سب کے سب غذاء روح کے حصول میں محتاج قلب ہیں ۔ مگر قرب مکانی کے باوجود دل کی حقیقت سری سے واقف نہیں ہیں ۔ زاہدین اہل معرفت فرماتے

ہیں کہ بندہ ربانی جب اپنے بیت ظلمات کو دار الامن اور تقوے کا گہوارہ بنا لیتا ہے تو سب اشرار و اخیار پر
عزیز ہوتا ہے یعنی غلبۂ الفت حاصل ہو جاتا ہے وہ اگرچہ ظاہراً پراگندہ نظر آتا ہے مگر باطن میں فرخندہ ہوتا ہے
بخلاف دنیا پرست کے کہ وہ ظاہر میں فرخندہ ہوتے ہیں لیکن باطن میں پراگندہ ہوتے ہیں اس لیے فوراً پہچانے
جاتے ہیں مگر مردانِ الٰہیہ سرّ الٰہی ہوتے ہیں اُن کے حالات سے کوئی شاذ و نادر ہی خبردار ہوتا ہے۔ یہ متانۂ
سروری اور عرفانِ قدسی اپنی پہچان ہونے ہی نہیں دیتے اے کریموں کے کریم مجھ پر یہ راہ آسان فرمادے

یا رسول اللہ کرم یا حبیب اللہ نظر
میں ہوں سگِ کمتر آپ کے در پر نظر

●

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُمْ

اور جب غلہ سامان دے دیا ان کو بدلے ان کے قیمت کے فرمایا میرے پاس بھائی کو لاؤ اپنے

اور جب اُن کا سامان مہیا کر دیا۔ کہا اپنا سوتیلا بھائی میرے پاس لے آؤ۔

مِّنْ اَبِيْكُمْ ۚ اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْٓ اُوْفِي الْكَيْلَ وَاَنَا خَيْرُ

طرف سے باپ اپنے کے کیا نہیں دیکھتے تم بیشک میں پورا کرتا ہوں ناپ کو اور میں اچھا ہوں

کیا نہیں دیکھتے کہ میں پورا ماپتا ہوں اور میں سب سے بہتر مہمان نواز ہوں

الْمُنْزِلِيْنَ ﴿٥٩﴾ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ

مہمان نوازی کرنے والوں سے پس اگر نہ لائے تم میرے پاس کو اُس تو نہ ناپ ہے لیے تمہارے پاس

پھر اگر اُسے لے کر میرے پاس نہ آؤ تو تمہارے لیے میرے پاس

عِنْدِيْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ ﴿٦٠﴾ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ

میرے اور نہ قریب آنا تم میرے۔ سب بولے عنقریب تمنا کریں گے ہم کی اُس باپ اپنے

ماپ نہیں اور میرے پاس نہ پھٹکنا۔ بولے ہم اس کی خواہش کریں گے اُس کے باپ سے

اِتْیَانٌ مصدر لازم ہے بمعنی آنا بروزنِ نسیانٌ بھولنا - اور بروزنِ عصیانٌ بمعنی نافرمان ہونا مگر اِتیٌ مصدر متعدی ہے اسی کا مضارع تُوْنِیْ ہے بمعنی لانا بروزنِ نَسْیٌ یعنی بھلانا - اسی لیے حضرت مریم نے کُنْتُ نَسْیًا منسیا فرمایا یعنی بھلائی ہوئی - بعض نحاۃ نے فرمایا کہ اِتیان کا وزن افعال اضطراری کے لیے آتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ یہ قطعاً غلط ہے قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ غفران اور نسیان بھی اسی وزن پر ہیں لیکن ان میں اضطرار نہیں بلکہ اِتیٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ کا امر جمع ہے مادہ اشتقاق مہموز الفا اور ناقص یائی ہے - بمعنی لانا - یعنی لاؤ تم نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ بمعنے فیہ یعنی میرے پاس - باء ج ب زائدہ مفعولیت کے لیے ہے اَخٌ واحد ہے اخوۃ کا بمعنی بھائی لَکُمْ لام نسبتی ہے باء ج متعلق اول ہے اِئْتُوْ کا اور لَکُمْ متعلق دوم ہے اِئْتُوْ کا کُمْ ضمیر جمع حاضر مجرور متصل نسبتی لام کی وجہ سے اعلیٰحضرت نے سوتیلا کا ترجمہ فرمایا - مِنْ حرف جر بمعنے طرف سے یا پاس سے اَبِیْ اسماء ستہ مکبرہ سے ہے بحالت جر مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ مراد برادران یوسف ہیں اَلَا تَرَوْنَ اَنِّیْ اُوْفِی الْکَیْلَ وَاَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِہٖ فَلَا کَیْلَ لَکُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ اَ ہمزہ سوالیہ لَا تَرَوْنَ مضارع منفی بصیغہ جمع مذکر حاضر رَاْیٌ سے مشتق ہے - بمعنی دیکھنا غور کرنا یہاں دوسرے معنی میں ہے - اَنَّ حرف تحقیق شروع میں نہ ہونے کی وجہ سے الف ہمزہ کے زبر سے ہے یاء متکلم اسم اَنَّ ہے اُوْفِیْ فعل مضارع بمعنی حال واحد متکلم وَفْیٌ لفیف مفروق ہے - اَلْکَیْلَ الف لام عہدِ خارجی ہے اور مراد ہے تمہارا غلہ یا الف لام استغراقی ہے اور مراد ہے تمام لوگوں کے غلے جو تمہارے سامنے ناپ ناپ کر دیئے گئے جن کو تم نے اپنے سامنے ہمارے حکم سے ہمارے نوکروں کو ہاتھوں سے بٹتے دیکھا. لفظ کَیْلٌ مصدر ہے بروزنِ بَیْعٌ اجوف یائی - یا یہ بمعنی فاعل ہے اور مراد ہے ناپنے والا برتن پورا ہے - یا یہ بمعنی مفعول ہے اور مقصد کلام ہے کہ وہ ناپا ہوا غلہ پورا یعنی ہم نے جو قیمت لی اتنی ہی چیز دی یا یہ اپنے معنی میں ہے اور بتانا یہ ہے میں تم کو سب کو پورا پورا مطابق وعدہ ماپنا کراتا ہوں کسی کی جرأت نہیں کہ کم تولے. وَ عاطفہ ماقبل معطوف علیہ کا جملہ اور اس کا مابعد معطوف کا جملہ دونوں مل کر خبر اَنَّ ہیں - اَنَا ضمیر منفصل واحد متکلم خَیْرٌ مصدر ہے اجوف یائی جب یہ اپنے مصدری معنی میں ہو تو اس کا معنی ہے اچھا ہونا بھلا ہونا جب یہ فاعلیت کے لیے ہو تو اس کا معنی ہے بھلائی بہتری نیکی اور اچھا سلوک کرنیوالا متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی کبھی یہ بمعنی افضل ہوتا ہے - یہاں یہی معنی مناسب ہیں خیر کی جمع خیرات ہے مگر جب بمعنے فاعل یا بمعنی مفعول مستعمل ہو تو جمع خیرات نہ ہوگی بلکہ اخیار ہوگی - خیر دو قسم کا ہے -

ط ۱ ، مطلق جو ہر حال میں ہر انسان کے لیے مفید ہو - جیسے انبیاء کرام اور جنت کتب آسمانی -

ط ۲ ، خیر مقید جو کبھی کسی کے لیے مفید ہو اور کبھی نقصان دہ جیسے دنیوی اشیا مال دولت عزت وغیرہ لفظِ

خیر کبھی اسم جامد ہوکر مستعمل ہے کبھی مشتق تب اس کا مقابل شر ہوگا اور کبھی وصف ہوکر مستعمل ہے تب یہ بمعنی اسم تفضیل مستعمل ہے اور مقابل شرٌ یعنی تکلیف ہوگا۔ یہاں خیر بمعنی افضل ہے اور اس کا مقابل ضار یعنی تکلیف دینے والا اور مفہوم کلام یہ کہ میں بوجہ نبوت بھلائی اور آرام ہی پہنچانیوالا ہوں کسی کو تکلیف نہیں دیتا اَلْمُنْزِلِیْنَ الف لام استغراقی مُنْزِلِیْنَ جمع کثرت باب افعال کا اسم فاعل بصیغۂ جمع مذکر متعدی بیک مفعول لغوی ترجمہ ہے اتارنے والا۔ مسافر کو یا مہمانوں کو اپنی رہائش گاہ پر اصطلاحی ترجمہ ہے میزبان اور مہمان نواز۔ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ۔ ف تعقیبیہ اِن حرف شرط لَمْ تَاْتُوْا فعل نفی جحد بلم بحالت جزم نون جمع اعرابی گرگئی دراصل تھا تاتون۔ اَتٰی سے مشتق ہے بمعنی لانا متعدی ہے باب ضرب سے ہے۔ نون وقایہ یاء متکلم ضمیر متصل مفعول بہ کو جوڑنے اور لَمْ تَاْتُوْا کا وزن بچانے کے لیے اَتٰی بہ ب جارہ برائے مفعولیت ہ ضمیر واحد غائب مذکر مجرور متصل کا مرجع وہ سوتیلا بھائی (بنیامین) فَلَا کَیْلَ۔ ف جزائیہ لا۔ لائے نفی جنس یا مشبہ بلیس کیل اس کا اسم ہے اور لَکُمْ جار و مجرور متعلق مقدر مَوْجُوْدًا اسم مفعول بمعنی مستقبل کے ہوکر جملہ اسمیہ خبر لا ہوئی و عاطفہ لَا تَقْرَبُوْنِ۔ فعل نہی قرب سے بنا باب نصر بمعنی قرب مکانی ن وقایہ یاء متکلم برائے تخفیف گر گئی ہر دو معطوف علیہ معطوف جزاء شرط ہوئی۔ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ قَالُوْا جملہ جوابی ہے سَنُرَاوِدُ سین حروف ظرف میں سے ہے بمعنی عنقریب نُرَاوِدُ فعل مضارع بصیغہ جمع متکلم بمعنی مستقبل یہ جملہ مقولہ ہے قول کا رَوَدٌ اجوف واوی سے مشتق ہے باب مفاعلۃ کا فعل ہے اس باب کی دو خاصیتیں ہیں پہلی مشارکت اور وہی یہاں مراد ہے۔ یعنی ایسا کام کرنا کہ فاعل مفعول بن سکے۔ گویا کہ دو طرف ایک کام ایک دوسرے کے ساتھ کیا جائے۔ دوسری خصوصیت موافقت۔ بمعنی ہمراہی فقط جیسے ایک ساتھ سفر کرنا روٹی کھانا وغیرہ۔ رَوْدٌ کے چار معنی ہیں ۱ آمادہ کرنا۔ ۲ ورغلانا ۳ باہمی مشورہ کرنا کسی کام کے لیے۔ ۴ کسی کام کے بارے ایسی گفتگو کرنا کہ اپنی مرضی اس کے ہونے پر ہو مگر صوابدید کا اختیار دوسرے پر چھوڑا جائے۔ یہی معنی یہاں ہیں۔ عَنْ۔ حرف جر چھ معنی میں مستعمل ہے۔ ۱ مجاوزت ۲ بدلیت۔ ۳ استعلاء ۴ تعلیل ۵ بمعنی مِنْ ۶ بمعنی بعد۔ یہاں مجاوزت کے لیے ہے جس میں تعدی اور فقط وصول ہے۔ یعنی اس کے بارے میں ہ ضمیر کا مرجع بنیامین ہے یہ جار و مجرور سَنُرَاوِدُ کا متعلق ہے اَبَا مفعول بہ ہے ہ ضمیر غائب مضاف الیہ کا مرجع بھی بنیامین ہے وحالیہ ہے۔ اِنَّا حرف تحقیق اور ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے لَفٰعِلُوْنَ جمع اسم ہے لام تاکید فاعلون فعل مصدر مادے سے بنا۔ اسم فاعل جمع کا صیغہ ہے اس کا واحد فاعل ہے۔ بمعنی کرنیوالا۔ فعل مصدر ناقص ہے۔ کسی کامل فعل کے بغیر نہیں آتا۔ یہاں بھی نُرَاوِدُ سے ملحق ہوکر آیا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۔ اور اس تمام گفتگو کے بعد جب کہ حضرت یوسف نے اپنے کارندوں کو حکم دیا اور برادرانِ یوسف علیہ السلام کا سامان یعنی غلہ ناپ کر بوریاں سی دی گئیں تو حضرت یوسف نے فرمایا کہ آئندہ جب بھی تم آؤ تو اپنے اس بھائی کو بھی لے کر آنا جو تمہارے کہنے کے مطابق تمہارا باپ جایا (علاتی) ہے کیا تم نے یہ نہ دیکھ لیا کہ بیشک میں کتنا پورا ناپ دیتا ہوں، اور میں خود اترانے والے بن بلائے مہمانوں حاجتمندوں کا خیر خواہ ہوں۔ حضرت یوسف نے ایک دن ایک رات ان کو ٹھہرایا اور عزت افزائی کی بہترین، مہمان خانے میں بٹھایا بہت اچھے عمدہ کھانے اور پھل کھلائے حالانکہ خود حضرت یوسف علیہ السلام اِن قحط کے سات سالوں میں روزے رکھتے رہے اور سحری و افطار بھی بالکل معمولی فرماتے بادشاہ اور اہلِ دربار کو صرف چوبیس گھنٹے میں دوپہر کا کھانا دیا جاتا ۔ باقی رعایا کو دو وقت مگر تین چوتھائی کے حساب سے ماہانہ خوراک ملتی ۔ اور دیگر مہمانوں کو عام لنگر خانے سے پوری خوراک دو وقت ملتی ۔ لیکن ان کو مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے شاہی مہمان خانے میں رکھا گیا۔ اہلِ مصر نے عرض کیا یا سرکار آپ کیوں کھانا نہیں کھاتے اور مسلسل روزے رکھ رہے ہیں حالانکہ سب کھانے آپ کے قبضہ میں ہیں بادشاہ کا بھی وہ اختیار نہیں جو آپ کا ہے فرمایا چار وجہ سے ایک یہ کہ مجھ کو بھوکوں کی تکلیف یاد رہے دوم یہ کہ مجھ کو پہلا زمانہ جیل وغیرہ قیدی کی کیفیت بیکسی بے لبی ۔ اور بیگانا ہی نہ بھولے اور اب اس شان کو دیکھ کر اپنے خالق تعالیٰ کا شاکر بندہ بنا رہوں۔ سوم یہ بتانے کے لیے کہ یہ سب دنیا اِس وقت میرے قبضے میں ہے مگر میں ربِّ جلیل کے قبضے میں ہوں چہارم یہ کہ رب تعالیٰ کی طرف سے جس بندے کو جتنی بڑی شان عنایت ہوتی ہے اُس بندے پر اتنا ہی زیادہ ۔ زہد ۔ ریاضت ۔ عبادت اور شکرِ الٰہی واجب ہوتا ہے تو یہ روزہ اور فاقہ کشی شکر کے علاوہ غذاءِ روحانی بھی ہے ۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ اُوفِي الْكَيْلَ کا یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ میں نے تم کو تمہارا غلہ پوری ناپ تول سے دیا ۔ یعنی ہر ایک کو ایک اونٹ (دو بوری) اور یہ معنیٰ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے افرادِ خانہ حاضر و غائب کے حساب سے پورا غلہ دیا اور صرف تمہارے ہی کہنے پر اعتماد کرتے ہوئے تمہارے ایک بھائی اور والد کا کھانا بھی دے دیا ۔ اور اتنا دیدیا کہ بقیہ بال بچوں کے لیے بھی پورا ہو جائے ۔ مزید براں أَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ ۔ میں نے کیسی شاندار تمہاری میزبانی کی یہ تمہاری خصوصیت ہے جس کو تم نے اپنی آنکھوں سے ملاحظہ کیا کہ ہزاروں مہمانوں میں سے صرف تم سے ہی ہم نے کلام کیا اور اپنے گھر میں جگہ دی جب کہ لوگوں نے تم کو جاسوس بھی سمجھا۔ یہ کلام احساسِ حق اور ادائے شکر اور اچھے تذکرے کے لیے فرمایا۔ اس کا شکریہ ہے کہ تم آئندہ اپنے بھائی کو ساتھ لا کر اپنا اعتماد بحال کرنا لیکن

اب بھی۔ فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا كَیْلَ لَكُمْ عِنْدِیْ وَلَا تَقْرَبُوْنِ پس اگر تم اس کو جو تمہارے قول کے مطابق بھائی ہے نہ لائے تم یہاں میرے پاس تو تمہارے لیے بھی میرے پاس ناپ تول اور غلّہ نہ مل سکے گا۔ اور نہ تم اس طرح با عزت و شان میرے قریب آسکو گے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ حضرت یوسف نے بِاَخٍ لَّكُمْ فرمایا بِاَخِیْكُمْ نہ فرمایا تاکہ پتہ لگے کہ تمہارا ایک اور بھائی ہونا تمہارے ہی قول کے بنا پر ہے نہ معلوم صحیح ہے یا جھوٹ اس لیے اس کو لانا ضروری ہے دو وجہ سے ایک یہ غلّہ صرف قحط زدہ لوگوں کو دیا جاتا ہے تم لوگوں کے علاقہ میں قحط ہے یا نہیں اس کا علم تو تم کو ہے مگر ثبوت دینا پڑے گا۔ جس کا طریقہ یہ ہے کہ تم نے اپنے بھائی کا ذکر کیا ہے اس کو لاؤ اگر یہ بات سچی ثابت ہوئی تو باقی باتیں بھی سچی ثابت ہو جائیں گی اگر یہ ہی جھوٹ ہوئی تو باقی باتیں قحط زدہ ہونے کی وغیرہ وغیرہ بھی غلط ہوں گی۔ اس لیے پھر تم کو کچھ نہ ملے گا اور جھوٹے ہونے کی بنا پر تم میرے قرب خاص اور شاہی مہمان بننے کے لائق نہ رہو گے دوسری وجہ یہ کہ اس دفعہ تم لوگوں کے کہنے کی بنا پر ان لوگوں کا غلّہ بھی تم کو دیا گیا جو یہاں آئے نہیں اور یہ صرف تمہاری خصوصیت ہے ورنہ اور کسی شخص کسی قافلے والے کے ساتھ نہ ایسا حسن سلوک کیا گیا نہ غیر موجود کا حصّہ دیا گیا۔ اس لیے ہماری اس رعایت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا۔ بلکہ آئندہ اپنے بھائی کو لے کر آنا تاکہ آئندہ کا حصّہ اور سابقہ کا ثبوت مہیا ہو۔ اور کسی بھی معترض کو اعتراض کا موقعہ نہ ملے اگرچہ کسی کو اعتراض کی مجال تو نہیں مگر انصاف کا تقاضہ یہی ہے کہ دامن عدل بے داغ ہونا چاہیئے۔ کچھ علماء کرام نے لَا تَقْرَبُوْنِ کو نہی کا صیغہ فرمایا ہے کہ میرے قریب مت آنا۔ تب یہ جھڑک کی صورت بنتی ہے جب کہ پہلی تفسیر میں خبردار کرنا مقصود تھا۔ لیکن مشہور پہلا قول ہے۔

قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ تب سب بیک آواز بولے اسی وقت یا کچھ دیر علیحدہ مشورہ کرلے کے بعد سب کی طرف سے ایک شخص بولا۔ کہ اچھا ہم کوشش کر دیکھیں گے یا اس طرح کہ صاف صاف یہ سب گفتگو بتا دیں جس سے وہ مجبور ہو جائیں بھیجنے پر یا اس طرح کہ ہم ان سے اپنی بھی خواہش ظاہر کریں کہ ہاں واقعی بھیجنا چاہیئے۔ یا کوئی اور تدبیر سوچیں گے جس سے اس بھائی کے بارے میں اس کے باپ کو ہم بہلا پھسلا سکیں اور بیشک ہم اے عزیزِ مصر ہم سب مل کر اس کام کو کر ڈالیں گے۔ ہمیں یقین ہے۔ تفاسیر میں ہے اس بات کو سن کر حضرت یوسف نے فرمایا کہ اپنی بات کرنے کے لیے تم ضمانت کے طور پر ایک بھائی کو ہمارے پاس چھوڑ جاؤ۔ تو انہوں نے قرعہ ڈالا کئی بار نام شمعون کا ہی نکلتا رہا یہ شمعون دوسرے نمبر پر بڑا بھائی تھا عمر میں بڑا سب سے رذیل تھا۔ شمعون شروع سے ہی یوسف علیہ السلام کا خیر خواہ تھا اسی نے مشورہ دیا تھا کہ قتل مت کرو کنوئیں میں ڈال دو۔ اب قرعہ بھی اسی کا نام نکلا لہٰذا اس کو روک لیا گیا اور اس کا غلّہ بھیج دیا گیا۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ سب مخلوق میں سب سے زیادہ مہمان نواز با اخلاق حسن سیرت والے انبیاء کرام ہوتے ہیں۔ پھر اولیا علما بزرگان اکابر دین۔ فاسق فاجر کافر مطلب پرست تو ہو سکتا ہے مگر با اخلاق نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ حُسن اخلاق صرف میٹھی باتوں کا ہی نام نہیں بلکہ سب سے بڑا حُسن اخلاق دیانت داری۔ عدل۔ انصاف اور حقدار کو اس کا حق دیدینا ہے دیکھو حضرت یوسف نے للہ دے کر اَنِّیْ اُوْفِی الْکَیْلَ فرماکر اپنے حُسن اخلاق کا تذکرہ فرمایا۔ جو دراصل اُسوۂ حسنہ کی سچی تصویر ہے ان اخلاق حمیدہ سے فاسق و کافر نا واقف ہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ کسی جرم کی بنا پر ادائے حق کو روک لینا اخلاق حسنہ کے خلاف نہیں اسی طرح قانونی تحفظ کی خاطر کسی پر کسی طرح کی بندش لگانا بد اخلاقی نہیں یہ فائدہ فَلَا کَیْلَ لَکُمْ اور لَا تَقْرَبُوْنِ فرمانے سے حاصل ہوا کہ انبیاء کرام باوجود اعلیٰ اخلاق کے مالک ہونے کے پھر بھی یہ بندشیں لگا دیتے ہیں۔ حالانکہ غلہ اُن بھائیوں کا حق تھا۔

احکام القرآن ان آیاتِ کریمہ سے چند مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: دینی مفاد کی خاطر اپنی تعریف کرنی جائز ہے۔ دیکھو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے درباریوں اور اپنے بھائیوں کے سامنے اِنِّیْ اُوْفِی الْکَیْلَ وغیرہ الفاظ فرماکر اپنی تعریف کی۔ اگر یہ جائز نہ ہوتا تو معصوم نبی ایسا نہ کہتے۔ ہاں دنیوی طریقہ سے اپنی مدح سرائی منع ہے کیونکہ وہ تکبر ہے۔ **دوسرا مسئلہ**: حقوق العباد کو ادا کرنے اور حقدار تک پہنچانے سے روک رکھنا قانونی مصلحت کے لیے جائز ہے لہٰذا انصاف پسند بادشاہ اور حاکم اسی طرح ڈاکٹر حکیم بعض موقعوں پر بعض مجرموں۔ بیماروں سے اُن کی جائز دولت خوراک وغیرہ روک سکتا ہے۔ اسی طرح والد اپنے نافرمان بیٹے کو راہ راست پر لانے کے لیے عارضی طور پر عاق کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اِنْ لَمْ تَاْتُوْنِیْ بِهٖ فَلَا کَیْلَ لَکُمْ سے مستنبط ہوا۔ ہاں بغیر جرم رعایہ کی جائداد چھیننا اور حکومت کی تحویل میں لے آنا سراسر ظلم ہے جس کی سزا اور عذاب سربراہ مملکت کو ضرور ہوگا اسی طرح بغیر مرض پرہیز کرانا بھی منع ہے۔ اور بلاوجہ کسی بیٹے کو عارضی یا دائمی عاق کرنا بھی منع ہے۔ مثلاً سوتیلی ماں کے بھڑکانے سے یا ایک بیٹے کی محبت میں دوسرے کو عاق کرنا جائداد سے محروم کرنا حرام ہے۔ **تیسرا مسئلہ**: کسی کام کے لیے کسی بھی نیک انسان کے ساتھ کوئی بھی ایسی چال چلنی جس سے اُس کو نقصان بھی نہ ہو اور وہ جائز کام بھی پورا ہو جائے۔ یہ جائز ہے۔ یہ مسئلہ سَنُرَاوِدُ کے ایک تفسیری ترجمہ سے مستنبط ہوا۔ دیکھو برادرانِ یوسف۔ اپنے بھائی اللہ کے نبی کے سامنے کہہ رہے ہیں کہ ہم بنیامین کو لانے

کے لیے اُس کے والد حضرت یعقوب کے آگے کوئی چال چلیں گے ۔ اگر یہ ناجائز ہوتا تو یوسف علیہ السلام منع فرمادیتے ۔

اعتراضات

ان آیات پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں اِس آیت کریمہ میں ہے قَالَ ائْتُوْنِیْ بِاَخٍ لَّكُمْ حالانکہ نحوی قانون کے مطابق بِاَخِیْكُمْ ہونا چاہیئے تھا ۔ کیونکہ اظہارِ اضافت معرفہ ہوتا ہے اور معرفہ ہونے میں نسبت زیادہ اُجاگر ہوتی ہے ۔ یہی مقصودِ اضافت ہوتا ہے ۔

جواب : تفسیر روح البیان نے اس کا جواب کچھ اس طرح ارشاد فرمایا ہے اور ہم نے بھی تفسیر عالمانہ میں اُسی طرف کچھ اشارہ کیا ہے جس کی تفصیل اس طرح ہے کہ قانونِ نحوی میں اضافت تین قسم کی ہے ۔ اضافت بیانیہ جیسے طالعًا جبلاً ۔ کہ دراصل تھا طالعٌ جبل ۔ اضافت جنسیہ جیسے خَاتَمُ فِضَّةٍ کہ دراصل تھا خاتمٌ مِنْ فِضَّةٍ اضافتِ لامیہ جیسے غُلَامُكَ کہ دراصل تھا غُلَامٌ لَّكَ جہاں صرف اظہار نسبت مقصود ہو وہاں اصلیت سے ہٹا کر حرفِ اضافت کے اظہار کے بغیر صحیح مرکب اضافی معرفہ بنا کر بولا جاتا ہے ۔ لیکن جہاں کچھ اور بھی مقصود ہو تو وہاں اصلیت کے ساتھ بولا جاتا ہے مثلاً غُلَامٌ لَّكَ ۔ اس کا ترجمہ ہے تیرا وہ غلام جس کو تو ہی جانتا ہے یعنی بقول تیرے تیرا غلام ۔ متکلم کو نہیں معلوم کہ تیرا غلام ہے یا نہیں اور تو سچا ہے یا اس کہنے میں جھوٹا ۔ بدیں وجہ یہاں بِاَخٍ لَّكُمْ کہنا بہت ہی مناسب ہے ۔ اس لیے کہ یوسف علیہ السلام نے اگرچہ بھائیوں کو پہچان لیا تھا مگر اپنی اس پہچان کو بہت ہی مخفی رکھنا چاہتے تھے لہٰذا اَخٌ کو نکرہ کر کے حرف اضافت لام کو ظاہر فرمایا ۔ جس سے آپ کی عدم معرفت ظاہر ہوئی ہے ۔ یہ ہی آپ کا مقصود تھا بِاَخِیْكُمْ سے یہ بات حاصل نہ ہوتی ۔ لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہ رہا ۔ اعلیٰحضرت نے اس اعتراض کا جواب اپنے ترجمہ میں لفظ سوتیلا بڑھا کر دیدیا ۔ اس طرح کہ اضافتِ معرفہ میں نسبت مکمل ہوتی ہے ۔ حالانکہ وہ بھائی مکمل بھائی نہ تھا ۔ مکمل بھائی وہ ہوتا ہے جو سگا یعنی ماں باپ شریکا ہو ۔ جیسے یہ دس بھائی آپس میں تھے یا یوسف و بنیامین تھے ۔ علاتی (باپ میں شریک) یا اخیافی (ماں شریکے) ان میں اخوت مکمل نہیں ہوتی اِس لیے حضرت یوسف نے اضافت ناقص استعمال فرمائی کیونکہ وہ پہلے سب کچھ بتا چکے تھے کہ ہم اتنے سگے بھائی ہیں اور اتنے علاتی ہیں ۔

دوسرا اعتراض ۔ اِن آیات میں ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت یوسف بار بار اپنی شان بیان فرماتے ہیں کبھی فرماتے ہیں ۔ اِنِّیْ لَمْ اَخُنْهُ میں خائن نہیں بہت دیانت دار ہوں ۔ کبھی فرماتے ہیں اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ میں سب سے زیادہ حفاظت کرنیوالا اور سب سے بڑا عالم ہوں ۔ کبھی یہاں فرمایا ۔ اَنَا خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ میں بہترین مہمان نواز ہوں دیکھا میں نے تمہاری کتنی میزبانی کی تم کو کتنے آرام پہنچائے ۔ حالانکہ

اپنی شان بیان کرنا خود ستائی اور ریا ہے خاص کر میزبانی کا احسان جتانا تو بہت برا ہے اور تکبر و غرور بھی ہے جو شانِ نبوت کے خلاف ہے (بعض بے دین)

جواب۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ خود نمائی چار قسم کی ہے ۱ ذاتی مفاد کے لیے ۲ اصلاح کے لیے ۳ درس کے لیے ۴ فقط اظہارِ شان کے لیے پہلی تین قسمیں جائز بلکہ بعض موقع پر ضروری۔ مثلاً بیگناہ قیدی کہتا ہے کہ میں بیگناہ ہوں نیک ہوں بالکل جائز ہے کہ اس میں اُس کا جائز مفاد ہے ڈاکٹر یا حکیم طبیب بیماروں سے کہتا ہے کہ میں بہت لائق حاذق اور نبض شناس ہوں۔ بالکل جائز بلکہ ضروری ہے تاکہ لوگ نیم حکیم خطرۂ جان سے بچیں۔ ایک عالم دین۔ خطیب قوم۔ مسلمانوں سے کہتا ہے کہ میں مستند عالم۔ سند یافتہ مفتی ہوں بالکل جائز بلکہ اشد ضروری تاکہ لوگ نیم ملاّ خطرۂ ایمان سے بچیں اس میں قوم کا مفاد بھی ہے اصلاح بھی۔ ایک استاد اپنے شاگردوں سے کہتا ہے کہ ہم جب پڑھتے تھے تو اتنی محنت کرتے تھے اور ایسے ہونہار۔ ذہین ہو گئے تھے ہمارا اشمار لائق شاگردوں میں ہوتا تھا۔ اے شاگردو میں تم کو محنت سے پڑھاتا ہوں تمہاری کتابیں مجھ کو بہت اچھی آتی ہیں میں راتوں کو مطالعہ کرتا ہوں۔ اور بہت سمجھ کر تم کو سبق دیتا ہوں تو یہ بالکل جائز ہے کیونکہ مقصود ہے کہ تم بھی محنت کرو۔ اگر ڈاکٹر کہے کہ مجھ کو تو کچھ بھی نہیں آتا لوگوں کی ذرہ نوازی ہے جو مجھ کو ڈاکٹر کہتے ہیں تو علاج خاک کرے گا اور کوئی مریض کیوں پاس آئے گا۔ اسی طرح حاکم کہے کہ میں بالکل ان پڑھ بے اختیار ناکارۂ نالائق ہوں تو حکومت خاک کرے گا۔ ہاں چوتھی قسم کی خود ستائی مدح سرائی حرام و ناجائز ہے جب کہ بلا وجہ یہ سمجھ کر اپنی تعریف کرے کہ مجھ جیسا کوئی نہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے پہلے اپنی تعریف کی اپنی برائت کے لیے دوسری تعریف اصلاح ملک کے لیے اور تیسری یہ تعریف با بھائیوں کو درس دینے کے لیے تھی یا مانوس کرنے کے لیے کہ آئندہ بھی ایسا ہو گا۔ اس لیے بالکل جائز بلکہ انتہائی ضروری۔ نہ یہ غرور تھا نہ تکبر نہ احسان جتانا۔

تفسیر صوفیانہ وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ قَالَ ائْتُونِي بِأَخٍ لَّكُم مِّنْ أَبِيكُمْ أَلَا تَرَوْنَ أَنِّي أُوفِي الْكَيْلَ وَأَنَا خَيْرُ الْمُنزِلِينَ فَإِن لَّمْ تَأْتُونِي بِهِ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِندِي وَلَا تَقْرَبُونِ

اور جب قلب انسانی نے شعور عطا کر دیا اُن اعضاء رئیسہ کو اُن کے لیے سامان علم کا تو فرمایا کہ اپنے اپنے خلوت خاص کے اعمال صالحہ کو اپنے خلوص و محبت سے میرے حضور پیش کرو۔ سب جانتے ہو کہ میں ہی مقامات قدس کے لیے نازل ہونیوالوں کو بھلائی کا راہ دکھانے والا ہوں اگر اعضاء اعمال صالحہ پر راغب نہ ہوں تو غذاء فہم شعور نہیں مل سکتا اور نہ ہی قربِ خاص کا مقام حاصل ہو گا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں قالب جسمی پر گیارہ اعضاء مخفی ہیں جن کی حقیقت کو سوائے سِرِ قلب کے کوئی نہیں جانتا۔ ۱ مزاج ۲ دماغ ۳ نفس لوامہ ۴ ملہمہ

۶ عقل ۷ دل ۸ قوت سمع ۹ بصر ۱۰ لمس ۱۱ فؤاد ۔ اور گیارہ ہی آنے کے مقام و احوال ہیں۔ ۱ ناسوت ۲ لاہوت ۳ جبر ۴ تمر ۵ سر ۶ کبر ۷ باطن ۸ ظاہر ۹ مشاہدہ ۱۰ قامت ۱۱ عجز ۔ اور گیارہ ہی علم ہیں ۔

۱ شریعت ۲ طریقت ۳ حقیقت ۴ کیمیا ۵ ریمیا ۶ سیمیا ۷ علم نجوم ۸ علم ارضیہ ۹ عقلیات ۱۰ علم الحروف ۱۱ رمل جفر ۔ قلب انسانی اپنے ان گیارہ بھائیوں کو اُن کے طبع موافق سے ایک علم عطا کرتا ہے مگر علم معرفت جو سب سے اعلیٰ و اکبر ہے وہ صرف دل ہی کے پاس ہے ۔ اس علم میں ہی سارے علوم ہیں ۔ انوار الٰہیہ کے نزول سے قلب روشن ہوتا ہے اور جتنا روشن زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی اُس کی معرفت بڑھتی جاتی ہے ۔ مگر پہلے قلب کو گیارہ منزلوں سے گزر کر مصر تجلیات کے تختِ عرش پر آنا پڑتا ہے ۔

۱ منزلِ وصل ۲ فراق ۳ ظلمات کا کنواں ۴ مصائب غم کی مسافرت ۵ نااہل کی غلامیت ۶ منزلِ حجاب ۷ ابتلا ۸ قید بیگناہی ۹ منزلِ صبر ۱۰ منزلِ عمل ۱۱ قحط واردات ۔ ہر قلب انسانی پر یہ واردات ہوتی ہیں مگر کوئی کوئی زندہ بچتا ہے جس کو خاص مَكَّنَّا فِى الْاَرْضِ کا خطاب اور خزانۂ قدرت کا انعام ملتا ہے ۔ یہی دل ظاہر و باطن کا مختار کل حاکم بن جاتا ہے جو ہر واردات پر ثابت قدم رہتا ہے ہر کس و ناکس اس کا بندۂ بے دام ہوتا ہے امر بالمعروف ارشاد اور چار و ناچار کہنا پڑتا ہے کہ قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ ۔ بولے اے عزیز قلب ہم اعمال صالحہ کی کوشش میں ہر شعور کو خالص کر دیں گے ۔ اور منشاء قلبی کو ضرور پورا کریں گے ۔ تاکہ منزل معرفت ہم کو نصیب ہو ۔ یہ وہ وقت ہے جب عقل ، عقلیات قلب یزدانی کے زیر حکم ہو کر رحمانی ہو جاتے ہیں اور غذاء روحانی سے جلوت ، خلوت کے اونٹ لاد لیجاتے ہیں ۔

اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ صِرَاطَ اَوْلِيَائِكَ الْمُقَرَّبِيْنَ

وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ

اور فرمایا کو غلاموں اپنے ڈالو تم کو قیمت اُن کی میں بوریوں اُن کی

اور یوسف نے اپنے غلاموں سے کہا ان کی پونجی ان کو خورجیوں میں رکھ دو

لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَآ اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ

تاکہ وہ پہچان لیں اس قیمت کو جب لوٹیں وہ طرف اہل اپنے کے شاید وہ لوٹیں۔

شاید وہ اسے پہچانیں جب اپنے گھر کی طرف لوٹ کر جائیں شاید وہ واپس آئیں۔

لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۶۲﴾ فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَىٰ أَبِيهِمْ

تو جب واپس گئے وہ سب طرف باپ اپنے کی

پھر جب وہ اپنے باپ کی طرف لوٹ کر گئے

قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا

بولے اے باپ ہمارے ۔ آئندہ روک دیا گیا ہے ہم سے ناپ تول ۔ لہٰذا بھیج دیجئے ساتھ ہمارے

بولے اے ہمارے باپ ہم سے غلہ روک دیا گیا ہے تو ہمارے

أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۶۳﴾ قَالَ

کو بھائی ہمارے تُلوا لائیں گے ہم اور بیشک ہم کی اُس البتہ حفاظت کرنیوالے ہیں فرمایا

بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے کہ غلہ لائیں اور ہم ضرور

هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ

کیا بات مان لوں میں تمہاری پر اس مگر جیسے مان لی تھی میں نے تمہاری پہلے

اور اس کی حفاظت کریں گے ۔ کہا کیا اس کے بارے میں تم پر ویسا ہی اعتبار کر لوں

أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ ۖ فَاللَّهُ خَيْرٌ حَافِظًا ۖ وَهُوَ

بھائی اُس کے سے پہلے ۔ پس اللہ اچھا حفاظت کرنے والا ہے اور وہ

جیسا پہلے اس کے بھائی کے بارے میں کیا تھا تو اللہ سب سے بہتر نگہبان اور وہ

أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿۶۴﴾

زیادہ رحم کرنے والا ہے تمام رحم والوں سے

ہر مہربان سے بڑھ کر مہربان

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** - پچھلی آیت میں حضرت یوسف کی شان سخاوت کا ایک پہلو اُجاگر کیا گیا تھا کہ آپنے مجت سے رکھا عزت سے بٹھایا اور اچھے طریقے سے ناپ تول کر پورا غلہ دیا اب ان آیت میں کمال سخاوت کا دوسرا پہلو ظاہر فرمایا جا رہا ہے کہ آپنے پونجی اور قیمت میں وصول کئے ہوئے درہم بھی اُن کی بوریوں میں واپس رکھ دئے تاکہ غربت کی تکلیف دور ہے۔
دوسرا تعلق - پچھلی آیت میں یہ ظاہر فرمایا گیا تھا کہ حضرت یوسف شاہ مصر کی طرف سے غلہ فروخت کرنے اور ملکی معاملات صیحہ واگر یغیر معین و مامور کیے گئے تھے جس سے آپ کا صرف سلطنت کا وزیر ہونا ثابت ہوتا تھا جس کو کچھ اختیار نہیں ہوتا اب ان آیت میں حضرت یوسف کے کُلی اختیار سلطنت کا اشارہ فرمایا جا رہا ہے اور ربار بتا بھی بتایا جا رہا ہے کہ آپ کو پورا اختیار شاہی تھا جس کو چاہتے مول دیتے جس کو چاہتے مفت دیتے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں ملاقات یوسفی کے ابتدائی مراحل کا ذکر تھا اب یہاں فراق بنیامین کا تذکرہ ہے گویا کہ حضرت یعقوب کے لیے دوسرے غم کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِيْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَا اِذَا انْقَلَبُوْٓا اِلٰٓى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ شروع جملہ نئے کلام کے لیے قَالَ فعل ماضی کا فاعل یوسف ہیں لِفِتْيٰنِهِ میں لام جارہ بمعنی مفعول بہ فِتْيَانٌ جمع ہے فتی کی بروزن غلمان۔ اخوان - عربی میں الف نون چار قسم کا ہے ۱ تثنیہ کا جیسے مومنان۔ مسلمان ۲ زائدتان جیسے عمران عثمان ۳ مصدریہ جیسے اتیان۔ عصیان۔ نسیان غفران ۴ جمعیت کے لیے جیسے فِتْيَانٌ اِخْوَانٌ غِلْمَانٌ۔ بجز زائدتان کے باقی سب منصرف ہیں۔ سات قرائتوں میں سے ایک قرئت میں لِفِتْيَتِهِ بھی ہے یہ بھی فتی کی جمع ہے بمعنی نوکر خادم لغوی ترجمہ جوان ہے فتیان جمع قلت ہے مراد صرف نو دس خادم۔ یہی عام قرئت مشہورہ ہے۔ فِتْيَةٌ جمع کثرت ہے۔ مراد تمام خدام - اجعلوا کا جملہ مقولہ ہے قول کا۔ مقولہ ہمیشہ ابتدائیہ جملہ ہوتا ہے اسی لیے اس کے اول اگر حرف تحقیق اِنَّ آجائے تو وہ زبر سے اَنَّ نہیں ہو سکتا۔ یہ فعل امر ہے جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی ڈال دو۔ یا رکھ دو بضاعت اسم جامد ہے بمعنی قیمت خرید میں لی ہوئی دولت روپے پیسے وغیرہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے سابقہ فعل کا ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع سب بھائی فِيْ ظرفیہ مکانیہ جارہ رحال جمع ہے رَحْلٌ کی جمع ہے بمعنی بوری۔ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَ فعل مضارع احتمالی بصیغۃ جمع مذکر۔ ھا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع بضاعت ہے منصوب متصل بوجہ مفعول بہ اِذَا ظرف زمانی ہے اِنْقَلَبُوْا باب انفعال کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل۔ مستقبل کی جگہ ماضی استعمال کرنا چار وجہ سے ہوتا ہے۔
۱ یقین کے لیے ۲ دعا کے لیے جیسے صلی اللہ علیہ وسلم ۳ انعقاد کے لیے جیسے قَبِلْتُ ۴ خوف دلانے

کے لیے جیسے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ ۔یہاں بوجہ یقین ہے ۔اِلیٰ ظرف مکانی کے لیے اَہل سے مراد نسلی دار برادری یا والدین بہن بھائی ۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ یہ بھی فعل مضارع احتمالی بصیغہ جمع مذکر غائب بمعنے مستقبل یعنی آئندہ زمانہ ۔نہ کہ فعل مستقبل ۔یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے فَتَهُمْ پوشیدہ ہے فَلَمَّا رَجَعُوْا اِلٰی اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ فلمّا ف ۔حرفِ تعقیب ہے ۔قانون تحریر کے مطابق حروفِ ہجا اور حروفِ ابجد کو جب مفرد کی حیثیت سے لکھا جائے گا تو طریقہ تحریر اس طرح ہوگا ۔ ا ب ت ث ج ح خ د ذ ر ز ۔اسی طرح حروف ابجد ۔ ا ب ج د وغیرہ اور جب عبارت میں معمول اور اسم بنا کر لکھو گے تو اس طرح لکھا جائے گا ۔ الف ۔ با ۔ تا ۔ ثا ۔ جیم ۔ دال وغیرہ ۔ جیسے مُحذوف اَلبا ۔ وغیرہ ۔ ہمارے علاقے کے بعض نئے نئے قاریوں نے ۔بچوں کو پڑھانے والے قاعدوں سیپاروں میں ۔اس طرح لکھنا شروع کر دیا ۔ اَبا تا ثا جا دا وغیرہ ۔ یہ سب غلط ہے ۔اور لکھنے والے کی حماقت ہے ۔اُس کو حرف اور اسم کا فرق معلوم نہیں ہے ۔ صرف اسم کے لیے کم از کم دو حرف ضروری ہیں ۔اس لیے وہاں با لکھا جائے گا ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ لَمَّا حرفِ ظرفیہ وقتیہ شرطیہ رَجَعُوْا ۔فعل ماضی بصیغہ جمع غائب مراد وہی بھائی ہیں اِلٰی حرفِ جار اَبِیْ بحالتِ جر اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے ہم مجرور بوجہ اضافت ۔ قَالُوْا نیا جملہ ہے ۔اپنے مقولے سے مل کر جزا ہوگی رَجَعُوْا الجملہ شرط کی ۔ یا حرفِ ندا اَبَانَا مرکب اضافی منادیٰ منصوب ہے ۔ مُنِعَ فعل مجہول ماضی ۔ مَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنی روکنا ۔ منع کرنا ۔ متعدی بیک مفعول ہے ۔ مِنَّا ۔ جار مجرور متعلق ہے مُنِعَ فعل مجہول کا اَلْكَيْلُ اسم جامد ہے مراد ناپی ہوئی چیز یعنی غلہ ۔ فَ سببیہ بمعنی لہٰذا ۔ اَرْسِلْ فعل امر رُسُلٌ کا باب افعال ہے متعدی بدو مفعول ہو کر بمعنی بھیجنا ہوا مَعَنَا مرکب اضافی مع اسم ظرف مکانی مضاف ہے ۔مفعول معہٗ ہے اَخَانَا بھی مرکب اضافی مفعول بہ ہے ۔ نَكْتَلْ ۔ فعل مضارع مستقبل باب افتعال سے بصیغہ جمع متکلم ایک مشہور قرات يَكْتَلْ بصیغہ واحد غائب ہے اور فاعل اَخَانَا ہے ۔ نَكْتَلْ دراصل نَكْتَيِلُ تھا ۔ بروزن نَفْتَعِلُ حرفِ یٰ میں کلمہ متحرک ماقبل مفتوح لہٰذا الف سے بدلا ۔ دو ساکن جمع ہوئے تو الف کو گرا دیا ۔ نَكْتَلْ ہو گیا یہ اَرْسِلْ امر کا جواب ہے اس لیے یہ بھی مجزوم ہے ۔ كَيْلٌ سے مشتق ہے بمعنی مفعولیت ہو کر ناپی ہوئی چیز یعنی غلہ مراد ہے ۔ وَاِنَّا وحالیہ اِنَّا ۔ دراصل اِنَّ نَا تھا ۔ نا ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ ہے لَهٗ جار مجرور متعلق مقدم ہے ۔ لَحٰفِظُوْنَ کا لام تاکید بمعنی یقیناً حَافِظُوْنَ اسم فاعل جمع کا صیغہ حِفْظٌ سے بنا ہے ۔ اس کے لغوی معنی تین ہیں ۔

۱ ۔حفاظت کرنا یعنی ظاہر باطن ہر طرح ہر وقت ہر ایک سے بچانا ۔اِس معنیٰ میں سوائے رب تعالیٰ کے کوئی حفاظت نہیں کر سکتا ۔

۲۔ دماغ میں یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ یہ صرف بندے کی صفت ہے۔
۳۔ نگرانی کرنا۔ یعنی صرف ظاہری دیکھ بھال۔ یہاں یہی معنیٰ ہوتا ہے۔ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۔
قَالَ کا فاعل حضرتِ یعقوب علیہ السلام یہ جوابی جملہ ہے۔ ہَلْ حرفِ استفہام بمعنیٰ مَا نافیہ یعنی نہیں ایمان لانا چاہیئے۔ اٰمَنُ فعل مضارع بصیغہ واحد متکلم باب سَمِعَ سے ہے بمعنیٰ اَمن اطمینان۔ مادہ اشتقاق اَمْنٌ ہے جب یہ بابِ افعال میں ہوگا تو معنیٰ ہوگا ایمان لانا۔ کُم ضمیر جمع حاضر مفعول بہ ہے مگر اردو کے محاورے میں یہاں۔ پر مستعمل ہے۔ یعنی تم پر مطمئن ہو جاؤں عربی میں کُل گیارہ مصدر ہیں جن کو اردو میں لفظِ پر سے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً رحمٌ۔ اَمنٌ۔ کرمٌ۔ غفرانٌ (اس پر غصّہ) فضلٌ۔ وغیرہ۔ علیٰ حرف جر بمعنیٰ اِنّی ہے ہ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل یعنی اُس کے بارے میں۔ اِلَّا اسلاً حرف استثناء ہے۔ غیر مفرغ ہے۔ اس کے تین طرح استعمال ہیں۔ ۱۔ بمعنیٰ صفت جیسے لفظِ غیر ۲۔ بمعنیٰ واؤ عاطفہ ۳۔ جزا بن کر۔ کَمَا مستثنیٰ ہے اِس کے ماقبل مصدر مفعول مطلق پوشیدہ ہے اِئْتِمَانًا۔ یہ جملہ یا اس کا حال ہے یا صفت ہے اس لیے بحالتِ فتح ہے۔ اَمِنْتُ فعل ماضی بصیغہ واحد متکلم باب سَمِعَ کُمْ مفعول بہ علیٰ بمعنیٰ فی یعنی بارے اَخِیْ اسماءِ ستہ مکبرہ میں سے ہے بحالتِ جرّ مِنْ حرفِ جار قَبْلُ اسماءِ ظرف مکانی و زمانی دونوں کے لیے مستعمل ہے یہاں ظرفِ زمانی ہے کیونکہ یہی اصل ہے۔ مکان کے لیے شاذ ہے۔ کَاللّٰہُ۔ فَ۔ سببیہ بمعنیٰ لہٰذا۔ یعنی اس لیے اللّٰہ۔ اسم ذاتی ہے۔ نام ہے خالق کائنات کا خیال رہے کہ عربی زبان میں سوائے لفظ اللّٰہ یا لفظ اِلٰہ کے کوئی بھی لفظ اسم جامد نہیں اگرچہ جامد کی جگہ استعمال ہو سکتے ہیں بلکہ ہوتے ہیں۔ جیسے ابن۔ ولد وغیرہ۔ سب اسم یا مصدر ہیں یا مادہ ہیں یا مشتق ہیں۔ بخلاف فارسی اردو اور دیگر زبانوں کے کہ اُن میں ہزاروں الفاظ جامد ہیں۔ یہ عربی کا کمال لغوی ہے۔ اور اُس کا نام پاک بھی لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ ہے۔ یہ نام پاک کی شان ہے۔ خیرٌ کے بہت معنیٰ ہیں یہاں مراد اعلیٰ ہے حَافِظًا۔ اسم فاعل ہے ایک قرأت میں حِفْظًا مصدر مبالغ کا صیغہ مبالغ کے صیغے عربی میں کل پندرہ شکل کے ہیں۔ دونوں صورتوں میں بوجہ تمیز لفظِ اللّٰہ۔ بحالتِ نصب ہے وَ عاطفہ یا سرِجملہ ھُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے اَرْحَمُ رِحْمٌ سے تفضیل ہے۔ مضاف ہے الرّٰحِمِيْنَ کا یہ جمع ہے رَاحِمٌ اسم فاعل کی بمعنیٰ محبت فرمانے والا۔

تفسیر عالمانہ وَقَالَ لِفِتْيٰنِهِ اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ فِیْ رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ اور حضرت یوسف نے اپنے کارندوں سے فرمایا کہ ان لوگوں کی قیمت میں دی ہوئی پونجی ڈال دو ان ہی کے سامان میں یا گندم کی بوریوں میں جس کو وہ سی رہے تھے

یا اُن کے کجاووں ۔ بستروں میں۔ پہلا قول زیادہ صحیح ہے کیونکہ کجاوے اور بستر بھائیوں کے قبضے میں تھے اور بوریاں ابھی کارندوں کے پاس تھیں اور قیمت حضرت یوسف کے پاس اگر بستروں یا کجاووں میں قیمت واپس رکھی جاتی تو یا اُسی وقت پتہ لگ جاتا یا راستے میں جب کبھی بستر کھولتے ۔جب کہ گندم کی بوریاں گھر ہی جاکر کُھلنی تھیں۔ اور منشاءِ یوسفی بھی یہی تھا ۔ بوریوں کو رحال فرمانا آئندہ کے لحاظ سے ہے کہ وہ رحال میں رکھی جانے والی ہیں یا رحال یعنی اونٹ پر لانیوالا سامان بننے والی ہیں ۔ پونجی قیمت میں تین قول ہیں ایک یہ کہ وہ درہم تھے اور یہی صحیح ہے کیونکہ یہی چیز قیمت بن سکتی ہے پھر شاہی دربار میں تو یہی قبول کیا جا سکتا ہے اور درہم ہی چھپا کر واپس کئے بھی جا سکتے ہیں بعض مفسرین نے کہا کہ جوتے اور کھالیں تھیں مگر یہ غلط ہے اوّلاً اس لیے کہ بلا ضرورت کوئی قبول نہیں کرتا ۔ دوم اس لیے کہ اس کو چھپایا نہیں جا سکتا ۔سوم اس لیے کہ پرانے جوتے اور کھالیں تو لائی نہیں جا سکتیں یہ بیوقوفی ہے اور نئے جوتے اور کھالیں کہاں سے آگئیں جب کہ نہ ان کو جوتوں کی دکانیں تھیں نہ فالتو چیزیں رکھنے کا زیادہ سرمایہ تھا ۔چہارم اس لیے کہ جوتے بغیر ناپ اور بغیر ضرورت قبول نہیں کئے جاتے ۔ بعض بے سمجھ مفسرین نے فرمایا کہ وہ قیمت آٹھ بورے ستو تھے یہ (نظری) قول تو بالکل ہی غلط ہے ۔ بعض لوگوں کو مفسر بننے کا شوق ہوتا ہے اور بے عقلی سے یا جانتے بوجھتے ایسی بات کر دیتے ہیں جو محض اختلاف اور غلط بیانی کے کچھ نہیں ہوتا ۔ کتنی حماقت کی بات ہے کہ ملک میں قحط پڑا ہے کھانے کو ملتا کچھ نہیں اور برادرانِ یوسف ستوے کر آگئے کہ یہ بہترین پسا بنا ہوا کھانا لے لو اور گندم دیدو ۔ اور پھر حضرت یوسف نے اُن آٹھ بوروں کو اُن کے سامان میں چھپوا دیا کہ گھر پہنچنے تک کسی کو خبر تک نہ ہوئی ۔ اِن ہی بے عقل مفسرین کی تفسیروں نے آج اسلام کو کھیل بنا دیا اور کسی چیز میں اتفاق و اتحاد نہ رہنے دیا ۔ حضرت یوسف نے یہ درہم دینار اس لیے واپس رکھوائے تاکہ وہ اپنے سکّے کو پہچانیں کہ یہ ہمارے ہی دیئے ہوئے درہم ہیں کسی اور ملک کے نہیں ہیں اور غلطی سے نہیں آئے جان کر واپس کیے گئے ہیں اس لیے انکا استعمال اپنے لیے جائز سمجھیں ۔ اور ساتھ ہی عزیزِ مصر کی تکمیلِ احسان اور اتمامِ نوازشات کو پہچانیں اور اگر خوانخواستہ ان کے پاس بوجہ غربتِ مالی آئندہ آنے کی ہمت نہ ہو تو وہ پھر یہی قیمت لے کر واپس آجائیں یا اگر اُن کے والد محترم بنیامین کو ساتھ بھیجنے پر کسی بات سے بھی راضی نہ ہوں تو یہ قیمت کی واپسی عزیزِ مصر کی محبت کی دلیل حضرت یعقوب کے سامنے پیش کی جا سکے اور برادرانِ یوسف اِسی دلیل کے ذریعے بنیامین کو ساتھ لے کر لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ شاید وہ سب لوٹیں ۔ اور ایسا ہی ہوا ۔ یہ بھی احتمال ہے کہ وہ اس سے خیال سے بھی لوٹیں کہ یہ واپس شدہ قیمت کیوں واپس آئی آیا غلطی سے ہے یا جان کر ۔ اور استفسار کریں کہ یہ ہمارے لیے حلال بھی ہے یا نہیں ۔ جیسا کہ متقیوں سے اُمید ہوتی ہے ۔ یہ پونجی یا سب کی سب ایک ہی بوری میں رکھدی گئی تھی

یا ہر ایک بوری میں اُس کی قیمت رکھی گئی لیکن اتنی چھپا کر کہ کسی بھائی کو پتہ نہ لگا۔ یہاں تک کہ۔ فَلَمَّا رَجَعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَاَرْسِلْ مَعَنَآ اَخَانَا نَكْتَلْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ تو جب وہ نو بھائی مصر سے واپس اپنے شہر اور اپنے گھر لوٹے تو جاتے ہی گھر میں گھستے ہی سب کہنے لگے اے ہمارے ابا جان ہم آئندہ سال کے لیے غلہ لینے سے منع کر دیے گئے ہیں روایتوں میں ہے کہ ابھی سامان بھی نہیں کھولا تھا کہ یہ پیغام سنا دیا۔ یا اس لیے کہ دربارِ یوسفی کی گذری ہوئی چند گھڑیاں عزت افزائی۔ دعوتیں محبت بھری گفتگو اتنی یاد آ رہی تھیں کہ جلد از جلد دوبارہ حاضری کے لیے دل بیقرار ہو رہے تھے اور محبت پھوٹی پڑ رہی تھی ولولوں و جذبات سے مغلوب ہو کر سب کچھ بھول کر بس یہی یاد رکھا کہ مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ یا اس لیے کہ شمعون دسواں بھائی وہیں پر ضمانت دیانت کے طور پر مصر میں رکھ دیا گیا تھا اس کے غم میں۔ والد محترم نے پوچھا شمعون کہاں ہے تو سارا واقعہ سنا دیا کہ ہم نے جب حاضری دی تو اہل مصر اور وہاں کی انتظامیہ نے ہم پر جاسوسی کی تہمت لگا کر عزیز مصر کی عدالت میں پیش کر دیا انہوں نے جب چھان بین کی تو ہم نے بتا دیا کہ ہمارے ایک بھائی اور بھی ہے جو گھر میں ہی بوڑھے والد محترم کی خدمت کے لیے چھوڑ آئے ہیں عزیز مصر نے کہا کہ اگر تم سچے ہو تو اس کو لے کر آنا اور اس دفعہ ہم کو اسی بھائی کا حصہ اور آپ کا حصہ بھی دیا گیا ہے لیکن آئندہ سال جب تک بنیامین کو لے کر نہیں جائیں گے اس وقت بالکل گندم نہ ملے گی بلکہ ہو سکتا ہے کہ ہم کو جھوٹا سمجھا جائے اور دھوکہ دہی کے الزام میں قید ہی کر لیا جائے لہٰذا اے ابا جان فَاَرْسِلْ (الخ) تو ہمارے ساتھ ہمارے بھائی بنیامین کو بھیج دینا ضرور۔ ضرور۔ اور پہلی غلطی کو مدنظر مت رکھنا۔ اب ایسی غلطی نہ ہو گی بلکہ بیشک ہم اس کی خوب حفاظت کرنے والے ہوں گے۔ اگر یہ بھائی چلے تو ہم غلہ ناپ تول سے پا سکتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی ان لوگوں نے عزیزِ مصر کی مہربانیوں۔ میزبانیوں حسن سلوک۔ عزت افزائیوں اور محبت بھری باتوں کا سارا قصہ سنا دیا والدِ محترم سن سن کر خوش ہوتے رہے۔ اور فرمایا کہ اچھا اب جب تم جاؤ تو شاہ مصر کو میرا سلام کہنا اور اس حسن سلوک کا شکریہ ادا کرنا۔

(روح البیان۔ ضیاء القرآن۔ مظہری)

قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ

حضرت یعقوب نے جواباً فرمایا۔ اے بیٹو کیا اب پھر تم پر اعتماد کر لوں اس بنیامین کے بارے میں ویسا ہی جیسا کہ میں نے ایک دفعہ پہلے تم پر اعتبار کر لیا تھا اس کے بھائی یوسف کے بارے میں یہ تو خیر ہوئی کہ اللہ اس کی حفاظت فرمانے والا ہے (کبیر) اور وہی اللہ سب ماں باپ دوست احباب رشتے داروں وغیرہ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ تو اب بھی اللہ ہی اچھا ہے حفاظت کرنے والا ہے۔ تو اب بھی اللہ ہی اچھا ہے حفاظت

فرمانے والا اور وہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحیم ہے۔ اب میں کبھی کسی بھی انسان پر اعتماد نہ کروں گا۔ بعد غور و فکر کے اگر میں نے بنیامین کو بھیجا بھی تو اسی اللہ کی حفاظت میں بھیجوں گا۔ وہ مجھ پر بھی رحم فرمائے گا میری اولاد کی حفاظت فرما کر اور تم پر بھی رحم فرمائے گا ہر مصیبت، تکلیف، پریشانی اور ندامت شرمندگی کو دور کر کے۔ (واللہ اعلم بالصواب) تفسیر معانی۔ بیان۔ کبیر۔ صاوی۔ خازن۔ مظہری۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ ظاہری عہدے کے اعتبار سے تو حضرت یوسف صرف عزیز مصر یعنی ناظم الامور وزیر اعظم تھے اور بادشاہ کے ماتحت لیکن حقیقت میں صاحب اختیار بادشاہ وہی تھے اور بادشاہ کو اتنی عقیدت ہو گئی تھی کہ ہر کام میں پوچھ کر چلتا تھا۔ یہ فائدہ تاریخ و روایات کے علاوہ اِجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ کے قانونی اختیار سے حاصل ہوا اگر آپ صرف عزیز مصر ہی ہوتے تو اس کام کے لیے شاہ مصر کی اجازت لیتے اختیار کے علاوہ نبی کوئی کام نہیں کر سکتا۔ **دوسرا فائدہ۔** جس شخص یا جس کام سے ایک دفعہ دھوکہ ہو جائے اس سے پرہیز کرنا ضروری ہے اور آئندہ احتیاط برتنا چاہیے اگر پھر کبھی اس سے معاملہ یا واسطہ پڑ جائے تو اپنی تمام احتیاطی تدابیر بروئے کار لانا لازم ہے یہ فائدہ هَلْ اٰمَنُكُمْ کے فرمان سے حاصل ہوا حدیث پاک میں ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو دفعہ نہیں ڈنگا جاتا۔ بار بار دھوکہ کھانا کمزوری ایمان کی نشانی ہے ایمان سے عقل و خرد زیادہ ہو جاتی ہے۔ کفر کی عقل فریب دیتی ہے اور ایمان کی عقل فریب سے بچاتی ہے۔ **تیسرا فائدہ۔** انبیاء کرام کو ان کی لغزشوں پر فوراً مطلع کر دیا جاتا ہے۔ دیکھو حضرت یعقوب نے یوسف کو بھیجتے وقت ذکر الٰہی نہ کیا جدائی ہو گئی مگر فوراً نادم ہوئے اور اب ہر کام میں اللہ کریم کو یاد رکھا تو برسوں کے بچھڑے مل گئے۔ لہٰذا مومن کو بھی انبیاء کرام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہر دم ذکر الٰہی چاہیے۔

اَحکامُ القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ میں ممنوعہ وغیرہ چیزیں چھ قسم کی ہیں۔

۱۔ یقینی حلال۔ یہ چیزیں ہر مسلمان پر ہر حال میں حلال ہیں ۲۔ یقینی حرام۔ یہ ہر حال میں مسلمان کو حرام ہیں ۳۔ یقینی حلال مشکوک الحرام یہ بھی حلال ہیں ۴۔ مشکوک۔ ان سے پرہیز واجب ۵۔ گمانِ غالب حرام۔ یہ مکروہ تحریمی ہیں۔ ۶۔ گمانِ غالب حلال۔ یہ امام اعظم کے نزدیک حلال ہیں۔ دیگر دلائل کے علاوہ اس آیت میں اجْعَلُوْا کہہ کر اور آگے رُدَّتْ اِلَیْنَا کہہ کر۔ حضرت یعقوب کا اس واپس شدہ پونجی کے استعمال کرنے کی اجازت دے دینا اس مسئلہ کو مستنبط کرتا ہے۔ **دوسرا مسئلہ۔** کسی مسلمان کی عیب جوئی حرام ہے مگر راہِ راست پر لانے کے لیے یا اپنے بچاؤ کے لیے کسی کے سابقہ گناہ جرم اور عیب گننے اور مجرم کو یاد کرانے جائز ہیں یہ مسئلہ هَلْ اٰمَنُكُمْ الخ

سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** حاکم اسلام یا بادشاہ ملک ملکی قانونی مفاد کی خاطر عوام کو اُن کے جائز حقوق سے بھی روک سکتا ہے۔ اسی طرح تعزیرات اسلامیہ کے ذریعے مجرم کے جائز حقوق بھی منبط کئے جا سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ لیکن بغیر جرم یا بغیر قانون کے ضروریات زندگی روکنا حرام ہے اگر کوئی دکاندار کسی وجہ سے ضرورت مند گاہکوں کو غلہ فروخت نہ کرے تو شرعی مجرم ہے۔ اور حاکم اسلام جبراً اُس سے خرید عوام کو فروخت کر سکتا ہے۔ **چوتھا مسئلہ۔** حاکم وقت صاحبِ اختیار اپنے ملکی اور قانونی اختیار کے ذریعے اپنی مرضی سے شاہی خزانے کو خود بھی استعمال کر سکتا ہے اور عوام میں سے کسی کو دے بھی سکتا ہے۔ ایسی قانون شکنی جائز ہے یہ مسئلہ اِجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ حالانکہ قانون یہ تھا کہ قیمتاً غلہ دیا جائے ہر ایک کو اور وہ قیمت خزانے میں جمع کرائی جائے

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ ملک کی تمام اشیا قومی امانت ہوتی ہیں جو ملکی خزانے میں جاتی ہیں۔ کسی شخص کو یہاں تک کہ بادشاہ وزیر کو بھی اپنی ذاتی منفعت کے لیے استعمال کرنے یا ردو بدل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی نہ ہی شریعت میں بیت المال کسی سلطان کی ذاتی ملکیت ہے تو حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کو رقم اور قیمت کیوں واپس کی یہ قومی نقصان ہے۔ جب کہ حضرت یوسف بادشاہ بھی نہ تھے صرف عزیز مصر یعنی ناظم الامور وزیر ہی تھے۔ یہ کام شان نبوت کے خلاف ہے۔

جواب۔ حضرت یوسف صرف عزیز اور ناظم ہی نہ تھے بلکہ اُس وقت مطلق الشان صاحب اختیار بادشاہ بھی تھے۔ اور یہ سات سالہ تجارت کسی قانون کے تحت نہ تھی بلکہ ہنگامی طور پر صرف عوام کی فلاح بہبود اور مشکل کشائی کے لیے تھی اسی لیے نہ قیمت مقرر تھی نہ بھاؤ نہ گندم کی ناپ تول ایک جیسی ہر ایک کے لیے بلکہ حاجتمندوں کے اعتبار سے سلوک ہوتا تھا کسی کو قیمت سے کسی کو مفت کسی کو درہم دینار کے بدلے کسی کو کپڑے سامان کے بدلے پھر کبھی قیمت میں سونا چاندی لی گئی کبھی جانور کبھی زمینیں یہاں تک کہ آخری بار بچوں بڑوں کو بھی خرید و فروخت میں قیمت بنا لیا گیا اور پھر سب کچھ واپس بھی کر دیا گیا۔ نیز معترض کا یہ قانون غلط ہے کہ بادشاہ ملکی خزانے کو اپنی مرضی سے استعمال نہیں کر سکتا شریعت نے کہیں ممانعت نہ فرمائی بہت سے موقعوں پر بیت المال خرچ کیا جا سکتا ہے۔ بادشاہ اپنی مرضی سے انعامات بھی تقسیم کر سکتا ہے۔ اس لیے حضرت یوسف کا یہ قیمت واپس کرنا بالکل درست تھا۔

دوسرا اعتراض۔ جب یہ سارا کچھ حاجتمندوں کے لیے ہی تھا تو حضرت یوسف نے صرف اپنے بھائی سے ملنے کی خاطر غلہ دینے سے کیوں ممانعت فرمائی وہ بھائی بطور خریدار حقدار تھے اور حقدار سے حق روکنا ظلم ہے۔

جواب۔ جب برادرانِ یوسف مصر آئے تو ان پر عوام اور پولیس کی طرف سے جاسوسی کا اتہام لگا جس کی پوچھ گچھ حضرت یوسف نے کی اس دوران جو ظاہر کیا اس کی صداقت اور اعتماد بحال کرنے اور بھائیوں کو سچا کرنے کی غرض سے عوام کی تشفی کے لیے یہ تعزیری ممانعت اور حفاظتی رکاوٹ ضروری ہو گئی تھی دل میں اگرچہ بھائی کو ملنے کی خواہش ہو مگر ظاہراً قانونی چارہ جوئی تھی اس لیے یہ بندش کی دھمکی ظلم نہیں۔ اور پھر محض دھمکی تو کسی حال میں بھی ظلم نہیں ہوتی اگر کبھی بلا وجہ گندم نہ دی جاتی اور محروم پھیر دیا جاتا تب کچھ کہا جا سکتا تھا۔ اگرچہ اس میں بھی عین حکمت جواز ہی ہوتی۔ تیسرا اعتراض۔ بیٹوں نے عرض کیا اَرْسِلْ مَعَنَا۔ اور والد محترم نے آخر میں ارشاد فرمایا فَاللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا (الخ) تو کیا یہ جملہ اور حمد الٰہی بھیجنے کی اجازت تھی۔

جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے جواب میں دو احتمال بیان فرمائے ہیں ایک یہ کہ اس حمد کا تعلق هَلْ اٰمَنُكُمْ (الخ) سے ہے۔ اور یہ گویا آئندہ کے لیے اجازت کی پیش رفت ہے اس لیے کہ حضرت یعقوب نے حالاتِ زمانہ کے لحاظ سے اجازت کو ناگزیر سمجھ لیا تھا اس لیے کہ نہ تو بنیامین سے وہ حسد تھا جو یوسف سے تھا نہ ان کے چہروں سے سابقہ سوچی سکیم کا فریب ظاہر تھا نہ اب ان کے وعدے خلافی کی کوئی گنجائش جھلکتی تھی اور پھر غلہ لانا ضروری تھا۔ دوسرا احتمال یہ ہو سکتا ہے کہ اس حمد و ذکر الٰہی کا تعلق من قبیل سے ہو اور آپ بذریعہ غیبی وحی حالاتِ یوسف سے مکمل آگاہ ہوں۔ یہ احتمال زیادہ قوی اور مؤیَّد مِنَ الآیات ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالَ لِفِتْيَانِهِ اجْعَلُوا بِضَاعَتَهُمْ فِي رِحَالِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُونَهَا إِذَا انْقَلَبُوا إِلَى أَهْلِهِمْ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ بندۂ مخلص جب انتہائی اخلاص سے اپنے اعمال کی پونجی صدقات و خیرات و زکوٰۃ کا سرمایہ راہِ حق میں دیتا ہے تو مدبراتِ امر کو بارگاہِ قدس سے ندا آتی ہے کہ ہمارے محبوب بندے کی دی ہوئی کمائی پھر وہیں گنا و کر کے اسی کے اعمال نامے میں واپس کر دو۔ تاکہ وہ بندہ ہمارے اس احسانِ عظیم سے معرفتِ الٰہیہ کی لذتیں حاصل کرے۔ اور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے قول کو قانونِ الٰہی کے قرار ازلی کی دوبارہ یاد کرے اور جیتو معرفت کی طرف کیف و سرور سے لوٹے یہ دنیا قیاسات کا بیابان ہے یہاں عطارِ پریشان بکھر گئے ہیں یہاں سے وہی بچ سکتا جو بار بار دربارِ توحید مصطفےٰ میں حاضر ہو کر حب و روحانیت کی غذائیں حاصل کرے یہاں اعمال واپس پھیر دیے جاتے ہیں اور اخلاص کی طلب ہوتی ہے اس دربار میں توحید کے ساغر سے مہمان نوازی کی جاتی ہے۔ اور محبتِ ایمانی کے پورے ناپ تول دیے جاتے ہیں فَلَمَّا رَجَعُوا إِلَى أَبِيهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ فَأَرْسِلْ مَعَنَا أَخَانَا نَكْتَلْ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ۔ تو گویا کی اصطلاح میں۔ بنیامین گویا اخلاص ہے جو قلب کا سگا بھائی ہے اور نفس اَمّارہ کا سوتیلا بھائی کتنے ہی اچھے اعمال و افعال و سجدے سجود ہوں بغیر اخلاص ان کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ دربارِ شریعت نے ازل سے ہی اعلان فرما دیا ہے کہ اگر اخلاص ساتھ نہ لائے تو حاضری دربار بیکار۔ خلوصِ نیت ایک بڑا نازک اور قیمتی موتی

ہے۔ اس کو یا کی وادی سے نمود کے سفر میں۔ غرور و حسد کے کانٹوں پتھروں کی ہلاکت سے محفوظ رکھنا ہی ضروری ہے۔ جب بندہ حفاظت کی یہ ذمہ داری قبول کرتا ہے اور وعدہ صدق کرتا ہے تب مولا کُل کی طرف سے نعمت خلوص عطا ہوتا ہے۔ تمام اعمال صالحہ سے پہلے بندہ عقل و دماغ کی سچائی سے خلوص کی حفاظت کرے تو انعام الٰہیہ کی امید کر سکتا ہے ورنہ برکات و فضائل سے منع کر دیا گیا ہے۔ قَالَ هَلْ اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَآ اَمِنْتُكُمْ عَلٰٓى اَخِيْهِ مِنْ قَبْلُ ؕ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا ۪ وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۔ بندۂ مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اسباب پر عمل کرتا ہے لیکن مسبب الاسباب پر نظر رکھتا ہے راہ معرفت کا پہلا سبق یہ ہے کہ اشیاء فانی پر کبھی بھروسہ نہ کرے۔ ایک دفعہ تو دھوکہ دیا جا سکتا ہے مگر مومن کامل اہل معرفت دوسری دفعہ دھوکہ نہیں کھا سکتا۔ بندہ جب تک اپنے اسباب اپنی تدبیروں کو اہمیت دیتا ہے نقصان دھوکہ غم تکلیف مصیبتیں اٹھاتا رہتا ہے۔ لیکن جب اپنی تدبیروں سے مُنہ موڑ لیتا ہے اور اپنے علم۔ مشاہدات تجربے۔ عقیدے عمل۔ یقین۔ عرفان سے سمجھ لیتا ہے کہ فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ بس اللہ ہی اچھا حفاظت کرنے والا بچانے والا ہے اور وہی تمام آسمانوں زمینوں کے رحیموں سے زیادہ رحم والا ہے۔ تو پھر اُس کی ہمت۔ قوّت پر لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کا انعام نازل ہوتا ہے۔ اور خوشنودی الٰہی کا آواز بلند ہوتا ہے کہ اے بندۂ متوکل مومن صابر مجھ کو اپنی عزّت کی قسم کہ مجھ کو تیری نیکیاں لوٹاؤں گا۔ اور غم فراق کے بدلے لذّت وصل عطا فرماؤں گا۔ واللہ و رسولہ اعلم۔

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ

اور جب کھولا انہوں نے سامان کو اپنے پالی انہوں نے اپنی قیمت جو

اور جب انہوں نے اپنا اسباب کھولا اپنی پونجی پائی کہ ان کو

رُدَّتْ اِلَيْهِمْ ؕ قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا نَبْغِيْ ؕ هٰذِهٖ

لوٹائی گئی تھی طرف اُن کے۔ بولے اے والد ہمارے۔ کیا چاہیں ہم۔ یہ ہے

پھیر دی گئی ہے۔ بولے اے ہمارے باپ اب ہم اور کیا چاہیں یہ ہے

بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَیْنَا ۚ وَ نَمِیْرُ اَهْلَنَا وَ

قیمت ہماری جو واپس دی گئی طرف ہمارے اور خوراک لائیں گے ہم اہل کے بیے اپنے اور

ہماری پونجی کہ ہمیں واپس کر دی گئی اور ہم اپنے گھر کے لیے غلہ لائیں اور

نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَیْلَ بَعِیْرٍ ؕ ذٰلِكَ

حفاظت کریں گے ہم بھائی کی اپنے اور زیادہ پائیں گے ناپ ایک اونٹ کا وہ

اپنے بھائی کی حفاظت کریں اور ایک اونٹ کا

كَیْلٌ یَّسِیْرٌ ۞ قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ

وزن دینا آسان ہے ۔ فرمایا ہرگز نہیں بھیجوں گا میں اس کو ساتھ تمہارے

بوجھ اور زیادہ پائیں یہ دینا بادشاہ کے سامنے کچھ نہیں۔ کہا میں ہرگز اسے تمہارے

حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ

یہاں تک کہ دو تم مجھ کو پکا وعدہ طرف سے اللہ کی البتہ ضرور لاؤ گے میرے پاس کو اس

ساتھ نہ بھیجوں گا جب تک تم مجھے اللہ کا یہ عہد نہ دیدو کہ ضرور اسے لے کر آؤ گے

اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِكُمْ ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ

مگر یہ کہ گھرا جائے تم کو پس جب کہ دے دیا انہوں نے اس کو پختہ وعدہ اپنا

مگر یہ کہ تم گھر جاؤ ۔ پھر جب انہوں نے یعقوب کو عہد دے دیا

قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِیْلٌ ۞

فرمایا اللہ ہے پر اس جو ہم کہتے ہیں ۔ وکیل۔

کہا اللہ کا ذمہ ہے ان باتوں پر جو ہم کہہ رہے ہیں۔

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیاتِ پاک میں اپنے والدِ محترم کی بارگاہ میں بنیامین کو مصر لے جانے کا ذکر بھائیوں نے کیا تھا مگر والد یعقوب علیہ السلام نے پچھلی کوتاہیوں کی یاددہانی کرا کر مزید ایذاؤں اور غم تکلیف کا اندیشہ ظاہر فرمایا تھا۔ ان آیات میں تمام بھائی اپنے دلائل بیان کر رہے ہیں جن میں بنیامین کے لے جانے کے فوائد بیان کئے گئے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیات میں حضرت یعقوب کا بنیامین کے بارے توکل علی اللہ کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں بیٹوں سے مضبوط وعدہ اور حفاظت و امانت کی قسم لینے کا ذکر ہے جس سے توکل علی اللہ کا اصل طریقہ معلوم ہوا اور ثابت ہوا کہ یہی توکل طریقۂ انبیاء کرام اور شریعت کے مطابق ہے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی حفاظت تامہ کا ذکر ہوا جس سے اہلِ شریعت کا توکل ثابت ہو رہا ہے۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی وکالت تامہ اور سپرداری کا تذکرہ ہے جس سے اہلِ معرفت کا توکل بیان ہوا۔

تفسیر نحوی

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا - و سے جملہ استینافیہ لَمَّا ظرفیہ زمانیہ بیانِ تفسیری بھی ہو سکتا ہے۔ فَتَحُوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب۔ نحو کا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر اسم یا فعل اعراب سے پُر ہو گا خواہ وہ بنی اعراب سے منجمد ہو یا معرب اعراب سے متحرک ہو یا جزم سے بند ہو۔ پس مفرد اور واحد زبر زیر سے پُر ہوتا ہے جمع مذکر مؤنث مضارع میں نون سے پُر ہو جائے مگر چار صیغے جمع کے آخر کے الف سے بھرے جاتے ہیں۔ ۱ جمع مذکر غائب ماضی۔ ۲ امر حاضر جمع ۳ نہی مذکر حاضر ۴ نہی مذکر غائب۔ ان کے آخر میں الف اسی لیے لگایا جاتا ہے تاکہ یہ بھی مثل اعراب پُر ہو جائیں۔ اور اگر ان کے آخر میں کوئی مفعول متصل آجائے تو پھر یہ الف ختم ہو گا۔ یہاں فَتَحُوْا کا آخری الف اسی بھراؤ کیلئے ہے مَتَاعَ مفعول ہے بروزنِ فَعَالٌ اس کا مادۂ اشتقاق مَتَعٌ ہے بمعنی نفع دینے والی چیز۔ یہاں مراد ہے گندم کی بوریاں۔ وَجَدُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع غائب وَجْدٌ سے بنا ہے بمعنی ظاہری یا باطنی پانا۔ متعدی بہ مفعول ہوتا ہے۔ یہاں متعدی بیک مفعول ہے۔ بِضَاعَتَهُمْ مرکب اضافی وَجَدُوْا کا مفعول بہ ہے اور مابعد کا موصوف ہے۔ رُدَّتْ فعل ماضی مجہول یہ جملہ فعلیہ صفت ہے بِضَاعَتَهُمْ کی اِلٰی جارہ میں ظرفیت مکانی ہے هِمْ کی ضمیر کا مرجع برادرانِ یوسف یا سارے اہل خانہ۔ قَالُوْا کا فاعل برادرانِ یوسف ہیں جو سب بول پڑے تھے۔ یا حرفِ ندا اَبَا اس کا منادیٰ بحالتِ زبر ہے کیونکہ منادیٰ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ نَا۔ سوالیہ اسم ہے یا حرف ہے نَبْغِيْ۔ فعل مضارع جمع متکلم ایک قرأت میں تَبْغِيْ بصیغہ واحد حاضر ہے بَغْيٌ سے بنا ہے۔ بمعنی صرف اپنی پسند چاہنا۔ دوسرے کو غلط سمجھنا اسی سے ہے بغاوت۔

یہاں مراد ہے مراد و منشا سے زیادہ چاہنا - هٰذِهٖ اسم اشارہ - یہ جملہ علیحدہ ہے - اپنے مشار الیہ سے مل
کر مَوْجُوْد پوشیدہ کا نائب فاعل ہوا بِضَاعَتُنَا مُرَکَّبْ اضافی مبتدا ہے - رُدَّتْ فعل مجہول جملہ فعلیہ
ہو کر خبر ہوئی - وَ نَمِیْرُ اَهْلَنَا وَ نَحْفَظُ اَخَانَا وَ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ دوسرا جملہ نَمِیْرُ فعل مضارع مجہول
مَیْرٌ سے مشتق ہے باب سَمِعَ سے اجوف یائی مادہ ہے - مِیْرٌ کے معنی دوسرے ملک یا شہر سے سامان
درآمد کرنا جس کو فارسی میں رسد کہا جاتا ہے - یعنی دوسرے علاقے سے مال لانا - یہ لفظ نَمِیْرُ اظہارِ تشکر اور
انتہائی خوشی کی وجہ سے پہلے اُن کے منہ سے نکلا - ورنہ اصل عبارت اس طرح ہونی چاہیے وَنَحْفَظُ اَخَانَا
وَنَسْتَعِیْنُهٗ وغیرہ - کیونکہ یہ تسلسل کے مطابق ہے - اَهْلَنَا - اَهْلُ یعنی گھر والے مفعول لہٗ ہے وَ عاطفہ نَحْفَظُ
جمع متکلم بمعنی نگرانی - متعدی بیک مفعول اَخَانَا مرکب اضافی مفعول بہٖ - واؤ عاطفہ نَزْدَادُ فعل مضارع بصیغہ
جمع متکلم باب افتعال ہے مادہ اشتقاق زَيْدٌ - بروزن بَيْعٌ اجوف یائی ہے - دراصل تھا نَزْتَيِدُ - یَ عین کلمہ
متحرک مکسور اس کا ماقبل مفتوح - یَ کو الف بنا دیا - نَزْتَادُ ہو گیا - تَ حروفِ نطعیہ میں سے ہونے کی
وجہ سے ہم مخرج ہے دال کا لہٰذا بوجہ خفت تَ کو دال بنا دیا نَزْدَادُ ہو گیا - خیال رہے کہ حروفِ نطعیہ
تین ہیں تَ د ط - یہ ہم مخرج ہیں نطع یعنی تالو کے اگلے کنارے سے ادا ہوتے ہیں اس لیے تَ کبھی
ط بن جاتی ہے جیسے مصطفیٰ - اور کبھی دال جیسے یہاں نَزْدَادُ - كَيْلَ بمعنی اِكْيَالٌ یعنی مصدر بمعنی مفعول ہے۔
مضاف ہے طرف بعیر کے عربی میں جوان نر اونٹ کو بعیر کہتے ہیں - بعض نے کہا کہ یہ اسم جنس ہے جیسے انسان
مذکر و مونث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے - بَعْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مینگنی کرنے والا جانور بعیر بروزن فعیل بہت
مینگنی کرنیوالا - اپنے جسم اور خوراک سے بھی زیادہ مینگنی کرتا ہے - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ہضم کچھ نہیں
کیا سب نکال دیا بعض بزرگوں کا قول ہے کہ سب سے پہلے دنیا میں اونٹ پیدا کیا گیا اس لیے اس کو بعیر کہتے
ہیں بعض نے کہا نوح علیہ السلام نے سب سے پہلے کشتی میں اونٹ کو چڑھایا سب سے آخر میں گدھے کو
اس نے جاتے ہی مینگنیاں کر دیں تو آپ نے اُس کو بعیر کا نام دیا چار سال پورے کرنے کے بعد اس کا نام بعیر
ہوتا ہے - بعیر کی ہی قربانی جائز ہے - ذٰلِكَ - اسم اشارہ بعید کے لیے ہے مراد وہ گندم جو ابھی مصر میں
پڑی ہے - كَيْلٌ - مصدر بمعنی مفعول ہے مراد ایک اونٹ کی ایک بوری گندم - يَسِيْرٌ - بروزن فعیل - مبالغہ
کا صیغہ ہے مبالغہ کے اوزان کُل پندرہ عدد ہے - ۱ فَعَّالٌ ۲ فَعَّالَةٌ ۳ مِفْعَالٌ ۴ فِعِّيْلٌ ۵ فُعَلَةٌ
۶ فَعِلٌ ۷ فَعُوْلٌ ۸ مِفْعِيْلٌ ۹ فَاعِلَةٌ ۱۰ فِعِلٌ ۱۱ فَعُوْلَةٌ ۱۲ مِفْعَلٌ ۱۳ فَاعُوْلٌ ۱۴ فُعَّالٌ ۱۵ فَعِيْلٌ
یہاں یہ بھی آخری صیغہ ہے - يُسْرٌ سے بنا ہے - بمعنی - نرمی - مجبت - فراخی - آسانی - یہی معنی یہاں مراد
ہیں - اس کا مقابل ہوتا ہے عُسْرٌ اُس کے بھی اس کے مقابل چار معنی مستعمل ہوتے ہیں۔

قَالَ لَنۡ اُرۡسِلَهٗ مَعَكُمۡ حَتّٰى تُؤۡتُوۡنِ مَوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاۡتُنَّنِىۡ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّحَاطَ بِكُمۡ‌ۚ فَلَمَّاۤ اٰتَوۡهُ مَوۡثِقَهُمۡ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوۡلُ وَكِيۡلٌ ۔ قال فعل ماضی حضرت یعقوب کی جوابی گفتگو ہے۔

لَنۡ اُرۡسِلَ فعل نفی تاکید بلن مضارع بمعنیٰ مستقبل مقولہ ہے قول کا۔ ہ ضمیر واحد غائب متصل منصوب مفعول بہ ہے۔ اُرۡسِلَ واحد متکلم کا صیغہ باب افعال سے ہے۔ مَعَكُمۡ مرکب اضافی اسم ظرف مفعول معہٗ۔ حَتّٰى عاطفہ ہے پہلا جملہ معطوف علیہ ہے مابعد کا جملہ معطوف ہے تُؤۡتُوۡنِ۔ فعل مضارع بمعنی مستقبل دراصل تھا تُؤۡ تُوۡنَنِىۡ اٰتَى يُؤۡتِىۡ سے ہے باب اِفعال اِس کی جمع مذکر تُؤۡتِيُوۡنَ۔ یٰ پر ضمہ بعد کسرہ کے ثقیل ہوا منتہ ماقبل تؔ کو دے دیا دو ساکنوں کی وجہ سے یٰ گر گئی تُؤۡتُوۡنَ ہوا حتیٰ میں اَنۡ ناصبہ پوشیدہ جس کے نصب نے نونِ اعرابی کو گرا دیا۔ تُؤۡتُوۡنِىۡ سے تُؤۡتُوۡنِىۡ رہا۔ یٰ متکلم مفعول بہٖ خفت کے لیے گر گئی باقی تُؤۡتُوۡنِ رہ گیا مَوۡثِقًا بحالتِ نصب مفعول بہ ہے تُؤۡتُوۡنَ کا وُثُوۡقٌ مصدر میمی ہے اسی سے ثِقَةٌ ہے بمعنی قابلِ اعتماد وعدہ مِنَ اللّٰهِ دراصل تھا مِنۡ حَلِفِ اللّٰهِ یعنی اللہ کی قسم بول کر مجھے وعدہ دو لَتَاۡتُنَّنِىۡ یہ فعل پورا جملہ فعلیہ بن کر جواب قسم ہے سابقہ پوشیدہ قسم کی جس کا دال مَوۡثِقًا تھا لام تاکید جواب قسم کے لیے ہے بحث لام تاکید بانونِ تاکید ثقیلہ جمع مذکر نون وقایہ یٰ متکلم مفعول بہٖ بمعنی ظرفِ مکان یعنی میرے پاس بہٖ یعنی اس کو۔ اِلَّا حرفِ استثنا۔ اس میں تین قول ہیں۔ کہ کونسا استثنا ہے۔ پہلا قول مفسر واحدی کا کہ یہ متصل ہے دوسرا قول منفصل یا منقطع ہے۔ یہ نحاتِ کوفہ نے کہا تیسرا قول نحات بصرہ کا کہ یہ مفرغ ہے یا غیر جنس ہے۔ اَنۡ حرفِ ناصبہ يُّحَاطَ بحالتِ زبر فعل مضارع مجہول بصیغۂ واحد مذکر پورا جملہ فعلیہ مستثنا ہے۔ بِكُمۡ بٖ جارہ زائدہ كُمۡ ضمیر مجرور متصل کا مرجع برادران یوسف ہیں۔ فَلَمَّاۤ فٓ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ لَمَّا حرفِ ظرفیہ اٰتَوۡ فعل ماضی مطلق بصیغۂ جمع غائب اِس کا فاعل یہی بھائی ہیں ہٗ ضمیر کا مرجع مَوۡثِقًا ہے۔ قال کا فاعل حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اللّٰہ مبتدا پورا جملہ اسمیہ بن کر مقولہ ہوا قَالَ کا عَلٰى حرف جر مَا موصولہ مراد یہ سب وعدہ لینا دینا۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے وَكِيۡلٌ کا نَقُوۡلُ کا صلہ فعل مضارع بصیغۂ جمع متکلم مراد سب گھر والے خصوصاً باپ بیٹے۔ وَكِيۡلٌ صفتِ مشبہ مبالغ کے لیے بروزنِ فَعِيۡلٌ خبر ہے مبتدا کی وَکۡلٌ سے مشتق ہے بمعنی ہر چیز کو قبضے میں لینے والا محافظ۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا فَتَحُوۡا مَتَاعَهُمۡ وَجَدُوۡا بِضَاعَتَهُمۡ رُدَّتۡ اِلَيۡهِمۡ‌ؕ قَالُوۡا يٰۤاَبَانَا مَا نَبۡغِىۡ‌ؕ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتۡ اِلَيۡنَا گفت و شنید کے بعد اپنے سامان کی طرف متوجہ ہوئے یا خود والدِ محترم نے اُن سے فرمایا کہ اچھا سامان کھولو تاکہ گھر میں آنے سے پہلے برکت کی دعا کی جائے سامان ابھی تک باہر اونٹوں پر ہی لدا ہوا تھا وہاں سے اٹھا کر لائے اور جب بوریوں کو کھولا ہر بوری میں اُس کی دی ہوئی قیمت

اوپر ہی رکھی تھی۔ مَتَاعَ سے مراد صرف بوریں ہیں اس لیے کہ نفع والا سامان صرف غلے کی بوریں ہی تھیں انہوں اپنی اپنی بوری میں اپنی اسی رقم کو پالیا جو عزیز مصر کو انہوں نے قیمتاً دی تھی۔ یہ دیکھ کر حیرت آمیز خوشی سے بولے ہمارے ابا جان اس سے بڑھ کر اور کونسی دلیل یا کونسی محبت یا کیا چیز ہمیں چاہیئے کہ دیکھو یہ ہماری وہ ہی پونجی دولت اور قیمت ہے جو واپس کردی گئی ہے ہماری طرف اور بھول کر نہیں ہے اگر بھول کر ہوتی تو ایک بوری میں ہوتی ہر بوری میں اُس کی ہی قیمت کے برابر درھم ہونا اور وہی درھم جو ہم لے دیے تھے اس بات کی دلیل ہے کہ ہم پر مزید احسان کرتے ہوئے واپس کی گئی ہے۔ بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سب درھم ایک ہی بوری میں تھے مگر یہ اس لیے درست نہیں کہ آیت کریمہ میں فی رحالھم فرمایا گیا جو جمع ہے اور مراد بوریاں ہیں۔ اور یہاں بھی وَجَدُوا بصیغہ جمع ہے۔ برادرانِ یوسف نے اِس گفتگو کو دلیل بنالیا اس بات کی کہ اب ہمیں ضرور بنیامین کو لیجانا چاہیے وَنَمِيرُ اَهْلَنَا۔ اور اپنے اہل وعیال کے لیے سال بھر کے لیے غلہ برآمد کرنا چاہیئے اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ وَنَحْفَظُ اَخَانَا پوری دیکھ بھال اور حفاظت کریں گے ہم اپنے بھائی بنیامین کی اور اس کے ساتھ جانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہوگا کہ وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ اور زیادہ حاصل کرسکیں گے ہم ایک اونٹ کا نپاتلا غلہ۔ اگرچہ پہلے بھی بنیامین کا حصہ عزیز مصر نے ہم پر اعتماد کرتے ہوئے ویسے ہی دیا تھا مگر وہ مہربانی کا حصول تھا اور اب ہم اپنی حقداری سے خرید سکیں گے اس لیے۔ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ وہ نپاتلا غلہ حاصل کرنا ہر شخص پر ہر اعتبار سے آسان ہے۔ ہم پراس لیے کہ ہم خریدار بن کرلیں گے۔ بھاؤ بنا کر لوجھگڑ کر سودا طے کرسکیں گے مروت یا احسان مندی کے بوجھ تلے دبے نہ ہوں گے نہ ہم کو قسمیں کھانے کی ضرورت ہوگی نہ سچائی پیش کرنے کیلئے عاجزانہ گڑگڑانا پڑے گا۔ کیونکہ جائز خریدار اپنی خریداری میں دلیر ہوتا ہے حالانکہ اس پہلی دفعہ بنیامین کے ثبوت کے لیے ہم کو بہت وعدے اور قسمیں دینی پڑیں جو آئندہ نہ لے جانے کی صورت میں سخت شرمندگی اور محرومی سے خالی ہاتھ واپس آنے کا سبب ہو سکتی ہیں۔ یہ مزید غلہ دینا عزیز مصر پر بھی آسان ہوگا کیونکہ قانونی طور پر ہر شخص کو کچھ مجبوریاں ہوتی ہیں اگرچہ وہ قانون اُس کا اپنا ہی بنایا ہوا ہو۔ پہلی دفعہ تو اُس نے قانون شکنی کرتے ہوئے محبت اور اعتماد میں دیدیا مگر ہر دفعہ تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ ہمیں جانا ضروری ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ غلّہ لانا ہے جس کے بغیر گزارہ نہیں دوسرے یہ کہ اپنے بھائی شمعون کو چھڑانا ہے۔ لہٰذا ان دلائل اور ضروریات کے تحت بنیامین کا لیجانا نہایت اہم ہے۔ اِن باتوں کو سن کر حضرت یعقوب کچھ نرم تو پڑے مگر ان کی سابقہ سرکشیوں کی وجہ سے کُلی اعتماد نہ ہوا تھا اس لیے قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ فرمایا حضرت یعقوب نے کہ تمہاری فقط ان دلیلوں اور باتوں سے میں ایک بوری گندم کے لیے اپنے لاڈلے بیٹے

اور نشانی یوسف بے ماں کے بچے کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیج سکتا۔ ہاں البتہ تم سب مل کر اللہ کی قسم اور اللہ کی ضمانت کی صورت میں انتہائی مضبوط وعدہ دو کہ البتہ ضرور لے آؤ گے تم اس کو میرے پاس مگر یہ کہ احاطہ کرایا جائے گھیر لیا جائے بنیامین کسی سازش یا جرم یا مصیبت میں تم سے اور تم لا نہ سکو تم چھوڑنے پر مجبور ہو جاؤ تو معذوری ہے۔ خیال رہے کہ یہ حضرت یعقوب کا خداداد علم غیب ہے اور آپ کو نبی شعور سے بہت کچھ نظر آ رہا تھا اسی طرح حضرت یوسف کو بھیجتے وقت بھی آپ نے آنے والے تمام حالات و اقوال کی اشارۃً ان لفظوں میں خبر دیدی تھی کہ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ (الخ) اور حقیقت بھی یہ ہے کہ نبی علیہ السلام کائنات عالم کی کسی چیز سے بے خبر نہیں ہوتا مگر اظہار نہ کرنا مصلحتِ شرعیہ اور حکمت الٰہیہ کی بنا پر ہوتا ہے۔ کچھ مفسرین نے فرمایا کہ یُحَاطَ کا معنیٰ ہے کہ تم سب ہلاک کر دیے جاؤ مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ اس سے دامن نبوت بے مروتی سے داغدار ہوتا ہے گویا کہ حضرت یعقوب کو باقی بیٹوں کی ہلاکت کی پرواہ نہیں تھی وہ بہرحال بنیامین کی واپسی کے ہی خواہش مند تھے اگرچہ ایک ہی ان میں سے زندہ رہے۔ ترجمہ اعلیٰ حضرت سے جو تفسیری پہلو نکلتا ہے وہی درست ہے پیر کرم شاہ صاحب نے بھی بہت کمال ترجمہ فرمایا ہے کہ تمہیں بے بس کر دیا جائے۔ یعنی کوئی ایسی بات ہو جائے کہ تم لا نہ سکو تو تمہاری معذرت ہے۔ اُن یحاط کا تعلق صرف بنیامین سے ہے یعنی وہ گھیر لیا جائے تم سے علیحدہ کر دیا جائے فَلَمَّآ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ والد محترم کی یہ بات سن کر سب نے بڑے زوردار اور پرخلوص جذبات کے ساتھ قسمیں کھائیں تفسیر مظہری میں ہے کہ انہوں نے آخر میں کہا کہ ہم کو رب محمد کی قسم (صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ) تب حضرت یعقوب نے ان کا قلبی خلوص اور جذبۂ محبت محسوس فرمایا یہ جذبہ اور خلوص اس وقت نہ تھا جب کہ واقعۂ یوسف پیش آیا تھا۔ خلوصِ قلبی کی شان ہی جدا گانہ ہے۔ خلوص ہو تو اشاروں کنایوں سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی خلوص کو دیکھ کر حضرت یعقوب نے اپنی باتوں کو بیٹوں کی باتوں کے ساتھ شامل فرما کر ایک درجہ دیتے ہوئے فرمایا۔ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہ اللہ تعالیٰ اُن تمام باتوں وعدوں قسموں سوال وجواب اور حاضر و غائب کے تمام حالات پر گواہ ہے مشاہدہ فرمانے والا ہے۔ وکیل کا معنیٰ گواہ بھی ہوتے ہیں (تفسیر کبیر) یا اللہ ہی ذمہ دار اُسی کے سپرد ہماری سب گفتگو ہے۔ وکیل بمعنیٰ موکول ہے یعنی سپرد کیا ہوا۔ یا اللہ تعالیٰ نگہبان ہے اگرچہ تم نے قسمیں کھائیں میں بحفاظت لانے کی مگر اصل میرا تمہارا اور سب کا محافظ اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ تمہارے قلبی ارادے کو بخوبی جانتا ہے اگر خلوص ہے تو اچھی جزا دینے والا وہی ہے اگر اب بھی فریب ہی ہے تو اگلی پہلی سزا دینے والا بھی وہی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا فرمایا تھا تو رب تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ اسے

پیارے یعقوب تم نے توکل کیا ہے تو مجھ کو بھی اپنی عزت کی قسم میں تمہارے سارے بیٹوں کو بڑی شان سے ملاؤں گا۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ جس طرح کہ فریب کار کی فریب کاری چہرے سے عیاں ہو جاتی ہے اسی طرح مخلص کا اخلاص بھی چہرے سے عیاں ہوتا رہتا ہے۔ لہٰذا مخلص کے خلوص پر خواہ مخواہ اور بلا وجہ شک نہ کرنا چاہیئے تاکہ شک وہم کی بیماری نہ پیدا ہو۔ یہ فائدہ نَحْفَظُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ انبیاء کرام اگلے پچھلے واقعات کا علم غیب رکھتے ہیں یہ فائدہ اِلَّا اَنْ یُّحَاطَ کی یہی پیشگوئی فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ ۔ توکل علی اللہ بہت اعلیٰ اور سب سے بڑی قلبی وروحانی عبادت ہے۔ ہر انسان مومن پر فرض ہے۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کی خصوصی شان ہے۔ مگر توکل کی صحیح اور جامع مانع تعریف یہ ہے کہ اسباب وعلل پر عمل کرے لیکن نظر اور توجہ الی اللہ ہو۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ جس چیز کے حلال ہونے میں غالب گمان ہو اس کا استعمال کر لینا جائز ہے۔ برادرانِ یوسف نے جب اپنی اپنی بوریوں سے اپنی پونجی نکالی تو غور کیا کہ یہ بھول کر رکھ دی گئی ہے یا جان کر۔ تو غالب گمان یہ ہی ہوا کہ جان کر واپس کی گئی ہے اگر بھول کر ہوتی تو ایک بوری میں ہوتی۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کا ذکر فرما کر تا قیامت مسلمانوں کے لیے ایسا مال کھا لینا جائز فرما دیا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ زیادہ قسمیں کھانا اگرچہ شریعت میں برا ہے لیکن اپنی احتیاط کے لیے قسمیں کھلانا اور قسمیں کھانا جائز ہے۔
تیسرا مسئلہ ۔ بندوں کو کسی چیز کا محافظ سمجھنا گناہ یا شرک نہیں ہے اسی طرح حاجت روا مشکل کشا بھی بندہ ہو سکتا ہے۔ اگرچہ حقیقی محافظ اور وکیل اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مسئلہ نَحْفَظُ اَخَانَا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یوسف علیہ السّلام نے قیمت واپس اس لیے رکھ دی تھی کہ یہ نبی زادے ہیں کبھی بھی یہ دولت استعمال نہیں کریں گے اور اسی بہانے دینے کے لیے واپس آئیں گے۔ مگر برادرانِ یوسف نے وہ رقم بغیر تفتیش استعمال کر لی حضرت یعقوب نے بھی منع نہیں فرمایا نہ واپس کرنے کو کہا۔ جس سے نبی اور نبی زادگی پر بھی داغ آیا اور اعتمادِ یوسف کو بھی ٹھیس پہنچی۔

جواب ۔ اگرچہ بعض مفسرین نے یہ احتمال نکالا ہے اور ہم نے بھی اس کا ذکر تفسیر میں کیا ہے مگر یہ تفسیری

احتمال مغالطہ ہے۔ اولاً اس لیے کہ حضرت یوسف نے اس لیے قیمت واپس نہیں رکھی کہ یہ دینے کے بہانے واپس آئیں کیونکہ اس طرح واپس آنے میں وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو حضرت یوسف چاہتے تھے۔ یوسف تو چاہتے تھے کہ سب آئیں اور بنیامین کو بھی لائیں۔ اور قیمت واپس تو اسی دن ایک آدمی بھی آکر واپس دے جاتا یا تفتیش کر جاتا۔ دوم اس لیے کہ اگر یہ تقوے کا امتحان کرنے اور واپس لانے کے لیے رکھی تھی تو رکھنے میں ایسا طریقہ اختیار کیا جاتا جو بھول لئے کو ثابت کرتا مثلاً ایک ہی بوری میں رکھ دی جاتی مگر ایسا نہ ہوا بلکہ ایسا طریقہ کیا گیا کہ دیکھنے والے کو دیکھتے ہی پتہ لگ جائے کہ بھول نہیں ہے بلکہ جان کر عطیہ کیا گیا ہے اس لیے قرآن مجید نے رحال جمع فرمایا نہ کہ رحل واحد۔ دوسرا اعتراض۔ آپ نے تفسیر میں لکھا ہے حضرت یعقوب اپنے نبیی علم کے ذریعے حالات یوسف سے بالکل باخبر تھے اور سب کچھ جانتے تھے۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو آپ نے اب کیوں بیٹوں پر اعتماد نہ فرمایا اور سابقہ واقع کو کیوں یاد دلایا اور پھر غم کیوں کیا رونے کیوں رہے یہ سب باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ آپ بالکل بے خبر تھے اور نبی کو کوئی غیب کا علم نہیں ہوتا۔ (نجدی۔ دیوبندی۔ وہابی)

جواب۔ یاد دلانا بدعہدی کا ہے اس سے غیب کی نفی نہیں ہوتی اسی طرح جدائی کا رونا ہے نہ کہ بے خبری کا کسی کا دینا۔ رشتے دار۔ دوست۔ محبوب۔ جیل میں چلا جائے تو باپ وغیرہ روتے ہیں حالانکہ باخبر ہیں ملاقات بھی کرتے ہیں۔ نیز حضرت یعقوب کا علم غیب اور حالات یوسفی سے مکمل باخبر ہونے کا ثبوت صرف تفسیر روایات سے ہی نہیں بلکہ اسی سورۂ یوسف کی گیارہ آیتوں سے ایسی وضاحت سے علم غیب اور باخبری ثابت ہے کہ توڑ موڑ کی گنجائش ہی نہیں چنانچہ آیت ۵ قَالَ یٰبُنَیَّ لَا تَقْصُصْ رُءْیَاکَ عَلٰی اِخْوَتِکَ فَیَکِیْدُوْا لَکَ (۱۲) آیت ۱۳ وَاَخَافُ اَنْ یَّاْکُلَهُ الذِّئْبُ (۱۲) آیت ۱۸ بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ (۱۲) آیت ۶۶ لَتَاْتُنَّنِیْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ یُّحَاطَ بِکُمْ آیت ۶۷ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ (۱۳) آیت ۶۸ وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ (۱۳) آیت ۸۳ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا (۱۳) آیت ۸۶ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ آیت ۸۷ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ یُّوْسُفَ وَاَخِیْهِ (۱۳) آیت ۹۴ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ (۱۳) آیت ۹۶ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّکُمْ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔

ان آیت میں بہت شاندار وضاحت سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے علم غیب اور حضرت یوسف کے ہر حال سے باخبر ہونے کا ذکر ہے۔ اب کوئی گستاخانہ ہٹ دھرمی سے انکار کرتا ہے تو اس کا علاج نہیں ورنہ علم غیب نبی پر انکار کی کوئی علمی دلیل کسی منکر کے پاس نہیں ہے فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ عَلٰی ذٰلِکَ۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَمَّا فَتَحُوْا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوْا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ اِلَيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مَا نَبْغِيْ هٰذِهٖ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ اِلَيْنَا وَنَمِيْرُ اَهْلَنَا وَنَحْفَظُ اَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ

اس آیت کے اشارات میں عارفین صوفیا اپنے تجربات و مشاہدات سے فرماتے ہیں کہ بدن انسانی بھی کارخانۂ قدرت کا عجیب شاہکار ہے یہاں کبھی بند ہے کبھی کشادہ ہے مگر تعین وقتی کسی میں نہیں. اگر آج قبض و بست ہے تو کل فتح و کشاد ہے. حیاتِ دنیا بست ہے حیاتِ اُخروی کشاد شریعت اعمال کا سامان باندھنا ہے اور طریقتِ جزا کی رسّی کھولنی ہے. اہل شریعت کے رحال ظاہری میں عبادات و صالحات کی غذائیں باندھی چھپائی جارہی ہیں. ابھی کچھ پتہ نہیں کہ دستِ باطنی اسرار معرفت کی کونسی پونجی چھپارہا ہے ظاہرا تو نمازوں سجدوں کا بدلہ دیا جارہا ہے. لیکن جب مردِ خدا منزلِ شوق پر پہنچ کر کثافتِ نفسی کی گانٹھیں کھولتا ہے اور چشم و دماغ کو مقامِ فنا سے موڑ کر دارِ بقا کی طرف پھیر کر متاعِ عطا میں جھانکتا ہے تب اپنے ہی اعمال کو نورِ حقیقت میں بدلا ہوا پاتا ہے. بندہ جب اس انعام سے سرفراز ہوتا ہے تو دنیا و آخرت سے ہاتھ جھاڑ لیتا ہے. اور ماسواللہ کی محبت سے خالی ہو جاتا ہے اُس وقت اس کو خلوص کی قدر و منزلت معلوم ہوتی ہے. صوفیا فرماتے ہیں کہ جب تک آنکھیں کھلی ہیں سینہ بند رہتا ہے. کان کھلے ہیں تو شعور بہرہ ہے زبان کھلی ہے تو ضمیر خاموش ہے جب تک ہوش و حواس قائم ہیں. بیہوشی و مدہوشی کی لذّت کہاں. خردمند غذاءِ ناسوت کی حفاظت کرتا ہے لیکن صاحبِ جنون اخلاص کی طلب میں گڑگڑاتا فریاد کرتا ہے. جب تک کوئی اپنے متاعِ جسدی میں جھانک کر نہ دیکھے اسے تنہائی کی لذّت سے کیا آشنائی. ہاں جب خدا کرے پردہ اُٹھ جائے پھر کوشش و چاہت ہوتی ہے کہ نَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيْرٍ. ہم کو اور عطا ہو مردِ عارف نے جب تک راہِ عشق میں قدم نہ رکھا ہو. اور اُس کے متاعِ قلبی میں امانتِ عشق نہ چھپی ہو اُس وقت تک معرفت کی وادیاں خاردار اور کٹھن معلوم ہوتی ہیں اسی لیے دنیا پرست اہلِ معرفت سے بھاگتا ہے اُن کو دیوانہ کہتا ہے. مگر جب عشقِ الٰہی کی چنگاری سلگتی چمکتی نظر آجاتی ہے تو پتہ چلتا ہے کہ ذٰلِكَ كَيْلٌ يَّسِيْرٌ. یہ بیابان تو گلستان ہے یہ خاردار تو اصل باردار ہے. یہ کانٹے تو پھول ہیں. ان کو پانا تو بڑا آسان ہے. قَالَ لَنْ اُرْسِلَهٗ مَعَكُمْ حَتّٰى تُؤْتُوْنِ مَوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ لَتَاْتُنَّنِيْ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ يُّحَاطَ بِكُمْ فَلَمَّاۤ اٰتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ قَالَ اللّٰهُ عَلٰى مَا نَقُوْلُ وَكِيْلٌ مگر اخلاص کا ملنا بہت مشکل ہوتا ہے خوش بخت ہے وہ بندہ جس کو خلوص اور خشیتِ الٰہی کی نعمت مل جائے. خلوص والے کی ذرا سی محنت بے خلوص کی کثرتِ ریاضت سے زیادہ قیمتی ہے. صوفیا فرماتے ہیں. خلوص چار چیزوں سے ملتا ہے ۱. عجز سے بندہ ہر حال میں سمجھے کہ میں کچھ بھی نہیں.

ف۲: ہر وقت اپنے سامنے ذاتِ باری کو اپنے پیچھے ملک الموت کو اپنے دائیں شریعت کے وعدوں کو اور اس پر پابندی کہ ہم نے یہ فرض پورا کرنا ہے ہم عبدِ ناکارہ ہیں ملازم ہم کو ہی اس کا فائدہ ہے اپنی بائیں رب کی نعمتوں کو جانیں کہ ہم اس کی کتنی نعمتیں کھا جاتے۔

ف۳: اپنے اعمال صالحہ کو اس کا کرم اور توفیق جانے۔

ف۴: ہر عبادت ظاہری مراقبہ میں جا کر پڑھے۔ سجدہ رکوع کی حالت میں بھی مراقبہ قائم رہے۔ ایسے بندے پر شیطان کا تسلط نہیں ہوتا راہِ سلوک کے بادیہ پیما کو یہ مضبوط وعدے کرنے پڑتے ہیں اس کا اپنا ارادہ مضبوط ہو تو اگر کسی موقعے پر شیطان اس کا راہ مار بھی دے اور اس کا خلوص کسی عارضے کی وجہ سے کبھی چھن بھی جائے تو بگڑ نہیں جوتی۔ اسی لیے مومن اپنی ہمت۔ محنت۔ وعدے اوڑے۔ تصور مراقبے کے باوجود اپنی کسی چیز پر بھروسہ نہ کرے بلکہ ہر کام رب تعالیٰ کے سپرد کر دے اسی کو اپنا محافظِ حقیقی اور وکیل دائمی سمجھے۔ دل دماغ۔ عقل شعور۔ اعضاءِ ظاہری اور باطنی سب کمزور ان کے وعدے کمزور۔ لیکن ان کو راہِ راست پر رکھنے کے لیے ان سے کام اپنا فرض ہے۔ اور ان کا بھروسہ توکل علی اللہ کے خلاف نہیں بلکہ اصل توکل اور صبر جمیل یہی ہے کہ ان سے وعدے لو اور سپرد داری اللہ کی مانگو۔

وَقَالَ يٰبَنِيَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّ

اور فرمایا اے میرے بیٹو نہ داخل ہونا تم سے دروازے ایک۔ اور

اور کہا اے میرے بیٹو ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور

ادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِیْ

داخل ہونا تم سے دروازوں مختلف اور نہیں بے پرواہ کر سکتا ہیں

جدا جدا دروازوں سے جانا میں تمہیں اللہ سے بچا نہیں سکتا

عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا

کو تم سے اللہ سے کسی چیز۔ نہیں ہے فیصلہ مگر کا

حکم تو سب اللہ ہی کا ہے

لِلّٰهِ ؕ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَ عَلَیْهِ فَلْیَتَوَكَّلِ

اللہ ہی پر اُسی پر بھروسہ کیا میں نے اور ہی پر اُسی پس چاہیئے

ہیں نے اِسی پر بھروسہ کیا اور بھروسہ کرنے والوں کو

الْمُتَوَكِّلُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَ لَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ

بھروسہ کریں تمام بھروسہ کرنیوالے اور جب داخل ہوگئے وہ سب اُسی طرح

اِسی پر بھروسہ چاہیئے ۔ اور جب وہ داخل ہوئے جہاں سے

اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ ؕ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ

جس طرح حکم دیا اُن کو باپ نے اُن کے نہ بے پرواہ کرسکے وہ کو اُن سے

اُن کے باپ نے حکم دیا تھا وہ کچھ انہیں اللہ سے بچا نہ سکا

مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ

اللہ سے کسی چیز مگر ایک تمنا ۔ میں خیال

ہاں یعقوب کے جی کی ایک خواہش تھی

یَعْقُوْبَ قَضٰىهَا ؕ وَ اِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا

یعقوب سے پورا کیا جس کو اور یقیناً وہ یعقوب علم والے ہیں اس لیے کہ

اُس نے پوری کرلی ۔ اور بیشک وہ صاحب علم ہے ہمارے

ع ۸ ۱۱ ۲ عَلَّمْنٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ ع

سکھایا ہم نے اُن کو اور لیکن بہت لوگ نہیں جانتے ۔

سکھانے سے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے ۔

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیات میں بنیامین کو بھیجنے اور لے جانے کا تذکرہ اور تسلی بخش سوال و جواب کا ذکر ہوا ان آیات میں حضرت یعقوب کا بیٹوں کو آدابِ سفر بتانے کا طریقہ مذکور ہوا اور شہر داخل ہونے کا طریقہ کیا ہونا چاہیئے۔ جس سے ثابت ہوا کہ ظاہری طور طریقے اور اسباب کو اپنانا تصوف اور توکل کے خلاف نہیں۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیات میں ظاہراً بنیامین کی جدائی اور فراق کا ذکر تھا جس کے ضمن میں فراقِ یوسفی کا بھی اشارہ ہوا مگر ان آیات میں دقیق اشاروں سے حضرت یعقوب نے اپنے عمل۔ کردار اور اقوال سے ہر طرح اپنی لاعلمی اور محتاجی کمزوری ظاہر کی۔ لیکن ان آیات میں رب کریم نے حضرت یعقوب کی انتہائی شان اور رضا اور علم ظاہر فرمایا یہی حال تمام انبیاء کرام کی قولی سنت ہے۔ اسی طرح تمام بندوں کو طریقہ اختیار کرنا چاہیئے۔

تفسیر نحوی

وَقَالَ يَا بُنَيَّ لَا تَدْخُلُوا مِنْ بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُتَفَرِّقَةٍ واؤ سر جملہ استینافیہ۔ قَالَ فعل ماضی کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع حضرت یعقوب ہیں۔ یا حرفِ ندا۔ بُنَيِّ۔ جمع ہے بَنِيْنَ تھا۔ بوجہ اضافت نون جمع مذکر گر گئی۔ یاء متکلم مضاف الیہ ہے یاء جمع سالم اور یاء متکلم میں تشدید ہوئی۔ یہ ساری اگلی عبارت مقولہ ہے قَالَ کا۔ بُنَيَّ منادیٰ ہے اور لَا تَدْخُلُوا فعل نہی بصیغہ جمع مذکر حاضر پورا جملہ فعلیہ حرفِ ندا کا بیان ہے۔ مِنْ جارہ ابتدائیہ بابٍ واحدٍ مرکب توصیفی واؤ عاطفہ بمعنیٰ بل اُدْخُلُوا فعل امر جمع ہے اس کا فاعل بُنَيَّ کی ضمیر حاضر کُمْ ہے۔ مِنْ ابتدائیہ اَبْوَاب جمع قلت ہے باب جمع قلت میں شرط ہے کہ کم از کم اُس کے حروف چار ہوں۔ جمع کثرت میں یہ شرط نہیں اُس کے تین حرف بھی ہوتے ہیں جیسے رُسُلُ۔ کُتُب وغیرہ۔ یہ موصوف ہے اِس کی صفت مُتَفَرِّقَةٍ۔ باب تفعّل کا اسم فاعل بصیغہ واحد مؤنث۔ فرقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ علیحدہ علیحدہ۔ وَمَا أُغْنِي عَنْكُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ شَيْءٍ ۖ إِنِ الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ ۖ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۖ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ واؤ سر جملہ مَا نافیہ علیحدہ ہے۔ بعض نے فرمایا مضارع متکلم منفی ہے مَا نافیہ سے۔ اُغْنِي فعل مضارع مثبت ہے اِس کی نفی مانا فیہ لے ظاہر کی غَنِیٌّ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ۱۔ بچانا۔ ۲۔ محفوظ ہونا۔ ۳۔ امیر ہونا۔ ۴۔ دولت مند ہونا۔ ۵۔ بے فکر ہونا۔ ۶۔ بے پرواہ ہونا۔ آخری معنیٰ اللہ کی صفتِ خصوصی ہے یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں باب افعال میں آکر متعدی بسہ مفعول ہوا۔ یعنی بچا سکنا۔ عَنْكُمْ جار و مجرور مل کر متعلق اول۔ مِنَ اللہ متعلق دوم۔ مِنْ شَيْءٍ متعلق سوم۔ یہ تینوں تین مفعول کے درجے میں ہیں مِنَ اللهِ دراصل تھا مِنْ قَضَاءِ اللهِ۔ مِنْ بیانیہ ہے یعنی اللہ کے فیصلہ تقدیرِ مُبْرَم سے۔ مِنْ شَيْءٍ میں مِنْ تعمیمیہ

ہے ۔ یعنی کچھ تھوڑا سا بھی نہیں ۔ بعض نے کہا مِنْ زائدہ ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ شیءٍ کی تنوین تنکیری
ہے ۔ جس سے مقصدِ کلام حاصل نہیں ہوتا ۔ اُغْنِیْ دراصل تھا اُغْنِیُ بروزنِ اُکْرِمُ ۔ یٰ پر ضمہ ثقیل تھا
اس لیے سکون دیا گیا ۔ اِنْ حرفِ شرط بمعنٰی نفی بوجہ اِلَّا سے ۔ اِلَّا حرفِ استثنا برائے اتصال ۔ یا بمعنٰی ہوا
ہے ۔ لِلّٰهِ ۔ لام ملکیت کا ۔ ملکیت کی پندرہ قسمیں ہیں ۔ ۱ ذاتی ۔ ۲ صفاتی ۔ ۳ دائمی ۴ عارضی ۵ کلی
۶ جزئی ۷ اتصال ۸ انفصالی ۔ ۹ استحقاقی ۔ ۱۰ انعامی ۔ ۱۱ قابلیت ۱۲ غالبیت ۱۳ سکونت ۔
۱۴ عاریت ۱۵ موہبت ۔ یہاں مراد غالبیت ہے ۔ یعنی غالب کا حکم ہے ۔ علیہ ۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے
تَوَكَّلْتُ واحد متکلم ماضی مطلق ۔ حرف کا پہلے ہونے سے حصر کا فائدہ ہوا ۔ واؤ حالیہ علیہ متعلق مقدم سے
بھی حصر یعنی ہی کا فائدہ ہوا ۔ فَلْيَتَوَكَّلِ ۔ ف بیانیہ ۔ لِيَتَوَكَّلْ امر غائب معروف واحد کا صیغہ
ہے ۔ کیونکہ فاعل جمع اَلْمُتَوَكِّلُوْنَ اسم ظاہر ہے ۔ الف لام استغراقی جمع کثرت تاویل ۔ مُتَوَكِّلُوْنَ ۔ تَوَكَّلْتُ
اور لِيَتَوَكَّلِ یہ سب وَكْلٌ ثلاثی سے بنے ہیں بمعنٰی سپرد کرنا ۔ بغیر کسی پریشانی اور دغدغے کے اپنی ہر چیز کسی کو
دے دینا ۔ اسی کو بھروسہ کہتے ہیں ۔ وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَيْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ يُغْنِيْ عَنْهُمْ
مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِيْ نَفْسِ يَعْقُوْبَ قَضٰهَا ۔ واؤ عاطفہ بمعنٰی ثُمَّ ۔ لَمَّا ظرفیہ شرطیہ زمانیہ ۔ اس کی جزا جوابی اگلا جملہ
مَا كَانَ يُغْنِيْ ہے ۔ کچھ نحویوں نے کہا یہ لَمَّا حرف ہے نہ کہ اسم ظرفِ زمانی ۔ کیونکہ ظرفیہ
کا جواب اشد ضروری ہوتا ہے مگر اس کا جواب کوئی نہیں ۔ اور مَا كَانَ يُغْنِيْ اس کا جواب نہیں
بن سکتا اس لیے کہ نفی کا مابعد اپنے ماقبل میں عمل نہیں کر سکتا ۔ مگر یہ قاعدہ غلط ہے ۔ بعض نحات نے اس
اعتراض کو صحیح مانتے ہوئے یہ جواب دیا کہ اس لَمَّا کا جواب اور اگلے لَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ
دونوں کا جواب اٰوٰى اِلَيْهِ ہے دَخَلُوْا فعل ماضی ۔ دَخْلٌ سے مشتق ہے ۔ لازم ہے ۔ اس کا فاعل برادرانِ یوسف
مع بن یامین ۔ مِنْ حَيْثُ ۔ جار مجرور متعلق ہے دَخَلُوْا کا ۔ حَيْثُ ظرف عمومی ہے ہر معنٰی میں مستعمل ہے ۔
یہاں بمعنٰی مقدار اور طریقہ مراد ہے مفرد مبنی ہے ضمہ پر ایک صحیح قول میں حَيْثُ مضاف ہے ۔ اَمَرَ ۔
فعل ماضی معروف کی طرف ۔ اَمَرَ جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ ہے مگر میرے نزدیک حیث موصوف
مبنی مفرد مفہوم ہے ۔ اگلا جملہ صفت ہے ۔ هُمْ ضمیر کا مرجع برادرانِ یوسف ہیں منصوب منفصل ہے بوجہ
اَمَرَ کی مفعولیت کے اَبُوْهُمْ ۔ مرکب اضافی بحالتِ رفع فاعل ہے اَمَرَ کا مراد یعقوب علیہ السلام مَا كَانَ ۔
فعل ماضی مطلق منفی بصیغۂ واحد مذکر غائب یہ جملہ جواب لَمَّا ہے ۔ ایک قول میں مَا كَانَ يُغْنِيْ فعل
ماضی استمراری منفی ہے ۔ متعدی بسہ مفعول ۔ مفعول اوّل عَنْهُمْ ہے عَنْ زائدہ ہے ۔ ظاہرًا متعلق ہے ۔
مفعول دوم مِنَ اللّٰهِ بھی اسی ترکیب میں ہے ۔ یہاں بھی لفظِ قضا پوشیدہ ۔ مفعول سوم ۔ مِنْ شَيْءٍ

ہے ۔ مِنْ زائدہ ۔ ظاہری ترکیب میں متعلق ہیں ۔ حقیقتاً مفعول ہیں ۔ فی وا میں دو قول ہیں ۔

ملا ۔ بحالتِ زبر بوجہ مفعولیت یعنی شیئًا ۔ جیسے مَارَاَیْتُ مِنْ اَحَدٍ دراصل مارأیتُ احدًا تھا ۔ یعنی میں نے کسی کو نہ دیکھا ۔ اسی طرح مِن شَیءٍ ۔ دراصل شیئًا تھا ۔ تب اس صورت میں مَا کَانَ یُغْنِیْ کا فاعل دخول ہوگا ۔

ملا ۔ مِنْ شَیْءٍ بحالتِ رفع ہے ۔ تب دراصل تھا شیءٌ اور یہی یُغْنِیْ کا معنوی فاعل ہوگا ۔ اِلّا بمعنیٰ لٰکِنْ ہے اس طرح یہ استثنا منقطع ہوا ۔ اِس کا مستثنیٰ منہ وہ شی ہے جو اللہ تعالیٰ کے فیصلے اور ارادے میں تھی اور مستثنیٰ غیر ارادۂ الٰہی والی شی ہے ۔ حَاجَۃً بحالتِ زبر مستثنیٰ ہے اِس کے معنیٰ ہیں خواہش ظاہری ۔ یعنی کسی چیز کی خواہش نہ تھی اس طرح متفرق داخل ہونے سے نہ یہ حیلہ تقدیر الٰہی کو توڑ سکتا تھا بجز اس کے کہ ظاہری خواہش ہوتی حرفِ جار ظرفیۃ کے لیے ہے نَفْسِ بمعنیٰ دلی خیال لفظ یعقوب مضاف الیہ ہے عقبٌ سے بنا ہے ۔ یہ سب مرکب اضافی اور جار مجرور متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ کا یا متعلق مقدم ہے قضیٰ کا فعل ماضی بمعنیٰ اَظْہَرَ قضیٌ سے بنا ہے ۔ اِس کے تین معنیٰ ہیں ۔

ملا فیصلہ کرنا ۔ ملا ظاہر کرنا ملا وقت کے بعد پورا کرنا ۔ یہاں حق یہ ہے کہ پورا کرنا مراد ہے ۔ ھا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع حَاجَۃً ہے یہ جملہ صفت ہے ۔ حاجۃً سب سے مل کر موصوف ہے ۔ وَاِنَّہٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰہُ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ واؤ سر جملہ اِنَّ حرفِ تحقیق بکسرِ ہمزہ صرف شروع کلام میں ہو سکتا ہے ۔ قول کے بعد بھی اس لیے اِنَّ آتا ہے کہ مقولہ درحقیقت نیا جملہ ہوتا ہے ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر منصوب متصل کا مرجع حضرتِ یعقوب ہیں ۔ لام کُدْ ذُوْ علم خبر اِنَّ ہے ۔ لِمَا ۔ لام جارہ ما موصولہ ۔ ایک قول میں ما مصدریہ ہے ۔ عَلَّمْنَا ۔ فعل ماضی باب تفعیل سے متعدی بدو مفعول ۔ باب افعال اور باب تفعیل میں ہمیشہ تعدی ہوتی ہے ان میں لزوم نہیں ہوتا جو لوگ اپنی گفتگو میں ۔ افہام و تفہیم کے الفاظ بول دیتے وہ ان کی کم علمی ہے ۔ نَا ۔ ضمیر جمع متکلم سے مراد ۔ ذات باری تعالیٰ ہے ۔ ہٗ کا مرجع یعقوب ہیں ۔ واؤ عاطفہ یا حالیہ ہے ۔ لٰکِنَّ حرفِ تحقیق اَکْثَرَ اسم تفضیل بمعنیٰ بہت زیادہ لوگ کثرۃٌ سے بنا ہے ۔ النَّاس ۔ الف لام عہد ذہنی ۔ ناسُ جمع ہے اِنْسٌ کی مراد کافر ہیں ۔ یا ہر گستاخ منکر شانِ نبی ۔ مرکب اضافی اسم لٰکِنَّ ہے ۔ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ فعل مضارع منفی بصیغۂ جمع مذکر ھُمْ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اَکْثَرَ النَّاس ہے یہ جملہ فعلیہ خبر لٰکِنَّ ہے ۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ یٰبَنِیَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَۃٍ
وَمَآ اُغْنِیْ عَنْکُمْ مِّنَ اللہِ مِنْ شَیْءٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلہِ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَعَلَیْہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُتَوَکِّلُوْنَ

وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ قحط ختم ہونے کے قریب آیا تو وہ سب بھائی جو محبت اور حسن سلوکِ عزیز مصر سے سرشار تھے اور گن گن کر وقت گزار رہے تھے والدِ محترم سے جانے کی اجازت لینے لگے تو والدِ محترم نے اجازت کے ساتھ ساتھ نصیحتیں فرمائیں۔ جن میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اور فرمایا اے میرے بیٹو ایک دروازے سے سب کے سب مصر میں داخل مت ہونا بلکہ علیحدہ علیحدہ دروازوں سے یا متفرق ہو کر مصر شہر کے سب دروازوں سے اس شہر میں داخل ہونا۔ اور یہ بات بھی خوب ذہن نشین کر لو کہ میں تم کو کبھی بھی اللہ سے بے پرواہ ہونے کا نہیں کہہ سکتا متفرق ہو یا جماعت کی قوت کے ساتھ ہو بہر حال اپنے ذکر فکر میں التجاؤں دعاؤں میں وہی فریاد رس حاجت روا مشکل کشا ہے سارے کائنات میں نہیں ہے حکم مگر اسی اللہ جبار و جواد قہار کا۔ یا اے بیٹو تم جدا رہو یا اکٹھے میں تم کو کسی ایسی چیز (مصیبت یا راحت) سے نہیں بچا سکتا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہو کیونکہ حکم ہر جگہ ہر وقت ہر شخص کے لیے اللہ جَلَّ جلالہٗ کا ہی جاری ہے۔ نہ پہلے بچا سکا جیسا کہ تم نے یوسف کے بارے میں دیکھ ہی لیا کہ یوسف پر تمہارے ذریعے جو تکلیف آنے والی تھی وہ آ کر رہی حالانکہ میں نہ چاہتا تھا۔ میں نے تو خود اسی اللہ پر ہر ظاہر باطن حال میں بھروسہ کیا۔ اور تا قیامت جو بھی متوکل بننا چاہتا ہے اس کو چاہیئے کہ اسی ذاتِ پاک جَلَّ مجدہٗ پر بھروسہ کرے۔ مصر آج تو ایک ملک کا نام ہے لیکن یہی مصر اسی جگہ اس وقت فقط ایک قلعہ نما شہر تھا۔ اور اس کے چار دروازے تھے جو بالکل ہی جدا جدا مشرق مغرب شمالاً جنوباً تھے اور چار سمتوں کے لوگ اپنے اپنے دروازوں سے آیا کرتے کنعان جانب جنوب کے راستے پر تھا۔ آج کا مصر نہر سویز تک پھیلا ہوا ہے مگر اس وقت مصر دریائے نیل کے کنارے تھا۔ یہ بہت بڑا اور قدیم قلعہ تھا اس کے جانب مشرق ایک بہت بڑا محلہ ممفس تھا۔ آج کل اسی جگہ ایک بستی آباد ہے جس کا نام منف ہے یہ ممفس اس وقت دار الخلافہ تھا یہاں ہی بادشاہ کا محل اور عدالت و دربار تھا اس جگہ سب شاہی عملے کے مکانات تھے اس کی جیل بالکل مغربی جانب شہر کے دوسرے کنارے پر تھی۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے کبھی مصر نہ دیکھا تھا مگر اپنے غیبی علم سے جان لیا کہ اس کے دروازے زیادہ ہیں۔ نیز مختلف دروازوں سے شہر میں داخل ہونے کا حکم دینا اس کی اصل حکمت اور وجہ تو یعقوب علیہ السلام اور اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے مگر مفسرین نے تین وجہیں بیان کی ہیں۔

۱۔ یا اس لیے کہ یہ اس وقت مع بنیامین دس بھائی ہیں جب یہ چار دروازوں سے مختلف ہو کر تین تین جائیں گے تو یقیناً بنیامین اکیلا ایک دروازے سے جائے گا۔ جو محل سرا کے قریبی دروازہ ہے اور یوسف کے پاس جلدی خلوت میں پہنچ جائے گا کیونکہ کنعانی دروازہ محل کے قریب تھا یہ قول تفسیر خازن اور تفسیر کبیر نے بیان کیا اس توجیہہ سے علم غیب کا ثبوت ملتا ہے۔

۲ دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت یعقوب کے سب بیٹے نہایت وجیہہ خوبصورت دراز قد تھے تو آپ نے اکٹھے ایک والد کی اولاد ہونے کی وجہ سے نظر بد سے بچنے کے لیے یہ حکم فرمایا۔ اس لیے کہ نظر لگ جانا حق ہے اس کا ثبوت قرآن مجید سورۂ نون والقلم میں اس آیت سے ہے لَیُزْلِقُوْنَكَ بِاَبْصَارِهِمْ (الخ) اور متعدد احادیث سے بھی ہے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن وحسین کے لیے یہ دعا پڑھ کر پھونکتے تھے اُعِیْذُکُمَا بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّۃِ مِنْ کُلِّ شَیْطَانٍ وَّھَامَّۃٍ وَّمِنْ کُلِّ عَیْنٍ لَّامَّۃٍ۔ اسی طرح نظر لگ جانے کے بعد نظر اتارنے کے لیے عملیات کی کتابوں میں بہت طریقے اور تعویز رائج ہیں جس سے واقعی فائدہ ہوتا ہے۔ مشہور ہے کہ چار شخصوں کی نظر بہت لگتی ہے ۱ جو اتنا پیدا ہو۔ ۲ جس کی زبان کالی ہو۔ ۳ بھینگا آدمی ۴ دوپائیں دن کا بھوکا آدمی۔ شریعت نے چار چیزوں کو برحق فرمایا۔ ۱ نظر ۲ جادو ۳ شگون لینا ۴ نورانی تعویزات۔ حضرت یعقوب نے پہلے اس لیے یہ پابندی نہ لگائی کہ پہلے ان سے کوئی واقف نہ تھا اور ان کے جتھے پر جاسوسی کا الزام لگ گیا تھا اس لیے یہ پکڑے ہوئے دربار یوسفی میں لائے گئے تھے کسی کی نظر نے ان کے حسن و وجاہت پر غور نہ کیا تھا۔ اور نظر لگنے کے لیے یہ قانون ہے کہ کسی عیب میں ملوث نہ ہو۔ مجرم کو نظر نہیں لگتی کیونکہ دیکھنے والوں کا دھیان اُس کے عیب کی طرف ہوتا ہے۔ مگر تفسیری توجیہہ زیادہ مضبوط نہیں اگرچہ یہ مفسرین مَا اُغْنِیْ سے دلیل لیتے ہیں مگر مَا کَانَ یُغْنِیْ سے ان کی دلیل ٹوٹ جاتی تیسری وجہ یہ بیان کرتے ہیں تاکہ سابقہ عزت افزائی کی بنا پر کوئی حسد نہ کرے اور عزیز مصر کے سامنے ان کو آتا دیکھ کر کوئی جھوٹے الزامات اتہامات کی پہلے جعل سازی نہ کر دے جس سے عزیز کی نظر میں یہ لوگ بے عزت نہ ہوں جیسا کہ پہلے ہوتے ہوتے بچا تھا جب یہ متفرق ہوں گے تو کسی کو ان کے آنے کا پتہ نہ چلے گا۔ مگر یہ بھی اتنی مضبوط توجیہہ نہیں کیونکہ مَا یُغْنِیْ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ ہو گیا جس کو حضرت یعقوب ظاہراً نہ چاہتے تھے۔ یعنی بنیامین کا باجبریت واپس آ جانا چاہتے تھے روکا جانا نہ چاہتے تھے۔ لہٰذا پہلی توجیہہ مضبوط ہے۔ دوسری وجہیں اس لیے نادرست ہیں کہ نہ کسی کو نظر لگی نہ حسد ہوا۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا مِنْ حَیْثُ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ مَا كَانَ یُغْنِیْ عَنْهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ قَضٰهَا وَاِنَّهٗ لَذُوْ عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ رب نے ارشاد فرمایا کہ اور جب وہ سب لوگ شہر میں اسی طرح تین تین (ایک قول میں) یا دو دو ہو کر داخل ہوئے جس طرح اُن کے والد محترم نے حکم دیا تھا تو واقعی یہ تفریق اللہ کی طرف سے آئی ہوئی کسی مقدر چیز سے تو نہ بچا سکی کچھ بھی لیکن اس تفریق سے جو اصل باطنی خواہش تھی یعقوب علیہ السلام کے دل میں اور جس کے لیے یہ متفرق داخلے کا حکم دیا تھا وہ البتہ رب نے پورا کر دیا۔ اور بیشک وہ یعقوب علیہ السلام کائنات کی اُن تمام چیزوں کو جاننے والے تھے جو ظاہری باطنی شاہدی غیبی

ہم نے ان کو سکھائیں۔ اور لیکن اکثر بے عقل۔ بدبخت۔ فاسق فاجر۔ گستاخ مشرکین لوگ اس بات کو نہیں جانتے کہ ہم نے اپنے انبیاء کو کیا کچھ سکھایا۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ احادیث سے ثابت ہے کہ کچھ چیزیں قابلِ اثر اور حق ہیں جن کا اثر دوسرے پر ہو جاتا ہے یہاں تک کہ انبیاء اولیاء پر بھی۔ ۱ سریلی آواز ۲ جادو ۳ پھونک اور دم کرنا ۴ تعویذ لکھ کر گلے میں ڈالنا ۵ تعویذ پلانا ۶ نظر بد۔ روایت ہے حضرتِ ابراہیم نظر بد سے بچنے والی دعائیں پڑھ کر حضرتِ اسماعیل اور اسحاق علیہم السلام پر دم کرتے تھے۔

دوسرا فائدہ۔ کسی برائی سے بچنے یا بچانے کی تدبیر کرنا سنتِ انبیاء ہے۔ یہ دونوں فائدے لَا تَدْخُلُوْا اور لِیَدْخُلُوْا سے حاصل ہوئے۔

تیسرا فائدہ۔ کسی کی تدبیر سے کوئی بھی تقدیر نہیں بدل سکتی یہ فائدہ مَا اُغْنِیْ اور مَا كَانَ یُغْنِیْ سے حاصل ہوا۔ ہاں البتہ دعاؤں التجاؤں فریادوں سے تقدیرِ معلّق بدل جاتی۔ لیکن انبیاء کرام کی دعا سے تقدیر مبرم بھی بدل جاتی ہے مگر انبیاء کرام ایسی دعا سے اجتناب فرماتے ہیں۔ اس کا ثبوت بہت سی آیت و احادیث میں موجود ہیں۔

چوتھا فائدہ۔ ماں باپ کی فرماں برداری رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بہت پیاری و پسندیدہ ہے۔ یہ فائدہ مَآ اَمَرَهُمْ اَبُوْهُمْ کے فرمانِ الٰہی سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ نظر بد لگ جانا حق ہے اور اس سے بچنے کی تدبیر کرنا جائز ہے۔ اور لگی ہوئی نظر کو اتارنے کے لیے یا نہ لگنے کے لیے دم کرنا تعویذ لکھنا یا کوئی عمل اختیار کرنا شرعاً بالکل جائز ہے۔ یہ مسئلہ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ نیز بہت سی احادیث سے بھی تعویز اور پھونک مار کر دم کرنے کا ثبوت موجود ہے۔ گلے میں تعویز ڈالنا اللہ رسول کا نام لکھ کر بالکل جائز ہے وہابی اس کے منکر ہیں یہ ان کی جہالت ہے

دوسرا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ میں والدین کا حکم اور فرمان امر کی حیثیت رکھتا ہے اور اس کو ماننا مسلمان اولاد پر فرض ہے۔ یہ مسئلہ اَمَرَهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

تیسرا مسئلہ۔ علم انبیاء اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتا ہے اس کو ماننا ہر مسلمان پر لازم ہے یہ مسئلہ عَلَّمْنٰهُ کے اشارۃ النص سے مستنبط ہوا۔ علم نبوت کے منکر مشرک ہوتے ہیں جیسا کہ اکثر النّاس کی تفسیر میں مفسّرین نے فرمایا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا مَآ اُغْنِیْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ (۶۷) یعنی جو کچھ اللہ کو منظور ہے وہی ہوگا میں کچھ نفع نہیں دے سکتا تو پھر حضرت یعقوب نے پہلے کیوں فرمایا کہ ایک دروازے سے داخل ہونا۔ یہ تو نظر بد یا حسدِ حاسد کے شر و فساد سے بچانے کا طریقہ تھا۔ یہ دونوں قول متضاد ہو گئے ان کی مطابقت کیونکر ممکن ہے پہلے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ تدبیر سے کچھ ہو سکتا ہے اور دوسرے قول سے ثابت ہوتا ہے کہ تدبیر بیکار ہے تدبیر سے کچھ نہیں ہو سکتا۔

جواب۔ یہ اعتراض دو وجہ سے درست نہیں۔ اوّلاً تو اس لیے کہ متفرق دروازوں سے داخلے کا حکم تدبیر نہیں بلکہ اور دوسری حکمت ہے اگرچہ ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا نظر بد کی تدبیر ہے مگر یہ حتمی بات نہیں اور آیت کے بھی خلاف ہے۔ دیگر تفاسیر کے مطابق یہ اعتراض وارد ہی نہیں ہوتا۔ دوم اس لیے کہ اگر انہی تفاسیر کو مان لیا جائے کہ یہ داخلہ واقعی تدبیر تھی تب بھی یہ اعتراض درست نہیں کیونکہ پھر یہ مسئلہ تقدیر کی صورت بن جائے گی اور معنی یہ ہوگا کہ یہ تدبیر بھی مِنَ اللّٰہ ہی ہے اسی طرح جتنی بھی احتیاطیں دعائیں دوائیں حیلے۔ اور بچاؤ کے کام ہیں وہ سب اگر مفید ہو جائیں تو مِنَ اللہ ہی ہوتے ہیں۔ یعنی اے بیٹو جو کچھ میں نے تم کو حکم دیا ہے وہ میرا حکم نہیں بلکہ اللہ کی ہی طرف سے جانو اور اس کام سے جو تم کو فائدہ پہنچے گا اس کو بھی عند اللہ جاننا۔ اب کوئی تضاد نہ رہا۔ **دوسرا اعتراض**۔ ارشاد باری ہے اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ سب حکم اللہ ہی کا ہے۔ تو پھر اور کسی کو حاکم ماننا شرک ہوا۔

جواب۔ حکم۔ لفظ مشترک ہے اس کے پانچ ترجمے ہیں۔ ۱ فرمان۔ ۲ فیصلہ ۳ قانون ۴ اٹل بات ۵ تقدیر الٰہی۔ یہاں لفظ حکم اپنے آخری معنی میں ہے۔ نیز جب حکم کی نسبت بندوں کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے فرمان دینا یا کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا۔ اور جب حکم کی نسبت اللہ تعالیٰ جَلَّ مجدہ کی طرف ہو تو معنی ہوتے ہیں۔ اٹل بات حتمی اور تقدیری قانون قرآن مجید میں دونوں طرح یہ لفظ مستعمل ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ جیسے حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ عام بندوں کے لیے بھی جیسے۔ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا (۴/۳۵) اور اللہ تعالیٰ کے لیے بھی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ یہ حاکم ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت ہے مگر غیر خصوصی۔ صرف یہی نہیں بلکہ قرآن مجید نے اور احادیث نے چونتیس عدد اللہ تعالیٰ کی صفات نبی کریم و قرآن پاک کو عطا فرمائیں۔ مثلاً۔ کریم۔ مجید۔ رؤف۔ رحیم وغیرہ اسی طرح حاکم بھی دوسروں کی صفت ہو سکتی ہے۔ ہاں خصوصی صفاتِ الٰہی کی نسبت کسی اور کی طرف کرنا شرک ہے مثلاً خالق رازق معبود۔ رحمٰن وغیرہ۔

گیارھواں اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا ہے عَلَّمْنٰہُ ہم نے اُس کو علم دیا۔ یہاں غیب کا تو کوئی ذکر نہیں تم سُنّی لوگ غیب کا علم کہاں سے نکال لاتے ہو۔ (بخاری)

جواب ۔ رب کی طرف علم دینے اور سکھانے کی نسبت سے ہی علم غیب ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ رب تعالیٰ کے تمام علوم بندوں سے غائب ہیں۔ تو اُس کا کسی کو کوئی علم سکھانا غیب ہی سکھانا ہے۔ جب اُس کی ذات غیب اُس کا مدرسہ دارالعلوم غیب تو اُس کا علم غیب ہے۔ اور پھر عَلَّمْنٰہُ میں نہ کسی علم کا ذکر ہے نہ علم کی حد بندی ہے۔ نیز جس قصہ میں عَلَّمْنٰہُ کا ذکر فرمایا گیا وہ غیبی چیزوں پر ہی مشتمل ہے اس لیے عَلَّمْنٰہُ کی تفسیر خود بخود علم غیب ہی کی طرف راجع ہے۔ اچھا اگر ہماری تفسیر پسند نہیں آتی تو تم بتا دو کونسا علم سکھایا۔ ہم بھی دیکھیں کہ کہاں سے ڈھونڈ کر لاتے ہو اور کس دلیل سے لاتے ہو۔ چاروناچار ماننا پڑے گا کہ علم غیب ہی سکھانا مراد ہے۔ اور وہی علم اتنا وسیع ہے کہ جس کے سیکھنے والے کو کائنات کا علم آجاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَقَالَ يٰبَنِىَّ لَا تَدْخُلُوْا مِنْۢ بَابٍ وَّاحِدٍ وَّادْخُلُوْا مِنْ اَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ ؕ وَمَاۤ اُغْنِىْ عَنْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ شَىْءٍ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ۚ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ

معرفتِ الٰہیہ کے متلاشی بندے مثل شاہی غلاموں کے ہیں۔ کہ القاب غلامیت سب کا ایک ہے مگر حضرو حضر اعمال و افعال سب کے مختلف۔ کسی کو عبادت و ریاضت کی محنت کے دروازے سے بلایا گیا۔ کسی کو انتظار گاہِ وصل کے آستانے پر بھیجا گیا۔ اور کسی کو قرب کی حاضری میں رکھا گیا ہے منزل سب کی ایک ہے مگر دروازے متفرق ہیں۔ مرشدِ راہ شوق کا فرمان ہے کہ ایک دروازے سے مت جانا۔ بلکہ اپنے مزاجوں اور طبیعتوں کے اعتبار سے مجاہدے اور شفقت کے علیحدہ علیحدہ دروازے کی طرف چلنا ہے۔ کیونکہ قربِ خاص کے لیے ایک ہی کو چنا گیا ہے۔ وہاں کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں کوئی کسی کو اپنی مرضی سے منتخب نہیں کر سکتا۔ نہ منتخب شدہ کا انکار کر سکتا ہے۔ مرشدِ طریقت کا کام صرف چلانا ہے اور مرید با صفا کا کام بلا چون و چرا دم سادھے وادیِ حیرت میں چلنا ہے باقی سارا فیصلہ رب ذوالجلال کا ہے۔ یہاں تو ہزاروں کے اسباب کے باوجود عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ کا نعرہ مارنا پڑتا ہے اس کے بغیر کامیابی نہیں۔ اللہ جلَّ مجدہٗ کا سہارا ہی اصل توکل ہے۔ ابتداء روحانیت سے روح و جسم کو بچانے والے اسی محافظِ کائنات کو اپنا وکیل بناتے ہیں۔ اور وہی ذاتِ واحد بھروسے کے لائق ہے۔ اہلِ ظاہر اہلِ باطن کو چاہیئے کہ اسی پر پورا بھروسہ کریں۔ یہ اخلاص کا پہلا سبق ہے۔ جس طرح جسم انسانی کے چار دشمن ہیں۔

۱ نظر بد ۲ حسد ۳ عناد ۴ منافقت یہ جسم کو بیمار یا ہلاک کر دیتے ہیں ان سے بچنے کے لیے توکل کے چار ہی دروازے ہیں پہلا دروازہ سادگی مسکینیت کا دوسرا دروازہ خلوت اور پوشیدگی کا۔ تیسرا دروازہ عشق کی محبت و

الفت کا۔ چوتھا دروازہ فہم و فراست کا۔ اہلِ دنیا کو ان چار دروازوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح روحِ انسانی کے بھی چار دشمن ہیں۔ جو روح کو ہلاک یا بیمار۔ کمزور کر دیتے ہیں ۱ شیطان جس کے وسوسے مثل نظر ہوتے ہیں۔ ۲ نفس امارہ روحانی حاسد ہے ۳ صحبتِ بد۔ زہرِ عذاب ہے ۴ بُرا ساتھی منافقِ باطنی ہے۔ ان سے بچنے کے لیے شہرِ معرفت کے چار دروازے ہیں۔

۱ گوشہ نشیں ۲ بابِ صبر ۳ بابِ توکل ۴ بابِ قربت۔ ہمہ وقت بارگاہِ الٰہی کی حاضری اسی مراقبے کے ذریعہ مکاشفۂ مقصود کی امید ہے۔ یہاں جلد بازی نہیں توکل کامل کی ضرورت ہے مصرِ معرفت کے دروازے قادری۔ چشتی۔ نقشبندی۔ سہروردی ہیں۔ وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ مِن شَيْءٍ إِلَّا حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا ۚ وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ صوفیا فرماتے ہیں کہ برادرانِ یوسف سے اشارہ ہے مریدانِ باصفا طالبانِ حق جب بیابانِ شوق سے گزرتے ہوئے طریقت کے چاروں سلسلوں۔ کے مختلف دروازوں سے مرشد کے حکم کے مطابق بارگاہِ قدس میں داخل ہو گئے تو اب مرشد کا کام پورا ہو گیا اور قلبی حاجت جس کی طلب تھی بر آئی۔ اب منشاءِ قدرت ہے تقدیرِ ازلی کا فیصلہ برقرار ہے جس کو چاہے جس مقام پر سرفراز فرمائے بجز کاتبِ تقدیر ذاتِ معظّم جلّ مجدہٗ کے کوئی شخص کسی کو خزانۂ معرفت کی عطا سے خفی نہیں کر سکتا۔ فیصلہِ الٰہی سے بچا سکتا ہے۔ وہی جانتا ہے کہ کس کو کیا دینا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ ہمارے سکھانے سے ہی وہ علم والا بنتا ہے۔ طالبِ صادق اور سالکِ طریقت جب مقامِ ارشاد کے لائق ہوتا ہے تو اُس کو بارگاہِ قدس سے بیش علم پڑھائے سکھائے اور عطا کئے جاتے ہیں ۱ ظاہر الغیب ۲ علمِ دقائق ۳ معاملات ۴ علمِ مقامات ۵ علمِ حالات ۶ علمِ کرامات ۷ علمِ فراست ۸ باطن الغیب ۹ علمِ معرفت ۱۰ حکمت ۱۱ معرفتِ خاصہ ۱۲ علمِ ذات ۱۳ علمِ توحید ۱۴ علمِ تفرید ۱۵ علمِ تجوید ۱۶ علمِ اسرار ۱۷ علمِ فنا ۱۸ علمِ بقا ۱۹ علمِ ارواح ۲۰ علمِ انوار۔ مگر یہ سب علوم محبوب کی ذات میں اس طرح جذب ہو جاتے ہیں کہ اکثر خواص بھی نہیں جانتے۔ کہ دینے والے نے کیا دیا اور لینے والے نے کیا لیا۔ عارفین فرماتے ہیں کہ اگر مجذوب کا ایک علم بھی دنیا پر ظاہر ہو جائے تو نظامِ کائنات درہم برہم ہو جائے یہی وہ امانت ہے کہ جس کو انسانِ کامل کے سوا کسی نے لینا برداشت نہ کیا۔ اللّٰھم ارزقنا منھا

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ

اور جب وہ سب داخل ہوئے پر یوسف قریب کیا طرف اپنی بھائی کو اپنے

اور جب وہ یوسف کے پاس گئے اُس نے اپنے بھائی کو اپنے

قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَىٕسْ بِمَا كَانُوْا

فرمایا بیشک میں ہی بھائی ہوں تیرا تو نہ غم کرے اُس جو وہ

پاس جگہ دی کہا یقین جان میں ہی تیرا بھائی ہوں تو یہ جو کچھ کرتے ہیں

يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ

کرتے رہے ۔ پھر جب سامان بنا دیا ان کو ہیں سامان اُن کے ڈال دیا

اُس کا غم نہ کھا ۔ پھر جب اُن کا سامان مہیا کر دیا

السِّقَايَةَ فِیْ رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ

پیمانہ میں بوری بھائی اپنے کی پھر اعلان کیا کسی اعلان کرنیوالے نے

پیالہ اپنے بھائی کے کجاوے میں رکھ دیا پھر ایک منادی نے ندا کی

اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ﴿۷۰﴾ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا

اے قافلے والو بیشک تم البتہ چور ہو ۔ بولے وہ اور سامنے آئے

اے قافلے والو بیشک تم چور ہو ۔ بولے اور اُن کی طرف متوجہ ہوئے

عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ﴿۷۱﴾ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ

اُن دیہاتیوں کے کیا سے وہ جو گم پاتے ہو تم بولے درباری ہم پاتے ہیں ناپ کا پیالہ

تم کیا نہیں پاتے ۔ بولے بادشاہ کا پیمانہ نہیں ملتا

الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا

بادشاہ کا اور کو اس شخص جو لائے اُس کو انعام ہے بوجھ ایک اونٹ کا اور میں

اور جو اُسے لائے گا اُس کے لیے ایک اونٹ کا بوجھ ہے اور میں

بِهٖ زَعِيْمٌ (۷۲)

کا اس ضامن ہوں

اُس کا ضامن ہوں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات کریمہ میں بھائیوں کو بھیجنے اور دخولِ مصر کے آداب سکھانے کا طریقہ ذکر تھا اب یہاں بھائیوں کے پہنچنے اور ملاقات کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بنیامین سے حضرت یعقوب کی محبت کا تذکرہ تھا ان آیت میں بنیامین سے حضرت یوسف کی محبت کا ذکر ہے۔ گویا کہ حضرت بنیامین دو نبیوں کے محبوب تھے یہ کمال خوش بختی ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اُس شرعی حیلے کا ذکر تھا جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو بھایا جس کے ذریعے حضرت یوسف اور بنیامین کا قرب حضوری حاصل ہوا ان آیت میں اُس شرعی حیلے کا ذکر ہے جس کے ذریعے حضرت یوسف یعقوب علیہ السلام کی بغیر مرضی و اجازت بنیامین کو روک لینے کے حقدار ہو گئے۔ ایک باطنی حیلہ تھا اور ایک ظاہری اور دونوں شرعاً جائز ہیں۔

تفسیر نحوی وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ واؤ سر جملہ ابتداءِ کلام کے لیے لَمَّا حرفِ ظرفیہ شرطیہ زمانیہ یعنی جس وقت دَخَلُوْا فعل ماضی معروف لازم بصیغہ جمع مذکر غائب ھم ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل عَلٰی حرف جر بمعنی عِنْدَ ظرفیہ۔ یعنی پاس یا سامنے یُوْسُفَ بحالت جر ہے بوجہ غیر منصرف زبر آیا۔ اٰوٰی۔ فعل ماضی واحد۔ اَوْیٌ سے مشتق ہے۔ مہموز الفا اور لفیف مقرون بمعنی قریب کرنا۔ ٹھکانا دینا۔ نزدیک بٹھانا۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ یہ سب جملہ فعلیہ جواب ہے لَمَّا کا اِلَیْہِ اِلٰی جارہ ہ ضمیر واحد مجرور متصل کا مرجع یوسف ہیں اَخَاہُ اَسْمَاءِ ستہ مکبرہ سے ہے بحالتِ زبر۔ مفعول بہ ہے اٰوٰی فعل کا۔ قَالَ فعل کا فاعل ھُوَ ضمیر۔ مراد یوسف ہیں۔ اِنِّیْ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق متصل ہے اپنے اسم یاءِ متکلم سے بکسر ہمزہ ہے بوجہ مقولہ ہونے کے۔ اَنَا ضمیر منفصل متکلم واحد صرف تاکید یاءِ متکلم کے لیے

اَخُوْکَ بحالتِ پیش ہے بوجہ خبرِ اِنَّ کے۔ کَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع بنیامین ہے۔ فَلَا تَبْتَئِسْ ۔ فَ تعقیبیہ۔ لَا تَبْتَئِسْ فعل نہی واحد مذکر حاضر کا صیغہ۔ بُؤْسٌ سے بنا ہے۔ مہموز العین افعال ذم سے ہے باب افتعال سے ہے۔ بمعنیٰ غم کرنا۔ برا سمجھنا۔ پریشان ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مناسب ہیں۔ بِمَا بِ جارہ بمعنیٰ سبب مَا موصول اگلا کلام اُس کا صلہ ہے۔ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ماضی استمراری بصیغہ جمع مذکر غائب۔ اس کا فاعل ضمیر جمع غائب ھُمْ پوشیدہ کا مرجع برادرانِ یوسف ہیں۔ علاوہ بنیامین کے فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ اَخِيْهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ فَ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ لَمَّا ظرفِ زمانیہ جَهَّزَ فعل مضارع معروف بصیغہ واحد غائب باب تفعیل سے ہے اس کا فاعل حضرت یوسف یعنی اُن کے حکم سے ھُمْ ضمیر کا مرجع سب برادرانِ یوسف بِجَهَازِهِمْ بِ جارہ برائے مفعولیت جَهَاز بمعنیٰ متعلق سامان یہاں مراد ہے لہٗ ھِمْ کا مرجع سب بھائی۔ جَعَلَ فعل ماضی ظاہراً فاعل یوسف ہیں کہ اُن کے مشورے یا حکم سے ڈالا گیا۔ جَعْلٌ کا معنیٰ ہے بنانا۔ رکھنا۔ ڈالنا۔ یہاں دوسرے دونوں معنیٰ درست ہیں۔ اَلسِّقَايَةَ مصدر ہے بروزن فِعَالَةٌ جیسے اِفَادَۃٌ۔ اِشَارَہ وغیرہ۔ یہاں بمعنیٰ اسم آلہ ہے یعنی پانی پینے کا پیالہ۔ الف لام عہدِ ذہنی جس سے ثابت ہوا کہ پہلے کبھی پانی پینے کا برتن رہا ہوگا یا پینے والے برتن کی ہمشکل ہونے کی وجہ سے اس کو سقایہ کہا گیا۔ فِیْ ظرفیہ حرفِ جر اپنے ہی معنیٰ میں مستعمل ہے رَحْل سفری سامان۔ رِحْلٌ سے بنا ہے لغوی معنیٰ سفر کرنا اسی لیے مرنے کو رحلت کرنا کہتے ہیں۔ رَحْل رَ کے زبر سے اصل معنیٰ لکڑی کا وہ پالان جو اونٹ پر رکھا جاتا ہے سفر پر جاتے وقت اسی معنیٰ میں قرآن پاک رکھنے والی لکڑی کی ڈھولی کو رحل کہہ دیتے ہیں بوجہ ہمشکل ہونے کے۔ مجازی معنیٰ میں سامانِ سفر کو کہہ دیا جاتا ہے رَحْلٌ سے یہاں یہ ہی مراد ہے۔ اَخِیْہِ بحالتِ جر مضاف الیہ ہے ہٖ کا مرجع یوسف ہیں۔ ثُمَّ حرفِ عطف برائے تراخی یعنی کافی دیر بعد اَذَّنَ۔ اَذَانٌ سے فعل ماضی باب تفعیل کا۔ اس کا چار معنیٰ۔ اذان دینا۔ اعلان کرنا۔ شور مچانا۔ پکارنا۔ یہاں یہ ہی معنیٰ مراد ہیں۔ اس کا فاعل مُؤَذِّنٌ تَاْذِیْنٌ کا اسم فاعل ہے اَیَّتُھَا۔ اَیُّ حرفِ ندا کا مؤنث ہے ھَا حرفِ تنبیہ ہے جو لگے اسم معرف باللام کے ساتھ ملانے کے لیے آیا۔ اَلْعِیْرُ الف لام عہد خارجی عیر چھوٹا قافلہ ایک گھر یا ایک شہر یا ایک خاندان کے چند مسافر جانوروں پر سفر کرنے والے مسافروں کو عیر کہتے ہیں۔ مثلاً گدھوں۔ گھوڑوں خچروں اونٹوں پر۔ لیکن لفظِ قافلہ ہر طرح کے باہمی مسافروں کو کہہ دیتے ہیں بحری۔ بری۔ ہوائی۔ اِنَّ حرفِ تحقیق مُشَبَّہ بِالْفِعْلِ یہ جملہ علیحدہ ہے اِنَّ شروع کلام میں ہے کُمْ ضمیر اسم اِنَّ مراد سب بھائی ہیں۔ لَسَارِقُوْنَ لام تحقیق کا ہے۔ سَارِقُوْنَ جمع سَارِقٌ کی ہے۔ سَرِقٌ کا اسم فاعل ہے باب ضرب سے ہے۔ سَرَقٌ بمعنیٰ محفوظ قیمتی مال چھپا لینا بلا اجازتِ مالک اسی کو اردو میں چوری کہتے ہیں قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَیْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِکِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِیْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَ

قَالُوْا۔ فعل ماضی جمع غائب کا صیغہ قولی جواب ہے برادرانِ یوسف کا۔ وَ حالیہ اَقْبَلُوْا۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب قَبْلٌ سے مشتق ہے باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول۔ بمعنیٰ سامنے لانا۔ یہاں مراد ہے خود کو سامنے لائے علیٰ مقابلے کے لیے ہُمْ ضمیر مجرور جمع کا مرجع وہ درباری خدام جو غلہ ناپ کر دیتے تھے۔ مَاذَا یہ سب جملہ مقولہ ہے قَالُوْا کا۔ مَا استفہامیہ (سوالیہ) مبتدا ہے اور ذَا اسم موصولہ اپنے صلہ کے ساتھ خبر ہے اس مبتدا کی۔ تَفْقِدُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر۔ اس کا فاعل وہی خدام جو منادی اور متکلم ہیں۔ فَقْدٌ کے لغوی معنیٰ ہے کسی چیز کا اس طرح غائب ہونا کہ نہ کوئی محسوس کر سکے نہ جگہ کا پتہ لگ سکے۔ قَالُوْا جوابی جملہ قول ہے خدام کا۔ نَفْقِدُ مقولہ ہے۔ فعل مضارع معروف بصیغہ جمع متکلم باب ضرب سے ہے متعدی صُوَاع بمعنیٰ پیمانہ ناپنے کا۔ مصدر ہے بمعنیٰ ظرف مکان۔ حرف و حرکات کے اعتبار سے اس کو چھ طرح پڑھا گیا ہے۔ صُوَاعَ۔ صُوَاعَ۔ صِوَاعَ۔ صَاعَ۔ صَوْعَ۔ صُوْعَ۔ مگر صُوَاعَ مشہور قرأت ہے مضاف اَلْمَلِكِ۔ مراد شاہِ مصر جس کی یہ ملکیت تھا۔ وَ قسمیہ یا عاطفہ۔ پہلی صورت میں لفظ اللّٰہ پوشیدہ اور دوسری صورت میں واؤ کے بعد۔ وَجَبَ یا لَزِمَ یا ثَبَتَ یا وَعد پوشیدہ ہے۔ لِمَنْ لام جارہ متعلق ہے پوشیدہ فعل کے مَنْ اسم موصول واحد ذوی العقول کے لیے آتا ہے اس کا صلہ جَاءَ کا جملہ ہے جَاءَ فعل ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے۔ مَنْ موصولہ کی وجہ سے مَجِیْءٌ یا جَیْئَۃٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ حقیقتاً آنا۔ ہو کر نقطہ حکماً آنا۔ یا ارادۃً آنا اس کے لیے اِتْیَانٌ مستعمل ہے۔ جب جَاءَ کے بعد اسی کے متعلق ہو کر بِ جارہ آ جائے تو یہ متعدی ہو جاتا ہے بمعنیٰ لانا۔ یہاں اسی طرح ہے۔ بِہٖ۔ بِ مفعولیت کی بیانیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع پیالہ حِمْلُ مضاف ہے بمعنیٰ بوجھ مراد ہے بوری گندم جو ایک اونٹ اٹھا سکے۔ فاعل ہے بُعَیْث پوشیدہ کا بَعِیْرٍ۔ بَعْرٌ سے مشتق ہے بروزن فعیل جوان طاقت اور تندرستی والے اونٹ کو کہتے ہیں وَ حالیہ یا قسمیہ۔ دوسری صورت میں لفظ اللّٰہ پوشیدہ ہے۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے بِہٖ بِ جارہ متعلق مقدم ہے زَعِیْمٌ کے ہٖ ضمیر سے مراد حِمْلُ ہے۔ زَعِیْمٌ۔ زَعْمٌ سے مشتق مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بروزن فَعِیْلٌ۔ بمعنیٰ زور سے بول کر کسی چیز کا دعویٰ کرنے والا۔ یا زَعَامَۃٌ مصدر بروزنِ کَفَالَۃٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ کفالت یا ذمہ داری لینے والا۔ یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّیْۤ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ جب یہ دس بھائی بنیامین وغیرہ بازاروں سڑکوں سے گزرتے ہوئے دربار یوسفی میں پہنچے اور دربانوں نے پورا پتہ لے کر کہ کون ہو کہاں سے آئے ہو۔ حضرت یوسف کو مطلع کیا اور حضرت یوسف نے ان کو اپنے پاس بلایا تو پہلے ان کو رہائش کے لیے کمرے عطا کیے اور حکم دیا

کہ ایک لڑنے میں فلاں شخص رہیں۔ اور خود حضرت یوسف نے ہی چناؤ کیا ایک قول ہے کہ بھائیوں نے جن میں
شمعون بھی شامل ہو گئے تھے خود ہی اپنے آپ کو کمروں کے لیے چنا تو بنیامین اکیلے رہ گئے اور رونے لگ گئے
حضرت یوسف نے پوچھا کیوں روتے ہو تو عرض کیا کہ ہم بھی دو بھائی تھے ایک میرا بہت ہی پیارا حسین و جمیل
نیک طیب طاہر بھولا بھالا بھائی تھا جن کو یہ بھائی جنگل میں لے گئے تھے اور شام کو خون آلود کرتہ لاکر کہا
تھا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا اگر آج وہ ہوتا تو میں بھی اکیلا نہ ہوتا مجھے میرا بھائی ہر وقت یاد آتا ہے حضرت بنیامین اتنا
روئے کہ بیہوش ہو گئے گلاب چھڑک کر ہوش میں لایا گیا تو حضرت یوسف نے فرمایا اچھا تم میرے ساتھ رہو گے
پھر خلوت میں کچھ باتیں ہوئیں یہی مطلب ہے فرمان مقدس کا کہ اور جب سب داخل ہوئے یوسف کے دربار میں
تو یوسف نے اپنے بھائی بنیامین کو اپنے پاس جگہ دی۔ مصر میں اگر تین دفعہ حضرت بنیامین بہت روئے۔
پہلی بار جب دروازۂ مصر میں داخل ہونے لگے تو شام کا وقت تھا اور باقی دوسرے بھائی تین تین ہو کر دوسرے
دروازوں کی طرف چل پڑے بنیامین اکیلے اجنبی شام کا اداس وقت تن تنہا اس وقت بھائی یوسف کو یاد کر کے
روئے کہ اگر میرا بھائی یوسف ہوتا تو مجھ کو اس طرح اکیلا نہ چھوڑتا مفسرین فرماتے ہیں کہ یہیں حضرت یوسف کی
ملاقات تنہائی میں ہو گئی تھی کیونکہ یہ دروازہ محل شاہی کے قریب تھا اور حضرت یوسف اس طرف آئے ہوئے
تھے کہ اتفاقی ملاقات ہوئی جس کی غیبی خبر کا اشارہ حضرت یعقوب پہلے فرما چکے تھے۔ اسی مقصد یعقوبی کا ذکر رب
تعالیٰ نے اِلَّا حَاجَةً فِیْ نَفْسِ یَعْقُوْبَ (الخ) اور لَذُوْ عِلْمٍ کہہ کر فرمایا۔ دوسری بار یہ کمروں کی تقسیم
کے وقت۔ اس وقت حضرت یوسف نے یہ بھی پوچھا کہ اے بنیامین تمہاری شادی ہو چکی ہے عرض کیا ہاں اور
تین لڑکے سات لڑکیاں ہیں۔ اور میں نے اپنے بیٹوں کے نام اپنے بھائی کے واقعے کے مطابق رکھے ہیں۔ ایک کا لقب ذئب رکھا
ہے۔ کیونکہ کہا گیا تھا ذئب نے کھایا ہے ایک کا لقب دم رکھا ہے کیونکہ دم یعنی خون ہی قمیض لگا کر لائے تھے تیسرے کا
نام یوسف ہے یہ سن کر حضرت یوسف بھی رونے لگ گئے اور دل میں سوچنے لگے کہ جب بھائی کو اتنا غم ہے تو
والد محترم کو کتنا غم ہوگا۔ تیسری بار۔ پہلی دفعہ سب بھائی کھانے کے لیے بیٹھے تو ایک ایک پلیٹ میں دو۔ دو
آدمی کھانے کا اہتمام تھا یہ دس بھائی دو دو ہو گئے اور یہاں بھی بنیامین اکیلے رہ گئے تو رو پڑے حضرت یوسف
نے کہا اے بنیامین کیوں روتے ہو عرض کیا کاش آج یوسف ہوتے تو میں اکیلا نہ رہتا۔ حضرت یوسف پاس آ
کر بیٹھ گئے اور فرمایا مجھے تیرا بار بار غمزدہ ہونا اور رونا نہیں دیکھا جاتا اگر میں تیرا بھائی بن جاؤں تو کیسا ہے۔ عرض کیا آپ
کے بھائی بننے پر کس کو ناز نہ ہوگا مگر یعقوب کی ولدیت اور راحیل کا لخت جگر ہونا تو آپ کو میسر نہیں اس کے بعد حضرت
یوسف نے ساتھ کھانا شروع کیا یہ وقت تھا جب حضرت یوسف بنیامین کے بہت قریب ہوئے۔ اب بنیامین
نے جب غور سے دیکھا تو دیکھتے ہی چلے گئے حضرت یوسف نے فرمایا اے بنیامین کھانا کھاؤ مجھ کو کیا دیکھے جا رہے

ہو۔ عرض کیا اے عزیز مصر اے بادشاہ۔ اے محسن مجھے آپ کا چہرہ اپنے بھائی یوسف سے کچھ ملتا جلتا نظر آتا ہے اس لیے جی بھر کے یہ چہرہ دیکھ لینے دیجئے۔ حضرت یوسف تڑپ گئے مگر ضبط کیا اور فرمایا اے بنیامین کھانا کھاؤ۔ کھانے کے بعد آپ نے نہایت آہستہ سے دعا مانگی کہ الٰہی اِن دکھوں اور غموں والی جدائیوں کو ختم فرما دے۔ روایت ہے کہ پھر ربی القا ہوا کہ اے یوسف صابروں کے سردار تمہاری دعا قبول ہے جدائی ختم اب اپنا آپ صرف اپنے بھائی پر ظاہر کرو اور کسی کو ابھی نہ بتانا۔ تب آپ نے فرمایا۔ اِنِّیۤ اَنَا اَخُوْكَ (الخ) اے بنیامین اب غمزدہ مت ہونا دیکھ میں ہی تیرا بھائی یوسف ہوں۔ بھائیوں نے جو ظلم کیئے اس کا غم نہ کرنا۔ اللہ اکبر کبیرا۔ کیا وہ وقت ہوگا اور اس خبرِ عظیم سے بنیامین کے دل پر کیسی شادمانی چھائی ہوگی اس کو قلم لکھنے سے عاجز ہے صاحبِ درد ہی جانتا ہے کہ جب درد کا درماں ہو جائے اور مشکل کا مشکل کشا آجائے ہجر کے بعد وصل مل جائے تو پھر کیفیت کیا ہوتی ہے بس اس اچانک خوشخبری سے بنیامین پر نیم غشی کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ جب افاقہ ہوا تو بنیامین نے عرض کیا اب تو میں تم سے جدا نہ ہوں گا۔ کیونکہ مجھے ان سے یہ خطرہ ہے کہ جب آپ سے والد محترم نے محبت کی تو انہوں نے آپ کو نقصان پہنچایا اب آپ نے کل سے مجھ پر مہربانی فرمائی ہے جس کو یہ بھائی دیکھ رہے ہیں ہو سکتا ہے ان کو پھر حسد لگ جائے اور یہ مجھ پر بھی راستے میں ظلم کریں (دکھ) مگر آپ نے فرمایا اے بنیامین تم اس کا غم نہ کرو جو یہ پہلے کرتے رہے اور ابھی اس راز کو کسی پر ظاہر نہ کرنا اس کا ابھی وقت نہیں آیا میں تم کو ابھی روک نہیں سکتا ورنہ کوئی وجہ بتانی پڑے گی اور راز فاش ہونے کا اندیشہ ہے۔ ہاں اللہ ربّ العزت مسبّب الاسباب ہے۔ اس وقت حضرت یوسف کی عمر اکتالیس (۴۱) سال تھی بنیامین کی تقریباً ۳۷ سال آپ چار سال تقریباً چھوٹے تھے جدائی کے وقت حضرت یوسف گیارہ سال بنیامین سات سال کے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ أَخِيهِ ثُمَّ أَذَّنَ مُؤَذِّنٌ أَيَّتُهَا الْعِيرُ إِنَّكُمْ لَسَارِقُونَ حسبِ قانون دو یا تین دن رکھ کر پھر جب سامان (غلہ کی بوریاں) اُن کے لیے تیار کیا گیا تو ڈال دیا قدرت الٰہیہ نے یا ڈال دیا بھولے سے ناپنے والے ملازم نے یا ڈال دیا خود حضرت یوسف نے بنیامین سے طے شدہ پروگرام کے مطابق یا ڈال دیا بنیامین نے ہی اسی پروگرام کے مطابق آخری بوری یوسف کے بھائی کے غلہ میں۔ بادشاہی گلاس جو اسی ناپنے کے لیے بہت بڑا مضبوط اور قیمتی خوبصورت بنوایا گیا تھا اس پر شاہی مہر بھی لگی ہوئی تھی ایک صاع گندم اس میں آتی تھی یعنی ساڑھے چار سیر آج کل کے تقریباً چار کلوگرام۔ پینے والے گلاس کی شکل کا تھا اس لیے اُس کو سقایہ کہا جاتا تھا اس میں اور بھی قول ہیں مگر یہ ہی معتبر ہے۔ بعض نے کہا کہ اُس سے پہلے بادشاہ پانی پیا کرتا تھا پھر ان قحط کے ہنگامی دنوں میں ادھر استعمال ہونے لگا مگر یہ یقینی نہیں بلکہ غلط ہے اتنا بڑا گلاس انسانی پینے کے لیے نہیں یہ تو پوری بالٹی برابر تھا بالٹی سے کون پیتا ہے۔ بعض نے کہا یہ جانوروں کو پلانے کے لیے تھا پھر ناپنے کے لیے

استعمال ہونے لگا۔ مگر یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ جانوروں کا برتن خوبصورت اور قیمتی نہیں ہوتا اور پھر گم ہونے پر اتنا ڈھونڈھا بھی نہ جاتا نہ عملے کو پریشانی ہوتی۔ لیکن یہ پیالہ رکھا کس نے اس میں مفسرین کے مندرجہ بالا چار قول ہیں لیکن بہر حال کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی اور برادرانِ یوسف کا قافلہ مع دیگر لوگ اس علاقے کے اہل قافلہ کے ساتھ چل پڑا۔ اور کارندے دوسرے خریداروں سے بات چیت لین دین میں مشغول ہو گئے جب دوسروں کو ناپ کر دینے کا وقت آیا تو وہ گلاس پیالہ ڈھونڈنے سے نہ ملا تب اس شاہی پیمانے اور عزیز مصر کے خوف سے کارندے دوڑ پڑے کہ ہو نہ ہو یہی لوگ خوبصورت اور قیمتی ہیروں یا موتیوں جڑا گلاس چرا کر چھپا کر لے گئے پھر قریب پہنچ کر آواز دی ایک آواز دینے والے نے جو اس عملے کا ذمہ دار افسر تھا۔ اے اونٹوں کے قافلے والو کیا بیشک تم ہی چور ہو۔ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ. بولے وہ سب قافلے والے اور پہلے متوجہ ہوئے سب قافلے والے اُن اعلان اور آواز دینے والے شخص اور اس کے ساتھیوں کی طرف۔ بولے یہ کہ کیا گم پاتے ہو تم۔ یا تو یہ قول سب قافلے والوں کا ہے یا صرف برادران یوسف کا ہے کیونکہ آخری غلہ انہی کا ناپا گیا تھا اور کارندے انہی کی طرف قریب بھی تھے اور انہی کی طرف توجہ اور مخاطب تھے۔ صحیح یہ ہے کہ پہلے متوجہ ہوئے پھر بولے۔ اور متوجہ تو سب ہوئے مگر بولے صرف بھائی۔ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ. وہ سب کارندے جو پیالہ گم ہو جانے کی وجہ سے عزیز مصر کے خوف سے انتہائی پریشان تھے بولے ہم بادشاہ کا صاع گم پاتے ہیں اب ہم کس سے ناپ کر دیں گے اور قیمتی بھی بہت زیادہ ہے تم ہی لوگ آخر ہی آئے ہو مہربانوں دوستو اگر تم میں سے کوئی وہ گلاس ہم کو خود بخود دیدے تو انعام میں ایک غلہ اونٹ اس کو دیا جائے گا۔ اور پہلا اعلان کرنے والا افسر بولا یہ انعام دلوانا میری ذمے داری ہے خواہ مجھ کو اپنے پاس سے خرید کر دینا پڑے میں معتبر اور ذمہ دار افسر ہوں۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ اپنی نیکی دوسرے کا گناہ بھول جانا چاہیے وہ سبق اور فائدہ آیت میں فلا تبتئس (۶۹) فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ کسی گروہ یا جماعت میں سے کسی ایسے شخص کو جس میں کچھ خصوصی صفات ہوں اہمیت دینا چاہیے اور اس لائق قدر اور قابلِ عزت شخص کو خصوصی مراعات سے نوازنا بہتر ہے اسی طرح کسی کو مہمان خصوصی بنانا بھی جائز ہے اس میں کسی شخص کی حق تلفی نہیں ہوتی۔ یہ فائدہ آوٰی الیہ سے حاصل ہوا کہ حضرت یوسف نے شاندار میزبانی تو سب کی کی مگر بنیامین کو خاص اپنے پاس جگہ دینا بہت سی ظاہر و باطنی وجود کی بنا پر تھا اس خصوصی عزت افزائی کا حکم احادیث پاک میں بھی آیا ہے دیکھو ہماری کتاب محفل میلاد۔ وہ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ وفد میں سے کسی

کو خاص اہمیت مت دو یا ان دوستوں ساتھیوں میں سے علیحدہ ہو کر کوئی خفیہ گفتگو نہ کریں۔ یا تا منی مقتدے وعوں میں سے کسی سے علیحدہ بات نہ کرے وہ اس کے خلاف نہیں لہٰذا علما یا مشائخ کی خصوصی عزت کرنا چاہیے۔ گروہ کے دوسرے ساتھیوں کو حسد یا ناراضگی نہیں کرنی چاہیے۔ **تیسرا فائدہ**۔ اگر کسی نیک انسان کو تہمت لگ جائے یا لگنے والی ہو تو اُس کو نہایت تحمل بُردباری اور غور و فکر سے اُس کے دور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے ایسے موقعے پر جوش و جذبہ یا غصہ کرنا نقصان دہ ہے یہ فائدہ قَالُوْا وَ اَقْبَلُوْا فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کسی شخص کے ذاتی فائدے کے لیے اُس کی اجازت سے اُس پر کسی جرم کی بناوٹی تہمت لگانا شرعاً جائز ہے۔ یہ مسئلہ جُعَل کی مشہور تفسیر سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ کسی جرم کے ظاہر ہونے پر شک کی بنا پر مشکوک آدمی کو مجرم کہہ دینا شریعت اسلامیہ میں جائز ہے یہ مسئلہ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ سے مستنبط ہوا۔ ورنہ حضرت یوسف اِس کہنے والے کو سزا دیتے کیونکہ سب تو چور ثابت نہ ہو سکے تھے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کسی چیز کے لینے کے لیے انعام کی شرط لگانا۔ اور انعام کا ضامن ذمہ دار بننا جائز ہے اور فقط زعیم یا ذمہ دار یا ضامن ہوں کہہ دینا شرعاً ذمہ دار بنا دیتا ہے اور اس پر ذمہ داری واجب ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ اَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ سے مستنبط ہوا۔ ضمانت اور شرط کے پورے مسائل ہدایہ اور دیگر کتب فقہ میں دیکھو۔ اسی طرح جنگ و جہاد کے موقعہ پر انعامات یا تمغوں کا اعلان کا جواز بھی اسی آیت سے مستنبط ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ تفسیر سے ثابت ہوا کہ حضرت یوسف نے پیالہ چھپایا یہ کام فریب ہے جو شان نبوت کے خلاف ہے۔

جواب۔ جُعَل کی چند تعبیریں ہیں ایک یہ بھی ہے جو معترض نے بیان کی اگر اس تفسیر کو تسلیم کیا جائے تب یہ اعتراض پڑتا ہے اور جواب یہ ہے کہ فریب وہ ہوتا ہے جس کا خاص کر فریب خوردہ کو پتہ نہ ہو۔ مگر یہاں جس کو اس کام کا نقصان ہونا ہے اس کو پتہ ہے اُس کی مرضی سے ہو رہا ہے لہٰذا جائز ہے

دوسرا اعتراض۔ تفاسیر میں ہے کہ حضرت یوسف کے حکم سے افسر نے آواز دی کہ اِنَّكُمْ لَسَارِقُوْنَ۔ تم چور ہو۔ یہ جھوٹا بہتان۔ تہمت اور بیگناہوں کو ستانا ہے جو سراسر ظلم ہے۔

جواب۔ امام ابن ابی بکر رازی نے اس کے تین جواب دیے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ سب کام حیلہ شرعی ہے اور جائز ہے۔ جیسے ایوب علیہ السّلام کے لیے ان کی بیوی کے سو کوڑوں کی قسم پوری کرنے کے لیے رب تعالیٰ نے جھاڑو مار دینے کا حکم دیا۔ اور حضرت ابراہیم کا اپنی بیوی کو بہن کہہ دینا۔ اسی طرح شریعت اسلامیہ میں کسی کو بچانے کے لیے

یا خود بچنے کے لیے حیلہ کرنا جائز ہے دوسرا جواب یہ کہ یہ کام اعلانچی نے خود کیا حضرت یوسف نے اس کا حکم نہ دیا تھا۔ تیسرا جواب یہ کہ حضرت یوسف نے اُن کے سابقہ ظلموں کی مشابہت دیتے ہوئے یہ لسارقون کا لفظ توریۃً کہلوایا۔ یعنی تمہارے تمام کام چوروں جیسے ظالمانہ ہیں۔ ہم نے اپنی تفسیر میں اس جملے کو سوالیہ انشائیہ بنالیا ہے تب کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ تیسرا اعتراض۔ جب پہلے کہدیا گیا تم چور ہو پھر انعام دینے کی ضمانت دینا کیا حیثیت رکھتا ہے چور کو انعام دینا درست نہیں ہے۔ جواب۔ قانونِ شریعت کے مطابق جب تک مقدمہ عدالت میں نہ جائے مجرم کو بچانا اس سے مال نکلوانا یا اقرارِ جرم کے لیے کوئی لالچ دینا جائز ہے اور چھوڑ دینا جائز ہے۔ نیز کارندوں کو صحیح تو معلوم تھا نہیں کہ یہ چور ہیں یا نہیں ان کا مقصد مال برآمد کرنا اور جلدی ملنا تھا اس لیے فوراً یہ کہا گیا کہ دیکھو اگر ہماری تفتیش کے بغیر ہی تم دیدہ پتہ بتادو تو ہمارا ابھی وقت بچے کا پریشانی دور ہوگی اور تمہاری بھی عزت رہے گی اس کے لیے تم کو انعام بھی دیں گے۔ گویا وہ ہماری نظروں میں چور ہی نہ ہوگا۔ آج بھی مجرموں میں سے کچھ کو وعدہ معاف گواہ بنالیا جاتا ہے اس کی شرعی اصل یہی آیت ہے اس سے مجرم کا اصلی اور جلدی سے پتہ لگ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَلَمَّا دَخَلُوۡا عَلٰی یُوۡسُفَ اٰوٰۤی اِلَیۡہِ اَخَاہُ قَالَ اِنِّیۡۤ اَنَا اَخُوۡکَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ہزاروں محنتوں مشقتوں ریاضتوں مجاہدوں کے بعد پھر کبھی مردانِ راہِ خدا پر وہ وقت آتا ہے کہ حجابِ ازلی ٹوٹتا ہے اور پردۂ فراق اٹھتا ہے۔ عسرتِ فراق کے بعد جب بارگاہِ وصل میں داخلہ نصیب ہوتا ہے تو خوش نصیب کو پہلی دفعہ ہی باریابی نصیب ہو جاتی ہے۔ اسرارِ ذات کا یہی اشارہ ہے۔ دنیا میں بھائی بنانے والا باپ ہوتا ہے اور بھائی بننے والے اولاد ہوتے ہیں مگر راہِ سلوک میں بھائی بنانے والا مرشدِ کامل اور بھائی بننے والے مریدین اور طالبانِ حق ہیں۔ دنیا کی برادری نسب سے ہے عقبیٰ کی برادری حسب سے ہے علماءِ شریعت فرماتے ہیں کہ ایک نطفے کی اولاد بھائی ہے۔ صوفیا فرماتے ایک مشرب کی مخلوق بھائی ہے۔ محافلِ دنیا میں نسبی بھائی کو مقامِ شرافت دیا جاتا ہے مگر مجلسِ طریقت و حقیقت میں دروازۂ معرفت والے کو بھائی بنایا اور اپنے قربِ خاص میں جگہ دی جاتی۔ عالمِ ناسوت کی جان پہچان تو میت اور رنگ ڈھنگ شکل و شباہت سے مگر عالمِ لاہوت کی جان پہچان عشق و جذباتِ الفتِ ایمان۔ محبتِ عبادات و مجاہدات سے ہے وہاں تو تعلقِ الٰہی دیکھا جاتا ہے۔ خلوصِ نیت کو اَنَا اَخُوۡکَ کا تمغہ اور لقب دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اے مردانِ راہِ خدا دنیوی رشتوں کے جڑنے ٹوٹنے کی پرواہ نہ کرو اس رشتۂ قدسی کی فکر کرو جو ابدی ہے جس کو فَلَا تَبۡتَئِسۡ کی قوت ہے۔ جس کو کبھی فنا کا غم نہیں۔ جس کو قلبِ رحمانی عرشِ یزدانی کا رشتۂ اخوت مل گیا پھر اس کو اہلِ دنیا کی طرف سے مصائب و تکلیف حسد و بغض کا خیال تک نہیں رہتا۔ گہوارۂ محبوب کی ایسی میٹھی نیند ہے کہ سارے

غم غلط ہو جاتے ہیں اے اللہ ہم کو بھی یہ آواز و پر بہار عطا فرما ۔ فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ فِي رَحْلِ اَخِيهِ ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۔ آستانہ کبریائی کی عجیب شانیں ہیں جو محبت کا قدم بڑھاتا ہے اسی کو مصائب کے ابتلا کی سزائیں ملتی ہیں بر ہابیل عشق بنا اسی کو ذبح کرایا گیا جو یامین خلوص بن کر آیا اسی کو چور بنا کر پکڑا ۔ جو شیدا ہوا اسی کے خزانہ عبادات میں ملامتوں کا پیالہ چھپایا گیا ۔ مدرسہ عشق کا سبق جس نے یاد کیا اسی کو چھٹی نہ ملی ۔ پھر اس کے عشق کی لذت کمال تو یہ ہے کہ مبتلا اس ابتلا پہ راضی مقتول خنجر الفت اس قتل پر مسرور ۔ اور ایسا خوش کہ ہر ضرب پر کہتا ہے میرے مولا میرے پتھر بھی اچھے تیرے اس عشق کے کنکر بھی اچھے بنیامین عشق قرب ، معرفت اور وصل دوست کے حصول کی خاطر پر ملامت جھیلنے کو تیار ہے ۔ بغیرت کے ہزار دل پھول اپنائیت کے ایک کانٹے پر قربان کر دینا ہے ۔ اے مردان خدا عشق و خلوص کا ساتھ دینا ہے تو سب کو چور بننا پڑے گا اور ناکردہ گناہ کا طوق رسوائی گلے میں ڈالنا پڑے گا اَيَّتُهَا الْعِيْرُ اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۔ اے قافلے والو تم سب ہی چور ہو ۔ صحبت کا خمیازہ تو بھگتنا ہی پڑے گا ۔ قَالُوْا وَاَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا تَفْقِدُوْنَ ۔ اس منزل عشق الفت میں اسی چیز کو پرکھا جاتا کہ کون عشق کی رمزوں کا شناسا ہے کون بے خبر ہے ۔ جو بے خبر ہے وہ بول پڑتا ہے خالی دعویدار ہے محروم معرفت رہتا ہے اسے کسی گم شدہ کی تلاش کرنے والو تم کس کو گم پاتے ہو ۔ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ وَّاَنَا بِهٖ زَعِيْمٌ " عشق کا امتحان لینے والوں نے کہا ہم شاہ عشق کا پیمانہ صبر گم پاتے ہیں ۔ جو واپس دے گا یا پتہ بتائے گا اس کو دولت دنیا سے مالا مال کر دیا جائے گا ۔ ہم اس کے راز کو خفیہ رکھنے کے ذمہ دار ۔ مسافر معرفت کے لیے سب سے کڑی آزمائش دنیا کی جھلک ہے ۔ ناپختہ کار اسی بھنور میں پھنس کر وادی فنا کی ابدی گہرائی میں گم ہو جاتا ہے ۔ لیکن عاشق صادق ہر آواز پر کان بند کرتا ہے اور خاموشی سے امانت عشق پیمانہ ملامت چھپائے رکھتا ہے ۔ اسی لیے اس کو قرب وصل ملتا ہے ۔ یہ آیت الٰہیہ تصوف کے عظیم سبق دے رہی ہے ۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ

بولے وہ قسم اللہ کی البتہ بے شک تم جان لیا نہیں آئے ہم کہ ہم فساد کریں

بولے خدا کی قسم تمہیں خوب معلوم ہے کہ زمین پر فساد کرنے نہ

فِي الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ قَالُوْا فَمَا

میں زمین اور نہیں تھے ہم کبھی چور۔ بولے درباری تو کیا ہو

آئے اور نہ ہم چور۔ بولے بُچھ کیا

جَزَآؤُهٗ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿٧٤﴾ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ

بدلہ اس کا اگر ہو تم جھوٹے۔ بولے بھائی بدلہ اس کا

سزا ہے اُس کی اگر تم جھوٹے ہو۔ بولے اس کی سزا یہ ہے

مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ ۭ كَذٰلِكَ

وہی شخص جسے پایا جائے پیالہ میں بوری جس کی تو وہ بدلہ ہے اُس کا۔ اسی طرح

کہ جس کے اسباب میں ملے وہی اس کے بدلے میں غلام بنے ہماے

نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿٧٥﴾ فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ

بدلہ دیتے ہیں ہم ظالموں کو۔ تو درباری نے تلاشش کیا میں سامان اُن کے

یہاں ظالموں کی یہی سزا ہے۔ تو اوّل اُن کی خورجیوں سے

قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ

پہلے سامان بھائی اُس کے پھر نکال لیا اُس کو سے

تلاشی شروع کی اپنے بھائی کی خورجی سے

وِّعَآءِ اَخِيْهِ ۭ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ ۭ مَا كَانَ

سامان بھائی اُس کے اسی طرح تدبیر بتائی ہم نے کیلئے یوسف کے نہیں تھے

پہلے پھر اُسے اپنے بھائی کی خورجی سے نکال لیا ہم نے یوسف کو یہی تدبیر بتائی بادشاہی

لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَنْ يَشَاءَ

کہ لے لیتے بھائی کو اپنے میں دین بادشاہ مگر یہ کہ چاہتا ہو

قانون میں اُسے نہیں پہنچتا تھا کہ اپنے بھائی کو لے لے مگر یہ کہ

اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَنْ نَشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ

اللہ ۔ بلند کرتے ہیں ہم بہت درجے جس کو چاہیں ہم اور اوپر ہر

خدا چاہے ہم جسے چاہیں درجوں بلند کریں اور ہر

ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ (۷۶)

والے علم کے ایک بےحد علم والا ہے

علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں جس طریقے کا ابتدائی ذکر ہوا تھا ان آیات میں اسی کے تتمے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں ذکر تھا کہ بنیامین کو بھیجتے وقت حضرت یعقوب نے ان ہی اپنے بیٹوں سے پکا وعدہ واپس لانے کا لیا تھا جس کی بنا پر وہ بنیامین کو واپس لانے پر شرعی طور پر مجبور تھے اب ان آیت میں حضرت یوسف کی اُس قانونی اور شرعی گفتگو کا ذکر ہے جس میں حضرت یوسف نے ان بھائیوں سے پوچھا جس کی بنا پر وہ بھائی بنیامین کو چھوڑنے پر شرعاً مجبور تھے

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں حضرتِ یوسف کے بنیامین کو روکنے کا ایک انوکھا طریقہ مذکور تھا پتہ لگتا تھا کہ یہ طریقہ خود حضرتِ یوسف کی سوجھ بوجھ کا نتیجہ ہے۔ مگر ان آیات میں بتایا گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام کے ذریعے بتایا گیا:

تفسیر نحوی وَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوسُفَ آوٰى إِلَيْهِ أَخَاهُ قَالَ إِنِّي أَنَا أَخُوكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ۔ قَالُوا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِي الْأَرْضِ وَمَا كُنَّا سَارِقِينَ **قالوا فعل ماضی بصیغہ مذکر** غائب قول ہے برادرانِ یوسف کا اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر الف آخری تفخیم کے لیے ہے باب نصر سے ہے تاللّٰہ ۔ تَ یہ نحاتِ بصرہ کے نزدیک اصل حرفِ قسم صرف واو ہے ۔ ب اور ت اس کے

جملے میں ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ تینوں حرف اپنی جگہ مستقل حروفِ قسم ہیں یہ قسم تعجب کیلئے ہے تمام حروفِ
قسم جارہ ہوتے ہیں۔ لفظِ اللہ اس کا مجرور ہے لَقَدْ عَلِمْتُمْ لام تاکید قسم کے لیے ہے قَدْ عَلِمْتُمْ ماضی
قریب ہے۔ یعنی اے درباریو تم نے ہماری آمدورفت سے ابھی ابھی جان ہی لیا ہے۔ مَاجِئْنَا۔ فعل ماضی مطلق
منفی بصیغہ جمع متکلم فاعل برادرانِ یوسف یہ سب عبارت جوابِ قسم ہو کر مقولہ ہے قَالُوْا کا عَلِمْتُمْ کا
مفعول بہ ہے لِنُفْسِدَ لام بیئہ۔ فی ظرفیہ بمعنی علی الْاَرْضُ بمعنی تمام روئے زمین اپنے اصل معنے میں ہے
الف لام جنسی ہے۔ وَمَاكُنَّا۔ واؤ عاطفہ کُنَّا فعل ناقصہ اس کا اسم نا ضمیر متکلم مرفوع مستتر یہ فعل ماضی مطلق اور نُفْسِدَ
معطوف علیہ بمعنی مستقبل۔ فَسَادٌ سے بنا ہے۔ بمعنی بگاڑنا۔ پریشان کرنا۔ کسی کو اس کی مفید جگہ سے اٹھانا۔
دکھ دینا۔ یہاں آخری معنی مناسب ہیں۔ سارقین۔ جمع ہے سارقٌ کی۔ سَرْقٌ سے بنا ہے۔ بمعنی چوری کرنا۔
فاعل کرنا۔ کمزور ہونا چھپنا (المنجد لیط) یہاں پہلے معنی مراد ہیں اور وہی زیادہ مشہور و مستعمل ہیں۔ شریعت میں کسی
کی محفوظ یا قیمتی چیز کو حفاظت کے اندر سے بغیر رضاء مالک لے جانا سَرْقٌ ہے۔ یہ اسم فاعل ہے بصیغہ جمع
نسبت تمام برادرانِ یوسف کی طرف۔ ترکیباً خبر ہے کُنَّا فعل کی بحالتِ زبر ہے۔ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗ اِنْ
كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ قَالُوْا کا فاعل اہلِ دربار خدام ہیں یہ گفتگو جواباً ہے۔ فَمَا: فَ تعقیبیہ مَا سوالیہ یہاں ایک فعل
یُجْزٰی یا یُبْدَلُ یا یَكُوْنُ تامہ پوشیدہ ہے۔ جَزَآؤُهٗ اس کا فاعل ہے۔ ہٗ ضمیر غائب مجرور متصل کا
مرجع سارق یا یہ تم لوگوں کا جھوٹ۔ یہ عبارت جزاء مقدم ہے۔ اِنْ حرفِ شرط كُنْتُمْ۔ فعل ناقصہ۔ ضمیر جمع پوشیدہ
اَنْتُمْ اس کا اسم كٰذِبِيْنَ جمع ہے كَاذِبٌ کی بحالتِ زبر ہے کیونکہ خبر ہے فعل ناقص کی قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ
فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ۔ قَالُوْا۔ یہ فعل قول ہے جواب الجواب برادران کا۔
جَزَآؤُهٗ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ مَنْ موصولہ اپنے پورے صلہ سے مل کر خبر ہے مبتدا کی وُجِدَ فعل ماضی مجہول۔
هُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل کا مرجع مَنْ ہے فی ظرفیہ اپنے معنی میں ہے۔ فَ سببیہ یعنی اس وجہ سے هُوَ کا مرجع
وہی مَنْ یعنی چور یہ مبتدا ہے جَزَآؤُهٗ اس کی خبر ہے۔ یہ دہرا جملہ خبریہ شدت کلام کے لیے ہے۔ یعنی بس یہی
اس کی جزا ہے۔ دراصل یہ عبارت تھی فَهُوَ هُوَ۔ یعنی وہ چور خود ہی اپنی جزا ہے۔ یہاں جزا بمعنی سزا ہے۔ اور یہ
الفاظ شدت اور تکرار کی وجہ سے تتمہء کلام سوال و جواب ہو گیا۔ کَذٰلِكَ حرف تشبیہ ہے مشبہ بہ جزا ہے۔ اسی دلیل سے
بعض نحویوں نے فرمایا کہ پہلا جَزَآؤُهٗ برادرانِ یوسف کا قول ہے اور فَهُوَ جَزَآؤُهٗ خدام کا کلام تائیدی طور پر۔ یعنی
جب بھائیوں نے کہا کہ وہی چور اس چوری کا بدلہ ہے تو خدام دربار نے کہا ہاں واقعی یہ ہی جزا ہے۔ یہ اگلی سب
عبارت بھی خدام دربار کا مقولہ ہے۔ یہاں قَالُوْا یا قَالَ مُؤَذِّنٌ پوشیدہ ہے نَجْزِیْ۔ فعل مضارع بصیغہ جمع
متکلم بمعنی ماضی یا بمعنی مستقبل ہے۔ یعنی شروع سے دیتے رہتے ہیں یہ سزا یا اس کو یہ دیں گے یا آئندہ سب ظالمین

کو یہ ہی سزا دیا کریں گے الظّٰلمین۔ الف لام استغراقی ہے۔ جمع ہے ظالم کی۔ ظلم سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا اپنا یا کسی کا فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِعَاءِ اَخِیْهِ كَذٰلِكَ كِدْنَا۔ ف تعقیبیہ بَدَاَ فعل ماضی بَدْءٌ مہموز اللام سے ہے باب فَتَحَ سے بمعنی ظاہر ہونا۔ شروع کرنا۔ تلاش کرنا۔ یہاں تلاش کرنا مراد ہے۔ مثل اَسَرَّ کے یہ بھی دو معنی میں آجاتا ہے یعنی ابتدائی تلاش۔ جیسے کہ اَسَرَّ رات کی سیر۔ اَوْعِیَة جمع ہے وِعَاءٌ کی بمعنی بڑا تھیلا جس میں مسافر کا سارا سامان آجائے۔ بستر بند کو بھی آج کل کہہ دیتے ہیں۔ یہاں مراد گندم کی بوریں ہیں ہم ضمیر کا مرجع سوتیلے بھائی بن یامین کے۔ قَبْلَ ظرف ہے بَدَاَ کا وِعَاءِ اَخِیْهِ پورا مرکب اضافی مضاف الیہ ہے قَبْلَ کا اَخٌ اسماء ستہ میں سے ایک ہے بحالت جر بوجہ اضافت۔ ہٖ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں۔ ثُمَّ برائے تراخی یعنی دیر کے بعد اِسْتَخْرَجَ فعل ماضی مطلق باب استفعال متعدی ہے بیک مفعول۔ ھَا ضمیر مونث، غائب اس کا مفعول بہ ہے مراد گمشدہ پیالہ ہے کیونکہ صُوَاع مذکر مونث دونوں طرح ہے بعض نے کہا ھا سے سرقہ ہے۔ مِنْ جارہ ظرفیہ بمعنی فی۔ وِعَاءِ بحالت زیر بوجہ مِنْ۔ ایک قرأت میں اِعَاءٌ ہے۔ مگر اصلیت وِعَاءٌ ہے واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا کیونکہ واؤ پر کسرہ ثقیل ہوتا ہے۔ بعض نحوی اس کو ضمہ سے وُعَاء پڑھتے ہیں (تفسیر ابی البقاء ص۳۴۹) كَذٰلِكَ حرف تشبیہ بمعنی اسی طرح اس کا مشبہ بہ سابقہ کلام ہے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ كِدْنَا۔ فعل ماضی مطلق باب باعَ سے ہے۔ كَیْدٌ اجوف یائی سے بنا ہے۔ بمعنی دھوکہ حیلہ۔ نتیجہ کوشش۔ مقصد پالینا۔ برائی سے بچنے کا طریقہ بتانا۔ کامیابی کی خفیہ تدبیر بتانا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ ہی مراد ہیں۔ اس کا فاعل ضمیر متکلم کا مرجع ذات باری ہے۔ لِیُوْسُفَ۔ لام حرف جر بمعنی مفعولیت یوسف بحالت جر ہے بوجہ لام مگر ظاہراً زبر ہے بوجہ غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ۔ مَا نافیہ۔ یہ سب عبارت كِدْنَا کا بیان ہے۔ كَانَ اسم ہے۔ جب مضارع کے ساتھ آتا ہے تو علامت استمراری بن جاتا ہے اور جب ماضی مطلق کے ساتھ لگتا ہے تو اس کو بعید بنا دیتا ہے۔ گویا کہ كَانَ اپنی پوری گردان کے ساتھ اسم ہو کر ماضی میں علامت بعید ہے مضارع میں علامت ماضی استمرار ہے اور علیحدہ اکثر فعل ناقصہ ہے کبھی کبھی فعل تامہ ہے۔ لِیَاْخُذَ۔ لام کئے ناصب مضارع نے یَاْخُذَ فعل مضارع کو نصب دیا۔ یہ پورا فقرہ دراصل اسی طرح تھا۔ مَا كَانَ یَاْخُذُ ماضی استمراری معروف منفی اور لام کئے برائے وضاحت۔ یعنی البتہ نہیں لے سکتا تھا یوسف اپنے بھائی کو۔ مگر اس طرح توڑ کر بیان فرمانے میں مزید شدت سے وضاحت مقصود ہے۔ اَخَاهُ۔ مفعول بہ ہے یَاْخُذَ کا فِیْ حرف جر ظرفیہ ہے۔ دِیْن۔ سے مراد مذہب اور قانون یا صرف قانون مَلِك بمعنی بادشاہ۔ اِلَّا حرف استثنا ہے یہاں استثنا منقطع ہے۔ کیونکہ یہ مطلب نہیں اگر اللہ چاہتا تو دین ملک سے اخذ ہو جاتا۔ اَنْ۔ حرف ناصب

مضارع اس نے یَّشَاءُ فعل مضارع کو زبرو یاشی ءُ سے بنا ہے بمعنیٰ مشیت یہاں مضارع بمعنیٰ حال ہے۔ اس کا فاعل ظاہر لفظِ اللہ ہے۔ نَرْفَعُ فعل مضارع کلام باری تعالیٰ ہے رَفْعٌ بمعنیٰ بلندی سے مشتق ہے۔ دَرَجٰتٍ۔ جمع ہے درجہ کی بمعنیٰ مرتبہ۔ عزت۔ شان۔ جمع مونث سالم ہے۔ بحالتِ زبر ہے بوجہ مفعول بہٖ۔ نرفعُ متعدی بدو مفعول ہے اس کا مفعول اول درجٰتٍ ہے اور مفعول دوم مَنْ نَّشَاءُ ہے۔ ایک قرأت میں دَرَجٰتِ مضاف ہے مَنْ موصول کا بغیر تنوین کے نشاءُ فعل مضارع بصیغہ جمع متکلم مرجع فاعل ذات باری تعالیٰ۔ واؤ عاطفہ یا سببیہ بمعنیٰ اس لیے یا کیونکہ۔ فَوْقَ اسم ظرف بحالتِ مبنی بر فتح مضاف کُلِّ مضاف الیہ۔ ذِیْ بحالتِ زیر کُل کا مضاف الیہ۔ اسماءِ ستہ مکبرہ سے ہے اکیلا نہیں آسکتا اس لیے علم مضاف الیہ سے جڑ کر آیا۔ ایک قرأت میں یہ لفظ عالم ہے اور ذی زائد ہے۔ یہ پوری عبارت خبر مقدم ہے اور عَلِیْمٌ بروزن فَعِیْلٌ۔ کریمٌ رَحِیْمٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔ مبتداء موخر ہے۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ۔ یہ سوالیہ تہمت سن کر وہ برادرانِ یوسف بولے اللہ کی قسم کتنا تعجب ہے کہ تم نے البتہ بیشک ابھی تک کے ہمارے تمام ظاہری حالات کو جان لیا ہے کہ کسی دفعہ بھی نہیں آئے ہم کہ فساد پھیلاتے ہم زمین میں یہ تو ہماری ظاہری عادتیں اور خصلتیں تم نے آج تک مشاہدہ کیں کہ ہم نے اپنے اونٹوں کے منہ تک باندھ دیے تھے جب کبھی شہر بستی باغات وغیرہ سے گزرتے رہے تاکہ ہمارے جانور بھی کسی دکان یا باغ یا کسی کی چھوٹی موٹی کھیتی میں منہ نہ ماریں اور ہماری باطنی حالت یہ ہے کہ ہم کبھی بھی نہ چور ہوئے نہ ہیں نہ ہوں گے۔ تاریخوں میں آتا ہے کہ برادرانِ یوسف نبی زادہ ہونے کی وجہ سے بہت ہی نیک متقی اور عبادت گزار تھے۔ اگرچہ قحط سالی کی وجہ سے عام کھیت نہ تھے مگر اونٹ عموماً درختوں پر منہ مارتے ہیں اس لیے انہوں نے تمام اونٹوں کے منہ باندھ دیے تھے۔ یہ اُن کا انتہائی زہد تھا بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ اسی چکر میں برادرانِ یوسف وہ ساری رقم واپس لے آئے تھے جو پہلے اُن کی بوریوں میں نکلی تھی اسی لیے کہہ رہے ہیں کہ تم جانتے ہو کہ ہم نہ فسادی ہیں نہ چور ہم نے تمہاری رکھی ہوئی رقم بھی تم کو لاکر واپس کر دی اب بھی تم پر تعجب ہے کہ تم ہم کو چور سمجھ رہے ہو اتنی باتیں سمجھانے کے باوجود قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ۔ بولے۔ ہم نے تمہاری باتیں تو سب سن لیں لیکن یہ بتاؤ کہ اگر تم جھوٹے ثابت ہو گئے اور ہماری تلاشی لینے کے بعد تمہارے سامان میں سے وہ پیالہ نکل آیا تو اس چور کی سزا کیا ہے۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ بولے اُس چوری کا بدلہ وہی شخص ہے پائی جائے وہ چوری شدہ چیز جس کے سامان میں سے تو وہ چور ہی اِس چوری کے جرم کا بدلہ ہے ہم تو اپنے قانون اپنی شریعت میں اسی طرح ظالموں کو مجرموں اور چوروں کو سزا دیتے

ہیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام صاحب شریعت رسول مکرم تھے اور آپ کی شریعت میں چور کی سزا چور کو غلام بنانا تھا یعنی جس کی چوری کی ہے عدالت کا فیصلہ یہ ہوتا تھا کہ چور اسی کی غلامی میں ساری زندگی گزار دے اور اس کو بیچا بھی جا سکتا تھا گویا کہ غلامیت پورے حقوق کے ساتھ ہوتی تھی روح البیان نے فرمایا کہ ایک سال کی غلامیت ہوتی تھی مگر یہ غلط ہے کیونکہ غلامیت نام ہے ملکیت تامہ کا اور ملکیت متقاضی ہے پورے حقوق کی جس میں بیچنا بھی شامل ہے ایک سال کی غلامیت میں بیچا نہیں جا سکتا اور پھر جس کا مال چوری گیا اس کو کیا فائدہ ہوا الٹا اس کو ایک سال تک کھلانا پلانا رہائش لباس کا خرچہ پڑ گیا مکمل غلامیت میں کم از کم اس کو بیچ کر اپنا نقصان تو پورا کر سکتا ہے۔ یا اس سے کاروبار کرا کر اپنا مال نکلوا سکتا ہے بعض نے فرمایا کہ ایسے غلام بیچنا منع تھا صرف خدمت لے سکتا تھا یہ سب شریعت یعقوبی کے قانون تھے مگر آج شریعت محمدی میں ہاتھ کاٹنا سزا ہے۔ اور اس وقت مصر کا قانون بھی کچھ سزا مار پیٹ اور ملک بدر کرنا تھا۔ فَبَدَأَ بِأَوْعِيَتِهِمْ قَبْلَ وِعَاءِ أَخِيهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِيهِ۔ کارندوں نے یہ بات تسلیم کر لی اور سب کو واپس لے آئے برادرانِ یوسف کے علاوہ لوگوں کو بھی اور دربار یوسفی پہنچ کر خود ہی تلاشی لی ابھی حضرت یوسف کو پتہ نہیں کہ باہر کیا ہو رہا ہے بڑے بھائی کا سامان اور بوری دیکھ کر نمبر وار سب کی بوری اور دیگر سامان دیکھا یہاں تک کہ آخر میں یا درمیان میں ہی بنیامین کا سامان دیکھا تو کسی افسر نے جو پریشانی کی وجہ سے خود ہی تلاشی لے رہا تھا یوسف کے بھائی بنیامین کی بوری میں سے وہ گلاس برآمد کر لیا۔ اب تو ان کے ہوش اڑ گئے اور شرمندگی سے ان کے سر جھک گئے کسی کو اتنا ہوش نہ رہا کہ اب اپنے بھائی کی بیگناہی ثابت کرتے ہوئے یہ کہدیں کہ جناب بوریوں کو تو ہم نے ہاتھ بھی نہ لگایا تھا آپ نے خود ہی بھر کر ہم کو دی تھیں تم نے خود ہی بھول کر یا جان کر یہ گلاس رکھا ہو گا۔ بس بنیامین کو برا بھلا کہنے لگے اور خوب بیغیرتی کی کارندوں نے سارا مقدمہ یوسف علیہ السلام کو سنایا اور بتا دیا کہ انہی لوگوں نے خود ہی یہ سزا چور کے لیے بتائی ہے کہ ہمارے قانون میں چور کو یہ سزا دی جاتی ہے۔ سبحان اللہ کیا شان ہے رب کریم کی کہ جب جدائی و فراق کی گھڑیاں تھیں تو کس طرح جدائیاں ہوتی چلی گئیں ہر ارمان چاہنے پر بھی اور اب جب کہ وصل محبوبین کا وقت بہار قریب سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے تو ارشاد باری تعالیٰ ہو رہا ہے۔ سلواے کائنات عالم كَذَٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ مَا كَانَ لِيَأْخُذَ أَخَاهُ فِي دِينِ الْمَلِكِ إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ نَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن نَّشَاءُ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ۔ اسی طرح ہم نے طریقہ تدبیر اور ارادہ اختیار فرمایا اپنے صابر۔ صدیق۔ نبی یوسف کے لیے۔ یا یہ تدبیر کہ پیالہ ہی ہماری قدرت سے رکھا گیا یا کہ قافلہ دور یا گھر پہنچنے سے پہلے ہی پکڑا گیا یا یہ کہ وہ برادران خود سزا تجویز نہ کرتے اور یوسف علیہ السلام کو خود اپنے ملک کی سزا دینی پڑتی یا معاف کرتے یا یہ کہ وہ معافی معذرت مانگ لیتے یا یہ

کہ پہلے ہی بنیامین کا سامان دیکھ لیا جاتا اور قافلے والوں کو شک گزر جاتا کہ کوئی سوچی سمجھی سکیم ہے۔ یا یہ کہ بھائی کہہ دیتے کہ بوری میں سے پیالہ نکلا ہمارا کام نہیں یا یہ کارندے پریشان ہو کر نہ دوڑتے اور خود اُن سے سزا جزا کے متعلق نہ پوچھتے۔ اگر یک لخت یہ ساری تدابیر حسنہ جمع نہ ہو جاتیں ایک بات بھی رہ جاتی تو البتہ یوسف اپنے بھائی کو ہر گز نہ لے سکتے بادشاہی دین کے قانون میں مگر یہ چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کہ بلند فرمائیں ہم مرتبے اپنے جس بندے کے چاہیں ہر لحاظ سے اور دنیا جان گئی کہ ان تمام علم عقل تدبیر کرنیوالوں سے اوپر زیادہ علم والا ہی ہے یعنی جس کو اللہ نے علیم بنایا وہ اپنی ہر شان میں ہر وقت بلند ہی رہا۔ یا یہ کہ کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ میں صاحب علم ہوں کیونکہ اُس سے بھی زیادہ علم والے موجود ہیں۔ یا یہ کہ علم علیم رب تعالیٰ ہے اور دنیا میں یہ تسلسل عطاء الٰہیہ یہ تسلسل مخلوق میں آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہوتا ہے اور موجودات میں رب تعالیٰ پر۔ یعنی ہر علم والے کے اوپر علم والا ہے خواہ کسی نوعیت کا علم ہو یا ہر شخص ایک دوسرے سے کسی علم میں نیچا ہے کسی میں اونچا۔ اور انتہا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی مخلوق کسی علم میں فوق نہیں ہے نبی کریم سے اونچا علم والا بس اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ تمام علم والوں سے اونچا فقط ایک ہی علیم ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ ذی علم اور علیم میں گیارہ طرح فرق ہے۔

۱۔ ذی علم۔ پڑھ کر یا کسی وسیلے سے علم لینے والا۔ علیم وہ جو بن پڑھے عالم ہو۔ ۲۔ ذی علم وہ جو ظاہری علم رکھے۔ علیم وہ جو ظاہری باطنی اشیاء کو جانے ۳۔ ذی علم وہ جو عطا سے علم پائے۔ علیم وہ جو ذاتی علم کا مالک ہو اس معنیٰ میں علیم رب تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے۔ ۴۔ ذی علم وہ جو معلومات سے علم پائے۔ علیم وہ جو صفات سے علم پائے ۵۔ ذی علم وہ جو علم لے سکے علیم وہ جو علم دے سکے ۶۔ ذی علم وہ جو عالم ہو علیم وہ جو معلم ہو۔ ۷۔ ذی علم وہ جس کی محنت علم ہو علیم جس کی صفت علم ہو ۸۔ ذی علم وہ جو مخلوق سے علم لے علیم وہ جو خالق سے علم لے۔ ۹۔ ذی علم وہ جو بلوغت کے بعد علم حاصل کرے علیم وہ جو بطنِ مادر میں علم پالے ۱۰۔ ذی علم وہ جس کے علم کو فنا ہو جائے علیم وہ جس کے علم کو فنا نہ ہو بلکہ ہی بقا ہو ۱۱۔ ذی وہ جس کے علم کی کوئی حد ہو علیم وہ جس کے علم کی حد نہ ہو۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ زمین میں سب سے بڑا فساد گناہ کرنا ہے کیونکہ اس سے ظاہری اور باطنی گندگی ہے۔ بزرگوں کا فرمان ہے کہ گناہ سے زمین لرز جاتی ہے۔ عوام سمجھتے ہیں کہ شاید سیاسی تخریب کار ہی فسادی ہے حالانکہ اصل فسادی فاسق فاجر اور اللہ رسول کا نافرمان شخص ہے۔ یہ فائدہ ما جئنا سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ دنیوی مصیبت سے بچنے کے لیے بندوں کے سامنے اپنی نیکی کا اظہار گناہ یا ریاکاری نہیں یہ

فائدہ لَقَدْ عَلِمْتُمْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ جو فرضی واجبی عبادت ظاہر نہ ہو وہ برباد اور جو نفلی عبادت ظاہر کردی جائے وہ برباد یہ عام حالات اور ریاکاری کی نیت سے ظاہر کرنے کا ذکر ہے اسی لیے حکم ہے نفل چھپاؤ اور فرضی جیسے نماز زکوٰۃ کو خوب مشہور کرو۔ **تیسرا فائدہ** ۔ شرعی قانون کے ہوتے ہوئے دوسرے دنیوی بنے ہوئے قانون پر عمل کرنا منع ہے اُن لوگوں کو جن کے لیے وہ شریعت الٰہیہ نازل ہوئی ہو۔ یہ فائدہ فَمَا جَزَاؤُهٗ (الخ) کی پوری آیت کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اسلامی قانون پر ہی عمل کرنا فرض ہے ۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ مجرم کی سزا کے متعلق خود مجرم یا اُس کے لواحقین سے پوچھنا جائز ہے یہ فَمَا جَزَاؤُهٗ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ جرم کی سزا صرف حاکم عدالت یا حکومت کے اراکین دے سکتے ہیں جن کو بادشاہ یا کسی بھی سربراہِ مملکت نے عدالت کا اختیار دیا ہو۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا شخص قانونی سزا نہیں دے سکتا ہاں دلوا سکتا ہے۔ اگرچہ وہ شخص حکومت کا ملازم ہو یہ مسئلہ کَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوسُفَ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ مجرم کو اُس کے دین کے مطابق سزا دینا جائز ہے اگرچہ اپنے دین یا اپنے قانون کے علاوہ ہو۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ ایک موقعہ پر آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں سے رجم کے متعلق خود اُن سے پوچھا تھا اور توریت دیکھ کر رجم کیا تھا۔ بعض علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ شریعتِ یعقوبی میں چوری صرف حق العبد تھی واللہ اعلم۔ **چوتھا مسئلہ** ۔ حق العبد والے جرم میں تعزیر ہوتی ہے اور حق اللہ والے جرم میں حد ہوتی ہے اور تعزیر کرنا شرعاً جائز ہے تعزیری سزا میں مشورہ جائز ہے نیز بندے کے نقصان والا جرم عدالت میں آنے سے پہلے صرف حق العبد ہے لہٰذا تجویز سزا کا مشورہ جائز۔ یہ مسئلہ بھی فَمَا جَزَاؤُهٗ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ لیکن حاکم کا فرض ہے کہ غیر شرع یا شریعت کے خلاف سزا نہ دے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ وَجَزَاؤُهٗ دو دفعہ کیوں فرمایا گیا جب کہ دوسری دفعہ اِسْتَخْرَجَهَا مِنْهُ کہنا کافی تھا۔ خواہ مخواہ الفاظ کی زیادتی فصاحتِ کلام کے خلاف ہے۔

جواب ۔ خواہ مخواہ نہیں بلکہ بہت ضروری تھا کیونکہ تفتیشِ جرم کا مرحلہ تھا اور کسی کو مجرم بنانا بہت نازک کیفیت ہوتی ہے اس لیے اگر وضاحتِ کلام اور صفائیٔ معاملات کے پیش نظر ایک بات کو دس دفعہ بھی دہرانی پڑے تو عین درست ہے یہی وجہ ہے کہ فقہاء کرام بیان شہادت میں فرماتے ہیں کہ گواہ کو اپنے بیان میں ضمیریں استعمال کرنا منع ہیں بلکہ بار بار جب موقعہ آئے تو مدعی اور مدعیٰ علیہ کا صاف صاف نام یا رشتہ ذکر کرے نیز

یہ تکرار لفظی فصاحت کے خلاف نہیں۔ فصاحت کے خلاف ہونا تین قسم کا ہے ۱ نحوی قواعد کے خلاف ہونا۔ ۲ صرفی اشتقاقی کے خلاف ہونا۔ ۳ کلام میں سخت رکاوٹ یا ثقل پیدا ہونا۔ نیز یہاں اِس لیے بھی ضروری ہے کہ پہلے دعاء میں صرف قبلیت کا ذکر ہے۔ تلاش کا نہیں ہے اور یہاں تلاش کرنے اور جرم ثابت کرنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ کِدنا۔ کا معنیٰ ہے مکر کیا ہم نے اس کی نسبت رب کی طرف کرنا گستاخی ہے۔

جواب۔ غلط ہے۔ کِدنا۔ کَیْدٌ سے بنا ہے جس کا ترجمہ تشریح تفسیر نحوی اور عالمانہ میں کردی گئی ہے اور بتادیا گیا ہے کہ اِس کا معنیٰ ہے تدبیر کرنا۔ یا ارادہ کرنا۔ اور ان دونوں معنیٰ کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف معیوب اور گستاخی نہیں۔ ہاں نیتِ خیر کی تدابیر اچھی ہوتی ہے اور نیتِ بد کی بری۔ جب کسی کا نقصان ہو تو ایسی نقصان وہ تدبیر بری۔ یہاں کسی کا نقصان نہ تھا۔ بلکہ انہیں کی مرضی سے ہوا لہٰذا تدبیر اچھی فائدہ مند تھی۔ کَیْدٌ۔ مشترک ہے چار معنے ہیں۔ تدبیر کرنا۔ ارادہ کرنا۔ صحیح بات دل میں ڈالنا۔ سیدھی راہ چلانا۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں مجرم کی سزا کے متعلق خود مجرموں سے کیوں پوچھا گیا۔ یہ تو عدالت کی توہین اور قانون کی کمزوری ہے۔ جواب۔ اِس کا جواب تفسیر عالمانہ میں دے دیا گیا کہ سزا نہیں پوچھی تھی بلکہ اُن کے دین کا قانون پوچھا تھا۔ نیز پوچھنے والی عدالت نہ تھی بلکہ پکڑنے والا عملہ تھا۔ جیسے پولس کسی مجرم سے پوچھ لے کہ بتا اگر جرم ثابت ہوگیا تو تجھے کیا سزا یا استاد اپنے شاگرد سے پوچھے کہ بتا اگر تجھ کو سبق یاد نہ ہوا تو تجھے کیا سزا۔ اِن تفتیشی کارندوں کے اختیار میں نہ سزا تھی نہ عدالت کا قانون ان کے پوچھ لینے سے نہ عدالت کی توہین ہے نہ قانون کی کمزوری۔ حضرت یوسف نے نہیں پوچھا تھا ہاں البتہ انہوں نے اس سزا پر عمل درآمد اس لیے کرلیا کہ وہ شریعت الٰہیہ کی قانونی سزا تھی نہ کہ اُن کے کہنے کی بنا پر اگر یہ سزا شرعی نہ ہوتی تو کبھی اس پر عمل نہ ہوتا بعد میں بھائی کہتے ہیں سزا کو اس طرح بدل دو کہ ہم میں سے کسی کو اس کی جگہ رکھ لو مگر یہ بات غیر شرعی تھی اس لیے نہ مانی گئی۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِی الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِیْنَ قَالُوْا فَمَا جَزَآؤُهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِیْنَ۔ شریعت ظاہر ہے اور اس کی نافرمانی فسادِ زمین ہے طریقت پوشیدہ ہے اور اس کی نافرمانی چوری ہے۔ بندۂ کامل بننے کے لیے شریعت کا لبادہ اور طریقت کا زیور پہننا ضروری ہے اعمالِ شرعی کا اظہار ضروری ہے اور راہِ معرفت کی گلیوں سے خاموشی سے گزرنا لازم ہے۔ جو بھی اس راہ کا مجرم ہوگا وہ جھوٹا دعویدار ہے اُس کو ہجران کی سزا ہے اور یہ سزا اُس کے اپنے ہی ضمیر کی آواز کے مطابق ہوگی۔ کاملین فرماتے ہیں کہ راہِ سلوک بہت نازک ہے طالب کی ذرا سی بھول اُس کی پچھلی ساری محنت کو برباد کردیتی ہے سب سے زیادہ نقصان صحبتِ اَغیار سے ہے۔ اِس راہ میں زبان کی تقاضی کام

نہیں دیتی۔ چرب زبانی اور خود ستائی نہیں مانی جاتی یہاں تو باطن ٹٹولا جاتا ہے اور دیکھنے والے خود جان جاتے ہیں کہ طالب مولیٰ کا خلوص کس درجے کا ہے۔ قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ فِیْ رَحْلِهٖ فَهُوَ جَزَآؤُهٗ كَذٰلِكَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ. فَبَدَاَ بِاَوْعِیَتِهِمْ قَبْلَ وِعَآءِ اَخِیْهِ ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا مِنْ وِّعَآءِ اَخِیْهِ اہل ظاہر سمجھتے ہیں کہ دنیوی آفات و مصائب کسی جرم کی پاداش میں ہی ہوتے ہیں۔ اور فقیری غریبی۔ بیماری لاچاری۔ تنگی ترشی پکڑ دھکڑ یہ سب مجرمانہ بدنصیبی کے نشان ہیں مگر یہ راہ حقیقت کے خلاف ہے۔ اصلیت یہ ہے کہ یہاں کا امیر آخرت میں مقہور ہے اور یہاں کا لاچار آخرت میں محمود ہے۔ یہاں ظاہر میں مجرم بنایا جاتا ہے باطن میں محرم بنایا جاتا ہے۔ ظاہر کی قید باطن کی آزادی ہے ظاہر کی غلامیت اصل حریت ہے۔ خوش بخت وہ ہے جو اس کا قیدی ہو گیا۔ اس کے جال کی لذت میں تو کروڑوں شکار صحرائے فراق میں سرگرداں ہیں جنہوں نے بہر لذت سے منہ موڑا اور سب سے رشتہ توڑا۔ ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف بامید آنکہ روزے بشکار خواہی آمد شکار اپنے شکاری سے بھاگتا ہے مگر عشق کا ریت نرالی ہے یاں صحرائے عشق و مستی کے مستان و مجذوب خود طوق محبت پہننے کے شوق میں اپنا سر ہتھیلی پر رکھے پھر رہے ہیں کہ کاش کبھی صیاد محبوب کا اس جنگل سے گزر ہو۔

جس کے کجاوۂ دل میں اس کا پیمانۂ عشق نکل آئے وہی خوش نصیب اس کا بدلہ ہے۔ اے ظاہر بینو تم نے مجذوب کو معتوب فقیر کو حقیر سمجھا۔ مگر کبھی مجذوب الٰہی اور فقیر مصطفائی سے تو پوچھو وہ تو اس بات پر ہی شاداں و فرحاں ہیں کہ اس نے اپنے ہاتھ سے پیمانۂ عشق رکھا اور اغیار سے مطعون کرایا اور غیروں کی تفتیش میں ڈال دیا۔ خود ہی عشق کا بھانڈا پھوڑا اور پھر کمال راز داری سے اپنا بنا لیا۔ غیروں کی تلاشی اور ان سے لگاؤ تو عارضی دکھلاوا تھا یہ تو دنیا کی چند روزہ شان تھی ابدی محبت تو اس کو ملی جس کو عشق و محبت کا چور بنا ڈالا۔ كَذٰلِكَ كِدْنَا لِیُوْسُفَ مَا كَانَ لِیَاْخُذَ اَخَاهُ فِیْ دِیْنِ الْمَلِكِ اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ وَ فَوْقَ كُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ. یہ اشارہ ربانی ہے عابدین زاہدین طالبین کے لیے کہ سب توفیق و تدبیر ہماری طرف سے ہے۔ ہم نے ہی یوسف قلب کو تدبیر اخلاص بتائی ورنہ عقل انسانی کے قانون سے خلوص کی ریاضت و مجاہدے حاصل نہیں ہو سکتے وادی عشق میں فقط مشیت ایزدی ہی مختار کل ہے یہاں سب کے قانون ٹوٹ جاتے ہیں۔ اے مجاہدے کرنے والو قدم تمہارے اٹھتے ہیں توفیق ہماری ہوتی ہے عمل تمہارے ہوتے ہیں تدبیر ہماری ہوتی ہے ہم اپنے قرب خاص میں جس کو چاہتے ہیں درجوں بلندی عطا فرما دیتے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ مصر معرفت میں آٹھ درجے ہیں اور ہر درجہ ایک علم ہے۔ منزل پر پہنچنے والا ذی علم ہے اور سب مدارج کو طے کر کے قرب خاص کے تاج و تخت اور سیاہ سفید کے مالک علیم ہے اس سے اوپر کوئی درجہ نہیں۔ یہاں پہنچ کر بندہ کامل ہو جاتا ہے اور عقل حیران ہو جاتی ہے۔ اے مخلصو اس علم کے

حصول میں کوشش کرو۔ یہی حیاتِ دنیا کا مقصدِ اوّل ہے۔

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ

بولے وہ اگر یہ چوری کرتا ہے تو بیشک چوری کی تھی بھائی نے اِس کے سے

بھائی بولے اگر یہ چوری کرے تو بیشک اس کا بھائی اس سے پہلے چوری

قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ

پہلے۔ تو محسوس کی یوسف نے یہ بات میں دل اپنے حالانکہ نہ

کر چکا ہے تو یوسف نے یہ بات اپنے دل میں رکھی اور ان پر

يُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَاللّٰهُ

ظاہر کیا اس احساس کو لیے اُن کے دل میں کہا تم شرارتی جگہ ہو اور اللہ

ظاہر نہ کی جی میں کہا تم بدتر جگہ ہو اور اللہ

اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ ﴿۷۷﴾ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ

بہت جانتا ہے اُس کو جو تم بناتے ہو بولے اے عزیز

خوب جانتا ہے جو تم باتیں بناتے ہو۔ بولے اے عزیز

اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ

بیشک اس کے والد بوڑھے ہیں بہت۔ تو لے لو کسی کو ہم میں سے جگہ اس کی

اس کے باپ میں بوڑھے بڑے تو ہم میں سے اِس کی جگہ کسی کو

اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۷۸﴾ قَالَ مَعَاذَ

بیشک ہم دیکھتے ہیں تم کو سے احسان والوں فرمایا اللہ کی

لے لو بیشک . ہم تمہارے احسان دیکھ رہے ہیں . کہا خدا کی

اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا

پناہ اس سے کہ لیں ہم مگر اُسی کو پایا ہم نے سامان اپنا

پناہ کہ ہم لیں مگر اُسی کو جس کے پاس

عِنْدَهٗۤ ۙ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ ﴿۷۹﴾ ع

پاس جس کے بیشک ہم تب تو البتہ ظالم ہوں گے

ہمارا مال ملا جب تو ہم ظالم ہوں گے

تعلق ان آیات کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت یوسف کی محبت اخلاق اور شفقت کا ذکر ہوتا چلا آرہا ہے جو پیدائشی حسن اخلاق کا مظہر ہے۔ اِن آیت میں سوتیلے بھائیوں کی گستاخانہ جبلی عادات کا ذکر ہے کہ وہ اب بھی کس طرح اپنے گم شدہ بھائی کے حق میں نازیبا خیالات رکھتے ہیں **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں شریعتِ یعقوب علیہ السلام کے ایک مسئلے کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں اُس مسئلے پر عمل کرنے کا ذکر ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ یوسف علیہ السلام اگرچہ بچپن میں ہی اپنے وطن سے جدا کر دیئے گئے تھے مگر اپنے علم لدنی کے ذریعے تمام شریعتوں سے واقف تھے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ حضرت یوسف بارگاہِ ربُّ العزت میں نہایت بلند شان والے ہیں اور کثیر علم کے وارث ہیں ان آیت میں بتایا گیا کہ آپ نہایت خلیق اور محسنین میں شامل ہیں۔

تفسیر نحوی قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ۔

قَالُوْا فعل ماضی مطلق بصیغہ جمع غائب اِس کا فاعل برادرانِ بنیامین ان حرف شرط یہ پوری عبارت قبلُ تک

مقولہ ہے قول کا۔ یَسْرِقْ فعل مضارع بمعنیٰ ماضی قریب اِنْ شرطیہ کی حرفِ جازم کی وجہ سے ماضی کا معنیٰ پیدا ہوا یہ جملہ فعلیہ بن کر شرط ہوا اس کی جزا فَلَا تَعْجَبُ پوشیدہ۔ فَقَدْ۔ ف سببیہ۔ قَدْ سَرَقَ فعل ماضی قریب ہے مگر بعید مراد ہے ف بمعنیٰ کیونکہ ہے اَخٌ اسم نکرہ بحالتِ رفع بوجہ فاعلیت لَهٗ۔ لام اضافت لے حصر کا فائدہ دیا۔ یعنی اس کے بھائی نے پہلے چوری کی تھی۔ ہٗ کا مرجع یوسف ہے مِنْ جارّہ زائدہ قَبْلُ مضاف ہے بحالتِ ضمہ کیونکہ مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِہٖ۔ ف تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ بلاتراخی اَسَرَّ۔ فعل ماضی سِرٌّ سے مشتق ہے باب افعال مضاعف ثلاثی بمعنیٰ محسوس کرنا یعنی کسی بات کو دل میں رکھنا ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس تمام عبارت میں بہت سی ترکیبی گفتگو ہے۔ ایک قول میں یہ عبارت تقدم وتاخر ہے اس طرح تھی قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا فَاَسَرَّهَا دوسرے قول میں ھَا ضمیر کا مرجع اَنْتُمْ شَرٌّ کا جملہ ہے۔ اور لَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ میں ھَا کا مرجع بھی یہی اَنْتُمْ کا جملہ ہے۔ مگر آسان اور زیادہ صحیح ترکیب نحوی اس طرح ہے کہ ھَا ضمیر کا مرجع سابقہ جملہ فَقَدْ سَرَقَ (الخ) ہے اور چونکہ لفظ جملہ مؤنث ہے اس لیے ھَا ضمیر مؤنث آئی۔ عبداللہ ابن مسعودؓ کی قرأت میں اَسَرَّهٗ ہے وہ ہٗ ضمیر مذکر کا مرجع قول یا کلمہ کو بناتے ہیں اور وہ مذکر۔ تو ضمیر مذکر (تفسیر کبیر) یُوْسُفُ فاعل ہے اَسَرَّ کا یعنی ظرفیہ نفس کے چھ معنیٰ یہاں مراد دل ہے ۔ ؤ۔ عاطفہ۔ لَمْ يُبْدِ فعل مضارع نفی بِلَمْ بمعنیٰ ماضی قریب۔ بَدْوٌ مہموز اللام یا بُدُوٌّ ناقص یائی سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ظاہر کرنا بحالتِ جزم ہے اس لیے لام کلمہ گر گیا۔ ھَا ضمیر مؤنث واحد کا مرجع اَسَرَّ کا حاصل مصدر ہے۔ یعنی اپنے احساس کو بالکل ظاہر نہ ہونے دیا۔ لَهُمْ لام جارّہ بمعنیٰ عِنْدَ ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع برادرانِ بنیامین ہیں۔ قَالَ فعل ماضی کا فاعل یوسف ہیں اور ذاکر رب تعالیٰ ہے۔ قول سے مراد بہت آہستہ زبانی کلمات ہیں۔ بعض کے نزدیک قلبی قول مراد ہے۔ جس میں زبان بالکل نہیں ملتی۔ اس لیے کہ قول عام ہے لسانی۔ قلبی۔ سری۔ خفی۔ جہری باتوں کو۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے شَرٌّ ممیز مَكَانًا تمیز ہے۔ مبتدا خبر مل کر قال کا معنوی مقولہ ہے کیونکہ یہ کلمات ایک قول میں زبان سے ادا نہ ہوئے۔ لفظ شَرٌّ مصدر بمعنیٰ شَرِیْرٌ مبالغہ کے لیے ہے۔ تنوین تعظیم کے لیے ہے واحد اور جمع ہر دو کے لیے مستعمل ہے۔ جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ۔ مَكَانًا بمعنیٰ منزل یا درجہ اسم ظرف ہے دراصل تھا مَكْوَنٌ۔ بروزنِ مَنْصَرٌ واو پر فتح ثقیل تھا لہٰذا واو کو الف سے بدل دیا اور فتح ماقبل کو دیا وَاللّٰهُ۔ واو عاطفہ مابعد کا جملہ معطوف ہے یہ بھی مثلِ معطوف علیہ کلامِ خفی یا سرِّی قلبی ہے۔ لفظِ اللّٰہ مبتدا اسم ذاتی ہے جامد ہے۔ اَعْلَمُ۔ اسم تفضیل مذکر عِلْمٌ سے مشتق باب سَمِعَ سے ہے۔ بِمَا۔ بِ جارّہ ما موصولہ۔ جار مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کے۔ تَصِفُوْنَ۔ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل برادرانِ بنیامین بابِ ضَرَبَ سے ہے۔ وَصْفٌ مثال واوی سے مشتق

ہے۔ بمعنی حالت بیان کرنا۔ تعریف کرنا۔ تہمت لگانا۔ کسی بات کو ظاہر کرنا۔ جھوٹ گھڑنا۔ کچھ بتانا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ قَالُوْا۔ فعل ماضی۔ بصیغہ جمع مذکر ہے برادرانِ بنیامین ھم ضمیر مستتر فاعل ہے اس کا مرجع یہی برادران ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا۔ یا حرف ندا مطلق ہے۔ اَیُّھَا حرفِ استفہام ہے۔ یہ عبارت ندا مع سوال ہے۔ ایک قول میں لفظ اَیُّھَا فقط فصل و کنایہ کے لیے ہے تاکہ یا کی حالت برقرار رہے۔ الْعَزِیْزُ منادیٰ معرف باللام ہے۔ اس زمانے میں مصر کے وزیرِ اعظم کا لقبِ قانونی ہوتا تھا۔ بمعنی غالب عزٌّ مضاف ثلاثی سے مشتق ہے۔ بروزنِ فعیل ہے۔ اِنَّ۔ حرف مشبہ بفعل برائے یقین دھانی۔ ندا اور منادیٰ پر اختتام ہوا تھا یہ نیا جملہ ہے اس لیے اِنَّ مکسور ہوا۔ لَهٗ۔ لام اضافت کا ہے۔ ہٗ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر غائب کا مرجع بنیامین ہے جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ خبرِ اِنَّ مقدم کا۔ اَبًا اسم مکبرہ ہے اسم موخر ہے اِنَّ کا یہ لفظِ اَبٌ مشترک ہے سات معنی میں ۱ شفقت والا ۲ حکمت والا ۳ قابل فخر ۴ پرورش کرنے ۵ الٰہی معنی سا ذکر کو ابر کہا گیا۔ ۶ اصلیت ۷ صاحبِ نسب ۸ والد میں یہ سارے معنی جمع ہیں اس لیے یہ لفظِ اَب والد کے لیے منقول اصطلاحی ہو گیا۔ یہاں یہی مراد ہے خبرِ اِنَّ کے تقدم میں حصر کا فائدہ ہوا دو طرح سے۔

۱۔ اس کا صرف والد ہی ہے والدہ نہیں۔ دوئم۔ اسی ہی سے محبت فرمانے والا ہے۔ اور ہے بھی شَیْخًا۔ بہت بوڑھا۔ اور جو بوڑھا ہو وہ مثل بچوں کے زیادہ پریشان ہوتا ہے۔ صفتِ اول ہے اَبًا کی كَبِیْرًا صفتِ دوم ہے اَبًا کی لفظِ کبیر عام ہے درجہ اور عمر کی بڑائی کو۔ ایک قول میں شَیْخًا صفت ہے اَبًا کی اور كَبِیْرًا صفت ہے شَیْخًا کی تب كَبِیْرًا سے صرف عمر کی بڑائی مراد ہوگی۔ فَخُذْ۔ فَ تعلیلیہ بمعنی لھٰذا خُذْ۔ فعل امر بصیغہ واحد مذکر حاضر باب نَصَرَ اَخْذٌ مہموز الفا سے مشتق ہے۔ دراصل تھا اُءْخُذْ بروزنِ اُنْصُرْ۔ دو ہمزہ ایک جنس کی جمع ہوئیں اور یہ اجتماع بوجہ ثقل منع تھا اس لیے پہلی ہمزہ بوجہ وصل گر گئی پھر دوسری ہمزہ بوجہ سکون گر گئی۔ رہ گیا خُذْ۔ بمعنی پکڑنا۔ یہاں لینا مراد ہے۔ متعدی بدو مفعول ہے۔ مفعول اوّل اَحَدَنَا ہے۔ اَحَد اسمِ اعداد سے ہے مگر یہاں تنکیری ہے بمعنی کوئی کسی۔ مضاف بسوئے جمع ضمیر متکلم۔ مَكَانَهٗ۔ مرکب اضافی۔ لفظِ مکان چھ معنی میں مشترک ہے ۱ ظرفیہ ۲ منزل ۳ درجہ ۴ گھر ۵ جگہ ۶ بدلہ۔ یہاں یہی آخری معنی میں ہے۔ ہٗ ضمیر کا مرجع بنیامین ہے۔ اِنَّا۔ دو لفظ ہیں۔ اِنَّ حرفِ تحقیق اور نَا ضمیر جمع متکلم۔ نَرٰى۔ فعل مضارع معروف بمعنی حال۔ رَأْیٌ سے مشتق ہے۔ مہموز العین اور ناقص یائی۔ عام ہے آنکھ۔ دل۔ دماغ سے دیکھنے جاننے۔ سمجھنے کو باب فَتَحَ سے ہے۔ دراصل تھا نَرْءَیُ۔ یٰ پر ضمہ ثقیل تھا۔ یٰ گر گئی ہمزہ کو برائے تخفیف الف سے بدل دیا نَرٰى ہو گیا۔ کَ ضمیر منصوب متصل اس کا مرجع عزیزِ مصر مخاطب۔

مفعول بہ ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ جمع ہے مُحْسِنٌ کی اسم فاعل ہے باب افعال کا حُسْنٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ۔ احسان کرنا۔ بھلائی کرنا۔ بلا استحقاق دینا۔ ہر ایک سے نیکی کرنا۔ رب تعالیٰ کی انتہائی خشیت والا۔ قرب حضوری والا ہونا۔ بہت عبادت کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ۔ قَالَ فعل ماضی معروف بصیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل عزیز مصر مخاطب کلام ظاہری جہری مراد ہے مَعَاذَ مصدر میمی ہے عَوْذٌ اجوف وادی سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پناہ پکڑنا۔ کسی سے بچنے ہٹنے کے لیے کسی دوسرے کی حفاظت میں آنا۔ یہاں مراد ہے کسی سے ہٹ کر کسی کی پناہ میں آنا بحالتِ زبر ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے نَعُوْذُ فعل پوشیدہ کا مضاف ہے لفظ اللّٰہ اسم پاک ذاتی اس کا مضاف الیہ ہے۔ ایک قرأت میں مَعَاذُ اللّٰہِ ہے۔ تب اس صورت میں بِاللّٰہِ جار و مجرور بھی متعلق ہے پوشیدہ فعل نعوذ کا یا متعلق ہے اس مصدر میمی کا اور یہ مصدر عامل بھی ہے معمول بھی۔ اَنْ حرفِ ناصب اس سے پہلے مِن جارہ زائدہ یا بیانیہ پوشیدہ ہے اور یہ پورا اَنْ نَّاْخُذَ جملہ بھی نعوذ یا مَعَاذَ کے متعلق ہے۔ نَاْخُذَ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم۔ یہ حکم یا لفظاً اضافت کیلئے ہے۔ جیسے اللہ کے لیے جمع متکلم تب نسب میں فقط فاعل عزیز مصر۔ یا مراد جمعیت ہے تب فاعل اہلِ دربار ہیں۔ یہ جملہ ظاہراً مثبت ہے حکماً منفی ہے۔ یعنی ہم نہیں پکڑ سکتے۔ اِلَّا۔ بمعنیٰ مگر حرفِ استثنا متصل کے لیے ہے۔ مَنْ موصولہ بحالتِ زبر ہے بوجہ مفعول بہ ہونے کے فعل پوشیدہ نَاْخُذُ کے۔ خیال رہے کہ پوشیدہ رکھنا کسی فعل یا حرف یا اسم کا تب جائز ہے جب تمام مقائم یا قرینہ موجود ہو اور تخفیف کی ضرورت ہو۔ یہاں بھی یہ علت موجود ہے وَجَدْنَا فعل ماضی بصیغہ جمع متکلم اس کا فاعل وہی ہے جو نَاْخُذُ کا ہے۔ وُجُوْدٌ سے بنا ہے۔ متعدی بہ دو مفعول ہے۔ مفعول اوّل مَتَاعَنَا ہے۔ مَتَاعٌ مَتْعٌ کا مصدر ہے بروزنِ فَعَالٌ بمعنیٰ نفع والی چیز۔ عِنْدَهٗ کے لحاظ معانی مفعول فیہ ظرفیہ ہے وَجَدْنَا کا ظرفِ مکانی کے لیے ہے۔ اِنَّا دراصل تھا اِنَّ نَا۔ اِذًا حرفِ جزا ہے۔ اس سے پہلے ایک جملہ شرطیہ پوشیدہ ہے دراصل تھا اِنَّا اِنْ اَخَذْنَا غَیْرَهٗ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ لام تاکید۔ شدتِ کلام کے لیے ہے۔ ظٰلِمُوْنَ بحالتِ رفع۔ جمع ہے ظَالِمٌ کی ظُلْمٌ کا اسم فاعل ہے۔ سب عبارت شرط و جزا خبر ہے اِنَّ کی۔ ظلم کے پانچ معنیٰ ہیں۔ یہاں مراد نقصان کرنا اپنا یا قانون کا۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْۤا اِنْ یَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ ۚ فَاَسَرَّهَا یُوْسُفُ فِیْ نَفْسِهٖ وَ لَمْ یُبْدِهَا لَهُمْ ۚ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا ۚ وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ۔

برادرانِ یوسف نے انتہا سے زیادہ بنیامین کو سب و شتم اور برا بھلا کہنے کے بعد جب عدالتِ یوسفی میں حاضری دی اور یوسف علیہ السّلام نے دو طرفہ بیان سننے کے بعد ان کی ہی تجویز کردہ سزا سنائی تو بھائیوں

کو اور زیادہ ندامت اور شرمندگی اور بنیامین پر غصہ آیا اسی انتہائی غصہ میں انہوں نے پاکدامن گم شدہ یوسف بھائی کو بھی نہ بخشا اور بولے کہ اولاً تو اس نے چوری نہیں کی نمالبا غلطی سے اس کی بوری میں گلاس گر گیا ہو گا اور اگر اس نے چوری کی ہے تو کیا حیرانی بیشک اس کے سگے گم شدہ بھائی نے بھی چوری کی تھی اِس سے پہلے۔ تو حضرت یوسف علم کے پہاڑ بُردبار صابر و شاکر نبی مکرم نے کمال متانت سے اس بات کو دل میں اگرچہ محسوس کیا مگر پی لیا اور کسی بھی ظاہری باطنی طریقہ سے اُن پر ظاہر نہ ہونے دیا نہ رویہ بدلا نہ چہرے پر شکن آنے دی بس دل میں کہا کہ تم اب بھی شر پسند ہو۔ رہی تمہاری بات کی حقیقت تو اس وقت اس کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے اللہ تعالیٰ اُن تمام باتوں کو خوب جانتا ہے جو تم حسد و بغض کے جذبے سے کہتے ہو۔ برادرانِ یوسف کے متعلق یہودیوں نے اپنی اسرائیلیات میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لکھا ہے کہ برادران کو جب غصہ آتا تو اتنی زور سے چیخیں مارتے کہ دہشت سے حاملہ کا حمل گر جاتا۔ جب بنیامین کو یوسف علیہ السلام نے بطور سزا رکھ لیا تو بھائیوں نے دھمکی دی کہ بنیامین کو چھوڑ دیا جائے ورنہ ہم چیخیں ماریں گے اور مصریوں کو قتل کریں گے۔ حضرت یوسف نے دھمکی سنی پھر یوسف نے روبیل کو ٹھوکر ماری روبیل اور بھائی لڑنے پر آمادہ ہوئے تو یوسف نے روبیل کا گریبان پکڑ کر زمین پر پٹخ دیا جس سے باقی بھائی بھی ڈر گئے۔ اسرائیلیات میں یہی ہے کہ اولادِ یعقوب کو جب غصہ آتا تھا تو کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا اور جب تک اولادِ یعقوب میں سے ہی کوئی اُس کو ہاتھ نہ لگاتا غصہ ٹھنڈا نہ ہوتا تھا جب کوئی ولدِ یعقوبی کا فرد ہاتھ لگا دیتا تو نہ غصہ باقی رہتا تھا نہ جوش و قوت۔ حضرت یوسف کو بھی یہ بات معلوم تھی جب شمعون کو غصہ آیا تو حضرت یوسف نے اپنے بڑے بیٹے افرائیم سے کہا کہ پیچھے جا کر اُس کو ہاتھ لگا کر آجا۔ جب اُس نے ایسا کیا تو اُس کا غصہ یکدم ختم ہو گیا اور پھر نہ آسکا سب بھائیوں نے آپس میں کہا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کوئی اولادِ یعقوب میں سے ہے۔ کیونکہ اس کے سوا غصہ ختم نہ ہوتا تھا۔ مگر حیران ہو کر خاموش رہے۔ ہمارے مفسرین نے بھی بلا سوچے سمجھے اس طرح کی باتیں لکھ ڈالی ہیں مگر یہ سب باتیں غلط ہیں۔ روایتوں سے کہیں ثابت نہیں۔ اسرائیلیات میں حضرت یوسف کی طرف بچپن کی تین چوریاں منسوب ہیں پہلی یہ کہ یوسف کا نانا وَابل کافر تھا ایک گھر میں بت کو پوجتا تھا حضرت یوسف نے اس کو چھپ کر اٹھا لیا اور توڑ کر راستے میں پھینک دیا خود اپنی مرضی سے یا اپنی والدہ راحیل کے کہنے سے اور مشہور ہو گیا کہ یوسف نے بت چرایا اور توڑ دیا۔ دوسری یہ کہ آپ کو بھوکوں فقیروں سے بہت محبت تھی جب کوئی دروازے پر بھوکا آتا تو آپ بغیر پوچھے اور بتائے دکھائے تھوڑا سا کھانا بھوکے کو کھلا دیا کرتے تھے۔ اس کو بھی چوری سمجھا گیا۔ تیسری یہ کہ حضرت یوسف کو یعقوب بھی پیار کرتے تھے اور آپ کی پھوپھی یعنی یعقوب علیہ السلام کی بہن۔ دونوں چاہتے تھے کہ یوسف

ہر وقت میرے پاس رہے تو پھوپھی نے قانونی طور پر اپنے پاس رکھنے کے لیے یہ چال چلی کہ اپنا ایک موروثی قیمتی پٹکا یوسف علیہ السلام کی کمر سے لپیٹ دیا اور سے باقی کپڑے پہنا دیے اور اُس کی ڈھونڈائی شروع کر دی بہت تلاش کرنے لگے تو کسی نے یوسف کے کپڑوں کے نیچے دیکھ لیا۔ اس طرح چار سالہ یوسف چور بن گیا اور چور کا بدلہ خود چور کے قانون سے پھوپھی نے اس کو غلام بنالیا۔ آج یہ بھائی اسی چوری کا طعنہ دے رہے ہیں۔ مگر پہلا قول صحیح ہے روایت میں بھی آیا ہے۔ لیکن دوسرے اقوال یہودی سازش ہے انجیل پیدائش میں تو یوسف علیہ السلام کو معاذاللہ چغل خور بھی کہا گیا ہے۔ بنیامین نے بھائیوں کی سب بری بھلی باتیں برداشت کیں لیکن کچھ نہ بولے اس لیے کہ ان کو بھائی ملجانے اور قریب رہنے کی جو خوشی تھی اس کے سامنے یہ کڑوی باتیں ہیچ تھیں فقط آخر میں جب انہوں نے بھائی کو بھی تہمت اور چوری میں شامل کیا تو بنیامین نے کہا کہ اگر میں چور ہوں اور میرا بھائی چور تھا تو تم بھی بڑے چور ہو تم سب نے پہلی دفعہ درہم چرا کر اپنی اپنی بوری میں چھپائے تھے۔ تب وہ بھائی خاموش ہوئے اور اگلی باتیں سوچ کر عزیز مصر کے دربار میں نہایت عاجزی سے عرض کیا قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۔ پہلے تعارف کرایا کہ ہم سب ایک ماں کی اولاد ہیں اور نیک چال چلن پاکدامن ہیں۔ یہ بنیامین دو بھائی دوسری ماں سے تھے ہم اور یہ والد میں سگے ہیں والدہ میں سوتیلے۔ ہماری والدہ زندہ ہیں اس کی والدہ اسکی ولادت کے فوت ہو گئی تھی اس لیے والد کو اُن سے بہت پیار ہے۔ اور سب بولے کہ اے عزیز بیشک اس کا والد بوڑھا عمر رسیدہ ہے یہ اُس کی زندگی کا پیارا سہارا ہے اُس کو مت پکڑو بلکہ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو چوری کی سزا میں پکڑ لیجئے۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ دردمندانہ التجا قبول ہو گی بیشک ہم نے شروع سے آپ کو بہت احسان کرنے والوں میں سے پایا۔ کہ آپ نے ہم مسکینوں غریبوں بھوکوں پیاسوں مسافروں کی ایسی عزت مہمان نوازی کی جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی لہٰذا اب بھی یہ کرم نوازی فرمایئے یا یہ کہ آپ بنیامین کو چھوڑ کر ہم میں سے کسی کو لے لیں تب ہم آپ کو محسنین میں سے جانیں گے قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ فرمایا یوسف علیہ السلام نے کہ یہ ٹھیک ہے کہ میں نے تمہاری عزت خاطر تواضع سب سے زیادہ کی مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اب تمہارے کہنے پر اللہ تعالٰے کے شرعی قانون کی خلاف ورزی کر کے اُس کو گرفتار کر لوں اور غلام بنا لوں جس کے پاس سے جرم ثابت نہیں ہوا اور وہ بیگناہ ہے توبہ نعوذ باللہ۔ میں ایسا گناہ نہیں کر سکتا کہ ہم اُس کے سوا کو پکڑ لیں جس کے پاس سے ہم نے اپنا سامان پایا ہے اگر خدا نہ کرے ہم ایسا غلط کام کر بیٹھے تو ہم یقیناً البتہ ظالم ہوں گے۔ ہرگز ایسا مشورہ نہ دو۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ قلبی حسد بغض اور کدورت بہت بری بلا ہے کہ دیانت داری کے ساتھ ساتھ عقل و فہم بھی تباہ کر دیتی ہے ۔ اور جو بھی خوبی ہو وہ حاسد کو عیب نظر آتا ہے نانا کا بت توڑنا یا مسکین بھوکے کو کھانا کھلانا حضرت یوسف کا ایمانی کمال تھا مگر برادران یوسف نے اس خوبی کو بھی گناہ عیب اور طعنہ زنی کا ذریعہ بنایا ۔ یہ فائدہ اور سبق فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ بزرگوں نیک لوگوں کا طریقہ ہمیشہ بھلا اور نادانوں کی ایذا رسانی پر صبر و تحمل اور بردباری کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی میں اللہ کی خوشنودی اور رضا ہے ۔ یہی چیز درجوں کو بڑھاتی ہے ۔ یہ فائدہ وَلَمْ یُبْدِهَا سے حاصل ہوا ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ مسلمان کو چاہیے کہ ہر حال میں نیکی کرے پُر خلوص طریقہ کی نیکی غیروں کو بھی اپنا گرویدہ بنا لیتی ہے اور اغیار بھی تعریف کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں یہ فائدہ اِنَّا نَرٰىكَ (الخ) سے حاصل ہوا ۔ اچھا تذکرہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم اور انعام ہے ۔ **چوتھا فائدہ** ۔ بزرگوں کا یہ بھی طریقہ ہے کہ جب کوئی شرعی ناپسندیدہ بات ہو جائے تو معاذ اللہ ۔ نعوذ باللہ ۔ العیاذ باللہ وغیرہ الفاظ ادا کرتے ہیں جس سے پتہ لگتا ہے کہ یہ اللہ کے حکم کے خلاف بات ہے ہر مسلمان کو ایسا ہی کرنا چاہیے یہ فائدہ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ عدالت میں آنے سے پہلے مجرم اپنے حق العبد والے جرم کی سفارش یا معافی صاحب جرم (جس کا جرم کیا ہے) سے مانگ سکتا ہے اگرچہ وہ صاحب جرم خود حاکم یا جج ہی کیوں نہ ہو ۔ یہ مسئلہ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ صاحب حق اپنے جرم کو معاف کر سکتا ہے اگرچہ وہ حاکم ہو ۔ اور عدالت میں ہو بشرطیکہ اس جرم میں کوئی اور دوسرا فرد صاحب حق نہ بنتا ہو ۔ یہ مسئلہ فَاَسَرَّهَا سے مستنبط ہوا ۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ عدالت کے فیصلے کے بعد رحم کی درخواست دینا منع ہے ۔ بشرطیکہ فیصلہ قانونی ملکی اعتبار سے درست ہونے کے علاوہ شرعاً بھی درست ہو یہ مسئلہ قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ (الخ) سے مستنبط ہو۔ لہٰذا سربراہ مملکت اور بادشاہ حق العبد اور حق اللہ میں سزا یافتہ مجرم کی رحم کی درخواست قبول کر کے سزا معاف کرنے کا مجاز نہیں ہے ۔ ورنہ بادشاہ خود شرعی اسلامی مجرم بن جائے گا ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ جب پہلی دفعہ ہی حضرت یوسف کو پتہ لگ گیا تھا کہ میری گم شدگی

کے بعد سے اب تک میرے غم میں والدِ محترم غم تکلیف فراق میں نڈھال ۔ بیتاب پریشان ہیں آپ نے اسی وقت کیوں اطلاع نہ بھیج دی یہ مزید دیری سے مزید اتنی تکلیف حضرت یوسف کی جانب سے ہوئی تو پہلے اتنے عرصے بیٹوں نے رلایا اب نہ بتا کر حضرت یوسف نے اپنے باپ کو رلایا جرم برابر ہو گیا ۔ یا جب آپ تخت نشین ہوئے تھے تو آپ کو گھر والے بھی یاد تھے اور کنعان کا راستہ بھی معلوم تھا کسی کو بھیج دیتے ۔ گھر والے تڑپ رہے ہیں اور آپ اپنا تخت تاج سنبھالے شادی بیاہ رچائے بال بچوں میں خوش و خرم بیٹھے ہیں یہ تو نہایت سرد مہری ہے ۔

جواب ۔ اولاً تو اللہ کا حکم نہ تھا کہ خود اس کو جلدی ظاہر کریں ۔ نیز آپ انتہائی مصروفیات میں تھے قحط کی مصیبتوں سے نبرد آزما ہونے کے لیے دن رات کی انتھک محنتوں میں مشغول تھے اور تخت و تاج سے آپ کو عیش نہیں ملا بلکہ بھوک فاقے روزے ۔ بھوکوں کی پریشانیوں کا غم کہ گھر والوں کو فقط یوسف کا اور یوسف کو سارے جہان کا غم دوم یہ کہ حکمتِ الٰہیہ یہ تھی کہ وہی بھائی اور دیگر اہلِ مصر کے لوگ جنہوں نے یوسف کو غلام بنایا اور سمجھا سب اُس کے حضور پہلے غلام بن جائیں پھر ظاہر کیا جائے کہ تم سب ہمارے یوسف کے غلام ہو۔ **دوسرا اعتراض** ۔ بھائیوں نے والدِ محترم سے یوسف کو جدا کیا وہ ظالم کہلائے اور یوسف نے والدِ محترم سے بنیامین کو جدا کیا تو وہ بھی ظالم ہوئے ۔ (معاذ اللہ) ۔

جواب ۔ یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو روکنا ظلم نہیں نہ ہی والدِ محترم کی ایذا رسانی ہے اس لیے کہ والدِ محترم کے نزدیک فراقِ بنیامین چار طرح فرق ہے پہلا یہ کہ یوسف علیہ السلام ماں کے غمزدہ تھے باپ کے پیار کی بہت ضرورت تھی اس لیے اُن سے والد کو قدرتی بہت پیار تھا ۔ بنیامین نے والدہ کو دیکھا ہی نہ تھا وہ ماں کو جانتے ہی نہ تھے اس لیے ان سے اتنا دو طرفہ کا پیار نہ تھا ۔ دوسرے یہ کہ یوسف علیہ السلام کو لاپتہ کیا گیا تھا ۔ جس کا غم بہت ہوتا ہے نظروں کے سامنے مر لے فوت ہو جانے کا اتنا غم نہیں ہوتا جتنا گم ہونے کا اور بیٹوں کی خبر کا اس لیے اعتبار نہ ہوا کہ یوسف کا کرتہ خون آلود تو تھا مگر پھٹا ہوا نہ تھا ۔ بنیامین اگرچہ جدا تو ہوا مگر گم نہ ہوا پتہ ہے کہ مصر میں بہت آرام سے شاہی دستر خوان پر ہے ۔ اس لیے جب آپ نے بنیامین کی خبر سنی تب بھی یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ کہہ کر یوسف کو یاد کیا نہ کہ بنیامین کو سوم یہ کہ بنیامین کی جدائی خود اُس کے اپنے کردار کی وجہ سے ہوئی نہ کہ بھائیوں کے ظلم کی وجہ سے ۔ چہارم یہ کہ بنیامین کی جدائی شرعی قانون کے تحت ہوئی اس لیے والد کو یا تو بالکل غم نہ ہوا یا کم از کم یوسف کے غم جیسا بلکہ اُس کے عشرِ عشیر تک نہ ہوا ۔ لہٰذا یوسف علیہ السلام کا بنیامین کو روک لینا نہ تنگ دلی ہے نہ قطع رحمی نہ عقوقِ والدین ۔ مفسرین نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یوسف علیہ السلام بھائیوں کی حسد سے اب بھی خوف زدہ تھے کہ کہیں میں یہ کہہ دوں کہ

میں یوسف ہوں جاؤ والد کو بتادو تو وہ میری شان و شوکت دیکھ کر حسد میں والد کو صحیح بات نہ بتائیں بلکہ لوٹ کر ہی نہ آئیں۔ مگر یہ جواب کمزور ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یوسف علیہ السلام نے معاذ اللہ کیوں فرمایا کیا بھائیوں کی درخواست گناہ تھی۔

جواب۔ ہاں گناہ تھی تین وجہ سے ایک یہ کہ پابندئ قانون شرعی حکم ہے لہٰذا سب پر لازم مجرم کو چھوڑ کر دوسرے کو پکڑنے کا کوئی جواز نہیں دوم یہ کہ ظاہراً بنیامین کو پکڑنا ظلم نہ تھا کیونکہ اس کی رضا شامل تھی دوسرے بھائی کو پکڑنا ظلم تھا کہ وہ لاعلم تھا اصل حقیقت سے سوم یہ کہ منشاء مواخذہ حاصل نہ ہوتا حالانکہ بنیامین کو پکڑنا مین حکمتِ باری تھی اس کی مخالفت سراسر گناہ اور ظلم اس لیے فرمایا معاذ اللہ۔

تفسیر صوفیانہ

قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا لَهُمْ قَالَ اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَصِفُوْنَ دنیا امتحان گاہ صبر و رضا ہے۔

طالب مولیٰ کا پہلا جز یہ ہے کہ اشرار و اغیار کی اذیت برداشت کریں۔ دل کو ٹھیس پہنچے مگر لب جنبش نہ کریں۔ آج اگر خلوصِ اُلفت لے محبوب کی رضاء پوشیدہ سے محبت کے پیالے چرا لیے تو اس کی قیمت ہے۔ قلب مومن بھی انوار کے جوہر چھپاتا رہتا ہے۔ محبت کے حاسد سمجھتے ہیں کہ خلوت نفسی عیب ہے حالانکہ یہی عمل محبوب بارگاہ ہے۔ ظاہر بین جس کو چوری سمجھتے ہیں اُس کی حقیقت کو اللہ بہتر جانتا ہے کہ وہ جس کو تم چوری سے موصوف کرتے ہو وہ تو امانتِ الٰہیہ کی ودیعت ہے اور یہ ہی اسرار قرب کا ذریعہ ہے قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ عالم دنیا میں اہل دنیا پر تین کیفیات گزرتی ہیں۔ ۱۔ وقتِ شباب یہ دنیا پرستی کے لمحاتِ ضعیفہ ہیں۔ عزت و آبرو جاہ و جلال کی تمنائیں جوان ہوتی ہیں درویشی میں بھی عیاری چاہتا ہے دین کو بھی دنیا کی ترازو میں تولتا ہے۔

۲۔ وقتِ خراب۔ جب آسیں ٹوٹ جاتی ہیں۔ منصوبے برباد اور امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں۔ یہ وقت بندے کے لیے انتہائی بے بسی کا ہوتا ہے۔

۳۔ وقتِ ضعیف جب التجاؤں فریادوں کا سہارا لیتا ہے اور چاہتا ہے کہ بے خلوص عمل قبول ہو جائیں ناجائز دعائیں منظور ہو جائیں۔ سینہ پُر کینہ ہے سر سے پیر تک حرام سے لتھڑا ہوا ہے مگر چاہتا ہے کہ قُربِ الٰہی نصیب ہو جائے۔ کیا عجیب تمنا ہے کہ تکبر۔ حسد۔ نفرت۔ حرام تجارت۔ ناجائز خوراک۔ سراسر شریعت کی نافرمانی۔ عبادت میں سُستی۔ ریاضت سے دور۔ محبتِ دنیا میں پھنسا ہوا۔ الفتِ الٰہی سے بے خبر پھر کہتا ہے فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ۔ اُس پاکباز شریف مخلص کے بجائے ہم میں سے کسی کو قبول فرمائے۔ اور بغیر پیمانۂ عشق و معرفت کے ہم کو قربِ محبوب میسر آ جائے۔ بیشک ہم نے مہمان خانہ

دنیا میں تجھ کو بہت سخی پایا کہ سب کو دنیاءِ دنی سے نواز دیا۔ ہماری بوڑھی اُمیدوں کو اب بھی سہارا عطا فرما قَالَ مَعَاذَ اللّٰہِ اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗۤ اِنَّاۤ اِذًا لَّظٰلِمُوْنَ جب دنیا پرست لبادۂ درویشی پہن کر دنیا طلبی کی غرض سے راہِ معرفت میں قدم رکھتا ہے تو ہاتفِ غیبی سے آواز آتی ہے۔ اللہ کی پناہ اس بات سے کہ اشرار و اغیار جمالِ قرب میں لیے جائیں۔ اے طالب دنیا تمہاری نگاہیں جمالِ یار کی طرف نہ تھیں بلکہ یار کی عطا لذاتِ دنیا کی طرف تھی تم نے محبوب کی معرفت نہ پائی صرف اُس کی محفل میں دنیا کو دیکھ کر اُس کو مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ کہہ دیا۔ یہاں تو اُسی کو پکڑا اور قبول کیا جاتا ہے جس کے پاس عشقِ الٰہی کا پیالہ برآمد ہو۔ قربِ یار اُسی کو نصیب ہوتا ہے جس میں معرفت کی استعداد و شوقِ وصال اور کشفِ جمال کی تاب ہو۔ اغیار کو محفلِ اسرار میں داخل کرنا تو ظلم ہے۔ کیونکہ شریعتِ الٰہیہ کے خلاف عمل کرنا ظلم ہے۔ شریعت کا نافرمان خائن ہے۔ اور خائن کی محفل میں جانا ظلم ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ صحبتِ بد زہرِ قاتل ہے اور صاحبِ اسرار کو اُن غیر ذکی محفلوں میں جانا ظلم ہے۔ بلکہ اغیار سے رُخ ملانا بھی ظلم ہے۔ محبوبِ الٰہی کا ادنیٰ قصور بھی ظلم ہوتا ہے۔ اور طالبِ مولیٰ خطاءِ قلیل کو ظلم سمجھتا ہے۔ لیکن بندۂ مغضوب بڑے گناہ کو بھی چھوٹا سمجھتا ہے۔

فَلَمَّا اسْتَایْــٴَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا ؕ قَالَ

تو جب سخت مایوس ہو گئے وہ بھائی سے اُس چھوٹے بھائی علیحدہ ہوئے سرگوشی کرنے کیلیے کہا

پھر جب اُس سے ناامید ہوئے الگ جا کر سرگوشی کرنے لگے۔ اُن کا

كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْۤا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ

بڑے نے اُن کے کیا نہیں جانا تم نے بیشک باپ نے تمہارے لیا ہے

بڑا بھائی بولا کیا تمہیں خبر نہیں کہ تمہارے باپ نے

عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا

پر تم سخت وعدہ طرف سے اللہ کی حالانکہ سے پہلے کتنی

تم سے اللہ کا عہد لیا تھا اور اس سے پہلے یوسف کے حق میں تم نے کیسی

فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ۚ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ

زیادتی کرچکے ہو تم بارے میں یوسف کے تو ہرگز نہ ہٹوں گا میں اِس علاقے سے

تقصیر کی تو میں یہاں سے نہ ٹلوں گا یہاں

حَتّٰی یَاْذَنَ لِیْٓ اَبِیْٓ اَوْ یَحْکُمَ اللّٰہُ لِیْ وَھُوَ

یہاں تک کہ اجازت دیں مجھ کو والد میرے یا فیصلہ اللہ کرے بیچ میرے اور وہ

یہاں تک کہ میرے باپ اجازت دیں یا اللہ مجھے حکم فرمائے اور اُس کا

خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ﴿۸۰﴾ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓی اَبِیْکُمْ

اچھا ہے سب فیصلے والوں سے. تم لوٹ جاؤ طرف باپ اپنے کے

حکم سب سے بہتر اپنے باپ کے پاس لوٹ کر جاؤ.

فَقُوْلُوْا یٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَھِدْنَآ

پھر کہو تم اے ابا جان بیشک تمہارے بیٹے نے چوری کی تھی اور نہیں شاہد کیا ہم نے

پھر عرض کرو کہ اے ہمارے باپ بیشک آپ کے بیٹے نے چوری کی اور ہم تو اتنی ہی بات کے گواہ ہوئے تھے

اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا کُنَّا لِلْغَیْبِ حٰفِظِیْنَ ﴿۸۱﴾

مگر اسی کا جو جانا ہم نے اور نہیں تھے ہم غیب کی حفاظت والے

جتنی ہمارے علم میں تھی اور ہم غیب کے نگہبان نہ تھے

وَسْـَٔلِ الْقَرْیَۃَ الَّتِیْ کُنَّا فِیْھَا وَالْعِیْرَ

اور پوچھ لو بستی سے جس میں تھے ہم اور قافلے سے

اور اس بستی سے پوچھ دیکھئے جس میں ہم تھے اور قافلے سے

الَّتِیْٓ اَقْبَلْنَا فِیْهَا ؕ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۸۲﴾

وہ کہ آئے ہم ہیں جس اور بیشک ہم البتہ سچ بولنے والے ہیں۔

جس میں ہم آئے اور ہم بیشک سچے ہیں۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف اور اُن کے بھائیوں کا آپس میں کچھ مکالمہ مذکور ہوا اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ حضرت یوسف کے دلائل قانونیہ کے سامنے وہ سب لاجواب ہو کر بنیامین کے بچانے میں ناکام ہو گئے جب انتہائی مایوس ہوئے تو اُن کے آپس کے مکالمے کا یہاں ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں شریعت کے مضبوط قانون پر مکالمہ ہوا تھا۔ اب ان آیات میں کئے ہوئے مضبوط وعدے پر مکالمہ ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں اُن باتوں کا ذکر ہوا جو یوسف علیہ السلام سے ہوئیں اب اُن باتوں کا ذکر ہے جو یعقوب علیہ السلام سے ہوئیں۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا اسْتَایْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِیًّا قَالَ كَبِیْرُهُمْ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَیْكُمْ مَّوْثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَ مِنْ قَبْلُ مَا فَرَّطْتُّمْ فِیْ یُوْسُفَ ف تعقیبیہ بمعنی ثم۔ لَمَّا اسم ظرف زمانی بمعنی جب اسْتَایْئَسُوْا فعل ماضی باب استفعال یَئِسَ سے مشتق ہے بمعنی بالکل مایوس ہونا کیونکہ باب استفعال میں آکر فعل کی زیادتی پیدا ہو جاتی ہے۔ مثال یائی و مہموز العین۔ اس کی تعلیل نحوی میں بہت قول ہیں مگر فضول۔ مِنْ جارہ ابتدائیہ ہٗ ضمیر مذکر کا مرجع بنیامین خَلَصُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع غائب باب نصر۔ مادہ صحیح تمام حروف اصلیہ ہیں نحوی واؤ جمع کے لیے اور الف آخری تخیمہ کے لیے خَلَصَ سے بنا ہے بمعنی خالص ہونا۔ چھٹکارا پانا۔ علیحدہ ہونا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع غائب پوشیدہ ہے نَجِیًّا حال ہے ھُمْ ضمیر جمع کا جو فاعل ہے خَلَصُوْا کا۔ نَجِیًّا کے واحد ہونے کی تین وجوہ۔
۱۔ نجی بمعنی ناجیا ہے یا مُناجیا۔ فاعل کے ہم معنی جیسے عشیر و خلیط بمعنی معاشر و مخالط۔ اور فاعل واحد آتا ہے ضمیر جمع کے لیے بھی اسی طرح یہ بھی۔ ۲۔ یا نجی صفت مشبہ ہے بروزن فعیل اور صفت میں مبالغہ ہوتا ہے اس لیے واحد ہی آتا ہے بوجہ مشابہ مصدر کے جیسے زیدٌ عدلٌ اور رجالٌ کرمٌ۔ ۳۔ یہ نجیا مصدر ہے اور مصدر جمع تثنیہ نہیں ہو سکتا قَالَ فعل ماضی بصیغہ واحد مذکر غائب اس کا نام کبیرھم۔ کبیر صفت مشبہ بروزن فعیل بمعنی اسم تفضیل اکبر یعنی سب میں بڑا۔ اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا۔ ہمزہ سوالیہ بمعنی کیا لَمْ تَعْلَمُوْا نفی جحد بلم مضارع بمعنی ماضی

قریب یہ اگلا سارا جملہ مقولہ ہے قال کا۔ علم سے بنا ہے بمعنیٰ حفظ یعنی یاد رکھنا۔ یہاں متعدی بیک مفعول ہے۔ اگلی عبارت تمام اس کی مفعول بہٖ ہے۔ اَنَّ حرف تحقیق بوجہ مفعول بہٖ درمیان کلام میں ہے اس لیے اَنَّ زبر سے ہوا۔ ابا۔ بحالتِ زبر اسم اَنَّ مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع حاضر مجرور متصل کا۔ قد اَخَذَ۔ فعل ماضی قریب بصیغہ واحد غائب ہُوَ ضمیر واحد غائب مستتر کا مرجع اَبا ہے۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لینا۔ عَلَیْکُمْ۔ علیٰ جارہ بمعنیٰ مِنْ۔ مگر اظہارِ شدت کے لیے بجائے مِنْ علیٰ فرمایا گیا۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر سے مراد باقی بھائی ہیں۔ مَوْثِقًا بروزنِ مَوْرِدًا مصدر میمی ہے وَثْقٌ مثال واوی سے بنا بمعنیٰ مضبوط گرہ۔ پکا وعدہ حلفیہ بیان۔ اسی سے ہے میثاق۔ مِنْ جارہ بیانیہ بمعنیٰ ب قسمیہ۔ تب یہاں لفظ قسم پوشیدہ ہے یعنی مِنْ قسم اللہ۔ وٗ عاطفہ قَبْلُ اسم ظرف مضاف ہے منوی مضاف الیہ ذَالِکَ کا اس لیے مبنی ہے ضمہ پر نا۔ اس میں تین قول۔

ملہ زائدہ ہے اور مِن قبلُ متعلق مقدم ہے فرطتم فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر حاضر کا یہ تفریطٌ باب تفعیلٌ سے ہے۔ بمعنیٰ غلطی کرنا۔ حد سے گزرنا۔ بڑھا چڑھا کر بیان کرنا۔ اندھی عقیدت رکھنا بہت زیادہ سستانا۔ یہاں یہ ہی آخری معنیٰ مراد ہیں (منجد عربی معجم۔ بسط)

ملہ ۲ ہر مَا مصدریہ ہے۔ اور مبتدا ہے اس کی خبر مقدم مِنْ قَبْلُ ہے۔ مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ خبر مبتدا میں کامل ہونا شرط لیکن اسماءِ ظروف بغیر اضافت کے ظاہری ناقص ہوتے ہیں۔

ملہ ۳ ہر مَا مصدریہ ہے اور منصوب ہے بوجہ عطف ہونے کے فعل تعلموا کے اَنَّ مفعول بہٖ پر۔ یا منصوب ہے بوجہ عطف ہونے کے اَنَّ کے اسم اَبا کے پورے پورے جملے پر۔ فی حرف جر ظرفیت کے لیے ہے بیانِ کیفیت میں یعنی بارے میں یُوسُفَ غیر منصرف مجرور ہے۔ فَلَنْ اَبْرَحَ الْاَرْضَ حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْ اَبِيْ اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ف تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ۔ لَنْ اَبْرَحَ۔ فعل مضارع منفی تاکید بلن بمعنیٰ مستقبل بحالتِ زبر بوجہ حرفِ ناصب بَرِحَ سے مشتق بمعنیٰ ہٹنا۔ رکنا۔ زائل ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں فعل تامہ بھی ہوتا ہے ناقصہ بھی مگر یہاں تامہ ہے اس لیے کہ ناقصہ کے لیے شرط ہے ظرفیت فِیْ جارہ کے ساتھ ہونا یہاں ظرفیت بغیر فی بھی نہیں اگر فِی الْاَرْضِ ہوتا تو یہ ناقصہ ہوتا اَلْاَرْضَ الف لام عہد خارجی مراد علاقۂ مصر ارض بحالتِ زبر مفعول بہٖ ہے۔ حتّٰی حرفِ جر بھی ہوتا ہے حرفِ عطف بھی۔ یہاں عاطفہ ہے اسی حتّٰی میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے انتہاءِ فعل کو بیان کرتا ہے یَاْذَنَ۔ فعل مضارع معروف بصیغہ واحد مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل اِذْنٌ مہموز الفا سے مشتق ہے لِی لام جارہ یٖ ضمیر متکلم واحد کے لیے ابی مرکب اضافی ظاہر فاعل ہے یاذن کا اَوْ حرفِ عطف پہلے کلام کو ختم کرنے کے لیے۔ یَحْکُمَ۔ مضارع بمعنیٰ مستقبل حتّٰی کے

پوشیدہ اَن نے اس کو نصب دیا اس سے پہلے اَوْ عاطفہ نے اس کو عطف کیا حُکم سے مشتق ہے بمعنیٰ فیصلہ کرنا حکم دینا۔ یہاں دونوں درست ہیں اس کا فاعل اسم ظاہر لفظ اللہ ہے۔ وَ عاطفہ بمعنیٰ وجہ علت ھُوَ ضمیر مبتدا اس کی خبر خَيْرُ الْحَاكِمِيْنَ لفظ خیر مضاف ہے طرف حاکمین کے بمعنیٰ اچھائی بھلائی۔ ہر طرح مفید۔ سب سے زیادہ صحیح یہاں یہ ہی آخری معنیٰ مناسب ہیں۔ الحاکمین۔ الف لام استغراقی ہے۔ جمع ہے حاکم اسم فاعل کا باب نصر سے جمع کثرت ہے۔ الف لام بمعنیٰ اَلَّذِیْنَ کی وجہ سے۔ اِرْجِعُوْا اِلٰی اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰۤاَبَانَاۤ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَاۤ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِیْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِیْۤ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ فعل امر حاضر بصیغۂ جمع مذکر خطاب وجوبی ہے دیگر بھائیوں کو رجعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ واپس جانا اگر بعد میں اِلٰی جارہ آئے۔ یہی معنیٰ ہیں کیونکہ یہاں بھی بعد میں اِلٰی ہے۔ اگر بعد میں عَنْ جارہ ہو تو بمعنیٰ واپس آنا۔ اگر بعد میں فی جارہ ہو تو واپس لینا۔ اِلٰی بحالت جر ہے بوجہ اِلٰی جارہ کُمْ سے مراد باقی ۹ نو عدد بھائی ہیں۔ فَقُوْلُوْا فَ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ مع تراخی قُوْلُوْا فعل امر بصیغۂ جمع مذکر حاضر مخاطب فاعل باقی واپسی والے بھائی یا حرف ندا پورا جملہ مقولہ متراخیہ ہے اَبَا منادیٰ مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے۔ اس لیے اَبَا زبر والا ہے۔ اِنَّ۔ حرف تحقیق ابنکَ اُس کا اسم بحالت زبر ابن سے مراد بنیامین اور کَ ضمیر واحد سے مراد والد یعقوب علیہ السّلام ہیں۔ سَرَقَ۔ فعل ماضی معروف باب ضَرَبَ سے ہے۔ اس کا فاعل ضمیر ھُوَ کا مرجع ابن ہے تقدم سے حصر اضافی کا فائدہ ہوا جس سے کلام میں خبریت کے ساتھ طعن بھی پیدا ہوا یہ خبرانّ ہے ایک قرأت سُرِّقَ فعل ماضی مجہول باب تفعیل سے ہے۔ جس میں حقیقت سے لاعلمی کا اظہار ہے۔ وحالیہ مَا شَهِدْنَا فعل ماضی معروف منفی بصیغۂ جمع متکلم۔ شُهُوْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حاضر ہونا۔ مشاہدہ کرنا۔ یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں یعنی ہم نے اس چوری کو کچھ نہ دیکھا۔ اِلَّا حرف اشتثنا سے مثتنا متصل ہے کیونکہ علم و مشاہدہ ہم معنیٰ بھی ہوتا ہے۔ اور اگر ہر دو کو علیحدہ رکھا جائے تو مستثنا منقطع ہے۔ اس اِلَّا نے مشاہدے کی نفی کو توڑ دیا۔ بِمَا ب بعضیت کی ما۔ موصولہ۔ ما نا فیہ پر کوئی حرف نہیں آسکتا۔ کیونکہ وہ خود حرف ہے۔ ما موصولہ اسم ہے۔ اصلاً غیر عقل والوں کے لیے مگر عقلا کے لیے بھی مستعمل ہے۔ بخلاف مَن موصولہ کے کہ وہ صرف عقلا کے لیے رہے عَلِمْنَا۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ صلہ ہے۔ وَ عاطفہ مَا شَهِدْنَا پر عطف ہے یہ سب عبارت سَرَقَ کا حال ہے۔ مَا كُنَّا۔ فعل ماضی قریب ناقصہ بصیغۂ جمع متکلم۔ نا ضمیر اس کا اسم لِلْغَيْبِ لام اوّل حرف جر۔ لام دوم معرفہ کا۔ استغراقی یعنی کوئی بھی غیب یا۔ عہد خارجی۔ یعنی اُس واقع کا غیب تب ماضی بعید ہے الغیب مصدر بمعنیٰ مفعول ہے یعنی غائب شدہ غیب کا لغوی ترجمہ وہ چیز جس کی طرف توجہ نہ ہو۔ غیب کا منقول شرعی معنیٰ۔ جو چیز حواس

خسر سے بد بیانی جا سکے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے حٰفِظِیْنَ کا یہ جمع ہے حافظٌ اسم فاعل کا۔ حفظٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ یاد رکھنا۔ حفاظت کرنا۔ جمع رکھنا۔ یہاں سب معنیٰ ہی سکتے ہیں۔ وَ سر جملہ ابتداء کلام کے لیے۔ اِسْئَلِ۔ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ سُئْلٌ سے مشتق ہے باب فَتَحَ سے ہے اباحت کے لیے ہے۔ یعنی ہماری طرف سے آپ کو بالکل پوچھنے کا اختیار ہے۔ قَرْیَۃَ۔ اسم جامد ہے بحالتِ نصب مفعول بہ ہے۔ بمعنیٰ چھوٹا شہر۔ بستی۔ مراد شہر مصر۔ کُنَّا۔ فعل ناقصہ ماضی بعید ہے نا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم فِیْھَا جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدِیْنَ اسم مفعول کے جو خبر ہے کُنَّا کی۔ وَ عاطفہ۔ اَلْعِیْرَ۔ الف لام عہد خارجی۔ عِیْرَ بحالتِ زبر عطف ہے قَرْیَۃَ پر۔ قریۃ ہر حال میں لفظی مؤنث ظاہر تھا اس لیے اَلَّتِیْ موصول مؤنث آیا۔ مگر عیر کے بعد عطف کی وجہ سے اَلَّتِیْ موصول مؤنث آیا۔ عیر کا لغوی ترجمہ بہت بھرنے والا۔ دراصل تھا عِیْیرٌ بروزن فَعِیْلٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔ اصطلاحی ترجمہ ہے اونٹوں کا قافلہ۔ اَلَّتِیْ اسم موصول مؤنث اَقْبَلْنَا۔ فعل ماضی بصیغۂ جمع متکلم قَبْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آگے ہونا شامل ہونا۔ قبول کرنا۔ ظاہر ہونا۔ واپس آنا۔ یہاں یہ ہی آخری معنیٰ مراد ہیں۔ فِیْ ظرفیہ جارہ متعلق ہے اَقْبَلْنَا کے ھَا کا مرجع عیر ہے۔ لفظ عیر غیر ذوی العقول ہے اس لیے ھَا ضمیر واحد مؤنث آئی۔ وَ۔ حالیہ یا عاطفہ۔ یا قسمیہ ہے تب لفظ اللہ پوشیدہ ہے۔ اِنَّا۔ دراصل ہے اِنَّ نَا۔ حرف تحقیق اور نا ضمیر اس کا اسم۔ خیال رہے کہ اِنَّ ہمزہ مکسورہ تب ہوگا جب کسی عامل کا معمول بن کر نہ آئے۔ اسی کو شروع کلام کہا جاتا ہے۔ اَنَّ اس کے برعکس ہے لام کے تحقیق کے لیے ہے۔ صٰدِقُوْنَ بحالت پیش ہے کیونکہ خبر اِنَّ ہے۔ جمع ہے صَادِقٌ اسم فاعل کی باب نَصَرَ سے ہے۔ صدقٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ۔ سچا ہونا۔ سچا بننا۔ سچا سمجھنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہے دوسرے معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا اسْتَيْأَسُوا مِنْهُ خَلَصُوا نَجِيًّا ۖ قَالَ كَبِيرُهُمْ أَلَمْ تَعْلَمُوا أَنَّ أَبَاكُمْ قَدْ أَخَذَ عَلَيْكُم مَّوْثِقًا مِّنَ اللَّهِ وَمِن قَبْلُ مَا فَرَّطتُمْ فِي يُوسُفَ ۖ فَلَنْ أَبْرَحَ الْأَرْضَ حَتَّىٰ يَأْذَنَ لِي أَبِي أَوْ يَحْكُمَ اللَّهُ لِي ۖ وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ۔ پھر جب کافی بحث مباحثہ حالات و دلائل بیان کرنے کے بعد بالکل ہی عزیز مصر کے فیصلہ بدلنے سے یا رحم کی درخواست قبول ہونے سے بنیامین کے واپس ملنے سے مایوس ہو گئے یعنی برادران یوسف نے دربار یوسفی میں ہر طرح کی چارہ جوئی کر لی مگر یوسف علیہ السلام نے شریعت کے فیصلہ میں بالکل لچک نہ پیدا ہونے دی اور قرآن مجید نے حضرت یوسف کی یہ استقامت بیان فرما کر قیامت تک مجرم کی سفارش کا دروازہ بند کر دیا۔ اور ہر شخص پر شرعی قانون کی بالادستی کر دی۔ کہ دنیا کے بادشاہی قانون بھی قانونِ شرعیہ الٰہیہ کے سامنے ٹھکرائے جا سکتے ہیں۔ اور بھائیوں نے بھی سمجھ لیا کہ یہ ہمارا ہی بیان کردہ شرعی قانون ہے

اِس کی اہمیت کا حال مسلم ہے اِس لیے ردّوبدل کی گنجائش نہیں دی جاسکتی لہٰذا وہ سب دربارِ شاہی کی عدالت سے نکل کر کسی جگہ ایک کونے میں علیحدہ جا بیٹھے سب سے دور ہو کر اور بہت آہستہ آپس میں صلاح مشورہ بات چیت کرنے لگے۔ اُدھر اُن کی آنکھوں کے سامنے ہی ظاہری جرم کی بنا پر مصری پولیس کے دو سپاہی بنیامین کو غلاموں کی طرح ہاتھوں کو اور گردن کو پکڑ کر دربار کے اندر کسی کمرے میں یا کسی طرف لے گئے جس کو دیکھ کر یہ سب آبدیدہ ہو گئے اور انتہائی پریشانی۔ غم۔ فکر میں اُس جگہ سے ہٹے اور کہنے لگے کہ جتنی پریشانی ہم کو آج پہنچی ہے ساری عمر کبھی نہیں تاریخوں میں ہے کہ ایک بھائی نے کہا ہم نے بھی ہمیشہ اپنے بڑوں کو ستایا ہی ہے جس کا بدلہ تو کچھ ملنا ہی ہے ایک نے کہا کہ آج پتہ لگا کہ کسی کے دل کا غم کیا ہوتا ہے یہی باتیں ہو رہی تھیں کہ اُن کے بڑے بھائی نے اِدھر اُدھر کی باتوں کا رخ موڑتے ہوئے آئندہ کے پروگرام کے متعلق کہا۔ وہ بڑا بھائی یاروبیل تھا کیونکہ وہ عمر میں بڑا تھا یا یہودا تھا کہ وہ عقل و علم میں باقی نو سے زیادہ تھا اور اُس کی بات مانی جاتی تھی یا شمعون تھا کہ وہ امیرِ قافلہ تھا۔ سب قافلہ والوں نے آج اِس کو سردار بنایا ہوا تھا۔ کیونکہ سب میں اونچا ڈیل ڈول اور طاقتور تھا۔ بولا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ تم سے تمہارے والد نے قسمیں لی ہوئی ہیں جیسا کہ تم نے اگر مجھ کو بتایا ہے اور اِس سے پہلے یوسف کے بارے میں جو ظلم زیادتیاں کر چکے ہو وہ بھی یاد ہیں۔ سب نے کہا واقعی اب ہم کس منہ سے جائیں گے اِس لیے ہم کوئی نہیں جائیں گے۔ سب کے سب یہیں کہیں منہ چھپا کر پڑے رہو پھر کسی نے کہا کہ اس سے تو اور زیادہ خرابی پڑے گی ایک یہ کہ وہاں گندم کا انتظار ہو رہا ہے گھر والے بھوکے ہیں۔ دوئم یہ کہ والد محترم سمجھیں گے شاید سب ہلاک ہو گئے تو انتہائی سخت غمزدہ ہو جائیں گے ایسا نہ ہو کہ غم سے فوت ہو جائیں۔ سوم یہ کہ گھر میں ہمارے علاوہ جوان مرد اور کوئی نہیں والد بوڑھے کمزور اور بیمار غمزدہ ہیں ہم نہ جائیں تو کاروبار دکانیں کون چلائے گا اور گھر کی دیگر ضروریات کون پوری کرے گا۔ اس لیے چلنا ضرور چاہیے۔ بڑے نے کہا ٹھیک ہے تم سب جاؤ مگر میں اِس وقت تک نہ جاؤں گا جب تک والد محترم مجھ کو خود اجازت نہ دیں یا اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے یا والد محترم پر وحی بھیج کر میرے لیے کوئی فیصلہ نہ فرمائے یا راہ ہموار نہ ہو جائے بنیامین کے نکالنے کی اور وہی اللہ تعالیٰ حاکموں میں سب سے اچھا حاکم ہے کہ اُس کا فیصلہ ہمیشہ حق مضبوط عدل و شاندار ہوتا ہے۔ اور اب تم باقی بھائی مجھے خدا پر چھوڑ کر جلد از جلد۔ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ لوٹ جاؤ سب ایک ساتھ اپنے والد کی خدمت میں اور تم سے میرے اور بنیامین کے بارے پوچھیں اور بنیامین کے بارے تو یقیناً پوچھیں گے یا تم خود ہی پہل کر کے کہہ دینا صاف صاف کہ اے ہمارے والد محترم بیشک تمہارے لاڈلے

چھپتے چھپائے بیٹھے بنیامین نے چوری کی ہے کہ کسی کو پتہ تک نہ چلا اور شاہی پیمانہ اُس کے سامان میں پہنچ گیا خبر نہیں کس وقت کس مہارت سے اُس نے ڈال لیا۔ لیکن ہم نے یہ بات صرف اپنی ظاہری معلومات کی بناپر کی ہے یہ ہماری شہادت نہیں ہے کیونکہ گواہی تو واقعہ کے مشاہدے سے ہوتی ہے ہم نے چوری کا مشاہدہ نہیں کیا نہ اقرار جرم سنا۔ ہم تو وہ خبر آپ کو دے رہے ہیں جو ہم نے وہاں جانی کہ جب ہم بستی مصر سے نکل کر ایک قریبی گاؤں کے اندر سے گزر رہے تھے اور کنعان کے دیگر لوگوں کا قافلہ بھی ہمارے ساتھ تھا تو شاہی کارندوں نے چوری کا اعلان کر کے ہم سب کو گرفتار کر لیا واپس لیجا کر تلاشی لی تو سب سے آخر میں بنیامین کی گندم میں سے پیالہ نکل آیا پھر عزیز مصر کی عدالت میں پیشی ہوئی تو بھی بنیامین نے اپنی صفائی میں اپنے جرم کے خلاف کوئی آواز نہ اٹھائی ہم نے برا بھلا کہا سپاہیوں نے گلے سے پکڑ کر گرفتار کیا ہم نے تو بہت کچھ شور واویلا کیا مگر بنیامین کچھ نہ بولا جس سے ہم نے اس خاموشی سے اقرار جرم کا اندازہ لگا لیا۔ ہم نے اس کی حفاظت کا وعدہ واقعی آپ سے کیا تھا مگر اُس کی غائبانہ حرکتوں پر کیسے نظر رکھی جاتی۔ یا ہو سکتا ہے پہلے بھی وہ گھر بازار میں چھوٹی موٹی چوری کر لیتا ہو ہم تو غیب کے محافظ نہیں ہیں۔ یا یہ سب کچھ جو ہم کو معلوم ہوا ہے وہ تو ظاہری حالات کی وجہ سے ہے حقیقت میں ہو سکتا ہے وہ چور نہ ہو اور اُس کی خاموشی ناگہانی آفت کے غم شدید کی بنا پر ہو۔ لیکن ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ اسی طرح ہے۔ بیشک اگر آپ کو ہم پر یقین نہیں آتا تو اُس بستی محلے والوں سے پوچھ لیا جائے جس میں سے ہم کو واپس لے جایا گیا اور سب بازار والوں گلی محلے والوں نے یہ نظارہ کیا یا مصر کی بستی سے پوچھ بھجوائیے اور نہیں تو اپنے محلے کے اُن کنعانیوں سے پوچھ لیجئے جو قافلے میں ہمارے ساتھ تھے۔ وہ بھی بتا دیں گے کہ ہم بیشک آپ سے سچ کہہ رہے ہیں اور ہم سچے ہیں ظاہری بھی سچے باطنی بھی۔ آپ واقعاتِ یوسف کو مدِ نظر رکھ کر ہم کو اب بھی جھوٹا خیال نہ فرمائیں آج تو ہمارے پاس اپنی سچائی پر بہت گواہ ہیں۔ وہ قافلے والے۔ بستی والے۔ کارندے۔ پولیس والے اور مصر کے بہت سے دیکھنے والے لوگ بلکہ خود عزیزِ مصر ہماری اس بیان کردہ سچائی پر گواہ ہیں۔ آپ کسی کو بھیج کر پتہ لگا لیں۔ غرض کہ انہوں نے خوب ہی مرچ مصالحے لگا کر بڑھا چڑھا کر اس واقعے کو بیان کیا تاکہ بنیامین والد کی نظروں سے گر جائے ہم قابلِ عزت بن جائیں اور والد محترم کا نیا غم پیدا نہ ہو۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند سبق اور فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ۔ مسلمانوں کو یہ عقیدہ رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو غیب کا علم عطا فرمایا جو اس عقیدے کے خلاف ہو وہ مسلمان کہلانے کا حقدار نہیں۔ اس لیے کہ غیبِ نبی کا ثبوت قرآن مجید کی صریحی آیتوں سے ہو رہا ہے یہ فائدہ عَسَى ٱللَّهُ أَن يَأْتِيَنِى بِهِمْ (الخ) سے حاصل ہو رہا ہے اس حادثے

کا ذکر حضرتِ یعقوب نے اِنِّیْ اَنْ یَّحْطَّ کہہ کر پہلے ہی غیبی خبر اور اشارے سے فرمادیا تھا۔
دوسرا فائدہ۔ برادرانِ یوسف کو اب ظالم کہنا یا لکھنا گناہ اور ظلم ہے کیونکہ انہوں نے نادم اور شرمندہ ہو کر اپنے تمام افعال کو شرعی اور اخلاقی جرم سمجھ لیا۔ جرم کو جرم سمجھ لینا اور اس پر نادم ہونا ہی توبہ کی اصلیت ہے صرف توبہ زبان سے کہنا توبہ نہیں اصل توبہ تو دل میں شرمندہ ہونا اور آئندہ باز رہتے بچنے کا ارادۂ قلبی کرنا توبہ ہے۔ یہ فائدہ قَالَ كَبِيْرُهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ۔** مسلمان کو چاہیئے اپنے وقار عزت اعتبار کو قائم رکھنے کے لیے ہمیشہ سچ بولے۔ سچ سے دین بھی بچتا ہے اور دنیا بھی۔ دیکھو برادرانِ یوسف نے پہلے ایک دفعہ جھوٹ بولا تو اب ان کو خود محسوس ہوا کہ ہمارا اعتبار نہ ہوگا خواہ اب کتنے ہی سچے کیوں نہ ہوں یہ فائدہ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ۔ جب تک جرم پورا ثابت نہ ہو جائے اُس وقت تک مجرم کے خلاف نہ گواہی جائز ہے نہ جرم کی سزا ہو سکتی ہے صرف مال برآمد ہو جانا چوری کا ثبوت نہیں اس لیے برادرانِ یوسف نے عرض کیا مَا شَهِدْنَا۔ ہم بنیامین کے چور ہونے کی گواہی نہیں دیتے۔ حضرت یوسف نے بنیامین کو روکا یہ چوری کی سزا نہ تھی صرف مال برآمد ہونے کا عوض تھا اور وہ بھی بھائیوں کے اِس کہنے کے بنا پر کہ جَزَاؤُهٗ مَنْ وُّجِدَ (الخ) اگر یہ چوری کی سزا ہوتی تو کہا جاتا جَزَاءُهٗ مَنْ سَرَقَ۔
دوسرا مسئلہ۔ گاؤں میں جمعہ جائز نہیں۔ غیر مقلد وہابی لوگ چھوٹے سے گاؤں میں بھی جائز مانتے ہیں اور دلیل لاتے اُس حدیث سے جس میں جمعہ کے لیے قریہ فرمایا گیا ہے۔ وہاں مراد قریہ سے شہر ہے اور شہر کے لیے قریہ کا استعمال ہوتا ہے جیسے کہ یہاں قریہ مصر جیسے بڑے شہر کو کہا گیا۔ یہ مسئلہ وَسْئَلِ الْقَرْيَةَ (الخ) کی ایک صحیح مشہور معتبر تفسیر سے مستنبط ہوا۔ بعض جہلا نے اپنے مسلک کو بچانے کے لیے یہاں قریہ کا ترجمہ گاؤں بھی کیا ہے اور کہا کہ دور کسی گاؤں میں پہنچ جانے کے بعد پکڑے گئے تھے اور والد کے سامنے اُس گاؤں کا ذکر کیا تھا مگر یہ سب باتیں فضول ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات پڑ سکتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَلَمَّا اسْتَايْئَسُوْا۔ جب وہ مایوس ہو گئے ایک اور آیت میں ہے اِذَا اسْتَايْئَسَ الرُّسُلُ جب رسول مایوس ہو گئے۔ یہاں اگلی آیت میں ہے کہ مایوس ہونا کافروں ناشکروں بدعقیدوں کا کام ہے۔
جواب۔ برادرانِ یوسف کا یہ مایوس ہونا عزیزِ مصر کی طرف سے ہے اور اللہ کے رسولوں کا مایوس ہونا کفار

سے ہے۔ یہ بالکل ٹھیک ہے بلکہ اہل ایمان کا دنیا اور اہل دنیا کے نفع سے مایوس ہونا تو عین ایمان ہے جس مایوسی کو کفر اور ناشکری بدعقیدگی کہا گیا ہے وہ اللہ سے مایوس ہونا ہے اس کے فضل و کرم اور رحمت و نعمت سے مایوس ہونا ہے وہ واقعی کفر ہے کافروں کا کام ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ بھائیوں نے والد کے سامنے بنیامین کو چور کہا۔ اِنَّ ابۡنَكَ سَرَقَ ۔ حالانکہ چوری کرتے کسی نے دیکھا نہ تھا نیز معترضین کے قول کے مطابق بنیامین نے خود بھی ملامت سن کر کہا تھا کہ میری بوری میں گلاس اسی نے رکھا ہے جس نے تمہاری بوریوں میں قیمت رکھی تھی۔ لہٰذا یہ اتہام ہے اور یہ مزید جرم ہے اس کی معافی بھی نہ منگوائی گئی۔

جواب۔ تفسیر کبیر نے اُس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ بنیامین کی اِن لفظوں میں اپنی صفائی پیش کرنی کمزور ہے۔ بھائیوں نے سوچا کہ اگر قیمت جس نے رکھی تھی اسی نے پیالہ رکھا تو پھر تلاش و تفتیش کیوں ہے قیمت کی تلاش کیوں نہ ہوئی اب تک نیز ہم سے تو بنیامین یہ کہہ رہا ہے مگر عدالت کے سامنے خاموش ہے۔ اور ظاہراً چوری ثابت ہے **دوسرا جواب** یہ کہ۔ بھائیوں کا ادھورا کلام مذکور ہوا پوری بات یہ ہے کہ۔ مصر کی انتظامیہ۔ عدالت اور اہل تفتیش کے قول کے مطابق اور ظاہری حالات میں اِنَّ ابۡنَكَ سَرَقَ تمہارے بیٹے نے چوری کی ہم گواہی نہیں دیتے۔ یہ جواب زیادہ درست ہے اگلی آیت کے مطابق ہے۔

تیسرا جواب یہ کہ۔ ہمیں ایسا لگتا ہے جیسے واقعی تمہارے بیٹے نے چوری کی ہے۔ اس جواب میں قَدۡ سَرَقَ ماضی احتمالی کے معنی میں ہے **چوتھا جواب** یہ کہ واقعی بیٹوں نے صاف کہا تھا کہ بنیامین نے چوری کی ہے۔ مگر یہ کہنا گناہ نہیں کیونکہ تہمت نہیں۔ جب کہ حالات بھی یہ ہی کہہ رہے ہیں اور عدالت کا فیصلہ و سزا بھی اسی لیے بنیامین کا جرم نہ کیا نہ بھائیوں سے معافی منگوائی گئی۔ **پانچواں جواب** یہ کہ ابن عباس کی قرأت ہے اِنَّ ابۡنَكَ سُرِّقَ تمہارے بیٹے کی طرف چوری منسوب کی گئی ہے۔ اس قرأت میں اعتراض ہی باقی نہ رہا۔

تفسیر صوفیانہ

فَلَمَّا اسۡتَايۡـَٔسُوۡا مِنۡهُ خَلَصُوۡا نَجِيًّا قَالَ كَبِيۡرُهُمۡ اَلَمۡ تَعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اَبَاكُمۡ قَدۡ اَخَذَ عَلَيۡكُمۡ مَّوۡثِقًا مِّنَ اللّٰهِ وَمِنۡ قَبۡلُ مَا فَرَّطْتُّمۡ فِىۡ يُوۡسُفَ فَلَنۡ اَبۡرَحَ الۡاَرۡضَ حَتّٰى يَاۡذَنَ لِىۡۤ اَبِىۡۤ اَوۡ يَحۡكُمَ اللّٰهُ لِىۡ وَهُوَ خَيۡرُ الۡحٰكِمِيۡنَ

صوفیا فرماتے ہیں کہ اہلِ دنیا جلدی مایوس ہو جاتے ہیں اور آستانۂ قدس سے ہٹ جاتے ہیں۔ دعاؤں التجاؤں کو ترک کر کے اپنی دنیا اور تدبیرِ دنیا میں مشغول ہو جاتے ہیں یہی اُن کی ازلی محرومی کا سبب بن جاتی ہے۔ انسان کی جلد بازی نے اُس کو ظلوم و جہول کا لقب دیا۔ مطالبِ جسدی میں عمر کے اعتبار سے روح بڑی ہے مشورے کے اعتبار سے عقل بڑی ہے۔ اور اختیار پسندی کے لحاظ سے نفس امارہ ہے جو اعضا کو اپنے اختیار میں رکھنا چاہتا ہے لیکن حقیقت میں ضمیرِ انسانی سب سے اعلیٰ رئیس و کبیر جو ہر موقع پر صحیح مشورے دیتا ہے۔

گناہوں پر ملامت لغزشوں خطاؤں پر بھی رہنمائی کرتا ہے صالحین اسی کے فرمان پر چلتے ہیں اس کی آواز پر لبیک کہتے ہیں۔ یہی بار بار طبیعتِ انسانی کو جھنجوڑ۔ جھنجوڑ کر آگاہ اور خبردار یا ملامت کرتی ہے کہ اے عالمِ ناسوت میں آکر غفلت کی ساعتیں گزارنے والو کیا تم کو کچھ یاد ہے کہ عالمِ ارواح میں محبوبِ قدیمی سے کیا وعدہ کرکے آئے تھے۔ یہ حیاتِ دنیا اس طرح حصولِ دنیا میں برباد کرنے کے لیے تو نہیں ملی۔ سابقہ زندگی کی کوتاہیاں کیا کم ہیں جو اب مزید بڑھاتے جا رہے ہو آنکھیں کھولو ہوش سنبھالو۔ قلبِ حسین کو تمہارے ہی عمل اور ارادے۔ نیت اور مکر کے ظلم نے برباد کیا۔ گناہ تم نے کئے سیاہی غم دل پر آئی۔ فریب تم نے کئے مصیبت دل کو پہنچی تمہاری سیاہ کاریوں نے روح کو تڑپایا۔ روایت میں ہے کہ سب اعضا زبان سے پناہ مانگتے کہ یا اللہ اس کے شر سے ہم کو بچا۔ سب اعضا گناہوں میں نفسِ امارہ کا ساتھ دیتے ہیں مگر ضمیر ساتھ نہیں دیتا اور کہتا ہے کہ میں تو مزید یہ ہمت نہیں پاتا کہ اپنی کوتاہیوں لغزشوں زبان درازیوں سے روح کو مزید غمزدہ کروں نہ تمہارے ساتھ کسی مزید چرب زبانی حیلہ بازی میں شریک ہو سکتا ہوں اس دنیا میں انسان کیا کچھ خرمستیاں نہیں کرتا یہاں عبرت کی آنکھ بند رہتی ہے لیکن جب موت کے سپاہی گرفتار کرکے لے جاتے ہیں اور عدالتِ قہاری کے فیصلہ سے متاعِ عمل اور دنیوی جاہ و جلال جس کی حفاظت کے لیے اور بچانے کے بڑے بڑے حیلے وعدے جتن کئے ہوئے تھے یکدم چھین لیے جاتے ہیں تب شرم کی گردنیں جھک جاتی ہیں اور پچھلے اعمال نامے پڑھنا واہوتا ہے اب ضمیر کی آواز اور اللہ کے فیصلے کا منتظر ہوتا ہے صوفیا فرماتے ہیں اے غافل بندے یہ آیتیں اس بات کا اشارہ فرما رہی ہیں کہ ہر بندے پر یہ شرمندگی کی ساعتیں آنے والی ہیں پہلے بنیامین کنعانی کا شیوہ اختیار کر لو۔ اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۔ اے حضوری بارگاہ سے محروم اور معرفتِ محبوب سے محجوب طالبو جاؤ ابھی تم مکاشفۂ انوار کے لائق نہیں لوٹ جاؤ مرشدِ ایمانی کی طرف اور کہدو کہ ہم اسرارِ غیب سے ناواقف ہی رہے نفسِ سلطانی کو نہ پہچان سکے مگر مریدِ باصفا نے ایک ہی ساعت پہلے نظارے میں قربِ کمال کے سارے درجے طے کر لیے اور پیمانۂ عشق کی چوری سے گرفتارِ حسنِ یار کر لیا گیا ہے۔ ہمارے پاس وہ تزکیۂ نفس نہ تھا جس سے باطنی حقیقت کا پتہ لگاتے ہم کو تو عالمِ ناسوت کا صرف ظاہری مشاہدہ ہی تھا ہم تو اسی مشاہدۂ ظاہری کو معراجِ معرفت سمجھ رہے تھے ہم اپنی کیفیاتِ واردات اور محرومی حالات میں سچے ہیں۔ اے مرشد و راہنما ہمارے قریۂ خلوت قافلۂ خلوت کو ملاحظہ کیجیے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جس طرح بیماری کے بعد تندرستی کی تمیز اور قدر ہوتی ہے غریبی سے امیری کی قدر۔ مصروفیات میں فراغت اور بدحالی میں خوشحالی کی شان کا پتہ چلتا ہے اسی طرح طالب سلوق

کو محرومی سے محبوبی کی قدر آئی ہے خوش بخت ہے وہ جس نے جوانی اور قرا قربت میں محبوب کو پا
یا منالیا۔

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ

فرمایا بلکہ الجھا دیا تم کو نفسوں نے تمہارے اس بارے میں

کہا تمہارے نفس نے تمہیں کچھ حیلہ بنا دیا

فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ

پس اب صبر ہی اچھا ہے عنقریب اللہ یہ کر لائے گا میرے پاس

تو اچھا صبر ہے کہ اللہ ان سب کو مجھ سے لا ملائے

بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۸۳﴾ وَ

ان کو اکٹھا بیشک وہ ہی بہت علم بہت حکمت والا ہے۔ اور

بیشک وہی علم و حکمت والا ہے۔ اور

تَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَ

ہٹ گئے پاس سے ان کے اور فرمایا ہائے افسوس پر یوسف اور

ان سے منہ پھیرا اور کہا ہائے افسوس یوسف کی جدائی پر

ابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ ﴿۸۴﴾

سفید پڑ چکی تھیں آنکھیں ان کی سے غم پس وہ شروع سے غصہ پینے والے تھے

اور اس کی آنکھیں غم سے سفید ہو گئیں تو وہ غصہ کھاتا رہا۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى

گھر والے بولے قسم اللہ کی آپ ہمیشہ ذکر کرتے ہی رہو گے یوسف کا یہاں تک کر

بولے خدا کی قسم آپ ہمیشہ یوسف کی یاد کرتے رہیں گے یہاں تک

تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ ﴿۸۵﴾

ہو جاؤ تم انتہائی کمزور یا ہو جاؤ تم سے ہلاکت والوں۔

کہ گور کنارے جا لگیں یا جان سے گذر جائیں۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَ

فرمایا فقط شکایت کرتا ہوں میں پریشانی اور غم اپنے کا طرف اللہ کے اور

کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کرتا ہوں اور

اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۶﴾

میں جانتا ہوں طرف سے اللہ کے وہ جو تم نہیں جانتے۔

مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں۔ جو تم نہیں جانتے۔

تعلق | اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت یوسف اور بھائیوں کی تفصیلی گفتگو کا تذکرہ تھا اب سب بھائیوں کے مصر آنے کے بعد یعقوب علیہ السلام کی گفتگو مذکور ہوئی۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت سے پتہ چلتا تھا کہ شاید یوسف علیہ السلام کے متعلق والد محترم حضرت یعقوب کو کچھ پتہ نہیں۔ مگر ان آیات کے طرزِ تکلم سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ حضرت یعقوب کو یوسف علیہ السلام کا پورا پورا علم تھا۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت یعقوب کے ان بیٹوں نے اپنے علم غیب کا انکار کیا اور یہی حقیقت تھی اب ان آیت میں حضرت یعقوب اپنے بارے میں صاف صاف خدا داد علم غیب کا اظہار فرما رہے ہے

ہیں اور یہی حقیقت تھی۔

تفسیر نحوی قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ قَالَ فعل ماضی کا فاعل حضرت یعقوب ہیں۔ اگلی عبارت قَالَ کا مقولہ ہے۔ حرف بل استدراک کے لیے ہے اس لیے اس سے پہلے ایک جملہ پوشیدہ ہے دراصل تھا۔ لَيْسَ الْحَقِيْقَةُ كَذَا ذَكَرْتُمْ یعنی حقیقت میں ایسا نہیں جیسا تم نے بیان کیا یا جیسا تم نے سنا بلکہ سَوَّلَتْ فعل ماضی باب تفعیل تسویل سَوْلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ۔ حقیقت کو چھپانا۔ بُرے کو اچھا بتانا پرانے کو خوبصورت بتانا۔ دھوکہ دینا۔ دھوکہ کھانا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہے۔ لَكُمْ۔ لام جارہ بمعنے مفعولیت۔ کُمْ ضمیر سے مراد یہی نو بھائی ہیں۔ اَنْفُسُكُمْ۔ مرکب اضافی فاعل ہے سَوَّلَتْ کا جمع ہے نَفْسٌ کی بمعنیٰ اپنے۔ یا بمعنی دل یا نفس امارہ یا ذہن۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اَمْرًا۔ بحالتِ زبر۔ مفعول فیہ ہے یا مفعول بہ بمعنیٰ معاملہ۔ کردار۔ یعنی معاملے میں دھوکہ کھلایا تم کو تمہارے اپنوں نے یا تمہارے نفسوں نے یا معاملے کا۔ فَصَبْرٌ ف تعقیبیہ صَبْرٌ۔ مصدر ہے مبتدا ہے بمعنیٰ بہادر بننا۔ مقابلہ کرنا۔ پابندی کرنا۔ برداشت کرنا۔ یہاں آخری معنیٰ میں ہے۔ جَمِيْلٌ جَمَالٌ سے مشتق ہے مبالغے کا صیغہ ہے بروزنِ فعیل بحالت رفع ہے کیونکہ خبر ہے مبتدا کی بمعنیٰ۔ خوبصورتی۔ خوشِ اخلاقی۔ خاموشی۔ بہتر۔ یہاں آخری دو معنیٰ مراد ہیں۔ عَسٰى فعل مقاربہ ماضی بمعنیٰ مستقبل بعض نحات کے نزدیک صرف فعل ماضی کے مشابہ اس کی پوری گردان ہوجاتی ہے۔ لیکن بعض کے نزدیک نہیں ہوتی بس یہ ایک ہی صیغہ ہوتا ہے۔ اللّٰہ بحالتِ رفع فاعل ہے عسٰی کا اسم۔ اَنْ حرف ناصب یہ پورا جملہ خبر ہے عسٰی کی۔ يَاْتِيَ۔ فعل مضارع بحالتِ نصب۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لانا۔ نون وقایہ ی ضمیر متکلم واحد منصوب متصل بحالتِ زیر بوجہ مفعول بہ۔ بِهِمْ ب جارہ معنیٰ ساتھ یا بمعنیٰ عَنْ۔ ہم ضمیر جمع مذکر مراد کم از کم تین فرد ہوتے ہیں جَمِيْعًا۔ صفت مشبہ کا صیغہ مبالغے کے لیے جمعٌ سے بنا ہے بحالتِ زبر ہے حال ہے۔ بمعنیٰ مل کر ایک وقت میں۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل عمل ہے اس کا اسم منصوب هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا برائے حصر۔ اَلْعَلِيْمُ مبالغہ کا صیغہ بمعنیٰ بہت ہی ہر وقت جاننے والا علمٌ سے مشتق ہے اَلْحَكِيْمُ حِكَمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ حکمت یعنی اچھے طریقے والا۔ دونوں لفظ خبر ہیں هُوَ مبتدا کی اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يَاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ۔ وَ نسر جملہ ہے یا حالیہ۔ زیادہ مناسب سر جملہ ہے۔ کیونکہ سابقہ کلام پھرنے کی حالت میں نہ تھا بلکہ پھرنا بعد میں تھا اور یہ جملہ ابتدائیہ ہے۔ تَوَلّٰى۔ فعل ماضی معروف واحد غائب باب تفعّل سے ہے وَلْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ہٹنا۔ پھرنا۔ یہاں دونوں معنیٰ مراد ہو سکتے ہیں دوست کو ولی بھی اس

اِس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز سے ہٹ کر دوستی میں مشغول ہوتا ہے عَنْھُمْ عن جارّہ استبعاد کے لیے ہے یعنی دوریِ مکانی۔ ھُمْ کا مرجع وہ بیٹے یا سب گھر والے۔ وَقَالَ۔ وَحالیہ۔ قَالَ۔ فعل ماضی مطلق یا اپنے معنیٰ میں یا ماضی استمراری کے لیے یَا اَسَفٰی حرف یا اپنے منادیٰ مضاف کے ساتھ دراصل تھا۔ اَسَفِیْ۔ آخری یٰ متکلم۔ مضاف الیہ کو بوجہ ثقل الف سے بدل دیا اسی لیے بعض نحویوں نے کہا کہ یہ الف اسم ہے کہ بدلے اسم ضمیر کے ہے اَسَفْ۔ مصدر مہموز الفا ہے اسی سے ہے تَاَسُّفْ۔ یعنی غم زدہ افسوس۔ عَلٰی جارّہ بمعنی فی ظرفیہ۔ یہاں لفظ امر پوشیدہ ہے یعنی فِیْ اَمْرِ یُوْسُفَ۔ وَابْیَضَّتْ جملہ اِبْیَضَّتْ فعل ماضی بصیغہ واحد مؤنث۔ باب اِفْعِلَالٌ اس کا مصدر اِبْیِضَاضٌ۔ ثلاثی مزید فیہ غیر ملحق برباعی با ہمزۂ وصل کا چوتھا باب ہے لازم ہے۔ بَیْضٌ اجوف یائی سے مشتق ہے۔ بمعنی سفید ہونا۔ عَیْنَا۔ تثنیہ ہے عَیْنٌ کا لفظ مشترک ہے یہاں بمعنی آنکھ ہے اِبْیَضَّتْ اور مِنَ الْحُزْنِ کے قرینے سے عَیْنَانِ نونِ تثنیہ بوجہ اضافت گر گئی۔ بحالتِ رفع (پیش) فاعل ہے اِبْیَضَّتْ کا۔ مِنَ جارّہ سببیہ اَلْحُزْنِ الف لام عہدِ خارجی حُزْن۔ دل میں بیٹھ جانے والا غم۔ فَھُوَ۔ فَ تعقیبیہ ھُوَ ضمیر کا مرجع حضرت یعقوب مبتدا ہے۔ کَظِیْمٌ خبر ہے مبتدا کی صفت مشبہ مبالغہ کے لیے ہے باب ضَرَبَ ایک قول میں بروزنِ غریب بمعنی کُتِمَ مگر صحیح تر باب کَرُمَ ہے۔ کَظْمٌ سے مشتق ہے بمعنی غصہ پینے والا۔ دل میں گھٹنے والا۔ یہاں دونوں معنیٰ مناسب ہیں قَالُوْا تَاللّٰہِ تَفْتَؤُا تَذْکُرُ یُوْسُفَ حَتّٰی تَکُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَکُوْنَ مِنَ الْھَالِکِیْنَ سب گھر والے مراد ہیں یعنی بیوی بچوں نے یہ کہا۔ تَاللّٰہِ۔ تَ جارّہ قسمیہ ہے۔ لفظِ اللّٰہ مقسم۔ تَفْتَؤُا۔ فعل ناقصہ مضارع بمعنیٰ مستقبل بحالت جزم ہے جواب قسم ہے ترجمہ ہے زائل ہونا فتوٌ یا فتیٌ سے مشتق ہے۔ مَافَتِیَ بھی آتا ہے۔ باب فَتَحَ سے تَفْتَحُ کے وزن پر ہے۔ اس کا اسم اَنْتَ ضمیر مستتر واحد مذکر حاضر کا مرجع یعقوب علیہ السّلام۔ تَذْکُرُ پورا جملہ اس کی خبر ہے۔ اس لیے پورا جملہ بحالتِ نصب ہے۔ نہ کہ فقط تَذْکُرُ۔ جیسا کہ بعض نحویوں کو دھوکا لگا۔ چونکہ تَفْتَؤُا کا جملہ جواب قسم ہے اور قسم ۲ قسم کی ہوتی ہے۔ مُثبت۔ منفی۔ مُثبت کی نشانی ہے کہ جواب قسم میں لام تاکید یا نون تاکید یا دونوں آئیں یہاں کوئی نہیں اس لیے یہ قسم منفی ہے۔ لَا پوشیدہ ہے دراصل تھا لَا تَفْتَؤُا۔ حکیم الامت اور اعلیٰ حضرت علیہما الرحمۃ دونوں کی ترجیح اسی طرف ہے۔ یعنی نہ رکو گے قسم ذکر کرنے سے یُوْسُفَ مفعول بہ ہے اس لیے بحالتِ زبر ہے۔ حَتّٰی حرف عطف انتہا کے لیے اس میں اَنْ ناصبِ مضارع پوشیدہ ہوتا ہمیشہ۔ تَکُوْنَ فعل ناقصہ مضارع مُثبت بمعنیٰ مستقبل بصیغہ واحد حاضر اسم اَنْتَ پوشیدہ کا مرجع حضرت یعقوب ہیں حَرَضًا خبر تَکُوْنَ ہے۔ مصدر مبالغہ کے لیے ہے۔ اس لیے اس میں واحد تثنیہ جمع مذکر۔ مؤنث یکساں ہے۔ اس کا معنیٰ ہے نقصان۔ اَوْ حرفِ عطف سابقہ کی مشکوک

نفی کے لیے یہ تَکُونَ معطوف ہے پہلے تَکُوْنَ پر اس لیے بحالت زبر ہے۔ مِنَ جارہ بعیضیت کا الھالکین۔ الف لام استغراقی ہے ھالکین جمع کثرت ہے ھالک کی لازم ہے۔ بمعنیٰ فنا ہونا ہلاک ہونا یعنی مرجانا۔

قَالَ اِنَّمَآ اَشْکُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَی اللّٰہِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰہِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ قَالَ ۔ فعل ماضی صیغہ واحد غائب کا فاعل یعقوب ہیں ۔ اِنَّمَا ۔ اِنَّ حرف تحقیق مَا کافہ نافیہ نے عمل اِنَّ کو لغو کرکے کلمۂ حصر بنادیا ۔ یعنی فقط یا بس ۔ اَشْکُوْا فعل مضارع صیغہ واحد متکلم بمعنیٰ مستقبل یا حال ۔ اعلحضرت نے اور ان کی تبع میں ہم نے بھی بمعنیٰ حال مرادلیا ہے ۔ اس لیے کہ کیفیت سے اور شانِ نبوت سے یہی لائق ہے اسی کو صبر جمیل کہتے ہیں ۔ شَکْوٌ سے بنا ہے باب نصر سے ہے ۔ شَکْوٌ ۔ ناقص وادی سے مشتق ہے ۔ لغتاً بمعنیٰ کھولنا ۔ اصطلاحاً بمعنیٰ چھوٹے مشکیزے کا پانی نکالنا استعارۃً بمعنیٰ شکوہ شکایت کرنا ۔ دکھڑے سنانا ۔ فریادیں کرنا ۔ یہاں بمعنیٰ دکھڑے سنانا ہے بَثِّیْ ۔ مرکب اضافی مضاف الیہ یاءِ متکلم ۔ بَثٌّ مصدر ہے مضاعف ثلاثی کا بمعنیٰ مبثوث ۔ ھَمٌّ حُزْنٌ ۔ بَثٌّ تینوں کے معنیٰ ہیں غم ۔ مگر جو دل میں ہی رہے ابھی کسی طرح ظاہر نہ ہو وہ حزن ہے ۔ جو علامات سے چہرے وغیرہ ظاہر ہوں ھَمٌّ ہے یہ غم کی زیادتی سے اور عروج سے ہوتا ہے ۔ اور جب اس سے عروج ہو جس کی بیقراری سنبھالی نہ جائے تو بَثٌّ ہے ۔ لغوی ترجمہ ۔ نشاناتِ اشیا ۔ اور بکھیرنا بھی ہیں ۔ یہاں مراد وہ انتہائی غم ہے جس کا تذکرہ رو کے نہ رکے ۔ وَ عاطفہ ۔ حُزْنِیْ مرکب اضافی بیاءِ متکلم ۔ یہ عطف ہوا بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اَشْکُوْا کا ۔ اِلَی اللّٰہِ جار و مجرور متعلق ہے اَشْکُوْا کا ۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے ۔ وَاَعْلَمُ ۔ واؤ سرِ جملہ ابتداءِ کلام کے لیے ۔ اَعْلَمُ اسم تفضیل عِلْمٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ زیادہ جاننے والا بمعنیٰ ماضی مِن جارہ کا معنیٰ ہے طرف سے اُس کے بتائے سے لفظ اللّٰہ مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کے ۔ مَا ۔ موصولہ بحالت زبر مفعول بہ ہے اَعْلَمُ کا ۔ لَا تَعْلَمُوْنَ منفی فعل مضارع معروف بصیغۂ جمع حاضر ۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر کا مرجع اہل خانہ ۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَکُمْ اَنْفُسُکُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ۔ عَسَی اللّٰہُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِھِمْ جَمِیْعًا ۔ اِنَّہٗ ھُوَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ۔ وَتَوَلّٰی عَنْھُمْ وَقَالَ یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنٰہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ ۔

فرمایا ۔ اے میرے بیٹو تمہاری لگی لپٹی باتوں سے مجھ کو کچھ سمجھ آرہی ہے کہ حقیقۃً بات وہ نہیں جو تم یقین دلانا چاہتے ہو کہ تمہاری جلد باز طبیعتوں نے دھوکہ کھلوادیا ان معاملات اور درپیش حالات میں اگر ذرا سوچ بچار فکر و تدبر سے اور تحمل سے غور کرتے ایک دم پریشان نہ ہو جاتے تو کبھی بھی بنیامین پر چوری ثابت نہ ہو سکتی ۔ ذرا اس پر ہی غور کر لیتے کہ جب بھی تم وہاں سے آئے تمہاری بوریوں میں کچھ نکل آتا ہے ۔ بس اِس پریشانی اور پہلی حسد و رقابت کی وجہ سے تم کو تمہارے نفسوں نے اپنی پاکدامنی اور بچاؤ پر ورغلا

دیا بنیامین کی ساری نیکیاں حسن سلوک کو بکلوم تم نے فراموش کر دیا اس لیے تمہارے نفسوں نے حقیقت حال کو جان کر چھپایا۔ تو اب بہر حال میرے لیے صبر ہی جمیل مفید سہارا ہے یا میرے لیے صبر جمیل ہی سہارا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صبر جمیل وہ ہے جس میں مخلوق کے سامنے اظہار شکوہ شکایت نہ ہو یا غم کی حالت میں اپنا کسی کا نقصان نہ کیا جائے۔ صبر جمیل کی نو۹ درجے ہیں۔

۱۔ شور نہ ہو۔ ۲ پیٹنا کوٹنا ماتم کرنا نہ ہو۔ ۳ اللہ کی شکایت نہ ہو۔ ۴ مخلوق کے سامنے اظہار مصیبت نہ ہو ۵ زمانہ یا موسم کو برا بھلا کہنا نہ ہو۔ ۶ جس کی طرف سے غم پہنچے اس کو گالی گلوچ نہ ہو۔ ۷ عبادات میں کمی نہ ہو ۸ اپنا نقصان یعنی گریبان پھاڑنا بال نوچنا وغیرہ نہ ہو۔ ۹ بالکل ہی غم کو چھپا لیا جائے یا اس طرح کہ گوشۂ تنہائی میں روپوش ہو جائے یا اس طرح کہ جب یاد نیری آ جاتی ہے ہم چھپ چھپ کر رو لیتے ہیں۔ حضرتِ یعقوب کا صبر اسی آخری درجہ کا تھا۔ یہ تو قلم و علم کی تحریریں ہیں ورنہ حقیقتِ صبر کا بیان ناممکن ہے صبر جمیل تو اس سے بھی بلند کیفیت ہے۔ تلخی صبر اور سختی غم وہی جانتا ہے جو اس میں مبتلا ہو۔ حضرت یعقوب نے دل میں کہا یا زبان سے کہا مگر بہت آہستہ یا بیٹوں سے ہی مخاطب ہو کر فرمایا۔ کہ تم نے مجھ کو وہ بتایا جو تمہارے نفسوں نے تم کو بھایا مگر میرا ضمیر فہم۔ اور اندازہ یہ کہتا ہے کہ بہت ہی جلدی عنقریب اللہ تعالیٰ ان تمام کو اکٹھا ایک دم میرے پاس لے آئے گا۔ بیشک وہ اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر وقت ہر چیز کو ہر طرح جاننے والا ہے اور کیا چیز کس وقت ہونا مناسب ہے اس کی حکمت جاننے والا بھی وہ ہی ہے۔ بندوں کو علم۔ فہم۔ شعور۔ ضمیر۔ اور اندازے سے جو کچھ معلوم ہوتا ہے وہ اسی کے بتانے سے ہوتا ہے۔ اسی لیے عالم الغیب صرف رب کی ذات ہے۔ اس کے بندے مُتعلّمُ الغیب مُظہرُ الغیب مُظہرِ الغیب ہو سکتے ہیں یہ کہا اللہ کی حمد و ثنا کی اور اُن سے بالکل دور علیحدہ گوشۂ خلوت میں چلے گئے پھر نہ کسی کی سُنی نہ کسی سے کہی۔ اور جاتے جاتے بس اتنا کہا۔ یا اللہ یوسف پر غم ہے۔ جو میرے اختیار سے باہر ہے یا۔ ہائے میرے غم یوسف پر۔ یا۔ اے میرے ہجر یوسف کی ساتھی غم۔ یا۔ ہائے افسوس یوسف پر۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرتِ یعقوب کو تقریباً تئیس سال غم یوسف کا ابتلا رہا اور اسی غم میں اتنا روئے کہ آنسوؤں کی گرمی اور مسلسل روانی سے آنکھوں پر سفیدی چھا گئی اور کالی پتلی بالکل سفیدی کے پردے میں چھپ گئی جس کو آج کل سفید موتیا کہا جاتا ہے۔ اسی کا ذکر یہاں ہے کہ ابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ اُن کی دونوں آنکھیں سفید پڑ گئیں غم کی وجہ سے اور بالکل ہی نابینا ہو گئے۔ جب یہ بیٹے بنیامین کی خبر لائے تو اُس وقت چھ سال بیت چکے تھے نابینا ہوئے۔ اب یہ مزید دھچکا لگا تو سابقہ غم دوبالا ہو کر بھرا اور بے اختیار

دبی ہوئی آہیں نکل پڑیں۔ پھر بھی وہ ہمارے رسولِ مکرم کمال تحمل سے اندر ہی اندر غصہ پینے والے۔ غم کھانے والے۔ دل میں درد گھونٹنے دبانے والے تھے بلکہ برداشت کے پہاڑ تھے۔ یہ افسوسناک سرد آہیں اور گھٹی گھٹی غم کی باتیں سن کر۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ قَالَ اِنَّمَاۤ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْۤ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ یہ غمزدہ اور افسوسناک اور آج اتنے عرصے کے بعد پھر دردِ فراقِ یوسف کی آہیں سن کر وہ بیٹے یا دیگر گھر والے یا سب بولے اے والدِ محترم اللہ کی قسم ابھی تک آپ یوسف کو بھولے نہیں حالانکہ تئیس سال عمر کا ایک بڑا حصہ گزر گیا یوسف کی ہڈیاں بھی باقی نہ رہی ہوں گی مگر آپ ہیں کہ نہیں چھوڑتے ہو یوسف کا تذکرہ ذکر کرتے ہی رہتے ہو یا کرتے ہی رہو گے یہاں تک نڈھال ہو جاؤ گے یا ہو جاؤ گے تم ہلاک ہونے والوں میں سے۔ یہ کلام انہوں نے بھی ترس کھاتے ہوئے فکرمندی اور افسوس میں کہا تھا اس خیال سے کہ شاید اپنی حالتِ بیماری بڑھاپے اور کمزوری اور دن بدن گرتی حالت کی طرف کچھ دھیان دیں۔ آج بیٹے اس بات کا غم کر رہے ہیں کہ کاش ہم کو معلوم ہوتا کہ محبتِ یوسف اور عشقِ محبوب کے اتنے گہرے نقوش ہوتے ہیں تو ہم کبھی بھی یوسف کو جدا نہ کرتے ہم تو یہی سمجھتے تھے کہ دو چار دن غم ہوگا پھر ہم سے ہی یکتا محبت پیدا ہوگی اب گویا مختلف قسم کے غموں میں سب گھر ہی مبتلا ہو گیا۔ حضرت یعقوب نے یہ تسلی آمیز گفتگو سن کر فرمایا کہ اے میرے گھر والو مجھ کو کسی سے کوئی شکوہ شکایت نہیں نہ میں اپنے درد کو ظاہر کر سکتا ہوں نہ دردِ فراق اور ہجران نصیبی کو لفظوں میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ میں اپنے اللہ کی طرف ہی اپنے ملال اور اپنے غم کی شکایت کرتا ہوں جو نے میرے دل کو پژمردہ اور کمر کو ٹیڑھا کر دیا ہے کیونکہ اس سے دنیا کی شکایت عین صبر ہے اور اس کی شکایت دنیا سے بے صبری ہے۔ خیال رہے کہ شکایت چار قسم کی ہے۔

۱۔ دنیا کی دنیا سے شکایت ۲۔ اللہ کی اللہ سے شکایت ۳۔ اللہ کی دنیا سے شکایت ۴۔ دنیا کی اللہ سے شکایت عوام کو پہلی آخری جائز ہے مگر خواص کو صرف آخری جائز۔ لیکن خاص الخاص کو زبان سے کوئی شکوہ شکایت بھی جائز نہیں حضرت یعقوب کا فرمانا اَشْكُوْا۔ یہاں قلبی کیفیت آنکھوں کے آنسو چہرے کی رجاہٹ سرد آہیں خلوت کی دعائیں مراد ہیں نہ کہ زبان کی فریادیں یا شکایتی الفاظ۔ اہلِ لغت اور محققین عارفین کے نزدیک بَثٌّ اور حُزْنٌ میں چھ طرح فرق ہے۔ بَثٌّ قلب کی گہرائی میں اتر جانیوالا غم۔ حزن عقل و دماغ پر چھا جانے والا غم ۲۔ بَثٌّ عشق کا غم حزنٌ محبت کا غم ۳۔ بَثٌّ باطنی غم حزنٌ ظاہری غم ۴۔ بَثٌّ روحانی غم حزنٌ جسمانی غم ۵۔ بَثٌّ نہ ختم ہونے والا غم حُزْنٌ تغیرِ حالات سے ختم ہو جانے والا غم ۶۔ بَثٌّ وہ روحانی غم جو جسمانیت کو گھلا دے۔ حزنٌ وہ جسمانی درد جو روح کو متاثر کر دے۔ اسرائیلیات کی کتاب

تالمود وغیرہ میں حضرت یعقوب کے بارے میں بڑے بڑے قصے بیان کئے ہیں ہمارے مفسرین متقدمین نے بھی ان کو نقل کر دیا ہے مگر حقیقتاً وہ سب غلط اور گستاخی ہیں۔ لکھا ہے کہ حضرت یعقوب نے ایک بکری کا بچہ ذبح کیا اور اُس کی ماں تڑپتی رہی اُس کی بد دعا سے یوسف و یعقوب کی جدائی ہوئی۔ نیز لکھا ہے کہ ایک لونڈی خریدی اُس کا شیر خوار بچہ نہ خریدا اس کی بد دعا لگی۔ کہیں لکھا ہے یعقوب علیہ السلام نے ایک بکری ذبح کی اور پکا کر خود ہی کھالی پڑوسی بھوکا تھا اس کو نہ پوچھا۔ اُس کی سزا رب تعالیٰ نے فراقِ یوسفی کی شکل میں دی۔ (العیاذ باللہ) وغیرہ وغیرہ یہ سب بکواسیات ہیں۔ ہم کو یہود و نصاریٰ سے شکایت نہیں وہ تو جہنم کے بیہودہ ہیں ہم کو تو اپنے مفسرین سے شکایت ہے جن کی ان ہی بھرمار نے تاریخِ اسلامی اور شانِ نبوت کو کھیل بنا دیا۔ اللہ کے نبی نہ کسی جانور کو ستا کے بد دعا لیتے ہیں نہ انسان کو نہ اُس پڑوس سے غافل۔ حضرت یعقوب نے فرمایا۔ اے میرے گھر والو میں اللہ کی طرف سے وہ وہ غیب۔ اسرار۔ اور حکمتیں۔ رمزیں۔ رحمتیں۔ برکتیں جانتا ہوں جو تم عام لوگ نہیں جانتے۔ اِس لیے میرا یوسف کو ابھی تک یاد کرنا۔ یاد رکھنا کسی علمِ لدنی کی بنا پر ہے۔ اور یہ حقیقت بھی ہے کہ نبی کی غیب دان آنکھ جو دیکھ لیتی ہے وہ کسی کی آنکھ میں طاقت نہیں عام تو درکنار غوث و قطب بلکہ صحابی پاک کو بھی وہ علم نصیب نہیں جو نبوت کو عطاءِ ربانی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کوئی نبی پیدائشی نابینا نہیں ہوئے ہاں درد و فراق اور خشیتِ الٰہی یا شوقِ وصلِ الٰہی میں تڑپ اور آہ و زاری سے آنکھوں کی بینائی جاتی رہتی یا پسِ پردہ ہو جاتی ثابت ہے جیسے کہ یہاں یعقوب علیہ السلام کا ذکر ہوا اور جیسے حضرت شعیب علیہ السلام خشیتِ الٰہی میں رو کے روتے نابینا ہو گئے تھے۔ بجز اِن پیغمبرانِ کرام کے کوئی نابینا نہ ہوا۔ یہ فائدہ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے علمِ غیب کے ذریعہ حضرت یوسف کے تمام حالات سے خبردار تھے۔ یہ فائدہ اَنْ يَّاْتِيَنِىْ بِهِمْ جَمِيْعًا (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ وہاں تو صرف شمعون اور بنیامین ہی رہ گئے تھے مگر آپ نے فرمایا بِهِمْ۔ ھُمْ ضمیر جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے یہ تیسرا کون تھا۔ یوسف ہی تو تھے۔ **تیسرا فائدہ**۔ کسی بھی مصیبت کے وقت کوئی بھی مسلمان اگر رب تعالیٰ سے فریاد یا مناجات یا شکوہ شکایت کرے تو وہ بے صبری نہیں ہے۔ ہاں بندوں سے شکوے کرنا بے صبری ہے حضرت یعقوب چالیس سال یا اسی سال ایک قول کے مطابق۔ زندہ ہے مگر کسی بندے سے کوئی شکوہ کبھی بھی نہ کیا۔ یہ فائدہ وَحُزْنِىْٓ اِلَى اللّٰهِ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند مسئلے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ پیاروں کے فراق اور غم میں رونا جائز ہے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے آخری فرزند پاک ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غم میں آنسوؤں سے روئے۔ یہ مسئلہ وَابْيَضَّتْ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کسی بھی غم میں افسوس کے کلمات کہنے جائز ہیں۔ یہ مسئلہ حضرت یعقوب کا یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ فرمانے سے مستنبط ہوا ہاں البتہ نوحہ کرنا کفریہ الفاظ بولنے پیٹنا کوٹنا حرام ہے جس کی حرمت آیات واحادیث سے ثابت ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کسی بزرگ کو کچھ سمجھانے کے لیے یا بچانے کے لیے ادب کے دائرے میں کچھ سخت لفظ کہنے گناہ یا بے ادبی نہیں جب کہ نیت فائدے اور خیر خواہی کی ہو۔ یہ مسئلہ تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا اور مِنَ الْهٰلِكِیْنَ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ جب کہ برادرانِ یوسف نے ایک حقیقی اور سچا واقعہ بیان کیا ہے کہ بنیامین چوری میں پکڑا گیا اور دور نزدیک کی گواہیاں بھی پیش کیں کہ ہم سچے ہیں تو حضرت یعقوب نے بجائے اہل قافلہ سے پوچھنے کے یہ کیوں فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ یہی بات اُس وقت کی تھی جب یوسف گم ہوئے تھے۔ حالانکہ دونوں کے ظاہری بیان میں اور حقیقت میں کافی فرق موجود ہے۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت یعقوب نے دراصل یہ اشارہ یوسف کی طرف کیا ہے اے بیٹو پہلے تم نے یوسف کو جدا کرنے کا ایک حیلہ بنایا تھا اور اب یوسف نے بنیامین کے جدا کرنے کا ایک حیلہ بنا لیا۔ کام وہ بھی میرے بیٹوں کا تھا کام یہ بھی میرے ہی بیٹے کا ہے۔ لہٰذا یہ ایک غیبی اشارہ ہے۔ دوم یہ کہ۔ سَوَّلَتْ۔ یہاں بمعنیٰ اَلْقَتْ ہے۔ یعنی تم سب کو تمہارے نفسوں نے اس خیال وہم میں ڈال دیا کہ بنیامین نے چوری کی ہے حالانکہ ایسا نہیں۔ پہلے سَوَّلَتْ کا یہ معنیٰ نہیں۔

دوسرا اعتراض۔ حضرت یعقوب نے بنیامین کا غم کر یا اَسَفٰی عَلٰی یوسف کیوں فرمایا۔ علیٰ بنیامین کہنا چاہیے تھا کہ یہ نیا غم نئی مصیبت تھی۔ اور نیا غم زیادہ سخت ہوتا ہے۔

جواب۔ اس لیے کہ فراق بنیامین نے غم یوسفی کو تازہ کر دیا۔ نیز فراق یوسفی فراق بنیامین سے زیادہ سخت تھی اور بہت طرح ان میں فرق ہے۔ یہ فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کر دیے گئے۔ نیا غم تب سخت لگتا ہے جب پہلے غم کے برابر ہو یا زیادہ ہو۔ اگر نیا غم کم ہو تو اس کو محبس لگنا کہتے ہیں جس سے پہلا غم شدید ہو جاتا ہے

تیسرا اعتراض۔ جب گھر والوں کو نہ تو یعقوب علیہ السلام کی طرح غیبی علم والہام تھا نہ حقیقتِ حال کا پتہ تھا تو انہوں نے کہہ کر قسم کیوں بولدی جھوٹی قسم تو گناہ ہوتی ہے۔ **جواب**۔ یہ یمین فور ہے جس کو یمین

کلام کے طور پر بولا جاتا ہے۔ وہ گناہ نہیں۔ یا یہ ظاہری حالات کی بنا پر ہے کہ ان حالات کے پیش نظر ایسا ہونا یقینی ہے۔ یہ قسم کلام کی تاکید کے لیے بولی جاتی۔ یہ بھی گناہ نہیں۔

چوتھا اعتراض۔ آج فرماتے ہیں۔ اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ یعنی میری کسی سے کوئی شکایت نہیں میں نے اپنا شکوہ و غم اللہ کے حضور پیش کیا ہے مگر پہلے فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ (الخ) پھر فرمایا یٰٓاَسَفٰى (الخ) یہ بھی تو لوگوں کے سامنے شکوہ شکایت ہی ہے۔ **جواب** یہ شکوہ نہیں بلکہ سَوَّلَتْ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے تم اپنے حیلوں سے مجھ کو دہوکہ نہیں دے سکتے۔ مجرم کو یہ پتہ دینا کہ تیری چالیں ناکام ہیں یہ عین عقل مندی ہے اور اس کے بہت فائدے ہوتے ہیں۔ اور یٰٓاَسَفٰى فرمانا۔ یا تو غیر اختیاری ہے اور یا یہ بھی اللہ سے فریاد ہے۔ جیساکہ تفسیر عالمانہ میں واضح کر دیا گیا۔ لہٰذا بے صبری وغیرہ کا کوئی اعتراض نہیں۔ حضرت یعقوب نے تو اپنے پڑوسیوں کو بھی کبھی دادِ غم کا نہ سنایا تھا۔ **پانچواں اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب کی آنکھیں غم سے نابینا ہو گئی تھیں حالانکہ غم سے آنکھیں نابینا نہیں ہوتیں غم تو دل میں ہوتا ہے **جواب**۔ غم دل میں ہوتا ہے غم سے رونا آتا ہے اور رونے سے آنکھیں خراب اور نابینا ہو جاتی ہیں۔ یہاں بات مختصر کرنے کے لیے اصل وجہ بیان کر دی گئی۔ **چھٹا اعتراض**۔ حضرت یعقوب نے بنیامین کی خبر سن کر یٰٓاَسَفٰى فرمایا اِنَّا لِلّٰهِ پڑھنا چاہیے **جواب**۔ یا اس لیے کہ اِنَّا لِلّٰهِ صرف مسلمانوں کو ملی ہے پہلے یہ کلمات مشہور تھے نہ اس کا شرعی حکم تھا۔ یا اس لیے کہ یٰٓاَسَفٰى دعا ہے اور ایسی حالت میں دعا زیادہ بہتر ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ؕ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ؕ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ

فناءِ قلب کے بعد عارف کا دل ماسوا اللہ کی محبت سے کٹ جاتا ہے اس میں محبت مخلوق کی گنجائش ہی نہیں رہتی۔ عارفِ کامل کو سارا عالم جلوہ گاہِ الوہیت معلوم ہوتا ہے۔ اور چہرۂ یوسف آئینۂ ذاتِ جمال ہے۔ اس کے رخ کو دیکھنا ہی ذاتِ جمال کا مشاہدہ کرنا ہے۔ رخِ یوسفی کے ماسوا کو دیکھ کر وصال یار کی امید کرنا۔ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ ہے۔ نفسانی دہوکہ ہے۔ کیونکہ سورج کی دہوپ اگرچہ سارے عالم پر جلوہ ریز ہے مگر ذاتِ سورج کو دیکھنے کے مشتاق رخِ آئینہ کو دیکھتے ہیں۔ اشیاءِ عالم سورج کی صفت کا مظہر ہیں یعنی دھوپ کا جس نے اشیا کو دیکھا صفاتِ آفتاب کو دیکھا لیکن آبگینہ ذاتِ سورج کا مظہر ہے جس نے آئینہ (آبگینہ) کو دیکھا سورج کی ذات کو دیکھا۔ برادرانِ یوسف اور تمام مخلوق صفاتِ ذات کو دیکھ سکتے ہیں مگر انبیاء کرام خود ذات کو مشاہدہ کرتے ہیں۔ آئینہ کو دیکھنے کا مقصد آئینہ نہیں ہوتا۔ بلکہ منظرِ آئینہ ہوتا ہے پر چہرۂ یوسف

دیکھنے کا مقصد یوسف نہ تھا بلکہ حضرت یعقوب کو چہرۂ یوسف میں جلوۂ یار نظر آتا تھا۔ ذات جل مجدہٗ کے انوار مشاہدہ ہوتے تھے۔ عشق یوسف کا نہ تھا جلوۂ کبریائی کا تھا۔ رونا یوسف کے لیے نہ تھا۔ یوسف تو ظلِ ذات تھا۔ اشیاءِ عالم دو قسم کی ہیں۔ ۱۔ تعلق دنیا والی۔ ۲۔ تعلق آخرت والی۔ متعلقاتِ دنیا مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ہیں مگر عارفِ کامل طالب ذات ہے۔ متعلقاتِ آخرت مظہرِ ذات ہیں عارفین اسی کے متلاشی ہیں۔ وَتَوَلّٰی عَنْهُمْ مظہرِ ذات کے ماسوا سے منہ موڑ لیتے ہیں۔ اور غیر کو دیکھنے سے اُن کی آنکھیں اندھی ہو جاتی ہیں۔ سورج کو مسلسل دیکھنے والا جب اپنی نگاہ سورج سے پھیرے تو سب چیزیں اُس کو سیاہ مجتے نظر آتی ہیں۔ آنکھیں بیکار ہو جاتی ہیں ذاتِ جلال کو دیکھ کر پھر کس کو دیکھا جا سکتا ہے۔ کون نظروں میں بچے دیکھ کے تلوا تیرا۔ فَهُوَ كَظِيْمٌ مسافرِ معرفت طالب ذات ہے باقی اشیا سے متنفر ہے۔ جب لذتِ مشاہدہٗ ذات چھپا دیا گیا تو صبرِ جمیل ہی عاشقِ ذات کا آخری سہارا ہے قَالُوْا تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ اہلِ ظاہر عاشقینِ ذات کے درد و فراق کو نہیں سمجھ پاتے۔ وہ یوسف قلبی کو صرف ایک عضو ہی سمجھتے ہیں جس کو فنا ہے۔ اسی لیے اُس کی یاد کو فناءِ روحانی اور ہلاکتِ جسمانی جانتے ہیں بجائے اس کے کر خود بھی اُس کی یاد سے لذت در پاتیں۔ عاشقِ صادق کو بھی روکتے اور ملعون کرتے ہیں۔ قَالَ اِنَّمَا اَشْكُوْا بَثِّيْ وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ مردانِ راہِ خدا جانتے ہیں کہ اہلِ دنیا جمالِ ذات سے ہیں اُن کے طعنے اُن کی جہالت کا پرتو ہے اُن کی نگاہیں ممکنات دھرتی لگی ہوئی۔ اس لیے وہ اپنا دردِ صرف اپنے محرمِ رازِ اللہ ربّ العزت کو ہی سنا تا بتاتا دکھاتا ہے۔ وہ اسمِ الٰہی ذاکر کتابِ معرفت کے وہ علم جانتا ہے جاہلِ سہ جہان والو تم نہیں جانتے۔ دنیوی۔ اُخروی اشیا کا فرق اس کو معلوم ہے کہ کس کی محبت حرام و ناجائز ہے اور کس کی محبت واجب ہے۔ یہ معرفت کی وہ چوٹی ہے۔ جہاں صرف انبیاء کی رسائی ہے۔ ہزاروں رابعہ بصریہ اِس کی رفعت سے بھی ناآشنا ہیں۔ کسی غوث و قطب کو معرفت کا یہ مقام حاصل نہیں اس دریاءِ معرفت اور بحرِ مشاہدات کے کنارے پر ہی سب رک جاتے ہیں۔ یہاں پر پہنچ سب کی انتہا ہے لیکن انبیاءِ کرام ہی بندگانِ کاملین ہیں۔ باقی تمام اولیا غوث و قطب ان کے در کے بھکاری۔

يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَ

اے بیٹو میرے جاؤ پس اچھی طرح تلاش کرو کو یوسف اور

اے بیٹو جاؤ یوسف اور اُس کے بھائی کا سراغ لگاؤ

أَخِيهِ وَلَا تَا۟يْـَٔسُوا مِن رَّوْحِ اللَّهِ ۖ إِنَّهُ لَا

بھائی اس کے اور نہ مایوس ہو تم سے رحمت اللہ کی بیشک نہیں

اور اللہ کی رحمت سے نا امید نہ ہو۔ بیشک اللہ کی

يَا۟يْـَٔسُ مِن رَّوْحِ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ ﴿٨٧﴾

مایوس ہوتی سے رحمت اللہ کی مگر قوم کا کافروں کی

رحمت سے ناامید نہیں ہوتے مگر کافر لوگ

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَيْهِ قَالُوا يَا أَيُّهَا الْعَزِيزُ مَسَّنَا

پھر جب کبھی داخل ہوئے وہ بھائی پر اُس بولے اے عزیز پہنچی ہم کو

پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے بولے اے عزیز ہمیں اور ہمارے گھر والوں کو

وَأَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجَاةٍ

اور گھر والوں کو ہمارے تنگدستی اور اس دفعہ لائے ہیں ہم قیمت معمولی

مصیبت پہنچی اور ہم بے قدر پونجی لے کر آئے ہیں

فَأَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ۖ إِنَّ اللَّهَ

لیکن پورا دینا ہم کو ناپ کا غلہ اور صدقہ سمجھ لینا ہم پر بیشک اللہ تعالیٰ

تو آپ ہمیں ناپ دیجئے اور ہم پر خیرات کیجئے بیشک اللہ

يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِينَ ﴿٨٨﴾ قَالَ هَلْ عَلِمْتُم

بدلہ دیتا ہے صدقہ کرنے والوں کو۔ فرمایا کیا تم نے کبھی غور کیا کہ

خیرات والوں کو صلہ دیتا ہے۔ بولے کچھ خبر ہے تم نے یوسف اور

مَا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَأَخِيهِ إِذْ أَنْتُمْ

کیا کیا تم نے ساتھ یوسف کے اور بھائی اُس کے اُس وقت جب تم

اُس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب تم

جَاهِلُونَ ﴿۸۹﴾

نادان تھے

نادان تھے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں یہ ذکر تھا کہ حضرت یعقوب بیٹوں کی باتیں سن کر غمزدہ ہو کر اُن کے پاس سے دور چلے گئے جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ بیٹوں اور گھر والوں کی طرح آپ بھی لا علم اور مایوس ہو گئے۔ اب ان آیت میں اس خیال کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ نہیں بلکہ حضرت یعقوب شان مومن بتانا چاہتے ہیں۔ کہ کسی حال میں بندے کو مایوس نہیں ہونا چاہیے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ان تمام بیٹوں کے متعلق یہ خیال گزرتا تھا کہ ان کی سابقہ ایذا رسانیوں کی بنا پر شاید حضرت یعقوب ان سے متنفر ہوں اور نبی کا کسی سے متنفر ہونا باعث کفر ہے تو یہ سب بیٹے کفر میں ہو چکے ہوں مگر ان آیات میں حضرت یعقوب کی ایسی گفتگو ارشاد ہوئی جس سے ان بیٹوں کے مومن ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں ان بھائیوں کے دو دفعہ مصر میں جانے کا ذکر ہوا اب ان آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت یوسف کی بارگاہ میں بھائیوں کی یہ تیسری اور آخری وہ حاضری ہے جو قحط کے سات سالوں میں غلہ لینے کی غرض سے ہوئی۔ اور تمام علاقوں کے لوگ انتہائی مفلسی فریبی اور غلہ مانہ حیثیت سے حاضر ہوئے۔

تفسیر نحوی يٰبَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُّوسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ۔ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ يا ندائیہ بَنِيَّ اسم مصغر اسم جلد ہے ابن تھا واحد ہے مگر مراد جمع مضاف یاء متکلم کی طرف۔ اِذْهَبُوا فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر ذَهَبٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی جانا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مفعول لہٗ ہے یا کے قائم مقام اُدْعُوا فعل پوشیدہ کا ف حرفِ تحقیق

بمعنی تبع۔ تَحَسَّسُوْا فعل امر جمع حاضر حسّ سے مشتق ہے باب تفعّل سے ہے۔ یعنی تحسّس ایک قول میں تحسّس اور تجسّس ہم معنیٰ ہیں (مرادف) مگر صحیح یہ ہے کہ اچھی مخبری کرنا تحسّس اور بری مخبری تجسّس ہے اسی سے ہے جاسوسی۔ مِن حرف جر ہے بمعنیٰ عن۔ اس لیے کہ تحسّس کے بعد عن ہی آتا ہے اور تجسّس کے بعد مِن۔ اسی بنا پر پہلے قول میں دونوں کو مرادف مانا گیا۔ یُوْسُفَ بحالت جرّ زبر آیا بوجہ غیر منصرف عَلَم و عجمی ہونے کی بنا پر۔ وَ عاطفہ اَخٌ اسم مکبّرہ ہے مضاف ہے ہ ضمیر کی طرف۔ و عاطفہ لَا تَایْئَسُوْا فعل نہی عطف ہے اِذْھَبُوْا پر مِنْ جارّہ رَوْح ر کے زبر سے یا رفع سے بمعنیٰ رحمت۔ مصدری مادہ ہے مضاف ہے بسوئے لفظ اللہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل ہ ضمیر شان اس کا اسم۔ لَا یَایْئَسُ فعل مضارع منفی بلا بمعنیٰ حال بیانِ حقیقت کے لیے مِنْ جارّہ رَوْح بمعنیٰ رحمت مرکب اضافی حسب سابق مجرور ہے اِلَّا حرف استثنا مفرغ کیونکہ مستثنیٰ منہ پوشیدہ ہے اَلْقَوْمُ بمعنیٰ مکمل گروہ موصوف اَلْکٰفِرُوْنَ صفت ہے۔ دونوں مل کر مستثنا ہوئے یا یہ اِلَّا بمعنیٰ سوا ہے یا غیرٌ ہے تب استثنا لغو ہوگا بہرحال انفصال نہیں اتّصال ہے۔ قوم معنوی مکسّی جمع ہے اس لیے اس کی صفت لفظی جمع ہے فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَیْهِ قَالُوْا یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ مَسَّنَا وَ اَهْلَنَا الضُّرُّ وَ جِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَیْلَ وَ تَصَدَّقْ عَلَیْنَا اِنَّ اللّٰهَ یَجْزِی الْمُتَصَدِّقِیْنَ ف تعقیبیہ یہاں عبارت پوشیدہ ہے یعنی والدِ مکرّم کی نئی نصیحت سن کر اس پر عمل کرنے کے لیے وہاں سے حرکت کر چلے۔ لمّا حرفِ شرط ہے دَخَلُوْا فعل ماضی اپنے ہی معنیٰ میں ہے اس کا فاعل نو بھائی عَلٰی حرفِ جر ہ ضمیر مجرور کا مرجع یوسف ہیں علٰی بمعنیٰ عِنْدَ ہے ظرفیت مکانی کے لیے۔ قَالُوْا فعل ماضی پورا جملہ فعلیہ جزا ہے ف جزائیہ لمّا کی وجہ سے نہیں آئی اس کا فاعل وہی بھائی ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا یا حرفِ ندا اس کا منادیٰ العزیز چونکہ معرّف بالف لام ہے اس لیے بلا ضرورت دو معرفہ کرنے والی چیزوں کے اجتماع سے بچنے کے لیے درمیان میں اسم موصول اَیُّ اور حرف تنبیہ ھا لگایا اس کا صلہ بوجہ تخفیف محذوف ہے اس لیے اَیُّ مبنی رفع سے ہے۔ مَسَّ فعل ماضی باب نصَرَ بموزن دُبَّ مَسٌّ سے مشتق متعدّی بیک مفعول ہے۔ بمعنیٰ چھو جانا۔ لگنا۔ پہنچنا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ نا ضمیر جمع متکلّم منصوب متّصل اپنے معطوف اَھْلَنَا سے مل کر مفعول بہ ہوگا مَسَّ کا واؤ حرفِ عطف ہے۔ اہل باقی گھر والے افراد وَ عاطفہ جِئْنَا فعل ماضی بصیغہ جمع متکلّم کا عطف ہے مَسَّنَا پر۔ یہ سب عبارت مفعول لَهٗ ہے نَدْعُوْا پوشیدہ کے۔ جَیْءٌ سے مشتق ہے باب سَمِعَ بمعنیٰ آنا۔ بِبِضَاعَةٍ بِ جارّہ بمعنیٰ مَعْ۔ بِضَاعَةٍ بِضْعٌ سے بنا ہے بروزنِ فِعَالَةٌ دِدَاعَةٌ تِجَارَةٌ ثلاثی کا مصدر ہے بمعنیٰ وہ سامان جو سفر کے لیے علیحدہ کرکے رکھا جائے۔ گوشت کے

کٹے ہوئے ٹکڑوں کو بِضْعٌ کہا جاتا ہے ب کے زیر سے بمعنی چند چیزیں۔ یہ موصوف ہے اس کی صفت ہے مزجات دراصل تھا مَزْجِيَةٍ یا مَزْجُوَةٍ بوجہ زبر ی۔ یا و الف سے بدلی گئی زَجْيٌ سے مشتق ہے بمعنی حقیر شی فَ سببیہ اَوْفِ فعل امر حاضر بصیغہ واحد مذکر وَفِیٌ سے بنا ہے بمعنی پورا کرنا لَنَا جار و مجرور متعلق ہے اَوْفِ باب افعال کے امر کا اَلْكَيْلَ بحالت زبر مفعول بہ اوف کا مراد ہے گندم کا قانونی مقرر شدہ ہر فرد کے لیے سال بھر کا حصہ۔ کَیْلٌ کے لغوی معنی ہیں ناپنا۔ یہاں بمعنی مفعول یعنی مکیلی گندم ہے۔ وَ۔ مرحلہ تَصَدَّقْ فعل امر حاضر واحد مذکر باب تَفَعُّلٌ سے ہے۔ بمعنی بلا معاوضہ و بلا استحقاق کوئی چیز مانگنی یا دینی صِدْقٌ سے بنا ہے بمعنی سچی یا حلال چیز علی حرف جار اپنے ہی معنی میں ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل کا مرجع یہی تمام موجود و غیر موجود اہل خانہ ہیں۔ اِنَّ حرف تنبیہ و تحقیق لفظ اللہ اس کا اسم ہے لہٰذا منصوب ہے یَجْزِیْ فعل مضارع بمعنی مستقبل یا بمعنی حال جَزْیٌ سے بنا ہے بمعنی بدلہ دینا۔ باب ضَرَبَ سے ہے متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے بدو مفعول بھی۔ جیسے جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا۔ اَلْمُتَصَدِّقِيْنَ جمع کثرت ہے مُتَصَدِّقٌ کا بوجہ الف لام بمعنی اَلَّذِيْنَ۔ بحث اسم فاعل ہے ترکیب میں مفعول بہ ہے یجزی کا۔ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ قَالَ فعل ماضی اس کا فاعل حضرت یوسف اگلی عبارت اس کا مقولہ ہے هَلْ حرف استفہام اقراری ہے لیے کلام کی اہمیت بنانے کے لیے عَلِمْتُمْ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر متعدی بدو مفعول ہے بیک مفعول بھی ہو سکتا ہے مَا اسم موصول ہے صلہ سے مل کر مفعول بہ ہے عَلِمْتُمْ کا فَعَلْتُمْ فعل ماضی کا فاعل ضمیر جمع حاضر ان سب کا مرجع برادران یوسف ہیں بِیُوْسُفَ ب کے معنی یہاں ساتھ ہیں یُوْسُفَ بحالت جر۔ وَ عاطفہ اَخِیْ اسم مکبرہ بحالت زیر عطف ہے یُوْسُفَ پر ہٖ ضمیر کا مرجع یُوْسُفَ ہے۔ اِذْ مفاجاتیہ ہے بمعنی اچانک۔ یا اِذْ ظرفیہ ہے بمعنی اب تم۔ جٰهِلُوْنَ۔ اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر۔ اس کا واحد جاہلٌ ہے جَهْلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی لاعلم یا ناواقف یا بھول جانے والا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ یہ کلام بطور طعن ہے یا بطور خبر۔

تفسیر عالمانہ يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ وَلَا تَايْـَٔسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ کافی دن خلوت میں مناجات کرنے بعد باہر تشریف لائے اور سب بیٹوں کو جمع کیا پھر فرمایا اے میرے بیٹو جاؤ اللہ کا نام لے کر پھر اپنی عقل و شعور کے حواس سے پتہ لگاؤ یوسف کا اور اس کے بھائی کا۔ ایک شاذ قرأت میں فَتَجَسَّسُوْا ہے۔ یعنی جاسوسی کرو تم۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ تحسُّس اور تجسُّس میں دو طرح فرق ہے ۱ تحسس خیر کی تلاش تجسس شر کی تلاش۔ ۲ تحسس کسی کی نیکیاں بھلائیاں تلاش کرنا تجسس کسی کی برائیاں نقائص عیب تلاش کرنا۔ لہٰذا تجسس

دشمن کرتا ہے تحسس دوست اور خیر خواہ کرتا ہے۔ اس لیے یہاں تحسسوا فرمایا نہ کہ تجسسوا۔ یوسف اور بھائی کا ذکر فرما کر اپنی غیب دانی کی طرف اشارہ فرما دیا کہ جہاں بھائی ہے وہیں یوسف ہے۔ اور تحسس صرف یوسف کا ہی ہے کیونکہ بنیامین کی خبر تو سب کو ہے۔ تیسرے بھائی کا نام نہ لیا حالانکہ بقول مفسرین بھائیوں کو واپس بھیج کر وہ بڑا بھائی بھی عزیز مصر کے پاس ہی چلا گیا تھا اور انہی کے مہمان خانے میں بصد عزت لطف اندوز تھا۔ بعض کے قول میں مصر میں ہی کہیں مزدوری کرنے لگ گیا تھا۔ بہر کیف مصر میں تھا۔ حضرت یعقوب سے وہ بھی جدا تھا مگر تلاش اور سراغ لگانے میں اس کا نام شامل نہ فرمایا کیونکہ وہ اپنے اختیار سے جدا ہوا تھا پھر وہ بڑا تھا سمجھدار اور جہاندیدہ تھا جب چاہتا آسکتا تھا۔ بیٹوں نے عرض کیا جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ہم یوسف کو کہاں ڈھونڈیں جو کبھی کا مر گیا اس کو تو بھیڑیا کھا گیا تھا اور بنیامین کا پتہ ہی ہے کہ کہاں ہے۔ جس کو بھیڑیا اٹھا کر لے گیا یقیناً اس نے کھا ہی لیا ہوگا ایسے فوت شدہ کو ہم کیا ڈھونڈیں تو حضرت یعقوب نے فرمایا۔ کہ اے بیٹو نہ مایوس ہو تم اللہ کی رحمت سے اللہ کی دی ہوئی زندگی سے۔ اس کی عجیب حکمت سے۔ اللہ کی فرحت کشادگی اور دی ہوئی خوشیوں سے۔ یا نہ مایوس ہو تم اس کی قدرت کاملہ صنعتِ غریبہ اور اسباب عجیبہ سے تم اپنے حواس کو درست کر کے نکلو تو پھر دیکھنا اس کا فضل کیا کرم کرتا ہے۔ بیشک نہیں مایوس ہوتے اللہ کی رحمت و فضل و قدرت سے مگر کافر لوگ ناشکرے اور بد عقیدہ انسان۔ کیونکہ کافر کا عقیدہ ہے کہ اللہ کمال پر قادر نہیں کل معلومات پر عالم نہیں۔ وہ کریم نہیں بخیل ہے معاذ اللہ۔ اور جس کے یہ عقائد ہوں وہ ہی کافر ہے مایوس ہے اسی لیے کافر آرام میں مغرور ہے۔ سہولت میں مغرور ہے۔ دولت میں مسرور ہے۔ غریبی میں مجبور ہے۔ مصیبت میں مایوس ہے۔ اور آخرت میں مقہور ہے نہ کبھی صابر نہ کبھی شاکر۔ مگر مومن کی شان ہی نرالی ہے وہ امیری میں شاکر عیش میں حامد۔ سہولت میں ساجد۔ مصیبت میں صابر۔ تکلیف میں ذاکر خلوت میں ناجی جلوت میں راجی ہے۔ وہ نہ کبھی یاس میں ہے نہ کبھی قنط میں۔ ہر حال میں اپنے کریم اللہ سے پر امید ہے۔ خیال رہے کہ یاس اور قنط میں چار طرح فرق ہے۔

۱۔ یاس وہ مایوسی ہے جو اسباب کے دیکھے بغیر ہو۔ قنط وہ مایوسی جس میں مصیبت ٹلنے کے کچھ اسباب نظر آتے ہوں۔ ۲۔ یاس وہ مایوسی جس میں مصیبت قریب ہو۔ قنط وہ مایوسی جس میں مصیبت ابھی دور ہو۔ ۳۔ یاس وہ مایوسی جس میں بچ نکلنے کا راہ یا عقلی تدبیر بھی سمجھ نہ آئے۔ قنط وہ مایوسی جس میں تدبیر کی راہ نظر آتی ہو۔ ۴۔ یاس وہ مایوسی جس کی مصیبت میں دنیوی سارے ساتھ ٹوٹ جائیں صرف اللہ ہی کا ایک آسرا ہو۔ قنط وہ مایوسی جس کی مصیبت میں مبتلا انسان کو دنیوی سہارے مل رہے ہوں۔ حضرت یعقوب

نے لَا تَقْنَطُوْا نہ فرمایا لَا تَيْئَسُوْا فرمایا۔ اس لیے کہ یہ مصیبت اور اس کا حل اللہ کی ذات کے سوا اور کسی کے پاس نہ تھا۔ سب آسرے سہارے ٹوٹ چکے تھے۔ ان جیسی مصیبتوں میں مایوس نہ ہونا مومن کی ہی شان ہے۔ حضرت یعقوب کے سمجھانے بجھانے یا دیسے ہی گندم کے لیے گھر سے مصر کی طرف نکل پڑے تفسیر کبیر وغیرہ نے لکھا کہ حضرت یعقوب نے ایک رقعہ بھی ساتھ لکھ کر دیا جس میں عزیز مصر کا سابقہ سلوک پر شکریہ ادا کیا اور اپنا تعارف کرایا اور بنیامین کو چھوڑنے بری کرنے کا لکھا مگر یہ غلط ہے اور یہودیوں کی من گھڑت ہے صرف اس لیے کہ اس میں یعقوب علیہ السلام کے رقعے میں یہ غلط بات شائع ہو جائے کہ یعقوب نے لکھا کہ میں اسحاق ذبیح اللہ کا بیٹا ہوں ابراہیم صابر ہوئے آگ میں جاکر اور خلیل ہوئے آگ گلزار بنا کر اسحق صابر رہے چھری کے نیچے آکر اور ذبیح اللہ ہوئے فدیہ لے کر۔ حالانکہ ذبیح اللہ حضرت اسماعیل ہیں اس کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ سوم میں دیکھو فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ پس جب داخل ہوئے دربار یوسفی میں تو بولے اے عزیز۔ اس دفعہ تو ہم بہت برے حالوں آئے ہم کو بھی اور گھر میں باقی ماندہ اہل خانہ کو بہت تکلیف اور غربت پہنچی بڑا بھائی جو کاروباری تھا وہ شرم کے مارے گھر رہ گیا۔ کاروبار بند قحط سالی زوروں پر نہ کچھ کمانے کو نہ کھانے کو جو تھوڑی بہت دولت درہم دینار کی شکل میں تھا وہ لے آئے ہیں۔ مگر وہ ایک تو تھوڑی ہے گندم کے بھاؤ سے پوری نہیں دوسرے یہ کہ پرانہ سکہ ہے جو آج کل کسی بازار میں چلتا نہیں کبھی کا گھر میں پڑا ہوا تھا آج انتہائی ضرورت کے پیش نظر اس کو نکالا مگر اس کو لیتا نہیں ہر جگہ ہر دکان سے مزجات یعنی واپس پھرا ہوا ہے۔ آپ کا ہی آستانہ ہے جس پر آس لے کر آگئے ہیں تاریخوں میں ہے کہ یہ وہی درہم تھے جو برادران یوسف نے یوسف کو بیچ کر حاصل کئے تھے اور کچھ چھوڑے تھے ایک قول ہے کہ گھر کا ادھڑا پھدھڑا سامان تھا بستر کمبل چمڑہ دری چٹائی۔ ایک قول ہے کہ وہ علاقہ کنعان کا سکہ تھا مصر میں نہ چلتا تھا اس لیے یہاں کھوٹا اور مُزجٰیۃ تھا مگر یہ قول صحیح نہیں۔ کیونکہ ہر علاقہ کے سکے آرہے تھے لیے جا رہے تھے تو اس میں کیا قباحت ہو سکتی ہے اور پھر پہلی دو مرتبہ لے لیا گیا تو اب کیا مواخذہ۔ نیز پہلے زمانوں میں کاغذ یا لوہے پیتل کے سکے نہ ہوتے تھے بلکہ خالص چاندی کے سکے جس کو درہم اور خالص سونے کے سکے جس کو دینار کہا جاتا تھا اور اسی رواج کی بنا پر آج تک سونا چاندی ہی اصل قیمت اور ثمن قرار پائی گئی ہے۔ اور وہ کبھی مزجاۃ یعنی کھوٹا نہیں ہو سکتا نہ پہلے کبھی بنا ہے۔ تفسیر معانی، کبیر نے لکھا کہ اس وقت مصر کے سکے پر یوسف علیہ السلام کی تصویر ہوتی تھی۔ مگر یہ اسرائیلی خرافات ہے جاندار کی تصویر ہر شریعت میں شروع سے حرام رہی آج کل کے فیشن پرست مسلمان مولوی اور پیر ہی

تفسیر لایعنی اور غلط اقوال کے سہارے ہر طرح کی بیہودہ من پسند عقیدے بناتے چلے جاتے ہیں خدا ہم کو ہدایت دے (آمین) قول پہلا ہی درست ہے کہ اے عزیز مصر ہم سے کھوٹے سکّے پرانے درہم ہی قبول کرلو اُس کے بدلے حسب سابق ہم کو ہمارے حصّہ کا غلّہ پورا ناپ کر دے دیجئے اور ہماری قیمت نہ دیکھئے اپنے کرم حُسن خلق اور فضل ورحمت کا صدقہ ہم پر کیجئے کیونکہ ہم اس وقت بے بس بیکس غریب قحط زدہ غمناک اور افسردہ ہیں۔ اور آپ صاحب ثروت۔ مالکِ دولت۔ حاملِ مروّت۔ وارثِ اخلاقِ حمیدہ ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں کہ بیشک اللہ تعالیٰ جلّ شانُہٗ ہر طرح کا صدقہ کرنے والوں کو ضرور بدلہ عطا فرمائے گا۔ یا یہ دعائیہ جملہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو اچھا بدلہ دے۔ روایتوں میں ہے کہ یہ قحط کا چوتھا سال تھا تمام وہ بھائی جنہوں نے کبھی یوسف علیہ السّلام کو ذلیل وخوار کرکے غلام بناکر بیچ دیا تھا آج منشاءِ قدرت سے اسی یوسف کے سامنے انتہائی ذلیل وخوار ہو رہے ہیں گویا کہ غلام بن کر صدقہ وخیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں یہی نہیں بلکہ علاقہ کے سارے لوگ پہلے سال دولت درہم دینار۔ دوسرے سال گھر کے زیورات تیسرے سال گھر کا تمام سامان چوتھے سال جانور غلام وغیرہ۔ پانچویں سال اپنے بیوی بچوں کو بیچ کر غلام بناکر غلّے کر گئے۔ چھٹے سال سب لے خود کو حضرتِ یوسف کی غلامی میں بیچا۔ ساتویں سال سارا غلّہ بھی ختم ہوگیا تو حضرتِ یوسف نے اپنا جمال دکھاکر لوگوں کی بھوک پیاس مٹائی اللہ اکبر۔ ایسا حسن تھا کہ جو دیکھتا اُس کی بھوک پیاس مٹ جاتی یہ تو شانِ حسن یوسف تھی مگر ہمارے آقا کے نام اور درود شریف کی شان یہ ہے بعض درود شریف بینائی بخشتے ہیں بعض درود شریف ٹھنڈک بخشتے ہیں۔ بعض نور۔ بعض سرور۔ یہاں تک کہ عارفین کا تجربہ ہے کہ درودِ رحمت بھوک پیاس اور روزے کی سختی مٹا دیتا ہے۔ حضرت علی فرماتے ہیں کہ مجھ کو نہ سردی لگتی ہے نہ گرمی کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا کہ میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ جلوہ دیکھا ہے جو شاید کسی نے نہ دیکھا ہو۔ تب سے سردی گرمی ختم ہوگئی۔ ساتویں سال جب سب غلامی میں آگئے اور نظارۂ حسن یوسفی کرلیا تب دریاءِ رحمت پروردگار جوشِ کرم پر آئی اور خوب بارش ہوئی بادشاہِ مصر اپنی حکومت اور سب کچھ تاج وتختِ شاہی آپ کے سپرد کرکے گوشہ نشین ہوگیا۔ بعض نے فرمایا کہ شاہِ مصر چوتھے سال مومن بنا اور ساتویں سال فوت ہوگیا۔ واللہُ اعلم بالصّواب۔ جب حضرت یوسف نے اپنے بھائیوں کی یہ فریادیں التجائیں سنیں اور غربت ومسکینی دیکھی تو نہایت افسردہ غمزدہ آبدیدہ ہوئے اور رہا نہ گیا کہ اب چھپایا جائے اور سمجھ گئے کہ اب یہ وقت منشاءِ الٰہی میں پردہ اٹھنے کا ہے۔ چنانچہ۔ قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ فرمایا اے آج انتہائی عاجز ومسکین بننے والے بھائیو کیا تم کو وہ سلوک معلوم ہے جو تم نے کبھی کیا تھا یوسف اور اُس کے سگے بھائی بنیامین کے ساتھ ایک کو ستاکر ایک کو تڑپاکر یا ایک کو گم کرکے اور

ایک کو طرح طرح کی طعن و تشنیع اور برائی کی ایذائیں دے کر یا ایک کو جسمانی ایذائیں دے کر اور ایک کو قلبی ایذائیں یا ایک کو غلام بنا کر ایک کو چور بنا کر۔ اور یہ سب کام اس وقت اس وجہ سے کیئے تھے کہ تم لڑکپن کی وجہ سے نادان تھے یا انجام سے بے خبر تھے۔ یا سوتیلے پن کے تعصب سے تم جاہل بنے ہوئے تھے۔ یا محبت پدری میں تم نے یوسف کو والد اور بھائی بہن سے جدا کیا۔ اور چاہا کہ ہم ہی صرف باپ کے پیارے بنے رہیں مگر یہ تمہاری جہالت تھی۔ یا یہ کہ تم ان تمام ظلم کے کاموں کی اخروی سزا سے ناواقف ہو۔ اور نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کیا سزا اور صابروں کو کیا جزاء دنیا اور آخرت میں عطا فرماتا ہے۔ تاریخوں میں ہے کہ حضرت یوسف کی ایک بہن بھی تھی جس کا نام زینب تھا فراق یوسفی کے وقت وہ موجود تھی مگر اب وہ فوت ہو چکی تھی اس لیے اُس کا ذکر نہ کیا گیا۔ یوسف علیہ السلام سے چھوٹی بنیامین سے بڑی تھی۔ عربی قصوں میں بھی اُس کا ذکر آتا ہے ایک قول میں وہ مصر آئی ہے اور اب تک زندہ تھی مگر مستورات کی وجہ سے اُس کا ذکر نہیں آیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ از تفسیر خازن۔ معانی۔ مظہری۔ بیان۔ کبیر۔ صاوی۔ مدارک۔ جمال۔ خزائن۔ ضیاء القرآن۔ نور العرفان وغیرہ۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ تلاش حق کے لیے سفر کرنا ضروری ہے اور سنت انبیاء کرام ہے دیکھو حضرت یعقوب نے یوسف علیہ السلام کی تلاش کے لیے سفر کرایا۔ تو رحمۃ الٰہیہ کی تلاش کے لیئے بزرگوں۔ ولیوں غوثوں قطبوں اور نیک بندوں کے پاس سفر کیئے جانا بھی باعث ثواب اور مفید ہے یہ فائدہ۔ یٰبَنِیَّ اذْهَبُوْا (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ اگر دعاؤں کی قبولیت میں دیر لگے تو دل تنگ یا مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ دیر تو دعاء نبوت کی قبولیت میں بھی ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ۔ لَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ بندوں سے اپنی حاجات ضروریات مانگنا اللہ کی خوشنودی اور رضا کا سبب ہے۔ دیکھو نبی کے حکم سے نبی زادے غیر اللہ یعنی عزیز مصر کے سامنے فریاد کر رہے ہیں اور اپنی حاجتیں بیان کر رہے جب کہ ابھی انہیں پتہ بھی نہیں کہ یہ عزیز مصر مومن ہے یا نہیں تو اللہ کے ولی کے سامنے دعا مانگنا مشکلکشائی چاہنا بھی خوشنودی الٰہی ہے یہ فائدہ یٰاَيُّهَا الْعَزِيْزُ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کھانے کی چیزیں ناپ کر بیچنا جائز ہے۔ جب کہ دیگر آئمہ فرماتے ہیں کہ تول کر بیچنی چاہیئے۔ امام اعظم کا مسلک فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ (الخ) سے مستنبط ہوا اور حنفی مسلک میں گنگر ناپ کر تول کر ہر طرح جائز ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ صاحب مال

اپنا مال ہر طرح بیچ سکتا ہے۔ سستا۔ مہنگا۔ کسی کو سستا۔ کسی کو بھاؤ سے۔ اور جس کو چاہے مفت بھی دے سکتا ہے۔ نیز پہلے زمانے میں بادشاہ مال کے مالک ہوتے تھے آج جمہوریت کے دور میں ملک کا رہنما تنخواہ دار ہے اس لیے یہ مالک نہیں ہوتا۔ بلکہ گورنمنٹی چیزوں کی ملکیت کسی فرد واحد کی نہیں ہوتی۔ **تیسرا مسئلہ**۔ جب تک کسی کے ایمان یا مسلمان ہونے کا پورا علم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کو اُخروی دعا دینا منع ہے۔ اسی طرح ابتداءً سلام کرنا بھی منع ہے کیونکہ یہ بھی اُخروی دعا ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

اس آیتِ کریمہ پر چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ والدِ محترم نے تو بیٹوں کو یوسف و بنیامین کے تجسس۔ اور تلاش کے لیے بھیجا تھا یہ سب کچھ چھوڑ کر غلہ مانگنے اور اپنی غربت بھوک پیاس بتانے عزیزِ مصر کے پاس کیوں چلے گئے۔ جواب۔ اس لیے کہ یوسف کے متعلق تو ان کا خیال تھا کہ وہ تو کبھی کے فوت ہو گئے ہیں یا غلام بنتے بنتے نہ معلوم کہاں پہنچ گئے ہوں۔ اُن کو کہاں تلاش کریں یہ مہم تو انتہائی مشکل بلکہ ناممکن کی حد تک ہے البتہ بنیامین کو کسی نہ کسی طریقے سے چھڑانے کے لیے ایک مرتبہ پھر کچھ کر کے دیکھ لیتے ہیں اس لیے سیدھا عزیزِ مصر کے پاس آئے اور اس کے دل کو نرم کرنے ترس کھلانے کی غرض سے نہایت عجز و مسکینیت کا اظہار کیا اور سوچا کہ جب یہاں اس کا دل نرم ہو گیا تو شاید اگر مرحلہ کچھ آسان ہو جائے اور ہم بنیامین کو چھڑا سکیں مگر یہاں تو معاملہ ہی کچھ اور آ گئی جس کا ان کو وہم و گمان بھی نہ تھا۔ خیال رہے کہ برادرانِ یوسف نے دربارِ مصر میں کسی ملاقات کے دوران بھی اپنی اکڑ پھکڑ لڑائی جھگڑا نہ دکھایا نہ طاقت کا مظاہرہ کیا۔ جیسا کہ بعض مفسرین اسرائیلیات کا سہارا لے کر اس طرح کی غلط بیانی لکھ گئے ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو آج یہ مسکینیت کلام ہدائی۔ **دوسرا اعتراض**۔ بھائیوں نے اپنے اور گھر والوں کے لیے صدقہ کیوں مانگا اور وہ بھی اس بادشاہ سے جس کے مومن ہونے کا بھی اُن کو پتہ نہیں۔ صدقہ مانگنا تو بہت معیوب کام ہے اور نبی اور نبی زادوں کے لیے تو حرام ہے۔

جواب۔ اس کے چار جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہاں صدقہ بمعنی مہربانی اور تفضل ہے نہ کہ خیرات اور اس لیے جائز ہے کہ کسی چیز کا بھاؤ کم کرانا کسی لہجے میں بھی ہو جائز ہے۔ دوئم یہ کہ نفلی صدقہ مانگنا جائز ہے معیوب نہیں۔ آج ختم شریف کی مٹھائی۔ قربانی کا گوشت منہ مانگ کر لیا جاتا ہے حالانکہ یہ سب نفلی صدقات ہیں۔ سوئم یہ کہ یہ صدقہ غلہ کا نہیں مانگا بلکہ دبے لفظوں میں بنیامین کو مانگا تھا اسی لیے وَتَصَدَّقْ (الخ) بعد میں الگ بولا۔ چہارم یہ کہ صدقہ زمنی صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آل پر حرام ہے پہلے انبیاء کرام کے زمانوں

میں یا تو صدقہ فرض تھا ہی نہیں یا تھا تو کسی غریب پر حرام نہ تھا ہر غریب نبی غیر نبی لے سکتا تھا۔ مگر یہ جواب کمزور ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ حضرت یوسف نے وَاَخِیۡہِ ساتھ کیوں فرمایا۔ یوسف علیہ السلام پر تو جو ظلم کیا تھا وہ ظاہر تھا بنیامین پر کیا ظلم کیا تھا۔ نہ قید کرایا چوری کا مشورہ دیا۔ **جواب**۔ یا پیالہ برآمد ہونے پر سن لعن مراد ہے یا جدائی کا غم ڈالنا مراد ہے جیسے کہ والد پر غم ڈالا تھا۔ **چوتھا اعتراض**۔ حضرت یوسف نے اپنے بڑے بھائیوں کو جاہل کہا یہ تو معاذ اللہ۔ بداخلاقی ہے۔ بڑوں کا ادب اور توقیر کرنا چاہیئے۔ کسی کو جاہل کہنا تو گالی کے درجہ میں ہے۔ **جواب**۔ یہاں جاہل بمعنیٰ لغوی ہے یعنی نادان ناواقف اور یہ ان کی تسلی اور خوف دور کرنے کے لیے ہے بطورِ مہربانی ہے یا حضرت یوسف عدالت کے قاضی ہیں اور عدالت میں بات کر رہے ہیں اور یہ بھائی بطورِ مجرم ہیں۔ قاضیٔ وقت مجرم کو برا بھلا کہہ سکتا ہے۔ نیز برادرانِ یوسف صرف عمر میں بڑے ہیں درجہ عہدے یا شان میں بڑے نہیں اور اصل بزرگی شان سے ہوتی ہے اور پھر شانِ نبوت تو بہت اعلیٰ ہے نبی تو اپنے غیر نبی والد سے بھی افضل ہے۔ اور پھر انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ عدالت میں کسی رشتے داری یا بھائی برادری کی بڑائی کا لحاظ نہ رکھا جائے۔ مجرم کو مجرم ہی کہا اور سمجھا جائے۔ **پانچواں اعتراض**۔ آیت میں رحمۃ سے مایوسی کرنے والے کو کافر کہا گیا ہے حالانکہ بہت سے مسلمان مایوس ہوتے ہیں حدیث میں آتا ہے ایک شخص نے مرتے وقت بخشش سے مایوس ہو کر خود کو جلانے کا حکم دیا تھا جس کو بعد میں رب تعالیٰ نے زندہ کر کے بخش دیا تھا۔

جواب۔ اولاً تو یہاں ایک قول کے مطابق کافر سے ناشکرا مراد ہے۔ دوم یہ کہ مایوسی والا کافر نہیں ہو جاتا بلکہ مایوسی کو کفر کی نشانی فرمایا گیا ہے جیسے کوئی کہے کہ جوڑا لنگھا کڑا سکھوں کی نشانی ہے تو کوئی مسلمان یہ کام کر کے اسلام سے خارج نہ ہوگا۔ حدیث پاک میں جس کا ذکر ہے وہ مایوس نہ تھا بلکہ یہ وحشت ہیبتِ الٰہی سے کی تھی۔

تفسیر صوفیانہ یٰبَنِیَّ اذۡهَبُوۡا فَتَحَسَّسُوۡا مِنۡ یُّوۡسُفَ وَاَخِیۡهِ وَلَا تَایۡـَٔسُوۡا مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ لَا یَایۡـَٔسُ مِنۡ رَّوۡحِ اللّٰهِ اِلَّا الۡقَوۡمُ الۡكٰفِرُوۡنَ ان آیات میں وادیٔ معرفت کے ان نئے مسافرانِ طریقت کی سستی کاہلی کی طرف اشارہ ہے جو پہلے تو بخوشی جبہ و دستار پہن کر راہِ منزل کے شہسواروں میں شامل ہو جاتے ہیں مگر کچھ دور ہی چل کر جب ریاضت و مجاہدے کی گرمی میدانِ عشق کا لق و دق بیابانِ ناپیدا کنار نظر آتا ہے تو راہ میں بیٹھ رہتے ہیں مطلوب کی تلاش سے روگردانی کرتے ہیں اور معرفتِ محبوب اور لقاءِ حبیب سے مایوس ہو جاتے ہیں ان کو سمجھایا جا رہا ہے کہ روحانی بیٹو مریدانِ نوساختہ و نوخاستہ۔ ابھی سے گھبرا گئے ابھی تو دو ملاقاتیں اور ایک ہی گرفت ہوئی ہے جاؤ اور اس طالب و سیلے کے اندر قلب منور

اور اُس کے اَسرارِ قدرت کو تلاش کرو۔ یہ زندگی تلاشِ یار کے لیے بنی ہے نہ کہ میٹھی نیند کے لیے۔ ہر سہارے ہر بھروسے تمام اَسباب سے منہ موڑ کر اَب ذرا اللہ کی رحمت کے ساتھ لگ جاؤ پھر دیکھو کہ رحمتِ رب تعالیٰ کس طرح تمہاری فریادرسی فرماتی ہے۔ سب سے مایوس ہو کر اُس کی رحمت سے امیدیں لگا لو۔ اس سے مایوس مت ہونا کیونکہ اُس سے مایوس وہی ہوتا ہے جو بلا ایمان چلنے پڑا لا مؤمن نہیں ہے بلکہ منزلِ معرفت کا راہ مار کافر ہے۔ عشقِ الٰہی سے بدعقیدہ۔ کمالاتِ ذات سے ناواقف۔ انوارِ صفات کا منکر ہے۔ مایوس کی محنت برباد زندگی ناشاد آخرت تباہ روح فنا۔ فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ فَاَوْفِ لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِى الْمُتَصَدِّقِيْنَ یہی لگن والا طالبِ صادق مریدِ باصفا مرشدِ طریقت کی آواز پر لبیک کہتا ہوا آستانہ قدس پر پھر حاضر ہو کر مناجات و فریاد میں مجاہدات اور تزکیہ نفس میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور ایسی ریاضتیں بجا لاتا ہے کہ ہر ہر عضو سے محتاجی و غربت ظاہر ہو جاتی ہے اعمال کا غرور۔ عبادات کی نمائش ختم ہو جاتی ہے۔ جب بندے کا یہ حال ہو کر اپنے اعمال صالحہ کو بضاعۃٍ مُّزْجٰىۃٍ سمجھے اور ہر انعام کو معبود کا کرم اور فضل کا صدقہ سمجھے۔ اور مسبب الاسباب کے اسبابِ خیر کو اپنے لیے وسیلۂ عظمیٰ تب سمجھ لے کہ دیدارِ یار کی منزل قریب ہے جب تک طالبِ شوق کی یہ حالت نہ ہو اُس وقت تک سب ورد و وظائف علم و عمل سجدہ و رکوع حجاب ہی حجاب ہیں۔ دنیا میں ہر کام آسان ہے مگر اپنی اکڑ غرور لڑائی توڑ کر عاجزی پیدا کرنا بہت محال ہے قَالَ هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ یہ قاعدۂ فطرت ہے کہ جس کو جس وقت تک دیدارِ انوار سے اور مشاہداتِ تجلیات سے محروم رکھنا ہو اُس کو نازو نعم میں پالا جاتا ہے مگر جب اس کو نظارۂ جمال کے لائق بنانا ہو تو اس کو سختی تنگی غصہ اور بھڑک کے کانٹوں میں گھسیٹا جاتا ہے۔ اہل خرد سختیٔ یار کو مکاشفہ جمال سمجھتے ہیں اور اُس کے برا بھلا جاہل گنوار بیوقوف کہنے کے وہ اُس کی معرفت کا زینہ سمجھتے ہیں یہی وہ سرد ہوائیں ہیں جو بہارِ معرفت کا پتہ دیتی ہیں۔ یہی وہ پھوار ناگوار ہے جو پھول کھلنے کا سماں باندھ رہی ہے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالك

قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ ؕ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ

بولے	کیا	بیشک	تم	ہی	یوسف	ہو	فرمایا	میں یوسف ہوں
بولے	کیا	سچ مچ	آپ	ہی	یوسف	ہیں۔	کہا	میں یوسف ہوں

وَهٰذَآ اَخِيْ ۡ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا ؕ اِنَّهٗ مَنْ

اور یہ میرا بھائی ہے یقیناً احسان فرمایا اللہ نے ہم پر۔ شان یہ ہے

اور یہ میرا بھائی بیشک جو اللہ نے ہم پر احسان کیا بیشک

يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

کہ جو متقی بنے اور صبر کرے تو بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ضائع فرماتا بدلہ

پرہیزگاری اور صبر کرے تو اللہ نیکوں کا نیگ

الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۰﴾ قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ

نیکوں کا۔ بولے بھائی قسم اللہ کی البتہ بیشک بہت مرتبہ دیا تم کو

ضائع نہیں کرتا۔ بولے بیشک خدا کی قسم اللہ نے آپ کو ہمیشہ

اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۱﴾ قَالَ لَا

اللہ نے ہم پر اور بیشک شان یہ ہے کہ ہم البتہ خطاکاروں سے تھے۔ فرمایا نہیں ہے

فضیلت دی اور بیشک ہم خطاوار تھے۔ کہا آج تم پر

تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۫

جھڑک پر تم آج۔ بخشے اللہ تعالیٰ کو تم

کچھ ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے

وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۹۲﴾ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ

اور وہ زیادہ رحیم ہے رحیموں سے۔ لے جاؤ کرتیں میری

اور وہ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان ہے میرا یہ کرتہ لے جاؤ۔

هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِىْ يَاْتِ بَصِيْرًا

یوں پس ڈال دینا اس کو پر چہرے والد میرے کے آجائیگی آنکھوں کی روشنی

اِسے میرے باپ کے منہ پر ڈالو اُن کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

وَاْتُوْنِىْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۳﴾

اور لے آؤ تم کو گھربار اپنے سب میرے پاس۔

اور اپنے سب گھر بھر کو میرے پاس لے آؤ۔

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت یوسف کی طرف سے پہلی مرتبہ تعارفی کلمات کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیتوں میں بھائیوں کی انتہائی حیرانی اور خوشی آمیز تعجب کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت یوسف کے ظاہری اور دینوی تصدق کا ذکر ہے۔ اب اِن آیت میں حضرت یوسف کے باطنی اور اُخروی تصدق کا ذکر ہے۔ کہ غلہ دے کر جسمانی مصیبتوں اور بھوک پیاس سے بچایا اور سابقہ تمام تکلیفوں کی ایک دم معافی دے کر اپنے بھائیوں کو اُخروی عذاب سے بچایا۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں اپنے بھائیوں کی نادانی ناواقفی اور جہالت کا ذکر فرما کر حضرت یوسف نے اُن کی تمام سابقہ خطاؤں کی یاددھانی کرادی تھی تاکہ نادم ہوں اب اِن آیات میں حضرت یوسف کے کریمانہ حکیمانہ مشفقانہ اُس حسین سلوک کا ذکر ہے جس کا مظاہرہ صرف نبی کی ذات سے ہی ہوسکتا ہے تاکہ یہ بھائی شکرگزار بندے بن جائیں۔

تفسیر نحوی قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِىْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ قَالُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع اِس کا فاعل ھُم ضمیر پوشیدہ کا مرجع برادرانِ یوسف ءَاِنَّكَ ۔ اَ ہمزہ استفہام تعجب کے لیے ہے استفہام (سوال) کی چار قسمیں ہیں ۱ انکاری ۲ اقراری ۳ تعجب ۴ استہزائی۔ اَئِنَّ دراصل تھا اَاِنَّ دو ہمزہ کے اجتماع کی وجہ سے پہلی بشکل الف ہے دوسری اپنی شکل میں حرفِ تحقیق ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر اِنَّ کا اسم ہے اگلی عبارت اس کی خبر ءَاِنَّكَ میں پانچ قرأتیں ہیں مشہور قرأت یہی ہے۔ ۲ اَئِنَّكَ ہمزہ کو ی سے

بدل کر۔ ۳ اِئَنَّکَ ۔ صرف ایک ہمزہ حرفِ سوال کی ضرورت نہیں ۴ قَالُوْٓا اَئِنَّکَ لَاَنْتَ یُوْسُفُ۔
۵۔ اَئِنَّکَ اَنْتَ یُوْسُفُ مقصد سب کا ایک ہی ہے لَاَنْتَ ۔ لام ابتدائیہ ۔ اَنْتَ مبتدا یُوْسُفُ
اس کی خبر ہے ۔ بعض نے کہا کہ یہ اَنْتَ ضمیر منفصل تاکید ہے کَ ضمیر متصل کی مگر یہ غلط ہے کیونکہ تاکید
پر لام ابتدا نہیں آسکتا ۔ قَالَ فعل ماضی واحد مذکر اِس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع یوسف ہے ۔ اَنَا ۔ ضمیر واحد متکلم
یہ سب جملہ مقولہ ہے قَالَ کا ۔ اَنَا ضمیر منفصل مبتدا یوسف اس کی خبر ہے و عاطفہ ھٰذَا اسم اشارہ قریب
کے لیے اَخِیْ اِسم مکبّر مضاف بیاء متکلّم پورا جملہ عاطفہ خبرِ مبتدا ہے قَدْ مَنَّ ۔ فعل ماضی قریب بصیغہ ء
واحد مذکر غائب مَنٌّ مصدر ثلاثی ۔ اِس کے تین معنیٰ ہیں ۱ دبلا کرنا ۲ رسی کا ٹکڑا ۳ احسان کرنا ۔ یہاں
یہی معنیٰ مراد ہیں ۔ اللّٰہُ یہ فاعل ہے مَنَّ کا جارّہ اپنے معنیٰ میں ہے نا ضمیر جمع متکلّم متصل مجرور ہے ۔ یہ جملہ
مستانفہ ہے ۔ اِنَّهٗ ۔ حرف تحقیق نیا کلام ہے اس لیے بوجہ ابتدا اِنَّ زیر سے آیا ہٗ ضمیر میں دو قول ہیں
۱ ضمیر حال ہے اور اگلی عبارت ذوالحال ۲ ضمیر شان ہے ۔ دونوں صورتوں میں اِنَّ لغو ہے ۔ مَنْ دو
قسم کا ہوتا ہے ۱ مَنْ جزائیہ یہ شرط و جزا کے لیے آتا ہے اور مضارع کو جزم دیتا ہے ۔ دس کلماتِ
مجازات میں سے ایک ہے ۔ یہاں یہی ہے ۔ ۲ مَنْ موصولہ یہ جزم نہیں دیتا ۔ یَتَّقِ ۔ فعل مضارع
تَقْوٰی سے بنا ہے بمعنیٰ بچنا ڈرنا رعب میں آنا ۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں جیساکہ تفسیر عالمانہ میں عرض
کیا جائے گا ۔ دراصل تھا یَتَّقِیْ ۔ مَنْ جازمہ نے جزم دیا تو حرفِ علت لام کلمہ یٰ گر گیا ۔ و عاطفہ یَصْبِرْ فعل
مضارع بحالتِ جزم بوجہ عطف ۔ صَبْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ رکنا ۔ شرعی معنیٰ ہیں قوت گناہ میں گناہ سے
رکنا بلا میں بے عملی سے رکنا ۔ مصیبت میں واویلا کرنے سے رکنا ۔ یہ دونوں فعل مجزوم ہیں اور جملہ شرط
ہے ۔ جن علماء نے مَنْ موصولہ مانا ہے وہ پہلے کو یَتَّقِیْ اور دوسرے کو یَصْبِرُ پڑھتے ہیں فَاِنَّ ف جزائیہ
اِنَّ حرفِ مشبہ بفعل اس کا عامل یعنی اسم لَا یُضِیْعُ فعل مضارع منفی بلا ضَیْعٌ سے مشتق ہے ۔ تین معنیٰ میں مستعمل و مشترک
ہے ۔ ۱ بھٹکانا ۔ ۲ بے فائدہ کر دینا ۳ برباد کرنا یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں ۔ اَجْرَ ۔ مرکّب اضافی میں
مضاف ہے مفعول بہ ہے بمعنیٰ پناہ دینا ۔ بدلہ دینا ۔ یہاں مراد بدلہ (ثواب) ہے ۔ اَلْمُحْسِنِیْنَ جمع
کثرت بوجہ الف لام بمعنی اَلَّذِیْنَ کے اِس کا واحد مُحْسِنٌ ہے اِحسانٌ بابِ افعال سے بنا دراصل تھا مُحْسِنِیْہِمْ ہم
ضمیر کو حذف کیا گیا اُس کے بدلے ال لگایا شرط و جزا کے رابطے کے لیے متعدی بیک مفعول ہے بمعنیٰ نیکی
کرنا ۔ قَالُوْا تَاللّٰہِ لَقَدْ اٰثَرَکَ اللّٰہُ عَلَیْنَا وَاِنْ کُنَّا لَخٰطِئِیْنَ قَالُوْا فعل ماضی کلام جوابی ہے اگلی سب عبارت
اِس کا مقولہ ہے تَ قسمیہ لفظِ اللّٰہ مجرور ۔ فعل پوشیدہ نُقْسِمُ کے متعلق ۔ لَقَدْ اٰثَرَکَ لام تاکیدی
یا تحقیقی قَدْ اٰثَرَ ۔ فعل ماضی اٰثَرٌ سے بنا ہے ۔ نشان دینا ۔ نقل کرنا اور فضیلت دینا ۔ تینوں اِس کے معنیٰ

ہیں۔ یہاں مراد فضیلت دینا ہے متعدی بیک مفعول ہے کَ مفعول بہ ہے اَللّٰہُ فاعل ہے علی جارہ نا ضمیر مجرور متصل۔ وَ حالیہ یا حرف جار بمعنیٰ اور۔ اِنْ دراصل تھا اِنَّا۔ حرف تحقیق اور نا ضمیر جمع متکلم برائے تخفیف اِنَّ کو اِنْ کیا اور ضمیر کُنَّا کے قرینے سے گرگئی۔ کُنَّا فعل ماضی جمع متکلم تامہ ہے لَخٰطِئِیْنَ۔ لام کَے بمعنیٰ البتہ یقین اور اقرار کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں اقراری ہے خاطئین جمع قلت ہے اس کا واحد خاطِئٌ ہے خَطَأٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جانکر غلط راہ چلنا یا گناہ کرنا۔ باب افعال میں آکر اس کا اسم فاعل مُخْطِئٌ ہوتا ہے جس کا معنیٰ ہے دھوکے سے غلطی کرنا۔ قَالَ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ یَغْفِرُ اللّٰهُ لَکُمْ وَ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا وَ اْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ قَالَ فعل ماضی اس کا فاعل حضرت یوسف۔ لَا نفی جنس کے لیے تَثْرِیْبَ اس کا اسم ہے ثَرْبٌ سے مشتق ہے باب تفعیل کا مصدر ہے۔ ثَرْبٌ تین معنیٰ میں مشترک ہے۔ ۱ ملامت پریشانی ۲ بیمار کرنے والی ہوا۔ ۳ آنتوں کی چربی پگھلا دینے والی بیماری یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ اسی سے ہے یثرب قوم عمالقہ کا ایک شخص جس کا نام یثرب پڑگیا تھا کیونکہ وہ آنتوں کا دائمی مریض تھا جس کا اثر اس کے چہرے کی پیلاہٹ سے عیاں رہتا تھا۔ اسی نے مدینہ منورہ کی سرزمین میں پہلا گھر بناکر بستی کی بنیاد ڈالی۔ یہاں کی آب و ہوا بہت بیماری والی تھی اس لیے اس بستی کا نام یثرب رکھا گیا یا بانی کے نام پر یا آب و ہوا کی بیماری کی بنا پر۔ مسئلہ۔ اب مدینہ منورہ کو یثرب کہنا حرام ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے منع فرمایا جیسا کہ مرقات شرح مشکوٰۃ صـ۲۳ جلد ششم اور تفسیر معانی پ۲۱ سورہ احزاب صـ۱۴۳ پر احادیث درج ہیں۔ بدبخت ہے وہ مصنف وہ واعظ وہ شاعر جو اب بھی اپنے کلام میں جانتے بوجھتے مدینہ طیبہ کو یثرب لکھے (یعنی بیماریوں کا گھر) علیکم جار مجرور متعلق ہے وَارِدٌ اسم فاعل پوشیدہ اور یہ جملہ اسمیہ بن کر خبر لَا کی ہے۔ جملہ اسمیہ نے استمرار کا فائدہ دیا یعنی اب کبھی تم پر ملامت و سزا نہ ہوگی۔ اَلْیَوْمَ۔ الف لام عہدِ خارجی اس معرفہ نے۔ یوم عمومی کو زمانہ حال سے خاص کردیا اور معنیٰ ہوگیا آج یا اب۔ اس کے تعلق میں دو قول ہیں۔

۱ یہ ظرف ہے تَثْرِیْبَ کا۔ ۲ یہ ظرف ہے یَغْفِرُ کا۔ یَغْفِرُ فعل مضارع غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مٹانا۔ بخشنا۔ یہاں آخری معنیٰ مناسب ہیں۔ یہ جملہ خبریہ استقبالیہ ہے تب اَلْیَوْمَ کا تعلق اس سے مناسب ہے یا یہ جملہ دعائیہ ہے تب اَلْیَوْمَ کا تعلق اس سے نہیں ہوسکتا۔ اَللّٰہُ فاعل ہے بدیں وجہ مرفوع ہے لَکُمْ۔ لام جارہ بمعنیٰ مفعولیت کُمْ ضمیر جمع حاضر سے مراد سب برادران ہیں۔ وَ حالیہ یا عاطفہ یا ابتدائیہ هُوَ ضمیر کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے اَرْحَمُ اسم تفضیل بصیغہ واحد مذکر مضاف ہے۔ اَلرّٰحِمِیْنَ جمع ہے راحم کی مضاف الیہ ہے رحمٌ سے بنا ہے اِذْهَبُوْا یہ نیا جملہ ہے فعل امر مبنیہ جمع مذکر حاضر ذَهَبٌ سے

مشتق ہے بمعنیٰ جانا یا لیجانا ۔ یہاں دونوں معنیٰ مناسب ہیں پہلے معنیٰ کے لحاظ سے بقمیصی کی ب بمعنیٰ مَعَ ہے ۔ دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے یہاں مَعَکُمْ پوشیدہ ہے اور ب بمعنیٰ مفعولیت ہے ۔ یعنی اِذْهَبُوْا مَعَکُمْ بِقَمِیْصِیْ قَمیص بروزن فعیل ۔ تَقَمُّصٌ سے مشتق ہے اس کے تین معنیٰ ۱ حلیہ بدلنا ۲ غلاف ڈالنا ۳ کرتہ پہننا ۔ بعض کفار پہلے معنیٰ کے اعتبار سے تناسخ ارواح (آواگون) کو بھی لفظ تقمیص کہہ دیتے ہیں ۔ یٔ متکلم کی ضمیر کا مرجع حضرت یوسف ہیں ۔ ھٰذا اسم اشارہ قریبی مؤخر ہے مشار الیہ قمیص ہے ۔ ترکیبا یہ ھٰذا یا صفت ہے یا بدلُ الکُل ہے یا بیان ہے ۔ ف تعقیبیہ اَلْقُوْا فعل امر حاضر صیغہ جمع مذکر اَلْقُوْا یا اَلْقیٰ سے مشتق ہے یہ بہت معنیٰ میں مشترک ہے یہاں مراد ڈالنا ہے ۂ ضمیر کا مرجع علیٰ جارہ وجہ سے مراد چہرہ والِیٔ اِسم مکبرہ مضاف بیاءِ متکلم ۔ یَاتِ فعل مضارع بمعنیٰ مستقبل دراصل تھا یاتی ۔ یہ جملہ جزا ہے اور یہاں اِنْ مقدر جائیہ پوشیدہ ہے اس لیے بوجہ جزم ی گر گئی ۔ اَتیٰ سے بنا ہے بمعنیٰ لانا یا آنا ۔ یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں ۔ اس کا فاعل پہلے معنیٰ کے اعتبار سے قمیص ہے اور دوسرے معنے کے اعتبار سے لفظِ عین یا بینان پوشیدہ ہے بَصِیرًا بروزنِ فعیل بَصَرٌ سے مشتق ہے حال ہے دوسرے معنیٰ کے لحاظ سے پہلے معنیٰ سے مفعول بہ ہے وَاْتُوْا ۔ واؤ عاطفہ جملہ اْتُوا فعل امر بصیغہ جمع مذکر حاضر نون وقایہ یٔ ضمیر متکلم مفعول فیہ ظرف مکانی ب بیانیہ اَہل مجرور سے مراد بقیہ سب گھر والے کُمْ کا مرجع برادرانِ یوسف اجمعین جمع ہے اَجْمَعَ کی یہ لفظ تاکید معنوی کے آٹھ لفظوں میں سے ایک ہے ۔ بحالت کسرہ ہے کیونکہ تابع ہے بِاَھْلِکُمْ کا ۔

تفسیر عالمانہ

قَالُوْٓا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ وَيَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ حضرت یوسف نے اس انداز میں بات کی سارے بھائیوں کے دل و دماغ پر ایک دم ایک تصویر ابھری عزیز مصر کے چہرے میں جنم کے بچھڑے یوسف کی جھلک پائی اپنائیت کے خون نے جوش مارا سب عجب حیرانی سے چیخ پڑے ارے کیا تم بیشک یوسف ہو بعض نے کہا یہ قول جملہ خبریہ ہے اور معنیٰ ہے کہ بولے ایک دم ارے بیشک تم تو یوسف ہو ۔ بھائیوں نے آج اتنی ملاقاتوں کے بعد پہچانا ۔ یا تو صرف عزیز مصر کے اس پوچھنے سے ہی کہ مَا فَعَلْتُمْ بِیُوْسُفَ (الخ) یہ سوال اس انداز سے تھا کہ اس میں غم افسردگی اور جتانے کی لفاظی نمایاں تھی ۔ بس سنتے ہی سب تہہ تک پہنچ گئے ۔ یا اس طرح پہچانا کہ آج آپ نے تاج سر سے اُتار کر گفتگو فرمائی ۔ یا اس لیے پہچانا کہ حضرت یوسف یہ سوال کر کے مسکرا پڑے تو دانت دیکھ کر اور مسکرانے کی ادا دلربا دیکھ کر اور ساتھ ہی یوسف کا نام سن کر اب تو سب بھائی خوشی اور فکر ۔ ڈر کے ملے جلے جذبات سے دم بخود اور حیران ہیں ۔ تو حضرت

یوسف نے فرمایا۔ ہاں واقعی میں یوسف ہی ہوں مزید تعارف یہ کہ یہ بنیامین میرا بھائی ہے جس کو تم نے مارا پیٹا کوئیں میں پھینکا کھوٹے درہموں سے بیچا غلام بنایا اور ڈھنڈورا غلام ظاہر کیا میں وہی یوسف ہوں اور جس کے قلب غمگین کو تم نے اپنے طعن تشنیع گالی گلوچ کے خنجروں سے اتنے سال زخمی کیا اور جس کے لیے تم نے صرف نفرتوں حقارتوں کے بیج بوئے یہ وہی میرا بھائی ہے۔ تم نے تو یہ سلوک کیا لیکن اللہ تعالے جل مجدہٗ نے ہم دونوں پر کیسا عظیم احسان کیا کہ ظلم کے بعد رحمت۔ کوئیں کے بعد ملکِ مصر غلامیت کے بعد آقائیت۔ قید کے بعد سلطنت۔ ابتلا کے بعد اخلاص جدائی کے بعد ملاپ مکےبعد بنیت غم کے بعد خوشی عسر کے بعد یسر محض اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ بندے کا کام صرف اتنا ہے کہ ہر کام ہر وقت ہر لحظ اپنے رب سے ڈرتا ہے اس طرح کہ ہر چھوٹے بڑے گناہ سے بچے حرام سے دور رہے۔ اللہ کے عذاب اور ناراضگی مولیٰ تعالیٰ سے خوف کھائے۔ اس لیے کہ بیشک جو شخص بھی میں یا تم یا کوئی بھی ہر حال میں تقوے اختیار کرے گا اور تقوے کی بنا پر اگرچہ تکلیفیں مصیبتیں بھی کبھی آجائیں اور صبر کرے۔ تو اللہ کریم ایسے نیک لوگوں کا اجر و ثواب ضائع نہیں فرماتا۔ تعارف کراتے کراتے۔ سبحان اللہ۔ کیا شاندار وعظ و نصیحت اور حمد باری تعالیٰ ہے گویا کہ آج صرف یوسف ہونے کا تعارف نہیں کرایا بلکہ یوسف ہونے بھائی ہونے مومن ہونے صابر ہونے متقی ہونے اور اللہ کا انعام یافتہ ہونے کا بھی تعارف کرادیا۔ یہی مکمل تعارف ہے تفسیر کبیر نے فرمایا کہ بھائیوں کا پہلے یہ کہنا کہ اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والوں کو جزا دیتا ہے اور یہ نہ کہنا کہ اللہ تم کو جزا دے گا اس لیے تھا کہ بھائی نہیں جانتے تھے کہ عزیز مصر مومن ہے یا کافر۔ اگرچہ یہ قول کمزور ہے مگر حضرت یوسف نے پورا تعارف کرا کر یہ اندیشہ دور کردیا۔ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ. برادرانِ یوسف اس تعارف دل پزیر اور تعارف دلگیر سے اتنے متاثر اور خوش ہوئے کہ بے ساختہ پکار اٹھے خدا کی قسم۔ آپ بہت خوش قسمت ہو کر البتہ بیشک آپ کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر ہر طرح کئی درجے فضیلت دی کہ آپ کو سارے زمانے کا مختارِ کل بنایا۔ امیر۔ غنی۔ دولت مند۔ سخی۔ خلیق۔ مہمان نواز۔ خوش باش۔ صحت مند۔ خوبصورت۔ متقی۔ صابر۔ حاکم ملک۔ عالم۔ علیم۔ محسن۔ حلیم۔ مشکل کشا۔ حاجت روا۔ درد مند۔ غمگسار۔ بادشاہ بنایا۔ پھر اس کے باوجود شاہی نرم دل بنایا۔ اور ہر حال میں اپنے رب کو یاد کرنے والا بنایا۔ اے پیارے یوسف آج ہمیں اعتراف ہے کہ شروع سے بیشک ہم ہی البتہ غلطیاں کرنے والے تھے اور ہر لمحہ ہم سے خطائیں سرزد ہوئی ہیں واقعی ہم نے ظلم و حسد میں کوئی وقت کوئی موقعہ خالی نہ جانے دیا بڑا بڑا تڑپایا رلایا

دکھ پہنچایا۔ اے یوسف اب ہم اقراری بن کر مجرمانہ حیثیت سے در پر حاضر ہیں پکڑے گئے ہیں ہم سے وہی سلوک فرمایئے جس کے ہم لائق ہیں اللہ اکبر۔ کیسی معافی ہے کیسی توبہ ہے کونسا دل ہوگا جو اُس وقت نہ پھٹ پڑا ہوگا کونسی آنکھ ہوگی جو اس رقت آمیز منظر پر نہ روئی ہوگی۔ اور کونسی عقل ہوگی جو اب فیصلہ یوسفی کی منتظر نہ ہوگی۔ زمانے کی تاریخ ساز ظالم حاضر ہیں بے مثل مظلوم کے دربار میں۔ مگر کائنات عالم نے مؤرخین دہر نے سوا دو موقعوں کے رحم دلی بخشش وکرم کے ایسے دلکش حیران کن نظارہ کہاں دیکھے تھے ایک یہی بارگاہِ نبوت کا عفو وکرم اور دوسرا فتح مکہ کے موقعہ پر اس سے بھی زیادہ روح پرور مظاہرہ کسی آنکھ نے بھلا کب دیکھا تھا آج بھائیوں نے جانا کہ جس کو ہم ہمیشہ صرف یوسف ہی سمجھتے رہے اور جس کو عقل حاسد نے کبھی سوتیلے بھائی سے آگے درجہ نہ دیا اور جس کی نازک اندامی بھولی صورت کو والد اور گھر والوں کے لیے ہمیشہ بیکار سمجھا اور اپنی جوانی صحت طاقت عقل فہم علم کاروبار تجارت کا پرچہ کرکے یوسف کو سب کی نظروں میں حقیر کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ تو صبر و تحمل عفو و درگزر عفت و پاکدامنی خوفِ خداوندی خشیتِ الٰہی کا پیکرِ عظیم ہے۔ جسم سرد ہیں۔ نگاہیں ندامت سے نیچی ہیں۔ سارے دربار پر فرمانِ شاہی کے انتظار میں عجیب سناٹا طاری ہے کہ اچانک نہایت ہی پیاری دھیمی میٹھی مترنم حمد و ثنا میں دُھلی ہوئی آواز جسے جمال کے ساتھ ابھرتی ہے اے بھائیو نہ ڈرو نہ گھبراؤ۔ لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْكُمُ الْیَوْمَ آج تم پر کوئی قہر سزا بدلہ بلکہ ملامت تک نہیں اپنا سر ندامت سے نیچا مت کرو بلکہ شکرِ الٰہی سے بلند کرو کہ تمہارا بھائی صرف بادشاہ ہی نہیں نبی اور رسول بھی ہے۔ اُس کی بارگاہ میں انتقام نہیں معافی ہے اُس کے پاس بدلہ نہیں کرم ہے۔ اور اے بھائیو صرف میری طرف سے معاف کرنا ہی نہیں بلکہ اپنے رحیم کریم ربِ جلیل سے بھی بخشش کے خزانے لے کر دوں گا وہ ضرور تم کو بخش دے گا اور وہی تو ساری کائنات سے سارے رحم والوں سے کہیں زیادہ رحم کرنے اور رحم کرانے والا ہے۔ اے میرے رحیم کریم آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں کمینہ رذیل گندہ گلیوں کا کوڑا احمد یار بدایونی نعیمی۔ جس کو آپ نے آج سے ایک ماہ پیشتر اچانک عمرے کے لیے بلایا اور انتہائی آرام سے مدینے پاک میں رکھا آج میرے ہاتھ کا قلم تو کرمِ یوسف کو لکھ رہا ہے مگر میرے خیالات میں فتح مکہ کی معافیاں ہیں اور میری عقل اپنے گناہوں کو خطاؤں سرکشیوں کو گن رہی ہے اور جو شمار سے باہر ہیں اور آپ نرم دل رحیم آقا کی نافرمانی سے ندامت کے آنسو میری آنکھوں میں ہیں۔ مگر ڈھارس اور امید پُر یقین ہے کہ مجھ کو تَثْرِیْبَ اور یَغْفِرُ اللّٰہُ کا مژدہ ضرور ملے گا۔ اے میرے نبی میری اس آس کو پورا فرما دیجئے اور ۱۹۸۶ء ۱۲ فروری آٹھ مارچ کے عمرے میں جن لوگوں نے مجھے امداد دی اُن کو بھی میرے ساتھ بخششوں رحمتوں میں شامل فرما لیجئے کتنی لذت ہے دربارِ نبوت کی اس کی حقیقت کو یا فتح مکہ کے دن اہلِ مکہ نے جانا یا آج برادرانِ یوسف نے

پہچانا ۔ ابھی تو انہوں نے ذاتِ نبی کے کرم کو دیکھا ہے لیکن حضرت یوسف تو آج کچھ اور بھی سمجھانا چاہتے ہیں۔ اور قیامت تک کے منکرینِ شانِ رسالت کو بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کا قوت و اختیار تو بے مثل ہے ہی نبی کے تو جسم سے جو چیز لگ جائے وہ بھی اللہ کی عطا سے حاجت روا مشکل کشا ۔ اور شفا بخش ہو جاتی ہے اسی لیے فرمایا ۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِیْصِیْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِیْ یَاْتِ بَصِیْرًا وَاْتُوْنِیْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِیْنَ لے جاؤ میری اس قمیص کو جو یہ پہنی ہوئی ہے پس اسکاہی طرح میرے والد محترم کے چہرے پر ڈال دینا ۔ فوراً اُن کی بینائی آنکھوں کی روشنی بصارت واپس آجائے گی ۔ آپ نے اپنی اسی قمیص کی طرف اشارہ فرمایا جس کو اُس وقت پہنا ہوا تھا اور وہ شاہی لباس کا کرتہ تھا ۔ صرف جسم یوسفی نے لگنے کی وجہ سے وہ قمیص معجزہ بن گئی تھی اور اُس کی یہ خاصیت ابھی ابھی پیدا ہوئی تھی جب یوسف علیہ السّلام نے اس کو ہاتھ سے پکڑ کر یا صرف اشارہ کر کے فرمایا ۔ گویا کہ جسم کے لمس نے اُس کو معجزہ بنایا اور زبان کی ادا نے یہ شفا پیدا کر دی ۔

اس قمیص کے بارے میں مفسرین کے اور بھی اقوال ہیں مگر استدلال قرآنی سے یہی بات درست ہے جو ہم نے بیان کی ہے ۔ اور اکثر علما کا یہی قول ہے ۔ کسی نے کہا یہ وہ قمیص تھی جو جبرئیل علیہ السّلام نے کوئیں میں پہنائی تھی اور جنت سے آدم علیہ السّلام لائے تھے یا جبرائیل جنت سے اس وقت لائے تھے جب نارِ نمرود میں حضرت ابراہیم گئے تھے تو جبرئیل نے خلیل علیہما السلام کو پہنائی تھی انہوں نے دی حضرت اسحاق کو انہوں نے یعقوب کو انہوں نے یوسف کو دی وغیرہ الخ جو ہوتے ہوئے حضرت یعقوب کو ملی اور آپ نے تعویذ بنا کر یوسف کے گلے میں ڈالی جبرئیل علیہ السلام نے کھول کر پہنائی ۔ مگر یہ سب باتیں بلا ثبوت ہیں ۔ نہ جنت سے کوئی قمیص آئی نہ حضرت آدم جنت میں قمیص پہنا کرتے تھے وہ جنتی لباس اور ہی تھا ۔ تاریخوں سے تو یہی ثابت ہے کہ حضرت یوسف کوئیں سے بغیر قمیص نکالے گئے تھے ۔ اور اس زمانے میں غلام کی یہ نشانی ہوتی تھی اسی لیے بھائیوں نے آپ کو بھگوڑا غلام کہا اور قافلے والوں نے مان لیا ۔ وہابی لوگ اس قول کو بہت مانتے ہیں صرف اس لیے کہ شانِ نبوت ثابت نہ ہو سکے مگر میں کہتا ہوں کہ اُن کا دین تو پھر بھی ختم ہوگا کہ قمیص بہر حال غیر اللہ ہے اور شفا دے رہی ہے ۔ حضرت یوسف نے تھوڑی دیر بعد اندر جا کر قمیص اُتار کر بھائیوں کے حوالے کی اور فرمایا کہ اب غلہ نہیں ملے گا ۔ بلکہ جاؤ اور سب کو یہیں میرے پاس لے آؤ ایک ساتھ ۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائد حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ سب سے بڑا قُرب اور حقیقی پہچان قلبی قرب اور دلی معرفت ہے ۔ اور یہ چیز عجز و انکسار سے حاصل ہوتی ہے مغرور اور گستاخ اور حاسد انسان جسمانی قربت تو شاید حاصل کرلے مگر دلی قرب حاصل نہیں کرسکتا ۔ اور معرفت دلی قرب سے ملتی ہے نہ کہ جسمانی قرب سے ۔ دیکھو برادرانِ یوسف

دو دفعہ پہلے آئے مگر یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے اب تیسری بار عجز و انکسار کے ساتھ آئے تو معرفتِ یوسفی حاصل ہو گئی یہی حال معرفتِ الٰہی اور قربِ مصطفائی کا ہے۔ یہ فائدہ تَصَدَّقْ عَلَيْنَا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیوی نعمتیں آرام۔ آسائش دولت عزت۔ راحت۔ خوشی۔ تاج و تخت ملنا بھی اللہ کا احسان ہے اس لیے دنیوی چیزوں سے دین حاصل کرنا چاہیے۔ اور دنیا کو ذریعۂ دین سمجھنا چاہیے۔ اور حلال طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ دنیا کو دنیا کے لیے مت کھاؤ۔ یہ فائدہ۔ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْنَا سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ بزرگوں کے جسم سے جو چیز لگ جائے وہ بھی مشکل کشا دافع بلا ہو جاتی ہے یہ فائدہ۔ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِىْ هٰذَا کی اضافت و نسبت سے حاصل ہوا جب جسمِ یوسف سے قمیص لگی تو شفا ہو گئی۔ قدمِ مصطفیٰ سے خاکِ مدینہ لگی تو شفا ہو گئی۔ علیہم الصلوٰۃ والسلام

احکام القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ نبی کی دشمنی کفر ہے اور مخالفت گناہ ہے کفر نہیں اور اختلافِ رائے دنیوی کاموں میں جائز ہے۔ برادرانِ یوسف نے نہ یعقوب علیہ السلام سے دشمنی کی نہ یوسف علیہ السلام سے بلکہ حضرتِ یعقوب سے اختلافِ رائے کیا کہ اُن کی محبتِ یوسفی کو غلط اور جانبداری قرار دیا۔ اور حضرت یوسف کی مخالفت کی کہ ان کو اتنی تکلیفیں محض جدائی کے لیے دیں۔ اگر یہ کفر ہوتا تو اُن سے صرف توبہ نہ کرائی جاتی بلکہ تجدیدِ ایمان کرایا جاتا۔ یہ مسئلہ وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٔيْنَ سے مستنبط ہوا اُن کے یہ الفاظ اُن کی توبہ ہیں نہ کہ تجدیدِ ایمان اسی لیے سمجھ لو کہ صحابہ کرام کی جنگیں صرف اختلافِ رائے کی بنا پر ہوئیں نہ کہ دشمنی کی بنا پر۔

دوسرا مسئلہ۔ برادرانِ یوسف کا گناہ حق العبد بھی تھا حق اللہ بھی قانونِ شریعت کے مطابق پہلے حق العبد معاف ہونا چاہیے پھر حق اللہ کی بخشش مانگنا جائز ہے۔ اس لیے آپ نے فرما کر لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ اپنا حق معاف کر دیا پھر فرمایا يَغْفِرُ اللّٰهُ (الخ) اب تا قیامت یہی قانون جاری ہے۔

تیسرا مسئلہ۔ تبرکاتِ بزرگان سے نفع لینا دینا جائز ہے بلکہ اُن کو سر آنکھوں پر رکھنا اور قبر میں رکھنا تک جائز ہے یہ مسئلہ اِذْهَبُوْا (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے خود کو متقی کہا یہ دکھلاوہ ہے اور دکھلاوہ یا ریا گناہ ہے اپنی نیکیوں کا اظہار جائز نہیں۔ **جواب**۔ یہ اعتراض جب پڑ سکتا تھا جب کہ یوسف علیہ السلام کہتے کہ میں متقی یا میں نیک۔ ایسا تو نہیں ہے۔ یہ تو آپ نے عام بات فرمائی کہ جو متقی اور صابر بنے

اُس کو اجر ملے گا۔ نیز تقویٰ بہت معنیٰ میں ہے۔ اس کا معنیٰ اللہ کا خوف بھی ہے اور یہ کہنا کہ میں اپنے اللہ سے ڈرتا ہوں ریا نہیں بلکہ اظہارِ عجز و اپنی کمزوری ثابت کرنا ہے اور یہ بالکل درست و جائز ہے۔ اور پھر ہر عبادت کو ظاہر کرنا گناہ نہیں فرض عبادت کو ظاہر کرنا تو ضروری ہے ہم اذان نماز فرض۔ زکوٰۃ روزہ بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں چھپ کر زکوٰۃ دینی یا فرض نماز گھر میں چھپ کر پڑھنی منع ہے۔ انبیاء کرام کی ہر عبادت امت کے لیے مشعلِ راہ ہے اس لیے اس کا ظاہر کرنا ضروری۔

دوسرا اعتراض۔ برادرانِ یوسف اپنے آپ کو خاطئین کیوں کہا مخطئین کہنا چاہیے تھا اس لیے کہ خاطئین لازم ہے ترجمہ ہے خطاوار ہونے والے۔ مخطئین باب افعال سے ہے متعدی ہے ترجمہ ہے خطا کرنے والے یہاں یہی مناسب ہے۔

جواب۔ نہیں بلکہ خاطئین ہی درست ہے اس لیے کہ مخطئین کا ترجمہ بھول کر خطا کرنے والے۔ اس لفظ سے خطا کار ہونا لازم نہیں آتا۔ خطا کر لینا جرم نہیں۔ خطا کار بننا۔ ہونا جرم ہے۔ اب وہ توبہ کر رہے ہیں اور توبہ کے لیے یہ ضروری ہے کہ مجرم پہلے اپنے آپ کو مجرم ثابت کرے۔ مخطئین کا مطلب تو یہ ہوتا کہ ہم نے جو کچھ کیا وہ بھول کر کیا یا بلا اختیار ہو گیا۔ حالانکہ نہ یہ حقیقت ہے نہ اس طرح اُن کی توبہ ہوتی۔ انہوں نے جو کیا جاکر کیا۔

تیسرا اعتراض۔ یاتِ بصیرًا کہتے وقت آپ نے ان شاء اللہ کیوں نہ کہا۔

جواب۔ ان شاء اللہ اپنے فعل پر کہا جاتا ہے یہ شفا من جانب اللہ تھی۔ نیز ان شاء اللہ غیر یقینی فعل پر کہا جاتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے تمام افعال یقینی۔ یہ تو کہا جاتا ہے کہ ان شاء اللہ میں ایسا کروں گا مگر یہ نہیں کہا جاتا کہ ان شاء اللہ اللہ ایسا کرے گا۔ منشاء یوسف علیہ السلام یہ ہی تھا کہ اگرچہ قمیص میری ہے مگر شفا رب کے دینی ہے۔ ذریعہ اور وسیلہ قمیص ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْۤا ءَاِنَّكَ لَاَنْتَ یُوْسُفُؕ قَالَ اَنَا یُوْسُفُ وَ هٰذَاۤ اَخِیْ٘ؗ قَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَیْنَاؕ اِنَّهٗ مَنْ یَّتَّقِ وَ یَصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا بازارِ حسن یوسفی ہے یہاں حسنِ یوسف کے قصے چرچے اور نظارے ہیں یہ حسن ظاہری ہے یہاں کی معرفت کاملہ ظاہری ہے۔ مگر قبر و حشر بازارِ حسن محمدی ہے جو جمالِ جہاں آرا یہاں ایسا پردہ نشین ہے کہ نہ اپنوں نے پہچانا نہ پرایوں نے یہاں کسی نے بشر سمجھا کسی نے نور۔ کسی نے فقط عبداللہ کا بیٹا جانا کسی نے حلیمہ کی بکریوں والا۔ یہ بھید کسی پہ کھلا ہی نہیں۔ وہ جلوہ احمدی جب قبر میں آشکارا ہوگا تو بندۂ عارف پکار اُٹھے گا۔ کیا تو ہی وہ حسنِ دلربا محبوبِ خدا تھا جو ازل سے بارگاہِ قدس کے مقام محمود پر جلوہ افروز رہا۔ آج دنیا کے دل دماغ بصیرت و بصارت پرتوِ مصطفیٰ کے پہچاننے سے قاصر ہے۔ لیکن چشم بینندہ جانتی ہے کہ معرفت

مصطفیٰ تو میدانِ محشر میں ہوگی۔ وہاں انوارِ رحمت کی صدائیں بلند ہوں گی کہ ہم ہی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین ہیں ہم پر ہی میدانِ محشر کے عطیاتِ ربانی کا احسان ہوا ہے یہ سب کچھ احسانات الٰہیہ اسی تقوے اور صبر کا اجرِ کریم ہے جس کا مظاہرہ طائف و مکہ بدر و حنین کے میدانوں میں ہوا تھا۔ دنیا میں اعلاءِ کلمۃ الحق کو کسی نے مانا کسی نے نہ مانا مگر آج یوم قیامت کے سب پردے اُٹھ گئے اور آشکارا ہوگیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ محسنین کا اجر ضائع نہیں فرمایا۔ اخلاق محمدی گویا یوسف کنعانی ہے اور شفاعتِ محمدی بنیامین یعقوبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ انسان دنیا میں کتنی ہی ترقی کرتا چلا جائے وہ پانی کے بلبلے سے سمندر کے جھاگ اور گھاس کے خودرو تنکوں سے زیادہ نہیں ہے۔ اصل عظمت و بلندی عظمتِ مصطفیٰ اور رفعتِ شانِ محمدی ہے جو سدا بہار ہے یہی اٰثَرَكَ اللّٰهُ کا عطیہ اَتَم ہے۔ اسی در سے جو سرفرازی ملے گی وہی نعم بذر لی وہی اہلِ معرفت کا نصیبہ ہے۔ اس درِ مصطفیٰ سے ہٹنے والے بدنصیب خٰطِـِٕيْنَ ہیں۔ شان و قوتِ مصطفیٰ کو پہچاننا ہی معرفتِ تجلیات ہے۔ یہی مقصودِ اہل اللہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی الفت عشقِ الٰہیہ کا دروازہ ہے مسافرانِ معرفت تحسسِ انوارِ الٰہیہ کی پہنچ یہاں تک ہی ہے۔ قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا فَاَلْقُوْهُ عَلٰى وَجْهِ اَبِيْ يَاْتِ بَصِيْرًا وَاْتُوْنِيْ بِاَهْلِكُمْ اَجْمَعِيْنَ ظاہراً تو یہ آیت صرف واقعاتِ یوسف علیہ السلام کا ہی تذکرہ فرما رہی ہیں مگر نگاہِ عارفین میں اخلاقِ یوسفی اور اخلاقِ محمدی کا تقابلی جائزہ بھی ہے کہ دنیا میں حسنِ یوسفی کا اظہار ہے قبر و حشر میں ظہورِ حسنِ محمدی ہے ذاتِ یوسفی علیہ السلام کی جلوہ گری دربارِ مصر میں ہوئی ذاتِ محمد مصطفیٰ کی جلوہ گری مقامِ محمود پر ہوگی۔ حضرت یوسف کو مصر کے خزانے عطا ہوئے احمدِ مجتبیٰ کو مفاتیح خزائن الارض عطا ہوئیں۔ یوسف علیہ السلام کو اتنا غنی کیا گیا کہ علاقۂ مصر کی مشکل کشائی فرمائی آقاءِ کائنات کو وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ساری کائنات کے لیے غنی کیا گیا۔ اور ساری مخلوق کو آپ کی زیرِ پرورش عیال بنا دیا۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ پیارے نبی نے تمام اہلِ مکہ سے فرمایا۔ لہٰذا یہ کرم کا دسترخوان بڑا ہوگیا۔ یوسف علیہ السلام کو صرف بھائیوں نے ایک دفعہ ایذا پہنچائی لیکن آقائے کل صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام اہلِ مکہ نے تکلیفیں دیں۔ یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو بخششِ الٰہی عطا کی نبی اکرم میدانِ محشر میں ساری امتوں کو بخششِ الٰہی دلوائیں گے۔ انشاء اللہ یوسف علیہ السلام نے فرمایا میری قمیص لے جاؤ نورِ بصارت دے گی پیارے نبی نے فرمایا میری شفاعت لے لو محشر کی عزت و کرامت بخشے گی یوسف علیہ السلام کا حسن معجزہ نبی کریم کا نام معجزہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم یوسف علیہ السلام نے صرف اپنے اہلِ خانہ کو اپنے دربار میں بلایا مگر نبی پاک نے سارے

گناہگاروں ظالموں سیاہ بختوں کو اپنے دامن میں بلا لیا۔ اِذْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ یعقوب علیہ السلام
کو جانِ یوسف کی فکر تھی مگر ہمارے نبی کو ایمان کائنات کی یعقوب علیہ السلام یوسف سے بے خبر نہ تھے
محمد مصطفیٰ امت سے بے خبر نہیں ہیں۔

*

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ

اور جب جدا ہوا قافلہ۔ فرمایا ان کے والد نے بیشک میں

جب قافلہ مصر سے جدا ہوا یہاں اُن کے باپ نے کہا بیشک میں

لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

البتہ پاتا ہوں خوشبو یوسف کی اگر نہ ہو یہ کہ بہکا ہوا سمجھو تم مجھ کو۔

یوسف کی خوشبو پاتا ہوں اگر مجھے یہ نہ کہو کہ سٹھ گیا ہوں۔

قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ ﴿۹۵﴾

گھر والے بولے قسم ہے اللہ کی بیشک تم البتہ میں محبت پرانی۔

بیٹے بولے خدا کی قسم آپ اپنی اُسی پرانی خود رفتگی۔

فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ

تو جب یہ کہ آیا خوشخبری والا ڈالدیا اُس کو پر چہرے اُس کے

میں ہیں پھر جب خوشی سنانے والا آیا اُس نے وہ کرتہ یعقوب کے منہ پر ڈالا

فَارْتَدَّ بَصِيْرًا ۚ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ ۚ

تو فوراً لوٹ آئی روشنی آنکھوں کی۔ فرمایا کیا نہیں کہا تھا میں نے کو تم

اُسی وقت اُس کی آنکھیں پھر آئیں۔ کہا میں نہ کہتا تھا

اِنِّيْۤ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ قَالُوْا

بیشک میں زیادہ جانتا ہوں طرف سے اللہ کے وہ جو تم نہیں جانتے ۔ بیٹے بولے

کہ مجھے اللہ کی وہ شانیں معلوم ہیں جو تم نہیں جانتے ۔ بولے

يٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا

اے باپ ہمارے بخشش مانگئے ہمارے لیے گناہ ہماروں کی بیشک ہم تھے

اے ہمارے باپ ہمارے گناہوں کی معافی مانگئے بیشک ہم

خٰطِـِٕيْنَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ

خطا کار ۔ فرمایا عنقریب بخشش مانگوں گا میں لیے تمہارے

خطاوار ہیں کہا جلد میں تمہاری بخشش اپنے رب

رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۹۸﴾

رب سے اپنے بیشک وہ ہی بخشنے والا رحم والا ہے

سے چاہوں گا بیشک وہی بخشنے والا مہربان ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف کی پہچان کا ذکر ہوا تھا کہ اپنے ظاہری علامات و اسباب سے اپنے بھائیوں کو پہچانا ۔ ان آیات میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی پہچان کا ذکر ہو رہا ہے کہ آپ نے باطنی علامات و اسباب سے کس طرح یوسف کے اس قرب کو پہچانا ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف کے ایک معجزے کا ذکر ہوا جو جسم سے لگی ہوئی قمیص کے ذریعے ظاہر ہوا ۔ ان آیتوں میں حضرتِ یعقوب کے ایک معجزے کا ذکر ہوا کہ آپ نے قوتِ خداداد سے حضرتِ یوسف کی خوشبو سونگھ لی یہ طاقتِ شامّہ کسی بشر میں نہیں ہے اگرچہ بندہ قریب ہی کیوں نہ ہو ۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں حضرت یوسف کی خسروانہ بخششوں کا تذکرہ اور بھائیوں کو اپنی محبت اور رب تعالیٰ کی مغفرت یاد دلانے کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں اس طریقہ تبلیغ اور حسن سلوک کے اثر کا تذکرہ ہوا کہ بھائی کس طرح سچی توبہ کرتے ہوئے اپنے گناہوں کا اقرار کر رہے ہیں۔ اور یہی انبیاء کرام کا مقصود ہوتا ہے۔

تفسیر نحوی

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ قَالَ اَبُوهُمْ اِنِّي لَاَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَوْلَا اَنْ تُفَنِّدُونِ۔ وَلَمَّا ظرفیہ زمانیہ شرط کے لیے ہے فَصَلَتْ فعل ماضی مؤنث کا صیغہ فَصْلٌ سے بنا ہے بمعنی جدا ہونا لازم ہے اَلْعِيرُ معنًا مؤنث ہے کیونکہ معنیٰ ہے قافلہ۔ یہ لفظ مؤنث ہے بحالتِ رفع فاعل ہے سابق فعل کا لغوی ترجمہ ہے اونٹوں کا قافلہ۔ قَالَ فعل ماضی جزاء ہے شرط سابق اس کا فاعل ہے اَبُوهُمْ۔ مرکب اضافی ہے ھُمْ کا مرجع سب اہل خانہ اِنَّ حرفِ تحقیق ی ضمیر متکلم اسم اِنَّ۔ لَاَجِدُ۔ لام اِ گئے اَجِدُ فعل مضارع بصیغہ واحد متکلم پورا جملہ فعلیہ خبر اِنَّ ہے وُجُدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اچھی طرح کسی کو پالینا یا محسوس کرنا یہاں دوسرے معنیٰ میں ہے رِيحَ۔ مفعول بہ ہے لغوی ترجمہ ہے ہوا۔ خوشبو۔ رحمت سانس۔ قوت۔ مدد۔ یہاں مراد ہے خوشبو۔ يُوسُفَ مضاف الیہ بحالتِ جر غیر منصرف۔ لَوْلَا۔ یہ دو حرف ہیں لے لَوْ بمعنیٰ اگر ۲ لَا نافیہ۔ اَنْ ناصبہ تُفَنِّدُوْ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر باب تفعیل فَنَدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غم یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے عقل کی کمی ہو جانا۔ نونِ جمع اعرابی اَنْ ناصبہ کی وجہ سے گر گئی نِ۔ دراصل تھا نِیْ۔ نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول بہ تخفیف کے لیے ی گر گئی اور کسرہ اس کے قائم مقام ہے۔ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ۔ قَالُوْا فعل ماضی اس کا فاعل اہل خانہ تَ جارہ قسمیہ لفظ اللہ مجرور ہر دو متعلق ہیں فعل پوشیدہ اُقْسِمُ کے۔ اِنَّ حرف تحقیق اپنی اسم و خبر سے مل کر جواب قسم ہے۔ لَفِيْ لام تاکید یہ لام حرف اسم فعل ہر ایک پر آ جاتا ہے فِيْ جارہ ضلال بروزنِ فعال مصدر ثلاثی ہے۔ ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ یہ آٹھ معنیٰ میں مشترک ہے۔

۱۔ انتہائی محبت جو دل پر اثر کر کے بہکا دے۔ ۲۔ راہِ حق سے بھٹک جانا۔ ۳۔ ہلاک کرنا ۴۔ گمراہ ہونا دین سے ہٹ کر۔ ۵۔ بربادی ۶۔ آوارہ پھرنا ۷۔ دھوپ یا روشنی نہ ملنی۔ ۸۔ باطل۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہے۔ کَ ضمیر واحد حاضر مضاف الیہ اس کا مرجع حضرت یعقوب اَلْقَدِيْمِ الف لام عہدِ خارجی قدیم بروزن فعیل قِدَمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پرانا ہونا۔ بحالتِ جر صفت ہے ضلال کی۔ فَلَمَّا اَنْ جَاءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ف بمعنیٰ ثُمَّ لَمَّا ظرفیہ شرطیہ اَنْ زائدہ ہے لَمَّا کے بعد اَنْ زائدہ ہوتا ہے۔ جَاءَ فعل ماضی صیغہ واحد غائب اس کا فاعل ہے بَشِيْرٌ۔ بِشْرٌ سے بنا ہے

بمعنیٰ خوشخبری لانے والا۔ اَلْقٰی اَلْقَیٌ سے بنا ہے باب افعال کا ماضی متعدی بیک مفعول بمعنیٰ ڈالنا ہٗ ضمیر کا مرجع قمیص عَلٰی جارہ اپنے ہی معنیٰ میں ہے وَجْہِ بمعنیٰ چہرہ مجرور ہے علی کی وجہ سے ہٖ کا مرجع یعقوب علیہ السّلام۔ یہ جملہ بمعنی جرا ہے فَ تعقیب بلاتراخی کے لیے اِرْتَدَّ باب افتعال کا ماضی مطلق ہے دراصل تھا اِرْتَدَدَ دونوں دال کا ادغام (تشدید) کر دیا اِس کا فاعل یا آنکھیں ہیں تو عبارت اس طرح تھی فَارْتَدَّ عَیْنَاہُ بَصِیْرًا اور یا اس کا فاعل یعقوب ہیں۔ تب فعل ناقصہ پوشیدہ اور عبارت اس طرح ہو سکتی ہے فَارْتَدَّ اَنْ صَیَّرَہُ اللّٰہُ بَصِیْرًا رَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی کیفیت کا بدلنا۔ بصیراً میں بھی دو احتمال ہیں پہلا یہ کہ یہ حال ہے فاعل عیناہٗ پوشیدہ کا دوسرا یہ کہ یہ خبر ہے صَیَّرَ فعل ناقصہ کی مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی بہت روشنی والی بروزنِ فعیل قَالَ فعل ماضی کا فاعل یعقوب ہیں۔ أ۔ ہمزہ استفہام یعنی سوالیہ ہے لَمْ اَقُلْ مضارع نفی جحد بلم۔ اَقُوْلُ تھا۔ وَ۔ گر گئی لَکُمْ جار و مجرور متعلق ہیں لَمْ اَقُلْ کے۔ اِنِّیْ یہ سب جملہ لم اقل کا مقولہ اور یہی عبارت قال کا مقولہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق یٖ اسم اِنَّ۔ اَعْلَمُ یہ جملہ اسمیہ خبر اِنَّ ہے اسم تفضیل ہے علمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ زیادہ جاننے والا مِنْ جارہ بمعنیٰ طرف سے لفظ اللہ مجرور متعلق ہے اعلم اسم تفضیل کے مَا موصولہ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اَعْلَمُ کا لَا تَعْلَمُوْنَ مضارع منفی بلا بمعنیٰ حال اس کا فاعل سب اہل خانہ علمٌ سے مشتق ہے۔ قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ۔ قالوا فعل ماضی بصیغۂ جمع اس کا فاعل صرف برادرانِ یوسف ہیں اگلی سب عبارت اس کا مقولہ ہے یا حرفِ ندا اَبَا منادیٰ مضاف لہٰذا زبر والا ہے الف فتح کا اعرب ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع وہی برادرانِ یوسف ہیں۔ اِسْتَغْفِرْ باب استفعال کا امر ہے طلب کے معنی میں ہے لَنَا لام نفع کا ہے نا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل سے مراد بھائی ذُنُوْبَ جمع ہے ذنب کی۔ یہ سات معنوں میں مشترک ہے۔

۱ے پچھلا حصہ ۲ے گدر کھجور ۳ے پگڑی کا شملہ ۴ے بھڑ بچھو کا ڈنگ ۵ے کوڑا ۶ے گناہ۔ خطا لغزش۔ ۷ے مصیبت والا لمبا دن۔ بعض عجمیوں نے اس کا ترجمہ الزام یا اتہام کیا ہے مگر یہ لغوی نہیں خود ساختہ اصطلاح ہے۔ یہاں مراد گناہ اور ظلم ہے۔ اِنَّا ۔ اِنَّ نَا تھا۔ حرف مشبہ اپنے اسم منصوب ضمیر کے ساتھ كُنَّا فعل ناقصہ بمعنیٰ ماضی بعید یا ماضی قریب۔ اس کا اسم ضمیر جمع متکلم اِس کے ساتھ ہے خٰطِئِیْنَ خبر ہے۔ جمع اِسم فاعل خطأٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ دھوکے سے گناہ کرنا۔ یا انجام سے بے خبر ہو کر برائی کرنا یا غلطی نہ سمجھ کر غلط کام کرنا۔ یا وہ برا کام جس کا احساس بعد میں ہو۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ قَالَ فعل ماضی اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع حضرت یعقوب ہیں اگلی عبارت مقولہ سَوْفَ حرفِ تخصیص ہے۔ جس طرح مضارع منفی کو حرف لَنْ بمعنیٰ مستقبل کر دیتا ہے

مگر قرب و بعد کا کوئی تذکرہ نہیں۔ اسی طرح مضارع مثبت کو بمعنیٰ مستقبل کرنے کے لیے دو حرف ہیں ۱؎ سَ۔ یہ حرف مضارع کو مستقبل قریب کے معنیٰ میں کر دیتا ہے ۲؎ سَوْفَ یہ حرف فعل مضارع مثبت کو مستقبل بعید کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ اَسْتَغْفِرُ فعل مضارع بمعنیٰ مستقبل بعید۔ صیغہ واحد متکلم فاعل حضرت یعقوب لَکُمْ لام نفع کا۔ کُمْ ضمیر مجرور متصل سے مراد برادران یوسف ہیں رَبِّیْ لفظ رب اللہ تعالیٰ کا اسم صفاتی ہے بحالتِ زبر ہے مفعول بہٖ اَسْتَغْفِرُ کا۔ وُجوہِ اعراب میں سے یہ ساتویں قسم ہے غیر جمع مذکر سالم مضاف بیاءِ متکلم۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہُ ضمیر اسم اِنَّ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا اَلْغَفُوْرُ بروزنِ فَعُوْلٌ مبالغے کا صیغہ ہے غفرٌ سے مشتق ہے الف لام عہدی یہ لفظ یا موصوف ہے یا خبرِ اول ہے مبتدا ھُوَ کی۔ اَلرَّحِیْمُ۔ الف لام عہدی ہے رحمٌ سے بنا ہے صفت مشبّہ ہے یہ بھی یا صفت ہے موصوف کی یا خبر دوم مبتدا کی۔ یہ جملہ اسمیہ خبر ہے اِنَّ کی۔

تفسیر عالمانہ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِىْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ

حضرت یوسف نے اپنی قمیص بھائیوں کو دی تو یہودا نے عرض کیا اے محترم یوسف یہ قمیص مجھ کو دیجیے کیونکہ میں وہ ہوں جو آپ کی پہلی قمیص بھی خون آلود کر کے لے گیا اور میں نے ہی جھوٹی باتیں بنا کر وہ غم کی قمیص والد محترم کو دی تھی۔ میں ہی وہ ہوں جس نے والد کو رلایا بھائی کو ستایا تھا۔ میں ہی فراق ڈالنے والا تھا اس لیے میں ہی خوشی کی قمیص لے کر جاؤنگا۔ کیسی حیرت ہے کہ آج مجرم خود اپنے جرم کو عدالت میں بیان کر رہا ہے بات یہ ہے کہ عدالت کرم پر ہے۔ اسی لیے سب کی باچھیں کھلی ہوئی ہیں مسکراہٹیں پھوٹی پڑ رہی ہیں خوشیاں مچل رہی ہیں۔ اس سے کہیں بڑھ کر خوشی اُس وقت ہوگی جب میدانِ محشر میں عدالت الٰہیہ سے بخشش و کرم کا اعلان ہوگا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جب گناہگار سیاہ کار کی بخشش کا مژدہ سنایا جائے گا تو خوشی سے مست ہو کر مچل مچل کر عرض کرے گا کہ یا اللہ میرے کریم میرے رحیم میں نے یہ بھی گناہ کیا تھا یہ بھی کیا تھا۔ کاش وہ خوش نصیب وقت مجھ کو بھی نصیب ہو۔ حضرت یوسف نے اُن کے چہچہانے اور مسکرانے کو دیکھا تو آپ بھی شکرِ الٰہی سے مسرور ہوئے اور وہ قمیص یہودا کو ہی دی ایک قول ہے کہ وہ شاہی جبہ تھا۔ اور اونٹ بھی تازہ دم دیے کہ اِن خوبصورت اونٹوں پر جاؤ اس خوشی میں نہ کسی کو کھانے کا ہوش تھا نہ پینے کا فوراً اچل پڑے یہ بھائیوں کا تیسرا چکر تھا اس دفعہ بھی دو دن دو رات ٹھیرے تھے اور آج ہی قمیص دی گئی پھر ایک منٹ نہیں ٹھیرے۔ اِدھر ابھی وہ سب بھائی بستی مصر یا دربارِ مصر سے ذرا ہٹے ہی ہیں اور اونٹوں کا یہ عیر قافلہ چلا ہی ہے ذرا سا فاصلہ ہوا ہی ہے کہ اُدھر اسّی فرلانگ دور یعنی دو سو چالیس میل دور پیدل آٹھ راتوں کا سفر اونٹوں پر تین دن تین رات کا

سفر تھا کہ فرمایا اُن کے والد محترم نے کہ اے گھر والو۔ بہو بیٹیو۔ پوتے پوتیو۔ اگر تم مجھ کو بڑھاپے کی وجہ سے بیوقوف نہ سمجھو تو یا مجھ کو سٹھیایا ہوا۔ بہکی باتیں کرنے والا۔ پریشان خیالوں والا یا نفسیاتی بیمار نہ کہو تو میں تم سے کہوں کہ میں آج اپنے یوسف کی دل آویز خوشبو محسوس کر رہا ہوں میری قوتِ شامہ یوسف کی خوشبو سونگھ رہی ہے۔ مفسرین نے اِس بارے میں بہت باتیں بنائی ہیں کہ یہ خوشبو کس کی تھی کیسی تھی کیونکر آئی۔ کسی نے کہا کہ ہوا نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا اللہ میں چاہتی ہوں کہ اِس قافلے سے پہلے میں یوسف کی خوشبو غمزدہ والد کو پہنچا دوں اور یہ سعادت مجھ کو نصیب ہو۔ رب تعالیٰ نے اجازت عطا فرمائی تو ہوا کئی بار جسمِ یوسف سے مس ہو کر کنعان پہنچی اور سیدھا حضرت یعقوب کے بیتِ گریہ حجرۂ ہجر میں پہنچی اور وہیں رَچ بس گئی۔ اور یعقوب علیہ السّلام نے وہ سونگھی تو آپ دوسرے مکان کے حصہ میں تشریف لائے اور یہ فرمایا۔ ایک قول ہے کہ وہ کرتہ چونکہ جنت کا تھا اِس میں جنت کی خوشبو تھی اور کوئی چیز جنت کی دنیا میں تھی نہیں اس لیے آپ نے جنّت کی خوشبو پائی تو آپ کو کرتہ یاد آیا اور ساتھ ہی یوسف بھی یاد آ گئے سمجھ گئے کہ یوسف کہیں قریب ہی زندہ موجود ہے۔ مگر صحیح بات یہ ہے کہ نبی کی قوتِ شامہ کی یہ طاقت ہے کہ وہ انسانی خوشبو بھی سونگھ سکتا ہے اور یہ آپ کا معجزہ تھا۔ بذاتِ خود یہ خوشبو سونگھی اور آپ نے جب یہ خبر گھر والوں کو سنائی تو سب غمزدہ لہجے میں افسوسناک غمناک انداز میں بولے خدا کی قسم اے ابا جان بیشک آپ تو ابھی تک اسی پرانی محبّت والفت میں ڈوبے ہوئے ہو اس محبت نے آپ کو ابھی تک اِس حقیقت پر نہیں آنے دیا کہ یوسف تو چالیس سال ہوئے کبھی کا مر چکا ہے۔ اور عشق و محبّت عاشق کو ہمیشہ حقیقت کے راہ سے گمراہ ہی رکھتا ہے وہ اپنے ہی خیالات کے تانے بانے اور تصورات کی دنیا میں رہ جانے کہاں کہاں بھٹکتا رہتا ہے۔ مگر عشق سے خالی عقل چند دِن غم کر کے پھر حقیقت واقعی کے سیدھے راہ پر آ کر اپنے کاروبارِ دنیا میں شاغل ہو جاتی ہے یہی عام دنیا والوں کا حال ہے تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ گھر والوں نے بہت برا بھلا کہا۔ بروایت قتادہ۔ مگر یہ غلط ہے۔ فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِيْرُ اَلْقٰىهُ عَلٰى وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِيْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ پھر کچھ دنوں کے بعد جب آیا خوشخبری لانے والا اکیلا یا قافلے کے ساتھ۔ دو قول ہیں ایک یہ کہ یہودا جب بستی کے قریب پہنچا تو اپنا اونٹ ذرا تیز دوڑا کر خوشی میں جلدی گھر آ گیا اور آتے ہی سب باتیں سنا کر وہ قمیص والد محترم کے چہرۂ پاک پر ڈالدی۔ بس پھر کیا ایک دم آنکھوں میں روشنی چہرے پر بشاشت جسم پر تراوٹ دل میں سرور آنکھوں میں نور آ گیا۔ ابھی گھر میں یہی خوشیاں اور حیرانیاں ہو رہی تھیں کہ باقی بھائی بھی ہنستے مسکراتے کھل کھلاتے داخل ہوئے بنیامین بھی ساتھ ہیں۔ ایک قول ہے کہ سب ایک ساتھ ہی آئے اور بالکل اسی طرح نقشہ بنایا جیسے پہلے غم

کی خبر لے کر آئے تھے۔ کہ آگے آگے یہودا قمیص اُٹھائے ہوئے پیچھے پیچھے باقی سب۔ فرق صرف یہ تھا کہ اُس وقت قمیص یوسفی جھوٹے خون میں لتھڑی ہوئی تھی آج قمیص خوشبوئے یوسفی میں بسی ہوئی وہ غم فراق کی قمیص تھی یہ سرور وصال کی۔ اُس وقت سب بھائی جھوٹا رونا روتے آئے تھے آج بھی ہنسی ہنستے ہوئے والد محترم نے آج کافی زمانے کے بعد اپنی آنکھوں سے اپنے بیٹوں کے مسرور چہرے دیکھے سارے غم دھل گئے فرمایا۔ اے بیٹو اور سارے گھر والو کیا میں نے ایک دفعہ تم سے نہ کہہ دیا تھا کہ اللہ کی طرف سے جو غیبی علوم میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔ اور تم میری ہر بات کو تصوراتی۔ خیالی اور بے معنیٰ سمجھتے تھے تم سمجھتے تھے کہ شاید میں ہر بات محض عشق کی لہر محبت کے جنون یا غم غلط کرنے کے لیے کہہ دیتا ہوں۔ پھر آپ نے پوچھا کہ یوسف کو کہاں دیکھا کیا کہیں راہ جاتے مل گیا کیسے پہنچانا کیسی صحت کیسی حالت کیسا لباس تھا تم ساتھ لے کر کیوں نہ آ گئے انتہائی خوشی کے عالم میں آپ نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔ بیٹوں نے عرض کیا ابا جان وہی عزیز مصر ہی تو آپ کا یوسف آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور ہمارا بھائی ہے۔ آج سارے زمانے کا حاکم مختار وہی ہے تاج و تخت والا ہے۔ ہم جتنی دفعہ مصر گئے وہی ہمارا میزبان تھا ہم نے تو آج پہنچانا۔ اُس کا چہرہ نورانی اس کا محل لاثانی اور لباس شاہانی ہے والد محترم نے پوچھا کس دین پر ہے عرض کیا ابراہیم و اسحٰق کے دین پر ہے۔ تب آپ نے سجدۂ شکر ادا کیا اور بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا کہ مولیٰ تیرا شکر ہے کہ میرا بیٹا تیرے سچے دین پر ہے۔ اب سب گھر والے اور بیٹے پھر والد کے حضور جمع ہوئے اور قَالُوْا یٰۤاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَاۤ اِنَّا كُنَّا خٰطِـئِیْنَ۔ اور سب نے عرض کیا بیٹوں نے بھی اور گھر والوں نے بھی اے ابا جان آج ہم نے محسوس کیا ہے ہم سے آپ کی شان میں بہت خطائیں ہوئیں بات بات پر آپ کی خبروں کو جھٹلایا۔ طعنہ بازی کی جھوٹ بول بول کر آپ کو ستایا فراقِ یوسفی کی آگ میں جلایا۔ بینا مین کو رلایا بارگاہِ الٰہیہ کے خوف و خشیت کی بھی پرواہ نہ کی ہر طرف سے مجرم بنے خطائیں کیں ہم نے جرم و خطا میں کمی نہ کی اے پیارے ابو جی اب آپ اپنے کریم رحیم غفار و ستار اللہ سے ہمارے لیے ہمارے گناہوں کی بخشش مانگئے اور بخشش مانگنے میں آپ کمی نہ فرمائیے۔ ہم خود اُس کی بارگاہ کے لائق نہیں رہے کس مُنہ سے آج اُس کے سامنے روئیں اور اُس جبّار و قہار کا جلال ہماری نافرمانیوں پر نہ معلوم کس غضب میں ہے اس لیے اے ابا جان آپ ہمارے وسیلۂ عظمیٰ بن جائیے۔ والد محترم اپنی خوشی میں بیٹوں کی طرف سے پہنچی ہوئی ایذائیں یکسر بھلا چکے تھے جب بیٹوں کی یہ دردمندانہ التجا پشیمانی اقرارِ خطا سنا تو نہایت پیار سے فرمایا قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ کہ اے میرے بیٹو۔ ابھی نہیں کچھ دن بعد میں بخشش مانگوں گا اپنے رب کریم رحیم سے۔ بیشک اب تم صحیح بارگاہ کی طرف صحیح راہ پر آ گئے ہو واقعی بیشک وہ

ہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر شخص کو بخشنے والا ہے اور بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ برادرانِ یوسف کی یہی وہ عاجزی اور انکساری تھی جن کی بنا پر با وجود اتنے ظلم وجرم کرنے کے خوابِ یوسفی میں الٰی کو ستارہ دکھایا گیا۔ حضرت یعقوب نے اسی وقت بخشش نہیں مانگی بعد میں مانگنے کا وعدہ فرمایا اس کی وجہ میں مفسرین کے چند قول ہیں یا اس لیے کہ بیٹوں کے یہ جرم حقوق اللہ بھی تھے اور حقوق العبد بھی یعنی یوسف علیہ السّلام پر ظلم۔ تو جب تک یوسف علیہ السّلام سے معاف نہ کرا لیا جاتا اس وقت تک بخشش مانگنا شرعاً منع تھا۔ یہی حال ہر گناہ وجرم کا ہے ہماری شریعت میں بھی تا قیامت۔ اور یہی وجہ زیادہ درست ہے۔ یا اس لیے کہ اس وقت دنیوی خوشیوں میں اور بات چیت میں مشغول ہیں ایسی حالت میں دعا مانگنا آدابِ دعا کے خلاف ہے اُس کے لیے نہایت اہتمام خشوع خضوع اور تیاری کی ضرورت ہے۔ یا اس لیے کہ یہ وقت قبولیتِ دعا کا نہیں تہجد کے وقت یا کسی مناسب متبرک دِن میں جو زیادہ مقبولیت کا ہو مانگی جائے گی۔ مگر یہ قول غلط ہے۔ اس لیے کہ دعاؤں کے مختلف اوقات اُمت کے لیے ہیں۔ نبوت اس سے وراء الوراء ہے نبی کی دعا ہر وقت ہر آن قبول ہوتی ہے۔ بلکہ وقت کو قبولیت کا شرف بھی نبی کی ذات سے ملتا ہے۔ جس وقت سے کسی نبی نے محبت فرمالی وہی بارگاہِ الٰہی میں قبولیت کا ہوگا۔ روایات و فرمودات سے کُل بیس۲۰ وقت قبولیتِ دعا کے لیے مجرّب ہیں۔

۱ وقتِ تہجد ۲ طلوعِ صبح صادق ۳ سنّتِ فجر کے بعد فرضوں سے پہلے ۴ فجر کی نماز کے فوراً بعد طلوعِ آفتاب سے پہلے ۵ چاشت کے وقت یعنی زوال سے ایک گھنٹہ پہلے ۶ زوال کے فوراً بعد۔ ۷ ظہر اور عصر کا سارا درمیانی وقت ۸ جمعہ کے دو خطبوں کے درمیان وقفے میں مگر یہ دعا صرف دل میں ہو زبان نہ ہلے ۹ خطبے سے نمازِ جمعہ تک مگر یہ بھی دل میں زبان سے نہ بولے ۱۰ بعد نمازِ مغرب وقتِ عشاء سے پہلے ۱۱ عصر کے بعد سورج پیلا ہونے تک ۱۲ افطار کے وقت ۱۳ سحری کھانے کے بعد ۱۴ بارش برسنے کے وقت ۱۵ عالم متقی کا چہرہ دیکھ کر ۱۶ ولی اللہ کی محفل میں۔ ۱۷ مقدس مقامات کی حاضری کے وقت ۱۸ ختمِ قرآنِ مجید کے وقت ۱۹ شبِ قدر میں ۲۰ صبحِ میلاد النبی میں۔ اِن وقتوں کو کسی نہ کسی پیارے بندے سے نسبت ہے اس لیے یہ وقت شرفِ قبولیت سے مشرف ہوا۔ یہ اوقات صرف امت کے لیے ہیں۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔

فائدے اِن آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ جس طرح رب تعالیٰ نے پھولوں اور نباتات میں خوشبو رکھی ہے اسی طرح قدرتِ الٰہی نے انبیاء کرام اولیاءِ عظام اور نیک بزرگوں کے جسم بلکہ اعمالِ صالحہ میں بھی خوشبو رکھی ہے۔ سب

سے اعلیٰ نبوت کی خوشبو ہے یہی وہ خوشبو تھی جس کو حضرت یعقوب نے سونگھا تھا۔ یہ فائدہ۔ لَاَجِدُ رِیْحَ (الخ) سے حاصل ہوا آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پاک کی خوشبو تو اپنی کثرت کی بنا پر گلی محلے کو معطر کر دیتی تھی اور کافی دیر تک ہر شخص سونگھ سکتا تھا۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ کثرتِ درود تاج سے منہ میں ایک خاص بھینی مہک پیدا ہو جاتی ہے۔ میرا اپنا تجربہ ہے کہ جس دَم کرنے پسینے میں خوشبو پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی طرح گناہوں سے بدبو پیدا ہوتی ہے۔ **دوسرا فائدہ۔** نبی کی ہر چیز بے مثل ہوتی ہے یہاں تک کہ قوتِ شامّہ اور سامعہ بھی بے مثل ہے جو کسی کو میسر نہیں۔ دیکھو حضرت یعقوب نے اسّی کوس سے جسم یوسفی کی خوشبو سونگھ لی جب کہ اور کوئی دوسرا نہ سونگھ سکا۔ اسی طرح حضرت سلیمان نے تین میل سے چیونٹی کی آواز سن لی۔ کوئی دوسرا وہاں موجود نہ سن سکا۔ یہ دونوں واقعے قرآن مجید میں ہی ہیں۔

تیسرا فائدہ۔ بعض معجزے اختیاری ہوتے ہیں بعض معجزے غیر اختیاری۔ اختیاری معجزہ نبی کے قبضے میں ہوتا ہے جب چاہے ظاہر کرے دکھائے۔ غیر اختیاری خود بخود ظاہر ہوتا ہے جب رب تعالیٰ کو منظور ہو تو ظاہر ہو جاتا ہے ورنہ نہیں۔ یہ خوشبو سونگھنا غیر اختیاری معجزہ تھا جو پہلے ظاہر نہ ہوا اب ہو گیا۔ اور قمیصِ یوسفی اختیاری معجزہ تھا۔ اسی طرح حسنِ یوسفی غیر اختیاری معجزہ تھا۔ اور علمِ یعقوبی اختیاری معجزہ تھا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق گناہ دو طرح معاف ہوتے ہیں۔ بعض گناہ توبہ سے بعض گناہ کفارہ سے کفارہ بھی دو قسم کا ہے کفارۂ شرعی اور کفارہ تعزیری۔ تعزیری کفارہ بندہ خود بھی اپنے لیے مقرر کر سکتا ہے۔ یہ مسئلہ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ کی تفسیر سے مستنبط ہوا کہ یہودا لے یہ خوشی کی قمیص اس لیے اپنے ہاتھ میں رکھی کہ اُس غم کی قمیص کا کفارہ بن جائے۔ ایک تفسیر میں ہے کہ یہودا بغیر کھائے پیئے پیدل چلے اور کہیں دوڑے کہیں تیز چلے اسّی کوس (دو سو چالیس میل) اس مشقت سے سفر کیا۔ یہ سب تعزیری کفارہ جو خود اپنے پر مقرر کر لیا تھا۔ جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذاب کو قتل کر کے حضرتِ وحشی نے کہا تھا میں نے قتلِ حمزہ کا کفارہ کر دیا۔ **دوسرا مسئلہ۔** کسی خاص دینی مصلحت کی بنا پر عبادت میں دیر لگانی جائز ہے اگرچہ وہ نماز ہی ہو بشرطیکہ قضا نہ ہو۔ یہ مسئلہ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ (الخ) سے مستنبط ہو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ حضرتِ یعقوب نے فرمایا اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ (الخ) الجد بنلبے وجد سے یہ افعال قلوب سے ہے جس کا تعلق دل سے ہے اور سونگھنے کا تعلق ناک سے ہے اس لیے یہاں

اشم" فرمانا چاہیے تھا۔ جواب۔ وَجَدَ" ایک معنی میں واقعی افعال قلوب سے ہے لیکن یہ بات ذہن نشین ہونی چاہیے کہ تمام حواس کا رابطہ دل سے ہے قلبی رابطے کے بغیر نہ کوئی سونگھی جا سکتی ہے نہ بھی نہ سنی نہ دیکھی۔ اگر دل کا رابطہ نہ ہو اور خوشبو ہو تو سمجھ نہیں آتی کہ کس کی خوشبو ہے گویا کہ ناک کا کام ہے سونگھنا اور دل کا کام ہے سمجھنا اور تمیز کرنا کہ یہ کس کی خوشبو ہے۔ اَجِدُ کہہ کر یہ بتایا کہ میں خوب سونگھ سمجھ رہا ہوں کہ یہ یوسف کی خوشبو ہے۔ اشم کہہ کر یہ مقصد نہ سمجھایا جاتا۔ نیز ریح اس خوشبو کو کہتے ہیں جس کے ساتھ ہوا وغیرہ بھی ہو جو جسم کو لگے۔ اَب اَجِدُ کے معنی یہ ہوئے کہ میں صرف نفسیاتی یا تصوراتی وہم کی بات نہیں کر رہا ہوں بلکہ واقعی میں نے ایسی ہوا۔ ٹھنڈی یا گرم اپنے جسم سے مس ہوتی پائی ہے جس میں یوسف کی خوشبو ہے۔ لہٰذا اَجِدُ کہنا نہایت جامع مانع کلام ہے۔ اسی لیے اگلا کلام فرمایا کہ اَجِدُ کی وجہ سے تم مجھ کو۔ مُفنِّد اور بہکی باتیں کرنے والا نہیں کہہ سکتے۔ **دوسرا اعتراض**۔ گھر والوں نے تاللہ کہہ کر قسم کیوں کھائی۔ جواب۔ کلام کو سخت کرنے کے لیے۔ خیال رہے کہ شریعت میں قسم کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ یمینِ منعقدہ۔ اِس کے بولنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔ یہ بار بار بولنا منع ہے۔ ۲۔ یمینِ لغو۔ ۳۔ یمینِ غموس ۴۔ یمینِ فور۔ جو تکیہ کلام بن جاتی ہے یہاں تاللہ کہنا ایک قول میں یمینِ فور ہے۔ اس سے کلام کی تاکید اور سختی بھی مقصود ہوتی اسی طرح پہلی قسم تَاللّٰهِ تَفْتَؤُا (۲) والی قسم ہے لیکن تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ یہ یمینِ غموس ہے۔ اس میں جھوٹ سچ کا احتمال ہوتا ہے۔ یہ قسم کسی چیز کو ثابت کرنے کے لیے بولی جاتی ہے گواہی میں بھی یہ قسم ہوتی ہے۔ اس پورے واقعے میں تین دفعہ قسم بولی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ قَالُوْا تَاللّٰهِ اِنَّكَ لَفِيْ ضَلٰلِكَ الْقَدِيْمِ عارفین فرماتے ہیں کہ طالب و مطلوب۔ حبیب و محبوب۔ پیر و مرید کے درمیان۔ معرفتِ الٰہیہ کا ایسا رشتہ ہے اور ریحِ محبوبیت کی ایسی تار ہے جس سے عشقِ ازلی کی اس طرح کشش پیدا ہوتی ہے کہ مرشدِ برحق کبھی بھی اپنے مرید باصفا سے بے خبر نہیں ہو سکتا۔ پھول کی خوشبو تو بادِ خزاں کے جھونکوں سے ماند پڑ جاتی ہے۔ اور فراقِ شجری سے ختم ہو جاتی ہے مگر عشقِ معرفت کی کلیوں اور غنچۂ اعمال صالحہ کی بھینی خوشبو کسی بھی دوریِ فراق سے ختم نہیں ہوتی اور فکرِ الٰہی کی تازگی کبھی غم کی ہواؤں سے مرجھا نہیں سکتی کتنی ہی دوری ہو خلوتِ خانۂ عشقِ معرفت میں پہنچ ہی جاتی ہے۔ مگر صرف عاشق کی قوتِ شامہ ہی اُس کو پا سکتی ہے۔ اَغیارِ بے نصیب اس کو کیا جانیں عقلِ دُنیا اُس کو کیا سمجھے وہ تو دریائے معرفت کے غوطہ خوروں مراقبے کے مشاہدوں کو ضلالک القدیم ہی سے منسوب کرتے ہیں یہ نا سمجھی اور اسرار کے علم سے ناواقفی اُسی وقت تک ہے جب تک کہ بشارتِ انوار کا کوئی خوشخبری کرنے

والا نہیں آیا ۔ لیکن فَلَمَّآ اَنْ جَآءَ الْبَشِیْرُ اَلْقٰهُ عَلٰی وَجْهِهٖ فَارْتَدَّ بَصِیْرًا قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ہر فراق کے بعد وصل کی بشارت ہے ہر غم کے بعد خوشی چھلک اور ہر ندرت کے بعد قدرت ہے اور ہر اندھاپے کے بعد بصارت ہے اور سفر کے بعد حضر ہے ۔ عالمِ ناسوت اِسی ردّ و بدل کا نام ہے ۔ مسافرانِ معرفت اِس عالمِ رنگ و بو میں دل نہیں لگاتے بلکہ اُن کی چشمِ بصیرت تماشائے دُنیا سے اندھی ہوتی ہیں ۔ وہ تو مشاہداتِ انوار الٰہیہ کا منتظر و شیدا ہوتا ہے یہانتک کہ جب ساعتِ انتظار ختم ہوتا ہے اور بارگاہِ جبروت سے وصل کی خوشخبری لانے والا پہنچتا ہے ۔ اور جس کے شوقِ وصل میں آنکھیں دو عالم سے اندھی کرلی تھیں اُس کے لباسِ اَسرار کا حصہ چہرۂ باطنی پر آتا ہے تو طالب صادق کی چشمِ باطن اِس طرح کھل جاتی ہیں کہ عرش فرش کا تقرب ہوجاتا ہے ۔ اور بندۂ مومن کے وہ اوصاف حمیدہ و خصائل سعیدہ علوم لَدُنّی کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں کہ دنیا کی عقلیں حیران ہوجاتی ہیں اور مردِ کامل کی یہ بات صحیح ہوجاتی ہے کہ جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے ۔ قَالُوْا یٰٓاَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَآ اِنَّا كُنَّا خٰطِـِٕیْنَ قَالَ سَوْفَ اَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّیْ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ جب بندۂ ربانی اور طالب رحمانی کے پردے کھلتے ہیں تب اپنے اعمال کی حقیقی کمزوری کا پتہ لگتا ہے اور سمجھ جاتا ہے کہ جس کو میں نے نابینا سمجھا وہ حقیقت میں بینا اور روشن ضمیر تھا ۔ اپنی کورچشمی کا اقرار کرتا ہے اپنے آپ کو خطاکار سیاہ کار سمجھتا ہے اور پکارتا ہے اے میرے وسیلۂ کلیا اپنے رب رحیم سے ہمارے گناہوں کی بخشش طلب فرما ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ یہی وہ عاجزی ہے جو انسانیت کی معراج ہے اور ایمانیت کا عرش ہے اِس عاجزی پر ہزاروں سجدے نثار ہوجاتے ہیں ۔ تصوف کا آخری سبق مرشدِ معرفت کی آخری نصیحت یہی عاجزی اور مسکینیت ہے ۔ ہاتفِ غیبی سے آوازِ سرمدی گونجتی ہے کہ اب راہِ راست پر بندہ آگیا عنقریب بخشش و سفارش کی بھیک آستانۂ قدس سے طلب کی جائے گی بیشک وہ ہی اللہ جَلَّ شَانُہٗ طالب منزلِ شوق کی لغزشوں کو بخشنے والا ہے اور عاجزوں کو منزل الوا میں پہنچانے والا رحیم ہے ۔ وہی راہ نوردی کی توفیق دینے والا غفور ہے اور مشاہدۂ جمال کرنے والا رحیم ہے ۔ فالحمد للہ حمدًا کثیرًا و شکرًا جزیلًا ۔

✿

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ

پھر جب داخل ہوئے پر یوسف کے جگہ دی طرف اپنے ماں باپ اپنے کو

پھر جب وہ سب یوسف کے پاس پہنچے اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی

وَقَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ ۹۹

اور عرض کیا داخل ہو جاؤ مصر میں اگر چاہا اللہ نے تو امن والے رہو کے

اور کہا مصر میں داخل ہو اللہ چاہے تو امان کے ساتھ

وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوْا لَهٗ

اور اونچا بٹھایا اپنے ماں باپ کو تخت پر اور سب جھک گئے بیٹے اس کے

اور اپنے ماں باپ کو تخت پر بٹھایا اور سب اس کے لیے سجدے

سُجَّدًا ۚ وَقَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ

سجدہ کرتے ہوئے اور عرض کیا اے والد میرے یہ تعبیر ہے خواب میرے کی

میں گرے اور یوسف نے کہا اے میرے باپ یہ میرے پہلے خواب کی

مِنْ قَبْلُ ۫ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا ؕ وَقَدْ

سے پہلے یقیناً بنایا اس کو رب میرے نے سچا اور بیشک

تعبیر ہے بیشک اُسے میرے رب نے سچا کیا اور بیشک اُس نے

اَحْسَنَ بِيْۤ اِذْ اَخْرَجَنِيْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ

اچھائی اُس نے کی ساتھ میرے کیونکہ نکالا مجھ کو سے قید اور لے آیا

مجھ پر احسان کیا کہ مجھے قید سے نکالا اور آپ سب کو گاؤں سے

بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّيْطٰنُ

کو تم سب سے گاؤں سے اس کے بعد یہ کہ جھگڑا ڈالدیا تھا شیطان نے

لے آیا بعد اس کے کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں

بَيْنِي وَبَيْنَ إِخْوَتِي ۚ إِنَّ رَبِّي لَطِيفٌ لِّمَا

درمیان میرے اور درمیان بھائیوں میرے کے بیشک رب میرا آسانی فرمانے والا ہے جبکی

ناچاقی کر دی تھی بیشک میرا رب جس بات کو چاہے

يَشَاءُ ۚ إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴿١٠٠﴾

چاہے یقیناً وہ ہی ہمیشہ سے علم اور حکمت والا ہے

آسان کر دے بیشک وہی علم و حکمت والا ہے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں حضرت یعقوب کے بیٹوں کا آنا اور خوشخبری دینا مذکور تھا اب اِن آیات میں سب گھر والوں کا جمع ہو کر ہمیشہ کے لیے کنعان کی چھوٹی بستی چھوڑ کر مصر میں یوسف علیہ السّلام کے پاس مستقل طور پر آنے کا تذکرہ ہے اِسی مقصد کے لیے یہود کے کہنے پر مکّے کے کافروں نے یوسف علیہ السّلام کے مصر میں آنے کے بارے سوالات کئے تھے جو اِس سورت کے نزول کا باعث بنا۔

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں حضرت یعقوب کے بیٹوں کا معافی توبہ اور بخشش مانگنے کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں توبہ کرنے کا سلسلہ جارہا ہے کہ اُن سب بھائیوں نے حضرت یوسف کو مکمّل سجدہ کرکے توبہ کا اظہار کیا۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں حضرت یعقوب نے بیٹوں کے سامنے علم کا ذکر فرماکر اللہ کے احسانات کا چرچہ فرمایا جو ایک بہت بڑی عبادت ہے ۔ اب اِن آیتوں میں حضرت یوسف اپنے بھائیوں کے سامنے بطور مواعظِ حسنہ رب تعالیٰ کی کرم نوازیوں کا ذکر فرما رہے ہیں۔ یہی بندوں پر حق ہے کہ ہر آن ہر غمی خوشی میں اپنے رب کو یاد کرتا ہے۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ آوَىٰ إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ وَقَالَ ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا ۖ فَ تعقیبیہ لَمَّا شرطیہ ظرفیہ دَخَلُوا فعل ماضی بصیغہِ جمع مذکر غائب مراد یعقوب علیہ السّلام اور اُن کے گھر والے بیوی بچے کل بہتر آدمی علیٰ جارّہ بمعنیٰ عِنْدَ۔ یوسف مجرور متعلق ہے دَخَلُوا کے اٰوٰی فعل ماضی صیغہ واحد غائب اِس کا فاعل ضمیر ھُوَ کا مرجع یوسف ہیں۔ اٰوٰیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پناہ دینا جگہ دینا اِلٰی جارّہ ہ ضمیر کا مرجع یوسف ہیں اَبَوَیْ

اَبٌ کا تثنیہ ہے دراصل تھا اَبَوَیْنِ نون اضافت سے گر گئی و ضمیر مضاف الیہ کا مرجع حضرت یوسف وَ
ماطفہ یہاں عطف جملہ کا جملہ پر اور پھر جزا ہے لَمَّا دَخَلُوْا کی قَالَ کا فاعل حضرت یوسف اُدْخُلُوْا امر ہے
پورا جملہ مقولہ ہے قَالَ کا فاعل تمام آنیوالے ہیں مِصْرَ مفعول فیہ مراد شہر دارالخلافہ ہے۔ ورنہ بڑے علاقے
کا نام مصر ہے۔ اِنْ حرف شرط اپنے ہی معنیٰ میں ہے شَآءَ فعل ماضی واحد غائب شَاءَ یَشَاءُ سے
بنا ہے اسی سے ہے شَیٌٔ بمعنیٰ چاہنا یا چاہا ہوا۔ محال۔ شَیٌٔ نہیں ہو سکتی اللہ اس کا فاعل ہے۔ یہ
جملہ یا شرط موخر ہے تب اس کا تعلق اُدْخُلُوا سے ہے وہ اس کی جزاء مقدم بنے گا اور اپنی جگہ شرط ہے
تب اس کا تعلق اٰمِنِیْنَ سے ہے مشیت الٰہیہ یا دخول میں ہے یا امن میں۔ وَ۔ سَر جملہ رَفَعَ فعل ماضی
صیغہ واحد غائب رَفْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بلند کرنا۔ اونچی جگہ قائم کرنا۔ یا بٹھانا۔ درجہ بلند دینا۔ یہاں مراد
اونچی جگہ بٹھانا ہے۔ قریب کرنے کے معنیٰ میں بھی مشترک ہے۔ یہاں یہ بھی مناسب ہیں اس کا فاعل
یوسف ہیں اَبَوَیْهِ سے مراد ماں باپ لفظ اَبٌ کے چار معنیٰ ۱؎ والد یہ منقول اصطلاحی ہے۔ ۲؎ اصل یعنی
جڑ ۳؎ والا جیسے اَبُوتُرَاب اَبُوہُرَیْرَہ وغیرہ ۴؎ بڑا اس معنیٰ میں چچا تایا کو بھی اَب کہدیا جاتا ہے۔ جیسے کر
قرآن پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آذر کو اَبِیْهِ فرمایا۔ حالانکہ حضرت ابراہیم کے والد محترم حضرت
تارخ تھے جو ایک روایت کے مطابق ولادت پاک سے ایک ماہ پہلے فوت ہو چکے تھے اور دین نوحی کے
مومن تھے۔ بعض نادانوں نے آذر کو والد کہدیا صرف لفظ اَبِیْ دیکھ کر یہ اُن حمقا کی عربی لغت سے ناواقفی کی
علامت ہے۔ لفظ اَبٌ جس وقت جمع ہو گا تو یہ دادا۔ پر دادا کا معنیٰ بھی دے گا اور جب یہ تثنیہ ہو گا تو
اَبٌ کے معنیٰ والدہ بھی ہوں گے یا سوتیلی ماں بھی یہی معنیٰ یہاں مراد ہیں۔ عَلَی جارہ عَرْش سے مراد شاہی
تخت ہے۔ لغوی معنیٰ ہے بہت اونچی جگہ۔ وَ سَر جملہ۔ یہ نیا جملہ ہے خَرُّوْا فعل ماضی مطلق صیغہ
جمع غائب باب نصر سے ہے خَرٌّ مضاعف ثلاثی سے ہے بمعنیٰ سر کے بل جھکنا۔ لَهٗ لام جارہ بمعنے
اِلٰی ہٗ کا مرجع یوسف سُجَّدًا۔ جمع کثرت مکسّر ہے اس کا واحد سَاجِدٌ اس کی جمع قلت سَاجِدِیْن ہے۔ سَجْدٌ
سے بنا ہے بمعنیٰ زمین سے پوری طرح لگ جانا شرعی معنیٰ ہیں سات اعضا پر زمین سے لگنا سجدہ ہر شریعت
میں ایک جیسا رہا۔ خیال رہے کہ عربی میں ہر اسم کی جمع کثرت بھی ہوتی ہے جمع قلت بھی خَرٌّ کے معنے ہیں
جھکنا۔ گرنا۔ ذلیل ہونا۔ عاجز ہونا۔ جب سجدہ کے ساتھ خَرٌّ آئے تو معنیٰ ہوں گے گرنا۔ یہاں یہ ہی
مراد ہے وَقَالَ یٰٓاَبَتِ ھٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ۔
وَ سَر جملہ قَالَ فعل ماضی اس کا فاعل حضرت یوسف یا حرف ندا بمعنیٰ اَدْعُوْا اَبَتِ دراصل تھا اَبِیْ مرکب
اضافی یاء متکلم بوجہ ثقل یٰ کو گرا دیا بطور نشانی زیر لگا دی تٰ ندا کی وجہ سے لگا دی جاتی ہے۔ لہٰذا

اسم اشارہ تاویل مصدر ہے باب تفعیل کا اَوَلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مطلب نکالنا راستہ ڈھونڈنا خواب کی تعبیر لینا۔ یہاں تعبیر کے معنیٰ مراد ہیں مشارالیہ ہے۔ ھٰذا سے پہلے فعل پوشیدہ ہے اِسْمَعْ بمشارالیہ و اسم اشارہ مفعول بہ ہے مبتدا خبر ہو کر اِسْمَعْ کا اور یہ جملہ فعلیہ مفعول لہٗ ہے اُدْعُوْا پوشیدہ معنوی کا۔ رُؤیا بمعنیٰ خواب مضاف ہے ضمیر متکلم یٰ کا مِنْ حرفِ جر زائدہ ہے۔ قَبْلُ اسم ظرف مضاف منوی ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِہٖ ہٖ ضمیر غائب محذوف ہے۔ اس میں دو قول ہیں یا یہ حال ہے رُؤیا کا اس میں فتح دینے والا عامل ھٰذا بمعنیٰ اَ ہے یا یہ ظرف ہے رؤیا کا اور اس میں زبر دینے والا عامل تاویل ہے بہر حال یہ منصوب ہے مگر مبنی ہے اس لیے ظاہری رفع ہے۔ قَدْ جَعَلَ فعل ماضی قریب یہ جملہ یا حال ہے رُؤْیَایَ کا یا صفت ہے اس کی۔ حَقًّا بحالتِ نصب ہے۔ اس میں تین قول ہیں یا یہ پوشیدہ ہم معنیٰ فعل کا مفعول مطلق ہے۔ یا صفت ہے ھَا ضمیر کی یا یہ مفعول ثانی ہے جَعَلَ کا اور جَعَلَ بمعنیٰ صَیَّرَ ہے۔ دوسرا جملہ قَدْ اَحْسَنَ فعل ماضی قریب اس کا فاعل اسم ظاہر رَبِّیْ کی ضمیر ھُوَ ہے بی۔ بِ اِلٰی یا مَعَ کے معنیٰ میں ہے۔ اور اَحْسَنَ کا مفعول بہ پوشیدہ ہے دراصل تھا قَدْ اَحْسَنَ صُنْعَہٗ بِیْ۔ اِذْ اسم ظرف ہے یا اَحْسَنَ سے متعلق ہے یا صنعہٗ پوشیدہ سے بمعنیٰ جس وقت یا علت ہے بیانِ اَحْسَنَ کے لیے۔ اَخْرَجَ فعل ماضی باب افعال متعدی بیک مفعول ہے نون وقایہ یٰ متکلم مفعول بہ۔ مِنْ جارہ اِبْتِدَائِیَہ۔ السِّجْنِ مصدر ہے چار معنیٰ میں مستعمل ہے۔ ۱ قید خانہ۔ ۲ چھپانا۔ ۳ بھاڑنا ۴ کسی جگہ دائمی رہنا۔ یہاں پہلے معنیٰ۔ ظرف مکانی کے لیے اب یہ جامد ہوتا ہے

وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَ بَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ

وَ عاطفہ اگلا جملہ معطوف اَخْرَجَنِیْ پر ہر دو قول پر علت ہے اَحسَنَ کی۔ جَاءَ فعل ماضی اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع رَبِّیْ ہے جِیْئٌ سے مشتق۔ ہفت اقسام میں سے اَجوف یائی و مہموز اللام ہے۔ اس کا معنیٰ آنا بھی ہے اور لانا بھی اس لیے یہ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی یہاں بمعنیٰ لانا ہے متعدی بیک مفعول بِکُمْ بِ زائدہ جارہ معنًا مفعول ہے کُمْ ضمیر جمع حاضر مجرور متصل مِنْ جارہ ابتدائیہ اَلْبَدْوِ الف لام عہد خارجی بَدْوٌ بمعنی چھوٹا گاؤں۔ بَدْوٌ سے منقول اصطلاحی۔ اصطلاحی معنیٰ ہیں جنگل بیابان جس میں گھنے درخت نہ ہوں۔ لغوی ترجمہ ہے ظاہر ہونا دور سے نظر آنا۔ مسافر کو بادی اور مقیم کو حضری۔ اسی طرح اقامت کرنے کو حضر مسافرت کو بادیہ کہدیتے ہیں اسی لحاظ سے۔ مِنْ جارہ ابتداء زمانی کے لیے ہے۔ یا زائدہ ہے۔ یا بیانیہ۔ تینوں قول درست ہیں بعد اسم ظرف زمانی مضاف ہے لہٰذا حرکتِ جر ظاہر ہے اَنْ ناصبہ مگر صحیح یہ ہے کہ اَنْ مخففہ ہے دراصل تھا اَنَّہٗ۔ زائدہ ہے یہاں عاملہ نہیں ہو سکتا۔ یہ سارا جملہ مضاف الیہ ہے بَعْدَ کا نَزَغَ فعل ماضی نَزْغٌ سے مشتق ہے بمعنی فساد کروانا یا فساد میں

داخل ہونا شامل ہونا۔ اَلشَّیْطٰنُ الف لام عہدی ہے بحالتِ رفع ہے فاعل ہے نَزَغَ کا۔ اس کے مادۂ اشتقاق میں دو قول ہیں ۱۔ شَیَطٌ ۲۔ شَطَنٌ۔ پہلی صورت میں شیطان بروزنِ فَعْلَانٌ ہے اور نون زائدہ ہے دوسری صورت میں شیطان بروزنِ فیعال ہے اور نون مادہ کی ہے دونوں قول میں مبالغے کے لیے ہے۔ اور دونوں مادوں کے لحاظ سے تین تین معنیٰ میں مشترک ہے شَیَطٌ بمعنیٰ شرارت کرنا ۲۔ فساد کرنا ۳۔ سرکشی کرنا۔ شَطَنٌ بمعنیٰ دور ہونا۔ جلنا۔ باطل ہونا۔ جب یہ الف لام کے ساتھ آئے تو ابلیس مراد ہوتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے اور بغیر الف لام سے ہر شریر اور فسادی مراد لیا جا سکتا ہے۔ انسان ہو جانور یا جنات۔ بَیْنِیْ اسم ظرف مضاف یاءِ متکلم۔ لفظ بین کے تین ہی معنیٰ ہیں تین ہی اس کے استعمال ہیں اور تین ہی اس کی اعرابی حرکتیں ہیں۔ معنی ۱۔ درمیان ہونا ۲۔ جدا کرنا ۳۔ ملاپ کرانا۔ یہ مصدر ہے اسی سے بَانَ یَبِیْنُ مشتق ہے۔ استعمال۔ سامنے کے لیے خواہ دور ہو جیسے بَیْنَ یَدَیْہِ ۲۔ فاصلہ بیان کرنے کے لیے جیسے بَیْنَ الْبَلَدَیْنِ ۳۔ وصل کے لیے جیسے بین القوم۔ اور جب بَیْنَ اسم واحد (مفرد) کی طرف مضاف ہو تو اس کی تکرار ضروری ہے۔ یہی حالت یہاں ہے۔ اعراب اگر ظرف ہو تو فتحہ یا کسرہ ہوگا۔ اگر اسم متمکن ہو تو ضمہ بھی آجاتا ہے۔ اِخْوَتِیْ۔ اَخٌ بمعنیٰ بھائی اس کی جمع اِخْوَانٌ بھی ہوتی ہے اور اِخْوَۃٌ بھی عام طور پر نسبی ماں باپ شرکا شریکوں کے لیے جمع اخوۃ آتی ہے۔ ہم پیشہ یا دینی بھائیوں کے لیے اخوان جمع ہے۔ اِنَّ حرف تحقیق یا علیہ و جملہ اسمیہ ہے یا سابقہ کی علت ہے رَبِّیْ مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے لَطِیْفٌ بروزن کریم مبالغے کے لیے لطف سے بنا ہے بمعنیٰ مہربان ہونا۔ رافروان۔ خوش طبع باتیں کرنا اسی معنیٰ میں ہے لطیفہ۔ باریک بین ہونا۔ خبردار ہونا۔ جب اس کے بعد لام جارہ ہو تو معنی ہوں گے تدبیر کرنے والا یہاں یہ ہی معنیٰ مراد ہیں لِمَا۔ لام جارہ ما موصولہ یَشَاءُ فعل مضارع بمعنیٰ حال اس کا صلہ متعلق ہے لَطِیْفٌ کے اور وہ خبر اِنَّ۔ اِنَّہٗ حرف تحقیق نیا جملہ اسمیہ ھُوَ ضمیر منفصل برائے حصر مبتدا العلیم اور الحکیم دونوں مبتدا کی خبریں اور مبتدا کا جملہ اسمیہ خبر اِنَّ۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰی یُوْسُفَ اٰوٰۤی اِلَیْهِ اَبَوَیْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِیْنَ وَ رَفَعَ اَبَوَیْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَ قَالَ یٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا

روایتوں میں ہے کہ حضرت یوسف ایک سال پہلے دربارِ مصر سے باہر شہر کے شاہی دروازے کے باہر نکل آئے تھے اور چار ہزار فوج اور بادشاہ نہایت سجے ہوئے اونٹ گھوڑے جھنڈے لے کر خیمہ لگا کر استقبال کے لیے جمع ہو گئے تھے جب یعقوب علیہ السلام اپنے پورے کنبے کے ساتھ جو تقریباً بہتر افراد تھے حدودِ مصر میں داخل ہوئے تو یوسف علیہ السلام تین میل مزید آگے تشریف لائے حضرت یعقوب یہودا

یہودیوں کا ہاتھ پکڑ کر چل۔ ہے تم پوچھا اے یہود ایہ جلوس کیسا ہے یہ سحرا لوگوں سے کیوں بھرا پڑا ہے کیا یہ فرعونِ مصر کا لشکر ہے اس زمانے میں مصریوں کے ظلم سے ارد گرد اور کنعان کے لوگ مصر میں نہ آتے عرض کیا اے ابا جان یہ آپ کے بیٹے یوسف کے غلام اور فوج ہے آپ کے استقبال کے لیے شہر سے باہر آئے ہیں۔ ابھی حضرت یعقوب یہ سن کر دیکھ کر حیران ہی ہو رہے تھے کہ حضرت جبریل حاضر بارگاہ ہوئے عرض کیا اے اللہ کے نبی آپ زمین کی فوجی جلوس کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں ذرا نگاہ اٹھا کر تو دیکھئے فضائے آسمانی فرشتوں سے بھری ہے ملائکہ کی قطاریں اس جشنِ ملاقات میں شرکت کرنے کے لیے آئے ہیں یہ وہ ہی ملائکہ ہیں جو آپ کے غم میں آپ کے ساتھ رویا کرتے تھے۔ آج خوشی میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ خیال رہے کہ ملائکہ آسمانی نے دو موقعہ پر زمین سے آسمانوں تک قطاریں باندھ کر خوشی کا جلوس نکالا۔ ایک یہ موقعہ ملاقات اور دوسرا موقعہ جشن عید میلاد سیدہ آمنہ کے گھر سے تا فلک۔ جب حضرت یوسف قریب ہوئے گھوڑے سے اترے۔ یعقوب علیہ السّلام نے پوچھا ان لوگوں میں میرا یوسف کون ہے یہود الے جواب دیا یہی جو سب سے عمدہ لباس میں ہے اور تاج شاہی پہنے ہوئے اور اُس کے ساتھ دوسرے تاج میں بادشاہِ مصر ہے۔ حضرت یوسف نے چاہا کہ پہلے سلام کریں مگر جبریل امین نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ رب تعالیٰ کی مرضی ہے کہ والدِ ماجد کی سلامتی کی دعائیں پہلے ہو والدِ محترم نے سلام کیا بغل گیر ہوئے دو طرفہ خوشی کے آنسو تھے۔ یعقوب علیہ السّلام نے فرمایا اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا مُذْهِبَ الْاَحْزَانِ اے غموں کو دور کرنے والے تجھ پر سدا سلامتی ہو۔ یوسف علیہ السّلام نے جواباً عرض کیا وعلیکم السّلام یا اَبَا الْفَرْحَانِ اے فرحتوں والے تجھ پر سلام ہو۔ وہاں سے واپسی ہوئی اور شاہی محل نما خیمہ میں تشریف لائے سب لوگ دیگر خیموں میں گئے اور یوسف علیہ السّلام اپنے والدِ محترم اور اپنی سوتیلی والدہ خالہ لیّا کو اور بادشاہِ مصر۔ برادرانِ یوسف بلکہ پورا کنبہ شاہی خیمہ میں تشریف فرما ہوئے۔ بادشاہ اپنے تخت پر بیٹھا اور باقی حضرات اور درباری اپنی اپنی کرسیوں پر۔ لیکن یوسف علیہ السّلام نے اپنے ماں باپ کو اپنے تخت پر بالکل اپنے قریب بلا لیا یہاں اَبَوَيْهِ سے مراد والد حضرت یعقوب اور ماں سوتیلی حضرت لیّا ہیں۔ آپ کی سگی والدہ فوت ہو چکی تھیں بنیامین کی پیدائش کے وقت یہی قول درست ہے کیونکہ لفظ بنیامین کا لغوی ترجمہ ہے۔ یامین کا بیٹا۔ یہ عبرانی لفظ ہے۔ یامین کا ترجمہ ہے درد زہ سے جینے والی عورت۔ یہاں تک کہ مر جائے۔ اسی حالت کی وجہ سے بنیامین کا یہ نام رکھا گیا تھا (روح البیان)۔ ایک قول ہے کہ نہیں فوت ہوئی تھیں۔ ایک قول ہے لا اللہ تعالیٰ نے اس موقعۂ ملاقات کے لیے زندہ کر دیا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ قرآنِ مجید میں لفظِ اَب والد کے علاوہ بھی چچا کے لیے استعمال ہوا ہے اسی طرح یہاں۔ لفظِ اب کا تثنیہ سوتیلی ماں اور سگے باپ کے لیے

استعمال ہوا ہے۔ سگے ماں باپ کے لیے مخصوص لفظ والد۔ والدہ۔ اور والدین ہے۔ یہ الفاظ چچا تایا اور سوتیلی ماں کے لیے استعمال نہیں ہو سکتے۔ اس کی جمع بھی نہیں آتی کیونکہ دو ہی سگے ہو سکتے ہیں بخلاف اَب کے کہ اس کی جمع آباء ہے۔ اور مراد باپ چچا تایا۔ دادا پردادا وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ حضرت یوسف یہاں ایک دن یا تین دن ٹھہرے۔ پھر عرض کیا کہ اے ابا جان مشیت الٰہیہ کے حکم سے اب ساری عمر کے لیے مصر میں تشریف لے چلئے امن و عافیت کے ساتھ اب مصریوں سے ڈرنے اور فرعون مصر کے ظلم کا زمانہ ختم ہو گیا۔ جب دربار شاہی میں پہنچے تو حضرت یوسف نے یہاں بھی اُن کو اپنے قیمتی شاہی تخت پر بٹھایا۔ اُس وقت خوشی و محبت اور خدا داد شوکت کے احترام میں ماں باپ نے اور بھائیوں نے بہت دیر تک تخت پر ہی حضرت یعقوب کے حکم سے یا خود ہی سب نے کھڑے ہو کر سجدے میں گر گئے یا بیٹھے بیٹھے ہی سجدے میں گرے پہلے والد پھر ان کو دیکھ کر باقی سب اس طرح کہ یوسف علیہ السلام درمیان میں تھے اور چاروں طرف گول دائرے میں مثل کعبہ سجدۂ شکریہ یا تحیۃ کیا جب سجدے سے سر اٹھایا تو کہا یا اس حالت کے دوران کہا۔ اے ابا جان یہ ہے میری اُس خواب کی تعبیر جس کو میں نے چالیس سال پہلے دیکھا تھا اور آپ کو سنایا تھا آپ کے حکم سے بھائیوں سے چھپایا تھا۔ اس کو میرے رب نے اتنے عرصے کے بعد آج سچا کر دیا۔ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ اے درباریو۔ رشتے دار بھائیو اور میرے ماں باپ سنو کہ بیشک مجھ پر میرے رب تعالیٰ نے کتنے احسان فرمائے ہیں۔ اُسی اللہ نے ہزاروں عزتوں رفعتوں کے ساتھ مجھ کو قید سے نکالا اور تم کو قحط بھوک غربت۔ فراق غم۔ مصیبت۔ مزدوری کے گاؤں سے نکالا۔ اور فرماں برداروں غلاموں سے بھرے ہوئے شہر میں امن کے ساتھ پہنچایا یہ سب اُس کریم کے احسانات ہیں۔ ورنہ ازلی ابدی دشمن ایمانی شیطان ابلیس نے تو ایسے جھگڑے فساد ناچاقی میرے اور میرے بھائیوں کے درمیان ڈال دی تھی کہ ملاقات و محبت کی کوئی صورت نہ تھی۔ بیشک میرا رب میرا معبود خالق ارض و سما کیسی شاندار آسانیاں سہولتیں عزتیں بخشنے والا ہے۔ کون اس کی مشیت و چاہت کو سمجھ سکتا ہے۔ بیشک وہ ہی کائنات کی ہر چیز کو ہر وقت ہر حال میں ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا ہے اور اپنے ہر کام میں حیران کن تعجب خیز عظیم حکمتوں والا ہے۔ کہ مصر میں داخلے کے وقت چوبیس ۲۴ مرد تیس ۳۰ عورتیں نو ۹ بچے سات ۷ بچیاں دو ماں باپ کل بہتر ۷۲ افراد تھے لیکن جب یہ بنی اسرائیل اسی مصر سے فرعون کے زمانے میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ نکلتے ہیں تو ایک کروڑ دو لاکھ افراد ہوتے ہیں جن میں صرف جوان مرد چھ لاکھ پانچ سو نوے تھے (تفسیر روح البیان) اسی طرح۔

آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسل پاک جب کربلا سے نکلی ہے تو صرف امام زین العابدین مرد میں نسل پاکِ مصطفیٰ کا شجرِ آخیر اور امام حسن عسکری کا لختِ جگر فرزند ہی ہیں۔ مگر آج کائنات میں کثرتِ سادات کو کون شمار کرسکتا ہے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ کسی کو معافی دینے کے بعد پھر اُس کے جرم کا ذکر نہ کرنا چاہیئے نہ اُس کو شرمندہ کرنا چاہیئے ورنہ معافی کا ثواب ختم ہوجائے گا۔ دیکھو یوسف علیہ السّلام نے جیل سے نکلنے کا ذکر کیا مگر کوئیں سے نکلنے کا ذکر نہ کیا تاکہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کوئیں کا ذکر نہ کرنا نو۹ وجہ سے ہے ایک۱ یہ کہ بھائی شرمندہ نہ ہوں۔ دوسرے۲ یہ کہ کنواں اتنی بڑی مصیبت نہ تھی جتنی جیل تھی کیونکہ کنواں صرف ایک یا دو۲ دن اور جیل پانچ سال کی مصیبت ۳۔ نیز کوئیں میں حضرت جبرئیل کا ساتھ تھا جیل میں چوروں ڈاکوؤں کا ۴۔ کوئیں میں جان کو مصیبت تکلیف تھی جیل میں ایمان کو مصیبت ۵۔ کوئیں کے وقت نابالغ تھے اس کی رہائی کا شکر واجب نہ تھا جیل سے رہائی کے وقت بالغ تھے اُس کی رہائی کا شکر واجب ۶۔ کوئیں کی تکالیف بھولی بسری ہوگئیں تھیں جیل کی مصیبتیں ابھی تازہ تھیں ۷۔ نیز کوئیں سے بھائیوں اور مجبولوں کا تعلق تھا جیل سے قانون کا۔ اسی لیے آپ نے ایک موقعہ پر مصری عورتوں کا اور اُن کے ہاتھ کاٹنے کا ذکر تو کیا مگر زلیخا کا ذکر اس وقت بھی نہ کیا یہ شانِ نبوت کی فراخدلی ہے ۸۔ اور پھر کوئیں سے نکلنا آسان تھا جیل سے نکلنا قانونی گرفت کی وجہ سے مشکل ۹۔ کوئیں میں صرف صحت کو نقصان ہوا جیل میں صحت اور عزت کو نقصان ہوا۔ اس لیے کوئیں کا ذکر نہ فرمایا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ ذاتی اختلافات اور جھگڑے کی بنا پر بھائی برادری کا تعلق ختم نہیں ہوسکتا۔ نہ قطع رحمی ہوسکتی ہے نہ میراث کی بندش دیکھو یوسف علیہ السّلام نے اور قرآن مجید نے اتنے اختلافات کے باوجود مخالفین ایذار سانیوں کو اخوتی ہی فرمایا۔ اسی طرح ایمانی رشتہ بھی ذاتی لڑائیوں سے نہیں ٹوٹتا۔ اس لیے حضرتِ علی نے امیر معاویہ اور اُن کے ساتھیوں کو اپنا بھائی فرمایا تھا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ بارگاہ الٰہی کا ادب یہ ہے کہ اچھائیوں کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جائے اور برائیوں کو شیطان کی طرف یا نفس امارہ کی طرف نسبت کیا جائے۔ اگرچہ ہر نیکی بدی کا خلق باری تعالیٰ ہے۔ یہ فائدہ نَزَغَ الشَّیْطٰنُ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ ۔ شہر میں رہنا خدا تعالیٰ کی نعمت ہے۔ کوئی صاحب تبلیغ نبی گاؤں میں نہ رہے حضرت یعقوب عارضی طور رہے۔ اور یہ صرف ان ہی کا واقعہ ہے۔

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند مسائل مستنبط ہوئے۔

پہلا مسئلہ۔ سوتیلی ماں بھی ادب و احترام کے حقوق میں سگی ماں کی طرح ہے۔ والد کی منکوحہ ہونے کی وجہ سے اس کا احترام بھی سوتیلی اولاد پر واجب ہے۔ وَرَفَعَ اَبَوَيْهِ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کسی بھی شریعت میں تعظیمی طور پر کسی بندے کو سجدہ جائز نہ ہوا۔ حضرت یعقوب وغیرہ کا سجدہ کرنا یہ ایک وقتی خصوصیت تھی جو فقط تعبیر خواب کے لیے کیا گیا اسی وجہ سے یعقوب علیہ السلام نے نہ اس سے پہلے کبھی کسی کو سجدہ کیا نہ بعد میں نہ کسی اور نے۔ جس طرح کہ فرزند کا ذبح فقط تعبیر خواب کے لیے تھا۔ کیونکہ نبی کی خواب وحی الٰہی ہوتی ہے جس پر عمل واجب ہوتا ہے۔ مگر ذبح فرزند قانون شریعت نہیں اسی لیے کسی کو جائز نہیں۔ آج بعض بے دین شیطانی پیر اپنے آپ کو مریدوں سے سجدے کراتے ہیں اُن کو چاہیئے کہ ذبح فرزند بھی کریں کہ یہ بھی نبی کا ایک عمل ہے۔ نیز پیر کو چاہیے کہ مرید کو سجدہ کرے کیونکہ قرآن مجید سے بڑے کا سجدہ چھوٹے کو ثابت ہو رہا ہے۔ لہٰذا اس سے دلیل لینا انتہائی جہالت ہے۔

اعتراضات

اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو اپنے بزرگوں کو سجدہ کیوں گوارہ کر لیا حالانکہ یہ تو بے ادبی ہے۔ جواب۔ مفسرین نے اس کے بہت جواب دیے ہیں مگر بہترین جواب وہ ہے جو تفسیر صاوی نے دیا کہ یہ سجدہ حکم الٰہی تعبیر خواب کو پورا کرنا تھا اس لیے یہ احترام و تعظیم نہ تھی نہ ادب کرایا گیا۔ کعبہ کی طرف نبی کریم نے سجدہ کیا مگر یہ کعبے کا ادب نہیں کعبہ تو اولیا اللہ کا ادب زیارت کرنے جاتا ہے۔ روح البیان نے فرمایا کہ سجدہ ایسا ہی تھا جیسا کعبہ کی طرف مگر یہ درست نہیں لَہٗ کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ سجدہ حضرت یوسف ہی کو تھا۔ **دوسرا اعتراض**۔ حضرت یوسف نے آمنین کیوں فرمایا۔ جواب۔ اس کی بہت وجہیں ہیں۔ ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اُس وقت لوگ مصر میں جاتے ہوئے ڈرتے تھے ذاہین مصر مغرور۔ اور ظالم تھے بلا وجہ الزام لگا کر گرفتار کر لیتے تھے جیسا کہ برادران یوسف پر پہلی آمد پر ایک دم جاسوسی کا الزام لگ گیا اگر حضرت یوسف نہ ہوتے تو یہ بیچارے جیل میں پڑے رہتے خود حضرت یوسف بھی پانچ سال بلا قصور بلا تحقیق جیل میں رہے۔ کسی نے یاد بھی نہ رکھا کہ کون جیل میں ہے یہ تو رب کا کرم ہوتا چلا گیا۔ اس لیے آمنین فرمایا کہ اب وہ ظلم کا دور ختم ہو گیا۔ یا مطلب یہ ہے کہ قحط غربت بھوک افلاس سے امن ہے مگر پہلی بات درست ہے۔

تیسرا اعتراض۔ حضرت یوسف نے گاؤں سے نکلنے اور شہر میں آنے کو نعمت اور احسان ربانی کیوں فرمایا

حالانکہ گاؤں کی زندگی نہایت شریفانہ بھولی بھالی نیک ہوتی ہے دینوی اعتبار سے بھی صحت افزاء ہے جو آب۔ نو وجہ سے شہر کو گاؤں پر فوقیت حاصل ہے جس کی بناپر انبیاء اور علما قاضی اور مفتی کو شہر میں رہنا ضروری ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام ایک یہ کہ شہری ماحول کاروبار تجارت شہری لوگوں کو روشن ضمیری تہذیب اور عقل عطا کرواتا ہے اور کلام الٰہی و کلام نبوت کے لیے روشن ضمیری ضروری۔ دوئم یہ شہر کے لوگ گاؤں نہیں جاتے مگر شاذو نادر ایک دو۔ لیکن گاؤں والے شہر ہر روز آتے ہیں وہ شہر کے لوگوں سے علم حاصل کر سکتے ہیں۔ سوم یہ کہ گاؤں کی ہر چیز شہر میں مل جاتی ہے مگر شہر کی اشیا گاؤں میں میسر نہیں آتیں۔ چہارم یہ کہ قانون کا اجرا اور قانون سازی شہر میں ہوتی ہے پنجم حکومت اور با اختیار لوگ شہر میں ہوتے ہیں نیز علم و فن و ہنر مندی شہر میں ہوتی ہے نہ کہ گاؤں میں۔ ششم یہ کہ غیر ملکی وفد اور سیاح شہر میں آتے ہیں اس لیے وہ لوگ گاؤں والوں سے اور گاؤں والے ان سے ناواقف رہتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ۔ ہر برائی پہلے شہر میں پیدا ہوتی ہے گاؤں والے تو بیشمار گناہوں سے بے خبر ہوتے ہیں۔ ہشتم دشمن دینی کی تبلیغ کا مرکز بھی شہر ہوتا ہے۔ نہم یہ کہ شہری لوگوں کو عام طور پر عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ گاؤں والے کی بات کا شہر میں اتنا وقار نہیں ہوتا ان وجوہ سے شہر میں تبلیغ زیادہ موثر زیادہ ضروری اور زیادہ مفید ہوتی ہے۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا ایک مقصد تبلیغ و اجراء قانون الٰہیہ اور دین خداوندی کی بالادستی قائم رکھنا بھی ہے اس لیے ان کا شہر میں آنا نعمت الٰہیہ ہے اسی طرح علما فضلا مبلغین۔ کے لیے شہر کی رہائش افضل ہے کنعان کا گاؤں حضرت یعقوب کا وطن نہ تھا یہ عارضی قیام تھا اصلی وطن پہلے فلسطین تھا پھر آخری مصر ہوا بلکہ کسی بھی نبی کا وطن کبھی بھی کوئی گاؤں نہ ہوا۔ یہ گاؤں کا خلوت خانہ تو صوفیا۔ زاہدین گوشہ نشین حضرات کا مسکن رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰۤى اِلَيْهِ اَبَوَيْهِ وَ قَالَ ادْخُلُوْا مِصْرَ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ اٰمِنِيْنَ وَ رَفَعَ اَبَوَيْهِ عَلَى الْعَرْشِ وَ خَرُّوْا لَهٗ سُجَّدًا وَ قَالَ يٰۤاَبَتِ هٰذَا تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّيْ حَقًّا

تصوف کی نگاہ میں یعقوب کنعانی گویا روح جسمانی ہے نفس مطمئنہ زوجہ لیا اوصافِ بشری برادرانِ یوسف ہیں حواسِ بدنی بنیامین ہے اور قلب یزدانی یوسف مصری ہے۔ راہ معرفت کا مسافر گویا علاقہ مصر ہے نفسِ امارہ کے تصرفات ورذائل بدو کنعانی ہے۔ اولاً مردِ کامل کے قلب صنوبر کو عرش الٰہی کے تخت پر زینت دی جاتی ہے۔ قلب کی قوت وزینت سارے قالب کی قوت وزینت ہے۔ جب قلب مزین اپنی روح، نفس کو اور اوصاف بشری کو رونق اعمال کے جلوس میں اپنی جانب متوجہ کرتا ہے تو اپنے عرش بقاپہ قرب دائمی کا مژدہ سناتا ہے۔ اور اوصافِ بشری کو وہ رفعتیں ملتی ہیں، جو کبھی حاصل

تمجھیں ۔ بندۂ مومن کو چاہیئے کہ اگر قربِ مولیٰ کی رفعتیں چاہتا ہے تو دل کو درست رکھے ۔ یہ وہ معراج مرتبتِ مُلیا ہے کہ روح ونفس کے سورج وچاند اور اوصافِ بشری کے چمکتے ستارے سب دل منوّر کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہیں یہ ہی اسرارِ رحمانی کی تعبیر ہے یہ خوابی اشارہ ہی حیاتِ دنیا کا مقصدِ اوّل ہے اس کی ابتدا عالمِ ارواح کی تربیت اور بطنِ مادر کے کوئیں سے ہوتی ہے اور قبر مومن عارف کے تخت پر ظہور ہوتا ہے ۔ بندہ صالح کے ان اشارات وتصورات کو رب تعالیٰ وقتِ موت اور قبر میں ظاہر باہر فرما کر سچا کرتا ہے ۔ وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْۤ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِکُمْ مِّنَ الْبَدْوِ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ الشَّیْطٰنُ بَیْنِیْ وَبَیْنَ اِخْوَتِیْ ؕ اِنَّ رَبِّیْ لَطِیْفٌ لِّمَا یَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۔ لئن احسان ہے رب قدیر کا جس نے معاصی وشرور سے بچنے والے صابر کو شریعت کے ذریعے اصلاحِ طبیعت کرنے والے صالح کو بیتِ خلوت کی ظلمت میں وجود کے قیدی کو کثافت کی جیل سے نکال کر نورِ حقیقت کا تاج پہنایا اور اپنے قرب کے خاص تخت پر بٹھایا اور اسی دلربا کی خاطر اوصافِ بشری کو انتہائی رذالت کے گاؤں سے نکال کر مصرِ وصال میں پہنچایا ۔ روح قلب میں فراق ڈالنے والا شیطان ہے جس کا نفسِ امارہ پر قبضہ ہے وہی اوصافِ بشری کو وسوساتا اور ورغلاتا ہے ۔ بیشک میرا رب نورِ معرفت دینے والا لطیف ہے ۔ اپنی مشیئت میں وہی علیم مکاشفہ ہے اور صحبتِ نبوّت میں پہنچانے والا حکمتوں والا ہے ۔

حضرت لقمان نے فرمایا کہ مجلسِ انبیاء سے آٹھ سبق ملتے ہیں ۔

۱ ۔ نماز میں قلب کی حفاظت کر ۲ غیر کے گھر میں آنکھ کی حفاظت کر ۳ لوگوں میں زبان کی حفاظت کر ۴ ۔ خلوت میں خیالات کی حفاظت ۵ اللہ کو یاد رکھ ۶ موت کو یاد رکھ ۷ اپنے احسان کو بھول جا ۸ دوسرے کی ایذا کو بھول جا ۔ اے طالب مولیٰ تیری بشریت تیرا کنعانی کنواں ہے ۔ اور تیرا وجود مصری جیل ہے ۔ وجودِ ناسوتی سے نکلنا تختِ معرفت کی نعمتِ کبریٰ ہے ۔

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِیْ

اے رب میرے بیشک دیا تو نے مجھ کو سے ملک اور سکھایا تو نے مجھ کو

اے میرے رب بیشک تو نے مجھے ایک سلطنت دی اور مجھے کچھ باتوں کا

مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ج فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ

سے تعبیر نکالنا باتوں کی اے آسمانوں کو پیدا کرنے والے

انجام نکالنا سکھایا اے آسمانوں اور زمین کے

وَالْاَرْضِ قف اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ج

اور زمین کو تو مددگار ہے میرا دنیا میں اور آخرت میں

بنانے والے تو میرا کام بنانے والا ہے دنیا اور آخرت میں

تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِيْنَ ۱۰۱

وفات دے تو مجھ کو سلامتی والا بنا کر اور ملا دے مجھ کو ساتھ نیکوں کے

مجھے مسلمان اٹھا اور اُن سے ملا جو تیرے قرب خاص کے لائق ہیں

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ج وَ

وہ سب خبروں غیب کی ہم وحی کرتے ہیں ان کو طرف آپ کی حالانکہ

یہ کچھ غیب کی خبریں ہیں جو ہم تمہاری طرف وحی کرتے ہیں اور

مَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَ

نہیں تھے تم جماؤ تریب لکھے جس وقت اُن بھائیوں نے اپنے کام والے مشورے جمع کئے تھے

تم اُن کے پاس نہ تھے جب انہوں نے اپنا کام پکا کیا تھا اور وہ

هُمْ يَمْكُرُوْنَ ۱۰۲ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ

وہ فریب کر رہے تھے ۔ اور نہیں ہیں بہت لوگ اگرچہ

داؤں چل رہے تھے اور اکثر آدمی تم کتنا ہی چاہو

حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْئَلُهُمْ عَلَيْهِ

آپ خواہش کریں۔ مومن بننے والوں سے حالانکہ نہیں مانگتے ہو تم اُن سے پر

ایمان نہ لائیں گے اور تم اس پر اُن سے کچھ اجرت

مِنْ اَجْرٍؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۴﴾ ع

اِس کوئی فیس نہیں ہے یہ مگر یاددہانی کو تمام جہانوں۔

نہیں مانگتے یہ تو نہیں مگر سارے جہان کو نصیحت۔

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں حضرت یوسف رب کی حمد وشکر کرتے ہوئے اپنے بھائیوں اور اہل خانہ سے مخاطب تھے۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حضرت یوسف گھر والوں سے علیحدہ ہو کر کس طرح اپنے رب کریم کے حضور بطور شکریہ بعد عجز و نیاز اُس کی نعمتوں کا اظہار فرما رہے ہیں۔

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں حضرت یوسف کا بھائیوں اور ماں باپ سے دنیوی ملنے کا ذکر ہوا جس سے پرانے فراق ختم ہوئے۔ اب اِن آیات میں حضرت یوسف کی اُن فریادوں دعاؤں التجاؤں کا ذکر ہے جس کا تعلق اُخروی ملاقات اور مومن کی آخری طلب سے ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں واقعات یوسف علیہ السّلام کے آخری مراحل کا ذکر ہوا جس میں یوسف علیہ السّلام اپنے رب کی نعمتوں کا چرچہ فرما کر شکرِ الٰہی ادا کر رہے ہیں۔ اِن آیات میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پر خصوصی عطیۂ علم غیب کا تذکرہ ہے۔ **چوتھا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں اُس محبّت اور حزن اور چاہت کا ذکر ہوا جو حضرت یعقوب اور یوسف علیہما السّلام کو اپنے بیٹوں اور بھائیوں سے تھی۔ اب اِن آیات کریمہ میں اُس محبّت حرص اور چاہت کا تذکرہ ہے جو محبوب پاک کو کل عالمین سے ہے۔

تفسیر نحوی رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِيّٖ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ

رَبِّ ۔ دراصل تھا یا رَبِّیْ مُنادیٰ مضاف بیاءِ متکلم حرف ندا محذوف ہے یاءِ متکلم بھی حذف کر کے زیر قائم مقام ہوئی بحالتِ زبر ہے کیونکہ منادیٰ مضاف ہے قَدْ اٰتَيْتَ فعل ماضی قریب ہے صیغہ واحد حاضر فاعل

ذاتِ باری تعالیٰ نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم مفعول بہ ہے آتَيْتَ کا اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دینا۔ لینا۔ آنا یہاں پہلے معنیٰ لیے ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ اَلْمُلْكُ الف لام استغراقی ہے۔ اگر الف لام عہدی ہو تو مِنْ بیانیہ ہوگا۔ وَ عاطفہ۔ عَلَّمْتَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ واحد حاضر نون وقایہ۔ ی ضمیر واحد متکلم مفعول بہ مِنْ حرفِ جر بیانیہ یا تبعیضیہ تَاوِیل۔ مصدر بابِ تفعیل کا اَوْلٌ سے مشتق ہے۔ مہموز الفا اور اجوف واوی مرکب اضافی اَلْاَحَادِيْث مضاف الیہ ہے جمع ہے حَدِيْثٌ کی حدثٌ سے بنا ہے بروزنِ فعیل ہے بمعنیٰ محدوث یعنی ظاہر ہوگئی ہوئی یا پیدا کی ہوئی حالت یا رویت مراد خوابیں ہیں فاطر اسم فاعل فطرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۱۔ چیرنا ۲۔ ابتداءسے کسی کو بنانا ۳۔ کسی کا مادہ اصلیہ بنانا۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں بحالتِ نصب ہے یا اس لیے کہ رَبِّ منادیٰ کی صفت ہے یا اس لیے کہ خود مستقل منادیٰ مضاف ہے اور یہاں حرفِ ندا یا پوشیدہ ہے۔ اَلسَّمٰوَات مضاف الیہ ہے فاطر منادیٰ کا جمع سَمَاءٌ کی وَ حرفِ عطف ہے۔ اَلْاَرْض۔ بحالتِ جر کیونکہ تابع عطفی ہے سمٰوات مجرور مضاف الیہ کا۔ الف لام جنسی ہے۔ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے وَلِیّ مرکب اضافی۔ مضاف الیہ ی متکلم بحالتِ رفع ہے خبر ہے مبتدا کی۔ موصوف ہے اس کی صفت مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ ہے فِیْ حرفِ جر اَلدُّنْیَا مؤنث اسم تفضیل ہے اس کا مذکر اَدْنیٰ ہے دَنْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گھٹیا ہونا ذلیل ہونا۔ قریب ہونا۔ فنا ہونا۔ یہاں مراد عالم دنیا ہے یعنی دنیوی فانی زندگی وَ عاطفہ اَلْاٰخِرَۃُ اسم فاعل صیغہ مؤنث بروزنِ فَاعِلَۃٌ اَخْرٌ مہموز الفا سے مشتق ہے بمعنیٰ پیچھے ہونا۔ بعد میں ہونا۔ یہاں مراد قیامت کے بعد والا جہان۔ یہ عطف اور جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا تَوَفَّ فعل امر باب تفعّل سے ہے صیغہ واحد حاضر لام کلمہ بوجہ ساکنین گر گیا۔ کیونکہ فَ مشدد اور لام کلمہ دونوں ساکن تھے نواہو، وقایہ۔ نون وقایہ وہ ہوتی ہے جو اعراب کو بچائے۔ وقایہ کا معنیٰ ہے بچانے والی ی ضمیر متکلم مفعول بہ مُسْلِمًا اسم فاعل باب افعال کا سَلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سلامتی والا بحالتِ نصب ہے حال ہے ی متکلم کا وَ عاطفہ یا ابتدائیہ اَلْحِقْ فعل امر باب افعال سے ہے لُحُوْقٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ شامل ہونا۔ ملنا۔ قریب ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں بِ حرف جر بمعنیٰ مع یعنی ساتھ اَلصّٰلِحِیْنَ۔ جمع ہے صالحٌ کی۔ صُلْحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ نیک ہونا۔ ۲۔ لائق ہونا ۳۔ مستحق ہونا۔ بکثرت اسم فاعل صیغہ جمع ہے یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعید کے لیے مبتدا ہے مِنْ حرف جر۔ اَنْبَا جمع ہے نَبَاءٌ کی بمعنیٰ خبر۔ مِنْ تبعیضیہ نے بتایا کہ نبی پاک غیب جانتے ہیں جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں ثابت کیا جائے گا اَلْغَیْب الف لام عہدی یا جنسی غیب بمعنیٰ پوشیدہ۔ اصلاح میں غیب اُس کو کہا جاتا ہے جو انسانی حواس خمسہ سے نہ جانا جاسکے یہ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ

ثابتٌ کے اور یہ جملہ اسمیہ خبر ہے ذالکَ مبتدا کی نُوحِیہِ فعل مضارع معروف بمعنیٰ ماضی مطلق بصیغہِ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ ہے نُوحِی کا اس کا مرجع انبا ہے مِن تبعیضیہ کی وجہ سے ضمیر واحد آئی نُوحِی باب افعال سے ہے وَحیٌ سے مشتق ہے اِلیٰ جارہ انتہائیہ لکَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل اِس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یہ جملہ فعلیہ حال ہے انبا کا یا ذالکَ مبتدا کی دوسری خبر ہے وَ حالیہ ماکُنتَ فعل ماضی مطلق منفی تامّہ ہے صیغہ واحد مذکر حاضر اِس کا فاعل وہی کُتَ ضمیر ہے لَدَیْ۔ اسم ظرف ہے اِس کے تین معنیٰ ہیں ۱؎ قریب قریب رہائش رکھنا ۲؎ کسی کے ساتھ پرورش پانا ۳؎ پاس اور قریب ہونا یا سامنے ہونا۔ اسی معنیٰ میں لَدُن ہے مگر دو طرح فرق ہے۔ ایک کہ لَدُن بغیر اضافت بھی آجاتا ہے مگر یہ مضاف ہی ہوتا ہے۔ دوسرا یہ کہ لَدُن سے پہلے مِن حرفِ جر آجاتا ہے مگر لَدَیْ سے پہلے مِن نہیں آتا۔ (منجد صفحہ ۸۱۱) یہاں بمعنیٰ قریب ہے اور بحالتِ نصب ہے ظرف ہے ماکُنتَ کا۔ یا ماکُنتَ ناقصہ ہے اور یہ اُس کی خبر ہے یہ پورا جملہ حال ہے لکَ ضمیر کا اِذْ اسم ظرفیہ زمانیہ ہے یہ پورا اگلا جملہ ظرف ہے ماکُنتَ کا اجمَعُوا فعل ماضی بصیغہِ جمع مذکر حاضر باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول اس کا فاعل برادرانِ یوسف۔ اَمْر بمعنیٰ معاملہ یا واقعہ ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع بھی برادرانِ یوسف مفعول بہ ہے اَجمَعُوا فعل کا وَ حالیہ اگلا جملہ حال ہے اَمْرَھُمْ کی ھُمْ ضمیر مبتدا یَمْکُرُوْنَ جملہ فعلیہ فعل بافاعل خبر ہے مبتدا کی۔ مَکرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تدبیر خفیہ یا مکر فریب یا چال بنانا یہاں دوسرے دو معنیٰ مناسب ہیں فعل ماضی استمراری ہے دراصل تھا کانُوا یَمْکُرُوْنَ۔ مَاکُنْتَ کے قرینہ سے کانُوا حذف ہوا۔

وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ

وَ سرجملہ ما حرفِ نفی مشبہ بلیسَ اَکْثَرُ اسم تفضیل کثرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت زیادہ مضاف ہے۔ النّاس۔ الف لام عہدی مراد یہودی اور اہل مکہ یا استغراقی ہے یہ مرکب اضافی مرفوع اِسم ہے ما کا۔ وَ وصلیہ لَو حرفِ شرط اِس کا وصل لہٰذا جواب شرط پوشیدہ ہے ظاہراً ضرورت نہیں۔ پوشیدہ جزا اس طرح ہے۔ وَلَا حَرَصْتَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَرَصْتَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر یہی مکمل ہو گیا کیونکہ یہ ما کے اسم و خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔ بِ جارہ بمعنیٰ مِن تبعیضیہ مؤمِنِیْنَ جمع مذکر سالم قلّت ہے مُؤمِنٌ سے مراد ہے مسلمان جار مجرور متعلق ہے ثابتًا یا لَائِقًا کے خبر ہے ما کی وَ سرجملہ ہے یا حالیہ مَا تَسْئَلُ فعل مضارع منفی ہے سَئَلٌ سے مشتق ہے صیغہ واحد حاضر اِس کا فاعل ضمیر کا مرجع نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ھُمْ ضمیر جمع اِس کا مفعول بہ سَئَلٌ کے معنیٰ مانگنا بہرحال متعدی ہوتے ہیں عَلَیہِ جار و مجرور کا تعلق تَسْئَلُ سے ہے ہ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل کا مرجع معنوی یعنی تبلیغ اسلام یا اِس کا مرجع اَنباء ہے مِن جارہ تبعیضیہ ہے اَجرٍ مجرور

ہے بمعنی تنخواہ یا اُجرت ۔ اِنْ نافیہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا اِلَّا حرف استثنا بمعنی سوا حصر کے لیے ہے لغو ہے ذِکْرٌ مصدر ہے اِس میں تین قول ہیں یا مصدری معنی میں ہے تب مطلب ہوگا۔ نصیحت دینا۔ یاد دلانا۔ یا اسم فاعل کے معنی میں ہے تو یاد دلانے والا یا بمعنی مذکور ہے یعنی مشہور یا نصیحت لایا ہوا یا مضبوط قانون ۔ یہ آخری معنی مرجوح ہیں لام جارّہ نفع کا ہے اَلْعٰلَمِیْن ۔ الف لام استغراقی جمع کثرت ہے عالم کی ۔عالَمْ کا معنی ہے ایک قسم کی پوری مخلوق۔ جمع کثرت الف لام کی وجہ سے ہوئی ۔ دس تک جمع قلّت ہوتی ہے۔ دس سے اوپر تمام گنتی جمع کثرت ہے۔

تفسیر عالمانہ رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ فراق یوسفی کی مدت میں اختلاف ہے ایک قول اٹھارہ سال ایک ہے بائیس سال ایک ہے چھتیس سال ایک ہے پینتیس سال ایک مشہور روایت ہے چالیس سال اسی پر اکثریت ہے ۔ ایک ہے ستر سال ایک ہے اسّی سال ۔ آپ کی عمر شریف کل ایک سو بیس سال اور زلیخا کی ایک سو پچاس سال اور وہ اخیر تک جوان ہی رہیں کیونکہ یہ جوانی نبی کی دعا سے ملی تھی یوسف علیہ السلام سے تقریبا بیس سال بڑی تھیں حضرت زلیخا کی وفات میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آپ یوسف علیہ السلام کے ایک سال بعد فوت ہوئیں اور غم یوسفی میں پہلے کی طرح دیوانی ہوگئی تھیں ایک قول ہے کچھ دن پہلے فوت ہوئیں ۔ حضرت یعقوب مصر میں چوبیس سال رہے یہیں وفات پائی اور وصیت فرمائی کہ میری میت کو میرے آبائی قبرستان فلسطین میں حضرت اسحٰق کے مزار کے پاس دفن کیا جائے چنانچہ اُس پر عمل کیا گیا ۔ حضرت یوسف خود فلسطین تشریف لے گئے اور پھر واپس مصر تشریف لائے وفاتِ والد کے بعد آپ تیرہ سال حیات رہے آپ کے سب بھائی آپ کی موجودگی میں فوت ہوئے صرف بنیامین چار سال بعد فوت ہوئے حضرت یوسف کی ایک ہی بیٹی تھیں بی بی رحمت ان کا نکاح حضرتِ ایوب علیہ السلام سے بنیامین نے کرایا بعد وفات یوسف علیہ السلام ۔ یہ مندرجہ بالا دعا حضرت یوسف نے یا وقتِ وفات عرض کی اسی سے مؤرخین استدلال لیتے ہیں کہ حضرتِ یوسف وفات تک بادشاہ تھے پھر کافی عرصہ بنی اسرائیل کی ہی حکومت رہی یہاں تک کہ فرعونِ موسوی نے حکومت چھینی ۔ ایک قول ہے کہ آپ نے اُسی وقت والدِ محترم اور سب بھائیوں کی موجودگی میں بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کیا ۔ اے میرے پالنے والے اللہ بیشک تو نے ہی مجھ کو اتنے دراز زمانے تک بغیر کسی انتشار و تفریق اور فساد و جنگ کے تمام علاقۂ مصر کے کچھ شاہی اختیار اور قانون سازی ۔ نفاذ کی مضبوط سلطنت عطا فرمائی ۔ رب نے حضرت یوسف کو نو نعمتیں عطا فرمائیں نبوت ۔ حکومت ۔ رزق ۔ علم تعبیر ۔ سیاست ۔ حسن ۔ غلے کے خزانے ۔ اولاد کثیر ۔ امن عافیت ۔ ایک قول ہے کہ آپ کے بعد یہودا بادشاہ بنے

تاریخوں میں ہے کہ دنیا میں علاقۂ مصر کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرت یوسف سے لے کر آج تک کسی بیرونی فوج کی لڑائی اس علاقے میں نہ ہوئی۔ اور اے میرے پروردگار تو نے ہی خوابوں باتوں کا سچا مطلب نکالنا مجھ کو سکھایا۔ اور کتب الٰہیہ یعنی صحائف حضرت آدم اور صحائف ابراہیمی کے گہرے اَسرار کی سمجھ سکھائی اور نبوت کی باتوں کو بتلایا تو ہی آسمان زمین کو ایجاد فرمانے والا ہے سنبھالنے والا بچانے والا ٹھیرانے والا ہے۔ تو نے ہی کُل مخلوقات کی کی ایسی ابتدا فرمائی جو دنیا والوں کی انتہاؤں سے زیادہ مکمل و مضبوط ہے۔ میرا والی مددگار ہر لمحہ ہر حال سے خبردار تو ہی ہے۔ دنیا میں اعمالِ خیر رزق وسیع قوت و طاقت علم و دانش حسن و صحت دے کر۔ اور آخرت میں ثواب اعمال جزاء اور ایمان رضا کا تمغہ۔ محبت دائمی کا تحفہ دے کر۔ اے کریم محبت کرنے والے رب۔ جب بھی کبھی میری وفات کا وقت ہو تو مجھ کو اس حالت میں فوت فرما کہ میری ہر چیز سلامت رہے جسم روح اعضاء اعمال ایمان۔ فرماں برداری اور اے میرے ہمیشہ قریب ہونے والے مولیٰ مجھ کو دنیا کی خلوت کے بدلے آخرت کی جلوت عطا فرما۔ اور دنیا کی تنہائی کے بدلے آخرت کی دائمی محفلیں عطا فرما دنیا کی بری محفلوں کو چھوڑنے کے اجر میں اپنے پیارے اور نیک بندوں کی محفلیں عطا فرما اے میرے اللہ تم نے میری رضا کی خاطر تیرے دشمنوں کو چھوڑا تو اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ مجھ کو نیکوں سے جوڑ دے۔ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ وَمَا تَسْــٴَـلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍؕ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ اور وہ تمام واقعاتِ یوسف جو اس سورت یوسف کے ذریعے اور اس کے علاوہ بہت سی مزید تفصیل وحی خفی احادیث روایات وغیرہ کے ذریعہ جو کچھ آپ کو بتلایا گیا وہ سب اس سے پہلے غیب کی خبریں تھیں اور سب مخلوق کے لیے غیب تھیں ہم نے آپ کو وحی کر کے یہ مخفی قصے آپ کو بتائے اور آپ نے لوگوں کو بتائے اس طرح کہ اس واقعے کی کچھ باتیں پہلے یہودیوں کو بذریعہ توریت زبور انجیل معلوم ہوئیں اور کچھ باتیں بذریعہ جبریل علیہ السلام وحی جلی سے سنائی گئی اس طرح بہت کچھ باتیں نہ توریت میں تھیں نہ انجیل میں نہ کسی کو معلوم تھیں۔ کچھ غیبی باتیں وہ ہیں اے حبیب جو بالکل ہی مخفی ہیں جبریل کو بھی نہیں معلوم نہ قرآن مجید میں ظاہر کی گئی صرف وحی خفی سے آپ کو ہی پتہ لگا۔ اگر ہم وحی کرتے تو آپ کو پتہ نہ لگتا کیونکہ آپ ان کے پاس نہ تھے۔ اور وہ اس واقعے کا آپ نے عالمِ ارواح میں مشاہدہ کیا تھا اگرچہ بہت سے واقعاتِ عالم کو آپ نے عالم ارواح میں بعینہٖ مشاہدہ فرمایا تھا۔ اس لیے قرآن مجید میں جگہ جگہ وَاذْكُرْ۔ فرما کر وہ واقعات یاد کرائے جاتے ہیں۔ اُمّی کو صرف وہی واقعہ یاد کرایا جاتا ہے جو اس نے دیکھا ہو۔ واقعاتِ یوسف کا علم نبی کریم کو دو طرح دیا گیا وحی جلی سے یہ پوری سورت اور وحی خفی سے وہ باتیں جو آپ نے یوسف علیہ السلام کے متعلق احادیث و روایاتِ مشہورہ بیان فرمائیں۔ روایت ہے کہ توفّنی کی دعا کے بعد حضرت یوسف ایک ہفتہ حیات رہے اور یہ آپ کا آخری

کلام تھا پھر کسی نے آپ کو اونچا بولتے نہ سنا آپ کی وفات کے بعد لوگوں نے سنگ مرمر کے صندوق میں آپ کو دریائے نیل کے مصری جانب دفن فرمایا تو اس اطراف میں اتنی برکتیں کھیتیاں باغات ہوئے کہ لوگ ادھر کی زمینوں والے خوش حال ہوگئے۔ تو اُدھر والوں نے رات کو خفیہ آپ کا تابوت شریف نکال کر اپنی جانب کنارۂ نیل میں دفن کردیا تو اُدھر برکتیں شروع ہوگئیں جب ادھر کے لوگوں کو علم ہوا تو جھگڑا شروع ہوگیا چنانچہ آپ کو تیسری مرتبہ دریائے نیل کے بیچ ایسی جگہ دفن کیا جو اونچی اور خشک جگہ تھی۔ صدیاں گزرنے کے بعد وہ جگہ پانی میں آگئی تو چوتھی مرتبہ حضرت موسیٰ نے ایک بڑھیا کی نشان دہی پر بحکم ربانی فلسطین اپنے ساتھ لیجا کر حضرت یعقوب علیہ السّلام کے پہلو میں دفن کیا حضرت یوسف کے دخولِ مصر سے لے کر خروجِ میت تک چار سو سال کا عرصہ ہے۔ بنی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف علیہ السّلام ہیں اور آخری نبی عیسٰی علیہ السّلام ہیں۔ بنی اسرائیل میں کل انبیاء کرام ایک لاکھ تیئس ہزار نو سو اکیاسی ہوئے ۱۲۳۹۸۱ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب خیال رہے کہ قرآن مجید میں تقریباً چار واقعات میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیارے حبیب تم اُس وقت اُن کے پاس نہ تھے۔ باقی واقعات کا ذکر ایسا فرماکر ثابت فرمایا گیا کہ ان واقعات کا مشاہدہ نبی کریم کو پہلے ہی تھا جب یہ ہو رہے تھے۔ وَمَا کُنْتَ لَدَیْهِمْ سے مراد ہاں کنعانی کے پاس جمع ہونا یا اس سے پہلے منصوبہ بنانے کے وقت جمع ہونا ہے جب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پورا قصہ سنادیا تو کفار کے ہوش اُڑ گئے حیران ہوئے لاجواب ہوئے مگر چند کے پکے ایمان نہ لائے حالانکہ نبی کریم اور صحابہ کرام کا خیال تھا ایمان لے آئیں گے۔ اس لیے مسلمانوں کو رنج ہوا۔ تو رب نے فرمایا کہ اے حبیب آپ چاہے کتنی ہی ان کے ایمان لانے کی خواہش کریں مگر اُن کی بدبخت اکثریت ایمان نہیں لائے گی تو اے پیارے نبی آپ کو نسا ان سے کچھ اُجرت مانگتے ہیں کہ آپ کو ان کے ایمان سے کچھ فائدہ ہو اور نہ لانے سے نقصان ہو۔ آپ کو تو تبلیغ اور دلی خواہش کا ثواب مل ہی جائے گا۔ اور یہ قرآن مجید یا آپ کی باتیں تبلیغ وعظ احادیث طیبات وغیرہ یہ تو سب جہانوں کے لیے ذکر الٰہی یا نصیحت۔ یا روحانی۔ یا حمد و نعت کا چرچہ ہے یا عبادت و اطاعت ہے۔ اگر یہ چند کافر نہیں مانتے تو جائیں جہنم میں۔ آپ کی نعتیں اور حمدِ باری تعالیٰ تو فرش و عرش لوح و قلم تک پھیلی ہوئی ہیں سب مخلوق اُس ذکر میں مشغول و مسرور ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ ہر مسلمان کو ہر وقت اچھی موت کی دعا کرنی چاہیئے حسن خاتمہ رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔

دوسرا فائدہ۔ دعاؤں سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا ضروری ہے اور آخر میں ہم مسلمانوں کے لیے درود شریف پڑھنا مفید ہے کہ باعثِ قبولیت ہے دینوی دعاؤں سے زیادہ دینی دعاؤں کو اہمیت دینی چاہیئے۔

تیسرا فائدہ - اللہ کی نعمتوں کا چرچہ کرنا سنت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے۔ **چوتھا فائدہ** - نیکوں کی صحبت دنیا و آخرت میں مفید ہے دیکھو یوسف علیہ السلام اُولُوالعزم رسول ہیں لیکن صحبتِ صالحین کی دعا عرض کر رہے ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ - موت کی دعا مانگنی منع ہے لیکن موت کی تمنا کرنا دینی اعتبار سے جائز ہے۔ مگر دنیوی پریشانیوں سے تمنا اور دعا دونوں ناجائز ہیں۔ دعا اور تمنا میں فرق یہ ہے کہ دعا اس کا نام ہے کہ یا اللہ مجھے ابھی موت دے۔ یہ بہر حال دینی دنیوی ہر طرح گناہ حدیث پاک میں صراحتاً ممانعت آئی ہے۔ تمنا یہ ہے کہ یا اللہ جب بھی میری موت کا وقت ہو تو مجھ کو اس طرح اس حال میں مارنا۔ یہ تمنا دینی جائز ہے دنیوی حرام ہے۔ یہ مسئلہ۔ توفنی مسلماً (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** - انبیاء کرام کو علم غیب ہے اور اس کا عقیدہ رکھنا جائز ہے۔ رب تعالیٰ کا علم دینا وحی کے ذریعے ہی ہوتا ہے خواہ وحی جلی ہو یا خفی۔ اسی طرح اظہار علم غیب بھی عطاءِ علم غیب ہے۔ یعنی رب تعالیٰ جس پر اپنا غیب ظاہر فرمائے اس کو علم غیب ملجاتا ہے اور وہ غیب داں ہوتا ہے یہ مسئلہ من انباءِ الغیب سے مستنبط ہوا۔ منکرِ غیب رسالت ہونا گمراہی بدعقیدگی اور بدعت ہے۔ **تیسرا مسئلہ** - انبیاء کرام دین کی کسی تبلیغ پر اُجرت۔ فیس۔ اور دنیوی دولت نہیں مانگتے۔ مسلمانوں کو بھی صرف زبانی مسئلہ بتانے پر اجرت مانگنا ناجائز ہے فقہاء کرام فرماتے ہیں چار کاموں پر اُجرت۔ فیس۔ معاوضہ مانگنا حرام ہے ۱؎ نماز پڑھانے پر خاص کر نمازِ جنازہ ۲؎ تلاوتِ قرآن مجید پر ۳؎ زبانی مسئلہ بتانے پر۔ ۴؎ تعویذ لکھ کر دینے پر۔ اور چار کاموں پر اُجرت فیس مقرر کر کے لینی جائز ہے ۱؎ فتویٰ لکھ کر دینے پر جب کہ کسی ادارے یا حکومت کی طرف سے اس کام کی تنخواہ نہ ملتی ہو۔ ۲؎ جلسہ کر جا کر تقریر کرنے پر ۳؎ کسی کو کسی دینی کام کے لیے وقت دینے پر اپنے وقت کی اجرت لینا جائز ہے۔ ۴؎ دینی درس و تدریس پر۔ خواہ دینی کتب پڑھاتا ہو یا قرآن مجید۔ **چوتھا مسئلہ** - دینِ اسلام۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ سارے جہانوں کے لیے ابدُالآباد تک نصیحت اور قانون ہیں۔ اب اسلام کو چھوڑ کر کسی اور دین کو اختیار کرنا ناجائز ہے۔ اسی طرح اسلام کی شریعت کو ترک کرنا گناہ عظیم ہے یہ مسئلہ ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ سے مستنبط ہوا۔ یا اللہ تیرا شکر و کرم ہے کہ تو نے مجھے سنی بریلوی مسلمان بنایا

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض - یوسف علیہ السلام نے ملک ملنے کا ذکر کیوں کیا یہ تو دنیا داروں کی باتیں ہیں دنیا والوں کو دنیوی چیزوں کی خوشی ہوتی ہے۔ یہ بات اور ملک گیری کی خوشی شانِ نبوت کے خلاف ہے۔

جواب۔ دنیا کی چیزیں اُس وقت تک دنیا رہتی ہیں جب تک دنیا کے لیے استعمال ہوں۔ لیکن جب دنیوی چیزیں اشاعتِ دین کا ذریعہ ہو جائیں تو وہ دین بن جاتی ہیں۔ انبیاء کرام صحابہ کبار اور اولیاء اللہ کے پاس دنیا دین بن جاتی ہے اس لیے وہ دنیا بھی نعمتِ الٰہی ہے۔ دین بننے کی نشانی یہ ہے کہ صاحبِ دنیا۔ دنیوی اشیاء سے عیش و عشرت حاصل نہیں کرتا۔ جیسا کہ خلفاءِ راشدین کی زندگیا۔ خلافت کے سارے زمانے میں فاقہ کشی موٹا جھوٹا لباس اور گھٹیا خوراک و رہائش کی اختیار کی جب کہ اُن کے غلام عیش و آرام میں تھے بلکہ زندگی محنت مزدوری اور چکی پیستے گزری۔ یہی حال یوسف علیہ السلام کا رہا۔ تاریخ میں ہے کہ آپ نے سارے دورِ سلطنت میں اپنے سر پر تاج اور اچھا لباس نہ رکھا۔ صرف ایک دفعہ جب والد صاحب آئے تو اُن کے سامنے تحدیثِ نعمت کے لیے اچھا شاہی لباس اور تاج پہنا ڈیبی بادشاہ کی خواہش پوری کرنے کے لیے اس کے علاوہ سارا زمانہ مدتِ سلطنت بھاگ دوڑ مزدوروں کی طرح کام کاج خاک دھول میں بسر ہوا اب دعا میں ملک کا ذکر اس لیے کیا کہ ملک کے ذریعے عبادتِ الٰہی خدمت دین و خلق خدا میسر ہوئی تھی نہ کہ عیش پرستی۔ لہٰذا ایسی سلطنت کا ذکر کرنا عین ایمان ہے۔

دوسرا اعتراض۔ علم اللہ کی بڑی نعمت ہے اور ملک گیری چھوٹی نعمت ہے تو چاہیئے کہ پہلے علم اور عَلَّمْتَنِی کا ذکر فرماتے بعد میں ملک کا۔

جواب۔ ظاہری تبلیغ میں ہمیشہ پہلے ظاہر چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ سامعین کو جلدی سمجھ آجائے باطنی نعمتوں کا ذکر بعد میں۔ علم باطنی نعمت ہے ملک و سلطنت ظاہری نعمت اور حضرت یوسف کا یہ کلام صرف حمدِ باری تعالیٰ ہی نہ تھا بلکہ تبلیغ دین بھی تھا۔ نیز دنیا والوں کے سامنے اس نعمت کا ذکر پہلے کرنا چاہیئے جس کا دنیوی اعتبار سے زیادہ اہتمام ہے۔ دنیا داروں کے نزدیک علم سے زیادہ دولت و حکومت کی قدر ہے۔ اور عوام دنیوی وجاہت و امارت کو اللہ کی بڑی نعمت سمجھتے ہیں اس لیے ان کی ذہنی کیفیت کے اعتبار سے پہلے ملک کا نام لیا اور سبق یہ دیا کہ اے دنیا کی دولت والو۔ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اس کو برباد نہ کرو بلکہ آخرت کا سرمایہ بناؤ۔ تیسرا اعتراض۔ یوسف علیہ السلام نے تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا کیوں۔ مانگی کیا ان کو یہ پتہ نہ تھا کہ میں نبی ہوں اور نبی ایمان پر ہی فوت ہوتے ہیں۔ جواب۔ سب کچھ معلوم تھا بلکہ نبی کو اپنی نبوت کا عالم ارواح سے پتہ ہوتا ہے اور حسن خاتمہ کا بالکل یقین تھا مگر یہ دعا دو وجہ سے مانگی۔ پہلی یہ کہ اظہار خشیت الٰہی کے لیے یہ عرض کیا دوسری وجہ یہ کہ اظہار عجز و انکسار۔ عبودیت اور دعاء و مناجات سے رغبت اور شدت محبت الٰہی کے لیے اور ب ثواب کے لیے اُمت کی تعلیم کے لیے۔ نیز مسلماً کا معنی مومن نہیں بلکہ لغوی ترجمہ ہے۔ یعنی ہر طرح سلامتی والا۔ جیسا کہ ہم نے الفاظ میں واضح کر دیا۔ اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

رَبِّ قَدْ اٰتَیْتَنِیْ مِنَ الْمُلْكِ وَ عَلَّمْتَنِیْ مِنْ تَاْوِیْلِ الْاَحَادِیْثِ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنْتَ وَلِیّٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ بندۂ عارف کو بارگاہِ قدس سے ملکِ عرفانی کی سلطنت نصیب ہوتی ہے اور اسرارِ الٰہیہ کا علم سکھایا جاتا ہے۔ اور اقوالِ جلیلہ وغوامض لطیفہ کی تاویل بتائی جاتی ہے کیونکہ وہ انوار قدس کا وارث اور سچی حمد کرنے والا ہے۔ خالقِ کائنات نے جس طرح ناسوت کی زمین اور عالم جبروت کے آسمان پیدا فرمائے ہیں اسی طرح عالم انوار میں ۱ ترقی کے سات آسمان اور تنزل کی ایک زمین بنائی ہے ۲ بقا کے سات آسمان فنا کی ایک زمین بنائی ہے ۳ القاء الٰہی کے سات آسمان اور سکونِ قلبی کی ایک زمین ۴ تجلیات کے سات آسمان اور ظلمتِ نفسانی کی ایک زمین ۵ جمالِ عشق کے سات آسمان اور جلالِ ہیبت کی ایک زمین۔ ۶ رحم کے سات آسمان غضب کی ایک زمین۔ ۷ بندۂ ناسوتی کے سات اعضا گویا اُس کی خواہشات جبلی کے سات آسمان ہیں۔

۱ ایک قدم آسمان خود پرستی وخود اعتمادی ہے ۲ دوسرا قدم آسمانِ ہمت ہے ۳ ایک گھٹنا آسمانِ خواہشات ہے ۴ دوسرا گھٹنا آسمانِ فریب ہے ۵ ایک ہاتھ آسمانِ تکبر وغرور ہے ۶ ایک ہاتھ خود نمائی اور ریاکاری۔ ۷ سر آسمانِ تدابیر ہے۔ مردانِ خدا ان تمام منفی قوتوں کو سمیٹ کر زمینِ نیاز پر سجدہ ریز ہوتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مولیٰ تو ہی اِن قوتوں کو پیدا کرنے والا ہے۔ میں نے اپنی تمام قوتیں تیرے سپرد کر دیں کیونکہ تو ہی دنیاءِ شریعت میں اور آخرتِ طریقت میں دنیاءِ جسمانی میں آخرتِ روحانی میں۔ دنیاءِ ظاہر میں آخرتِ باطن میں دنیاءِ فانی میں آخرتِ باقی میں میرا ولی۔ محافظ۔ مددگار ہے۔ تیرے سوا کوئی مجھ کو نہ جانتا ہے نہ پہچانتا ہے میرا تشخص تجھ پر آشکارا ہے۔ اس لیے جب بھی اے کریم مجھ کو فنا کی موت آئے تو مجھ کو بقا کی سلامتی والا بنا۔ اور ظلماتِ نفس کی تنہائیوں سے بچا کر صالحین کی محفل عطا فرما۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا موت ایک پلا ہے جو مرد عارف کے لیے تحفہ ہے۔ مردِ کامل کے لیے دعوت نامہ ہے۔ فاسق کے لیے سمن ہے۔ کافر کے لیے وارنٹ ہے۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ کافر کی موت اہل دنیا کے لیے استراحت ہے فاسق کی موت دین کی زینت ہے اور ملاطفت ہے۔ انبیاء کی موت محنت ہے۔ علماء کی موت اہلِ دنیا کے لیے مصیبت ہے فقرا عارفین کی موت بقاء دوام ہے۔ کافر موت سے بھاگتا ہے۔ فاسق موت سے گھبراتا ہے۔ زاہد محبت کرتا ہے اور عارف موت سے عشق کرتا ہے۔ اس لیے کہ کافر کی دنیا چھوٹتی ہے فاسق کو سزا ملتی ہے۔ زاہد کی مشقت چھوٹتی اور عارف کو ملاقاتِ دیدار ملتی ہے جو اللہ کے ملنے سے محبت فرماتا ہے ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهِ اِلَیْكَ وَمَا كُنْتَ لَدَیْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْۤا اَمْرَهُمْ وَهُمْ یَمْكُرُوْنَ وَمَاۤ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِیْنَ وَمَا تَسْــٴَـلُهُمْ عَلَیْهِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ اور اُس کو ایسا محبوب ابدی بناتا ہے کہ اپنے تمام اسرارِ غیبیہ کی خبریں اُس کو وحی فرماتا ہے۔ شریعت میں روح وجسم کی جدائی کا نام موت ہے

طریقت میں التفاتِ غیر اللہ کا مٹنا اور التفاتِ الی اللہ ہونے کا نام موت ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ غیب و اسرار کے سب خزانوں کی چابیاں محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہیں انہی کے واسطے سے تمام انبیا اولیا کو ملتی ہیں۔ مَا کُنْتَ لَدَیْھِمْ اے محبوب تم اُن کے پاس نہ تھے کیونکہ وہ مکروفریب ظلم گناہ کی جگہ تھی محبوب کو گندی جگہ نہیں رکھا جاتا نہیں بٹھایا پہنچایا جاتا تم تو اے محبوب اپنے رب کے پاس وادیٔ انوار میں تھے۔ تمہارے نور کی تجلی تو قلب مومن پر وارد ہو رہی تھی۔ لوگوں کی عقل وخرد فہم ودانش اگرچہ کتنا ہی انوار کی طرف مائل ہو مگر سرکش نفسِ امارہ اور ابلیسی ذریت مومن نہیں بن سکتی اے مرشدِ کائنات تم خواہ بہت ہی خواہش فرماؤ۔ عارفین فرماتے ہیں۔ بندے آٹھ قسم کے ہیں۔ نبی۔ صدیق شہید۔ صالح۔ یہ تو انوارِ قدس کے تعلیم یافتہ اور پروردہ ہیں لیکن فاسق فاجر کافر منافق۔ یہ ظلمتِ نفس کے پروردہ ہیں اسی سے محبت کرنے والے ہیں اس دنیا مسافر خانے میں جو جس نے کرنا ہے اسی کا فائدہ ہے دنیا میں دین حاصل کرلے والا کامیاب ہے۔ دنیا کے لیے دین بیچنے والا نقصان میں ہے۔ دولتِ دنیا حقیر مال ہے دین کی تبلیغ دنیا کے لیے مت کرو۔ ارشادِ باری ہے کہ ہمارے نبی کسی سے اجرت نہیں مانگتے نہ کوئی دے سکتا ہے وہ تو ساری کائنات کے لیے اللہ کی یاد ہیں انہی کا جلوہ ہے جس کو دیکھ رب یاد آتا ہے۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اور کتنی ہی سے نشانیوں ہیں میں آسمانوں اور زمین

اور کتنی نشانیاں ہیں آسمانوں اور زمین میں

يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

پر اُن حالانکہ وہ سے اُس بے توجہ رہنے والے ہیں۔

کہ اکثر لوگ اُن پر گذرتے ہیں اور اُن سے بے خبر رہتے ہیں۔

وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ

اور نہیں ایمان لاتے ہیں بہت سے اُن میں پر اللہ مگر وہ

اور ان میں اکثر وہ ہیں کہ اللہ پر یقین نہیں لاتے

مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ اَفَاَمِنُوْۤا اَنْ تَاْتِيَهُمْ

شریک بنانے والے کیا پس یہ بھی مان بیٹھے اس کو کر آئے اُن پر

مگر شرک کرتے ہوئے کیا اس سے نڈر ہو بیٹھے کہ اللہ کا عذاب انہیں

غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ

گھیرنے والا عذاب یا آئے اُن پر

آکر گھیر لے یا قیامت اُن پر اچانک

السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ قُلْ

قیامت اچانک اور وہ بے سمجھ ہی رہیں فرما دیجئے

آجائے اور انہیں خبر نہ ہو تم فرماؤ

هٰذِهٖ سَبِيْلِيْۤ اَدْعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ

یہ راستہ ہے میرا بلاتا ہوں طرف اللہ کے دیکھنے والی روشنی پر ہی

یہ میری راہ ہے میں اللہ کی طرف بلاتا ہوں

اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَاۤ اَنَا

میں ہوں اور وہ لوگ جو پیروی کریں میری اور پاک ذات ہے اللہ اور نہیں ہوں میں

میں اور جو میرے قدموں پر چلیں دل کی آنکھیں رکھتے ہیں اور اللہ کو پاکی ہے اور میں

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۰۸﴾

سے شرک کرنے والوں

شریک کرنے والا نہیں

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں ذکر ہوا کہ یہ کافر لوگ ہمارے محبوب کو دیکھتے ہیں مگر نہیں مانتے۔ اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ عقل کے اندھے ہمارے محبوب کو تو کیا مانتے دن رات آسمانوں زمین میں قدرت الٰہی کے ہزاروں عقلی مشاہدات کرنے کے باوجود رب کو نہیں مانتے اور آنکھیں چرا کر گزر جاتے ہیں۔
دوسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ اے منکرو ہمارے محبوب واقعاتِ یوسف کے ہونے کے وقت جماعت نے اُن کے پاس نہیں تھے پھر بھی سب غیب کی خبریں تم کو بتا رہے ہیں لیکن اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم کیسے ضدی ہٹ دھرم ہو کہ ہمارے نبی کے تم اتنا قریب ہو کر پھر بھی اُن کی تبلیغ نہیں مانتے گویا کہ فرمایا جا رہا ہے اگر وہی زبانِ پاک یوسف کے واقعاتِ غیبیہ بیان فرمائے تو مان لیتے ہو لیکن اگر وہی زبانِ پاک توحیدِ باری تعالیٰ اور اپنی رسالت کا ذکر کرے تو نہیں مانتے۔ **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن آخری نبوت اور کتاب ہے جو تمام جہانوں کے لیے ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ بس اب یہی خدا تک رسائی کا راستہ ہے۔ اس سے ہٹنا شرکِ دنیوی اور عذابِ اُخروی ہی ہے۔

تفسیر نحوی

وَكَأَيِّنْ مِّنْ آيَةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمُرُّونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُونَ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ ۔ واؤ سر جملہ اِس کے بعد موجودٌ اسم مفعول پوشیدہ ہے اس لیے کہ کاف حرفِ جر ابتدا میں نہیں آ سکتا یہ کاف ہی پوشیدہ کا قرینہ ہے۔ اَیٌّ حرف استفہام بحالتِ جر کاف تشبیہی کی وجہ سے۔ اس کا ترکیبی ترجمہ ہے اور اس جیسی کتنی ہی نشانیاں ہیں یعنی نبوت جیسی اب اُس کا معنیٰ کم تکثیریہ خبریہ ہے۔ نون تنوینی ہے کاَیِّنْ ممیّز مِنْ آیت تمیز مِنْ جارہ بیانیہ ہے یا زائدہ آیت واحد ہے بحالتِ جرّ اس کی جمع ہے آیات۔ آیت۔ دلیل۔ اور برہان کا فرق اِن شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا۔ فِی حرفِ جر ظرفیہ کے لیے ہے اَلسَّمٰوٰت جمع ہے سَمَاءٌ کی یعنی سات آسمان یہاں مراد بلندیاں ہیں پہلے آسمان سے نظر آنے والی۔ وعاطفہ۔ اَلْاَرْض کی حرکتِ اعرابی میں تین قول ہیں ۱ مجرور تب عطف ہے سمٰوات پر ۲ منصوب۔ تب یہ مفعولِ مقدم ہے اگلے فعل کا ۳ مرفوع تب یہ مبتدا ہے اگلی عبارت اس کی خبر اور یہ پورا جملہ اسمیہ پھر موجودٌ پوشیدہ مبتدا کی خبر ہوئی۔ مگر پہلی صورت زیادہ بہتر و آسان ہے اس صورت میں یہ دونوں متعلق ہوں گے موجودٌ کے اور یَمُرُّوْنَ موجودٌ مبتدا کی خبر ہو گی فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر مَرٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی گزرنا۔ مشاہدہ کرنا۔ یہاں دونوں معنیٰ مناسب ہیں علیٰ جارہ۔ ھا ضمیر مجرور متصل کا مرجع یا آیت ہے یا ارض ہے۔ وحالیہ ھُمْ ضمیر کا مرجع اَکْثَرُ النَّاسِ عَنْ جارہ بعید ہونے کے لیے ھا ضمیر کا مرجع یا آیت ہے یا ارض ہے مُعْرِضُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل بصیغہ جمع مذکر کا فاعل

بھی اکثر النّاس ۔ عَرَضٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنی درد ہونا ۔ پیش کرنا ۔ عاجزی کرنا ۔ بے توجہی کرنا ۔ یہاں
یہ آخری معنی مراد ہیں ۔ واؤ ہے جملہ ۔ مَا یُؤْمِنُ ۔ فعل مضارع منفی بِمَا ۔ اَمْنٌ سے بنا ہے صیغہ واحد ہے فاعل جمع
کے لیے کیونکہ فاعل اسم ظاہر وہ ہے ۔ اَکْثَرُ اسم تفضیل کَثْرَۃٌ سے بنا ہے مضاف ۔ ہُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ
ہے ۔ مرکب بحالتِ رفع ہے فاعل ہے بِ جارّہ بمعنی عَلٰی لفظِ اللہ مجرور متعلق ہے مَا یُؤْمِنُ کا اِلَّا حرفِ استثنا
متصل اس نے سابقہ کیفیت کی نفی کو توڑا وَ حالیہ ہُمْ کا مرجع اَکْثَرُ ہے مُشْرِکُوْنَ ۔ باب افعال متعدی بیک مفعول کا اسم
فاعل ہے شِرْکٌ سے بنا بمعنی شریک بنانا ۔ برابر سمجھنا ۔ شرک فی التوحید کتنے قسم کا ہے ان شاء اللہ تفسیر عالمانہ میں بیان
کیا جائے گا ۔ اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِیَهُمْ غَاشِیَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا
یَشْعُرُوْنَ ۔ ا ہمزہ سوال اقراری یعنی مجبوری کے لیے ہے ف تعقیبیہ اَمِنُوْا باب سمع کا ماضی مطلق بصیغہ جمع مذکر
غائب اَمْنٌ سے مشتق ہے بمعنی امن میں آنا ۔ مان لینا ۔ مطمئن ہو جانا ۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں اَنْ حرفِ ناصب
بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تَاْتِیَ فعل مضارع مثبت صیغہ واحد مؤنث غائب اِتْیٌ سے مشتق ہے ۔ خیال
رہے کہ فعل مضارع تین معنی میں آتا ہے ۱ حال ۲ مستقبل ۳ شرط ۔ مثلاً ۱ وہ کرتا ہے ۲ وہ کرے گا ۳ اگر وہ
کرے جب وہ کرلے یا کہ وہ کرے یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں ہُمْ ضمیر کا مرجع وہی اَکْثَرُ النَّاسِ ہے غَاشِیَةٌ اسم
فاعل صیغہ واحد مؤنث بحالتِ رفع فاعل ہے تَاْتِیَ کا غَشْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی پردہ ۔ چھپانا ۔ گھیرنا ۔
بیہوش ہونا ۔ اسی سے غِشَاوَۃٌ اور غَشِیٌ ہوتا ہے ۔ یہاں گھیرنا مراد ہے مِنْ جارہ بعضیت کا ہے عَذَابٌ
سے بنا ہے صیغہ مبالغہ ہے بروزنِ فَعَّال بمعنی قدرتی سزا مضاف ہے لفظِ اللہ مضاف الیہ اسم ذاتی ہے خالق تعالیٰ
کا ۔ اَوْ حرفِ عطف اس کا معطوف علیہ پہلا تَاْتِیَ کا جملہ ہے تَاْتِیَ فعل مضارع پورا جملہ معطوف ہے ہُمْ ضمیر مفعول بہ
یا مفعول لہ ہے منصوب متصل اَلسَّاعَةُ بحالتِ رفع فاعل ہے تَاْتِیَ کا بَغْتَةً بحالتِ نصب حال ہے ساعت کا
ساعت بمعنی وقت ۔ قیامت یہاں مراد قیامت ہے ۔ بَغْتَةً مصدر ہے ایک قول میں یہ مفعول مطلق ہے فعل
پوشیدہ بَغَتَتْ عَلَیْهِمْ کا وَ حالیہ ہُمْ ضمیر مرفوع منفصل کا مرجع اکثر الناس ہے مبتدا ہے لَا یَشْعُرُوْنَ فعل مضارع
منفی بلا صیغہ جمع مذکر غائب شُعْرٌ یا شُعُوْرٌ سے مشتق ہے شُعُوْرٌ مصدر ثلاثی ہے بروزنِ فُعُوْلٌ بمعنی سمجھنا غور کرنا
جاننا ۔ پہچاننا ۔ محسوس کرنا ۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں ۔ یہ پورا جملہ فعلیہ ہو کر اسمیہ ہوگا پھر یہ تاکید ہے بَغْتَةً کی ۔
اور حال السَّاعَةُ کا قُلْ هٰذِهٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِیْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ
قُلْ فعل امر صیغہ واحد حاضر مراد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ قول ہے اس کا مقولہ اگلا کلام سارا هٰذِهٖ اسم اشارہ
اس کا مشار الیہ دین پوشیدہ ہے ۔ دونوں مل کر مبتدا سَبِیْلِیْ مرکب اضافی ذوالحال اپنے اگلے حال سے مل کر خبر ہو
گی سَبِیْل بروزنِ فَعِیْلٌ سُبُلٌ سے مشتق ہے اس کی جمع سُبُلٌ بفتحۃ الباء ۔ یہ اسم جنس ہے اس لیے مذکر و مؤنث دونوں

کے لیے مستعمل جیسے قرآن مجید میں ہے بَیْتُخِذُوْہُ سَبِیْلًا۔ ہٗ ضمیر مذکر کا مرجع سابقہ سبیل ہے اور یہاں ھٰذِہٖ اسم اشارہ مؤنث اس کی تانیث پر دال ہے ایک قرأت میں ھٰذا ہے لفظِ سبیل جب کسی صفت کی طرف مضاف ہو تو صفت کا لحاظ ہوتا ہے لیکن جب کوئی صفت نہ ہو تو حق راستہ مراد ہوتا ہے اسی لیے یہاں حق اور سچا درست سبیل مراد ہے۔ اَدْعُوْا فعل مضارع صیغہ واحد متکلم دَعْوٌ ناقص واوی سے مشتق ہے یہ جملہ حال ہے سبیل کا بعض نے فرمایا صفت ہے اس کی۔ ایک قول میں یہ نیا جملہ ہے اِلٰی حرف جار برائے انتہاءِ غایت اللہ مجرور منتہیٰ۔ علیٰ جارہ۔ اس جگہ ترکیب میں تین قول ہیں ۱ یہ جار مجرور حال ہے اَدْعُوا کے فاعل اَنَا ضمیر متکلم پوشیدہ کا۔ ۲ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ۔ علیحدہ جملہ ہے اِلَی اللہ پر وقف ہے ۳ علیٰ بصیرۃٍ خبر مقدم ہے۔ اَنَا وَمَنِ۔ یہ جملہ مبتدا مؤخر ہے۔ مگر آسان ترکیب یہ ہے کہ یہ سب ایک جملہ ھٰذِہٖ سے اِتَّبَعَنِیْ تک بَصِیْرَۃٍ بروزنِ فعیلۃٌ مبالغ کا صیغہ ہے بصیرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ عقل فہم۔ شعور والی چیز۔ بمعنیٰ روشنی اور دلیل کے لیے مستعمل ہے یہاں سب معنیٰ ہو سکتے اَنَا ضمیر متکلم مرفوع منفصل تاکید ہے اَدْعُوا میں پوشیدہ ضمیر متکلم کی عطف کے لیے لائی گئی وَ عاطفہ مَنْ موصولہ اِتَّبَعَ بابِ افتعال کا ماضی مطلق تَبَعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیچھے چلنا نون وقایہ یِ ضمیر متکلم کیا عاطفہ ہے یہ ایک قول ہے یا سرِ جملہ یہ زیادہ درست ہے یا حالیہ ہے۔ سُبْحٰنَ بروزنِ فُعْلَانٌ مصدر ہے باب تفعیل کے معنیٰ میں یعنی متعدی ہے بمعنیٰ پاکیزگی بیان کرنا بحالتِ نصب ہے بوجہ فعل پوشیدہ سَبَّحْتُ کے مفعول مطلق ہونے کے دراصل تھا سَبَّحْتُ سُبْحَانَ یہ ہمیشہ مضاف ہوکر آتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہوتا ہے اور ضمیر بھی لفظِ اللہ اسم ظاہر مضاف الیہ ہے۔ جس طرح تَسْبِیْحٌ سے سَبَّحَ بنتا ہے۔ اسی طرح سُبْحَانَ سے سَبَّحَ یُسَبِّحُ بنتا ہے۔ وَ۔ اس میں بھی حسب سابق تین احتمال ہیں مگر صحیح تر یہ ہے کہ سرِ جملہ ہے مَا نافیہ مشابہ بلَیْسَ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل اسم مَا ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے اَلْمُشْرِکِیْنَ۔ الف لام اسمی ہے بمعنیٰ اَلَّذِیْ مُشْرِکِیْنَ باب افعال کا جمع کثرت مذکر سالم اسم فاعل۔ اس کا واحد مُشْرِکٌ ہے جار و مجرور مل کر کائنًا پوشیدہ کے متعلق ہو کر خبر ہوئی مَا کی۔

تفسیر عالمانہ

وَکَاَیِّنْ مِّنْ اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ وَھُمْ مُّشْرِکُوْنَ ۔ اور اے پیارے نبی یہ کافر لوگوں کی اکثریت اگر آپ کی ذاتِ پاک کو دیکھ کر آپ کا معجزانہ کلام سن کر آپ کے کمالات کا نظارہ کر کے اور اپنے مطالبے پورا ہوتے دیکھ کر بھی آپ پر اور توحید باری تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے تو تعجب کی بات نہیں اور ان کی بیوقوفی اور حماقت پر حیرانی نہیں آپ تو اپنے رب کی بُرھان ہیں جس کو کوئی صاحبِ عقل و دل ہی کچھ سمجھ سکتا ہے یہ تو دن رات سفر حضر میں آتے جاتے زمین و آسمان میں لاکھوں نشانیاں دیکھتے محسوس کرتے اور سمجھتے ہیں اور پھر ان کے پاس سے بالکل بے توجہی سے گزر جاتے ہیں ذرا تفکر نہیں کرتے۔ قطعاً ایمان نہیں اور اگر کچھ لوگ ایمان لاتے بھی ہیں تو ساتھ ہی

شرک کی ملاوٹ بھی کر دیتے ہیں مثلاً بُت پرست کہتے ہیں کہ اللہ واحد رب ہے اور بُت ہمارے شفیع ہیں یہ بھی شرک ہے کیونکہ بغیر اُس کی اجازت کے کسی کو شفیع ماننا شرک فی التوحید ہے۔ لیکن باذن اللہ اُس کے بندوں کو شفیع ماننا عین ایمان ہے۔ مشرکین مکہ تلبیہ میں کہا کرتے تھے لَا شَرِيكَ لَكَ اِلَّا شَرِيكٌ هُوَ لَكَ تَمْلِكُهُ وَمَا مَلَكَ یعنی اے اللہ تو وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ ہے مگر ایک تیرا شریک ہے جس کا اور جس کی ملکیت کا تو مالک ہے۔ بعض مشرکین کہتے ہیں اللہ وحدہ لاشریک ہے مگر فرشتے اُس کی بیٹیاں ہیں۔ سورج، چاند، ستارہ پرست کہتے ہیں اللہ وحدہٗ لاشریک معبود ہے لیکن یہ سورج وغیرہ ہمارے رب ہیں۔ یہی بات تبرائی شیعہ کہتے ہیں۔ کہ حضرت علی ہمارے رب ہیں۔ معاذاللہ۔ آتش پرست کہتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ مگر وہ آگ میں رہتا ہے۔ یہودی کہتے ہیں اللہ وحدہٗ لاشریک اور عزیر علیہ السّلام اُس کے بیٹے ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے لیکن حضرت عیسیٰ اُس کے بیٹے ہیں۔ یہ سب عقائد شرک فی التوحید ہے اور اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُونَ سے یہی مندرجہ بالا کافر مراد ہیں۔ اور عَنْهَا مُعْرِضُونَ سے دہریہ کافر مراد ہیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں۔ آیت اور دلیل اور برہان۔ علامت میں تین طرح فرق ہے۔ آیت وہ ہے جو بغیر فکر کے کسی کا پتہ بتلائے جیسے دھوپ سے سورج کا پتہ چلا۔ دلیل وہ ہے جو فکر کے بعد کسی کا پتہ بتائے جیسے گرمی سے سورج کا پتہ لگنا۔ برھان وہ جو مظہر ذات ہو جیسے آئینے سے سورج کا پتہ لگنا۔ علامت وہ ہے کہ جس سے کسی کی صفت کا پتہ لگے جیسے دن میں آسمان صاف دیکھ کر یہ سمجھنا کہ دھوپ نکلی ہوگی ۔ آیت وہ ہے جس سے صرف ایک ہی ذات کا پتہ لگے کسی اور کا دخل سمجھ نہ آئے جیسے آسمان زمین مل گیا کہ اُن کی بڑائی مقدار۔ حجم سے قدرت الٰہی آشکار ہے اور جیسے کوکب رعد۔ برق بادل بارش ہوا قوس قزح۔ کہ اُن کے چلنے پھرنے چمکنے کڑکنے گرجنے برسنے اندھیرے اجالے سے قدرت خداوندی ظاہر ہے۔ دلیل وہ جس میں کسی بندہ کا بھی دخل نظر آئے۔ جیسے۔ دریا سمندر۔ معدنیات بیل بوٹے نباتات۔ بہار کہ سب قدرت کے شاہکار ہیں مگر اس کے چلانے سجانے اگانے توڑنے پھوڑنے میں انسانی ہاتھ کا بھی دخل ہے۔ برہان وہ جو صفات کا مظہر ہو مثلاً چاند توڑ دینا۔ سورج موڑ دینا۔ دریائیں روک دینا بارش برسا دینا۔ چشمے بہا دینا۔ علامت وہ جو کسی کے وجود کا پتہ بتائے جیسے کونپلیں نکلنا بہار کا پتہ دیتی ہیں۔ ۔ آیت وہ ہے جو صرف ایک صفت کا پتہ بتائے جیسے سورج کی چمک صرف نور کی کیفیت بتاتی ہے۔ دلیل جو ایک صفت کو ثابت کرے جیسے دوائی کا تجربہ خاصیت بتاتا ہے اور ثابت کرتا ہے۔ برہان وہ جو تمام صفات کا پتہ بھی بتائے ثابت بھی کرے اور مظہر بھی ہو علامت وہ جو کسی کی قوت و حکمت کو ثابت کرے جیسے جمادات نباتات حیوانات کی مختلف خصوصیات اثرات عادات۔ اور نظام کائنات کی گردش۔ نہ کسی کی خصوصیت بدلتی ہے نہ عادت نہ اثر نہ گردش آفتاب و کواکب۔ یہ سب قدرت الٰہیہ کی علامات ہیں۔ کائنات عالم میں آیت الٰہیہ بیشمار ہیں دلائل ہزاروں علامت لاکھوں مگر برہان ایک ہی ذات مصطفیٰ ہے جو مظہر ذات کبریا ہے مگر اس کو دیکھنے کے لیے ۔

أَفَأَمِنُوا أَن تَأْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللَّهِ أَوْ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ۝ قُلْ هَٰذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي وَسُبْحَانَ اللَّهِ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ

کیا اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ سابقہ امتوں کی طرح اِن پر بھی اللہ جبّار و قہّار کی طرف سے ایسا سخت گھیر نے والا عذاب آسمانی یا زمینی آجائے کہ کہیں بھاگ نہ سکیں۔ یا اچانک بلا مہلت ایک دم اِن پر آخری گھڑی قیامت کی آجائے کہ پھر ان کی توبہ اور ایمان بیکار ہو جائے۔ اور یہ لوگ اس عذاب یا موت یا قیامت کو پہلے بالکل نہ جان سکیں چلتے چلتے یا کھڑے بیٹھے یکدم مرجائیں۔ کیسی عسرت کی موت ہو گی چند گھڑیوں کی خرمستیاں اور عیاشیاں ہیں پھر دائمی عذاب۔ اے پیارے ان کو پھر سمجھاؤ فرماؤ کہ یہ اسلام قرآن حدیث ایمان عرفان رضا و رحمان میرا راستہ ہے کتنا دلکش۔ حسین۔ پُر فضا۔ بہار آفریں۔ سیدھا۔ صاف۔ شفاف۔ ستھرا پاکیزہ۔ ٹھنڈا۔ آسان ہے یہ۔ اور پھر اتنا مختصر کہ چند گھنٹوں میں قربِ الٰہی کی منزل سدا بہار آجائے۔ یہی میرا راستہ ہے کہ میں تم سب کو چلانیوالا ہادی و مرشد ہوں۔ یہی اللہ کا راستہ ہے کیونکہ میں اسی اللہ کی طرف تم کو بلا رہا ہوں۔ اے اللہ جلّ مجدہٗ کو تلاش کرنے والو۔ اب ادھر اُدھر جانے بھٹکنے کی ضرورت نہیں اپنے اپنے الگ چراغ روشن کرنے کی حاجت نہیں اَب تو مدینے کا سورج چمکنے کا آفتاب حق تعالیٰ کا سراجِ منیر آگیا۔ اسی راہ پر چلانے والا جس پر اللہ ہے۔ اے نبی فرما دیجئے۔ دنیا کے بازاروں تجربہ گاہوں سے فہم تو مل سکتی ہے مگر فراست نہیں مل سکتی دانش تو مل سکتی ہے سچی عقل نہیں مل سکتی بصارت تو مل سکتی ہے بصیرت نہیں مل سکتی۔ بصیرت یعنی روشن ضمیری میرے ہی پاس ہے اور میری اتباع شریعت کی مکمل پیروی کرنے والے صحابہ کرام تابعین تبع تابعین۔ زاہدین۔ صالحین۔ عابدین۔ عاشقین۔ اولیا۔ علما تاقیامت سچے مومنین کے پاس ہے۔ مومنوں نیکوں کا بھی یہ ہی راستہ ہے کہ وہ اس پر چلتے ہیں۔ بلا تشبیہ یوں سمجھئے کہ جیسے پاکستان میں کوئی کچے جرنیلی سڑک جی ٹی روڈ پر دارالخلافہ اسلام آباد ہے۔ اسی سڑک پر تمام گاڑیاں ہیں اسی پر تمام مسافر ہیں بس سمجھ لیجئے کہ اسلام ہی اللہ کا راستہ ہے۔ اسلام ہی نبی پاک کا راستہ ہے اور اسلام ہی تمام متبعین ایمان والوں کا راستہ ہے۔ بصیرت قرآنی والے ہی اس راہ پر چل سکتے ہیں۔ دین کا راستہ دینی عقائد اعمال شریعت طریقت معرفت حقیقت۔ اور اللہ کی ذات کو دل سے ماننا اور صفات کو دماغ و عقل سے پہچانا ہے۔ اللہ کی ذات و صفات وہی ہیں جو محمد مصطفیٰ نے بتائیں۔ منزل قرب الٰہی وہی ہے جس طرف آقاء کائنات بلا رہے ہیں خالص بصیرت وہی جو دروازۂ مصطفیٰ سے ملتی ہے۔ شانِ الٰہی وہی ہے جو زبان احمدِ مجتبیٰ سے بیان ہو۔ تسبیح و تہلیل وہی ہے جو آقاء دو عالم فرمائیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ اے حبیب فرما دیجئے اللہ ہی کو پاکیزگی رفعت۔ کبریائی ہے۔ تمام مشرکین کی باہمی عقیدے جھوٹے غلط اور بناوٹی ہیں۔ ہم مشرکین میں سے نہیں ہیں۔ میرا راستہ کفر کی گندگی شرک کے کانٹوں سے بالکل صاف ہے۔

فائدے | اِن آیاتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند سبق اور فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** ۔ خدا حبیب دین

لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے۔ ورنہ دیکھو۔ دنیا کے کالج اسکول لیبارٹری سائنس روم۔ سیاسی دفتر۔ ڈاکٹر حکیم۔ سنیاسی کیمیاگر دنیا کی نباتات۔ جمادات۔ حیوانات پر اتنا بحر پرچھان بین کرتے ہیں کہ پتے پتے کی خاصیت معلوم کر لیتے ہیں مگر اپنی اسی عقل سے یہ نہیں سوچتے کہ یہ خاصیات آخر کسی پیدا کرنے والے نے پیدا کی ہیں۔ اگر خود بخود ہوتیں تو اُن میں رد و بدل ہو سکتا۔ کبھی کدو میں گاجر کی خصوصیت آجاتی اور کبھی گاجر آلو کی شکل پر پیدا ہو جاتی پھر کیسی حیرانی ہے کہ ایک بوداہے مگر اس کے ذرّوں کی تاثیر کچھ۔ گودے کی کچھ پتوں کی کچھ شاخوں کی کچھ اور جڑوں کی کچھ اور۔ پھر ان میں تغیر تبدل نہیں ہوتا۔ آفتاب جس ملک جس موسم میں جس جگہ سے طلوع غروب ہوتا ہے تاقیامت ایک انچ آگے پیچھے نہیں ہوتا۔ زعفران بنفشہ عرب میں۔ پنجاب میں نہیں اُگتا۔ کشمیر میں کھجور نہیں اُگتی۔ برطانیہ نے ساری دنیا کو لوٹا کیشر دولت علم۔ عقل حاصل کیا اپنے ملک میں ہر چیز مہیا کی مگر پھل فروٹ نہ اُگا سکے۔ پھولوں میں خوشبو پیدا نہ کر سکے۔ یہ کس صناعِ قدرت کا ہاتھ ہے ان مشاہدات عالم میں غور و تدبر کرنے سے خلاقِ کائنات کا مکمل پتہ ملتا ہے مگر یہ عقل کے کورے يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا۔ گذر تو جاتے ہیں مگر غور و فکر نہیں کرتے یہ شعور تو مدینے کی گلیوں والا ان بلالی سے ملتا ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ دو چیزیں کفر کی نشانی ہیں اور وہی دو چیزیں ایمان کی نشانی ہیں مگر الٹ پھیر کر۔ رحمتِ الٰہی سے مایوسی اور عذابِ الٰہی سے بے خوفی اللہ کی پکڑ سے بے پرواہی یہ کافروں کا کام و نشان جس سے بچنا چاہیئے۔ لیکن رحمتِ الٰہی کی امید اور عذابِ خداوندی اور خدا تعالیٰ کی پکڑ سے ہمیشہ ڈرتے رہنا مومن کامل کی علامت ہے یہ جس کو نصیب ہو وہ رب کا پیارا ہے۔ بے خوفی سے گناہ و کفر بڑھتے ہیں۔ امید سے نیکیاں اور عبادتیں بڑھتی ہیں۔

تیسرا فائدہ۔ اچانک موت مومن کے لیے مضر نہیں حضرتِ ابراہیم اور حضرت داؤد اور حضرت لوط یا سلیمان یا موسیٰ علیہم السلام کو اچانک ہی وفات ہوئی تھی۔ مومن صالح ہر وقت تیاری میں ہے اس لیے کوئی نقصان نہیں ہاں کافر یا فاسق فاجر اور غافل کو مضر ہے کہ توبہ کی توفیق نہیں ملتی۔ یہ فائدہ بَغْتَةً میں کفار کے خطاب سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ۔ سچا دین وہ ہے جو نبی کریم اور صحابہ اولیاء اللہ کا ہو۔ یہ فائدہ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ایمان کو چھپانا گناہ اور حرام ہے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے اسلام مومن مسلمان ہونے کو بہت مشہور کرے بلکہ اپنے قول۔ فعل لباس صورت۔ سیرت عبادات سے اسلام ہونے کو ظاہر کرے کفار کا لباس پہننا اُن کی نقل اتارنا ناجائز ہے خاص کر کسی کافر کا مذہبی لباس پہننا تو بالکل حرام ہے یہ مسئلہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ سے مستنبط ہوا۔ اسی طرح فی زمانہ اپنے اہلِ سنت ہونے کو اور سنیوں کی علامتوں کو بھی ظاہر کرے دیوبندیوں وہابیوں کی طرح ہر جگہ خود کو چھپانا اچھا نہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کسی بھی چیز میں ملاوٹ جائز نہیں۔ کیونکہ ملاوٹ دو عیبوں سے خالی نہیں یا دھوکہ دیتی ہے اور یا دھوکہ کھاتی ہے۔ خاص کر ایمان اور عقائد میں دھوکہ۔ فریب

تلاوت بہت ہی بُرا ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا وَ ھُمۡ مُشۡرِکُوۡنَ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ آسمانوں اور زمین میں نشانیاں ہیں جن کے پاس سے یہ کافر گزرتے ہیں۔ حالانکہ زمین پر تو گزرتے تھے آسمانوں پر کب گزر ہوتا تھا۔ نیز پہلے آسمانوں کی نشانیاں تو زمین پر کھڑے ہو کر بھی دیکھی جا سکتی ہیں مگر دوسرے آسمانوں کو اور اُن کی نشانیوں کو تو نہیں دیکھا جا سکتا۔ لیکن یہاں سٰموات جمع ہے۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ سورج چاند پہلے آسمانوں پر چاند پہلے آسمان پر مختلف ستارے مختلف آسمانوں پر ہیں یہ سب آیات الٰہیہ ہیں جو زمین والوں کو نظر آتی ہیں۔ اور یَمُرُّوۡنَ عَلَیۡھَا کا معنی ان کے پاس جانا نہیں علیٰ کا معنی عند نہیں ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمام کفار ان آیات کو دور و نزدیک سے دیکھتے ہیں مگر غور و تدبر اور عبرت و ایمان نہیں پکڑتے۔ **دوسرا جواب**۔ یہ قرآن مجید تا قیامت ہر شخص کے لیے ہے۔ اور یَمُرُّوۡنَ ہر زمانے میں فعل حال ہے۔ موجودہ دور سائنس کی انتہائی عروج کا ہے ہر ملک کو خلائی پروازوں کا شوق لگا ہوا ہے۔ اور خلائی پروازوں خلائی دوڑ دھوپ۔ خورد بینوں سے یہ غیر مسلم خلا باز سائنسدان ہزاروں بلکہ لاکھوں کروڑوں قدرت کے عجائبات و آیات و نشانات و علامات دیکھتے ہیں حیران رہ جاتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے صانع کائنات کی طرف دھیان نہیں کرتے۔ گویا یہ آیت آئندہ زمانے کے ترقی یافتہ لوگوں کی معلومات کا پتہ بتا رہی ہے جس کا آج ہم مشاہدہ و مطالعہ کر رہے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ ان آیات میں فرمایا گیا کہ یہ مشرکین کفار مومن بھی ہیں کافر مشرک بھی۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے اجتماع ضدین تو محال ہے۔ **جواب**۔ اس کی وضاحت تو تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اجتماع ضدین تب محال ہے جب کہ اپنی کلی شکل میں ہو۔ جزوی طور پر ایک وقت ایک ہی جگہ دو ضدین جمع ہو سکتی ہیں۔ دیکھو صبح شام دو ضدین کا اجتماع ہے یعنی دن اور رات۔ دودھ اور پانی جزوی طور پر ایک برتن میں جمع ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح جب یہ عقیدہ بنایا جائے کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے مگر ایک شریک ہے یا عیسیٰ ابن اللہ ہیں یا علی رب ہیں معاذ اللہ۔ تو جزوی طور پر اجتماع ضدین ہو گیا۔ خیال رہے آج کل عیسائیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ ابن اللہ کا معنی نسلی اولاد نہیں بلکہ یہ اسی طرح مستعمل ہے جس طرح ابن الوقت یا ابو تراب وغیرہ ہم کہتے ہیں کہ یہ اُن کی اب اختراعی بات ہے ان کی پرانی کتابوں سے یہ ثابت نہیں۔ نیز عربی کا لفظ ابن تو مشترک المعانی ہے۔ کہ اس کا معنی بیٹا بھی ہے۔ والا بھی۔ نسل بھی ماتحت بھی لیکن اردو کا لفظ بیٹا تو مشترک نہیں بیٹا تو اولاد و بچے کو ہی کہا جاتا ہے حالانکہ اردو انجیلوں میں صاف کہا ہے خدا کا اکلوتا بیٹا۔ لہٰذا یہ سب بھاگنے کی راہیں ہیں۔ اصلاً شرک موجود ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ علماء کرام فرماتے ہیں ایمان نام ہے اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کا۔ یہی احادیث طیبات سے ثابت ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی اس آیت وَمَا یُؤۡمِنُ (الخ) سے ثابت ہو رہا ہے کہ صرف زبانی اقرار ہی مکمل ایمان ہے تصدیق قلبی کی کوئی ضرورت نہیں۔ اسی آیت کی بنا پر فرقہ کرامیہ نے یہ مذہب بنا لیا کہ ایمان صرف اقرار

لسانی کا نام ہے تفسیر کبیر۔
جواب۔ یہ فرقہ کرامیہ کی جہالت ہے۔ کفار کے جو عقیدے اور باتیں تھیں وہ دل کی تصدیق سے تھیں۔ نیز۔ علماء کرام اور احادیث مبارکہ جس ایمان کا ذکر کرتے ہیں وہ مقبول اور درست ایمان ہے۔ اس میں دونوں چیزیں لازمی ہیں۔ یہاں جس ایمان کا ذکر ہے وہ نامقبول ہے لہٰذا مقبول ایمان کو غیر مقبول کے برابر نہیں سمجھا جا سکتا۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ بغتۃً یعنی اچانک جس کا کسی کو پتہ نہ لگے۔ شعور بھی نہ ہو۔ عدم شعور تو بغتۃً کے لفظ سے معلوم ہو گیا تو پھر وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ جواب۔ بالکل ضرورت تھی کیونکہ بغتۃً میں عذاب کی کیفیت بتائی گئی اور لایشعرون میں کفار کی غفلت اور دنیا کی مشغولیت بتائی گئی۔ اور یہ دونوں علیحدہ علیحدہ چیزیں ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ۔ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ

صوفیا فرماتے ہیں کہ یہ آیت ہم کو فرما رہی ہے کہ بندے کو چاہیے کہ طلبِ صادق کے بیسے منزلِ شوق کی طرف گام زن ہو جائے پھر دیکھے کہ اُس کے آسمانِ باطنی اور زمینِ ظاہری میں کتنی ہی عجائباتِ قدرت کی آیاتِ معرفت ہیں جن کو یہ ہر روز دیکھتا محسوس کرتا ہے۔ مگر مراقبۂ بہتری میں مکاشفۂ تفکر نہیں کرتا۔ اے بندۂ ناسوتی تجھ کو ارض و سماء میں بھاگنے کی ضرورت نہیں تیرا آسمان اور زمین تیرے اندر ہے تو اُسی میں خلائی پرواز کر۔ عارفین فرماتے ہیں جسم ظاہری میں سر سے پیر تک سات زمینیں ہیں اور جسم اندرونی باطنی میں ناف سے دماغ تک سات آسمان ہیں اور قلب عرش الٰہی ہے۔ جس نے اِن زمینوں کا راستہ طے کر لیا اس کے لیے زمینِ دنیا کوئی حقیقت و حیثیت نہیں رکھتی ایک آنِ واحد میں سارا عالم طے ہو جاتا ہے۔ جس نے آسمانِ باطنی کے اَسرار کو پا لیا اور بھید کو سمجھ لیا۔ وہ عارفِ کامل ہو گیا ہر وقت لوح و قلم اُس کے سامنے ہیں۔ لیکن غافل بدنصیب سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ اسرارِ لاہوتی سے بے نصیب ہیں۔ یہی وہ ناقص الایمان لوگ ہیں جنہوں نے اپنے اندر خیر و شر۔ ایمان و کفر۔ ہدایت و ضلالت۔ نور و ظلمت کی ملاوٹیں کی ہوئی ہیں تفسیر روح البیان نے فرمایا۔ مشربِ تصوف میں جو اسباب پر نظر رکھے وہ مشرک ہے جو مسبب الاسباب پر نظر رکھے وہ مُوحد ہے اور جو دونوں پر یکساں نظر رکھے اُس کا ایمان مخلوط ہے ملاوٹ والا ہے۔ اس لیے ناکارہ ہے۔ عوام وہ ہیں جو عبادت کو لازم پکڑے اور اپنے نقائص پر نظر رکھے خواص وہ ہیں جو شکر کو لازم پکڑے اور شکر والے پر نظر رکھے۔ اَفَاَمِنُوْا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ عشقِ الٰہی نفسِ امارہ کی موت ہے اور محبتِ الٰہی انسانی خواہشات پر عذاب ہے۔ بندہ جب واصل باللہ ہوتا ہے تو اُس کی قیامت آ جاتی ہے وہ دنیاؤ ما فیہا سے بے خبر

ہو کر ایسا کٹ جاتا ہے کہ پھر اُس کی کسی کو خبر نہیں ملتی۔ محبت خواہشات کو ہلاک کر دیتی ہے اور عشق قلب میں ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ نہ عشق الٰہی کا کوئی وقت مقرر ہے نہ محبت کا یہ سب تیاتیں نفس و نفسیات پر غفلت میں اچانک ٹوٹتی ہیں۔ اچانک کی موت غافل کی ہلاکت ہے شاغل کی شہادت۔ عارف کی سعادت ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ اچانک موت وہ نہیں جس کے پہلے بیماری نہ ہو بلکہ اچانک موت وہ ہے جس کے پہلے تیاری نہ ہو۔ قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اے خزانۂ معرفت کے شہنشاہ فرما دیجئے کہ یہی شریعت طریقت حقیقت عبادت نماز۔ روزے۔ اسوۂ حسنہ قرآن و حدیث میرا راستہ ہے اسی راستے سے میں تم کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں بصیرت انوار قدس میرے ہی پاس ہے اور میری اتباع کرنے والے صحابہ اور تا قیامت علما اولیا کے پاس ہے۔ میری رات فقیری ہے میرا دن درویشی ہے۔ میری شام طریقت ہے میرا صبح شریعت ہے۔ میرے اٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے چلنے پھرنے کا نام اسلام ہے۔ یہی پیری مریدی ہے میری مسجد کی طرف آنا ہی راہ معرفت ہے اور میری مسجد میں بیٹھنا ہی مراقبہ ہے مسجد نماز قرآن مجید حدیث شریعت سے دور ہو کر پیری فقیری نہیں مکر کا جال ہے۔ اور اللہ کی تسبیح اور شان ہے کہ میں اور میرے اعمال افعال اقوال شرک کی ملاوٹ کرنیوالوں میں سے نہیں ہیں۔ فالحمد للّٰه علىٰ ذالِكَ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ

اور نہیں بھیجا ہم نے سے پہلے آپ کے مگر مردوں کو وحی کرتے رہے ہم

اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب مرد ہی تھے جنہیں ہم

اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰىؕ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا

طرف اُن کی سے شہری مردوں میں ۔ کیا پس نہیں سیر کی انہوں نے

وحی کرتے اور سب شہر کے ساکن تھے تو کیا یہ لوگ

فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

میں زمین کر دیکھیں کیسے ہوا انجام اخیری اُن کا

زمین پر چلے نہیں تو دیکھتے اِن سے پہلوں کا

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ

جو تھے سے پہلے ان کے اور البتہ گھر آخرت کا

کیا انجام ہوا اور بیشک آخرت کا گھر

خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا ۗ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

اچھا ہے لیے ان کے جو متقی بنے رہے تو کیا تم عقل نہیں رکھتے

پرہیزگاروں کے لیے بہتر۔ تو کیا تمہیں عقل نہیں

حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــَٔسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ

یہاں تک کہ جب قوم کی طرف سے مایوس ہوگئے انبیاء کرام اور کافروں نے وہم کرلیا

یہاں تک کہ جب رسولوں کو ظاہری اسباب کی امید نہ رہی اور لوگ

قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا ۙ فَنُجِّيَ مَنْ

کہ بالکل وہ قوم والے بیشک غلط ڈرائے گئے۔ آئی ان انبیاء کے پاس ہماری مدد تو نجات دی ہم نے جس

سمجھے کہ رسولوں نے ان سے غلط کہا تھا اس وقت ہماری مدد آئی تو بچے ہم نے

نَّشَآءُ ؕ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۱۰﴾

مومن کو چاہا اور نہیں پھیرا جاتا ہے عذاب ہمارا سے قوم مجرم۔

چاہا بچالیا گیا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے پھیرا نہیں جاتا۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں منکرین قرآن اور نبوت کے عذاب کا ذکر تھا۔ اب ان آیات میں سابقہ امتوں کے عذابوں کا ذکر کیا جارہا ہے تاکہ یہ یاد کرکے عبرت پکڑیں اور نیک بندے بن جائیں۔

دوسرا تعلق - پہلی آیتوں میں آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ نہ ماننے والوں کا ذکر ہوا - اب ان آیات میں پچھلے انبیاء کرام سے کفار کے سلوک اور انبیاء کرام کے مایوس ہونے کا اور پھر عذاب آنے کا ذکر ہے جس سے نبی اکرم کی تسلی کرانا اور کفار کو عبرت دلانا مقصود ہوا - **تیسرا تعلق** - پہلی آیت میں کافروں کے عیش عشرت اور دنیوی سفر و حضر کا ذکر ہوا جس سے اُن کی دنیوی مشغولیت اور آخرت سے غفلت ظاہر کی گئی تھی اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اصلی آرام عیش اور سیر کی جگہ آخرت ہے لہٰذا اسی کے لیے ساری محنتیں کرو۔

تفسیر نحوی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى ۭ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ

وَ. نیا جملہ یعنی نئے جملے کے لیے مَا اَرْسَلْنَا فعل ماضی مطلق منفی صیغہ جمع متکلم فصاحت کے لیے ہے نہ کہ جمعیت کے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے۔ جمع مذکر حاضر یا غائب عربی یا اُردو فارسی وغیرہ کسی بھی زبان کا صیغہ استعمال کرنا گناہ ہے کہ توحید باری کے خلاف ہے۔ نہ فصاحت ہے نہ ادب ورنہ پھر واحد بولنا ادبی ہوگا حالانکہ اس کا بہت ثبوت ہے۔ مِن جارہ زائدہ قَبْلِ اسم ظرف زمانی مضاف ہے کَ ضمیر مذکر حاضر کی طرف اس لیے مجرور ہوا اِن جارہ سے کَ ضمیر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے اِلَّا حرف استثنا مفرغ ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ لفظ انبیا محذوف ہے رِجَالًا جمع مکسر ہے کثرت ہے اس کا واحد رَجُلٌ ہے مستثنیٰ ہے اس لیے منصوب ہے موصوف اگلی عبارت کا۔ نُوْحِيْٓ فعل مضارع معروف صیغہ جمع متکلم۔ ایک قرأت میں یُوْحٰی مضارع مجہول صیغہ واحد غائب مگر سابقہ فعل اَرْسَلْنَا کی مطابقت کی بنا پر نُوْحِيْ پڑھنا اولیٰ ہے وَحْیٌ سے مشتق ہے مراد ہے وحی جلی بواسطہ جبریل علیہ السلام یہ پورا جملہ صفت ہے رِجَالًا کی۔ اِلٰی جارہ انتہاء نہایت کے لیے ہے ہِمْ ضمیر کا مرجع رِجَالًا ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے اَہْل اسم جامد ہے مذکر ہے مگر مونث کے لیے مستعمل ہے اس کی تصغیر اُہَیْل ہے نہ کہ اُہَیْلَۃٌ یہ بیان نسبت کے لیے آتا ہے خواہ کیسی ہی نسبت ہو۔ دینی۔ کسبی خاندانی۔ حسبی۔ نسبی۔ تربیتی۔ وطنی۔ یہاں یہ آخری نسبت مراد ہے اَلْقُرٰی جمع مکسر کثرت ہے قَرْیَۃٌ کی دراصل تھا قُرَیٌ۔ یٰ متحرک ماقبل مفتوح اس لیے یٰ کو ساکن کر دیا۔ اَ ہمزہ سوالیہ فَ حرف سبب لَمْ یَسِیْرُوْا فعل مضارع نفی جَحْد بمعنیٰ ماضی مطلق۔ سَیْرٌ اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ سفر کرنا یعنی دور دراز چلنا فِی جارہ بمعنیٰ عَلٰی اَلْاَرْضِ الف لام جنسی مراد ہے ساری سطح زمین۔ فَ تعلیلیہ یَنْظُرُوْا فعل مضارع مثبت بمعنیٰ ماضی صیغہ جمع مذکر غائب بحالتِ جزم فَ تعلیلیہ جزائیہ نے جزم دیا اس لیے نون اعرابی گر گئی دراصل تھا یَنْظُرُوْنَ۔ آخر کا الف تفخیم کے لیے نون کی جگہ آیا۔ نَظَرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنکھ سے دیکھنا عاقل سے سمجھنا۔ کَیْفَ مبنی ہے بحالتِ نصب ہے سارا جملہ مفعول بہ ہے یَنْظُرُوْا کا جو عرض یعنی قائم بالذات کے عارض عشرہ میں سے ایک ہے۔ یہاں کیفیتِ محسوسہ کے لیے ہے۔ یہ کیف موصوف آگے اَلَّذِیْ اسم موصول

پوشیدہ ہے۔ کَانَ فعل ماضی تامہ عَاقِبَۃُ اسم فاعل مؤنث عقبٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے آنا یا ہونا۔ آخر ہونا۔ نتیجہ ملنا۔ یہاں آخر ہونا مراد ہے۔ فاعل ہے کَانَ کا اس لیے مرفوع ہے۔ تنوین نہ آئی اس لیے کہ مضاف ہے عربی نحو میں تنوین (دو زبر۔ زیر۔ پیش) سے مانع تین چیزیں ہیں۔ ۱۔ اضافت ۲۔ الف لام ۳۔ غیر منصرف) اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع بحالت جر مضاف الیہ ہے اس کا صلہ کَانُوْا مَوْجُوْدِیْنَ پوشیدہ ہے مِنْ جارہ۔ بیانیہ ہے قَبْلِ اسم ظرف مضاف اس لیے معرب ہے۔ جر ظاہر ہوا ہِمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ وَ سر جملہ لام کے دار اسم جامد ہے بمعنی چار دیواری مراد گھر یا علاقہ ہے بحالت رفع ہے بتدا ہے تنوین سے مانع اضافت ہے اَلْاٰخِرَۃِ میں الف لام عہد خارجی ہے آخِرَۃٌ بروزن فاعلۃ مؤنث اسم فاعل کا صیغہ ہے اٰخِرٌ مہموز الفا سے مشتق ہے بمعنی پیچھے ہونا۔ آخری ہونا اَلْاٰخِرَۃ مضاف الیہ ہے مراد ہے باقی رہنے والا گھر یعنی سب گھروں کو فنا ہے مگر اس کو بقا لہٰذا یہ آخری ہوا۔ بعض نے کہا یہ اضافت نفسی ہے۔ بعض نے کہا یہ اضافت غیری اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اضافت نفسی میں مضاف و مضاف الیہ کے درمیان اتحاد ذاتی یا صفاتی ضروری ہے۔ جیسے مَاءُ الثَّلْجِ برف کا پانی یہ ذاتی اتحاد ہے۔ اور مَاءُ الْبَرُوْدِ ٹھنڈک کا پانی صفاتی اتحاد۔ مگر دَارُ الْاٰخِرَۃِ میں کوئی اتحاد نہیں۔ دار اور چیز ہے آخر ہونا اور چیز ہے۔ جیسے حَقُّ الْیَقِیْنِ وغیرہ کہ یہ بھی اضافت غیری ہیں خَیْرٌ مصدر بمعنی اسم مفعول موصوف ہے اگلی عبارت کا بحالت رفع ہے خبر ہے سابقہ مبتدا کی۔ لِلَّذِیْنَ لام جارہ متعلق ہے ثابت کے پوشیدہ صفت کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول مجرور ہے جمع مذکر۔ اس کا صلہ ہے اِتَّقَوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب باب افتعال سے بنا دراصل تھا اِوْتَقَیُوْا وَقْیٌ لفیف مفروق سے مشتق ہے واؤ کو ت کیا اور دونوں ت کا ادغام کر دیا اِتَّقَیُوْا ہو گیا ی پر ضمہ ثقیل تھا لہٰذا ضمہ ماقبل کو دیا اور بوجہ ساکنین ی کو گرا دیا۔ وَقْیٌ کے معنی ہیں بچنا۔ بچانا۔ ڈرنا۔ علیحدہ ہونا۔ رعب میں آنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ اَ ہمزہ سوالیہ ہے۔ اقرار کے لیے یا سوال رغبت کے لیے ہے فَ تعقیبیہ ہے۔ لَا تَعْقِلُوْنَ۔ فعل مضارع منفی بلا۔ بمعنی حال ہے۔ عَقْلٌ سے مشتق ہے بمعنی دماغ سے غور کرنا۔ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْــٴَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ حَتّٰى عاطفہ ابتدائیہ غایت کے لیے اس عبارت کا عطف ہے سابقہ عبارت وَمَاۤ اَرْسَلْنَا (الخ) پر اِذَا ظرف زمانی شرطیہ اِسْتَایْــٴَسَ فعل ماضی مطلق باب استفعال سے ہے۔ اَلْیَأْسُ لفیف مقرون سے مشتق ہے بمعنی مایوس ہونا اَلرُّسُلُ الف لام استغراقی جمع مکسر منصرف تکثیر کے لیے فاعل ہے بحالت رفع وَ عاطفہ ظَنُّوْا فعل ماضی باب نَصَرَ ظَنٌّ مضاعف ثلاثی سے ہے بمعنی خیال یا گمان یا وہم یا یقین کرنا یہاں یقین کے معنی میں ہے دوسرے معنی مراد لینا حرام ہے اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع مستتر ہے اس کا مرجع اَلرُّسُلُ ہے اَنَّ درمیان کلام میں اس لیے مفتوح الہمزہ ہے مفعول بہ ہے ظَنُّوْا ھُمْ ضمیر منصوب متصل اسم اَنَّ

ہے۔ اس کے مرجع میں دو قول ہیں۔ ۱۔ اَلرُّسُلُ ہے اور اسی کو ترجیح ہے ۲۔ اس کا مرجع کفار اَهْلِ قُرٰی۔ قَدْ كُذِبُوْا فعل ماضی قریب مجہول مثبت صیغہ جمع مذکر غائب کِذْبٌ سے مشتق ہے بمعنی جھوٹ بولنا۔ اس فعل کی چار قرأتیں ہیں ۱۔ كُذِبُوْا باب ضَرَبَ ۲۔ كَذَبُوْا فعل معروف باب ضَرَبَ ۳۔ كَذَّبُوْا معروف باب تفعیل۔ فعل مجہول کی صورت میں نائب فاعل اَلرُّسُلُ ہے۔ جاءَ۔ فعل ماضی مطلق معروف مثبت یہ جملہ جزاء اول ہے اِذَا کی هُمْ ضمیر مرفوع منفصل مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ۔ یا ظرف ہے تو دراصل تھا عِنْدَهُمْ هُمْ کا مرجع اَلرُّسُلُ ہے نَصْرُ مصدر ہے اسم جامد کے درجے میں بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے تنوین سے مانع اضافت ہے نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مضاف الیہ فَنُجِّیَ ف تعقیبیہ جزائیہ اگلا جملہ جزاءِ دوم ہے۔ نُجِّیَ کی تین قرأتیں ۱۔ نُجِّیَ فعل ماضی مجہول باب تفعیل صیغہ واحد غائب نَجْيٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی نجات پانا۔ دینا۔ یہاں دونوں معنیٰ مناسب ہیں قرأت راجح ہے ۲۔ نُنْجِیْ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم دراصل تھا نُنْجِیْ باب افعال۔ نونِ ثانی کو جیم سے بدل کر دونوں جیم کا ادغام کیا یٰ کو بوجہ ثقل ساکن کر دیا۔ ۳۔ نُجِّیْ بغیر تعلیل اصل حالت میں۔ ان دو قرأتوں میں یہ عبارت جزا نہیں بلکہ علیحدہ جملہ ہے مَنْ اسم موصول نائب فاعل پہلی قرأت میں اور مفعول بہ ہے دوسری دو میں۔ نَشَآءُ۔ فعل مضارع جمع متکلم بمعنیٰ حال یا بمعنیٰ ماضی۔ دوسرا جملہ یا ماتحتہ۔ لَا یُرَدُّ فعل مضارع مجہول بمعنیٰ حال باب تفعیل صیغہ واحد غائب رَدٌّ مضاعف ثلاثی سے ہے بمعنی لوٹانا یا لوٹنا۔ یہاں دوسرے معنیٰ سے متعدی ہے بَاْسُ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ مجرور بَاْسُ بحالتِ رفع نائب فاعل ہے۔ عن جارہ مجاوزاتِ زوالیہ کے لیے اَلْقَوْم۔ الف لام عہدی قوم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل بحالتِ جر موصوف ہے لفظی واحد معنوی جمع ہے اَلْمُجْرِمِیْنَ الف لام عہدی اسم فاعل جمع مذکر ہے مُجْرِمٌ کا باب افعال سے ہے صفت ہے۔ جُرْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دینی یا دنیوی لحاظ سے ناجائز کام کرنا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَیَنْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ اور اے پیارے نبی ہم نے آپ سے پہلے اپنے راستے پر بھیجنے والے جتنے بھی انبیاء کرام مبعوث فرمائے وہ سب نہایت شکیل وجیہہ خوبصورت خوب سیرت اعلیٰ شان و قوت والے مرد ہی ہوئے از حضرتِ آدم تا حضرتِ عیسٰی علیہم السّلام سب رسولانِ کرام مرد ہی تشریف لائے نہ کوئی فرشتہ نبی ہوا نہ جن نہ عورت یہ کفار بدنصیب آپ جیسے نبی سید المرسلین کو چھوڑ کر مطالبہ کر رہے ہیں کہ کوئی فرشتہ نبی بن کر آئے۔ اے نادانو فرشتوں میں وہ خوبیاں کہاں جو ہمارے اولو العزم رسولوں میں ہیں۔ ہمارے انبیاء معدنِ علم ہیں۔ جندُ الرحمٰن ہیں۔ کنزُ الایمان ہیں۔ خلیق زمان۔ شفیق مرفات۔ مخزنِ غفران ہیں محبت و شفقت بھرے ہوئے۔ صابر۔ حلیم و حوصلہ مند۔ یہ ان ہی کی حلیمی ہے کہ تم لوگ گستاخی سرکشی کے باوجود

زندہ بجتے چلے آرہے ہو بھلا کوئی فرشتہ تمہاری ذرا سی بیہودگی کب برداشت کرسکتا ہے آج تو نادان بچوں کی طرح ضد اور ہٹ دھرمی سے فرشتوں کا مطالبہ کر رہے مگر سمجھ لو کہ آگ سے کھیلنے والا معاملہ ہے۔ پھر چیخو گے کہ بانے عزرائیل کو کیوں نبی بنا دیا ارسے وہ مار ڈالا۔ یہ ہماری کریمی ہے کہ اپنی ساری وحی پیغام ان بیلے باہمت مردوں کی ہی طرف بھیجی۔ فرشتوں میں یہ ہمت کہاں۔ ہماری وحی قرآن تو اگر پہاڑوں پر اترتا تو وہ بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا مرد بھی گاؤں کے نہیں جو ماحول کی بنا پر سخت مزاج ہوتے ہیں موٹی عقل والے کم فہم۔ بلکہ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى۔ شہروں کے انتہائی صاف ستھرے ماحول والے۔ خیال رہے کہ کوئی نبی گاؤں کے وطنی نہ ہوئے۔ علماء کرام فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مردوں میں چار خصوصیات وہ پیدا فرمائی ہیں جو نہ فرشتوں میں ہیں نہ جنات میں نہ عورتوں میں۔

ما۔ جسمانی بناوٹ۔ مرد اگر زیادہ سونے زیادہ کھانے اور اسلامی عبادات و ریاضات سے غافل ہو کر اپنے جسم کو مختصرتہ بنا دے یا پیدائش والدین کی غفلت یا بیماری کی وجہ سے پیدائشی کمزور نہ ہو تو مردانہ جسم ایسا حسین خوبصورت ہوتا ہے کہ جانور تو در کنار انسان بھی مرعوب ہو جاتے ہیں۔ پھر جب اس پر ایمانی حیاداری کی زینت بھی ہمراہ ہو تو کمال پر پہنچ جاتا ہے۔ یہ جسمانی ساخت نہ فرشتوں کو ملی نہ جنات کو وہ تو خیر اجسام لطیف ہیں۔ عورت کی بھی یہ کیفیت نہیں ملی عورت کتنی ہی طاقتور یا خوبصورت سڈول جسم والی ہو اس کو دیکھ کر شہوت تو آسکتی ہے مگر ہیبت نہیں آسکتی۔

ما۔ قوت۔ مرد کی اصل قوت کے برابر جس کو قلبی اور نفسیاتی طاقت و جرأت کہا جاتا ہے وہ مرد کی خصوصیات سے ہے اس پر روحانی طاقت کا ملاپ اور بھی شان والا ہے۔ ما۳ رب تعالیٰ نے مرد کی دماغی بناوٹ کچھ اس انداز سے خلقت فرمائی ہے کہ ہر جسم کے کروڑہا علوم اس ذرا سی ڈبیہ میں سما جاتے ہیں یہ جوہر دماغی نہ فرشتوں کے پاس ہے نہ جنات کے پاس نہ مستورات کے پاس۔ اسی کا حضرت آدم سے مظاہرہ کرایا گیا ورنہ یہ بات نہ تھی کہ رب نے نہ سکھایا بلکہ حقیقت یہ تھی کہ فرشتوں کے پاس علم پڑھنے سیکھنے کا جوہر ہی نہیں پیدا کیا گیا۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جن کی بنا پر صرف مرد ہی کو تاج نبوت عطا کیا گیا۔ عورت کتنی ہی عابدہ زاہدہ ہو اس کی انتہائی ترقی و مدارج صدیقیت تک ہو سکتی ہے جیسے صدیقہ آسیہ۔ صدیقہ مریم۔ صدیقہ خدیجہ کبریٰ۔ صدیقہ عائشہ۔ صدیقہ فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اور اگر کسی فرشتے کو نبی بنایا جاتا تو وہ بھی انسانی مردی شکل میں ہی آتا اور بات وہی ہوتی۔ اس لیے کہ نبی کے ذمے جو قانون پہنچانا ہوتا ہے وہ زندگی کا پورا نقشہ اور شعبہ زندگی کا مکمل خاکہ پیش کرتا ہے جو صرف قولاً نہیں عملاً بھی سمجھانا پڑتا ہے۔ ملائکہ اور جنات حیاتِ انسانی کا پورا عملی مظاہرہ نہیں کر سکتے اور عورت اپنی پردہ نشینی۔ کمزوری جسمانی بناوٹ کی بنا پر نبوت کا ایک سبق بھی نہیں پڑھا سکتی۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے اپنی عظیم ذمے داری اٹھانے سنبھالنے۔ کائنات کو سکھانے کے لیے مردوں کو ہی نبی رسول بنایا یہ اس کی عین حکمت ہے۔ مرد ہی کائنات کے ہر میدان میں سینہ سپر ہوتا رہا ہے۔ خصوصیت ما۴ لطیفہ۔ کسی نے پوچھا کہ بتاؤ وہ کونسا جانور ہے جس کو خشکی کا بھی کہا جاتا ہے

پانی کا بھی فضائی بھی۔ ہوائی بھی ناری بھی آبی بھی۔ آسمانی بھی زمینی بھی۔ برفانی بھی۔ ریگستانی بھی۔ جنگلی بھی۔ آبادی بھی۔ گوشت خور بھی۔ گھاس خور بھی۔ پرندہ بھی۔ چرندہ بھی۔ درندہ بھی۔ لوگ حیران ہوئے تو خود ہی فرمایا کہ وہ مردہ ہے دیکھ تو تاریخ میں مردہ کے تمام روپ ملتے ہیں۔ مگر جواہراتِ مردی ایمان کے پانی سے پھلتے پھولتے ہیں کافر کے پاس یہ قیمتی کہاں اس لیے اُن کو مومن بنانے پر زور دیا جاتا ہے انبیاء بھیجے جاتے ہیں۔ اگر یہ مومن بن جائے تو یہی دنیا کا رومی و غزالی و رازی ہے اور یہی دین کا غوث و قطب و ابدال ہے۔ لیکن اگر کفر کی گندگی میں پڑا ہو تو ظاہری آنکھوں دل دماغ سے بھی اندھا ہو کر رہ جاتا ہے کہ نہ عبرت پکڑتا ہے نہ غور و فکر۔ حالانکہ بار بار کہا جاتا ہے کہ یہ نا سمجھ باہر کی دنیا کا نگاہِ عبرت سے کیوں سیر نہیں کرتے کہ دیکھیں کہ جن بدکاروں سرکشوں نے دامنِ نبوت سے منہ موڑ کر جوہرِ انسانی کو ضائع کر دیا ان کا کیا بُرا انجام ہوا۔ کہ ابدی آخرت ہی برباد ہو گئی حالانکہ آخرت کا گھر دنیا کے کھیل تماشوں سے بچنے والوں کے لیے پرہیزگاروں متقیوں کے لیے کروڑوں درجے بہتر ہے۔ مگر تم عقل سے کام نہیں لیتے یا عقل رکھتے ہی نہیں۔ کہ ان باتوں کو سمجھو۔ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْــٴَسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔ ہمارے ان انبیاء کرام نے ان مشرکین کو ایک دو سال ہی نہیں بلکہ سالہا سال سمجھایا سکھایا بتایا سنایا اور دین و توحیدِ الٰہی کا درس پڑھایا اور نہ ماننے شرک سے توبہ نہ کرنے کی صورت میں عذابِ دنیوی سے ڈرایا۔ مگر بجز چند سیدھے سادھے غریب مسکین لوگوں کے کسی نے ایمان قبول نہ کیا۔ یہاں تک کہ ایک طرف تو انبیاء کرام کافروں کی قبولیتِ حق و صداقت سے اور ایمان لانے سے مایوس ہو گئے اور دوسری طرف کافروں نے یہ یقین کر لیا بلکہ عَلَى الْاِعْلَان کہنا شروع کر دیا کہ کوئی عذاب وغیرہ نہیں آئے گا خواہ مخواہ انبیاء نے معاذ اللہ جھوٹ بول بول کر ہمارے دم خشک کئے ہوئے تھے اور ہم جھوٹے فریب دیئے گئے ہیں کہ اچانک ہماری نصرت جو انبیاء کے لیے رحمت و مدد تھی اور کفار کے لیے عذاب تھی۔ ان سب کے پاس آ گئی۔ اتنا تیز آنًا فانًا عذاب آیا کہ کوئی بچ نہ سکا۔ ہاں ہم نے جس کو چاہا پسند کیا بچا لیا وہ کون خوش نصیب بچنے والا تھا یہی ہمارے انبیاء کرام اور ان کی جماعت تابع فرمان مومنین۔ اور سابقہ نافرمان اُمتوں کی تاریخ سے ثابت و ظاہر ہے کہ کبھی بھی ہمارا عذاب مجرم قوم سے نہ پھیرا گیا۔ تو اے مکے والو تم پر بھی اگر ایسا ہوا تو عذاب نہ ٹلے گا خواہ وہ کسی شکل میں آئے۔ آسمانی ہو یا زمینی۔ فرشتوں کے ہاتھوں ہو یا مسلمانوں کے ہاتھوں۔ میدانِ جنگ میں ہو یا شہرِ مکہ تمہارے گھروں میں۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اسلام کے تمام ذمہ داری والے منصب اللہ تعالیٰ نے مردوں کو ہی عطا فرمائے ہیں اسی لیے نبوت امامت۔ غوثیت۔ قطبیت اور منصب قضا مردوں کو ہی ملے۔ بچے بھی مردوں میں شامل ہیں کیونکہ نبوت بچپن میں ہی ملتی ہے۔

دوسرا فائدہ۔ مرد بہر حال عورت سے اشرف ہے اگرچہ بعض عورتیں افضل ہیں مگر من حیث المجموع مرد افضل ہے کیونکہ کسی عورت کو نبوت یا کوئی اور منصب نہ ملا۔ یہ فائدہ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ آخرت کا عیش و آرام دنیا سے کہیں زیادہ ہے اور یہ متقیوں کو ضرور ملے گا۔ اگرچہ دنیا میں بھی آرام کی زندگی پائی ہو۔ اسی طرح کافر آخرت میں ضرور عذاب پائے گا اگرچہ دنیا میں بھی مصیبت میں رہا ہو۔ یہاں کی کوئی حالت وہاں بدلے میں کام نہ آئے گی۔ یہ فائدہ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ۔** مومن کے لیے دنیا جیل ہے اگرچہ اس کو دنیا میں کتنی ہی آسائش ہو اور دنیا کافر کی جنت ہے اگرچہ اس کو کتنی ہی دنیا میں تکلیف ہو۔ کیونکہ مومن کا دل ہزار عیش و آرام کے باوجود اس دنیا میں نہیں لگتا۔ گھبراتا ہے۔ کافر مسرور ہے۔ دنیا کے لیے ہزار ہا دھوکا فریب کرتا ہے تو جو مسلمان ہو کر حصول دنیا کے لیے دھوکہ فریب اور حرام تجارت اختیار کرے وہ مومن کہلانے کا حقدار نہیں۔

احکام القرآن | ان آیات کریمہ سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیا سے امید لگانا یا آس لگانا بعض موقعوں پر جائز ہے بعض پر ناجائز ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ سے ناامید ہونا حرام ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا اسْتَیْئَسَ الرُّسُلُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ عورتوں کو قاضی یا جج یا امام یا پیر مرشد بنانا حرام ہے۔ عورت کی بیعت کرنا یا فی زمانہ اس کو سربراہ مملکت کے لیے ووٹ دینا سخت ناجائز ہے۔ یہی مسئلہ نماز کی امامت کے بارے میں ہے کہ عورت مردوں کی امام تو قطعاً نہیں بن سکتی البتہ اگر عورتوں کی امام بنے تو بھی آگے نہیں کھڑی ہو سکتی بلکہ پہلی صف میں کھڑی ہو کر مقتدی عورتوں کے قدموں سے قدم جوڑ کر امامت کرا سکتی ہے۔ بشرطیکہ اس کی آواز غیر مرد نہ سنیں اور صف کے درمیان کھڑی ہو گی۔ یہ مسئلہ اِلَّا رِجَالًا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ قانون شریعت کے مطابق گاؤں میں جمعہ پڑھنا سخت ناجائز ہے اور دراصل جمعہ کی اصلیت اور وجہ قیام کے خلاف ہے اس لیے کہ جمعہ کا مقصد ہے ارد گرد کے لوگ کم از کم آٹھویں دن چھٹی کر کے ایک ایسی جگہ جمع ہو جائیں جہاں وہ علم و عرفان دین و ایمان نماز روزے کے بڑے چھوٹے مسائل سن سکیں۔ اور ایسے شخص کے پاس جمع ہوں جو یہ سب باتیں جانتا ہو۔ گاؤں میں یہ چیز حاصل نہیں ہو سکتی نہ کبھی ہوئی ہے۔ باری تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو بھی گاؤں میں نہ رکھا تو گاؤں کی طرف کسی کو بلانے کا مقصد کیا ہے۔ لہٰذا اقتضاءً گاؤں میں جمعہ قائم کرنا مصلحت جمعہ اور حکمت باری تعالیٰ کے خلاف ہے یہی امام اعظم کا مسلک ہے۔ یہ مسئلہ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی سے مستنبط ہوا۔ جمعہ کا پورا بیان ہمارے فتاوے اول میں مطالعہ فرماؤ۔

اعتراضات | یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں مِنْ اَهْلِ الْقُرٰى سے ثابت ہو رہا ہے کہ کوئی نبی گاؤں یا چھوٹی بستی میں مبعوث نہ ہوا مگر پیغمبر پاک نے گاؤں کی رہائش اختیار کی لیکن اسی سورت کی ابھی پہلی چند آیت میں حضرت یوسف علیہ السلام نے والد محترم کی مصر تشریف آوری پر والد اور بھائیوں سے کہا کہ شکر ہے مولیٰ تعالیٰ کا کہ اُس نے آپ لوگوں کو گاؤں سے شہر داخل کیا۔ نیز حضرت یعقوب اس سے پہلے واقعی گاؤں ہی میں رہتے تھے۔ تو یہ تعارض کیسا ہے۔

جواب۔ یہ بالکل درست ہے کہ واقعی کوئی نبی کسی گاؤں کا رہائشی نہیں ہوا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ حضرت یعقوب کنعان سے باہر ایک چھوٹی سی بستی میں صرف عارضی طور پر جانوروں کی دیکھ بھال کے لیے تشریف رکھتے تھے غیر مستقل مگر آپ کی اصل رہائش وطن۔ اور آپ کا قانون کنعان کے علاقے کے تمام شہروں میں جاری تھا۔ اور آپ کی بعثت فلسطین میں ہوئی تھی **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ یعنی ہم صرف مردوں کو وحی کرتے رہے۔ لیکن سورت قصص آیت ۷ میں اشارہ ہے وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى (الخ) اور سورت انفال آیت ۱۲ میں ہے۔ يُوْحِيْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ - یعنی ہم نے والدۂ موسیٰ علیہ السلام کو وحی کی اور فرشتوں کو وحی کی جس سے ثابت ہوا کہ عورت بھی نبی ہو سکتی ہے اور فرشتے بھی۔ **جواب**۔ معترض نے سورتِ یوسف کی اس آیت ۱۰۹ پر غور نہیں کیا۔ یہاں دو لفظ ہیں وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رِجَالًا - اور نُوْحِيْٓ۔ یعنی ہم نے صرف مردوں کو رسول بنا کر بھیجا اور ہم ان کو وحی کرتے رہے۔ یہاں مقصود اَرْسَلْنَا اور رِجَالًا کی وضاحت ہے نہ کہ نُوْحِيْ کی۔ اس حصر سے ثابت ہو گیا کہ رسول صرف مرد ہی ہوئے نہ عورت نہ فرشتہ نہ جن۔ رہا وحی تو اس کا لغوی معنیٰ ہے پیغام۔ جب اُس کی نسبت انبیا کی جانب ہو گی تو معنیٰ ہو گا قانونی پیغام۔ نزول کتاب و صحیفہ۔ اور جب اس کی نسبت غیر انبیا کی طرف ہو گی تو معنیٰ ہو گا الہام اور غیر قانونی دین کے علاوہ پیغام۔ کوئی بات۔ جیسے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ سورت نحل ۶۸۔ آپ کے رب نے شہد کی مکھی کو وحی بھیجی تو یہ مطلب نہیں کہ مکھی معاذ اللہ نبی بن گئی۔ یہ باریکی اور لغوی ترجمہ صرف ذہن نشین رکھنا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ یہ عالمِ فنا کچھ ساعتوں کے لیے گزرگاہ منزلِ بقا ہے یہاں سے سب کو گزرنا ہے مگر ہماری امانت وحی پیغام بہتری معدنیاتِ ازلی کو اٹھانے والے ہمیشہ میدانِ تجلیات کے برداشت کرنے والے کمزوروں ضعیفوں ریکسو لابے سہاروں کو صحراءِ نفسیات سے گزارنے والے مردانِ دلیر ہی ہوتے اور بھیجے جاتے رہے جو تنہائیوں کے گاؤں والے بدوی۔ اور کج خلق نہیں بلکہ شہرِ وفاؤ مروت۔ قربِ محبوبیت و حلیمی کے وارث ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ مردانِ خداداد ہیں جن کا قلب مثل یوسف حسین ہے اور عقل مثل

یعقوب ہے اور ظاہری حواسِ خمسہ و باطنی جواہر خمسہ مثل ستاروں کے کنعانِ عشق کی خوابِ فراق میں چمکنے والے۔ جن کی قوتِ عمل مثل بنیامین طعنِ اغیار برداشت کرنے والی ہو جن کا نفسِ لوامہ مثل راحیل مزارِ ملم کے حجاب میں رہ کر خواہشات کے بُت تڑوانے والا ہو۔ اور جن کا نفسِ امارہ مثل لیاؔ عشقِ قلبی کے سامنے عاجزی سے سجدہ ریز ہو۔ جو طبیعت کے کوئیں میں گرا ہو اور ملائکہ کا زیارت گاہ بنا ہو۔ جنہوں نے نورِ فطری کی قمیص پہنی ہو جن کی خواہشات جذبہ کو خوفِ الٰہی کے بھیڑئے نے کھالیا ہو اور جن کے دامنِ صداقت پر معاصی کا خون ہو گیا ہو۔ مردانِ الٰہیہ وہ ہیں جن کی نگاہیں اغیار کو دیکھنے سے اندھی ہو چکی ہوں جنہوں نے اپنی حیثیت کو کھوٹے داموں فروخت کر دیا ہو۔ جن کے اعمال کا خریدار مصرِ لامکانی کا عزیزِ الخلائق ہو۔ جس کی قوتِ فکر کی زلیخا کا دامنِ شہوت ابھی تک پاک ہو۔ جن کے لباسِ فخر و غرور کا دامن پیچھے سے پھٹ چکا ہو اور اعمالِ صالحہ کا دامن محفوظ ہو۔ نہ پھٹ سکے۔ جن کی عفت کی گواہی عقلِ رحمانی ہوا کرے جن کے دروازۂ استقبال پر روحِ یزدانی کا وجود ہو جو خلوتِ ریاضت کی جیل میں رہنا پسند کریں۔ جو الفتِ روحانی کے ساتھیوں میں نہ ہو۔ جن کو عالمِ جبروت کی شرابِ عشق اور عالمِ ناسوت کی لذاتِ طعام کی تعبیریں یاد ہوں۔ جن کو لذتِ وصل کے بلاوے آئیں جن کے ادراک کی ساتوں قوتیں نفس کی ساتوں قوتوں پر غلبہ پالیں۔ جو خزانۂ عشقِ الٰہی کے سچے حفیظ و علیم ہوں جن کو انوارِ ذات کا تاج پہنا کر معرفت کے دربار میں عزت کے تخت پر بٹھایا گیا ہو جن کو اغیار کبھی پہچان نہ سکیں جن کی معرفت کے لیے نگاہ سوز چاہیے۔ یہی ہماری راہ کے مرد ہیں جن کو ہم نے بھیجا ہے اے غافلو دنیاءِ کثیف کے گہواروں میں سونے والو اٹھو جاگو اور ہماری زمینِ امتحان کی سیر کرو۔ میدانِ عبرت میں ذرا گھومو پھرو اور غور کرو کہ اغیار کا آخری انجام کیا ہوا۔ آخرت کی منزل تو اُن کے لیے اچھی اور مفید ہے جنہوں نے صرف ہمارے لیے دونوں جہان سے پرہیز کر لیا۔ کیا تم کو عقل نہیں کہ اُلفتِ اغیار کے فتنے کر سمجھ کو شاہی پیمانے کے راز کو پا سکو۔ اور لذتِ جورِ عشق جان سکو۔ حَتّٰۤى اِذَا اسْتَایْـَٔسَ الرُّسُلُ وَ ظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّیَ مَنْ نَّشَآءُ وَ لَا یُرَدُّ بَاْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ اہلِ خلق خالق سے مایوس ہوتے ہیں مگر اہلِ سعادت مخلوق سے مایوس ہیں۔ خالق تعالیٰ سے مایوس ہونا عینِ کفر ہے اور مخلوق سے مایوس ہونا عینِ ایمان ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اللہ کے بندوں سے مایوس ہونا اللہ ہی سے مایوس ہونا اللہ ہی سے مایوسی ہے اللہ کے بندے اولیاءِ کاملین ہیں۔ ان کی عطا سے مایوسی شرک ہے۔ رب تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تک کسی کے دل میں انبیاءِ کرام کی عظمت قائم ہے اُس پر کسی قسم کا عذاب نہیں آسکتا اُس کے ٹوٹے پھوٹے الفاظ و دعائیں ہم کو پسند ہیں جب کوئی بدنصیب بارگاہِ نبوت سے دُرکارہ جائے اور نبی رحیم اُس کی بدخصلتی سے مایوس ہو جائیں۔ اور گستاخانِ بارگاہ اپنی گستاخی میں حد سے گذر جائیں۔ یہاں تک کہ دامنِ نبوت کو جھوٹ سے گندہ سمجھنے لگیں یا نبی کے لیے جھوٹی بات ممکن مان لیں تب عظمتِ شانِ نبوت بچانے کے لیے ہماری مدد پہنچ جاتی ہے۔ جو گستاخوں کو

جسمانی یا روحانی یا قلبی یا ذہنی طور پر دنیا میں ہی ہلاک کر دیتی ہے اور آخرت میں دائمی عذاب بن جاتی ہے۔ بدکاروں کی ہلاکت نیکوں کی مدد ہے ظالم کی رسوائی مظلوموں کی مدد ہے نفس امارہ کی مخالفت مومن کی مدد ہے اسی لیے عذاب الٰہی کو نصرتنا فرمایا۔ شریعت میں قدم رکھنے والے کی پکڑ اُس وقت ہوتی ہے جب زبان فاسد ہو جائے اور راہِ معرفت میں قدم رکھنے والے کی پکڑ اُس وقت ہوتی ہے جب ذہن اور گمان فاسد ہو جائے۔ اگر رب نے علماءِ کرام کا لباس عطا فرمایا ہے تو زبان کو سنبھالو بری تقریروں چھچھوری باتوں سے بچو اور اگر رب نے لباسِ صوفیا کی سعادت بخشی ہے تو دماغ اور خیالات اور تصوّرات کو پاکیزہ بنالو ورنہ جب ہمارا عذاب حرمانی اور محرومیِ انوار۔ دوری بارگاہ کا خطرناک رسوا کرنے والا عذاب آجاتا ہے تو بس وہی بچ سکتے ہیں جن کو ہم چاہیں اور ازلی بدنصیبوں جنہوں نے راہِ معرفت میں بھی مکر کے جال پھیلائے ہوئے ہیں اُن سے ہمارا عذاب بے التفاتی واپس نہیں کیا جائے گا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا و آخرت میں رب کا سب سے بڑا عذاب طالبِ معرفت کے لیے رب تعالیٰ کی بے التفاتی ہے اور سب سے بڑا انعام رب کریم کی توجہ ہے۔ کہ یہی مقصود معرفت اور عارف کی آخری منزل ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِهٰذَا

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی

البتہ بیشک ہو گئی ہیں قصوں اُن کے عبرت لیے والوں

بیشک اُن کی خبروں سے عقلمندوں کی آنکھیں کھلتی

الْاَلْبَابِ ؕ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَ لٰكِنْ تَصْدِیْقَ

عقلوں کے۔ نہیں ہے کوئی ایسی بات جو بناوٹ کی گئی ہو اور لیکن سچائی ظاہر کرنے والی

ہیں یہ کوئی بناوٹ کی بات نہیں۔ لیکن اپنے سے

الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَ تَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ

اُس کی جو درمیان ہے ہاتھوں اُن کے اور مفصل بیان ہر چیز کا

اگلے کاموں کی تصدیق ہے۔ اور ہر چیز کا مفصل بیان

وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ع

اور ہدایت اور رحمت لیے اُس قوم کے جو ایمان لاتے ہیں۔

اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت۔

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں ایک دراز قصہ بیان ہوا۔ اب اِن آیات میں اُس کے بیان کی وجہ اور مقصد کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت سے ظاہر ہوا تھا کہ یہ واقعات ساری قوموں کو سنایا گیا ہے۔ اب اِن آیات میں بتایا گیا کہ اِس سے خاطر خواہ نصیحت اور فائدہ صرف ایمان والوں کو ملتا ہے کیونکہ وہ عشق و محبتِ الٰہی والے ہیں نہ کہ شیطان پرست۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں کفار کے ایک مطالبے کو پورا کیا گیا جس کو انہوں نے اپنی کُتُب سے مطابق کر کے اندازہ لگایا تھا کہ زبانِ پاک مصطفےٰ سے کوئی لفظ یا واقعہ تاریخ غلط اور بناوٹی ثابت نہ ہو سکی ہے۔ اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ جب اُتنا پرانا اور دراز واقعہ ہمارے حبیب پاک نے اِس شان سے سنایا کہ تم کوئی بھی ذرا غلطی نہ نکال سکے تو مان لو کہ ہمارے نبی کی زبان سے اِس کے علاوہ بھی کوئی بات کلام قانون وغیرہ بناوٹ نہیں ہیں بلکہ سب کچھ ہدایت اور رحمت ہی ہے۔

تفسیر نحوی لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ۭ مَا كَانَ حَدِيْثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ لام قسمیہ۔ قَدْ کَانَ ماضی قریب کَانَ تامہ فِیْ جارہ ظرفیہ قَصَصُ جمع ہے قِصَّةٌ کی ایک قرأت میں قِصَص قِ سے ہے اِس کا مادہ قَصَصٌ ہے بمعنیٰ کاٹنا۔ بدلا لینا۔ بیان کرنا۔ مختصر حالاتِ زندگی۔ یہاں یہی معنی بنتے ہیں۔ ھِمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع انبیاء رُسُل ہے۔ عِبْرَۃٌ مصدر ہے تاء مصدریہ آخر میں ہے۔ اِسی سے ہے عُبُوْرٌ بروزنِ فُعُوْلٌ لغوی ترجمہ ہے ایک طرف سے جگہ دوسری طرف جانا یعنی عبور کرنا۔ یہاں مراد ہے معلوم سے ہٹکر مجہول کی طرف جانا۔ برائی سے ہٹکر سچائی کی طرف جانا اصطلاحی ترجمہ ہے سوچنا سمجھنا غور و فکر کرنا۔ لام جارہ نفع کا۔ اُولِی۔ یہ اسم اسماءِ فاعلیہ میں سے ہے جمع ہے اِس کا واحد کوئی نہیں ہوتا اعراب کے اعتبار اَسماءِ مکبرہ میں سے ہے بحالتِ رفع اُولُوا ہوتا ہے اور بحالتِ زبر یا زیر اُولِی ہوتا ہے یہاں زیر کی حالت میں ہے لام جارہ کی وجہ سے۔ ہمیشہ اضافت سے ہوتا ہے۔ بعض نے کہا اس کا واحد ذُو ہے۔ مگر خلافِ عقل ہے کیونکہ ذُو کی جمع ذَوُو ہے ہاں اس کے واحد کی جگہ استعمال ہو جاتا ہے۔ یہ مضاف ہے اِس کا مضاف الیہ اَلْبَاب ہے۔

جمع ہے لُبٌّ کی لغوی ترجمہ ہے ۔ ۱ خالص ۲ یا جوہر ۔ (یعنی عرق) ۳ نتھری ہوئی چیز ۔ دل کے ساتھ ایک سفید چربی کی بوٹی ہوتی ہے اس کو بھی لُباب کہدیا جاتا ہے پگھلتی نہیں ہے ۔ اصطلاح میں خالص اور پاکیزہ عقل کو الباب اور لُبٌّ کہا جاتا ہے ۔ وہی یہاں مراد ہے یعنی وہ عقل جس میں شر کی گندگی بالکل نہ ہو ۔ عقل اور لُب میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ۔ مَا كَانَ ۔ فعل ماضی مطلق ماضی منفی ناقصہ ہے هُوَ ضمیر پوشیدہ اسم كَانَ ہے اس کا مرجع قصص ہے حَدِيثًا واحد ہے اس کا جمع ہے اَحَادِيث حَدَثٌ سے مشتق ہے بمعنی نیا ہونا ۔ انوکھا ہونا ۔ بیان ہونا ظاہر ہونا ۔ مشہور ہونا بات ہونا ۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں بحالت نصب ہے کیونکہ خبر كَانَ ہے موصوف ہے اگلی عبارت صفت ہے ۔ يُفْتَرٰى فعل مضارع مجہول صیغہ واحد غائب باب افتعال ہے اس کا مادہ فَرْيٌ ناقص یائی ہے بمعنیٰ جھوٹ بنانا ۔ پھاڑنا ۔ بہتان باندھنا ۔ عجیب کام کرنا ۔ پانی کا چشمہ پھوٹنا ۔ گھبرانا ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہے ۔ وَ عاطفہ لٰكِنْ حرف عطف نہیں جیسا کہ بعض نادانوں نے کہا بلکہ مشبہ بالفعل ہے دراصل تھا لٰكِنَّ اگر عاطفہ ہوتا تو پہلے واؤ عاطفہ نہ ہوتی دو حرف عطف یکجا نہیں ہوتے ۔ یہ لٰكِنَّ حرف تشبیہ اِنَّ وَاَنَّ کی طرح مخفف بھی ہوتا ہے مگر اِنَّ ۔ اَنَّ تو بالاتفاق عامل رہتے ہیں ۔ لٰكِنْ مخففہ میں نحات کا اختلاف ہے مولانا جامی عمل کے خلاف ہیں مگر اخفش اس کے خلاف ہیں ۔ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی اور مفتی امین الدین بدایونی فرماتے تھے کہ لٰكِنْ بھی مثل اِنَّ ہر طرح عمل کرتا ہے ۔ مگر میں کہتا ہوں کہ لٰكِنْ کے بارے میں تمام قول درست ہیں کیونکہ لٰكِنْ کبھی غیر عاملہ ہوتا ہے ۔ جیسے ۔ وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ (الخ) اور کبھی عاملہ جیسے یہاں ۔ لٰكِنْ کیسا بھی ہو مخففہ یا مشددہ استدراک کے لیے آتا ہے ۔ یعنی دو غیر کلاموں کے درمیان ۔ منفی ۔ مثبت کے بیچ میں اور جو وہم یا اندیشہ پہلے کلام سے ہو سکتا ہو اس کو دور کرنے کے لیے آتا ہے ۔ اسی کو استدراک کہتے ہیں ۔ تَصْدِيْقَ ۔ باب تفعیل کا مصدر ہے ۔ متعدی ہے یعنی سچا کرنا یا سچا کہنا ۔ صِدْقٌ سے مشتق ہے بحالت زبر ہے یہ سب عبارت اپنے عطفوں سے مل کر ۔ رَحْمَةً تک اسم ہے لٰكِنْ کا ۔ اس سے اگلی عبارت خبر لٰكِنْ ہے ۔ تصدیق مضاف ہے ۔ اَلَّذِيْ اسم موصول واحد مذکر اس کا مضاف الیہ ہے بَيْنَ اسم ظرف مکانی بمعنیٰ درمیان مضاف ہے اس لیے منصوب ہے کہ ظرف ہے پوشیدہ فعل ثَبَتَ کا یا پوشیدہ مَوْجُوْد کا يَدَيْ تثنیہ ہے بحالت جر کیونکہ مضاف الیہ ہے ماقبل کا اور مضاف ما بعد کا اس لیے نون تثنیہ گرگئی ہ ضمیر مجرور متصل کا مرجع یا تو خود حدیث ہے یا اگلے مجرم لوگ توریت و انجیل والے ۔ اعلٰحضرت کا زرین ترجمہ اسی طرف راغب یا موجودہ یہود و نصاریٰ ہمارا ترجمہ اسی طرف گیا ہے ۔ بہرحال سب مناسب ہیں ۔ وملاتیبل یہ تفعیل کا مصدر ہے ۔ فَصْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کسی اجمال کو کھول کر پورا بیان کرنا ۔ فَصْلٌ بمعنیٰ جدا کرنا اس کو تفعیل میں لاکر بیان کے معنیٰ پیدا ہوئے بحالت زبر ہے کیونکہ عطف ہے تصدیق پر تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے ۔ كُلِّ تاکید معنوی کے آٹھ اسموں میں سے ایک اسم ہے بحالت کسرہ

ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اور تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے تا بعد کاشیئ مجرور ہے مضاف الیہ ہے کل کا شیئ مصدر بمعنیٰ اسم مفعول ہے یعنی چاہی ہوئی وَ عاطفہ۔ ھُدًی۔ مصدر ہے بمعنیٰ اِھتدا ہدایت دینا یا اسم فاعل مُھتدی یا ہادی کے معنیٰ میں یہ مصدر ثلاثی کم ہے مگر اسکے وزن پر کم مصدر ہوتے ہیں صرف چند ہی مشہور ہیں مثلاً تُقیٰ۔ نُقیٰ۔ بُکیٰ۔ وغیرہ لفظ ھُدیٰ قرآن مجید میں تقریباً چالیس جگہ آیا ہے اس کا مادہ ھَدْیٌ ہے بمعنیٰ روشن وقت یا جگہ۔ راستہ دکھانا۔ منزل تک پہنچانا۔ یہاں مراد آخری دو معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ وَ عاطفہ۔ رَحْمَۃً معطوف ہے۔ یہ سب عبارت معطوف علیہ و معطوف اسم لکن ہے۔ لِقَوْمٍ۔ لام جارہ قَوْمٍ مجرور ہے ماقبل کی وجہ سے اک موصوف مابعد یُؤْمِنُوْنَ کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب کا۔ اَمْنٌ سے بنا ہے باب افعال سے ہے یہ صفت اور جار مجرور متعلق ہیں پوشیدہ اسم مفعول مُفِیْدَۃٌ کے۔ پھر یہ جملہ اسمیہ خبر ہے لکنْ کی جن بزرگوں نے لکن کو لغو مانا ہے وہ اس سب عبارت کو حدیثاً پر عطف کرتے ہیں۔ مگر یہ تکلفات ہیں۔ الحمد للہ کہ آج مورخہ گیارہ ربیع الثانی بروز اتوار ۱۴۰۴ھ مطابق پندرہ جنوری ۱۹۸۴ء دن کے بارہ بج کر تیرہ منٹ اہم سیکنڈ پر تفسیر نحوی یوسف علیہ السلام کی سورت کا مکمل ہوا۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی لکھنے کی توفیق عطا فرمائے امین بجاہ حبیبہ الکریم الامین حال بریڈ فورڈ انگلینڈ۔

تفسیر عالمانہ

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ـ البتہ بیشک یوسف اور ان کے بھائیوں اور ماں باپ کے ان حالات زندگی میں۔ یا انبیاء کرام کے اپنے اپنے دور کے واقعات میں۔ تبلیغ و ارشاد و معانی اور پکڑ عذاب و نجات میں۔ یا کفار اور سرکش ظالموں کے انجام میں۔ یا نیکوں کی نیکیوں اور بدوں کی بدیوں کی جزا و سزا کے ان قصوں میں جو قرآن مجید میں بیان فرمائے گئے عبرت ہے۔ تفکر ہے تدبر۔ غور و تحمل ہے۔ سوچ بچار ہے۔ عبرت کا معنیٰ ہے۔ ماضی یا حال کے معلوماتی موجودہ حالات و کیفیات کو دیکھ سُن کر مستقبل کے غیر موجود انجام۔ مجہول نتیجہ کے متعلق کے لیے غور فکر کرنا تاکہ برے کام سے بچا جائے اور ماضی و حال کے اچھے کام اور اُس کے ظاہر شدہ نتیجہ کو کیا جائے اور اچھے نتیجہ کی خواہش کی جائے تاریخوں سے ثابت ہے کہ حضرت یوسف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فاصلہ زمانی پچیس ۲۵ سو سال ہے۔ واللہ اعلم بالصواب تفسیر کبیر نے فرمایا کہ واقعات یوسف میں چار طرح عبرت ہے۔ ایک یہ کہ یوسف علیہ السلام کے ساتھ لوگوں نے چار طرح سلوک کئے لیکن رب تعالیٰ نے چار موقعوں پر حفاظت فرمائی۔

۱ پہلے یہ کہ بھائیوں نے کوئیں میں ڈالا مگر رب تعالیٰ نے باصحت نکالا ۲ پھر لوگوں نے غلام بنا کر بیچا مگر رب کریم نے شان یوسف کو بلند فرمایا ۳ پھر اہل مصر نے قید میں ڈالا مگر رب جلیل نے تختِ شاہی تک پہنچایا۔ ۴ پھر جن جن لوگوں نے آپ کو غلام بنایا یا سمجھا تھا۔ رب تعالیٰ نے خود اُن کی زبانوں کہلوایا اسے یوسف

صدیق گندم کے بدلے ہم کو خرید لوگے عبرت یہ ہے کہ جو رب تعالیٰ ان مشکلات میں نیکوں کو عزت بروں کو ذلت دے سکتا ہے وہ اب بھی اور تاقیامت بھی اپنی مخلوق سے اسی عادلانہ کریمانہ سلوک پر قادر ہے۔ لہٰذا اے عقل خالص والو نیک بنو۔ بدنہ بنو۔ عادل بنو ظالم نہ بنو دوسری یہ کہ اس سورت میں وہ خبریں بیان کی گئی ہیں جن کو مکے میں کوئی نہیں جانتا تھا۔ واقعاتِ یوسف سے سب بے خبر تھے۔ ایسے ماحول میں۔ اسی شہر کے رہنے والے ایک اُمی شخص کا نہایت فصیح و بلیغ انداز میں سیکڑوں سالہ پرانا واقعہ بالتفصیل سنا دینا۔ اور غیب کی پوری پوری من وعن خبریں بتا دینا ایک معجزے سے کم نہیں۔ لہٰذا اے خرد والو عبرت لو سوچو فکر کرو اور اُس کی نبوت پر ایمان لا کر اللہ کے پیارے غلاموں کے تابع۔ اور آخرت کے نیارے مسلمانوں کے دلارے بن جاؤ۔ تیسری یہ کہ۔ اس سورت کے ابتدا میں فرمایا گیا ہے۔ اَحْسَنَ الْقَصَصِ اور آخر میں فرمایا گیا کہ ان قصوں میں عقلِ خالص والوں کے لیے عبرت ہے۔ اور درمیان کلام میں معرفت۔ قدرت۔ شریعت و طریقت کا سدا بہار گلدستہ کھلا دیا۔ یہ اس بات کے ثبوت کے لیے کافی عبرت ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام اور نبی پاک کا معجزہ تسلیم کر لیا جائے۔ چوتھی یہ کہ دنیوی مصیبتوں سے اللہ کے پیارے بندے نہیں گھبراتے نہ اُن کے ایمانی قدموں میں لغزش آتی ہے سچے جھوٹے۔ نیک و بد کی پرکھ مصائب سے ہی ہوتی ہے۔ لہٰذا اے عقل والو سوچو کہیں دنیا کے چکر میں تمہاری پرکھ آزمائش اور امتحان تو نہیں ہو رہا ہے شکوے شکایت کی عادت چھوڑ کر نیک بنو اور اُس اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ کے امتحان میں پورے کامیاب ہونے کی کوشش و ہمت کرو۔ کیونکہ سورت کا یہ واقعہ عقلِ خالص والوں کے لیے ہی عبرت ہے اس لیے کہ مَا كَانَ حَدِيثًا يُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُونَ۔ یہ باتیں بناوٹی یعنی قرآن مجید کوئی مصنوعی کلام نہیں اس کے ان قصوں کی سچائی تسلیم کرنے پر تو یہودی جیسے سخت متعصب کافر بھی مجبور ہیں کیونکہ ان کی توریت میں بھی یہ واقعہ اسی طرح لکھا ہوا ہے۔ اور اسی امتحان کی غرض سے یہ قصۂ یوسف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا جو بعینہٖ بلکہ توریت سے بھی زیادہ اہمیت سے فرمایا گیا گویا یہ قصہ بیان کرنا تصدیق ہے اس کتاب کی جو اُن یہودیوں کے پاس ہے۔ یعنی توریت اور صحفِ موسیٰ علیہ السلام۔ بلکہ اُس سے زیادہ اس واقعے کی ہر چیز ہر پہلو ہر سرگزشت کی جامع تفصیل ہے۔ جب ایک واقعے کو ان سب کفار نے تسلیم کر لیا تو باقی قرآن پاک کے ماننے میں کون مانع ہے زبانیں اگرچہ نہیں مانتیں مگر دل گواہی دیتے ہیں کہ یہی قرآن کریم ہدایت ہے ساری کائنات کے لیے اور رحمت ہے اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لائیں گے یا لا آئے ہیں یا لا چکے۔ ان آیات میں رب تعالیٰ نے پانچ صفات بیان فرمائیں ایک یہ کہ یہ قصہ عبرت ہے دوم یہ کہ عبرت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ خدا کا کلام ہے افتریٰ نہیں سوم۔ افتریٰ نہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا حالانکہ نہ انہوں نے خود کسی کتاب سے پڑھا کیونکہ اُمی ہیں نہ کسی سے سنا کیونکہ یہ واقعہ صرف توریت میں ہے اور توریت کا عالم راہب پادری

کوئی بھی مکہ تو درکنار مکہ یعنی پور۔ علاقے میں (ضلع) میں کوئی نہیں۔ نہ ہمارے نبی نے کہیں پردیس میں وقت گزارا جس سے کسی کو سننے سنانے کا شک پیدا ہو۔ چہارم یہ کہ قصہ واقعاتی اعتبار سے بالکل سچا سیدھا سادا صاف گوئی پر مبنی ہے۔ نہ لطیفہ بازی کی ملاوٹ ہے نہ افسانوی طرز کی لفاظی نہ کمی نہ زیادتی کا جھوٹ پنجم یہ کہ تفصیل توریت سے بھی زیادہ ہے اس طرح کہ والدین کا بھی ذکر ہے اور اُن کی شان وعظمت کا بھی۔ ان صفات نے سارے قرآن کو کلامِ الٰہی ثابت کر دیا کہ وہی ہے جو دنیا میں ہدایت ہے اور آخرت میں رحمۃ۔ ہاں البتہ ہدایتِ نافعہ اور رحمتِ کاملہ صرف مومن مسلمان کے لیے ہے کیونکہ وہی قوم اولوالالباب اور فائدہ حاصل کرنے والا ہے۔ اگرچہ ہدایت دعوت سب کے لیے ہے۔ (خازن۔ بیضاوی۔ کبیر۔ معانی۔ بیان۔ صاوی)

فائدے

اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ نیک لوگوں کے واقعات بھی سرچشمۂ ہدایت اور ذریعہ رحمۃ الٰہیہ ہیں۔ اُن واقعات کو سن کر بھی دل میں تقوے کی دولت، اطمینان وسکون کی نعمت مل جاتی ہے۔ جس کے ذکر کی یہ شان ہے اُس کی ذات کی شان کیا ہوگی۔ اور جب قصۂ یوسف علیہ السّلام کا یہ فائدہ اور کمال ہے تو ذکرِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی رفعتِ شان کیسی کمال والی ہوگی۔ **دوسرا فائدہ** ۔ قرآنِ مجید سے ساری کائنات کو فائدہ اولین کو بھی آخرین کو بھی۔ انبیاء اولین کو یہ فائدہ ہوا کہ اُن کی تصدیق اِس قرآن سے ہوئی تاقیامت۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فائدہ کہ ماکان وما یکون کا کلی علم غیب اِسی کے ذریعے آپ کو حاصل ہوا۔ اُمت کو یہ فائدہ ہوا کہ ہدایت ورحمت نصیب ہوئی۔ کفار کو یہ فائدہ ہوا کہ مرنے تک ڈھیل مل گئی۔ عذاب سے تباہی نہ ہوئی۔ **تیسرا فائدہ** ۔ مومن خواہ بے پڑھا ہو مگر اولوالالباب میں شامل عقل والا ہے کیونکہ عبرت حاصل کر لیتا ہے مومن بننا ہی عبرت لینا ہے۔ کافر خواہ کتنا ہی پڑھا لکھا ہو بیوقوف ہے۔ کیونکہ قصص قرآنیہ سزا وجزا کے واقعات سے عبرت نہیں پکڑتا۔ اُس کی خوش عقلیاں صرف دنیا تک محدود ہیں۔ مومن کے لیے دونوں عالم روشن ہیں یہ فائدے تصدیق الّذی۔ اور اُولوالالباب ما ور هُدًى وَّرَحْمَةً سے حاصل ہوئے۔

احکام القرآن

اس آیت سے چند مسئلے مستنبط ہوئے۔

پہلا مسئلہ ۔ قرآن مجید آخری کتاب ہے اور آقائے دو عالم محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں کیونکہ یہاں صرف تصدیق کا ذکر فرمایا گیا جو آخر میں ہوتا ہے وہ پہلوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اور جس کے بعد بھی اور کوئی ہو تو اُس کی بشارت دی جاتی ہے نبی کریم نے کسی کی بشارت نہ دی۔ لہٰذا جو شخص نبی پاک کو آخری نہ مانے منکرِ قرآن اور کافر ہے۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ ہر مسلمان پر صبر شکر کرنا واجب ہے شکوہ شکایت ناجائز ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ یعنی ان قصوں میں عقل والوں کے لیے عبرت ہے مکہ میں تو عقل والے بہت تھے اسی طرح کفار میں آج کل بھی عقل والے بہت ہیں مگر نہ اُن ذی عقل اہل مکہ نے عبرت پکڑی نہ اور دوسرے ذی عقل لوگ عبرت پکڑتے ہیں۔ اس سے قرآنی خبر پر اعتراض پڑتا ہے۔ جواب۔ اس کا جواب تین طرح سے ہو سکتا ہے۔ اولاً تو اس طرح کہ اہل مکہ ذی عقل تھے مگر اولوالالباب نہیں تھے کیونکہ لُب ہر عقل کو نہیں کہا جاتا بلکہ اُس عقل سلیم کا نام لُب ہے جس کو ازل میں رب تعالیٰ نے نور معرفت سے نوازا ہو۔ اگرچہ وہ کچھ عرصہ کفر کے پردوں میں چھپا رہے آخر کار اُس کو ہدایت ملے گی۔ لُب اُس عقل کو کہتے ہیں جو خباثت شیطانیت سے بالکل پاک صاف اور خالص ہو۔ دوم جواب اس طرح ہے کہ یہ آیت جملہ خبریہ کے مشابہ تو ہے مگر حقیقتاً جملہ خبریہ نہیں انشائیہ شرطیہ ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر اُولُوالالباب یعنی اہل عقل حضرات غور و فکر کریں اور دار فنا میں دار بقا سے محبت کریں تب یہ آیات اُن کے لیے عبرت کا کافی سامان ہیں۔ جو غور و فکر نہ کرے گا اُس کے لیے نہیں۔ سوم جواب اس طرح ہے کہ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی اے عقل والو عبرت حاصل کرو۔ گویا یہ دعوت غور و تدبر ہے نہ کہ خبر۔ **دوسرا اعتراض**۔ جب یہ جملہ دعوت عامہ ہے تو صرف اُولی الالباب کو ہی کیوں دی گئی۔ اور پھر عقل والے تو سب ہی ہوتے ہیں اس دعوت کو مخصوص کیوں کر دیا گیا۔ جواب۔ یہ کوئی کھانے پینے کی دعوت نہیں تھی جس میں سب کو شامل کر لیا جاتا۔ یہ تدبر کی دعوت تھی تدبر والوں کو ہی دی جاتی تھی۔ اور پھر ہر شخص عقل والا نہیں ہوتا۔ معترض کا یہ کہنا کہ سب ہی عقل والے ہوتے ہیں یہ غلط ہے۔ حقیقت کے خلاف۔ اور پھر عبرت کے لیے صرف عقل کافی نہیں ہوتی بلکہ صاحب لُب ہونا شرط ہے۔ اِن وجوہ سے دعوت کو مخصوص کر دیا اور پھر صاحب خرد کے عبرت پکڑنے سے ماتحت علمہ خود بخود درست ہو جاتا ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي (الخ) لفظ تصدیق کو فتحہ پڑھا گیا۔ حالانکہ اُس کو ضمہ ہونا چاہیے تھا کیونکہ لکن حرف عطف ہے۔ اور تصدیق معطوف ہے ماکان کے اسم ھُوَ ضمیر پر جس کا مرجع قرآن مجید ہے اور اسم کانَ ناقصہ مضموم ہوتا ہے لہٰذا لفظ تَصْدِيقُ کو ضمہ ہونا چاہیے اس لیے کہ معطوف حکم اور اعراب میں اپنے معطوف علیہ کے تابع ہوتا ہے۔ یہ آیت قانون نحو کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔ حدیث پر عطف ہو نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کی تو نفی ہو رہی ہے۔ جواب۔ تفسیر نحوی میں ہم نے عرض کر دیا ہے کہ یہ لٰکِن عاطفہ نہیں ہو سکتا بلکہ حرف مشبہ ہے اور اس کا تعلق ماقبل سے عطفی نہیں بلکہ استدراکی ہے۔ اور لفظ تَصْدِيقَ اِس کا اِسم ہے لہٰذا اس کا فتحہ عین درست ہے۔ جن لوگوں نے اس کو عاطفہ مانا ہے۔ وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ لٰکِن کے مابعد تصدیق کا عطف ماکان کے اسم پر نہیں بلکہ یہاں ایک اور کانَ پوشیدہ ہے اور اس کانَ فعل ناقصہ مثبت کا عطف ماقبل ماکانَ منفی پر ہے۔ اس

کَانَ پوشیدہ کا اسم بھی قرآن مجید کی ضمیر محذوف ہے۔ اور تصدیق اُس کی خبر ہے اس جواب سے بھی فتحہ ہی درست ثابت ہوا۔ بعض نحویوں نے جواب دیا ہے کہ تصدیقٌ کو ضمہ بھی درست ہے مگر وہ یہاں ھُوَ ضمیر مبتدا مرفوع منفصل پوشیدہ مانتے ہیں اور تصدیق کو اُس کی خبر مانتے ہیں۔ اُن کے نزدیک دراصل تھا۔ وَلٰکِنْ ھُوَ تَصْدِیْقُ الَّذِیْ (الخ) مگر پہلا جواب متفقاً درست ہے۔ جس کی تفصیل ہم نے نحوی تفسیر میں عرض کردی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

لَقَدْ كَانَ فِیْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ امام معرفت حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا کہ صاحب اسرار لوگ ہی اُولُوا الْاَلْبَاب ہیں۔ کیونکہ لُبّ مقام معرفت الٰہیہ سِرُّ الاَسرار ہے۔ انبیاء کرام ہی تمام اسرار و مخزن حقیقت ہیں۔ سارا عالم اُن کے در کا بھکاری ہر نعمت ربانی اِن ہی آستانوں کا لنگر ہے۔ ان کی زندگیاں عقل شریعت و طریقت کی روشنیاں ہیں اور ان کے قصے و واقعات عبرت مقام قرب ہیں صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ عبرت کے پانچ معنٰی ہیں اور پانچ ہی مقام ہیں اور پانچ ہی عبرت والے کو مدارج عرفانی حاصل ہوتے ہیں مگر اس کے لیے سات منزلیں عبور کرنی پڑتی ہیں۔ پہلا معنٰی غم زدہ ہونا دوسرا معنٰی ہے خاموشی مشاہدہ تیسرا معنٰی ہے ماضی پر آنسو بہانا چوتھا معنٰی دنیا کو خواب اور آخرت کو اُس کی تعبیر سمجھنا پانچواں معنٰی حال کو ترک کرنا۔ مقام اوّل مَسّ الٰہی مقام دوم فکر الٰہی۔ مقام سوم ہجر ماسوی اللہ۔ مقام چہارم فرار مِنَ الدُّنْیَا اِلَی اللّٰهِ لِلّٰهِ۔ مقام پنجم۔ وصل فی اللہ (فنائیت خودی) کہ عبرت والا وادیِ ناسوت کا عابر ہے اور لطف و بہجت کا مبیر ہے اور عالم فنا والوں کے لیے بقا کا عُباب ہے اور ساری کائنات کی عبارت ہے۔ مگر ان قصوں کو پڑھنے کے لیے قربان گاہ منیٰ سے اٹھ کر مقام کربلا تک عبور کرنا پڑتا ہے۔ مشاہدات والا ہی جانتا ہے کہ۔ مَا كَانَ حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى وَلٰكِنْ تَصْدِیْقَ الَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ وَتَفْصِیْلَ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اے خودی کے خود فروشو۔ ہر شی کو خود ساختگی کے غلافوں میں پوشیدہ سمجھو کیونکہ دنیا پرستوں کی ہر بات خود ساختگی کے فریب سے ملتی ہے مگر اقوال مخلصین حَدِیْثًا یُّفْتَرٰى نہیں ہے بلکہ زبان فیض ترجمان اُن مشاہدات تجلیات کی تصدیق کرنے والی ہے جو قلب عرش اللہ پر وارد و صعود ہوتا ہے اور ان ہی پاکباز مشاہدین کی کیفیات میں کُل کائنات کی تفصیل سمٹی ہوئی ہے۔ ان کے سینے ہدایت کے گنجینے اور رحمت کے خزینے ہیں۔ فقط اُس کے لیے جو وساوس شیطانی اور خودیِ لسانی اور غرور طفلانی کے جھاڑ سے نکل کر ایمان و عافیت کی بارگاہ میں آگئے۔ کسی بزرگ نے شاعر سیالکوٹی مرحوم سے پوچھا۔ جیساکہ اُن کی سوانح حیات میں خود اُن کی زبانی لکھا ہے کہ کیا تم خدا کا قرب چاہتے ہو تو بولے نہیں ہرگز نہیں۔ بھلا میں قطرہ وہ سمندر وہ بقا میں فنا۔ میں کیوں وادیِ فنا میں قدم رکھوں مجھے تو اگر کوئی کہے کہ اللہ تجھے ملنے آ رہا ہے تو میں کوسوں دور بھاگ جاؤں۔

یہ تمہارا جواب جو فلسفیانہ خودی کے چکر میں پھنس کر انانیت کے گمان باطل سے خارج ہوتا ہے دنیا کا خود مست خود آگاہ ۔ خودی کے چھوٹے جوہڑوں کو گوشۂ بقا سمجھتا ہے ۔ باطل کے سب پھیلے اسی حدیث نافتروی میں مبتلا و مغرور ہیں ۔ بحرِ تصدیق ۔ چشمۂ ہدیت اور دریاء رحمت کی تفصیلی موجوں پر ایمان نہیں لاتے ۔ کاش شاعرِ سیالکوٹی میرے زمانے میں ہوتا ۔ تو میں بھی اس کو سمجھاتا مقامِ بیخودی کیا ہے ۔ قطرۂ خودی میں سرشار ہے اس لیے سمندر سے بھاگ رہا ہے وہ خودی کے لبادے میں خود کو باقی سمجھ رہا ہے یہ اُس کی بھول ہے ۔ وہ علماء مدارس ۔ فقراء خانقاہوں ۔ مساجد مقابر سے بھاگ رہا ہے ۔ اس کو بقا سمجھ رہا ہے حالانکہ قطرہ جتنا بھاگے گا فنا کے قریب ہوتا جائے گا وجود تحلیل ہوتا جائے گا ۔ جس سمندر کے قرب کو شاعر نے فنا سمجھا وہ قطرۂ آب کو گہر بنانے والا ہے ۔ بشرطیکہ کسی سیپی راز داں کے باطن میں روپوش ہو جائے ۔ اے خودی کے بیچارو تم بحرِ لاہوت کی ہدایت و رحمت ۔ تصدیق و تفصیل کی موجوں سے گھبراتے ہو ۔ آؤ مدینے منورہ والے آقا کی سیپی میں خود کو چھپا دو ۔ بحرِ لاہوت کی بیکار موجیں تم کو گوہرِ تابدار بنا دیں گے ۔ ہاں اگر فلسفۂ خودی کی عینک سے دیکھ کر بے وسیلہ ہی سمندر میں کود دو گے تو فنا ہی فنا ہے تباہی و بربادی ہے ۔ اسی خودی کے عقیدے نے سب باطل کو جنم دیا ۔ خودی میں شرک کی بو ہے ۔ نیز باری تعالیٰ کو سمندر سے تشبیہ دے کر خود کو قطرہ کہنا بھی یا سمجھنا بھی تو شرکِ خفی ہے کیونکہ پانی کی جنس اور ماہیت تو ایک ہی ہے گویا ہم جنسِ خدا بنتا ہے اے میرے کریم رب مجھ کو بھی اُن سرکار سے ملا دے اور میرے قال کو حال بنا دے ۔

سورۃ یوسف کی تفسیر کا خلاصہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ ۔ اَمَّا بَعۡدُ ۔ انسان کی حیات دنیا بھی ایک صحراء اعظم ہے جس میں تصورات و خیالات و نظریات کے لاکھوں شگوفے کلیاں ۔ پھول ۔ اور کانٹے ہیں انسان ہی کے عقائد و بصائر کہیں ایمان کے پھول بن جاتے ہیں کہیں کفر و الحاد کے کانٹے اس قصہ یوسف کو کسی نے افسانہ سمجھا ۔ کوئی اس سورت کے حُسن بلاغت میں کھو گیا ۔ کوئی اس کی فصاحت کی داد دیتا رہا کسی دل جلے عاشق نے اس کو محض اس لیے بار بار پڑھا کہ یہ ایک درد و غم والی کہانی ہے ۔ مؤرخ کی نظر میں یہ فقط ایک تاریخی داستان ہی بنی رہی ۔ جغرافیہ نویسوں نے اس سے صرف جغرافیائی نقشہ حاصل کیا ۔ افسانہ نگاری اور داستان سرائی کے علاوہ اگرچہ اس میں حُسن بیان کی تمام خوبیاں فصاحت کی تمام رعنائیاں

بدرجۂ اتم موجود ہیں اور ہر فکر کا حامل اپنے فکر کے حصول میں حق بجانب اور کامیاب ہے مگر اسی سورت کریمہ کی آیت ۷ آیٰتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ اور آیت ۱۱۱ عِبْرَةٌ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ اور سورت کے آخری الفاظ وَ هُدًی وَّ رَحْمَةً لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ خیالات و تصورات کو کسی اور طرف موڑنا چاہتے ہیں۔ قرآن کریم کی طرز بیان نے کبھی بھی کسی چیز کے اظہار میں تفسیر ائی نہ فرمائی وہ تو ایک دو لفظوں میں ہی بہت کچھ بیان فرما دیتا ہے۔ عالم دنیا میں بہت سے کام کسی انسانی پروگرام کے تحت منظرِ شہود پر آتے ہیں اور بہت سے واقعات کو ہم اتفاقیات کا نام دے دیتے ہیں۔ مگر یہ ہماری کج خیالی ہے۔ دنیا جہان میں کوئی چیز بھی محض سوء اتفاق یا حسن اتفاق نہیں۔ بلکہ سب کچھ فطرتِ الٰہی کے بہت پرانے پروگرام کے ماتحت ہوتا چلا آ رہا ہے۔ واقعات یوسف علیہ السلام جو انسانی مزاج میں غالباً مجموعۂ اتفاقیات ہو۔ اور کثرت رائے اس کو یہی سمجھتی ہو کہ یہ سب کچھ اتفاقاً ہوتا چلا گیا لیکن حقیقت یوں نہیں۔ آیت ۶ وَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكَ کے پورے الفاظ کسی بہت بڑے پروگرام کی نشان دہی کر رہے ہیں۔ آخر کیا وجہ ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام میں سے کوئی نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام بھی نہ گاؤں میں پیدا ہوا نہ وطن بنایا۔ نہ عارضی رہائش اختیار کی۔ مگر یعقوب علیہ السلام اپنے آبائی وطن دجلہ و فرات کی مشہور مرکزی منڈی بہت بڑے تمدنی شہر جس کو آج سے تقریباً چار ہزار سال پہلے سُکم کہا جاتا تھا اور اب نابلس کے نام سے مشہور ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے چھوڑ کر اپنے بہت ہی مختصر فقط اپنے گھریلو افراد دو بیویاں (راحیل اور لیا۔ یہ دونوں سگی بہنیں تھیں شریعت یعقوبی میں دو بہنوں کا ایک خاوند جائز تھا) اور دس بیٹوں کے ہمراہ۔ کنعان کے صحرائی علاقے بحر میت کے مغربی کنارے دریائے یردن کے قریب (جس کو آج اُردن کہا جاتا ہے۔ ایک بہت ہی چھوٹی بستی حبون گاؤں میں تنہا منتقل ہو گئے۔ کیا یہ تبدیلیٔ رہائش کسی نرالی حکمت اور فطری پروگرام کا پیش خیمہ نہیں ہے اسی سورت کی آیت ۱۰۹ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْۤ اِلَیْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰی ہم نے تو سب انبیاء کو شہروں میں ہی مبعوث فرمایا ہے۔ اس انوکھی منتقلی کی طرف اشارہ نہیں فرماتی۔ آخر اس سورت میں مقام نبوت کے شہری ہونے کا تذکرہ کرنا کیا ضروری تھا۔ ذرا تدبر کی نگاہ سے آیت ۱۰۰ وَ جَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ (الخ) اور آیت ۱۰۹ مِنْ اَهْلِ الْقُرٰی کو جوڑا جائے تو شاہکار فطرت کا عجیب پروگرام ظاہر ہوتا ہے۔ اس قصۂ یوسفی میں چار کردار منظر عام پر نمایاں ہیں۔ ۱ یوسف علیہ السلام ۲ یعقوب علیہ السلام ۳ برادرانِ یوسف ۴ اہل مصر۔ ان میں مرکزی کردار یوسف علیہ السلام ہیں۔ کون یوسف جس کو ظاہر کی نگاہ نے ایک چھوٹا سا ان پڑھ بچہ سمجھا جس کی ولادت بھی اسی چھوٹے سے گاؤں میں ہوئی ہے، جس نے اپنے والد کے اونٹوں گھوڑوں جانوروں میں آنکھیں کھولی ہیں۔ گاؤں میں بھی دیہاتی زندگی کے بہت سے شعبے ہوتے ہیں مگر سب سے پست شعبہ چرواہی ہے۔ وہ یوسف کبھی جس نے اسکول مدرسے۔ جامعہ کا منہ تک نہیں دیکھا

جس نے اپنے دروازے پر کھڑے ہو کر جانوروں کو ہی آتے جاتے دیکھا کبھی کسی طالب علم کو بھی مدرسے کی راہ میں آتے جاتے نہ دیکھا کچھ تو علم کی شناسائی اور چاہت ہوتی کبھی تو گھر میں والد سے کہا ہوتا کہ ابا جان مجھ کو مدرسے داخل کرا دیجئے میں بھی اسکول کی تہذیب اخلاق سیکھوں گا مجھ کو دو تین زبانیں سیکھنے کا شوق ہے۔ مگر یوسف کو اس چاہت سے کتنی دور رکھا گیا۔ وہ یوسف جس کو ماں کو پہلا مدرسہ بھی میسر نہ ہوا تقریبًا چار پانچ سال کی عمر میں والدہ کا سایہ اٹھ گیا ماں والدہ کی آغوش ملی اور عشق کی حد تک باپ کی محبت میسر آئی۔ مگر یہ کیسی محبت کیسا پیار ہے۔ والدین تو اپنی پیاری اولاد کا مستقبل درست کرنے کے لیے گاؤں سے شہر میں بھیجتے ہیں مگر اس محبت کا تو دستور نرالا ہے کہ شہر سے نکال کر گاؤں میں مہذب ماحول سے نکال کر غیر مہذب ماحول میں علمی دنیا سے نکال کر دیہاتی جہالت میں روشنی سے نکال کر اندھیرے میں لے آئی۔ کون یوسف؟ وہی یوسف وہی جو گیارہ سال کا نابالغ یا سترہ سال کا نوبالغ۔ والد محترم کی تربیت گاہ سے اغوا کر لیا جاتا ہے آخر اس بچے کو کیوں نہ پڑھایا گیا اس سوال کا جواب قرآن پاک نے ان لفظوں میں عطا فرمایا۔ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ اے میرے بیٹے تجھ کو دنیا کا کوئی استاد نہیں پڑھا سکتا تجھ کو تو تیرا رب ہی پڑھائے گا اس لیے کہ تجھ کو نبوت کا تاج پہنایا جائے گا۔ تو پھر نبی تو سارے شہروں میں ہی مبعوث ہوئے۔ اس کو گاؤں میں کیوں رکھا گیا؟ اس کا اشارہ جواب اسی سورت کی آیت ۲۱ میں دیا گیا۔ کہ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ یعنی اللہ کے رازوں کو اکثر لوگ نہیں جانتے اللہ تعالٰی کی کچھ سنتیں ہیں کچھ قانون ہیں لیکن جب کبھی کوئی اس طریقہ مشورہ اور سنت منقوذہ سے غلط قیاس آرائی کرے تو کبھی اس میں تھوڑی سی لچک بھی پیدا کر دی جاتی۔ اس طریقہ بعثت سے کوئی یہ سمجھ سکتا تھا کہ شاید نبی کی رفعت۔ شان و شوکت۔ فضیلت۔ شرافت۔ تہذیب حسن اخلاق علمی بصیرت شہری ہونے کی وجہ سے ہے۔ یا ستھرے ماحول اچھے معاشرے شہری ذہنیت کی بنا پر ہے۔ اس باطل خیال کو توڑنے کے لیے اور یہ ثابت کرنے کے لیے کہ وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰۤى اَمْرِهٖ حضرت یوسف کے لیے بالکل ہی نرالا پروگرام بنایا۔ اور بتا دیا کہ شہر سے نبی کی رفعت نہیں بلکہ شہر اور علاقوں یہاں تک کہ زمین و آسمان کو ذات نبی علیہم السلام کی وجہ سے شرافت و فضیلت ہے۔ نبی کی ناراضی اور غم و توہین تو زمین و آسمان پر قحط ڈال دیتی ہے بستی کے ماحول نے تو یوسف کو بدوی گنوار بنایا لیکن بھائی اٹھتے ہیں تو اَنْ يَّجْعَلُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ۔ ہلاکت کے اس کنوئیں میں پھینک دیتے ہیں۔ جو قافلوں کی راہ گزر سے تین میل دور علاقہ دوتن کے پاس ہے اور اپنی بستی حبرون سے چار میل دور۔ یہاں کون بچانے والا غمگسار ہے دنیا کی محبتوں کے تو سارے رشتے ٹوٹ چکے ہیں۔ ان وقتوں میں اہل دنیا کو پتہ لگ جاتا ہے کہ کون نبوت کا والی ہے۔ آیت ۱۵ کے ان لفظوں نے۔ وَاَوْحَيْنَاۤ اِلَيْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ لگے سارے مستقبل کا پتہ بتا دیا۔ تین دن کے بعد یا دوسرے ہی دن ایک قافلہ راستہ بھول کر

یا دریا میں کسی اپنی نئی راہ سے آ کر ٹھہرتا ہے اس طرح یوسف کی نئی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس سے پہلے زمانے کی نظروں میں وہ فقط ایک گاؤں کا بچہ تھا۔ مگر آج جب کہ قافلے والے اس کو کوئیں سے نکال لیتے ہیں تو بھائی جو اُس کو دیکھنے کے ارادے سے آئے تھے قافلے والوں کے پاس اپنے یوسف کو ننگے بدن معصوم شکل تین دن کی بھوک پیاس کی حالت میں دیکھ کر بجائے ترس کھا کر واپس لینے کے غلامی کا طوق گلے میں ڈال دیتے ہیں اے یہ تو ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے۔ یہ تھا اُن لوگوں کا اتہام اور آخری ظلم جس کو تاریخ بھائی کے پیارے رشتے سے یاد کرتی ہے۔ یہ اتہام کوئی معمولی نہ تھا۔ طوقِ غلامی پھر اُس زمانے میں جب جانور ہونا پھر کچھ مفید تھا غلامیت جانوروں سے بدتر تھی غلام کو انتہائی حقیر مخلوق سمجھا جاتا تھا اور کفر کا ہمیشہ سے یہ طریقہ تھا۔ اپنے برتنوں میں غلام کو کھلانا گوارہ نہیں ہوتا تھا غلام کے برتن میں کھانا تو درکنار اُس کو ہاتھ لگانا معیوب سمجھا جاتا تھا۔ احسان ہے اسلام کا مخلوقِ انسانی پر جس نے غلامیت کی مصیبت سے بچایا۔ اُسی دور میں کسی کو غلام بنا دینا مار ڈالنے سے سخت ظلم تھا۔ اِن بھائیوں کو بھی حالاتِ زمانہ کی پوری خبر تھی غلام کی بے بسی بے کسی سے واقف تھے مگر بھائی سے کتنی منظم دشمنی لی کہ اُس کو اُس زمانے کی سخت ترین ذلت رسوائی میں عمر بھر کے لیے دھکیل دیا یہی وجہ ہے کہ یوسف جو گلے مارے سے نہ رویا جو کوئیں میں گر کر نہ رویا آج بھائیوں کا یہ جھوٹ سن کر چہرۂ یوسف پر آنسو دکھائی دیتے ہیں یہ آنسو بہت کچھ سمجھا رہے تھے مگر سمجھنے والا کون تھا۔ اے قافلے والو یہ ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے غلام کا بھگوڑا ہونا تو اور بھی ذلت آمیز تھا۔ اچھا تو کیا تم اس کو واپس لینا چاہتے ہو۔ ہم نے تو اس کو اُس کوئیں سے نکالا ہے لے جاؤ اگر تمہارا غلام ہے قافلے والوں نے جواب دیا۔ نہیں نہیں ہم کو نہیں چاہیئے ایسا غلام۔ تو کیا پھر بیچنا چاہتے ہو۔ ہاں بیچنا چاہتے ہیں بھائیوں نے کہا۔ لیکن ہم تو اس کی یہ قیمت دیں گے۔ یہ چند درہم ایک سو سے بھی کم اور شاید ان میں کچھ کھوٹے بھی ہیں ملاوٹی چاندی سے بنے ہوئے۔ ہم اس سے زیادہ نہیں دے سکتے قافلے والوں نے کہا اچھا ہم کو منظور ہے وَشَرَوۡهُ بِثَمَنٍۢ بَخۡسٍ دَرَاهِمَ مَعۡدُوۡدَةٍ۔ چند درہموں میں بیچا غلام بنایا۔ مارا پیٹا کوئیں میں ڈالا۔ جھوٹ بولا والد کو ستایا بھائی کو رلایا کتنا ظلم کیا۔ اور پھر بھی وَكَانُوۡا فِيۡهِ مِنَ الزّٰهِدِيۡنَ ابھی بھی ان تمام کاموں کے باوجود بڑے زاہد بنتے تھے یا بیچنا مقصود نہ تھا یوسف سے نفرت تھی اُس کو والد سے دور کرنا مقصود تھا۔ گلشن ابراہیمی کا یہ دمکتا پھول۔ آج مصر میں داخل ہو رہا ہے مگر کس حالت میں رسیوں میں بندھا ہوا غلام اور وہ بھی کنعان کے جنگلی علاقے کا چرواہوں کی بستی کا۔ جس علاقہ کو اردگرد کے انتہائی ترقی یافتہ ممالک پستی اور جہالت کا گہوارہ کہتے تھے اور غلام بھی وہ جس کو بھگوڑہ کہا گیا ہے جو انتہائی کم اور گھٹیا قیمت سے خریدا ہوا ہے۔ حسن یوسفی اور کمالاتِ یوسفی تو ایک معجزہ تھے اس کو سوائے روشن ضمیر کے کون دیکھتا ہے۔ شام کے راستے سے قافلہ آگیا اور مصر میں داخل ہوا۔ لیکن کس مصر میں۔ جو تہذیب۔ تمدن۔ ثروت دولت۔ تجارت۔ ترقی۔ معلومات تعلیم میں اردگرد کے تمام علاقوں سے بہت ہی بڑھ چڑھ کر تھا۔ جن کے غرور

نخوت تکبر کا یہ حال تھا کہ پس ماندہ علاقوں کے باشندے وہاں داخل نہیں ہوسکتے۔ خاص کر کنعانی علاقے کو تو بہت ہی ذلیل سمجھا جاتا تھا وہ مصر جس کی شہری آبادی اگرچہ تھوڑی تھی مگر وہاں تقریبًا چار سو سال سے سام بن نوح کے پرپوتے عمالیق کی نسل قوم عمالقہ کی ظالمانہ حکومت تھی۔ جن کے بادشاہ کا لقب اُس زمانے میں فرعون ہوتا تھا۔ اُن کے ظلم کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کسی غریب۔ غلام یا بے پڑھے شخص کا کسی امیر کو نگاہ بھر کے دیکھ لینا بھی جرم تھا۔ کسی غریب کی جرأت نہ ہوتی تھی کہ اپنے کسی حق طلبی میں کسی عمالقی سے منہ در منہ بات کرسکے پھر یہ جرم قابل معافی نہ سمجھے جاتے تھے۔ مصر کی عدالتوں کی یہ حالت تھی کہ کسی بھی مجرم کو بغیر سزا سنائے برسوں جیل میں رہنا پڑتا تھا۔ بلکہ عدالت کو یاد بھی نہ رہتا تھا کہ کوئی مجرم یا بیگناہ سالہا سال سے جیل میں پڑا ہے۔ عدالت کی اس کمزوری کی بنا پر بعض اُمرا اپنے گستاخوں نافرمانوں مسافروں اور اپنے حق کے لیے مُنہ کھولنے والوں کو خود ہی پکڑ کر جیل لے جاتے اور اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر جیل میں بند کرا آتے۔ اب سالوں تک اُن کی خبر گیری کرنیوالا کوئی نہ ہوتا۔ اسی لیے کئی قیدیوں کا عدالت کو پتہ ہی نہ ہوتا۔ ان وجوہ سے اردگرد کے غریب اور بے پڑھے علاقے والے مصر جاتے ہوئے ڈرتے اور نہایت محتاط ہو کر جاتے۔ اور بہت سے اس طرف کا رخ بھی نہ کرتے۔ ان حالات میں۔ نبوت الٰہیہ کا پہلا قدم یوسف کنعانی کی شکل میں غلامانہ کیفیات کے ساتھ مصر کی سرزمین میں داخل ہوتا ہے۔ اور کچھ دن آرام کرنے کے بعد سیدھا بازارِ مصر میں پہنچایا جاتا ہے۔ حضرت یوسف کے قافلے کے سردار نے اپنے دیگر سامان کے ساتھ اس غلام کو بھی بیچنے کے لیے ایک جگہ کھڑا کر دیا۔ خریدار آتے ہیں پسند کرتے ہیں قیمت زیادہ سن کر چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تین چار دن اسی طرح گزر جاتے ہیں آخر ایک افسرِ اعلیٰ خرید لیتا ہے۔ ابھی یہ کنعانی غلام راستے ہی میں تھا کہ نہ معلوم اس کنعانی بدوی ظاہرًا اَن پڑھ غلام نے اپنے اس نئے آقا خریدار سے کیسی گفتگو کی کہ اس معری ماحول میں پلا ہوا انتہائی تعلیم کی اونچی ڈگریوں والا تہذیب و اخلاق کا مرکزی معیار۔ سوسائٹی کا اونچا آدمی خود کو دنیا کا مہذب ترین سمجھنے والا۔ وزیر اعظم جس کو اُس زمانے میں عزیزِ مصر کا لقب دیا جاتا تھا۔ صرف حیران و متعجب ہی نہیں ہوا بلکہ سو جان سے گرویدہ ہو گیا۔ ہزاروں اُمرا و وزرا۔ سافضلا کی مجلسوں محفلوں میں بیٹھنے والا۔ کئی قسم کی علمی۔ شریفانہ۔ تہذیبی باتیں سننے والا۔ آج اُس کے کانوں نے کیسی رس بھری گفتگو سنی۔ جس نے اخلاقِ حسنہ کے سارے پہلو سمیٹ لیئے یہ کیسی باتیں تھیں جس میں تہذیب و شرافت کے سارے خزانے سمائے ہوئے تھے۔ یہ کیا الفاظ تھے جو معلوماتِ عالم کے چنے ہوئے موتی معلوم ہوتے تھے۔ گھر کے گھریلو کام کاج کے ارادے سے خریدا گیا کنعانی۔ غلام راستے ہی میں فیصلہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ قانون و ارادہ بدل جاتا ہے۔ عقل و دل۔ متفق فیصلہ سنا دیتے ہیں کہ نہیں نہیں یہ غلام نہیں ہو سکتا۔ ٹھیک ہے اس کو بازار غلاماں سے خرید اگیا ہے مگر اس پر تو ہزاروں آقا نثار ہو جاتے ہیں یہ بھی درست ہے کہ کنعان کے ایک بادیہ سے خریدا گیا ہے مگر اس کے کنعان پر تو سینکڑوں مصر قربان ہو جائیں۔

ظاہراً یہ بے پڑھا بھی معلوم ہوتا ہے۔ مگر لاکھوں فضلا اس کے جوتے کے تسمے کھولنے کے لائق نہیں۔ اس کی بوسیدہ لباسی اس کے جوہر تابداری کو چھپا نہ سکی بھوک۔ پیاس سے کملایا ہوا بھولا بھالا حسین چہرہ اس کے شرافت ملی کے لہلہاتے چمن کی تروتازگی پر پردہ نہ ڈال سکا۔ اس کی مسافرت غریب الوطنی اس کی لیاقت ومتانت کے پھولوں کو مرجھا نہ سکی۔ لیکن اس کو تو غلام سمجھ کر خریدا گیا ہے قیمت تجویز کی گئی۔ خرد کہتی ہے اب اس کو قیمت نہیں سمجھا جا سکتا بلکہ اس کے ہیروں کی نثار سمجھا جائے۔ کشاں کشاں محل سرا میں داخلہ ہوتا ہے۔ لوگ گھر کا وہ عملہ جو ایک نئے غلام کی آمد کی آواز سننے کا منتظر تھا لوگ کسی نئے خدمت گار کے انتظار میں تھے۔ اُن کے پاس خادم نہیں مخدوم پہنچتا ہے۔ غلام نہیں۔ آقا پہنچتا ہے۔ زبان تو حکم دینے کی تیاریوں میں تھی مگر کانوں نے پہلے ہی شاہی حکم سن لیا۔ اَکْرِمِیْ مَثْوٰىهُ اس کے لیے خصوصی شاہی کمرہ تیار کرو عمدہ لباس عمدہ خوراک اور عزت سے ٹھہراؤ۔ اس لیے کہ یقین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عنقریب ہم کو علم۔ تہذیب۔ اخلاق۔ مروت۔ الفت۔ معرفت۔ شرافت اور حکومت داخلی وخارجی کے عظیم منصوبوں میں ہم کو وہ نفع پہنچائے جو آج تک کوئی نہ دے سکا۔ ہماری تہذیب کا سکہ اس کے سامنے کھوٹا نظر آتا ہے۔ ہمارا علمی وقار اس کے سامنے ماند دکھائی دے رہا ہے۔ ہماری شہرت و شرافت کا سورج اس ایک کنعانی سے ہی بے نور لگ رہا ہے لیکن ابھی آزمائش ابتلا کا دور یہیں تک ہی نہیں۔ یہاں تک جہانبت کا امتحان تھا ابھی تو شرافت واخلاقیات کا امتحان باقی ہے۔ وہی حرم سرا کی مالک شرم وحیا کی پیکر۔ اپنے اسی غلام کو اپنے مَن کا محبوب اور اپنی خوابوں کا شہزادہ سمجھ لیتی ہے۔ اور پھر ایک دن ایسا بھی جان کاہ آجاتا ہے کہ وہ عورت شرم وحیا تہذیب و اخلاق کے سارے پردے چاک کر کے خود کو بھی اور اس کو بھی کسی بہت ہی گندے گناہ میں لتھیڑنا چاہتی ہے۔ آج وہ شخص جس کی غلامی کی قیمت کل تک چند کھوٹے درہم تھے زمانے کی لذتیں عشرتیں سمٹ کر اس کے قدموں میں آگئی ہیں۔ مگر کس انداز میں کس روپ میں ایک عشق و محبت کا دم بھرنے والی عورت کی شکل میں کون عورت وہ جو مصر کی سب سے زیادہ حسینہ ہے۔ جو دولت میں یکتا ہے۔ اختیار میں بلند وبالا۔ جوانی سے بھرپور ہے۔ عشق یوسفی سے معمور ہے۔ انسان دریاؤں کو روک دیتا ہے لہروں کو موڑ دیتا ہے۔ طوفانوں کا مقابلہ کر لیتا ہے شیروں کو پچھاڑ دیتا ہے۔ آگ میں کود جاتا ہے۔ آتش فشاں کو چیر دیتا ہے بڑی سے بڑی مشکل کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے اونچے اونچے مقام پر اپنی طاقت کے جوہر دکھا دیتا ہے۔ مگر جنسی ملاپ اور نفسانی خواہشات کے سامنے زیر ہو جاتا ہے ڈھال پھینک دیتا ہے ہتھیار ڈال دیتا ہے اہل دنیا کو اپنے جس علم اخلاق شرافت۔ تہذیب پر غرور وناز ہوتا ہے سب یہاں ٹوٹ جاتا ہے کتنا سخت امتحان ہے کتنی کڑی آزمائش ہے مگر نبوت یہاں بھی جیت جاتی ہے۔ دامن عصمت کا مظاہرہ ہوتا ہے دنیوی محبت شکست کھا جاتی ہے۔ وہ تہذیب و شرافت جس پر مصر کو ناز تھا پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور دامن نبوت سے

حقیقی شرافت علاقۂ مصر میں جلوہ افروز ہو جاتی ہے یہ پروگرام الٰہیہ شاید اس لیے بھی مرتب ہو رہا تھا کہ کائنات عالم کو اصلی شرافت حقیقی تہذیب۔ سچی قوت وطاقت۔ اور شرم وحیا کا صحیح مظاہرہ کرانا تھا وَكَذٰلِكَ مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ہم نے یوسف کو زمین مصر میں اسی طرح جگہ دی تھی۔ تاکہ کمالاتِ یوسف کا پتہ لگے۔ کہ اے اقوامِ عالم کے ہیرو بننے والو تم بناوٹ کے چکروں میں پڑے ہوئے ہو۔ اصلی شرافت۔ دیانت امانت دامنِ نبوت میں ہے۔ ہم نے مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا ہے۔ حقیقی مردی تو یہ ہے جس کی جلوہ نمائی مصر کی ایک کوٹھڑی میں ہوئی۔ لیکن یہ شرافت۔ علم۔ اخلاقیات۔ امانت ودیانت کے اسباق کسی شہری ماحول۔ سکول وکالج سے میسر نہیں یہ نبوت تو صحرائے کنعانی میں پروان چڑھی ہے۔ بلکہ اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ہم نے ہی اپنے اس نبی کو یہ سب خزانے عطا فرمائے۔ مگر شکست خوردہ عشق ندامت کی بجائے انتقام پر آمادہ ہوتا ہے۔ اور کذب بیانی کا سہارا لیتا ہے۔ قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ اے عزیزِ مصر جو تیرے حرم سے برائی وگناہ کا ارادہ کرے اس کی سزا کیا ہے۔ اور پھر اپنے اختیارات کو استعمال کرتے ہوئے خود سزا تجویز کی جاتی ہے۔ یا قید یا دردناک مار۔ وہ حلم وشرافت کا پیکر اپنی برائت میں صرف اتنا کہتے ہوئے سب کچھ برداشت کر جاتا ہے هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ اس نے ہی مجھ کو ورغلایا تھا۔ یہاں بھی جھوٹ کے پاؤں نہیں جمتے اور سچائی قائم رہتی ہے۔ ابھی انتقام کی آگ ہوس پرستی کی ہوائیں تھمتی دکھائی نہیں دیتیں۔ اب دو ہی راستے ہیں۔ یا۔ لَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَآ اٰمُرُهٗ لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ۔ میری بات مان لے جس کا میں نے اس کو حکم دیا ورنہ قید کیا جائے گا اور ہر طرح ذلیل ہوگا۔ کہ ابھی تک تو فقط غلام ہے۔ مگر میری نافرمانی کی صورت میں غلامی بھی مجرم بھی قیدی بھی۔ بدنام بھی ذلیل بھی۔ زندگی کا کتنا نازک موڑ ہے یہاں اگر زندگی دو حصوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ ایک نفسانی زندگی دوسری انسانی زندگی۔ شرافت کی زندگی۔ عیش وعشرت کی زندگی قید وصعوبت کی زندگی پاک زندگی ناپاک زندگی نفسانی زندگی میں۔ مزے آرام۔ دولت ثروت مگر حق تعالیٰ کی معصیت نافرمانی۔ انسانی زندگی میں قید۔ بند۔ ذلت خواری بھوک پیاس تکلیف ومصائب غربت وافلاس۔ مگر حق کی حمایت ہے۔ دنیا میں مصر کی یہ کوٹھڑیاں کتنی ہی ہیں اور دن رات عالمِ ناسوتی میں کئی اس طرح کے مقابلے مظاہرے ہوتے ہیں مگر حقانیت کی فتح صداقتِ قلبی کی جیت بجز یوسف کنعانی کہیں دیکھنے سننے میں نہ آئی مصر کے آرائشی محلات اور چکا چوند روشنی میں یہی دکھانا تھا کہ ان حالات میں نبوت کا قدم کس طرف اٹھتا ہے اور پھر غور کی کچھ مہلت طلب کی جاتی ہے یا بے خطر اٹھتا ہے۔ اور ایک دم معیتِ حق اور سچائی وشرافت کا ساتھ دیا جاتا ہے یا کچھ دیر لگتی ہے قرآن کریم واضح لفظوں میں فرماتا ہے۔ قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ اسی وقت یہ دعا مانگی اے میرے رب مجھ کو مصائب وآلام کی جیل اور قید ہزار درجے زیادہ پسند ہے اس گناہ آلود عیش وآرام کی زندگی

سے جس کی طرف مجھ کو بلایا جا رہا ہے۔ یہ تمام روئداد کوئی ڈھکی چھپی نہ رہی تھی مصر کی گلیوں بازاروں درباروں ایوانوں میں عورتوں مردوں کی زبان پر چرچہ تھا۔ اور سب کو پورے واقعات کا علم تھا کہ کون نیک ہے کون بد ہے کس کا کیا کردار ہے مگر اس کے باوجود مصر کی عدالت و حکومت نے۔ امانت و دیانت و شرافت کا یہ صلہ دیا کہ لمبی مدت کے لیے حضرت یوسف کو جیل بھیج دیا زلیخا کو کچھ نہ کہا۔ شرم و حیا کو جرم قرار دیا۔ بدی کو پنپنے پھلنے پھولنے کا موقعہ دیا۔ آخر مصری عدالت نے یہ قدم کیوں اٹھایا اور جیل میں ڈالا وہ بھی مصری جیل جہاں مجرم کو جرم ثابت ہونے پر نہیں لایا جاتا جہاں بیگناہ اور گناہ گار سب برابر ہوتے ہیں جس میں داخلہ کا وقت تو ہوتا ہے نکلنے کا وقت نہیں ہوتا۔ انسان کی ذلت و خواری کے جتنے بھی طریقے ہوتے ہیں وہ سب جمع ہیں۔ ساری تفتیش کے بعد یوسف کا یہی جرم سب سے بڑا ملتا ہے کہ وہ عبرانی قبیلہ کا ہے۔ اور پھر وہ زر خرید غلام ہے۔ بدوی ہے۔ اور غلام ہو کر مالک کی بیوی جو ملکہ کا درجہ رکھتی ہے سے بیجا باتیں کی ہیں۔ ملکہ نے اس پر جرم کی تہمت لگائی ہے اگرچہ وہ غلط ثابت ہو گئیں مگر جرم کو نہ دھویا جا سکا۔ یہ وہ چند قباحتیں تھیں جن کے سامنے شرافت کی کوئی حیثیت نہیں۔ ادھر تو یہاں تک نوبت پہنچی۔ حضرت یوسف جو پہلی دفعہ گھر سے نہایت خستہ حالت میں نکالے گئے کس طرح زمانے کا ہر وار سہتے چلے جا رہے ہیں۔ آغوشِ والدین پر سکون زندگی گزارنے والا کس طرح اپنی قوت روحانی سے مادی طاقتوں کا مقابلہ کرنے کے لیے ہما شما اپنے آپ کو مکمل تیار پاتا ہے۔ اُدھر حضرت یعقوب علیہ السلام جو وحی الٰہی کی نصرتوں برکتوں سے فیض یاب تھے اور دنیوی ترقی کی کوئی چیز اُن کے پاس نہ تھی۔ قرآن مجید کی اس پوری سورت میں ایک محبوب کے عشق کو دو حصوں میں تقسیم فرما دیا گیا ہے ایک عشق حقیقی جس کی پہچان یہ ہے کہ سچا اور پکا ہوتا ہے۔ دوسرا عشق مجازی کہ جو سچا تو ہو سکتا ہے مگر پکا نہیں ہوتا۔ اور عشق اگر پختہ نہ ہو تو یہ اُس کی انتہائی تکلیف دہ شکل ہوتی ہے جس میں نفس پرستی کا عنصر زیادہ شامل ہوتا ہے۔ عشقِ حقیقی حضرت یعقوب کی شخصیت میں پنہاں ہے اور عشق مجازی زوجۂ عزیز کی شکل میں ہے۔ قرآن کریم کی اس سورت میں حضرت یعقوب کی جن شخصی پہلوؤں کو اُجاگر کیا گیا ہے اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ علم کے بحرِ بیکراں۔ حلم کے معدن۔ عشقِ محبوب میں کامل۔ انتہائی غمزدہ۔ دردمند دل والے۔ صبر کے پہاڑ۔ یقین کے پیکر۔ رحم دل۔ نرم مزاج۔ انتہائی معاف کر دینے والے ذرا سی خوشی پر خوش ہو جانے والے۔ دلنواز کلام ہے۔ خیالات بلند ہیں گمان پاکیزہ ہے۔ جان پُر سوز ہے۔ شرافت کا منبع۔ علم ایسا وسیع کہ جب فراقِ یوسفی کی ابتدا ہوتی ہے تو بھی فرماتے ہیں بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ۔ آیت ۱۸ یہ کوئی سوچا سمجھا جملہ نہ تھا جو تکیہ کلامی بنا لیا گیا ہو۔ ابھی تو پہلا ہی مرحلہ ہے۔ لیکن جب فراقِ یوسفی کی انتہا ہونے لگتی ہے اور تین یا مین کی جدائی ہوتی ہے تو بھی یہ ہی جملہ ادا کیا جاتا ہے۔ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ عَسَى اللّٰهُ اَنْ یَّاْتِیَنِیْ بِهِمْ جَمِیْعًا۔ آیت ۸۳ یہ

دونوں مرتبہ کے جملے علم وحکمت کے کیسے ڈھلے ہوئے موتی ہیں۔ ظاہر اً ایک جیسے ہیں مگر گہرائیوں میں کتنی تفریق ہے۔ پہلے جملے میں عَسَى اللّٰهُ نہیں ہے۔ علم اتنا عظیم کہ اتنی بڑی سازش کی گئی۔ جگر گھایل دل زخمی کیا گیا مگر کہیں نہ شکایت نہ ملامت نہ جھڑک نہ طعن۔ ساری مدت میں بیٹوں سے صرف اتنا ہی تو فرمایا بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ اور بن یامین کو لیجانے پر فقط احتیاطی تدابیر کے طور پر یہ ہی تو کہا۔ هَلْ آمَنُكُمْ عَلَيْهِ إِلَّا كَمَا أَمِنْتُكُمْ عَلَىٰ أَخِيهِ مِنْ قَبْلُ آیت ۶۴ عشق محبوب ایسا کامل ہے کہ اول سے آخر تک ایک جیسا۔ درد کی ٹیسیں بڑھتی ہی جارہی ہیں عشق کی آگ میں تیزی ہی ہورہی ہے خلوت ہو یا جلوت خاموشی ہو یا گفتگو۔ بات کہیں کی ہو کسی سے ہو دھیان ایک ہی کی طرف لگا ہوا ہے دل کی ہر دھڑکن سے یَا أَسَفَىٰ عَلَىٰ يُوسُفَ کی صدائیں ہی آرہی ہیں۔ غم ایسا کہ فراق کی آگ کے شعلے آنسو بن کر آنکھوں سے بہتے ہی چلے جارہے ہیں یہاں تک کہ وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ غم سے آنکھیں سفید پڑگئیں۔ درد اتنا سخت۔ کہ جسم گھل رہا ہے جان پگھل رہی ہے ہلاکت سامنے ظاہر نظر آتی ہے فَهُوَ كَظِيمٌ صبر کی یہ شان کہ اپنی بلندیوں پر پہنچ کر صبر جمیل کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ جو اپنی سنگلاخ مضبوطی میں اٹل ہے۔ نہ شکوہ نہ شکایت۔ نہ کسی سے تذکرہ۔ کتنی برداشت ہے زبان ودہان پر کتنا قابو ہے۔ بڑے سے بڑا دل گردے والا ہوش وحواس کھو دیتا ہے۔ ایسے جانکاہ صدمے پر چیخ پڑتا ہے فریادیں کرتا ہے۔ تڑپتا ہے پھڑکتا ہے۔ حال سے بے حال ہو جاتا ہے۔ دو گھنٹے کسی کا بچہ نہ ملے تو ماں باپ کو پاگل ہوتے دیکھا ہے۔ ادنیٰ سے غم پر انسان شکوے شکایت گلے غصہ کی طومار باندھ دیتا ہے نہ شریعت کا خیال رہتا ہے نہ خدا کی یاد۔ نہ نبی کی شرم نہ قرآن کی حیا نہ ایمان جانے کا خطرہ نہ آخرت کا خوف۔ مگر ان حالات غم میں بھی شانِ نبوت نرالی آن انوکھے انداز میں جلوہ افروز ہوتی ہے۔ نہ شور نہ فریاد نہ چیخ نہ پکار۔ کیسا منجھا ہوا صاف ستھرا شریعت کے نور سے ڈھلا ہوا پاکیزہ جملہ نکلتا ہے۔ یاد الٰہی کی کیسی سہانی ادا ہے فَصَبْرٌ جَمِيلٌ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ۔ میرے لئے تو صبر جمیل ہے۔ مدد وفریاد اللہ ہی سے ہے۔ یہی وہ غمزدہ زندگی کی نبوی طرز ہے جو آيَاتٌ لِلسَّائِلِينَ اور عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ اور هُدًى وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ۔ ہے۔ پھر یقین کتنا محکم۔ کہ دل۔ دماغ اور چہرے پر مایوسی کا شائبہ تک نہیں۔ بلکہ بیٹوں کو حکم دیتے ہیں۔ يَا بَنِيَّ اذْهَبُوا فَتَحَسَّسُوا مِنْ يُوسُفَ وَأَخِيهِ وَلَا تَيْأَسُوا مِنْ رَوْحِ اللّٰهِ آیت ۸۷ اے بیٹو جاؤ یوسف اور اُس کے بھائی کو تلاش کرو اور اللہ کریم کی رحمت وفضل سے مایوس نہ ہو جاؤ۔ رحمتِ الٰہیہ سے تو صرف کافر مایوس ہوتے ہیں حالانکہ بیٹے وہ ہیں جنہوں نے اپنے ہاتھوں سے یوسف کو کوئیں میں ڈالا پھر کوئیں میں سے نکلتے دیکھا اور کسی طرف جاتے دیکھا۔ اُن کو تو زندگی اور کہیں نہ کہیں موجودگی کا گمان غالب ہونا چاہیے لیکن وہ سب لمبی مدت گزر جانے اور غلام بنائے جانے کی بنا پر ہلاکت کا پختہ خیال کئے

بیٹھے ہیں جب کہ حضرت یعقوب کو صرف بھیڑیئے کے کھا جانے کا ہی پتہ دیا گیا ہے اُن کے تصورات میں تو موت کا زیادہ خیال ہونا چاہیئے۔ مگر یقین ہے کہ سبحان اللہ۔ ہر عقل جھٹلا رہی ہے ہر طرف سے انکار کیا جا رہا ہے۔ اِنَّكَ لَفِیْ ضَلٰلِكَ الْقَدِیْمِ کوئی کچھ کہہ رہا ہے کوئی ذکرِ یوسف اور تلاشِ یوسف کے حکم کو غزدہ بڑھاپے کا اثر سمجھ رہا ہے۔ کوئی محبت کی دیوانگی سے تشبیہ دے رہا ہے۔ مگر اِدھر جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے یقین محکم ہوتا جا رہا ہے۔ اور بے اختیار زبان سے نکلتا ہے۔ اِنِّیْ لَاَجِدُ رِیْحَ یُوْسُفَ میں تو آج یوسف کی خوشبو پا رہا ہوں اس یقین کو کن باتوں سے توڑا جا سکتا ہے نہ معلوم کہ یہ علم الیقین ہے یا حق الیقین ہے عین الیقین۔ ظاہری کوئی ملنے کی صورت دکھائی نہیں دیتی۔ اسباب کے اعتبار سے تمام سہارے ٹوٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ہمہ میریں بن بن کر مٹ چکی ہیں تفکرِ انسانی نے اعلان کر دیا ہے کہ یوسف نہیں مل سکتا۔ اہلِ خرد کے تصور میں بھی وصلِ محبوب کا نقشہ نہیں بندھتا۔ مگر اس یقین میں کیسی مضبوطی ہے کہ اس کو کوئی ذرہ بھر متغیر نہ کر سکا۔ غم اپنی جگہ بدستور چوکے لگا رہا ہے۔ بھروٹوں کے تسلی آمیز طعنے سنے جا رہے ہیں۔ بیٹوں کے زخم برداشت کئے جا رہے ہیں۔ مگر رحم کا یہ عالم ہے کہ بیٹوں کو جرم کا بھی نہیں جھوٹا بھی نہیں کیا اور جو لفظ استعمال فرمائے اس میں بھی خود اپنی طرف سے ہی اُن کو معذرت کا راستہ بتا دیا کہ اے بیٹو تم نے جو کچھ کیا اس میں تم اپنے نفسوں کے ہاتھوں مجبور ہو چکے تھے تم کو نفسِ امارہ نے غلط راہ پر ڈال دیا۔ ہو سکتا ہے تمہارے اس کردار کے پس منظر میں تمہاری کسی جائز خواہش کا ہی دخل ہو مگر شیطان نے راستہ غلط بتایا۔ گویا یہ ایک طرح کا ان کی اس حرکت پر محض تاسف ہے۔ رحم دلی کا اس سے بڑا مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ پھر نرم مزاجی کا نقشہ قرآن کریم نے کتنے مختصر لفظوں میں پیش فرما لیا۔ لَوْلَآ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ اگر تم میری باتوں کو برا نہ سمجھو۔ ان دو کلموں میں کتنی وسعت ہے کتنا پھیلاؤ ہے۔ خود شدتِ غم سے نڈھال ہیں مگر باقیوں کا کتنا خیال ہے کہ تم کو میری باتوں میری آہوں میرے رونے سے کچھ پریشانی کچھ تکلیف کچھ الجھاؤ تو نہیں ہوتا اسی احساس کے پیش نظر آپ اکثر خلوت میں رہا کرتے۔ اسی نرم مزاجی کی بنا پر فرمایا کرتے کہ اے گھر والو کہیں تم کو میری اس زندگی سے پریشانی ہوتی ہو۔ اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّیْ وَحُزْنِیْٓ اِلَى اللّٰهِ میری شکایت میرا غم اللہ کے آگے ہے۔ تم نہ پریشان ہو۔ پھر معافی کتنی جلدی ذرا سی وصلِ یوسف کی خوشخبری پائی تو پچھلے سارے دکھ بھول گئے اور خود ایک دم معاف کرنے کے علاوہ رب تعالیٰ سے معافی دلانے کا وعدہ فرما لیا۔ ابھی خوشی کی ابتدا ہی ہوئی ہے کہ شکرِ الٰہی کی مسکراہٹیں بکھر بکھر پڑتی ہیں۔ یہ تو عاشقِ صادق کی سچی داستان ہے اب ذرا مصر کا کردار دیکھئے جس میں نمایاں حصہ زلیخا کا ہے۔ وہ بھی عشقِ یوسفی کی دعویدار ہے۔ مگر پہلے ہی مرحلے پر جب اظہارِ عشق ہوتا ہے۔ تو کس گھناؤنے طریقے سے۔ وَرَاوَدَتْهُ الَّتِیْ هُوَ فِیْ بَیْتِهَا عَنْ نَّفْسِهٖ وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ وَقَالَتْ هَیْتَ لَكَ سچے اور جھوٹے عشق کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ عاشقِ صادق اپنے عشق کی آگ بھڑکانا چاہتا

ہے۔ مگر جھوٹا عاشق جلد بازی ہوس پرستی سے عشق کی آگ بجھا لینا چاہتا ہے۔ اسی کا یہاں اظہار ہے۔ دروازے بند ہیں ہوس شیطانی دعوتِ نفسانی کا دسترخوان کھلا ہے۔ آ۔ اور میری آگ بجھا۔ یہ کیسا عشق ہے۔ کیا یہ عشق کے دامن پر بدنما داغ نہیں۔ عزیز کی اس بیوی کی سابقہ زندگی پر پاکدامنی کا چھاپ ضرور ہے زلیخا کی سابقہ پاکدامنی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اظہارِ محبت کا یہ طریقہ جو استعمال کیا گیا۔ شرم وحیا سے کتنا دور بے غیرتی کے کتنا قریب ہے۔ ہر طرف سے لعنت ملامت سنائی دیتی ہے۔ خاوند کے روبرو پکڑی جاتی ہے۔ تو اظہارِ عشق کا دوسرا المناک شکل میں نمودار ہوتا ہے کہ عاشق کو اپنی جان کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اپنا جرم محبوب کے سر۔ اپنی غلطی میں محبوب کو بدنام کرنا چاہتی ہے۔ اپنی عزت کی خاطر معشوق کی ذلت کے سامان کئے جاتے ہیں اسی کو کچی محبت جھوٹا عشق کہا جاتا ہے۔ چونکہ ابھی صرف ارادہ ہی ظاہر ہوا ہے ارتکاب جرم نہیں اس لیے کہدیا جاتا ہے وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕیْنَ جب اسی محبت کی دعویداری کا تیسرا مرحلہ آتا ہے تو اپنی مخصوص سہیلیوں کے سامنے ایک مخصوص خفیہ دعوت میں۔ اپنی انا کو بچاتے ہوئے۔ حقیقت کا اقرار کرنا پڑا۔ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ واقعی میں نے اس کو ورغلایا تھا مگر اس نے اپنے آپ کو بچالیا۔ معًا۔ غرورِ مصری کا شعلہ بھڑکتا ہے۔ تکبرِ دولت ابھرتا ہے۔ امیری کا نشہ چڑھتا ہے۔ تو دھمکیاں اور قید وبند کی سزائیں سنائی جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ کیا بتاتا ہے کہ عشق جھوٹا ہے محبت ابھی کچی ہے عشق تو انا کی فنا کا نام ہے۔ عاشق کی ہستی تو معشوق کے سامنے گم ہے۔ عاشق کا دین تو معشوق کی دلجوئی ہے۔ عشق تو معشوق کی مرضیوں کا نام ہے نہ کہ اپنی نفس پرستی۔ یہ کیا پیری۔ مریدی اور درویشی فقیری اور عالمیت۔ خطیبیت معقیت ہے کہ رسول اللہ کچھ فرمائیں اور ہم کچھ کرتے چلے جائیں۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم ناراض ہوں اور ہم اپنی خود پسندی میں اڑے رہیں۔ رسول اللہ تو کعبے کو بتوں سے دھوئیں اور آج کا پیر فقیر خطیب اور مقتدی امام مسجد کو فلم خانہ اور گھر کو بت خانہ بناتا چلا جائے۔ پیارے آقا کی حدیث سنائی جائے رب رحیم کی آیتیں پڑھی جائیں اور ہماری گردنیں نہ جھکیں ہمارے دل نہ ڈریں۔ ہماری آنکھوں سے شرمندگی کے آنسو نہ بہیں۔ کیا اسی کا نام عشق رسول اللہ ہے۔ کیا اسی کو ہیبتِ خداوندی کہا جاتا ہے۔ کیا سورتِ یوسفی کی یہ نقشہ کشی ہمارے لیے عبرت کا سامان نہیں۔ اے عشق حقیقی تو یہ ہے کہ حسن اپنی پوری رعنائیوں کے ساتھ ہے۔ دولتِ دنیا قدموں میں پڑی ہے۔ جوانی اپنے پورے جوبن کے ساتھ دعوتِ وصل دے رہی ہے دنیوی عزتیں نثار ہونے کے لیے تیار ہیں۔ شباب پورے عروج پر ہے۔ شیطان اپنی مکاریوں کا زور لگا رہا ہے۔ نفس طالب ہے حسن پکارتا ہے اے یوسف کوٹھڑی تنہا ہے کوئی دیکھنے والا نہیں۔ سات دروازے ہیں ساتوں مقفل ہیں۔ خواہشات کی بجلیاں گر رہی ہیں۔ مگر عشق الٰہی نبوت کے روپ میں بعجزِ بندگی یوسف کی شکل میں جلوہ گر ہے۔ جواب دیتا ہے۔ تیری باتیں تیری آنکھ کے اعتبار سے ہیں وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ جو آنکھوں کا اندھا ہو وہ کچھ بھی سمجھ سکتا ہے۔ وَهَمَّ بِهَا لَوْلَاۤ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ

نبوت کی آنکھ تو کائنات کو دیکھ لیتی ہے۔ وہ تو کسی جگہ کو خلوت خانہ نہیں سمجھتا اُس کی نگاہ تو نَحْنُ اَقْرَبُ پر ہوتی ہے۔ اس کو بُرھان رَبِّہٖ نہ جانے کس ہیئت وصورت میں نظر آرہی ہوتی ہے۔ کون ہے جوان حُسن سامانیوں میں خود کو قابو میں رکھ سکے۔ بکلی عفت وپاکبازی مثل چٹان ہے جو ایسی شہوانی طوفان سے ٹکرا سکے۔ مگر سچے عشق خداوندی کا ایک ہی پیکر تھا جس کو زمانہ یوسف کنعانی کے حَسین نام سے یاد کرتا رہے گا۔ مصر میں خواہشِ نفسانی کے کتنے ہی جال پھیلائے گئے کتنے ہی طوفان اُٹھ کھڑے ہوئے۔ کتنی ہی بجلیاں کڑکیں مگر عصمتِ انبیاء کے کوہ گراں کو ہلا نہ سکیں۔ سیرتِ یوسفی میں رخنہ نہ ڈال سکیں یہ سب کچھ کیا تھا کیوں تھا یہ سینہ یوسف میں معدن عشق معبودی تھا جس کا مظاہرہ مصر کے تمدن۔ ترقی۔ تہذیب کے علاوہ اقوام عالم کے سامنے پیش کرنا تھا۔ اور سیرت یوسف کو سالکین کے لیے آیت الٰہیہ بنانا تھا۔ لیکن۔ آج وہی پیکرِ صدق وصفا جیل کی سلاخوں کے پیچھے ہے۔ جیل میں تو بہت سے میں ہزاروں جاتے ہیں جاتے رہیں گے۔ نکلتے ہیں نکلتے رہیں گے مگر اس جیل کی کیا خصوصیت ہے کہ دنیا کے ابتدائی دور ہی سے اس کا پروگرام مرتب ہو چکا ہے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام میں سے ابھی یہ دسویں پیغمبر ہیں۔ اور اس کا چرچہ جیل کا تذکرہ توریت۔ زبور۔ انجیل۔ جیسی کتب الٰہیہ کے علاوہ قرآن مجید میں بھی ہے۔ اس کی نقشہ کشی کے لیے ہزاروں تفسیریں لکھی گئیں اس کے تفصیلی بیان کے لیے کتنی ہی کتابیں تصنیف ہوئیں۔ یہی ایک جیل ہے جس کو سارے عالم تاقیامت میں مشہور کیا گیا۔ ۔اس جیل کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس کا قیدی نرالا ہے۔ دنیا میں لوگوں کو اس لیے قید ملتی ہے کہ وہ خود کو جرم سے نہ بچا سکے مگر اس قیدی کو جیل اس لیے آنا پڑا کہ اس نے جرم کیوں نہ کیا۔ امانت و دیانت و شرافت کو کیوں نہ چھوڑا۔ اس نے گناہ گار زندگی کو کیوں ٹھکرایا دنیا کی عدالتیں ان کو جیل بھیجتی ہیں جو عیاشی کی زندگی چاہتے ہیں اور جب ملتی ہے تو خود کو جرم و گناہ سے قابو میں نہیں رکھ سکتے۔ مگر اس قیدی کو یہ جیل اس لیے ملتی ہے کہ اس نے عیش کی زندگی سے مُنہ کیوں موڑا۔ لذتِ گناہ کے وقت نفس وخواہشات کو قابو میں کیوں رکھا۔ اہل دنیا نامساعد حالات ناموافق زمانے سے بغاوت کر جاتے ہیں مگر یہ قیدی ایسا ہے کہ اس نے اجنبی غلام کی کیفیت میں زمانے کے آثار چڑھاؤ کو پہلی بار دیکھا اور دیکھتے ہی کمال متانت سے حالات کے ساتھ مطابقت کرتے ہوئے آنیوالی ہر آزمائش کے ساتھ خود کو ڈھال لیا۔ خواہ وہ بھائیوں کا ظالمانہ سلوک ہو یا قافلے کی غلامانہ تجارت یا عزیز مصر کی خریداری اور خدمت گزاری۔ یا بیگناہی کی یہ جیل۔ اس جیل کی دوسری خصوصیت یہ تھی کہ اس قیدی کے آنے سے یہ جیل حمدِ الٰہی کی عبادت گاہ بن گئی۔ اور کبھی یہی جیل درسگاہِ معرفت بن جاتی ہے۔ نَبِّئْنَا بِتَاْوِیْلِهٖ یہ جیل اِس قیدی کی عبادت ریاضت اور احسانات سے مخزنِ انوار محسوس ہوتی ہے۔ جیل کا ذرہ ذرہ پکار اٹھتا ہے۔ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ کبھی یہی جیل تبلیغ دین کا مرکز معلوم ہوتی ہے۔ اِنِّیْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ كٰفِرُوْنَ - وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ (الخ)

ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَ عَلَى النَّاسِ ۔ کبھی اسی جیل میں توحیدِ باری کے درس پڑھائے جاتے ہیں۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ یہ قیدی یہ چند سالوں کا نوخیز جوان۔ یہ اٹھتی جوانی۔ بھرپور شباب مگر اس کے سرخ رخساروں میں تو نورِ وحدت کی چمک اور اس کی خوبصورت آنکھوں میں تو دینِ الٰہی کی روشنی موج زن ہے اس کی زبان فصاحت کے پھول بکھیر رہی ہے اس کے دلائل کے سامنے تو آباء و اجداد کا دین دم توڑ رہا ہے۔ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْهَاۤ اَنْتُمْ وَ اٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ۔ جیل میں کھلبلی مچ گئی یہ کیسی پرکشش آواز ہے دھماکہ خیز وعظ ہے۔ یہ صوتِ ہادی کس طرف سے بلند ہو رہی ہے اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ یہ قیدی عجیب ہے۔ کیا یہ صرف دین کی باتیں جانتا ہے۔ کیا یہ صرف گوشۂ تنہائی کا عابد و زاہد ہی ہے نہیں نہیں یہ معمولی آدمی نہیں۔ اس کے کشوری مزاج میں تقریباً انسانوں کی ستر زبانیں محفوظ ہیں یہ رب تعالیٰ کی خفیہ زبان بھی جانتا ہے۔ یہ اشاراتِ الٰہیہ کا بھی بھیدی ہے اس کو رجحانِ قلبی کی تاویل اور خوابوں کی تعبیر بھی آتی ہے۔ یٰصَاحِبَیِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا فَیَسْقِیْ رَبَّهٗ (الخ) یہ کیسی حیران کن شخصیت ہے کہ جس نے جیل کی مکدر فضا کو منور بنا دیا۔ اب تو جیل بھی لہلہاتا ہوا گلشنِ توحید معلوم ہوتا ہے یہ سلاخوں کے پیچھے جب آدھی رات کو ذکرِ الٰہی کے نغمے گنگناتا ہے تو انوار کی شمعیں جلتی نظر آتی ہیں جب یہ صبح تڑکے عبادتِ الٰہی میں نہایت عجز و انکسار خشوع و خضوع سے سجدہ ریز ہوتا ہے تو فضا کیسی مہک جاتی ہے۔ کسی نے سچ ہی کہا تھا۔ مَا هٰذَا بَشَرًا ؕ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا مَلَكٌ كَرِیْمٌ ۔ اس نے کبھی کسی سے کوئی حاجت بیان نہیں کی۔ بس اپنے رب سے ہی فریادیں کرتا ہے اسی کو اپنا مشکل کشا سمجھتا ہے۔ لیکن خود قیدی ہو کر بھی ہزاروں کی مشکلیں حل کر دیتا ہے اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِیْلِهٖ (الخ) ہاں کل کسی آزاد ہونے والے قیدی سے کہہ رہا تھا۔ اُذْكُرْنِیْ عِنْدَ رَبِّكَ تو اپنے رب سے میرا ذکر کرنا۔ میرا رب تو دلوں کی باتیں جانتا ہے تیرا رب غافل ہے۔ میرا رب تو مشکل حل فرمانے والا ہے۔ تیرے رب پر جس کو تو نے رب بنا لیا ہے ایک مصیبت پڑنے والی ہے۔ جا بتا دے اپنے رب کو میری ساری باتیں میری تبلیغ میری تعبیر میرا دین۔ میرے دلائل۔ تو ذریعہ بن جا محلوں تک میری دینی باتوں۔ اور سچے دین کے دلائل جھوٹے دین کی مذمت پہنچانے کا۔ تاکہ غفلت کے کانوں کو حق پرستی کے رس گھولتے لفظ پہلی بار سننے کو ملیں۔ مگر یہاں کونسا دشمن آڑے آسکتا تھا بجز شیطان کے۔ فَاَنْسٰىهُ الشَّیْطٰنُ وہی شیطان جس نے نبوت کے خلاف بھائیوں کو اکسایا زلیخا کو بھڑکایا۔ اور جیل میں پہنچایا۔ فَلَبِثَ فِی السِّجْنِ بِضْعَ سِنِیْنَ کئی سال جیل میں رہے ۔ یہی منشاءِ الٰہی تھا۔ ازلی تقدیرِ الٰہی کے مقرر شدہ پروگرام کا یہ بھی ایک حصہ تھا۔ کیونکہ ابھی جیل کے منتشرہ ماحول کو نبوت

کے پاکیزہ ہاتھوں کی ضرورت تھی۔ جیل کی کفریہ ظلمتوں کو نورِ ایمانی کی روشنی میں بدلنے کے لیے کچھ وقت کی حاجت تھی۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ خواہشاتِ کفر و شرک کی جیل کو درست کرنا ہو تو یوسفِ کنعانی کو بھیجا جاتا ہے اور جب منکبہ خود سری کے درباروں کو درست کرنا ہوتا ہے تو کلیم طور کو بھیجا جاتا ہے۔ اور جب رب تعالیٰ کے کعبۂ جلال کو بتوں سے پاک کرنا ہو تو محبوب عرشی تاجدار فرشی مالکِ لوح و قلم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمادیا جاتا ہے اور جب میدانِ سرکشی کو گناہوں کے جھگڑوں سے بچایا جاتا ہے تو حسین کربلا کو منتخب فرمادیا جاتا ہے۔ یہ دینِ الٰہی کے وہ چراغ ہیں جو کہیں بھی ہوں روشنی ہی دیں گے یہی سیرت یوسف وہ نور ہے جو ہر ماحول کو منور ہی کرتا ہے اِس سیرت نے آنے والی قوموں کو کتنے سبق دیئے۔ دنیا کی تکلیف و آرام نرمی سختی تو آنی جانی چیز ہے مگر حیات دنیوی کا وقت کتنا قیمتی ہے۔ یہ لمحات یہ سانسوں کی ڈوری کتنی انمول ہے۔ کیا تصور بھی کیا جا سکتا ہے کہ دوبارہ ملے یا واپس لوٹے یہی خیال کرتے ہوئے حضرت یوسف ایک ایک سانس سے پورا پورا مقصد حیات کا کام لے رہے ہیں کوئی وقت ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ تعبیر پوچھنے والے قیدی جب بارگاہِ یوسفی میں اپنی حاجت لے کر آتے ہیں تو تعبیر میں فقط اس لیے دیر لگاتے ہیں کہ ان کے آنے کا مقصد دنیوی ہی نہ رہے۔ درس گاہِ معرفت بن جائے تاکہ ان کو بھی پتہ لگ جائے کہ ہم کسی کاہن نجومی۔ جادوگر۔ فال۔ رمل والے کے پاس نہیں آئے بلکہ حیات دنیوی کا مقصد اور حیاتِ اُخروی کی راہِ حقیقت بتانے والے پیکرِ ہدایت کی مقدس بارگاہ میں حاضر ہیں۔ کیا کسی بنگالہ عامل۔ کامل۔ تعویز وغیرہ دینے والوں لوگوں کو مسخر کرنے والے شخص نے سیرت یوسف کے اِس پہلو سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے تبلیغ دین کا مقدس فریضہ ادا کرنے کا رواج ڈالا ہے۔ یوسف علیہ السّلام نے تو قید و مصیبت کی ذرہ بھر کسی سے بات نہ کی۔ آپ کی قید والی ساری زندگی کی تاریخ رشد و ہدایت سے بھری پڑی ہے۔ یہاں تک کہ قیدیوں کے علاوہ جیل کے افسران بھی ہاتھ باندھے غلام و معتقد نظر آتے ہیں۔ وقت گزرتا چلا جا رہا ہے۔ بادشاہ خواب دیکھ لیتا ہے مگر سارے دربار تمام رعایہ پورے ملک میں کوئی تعبیر نہیں بتا سکتا۔ آج مصر والوں علم پر غرور کرنے والوں۔ عمالقی ناز خوردوں کو اپنی لیاقتِ علمی کی حیثیت کا پتہ لگ جاتا ہے آج دانشوروں کاہنوں۔ نجومیوں کے سر شرمندگی سے نیچے لٹک گئے۔ کہاں گیا علمی دبدبہ۔ لیاقت کے غرور کو کیا ہوا۔ درس گاہیں کیوں خاموش ہیں حکومت کی تنخواہیں کھانے والے کہاں منہ چھپا گئے۔ عقل و خرد کے سارے بھرم ٹوٹ گئے۔ جب سب کچھ بھول گیا تو کنعان کا وہ شہزادہ جس کو بدوی غلام مجرم سمجھ کر قید میں ڈالا ہوا ہے یاد آیا یُوۡسُفُ اَیُّهَا الصِّدِّیۡقُ اَفۡتِنَا فِیۡ سَبۡعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ اے کائناتِ عالم میں سب سے زیادہ سچے یوسف۔ ہمیں اُس خواب شاہی کی تعبیر بتا کہ سات پتلی گایوں نے سات موٹی گایوں کو کھا لیا۔ اور سات سبز بالیاں اور سات خشک ہیں۔ اس خواب سے سارے دربار میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔ سب کے علم فیل ہو گئے زبانیں گنگ ہو گئیں یہاں شانِ نبوت

کا ایک عظیم پہلو زالی ادا۔ بہترین اختیارِ خداداد اُبھرتا ہے چشمِ فلک نے بھلا کہاں یہ نظارہ کیا ہوا بادشاہ فقیر کے دروازے کا گدا بن جائے۔ شہنشاہ مغرور اس کا محتاج دکھائی دیتا ہو جو اُس کی سلطنت کے مضبوط قلعے میں اَن پڑھ بدوی غلام قیدی کی حیثیت سے جانا پہچانا جا رہا ہے۔ ایسے معجزے تو آستانۂ نبوت پر ہی نظر آ سکتے ہیں آج یوسف صدیق علم و عرفان کی خیرات بانٹ رہے ہیں اور تمدن و ترقی دنیوی وجاہت کا بادشاہ گدائی کا دامن پھیلا رہا ہے۔ پھر کچھ توقف نہیں خیرات دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالتے بلکہ فوراً ہی قَالَ تَزْرَعُوْنَ سَبْعَ سِنِیْنَ دَاَبًا۔ الخ۔ چودہ سال کا پورا نقشہ، تعبیر کے علاوہ صنعتِ کسانی اور ذخیرہ اندوزی کے فارموں کی بھی جوہر افشانی فرما دی۔ تاکہ اقوامِ عالم کو پتہ چل جائے کہ یہ کہانت و جوتش۔ رمل و فال کی نائچہ بازی نہیں۔ علم نبوت کی چھوٹی سی جھلک ہے۔ اے یوسف تم قیدی ہو کئی سال سے جیل کی گھٹن اور پریشان ماحول میں الجھے ہوئے ہو۔ آج اُس بادشاہ کا پیغام آیا ہے جس کی نگاہِ التفات اور اشارۂ ابرو سے سالہا سال کی جیل۔ ایک ساعت میں ختم ہو سکتی ہے پھر تو مفاد حاصل کر لو کم از کم بادشاہ کے پاس اپنے مصائب کا ذکر بھیج دو اس وقت تو وہ مہربان فوراً عمل کرے گا۔ یہ وہی قیدی ساتھی ہے جس سے آپ نے پہلے تذکرہ کرنے کا حکم کیا تھا بادشاہ کے سامنے اے نادان مشیر یہ مقامِ نبوت ہے۔ نبوت مفاد پرست ابن الوقت۔ سیاسی شعبدہ باز نہیں ہوتی۔ نبی رحم کرتا ہے۔ رحم کی اپیل نہیں۔ نبی خیرات بانٹنے کے لیے آتا ہے خیرات مانگنے کے لیے نہیں۔ نبوت کا معجزہ ہزاروں دنیوی دینی۔ کفر و شرک و بدکاری گناہگاری کے قیدیوں کو چھڑا تو دیتا ہے۔ مگر ظلم کی قید سے چھوٹنے کے لیے کسی دنیا پرست سے درخواست نہیں کرتا۔ قیدی ساتھی سے پہلے تذکرہ کرنا بھی درخواست نہ تھی۔ تبلیغ تھی اللہ اکبر کیا دبدبہ ہے وجاہتِ نبوت کا۔ اے سیرتِ یوسفی تیرے قدموں پر ہزاروں خوددار قربان۔ تیری پچی سیاست پر لاکھوں زیرک نظریں نثار۔ اے یوسف ساری آنے والی مصیبتوں سے بچنے کے راستے ایک دم کیوں بتا دیئے کچھ روک رکھتے تاکہ بادشاہ کے دربار میں بار بار آپ کا نام آتا اور ہر بات سمجھنے کے لیے بار بار پیغام آتے۔ اے کم عقل نفسانی خواہش آستانۂ نبوت پر تیری امید بھی پوری نہیں ہو سکتی۔ مجھے بادشاہ کی اور اُس کے پیغام کی کیا حاجت۔ میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ نان نہیں۔ فقیرِ الٰہی کے لیے تخت۔ تختہ۔ جیل۔ میدان۔ قید۔ گھر۔ امیری غریبی۔ صحت بیماری نرم گرم راحت و تکلیف سب برابر ہے۔ اس کو جیل کو ٹھڑی پریشان نہیں کرتی بلکہ رضاءِ الٰہیہ کی دل نشین محفل سدا بہار گلشن معلوم ہوتی ہے۔ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖ۔ اب اُسی قیدی کے قدموں پر بادشاہتیں جھک رہی ہیں اسی بدوی کے سامنے دنیا کا تمدن بکھرا جا رہا ہے۔ اہلِ دنیا کے ترقی یافتہ کے علم قدم رنجہ فرمانے کی درخواستیں کر رہے ہیں۔ دنیا پرست ان موقعوں کو غنیمت سمجھتا ہے۔ سالہا سال کا تکلیفوں جیلوں میں پڑا ہوا دنیوی انسان تو خوش ہو جاتا۔ کود کر باہر نکل آتا۔ مگر یہ رسولِ خدا کی چوکھٹ ہے۔ کیا شانِ بے نیازی ہے۔

اِرْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ جا اپنے مربی کی طرف واپس پلٹ جا۔ اور بتا دے کہ جس کو تو نے بردی سمجھا ہے وہ علومِ دنیا کا اُستاد ہے جس کو گنوار بے پڑھا جانا گیا وہ علمِ لدنی کا بحرِ بیکراں ہے۔ جس کو غلام بنایا گیا اُس کے سامنے آقا سرنگوں ہیں جس کو قید کیا گیا ہے وہ رحمتِ الٰہی کی فضاؤں میں آزاد ہے۔ جس کو مجرم قرار دیا گیا اس کی راست بازی کی شمع جہاں کو روشن کر رہی ہے۔ اگر نہیں فَسْئَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّ (الخ) اُن عورتوں سے پوچھ لے جنہوں نے اُس کے جلوے کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لیے تھے۔ اس کی امانت و دیانت و صداقت کی گواہی وہ تو در کنار مصر کی دیواریں بھی دیں گی۔ اندھیری کوٹھڑیاں اور شیر خوار بچے دیں گے بلکہ خود عزیز کی بیوی بھی خود کو ملامت کرتے ہوئے نبوت کی سچائی کے گن گائے گی۔ پھر کیا ہوا۔ بھرے دربار نے کیا دیکھا۔ ملکِ مصر کے لوگوں نے کیا سنا۔ تاریخ کے قلم نے قرطاسِ دہر پر کیا لکھا۔ اور قرآنِ مجید نے کیا بیان فرمایا۔ قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ۔ عزیزِ مصر کی بیوی نے آخر مجبور ہو کر کیا سچا بیان دیا اَلْـٰٔنَ حَصْحَصَ الْحَقُّ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ کیسی پیاری محفلِ نعت خوانی تھی۔ کیا بہترین سیرتُ النبی کا جلسہ تھا۔ کیا یہ مقامِ عبرت اُن لوگوں کے لیے نہیں جو نبی کی نعت خوانی کو بند کراتے ہیں اور سیرتُ النبی کے جلسے کی آڑ میں اپنے بڑوں کا کردار اُچھالتے ہیں۔ نبوت کی ثنا خوانی کے بجائے کسی اور ہی حضرت جی کے پُل باندھے جاتے ہیں یہ آیتِ الٰہیہ کیا سمجھا رہی ہیں۔ کامیاب محفل کونسی ہے جہاں نبی کی زبان پر حمدِ باری تعالیٰ ہو۔ وَمَا اُبَرِّئُ نَفْسِیْ (الخ) اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اے دنیا کے بھٹکے ہوئے نادانو تم نے کس کو رب بنا رکھا ہے۔ آؤ میرے رب کی شان دیکھو۔ میرا رب بھگانے والا ہے تمہارے منہ بولے رب بھٹکنے والے۔ تمہارا مربی جیل پہنچانے والا میرا رب تختِ عزت پر بٹھانے والا۔ ہے کوئی یوسف کی طرح عاجزی انکساری عفت پاکدامنی۔ بے داغ سیرت۔ امانت۔ دیانت۔ عبادت۔ ریاضت۔ صبر۔ مشقت والا کوئی عشقِ الٰہی محبتِ خدائی۔ عطا۔ سخا۔ لقا۔ اخلاق۔ اخلاص لے کر آنے والا ہے تاکہ ہم اُس کو حمایت کا تاج پہنا کر رحمت کے تخت پر بٹھائیں۔ وَلَا نُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ دنیا میں بھی ہم کسی کی شانِ نعت خوانی بند نہیں ہونے دیتے آخرت میں ملنے والا اجر تو اس سے کہیں زیادہ اور ابدی ہے۔ ملکِ مصر۔ خردمندوں۔ دانشوروں۔ فلاسفروں۔ عقل والوں سے بھر پڑا ہے۔ کاہنوں۔ نجومیوں جوتشیوں جادوگروں قیافہ شناسوں کی بھرمار ہے۔ مگر یوسف جیسا کوئی نہیں ملتا۔ آج اُسی نبی کی جستجو ہے جس کو ان پڑھ بردی سمجھا گیا۔ آج دربار کا سماں دیکھنے کے قابل ہے نظارۂ دلفریب ہے۔ ایک طرف شانِ سکندری ہے دوسری طرف نگاہِ فقر ہے۔ اُدھر دنیا ہے اِدھر دین ہے۔ اس طرف عقلِ ظاہری ہے اس طرف عشقِ باطنی ہے۔ عقل میں ابھی تھوڑی سی طراری موجود ہے۔ خود نمائی کی تڑپ ہے۔ کچھ کچھ رعونت باقی ہے۔ دنیا نے نبوت سے ٹکر لی سائے مقابلوں میں شکست

کھائی ۔ ناکامی کا منہ دیکھا ۔ بس اب آخری معرکہ ہے ۔ چراغِ سحری کی آخری ادا ہے ۔ مقابلے کے ایک طرف بوڑھا ۔ جہاندیدہ علم رسیدہ ۔ دانش کا پُر دماغ بادشاہ ہے اور دوسری طرف گاؤں سے چل کر کوئیں سے ہوتا غلامیت کی زنجیروں میں کسا کسایا بندھا بندھایا جیل پہنچنے والا قیدی ہے ۔ عمر کا جوان ہے ۔ جس کی نگاہوں نے کبھی شہر نہیں دیکھا تھا ۔ پھر مقابلہ دست وبازو کا نہیں عقل ۔ فہم ۔ علم ۔ لغت زباندانی ۔ اور فراستِ ذہنی کا ہے ۔ ایک زبان میں گفتگو برابر رہتی ہے ۔ پھر دوسری میں پھر تیسری پھر چوتھی ۔ پانچویں چھٹی ساتویں ۔ آٹھویں بادشاہ کی حیرت بڑھتی جاتی ہے ۔ پھر سوچتا ہے جوان کب تک ساتھ دے گا ۔ آج دنیا میں میرا مقابلہ کون جیت سکا ۔ زبانوں پر زبانیں بولی جارہی ہیں دس ۔ بیس ۔ تیس ۔ پنتیس ۔ شاہِ مصر کی رعونت درست ہی تھی ۔ واقعی کوئی کبھی بھی مقابلے میں نہ ٹھہر سکا ہوگا ۔ دنیا میں دس گیارہ زبانوں سے زیادہ کون جان سکتا ہے ۔ لیکن شاہ مصر نے اپنی عمر کا بڑا حصہ زبانیں سیکھنے میں خرچ کیا ہوگا ۔ حیرانی تو اس نوخیز جوان کی زبان دانی پر ہے جو چالیس زبانوں تک نہایت وصاحت بلاغت کے ساتھ مسکرا مسکرا کر جواب دیتا رہا ۔ اور بادشاہ آج اپنی عمر میں غالباً پہلی بار شکست کے یقینی خیال کے ساتھ حیرانی پریشانی سے ندامت کے پسینے پونچھتا رہا ۔ اور جب اپنی آخری چالیسویں زبان کا بھی جواب سن لیا فَلَمَّا كَلَّمَهٗ جب یہ مکالمہ پورا ہوگیا ۔ تو قَالَ اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ اے یوسف تیرے فہم وفراست کا مظاہرہ تو تیری تعبیر خواب بتانے سے ہوچکا ۔ تیری عالی ظرفی شرافتِ نفسی کا مشاہدہ ان زبانوں کی گواہی سے ہوا جو کل تک تجھ پر بہتان طرازی اتہام تراشی کر رہی تھیں ۔ اور اپنی خیانت اور کذب بیانی کو تیرے سر تھوپ رہی تھیں آج وہی زبانیں تیری پاکدامنی کے گیت گا رہی ہیں ۔ لیکن تیرے علم تیری لیاقت قابلیت کا پتہ آج اس مکالمے سے ہوا ۔ ظاہر بات ہے کہ یہ مکالمہ فقط شکست وجیت کے ارادے سے نہ ہوا ہوگا ۔ یہاں بیت بازی یا لطیفہ سنجی نہ ہوئی ہوگی بلاغتِ لفاظی کے ترنگے نہ اڑائے گئے ہوں گے بلکہ ملکی مسائل ۔ سیاسی حالات ۔ آنیوالے معاشی بحران پر ہی دانائی معاملہ فہمی کے سوال وجواب ہوئے ہوں گے یہ سب کچھ دیکھ کر جب عش عش کر اٹھا ہر طرح سے آزمائش و پرکھ کر چکا اور زندگی میں یقیناً پہلی بار انتہائی متاثر ہوگیا تب کہا بیشک تو ۔ آج سے ہم سب ملک والوں حکومت والوں کے نزدیک بڑے مضبوط ارادے قوتِ علمی والا اور امانت والا ہے ۔ واقعی تیرا علم میرے علم کے برابر ہے ۔ آپنے جب اس کا جواب اکتالیسویں زبان میں دیا تو ششدر رہ گیا ۔ پھر دوسری زبان پھر تیسری پھر چوتھی پانچویں نجانے زبانوں تک فصاحت کے جوہر لٹاتے رہے ۔ نبوت کا یہ وہ مقام ہے کہ جہاں عقلیں پکار اٹھتی ہیں ۔ فلسفے ریخ پٹکتے ہیں دانشیں نعرہ زن ہوتی ہیں ۔ مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَآ اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ دنیا کا کون انسان ہے جو نبوت کی ہمسری کرسکے کتنے بدنصیب ہیں وہ جو نبی کو اپنے جیسا بشر سمجھتے ہوئے صرف بشر ہی کہتے ہیں ۔ سورت یوسف

ہیں نبوت کی جس طرح نقشہ کشی فرمائی گئی اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دنیا جہان کی جتنی بھی خوبیاں ہیں وہ صرف نبوت کے دامن کے پھول ہیں۔ دنیا و انسانیت کی وہ ہی قوتیں ہیں۔

۱۔ قوتِ زنان ۲۔ وقوتِ مردان۔ عورتوں کو اپنے حسن پر ناز ہوتا ہے اور مردوں کو اپنے علم پر مگر نبوت کی دہلیز پر یہ دونوں ناز ٹوٹ جاتے ہیں۔ اور کسی کو زبان سے کسی کو ذہن کی گہرائیوں سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ شریعت کے مقام سے کہیں اونچا ہے۔ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ سیرت یوسف کے سب کمالات دیکھ لیے گئے ہر طرح آزمایا گیا تو سمجھ لو کہ یہ سب کچھ میرے رب کی عطا ہے۔ اور میرے پاس اُحْكُمُ الْحَاكِمِيْنَ کا قانون ہے۔ قانون الٰہی اپنی بالادستی چاہتی ہے۔ لہٰذا صرف کسی دنیوی قانون کی مشاورتی عہدہ نہیں کسی کافر حکومت کے زیر فرمان نہیں بلکہ علاقائی زمین کے تمام خزانوں کا حاکم مختار بننا چاہتا ہوں تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون جاری ہوں۔ بیشک میں تمام زمین کی حفاظت کرنے والا اور اللہ کے تمام قانون کو جاننے والا ہوں۔ میں بادشاہ کا مرہونِ منت نہیں ہونا چاہتا میں نے تو جیل سے نکلنا بھی اس وقت تک قبول نہ کیا تھا جب تک وہ رہائی بادشاہ کی خوشنودی تھی۔ جب عدالت کے فیصلے نے میری بیگناہی کا فیصلہ کر دیا اور میری سزا پر سب کے سر ندامت سے جھک گئے تب میں رہائی کو اپنا حق سمجھتے ہوئے جیل سے نکلا۔ آج پھر کسی کا احسان مند کیوں ہو سکتا ہوں اگر مجھ کو اسی قابل سمجھتے ہو کہ میں مکمل انتظام و انصرام کر سکتا ہوں تو مکمل اختیار بھی میرا ہوگا اور ملک پر قانون بھی میرا چلے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ قانون کفر کا ہی رہے اور نبی صرف مشاورتی کونسل کا ممبر بن جائے میں حق تعالیٰ کا سچا نبی ہوں۔ وہ کوئی جھوٹا مدعیِ نبوت ہوگا جو چڑھتے سورج کا پجاری ہو۔ میں دولت و حکومت کا حاجتمند نہیں عزت و وقار کا خواہش مند ہوں خاندانی شرافت پر آنچ نہیں آنے دی جائے گی۔ ماشاء اللہ استقامت دین اور اخلاقِ نبوت کی کیسی اعلیٰ مضبوطی ہے۔ اب قرآن مجید سیرت یوسف کا ایک عجیب باب کھولتا ہے۔ یوسف تخت پر جلوہ افروز ہیں اور بھائی سامنے آکھڑے ہوتے ہیں کون بھائی؟ وہ بھائی جنہوں نے موقعہ ملنے پر ظلم۔ شقاوت۔ ایذا رسانی میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ قتل کے منصوبے کو ہر طرح عملی جامہ پہنایا۔ دکھ درد کے پورے سامان کئے گھر سے بے گھر کیا۔ غلام بنا کر بیچ دیا۔ وہ دور جب کہ غلام بنانا سسکا سسکا کر مارنے کے مترادف تھا۔ ننھے بھائی کی مظلومیت پر ترس نہ کھایا۔ آج اسی بھائی کے سامنے عاجزانہ کھڑے ہیں ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھ رہے ہیں فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ کیسا عجیب اتفاق ہے۔ تاریخ عالم کا کیسا انوکھا موڑ ہے۔ جس کے سامنے کھڑے ہیں وہ وہی مجبور و مظلوم بھائی ہے مگر آج۔ وہ مظلوم نہیں بلکہ کائنات کے مظلوموں کی داد رسی اس کے سپرد کر دی گئی ہے آج وہ بھوکا اور پیاسا نہیں بلکہ زمین کے بھوکوں کا کفیل بنا دیا گیا ہے۔ یہ حاضر ہونے والے بھائی اس کو عزیز مصر ہی سمجھ رہے ہیں مگر یوسف علیہ السلام نے پہچان لیا ہے۔ ہر قسم کا سلوک کیا جا سکتا ہے آج

یوسف کو انتقام لینے سے کون روک سکتا ہے اشارۂ ابرو کی دیر ہے بڑی سے بڑی سخت سے سخت کاروائی کی جاسکتی ہے۔ اہلِ دنیا کے سامنے یہ بھی کڑی آزمائش ہے۔ شخصیتِ یوسف پر صبر کا دور گزر چکا ہے۔ آج علم و رحم کا زمانہ ہے انسان کے لیے مقہوری و مجبوری میں صبر کر لینا اگرچہ بڑی سعادت و ثواب ہے۔ مگر تخت پر بیٹھ کر تاج و شاہی لباس پہن کر۔ قوت و اختیار ہوتے ہوئے مہر بخشش کے پھول نچھاور کرنا۔ اور آتشِ انتقام سلگنے نہ دینا عظمت کی بلندی کا اونچا نشان ہے۔ اقوام عالم پر صبر و عفو کے کئی دور گزرے مگر کوئی بھی نہ صبرِ یوسف کی مثال پیش کر سکا نہ رحمِ یوسف۔ کہ جب مقام صبر تھا تو اُف بھی نہ کی اور جب طاقت پائی تو بدلے کا خیال بھی نہ آیا۔ حالانکہ کفر اور غیر مسلموں کی تاریخ میں۔ یہود و نصاریٰ اور یورپین ممالک کے واقعات میں مظلوم۔ نہتے مجبور بیکس رعایہ پر رحم کی ہلکی سی مثال بھی نہیں ملتی۔ ان کی داستانیں ظلم سے بھری پڑی ہیں اہلِ دنیا اور اہلُ اللہ کے اِس امتیازی فرق پر تاریخ شاہد ہے۔ تین دفعہ بھائیوں کا آنا ہوتا ہے۔ پہلی دفعہ ایسی میزبانی فرمائی کہ عزیزِ مصر کے حسنِ اخلاق کی دھاک بیٹھ گئی۔ دوسری دفعہ وہ طریقہ اختیار فرمایا کہ وصل کی گھڑیاں قریب سے قریب تر ہو گئیں۔ ان دو ملاقاتوں میں مہربانی تو ہر قسم کی ہوتی ہے مگر پچھلے سلوک کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا جاتا۔ تیسری ملاقات ایسی حالت میں ہوتی ہے کہ انتقام کے کانٹے خود بخود رحم کے پھول بن جاتے ہیں اب بات چھپائی نہیں جا سکتی۔ لیکن جس یوسف نے اپنوں سے ہمیشہ دُکھ اُٹھائے آج وہ سراپا کرم ہے۔ الفاظ تلاش فرما رہا ہے کہ تعارف کے لیے ایسے لفظ بولے جائیں کہ پورے حالات کا نقشہ بھی کھینچ جائے مصر میں آنے کا ذریعہ بھی سمجھ آجائے اور پچھلی باتیں یاد بھی آجائیں لیکن میری طرف سے دِل پر ہلکی سی خراش بھی نہ آئے۔ تھوڑے سے کلام سے ہی پوری تفصیل ہو جائے هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ وَاَخِيْهِ اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ کیا تم نے کبھی خلوت یا جلوت میں اکیلے یا اکٹھے گزرے ہوئے لمحات میں کبھی سوچا بھی کہ تم نے یوسف کے ساتھ اور اُس کے بھائی کے ساتھ کیا۔ کیا تھا۔ کبھی اُس کی یاد نے تم کو بھی رلایا تڑپایا کبھی ندامت ہوئی اُس کی ضرورت محسوس ہوئی۔ اس کی شکل کا کبھی تصور بھی بندھا۔ کم از کم اب تو ضرور یاد آ گیا ہوگا۔ اور یقیناً سب واقعات و کردار کی تصویر ابھی کھینچ گئی۔ اچھا یہ تو کہو جب تمہاری کم عقلی کے دن تھے اور تم نے کھیل ہی کھیل میں کیا کر دیا تھا۔ ارے کیا تم ہی یوسف ہو۔ ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اس نے مجھ کو نہیں بتایا میں نے تو تم کو پہلے دن پہچان لیا تھا مگر تم نے میرا حسن سلوک دیکھا۔ اب بھی میں تم کو یاد نہ دلاتا مگر آخر ایک دن یہ بات کھلنی تھی لیکن تم سے کچھ مواخذہ گرفت نہیں۔ میں سمجھتا ہوں تم نے نادانی میں یہ سب کچھ کیا تھا۔ اب تمہاری ندامت معذرت قبول ہے۔ دل پر کوئی بوجھ نہ رکھو۔ آخر میں بھائی ہوں تم میرے خون ہو۔ سبحان اللہ کتنا بڑا حوصلہ ہوتا ہے بارگاہِ نبوت کا۔ خود تسلیاں دے رہے ہیں صالحین تو دنیا میں بہت ہوتے ہیں مگر نبوت کی ایک نرالی ادا یہ ہے کہ ہر بات کی انتہا یادِ الٰہی شکرِ خداوندی۔ اور حمدِ باری تعالےٰ

کو بنایا جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے دنیوی ماحول ایک دم دین کے سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ تاکہ بندے کے تصورات دنیا اور اہلِ دنیا سے ہٹ کر مشغول ذات جلّ مجدہٗ ہو جائے۔ اے بھائیو تم نے یہ میرا رویہ دیکھا ہے لیکن میرا رب تو اَرحم الراحمین ہے۔ اصل معذرت اس کی بارگاہ میں کرو۔ وہ تم کو ابدالاباد تک بخش دے گا۔ اب آخری صورت تک حمد ہی حمد شکر ہی شکر ہے۔ آخر میں سب سے منہ موڑ کر رب کی بارگاہ میں عرض گزاری ہے۔ کہ اے میرے کریم رب۔ شیطان نے فراق ڈالا تو نے اس کو وصل سے بدلا۔ شیطان نے تھوڑی سی تکلیف اور جدائی دی۔ تو نے کثیر عطائیں فرمائیں والد دیا۔ ماں سے ملایا۔ بچھڑے بھائی ملائے ملک دیا سلطنت عطا فرمائی۔ حکومت۔ عزت۔ رزق۔ آل۔ اولاد۔ کیا کچھ تو نے نہیں دیا۔

تیرے کرم سے اے غنی کون سی شی ملی نہیں
جھولی ہی سب کی تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

اے میری فریادوں کو سننے والے شب کی اندھیریوں کو نور بنانے والے۔ بس ایک ملاپ۔ ایک وصل اور عطا فرما۔ تَوَفَّنِیْ مُسْلِمًا وَّ اَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ مجھ کو سلامتی کی وفات عطا فرما۔ اور اپنے خاص الخاص بندوں سے ملائے رکھنا۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ سورت۔ عابدین۔ عارفین۔ زاہدین۔ علما۔ صوفیا۔ کے لیے آیتِ الٰہیہ ہے کیونکہ وہی سائلین حقیقت ہیں اور طالبین شریعت ہیں۔ یہ سورت غافلین۔ نادمین۔ فاسقین تائبین۔ ظلمین کے لیے عبرت ہے۔ کیونکہ ندامت اور توبہ اور اقرارِ گناہ لانے والا ہی اُولِی الْاَلْبَابِ میں سے ہے۔ یہ سورت۔ عاشقین۔ عاقلین کے لیے ہدایت و رحمت ہے کیونکہ یہی اللہ رسول پر کامل ایمان لانے والے مومن ہیں دنیا میں اگر کسی کو بھائی کا درجہ دیا جا سکتا ہے تو یہی بارہ گروہ الٰہیہ ہیں ان ہی کا وصل وہ انعام خداوندی ہے جو دنیا۔ عقبیٰ قبر حشر میں قائم رہنے والا ہے باقی برادری۔ اخوت سب چھوٹنے والی بے وفا۔ بے مروت۔ مطلب پرست۔ جھوٹی امیدیں اور پیار جتانے والی ہے۔ یعقوب علیہ السلام کی پہلی بیوی راحیل تھیں مگر ان کے تین بچے بڑھاپے میں ہوئے لڑکا یوسف لڑکی زینب دوسرا بیٹا بنیامین۔ دوسری بیوی لیا کے چھ بیٹے اور ایک بیٹی۔ زلفہ لونڈی سے جاد۔ آشر۔ دان لونڈی سے دو بیٹے دان نفتالی۔ دخولِ مصر کے وقت صرف لیا زندہ تھیں اور بارہ بیٹے زندہ اور ان کی اولاد بیویاں۔ حضرت یعقوب کی دونوں بیٹیاں فوت ہو چکی تھیں صحیح یہ ہے کہ دونوں کی شادی نہ ہوئی تھی۔ وفات نوجوانی میں ہوئی تھی۔ حضرت یوسف کے گیارہ بھائیوں کے نام۔

۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰	۱۱	۱۲
روبیل	یہودا	شمعون	لادی	یشجر	زیالون	جاد	آشر	دان	نفتالی	یوسف علیہ السلام	بنیامین

والد یوسف	کی والدہ	دوسری زوجہ	حضرت	دوسری	یوسف کی بہن	بادشاہ مصر	عزیز مصر	زوجہ یوسف	پہلا قیدی	دوسرا قیدی
یعقوب	راحیل	یعقوب یا	یعقوب کی	لونڈی بلہہ	سگی. سوتیلی	خالی نور	قطفیر	زلیخا.	ساقی زندہ	مرنے والا
علیہ السلام		(سوتیلی ماں)	لونڈی زلفہ		زینب دینیہ			دراعیل	مخلب	بونا

عمالیق کی اولاد قوم عمالقہ نے مصر کو آباد کیا۔ اور اسی قوم کی حکومت تقریبًا پانچ سو ۵۰۰ سال مصر پر رہی۔ پھر حکومت یوسف علیہ السلام کے قبضے میں آئی اور اسی ۸۰ سال آپ بادشاہ مصر رہے۔ پھر آپ نے اپنے بھائی یہودا کو حکومت دی اپنی وفات کے وقت اُس کی حکومت دس سال رہی۔ پھر دیگر بنی اسرائیل حکومت کرتے رہے یہاں تک کہ قبطی قوم فرعون نے حکومت پر قبضہ کر لیا اور بنی اسرائیل کو ذلیل و خوار کیا۔ فرعون کی حکومت تین سو سال رہی اور اس سے پہلے یوسف کے بعد بنی اسرائیل کی حکومت ایک سو ۱۰۰ سال رہی پھر موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ آیا اور فرعون غرق کیا گیا۔ قبط نام تھا نوح علیہ السلام کے ایک پوتے کا اس کی نسل کا نام قوم قبط ہوا یہ سب کافر ہی رہے اور کفر میں ہی غرق ہوئے سب۔ اور اس طرح یہ نسل ختم کر دی گئی، عمالیق نام تھا نوح علیہ السلام کے پڑپوتے کا اس کی اولاد قوم عمالقہ کہلائی یہ بھی سب کافر تھے مگر یوسف علیہ السلام کے ہاتھ پر چار ہزار مومن بنے۔ ملک مصر پر قبل مسیح صرف تین قوموں کی حکومت رہی۔

۱ عمالقہ۔ ۲ بنی اسرائیل ۳ قبطی۔ آج مورخہ ۱۳ شعبان ۱۴۰۵ھ بروز ہفتہ مطابق ۴ مئی ۱۹۸۵ء بعد نماز مغرب یہ خلاصہ تفسیر مکمل ہوا فالحمد للہ علیٰ ذالک کل لندن میں حجاز کانفرنس ہے۔ مفتی مختار احمد صاحب بھی تشریف لائے ہوئے۔ شاید چند دن بعد ہمارے گھر بھی تشریف لائیں۔ بریڈ فورڈ میں۔

سُوْرَۃُ الرَّعْدِ مَدَنِیَّۃٌ وَّهِیَ ثَلٰثٌ وَّ اَرْبَعُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سورۂ رعد کا مختصر بیان اور وجہ تسمیہ

جس طرح کہ پہلے کئی دفعہ بیان کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کے نام خود باری تعالیٰ کی طرف سے مسمّٰی ہیں لوح محفوظ میں اسی ترتیب اور اسماء پاک سے لکھے ہوئے ہیں بخلاف سیپاروں کے نام کہ یہ تیس ۳۰ حصّے بندوں کے لیے ہوئے ہیں اور انہوں نے ہی تیس ۳۰ پاروں کے نام رکھے ہیں جو اُس حصّے کے بالکل پہلے لفظ کو مقرر کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح آیتوں کے نمبر جات اور رکوعوں کے نشانات بھی بندوں کی تعیین ہے۔ ہر سورت کے اوّل بسم اللہ شریف مکمل یہ نبی کریم کی طرف سے ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ باری تعالیٰ جل مجدہ نے اسماء طیبات ہماری معلومات کے مطابق پانچ وجہ سے معین اور وضع فرمائے۔ ۱ بعض نام کسی اہم مضمون کی وجہ سے۔ ۲ بعض نام کسی خاص

قصے کی وجہ سے ۔ ۴ بعض نام کسی اہم ایسی شخصیت کے نام پر جس کا اُس سورت سے خاص تعلق ہو ۔ ۵ کوئی نام کسی خاص آیت کی وجہ سے ۔ ۶ کوئی نام کسی ایسے لفظ کی وجہ سے جو اُس سورت میں امتیازی مقام رکھتا ہو۔ اس سورت کا نام آیت ۱۳ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (رعد) میں لفظِ رَعد سے رکھا گیا ہے۔ مسئلہ۔ قانونی اخلاقی اور شریعتِ اسلامیہ کے مطابق دنیا بھر میں کسی نام کا ترجمہ دوسری زبان میں کر کے اُس کو لکھنا بولنا ناجائز بلکہ بعض موقعوں پر نام والے کی گستاخی اور بیعزتی ہے۔ کیونکہ ذاتی نام محض تعارف کے لیے ہوتے ہیں مقصود معانی نہیں ہوتے۔ یہی حکم خطابات القابات۔ تخلصات اور صفاتی ناموں کا ہے خواہ وہ نام انسان ملائکہ جنات کے ہوں یا جمادات نباتات حیوانات کے ہوں۔ یہی حکم قرآنی سورتوں کے ہیں۔ مثلاً سورت بقرہ کو ہر زبان میں بقرہ ہی کہا جائے گا۔ گائے کی سورت۔ یا گاؤ ہرگز جائز نہیں۔ اسی طرح لفظ رَعد۔ ایک فرشتے کا بھی نام ہے اور اِس سورۃِ قرآنی کا بھی۔ اور اس کا لغوی ترجمہ ہے چیخ چنگھاڑ مگر اس کو سورتِ چنگھاڑ نہیں کہا جاسکتا بعض ناداِنوں نے قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے سورتوں کے اسماءِ طیبات کے انگریزی ترجمہ لکھ ڈالے جو غیر مسلموں کے دماغوں میں عجیب مضحکہ خیز بن گئے۔ یہ مترجمین کی کم عقلی ہے اس سے بچنا چاہیئے۔ مضامین سورت۔ اس سورتِ پاک میں چھ رکوع ہیں اور ہر رکوع کے مضمون کا خلاصہ اس طرح ہے ۱ پہلا رکوع۔ آسمان زمین چاند سورج۔ دریا۔ نہریں مختلف پھول وپھل اور موسموں کی حیران کُن تخلیق۔ عظمت اور قدرت الٰہیہ کا بیان اُخروی زندگی کا استدلال ۲ دوسرا رکوع۔ انسانی خلقت۔ علم الٰہی۔ انسانی تدابیر کا فائدہ۔ تقدیر ازلی کی اہمیت۔ تمام زمینی مخلوق جمادات و نباتات پر ہیبتِ باری تعالیٰ اور اُن کے سجدوں کا بیان۔ انسانی کمزوری اور اُس پر اکڑ و غرور۔ اچھے بُرے آدمی کا تقابلی جائزہ و نتیجہ۔ تمثیلاتِ عالم۔ ۳ اہل عقل کی نشانیاں اور اُن کا اُخروی انعام بُرے بندوں کی نشانیاں و اجر۔ ۴ چوتھا رکوع۔ قلبی سکون کا بیان۔ کفار کی ضد اور ہٹ دھرمی۔ کفار سے مایوس ہو جانا اچھا ہے۔ وعدۂ خداوندی کی شان ۵ پانچواں رکوع۔ گستاخانِ نبوت کی سزا۔ بت پرستوں کی پرستش اور بت سازی پر دلیل طلبی۔ جنت کی مثال۔ نو مسلم یہود و نصاریٰ کی شان کم عقل خواہش پرست مسلمانوں کی مذمت اور انجام ۶ چھٹا رکوع۔ وحی الٰہی کی شان۔ نسخ آیات کا تذکرہ تبلیغی ذمہ دار کی حد بندی۔ کفر کی فریب کاری کا انجام۔ کفار کا انکار نبوت۔ اور اللہ تعالیٰ کا جواب۔ بعض سورتوں کے دو۔ دو تین۔ تین نام ہوتے ہیں جیسے سورۂ یوسف۔ مگر سورۂ رعد کا ایک ہی نام ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ

الف لام میم را یہ آیتیں کتاب کی اور وہ کلام جو اتارا گیا

یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو تمہاری طرف تمہارے

اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ

طرف آپ کی . طرف سے رب کے آپ کے حق ہی ہے اور لیکن اکثر لوگ

رب کے پاس سے اترا حق ہے . مگر اکثر آدمی

لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱﴾ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ

نہیں مانتے . اللہ وہ ہے جس نے بلند فرمایا آسمانوں کو

ایمان نہیں لاتے . اللہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا ہے

بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی

بغیر ستون کے دیکھتے ہی ہو تم اس کو پھر برابری فرمائی پر

ستونوں کے کہ تم دیکھو پھر عرش پر استوا

الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ؕ كُلٌّ

عرش اور تابع حکم کر دیا سورج کو اور چاند کو ہر چیز

فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے اور سورج اور چاند کو مسخر کیا ہر ایک ایک ٹھہرائے ہوئے

يَجْرِىْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّىؕ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ

چلتی رہے گی لیے مدت مقرر کی ہوئی۔ تدبیر فرماتا ہے وہ اللہ تعالےٰ

وعدہ تک چلتا ہے۔ اللہ کام کی تدبیر فرماتا

يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ

معاملات کی مفصل بیان فرماتا ہے آیتوں کو تاکہ تم پر ملاقات رب اپنے کی

اور مفصل نشانیاں بتاتا ہے کہیں تم اپنے رب کا ملنا

تُوْقِنُوْنَ ②

یقین لاؤ تم۔

یقین کرو۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی سورت کی آیتوں میں باری تعالیٰ نے آسمان و زمین کی اُن ظاہری علامات قدرت کا اجمالی ذکر فرمایا تھا جن کو کفار بھی سفر و حضر میں دیکھتے رہتے تھے مگر بغیر توجہ آنکھیں چرا کر گزر جاتے تھے ان آیات میں رب تعالیٰ نے ذرا تفصیل سے نشانات قدرت کا ذکر فرمایا اس لیے سورۂ یوسف کے بعد سورت رعد ہی کا ربط ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی سورت کی آیتوں میں رب تعالیٰ نے حضرت یوسف کی زبانی تقریر توحید باری تعالیٰ کے موضوع پر اَرۡبَابٌ مُّتَفَرِّقُوۡنَ کے الفاظ سے ذکر فرمائی ان آیتوں میں آسمان زمین کے خالقیت کا تذکرہ فرمایا جس میں اقتضاءً ثابت ہوا کہ جب خالق واحد ہے تو معبود بھی وہی واحد ہے۔ اس مناسبت اور ربط سے سورت یوسف کے بعد سورت رعد ضروری ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ سورت یوسف کی آیتوں میں قصہ یوسف علیہ السلام سنا کر نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی دلجوئی اور تسلی فرمائی گئی اس رنج و غم کی بنا پر جو آپ کو اپنے ہی اہل مکہ خاندان سے پہنچا تھا اس سورت میں ایک جگہ دیگر انبیاء کرام کی ایذاؤں اور کفار کی مذاق بازی کا ذکر فرما کر نبی پاک کی تسلی فرمائی کہ فرمایا وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ بِرُسُلٍ مِّنۡ قَبۡلِكَ **چوتھا تعلق** ۔ پچھلی دو سورتوں میں رب تعالیٰ نے بہت سے انبیاء کرام کا تذکرہ فرمایا اس سورت میں باری تعالیٰ نے اپنی شانوں اپنی قدرتوں کا ذکر فرمایا۔

جس سے خالق و مخلوق کے درمیان پیارا ربط و تعلق ظاہر ہوا اس لیے سورۂ یوسف کے بعد سورۂ رعد نہایت مناسب ہے۔

مقام نزول یہ تمام سورت مکی ہے۔ مگر اس کی آیت ۳۱ اور آخری آیت ۴۳ یہ دو آیتیں مدنی ہیں۔ کچھ علماء فرماتے ہیں یہ سورت مدنی ہے۔ مگر یہ درست نہیں اختلاف کی وجہ یہ ہوئی کہ یہ مکی زندگی کے آخری ایام میں نازل ہوئی۔

تفسیر نحوی الٓمّٓرٰ۔ یہ حروف مقطعات ہیں ان کا مطلب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا مخلوق میں کوئی نہیں جانتا۔ یہ کل چودہ جگہ قرآن مجید میں سورتوں کے اول استعمال ہوئے۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ۗ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ تلک اسم اشارہ قریبی ھذا کے معنی میں مبتدا ہے اٰیٰتُ مضاف اَلْکِتٰبُ مضاف الیہ ہر دو خبر ہیں مبتدا کی آیت جمع ہے آیت کی بمعنی ایک جملہ یا مکمل عبارت۔ الف لام عہدی ہے یا اسمی ہے بمعنی اَلَّذِیْ کتاب بمعنی مکتوب یعنی لکھی ہوئی۔ بعض نے کہا کہ الٓمّٓرٰ۔ تلک مبدل منہ آیت الکتٰب مرکب اضافی عطف بیان ہے یا بدل ہے۔ وَ سرجملہ اَلَّذِیْ اسم موصول بحالت رفع کیونکہ اگلے جملے صلے سے مل کر مبتدا ہوگا اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول نَزَلَ سے بنا باب افعال ہے متعدی بیک مفعول۔ الٰی حرف جار۔ کَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع ذات احمد مجتبیٰ۔ مِن جارہ ابتدائیہ بمعنی طرف سے رب اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا عموم الاستعمال ہے لفظ عربی ہے مگر تمام زبانوں میں مستعمل ہے۔ یہ مصدر ہے اور مبالغے کے صیغہ میں مستعمل ہے جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ۔ باب نَصَرَ سے ہے بعض نے فرمایا یہ بَرٌّ کی طرح صفت مشبہ ہے۔ ایک قول میں رب مصدر بمعنی رَابٌّ اسم فاعل ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے تربیت کرنے والا۔ اور تربیت حقیقیہ یہ ہے کہ کسی چیز کو ایجاد کر کے حد کمال تک پہنچانا۔ یہ شان بجز پروردگار عالم کسی کی نہیں اسی لیے ہماری شریعت میں اللہ کے سوا کسی کو رب کہنا حرام ہے۔ اس کے عربی لغوی معنی۔ مالک۔ سردار پالنے والا۔ منتظم۔ دیکھ بھال کرنے والا۔ کَ۔ ضمیر مجرور متصل کا مرجع ذات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اَلْحَقُّ۔ خبر ہے اَلَّذِیْ مبتدا کی۔ اس کی چند اور بھی ترکیبیں کی گئی ہیں۔ وحالیہ۔ یا سرجملہ لٰکِنَّ حرف مشبہ بالفعل استدراک کے لیے۔ اَکْثَرَ اسم تفضیل بحالت فتح ہے کیونکہ اسم لٰکِنَّ ہے مضاف النَّاسِ مضاف الیہ۔ اَکْثَرُ کَثْرَۃٌ سے بنا ہے قلت کی ضد۔ النَّاس۔ الف لام عہدی ہے یا استغراقی۔ ناس بمعنی انسان یہ جمع ہے اس کی واحد کوئی نہیں۔ بعض نے کہا یہ دراصل اُناس تھا اور اس کی واحد انسان ہے مگر یہ ٹھیک نہیں کیونکہ انسان کی جمع اَنَاسِیٌّ ہے۔ اور اُناس کا واحد اِنْسٌ ہے۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے لٰکِنَّ کا۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع منفی بلا خبر ہے لٰکِنَّ کی۔ باب افعال سے ہے بمعنی ایمان لانا۔ اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ ۭ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى لفظ اللہ مبتدا ہے۔ بحالت رفع ہے اسم جامد ہے

گر ترتیب بھی نام ہی بنتا جاتا ہے ۔ مثلاً ہمزہ گرائی تو لِلّٰہ رہا ۔ لام گرایا تو اَلَہٗ رہا ۔ الف لام گرایا تو لَہٗ ۔ رہا ۔ دوسرا لام گرایا تو ہٗ رہ گیا ۔ کیا شان ہے اُس کے نام پاک کی ایسی حیرانی کسی نام میں نہیں ۔ اَلَّذِیْ اسم موصول اپنے صلے سے مل کر خبر ہے مبتدا کی یہ مذکر واحد ہے ۔ رَفَعَ ۔ فعل ماضی رَفْعٌ سے مشتق ہے متعدی بیک مفعول ۔ کبھی لازم بھی ہوتا ہے اس کا فاعل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ضمیر هُوَ مستتر ہے اَلسَّمٰوٰتِ ۔ الف لام استغراقی ہے ۔ خیال رہے کہ الف لام استغراقی اسم واحد یا جمع اُس پر آتا ہے جس کے تمام افراد مراد ہوں کوئی فرد اُس سے علیحدہ نہیں ہو سکتا ۔ سمٰوٰت جمع ہے سَمَاءٌ کی بحالت نصب ہے ۔ جمع مونث سالم ہے بِ جارہ زائدہ ہے غَیْرِ عَمَدٍ کی طرف مضاف ہے ۔ خود مجرور ہے بارِ جارہ کی وجہ سے عَمَدٍ واحد ہے اس کی جمع عِمَادٌ ہے لفظ غیر حروفِ استثنائیہ میں سے ہے ۔ عَمَدٌ بمعنیٰ ٹیک ستون تَرَوْنَ فعل مضارع بمعنیٰ حال صیغہ جمع مذکر حاضر رَأْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ غور کر کے دیکھنا ۔ ھَا ضمیر منصوب متصل واحد مونث میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع سمٰوات ہے تب یہ پورا جملہ سمٰوٰت کی صفت یا حال بنے گا اور بحالت نصب ہوگا دوسرا یہ کہ ھَا ضمیر کا مرجع بغیر عمدٍ ہوگا تب یہ پورا جملہ تَرَوْنَهَا بغیر عمدٍ کی صفت یا حال ہوگا اور بحالت کسرہ ہوگا ۔ ثُمَّ حرفِ عطف ہے مگر یہاں نہ تراخی ہے نہ ترتیب بلکہ فقط عطف بمعنیٰ واؤ عاطفہ ہے ۔ اِسْتَوٰی فعل ماضی سَوِیٌّ سے مشتق ہے باب افتعال سے ہے ۔ بمعنیٰ ۔ ارادہ کرنا ۔ چڑھنا ۔ سنبھلنا ۔ برابر ہونا ۔ برابر کرنا ۔ قبضہ کرنا ۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مناسب ہیں ۔ سَوِیٌّ کے بعد جب عَلٰی آئے تو متعدی ہوگا بمعنیٰ چڑھنا ٹھیرنا ۔ قبضہ کرنا ۔ اور جب اس کے بعد اِلٰی جارہ آئے تو متعدی ہوگا بمعنیٰ ارادہ کرنا برابر کرنا ۔ اور جب یہ حرف نہ آئیں تو لازم ہوگا بمعنیٰ سنبھلنا ۔ برابر ہونا ۔ عَلٰی جارہ بمعنیٰ فوقیت ۔ اَلْعَرْشِ ۔ الف لام عہدِ ذہنی یا خارجی ۔ عرش بمعنیٰ تخت مراد عرشِ اعظم ہے ۔ وَ عاطفہ سَخَّرَ فعل ماضی معروف بابِ تفعیل سے ہے اس لیے متعدی ہے بمعنیٰ کام میں لگا دینا ۔ تابع کر دینا ۔ یہاں دونوں معنیٰ درست ہیں مگر پہلے معنے زیادہ مناسب ہیں مادہ اس کا سَخْرٌ یا سُخْرٌ یا سُخْرَۃٌ ہے لازم ہوتا ہے بمعنیٰ ۔ دل لگی کرنا ۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر کا مرجع اللہ ہے اَلشَّمْسَ ۔ الف لام عہدِ خارجی ہے مونث معنوی ہے اس کی تصغیر شُمَیْسَةٌ ہوتی ہے جب یہ فاعل ہو تو اس کا فعل مونث بھی آسکتا ہے اور مذکر بھی بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے سَخَّرَ ۔ کا و عاطفہ اَلْقَمَرَ بمعنیٰ چاند مطلق اسم ذاتی ہے اس کے صفاتی نام تین ہیں ۔ ہلال ۔ بدر ۔ محاق ۔ بحالت نصب ہے عطف ہے الشمس پر ۔ کُلٌّ تاکیدِ معنوی کے لیے اور یہاں پورے جملے سَخَّرَ کی تاکید ہے پورے اس تلے سے ۔ یہ خود بحالت رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے مگر پورا جملہ اسمیہ بحالت نصب ہے کیونکہ حال ہے شمس و قمر کا ۔ یَجْرِیْ فعل مضارع معروف جَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تیرنا ۔ خواہ پانی پر یا ہوا پر چلنا ۔ پھسلنا ۔ یہاں مراد چلنا ہے ۔ لام جارہ تعلیلیہ ہے اَجَلٍ مصدر ہے بمعنیٰ مُؤَجَّلٌ اسم مفعول ہے اس کا ترجمہ ہے مقرر کرنا ۔ دیر کرنا ۔ بعد والے حق مہر کو مہر مؤجل اسی معنیٰ سے کہتے ہیں ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں ۔ بحالت کسرہ

بے حرف جر سے مُسَمًّی۔ اسم مفعول۔ تاکید کے لیے ہے بمعنیٰ مقرر کی ہوئی نام رکھی ہوئی۔ لکھی ہوئی۔ آخری معنیٰ بھی مناسب ہیں مگر اس وقت تاکید نہ ہوگی صفت ہے اَجَلٍ کی اس لیے بحالتِ جر ہے۔ اعراب کی قسموں میں سے اسم ممدود ہے۔ لہٰذا جر ظاہر نہ ہوا سُمِّیٌ یا سُمُوٌّ سے مشتق ہے۔ یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ بِلِقَاءِ رَبِّکُمْ تُوْقِنُوْنَ یُدَبِّرُ۔ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر مرفوع کا مرجع ذات باری تعالیٰ باب تفعیل میں اگر متعدی ہوا بمعنیٰ ابتداء سے انتہا تک صحیح بنانا یہ شان بھی صرف رب تعالیٰ کی ہے۔ ورنہ بندے کا کام ہزاروں فکروں کے باوجود پہلے غلط اور ناقص ہوتا۔ بعد میں ترقی پکڑتا ہے۔ اس کا مادہ دَبْرٌ ہے۔ اسی کے ہم وزن ایک مادہ دُبُرٌ ہے اس کے معنیٰ ہیں پیٹھ پھیرنا۔ اور دِبْرٌ کے معنیٰ ہیں بہت دولت مند ہونا اَلْاَمْرَ۔ الف لام استغراقی ہے۔ لفظ امر اسم جامد بھی ہے اور مصدر مادہ اشتقاق بھی۔ جب یہ جامد ہوگا تو اس کے تیں معنیٰ ہوتے ہیں۔

۱ معاملہ ۲ حالت ۳ کام یہاں اسم جامد ہے اسی آخری معنیٰ میں۔ اسم جامد ہوگا تو کوئی فعل یا گردان نہ ہو گی۔ اگر مصدری معنیٰ میں ہو تو ترجمہ ہوگا حکم اور ہر فعل و صیغہ بنے گا۔ یُفَصِّلُ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب تفعیل میں اگر متعدی یعنی صاف دکھانا یا پورا کھول کر بیان کرنا۔ فَصْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جدا ہونا یہ مادہ ہمیشہ لازم ہوتا ہے اور اس سے جو بھی ثلاثی مزید فیہ کا باب بنے گا وہ متعدی ہوگا اَلْاٰیٰتِ۔ الف لام استغراقی اٰیٰتٌ جمع ہے اٰیَۃٌ کی۔ بمعنیٰ عبارتِ قرآنی یا نشانِ قدرت یہاں دونوں مراد لیے جا سکتے ہیں لَعَلَّکُمْ۔ کلمہ احتمالیہ ہے ماضی احتمالی یا مضارع احتمالی سے پہلے استعمال ہوتا ہے اس سے فعل ماضی احتمالی بنتا ہے ہر صیغے کی ضمیر ساتھ لگتی ہے جب فعل سے علیحدہ ہو یا دور ہو تو حرفِ مشبہ بالفعل ہوتا ہے اور اسم و خبر پر عمل کرتا ہے۔ یہاں یہی ہے کُمْ ضمیر جمع حاضر اس کا اسم ہے منصوب ہے۔ بِ جارہ لِقَاءٌ مصدر ہے ثلاثی مزید فیہ کا بروزن فِعَالٌ جیسے شِرَاءٌ اِبَاءٌ وغیرہ اس کا مادہ لُقُوٌّ یا لُقِیٌّ ہے۔ بمعنیٰ ملنا۔ ملاقات کرنا۔ پھینکنا۔ ڈالنا۔ پہنچنا۔ جھکنا۔ وصول کرنا۔ یہ مادہ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ یہاں پہلے دو معنیٰ مراد ہیں مضاف رَبِّ بحالتِ جر۔ مضاف الیہ ماقبل کا اور مضاف ہے مابعد کا کُمْ ضمیر جمع حاضر کا مرجع کفار مخاطبین یا تمام انسان تُوْقِنُوْنَ فعل مضارع بصیغہ جمع مذکر حاضر یَقِیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ یقین کرنا۔ یقینی ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ باب افعال ہے دراصل تھا تُیْقِنُوْنَ۔ یٰ پر کلمہ ثقیل تھا بعد یا ساکن ہے لہٰذا دوسری یٰ کو واؤ سے بدل دیا گیا تُوْقِنُوْنَ ہو گیا۔ تُوْقِنُوْنَ اور دیگر صیغوں کو اس کی مناسبت کے لیئے بدلا۔

تفسیر عالمانہ الٓمّٓرٰ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الْحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ الف لام۔ میم را۔ یہ حروف مقطعات ہیں۔ ان کے معانی بجز اللہ رسول کے کوئی نہیں جانتا۔ یہ کتاب یعنی لکھی ہوئی سورت کی

آ رہیں ہیں۔ بعض نے فرمایا کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ کتاب سے مراد قرآن مجید ہے۔ اسم اشارہ قریبی نے ظاہر فرمایا کہ کتب اگرچہ جماً۔ وجوداً حرفاً۔ لفظاً۔ ظاہراً دور ہے مگر یہ آتیں قریب ہوگئی ہیں کیونکہ نازل ہو گئیں یہ تفسیر بھی ہو سکتی ہے کہ یہ نشانیاں ہیں کتاب الٰہی کی۔ اور وہ تمام جو کچھ نازل فرمایا گیا اے پیارے حبیب آپ کی طرف سینۂ اقدس میں۔ آپ کے رب کی طرف سے حب بھی اور جتنا بھی حق ہی ہے۔ کیونکہ اُن میں جلال جمال۔ اسرار۔ انوار۔ قانون۔ شریعت و طریقت۔ ازلی ابدی ہے۔ جس کو بقا ہی بقا ہے۔ فنا نہیں۔ حق کے چار معنیٰ ہیں۔

۱۔ سچ ۲۔ مضبوط ۳۔ باقی رہنے والا۔ ۴۔ ہمیشہ ہر حال میں مفید کارآمد ہر شخص کو نفع دینے والا۔ یہ چاروں معنیٰ اللہ کے کلام توریت زبور۔ انجیل صحیفوں اور قرآن مجید احادیث پاک میں جمع ہیں تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ جس طرح آج تک قرآن مجید کا ایک ایک لفظ باقی اور قانون جاری ہے اسی طرح احادیث پاک بھی تا قیامت روشن و درخشندہ ہیں اور حدیث پاک کا قانون بعینہٖ نافذ ہے۔ بلکہ حدیث مطہرات قرآن کریم سے اس طرح متعلق ہیں کہ قرآن مجید احادیث کے بغیر سمجھا ہی نہیں جا سکتا۔ اور لیکن اکثر لوگ جن کے پاس کفر شرک یا فسق و فجور۔ یا حسد بغض۔ عداوت۔ عناد کی جھالتیں ہیں۔ وہ کبھی بھی کچھ بھی ہو جائے ایمان نہیں لائیں گے۔ نہ نازل ہونے کو مانیں گے نہ حق ہونے کو۔ نہ من اللہ ہونے کو۔ نہ آیت ہونے کو۔ علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ وحی الٰہی کے منکر پانچ قسم کے ہیں۔ کچھ تو آیات الٰہیہ ہونے کے منکر ہیں۔ کچھ منزل من اللہ ہونے کے۔ کچھ منکر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے کچھ نازل نہ ہوا۔ کچھ کہتے ہیں کہ یہ حق نہیں ہے جو کسی آسمانی کتب کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرے وہ بھی اس میں داخل ہو کر کافر ہوگا بعض کہتے ہیں وحی جلی ٹھیک ہے خفی ٹھیک نہیں۔ اِن آیت کریمہ میں ان سب کی تردید فرمائی گئی۔ آیتُ الکتاب فرما کر یہ بتایا گیا کہ قرآن کریم اور الفاظ نبی کریم اللہ کی عظیم نشانیاں ہیں ذرا سا تفکر غور کرنے والا بھی مان لے گا مگر منکرین کا نہ ماننا صرف اس لیے ہے کہ نہ غور کرتے ہیں نہ پڑھتے سمجھتے ہیں۔ مگر ان کے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لیے کہ سورج بہر حال وبہر کیف سورج ہے اگرچہ کوئی نہ دیکھے۔ شہد بہر صورت شہد ہے میٹھا ہے اگرچہ کوئی نہ چکھے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ وحی الٰہی کی شان یہ کیا جانیں یہ تو اللہ تعالیٰ ہی کو نہیں جانتے اللہ وہ ہے جس نے ظاہر طور پر اتنے بڑے بڑے بہت سے آسمان اتنی بلندی پر پیدا کیے کہ جس کی اونچائی بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا آپ نے ہی فرمایا کہ ہر آسمان کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے اور زمین سے پہلے آسمان کا فاصلہ بھی اتنا ہی ہے اور سارے آسمان بغیر ستونوں کے قائم ہیں۔ اسے قیامت تک کے انسانوں جناتں

ملائکہ۔ تم اپنی سیاحت۔ سفر۔ پرواز۔ خلائی رفتار۔ ساری دنیا کا چکر لگا کر دیکھتے ہو ہر چیز عجیب سے عجیب تر۔ چھوٹی سے چھوٹی بڑی سے بڑی نظر آجاتی ہے مگر کہیں بھی میدانوں۔ بیابانوں۔ صحراؤں۔ پہاڑوں میں تم نے کوئی پہاڑ یا کوئی مینار ایسا دیکھا جو آسمان کی بلندی تک گیا ہو یا آسمان اُس تک پہنچا اگر اُس پر ٹھیرا ہو۔ حالانکہ تمہارے کوہ پیماؤں نے پہاڑوں کی چوٹیاں سر کر لیں اور تمہارے خلاباز کتنی بلندی تک اڑتے چلے گئے یہ آیت کریمہ قیامت تک کے منکروں کے لیے ایک عظیم چیلنج اور دعوت غور و فکر دے رہی ہے۔ بعض نادانوں نے کہا کہ کوہ قاف زمرد کا بنا ہوا ہے اور اُس کی چوٹی پر آسمان ٹھیرا ہوا ہے (صاوی) کتنی احمقانہ بات ہے۔ اور آیت کا معنیٰ اس طرح کرتے ہیں کہ بلند کیا آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر جو تم دیکھ سکو گویا کہ آسمان کے ایسے ستون موجود ہیں جو نظر نہیں آتے۔ تو ہم کہتے ہیں کہ کوہ قاف کا ستون کیوں نظر آگیا۔ اگر تَرَوْنَ کو صفت ہی بنایا جائے تب بھی معنیٰ یہ ہوگا کہ آسمان کے ستون صرف قدرت الٰہی ہے جو نظر نہیں آتی۔ نیز وہی اللہ ہے جس نے عرش پر قہر و جلال کا غلبہ فرمایا کہ قانون الٰہیہ کا مرکزی مقام انوار الٰہیہ کا مخزن عرش کو بنایا مگر یہ بھی تمہاری نظر۔ نگاہ۔ عقل۔ فہم شعور سے پوشیدہ ہے۔ تو یہ دیکھو کہ سورج و چاند تو تمہارے سامنے ہیں وجود آسمانی کے دلائل ہیں۔ ان کو ایک مقررہ مدت۔ معین مدار کے چکر۔ بڑے نپے تلے راستے پر مسخر اور پابند بھی اُسی اللہ نے فرما دیا۔ نہ یہ خود آگے پیچھے ہو سکتے ہیں نہ ان کو کوئی کر سکتا ہے کس کی جرأت ہے جو کسی سیارے کو اسی تسخیر سے بدلے۔ رب تعالیٰ نے جو مدت ان کے لیے فرمائی ہے وہ اُس تک چلتے ہی رہیں گے۔ یہ سب نظام کائنات ایک خاص تدبیر کے ماتحت ہے یہ ایسے ہی نہیں ہے وہ اللہ جل شانہٗ ہر امر کی تدبیر فرماتا ہے۔ خواہ وہ امر ہماری نظر میں چھوٹا ہو یا بڑا اعلیٰ ہو یا ادنیٰ۔ حقیقی ہو یا عظیم۔ بلندی۔ پستی۔ عزت۔ ذلت۔ موت و حیات۔ سب میں حکمت و تدبیر سے معرض وجود میں آرہے ہیں۔ پھر اُس رب کائنات نے اپنی کوئی آیت نشانی قول۔ کلام بندوں سے پوشیدہ نہیں رکھا۔ وجود میں ظہور و شعور میں تفصیل سے بیان فرما دیا ہے جس کو جیسی نظر ہو اسی طرح وہ عالم اجسام پر نظر ڈال لیتا ہے۔ لیکن اس تمام تفصیل و تسخیر۔ ترتیب و تدبیر کا مقصد ذات تم تمام انسانوں جنوں کو ایمان آخرت عطا کرنا ہے تاکہ جانوں کی اس رواں دوانی سے تم سمجھ رب کے ملنے پر یقین آؤ کو محض تصورات سے نہیں بلکہ حقائق عالم کی طرف غور کی حقیقت سے۔ یقین کا آنا اور پختہ ہونا فطرتاً فکر و نظر کے بعد ہی ہوتا ہے۔ یہ دعوت فکر و عمل بھی دلائل قدرت میں سے ایک دلیل ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا میں کافر زیادہ ہیں مومن اور شکر گزار سمجھ دار بندے تھوڑے ہیں۔ اس لیے کہ کفر بہت سی قسم کا سب مل ملا کر زیادہ بن جاتے ہیں۔ لیکن کثرت حقانیت کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ اس لیے کثرت سے نہ مرعوب ہونا چاہیے نہ مغرور۔ یہ فائدہ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ (الخ) سے اور اُس کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ کسی چیز کا اثر قبول کرنے والے کی حیثیت اور اعتبار ۔ مزاج اور طبیعت کے لحاظ سے ہوتا ہے نہ کہ اثر کرنے والے کی قابلیت سے ۔ دیکھو کہ خلق کفار پر قرآن کریم جیسی معجزہ آیات کا اثر نہ ہوا ۔ بلکہ اس کو جادو ۔ شعر ۔ اور کہانت ۔ کہاوت جیسے بیہودہ القاب دے ڈالے ۔ یہ فائدہ لا یومنون کی تفسیر سے حاصل ہوا ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ آسمان صرف سات ہیں ۔ عرش و کرسی آسمان نہیں ۔ یہی فرمان حدیث پاک کا ہے ۔ فلاسفہ کا یہ کہنا کہ آٹھواں آسمان عرش ہے نواں آسمان کرسی ۔ دسواں آسمان لوح ہے یہ سب غلط ہے ۔ یہ فائدہ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ (الخ) اور ثُمَّ اسْتَوٰی سے حاصل ہے ۔ **چوتھا فائدہ** ۔ جو چیز نظر نہ آئے تو اُس کے نشانات ظاہر فرما دیے جاتے ہیں ۔ دیکھو آسمان کوئی بھی نظر نہیں آتا تو باری تعالیٰ نے اُس کی نشانیاں چاند سورج ستارے پیدا فرمائے اور ان کا دیکھنا آسمان کا دیکھنا قرار پایا ۔ تو اسی طرح رب نے نبی پاک کو دیکھنا اپنا دیکھنا قرار دیا ۔ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَءَ الْحَقَّ لہٰذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ جَلّ و عُلٰی کی نشانیاں ہیں ۔ اور اسی طرح آج اولیاء اللہ و علما ۔ نبی پاک کی نشانیاں ہیں ۔ یہ فائدہ ۔ تَرَوْنَهَا ۔ سے حاصل ہوا ۔

احکامُ القرآن

ان آیات سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ آسمان زمین بالکل ساکن اور ٹھیرے ہوئے ہیں ۔ صرف سورج چاند ستارے گردش میں ہیں ۔ جو کہے کہ زمین گردش میں ہے وہ غلط ہے اور مسلمانوں کو ایسا عقیدہ بنانا منع ہے ۔ یہ یہ مسئلہ كُلٌّ يَّجْرِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ اللہ تعالیٰ کی غیر خصوصی صفات اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں بھی ودیعت ہو سکتی ہیں ۔ دیکھو اس آیت نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ مدبّر امر ہے ۔ مگر دوسری آیت میں ملائکہ کو مدبرات امر فرمایا گیا ۔ اور حدیث پاک میں اولیاء تکوینی کو مدبر نظام زمین فرمایا گیا ۔ اس لیے مخلوق کو بھی مدبر امر کہنا جائز ہے ۔ یہ مسئلہ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا ۔

اعتراضات

اس جگہ چند اعتراض پڑ سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ اِس آیت کریمہ میں ۔ وَالَّذِیْٓ اُنْزِلَ ۔ اور اَلْحَقُّ کے الف لام حرفی غیر زائدہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف قرآن مجید ہی حق ہے ۔ احادیث ۔ اجماع امت ۔ قیاس یہ تمام اہل اصولِ فقہ کے بیان کردہ تین دلائل شرعیہ حق نہ ہوں ۔ بلکہ باطل ہوں ۔

جواب ۔ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ اُنْزِلَ عام ہے وحیِ جلی اور خفی کو ۔ قرآن مجید وحی جلی ہے حدیث پاک وحیِ خفی اور اجماع و قیاس قرآن و حدیث کے اجمال کی ہی تفصیل ہے ۔ گویا کہ قرآن و حدیث سمندر ہے اجماع و قیاس اُس کے موتی قرآن و حدیث پھول ہیں ۔ اجماع و قیاس اُس کا عطر ۔ قرآن و حدیث پھل ہیں ۔ اجماع و قیاس اُس کا رس ۔ قرآن و حدیث بیج ہیں ۔ اجماع و قیاس اُس کا روغن ۔ یا قرآن و حدیث سورج ہیں ۔ اجماع و قیاس

اُس کے ذریعے کھلا ہوا چمن نیز اَلْحَقُّ کا الف لام اُنْزِلَ کے حصر کے لیے نہیں بلکہ حقانیت کے حصر کے لیے ہے اور یہ معنیٰ نہیں کہ یہی حق ہے۔ بلکہ معنیٰ یہ ہیں کہ حق ہی ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ۔ وَالَّذِیْ کا واؤ عاطفہ ہے اور اَلَّذِیْ کا عطف کتاب پر ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہے۔ یہ کتاب کی آیتیں اور وہ جو نازل کیا گیا آپ کی طرف آپ کے رب کے پاس سے حق ہی ہے۔ اب اعتراض بالکل ختم ہو گیا کیونکہ کتاب سے مراد تو پورا قرآن مجید ہو گیا۔ اور اُس کے علاوہ مَا اُنْزِلَ سے مراد حدیث ہی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ معطوف معطوف علیہ کا غیر ہوتا ہے۔ یہ بہترین مضبوط جواب ہے۔ یہ جواب حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نور العرفان میں لکھا ہے۔ ہم نے ترجمہ اسی کے مطابق کیا ہے۔ اسی لیے قرآن مجید کو وحی متلوّ کہا جاتا ہے۔ نماز میں بس اسی کی تلاوت جائز ہے اس کے الفاظ و معانی سب اللہ کی طرف سے ہیں۔ حدیث کو وحی غیر متلوّ کہا جاتا ہے اس کا فقط مضمون رب تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا ہے تَرَوْنَھَا ۔ یہ فعل حال مثبت ہے جس کا معنیٰ ہے تم اُن کو دیکھتے ہو۔ تفسیر کے مطابق ھَا ضمیر کا مرجع یا آسمانوں کی طرف ہے یا ستونوں کی طرف حالانکہ نظرِ انسانی میں نہ آسمان ہیں نہ ستون۔ آدمیوں کو نہ آسمان دکھائی دیتے ہیں کیونکہ یہ جو نیلا رنگ نظر آتا ہے یہ ہوا کا رنگ ہے۔ اور ستون واقع میں ہی نہیں ہیں۔ تو لفظِ تَرَوْنَ ۔ کا مقصد کس لیے ہے۔ اور باری تعالیٰ نے کس کو فرمایا کہ تم دیکھتے ہو۔؟

جواب ۔ اس آیت کی مختلف تفسیروں کے اعتبار سے اِس اعتراض کے مختلف جواب دیے گئے ہیں مگر آسان اور مضبوط جواب یہ ہے کہ تَرَوْنَھَا ۔ میں ھَا ضمیر کا مرجع نہ آسمان ہیں نہ ستون بلکہ بِغَیْرِ عَمَدٍ یعنی ستون کا نہ ہونا ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ تم ستون نہ ہونے کو دیکھتے ہو۔ اسی کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

الف۔ لام۔ میم۔ را۔ منزلِ شوق کے راہ نوردوں کے لیے اسرارِ سرمدی کے چار راستے ہیں۔ پہلے راستے پر چلنے والا صفی اللہ ہوتا ہے۔ دوسرے راہ پر قدم رکھنے والے کو خلیل اللہ بنایا جاتا ہے۔ تیسری راہ کا مسافرِ یزدانی کلیم اللہ کہلاتا ہے۔ چوتھے اور آخری راہ کا شہسوار حبیب اللہ کا لقب پاتا ہے صفی اللہ کو اغیار کی باتیں بتائی جاتی ہیں۔ خلیل کو ظاہر کی۔ کلیم کو قانون کی مگر حبیب کو باطن کے ایسے اسرار بتا۔ دکھا۔ اور سمجھا دیے جاتے ہیں کہ کرامٌ کاتبین اور جبریل و میکائیل کو بھی شعور نہیں یہ چار حرف اسرارِ معرفت کے چار مخفی خزانے ہیں تِلْكَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَالَّذِیْۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یُؤْمِنُوْنَ بہ عبادت وریاضت سجدہ رکوع۔ جہاد غزوات صیامِ دھری۔ قیامِ لیلی۔ ورد وظائف۔ کتابِ بندگی کی کامل نشانیاں ہیں اور تصور و خیالات قوت روحانیہ کے بھیدوں میں سے جو بھی محبوبِ ازلی کی طرف نازل کیا گیا وہ ہی حقیقتِ کلیہ اور حقانیت واقعی ہے۔ لیکن ان بھیدوں

رازوں سے اکثر خواص و عوام ناواقف ہے۔ اِسی لیے عقلِ دنیوی والے اِس پر ایمان نہیں لاتے۔ شیخ اکبر نے فرمایا کہ عارف کا وجود کتاب ہے جس میں آیاتِ تجلیات موجزن ہیں۔ اور واردات کا نزول برحق ہے۔ مگر طالبانِ دنیا اِس کو اس لیے تسلیم نہیں کرتے کہ اُن سے حجاب رکھا گیا ہے۔ عبد کی اصلیت کو بجز معبود کوئی نہیں جانتا اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ كُلٌّ یَّجْرِیْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى یُدَبِّرُ الْاَمْرَ یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ ایمان کی سب سے بڑی نشانی معرفتِ الٰہی ہے طالبِ مولیٰ کے لیے نشاناتِ قدرت میں سے یہ بھی نشانِ اعظم ہے کہ اُس اللہ جل شانہٗ نے آسمانِ معرفت ذاتِ محمد مصطفےٰ کو وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ کا تاجِ رفعت پہنایا اور اُس کے ہر ہر ذکر ہر ہر ادا کو بلندیوں کا ایک آسمان بنایا۔ اور یہ حسنِ مصطفوی کے آسمانوں کی بلندی بغیر دنیوی سہارے کے ہے اہلِ دنیا کی ہر بلندی۔ دنیوی تعلقات کے ستونوں پر ہے۔ اسی لیے اس کو فنا ہے۔ ہمارے محبوب کی رفعت کے لیے کوئی کسی قسم کا سہارا تم کو نظر نہ آئے گا۔ اِس انسانِ کامل شاہکارِ قدرت کو مزین و معطر فرمانے کے بعد اس کے قلبِ رفیع کو عرش بنا کر اُس پر مخزنِ انوار معدنِ اسرار کا تجلی بتاثیر۔ تقویم سے استویٰ اور غلبہ فرمایا۔ اور اِسی ہی صفاتِ محمدی کے آسمانوں میں ادراک معارف کے روحانی سورج۔ اور تمام محبوب عالمینی قلبی چاند کو مسخر کرلیا۔ یا شریعت کے سورج طریقت کے چاند کو اس ذاتِ پاک میں مسخر کردیا یہ چراغ نہیں جو بجھ جائے یا یہ بیکار ہو جائے یہ قرآن و حدیث کے سورج چاند ہیں جو ابدی مدت تک تمام کائنات پر جاری اور نافذ رہیں گے۔ یہ کمالِ فطرت کی تدبیریں ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی۔ توفیق۔ تعجیل۔ تعظیم۔ توقیر۔ ابتدا۔ انتہا میں خلیل و محبوب کی تدبیر فرماتا ہے۔ اور مقامات و کمالات و مراتب کی نشانیاں تفصیل سے بیان فرماتا ہے۔ بلکہ مرنے سے پہلے عشق کی موت مرنے والے بندۂ حق آیاتِ تجلیات کے مشاہدے کے وقت اپنے ربِ جلیل کی حاضری قرب کا عین الیقین حاصل کرلیں۔ ابنِ عطا نے فرمایا کہ تدبیر امر فیصلۂ ازلی ہے اور تفصیلِ آیات احکام ظاہر ہیں۔ عارف کا باطن تدبیر امر ہے اور مردِ عارف کا ظاہر تفصیل آیات ہے (تفسیر کبیر) حضرت علیؓ نے ارشاد فرمایا کہ مجھ کو وہ قربِ معرفت حاصل ہے کہ اگر آج بھی حجاب ہٹ جائیں تو عین الیقین میں زیادتی نہ ہو۔ کیونکہ اہلِ مکاشفہ کے لیے حشر۔ نشر۔ موت و حیات برزخ و قیامت برابر ہیں۔ وہ ہر وقت ہی لذتِ دیدار یار میں ہیں۔ اہلِ حجاب کو جو قیامت میں نظر آئے گا عارفین کو وہ دنیا میں ہی حاصل ہے۔ طالب وصل کی قیامت یہاں ہی ہے۔ اہلِ حجاب کی موت اضطراری ہے مگر اہلِ اسرار کی موت اختیاری ہے مومن کامل کی چھ نشانیاں ہیں۔

۱۔ علم آخرت کا عالم ۲۔ اطاعتِ الٰہی میں مصروف ۳۔ معصیت سے دور ۴۔ اللہ کے دشمنوں کا دشمن اور انجام سے عبرت لینے والا ۵۔ نفس و خلق سے انصاف کرنے والا ۶۔ قیامت سے پہلے لقاءِ الٰہی حاصل کرنے

والا۔ صوفیاء کے نزدیک یہ بھی یُفَصِّلُ الْاٰیٰتِ ہے۔

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا

اور وہ وہ ہے جس نے پھیلایا زمین کو اور بنایا بیچ اُس کے

اور وہی ہے جس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں

رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا ؕ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ

لنگر اور نہریں اور ہر قسم کے پھل

لنگر اور نہریں بنائیں اور زمین میں ہر قسم کے پھل

جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ

بنائے اُن پھلوں میں جوڑے۔ چھپاتا ہے رات کو

دو دو طرح کے بنائے رات سے دن کو چھپا

النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ (۳)

دن سے یقیناً میں اس البتہ نشانیاں ہیں لیے اس قوم کے جو غور کرتی ہیں۔

لیتا ہے بیشک اس میں نشانیاں ہیں دھیان کرنے والوں کو

وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ

اور میں زمین حصے ہیں جڑے ہوئے اور باغ ہیں سے

اور زمین میں مختلف قطعے ہیں اور ہیں پاس پاس اور باغ ہیں انگور کے

اَعۡنَابٍ وَّزَرۡعٌ وَّنَخِيۡلٌ صِنۡوَانٌ وَّغَيۡرُ

انگوروں اور کھیتی ہے اور کھجوروں کے درخت ہیں جڑواں تنے والے اور غیر

اور کھیتی اور کھجوروں کے پیڑ ایک مھاۓ سے اُگے اور الگ

صِنۡوَانٍ يُّسۡقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ

جڑواں ایک جڑ سے ایک تنے والے سیراب کیا جاتا ہے سے پانی ایک ہی اور قیمتی ولذیذ بناتے ہیں

الگ سب کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے اور پھلوں ہیں

بَعۡضَهَا عَلٰى بَعۡضٍ فِى الۡاُكُلِ‌ ؕ اِنَّ فِىۡ

ہم اُن کے بعض کو پر بعض ۔ ہیں کھانے ۔ بیشک ہیں

ہم ایک کو دوسرے سے بہتر کرتے ہیں بیشک

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ ۞ ۴

اُس البتہ نشانیاں ہیں لیے قوم کے جو عقل رکھتے ہیں

اس میں نشانیاں ہیں عقل مندوں کے لیے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیاتِ پاک میں رب کریم نے اپنی خالقیت کا ذکر آسمان چاند سورج عرش و کرسی کی پیدائش سے فرمایا تھا جس کو عوام نہ سمجھ سکتے تھے نہ اُن کی عقلوں اور نگاہوں میں یہ بات آ سکتی تھی اس لیے اب اِن آیات میں زمین پہاڑ اور نہروں دریاؤں پھلوں اور رات و دن کی پیدائش کا ذکر فرما کر شانِ قدرت ظاہر فرمائی ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں باطنی اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا جس کے بغیر انسانی زندگی محال ہے اُن نعمتوں کا آسمان اور چاند سورج سے تعلق ہے مگر ہر شخص اُن میں غور نہیں کرتا اب اِن آیات میں اُن ظاہری نعمتوں کا ذکر ہے جن کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے اور اِن ظاہری نعمتوں کا دارومدار اُن باطنی نعمتوں پر ہے اس لیے پہلے اُن نعمتوں کا

تذکرہ ہوا اب ان کا تذکرہ ہوا۔

تیسرا تعلق ۔ تمام انسانی علوم اور تحقیقات و تفکرات کے مرکز دو ہی مقام ہیں۔ آسمان اور آسمانی چیزیں یا زمین اور زمینی چیزیں۔ مگر عقلا کی پہلی توجہ آسمانوں کی طرف اٹھتی ہے اور جہلا کی پہلی توجہ زمینی اشیاء کی طرف اس لیے پہلی آیت میں دانشوروں کو غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے کہ اے فلکیات پر نظریں دوڑانے والو ان کے خالق کو پہچانو اور دامنِ مصطفیٰ کو تھامو اور اب ان آیتوں میں زمینی محنت کشوں کو ان ہی زمینوں میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی کہ تم ان کھیت باغات کو دیکھ کر رب کو پہچانو۔

شانِ نزول۔ جس طرح ابوجہل نے اپنے دستے یہ ڈیوٹی لگائی تھی کہ ہر جگہ کہتا پھرتا تھا کہ نبی کریم نے یہ کلام خود بنا لیا ہے اسی طرح دوسرے مشرکین یہاں تک کہ مکے میں آنے جانے والے یہود و نصاریٰ بھی صرف اسلام دشمنی میں اللہ تعالیٰ کی ظاہر ظہور نشانیوں کے منکر ہو بیٹھے۔ ان کی تردید میں سورت رعد کی ابتدائی سات آیتیں نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا ۖ وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ ۖ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

و، ابتدائیہ ہے کیونکہ یہ نئی عبارت شروع ہے هُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل مبتدا ہے الَّذِي اسم موصول واحد مذکر۔ یہ پوری عبارت صلہ کے ساتھ خبر ہے مبتدا کی ۔ مَدَّ۔ باب تفعیل یا باب نصر کا فعل ماضی ہے دراصل علی الترتیب مَدَّدَ یا مَدَدَ تھا دال کا دال میں ادغام کر دیا۔ حضرت حکیم الامت بدایونی فرماتے تھے یہ باب نصر ہے بہر دو صورت متعدی ہے۔ ان دو بابوں میں اس کا ترجمہ ہے کھینچنا۔ لمبا کرنا۔ پھیلانا۔ باب تفعیل میں اگر زیادتی کے معنی پیدا ہوئے یعنی اتنا پھیلانا کہ آخری کنارا نظر نہ آسکے۔ یہی معنی یہاں مراد ہیں اس کا مادہ ہے مَدٌّ مضاعف ثلاثی اپنے مادے میں یہ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی۔ بمعنی۔ بال متول کرنا۔ انگڑائی لینا۔ پھیلنا۔ کھنچنا۔ یہ سب معنی لازم ہیں۔ امداد کرنا۔ یہ متعدی ہے۔ اسی سے استمداد مدد مانگنا۔ فاعل اللہ تعالیٰ کی طرف راجع ضمیر هُوَ ہے۔ اَلْاَرْضَ۔ الف لام جنسی ہے ارض مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس کی تصغیر اُرَيْضَةٌ آتی ہے بحالت زبر ہے مفعول بہ ہے و عاطفہ پہلے فعل مَدَّ پر عطف جَعَلَ فعل ماضی معروف اس کا فاعل بھی هُوَ ضمیر ہے یعنی اللہ تعالیٰ جَعْلٌ سے بنا ہے باب فَتَحَ سے ہے جَعْلٌ متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے اور متعدی بدو مفعول بھی اور لازم بھی۔ اس کی اصلیت متعدی ہونا ہے اور معنی ہے بنانا۔ دوسرے ترجمے اصطلاحی اور محاورۃً ہیں اس لیے جَعَلَ اتخذ معنی میں مستعمل ہے۔

۱ پیدا کرنا۔ ۲ بدلنا ۳ پھرنا ۴ پھیرنا ۵ رکھنا ۶ ٹھہرانا ۷ لگنا (یہ ناقصہ ہے) ۸ کرنا۔ یہ مادہ جب متعدی بیک مفعول ہوگا تو اس کا معنی پیدا کرنا نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے سارے قرآن مجید میں جہاں بھی جَعَلَ کا کوئی مشتق قرآن مجید سے متعلق ہوا ہے وہاں متعدی بدو مفعول ہے۔ معتزلیوں کی عقیدۂ خلقِ قرآن کے لیے فقط یہی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ نے

قرآن مجید کے لیے جَعَلَ فرمایا اور جَعَلَ کا معنی دو یہ توف صرف پیدا کرنے کے کرتے ہیں۔ اس کا مختصر اور جامع جواب یہی ہے کہ اگر جَعَلَ کے معنی یہاں بھی پیدا کرنا کے ہوں تو متعدی بدو مفعول نہیں ہو سکتا ہاں متعدی بیک مفعول عام ہے ہر متعدی معنی کو۔ فِی جارہ ھَا ضمیر مجرور متصل واحد مؤنث کا مرجع اَرْضٌ ہے۔ رَوَاسِیَ۔ جمع ہے مکسر رَاسِیَۃٌ کی مؤنث لفظی ہے اس کا مذکر رَاسٌ ہے۔ بمعنی کنارہ اس کی جمع رُؤُس ہے۔ رَاسِیَۃٌ کی جمع مؤنث سالم رَاسِیَاتٌ ہے۔ یہ لفظ چھ معنی میں مستعمل ہے۔ ۱۔ اصل ۲۔ سردار ۳۔ بوجھ ۴۔ کیل یخ ۵۔ سر ۶۔ کنارہ پہلا یا آخری۔ یہاں مراد بوجھ ہے یا کیل۔ اسی سے رئیس بنا ہے۔ وَاَنْھٰرًا۔ عطف ہے رَوَاسِیَ پر۔ اَنْھٰر جمع مکسر ہے نَھْر کی۔ اسم جامد ہے اس کے تین معنی ہیں ۱۔ زور سے پانی کا بہنا ۲۔ غرور سے بھڑکنا۔ ۳۔ خوب ظاہر ہونا۔ اسی معنی میں نَھار دن کو کہتے ہیں۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ یعنی پانی کی نہر اب اس جگہ کو بھی نہر کہہ دیتے ہیں جہاں پانی بہتا ہے وَمِنْ جار ہے یہ نئی عبارت ہے اور اگلا جار مجرور متعلق مقدم۔ دوسرے مابعد جَعَلَ کا۔ اصل عبارت اس طرح تھی۔ جَعَلَ فِیْهَا زَوْجَیْنِ اثْنَیْنِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اور یہ اِثْنَیْنِ کا حال بھی ہے یا صفت موصوف کے درجے میں ہیں مِن جارہ کُلِّ اسم تاکید معنوی الثمرات الف لام استغراقی جمع سالم ہے ثَمَرَۃٌ کی۔ جَعَلَ فعل ماضی۔ بعض نے کہا یہاں سے عبارت نئی ہے اور مِن کُلِّ کا تعلق پہلے جَعَلَ سے ہے۔ فِی جارہ ظرفیہ ھَا ضمیر کا مرجع اَرض ہے۔ لیکن اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے مطابق اس کا مرجع ثمرات ہے۔ یہی پہلی ترکیب ہے اور اسی کو ہم نے ترجیح دی ہے۔ مناسب بھی یہی معلوم ہوتی ہے۔ یہ ترجمہ اعلیٰ حضرت کی تفسیری خوبی ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم۔ زَوْجَیْنِ تثنیہ ہے بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے جَعَلَ کا۔ اس کا واحد مذکر زَوْجٌ ہے اور واحد مؤنث زَوْجَۃٌ ہے جمع مذکر و مؤنث مکسر اَزْوَاجٌ۔ اور منتہی الجموع اَزَاوِیجُ۔ اس کی جمع مذکر سالم مستعمل نہیں۔ جمع مؤنث سالم زوجات ہے۔ زَوْجٌ۔ ایک جوڑے کو بھی کہتے ہیں اس کے مقابل فَرْدٌ یا فَرْمٌ ہے۔ اور زَوْجٌ جوڑے میں سے ایک کو بھی کہتے ہیں۔ یہی زیادہ مستعمل ہے۔ جوڑا یا عربی میں زوجین اُن کو کہتے ہیں جو جنسیت۔ اور تاثیر میں متحد ہوں مگر نوعیت اور صنفیت میں مختلف ہو۔ لہٰذا۔ گھوڑا اور انسان زوجین نہیں اسی طرح اخروٹ اور سیب زوجین نہیں کیونکہ جنسیت مختلف ہے اسی طرح بہن بھائی یا ماں بیٹا یا کرم۔ سرد خاصیت والا پھل زوجین نہیں کیونکہ تاثیر مختلف ہے۔ اسی طرح دو سرد یا دو میٹھے یا دونوں کھٹے یا دونوں سرخ پھل زوجین نہیں۔ کیونکہ نوعیت و صنفیت متحد ہے۔ ہاں خاوند بیوی۔ دو سیب کھٹے اور میٹھے۔ سرخ اور سفید اور سیاہ۔ زوجین ہیں۔ اس لیے کہ یہاں جنسیت اور تاثیر ایک ہے اور صنفیت نوعیت و صفتیت جدا ہے۔ اِثْنَیْنِ تثنیہ ہے اثنا کا یعنی دو دو۔ بحالت نصب ہے کیونکہ تابع تاکید ہے زوجین کا۔ یُغْشِیْ۔ باب افعال متعدی کا مضارع مثبت ہے صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ یہ نیا کلام ہے۔ غَشْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی ڈھکنا۔ چھپانا۔ متعدی بدو مفعول ہے۔ مفعول اول اَللَّیْلَ ہے۔ الف لام جنسی ہے اسم جامد

ہے مفعول دوم اَلثَّمَرَاتِ ہے۔ یہاں بھی الف لام جنسی ہے۔ اِنَّ حرف تشبیہ فی العمل لفظی ہے نہ کہ معنوی۔ فِی جارہ ظرفیہ مکانی ذٰلِکَ اشارہ بعید کے لیے اسم ہے اس لیے حرف جر آ گیا۔ لَاٰیٰتٍ۔ فِی ذٰلِکَ جار و مجرور متعلق موجود پوشیدہ کا ہے وہ خبر مقدم ہے اِنَّ کی سلام کے آیٰت جمع مؤنث سالم ہے بحالت نصب ہے کیونکہ ما قبل اِنَّ کا اسم مؤخر ہے۔ موصوف ہے مابعد کا۔ لِقَوْمٍ لام جارہ قوم مجرور متعلق ہے ما قبل پوشیدہ مفیدۃ یا نافعۃ اسم فاعل کے یَتَفَکَّرُوْنَ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب باب تفعّل سے ہے فکر سے مشتق ہے۔ یہ جملہ فعلیہ صفت ہے قوم کی لفظ قوم معنیً جمع ہے اس لیے اس کی صفت یَتَفَکَّرُوْنَ جمع کا صیغہ ہے۔ وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَّ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ وَ سر جملہ یہ علیحدہ عبارت ہے۔ فِی جارہ ظرفیہ اس سے پہلے فعل ثَبَتَ یا اسم فاعل ثَابِتٌ پوشیدہ ہے یہ جار و مجرور اس کے متعلق ہے۔ اَلْاَرْضِ۔ الف لام جنسی یا استغراقی ہے قِطَعٌ۔ مصدر ہے بمعنی اسم مفعول مقطوعٌ یعنی ٹکڑا یا حصہ۔ بحالت رفع ہے فاعل ہے پوشیدہ عامل کا مُتَجٰوِرٰتٌ۔ اسم فاعل ہے باب تفاعُل کا صیغہ جمع مؤنث۔ جَوْرٌ اجوف واوی سے بنا ہے بمعنی قریب ہوتا۔ ملا ہوا ہونا۔ اسی سے ہے جوار بروزن فعال پڑوس یہ صفت ہے قِطَعٌ کی قِطَعٌ بھی جمع کثرت ثلاثی ہے قِطْعَۃٌ یا قَطْعَۃٌ کی (منجد) یہاں مراد ہے ساری زمین میں جڑے ہوئے مختلف علاقے وَ عاطفہ جَنّٰتٌ جمع کثرت ہے اس کا واحد جَنَّۃٌ ہے یہ جمع مکسر ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ اعناب جمع مکسر کثرت ہے عِنَبٌ کی بمعنی انگور وَ عطف کا زَرْعٌ واحد ہے عطف ہے قِطَعٌ پر بحالت رفع اسم جامد ہے بمعنی کھیتی وَ عاطفہ نَخِیْلٌ جمع کثرت ہے بروزن فعیل نَخْلَۃٌ کی بمعنی کھجور کا درخت۔ نَخْلٌ کے معنی ہوتے ہیں کھجور کا پھل اور نَخْلَۃٌ کھجور کا درخت کبھی اس کا عکس بھی مستعمل ہے۔ صِنْوَانٌ جمع کثرت ہے صِنْوٌ کی اس کی جمع اَصْنَاءٌ ہے وَ عاطفہ عطف صِنْوَانٌ پر غیر مضاف الیہ صِنْوَانٍ مضاف الیہ بعض نے صُنْوَانٌ بروزن فُعْلَانٌ فُعْلَانٌ پڑھا ہے مگر بالکسر کو ترجیح ہے۔ صِنْوٌ کا لغوی معنی ہے ایک جڑ سے یا ایک نطفے سے دو تنے نکلنے (دو درخت) سگے بہن بھائیوں اور جڑواں اولاد کو بھی صِنْو اسی معنی سے کہتے ہیں۔ یُسْقٰی فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر اس کا نائب فاعل اَرْضٌ یا قِطَعٌ ہے ارض اگرچہ مؤنث ہے مگر یُسْقٰی مذکر ہے اس لیے کہ مؤنث لفظی ہے مذکر بھی آسکتا ہے اور مؤنث بھی سَقْیٌ ناقص یائی سے بنا ہے بِ جارہ سببیہ مَآءٍ واحدٍ مرکب توصیفی مآء موصوف واحد صفت عددنوعی بمعنی ایک قسم کا پانی۔ وَ سر جملہ یا حالیہ ہے نُفَضِّلُ فعل مضارع جمع متکلم فَضْلٌ سے بنا ہے بمعنی فضیلت دینا درجے مختلف کرنا۔ بَعْضَهَا مرکب اضافی بعض واحد ہے بمعنی ایک حصہ۔ کچھ۔ بہت چھوٹا ٹکڑا۔ پھر کو بعوضۃ اسی معنی میں کہا گیا جز کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے مقابل کُل اس کی جمع مکسر ہے اَبْعَاضٌ ھا ضمیر کا مرجع نخیل ہے بعض نے کہا قِطَعٌ اور سبب بول کر مسبب مراد ہے یعنی تمام پھل و اناج۔ بعض نے کہا کہ جَنّٰتٌ و زَرْعٌ و نَخِیْلٌ سب مجموعًا

مرجع ہیں کیونکہ ہر خوراک زردے بدرجے ہے۔ علیٰ جارہ اپنے فوقیت کے معنی ہیں بعض جرور فی جارہ بمعنی لا سیارہ نفع والا۔ اکلہا ل بات دام
عبدی یا جنسی اکل حاصل مصدر ہے بروزن فعل عام ہے ہر اس نیچے کو کہا جائے جو کسی شے کے کھلے سے شاد۔ مزہ۔ اثر۔ غذائیت۔ ان حروف جنسیہ اں جارہ
والف اسم اشارہ بعید مجرور متعلق سے پوشیدہ ثابت کے جملہ خبریہ جسم ہے ان کی تاکید لام کتابت ہما ہے نصب کا اسم موخر ہے ان کا موصوف ہے جار پوشیدہ صفیرہ
اسم فاعل کے تنوین بمعنی جمع ہے اس لیے اس کی نعت حلال جمع مذکر کا صیغہ ہے جمل خارساً سروت شہرت فعل سے بنا ہے جو فعل اللہ ذکر کا فرق انشاء اللہ تعالیٰ اغراضات میں بتایا جائے گا

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ

وہی اللہ وہ ہے جس نے کرے کی شکل میں یعنی گول زمین کو اس طرح پھیلایا کہ دنیا کے کسی حصے میں چلے جاؤ ڈھلوان محسوس نہیں ہوتی یہ گولائی سورج کی رفتار اور رات دن کی مختلف ممالک کی تفریق سے ثابت ہوئی کہ امریکہ میں اگر رات کے بارہ ہیں تو پاکستان میں دن کے بارہ بجتے ہیں۔ اسی طرح کہیں چھ گھنٹے کہیں پانچ۔ کہیں دو گھنٹے کی تاخیر سے سورج ابھرتا ہے یہ اختلاف مطالع زمین کی گولائی کا یقینی ثبوت ہے۔ سائنسدانوں کو آج اس دور میں زمین کی گولائی کا یقین ہوا ہے جب کہ ہمارے مسلمان فلاسفروں نے آج سے ہزار سال پہلے زمین کے متعلق ایسی ایسی معلومات حاصل کر لی تھیں جن کو سن کر اقوام عالم حیران ہیں۔ چنانچہ مامون رشید معتزلی کے زمانے میں امام محمد بن موسیٰ بن شاکر خوارزمی نے پانچ علم ایجاد کئے ۱ علم ہندسہ میں صفر (زیرو) ۲ علم الجبر ۳ علم ریاضی ۴ علم جغرافیہ ۵ صورۃ الارض۔ علم صورۃ الارض میں مصنف نے نصف النہار کے درجے سے ثابت کیا ہے کہ پوری زمین کا ایک چکر چوبیس ہزار میل بنتا ہے یعنی پوری زمین کا گھیر اتقریباً چوبیس ہزار میل ہے اسی میں ساری زمین آبادی خشکی سمندر جنگل ریگستان وغیرہ ہیں۔ ۵۱۳ھ میں امام رازی نے فرمایا کہ زمین گول ہے (کرہ) اس میں اختلاف ہوتا چلا آرہا ہے کہ گیند کی شکل کی گول ہے یا انڈے کی شکل کی۔ جمہور علماء اسلام انڈے کی طرح گول مانتے ہیں اور قرآن کریم کی اسی آیت سے دلیل لیتے ہیں۔ زمین کے پھیلاؤ کی ابتدا اس طرح ہوئی کہ پہلے پانی پیدا فرمایا گیا۔ کروڑوں سال بعد۔ اس سمندر کے بالکل درمیان تجلیات الٰہیہ کا ورود ہوا جس کے جلال سے گرمی پیش۔ اور کھولاؤ پیدا ہو کر پانی میں جھاگ بنا منجمد ہوا اور سر زمین کعبہ پیدا ہوئی اسی لیے تاقیامت یہی کعبہ مرکز تجلیات ہے۔ اور مقام بیت اللہ کو سُرۃ الارض (زمین کی ناف) اسی لیے کہا جاتا ہے۔ وہیں سے جھاگ بڑھتا پھیلتا اور منجمد ہوتا گیا روایات واحادیث سے اسی طرح ثابت ہے۔ اور اس زمین میں جگہ جگہ چھوٹے بڑے پہاڑوں کی کیلیں ٹھونک دیں تاکہ زمین پانی پر نہ تیرے نہ ہلے نہ پھرے نہ حرکت کرے نہ لرزے نہ کانپے۔ اور حیوانات کا بسنا محال نہ کر دے۔ کبھی کبھی زلزلہ آتا ہے تو

تباہی مچ جاتی ہے اگر زمین مسلسل حرکت میں ہوتی تو بھلا کون زمین پر رہ سکتا تھا اس لیے یہ بیہودہ نظریہ ہی غلط ہے۔ زمین پر سب سے پہلا پہاڑ مکے پاک میں جبل ابو قبیس پیدا کیا گیا پھر مدینے پاک میں احد پہاڑ پھر باقی پہاڑ۔ زمین کے کل سات اقلیم رکھے ہیں اور ان پر دو چھوٹے بڑے پہاڑ چھ ہزار چھ سے ستر ہیں۔ ان میں بڑے پہاڑ ایک سو

اُنھتر میں سب سے چھوٹے پہاڑ کی لمبائی بیس فرلانگ یعنی ساٹھ میل ہے اور سب سے بڑے پہاڑ کوہ قاف کی لمبائی ہزار فرلانگ ہے۔ (روح البیان) ان بڑے پہاڑوں کے ذریعے برف پگھلا کر چشمے اور نہریں زمین پر زمین والوں کے لیے جاری فرمائیں۔ اور زمینوں میں مختلف تاثیریں پیدا کیں۔ اور اُن تاثیروں سے مختلف پھل پھول سبزیاں۔ لکڑیاں۔ نباتات گھاس پھوس انسانوں حیوانوں کے نفع کے لیے پیدا فرمائے تاکہ دنیا کے سارے انسان تجارتی لین دین میں۔ درآمد برآمد میں ایک دوسرے کے محتاج رہ کر اتحاد و اتفاق اور انسانی برادری کو قائم رکھتے ہوئے اپنے رب تعالیٰ کی کرم نوازیوں کے سامنے سربسجود رہیں۔ دنیا کی تمام نباتات کو دو قسم کا پیدا فرمایا یا اس طرح کے مذکر مؤنث اور مرد و زن جیسا اختلاط بھی قائم فرمایا اور پرندوں۔ ہواؤں۔ کیڑوں۔ بھونروں کے ذریعے ایک دوسرے کا نطفہ منتقل فرمایا۔ یا اس طرح کہ۔ اعلیٰ ادنیٰ پیدا کیا۔ یا اس طرح کہ کھٹا میٹھا بنایا یا رنگ اور تاثیر مختلف کردی یا اس طرح کہ ایک ہی بیج کو زمین میں ڈال کر نیچے سے پھاڑا اور جڑ بنادی اور اوپر سے پھاڑا شاخیں بنادیں۔ جڑوں کو لینے والا اور شاخوں کو دینے والا بنادیا۔ اسی طرح موسم۔ زمانے۔ اور وقت کو بھی رات و دن کے دو حصوں میں تقسیم کیا۔ رات دن کو اپنے اندھیرے میں چھپا لیتی ہے۔ رات سے دن کو غائب بھی اُسی خلاق عالم نے کیا۔ کتنی حیران کن۔ بڑی بڑی اللہ کی معرفت اور قدرت کی پہچان والی نشانیاں ہیں اُن زمین آسمان میں مگر کس کے لیے لقوم یتفکرون۔ غور و فکر کرنے والوں اور راہ راست پر آنے کے خواہش مندوں اور تلاش حق والوں کے لیے۔ علماء محققین اور فضلاء مفکرین فرماتے ہیں۔ کہ رب تعالیٰ نے پانچ نشانیوں کا آسمان میں ذکر فرمایا اور پانچ کا زمین میں۔

۱ آسمان کی تعداد۔ ۲ آسمانوں کی بلندی ۳ بغیر ستون ہونا۔ ۴ سورج چاند کا مسخر ہونا۔ ۵ ان کا مسلسل ایک ہی راستے پر جاری رہنا۔ یہ آیات سماوی ہیں یہ ہر ایک کے فہم میں نہیں آسکتے چونکہ ان کی انتہا قیامت تک ہے اس لیے اس کے لیے قیامت کا یقین کرنا لازم ہے۔ زمینی نشانیاں۔ ۱ زمین کا عظیم پھیلاؤ۔ ۲ پہاڑوں کی کیلیں ٹھونکنا۔ ۳ نہریں (چشمے) جاری کرنا۔ ۴ نباتات کے جوڑے پیدا کرنا۔ ۵ رات دن کا سلسلہ قائم فرمانا۔ اس کا تعلق زمین سے اور ظاہر نگاہ سے ہے اس لیے دعوت فکر دی گئی ہے۔ پھر مفکرین عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈالنے والی یہ چیز بھی ہے کہ کبھی اس کا اُلٹ نہیں ہوتا۔ کبھی نہ دیکھا گیا کہ بیج نے جڑیں اوپر نکال دی ہوں اور شاخیں پھول غنچے کلیاں زمین کے اندر نکل کر بہار دے رہے ہوں۔ اے دہریو یہ تو سوچو کہ یہ کنٹرول۔ پابندی ازل سے ابد تک کون کرا رہا ہے۔ اپنی مرضی پر چلنے والا تو کبھی کچھ کرتا ہے کبھی کچھ اور پھر اتنا فاصلہ ہونے کے باوجود پوری زمین پورے آسمانوں کی محتاج ہے۔ سدرۃ المنتہیٰ سے دو دریا میں آرہی ہیں۔ نیل و فرات آسمان پر رب نے ستارے چمکائے ان کرنوں سے پہاڑوں کے پتھر لعل و یعقوت (یاقوت) بن گئے سورج نے نباتات کو پکا دیا چاند نے مٹھاس

بھروی. وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَزَرْعٌ وَنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقَىٰ بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلَىٰ بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ ۚ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ

کیسی عجیب قدرت ہے کہ زمین دجود. جسم رنگ میں شکل وصورت میں ایک جیسی مگر تاثیر پیداوار. نرمی سختی۔ شوریلی. بنجر. میٹھی. نمکین کے اعتبار سے سینکڑوں حصے بنائے گئے اور سب ایسے ملے ہوئے کہ انسانی عقل اور نظر تفریق نہیں کرسکتے یہ سب کچھ انسانی ضروریات کے پیش نظر کیا گیا۔ اے انسانوں تمہاری ہی عزت دولت تجارت عیش وآرام کے لیے انگوروں کے باغ۔ اور غذاؤں کے کمیت صحت وتندرستی قوت طاقت کے لیے کھجوروں کے باغ لگائے ۔ ایسے کہ بعضے ایک بیج سے ایک ہی درخت نکلا اور بعضے ایک گٹھلی سے دو یا تین جڑے ہوئے قریب قریب مضبوط بلند وبالا ہو گئے جس پر منوں اور ٹنوں کے حساب سے پھل پیدا ہوا حالانکہ ساری زمین کو ایک ہی میٹھا پانی سیراب کرتا ہے۔ اور خوراک میں بھی ہر مذ الفت و فوائد میں ایک دوسرے سے افضل ہے۔ بیشک رب تعالیٰ کے ان فضل وکرم اور شاہکار قدرتِ ازلی ابدی میں۔ بیشمار نشانیاں ہیں۔ مگر کس قوم کے لیے؟ اسی کے لیے جو دماغوں میں عقل رکھتے ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ زمین بالکل ساکن ہے۔ سائنسی نظریہ حرکتِ زمین بالکل غلط ہے نہ یہ زمین گھلتی ہے حالانکہ پانی میں پڑی ہے زمین سب مٹی کی ہے اور ہم اگر مٹی کو زیادہ پانی میں ڈالیں تو گھل جاتی ہے۔ مگر رب تعالیٰ نے کروڑوں سال سے زمین پانی میں رکھی ہے نہیں گھلی یہ اس کی قدرت ہے۔ **دوسرا فائدہ۔** ذکر الٰہی سے فکر الٰہی کا درجہ زیادہ ہے۔ ذکرِ الٰہی سے عبادت اور فکرِ الٰہی سے ولایت نصیب ہوتی ہے۔ کافر کا ذکرِ الٰہی نامقبول مگر فکر الٰہی کی دعوت دی گئی ہے اور وہ مقبول ہے کہ ایمان بخش ہے۔ یہ فائدہ يَتَفَكَّرُونَ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ۔** عقل مومن عقل والا ہے خواہ ان پڑھ ہو۔ یہ فائدہ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند مسائل مستنبط ہوئے۔

پہلا مسئلہ۔ دنیوی علوم۔ مسلمانوں کو سیکھنے جائز ہیں خاص کر سائنس وغیرہ لیکن قرآن و حدیث کے تابع کر کے نہ کہ مقابل کر کے۔ سائنس کے غلط نظریات کو توڑنے کی نیت سے سیکھنا چاہیے یہ مسئلہ قِطَعٌ مُّتَجَاوِرَاتٌ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ۔** مسلمانوں کے لیے دنیوی کاروبار کھیتی باڑی باغبانی وغیرہ اور ان کی نشوونما تجارت نفلی عبادت کی طرح جائز اور باعث ثواب ہے یہ مسئلہ زَرْعٌ وَنَخِيلٌ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے کھیتی اور باغات کو اپنا نشانِ قدرت قرار دیا حالانکہ یہ دونوں خاص کر کھیتی باڑی میں انسانی عمل کا بہت دخل ہے ثابت ہوا کھیتی کرنا آیاتِ الٰہیہ کا ظاہر کرنا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ رب تعالیٰ نے سابقہ آیت میں آسمانوں زمین کا تین طرح ذکر فرمایا۔ مگر پہلے فرمایا۔ تُوْقِنُوْنَ۔ پھر فرمایا۔ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ اور پھر فرمایا یَعْقِلُوْنَ تینوں جگہ ایک ہی فعل کیوں نہ بولا گیا۔

جواب۔ محققین نے۔ یقین۔ فکر اور عقل میں چار طرح فرق کئے ہیں ایک یہ کہ عقل مخزنِ فہم ہے۔ فکر اس کا مال ہے اور یقین اس کا نفع ہے۔ دوم یہ کہ عقل ایک قوت ہے فکر اس کا عمل ہے اور یقین اس کا نتیجہ ہے۔ سوم یہ کہ عقل ہر شخص کے پاس ہے۔ فکر صرف ایمان والوں کے پاس ہے اور یقین متقیوں کے پاس ہے۔ چہارم یہ کہ عقل کا تعلق ظاہری اشیاء سے ہے فکر کا تعلق باطنی سے اور یقین کا تعلق مشاہداتِ عالم سے ہے۔ تو چونکہ پہلے آسمانوں کا ذکر ہوا جس میں نشاناتِ قدرت کا کثرت سے مشاہدہ ہے اس لیے اس کا نتیجہ یقین آجانا بتایا گیا۔ اور مَدَّ الْاَرْضَ میں باطنی چیزوں کا ذکر تھا اس لیے فکر کی دعوت دی گئی اور کھیتی باغات میں ظاہر اشیاء تھیں اس لیے ظاہر بینوں اور عوام کو عقل سے کام لینے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَاَنْھٰرًا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین میں نہریں بنائیں۔ حالانکہ نہریں تو بندے بناتے ہیں۔ قدرتی نہر دنیا میں کوئی نہیں ہے۔

جواب۔ علماء کرام نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ اَنْھٰر سے مراد پہاڑی چشمے ہیں جیسا کہ ہم نے تفسیر عالمانہ میں وضاحت کر دی ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ اَنْھٰر سے مراد کھدائی کی ہوئی زمین نہیں ہے بلکہ اس میں بہتا ہوا پانی ہے اور وہ واقعی رب تعالیٰ نے ہی پیدا فرما کر بہایا۔ بندوں نے تو چوڑی نالی کھود کر صرف راستہ بنا دیا ہے۔ اس لیے اصل نہر رب تعالیٰ نے ہی بنائی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ الْاَرْضَ وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ کائناتِ عالم میں غور و فکر کرنے سے معرفتِ الٰہی کے متلاشیوں کو اپنے اندر تدبر کرنا چاہیئے اس لیے کہ کائناتِ دنیوی کو فنا ہے۔ ان کے لیے اَجَلٌ مُّسَمًّی ہے۔ مگر اس جسدِ خاکی کو کبھی فنا نہیں۔ یہ کسی نہ کسی مقام پر کسی بھی حالت میں خَالِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا ہے۔ جتنی معرفتِ الٰہیہ ساری زمین کو پھر کر دیکھنے تفکر کرنے سے برسوں میں حاصل ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ آن کی آن میں اپنے نفوسِ جسمانیہ کی زمین میں مراقبہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ اور وارداتِ انوار کی باطنی روشنی میں مشاہدہ ہوتا کہ وہی اللہ وہ ہے جس نے زمینِ انسانیت کو پورے عالم پر پھیلایا کہ ہر جگہ بلندی پستی پر اسی نازک مزاج کی سلطنت۔ ہیبت۔ رعب۔ عظمت۔ شرافت موجود نظر آتی ہے اور اسی رب قدیر نے اس ارض جسدی کو محبتِ الٰہی کے پانی پر قائم فرمایا پھر اس پر مصائب و آلام۔ عبادت و ریاضت کے پہاڑ ٹھونک دیئے تاکہ نفسانی طوفانوں

کی خواہشاتی موجوں کے تھپیڑوں سے۔ کعبۂ جلال کے قرب سے ورنہ ہٹ جائے یہ قالبِ انسانی خود تو صراطِ مستقیم پر ساکن وجامد رہے مگر اس میں عشقِ حقیقیہ کی پاک ستھری نہریں جاری فرمادیں اور اسی چھوٹی سی زمین قالب میں اپنی محبت کے تمام پھل پیدا فرمادیے۔ کہ کہیں لذت ہے کہیں درد ہے۔ کہیں آنسوؤں کی گرمی ہے کہیں آہوں کی ٹھنڈک۔ کہیں وصل کی مٹھاس ہے کہیں فراق کی ترشی۔ چمن معرفت میں ہر جگہ قبض وبسط کے جوڑے جوڑے پیدا فرمائے۔ اسی صحرا میں شریعت کا دن ہے طریقت کی رات ہے۔ مشاہدے کا دن ہے مراقبے کی رات ہے بندۂ عارف پر جب عشقِ الٰہی کی اندھیری رات طاری ہوتی ہے تو ماسوی اللہ کے دن کو چھپالیا جاتا ہے۔ یہ قالب انسانی نرالا جہان ہے اس میں معرفت کی ہزاروں آیات ہیں جو مراقبہ کرنے والوں کو نظر آتی ہیں۔ وَفِي الْأَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ أَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِيلٌ صِنْوَانٌ وَّغَيْرُ صِنْوَانٍ يُسْقٰى بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَّنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْأُكُلِ - إِنَّ فِي ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ جسم انسانی سر سے پیر تک ظاہرًا۔ باطنًا۔ گوشت۔ پوست۔ چال وحال۔ رنگ روپ۔ شکل وصورت میں ایک ہی کرۂ ناسوتی نظر آتا ہے۔ مگر حقیقۃً بیں کثیر ٹکڑے حصے ہیں۔ اور وجوداً قریب قریب مگر اثرات میں بہت دور کہیں نفس کا علاقہ ہے۔ کہیں قلب کا ملک ہے کہیں روحِ ازلی کا حصہ کہیں سِر۔ کہیں خفی کہیں جلی اور سب کی سرحدیں مُتجاوراتٌ ہے۔ کسی کی تاثیر حیوانی کسی کی ملکوتی۔ کوئی روحانی کوئی جبروتی کوئی عظموتی۔ کوئی حصہ گناہوں کا بنجر علاقہ کوئی ٹکڑا معرفت کے پھولوں کا چمن۔ اسی زمین میں فیوضاتِ الٰہیہ کے باغ ہیں۔ اور توفیق واستعداد کی کھیتیاں لہلہارہی ہیں۔ یہیں کسی علاقے میں ذکرالٰہی کے مضبوط گھنے درخت ہیں اور ایمان کے جڑواں تنے ہیں۔ سب کو ایک قرآن وحدیث کا پانی دیا جاتا ہے۔ اے عقلِ سلیم والو ہم ہی ان سب کو فضیلت دینے والے ہیں۔ غذاء روحانی میں بعض کو بعض پر ہم نے ہی افضل کیا۔ نمازوں کی مٹھاس علیحدہ روزوں کی لذت جدا۔ کسی عملِ صالح میں حمدِ خدا کی خوشبو ہے اور کسی میں ذکرِ مصطفٰے کی مہک کعبۂ جلال کے طواف کا سرور کچھ اور ہے۔ عرفاتِ جمال کی تنہائی میں بیٹھ رہنے کی خوشیاں سوا ہیں۔ ہم نے ہی شریعت کو طریقت سے۔ طریقت کو معرفت سے۔ معرفت کو حقیقت سے افضل کیا۔ بیشک وہ قالب انسانی جس کی اصلی پہچان لوگوں کی دانش۔ خرد۔ فہم۔ منطق۔ فلسفہ۔ سائنس سے پوشیدہ ہے اُس کے ظاہر اور باطن میں۔ عقلِ عرفانی رکھنے والوں کے لیے بہت ہی شاندار قدرت کی نشانیاں اور فطرت کی آئینیں ہیں۔ یہ آیت ظاہر بینوں کو دکھائی نہیں دے سکتیں خواہ وہ ظاہر کو دیکھیں یا چیر پھاڑ اور اپریشن کر کے باطن کو دیکھیں۔ یہ آیت الٰہیہ دحاتی نشتروں سے نہیں نگاہِ قلبی کی شعاعوں سے دیکھی جاتی ہیں تجربہ گاہ میں نہیں مراقبہ گاہ میں نظر آتی ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِھَا۔

آسمانوں اور زمین میں آیٰتِ الٰہیہ کی کچھ مختصر ظاہری تفصیل

سورۃِ رعد کی دوسری تیسری اور چوتھی آیتوں میں رب تعالیٰ نے چوبیس چیزوں کا ذکر فرمایا۔ ۱ آسمانوں کا ذکر۔ ۲ اُن کی بلندی کا ذکر ۳ بغیر ستون ہونے کا ذکر۔ ۴ عرش کا ذکر ۵ اس پر غلبہ کرنے کا ذکر۔ ۶ سورج کی تسخیر۔ ۷ چاند کی تسخیر ۸ مدتِ معینہ کا تذکرہ ۹ تدبیر امر ۱۰ زمین ۱۱ زمین کا پھیلاؤ ۱۲ پہاڑوں کا ذکر ۱۳ نہروں کا ذکر ۱۴ پھلوں کا ذکر ۱۵ دو۔ دو جوڑا ہونے کا ذکر ۱۶ رات ۱۷ دن کی پیدائش ۱۸ دن کا ذکر ۱۹ زمین کے مختلف ہونے کا تذکرہ ۲۰ ملا ہوا ہونا ۲۱ انگوروں کے باغات ۲۲ کھیتیاں پیدا ہونا ۲۳ کھجور کی پیدائش۔ اکہرا اور دوہرا تنا ہونا ۲۴ سب کو ایک پانی کی سیرابی ملنا ۲۵ کھانے میں مخالف ہونا۔ اُن کے ذکر کے ساتھ فرمایا کہ اِن میں قدرت کی بہت نشانیاں اور عجائبات مفیدہ ہیں۔ ان کی ترتیب تفصیل کچھ اس طرح ہے۔ آسمانوں کی نشانیاں۔ ۱ آسمان سات ہیں ۲ سب آسمانوں کا درمیانی فاصلہ اتنا دراز ہے کہ اگر اونٹ چلے تو پانچ سو سال میں پہلے آسمان تک پہنچے ۳ تمام آسمان ٹھوس مادے سے بنے ہوئے ہیں ۴ جس طرح زمین جھاگ سے بنی ہے اسی طرح آسمان دھوئیں سے بنے ہیں ۵ ہر آسمان کی موٹائی ستر ہزار کوس ہے یعنی اکیاون میل اور ایک منزل (یعنی ہزار قدم) ۶ آسمان کس مادے سے بنے ہیں اس کی حقیقت واقعیہ کو خالقِ ارض و سما جل مجدہٗ ہی جانتا ہے مگر علماءِ اسلام فرماتے ہیں کہ پہلا چاندی کا ہے دوسرا سونے کا تیسرا زمرد کا پانچواں لوہے کا چھٹا شیشے کا۔ ساتواں نور کا۔ مگر یہ سب شفاف ہیں۔ مثل شیشے کے۔ دنیا کے سونے چاندی کی طرح کثیف نہیں۔ بلکہ جنتی سونے چاندی کی شفاف ہیں۔ ۷ رنگ سب کے سفید ہیں بعض نے کہا ہرے پیلے۔ سرخ۔ نیلے ہیں۔ لیکن پہلا قول درست ہے ۸ پہلا آسمان مرکزِ رزق ہے دوسرا مخزنِ برکات تیسرا معدنِ انوار۔ چوتھا منبع فضائل ہے۔ پانچواں مصدرِ رحمت ہے چھٹا وحی الٰہی کا مبتدا۔ ساتواں منتہا وِ اعمال ہے ۹ اِن تمام آسمانوں کا تعلق عطا سے زمین کے ساتھ ہے۔ یعنی یہ مندرجہ بالا ساتوں فیوض و برکات آسمانوں سے زمین پر نازل ہوتے ہیں ۱۰ دنیا کی چیزوں کو رنگ بھی اِن آسمانوں سے ملتے ہیں۔ ۱۱ پہلے آسمان سے نیچے اور زمین کے اوپر تین پوشیدہ جہان ہیں ایک عالمِ نار (آگ کا جہان) دوسرا عالمِ آب۔ پانی کا جہان۔ جن میں پانی کے جانور بھی موجود ہیں۔ تیسرا عالم ہوا۔ یہ نیلا رنگ کا نظر آتا ہے اور اسی کی وجہ سے اوپر والے جہان نظر نہیں آتے۔ تینوں جہان انسانی زندگی کے لیے بہت مفید ہیں اِن کے فوائد کی حقیقت بھی اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا وہی جانتے ہیں جنہوں نے شبِ معراج میں یہ سب کچھ دیکھا اور اپنے محبوبوں کو یہ اسرار سنائے۔ ۱۲ آسمانوں کی بلندی بھی قدرتِ الٰہیہ کی ایک عظیم نشانی ہے۔ ۱۳ آسمان تھالی کی طرح گول ہیں اور بغیر ستون اپنی جگہ پر ٹھیرے ہوئے ہیں بعض نے کہا ہے آسمان بھی گیند کی طرح گول ہیں اور پہلے آسمان کے اندر کرۂ نار۔ کرۂ زمہریر۔ کرۂ آب۔ کرۂ ہوا۔ کرۂ زمین۔ اور یہ سب گول ہیں جیسے گیند کے اندر گیند۔ اور باقی پھر آسمان بھی اسی طرح گیند ہیں اور سب گیند ایک دوسرے کے اندر ہیں بعض فلاسفہ نے کہا کہ پہلے آسمان کے اندر تو یہ پھر کرہ ہیں مگر باقی آسمان علیحدہ گول گیند کی شکل کے ایک دوسرے کے اوپر ہیں اعتدال اقرب ہے چودھویں آیت تمام ہوئے ہو بڑے بڑے آسمانوں کا بغیر ستون تمام رہنا گرنا نہ ہلنا حرکت کرنا۔ ۱۵ پندرھویں آیت تمام آسمانوں سے اوپر عرش ہے۔ اور سب کی بڑائی اس طرح ہے زمین سے بڑا پہلا آسمان۔ پہلے آسمان سے بڑا دوسرا آسمان۔ دوسرے سے تیسرا۔ تیسرے سے

چوتھا چوتھے سے پانچواں ۔ پانچویں سے چھٹا ۔ چھٹے سے ساتواں ۔ ساتویں سے بڑا ہے عرش ۔ اسی لیے اس کو عرش اعظم کہا جاتا ہے ۔ مخلوق میں عرش سے بڑی کوئی چیز نہیں ستر ہزار اس پر فرشتے مقرر ہیں ۔ اور ستر ہزار اس کے پائے ہیں ہر پائے سے ایک فرشتہ لگا ہوا عبادت کر رہا ہے ۔ اس پر ایک کرسی ہے جس کا نام مقام محمود ہے یا اس میں ایک جگہ کا نام ہے یہ کرسی عرش سے چھوٹی ہے اور تمام آسمانوں زمینوں سے بڑی ہے ۔ ملا سولھویں آیت اتنے بڑے عرش پر رب کائنات نے غلبہ فرمایا ۔ لہٰذا اسی کی شان کے لائق ہے کہ اس کو اللہ اکبر کہا جائے ۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حشر نشر کے بعد جنت کے ایک میدان میں ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں رکھی جائیں گی جس سے جنت کی عظمت اور لمبائی چوڑائی کا اشارہ ملتا ہے ۔ حالانکہ جنت عرش سے چھوٹی ہے ۔ قرآن مجید میں اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا ذکر اس لیے بھی ہوتا ہے کہ جب سب سے بڑی مخلوق پر رب جلیل کا غلبہ ہے تو چھوٹی مخلوق کس شمار میں اور قوت خدا تعالیٰ کے سامنے زمین و آسمان چاند سورج کیا حیثیت رکھتے ہیں ملا ستارھویں آیت سورج کی چمک دھوپ ۔ حالانکہ یہ چوتھے آسمان کے مدار میں ہے ۱۸ اٹھارھویں آیت سورج کی تپش ۔ علماء محققین فرماتے ہیں کہ زمین اور زمین والوں کو سورج سے گیارہ فائدے ہیں ۔ ایک یہ کہ زمین اور اہل زمین کو گرمی کی اشد ضرورت ہے اور تمام گرمی بیرون زمین اور اندرون زمین سورج ہی سے ہے اگرچہ وہاں آفتاب کی کرنیں نہ پہنچیں ۔ دوم یہ کہ تمام روشنیاں سورج سے ہیں ۔ یہاں تک کہ آگ اور بجلی کی روشنی بھی سورج کی مخفی کرنوں سے ہے ۔ سوم یہ کہ تمام پختگی عبادات نباتات وغیرہ کی سورج کی تپش سے ہے چہارم یہ کہ تمام پاکیزگی سورج سے ہے ۔ پنجم دن رات کا سلسلہ سورج سے ہے ۔ ششم یہ کہ سورج دن کو ذرے چمکاتا ہے رات کو ستارے چمکاتا ہے ہفتم یہ کہ شمسی توانائی ۔ سورج ہی سے ہے ۔ ہشتم یہ کہ شمسی تاریخیں ۔ سال ۔ ماہ ۔ ہفتہ ۔ سورج سے ہیں ۔ نہم یہ کہ انسانی حیوانی ۔ نباتاتی جماداتی ۔ فضلیات اور بیماریوں ۔ زہریلوں ۔ سیم ۔ تمری ۔ چیزوں کا گھلنا سورج سے ختم ہوتی ہیں اور اشیا کو صحتمند بناتی ہیں ۔ دہم یہ کہ سورج کا فیض تمام جہان پر مسلسل جاری ہے ظاہر بھی باطن بھی رات بھی دن بھی ۔ یازدہم یہ کہ ۔ سورج ایسا مسخر ہے کہ ہمیشہ رب تعالیٰ کی بندگی میں ہے اس کا یہ چکر لگانا اس کی عبادت اس کا طلوع قیام ہے ۔ اس کا زوال رکوع ہے اس کا غروب سجدہ ہے ۔ یہ عبادت اس کی طرف سے یک وقت جاری ہے ۔ جیسے کہ چار آدمی کا بیٹھ کر نماز اشاروں سے پڑھنی ۔ یک دم سب حالتیں جاری ہو جاتی ہیں اسی طرح چاند سورج کی پوری عبادت یک دم ظاہر ہو رہی ۔ ۱۹ انیسویں نشانی ۔ فلاسفہ کہتے ہیں کہ سورج زمین سے بڑا ہے واللہ اعلم ۔

۲۰ بیسویں نشانی چاند بھی قدرت کا عجیب شاہکار ہے ۔ سورج کی طرح چاند بھی گول ہے ۔ اس کی گولائی تاریخوں کے لیے مفید ہے ۔ ۲۱ اکیسویں نشانی ۔ چاند سے زمین والوں کو سات فائدے ہیں ۔ ایک یہ کہ قمری مہینے ہفتے سال اور تاریخیں چاند سے وابستہ ہیں ۔ دوم یہ کہ جب سے پیدا ہوا ہے مسلسل چل رہا ہے اس کا یہ زمان الٰہی پر چلنا اس

کی عبادت ہے۔ نور کتا ہے نہ تھکتا ہے نہ خراب ہوتا ہے نہ گھستا ہے۔ نہ آہستہ ہوتا ہے۔
سوم یہ کہ یہ خود نورانی نہیں اس کی روشنی سورج کی دھوپ ہے جتنے حصہ پر دھوپ پڑتی ہے وہ نظر آتا ہے باقی سیاہ چمکتا ہے چہارم یہ کہ چاند ایک ٹھوس مادی کرہ ہے۔ اس میں پہاڑ کی طرح اونچائی نیچائی ہے اس میں سنہری رنگ کی مٹی ہے۔ پنجم یہ کہ جب سورج کی دھوپ چاند سے لگ کر زمین پر آتی ہے تو رات کا وقت ہوتا ہے اور اس کی روشنی کا نام چاندنی ہوتا ہے۔ ششم یہ کہ چاند کی چاندنی سے پھلوں میں مختلف قسم کا مزہ پیدا ہوتا ہے۔ میٹھا۔ کڑوا۔ کھٹا۔ پھیکا۔ یہ چاند کی شعاعوں کی ترچھی سیدھی۔ تیز نرم شعاعوں کا اثر ہے۔ سیدھی تیز کرن سے مٹھاس پیدا ہوتی ہے۔ باقیوں سے باقی مزے ہفتم یہ کہ انسانی جسمانیت پر بھی چاند سورج کا بہت اثر ہے۔ کالا۔ گورا نرم عادت۔ سخت طبیعت۔ بزدل۔ اور قوی ہونا بھی چاند سورج کی شعاعوں کے اثر سے ہے۔ ۲۱ اکیسویں۔ آیتِ الٰہی۔ آسمانوں کے ستاروں کی مدھم غیر محسوس کرنوں سے خوشبوئیں بدبوئیں پیدا ہوتی ہیں۔ یہاں تک کہ انسانی فضلات کی بدبو اور بھسے کھانے کی سڑاند بھی مختلف ستاروں کی وجہ سے ہے ۲۲ بائیسویں نشانی۔ چاند سورج کا مقرر مدت تک مسخر رہنا بھی قدرتِ الٰہی کی عظیم نشانی ہے خاص راستہ بارہ برجوں میں سے ہو کر۔ خاص رفتار سے۔ خاص مدت تک۔ جہت خاص۔ مقدار خاص۔ سیر خاص سے۔ اس طرح چلنا کہ سورج کی ایک سو اسی منزل۔ ہر دن میں ایک منزل طے کرتا ہے۔ یہ منزلیں چھ ماہ میں پوری ہوتی ہیں پھر پہلی سے آخری منزل دوسرے چھ ماہ میں۔ پینتالیس منزلیں مغربی پینتالیس مشرقی ۴۵ مائل جنوبی ۴۵ مائل شمالی۔ چاند کی منزلیں اٹھائیس چودہ مغربی چودہ مشرقی یہ ایک ماہ میں طے کرتا ہے۔ ۲۳ تیئیسویں آیت الٰہیہ۔ تمام مخلوق ایک شاندار تدبیر باری تعالیٰ کے تحت بنائی گئی ہے کہ ایک ایک ذرے میں معرفتِ پروردگار کے دلائل اظہر من الشمس ہیں۔ تدبیر الٰہیہ آٹھ قسم کی ہیں۔ اول یہ کہ وجودِ صانع پر کتنی صاف دلیل ہے کہ کچھ مخلوق موجودات باقیہ دائمہ ہے۔ جیسے کہ افلاک سورج چاند ستارے۔ جنت دوزخ۔ عرش و کرسی لوح قلم۔ ملائکہ حور و غلمان۔ جنت دوزخ کی چیزیں۔ زمین۔ پانی آگ ہوا مٹی۔ تحت الثریٰ ان کی ترتیب خلقت اس طرح ہے کہ پہلے پانی پھر عرش پھر کرسی پھر لوح پھر قلم پھر تحت الثریٰ پھر دوزخ پھر زمین پھر سات آسمان پھر جبرئیل پھر میکائیل پھر عزرائیل پھر اسرافیل پھر باقی ملائکہ پھر جنت پھر حوریں پھر غلمان۔ اسی ترتیب میں بیشمار حکمتیں ہیں پھر سورج چاند پھر ستارے پھر آگ پھر ہوا۔ دوم یہ کہ کچھ مخلوق موجودات حادثہ متغیرہ ہے۔ جیسے۔ جنات۔ انسان۔ موت حیات۔ بیماری۔ تندرستی۔ امیری۔ غریبی۔ خیر و شر۔ حسن و قبیح۔ خوشبو بدبو۔ حیوانات۔ نباتات۔ ان کی ترتیب اس طرح ہے۔ جنات۔ حیات موت تندرستی۔ بیماری خیر شر۔ حسن۔ بدصورتی۔ خوشبو۔ بدبو۔ نباتات۔ حیوانات۔ پھر انسان پھر امیری۔ پھر غریبی۔ سوم یہ کہ۔ قہر کے تحت۔ کچھ مہر کے تحت چہارم یہ کہ کچھ مخلوق قدرت سے کچھ قانون سے۔ پنجم یہ کہ کسی کو جسم لطیف کسی کو کثیف۔ ششم یہ کہ کسی کو ساکن

بنایا کسی کو سیارہ ۔ ہفتم یہ کہ انسان کو چلنے پھرنے اور دماغ والا بنایا تو اُس کا رزق بالکل اُس کے کنٹرول اور قبضے میں کر دیا کہ خود بناؤ خود کماؤ خود لاؤ خود کھاؤ ۔ جانوروں کو چلنا ۔ پھرنا دیا مگر دماغ نہ دیا لہٰذا ان کو حکم ہے کہ انسان تمہارا رزق بنانے اگائے اور تم خود لاؤ خود کھاؤ ۔ نباتات کو نہ دماغ نہ چلنا نہ پھرنا صرف بڑھنا دیا ۔ اُن کا رزق انسان کو دیا کہ وہی بنائے وہی لائے وہی کھلائے ۔ ہشتم یہ کہ کسی کو انتہائی بڑا بنایا کسی کو انتہائی چھوٹا بنایا ۔ پھر کسی شان کی یہ تدبیر عالم ہے کہ کسی لمحہ ذرہ تبدیلی نہیں جس کو جو بنا دیا جب تک کے لیے بنا دیا وہی بن گیا سب پر مکمل غلبہ ہے سب عین حکمت کے تحت ہے ۔ یہ سب مناظر کائنات باری تعالیٰ کی قدرت کے دلائل اور آیتیں ہیں ۔ ۲۳ تئیسویں آیت ۔ زمین ایک کرہ ہے اس کے سات حصے ہیں یا اس طرح کہ یہ ایک ہی زمین نیچے سے اوپر سات قسم کے رنگ کی مٹی ہے اور پیاز کے چھلکوں کی طرح سب زمینیں ملی ہوئی ہیں ۔ یا اس طرح کہ زمین کے جزیرے ہیں اور ہر جزیرے کے درمیان سمندر ہے ۲۴ چوبیسویں نشانی قدرت زمین کا پھیلاؤ کہ حقیقت میں گول ہے مگر جہاں سے بھی دیکھو چوڑی اور سطح نظر آتی ہے ۔ زمین کی تیرہ خصوصیات ہیں ۔ پہلی یہ کہ زمین نہ گھستی ہے نہ بڑھتی ہے جتنی رب تعالیٰ نے پھیلا دی بس اتنی ہی ہے حالانکہ بڑھنا ۔ گھٹنا ممکن ہے ۔ یہ رب کا غلبہ ہے ۔ دوم یہ کہ جتنی زمین بنائی گئی ہے وہ عین مناسب ہے کم ہونا کافی نہ ہوتا اور زیادہ ہونا بیکار ۔ سوم یہ کہ کہیں میدانی ہے ۔ اور اُس کے لاکھوں فائدے دریا نہریں کوئیں ۔ عمارات میدانی میں ہی بن سکتی ہیں ۔ کہیں پہاڑی زمین ہے اس کے فائدے بھی بیشمار ہیں سونے لوہے وغیرہ تمام دھاتوں اور کوئلے نمک کی کانیں پہاڑوں میں ہی ہوتی ہیں ۔ کہیں خشک زمین ۔ کہیں سرسبز ۔ کہیں بنجر ۔ کہیں سخت ۔ کہیں نرم ۔ کہیں مٹی ۔ کہیں ریت ۔ کہیں دلدل ۔ کہیں برفانی ۔ خلاقِ کائنات نے کیا پھیلاؤ پھیلایا ہے ۔ ان سب میں انسانی حیوانی اور نظام کائنات کے کروڑں فائدے ہیں ۔ چہارم یہ کہ گول بھی اور مد الارض یعنی پھیلی بھی ہوئی ہے ۔ علما فرماتے ہیں کہ اس کا پھیلاؤ اور بڑھنا اسی طرح ہوا تھا جس طرح ربڑ کا پھکنا پھیلاتا بڑھتا جاتا ہے ۔ پنجم یہ کہ زمین کی مٹی ایسی عجیب مخلوق ہے کہ نہ اتنی نرم جس میں چیزیں دھنستی چلی جائیں نہ اتنی سخت کہ کھودی نہ جائے ۔ نہ آسمانوں جیسی سختی نہ پانی جیسی نرمی نہ ربڑ جیسی لچک یہ ریت جیسی پکڑ ۔ ششم یہ کہ اس کی مٹی ریت میں اور کنکر پتھر میں بہت سی شفائیں اور امراض کے علاج ہیں ۔ ہفتم زمین اندر سے بھی اللہ کی نعمتوں خزانوں سے بھری پڑی ہے اور باہر سے بھی گویا کہ ایک زمین کے ظاہر باطن میں کتنے فائدے ہیں ۔ یہ اللہ کا صندوق بھی ہے اللہ کا دسترخوان بھی ہے انسانوں حیوانوں جنات کی آبادکاری بھی ہے ۔ ۹ یہی برف خانہ ہے ۱۰ یہی آتش دان ہے ۱۱ اسی میں تیل ہے ۱۲ اس میں پانی ہے ۔ پچیسویں نشانی ۔ پہاڑ ۔ یہ زمین کی کیلیں بھی ہیں ۔ یہ تمام دھاتوں کا خزانہ معدن ہیں ۔ ان ہی پہاڑوں میں لعل یاقوت ہیں ۔ ان کی فضائیں صحت افزا ہیں ۔ ان میں آتش فشاں ہیں پہاڑوں کی بناوٹ تمام پتھروں سے ہے ۔ یہ بھی پانی کا جھاگ تھا جو قدرتِ الٰہی تجلیاتِ ذات کی گرمی سے زیادہ پختہ ہو گئے محققین فرماتے ہیں تمام

دنیا کے پہاڑوں پر صرف بیس قسم کے پتھر ہوتے ہیں۔

۱ سنگِ خارا۔ عام پہاڑوں پر ہیں ۲ سنگِ مرمر سفید۔ سرخ۔ ہرا۔ سہ رنگا۔ ۳ سنگِ یاقوت ۴ سنگِ سفید ۵ سنگِ جوھر۔ ۶ سنگِ مروارید ۷ سنگِ آتش ۸ سنگِ سیمنٹ ۹ کچا پتھر ۱۰ سنگِ سیاہ۔ ۱۱ سنگِ زہر۔ سنکھیا ۱۲ سنگِ زم ۱۳ سنگِ آبی ۱۴ سنگِ سلاجیت ۱۵ سنگِ سرمہ ۱۶ سنگِ ریشم ۱۷ سنگِ نمک سفید و سیاہ ۱۸ سنگِ کوہ ۱۹ سنگِ مرمر ۲۰ سنگِ رخشں۔ پہاڑوں سے انسانی آبادی تعمیر و زینت دولت و ثروت کے تمام سامان حاصل ہوتے ہیں۔ تجلیاتِ رب تعالیٰ کا نزول اور وحی الٰہی اور کتبِ آسمانی کا مرکزی مقام بھی پہاڑوں کو ہی بنایا جاتا رہا ہے۔ اسی لیے انبیاء کرام کو پہاڑوں سے محبت رہی ہے ہر نبی کو کسی نہ کسی پہاڑ کی نسبت ہے۔ غرضیکہ پہاڑ روحانی جسمانی ظاہری باطنی اعتبار سے صفتِ قلب کی تسکین والا عظیم الشان پہاڑوں کی پیدائش بھی جہاں کی ہے۔ پہاڑوں میں رب تعالیٰ نے پندرہ قسم کے خزانے پیدا فرمائے۔ ۱ سونا ۲ چاندی ۳ پیتل ۴ لوہا ۵ سلور ۶ تانبہ ۷ پلاٹینم۔ ۸ کوئلہ ۹ نمک ۱۰ پٹرول ۱۱ تارکول ۱۲ چونا ۱۳ سیمنٹ ۱۴ گیس۔ ان کو ہی معدنیات کہا جاتا ہے۔

یہ سب میرے رب کی قدرتوں کے شاہکار ہیں۔ چھبیسویں آیتِ الٰہی۔ چشمے اور نہریں۔ عربی میں دریاؤں اور چشموں کو نہر بھی کہہ دیتے ہیں۔ اور سمندر کو بحر کہتے ہیں۔ جیسے نہرِ فرات نہر سویز۔ اور بحرِ قلزم وغیرہ۔ رب تعالیٰ کی نعمتوں میں سے پانی بھی ایک عجیب نعمتِ عظمیٰ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ رب تعالیٰ نے جب زمین کو پیدا فرمایا اور مکمل پھیلا دیا تو فرشتوں نے عرض یا رب اس سے بھی کوئی بڑی چیز ہے فرمایا پہاڑ عرض کیا پہاڑوں سے بھی کوئی اعظم ہے فرمایا لوہا۔ عرض کیا لوہے سے بڑی فرمایا آگ۔ عرض کیا آگ سے کوئی بڑی چیز تو نے پیدا فرمائی؟ فرمایا ہاں پانی۔ عرض کیا پانی سے بڑی کیا ہے۔ فرمایا ہوا۔ عرض کیا ہوا سے بڑی کیا ہے؟ فرمایا ہوا سے زیادہ عظیم وہ پیارا بندہ ہے جو ایک ہاتھ سے خیرات کرے تو دوسرے کو پتہ نہ لگے۔

(تفسیر معانی) پانی ایک ایسی مخلوق ہے کہ عقلِ انسانی اس کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ کائنات میں سب سے پہلے پانی پیدا کیا گیا۔ اور سوائے عرش و کرسی لوح و قلم کے باقی تمام مادیات پانی سے کئے گئے کرۂ آب بھی گول ہے اور زمین اس کے ایک حصے میں اس طرح پڑی ہے جس طرح حوض میں تربوز۔ رب تعالیٰ نے پانی کو زمین پر آٹھ حصوں میں جاری فرمایا۔

۱ سمندر ۲ دریا ۳ بنائی ہوئی نہریں ۴ کوآں ۵ تالاب ۶ حوض ۷ چشمہ ۸ بارش۔ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین پر ایک سو چھیانوے ۱۹۶ دریا پیدا فرمائے۔

تمام دنیا کے سب دریاؤں کے نام اور علاقوں کے نام

نمبر شمار	دریا کا نام	نمبر شمار	دریا کا نام	نمبر شمار	دریا کا نام
	پاکستانی دریا	۱۷	ماہی	۳۳	بوری
		۱۸	ڈل	۳۴	برغلو
۱	راوی	۱۹	ولر	۳۵	کرنافلی
۲	چناب	۲۰	پونچھ	۳۶	تیستا
۳	جہلم	۲۱	مشرق	۳۷	گومتی
۴	ستلج		**کابل کے دریا**		**عرب کے دریا**
۵	بیاس				
۶	اٹک	۲۲	دریاءِ کابل	۳۸	نیل (مصر)
۷	سندھ	۲۳	پانامہ	۳۹	فرات (عراق)
	ہندوستانی دریا		**بنگلہ دیشی دریا**	۴۰	قلزم (مصر)
				۴۱	سویز (مصر)
۸	گنگا	۲۴	پدما	۴۲	دجلہ (عراق)
۹	جمنا	۲۵	میگنا	۴۳	سیحان (شام)
۱۰	سیحون	۲۶	برموپتر	۴۴	جیحان (شام)
۱۱	جیحون	۲۷	شوربا	۴۵	اردن (اردن)
۱۲	برہم پترا	۲۸	کوشیارا		**ایران کے دریا**
۱۳	توی	۲۹	شیتاکا		
۱۴	سابرمتی	۳۰	منٹونڈی	۴۶	آب
۱۵	نربدہ	۳۱	ولائی ندی	۴۷	شط العرب
۱۶	تاپتی	۳۲	ایرل خاں	۴۸	ہگلی

۴۹	ارتش (بخارا)	۶۴	بگر (کینیا)	۸۷	سکینہ
	چین کے دریا	۶۵	اورنج (زیبنا)	۸۸	سلیو
		۶۶	یوبنگی (ساؤتھ)	۸۹	دنی پیگ
۵۰	آمو (منگولیا)	۶۷	زمبیزی (رہوڈیشیا)	۹۰	یوکان
۵۱	آمور		**امریکہ کے دریا**	۹۱	ایگ ہینی
۵۲	سی چیانگ			۹۲	ارکناسس
۵۳	ہوانگ ہو	۶۸	اتھاباسکا	۹۳	برازس
۵۴	آرادادی (منگولیا)	۶۹	چرچل	۹۴	کینیڈا
۵۵	ینگ تیز	۷۰	کولمبیا	۹۵	کولورادو
	ویت نام کے دریا	۷۱	دستہیت	۹۶	کونیکٹی کٹ
		۷۲	فراسر	۹۷	کنبرلینڈ
۵۶	پالو	۷۳	میگیزی	۹۸	دیلاویر
۵۷	میکانگ	۷۴	میرامچی	۹۹	جیلا گیلا
۵۸	لینا	۷۵	نیلسن	۱۰۰	ہاؤس ایٹونگ
	تھائی لینڈ کے دریا	۷۶	نیاگرہ	۱۰۱	ہڈسن
		۷۷	اوٹاوہ	۱۰۲	الینوس
۵۹	اورل	۷۸	پیس	۱۰۳	جمیز
۶۰	سیبی سے (لاؤس)	۷۹	سرخ شمالی	۱۰۴	کاناواہ
	آسٹریلیا کا دریا	۸۰	ریمی گاوینع	۱۰۵	کینی بیک
		۸۱	رچلیو	۱۰۶	میسری نک
۶۱	مرے ڈارلنگ	۸۲	سیگنے	۱۰۷	میامی
	افریقہ کے دریا	۸۳	سینٹ جان	۱۰۸	منیسوٹا
		۸۴	لارنس	۱۰۹	میسیپی
۶۲	گانگو	۸۵	میری	۱۱۰	مزوری
۶۳	لیپالو (ساؤتھ)	۸۶	سیسکوہی	۱۱۱	موبائیل

نمبر شمار	دریا کا نام	نمبر شمار	دریا کا نام	نمبر شمار	دریا کا نام
۱۱۳	موہاک	۱۳۶	پی ڈی	۱۵۸	الیسن
۱۱۴	مونا گنگولا	۱۳۷	پنیاب سکاٹ	۱۵۹	آرنو
۱۱۵	رونوک	۱۳۸	پلاٹے	۱۶۰	تھیمس
۱۱۶	ناک	۱۳۹	پوٹومیک	۱۶۱	کلائیڈ
۱۱۷	میبانُن	۱۴۰	پوڈر	۱۶۲	ایون
۱۱۸	سیکرامینٹو	۱۴۱	رپاہیعک	۱۶۳	ڈینیوب
۱۱۹	سالٹ	۱۴۲	سَرخ	۱۶۴	رنیپر
۱۲۰	سان جوکون	۱۴۳	آمیزن	۱۶۵	ڈون
۱۲۱	ساوتھ	۱۴۴	پارانا	۱۶۶	ڈوینہ
۱۲۲	سکل کل	۱۴۵	پوروس	۱۶۷	ایلبے
۱۲۳	شینن دوملن	۱۴۶	میڈیرا	۱۶۸	ہمبر
۱۲۴	سنیک	۱۴۷	فرانسکو	۱۶۹	لوری
۱۲۵	سسکوہانا	۱۴۸	ریوگرانڈ	۱۷۰	مائنے
۱۲۶	سوانی	۱۴۹	چاپورا	۱۷۱	مرسی
۱۲۷	ٹینیسی	۱۵۰	ٹوکن ٹنز	۱۷۲	میوس
۱۲۸	ٹومبگبی	۱۵۱	پیرگولے	۱۷۳	موزیلی
۱۲۹	وابشس	۱۵۲	ریونیگرو	۱۷۴	زمن
۱۳۰	وائٹ	۱۵۳	ایگو آگو	۱۷۵	نینوا
۱۳۱	وسکونسن	۱۵۴	میدیرا	۱۷۶	آرڈر
۱۳۲	یلون سٹون	۱۵۵	اوری ناکو	۱۷۷	پو
۱۳۳	نیاگرا	۱۵۶	پرنیبا	۱۷۸	رائن
۱۳۴	اوچوئی	۱۵۷	اوروگوائے	۱۷۹	رون
۱۳۵	پیکوس		**یورپ کے دریا**	۱۸۰	روبیکان
				۱۸۱	سادن

نمبر شمار	دریا کا نام	نمبر شمار	دریا کا نام	نمبر شمار	دریا کا نام
۱۸۲	سیکلڈی	۱۸۸	ٹورن		آزاد کشمیر کے دریا
۱۸۳	سین	۱۸۹	ٹویڈ		
۱۸۴	ٹیلنس	۱۹۰	اورل	۱۹۴	کشن
۱۸۵	سوم	۱۹۱	وسٹولا	۱۹۵	چنار
۱۸۶	ٹاگس	۱۹۲	وولگا	۱۹۶	ستاپانی
۱۸۷	تبر	۱۹۳	ویسر		

زمین کے پہلے اقلیم پر تیس ۳۰ دریا۔ دوسرے میں ستائیس ۲۷۔ تیسرے میں بائیس ۲۲۔ چوتھے میں بائیس ۲۲ پانچویں میں پندرہ ۱۵ چھٹے میں چالیس ۴۰۔ ساتویں میں جو بڑا اعظم ہے۔ چالیس ۴۰ یہ دریا پہاڑی چشموں سے بنائے گئے۔ اس کے علاوہ چار دریا جنت سے جاری فرمائے گئے۔

۱؎ نیل ۲؎ فرات ۳؎ جیحان ۴؎ سیحان۔ نیل فلسطین میں۔ فرات کربلا میں۔ جیحان شام کے قریب جبل ابدال کے دامن سے متصل۔ سیحان علاقۂ ارمن میں ان سب دریاؤں کی لمبائی تقریباً چار سو کوس ہے اور شمال سے چلتی ہیں جنوب میں سمندر کے اندر گرتی ہیں۔ چوڑائی مختلف ہے اور گھٹتی بڑھتی رہتی ہے۔ سمندر کی لمبائی چوڑائی کا اندازہ تو نہیں ہو سکتا البتہ اس کی موٹائی بعض مقامات سے ناپی گئی ہے زیادہ سے زیادہ سو میل گہرائی ہے۔ رب تعالیٰ نے زمین کو ٹھنڈا رکھنے کے لیے زمین کے اندر بھی ایک باطنی دریا اور چشمہ جاری فرمایا ہے جو اکثر میٹھا ہے کہیں کہیں معمولی کھاری ہے کنوؤں۔ نلکوں وغیرہ میں یہاں ہی سے پانی آتا ہے۔ پانی کی خصوصیات۔

۱؎ بارش اور چشموں کا پانی بالکل میٹھا لذیذ ہوتا ہے۔ اسی لیے دریاؤں کا پانی میٹھا ہوتا ہے۔ ۲؎ باطنی دریا کا پانی اکثر میٹھا کہیں کہیں نمکین ۳؎ سمندر کا سب پانی انتہائی کڑوا ہوتا ہے۔ ۴؎ پانی ہلکا بھی ہوتا اور میٹھا بھی ہوتا ہے کیونکہ پانی کی اصلیت میٹھا ہونا ہے۔ کڑواہٹ نمک وغیرہ کی ملاوٹ سے ہوتی ہے۔ بارش اور بھاپ کا پانی ہلکا ہوتا ہے ۵؎ سب سے بھاری پانی سمندر کا پھر دریا کا۔ پھر باطنی نمکین پانی ۶؎ پانی سفید رنگ کا ہے۔ اس کا رنگ سفیدی کے علاوہ چاند سورج کی شعاعوں یا کسی ملاوٹ کی وجہ سے ہوتا ہے۔ ۷؎ زمین کی ہر چیز پانی کی محتاج ہے۔ یہاں تک کہ اگر زمین میں پانی نہ رہے تو زمین پھٹ کر ٹکڑے ہو جائے۔ ۸؎ پانی کی لذت بے مثل ہے الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔ ۹؎ صرف پانی ہی سے پیاس بجھتی ہے ۱۰؎ کپڑا وغیرہ صرف پانی سے ہی دھویا نچوڑا جا سکتا ہے ۱۱؎ چیزوں کو گیلا بھی صرف پانی ہی کرتا ہے ۱۲؎ پانی میں زمین سے زیادہ مخلوق آباد ہے۔

۱۳ نیز پانی میں زمینی مخلوق کی ہم نام اور ہم جنس مخلوق بھی ہے اور اس کے علاوہ بھی شلاً پانی کا انسان۔ پانی کا گھوڑا۔ بلی۔ یہاں تک کہ پانی کی چیونٹی بھی ہے۔ ۱۴ زمین کی مخلوق پانی میں نہیں رہ سکتی اُس کے پیٹ میں پانی گھس جاتا ہے جو اس کو ڈبو کر مار دیتا ہے۔ ۱۵ پانی کی بعض مخلوق زمین پر رہ سکتی ہے بعض نہیں۔ ۱۶ پانی کے جانور کو پانی سنڈ ہوتا ہے سر پیٹ میں جاتا ہے ۱۷ پانی اپنی سطح ہموار رکھتا ہے۔ ۱۸ پانی نعمت بھی ہے اور عذاب بھی۔ ۱۹ پانی ہر لذت ہر تاثیر ہر رنگ ہر بُو اور ہر جسم کو قبول کر لیتا ہے۔ یہ گرم بھی انتہائی۔ ٹھنڈا بھی انتہائی ہو جاتا ہے۔ بم کر برف بھی بن جاتا ہے اور جس برتن میں جائے اسی کا رنگ لے لیتا ہے ۲۰ پانی شفاف ہے۔ اس سے زیادہ کوئی شفاف نہیں ہوتا ۲۱ دنیا کی ہر مخلوق میں انسان۔ حیوان۔ نباتات۔ جمادات میں پانی موجود ہے۔ یہاں تک کہ پتھروں اور مٹی میں بھی پانی موجود ہے۔ بعض فلاسفۂ اسلامی نے تحقیق کی ہے کہ پہاڑوں کے چشمے پتھروں کا پسینہ ہے غرض کہ پانی قدرتِ الٰہی کا عجیب شاہکار ہے۔

۲۷ ستائیسویں نشانی۔ دنیا کے پھل پھول اور تمام نباتات بھی رب تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں۔ سنیاسی حکما کہتے ہیں کہ کل نباتات گھاس پھوس جڑی بوٹیاں کھیتی سبزی اور تنا ور درخت ساری زمین پر چھبیس ہزار قسم کی ہیں (عجائب المخلوقات) اُن میں پھل فروٹ اور میوہ جات گیارہ سو قسم کے ہیں۔ بڑے درخت تیئیس سو قسم کے۔ گھاس پندرہ سو قسم کے ہیں۔ تمام نباتات عجائباتِ قدرت کا عجیب خزانہ ہے۔ سولہ[۱۶] قسم کے عجائبات اطبا اور حکما کے تجربوں سے ثابت ہوئے ہیں۔ پہلا یہ کہ فروٹ کے پانی کا نام رس ہے میووں کے نچوڑ کا نام روغن یا تیل ہے اور جڑی بوٹیوں کے نچوڑ کا نام عرق ہے۔ دوسرا یہ کہ دنیا کی تمام دوائیاں نباتات میں ہیں خواہ طبیب کے علاج میں ہوں یا ڈاکٹر یا حکیم سنیاسی یا ہومیوپیتھک۔ تیسرا یہ کہ جڑوں میں اور اثر شاخوں میں اور پتوں میں اور۔ پھل کا اور اثر۔ بیج کی تاثیر علیحدہ اور پھول کا فائدہ جدا یہ صنعتِ الٰہی کا حیران کُن کرشمہ ہے۔ پھر ان میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ چوتھا یہ کہ۔ کھیتوں کے غلے میں غذائیت ہے پھلوں میں فرحت و لذت اور جسمانی قوت ہے اور جڑی بوٹیوں میں علاج معالجہ اور پھولوں میں خوشبو عطریات پیدا فرمائے گئے جن سے انسانی نشوونما اور صحت و تندرستی ہے۔ پانچواں یہ کہ۔ نباتات تازہ ہری ہوں تو اور فائدہ ہے اور خشک ہوں تو دوسرا فائدہ۔ گویا کہ کسی بھی جنگل کے کسی کنارے کھڑے ہو کر ہماری آنکھ تو صرف گھاس تنکے اور ہریالی ہی دیکھے گی مگر اسی جنگل پر جب کسی طبیب حکیم سنیاسی کی نگاہ پڑے گی تو اُس کے سامنے وہ جنگل نہیں بلکہ پنساری کی دکان بکھری ہو گی اور قادر و قیوم جلّ مجدہٗ کی قدرتوں کا وہی اعتراف کر سکتا ہے۔ اس کو ان بوٹیوں کی حقیقی قدر و قیمت معلوم ہو سکتی ہے۔ چھٹا یہ کہ عقل انسانی ورطۂ حیرت میں ڈوب جاتی ہے جب کہ اُس کو بعض درخت ایسے نظر آتے ہیں جن میں آتش گیر مادہ ہے حالانکہ آگ لکڑی کی دشمن ہے۔ ہم لکڑی کو آگ سے بچاتے پھرتے ہیں مگر یہ کس کی قدرت

کا ادنیٰ کرشمہ ہے کہ آگ اور لکڑی کو جمع فرمادیا۔ ساتواں عجوبہ یہ کہ دیا سلائی کا مسالہ بعض پودوں سے نکلتا ہے۔ آٹھواں یہ کہ تمام گوند اور گندہ بوروزہ اور بعض سریش بھی درختوں کا لعاب ہے۔ نواں یہ کہ بعض درختوں سے دودھ نکلتا ہے جس کو دوائی کے طور پر پیا جاتا ہے اور شفا ہوتی ہے۔ دسواں یہ کہ تمام رنگ درختوں سے نکلتے ہیں۔ ان سے کپڑے رنگے جاتے ہیں گیارھواں یہ کہ کچھ درخت شکار کرکے پرندوں اور کیڑوں کا گوشت کھاتے ہیں بعض انسانوں اور بڑے جانوروں تک کا شکار کر لیتے ہیں۔ بارھواں یہ کہ بعض پودے زمین کے بغیر صرف پانی میں اگتے بڑھتے پھلتے پھولتے پھل دیتے ہیں جیسے سنگھاڑا۔ تیرھواں عجوبہ یہ کہ رب تعالیٰ نے کانٹوں میں بھی شفا رکھ دی ہے۔ کل نباتات چھ قسم کی ہے۔

۱۔ گھاس ۲۔ پودے ۳۔ بیلیں ۴۔ کھیتیاں ۵۔ جھاڑیاں ۶۔ بڑے درخت۔

چودھواں عجوبہ یہ کہ ذرے کے برابر بیج سے سو فٹ لمبا درخت نکل آتا ہے۔ پندرھواں یہ کہ پھل اور درختوں سے انسان کی پوری دنیوی ضروریات حاصل ہو جاتی ہیں مثلاً پھلوں سے خوراک پتوں شاخوں سے ایندھن موٹی شاخوں اور تنے سے عمارتی لکڑی جس سے پورا گھر بنایا جا سکتا ہے۔ اس کی چھال سے کاغذ۔ گتا۔ اور اس کے ریشے سے کپڑا بنایا جا سکتا ہے۔ سنا گیا ہے کہ موجودہ پلاسٹک بھی بعض درختوں کا پانی ہے۔ سولھواں یہ کہ بڑے بڑے گھریلو جانور گھاس خور ہیں اور ان کی خوراک کا دستر خوان رب العالمین نے سڑکوں گلیوں میدانوں جنگلوں میں بچھا دیا ہے کہ مفت کھائیں پیٹ بھریں اور دودھ۔ اون۔ گوشت مالک کو دیں۔ اگر گائے بھینس گھوڑا گوشت خور ہوتے تو کھلانا پلانا۔ انسانوں کو محال ہو جاتا۔ یہ سب عجائب معرفت کردگار کے دلائل قاہرہ ہیں۔

۲۸۔ قدرت الٰہی کی اٹھائیسویں آیت۔ نباتات کا جوڑا جوڑا ہونا۔ ہر پودے کو رب نے نر مادہ پیدا فرمایا۔ بعض قرب چاہتے ہیں اور بعض میلوں دور سے بھی نطفہ پالیتے ہیں۔ اور بعض صحبت اور وطی کرتے ہیں جس کو پیوند کاری کہا جاتا ہے۔ اس کے بغیر پھل آتا ہی نہیں یا خراب آتا ہے۔ قرب اور میلوں دور کے نر مادہ میں ہم جنسی شرط ہے مگر پیوند کاری میں ہم جنسی کی بھی شرط نہیں۔ آم سے شہتوت کا پیوند ہو جاتا ہے یہ سب کچھ بھی حیران کن ہے۔

۲۹۔ انتیسویں آیت۔ رات دن کی پیدائش۔ آسمانوں کے ماحول کو تو رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے مگر زمین کی اصلی حالت اندھیرا ہے اور ساری زمین پر رات ہی تھی رب تعالیٰ نے اپنے خاص کرم سے بندوں کو سورج سے نوازا جس نے روشنی پھیلائی اور دن ظاہر ہوا۔ دنیا میں ہر جگہ کبھی دن ایک گھنٹے کا کبھی رات۔ اور یہ چھوٹائی بڑائی جنوبی اور مغربی علاقوں میں بہت زیادہ ہو جاتی ہے بعض مقامات پر تو کبھی دن چھ ماہ کا کبھی رات۔ اور بعض جگہ کبھی دن ایک گھنٹے کا کبھی رات۔ ان میں افضل کون ہے اصلی کون اس میں مختلف نظریات ہیں۔ واللہ اعلم بہر کیف دونوں

اللہ کی نعمتیں ہیں رب تعالیٰ نے سورج کی گردش سے رات دن پیدا فرمائے ۳۰ تیسویں آیت دن ۔ وقتوں کا بادشاہ ہے ۔ دنیا کا مقصدِ حیات دن ہے ۔ زندگی کی رونقیں دن سے وابستہ ہیں ۔ دن گویا زندگی ہے رات گویا موت ہے ۔ یہ تسلسل اور دن رات کا چکر قیامت اور دنیا کے فنا کی عظیم دلیل ہے ۔ انھی میں غور کر کے ملاقاتِ رب کا یقین آتا ہے ۔ دن رات کا شریعت و طریقت سے گہرا تعلق ہے ۔ ۳۱ اکتیسویں نشانی زمین کا مختلف ہونا ۔ زمین پوری کی پوری سات طرح سے آپس میں مختلف ہے ۔

۱ رنگ میں ۲ تاثیر میں ۳ موسم میں ۴ شکل صورت میں ۵ نوعی جسمانیت میں ۶ علاقائی حیثیت میں ۔ ۷ حجم میں ۔ ساری زمین کی رنگت سات قسم کی ہے ۱ کہیں بادامی مٹیالہ رنگ ۔ یہ عام ہے ۲ کہیں پیلا ۔ ۳ کہیں سرخ ۴ کہیں کالا ۵ کہیں ہلکا ہرا ۶ کہیں پتھر کا رنگ ۷ کہیں سفید کھریا مٹی ۔ سطحِ زمین اپنی تاثیر میں بھی سات قسم کی ہے ۔

۱ سرسبز ۲ خشک ۳ بنجر ۴ کلر والی (نمکینی) ۵ دلدلی ۔ ۶ بھر بھری ۷ ریتلی (ریگستان) زمین پر سات موسم طاری ہوتے ہیں ۔

۱ سردی ۔ ۲ گرمی ۔ ۳ بہار ۔ ۴ خزاں ۔ ۵ برسات ۔ ۶ کہیں ہمیشہ ٹھنڈک ۔ ۷ کہیں ہمیشہ تپش ۔ زمین کی شکل سات قسم کی ہے ۔

۱ میدانی ۔ ۲ صحرائی ۔ ۳ پہاڑی ۔ ۴ سیدھی ۵ اونچی نیچی ۶ جنگلی ۷ پتھریلی ۔ روئے زمین کی جسمانیت یا نوعیت بھی سات قسم کی ہے ۔

۱ مٹی ۔ ۲ ریت ۔ ۳ بجری ۴ چکنی ۵ کھردری ۶ سخت ۔ ۷ کائی ۔ علاقائی اور جغرافیائی لحاظ سے بھی زمین کے سات حصے ہیں ۔

۱ مشرقی ۔ ۲ مغربی ۔ ۳ شمالی ۔ ۴ جنوبی ۔ ۵ سطحی ۶ باطنی ۔ ۷ پانی کے اندر ۔ زمین کا حجم سات قسم کا ہے ۔

۱ لمبائی ۔ ۲ چوڑائی ۔ ۳ موٹائی ۴ گہرائی ۔ ۵ کنارہ ۔ ۶ نقطہ ۔ ۷ سطح ۔ ۳۲ بتیسویں آیت قدرت ۔ اتنے اختلاف اور تقطع ہونے کے باوجود پھر بھی یہ زمین متجاورات سب ملی ہوئی ایک ہی ہے ۔ اور جس کی جو تاثیر ہے ابتدا سے اب تک وہی ہے نہ تبادلہ نہ تبدیلی نہ کمی نہ زیادتی ۔ یہی سات زمینیں ہیں یہی ایک زمین ہے یہاں ساری تاثیروں ۔ نوعوں ۔ رنگوں ۔ صورتوں ۔ بناوٹوں کا یکجا جمع ہو جانا بھی قدرتِ خداوندی کے عجائبات میں سے ہے ۔ ۳۳ قدرت کی کاریگری کی تینتیسویں نشانی ۔ انگوروں کے باغات ۔ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں خصوصیت سے کئی جگہ انگوروں کے باغ کا ذکر فرمایا ۔ گیارہ وجہ سے ۔ پہلی یہ کہ انگور قدرت کے عجائبات میں سے ہے ۔ محققین فرماتے ہیں کہ دنیا کی تمام غذائی طاقتوں اور لذتوں کو انگور میں جمع کر دیا گیا ہے ۔ گویا یہ غلہ بھی ہے فروٹ بھی ہے

میوہ بھی ۔ کھانا بھی ہے پانی بھی ۔ دوسری یہ کہ ہر قسم کا مزہ انگور میں ہے ۔ میٹھا بھی ۔ کھٹا بھی ۔ کڑوا بھی ۔ بھی ۔ پھیکا بھی ۔ تیسری یہ کہ انگور دنیا کے ہر خطے میں اُگتا ہے یہاں تک کہ ریگستان میں اُگایا جا سکتا ہے ۔ جب کہ اِس کے علاوہ تمام پھل صرف مختلف مخصوص علاقوں میں اُگتا ہے چوتھے یہ کہ انگور سے اتنی زیادہ چیزیں بنتی ہیں کہ کسی اور پھل یا اناج سے نہیں بنتیں ۔ مثلاً ۔ ۱ گلوکوز ۔ ۲ گرانی واٹر ۔ ۳ ہر کہ ۴ شراب ۔ ۵ منقہ ۔ ۶ کشمش ۔ ۷ نبیذ ۔ ۸ گلیسرین ۔ ۹ انگوری شکر ۔ پانچویں وجہ یہ کہ انگور میں پوری غذائیت ہے ۔ اور اس کا پانی گلوکوز بنا کر مریض کو رگوں کے ذریعے پڑھایا جاتا ہے اور پوری غذا پہنچ جاتی ہے ۔ چھٹی وجہ یہ کہ اس کی تاثیریں ہر طرح کی ہیں ۔ بعض انگور ٹھنڈی تاثیر رکھتے ہیں بعض گرم ۔ بعض خشک ۔ بعض تر ۔ بعض معتدل ۔ اسی لیے یہ ہر مزاج کے موافق آجاتا ہے اور ہر ملک میں پیدا ہوتا ہے ۔ ساتویں یہ کہ اِس کی نباتاتیت ۔ نشوونما تمام باقی نباتات سے ہر طرح مختلف ہے اسی طرح کہ تمام نباتات درخت گھاس پودے بیلیں وغیرہ زمین پر اُگتے ہیں اور زمین کو گھیرتے ہیں اور بڑے درخت کی جڑیں بھی بڑی ہوتی ہیں مگر انگور کی بیل چھت کی شکل میں پھیلتی ہے ۔ اور اِس کا تنا بالکل تھوڑی سی جگہ گھیرتا ہے اس کی جڑیں بھی چھوٹی ہوتی ہیں مگر اس کی شاخیں دو سو گز تک لمبی پھیلتی چلی جاتی ہیں ۔ آٹھویں وجہ یہ کہ اس کی ایک ایک بیل منوں کے حساب سے پھل دیتی ہے ۔ اس کے گچھے فضا میں لٹکنے سے زیادہ اچھے ہوتے ہیں ۔ اگر کسی سے ٹکیں گے تو وہ حصہ خراب ہو جائے گا ۔ نویں وجہ یہ کہ اِس کا سایہ بہت گھنا اور ٹھنڈا ہوتا ہے ۔ دسویں یہ کہ انگور کی آٹھ قسمیں ۔

۱ بڑا انگور چھوٹے آلو کے برابر ہوتا ہے ۲ سب سے چھوٹا انگور موٹے چنے کے برابر ۔ ۳ کالا انگور ۔ ۴ سرخ ۔ ۵ پیلا ۔ ۶ ہرا ۔ گلابی ہلکا ۔ ۷ بیج والا ۔ ۸ بغیر بیج والا ۔ دسویں وجہ یہ کہ انگور بہت سی معدے اور دماغی بیماریوں کا علاج ۔ اس کے کھانے سے خون صاف ہوتا ہے اس کی جڑ اور شاخوں پتوں میں بھی رب تعالیٰ نے شفا رکھی ہے ۔ گیارہویں وجہ یہ کہ عالمی منڈی میں انگور بہت بڑی تجارتی دولت ہے ۔ ۳۴ چونتیسویں آیت کھیت کی پیداوار ۔ کھیت وہ زراعت ہے جس کی نباتاتیت میں انسانی عمل کو دخل ہے ۔ یہ موسموں کے حساب سے اُگایا جاتا ہے ۔ بعض کھیت سال میں ایک دفعہ بعض دو دفعہ اُگ جاتے ہیں رب نے سب کھیت انسان اور چوپایوں کی غذا اور روغنیاتی خوراک کے لیے پیدا کئے یہ بھی اپنی مخصوص زمین میں لگتے ہیں ہر زمین میں پیدا نہیں ہوتے لیکن اناج کے کھیت دنیا کی ہر زمین میں اُگ جاتے ہیں ۔ تمام روئے زمین پر کھیت کل بہتر قسم کے ہیں ۔

۱ گندم ۔ ۲ جو ۔ ۳ باجرہ ۔ ۴ مکئی ۔ ۵ جوار ۔ ۶ چاول ۔ ۷ چنا ۔ ۸ مونگ ۔ ۹ مسور ۔ ۱۰ ماش ۔ ۱۱ رازما ۔ ۱۲ لوبیا ۔ ۱۳ ارہر ۔ ان کو اناج اور غلہ کہا جاتا ہے ۔ ۱۴ سرسوں ۔ ۱۵ توریاں ۔ ۱۶ تارامیرا ۔ ۱۷ بھنگ ۔ ۱۸ خشخاش ۔ ۱۹ زعفران ۔ ۲۰ آلو ۔ ۲۱ گنا ۔ ۲۲ مولی ۔ ۲۳ گاجر ۔ ۲۴ کندو ۔ ۲۵ مٹر ۔ ۲۶ شلغم ۔

۲۷ شکر قندی ۔ ۲۸ مونگ پھلی ۔ ۲۹ کپاس ۔ ۳۰ پالک ۔ ۳۱ میتھی ۔ ۳۲ ٹینڈا ۔ ۳۳ بھنڈی ۔ ۳۴ توری ۔ ۳۵ پیاز ۔ ۳۶ لہسن ۔ ۳۷ کھیرا ۔ ۳۸ ککڑی ۔ ۳۹ تربوز ۔ ۴۰ خربوزہ ۔ ۴۱ گرما ۔ ۴۲ سردہ ۔ ۴۳ مہندی ۔ ۴۴ چائے ۔ ۴۵ مرچیں ۔ ۴۶ مکی ۔ ۴۷ زیرہ ۔ ۴۸ ٹماٹر ۔ ۴۹ دھنیہ ۔ ۵۰ پودینہ ۔ ۵۱ اربی ۔ کچالو ۔ ۵۲ ادرک ۔ ۵۳ کاشی پھل ۔ ۵۴ پیٹھا ۔ ۵۵ بینگن ۔ ۵۶ گوبھی پھول ۔ بند گوبھی ۔ گانٹھ گوبھی ۔ ۵۷ چقندر ۔ ۵۸ حیوان چوپایوں کی خوراک چری کے کھیت پانچ قسم کے ہیں ۔ ۵۹ تمباکو ۔ ۶۰ بنفشہ ۔ ۶۱ کریلا ۔ ۶۲ سونف ۔ ۶۳ روال کی پھلیاں ۔ ۶۴ موٹھ ۔ ۶۵ سلاد کے پتے ۔ ۶۶ رائی ۔ ۶۷ اجوائن ۔ ۶۸ پٹسن ۔ ۶۹ بانس ۔ ۷۰ گنہاری ۔ دکشیری ترکاری) ۷۱ یام (افریقی ترکاری) ۷۲ السی ۔ — اِن تمام کھیتوں میں کسی کی پیداوار بیلوں کی شکل میں کسی کی چھوٹے پودوں کی شکل میں کسی کی سیدھی ایک تنے کی شکل میں اور اوپر فقط ایک سٹہ پھل ۔ کسی کی لاٹھی کی شکل میں وہی تنا اور وہی اس کا پھل یہ قدرت کی کتنی عجیب حکمت ہے کہ بڑے بڑے درختوں کو چھوٹا چھوٹا پھل اور زمین پر پڑی نازک باریک بیلوں کو بڑا بڑا پھل بھر جز ۔ ایک ۔ اُس کی پتلی شاخ کی بیل بھی ایک ہی مگر اس میں آٹھ آٹھ سیر کے پھل دو تین ۔ نیز اِن کھیتیوں میں رب تعالیٰ نے ہر قسم کی غذائیت ۔ طاقت اور لذت بھر دی ہے ۔ کون ہے جو اُس کی صنعت کا مقابلہ کر سکے ۔

۳۵ ۔ قدرت الٰہیہ کی پینتیسویں نشانی ۔ کھجور کی حیران کن خصوصیات ہیں ۔ ۱ کھجور کے درخت پر کبھی خزاں نہیں آتی ہمیشہ سرسبز پتوں سے بھرا رہتا ہے ۔ ۲ کہیں کہیں ایک گٹھلی سے تین اور دو درخت بھی نکل آتے ہیں اور دونوں یا تینوں درخت اپنی بناوٹ میں اور پتوں پھلوں میں مکمل درخت ہوتے ہیں یعنی تینوں درختوں میں سے ہر ایک کا پھل اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے جتنا علیحدہ ایک کھجور کے درخت کا ہوتا ہے ۔ ۳ اس کی جڑ انتہائی گرم خشک تاثیر والی ۔ اس کا تنا ٹھنڈی تاثیر والا اور اس کا پھل یعنی کھجوریں گرم تر ۔ ۴ کھجور سے سات انسانی بیماریوں کو شفا ہے ۔ دماغی بیماری ۔ کُند ذہنی کو شفا ۔ خون بہت پیدا کرتی ہیں ۔ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے ۔ آنسوؤں کی بیماری کا علاج ۔ مکھن اور کھجور ملا کر کھانے سے جسمانی خشکی اور تیزابیت دور ہوتی ہے ۔ نیند کی زیادتی کو ختم کرتی ہے ۔ ۵ اس کی گٹھلی پیس کر گائے بھینس بکری کو کھلانے سے دودھ زیادہ اور گاڑھا ہوتا ہے ۔ ۶ اِس کی عمر ہزاروں سال ہوتی ہے اور آخر تک پھل دیتا ہے ۔ ۷ یہ ریتلے اور گرم علاقوں میں کثرت سے پیدا ہوتا ہے ۔ ۸ اِس کی جڑیں دور تک پھیلی ہوتی ہیں ۔ ۹ اس کا قد چھ فٹ سے سو فٹ تک ہوتا ہے ۔ ۱۰ یہ بہت آہستہ آہستہ بڑھتا ہے ۔ ۱۱ تجربہ کار آدمی اس پر بغیر سیڑھی چڑھ جاتا ہے ۔ ۱۲ دنیا میں یہ بہت بڑا تجارتی مال ہے ۔ ۱۳ خاص کر اہلِ عرب کی یہ پرانی تجارت اور بڑی آبائی دولت ہے ۔ ۱۴ دنیا میں دو پھلوں کی بہت قسمیں ہیں ایک آم اور دوسرا یہ کھجور ۔ سب میں بہترین آم چونسہ ہے اور سب میں بہترین کھجور عجوہ ہے ۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سلمان فارسی

کے باغ میں جو دو کھجور کے درخت لگائے تھے اُس کی کھجور اور درخت کی زیارت ہم نے کی ہے چودہ سو سال تک اُس نے پھل دیئے پھر دشمنانِ رسول نجدیوں نے اُس کو کٹوا دیا صرف اس دشمنی میں کہ لوگ اس کو دیکھنے اس کی زیارت کرنے جاتے اور آنکھوں کو ٹھنڈا کرتے۔ اس کی کھجور کے روحانی اور جسمانی فائدے ستر کے قریب ہم نے خود تجربہ کئے ہیں۔ غرض کہ کھجور بھی قدرت کا بہترین شاہکار ہے۔

۳۶ چھتیسویں آیتِ الٰہی۔ تمام نباتات کو ایک ہی پانی سب جگہ دیا جاتا ہے۔ عالمِ نباتات کے اثرات و فوائد اور نشو و نما کے طریقے لاکھوں سے متجاوز ہیں حالانکہ تمام نباتات کو ایک ہی پانی دیا جاتا ہے جو اپنے رنگ مزے اور طبیعت میں ایک جیسا ہے۔ پانی بارش کا ہو یا زمین کا جنسی نوعی اور اثر کے اعتبار سے ایک ہی ہے صرف اتنا فرق ہے کہ زمین کا پانی بھاری ہوتا ہے اور بارش کا پانی ہلکا مگر اس سے اثریت اور طبیعت میں فرق نہیں پڑتا۔ دوسرا فرق یہ ہے کہ بارش تمام پودے کو دھو دیتی ہے جس سے ظاہری نباتاتی بیماریاں کیڑوں کے زہریلے لعاب اور جالے وغیرہ ختم ہو کر رکی ہوئی نشو و نما تیزی سے جاری ہو جاتی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسا فرق نہیں جس سے نباتات کے رنگ مزے اور تاثیر میں کوئی نمایاں کردار ہو۔ پانی کا کردار سوائے مادی غذا کے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح ایک ہی سورج کی تپش اور ایک ہی چاند کی چاندنی سب روئے زمین کی نباتات کو ملتی ہے۔ پھر اتنے کثیر اختلافات اُسی صناعِ کائنات۔ بدیعُ السّمٰوٰتِ والارض کی قدرت کے کرشمے ہیں۔ ہائے افسوس ہم نے اپنے رب کریم و رحیم کی قدر نہیں پہچانی۔ یہ سب کچھ اس نے ہم کو اور ہماری صحت و عزت و دولت کو بچانے کے لیے کیا ہے۔ محققینِ اسلام فرماتے ہیں کہ بارش کا پانی پودے کو چار فائدے پہنچاتا ہے۔ ۱ سارے پودے کو اوپر سے نیچے تک غسل دیتا ہے ۲ کلیوں کو تازگی بخشتا ہے کھلا کر پھول بناتا ہے۔ ۳ پودوں کو نقصان دینے والے سبزی خور اور زمینی کیڑوں کو مارتا ہے۔ ۴ نباتات کی پیاس بجھاتا ہے۔ اور زمینی پانی پودوں کو پانچ فائدے پہنچاتا ہے۔

۱ نشو و نما میں غذا کا کام دیتا ہے۔ ۲ مٹی میں نرمی اور نمی پیدا کرتا ہے جس سے بیج کھلتا پھٹتا ہے اور شگوفہ اوپر کی طرف جڑ نیچے کی طرف نکلتی ہے۔ ۳ درخت اور پودے کے جسم میں رس اور عرق جو مثل خون کے ہے وہ اسی زمینی پانی سے حاصل ہوتا ہے ۴ زمینی پانی جڑوں کی گہرائی تک غذا پہنچاتا ہے۔ ۵ میدانی زمین میں کوئیں کے ذریعے زمینی پانی دیا جاتا ہے مگر پہاڑی زمین میں قدرتی زمین کا اندر گیلا ہوتا ہے۔ بارانی زمین میں یہ سب فائدے صرف بارش سے حاصل ہوتے ہیں۔

۳۷ سینتیسویں آیت۔ ہر خوراک کی غذائیت اور لذت جسمِ انسانی حیوانی میں مختلف ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک عظیم ورطۂ حیرت میں ڈالنے والا عجوبہ ہے جو صنعتِ خداوندی کی بہت شان والی دلیل ہے۔ انسان کو اپنی نشو و نما اور صحت کو برقرار رکھنے کے لیے دس قسم کی خوراک کی ہر وقت حاجت ہے۔ ۱ جسم میں خون بنانے والی غذا۔ ہر قسم کے

نلکے سے یہی غذا حاصل ہوتی ہے ۲ معدے کو طاقت اور بنانے زود ہضم کرنے کے لیے ہر قسم کی سبزی ترکاری کا سالن۔ ۳ خون کو صحت مند رکھنے کے لیے مختلف فروٹ۔ صحت مند خون وہ ہے جو صاف۔ گاڑھا۔ سرخ ہو اور پوری مقدار میں ہو یہ سب خوراکیں میوہ اور فروٹ سے حاصل ہوتی ہیں۔ ۴ دماغی قوت کے لیے خشک میوہ بادام پستہ ناریل وغیرہ ۵ بینائی کے لیے سونف وغیرہ ۶ دل کی تقویت کے لیے جڑی بوٹیوں کے عرق۔ ۷ ظاہری اعضا کی قوت کے لیے گھی دودھ کے علاوہ بیج مغز خشخاش وغیرہ۔ ۸ قوت سماعت کے لیے لحمیات اور روغنیات دقبض کشا بیل بوٹے پتے۔ ۹ مردی قوت کے لیے ماش کی دال اور موٹی سبزی کدو۔ کاشی۔ پیٹھہ وغیرہ۔ ۱۰ مختلف انسانی بیماریوں کی شفا کے لیے رب تعالیٰ نے جڑی بوٹیاں پیدا کر کے ان میں شفا بھر دی جو خود رد میں بالکل مفت ہیں غرض کہ رب تعالیٰ نے ایک انسان کو بچانے کے لیے اپنی تمام سبزیوں جڑی۔ بوٹیوں میں بیشمار بالکل ہی مختلف غذائیت اور مفاد پیدا فرما دیے یہ قدرت کی کمال فیاضانہ حیران کن صنعت ہے۔ یہ بھی وجودِ باری تعالیٰ کی عظیم الشان دلیل ہے سب سے عجیب تر تو یہ ہے کہ انسان پھل فروٹ میوہ گوشت سبزی اناج غلہ اور جڑی بوٹیاں کھا کر جو جسمانی مفاد حاصل کرتا ہے وہ تمام فائدے پرندوں کو صرف دانے دُنکے میں اور گوشت خور حیوانات کو صرف گوشت و چربی و خون کھا لینے میں۔ چوپایوں کو ہری خشک گھاس بھوسہ کھا لینے سے حاصل ہو جاتے ہیں۔ پرندوں درندوں کو اُن کی ایک خوراک سے ہی دل دماغ بینائی وغیرہ مل جاتی ہے۔ یہ مختلف کھانوں سے مختلف لذتیں اور فائدے تو انسانوں پر ہی کریم کا کرم ہے۔ جَلَّ جَلَالُہٗ وَعَمَّ نَوَالُہٗ یہ تو وہ نعمتیں ہیں جو انسان کی زندگی ترقی اور صحت تندرستی کی بقا کے لیے کمال رحم و کرم سے رب تعالیٰ نے انسان کے لیے پیدا فرما دیں۔ لیکن خود انسان اپنے ظاہر و باطن کے اعتبار سے قدرت کا عجیب شاہکار ہے۔ بدنِ انسانی عظیم کارخانۂ قدرت ہے جس میں غور کرنے سے خود انسان تو درکنار ملائکہ بھی حیرت میں ہیں۔ اس کا جسم ظاہری ہر شخص دیکھ سکتا ہے اس کا جسم باطنی چیر پھاڑ اور ایکسرے سے دیکھا جا سکتا۔ لیکن اس کے باوجود عقل تمام اس کے سمجھنے سے قاصر ہے کہ یہ جسم کس طرح بنایا ہی مُغَیِّبُ سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ نے ہے۔ پھر اس میں عقل۔ دماغ۔ حفظ کا خانہ۔ اور قلب۔ قلبی تفکرات۔ وتجلیات۔ اور ان میں معرفت الٰہیہ کے کثیر خزانے۔ غرض کہ انسان خود اپنے کو سمجھنے سے قاصر ہے انسان کے سارے علوم عقلیات۔ تجربات۔ صرف جسمانیت تک محدود ہیں۔ ورنہ یہ گوشت پوست کا لوتھڑا معرفت کائنات کی پوری نشاندہی کرتا ہے۔ اسی لیے ارشاد ہے وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ اور ارشاد نبوی ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ اپنے میں مراقبہ کرو تاکہ بار کا مشاہدہ ہو کافر و فاسق اس سے محروم ہیں۔ علمِ ذات کا مطالعہ حیات کامیاب ہے دنیوی دانشیں حاصل کر کے عمر کا ضائع کرنا ہے۔

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا

اور اگر تعجب کرو تم تو تعجب والی بات ہے ان کی کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم

اور اگر تم تعجب کرو تو اچنبھا تو ان کے اس کہنے کا ہے کہ کیا ہم

تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ ؕ اُولٰٓئِكَ

مٹی کیا یقیناً ہم البتہ میں پیدائش نئی یہی لوگ ہیں

مٹی ہو کر پھر نئے بنیں گے یہ وہ ہیں

الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ

جو کافر ہوئے سے رب اپنے اور یہی لوگ ہیں طوق ہوں گے

جو اپنے رب سے منکر ہوئے اور وہ ہیں جن کی ۔

فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

میں گلوں ان کے اور یہی لوگ ہیں ہمیشہ رہنے والے آگ ہیں

گردنوں میں طوق ہوں گے اور وہ دوزخ والے ہیں ۔

هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۵ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ

وہ میں اس سکونت والے ہیں ۔ اور جلد بازی کرتے ہیں آپ سے

انہیں اسی میں رہنا اور تم سے عذاب کی جلدی

بِالسَّیِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ

گناہوں کی سزا ملنے میں اچھائی سے پہلے حالانکہ بیشک گزر گیا سے

کرتے ہیں رحمت سے پہلے اور ان سے اگلوں کی سزائیں

قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ ؕ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ

پہلے اُن کے بہت عذاب اور بیشک رب آپ کا البتہ مالک ہے بخشش کا

ہو چکیں ۔ اور بیشک تمہارا رب تو لوگوں کے

لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ

لیے لوگوں کے باوجود ظلم اُن کے اور بیشک رب آپ کا البتہ سخت ہے

ظلم پر بھی انہیں ایک طرح کی معافی دیتا ہے۔ اور بیشک تمہارے رب کا عذاب

الْعِقَابِ ⑥

سزا دینے والا

سخت ہے

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہیں۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں عظیم الشان نشاناتِ قدرت میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی تھی جس سے ایک عقل سلیم تو حیرانی اور تعجب کے سمندر حیرت میں یقیناً گم ہو جاتی ہے اور صنائع کائنات کی صنعات کثیرہ میں جتنا غور زیادہ کیا جائے عقلِ انسانی حیرت کی انتہا تاریکیوں میں اتنی ہی زیادہ گرتی چلی جاتی ہے۔ مگر خالق کائنات ان آیات پاک میں اُن تمام حیرانیوں سے زیادہ تعجب ناک یہ عقیدہ بیان فرما رہا ہے جو ان عقل و فکر سے دور لوگوں نے بنا لیا کہ ہم دوبارہ کس طرح بنیں گے حالانکہ دوبارہ بنانا آسان ہوتا ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں رب تعالٰے نے اپنی اُن نعمتوں کا ذکر کیا جو ظاہری دنیا میں ہر انسان کو عطا ہو رہی ہے۔ ان آیات میں اُن اُخروی معاملات کی طرف توجہ دلائی جا رہی ہے جو مومن و کافر کو تقسیم کر کے علیحدہ علیحدہ دی جائے گی کہ کفار کو جہنم کا عذاب اور مومنوں کو مغفرت کا انعام۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالٰی نے اپنی اُن مہربانیوں کا ذکر فرمایا جن سے کافروں نے دھوکہ کھا کر اور زیادہ کفر سرکشی اور تکبر کیا اب ان آیات میں اُس کی سزاؤں عذابوں اور سخت پکڑ کا ذکر ہے تاکہ ہوش والے صحیح بندہ بن جائیں۔

شانِ نزول جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کو دنیوی عقاب اور اُخروی عذاب سے ڈرایا اور اسلام کی دعوت دی اور رحمت و بخشش کی بشارت دی تو سردارانِ مکہ نے ازراہِ مذاق اور طعن جمع ہو کر مطالبہ کیا کہ ہم کو رحمت و بخشش کی ضرورت نہیں ہاں البتہ جس عقاب کا ذکر کرتے ہو وہ لے آؤ تب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس میں ان کی بے وقوفی بدبختی کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرَابًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ

وَ عاطفہ اِنْ حرفِ شرط حروفِ مجازات میں سے ہے تَعْجَبْ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر حاضر فاعل اَنْتَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے بعض مفسرین نے فرمایا کہ خطاب عام مسلمان ہے۔ بحالتِ جزم ہے اِنْ شرطیہ کی وجہ سے عَجَبٌ سے مشتق ہے باب سَمِعَ سے ہے ایک قول میں باب فَتَحَ ہے تعجب قلبی حیرانی کی ایک کیفیت ہے۔ فَ جزائیہ اگلا جملہ جزا ہے عَجَبٌ مصدر ہے مبالغے کے لیے یعنی بڑا تعجب تنوین بھی تعظیم کی ہے مبتدا ہے نکرہ ہے اس کی خبر قَوْلُهُمْ مرکب اضافی معرفہ ہے اگرچہ نحوی قانون ہے کہ مبتدا و خبر ایک درجے کے ہوں یعنی دونوں معرفہ یا دونوں نکرہ مگر یہاں تعظیم کی صفت نے نکرہ کو مبتدا بنانے میں جواز پیدا کر دیا۔ ءَاِذَا۔ یہ پورا جملہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ قول مصدر کا مفعول بہٖ ہے۔ ہمزہ سوالیہ (استفہام) اِذَا ظرفیہ شرطیہ یہاں صرف ظرفیت ہے شرط نہیں۔ كُنَّا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم كَانَ ناقصہ ہے بمعنیٰ صَارَ اس کا اسم ضمیر جمع متکلم اس کی خبر تُرَابًا منصوب ہے تُرْبٌ بمعنیٰ زمین ہونا مادہ ہے اور اسم جامد بھی تُرَابٌ بروزن فُعَالٌ اور كُتَّابٌ مصدر ثلاثی ہے بمعنیٰ مٹی ہونا خاک ہونا۔ یہاں اسم جامد ہے یعنی مٹی۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ شرط ہے۔ ءَ ہمزہ سوالیہ اِنَّا۔ دراصل تھا اِنَّ نَا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق و تشبیہ۔ تشبیہ خود اپنے لیے کہ فعل سے مشابہ ہے عمل میں اور تحقیق اپنے اسم و خبر کے لیے کہ ان سے شک دور کرتا ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے اس لیے منصوب ہے۔ لَفِيْ عامل ہے لَمَبْعُوْثُوْنَ فِيْ۔ لام تاکید۔ فِيْ حرفِ جر اپنی اگلی عبارت مجرور سے مل کر متعلق ہوگا فعل پوشیدہ مَبْعُوْثٌ کا خَلْقٍ موصوف اسم جامد ہے یعنی پیدائش۔ صحیح دوسرا قول ہے کہ یہ مصدر ہے بمعنیٰ پیدا ہونا جَدِيْدٍ بروزن ضَرِيْبٌ بمعنیٰ مضروب جَدٌّ مضاعف ثلاثی جُدُوْدٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے جدا کرنا۔ دادا کو جَدّ اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے نسل جدا ہوتی ہے۔ نئی چیز کو بھی جدید اسی لیے کہتے ہیں کہ اپنے کارخانے یا مرکز سے ابھی جدا ہوئی ہے۔ جدید صفت ہے خلق کی اس طرح کی آیتیں سارے قرآن مجید میں گیارہ جگہ ہیں نو سورتوں میں۔

نمبر ۱ یہی سورت رعد آیت ۵۔ نمبر ۲ سورت اسراء دو جگہ آیت ۴۹ نمبر ۳ اور آیت ۹۸۔ نمبر ۴ سورت مومنون آیت ۸۲۔ نمبر ۵ نمل آیت ۶۷۔ نمبر ۶ عنکبوت ۲۰۔ نمبر ۷ سجدہ آیت ۱۰۔ نمبر ۸ صافات میں دو جگہ آیت ۱۶ اور

ف آیت ۵۳ ۔ نمبر ۱۰ واقعہ آیت ۴۷ نمبر ۱ سورت نازعات آیت نمبر ۱۱ ۔ اِن سب جگہ قاریوں کے چار اختلاف
ہیں ۔ پہلا قول شرط و جزا دونوں جگہ ہمزہ باقی ہے ۔ ءَ اِذَا اور اَ اِنَّا میں دوسرا قول پہلے ہمزہ دوسری جگہ الف تیسرا قول دونوں
جگہ ہمزہ بھی اور درمیان میں الف بھی چوتھا قول دونوں الف نہیں ہے ۔ ہماری قرأت مشہورہ پہلا قول ہے ۔ یہاں
نحویوں کے بھی چار اختلاف ہیں ۔ پہلا مسلک شرط و جزا دونوں استفہام (کسائی نحوی) ۔ دوسرا مسلک دونوں جگہ
خبریت ہے (ابن کثیر نحوی) تیسرا مسلک پہلا استفہام دوسری خبر (امام نافع) چوتھا مسلک پہلا خبر دوسرا سوال
(ابو نفس) یہاں تینوں جگہ اولٰئک مبتدا ہے اور اس کا مابعد اُس کی خبر ہے ۔ اور تینوں جملے اسمیہ علیحدہ علیحدہ ہیں ۔
جن کو اولٰئک یہ اسم اشارہ دراصل تھا اُوْلَآءِ ۔ یہ ہمیشہ ہر حال میں جمع مذکر کے لیے ہوتا ہے جب اکیلا ہو تو قریبی جمع
مشار الیہ کے لیے بمعنی یہ سب جب اس سے پہلے حرف تنبیہ ھا لگا دیا جائے یعنی ھٰؤُلَآءِ تو قریب و بعید اشارے
کے لیے وہاں استعمال ہوگا جہاں کسی کو جھڑکنا یا خبردار کرنا مقصود ہو ۔ اس کے ذریعہ حاضر غائب مشار الیہ مشار لہٗ سب
کو تنبیہ کی جاسکتی ہے ۔ اگر مشار لہٗ (جس کے لیے کسی کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہو) واحد حاضر ہو تو اولاء کے بعد کَ ضمیر
واحد حاضر مذکر لگاتے ہیں ۔ یعنی اولٰئک جیسے یہاں اور اشارہ بعید جمع مذکر مشار الیہ کی طرف ہوتا ہے ۔ بمعنی وہ سب
اور مشار لہٗ جمع حاضر ہو تو اس کے بعد ضمیر جمع حاضر کی لگا دیتے جیسے اُولٰئِکُمْ بمعنی وہ سب اشارہ بعید کے لیے ہے
اسم اشارہ وہ ہے جس سے اشارہ کیا جائے ۔ مشار الیہ جس کی طرف اشارہ ہو ۔ مشار لہٗ جس کیلئے اشارہ ہو یعنی اس کو دکھانا
یا بتانا مقصود ہو ۔ مشیر جو اشارہ کرے ۔ یہاں اُوْلٰئِکَ بحالت ضمہ ہے کیونکہ مبتدا ہے یہ ہمیشہ مبنی ہوتا ہے اس
لیے ضمہ ظاہر نہیں ہوا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ہے اس کا مشار الیہ ہے بحالت رفع ہے کیونکہ پورا جملہ خبر ہے اس
مبتدا کی ۔ کَفَرُوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر کُفْرٌ سے بنا بمعنی انکار کرنا ۔ شرعی معنی توحید باری تعالٰی اور توحید کا پیغام لانے والے
انبیا کا نہ ماننا ۔ فاعل ھُمْ ضمیر غائب کا مرجع اُولٰئِکَ ہے بِ جارہ بمعنی مفعولیت رَبّ اسم صفاتی خصوصی ہے باری
تعالٰی کا ھُمْ کا مرجع بھی اُولٰئِکَ ہے ۔ دوسرا جملہ اُولٰئِکَ مبتدا بحالت رفع ہے اَلْاَغْلٰلُ ۔ الف لام عہد ذہنی ہے اَغْلَال
جمع مکسر کثرت ہے غُلٌّ کی بمعنی زنجیر ۔ طوق ۔ پٹہ ۔ لوہے کا ۔ اس سے پہلے فعل جُعِلَ ماضی مجہول یا یُجْعَلُ مضارع
بمعنی مستقبل مجہول پوشیدہ ہے بحالت رفع ہے کیونکہ یہ سب جملہ فعلیہ مجہولیہ خبر ہے مبتدا کی اغلال اُس
کا نائب فاعل ہے ۔ اغلال سے یہاں مراد یا سرکشی کا طوق ہے اور کیفیت دنیوی مراد ہے جب کہ جُعِلَ پوشیدہ مانا
جائے یا عذاب نار کا طوق مراد ہے اور اُخروی کیفیت کا ذکر ہے تب یُجْعَلُ پوشیدہ ہوگا فی جارہ ظرفیہ معکوس کے
لیے کیونکہ اصلاً اغلال ظرف ہے اعناق مظروف یعنی طوق میں گردن ہوتی ہے لیکن یہاں عکس ہے اعناق جمع
ہے عُنُق کی بمعنی گردن ۔ لمبی اور پتلی گردن کو کہتے ۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع اُولٰئِکَ ہے ۔ دوسرا جملہ اُولٰئِکَ مبتدا اَصْحٰبُ جمع
ہے صاحب کی بمعنی والا ۔ مالک ۔ ساتھی ۔ جس کے لیے کوئی چیز بنائی جائے ۔ یہاں یہ ہی آخری معنی مراد ہیں اَلنَّار

الف لام عہدِ خارجی نار بمعنیٰ آگ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے اصحاب کا یہ مرکب خبر ہے مبتدا کی۔ ھُمْ مرفوع متصل جمع مذکر غائب کا مرجع تینوں اُولٰئِكَ ہیں۔ مبتدا ہے علیحدہ نیا جملہ اسمیہ ہے۔ فِی جارہ ھَا ضمیر واحد مونث مجرور متصل کا مرجع النار ہے جار مجرور متعلق مقدم ہے خَالِدُوْنَ کا۔ یہ اسم فاعل ہے صیغہ جمع مذکر۔ باب نَصَرَ سے ہے اس کا واحد خالدٌ ہے خُلُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہمیشہ رہنا۔ یہ جملہ اسمیہ خبر ہے مبتدا کی۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ وَ سر جملہ ابتدائیہ يَسْتَعْجِلُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب بمعنیٰ حال اس کا مصدر ہے استعجال باب استفعال مادہ ہے عَجَلٌ بمعنیٰ جلدی مچانا۔ یعنی وقت سے پہلے چاہنا۔ اس کا مقابل ہے تاخیر یعنی وقت کے بعد ہونا۔ تعجیل تاجیل تاخیر توقیت کا فرق کسی چیز کو وقت سے پہلے چاہنا تعجیل ہے اور وقت پر چاہنا تاجیل ہے وقت کے بعد چاہنا تاخیر ہے خود وقت مقرر کرنا توقیت كَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع نبی پاک ہیں منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے بِ جارہ بمعنیٰ مِن بیانیہ مفعولیت کی جگہ اَلسَّيِّئَةُ الف لام عہدی ہے۔ سَيِّئَةٌ مبالغے کا صیغہ ہے۔ دراصل تھا سَيْوِئَةٌ بروزن فَيْعِلَةٌ بمعنیٰ گناہ اور معصیت۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے اس کی جمع مونث سالم سَيِّئَاتٌ ہے۔ سَيِّئٌ اجوف یائی اور مہموز اللام سے مشتق ہے بَاعَ کے باب سے ہوتا ہے۔ قبل ظرف ہے يَسْتَعْجِلُوْنَ کا بحالتِ زبر ہے مضاف اَلْحَسَنَةِ مضاف الیہ ہے الف لام جنسی یا عہدی۔ حَسَنَةٌ اسم جنس للذا ہر مفید چیز کو شامل ہے خواہ دنیوی اچھائی خوبصورتی یا اخروی نیکی بھلائی اس کا مقابل سَيِّئَةٌ اسم جنسی ہے حسنٌ سے مشتق ہے یہاں مراد دنیا کا وہ انعام اور نعمت جو اللہ کی طرف سے حاصل ہو مثلاً رحمت بخشش برکت معافی وغیرہ۔ دل یا دماغ کو خوش کرنے والی ہر چیز حَسَنَةٌ ہوتی ہے۔ وَحالیہ قَدْ خَلَتْ فعل ماضی قریب صیغہ واحد غائب مونث مِنْ جارہ بیانیہ زائدہ قَبْلِ اسم ظرف مجرور مضاف ہے ھِمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس کا مرجع موجودہ کفار متعلق ہے فعل قریب سے اَلْمَثُلٰتُ۔ الف لام استغراقی مَثُلٰت یا مَثُلٰت جمع مونث سالم ہے۔ اس کا واحد مَثُلَةٌ یا مَثُلَةٌ ہے بمعنیٰ ہم مثل واقعہ یا ہم مثل مطالبہ یا ہم مثل سزا۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ وَ سر جملہ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبَّكَ مرکب اضافی بحالتِ نصب اسم اِنَّ ہے۔ لام کے ذو اسم مکبر ہے یہ بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر اِنَّ ہے مضاف ہے بمعنیٰ والا مَغْفِرَةٍ مضاف الیہ ہے اس لیے بحالتِ کسرہ ہے مصدر میمی ہے بروزن مَفْعِلَةٌ مَنْظَرَةٌ۔ آخر میں ۃ مصدر کی ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بخشنا متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے بدو بھی۔ ہر مصدر عمل کر سکتا ہے اپنے فعل کے مثل مگر فاعل کی حاجت نہیں ہوتی لِلنَّاسِ لام جارہ بمعنیٰ مفعولیت نَاسٌ جمع جنسی ہے اس لیے اس کا واحد کوئی نہیں بمعنیٰ بہت آدمی یعنی لوگ الف لام عہد ذہنی ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے مَغْفِرَةٍ کا عَلٰى حرفِ جر ظُلْم بحالتِ کسرہ مصدر ثلاثی ہے بروزن فُعْلٌ بمعنیٰ کسی چیز کو غلط جگہ رکھنا بے موقع کام کرنا۔ حق کے خلاف

ہونا۔ نقصان کرنا اپنا یا کسی کا یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ وَاِنَّ جملہ اِنَّ حرف تحقیق رَبَّکَ اس کا اسم۔ لام تاکید یا گئے۔ شَدِیْدُ بروزن فعیل صفت مشبہ ہے شدّۃٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت۔ مضبوط۔ نہ ٹال سکنا۔ طبعی۔ جسمانی اور فعلی ہر قسم کی سختی مضبوطی کے لیے یہ لفظ مستعمل ہے۔ یہاں یا فعلی شدت مراد ہے یا نوعی۔ اَلْعِقَابِ بحالت کسرہ کیونکہ یہ مفعول مضاف الیہ ہے شدید کا یہ مصدر ثلاثی مجرد ہے بروزن فعالٌ عَقْبٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے بعد میں ہونا پیچھے ہونا آخری ہونا۔ انجام ہونا۔ یہاں مراد ایسی سزا ہے جس کے بعد ظلم نہ رہے یا ظالم ہلاک ہو جائے یا دائمی باز آجائے۔ یا ظلم کے قابل نہ رہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اور اے پیارے حبیب اکرم (یا اے مسلمان اگر تو) ان منکرین اور کافروں کی اس بات پر حیران ہوتے ہو کہ یہ کائنات عالم میں کثیر دلائل قدرت کو دیکھتے ہیں مگر خالق عالم کی وحدانیت معبودیت پر سچے اور صحیح طریقے سے ایمان نہیں لاتے یا آپ ان کو اسی طرح اتنے اچھے با دلائل اور پیارے طریقے سے سمجھاتے بتاتے ہو اور یہ بڑے بڑے پڑھے لکھے لاجواب ہو جاتے ہیں مگر پھر بھی آپ پر اور آپ کے دین پر ایمان نہیں لاتے یا یہ کہ قرآن عظیم جیسی مضبوط بہترین اور لذت آفرین۔ فصیح و بلیغ کتاب جس کے سامنے ان تمام کی فصاحتیں دم توڑ گئیں اس کو سنتے سمجھتے ہیں مگر ایمان نہیں لاتے نہ اس کو خدائی کتاب اللہ کا کلام سمجھتے ہیں آپ ان کی اس بیوقوفی کم عقلی ہٹ دھرمی پر ہی حیران ہو رہے ہو حالانکہ حیرانی والی تو ان نادانوں کی یہ بات ہے کہ کیا ہم جب مٹی ہو جائیں گے مر کر تو پھر ہم نئے سر سے پیدا ہوں گے۔ نہیں نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہم آگ میں راکھ قبر میں خاک ہو جاتے ہیں پھر بھلا کیسے خوبصورت انسان بن سکتے ہیں۔ یہ انکار کتنا احمقانہ تعجب ناک ہے اے نادانو اس جہان کی ہر چیز ہر آن بدل رہی ہے آسمان کبھی کسی رنگ میں کبھی کیسی اس طرح کبھی کیسا۔ کبھی کیسا موسم کبھی کچھ پھر درختوں کھیتوں کو غور سے دیکھو کہ ایک درخت بڑھتے بڑھتے اونچی چوٹی تک پہنچ گیا پھر مرجھا کر ٹکڑے ٹکڑے ہو کر فنا ہوا مگر ایک بیج اسی درخت کا لایا گیا اُس نے زمین میں پہنچ کر اسی درخت کا روپ دھار لیا کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ انسان کے گلنے سڑنے جلنے کے باوجود اُس کے کوئی بیج رہ گئے ہوں اور اسی پر انسانی جدید نشوونما ہو جائے۔ یا کوئی بھی قدرت کی صنعت ہو۔ بہر حال اس کو ناممکن نہیں کہا جا سکتا کہ جس خالق تعالیٰ نے پہلے بنا دیا ہو وہ پھر نہ بنا سکے۔ بہر کیف یہ زندگی دوبارہ اسی جسم شکل و صورت سے دوبارہ پیدا کرنا کوئی ناممکن امر نہیں اور یہ ضرور ہونا ہے اس لیے کہ یہاں اس دنیا میں ظالم بھی ہیں مظلوم بھی بد بھی ہیں نیک بھی۔ اللہ کی راہ میں تکلیفیں اٹھانے والے بھی ہیں دینے والے بھی مگر یہاں کسی کو کسی عمل کا سزا جزا سے بدلہ نہیں۔ حالانکہ بدلہ ضرور ملنا چاہیئے تو اُس کے لیے دوسری زندگی ہے۔ مگر احمق لوگ

جو ایمان نہیں لاتے وہ دراصل اپنے رب کے ہی کافر ہیں کیونکہ صفت ۔ قوت ۔ قدرت طاقت اختیار کا انکار کرنا ذات ہی کا انکار ہے ۔ اسی دنیا میں یہ آخرت کا انکار کر کے اپنے کفر کو بڑھا رہے ہیں ۔ لہٰذا جس عذاب کے لیے آخرت برپا کی جائے گی یہ اپنے آپ کو اُس کا مستحق بنا رہے ہیں یہ لوگ اِس دنیا کی باتیں اُس دنیا میں فراموش نہ کریں گے بلکہ سب یاد ہوں گی ۔ انہی ظلموں کی سزا یہ ملے گی کہ ان ہی لوگوں کی گردنوں میں عذاب کے طوق ہوں گے اور فقط یہی قیامت تک کے منکر گستاخ کافر آگ والے میں اِس لیے اس آگ میں ہمیشہ ہی رہیں گے ۔ روایت میں ہے کہ تمام کافروں کے گلے میں عذاب و تکلیف کا طوق ہوگا جس نے اُن کے گلوں کو گھونٹا ہوگا ۔ بعض نے فرمایا کہ طوق سے مراد دنیا میں گمراہی کا طوق ہے جس سے وہ نکل نہیں سکتے ۔ واللہ اعلم ۔ ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے ۔ کہ اے نبی آپ کو ان کی اس بات پر تعجب ہے کہ یہ رب تعالیٰ کی پہلی خلقت اور پیدا کرنے کو تو مانتے ہیں مگر دوسری خلقت کو ماننے سے منکر ہیں واقعی آپ کا تعجب حق ہے ۔ لیکن بندہ فقیر حقیر اقتدار بدایونی نعمانی اس کی تفسیر یوں عرض کرتا ہے کہ اے دنیا بھر کے عقلمندو ۔ دانشورو ۔ حکیمو ۔ سیاسیو ۔ سائنسدانو تم نے کائنات عالم میں اتنی بڑی اشیا دیکھیں ہزاروں حیران کن چیزیں تمہاری نگاہوں سے گذریں اور تم تعجب میں ڈوب گئے ہماری ذات اور صفتِ خالقیت کو ماننے پر مجبور ہو گئے ۔ تم نے آسمانوں زمینوں میں بیشمار تعجب خیز نشانیاں دیکھیں ۔ اور متعجب ہوئے مگر سب سے زیادہ تعجب والی چیز تو یہ ہے کہ کافر ہماری دوبارہ خلقت اور صنعت کے منکر ہیں حالانکہ پہلی بار بنانا مشکل ہوتا ہے ۔ وَ يَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ اور اے حبیب کریم ان کفار کی مزید نادانی یہ ہے کہ آپ کے سمجھانے عذاب سے ڈرانے کا الٹا اثر لے رہے ہیں اور بجائے رحمت مغفرت اور حفاظت چاہنے کے عذاب میں جلدی کر رہے ہیں ۔ اور کعبے کے غلاف پکڑ پکڑ کر ہنسی مذاق کرتے ہوئے اور اسلام قرآن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھٹلاتے ہوئے یہ دعائیں کر رہے ہیں کہ اے کعبے والے رب اگر اسلام سچا ہے تو ہم پر پتھر برسا ۔ طوفان و آندھیاں اور عذاب لا ۔ حالانکہ اگر یہ دعا مانگتے تو کیا ہی بھلا ہوتا کہ اگر سچا ہے تو ہم کو بھی اُس کی طرف ہدایت عطا فرما ۔ عذاب کی دعا مانگنا تو سراسر حماقت اور نقصان ہے ۔ اس لیے کہ اگر تمہاری دعاؤں اور بچوں کی طرح ضد کرنے سے عذاب آگیا اور تم نے اِس سے یقین کر لیا کہ واقعی اسلام سچا ہے تو تم کو کیا فائدہ ملا تم تو فنا ہو جاؤ گے ۔ اور اس لیے کہ اسلام کی حقانیت کے لیے عذاب کو دلیل نہ بناؤ اور بھی تو بیشمار دلائل ہیں اُن میں غور کر کے دیکھ لو ۔ نیز جو دعوت اور تبلیغ ہمارے یہ نبی محمد مصطفیٰ فرما رہے ہیں وہی تبلیغ پچھلے انبیاء کرام نے فرمائی اُن کی امتوں نے نافرمانی کرتے ہوئے عذاب مانگا تو اُن پر عذاب آگیا اور تباہ و برباد ہو گئے ایسی بہت مثالیں پہلے گزر گئیں ہیں ۔ تو اُن تاریخی واقعات کو ہی دلیل بنا لو اور سمجھ لو کہ یہ نبی ۔ قرآن اور اسلام برحق ہے پچھلوں سے عبرت پکڑو اُن کی

روش پرمست چلو۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو نادان ہیں۔ اور بیشک آپ کا رب لوگوں کے ظلموں سے درگزر ہی فرمانے والا ہے۔ مہلت۔ ڈھیل۔ اور غور و فکر سوچنے سمجھنے عبرت لینے کا وقت دے کر۔ موت کے آخری لمحے تک بھی توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے۔ لیکن اگر یہ حیاتِ دنیا کی مہلت والا وقت ختم ہو گیا تو بیشک وہ آپ کا رب البتہ سزا بھی ایسی سخت دینے والا ہے کہ کوئی چھڑا نہ سکے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ گناہ کبیرہ والوں کو اُن کے ظلم کے باوجود بغیر توبہ کئے مرجانے کے باوجود شفاعت کے ذریعے یا تھوڑی سزا دے کر بخشنے والا ہے۔ اور کفر پر اڑنے والوں اور کفر پر مرنے والوں کے لیے شدید العقاب ہے ایک تفسیر یہ ہے کہ گناہ صغیرہ والوں کے لیے ذو مغفرت ہے اور گناہ کبیرہ والوں کے لیے شدید العقاب ہے۔ ہر تفسیر اپنے اپنے لحاظ سے صحیح ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ گناہوں کو میدانِ قیامت میں بخشش دے گا اگرچہ کبیرہ ہوں یا حقوق العباد ہوں حق والے کو کوئی بدلہ دے کر یا شفاعت اور معافی کے ذریعے۔ یہ فائدہ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ ہر بندے کو ہر وقت رب کا خوف بھی چاہیئے اور امید بھی۔ بیم و رجا کا نام ہی ایمان کامل ہے۔ امیری میں خوف غریبی میں امید۔ صحت میں خوف اور بیماری میں امید۔ موت ملنے پر رب کا خوف طاری ہو اور ذلت آجائے تو اُس کی بارگاہ سے امیدیں لگا دو۔ یہ فائدہ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ اور لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ دنیوی انسانوں میں تین طرح بیوقوفی ہے جن سے مسلمانوں کو بچنا اشد ضروری ہے۔

۱۔ کم عقل انسان نیکی کو نیکی میں۔ سچائی کو سچائی میں تلاش کرنے کی کوشش نہیں کرتے بلکہ سچائی کو برائی میں راحت کو مصیبت میں تلاش کرتے ہیں۔

۲۔ دنیوی انسان اپنی ساخت کو ہی اہمیت دیتا ہے خواہ چھوٹی ہو۔ رب تعالیٰ کی اشیاء کو نظر انداز کر دیتا ہے۔ دیکھو رب کے بڑے بڑے پہاڑ رب کے بنائے ہوئے ہیں ان کو یہ کافر نہیں پوجتے انہی پہاڑوں میں سے ایک چھوٹا سا پتھر لے کر خود بنا کر گھڑ کر پوجنے لگتے ہیں۔ نیز زندہ انسان اور جانور کو نہیں پوجتے انسانی بت کو پوجتے ہیں۔

۳۔ فانی دنیا میں تو بہت ہوشیار بنتے ہیں ہر چیز کو غور سے دیکھتے ہیں سوچتے سمجھتے ہیں مگر دین کے معاملے میں ذرا غور و فکر نہیں کرتے یہی حال مسلمانوں کا ہوتا جا رہا ہے۔ جو چاہے ان کو ہنکا کرلے جائے۔ جس کو چاہیں چندہ دیدیں۔

چوتھا فائدہ۔ اللہ کی صفات کا انکار کرنا اور اُس کے بندوں کی شان نبیوں کی آن بان کا انکار کرنا اللہ کی ذات کا ہی انکار کرنا ہے یہ فائدہ وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ فرمانے کے بعد كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اِنْ تَعْجَبْ میں کفار کے شانِ نبوت اور نبی کریم کی طاقت قوت اختیار معجزات کا ذکر ہے۔ فَعَجَبٌ میں صفات الٰہیہ کا ذکر ہے۔ اور كَفَرُوْا میں ذاتِ الٰہیہ کا ذکر ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند مسائل فقہی مستنبط ہوئے۔

پہلا مسئلہ ۔ جہنم میں ہمیشہ رہنا صرف کافروں کے لیے ۔ اہلسنت ائمہ اربعہ کا مسلک اور مسئلہ درست ہے ۔ یہ مسئلہ اولٰئک کے حصری لفظ فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ معتزلہ کا یہ قول بالکل غلط ہے کہ گناہ کبیرہ والے بھی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے ۔ آج کل کے معتزلہ یعنی وہابی دیوبندی بھی یہی بیہودہ عقیدہ رکھتے ہیں او کہتے ہیں کہ معاذاللہ بے نمازی کافر ہے ۔ یہ وہابیوں کی جہالت ہے ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ حقوق العباد بہت اہم چیز ہیں ان کا حساب بندہ کو دنیا میں ہی چکا دینا چاہیئے ۔ یہ بغیر معاوضہ معاف نہیں ہوں گے یہ مسئلہ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا ۔ تمام عبادات کی قبولیت اور ترقی کا دارومدار حقوق بندگان کی ادائیگی پر ہے ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی دوست کی دکان سے بغیر اجازت کوئی معمولی چیز بھی اٹھا کر کھالی تو وہ حقوق العباد میں شامل ہوگی ۔ اس لیے یہ بھی ناجائز ہے ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا لَذُوْ مَغْفِرَةٍ عَلٰی ظُلْمِهِمْ یعنی ظالموں کے ظلم کے باوجود مغفرت فرمادے گا ۔ اگر مغفرت سے مراد بخشش ہے اور توبہ کے بغیر بخشش ہے تو ناانصافی اور ظلم کی حوصلہ افزائی ہے اور اگر مغفرت سے مراد ڈھیل ہے تو سارے کافر مغفور ہو گئے حالانکہ دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ یعنی اللہ تعالیٰ شرک کفر کی کبھی مغفرت نہ فرمائے گا ۔ پس مطابقت کیسے ہے ۔

جواب ۔ مغفرت کے بھی بہت معنٰی ہیں اور ظلم کے بھی ۔ اس کے جواب بہت طرح دیے گئے ہیں بعض نے کہا ظلم سے مراد گناہ کبیرہ اور مغفرت سے مراد آخر کار بخش دینا شفاعت سے یا معافی دلا کر یا معاوضہ یا تھوڑی سزا دے کر ۔ بعض نے کہا ظلم سے مراد کفر ہے ۔ اور مغفرت سے مراد ڈھیل اور توبہ کی مہلت ۔ اور دوسری آیت میں مغفرت سے مراد بالکل بخشش ہے ۔ یہ دوسرا جواب زیادہ درست ہے ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا کہ کفار حسنہ سے پہلے سیئہ کی جلدی کرتے ہیں ۔ گویا کہ جلدی کرنا برا نہیں ہے صرف قبل اور پہلے ہونا برا اور ناجائز ہے ۔ بعد میں سیئہ کا مطالبہ جائز اور درست ہے ۔

جواب ۔ یہ اعتراض اس بنا پر کیا گیا ہے کہ معترض کو سیئہ اور حسنہ کا معنیٰ اور قبلیت کا مفہوم نہیں آیا ۔ معترض کے خیال میں حسنہ سے مراد مغفرت یا جنت ہے ۔ حالانکہ ایسا نہیں ۔ بلکہ سیئہ سے مراد دنیوی عذاب اور فنا و ہلاکت ہے اخروی عذاب مراد نہیں ۔ اسی طرح حسنہ سے مراد امن عافیت اور اللہ کی رحمت یا ایمان لانا مراد ہے ۔ اور قبلیت کا معنیٰ ہے ایمان یا امن و عافیت کی دعائیں مانگنا ۔ کیونکہ کفار اللہ تعالیٰ کو تو اپنا رب خالق مالک مانتے تھے او مانتے ہیں ۔ صرف نبی کریم کو نہیں مانتے تھے اور ان کی زبانی خبروں کو غلط سمجھتے تھے اعتبار نہ کرتے تھے ان کے متعلق آیت

میں فرمایا گیا کہ چاہیئے یہ تھا کہ پہلے ہی سے یہ امن کی دعائیں مانگتے اور بعد میں عذاب کے دفیعے کی دعائیں مانگتے اس لیے کہ کوئی ذرا سی عقل رکھنے والا ابھی کم از کم مصیبت کی دعا نہیں مانگتا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ اے پیارے نبی اور اے صحابہ اور اے قیامت تک کے امتِ مصطفیٰ کے عالمین زاہدین عارفین عاشقین تم اِن شریعت کے منکرین غافلین کی باتیں سن کر اُن کی عقلوں پر افسوس کا تعجب کرتے ہو۔ مگر زیادہ حیرانی اور تعجب باطنی اندھوں کی اِن باتوں پر ہے کہ اے راہِ طریقت کا درس دینے والو اور معرفت عشق کی طرف بلانے والو جب ہم آتشِ عشق کے سوختہ جاں ہو کر انکسار کی مٹی ہو جائیں گے تو پھر ہم ہلاکتِ جسم کے بعد روح کی نئی باطنی زندگی پائیں گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نفس امارہ کی موت سے قلب کی حیاتِ نو ہو اور جسم کی خستہ حالی کے بعد روح کو نئی زندگی مل جائے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ ظاہری خلقتِ انسانی کے بعد باطنی خلقتِ نورانی ہو جائے۔ یہی وہ ظاہر بین باطنی کور لوگ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے منکر ہو گئے کہ اُس کی قدرتِ متناہی پر غور و فکر نہیں کرتے۔ وہ رب تعالیٰ فراق کی موت کے بعد وصل کی دوبارہ زندگی دے سکتا ہے اسی دنیا کے اندر ہر لحظ عرضیات بھی نئے پیدا ہو رہے ہیں اور جو حر بھی وہ گناہوں سے بگڑے کو نیکیوں کے روپ میں بدلتا ہے۔ چوروں کو قطب بنانا اُس کا ادنیٰ کرشمہ ہے جو شریعت کی ظاہری اور پہلی پیدائش دے سکتا ہے وہ اللہ طریقت و معرفت کی دوسری باطنی خلقت بھی دے سکتا ہے مگر اہل دنیا کے گلوں میں نفس امارہ کے طوق پڑے ہیں۔ اس موت و حیات اور فنا و بقا کی حالت تو سب پر ہی طاری ہوتی ہے مگر کسی کو نور کی زندگی کسی کو نار کی۔ اور یہی منکر اسرار اور حکمتِ الٰہیہ کے کافر محرومی کی آگ میں ہمیشہ ہی جلنے والے ہیں۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ قَبْلَ الْحَسَنَةِ وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ اور یہ ہی ازلی احمق۔ اپنی استعدادِ ظاہری اور شرِ باطنی کی وجہ سے آپ سے اور ہمارے ہر خاص بندے سے دین کی بجائے دنیا طلبی میں جلدی کرتے ہیں۔ اپنی ہر عبادت کو بھی حصولِ دنیا کا ذریعہ بنا لیا پیری مریدی بھی اس لیے اختیار کی کہ چلے وظیفوں اور تعویذوں عملیات سے دولت بڑھے تجارت چمکے اس سے غرض نہیں کہ مرشد رب تک اور دروازہ مصطفیٰ تک پہنچا سکتا ہے یا نہیں۔ حالانکہ دنیا کی بے ثباتی۔ اور جاہ و عزت کی بربادی اور دولتِ دنیوی کی فنا کی کتنی ہی مثالیں گزر چکیں ہیں جن سے یہ غافل لوگ بے خبر نہیں اور۔ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم بیشک آپ کا رب اِن حجاب میں پڑے ہوئے بھولے بھٹکے لوگوں کے لیے اِن کے نادانی کے ظلموں کے باوجود ان کی کوتاہیوں کو درگزر فرمانے والا ہے اور بیشک آپ کا رب اُن کفر پر مضبوط اڑے ہوئے لوگوں

اور باطل پر راسخ ہو جانے والوں اور مہلت سے ناجائز فائدہ حاصل والوں گستاخوں بے ادبوں ۔ منکروں کو شدت کی مار ۔ اور ہر طرح کی محرومی کا عذاب دینے والا ہے ۔ صوفیا فرماتے ہیں عاجز کی کوتاہیاں قابل معافی ہیں ۔ لیکن مغرو کی عبادت بھی قبول نہیں ۔ اہل دنیا دو قسم کے ہیں مغرور اور مغرور ۔ مغرور کو مغفرت کا بلاوا ہے ۔ لیکن مغرور کے لیے عذاب شدید کا پیغام ۔ دنیا پرستی کا پہلا نقصان مغرور ہونا ہے دوسرا نقصان مغرور ہونا ہے ۔ پہلا درجہ فرار بعد غرور ۔

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ

اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کافر ہوئے کیوں نہیں اتاری گئی پر ان

اور کافر کہتے ہیں اُن پر ان کی طرف سے کوئی

اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ

کوئی نشانی طرف سے رب اُن کے ۔ فقط تم ڈرانے والے ہو اور لیے ہر

نشانی کیوں نہیں اتری تم تو ڈر سنانے والے ہو اور ہر

ع۲ قَوْمٍ هَادٍ ۟ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ

قوم کے ایک ھادی ہوا ۔ اللہ جانتا ہے جو حمل اٹھائی پھرتی ہے ہر

قوم کے ھادی ۔ اللہ جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ

اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ

مؤنث اور جو گھٹتے ہیں رحم اور جو بڑھتے ہیں

میں ہے اور پیٹ جو کچھ گھٹتے اور بڑھتے ہیں

وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ۝۸ عٰلِمُ

اور ہر چیز پاس اس کے ہے ساتھ اندازے ۔ جاننے والا ہے

اور ہر چیز اس کے پاس اندازے سے ہے ہر چھپے اور کھلے کا جاننے

الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝۹

غیب کو اور حاضر کو ہمیشہ بڑائی اور بلندی والا

والا سب سے بڑا بلندی والا

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیات میں عذاب اور سختیٔ سزا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ عذاب سزا اور سختی اس لیے ہے کہ ان کفار کو اتنی نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ ملا بلکہ ان کے مطالبے ہی بڑھتے جارہے ہیں اور یہی چیز باعثِ عذاب و سزا ہے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیات میں نبی کریم اور قرآن کریم کی انتہائی تبلیغ اور ہر طرح کفار کو سمجھانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں نبی کریم کو بتایا جارہا ہے کہ آپ صرف ڈر سنانے والے ہیں ان کے ایمان لانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں۔ آپ تمام قوموں کو صرف راستے کی ہدایت دینے والے ہیں **تیسرا تعلق** - پچھلی آیات میں زمین کی پیداوار اور نفع بخش نعمتوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انسان و حیوانات کی پیداوار کا ذکر ہے۔ جو زمین کی پیداوار سے بڑی نعمت ہے۔ وہ بھی نشاناتِ قدرتِ الٰہیہ ہیں اور یہ بھی قدرت کا عجیب کرشمہ ہے۔

تفسیر نحوی

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ۔ وَاستیناف (ابتدائیہ سرجملہ) يَقُوْلُ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب بمعنیٰ حال اس کا فاعل اسم ظاہر الَّذِيْنَ كَفَرُوْا پورا جملہ موصولہ ہے اس لیے یہ فعل واحد ہے باب نَصَرَ قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کہنا بولنا الَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر ہے بحالتِ رفع ہے كَفَرُوْا فعل ماضی مطلق معروف جمع غائب باب نَصَرَ سے ہے كُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی انکار کرنا شرعی معنیٰ اللہ کی ذات یا صفات کا منکر ہونا اس کا فاعل ہم ضمیر کا مرجع الَّذِيْنَ ہے۔ ان کافروں سے مراد وہی جلدی عذاب مانگنے والے ہیں۔ لَوْلَآ۔ یہ ساری عبارت مِنْ رَّبِّهٖ تک مقولہ ہے يَقُوْلُ کا۔ نحویوں کے نزدیک لَوْلَآ تین قسم کا ہے۔ ۱ شرطیہ۔ ۲ استفہامیہ محضہ۔ ۳ بمعنیٰ هَلَّا تحضیضیہ۔

یہاں اسی معنی میں ہے حرفِ تحضیض جب ماضی معروف یا مجہول سے پہلے آئے تو تحضیض یعنی مطلبے کے ساتھ ملامت اور مذاق بھی شامل ہوتا ہے (حاشیہ شرح جامی) یہاں یہی ہے۔ اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول واحد مذکر اس کا نائب فاعل اٰیَۃٌ واحد مؤنث ہے اس لیے کہ یہاں تانیث مراد نہیں بلکہ جنسِ آیت مراد ہے بعض نے فرمایا یہاں تؔ وحدت کی ہے اور اس کا لغوی معنیٰ ہے ایک جماعت ایک گروہ۔ کچھ مجموعہ الفاظ کو آیت اسی لیے کہا جاتا ہے اصطلاحی معنیٰ ہیں نشانی۔ علامت جو کسی کے دعوے کو ثابت کرے یا کسی کی حقانیت کا پتہ دے وہی یہاں مراد ہے۔ عَلَیْہِ۔ علیٰ حرفِ جار اپنے اصلی معنیٰ فوقیت میں ہے ہٖ ضمیر واحد غائب مجرور متصل کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مِنْ جارہ ابتدائیہ رَبِّ اسم مضافی ہے اللہ تعالیٰ کا ہٖ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اِنَّمَا۔ یہ علیحدہ جملہ ہے اِنَّ حرفِ تحقیق مَا کافہ اس نے اِنَّ کا عمل ختم کر دیا اور حصر کا معنیٰ پیدا کر دیا۔ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ترکیبِ نحوی میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ اَنْتَ مبتدا مُنْذِرٌ اُس کی خبر۔ اور اگلی عبارت علیحدہ جملہ ہے۔ دوسرا یہ کہ یہاں قَالَ اللہُ پوشیدہ اور یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ذوالحال ہوا وٗ حالیہ اور لِکُلِّ قَوْمٍ ھَادٍ جملہ اسمیہ ہو کر اس کا حال اور ذوالحال وحال مقولہ ہوا قَالَ اللہُ کا۔ دونوں صحیح ہیں مگر اعلیٰحضرت نے ترجیح پہلی ترکیب کو دی اور وہی جامع مانع ہے۔ اور یہاں زیادہ مناسب ہے اسی لیے ہم نے بھی وہی اختیار کی۔ مُنْذِرٌ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈرانا نذیر اور مُنْذِر میں ایک فرق یہ ہے کہ لفظ نذیر صفتِ قوت کا مظہر ہے اور منذر صفتِ عملی فعلی کا مظہر۔ وٗ ابتدائیہ لِکُلِّ لام جارہ کُلّ اسم تاکید معنوی مجرور مضاف قَوْمٍ لفظاً واحد معناً جمع بمعنیٰ گروہ جماعت۔ قبیلہ۔ خاندان۔ برادری۔ اُمت یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ جر مضاف الیہ ہے ھَادٍ اسم فاعل واحد مذکر باب ضَرَبَ سے ہے ھَدْیٌ سے مشتق ہے متعدی ہوتا ہے بمعنیٰ راہ دکھانا۔ یا منزل تک پہنچانا دراصل تھا ھَادِیٌ۔ اس میں تین قرأتیں ہیں۔

۱ ھَادِیٌ کو حذفِ منوی کیا اور اس کی جگہ بطورِ نشانی تنوینِ کسرہ لکھ دی۔ یہی مشہور قرأت ہے ۲ ھَادِیْ اپنی صنعت پر۔ ۳ ھَادُ۔ یٰ کو حذفِ منسیاً کر دیا (یعنی بالکل ختم) اور رفع اعراب ظاہری دیا۔ اس پورے جملے کی ترکیب تین طرح ہے۔

۱ یہ علیحدہ جملہ ہے اور لِکُلِّ جار و مجرور اضافت مل کر متعلق ہے ثابتٌ یا مبعوثٌ پوشیدہ خبرِ مقدم کی ھَادٍ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا مؤخر۔ اس ترکیب میں ھَادٍ سے مراد برنبی ہوگا بمعنیٰ راہ دکھانا۔ ۲ یہ نیا جملہ ہے ھُوَ مبتدا پوشیدہ ہے لِکُلِّ مرکب اضافی متعلق مقدم ہے ھَادٍ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھُوَ ضمیر مبتدا پوشیدہ کی اس ترکیب میں ھَادٍ سے مراد اللہ تعالیٰ اور ہدایت بمعنیٰ منزل تک پہنچانا۔ ۳ وہی دوسری مرجوح ترکیب۔ یعنی یہ علیحدہ جملہ نہیں بلکہ حال ہے اَنْتَ مُنْذِرٌ کا۔ تب ھَادٍ سے مراد نبی کریم علیہ السلام اور ہدایت سے مراد قربِ الٰہی۔ اَللہُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ

كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ اَللّٰهُ اسم اعظم نام ذات جل مجدہٗ۔ کائنات کا سہارا عاشقوں کی بہار یہی نام ہے۔ یہاں سے نئی عبارت شروع ہو رہی ہے لفظ اللّٰہ مبتدا۔ یَعْلَمُ فعل مضارع باب سَمِعَ عِلْمٌ سے مشتق ہے اگرچہ اکثر متعدی بدو مفعول ہوتا ہے مگر یہاں بیک مفعول ہے کیونکہ یہاں نسبۃ علم کے لیے نہیں بلکہ علم کا تعلق افراد سے ہے گویا علم بمعنی معرفت ہے اس کا فاعل اللّٰہ کی ضمیر ھُوَ مستتر ہے۔ مَا میں تین قول ہیں۔ ۱۔ یہ مَا موصولہ ہے اور اس کی ضمیر تَحْمِلُ کے بعد تھی محذوف ہو گئی دراصل تھا مَا تَحْمِلُهٗ۔ ۲۔ مَا مصدریہ ہے اور کچھ محذوف نہیں۔ ۳۔ مَا استفہامیہ ہے۔ پہلے قول میں بحالتِ نصب ہے مفعول بہ یَعْلَمُ کا دوسرے قول میں مَا بحالتِ رفع مبتدا ہے تَحْمِلُ کا جملہ خبر ہے اور پوری عبارت مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا تیسرے قول میں بحالتِ نصب اور مفعول بہ مقدم ہے تَحْمِلُ کا۔ تَحْمِلُ فعل مضارع واحد مؤنث بمعنی حال حَمْلٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بوجھ اٹھانا حاملہ ہونا كُلُّ تاکیدِ معنوی کا اسم ہے مگر یہاں موجبہ کلیہ ہے تاکید نہیں بحالتِ رفع ہے فاعل ہے تَحْمِلُ کا مضاف ہے اس کا مضاف الیہ ہے اُنْثٰى یہ ذَكَرٌ کی ضد ہے یا اُنْثٌ سے مشتق ہے۔ زیادہ ترجیح اُنْثٌ کو ہے۔ بروزنِ فُعْلٰى۔ دُنْيَا۔ مؤنث تفضیلی ہے مگر ہر مادہ حیوان انسان کے لیے مستعمل ہے۔ عورت ہو یا جانور اسی سے ہے مؤنث باب تفعیل کا اسم مفعول۔ اُنْثٰى باب نَصَرَ کا مشتق ہے اس کا تثنیہ اُنْثَيَيْنِ ہے اور جمع اِنَاثٌ یا اَنَاثِيُّ۔ وَمَا عاطفہ عطف ہے مَا تَحْمِلُ پر۔ مَا موصولہ بحالت نصب تابع عطفی ہے مَا تَحْمِلُ منصوب پر عطف بالحرف ہے تَغِيْضُ۔ فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث باب ضَرَبَ سے یا ضَرَبَ غَيْضٌ یا غِيْضٌ سے مشتق ہے بمعنی خشک ہونا۔ کم ہونا۔ سکڑنا۔ چھوٹا ہونا۔ جلدی ہونا۔ کچا حمل گرنا۔ یہاں آخری دو معنی مراد ہیں۔ لازم ہوتا ہے۔ یعنی کسی کا حمل جلدی پیدا ہوتا ہے کوئی حمل کچا گر جاتا ہے۔ اَرْحَامُ۔ جمع مکسر ہے رِحم کی جو مادہ مؤنث کی پیٹ میں بچہ دانی ہوتی ہے۔ الف لام استغراقی ہے وَمَا عاطفہ کا موصولہ تَزْدَادُ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے موصول کا فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث زِيَادٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ زیادہ ہونا۔ دیر سے ہونا۔ باب افتعال سے ہے دراصل تھا۔ تَزْتَيِدُ۔ تَ کو دال بنایا ہم مخرج ہونے کی بنا پر یٰ کو الف بنایا ماقبل مفتوح ہونے کی بنا پر۔ تَزْدَادُ ہو گیا۔ اس کا فاعل ھُوَ یا ھُمْ یا ھَا یا ھُنَّ ضمیر ہے پوشیدہ اس کا مرجع اَرْحَامٌ ہے جو لفظاً مذکر ہے معناً مؤنث۔ بلکہ اصل مؤنث۔ تَغِيْضُ فعل واحد تھا اس لیے کہ فاعل ظاہر تھا یہ واحد ہے اس لیے کہ تابع عطف بالحرف ہے تَغِيْضُ کا۔ وعاطفہ كُلُّ مبتدا علیحدہ عبارت نیا جملہ ہے مضاف ہے اس لیے تنوین نہیں آسکتی۔ شَيْءٍ مجرور مضاف الیہ اسم جامد بمعنی مشیت یعنی موجود یا قابلِ وجود چیز۔ عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اور مضاف الیہ ظاہر و ضمیر موجود ہوتا ہے ہٗ ضمیر واحد اس کا مضاف الیہ ہے۔ یہ ظرف ہے معلوم یا معلومٌ اسم مفعول پوشیدہ کا۔ جر کی صورت صفت ہے شَيْءٍ کی رفع کی صورت میں صفت ہے كُلٌّ کی۔ بِمِقْدَارٍ جار و مجرور متعلق ہے موجودٌ اسم مفعول پوشیدہ کا پھر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے كُلٌّ مبتدا کی۔ مِقْدَارٌ۔ اس میں دو قول ہیں۔ ۱۔ یہ مصدر میمی

ہے بروزنِ سمار (اکھیڑنا) بمعنیٰ اندازہ لگانا لیکن یہاں بمعنیٰ اسم مفعول مقدور ہے یعنی اندازہ لگایا ہوا معین کیا ہوا اسی سے ہے تقدیر رکھنا۔ ۲۔ یہ اسم آلہ تیسرے وزن کا صیغہ بروزنِ مضراب تب یہ اسم جامد قدرٌ کے معنیٰ میں ہو گا اور اس کی جمع مقادیر بمعنیٰ اقدار ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ عالم اسم فاعل ہے علمٌ سے مشتق ہے باب سَمِعَ سے ہے بمعنیٰ معرفت پہچان۔ متعدی بیک مفعول ہے بحالت رفع ہے خبر ہے مبتدا پوشیدہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل کی مضاف ہے غیب بروزنِ بیع مصدر ہے اجوف یائی کا باب ضرب میں استعمال ہوتا ہے بمعنیٰ مخلوق سے پوشیدہ جو حواس خمسہ سے نہ جانا جا سکے خواہ اسرار سے ہو یا معدوم لہٰذا یہ مصدر غیب بمعنیٰ غائب بھی ہو سکتا ہے اور بمعنیٰ مغیب بھی عاطفہ الشھادۃ الف لام دونوں میں استغراقی ہے۔ بعض نے کہا جنسی۔ شہادتِ مصدر ہے آخر میں ۃ مصدریہ ہے۔ باب سمع سے ہے شہودٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے بصیرت و بصارت سے دیکھنا یعنی حاضر و ناظر ہونا۔ اسی سے ہے شہود بمعنیٰ صرف حاضر ہونا قریب ہونا گویا شہادت عام ہے اور وسیع ہے شہود خاص ہے اور کم درجہ۔ اصطلاحی ترجمہ ظہور (بے حجاب بے آڑ) یہی معنیٰ یہاں ہیں بحالتِ کسرہ تابع عطف بالحرف ہے الغیب کا الکبیر الف لام اسمی بمعنیٰ الذی کبیر بروزن فعیل صفت مشبہ ہے بمعنیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر شان میں بڑا۔ بحالتِ رفع ہے دوسری خبر ہے ھُوَ مبتدا کی۔ کبرٌ سے مشتق ہے۔ اسی سے ہے متکبر جو بجز کبیر جلّ مجدہٗ کے کسی کو لائق نہیں۔ المتعال۔ الف لام اسمی بمعنیٰ الذی اسم فاعل ہے باب تفاعُلٌ کا عُلُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلندی والا ہونا یا بلندی کی طرف بلانا۔ یا بلندی کی طرف آنا۔ پہلے دو معنیٰ میں اللہ کی صفت ہے تیسرے معنیٰ میں بندے مومن کی صفت ہے۔ متعال دراصل تھا متعالوٌ واؤ طرف میں بعد کسرہ لازمی کے یٰ سے بدلا گیا۔ متعالیٌ ہو گیا۔ آیت کا آخری حرف لہٰذا وقف ہوا تو یٰ گر گئی لام پر کسرہ باقی رہا علامتِ یٰ کے لیے۔ بحالتِ رفع ہے تیسری خبر ہے ھُوَ مبتدا پوشیدہ کی۔ یہاں باب تفاعُلٌ مبالغے کے لیے ہے یعنی بہت بلندیوں والا۔ جب برائے تکلف ہو تو معنیٰ ہوتا ہے آنا یا بلانا۔

تفسیر عالمانہ

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ۔ اور یہی کافر جو ابھی عذاب مانگ رہے تھے اب کہتے پھر رہے ہیں کہ پہلی امتوں کی طرح اِن نبی پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی معجزہ ظاہر و ظہور گیوں نہیں اترا۔ جیسے کہ پہلے انبیا نے ناقہ پتھر سے نکالی۔ عصا دکھایا۔ ید بیضا۔ اندھوں کو فی الفور اچھا کرنا وغیرہ۔ اے نبی یہ کافر اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ زیادہ ضروری معجزہ نہیں زیادہ ضروری اور شدید اہم تو رب تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے عذاب سے ڈرنا ہے ان کافروں کو سالقہ معجزے تو یاد ہیں مگر اُن ہی انبیا کے معجزے دیکھ کر پھر۔ نہ ماننے والوں کے عذاب یاد نہیں۔ معجزے دکھانے سے زیادہ اہم کام ڈرانا ہے۔ اور آپ فقط وہ کام ڈرانے کا کر رہے ہیں۔

پہلے انبیاء کرام بھی صرف غافلوں کو ڈرانے کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ معجزے دکھانا بعثت کا مقصد نہیں تھا۔ لہٰذا پہلے ایمان لاؤ معجزے تو کروڑوں ہمارے نبی کے قبضہ و اختیار میں ہیں چلتے پھرتے نظر آتے رہیں گے بلکہ حبیب کریم کی ہر ادا ہی معجزہ ہے۔ خود قرآن کریم۔ نمازیں اذانیں۔ حج۔ روزہ۔ ابدی باقی رہنے والے معجزات ہیں۔ مطالبہ مت کرو نبی پاک کی ڈیوٹی تمہارے بیجا مطالبے پورے کرنا نہیں وہ فقط ڈرانے والے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تو انبیاء کرام کے آنے کا انتظار ہوتا تھا مگر اب تو ساری کائنات کی ہر قوم کے لیے عرش و فرش کے لیے ایک ہی ہادی ہے۔ اب تو ان کی ہی بات ہے ان کی ہی شریعت ہے۔ ایک تفسیر یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے پہلے زمانوں میں علیحدہ ایک ہادی تشریف لایا۔ بعض اس طرح تفسیر کرتے ہیں کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ تو فقط نذیر ہیں ہر قوم کا ہادی اللہ ہے۔ شیعہ لوگ اس طرح اپنی من مانی کرتے ہیں کہ نبی کریم نذیر ہیں اور علی ہادی ہیں۔ اور دلیل لیتے ہیں کہ ایک دفعہ نبی پاک نے علی مرتضیٰ سے فرمایا کہ اللہ کی قسم اگر تیرے ذریعے اللہ کسی ایک کو ہدایت دیدے تو وہ تیرے لیے سرخ اونٹ سے بہتر ہے یعنی دنیا کی قیمتی چیزوں سے بہتر ہے۔ (روح البیان) ثابت ہوا کہ علی ہادی ہیں۔ میں کہتا ہوں اس طرح دلیل بنا لینا کتنا کمزور قول ہے۔ اس حدیث میں بھی ہدایت کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت دی گئی ہے۔ علی شیر خدا کو ذریعہ قرار دیا گیا۔ اور وہ ان سے خاص نہیں بلکہ قیامت تک ہر مسلمان کا حکم اور خوشخبری بیان فرمائی گئی ہے۔ اور یہ فرمان عام تمثیل ہے۔ ہم کو حضرت علی کے ہادی ہونے پر اعتراض نہیں ہم کو اس دلیل پر اعتراض ہے ہادی تو سارے صحابہ ہیں۔ خیال رہے کہ کفار مکہ نے نبی پاک کی نبوت پر تین طرح طعن و انکار کیا۔ پہلے حشر و نشر کا انکار کر کے پھر عذاب کا انکار کر کے پھر معجزے کا انکار کر کے اس آیت میں اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔ اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ اے زمین و آسمان کے نظارے کرنے والو تم ان بیل بوٹوں پودوں کی حقیقت بناوٹ اور باطنی اسرار کو کس طرح سمجھ سکتے۔ جو تم تو اپنی جسمانی ساخت اور اپنی عورتوں کے رحم میں پڑے بچوں کو نہیں جان سکتے نہ موجودہ حالات جان سکتے ہیں اگرچہ کتنے آلات سائنسی ایجاد کر لیں ایکسرے خوردبین وغیرہ تمام چیزیں اس بات کو معلوم نہیں کر سکتیں کہ عورت کا حمل کیا ہے۔ ساری سائنسی ترقی حمل کی جھلی کے اندر جھانکنے سے بے بس ہے نہ آئندہ کے حالات جان سکتے ہیں کہ یہ حمل پیدا ہو کر کس شان کی زندگی والا ہے۔ اگرچہ کتنے ہی دانشور بن جائیں۔ بس فقط اللہ ہی جانتا ہے اس مخلوق کو جو اٹھائے پھر رہی ہے ہر مؤنث انسانی یا حیوانی کے حاملہ رحم میں کیا ہے مذکر ہے یا مؤنث مکمل ہے یا ناقص۔ لمبا ہے یا ٹھگنا۔ خوبصورت ہے یا بدصورت کالا ہے یا گورا۔ کس کا نطفہ ہے اپنے باپ کا یا غیر کا۔ وہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس حمل کی آئندہ زندگی کیسی ہوگی کہاں رہے گا گھر یا باہر اعمال کیسے ہوں گے وطن کہاں رہے گا۔ کیسی قیمت ہوگی۔ خصلت کیسی ہوگی۔

نیک یا بد۔ سعید ہوگا یا شقی۔ عالم ہوگا یا جاہل۔ ولی اللہ ہوگا یا عدو اللہ۔ شیطانی یا ایمانی۔ کافر یا مومن امیر یا غریب بیماری میں رہے گا یا تندرستی میں سخی یا کنجوس عقل والا یا بیوقوف۔ خوش خلق یا بد خلق۔ موٹا پا آئے گا یا پتلا یا۔ ہاں رب کے بتانے سکھانے پڑھانے سے اس کے خاص بندے بھی جان لیتے ہیں بلکہ حمل سے پہلے کی بھی خبر دے دیتے ہیں۔ یہ خاص بندوں کا بتانا اسی رب کے علم کی دلیل ہے۔ اور وہ رب تعالیٰ ہی مؤنث رحموں کو خالی کرکے چھوٹا کرتا ہے۔ اور رحم میں نطفہ پال کر بڑھا دیتا ہے۔ یا وہی اللہ جانتا ہے اُس کو جس سے رحم سکڑ کر ہلکے اور چھوٹے ہو جاتے ہیں۔ یا اس طرح کہ نطفہ ٹھیرتا ہی نہیں یا اس طرح کہ کچا بچہ ہی گر جاتا ہے۔ یا اس طرح کہ رحم ہی خشک ہوتا ہے۔ یا رحم کا منہ بند ہوتا ہے۔ اور اُس کو بھی جانتا ہے جو رحم کو بڑھاتا ہے۔ تمام رحم چھوٹے ہوں یا بڑے انسانی ہوں یا حیوانی اُس کی بناوٹ بھی قدرت کا عجیب نمونہ مناعی ہے۔ یہ رگوں پٹھوں اور جھلی کے مجموعہ کا ایک تھیلا ہے۔ جو دماغ کی ہڈیوں کے ساتھ ٹنگا ہوا ہے اور اُس کا نیچا حصہ مؤنث کی فرج کے ایک سوراخ کے قریب ریڑھ کی ہڈی سے جڑا ہوا ہے۔ اُس کے دو سینگ ہیں ایک سینگ سے مرد کا نطفہ چڑھتا ہے اور وہاں پرورش پاتا ہے دوسرے سے عورت کا نطفہ انڈے کی شکل میں جذب ہوتا ہے رحم کے ایک حصہ میں پانی رہتا ہے اور ایک حصے میں خون۔ اور کھلے حصہ میں نطفہ کے جراثیم پروان چڑھتے ہیں۔ یہ سینگ جو مچھلی کے پروں کی شکل اور جھلی کی طرح نرم ہوتے ہیں یہ جتنے طاقت ور ہوں گے نطفہ اتنا ہی صحت مند بچہ بنے گا۔ یہی سینگ نطفہ کو رحم میں روک کے رکھتے ہیں ان میں جذب کا مادہ ہے۔ ورنہ نطفہ بھی چکنا اور رحم کا پانی بھی چکنا پھسل کر باہر گر جائے۔ جب مرد صحبت کرتا ہے تو رحم کا منہ کھل جاتا ہے۔ اور صرف نطفہ ہی رحم میں جاتا ہے نالتو منی باہر گر جاتی ہے۔ اس نطفہ کے تین حصے ہوتے ہیں جرثومہ۔ ۲ جرثومے کی خوراک۔ ۳ جرثومے کو محفوظ رکھنے والا مادہ۔ اور تمام چیزیں۔ نطفہ۔ مادہ۔ عورت کا انڈہ اور اُس کے خوراک کے غلیے۔ پھر بچہ کا رحم میں بننا اور بڑھنا۔ چھوٹا بڑا ہونا۔ اور رحم والدہ میں ٹھیرنا سب کی سب اُس عقہ خالق مالک کے نزدیک بہترین شاندار بالکل نپی تلی مقدار سے ہے۔ امام اعظم ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نطفہ رحم میں صرف دو سال تک ٹھیر سکتا ہے زیادہ سے زیادہ۔ امام شافعی کے نزدیک زیادہ کی مقدار چار سال ہے امام مالک کے نزدیک آخری مدت پانچ سال تک ہے یہ اُن کے اپنے مشاہدات کا فیصلہ ہے کوئی قرآن وحدیث کا فرمودہ نہیں۔ اور یہ مشاہدہ بھی شاذ ہے۔ عام مدت حمل نو ماہ ہے۔ اور کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ امام اعظم نے دیکھا کہ ضحاک بن مزاحم تابعی پورے دو سال تک شکم مادر میں رہے۔ اس سے زیادہ کا مشاہدہ یا خبر ان کو نہ ملی تو ان کا آخری فیصلہ یہ ہو گیا امام شافعی نے سنا کہ امام مالک کی اپنی ولادت تین سال بعد ہوئی تو انہوں نے چار سال کا فیصلہ کر دیا امام مالک کی ایک لونڈی نے چار سال سے اوپر حمل رکھنے کے بعد جنم دیا تو انہوں نے پانچویں سال کا فیصلہ دے دیا۔ ہرم بن حیان بھی امام شافعی کے زمانے میں پیدا ہوئے ان کا حمل چار سال تک ٹھیرا ان کو ہرم یعنی بوڑھا بچہ اسی لیے نام رکھا گیا۔ بہر حال اللہ ہی غائب کو

حاضر۔ معدوم و موجود پوشیدہ اور ظاہر کو ہر وقت ہر کیفیت اور ہر طرح جاننے والا ہے۔ کہ کون بچہ کب اور کس حالت میں پیدا ہوگا عالم ارواح کے غائبوں کو اور عالم دنیا کے حاضروں کو جانتا ہے یا رحم کے غائبوں کو اور ولادت کے حاضروں کو یا نطفوں کے غائب کو اور بطن مادر میں اگر حاضر ہونے والوں کو یا مرے ہوئے لاش کے حاضروں کو اور مٹی بن کر ذرے اڑ جانے کے بعد غائبوں کو جانتا ہے کہ کونسا جسم ذرے بن کر کہاں کہاں پڑا ہے اس کے لیے ان ذروں کو جمع کرنا کچھ مشکل نہیں ہے۔ اہل دنیا کے تو فقط اندازے اور تخمینے ہی ہیں یہ غلط بھی ہو سکتے ہیں دنیا کے حکیم ڈاکٹر اور طبیب کہتے ہیں کہ اگر آٹھویں مہینہ بچہ پیدا ہو تو زندہ نہیں بچتا حالانکہ حضرت عیسٰی کی ولادت دم جبرئیلی کے آٹھ ماہ بعد ہوئی تھی۔ (روح البیان) اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت پاک میں بھی مورخین کا اختلاف ہے۔ ایک قول نو ماہ اور یہی درست ہے۔ دوسرا چھ ماہ۔ تیسرا قول سات ماہ چوتھا قول آٹھ ماہ پانچواں قول دس ماہ کا ہے۔ (تفسیر روح البیان) خلاصہ یہ کہ مدت حمل مشاہدات کی روشنی میں نو طرح کی ہے۔

۱۔ چھ ماہ۔ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ کم از کم ہے اس سے کم میں انسانی بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ ۲۔ سات ماہ۔ ۳۔ آٹھ ماہ۔ ۴۔ نو ماہ۔ ۵۔ دس ماہ۔ ۶۔ دو سال۔ ۷۔ تین سال۔ ۸۔ چار سال ۹۔ پانچ سال۔ اس سے زائد نہیں۔ یہ مدتیں صرف انسانی حمل کی ہیں حیوانات کی مدتیں علیحدہ ہیں۔ یہ سب میرے رب کی صنعتیں ہیں۔ کبیر ایسا ہے کہ کوئی شئی کائنات دہر میں اس کے علم سے باہر نہیں اور متعال ایسا ہے کہ کوئی چیز اس کی قدرت سے جدا نہیں۔ حکما فرماتے کہ ہر جاندار میں ولادت سے آدھی مدت پہلے جان پڑ جاتی ہے۔ مثلاً چھ ماہا حمل میں تین ماہ بعد جان پڑے گی اور نو ماہا میں چار ماہ پندرہ دن میں جان پڑے گی جان اس وقت پڑیگی جب اعضا مکمل ہو جاتے ہیں خواہ ناقص بچہ ہو یا کامل کمزور یا صحت مند۔ جان پڑتے ہی بچہ پیٹ میں اچھلنے حرکت کرنے لگتا ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ رسول سے کسی اپنی منشا کا مطالبہ کرنا اس لیے کہ ہم تب مانیں گے جب دیکھ لیں گے یا ہم تب عمل کریں گے جب اس عمل کا یہ فائدہ ہوگا یہ سخت گناہ اور طریقہ کفار ہے۔ اسی طرح علماء کرام یا صوفیاء عظام سے اعمال کی حکمتیں معلوم کرتے رہنا کہ جنابت وضو کا کیا فائدہ پیر دھونے کی کیا وجہ یہ سب بیہودہ سوالات ہیں۔ مسلمان کا کام فقط عمل کرنا ہے۔ یہ فائدہ لَوْلَآ اُنْزِلَ (الخ) کی آیت سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ پچھلے تمام انبیاء کرام خاص قوم کے لیے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہم السلام قیامت تک ہر قوم کے لیے نبی ہیں اسی طرح آپ کے معجزات بھی تا قیامت باقی ہیں۔ یہ حدیث و قرآن علما صوفیا۔ اور کرامات اولیا یہ سب آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات ہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہر مؤنث کے حمل کی موجودہ اور آئندہ کیفیات سے واقف ہو سکتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں لکھا ہے اور اولیاء اللہ کی نظر لوح محفوظ پر ہوتی ہے۔ اور پھر لوح محفوظ پر لکھنا

بندوں کو دکھانے بڑھانے کے لیے ہی ہے۔ یہ فائدہ اللہ یعلم (دائم) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ جب تک کسی عبادت کسی عمل کے فائدے اور حکمتیں قرآن وحدیث سے ثابت نہ ہوں کسی بھی عالم کو اپنے پاس سے بنا کر اسلامی اعمال کی حکمتیں بتانا جائز نہیں۔ سب سے بڑی حکمت اور قابل عمل ہونے کی وجہ بس یہی ہے کہ اللہ رسول نے فرمادیا۔ یہ مسئلہ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ کے اشارے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ اگر کچا بچہ گر جائے تب بھی بیوہ اور مطلقہ کی عدت گزر جائے گی۔ اور بعد ولادت نفاست کے دن مانے جائیں گے۔ جس سے نمازیں معاف اور روزے قضا ہوں گے۔ یہ مسئلہ وَمَا تَغِیْضُ وَمَا تَزْدَادُ کو ایک درجے میں بیان فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں بتایا گیا کہ کافروں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ان جیسے معجزوں کا مطالبہ کیا جو پہلے انبیاء کرام کو ملے تھے مثلاً ناقہ اونٹنی اور عصاء موسوی وغیرہ ان سابقہ انبیاء کرام سے معجزہ کا مطالبہ ہوا انہوں نے تو پورا کر دیا تھا لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں مطالبہ پورا نہ فرمایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم کے پاس سوائے قرآن مجید کے کوئی معجزہ نہ تھا۔ نہ کافروں نے کوئی معجزہ دیکھا تھا ورنہ وہ یہ مطالبہ نہ کرتے۔ (معتزلی اور نیچری)۔

جواب ۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ مطالبہ معجزات آقائے دو عالم صلی اللہ کے دیکھنے سے پہلے کا ہے۔ یعنی اسلام کے ابتدائی دور کا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ کفار نے مکہ میں اور مدینہ میں ذات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے چار ہزار معجزے دیکھے اور صحابہ نے سات ہزار معجزے دیکھے۔ مثلاً چاند چرنا۔ سورج لوٹنا۔ بادل برسنا۔ انگلیوں سے چشمے جاری ہونا۔ کنکریوں کا کلمہ پڑھنا۔ کھجوروں کا بغیر گٹھلی اگ جانا۔ جانوروں کی فریادیں کرنا۔ مگر وہ کہتے تھے کہ وہی معجزہ دکھاؤ جو پہلے انبیاء کرام نے دکھائے تب ایمان لائیں گے یہ تھے بیہودہ مطالبے اس لیے یہ پورا نہ کیا گیا دونوں جواب درست ہیں کیونکہ کافروں نے کئی دفعہ کئی طرح کے مطالبے کئے تھے۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا اللہ یعلم۔ لفظ اللہ کے تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا اور ثابت ہوا کہ اللہ کے سوا کسی بھی انسان کو کوئی علم نہ ہو۔ حالانکہ بہت سے اولیاء اللہ کی سوانحات میں لکھا ہے کہ انہوں نے اگلی نسلوں میں کسی بچے کے ولی اللہ ہونے کی پیشگی خوشخبری دی بلکہ بعض ماؤں کے پیٹ میں آپ کو بتا دیا کہ یہ ولی اللہ ہے۔ لڑکا ہے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کی ولادت کی خبر نجومی کاہنوں نے دی تھی۔ تو پھر اس حصر کا کیا معنیٰ؟

جواب ۔ اس کا ایک جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں دیدیا ہے کہ اللہ کی عطا سے اس کے خاص بندوں کو علم غیب

ل جاتا ہے۔ دوسرا جواب فوائد میں دیا گیا کہ لوح محفوظ پر نظر اہل اللہ کی پہنچ سکتی ہے وہاں سے ان کی خبر پہنچ ہوتی ہیں نہ کہ عورت کے پیٹ میں دیکھ کر۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ یہاں یَعْلَمُ سے علم کا ذکر ہے جو ذاتی جاننے پر دلالت کرتا ہے جس کا نام حقیقی علم ہے مگر اولیاء اللہ کا علم خبر سے ہے جو بہر حال عطائی ہوتا ہے۔ اور انبیاء کرام کا علم مشاہداتی۔ اس لیے حقیقی علم نہ انبیاء کرام کو ہے نہ اولیاء اللہ کو۔ نیز کاہنوں کا علم چوتھی قسم کا ہے یعنی تخمینی علم۔ جو اندازے سے ہوتا ہے یا حساب سے کبھی غلط کبھی درست۔ اس سے ثابت ہوا کہ علم چار قسم کا ہے۔

۱۔ علم حقیقی جیسے بند لفافے کی تحریر کا علم لکھنے والے کو یہ مثال ہے رب تعالیٰ کے علم کی بلا تشبیہ۔ ۲۔ علم مشاہدہ جیسے خط پڑھنے والے کی معلومات۔ یہ مثال ہے علم انبیاء کی۔ ۳۔ علم خبر جیسے لفافے کو فقط دیکھنا۔ یہ مثال ہے علم اولیاء اللہ کی۔ ۴۔ علم تخمینی۔ جیسے حالات کو دیکھ کر اندازہ کرنا کہ خط میں غالباً یہ لکھا ہو۔ عید کے موقعہ پر خطوط اکثر خوشی کے مانے جاتے ہیں۔ اس وضاحت کے بعد اب فرق واضح ہے کہ اللہ یعلم اپنی جگہ درست ہے اور علم اولیاء و انبیاء اپنی جگہ۔

تیسرا اعتراض۔ عالم الغیب والشہادہ سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہی حاضر و غائب کو جانتا ہے تو اہلسنت نبی ولی کو غیب کا علم کیوں مانتے ہیں۔ (وہابی)

جواب۔ یہاں الغیب اور الشہادہ پر الف لام استغراقی ہے جو کلیت پر دلالت کرتا ہے۔ لیکن نبی ولی علیہم السلام کا **علم غیب** اور شہادہ جزئی ہے۔ منفی نہیں۔ نیز غیب کے منکر تو ہیں مگر شہادہ کے منکر تو کوئی نہیں حالانکہ آپ کے اس **اعتراض** سے دونوں انکار لازم آتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ جسم انسانی میں نفس امارہ وہ کافر سرکش ہے جو دن رات ظاہر و باطن میں ہزارہا آیت قدرت کا مشاہدہ کرتا ہے مگر بے یقینی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ صرف بھٹکانے گمراہی پر چلانے کے لیے نئی آیات کا مطالبہ کرتا ہے۔ قلب و ضمیر کا کام صرف سمجھانا ڈرانا ہے۔ اے بندو نفس امارہ کی ہمیشہ ہی سخت مخالفت کرو۔ جس طرح وہ ہر اچھائی کا الٹا مطلب نکالتا ہے تم کو بھی اُس کے ہر مطالبے کے خلاف قدم اُٹھانا چاہیئے کیونکہ ہر قوم کا ہادی اللہ تعالیٰ ہے اُس کی توفیق کے طلب گار رہو۔ نفس و شیطان کی مخالفت میں رب تعالیٰ کا قرب ہے یا اے حبیب کریم تم نے ہی اقوام عالم کو اس خفیہ پوشیدہ نفس امارہ جیسے اصلی دشمن سے ڈرایا بچایا۔ اور تم ہی ہر قوم کو قرب خاص کا پیغام۔ وصل کی ہدایت دینے والے ہو۔ یہ میدان معرفت سے دور رہنے والی مؤنث قوم عقل و خرد سے خالی ارادوں کے رحموں میں جو سرکشیاں بدبختیاں اٹھائے پھرتی ہیں اللہ تعالیٰ اُس کو خوب جانتا ہے۔ اور ان جڑوں کے اندر چڑھاؤ باطنی تدبیروں۔ چھپی ہو مکاریوں کو بھی وہ رب تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے۔ اور جو ذلت آمیز پوشیدگیوں کو جان لے بھلا اُس سے ان کا ظاہر کیسے چھپا رہ سکتا ہے۔ ہر نیکی بدی۔ اچھائی۔ برائی۔ شقاوت۔ سعادت۔ ترقی

ستر۔ ظلم۔ انصاف۔ ڈھیل اور پکڑ۔ معافی اور عذاب کی اس جبار و قہار کے پاس ایک مقدار زمانی و مکانی ہے۔ ایک ذرہ یک لمحہ اس سے کوئی نہیں ہٹ سکتا وہ اللہ جل جلالہ، نارِ ظلمت کے غائبوں کو اور نورِ ابدی کے ظاہروں کو جاننے والا ہے۔ دنیا کی حرص و ہوس میں پھنسنے والوں کو بھی جانتا ہے۔ اور دین کے انوار میں روشن چراغوں کو بھی۔ بدبختی کی خاک نشینوں کو بھی جاننے والا ہے اور جمالِ یار کے شیداؤں کو۔ وہ اللہ قہر کا کبیر ہے اور محبت و رحم کا متعال ہے دشمنوں کے لیے کبیر ہے دوستوں کیلئے متعال ہے۔ قانون میں کبیر ہے اور شانِ قدرت میں متعال ہے۔ وہ اللہ کبیر یعنی سب سے ہمیشہ سے ہمیشہ تک بڑا ہے اور متعال یعنی ہر چیز پر ارادے ہر طاقت ہر قوت پر غالب ہے۔ فالحمدُ للہ علیٰ ذالک۔

سَوَآءٌ مِّنۡكُمۡ مَّنۡ اَسَرَّ الۡقَوۡلَ وَمَنۡ جَهَرَ

برابر ہیں ہیں سے تم جو چپکے سے کہے بات اور جو چیخنے

برابر ہیں جو تم میں بات آہستہ کہے اور جو آواز

بِهٖ وَمَنۡ هُوَ مُسۡتَخۡفٍۢ بِالَّيۡلِ وَسَارِبٌۢ

بات میں اور جو چھپنے والا ہے میں رات اور ظاہر نکلنے والا ہے

سے اور جو رات میں چھپا ہے اور جو دن میں راہ چلتا ہے

بِالنَّهَارِ ۝١٠ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنۡۢ بَيۡنِ يَدَيۡهِ

میں دن روشن۔ لیے انسان کے ہیں فرشتے سے سامنے اس کے

آدمی کے لیے بدلی والے فرشتے ہیں اُس کے آگے

وَمِنۡ خَلۡفِهٖ يَحۡفَظُوۡنَهٗ مِنۡ اَمۡرِ اللّٰهِ

اور سے پیچھے اُس کے حفاظت کرتے ہیں وہ فرشتے اُس کی سے حکم اللہ کے

اور پیچھے کہ بحکمِ خدا اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔

إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوا

بیشک اللہ نہیں تبدیلی فرماتا اس نعمت کو جو پاس ہے کسی قوم کے یہاں تک کہ تبدیل کریں اُس حالت کو

بیشک اللہ کسی قوم سے اپنی نعمت نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنی

مَا بِأَنْفُسِهِمْ ط وَإِذَآ أَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوٓءًا

جو اُن کی ذاتوں کی ہے اور جب ارادہ کیا اللہ نے قوم سے کسی بُرائی کا

حالت نہ بدل دیں اور جب اللہ کسی قوم سے برائی چاہے

فَلَا مَرَدَّ لَهٗ ج وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ

تو نہیں ہے کوئی پھیر دینے والا اس کو اور نہیں اُن کا سے مقابل اُس

تو وہ پھر نہیں سکتی اور اُس کے سوا اُن کا کوئی

وَّالٍ ⑪ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ

کے سے والی وہی وہ ہے جو دکھاتا ہے تم کو بجلی ڈر اور

حمایتی نہیں وہی ہے تمہیں بجلی دکھاتا ہے ڈر کو اور

طَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ ⑫ ج

امید کے لیے اور پیدا کرتا ہے بھاری بادل۔

اُمید کو اور بھاری بدلیاں اٹھاتا ہے۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ حاضر غائب کو یکساں جانتا ہے۔ لہٰذا ان آیات میں فرمایا گیا کہ بارگاہِ خداوندی میں زور سے بدلنے والا اور آہستہ بولنے والا اسی طرح راتوں کو چھپنے والا اور دن کو

سر عام پھرنے والا سب برابر ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پہلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کے فرشتے بھی ہر چیز کو جانتے ہیں اور وہ بھی بندوں کے حالاتِ ظاہری و باطنی سے خبردار ہیں۔ تیسرا تعلق۔ پہلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا ہمارے نبی جہنم کے عذاب سے ڈرانے والے ہیں۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو شخص وعظ و نصیحت سے نہ ڈرے تو دنیوی ظاہری طریقوں سے بھی ڈرایا جاتا ہے۔

تفسیر نحوی سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۔ سَوَآءٌ مصدر ہے بروزن فعال بمعنی اِسْتِوَاءٌ (باب افتعال) سَوِیَ لفیف مقرون اجوف واوی ناقص یائی سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے برابر ہونا۔ برابر کرنا۔ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی یہاں لازم ہے یعنی برابر ہونا جب سین پر زبر ہوگا تو آخر میں الف ممدودہ ہوگا اور بمعنی برابری ہوگا۔ لیکن جب سین پر زیر یا کسرہ ہوگا تو آخر میں الف مقصورہ ہوگا بمعنی علاوہ (استثنائی) یا بمعنی صاف۔ ہموار۔ سَوَآءٌ ممدودہ چار معنی میں ہے۔

۱۔ برابری۔ ۲۔ درمیانہ یا درمیان۔ ۳۔ پورا یا درست۔ ۴۔ سیدھا ترکیبی اعتبار سے یہاں سَوَآءٌ ممدودہ مصدر اسم مستوی کے معنی میں ہے اس لیے مِنْ جارہ تبعیضیہ اس کے متعلق ہے سَوَآءٌ بحالتِ رفع ہے خبر مقدم مبتدا کی کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کا مرجع عام مخلوق ہے یا صرف کفار مخاطب ہیں۔ مَنْ موصولہ اپنے اجزا سے مل کر مبتدا ہے اَسَرَّ فعل ماضی باب افعال سے ہے سِرٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی چھپانا آہستہ بولنا۔ راز بتانا۔ یہاں سب معنی مناسب ہیں اسرار میں اگر متعدی بیک مفعول ہے۔ اَلْقَوْلَ الف لام جنسی قَوْلٌ مصدر مادہ اجوف واوی بحالتِ نصب مفعول بہ ہے اَسَرَّ کا وَمَنْ۔ و عاطفہ پہلے مَنْ پر عطف ہے مَنْ موصولہ جَهَرَ فعل ماضی جَهْرٌ سے بنا ہے بمعنی چیخ کر بولنا بِ جارہ ہ ضمیر کا مرجع قول ہے وَ عاطفہ مَنْ موصولہ هُوَ ضمیر مرفوع متصل بنتا ہے۔ مُسْتَخْفٍ اسم فاعل ہے باب استفعال کا خَفِیٌّ سے بنا بمعنی آہستہ ہونا چھپنا۔ چھپانا دراصل تھا مُسْتَخْفِیٌ بوجہ ثقل یٰ گر گئی رفع کسرے سے بدل گیا یٰ کے نشان کے لیے۔ بِالَّيْلِ جار و مجرور متعلق ہے مُسْتَخْفٍ کا اور یہ جملہ اسمیہ خبر ہے مبتدا کی وَ عاطفہ سَارِبٌ اسم فاعل باب ضَرَبَ سے ہے سَرْبٌ سے بنا بمعنی آوارہ گرد۔ بہت چلنے والا جنگلوں میں پھرنے والا۔ یہاں یہ سب معنی درست ہیں اس کی جمع قیاسی سارِبُوْنَ ہے اور جمع مکسر سُرُبٌ جیسے راکِبٌ کی جمع رُکُبٌ بھی آتی ہے اسی سے ہے سُرُوْبٌ بمعنی اپنے خیالات میں بے سوچے چلتا جانے والا بِ جارہ۔ بیانیہ یا بمعنی فی ظرفیہ لیلیہ اسی طرح بِالَّيْلِ کی بِ ہے الف لام دونوں میں جنسی ہے نَهَارٌ اسم جامد واحد مذکر ہے اس کی جمع مکسر اَنْهُرٌ یا نُهُرٌ ہے لغوی معنی سفیدی مائل رنگ۔ بے حجاب چیز۔ منقول عربی میں صبح سے شام تک دن رات کا مقابل بحالتِ جر متعلق ہے سارِبٌ کے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا

يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَاِذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ

لام حرف جر نفع کا ہے متعلق مقدم ہے ۔ ہ ضمیر واحد مذکر کا مرجع سَابِقٌ مَنْ موصولہ ہے اور اس سے مراد انسان ہے لہٰذا ہ ضمیر سے مراد انسان ہیں ایک قول میں لام ملکیت کا اور ہ ضمیر کا مرجع اللہ یعلم میں اللہ ہے ۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ کی ملکیت میں فرشتے بھی ہیں مُعَقِّبٰتٌ میں چار قرأتیں ہیں ۔ ۱ باب تفعیل کا اسم فاعل صیغہ جمع مؤنث اس کا واحد مُعَقِّبَةٌ بروزن مُعَرِّفَةٌ مشتق سے بنا ہے بمعنیٰ بالکل ساتھ ساتھ پیچھے رہنے والا ۔ حفاظت کے لیے یا جاسوسی کے لئے یا نگرانی کے لیے یا محاسبے کے لیے (کڑی نگرانی) یا چوکیداری کے لیے (باڈی گارڈ) یہاں بمعنیٰ حفاظت و محاسبہ مراد ہے ۔ بعض نے کہا یہ تانیث کا صیغہ مؤنث کے لیے نہیں کیونکہ یہاں ملائکہ مراد ہیں اور فرشتے مؤنث نہیں بلکہ مذکر معنوی ہیں ۔ بلکہ یہ تانیث مبالغے کے لیے ہے ۔ بعض نے کہا اس کا فاعل ملائکہ نہیں ۔ بلکہ جماعات ہے وہ مؤنث ہے لہٰذا تانیث اپنے معنی میں ہے ۔ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ آگے یحفظون اس کی تائید کر رہا ہے جو مذکر ہے بحالت رفع مبتدا ہے ۔ مبتدا نہیں بلکہ ابتدا کی وجہ سے رفع ہے اور یہ يَحْفَظُوْنَهٗ سے علیحدہ ہے ۔ پہلی صورت میں يَحْفَظُوْنَ اس کی خبر ہے ۔ ۲ باب افتعال کا اسم فاعل ہے جمع مؤنث دراصل تھا مُعْتَقِبٰتٌ ت کو قاف بنایا اور قاف کا ادغام ہو گیا جس طرح کہ مُعْتَذِرُوْنَ کو مُعَذِّرُوْنَ کیا جاتا ہے ۔ مگر یہ غلط ہے اور قیاس بھی درست نہیں کیونکہ تَ کو ق سے نہیں بدلا جا سکتا تبدیلی ہم مخرج حرف یا قریب المخرج سے ہو سکتی ہے جیسے تَ دال ۔ ز ۔ ذ وغیرہ ۔ اس لیے مُعْتَذِرُوْنَ میں تو ادغام جائز ہے یہاں نہیں (معانی) ۳ باب مفاعلہ کا اسم فاعل مُعَاقِبٰتٌ ہے ۔ ۴ یہ جمع منتہی الجموع معاقیب ہے معنیٰ اور ترکیب میں کوئی اختلاف نہیں ۔ مِنْ جارہ زائدہ بَيْنِ اسم ظرف مکانی مجرور معرب ہے کیونکہ مضاف ہے اسم متمکن ہے یہ بَانَ يَبِيْنُ کا مصدر بھی ہوتا ہے بمعنیٰ ظاہر ہونا ۔ لازم ہو کر یا جدا کرنا ۔ متعدی ہو کر ۔ جب یہ بَیْنَ ظرف کے بعد جمع تثنیہ ہو تو بَیْنَ کی تکرار نہیں ہوتی وحدت میں تکرار ہوتی ہے يَدَيْهِ ۔ تثنیہ ہے يَد کا نون بوجہ اضافت گر گئی بَيْنَ يَدَيْ کی لفظی ترجمہ دو ہاتھوں کے درمیان مراد ہے سامنے ۔ ہ کا مرجع مَنْ سابقہ و عاطفہ مِنْ زائدہ خَلْفِ اسم ظرف ہے اس کا مصدر بھی اسی کے ہم وزن خَلْفٌ ہے ۔ خَلْفٌ ظرف ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اسم متمکن ہے ۔ اسی مصدر سے خَلَفٌ بمعنی صحیح جانشین اولاد اور ناخلف نالائق اولاد ۔ اسی سے ہے خلیفہ یعنی غیر موجودگی میں نائب یا غائب نظروں سے پوشیدہ ذات کا ظاہر ظہور نائب ۔ اللہ کا خلیفہ ہونے کا یہی معنیٰ ہے اسی سے خِلْفَةً بمعنیٰ لگاتار کسی کے پیچھے چلنا یا آنا ۔ ہ کا مرجع بھی مَنْ ہے خَلْفٌ بمعنیٰ پیچھے ۔ یہ سب جار مجرور عطف معطوف یا متعلق ہیں معقبات کے یا معقبات کی پوشیدہ صفت مُحِيْطٰتٌ اسم فاعل کے یا متعلق مقدم ہے يَحْفَظُوْنَ کے (معانی) اگر نگرانی سے مراد جسم و جان کی نگرانی ہے تو دونوں جگہ مِنْ زائدہ ہے اور اگر اعمال کی نگرانی مراد ہے تو دونوں جگہ مِنْ ابتداء غایت کے لیے ہے اور محفوظ عنہ یعنی جنات و حشرات پوشیدہ ہے ۔ يَحْفَظُوْنَ فعل

مضارع۔ جمع مذکر۔ اس کا فاعل ملائکہ ہیں حِفۡظٌ سے مشتق ہے بمعنی حفاظت کرنا بچانا۔ متعدی بیک مفعول ہے باب سمع سے ہے ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب متصل کا مرجع مَن ہے۔ مِنۡ جارہ بمعنی بِ جارہ ہے بہ معنی اَمۡرِ بمعنی الحکم یا اجازت۔ اللّٰہِ۔ نام پاک ہے ذاتِ جَلَّ مَجۡدُہٗ کا بحالتِ جر مضاف الیہ ہے متعلق ہے یَحۡفَظُوۡنَ کا۔ اِنَّ حرف تحقیق یہ نیا علیحدہ جملہ ہے لفظ اللّٰہ اس کا اسم ہے۔ لَایُغَیِّرُ فعل مضارع منفی بمعنی حال باب تفعیل سے ہے بمعنی تبدیل کرنا متعدی بیک مفعول ہے غیرٌ سے مشتق ہے ہے بمعنی بدلنا۔ یہ اسماءِ استثنا سے بھی ہوتا ہے بمعنی سِوا۔ اِسی سے بنا ہے بمعنی تبدیلی چاہنا یعنی حیا کرنا۔ حیادار ہر اس چیز کو بدلنا چاہتا ہے جو حیا کے خلاف ہو۔ لَایُغَیِّرُ کا فاعل لفظِ اللّٰہ کی ضمیر ہے مَا موصولہ بحالتِ نصب مفعول بہٖ ہے مراد ہے اللّٰہ کی نعمتیں بِ جارہ۔ بمعنی علیٰ۔ قَوۡمٍ مجرور متعلق ہے ثابت یا موجوداً یا وارداً پوشیدہ صلہ کا۔ حَتّٰی حرفِ عطف ہے بمعنی ثُمَّ عاطفہ۔ مگر دونوں میں تین طرح فرق ہے

۱ ثُمَّ میں تراخی۔ مہلت (دیر) زیادہ ہوتی ہے حتّٰی عاطفہ میں کم۔ ۲ ثُمَّ میں معطوف اپنے معطوف علیہ کا جز ہونا شرط نہیں یہاں شرط ہے ۳ ثُمَّ میں مہلت (تراخی) خارجی ہوتی ہے حتّٰی میں ذہنی۔ حَتّٰی عاطفہ ہر ظاہر لفظ پر آجاتا ہے خواہ اسم جامد ہو یا مشتق خواہ کوئی فعل ہو۔ ہاں جب مضارع پر داخل ہوگا معروف یا مجہول مثبت یا منفی تو اس میں اَنۡ ناصبہ پوشیدہ ہوگا جو مضارع کو نصب دے گا۔ حَتّٰی جارہ صرف اسم ظاہر پر آتا ہے اور اُس کو جر دیتا ہے فعل پر حتّٰی جارہ نہیں آتا ہے۔ اور ضمیر پر دونوں نہیں آتے۔ حتّٰی عاطفہ کے مابعد کو ماقبل معطوف علیہ متبوع کا اعراب (زبر۔ زیر۔ پیش) ہوتا ہے حتّٰی جارہ بمعنی جب تک یا تک۔ حتّٰی عاطفہ بمعنی یہاں تک۔ تاکہ۔ مگر حتّٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے اور غایت مغیّا میں اکثر داخل ہوتی ہے حتّٰی عاطفہ تراخی کے لیے اور مابعد ماقبل کی جز ہوتا ہے۔ یُغَیِّرُوۡا فعل مضارع جمع غائب تَغَیُّرٌ سے ہے بمعنی بدلنا متعدی ہے مَا موصولہ منصوب مفعول بہٖ ہے یُغَیِّرُوۡا کا مراد ہے اعمال یا عادت یا عقیدے۔ بِ جارہ بمعنی فی ظرفیہ۔ اَنۡفُسِ جمع ہے نفس کی اسم جامد ہے بمعنی دل یا ذات ھِمۡ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا مرجع یُغَیِّرُوۡا کا فاعل اور اس کا مرجع قوم جو کہ معنیً جمع ہوتی ہے۔ وَ سُر جملہ اِذَا ظرفیہ شرطیہ اَرَادَ فعل ماضی باب افعال سے ہے متعدی رَیۡدٌ سے بنا اس کا مصدر اِرَادٌ۔ اِرَادَۃٌ بمعنی کسی کام کا قلبی فیصلہ کرنا۔ یا ذہنی یا خفیہ فیصلہ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں لفظ اللّٰہُ اس کا فاعل ہے بِ جارہ بمعنی مَعَ قَوۡمٍ مجرور متعلق ہے۔ سُوۡءً اسم متمکن جامد ہے۔ ہر اُس چیز کو سُوۡء کہتے ہیں جو کسی کو غم یا تکلیف میں ڈال دے خواہ دنیوی یا دینی یا اُخروی۔ اُس کا استعمال پانچ طرح ہوتا ہے بمعنی۔ برائی۔ گناہ۔ مصیبت۔ عذاب۔ تکلیف۔ یہاں بمعنی مصیبت ہے۔ یہ سب جملہ شرط ہے۔ فَ جزائیہ اگلی عبارت اِس کی جزا ہے۔ لَا نفی جنس مَرَدَّ مصدر میمی ہے رَدٌّ سے بنا ہے بمعنی پھیر دینا۔ اسم منصوب ہے یا اسم فاعل رَادٌّ کے معنی میں ہے یا اپنے ہی مصدری معنی میں اسم ہے لَا جنسی کا لَہٗ لام جارہ ہٗ

ضمیر کا مرجع قوم ہے کیونکہ لفظاً واحد ہے جار و مجرور متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ کے بعض نے کہا یہ مَرَدٌ کے متعلق ہے تب لَا رَدَّ نفی لغو ہوگا۔ دوسرا جملہ مَالَهُمْ فِيهِ لَهُمْ جار و مجرور متعلق اول ہے موجودٌ پوشیدہ کے مِنْ جارہ بیانیہ دون کے بہت معنی ہیں یہاں بمعنی مقابل مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل اس کا مضاف الیہ مرجع ذاتِ باری تعالیٰ مِنْ حرفِ جر زائدہ ہے بطورِ امالہ (کسرے کا خم دینا) آیا ہے۔ وَالٍ اسم فاعل واحد مذکر باب ضَرَبَ سے ہے وَلِیٌّ لفیفِ مفروق سے مشتق ہے بمعنی مدد کرنا دراصل تھا وَالِیٌ یٰ پر ضمہ ثقیل لہٰذا یٰ گرگئی اور ضمہ کی تنوین بطورِ نشانِ یٰ کسرہ سے بدل گئی والٍ ہوا۔ تنوین تنکیری ہے بمعنی کوئی مدد کرنے والا۔ مبتدا مؤخر ہے (تفسیر جمل) اور مَالَهُمْ اس کی خبر مقدم۔ هُوَ الَّذِي يُرِيكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَطَمَعًا وَيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع اللہ تعالیٰ الَّذِي اسم موصول واحد مذکر پورا جملہ صلہ موصول خبر ہے يُرِي فعل مضارع حال واحد مذکر غائب فاعل ضمیر هُوَ کا مرجع الَّذِي باب افعال إِرَاءَةٌ مصدر رَأْيٌ مادہ بمعنی دکھانا۔ متعدی۔ رَأْيٌ بمعنی دیکھنا لازم ہے۔ كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کا مرجع عام انسان ہیں یعنی قوم غائب کی جگہ حاضر لایا گیا مفعول بہ اول الْبَرْقَ الف لام عہدی بَرْقٌ اسم جامد ہے اس کی جمع بُرُوقٌ ہے بمعنی تیز رفتار انتہائی تیز چمک۔ یعنی بجلی مراد آسمانی بجلی ہے۔ بَرِقَ کے ذر سے بَرَقٌ بمعنی آنکھوں کا چندھیانا کسی روشنی سے یہاں بحالتِ نصب ہے مفعول بہ دوم ہے خَوْفًا مصدر ہے بمعنی ڈرنا یعنی گھبرانا بزدل ہونا۔ خوف کے معنی ہیں۔ ۱ بزدل ہونا۔ ۲ لرزنا۔ ۳ گھبرانا۔ ۴ پریشان ہونا۔ ۵ فکرمند ہونا یعنی دوسرے کی خرابی کا ڈر۔ تمام انبیاء کرام اور بعض اولیاء اللہ کو آخری خوف ہو سکتا ہے۔ پہلے معنی میں انبیاء و اولیاء تکوینی خوف سے پاک ہیں۔ وَطَمَعًا طَمَعًا اسم جامد ہے اس سے مشتق بھی بنتے ہیں بحالتِ زبر یہ دونوں خَوْفًا اور طَمَعًا حال ہیں كُمْ ضمیر مفعول بہ کا۔ ایک قول میں یہ دو مفعول لہٗ ہیں مگر یہ غلط ہے کیونکہ پھر ایک فاعل ماننا پڑے گا حالانکہ یہاں علت و معلول کے فاعل جدا ہیں (صاوی) وَطَمَعًا عطف ہے يُرِيكُمْ پر۔ يُنْشِئُ فعل مضارع باب افعال نَشْئٌ سے بنا ہے بمعنی بڑھانا پیدا کرنا اٹھانا۔ ظاہر کرنا۔ اسی سے نشوونما۔ اور النَّشَاءُ ہے یہاں ہر معنی مناسب ہے متعدی۔ السَّحَابَ الف لام جنسی یہ اسم جنس مراد جمع ہے بمعنی گھر اندھیرا کر دینے والا بادل خواہ برسنے والا ہو یا نہ ہو۔ بعض نے کہا یہ جمع الجمع ہے (مُنْتَهَى الْجُمُوعِ) ب مشدد ہے بروزنِ دَوَابّ۔ اور پہلی جمع سُحُبٌ ہے واحد سَحَابَةٌ ہے السَّحَابُ اسمِ جنسی واحد جمع۔ مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے۔ سَحْبٌ سے بنا ہے بمعنی کھینچنا یہاں بمعنی مسحوب ہے یعنی ہواؤں کا کھینچا ہوا موصوف ہے مابعد الثِّقَالَ کا۔ الف لام عہدی ثِقَالٌ جمع ہے اس کا واحد ثَقِيلٌ ہے یا ثَقِيلَةٌ۔ ثِقْلٌ سے بنا ہے بمعنی بوجھل ہونا۔ مراد ہے پانی سے بوجھل صفت ہے۔ دونوں موصوف و صفت ہے کیونکہ مفعول بہ ہے يُنْشِئُ کا ثِقَلٌ کی جمع اَثْقَالٌ بھی ہے۔ مگر وہ اور معنی میں ہے۔

تفسیر عالمانہ

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَ مَنْ جَهَرَ بِهٖ وَ مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ بِالَّیْلِ وَ سَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ۔ وہ اللہ جو کل میں تم کو جانتا ہے اور تمہارے موجودہ و آئندہ تمام حالات کام کردار سے بخوبی واقف ہے اُس کا علم اس سے بھی کہیں زیادہ وسیع ہے اُس کے لیے برابر ہے کہ تم میں کوئی بھی کہیں بھی غاروں صحراؤں ۔ دور و نزدیک عرش و فرش بیابانوں جنگلوں میں شور و سکون میں کوئی بہت ہی آہستہ بات کہے یا کوئی زور سے چیخ کر بولے جس بولی لغت زبان میں بھی بولے سب کو جانتا سمجھتا ہے اور اسی طرح جو شخص اندھیری گھٹا ٹوپ رات میں چھپنے والا ۔ اور چھپ کر کوئی عمل کرنے والا اور ظاہر ظہور کھلے بندوں چمکتے دن روشن وقت میں میدانِ چٹیل میں نکلنے والا یا کوئی کام اچھا یا بُرا کرنے والا اُس ذاتِ علیم و خبیر کے لیے برابر ہیں ۔ اُس کے لیے کہیں کوئی آڑ نہیں ۔ اُسی کے علم ذاتی ازلی ابدی کی ایک یہ بھی نشانی اور دلیل کمالی ہے کہ اُس نے اپنے ہر بندے کے لیے لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ وَ اِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ وہی انسان جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے عالمِ ظاہر میں ہزار ہا نشاناتِ قدرت اور آیاتِ قدرت کی نعمتیں پیدا فرمائی ہیں اور وہی انسان جس کے نطفے سے لے کر ولادت تک اور بچپن سے بڑھاپے اور موت تک بیشمار حالات اور تبدیلیاں آتی ہیں اسی انسان کے لیے مومن ہو یا کافر متقی ہو یا فاسق بہت سے فرشتے آتے جاتے رہتے ہیں اُس کے پیچھے ۔ اُن کی تعداد پانچ یا بیج ہے (صاوی) یا چار چاہیے (ابن کثیر) یا بیس ہے (روح البیان) یا ساٹھ ہے (نور العرفان) یا تین سو ساٹھ ہے (روح المعانی) ساٹھ والا قول زیادہ درست ہے کیونکہ حدیث پاک سے یہی تعداد ثابت ہے ۔ سب آسمان سے آتے ہیں کچھ فجر کی نماز کے وقت آتے ہیں کچھ عصر کی نماز کے وقت دونوں جماعتیں فجر و عصر میں جمع ہوتی ہیں پھر پہلی چلی جاتی ہے ۔ ہر شخص کے پاس اُس کی صبح فجر و عصر کے وقت آتے ہیں مومنوں اور ملکوں کے اعتبار سے خواہ گھر میں نماز پڑھے یا مسجد میں رب تعالیٰ نمازیوں کے فرشتوں سے پوچھتا ہے تم نے میرے بندوں کو کیسا پایا تو وہ عرض کرتے ہیں کہ ہم جب بھی گئے اُن کو نماز میں ہی پایا ۔ یہ ملائکہ اُس بندے کی حفاظت کرتے ہیں یا اللہ کے امر یعنی عذاب اور ناراضگی سے اس طرح کہ بندے کے لیے استغفار اور بخشش مانگتے رہتے ہیں اور اپنی عبادات کا ثواب بندے کو بخشتے رہتے ہیں بعد موت تا قیامت قبر پر بھی مجاور بن جاتے ہیں ۔ یہ خصوصیت صرف مسلمانوں کی ہے ۔ یا اللہ کے امر یعنی اُس کی اجازت سے انسان کی تمام موذیوں دشمنوں سے حفاظت کرتے ہیں ۔ خیال رہے کہ چیونٹی سے لے کر جنات تک سب انسان کے قوی اور سخت ہلاک کرنے والے دشمن ہیں انسان کسی کا مقابلہ نہیں کر سکتا یہ رب تعالیٰ ہی کا کرم ہے جو اپنے ملائکہ کے ذریعے بندے کی حفاظت فرماتا اور اُس کو بچاتا رہتا ہے مگر ایک

اُن کے لیے فرشتے ہٹ جائیں تو جنات اسی وقت انسان کو مار ڈالیں فرشتوں کی طاقت کے سامنے سب مخلوق بے بس ہے۔ ایک فرشتہ بھی حفاظت کے لیے کافی ہے یہ کثرت فقط عزت اور بندے کی اشرفیت کی وجہ سے ہے۔ سوائے انبیاء کرام کے باقی سب انسانوں کی حفاظت فرشتے کرتے ہیں۔ انبیاء کرام کی حفاظت رب تعالیٰ خود فرماتا ہے بجز کافر کے سب مخلوق انبیا کی غلامی کی باندھی ہے۔ انبیاء کی قوت ملائکہ سے بھی زیادہ ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ دو فرشتے تو ہمہ وقت بندے کے ساتھ ہیں۔ ۱ کراماً ۔ ۲ کاتبین پہلا افسر ملائکہ ہے دوسرا اُس کا ماتحت ہے پہلا نیکیاں لکھنے والا سیدھی (دائیں) طرف اور دوسرا الٹی (بائیں) طرف نیکی تو ایک دم دس گنا لکھ دی جاتی ہے بلکہ ایک نیکی تو کرنے سے بھی پہلے فقط ارادے سے ہی لکھ دی جاتی ہے باقی انعام کرنے کے بعد۔ لیکن گناہ ایک کا ایک ہی اور کرنے کے بھی کافی بعد کہ شاید توبہ کرلے۔ گناہ لکھنے والا فرشتہ اپنے سردار سے تین دفعہ لکھنے کی اجازت مانگتا ہے تب لکھتا ہے۔ اگر اس دوران بندہ توبہ کرلے تو پھر نہیں لکھا جاتا۔ باقی حفاظت کے فرشتے صبح شام بدلتے رہتے ہیں۔ یہی معنیٰ ہے مُعَقِّبَاتٌ کا۔ یہ نعمتیں حفاظتیں رب تعالیٰ کی طرف سے بندے پر عظیم انعام اکرام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی کسی نعمت کسی عزت اور کسی شان کو بندے سے چھینتا ہے نہ بدلتا ہے۔ ہاں اگر وہ اپنی بدنصیبی۔ بداعمالی۔ ناشکری۔ بیوقوفی سے خود ہی نعمت کی قدر نہ کریں اور قابلیت کھو دیں یا پیدا ہی نہ ہونے دیں۔ خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار ہی نہ لائیں تو نعمتیں نہیں ملتیں یا چھن جاتی ہیں۔ یہ تو انتہائی کرم فضل اور رحم ہے جو بلا معاوضہ بلا استحقاق اس نے اننے انعامات کے دریا بہا دیئے ہیں بالکل مفت میں ورنہ ربّ جلیل کی شان بے نیازی یہ ہے کہ کسی بدقسمت قوم کی برائی کا ارادہ فرمایا تو پھر کوئی مقابلے پر آکر نہ وہ برائی ٹال سکے نہ اُس کے ارادے کو بدلنے کی ہمت پاسکے۔ اور اُسی اللہ جبار و قہار کے مقابل کوئی بھی کسی کی مددگاری کا دم نہیں بھر سکتا۔ اُس کے حضور سب تھرا رہے ہیں۔ یہ تو اُس کے دوستوں کی عزت ہے کہ گڑگڑا کر بہت کچھ منوا لیتے ہیں اور ناکارہ کو بھی مقبول بنا لیتے ہیں۔ هُوَ الَّذِیْ یُرِیْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّ طَمَعًا وَّ یُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ وہی قادر و قیوم اللہ اُس کی سزا بھی ہے اور عطا بھی ایک ہی چیز کو جس کے لیے چاہے عطا بنا دے جس کے لیے چاہے سزا بنا دے۔ اسی بات کو سمجھانے کے لیے وہی دکھاتا ہے اے غافلو۔ ناشکرو۔ اور منکرو تم کو آسمانی بجلی۔ جو ایک شعلے کی لہر ہے۔ جب گرتی ہے تو چیزوں کو برباد زندوں کو ہلاک کرتی ہوئی پھر اوپر چڑھ جاتی ہے لیکن اگر نہ چڑھے تو کسی لوہے جیسی سخت دھات سی بنی رہ جاتی ہے لیکن وہ پگھلتی نہیں نہ اُس سے کوئی چیز بنائی جاسکے۔ اُس کی حقیقت سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ وہ خود خوف ہی خوف ہے۔ مسافر مقیم گھر والے کھیت والے باغ و ثمر والے سب کو اس سے ڈر ہے۔ اور جس بادل میں وہ چمکتی دھمکتی اور کڑکتی ہے اُس کے برسنے سے گرمی والوں کو ٹھنڈک اور کھیت والوں کو باغات اور

پھل پھول کی لالچ و امید ہے آسانی۔ بجلی سے چار نقصان اور چار فائدے ہیں۔

۱ بینائی کا زوال۔ ۲ دماغ پر برا اثر۔ ۳ کانوں کی سماعت اور پردوں پر برا اثر۔ ۴ ہلاکت اور بربادی بڑی مضبوط دیواروں کو آنِ واحد میں پھاڑ کر رکھ دیتی ہے۔ فائدے یہ ہیں۔ ۱ زمین کا ریشہ خشک کرتی ہے ۲ کھیتوں کی بہت بہت بیماریاں اس کی چمک سے ختم ہو جاتی ہیں۔ ۳ انسانی خون صاف ہوتا ہے ۴ اس کو تابکاری شعاعوں سے زہریلے جانوروں کا زہر ختم ہو جاتا ہے یا کم ہو جاتا ہے۔ کیا عجیب کرم نوازیاں ہیں کہ ذرا سے غور و فکر سے ہر چیز میں ہی کروڑں نعمتیں ملتی ہیں۔ اور سب انسانوں کے لیے ان کی وجہ سے دیگر مخلوق کے لیے اور بادل دنیا کے ہر حصے میں۔ پانی سے بھرے ہوئے ایسے کہ ایک چھوٹے سے بادل کے ٹکڑے میں کئی ٹن پانی موجود۔ بادل کی حقیقت بھی رب تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہمارے فلاسفہ نے اور موجودہ سائنسدانوں نے بہت نظریات قائم کئے ہیں مگر کوئی یقینی درست نہیں۔ ایک قول ہے کہ بادل ایک لطیف جسم ہے اس میں پانی آسمان کی طرف سے آتا ہے۔ ایک قول ہے کہ بادل ایک دھواں ہے یا بھاپ ہے جو زمین کی طرف سے سورج کی گرمی اور سمندر کے پانی سے بنتا ہے۔ اوپر جا کر ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ علماء محققین کا قول ہے کہ بادل ایک علیحدہ مخلوق ہے اس میں پانی قدرتِ الٰہی کا ایک عجیب کرشمہ ہے۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بادل بھی عجائبات اور آیات الٰہیہ میں سے ہے اس کی حقیقت کو بھی کسی کی عقل نہیں سمجھ سکتی۔ تمام نظریات فیل ہیں اگر یہ زمین کے بخارات اور سورج کی تپش سے ہوتا تو زمین و سورج تو ایک ہی ہے پھر بادل کیوں مختلف کبھی تیز کبھی ہلکی کبھی سالوں بند کبھی روزانہ۔ کہیں بارہ مہینہ لگاتار کبھی موٹے قطرے کبھی باریک۔ کہیں گرج چمک کہیں خاموشی سے برس جانا پھر یہ گرج کڑک اتنے نرم بادل میں کہاں سے آگئی سائنس دان کہتا ہے بادل آپس میں ٹکراتے ہیں تو کڑک چمک پیدا ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں کہ ٹکرانے والی چیز ہی کوئی نہیں ٹکرانا کس سے میں آٹھ ماہ گلاسگو میں رہا بارش تقریباً روزانہ مگر ایک دفعہ بھی گرج چمک نہ ہوئی۔ میں نے کوہ مری کی اونچی چوٹیوں پر سیاہ بادلوں میں گھس کر دیکھا لیکن نہ کپڑے بھیگے نہ تھا۔ وہی بادل کچھ دور جا کر موسلا دھار برس گیا۔ وہ ڈھیروں پانی کہاں چھپا تھا بس شانِ قدرت ہی ہے جو عقل انسانی سے وراء ہے۔

دوسرا فائدہ۔ عذاب میں کفر بڑا ہے لیکن نقصان میں گناہ بڑا جرم ہے۔ دیکھو کافر کو رب کی نعمتیں دنیا میں ملتی ہیں۔ مگر فرمایا گیا کہ جب انسان گناہوں وغیرہ سے اپنی عادت و حالت بدل دے تو نعمتیں چھن جاتی ہیں۔

تیسرا فائدہ۔ کافروں کا کوئی والی مددگار نہیں ہے لیکن اللہ کے بندوں کا والی دنیا و آخرت میں ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند مسائل فقہ مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ ذکر بالجہر کرنا جائز ہے مگر اس نیت سے نہیں کہ ہم رب کو سنا رہے ہیں بلکہ غافلوں اور غافل دل کو جگانے کے لیے یہ مسئلہ سَوَآءٌ مِّنْکُمْ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ ہر مسلمان پر سنت لازم ہے کہ آتے جاتے ملاقاتیوں کو جمع کے صیغے سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہے تاکہ بندے کے ساتھ ساتھ ملائکہ کو بھی سلام ہو جائے۔ واحد کی ضمیر سے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ کہنا نا جائز ہے سنت کے خلاف ہے۔ یہ مسئلہ یَحْفَظُوْنَهٗ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ محافظین فرشتے ہر وقت بندوں کے ساتھ ہی ہوتے ہیں یہاں تک کہ سوتے جاگتے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے فرمایا گیا مَنْ اَسَرَّ اور وَمَنْ جَهَرَ یہاں دونوں جملے برابر ہیں لیکن آگے فرمایا گیا مَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ اور وَسَارِبٌ (الخ) یہاں دو دفعہ مَنْ کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب ۔ مفسرین نے اس کے دو جواب فرمائے ہیں ایک یہ کہ سَارِبٌ کا عطف مَنْ پر ہے نہ کہ مُسْتَخْفٍ پر۔ اس لیے یہاں دوسرے مَنْ کی ضرورت نہ تھی دوم یہ کہ مَنْ هُوَ (الخ) میں مَنْ اسم موصول تثنیہ کے لیے ہے اور معنیٰ ہے وہ دونوں۔ لہٰذا دوسرے مَنْ کی ضرورت نہ تھی۔ فقیر اقتدار بدایوانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے تیسرا جواب اس طرح عرض کرتا ہے کہ مَنْ اَسَرَّ اور مَنْ جَهَرَ میں تفریق قول تو ہے مگر تفریق وقت نہیں ہے اس لیے چونکہ ایک وقت نہیں ہے اور چونکہ کبھی ایک وقت میں بھی دو شخصوں سے یہ دونوں کام سرزد ہو سکتے ہیں اس لیے دو دفعہ مَنْ آیا۔ لیکن مَنْ هُوَ۔ یہ زمانی طور پر جدا ہیں اس لیے یہ ایک شخص کا بھی فعل ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ایک دفعہ مَنْ لایا گیا کیونکہ دن رات کا اجتماع محال ہے۔ **دوسرا اعتراض** ۔ فرشتے تو مذکر ہیں اُن کے لیے معقبات مونث جمع کیوں آیا۔

جواب ۔ اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں دے دیا گیا ہے کہ یہ ۃ تانیث کی نہیں جیسا کہ خود لفظ ملائکۃ میں بلکہ یہ ۃ مبالغہ کی ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ فرشتے نہ مونث حقیقی ہیں نہ مذکر حقیقی بلکہ یہ صرف نوری مخلوق ہے ہاں لفظاً مذکر بولا، لکھا، اور پڑھا جاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا لَا یُغَیِّرُ۔ اسی طرح سورۃ انفال آیت ۵۳ میں بھی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شر اور گناہ اور تغییر حال کا خالق خود بندہ ہے۔ کسی کی بری حالت اللہ کی طرف سے نہیں۔ (معتزلی) نیز ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی رزق دیتا ہے اور بند کرتا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے اللہ ہی بندوں کے حال کو مدارا سے تبدیل کرتا ہے۔

جواب ۔ معترض نے اس آیت کے لفظ حتیٰ پر غور نہیں کیا حرف حتیٰ نے سب جواب دے دیا کہ خالق تغیر نزل اور

گناہ و شر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر بندے کا کسب اور اپنے کو بدلنا حالات کے بدلائے جانے کا سبب بن جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۢ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌۢ بِالنَّهَارِ لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ اے خزینۂ معرفت کے امانت دارو تم میں سے جو بھی راہ طریقت پر چل کر نہایت خاموشی سے ذکر الٰہی کرے اور جو طریقۂ فاروقی اختیار کرتے ہوئے ذکر جہری سے اپنے رب تعالیٰ کو یاد کرے اور جو سیرت عثمانی سے شرم و حجاب کی راتوں کو دنیا و ما فیہا سے روپوش ہو جائے وہ اور جو صراط علی مرتضوی منزل کو جانے کے لیے چمکتے دن میں نکل پڑے۔ بارگاہِ قدس میں سب برابر ہیں۔ رب کو سب پیارے ہیں صرف نام اور راستوں طریقوں کا ہی فرق ہے تعمیر و تاثیر سب کا ایک ہے۔ ہاں البتہ ان چار سلسلوں سے ہٹ کر جس نے کوئی نیا راستہ خدا تک پہنچنے کا نکالا وہ گمراہ ہے بھٹکا ہوا ہے کوئی اس کو بچانے والا نہیں۔ جو ان چار وسیلوں کے ذریعے ہم تک پہنچنے کی وادیاں جنگل طے کرے گا ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے اللہ کے کرم و رحم دستگیری کے محافظ اللہ کے حکم سے اجازت سے اس کی حفاظت فرماتے ہیں۔ قلبی محبت مزاج معرفت اور پر خلوص طبیعت والے طالب صادق کا راستہ نہیں موڑا جاتا۔ اس کی کیفیاتِ طلب نہیں بدلی جاتیں۔ ہاں جھوٹے دعویدار جب اپنی سستی نا اہلی۔ سے خود ہی اپنی حالت ناسوتی میں تغیر تبدل کر لیتے ہیں اور نفس پرستی میں لگ جاتے ہیں تو ان کی روحانیت و لذت چھین لی جاتی ہے۔ لباس اگرچہ وہی ہے مگر باطن بدل جاتا ہے۔ بجائے ایمانیت کے شیطانیت سما جاتی ہے وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْٓءًا فَلَا مَرَدَّ لَهٗ وَمَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّالٍ هُوَ الَّذِيْ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّيُنْشِئُ السَّحَابَ الثِّقَالَ۔ تصوف کی نگاہ میں یہ دنیا عدم اور معرفت وجود ہے اے السالکو اپنے عدم کو وجود سے تبدیل کرو ورنہ عدم میں مشکلات ہی مشکلات ہیں اور جب اللہ تعالیٰ عدم کو دائمی فنا کے عذاب اور برائی میں ڈالنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو اس ازلی فیصلۂ ربانی کو ٹال نہیں سکتا جو قدم بھی رب تعالیٰ کے انوار روحانیت کے راہ سے ہٹ جائے وہ عدم سے وجود میں۔ اور فنا سے بقا میں نہیں آسکتی۔ اس کی برائی۔ اچھائی سے بدل نہیں سکتی۔ ایسے بدنصیب لوگوں کا دنیا جہان میں کوئی والی مددگار نہیں۔ اس لیے کہ یہ شقاوتِ قلبی اور پیروی نفسی کی وجہ سے من دونہ بن چکے ہیں۔ فقیر آستانہ و سرمدی اور مسافر بننے والو صحرا نور کی روشنی سدا ایک جیسی نہیں ہو گی بلکہ کبھی خوف کبھی لالچ۔ کبھی امید کبھی ڈر ہوگا۔ جوان تمام مصائب و آلام۔ گرج کڑک۔ ظلمات و نور سے گزرتا چلا جائے گا اس کے لیے محبت و رضا کے پانیوں سے بھرے ہوئے شریعت و طریقت کے بادل چلائیں گے۔ بن سب اکرام و انعام کو وہی حاصل کرے گا۔ جس نے ذکر کی کھیتی اور فکر کے چمن لگائے ہوں گے جہاں کی تمام کائنات میں

تغیرات کی کثرت ہے کسی کو رب تعالیٰ خود اپنی مرضی سے تبدیل فرماتا ہے کسی کو انسانی عمل سے انسانی عمل دو قسم کا ہے اچھا اور برا تو رب تعالیٰ کی تبدیلی بھی دو قسم کی ہے۔ اور تبدیلی سے صرف شئی ہی نہیں بدلتی بلکہ چیز ذات کام نام جگہ مقام درجہ مرتبہ سب کچھ بدل جاتا ہے۔ نافرمانی سے عزازیل نام بدل کر ابلیس ہوا گناہ سے ہاروت و ماروت کا نام ہوا جب کہ پہلا نام عزا اور عزایا تھا۔ حام بن نوح نے حرم کعبہ میں ممانعت کے باوجود بیوی سے وطی کی تو سیاہ رنگ ہو گیا اسی کی اولاد حبشی ہیں۔ بنی اسرائیل نے مچھلی کا شکار کیا تو بندر بن گئے اور قوم عیسیٰ نے اونٹ کی چربی کھالی تو خنزیر بن گئے۔ آل فرعون نے کنجوسی کی تو ان کا مال بانمانت جل کر راکھ میں تبدیل ہو گئے قبطیوں نے حضرت موسیٰ کی بد دعا لی تو ملل پتھر بن گیا کھانا پانی خون بن گیا۔ امیہ بن صلت قریش کا بہت بڑا عالم تھا اس نے دعا کی کہ میں آخری نبی بن جاؤں مگر جب نبی کریم مبعوث ہوئے تو منکر ہو گیا اس کا سارا علم ختم ہو گیا۔ برصیصا نے دو سو بیس سال بے ریا عبادت کی لیکن آمد مصطفےٰ کا جشن شکرانہ نہ منایا تو ظاہری مرتد ہو کر مرا۔ اسی طرح ہم نے آنکھوں دیکھا کہ بہت سے گستاخ مرتے ہیں تو شکلیں بدل جاتی ہیں جس طرح شکل بدلتی ہے نام بھی بدل جاتا ہے۔ برے کے نام بھی برے پڑ جاتے ہیں اسی طرح نیک لوگوں کو قدرتی سب انسان اچھے ناموں سے یاد کرنے لگتے ہیں۔

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ

اور تسبیح پڑھتی ہے رعد کی حمد اس کی اور فرشتے بھی سے

اور گرج اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی بولتی ہے اور فرشتے اس کے

خِيْفَتِهٖ ج وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا

ڈر اس کے اور بھیجتا ہے کڑک تو ڈالتا ہے کو اس

ڈر سے اور کڑک بھیجتا ہے تو اسے ڈالتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ ج وَهُوَ

جس پر چاہے اور وہ کافر جھگڑتے ہیں بارے میں اللہ کے حالانکہ وہ

جس پر چاہے اور وہ اللہ میں جھگڑتے ہوتے ہیں اور اس کی

شَدِيْدُ الْمِحَالِ ﴿۱۳﴾ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ط وَ

سخت پکڑنے والا ہے ۔ اسی کی دعوت بھی ہے اور

پکڑ سخت اسی کا پکارنا سچا ہے اور

الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ

وہ لوگ جو عبادت کرتے ہیں سے مقابل اُس کے کو نہیں جواب پاتے

اُس کے سوا جن کو پکارتے ہیں وہ اُن کی کچھ بھی نہیں

لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ

ان سے کچھ بھی مگر مثل پھیلانے والے کے ہاتھوں کو اپنے طرف پانی کے

سنتے مگر اُس کی طرح جو پانی کے سامنے اپنی ہتھیلیاں پھیلائے بیٹھا ہے

لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ط وَمَا دُعَآءُ

تاکہ پہنچائے وہ منہ میں اُس کے۔ حالانکہ نہیں ہے وہ پہنچنے والا اُس تک اور نہیں ہے

کہ اُس کے منہ میں پہنچ جائے اور وہ ہرگز نہ پہنچے گا اور کافروں کی

الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ ﴿۱۴﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ

کافروں کی پکار مگر بیچ گمراہی اور واسطے اللہ کے سجدہ کرتا ہے ہر وہ

ہر دعا بھٹکتی پھرتی ہے اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جتنے

فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّ

جو آسمانوں میں ہے اور زمین میں خوشی اور مجبوری سے اور

آسمان و زمین میں ہیں خوشی سے خواہ مجبوری سے اور

ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۱۵﴾ السجدۃ

سایوں کا اُن کے صبح اور شام بدلنا سجدہ ہے۔

اُن کی پرچھائیں ہر صبح۔

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ یہ کافر باوجود اتنے عیش و آرام کے پھر بھی اللہ کا شکر و تسبیح نہیں کرتے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح تمام ملائکہ کرتے ہیں جن کی تعداد انسانوں سے کہیں زیادہ ہے۔

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بادل بجلیوں کو دکھاتا ہے جس میں خوف بھی ہے اور باغ و بہار کی امید بھی۔ ان آیات میں اُس خوف کے ظہور کا ذکر ہوا کہ ہم چاہیں تو بجلیاں گرا کر تباہ و برباد کر دیں۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ خود بلا وجہ کسی کی نعمت نہیں چھینتا جب تک کہ وہ خود گناہ وغیرہ سرکشیاں کر کے اپنی نعمت کو نہ بدلے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ جب بندے کے گناہوں کی وجہ سے تغیر آ جائے تو پھر نہ اُن کے بت کام آ سکیں نہ اُن کی دعائیں۔

شانِ نزول

آیت آٹھویں سے تیرھویں تک چھ آیتوں کے شانِ نزول میں دو روایتیں ہیں۔ ایک یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ مکہ مکرمہ کے بہت بڑے سردار کے پاس تبلیغ کے لیے دو صحابہ کو بھیجا اُس نے بہت مذاق اڑایا اور کہا کہ تمہارے نبی کا خدا سونے کا ہے یا پیتل تانبے لوہے کا صحابہ گستاخی سن کر واپس آ گئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار اُس کے پاس دعوتِ ایمان کے لیے بھیجا مگر اُس کی خباثت اور مذاق بڑھتا رہا تب اُس پر بجلی گری اور مر گیا تب یہ چھ آیتیں نازل ہوئیں دوسری روایت ہے کہ ایک کافر عامر بن طفیل نے اربد بن ربیعہ کافر سے مشورہ کیا کہ نبی کریم کو شہید کرنا ہے میں آپ کو باتوں میں لگاؤں اور تو پیچھے سے تلوار مار دینا یہ مشورہ کیا جب اس پر عمل کرنے آئے تو عامر پر بجلی گری اور مر گیا دوسرا بھاگا ایک اور کافرہ سلولیہ کے گھر میں گھسا مگر فوراً اس کو طاعون کی شکل آگئی وہاں سے گھوڑے پر سوار ہو کر ڈر کر بھاگا اور گر کر مر گیا تب یہ چھ آیتیں نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی

وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ

وَ ابتداء کلام کے لیے یُسَبِّحُ فعل مضارع ہے صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسم ظاہر ہے باب تفعیل سے ہے سَبْحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی تیر دوڑنا۔ کسی کی طرف لپکنا شنا کرنا۔ پاکیزگی بیان کرنا۔ اللہ تعالیٰ کو تمام صفاتِ مخلوقیہ سے پاک

سبحنا۔ یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔ اسی سے ہے سُبحان مصدر۔ بروزنِ فعلان قُربان۔ الرَّعْدُ مصدر مادہ ثلاثی ہے بطورِ اسم جامد مستعمل ہے یا عَلَمِ ذاتی ہے کسی فرشتے کا۔ تب یہ خود فاعل ہے یا بمعنیٰ کڑک اور گڑگڑاہٹ۔ تب یہاں ذُو اسم ستہ مکبرہ پوشیدہ ہے اور دراصل تھا ذوالرَّعد۔ پہلی صورت میں اس کا اعراب رفع اصلیہ ہے اور دوسری صورت میں رفع نیابت ہے بہردو حال فاعل ہے یُسبّح کا۔ و عاطفہ کا تعلق رَعْدُ سے ہے بِحَمدِہٖ بِ جارہ ملابست کے لیے ہے۔ یعنی تسبیح کیا ہے؟ حمدِ باری تعالیٰ۔ یا بِ معیت کی ہے یعنی تسبیح حمد کے ساتھ۔ یا بِ جارہ سببیہ ہے یعنی تسبیح حمد کی وجہ سے۔ حَمْدُ مصدر ہے یہاں اسم جامد ہے اسم جنس ہے اس لیے ہر قسم پر شامل ہے بمعنیٰ کسی کی خوبیاں بیان کرنا۔ تسبیح۔ حمد۔ مدح۔ شکر۔ ثنا۔ کا لغوی اور شرعی۔ بنیادی فرق یہ ہے کہ تسبیح تمام عیوب اور نقائص سے کسی کی پاکیزگی بیان کرنا۔ حمد شکریئے میں اچھائی بیان کرنا۔ مدح تعارفی اچھائی بیان کرنا جس سے ممدوح کو پہچان لیا جائے۔ ثنا کسی کی شان اور مرتبہ بیان کرنا۔ شرعاً تسبیح اور حمد صرف اللہ تعالیٰ کا ذکرِ خیر کرنا۔ مدح و ثنا عام ہے ہر ایک کی تعریف کے لیے۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ جمع مکسّر ہے مَلَکٌ کی مکسّر کی ۃ تانیث نہیں ہے۔ عربی میں ۃ کی چھ قسمیں ہیں۔

۱۔ ۃ تانیث مؤنث ظاہر۔ ۲۔ ۃ تانیث مقدرہ۔ ۳۔ ۃ جارہ قسمیہ۔ ۴۔ ۃ مصدریہ۔ ۵۔ ۃ وحدت

۶۔ ۃ مبالغے کی۔ وہی یہاں مراد ہے۔ بحالتِ رفع بوجہ تابع عطفی کے مِن جارہ بیانیہ ہے۔ خِیْفَۃٌ مصدر مضاف بحالتِ جر ہے آخر میں ۃ مصدریہ ہے۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر مفعول مضاف الیہ کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ خَوْفٌ سے بنا ہے مگر خوفٌ اور خیفۃٌ میں بہت طرح فرق ہے اس کی تعریف یہ ہے ۱۔ کہ خوف عارضی ڈر خیفہ دائمی ڈر۔ ۲۔ خوف جان کا ڈر۔ اور خیفہ ہیبت کا ڈر۔ خوف ظالم سے اور خیفہ عادل سے ڈرنا۔ خوف دوسرے کے لیے ڈرنا۔ خیفہ اپنے لیے ڈرنا۔ وَ سرِ جملہ (ابتدائیہ) یُرْسِلُ فعل مضارع واحد مذکر غائب رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا۔ باب افعال سے ہے۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ متعدی بیک مفعول ہے۔ اَلصَّوَاعِقَ جمع مؤنث مکسر قیاسی ہے اس کی واحد ہے صاعقۃٌ۔ تمام عربی (گرامر نحو) میں جمع تکسیر دس عدد قانونی یعنی قاعدے مقررہ سے بنائے جاتے ہیں باقی سنے سنائے غیر قیاسی بیشمار ہیں۔ اُن دس میں ایک یہ ہے۔ الف سے پہلے فا کلمہ کے بعد واؤ زیادہ کر دیا بروزنِ خواتم۔ فوائد۔ اگر واو پہلے ہی واحد میں موجود ہو تو الف زیادہ کیا جاتا ہے جیسے جوہر کی جمع جواہر۔ مذکر کی جمع بھی اسی وزن پر آتی ہے۔ صَعْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شعلہ آسمانی مراد ہے بادل کی بجلیاں۔ زمینی آگ کے شعلے کو شُعلہ کہا جاتا ہے۔ فَ تعقیبیہ بلا تراخی یُصِیْبُ مضارع واحد مذکر باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول ہے صَوْبٌ بروزنِ قَوْلٌ یا صیبٌ بروزنِ بیعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ڈالنا پہنچانا۔ بِ جارہ برائے مفعولیت ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع صواعق جمع غیر عقلی چیز ہے۔ مَنْ موصولہ بحالت نصب مفعول بہٖ

ہے یُصِیْبُ کا وحدت تنکیری کے لیے ہے یَشَاءُ فعل مضارع معروف صلہ ہے مَنْ کا۔ باب سَمِعَ سے ہے
دراصل یَشَایئُ تھا۔ ی متحرک ماقبل مفتوح لہٰذا الف سے بدلا گیا وَ عاطفہ یا حالیہ ہے هُمْ ضمیر جمع مرفوع منفصل مبتدا ہے
یُجَادِلُوْنَ مضارع معروف باب مُفَاعَلَۃٌ جَدْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دھاندلی کرنا۔ کشتی کرنا۔ جھگڑنا۔ یہاں
آخری معنی مناسب ہیں۔ پہلے معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں۔ اسی سے جُدَالَۃٌ سخت زمین۔ یا سخت جسم یا عادت۔ فِی جارہ
ظرفیہ اللہ اسم ذات ہے۔ یہاں لفظِ امر یا لفظِ شان یا صفت پوشیدہ ہے۔ یعنی فی اَمرِ اللہِ وحالیہ هُوَ ضمیر واحد
مذکر مرفوع منفصل مبتدا ہے شَدِیْدُ بروزن فعیل صفت مشبہ ہے مبالغے کے لیے باب کَرُمَ سے ہے بعض نے
کہا نَصَرَ سے اور ایک قول میں ضَرَبَ سے ہے شِدَّۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سخت۔ مضبوط۔ بخت۔ اٹل فیصلہ۔ یہاں
پہلے معنیٰ مراد ہیں اس کی جمع شِدَادٌ یا اَشِدَّاءُ ہے جب یہ بمعنیٰ مشدود ہو تو مراد ہے بخیل۔ اَلْمِحَالِ۔ الف لام عہدی۔
مَحْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ پکڑنا۔ ہلاک کرنا۔ جگہ سے ہلنے نہ دینا۔ یہاں تینوں معنیٰ مناسب ہیں۔ محال بروزن
فِعال مصدر ثلاثی ہے یا اپنے معنیٰ میں ہے یہ ترجمہ اعلیٰحضرت کا ہے یا بمعنیٰ ماحل اسم فاعل ہے۔ یہ ہمارا ترجمہ
ہے۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے شدید کا۔ ایک قرأت میں مَحَال میم کے زبر سے بمعنیٰ غلبہ قوت۔ لَہٗ۔ لام جارہ
ہٗ ضمیر مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کے متعلق سے مل کر خبر مقدم ہے اور اس تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا۔ دَعْوَۃُ
مصدر ہے آخر میں ۃ مصدریہ ہے دَعْوٌ سے بنا ہے پکارنا۔ بلانا۔ بحالت رفع اپنے مضاف الیہ حق سے مل کر مبتدا
ہے۔ یہ اضافت ملابست ہے یعنی موصوف کی اضافت صفت کی طرف۔ اگر لَہٗ کا لام مفعولیت کا ہے تو دعوت
بمعنیٰ دعا اور عبادت ہے اگر بمعنیٰ ملکیت یعنی لیے ہے تو دعوت بمعنیٰ دین اسلام کی طرف بلانا ہے۔ پہلی صورت
میں فاعل بندہ دوسری صورت میں فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ
لَهُمْ بِشَیْءٍ اِلَّا کَبَاسِطِ کَفَّیْهِ اِلَی الْمَآءِ لِیَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ
و سر جملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ پوری عبارت صلہ موصول مل کر مبتدا ہے لہٰذا موصول بحالتِ رفع ہے۔ یَدْعُوْنَ
فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب پورا جملہ صلہ ہے ایک شاذ قرأت میں تَدْعُوْنَ ہے دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکارنا
عبادت کرنا۔ دعا مانگنا۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں مگر عبادت کرنا مناسب مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے یا
بمعنیٰ بِ جارہ دُوْن۔ ظرفیت[1] بھی ہے۔ استثناء[2] بھی۔ اسم معرب[3] بھی۔ مبنی بھی[4]۔ علی الترتیب اس کے معنیٰ ہیں۔
[1] قریب فوق کے مقابل برعکس۔ [2] غیر۔ [3] مقابل۔ [4] گھٹیا حقیر اگر یدعون کے معنیٰ ہوں پکارنا تو یہاں
تیسرے معنیٰ مراد ہیں ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ فعل مضارع منفی۔ معروف جمع مذکر باب استفعال
جَوْبٌ یا جَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جواب دینا۔ بات ماننا۔ دعا قبول کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ اس
کا فاعل هُمْ ضمیر مستتر کا مرجع یدعون کا مفعول بہ ہے یا دون ہے جب کہ الذین سے مراد کفار مشرکین ہوں۔ لام

جارہ بمعنیٰ مفعولیت ھُم ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ بِ جارہ زائدہ شَیْءٍ مجرور تنوین تنکیری یعنی کچھ بھی اِلَّا حرفِ استثنا تمثیلی ہے۔ نحات کے نزدیک اس کی چند ترکیبیں ہیں آسان ترکیب یہ ہے کہ اِلَّا سے پہلے مَاکَانُوْا پوشیدہ مستثنا منہ ہے اسی پوشیدہ نفی کو اِلَّا نے توڑا۔ اِلَّا کے بعد کَانُوْا تامہ فعل مثبت پوشیدہ ہے۔ ان دونوں کا فاعل ھُمْ۔ ضمیر مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ (مشرکین) ہے۔ کاف حرفِ جر تمثیلی متعلق ہے کَانُوْا پوشیدہ کے بَاسِطِ اسم فاعل مضاف بَسْطٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کھولنا۔ پھیلانا۔ زیادہ کرنا۔ گنجائش کرنا۔ یہاں مراد پھیلانا ہے باب نَصَرَ سے ہے۔ کَفَّیْهِ مفعول مضاف الیہ ہے بَاسِطٌ کا تثنیہ ہے کَفٌّ کا بمعنیٰ ہتھیلی نونِ تثنیہ بوجہ اضافت گر گیا ہٖ ضمیر واحد غائب مجرور متصل کا مرجع بَاسِطٌ ہے اِلٰی جارہ برائے انتہاء غایت اَلْمَاءِ۔ الف لام جنسی ماء اسم جامد ہے بحالتِ جر متعلق بَاسِطٌ کے یہ سب عبارت سبب ہے اگلی عبارت مسبب ہے دونوں مل کر پھر مجرور ہوں گے کا بَاسِطٌ کے کاف کے۔ لِیَبْلُغَ لام کَے تعلیلیہ بمعنیٰ حرفِ ناصبہ ہے یَبْلُغَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت ہے بُلُوْغٌ سے بنا ہے لازم ہے بمعنیٰ پہنچنا۔ کافی ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ ابواب مزید فیہ متعدی ہوتا ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع مَاءٌ ہے فَا۔ اسم مکبرہ بحالتِ زبر الف آیا مفعول فیہ ہے دراصل تھا فَمًا۔ فَمٌ بمعنیٰ مُنہ الف فتحی ہے خیال رہے کہ فعل لازم کا صرف مفعول بہ نہیں ہوتا باقی چار مفعول ہو سکتے ہیں۔ ہٗ ضمیر مجرور مضاف الیہ۔ وَ حالیہ ماقبل جملہ ذوالحال اور مابعد جملہ حال ہے مَا نافیہ مشبہ بلیس ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل کا مرجع ماء ہے مَا کا اسم ہے۔ بِ جارہ متعلق ہے لَاْنِقًا پوشیدہ کا بَالِغٌ باب نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر ہے بُلُوْغٌ مصدر لازم سے بنا ہے بمعنیٰ پہنچنا ہٖ ضمیر کا مرجع بَاسِطٌ ہے یہ جملہ خبر ہے مَا نافیہ کی۔ وَ سرِ جملہ مَا نافیہ لغو دُعَاءُ مبتدا بحالتِ رفع یا فاعل ہے پوشیدہ کَانَ بمعنیٰ صَارَ کا دراصل تھا مَاکَانَ دعاء مصدر ہے بروزنِ فُعَالٌ دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکارنا۔ فریاد کرنا۔ عبادت کرنا۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں اَلْکَافِرِیْنَ۔ الف لام استغراقی ہے۔ کافرین جمع مذکر سالم اس کا واحد کَافِرٌ ہے بحالتِ جر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مستثنیٰ منہ ہے اِلَّا حرف استثنا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ متعلق ہے ثَابِتًا پوشیدہ کا ضَلَالٍ مصدر ثلاثی ہے بروزنِ فَعَالٌ۔ ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا۔ بیکار ہونا۔ انتہائی عاشق ہونا۔ یہاں مراد بیکار ہونا ہے۔ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْهًا وَّ ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَ سرِ جملہ لام جارہ متعلق مقدم ہے اللہ اسم ذاتِ پاک جل مجدہ ہے۔ یَسْجُدُ فعل مضارع معروف مثبت بمعنیٰ حال سُجُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زمین پر گرنا۔ زمین سے لپٹنا۔ بہت جھکنا۔ اِدھر سے اُدھر ہونا۔ شرعی معنیٰ سجدۂ عبادت کرنا۔ کسی کو معبود سمجھ کر جھکنا۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں۔ مَنْ موصولہ بحالتِ رفع بجے فاعل ہے فِیْ جارہ ظرفیہ متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا اَلسَّمٰوٰتِ الف لام استغراقی ہے۔ جمع مؤنث سالم ہے سَمَاءٌ کی۔ وَ عاطفہ اَلْاَرْضِ الف لام استغراقی یا جنسی واحد ہے اس کی جمع سالم اَرَضُوْنَ ہے مؤنث لفظی ہے طَوْعًا وَّ کَرْهًا دونوں اسم جامد ہیں بحالتِ فتح ہے یہ پورا جملہ عاطفہ حال ہے مَنْ موصولہ کا۔ طَوْعًا بمعنیٰ رضا۔ خوشی کَرْهًا بمعنیٰ مجبوری وَ عاطفہ عطف ہے مَنْ موصولہ پر

ظِلَال جمع مکسر ہے ظل کی بروزنِ رجال بمعنی سایہ۔ یہ چھائیں ھُم کا مرجع مَنْ ہے مراد ہے کثرت معنوی مطلقہ ب جارہ متعلق ہے یَسْجُدُ کے۔ اَلْغُدُوِّ۔ الف لام جنسی یا استغراقی اسم جامد ہے مراد ہے طلوع آفتاب سے ضحوۂ کبریٰ تک کا وقت۔ اَلْاٰصَال الف لام جنسی یا استغراقی۔ جمع قلت ہے اَصِیْل کی جیسے یمین کی جمع اَیْمَان ایک قول میں یہ جمع الجمع ہے اس طرح کہ اصیل کی جمع اُصُل اور اُصُل کی جمع آصال بروزنِ افعال یہ دونوں معطوف علیہ معطوف ظرف ہیں یَسْجُدُ کا۔ دوپہر نصف النہار سے غروب تک کو آصال کہتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ۔

اے انسانوں ہم نے یہ اشیاء عالم صرف پیدا ہی نہیں فرمادیں بلکہ ان کو شعور و تہذیب اور تعلیم بھی عطا فرمائی جس سے انہوں نے اپنے خالق تعالیٰ کو پہچانا۔ بادلوں کا فرشتہ رعد جو بادلوں کو اپنی سخت آواز سے جو اسی کی طرح ہیبت ناک رعد سے چلاتا ہے۔ جیسے حُدی پڑھ کر اونٹ کو چلایا جاتا ہے۔ یہ فرشتہ نور جلالی سے پیدا کیا گیا ہے (روح البیان) اُس کی ہیبت سے بادل چلتے ہیں اور بادل کی ہوائیں اُس کا حکم مان کر رخ موڑتی پھرتی ہیں۔ وہ بھی رب تعالیٰ کی حمد و ثنا کی تسبیح پڑھتا ہے اور اس سے بھی زیادہ بڑے فرشتے اپنے رب کے خوف سے کانپتے تھراتے ہوئے ہر وقت اُس کی حمد کے نغمے اور ثنا کی تسبیحیں الاپ رہے ہیں۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رعد بادلوں کو چلانیوالا فرشتہ ہے اُس کے چار چہرے ہیں۔ ۱ انسانی۔ ۲ بیل جیسا۔ ۳ شیر جیسا۔ ۴ گدھ جیسا۔ روایت میں ہے کہ کڑک بادل کی آئیں ہیں اور چمک بادل کا ہنسنا ہے روایات میں ہے کہ قیامت کے قریب بجلیاں بہت گرا کریں گی ایک حدیث قدسی میں ہے کہ اگر میرے بندے نافرمانی نہ کرتے تو۔ رات میں بارشیں ہوا کرتیں دن میں سورج چمکا کرتا۔ نہ کڑک ہوتی نہ چمک نہ بجلی گرتی۔ صاعقہ زمین پر عذاب ہے اور کڑک وعید ہے۔ جب رعد تسبیح پڑھتا ہے تو اُس کو سُن کر تمام فرشتے پڑھتے ہیں ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔ مگر یہ تسبیح رعد سنائی نہیں دیتی۔ اس کی آواز کو بھی رعد کہتے ہیں یارعود یا رعید بھی قول ہیں یہ بجلی کا شعلہ اُس کے منہ کی غضب ناک جھڑک کی پھونک ہے۔ محققین کے ایک قول کے مطابق اسی پھونک کی لمبی شعاع کو رب تعالیٰ اپنے ارادے اور حکم سے صاعقہ یعنی۔ عذاب کا کوڑا بنا کر زمین پر بھیجتا ہے پس ڈالتا ہے اس کو جس شخص پر چاہے یا جس چیز پر چاہے۔ برق۔ چمکنے والی بجلی صاعقہ گرنے والی بجلی اور رعد کڑکنے والی آواز مفسرین فرماتے ہیں چند شخصوں پر بجلی نہیں گر سکتی۔ ۱ جو شخص بجلی کڑکنے کے وقت یہ ہی دعا پڑھے۔ سُبْحَانَ الَّذِیْ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

۲ اللہ تعالیٰ کا ہر وقت ذاکر بندہ۔ ۳ عادل بادشاہ۔ ۴ ایمان دار تاجر۔ اور سات چیزوں پر بجلی نہیں گر سکتی۔

۱ قرآن مجید پر۔ ۲ حدیث پاک کی کتاب پر۔ ۳ کعبہ شریف پر۔ ۴ گنبدِ خضریٰ پر۔ ۵ گنبدِ صخریٰ بیت المقدس

پر سے کسی بھی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لکھا ہو۔ میرا اپنا مشاہدہ ہے تحصیل چکوال کا ایک گاؤں وہاں میں تقریر کرنے گیا جس گھر میں مجھے ٹھیرایا گیا اُس کے اوپر بالا خانہ اچھا مضبوط لینٹر پڑا ہوا تھا مگر سارا جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا میں نے صاحب مکان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہے اس نے کہا آپ باہر تشریف لائیں میں ایک چیز دکھاتا ہوں میں نے باہر جاکر چھت کی طرف دیکھا تو اوپر خوبصورت طریقے سے سیمنٹ کا لکھا تھا یا محمد۔ اُس کے دو طرفہ سیمنٹ کی پھول پتیاں اور دیواریں چھت پھٹی پڑی تھیں مگر اس لفظِ پاک کو خراش تک نہ آئی تھی اُس کی زبانی ہے کہ یہاں آج سے ایک ماہ پہلے آسمانی بجلی گری تھی اور اسی جالی پر گری تھی ساری عمارت پر اثر ہوا مگر اس نام پاک پر بجلی کی آنچ بھی نہ آئی۔ یہ ہے ہیبتِ نامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ۔ کسی بھی جگہ اللہ کا نام لکھا ہو۔ ان کے علاوہ ہر جگہ گرتی ہے کیونکہ یہ عذاب ہے اُن لوگوں پر آتا ہے جو اللہ کو ماننے کے بجائے اُس کے ماننے میں اس کے ماننے والوں سے جھگڑے کرتے مناظرے بحثیں اور رب تعالیٰ کا نام لے لے کر مذاق کرتے ہیں حالانکہ یہ نافرمان باتونی کافر منکر انسان بجلی کی ایک ہلکی سی جھپٹ کی مار ہے۔ اور مذاق کس احکم الحاکمین کا کرتے ہیں جو شدیدُ المحال سخت پکڑ والا ہے جس کی ہیبت جلال و عظمت سے کائنات کانپے ملائکہ۔ خوف زدہ ہوں اللہ کی دعوت سے مراد نبی پاک کی تبلیغ ہے یا کلمہ طیبہ یا قرآن یا اسلام ہے یا شریعت ہے۔ اور اُن کی دعوت حق اُس کا پکارنا سچا میٹھا پیارا ہے اکر سحر کی بھولی چڑیاں بھی حمد و ثنا کے گیت گائیں۔ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔

اللہ وحدہ لاشریک کے تو اتنے انعام ہیں احسان و اکرام ہیں لیکن یہ کافر اُس کے سوا جن کی عبادت کرتے ہیں یا اُس کے مقابل جن کو پکارتے ہیں مصیبت میں جن کے سامنے سجدے کرتے گڑگڑاتے ہیں وہ بُت۔ جانور۔ لکڑی پتھر تو ان بچاریوں کی ایک بات کا بھی جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی ساری فریادیں اور بتوں سے امیدیں۔ پرستشی پوجاپاٹ سب اسی طرح بیکار۔ فضول ہے جس طرح کوئی شخص دریا۔ کوئیں یا حوض تالاب کے پاس ہاتھ پھیلا کر بیٹھ جائے پانی کی جانب تاکہ وہ پانی خود اُس کے منہ میں پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی کبھی بھی خود بخود اُس کے منہ میں نہیں پہنچ سکتا اور وہ پیاسا اتنی محنت مشقت اور پانی کو پکارنے کے باوجود پیاسا ہی رہتا ہے۔ کتنی نادانی حماقت ہے ان کفار کی کہ جس طرح پانی تو انسان کے برتنے کی چیز ہے اسی کے آگے فریادیں نہ کرو اسی طرح لکڑی پتھر انسانوں کے برتنے کی چیزیں ہیں ان کے ٹکڑوں کو اپنے ہاتھوں سے تراش کر خود اُس کی پوجا اور بندگی شروع نہ کردو۔ اسی لیے تمام کافروں کی دعائیں فریادیں صرف گمراہی میں ہیں۔ یا اس طرح کہ بیکار و ضائع ہیں یا اس طرح کہ کفار کو خود بھی اپنے بتوں پر یقین نہیں ہے کبھی کدھر بھٹکتے ڈھونڈتے ہیں کبھی کدھر۔ اکثر دیکھا گیا ہے کفار مزاراتِ اولیاء اللہ پر اپنی فریادیں لے کر آتے ہیں اور مشکل کشائی پاتے ہیں۔ یہ اُن کی اپنے بتوں پر بے یقینی ہے بحمدہٖ تعالیٰ جاہل سے جاہل مسلمان بھی کبھی۔ مصیبت میں مندر۔

گردوارہ یا کلیسہ میں نہ گیا مزارات اولیاء اللہ تو قلب وجگر کی مسجدیں اور معرفت کی عبادت گاہیں ہیں۔ وَ لِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ۔ آسمانوں اور زمین میں ہر شخص اللہ کے لیے ہی سجدہ کر رہا تھا ہر ذات خوشی سے بھی اور مجبورًا بھی اللہ کے قبضے میں ہے۔ خوشی کا سجدہ شریعت کا ہے اور ناخوشی کا سجدہ طبیعت کا۔ فرشتے جن انسان درخت نباتات جمادات حیوانات خوشی کا سجدہ کرتے ہیں یعنی اُس کی حمد وثنا کرتے ہیں اور سر جھکاتے اور طبیعت مجبوری کا سجدہ وہ ہے کہ بقا فنا۔ چھوٹا بڑا۔ بیمار تندرست بدصورت خوبصورت ہونا اللہ کے قبضہ واختیار میں ہے اسی طرح موت وحیات کوئی جلدی چاہے مگر آ کے رہے گی یا عبادت کا سجدہ طوعًا ہے بے مجبوری کا سجدہ کرھًا۔ جیسے مومن اور منافق کا سجدہ یا زمین پر گر کر سجدہ کرنا طوعًا ہے کسی کی جبرًا فرماں برداری کرنا کرھًا ہے یا زمین والوں کے سجدے طوعًا ہیں کہ ان کو اختیار دیا گیا ہے کریں یا نہ کریں۔ کریں گے ثواب پائیں گے نہ کریں گے عذاب اور آسمان والوں کے سجدے کرھًا ہیں انہوں نے کرنے ہی کرنے ہیں یہ سجدے فرشتوں جنوں اور انسانوں کے ہیں لیکن نباتات جمادات کے سجدے اُن کے سائے ہیں جو گھٹتے ہیں تو ان کا قیام ہوتا ہے بڑھتے ہیں تو ان کا سجدہ ہوتا ہے مفسرین فرماتے ہیں کہ اللہ کے حضور ہر چیز سجدہ کرتی ہے۔ مگر اُس کا طریقہ ان کی تسبیح مختلف یہاں تک کہ دروازوں کی چرچراہٹ۔ پتوں کی کھنکھناہٹ پتھروں کی گوگواہٹ پرندوں کی چہچہاہٹ جھنڈوں کی جھناہٹ سب ہی اذکارِ الٰہی ہیں۔ اور جس طرح مسلمان کی تسبیح و ذکر اذکار سے سب کو فائدہ ہے اسی طرح نباتات وجمادات کی حمد وثنا سے بہت فائدہ ہیں۔ اور جس طرح کسی مسلمان کی تسبیح بند کرنا برا ہے اسی طرح دروازوں کی چرچراہٹ وغیرہ کو بند کرنا نقصان دہ ہے۔ جن گھروں کے دروازے چرچراتے ہیں وہاں چوروں کا خطرہ کم ہوتا ہے نیز صبح وشام کے سائے مسافروں کو مفید ہیں۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ سستی کسل مندی سے یا جان کر بلا وجہ نماز پڑھنی قضا کر کے اسی طرح مارے باندھے کی نماز پڑھنی کرھًا ہے **جو منافقین کی نشانی ہے** اس پر ثواب کی امید نہیں کی جا سکتی لہٰذا ان حرکتوں سے بچنا اور انتہائی عشق ومحبت سے نماز پڑھنا ہی رب تعالیٰ کو پسند ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ بے نمازی اور غافل لوگوں کا سایہ اُن سے افضل ہے کہ سایہ تو رب کی بارگاہ میں نیچے گرا پڑا ہے مگر یہ سجدہ ریز نہیں ہوتے۔

تیسرا فائدہ۔ مسلمان کو ہر دم اللہ تعالیٰ کا خوف چاہیے یہ بہت اعلیٰ نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نیک بندے کو عطا فرمایا ہے یہاں تک کہ انبیاء کرام کو بھی رب کا خوف ہوتا ہے جتنا مرتبہ بندے کا زیادہ ہوتا ہے اتنا ہی اُس کو خوف زیادہ مگر نوعیتِ خوف مختلف ہے انبیاء کرام کو ہیبتِ الٰہی کا خوف ہے ملائکہ کو جلالِ الٰہی کا۔ آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو قربِ کمال کا خوف ہے اولیاء اللہ کو معرفتِ الٰہی کا خوف عام بندوں کو عذاب کا خوف۔ شیطان

اور شیطانوں کو نافرمانی اور سرکشی کی سزا کا خوف۔

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کسی پیر فقیر۔ قبر کو سجدہ کرنا حرام ہے سجدۂ عبادت کیا تو کفر ہوا اور سجدۂ تعظیمی کیا تو گمراہی ہے۔ قیامِ تعظیمی جائز ہے مگر سجدۂ تعظیمی حرام بعض شیطانی پیر اپنے آپ کو سجدہ کراتے ہیں وہ سب گمراہ ہیں خدا ان سے مسلمانوں کو بچائے۔

دوسرا مسئلہ۔ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ حق ہے آپ کا اسوۂ حسنہ ہی حق تعالیٰ کو پسندیدہ ہے۔ نبی کریم کا بلانا ہی محبوبِ بارگاہ ہے اور اسی آواز پر رب کی طرف جانا عبادت کرنا مقبولِ الٰہی ہے۔ موجودہ۔ سکھ۔ عیسائی۔ یہودی۔ مرزائی۔ ہندو۔ مجوسی۔ پارسی بھی اگرچہ رب کی طرف ہی بلاتے ہیں مگر رب کو وہ منظور نہیں۔ اس لیے کہ وہ بلانا یا پکارنا یا رب کی طرف دعوت دینا بغیر رب کی اجازت کے ہے اللہ نے اپنی اجازت سے جس کو بلانے کے لیے بھیجا وہ صرف کائنات میں پیارے نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ہیں۔ ان ہی کے بارے میں ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا۔ دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ **تیسرا مسئلہ**۔ سارے قرآن مجید میں کل چودہ سجدے ہیں جن میں سے یہاں دوسرا ہے ان تمام سجدوں کو کرنا واجب ہے۔ بغیر سجدہ کے تلاوت ناقص رہتی ہے اور ثواب نہیں ملتا نہ ہی ایصالِ ثواب جائز رہتا ہے **چوتھا مسئلہ**۔ امام اعظم اور امام مالک کے نزدیک سجدۂ شکر مکروہ ہے کیونکہ اس میں نیت وسبب نعمت ہے خلوص للہ نہیں رہا احناف کے نزدیک صرف چار قسم کے سجدے جائز ہیں۔ ۱۔ نماز کا۔ ۲۔ سہو کا۔ ۳۔ تلاوت کا۔ ۴۔ سنت اور نذر کا امام شافعی کے نزدیک سجدۂ شکر جائز و مستحب ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ کافروں کی دعائیں برباد ہیں حالانکہ کفار بہت سے دعائیں مانگتے ہیں وہ قبول ہو جاتی ہیں۔ کبھی اس کو رام کہہ کر۔ کبھی اوپر والا کہہ کر کوئی آسمانی باپ کہہ کر کبھی رب دکھا بولکر۔ **جواب**۔ مفسرین نے اس کے بہت سے جواب دیئے ہیں سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ دعا سے مراد عبادت ہے اور ضلال سے مراد بیکار فضول بے فائدہ جس کا کوئی ثواب نہیں اگرچہ وہ رب کی ہی عبادت کریں یعنی بت پرستوں کے علاوہ دوسرے تمام کفار کا بھی یہی حال ہے۔ یہ قول تفسیر کبیر نے لکھا۔ دوم یہ کہ دعا کا معنیٰ دعا مانگنا ہی کیا جائے تو ضلال کا معنیٰ ہے مکمل پوری دعا منظور نہیں ہوتی۔ تھوڑی بہت منظور ہے جیسے شیطان ابلیس کی دعا کہ آدھی رد ہوئی آدھی منظور۔ سوم یہ کہ کفار کی دنیوی دعائیں قبول ہیں اُخروی برباد چہارم یہ کہ بتوں کے سامنے بتوں سے جو دعا مانگتے ہیں وہ بے فائدہ ہیں کیونکہ بت کچھ نہیں سنتے جانتے۔ پنجم یہ کہ میدانِ محشر میں یہ کفار ہزارہا التجائیں، فریادیں

دعائیں پکاریں گے وہ سب بیکار ہوں گی اسی طرح جہنم میں دعائیں مانگیں گے وہ بھی برباد۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ آسمانوں اور زمین کے سب باشندے اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ حالانکہ کفار جن کی زمین پر اکثریت ہے وہ رب کو سجدہ نہیں کرتے۔ پھر یہ خبر کیونکر درست ہوئی (آریہ)

جواب۔ اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں دے دیا گیا کہ اس کا ایک معنی یہ ہے کہ تمام لوگ اس کے قابو میں ہیں اور اس کے سامنے مثل سجدے کے گرے پڑے ہیں۔ فقیر احمد یار ہداکوتی ایک جواب یہ بھی عرض کرتا ہے کہ آیت میں سب کا ذکر نہیں ہے کہ سب زمین والے اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ بس یہ اکثر ہے کہ سجدہ کرتے ہیں اور مراد مسلمان ہیں۔ نیز بہت سے کافر بھی رب کو سجدہ کرتے ہیں جیسے کہ غیر بت پرست کفار۔ سکھ آریہ وغیرہ اگرچہ نامقبول اور غلط طریقے سے کرتے ہیں۔ تفسیر کبیر نے جواب فرمایا کہ یہاں سجدہ کرنے سے مراد واجب ہونا ہے یعنی زمین و آسمان والوں پر رب کا سجدہ واجب ہے۔ ایک جواب یہ ہے کہ سجدے سے مراد اعتراف معبودیت ہے خواہ زبانی وہ بت پرست کافر بھی کرتے ہیں خواہ حالت زار سے خواہ قلبی اعتراف۔

تفسیر صوفیانہ وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهِ وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ وَهُمْ يُجَادِلُوْنَ فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ

عشق الٰہی مثل رعد ہے اور وہ فراق کی گرم آہیں رعد کی کوک ہے جو درحقیقت آہیں نہیں ذات کبریا محبوب مقبول حمد کی تسبیحیں ہیں اور قلب عاشق جس کو ہر وقت جدائی اور ناراضگی محبوب کا دھڑکا لگا ہوا ہے لمعات وصل قلب آسمانی کے فرشتے خوف سے سکتے مرجھائے ہوئے آہ سرد رنگ زرد چشم تر۔ ہر سانس میں ذکر الٰہی سے محو ہے۔ اور محبوب مطلوب بے نیاز جدھر چاہتا ہے جس پر چاہتا ہے جس وقت چاہتا ہے عشق اور فراق کی ہلاک کرنے والی بجلی ڈال دیتا ہے عشاق تو اسی بجلی کی جلن میں مست و مسرور ہیں مگر راہ معرفت سے دور غافل و بدنصیب اللہ کی عطا لقا۔ فراق و وصل کے جھگڑے میں پھنسے پڑے ساہر اسی کو آخری منزل سمجھ بیٹھے ہیں عاشق صادق کامل دوز جگر سوز ہو چکا ہے مگر عقل و خرد جھگڑے میں ہیں کہ بقا کس کو فنا کس کو۔ اور یہ نہیں جانتے وہ ذات جلال سخت پکڑنے والی ہے کسی کو وصال میں کسی کو فراق میں۔ لذت عشق والے ہی جانتے ہیں مطلوب ازلی کی دعوت عشق صادق سچی اور حقیقی ہے باقی ماسوا اللہ کی محبتیں باطل ہیں۔ اسی کی امیری اسی کی فقیری۔ تصوف درویشی ترک دنیا۔ عبادت ریاضت زہد تقویٰ حق ہے۔ اور وہ لوگ جو اس کے بلانے والے کو چھوڑ کر اس کے دشمن غیر کو اس کے مقابلے میں پکارتے ہیں اور اللہ کی طرف جانا چاہتے ہیں اس کے بلانے والے کو چھوڑ کر۔ ان کی محنت۔ مشقت۔ تصوف۔ فقیری۔ ترک دنیا۔ زہد و ریاضت بالکل اسی طرح بیکار ہے جس طرح کوئی پیاسے گلاس۔ برتن یا ڈول رسی کے وسیلے کے بغیر کوئیں کے کنارے ہاتھ پھیلا کر اس

التجا و فریاد میں اس امید میں بیٹھ جائے کہ پانی میرے منہ تک پہنچ جائے حالانکہ وہ پانی کبھی بھی اس کے منہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ قرب الٰہی کے لیے ولی غوث و قطب اور منظور بارگاہ بننے کے لیے دعوتِ الٰہی پیغام احمد مصطفیٰ ہی حق ہے وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ وَلِلّٰهِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۔ اور محرومِ ازلی دکائے ہوئے محبوب کا فرنعمت کا بلانا پکارنا ذکر عبادت مناجات سب گمراہی اور بیکاری میں ہے۔ روایت میں ہے کہ ذاتِ الٰہی نور و ظلمت کے ستر ہزار پردوں میں ہے۔ اگر ایک بھی ہٹ جائے تو مخلوق سوزشِ تجلیات سے جل جائے اگر یہ دروازۂ شریعت آستانۂ طریقت سے ہٹے ہوئے رب کائنات کے حضور قربی میں ساجد نہیں ہوتے تو کیا فرق ہے اُس ذاتِ بے نیاز کو تو سب آسمان و زمین والے سجدے کرتے ہیں خوشی سے بھی اور مجبوراً بھی اہلِ کشف کا سجدہ خوشی کا اہلِ نظر کا سجدہ جبر کا۔ اور اہلِ مشاہدہ کا سجدہ خوشی کا ہے اہلِ مراقبہ کا سجدہ مجبوری کا۔ اہلِ یقین کا سجدہ طوعاً ہے اہلِ استدلال کا سجدہ کرھاً ہے۔ روح عقل قلب کا سجدہ طوعاً ہے نفس دماغ اور قالب کا سجدہ کرھاً ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ روح جوہر ہے اور نفس اس کا سایہ ہے اور بچپن جوانی بڑھاپا اس سائے کا صبح دوپہر اور شام ہے۔

ا—ب—ا

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ؕ

فرما دیجئے کون ہے رب آسمانوں کا اور زمین کا۔ فرماؤ اللہ

تم فرماؤ کون رب ہے آسمانوں اور زمین کا تم۔ خود ہی فرماؤ اللہ

قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا

فرماؤ تو کیا بنا لیا تم نے سے مقابل اُس کے مددگار ایسے جو نہیں

تم فرماؤ تو کیا اُس کے سوا تم نے وہ حمایتی بنا لیے ہیں جو

یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ قُلْ

مالک ہیں لیے جانوں اپنی کے کچھ نفع اور نہ نقصان فرماؤ

اپنا بھلا برا نہیں کر سکتے ہیں تم فرماؤ

هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ اَمْ هَلْ

کیا برابر ہو سکتا ہے اندھا اور آنکھوں والا ۔ یا کیا

کیا برابر ہو جائیں گے اندھا اور انکھیارا یا کیا

تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ۚ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ

برابر ہو سکتی ہیں اندھیریاں اور نور یا بناوٹ کر لی انھوں نے لیے اللہ کے

برابر ہو جائیں گی اندھیریاں اور اُجالا ۔ کیا اللہ کے لیے ایسے

شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ

شریک ۔ کیا پیدا کیا ہے ان بتوں نے مثل اُس کے پیدائش کے پس مشابہت ہوتی ہو پیدائش

شریک ٹھہرائے ہیں جنھوں نے اللہ کی طرح کچھ بنایا ۔ تو انہیں اُن کا اور اِس کا بنانا

عَلَيْهِمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ

پر اُن کافروں کے فرما دیجئے اللہ ہی پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا اور وہی

ایک سا معلوم ہوا تم فرماؤ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہ

الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ⑯

ایک غالب ہے ۔

اکیلا سب پر غالب ہے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں ملائکہ اور روئے زمین کی تمام اَشیا اور آسمانی کُل مخلوق کی عبادات کا ذکر ہوا کہ وہ سب حمدِ باری تعالیٰ میں مشغول ہوتے ہیں ۔ اب اِن آیات میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

کی عبادات اور حمدِ ربِّ ذوالجلال کا ذکر ہے جو خود رب کریم نے اپنے پیارے حبیب کی زبانِ پاک سے ادا کروائی۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں مشرکین کے بتوں کی بے کسی بے بسی کا تذکرہ ہوا اب یہاں مشرکین کو خطاب کیا جا رہا ہے کہ ہو تو تم ایسے پتھروں کو اپنا معبود سمجھتے ہو جو اپنے بھی نفع نقصان کے مالک نہیں تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ تمام مخلوق تو ربِّ کائنات کو سجدہ کرتی ہے خواہ خوشی سے یا ناخوشی سے۔ اب یہاں بتایا جا رہا ہے کہ اے انسانو تم اشرف المخلوق ہو کر کن پتھروں کو پوج رہے ہو تمہیں کس نے دھوکا دیا۔

نزول۔ یہ پانچ آیتیں از ۱۶ تا ۱۸ ان کفار کے متعلق نازل ہوئیں جو خدا تعالیٰ کے بارے میں بہت ہی بے عقلی کے عقیدے رکھتے تھے۔

تفسیر نحوی

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ۔ قُلْ فعل امر واحد مذکر حاضر باب نَصَرَ سے ہے قولٌ اجوف واوی سے بنا ہے اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر مستتر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مَنْ موصولہ استفہامیہ سوال تقریری اور تحقیقی مقولہ ہے قُلْ کا بحالتِ رفع ہے بتدا ہے۔ رَبُّ۔ باب نَصَرَ کا مصدر ہے بطورِ مبالغہ صفاتی نام ہے۔ بحالت رفع خبر ہے بتدا کی مضاف ہے السمٰوات الف لام استغراقی جمع مکسّر ہے سماءٌ کی وَ عاطفہ الارض معطوف ہے بحالتِ کسرہ۔ قُلْ فعل امر یہ جملہ جوابِ الزامی برائے توبیخ ہے اللہ اسم ذاتِ جلّ مجدہ مقولہ ہے قُلْ کا بحالتِ رفع بتدا ہے اس کی خبر رَبُّ السَّمٰوٰتِ پوشیدہ ہے اور پوشیدہ ہونے کی وجہ سابق کلام ہے۔ قُلْ فعل امر۔ یہ جملہ بھی سوالیہ ہے اور سوال توبیخی ہے۔ اَ ہمزہ استفہام انکاری ہے یہاں نحویوں کے دو قول ہیں پہلا یہ کہ اَ کے بعد اَقْرَرْتُمْ هٰذَا پوشیدہ ہے۔ دوسرا قول یہ کہ ف عاطفہ ہے اور عطف ہے مقدّر عبارت عَلِمْتُمْ پر ہے اِتَّخَذْتُمْ۔ فعل ماضی مطلق معروف باب افتعال سے ہے متعدی بیک مفعول اَخْذٌ سے بنا ہے مصدرًا اِفْعَالًا بمعنیٰ بنانا۔ اختیار کرنا۔ پسند کرنا۔ پکڑنا۔ لینا۔ ثمیرالینا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں اور بنانے کا مطلب بھی یہی ہے۔ مِنْ جارہ زائدہ دُوْن اسم معرب جامد ہے بمعنیٰ مقابل ہٖ ضمیر واحد مذکر مرجع رَبُّ ہے اَوْلِيَآءَ جمع مکسّر ہے وَلِیٌّ کی بمعنیٰ دوست ساتھی۔ مددگار۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں مصدر مبالغہ ہے۔ بحالتِ فتح ہے مفعول بہٖ ہے ماقبل کا۔ موصوف ہے مابعد کا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ فعل مضارع منفی اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع اَوْلِيَآ ہے یہ جملہ فعلیہ صفت ہے اَوْلِيَآءَ کی مِلْکٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مالک ہونا۔ قابض ہونا۔ اختیار کرنا۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے ہیں متعدی ہے باب ضَرَبَ سے یا حَسِبَ سے ہے لام جارّہ نفع کا اَنْفُسٌ جمع مکسّر منصرف ہے نَفْسٌ کی بمعنیٰ ذات روح و قالب۔ ھِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل مضاف الیہ کا مرجع اَوْلِيَآءُ ہے۔ نَفْعًا اسم جامد مفعول بہٖ ہے اس لیے بحالتِ نصب نکرہ ہے

وٗ عاطفہ جمع کے لیے لاؔ حرف عطف زائدہ تاکیدِ نفی کے لیے کیونکہ منکیری کا عطف میں تکرارِ لا ضروری ہے۔ قُلْ فعل امر
یہ کلام استعارہ ہے یا تشبیہ ہے ھَلْ سوال انکاری کے لیے حرف استفہام ہے ہمیشہ شروع میں آتا ہے ہر جملہ پر داخل ہوتا ہے
خواہ فعلیہ ہو یا اسمیہ۔ اس میں شدت ہوتی ہے خواہ سوال انکاری ہو یا اقراری۔ بخلاف ہمزہ کے اسی لیے یہ بمعنی قَدْ ہوتا
ہے۔ یَسْتَوِیْ باب افتعال مضارع مثبت معروف سَوِیٌّ سے بنا ہے لفیف مقرون ہے۔ جب اس کے دو فاعل
ہوں تو معنیٰ ہوتا ہے۔ برابر ہونا۔ لازم ہے یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں۔ بصورتِ دیگر بمعنیٰ ٹھیرنا۔ ارادہ کرنا۔ سنبھلنا
چڑھنا۔ اَلْاَعْمٰی۔ الف لام جنسی ہے بعض نے کہا استغراقی ہے۔ اَعْمٰی صفت مشبہ ہے عَمِیٌّ سے بنا ہے جب
رنگ یا عیب کا بیان ہو تو یہ اسم تفضیل کے وزن پر آتا ہے جیسے اَسْوَدُ اَعْرَجُ اسم فاعل اور صفت مشبہ دونوں میں
حالت پر دلالت ہوتی ہے مگر صفت میں کوئی زمانہ نہیں ہوتا۔ وٗ عطف کی اَلْبَصِیْرُ۔ الف لام جنسی۔ بَصِیْرٌ۔ بَصُرَ
سے بنا ہے صفت مشبہ ہے۔ چونکہ یہ ملائی ہے اور عیب یا رنگ کی دلالت نہیں اس لیے بروزن کریم آیا۔ اَمْ
عاطفہ حرف ہے "اَمْ" ہوتا ہے دو چیزوں پر آتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔
ملہ اَمْ متصلہ۔ اس کے فوراً بعد حرف استفہام ہونا شرط ہے خواہ ہمزہ ہو یا ھَلْ۔ بلا فصل۔ اس پہلے یہاں اَمْ متصلہ ہے
ملہ اَمْ منقطعہ اس میں یہ شرط نہیں بَلْ حرف سوال۔ تَسْتَوِیْ۔ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث۔ یہاں تین قرأتیں
ہیں۔ ملہ دونوں جگہ تَسْتَوِیْ۔ ملہ دونوں جگہ یَسْتَوِیْ۔ ملہ پہلا یَسْتَوِیْ دوسرا تَسْتَوِیْ یہی مشہور ہے پہلی شاذ ہے دوسری
غیر مشہور۔ اَلظُّلُمٰتُ۔ الف لام استغراقی جمع مکسر منصرف ہے ظُلْمَۃٌ کی بمعنیٰ اندھیرا۔ وٗ عاطفہ ہے الف لام
جنسی نُوْرٌ مصدر اسم جامد ہے بمعنیٰ روشنی اور ایک مخلوق ہے جس کی حقیقت سے اللہ رسول واقف ہیں۔ بحالت رفع
پورا کلام معطوفہ فاعل ہے تَسْتَوِیْ کا۔ اور وہ عطف ہے یَسْتَوِیْ پر اور یہ سب عبارت مقولہ ہے قُلْ کا اَمْ جَعَلُوْا
لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ
اَمْ منقطعہ بمعنیٰ بَلْ (بلکہ) جَعَلُوْا فعل ماضی مطلق معروف جمع غائب باب فتح سے ہے۔ جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بنانا
ایجاد کرنا۔ کرنے لگنا (جَعَلَ لگنا مصدر ناقص ہے) پیدا کرنا۔ ٹھیرالینا۔ (اپنا لینا تجویز کر لینا) یہاں پر آخری معنیٰ مراد ہیں
لام جارہ نسبت یا نفع کا یا مقابلے کا متعلق ہے جَعَلُوْا کا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع مشرکین مخاطبین ہیں۔ لفظ اللّٰہ
اسم ذاتِ جل مجدہٗ ہے شُرَكَآءَ۔ جمع مکسر منصرف ہے شریک کی شِرْکٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے۔ کسی کے ساتھ
ملکیت یا برادری رشتے داری یا تعاون میں شریک ہونا۔ شریک کبھی بھی پورا اختیار نہیں رکھتا۔ شرک کا شرعی ترجمہ ہے کسی
غیر اللہ کو معبود سمجھنا فقط۔ شُرَكَآءَ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ جَعَلُوْا کا مابعد کا یا ذوالحال ہے یا موصوف خَلَقُوْا فعل
ماضی مطلق باب نصر سے خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدا کرنا ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اپنے ہی معنیٰ میں رہتا
ہے۔ لغوی ترجمہ ہے۔ پیدا کرنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے۔ اندازہ کرنا۔ بناوٹ کرنا۔ نقل دیکھ کر بنانا۔ یہ کسی دوسرے مصدر

کے معنی میں نہیں آتا۔ ہاں دوسرے مصدر اس کے معنی میں آجاتے ہیں جیسے جَعْلٌ۔ بَدْءٌ۔ صَنْعٌ مگر اس وقت ان مصادر کا متعدی بیک مفعول ہونا شرط ہے۔ کاف جارہ متعلق ہے خَلَقُوْا کا خَلْقِ مصدر بمعنیٰ پیدا کرنا یا بمعنی مخلوق (خلقت)، ہ ضمیر کا مرجع اللہ۔ ف تفسیریہ یا سببیہ۔ عربی میں ف پانچ قسم کی ہوتی ہے۔ ۱ جزائیہ ف جزائیہ شرط کے جواب جملے پر آتی ہے مگر صرف چار موقعوں پر۔ ۱ جب شرط کی جزا جملہ اسمیہ ہو۔ ۲ جزا فعل امر ہو۔ ۳ جزا فعل نہی ہو۔ ۴ جزا جملہ دعا ہو۔ لیکن ان چار میں سے کوئی نہ ہو تو جزا میں ف جزائیہ نہ ہوگی۔ ۲ عاطفہ تعقیبیہ ۳ تفسیریہ ۴ سببیہ۔ ۵ زائدہ۔ تَشَابَهَ باب تَفَاعُلٌ کا ماضی مطلق معروف شُبْہٌ سے مشتق ہے بمعنی مشتبہ ہونا۔ (مشکوک ہونا)، مشابہ ہونا۔ برابر ہونا۔ ہم شکل ہونا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں اَلْخَلْقُ ال الف لام استغراقی یا عہدی خَلْق بمعنی مخلوق یعنی خلقت۔ اسم جامد بحالت رفع ہے تَشَابَهَ کا۔ لِ جارہ بمعنی لام جارہ تعلیلیہ ہِمْ کا مرجع مشرکین متعلق ہے تَشَابَهَ کا یہ جملہ تقریبیہ ہے۔ خَلَقُوْا صفت کی۔ قُلْ فعل امر یہ جملہ قول مقولہ جواب توبیخی ہے۔ اللّٰہُ اسم ذات ہے بحالت رفع مبتدا ہے خَالِقُ۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل مذکر ہے خَلْق سے بنا ہے۔ بحالت رفع خبر ہے ما قبل مبتدا کی۔ مضاف ہے مابعد کا۔ کُلِّ اسم تاکیدی مجرور کلیہ کا منصوب ہے۔ موصوف ہے شَیْءٍ صفت مؤکدہ کا۔ تابع و متبوع مفعول مضاف الیہ ہے وَّ عاطفہ هُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل مبتدا ہے اَلْوَاحِدُ۔ الف لام عہدی واحد اسم فاعل ہے وُحُدٌ سے بنا ہے بمعنی ایک ہونا۔ لازم ہے۔ القَهَّار الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ ھُوَ قَهَّارٌ بروزن فعال صفت مشبہ ہے۔ قَهْرٌ سے بنا ہے بمعنی غالب ہونا۔ ذلیل کرنا۔ قابو میں کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یہ دونوں معرفے دو خبریں ہیں هُوَ مبتدا کی اور عطف ہے اللہ پر اور یہ سب کلام مقولہ ہے قُلْ کا۔

تفسیر عالمانہ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ۔ اے پیارے نبی جب ان کفار نے سن لیا سمجھ لیا جان لیا کہ آسمان زمین کے باشندے اللہ تعالیٰ ہی کو سجدے کر رہے ہیں اسی کے حضور عاجزی سے گرے پڑے ہیں بغیر اس کی رضا کے کسی کی چاہت پوری نہیں ہو سکتی تو اب ان تمام ہر قسم کے کافروں سے پوچھتے ہوئے فرمایئے کہ کون ذات ہے آسمانوں اور زمین کو پالنے والی پیدا کرنے والی۔ سنبھالنے والی حفاظت کرنے اور بچا کر اب تک رکھنے والی یہ تو نہیں بولیں گے یا اس لیے کہ ان کا عقل و شعور۔ ضمیر و قلب اسی چیز سے بخوبی واقف ہے کہ حقیقت ساری کائنات کا سب خالق مالک اللہ ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی پیدا کر سکتا ہی نہیں صرف شرمندگی کی بنا پر زبان سے اقرار نہ کریں گے۔ یا اس لیے کہ گمراہی کی انتہا و تاریکیوں کی بنا پر ان کے دماغ ماؤف ہو چکے ہیں یا اس لیے کہ ان کو پتہ ہے کہ اگر ہم نے حقیقت واقعی کا اقرار کرتے ہوئے زبان سے کہہ دیا کہ اللہ ہی سب کا رب ہے تو ہمارا خود ساختہ

مذہب تباہ و برباد اور جھوٹا ہو جائے گا یا اس لیے کہ یہ سمجھتے ہیں کہ اس سوال کے صحیح جواب کا نتیجہ ہم کافروں کے حق میں کتنا رسوا کن ثابت ہوگا۔ اور صحیح۔ جواب کے علاوہ یہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتے کیونکہ ثبوت دینا پڑے گا۔ لہٰذا اے حبیب آپ خود فرما دیجئے کہ اللہ ہی سب کا رب ہے۔ اُس سوال کا جواب اس کے سوا ہو سکتا ہی نہیں نہ کوئی کافر اس کے سوا دم مار سکے تو پوچھئے ان حُمقا سے کہ تمہاری لاجواب خاموشی اللہ کی ربوبیت کے اقرار کو ثابت کر رہی ہے پھر تم نے اُس رب تعالیٰ کے مقابل اپنے مددگار کہاں سے بنا لیے اور پھر مددگار بھی ایسے ناکارہ لکڑی پتھر لوہے کے اپنے ہاتھوں کے تراشے پگھلا کر تیار کر ڈھالے ہوئے بُت مورتیں جو تمہاری امداد تو در کنار اپنے نفع نقصان کے بھی مالک و قابض نہیں نہ نفع حاصل کر سکتے ہیں کہ قد۔ صحت۔ خوبصورتی۔ زیب و زینت لے سکیں نہ نقصان کو دور کر سکیں کوئی توڑ دے تو اُس دشمن سے بچ نہیں سکتے بھاگ نہیں سکتے نہ کسی کو نقصان پہنچا سکیں تو اے اُن کے پجاریو تم کو نفع کس طرح دے سکتے ہیں ذرا یہ بھی سمجھائیے کہ کیا اندھا بت اور ساری کائنات کے ذرّے ذرّے کو گہرائی تک ظاہر، باطن سے دیکھنے والا رب تعالیٰ معبودیت میں برابر ہو سکتا ہے یا کفر کا اندھا انسان اور ایمان کی روشن آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے۔ یا اسی طرح جہنم کی اندھیریوں کی طرف لے جانے بھٹکانے والا کفر اور قرب الٰہی میں لے جانے والا یا جنت میں پہنچانے والا ایمان نور میں لانے والا اسلام برابر ہو سکتا ہے۔ یا صاف لفظوں میں آنکھوں کا بالکل اندھا آدمی اور بڑی بڑی روشن آنکھوں والا بینا آدمی اور ایسے ہی گھٹا ٹوپ اندھیرا اور چمکتا دمکتا نور۔ اپنی حالت۔ کام افعال چلنے پھرنے دیکھنے مشاہدے میں برابر ہو سکتا ہے یا اندھیرا اور روشنی ایک وقت ایک جگہ ایک درجے کے ہو سکتے ہیں ہر شخص کہے گا کہ ہرگز برابر نہیں ہو سکتے تو سمجھ لو کہ بتوں کو رب کے مقابل نہ سمجھو اور بُت پرست اور خدا پرست برابر نہیں ہو سکتے۔

اَمۡ جَعَلُوۡا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوۡا كَخَلۡقِهٖ فَتَشَابَهَ الۡخَلۡقُ عَلَيۡهِمۡ‌ؕ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَىۡءٍ وَّهُوَ الۡوَاحِدُ الۡقَهَّارُ۔ یا وہ کافر بُت ساز بُت پرست یہ سوچے بیٹھے ہیں کہ انہوں نے جو بت اللہ تعالیٰ کے شریک بنا ڈالے اُن بتوں نے بھی کچھ چیزیں پیدا کی ہیں اس اللہ کے پیدا کرنے کی مثل۔ لیکن یہ پتہ نہ ہونے کی بنا پر کہ کونسی چیز بتوں نے پیدا کی اور کونسی اللہ نے اُن بت پرستوں پر مخلوق مشتبہ اور مخلوط ہو گئی اس دلیل سے وہ دونوں خالقوں کی عبادت کرنے لگ پڑے۔ یا یہ تو پتہ ہے کہ بتوں کی پیدا کی ہوئی کونسی چیزیں ہیں اور اللہ کی کونسی مگر چونکہ دونوں کی مخلوق ان کے نزدیک ایک جیسی مشابہ ہے۔ اس لیے وہ دونوں کو معبود سمجھ بیٹھے۔ اے حبیب کریم فرما دیجئے کہ ان کفار کے یہ سب خیالات عقائد نظریات قطعاً باطل ہیں کوئی بُت کسی بھی ذرّے کا خالق نہیں۔ نہ اُس کا کوئی ٹھوس ثبوت۔ فقط اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ ہی ہر چیز کا خالق ہے۔ روح۔ جسم عرض جوہر۔ سب کچھ اُسی نے پیدا فرمائے ہیں۔ اور وہ احکم الحاکمین واحد و یکتا ہے نہ اُس کا ضد نہ ند۔ نہ شریک

نہ فریق ۔ نہ عدیل نہ وزیر نہ صاحبہ نہ ولید ۔ نہ اولاد نہ اصیل ۔ ساری کائنات پر قہار ایسا کہ اپنی جس مخلوق کے ساتھ جس وقت جو چاہے سلوک اور برتاؤ فرمائے کوئی اس کو روکنے ٹوکنے اور پوچھنے والا نہیں صرف عاجزی ۔ دعاؤں فریادوں ۔ التجاؤں سفارشوں شفاعتوں کی اجازت ہے ۔ اور پھر اُس کا کسی طرح کا کوئی برتاؤ ظلم نہیں عدل ہے ۔ استحقاق نہیں کرم ہے ۔ اُجرت نہیں نعمت ہے اُس کی سزا جزا عقاب عتاب سب ہی حکمت ہے ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ جب سب ہی اُس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں تو شریک کون رہا ۔ یہ بُت تو مخلوق کی قدرت کے برابر بھی قدرت و ہمت نہیں رکھتے تو خالق بننے کی صلاحیت کہاں ہے اور جب خالق ہونا ہی معبودیت کی دلیل ہے تو بجز رب تعالیٰ کے کون معبود ہو سکتا ہے ۔ پس ان دو آیتوں میں دلائل قدرت اس طرح ہوئے کہ آسمان زمین کی مخلوق اللہ کو سجدہ کرتی ہے لہٰذا وہی آسمان زمین اور اُس کے باشندوں کا رب ہے اور جو رب ہے وہی خالق ہے اور جو خالق ہے وہی حقیقی قوت و طاقت والا ہے اور جو طاقت والا ہے وہی نفع دے سکتا ہے نفع چھین سکتا ہے اور جو نفع دے سکے روک سکے وہی نقصان بھی دے سکتا ہے نقصان دور بھی کر سکتا ہے لیکن بت اور تمام دیوی دیوتا اتنے سخت مجبور و بے بس ہیں کہ اپنا نفع نقصان بھی اُن کے قبضہ میں نہیں ۔ اور جو ان آسان اور معمولی باتوں کو نہ سمجھ سکے وہ اندھا ہے اور جو سمجھ لے بتوں سے ہٹ جائے وہ آنکھوں والا ہے ۔ اور اس بات کو ہر شخص سمجھتا ہے کہ اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہو سکتا ۔ کیونکہ جو اندھا ہے وہ ہر وقت گھرے اندھیرے میں ہے اور آنکھوں والا ہر قسم کی روشنی اور نور میں ہے اندھیرا اور نور بھی برابر نہیں ہو سکتا ۔ اندھے کو پتہ نہیں لگتا کہ سیدھا راستہ کون سا ہے ۔ روشنی سے فائدہ لینے والا دیکھتا ہے کہ سیدھا راستہ یہ ہے یہ ہے ۔ جب خالق اللہ تو معبود بھی وہی اور ۔ واحد بھی وہی ۔ قہار بھی وہی ۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ پہلے زمانے میں دو فرقے پیدا ہوئے تھے جو بادشاہوں کی گود میں پلے بڑھے ایک فرقہ معتزلی دوسرا فرقہ جبریہ ۔ معتزلہ کا ایک عقیدہ یہ تھا کہ بندہ اپنے فعل عمل کا خود خالق ہے اور جبریہ کا عقیدہ یہ تھا کہ بندہ اپنے افعال کا خالق نہیں بلکہ کاسب اور فاعل ہے مگر اُس کا کسب رب کی خلق کے مشابہ اور مثل ہے ۔ رب تعالیٰ نے یہاں فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ کا تردیدی اور استفہام انکاری کا جملہ فرما کر جبریہ فرقہ کا رد کر دیا ۔ جبریہ کا یہ عقیدہ سراسر شرک ہے ۔ اور اس جگہ فرمایا گیا خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ جس سے معتزلہ کا رد ہو گیا ۔ اہل سنت کے نزدیک ان دونوں فرقوں کے تمام عقائد کفریہ ہیں جیسا کہ آج کل کے دیوبندی وہابی فرقے کے بعض گستاخی والے عقیدے کفریہ ہیں جو ان کے بڑوں نے لکھے اور انہوں نے ان کو مانا ۔ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ تمام چیزوں کا خالق فقط اللہ ہے ۔ بندہ اپنے افعال کا کاسب ہے اور بندے کا کسب ۔ اللہ کے خلق کے مشابہ ہرگز نہیں ہو سکتا ۔ بزازیہ

فرق کے علاوہ یہ فرق بھی ہے بندہ اپنے افعال ضرورت سے محتاج ہو کر کرتا ہے مگر رب تعالیٰ نے اپنی ضروریات کی بنا پر مخلوق کو پیدا نہیں کیا۔ وہ حاجتمندی سے پاک ہے۔ **دوسرا فائدہ** ۔ مومن بہر حال دنیا بھر کے کافر سے بہتر ہے کافر خواہ کسی قسم کا کسی شان کا کسی ملک اور کسی مرتبے کا ہو۔ جو احمق مسلمان ہر وقت مسلمانوں کو بزدل گھٹیا اور بے وقوف کہتا اور لوگوں کے سامنے مشہور کرتا رہے خاص کر غیر مسلموں کے سامنے اور غیر مسلموں کی تعریف کرتا رہے وہ بدنصیب اسلام کا دشمن ہے۔ اس لیے جن لیڈروں نے اپنی زندگی میں اپنی سائنسی تفکر اور ہنر مندی کا زور مسلمان علما کی گستاخی اولیاء اللہ صوفیا کی بے ادبی مدارس اسلامیہ خانقاہ عرفانیہ کی توہین اور مسلمان نوجوان کی تذلیل میں لگایا وہ در پردہ اللہ رسول کے دشمن ہیں۔ **تیسرا فائدہ** ۔ اللہ تعالیٰ برے افعال کا خالق ہے کاسب نہیں لہٰذا دیوبندیوں وہابیوں کا یہ کہنا کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے جھوٹ پر قادر ہے سراسر کفریہ بات ہے رب تعالیٰ ہر چیز کے خلق پر قادر ہے نہ کہ کسب پر۔ گناہ کے عمل و کسب پر قادر نہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی شخص کو خالق کہنا جائز نہیں۔ یہ جو بعض جاہل لوگ قائد اعظم کو پاکستان کا خالق یا ڈاکٹر اقبال کو شاعری کا خالق کہدیتے ہیں اسی طرح بیہودہ غزلیات کو شاعر کی تخلیقات کہدیا جاتا ہے یہ سب گناہ اور مشرکانہ باتوں کی مشابہ ہے۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ رب ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے لہٰذا کسی شخص کو رب کہنا کفر ہے۔ شیعہ لوگ حضرت علی کو رب کہتے پھرتے ہیں۔ اے علی رب کے نعرے لگاتے ہیں معاذ اللہ۔ یہ سب کفریات ہیں بعض بیوقوف سنی بھی ان کی دیکھا دیکھی یہ نعرہ بول دیتے ہیں تو نا سمجھی میں بولتا ہے اور اس کا مطلب اور شریعت کا مسئلہ سمجھ کر بولنا کفر ہے۔ بولنے والا فوراً کافر ہو جائے گا اور کافر ہونے کی وجہ سے اُس کا نکاح بھی ٹوٹ جائے گا **تیسرا مسئلہ** ۔ جو شخص کسی چیز کا مالک نہ ہو وہ شخص اُس چیز کا مالک نہ ہو تو وہ شخص اُس چیز کا کسی کو مالک بھی نہیں کر سکتا نہ قبضہ دے سکتا ہے نہ اجازت دے سکتا ہے نہ استعمال کر سکتا ہے نہ کرا سکتا ہے پتھر لکڑی کے بُت اگرچہ انسانی شکل کے ہوں کسی چیز کے مالک نہیں ہو سکتے اسی طرح جانور بھی کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا گائے۔ بندر۔ پیپل۔ املی کا درخت یا ہندوؤں کی مورتیں ان کے نام پر جو جائیداد لگا دی جاتی ہے یہ بت وغیرہ اس کے مالک نہیں ہو جاتے۔ یا وہی مالک رہے گا جس نے دی ہے یا حکومت وقت۔ ہاں پنڈت پادری کے نام کی چیز کی ملکیت پنڈت وغیرہ کے لیے ثابت ہوگی۔ یہ مسئلہ لَا يَمْلِكُونَ سے ثابت و مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ یعنی کسی بندے کو اولیا بنانا حاجت روا مشکل کشا کارساز سمجھنا کفار کا طریقہ ہے لہٰذا اہل سنت لوگ ولیوں غوثوں قطبوں کو مان کر اور ان کے پاس جا کر

حاجتیں طلب کر کے تعویذ باندھ کر گمراہ ہوئے ہیں (وہابی) ۔

جواب ۔ قرآن مجید کی آیات طیبات کو اگر سمجھداری سے پڑھا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ ولی بھی دو قسم کے اور ولیوں کا ماننا بھی دو قسم کا ہے ۔ ۱ ولی اللہ ۔ ۲ ولی من دون اللہ ولی اللہ کارساز مشکل کشا حاجت روا ہوتا ہے جن کو اولیاء اللہ غوث قطب ابدال اوتاد افراد کہا جاتا ہے ۔ یہ اللہ تعالیٰ کے خالص بندے اور دوست ہیں یہ فرشتوں کی طرح انتظام عالم کے کام پر مامور کئے گئے ہیں ۔ لیکن ولی من دون اللہ ۔ رب کے دشمن ہیں ۔ جیسے بت وغیرہ ۔ اہل سنت اولیاء اللہ سے مانگتے ہیں نہ کہ من دون اللہ سے اولیاء اللہ سے مانگنا جائز ہے من دون اللہ سے مانگنا کفر ہے یہاں من دون اللہ کا ہی ذکر ہے ۔ اولیاء اللہ کو ماننا بھی دو طرح کا ہے ۱ اُن کو ولی اللہ سمجھ کر ماننا یہ جائز بلکہ لازم اور ایمان ہے ۲ انہی کو اللہ سمجھ لینا یا ابن اللہ سمجھنا ۔ یہ شرک و کفر ہے ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ظلمات جمع ارشاد ہوا اور نور واحد ۔ یا تو ظلمت واحد ہوتا اور یا پھر انوار بھی جمع ہوتا تاکہ مطابقت درست رہتی ۔ جیسے کہ اعمیٰ اور بصیر دونوں واحد ہیں ۔ اس اختلاف کی مطابقت کیونکہ ہو ۔

جواب ۔ ظلمات سے مراد کفر ہے اور دنیا میں کفریات بہت قسم کی ہیں ۔ اور نور سے مراد اسلام و ایمان ہے جو سارے جہان میں یک ہی ہے ۔ رہا اعمیٰ اور بصیر کا واحد ہونا تو وہاں صفیت مراد ہے ۔ نہ کہ افراد ۔ اور صفت ہمیشہ واحد ہی ہوتی ہے ۔ **تیسرا اعتراض** ۔ جب ہر چیز کا خالق اللہ ہے جن میں شر ۔ گناہ سب کچھ داخل تو گناہ گار اور شریر کی پکڑ کیوں ۔

جواب ۔ اس لیے کہ بندہ شر کا اور گناہ کا محبث ہے ۔ اس نے گناہ استعمال کیوں کیا وہ مظہر شر و کفر و گناہ کیوں بنا اس کی مثال یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جب تعالیٰ نے زہر پیدا کیا معلوم کیوں ۔ زید نے وہ کھلا دیا تو زید مجرم ۔

چوتھا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا ۔ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فرما دو کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ۔ قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ (الخ) فرما دو کون سی چیز سب سے بڑی گواہ ہے فرما دو اللہ گواہ ہے ۔ اس آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ بھی شی ہے ۔ تو کیا اللہ اپنا بھی خالق ہے ۔

جواب ۔ اللہ کو شی کہنا کفر ہے ۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے لِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت شان والے نام ہیں اس کو انہی سے پکارو یہ آیت دوم جو معترض نے پیش کی ہے ۔ اس میں سوال کا جواب موجود نہیں اور سوال یہ ہے کہ کون سی چیز اللہ سے بڑی ہے ۔ یہ سوال نہیں کہ اللہ چیز ہے معاذ اللہ ۔ اور اگر جملہ قُلِ اللّٰهُ شَهِیْدٌ یہ علیحدہ نئی عبارت ہے سوال کا جواب نہیں ہماری اس تقریر سے سوال سرے سے ختم ہو گیا ۔

تفسیر صوفیانہ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ قُلْ اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا

قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِى الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ جمالِ ذات کا باطن جلال ہے اور جلالِ ذات کا باطن جمال ہے اس لیے بندہ کسی بھی مقامِ زہد میں پہنچ جائے وسیلہ نبوت کے بغیر معرفتِ ذاتِ ازلی جل مجدہٗ حاصل نہیں ہو سکتی رضاءِ رحمانی کی خیرات آستانۂ انبیاء سے ملتی ہے اور بھکاری دنیاء کائنات کے غوث و قطب ہیں۔ خود حضور عبدالقادر جیلانی جیسی بے مثال ہستی بھی آستانۂ موسوی کے گداؤں میں شامل ہیں قربِ الٰہی کا سب سے اونچا مقام انبیاء کرام کو حاصل ہے اس لیے اے پیارے حبیب آپ پوچھیں ان ہدایت کے جھوٹے دعویداروں سے کہ اے صفائی دل کے سبق پڑھانے کے بہلانے گمراہی پھیلانے والو۔ کون ہے قلوبِ آسمانی اور نفوسِ زمینی کا پالنے۔ پیدا کرنے حفاظت کرنے والا اور کون ذات ہے اپنے حسن تدبیر سے ان ہی قلبی آسمانوں اور نفسی زمینوں میں انسانیت کاملہ کے چاند سورج ستارے چمکانے والا اور اخلاقِ حمیدہ کے پھول کھلانے والا اور کس کی حکمتِ بالغہ نے عاداتِ رذیلہ نفسانیہ پیدا کر دیں۔ کسی کو مشاہدۂ قلبی کے مقامِ قرب و شواہدِ حق تک پہنچایا اور کسی کو شہواتِ دنیا اور منازلِ لہو میں پھنسایا۔ یہ ازلی بہرے گونگے اور حقیقت سے بے خبر جواب نہیں دے سکتے تو اے نبی آپ خود ہی جواباً فرما دیجئے بس اللہ ہی ہے وہ اس بات کو مانیں گے ان کو یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑے گی۔ تو پھر سوالاً فرمائیے تو کیا اے زاہدو، عابدو، پیرو، فقیرو، عالمو کا لباس پہن کر شیطان کو خدا تعالیٰ کے مقابل اور نفسِ امارہ کو قلب کے مقابل لاتے ہو حالانکہ یہ شیطان و ابلیس اور نفس اپنے نفع نقصان کے مالک نہیں تم کو قربِ جمال تک کس طرح پہنچا سکتے ہیں یہ تو در کاٹے ہوئے ہیں۔ اے نبی۔ اے شریعتِ الٰہیہ کے درس پڑھانے والے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم طریقتِ الٰہیہ کے بھی سبق سکھائیے اور پوچھ کر کیا غیر اللہ کو مالک متصرف سمجھنے والا اندھا اور اللہ ہی سے سب آسیں لگانے والا حقیقت کی روشن آنکھوں والا برابر ہو سکتا ہے یا خواہشاتِ نفسانی کی اندھیریاں اور زہد و تقوے اور منزلِ حفاظتِ قلبی کا نور برابر ہو سکتا ہے۔ نفس اندھا ہے کہ غیر اللہ سے تعلق و محبت پیدا کرنے والا ہے۔ اور دل بصیر ہے کہ عرش اللہ ہے۔ اور باطل سے متنفر ہے۔ اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ عَلَيْهِمْ قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ۔ کائنات میں کون ایسا محبوب اور مطلوب ہے جو اللہ کا محبت و عشق میں شریک ہو یا محبتِ الٰہیہ کے مقابل الفتِ ربانی کا شریک ہو نہ ماں نہ باپ نہ بھائی نہ دوست۔ اس لیے کہ سب مخلوق دوستی محبت لینے والی ہے لیکن رب تعالیٰ دل کی گہرائیوں میں محبت پیدا کرنے والا ہے جس کے لیے جتنے دن جس کے دل میں محبت پیدا کر دی وہ ہو گئی اگر وہ رب تعالیٰ ماں باپ آل اولاد جانور حیوان ملائکہ اور جنات کے دلوں میں محبت نہ ڈالے تو ماں بچے کو کھا جائے۔ اے غافلو دنیا پرستو تم نے ایسے کریم رحیم رب کے مقابل محبت میں غیروں کو شریک کر لیا کیا کوئی اور بھی دل کی گہرائیوں عقل کی پنہائیوں میں محبت و عشق پیدا کرنے والا ہے جس کی پیدائش نے ان ازل کے محروموں پر مشابہت ڈال دی ہو اور وہ محبت جو رب تعالیٰ اور اس کی چیزوں سے کرنی چاہیے تھی غیروں سے کرنے لگے صوفیاء کرام کے مشرب میں غیر اللہ کی محبت بھی شرکِ ظاہری ہے

جو محرومی کے جہنم میں جلانے والا ہے جس طرح وہ ازلی قدیم اپنی ہر صفت میں بے مثل ہے بندے کو اُس کی محبت بھی بے مثل اور پر خلوص ہونی چاہیئے۔ محبت غیر اللہ حرام نہیں مگر مقابلہ حرام ہے اسے حبیبِ کریم رؤف و رحیم کائنات عالم کو فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز خیر و شر قُرب و بُعد۔ لذت و الفت۔ دل۔ دماغ۔ عقل و شعور پیدا فرمانے والا ہے اور جس طرح وہ رَبِّ سمٰوٰت اپنی ذات صفات اعمال افعال میں وحدہٗ لاشریک ہے اسی طرح اپنی محبوبیت مطلوبیت کے استحقاق میں بھی وحدہٗ لاشریک اور وہی واحد ہے قرب معرفت میں اسی لیے عارفِ صادق غیرُ اللہ کو طلب نہیں کرتا۔ جمالِ یار کا عاشق ہر چیز کو رخِ محبوب کا آئینہ سمجھتا ہے۔ وہی اللہ جلَّ مجدُہٗ قہار و غالب ہے اپنے سوا ہر واحد ہے دوستوں کے لیئے قاہر ہے دشمنوں کے لیے۔ واحد ہے مخلصوں کے لیئے قہار ہے ریاکاروں کے لیئے نورِ وحدت کے جام پلانیوالا ہے طالبوں کو قہاری کی محرومی و نامرادی دینے والا ہے عیاروں کو۔ وحدت کی خلوت دینے والا واحد ہے محرم راز کو۔ حجاب کی دوری دینے والا قہار ہے نامحرم کو۔ سب کی محبتیں فانی کیونکہ ابتدا بھی دنیا اور انتہا بھی دُنیا۔ مگر رب تعالیٰ کی محبت باقی کہ عالمِ ارواح سے ابتدا ہوتی ہے اور شکم مادر۔ دنیا۔ قبر۔ حشر۔ اور ابدالآباد تک بقا ہے۔ مگر اِس محبت کا مخزن آستانۂ مصطفیٰ ہے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم۔

❁

أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ أَوْدِيَةٌ

اُتارا طرف سے آسمان کے پانی کو تو بہنے لگے ندی نالے

اُس نے آسمان سے پانی اُتارا تو نالے اپنے اپنے لائق

بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا ط

سے اندازے اپنے پھر اٹھا لیا سیلاب نے جھاگ پھولا ہوا

بہہ نکلے تو پانی کی رو اُس پر ابھرے ہوئے جھاگ اٹھا لائی

وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ

اور سے اُس دھات کہ بھڑکاتے ہیں پر جس میں آگ خواہش کرتے ہوئے

اور جس پر آگ دھکاتے ہیں گہنا یا اسباب۔

حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ

زیور بننے کی یا برتن جھاگ مثل اُس کے ۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے

بنانے کو اُس سے بھی ویسے ہی جھاگ اٹھتے ہیں اللہ بتاتا ہے کہ

اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ ؕ۵ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ

اللہ حق اور باطل کو ۔ پس لیکن جھاگ تو جاتا رہتا ہے

حق اور باطل کی یہی مثال ہے تو پھک کر دور ہو

جُفَآءً ۚ وَ اَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي

بل بھن کر اور لیکن وہ جو نفع دیتا ہے لوگوں کو تو وہ قائم دائم رہتا ہے میں

جاتا ہے اور وہ جو لوگوں کے کام آئے زمین میں

الْاَرْضِ ؕ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ؕ ﴿۱۷﴾

زمین ۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ مثالوں کو

رہتا ہے ۔ اللہ یوں ہی مثالیں بیان فرماتا ہے ۔

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ آسمان اور زمین کا رب ہے یعنی پالنے والا ۔ اب ان آیات میں ربوبیت کا عظیم الشان ثبوت پیش کیا جا رہا ہے کہ آسمان کے خزانے مثل پانی کے زمین کو عطا فرما رہا ہے جس سے زمین کی زندگی اور پرورش ہے ۔ اسی سے زمین کی زینت ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں باری تعالیٰ نے اندھے اور انکھیارے اور اندھیرے اور نور کی تمثیل اور برابر نہ ہونے کا ذکر فرمایا تھا ۔ جس سے انسانیت کے ظاہر اور باطن کی طرف لطیف اشارہ تھا ۔ اب یہاں مادہ پرستوں کے لیے پانی اور زمین کے ظاہر و باطن کا ذکر فرما کر حق و باطل کا بھید سمجھایا جا رہا ہے **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں مفید اور غیر مفید چیزوں کا اس طرح بیان ہوا تھا کہ اندھا غیر مفید اور انکھیارا مفید اسی طرح اندھیرا غیر مفید اور نور روشنی مفید ہوتی ہے مگر ہر شخص اس باریکی

کو نہیں سمجھ سکتا۔ اس لیے اب ان آیات میں پانی اور جھاگ اور سونا چاندی کی مثال دے کر حق و باطل کا فرق سمجھایا جا رہا ہے۔ کہ حق باقی اور مفید ہے اور باطل فانی اور غیر مفید ہے۔

تفسیر نحوی

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌۢ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّیْلُ زَبَدًا رَّابِیًا وَ مِمَّا یُوْقِدُوْنَ عَلَیْهِ فِی النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْیَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَ الْبَاطِلَ

اَنْزَلَ فعل ماضی مطلق معروف باب افعال نُزُلٌ سے بنا ہے لازم ہے افعال نے متعدی بیک مفعول بنا دیا بمعنیٰ اترنا۔ اتارنا۔ یہاں متعدی کے معنی یعنی اتارنا مراد ہے فاعل ضمیر مستتر کا مرجع اللہ ہے مِن جارہ بمعنیٰ اِلٰی ہے یعنی طرف سے۔ اَلسَّمَآءُ۔ الف لام عہد ذہنی سماء سے ہے مجازی معنی یعنی بلندی مراد یا حقیقی معنی میں ہی ہے یعنی آسمان جار مجرور متعلق ہے اَنْزَلَ کے مَآءً اسم جامد ہے بمعنیٰ پانی۔ اور ہر پتلی چیز کو بھی ماء یا مائی کہتے ہیں اسی سے ہے مایہ۔ بحالت نصب ہے کہ مفعول بہ ہے فاء عطف ہے برائے تعقیب بلا تراخی سَالَتْ فعل ماضی مطلق معروف واحد مؤنث سَالٌ مہموز العین سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے بمعنیٰ بہنا جاری ہونا جب باب فَتَحَ سے ہو تو بمعنیٰ پوچھنا ہوتا ہے اَوْدِیَةٌ بروزن اَفْعِلَةٌ۔ جمع مکسر منصرف ہے وَادِیَةٌ کی یہ جمع شاذ و خلاف قانون ہے کیونکہ فاعلٌ اور فاعلۃٌ کی جمع اَفْعُلٌ اور اَفْعِلَةٌ نہیں ہوتی یہ خلاف قیاس اس لیے آگئی کہ وادی بمعنیٰ وَدِیٌّ بروزنِ فعیلٌ صفت مشبہ ہے کیونکہ وادی میں زمانہ نہیں ہوتا۔ صفت مشبہ میں بھی زمانہ نہیں ہوتا لہٰذا یہ اُس کے معنیٰ میں ہے وَدْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ راستہ بنانا۔ اس جنگل کو وادی کہا جاتا ہے جس میں لوگ گزرتے ہوں اور اُس نالے۔ ندی۔ نہر۔ دریا۔ اور پہاڑی درّے کو وَادِیَةٌ کہتے ہیں جس میں سے قدرتی پانی گزرتا ہو۔ یہاں یہ سب مراد ہیں اس لیے جمع ہے۔ بحالتِ رفع ہے مجازی فاعل ہے منفذ کو نافذ کا نام دیا گیا ہے۔ حقیقۃً تو پانی بہتا ہے نہ کہ وہ جگہ ایک قول میں اَوْدِیَةٌ جمع ہے وَدْیٌ کی بمعنیٰ بہنے والا پانی۔ مرد کی ودی کو ودی بھی اسی لیے کہا جاتا ہے اس قول میں یہ اصلی معنیٰ میں ہے اور ترجمہ ہوگا۔ بہہ گئے بہنے والے پانی ب جارّہ بعضیہ کی متعلق ہے سَالَتْ کے قدرٌ مصدر بمعنیٰ حاصل مصدر جامد ترجمہ ہے۔ ۱ انداز۔ ۲ حصہ۔ ۳ طاقت۔ ۴ مال داری۔ ۵ فراخی۔ ۶ عزت۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ ھا ضمیر کا مرجع اودیہ ہے ف عاطفہ بمعنیٰ ثُمَّ اِحْتَمَلَ فعل ماضی مطلق باب افتعال سے ہے حَمْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اٹھانا۔ برداشت کرنا۔ چڑھانا۔ یہاں پہلے معنیٰ ہیں اَلسَّیْلُ۔ الف لام جنسی۔ مصدر ہے اجوف یائی سے باب ضرب میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر اصطلاحاً اسم جامد ہے اس کی جمع مکسر سُیُوْلٌ ہوتی ہے۔ مصدری معنیٰ ہیں بہنا۔ جامدی معنیٰ ہیں۔ بہاؤ۔ یا بہت قدرتی پانی آجانا۔ یعنی سیلاب وہی یہاں مراد ہیں زَبَدًا اسم جامد ہے بمعنیٰ جھاگ اس کی جمع اَزْبَادٌ ہے بحالت نصب مفعول بہ ہے۔ مابعد کا موصوف ہے رَابِیًا۔ اسم فاعل ہے باب ضَرَبَ سے یا نَصَرَ سے ہے رُبُوٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ پھولنا۔ یہ صفت تابع ہے اس لیے تبعی نصب ہے

واؤ سر بلہ۔ مِن جارہ بعضیت کا یا بیانیہ۔ یُوْقِدُوْنَ۔ فعل مضارع باب اِفعال سے صیغہ جمع مذکر غائب ایک قرأت میں حاضر ہے یعنی تُوْقِدُوْنَ۔ وَقْدٌ مثال واوی سے مشتق ہے بمعنی شعلوں والی آگ بھڑکانا۔ علیٰ جارہ بمعنی فوقیت کا یا معیت کا ہ ضمیر کا مرجع مَا موصولہ ہے۔ جمّا متعلق مقدم ہے اور یہ متعلق دوم ہے فی جارہ ظرفیہ اَلنَّار الف لام جنسی یا عہدی نار اسم جامد ہے مجرور ہے متعلق سوم ہے اِبْتِغَاءَ مصدر ہے باب افتعال کا بُغْیٌ سے بنا ہے بمعنی محبت سے یا کوشش سے کسی چیز کو چاہنا یا تلاش کرنا۔ یہاں چاہنا مراد ہیں مضاف ہے حِلْیَۃٍ مفعول مضاف الیہ اسم جنسی ہے واحد ہے اس کی جمع تکسیر حُلِیٌّ ہے بمعنی زیور۔ زینت۔ اَوْ حرفِ عطف اِبْتِغَاءِ مَتَاعٍ بروزن فَعَالٍ مصدر ثلاثی ہے بمعنی نفع مراد سامان برتن ہیں۔ یہ سب عطف معطوف مضاف الیہ اور مرکب اضافی مفعول لہٗ ہے یُوْقِدُوْنَ کا اسی سے ہے وُقُوْدٌ بمعنی ایندھن۔ یہ جملہ خبر مقدم ہے۔ زَبَدٌ موصوف مِثْلُ تشبیہی اسم ہے مضاف ہے ہ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ کا مرجع زَبَدٌ ہے یہ مرکب اضافی صفت ہے۔ موصوف وصفت بحالت رفع مبتدا مؤخر ہے۔ کاف حرفِ جر برائے تشبیہ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی یعنی اُس طرح جار و مجرور متعلق مقدم ہے مذکورٌ پوشیدہ کے اور یہ اسم مفعول جملہ اسمیہ بن کر مبتدا ہے۔ اگلا سارا جملہ فعلیہ خبر ہے۔ یَضْرِبُ فعل مضارع ضَرْبٌ سے بنا ہے بمعنی مارنا یہ معنی اصل ہیں۔ اصطلاحی معنی ۱ بیان کرنا۔ ۲ ڈالنا۔ ۳ زمین پر چلنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی بیان کرنا متعدی بیک مفعول ہے اللّٰہُ بحالت رفع اس کا فاعل ہے اَلْحَقَّ الف لام عہدی ذہنی بحالت نصب مفعول بہ ہے۔ حَقٌّ اسم جامد ہے مصدر بھی ہوتا ہے بمعنی ۱ درست۔ قائم ۲ دائم۔ درست ۳ اعتقاد۔ ۴ حقیقتِ واقعی یہاں پہلے معنی ہیں وَ عاطفہ بَاطِلَ بحالت نصب معطوف ہے۔ باطل ہر معنی میں حق کے مخالف ہے اس لیے اس کے بھی چار معنی۔

۱ غلط۔ گمراہ۔ ۲ قابل فنا۔ ۳ کفریہ اور برے عقیدے۔ ۴ جھوٹ فریب حقیقت کے خلاف۔ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً وَ اَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ فِی الْاَرْضِ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ فَ زائدہ اَمَّا حرفِ شرط تاکیدی۔ اکثر کلام مجمل کی تفصیل کے لیے آتا ہے مگر کبھی استیناف کے لیے ہوتا ہے تفصیلی میں تکرارِ اَمَّا واجب ہے یہاں تفصیل ہے۔ اَلزَّبَدُ۔ الف لام جنسی۔ بمعنی جھاگ ہے بحالت رفع مبتدا ہے فَ معنی جزائیہ ہے یَذْھَبُ مضارع معروف۔ ذَھَبٌ سے بنا ہے بمعنی جانا۔ لے جانا۔ یہاں لازم ہے یعنی ہوا۔ جُفَآءً اسم جامد ہے بحالت نصب حال ہے یَذْھَبُ کے فاعل کا بمعنی بکھر کر یا جل کر ختم ہو جانا وَ عاطفہ اَمَّا حرفِ تاکید برائے تکرار۔ مَا موصولہ مراد ہے زَبَدٌ۔ یَنْفَعُ۔ فعل مضارع معروف متعدی ہے نفع سے بنا ہے بمعنی مشکل کشائی کرنا۔ فائدہ دینا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع مَا موصولہ ہے اَلنَّاسُ الف لام جنسی یا استغراقی نَاس اسم جنسی ہے اس لیے واحد جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے ایک قول میں نَاس جمع ہے اِنْسٌ کی۔ فَ جزائیہ اگلا جملہ جزا ہے اس جملہ شرطیہ کی یَمْکُثُ باب نَصَرَ کا مضارع معروف ہے صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ فاعل کا مرجع مَا موصولہ ہے مُکْثٌ سے مشتق بمعنی ٹھیرے رہنا۔ قائم ثابت رہنا۔

قائم ثابت رہنا۔ کہیں رک جانا۔ اٹک جانا۔ رہائش رکھنا لازم ہے یہاں سب معنیٰ درست ہیں فی جارہ ظرفیہ الْاَرْضِ۔ الف لام جنسی ارض اسم جامد جنسی ہے۔ جارو مجرور متعلق ہے۔ یَمْکُثُ کا۔ کَذٰلِکَ۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے یَضْرِبُ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا ضَرْبٌ سے بنا ہے متعدی بیک مفعول ہے۔ لفظ اللہ اس کا فاعل اسم ظاہر ہے۔ الْاَمْثَالَ۔ الف لام عہدِ ذہنی یا استغراقی ہے۔ اَمْثَال جمع ہے مِثْلٌ کی یا مَثَلٌ کی۔ مِثْلٌ کا معنیٰ ہے مشابہ ہونا۔ برابر ہونا۔ کسی سے بہتر ہونا۔ مَثَلٌ کے معنیٰ ہیں۔ کہاوت بیان کرنا۔ اندازہ لگانا۔ تنبیہ دینا۔ اسی سے ہے مِثَالٌ اس کی جمع ہے اَمْثِلَۃٌ یا مُثُلٌ۔ مَثَلٌ کی جمع مکسر مثول بھی آتی ہے۔ یہ اس کہاوت کے معنی میں زیادہ مناسب ہے۔

تفسیر عالمانہ

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا وَ مِمَّا يُوْقِدُوْنَ عَلَيْهِ فِي النَّارِ ابْتِغَآءَ حِلْيَةٍ اَوْ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثْلُهٗ۔ انسان نے قدرت الٰہیہ کی لاکھوں نشانیاں دیکھیں۔ عقلوں نے خالقِ کائنات کی صنعت کو تسلیم کیا ضمیر و شعور نے اس رب کریم کو خالق مانا مگر وتدبر اس کو معبود ماننے پر مجبور ہو گئے مگر دماغِ نفسانی اور شر شیطانی نے جھوٹے معبود مقابل میں گھڑ لیے۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے انسان اپنی دیوانگی میں اتنا آگے کیوں بڑھ جاتا ہے جب کہ انجام سے بھی خبردار کر دیا گیا ہے۔ اور آئندہ کے سارے حالات روزِ روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ اسی کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ دنیاءِ انسانیت دو طرح پر تقسیم ہے۔ ۱۔ حق۔ ۲۔ باطل۔ حق کو ثبات اور بقا ہے باطل کو کمزوری اور فنا ہے۔ اور چونکہ حق بھی دو شان والا ہے اور باطل بھی دو طرح نمودار ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں دو مثالیں ارشاد فرمائی گئیں۔ اس رب تعالیٰ نے جس نے کہ آسمانوں کو پیدا کیا اور جس کی ہر چیز قہار و جبار کے قبضۂ قدرت کے نیچے مثل سجدہ گری پڑی ہے اسی نے نازل فرمایا اپنی شاہکار قدرت کے ذریعہ آسمان سے پانی۔ ملائکہ کے ذریعے کرۂ آب سے وہ پانی بادلوں میں ٹھہرا تاکہ زمین کے نزدیک ہو جائے اور پانی گرنے کی زیادہ دھمک پیدا نہ ہو نہ زمین خراب ہو نہ زمین والے۔ اس کے باوجود بارشوں کا اصل مرکز اور ظرف مکانی پہاڑوں کو بنایا تاکہ ان کی پتھریلی مضبوطی برداشت کر لے پھر وہاں سے بلندیوں۔ اور چشموں کے ذریعے نیچے آئے تو میدانی جنگلوں کی چھوٹی۔ بڑی نالیاں نالے اور کھائیاں گھاٹیاں اپنے اندازے سے چوڑائی۔ گہرائی۔ تنگی فراخی کے لحاظ سے بہنے لگ گئیں۔ اور خزانۂ قدرت کے پانی کا سیلاب اُٹھ پڑا۔ اس جوش خروش پانی نے جھاگ اٹھایا اور راستے کا کوڑا کچرا میل کچیل جھاڑ جھنکاڑ بھی ساتھ بہا لیا۔ یہ سب جھاگ وغیرہ پانی کے اوپر چھا گیا بظاہر معلوم ہوا کہ سب پانی ہی گندا ہے یا یہ میل کچیل پانی پر غالب ہے مگر کچھ دیر بعد ہی ایسا ہوتا ہے کہ پانی کی ایک لہر یا ہواؤں کا ایک چھوٹا سا جھونکا ہی سب خس و خاشاک کو اٹھا کر دور کسی خشک کنارے پر پھینک دیتا ہے۔ اور صاف ستھرا۔ اجلا۔ نکھرا۔ چمکتا۔ دمکتا موجیں مارتا ہوا پانی اپنے راستے پر رواں دواں چلتا رہتا ہے۔ یہ ایک باطل کی مثال ہے جو حق کے مقابل ظاہر ظہور کفر کا لبادہ اوڑھ کر

آجاتا ہے اور اپنے ظاہری رعب داب ہیچ دہیچ اکڑ غرور چیخ و پکار شور و شغب سے حق پر غالب آنے اور چھا جانے کی کوشش کرتا ہے۔ اور کچھ دیر کے لیے ایسا ہو بھی جاتا ہے۔ جس سے اہلِ باطل کو عارضی خوشیاں مل جاتی ہیں اور اہلِ ایمان ظاہر بین افسردہ و رنجیدہ ہو جاتے ہیں مگر اہلِ حق۔ مضبوط ارادے اور پختہ عقیدت اور خالص عقل و ہوش والے اِس حقانیت و بطالت کے انجام سے بخوبی واقف ہیں۔ اور یہ لوگ دنیا والے بہت سی دھاتوں پر آگ بھڑکاتے ہیں اُن میں سے کچھ دھاتوں کو زیور کی چاہت کے لیے یا کچھ دھاتوں کو گھریلو سامان، برتن وغیرہ بنانے کے لیے پگھلاتے ہیں۔ مثلاً سونا چاندی زیور کے لیے اور پیتل تانبہ۔ سلور۔ لوہا دیگر اشیا کے لیے اُن کے پگھلنے سے بھی اُسی طرح جھاگ اوپر چھا جاتا ہے۔ حالانکہ پگھلنے سے پہلے یہی سونا چاندی اور تمام دھاتیں اپنے اپنے جسم میں بڑی خوبصورت اور صاف۔ ستھری۔ پاکیزہ۔ خالص معلوم ہوتی تھیں مگر ان کا باطنی میل کچیل اور ملاوٹ آگ کی بھٹی میں آنے کے بعد ظاہر ہوا۔ یہ جھاگ بھی ظاہراً بڑا پھولا پھولا اور زیادہ دکھائی دیتا ہے۔ مگر تھوڑی دیر بعد ہی کچھ تو جل کر ختم ہو جاتا ہے اور کچھ کو نکال کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر معلوم ہوتا ہے کہ یہ بیکار اور ناکارہ اور فنا ہونے کے لائق تھی۔ یہ اُس باطنی منافقت کی مثال ہے۔ جو انسان کے اندر چھپی ہوئی شیطانیت اور دبی ہوئی شرارت ہے۔ ایک تفسیر یہ کی گئی ہے کہ اللہ نے آسمان کی طرف سے پانی اُتارا یعنی بلند بادل سے کیونکہ جو بادل جہاں برستا ہے وہ اُس جگہ سے بہت اونچائی پر ہوتا ہے۔ تو ان بارش کے پانی سے بہنے والے پانی کا سیلاب بہا۔ اللہ تعالیٰ کے اندازے کے مطابق ہر نالے ندی نے پانی لیا جس وادی اور نالی اور جنگل کی قسمت میں ہوا اسی نے لیا اتنا ہی لیا جتنی تقدیرِ ازلی میں تھا ایک قطرہ بھی زیادہ و نہ کم اور سب نالے ندی نہ لے سکے۔ اللہ اکبر ہر چیز اُس کے حکم کی بندش میں بندھی ہوئی ہے پانی سے بھی جھاگ بنا اور اُڑا دیا گیا۔ آگ نے بھی جھاگ بنایا اور جلا دیا۔ جھاگ دنیا کا باطل ہے اور کفر و شرک اور بدعقیدگی آخرت کا جھاگ اور باطل اُس کو بھی فنا اِس کو بھی فنا۔ سنیاسی اور کیمیا گر کہتے ہیں کہ دھاتیں پتھر کی گوند اور موم ہیں دنیا میں سولہ قسم کی دھاتیں ہیں۔ نمبر ۱۔ سونا پیلا یہ عام۔ نمبر ۲۔ سونا سفید۔ نمبر ۳۔ سونا سرخ۔ نمبر ۴۔ چاندی یہ ایک ہی قسم اور رنگ کی ہے۔ نمبر ۵ پیتل یہ بھی ایک ہی قسم کی ہے اس کا رنگ پیلا ہوتا ہے۔ نمبر ۶۔ تانبہ ایک ہی رنگ سرخ اور ایک قسم کا ہوتا ہے۔ نمبر ۷۔ سلور اس کی چار قسمیں ہیں۔ نمبر ۸۔ سلور کا پارہ۔ نمبر ۹۔ سلور ہلکا نمبر ۱۰۔ سلور گلٹ۔ نمبر ۱۱۔ سلور سکہ ان سب کا رنگ سفید ہوتا ہے۔ نمبر ۱۲۔ پلاٹینم یہ بہت کم یاب دھات ہے اس لیے سونے سے مہنگی ہے۔ نمبر ۱۳۔ لوہا سیاہ۔ نمبر ۱۵۔ لوہا سٹیل (مضبوط) نمبر ۱۶۔ لوہا دیگی (کچا کمزور) سونا چاندی سے تین چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ نمبر ۱۔ زیور نمبر ۲۔ سلطنتی سکہ درہم دینار وغیرہ۔ نمبر ۳۔ زرِ مبادلہ۔ باقی دھاتیں برتن۔ ہتھیار۔ مشینیں۔ اسلحہ کے لیے استعمال ہوتی ہیں کروڑوں انسانی ضروریات ان دھاتوں سے حاصل کی جاتی ہیں۔ تمام دھاتیں صرف پہاڑوں سے ہی نکلتی ہیں۔

لوہا آسمان سے نازل ہوتا ہے اور پہاڑوں سے حاصل ہوتا ہے اس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے۔

كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ فَاَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْاَرْضِ كَذٰلِكَ يَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ ۔ جس طرح ان چار چیزوں پانی، آگ، جھاگ۔ دھات سے بقا اور فنا۔ نفع اور نقصان۔ کار آمد۔ اور بیکار کی مثال سمجھائی گئی۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل کی مثال بیان فرماتا ہے پس لیکن وہ جھاگ جس نے وقتی طور پر بہت آار چڑھاؤ دکھایا تھا سارے ستھرے پانی پر چھا گیا تھا۔ اسی قوتِ آب سے ایسا فنا ہوتا ہے اور پھونکوں سے ایسا اڑتا ہے کہ وادی میں نام و نشان نہیں ملتا۔ لیکن وہ پانی جو تمام لوگوں اور مخلوق حیوانی نباتاتی۔ جماداتی کو نفع دیتا ہے وہ زمین میں دریا۔ نہر۔ تالاب حوض۔ جوہڑ۔ ندی۔ نالے۔ کوئیں چشمے کی صورت میں ٹھہر جاتا ہے۔ اور اپنی اس بقا سے کہیں پھول کہیں پھل کہیں غنچے کہیں کلیاں۔ کہیں چمن کہیں کھیت کہیں بیلیں کہیں بوٹے کہیں نازک گھاس کہیں تناور درخت سجا دیتا ہے کسی کی پیاس بجھاتا ہے کسی کی آگ۔ گندے کو پاک کرتا ہے اور پاکیزہ کو اُجلا۔ میلے کو صاف کرتا ہے اور صاف کو ستھرا۔ سخت کو نرم کرتا ہے اور نرم کو عمدہ۔ خشک کو تر کرتا ہے اور تر کو ٹھنڈا۔ اسی طرح وہ کھوٹ ملاوٹ۔ میل کچیل جس نے قیمتی دھات کے اندر خاموشی سے ڈیرہ جما لیا ہے اور کسی طریقے سے نکلنے کا نام نہیں لیتا۔ دھات کے ساتھ رہکر خود بھی قیمتی بننا چاہتا ہے اور خود کو قیمتی جوہر ہی ثابت کرنا چاہتا ہے مگر جب آگ کے اندر ڈالا جاتا ہے تو اصلیت ظاہر ہو جاتی کھوٹے کھرے کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ وہاں بھی یہ کھوٹ جھاگ کی طرح اُبھرتا ہے مگر جل بُھن کر ختم ہو جاتا ہے۔ یا نکال کر کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے اُس کی تیزی طراری کچھ کام نہیں آتی اور اصل دھات ہزار ہا نفعوں کے ساتھ باقی رہتا ہے کہیں محبوب کے گلے کا ہار بنتا ہے کہیں خوبصورت انگوٹھی بن کر دست بوسی کے لائق ہو جاتا ہے۔ کوئی برتن بن کر کسی کے ہونٹوں کا قرب حاصل کرتا ہے۔ کہیں ہتھیار بن کر دوست کی حفاظت کرتا ہے۔ اسی طرح رب تعالیٰ بندوں کو سمجھانے کے لیے انتہائی آسان طریقے سے حق و باطل۔ ایمان و کفر۔ مومن منافق۔ زور و شور۔ بقا و فنا۔ نفع۔ نقصان۔ دوست دشمنی۔ مخلص و عیار کی مثالیں بیان فرماتا ہے۔ کہ حق کتنا ہی خاموش ہو مگر اُس کو بقا ہے باطل میں کتنا ہی شور ہو مگر اُس کو فنا۔ ایمان نفع دینے والا کفر نقصان دہ مومن میں خلوص ہے منافق میں عیاری۔ تاریخ اسبات کی شاہد ہے کہ کفر نے اسلام کے مقابلے کے لیے کتنے زور دکھائے اور باطل نے حق کو مٹانے کے لیے کیسے کیسے بھیس بدلے۔ کس کس روپ میں سر اُبھارا مگر کفر مٹتا چلا گیا۔ اسلام روزِ اول کی طرح آج بھی سدا بہار پھولوں جیسا کھلا ہوا ہے رسول اللہ کی ایک ایک ادا آج بھی مشعلِ راہ ہے صلی اللہ علیہ وسلم کہاں ہے نمرودیت فرعونیت۔ بوجہلیت۔ یزیدیت۔ کہاں گئے لات و عزّیٰ کے پجاری۔ یہی حال اسلام میں چور دروازے سے گھس آنے والے باطل فرقوں کا ہے۔ کبھی کسی زمانے کسی علاقے میں معتزلہ جبریہ۔ قدریہ۔ کا کتنا شور ہوا کرتا تھا اہل سنت پر کس طرح چھائے پھرتے تھے جھوٹی بادشاہتوں فانی حکومتوں کے سہارے اور بلبوتے پر اہل سنت کو مٹانے کے لیے کتنے زور لگائے۔ ائمہ اہلِ سنت پر کتنے ظلم ڈھائے مگر آخر فنا کس کو ہوئی آج دنیا ؂

موجودات میں ان کا نام ونشان بھی باقی نہیں۔ پھر خوارج وروافض نے سر ابھارا مگر آج اُس کا نام لینا کوئی پسند نہیں کرتا۔ کسی دور میں وہابیت نے کیا کچھ نہ کیا اور کس کس روپ اور کیسے کیسے بھیس میں آئے۔ آج بھی کتنے ہی ناموں سے وہابیت کو بچانے کی کوشش کی جارہی ہے لیکن عملی طور پر ختم ہے صرف نام چل رہا ہے۔ بلکہ نام سے بھی شرمندہ ہیں ورنہ جو کام اُن کے عقیدے میں کفر وشرک وبدعت ہے کسی نہ کسی حیلے بہانے سے اپنے موقعے کے لحاظ سے خود کر رہے ہیں۔ مگر حق کی شان جماعتِ اہلِ سنت کی شکل میں روزِ اول سے آج تک اسی آن بان کے ساتھ ہیں اُس کے پھول حنفی مالکی حنبلی شافعی اور اُس کے غنچے قادری چشتی نقشبندی سہروردی۔ اور نشانات وعلامات اپنے وقتوں میں اشعری، ماتریدی، شاذلی، بریلوی۔ آج بھی چمک رہے ہیں۔ یہ اللہ کی مثالیں عبرت کی آنکھ کھولنے کے لیے کافی ہیں۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ ہر ایک کو دیتا ہے مگر لینے والا اپنی حیثیت اور اپنے برتن کے مطابق لیتا ہے۔ تو یہ امیری غریبی بندوں کی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔ لیکن حیثیت کا خالق بھی رب تعالیٰ ہے جو اس اختلاف کی حکمت بھی جانتا ہے۔ یہ فائدہ بِقَدَرِهَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ باطل کی انفرادی کثرت ہوتی ہے اور اسی وجہ سے اُن کا شور زیادہ ہوتا ہے۔ ابتداءِ آفرینش سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ مگر قوت وطاقت حق اور اہلِ حق میں زیادہ ہوتا ہے۔ اگرچہ ظاہراً وہ تھوڑے اور چھپے ہوئے ہوں۔ **تیسرا فائدہ**۔ دنیا میں حق والوں کو مصائب زیادہ ہوں گے لیکن آخر کار کامیابی اہلِ حق کی ہوتی ہے۔ اس لیے ایمان والوں کو صبر۔ لگن۔ استقامت مستقل مزاجی۔ اور ہمہ تن حق پرستی میں مشغول رہنا چاہیے۔ کسی عارضی اُتار چڑھاؤ سے پریشان اور مرعوب نہ ہونا چاہیے۔ نہ اپنی مغلوبیت یا ناکامی سے بددل ہو۔ قرآنِ مجید کی یہ آیتِ پاک مسلمانوں کو بہت شاندار کامیاب زندگی کے راز سمجھا رہی ہیں۔ زمانے کے تغیر تبدل سے اپنا حال اپنی روش نہ بدلو تو یہ طوفان اور آندھیاں کچھ دیر بعد خود بخود ختم ہو جائے گی۔ جو قومیں چڑھتے سورج کے سہارے لیتی ہیں یا کسی غیبی طاقت کی آس لگائے بیٹھ جاتی ہیں وہ ناکام ترین ہیں اللہ تعالیٰ اُن کی حالت کو نہیں بدلتا۔ یہ فائدہ فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ اور فَيَذْهَبُ جُفَاءً فرمانے سے حاصل ہوا کہ پانی کا سیلاب خود اپنی جوان ہمتی سے اس چھائے اور غالب آئے ہوئے جھاگ کو فنا کر دیتا ہے۔ اور آگ خود میل کچیل کو جلا ڈالتی ہے۔ اسی طرح مومن کو بھی شریعت کا سیلاب اور طریقت کا شعلہ زن آگ بن کر زندگی گزارنا چاہیے۔ **چوتھا فائدہ**۔ مومن اللہ کی نفع بخش نعمت ہے لہٰذا ولی اللہ حاجت روا مشکل کشا ہو سکتے ہیں یہ فائدہ مَا يَنْفَعُ النَّاسَ سے حاصل ہوا کیونکہ رب نے حق کو نافع فرمایا اور مومن بھی حق ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دعا میں آسمان کی طرف ہاتھ اٹھانا ضروری ہے۔ کیونکہ دعائیں مانگا جاتا ہے اور اللہ کے رزق کے دینی و دنیوی خزانے آسمانوں میں ہیں۔ یہ مسئلہ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ گویا کہ آسمان قبلہ دعا ہے۔ نماز کا قبلہ کعبہ ہے دعا میں کعبے کو منہ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ حدیث سے کہیں ثابت نہیں۔ نجدیوں وہابیوں نے صرف روضۂ رسول اللہ کی طرف گستاخانہ پیٹھ کرنے کیلئے مسجد نبوی میں یہ بری بدعت ایجاد کی ہے۔ **دوسرا مسئلہ۔** دنیوی لحاظ سے کفار کو نفع دینا بھی جائز ہے مگر دینی قومی یا ملکی اعتبار سے کفار کو نفع دینا گناہ اور اسلام اور مسلمانوں سے غداری ہے اور سراسر نقصان دہ ہے۔ جس کے نتائج اکثر خطرناک ہوتے ہیں یہ مسئلہ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ کی تمثیل الیہ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** ٹھیرا ہوا پانی حوض تالاب۔ گڑھا ندی وغیرہ یا بارشی چھوٹے چھوٹے پانی سے بھرے ہوئے گڑھے ان کا پانی پاک ہے ان کا پینا اور وضو غسل جائز ہے جب تک گندگی گرنے یا ناپاک ہونے کا یقین یا خود مشاہدہ نہ ہو۔ صرف یہ شک کرنا کہ یہاں پہلے گندگی ہوگی یا بہتے پانی میں گندگی بہتی آگئی ہوگی یہ غلط ہے۔ یہ مسئلہ يَنۡفَعُ النَّاسَ فرمانے کے بعد فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا شیعوں کا مذہب قرآن مجید کے خلاف ہے کہ وہ حوض کے کھڑے پانی سے وضو نا جائز مانتے ہیں اور کہتے ہیں کھڑے ہونے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ اگر کھڑا پانی ناپاک ہوتا تو يَنۡفَعُ النَّاسَ نہ ہوتا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ جس نے وضاحت فرمائی کہ آسمان سے پانی اترتا ہے حالانکہ فلاسفۂ اسلامی بھی اور سائنسدان بھی کہتے ہیں کہ دریاؤں سمندروں میں سورج کی تپش سے بخارات اٹھتے ہیں ان سے بادل بنتا ہے وہ ہوا سے ٹھنڈا ہو کر برس پڑتا ہے اور نیز روایات و اسلامی نظریات کے مطابق آسمانوں کا فاصلہ لاکھوں میل ہے وہاں سے قطرہ آتے آتے راستہ میں خشک ہو جائے گا۔ تو یہ آیت کیونکر درست ہوئی۔ (آریہ ہندو۔ ستھیارت پرکاش)۔

جواب۔ اس کا جواب ہم نے تفسیر میں دیدیا ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ فلاسفۂ اسلامی آسمان کا لغوی ترجمہ کرتے ہیں یعنی بلندی کی طرف سے اور چونکہ بادل بھی بلند ہے آسمان سے مراد بادل ہے۔ بعض مفسرین نے یہ جواب دیا ہے کہ سمندر کا پانی آسمان سے آیا تھا پہلے جب سمندر بنایا گیا تھا اس وقت پھر اسی کی بھاپ سے بادل بنتا ہے تو گویا واسطہ ہو کر اخیر آسمان ہی مرکز اور منبع ثابت ہوا۔ مگر یہ سب عقلی اور خیالی وہمی جواب ہیں اصل یہی ہے کہ قدرت الٰہی سے آسمان سے ہی آتا ہے۔ اس کی حقیقت کو رب تعالیٰ جانتا ہے۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ بارش کے پانی سے وادیوں میں سیلاب آجاتا ہے۔ حالانکہ سب وادیوں میں پانی نہیں آتا۔

جواب۔ یہاں اَودِیَۃٌ نکرہ ارشاد ہوا اس لیے سب وادیاں شامل نہیں ہیں بلکہ بعض کیونکہ نکرہ کلیت کو ختم کرتا ہے۔ نیز یہاں وادیوں سے اُس جگہ کے نالے نالیاں مراد ہیں جہاں بارش ہو رہی ہو وہ سب۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہر وادی ندی نالہ اپنے جسم اپنی قدر اور اندازے سے پانی لیتا ہے چھوٹے نالے میں تھوڑا پانی بڑے میں زیادہ اتنا کہ اُس کے اندر سما سکے۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ جب موسم برسات میں پہاڑوں پر تیز بارشیں ہوتی ہیں تو دریاؤں ندی نالوں میں طغیانی آجاتی ہے اور کناروں میں پانی نہیں سماتا اندازے سے کہیں زیادہ ہو کر کناروں سے باہر نکل کر بستیوں کو تباہ کر دیتا ہے بعض ملکوں میں ہر سال بعض میں دوسرے تیسرے سال اسی طرح کی تباہ کاری ہوتی ہے۔ پھر بِقَدَرِهَا کہنا کیسا مناسب ہوگا۔

جواب۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمے نے اِس کا جواب دیدیا کہ قدر سے مراد اندازہ نہیں بلکہ لائق ہیں اور لائق کا معنیٰ ہے ضرورت۔ اب یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کس ندی نالے کو کتنے پانی کی کس سال کیا ضرورت ہے۔ کب کس دریا کو سیرابی کی ضرورت ہے کب سیلابی کی۔ کس کو تھوڑے پانی کی حاجت کس کو اپنے ظرف سے کہیں زیادہ کی ضرورت۔ کبھی ایک وادی سے سیرابی کا کام لیا جاتا ہے کبھی کسی دریا سے سیلابی مچادی جاتی۔

تفسیر صوفیانہ

اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَسَالَتۡ اَوۡدِيَةٌ ۢ بِقَدَرِهَا فَاحۡتَمَلَ السَّيۡلُ زَبَدًا رَّابِيًا ؕ وَمِمَّا يُوۡقِدُوۡنَ عَلَيۡهِ فِى النَّارِ ابۡتِغَآءَ حِلۡيَةٍ اَوۡ مَتَاعٍ زَبَدٌ مِّثۡلُهٗ ؕ كَذٰلِكَ يَضۡرِبُ اللّٰهُ الۡحَـقَّ وَالۡبَاطِلَ ؕ۔ اُس اللہ کی محبوبیت بے مثل کی کتنی دلیل ہے کہ اُس نے آسمان رُوحِ قدس سے علم لدنی کا پانی نازل فرمایا تو اُس کو اہلِ دل کے قلبی وادیوں نے اپنے اپنے لائق ضرورتِ باطنی اور فیض رسانی و مقصد زندگانی کے اندازے سے لیا اور عالمِ ناسوت کے گوشے گوشے میں بہنے لگے۔ اور اسی محبوبِ قدیمی نے قلبِ مومن کے آسمان سے محبتِ عرفانی کا پانی نازل فرمایا تو نفوسِ قدسیہ کے فیضان کی وادیاں اپنے اندازے اپنی حیثیت و ہمت کے مطابق بہنے لگیں۔ کہیں دریاء قادریت کہیں چشتیت کہیں نقشبندیت اور سہروردیت اور اسی واحدِ ازلی نے آسمانِ انوار سے مشاہدے کا پانی نازل فرمایا۔ تو مکاشفہ و ولایت کے چشمے بہنے لگے اور اسی قہارِ قدرت نے آسمانِ جبروت سے تجلیات کا پانی نازل فرمایا تو اسرارِ الٰہیہ کی وادیاں محرمِ اسرار کے سینوں سے جاری ہو گئیں پھر ولایتِ کبریٰ کا ایسا سیلاب اُٹھا کہ عقل و فلسفہ۔ منافقت مخالفت۔ رذالت فضالت کے سارے گھاس پھوس جھاڑ جھنکاڑ میل کچیل مثلِ جھاگ بہا کرلے گیا اگر دنیاء ایمانیات میں وجودِ ولایت نہ ہوتا تو ہر طرف زندیقیت چھا جاتی۔ عاشقِ بیدار کی چشمِ گریاں کے سیلاب سے زمینِ نفس کی غلاظتیں خباثتوں کا جھاگ اٹھاتا ہے۔ یہی وہ آبِ فنا ہے جس نے اُنکے کوڑے کو جھاگ بنا کر مٹا دیا۔ اور وہ بندگانِ شوق جو اپنے اعمالِ صالحہ کے سونے چاندی اور دھاتوں کو نارِ عشقِ الٰہیہ کی بھٹی میں ڈالتے ہیں تاکہ میدانِ قیامت کے بازار میں قیمتی زیور

باکار آمد سامان بنے اُن اَعمالِ خسیسہ میں ریا و بے رغبتی ۔ بے وقتی کاہلی سستی کا میل کچیل پھیلا رہتا ہے وہ تارِ عشق سے مثل جھاگ اسی طرح اُبھرتا ہے ۔ گویا کہ شریعت کا پانی اور طریقت کی آگ دونوں ہی بندۂ مخلص کو مردِ کامل بنانے والی ہیں ۔ مسافرانِ معرفت کے لیے اسی طرح اللہ تعالیٰ حق و باطل فنا ۔ بقا ۔ قُرب و بُعد کی مثالیں بیان فرماتا ہے فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْهَبُ جُفَآءً ۚ وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْكُثُ فِی الْاَرْضِ كَذٰلِكَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لیکن دنیوی شیطانیت کا جاہ و جلال شور و غل تکبر و خباثت کا جھاگ جل کر فنا اور باطل ہو جاتا ہے اور لیکن وہ ولایتِ حق وجود اولیاء اللہ جو انسانیتِ عالم کو شریعت طریقت ۔ حقیقت معرفت انوار و اسرارِ قرآن و حدیث کا فیضانِ الٰہیہ کا نفع دیتے ہیں ان کو مدارس و خانقاہ مزارات کی آماجگاہِ باطن و ظاہر کی زمینِ مقدس میں اس طرح ٹھیرایا جاتا ہے کہ اُن کے نام ۔ کام ۔ اعمال ۔ کردار ۔ ذکر چرچے کو زمانے کا کوئی جھکڑ کوئی طوفان ابدالآباد تک مٹا نہیں سکتا ۔ ہزاروں آندھیاں چل جائیں مگر معرفت کی شمعیں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ چراغ ہمیشہ روشن ہی رہیں گے اور مزاراتِ صالحین پر فیض پانے والے عشاق کے میلے ہی لگے رہیں گے ۔ باری تعالیٰ اسی طرح مثالیں ظاہر فرماتا ہے ۔

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰیؔ وَالَّذِیْنَ

لیے اُن کے جنھوں نے حکم مانا رب اپنے کا دائمی بھلائی ہے ۔ اور وہ جنھوں نے

جن لوگوں نے اپنے رب کا حکم مانا انہیں کے لیے بھلائی ہے ۔ اور

لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

نہ حکم مانا کا اُس کا اگر بیشک لیے ہو اُن کے وہ سب جو ہیں زمین

جنھوں نے اُس کا حکم نہ مانا اگر زمین میں جو کچھ ہے ۔

جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ

ہے اور مثل اُس کی ساتھ اُس کے البتہ فدیہ دے دیتے اُس کا یہی

وہ سب اور اُس جیسا اور ۔ اُن کی ملک میں ہوتا تو اپنی جان چھڑانے کو دے دیتے

لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ ۙ۬ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ

ہیں وہ لوگ یہیے ہے جن کے برا حساب اور ٹھکانہ اُن کا جہنم ہے

یہی ہیں جن کا بُرا حساب ہوگا اور اُن کا ٹھکانہ جہنم ہے

وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۸﴾ ع اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ

اور بُرا ہے آرام کا مقام کیا پس وہ شخص جو جانتا ہے کہ بیشک وہ جو اُتارا گیا

اور کیا ہی بُرا بچھونا ۔ تو کیا وہ جو جانتا ہے جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اُترا

اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا

طرف آپ کے طرف سے رب آپکے حق ہے مثل اُس شخص کے ہو سکتا ہے جو اندھا ہو فقط

حق ہے وہ اُس جیسا ہوگا جو اندھا ہے نصیحت وہی ۔

یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۱۹﴾ ۙ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ

نصیحت مانتے ہیں عقل والے وہ جو پورا کرتے ہیں

مانتے ہیں جنہیں عقل ہے وہ جو اللہ کا عہد پورا کرتے ہیں

بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ ﴿۲۰﴾ ۙ

کو وعدہِ اللہ کے اور نہیں توڑتے ہیں پکے مضبوط وعدے کو

اور قول باندھ کر پھرتے نہیں ۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں دنیا والوں اور دنیا کی دولت ومال کا ذکر فرمایا گیا اور اشارہ کیا گیا تھا کہ دنیا پرستوں کے نزدیک دنیوی مال ودولت کتنی عظیم اور مفید چیز ہے ۔ اب ان آیات میں اسی دنیوی دولت کی اخروی قدر وقیمت کا تذکرہ ہے کہ جب ان دنیا پرستوں کو عذاب پہنچایا جائے گا تو کس طرح دولت

کمانے کی کوشش کریں گے۔ حالانکہ آج دنیوی چند روزہ زندگی میں اسی دنیوی دولت کی لالچ میں مرے مٹے جاتے ہیں۔ کہ حق کی پرواہ نہیں کرتے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں۔ دنیوی دولت کے اصلی ٹھکانے کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ زمین کی گہرائیوں میں ہے۔ اب ان آیات میں دنیا پرستوں کے اصلی دائمی ٹھکانے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ ابدی جہنم ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں رب تعالیٰ نے مثالوں کا تذکرہ فرمایا۔ اب ان آیات میں ان پیارے بندوں کا ذکر ہے جو ان مثالوں سے فائدہ اور عبرت حاصل کر لیتے ہیں۔

نزول

جس طرح ابوجہل اپنے اندھے پن کی وجہ سے قرآن کریم اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نہیں جانتا تھا اور ہر جگہ ان کے خلاف باتیں کرتا رہتا تھا۔ اس کے مقابل حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے نور ایمانی کی بنا پر اپنی ڈیوٹی لگائی تھی کہ ہر جگہ ہر شخص کے سامنے قرآن کریم کی شان میں وعظ فرماتے رہتے تھے ان دونوں کے متعلق گیارہ آیتیں اتریں از ۱۸ تا ۲۹۔

تفسیر نحوی

لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ

لام جارہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول متعلق مقدم ہے اور علیحدہ نیا کلام ہے۔ صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا۔ یہ متعلق موخر ہے سابقہ کلام یضرب کا اور نیا کلام نہیں اور الحسنیٰ صفت ہے پوشیدہ مصدر مفعول مطلق الاستجابت کی اِسْتَجَابُوْا فعل ماضی مطلق جمع غائب باب استفعال سے ہے دراصل تھا اِسْتَجْوَبُوْا۔ واؤ متحرک ماقبل حرف صحیح ساکن حرکت ماقبل کو دی اور حرکت کے مطابق واؤ کو الف سے بدل دیا۔ جَوْبٌ اجوف واوی سے ہے اسی سے ہے اِجَابَۃٌ اور جوابٌ بمعنی قبول کرنا جواب دینا۔ اِسْتَجَابُوْا کا مصدر ہے اِسْتِجَابَۃٌ جو دراصل اِسْتِجْوَابٌ تھا اور وہی تعلیل ہوئی جو فعل میں ہوئی آخر میں ۃ مصدریہ ہے اسی طرح اجابۃ میں ہوا۔ اس کا معنیٰ ہے۔ مان لینا۔ ماننا۔ مان جانا۔ اجابۃ اور استجابۃ میں باریک فرق یہ ہے کہ قبولیت کی شان کا اظہار ہو تو اجابت اور دعا کی یا تسلیم کی ہوئی چیز کا اظہار شان ہو تو استجابت۔ لام جارہ مفعولیت رب اسم مضاف ہے جَلَّ مَجْدُہٗ کا ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے اَلْحُسْنٰی۔ الف لام عہدی ہے۔ اسم تفضیل کا واحد مونث ہے حَسَنٌ یا حُسْنٌ سے مشتق ہے بمعنی اچھا ہونا۔ لازم ہے اسی سے ہے احسان بمعنی اچھائی کرنا متعدی ہوگا۔ حُسْنٌ یا حَسَنٌ کی تین قسمیں۔

۱۔ حُسنِ عقلی یعنی نیک ہونا۔ ۲۔ حسنِ حسی یعنی خوبصورت ہونا۔ ۳۔ حسنِ طبعی بھلائی ہونا۔ یہی معنیٰ یہاں مراد ہے الحسنیٰ مبتدا موخر ہے۔ اور لِلَّذِیْنَ خبر مقدم وَ عاطفہ۔ عطف ہے پہلے اَلَّذِیْنَ پر۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع۔ بحالت جر بوجہ عطف تابعی۔ مگر صحیح ترکیب یہ ہے کہ دوسرا جملہ کلام علیحدہ ہے اَلَّذِیْنَ مبتدا۔ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی عمدی۔ نون اعرابی لَمْ حرف جازم نے گرا دی دراصل تھا یَسْتَجِیْبُوْنَ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع

اَلَّذِیْنَ ہے لَہٗ لام جارّہ نفعیہ ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع رب تعالیٰ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اسی فعل کے اور جملہ فعلیہ صلہ ہے موصول کا۔ اور موصول اَلَّذِیْنَ یا صلہ مبتدا اس کی تین خبریں۔ پہلی خبر لَوْ اَنَّ سے بہٖ تک دوسری اُولٰٓئِکَ سے حِسَابِ تک تیسری وَمَاْوٰهُمْ سے الْمِهَادُ تک۔ لَوْ حرف شرط تمنائی ہمیشہ شروع کلام میں آتا ہے اور جملے کو ماضی کے معنیٰ میں کر دیتا ہے اور اس کے بعد فعل ضروری ہے اگرچہ پوشیدہ ہو یہاں کَانَ تامہ پوشیدہ ہے اسی لیے حرف مشبہ اَنَّ آیا نہ کہ اِنَّ کیونکہ فاعل ہے پوشیدہ کَانَ کا بوجہ معمول ہونے کے درمیان کلام میں ہوا۔ اَنَّ حرف تحقیق لَهُمْ جار و مجرور پوشیدہ ثَابِتٌ کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ لام جارّہ ملکیت کا هُمْ کا مرجع اَلَّذِیْنَ جار مجرور متعلق ہیں موجودٌ پوشیدہ کے مَا اسم موصول بحالتِ نصب اسم مؤخر ہے اصلاً غیر ذوی العقول کے لیے ہے فِی جارّہ ظرفیہ اَلْاَرْضِ۔ الف لام استغراقی ارض یعنی مجسم زمین نہ کہ فقط روئے زمین جار مجرور متعلق ہے کَانَ تامہ پوشیدہ کے جَمِیْعًا اسم تاکیدی ہے بحالتِ نصب ہے حال ہے مَا موصول کا یا اَلْاَرْضِ کا۔ وَ عاطفہ۔ عطف ہے مَا موصولہ پر مِثْلَ اسم جامد ہے بمعنیٰ برابر بحالتِ نصب ہے کیونکہ عطف ہے مَا موصولہ منصوبہ اسم اَنَّ پر۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع مَا ہے۔ لام کَیْ جزائیہ جواب شرط کے لیے یہ حرف۔ مضارع اور ماضی اور اسم جامد اور اسم مشتق سب پر آجاتا ہے۔ مگر مضارع کو نصب دیتا ہے۔ یہاں ماضی پر آیا۔ اِفْتَدَوْا۔ فعل ماضی جمع مذکر غائب باب افتعال کا فَدْیٌ یا فِدٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قربان کرنا یا ہونا۔ نثار کرانا یا ہونا۔ لٹانا۔ بدلہ دینا۔ چھوٹنے یا چھڑانے کے لیے یہاں یہی معنیٰ مراد ہیں اردو میں لفظ فدوی عام استعمال ہے وہ اسی سے بنا ہے فِدْیٌ کے آخر یٰ نسبت کی لگا دی فدوی ہوا بمعنیٰ قربان ہونے والا اسی سے ہے فدیہ۔ اور فدا ہونا۔ بِ جارّہ تعدیہ کے لیے ہے (متعدی اور مفعولیت کے لیے) ہٖ ضمیر واحد کا مرجع مَا موصولہ۔ یہ مبتدا وَالَّذِیْنَ کی پہلی خبر ہے۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ دور کے لیے جیسے کہ ذٰلِکَ مگر فرق یہ کہ ذٰلِکَ میں مشار الیہ کی ذات و حالت دونوں بعید لیکن اُولٰٓئِکَ میں ذات قریب حالت بعید یعنی یہی ہیں وہ لوگ جن کی کیفیت وہ حالت ہوگی۔ مبنی ہے بحالتِ رفع مبتدا ہے۔ لام جارّہ تخصیص بلا ملکیت کے لیے هُمْ کا مرجع اَلَّذِیْنَ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل واجبٌ کے یا ثَابِتٌ مرفوع کے سُوْٓءُ اسم جامد ہے بمعنیٰ سخت اکثر مضاف معرفہ ہوتا ہے جب کبھی نکرہ ہو تو بمعنیٰ برا سلوک ہوتا ہے یہاں مضاف ہے اَلْحِسَابِ الف لام عہد ذہنی مضاف الیہ بحالتِ جر یہ مرکب اضافی فاعل ہے ثَابِتٌ یا وَاجِبٌ پوشیدہ کا اور وہ جملہ اسمیہ خبر ہے اُولٰٓئِکَ مبتدا کی اور پھر وہ جملہ اسمیہ خبر دوم ہے وَالَّذِیْنَ کی حِسَابِ بروزنِ فِعَال ثلاثی کا مصدر ہے یہاں بطور مبالغہ اسم جامد ہے یعنی مکمل حساب حَسْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ پورا بدلہ دینا۔ کافی ہونا۔ گمان کرنا۔ پیروی کرنا۔ باپ دادے کی رشتے داری کا تعلق جوڑنا۔ گرفت کرنا۔ اندازہ لگانا۔ گننا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ وَ سر جملہ مَاْوٰی اسم ظرف ہے بحالتِ رفع مبتدا ہے اَوَیٌ لفیف مقرون اور مہموز الفا۔ بمعنیٰ پناہ پکڑنا۔ ٹھکانہ بنانا۔ جگہ لینا ہمیشہ لازم ہوتا ہے۔ باب ضَرَبَ سے ہے

مضاف ہے ہُمْ ضمیر جمع مضاف الیہ کا مرجع اَلَّذِيْنَ ہے جَهَنَّمُ۔ اسم جامد عجمی معرب ہے پورے دوزخ کا نام ہے بعض نے کہا کہ دوزخ کے ایک طبقہ (حصہ) کا نام ہے مگر یہ غلط ہے بحالتِ رفع ہے خبر ہے مَاْوٰی مبتدا کی۔ اور ذوالحال ہے مابعد کا و حالیہ بِئْسَ فعل ذم اس کا مخصوص بالذم جَهَنَّمُ ہے یہاں پوشیدہ ہے کیونکہ پہلے یہ لفظ کی موجودگی اس کا قرینہ ہے اور قرینے کے ہوتے ہوئے مخصوص بالذم کو حذف کرنا جائز ہے اَلْمِهَادُ الف لام عہدِ ذہنی مِهَادُ اسم آلہ ہے مَهْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نرم جگہ بنانا۔ اصطلاحًا منقول ہے بمعنیٰ ٹھکانہ عام ہے خواہ اچھا یا برا اسی سے ہے مَهْدٌ بچوں کا جھولا مِهاد کی جمع اَمْهِدَہ یا مَهَاوِید۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے بِئْسَ کا۔ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ جب الف پر زبر زیر ہو تو اُس کو ہمزہ کہتے ہیں یہ ہمزہ سوالیہ ہے اس کے بعد ایک عبارت پوشیدہ ہے جو معطوف علیہ ہے اَیْ عالمه مَنْ اسم موصول يَعْلَمُ فعل مضارع عِلْمٌ سے مشتق ہے متعدی بیک مفعول باب سَمِعَ سے ہے۔ اَنَّ اپنے پورے جملے کے ساتھ مفعول بہ يَعْلَمُ کا موصولہ اسم اَنَّ ہے۔ اُنْزِلَ فعل ماضی مجہول نُزُوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اترنا لازم یہ باب افعال سے ہے اس لیے متعدی ہے بمعنیٰ اتارنا مصدر ہے اِنْزَال۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے ہے كَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے لفظ رَبِّ مجرور مضاف كَ ضمیر مضاف الیہ متعلق ہے اُنْزِلَ کا یہ سب جملہ فعلیہ صلہ ہے مَا موصولہ کا اَلْحَقُّ الف لام عہدِ خارجی حَقٌّ اسم جامد ہے بمعنیٰ درست ہونا۔ حکمت کے مطابق ہونا۔ حقیقتِ واقعی ہونا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ حرفِ جر تشبیہ اور تمثیل کے لیے ہے متعلق ہے يَكُوْنُ پوشیدہ کے مَنْ موصولہ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا۔ اَعْمٰى اسم صفت مشبہ ہے عَمِيٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نہ دیکھنا۔ اندھا ہونا۔ عَمِيٌ اسم جامد بھی مستعمل ہے جس کا معنیٰ ہے اندھا۔ اِنَّمَا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق لغو مَا کافٗ برائے حصر (فقط) یہ جملہ علیحدہ ہے يَتَذَكَّرُ باب تَفَعُّل کا مضارع مثبت معروف ذِكْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ یاد کرنا۔ ذکر تین قسم کا ہے۔

۱۔ ذکر لسانی یعنی کسی کا چرچہ کرنا زبان سے اُس کی باتیں کرنی ذکرِ خیر ہو تو تحدیث ذکرِ بد ہو تو ہجو تعارف ہو تو صیف ۲۔ ذکر قلبی یعنی یاد کرنا یاد رکھنا۔ ۳۔ ذکرِ عقلی یعنی نصیحت پکڑنا۔ یہی یہاں مراد ہے۔ یہ لازم اُولُوا اسم نسبت ہے بمعنیٰ والے۔ مالک۔ یہ جمع مذکر ہے اس کا واحد کوئی نہیں ہوتا اس کا جمع مؤنث اُولات ہے۔ اس کا اعراب جمع سالم کی طرح ہوتا ہے کہ بحالتِ نصب و جری اور بحالتِ رفع واؤ آخر میں یہاں بحالتِ رفع فاعل يَتَذَكَّرُ کا۔ مثل ذُوْ کے اوّل میں آتا ہے اور ہمیشہ مضاف ہوتا ہے بخلاف یاء نسبتی کے کہ وہ آخر میں آتی ہے اور وہ حرفِ نسبت ہے اَلْاَلْبَابِ الف لام استغراقی اَلْبَاب جمع لُبٌّ یا لُبٌ کی بمعنیٰ خالص عقل۔ پاکیزہ دماغ۔ اچھی فکر۔ لُبٌّ اسم جامد ہے۔ ہر چیز کے عرق اور جوہر کو یا خلاصہ کو بھی لُب کہا جاتا ہے اسی سے ہے لُبِّ لُبَاب۔ یہ جملہ مبتدا ہے مابعد اس کی آٹھ صفات

مذکور میں پہلی صفت اَلَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ دوسری وَلَا یَنْقُضُوْنَ اور باقی چھ آئندہ آیات میں ہیں۔ آخر میں خبر بتاتا ہے ایک قول میں یہ جملہ بدل ہے مَنْ موصولہ سابقہ کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ بحالت کسرہ ہے کیونکہ صفت اُولُوا الْاَلْبَابِ مجرور مگر ایک قول میں بحالتِ رفع ہے اُولُوْ کی صفت ہے اور یہی صحیح ہے۔ یُوْفُوْنَ باب افعال کا مضارع معروف اِیْفَاءٌ سے ہے وَفِیٌّ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پورا یا زیادہ ہونا۔ لازم باب افعال نے متعدی کر دیا یعنی پورا کرنا۔ ادا کرنا۔ مان لینا۔ اسی سے ہے وَفَاءٌ بمعنیٰ وفاداری۔ لغوی معنیٰ بھرنا ہے۔ بِ جارہ متعدی ہے عَہْدِ اسم جامد ہے بمعنیٰ وعدہ خیال رہے کہ اسم جامد وہ لفظ ہے جو مصدر مادہ ہو مگر مصدری معنیٰ میں استعمال نہ ہو رہا ہو اور اس جامدی (حاصل مصدر) معنیٰ میں نہ وہ کسی سے مشتق ہو نہ اُس سے کوئی۔ لفظِ اللّٰہ مضاف الیہ ہے۔ وَ عاطفہ لَا یَنْقُضُوْنَ فعل مضارع حال معروف منفی باب نَصَرَ سے متعدی بیک مفعول ہے۔ نَقْضٌ سے بنا ہے بمعنیٰ توڑنا۔ یہ جملہ دوسری صفت اولوالباب کی ہے اَلْمِیْثَاقَ الف لام عہدِ خارجی ہے۔ یہاں جگہ الف لام عہدِ ذہنی نہیں ہو سکتا۔ وعدہٗ۔ عہدٌ۔ میثاق۔ اس کے علاوہ ہر وہ چیز جس کا معلوماتی تعلق دو نفر سے ہو۔ مصدر میمی ہے بروزنِ مقدار۔ میعاد۔ مفعال وَثْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت۔ مضبوط۔ بندھن۔ لوہے کی زنجیر (ہتھکڑی۔ بیڑی۔ طوق) منقول عرفی مضبوط وعدہ جس کے گواہ بھی ہوں۔ ثبوت بھی ہوں تحریر بھی ہو۔ اقرار بھی ہو۔ تاکید بھی ہو۔ یاد بھی ہو۔ ایک قول میں یاد ہونے کی شرط نہیں مگر یاد دلانے سے یاد آجائے یا ماننا پڑ جائے۔ یہاں اسم جامد (حاصل مصدر) ہے مصدری معنیٰ نہیں لہٰذا اس کی جمع مواثیق یا مواثق۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے۔ لَا یَنْقُضُوْنَ کا۔

تفسیر عالمانہ

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰى وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ حق و باطل۔ آب و نار۔ دھات و جھاگ کی طرح ہی اہلِ حق اور اہلِ باطل نار جہنم والا۔ اہلِ حق گویا دھات والا اور اہلِ باطل میل کچیل اور جھاگ والا۔ یہ رب تعالیٰ کا ازلی ابدی فطری ہر فرد ہر گروہ و جماعت اور قوم کے لیے اٹل قانون ہے کہ جو لوگ بھی کسی ملک کسی دور کسی قبیلے کے گورے ہوں یا کالے عربی ہوں یا عجمی۔ رومی یا حبشی۔ خوبصورت یا بدصورت اپنے رب کی بات مانیں گے اور اُس کی دعوتِ عالمی کو قبول کریں گے اُن کے لیے دنیا میں بھی اچھائی آخرت میں بھی۔ دُنیا کا حُسنیٰ۔ عزت۔ سربلندی۔ سرفرازی۔ اچھی شہرت۔ ناموری۔ نام کام۔ عادات اطوار کو بقاءِ دوامی۔ آخرت کا حسنیٰ۔ معافی۔ بخشش۔ رحمت رفعت نورِ ظاہری شفاعت۔ رضاء الٰہی محبتِ مصطفائی۔ اور جنت کی ملکیت۔ اس میں داخلہ اور سب سے بڑھ کر جنت میں دیدارِ ذاتِ پاک جَلَّ مجدُہٗ۔ اللہ کی دعوت اور رب تعالیٰ کی بات زبانِ مصطفیٰ کے پاکیزہ الفاظ۔ حیاتِ مصطفیٰ کا اسوۂ حسنہ عباداتِ الٰہیہ میں نمونہ محمدِ مجتبیٰ۔ اور عادات و خصائل محمد رسول اللہ ہی تو ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ جو دروازۂ مصطفیٰ

پرا گئے وہ فقط اُن ہی کے لیے حسنیٰ ہے۔ کیونکہ اہلِ حق ہیں۔ وہ عشقِ الٰہیہ کی آگ میں کندن بن چکے ہیں۔ اُن کے وجود سے جہاں مزین ہے اور اُن کی خوشبو سے فضا معطر ہے۔ ان ہی کے پاکیزہ اعمال سے چمنِ اسلام کے پودوں کی سیرابی ہے ان ہی کے اخلاقِ محمدی کے زیورات سے اقوامِ عالم کی زینت ہے ان ہی کی آتشِ ایمانی نے معاشرے کو جلا بخشی۔ ان کی بقا سے ہی باطل کے جھاگ کو فنا ہے۔ جن لوگوں نے تعلیمِ محمد مصطفیٰ سے اپنے وجود کو دنیا کے لیے نفع بخش بنا لیا آب رواں کی طرح مشکل کشا بن گئے۔ جن کی موجودگی اقوامِ عالم کے لیے سونے چاندی اور دھاتوں سے زیادہ کار آمد اور فائدے مند ہے بس ان کے لیے ہی بقا ہے۔ یہ نماز۔ روزہ عبادات اخلاص۔ دیانت داری۔ ایمان و ایقان۔ تقویٰ و طہارت۔ اخلاق عادات۔ اور ہمہ وقت ذکر الٰہی اور فکر ایمانی میں مسلمان کو مشغول رکھنا۔ نفع بخش بنانے کے لیے ہی تو ہے اولیاء اللہ کی تابناک زندگی آج تک دنیا کے لیے نفع بخش ہے۔ جب تک جو بندہ اپنے آپ کو کائنات کے لیے مفید بنائے رکھے گا دنیا کی عزتیں اُس کے سر کی زینت اور دنیا کی دولتیں اُس کے قدموں پر نثار ہوں گی ان کی حالت و شان میں کوئی تغیر نہ ہوگا لیکن جن لوگوں نے اس دعوتِ ربانی کو قبول نہ کیا۔ دنیا میں تو چند دن عیش و آرام کر لیں اور جھاگ کی طرح پھولے پھریں دولتِ دنیا کو اپنی خوش بختی سمجھ کر مغرور و مغرور بنے رہیں لیکن آخرت میں ایسا بھاری عذاب اور سخت کڑا حساب ہوگا کہ اگر دنیا کی ساری دولت بھی دگنی ہو کر اُن کو مل جائے تو فدیہ دے کر عذاب و حساب سے بچنے کی کوشش کریں۔ مگر قبول نہ ہو اور بچ نہ سکیں کیونکہ اُن ہی کے لیے تو برا حساب ہے۔ ان ہی کا ٹھکانہ دائمی جہنم ہے۔ بہت ہی بری جگہ۔ ان لوگوں نے حیاتِ دنیا کا مقصد صرف خود نوازی نفع پرستی اور اپنے مفاد کو سمجھا۔ ان کا وجود دوسروں کے لیے سراسر نقصان دہ اور بیکار چیز تھی۔ دنیا سے ان کا نام نشان شہرت عزت وجود سب کچھ مٹا دیا گیا۔ علماء کرام فرماتے ہیں جنت رب کی بارگاہ میں حسنیٰ ہے اس لیے اس کی دعا اور تمنا کرنا عینِ ایمان ہے حضرت رابعہ بصریہ کے متعلق بہت غلط باتیں مشہور ہو گئی ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں جنت کو آگ لگا دوں گی۔ مصنفین اور قصہ گو مورخین کا یہ بڑا جھوٹ ہے۔ بھلا رابعہ بصریہؒ ایسی گستاخی کیونکر کر سکتی ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ سوءُ الحساب وہ پوچھ گچھ اور تفتیش ہے جو خوب کرید کرید کر ہر چھوٹی بڑی چیز کا ہو۔ اس کے مقابل ہے یسیر الحساب۔ یعنی معمولی پوچھ گچھ۔ ادپرے چلتے تلاشی لینا سوءُ الحساب صرف کفار کا ہوگا۔ آٹھ شخصیات کا حساب قیامت میں نہیں ہوگا۔ ۱۔ انبیاء کرام۔ ۲۔ ملائکہ۔ ۳۔ مجذوب اولیاء اللہ۔ ۴۔ مجنون دیوانے۔ ۵۔ چھوٹے بچے۔ ۶۔ جو دنیا میں ہر روز اپنا حساب آخرت خود کر چلے ہے۔ ۷۔ تارک دنیا سالک فقیر۔ ۸۔ شہید شرعی (جہاد میں مقتول) اَفَمَنْ یَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰی اِنَّمَا یَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ الَّذِیْنَ یُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا یَنْقُضُوْنَ الْمِیْثَاقَ۔ پہلی جتنی بھی چیزیں مذکور ہوئیں ان میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے مثل نہیں اور اہلِ خرد نے

واضح طریقے سے اس کو سمجھ لیا تو اب یہ بھی سمجھ لو کہ جو شخص تفکر، تدبر سے جان لیتا ہے کہ جو بھی کلام قانون شریعت امر، نہی، عبادت، ریاضت، ایمان عرفان آپ کی طرف اے حبیب کریم نازل کیا گیا وہ سب تعالیٰ کی طرف سے ہے اور بالکل برطرف تا قیامت درست، سچا اور مضبوط، مفید ہی ہے۔ ایسی سمجھ فہم علم والا شخص اُس کی مثل ہو سکتا ہے جو ادراک شعور سے بالکل ہی اندھا ہو۔ سڑک پر تو سب ہی چل لیتے ہیں مگر فرق کا پتہ اُس وقت لگتا ہے جب راستے میں کنواں آجائے۔ اندھا گر جائے گا آنکھوں والا بچ جائے گا۔ جب پہلے واقعات مشاہدات میں ہابیل وقابیل، خلیل ونمرود، کلیم وفرعون ایک جیسے ہم شکل نہ تھے تو اب بھی صدیق وزندیق، حسینؓ و یزید برابر نہیں ہو سکتے۔ لیکن اِن پیاری خوبصورت اور آسان مثالوں سے فقط وہی خالص پاکیزہ عقل والے نصیحت پکڑتے ہیں جو اللہ کے ازلی ابدی روحانی وعدوں کو پورا کرتے ہیں۔ اور جو عہد باندھ لیتے ہیں اُس کو توڑنے کا خیال تک نہیں کرتے۔ روایتوں میں آیا ہے کہ علم والے سے مراد حضرت حمزہ بن عبدالمطلب اور عمار بن یاسرؓ ہیں اور اندھے سے مراد ابوجہل و ابولہب ہیں اور عہد سے عالم ارواح کا وعدہ واقرار مراد ہے۔ اور میثاق سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کئے ہوئے وعدے مراد یا عام بندوں سے لین دین کے وعدے کیونکہ ہر وعدے کا پورا کرنا اہلِ ایمان پر واجب وفرض ہے۔ یہی اولوا الالباب کی علامتِ اخلاقی ہے۔ اور بدعہدی غداری منافقین کی نشانی ہے۔ علماء ربّانی فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید اپنی فصاحت، بلاغت، صداقت، واقعات، قانون میں ایسا مضبوط اور مکمل ہے کہ نقطہ اور حرف حرف سے حقانیت جھلک رہی ہے ذرا سی عقل والا بھی جان لیتا ہے اسی طرح احادیث پاک اپنی تشریح وضاحت شریعت وطریقت میں اتنا کھلا بیان ہے کہ ذرا سی فہم والے کو مجالِ انکار نہیں رہتا۔ جو اِن جیسے صاف روشن کلاموں کا منکر ہو وہ قطعی اندھا ہی ہو سکتا ہے۔

فائدے

اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ جس طرح قرآنِ کریم اسلام اور شریعت کا منکر اندھا ہے اگرچہ جسم کی آنکھیں بڑی تیز اور چست چالاک ہوں۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی شان کا منکر بھی اندھا ہے۔ اور احادیث کا منکر بھی کور چشم اور نابینا ہے یہ فائدہ ما اُنزِلَ کے عموم سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ اللہ کے نزدیک صرف ایمان ایقان تقویٰ طہارت عبادت ریاضت والے اور ہدایت والے ہی عقلمند اور دانشور ہیں۔ اور عقل وہی ہے جو آستانۂ مصطفیٰ تک لے جائے۔ جس کو ہدایت اور ایمان نہ مل سکا وہ کتنا ہی چالاک بنے احمق ہے۔ یہ فائدہ اُولُوا الْاَلْبَاب کے صلہ اور موصول و تعلق منفی سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ یہ آیت پاک اقوام عالم کے سامنے اسلام کا بہترین اخلاقی خاکہ پیش کر رہی ہیں کہ دین اسلام نام ہے بہت سے وعدوں عہدوں کے

مجموعے کا ۔ اسلام قبول کرنا گویا کہ عبادات ۔ معاملات ۔ عملیات ۔ عقائد ۔ حقوق العباد ۔ حقوق اللہ کی ذمے داریوں کو قبول کرنا ہے ۔ حقوق العبد میں ماں ۔ باپ ۔ شیخ مرشد ۔ استاد بیوی ۔ اولاد ۔ اہل قرابت ۔ آس پڑوس سب ہی شامل ہیں ۔ اِن سے بڑے حقوق نبی کریم ۔ اور اسلام قرآن و حدیث کا ہے ان سب وعدوں کو نبھانا پورا کرنا ہی اسلام لانا ہے ۔ ایک مسلمان کا اسلام اخلاقی طور پر پورے معاشرے پر چھا جاتا ہے ۔

چوتھا فائدہ ۔ دنیا کے مال و دولت کی قدر عزت قیمت محبت صرف دنیوی زندگی میں ہے ۔ مرنے کے بعد دنیا کی تمام اشیاء کی محبت ختم ہو جائے گی قیامت میں گھاس کے تنکے کے برابر بھی اِس کی قدر و منزلت نہ ہو گی ۔ اس لیے آج ہی آخرت کی محبت والا ایمان عرفان قرآن ۔ اور اعمالِ خیر حاصل کرنا چاہیئے ۔ یہ فائدہ لَافْتَدَوْا بِهٖ سے حاصل ہوا ۔ کہ یہی کافر منافق جو یہاں دنیا میں پیسہ پیسہ پر جان دے دیتے ہیں ۔ وہاں سب دولت فدیہ دینے پر تیار ہو جائیں گے ۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حرصِ دنیا سے بچائے ۔ کہ یہ دنیا و آخرت کی مصیبتوں کی جڑ ہے ۔

احکام القرآن

اِن آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ جنت کی خواہش اور جنت کی طلب میں دعائیں مانگنا اور اچھے اعمال عبادات ریاضات حصولِ جنت کے لیے کرنا بالکل جائز ہے ۔ اللہ کو پسند ہے ۔ بعض صوفیاء جو منع کرتے ہیں وہ غلط ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی دعائیں اسی طرح کی منقول ہیں ۔ جنت رب تعالیٰ کی پسندیدہ جگہ دیدارِ الٰہی کا مقام ہے ۔ اس سے بیزاری کرنا گناہِ عظیم ہے ۔ یہ کیسا عشق ہے کہ معشوق کی پسند سے ہی نفرت ہو ۔ اور نبی پاک سے زیادہ کون عاشقِ ذات جَلَّ مَجْدُهٗ ہے یہ مسئلہ الْحُسْنٰی کا ذکر فرمانے سے مستنبط ہوا ۔

دوسرا مسئلہ ۔ اُس چیز کو اللہ رسول کے نام پر دینا جس کی بہت ضرورت ہو اور قدرت و عزت ہو ۔ مفید ہے ۔ ناکارہ بیکار حاجت سے بچی ہوئی فضول اور خراب چیزوں کو خیرات کر دینا اور اچھی چیزیں خود اپنے لیے روک کے رکھنا جائز نہیں نہ باعثِ ثواب ہے یہ مسئلہ لَافْتَدَوْا بِهٖ کی تفسیر سے مستنبط ہوا ۔ کہ چونکہ آخرت میں یہ مال اُن کے کام کا نہ رہے گا اس لیے وہ فدیہ دینے پر تیار ہوں گے ۔ چاہیئے تو یہ کہ آج دنیا میں خیرات و صدقات کریں جب کہ مال کی اشد ضرورت ہے **تیسرا مسئلہ** ۔ وعدہ اسلام کا ایسا سخت قانون ہے کہ کافر سے کیا ہوا بھی پورا کرنا واجب ہے لیکن وعدے سے چیز منعقد نہیں ہو جاتی ۔ لہٰذا خرید و فروخت نکاح طلاق صرف وعدہ کر لینے سے منعقد نہ ہوں گے ۔ واجب ہونا اور چیز ہے منعقد ہونا اور چیز ہے منگنی وعدۂ نکاح ہے نہ کہ نکاح ۔ اسی طرح باقی بھی ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں بھی اور بہت سی آیت میں جب کفار اور دوزخ حشر نشر حساب کتاب کا ذکر کیا جاتا ہے تو مال کے فدیے کا ذکر کیا جاتا ہے۔ کہ کفار اگر ساری دولت دنیا یعنی مال سونا چاندی بھی عذابِ الٰہی کا فدیہ بنا دیں تب بھی قبول نہ ہوگا عذاب دور نہ ہوگا۔

جواب۔ اس کی تین وجہ ہیں ایک یہ کہ کفار کو دولت بہت پیاری ہے حرام حلال جائز ناجائز کسی طرح سے بھی آئے۔ بہت اہم جگہ اور مصیبت کے وقت خرچ کرتے ہیں فرمایا جا رہا ہے وہ مصیبت ایسی ہوگی کہ تمہاری دولت کام نہ آئے گی تم کو دولت نہ دینی پڑے گی بلکہ اس جگہ تمہارا وہ ایمان کام آئے گا وہ نیکیاں کام آئیں گی جو آج تمہاری نظروں میں بڑا آسان ہے بے قیمت ہے لہٰذا ایسے آسان کام کو اس مصیبت کے دن کے لیے حاصل کر لو۔ دوم یہ کہ مزاج مختلف ہوتے ہیں بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کا ہر کام ہم اپنے پیسے سے کرالیں گے وہ ہر چیز پیسوں سے خریدنا چاہتے ہیں یہاں تک کہ آج کل تو اُمرا لوگ عبادتیں بھی دولت سے خریدنا چاہتے ہیں۔ بڑے بڑے کاروبار بن چکے ہیں۔ قرآن مجید کبھی خود نہ پڑھا بس دو روپے دے کر دو سو ختموں مدرسے کے طلبا سے پڑھوالیا۔ روزے رکھوا لیے اُن کی اس بدمزاجی کو درست کرنے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ آج دولت کے نشے میں مخمور لوگو قیامت میں یہ دولت کام نہ آئے گی۔ سوم یہ کہ دولت کی محبت والوں کو متنبہ کیا جا رہا ہے دنیا میں تم دولت سے محبت کرتے ہو آخرت میں محبت نہ ہوگی۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ نصیحت مانتے ہیں وہ عقل والے جو عہد پورا کرتے ہیں یعنی عہد پہلے پورا کرنے میں پھر نصیحت پکڑتے ہیں یہ ترتیب تو ٹھیک نہیں۔ ایسا ہونا چاہیے تھا کہ وہ عہد پورا کرتے ہیں جو نصیحت مانتے ہیں تسلیم کرتے ہیں۔ کیونکہ عہد ہے ایمان لانا پہلے نصیحت پکڑیں گے تو ایمان لائیں گے۔

جواب۔ یہاں فعل کا ذکر نہیں بلکہ ارادۂ قلبی کا ذکر ہے یعنی جس شخص کا ارادہ عہد پورا کرنے کا ہو وہ اگر قرآن حدیث پڑھے مطالعہ کرے یا صوفیا کی باتیں سنے تو واقعی ان سے نصیحت پکڑے گا۔ اور بعد میں عہد پورا کرے گا عمل بھی کرے گا۔

تفسیر صوفیانہ

لِلَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنٰی وَالَّذِیْنَ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَهٗ لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ جب کائنات عالم میں ہر چیز ہی جوڑا جوڑا ہے تو مقام طلب میں بھی دو قسم کے لوگ ہیں مخلص اور دعویدار۔ صابر و جلد باز۔ محمود و مذموم۔ مسعود و محروم۔ مقبول و مردود۔ جن مردانِ راہ نے وجودِ باطنی کو کدورتِ نفسانی سے پاک کر لیا اور اپنے رب کریم کی ہر دعوت کو بعد عجز و نیاز قبول کر لیا۔ اس طرح کہ نیند کو چھوڑا بیداری کو قبول کیا۔ آرام کو چھوڑا مشقتِ مجاہدہ۔ ریاضت عبادت کو قبول کیا

دنیا سے منہ موڑا خالقِ دنیا کو پسند کیا۔ ان ہی خوش بختوں کے لیے ابدی خوش بختیاں ہیں۔ دیدار و لقا کی جنت ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ شریعت کی حُسنیٰ جنت کی وادی ہے لیکن طریقت کی حُسنیٰ قلبِ مومن ہے اس لیے کہ مقصودِ حُسنیٰ رویتِ الٰہی ہے۔ مومن متقی اور صاحبِ شریعت کو دیدارِ الٰہی جنت میں پہنچ کر ہوگا مگر مردِ عارف کو مکاشفۂ قلبی میں انوارِ تجلیات کا دیدار ہوتا ہے۔ اللہ کی دعوتِ حق کو قبول کرنے والے چھ قسم کے ہیں۔ نمبر۱۔ مومن۔ نمبر۲۔ مخلص نمبر۳۔ کامل۔ نمبر۴۔ عارف۔ نمبر۵۔ متکر۔ نمبر۶۔ ذاکر۔ ان کے لیے چھ ہی طرح کے حُسنیٰ ہیں۔ نمبر۱۔ جنت۔ نمبر۲۔ محبت۔ نمبر۳۔ معرفتِ الٰہی۔ نمبر۴۔ مشاہدۂ قرب۔ نمبر۵۔ تجلیاتِ انوارِ ازلی کا ورود۔ نمبر۶۔ عرشِ بقا پر مقامِ محمود۔ اور کچھ وہ بُرے نصیب والے بھی ہیں جو ازل کے بھٹکائے ہوئے ہیں انہوں نے اپنے رب کی کسی بھی دعوت کو قبول نہ کیا۔ نہ ظاہری نہ باطنی نہ شریعت نہ طریقت۔ وہ رذائلِ بشریہ اور کدوراتِ طبعیہ میں ہی پھنسے رہے ان کی عبادت و ریاضت جبہ و دستار بھی حصولِ دنیا کی غرض اور اہلِ دنیا کی نمود۔ اور باطل کی خوشنودی کے لیے ہے۔ وہ اگر اپنی ڈگنی تگنی دنیا کو بھی لٹا دیں نظارۂ حسنِ جمال کی تمنا کریں تب بھی اُن کے لیے حرمان و فراق کا عذاب اور بُرا حساب ہی ہے۔ اور ان کا ٹھکانہ نفسانیت کی آگ حرص و ہوس کا جہنم ہے۔ اور اللہ رسول کی ناراضی ان کا آخری ٹھکانہ ہے جو بہت ہی بُرا ہے۔ بندہ کے لیے دو چیزیں ازلی ابدی مصیبت کا باعث ہیں نفسِ شیطان اور بُرے آدمیوں کی خوشی و رضا۔ نمبر۲۔ اللہ رسول اور نیک لوگوں کی ناراضی اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ راہِ معرفت کے مسافر چار قسم کے ہیں۔ نمبر۱۔ جن کے پاس ذکر کا توشہ ہے۔ نمبر۲۔ فکر کے ارادے ہیں۔ نمبر۳۔ صبر و تحمل کے قدم ہیں۔ نمبر۴۔ عقل و تدبر کی پونجی ہے۔ یہ اپنی استعداد کے مطابق اشاراتِ غیبیہ کو جان لیتے ہیں۔ اور نزول واردات کو پہچان لیتے ہیں کہ یہ سب ربِّ کائنات کی طرف سے حق ہے۔ کیونکہ اِن کی آنکھیں روشن قلب منور اور دماغ آفاتِ حواس سے پاکیزہ ہیں۔ اسی راہ کے باطنی اندھے کشف و کرامات معجزات و نشانات دیکھ کر بھی مقامِ معرفت کے حصول کی طرف راغب نہیں ہوتے دو جلے نصیب ہیں اور یہ دونوں کسی مقام پر برابر نہیں ہو سکتے خالص عقل والے ہی ہدایتِ مرشد سے نصیحت لیتے۔ یہی اہلِ معرفت ذکر کے وعدے پورے کرتے ہیں۔ اور جسمِ ناسوتی کو مقامِ قرب تک پہنچالے اور نارِ فراق سے بچانے کے عہد کو نہ توڑتے ہیں نہ ٹوٹنے دیتے ہیں۔ بندۂ طالب کا پہلا مقام فکر ہے دوسرا ذکر۔ تیسرا صبر چوتھا شکر پانچواں قرب۔ چھٹا تحمل۔ ساتواں محویت آٹھواں مشاہدہ۔ نواں بقاء ذات۔ دسواں۔ فنائی الذات۔ گیارھواں خلیل اور بارھواں محبوبیت ہے تیرھواں لقا ہے چودھواں مراد ہے۔ تصوف کے یہ ہی چودہ طبق ہیں جو مسافر معرفت کو طے کرنے پڑتے ہیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْهُ۔

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

اور وہ لوگ جو ملاتے ہیں اس کو جس کا حکم دیا اللہ نے کہ

اور وہ جوڑتے ہیں اسے جس کے جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا اور

یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَیَخَافُوْنَ

ملایا جائے اور ڈرتے ہیں رب تعالیٰ سے اپنے اور خوف رکھتے ہیں

اپنے رب سے ڈرتے ہیں اور حساب کی برائی سے اندیشہ۔

سُوْٓءَ الْحِسَابِ ﴿۲۱﴾ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ

برے حساب سے۔ اور وہ جنہوں نے صبر کیا تمنا میں

رکھتے ہیں۔ اور وہ جنہوں نے صبر کیا اپنے رب کی رضا

وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا

ذات کے رب اپنے قائم رکھی انہوں نے نماز اور خرچ کیا

چاہنے کو اور نماز قائم رکھی اور ہمارے دیے سے ہماری راہ میں چھپے

مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ

انہوں نے سے اس رزق کو دیا ہم نے ان کو پوشیدہ نفلی اور ظاہری فرضی اور بدلہ دیتے ہے

اور ظاہر کچھ خرچ کیا اور برائی کے بدلے بھلائی

بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى

سے بھلائی۔ برائی کا یہی وہ ہیں لیے جن کے آخرت کا

کر کے ٹالتے ہیں انہیں کے لیے پچھلے گھر۔ نفع ہے۔ بلنے کے باغ

الدَّارِ ﴿۲۲﴾ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ

اچھا گھر ہے ہمیشہ قائم رہنے والے باغ داخل ہوں گے وہ بھی اُس میں اور جو

جن میں وہ داخل ہوں گے اور جو لائق ہوں۔

صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّیّٰتِهِمْ

نیک کام کریں اپنے باپ دادا میں سے اور بیویوں اُن کی میں سے وہ بھی

اُن کے باپ دادا اور بیبیوں اور اولاد میں۔

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾

اور فرشتے داخل ہوں گے پر خدمت اُن کی طرف سے ہر دروازے سے کی۔

اور فرشتے ہر دروازے سے اُن پر یہ کہتے آئیں گے۔

تعلق

اِن آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیات میں نصیحت پکڑنے والوں عقلمندوں کا ذکر ہوا اور اُن کی ایک نشانی مذکور ہوئی تھی کہ وہ اللہ کے عہد کو پورا کرتے ہیں توڑتے نہیں۔ مگر چونکہ اہل ایمان کی آٹھ نشانیاں ہیں۔ اس لیے اب اِن آیات میں بقیہ سات نشانیاں ذکر ہوئیں۔ گویا کہ یہ آیتیں پچھلی آیات کا تتمہ ہیں۔ **دوسرا تعلق** - دنیا میں دو ہی قسم کے بندے ہیں ایک وہ جو شیطان کے بندے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو اللہ تعالیٰ کے بندے بنے۔ دونوں کی نشانیاں اس طرح ہیں کہ شیطان کے دوست دولت کے پجاری ہیں۔ وہ آخرت کی مصیبتیں دیکھ کر دولت کی خیرات کی تمنا کریں گے آج دنیا میں دولت کو خیرات نہیں کرتے۔ مگر اللہ کے بندے دنیا میں ہی دولت دنیا سے پیار نہیں کرتے بلکہ ہر طرح ہر وقت خیرات کرتے رہتے ہیں۔ شیطانی ذریت کا ذکر پچھلی آیتوں میں ہوا تھا۔ ایمانی لوگوں کا ذکر یہاں ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں بدبختوں کے آخری ابدی ٹھکانے کا ذکر ہوا تھا اور اب یہاں نیک بخت صالحین کے آخری ٹھکانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ یَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ - واو عاطفہ اس کا تعلق پچھلے جملے سے ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ ہمیشہ مبنی ہوتا ہے۔

یَصِلُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب وَصْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ملنا۔ باب ضَرَبَ سے ہے دراصل تھا یُوْصِلُ واو بوجہ تھی جو بہ ماقبل فتح کے لہٰذا گر گئی۔ اس باب میں اگر وَصْلٌ متعدی ہو گیا بمعنی ملانا اس کا فاعل اَلَّذِیْنَ کی ضمیر ھُمْ ہے۔ مَا اسم موصول مفرد غیر ذوی العقول کے لیے بحالت زبر ہے مفعول بہ ہے اَمَرَ فعل ماضی یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے ما موصولہ کا اَللّٰہُ اس کا فاعل ہے بِہٖ بَ جارہ ہٖ ضمیر مجرور متصل واحد غائب متعلق ہے اَمَرَ متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول ضمیر ھُمْ پوشیدہ ہے دراصل آیت کی عبارت ایسی ہے مَا اَمَرَھُمُ اللّٰہُ بِہٖ۔ اَنْ حرف ناصب یُوْصَلَ فعل مضارع مجہول وَصْلٌ سے مشتق ہے معرب ہے بحالت نصب یہ جملہ فعلیہ بدل کل ہے بِہٖ کی ضمیر کا واو عاطفہ ہے اسی پچھلی عبارت سے واو عطفی ہے یَخْشَوْنَ باب فَتَحَ کا مضارع معروف ہے بعض نحات نے کہا کہ یہ سَمِعَ سے ہے خَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ قلبی ڈر۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کی ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے متعدی بیک مفعول ہے خیال رہے کہ مجرد مطرد کے آٹھوں باب متعدی ہوتے ہیں اس کا مفعول بہ رَبَّ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع بھی وہی اَلَّذِیْنَ ہے واؤ عاطفہ یَخَافُوْنَ۔ فعل مضارع معروف خوفٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ظاہری ڈر باب فَتَحَ یا سَمِعَ سے اس کا مفعول بہ سُوْءَ مضاف ہے طرف اَلْحِسَابُ کے اسم تفضیل مؤنث ہے۔ بروزن فُعْلٰی سَیْءٌ سے مشتق ہے اجوف یائی اور مہموز اللام۔ بمعنیٰ بہت برائی والی یا بہت غم دینے والی اس کا مذکر ہے اَسْوَءُ۔ عین کلمہ ی بوجہ ثقل واؤ سے بدل گیا بعض نے کہا کہ سُوْءٌ مصدر ہے بروزن نُصْحٌ۔ اُن کے نزدیک مؤنث تفضیل اس لیے نہیں ہو سکتا کہ اس کا بیانیہ مضاف الیہ الحساب مذکر ہے ہم کہتے ہیں کہ غیر ذوی العقول کے لیے مذکر کا مضاف مؤنث ہو سکتا ہے پھر یہ اضافت توصیفی بیانیہ ہے۔ اَلْحِسَاب۔ الف لام عہد ذہنی ہے حساب بروزن فِعَال صفتہ مشبّہ ہے حسب سے مشتق ہے بمعنیٰ اندازہ لگانا۔ پھان بین کرنا۔ تعلق جوڑنا۔ یہاں پہلے دو معنیٰ بن سکتے ہیں۔ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ واو عاطفہ معطوف علیہ کلام سابق ہے اَلَّذِیْنَ اسم مبنی موصول جمع بحالت رفع تابع عطفی ہے صَبَرُوْا فعل ماضی مطلق بصیغہ جمع صَبْرٌ سے مشتق ہے لازم ہے۔ بمعنیٰ عقل کے دائرے اور تقاضے کے مطابق اپنے آپ کو کسی کام سے جبر کر کے روکنا۔ اگر شریعت اسلامیہ کے لیے روکے تو باعث ثواب ہے اِبْتِغَاءَ باب افتعال کا مصدر بَغْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت محبت سے چاہنا یا کسی کام کی کوشش کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں اگر اس کے بعد علیٰ آئے تو معنیٰ ہوتا ہے کسی کے خلاف چاہنا یا کوشش کرنا۔ اسی سے ہے بغاوت۔ بحالت زبر ہے یا بوجہ حال ہونے کے اور ذوالحال صَبَرُوْا کا فاعل ہے یا بوجہ مفعول لَہٗ ہونے کے مضاف ہے وَجْہِ اسم مفرد منصرف صحیح ہے نکرہ ہے۔ بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے تنوین۔ مانع اگلی اضافت مفعولی ہے۔ بمعنیٰ ذات یا خوشنودی۔

یا چہرہ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں رَبّ اسم وصفی ہے اللہ تعالیٰ کا ھم ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے واؤ عاطفہ اَقَامُوْا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر قَوْمٌ سے مشتق ہے بمعنی مضبوط ہونا ۔ کھڑا ہونا ۔ اصطلاح میں اس کا ترجمہ ہے پوری توجہ اور پورے ظاہری باطنی توجہ جسم سے کوئی کام کرنا اَلصَّلٰوۃَ اسم مفرد معرفہ ہے صَلٰوۃٌ سے مشتق ہے لغتاً بمعنی دعا اصلاحاً بمعنی نماز اسلامی شرعی بحالت نصب ہے بوجہ مفعول بہ اَقَامُوْا کا ۔ واؤ عاطفہ عطف ہے صَبَرُوْا پر اَنْفَقُوْا ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب باب افعال متعدی بیک مفعول ۔ نَفْقٌ سے بنا ہے بمعنی خرچ کرنا ۔ مِمَّا ۔ مِنْ جارہ کی نون گر گئی مَا موصولہ کی میم کی وجہ سے کیونکہ دونوں کا مخرج ایک قرب میں ہے ۔ مِنْ بیانیہ تبعیضیہ ہے ۔ رَزَقْنَا ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے ۔ رِزْقٌ سے مشتق ہے بمعنی نفع والی چیز دینا ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ سِرًّا اسم نکرہ مفرد ہے جامد ہے بحالت زبر ہے حال ہے اِس کا ذوالحال اَنْفَقُوْا کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر ہے واؤ عاطفہ عَلَانِیَۃً تابع معطوف ہے سِرًّا معطوف علیہ کا بمعنی ظاہر ظہور جس کا دوسروں کو پتہ لگ جائے ۔ واؤ عاطفہ یَدْرَءُوْنَ فعل مضارع معروف کا عطف صَبَرُوْا پر ہے دَرْءٌ سے مشتق ہے بمعنی دور کرنا ۔ ہٹانا ۔ مٹانا ۔ باب فَتَحَ سے ہے یا سَمِعَ سے بِالْحَسَنَۃِ ۔ بَ سببیہ جارہ بمعنی ذریعے سے ۔ الف لام جنسی ہے حَسَنَۃٌ اسم جنسی ہے بمعنی خوشی اور فائدہ دینے والی چیز یا کام (عمل) حُسْنٌ سے مشتق ہے صفت مشبہ ہے ۔ اسی حُسْنٌ سے حَسَنٌ اور حُسْنٰی بنا ہے ۔ مگر فرق یہ ہے کہ حَسَنٌ بہر حال اشیاء اور اعمال دونوں کے لیے مستعمل ہے ۔ اور حُسْنٰی بہر حال صرف اعمال کے لیے اور حَسَنَۃٌ جب کسی کی صفت بن کر آئے تو دونوں کے لیے اور جب اسم مفرد ہو اور مرکب توصیفی نہ ہو تو صرف اعمال صالحہ کے لیے ہوگی ایسا ہی یہاں ہے اَلسَّیِّئَۃَ ۔ الف لام جنسی سَیِّئَۃٌ اسم مفرد جنسی بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے یَدْرَءُوْنَ کا ۔ سُوْءٌ سے بنا ہے بمعنی ۔ غم ۔ فکر ۔ پریشانی ۔ نقصان دینے والی چیز یا کام ۔ صفت مشبہ ہے ۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ جمع بعید کے لیے جلشہ بنی ہوتا ہے بحالت رفع خبر ہے سابقہ پورے کلام بتدائی اور تمہ ہے دراز ۔ کلام کا ۔ اور اگلا تمام کلام اس کا مشارالیہ ہے لَھُمْ ۔ لام جارہ نفع کا ہے ھُمْ ضمیر جمع مجرور متصل کا مرجع وہ تمام صالحین ہیں جن کا صفات صالحہ سے ذکر ہو رہا ہے ۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثابتٌ اسم فاعل کے عُقْبٰی اسم تفضیل مؤنث یا مصدر ہے بروزن فُعْلٰی عَقْبٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے ہونا ۔ عقبیٰ تفضیلی معنی سے بہت پیچھے ہونے والا آنے والا ۔ رہنے والا ۔ مراد ہے آخرت کا گھر بحالت رفع فاعل ہے ثابتٌ پوشیدہ کا مضاف ہے اَلدَّارِ ۔ الف لام عہدی ہے ۔ دَارٌ اسم جامد مفرد ہے ۔ اس کی جمع ہے دارات یا دور ان اِس کا تثنیہ دارین ۔ بمعنی گھر ۔ یا چار دیواری ۔ یہاں مراد ہے جہان یا عالم ۔ بحالت کسرہ ہے بوجہ اضافت توصیفی کے ۔ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّیّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۔ جَنّٰتُ اسم جامد ہے جمع ہے جَنَّۃٌ کی لغوی معنی

ہے چار دیواری سے چھپا ہوا باغ۔ اصطلاحی ترجمہ آخری عالم صالحین۔ مختلف درجوں کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا۔ بحالت رفع ہے اس لیے کہ بدلُ الکل ہے عُقْبَی کا تنوین سے مانع اضافت سے عَدْنٍ اسم جامد مفرد نکرہ ہے۔ بمعنی ایسی جگہ جو ہر موسم میں رہنے کے قابل ہو کسی تغیر کی ضرورت نہ پڑے نہ وہاں کوئی چیز خراب ہو اسی سے معدن یعنی پوشیدہ خزانہ (کان)، بحالت کسرہ ہے یہ مرکب اضافی مابعد کے لیے موصوف ہے۔ یَدْخُلُوْنَ فعل مضارع معروف بمعنی مستقبل بصیغہ جمع اس کی صفت ہے دُخُول سے مشتق ہے بمعنی اندر آنا۔ اندر جانا۔ باب نصر سے ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع جنّت ہے یہ ضمیر منصوب متصل ہے مفعول فیہ ہے یَدْخُلُوْنَ کا واؤ عاطفہ کی بمعنی مَعَ مَنْ اسم موصول واحد عقلاء کے لیے ہوتا ہے صَلَحَ فعل ماضی باب ضرب سے ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع مَنْ موصولہ ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے آباء جمع ہے اَبٌ کی مراد ہیں باپ دادا۔ ھِمْ تینوں جگہ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ کا مرجع الّذین ہے واؤ عاطفہ بمعنی اور ازواج جمع ہے زَوْجَۃٌ کی بمعنی منکوحہ بیوی یہ جمع نسبتی بھی ہو سکتی ہے ھم ضمیر جمع کی وجہ سے یعنی ان سب کی ایک ایک بیوی اور جمع حقیقی بھی ہو سکتی یعنی ان سب کی چند چند بیویاں واؤ عاطفہ بمعنی اور ذریت جمع ہے ذُرِّیَّۃٌ کی مگر یہ جمع بھی واحد کے لیے مستعمل ہے۔ بمعنی چھوٹی چیز اسی سے ہے ذرہ۔ ذریت چھوٹی اولاد کو کہا جاتا ہے۔ مگر حقیقت میں سب چھوٹے بڑے نابالغ مراد ہوتے ہیں۔ یہ ذَرْءٌ یا ذَرْوٌ یا ذَرٌّ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا۔ پھیلانا۔ بکھیرنا ذُرِّیَّۃٌ بروزن فُعْلِیَّۃٌ قُمْرِیَّۃٌ صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول ہے۔ یعنی پیدا کی ہوئی۔ واؤ مستحلہ یا حالیہ اَلْمَلٰٓئِکَۃُ الف لام عہدی ہے ملائکہ جمع ہے مَلَکٌ کی بمعنی فرشتہ مَلْکٌ سے مشتق ہے۔ در اصل تھا مالک بمعنی ناظم اعلی بعض نے کہا یہ اَلُکٌ سے بنا ہے اور ہمزہ کو میم سے بدلا گیا بمعنی پیغام رسانی۔ یَدْخُلُوْنَ فعل مضارع جمع فعلیہ ہوکر خبر ہے ملائکہ مبتدا کی علیٰ حرف جر بمعنی عَنْہ۔ ظرفیت کے لیے ہے۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع بھی وہی الّذین ہے مِنْ جارہ ابتدائیہ غایت کے لیے کُلّ اسماء تاکیدیہ سے ہے بَاب مضاف الیہ اسم جامد ہے اس کی۔ جمع ہے اَبْوَاب بمعنی کواڑوں والا دروازہ۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ وَیَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْہِ رَبِّھِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً۔ رب تعالیٰ اپنے بندوں کی نشانیاں بتا رہا ہے جو نو عدد ہیں پہلی یہ کہ اور وہ لوگ جو ہم ان سے تعلق۔ رشتے عہد وعدے اور معاملے کو ملا کر رکھتے ہیں جن کے ملانے کا رب تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ شریعت اسلامیہ نے آٹھ تعلقات کو ہر دم ملانے کا بڑی شدت سے حکم دیا ہے۔

۱۔ صلۃ الرسول۔ اپنے نبی علیہ السلام کی ہر بات انتہائی دلجمعی سے ماننی اپنی عقل خرد سمجھ بوجھ فہم و فراست کو نبی کے قدموں میں قربان کر دو۔ نمبر ۲۔ صلۃ الاسلام کہ اسلام سے جڑے رہو عمل۔ کردار ظاہر و باطن اسلام کا مکمل نقشہ بن

جائے کہ مسلمان کے سینے میں حفظ قرآن ہو دماغ میں احترام قرآن زبان پر الفاظ قرآن دل میں عشق قرآن عقل میں فہم قرآن اور جسم پر تعلیم قرآن۔ اور ساری زندگی معاشرے پر شریعت اسلام ہی چھائی ہوئی ہو۔ نمبر ۳۔ صلۃ الایمان د اخلاق کہ آس پاس تمام پڑوس کے حقوق کا خیال رکھو۔ عیادتِ مریض، دلجوئی ضعیف۔ اسلامی تعلیمات کو پھیلانا۔ حالات سے خبردار ہونا۔ انسانیت کے اعتبار سے کافر مومن کے دکھوں کا مداوا کرنا ان کو دنیاو آخرت کے مصائب سے بچانے کی کوشش کرنا۔ نمبر ۴۔ صلۃ الرحم۔ اپنے ذی محرم رشتے داروں کے پورے حقوق ادا کرنا ذی رحم وہ ہے جو مسلمان مرد و عورت کے لیے ازدواجی تعلق سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے حرام ہیں اس کی مکمل تفصیل فہرست ہمارے فتاوی العطایا میں دیکھئے۔ نمبر ۵۔ صلۃ القرابت ہر رشتے دار خواہ دینی۔ روحانی خواہ دینی۔ نسبی غیر نسبی وارث غیر وارث سے اچھا برتاؤ کرنا۔ نمبر ۶۔ صلۃ الیانت مسلمان کو ہر حال خلوت جلوت نفسانی۔ شہوانی۔ کاروبار معاملات لین۔ دین میں دیانت ایمان داری فرض ہے۔ نمبر ۷۔ صلۃ المروت۔ اللہ کی تمام مخلوق پر رحم کرنا یہاں تک کہ کیڑے کوڑے چرند و پرند پر بھی رحم کھائے اور اسلامی طریقے سے اُن کے حقوق ادا کرے۔ نمبر ۸۔ صلۃ المعرفت۔ شریعت طریقت۔ تمام انبیا کتب الٰہی پر ایمان لائے تمام کتب کو کلام الٰہی مانے۔ خدا تعالیٰ ہمارے ایک مولوی کو معاف کرے جس نے اپنی حماقت میں سابقہ کتب آسمانی کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کیا اور ایک مناظرے میں اپنے اس مذہب میں بری طرح شکست کھا گیا رجوع بھی کیا مگر توبہ کرنے پر اڑا ہوا ہے میری دعا ہے کہ خدا تعالیٰ مرنے سے پہلے اس کو اس کفریہ عقیدے سے توبہ کی توفیق مل جائے۔ حشر۔ نشر حساب کتاب۔ جنت دوزخ۔ ملائکہ کے وجود پر ایمان لانا۔ ان تمام رشتوں کو قائم کرنا ہی ایمان ہے یہ سب ملانا واجب ہے ان کو توڑنا حرام۔ اس کے دنیوی فائدے بھی ہیں اور دینی بھی کہ رزق اور عمر کی زیادتی ہوتی ہے معاشرہ پاکیزہ اسلام کی عزت بڑھتی ہے آپ کی محبت اور غیر مسلم اسلام قبول کرنے میں اسلامی قوت عزت عظمت بڑھتی ہے دوسری نشانی۔ یہ صلہ رحمی کون کرتا ہے جو اللہ سے خشیت رکھتا ہے تیسری نشانی اور برے حساب سے ڈرتا ہے۔ خشیت اور خوف میں پانچ طرح فرق ہے۔

ف ۱۔ ہیبت و جلال کا ڈر خشیت ہے یہ سب سے زیادہ قرب الٰہی کی نشانی ہے جسے قرب زیادہ اس کو خشیت زیادہ۔ نقصان کا ڈر خوف ہے یہاں یہ دونوں لفظ اپنے ہی معنی میں ہیں۔ ف ۲۔ سخت ڈر خشیت ہے تھوڑا ڈر خوف ہے۔ ف ۳۔ دائمی ڈر خشیت ہے وقتی ڈر خوف۔ ف ۴۔ جھجک خشیت ہے۔ ناپسندیدگی خوف ہے ف ۵۔ ہمت پڑنا خشیت ہے ہمت نہ کرنا خوف ہے۔ ف ۶۔ محبت میں ڈرنا خشیت ہے۔ نفرت میں ڈرنا خوف ہے۔ مومن وہ ہیں جو رب تعالیٰ کو چاہتے ہوئے نافرمانی کوتاہی۔ سستی۔ ناقص عبادت۔ غفلت سے ڈرتے ہیں اور قیامت کی تفتیش چھان بین اور سخت حساب و کتاب سے خوف کھاتے ہیں اس لیے وہ دنیا میں ہی اپنا محاسبہ

کرتے ہیں اس طرح کہ شریعت میں علماء فقہاء کے محاسبے میں اور طریقت میں مشائخ کی پابندیاں برداشت کرتے ہیں چوتھی نشانی اور صرف اپنے رب کریم کی دائمی رضا چاہنے کے لیے گناہوں سے صبر کرتے ہیں کہ ان سے رکے رہتے ہیں اور عبادت پر صبر کرتے ہیں کہ نہایت الفت و پیار سے ادا کرتے ہیں اور مصیبتوں میں صبر کرتے ہیں کیونکہ برداشت کرتے ہیں اور یہ بلائیں عبادت میں رکاوٹ نہیں بننے دیتے ۔ اور شہوتوں سے صبر کرتے ہیں کہ ان سے بچے رہتے ہیں یہ سب صبر جمیل ہیں ۔ اور ایذا پر تحمل کرتے ہیں کہ باوجود جوابی قدرت کے صرف اللہ کے لیے چھوڑ دیتے ہیں ۔ پانچویں نشانی ۔ اور یہ مومن مخلص نمازیں ایسی قائم کرتے ہیں کہ ملائکہ بھی آفرین کہتے ہیں ۔ وقت ۔ ادا ۔ واجبات ۔ فرائض نوافل طہارت خوشبو خشوع خضوع کا خیال رکھتے ہوئے عبادت خدا اور نقشۂ مصطفیٰ قائم و دائم کرتے ہیں ۔ چھٹی نشانی ۔ ہمارے مومن جس طرح صلہ رحمی کرکے عادات و اخلاق و حقوق کی سخاوت کرتے ہیں اسی طرح ہمارے دیئے ہوئے رزق یعنی حلال کمائی سے ہی انہوں نے دین دنیا کے لیے خرچ کیا ہے ظاہر بھی ۔ ساتویں نشانی ۔ اور پوشیدہ بھی دکھا کر بھی چھپا کر بھی ۔ مفسرین فرماتے ہیں سِر اور علانیہ نفقہ چار قسم کا ہے ۔ ایک یہ کہ واجبی فرضی خیرات علانیہ ہے اور نفلی صدقات سِراً ہیں دوم یہ کہ خود غریب کو یا مستحق جگہ خرچ کرنا سِراً ہے اور کسی شخص یا حکومت کو دے دینا وہ مستحق جگہ خرچ کرے یہ علانیہ ہے سوم یہ کہ بغیر بتائے غریب کو دینا سِراً ہے اور بتا دینا کہ یہ زکوٰۃ وغیرہ ہے علانیہ ۔ چہارم یہ کہ رفاہِ عام میں اعلان کرا کے دینا تاکہ دوسرے بھی تعاون کریں علانیہ ہے اور چپ کرکے دینا سِراً اور یہ دونوں طریقے اللہ کو محبوب ہیں جب کہ نیت خیر ہو ریا نمود نہ ہو ۔ خیال رہے کہ حرام کمائی رَزَقْنٰھُمْ میں شامل نہیں وہ شیطانی عطیہ ہے وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ آٹھویں نشانی ۔ ایمان والے نیکی کے ذریعے برائی کو مٹاتے ہیں ۔ اس طرح بھی کہ اگر خود گناہ کرلیں تو نیکی کرکے توبہ اور افسوس ۔ رنج و غم کرکے گناہ بخشوا لیتے ہیں یا شرعی جرم کرکے اقرار و اظہار کرکے سزا پا لیتے ہیں یا اس طرح کوئی ظلم کرے حق مارے قطع رحمی بے انصافی کرے تو صبر کرتے ہیں اور خود اچھا سلوک کرتے ہیں ۔ نویں نشانی ۔ یہی وہ بندے جن کے لیے انتہائی سکون کے ٹھکانے ہیں دنیا میں راحت قلبی اور اطمینان قدرتی خوشیوں سے اور قیامت میں آسان حساب کتاب اور بعد قیامت جنّٰتِ عدن خصوصی باغات عام جنتیوں سے جدا وادیوں میں ہے جنت عدن جنت کی ایک گلی ہے جس میں دیدار الٰہی کا بازار لگا کرے گا ۔ اس میں پچیس ہزار ملائکہ ہیں ۔ اس کے دروازے میں پہرے ہیں ۔ جس مومن میں یہ نو صفات ہوں گی اسی کو داخلہ ملے گا ۔ داخل ہوں گے اس میں ہر آن یا کبھی کبھی یہ جنت عدن ہوں گے یعنی ہمیشہ قائم اور دیدار خدا کی لذتوں والے باغ ۔ ان ہی پیارے بندوں کی وجہ سے یا ان کی

خوشنودی اور رونق کے لیے یا ان کے ختم شریف اور ایصال ثواب کی بنا پر ان کی شفاعت کی وجہ سے ان کے نیک والدین ان کی نیک بیویاں دنیوی یا نئی جنتی بیویاں حوریں وغیرہ اور ان کی نیک یا بیگناہ چھوٹی اولاد بھی اسی جنت میں داخل ہو سکیں گے یعنی وہ نیک تو ہیں مگر ان آباء کی نیکیاں اس حیثیت کے لائق نہ تھیں تو ان مستحقین، لائقین کی خاطر اور دلجوئی مقبولیت چاہت عزت و محروحن کی بنا پر یہ بھی داخل ہوں گے یا جو دنیا میں اپنے والدین آل اولاد کے ایصال ثواب کرتا ہوگا اُس کی وجہ سے آج جنت میں ان کو یہاں بھی دخول کا اذن ملے گا۔ مزید انعام یہ کر ملائکہ ان پیاروں کی زیارت کے لیے ہدیوں اور تحفوں کے ساتھ اسی جنتِ عدن کے ہر دروازے سے یا ان کے رہنے والے محلات کے ہر دروازے سے یا ملائکہ اپنی رہائش گاہوں کے ہر دروازے سے ان کے پاس کبھی کبھی داخل ہوا کریں گے اور یہ سلسلہ ابدُالآباد تک جاری رہے گا۔ ان جنتیوں کے محلات خیمہ کی شکل کے ہوں گے۔ جس کی لمبائی چوڑائی ایک ایک کوس ہے زمرد یاقوت کا بنا ہوا ہے۔ ہر محل کا ہزار دروازہ ہے ہر طرف ملائکہ داخل ہوا کریں کے جن کے ساتھ چمک دمک خوشبوؤں کے تحفے ہوا کریں گے۔ اے میرے کریموں کے کریم رب مجھ کو اور تمام سچے اہلسنت کو اس جنت کے لائق ضرور بنا دے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا میں ہر مسلمان کو چار رشتے ملتے ہیں کچھ رشتے جوڑنے کے لائق کچھ توڑنے کے لائق کچھ دوستی کے لائق کچھ حقوق کے لائق کامیاب زندگی والا وہ مسلمان ہے جو ان چاروں رشتوں سے شریعت کے مطابق نبھاؤ اور سلوک کرے مثلاً روحانی اور جسمانی رشتے اُستاد دینی۔ مرشد روحانی۔ والدین جسمانی۔ وغیرہم۔ اور فاسق منافق کافر مشرک بد عقیدہ۔ نیک صالحین۔ کافر قرابتدار وغیرہ یہ فائدہ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اور يَخْشَوْنَ الخ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیا میں وہی اعمال رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ ہیں جو رب تعالیٰ کیلئے کیئے جائیں خواہ دینی ہوں یا دنیوی چھوٹے ہوں یا بڑے۔ اور جو کام اپنی مجبوریوں یا خواہش کی بنا پر کیا جائے وہ نیکی اور عبادت نہیں بن سکتا یہ فائدہ صبروا میں ابتغاء ذالخ کی قید لگنے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جو لوگ صرف مجبوری کی بنا پر صبر کر لیتے ہیں اور دل میں انتقامی جذبے کے تحت کڑھتے رہتے ہیں وہ عنداللہ صابرین میں شامل نہیں ہو سکتے۔ ایسا صبر تو کفار بھی کر لیتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ مومن مخلص کے اعمال اور ایصال ثواب کی وجہ سے اُن بندوں کے درجے بھی بلند ہو جاتے ہیں جن کے اپنے اعمال نے وہ درجے نہ دیئے ہوں۔ لہٰذا باپ کے اعمال بیٹے کو اور بیٹے کے اعمال والدین وغیرہ کو مفید ہیں اسی طرح ایصالِ ثواب ختم شریف بھی فائدہ مند ہے بشرطیکہ لینے والی میت میں ایمانی صلاحیت موجود ہو۔ یہ فائدہ وَمَنْ صَلَحَ (الخ) کے اشارۃ النص اور ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند مسائل فقہی مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: پورا مال خیرات کر دینا ناجائز ہے۔ جب کہ آل اولاد یا بچوں کی والدین کی ذمے داری کے حقوق بندے کے ذمے ہوں یہ مسئلہ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ کی مِن تبعیضیہ سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ: نفل عبادت کو ظاہر کرنا گناہ اور ناجائز ہے اور فرض عبادت کو چھپانا ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَلَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ والوں کی نشانی بتانے سے مستنبط ہوا۔ اسی لیے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نفل عبادت کو ظاہر کرنا یعنی منہ سے کہتے پھرنا بربادی ہے اور فرضی عبادت کو چھپانا رسوائی ہے۔ **تیسرا مسئلہ**: جس طرح نماز فرض واجب نفل سنت ہے اور کبھی دفعہ روزانہ، ہفتانہ، سالانہ پڑھی جاتی ہے اسی طرح خیرات اور خرچ و انفاق بھی بہت قسم کا ہے۔ یہ مسئلہ وَاَنْفَقُوْا کی واؤ عاطفہ اور اَقَامُوا (زبر) پر عطف فرمانے سے مستنبط ہوا۔

چوتھا مسئلہ: اہل ایمان کو ہر مفید چیز میں سے کچھ کو اللہ کے نام لگانا چاہیئے اور یہ واجب ہے کہ مال، آل، اولاد، اوقات، ہنر میں سے کچھ خدمت دینی کے لیے وقف کرے جس کے چار بیٹے ہوں تو ایک بیٹے کو عالم دین بنانا واجب ہے یہ مسئلہ مِمَّا میں ما موصولہ کے عموم سے مستنبط ہوا۔ حضرت حکیم الامت والد محترم نے اپنے دونوں ہی بیٹوں کو عالم دین بنا دیا۔ بحمدہ تعالیٰ ہم دونوں بھائی ساتوں پشتوں سے علم دین کی نعمتوں میں ہیں اور خاص رب ہر طرف سے علم میں گھرا ہوا ہوں میرے سسر، میرے ساڑھو (ہم زلف) میرے سالے سب جید علماء اسلام ہیں۔ اعلیٰحضرت بریلوی بھی والدہ کی طرف سے جا ملے سلسلے میں شامل ہو جاتے ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ اللہ کے وعدے پورے کرنے والے اور صلہ رحمی کرنے والے سوء الحساب سے ڈرتے ہیں۔ ڈرنا دو وجہ سے ہوتا ہے یا اپنی کوتاہیوں کی بنا پر یہ مجرمانہ ڈر ہے یا اگلے کی وعدہ خلافی کے اندیشے سے یہاں پہلا ڈر تو ہو نہیں سکتا کیونکہ وہ تو اچھے کام کر رہے ہیں۔ مخلص ہیں نہ کہ مجرم تو کیا دوسری قسم کا ڈر ہے اور رب تعالیٰ کی طرف ان کو وعدہ خلافی کا اندیشہ ہے یہ تو کفر ہے یا کیا خدا کے جھوٹ کا احتمال ہے یہ تو وہابیت ہے۔

جواب: نہ وعدہ خلافی کا اندیشہ نہ جھوٹ پر قدرت کا کفریہ عقیدہ فقط ہیبتِ الٰہی کی خشیت اور اپنی کمی اعمال کی فکر میں خوف یا خوف بمعنیٰ شرمندگی ہے۔ **دوسرا اعتراض**: صبر کا معنیٰ ہے مجبوری اور مجبوری میں ہر شخص ہی بے بس ہوتا ہے صبر کے سوا چارہ ہی نہیں تو ثواب کیونکر ہوا اور پھر غیر مسلم بھی صبر کرتے ہیں تو ان کو بھی اجر ملنا چاہیئے۔

جواب: کفار کا صبر ان کے عدم ایمان اور اسلام نہ ہونے کی وجہ سے برباد ہے یہی حال ان کی ہر نیکی کا ہے۔ نیز کفار کی ہر نیکی یا اچھا کام دنیا کی وجہ سے ہے نہ کہ خالق دنیا کی وجہ سے مگر مومن کا صبر اِبْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ ہے

بعض نے یہ جواب دیا کہ یہاں اجر و ثواب کے لیے محض صبر نہیں ذکر کیا گیا بلکہ تین چیزیں۔ ۱ صبر۔ ۲ نماز۔ ۳ خیرات مذکور ہوئیں اور صبر بھی مجبوری کا مراد نہیں بلکہ قدرت انتقام کے باوجود صبر۔ ایک جواب یہ ہے کہ مومن ہر کام کو منجانب اللہ سمجھ کر صبر کرتا ہے اس لیے اجر کا مستحق ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں مومن کی نشانی بتائی گئی کہ علانیہ بھی صدقہ و خیرات کرتا ہے۔ حالانکہ اس میں ریا کاری یا ریا کا کچھ اندیشہ ہے اور جس طرح ہر گناہ برا ہے اندیشۂ گناہ بھی برا ہوتا ہے۔

جواب ۔ مخلصین اور عشق سے اعمال صالحہ کرنے والوں کے اعمال میں ریا کاری ہو سکتی ہے نہ اندیشہ۔ ریا تب ہوگی جب یا منہ سے کہیں یا دل سے چاہیں کہ ہماری عزت بنے نیز فرض اعمال تو ظاہر کرنے ہی واجب ہیں۔ ۲ دل کا وسوسہ تو وہ ریا نہیں نہ اس پر پکڑ ہے۔

تفسیر صوفیانہ اور وہ عارفین جو روح جسمانی کے ساتھ ازلی معاہدوں کے مطابق پورا صلہ رحمی کرتے ہیں اور اللہ کے حکم کے مطابق دلوں کو اس کی محبت سے محبت کم ارسے اسرار کو مشاہدات انوار سے ملائے رکھتے ہیں وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ اور مقام قلب میں تجلیات صفات کی ہیبت سے خشیت ربانی سے کانپتے رہتے ہیں۔ وَيَخَافُونَ سُوءَ الْحِسَابِ اور ہر حرکت بطش و عقاب۔ قبض و بسط۔ نفی و اثبات۔ ابتلاء کے لمحات۔ فنا کے حساب سے خوف زدہ اور آہ و زاری میں رہتے ہیں۔ ابن عطا نے فرمایا اولیا کی خشیت درجات علیا سے نیچے پھسلن اور خوف غفلت و بے وفائی میں گرنے کا ہے۔ خشیت دقیق اور باریک ہے اور خوف سخت ہے وَالَّذِينَ صَبَرُوا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ اور کاملین ہیں وہ جنہوں نے ماسوا اللہ غیر اللہ کو اللہ کی محبت و رحمت کے لیے بالکل چھوڑ کر صبر مکمل کر لیا اور ذات کریم کے انوار کے مکاشفے سے ایسا سرور پایا کہ ہر ایک سے منہ موڑ کر صبر کر لیا۔ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ اور تزکیہ باطنی کے لیے نماز مشاہدہ میں مشغول ہو گئے اور عبادات بدنیہ کو تا حیات قائم رکھ دیا اور تا رفعت سے دائمی معراج حاصل کر لی وَأَنْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً اور جو ہم نے احوال مقامات۔ انوار تجلیات۔ اسرار کے مکاشفات کا ذوق وافر دیا ہے اس کو مستحقین مریدین صالحین اور چاہنے طالبین پر ظاہر کرتے ہیں اور ان کو عطار کرامات سے لقاء یار کے فائدے پہنچاتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی خیرات اسرار نفقہ سری ہے اور نظارۂ مکاشفات نفقۂ علانیہ ہے وَيَدْرَءُونَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اور مٹاتے ہیں محنت سے غفلت کو۔ مشقت سے کسلت کو ریاضت سے رذالت کو لقاء سے فنا کو۔ تجلیات سے ظلمات کو۔ وفا سے جفا کو۔ بجدۂ تجلی سے تکبر نفس کو حسن اخلاق سے بد اخلاقی کو۔ أُولَٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے مقام قرب الٰہی کا آخری گھر ہے جن کی دنیا بھی آخرت کی لذتوں والی ہے جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا معرفت الٰہی کے ایسے پھول اور لذت قرب کے ایسے پھل والی جنتیں دائمی ابدی ہیں جس میں یہ داخلہ و رحمت و برکت پائیں گے۔

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَائِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ اور صفات قلوبیہ اعمال صالحہ کی ان جنتوں میں آباؤ حالی ازواج نفوس قدسیہ اور روئیت اعضاء و قوی۔ وصل قرب اور مشاہدے کے باغوں میں داخل ہوں گے۔ اور صرف آنکھوں سے ہی جمال یار کا نظارہ کریں گے بلکہ عقل، شعور، سر، دماغ بھی مشاہدہ پائیں گے۔ وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مِنْ كُلِّ بَابٍ اور صفات کمالیہ کے ہر دروازے سے ان عاشقین جبروت والے فرشتے تحائف نوری اور علامات قدسی کے ساتھ آتے رہیں گے اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِهَا۔

سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى

سلامتی ہو پر تم بدلے اس کے جو صبر کیا تم نے تو بہت اچھا آخرت

سلامتی ہو تم پر تمہارے صبر کا بدلہ تو پچھلا گھر کیا ہی

الدَّارِ ۲۴ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ

کا گھر ۔ اور وہ لوگ جو توڑتے ہیں وعدہ اللہ کا سے

خوب ملا ۔ اور وہ جو اللہ کا عہد اس کے پکا ہونے کے

بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللّٰهُ بِهِ

بعد مضبوط باندھنے کے اس کو اور جدا کرتے ہیں اس کو حکم دیا اللہ نے ساتھ اس کے جس کے

بعد توڑتے ہیں اور جس کے جوڑنے کو اللہ نے فرمایا ۔

أَنْ يُوصَلَ وَيُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ أُولٰٓئِكَ

کہ جوڑا جائے اور فساد ڈالتے ہیں زمین میں یہی لوگ ہیں

اسے قطع کرتے اور زمین میں فساد پھیلاتے ہیں ان کا حصہ

لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ﴿۲۵﴾ اَللّٰهُ يَبْسُطُ

کر دیے اُن کے لعنت ہے اور لیے اُن کے برا گھر ہے ۔ اللہ کھلا کرتا ہے

لعنت ہی ہے اور اُن کا نصیبہ برا گھر ۔ اللہ جس کے لیے چاہے

الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ

رزق لیے جس کے چاہتا ہے اور حساب سے دیتا ہے ۔ اور خوشی سمجھ گئے کافر پر زندگی

رزق کشادہ اور تنگ کرتا ہے ۔ اور کافر دنیا کی زندگی پر اترا

الدُّنْيَا ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ

دنیوی حالانکہ نہیں ہے دنیوی زندگی مقابلے میں آخرت سے

گئے اور دنیا کی زندگی آخرت کے مقابل نہیں مگر

ع ۳ ۹

اِلَّا مَتَاعٌ ﴿۲۶﴾ ع

مگر تھوڑا سامان

کچھ دن برت لینا

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں نیک لوگوں کی آٹھ عملی اور قلبی خصلتوں کا ذکر ہوا ۔ اب یہاں اُن کی ایمانی گفتگو کا تذکرہ ہے ۔ کیونکہ تمام عبادات میں زبانی اچھی گفتگو کا بہت بڑا حصہ ہوتا ہے ۔ اور یہ بھی بتایا گیا کہ اے لوگو آج دنیا میں ہر انسان نفسی اور قلبی طور پر خواہش کرتا ہے کہ میرا تعلق بڑے لوگوں سے ہو اور نیچے طبقے سے سلام دعا کا سلسلہ جاری ہو جائے ۔ یہ بات ظاہر ہے کہ کائنات میں اللہ کے فرشتے بعد انبیاء ہر لحاظ سے اونچے طبقے کے ہیں دامن مصطفےٰ سے رابطہ ہو جائے تو فرشتوں سے دنیوی اور اُخروی زندگی میں سلام و دعا بلکہ محبت و عزت کا سلسلہ جاری ہو جاتا ہے ۔ یہ کتنی بڑی کامیابی ہے ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی کر دنیا میں دو ہی قسم کے انسان ہیں ایک اچھے دوسرے برے دونوں کو پہچاننا ضروری ہے تاکہ انسان نیکوں جیسی نشانیاں اختیار کرے اور بروں سے بچے ۔ اچھے لوگوں کی پہچان کیلئے پچھلی آیتوں میں اچھوں کی آٹھ خصلتیں اور انجام بدی بیان ہوا ۔

اور اب ان آیات میں برے لوگوں کی خصلتوں کی تفصیل ہے۔ **تعلق** ۔ پہلی آیات میں ایمان والوں کی ایک یہ خصلت بیان ہوئی کہ وہ دنیوی دولت نفلی و فرضی طریقے سے خیرات کرتے رہتے ہیں جس سے اُن کی دنیا سے بے رغبتی کا پتہ لگتا رہتا ہے۔ اب یہاں کافروں کی دنیا سے محبت اور لگاؤ کا ذکر ہے۔ حالانکہ ملے گی اتنی ہی جتنی اللہ نے مقدر میں لکھ دی۔

تفسیر نحوی سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ سَلٰمٌ اسم نکرہ مفرد ہے صفت مشبہ ہے بروزن فَعَال باب سمع سے ہے سَلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بچنا۔ بچا ہوا درست رہنا۔ اسی سے ہے سلامتٌ اور سالمٌ۔ کسی کو اپنے سے بچانا یعنی نقصان نہ دینا سلم ہے کسی سے خود کو بچائے رکھنا سلامتٌ ہے اور نہ بگاڑنا یا نہ بگڑنا سالم ہے۔ بحالت رفع ہے مبتدا ہے تنوین تعظیمی ہے بمعنیٰ ہمیشگی یا بار بار۔ عَلَيْكُمْ جار و مجرور متعلق وَارِدٌ پوشیدہ اسم فاعل کے اور یہ جملہ اسمیہ خبر ہے مبتدا کی اور پھر مبتدا و خبر مل کر دعا ہے کیونکہ جملہ اسمیہ تکرار کا ثبوت ہے اور تکرار دعا کی ہوتی ہے نہ کہ خبر کی یہ ہی اعلیٰحضرت کے ترجمے سے ظاہر۔ مگر حضرت حکیم الامت نے ایک مرتبہ محفل درس میں فرمایا تھا یہ خبر ہے۔ کیونکہ آخرت میں دعا نہیں ہوگی اور جملہ اسمیہ میں تکرار شرط نہیں۔ بِمَا ب جارہ مَا مصدریہ ہے یا موصولہ۔ متعلق مقدم صَبَرْتُمْ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر حاضر باب نَصَرَ یہ جملہ فعلیہ خبر مقدم مبتدا مؤخر فَنِعْمَ کی فَ تعقیبیہ یا سببیہ نِعْمَ۔ فعل مدح نحاتِ کوفہ نے کہا یہ اسم مدح ہے اس کی تین قرأتیں۔ ۱ نَعِمَ ۲ نَعْمَ ۳ نِعِمَ پہلی مشہور ہے۔ عُقْبَى بحالت رفع مخصوص بالمدح مضاف ہے الدار الف لام عہدی دار اسم جامد نکرہ تھی معرف باللام بمعنیٰ گھر۔ بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے۔ وَالَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ واؤ مستانفہ الَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالت رفع مبتدا ہے مابعد کا يَنْقُضُوْنَ۔ فعل مضارع معروف باب نَصَرَ صیغہ جمع مذکر غائب نَقْضٌ سے مشتق ہے (بنا ہے) بمعنیٰ توڑنا۔ پھر جانا۔ انکار کرنا اقرار کے بعد۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں عَهْدَ اسم مفرد جامد ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں جامد وہ ہوتا ہے جو مشتق نہ ہو یعنی نہ فعل ہو نہ اسم ہو۔ لیکن مصدر ہو مگر مصدری معنیٰ میں نہ ہو بلکہ بمعنیٰ حاصل مصدر ہو۔ فارسی میں جامد وہ ہوتا ہے جو مصدر بھی نہ ہو۔ عہد بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تنوین سے مانع اضافت ہے۔ اللہ بحالت کسرہ مضاف الیہ۔ مِنْ جارہ زائدہ ہے یا بیانیہ میثاق بروزن مِفْعَال۔ مصدر میمی ہے اور مصدری معنیٰ میں ہے وَثُوْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مضبوط کرنا۔ پکا باندھنا۔ بھروسہ کرنا۔ یقین کرنا اپنی سوچ سمجھ پر۔ اسی سے ہے وُثوق بمعنیٰ بھروسہ۔ مضاف ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع عَهْد ہے واؤ عاطفہ عطف ہے يَنْقُضُوْنَ پر يَقْطَعُوْنَ۔ فعل مضارع معروف بصیغہ جمع مذکر غائب۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر جمع مستتر ہے اس کا مرجع الَّذِيْنَ ہے۔ قَطْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جدا ہونا۔ چھوڑنا۔ توڑنا۔ کاٹنا

یہاں پہلے معنیٰ مناسب ہیں مَاموصولہ غیر ذوی العقول چیزوں کے لیے بحالت نصب مفعول بہ ہے اَمَرَ فعل ماضی مطلق معروف باب نَصَرَ سے ہے اَمْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حکم دینا۔ فیصلہ کرنا۔ کسی سے معاملہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں اور وہی اصلی و لغوی ہیں بِہٖ جار مجرور مفعولیت کے لیے ہٖ ضمیر متصل کا مرجع ماموصولہ ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ یہ پورا جملہ مفعول بہ ہے اَمَرَ کا یُوْصَلَ فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے وہ اس کا نائب فاعل ہے۔ وَصْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جوڑنا۔ ملانا۔ ملاقات کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مناسب ہیں۔ اور یہی لغوی معنی ہیں۔ واؤ عاطفہ یُفْسِدُوْنَ۔ فعل مضارع۔ معروف باب افعال بصیغہ جمع مذکر فَسَدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بگڑنا۔ پھاڑنا۔ بگاڑنا۔ نقصان کرنا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں فِیْ حرف جر بمعنیٰ میں۔ اور ظرفیت کے لیے اَلْاَرْضِ۔ الف لام جنسی یا عہدی۔ اَرْضٌ مؤنث لفظی ہے دراصل تھا اَرْضَۃٌ۔ اس کا مصغر ہے اُرَیْضَۃٌ مراد ہے علاقہ۔ اُولٰٓئِکَ۔ اسم اشارہ بعیدی مبنی ہوتا ہے ہمیشہ۔ بحالت رفع ہے بوجہ مبتدا۔ لَھُمْ۔ لام جارہ نفع کا ہے ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے متعلق ہے ثَابِتٌ یا اٰلَیْقٌ۔ یا وَارِدٌ اسم فاعل پوشیدہ کے اللَّعْنَۃُ الف لام استغراقی لَعْنَۃٌ اسم مفرد معرف باللام مصدر ہے اور آخر میں مصدریت کی ۃ لگی ہے۔ لَعْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پھٹکارنا۔ دھتکارنا۔ ذلیل کرنا۔ رحمت سے دور کرنا۔ بددعا دینا۔ اس کے مشتقات باب فَتَحَ سے ہوتے ہیں۔ یہاں مراد رحمت سے دور کرنا ہے۔ بحالت رفع ہے بوجہ فاعل ہونے کے ثَابِتٌ پوشیدہ کے۔ واؤ لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے اسی پوشیدہ اسم فاعل کے یا نیا اسم فاعل پوشیدہ ہے۔ سُوْٓءُ۔ مادہ مصدری ہے۔ اجوف واوی اور مہموز اللام ہے یہاں اسم جامد ہے بمعنیٰ۔ غمگین کرنے والا۔ نقصان دینے والا۔ مصیبت میں ڈالنے والا۔ پریشان کرنے والا۔ مراد جہنم ہے اَلدَّارِ۔ الف لام عہد ذہنی۔ دار بمعنیٰ چار دیواری والا گھر بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے سُوْٓءُ کا سُوْٓءُ بحالت رفع ہے۔ فاعل پہلے پوشیدہ اسم فاعل کا بذریعہ عطف یا نیا اسم فاعل ثَابِتٌ وغیرہ پوشیدہ کے۔ یہ سب جملہ اسمیہ عاطفہ خبر ہے اُولٰٓئِکَ مبتدا کی۔ اَللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَۃِ اِلَّا مَتَاعٌ۔

اللہ اسم ذاتی عَلَم ہے باری تعالیٰ کا یہ نیا جملہ ہے۔ بحالت رفع ہے بوجہ مبتدا۔ اگلی ساری عبارت اس کی خبر ہے یَبْسُطُ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مرفوع مستتر اس کا فاعل ہے اس کا مرجع۔ اللّٰہُ ہے بَسْطٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لمبا کرنا۔ کھولنا۔ بڑھانا۔ وسیع کرنا۔ یہاں آخری دو معنیٰ مناسب ہیں۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ اَلرِّزْقَ۔ الف لام جنسی یا عہدی۔ رزق اسم مفرد جامد ہے۔ بمعنیٰ۔ ۱ ہر نفع دینے والی چیز۔ خواہ اُخروی یا دنیوی۔ ۲ غذا۔ ۳ حصہ۔ ۴ خوراک۔ ۵ سامان زندگی۔ یہاں دنیوی نعمتیں مراد ہیں۔ لام جارہ نفع کا مَنْ اسم موصولہ عمومیت کے لیے۔ ذوی عقول کے لیے آتا ہے۔ یَشَآءُ فعل مضارع معروف صیغہ

واحد مذکر غائب کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اللہ ہے۔ شَآءَ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے بمعنی چاہنا پسند کرنا۔ مرضی کے مطابق کرنا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ شَیْءٌ اسم جامد بھی مستعمل ہے تب یہ منسوب الیہ کے درجہ میں ہوتا ہے اگر منسوب الیہ عام شخصیت ہے تو یہ عام اگر خاص ہے تو یہ خاص اگر اخص ہے تو یہ اخص۔ مگر جہلاء وہابیہ نے اس کو بہر حال عام سمجھا۔ اور اسی جہالت کی بنا پر عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کے استدلال سے ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے امکان کذب کا کفریہ عقیدہ بنا ڈالا۔ واؤ عاطفہ یَقْدِرُ۔ فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ سے صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ہو مستتر کا مرجع اللہ ہے۔ قَدْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ تنگ کرنا۔ اندازہ کرنا۔ قُدرت رکھنا (طاقت رکھنا) یہاں پہلے دُو معنیٰ مراد ہیں۔ واؤ ستر جملہ۔ اگلی عبارت نیا جملہ ہے۔ فَرِحُوْا فعل ماضی بصیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر اس کا فاعل اور اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ ہے۔ فَرَحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ خوش ہونا۔ اِترانا۔ یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں۔ بِ جارہ بمعنیٰ عَلٰی اَلْحَیٰوۃ الف لام استغراقی یا جنسی یا عہدِ خارجی۔ حَیٰوۃ معرّا اسم جامد ہے آخر میں تَ مصدریہ ہے بمعنیٰ زندگی۔ حَیٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ زندہ ہونا زندہ رہنا۔ موجود ہونا۔ موجود رہنا۔ موصوف اس کی صفت ہے اَلدُّنْیَا۔ الف لام جنسی۔ دُنْیَا اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر اَدْنٰی ہے۔ دَنُوٌّ یا دَنِیٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھٹیا ہونا۔ قریب ہونا۔ یہاں دونوں معنیٰ درست ہیں۔ بحالت جر ہے صفت ہے حَیٰوۃ موصوف کی واؤ حالیہ مَا نافیہ اَلْحَیٰوۃُ۔ الف لام عہدی حَیٰوۃ اسم جامد بمعنیٰ زندگی اَلدُّنْیَا۔ اسم جامد عالم سفلی اور عالم ناسوت کا نام ہے یعنی یہ ظاہری جہان۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مگر اس کی ظرفیت کا تعلق نہ حیات سے ہے نہ دنیا سے کیونکہ یہ زندگی اور یہ دنیا وہاں نہیں ہو گی اَلْاٰخِرَۃِ۔ الف لام عہدِ خارجی اٰخرت اسم جامد مصدر ہے اُخُرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سب سے پیچھے ہونا۔ دیر میں ہونا۔ نتیجہ ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں آخر میں تَ مصدر کی ہے اس سے پہلے لفظ جَنْبٌ یا مقابل پوشیدہ ہے دراصل ہے فِیْ جَنْبِ الْاٰخِرَۃِ مراد ہے آخری عالم حشر یا عالم ابدی اِلَّا حرفِ استثنا متّصل اس نے مَا کی نفی توڑ دی مَتَاعٌ اسم مفرد نکرہ جامد ہے۔ بحالت رفع ہے بوجہ مستثنیٰ مفرغ ہونے کے۔ مَتْعٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ سامان۔ نفع دینے والی چیز۔ کچھ دیر فائدہ اٹھانا۔ ظاہری زندگی کا سامان۔ تھوڑی نعمت۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ اس کی جمع اَمْتِعَہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ وَیَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ اے دنیا میں اپنے آپ کو اللہ کے لیے وقف کر کے تمام اہلِ دنیا سے منہ موڑنے والو۔ اب باجازت دروازوں سے اندر آنے والے فرشتے تم کو بشارت

دیتے ہیں کہ ابدالآباد تک تم پر سلامتی ہے اس کی وجہ سے کہ تم نے اپنے نفوس کا محاسبہ مراقبہ کر کے شکر ذکر سے دنیا کے مصائب و آلام برداشت کئے اور دشمنانِ خدا کے طعنے سنے۔ بھوک پیاس فقیری غربت صرف قربتِ الٰہیہ کی خواہش میں جھیلی اور ایسا عظیم پاکیزہ صبر کیا کہ جس کی خوشبوؤں سے زمین و آسمان کی فضائیں معطر ہوگئیں۔ دنیا میں تم تو ہر دروازے سے دھتکارے گئے مگر اہل دنیا پر اللہ کی رحمت برکت امن و عافیت تمہارے ہی صدقے نازل ہوتی رہیں اب صبر کے بدلے میں تم کو آخرت کا اچھا گھر ملے گا۔ جو آخر ہی آخر ہے ابتدا ہے انتہا کوئی نہیں جس کے بعد کوئی تبدیلی نہ ہوگی آج تم کو معلوم ہوگا کہ دنیا کی فقیری آخرت کی امیری ہے دنیا کا فکر آخرت کی لذت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے بلال دنیا میں فقیر بننے کی کوشش کرتا کہ رب تک پہنچ جائے نہ کہ امیری۔ حضرت انس نے روایت کیا کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت میں فقیر کے لیے تین خصوصی رعایتیں ہوں گی جو کسی غنی کو نہ ملے گی۔

۱ جنت میں داخلہ سب سے پہلے پانچ سو سال قبل یہ قیامت کا آدھا دن ہوگا۔ ۲ فقرا کی بدنی عبادات اور ذکر اذکار کا ثواب اُمرا کے ذکر و عبادات سے دگنا ہوگا اگرچہ امرا ایک بار سبحان اللہ کہنے کے ساتھ دس ہزار درہم بھی خیرات کرے ۳ جنت میں صابرین فقرا کے لیے اتنی بلندی پر یاقوتِ احمر کے محلات ہوں گے کہ ان کی کھڑکیوں سے وہ جنت والوں کو اس طرح دیکھا کریں گے جس طرح اہل دنیا زمین والے آج ستاروں کو دیکھتے ہیں اور ان محلات میں صرف فقرا انبیاء کرام۔ فقرا شہدا اور فقرا مومنین کی رہائش ہوگی روایات میں ہے کہ باری تعالیٰ نے عقبیٰ الدار میں تین چیزوں کا وعدہ فرمایا اول جنت دوم ان نو نشانیوں والے مومنین کے طفیل دوسرے قرابتداروں کو بھی ان کا ساتھ مل جانا سوم ملائکہ کا آ آ سلام کرنا یہ تو بارگاہِ الٰہیہ میں مومنین کی شان ہے لیکن جن بدبختوں نے اللہ کے سارے وعدے اگلے پچھلے ایمان اطاعت اخلاق تہذیب حرام حلال۔ میل مروت۔ وراثت شرافت رواداری وغیرہ کے ایک دم توڑ ڈالے میثاق کے بعد۔ دنیا میں کہ عقل و فراست سمجھداری شعور ضمیر نے جو اچھی باتیں کرانا چاہیں ان کفار و منافقین نے اس کو چھوڑ کر نفس امارہ کے کہنے پر چلنا شروع کیا یا اللہ تعالیٰ کے قرآن و حدیث پیغمبرانِ کرام علما مبلغینِ اسلام نے جو بتایا سنایا جس کو ان کی عقلوں نے تسلیم کیا مگر پھر کچھ دیر بعد جھٹک دیا یہ لاابالی۔ تسلیم و رضا گویا ان کا وعدہ تھا اور پھر ذہن و خرد سے جھٹک دینا عہد کا توڑنا اسی طرح عبادت کی تیاری وعظ و نصیحت سن کر دل نرم ہونا اور دل چاہنا کہ عبادت ذکر اذکار میں ہی مشغول ہوتے رہیں یہ وعدہ ہے پھر مجلس اشرار میں صحبتِ بد سے وہ جذبہ ختم ہو جانا اور سستی غفلت کاہلی پیدا ہونا یہ عہد شکنی ہے اخروی وعدہ عالم ارواح کا ہے۔ اور یہ ہی کفار ظاہری باطنی ہر اس چیز کو توڑتے ہیں جس کے جوڑنے کا اسلام نے حکم دیا۔ اور زمین میں غیر اللہ کی عبادت کر کے اور دوسروں سے کرا کے ظلم۔ جھگڑا۔ جنگ جدال۔ فتنہ۔ شرارت

چغل غیبت کے ذریعے فساد برپا کرتے ہیں اور جاری رکھتے ہیں، یہی وہ لوگ ہیں جن پر دنیا و آخرت میں لعنت ہے اس طرح سے کہ دنیا میں توفیق خیر نہ ملنی۔ گناہ آسان ہو جانے اور نیکیاں مشکل ہو: الی اللہ اور اللہ والوں سے دوری ہونا۔ کوئی جھنجوڑ کر جگانے والا مرشد و رہبر نہ ملنا۔ اُخروی لعنت یہ ہے کہ معافی۔ شفاعت۔ رحمت۔ محبت۔ آسانی اور جنت نہ ملنی۔ بلکہ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ اور ان کے لیے انتہائی بُرا تکلیف دہ گھر ہے۔ یعنی جہنم۔ ایک قول ہے کہ دنیوی لعنت۔ بیماری قحط سالی۔ بے برکتی۔ فحاشی۔ بے غیرتی بے حیائی اور علماء اولیا صلحا کی گستاخیاں عام ہو جانا۔ جہالت بڑھنا علم گھٹنا۔ اور اُخروی لعنت قبر و حشر کے امتحان و حساب کی ناکامی اور دنیوی بُرا گھر کفرستان ہے اور اُخروی بُرا گھر کافر کی قبر اور جہنم کی وادی۔ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَفَرِحُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ دنیا کے کافر۔ منافق اور بعض فاسق اپنی نادانی سے دنیوی جاہ و مال عزت و آبرو۔ امارت و زارت کو حق و باطل کا امتیازی نشان سمجھتے ہیں حالانکہ یہ غلط اور بھول ہے اس بھول میں مت رہنا یہ تو دنیا ہے دارِ عمل ہے اور امتحان گاہ ہے یہاں اللہ تعالیٰ رازقِ کائنات جس کو چاہتا ہے کھلا رزق دیتا ہے اور تنگی رزق بھی وہی کرتا ہے یا شروع سے غریب رکھ کر یا اس امیر کو غریب بنا کر۔ کہیں بڑے کو امیر بنا دیا اور نیک کو غریب کہیں اس کا اُلٹ۔ اِس جہانِ فانی میں صرف وعدہ اور وعید ہے۔ یہاں نہ ثواب ہے نہ عقاب۔ سب کچھ سمجھا دیا بتا دیا اور پچھلوں کے انجام تباہی دکھا کر سب کچھ سنا دیا گیا ہے مگر یہ کافر منافق۔ اور نادان فاسق۔ اہلِ دنیا۔ دنیا کی زندگی اور اُس کی بیچ و پر ہی خوشی سے پھولے پھرتے ہیں حصولِ دنیا میں سرمست ہیں نہ حلال نہ حرام نہ تہذیب و تمدن کی پرواہ۔ نہ قیمتی سانسوں کا خیال نہ اس عارضی وقت کی قدر۔ حالانکہ یہ تمام دنیوی زندگی اور اُس کے عیش و آرام دنیوی جنجال بکھیڑے آخرت میں برباد بیکار بلکہ دنیا کے بعض کام آخرت میں وبال اور مصیبت ہیں۔ یا دُنیوی زندگی آخرت کے مقابلے میں انتہائی تھوڑا معمولی اور حقیر نفع مختصر سامان ہے۔ مقدار میں بھی۔ بقا میں بھی فائدے میں بھی۔ حسن و جمال میں بھی۔ لذت و فرحت میں بھی پائیداری میں بھی علماء بلاغہ میں دنیا کی فرحت حرام ہے لیکن دنیا پر سرور جائز ہے۔ فرحتِ دنیا کے چودہ نقصان۔

نمبر ۱۔ کفر۔ نمبر ۲۔ منافقت۔ نمبر ۳۔ اقوال جھوٹے۔ نمبر ۴۔ امانت میں خیانت۔ نمبر ۵۔ حرص ہوس لالچ۔ نمبر ۶۔ وعدہ خلافی۔ نمبر ۷۔ غرور و تکبر۔ نمبر ۸۔ کنجوسی۔ نمبر ۹۔ قطع رحمی کی انتہائی بری لت۔ نمبر ۱۰۔ فساد۔ نمبر ۱۱۔ ظلم۔ نمبر ۱۲۔ جنگ و جدال۔ نمبر ۱۳۔ آخرت کی بربادی۔ نمبر ۱۴۔ حرام حلال سے بے پرواہی۔ حیاتِ دنیا پر سرور کے دس فائدے ہیں۔

نمبر ۱۔ ایمان کی توفیق۔ نمبر ۲۔ حلال کی رغبت نمبر ۳۔ سخاوت کی عادت۔ نمبر ۴۔ عبادت میں لذت نمبر ۵۔ حیاتِ دائمی

نمبر۶۔ آخرت کی تیاری کا شوق۔ نمبر۷۔ دنیا کی بے رغبتی۔ نمبر۸۔ اصلاح کی طبیعت۔ نمبر۹۔ نیک محفلوں کی طرف میلانِ قلبی۔ اہلِ دنیا حیوتِ دنیا سے دنیا ہی بناتے سنوارتے ہیں مگر اہلِ آخرت حیاتِ دنیا میں سلطانِ آخرت اعمالِ قیامت۔ اور خوشنودیٔ رحمٰن کماتے ہیں اس لیے فرحتِ دنیا کفر یہ عیب ہے اور سرورِ دنیا ایمانی دولت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو فرحتِ دنیا سے بچائے اور ان چند گھڑیوں میں رضا۔ الٰہیہ عشق خداوندی محبتِ مصطفائی کی دولتِ ابدی سے مالامال ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

فائدے

اِن آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بارگاہِ الٰہیہ میں سلام سب سے شان والی عبادت ہے اس لیے کہ دنیا کی تمام عبادتیں موت کے بعد ختم ہیں مگر سلام کلامِ آخرت بلکہ جنت میں بھی ہوگا اور ابدالآباد تک جاری و ساری ہے۔ گویا کہ یہ سلام کرنا اور جواب دینا مومنین کی دائمی نشانی ہے۔ لہٰذا گڈ کہنا یا نمستے وغیرہ کی عادت بنانا یا رب راکھا یا یا علی مدد کے لفظ مقرر کرنا غلط ہیں خلافِ اسلام ہیں۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیا و آخرت میں پردہ صرف مسلمان عورتوں کا انسانوں سے ہے۔ جنات ملائکہ اور جانوروں سے پردہ نہیں ہوتا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ یہ فائدہ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اور دخول ملائکہ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ دنیا میں دنیا کے لیے خوش ہونا برا ہے کیونکہ تکبر پیدا ہوتا ہے مگر دنیا میں شکرِ الٰہی کے لیے خوش ہونا اچھا اور ثواب کا باعث۔ دنیا کے لیے خوش ہونا فخر ہے اللہ کے لیے خوش ہونا سرور ہے۔ فخر کفار کی نشانی ہے۔ اور سرور مومن کی نشانی۔ فخر تکبر ہے۔ لیکن سرور سے تعزز حاصل ہوتا ہے۔ یہ فائدہ دَفَرِحُوْا۔ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ دنیا میں دنیا کے لیے رہنا متاع ہے اور دنیا میں اللہ رسول کے لیے رہنا حیاتِ طیبہ ہے۔ یہ فائدہ اِلَّا مَتَاعٌ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اِن آیاتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ گناہگار مسلمان فاسق فاجر ہوگا مگر کافر یا مرتد نہیں ہو سکتا ہاں کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جائے گا کیونکہ گناہ ترکِ عبادت ہے اور کفر انکارِ عبادت۔ اللہ کا عہد توڑنا انکار ہے۔ صرف ترک سے عہد نہیں ٹوٹتا۔ اور عہد توڑنے کی سزا اُخروی سوءُ الدار فرمائی گئی لفظ دار نے ہیشگی ثابت کی۔ عارضی رہائش کو جیل یا سرائے کہا جاتا ہے جیل یا سرائے کو گھر نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح لفظ لعنت بھی ثابت کر رہا ہے کہ عہد توڑنا کفر ہے یہ مسئلہ۔ لَهُمُ اللَّعْنَةُ اور سوءُ الدار سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ چونکہ انقضاءِ عہد یعنی وعدے کو توڑنا انکار کرنا ہے لہٰذا جو مسلمان بھی وعدہ کرکے پورا نہ کرے خواہ دنیوی وعدہ ہو یا دینی کسی بھی انسان سے کیا ہو۔ صرف پورا نہ کرنے سے اَلَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ کے زمرے میں شامل نہ ہوگا۔ اگر مجبوری سے پورا نہ کر سکے یا پچھتاوے سے نہ کرے یعنی وعدہ کرکے پچھتائے

تو اس کو معذور گنا جائے گا اور اگر جان کر پورا نہ کرے تو بے وفا اور جفاکار یا ظالم کہا جائے گا۔ جیسی بھی کیفیت ہو اس کو مہلت دے کر انتظار کیا جائے شاید پورا کر دے اگر چہ وعدے پورا کرنے کا دن وقت گزر جائے ہاں اگر انکار کرے کہ میں نے وعدہ کیا ہی نہ تھا یا میں پورا نہ کروں گا بلا عذر تو یَنْقُضُوْنَ میں شامل ہوگا۔ خیال رہے کہ صرف اللہ کا وعدہ توڑنا کفر ہے۔ دنیوی وعدہ توڑنا کفر نہیں۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کسی کا نام لے کر لعنت کرنا گناہ ہے۔ ہاں کسی عام برے کام یا عام بری صفت کا ذکر کر کے لعنت کرنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اُولٰٓئِكَ کے عمومی انداز سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ دنیوی دولت و کمائی بُرا نا۔ اکڑنا اور سب اپنے لیے ہی سمجھنا شریعت اسلامیہ میں حرام ہے۔ مسلمان کی دولت اپنی پیٹ پرستی کے لیے نہیں ہوتی بلکہ اس میں زکوٰۃ و نفقات صدقات جیسے بہت سے حقوق ہوتے ہیں یہ مسئلہ فَرِحُوْا (الخ) کو علامتِ کفر بنانے سے مستنبط ہوا۔ فقہاء کرام کے نزدیک کفر کی ہر نشانی کو اپنانا حرام ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ بشر ملائکہ سے افضل ہیں۔ مگر اس آیت سے ثابت ہوا کہ ملائکہ بشر سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ سلامتی کی دعائیں کریں گے اور دعا کرنے والا بڑا ہوتا ہے۔ (معترض)

جواب۔ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ خواص بشر عام ملائکہ سے افضل ہیں۔ اور عام بشر سے عام ملائکہ افضل ہیں اور رسل ملائکہ سے صدیق اکبر افضل۔ اور انبیاءِ کرام تمام ملائکہ بلکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ نیز دعا کرنا افضلیت کی دلیل نہیں نہ بڑائی کی دلیل ہے اور پھر جنت میں سلام دعا نہیں بلکہ خبر ہے لہٰذا یہ دلیل ہر طرح کمزور ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہ کیا وجہ ہے کہ پہلی آیات میں مومن کی نو نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ جن میں نماز۔ زکوٰۃ بھی شامل تھی مگر یہاں ملائکہ کے سلام و بشارتوں میں صرف صبر کو وجہ بتایا گیا نماز وغیرہ کو کیوں چھوڑ دیا گیا۔

جواب۔ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ صبر اپنے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے ہر عبادت کو شامل ہے خاص کر نماز روزے کو۔ کہ صبر کا معنیٰ ہے رک جانا تو نماز اور روزے میں بھی اپنے آپ پر بندہ بہت سی رکاوٹیں اور پابندیاں عائد کرتا ہے۔ دوم یہ کہ صبر سخت عبادت ہے اس لیے اس کی جزا بھی زیادہ ہے صبر میں بے بسی بے کسی اور بے یار و مددگار ہوتا ہے۔ اس لیے آخرت میں ملائکہ کی دوستی کا تذکرہ کر کے صابرین کو خوش فرمایا گیا ہے یہ شان نمازیوں وغیرہ کی نہیں ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ یعنی عہد اور وعدہ مضبوط کر لینے کے بعد توڑتے ہیں حالانکہ یہاں کافروں کا ذکر ہے اور کفار نے تو عہد باندھا ہی نہیں۔ مسلمان ہوتے تو اسلامی شرعی باتوں کے پورا کرنے کا عہد ہوتا۔ پھر مرتد ہو جاتے تو توڑنا ہوتا یا کم از کم منافقوں کی طرح ظاہراً شریعت کے وعدے کر لیتے اور دل میں توڑتے رہتے مگر ابتدائی شروع کافروں نے تو نہ وعدہ کیا نہ توڑا۔

تو یہ قولِ ربانی کیونکر درست ہوا۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں اوّلاً یہ کہ وعدے سے مراد عالمِ ارواح کا وعدہ قَالُوْا بَلٰی ہے۔ جو سب نے لیا کفار نے یہاں آکر بعد بلوغ توڑا اس لیے کہ نابالغی کا کفر معتبر نہیں نہ اس کو کافر مانا جائے گا۔ دوم یہ کہ۔ میثاق یعنی وعدہ کرنا عقل سے ہے کہ عقل اور ضمیر اسلام اور شریعت کو سچا سمجھتی ہے مگر نفس امارہ کے کہنے سے زبان سے توڑ دیتے ہیں۔ سوم یہ کہ اطلاقاً مانتے ہیں مگر عملاً توڑتے ہیں۔ چہارم یہ کہ بعض نے کہا کہ یہاں منافقین اور مرتدین کفار مراد ہیں نہ کہ ظاہر کافر۔ مگر پہلے جوابات زیادہ درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَی الدَّارِ اے منزلِ عشق میں صبر سے بیٹھنے والو تمہارے صبر پر قائم رہنے کی وجہ سے تم پر دائمی سلامتی کی بشارت ہے تمام منزلیں گزر گئیں یہ سلامتی کا آخری گھر ہے بہت ہی اچھا خوبصورت اب اس کے بعد نہ کسی کی ضرورت نہ بشارت۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں صبر کے اٹھائیس[۲۸] مقام ہیں۔

نمبر ۱۔ اعمال صالحہ۔ نمبر ۲۔ صدق وصفا۔ نمبر ۳۔ تنزیہہ و تقرب۔ نمبر ۴۔ تخلیق کائنات میں تفکر۔ نمبر ۵۔ تفقہ فی الدین نمبر ۶۔ زہد و ورع۔ نمبر ۷۔ محبت۔ نمبر ۸۔ توحید۔ نمبر ۹۔ تجرید۔ نمبر ۱۰۔ معرفت۔ نمبر ۱۱۔ ہمت۔ نمبر ۱۲۔ ذکر۔ نمبر ۱۳۔ شوق۔ نمبر ۱۴۔ توکل۔ نمبر ۱۵۔ توجہ الی اللہ۔ نمبر ۱۶۔ توبہ۔ نمبر ۱۷۔ تعزز۔ نمبر ۱۸۔ شکر۔ نمبر ۱۹۔ حسن اخلاق۔ نمبر ۲۰۔ بیم وامید۔ نمبر ۲۱۔ حصول۔ نمبر ۲۲۔ فنا۔ نمبر ۲۳۔ بقا۔ نمبر ۲۴۔ وفا۔ نمبر ۲۵۔ حیا۔ نمبر ۲۶۔ مشاہدہ۔ نمبر ۲۷۔ خوف۔ نمبر ۲۸۔ فقر۔ عرفاء مراد فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو اپنی مراد کو مرادِ حق کے تابع کر دے اور ترکِ دنیا کر کے تقدیر کی موافقت کرے اس وقت اس کا صبر کامل ہوگا اور قیامت سے قبل ہی اس کی آخرت ہو جائے گی اور اللہ کی طرف سے اس پر سلام آنے لگے گا وَالَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ اور اسی عالم ناسوت کے وہ بوالہوس بدنصیب جو وادیٔ معرفت میں قدم رکھنے کے بعد عشقِ الٰہی کے صبر آزما وعدے مضبوط باندھ کر پھر گھبرا کر نفسانیت کے نرغے میں آکر کئے ہوئے عہد توڑ دیتے ہیں۔ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ اور جس شریعت طریقت معرفت حقیقت کو رب تعالیٰ نے ایک قالب انسانی پر جوڑنے کا مزین کرنے کا حکم فرمایا ہے اس کو یہ اشقیا توڑتے ٹکڑے کر کے جدا کرتے ہیں۔ کیونکہ شریعت لباس ہے طریقت اس کی پاکیزگی معرفت اس کی چمک اور حقیقت اس کی مضبوطی ہے وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ اور ہر لباس سے برہنہ ہو کر زمینِ غیرت ملاقۂ حیاء اسلامی شرم ایمانی اور میدان قالب میں گناہوں بے حیائیوں سے فساد پھیلاتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ ان ہی لوگوں پر ابدی محرومی کی لعنت ہے اور ان کے لیے فراق میں جلنے کا برا بدنصیبی کا گھر ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ کافر کی لعنت جنت سے دوری محرومی اور ناقص غافل فاسق

فاجر کی نعمت وصل کے دریا اور قرب کے ساحل سے دُور کر ا ہٹایا بھگایا جاتا ہے اگرچہ کتنے ہی فرائض و نوافل پڑھے اللّٰہُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اللہ ہی مؤثر حقیقی ہے وہ اپنی حکمت سے جس کا چاہتا ہے رزق وسیع فرماتا ہے اور جس کا چاہتا ہے انتہائی تنگ کر دیتا ہے۔ یہ تنگی و فراخی کسی پر عذاب ہے کسی پر آزمائش ہے کسی کی تکفیرِ ذنوب کسی کی تکثیرِ ذنوب۔ کسی کے لیے غنی مفید کسی کے لیے فقیری مگر راہِ معرفت کا مسافر ان دونوں سے بے پرواہ ہو کر قربِ رازق کا متمنی ہے۔ وَفَرِحُوْا بِالْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا فِی الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ کیسے کم ہمت و ناداں ہیں کہ لباس تقوے کا ہے مگر محبت دنیوی زندگی سے حالانکہ آخرتِ جاوداں کے مقابل فانی کی دنیوی زندگی کیا حیثیت رکھتی ہے۔ بے ثباتی دنیا تو اُترتی چھاؤں ڈھلتی چاندنی ہے۔ یہ وہ کھلونے ہیں جن کو کھیلنے والے بچے توڑ کر اُٹھتے ہیں۔ عشق کی عقل اور محبت کے شعور والا کبھی ان میں دل نہیں لگاتا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ شریعت میں متاعِ دنیا سے عشق ہوتا ہے۔ دنیا کی زندگی درست ہے دنیوی زندگی باطل ہے۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ

اور کہتے ہیں وہ جو کافر ہوئے کیوں نہیں اتاری گئی پر اُس

اور کافر کہتے ہیں اُن پر کوئی نشانی اُن کے رب کی طرف سے کیوں

اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ

کوئی نشانی طرف سے رب کے اُن کے فرما دیجئے بیشک اللہ گمراہ کرتا ہے جس کو چاہتا ہے

نہ اتری تم فرماؤ بیشک اللہ جسے چاہے گمراہ کرتا ہے،

وَیَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ ۚۖ (۲۷) اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور ہدایت دیتا ہے طرف اپنی اُس کو جو جھکے وہ لوگ جو ایمان لائے

اور اپنی راہ اُسے دیتا ہے جو اُس کی طرف رجوع لائے وہ جو ایمان لائے

وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ط اَلَا بِذِكْرِ

اور سکون پا گئے دل اُن کے سے ذکر اللہ کے خبردار سے ذکر

اور اُن کے دل اللہ کی یاد سے چین پاتے ہیں۔ سُن لو اللہ کی یاد میں ہی

اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ط ۲۸ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ

اللہ کے سکون پاتے ہیں دل - وہ جو ایمان لائے اور

دلوں کا چین ہے - وہ جو ایمان لائے اور

عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ

عمل کئے انہوں نے درست مبارک ہو لئے اُن کے - اور اچھا

اچھے کام کئے اُن کو خوشی ہے اور اچھا

مَاٰبٍ ۲۹ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِيْٓ اُمَّةٍ قَدْ

آخری ٹھکانہ ۔ اسی طرح بھیجا ہم نے آپ کو میں ایک بڑی اُمت بیشک

انجام اسی طرح ہم نے تم کو اس امت میں بھیجا جس سے پہلے

خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاْ عَلَيْهِمُ

گزر چکی ہیں سے پہلے اس کے بہت اُمتیں تاکہ تلاوت کرو تم سامنے اُن کے

اُمتیں ہو گذریں کہ تم انہیں پڑھ کر سناؤ جو ہم

الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ

وہ جو وحی کی ہم نے طرف آپ کی اور وہ منکر ہوتے ہیں -

نے تمہاری طرف وحی کی اور وہ رحمٰن کے منکر ہو۔

بِالرَّحْمٰنِ ؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ

رحمٰن کے تم فرماؤ وہ میرا رب ہے نہیں معبود کوئی مگر وہی -

رہے ہیں تم فرماؤ وہ میرا رب ہے اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں

عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ مَتَابِ ﴿۳۰﴾

اسی پر بھروسہ کیا ہے اور طرف اسی کے لوٹنا ہے

اسی پر بھروسہ کیا اور اسی کی طرف میری رجوع ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیت میں جسمانی اور دنیوی ظاہری عطا کا ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ دنیوی مال و دولت جسے چاہے جتنا چاہے عطا فرماتا ہے۔ امیر غریب بنانا اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ روحانی دولت ہدایت ایمان بھی اسی کے قبضہ و اختیار میں ہے کوئی شخص اپنے کسی مادی کمال سے ایمان نہیں پا سکتا۔ نہ بیجا مطالبے کرنے والا کبھی فلاح پاتا ہے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیت میں کفار کی خوشیوں کا ذکر کیا گیا تھا اب ان آیات میں مومنوں کی خوشیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ ان کی نفسانی فرحت اور خوشی دنیوی مال و دولت سے ہے اور مومنوں کی خوشیاں ذکر الٰہی سے ہیں۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیات میں دنیوی زندگی کی حقیقت بتائی گئی کہ وہ صرف چند گھڑیوں کا نفع ہے اب ان آیات میں اخروی زندگی کی حقیقت بیان کی جا رہی ہے کہ وہ ابدی نفع ہے۔

شانِ نزول حضرت قتادہ تابعی اور مقاتل فرماتے ہیں کہ یہ آیت صلح حدیبیہ کے دوران اس وقت نازل ہوئی جب سہیل ابن عمرو کافر اپنے وفد کے ساتھ صلح کے لیے آیا اور اتفاق رائے سے صلح نامہ لکھا جانے لگا اور حضرت علی لکھنے لگے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سہیل نے یہ کہتے ہوئے کہا یہ مت لکھو بلکہ لکھو باسمک اللّٰھم تب یہ آیت کریمہ صرف نازل ہوئی جس میں فرمایا گیا کہ یہ رحمٰن کے منکر ہو گئے۔ ایک قول ہے کہ جب سورۂ فرقان کی آیت سجدہ نازل ہوئی تو صحابہ نے کفار سے کہا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو تو جانتے بوجھتے صرف مسلمان دشمنی میں کہنے لگے کہ کون ہے رحمٰن ہم تو نہیں جانتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی۔ (صاوی۔ جلالین۔ بیان۔ معانی)

تفسیر نحوی

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ وَيَهْدِي إِلَيْهِ مَنْ أَنَابَ

واؤ سے جملہ یہ کلام علیحدہ ہے یَقُولُ فعل مضارع معروف بمعنیٰ حال صیغہ واحد مذکر غائب باب نَصَرَ سے ہے قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے اس کا فاعل اسم ظاہر اَلَّذِیْنَ جمع ہے اس لیے فعل عامل واحد آیا۔ کَفَرُوْا فعل ماضی مطلق بصیغہ جمع مذکر فاعل اس کا ھُمْ ضمیر جمع مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ موصول کا۔ لَوْلَا۔ دو حرف مل کر بنا۔ لَوْ حرفِ شرط ۲ لَا حرفِ نفی۔ لَوْلَا تعجب اور سوال کے لیے لایا جاتا ہے یہاں طنزیہ سوال کے لیے ہے اُنْزِلَ فعل ماضی مطلق مجہول نَزَلَ سے بنا ہے عَلٰی جارہ اپنے اصلی معنیٰ فوقیت کے لیے ہٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع ذاتِ نبی کریم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم اٰیَۃٌ اسم جامد نکرہ مفرد ہے بمعنیٰ۔ ظاہر نشانی۔ حکم الٰہی۔ دلیل۔ معجزہ۔ مجموعہ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ ۃ آخری ملانے کی یعنی اصلی ہے۔ وحدت یا تانیث کی نہیں مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے (یہی اس کے اصل معنیٰ ہیں) رَبّ اسم جامد ہے۔ یعنی مشتق نہیں۔ بطورِ مبالغہ مستعمل ہے بمعنیٰ فاعلیت۔ اَوَّلاً یہ لفظ باب نَصَرَ رَبَّ یَرُبُّ کا مصدر تھا پھر بروزن عَدْلٌ مبالغے کے لیے مستعمل ہوا اب منقول شرعی اسم صفاتی کے لیے فقط اللہ تعالیٰ نام ہے۔ صفتِ خصوصی کی وجہ سے کسی اور کو کہنا گناہ ہے ہٖ ضمیر کا مرجع ذاتِ محمد مصطفیٰ ہے (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ سب عبارت مقولہ ہے یَقُوْلُ کا۔ قُلْ۔ فعل امر حاضر معروف قَوْلٌ سے بنا اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل۔ یہ حروف چھ عدد ہیں اور عملاً فعل کی طرح ہیں اور معانی میں حرف کی شکل ہیں اس لیے ان کا نام حرفِ مشبہ بالفعل ہوا یہ سب عبارت مقولہ ہے قُلْ کا بدیں وجہ اِنْ شروع کلام میں آیا اور بکسر الھمزہ ہوا۔ اللہ اسم معرفہ مفرد علم ذاتی ہے بحالتِ فتح اسم اِنَّ ہے۔ یُضِلُّ۔ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے دراصل تھا یُضْلِلُ۔ ضَلٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ راستہ بھلانا۔ بھٹکانا۔ گمراہ کرنا۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ یہ جملہ فعلیہ خبر ہے اِنَّ کی۔ مَنْ اسم موصول مبنی ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں اسماءِ موصولہ۔ اسماءِ اشارات اور ضمائر کو مبہمات کہا جاتا ہے۔ کیونکہ ان کا اعراب پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ مَنْ بحالتِ نصب ہے بوجہ یُضِلُّ کا مفعول بہٖ ہونے کے۔ یَشَاءُ فعل مضارع معروف۔ شَیٌّ سے بنا بمعنیٰ چاہنا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر (پوشیدہ) کا مرجع اللہ ہے واؤ عاطفہ عطف ہے یُضِلُّ پر یَھْدِیْ فعل مضارع معروف ھُدٰی سے بنا ہے بمعنیٰ۔ راستہ بتانا۔ راستہ دکھانا۔ ساتھ لے کر چل پڑنا۔ منزل تک پہنچانا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں اور اس معنیٰ میں صرف اللہ تعالیٰ ہی ہادی ہے۔ باب ضَرَبَ ہے۔ اِلٰی حرف جر انتہاء غایت کے لیے ہے ہٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اللہ ہے جار و مجرور متعلق ہے یَھْدِیْ مَنْ موصول بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے یَھْدِیْ کا اَنَابَ فعل ماضی مطلق معروف باب اِفْعَل سے ہے۔ صلہ ہے مَنْ موصولہ

یہ سب عبارت بحالتِ رفع ہے یُضِلُّ کا عطف تابعی ہونے کی بنا پر۔ اس کا مصدر ہے اِنَابَۃ ۔ واؤ کو بوجہ ثقل حذف کر دیا اور اس کے بدلے آخر میں ت مسدریہ لگا دی ہوگیا اِنَابَۃٌ نَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی سہارا پکڑنا۔ رجوع کرنا۔ توبہ کرنا۔ مائل ہونا۔ خواہش کرنا۔ ہمت کرنا۔ یہاں مراد ہے مائل ہونا یا خواہش کرنا۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ۔ اَلَّذِیْنَ ۔ اسم موصول جمع مذکر یہ عبارت پہلے بذکرِ منٹک پانچ طرح ترکیب نحوی کی گئی۔ ۱ اس کا تعلق پچھلی عبارت مَنْ اَنَابَ سے اس طرح کہ وہ جملہ فعلیہ اور اس کا فاعل مُبْدَل مِنْہ ہے اور یہ اس کا بدلُ الکل ہے اور یہی قول مناسب ہے ۲ یا اس طرح کہ یہ عبارت اس کا عطف بیان۔ ۳ اس کا تعلق پچھلی عبارت سے نہیں بلکہ اگلی عبارت سے ہے اور یہ سب عبارت مبتدا ہے اور دوسرا اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مکمل جملہ اس کی خبر ہے اور درمیانی عبارت اَلَا (الخ) یہ جملہ معترضہ ہے ۴ اس کا ترکیبی تعلق نہ پیچھے سے ہے نہ آگے سے بلکہ یہاں اَلَّذِیْنَ سے پہلے لفظ رِجَالٌ پوشیدہ ہے وہ مبتدا ہے اور یہ پوری عبارت اس کی خبر ہے۔ ۵ اَلَّذِیْنَ سے پہلے اَحَبَّ یا اَعْنِیْ پوشیدہ ہے اور یہ سب عبارت موصول سے مل کر اس کا مفعول بہ ہے۔ اٰمَنُوْا فعل ماضی معروف جمع غائب اس کا فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے واؤ عاطفہ تَطْمَئِنُّ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث غائب بمعنی حال یا ماضی۔ باب اِفْعِلَّال ثلاثی مزید فیہ ملحق برباعی مزید فیہ سے ہے اس کا مصدر ہے اِطْمِیْنَانٌ اس کا مادۂ اشتقاق طَمْنٌ ہے بمعنی چین پانا متعدی اور بمعنی سکون حاصل ہونا۔ لازم ہے۔ قُلُوْبُ جمع ہے قلب کی اسم جامد ہے مراد ہے دل اس کا لغوی ترجمہ ہے پھرنے والا۔ بدلنے والا۔ قلوب بحالتِ رفع ہے فاعل ہے تَطْمَئِنُّ کا اگرچہ جمع ہے اس لیے کہ اسم ظاہر ہے لہٰذا فعل واحد آیا مؤنث کی وجہ قلوب کا غیر ذوی العقول ہونا ہے ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ب جارہ بسببیہ ذِکْر مصدر ہے بمعنی۔ یاد کرنا۔ حفظ کرنا۔ چرچا کرنا۔ گفتگو کرنا۔ یاد آجانا۔ کسی کا کلام پڑھنا۔ یاد رکھنا۔ اگر یہ اسم جامد ہو تو معنی ہوں گے کلام۔ یہاں یا مراد یاد کرنا ہے یا کلام پڑھنا ہے۔ اَلَا حرف تنبیہ بمعنی خبردار ترکیب سے جدا ہے حرفِ افتتاحی ہے۔ ب جارہ سببیہ ذکر مصدر مضاف اللّٰہ مفعول مضاف الیہ اسی طرح پہلے ذکر اللہ کی ترکیب ہے تَطْمَئِنُّ فعل مضارع بمعنی حال اَلْقُلُوْبُ الف لام عہد خارجی نکرہ کو مخصوص کرنے کے لیے داخل ہوا یعنی خاص دل یہ سب جملہ معترضہ ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ جمع مذکر اس کا تعلق پہلے اَلَّذِیْنَ سے ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اَلَا کا جملہ معترضہ نہ ہو بلکہ اَلْقُلُوْبُ مضاف اور یہ سب عبارت آئندہ مضاف الیہ ہو۔ تب القلوب کا الف لام استغراقی ہوگا۔ اٰمَنُوْا فعل ماضی اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنی اسلام لانا اس کا فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع یہ اَلَّذِیْنَ ہے۔ واؤ عاطفہ عطف ہے اٰمَنُوْا پر عَمِلُوْا فعل ماضی مطلق بصیغہ

جمع مذکر غائب عمل سے بنا ہے اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے الصّٰلِحٰتِ۔ الف لام استغراقی صالحات جمع ہے صالحۃٌ کی اسم فاعل مؤنث ہے صَلُحَ سے مشتق ہے بمعنی ٹھیک ہونا ٹھیک رہنا ٹھیک رکھنا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں یعنی بندے کو ٹھیک رکھنے والے اعمال۔ طُوْبٰی اسم مفرد جامد ہے بمعنی خوشی۔ مبارک۔ لَھُمْ لام جارہ اضافت کے لیے۔ طُوْبٰی مبتدا طُوْبَی الطِّیْبُ سے بنا ہے اس کی بحث میں تین قول ۱ مؤنث ہے اطیب کا۔ ۲۔ جمع ہے طِیْبَۃٌ کی۔ ۳ مصدر ہے طاب کا بروزن بشری ثابتۃٌ پوشیدہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اور لَھُمْ ثابتۃٌ اسم فاعل کے متعلق دوسرا جملہ یہ اگلی عبارت علیحدہ مبتدا خبر ہے۔ حُسْنُ اسم مفرد بروزن فعل صفت مشبہ ہے بمعنی بہت ہی اچھا ماٰب۔ اسم ظرف ہے کبھی زمانی ہوتا ہے کبھی مکانی یہاں مکانی ہے یعنی جنت۔ اَوْبٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹنا۔ رجوع معنی بالارادہ لوٹنا۔ باب نصر سے ہے۔ بحالت جر مضاف الیہ ہے حُسْنُ کا اضافت تو مبنی ہے اور ثابتٌ اس کی خبر پوشیدہ ہے۔ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَ هُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِؕ قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَ اِلَیْهِ مَتَابِ كَذٰلِكَ حرف تشبیہ ہے کسی پوشیدہ کلام سے تشبیہ ہے یا اس کا تعلق تشبیہی یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ سے۔ اس میں اس طرح اتصال ہے کہ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لیے اور کاف تشبیہی اس کے ساتھ جوڑا گیا۔ اَرْسَلْنَا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنی بھیجنا کَ ضمیر منصوب متصل کا مرجع نبی پاک فِیْ ظرفیہ حرف جر اُمَّةٍ اسم نکرہ مفرد جامد مؤنث ہے لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے اس کا لفظی جمع اُمَمٌ ہے۔ اس کا ترجمہ ہے۔ ۱ وقت۔ ۲ زمانہ۔ ۳ دین۔ ۴ جماعت۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ قَدْ خَلَتْ فعل ماضی قریب صیغہ واحد مؤنث خُلُوٌّ۔ ناقص واوی سے مشتق ہے بمعنی گزرنا۔ لازم ہوتا ہے۔ مِنْ جارہ زائدہ قَبْلُ اسم ظرف بحالت جر۔ ھَا ضمیر مضاف ظاہر الیہ۔ جار مجرور متعلق ہے خَلَتْ کے اُمَمٌ جمع ہے اُمَّةٌ کی بمعنی جماعتیں لِتَتْلُوَ۔ لام کَیْ تعلیلیہ تَتْلُوَ فعل مضارع بحالت نصب۔ لام کَیْ نے مضارع کو نصب دیا۔ صیغہ واحد مذکر حاضر۔ تُلُوٌّ سے بنا ہے۔ بمعنی پڑھنا (تلاوت کرنا) عَلٰی جارہ بمعنی عند ظرفیہ ھُمْ ضمیر مذکر غائب کا مرجع اُمَمٌ ہے اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر بحالت نصب ہے بوجہ مفعول بہ کے اس سے مراد قرآن و حدیث ہیں یہاں اس کا واحد آنا وحی کے لقب کی وجہ سے ہے ورنہ یہ تثنیہ ہے۔ اَوْحَیْنَا۔ فعل ماضی مطلق وَحْیٌ سے بنا ہے نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے بمعنی لغوی خفیہ پیغام آہستہ کلام۔ کلام خفی بمعنی منقول اصطلاحی رب تعالیٰ کا کلام بالواسطہ یا بلا واسطہ۔ اِلٰی جارہ اپنے معنی انتہاء غایت کے لیے ہے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے اَلَّذِیْ کا واؤ حالیہ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع معنوی لحاظ سے اُمَّۃٌ ہے۔ لفظی لحاظ سے اُمَمٌ ہے یَكْفُرُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر ظاہر مبتدا ہے۔ ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے۔ یَكْفُرُوْنَ

کُفر سے بنا ہے بمعنیٰ منکر ہونا ۔ ناشکرا ہونا ۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں کیونکہ لفظ رحمٰن میں معبودیت اور منعم دونوں طرف اشارہ ہے ب جارہ برائے مفعولیت الرحمٰن ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ الذی رحمٰن بروزن فعلان صفت مشبہ برائے مبالغہ ۔ رَحم سے مشتق ہے بمعنی بلا ۔ مادہ نفہ کرم کرنا بخشش و عطا کرنا ۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف حکم ہے نبی کریم کو هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ یہ سب جملہ اسمیہ مقولہ ہے قُلْ کا ۔ رَبِّیْ مرکب اضافی مضاف بیا متکلم یعنی میرا رب خبر ہے ماقبل مبتدا کی اور موسوف سے مابعد جملہ کا ۔ لَا حرف نفی جنسی اِلٰہَ اسم جامد نکرہ مفرد اسم ہے ۔ بعض نے کہا اَلِہَ سے مشتق ہے اِلَّا حرف استثنا بمعنیٰ غَیْرُ هُوَ ضمیر کا مرجع رحمٰن ہے ۔ علیٰ جارہ تفویضیہ بمعنیٰ اِلیٰ ہ ضمیر کا مرجع رحمٰن متعلق مقدم ہے برائے حصر ۔ تَوَکَّلْتُ فعل ماضی واحد متکلم باب تفعل وکل سے بنا ہے بمعنیٰ بھروسہ کرنا ۔ سپرد کرنا واؤ سے جملہ اِلَیْہِ جار و مجرور متعلق مقدم ہے مَتَابِ مصدر میمی ہے تَوْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لوٹنا رجوع کرنا اس کا فاعل مضاف الیہ یاء متکلم پوشیدہ ہے دراصل تھا مَتَابِی ۔ بحالت رفع ہے کیونکہ مبتدا مؤخر ہے پوشیدہ خبر ثابتٌ کی اس کا کسرہ یاء محذوفہ کی نشانی ہے ۔

تفسیر عالمانہ وَ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَهْدِیْۤ اِلَیْهِ مَنْ اَنَابَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَىٕنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَىٕنُّ الْقُلُوْبُ اور کتنے ہی معجزات دیکھنے کے باوجود وہ لوگ جواب بھی کافر ہی رہے کہتے پھرتے ہیں کہ ان پر ان کے رب کی طرف سے ہماری مرضی اور ہمارے مطالبے کے مطابق ہمارے نفع والی کوئی نشانی کیوں نہیں اُتری جیسے کہ پچھلی قوموں پر اُن کے مطالبے کی نشانیاں اونٹنی اور من و سلویٰ مائدہ کی شکل اتری آئی تھیں ۔ اے پیارے حبیب اس کے جواب میں آپ فرماؤ کہ معجزہ ہدایت دینے والا نہیں ہے ۔ پچھلی کچھ قوموں نے تو معجزہ مانگا اور پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر ہلاکت کا ایسا عذاب آگیا کہ ان کو ایمان و توبہ بلکہ سنبھلنے کا وقت بھی نہ ملا ۔ اور کچھ قوموں نے مومن بننے کے بعد پھر کچھ طلب کیا ۔ ان تمام چیزوں سے پتہ لگا کہ معجزہ نہ ہدایت دینے والا نہ ہدایت کا ذریعہ ۔ ہدایت اور گمراہی رب تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے بیشک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے کہ ہزاروں معجزے دیکھ کر بھی ابوجہل ہی بنا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ جس کو ہدایت عطا فرماتا ہے وہ وہی مخلص بندہ ہوتا ہے جو تمام خواہشات مطالبات چھوڑ کر اسی کے لیے اسی کی طرف لوٹ جائے ۔ اور اپنے آپ کو سراپا ذات پاک کے نام وقف کر دے ۔ یہ خوش نصیب لوگ وہی ہیں جو جمال مصطفیٰ کو دیکھتے ہی فوراً بلا حیل و حجت ایمان لے آئے ۔ انہوں نے کبھی کوئی مطالبہ یا نبوت کا امتحان نہ لیا ۔ ان کے پاکیزہ دل تو ذات مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کو دیکھتے ہی مطمئن ہو گئے تھے ان لوگوں نے تو چہرۂ محمد رسول کو دیکھتے ہی کلمۂ توحید پڑھ لیا ۔ اس لیے کہ سب سے بڑا ذکر خدا تو پیارے نبی کی پاک ذات ہے کہ جس کی ہر ادا سے اللہ یاد آتا ہے ۔ نبی کی ذات اور سر عضو ذکر اللہ

ہے ۔ ذکر کا معنیٰ ہے یاد ۔ تو جس چیز سے رب تعالیٰ کی یاد آ جائے وہی ذکر اللہ ہے ۔ خیال رہے کہ سب سے پہلا ذکر اللہ چہرۂ مصطفیٰ ہے پھر قرآن مجید پھر حدیث پاک پھر نماز ۔ پھر روزہ پھر ذکر اذکار تحمید و تسبیح ۔ پھر مراقبہ پھر مکاشفہ ۔ جس عبادت میں رب تعالیٰ یاد نہ آئے وہ عبادت بھی ذکر اللہ نہیں ۔ مجالس اولیا علما ۔ صالحین زاہدین ۔ عاشقین بھی ذکر اللہ ہیں ۔ اے دنیا والو خبردار ہو جاؤ یا اسے بیائے بندو خبر کھو کر دنیا ۔ آخرت قبر حشر میں اللہ کے ذکر یعنی ذات مصطفیٰ اور تعلیم مصطفیٰ ہی سے دلوں کا چین ہے ۔ کہ نہ دنیا میں اہل اللہ کو پریشانیوں مصیبتوں کی پرواہ نہ آخرت میں عذاب و عتاب کی فکر ۔ اطمینان کا دل دل و دماغ کی آٹھ حالتوں کا نام ہے ۔

۱ ۔ اللہ پر مکمل بھروسہ ۔ ۲ دنیا سے بے پرواہی ۔ ۳ وساوس شیطانی سے نجات ۔ ۴ عبادات میں لذت ۵ اولیاء اللہ سے محبت ۔ ۶ پریشانیوں الجھنوں سے دور ۔ ۷ دامن مصطفیٰ سے قریب ۔ اطمینان رب کی طرف سے ہے اور بے اطمینانی شیطان کی طرف سے اطمینان کے چار فائدے ۔ نمبر ۱ ۔ یقین محکم ۔ نمبر ۲ ۔ عمل پیہم ۔ نمبر ۳ ۔ قوت برداشت ۔ نمبر ۴ جرأت و ہمت ۔ اطمینان دنیا کی کسی چیز سے حاصل نہیں ہو سکتا نہ دولت نہ عزت سے ۔ نہ سلطنت نہ آل اولاد سے لہٰذا مجذوبوں کے طالب نہ بو ہدایت کے طالب بنو کہ یہ اطمینان قلبی کیوں حاصل ہوا ؟ اس لیے کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَھُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَاۡ عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ وہ لوگ جو سچے پکے مومن بن گئے ہیں اور اپنی ساری زندگی میں نیکیوں والے ہی عمل کیے اور اللہ رسول کی رضا پر چل کر اپنی دنیا بھی دین بنالی ان کے لیے طوبیٰ ہے ۔ یہ ایک درخت ہے جو آقائے عالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے جنتی گھر میں اگا ہوا ہے اس کی شاخیں کھیت اللیہ سے جنت کے ہر گھر میں پہنچی ہوئی ہیں اگر کوئی تیز رفتار گھوڑا اس کے سایہ میں ایک طرف سے دوڑے تو سو سال تک بھی دوسرے کنارے نہ پہنچ سکے دنیا و آخرت کے تمام پھول پھل تمام خوشبوئیں تمام رنگ اس میں موجود ہیں سوائے کالے رنگ کے وہ اس کے سایے میں ہے اس کی جڑ سے کافور اور سلسبیل اور تمام نہریں جاری ہیں اس کو رب تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے اگایا اور اپنی روح پھونکی اس میں سے جنتی کی ہر خواہش کی ہر نعمت برآمد ہو گی یہاں تک کہ زیور اور کپڑے بھی اس کا پھل انگور کا ایک دانہ بڑے مٹکے کے برابر ہے دنیا کا کوئی درخت اس کے مشابہ نہیں اور جنت کا کوئی درخت اس کے برابر نہیں ۔ طوبیٰ کے ہر پتے پر ایک فرشتہ ہے جو اپنا علیحدہ ذکر الٰہی کرتا ہے یا طوبیٰ کا معنیٰ ہے جنت یا طوبیٰ کا معنیٰ ہے مبارک بادی بشارت یا طوبیٰ کا معنیٰ ہے فرشتوں کی دعائیں دنیا میں ۔ میں کہتا ہوں یہ سب ہی ہیں جس کی بنا پر مومنوں کو اطمینان اور ڈھارس ہے ۔ اور ٹھکانہ یعنی لوٹنے کی جگہ بھی بہت ہی اچھی حسین جمیل ۔ خوبصورت پائیدار ۔ ابدی ۔ مزین معین ۔ اے حبیب کریم تم پر کروڑوں

درود و سلام ہوں۔ جس طرح پہلے انبیاء کو ہم نے امتوں میں بھیجا اور سب کے سب جیسے بھی گذریں گزر گئیں۔ اسی طرح ہم نے آپ کو بھی ایک امت میں بھیجا جو تا قیامت ساری کائنات میں عرش و فرش پر موجود ہے۔ اس لیے بھیجا تاکہ ہماری وحی یعنی قرآن مجید جو آپ کی طرف وحی ہوا ہے ان کے سامنے تلاوت فرماؤ۔ اگرچہ آپ کا انکار اور آپ کی تعلیمات سے منحرف اور آپ کی صحبت پاک سے دور ہوتے پھر لیں۔ یہ بد عقل تو جانتے بوجھتے اور سمجھتے ہوئے بھی رحمٰن کے منکر ہیں۔ قُلْ هُوَ رَبِّي لَآ إِلٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ۔ اے رحمۃ عالمین ان ابوجہل اور ابوجہلیوں سے فرما دیجئے کہ وہ رحمٰن جس کا تم کفر رہے ہو اور جس کی معرفت کے منکر بن رہے ہو۔ وہی تو میرا رب مربّی خالق حامی و ناصر اور مددگار ہے تمام کائنات میں ہر شئی کا فقط وہی معبود ہے وہی ذات و صفات کے اعتبار مستحق عبادت ہے۔ پوری دنیا میں میرا بھروسہ اسی ذات جَلَّ مَجْدُهٗ پر ہے۔ تمہارے شر سے بچانے والا اور تمہارے مقابل مجھ کو قوت نصرت دے کر مدد کرنے والا وہی اللہ اور رحمٰن جس کو تم نے دو سمجھا وہ ایک ہی ذات ہے اور اسی کی طرف دنیا و آخرت میں میرا ہر معاملے میں لوٹنا ہے۔ میری مدد فرمائے گا اور میرے دشمنوں مخالفوں گستاخوں سے انتقام لے گا۔ اگر اس کے انتقام سے بچنا ہے تو صدیق فاروق۔ بلال و سلمان کی طرح میرے دامن عافیت میں آجاؤ۔

فائدے: ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ سچے دین کا امتحان لینا بدترین جرم اور باعث ذلت و محرومی ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام سے معجزات کا مطالبہ اور اولیاء اللہ سے کرامات اور علماء اسلام سے مجادلہ مباحثہ گناہ کبیرہ ہے۔ یہ فائدہ لَوْلَآ أُنْزِلَ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** روح کی غذا ذکر الٰہی اور یادِ مصطفائی ہے۔ اسی لیے اس سے مرکز روح یعنی قلب کو سکون ملتا ہے۔ **تیسرا فائدہ۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی ہیں اور آپ کی امت قیامت تک کے مسلمان آخری امت ہے یہ فائدہ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَآ أُمَمٌ سے حاصل ہوا۔ کہ جتنی بھی امتیں ہیں وہ سب پہلے گزر چکیں۔ اب صرف فِيْٓ أُمَّةٍ ہی باقی ہے۔ لہٰذا مرزا غلام قادیانی اپنے دعوئے نبوت اور دعوئے مسیحیت میں باطل اور کاذب ہے۔ کہیں اپنے عقیدت مندوں کو اپنا امتی کہتا ہے کہیں اپنے ہم زمانہ ساتھیوں کو اپنا صحابی اور خلیفہ کہتا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید کی ان آیت پاک سے یہ مسلمان بھی نہیں اس لیے مسلمانوں کی کسی چیز کسی نام کو استعمال نہیں کر سکتا۔ **چوتھا فائدہ۔** سابقہ تمام دین اور امت ہونا اب منسوخ ہو گیا۔ اب نہ کوئی امتِ موسوی ہے نہ عیسوی نہ نوحی نہ ابراہیمی علیہم السلام۔ نبیٔ اکرم سے جدا ہو کر سب کفر ہی کفر ہے یہ فائدہ قَدْ خَلَتْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو بھی امتیں تھیں وہ گزر گئیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند مسائل فقہیہ مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: دولتِ دنیا۔ اور دنیا کی خاطر چلے وظیفے کرنے یا دینی علم پڑھنا۔ یا اپنے تعارف اور شان و شوکت کے لیے کلمے شریف کا ورد کرنا شرعاً حرام ہے جیسا کہ بعض دنیا پرست پیروں کا حال ہے کہ جب کسی محفل میں پہنچے تو اپنے ساتھیوں مریدوں سے کلمے یا اللہ کا ورد شروع کرا دیا تاکہ لوگ پہچان لیں کہ فلاں پیر صاحب آ رہے ہیں اور کھڑے ہو جائیں۔ یہ کلمے پاک کی گستاخی اور توہین ہے۔ یہ مسئلہ بِذِکْرِ اللّٰهِ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ ذکرِ الٰہی محض اللہ کے لیے کرنا ہی مومن کی نشانی ہے۔ اسی طرح تلاوت و تقریر کو دنیا کا جال بنانا حرام ہے۔ **دوسرا مسئلہ**: اللہ تعالیٰ کے کسی ذکر یا کلمے یا اذان، تکبیر کو اپنی مرضی سے بدلنا حرام اور کفر ہے۔ لہٰذا روافض کا اذان تکبیر اور سلام وغیرہ کے الفاظ میں زیادتی کمی اور تبدیلی قطعاً غیر اسلامی فعل اور علامتِ کفار ہے یہ مسئلہ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ کے شانِ نزول سے مستنبط ہوا کہ صلح حدیبیہ میں کفار نے بسم اللہ الرحمن الرحیم کو تبدیل کرنے کا مطالبہ کیا تھا جس کو کفر قرار دیا گیا۔ **تیسرا مسئلہ**: جب مسلمان کسی بات پر قسم کھائے یا کلمہ پڑھ کر قرآن مجید اٹھا کر کوئی بات کہے تو اس پر دوسرے مسلمانوں کو اعتماد کر لینا چاہیے۔ یہ مسئلہ تَطْمَىِٕنُّ قُلُوْبُهُمْ سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ قسم اور کلمہ قرآن مجید بھی ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ سے اطمینان ہونا مومن کی نشانی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا کہ کفار کہتے ہیں لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ (الخ) پھر اس کے جواب میں فرمایا گیا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ یُضِلُّ (الخ) اِن دو آیتوں میں مطابقت کس طرح ہے اور یہ کفار کے قولی مطالبے کا جواب کیونکر ہوا۔

جواب۔ مطابقت اور جواب اس طرح ہے کہ کفار نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزارہا معجزات دیکھے تھے مگر ایمان نہیں لائے اور اب اپنے ایمان لانے کو معجزات لانے آیات کے نازل ہونے پر موقوف کر رہے ہیں تو فرمایا جا رہا ہے کہ اب بھی یہ جھوٹ ہی بک رہے ہیں۔ یہ ایمان نہیں لائیں گے اس لیے کہ ایمان کی ہدایت اور بے دینی کی گمراہی سب رب تعالیٰ کے قبضے میں ہے جو صرف اس کو دی جاتی ہے جو اس کے لائق ہو۔ معجزات اور مطالبات والے کو ہدایت نہیں ملتی اس مختصر اور جامع مانع جواب میں۔ وجہ علت اور سبب سب کچھ بیان فرما دیا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ذکرِ الٰہی سے مومن کے دل کو چین و اطمینان ملتا ہے مگر سورۃ انفال آیت ۲ میں ہے کہ مومن وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ اُن کے دل خوف زدہ ہو جاتے ہیں۔ لہٰذا ان دونوں میں مطابقت کیسے ہوگی۔

جواب۔ اِن دونوں آیتوں میں مومن بندوں کی دو حالتوں کا ذکر ہے۔ یعنی اُن کے دِل ڈرتے ہیں اور مطمئن بھی ہوتے ہیں۔ یا اس طرح کہ جب خود ذکرِ الٰہی تسبیح و تہلیل ورد و ظائف پڑھیں تو دل چین پا جاتے ہیں اور جب اُن کے سامنے حدیث و قرآن پڑھ کر سنایا جائے وعیدِ جہنم کا ذکر جباری قہاری کی شان اور بے نیازی کی شان سنیں تو دل دہل جاتے ہیں۔ یا اس طرح کہ جب کفار کی نافرمانیوں اور عذاب کا ذکر سنیں تو ڈر جاتے ہیں گھبرا جاتے ہیں اِن کی طرف سے یا غافل مسلمانوں کی فکر میں اور جب رحمت و بخشش کے وعدے سنیں تو نیکیوں کے انجام سے مطمئن ہو جاتے ہیں یا اس طرح کہ اپنے اعمال عبادات یا سنت کی کمزوری دیکھتے ہیں سنتے ہیں تو ڈر جاتے ہیں جب اللہ رسول کے کرم رحم کا ذکر اور سچے وعدے سنتے ہیں تو چین پا جاتے ہیں۔ لہٰذا اپنے اپنے مقام پر دونوں ٹھیک ہیں کہ امید و بیم کا نام ہی ایمان ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور وہ جو باطل کے گھناؤنے پردوں میں چھپے ہوئے ناکوُ نابینا ہیں وہ کہتے ہیں۔ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۔ اس مشاہداتِ ربانی کے دعویدار اور کشفِ اسرار کے محرم پر کوئی ظاہر نشانی کرامت کیوں نہیں نازل ہوتی اُس کے اُس رب تعالےٰ کی طرف سے جو اس کے قلبِ منور ہی پر جلوہ ریز ہے۔ تاکہ دعوئے ولایت کی دلیل بنتی۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْۤ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ اے نقارۂ شہود کے منادی عالمِ دہر میں منادی فرما دے کہ بیشک اللہ بے نیاز جس شقی کو چاہتا ہے بدبختی کے اندھیروں اور گہرے کنوؤں میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے۔ اس طرح کہ وہ ازلی گمراہ کوئی بھی عینِ انوار کی نشانی نہیں دیکھ سکتا۔ اور اگر کبھی نورِ سرمدی صوتِ الٰہیہ نظارۂ غیبیہ کی جھلک نظر آ بھی جائے تو اس کو باطل گمان کرتا ہے اور رب کائنات اپنی بارگاہِ جلال کی طرف اُن کو رشد و ہدایت عطا فرماتا ہے جو قُرب کا طالب اور اُس کے جمال کا مشتاق ہو۔ کیونکہ جو طلب میں صادق ہو وہی ہدایت میں ہدایت کا اہل ہے۔ اور وہ مشتاقِ مشاہدات ان میں سے ہے جن کی ازل میں گمراہی نہ چاہی گئی۔ کون ہیں یہ خوش بخت۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ یہ وہ خوش بخت ہیں جو احمدِ مجتبیٰ کے یدِ الٰہی دستِ اقدس سے بیعت ہو کر دولتِ ایمان پا چکے اور اُن کے پاکیزہ رفیع الشان دل اللہ جل شانہٗ کے ذکرِ لسانی ذکرِ خفی ذکرِ سِری ذکرِ اخفیٰ سے چین پا گئے خبردار صرف قلبِ وحدانی ہی ذکرِ ذاتِ قدیم سے چین پاتے ہیں۔ دل پانچ قسم کے ہیں کافر کا دِل قلبِ اسود ہے منافق کا دل قلبِ قاسی ہے فاسق کا دل قلبِ ناس ہے۔ ان میں دنیا اور شہوتیں ہوتی ہیں اولیاء اللہ کا دل قلبِ مشتاق ہے۔ ان میں ہیبت المیناً ہے انبیاء کرام کا دل قلبِ وحدانی ہے ان میں ذکرِ الٰہی کے خزانے ہیں اور اِن کا ہی پَرتو قلوبِ اولیاء اللہ پر ہے۔ ذکرِ لسانی تشکر ہے۔ ذکرِ نفس تفکر ہے ذکرِ قلب ملکوت میں تدبر ہے۔ ذکرِ عقل صفاتِ جمال کا مطالعہ ہے

ذکر سری مناجات ہے ذکر روح مشاہدۂ انوار ہے۔ ذکر خفا اضطراب عشق ہے اور ذکر اخفی فنائی الذات ہے جمال و جبروت کے انوار سے عاشقین کا دل قرار پکڑتا ہے اگر ایک لمحہ حجاب ہو جائے تو دل مثل طور ریزہ ریزہ ہو جائے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰی لَهُمْ وَحُسْنُ مَاٰبٍ وہ پیارے بندے جنہوں نے رب تعالیٰ کی ہر چیز کو بن دیکھے مان لیا اور قدرت کی ظاہری باطنی نشانیاں دیکھ لیں اور خلوت و جلوت میں اعمال صالحہ کئے۔ اُن کے لیے کمالِ صفات کا طوبیٰ ہے اور جنتِ قلب میں داخلے کا حسنِ مآب ہے یا اُن کے لیے سایۂ رحمانی والا جنتِ طوبیٰ ہے۔ پناہِ جمال کا حسن مآب ٹھکانہ ہے۔ یا ان کے لیے ریاضت و عبادات مراقبہ مکاشفہ کا طوبیٰ ہے اور آخرت میں دیدارِ رحمان لقاءِ عرفان کا ابدی محبوبِ الٰہی کا حسنِ مآب ہے كَذٰلِكَ اَرْسَلْنٰكَ فِیْۤ اُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهَاۤ اُمَمٌ لِّتَتْلُوَا عَلَیْهِمُ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ وَهُمْ یَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ اے نبیِ رحمت ہم نے تم کو اسی طرح خزانوں کے ساتھ بنا کر بھیجا بڑی جماعت میں جس طرح بھیجنے کا حق اور ضرورت تھی اِس سے پہلے تمام وارداتِ احوال منکشف ہو چکے ہیں اور سب آپ کو ضمیر و شعور سے پہچانتے ہیں آپ کو صرف اس لیے بھیجا گیا کہ اسرار و معرفت کی وہ تمام وحی خفی جو ہم نے آپ کو فرمائی وہ طالبانِ معرفت کے لیے ظاہر فرما دو۔ اور قلبی کثافت ذہنی رذالت والے اللہ رحمان و رحیم کی ہر شان و جمال کے ناسمجھے اور منکر ہیں کیونکہ وہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا کے بھید سے ناواقف ہیں قُلْ هُوَ رَبِّیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَیْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَیْهِ مَتَابِ۔ فرما دیجئے اے تمہاری رحمانیت ایجادی کے منکرو۔ وہی میرا ظاہر و باطن پالنے والا ہے ملک و ملکوت کا معبود وہی رحمٰن ہے قرب و وصل کی منزلوں میں اسی پر میں نے بھروسہ کیا ہے اور منزلِ شوق میں میری انتہا میری پہنچ اسی تک ہے۔ وحی الہام کشف و شہود شریعت طریقت سب اسی کی طلب و جستجو کا نام ہے۔

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ
اگرچہ بیشک ایسا ہو قرآن کہ پھیرے جاتے جس سے پہاڑ یا
اور اگر کوئی ایسا قرآن آتا جس سے پہاڑ ٹل جاتے
قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ط
پھاڑی جاتی ذریعہ جس کے زمین یا کلام کیا جاتا ذریعہ جس کے مردوں سے
یا زمین پھٹ جاتی یا مردے باتیں کرتے جب بھی یہ کافر نہ مانتے

بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًاؕ اَفَلَمْ یَایْــٴَسِ الَّذِیْنَ

بلکہ لیے اللہ کے ہے اختیار سب کا سب - کیا پس نہ مایوس ہوئے وہ جو

بلکہ سب کام اللہ ہی کے اختیار میں ہیں - تو کیا مسلمان اس سے نااُمید نہ ہوئے

اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ

ایمان لائے اس سے کہ اگر چاہتا اللہ تو البتہ ہدایت دیتا

کہ اللہ چاہتا تو سب آدمیوں کو ہدایت کر دیتا

جَمِیْعًاؕ وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ

سب لوگوں کو اور نہ ٹلے گی اُن سے جو کافر ہوئے جو پہنچے گی اُن کو

اور کافروں کو ہمیشہ اُن کے کیے کی سخت دھمک ،

بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ

بدلہ اُس کا جو کیا انہوں نے دھمک یا حائل ہو قریب ہی سے

پہنچتی رہے گی یا اُن کے گھروں کے نزدیک اترے گی

دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا

گھر اُن کے یہاں تک کہ آئے وعدہ اللہ کا بیشک اللہ نہیں

یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ آئے بیشک اللہ وعدہ

یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ع ۱۴

خلاف کرتا وعدہ -

خلاف نہیں کرتا -

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں کفار کے ایک مطالبے کا اجمالی ذکر کیا گیا کہ وہ چاہتے ہیں کہ کوئی نئی آیت رب کی طرف سے اُترے تب وہ ایمان لائیں گے۔ اب ان آیتوں میں ارشاد ہو رہا ہے کہ قرآن مجید سے بڑی کونسی نشانی ہو سکتی ہے۔ ایسا قرآن بھی اگر آجائے جو ان کے مطالبوں کو پورا کر دے تب بھی یہ ایمان نہ لائیں گے۔ یہاں مطالبوں کی تفصیل بیان ہوئی جو کفار مختلف محفلوں میں کرتے رہتے تھے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہمارے حبیب ہم پر ہی بھروسہ کرتے ہیں اب ارشاد ہو رہا ہے کہ اے ایمان والو تم بھی رب تعالیٰ کے فیصلہ پر مطمئن ہو کر اُسی ذاتِ پاک پر بھروسہ کرو اور کفار کے ایمان سے مایوس ہو جاؤ۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں باری تعالیٰ کی طرف سے کچھ قانونی وعدوں کا ذکر ہوا کہ کافروں کا یہ انجام ہوگا اور مومنوں کا یہ انجام۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کسی فیصلے میں تغیر تبدل نہیں وہاں وعدہ خلافی نہیں ہے۔

شانِ نزول۔ جب کفار نے معجزات کا مطالبہ کیا اور اپنے ایمان لانے کو مطالبے کے پورا ہونے پر موقوف کیا تب کچھ صحابہ نے کفار کے ایمان کی خواہش میں بارگاہِ نبوی میں عرض کیا کہ یارسول اللہ آپ ضرور ایسا کر دیں تب یہ آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کو اس خواہش سے روکا گیا۔

تفسیر نحوی وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى ؕ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِيْعًا ؕ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيْعًا ؕ۔ واؤ ابتدائیہ ہے کیونکہ اگلی عبارت علیحدہ جملہ ہے عطف نہیں لَوْ حرفِ شرط اس کا جواب (جزا) مَوْتٰی کے بعد پوشیدہ ہے۔ وہ ہے لَكَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ۔ یعنی اگر کوئی قرآن ایسا ہوتا تو البتہ یہی قرآن ہوتا۔ ایک قول میں واؤ حالیہ ہے لَوْ حرفِ شرط کا جواب پہلے گزرا۔ وَهُمْ يَكْفُرُوْنَ بِالرَّحْمٰنِ۔ یعنی وہ کافر رحمٰن کا انکار کرتے رہتے اگرچہ (الم) ہمارا ترجمہ اسی کی تائید میں ہے اَنَّ حرفِ تحقیق و تشبیہ قُرْاٰنًا اس کا اسم ہے بحالتِ نصب ہے قَرْنٌ یا قَرْءٌ سے مشتق۔ بمعنی۔ ملانا مضبوط ہونا۔ جوڑنا۔ اسی سے ہے قَرْن بمعنی زمانہ دنوں کو جوڑنے والا اور قَرْءٌ بمعنی پڑھنا۔ مبالغہ کا صیغہ ہے بروزنِ فُعلان۔ عُثمان قُطّان۔ پہلے مادے سے نون مادے کا اصلیہ ہے دوسرے مادے سے الف نون زائدتان ہے۔ سُيِّرَتْ فعل ماضی مطلق مجہول سَیْرٌ سے بنا ہے بمعنی پیدل چلنا۔ اپنی جگہ سے ہٹنا۔ چکر لگانا اصلاً لازم ہے مگر یہاں بابِ تفعیل سے متعدی کیا اس لیے مجہول آیا۔ بِ جارّہ سببیہ ہ ضمیر کا مرجع قرآن الجِبَالُ الف لام استغراقی اسم جامد ہے جَبَلٌ کی جمع مکسّر ہے بمعنی پہاڑ بحالتِ رفع ہے نائب فاعل ہے۔

اَوْ حرفِ عطف تردیدی عطف ہے سُیِّرَتْ پر۔ قُطِّعَتْ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول ہے صیغہ مؤنث قَطْعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ توڑنا۔ پھاڑنا۔ کاٹنا۔ متعدی ہوتا ہے بیک مفعول بِ جارہ سببیہ ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع قرآن۔ اَلْاَرْضُ الف لام جنسی اَرْضٌ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بحالتِ رفع نائب فاعل ہے اَوْ عاطفہ تردیدی۔ عطف ہے سُیِّرَتْ پر۔ کُلِّمَ فعل ماضی مطلق مجہول باب تفعیل کَلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ باتیں کرنا بِ جارہ سببیہ ہٖ ضمیر کا مرجع قُرْاٰنًا اَلْمَوْتٰی الف لام جنسی یا عہدِ خارجی۔ بحالتِ رفع نائب فاعل ہے۔ مَوْتٰی۔ اسم جمع جامد ہے۔ اِس کی واحد ہے مَیِّتٌ۔ تْ آخری تانیث کی نہیں بلکہ مادے کی اصلیہ ہے۔ آخری الف مقصورہ ہے۔ بَلْ حرفِ عطف استدراک کے لیے۔ لام جارہ ملکیت کا اللّٰہ اسم مفرد معرفہ جامد ہے علم ذاتی ہے باری تعالیٰ کا۔ بحالتِ کسرہ جارو مجرور متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ اسم فاعل کے اَلْاَمْرُ۔ الف لام استغراقی۔ اَمْرٌ۔ اسم مفرد جامد بحالت رفع فاعل ہے ثابتٌ پوشیدہ کا ضمیر ہے مابعد کا۔ اَمْر بمعنیٰ۔ کام۔ معاملہ۔ حالت۔ حکم۔ فیصلہ۔ قدرت طاقت۔ یہاں آخری دو معنیٰ بن سکتے ہیں۔ جَمِیْعًا بروزنِ فعیلاً بمعنیٰ مجموعہ ہے صیغہ مبالغہ ہے بمعنیٰ اسم مفعول جَمْعٌ سے بنا ہے لغوی معنیٰ اکٹھا کرنا: اکٹھا ہونا۔ اصطلاح میں کم از کم تین افراد کو کہا جاتا ہے بحالتِ نصب ہے تمیز ہے اَمْر کی۔ اَ ہمزہ حرف سوالیہ ہے فَ تعقیبیہ لَمْ یَایْئَسِ فعل نفی جحد بلم مستقبل بمعنیٰ ماضی۔ صیغہ واحد مذکر غائب یَاْسٌ لفیف مقرون ہے یا یَأْسٌ مثال یائی اور مہموز العین سے ہے پہلی یٔ علامتِ مضارع ہے دوسری یٔ اصلی باب سَمِعَ سے ہے۔ بحالتِ جزم ہے۔ اگلے کلام سے جوڑنے کے لیے حرکت کسرہ دی گئی۔ یَاْسٌ کے معنیٰ ناامید ہونا اور لفظ یاس علم کے معنیٰ میں بھی شاذ مستعمل ہے۔ اس کا فاعل اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع ہے اپنے جملے کے ساتھ اسی لیے اَلَّذِیْنَ بحالتِ رفع ہے اٰمَنُوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب باب افعال سے ہے۔ اَمْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ماننا۔ امن میں آنا۔ ایمان لانا (یعنی دینِ اسلام قبول کرنا) یہی معنیٰ یہاں مراد ہیں۔ اَنْ حرفِ تحقیق خفیفہ کیا ہوا دراصل تھا اَنَّہٗ۔ بحالتِ نصب ہے۔ مفعول بہ ہے لَمْ یَایْئَسْ کا۔ لَوْ حرف شرط یَشَآءُ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب شَیْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چاہنا۔ مرضی کرنا۔ ارادہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ اَللّٰہُ اسم معرفہ مفرد جامد بحالتِ رفع ہے فاعل ہے یَشَآءُ کا۔ لام کَ جزائیہ۔ یَشَآءُ کا جملہ فعلیہ اُس کی جزا ہے۔ ہَدٰی فعل ماضی مطلق باب ضَرَبَ۔ ہَدْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ راستہ دکھانا۔ راستہ بتانا۔ راستے پر چلانا۔ منزل تک پہنچانا۔ پہلی ہدایت قرآن کی دوسری انبیاء کرام کی تیسری نبی کریم کی چوتھی اللّٰہ تعالیٰ کی۔ یہاں یہ معنیٰ ہی مراد ہیں اس کا فاعل ھُوَ ضمیر واحد مذکر کا مرجع اللّٰہ ہے اَلنَّاسَ۔ الف لام عومی ہے یا استغراقی نَاسٌ۔ اسم جمع ہے معرب ہوتا ہے۔ دراصل تھا اُنَاسٌ۔ پہلی ہمزہ کو گرا کر الف لام

لگا دیا انسان کی غیر لفظی جمع ہے ہر قسم کے انسان کو الناس کہہ دیا جاتا ہے عاقل بالغ بچہ جوان دیوانہ عورت و
مرد۔ جیسے کہ لفظ آدمی بحالتِ زبر ہے بوجہ مفعول بہ ہونے کے۔ جَمِیْعًا۔ اسم مفرد لفظی صفت مشبہ اسم
مفعول کے معنی بمعنی جمع کیا ہوا بحالتِ نصب ہے بوجہ حال ہونے کے الناس کا یا بوجہ تمیز ہونے کے۔
اور یہ سب جملہ جزا ہے شرط کی۔ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا
مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ واؤ سر جملہ۔ لَا یَزَالُ فعل مضارع
منفی بلا بمعنیٰ مستقبل زَوَالٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ ختم۔ مٹنا۔ دور ہونا۔ لازم ہوتا ہے یہاں سب معنیٰ بن سکتے
ہیں لاکی نفی سے زوال کی نفی ہوئی۔ اور فعل مثبت کے معنیٰ میں آگیا کیونکہ یہ فعل ناقصہ ہے۔ لہٰذا اس کے منفی
معنیٰ ہیں نہیں ہٹے گا۔ نہ مٹے گا۔ نہ دور ہوگا۔ اور مثبتی معنیٰ ہوئے ہمیشہ رہے گا۔ یا اسی طرح رہے گا۔ باب
نصر سے ہوتا ہے۔ اسی سے ہے زوال۔ زوول۔ زویل کوئی گرائے۔ ہٹائے زوال ہے۔ خود ہٹے یا گرے
زوول ہے پھسلنے کی صورت میں زویل ہے۔ کا فی الَّذِیْنَ اسم موصول جمع بحالتِ رفع ہے کفروا فعل ماضی صیغہ جمع
مذکر غائب کُفْرٌ سے بنا بمعنیٰ شرک کرنا اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع الَّذِیْنَ ہے۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ
ہے اگر فعل تامہ مانا جائے ورنہ فعل ناقصہ ہی رکھا جائے تو یہ خبر مقدم ہے اسم پر تُصِیْبُ فعل مضارع صیغہ
واحد مؤنث غائب باب افعال اِصَابَةٌ مصدر ہے صَوْبٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پہنچنا۔ لازم ہے یہ جملہ فعلیہ
یا اسم مؤخر ہے فعل ناقصہ لَا یَزَالُ کا یا فاعل ہے فعل تامہ لَا یَزَالُ کا تُصِیْبُ کا فاعل قَارِعَةٌ ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر
منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ بِمَا۔ بَ جارہ سببیہ مَا موصولہ عمومیہ بحالتِ کسرہ۔ صَنَعُوْا فعل ماضی مطلق معروف
بصیغہ جمع مذکر غائب باب فتح سے ہے صُنْعٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ اعضاءِ ظاہری سے کام کرنا۔ عمل کرنا۔ اس
کا فاعل ھُمْ کا مرجع الَّذِیْنَ ہے۔ یہ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا اور جار و مجرور متعلق ہے تُصِیْبُ کے قَارِعَةٌ۔ اسم
فاعل واحد مؤنث اس کی جمع سالم قارعات اور جمع مکسر قَوَارِعُ ہے۔ لغوی ترجمہ ایک مضبوط چیز کو دوسری
مضبوط سے طاقت والا اس طرح زور سے مارے کہ ٹوٹے نہ مگر دھماکہ سخت ہو۔ قَرْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔
دھمک کرنا۔ مصیبت لانا۔ بلا اتارنا۔ حادثہ ہونا۔ شدت سے کھٹکھٹانا۔ راستہ بنانا۔ صحن (آنگن)
بنانا۔ اچانک آنے والی۔ دانتوں کو غصہ سے پیسنا۔ یہاں پہلے چار معنیٰ بن سکتے ہیں بحالتِ رفع ہے فاعل
ہے۔ اَوْ حرفِ عطف تردیدیہ۔ تَحُلُّ۔ فعل مضارع معروف واحد مؤنث غائب باب نَصَرَ حَلَّ مضاعف
ثلاثی۔ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ اترنا حائل ہونا کھولنا (گانٹھ کھولنا) حلال کرنا۔ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی۔ یہاں
لازم ہے بمعنیٰ اترنا۔ اس کا فاعل ھی ضمیر مؤنث کا مرجع قَارِعَةٌ قَرِیْبًا اسم صفت مشبہ بمعنیٰ قارب ظرف
ہے تَحُلُّ کا مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے ہے دار اسم جامد بحالتِ کسرہ مجرور ہے ماقبل کا اور مضاف ہے

مابعد حتّٰی ضمیر مجرور متصل کا یہ عطف ہے تُصِیْبُ پر۔ جار و مجرور متعلق ہے تَحُلُّ کا۔ حَتّٰی حرفِ عطف ہے نہ کہ جر۔ حَتّٰی جارّہ مضارع پر نہیں آسکتا۔ حَتّٰی عاطفہ کے تین معنیٰ۔
۱۔ یہاں تک کہ ۲۔ تاکہ۔ ۳۔ مگر۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اس میں اَنْ مصدریہ پوشیدہ ہوتا ہے اسی لیے اس کے بعد مضارع کو نصب ہے۔ یَاْتِیَ فعل مضارع معروف بحالتِ نصب حَتّٰی کی وجہ سے صیغہ واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے مہموز الفا اور ناقص یائی۔ بمعنیٰ دینا لینا۔ آنا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں وَعْدُ مصدر اسم جامد مفرد معرفہ مضاف ہے۔ بمعنیٰ عہد۔ فیصلہ۔ مدت۔ مقررہ وقت۔ یہاں مراد ہے فیصلہ۔ بحالت رفع ہے فاعل ہے یَاْتِیَ کا۔ اللّٰہِ اسم مفرد معرفہ جامد ہے بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے۔ تُصِیْبُ اور تَحُلُّ کے عطف کے بعد یہ جملہ اُن کی طرف معطوف ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اِنَّ حرفِ تحقیق ابتدا میں ہوا اس لیے بکسر ہمزہ ہے لفظ اللّٰہ اس کا اسم منصوب لَا یُخْلِفُ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے متعدی بیک مفعول ہے خَلْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اُلٹ ہونا۔ پیچھے ہونا۔ خلاف ہونا۔ یہ لازم ہے مگر باب افعال نے متعدی بنا دیا یعنی خلاف کرنا اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع اللّٰہ ہے اَلْمِیْعَادُ۔ الف لام استغراقی ہے۔ مِیْعَادُ مصدر میمی ہے بروزنِ میلاد۔ میثاق۔ وَعْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ کوئی فیصلہ کرنا۔ عہد کرنا۔ مقرر کرنا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں بحالتِ نصب ہے مفعول بہٖ ہے یہ جملہ فعلیہ خبر ہے اِنَّ کی۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا اَفَلَمْ یَایْــٴَـسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا

اے ایمان والو کافروں کا علاج اُن کے بیہودہ مطالبات کا پورا کر دینا نہیں۔ یہ تو اتنے بہانہ باز ہیں کہ اگرچہ بیشک اِسی قرآن مجید کے ذریعے پہاڑ اسی طرح چلا دیے جائیں جس طرح موسیٰ علیہ السلام کے وقت اپنی ایک تجلی سے طور کو ٹکڑے کر دیا تھا یا زمین کو اُسی طرح ٹکڑے کر کے چشمے جاری کر دیے جائیں جس طرح ایک خاص ضرورت کے وقت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر توریت کی آیتیں پڑھ کر اپنا عصا مارا اور بارہ چشمے جاری فرما دیے تھے یا اس قرآنِ مجید کی تلاوت سے پھونک مار کر کسی پرانے مُردے کو زندہ کر کے باتیں کر لی جائیں جس طرح حضرت مسیح انجیل کی آیات پڑھ کر مُردے زندہ فرما دیا کرتے تھے اور مردے سے کلام کر لیا جاتا تھا یہ سب کچھ کوئی اتنا مشکل نہیں حاملین اور عاملینِ قرآن بندوں کے لیے دشوار نہیں یہ سب کچھ تو کلام الٰہی کی طاقت و برکت سے پہلے ہوتا ہی رہا ہے۔ مگر بات تو ان کفار کے ایمان کی ہے۔ وہ تو پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ قرآن مجید تو ہدایت کے لیے نازل کیا گیا ہے نہ کہ حیران کن قدرتیں دکھانے کیلئے یہ قرآن کریم پہاڑوں کو چلانے کے لیے نہیں بندوں کو صراطِ مستقیم پر چلانے کے لیے آیا ہے زمین چیرنے کے لیے نہیں قلب انسانیت چیر کر نورِ معرفت

کے چشمے جاری کرنے کے لیے اترا ہے مردہ جسم زندہ کرنے کے لیے نہیں مردہ روحوں کو جِلا بخشنے کے لیے نازل ہوا ہے اور بلکہ یہ تمام باتیں معجزے ۔ قدرتیں ہدایت و گمراہی سب مکمل اللہ کے قبضے میں ہے ۔ جس کو چاہے جہاں چاہے جب چاہے دے سکتا ہے دکھا سکتا ہے ۔ لیکن کیا ابھی تک ہمارے پیارے ایمان والے بندے جو کفار کی چکنی چپڑی مکارانہ باتیں سن کر اُن کے ایمان کی امید لگا بیٹھے ہیں اسی بات سے مایوس نہیں ہوئے کہ یہ فریب کار کافر ہدایت نہیں پا سکتے ۔ اس لیے کہ منشاء باری تعالیٰ دنیوی زمانے کی زندگی میں اعمال کی آزمائش ہے ۔ اس حیاتِ عارضی کو امتحان انسانیت بنایا گیا ہے ۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہدایت دے دیتا ۔ حدیث پاک میں ہے کہ سرداران مکہ نے اپنے بیہودہ مطالبوں کی فہرست میں یہ مطالبے شامل کئے تھے کہ مکے کے پہاڑ ہٹا دیے جائیں تاکہ ہماری بستی کھلی ہو جائے اور ہم اچھی بڑی بڑی کھلی کوٹھیاں محلات بنائیں اور زمین سے قدرتی نہریں چشمے نکالے جائیں تاکہ پانی کی قلت اور مہنگائی ختم ہو ۔ یا ہوا کو ہمارے قبضے میں کر دیا جائے تاکہ ہم منٹوں میں زمین طے کر لیا کریں اور سفر و تجارت آسان ہو ۔ یا مردے زندہ کیے جائیں تاکہ اُن سے جنت دوزخ قبر حشر قیامت کی باتیں پوچھ کر آپ کی تصدیق کر لیں ۔ اُن کا جواب فرمایا گیا کہ یہ سب کام ہمارے قرآن سے مشکل نہیں مگر پہلے ایمان لا کر ہمارے دوست ولی اللہ غوث و قطب بن جاؤ پھر سب کچھ تمہارے لیے آسان ہوگا ۔ پہلے نبی پاک کی غلامی شرط ہے

وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا قَارِعَةٌ أَوْ تَحُلُّ قَرِيبًا مِّن دَارِهِمْ حَتَّىٰ يَأْتِيَ وَعْدُ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ

اور وہ لوگ جو مکے کے کافر ہیں یا پورے عرب کے کافر یا زمانہ صحابہ میں پوری دنیا کے کافر یا تا قیامت اسلام کے خلاف ہر طرح کے کافر ہیں یا عملی اعتقادی قولی فعلی ظاہری اندرونی کافر ہوئے اُن پر وقتاً فوقتاً اُن کی بدکرداری بددیانتی اور بُرے اعمال فسق و فجور ظلم بے انصافی ۔ گستاخی کی وجہ سے رسوائیوں ذلتوں ۔ پریشانیوں والی مصیبتیں ۔ ہلاکتیں دھماکہ خیز پہنچتی رہیں گی جو اُن کو لرزا کر دکھ دیں گی ۔ ہزار جتن کریں بچ نہ سکیں گے ۔ کبھی شکست کی صورت میں کبھی مالی نقصان تجارت میں ذلت آمیز گھاٹے کی صورت میں کبھی بیماری ۔ کبھی خواری ۔ کبھی دربدر بھٹکنے کی صورت میں ۔ کبھی غربت ۔ کبھی ملک چھن جانا اور دشمنوں کا قتل و غارت کرنا ۔ یا مسلمانوں سے شکست کھانا ۔ یہ تمام مصائب اور بلائیں اگرچہ سب کو دنیا میں آتی ہیں مگر کافر زیادہ محسوس کرتا ہے اس لیے کہ اُس کے لیے یہ چیزیں آفتِ ناگہانی اور دھماکہ بن جاتی ہیں ۔ یہاں تک کہ کبھی اچانک صدمے سے اُس کی موت بھی واقع ہو جاتی ہے دل پھٹ جاتا ہے ۔ مگر مسلمان بحمدہٖ تعالیٰ ان مصائب کو امتحانِ دنیوی سمجھتے ہوئے توکل علی اللہ کی مضبوط بنیاد پر سب کچھ منجانب اللہ جانتا ہے اور برداشت کر جاتا ہے ۔ نیز کافر حریصِ دنیا ہے ۔ مومن حریص ۔ توکل

طمع اور خواہشات سے پاک ہوتا ہے۔ کافر کا مقصود ہی دولتِ دنیا ہے اس لیے یہ تکالیف اُس کے لیے پہاڑ ہیں۔ اگر کوئی مومن ہو کر بھی کفار کی خصلتیں اپنے اندر پیدا کرے تو وہ بھی انہی ذلتوں سے دوچار ہو سکتا ہے۔ اگر یہ خطاب صرف کفارِ مکہ سے ہے تو جہاد کی ذلت آمیز شکستیں مراد ہیں۔ یہ مصائب تو اُن کی ذات پر وارد ہوتی رہیں گی یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ ان کی بدکرداریوں کی وجہ سے ان کے گھروں کے قریب عذاب یا دشمن یا قحط یا بیماری حائل ہو جائے جس کا وبال ان کے بے گناہ آل اولاد جانوروں یا آس پڑوس پر بھی پڑ جائے۔ اور کرے کوئی بھرے سب کا مصداق ہو جائے یا اے پیارے نبی آج تو آپ مکے سے ہجرت فرما رہے ہو مگر تھوڑے ہی دنوں بعد آپ لشکرِ جرار کے ساتھ ان کے گھروں کے قریب اس شان سے تشریف لائیں گے کہ یہی کافر جو دشمن بن کر نکالنے پر آمادہ ہیں غلامانہ حاضر ہوں گے اور یہ سب آپ کی بادشاہی میں داخل ہوں گے۔ اور وہ ذلت آمیزیاں اُس وقت تک اُن پر رہیں گی جب تک کہ اللہ کا وعدہ موت کا یا قیامت کا یا فتح مکہ کا یا فتوحاتِ اسلامیہ کا نہیں آجاتا۔ یہ سب وعدے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمائے ہوئے ہیں۔ بےشک اللہ تعالیٰ کبھی کسی وعدے کے خلاف عمل نہیں فرماتا اگر یہ کافر بدعمل یا فاسق فاجر لوگ اپنی بری عادتوں سے باز نہ آئے اور مسلمان متقی نہ بنے تو اللہ کا وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ یہ ابتدائی ہلکی پھلکی مصیبتیں تو عبرت کے لیے اور سنبھلنے کے لیے ہیں۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ ہدایت اور ایمان صرف رب تعالیٰ کے فضل و کرم کی توفیق سے ملتے ہیں جب تک یہ نہ ہو ہدایت نصیب نہیں ہوتی اگرچہ کتنی ہی آیتیں نشانیاں اور معجزات دکھا دیئے جائیں یہ فائدہ بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا سے حاصل ہوا کہ دیکھو ابوجہل وغیرہ کفار نے ہزارہا معجزے دیکھے جو ان کے مطالبات سے زیادہ مشکل اور حیران کن تھے مگر ایمان نہ لائے نئے مطالبات کی فہرست لے بیٹھے۔ چاند کا چرنا دیکھا مگر کہتے ہیں زمین کو چیرو۔ سورج کا مڑنا دیکھا مگر مطالبہ ہے کہ پہاڑوں کو پھیرو پتھروں اور ابوجہل کی کنکریوں کو بولتے دیکھا مگر کہتے ہیں مُردوں کو باتیں کراؤ۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے تکوینی افعال چار طرح کے ہیں۔ نمبر۱۔ حکم سے۔ نمبر۲۔ ارادے سے۔ نمبر۳۔ رضا سے۔ نمبر۴۔ چاہت اور پسندیدگی سے۔ بہت دفعہ ارادہ ہوتا ہے مگر رضا اور چاہت نہیں ہوتی اسی طرح بہت جگہ حکم ہوتا ہے مگر ارادہ رضا اور چاہنا نہیں ہوتا۔ باری تعالیٰ نے کفار کو ایمان کا حکم دیا۔ مگر ارادہ اور مشیت و چاہت نہ ہوئی۔ یہ فائدہ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ کافر کا ہر کام قارعہ اور عذاب و مصیبت ہے خواہ دینی مذہبی ہو یا دنیوی اس لیے کہ خدا تعالیٰ سے دور کرنے والا ہے اور غضبِ الٰہی کا باعث

ہے یہ فائدہ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ (الخ) کے فعلِ عمومی سے حاصل ہوا۔ اسی طرح مومن متقی مخلص کا ہر عمل باعثِ ثواب ہے عبادت ہے خواہ سونا جاگنا اور دنیا کا ہی کام ہو۔ اس لیے کہ وہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہے جو رضاءِ خدا اور قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے **چوتھا فائدہ** ۔ کافر اور نافرمان فاسق و فاجر اور ظالم اپنے ظلم ۔ جرم ۔ اور سرکشی کی سزا سے بچ نہیں سکتا خواہ کسی جگہ چھپ جائے ۔ یہ فائدہ اَوْ تَحُلُّ قَرِيْبًا مِّنْ دَارِهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو حرم شریف بیت اللہ کے حدود کتنے قابلِ احترام ہیں کہ وہاں جنگ و قتال منع ہے مگر اللہ کا عذاب وہاں کے چھپے یا موجود کافر پر وہاں بھی آگیا خواہ قتل و جہاد کی شکل میں یا قحط بیماری کی صورت میں ۔

احکام القرآن

ان آیات مطہرات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ اللہ رسول کے گستاخ بے ادب اور کافر یا بدعقیدہ انسان پر رحم کھانا یا اُن کے رحم کی دعا کرنا سخت ناجائز ہے ۔ لہٰذا کسی مسلمان کو کسی ظالم کافر اور نبی پاک کے گستاخ پر ترس کھانا یا اُس کی امید کھو کر اُس سے دوستی لگانا اُس کے مطالبات ماننا منع ہے یہ مسئلہ اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ اور اُس کے شانِ نزول سے بھی ۔

دوسرا مسئلہ ۔ جس طرح خدا تعالیٰ سے کچھ مانگنا اور سفارش شفاعت کرنا شرعاً جائز ہے بلکہ مفید اور واجب ہے اسی طرح نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہِ اقدس عالیہ میں بھی کچھ مانگنے اور کسی کی شفاعت و سفارش میں عرض و معروض کرنا بالکل جائز ہے ۔ یہ مسئلہ بھی اَفَلَمْ يَايْـَٔسِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے شانِ نزول سے مستنبط ہوا دیکھو کفارِ مکہ کے مذکورہ بالا تین مطالبات پر صحابہ کرام نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ ان کے مطالبات پورے فرما دیجئے تو رب تعالیٰ نے اس بارگاہِ نبوت میں سفارش کرنے کو بُرا نہ فرمایا ۔ بلکہ بہت حسین انداز میں کفار کی سفارش سے منع فرمایا ۔ کہ ازلی بدبخت ہیں اُن کے مطالبات پورے کرنا بیکار ہے ۔ لہٰذا اپنے لیے یا کسی گناہ گار مسلمان کے لیے نبی پاک سے مانگنا ہر جگہ سے تاقیامت جائز ہے ۔ نہ یہ شرک ہے نہ بدعت بلکہ سنتِ صحابہ کرام ہے ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین ۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ رب تعالیٰ کسی عیب پر قادر نہیں نہ جھوٹ پر نہ وعدہ خلافی پر جن خبیث اور شیطانی بندوں نے اللہ کو جھوٹ بولنے پر قادر مانا ہے وہ ابدی جہنم میں ہیں ۔ یہ مسئلہ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ سے مستنبط ہوا ۔ اس طرح سے کہ نحو کا مشہور قانون ہے کہ جب فقط جملہ اسمیہ ہو تو استمرار کو چاہتا ہے لیکن جب جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ مضارع والا جمع ہو جائیں اور اِنَّ حرفِ تحقیق بھی ہو تو کلام میں استمرار ۔ دوام ۔ اور عدمِ خلاف ثابت ہوتا ہے ۔ یہاں اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ میں یہ تمام باتیں پائی جا رہی ہیں ۔

اور آیت کا نحوی ترجمہ اس طرح ہے بیشک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں فرما سکتا۔ کلام مثبت میں اس کی مثال اس طرح ہے۔ اِنَّ زَیْدًا قَآئِمٌ بیشک زید کھڑا رہنے والا ہے۔ اور اِنَّ زیدًا القوم۔ بیشک زید اب کھڑا ہی رہے گا۔ یا جس طرح ڈاکٹر کسی مریض کو اچھی طرح دیکھ کر کہہ دے کہ یہ اب اندھا ہی رہے گا یا بیمار ہی رہے گا۔ یعنی اب دیکھ سکتا ہی نہیں وغیرہ اسی طرح یہاں بھی عدم قدرت ثابت ہوا۔ اس لیے رب تعالیٰ کو کسی بھی عیب سے موصوف یا قادر ماننا گناہ بلکہ کفر ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَن لَّوْ یَشَآءُ اللہ۔ بقاعدۂ نحو یہ حرف لَوْ۔ ایک چیز کی نفی سے دوسری چیز کی نفی ثابت کرتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کی ہدایت کو پسند نہیں فرماتا۔ کیونکہ مشیّت کے معنیٰ ہیں چاہنا پسند کرنا۔ اور جب ہدایت پسند نہیں تو ہدایت کے لوازمات ایمان ایقان عبادت ریاضت بھی پسند نہ ہوئی۔ حالانکہ اچھی چیز کو پسند نہ کرنا بھی عیب ہے۔

جواب۔ مشیت اور پسند ایک نہیں۔ عربی زبان میں پسند کے لیے رضا کا لفظ ہے مشیت بمعنیٰ قانون اور حکم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے قانون میں یہ بات نہیں کہ سب کو ہدایت ملے۔ اب اس قانون میں کیا حکمت ہے یہ رب تعالیٰ جانے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ۔ یعنی کافروں کو دنیا میں اُن کے کئے کی سزائیں آفتیں ملتی ہی رہیں گی۔ حالانکہ دنیا میں تا قیامت بہت سے لوگ کافر ایسے ہیں جو مسلسل عیش میں ہیں۔ اور بہت سوں کو معافی بھی مل جاتی ہے۔ کفار مکہ کو فتح مکہ کے دن عام مکمل معافی آزادی مل گئی۔ تو یہ خبر کیونکر درست ہوئی۔

جواب۔ اس کے تفسیر علماء میں دو طرح جواب دے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں کفار سے مراد کفار مکہ مدینہ اور اہل عرب ہیں اور سزا سے مراد جہاد کا قتال۔ قید و بند ہے اور فتح مکہ کی معافی ان کا آخری حال ہے جس کے نتیجے میں وہ مسلمان ہو گئے تھے کافر رہے ہی نہیں۔ یا اگر تا قیامت کفار ہی مراد ہوں تو سزا سے مراد غفلت ہدایت کی توفیق نہ ملنا اور قلبی مصیبتیں۔ یا گستاخوں کی شکلیں بدل جانا مناظروں میں ذلت آمیز شکست کھا جانا۔ اور بھاگے بھاگے پھرنا۔ جیسا کہ باطل فرقوں کے ساتھ ہوتا رہتا ہے۔ اور کفر سے مراد باطنی کفر ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ یعنی اللہ کافروں کی سزا کے وعدے قَارِعَۃٌ اور تَحُلُّ قَرِیْبًا والے خلاف نہیں فرماتا تو کیا مسلمانوں سے کئے ہوئے وعدے رحم کرم بخشش کے وعدے خلاف فرما دیتا ہے۔ یا گناہگاروں کی معافی کے وعدے خلاف ہو سکتے ہیں۔

جواب۔ معترض نے کچھ غور فکر سے کام نہیں لیا یہاں لَا یُخْلِفُ۔ کا تعلق قَارِعَہ اور تَحُلُّ سے نہیں

ہے بلکہ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ سے ہے۔ اور لفظ وعدہ سے مراد قیامت یا موت ہے یعنی موت اور قیامت ضرور آئے گی یا لفظ وعدہ اپنے جنسی معنیٰ میں ہے یعنی اللہ کبھی کوئی وعدہ خلاف نہیں فرماتا۔ عذاب کا ہو یا ثواب کا۔ اس طرح سے اعتراض بالکل ختم ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ اَنَّ قُرْاٰنًا سُیِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ۔ اور اگر اِن عارفین کے حالات سے بےخبر کسل ناسوتی میں پڑے ہوؤں کے لیے اس قرآن مجید کے ذریعے نفسِ امارہ کے سخت پہاڑ وادیِ شوق میں چلا دیئے جائیں اَوْ قُطِّعَتْ بِهِ الْاَرْضُ یا زمینِ قلب سوز و گدازِ قرآنی سے ٹکڑے کر دی جائے اور اُس سے انوارِ قدس کے چشمے بہہ نکلیں۔ اَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتٰى یا اسی قرآن معرفت سے رُوحانی میتوں کو اور بدبخت مردہ نفسوں کو زندہ کر کے صوتِ لاہوتی کی زبان میں کلامِ صداقت سن لیا جائے۔ تب بھی تقدیر کے برے فیصلے والے راہِ حقیقت پر نہ آئیں گے بَلْ لِّلّٰهِ الْاَمْرُ جَمِیْعًا بلکہ یہ سب توفیقیں تو اللہ جلّ شانہٗ کے لیے ہیں۔ شقی و سعید۔ صدیق و زندیق۔ بدنصیب و خوش نصیب اسی کے ازلی فیصلے کے نمونے ہیں۔ اَفَلَمْ یَایْــٴَسِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْ لَّوْ یَشَآءُ اللّٰهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِیْعًا وادیِ شوق کی آخری منزل تک پہنچ جانے والے مومنین مخلصین کیا ابھی تک نفسِ سرکش کی ہدایت اور نجات پانے سے مایوس نہیں ہوئے۔ ولایت الٰہیہ کا راستہ کوئی آسان نہیں یہ رب تعالیٰ ہی کی کریمی ہوتی ہے جو اُس کی طرف طلبِ مراد کے قدمِ عشق اُٹھتے ہیں۔ اگر اللہ چاہتا تو سب کو اسی بستیِ معرفت کی طرف چلنے کی توفیق عطا فرما دیتا۔ مگر ایسا اس لیے نہیں ہوتا کہ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ راہِ عشق کے منکروں کافروں پر اُن کی سیاہ کاریوں کی بنا پر نصبِ الٰہی کی قیامتیں ٹوٹتی ہی رہیں گی۔ اور محرومی کے پردے پڑتے ہی رہیں گے۔ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰی یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ یا اُن کے جسموں پر غفلت سستی کسالت رذالت کے عذاب شقاوت آتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ نفسِ امارہ کی موت۔ شقاوتِ قلبی کی فنا اور روحِ پژمردہ کی ہلاکت کا وعدہ آ جائے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ بیشک بحکم قدیمی۔ علیم ازلی اور خبیرِ کلی۔ اللہ رَبُّ العِزَّت کوئی وعدہ۔ عذاب کا یا ثواب کا عطا کا یا جزا کا۔ قرب کا یا بُعد کا کشف کا ہو یا حجاب کا کبھی بھی خلاف نہیں فرما سکتا۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں موجودِ کائنات تین قسم کے ہیں۔

۱۔ فقط مؤثر وہ صرف اللہ تعالیٰ ہے جس نے کہ اپنے ازلی قدیمی وعدے کے مطابق تمام اشیاءِ کائنات میں خِلقت۔ جبلّت۔ سعادت۔ شقاوت۔ مردودیت محبوبیت۔ تعزز۔ تذلّل۔ رفعت و ذُلت کے وعدے کے مطابق شانِ کمالی کا اثر فرمایا۔ نمبر ۲۔ فقط متاثر۔ یہ تمام اجسادِ عالم ہیں جو اثر قبول کرتے ہیں اسی اثر کا نام توفیقِ خیر و شر ہے نمبر ۳۔ مؤثر بھی مُتاثر بھی۔ یہ روحانیت لی شانِ عظمت ہے۔ اسی پر عذابُ

ثواب اور سزا وانعام کا مدار ہے۔ اثرِ الٰہی تقدیر ہے اثرِ روحانی تدبیر ہے یا تاثیرِ الٰہی توفیق ہے تاثیرِ روح تو قیر ہے۔ اثرِ الٰہی کا نتیجہ فضل اور اثرِ روحانی کا نتیجہ کسب ہے اعمال وافعال کی خلقت رب کی طرف سے لیکن کسب فعل بندے کی طرف سے ہوتا ہے۔ کفر کی مایوسی بھی کفر ہے مگر ایمان کی مایوسی اہلِ ایمان کے دلوں میں کفر کی طرف سے ہوتی ہے جو عینِ ایمان ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابْ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ

اور البتہ بیشک مذاق اڑایا گیا رسولوں کا سے پہلے آپ کے

اور بیشک تم سے اگلے رسولوں کی بھی ہنسی کی گئی تو میں نے کافروں کو

فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ قف

تو مہلت دیتا رہا میں لیے اُن کے جو کافر ہوئے

کچھ دنوں ڈھیل دی پھر انہیں پکڑا تو ،

فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى

پھر پکڑ لیا میں نے تو دیکھا کیسا تھا عذاب میرا کیا پس وہ قائم ہے پر

میرا عذاب کیسا تھا۔ تو کیا وہ ہر جان پر اس کے

كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ ۚ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ

ہر جان کے وجہ سے اُس کے جو کمایا اور بنائے اُن کافروں نے لیے اللہ کے شریک بہت سے

اعمال کی نگاہ داشت رکھتا ہے اور وہ اللہ کے شریک ٹھہراتے ہیں۔

قُلْ سَمُّوْهُمْ ؕ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ

کہو کہ نام تو لو اُن شریکوں کا یا ایسی خبریں دیتے ہو اُس کو جس کو وہ نہیں جانتا

تم فرماؤ اُن کا نام تو لو یا اُسے وہ بتاتے ہو جو اُس کے علم

فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ؕ بَلْ

روے زمین میں یا ظاہر ہونے والی ہے صرف ایک بات بناوٹی بلکہ

میں ساری زمین میں نہیں یا یونہی اوپری بات بلکہ

زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ

زینت دیا گیا ہے اُن کے جو کافر ہوئے مکر اُن کا اور روکے گئے سے

کافروں کی نگاہ میں ان کا فریب اچھا ٹھیرا اور راہ

السَّبِیْلِ ؕ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ

سیدھے راہ اور جس کو گمراہ کرتا ہے اللہ بس نہیں ہے بیلے اس کے

سے روکے گئے اور جسے اللہ گمراہ کرے اسے کوئی ہدایت

مِنْ هَادٍ ﴿۳۳﴾

کوئی ہدایت دینے والا

کرنے والا نہیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں موجودہ کفار کی بدخصلتوں کا ذکر ہوا تھا جس کو سن کر اُنہوں نے بجائے عبرت حاصل کرنے ڈرنے کے ہنسی مذاق اُڑانا شروع کر دیا تھا۔ مسلمان سن کر پریشان ہوئے تب یہ مسلمانوں کی تسلی کے لیے آیت اتریں اور فرمایا کہ پچھلی قوموں نے بھی اپنے نبیوں کا مذاق ہی اڑایا تھا تو اُن پر کیسا عذاب آیا۔ للہذا سمجھ جاؤ کہ انجام ان کا بھی خراب ہی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں موجودہ کافروں کی سختی عذاب کا اندیشہ ذکر کیا گیا تھا کہ اس طرح اُن کو عذاب پہنچ سکتا ہے۔ ان آیات میں سابقہ کفار کے اُن عذابوں کا ذکر ہو رہا ہے جو اُن کو پہنچ چکا۔ یہ بھی خوف دلانے کا شاندار مفید طریقہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں یہ بتایا تھا کہ اللہ کا وعدہ خلاف نہیں ہوتا۔ ان آیت میں اس بات کا ثبوت دیا جا رہا ہے۔ کہ جو وعدہ انبیاء کرام

سے کیا گیا تھا، عذاب ان پر آکر رہا۔

شانِ نزول۔ ایک دفعہ کفار مکہ نے نبی پاک صاحبِ لولاک کی بارگاہ میں آکر کہا کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام اور موسیٰ علیہما السلام نے زمین پر اپنی قوم کو بہت معجزے دکھائے آپ بھی پہاڑ ہٹا دیں تاکہ یہ مکہ میدانی علاقہ بن جائے اور ہم خوب کھیتیاں اگائیں اور زمین پھاڑ کر چشمے جاری کردیں تب یہ چھ آیتیں از ۳۱ تا ۳۷ نازل ہوئی تھیں۔ آیت ۳۲ نازل نہ ہوئی۔ وہ مدنی ہے۔

تفسیر نحوی وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ ۔ واؤ سر جملہ لام کے بمعنیٰ البتہ قد اسْتُهْزِئَ ایک قرأت میں قَدُ اسْتُهْزِئَ دال کو ضمہ ہے ہمزہ کے ضمہ کے بدلے میں دراصل تھا قَدْ اُسْتُهْزِئَ باب استفعال سے ہے مگر صحیح پہلی قرأت ہے کیونکہ قَدْ اصلاً جزم پر مبنی ہے۔ اور ساکن متحرک ہوتا ہے تو کسرے سے ہوتا ہے لفظ قدتین طرح کا ہے ۱ اسم۔ بمعنیٰ حَسْبُ اس صورت میں مضاف ہو کر آتا ہے اور مضاف الیہ اسم ظاہر ہوگا۔ نمبر ۲۔ اسم فعل بمعنیٰ یَكْفِیْ اس صورت میں ماضی بن کر آتا ہے اور اس کا معمول اسم ظاہر یا اسم ضمیر مفعول بہ ہوگا۔ جیسے نمبر ۱۔ قَدْ زَیْدٍ بمعنیٰ حَسْبُ زَیْدٍ (زید کو کافی ہے) قَدْ زَیْدًا بمعنیٰ یَكْفِیْ زَیْدًا۔ قَدْنِیْ بمعنیٰ یَكْفِیْنِیْ (کافی ہوتا ہے زید کو یا مجھ کو) نمبر ۳۔ حرف اس صورت میں ظاہر فعل پر آتا ہے اس وقت اس کے چار فائدے ہیں ۱ ماضی قریب بنانا بمعنیٰ ہے ۲ فعل کو یقینی بنانے کے لیے بمعنیٰ بیشک ۳ تقلیل فعل کے لیے بمعنیٰ کبھی نمبر ۴۔ تکثیر فعل کے لیے بمعنیٰ اکثر (بہت دفعہ) یہ اسم جامد ہے غیر متصرف افعال پر داخل نہیں ہوتا۔ اگر ساتھ ف ہو جیسے فَقَدْ تو تقلیل یا تکثیر کے لیے ہوگا اور اگر اس کے ساتھ لام تاکید بمعنیٰ کے ۲ ہو تو تحقیق کے لیے ہی ہوگا۔ یہاں لام تاکید ساتھ ہے۔ اس لیے یہ فعل ماضی قریب نہیں ہے۔ اُسْتُهْزِئَ۔ ماضی مطلق مجہول۔ اس کا مصدر اِسْتِهْزَاءٌ بمعنیٰ ہنسی اڑانا۔ مذاق کرنا۔ مادہ ہے۔ هُزْءٌ بمعنیٰ فتنہ پیدا کرنا۔ ذلیل سمجھنا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ بِ جارہ بعضیت کی رُسُل جمع مکسر ہے رسول کی بحالتِ جر مجرور ہے ماقبل کا اور موصوف ہے مابعد کا۔ مِن جارہ زائدہ ہے یا ابتداء زمانہ کے لیے ہے قَبْلِ اسم ظرف ہے مضاف ہے كَ ضمیر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ یہ جار مجرور اور پہلا جارہ مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدِیْنَ کا اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے رُسُل موصوف کی۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ اَمْلَیْتُ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد متکلم باب اِفعال اس کا مصدر اِمْلَاءٌ ہے بمعنیٰ ڈھیل دینا۔ مہلت دینا۔ لمبی امید دلانا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں متکلم ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ لام جارہ بمعنیٰ مفعولیت اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالتِ جر اس کا صلہ ہے كَفَرُوْا فعل ماضی۔ كُفْرٌ سے بنا ہے معنیٰ شرک کرنا ثُمَّ حرف عطف تعقیب تراخی کے لیے اَخَذْتُ فعل ماضی مطلق واحد متکلم ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ هُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ۔ اَخْذٌ سے

بنا ہے ۔ بمعنی لینا ۔ پکڑنا ۔ یہاں دوسرے معنیٰ میں ہے بہر حال متعدی ہوتا ہے ۔ فَ زائد فاصلہ کے لیے (لفظی فاصلہ) نمبر ۲ حرفِ زائد شروع کلام کے لیے ۔ یہاں پر یہ زائدہ ہے ۔ کَیْفَ ۔ اسم مبہم غیر متمکن مبنی ہے ہمیشہ ظرف مقدم ہوتا ہے مگر ظرف مجازی ہے مثل جار و مجرور کے نہ کہ زمانی یا مکانی ۔ اس کا استعمال دو طرح پر ہے ۔ نمبر ۱ ۔ سوالیہ (استفہامیہ) سوالیہ چار طرح کا ہوتا ہے ۔

نمبر ۱ ۔ پوچھنے کے لیے ۔ نمبر ۲ ۔ تعجب دلانے کے لیے ۔ نمبر ۳ ۔ توبیخ کے لیے (جھڑکنے کے لیے) نمبر ۴ ۔ تنبیہ یعنی نقطہ بتانے کے لیے خبردار کرنے کے لیے ۔ یہاں یہ ہی آخری معنیٰ مراد ہیں یہ ظرف مجازی کبھی فعل ناقصہ کی خبر کبھی مفعول بہ دوم کبھی سوم کبھی مفعول مطلق کبھی حال ہو کر استعمال ہوتا ہے ۔ یہاں خبرِ کان کی جگہ ہے کَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق ۔ عِقَابِ اِس کا اسم عَقْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیچھے ہونا آخر میں آنا ۔ مراد ہے آخری سزا ۔ خواہ دنیا میں ہی ہو سو جرم یا ڈھیل کے آخر میں ہوئی خواہ قیامت میں جو اس دنیا کے آخر میں ہوئی ۔ دراصل تھا عقابی میرا عذاب مرکب اضافی ی ضمیر تخفیف کے لیے گر گئی اور کسرہ بطور نشانی رہ گیا ۔ اَ ہمزہ سوالیہ انکاری ہے اگلی عبارت سوال ہے ۔ اِس کا جواب ہے لَا ۔ یعنی نہیں ۔ پوشیدہ اس لیے ہے کہ بندۂ مومن نے یہ جواب اپنی زبان و قلب سے دینا ہے ۔ فَ حرفِ زائد ۔ مَنْ موصولہ واحد مبنی غیر متمکن اسم ہے ۔ بحالتِ رفع مبتدا ہے اپنے صلے سے مل کر ۔ هُوَ ۔ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل موصوف ہے قَائِمٌ اسم فاعل صیغہ واحد مذکر اپنا جملہ اسمیہ بن کر صفت ہے عَلٰی جارّہ بمعنیٰ عند ظرفیہ کُلِّ اسم تاکیدی مضاف کلیہ کا سور نَفْسٍ بمعنیٰ فردِ واحد ۔ یعنی ایک جان ایک شخص ۔ کُل نے عمومیت پیدا کی بمعنیٰ ہر جان ہر شخص ۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے کُل کا اور جار و مجرور متعلق اول ہے قَائِمٌ کا ۔ بِ جارّہ بمعنیٰ مع ظرفیہ ۔ مَا اسم موصول بحالتِ کسرہ مجرور بِ کا غیر ذوی العقول کے لیے مراد ہیں اعمال ظاہری کَسَبَتْ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مؤنث غائب اس کا فاعل ھِیَ ضمیر مؤنث مستتر کا مرجع نفس ہے ۔ نفس چونکہ مؤنث لفظی ہے اس لیے یہ صیغہ مؤنث ہوا ۔ کَسْبٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی ارادۂ قلبی تصدیقِ قلبی ۔ باتیں کرنا ۔ اقرار لسانی ۔ نیکی کرنا ۔ گناہ کرنا ۔ تجارت کرنا یا مال کمانا ۔ آل اولاد ۔ یہاں مراد ہیں اعمالِ بد ۔ یعنی گناہ ۔ یا ہر نیک بد اعمال ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا اور وہ جار مجرور متعلق دوم ہے قَائِمٌ کا اور قَائِمٌ موصوف سے مل کر صلہ ہوا مَنْ کا ۔ اور مَنْ مبتدا کی خبر پوشیدہ ہے ۔ واؤ ۔ مرجملہ یعنی استینافیہ ابتدائیہ ۔ اِس جملہ فعلیہ نے دلالت کی ہے مَنْ مبتدا کی پوشیدہ خبر پر ۔ ایک قول میں واؤ حالیہ ہے اور اس کا تعلق پہلے کلام اَفَمَنْ (الخ) سے ہے ۔ ایک قول میں واؤ عاطفہ ہے ۔ اور عطف ہے اُسْتُهْزِئَ پر مگر پہلا قول درست ہے اعلحضرت کا ترجمہ اسی طرف راجع ہے جَعَلُوْا فعل ماضی مطلق ۔ جمع مذکر ۔ اِس کا فاعل ھُمْ مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ دلی بنانا ۔ قلبی بنانا یعنی عقیدہ ۔ زبانی بنانا ۔ یعنی اقرار

لسانی۔ یہاں تینوں معنیٰ بن سکتے۔ لام جارّہ مقابلے کے لیے یا بمعنیٰ سوا۔ غیریت کا۔ اللهِ مجرور متعلق ہے جَعَلُوْا کا شُرَکَا۔ جمع مکسر منصرف ہے شریک کی شرکٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ ساجھی۔ ہم شل۔ معاون۔ اللہ کا کسی کو ساجھی وغیرہ سمجھنا شرک اکبر ہے۔ یہ بحالت رفع ہے۔ مفعول بہ ہے قُلْ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا يَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ قُلْ فعل امر واحد مذکر حاضر خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو باب نَصَرَ سے ہے۔ اگلی عبارت قُلْ تک اس کا مقولہ ہے۔ سَمُّوْا۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مخاطب ہیں بت ساز اور بت پرست کفار اس کا مصدر ہے تَسْمِيَة اور تَسْمِيَةٌ سُمُوٌّ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ نام رکھنا حقیقت بیان کرنا۔ نام لینا۔ اَمْ حرف عطف۔ دو قسم کا ہے میرا۔ متصلہ بمعنیٰ اَوْ عاطفہ تردیدیہ (یا) بمعنیٰ خواہ (چاہت) اور بمعنیٰ کیا سوالیہ اس میں شرط ہے کہ دو برابر حیثیت کی چیزوں کے بیچ داخل ہو اور اس سے پہلے ہمزہ سوالیہ ہو۔ نمبر ۲۔ اَمْ منقطعہ بمعنیٰ بَلْ (بلکہ) یہ دو مختلف کلاموں کے بیچ آتا ہے۔ یہاں اَمْ منقطعہ ہے۔ بل کے معنیٰ میں تُنَبِّئُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر بمعنیٰ حال۔ باب تفعیل اس کا مصدر تَنْبِئَةٌ ہے۔ نَبَأٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خبر دینا۔ آگاہ کرنا۔ اطلاع کرنا۔ بتانا۔ خبردار کرنا۔ جتانا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ ہٗ ضمیر واحد کا مرجع اللہ ہے بِ جارہ بیانیہ مَا موصولہ بحالت جر متعلق ماقبل فعل کا۔ لَا يَعْلَمُ فعل مضارع منفی واحد مذکر غائب اس کا فاعل هُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ عِلْمٌ سے بنا ہے متعدی ہے۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے۔ الف لام استغراقی الارض سے مراد ظاہر باطن خشکی تری پہاڑ میدان ساری زمین مراد ہے۔ اَمْ۔ حرف عطف منقطعہ بمعنیٰ بَلْ ہے۔ ہمارے اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں اگرچہ اس کا ترجمہ یا کیا گیا ہے مگر مراد بلکہ ہی ہے۔ کیونکہ یا تردیدیہ کیونکہ اس میں تردد و شک ہوتا ہے۔ اور شک میں دونوں سمتیں مستوی (برابر) ہوتی ہیں یہاں یہ درست نہیں بنتا۔ اردو زبان میں توبیخ یا استہزاء کے لیے بلکہ کی جگہ یا بول دیا جاتا ہے مراد بلکہ ہی ہوتا ہے۔ بِظَاهِرٍ۔ بِ جارہ بمعنیٰ فِیْ ظَاهِرٍ اسم فاعل بحالت کسرہ جار مجرور متعلق ہے مَظْنُوْنٌ اسم مفعول پوشیدہ کا مِنْ جارہ بمعنیٰ بِ الْقَوْلِ مصدر ہے بمعنیٰ حاصل مصدر یعنی زبانی باتیں جار و مجرور متعلق ہے ظاہر کا۔ بَلْ حرف عطف۔ حکم پھیرنے کے لیے آتا ہے معطوف علیہ سے معطوف کی طرف۔ زُيِّنَ فعل ماضی مجہول باب تفعیل۔ زِيْنَةٌ یا زَيْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ خوبصورت بنانا۔ رونق دینا۔ ملمع کرنا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ اس کا مصدر تَزْيِيْنٌ۔ اس کا نائب هُوَ ضمیر مستتر کا مرجع جَعَلُوْا کا حاصل مصدر جَعْلٌ ہے اور مَكْرُهُمْ اس کا بدل الکل۔ مگر صحیح یہ ہے کہ نائب فاعل مَكْرُهُمْ ہے۔ لِلَّذِيْنَ۔ لام جارہ نفع کا الَّذِيْنَ اسم موصول مجرور ہے اور متعلق ہے زُيِّنَ کے كَفَرُوْا فعل ماضی كُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شرک یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے۔ مَكْرُ اسم جامد نکرہ مفرد معرّف بالضمیر هُمْ۔ بمعنیٰ ان کا فریب۔ واؤ سر جملہ۔ صُدُّوْا فعل ماضی مطلق

مجہول صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُم ضمیر جمع مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ ایک قرأت میں صُدُّوْا فعل معروف ہے۔ بہر حال متعدی ہے۔ صُدٌّ سے بنا ہے مضاعف ثلاثی ہے۔ بمعنیٰ روکنا۔ بند کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ عَنْ جارہ مجاوزت کے لیے ہے یعنی کسی طرف سے ہٹ کر دوسری طرف جانا۔ یا فقط ہٹنا۔ یا فقط جانا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ یعنی ایک صراطِ مستقیم سے روکے گئے اور باطل راہ چلائے گئے۔ السبیل۔ الف لام عہد خارجی سبیل بروزنِ فعیل صفت مشبہ ہے مبالغے کے لیے بمعنیٰ بہت کھلا راستہ اس کی جمع مکسر ہے سُبُل واؤ ابتدائیہ یہ کلام کے اول ہوتی ہے۔ مَنْ اسم موصول بحالتِ نصب ہے برائے شرط مفعول بہ مقدم ہے یُضْلِلُ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ باب افعال اِس کا مصدر ہے اِضْلال ضَلّ سے بنا ہے۔ بہت معنیٰ میں مستعمل ہے یہاں مراد ہے گمراہ کرنا لازم ہوتا ہے مگر افعال سے متعدی ہوا۔ اِس کا فاعل ہے اللہ بحالتِ رفع ہے۔ فَ جزائیہ مَا حرفِ نفی لام جارہ ہٗ ضمیر مجرور کا مرجع مَنْ ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے مَعْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا مِنْ جارہ تبعیضیہ ھَادٍ۔ اسم فاعل صیغہ واحد مذکر دراصل تھا ھَادِیْ ی لام کلمہ حرفِ علت بوجہ ثقل (بوجھل) گر گئی تنوین تنکیری ہے بمعنیٰ کوئی۔ ھَادٍ ھُدیٰ سے بنا ہے بمعنیٰ راستہ دکھانا۔ جملہ اسمیہ ہو کر مجرور ہوا۔ جار و مجرور متعلق دوم ہے موجودٍ پوشیدہ کا اور وہ جزا ہے مَنْ شرطیہ کی۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ

اے پیارے نبی ان کے یہ مطالبے فقط دل لگی ہنسی مذاق کے لیے ہیں نہ کہ حقیقت پسندی کے لیے اور ایسے مذاق کرنا کفار کا پرانا طریقہ ہے آپ سے پہلے رسولوں سے بھی ہنسی مذاق کئے گئے اور بڑے عجیب عجیب مطالبے کیے گئے جیسے تو اُن کافر قوموں کو بھی میں نے ڈھیل دی اور کافی مدت تک اِن کو اسی سرکشی میں بھٹکنے دیا اس تمام عرصہ ہمارے پیارے انبیاءِ کرام اُن کو سمجھاتے بتاتے بلاتے ہی رہے۔ لیکن جب اُن کی کفریات اور بیہودگیاں گستاخیاں بڑھتی ہی گئیں تو پھر میں نے اپنی قہاریت و جباریت کا ذرا سا اظہار فرماتے ہوئے انبیاء عظام کے اِن بدنصیب گستاخوں کو ایسا پکڑا اور پکڑ کر عالمِ انوار سے اے نبی تم نے بھی دیکھا اور اپنے اپنے دتنوں کے ایمان والوں تاریخ دانوں نے بھی مشاہدہ کیا۔ اور لکھا اور پڑھنے والوں نے پچھلے واقعات میں پڑھ لیا کہ کیسا عبرت انگیز ذلت آمیز تھا میرا وہ عذاب جو دنیوی زندگی کی آخری ہی سزا تھی ہاں واقعات ماضیہ سے بھی اگر یہ ابوجہل وغیرہ کافرین اور قیامت تک کے ابوجہلی گستاخ آستانۂ نبوت کے بے ادب عبرت نہ پکڑیں تو حیات و موت کی ذلت والی حالت سے نہیں بچ سکتے۔ اگرچہ حبیب کریم رؤف و رحیم صلی اللہ

علیہ وسلم کے صدقہ اور طفیل سے طریقہ۔ سابقہ کی ناگہانی۔ طوفانی آسمانی عذاب تو نہ آئے مگر موت و زندگی میں ان کی شکست خوردہ حالت اور مرنے پر شکلیں بگڑ جانا۔ جسموں میں بدبو پڑ جانا۔ اور ایسی کریہہ منظر ہو جانا کہ آخری وقت بھی منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں یہ تا قیامت ہوتا رہے گا۔ اس لیے ہر انسان کو گستاخی نبوت سے بچنا چاہیئے اور صالحین عابدین۔ زاہدین کو گستاخوں سے بہت ہی دور رہنا چاہیئے۔ ورنہ برا انجام کچھ دور نہیں محققین علماء فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام کی بات نہ ماننا ان کے علم۔ شان۔ قوت۔ طاقت اور معجزات کا انکار کرنا ان کے علم غیب۔ حاضر و ناظر ہونے کو نہ ماننا یہ سب استہزاء ہے اسی طرح نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجبور و بے بس۔ غیر مختار سمجھنا اور کہنا اور لکھنا یہ بھی استہزاء ہے۔ ابتداء آفرینش سے آج تک جتنے بھی کافر ہوئے اور جس بنا پر ان پر طرح طرح کے عذاب آئے اس کی بنیادی وجہ یہ ہی باطل عقائد تھے اسی وجہ سے وہ انبیاء کرام کی بات نہ مانتے تھے اور اظہار مجبوری کے لیے ہی وہ کافر اپنی مرضی کے معجزات مانگتے تھے۔ اے مقدس و باکمال نبی ان بے ادبوں کی حماقت کا تو اندازہ لگائیے کہ نبوت کے لیے اتنی قیدیں کہ یہ کر دو وہ کر دو مگر الوہیت جیسی انتہائی اہم اور قوت و طاقت ور چیز کے لیے کوئی قید نہیں رکھتے۔ لکڑی کے کھلونوں اور پتھر کے ٹکڑوں جانوروں درختوں کو معبود مان لیتے ہیں معبودیت تو بہر حال نبوت سے زیادہ قوی و با اختیار ہے تو یہ کافر اپنے بتوں سے وہ مطالبے کیوں نہیں کرتے جو آپ سے کرتے ہیں۔ معبود حقیقی تو وہی ہو سکتا ہے جو ہر جان کے ہر عمل ہر کسب اور ہر حال پر ہر وقت ہر جگہ جاننے والا علیم و خبیر ہو اور ہر جگہ قائم بالذات ہو۔ اس کا قیام یعنی نگاہ داشت کسی سے دور نہ ہو۔ اور وہ تو فقط رب تعالیٰ ہی ہے۔ تو کیا اس ذات علیم کو واحد معبود مانتے ہوئے جو ہر نفس کے ہر اس عمل پر خبیر ہے جو اس نے کمایا پھر ان کو کچھ رکاوٹ ہے جو انہوں نے اس حقیقی خالق مالک کو چھوڑ کر اللہ کے شریک ٹھہرا لیے۔ اور شریک بھی ایسے جن کا نہ سر نہ پیر نہ ابتدا نہ انتہا خود ہی اپنی پسند کے نام رکھ لیے اور خود ہی کاٹا چھری لے کر تراش خراش لیا۔ اے نبی۔ قُلْ۔ پوچھ کر دیکھ لیجئے۔ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّـُٔوْنَهٗ بِمَا لَا یَعْلَمُ فِی الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ بَلْ زُیِّنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَ صُدُّوْا عَنِ السَّبِیْلِ وَ مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ اے بت پرستو ذرا اپنے ان بتوں کا کچھ نام تو بیان کر دیا کوئی نام تجویز کر کے سوچ سمجھ کر ان کے مقرر کرو۔ اس لیے کہ نام یا ذاتی ہوتا ہے یا صفاتی ان کا ذاتی نام تو فقط لکڑی پتھر ہے۔ لیکن صفاتی نام کسی صفت کے اعتبار سے ہوتے ہیں لہٰذا صفاتی نام رکھنے کے لیے وہ صفت ثابت کرنی پڑے گی خواہ نفع کی جیسے خالق رازق خواہ نقصان کی جیسے جبار و قہار وغیرہ مگر یہ بت نہ نفع دے سکیں نہ نقصان اس لیے ان کو کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔ جب یہ ثبوتی طور پر کوئی نام نہیں بنا سکتے نہ ان کو کوئی نام دینے کی جرأت کر سکتے ہیں تو کیا رب تعالیٰ کے سامنے

ایسے شریکوں کو بیان کرتے پھرتے ہیں جن کے وجود کو وہ علیم و خبیر جو کائنات کے ذرے ذرے کو جانتا ہے روئے زمین پر وہ بھی نہیں جانتا۔ اگر زمین کے کسی بھی حصہ میں کوئی بھی کسی چیز میں بھی اس کا شریک ہوتا تو وہ جانتا۔ یا فقط اپنی بناوٹی باتوں سے ان بتوں کے نام گھڑتے رہتے ہو کہ یہ دولت کی دیوی ہے یہ پانی کا دیوتا۔ یہ کالی دیوی ہے یعنی کال اور قحط کو دور کرنے والی اور یہ حُسن کی دیوی۔ یہ سب بیہودہ بناوٹیں ہیں تو جب یہ بُت کسی صفت میں رب کائنات کے شریک نہیں تو استحقاقِ عبادت میں کس طرح شریک ہو سکتے ہیں اور جب ان کا کوئی صفاتی نام حقیقتاً نہیں ہو سکتا تو استحقاقی نام معبود کس طرح ہو سکتا ہے بلکہ یہ سب ان کے اپنے مکر و فریب ہیں جو ان کافروں کے دل دماغ عقل و فکر عقیدے ارادے میں خوبصورت بنا دیے گئے ہیں یا شیطان نے مزین کئے ہیں یا ان کے باپ دادوں نے یا پنڈتوں جوگیوں پادریوں راہبوں نے اور راہ حق صراطِ مستقیم سے روک کے گئے ہیں۔ یا تو ان ہی مذکورین نے روک دیا ہے یا ان کو توفیق ہی نہیں مل سکی اور ان کی بدنصیبی نے ان کو فلاح و نجات سے روک دیا ہے۔ یا ان گندے پلید دلوں کو خود رب تعالےٰ نے ان کی ازلی ابدی گندگی کی وجہ سے دامن مصطفیٰ سے قرآن و حدیث سے پاکیزہ نورانی منزلوں سے روک دیا ہے۔ اور یہ قانونی فیصلہ مشاہدے تجربے کے اعتبار سے اٹل حقیقت ہے کہ جس کو ربُّ العالمین گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے اس کو کوئی بھی کبھی ہدایت نہیں دے سکتا۔ تفسیر کبیر نے قُلْ سَمُّوْهُمْ کی تفسیر اس طرح فرمائی ہے کہ اے حبیب کریم ان کافروں مشرکوں سے فرما دو کہ جاؤ اپنے بتوں کے جو چاہو نام رکھتے پھرو۔ یا اللہ کے حضور ان کی شفاعت کے لئے گڑگڑاتے رہو یا لوگوں میں اپنی باتوں کو ظاہر کرتے رہو ایک تفسیر اس آیت کی اس طرح بھی ہے۔ کہ اے کافر و بت پرستو تم ان مورتیوں کے کچھ نام رکھو یا نہ رکھو یہ کچھ بن نہ جائیں گے نہ ان کی حقارت کمزوری۔ اور باطل بیکار ہونا تمہاری باتوں سے ختم ہو سکے۔ نہ ان کے وسیلے سفارشیں اور نام کے ورد وظیفے اُس ذاتِ علیم و خبیر کے دربارگاہ میں کچھ فائدے دے سکیں وہ رب تعالیٰ اس بات کو خوب جانتا ہے کہ ان دیوی دیوتاؤں کا نام و نشان بھی زمین پر نہیں اور آسمانوں پر ہونے کے تو یہ کافر خود بھی قائل نہیں۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بندے پر سب سے بڑا عذاب ڈھیل ملنا ہے۔ دنیوی زندگی دو قسم پر منقسم ہے ۱ ڈھیل یہ کافر منافق اور فاسق کے لیے ہے یہ غضبِ الٰہی کی دلیل ہے نمبر ۲۔ مہلت یہ رحمتِ الٰہی ہے اور مسلمانوں کے لیے ہے۔ خوش قسمت بندہ وہ ہے جس پر نیکیاں آسان ہوں اور گناہ مشکل بدنصیب ہے وہ شخص جو گناہوں کو آسان کر لے اور نیکیوں کو مشکل بنا لے۔ اور اس کی عیاش زندگی فقط ایک ڈھیل بن جائے

یہ فائدہ فَاَمۡلَیۡتُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ دین کے کام کرنے والے کو دنیا کی باتوں طعنے بازیوں اور دنیا پرستوں کی کڑوی کسیلی باتیں سن کر گھبرانا نہیں چاہیئے نہ گھبرا کر دینی کام چھوڑے بلکہ دینی کاموں میں لگا رہے۔ اسی قلبی مشقتوں پریشانیوں کا ثواب ملتا ہے یہ مذاق اور طعنے تو شروع سے چلے آ رہے ہیں انبیاءِ کرام سے باز نہیں آئے تو کوئی اور کس شمار میں ہے یہ فائدہ وَلَقَدِ اسۡتُهۡزِئَ (الخ) سے حاصل ہوا لہٰذا ان باتوں سے علما مشائخ اور مسجدوں کے فی سبیل اللہ کام کرنے والوں اور تعمیری فنڈ جمع کرنے والوں کو بددل نہیں ہونا چاہیئے۔ **تیسرا فائدہ** ۔ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف آسمان سے ہی نہیں آتا بلکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف سے بھی آسکتا ہے۔ لہٰذا اولیاء اللہ استاد۔ مرشد کی ناراضگی اور والدین کی بددعا یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاد۔ قتال غزوات یہ سب عذاب الٰہی ہے ان سب سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

احکام القرآن

ان آیات قرآنیہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ کو کسی آن بے علم سمجھنا کفر ہے وہ ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر چیز کو ہر وقت جانتا ہے۔ موجود کی موجودیت کو اور معدوم اشیا کے عدم کو جانتا ہے۔ ایک وہابی صاحب نے بلغۃ الحیران کتاب کے ابتدائی کسی صفحے پر رب تعالیٰ کی بے علمی لکھ ڈالی یہ ان کی کفریہ نادانی ہے ہاں البتہ وجود کے عدم کو یا عدم کے وجود کو وہ نہیں جانتا کیونکہ یہ ہے ہی نہیں یہ مسئلہ لَا یَعۡلَمُ فِی الۡاَرۡضِ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ شریعت اور طریقت میں اپنی عقلیں دوڑانا حرام ہیں اسی طرح اپنی فہم کے مطابق کسی کو اچھا سمجھ لینا یا اچھے کو برا کہہ دینا بھی شرعاً حرام ہے۔ یہ مسئلہ بَلۡ زُیِّنَ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا اَفَمَنۡ هُوَ قَآئِمٌ یہ جملہ سوالیہ ہے جس میں تقابل ہے اور تقابل میں شرط ہے کہ اسی قسم کا ایک اور جملہ بھی حرفِ عطف تردیدی کے ساتھ ہوتا کہ برابری کا سوال مکمل ہو مگر یہاں اگلی عبارت وَجَعَلُوۡا لِلّٰهِ (الخ) دو طرح پہلے جملے کے مطابق نہیں لگتی ایک یہ کہ واؤ عاطفہ ایلما لاکہ حرفِ عطف اَوۡ یا اَمۡ آنا چاہیئے تھا۔ دوم یہ کہ جَعَلُوۡا۔ جملہ فعلیہ ہے جس سے کفار کا ایک فعل و عمل یا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ جب کہ پہلا جملہ اسمیہ ہے اور وہ سوال کے لیے درست ہے۔ دوسرا جملہ اس کے مطابق نہیں بنتا۔

جواب ۔ تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے۔ مگر اس میں اختلاف ہے کہ وہ عبارت کیا ہے۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ کَمَنۡ لَیۡسَ کَذٰلِکَ پوشیدہ ہے۔ اور معنیٰ ہے کہ جو ذات ہر نفس پر قائم ہے کیا اس کی مثل ہے جو اس طرح نہیں۔ اور اس کے باوجود انہوں نے اللہ کا شریک بنالیا۔ دوسرا قول ہے کہ یہاں

پوشیدہ لَمْ یُوْجَدْ ۔ ہے اور معنی ہے کہ کیا وہ ذات جو قائم ہے ۔ اس کی توحید انہوں نے نہ مانی اور بنالیا انہوں نے اللہ کے لیے شریک ۔ تیسرا قول ہے کہ جَعَلُوْا ۔ بمعنی معتدب ہے اور معنی اس طرح ہے کہ کیا وہ ذات جو قائم ہے ہر نفس پر اس کے اعمال سے اور ان کفار کے بنا لے پر اللہ کے لیے شریک ۔ یعنی اللہ ہر عمل کو دیکھ رہا ہے اور شریک بنانے کو بھی دیکھ رہا ہے ۔ اور سوال تقابل کا نہیں بلکہ اقراری ہے یعنی کیا پس وہ ذات ہر نفس اور ان کے شریک بنانے کو دیکھنے والی نہیں ہے ۔ ان تینوں صورتوں میں مطابقت ہوگئی ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا ۔ زُیِّنَ اور صُدُّوْا یہ دونوں فعل مجہول ہیں ۔ اور بُرے اعمال کا مزین ہونا بھی برا ہے اور مزین کرنا بھی اسی طرح حق راہ سے روکنا بھی برا ہے ۔ تو یہاں مزین کرنے والا کون روکنے والا کون مراد ہے ۔ اگر کہو کہ شیطان یا شیطانی لوگ مراد ہیں تو ان کو کون روکتا ہے اور اس طرح تسلسل یا دور لازم آئے گا اور دونوں باطل اور اگر کہو کہ ہر شخص کا دل روکنے مزین کرنے والا ہے تو دل تو رب کے قابو میں ہے ۔ اگر کہو کہ اللہ ہے تو اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے پاک ہے ۔

جواب ۔ اس کے دو جواب ایک یہ کہ یہ دونوں مجہول نہیں ہیں بلکہ ایک قرأت میں زَیَّنَ اور صَدَّ دا معروف ہے کہ عمل خوبصورت لگنے لگے اور وہ خود رک گئے ۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ نفس امارہ نے خوبصورت بناتے اور نفس ہی نے ہی روکا اور نفس امارہ کو اختیار ملا ہے جیسا کہ شیطان کو ۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ۔ اے نورِ مصطفیٰ سے چمکتے ہوئے قلب عرش اس عالمِ نفسانیت کو درست کرنے کے لیے جس ہادی و مرشد نے بھی رسالت عرفانی کا پیغام الٰہی سنایا تو وہ اہل شہوات سے مذاق کا نشانہ بنایا گیا ۔ مگر اے مخلص و ناصر میں نے ان خباثت نفسی کو گوارہ نہ کیا تو میں نے کفر و نفاق ۔ وجل و فریب کے مکاروں کو لبادے اولیا صورت علما بنا لینے کی کچھ ہی دن مہلت دی پھر دنیاو آخرت قبر و حشر کی رسوائیوں ذلتوں کے ساتھ میں نے پکڑا تو عرش و فرش نے دیکھا کہ کیسی تھی میری سزا ۔ صوفیا فرماتے ہیں دربار تعالیٰ ہزاروں گناہ بخش دیتا ہے مگر اپنے نبیوں ولیوں اور پیاروں کی گستاخی کبھی معاف نہیں فرماتا ۔ بلکہ ان پر اعلانِ جنگ دیتا ہے اَفَمَنْ هُوَ قَآئِمٌ عَلٰى كُلِّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ کیا وہ ذاتِ ازلی ابدی جو اپنی تمام مخلوق عرشی فرشی ۔ آسمانی زمینی کے ہر ہر قول فعل ارادے عقیدے خیال و گمان ہر حرکت و ہر سانس پر ہمہ وقت قائم اور نگہبان ہے ۔ ہر طریقہ اور ہر زبان و لغت کے ذکر سے واقف جو کچھ کسی نے کبھی کیا اس سے باخبر ۔ واردات احوال صفات کو جاننے والا وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ اور اہل باطل طالبانِ دنیا کے ۔ شرکِ نفسانیت کو بھی جاننے والا ہے جس جس کو انہوں نے اللہ کا شریک مقصود و مطلوب بنایا ۔ حالانکہ خود بھی یہ اہل نفس و شہوت حقیقت سے باخبر قُلْ ۔ اے ضمیر باشعور اپنے قالب کے ان سرکشوں سے فرما ۔ سَمُّوْهُمْ اَمْ تُنَبِّئُوْنَهٗ بِمَا لَا

يَعْلَمُ فِى الْاَرْضِ اَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ ..... اپنے مکروفریب کا نام ایمان واسلام رکھ لیا یا اپنی خواہشاتِ رذیلہ کو کرامات کا نام دے لیا ہے۔ یا اپنے جادو کے شعبدوں کو عملیات ولایت سمجھ لیا۔ یا کہ رب کی طرف ایسے فانی ومعدوم چیزیں منسوب کرنے ہو جس کو وہ زمین پر کوئی نہیں جانتا یا بالکل ہٹ دھرمی اور ضد کی بناوٹی بات۔ صوفیاءِ کرام فرماتے کہ یہ آیت ظاہر میں کفار کے لیے ہیں مگر باطن میں فساق کے لیے کافرین نے بت بنا کر اسلام کا مقابلہ کیا اور فاسقین نے شریعت وطریقت کے مقابل اپنی نفسانی خواہشات سے مقابلہ کیا۔ بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مَكْرُهُمْ وَصُدُّوْا عَنِ السَّبِيْلِ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ هَادٍ بلکہ ان ہی کافرین وفاسقین کے لیے ان کی اپنی بنائی ہوئی مکر کی دنیا خوبصورت کر دی گئی اور اس جبہ ودستار نے ہی ریاضت ومشقت کے راہ سے ان کو روک دیا۔ یہ ان پر قہر ربانی ہے اور جس کو وہ بے نیاز ذات راہ حق اور وادیِ عرفان منزلِ قرب میں نہ آنے دے تو پھر اس بدنصیب کو کبھی کوئی دروازۂ یار کا راستہ نہیں دکھا سکتا۔ نہ پھر اس کی ریاضت عبادت مشقت اور ترک دنیا ہادیِ بارگاہ بن سکے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ شقی ازلی وہی لوگ ہیں جو بغیر مرشد بغیر بیعتِ ولایت راہِ سلوک میں قدم رکھتے ہیں۔ اور جو وسیلۂ نبوت کے منکر ہیں۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ تمام عبادات واعمال بجلی کی فٹنگ ہے اور بیعتِ مرشد میٹر ہے جس نے مدینۂ منورہ کے بجلی گھر سے مرید کا تار جوڑ دیا ہے۔

لَهُمْ عَذَابٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ

لیے ان کے عذاب ہے دنیوی زندگی اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ

انہیں دنیا کے جیتے اور بیشک آخرت کا عذاب سب سے

الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ ۚ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ

ناگوار اور نہیں ہے لیے ان کے طرف سے اللہ کے کوئی

سخت ہے اور انہیں اللہ سے بچانے والا

وَّاقٍ ﴿۳۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ

بچانے والا ۔ مثل اُس جنت کی جس کا وعدہ کیے گئے متقی لوگ جاری ہیں سے

کوئی نہیں احوال اُس جنت کا کہ ڈر والوں کے لیے جس کا وعدہ ہے

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ

نیچے اُس کے نہریں اُس کے کھانے ہمیشہ اور

اُس کے نیچے نہریں بہتی ہیں اُس کے میوے ہمیشہ اور

ظِلُّهَا ؕ تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا ۖۗ وَّ عُقْبَى

سایہ بھی اُس کا ۔ یہ اچھا انجام ہے اُن کا جو متقی بنے رہے ۔ اور برا انجام

اُس کا سایہ ۔ ڈر والوں کا تو یہ انجام ہے اور کافروں کا انجام

الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ ﴿۳۵﴾ وَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ

کافروں کا دوزخ ہے ۔ اور وہ جن کو دی ہم نے کتاب اُن کو

آگ ۔ اور جن کو ہم نے کتاب دی

یَفْرَحُوْنَ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَ مِنَ الْاَحْزَابِ

خوش ہوتے ہیں سے اُس جو نازل کیا گیا طرف آپ کے اور سے گروہوں کچھ

وہ اس پر خوش ہوتے ہیں جو تمہاری طرف اُترا اور اُن گروہوں میں کچھ وہ ہیں کہ

مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ؕ قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ

وہ ہیں جو منکر ہوتے ہیں بعض حصے سے اس کتاب کے تم فرماؤ فقط حکم دیا گیا ہوں اِس کا کہ عبادت کروں

اُس کے بعض سے منکر ہیں تم فرماؤ مجھے تو یہی حکم ہے کہ اللہ کی بندگی

اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ؕ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَ اِلَيْهِ

اللہ کی اور نہ شرک کروں اُس کا۔اسی کی طرف میں بلاتا ہوں اور اسی کی طرف

کروں اور اُس کا شریک نہ ٹھیراؤں میں اسی کی طرف بلاتا ہوں اور اُسی کی طرف

مَاٰبِ ﴿۳۶﴾

سب کا لوٹنا ہے۔

مجھے پھرنا ہے۔

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں کفار کی خرمستیوں کا ذکر ہوا۔ یہاں ان آیات میں ان کی سزا کا ذکر ہے جس سے یہ آیات گویا تتمہ ہو گئیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کفار کو اپنی فریب کاریاں ہی زینت والی معلوم ہوتی ہیں اور اُن کی نگاہوں میں اُن کے کارنامے بد اعمالیاں خوبصورت ہیں۔ اب ان آیتوں میں حقیقی اور دائمی زینت والی جنت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**! پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اُس شخص کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا جس کو رب تعالیٰ ہدایت نہ دے۔ اب ان آیتوں میں بتایا جا رہا ہے کہ رب کی ہدایت کہاں سے ملتی ہے۔ وہ آستانۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے جو نبی کریم کی پکار پر لبیک کہہ دے گا وہ ہی ہدایت یافتہ ہوگا۔

تفسیر نحوی

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ۔ لام جارہ تخصیص کے لیے ہُم ضمیر جار و مجرور مقدم متعلق ہے مَوْجُوْدٌ یا ثَابِتٌ پوشیدہ کا عذابٌ اُس کا فاعل ہے یا نائب فاعل خیال رہے کہ لام جارہ جو دو طرح استعمال ہوتا ہے۔ ضمیر پر داخل ہو تو ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے اور اگر اسم ظاہر پر آئے تو ہمیشہ مجرور۔ بجز ضمیر متکلم یٔ کے کہ اس ضمیر کے ساتھ مجرور ہوگا۔ عَذَابٌ بروزنِ فَعَالٌ مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ سخت تکلیف۔ بری مار۔ دنیوی ہو یا اُخروی۔ فِیْ جارہ ظرفیہ اَلْحَیٰوۃِ۔ الف لام استغراقی یا عہدِ ذہنی بحالتِ کسرہ ماقبل سے مجرور ہے۔ جار و مجرور متعلق دوم ہے ثابتٌ کا۔ اسم جامد کے معنیٰ میں مستعمل ہے یعنی زندگی مصدر بھی حَیَاۃٌ ہے یعنی زندہ ہونا (لازم ہے) یا زندہ کرنا۔ (متعدی ہے) حَیُوۃٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ موجود ہونا۔ موجود رہنا۔ اصل زندگی تین قوتوں کا نام

ہے نمبرا۔ قوتِ نامیہ۔ نمبر ۲۔ قوتِ حسیہ۔ نمبر ۳۔ قوتِ عقلیہ فہمیہ۔ اس لیے حقیقی زندگی انسان کے پاس ہے۔ حیٰوۃ موصوف ہے اَلدُّنیا۔ اسم تفضیل مؤنث صفت ہے جار د مجرور متعلق دوم۔ واؤ حالیہ لام تاکیدیہ زائدہ (بے عمل) اکثر مبتدا پر آتا ہے۔ عَذَابٌ بحالتِ رفع مبتدا ہے تنوین سے مانع اضافت ہے اَلْاٰخِرَۃِ۔ الف لام عہدی آخرۃ اسم فاعل مؤنث ہے اُخْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت بعد میں ہونا۔ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَشَقُّ اسم تفضیل بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا کی۔ شَقٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ بہت ہی سخت تکلیف دینا۔ مشقت ڈالنا۔ واؤ ابتدائیہ سرِجملہ کا نافیہ لام جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع اَلَّذِیْنَ سابقہ ہے متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا مِنْ جارہ چودہ ۱۴ معنی میں مستعمل ہے۔

نمبرا۔ ابتداء غایت کے لیے یہ اصلی معنیٰ ہے۔ نمبر ۱۔ بعضیہ۔ نمبر ۲۔ بیانیہ۔ نمبر ۴۔ تعلیلیہ۔ نمبر ۵۔ بدلیہ۔ نمبر ۶۔ بمعنیٰ عَنْ جارہ برائے مجاوزت۔ نمبر ۷۔ بمعنیٰ بٖ جارہ۔ نمبر ۸۔ بمعنیٰ فِیْ جارہ۔ نمبر ۹۔ عند ظرفیہ۔ نمبر ۱۰۔ بمعنیٰ علیٰ۔ نمبر ۱۱۔ افتراق کے لیے۔ نمبر ۱۲۔ زائدہ۔ نمبر ۱۳۔ بمعنیٰ الیٰ۔ نمبر ۱۴۔ بمعنیٰ رُبَّمَا۔ یہ مِنْ بمعنیٰ عَنْ مجاوزت کا ہے۔ یا بمعنیٰ بٖ ہے۔ اللّٰہِ مجرور۔ جار و مجرور متعلق دوم مِنْ جارہ بعضیت کے لیے وَاقٍ اسم فاعل باب ضَرَبَ سے ہے وَقْیٌ سے مشتق ہے لفیف مفروق ہے بمعنیٰ بچانا۔ حفاظت کرنا بہر صورت متعدی ہے یہ صیغہ دراصل تھا وَاقِیٌ۔ تنوین کے بوجھ کی وجہ سے یٰ حرفِ علت گر گئی۔ بحالتِ کسرہ ہے متعلق سوم ہے ایک پوشیدہ موجودٌ کا مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّ ظِلُّهَا تِلْكَ عُقْبَى الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ عُقْبَى الْكٰفِرِیْنَ النَّارُ۔ مَثَلُ اسم مفرد جامد بحالتِ رفع مبتدا ہے۔ تجری فعل اس کی خبر ہے۔ اس کا معنیٰ تشبیہ۔ برابر۔ کہاوت کیفیت۔ حالت۔ صفت۔ یہاں بمعنیٰ صفت ہے۔ اصلی حقیقی معنیٰ تشبیہ ہے۔ تشبیہ پانچ قسم کی ہوتی ہے۔ نمبرا۔ ذاتی جس کو نِد کہا جاتا۔ نمبر ۲۔ کیفیت جس کو مشابہ کہا جاتا ہے۔ نمبر ۳۔ جسمانی جس کو مساوی کہا جاتا ہے۔ نمبر ۴۔ تعدادی اس کو ہم وزن کہا جاتا ہے۔ نمبر ۵۔ صوری اس کو ہمشکل کہا جاتا ہے۔ لفظِ مثل سب کے لیے مستعمل ہے اَلْجَنَّةِ۔ الف لام عہدِ خارجی جنۃ بمعنیٰ پوشیدہ باغ۔ مراد ہے عالمِ آخرت بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے مثل۔ موصوف ہے اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث صفت ہے وُعِدَ فعل ماضی مطلق مجہول صیغہ واحد مذکر غائب پورا جملہ فعلیہ صلہ ہے۔ وَعْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عہد کرنا۔ اقرار کرنا۔ معاہدہ کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ اَلْمُتَّقُوْنَ الف لام استغراقی۔ جمع مذکر سالم بحالتِ رفع نائب فاعل ہے وُعِدَ کا اس کا واحد ہے مُتَّقِیٌ۔ دراصل تھا مُتَّقِیُوْنَ یٰ اپنے ضمہ اور ماقبل کے کسرے کی وجہ سے ثقیل ہوئی لہٰذا گر گئی اور ضمہ ماقبل کو مل گیا بمناسبتِ واؤ۔ تَجْرِیْ فعل مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب ضَرَبَ جَرْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے

بمعنیٰ ۔ بہنا ۔ نمبر ۲ ۔ تیز چلنا ۔ تیزی سے گزرنا ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں ان سے پہلے پوشیدہ ہے
اَنْ ۔ یا اَنَّہٗ ۔ اس لیے کہ یہ خبر اور بیان ہے مثل کا یا حال ہے جارہ بمعنیٰ فی ظرفیہ تحت اسم ظرف ہے بحالت کسرہ
ھا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع جنۃ ہے مضاف الیہ ہے تحت الانھر الف لام عہد ذہنی یا استغراقی
جمع مکسر ہے نھر کی بمعنیٰ وہ جگہ جس کو بہنے پانی کے لیے بنایا جائے خواہ چھوٹا نالا ہو یا بڑا ۔ گہرا ہو یا نہ ہو ۔ بحر
وہ راستہ جس کو پانی خود اپنے لیے بنائے ۔ یہاں جگہ مراد نہیں بلکہ وہ پانی یا بہنے والی چیز مراد ہے گویا
سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے ۔ بحالت رفع فاعل ہے تجری کا اُکُلُ اسم جامد حاصل مصدر اَکْلٌ سے بنا
ہے بروزن فُعُلٌ واحد ہے بمعنیٰ قوت ۔ کھانے (طعام) ۔ میوہ پھل ۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں ھا ضمیر
مجرور متصل کا مرجع جنت ہے یہ جنت کی دوسری صفت ہے ۔ معطوف علیہ ہے ۔ دائم اسم فاعل بمعنیٰ
ہمیشہ ہوتے رہنے والے ۔ دوام سے مشتق ہے اسی سے ہے ۔ دوام ۔ واؤ عاطفہ ظلّ اسم جامد ہے واحد مذکر
ہے بمعنیٰ سایہ بحالت رفع معطوف ہے اُکُل کا ھا ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس کا ۔ معطوف علیہ
معطوف مل کر خبر ہوئی دائم مبتدا دوسرا بیانی کی ۔ تلک اسم اشارہ قریبی ہے لفظاً مؤنث ہے ۔ ضمیر متمکن مبنی ہے
بحالت رفع مبتدا ہے اس کا مشار الیہ محذوف معنوی ہے مراد ہے جنت اور اس کی نعمتیں تلک دراصل
تِی ہے اس کے ساتھ لام ملا کر لگایا اور کاف ضمیر حاضر کا لگایا اجتماع ساکنین کی وجہ سے یٰ گر گئی عُقْبیٰ اسم
تفضیل مؤنث ہے بروزن دنیا اس کا مذکر ہے اَعْقَبُ بمعنیٰ بہت پیچھے آنے والی یعنی آخری انجام ۔ بحالت
رفع خبر ہے تلک کی الذین اسم موصول مضاف الیہ ہے عقبیٰ کا ۔ بحالت جر ہے اِتَّقَوْا فعل ماضی مطلق صیغہ
جمع مذکر غائب باب افتعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِتِّقَاءٌ اصل میں تھا اِوْتِقَاءٌ واو کو ت بنایا اور باب
کی ت میں ادغام کر دیا وقیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈرنا ۔ پرہیزگار ہونا ۔ گناہوں سے بچنا ۔ واؤ سر جملہ عقبیٰ مضاف
مرفوع الف لام استغراقی کا قرینہ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے کافر اسم فاعل کفر سے بنا ہے بمعنیٰ شرک
کرنا مجرور کیونکہ مضاف الیہ ہے عقبیٰ مبتدا کا ۔ النَّارُ ۔ الف لام عہد ذہنی نار اسم جامد ہے بمعنیٰ آگ مراد ہے
جہنم دوزخ کا نام ہے ۔ بحالت رفع خبر ہے مبتدا عقبیٰ کی ۔ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا
اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۭ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ ۭ اِلَيْهِ
اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ واؤ سر جملہ الذین اسم موصول جمع مذکر ۔ اٰتینا فعل ماضی مطلق جمع متکلم کا فاعل اللہ تعالیٰ
ھُمْ ضمیر جمع مذکر کا مرجع الذین ۔ الکتاب الف لام عہدی ۔ خارجی یا ذہنی کتاب بروزن فعال صفت مشبہ بمعنیٰ
اسم مفعول مکتوب ۔ بحالت نصب مفعول بہ ہے ۔ یہ پورا جملہ موصول صلہ سے مل کر مبتدا ہے یَفْرَحُوْنَ فعل
مضارع معروف باب فتح سے ہے فَرْحَۃٌ یا فَرَحٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خوش ہونا ۔ خوش قسمت سمجھنا ۔

اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے بتدا کی ب جارّہ تعلیلیہ ما موصولہ اُنْزِلَ فعل ماضی مطلق مجہول باب اِفعال سے ہے مصدر ہے اِنْزَالٌ بمعنی اتارنا۔ اوپر سے نیچے آنا۔ اِلیٰ حرف جر انتہاءِ غایت کے لیے کَ ضمیر واحد مذکر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جار و مجرور متعلق اُنْزِلَ کا۔ اور وہ ملاہے ما کا وہ متعلق ہے یَفْرَحُوْنَ کا۔ واؤ سر جملہ مِنْ جارّہ تبعیضیہ اَلْاَحْزَابِ۔ الف لام استغراقی اَحْزَاب کی بمعنی۔ گروہ۔ فرقہ۔ جماعتیں۔ اَحْزَابُ یعنی فرقے جماعتیں۔ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کے یہ جملہ اسمیہ بتدا ہے۔ مَنْ اسم موصول۔ یُنْکِرُ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب باب اِفعال سے ہے اس کا مصدر ہے اَنکار۔ نُکْرٌ سے مشتق ہے بمعنی نہ ماننا۔ علیحدہ ہٹنا۔ مخالفت کرنا بھی نفی ہے۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے بَعْضَ۔ اسم جامد مفرد نکرہ بمعنی ٹکڑا۔ حصہ۔ جُزْ۔ کچھ غیر معین۔ سب معنیٰ بن سکتے ہیں بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ہٗ ضمیر مجرور متصل کا مرجع ما اُنْزِلَ ہے۔ قُلْ فعل امر حاضر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ اگلی عبارت ساری مقولہ ہے قُلْ کا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ما کافہ۔ یہاں ما کی وجہ سے اِنَّ کا عمل لغو ہے۔ اُمِرْتُ فعل ماضی مطلق مجہول صیغہ واحد متکلم باب نَصَرَ سے ہے اَمْرٌ سے مشتق ہے یہاں بمعنی حکم دینا ہے۔ اَنْ حرفِ مشبہ بالفعل مخففہ دراصل تھا اَنَّ۔ اِس کا اسم ضمیر ہٗ پوشیدہ ہے۔ اَنَّہٗ تھا۔ مگر ایک قول میں یہ اَنْ ناصبہ ہے اور یہی صحیح ہے اسی لیے قرأتِ مشہورہ میں اَعْبُدَ فعل مضارع معروف واحد متکلم منصوب ہے۔ اللہ اس کا مفعول بہ ہے۔ اَعْبُدَ باب نَصَرَ سے ہے عِبَادَۃ سے مشتق ہے۔ لغوی معنیٰ جھکنا۔ منقول شرعی معنیٰ کسی کو معبود سمجھ کر اُس کا حکم ماننا۔ واؤ عاطفہ ہے عطف ہے اَعْبُدَ پر لَآ اُشْرِکَ فعل مضارع معروف واحد متکلم بحالتِ نصب عطف تابعی کی وجہ سے اَنْ ناصبہ کا عمل یہاں بھی پہنچ گیا۔ باب افعال ہے۔ مصدر ہے اِشْرَاکٌ شِرْکٌ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ شریک بنانا۔ ہم شل بنانا۔ ساجھی ہم درجہ بنانا۔ کفر کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں بٖ جارّہ بمعنی مَعَ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ اِلیٰ جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے ہے ہٖ ضمیر مجرور کا مرجع اللہ تعالیٰ جار و مجرور متعلق مقدم ہے۔ جس سے حصر کا فائدہ ہوا۔ اَدْعُوْ۔ فعل مضارع معروف واحد متکلم۔ باب نَصَرَ سے مشتق ہے بمعنی پکارنا دعوت دینا۔ بلانا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہے واؤ سر جملہ اِلیٰ جارّہ اپنے ہی اصلی معنیٰ انتہاءِ غایت کے لیے ہے ہٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اللہ تعالیٰ جار و مجرور متعلق کا مرجع اللہ تعالیٰ جار و مجرور متعلق ہے ثابتٌ اسم پوشیدہ کا۔ ثابتٌ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوگا۔ مَآبِ اُس کا فاعل ہوگا۔ ایک قول میں ثابتٌ الیہ جملہ بتدا ہوگا۔ اور مَآب اُس کی خبر ہو کر پھر جملہ اسمیہ۔ مَآبٌ۔ اسم ظرف ہے اَوْبٌ سے مشتق ہے باب نَصَرَ سے ہے بمعنی لوٹنا۔ یہ مَآب ظرفِ زمان بھی ہوتا ہے یعنی لوٹنے کا وقت اور ظرفِ مکان بھی یعنی لوٹنے کی جگہ یہاں ظرف مکان۔ بٖ

لام کلمے پر کسرہ ہے کیونکہ دراصل تھا مَآبِی یعنی میرے لوٹنے کی جگہ یٰ متکلم محذوف منوی ہے اور کسرہ اس کی علامت ہے۔ یہ مصدر میمی بھی ہوتا ہے مگر یہاں ظرف مکانی واحد مذکر کا صیغہ ہے۔

تفسیر عالمانہ

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا۔ رب تعالیٰ نے کفار کی دنیوی حالت کی خبر دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ان کے لیے دنیوی زندگی میں بھی عذاب ہے۔ یا تو اس طرح کہ اس زندگی میں ہادی نہ ملنا یا ہدایت پا لینے کی توفیق نہ ملنا یہ بڑا عذاب ہے کیونکہ اخروی عذاب کا سبب ہے یا دنیا کی تکالیف مصیبتیں ذلتیں قتل و غارت اور مسلمان مجاہدین کے ہاتھوں قید و بند کی صعوبتیں یہ عذاب اگرچہ یہ تکلیفیں مسلمانوں کو بھی پہنچ سکتی ہیں مگر یہی چیزیں مسلمانوں کے لیے عبرت آزمائش اور ذریعۂ نجات و ترقیٔ درجات بن جاتا ہے۔ علماء کرام کا ارشاد ہے کہ دنیا کی ہر چیز دولت ثروت۔ عزت سلطنت تجارت۔ اور بیماری غربت۔ ذلت لڑائی جھگڑا فساد جنگ کافر کے لیے عذاب ہے اور مومن کے لیے عذاب نہیں بلکہ مومن کے لیے عبرت آزمائش اور ذریعہ نجات۔ کیونکہ کافر ان ہی اشیاء سے جہنم کما لیتا ہے اور مومن ان ہی چیزوں سے جنت پا جاتا ہے۔ یہ تو دنیا کے حالات ہیں لیکن آخرت کا دائمی عذاب بہت ہی زیادہ سخت ہے جس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ جس کی صرف آگ کی یہ کیفیت ہے کہ جب جہنم بنائی گئی تو تین ہزار سال تک آگ بڑھائی جاتی رہی یہاں تک کہ تا حدِ نگاہ آگ ہی آگ ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک تیز کی گئی تو پیلی ہوئی پھر ایک ہزار سال تک بھڑکائی جاتی رہی تو سرخ ہوئی پھر ایک ہزار سال تک دھکائی جاتی رہی تو نیلی ہو گئی پھر ایک ہزار سال تک سختی کی جاتی رہی تو سفید ہو گئی پھر ایک ہزار تک جلائی جاتی رہی تو سیاہ ہو گئی۔ جب کہ دنیا کی آگ صرف دو درجہ گرم ہے اور جہنم کی آگ آٹھ ہزار حصے زیادہ تپش اور تیزی والی ہے اس کیفیت والی دوزخ سے کفار کو کوئی بچانے والا نہیں نہ کوئی نکالنے والا۔ اللہ کی طرف سے کوئی محافظ مددگار مقرر نہیں۔ جس نے بچنا ہے دنیا میں ہی اپنا بندوبست کر کے آئے۔ اللہ کی طرف سے بچانے والا تو صرف پیارا حبیب ہی ہے وہی واق ہے وہی محافظ وہی مشکل کشا وہی حاجت روا۔ اسی کا دامن جہنم کی پناہ ہے۔ اسی کے قدموں میں جنت ہے اس کی شان کیفیت اس کی صفت نعت اور تعریف جس جنت کا وعدہ اللہ اور قیامت سے ڈرنے والوں جہنم عذاب اور رب تعالیٰ کی نافرمانی ناراضگی سے بچنے والے پیارے بندوں سے کیا گیا ہے یہ ہے کہ اس کے محلوں مکانوں گھروں کھڑکیوں اور تمام کمروں کی دیواروں کے نیچے سے ہر طرح کی نہریں بہتی ہیں۔ شریعت والوں کے لیے دودھ کی نہر طریقت والوں کے لیے شہد کی اہل معرفت کے لیے شراب طہور کی اہل حقیقت کے لیے

انوارِ ذات کی نہر۔ اُس کا کھانا ابد الآباد تک ہے کہ جب سے پیدا ہوا ہے کبھی فنا نہیں یا اس طرح کہ اس کی لذت ہمیشہ بھوک میں بھی سیری میں بھی ہے بخلاف دنیوی کھانوں کے کہ بھوک میں اُن کی لذت ہوتی ہے مگر سیری میں کوئی لذت نہیں۔ یا اس طرح کہ پھل توڑتے ہی دوسرا موجود یا اس طرح کہ ہر وقت کھایا جا سکتا ہے دنیوی کھانے صرف بھوک پر کھائے جاتے ہیں۔ یا اس طرح کہ ہر موسم میں ہر کھانا موجود۔ یا اس طرح کہ ہر کھانے میں غذائیت لذت اور تروتازگی ہمیشہ موجود رہے گی جنت کی تیسری چیز اور بے مثال نعمت اُس کا سایہ ہے۔ یا درختوں کا سایہ یا محلات کی دیواروں کا سایہ۔ اور یا رحمت و حمایت کا سایہ۔ یا سایہ سے مراد آرام و عافیت ہے یا یہ سارے سایہ مراد ہیں بہر کیف اس کے سایہ بھی ہمیشہ ہمیشہ قائم رہیں گے دنیوی سایوں کی طرح ختم نہ ہوں گے اُس کے درختوں کا سایہ بھی دائمی کیونکہ وہ سورج سے نہیں ہے جو ختم ہو جاتا ہے اور اُس کا رحمت و حمایت کا سایہ اور آرام و عافیت بھی دنیا کی مثل نہیں جو کبھی ہے کبھی نہیں۔ عافیت جنت کو ظل سے مشابہت دینے کی دو وجہ۔ یا اس لیے اہلِ عرب کے لیے سایہ بڑی نعمت ہے اسی طرح دنیا کے ہر گرم ملک کے لیے سایہ عظیم قدر و منزلت والی نعمت ہے۔ یا اس لیے کہ گرم اور سرد ہر ملک و علاقے کے لیے سایہ ضروری ہے۔ سایہ گرمی سردی۔ برسات۔ برف باری سے بھی بچاتا ہے۔ بلکہ عزت و آبرو کو بچانے والا بھی سایہ ہے۔ محققین فرماتے ہیں سایہ تیرہ قسم کا ہے۔

نمبر۱۔ جسم کا سایہ۔ نمبر۲۔ پناہ کا سایہ۔ نمبر۳۔ رحمت کا سایہ۔ نمبر۴۔ حمایت کا سایہ۔ نمبر۵۔ عافیت کا سایہ۔ نمبر۶۔ ماںتا کا سایہ۔ نمبر۷۔ شفقت اور محبت کا سایہ۔ نمبر۸۔ بھروسہ کا سایہ۔ نمبر۹۔ پرورش و تربیت کا سایہ۔ نمبر۱۰۔ ہیبت کا سایہ۔ نمبر۱۱۔ نسبت کا سایہ۔ نمبر۱۲۔ خاندانی سایہ۔ نمبر۱۳۔ وطنیت کا سایہ۔ ظل اور سایہ ہر وہ چیز ہے جو کسی کو کسی مصیبت سے بچائے۔ جنت کا سایہ عزت افزائی اور بلندی شان رضاءِ رحمان کے لیے ہے تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۔ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۔ قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ یہ جنت جس کا ذکر ابھی قریب ہی ہوا ہے اور ذکر کلا عیاناً سے قریب ہے یا اہلِ ایمان صاحب عرفان کے مراقبے و مشاہدے کے قریب ہے ان پیارے مخلص بندوں کا آخری ٹھکانہ ہے جو متقی بن کر زندگی گزار گئے۔ اور منکروں منافقوں کافروں مشرکوں کا آخری ٹھکانہ آگ اور آگ کا علاقہ جہنم ہے۔ کیونکہ جنت کا راستہ تقویٰ ہے اور جہنم کا راستہ کفر و نفاق و بدکرداری یہ تو ابتدائی مومنوں کافروں کا انجام ہے اور وہ نو مسلم لوگ جن کو ہم نے کتاب دی تھی یہودیوں میں توریت والے اور عیسائیوں میں انجیل والے اس تیسری کتاب قرآن مجید سے بھی انتہائی مسرور اور شکر گزار ہیں۔ جو اسے

پیارے نبی آپ کی طرف آپ پر اتاری گئی۔ یہاں فرحت سے مراد سرور کی خوشی ہے نہ کہ غرور کی۔ یہ اَسّی مرد تھے جو علماء یہود و نصاریٰ میں سے مسلمان صحابی بنے چالیس مرد نجران کے پادری عیسائیوں کے بہت بڑے بڑے عالم۔ آٹھ یمن کے۔ یہود کے بڑے راہب ان میں عبداللہ بن سلام بھی تھے۔ بتیس راہب حبشے کے ان میں کعب احبار بھی تھے۔ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد توریت و انجیل ہے۔ روح البیان۔ معانی کبیر نے بھی یہ ہی فرمایا۔ اور کچھ منافقوں کے گروہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرے مکالمے مجادلے بحث مباحثے اور اسلام میں تخریب کاری کے لیے حزب بن گئے تھے اور اسلام کے خلاف خفیہ گٹھ جوڑ کر چکے تھے ان میں کچھ جیسے کعب بن اشرف اور عبداللہ بن ابی منافق وہ ہیں جو قرآن مجید کی بعض آیتوں کا اور بعض قرآنی فیصلوں کا اس لیے انکار کرتے ہیں کہ اس میں ان کی مرضی کی نرم اور آسان آرام طلبی کے قانون نہیں ہیں یا اس لیے کہ توریت و انجیل میں وہ قانون نہیں ہیں۔ اے پیارے نبی فرمائیے کہ میں فقط اسی چیز کا حکم دیا گیا ہوں کہ ہر حال ہر وقت میں نرمی گرمی میں آرام و بے آرامی میں اسی اللہ کی عبادت کروں اور کبھی بھی اس کے قانون اس کی عبادت اس کی شریعتِ موجودہ میں کسی اور قانون و شریعت کو شریک نہ کروں۔ اب نہ توریت نہ اس کی شریعت ہے نہ زبور نہ انجیل اب تو اس اللہ وحدہ لاشریک کی شریعت طریقت عبادت ریاضت قانون احکام سب کچھ صرف قرآن میں ہیں۔ اور میں تم کو اسی کی طرف بلا رہا ہوں۔ اب تو میری طرف اور قرآن کریم کی طرف آنا ہی رب تعالیٰ کی طرف آنا ہے کیونکہ میرا ہر معاملے میں دعوت عبادت آنے بلانے۔ چلنے چلانے۔ اطاعت کرنے کرانے میں اسی رب کریم کی طرف آخری رجوع ہے اور میرا حکم مان کر میرے پیچھے چل کر تمہارا رجوع بھی اور تا قیامت سب جن و انس ملوک و ملک کا رجوع بھی اسی کی طرف ہے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا کی مصیبتیں کافر کے لیے عذاب دنیوی ہے اور مومن کے لیے ترقی درجات کا باعث ہے یہ فائدہ لَهُمْ عَذَابٌ میں لَهُمْ کی تخصیص اور تقدم سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ کافر اور ہر بدعقیدہ سے بالکل دور رہے اُن کے طور طریقے۔ محفل۔ صحبت۔ وعظ نصیحت اور کتابوں سے بچے۔ اسی طرح شکل و صورت لباس کلام سے نفرت کرے یہ فائدہ مِنْ وَّاقٍ فرمانے سے حاصل ہوا جس نے بتایا اللہ کے دوستوں کا بُروں اور اللہ کے دشمنوں سے کوئی تعلق نہیں۔ **تیسرا التعلق**۔ ایمان کے بعد سب سے بڑی عبادت تقویٰ ہے۔ یہ فائدہ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ سے حاصل ہوا جس سے ثابت ہوا کہ جنت اصلاً متقیوں کے لیے ہے باقی کو اُن کے طفیل یا اُن کی شفاعت سفارش اور وسیلہ سے ملے گی۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ہر عطا اور منزل نعمت کا شکریہ اور خوشی منانا فرض عبادت ہے۔ یہ مسئلہ۔ یَفْرَحُوْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ۔** قرآن مجید یا توریت وزبور وانجیل کے ایک حرف کا انکار کرنا بھی اسی طرح کفر ہے جس طرح سب کا۔ لیکن توریت وزبور وانجیل کا یہ حکم اس وقت تھا جب یہ اپنی منزل زبانوں میں تھیں آج یہ مصنوعی بائبل اور انجیلیں یہ حکم نہیں رکھتی۔ ہاں قرآن مجید کے لیے یہ حکم تا قیامت ہے جو فرقہ صحابہ یا جبریل پر اتہام لگائے کہ انہوں نے بھول کر یا جان کر آیتیں بدل دیں وہ مطلق پکا کافر ہے۔ یہ مسئلہ مَنْ یُّنْكِرُ بَعْضَهٗ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** اپنی پسند کے مسئلہ بنانے یا بنوانے گمراہی ہے اور یہ کام شرعاً حرام ہے۔ یہ مسئلہ بھی مَنْ یُّنْكِرُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ ان کے لیے دنیوی زندگی میں عذاب ہے اور آخرت کا عذاب زیادہ سخت ہے۔ لیکن جن کفار مکہ کو یہ کہا جارہا ہے ان میں سے تو بہت سے مسلمان ہو گئے پھر یہ خبر عذاب آخرت سب کے لیے بھی اور درست کیونکر ہوئی۔ اور سیاق کلام سے یہ جملہ قیامت کی خبر ہے اور اللہ تعالیٰ کی خبر جھوٹی اور خلاف نہیں ہو سکتی۔
جواب۔ اس کے دو طرح جواب دیے گئے ہیں یا یہ کہ یہ خبر صرف ان کے لیے ہے جو مسلمان نہ ہوئے ان کا ایمان ممتنع تھا۔ تقدیر الٰہی میں ان کی موت بھی کفر پر تھی بلکہ دنیوی عذاب ہی ان کی موت تک تھا۔ یا یہ کہ۔ آخرت کا عذاب اور اس کی سختی بتائی جارہی ہے مگر اس سے یہیں نہ کہ کسی کے لیے خبر یا کسی خاص کی طرف نسبت کہ فلاں کو یہ اخروی عذاب ہوگا۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا اُكُلُهَا دَآئِمٌ جس سے ثابت ہوا کہ جنت کو فنا یا ہلاکت نہیں۔ اور دوسری آیت میں ہے كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ تیسری آیت میں ہے۔ كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جنت ابھی پیدا نہیں ہوئی تاکہ آیات میں مطابقت ہو جائے۔ لیکن احادیث میں آتا ہے جنت پیدا ہو چکی ہے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو دیکھا ہے۔ تو یہ مطابقت کیسے ہو۔
جواب۔ جنت پیدا ہو چکی ہے احادیث کے علاوہ قرآن مجید سے بھی ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ وَ جَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ اور كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا (الخ) سے مراد صرف زمین کی چیزیں ہیں اور كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ (الخ) یہ عام مخصوص البعض ہے۔ لہٰذا جنت اس میں شامل نہیں اسی طرح عرش لوح قلم حور و غلمان بھی ان میں شامل نہیں اور دوزخ بھی۔ **تیسرا اعتراض۔** یہاں پہلے فرمایا گیا وَمِنَ الْاَحْزَابِ (الخ) اور پھر فرمایا گیا قُلْ اِنَّمَاۤ اُمِرْتُ (الخ) ان دونوں میں اتصال اور تعلق کیا ہے۔ ظاہراً بالکل بے ربط کلام معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ اتصال اس طرح ہے کہ اے کافرو اور منافقو تم تو بعض کو مان لیتے ہو اور بعض قرآن کو نہیں مانتے مگر میں حکم دیا گیا ہوں کہ جو مجھ پر نازل کیا گیا ہے اس سب کے مطابق عبادت کروں اور اسی قرآن میں یہ بھی حکم دیا گیا ہوں کہ کسی طرح کا شرک نہ کروں اور پورے قرآن کی طرف بلاتا ہوں یا یہ مطلب ہے کہ تم تو بعض قرآن مجید کو مانتے ہو بعض کا انکار کرتے ہو مگر مجھ کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔ اور عبادت یہ ہے کہ سارے دین سارے قانون سارے قرآن پاک پر ایمان لاؤ۔ ایک حرف کا بھی انکار کیا تو کوئی کام عبادت نہ بنے گا۔

تفسیر صوفیانہ

لَهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَقُّ وَمَا لَهُمْ مِّنَ اللّٰهِ مِنْ وَّاقٍ ۔ یہی وہ شیاطین جناتی و انسانی ہیں جن کے لیے بُعد کا عذاب حجاب کی لعنت جہالت کی مار اور غفلت کی سزا ہے ان کی اسی خواہشاتِ نفسانی کی دنیوی زندگی میں۔ لیکن آج دنیا میں جسمانی بھوک پیاس اور درد بیماری سے تڑپتے پھڑکتے ہیں اور روح کی بھوک پیاس کی پرواہ نہیں کرتے مگر آخرت قبر حشر میں جب محسوس ہوگا تو بے حد شدید ہوگا اور وہاں عذاب الیم نظر آئے گا یہاں جسم کا غلبہ ہے وہاں روح کا غلبہ ہوگا۔ یہاں جسمانی بیماری تڑپاتی ہے وہاں روحانی بیماری والے تڑپیں گے۔ لیکن معالج دونوں بیماریوں کے یہیں ہیں اس لیے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ آج ہی روح کی فکر کرو اور روح کی بیماری سے بچو۔ ورنہ کل قیامت میں ایسے برے دل والوں بیمار روح اور برے نفس والوں کے لیے دنیا کی ذلت اور آخرت کے عذاب سے بچانے والا کوئی نہ ہوگا۔ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اُكُلُهَا دَآئِمٌ وَّظِلُّهَا اسرار و انوارِ قدسیہ کے اُن سدا بہار باغوں کی مثال جن کا وعدہ مسافرانِ راہِ طریقت اور وادیٔ عشق الٰہی میں قدم رکھنے والے متقیوں سے کیا گیا ہے یہ ہے کہ ان کے نیچے کرم فضل رحمت محبت کی چار نہریں بہتی ہیں۔ جن میں عنایت کا دودھ۔ توفیق کا شہد اور محبوبیت کا پانی اور دیدارِ حق کا شراب طہور ہے مشاہداتِ جمال کی غذائیں اور مکاشفاتِ جلال کے میوے دنیا قبر حشر جنت میں ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں۔ اور اسی چمنِ توحید میں اِن مقدس پاکیزہ روحوں کے لیے مقامات احوال واردات کے گھنے سائے بھی ابدی ہیں تِلْكَ عُقْبَى الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّعُقْبَى الْكٰفِرِيْنَ النَّارُ ۔ یہ انوار کے پھولوں والے مغفرت کی ہواؤں سے لہلہاتے گلشن اُن بندوں کا آخری دائمی انعام ہے جو دنیا اور اہلِ دنیا کے کانٹوں طعنوں۔ طنزوں مذاق و دل لگی کے نشتر سہتے ہوئے۔ گناہوں کی تاریکیوں سے سنبھلتے ہوئے اغیار کی تکلیف کو برداشت کرتے ہوئے خوفِ الٰہی عشقِ مصطفائی کا چراغ تقوے کے روغن سے روشن رکھتے رہے۔ دشمنی کی طوفانی ہواؤں سے بھی شمع عرفانی کو بجھنے نہ دیا۔ لیکن اِن عشاق مخلصین کے مخالفین کافرین کا انجام محرومی کی جلن حجاب کی آگ اور حسد و بغض کے شعلے ہیں جس میں ہمیشہ جلتے رہیں گے۔ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَفْرَحُوْنَ بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ

وَمِنَ الْاَحْزَابِ مَنْ يُّنْكِرُ بَعْضَهٗ ۔ اور وہ روح اور قلب جن کو ہم نے اسرارِ احکام اور حقائق لدنیہ کی کتاب عشق اور خزانۂ محبت عطا فرمائی وہ تو اس واردات کے نزول سے مشکور مسرور ہیں جو اے حبیب رحمت آپ کے روح وجسم کی طرف نازل ہوئے اور آپ کے آستانے سے ہی سارے انبیا اولیا کو ملے ۔ اور نفسِ امارۂ خواہشات باطنی اِن فائدوں سے جہالت اور ان ریاضتوں عبادتوں کی مشقت کی وجہ سے مراقبے مکاشفے کے اثرات کے منکر ہیں قُلْ اِنَّمَآ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ وَلَآ اُشْرِكَ بِهٖ اِلَيْهِ اَدْعُوْا وَاِلَيْهِ مَاٰبِ ۔ اے عرشیو فرشیوں کو معرفتِ الٰہی کی طرف بلانے سمجھانے والے صاحبِ اسرار راز دارِ خدا نبی الانبیا ظاہر کیجئے کہ میں ابدِ لاہوتی سے حکم دیا گیا ہوں کہ میں شریعت طریقت حقیقت معرفت کے راہِ حق میں اللہ کی عبادت ہر آن ہر لمحہ کرتا ہی رہوں ۔ صوفیا ءکرام اور عارفین اکمل فرماتے ہیں کہ سات آسمان سات زمینیں عرش وکرسی آقاءِ کائنات کے مصلےٰ ہیں اور ملک وملکوت میں ایک انچ بھی ایسی جگہ نہیں جہاں عبادتِ مصطفیٰ نہ ہوئی ہو دوسرا حکم یہ دیا گیا ہوں کہ کسی ۔ نفس خواہشِ ظاہر باطن ۔ عقیدے ارادے ۔ خیال گمان چاہت پسند کو اپنے معبودِ حقیقی کے مقابل نہ لاؤں خلوت وجلوت میں اسی کی پسند میری پسند ہو ۔ اے راہ سلوک پر چلنے کی خواہش والو آؤ میری طرف میں اسی رب کی طرف تم کو بلا رہا ہوں میرے ہی قدم کا نام صراطِ مستقیم ہے اور میری زندگی ہی عبادتِ الٰہی کی روشن دلیل اور واضح آیت ہے مجھ سے ہٹنا ہی شرکِ عظیم ہے اسی قرب ذات کی طرف میرا چلنا میرا ٹھکانہ اور آخری منزل مقصود ہے حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں کوئی عارف درجاتِ عبودیت میں اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت فرض واجب سنت نفل ورد وظائف پر عامل کامل نہ بنے ۔

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ؕ وَلَئِنِ

اور اسی طرح ہم نے اتارا اِس کو قانون بنا کر عربی میں اور اگر

اور اسی طرح ہم نے اسے عربی فیصلہ اتارا اور اے سننے والے اگر تو

اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ

اب بھی تو نے پیروی کی خواہشات کی اُن کے بعد اُس کے کہ آگیا تجھ کو کچھ

اُن کی خواہشوں پر چلے گا بعد اِس کے کہ تجھے علم ۔

الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ﴿۳۷﴾ ع

علم نہیں ہوگا یعنے تیرے طرف سے اللہ کے کوئی مددگار اور نہ بچانے والا۔

آچکا تو اللہ کے آگے نہ تیرا کوئی حمائتی ہوگا نہ بچانے والا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا

اور البتہ یقینًا بھیجا ہم نے بہت رسولوں کو سے پہلے آپ کے اور بنائیں بھنے

اور بیشک ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے اور اُن کے لیے۔

لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّیَّةً ؕ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ

لیے اُن کے بیویاں اور بچے اور نہیں ہمت لیے کسی رسول کے کہ

بیبیاں اور بچے کئے اور کسی رسول کا کام نہیں کہ کوئی نشانی

اَنْ یَّاْتِیَ بِاٰیَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ

لائے کوئی معجزہ مگر سے اجازت اللہ کی لیئے ہر مدت کے

لے آئے مگر اللہ کے حکم سے ہر وعدہ کی ایک

كِتَابٌ ﴿۳۸﴾ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا یَشَآءُ وَیُثْبِتُ ۚ صلے

ایک لکھائی ہے۔ مٹاتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ثابت رکھتا ہے

لکھت ہے اللہ جو چاہے مٹاتا ہے اور ثابت کرتا ہے

وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ ﴿۳۹﴾ وَاِنْ مَّا نُرِیَنَّكَ

اور پاس اسی کے ہے اصل لکھائی۔ اور اگر ہم دکھا دیں تم کو

اور اصل لکھا ہوا اُسی کے پاس ہے۔ اور اگر ہم ہی دکھا دیں تمہیں

بَعْضَ الَّذِیْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّیَنَّكَ فَاِنَّمَا

بعض وہ جو وعدہ دیا ہم نے ان کو یا وفات دے دیں ہم تم کو

کوئی وعدہ جو انہیں دیا جاتا ہے یا پہلے ہی اپنے پاس بلائیں تو

عَلَیْكَ الْبَلٰغُ وَ عَلَیْنَا الْحِسَابُ (۴۰)

تو فقط پر تم پہنچانا ہے اور پر ہم حساب ہے

بہرحال تم پر تو صرف پہنچانا ہے اور حساب لینا ہمارا ذمہ

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ہمارے حبیب کی پکار اور دعوتِ اسلام ہی ہماری ہدایت ہے۔ جس کو ہم گمراہ کرنا چاہیں اس کو اسی بلاوے سے دور رکھتے ہیں۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ صرف ایک پکار اور بلاوا ہی نہیں بلکہ ہمارے محبوب کی ہر ادا ہماری شریعت کا حکم عربی یعنی اٹل قانون ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اداؤں کا نام ہی احکام قرآن ہے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیتوں میں اہل کتاب کا ذکر ہوا کہ انہوں نے کلام خداوندی پڑھنے کے باوجود بعض اچھی باتوں سے منہ موڑا بلکہ بعض کو مانا بعض کا انکار کیا۔ اب مسلمانوں کو فرمایا جا رہا ہے کہ تم اپنی نادانی سے ان کی اس طرح کی باتوں کو پسند نہ کرنا نہ ان کی راہ چلنا ورنہ تمہارا بھی کوئی مددگار نہ ہوگا۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیات میں جنت اور اس کی نعمتوں کی بقا اور دوام کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں دنیا کی نعمتوں کا فنا و بقا اور ثبوت و محو ہونے کا بیان ہے کہ یہاں ہر چیز میں فنا بقا۔ ٹوٹنا پھوٹنا ہونا چلا آیا ہے اور رہے گا۔ یہی سنتِ الٰہیہ ہے۔ لہٰذا یہاں دل نہ لگاؤ۔

شانِ نزول - کفارِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ کی نبوت پر یہ اعتراض کیا تھا کہ آپ اگر نبی ہیں تو بیوی بچے گھر بار کیوں بنائے نبی کو تو تارک الدنیا ہونا چاہیے۔ یہ اعتراض دراصل عیسائیوں کا تھا جو انہوں نے مشرکینِ مکہ کے ذریعہ کرایا اس کے جواب میں یہ پانچ آیت اتریں از آیت نمبر ۳۸ تا آیت نمبر ۴۲۔ اس کی آخری آیت نمبر ۴۳ - مدنی ہے۔

تفسیر نحوی وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِیًّا وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا وَاقٍ ۔ واؤ سر جملہ ابتداء کلام

کے لیے، كَذٰلِكَ حرفِ تشبیہ۔ اس کا مشبہ بہٖ سابقہ کلام اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ ہے۔ اور مُشَبَّہ لَہٗ حُكْمًا عَرَبِيًّا ہے اس لفظ کی بناوٹ اس طرح ہے۔ کاف تشبیہ کا ذا۔ اشارۂ بعید کا۔ لام علامتِ بعیدی۔ کَ ضمیر مخاطب ہے مخاطب کی نشاندہی کرنے کے لیے۔ اسی لیے مخاطب کے لحاظ سے بدلتی جاتی ہے مثلاً مخاطب واحد حاضر ہو تو كَذٰلِكِ اسی طرح كَذٰلِكُ كَذٰلِكُمْ كَذٰلِكُنَّ كَذٰلِكُمَا۔ اَنْزَلْنَا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے باب نصر سے ہے نُزُلٌ سے بنا ہے ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع اُنْزِلَ اِلَيْكَ ہے حُكْمًا اسم جامد ہے بحالتِ نصب حال ہے ہٗ ضمیر کا۔ بمعنیٰ قانون مراد ہے قرآن مجید۔ مسبّب بول کر سبب مراد لیا مبالغے کے لیے عَرَبِيًّا اسم جامد ہے بمعنیٰ اَلْفَاظِ عربی بحالتِ نصب ہے دوسرا حال ہے ہٗ ضمیر کا۔ واؤ سرِ جملہ لام مفتوح زائدہ ہے۔ اِنْ حرفِ شرط ہے اتَّبَعْتَ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر حاضر ظاہراً خطاب نبی کریم سے ہے مگر حقیقتاً عام مسلمان سے ہے (صاوی) باب افتعال سے ہے۔ تَبْعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پیروی کرنا۔ تابعداری کرنا۔ بغیر سوچے سمجھے کسی کی بات ماننا۔ نقشِ قدم پر چلنا۔ اَهْوَاءَ اسم جامد ہے جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے هَوَاءٌ بمعنیٰ نفسانی خواہش۔ هَوٰی سے بنا ہے بمعنیٰ خواہش کرنا محبت و عشق کرنا۔ کسی پر گر پڑنا۔ کسی طرف مائل ہونا۔ اصطلاحاً نفس امارہ کی شیطانی خواہش کو هَوٰی کہا جاتا ہے وہ ہی یہاں مراد ہے هُمْ ضمیر کا مرجع مَنْ يُّنْكِرُ کا مَنْ ہے یا الْكٰفِرِيْنَ ہے۔ بَعْدَ اسم ظرف ہے بمعنیٰ دور بحالتِ نصب ہے ظرفِ زمانی ہے اتَّبَعْتَ مضاف ہے مابعد مَا موصولہ کا یا یہ مَا مصدریہ ہے جَآءَ فعل ماضی معروف واحد غائب جَيْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ لازم ہوتا ہے كَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع عام مخاطب مسلمان مِنْ جارہ بعضیہ کا ہے۔ الْعِلْمُ اسم جامد ہے بمعنیٰ معلوم یا علم صفت مشبہ ہے بمعنیٰ علم دینے والا یعنی قرآن مجید۔ مَا نافیہ برائے جزاء شرط لام جارہ نفع کا جار و مجرور متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مراد وہی عام مسلمان نہ کہ ذاتِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ جارہ بدلیت کا یا بمعنیٰ عِنْدَ یعنی اللہ کے بدلے اللہ کے سوا۔ پاس یا۔ اللّٰہِ مجرور بحرف جر مِنْ جارہ بیانیہ یا زائدہ وَلِيٍّ۔ اسم مفرد جامد یا اسم مشتق صفت مشبہ بروزن فَعِيْلٌ۔ بمعنیٰ (بہر دو صورت) محافظ حامی۔ مددگار۔ دوست ساتھی۔ والی وارث۔ یہاں پہلے دو معنیٰ مراد ہیں واؤ عاطفہ عطف ہے وَلِيٍّ پر۔ لَا حرفِ نفی عاطفہ برائے عطف یا نفی جنس کے لیے وَاقٍ اسم فاعل وَقْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بچانے والا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً۔ واؤ سرِ جملہ لام کے بمعنیٰ البتہ قَدْ حرفِ تحقیق۔ اَرْسَلْنَا فعل ماضی مطلق ایک قول میں قَدْ برائے ماضی قریب ہے۔ صیغہ جمع متکلم اَرْسَلْنَا رَسْلٌ سے بنا ہے باب افعال سے ہے ارسال مصدر ہے رُسُلًا جمع مکسر ہے رسول بروزن فعول کی مبالغہ ہے مُرْسَلٌ نبی رسول مرسل کا فرق تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ مِنْ جارہ بیانیہ یا زائدہ ہے قَبْلِ

اِسم بحالتِ کسرہ مضاف ہے اسم ضمیرِ کَ ضمیر واحد حاضر مجرور متصل کی طرف واوٗ عاطفہ یا حالیہ ہے جَعَلْنَا
فعل ماضی مطلق بصیغہ جمع متکلم۔ جَعْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بنانا۔ پیدا کرنا۔ ٹھیرانا۔ تجویز کرنا۔ کام کرنا۔ یہاں بمعنیٰ
تجویز کرنا ہے لام جارّہ نسبت کا ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع رُسُلاً ہے۔ اَزْوَاجًا جمع مکسر ہے زَوْجَۃٌ کی بمعنیٰ بیویاں
واوٗ عاطفہ ذُرِّیَّۃً۔ اِسم مفرد جامد ہے ذَرٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت چھوٹی چیز مراد ہے اولاد۔ آخر میں
ۃَ تانیث کی ہے۔ بحالتِ نصب ہے بوجہ معطوف ہونے کے۔ معطوف علیہ اَزْوَاجًا اپنے معطوف سے
مل کر مفعول بہٖ ہے جَعَلْنَا کا۔ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔ لِكُلِّ اَجَلٍ
كِتَابٌ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَ يُثْبِتُ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتَابِ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ
نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ واوٗ سرجملہ مَا کَانَ فعل ماضی
مطلق منفی تامہ ہے۔ لام جارّہ بمعنیٰ مفعولیت رَسُوْلٍ بروزن فَعُوْلٍ مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ بڑی شان سے
بھیجا ہوا تنوین تنکیری ہے یعنی کسی رسول کو۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے مَا کَانَ کے اَنْ ناصبہ یَاْتِیَ فعل مضارع
مُعْرَب منصوب صیغہ واحد مذکر غائب باب ضَرَبَ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا یہاں بمعنیٰ لانا ہے
بِ جارّہ مفعولیت کے معنیٰ میں۔ آیَۃٍ اسم مفرد نکرہ مؤنث تنوین تنکیری بمعنیٰ کوئی جار مجرور متعلق ہے یَاْتِیَ کا
اِلَّا حرف استثنا منقطع نے سابقہ نفی توڑ دی با جارّہ اِذْنِ۔ مصدر بھی اور اسم جامد بھی یہاں اسم جامد ہے بمعنیٰ
حکم۔ ارادہ۔ مشیت اجازت یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ مجرور ہے بِ کا۔ مضاف ہے اللہ کا۔ مرکب
اضافی مجرور اپنے جار سے لگ کر یَاْتِیَ پوشیدہ فعل مشتق کا متعلق ہوا۔ لام جارّہ تاکید یہ زائدہ کُلِّ اسم کلیہ اَجَلٍ
اسم جامد نکرہ مفرد بمعنیٰ مدت زمانہ۔ وقت۔ کِتَابٌ بروزنِ فِعَال مصدر ثلاثی بھی ہوتا ہے اور صفتِ مشبہ
بھی مگر یہاں بمعنیٰ مکتوب اِسم مفعول ہے۔ یعنی لکھا ہوا بحالتِ رفع ہے بتدا مؤخر اِس کی خبر موجودٌ پوشیدہ
جس کا متعلق ہے لِکُلِّ۔ یَمْحُوا فعل مضارع معروف باب نَصَرَ سے ہے مَحْوٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ مٹانا
اِس کا مصدر ہے اِثْبَاتٌ اِس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اَللہُ ثَبْتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ قائم رکھنا۔ باقی رکھنا
ثابت رکھنا۔ موجود رہنے دینا۔ واوٗ سرجملہ عِنْدَ اسم ظرف بحالتِ فتح ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب
کا مرجع اللہُ ہے مجرور متصل ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ
کا۔ اور موجودٌ اپنے نائب فاعل اُمُّ الْکِتَابِ اور ظرف سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگا۔ اُمٌّ اسم جامد ہے بمعنیٰ
اصل۔ جڑ۔ والدہ۔ ماں خواہ نسبی خواہ نسبتی (سوتیلی وغیرہ) خواہ تعظیمی۔ یہاں بمعنیٰ اصل ہے اَلْکِتَاب۔ الف
لام عہدی کتاب بمعنیٰ مکتوب۔ اُمُّ الْکِتَاب سے مراد یا لوحِ محفوظ یا قرآنِ مجید کی محکم اور قانونی آیتیں۔ یا تقدیرِ
الٰہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔ واوٗ سرجملہ اِنْ حرفِ شرط مَا زائدہ نُرِیَنَّ فعل مضارع معروف صیغہ جمع

متکلم ۔ با نون تاکید ثقیلہ بمعنیٰ مستقبل بالشرط ۔ لام تاکید اول میں شرط کی وجہ سے نہیں آیا مَا زائدہ کی وجہ سے
نون ثقیلہ آگئی ورنہ اِنْ شرطیہ کے بعد نون تاکید نہیں آسکتی نہ خفیفہ نہ ثقیلہ ۔ رُؤیٌ یا رَأیٌ سے بنا ہے بمعنے
دیکھنا دکھانا باب افعال ہے مصدر ہے اِرَاءَۃٌ ۔ اسی سے ہے رویت مصدر ۔ ترجمہ ہے اگر ضرور ہی ہم دکھا دیں ۔
کَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ مصدر متعدی بسہ مفعول ہوتا ہے پہلا مفعول بہ کَ ضمیر
حاضر اور دوسرا مفعول بہ بعض ہے اسم مفرد نکرہ بغیر متعین جامد ہے بمعنیٰ کچھ ۔ جزءٌ ۔ مقابل ہے کُلٌ کا ۔ یعنی تھوڑا
مضاف ہے بحالتِ نصب ہے اَلَّذِی اسم موصول واحد مذکر ۔ اِس کا صلہ اگلا جملہ فعلیہ نَعِدُ ۔ فعل مضارع معروف
جمع متکلم وَعْدٌ سے بنا ہے باب ضَرَبَ سے ہے دراصل تھا نَوْعِدُ واؤ ماقبل فتح سے بوجھل (ثقیل) ہوئی
تو گر گئی یہ مضارع بمعنیٰ حال ہے یا ماضی ۔ یعنی جو وعدہ کیا ہم نے یا جو وعدہ کرتے ہیں ہم ھُمْ ضمیر منصوب
منفصل مفعول بہ ہے نَعِدُ کا اِس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ ہے ۔ یہ سارا جملہ موصول با صلہ
مفعول دوم ہے نُرِیَنَّ کا اور اِس کا تیسرا مفعول حیاتَکَ یا عَیْنَاکَ پوشیدہ ہے ۔ اَوْ حرفِ عطف
ہے نُرِیَنَّ پر ۔ نَتَوَفَّیَنَّ فعل مضارع معروف با نون ثقیلہ صیغہ جمع متکلم باب تفعّل ۔ یہاں لام تاکید شرط
کی وجہ سے نہیں آیا اور نون تاکید مَا زائدہ کی وجہ سے آگیا یہاں تاکید نہیں ہے ۔ مگر نونِ تاکید حرف تابع عطفی
کی وجہ سے آگیا ۔ یہ فعل متعدی بیک مفعول ہے ۔ وَفْیٌ لفیف مفروق سے بنا ہے بمعنیٰ فوت کرنا ۔ پورا
کرنا ۔ وعدہ نبھانا ۔ اسی سے ہے ایفاءِ وعدہ ۔ یہاں مراد فوت کرنا ۔ وفات دینا ۔ کَ ضمیر حاضر مخاطب کا
مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں منصوب ہے مفعول بہ ہے اپنے فعل کا ۔ فَ جزائیہ ۔ اگلا جملہ مجازاً جزا
ہے نہ کہ حقیقی جزا اس لیے کہ حقیقی جزا معلق بوجود شرط ہوتی ہے یہاں یہ بات نہیں کیونکہ تبلیغ بہر حال فرض
ہے ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق لغو یعنی عامل نہیں ۔ کیونکہ ساتھ مَا کافہ حصریہ ہے ۔ اب اِنَّمَا کا ترجمہ ہوا فقط ۔ علیٰ
حرف جر برائے وجوب ۔ فوقیتِ باطنی کے معنیٰ میں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع ذاتِ نبی کریم صلی اللہ
علیہ وسلم یہ جار و مجرور متعلق ہے وَاجِبٌ پوشیدہ اسم فاعل کا اَلْبَلَاغ ۔ الف لام استغراقی ہے ۔ بلاغ بروزن
فَعَال مصدر ہے ۔ بَلْغٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پہنچا دینا ۔ اصطلاحاً تبلیغ دین کرنا بحالتِ رفع ہے فاعل ہے واجبٌ
پوشیدہ کا ۔ واؤ حالیہ ۔ یا منہ جملہ ۔ علیٰ جارہ وجوب کے لیے ہے ہ ضمیر کا مرجع اَللّٰہُ ہے ۔ جار و مجرور متعلق ہے
وَاجِبٌ پوشیدہ کا ۔ یہ وجوب اختیاری ہے ۔ الف لام استغراقی یا عہد ذہنی حسابٌ بروزن فعال مصدر
ثلاثی ہے ۔ جامد بھی مستعمل ہے ۔ مگر یہاں بمعنیٰ مصدر ہے حَسْبٌ یا حُسْبٌ ۔ سے مشتق ہے بمعنیٰ کافی ہونا ۔
کافی دینا ۔ کافی لینا ۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں یعنی پورا پورا امتحان لینا پوچھ گچھ کرنا تفتیش حالاتِ گذشتہ
کرنا ۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے پوشیدہ وَاجِبٌ کا ۔

تفسیر عالمانہ

وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا ۭ وَلَىِٕنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَاۗءَهُمْ بَعْدَ مَا جَاۗءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ ۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۔ اور جس طرح ہم نے اُن خوش ہونے والوں کو توریت زبور انجیل ان کی اپنی اپنی زبانوں عبرانی ۔ سریانی ۔ یونانی میں نازل فرما دیں اِسی طرح نازل کیا ہم نے اِس قرآن مجید کو بہت محکم مضبوط اٹل نہ منسوخ ہونے والا قانون حکم بنا کر عربی زبان میں نازل فرمایا ۔ یعنی یہ قرآن مجید نزولِ آسمانی اور رمضان شریف کے مہینے میں اللہ کے قانون ہونے میں کلامِ الٰہی لفظی معنوی ہونے میں سابقہ کتب الٰہیہ کے مشابہ ہے لیکن زبان اور لغت علیحدہ ہونے میں وہ سابقہ کتب وقتی اور غیر محکم ہونے میں اور یہ دائمی ہونے میں اُن کے مشابہ نہیں ہے ۔ روح البیان ۔ روح المعانی ۔ کبیر فخر الدین رازی ۔ ابن جریر ۔ صاوی ۔ خازن ۔ جمل ۔ طبری وغیرہم تمام عربی اور اردو ہماری تفسیروں نے یہی فرمایا کہ توریت عبرانی میں نازل ہوئی زبور سریانی میں ۔ انجیل یونانی میں نازل ہوئی صرف ایک غیر محقق شخص امام سفیان ثوری نے یہ نئی بات کردی کہ معاذ اللہ سابقہ کتابیں عربی میں نازل ہوئیں اور انبیاء کرام صاحب کتب نے اس کو دوسری زبان میں ترجمہ کرکے دیں تمام مفسرین نے اس کی تردید فرمائی کہ یہ سفیان ثوری کی اختراع ہے ۔ ہمارے ایک مولوی کا یہ عبارت پڑھ کر دماغ چل گیا ۔ اُس نے ان سابقہ کتب کے کلامِ الٰہی ہونے کا ہی انکار کردیا ۔ رب تعالیٰ اس کو ہدایت دے ۔ اور لیکن اگر اے مسلمان تو نے بد مذہبوں ۔ بے دینوں ۔ گمراہوں ۔ لغو باتوں ۔ یہودیوں عیسائیوں کی اتباع کی ان کی ان خواہشوں میں کہ تم اب قرآن مجید کو چھوڑ کر توریت و انجیل کو مانو یا کعبے کو چھوڑ کر بیت المقدس کی طرف نماز پڑھو یا نبی کریم کو چھوڑ کر موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام کے اُمتی بن جاؤ اِس کے بعد کہ تجھ کو یہ معلوم ہو گیا تمام سابقہ دین اور کتابیں صرف وقتی اور اپنی اُس زمانے کی قوم کے لیے تھیں دین موسوی و عیسوی وغیرہ سب ختم اور منسوخ ہو چکے ہیں اسی طرح اب سب نمازوں کا قبلہ کعبہ بن چکا ہے بیت المقدس کی طرف نماز پڑھنا منسوخ اور حرام ہو چکا ہے ۔ ان سب باتوں کو جانتے ہوئے پھر بھی کسی یہودی عیسائی کی ان میں سے ایک بات بھی مانی تو اللہ کی طرف سے تیرا کوئی مددگار حمایتی دوست خیر خواہ بھی نہ ہوگا اور محافظ مصیبتوں اور دنیا و آخرت کے عذابوں سے بچانے والا بھی نہ ہوگا ۔ یہ سب اولیا غوث و قطب تو اُن کے مددگار مشکل کشا حاجت روا ہیں جو حبیب کریم کے اُمتی غلام ہوں ۔ اور اے نبی کریم صرف کتابیں ہی نہیں ہم نے تو البتہ بیشک رسول بھی تمام اِسی آپ کی زندگی اور حیات طیبہ کی طرح بھیجے جنہوں نے بیوی بچے اختیار کیے اور ہم نے ان کے لیے بیوی اور آل اولاد بنائی یہ ہمارا قانون ہے کوئی ناجائز یا حرام نہیں ابراہیم علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کی دو دو اور داؤد علیہ السلام کی ننانوے یا ایک سو بیویاں تھیں اور تین سو لونڈیاں تھیں ۔ سلیمان علیہ السلام کی تین سو بیویاں اور سات سو لونڈیاں تھیں ۔ موسیٰ علیہ السلام کی تین بیویاں رہیں بچے بھی ہوئے اور اسی طرح

اے نبی پاک آپ کی بھی نوازواج پاک اور سات بیٹے بیٹیاں ہوئیں۔اس ترتیب سے نمبرا۔ قاسم۔نمبر۲۔ زینب۔نمبر۳۔رقیہ۔نمبر۴۔اُمِ کلثوم۔نمبر۵۔فاطمہ۔نمبر۶۔عبداللہ۔نمبر۷۔ابراہیم۔ چھ اولاد حضرت خدیجہ سے اور سیدنا ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہؓ سے وراُن کے اِن گھریلو حالات سے سب یہودی۔عیسائی باخبر ہیں پھر بھی ان پر ایمان لاتے ہیں تو آپ پر یہ بیہودہ اعتراض کیوں کرتے ہیں اور آپ پر ایمان لاتے ہوئے کیا تکلیف ہوتی ہے لہٰذا آل اولاد نہ نبوت کے منافی ہے نہ تبلیغ میں رکاوٹ بلکہ عملی تبلیغ ہی ہے مشکوٰۃ شریف بروایت ابوذرؓ ہے کہ انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔اور دیگر روایتوں میں ہے کہ ان میں رُسُلِ عظام تین سَو تیرہ ۳۱۳ ہیں اور مرسلین چار ہیں تفسیر روح البیان میں ہے ہر ایک نبی میں دنیوی مردوں کی ہر طرح کی قوت کے برابر ایک ہزار مردوں جنتی طاقت ہوتی ہے اور نبی کریم علیہم الصَّلٰوۃ وَالسَّلام میں ہر طرح کی چار ہزار مردوں کے برابر طاقت ہے اور جنتی مرد میں دنیوی مرد کے مقابل سو مردوں کے برابر طاقت ہو گی۔ان قوتوں میں مردمی قوت بھی شامل ہے اس لیے وہ بنی ازواج کے حقوق پورے کرتے ہیں کوئی نبی مردمی میں کمزور یا نامرد نہ ہوا کیونکہ یہ بھی عیب ہے۔مردمی قوت بھی جوہر انسانی ہے اور تکمیلِ شخصیت ہے۔ وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ۔ يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتَابِ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ اے پیارے رسول اِن مطالبہ کرنے والے کفار کو آگاہ کر دیجیے کہ میں اور مجھ سے پہلے جتنے بھی رسول اور مرسل تشریف لائے کسی کو یہ جائز یا لائق یا قدرت ہمت طاقت اختیار نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور اجازت کے بغیر کوئی آیت قوم کے سامنے لے آئے یا عذاب وارد کر دے یا کوئی معجزہ ہی دکھا دیں انبیاء کرام کے قبضے اور اختیار میں جو کچھ ہوتا ہے وہ رب کی عطا رضا اور اجازت سے ہوتا ہے اس لیے انبیاء کرام کی طاقت قوت ہمت اختیار ساری مخلوق سے زیادہ ہوتا ہے وہ سب کچھ کر سکتے ہیں مگر باذن اللہ۔لہٰذا عذاب میں جلدی نہ کرو اللہ کے ہر قانون اور فیصلہ کے لیے ایک لکھائی اور مدت ہے یا کتاب بمعنیٰ مکتوب یعنی لکھی ہوئی ہے لوح محفوظ میں خواہ توریت و انجیل کے قانون یا تقدیرِ الٰہی کے معین فیصلے۔منسوخ فرما دیتا ہے جس قانون کو چاہتا ہے اپنی حکمت اور قوموں کے مفاد کی بنا پر اور باقی و ثابت رکھتا ہے جس حکم کو چاہتا ہے یا مٹا دیتا ہے جس تقدیر کو چاہتا ہے اور ثابت و موجود رکھتا ہے جس ازلی فیصلے کو چاہتا ہے۔یا مٹاتا رہتا ہے رب تعالیٰ جس تقدیر معلق کو چاہتا ہے اور قائم رکھتا ہے تمام تقدیرِ مبرم کو اور اُسی کے پاس اُمُّ الکتاب ہے۔یعنی تمام فیصلوں اور ان کی مدتِ بقا و تنسیخ نفع و نقصان کی حکمت دانائی علم اسی کے پاس ہے وہ دانا و بینا ہے کہ کب تک توریت کو رکھنے میں فائدہ اور کب اس کا نقصان یہ اچھی بات نہیں کہ ایک حکم کو ہمیشہ رکھا جائے فائدہ دے یا نہ دے دانائی یہ ہے کہ مزاج و حالات و وقت کے مطابق قانون بدلتے

دیں۔ علماء اسلام فرماتے ہیں کہ تقدیر کائنات تین قسم کی ہے۔ نمبر ۱۔ تقدیر معلق جو الٰہی فیصلہ کسی دوسری چیز سے منسوب ہو جائے جیسے اگر ایسا ہوا تو ایسا ہوگا۔ نمبر ۲۔ تقدیر مبرم منسوب نمبر ۳۔ تقدیر مبرم غیر منسوب (محکم) پہلی دو تقدیریں دعا التجا فریاد اور سفارش سے بدل جاتی ہیں تیسری نہیں بدلی جاتی نہ دعا سے نہ سفارش سے۔ اے پیارے نبی آپ سے کفار کے ذلت آمیز عذابوں شکستوں قید بند کے جو وعیدیں کی گئی ہیں اور مسلمانوں کی عزت وشان فتح و نصرت کے جو وعدے کئے ہیں وہ یقیناً پورے کئے جائیں گے۔ ہاں البتہ یہ ہماری حکمت ودانائی صوابدید اور منشا پر منحصر ہے کہ کچھ وعدے وعید آپ کو آپ کی اسی حیاتِ طیبہ میں ہم دکھا دیں یا کچھ وعدے کفار کی شکست قتل و غارت اور مسلمانوں کی شاندار عالمگیر فتوحات کی شکل میں اس وقت پورے کریں جب آپ کو ہم وفات دے دیں یعنی آپ کے بعد۔ لہٰذا آپ کی ذمہ داری تو فقط ہمارے تمام احکام کی تبلیغ بلیغ فرما دینا ہے۔ اور باقی سب حساب کتاب ہمارے ذمے ہے۔ آپ غمگین نہ ہوں ہم چن چن کر حساب لیں گے۔ حدیث پاک میں ہے کہ بندوں کے اعمالِ نیک و بد سے باری تعالیٰ بندوں کی تقدیریں لوح محفوظ سے مٹاتا ہے اور ثابت فرماتا ہے چنانچہ گناہوں سے رزق اور عمر گھٹتی ہے۔ نعمتیں سلطنتیں چھن جاتی ہیں۔ اور صلہ رحمی۔ والدین کی خدمت سے برکتِ رزق اور درازیِ عمر وصحت ملتی ہے۔ کثرتِ تلاوت اور خدمتِ قرآن مقدس اور درودِ پاک ہر وقت پڑھنے سے مفلسی غربت بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ اللہ تعالیٰ بندوں کے نامۂ اعمال سے جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے باقی رکھتا۔ ثواب و عذاب کے عمل باقی رکھتا ہے اور بیکار عمل مٹا دیتا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دینی دنیوی طور پر رب تعالیٰ نے جن بندوں کا درجہ اور مقام بلند فرمایا ہے اُن کا ثواب و عذاب بھی زیادہ ہے لہٰذا علما مشائخ مبلغین مقررین کا گناہ اور لغزشیں خطائیں بھلا اور عوام کے گناہوں غلطیوں سے زیادہ سخت ہیں ان کا عذاب وسزاءِ اُخروی زیادہ ہے یہ فائدہ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ تمام انبیاء کرام انسان ہی ہوئے ہیں اور تکمیل انسانیت یہ ہے کہ انسانیت کے تمام حقوق پورے کئے جائیں اِن ہی حقوق میں بیوی بچے بھی شامل ہیں گویا کہ انبیاء کرام کے گھر بار بیوی بچے اختیار فرمانا اُن کی عملی تبلیغِ نبوت ہے یہ برائی سمجھنا کفار کا کام ہے اسی طرح علما اولیا کی شان ہے یہ فائدہ لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ جس طرح تمام تخلیقاتِ الٰہیہ کے لیے ایک مدت اور وقت مقرر ہے اسی طرح احکام اور قوانینِ الٰہیہ کے لیے بھی وقت معین اور جس طرح موت

حیات عین حکمت خداوندی کے تحت ہے اسی طرح آیات کا نزول اور تنسیخ بھی عین حکمت سے ہے اور جس طرح نزول صرف زمانۂ نبوت میں ہی ہوتا ہے بعد میں قطعاً نہیں اسی طرح نسخ آیات بھی صرف زمانۂ نبوت میں ہوگا۔ نسخ آیات کی پوری تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔ اور جس طرح آیتِ قرآنیہ کی مکمل تفسیر حدیث پاک ہے باقی تمام تفسیریں اسی کے تحت ہیں اسی طرح آیاتِ قرآنیہ کے حکم کا نسخ حدیث پاک سے بھی ثابت ہے گویا یہ نسخ بھی تفسیر ہی ہے۔ یہ فائدہ اجل کتاب سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اسلامی فقہ کے مطابق ترک دنیا مسلمان کے لیے حرام ہے۔ جو مسلمان بلا مجبوری نکاح شادی نہ کرے اور تاحیات کے ارادے سے جنگل میں بیٹھ جائے اس کی عبادت ریاضت نامقبول ہے۔ یہ مسئلہ لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً سے مستنبط ہوا اس لیے تمام اولیاء اللہ غوث و قطب سنت انبیاء علیہم السلام پر عمل کرتے ہوئے دنیا داری میں رہے اور بستیوں میں ہی عبادت و ریاضت فرماتے رہے جنگلوں میں جانا عارضی چلہ کشی کے لیے ہوتا ہا **دوسرا مسئلہ**۔ اگر کوئی شخص کسی سے وعدہ کرے اور دوسرا جس سے کیا ہے وہ فوت ہو جائے اور وعدہ ایسا ہو کہ بعد وفات بھی اس کے وارثوں سے پورا کیا جا سکتا ہے تو ضرور پورا کرے اور یہ پورا کرنا شرعی فریضہ ہے یہ مسئلہ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فرمانے کی اشارۃ النص سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ اگرچہ بندے کے افعال تقدیر کے پابند ہیں مگر مجرم کو سزا و تعزیر ضرور ہوگی یہ مسئلہ یُثْبِتُ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا۔ قرآن مجید اتارا گیا۔ وہ خود تو حکم نہیں۔ اس میں قصص خبریں حمد و ثنا اور بہت کچھ ہے اس کو حکم کیوں کہا گیا اس میں تو حکم ہے مگر وہ خود نہیں۔

جواب۔ اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں دیا گیا کہ حکم بمعنیٰ محکم ناقابل نسخ۔ اس معنیٰ میں سارا قرآن مجید محکم ہے۔ اور حکم اپنے ہی معنیٰ میں ہو تو پھر سبب کو مسبب کا نام دیا گیا ہے کثرت حکم اور مبالغے کی وجہ سے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں قرآن مجید میں فرمایا گیا اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا اور جو نازل کیا جائے وہ حادث ہے لہٰذا قرآن حادث اور یہ قرآن عربی میں ہے عربی زبان حادث تو قرآن حادث۔ اور رب تعالیٰ نے اس کو حکماً عربیاً بنایا اور جس کو بنایا جائے وہ حادث لہٰذا قرآن حادث ہے (معتزلہ)

جواب۔ نزول حادث پر دلالت نہیں کرتا۔ حدیث پاک میں ہے رب نزول فرماتا ہے پہلے آسمان پر۔

اور عربی ہونا حروف والفاظ کے لیے ہے نہ کہ معانی یا کلام نفسی کے لیے اور اس میں اختلاف نہیں ہے کہ حروف حادث ہیں۔ اور الفاظ و حروف کے حادث ہونے سے قرآن پاک کا حادث ہونا لازم نہیں اور جعل سے بھی حدوث ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے لیے پوری وضاحت ہمارے فتاوی العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں رب تعالیٰ نے پانچ چیزیں ایسی بیان فرمائیں جن کا ظاہراً آپس میں کوئی رابطہ معلوم نہیں ہوتا۔

۱۔ پہلے فرمایا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا (الخ) پھر وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا (الخ) پھر وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ (الخ) پھر فرمایا لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ پھر فرمایا يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ اس کی مطابقت کیونکر ہو؟۔

جواب۔ یہ دراصل کفارِ مکہ کے اُن پانچ سوالوں کا جواب دیا گیا جو نبوت کے انکار پر کرتے تھے۔

نمبر ۱۔ کفار نے کہا نبی فرشتہ ہونا چاہیے رب تعالیٰ نے فرمایا ہم نے پہلے بھی انسان ہی رسول بھیجے ہیں۔ نمبر ۲۔ کفار نے کہا نبی کو تارک الدنیا ہونا چاہیے بیوی بچے نبوت کے خلاف ہیں۔ رب تعالیٰ نے جواباً فرمایا پہلے تمام انبیا کی بھی بیویاں اور اولاد ہوئی۔ نمبر ۳۔ کفار نے کہا ہمارے مرضی کے معجزہ کیوں نہیں دکھاتے لہٰذا نبی نہیں۔ رب نے جواب دیا مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ کسی بھی رسول اور نبی کو اپنی مرضی یا کفار کی مرضی کے معجزے دکھلانے کی اجازت نہیں رب پہلے رواب۔ نمبر ۴۔ کفار نے کہا۔ جس عذاب کا وعدہ کرتے ہو وہ جلدی لاؤ۔ رب نے جواب دیا لِكُلِّ اَجَلٍ (الخ) جلدی مت کرو ہر چیز اپنے وقت پر ہو گی۔ نمبر ۵۔ کفار نے کہا کہ اگر یہ سچے نبی ہیں تو پچھلی کتابوں دینوں اور اللہ کے سابقہ قانون کو منسوخ کیوں کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَآءُ یعنی نبی منسوخ نہیں کرتے بلکہ خود قانون اور کتابوں والا اپنی حکمت کے مطابق منسوخ کرتا اور باقی رکھتا ہے۔ ہماری اس تقریر سے ثابت ہو گیا کہ کوئی آیت بے جوڑ نہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ حُكْمًا عَرَبِيًّا۔ اور اُسی طرح ذہن و شعور والوں کے لیے ہم نے اپنے مضبوط حکم نافذ و نازل کئے ہیں تا قیامت قرب الٰہی کا بس یہی طریقۂ محمدیہ محکم مضبوط اور یقینی ہے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا وَاقٍ۔ عقل خرد اور بصیرت کے علم و فہم کے بعد اگر اے وادیِ شوق میں قدم رکھنے والے تو نے تصوف کا لبادہ اوڑھ کر نفس و شیطان اور اپنے روحانی دشمنوں کی پیروی کی اور مولویانہ شکل و صورت کو دامِ تزویر بنایا تو پھر تیری عزت عظمت رفعت کا اللہ کی طرف سے کوئی رکھوالا اور ولی مرشد نہ ہوگا اور نہ ہی ذلت روسیاہی اور دینی دنیوی سزا سے بچانے والا کوئی ہو۔ عاقل کو چاہیئے کہ اسی حیاتِ دنیوی کی مہلت کی گھڑیوں میں طلب وحدانیت کے لیے عبودیت کے راستے پر چل کر عالمِ ربوبیت تک پہنچنے کی ہمت

کرے اور اپنی ساری اَنا کی پونجی کو اسی راہ میں خرچ اور فنا کر دے اور اگر یہ ساعتیں ضائع کر دیں تو پھر نفاق کی ظلمتوں سے اخلاص کی روشنیوں کی طرف نکال کر لانے والا کوئی بھی ولی و مددگار نہ ملے گا۔ اور نہ کوئی بُعد کے عذاب اور شرکِ خفی کے حجاب سے بچانے والا ہوگا۔ پس اخلاص کا راستہ عبادت، ریاضت اور نفس کُشی اور روح کی پاکیزگی ہے۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ عبودیت وہ عمل ہے کہ جس کی اشرفیت مقامِ نبوت سے متصل ہو جاتی ہے۔ حالتِ عبادت ہی وہ زمانہ ہے جس میں نبی اور اُمّتی کا ایک نقشہ بن جاتا ہے۔ عارفین کاملین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ نبی کی عبدیت کا مقام اعلیٰ ہے یا نبی کی رسالت کا۔ متقدمین صوفیا فرماتے ہیں کہ نبی کی عبودیت کا درجہ اُسی نبی علیہ السلام کی رسالت سے بلند و ارفع ہے۔ اُس کے دلائل حسبِ ذیل ہیں پہلی دلیل یہ کہ ہر نبی اپنی عبودیت کی وجہ سے مخلوق سے خالق تک بارگاہِ قدس میں حاضر باش ہوتا ہے اور نبی اپنی رسالت کی بنا پر خالق تعالیٰ کے پاس سے مخلوق کے پاس آتا ہے۔
دوسری دلیل۔ تمام انبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی عبودیت باری تعالیٰ کی کفالت و قرب میں ہوتی ہے۔ عبدیتِ نبی خالصتًا بارگاہِ صمدیت کی ساعتوں میں ہوتی ہے اس وقت نبی کا کسی مخلوق سے رابطہ نہیں ہوتا اسی لیے عبادتِ نبوت کا کفیل اور مہماتِ انبیا کی اصلاح کی ذمہ داری رب تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہوتی ہے۔ مگر رسالت کا تعلق مخلوقِ کائنات سے ہوتا ہے۔ اور نبی اپنی تمام امت کے ہر فرد کے اصلاحِ حال کا کفیل ہوتا ہے۔ بعثتِ رسالت کا مقصد ہی مُہمات کی مُشکل کشائی و حاجت روائی ہے۔
تیسری دلیل۔ عبودیت مقامِ جمعیت ہے اور رسالت مقامِ تفرقی ہے جب انبیاءِ کرام عبادت میں شاغل ہوتے ہیں تو اپنے رب تعالیٰ کے پاس ہوتے ہیں اور اَبِیْتُ عِنْدَ رَبِّیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَ یَسْقِیْنِیْ کا ظہورِ جمال ہوتا ہے اور حالتِ رسالت میں مشغولیتِ خلق ہوتی ہے۔ چوتھی دلیل۔ کلمۂ شہادت میں عَبْدُهٗ پہلے ہے وَرَسُوْلُهٗ بعد میں ہے۔ پانچویں دلیل۔ عبدیت میں مقامِ کرامت و تشریف ہے کہ فرمایا گیا۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اور رسالت میں مقامِ تفضیل ہے متاخرین صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ رسالتِ انبیاء اعلیٰ ہے عبدیتِ انبیاء سے۔ پہلی دلیل رسالت کی وجہ سے ہی نبی کی عبدیت تمام مخلوق کی عبدیت سے اعلیٰ و اکمل ہے ابلیس ملعون محض عبدیت کی بنا پر نہ بچ سکا۔ کہ اگر واسطۂ رسول نہ ہو تو کسی کی عبودیت بارگاہِ الٰہی میں مقبول نہ ہو۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں اِتّباعِ حق شہد سے زیادہ میٹھی نور سے زیادہ سفید اور سورج سے زیادہ روشن لیکن بال سے زیادہ نازک ہے۔
حکایت: تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی شیرِ خدا مشکل کُشا بیمار ہو گئے تو صدیق اکبر فاروقِ اعظم عثمانِ غنی اُن کی عیادت (بیمار پُرسی) کرنے کے لیے تشریف لے گئے دیکھا کہ اُن کے پاس ایک نہایت سفید چمک دار طشتری میں خالص مصفّٰی شہد تھوڑا سا رکھا ہے اور اس میں کسی کا ایک بال پڑا ہے

علی مرتضٰی نے فرمایا شہد کھائیے توصدیق اکبر نے فرمایا ۔کھانے سے پہلے اس پر تبصرہ کیا جائے فاروق اعظم نے فرمایا کہ پہلے آپ ہی کچھ ارشاد فرمائیں ۔کیونکہ آپ ہم سب میں مکرم ہیں ۔توصدیق اکبر نے فرمایا ۔دین اسلام طشتری سے زیادہ چمک دار اور سفید ہے اور لذت ذکرِ الٰہی شہد سے زیادہ میٹھی ہے ۔اور شریعت زیادہ باریک ہے بال سے ۔اسی کی اتباع کا حکم دیا گیا ہے ۔پھر فاروق اعظم نے فرمایا کہ یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ جنت زیادہ منور ہے طشتری سے اور اس کی نعمتیں زیادہ میٹھی ہیں شہد سے اور لیکن اس کا راستہ جو شریعت کی گھاٹیوں طریقت کی تنگ گلیوں ۔اور جگہ جگہ لغزشوں گناہوں کے کانٹوں کی بنا پر زیادہ باریک ہے بال سے پھر عثمان غنی نے فرمایا کہ اشارہ یہ بھی ملتا ہے کہ قرآن مجید زیادہ نورانی ہے طشتری سے اور تلاوت قرآن زیادہ میٹھی ہے شہد سے اور اس کی تفسیر زیادہ باریک ہے بال سے ۔علی مرتضٰی نے فرمایا میرے مہمان زیادہ چمکدار ہیں اس طشتری سے اور آپ کی باتیں زیادہ میٹھی ہیں شہد سے ۔اور آپ کے پاکیزہ دل زیادہ باریک ہیں بال سے سارے اللہ ہمارے دلوں کو نور عرفان سے منور فرما اور ہم کو اسرارِ قرآن تک پہنچا۔ اس لیے کہ جب تک سرِ قرآنی کا فہم نہ ہو اتباعِ قرآن کریم ممکن ہی نہیں ۔بڑے بڑے علم کے دعویدار اسرارِ قرآنی سے ناواقف ہونے کی وجہ سے گمراہی کے اتھاہ ظلمتوں میں ڈوبتے چلے گئے ۔نبوت و رسالت کے سہارے کے بغیر قانونِ الٰہی کی پیروی بہت مشکل ہے اسی لیے اے حبیب کریم وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً ۔ وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ اور البتہ بیشک بھیجا آپ سے پہلے ہم نے بہت سے اپنے ازلی قانونِ الٰہیہ کے پیغام والوں کو ۔جن کو قلوبِ عارفین تک پہنچایا تاکہ وہ منزلِ طلب و مقصود تک پہنچنے کے لیے انبیاء و مرسلین کے نقشِ قدم کی پوری پوری اتباع کرتے ہوئے آستانۂ جلال اور دروازۂ جمال تک بآسانی پہنچ سکیں ۔اور اپنے رسولوں کے لیے جذباتِ حیاتِ دنیوی کی بیویاں ستھری اور منزہ خود ہم نے بنائیں اور نسلِ انسانیت کی تعلیم و تکمیل کے لیے ذریت بھی عطیہ فرمائی ۔انبیاء و مرسلین صلوٰۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگی تکمیلِ انسانیت کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے ۔صوفیا فرماتے ہیں کہ انسانیت چار حصوں میں منقسم ہے ۔نمبر۱۔ ابتداءِ انسانیت ۔نمبر۲۔ بلوغتِ انسانیت ۔نمبر۳۔ شبابِ انسانیت ۔نمبر۴۔ شیابِ انسانیت ۔اسی طرح انسان پر چار دور گزرتے ہیں ۔

نمبر۱۔ شریعت کا دور ۔نمبر۲۔ طریقت کا دور ۔نمبر۳۔ دورِ مریدی ۔نمبر۴۔ دورِ مرادی ۔اور ان تمام رستوں پر چلانے کے لیے اور ہر زمانے سے صدق و صفائی اور تزکیۂ نفس سے گزرنے کے لیے تعلیم نبوت اشد ضروری ہے اسی تعلیم سے انسانیت کی معراج ہے ۔یہی تعلیم بندوں کو فرشتوں سے بڑھانے والی ہے ۔قرب

الٰہیہ اور آستانۂ معرفت دامنِ نبوت ہی سے ملتا ہے۔ تکمیلِ بندگی کے لیے ہی انبیاء کرام مبعوث فرمائے جاتے ہیں۔ انبیاءِ کرام کی عملی تبلیغ سے انسان کی حیوانی شہوانی قوتیں لبادۂ ملکوتی اوڑھ کر ولایت کبریٰ اور وادیِ معرفت کی اونچی چوٹی پر پہنچ جاتی ہیں عالمِ ابتداء میں عنایاتِ ربانی سے انبیاء کرام کو سرفراز فرمایا جاتا ہے اور ان کی قوتِ بشریت حیوانیت ترقی فرماتی ہوئی ولایتِ روحانیت کے درجوں تک پہنچتی ہے۔ پھر وہاں ترقی کرتی ہوئی نبوتِ الٰہیہ اور رسالتِ ربانی تک عروج فرماتی ہیں۔ اس مقامِ قدس میں بشریت کے تمام تقاضے نفسانیت سے ہٹ کر شریعت و معرفت کے انوار سے منور ہو جاتے ہیں۔ یہی وہ مقامِ محبوبیت ہے جہاں بندے کا ہر دینی دنیوی عمل عین منشاءِ قدرت بن جاتا ہے پھر اس کا شہوت طبیعت۔ نفسانیت۔ عادت سے کوئی تعلق نہیں رہتا۔ ان ہی مخصوص بندوں کے لیے۔

وَجَعَلْنَا لَهُمْ کا ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اسی لیے انبیاءِ کرام کی تزویج اور ذریت اولاد سب کچھ شریعتِ ربانی اور خلافتِ الٰہیہ کا مظہر ہے۔ نبی کی ذات اور اولاد رب تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کا حقیقی مظہر ہے یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب باری تعالیٰ کسی شخصیت کاملہ کو اپنی شرافتِ خصوصیہ سے نوازتا ہے تو اس کے احکام بشریت کو مظہرِ صفاتِ خالقیت بنا دیتا ہے جس کو اہلِ دنیا اپنی کورِ باطنی اور کساوتِ قلبی کی بنا پر نہیں سمجھ سکتے اور زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا ہر کام ہی منجانب اللہ اور حکم خدا و اجازتِ الٰہیہ سے ہوتا ہے۔ شریعت ہو یا طریقت معرفت ہو یا حقیقت عالمِ ناسوت ہو یا لاہوت۔ جبروت ہو یا ملکوت۔ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ کسی رسول کے لیے یہ جائز نہیں یا ہمت نہیں کہ بغیر اجازتِ رحمانی اور حکمِ ربانی کوئی معجزہ مکاشفہ یا مشاہدہ ظاہر فرمائے۔ جب پیغمبرانِ نبوت کی شان و کیفیت یہ ہے تو ولایتِ صغریٰ و کبریٰ غوثیت و قطبیت تو آستانۂ نبوت کے ہمہ وقتی خدام و متمنی ہیں۔ ان کی کرامات اجازتِ نبوت کے بغیر کس طرح ظاہر ہو سکتی ہیں۔ لہٰذا اے راہِ سلوک کے طالبو اگر منزلِ مراد تک پہنچنا چاہتے ہو تو شیخ و مرشد سے خرقِ عادات کرامات کی طلب مت کرو۔ کیونکہ جس طرح معجزے کے طالب کفرِ ناسوتی میں مرتے ہیں اسی طرح کرامات کے طالب و جویاں کفرِ محرومی میں ہلاک ہو جاتے ہیں۔ بارگاہِ بے نیاز سے بے طلب ہر مراد ملتی ہے لیکن لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ہر چیز کے لیے فیصلۂ الٰہیہ میں لکھا ہوا ایک وقت ہے۔ اسی میں ظہور ہوگا۔ کسی جلد بازی سے وہ آگے ہو نہ پیچھے۔ اے طالبانِ منزل یہ راستے بڑے دراز صبر آزما اور کٹھن ہیں۔ ہر امر ایک وقت میں رہن رکھا ہوا ہے۔ مشائخ فرماتے ہیں کہ کچھ چیزیں کچھ وقت اور زمانے اور کچھ شخصیتیں رب تعالیٰ نے خاص بنائی ہیں۔ جن کے لیے قانون نہیں بلکہ قدرت ہے ان کو اُولوالعزم کہا جاتا ہے۔

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ وادیٔ فنا میں گراتا ہے وہ قدرتوں طاقتوں والا اللہ جس کو گرانا چاہتا ہے اور باقی رکھتا ہے رفعت وشان بقاحیاتِ دائمی سے اور اسی کے قبضہ واختیار میں ہے کائناتِ عالم کی روحِ تھا۔ جو تحریرِ تقدیری اُم کتاب ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بندے چھ قسم کے ہیں۔

نمبر۱۔ عوام۔ نمبر۲۔ اہلِ مشیت۔ نمبر۳۔ اہلِ ارادت۔ نمبر۴۔ خواص۔ نمبر۵۔ اخصّ الخواص۔ نمبر۶۔ اہلُ اللہ صوفیا کے مشرب میں اہلُ اللہ ہونا بندگی کا ارفع مقام ہے یہ صرف مرسلین کو عطا ہوتا ہے۔ لہٰذا اہلُ اللہ صرف انبیاء مرسلین ہی ہیں۔ باری تعالیٰ عوام میں سے جس کے چاہتا ہے اخلاقِ ذمیمہ مٹادیتا ہے اور اخلاقِ حمیدہ باقی رکھتا ہے اہلِ مشیتِ الٰہیہ میں سے جس کے چاہتا ہے اخلاقِ نفسانیہ مٹادیتا ہے اور اخلاقِ روحانیہ ثابت رکھتا ہے اہلِ ارادت میں سے جس کو چاہتا ہے اہلِ سعادت سے بنادیتا ہے اور اُس کے حرکاتِ رذیلہ مٹادیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اہلِ شقاوت سے بنادیتا ہے اور نیکیاں فنا کردیتا ہے وہ صمدِ بے نیاز ذات شقی کو سعید بنادے تو اس کی خیرات ثابت رکھتا ہے اور اگر سعید کو شقی کردے تو بدعملیاں قائم رہتی ہیں۔ وہ احکم الحاکمین اپنے بندگان خواص کے اخلاقِ روحانیہ کو مٹاتا ہے اور اخلاقِ ربانیہ کو ثابت فرماتا ہے۔ لیکن اپنے خواص الخاص بندوں کے نشاناتِ وجود کو ختم کرکے آثارِ جود کو ثابت فرماتا ہے اور اہلُ اللہ کے حظوظِ نفسانیہ کو محو کرتا ہے اور حقوقِ ربانی کو ثابت کرتا ہے یہاں تک کہ مشاہدۂ خلق سے ہٹاتا ہے اور شہودِ حق میں ثابت کردیتا ہے۔ اور خالق تعالیٰ جس کے چاہتا ہے آثارِ بشریت فنا کردیتا ہے اور انوارِ احدیت باقی رکھتا ہے۔ یہ جب ہے کہ بندہ خود کو مٹاتا ہے نورِ ربِ قدیر اُس کو ثابت کرتا ہے۔ بندہ نیازِ عجز سے جھکتا ہے تو مولےٰ نازِ محبوبی میں قائم کرتا ہے۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ رب تعالیٰ بندے کے جلال کو مٹاتا ہے جمال کو ثابت رکھتا ہے تکبر کو فنا دیتا ہے کیونکہ اسی کے پاس اُم کتاب یعنی قضاؤ قدر کی تحریر ہے روح البیان نے فرمایا کہ لوحِ قضا چار ہیں نمبر۱۔ لوحِ عقل۔ نمبر۲۔ لوحِ فضل۔ نمبر۳۔ لوحِ قدر۔ نمبر۴۔ لوحِ محفوظ۔ یہ سب تو عرشِ اعظم پر ہیں مگر قلبِ مومن سینۂ زاہدین رب تعالیٰ کے اُم کتاب ہیں اہلِ ظاہر کا سینہ صفالوحِ صوری ہے اور اہلِ باطن کا سینہ مذکیٰ لوحِ معنوی ہے۔ اِن کے واردات میں تغیر وتبدل کو محو واثبات کہا جاتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ لَآ اِلٰہَ محو ہے اور اِلَّا اللّٰہُ اثبات ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اُمّ الکتاب ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مظلوم کی بددعا سے رب محو فرماتا ہے اور محسن کی دعا سے يُثْبِتُ۔ اپنی بخشش ثابت فرماتا ہے۔ اے معرفتِ الٰہیہ کے خزانے لٹانے والے نبی حبیب تم کو مکاشفہ مشاہدۂ اسرار کے وہ بعض غیوب ہم نے دکھادیے۔ اور آئندہ کے ہونے

والے عذاب ثواب عقاب۔ عتاب کا مظاہرہ کرا دیا۔ یا کچھ اور بھی دکھائیں گے جن کے ازل میں ہم نے
مدت فرمائے یا بعد حیاتِ دنیوی بھی آپ کا مکاشفہ مشاہدہ باقی رکھیں اے نبی اور تا قیامت نبی کے
نام کو زمین و آسمان کے کونے کونے میں ہمارے نام کے ڈنکے بجانا اور شریعت کے میدانوں طریقت کے
علیا تو معرفت کی چوٹیوں حقیقت کے نار دلوں میں اسم الٰہی کی تبلیغ تم پر ہے۔ اور انکار و اقرار۔ سعادت و شقاوت
کا حساب ہم پر ہے۔ کس نے اِس عالم ناسوتی میں کس طرح لمحاتِ حیات گذارے اِس کا پورا پورا حساب و کتاب
ہم نے لینا ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَّعَلٰى آلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ

کیا نہیں جانا انہوں نے کہ بیشک ہم لا رہے ہیں زمین کو کم کر رہے ہیں ہم اسے
کیا انہیں نہیں سوجھتا کہ ہم ہر طرف سے اُن کی آبادی گھٹاتے

اَطْرَافِهَا ؕ وَاللّٰهُ يَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ ؕ

ہر طرف اُس کو اور اللہ قانون بناتا ہے کہ نہیں ہے پیچھے ڈالنے والا کو حکم اُس کے
آ رہے ہیں اور اللہ حکم فرماتا ہے اس کا حکم پیچھے ڈالنے والا کوئی نہیں

وَهُوَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۴۱﴾ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ

اور جلدی حساب لینے والا ہے ۔ اور بیشک مکر کیا اُنھوں نے
اور اُسے حساب لیتے دیر نہیں لگتی اور اُن سے اگلے فریب

مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا ؕ يَعْلَمُ مَا

جو سے پہلے ہیں اُن کے۔ تو لیے اللہ کے تدبیر ہے تمام ۔ وہ جانتا ہے کہ کیا
کر چکے ہیں تو ساری خفیہ تدبیر کا مالک تو اللہ ہی ہے جانتا ہے جو کچھ

تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ ۗ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ

عمل کرتا ہے ہر نفس اور عنقریب جان لیں گے کافر، لئے کس کے

کوئی جان کمائے اور اب جاننا چاہتے ہیں کافر کہ کسے ملتا ہے

عُقْبَى الدَّارِ ﴿٤٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ

ہے اچھا انجام ۔ اور کہتے ہیں وہ جو کافر ہوئے نہیں ہیں آپ

پچھلا گھر ۔ اور کافر کہتے ہیں تم رسول

مُرْسَلًا ۗ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَ

مرسل تم فرما دو ۔ کافی ہے اللہ کی گواہی درمیان میرے اور

نہیں تم فرماؤ اللہ گواہ کافی ہے مجھ میں اور

بَيْنَكُمْ ۙ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتٰبِ ﴿٤٣﴾ ع ۱۱

درمیان تمہارے اور اُس کے ۔ پاس ہے جس کے علم کتاب کا

تم میں اور جسے کتاب کا علم ہے ۔

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے محبوب آپ کے ذمے صرف تبلیغ اور سنانا ہے ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا حساب کتاب ہمارے ذمے ہے ۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ ہماری بارگاہ میں نہ بھول ہے کہ کسی کا حساب پیچھے چھوڑ دیں نہ سستی ہے کہ خواہ مخواہ دیر لگائیں بلکہ اللہ جلدی حساب لینے والا ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہر چیز کے لیے ایک وقت مقرر ہے اپنے وقت پر وہ ختم ہو جائے گی ۔ ان آیاتِ پاک میں بتایا جا رہا ہے کہ ہم دن بدن زمین کی چیزوں اور آبادیوں کو گھٹاتے چلے آ رہے ہیں جس سے بے ثباتئ دنیا اور قربِ قیامت کا پتہ چلتا ہے کیا یہ کافر غور نہیں کرتے ۔

تعلق - پہلی آیات میں نا سمجھ اور کم عقل مومنوں کو کفار کی اتباع سے روکا گیا تھا کہ علم حاصل کر کے دشمنوں سے بچو - اب یہاں کفار کے مکر و فریب کا ذکر ہو رہا ہے کہ کفار کا پرانا طریقہ ہے فریب کاری سے بھولے مسلمانوں کو دھوکا دینا مگر ہمارے سمجھدار بندے سب جانتے ہیں کہ رب تعالیٰ ہی کے قبضے میں ان کے سارے فریب ہیں

تفسیر نحوی اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۔ وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ ہمزہ سوالیہ استفہام انکاری کے لیے اس کے بعد ایک جملہ یُنْكِرُوْنَ مَاوَعَدْنَا هُمْ پوشیدہ اور معطوف علیہ بن رہا ہے - واؤ عاطفہ لَمْ یَرَوْا فعل نفی جحد بلم مضارع بمعنیٰ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب رَاٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا متعدی ہوتا ہے اَنَّا دراصل تھا اَنَّ نَا ۔ متصل ہے حرف تحقیق اور ضمیر جمع متکلم یہ ضمیر اسم اَنَّ ہے اور جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوگا لَمْ یَرَوْا کا ۔ درمیان کلام میں ہے اس لیے اَنَّ آیا ۔ نَاْتِیْ فعل مضارع معروف صیغہ جمع متکلم باب ضرب سے ہے ۔ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا ۔ لانا ۔ لاتے رہنا ۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہے ۔ اور ارادہ میں لانے کے معنیٰ میں ہے ۔ اَلْاَرْضَ ۔ الف لام عہد خارجی اَرْض سے مراد علاقہ بحالتِ زبر ہے مفعول بہ ہے نَاْتِیْ کا نَنْقُصُ فعل مضارع صیغہ جمع متکلم نَقْصٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ کم کرنا ۔ گھٹانا ۔ باب نصر سے ہے استمراری معنیٰ میں ہے ۔ یعنی گھٹاتے رہنا ۔ ھَا ضمیر منصوب متصل مِنْ جارہ تبعیضیہ اَطْرَاف جمع ہے طرف کی بمعنیٰ حصہ جزء ایک طرف ہونا ۔ کنارہ یہاں یہ ہی آخری معنیٰ مراد ہیں ھَا ضمیر کا مرجع ارض ہے ۔ بحالتِ جر ہے ۔ واؤ سرجملہ اَللّٰهُ اسم معرفہ مفرد بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے یَحْكُمُ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب اِس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے حُكْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فیصلہ کرنا ۔ معطوف علیہ ہے ۔ لَا حرف عطف یا لا نفی جنس ۔ مُعَقِّبَ اسم فاعل باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر ہے تَعْقِیْبٌ ۔ عَقِبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیچھے کرنا ۔ رد کرنا ۔ ہٹانا بدلنا ۔ مٹانا ۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں لام جارہ مفعولیت کا حُكْم اسم مفرد ذکرہ مخفضہ بمعنیٰ فیصلہ ۔ قانون ۔ بات ۔ ہٖ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر کا مرجع اللہ ہے ۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے مُعَقِّبْ کا ۔ اور مُعَقِّبٌ بحالتِ فتح پہلی صورت میں یہ جملہ اسمیہ معطوف ہے یَحْكُمُ کا اور دوسری صورت جب کہ لا نفی جنس ہو تو مُعَقِّبَ اسم لا ہے اور خبر پوشیدہ آخر میں مَوْجُوْدٌ ۔ مُعَقِّبْ کی تنوین سے مانع پہلی صورت میں فعل کے عطف کی وجہ سے بوجہ مشابہتِ فعل اور دوسری صورت میں اسم لا کی وجہ سے ۔ واؤ سرجملہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ سَرِیْعُ ۔ اسم صفتِ مشبہ بروزنِ فعیل بمعنیٰ اسم فاعل باب کرم سے ہے سُرْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جلدی کرنا ۔ جلد کرنا ۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں

بحالت رفع ہے کیونکہ خبر ہے ھُوَ مبتدا کی۔ تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے الحساب۔ الف لام عہدِ ذہنی یا استغراقی ہے۔ حساب مصدر ہے بروزنِ فعال اس سے ثلاثی مجرد شاذ کا پہلا باب حسب بنتا ہے حُسْبٌ اس کا مادہ ہے بمعنیٰ بدلا دینا۔ بدلا لینا۔ گذشتہ زندگی کی تفتیش کرنا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے سَرِیْعُ کا وہ خبر ہے مبتدا کی۔ وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا۔ يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ واؤ سرجملہ قَدْ مَكَرَ فعل ماضی قریب ببینہ۔ واحد مذکر غائب باب نصر سے ہے مَكْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ خفیہ تدبیر کرنا۔ فریب دینا۔ چال بازی کرنا۔ دھوکا دینا۔ یہاں آخری دو معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اِس کا فاعل اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر ظاہر اسم ہے اس لیے فعل ماقبل مَكَرَ واحد ہوا مِنْ زائدہ برائے تاکید۔ قَبْلِ اسم ظرف مجرور ہے مضاف ہے اسم جامد ہے بمعنیٰ پہلے۔ ہونا مقدم ہونا پہلے ہونا چار قسم کا ہوتا ہے۔

نمبر ۱۔ تقدم زمانی (وقتی) نمبر ۲۔ تقدم مکانی۔ نمبر ۳۔ تقدم رُتبی یعنی درجے اور بزرگی کا تقدم۔ نمبر ۴۔ تقدم تحریری۔ یہاں تقدمِ زمانی ہی مراد ہے۔ ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع لم یرد۔ والے موجودہ کافر ہیں۔ فَ حرفِ استیناف ہے یا زائدہ۔ لام جارہ ملکیت کا اللہ اسم ذاتی معرفہ ہے بحالتِ کسرہ ہے جار و مجرور متعلق ثابتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ اَلْمَكْرُ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ اکٹھا ہونا۔ سب ہونا۔ سارے کا سارا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ يَعْلَمُ۔ فعل مضارع معروف اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے عِلْمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ جاننا۔ واقف ہونا۔ مَا اسم موصول بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تَكْسِبُ فعل مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ۔ كُلُّ اسم تاکیدی جامد واحد لفظی جمع معنوی برائے استغراق ہے۔ مضاف ہے اس لیے تنوین نہیں آئی نَفْسٍ اسم مفرد نکرہ غیر معیّن لفظاً مؤنث ہے اس لیے تَكْسِبُ مؤنث ہوا باب ضرب سے ہے اور كَسْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کام کرنا۔ اعمال قلبی یا لسانی یا جوارح کرنا۔ واؤ سرجملہ سَ حرف تقریب ہے صرف مضارع کے ساتھ اوّل میں لگتا ہے اور مضارع کو مستقبل کے لیے معیّن کر دیتا ہے۔ حال کا معنیٰ نہیں ہونے دیتا۔ اسی لیے اِس کو حرفِ توسیع اور حرفِ تنفیس بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ مضارع کو حال کی تنگی سے ہٹا کر مستقبل کے وسیع زمانے سے خاص کر دیتا ہے یہاں تاکید کے لیے ہے۔ يَعْلَمُ فعل مضارع واحد مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے جاننا سمجھ جانا آنکھوں سے دیکھ لینا۔ پتہ چل جانا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے۔ تنبیہ و جھڑک کے لیے ہے اِس کا فاعل اسم ظاہر اَلْكُفّٰرُ ہے۔ الف لام استغراقی کفار اسم جمع مکسر ہے۔ اس کی واحد کافر ہے كُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شرک کرنا۔ لِمَنْ۔ لام جارہ نفع کا بھی ہو سکتا ہے ملکیت کا بھی مَنْ اسم موصول واحد غیر معیّن کے لیے آتا ہے یہاں سوالیہ ہے یعنی کون (کس) مَنْ خبریہ کا ترجمہ ذ نا

ہے جو۔ جار و مجرور متعلق ہے موجودٌ یا ثابتٌ پوشیدہ کے عُقبَیٰ اسم تفضیل مؤنث ہے اس کا مذکر اَلْعُقَبُ ہے یہ غیر منصرف ہے عُقْبٰی بروزنِ دُنیا اسم مقصور ہے عَقْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنی بہت پیچھے ہونے والی آخر آنے والی۔ مراد ہے آخرت۔ الدّار۔ الف لام عہدی ہے دار اسم مفرد نکرہ مخصوصہ معرف باللّام ہوا مراد ہے گھر۔ بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے عقبیٰ مرفوع مضاف کا۔ اور مرکب اضافی فاعل ہے پوشیدہ کا۔ خیال رہے کہ عقبیٰ الدار اور عاقبت جنّت کا لقب ہے اور عُقبَی النّار جہنّم کا لقب ہے وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا۔ قُلْ کَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًاۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وَمَنْ عِنْدَہٗ عِلْمُ الْکِتٰبِ۔ واؤ سر جملہ یَقُوْلُ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ بمعنی حال قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ زبان سے بولنا۔ باب نَصَرَ ہے اس کا فاعل اَلَّذِیْنَ موصول۔ جمع مذکر بحالتِ رفع اسم ظاہر ہے اس لیے یَقُوْلُ واحد آیا۔ کَفَرُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب۔ کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی شرک کرنا۔ یہ کَفَرُوْا اپنے فاعل ھُمْ ضمیر مستتر سے مل کر صلہ ہوا اور موصول صلہ فاعل ہے یَقُوْلُ کا۔ لَسْتَ فعل ناقصہ ماضی مطلق ہے صیغہ واحد مذکر حاضر اس کا اسم اَنْتَ ضمیر مستتر۔ اس کا پہلا صیغہ لَیْسَ ہے فعل منفی ہے۔ مُرْسَلًا۔ اسم مفعول باب افعال سے ہے صیغہ واحد مذکر ہے بمعنی بھیجا ہوا۔ رُسُلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا مصدر ہے ارسال۔ اصطلاحِ شریعت میں صاحب کتاب نبی کو مرسل کہا جاتا ہے۔ بحالتِ نصب ہے خبر ہے لَسْتَ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ مقولہ ہے یَقُوْلُ کا قُلْ فعل امر حاضر واحد مذکر قَوْلٌ اجوف واوی سے بنا ہے خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ کَفٰی فعل ماضی معروف یہ سب اگلی عبارت مقولہ ہے قُلْ کا باب ضَرَبَ سے ہے کَفْیٌ سے بنا ہے بمعنی کافی ہونا وافی ہونا اگر کَفٰی پہلے معنیٰ میں ہو تو اس کے فاعل پر بِ جارّہ خوبصورتی اور اظہارِ عظمت کے لیے آجاتی ہے کہ کفایتِ الٰہیہ عظیم چیز ہے۔ جیسے یہاں ہوا کہ کَفٰی فعل کا فاعل اَللّٰہُ ہے بِ جارّہ تزئین کے لیے زائدہ ہے اور لفظِ اللّٰہ ظاہراً بحالتِ کسرہ ہے مگر اعرابِ حکائی اور باطنی میں بحالتِ رفع اور اگر کَفٰی بمعنیٰ وَفٰی ہو (پورا کرنا) تو اس کے فاعل پر بِ جارّہ نہیں آسکتی۔ ایک قول میں فاعل پر کبھی بِ جارّہ نہیں آ سکتی اور یہاں کَفٰی کا فاعل بِاللّٰہِ نہیں بلکہ اَلْکِفَاءُ مصدر ہے اور بِاللّٰہ جار و مجرور اُس کا متعلق ہے۔ اَلْکِفَاءُ حذف ہوا کَفٰی کے قرینے اور بِاللّٰہ کی علامت کی وجہ سے۔ شَہِیْدًا اسم صفت مشبّہ۔ بروزنِ فعیل بمعنی شَاہِدًا اسم فاعل ترجمہ ہے گواہ شُہُوْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی مشاہدہ کرنے والا بحالتِ نصب ہے کیونکہ تمیز ہے لفظِ اللّٰہ کی بَیْنِیْ مرکب اضافی ہے بَیْنَ اسم ظرف مضاف ہے اور یْ ضمیر متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ واؤ عاطفہ ہو کر ظرف ہوا کَفٰی فعل کا۔ واؤ۔ عاطفہ۔ عطف ہے مَنْ اسم موصولہ کا بِاللّٰہِ پر۔ عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مظروف اور مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مَنْ ہے۔ یہ مرکب اضافی ظرف

ہے ثابتٌ یا موجودٌ پوشیدہ کا ثابتٌ یا موجودٌ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا۔ اور موصول صلہ مبتدا ہوا علم۔ مصدر اور اسم جامد حاصل مصدر۔ بحالتِ رفع کیونکہ خبر ہے مبتداکی الکتاب۔ الف لام عہدِ خارجی کتاب بمعنی مکتوب۔ مضاف الیہ ہے علم کا۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا وَاللّٰهُ یَحْكُمُ لَا مُعَقِّبَ لِحُكْمِهٖ وَهُوَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ اے پیارے نبی کیا ان کفارِ مکہ نے یہ محسوس نہیں کر لیا کہ ہم مالکِ کائنات کفر کی حکومتوں کو اور علاقۂ سلطنت کو اس طرح گھٹا رہے ہیں کہ دن بدن کم کر رہے ہیں اُن کے اطراف سے یا اس طرح کہ اُن کے گمراہ گر سردار قتل وغیرہ سے مر رہے ہیں یا اس طرح کہ اُن کی زمینیں مسلمان غازی مجاہد فتح کر رہے ہیں اسلامی سلطنت بڑھتی جا رہی ہے یا اس طرح کہ کافر عوام اسلام قبول کرتے جا رہے ہیں جس سے کفر کا زور ٹوٹتا جا رہا ہے اور مسلمانوں میں قوت آ رہی ہے۔ سردارانِ کفر ذلیل ہو رہے ہیں مسلمانوں کی عزتیں بلند ہو رہی ہیں یا اس طرح کہ اُن کے مال برباد ان کی کھیتیاں اجڑ اور اُن کے باغ ویران ہو رہے ہیں برکتیں ختم ہو رہی ہے غربتیں اور تنگدستیاں آ رہی ہیں کیا اب بھی کسی آیتِ آسمانی کا مطالبہ اور انتظار کریں گے کیا یہ ذلت آمیز زندگی ان کے لیے عبرت کا سامان نہیں۔ اور کیا ان ہی فتوحاتِ اسلامیہ اور غلبۂ صحابہ مومنین سے صداقتِ اسلام اور بُطلانِ شرک و بت پرستی ثابت نہیں ہوتی اب مزید نشانی کی کیا حاجت؟ اَطراف سے مراد زمین کے کنارے بھی ہیں۔ امیر لوگ علما اور مذہبی رہنما بھی ہیں۔ اور مال و دولت بھی ہے۔ کیونکہ طرف کا ترجمہ ہے کنارہ اور کنارہ وہ ہوتا ہے کہ آنے جانے میں جس کی طرف رُخ کیا جائے جس کی بہر حال حاجت ہو۔ اسی معنیٰ میں دنیوی اعتبار سے اُمرا اور سرداروں کی طرف۔ دینی مذہبی اعتبار میں علما اور مذہبی پیشواؤں کی طرف۔ مشکلات میں مال و دولت کی طرف آنا جانا لوٹنا متوجہ ہونا ہوتا ہے اس لیے ان کو بھی اطراف کہا جاتا ہے۔ اس میں اُن کُفار کا ذکر ہے جنہوں نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے آسمانی نشانیوں اور غیب کی پیشگوئیوں کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کو بتایا جا رہا ہے کہ تم سے کہا گیا تھا کہ تم کو ذلت بربادی اور شکست نصیب ہو گی اور مسلمانوں کو عزت و فتح نصیب بتاؤ ایسا ہی ہوا کہ نہیں کیا یہ غیبی خبر آسمانی آیت نہیں؟ اللہ کے فیصلہ کو۔ کوئی رہ کنے رد کرنے۔ لوٹانے مٹانے والا نہیں وہ جو چاہتا ہے فیصلہ کر دیتا ہے۔ لہٰذا اُس نے کفار کو ذلیل اور مسلمانوں کو عزت دینے کا فیصلہ فرما لیا ہے۔ اِس فیصلہ کو توڑنے کے لیے کفار کتنا ہی زور لگائیں لشکر بنائیں قتل و غارت کریں مال و دولت خرچ کریں پنڈت پادری اپنا زور بیان اور اثر و رسوخ استعمال کر کے قوموں میں انتقام کی آگ بڑھکا دیں مگر پھر بھی سب برباد و بیکار ہے اللہ کا فیصلہ نہ ٹلنے والا ہے کیونکہ اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ بہت جلدی حساب لینے والا ہے دنیا میں ذریعۂ جہاد انتقام سے

اور آخرت میں بذریعہ ملائکہ حشر و نشر کے حساب اور عذاب۔ خیال رہے کہ چار قوموں سے دنیا آباد ہے اور ان ہی چار قوموں سے دنیا برباد اور ویران ہے۔

نمبر۱۔ عالم حق گو باعمل۔ نمبر۲۔ زاہد بے ریا۔ نمبر۳۔ ایماندار تاجر۔ نمبر۴۔ نمازی مجاہد۔ عالم باعمل۔ وارث انبیاء ہیں۔ زاہد بے ریا اولیاء اللہ زمین کے ستون ہیں تاجر ایمان دار۔ اللہ کے امین ہیں سپاہی مجاہد اللہ کا لشکر ہیں۔ ان ہی کے دم سے زمین آباد ہے۔ جب علماء اٹھ جائیں گے فوت ہو جائیں گے اور جاہل مغرزین خطیب مفتی بن جائیں گے تو زمین کی بربادی اور نقصان اطراف ہے۔ اسی طرح بے عمل ابن الوقت عالم۔ ریا کار زاہد پیٹ پرستی کے لیے مریدوں میں دورے کرنے والا پیر۔ بد دیانت ملاوٹ خور ذخیرہ اندوز تاجر۔ ملک و مال گیری کے لیے جہاد کرنے والے مجاہد اور لشکری فوجی۔ یہ لوگ دنیا کی بربادی اور ویرانی کا سبب ہیں وَقَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلِلّٰهِ الْمَكْرُ جَمِيْعًا يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ، وَسَيَعْلَمُ الْكُفّٰرُ لِمَنْ عُقْبَى الدَّا اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان کفار مکہ یا یہود مدینہ نے کوئی انوکھی یا زیادہ سخت مکاریاں فریب کاریاں نہیں کی ہیں ان سے پہلے زمانوں کے کافر بھی انبیاء کرام کے مقابلے میں بڑی بڑی مکاریاں کرتے رہے جب وہ ہمارے انبیاء عظام رسولان کرام کا کچھ نہ بگاڑ سکے تو یہ تو بالکل ہی کمزور ہیں ان کی مکاریاں اور ان کی مکاریاں بھی سب رب کے قبضے میں ہیں۔ ہزار تدبیریں کریں لاکھوں داؤں پھیلائیں۔ کتنی ہی خفیہ چالیں چلیں مگر سب کی سب مکر ہی ہیں۔ تدبیر کا نشانہ اور مخالفت کا تیر جب دشمن کو لگ جائے تو وہ تدبیر کہلاتی ہے۔ اس کو کامیاب چال کہا جائے گا۔ لیکن جب مخالف کو وہ تیر نہ لگے اور چلانے والے کا تیر ضائع جائے تو وہ مکر ہے۔ کافر لوگ مسلمانوں کے خلاف بہت چال بازیاں فریب کاریاں کرتے ہیں مگر اللہ جانتا ہے ہر شخص کو کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اور مسلمانوں کو آگاہ فرما دیتا ہے۔ مسلمانوں کو بچا لیتا ہے کفر ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے اس لیے ان کی ہر تدبیر کو مکر کہا گیا ہے۔ ہاں البتہ جب اللہ تعالیٰ کسی طریقے سے کافروں بے دینوں کو ذلیل کرنا چاہتا ہے تو کر ہی دیتا ہے کوئی کافر اس کے تیر قضا سے بچ نہیں سکتا لہٰذا باری تعالیٰ کے ہر فعل کو تدبیر کہا جاتا ہے۔ اور کافر کے ہر فعل کو مکر۔ نامعلوم یعنی خفیہ طریقے سے کسی کو اچھا یا برا بدلہ دینا۔ برائی یا نیکی اس کو تدبیر کہتے ہیں ظاہر ظہور بدلہ دینا اس کو قانون کہتے ہیں۔ صرف دشمنی کی بنا پر تکلیف پہنچا دینا اس کو فریب کہتے ہیں۔ اور پہنچانے کی کوشش کرنا پہنچا نہ سکتا اس کو مکر کہتے ہیں۔ لہٰذا دنیا میں کسی کو گناہوں کی سزا جزا ملنا قانون نہیں ہے تدبیر ہے۔ آخرت کی سزا جزا قانون ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ خیر و شر کا خالق اللہ ہی ہے تمام مکر بھی اسی کی مخلوق ہے۔ جسے چاہے اس سے نقصان پہنچنے دے جسے چاہے نہ پہنچنے دے یہ کہ۔ اور دیگر تو صرف مظہر ہیں اور ذریعہ، مصدر ہیں۔ جیسے کمان۔ اور بندوق صرف گولی و تیر کے مظہر و مخرج و مصدر ہیں گولی و تیر کو

نشانہ پر لگانا ان کا کام نہیں۔ اسی طرح کفار مکہ کے فقط مخرج ہیں بلکہ چونکہ مخرج بننے میں اُن کو اختیار دیا گیا اور گناہ کا مخرج بننا ومظہر ہونا بھی گناہ اس لیے اس کے قبضہ وقدرت میں ہے کہ ان کو اس اختیار کے ناجائز استعمال پر سزا دے۔ اور ایمان والوں کو بچائے۔ اس کا ثبوت اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ذاتِ پاک باری تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ ہر شخص کے عمل کو جانتا ہے جو بھی وہ اچھا یا بُرا عمل کرے۔ یہ تو دنیا کی چندروزہ زندگی ہے جس کو محسوس نہیں کرتے نیک وبد کی تمیز نہیں۔ ہر شخص اپنی اپنی جگہ مست وخوش وخرم پھر رہا ہے۔ اور معیارِ صداقت دنیوی جاہ جلال کو سمجھ بیٹھے ہیں۔ مگر اس دنیا کے خاتمے پر میدانِ محشر میں کافر لوگ جان جائیں گے کہ کس کے لیے ہے آخرت کا اچھا گھر کفار کا خاص کر اس لیے ذکر کیا کہ اگرچہ ظاہری آنکھوں سے تو سب ہی مومن وکافر وہاں ہی دیکھیں گے۔ لیکن عقیدے۔ یقین اور ایمان کے طریقے سے مومن مسلمان یہاں بھی جانتے ہیں کہ لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ کس کے لیے ہے۔ آخرت کا اچھا گھر۔ اور یہاں کافر سمجھتے تو ہیں مگر عقل وشعور سے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ اے پیارے نبی یہ کافر یہود مدینہ کہتے پھرتے ہیں کہ آپ نہیں ہیں مُرسل یعنی صاحب کتاب یا رسول یعنی صاحب شریعت یا آپ کی کے نبوت کے منکر ہیں۔ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے انکار یا قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا انکار مراد ہے یا اسلامی قانون اور شریعت کے خدائی قانون ہونے کا انکار مراد ہے یا سرے سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کا انکار مراد ہے۔ مگر درپردہ تینوں انکار ہیں۔ اس لیے نَبِيًّا۔ رَسُولًا نہیں فرمایا۔ بلکہ مُرْسَلًا فرمایا جو جامع کمالات لقب ہے۔ ان آیات کے سب فعل مضارع اگر بمعنی حال ہوں تو ان کا قول درست ہے جنہوں نے فرمایا کہ سورتِ رعد کی یہ آیت مدنی ہیں باقی آیات مکی ہیں۔ اور اگر یہ سب مضارع بمعنی مستقبل ہوں تو یہ آیات بھی مکی ماننی پڑے گی اور ان کا قول درست متصور ہوگا جنہوں نے کہا کہ سب سورتِ رعد مکی ہے اور گویا یہ آیت غیبی پیشین گوئی ہے۔ ترجیح پہلی بات کو ہے۔ اس قول کا قائل عبداللہ بن اُبی اور رؤساء یہود مدینہ تھے اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب اپنے حبیب ہی کی زبان سے کہلوایا۔ کہ فرمادو کافی ہے گواہی یا تائید یا تسلی یا تقویت۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت کے طریقہ سے میرے اور تمہارے درمیان۔ گواہی چار قسم کی ہوتی۔

نمبر ا۔ قولی گواہی کہ کوئی کہدے کہ یہ شخص ایسا ہے۔ نمبر ۲۔ فعلی گواہی۔ خود مدعی میں ایسے نشانات وعلامات ہوں۔ جو بتادیں کہ دعویٰ درست ہے جیسے انبیاءِ کرام کے معجزے اور اولیاء اللہ کی کرامات۔ یہ گواہی پہلی گواہی سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے۔ نمبر ۳۔ اپنوں کی گواہی۔ نمبر ۴۔ غیروں کی گواہی یہ گواہی اپنوں کی گواہی سے مضبوط ہوتی ہے ان آیات کا طرزِ بیان شاندار ہے کہ چاروں قسم کی گواہیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔ پہلی گواہی رب تعالیٰ (۱) قولی گواہی جو نزول سے ثابت ہے دوسری گواہی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے بیشمار معجزات عطا فرمادئے۔

تیسری گواہی مَنْ عِنْدَہٗ سے ثابت ہوئی۔ اس میں مفسرین ورادیان کا اختلاف ہے کہ مَنْ سے کون لوگ مراد ہیں اور کتاب سے کونسی کتاب مراد ہے۔ پہلا قول۔ مَن سے مراد اللہ تعالیٰ اور کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ اور ترجمہ اس طرح ہوگا کہ کافی ہے مجھ کو اللہ ایسا گواہ جس کے پاس لوحِ محفوظ کا علم ہے۔ مگر نحوی قانون سے یہ تفسیر درست نہیں کیونکہ اس معنیٰ میں مَنْ موصولہ صفت ہوگی اللہ کی حالانکہ قانونِ نحو میں موصوف کا عطف صفت پر جائز نہیں۔ اگر یہ مطلب ہوتا تو واؤ عاطفہ نہ آتی۔ دوسرا قول۔ مَن سے مراد خلفاء راشدین اور کتاب سے مراد قرآن مجید۔ تیسرا قول مَنْ سے مراد نو مسلم علماء یہود یعنی عبداللہ بن سلام۔ کعب احبار تمیم داری۔ سلمان فارسی۔ اور کتاب سے مراد توریت زبور انجیل۔ مگر یہ تفسیر اسی صورت میں درست ہے جب ان آیات کو مدنی مانا جائے کیونکہ یہ حضرات رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد ہجرت مسلمان ہوئے۔ چوتھا قول۔ مَنْ سے غیر مسلم اہل کتاب یہود و نصاریٰ کے راہب پادری مراد ہیں اور کتاب سے مراد توریت وانجیل ہے اور روئے سخن کفار مکہ کی طرف ہے۔ یہ اُن کا قول ہے جو ان آیات کو بھی مکی مانتے ہیں۔ مگر صحیح راجح قول تیسرا ہے۔ مکی مدنی ہونے میں اختلاف بعد کی پیدا وار ہے ورنہ کوئی روایت ایسی نہیں جو اِن آیت کو مکی فرمائے۔ واللّٰہُ اَعْلَمُ بالصّواب۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا کی زندگی میں خوش ہونے کے لیے بس اتنا کافی ہے کہ غلامیِ مصطفٰے علیہ التحیۃ والثناء مل جائے اور اس غلامی کے طفیل دینی دنیوی جو مقام ومرتبہ بھی مل جائے قابلِ فخر ہے دیکھو ان آیات میں مسلمانوں کی فتوحات۔ امیرانہ زندگی باغ وبہار۔ عیش وعشرت کو اسلام کی حقانیت کی دلیل بنایا جارہا ہے۔ حالانکہ یہی مال و دولت۔ عیش وعشرت جب دامنِ نبی سے ہٹ کر ملتا ہے تو حسرت کا سامان اور ذلیل بنادیا جاتا ہے بلکہ مسلمانوں کو سمجھایا جاتا ہے کہ اِن کے مال و دولت کی طرف مت دیکھو یہ ان کی حقانیت کی دلیل نہیں۔ ثابت ہوا کہ حقانیت وصداقت صرف الفتِ مصطفیٰ میں ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیوی زندگی میں سب سے بڑی نعمت علم ربانی کا ملنا ہے دیکھو رب تعالیٰ نے اپنی گواہی کے ساتھ علماء کی گواہی کو رکھا۔ دوسرے یہ کہ علم سے نبوت کو بھی فائدہ پہنچ جاتا ہے کیونکہ گواہ سے مدعی کو فائدہ ہے حالانکہ دنیا کی کوئی چیز نبوت کو فائدہ نہیں پہنچا سکتی بلکہ نبی اور نبوت سے عالم کو فائدہ ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ نبی پاک اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے مومن بھی قبر حشر نشر کے حالات اور انجام سے خبردار ہیں بے علم اور بے خبر وہی ہے جو دروازۂ مصطفٰے سے دور ہے۔ دیکھو یہاں سَیَعْلَمُ کا تعلق کفار سے ہے نہ کہ مسلمانوں سے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند مسئلے مستنبط ہوئے۔
پہلا مسئلہ۔ یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا گواہ خود اللہ تعالیٰ ہے۔ اور گواہی کیا ہے۔ آپ کے معجزات کمالات۔ علم غیب۔ نورانیت۔ وغیرہ تو جو حضور اقدس کے معجزات و کمالات کو نہ مانے وہ بے دین ہے اور ماننا واجب ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ یہ کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے نبی ہیں کیونکہ کفیٰ باللہ اور عقبیٰ الدار سے انتہا کا ہی اشارہ مل رہا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ جب اللہ ہی کے قبضے میں سارے مکر ہیں تو مکار کو مکر کی سزا کیوں۔
جواب۔ اس کا جواب تفسیر میں دیا کہ اختیار اعمال بندے کو دیا گیا۔ اس اختیار کو ناجائز استعمال کرنے پر بندے کو سزا ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ علما صوفیا فرماتے ہیں کہ جلدی کرنا شیطان کا کام ہے مگر یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔
جواب۔ اولاً تو یہ ہی متعین نہیں کہ سرعت کے معنیٰ جلدی کرنا ہے۔ کیونکہ لغوی لحاظ سے سرعت کے معنیٰ یقینی ہونا بھی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ یقینی حساب لینے والا ہے۔ اور سرعت کے معنیٰ قابو میں رکھنا بھی ہے یعنی اللہ تعالیٰ قابو میں رکھنے والا ہے۔ ان معنیٰ کے اعتبار سے اعتراض باقی نہ رہا۔ ثانیاً اگر جلدی کرنا ہی معنیٰ کیے جائیں تو جلدی کی دو قسمیں ہیں ایک عجلت یہ منع ہے جس کو جلد بازی کہا جاتا ہے یعنی حصول و طلب اور ابتدا کی جلدی یہ بندے کے لیے منع۔ دوم سرعت یعنی جلدی بٹانا یہ جائز ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ رب فرماتا ہے ہر مکر اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہے پھر تم لوگ اولیاء اللہ کو نفع نقصان پہنچانے والا حاجت روا مشکل کشا کیوں مانتے ہو۔ (وہابی دیوبندی)۔
جواب۔ یہاں نقصان وہ چیز یعنی مکر کا ذکر ہے اور پھر کفار کا ذکر ہے۔ لیکن اسلامی عقیدہ اہلسنت کا اولیا کے نفع کے متعلق ہے جو قرآن و حدیث میں بہت جگہ ثابت ہے یہاں نقصان کی نفی کا اشارہ ہے لیکن ہم اولیاء اللہ کے نفع پہنچانے کے قائل ہیں۔ نہ کہ نقصان کے۔

تفسیر صوفیانہ

دنیا کے گرداب ہلاکت میں میٹھی نیند سونے والوں نے کیا ابھی نہیں دیکھا کہ ہم خالق اجسادِ عالم دن بدن ان کی جسمانی زمینوں یعنی قالب کی ظاہری باطنی قوتوں کو گھٹا رہے ہیں۔ بچپن کے بعد جوانی تک عروج کی منزلیں ہیں یہ تو ہوش کا وقت تھا اسے خرمستیوں میں گزار دیا۔ پھر ہر قوت کو فنا اور ہر منزل کو دوری ہے۔ اور اے نفس امارہ کیا تو نے نہ جانا کہ ہم راہِ سلوک کے مسافروں مجاہدوں کے ذریعے تیری شیطانی لذات کی علاقائی زمین کم کرتے جا رہے ہیں۔ اور نفس مطمئنہ کی سلطنت کو وسعت بخش رہے ہیں

اور اللہ کا ازلی فیصلہ ہے وہ جیسا چاہتا ہے فیصلہ فرماتا ہے کوئی سرکشی قوت اُس کے جبروتی حکم کو پھیر نہیں سکتی ۔ جوانی کی جنونی لاأبالیاں پہلے سے ہی کیئے مکروفریب سے بڑھاپے کو دھوکر دیتے چلے آرہے ہیں اور سمجھنے سمجھانے کی یہی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ابھی جوانی کی بہت وسیع سلطنت ہے۔ مگر یہ ساری باگ ڈور تو ہمارے قبضے میں ہے۔ نفس و نفسانی لوگ اپنے جسم واعضا کے ساتھ جو کچھ مکاریاں کر رہے ہیں یا کرنا چاہتے ہیں ۔ وہ اللہ سب کو جانتا ہے ۔ اور جب اچانک موت کا نقارہ بج جائے گا ۔ جو نہ بچے کو دیکھے نہ جوان و بوڑھے کو چھوڑے تو پھر معلوم ہوگا کہ نفس امارہ کامیاب ہے یا نفس مطمئنہ ۔ شیطانی بندے کامیاب ہیں یا رحمانی ۔ شیطان کے پھندے میں جکڑے ہوئے قرین شیطانی تو اے پیارے نبی آپ کی شان و قوت ۔ سلطنت و شہنشاہی کا انکار ہی کرتے رہتے ہیں وہ تو اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے رہیں گے ۔ اُن کو کیا معلوم کہ قلب مومن میں چمکنے دمکنے والا احامد ناظر نور یہی محمد مصطفی ہے ۔ آپ کو قوتیں طاقتیں اختیارات دینے والا رب تعالیٰ آپ کو کافی ہے ۔ اور وہ سینہ اولیا و قلوب اصفیا اور عقول علماء آپ کے لیے کافی گواہ ہیں جن کے سینہ و قلب و دماغ میں نور معرفت اور اسرار الٰہیہ کی کتابوں کے علمی خزانے موجود ہیں ۔

سورۃ رعد کے کچھ فضائل و فوائد :-

مشائخ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر روز رات کو ایک دفعہ سورت رعد کی تلاوت کرتا رہے انشاء اللہ تعالےٰ دشمن اُس سے ڈرتے رہیں گے اور جو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا وہ خود نقصان اُٹھائے گا ۔ اگر کوئی بچہ بہت روتا ہو تو یہ سورت انیس ۱۹ دفعہ پڑھ کر دم کرے اول آخر درود شریف تین دفعہ تو بہت فائدہ ہو اور بچہ خوش و خرم رہے ۔ اگر کسی شخص کو جنات یا جادو کا خطرہ ہو تو اس کا تعویذ لکھ کر بشرطیکہ زکوٰۃ تعویذ ادا کر دی ہو یا کسی عامل سے لکھوا کر گلے میں پہنے تو انشاء اللہ تعالیٰ تمام مصیبتوں سے محفوظ رہے گا ۔ اس کی زکوٰۃ علماء کرام یا صوفیاء تعویذات سے پوچھی جائے یا ہمارے سلسلہ قادری نعیمی رضوی عاملین سے پوچھ لی جائے ۔ اُس کے عدد کل ۶۹۲۴۴۲ ہیں ۔ تعویذ کا نقشہ لکھ دیا گیا ہے اگر کسی شہر یا ملک میں ظالم حاکم افسر آگیا ہو جو ظلماً رعایا عوام یا ماتحتوں کو ستاتا ہو تو گرجتے بادل برستے میں کاغذ پر یہ سورت رعد لکھے اور بارش کے پانی سے دھو کر وہ پانی اُس کے گھر میں ڈالدے انشاء اللہ حاکم

۷۸۶

٨١٥٦٥	٨١٥٦٠	٨١٥٦٧
٨١٥٦٦	٨١٥٦٤	٨١٥٦٢
٨١٥٦١	٨١٥٦٨	٨١٥٦٣

معمول ہو۔ اس کی ایک آیت ۱۳ یُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ وَالْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيفَتِهٖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ۔ یعنی آیت ۱۳ مِنْ خِيفَتِهٖ تک پڑھ کر اور اگلی عبارت جوڑ کر۔ اس وقت پڑھے جب بادل کڑکتا ہو تو جب پڑھتا ہے گا۔ بادل نہیں کڑکے گا۔ اور بجلی نہیں گرے گی۔ حضرت حکیم الامت نے فرمایا کہ یہ عمل آسمانی بجلی سے بچنے کے لیے مجرب ہے۔ نیز یہی پوری آیت اگر ٹڈی اور دشمن یا مخالف کے شور و غل کے وقت پڑھی جائے تو ٹڈی کا شور بند ہو جائے۔ احادیث میں بھی اس کی تلاوت کا بہت ثواب لکھا ہے۔ جو شخص روزانہ اس کو ورد کرے گا کثرت ثواب قیامت میں پائے گا۔ جیل سے رہائی کے لیے اکیس ۲۱ دفعہ دوپہر کے وقت قبل نماز ظہر۔ لیکن مکروہ وقت گزار کر یا پہلے تلاوت کرے۔ اور آخر میں صرف ایک مرتبہ سجدہ تلاوت ادا کرے ایک ہی جگہ باوضو بیٹھ کر اول آخر درود شریف ۱۱ دفعہ پڑھے انشاء اللہ جلدی رہائی ہو۔ چلہ پورا کرے اگرچہ رہائی پہلے ہو جائے (از نافع خلائق) لیکن زیادہ بہتر ہے کہ مغرب و عشاء کے درمیان پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ شُكْرًا جَزِيلًا وَّ اِنْعَامًا كَرِيمًا۔ کہ آج مورخہ ۲۳ شوال المکرم مطابق گیارہ جولائی بروز جمعرات بعد نماز عصر قبل نماز مغرب تیرھواں پارہ سورۂ رعد کی آخری آیت تک مکمل ہوئی اب آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ بروز دوشنبہ مبارکہ ۱۵ جولائی ۱۹۸۵ء مطابق ۲۶ شوال ۱۴۰۵ھ تفسیر عالمانہ شروع کروں گا۔ اب تک جن عربی تفاسیر سے استفادہ کیا گیا۔ وہ حسب ذیل ہیں۔ نمبر ۱ روح البیان۔ نمبر ۲۔ روح المعانی۔ نمبر ۳۔ مدارک نمبر ۴۔ خازن۔ نمبر ۵۔ جمل۔ نمبر ۶۔ صاوی۔ نمبر ۷۔ فخر الدین رازی۔ نمبر ۸۔ مظہری۔ نمبر ۹۔ ابن کثیر۔ نمبر ۱۰۔ عرائس البیان۔ نمبر ۱۱۔ تفسیر نسفی۔ نمبر ۱۲۔ تفسیر الالفاظ۔ نمبر ۱۳۔ اسئلۃ الرازی۔ نمبر ۱۴۔ طبری۔ نمبر ۱۵۔ جلالین۔ نمبر ۱۶۔ بیضاوی۔ نمبر ۱۷۔ ابن جریر۔

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ

ایک کتاب ہے اتارا ہم نے جس کو تاکہ آپ نکالیں تمام لوگوں کو سے

ایک کتاب ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اتاری کہ تم لوگوں کو

الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ

اندھیروں طرف نور کے۔سے حکم رب کے اپنے۔ طرف راستے

اندھیروں سے اُجالے میں لاؤ اُن کے رب کے حکم سے اُس کی راہ کی طرف

الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝١ اللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

عزت والے تعریف والے کے اللہ وہ ہے کہ۔کا اُسی ہے جو میں آسمانوں

جو عزت والا سب خوبیوں والا ہے۔ اللہ کہ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ

اور جو میں زمینوں کے ہے اور ہلاکت ہے کافروں کے سے عذاب

اور جو کچھ زمین میں اور کافروں کی خرابی ہے ایک سخت عذاب سے

شَدِيدٍ ﴿٢﴾ الَّذِينَ يَسْتَحِبُّونَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

سخت وہ کافر جو محبت رکھتے ہیں زندگی دنیوی سے

جنہیں آخرت سے دنیا کی زندگی پیاری ہے

عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وَ

بدلے آخرت کے اور روکتے ہیں سے راستے اللہ کے اور

اور اللہ کی راہ سے روکتے اور اس میں کجی چاہتے

يَبْغُونَهَا عِوَجًا ۚ أُولٰٓئِكَ فِي ضَلٰلٍۢ بَعِيدٍ ﴿٣﴾

تمنا کرتے ہیں اس کو ٹیڑھا بنانے کی۔ یہی لوگ ہیں میں گمراہی دور کی۔

وہ دور کی گمراہی میں ہیں

تعلق

ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح ہے۔

پہلا تعلق: نو عدد مناسبتیں ایسی ہیں جن کی وجہ سے سورت رعد کے بعد سورت ابراہیم کا آنا بہت ضروری تھا۔ اس سورت کو پچھلی سورت سے معنوی تعلق کے علاوہ لفظی بھی بہت تعلق اور ربط ہے۔ اس طرح کہ سورۂ رعد کی ابتدا الف سے اور انتہا ر ب سے اسی طرح سورۂ ابراہیم کی ابتدا بھی الف سے اور انتہا ب سے۔ اُس سورت کی آخری آیتوں کا مضمون اجمالی طریقے سے ذکر ہوا۔ اس سورت کی ابتدائی آیتوں کا وہی مضمون ذرا تفصیل سے ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق**: اُس سورت کے ابتدا میں بھی کتاب اللہ کی شان بیان کی گئی تھی اس سورت کی ابتدا میں بھی کتاب اللہ کی شان بیان ہو رہی ہے اُس سورت میں قرآن مجید کو حکم عربی فرمایا گیا تھا۔ اس سورت میں اس کی تصریح فرمائی جائے گی۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی سورت میں خود رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کسی نبی کو ہمت نہیں کہ رب کی اجازت کے بغیر کوئی آیت لے آئے۔ اس سورت میں خود انبیاء کرام کا ارشاد منقول ہوا کہ ہم کو یہ ہمت نہیں جو ہم کوئی سلطان یعنی آیت رب کی بلا اجازت لے آئیں۔ نیز پچھلی سورت میں حبیب پاک کے توکل علی اللہ کا ذکر ہوا۔ اور اس سورت میں تمام انبیاء کرام کے توکل علی اللہ کا ذکر ہو رہا ہے۔

چوتھا تعلق: اُس پچھلی سورت میں حق و باطل کی اجمالی تمثیل بیان ہوئی مگر یہاں كَلِمَةٍ طَيِّبَةٍ فرما کر اس کی

تفصیل بیان ہو رہی ہے۔ نیز اُس سورت میں پہلے نشاناتِ قدرت یعنی آسمانوں کی بلندی زمین کا پھیلاؤ چاند سورج کی تسخیر ذکر ہوئی پھر اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ لیکن اِس سورت میں پہلے نعمتوں کا ذکر ہوا پھر آیاتِ قدرت کا ذکر ہوا۔ **پانچواں تعلق**۔ اُس سورتِ رعد میں کفار کا مکر اور استہزار کا ذکر اجمالاً ہوا۔ مگر اِس سورتِ ابراہیم میں اِن چیزوں کا ذکر تفصیل سے ہوا کہ ارشاد ہوا۔ اَلَمۡ یَاۡتِہِمۡ نَبَاُ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ (الخ)

نزول۔ یہ پوری سورت مکی ہے۔ مگر دو آیتیں مدنی۔ آیت نمبر ۲۸۔ اور نمبر ۲۹۔ یہ دونوں مقتولین مشرکین بدر کے متعلق نازل ہوئیں یہ سورت نصف نصف دو بار میں نازل ہوئی۔ خیال رہے کہ علماء مفسرین کے نزدیک سببِ نزول بیان کرنا اُس وقت زیادہ ضروری ہوتا ہے جب یا تو اُس سورت میں شرعی احکام زیادہ ہوں یا ناسخ منسوخ آیات ہوں۔ ورنہ صرف واقعات۔ اور نشاناتِ الٰہیہ یا وعدہ و وعید کی آیات میں مکی مدنی ہونا برابر ہے (از روح المعانی)

تفسیر نحوی الٓرٰ۔ کِتٰبٌ اَنۡزَلۡنٰہُ اِلَیۡکَ لِتُخۡرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ اِلٰی صِرَاطِ الۡعَزِیۡزِ الۡحَمِیۡدِ۔ الٓرٰ یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ اِن کی تحریر تو اِس طرح ہی ہوتی ہے مگر اِن کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے۔ الف۔ لام۔ رَا۔ اِن کا مفہوم ترجمہ معانی کسی شخص کسی مخلوق کو معلوم نہیں سوائے نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ یہاں سب نحو و صرف لغت و قواعد فیل ہیں۔ ترکیبِ نحوی میں ایک قول کے مطابق اِس کو اِس طرح شامل کیا گیا ہے کہ الٓرٰ مبتدا اور کِتٰبٌ موصوف اپنی صفت اَنۡزَلۡنٰہُ جملہ فعلیہ سے مل کر خبر ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ قرآن مجید کا نام الٓرٰ نہیں ہے کسی بھی آیت و روایت میں وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ اعلم بالصواب۔ کِتٰبٌ اسم مفرد صفت مشبہ بمعنی مَکۡتُوۡبٌ بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا محذوف ھٰذا یا ھٰذَا الۡقُرۡاٰنُ کی نکرہ معین مخصوص ہے۔ موصوف ہے مابعد کا۔ اَنۡزَلۡنَا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم باب افعال سے ہے مصدر ہے اِنۡزَالٌ بمعنی اُتارنا متعدی بیک مفعول فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب اِس کا مفعول بہ ہے۔ اِلٰی جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مخاطب مجرور متصل ہے۔ متعلق ہے اَنۡزَلۡنَا کے اور یہ جملہ فعلیہ معمول اپنے مابعد جملہ صفت کا۔ لام کی سببیہ ناصبہ یہاں اَنۡ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اگر مضارع منفی ہو تو اَنۡ ناصبہ مصدریہ ظاہر ہوتا ہے۔ تُخۡرِجَ فعل مضارع معروف واحد مذکر حاضر کا صیغہ باب افعال سے اِخۡرَاجٌ مصدر ہے اِس کا فاعل اَنۡتَ ضمیر کا مرجع نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے اَلنَّاسَ الف لام استغراقی نَاسٌ جمع غیر لفظی ہے انسانٌ کی یا اسم جمع ہے بغیر واحد کے جامد ہے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے تُخۡرِجَ کا خُرُوۡجٌ سے بنا ہے بمعنی نکلنا۔ باب افعال میں اگر متعدی ہوا بمعنی نکالنا۔ مِنۡ جارّہ بمعنی فی ظرفیہ یعنی میں سے الف لام استغراقی ظُلُمٰت جمع مؤنث مکسرہ ہے جمع کثرت کے لیے اس کا واحد ظُلۡمَۃٌ ہے بمعنی اندھیرا۔ اِلٰی جارّہ

انتہاء غایت کے لیے۔ اَلنُّور۔ الف لام عہدی۔ اسم مفرد معرفہ باللام۔ جار و مجرور متعلق ہے تُخْرِجَ کا۔ بِاِذْنِ
بِ جارہ۔ اِذْنِ اسم مفرد جامد مضاف ہے بمعنیٰ اجازت رَبّ اسم مفرد معرفہ۔ رَبٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ پالنا بحالت
کسرہ ہے مضاف الیہ ہے ماقبل کا اور مضاف ہے مابعد ھم ضمیر مجرور متصل جمع کا مرکب اضافی جار و مجرور متعلق
دوم ہے تُخْرِجَ کا۔ اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت کے لیے ہے اس کی ترکیب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جار و مجرور
متعلق سوم ہے۔ تُخْرِجَ کا۔ دوسرا یہ کہ یہ متعلق اَلنُّور کا اس طرح کہ یا تفسیر ہے نور کی یا بدل ہے یا عطف بیان
ہے۔ اور پھر متعلق ہے فعل کا صِرَاط اسم مفرد جامد ہے بمعنیٰ کھلا راستہ۔ اَلْعَزِیْز۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ ہے۔
عَزِیْز۔ صفتِ مشبہ بروزنِ فعیل۔ بمعنیٰ اسم فاعل بھی ہو سکتا ہے اور اسم مفعول بھی۔ مضاف الیہ ہے ماقبل کا اور
موصوف ہے مابعد کا عِزٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ غالب ہونا پیارا ہونا پیارا رکھنا۔ عزت دینا۔
یہاں سب معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ اَلْحَمِیْد۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ حمید اسم صفتِ مشبہ بمعنیٰ محمود ترجمہ ہے تعریف
کیا ہوا۔ حَمْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ذاتی صفات کا بیان کرنا۔ اسم صفاتی ہے باری تعالیٰ کا بحالتِ جر ہے۔ کیونکہ
صفت ماقبل مضاف الیہ ہے عزیز کی اور مُبْدَل مِنْہُ ہے مابعد۔ اَللّٰہِ کا۔ اَللّٰہِ الَّذِیْ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا
فِی الْاَرْضِ وَوَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِنِ اللّٰہِ۔ اسم مفرد معرفہ علم ذاتی ہے پروردگار عالم کا۔ بدلُ الکل
ہے حَمِیْد کا موصوف ہے مابعد کا۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر صفت ہے، ماقبل کی اس لیے مجرور ہے مبنی ہے
بدیں وجہ اعراب ظاہر نہیں حالتِ باطنی میں کسرہ ہے۔ لَامْ جارہ ملکیت کا ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع اَللّٰہ ہے۔
متعلق ہے۔ پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ کا مَا موصولہ بحالتِ رفع فاعل ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا۔ فِیْ حرفِ جر اَلسَّمٰوٰتِ
الف لام استغراقی۔ سَمٰوٰت جمع مکسر ہے سَمَاءٌ کا سَمَاءٌ خود بھی جمع ہے۔ مگر اس میں عمومیت ہے کہ واحد اور جمع
مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے سَمٰوٰتِ صرف مؤنث جمع کے لیے ہے واؤ عاطفہ مَا موصولہ فِیْ جارہ ظرفیہ
الف لام استغراقی یعنی تمام زمین اَرْض اسم مفرد مؤنث معرف باللام بحالت جر۔ یہ سب جار و مجرور عطف
وغیرہ متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کے۔ واؤ سرِ جملہ وَیْلٌ اسم مفرد نکرہ مذکر بمعنیٰ۔ ہلاکت۔ ذلت
شدید عذاب۔ شرمندگی۔ حسرت۔ اور جہنم کا ایک علاقہ۔ یہاں سب معنیٰ ہی ہو سکتے ہیں۔ اس کا مؤنث لفظی ہوتا
ہے وَیْلَۃٌ۔ بحالتِ رفع کیونکہ مبتدا ہے تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ لام جارہ نفع کا۔ الف لام استغراقی
کافِرِیْن۔ جمع ہے کَافِرٌ کی کُفْرٌ سے مشتق ہے۔ جار و مجرور متعلق اوّل ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا اور پھر یہ
جملہ اسمیہ خبر ہے وَیْلٌ مبتدا کی۔ مِنْ جارہ بیانیہ یا زائدہ۔ یا تعلیلیہ عذاب اسم مفرد جامد ہے نکرہ مخصوصہ موصوف
ہے شَدِیْد صفت کا۔ ایک قول میں عذاب صفتِ مشبہ بروزنِ فَعَال عَذْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سزا۔ تکلیف۔ شدید
بروزنِ فعیل صیغہِ مبالغہ ہے شَدٌّ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ باندھنا۔ سخت کرنا۔ مضبوط ہونا۔ کرخت ہونا۔ یہاں بہ

آخری معنیٰ مراد ہیں جار و مجرور متعلق ہے ثابتٌ کا۔ اِلَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوۃَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَۃِ وَ یَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ یَبۡغُوۡنَہَا عِوَجًا اُولٰٓئِکَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ اَلَّذِیۡنَ اسم موصول جمع مذکر بحالتِ جر۔ صفت ہے کٰفِرِیۡنَ کی یا بدل ہے یا عطف بیان یَسۡتَحِبُّوۡنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب باب استفعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِسۡتِحۡبَابٌ ۔ حُبٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی۔ محبت کرنا۔ پسند کرنا۔ چاہنا۔ اس کا فاعل ھُمۡ ضمیر جمع غائب مستتر (اسی میں پوشیدہ) کا مرجع کافرین ہے۔ متعدی بیک مفعول۔ اَلۡحَیٰوۃَ۔ الف۔ لام جنسی حَیَاتٌ۔ مصدر ہے آخر میں ت مصدریہ لگی ہوئی ہے۔ اس کا مادہ ہے حَیٌّ یا حَیٰوۃٌ۔ بمعنی قوتِ نشوونما دینا۔ نمبر۲۔ قوتِ احیا یعنی جلادینا۔ نمبر۳۔ قوت احساس۔ نمبر۴۔ قوتِ عقل و فہم دینا۔ دنیوی زندگی اسی کا نام ہے۔ بحالتِ زبر مفعول بہ ہے۔ اَلدُّنۡیَا۔ الف لام جنسی ہے دُنۡیَا اَدۡنیٰ اسم تفضیل مذکر کا مونث ہے علیٰ جارہ برتریت کے لیے اَلۡاٰخِرَۃِ الف لام عہدی آخِرَۃٌ اسم فاعل صیغہ واحد مونث۔ اٰخِرٌ سے بنا ہے باب نَصَرَ سے ہے بمعنی۔ پیچھے آنے والی۔ دوسری بار آنے والی۔ باقی رہنے والی۔ دیر سے ہونے والی۔ اخیر میں آنے والی۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ واؤ عاطفہ عطف ہے اَلَّذِیۡنَ کے صلہ یَسۡتَحِبُّوۡنَ پر۔ یَصُدُّوۡنَ ۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ھُمۡ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع وہی کٰفِرِیۡنَ ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے صَدٌّ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ پھرنا۔ پھرنا۔ آڑ لگانا۔ بندھ باندھنا۔ روکنا۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں عن جارہ بمعنی مِنۡ ابتداء غایت کے لیے سَبِیۡلِ اسم مفرد نکرہ مخصوصہ لفظاً مذکر ہے مگر مذکر مونث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کی جمع ہے سُبُلٌ بروزنِ اُسُدٌ۔ سُبُلٌ سے مشتق ہے بمعنی پہنچنا۔ کھلا راستہ بنا یا یہ صفتِ مشبہ برائے مبالغہ ہے ترجمہ ہے بہت کھلا راستہ۔ سبیل اور صراط کا فرق اِنشاء اللہ تعالیٰ تفسیر ماللہ نہ میں بتایا جائے گا۔ سبیل جب نکرہ مفرد ہو تو حق و باطل دونوں کے لیے مستعمل بھی ہو جاتا ہے۔ لیکن جب معرّف باللام ہو تو صرف راہ حق مراد ہوتا ہے۔ اور اگر نکرہ مخصوصہ یعنی معرفہ کا مضاف ہو (مرکب اضافی ہو مفرد نہ ہو) تو مضاف الیہ کی نسبت سے ہوتا ہے۔ یہاں راہِ حق یعنی دینِ اسلام مراد ہے۔ بحالتِ جر ہے۔ اَللّٰہِ اسم معرفہ عَلَمٌ ذاتی ہے بحالتِ جر مضاف الیہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ یَبۡغُوۡنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمۡ ضمیر۔ جمع مذکر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کٰفِرِیۡنَ۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ بَغۡوٌ یا بَغۡیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی خواہش کرنا۔ چاہنا۔ ھَا کا مرجع سبیل ہے۔ اس ضمیر مونث سے ظاہر ہوا کہ یہاں لفظِ سبیل مونثِ معنوی ہے۔ عِوَجًا۔ اسم مفرد نکرہ غیر معین بحالتِ نصب مفعول بہ ہے یَبۡغُوۡنَ کا۔ عِوَجًا جامد ہے بمعنی ٹیڑھ۔ کجی سیدھے کے مقابل اور خلاف۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ ہے جمع اور زیادہ افراد کے لیے آتا ہے۔ اس کا مشار الیہ بعید ہوتا ہے۔ اور اُن کا تذکرہ قریب ہوتا ہے۔ اس کا ترجمہ یہی

مذکورین وہ ہیں جو۔ اس میں موصولیت کے معنیٰ شامل ہوتے ہیں۔ فِی جارہ ظرفیہ ضَلَال۔ اسم مبالغہ ہے بروزن فَعَال بطور حاصل مصدر جامد استعمال ہوتا ہے۔ ترجمہ ہے گمراہی۔ مثلِ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ بھٹکنا بے راہ ہونا۔ عاشق ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ کسرہ مجرور ہے فِی کا۔ موصوف ہے بَعِیْدٍ اسم صفت مشبہ بروزنِ فعیل بُعْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دور ہونا۔ جسماً۔ قلباً۔ ایماناً۔ یہاں ایمانی دوری مراد ہے بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ صفتِ تاکیدی ضلال کی اور جار و مجرور متعلق ہے وَقَعُوْا فعل ماضی پوشیدہ کا۔ اور اولیاء ایک قول میں اِس کا فاعل ہے۔

تفسیرِ عالمانہ

اس سورتِ ابراہیم میں سات رکوع ہیں۔ پہلے رکوع میں نور و ظلمت حمد و نعت آسمانی کتابوں کی زبانوں اور موسیٰ علیہ السلام و فرعون کا مختصر ذکر ہے دوسرے رکوع میں شکر و ناشکری کا بدلہ امم سابقہ کے کردار کی یاد دہانی توکل علی اللہ کا ذکر ہے تیسرے رکوع میں۔ گستاخی انبیاء عظام کے برے انجام کا ذکر اعمالِ کفریہ کی ایک تمثیل اور قدرتِ الٰہیہ کا ذکر۔ چوتھے رکوع میں۔ روزِ محشر ابلیس کی بے بسی اپنے فرمانبرداروں کو ملامت کرنے۔ مومن کے اچھے انجام۔ کلماتِ طیبہ اور کلماتِ خبیثہ کی تمثیل کا ذکر ہے۔ پانچویں رکوع میں۔ ناشکری اور کنجوسی کا وبال صدقات و خیرات کا فائدہ آسمانی زمینی نعمتوں کا ذکر اور انسانوں کے ظلم و جہالت کا ذکر ہے۔ چھٹے رکوع میں حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی گیارہ دعاؤں۔ حمدِ باری تعالیٰ اور اولاد ملنے کا شکریہ مذکور ہے ساتویں رکوع میں قیامت کا ابتدائی نقشہ۔ قیامت کی دہشت ہولناکی۔ کفار کی التجائیں۔ رب کی طرف سے تردیدی جواب محشر میں زمین و آسمان کی کیفیت مجرمین کی حالت۔ اور سورۂ حجر کی پہلی آیت میں تعارفِ قرآنی ہے یہ سورتِ ابراہیم حیاتِ مکی کے آخری ایام میں نازل ہوئی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۔ الٓرٰ ۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِیْزِ الْحَمِیْدِ اللّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ بخشنے والے آخرت میں رحمٰن اللہ کی خصوصی صفت اس لیے کہ اس کا ترجمہ بھی فعل خصوصی کا ہے رب تعالیٰ کے سوا بخشش کوئی نہیں سکتا نہ نبی نہ ولی نہ عالم نہ پنڈت پادری نہ گرو ہاں انبیاء کرام اولیا علما بخشوا سکتے ہیں کیونکہ شفاعت کے ماذون ہیں۔ رحم کرنے والے دنیا میں یہ غیر خصوصی صفت ہے کیونکہ دنیا میں رحم بہت کر سکتے ہیں اسی لیے رحمان کسی کو نہیں کہا جا سکتا اور رحیم ہر اچھے رحم دل کو کہا جا سکتا ہے۔ اللہ کے نام سے کائناتِ عالم کی ہر چیز کی ابتدا ہوتی ہے۔ یہ آیت پاک یعنی بسم اللہ شریف ہر چیز کی چابی ہے۔ الف۔ لام۔ رَ۔ اِس کے مطالب و معانی کو مخلوق میں بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا۔ یہ کتاب عظیم ہے۔ اس لیے کہ مخلوق و خالق کی ہر چیز کا بیان اس میں ہے باطنی طور پر اس کی ایک ایک آیت زمین و آسمان سے بڑی ہے

حدیث پاک میں ہے آیت الکرسی سے بڑی چیز زمین و آسمان عرش و کرسی لوح قلم میں کوئی نہیں مگر ظاہراً چند کاغذوں میں سما کر ایک ہاتھ میں آجاتی ہے یہ بھی عجیب قدرت کا راز ہے۔ اے اچھے حبیب ہم نے ہی اس کو آپ کی طرف نازل فرمایا تاکہ آپ اپنے دستِ اقدس سے یا تعلیمِ مقدس سے یا تبلیغِ مکمل یا اقوالِ منورہ سے یا اعمالِ جسمانی کے ذریعے کفر کی ظلمت سے اسلام کے نور کی طرف اور عقائدِ باطلہ کی ظلمت سے عقائدِ ایمانیہ کے نور کی طرف اور گمراہی سے ایمان کی طرف اُن کے رب کریم کی اجازت سے تمام کائنات کو جن و انس کو نکال لائیں اُس عزیز و حمید اللہ کے راستے کی طرف جس کا ہی ہے جو کچھ ہے آسمانوں اور زمین میں ملکیت خلقیت عبدیت بندگیت کے اعتبار سے علماءِ مفسرین فرماتے ہیں یہاں بارہ چیزیں ارشاد ہوئیں۔

نمبر۱۔ کتاب۔ نمبر۲۔ نزول۔ نمبر۳۔ لتخرج۔ نمبر۴۔ ناس۔ نمبر۵۔ ظلمت۔ نمبر۶۔ نور۔ نمبر۷۔ صراط۔ نمبر۸۔ عزیز۔ نمبر۹۔ حمید۔ نمبر۱۰۔ لہٗ۔ نمبر۱۱۔ جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ نمبر۱۲۔ جو کچھ زمین میں ہے۔ کتاب شریعت ہے نازل ہونا نعمت الٰہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منیر اور چمکتے سورج ہیں جس کو کبھی غروب نہیں۔ تاقیامت تمام انسان مراد ہیں۔ ظلمت بالجمع ہیں۔ کفر۔ نفاق۔ گمراہی۔ فسق۔ غفلت۔ تکبر۔ شرک۔ بدعت۔ نفسانیت رذالت۔ بدخلقی۔ عصیان۔ طغیان۔ فجور۔ ظلم۔ ناشکری۔ بدعقیدگی۔ بدعملی۔ فحاشی۔ بے حیائی۔ طمع۔ دنیا پرستی وغیرہ تمام بدکاریاں ان ہی سے ہیں اس لیے ان کو ظلمت یعنی اندھیرے کہا گیا۔ نور سے مراد حیاتِ مصطفوی گویا صفات و عاداتِ محمدی کا نام اسلام ہے۔ صراط سے مراد طریقت و معرفت ہے کہ تمام عبادات کا مقصد یہی راہ چلنا ہے عزیز یعنی جس کا مقابل کوئی نہ ہو سکے نہ اول نہ آخر نہ ظاہر نہ باطن۔ حمید۔ جس کی ہر چیز ہی ثنا کے لائق ہو۔ لہٗ یعنی وہ مالک اور خالق ہے۔ آسمان و زمین کا ہر ذرہ بھی شامل ہے۔ یہ آیت پاک عقائدِ اہلسنت کی جامع ہے۔ وَوَیۡلٌ لِّلۡكٰفِرِیۡنَ مِنۡ عَذَابٍ شَدِیۡدِۣ الَّذِیۡنَ یَسۡتَحِبُّوۡنَ الۡحَیٰوةَ الدُّنۡیَا عَلَی الۡاٰخِرَةِ وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَیَبۡغُوۡنَهَا عِوَجًا ؕ اُولٰٓئِكَ فِیۡ ضَلٰلٍۭ بَعِیۡدٍ اور ہلاکت ہے یا جہنم کا خاص بہت ہی مصیبت زدہ علاقہ ہے۔ یا کفار کا غمزدہ بہت شور و غل واویلا ہے کافروں مشرکوں منافقوں کے لیے انتہائی سخت عذاب سے یہ وہ کافر ہیں سب ہی جو دنیوی زندگی کے ہی عاشق بنے رہے آخرت کے مقابل آخرت کی پرواہ اور فکر تک نہ کی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ دنیا کی محبت بری نہیں مگر دنیا کا استحباب یعنی محبت کی طلب اور عشق حرام ہے علامت کفر اور باعثِ عذاب شدید کیونکہ محبت دنیا کی خواہش تمنا آخرت کو بھلا دیتی ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے آخرت اُس کی نظر میں مشکوک اور ہیچ اور گھٹیا ہو جاتی ہے اپنی دنیا پرستی پر فخر کرتا ہے اور دوسروں کو بھی وَیَصُدُّوۡنَ عَنۡ سَبِیۡلِ۔ اللہ کے راستے سے روکتے ہیں اس طرح کا فر ایمان سے منافق اخلاص سے اور فاسق فاجر اعمالِ صالحہ سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں۔ اور اپنے

باطل نظریات کو ثابت کرنے کے لیے ٹیڑھے میڑھے دلائل دیتے ہوئے يَبْغُوْنَهَا عِوَجًا تلاش کرتے رہتے ہیں اِس کتاب میں یا صراطِ مستقیم میں۔ اسلام میں یا اپنی مذہبی باتوں میں غلط تاویلیں بیہودہ اقوال تاکہ لوگ اللہ رسول کی محبت سے رُک جائیں۔ لیکن ان کی چال بھی کارگر نہ ہوگی اس لیے کہ اُولٰٓئِكَ فِىْ ضَلٰلٍۢ بَعِيْدٍ یہ ہر قسم کے کافر و بدطینت فساق بہت ہی دور کی گمراہی بے راہ روی میں ہیں جن کا پلٹنا راہِ ہدایت پر آنا بڑا مشکل ہے نہ ہدایت۔ ایمان۔ عرفان۔ رضاءِ رحمٰن۔ اور جنت سے بہت دور ہیں۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے

پہلا فائدہ۔ آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ اور محبت کے بغیر قرآن مجید۔ دینِ اسلام عبادت ریاضت سجدہ و سجود کسی سے بھی ہدایت نہیں مل سکتی۔ پیارے آقا ہی ایک ایسی ہستی ہیں جو سب کو ظلمت سے نور کی طرف نکالنے والے ہیں یہ بات تو احادیث و واقعات سے ثابت ہے کہ بغیر نماز روزہ صرف چہرۂ مصطفےٰ اور عشقِ مصطفیٰ کے ذریعہ مسلمان مومن متقی صحابی شہید اور جنتی ہونے کے تمام مدارج طے کر گیا مگر یہ کہیں ثابت نہیں کہ صرف قرآن مجید پڑھ کر نبی پاک سے کٹ کر نجات پائی ہو۔ لہٰذا یہ آئتیں سبق دیتی ہیں کہ نبی پاک کا دامن اور چوکھٹ پکڑنے میں ہی نجات ہے۔ یہ فائدہ اِلَى النُّوْرِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ قرآن کریم لوگوں کی ہدایت اور فلاح۔ پڑھنے دین سمجھنے کے لیے نازل ہوا تا قیامت۔ نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبی کریم تو پہلے ہی سب کچھ سمجھے ہوئے تھے۔ یہ فائدہ لِتُخْرِجَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا کہ رب کی طرف سے قرآن اس لیے نازل ہوا تاکہ آپ نکالیں یہ نہ فرمایا گیا تاکہ آپ نکلیں یا ہدایت لیں۔ نہ یہ فرمایا کہ قرآن نکالے۔

تیسرا فائدہ۔ نبی کریم رؤف و رحیم کسی خاص قوم یا قبیلے کے نبی نہیں بلکہ ساری انسانیت کے لیے زمین پر تشریف لائے۔ یہ فائدہ اَلنَّاسَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور النّاس میں نہ علاقے کی قید ہے نہ زمانے کی۔ یہ شان صرف نبی اکرم کو عطا ہوئی۔ آپ کے علاوہ کسی نبی رسول مرسل کو عطا نہ ہوئی۔

چوتھا فائدہ۔ نبی پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنا ہی نور کے پاس آنا ہے اس لیے کہ نبی پاک نے سب کو کفر سے علیحدہ کرکے اپنے دامنِ کرم میں پناہ دی اور دوسری آیت وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ سے بھی یہ ہی ثابت ہوتا ہے۔

پانچواں فائدہ۔ آج دنیا میں رب کی طرف بلانے پکارنے والے بہت سے دعویدار ہیں۔ یہودی۔ عیسائی مرزائی ہندو سکھ وغیرہ مگر آقاءِ دو عالم نورِ مجسم نبیِ محترم محمد پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا بلانا اور اس ہی بلانے پر چلنے والا لبیک کہنے والا باری تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے۔ کیونکہ اب تا قیامت باذنِ الٰہی بلانا صرف نبی کریم کا ہی بلانا ہے۔ یہ فائدہ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات مطہرات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ - کوئی چیز بھی خدا تعالیٰ کا بیٹا بیٹی۔ یا بیوی نہیں ہو سکتی۔ اس لیے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور ابنیت و ملکیت اسی طرح زوجیت اور ملکیت جمع نہیں ہو سکتی۔ اگر کوئی شخص کسی زمانے میں اپنے بیٹے کو یا کسی اولاد کو خریدے تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا اور ملکیت ختم ہو جائے گی یہ مسئلہ لَہٗ مَافِی السَّمٰوٰتِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** - کفار کے راستے اور طریقے پر چل کر کوئی بھی اچھا یا برا کام کرنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ دنیوی کاروبار اگرچہ اچھے ہیں مگر کفار اس کو دنیوی محبت کے لیے کرتے ہیں اس لیے اس کی مذمت فرمائی گئی تو اگر کوئی مسلمان بھی محبت دنیا کا طلب گار ہو تو اس کا ہر دنیوی کام حرام ہوگا۔ **تیسرا مسئلہ** - اپنی رائے سے تفسیر قرآن یا شرح احادیث کرنا حرام ہے۔ غلط تاویلیں یا غلط مسئلے بتانا بھی حرام ہے۔ اسی طرح مقررین اور خطیبوں کا لوگوں کو یا بعض پیروں کو خوش کرنے کے لیے الٹا سیدھا اپنی بناوٹ سے وعظ کرنا بھی حرام ہے۔ یہ مسئلہ عِوَجًا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ بری اور دنیوی نیت سے تو اگر اچھا وعظ کیا تو بھی ناجائز اور گناہ کا باعث ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض - یہاں فرمایا گیا اَنْزَلْنٰهُ۔ ہم نے اس کتاب یعنی قرآن مجید کو نازل کیا اور جو چیز نازل یا منزل ہوتی ہے وہ قدیم نہیں ہو سکتی لہٰذا قرآن کریم حادث ہے اور مخلوق ہے کیونکہ ہر حادث مخلوق ہے۔ تم اہلسنت اس کو غیر مخلوق کیوں کہتے ہو؟

جواب - یہ اعتراض معتزلہ نے امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیا تھا اور بہت ہی جاہلانہ اعتراض ہے۔ اس کا جواب ایک اس طرح ہے کہ ہر نازل شے حادث نہیں روایت میں آتا ہے شب کے آخری حصہ میں رب تعالیٰ نزول فرماتا ہے۔ اب وہ نزول کیسا ہے اس کی حقیقت کیا ہے یہ رب جانے مگر نزول کا لفظ رب تعالیٰ کے لیے آگیا۔ تو اگر معتزلہ کا یہ قاعدہ کہ ہر نازل حادث اور ہر حادث مخلوق ہے تو رب تعالیٰ کو بھی کیا مخلوق کہو گے معاذ اللہ۔ اور پھر ہر حادث مخلوق نہیں رب تعالیٰ کی تمام صفات فعلی حادث ہیں مگر مخلوق نہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ منزل اور نازل شدہ الفاظ و حروف ہیں وہ واقعی حادث ہیں مخلوق ہیں لیکن صفت قرآن اور مضمون قرآن کریم حادث اور مخلوق نہیں۔ یہ جواب کبیر نے دیا۔

دوسرا اعتراض - یہاں فرمایا گیا لِتُخْرِجَ۔ لام تعلیلیہ ہے اور تعلیل بتاتی ہے کہ نزول قرآن سے ہی رب نے بندوں کو ظلمت سے نکالا۔ ذریعہ تو وہ استعمال کرتا ہے جو عاجز ہو۔ رب تعالیٰ نے یہ ذریعہ کیوں استعمال فرمایا گیا

کیا رب تعالیٰ اس کے بغیر عاجز ہے۔ جواب۔ لتخرج کا تعلق ذاتِ باری تعالیٰ سے نہیں بلکہ نبی پاک سے ہے یعنی اس وسیلے کی نبی پاک کو ضرورت ہے نہ کہ رب کو۔ **تیسرا اعتراض**۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے تاکہ ظلم سے ہٹائیں نور کی طرف ثابت ہوا ظلمت بری ہے اس لیے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بندوں کے افعال کا خالق نہیں۔ نیز اگر افعالِ بد کا خالق ہوتا تو نبی پاک کیوں ظلمت سے نکال کر نور میں لاتے۔ اور پھر بندے ایسے نورانی کام کرتے ہیں۔ نیز نبی کریم کا ذکر کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن و حدیث سنائیں دعوتِ فکر و عمل دیں وہ عمل کریں غور فکر اور اعمال صالحہ سے درست ہو جائیں ظلمت ختم ہو جائے تو ثابت ہوا کہ بندہ ہی کا سبب ہے خود خالق ہے۔ جواب۔ ان ہی آیت میں جواب فرما دیا گیا ہے کہ ذکر ہے بِاِذْنِ رَبِّهِمْ یعنی اللہ کا اذن ہو تو نکالتے ہیں اور اذن کیا ہے۔ امر۔ مشیت خلقت۔ نیز یہ دعوتِ عمل و فکر صرف بندے کے رجحان اور توجہ کے لیے ہے نہ کہ خلقت کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ الٓرٰ۔ یہ اسرارِ الٰہیہ ہیں جن کو بجز اللہ رسول کوئی نہیں جانتا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید کے بھید اور راز یہ حروفِ مقطعات ہیں۔ آسمانوں کے بھید فرشتے ہیں اور زمین کے بھید اولیاء اللہ ہیں کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ اے رازدارِ قدرت ہم نے سینۂ مومن کے معرفت والی کتاب تیرے سپرد کر دی تاکہ تو اے محبوب کائنات سب اُنس کرنے والوں کو کثرت کی ظلمتوں سے نکال کر نورِ وحدت کی طرف لے آ۔ یا صفاتِ نشات کی ظلمتوں سے فطرت کے نور کی طرف یا اعمال و افعال کے حجاب سے نورِ ذات کی طرف یا ظلماتِ نفوس سے نورِ قلب کی طرف یا بازارِ دنیا کے ظلمتوں سے نورِ خلوت کی طرف نکال لے اہلِ دنیا کی روشنی سورج کی دھوپ سے ہوتی ہے مگر عارفین کا نور خلوت کے اندھیروں میں جلوہ فرماتا ہے۔ دنیا کی بینائی ظلماتِ ظن ہے۔ مکاشفہ مراقبے کی بند آنکھوں میں حقیقت کا نور ہے۔ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ان اہلِ محبت و شوق کے ازلی ابدی پرورش فرمانے والے اللہ تعالیٰ کی اجازت۔ امر۔ اور مشیت سے۔ اعمال صالحہ کی توفیق ہمت کی ہمت اور اسباب کے مہیا فرما دینے سے۔ اس کی پہچان کے راستے کی طرف جو قہر کے نور ظلمتوں پر غلبہ فرمانے والا ہے۔ حمید ہے کمالِ ذات میں۔ اور حمد کے لائق ہے مردانِ شوق کو علم معرفتِ ذات کی نعمت بخشنے پر۔ یا فانی اجسام کو لقا عطا فرمانے پر۔ اَللّٰهِ الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اے معرفت کے طلب گار وادیِ عشق میں قدم رکھنے والا عزیز و حمید وہ اللہ ہے۔ کہ آسمانوں میں جو کچھ ہے اسی کی ملکیت ہے۔ ہر عقل ایک معرفت کا آسمان ہے اور ہر عاجزی بستی زمینِ نیاز ہے۔ عبادت کا قیام آسمان ہے ریاضت کے سجدے زمین ہے اور ان میں جو کچھ ہے سب اللہ کے لیے۔ اسی کا ہے اسی کے لیے نہ کسی

خیر کی ہے نہ بلندی پستی کسی کی اپنی وَ وَیْلٌ لِّلْکٰفِرِیْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِیْدِ عقلیت کے حجاب والے منکروں اور معنویت کے وسوسوں ناشکروں کے لیے محرومی کی ہلاکت ہے۔ اور یہ محرومی سارے عذابوں سے شدید عذاب ہے اَلَّذِیْنَ یَسْتَحِبُّوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ ۔ یہ بدنصیب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہر دم اجسام کی ظاہری دنیا کو پسند کرنے میں دنیوی زندگی کو قبول اور ترجیح کیا۔ باطنی اُخروی روحانی زندگی کے بدلے وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ یَبْغُوْنَهَا عِوَجًا اور مزید سرکشی یہ کہ راہِ سلوک کے مجذوبوں سالکوں اور راہِ شریعت کے عالموں عابدوں زاہدوں کو طعنوں زبان درازیوں گستاخیوں اور غافلین کو وسوسوں کے ذریعے کی راہِ سعادت سے روکتے ہیں اور لذاتِ دنیا اور حرام کھانے کے لیے ٹیڑھے راستے تلاش کرتے۔ اور شریعت و طریقت میں دخل اندازی کرتے ہیں۔ تو نتیجہ کیا ہوتا ہے۔ اُولٰٓئِکَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ ایسے تخریب کار لوگ خود ہی استقامت اور وصلِ الٰہی کے راستے سے منحرف کیا جاتے ہیں اور دور کی گمراہی میں پھینک دیئے جاتے ہیں کہ نام و نشان بھی مٹ جاتا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ

اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر سے زبان قوم کی اُس کی

اور ہم نے ہر رسول اُس کی قوم ہی کی زبان میں بھیجا

لِیُبَیِّنَ لَهُمْ ؕ فَیُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ

تاکہ قانون ظاہر بتائے لیے اُن کے پھر گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہے اور ہدایت دیتا ہے

وہ انہیں صاف بتائے پھر اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور وہ راہ دکھاتا ہے۔

مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ۴ وَلَقَدْ

جس کو چاہے اور وہ عزت والا حکمت والا ۔ اور البتہ یقیناً

جسے چاہے۔ اور وہی عزت حکمت والا ہے ۔ اور بیشک

اَرۡسَلۡنَا مُوۡسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اَنۡ اَخۡرِجۡ قَوۡمَكَ

بھیجا ہم نے حضرت موسیٰ کو ساتھ نشانیوں اپنے کے یہ کہ نکالو قوم کو اپنی

ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو اندھیروں سے

مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوۡرِ ۙ۬ وَ ذَکِّرۡهُمۡ بِاَیّٰىمِ

سے اندھیروں طرف نور کے - اور یاد دلایئے اُن کو کے دنوں

اُجالے میں لا اور انہیں اللہ کے دن یاد

اللّٰهِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوۡرٍ ۵

اللہ کے بیشک میں اُس البتہ نشانیاں ہیں لیے ہر بڑے صابر شکر والے کے۔

دلا۔ بیشک اس میں نشانیاں ہیں ہر بڑے صبر والے شکر گزار کو۔

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح سے ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا تھا کہ ہم نے یہ قرآن اس لیے اتارا کہ ہمارا حبیب سارے جہانوں اور زمانوں کے تمام انسانوں کو ہر طرح کے اندھیروں سے نکال کر ہر طرح کے نور میں لے آئے۔ ان آیتوں میں بتایا جا رہا ہے کہ ہر نبی اپنی امت کی زبان جانتا ہے جس سے اقتضاءً یہ بتانا مقصود ہے کہ جناب نبی محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کائنات کی ساری زبانیں جانتا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ ہمارا حبیب تو سب کو سمجھا بجھا رہا ہے مگر جو بدبخت اس دامن کرم کے سایۂ عاطفت میں نہیں آتے اور دنیا کی عیاشیوں میں ہی پھنسے ہوئے ہیں وہ گمراہی میں بہت دور نکل گئے۔ اب ان آیات میں اُن کی بدبختی کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اللہ غالب حکمت والا جس کو وہ گمراہی پر ڈال دے تو وہ محمد مصطفےٰ جیسے پیار کرنے والے رسول محترم کے کہنے میں بھی نہیں آتا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے ارشاد ہوا کہ وہ اندھیروں سے نکال کر نور میں لاتے ہیں اور اب ان آیتوں میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ بھی اسی کام کے لیے دنیا میں تشریف لائے تھے۔ مگر دو طرح فرق ظاہر ہوا۔ ایک یہ کہ نبی کریم سارے زمانوں کے تمام انسانوں کے لیے تشریف لائے اور حضرت موسیٰ صرف اپنی قوم کے لیے۔ دوسرا یہ کہ نبی پاک کا کام

اللہ کے خصوصی قرب کے راستے پڑے جاتا ہے مگر حضرت موسیٰ کا کام راستہ دکھانا اور اللہ کی نعمتیں یاد دلانا ہے یہ بات اِلٰی صِرَاطِ اور ذَکِّرْهُمْ سے ظاہر ہوئی۔

شانِ نزول ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے قرآن مجید کے متعلق فرمایا کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے تو یہودیوں سے سن کر مشرکینِ مکہ نے اعتراض کیا کہ ابھی تک تو عربی میں کوئی کلامِ الٰہی نازل ہوا نہیں یہ عربی میں کلامِ خدا کس طرح ہو سکتا ہے تب سورۂ ابراہیم کی پہلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔

(از تفسیر حسینی۔ زاد المسیر)

تفسیر نحوی وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ واؤ ہے جملہ مَا اَرْسَلْنَا فعل ماضی مطلق معروف منفی صیغہ جمع متکلم۔ فاعل اللہ تعالیٰ جمعیت متکلم صرف حسن کلام کے لیے حقیقتاً متکلم واحد ہے۔ مِنْ زائدہ تاکیدیہ رَّسُوْلٍ اسم معرفہ نکرہ بحالتِ جر تنوین تنکیری بمعنیٰ کوئی رسول۔ اِلَّا حرف استثناء سے سالقہ نفی ٹوٹ گئی اور یہ سالقہ مَا اَرْسَلْنَا جملہ فعلیہ مستثنیٰ منہ ہو گیا اور مابعد کلام مستثنیٰ ہوا بِلِسَانِ بِ جارہ بمعنیٰ مَعَ (ساتھ) لِسَان اسم معرفہ ہے اس کی جمع ہے اَلْسِنَہ یہ جمع تذکیر ہے۔ بتانیث جمع اَلْسُنٌ ہے۔ لفظ لسان مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ اس کے پانچ معنیٰ ہوتے ہیں۔ نمبر۱۔ زبان عضو۔ نمبر۲۔ بولی۔ نمبر۳۔ قوتِ گویائی۔ نمبر۴۔ لہجہ۔ نمبر۵۔ ذکر۔ یہاں بمعنیٰ لغت اور بولی ہے۔ مضاف ہے بحالتِ جر ہے بِ جارہ کی وجہ سے۔ قَوْمِ اسم جامد ہے لفظاً واحد معنیً جمع ہے۔ مذکر گروہ کے لیے مستعمل ہے بمعنیٰ خاندان۔ برادری۔ ہم وطن۔ ہم نسل لوگ۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے ماقبل کا اور مضاف ہے مابعد ہٖ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل کا اس کا مرجع ہے رَسُوْلٍ۔ لام کَیْ سببیہ اس لام سے پہلی سب عبارت سبب ہے اور یہ بعد والا جملہ فعلیہ مسبب ہے يُبَيِّنَ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل هُوَ ضمیر مستتر کا مرجع رَسُوْلٍ ہے۔ باب تفعیل سے ہے۔ اس کا مصدر ہے تَبْيِيْنٌ ہے یہ فعل مضارع بحالتِ فتح ہے کیونکہ لامِ کَیْ میں اَنْ ناصبہ مصدریہ پوشیدہ ہوتا ہے وہ زبر دیتا ہے مضارع کو۔ لَهُمْ لام جارہ نفع کا یا بمعنیٰ عِنْدَ ظرفیہ مکانیہ یا بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ هُمْ ضمیر کا مرجع قوم ہے يُبَيِّنَ بَیَانٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ظاہر کرنا۔ بیان کرنا۔ پہچانا یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ فَ استینافیہ (ابتداء کلام کے لیے) يُضِلُّ فعل مضارع باب افعال سے ہے اضلال مصدر ہے ضَلٌّ سے بنا ہے۔ اضلال متعدی ہے بمعنے بھٹکانا بھٹکنے دینا (پرواہ نہ کرنا) یہاں یہی معنیٰ مناسب ہیں اس کا فاعل اسم ظاہر لفظ اللہ ہے مَنْ اسم موصول واحد مذکر ذی عقل کے لیے ہوتا ہے۔ بحالتِ نصب ہے۔ مفعول بہ ہے يُضِلُّ کا۔ يَشَآءُ فعل مضارع معروف زمانۂ حال کے معنی میں ہے۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ باب فتح سے ہے متعدی ہے شَیْءٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چاہنا۔ پسند

کرنا۔ واؤ سرِ جملہ۔ یَهْدِیْ فعل مضارع معروف صیغہ واحد غائب اس کا فاعل هُوَ ضمیر مذکر مستتر کا مرجع اللہ ہے۔ بابِ ضَرَبَ سے ہے هَدْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ ہدایت دینا۔ راستہ دکھانا۔ توفیق دینا۔ یہاں سب معنیٰ ہی سکتے ہیں۔ مَنْ اسم موصول بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے یَهْدِیْ کا یَشَآءُ فعل مضارع معروف جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اس کا۔ واؤ سرِ جملہ یا حالیہ۔ هُوَ۔ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ الف لام اسمی بمعنےٰ اَلَّذِیْ عَزِیْزٌ۔ بروزنِ فعیل صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے برائے مبالغہ۔ عِزٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ غالب ہونا۔ پیارا ہونا۔ عزت والا ہونا۔ قاہر ہونا۔ اَلْحَكِیْمُ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ حکیم بروزن فعیل صفتِ مشبہ کے لیے ہے۔ حُکْمٌ اور حِکْمَتٌ بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ اچھی تدبیر والا۔ العزیزُ خبر اول ہے الحکیم خبر دوم ہے۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ۔ واؤ سرِ جملہ لام ابتدائیہ بمعنیٰ اَلْبَتَّۃَ یہ صرف ماضی مثبت پر آتا ہے۔ اور مفتوح ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں چار قسم کے لام ہوتے ہیں دو مفتوح۔ نمبر ۱۔ لام تاکید۔ نمبر ۲۔ لام ابتدائیہ ایک اسم و فعل دونوں پر آتا ہے دوسرا فقط فعل پر اور دو لام مکسور ہوتے ہیں۔ نمبر ۳۔ لام جارّہ۔ نمبر ۴۔ لام امر۔ قَدْ حرفِ تحقیق۔ اَرْسَلْنَا۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل اللہ تعالیٰ۔ مُوْسٰی اسم مفرد معرفہ عَلَمْ ہے اسم مقصورہ ہے بہر حال تقدیری اعراب ہوتا ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اَرْسَلْنَا۔ کا۔ یہ لفظ عبرانی ہے۔ دو لفظوں سے مرکب ہے۔ نمبر ۱۔ مُوْ۔ بمعنیٰ پانی۔ نمبر ۲۔ شا یا شے بمعنیٰ لکڑی یعنی لکڑی پانی والا۔ یہ نام فرعون نے حضرتِ موسیٰ کا رکھا تھا۔ نہر اور صندوق کی مناسبت سے۔ بِاٰیٰتِنَا بْ جارّہ بمعنیٰ مَعَ (ساتھ) آیات جمع ہے اٰیَۃٌ کی بمعنیٰ نشانی۔ معجزہ علامت۔ کلام۔ یہاں مراد ہے معجزہ۔ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متّصل کا۔ مرکب جار و مجرور متعلق ہے اَرْسَلْنَا فعل کا۔ اَنْ مفسّرہ تعلیلیہ ہے۔ سابقہ ماقبل کی عبارت مفسَّر ہے اور یہ مابعد کی عبارت مفسِّر ہے بمعنیٰ بسبب یعنی علت و معلول۔ اَخْرِجْ۔ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل ہے خطاب حضرت موسیٰ کو ہے۔ اِس کو خطاب حکایت کہا جاتا ہے۔ بابِ افعال سے ہے۔ مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنیٰ نکالنا۔ خَرْجٌ سے بنا ہے۔ قَوْمَ اسم مفرد معنوی جمع بمعنیٰ قبیلہ خاندان برادری۔ ہم وطن۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اَخْرِجْ کا۔ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متّصل مضاف الیہ ہے قوم کا۔ مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے۔ الف لام استغراقی ظُلُمٰت جمع ہے ظُلْمَۃٌ کی بمعنیٰ اندھیرا۔ اِلٰی جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے۔ النُّور۔ الف لام عہدی ذہنی یا خارجی۔ نور اسم مفرد جامد۔ اجوف واوی کا مادۂ اشتقاق بھی ہوتا ہے مگر یہاں جامد ہے بمعنیٰ مفید روشنی۔ بحالتِ کسرہ مجرور ہے متعلق دوم ہے اَخْرِجْ کا۔ وَذَكِّرْهُمْ بِاَیّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ۔ واؤ عاطفہ۔ عطف اَخْرِجْ پر ہے۔ ذَكِّرْ۔ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ باب تفعیل سے

ہے اس کا مصدر ہے تذکیرٌ ۔ بمعنیٰ ۔ دھیان رکھنا خیال رکھنا ۔ ذکر کرنا ۔ نصیحت پکڑنا ۔ یاد دلانا ۔ یہاں یہ آخری معنی ہیں ۔ ھُمْ ۔ ضمیر جمع غائب کا مرجع قوم بنی اسرائیل ہے ۔ مفعول بہ ہے ذَکِّرْ کا ۔ بِ جارہ زائدہ تاکیدِ تذکیر کے لیے اَیَّام ۔ اسم جمع مکسّر کثرت ہے یَوْم واحد کی ۔ اسم ظرف مطلق ہے ۔ حقیقتاً زمانی ہے ۔ یَوْم کے معنی ہر دن ۔ جب معرفہ باللام ہو تو انتہائی مخصوص دن یعنی آج ۔ اَیَّامُ بمعنیٰ بہت سے دن ۔ زمانہ مدت ۔ وقت ۔ موقعہ ۔ مضاف ہے ۔ اللّٰہِ مضاف الیہ ہے ۔ مرکب اضافی سے مراد واقعاتی زمانہ جس میں اللہ کی طرف سے کچھ ہوا ہو ۔ جار و مجرور متعلق ہے ذَکِّرْ کا ۔ اِنَّ ۔ حرف تحقیق شروع کلام میں ہے اس لیے بکسرِ ہمزہ ہے ۔ فی جارہ ظرفیہ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مبنی ہے بحالت جر ہے ۔ یہ جار و مجرور متعلق مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ کا وہ مرفوع ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا ۔ لام تاکیدیہ ۔ اٰیٰتٍ جمع مؤنث سالم ہے اٰیَۃٌ کا ۔ بمعنیٰ نشانِ قدرت بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی لِکُلِّ ۔ لام جارہ نفع کا ۔ کُلِّ اسم تاکیدی جمعیت کے لیے مجرور ہے لام سے ۔ صَبَّارٍ اسم مبالغہ بروزنِ فعّال جوّاد ۔ غفّار ۔ وغیرہ صَبْرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ بہت صبر کرنے والا ۔ شَکُوْرٍ صفتِ مشبّہ بمعنیٰ شاکر ۔ بروزنِ غفورٍ فعولٍ ۔ بمعنیٰ ہر وقت شکر کرنے والے بذریعہ عبادتِ الٰہیہ ۔ قدر دان احسان مند ۔ لفظِ صبّار اور شکور صفاتِ الٰہیہ بھی ہیں مگر وہ بمعنیٰ صبر قبول کرنے والا اور شکر قبول و منظور فرمانے والا ۔ یہاں یہ دونوں بندے کی صفت ہیں ۔

تفسیر عالمانہ | وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ

سلطانِ کائنات والو ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے از اول تا آخر کوئی رسول بھی مگر اُسی رسول علیہ السلام کی قومی علاقائی زبان میں اس طرح کہ اُن نبی کی اپنی ایک لغت ۔ بھی ان ہی قوم والوں سے تھی اور جو وحیِ الٰہی کتاب الٰہی نازل ہوئی وہ بھی اسی علاقائی زبان میں ہی نازل ہوئی مثلاً توراۃ عبرانی میں زبور یونانی میں اور انجیل سریانی میں ۔ تمام مفسرین یہ ہی معنیٰ بیان فرماتے ہیں سوائے ایک شخص امام سفیان ثوری کے کہ انہوں نے یہ اختراع کرلی کہ تمام آسمانی کتابیں عربی میں نازل ہوئیں پھر انبیاء نے معاذ اللہ قوم کو ترجمہ پیش کیا ۔ کسی نے کہا کہ جبرئیل علیہ السلام نے ہی ترجمہ کرکے انبیاء کو سنایا ۔ (تفسیر روح المعانی و قادری) حالانکہ یہ اتنا غلط عقیدہ ہے کہ اس سے سینکڑوں باطل نظریات پیدا ہوگئے ۔ معتزلہ فرقہ ایسے ہی بد نظریاتی کی پیداوار ہے ہمارے دور کے بعض جہلانے اسی بطلان کا سہارا لے کر سابقہ کتبِ الٰہیہ کے کلامِ الٰہی ہونے کا ہی انکار کردیا مگر خدا تعالیٰ نے جلد ہی ان کو ذلیل و رسوا کیا ۔ ہر قوم کی زبان میں وحی اور نبوت آنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے تاکہ وہ نبی اپنی اس برادری اور قوم کو اللہ تعالیٰ کا وہ کلام کھول کھول کر بیان فرمادیں اور قوم اہلِ زبان ہونے کی بناپر جلدی سمجھ لے

آگے رب تعالیٰ کی منشاء حکمت ہے کہ جس کو چاہے گمراہ کر دے یعنی اُس کو کھلا چھوڑ دے کہ بھٹکتا پھرے یا اُس کے جبلتِ پیدائشی میں گمراہی پیدا کر دے یا اس کو توفیق ہی نہ دے کہ بھلائی کی طرف جانے اُس کا دل ہی نہ چاہے۔ یہ سب صورتیں رب کی طرف سے گمراہی ملنے کی ہیں۔ اور جس کو چاہے ہدایت دے دے یا اس طرح کہ اس کو شریعت طریقت حقیقت معرفت کی محبت ملجائے یا اس طرح کہ دل بھلائی کی طرف ہی مائل رہے یا اس طرح کہ اس کی نفسانیت تو ہر وقت گناہ تلاش کرتی رہے مگر رب تعالیٰ اس کو ہر طرف سے گناہ سے دور رکھے اور گناہ اُس سے نفرت کریں دور بھاگیں یا بندے کو ایسی کیفیت اور مقام و معاشرے میں رکھ دے کہ بندہ اپنے لباس و مرتبے کے لحاظ سے گناہ سے بچے مثلاً عالم۔ خطیب امام۔ پیر۔ اپنی عالمیت اور قوم کے طعنوں سے بچنے کے لیے بھی بیشمار گناہوں سے بچا رہتا ہے یا رب تعالیٰ بندے کو ایسی کمزوری بزدلی۔ یا بیماری میں بجڑ دے کہ وہ گناہ نہ کر سکے یہ سب رب تعالیٰ کی مختلف شکلوں کی ہدایتیں ہیں۔ بندے کو ان سب حالات میں اس ہدایت پر شکرِ الٰہی بجالانا چاہیے۔ دنیوی زندگی میں کوئی رو کنے ٹوکنے والا نہ ہونا بھی عذاب ہے۔ اور وہ اللہ اپنے ہر کام میں عزیز یعنی غالب ہے کہ اس کو کوئی پوچھنے والا نہیں اور حکیم یعنی حکمت والا ہے کہ کوئی کام بے کار بے وقت بے فائدہ نہیں اُس کا ہر عمل ہر شخص کے ساتھ بالکل حکمت مصلحت بروقت اور فائدے مند ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ ۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ اور البتہ بیشک کبھی کسی زمانے میں ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنی کتاب کی آیتوں کے ساتھ یا نو معجزات کے ساتھ اسی لیے بھیجا تھا کہ وہ صرف اپنی قوم برادری کو ظلمات اندھیریوں سے نکال کر نور روشنی کی طرف لیجائیں۔ یا ظلمات سے مراد فرعون کے ظلم ہیں اور نور سے مراد صحبت پاک موسوی کا آرام و عافیت ہے یا ظلمات سے مراد بے علمی کی جہالت ہے اور نور سے مراد حضرت موسیٰ کے وعظ اور توریت کی تعلیم کی روشنی ہے کیونکہ یہ بنی اسرائیل سینکڑوں سال سے فرعونیوں میں پھنس کر مذہبی اور غیر مذہبی سب علم بھول چکے تھے۔ یا نور سے مراد ایمان ہے اور ظلمات سے مراد کفر ہے یا نور سے مراد عبادت و تقویٰ ہے اور ظلمات سے بد عملی فسق و فجور مراد۔ یا نور سے مراد نیک محفلیں ہیں اور ظلمات سے مراد فرعون کی بری مجلسیں صحبتیں ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سب کچھ ہی مراد ہے۔ احادیث مطہرات میں ہے کہ اللہ کی جانب سے موسیٰ علیہ السلام کو نو نشانیاں ملیں۔

نمبر ۱۔ عصا۔ نمبر ۲۔ ید بیضا۔ یہ دونوں معجزے ہدایت کے لیے تھے۔ نمبر ۳۔ مکڑی کا چھا جانا۔ نمبر ۴۔ مینڈکوں کی کثرت۔ نمبر ۵۔ ہر چیز کا خون بن جانا۔ نمبر ۶۔ جوؤں کی کثرت۔ نمبر ۷۔ بارشوں کا بند ہونا قحط سالی غربت۔ نمبر ۸۔ ہر چیز کا خون ہو جانا۔ نمبر ۹۔ طوفان دریا میں غرقابی یہ عذاب بددعاء موسیٰ علیہ السلام سے

ہوئے۔ اور ہدایت نہ لینے کا نتیجہ ان کے علاوہ حضرت موسیٰ کے معجزات بھی ہیں۔

نمبر۱۔ پہاڑ کا قوم کو پناہ دینا۔ نمبر۲۔ من و سلویٰ۔ نمبر۳۔ بادل کا سایہ کرنا۔ نمبر۴۔ مقام تیہ میں کپڑوں کا میلا نہ ہونا غسل کی حاجت نہ ہونا۔ نمبر۵۔ پتھر سے چشمہ جاری ہونا۔ نمبر۶۔ کوہِ طور پر حاضری اُؤ کو مر کر زندہ ہونا۔ اور سب تعالیٰ کا دوسرا حکم موسیٰ علیہ السّلام کو یہ تھا کہ ذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ ان نبی اسرائیل سے اللہ کے دنوں کی یادگار منواؤ تاکہ یہ خود بھی اور ان کی آئندہ نسلیں بھی دنوں کی یاد مناتے رہیں کہ جب وہ دن تاریخ معینہ سال بعد لوٹ کر آئے تو یہ رب کی نعمتوں کو جو اُس دن ملیں تھیں یاد کر کے شکر کے سجدے بجا لائیں کریں یاد دلانے کا طریقہ کیا ہے یا اس طرح کہ ہر فرد کو علیحدہ علیحدہ بتاؤ مگر یہ تو بہت مشکل ہے اور وقت بھی بہت خرچ ہو گا۔ تو بہتر اور آسان طریقہ یہ ہے کہ روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہوار یا سالانہ تمام بنی اسرائیل کو جمع کر کے بڑا اجتماع کرو بڑی محفل سجاؤ۔ اور اس میں بطور وعظ تقریر حمد و ثنا کرتے ہوئے بتاؤ کہ لوگو تم پر اللہ کی یہ نعمتیں برکتیں رحم و کرم ہوئے۔ نمبر۱۔ تم کو انبیاءِ کرام کی نسل و اصل بنایا۔ نمبر۲۔ تم کو تمام جہانوں پر جن و ملک پر فضیلت دی نمبر۳۔ شریعت کے نور طریقت کے پھول دیے۔ نمبر۴۔ تم کو دنیا پر بادشاہتیں دیں۔ نمبر۵۔ تم کو اپنے کلام کی وحی اور صحیفے اور تورات دی۔ نمبر۶۔ اس کے باوجود کہ تم نے نافرمانیاں کر کے اپنے پر عذاب نازل کروائے اور فرعون کی غلامی اور ذلت مصیبت میں جا پڑے مگر رب تعالیٰ نے اپنے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے ذریعے بار بار تم کو عزت رحمت برکت سے نوازا۔ اور تمہارے دشمنوں کو ذلیل و خوار کر کے غرق کر دیا اور تمہاری شان بڑھا دی۔ بنی اسرائیل یہ سب باتیں اور سبق بھول چکے تھے اے کلیم محترم پیارے موسیٰ ان کو یاد دلاؤ۔ اور توریت پڑھاؤ سابقہ عذاب سناؤ ہم نے انسان بنایا۔ بندہ تم بناؤ بے شک اے آج کی نسلو۔ مومنو۔ کافرو۔ اُن پہلی نشانیوں میں انبیاء کی تبلیغوں میں قوموں کے عذابوں میں۔ عبرت مہلت بچنے سیکھنے کے لیے البتہ بڑی کھلی واضح آیتیں ہیں۔ ہر صبار کے لیے۔ جو ہر وقت ہر حالت میں صبر کرے اور ہر شکور کے لیے جو ہر وقت ہر حالت میں رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتا رہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر سانس جو اندر جاتی ہے وہ اس میں مومن شکر کرتا ہے اور جو سانس باہر آتی ہے وہ مومن کے صبر کی ہوتی ہے حدیثِ پاک میں ہے۔ کہ یقین ایک درخت ہے جس کا آدھا باطن یعنی جڑیں ہیں اور آدھا ظاہر یعنی شاخیں ہیں۔ باطنی درخت صبرِ مومن ہے اور ظاہری درخت شکرِ مومن ہے اور پورے درخت کا نام ایمان ہے۔ گویا کہ صبر بھی آدھا ایمان شکر بھی آدھا ایمان کامل مومن وہ ہے جس کے یقین کا پورا درخت سرسبز تر و تازہ اور پُربہار ہو۔ صبر کی بھی پانچ قسمیں۔

نمبر۱۔ صبر عملی۔ نمبر۲۔ صبر قولی۔ نمبر۳۔ صبر لسانی۔ نمبر۴۔ صبر قلبی۔ نمبر۵۔ صبر وجودی اور شکر کی بھی پانچ قسمیں۔
نمبر۱۔ شکر عملی۔ نمبر۲۔ قولی۔ نمبر۳۔ لسانی۔ نمبر۴۔ شکر قلبی۔ نمبر۵۔ شکر وجودی۔ انتقام سے رکنا صبر عملی ہے۔

بدزبانی سے رکنا صبر قولی ہے شکوہ شکایت عدم کنا صبر لسانی ہے ظلم کو بھول جانا اور تکالیف کو حکمتِ الٰہی جاننا صبرِ وجودی ہے اسی طرح احسان و عبادت کرنا شکرِ عملی ہے۔ نعمتوں کا چرچہ کرنا شکرِ قولی ہے۔ حمد و ثنا کرنا شکرِ لسانی ہے اپنے گناہوں خطاؤں لغزشوں اور کیوں کا معترف ہونا رب تعالیٰ کے کرم و فضل پر نگاہ رکھنی شکرِ قلبی ہے۔ نفس و ذات اور خودی کو مٹانا شکرِ وجودی ہے۔ جو ایک قسم کا شکر صبر کرے کبھی نہ کرے وہ صابر شاکر ہے جو پانچوں قسم کے صبر و شکر کرے وہ صبار و شکور ہے۔ آقاءِ کل دانائے سبل صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن عجیب خوش قسمت ہے کہ اُس کا ہر کام خیر ہی خیر ہے۔ وہ دُکھ میں صبر کر کے ثواب پا لیتا ہے اور سکھ میں شکر کر کے رضاءِ الٰہی پا لیتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ اُمتِ مصطفےٰ کو دو نعمتیں ملیں۔ نمبر۱۔ عقل۔ نمبر۲۔ علم۔ عقل سے صبر ملا علم سے شکر ملا۔ عقل کی کثرت نے مومن کو صبار بنایا اور علم کی کثرت نے شکور بنایا اور یہ دونوں انعام فضلِ ربی ہیں۔

فائدے ان آیاتِ مطہرات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ آقاءِ دو عالم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوق کی زبانیں جانتے ہیں یہاں تک کہ پتھروں لکڑیوں اور جانوروں کی زبانیں بھی جانتے سمجھتے ہیں۔ یہ فائدہ بِلِسَانِ قَوْمِهٖ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا اور نیز کثیر احادیث سے یہ حقیقت واقعی ہے۔ تمام مخلوق عرشی و فرشی نبی پاک کی قوم ہیں۔

دوسرا فائدہ۔ انبیاء کرام اور خاص کر رحمۃ عالمین علیہم الصلوٰۃ والسلام دنیا والوں کو ہر عیب ہر برائی سے پاک کرنے والے اور بچانے والے ہیں اس لیے ان کے پاس بیٹھنے والا ہر شخص ہر عیب سے پاک ہوتا ہے۔ یہ فائدہ مِنَ الظُّلُمٰتِ میں ظلمات۔ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ کفر۔ گمراہی۔ منافقت۔ لالچ۔ بد دیانتی۔ بدعملی۔ تقیہ۔ جھوٹ فریب۔ غداری وغیرہ سب ظلمت میں داخل ہیں۔ لہٰذا اب جو شخص کسی بھی صحابیٔ پاک کو ذرہ برابر کسی غلطی یا برائی کی تہمت لگائے تو وہ قرآنِ کریم کا منکر ہے۔

تیسرا فائدہ۔ نبی کی ذات نور ہے اسی طرح انبیاء کرام کا وعظ۔ کلام۔ اور کتاب۔ وحی الٰہی بھی نور ہے۔ مگر ذات اور جسم خلقتاً نور ہونا نبی علیہم السلام کی شان ہے باقی اسلام کی چیزوں کا نور ہونا صفتاً بمعنٰی ہدایت کی روشنی۔ یہ فائدہ نور کو واحد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ رب تعالیٰ کو وہ بندہ بہت پسند ہے جو صبار ہو شکور ہو۔ اگرچہ صابر شاکر عابد زاہد ہونا بھی ایمان کی نشانی ہے مگر صبار اور شکور کی زیادہ فضیلت ہے۔ اور یہ ہمہ وقتی صفت ہے۔ **پانچواں فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کی غیر خصوصی صفات بھی ہوتی ہے اور خصوصی صفات بھی۔ غیر خصوصی صفات غیر اللہ کے لیے استعمال کرنی جائز ہیں۔ یہ فائدہ صَبَّار اور شَكُوْر فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بھی نام ہیں اور یہاں بندوں کو انہی صفاتی ناموں سے ذکر کیا گیا۔ لہٰذا نبی پاک کو۔

رحیم کریم اور غیب دان ۔ حاضر و ناظر اور بخشنے والا کہا جا سکتا ہے ۔ کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی غیر خصوصی صفات ہیں ۔ قرآن مجید میں مختلف جگہ اللہ تعالیٰ نے اپنے چوبیس تقریباً صفاتی نام نبی پاک کو بھی عطا فرمائے ۔
چھٹا فائدہ ۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تمام انبیاء کرام علیہم السّلام صرف اپنی اپنی مخصوص قوم و قبیلے کی طرف ہی مبعوث ہوئے ۔ یہ فائدہ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔ جب کہ ابھی پہلی آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لِتُخْرِجَ النَّاسَ ارشاد ہوا ۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔
پہلا مسئلہ ۔ اچھے دنوں کی یادگاریں قائم کرنا جائز بلکہ واجب ہیں اس سے دینی و دنیوی بہت فوائد ہیں ۔ یہ مسئلہ وَذَكِّرْهُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ کیونکہ ذَكِّرْ امر ہے اور امر اصلی معنیٰ میں وجوب کے لیے ہوتا ۔ لہٰذا محفل میلاد شب معراج ۔ اور گیارھویں ۔ بارھویں پاکستان کی یادگار وغیرہ سب جائز ہیں ۔ محفل میلاد کے مکمل ثبوت کے لیے ہمارا فتوئے میلاد کا مطالعہ فرمایا جائے ۔
دوسرا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ کی چیزوں کو پیارے اور نیک متقی بندوں کی چیزیں کہنا جائز ہے اور بندوں کی چیزوں کو اللہ تعالیٰ کی چیزیں کہنا جائز ہے خاص کر انبیاء کرام کی طرف اس طرح کہنا بدرجۂ اولیٰ جائز ہے ۔ یہ مسئلہ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ سے مستنبط ہوا ۔ دیکھو ۔ چند مخصوص دنوں کو اللہ کے پیاروں ۔ اولیاؤں ۔ اور کچھ نعمتوں سے نسبت ہوگئی تھی تو رب تعالیٰ نے ان کو اَيّٰمِ اللّٰهِ ۔ اللہ کے دن فرمایا ۔ پس اسی طرح ۔ نیکوں کی بات کو اللہ کی بات کہہ سکتے ہیں ۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

کہنا بھی ٹھیک ہے ۔ اسی طرح اللہ کی مسجدوں کو مسجد نبوی ۔ مسجد غوثیہ کہنا بھی جائز ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں ۔
پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ سابقہ امتوں کے لیے تو یہ درست ہے اور کافی ہے کہ ایک قوم اور ایک زبان کے لیے ایک نبی ہوتے تھے علیہ السّلام لیکن نبی کریم تو ایک قوم کے لیے تشریف نہیں لائے آپ تو کَافَّةً لِّلنَّاسِ ہیں جب عربی قرآن مجید اترا تو عربیوں کے لیے کافی ہو گیا ان کا عذر ختم ہو گیا لیکن تا قیامت دوسروں کے لیے ہر زبان میں قرآن مجید کیوں نہیں نازل ہوا ۔
جواب ۔ تین وجہ سے ۔ نمبر ۱ ۔ قرآن مجید کی سمجھ اپنی انتہائی بلاغت و فصاحت کی وجہ سے صرف عربی دانی سے نہیں آ سکتی اس کے لیے بہت سمجھانے تفسیر کرنے کی ضرورت ہے اور یہ کام تا قیامت علماء ۔ صوفیا ۔

مفسرین کے ذمہ لگنا ہی تھا اس لیے ویسے ہی ایک زبان میں آیا تاکہ دوسروں کو تفسیر کے ساتھ ساتھ اُن کے ترجمے بھی کر کے یہ ہی علما مفسرین سکھائیں تاکہ زیادہ محنت سے زیادہ ثواب بھی ملے اور علما فقہا کا ایک طبقہ پیدا ہوتا ہے اور دنیا کے ہر کونے میں ہر شکل میں پہنچ بھی جائے اور پھر ایک بھی رہے۔ اتحاد کی کیسی بہترین عالمگیر شکل پیدا ہو گئی۔ اگر ہر زبان میں علیحدہ قرآن نازل ہوتا تو اپنا اپنا کلام لے کر ہر شخص علیحدہ ہو جاتا کوئی کسی دوسرے سے تعلق نہ رکھتا یہاں تک کہ عربی عجمی کو بھول جاتے۔ نمبر ۲۔ عربی دنیا کے علاوہ قبر و حشر اور جنت کی زبان ہے۔ نمبر ۳۔ ایک زبان میں ہونے کی وجہ سے تاویل تحریف اور تبدیلی سے بچ گیا۔ اور پھر تشہیر میں بہت فائدہ کہ ساری دنیا میں منزل قرآن پہنچ گیا۔ نمبر ۴۔ دوسری زبانوں میں اتنا اختصار۔ اتنی فصاحت بلاغت نہیں جو عربی میں ہے۔

دوسرا اعتراض۔ بلسان قومہ سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم بھی صرف عرب قوم کے لیے ہوں نہ کہ ساری اقوام کے لیے۔ اور یہی قرآن اگر معجزہ اپنی فصاحت و بلاغت کی بنا پر ہے تو وہ بھی صرف اہل عرب کے لیے ہوا دوسرے عجمیوں کو اس کی فصاحت کی کیا سمجھ لہٰذا نہ قرآن ساری دنیا کے لیے نہ محمد رسول اللہ دنیا کے لیے (فرقہ یہودیہ عیسویہ)

جواب۔ صرف قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت ہی معجزہ نہیں بلکہ کسی کے لیے بلاغت کسی کے لیے تلاوت کسی کے لیے اس کی حفظ اور ساری کتاب کو بہت آسانی سے یاد کر لینا۔ کسی کے لیے اس کی لذت سمجھ آئے یا نہ آئے۔ بے سمجھ لذت ہونا بھی بتاتا ہے کہ ساری کائنات کے لیے ہے کسی کے لیے اس کی تفسیر اس کے اسرار مسائل غرض کہ اس کی ہر چیز معجزہ ہے اس لیے یہ ہر ایک کے لیے معجزہ ہے اور یہ نبی کریم کا ہے تو نبی کریم بھی ساری کائنات کے لیے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ اور ہم نے بھیجے ہر پیغام لانے والے کو اسی پیغام کے ساتھ بھیجا جس کی طالب حقیقت کو ضرورت تھی تاکہ اپنی استعداد قوت فہم طاقت ادراک کے مطابق سمجھائے کلام اور کلام کے لانے والے کا فیض پورا پورا حاصل کرے اور بیان اسرار کا فائدہ ہو۔ اہل شریعت کے لیے شریعت ہی بیان کی جائیں طریقت کے وعظ نہ کئے جائیں اور طلباء طریقت کے سامنے مراقبے اور مکاشفے کے وعظ سنائے اور سبق لکھوائے جائیں۔ ہر نبی ہر صدیق کی کلام معرفت اور طریق محنت میں اصطلاح علیحدہ ہے۔ عوام کے سامنے اصطلاحات صوفیا بیان کرنا حرام ہے۔ ورنہ گمراہ ہو جائیں گے یا بدظن۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے منتہی طلبا کو بھی محی الدین ابن عربی اور وحدت الوجود اور ہمہ اوست کی کتابیں نہ پڑھنے دیتے تھے۔ بعض صوفیا اپنے مریدین کو نقشبندیوں سے دور رکھتے ہیں اس لیے کہ یہ راستے کٹھن ہیں۔ مگر یہ باتیں پہلوں کی ہیں آج تو نہ فادریت کا کسی کو پتہ ہے نہ نقشبندیت و سہروردیت کا صرف جبہ و دستار ہی باقی رہ گئی ہے۔

يُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۔ عرفان سے دور جھٹکا چھوڑ دیتا ہے اللہ جس مغرور کو نا پسندی ناراضگی میں پاتا ہے اور جس عاجز مسکین مخلص کو چاہتا ہے سراطِ مستقیم کی آسانیوں سے نوازتا ہدایت دیتا ہے۔ اور وہی رب کائنات بندوں پر عزیز ہے اور اپنے اعمال میں حکمت والا ہے۔ اللہ جس کو چاہتا ہے محبوبیت سے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے محبوبیت سے ہدایت وصل عطا فرما دے واصلین کو عزت دینے والا ہے۔ اور نا اہلوں کو دور رکھنے میں حکمت و مصلحت والا ہے۔ اس لیے کہ جب کوئی تجلی کے نشے میں مدہوش ہوتا ہے اور شراب محبت کے نشہ میں وادیٔ حیرت میں سرگرداں ہوتا ہے لیکن محروم وہ سکر سے حیرت میں اور کبھی حیرت سے سکر میں پہونچ جاتے ہیں اس کی ضلالت ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ اور یہ بات یقینی ہے کہ ہم نے وصلِ الٰہی کے جام پینے والے موسیٰ و کلیمی کو اپنے مشاہدات کی بہت نشانیاں دیں تاکہ اپنی خصائل حمیدہ والی قوم کو غفلتوں کے ظلمات سے اعمالِ صالحہ محنتِ شاقہ کے نور کی طرف نکالے۔ اور مراقبے اور مکاشفے والے انعامِ الٰہی کے دنوں کی یاد رکھے۔ اسرار کے مکاشفے کو انتہا نہ تھی وہ ابتدا تھی۔ بیشک اس قرب و بعد۔ وصل و حجاب۔ اسرار و انوار میں شاہکارِ قدرت کی بیشمار نشانیاں ہیں۔ ہر قضاء و قدر پر صبر کرنے والے۔ اور عالم بالا کی شعاعیں پانے والے شکر گذار کے لیئے صوفیا فرماتے ہیں کہ صابر وہ ہے جو اپنے نفس سے غم دنیا کو نکال پھینکے اور صبار وہ ہے جو قضاء و قدر کے فیصلوں پر جبین نیاز خم کر دے۔ کم کھائے کم بولے۔ شاکر وہ ہے جو حسن اخلاق کو ملحوظ رکھے اپنے رب کریم کے مراقبے میں رہے۔ اور شکور وہ ہے جو اپنے اسرار کو چھپائے اللہ سے ہمیشہ خائف رہے مدبر پر بھروسہ کرے مصائب پر شکوہ نہ کرے عابد وہ ہے جو ذاتی کرے اور باطن کو سپرد خدا کرے۔ زاہد وہ ہے جو راحت و امارت کو ترک کرے۔ شہواتِ نفسانی سے باز رہے۔ نفس کو شریعت کے شکنجے میں رکھے۔ مجاہد وہ ہے جو تدبر تفکر میں غفلت نہ برتے۔ یہ منزلیں ہیں جن سے آگے مقام صبر و شکر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ

اور یاد کرو جب فرمایا موسیٰ نے کو قوم اپنی کہ چرچا کرو نعمت کا اللہ کی

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا یاد کرو اپنے اوپر اللہ کا احسان

عَلَيْكُمْ إِذْ أَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ

پر تم جب کہ بچایا تم کو سے فرمانبرداروں فرعون کے جو ذلیل رکھتے تھے تم کو

جب اُس نے تمہیں فرعون والوں سے نجات دی جو تم کو بری مار دیتے تھے

سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ

بری تکلیفوں سے اور قتل کرتے تھے بیٹوں کو تمہارے اور زندہ رکھتے تھے بیٹوں کو تمہاری

اور تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری بیٹیاں زندہ رکھتے اور اس میں تمہارے رب کا

وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ع

اور بیں اس امتحان تھا طرف سے رب کے تمہارے بڑا

بڑا فضل ہوا۔ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

اور یاد کرو جب کہ اعلان فرمایا رب نے تمہارے البتہ اگر تم شکر کروگے البتہ زیادہ دوں گا میں تم کو

سنایا کہ اگر احسان مانوگے تو میں تمہیں اور دوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب

وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ، وَقَالَ

اور ضرور ہے کہ اگر ناشکری کروگے تم بیشک عذاب میرا یقیناً سخت ہے۔ اور فرمایا

سخت ہے۔ اور موسیٰ نے کہا اگر تم اور زمین

مُوْسٰٓى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

حضرت موسیٰ ۔ اگر کفر کرو تم اور وہ جو میں زمین ہیں

میں جتنے ہیں سب کافر ہو جاؤ تو بیشک اللہ بے پرواہ

جَمِيْعًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ ۝

سب بس بیشک اللہ البتہ بے نیاز ہے حمد والا ہے

سب خوبیوں والا ہے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں ارشاد ہوا تھا کہ ہم نے حضرت موسیٰ کو اس لیے بھیجا کہ اپنی قوم کو رب تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلاؤ۔ اب ان آیات میں حضرت موسیٰ کا اپنی ڈیوٹی ادا فرماتے ہوئے قولی تبلیغ کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں اللہ کی نعمتوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں اُن نعمتوں کی کچھ تفصیلی فہرست بتائی گئی۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں صابر و شاکر بندوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیات میں صبر و شکر کرنے کا فائدہ بیان ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ کے دنیا میں تشریف لانے کا مقصد بیان ہوا کہ حضرت موسیٰ نے اپنا مقصد بعثت پورا فرمایا۔ اب ان آیات میں قوم کی بعثت کا مقصد بیان ہوا کہ اگر تم اپنا مقصد خلقت یعنی ایمان و عباداتِ الٰہیہ پورا نہ کرو گے تو کسی کو بھی تمہاری پروا نہ ہوگی۔ کیونکہ اللہ غنی اور حمید ہے۔

تفسیر نحوی وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۔ واؤ سر جملہ اِذْ۔ اسم ظرفیہ زمانیہ بمعنی جب۔ جب کہ۔ جس وقت۔ یہ اصلاً تو زمان ماضی کے لیے ہوتا ہے مگر کبھی زمان مستقبل کے لیے ہوتا ہے۔ اسی طرح اصلاً تو ظرفِ زمانی ہے مگر کبھی مکانی کے لیے بھی آتا ہے بمعنی جس جگہ۔ اِذْ ظرفیہ کے بعد ہمیشہ اُذْكُرْ امر واحد حاضر یا اُذْكُرُوْا امر جمع حاضر پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ خود اس پوشیدہ کا اکثر ظرف (مفعول فیہ) ہوتا ہے مگر کبھی مفعول بہ کبھی بدل۔ اور کبھی مبتدا کی خبر ہوتا ہے۔ یہاں ظرفِ زمان اور مفعول فیہ ہے پوشیدہ کا۔ کبھی اِذْ ظرفیہ کا نہیں ہوتا بلکہ مفاجائیہ ہوتا ہے بمعنی اچانک۔ اور کبھی تعلیلیہ قَالَ فعل ماضی موسیٰ اسم مقصور اس کا فاعل ہے۔ یہ عجمی عبرانی لفظ ہے مگر عجمی غیر منصرف نہیں۔ کیونکہ اب بھی عجمی ہے عربی لفظ نہیں بنا۔ بحالتِ رفع ہے۔ لام زائدہ مفعولیت کا ہ ضمیر کا مرجع موسیٰ ہے جار و مجرور متعلق ہے قَالَ کا۔ اگلی عبارت جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہے قَالَ کا۔ اور یہ قول اپنے مقولے سے مل کر اُذْكُرْ کا مظروف مفعول بہ ہوا اُذْكُرُوْا فعل مرجع حاضر مذکر ذِکْرٌ سے بنا ہے بمعنی یاد کرنا

بابِ نَصَرَ سے ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع قوم ہے۔ نِعْمَۃَ اسم مفرد جامد بمعنی انعام احسان۔ نفع اور آرام دینے والی چیز۔ بلا معاوضہ ملنے والی چیز۔ اس کی جمع ہے نِعَمٌ بحالتِ فتح مفعول بہ ہے ماشدِ اسم معرفہ مجرور ہے۔ علی جارہ بمعنی فوقیت یا بمعنی لام نفع کا۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر مجرور متصل کا مرجع قوم ہے متعلق ہے اُذْکُرُوا کا اِذْ اسم مبنی ظرفیہ زمانیہ یا تعلیلیہ۔ اَنْجٰی۔ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ باب افعال۔ نَجٰی سے مشتق ہے بمعنی نجات دینا۔ بچانا۔ دور رکھنا۔ چھٹکارا دینا یا دلانا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں باب افعال سے ہے۔ در اصل تھا اَنْجَیَ ی کو الف سے بدلا گیا ماقبل کے زبر کی وجہ سے۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اللہ ہے کُمْ ضمیر کا مرجع قوم مخاطب ہے۔ مِنْ جارہ بمعنی عن جارہ برائے تجاوز۔ آل اسم مفرد جامد ہے مگر اس کی اصلیت میں تین قول ایں نمبر۱۔ اصل میں اَھْلٌ نمبر۲۔ اَصْل تھا اَوْلٌ نمبر۳۔ اصل تھا اَوْلٌ بمعنی فرماں بردار مطیع۔ زیرِ پرورش لوگ۔ پہلا قول چند وجہ سے صحیح نہیں۔ یا اس لیے کہ لفظِ اہل ہر ایک کے لیے مستعمل ہے۔ خواہ اس کا مضاف الیہ عقل والا ہو یا بے عقل جانور جمادات وغیرہ مگر آل کا لفظ غیر عقل اور گھٹیا انسان کے لیے نہیں آسکتا۔ دنیوی لحاظ سے بڑے آدمی کی نسبت آل کی طرف ہوتی ہے یا اس لیے کہ آل کا مضاف الیہ جب علیحدہ بھی آئے تو آل میں مضاف الیہ میں شامل نہیں ہوگا۔ جیسے عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ اور جب علیحدہ ہو تو آل میں مضاف الیہ بھی شامل ہو گا۔ جیسے یہاں آلِ فِرْعَوْنَ یہ بات اہل میں نہیں۔ اسی اختلاف سے اس کی تصغیر ہے۔ اُھَیْل یا اُوَیْل۔ بحالت جر ہے فِرْعَوْنَ اسم جامد عبرانی لفظ ہے۔ شاہ مصر کا لقب ہوتا تھا جیسے آجکل صدر۔ پریذیڈنٹ یا ملک ہوتا ہے۔ یَسُوْمُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع غائب مستتر اس کا فاعل مرجع آل اور فرعون دونوں۔ سَوْمٌ سے مشتق ہے بمعنی مجبور کرنا۔ ذلیل کرنا۔ تکلیف دینا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں باب نصر سے ہے کُمْ اس کا مفعول بہ مرجع قوم سُوْءَ اسم مفرد جامد بمعنی۔ برا۔ ذلیل۔ آفت۔ گناہ۔ غمگین کرنے والا یہاں ہر معنی ہو سکتا ہے۔ شدت پیدا کرنے کے لئے آتا ہے۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ دوم۔ اَلْعَذَابْ الف لام عہدِ خارجی عَذَاب صفتِ مغبۃ کا صیغہ ہے۔ بمعنی سزا اضافت وصفی ہے بحالت کسرہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے یَسُوْمُوْنَ پر یُذَبِّحُوْنَ۔ فعل مضارع باب تفعیل۔ مصدر تَذْبِیْحٌ یا تَذْبِیْحَۃٌ ہے۔ صیغہ جمع مذکر غائب فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع وہی فرعون و فرعونی ذِبْحٌ سے بنا ہے۔ بمعنی گلا کاٹنا۔ قتل کرنا۔ اُن لانا۔ مار ڈالنا۔ خون بہانا۔ یہاں مراد ہے۔ مار ڈالنا۔ ھُمْ ضمیر فاعل کا مرجع وہی فرعون و فرعونی اَبْنَاءَ۔ جمع ہے ابن کی بمعنی نسلی بیٹا۔ خواہ اپنا نطفہ ہو یا پوتا وغیرہ۔ نحوی معنی۔ والا۔ کے بھی آتے ہیں۔ جیسے ابن السبیل راستے والا (مسافر) بحالتِ فتح مفعول بہ ہے یُذَبِّحُوْنَ کا۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کا مرجع قوم ہے۔ واؤ عاطفہ عطف ہے یُذَبِّحُوْنَ پر یَسْتَحْیُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر کا مرجع فرعون و فرعونی

باب استفعال سے ہے مصدر ہے۔ اِسْتِحْیَاءٌ۔ حَیِیٌّ۔ یا حَیٌّ۔ سے بنا ہے بمعنٰی زندگی میں رکھنا۔ زندگی بچانا۔ زندہ چھوڑنا۔ زندگی کو چھپانا۔ حیا کرنا۔ یہاں پہلے تین معنی مراد ہیں۔ نِسَاءٌ۔ اسم جمع جامد ہے اس کا لفظی واحد کوئی نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا غیر لفظی واحد امْرَأَۃٌ ہے۔ واللہ اعلم۔ بمعنٰی۔ بیویاں۔ عورتیں مونثیں۔ یہاں مونث کے معنٰی میں ہے۔ مراد ہے بچیاں۔ نساء اس لیے فرمایا گیا کہ بڑھاپے تک ان کو زندہ رکھنے کی کوشش کرتے تھے۔ بحالتِ نصب اس لیے ہے کہ مفعول بہ ہے۔ کُمْ ضمیر کا مرجع قوم بنی اسرائیل ہے۔ واؤ حالیہ فی جارہ ظرفیہ۔ ذٰلِکُمْ۔ اسم اشارہ بعیدی ہے۔ یعنی اُس میں۔ خطاب چونکہ مخاطبین کثیرہ کو ہے اس لیے اشارہ میں کُمْ ضمیر جمع حاضر آئی۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ بتدا کا بَلَاءٌ۔ اسم مصدر ہے بمعنٰی حاصل مصدر۔ یہ مادہ باب نَصَرَ میں آتا ہے بمعنٰی۔ آزمائش۔ امتحان۔ کبھی سَمِعَ میں آتا ہے بمعنٰی۔ غم۔ پریشانی۔ یہاں دونوں طرح معنی بن سکتے ہیں۔ بحالت رفع خبر ہے پوشیدہ بتدا کی مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے رَبِّ۔ اسم صفاتی ہے بحالتِ کسرہ مجرور ہے۔ جار و مجرور ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے بَلَاءٌ مصدر کے۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر مجرور متصل مضاف الیہ۔ عظیم صفتِ مشبہ بروزنِ کَرِیْمٌ فَعِیْلٌ۔ بمعنٰی بہت بڑی بمعنٰی اسم فاعل ہے۔ عِظَمٌ سے مشتق ہے۔ معنی ہے مضبوط۔ سخت۔ دراز۔ یہاں بمعنٰی سخت ہے۔ بحالت رفع ہے کیونکہ صفت ہے بَلَاءٌ کی۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّکُمْ لَئِنْ شَکَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّکُمْ وَلَئِنْ کَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ وَقَالَ مُوْسٰی اِنْ تَکْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ واؤ ابتدائیہ سر جملہ یا عاطفہ۔ پہلی صورت میں اِذْ ظرفیہ زمانیہ کے بعد اُذْکُرْ پوشیدہ ہے اور خطاب نبی کریم سے ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور تذکرہ تمام تاقیامت مسلمانوں کا ہے۔ عبارت نئی ہے۔ دوسری صورت میں عطف ہے سابقہ مقولے پر یہ کلام موسٰی علیہ السلام کا اور اُذْکُرُوْا۔ ہم جمع پوشیدہ جس کا مرجع قوم موسٰی بنی اسرائیل ہیں۔ تَاَذَّنَ۔ فعل ماضی مطلق معروف باب تفعّل صیغہ واحد مذکر غائب اُذُنٌ سے بنا ہے بمعنٰی بات کو کان تک پہنچانا۔ خبر کرنا۔ سنانا۔ اسی سے ہے اسم جامد اُذُنٌ بمعنٰی کان اور اسی سے ہے اَذَان مصدر بمعنی کانوں میں ہاتھ رکھ کر آواز دینا جیسے نمازوں کی اذان۔ رَبُّ اسم جامد نام ہے صفاتی بحالتِ رفع فاعل ہے تَاَذَّنَ کا۔ تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل کا مرجع قوم موسٰی علیہ السلام یا تاقیامت مسلمان۔ لَئِنْ۔ لام زائدہ برائے تاکید۔ اِنْ حرفِ شرط شَکَرْتُمْ۔ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ شُکْرٌ سے بنا ہے بمعنٰی احسان ماننا۔ اظہارِ نعمت کرنا۔ قدر پہچاننا۔ اسی کے ہم معنٰی ایک مصدر کُشْرٌ ہے ان دونوں کا مقابل کُفْرٌ اور کُفْرَانٌ باب نَصَرَ سے ہے۔ لام جزائیہ بمعنٰی ف جزائیہ برائے جواب شرط ہے لام تاکید ہمیشہ لام شرط کے بعد آتا ہے جیسے یہاں۔ اور دونوں لام مفتوح ہوتے ہیں اَزِیْدَنَّ فعل مضارع معروف صیغہ واحد متکلم۔ مرجع ذاتِ باری تعالٰی۔ بحث لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ فعل مستقبل معروف زِیْدٌ سے بنا

ہے یا زِادٌ سے باب ضَرَبَ سے ہے۔ بمعنیٰ زیادہ دینا۔ زیادہ کرنا۔ بڑھانا۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول لہٗ ہے یا مفعول بہ۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے لَئِنْ شَكَرْتُمْ پر لام نامزدہ تاکیدیہ۔ اِنْ حرف شرط کَفَرْتُمْ فعل ماضی مطلق جمع مذکر حاضر یہ جملہ شرط ہے باب نَصَرَ سے ہے کُفْرٌ بمعنیٰ کُفْرَانٌ سے بنا۔ ترجمہ ہے ناشکری کرنا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق اس سے پہلے فَ جزائیہ پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا فَاِنَّ۔ ف جزائیہ اُس وقت پوشیدہ ہوتی ہے جب شرط میں تاکید یا قسم سے شدت پیدا ہو جائے۔ یہاں بھی لئِن کے لامِ تاکیدیہ سے شدت پیدا ہوئی۔ عذَابِ اسم جامد بمعنیٰ سزا۔ معناف بظرف یاء متکلم۔ مرکب اضافی بحالتِ نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ لام ابتدائیہ ہے برائے تاکید ہے شَدِیْدٌ اسم صفت مشبہ ہے۔ بمعنیٰ اسم مفعول یعنی مَشْدُوْدٌ یا اسم فاعل بمعنیٰ مُشْتَدٌّ۔ اس کی جمع ہے شِدَادٌ یا اَشِدَّاءُ۔ شَدٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ مضبوط۔ سخت۔ پکا۔ بندھا ہوا۔ کڑا۔ ہمیشگی والا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہے۔ بحالتِ رفع خبر اِنَّ ہے۔ اور یہ سب علف معطوف مل کر مفعول بہ ہے تَاَذَّنَ کا۔ واؤ عاطفہ ہے۔ یا سرجملہ۔ پہلی صورت میں عطف پہلے قَالَ پر اور بیچ کی عبارت یا جملہ معترضہ یا پہلے قَالَ کا مقولہ۔ دوسری صورت میں علیحدہ جملہ ہے قَالَ فعل ماضی مطلق کا فاعل لفظِ موسیٰ ہے۔ اور اگلی عبارت اس کا مقولہ ہے۔ اِنْ حرفِ شرط مجرد ہے شدت سے اس لیے اس کی جزا میں ف جزائیہ آگئی۔ تَكْفُرُوا۔ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شرک کرنا۔ یا کُفْرَانٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ناشکری کرنا۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر اس کا فاعل ہے۔ اس کا مرجع قوم موسیٰ علیہ السلام۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل برائے عطف لائی گئی۔ قانونِ نحویہ کلیہ ہے کہ جب ضمیر متصل یا مستتر پر کسی ظاہر اسم کو عطف کیا جائے گا تو اسی صیغے کی ضمیر منفصل لائی جائے گی۔ واؤ عاطفہ۔ مَنْ اسم موصول مرفوع معطوف ہے اَنْتُمْ پر۔ فِیْ جارہ بمعنیٰ علیٰ۔ یا اپنے ہی ظرفیت کے معنیٰ میں ہے۔ الف لام استغراقی۔ بمعنیٰ تمام۔ اَرْضٌ۔ یعنی روئے زمین جار مجرور متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا۔ جمیعًا۔ اسم تاکیدی ہے بروزنِ فعیلٌ بمعنیٰ اسم مفعول مجموعًا۔ بحالتِ نصب حال ہے مَنْ کا۔ یہ موجودٌ پوشیدہ جملہ اسمیہ بن کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ کا۔ ف جزائیہ جواب شرط ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ اللہ اس کا اسم ہے۔ لام زائدہ ابتدائیہ برائے تاکید۔ غَنِیٌّ۔ بروزنِ فعیلٌ صفت مشبہ۔ بمعنیٰ۔ بے نیاز۔ یہ صفتِ خصوصی ہے باری تعالیٰ کی اور بمعنیٰ۔ بے غرض۔ قانع صابر۔ غیر محتاج۔ یہ غیر خصوصی صفت ہے۔ اس کی جمع ہے اَغْنِیَا۔ غِنًی سے بنا ہے ترجمہ ہر چیز کا مالک یا کسی کا محتاج نہ ہونا۔ کسی چیز کی اُس کو ضرورت نہ ہونا۔ حَمِیْدٌ بروزنِ فعیلٌ یہ بھی صفتِ مشبہ ہے۔ حمدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ تعریف کرنا۔ تعریف کرانا۔ حمید بمعنیٰ محمودٌ ہے۔ لائقِ تعریف ثنا۔ یا مستحقِ ثنا۔ یا قابلِ ثنا۔ پہلے دو معنیٰ میں صفتِ خصوصی ہے باری تعالیٰ کی۔ تیسرے معنیٰ میں بندے کی صفت ہے۔ وہ بھی صرف نبی پاک کی یہ دونوں اسم نکرہ مرفوع ہیں

کیونکہ خبریں ہیں اِنَّ کی۔ یہ جملہ اسمیہ جزا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ۔ اور یاد کیجئے اے پیارے حبیب اس آنکھوں دیکھے واقعے کو جب حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا اپنی قوم بنی اسرائیل کو کہ یاد مناتے رہو تم اللہ کی اُس نعمت کی جو تم پر ہوئی یاد اس طرح مناؤ کہ خود بھی یاد کرو اور آئندہ نسلوں کو بھی رب تعالیٰ کی نعمتوں احسانات کے متعلق پرانے قصے سناتے رہو تاکہ تم سب شکر گزار بندے بنے رہو۔ کیونکہ یادگاریں منانے کا اصل مقصد ہی یہ ہے۔ رب کریم کا ایک شاندار احسان اُس وقت ہوا تھا جب اسی اللہ نے تم کو فرعون اور اس کی ظالم حکومت اور اس کے افسروں حاکموں اور پوری قبطی قوم سے نجات دی تھی۔ وہ فرعونی لوگ تم کو ذلت والی سزائیں تکلیف دہ کام اور بیگار بلا اجرت دیئے مزدوری اور بلا قصور ایذائیں دیتے رہتے تھے۔ تاریخوں روایتوں میں ہے کہ قبطی لوگ بنی اسرائیل کو فرعون کے ظالمانہ قانوں کے مطابق سات قسم کے ظلم اور ذلت والے سلوک سے برتاؤ کر کے ستاتے تھے۔ نمبر ۱۔ تمام عورت و مرد کو لونڈی غلام بنایا ہوا تھا اور یہ غلامیت نسلوں سے چلی آ رہی تھی۔ نمبر ۲۔ بھنگیوں والے غلیظ کام اور شدید مشکل کام لیے جاتے تھے۔ نمبر ۳۔ جھوٹا موٹا بچا ہوا کھانا اور کپڑے ان کو دیے جاتے تھے نمبر ۴۔ کوئی بھی اسرائیلی قبطی سے اونچی بات یا نگاہ اٹھا کر دیکھ نہ سکتا تھا نہ اپنا حق مانگ سکتا تھا۔ نمبر ۵۔ جھوٹی شکایت پر بھی بغیر تحقیق جیل وغیرہ کی سزائیں دی جاتی تھیں۔ نمبر ۶۔ نوجوان لڑکیوں کو شادی کرنے سے بلا وجہ روکا جاتا تھا۔ نمبر ۷۔ قبطی کا جرم کالعدم سمجھا جاتا تھا اور اُس کے بدلے اسرائیلی کو سزا ملتی تھی۔ ایک دفعہ فرعون نے خواب دیکھا کہ آگ لگی ہے جس نے قبطیوں کے تمام گھر جلا دیئے مگر اسرائیلیوں کا کوئی گھر نہ جلا صبح اس کی تعبیر کاہنوں سے پوچھی تو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو بڑا ہو کر تجھ کو اور تیری ساری قوم کو بری طرح ذلیل و خوار کرے گا اور تیری سلطنت کو تباہ و برباد کر دے گا خیال رہے کہ دنیوی باطنی علم والے تین قسم کے ہیں۔

نمبر ۱۔ عراف جو ماضی کی چھپی باتیں بتائیں نمبر ۲۔ قیاف۔ جو علامات و نشانات دیکھ کر موجودہ کی باتیں بتائیں۔ نمبر ۳۔ کاہن۔ جو اپنے سفلی علم سے مستقبل کی باتیں بتائیں۔ یہ تینوں قسم کی باتیں غلط بھی ہوتی ہیں اور صحیح بھی مگر اکثر غلط ہوتی ہیں کاہنوں یہ تعبیر سن کر فرعون بہت ڈرا اور حکم دے دیا کہ آج کے بعد جو بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہو وہ مار دیا جائے پہلے سال اسی طرح ہوا اہل دربار نے کہا کہ اگر اسی طرح سب بچے قتل کر دیئے گئے تو ہماری خدمت کون کرے گا تو قانون بنا کہ ایک سال کے زندہ رکھو اور ایک سال کے مار دو۔ یہاں اسی کا اختصاراً

ذکر ہے کہ وہ فرعونی تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے تاکہ لونڈیاں بن کر خدمت گزاری کریں۔ اور ان تمام چیزوں میں تمہارے لیے بہت بڑی بلا تھی۔ یا ان ذلتوں عذابوں اور قتل فرزندان میں بڑی مصیبت اور آزمائش تھی۔ مصیبت رسوائی اور غم کی آزمائش اس طرح کہ مرد ختم ہوتے گئے عورتیں بڑھتی گئیں شادی بیاہ کی عجیب مصیبتیں پریشانیاں ہوئیں۔ یا اس نجات اور دیگر سابقہ اور بعد والی رب کی نعمتوں میں تمہارے لیے بڑی آزمائش تھی کہ اگر تم شکر کرتے ہو تو یہ سب کچھ نعمت ہے اور ناشکری کرتے ہو تو یہی عیش و عشرت وبالِ دنیا و آخرت ہے۔ وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ۔ وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْا اَنْتُمْ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ حَمِيْدٌ اور اے بنی اسرائیل فرعون سے نجات پانے والو اُس وقت کو بھی اور اس دن کو بھی یاد رکھو جب غرقِ فرعون و فرعونیوں کے بعد تمہاری نجات کے بعد تمہارے رب تعالیٰ نے تم کو اچھی طرح یہ بات بتا سمجھا دی تھی یا اَذان اپنے ذمہ کرم پر یہ لازم فرمالی تھی کہ اگر تم نے نعمتوں کا شکر ادا کیا اور شکر قائم رکھا تو البتہ ضرور بہت زیادہ نعمتیں دوں گا۔ اور البتہ اگر ناشکری کی عادت ڈال لی تم نے۔ تو عذاب ہو گا تم کو دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی یا فقط آخرت میں۔ بیشک میرا عذاب یقیناً بہت سخت ہے۔ تفسیر معانی و کبیر نے فرمایا کہ شکر کی جامع مانع تعریف یہ ہے کہ نعمت دینے والے کو پہچانے۔ نعمت کو پہچانے ملنے کا اقرار کرے۔ اور منعم کی تعظیم کرے اور نعمت کو ضرور استعمال کرے اس سے فائدہ حاصل کرے اور نعمت کو اُس کی اصلی جگہ خرچ کرے۔ ان میں سے کوئی کام نہ کرنا ناشکری اور کفرانِ نعمت ہے اصولی نعمتیں پانچ ہیں۔ نمبر ۱۔ ظاہری جسم اور نمبر ۲۔ جسم کے لوازمات اور نمبر ۳۔ جسم کو پرورش کرنے والے۔ نمبر ۴۔ روحانی نعمتیں مصیبتوں بیماریوں سے بچانے والی اور نمبر ۵۔ سب سے بڑی نعمت وہ ہے جو جسم و روح کو عذابِ جہنم سے بچائے۔ اور رب تعالیٰ کی فروعی نعمتیں شمار سے باہر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے شکر کرنے اور ناشکری سے بچنے کے لیے عقل۔ علم۔ فہم۔ فکر اور انبیاء کرام علماء اسلام اولیاء اللہ علیہم الصلوٰۃ والسلام اور کتب آسمانی بندوں کے پاس بھیجے تاکہ تعلیمِ انبیاء تبلیغِ علماء اور تربیتِ اولیاء کے ذریعے شکر و ناشکری کا عوام کو پتہ لگے اور جان جائیں کہ شکر کا فائدہ اور ناشکری کا نقصان خود بندوں کو ہی ہے۔ اس تمام وعظ و نصیحت کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر اب بھی کفر یا ناشکری تم کرو اور اگر تمام زمین والے بھی تمہاری طرح ناشکرے بن جائیں۔ تو اے بندو تمہارا ہی نقصان ہے کیونکہ جس طرح شکر کا فائدہ تم کو ہی پہنچے گا۔ اس لیے کہ شکر پہلی نعمتوں کی زنجیر ہے اور آئندہ نعمتوں کے لیے شکاری کہ پہلی کو جانے ختم ہونے نہیں دیتا اور آئندہ مزید کو گھیر کر لے آتا ہے۔ اسی طرح ناشکری کا وبال بھی بندوں کو ہی پہنچے گا۔ بہرکیف اللہ تعالیٰ البتہ ہر شے سے غنی بے پرواہ ہے اور اپنی ذات۔ صفات۔ کمالات۔ اقوال۔ قانون۔ اعمال۔ افعال۔ عادات میں حمید ہے تعریف کے لائق ہے۔ بندے کے کسی بھی اچھے برے عمل سے اُس کی شان میں فرق نہیں پڑتا۔

حکایت ایک عابد زاہد نوجوان صالح غریب فقیر کے پاس فرشتہ آیا اور کہا کہ اے نوجوان تیری قسمت میں ایک وقت دولت ہے۔ یا اس کو ابھی جوانی میں لے لے یا بڑھاپے میں لے لے ابھی لے تو بڑھاپے میں نہ ملے گی۔ جوان عابد نے سوچا کہ ابھی تو جیسے تیسے وقت محنت مزدوری کر کے گزر ہی جاتا ہے لہٰذا بڑھاپے میں مانگنی چاہیئے۔ لیکن اس نے کہا کہ اے فرشتے مجھ کو مہلت دے کہ میں اپنی بیوی سے مشورہ کروں مہلت مل گئی بیوی سے پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی لینی ہے۔ عابد نے پوچھا کیوں۔ اور کہا کہ بڑھاپے کی غربت تو بڑی کٹھن ہے بیوی نے عرض کیا کہ ہم جوانی میں دولت سے نعمتیں لیں گے اور شکر سے بڑھاپے تک باقی رکھیں گے اور یہی آیت پڑھی چنانچہ دعا قبول ہوئی تو بیوی نے اتنا شکر اور صدقہ و خیرات فرمایا کہ قسمت ہی بدل گئی۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ ہر وہ چیز جس سے مسلمانوں کو نفع اور بھلائی پہنچے وہ اللہ کی نعمت ہے خواہ وہ چیز دنیوی ہو یا دینی۔ اس لیے اس دن کو منانے کے لیے اللہ کا ہی شکریہ سجدے عبادات اور کھانے پکا کر اللہ کے نام پاک پر غریبوں یتیموں میں تقسیم خیرات کرنی چاہیئے۔ دنیوی اور شیطانی کھیل تماشے روکرنے چاہیئے۔ جیسے کہ پاکستان کا یادگاری دن اس طرح منایا جائے کہ رب تعالیٰ نے اس دن ہم کو انگریزوں اور ظالم ہندوؤں سے نجات دی اور نبی پاک کا صدقہ ہم کو آزاد ملک عطا فرمایا۔ اُس دن حکومت اور عوام کو چاہیئے کہ سارا دن عبادت اور شکرِ الٰہی میں مشغول رہیں اور قانوناً تماشے بند کئے جائیں اور اپنے محسن قائد اعظم لیاقت علی سردار عبد الرب نشتر اور پیر جماعت علی۔ صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے ختم شریف اور تذکرے کئے جائیں کیونکہ انہوں نے ہی اور اُن کے ساتھی لیڈروں و مشائخ و علماء نے پاکستان کی بنیادوں میں عظیم کام کیا۔ اور یہ بھی رب تعالیٰ کا شکریہ ادا کیا جائے کہ خدا تعالیٰ نے اس نازک وقت میں دیوبندیوں احراریوں کے فتنے سے مسلمانوں کو بچایا کیونکہ سب وہابی دیوبندی پاکستان کے سخت مخالف تھے۔ اس کے مکمل ثبوت کے لیے ہمارا فتاویٰ العطایا دوم ملاحظہ کیا جائے یہ فائدہ اُذْکُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ دنیا میں کافروں کے ہاتھوں جو تکالیف مسلمانوں کو پہنچی ہیں وہ دراصل مسلمانوں کی غفلت۔ گناہ فسق و فجور نافرمانی۔ غرور۔ تکبر کی بنا پر رب کی طرف سے ہی نازل ہوتی ہے صرف ذریعہ کفار بن جاتے ہیں اگر اس تکلیف سے کبھی کچھ مسلمان مرجائیں تو انشاء اللہ تعالیٰ کفارۂ سیئات ہوگا۔ لہٰذا مصیبت میں مبتلا مسلمانوں کو ہر دم معافی مانگنی اور فسق و فجور کو یکسر ختم کرنا چاہیئے تاکہ کفار کا تسلط ٹوٹے۔ یہ فائدہ سُوْٓءَ الْعَذَابِ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ اصطلاحی طور پر عذاب صرف خدائی سزا کو کہتے ہیں۔ خواہ دنیا میں ہو یا آخرت میں۔

تیسرا فائدہ ۔ دینی دشمن کافر ۔ منافق ۔ بدعقیدہ ۔ اور ظالم کی موت پر خوشی منانا چاہیئے ۔ اللہ کے دشمن کی موت پر غم کرنا گناہ ہے ۔ یہ فائدہ ۔ غرق فرعون کے دن منانے کے ذکر کے بعد لَئِنْ شَكَرْتُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔ بعض مسلمان لیڈروں نے ملکہ وکٹوریہ اور گاندھی ۔ نہرو کے مرنے پر غم اور سوگ منایا تھا یہ ان کی جہالت یا سیاست تھی ۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ پچھلی امتوں کی وہ اچھی باتیں اور عبادتیں جن کو قرآن مجید نے بغیر خصوصیت اور بغیر تردید کے ذکر فرمادیا ۔ وہ سب کام مسلمانوں پر کرنے بھی لازم ہیں ۔ اسی لیے اولاً عاشورے کا روزہ غرق فرعون کی خوشی میں مسلمانوں پر فرض ہوا تھا پھر تا قیامت نفلی مستحب اور سنتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ مسئلہ ان آیات پاک کے اشارۃ النص اور حدیث پاک کے عمل سے مستنبط ہوا یہ بھی ایک حکمت ہے ان واقعات کے جگہ جگہ ذکر کرنے کی ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ ویسے تو ہر وقت ہی مسلمانوں کو کھیل تماشے حرام ہیں لیکن خاص طور پر کسی یادگاری دن میں کھیل تماشے کرنا زیادہ حرام ہیں کیونکہ وہ ناشکری اور کفرانِ نعمت میں شامل ہوں گے یادگاری دنوں میں کھیل تماشے کفر کی نشانی ہے دیکھو ہولی دیوالی ۔ کرسمس ۔ گرو دن میں کھیل ۔ ناچ گانے ہوتے ہیں عیدین میں نماز تکبیریں اور قربانی فطرانے ہوتے ہیں ۔ اسی طرح میلاد ۔ معراج کی یادگاروں میں قرآن خوانی نعت خوانی ہوتی ہے ۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ مسلمانوں پر ہر حال میں صبر و شکر فرض ہے کیونکہ شکر سے نعمت اور صبر سے خالق نعمت ملتا ہے ۔ اور بے صبری بے شکری حرام ہے ۔ یہ مسئلہ اِنَّ عَذَابِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ اس لیے کہ عذاب ترک واجب اور ارتکاب حرام سے آتا ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں ۔

پہلا تعلق ۔ یہاں فرمایا گیا وَيُذَبِّحُوْنَ اور سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا بغیر واؤ کے يُذَبِّحُوْنَ اور اعراف میں فرمایا گیا يُقَتِّلُوْنَ بغیر واؤ کے تو یہاں واؤ کیوں لائی گئی ؟

جواب ۔ ان دو سورتوں میں يذبحون اور يُقَتِّلُوْنَ کو عذاب کی تفسیر بنایا گیا کہ فرعون کیا عذاب دیتا تھا یعنی ذبح اور قتل ۔ اور چونکہ واؤ تفسیری قرآن مجید میں کہیں استعمال نہیں ہوئی ۔ اور نہ ہی یہاں واؤ عاطفہ آ سکتی تھی اس لیے بغیر واؤ دونوں جگہ آیا ۔ اور یہاں عذاب سے مراد قتل اولاد نہیں بلکہ عذاب اور ہے قتل ابناء اور ہے جس کی تفسیر رب نے بیان کر دی ۔ اس لیے یہاں واؤ عاطفہ لائی گئی ۔ جو نحوی یہ کہتے ہیں کہ واؤ تفسیریہ ہوتی ہی نہیں ان کی دلیل یہ آیت بن سکتی ہے ۔ ایک دفعہ ایک وہابی دیوبندی نے نبی پاک کے نور ہونے کا انکار کرتے ہوئے مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ میں کہا کہ واؤ تفسیریہ ہے اور نور سے مراد کتاب ہے تو حضرت قبلہ مفتی امین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مفسرین کا یہ قول

بھی پیش کر کے فرمایا کہ اگر واؤ تفسیری کوئی چیز ہوتی تو یہاں رب تعالیٰ ضرور فرماتا۔ وہابی اس جواب سے خائب خاسر ہوا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرعون اور آل فرعون کی ایذاؤں ظلموں کو بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب**۔ اس لیے کہ یہ جو کچھ ذلتیں اُن کو اٹھانی پڑی تھیں اُن کی اپنی نافرمانیوں گستاخیوں بدعملیوں کی وجہ سے خدائی قہر اور عتاب ربانی تھا گویا یہ دنیوی عذاب الٰہی تھا۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہ کیا وجہ ہے کہ شکر کے بدلے میں لَاَزِیْدَنَّكُمْ فرمایا گیا۔ لیکن ناشکری کے بدلے میں لَاُعَذِّبَنَّكُمْ نہیں فرمایا گیا۔
جواب۔ یہ کریم رب تعالیٰ کا مسلمان پر انتہائی فضل و کرم ہے کہ شکر کا بدلہ صاف صاف بیان فرمادیا لیکن ناشکری کی سزا کا صرف اشارہ فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ اَنْجٰىكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَیُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَیَسْتَحْیُوْنَ نِسَآءَكُمْ وَفِیْ ذٰلِكُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِیْمٌ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ سینۂ مومن تجلیات الٰہی کا مثل طور ہے اور قلب مومن اسرار و کلام الٰہی کا مثل موسیٰ ہے۔ اور اعضاء ظاہری و باطنی مثل قوم موسیٰ ہے۔ نفس امارہ مثل فرعون ہے نفسانیات مثل آل فرعون ہے۔ وسواس شیطانی مثل سوء العذاب ہے عبادات مجاہدات ریاضت و محنت مثل ابناء ہے۔ غفلت سستی کمزوری کسل مندی سہو نسیان مثل نساء ہے جسم انسانی میں ان سب کی موجودگی اور مقابلہ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ہے۔ نفسانیت کا غلبہ اس کی برائی ہے۔ اور اتنی کشمکش کے باوجود بندۂ مومن کا معراج قرب کو حاصل کرنا۔ عالم شریعت اور لائق طریقت اور خالق معرفت بنتے چلے جانا۔ اس گہوارۂ آتشیں میں دل کا سلامتی سے سارے وجود انسانی کو ظلمات رذائل سے پار لگا کر وادی نور عرفان میں لے جانا نعمت ربانی ہے۔ اے مصر ایمانی کی فضاؤں میں چین کی زندگی گزارنے والے اس وقت کو یاد کر جب تیرے دل نے ہر سانس کے ساتھ تم کو فرمایا تھا کہ اللہ کی اس نعمت کو یاد کر جب تم سب کو نفس و نفسانیت کے جہنم سے تم کو بچایا تھا۔ وسوسوں کے عذاب سے تمام برائیوں کی جڑ وسوسہ ہے کفر نفاق سرکشی شرک۔ بدعت بد عقیدگی۔ گناہ سب کچھ اسی کی شاخیں ہیں۔ عبادات کو ذبح کر دیتا ہے۔ غفلتوں کو پروان چڑھاتا ہے ان سے بچ کر نکل جانا اللہ کا بڑا احسان ہے وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ اور اے بندو اس اعلانِ روحانیت کو بھی یاد کرو جو فرمایا تمہارے رب پرورش کرنے والے معبود قدوس نے کہ اگر شکر کرو گے تم تو بہت ہی زائد نعمتیں دوں گا۔ تم پر شکر لازم ہے میرے کرم پر نعمت کی فراوانی۔ اگر شکر احسان ہوگا تو نعمت معرفت کی ہوگی اگر شکر معرفت کا ہوگا تو نعمت وصل کی ہوگی اور شکر وصل کا ہوگا تو نعمت قرب کی ہوگی اگر شکر قرب کا ہوگا تو نعمت اُنس کی ہوگی اگر شکر اُنس کا ہوگا تو نعمت عشق الٰہی کی ہوگی۔ اگر شکر عشق کا ہوگا تو نعمت جذب کی ہوگی اگر شکر جذب کا

ہوگا تو نعمت بقا کی ہوگی شکر کے بہت مرتبے ہیں سب سے اعلیٰ اظہار بندگی اور اقرار عجز ہے۔ اظہار بندگی اہل شریعت کا شکر ہے اور اقرار عجز اہل معرفت و طریقت کا شکر ہے۔ اور اگر کسی بھی مقام پر کسی شکر کو چھوڑ دیا تو میری محرومی کا حجاب مردودی کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ ترک شکر ہی ناشکری اور کفران ہے۔ وَقَالَ مُوْسٰى اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِیٌّ حَمِیْدٌ۔ قلب کلیم کی تو سدا یہی پکار ہے کہ بے نیاز ذات صرف خالق تعالیٰ ہی ہے۔ اگر ساری کائنات ہی اس کے شکر سے منہ موڑ لے تو اللہ ہر حمد سے غنی ہے۔ حمد صرف اسی کی ہے۔ شکر و ناشکری میں بندوں کا ہی نفع نقصان ہے شکر سے اہل ظاہر کو ظاہری دنیوی مال و دولت ملتا ہے اور اہل باطن عارفین سالکین کی منزلیں طے ہو جاتی ہیں۔ جس طرح دنیا والے کی دنیوی دولت ختم ہو جائے تو اس کو پریشانی ہوتی ہے صوفیا کو قلق و پریشانی تب ہوتی جب ان سے وصل و قرب کی نعمت چھن جائے اہل دنیا غربت سے غمگین ہوتے ہیں اہل شریعت بندگی کی غفلت سے اہل طریقت حجاب انوار سے اہل دنیا کے لیے غربت عذاب ہے اہل اللہ کے لیے فرقت عذاب شدید ہے۔ فناء دولت دنیا نفوس پر عذاب شدید ہے۔ لیکن وصل ذات کے انعام کا فوت ہو جانا ارواح قلوب پر عذاب شدید ہے حضرت ابی ہریرہؓ نے فرمایا کہ چھ فرق ہیں چھ شکر میں چھ زیادتیاں ہیں۔

نمبر ۱۔ توفیق اس کا شکر عبادت میں جلدی اس کی زیادتی لذت ہے نمبر ۲۔ صبر۔ اس کا شکر استقامت اس کی زیادتی ثواب۔ نمبر ۳۔ توبہ اس کا شکر خلوص اس کی زیادتی قبولیت نمبر ۴۔ استغفار اس کا شکر اقرار گناہ اس کی زیادتی مغفرت نمبر ۵۔ دعا۔ اس کا شکر رونا ہے اس کی زیادتی اجابت ہے۔ نمبر ۶۔ صدقہ۔ اس کا شکر احسانمندی اس کی زیادتی جنت ہے عاقل وہ ہے جو شکر ادا امید کرے۔ ورنہ رب تعالیٰ غنی بھی ہے حمید بھی۔

اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ

کیا نہ آئیں پاس تمہارے خبریں ان کی جو تم سے پہلے تھیں کی قوم

کیا تمہیں ان کی خبریں نہ آئیں جو تم سے پہلے تھیں نوح کی قوم

نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ ۛ وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ ۛ

حضرت نوح اور عاد اور ثمود اور وہ جو سے بعد ان کے

اور عاد اور ثمود اور جو ان کے بعد ہوئے انہیں

لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ

نہیں جانتا اُن کی صحیح گنتی کو مگر اللہ۔ آئے اُن کے پاس رسول اُن کے ساتھ ظاہر معجزوں کے

اللہ ہی جانے اُن کے رسول روشن دلیلیں لے کر آئے تو وہ

فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا

تو پھیرا انہوں نے ہاتھوں کو اپنے میں مونہوں اپنے کے اور بولے ضرور ہم نے

اپنے ہاتھ اپنے منہ کی طرف لے گئے اور بولے ہم منکر ہیں

كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا

انکار کیا اُس کا بھیجے گئے ساتھ جس کے اور ضرور ہم البتہ میں ہیں شک سے اُس

اُس کے جو تمہارے ہاتھ بھیجا گیا اور جس راہ کی طرف ہمیں بلاتے ہو اُس میں ہمیں وہ شک ہے

تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝٩

بلاتے ہو تم طرف جس کی الجھن میں ڈالنے پر

کہ بات کھلنے نہیں دیتا

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیتوں میں حضرتِ موسیٰ اور اُن کی قوم کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیتوں میں دوسری قوموں اور دیگر انبیاءِ کرام کا ذکر ہوا جس سے موجودہ کفار کو متنبہ کیا گیا گویا کہ اِس سب تذکرہ کا مقصد ایک ہی ہے **دوسرا تعلق** - پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ اگر ساری زمین کے انسان بھی کافر ہو جائیں تو بھی اللہ تعالیٰ کا کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ اِن آیات میں اِس دعوے کے دلائل پیش کئے جا رہے ہیں کہ پہلی کتنی ہی قوموں نے کفر کیا اور ہمارے انبیاء کو جھٹلایا۔ یہاں تک کہ کافر ہی مرے مگر اللہ کی سلطنت و حکومت یا انبیاءِ کرام کی شانوں میں کچھ فرق پڑا۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں اُس قوم کا ذکر ہوا تھا جس پر رب تعالیٰ نے بہت انعامات کئے مگر وہ بہت ہوئے ناشکرے بن کر کافر ہوئے اب اِن آیتوں میں اُن قوموں کا ذکر ہوا جن کے پاس بہت کھلی اور صاف

عقل میں آنیوالی نشانیاں اور قانونِ الٰہی کی آیتیں آئیں مگر وہ لوگ بے عقل بن کر کافر ہوئے گویا کہ پہلے ناشکری کے کافروں کا ذکر ہوا۔ اور اب بے عقلی کے کافروں کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی اَلَمْ یَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ ثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اَ ہمزہ استفہام تقریری کے لیے لَمْ یَاْتِ۔ فعل نفی جحد بلم مضارع بمعنیٰ ماضی مطلق معنوی۔ صیغہ واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ دراصل تھا یَاْتِیْ لَمْ جازمہ نے آخر کا لام کلمہ یٰ حرفِ علت گرا دیا۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ۔ یا یہاں عَنْ پوشیدہ ہے تب یہ بحالتِ کسرہ مکانی ہے۔ نَبَؤُ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ خبر، اطلاع۔ قصہ۔ بحالت رفع فاعل ہے۔ لَمْ یَاْتِ کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر مضاف الیہ ہے بحالت کسرہ ہے۔ مِنْ جارہ زائدہ ہے قبلِ اسم ظرفِ زمانی۔ بحالت جر مِنْ جارہ کی وجہ سے اور مضاف ہے مابعد کُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا۔ قَوْمِ اسم مفرد لفظاً واحد ہے معنیً جمع۔ بحالتِ جر ہے کیونکہ یہ سب اضافت اور عطف وغیرہ مل کر بدلُ الکُل یا بعض ہے۔ نُوْحٍ عَلَم ہے بحالت کسرہ مضاف الیہ۔ وَ عاطفہ عَادٍ اَب لقب ہے ایک قوم کا لیکن پہلے یہ نام تھا ایک آدمی کا جو جدِّ اعلیٰ تھا اس قوم کا بحالتِ کسرہ ہے عطف تابع کی وجہ سے وَ عاطفہ ثَمُوْدَ اسم غیر منصرف ہے بوجہ عَلَم اور عجمی ہونے کے۔ مبنی ہے فتح پر بحالتِ جر ہے عطف کی وجہ سے۔ یا یہ عَلَم ہے ایک آدمی کا اُس کے نام پر قبیلہ کا نام ہوا نوح علیہ السلام کا تیسری نسل کا پوتا تھا۔ یا یہ نام علاقہ ثَمَدْ کا بمعنیٰ تھوڑا پانی۔ اُس نام پر اس قوم کا نام ہوا۔ لفظ علیٰ حِدہ عربی میں مستعمل ہے۔ کیونکہ یہ قوم عربی النسل تھی واؤ عاطفہ ہے۔ عطف ہے پہلے اَلَّذِیْنَ پر اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالت جر ہے۔ مِنْ حرفِ جر زائدہ بَعْدِ اسم ظرفِ زمانی ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے پوشیدہ فعل اَتَوْ کا۔ جملہ موصول سے مل کر ذوالحال ہوا۔ لَا یَعْلَمُ فعل مضارع منفی معروف ھُوَ ضمیر واحد مذکر مستتر نفی مطلق۔ ترجمہ ہے کوئی نہیں جانتا۔ باب نَصَرَ سے ہے عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل۔ مفعول بہ ہے۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل یا منقطع ماقبل عبارت مستثنیٰ ہے۔ اور مابعد لفظ اللہ مستثنیٰ ہے۔ یا اِلَّا بمعنیٰ غَیْرُ ہے اور یہ صحیح ہے اللّٰہُ اسم جامد مفرد معرفہ۔ بحالت رفع ہے یا استثنا مفرغ ہے اور اللّٰہُ فاعل ہے لَا یَعْلَمُ کا۔ پہلی صورت میں ایک فعل یَعْلَمُ پوشیدہ کا فاعل ہے یہ جملہ استثنائیہ حال ہے ماقبل ذوالحال کا جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَرَدُّوْۤا اَیْدِیَهُمْ فِیْۤ اَفْوَاهِهِمْ وَ قَالُوْۤا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَاۤ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَاۤ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ ۔ جَآءَتْ فعل ماضی مطلق بمعنیٰ فعل بعید۔ معروف صیغہ واحد مؤنث غائب۔ اس کا فاعل اسم ظاہر مذکر جمع۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مفعول لہٗ ہے یا بہٖ جَآءَتْ کا۔ بابِ ضَرَبَ سے ہے۔ جَیْءٌ سے بنا بمعنیٰ آنا۔ اَتٰی آتا اور جَیْءٌ اگرچہ

ہم معنی ہیں مگر یہاں طرح فرق ہیں۔ اَتٰی۔ باسہولت آنا اور ظاہر ظہور آنا بِجِیْئَۃٌ عام ہے ہر طرح سے آنے کو اس کا مصدر میمی بھی ہے۔ رُسُلٌ۔ جمع مکسر منصرف ہے رَسُوْلٌ کی بحالت رفع فاعل ہے جَاۗئَتْ کا۔ بقانون نحو۔ فاعل اسم ظاہر جمع مکسر اور مونث لفظی کے لیے واحد مؤنث اور واحد مذکر دونوں طرح فعل حاصل ہوسکتا ہے۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع عاد و ثمود وغیرہ کی قومیں ہیں۔ بِ جارہ بمعنی مَعَ۔ الف لام استغراقی بَیِّنٰتِ۔ جمع ہے بَیِّنَۃٌ بمعنی ظاہر ظہور۔ کھلی ہوئی۔ روشن نشانیاں۔ بَیْنٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے۔ ظاہر ہونا۔ بیان کرنا۔ کھول کر سامنے لانا۔ پردہ اٹھانا۔ فَ حرفِ تعقیبیہ۔ رَدُّوْا۔ فعل ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب۔ ھُمْ ضمیر جمع مستتر اس کا فاعل۔ مرجع ہے وہی قومیں باب تفعیل سے ہے۔ در اصل تھا رَدَدُوْا۔ رَدٌّ سے بنا مضاعف ثلاثی ہے۔ اس کا مصدر ہے تردید بمعنی۔ واپس کرنا۔ لوٹانا۔ لے جانا۔ اَیْدِیَ۔ جمع ہے یَدٌ کی بمعنی ہاتھ۔ بحالت فتح ہے کیونکہ مفعول بہ ہے رَدُّوْا۔ ایک قول میں رَدُّوا باب نصر سے ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع اقوام مذکورہ بالا ہیں۔ فِیْ جارہ ظرفیہ اپنے ہی معنی میں ہے اَفْوَاہٌ جمع ہے فُوْہٌ کی بمعنی مُنہ (دھن) اس کو متغیر کرکے فَمٌ بھی پڑھا بولا جاتا ہے۔ بحالت جر ہے۔ ہٖ کی وجہ سے ھِمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع قومیں ہے یا رُسُل ہے واؤ عاطفہ۔ عطف رَدُّوْا پر۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع اقوام سابقہ ہیں۔ اگلی ساری عبارت مقولہ اس قَالُوْا کا۔ اِنَّا۔ یہ دو لفظ ہیں۔ اِنَّ نَا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل فی العمل۔ نَا ضمیر جمع متکلم۔ کَفَرْنَا۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنی انکار کرنا۔ بِمَا۔ بِ جارہ زائدہ مَا۔ اسم موصول۔ بحالت جر۔ اُرْسِلْتُمْ فعل ماضی مطلق مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا نائب فاعل اَنْتُمْ ضمیر حاضر جمع مذکر۔ اس کا مرجع رُسُلٌ ہے۔ بِہٖ۔ بِ جارہ مفعولیت کے لیے یا الملہ ہے ہٖ ضمیر کا مرجع مَا ہے اور مَا سے مراد تبلیغ ہے۔ جار و مجرور کا مرجع اُرْسِلْتُمْ ہے۔ واؤ۔ عاطفہ۔ عطف پہلے اِنَّا پر۔ لام زائدہ تاکید یہ حرف جر پر داخل ہوا لغو ہو کر۔ فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے شَکٌّ اسم معرف ہے۔ شَکَکَ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ اس کی جمع ہے شُکُوْکٌ۔ شک کی پوری تشریح عالمانہ تفسیر میں بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ مِنْ ابتداء غایت کے لیے یا بمعنی بِ ہے، مَا اسم موصول۔ تَدْعُوْنَ۔ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر باب نصر سے ہے۔ اَنْتُمْ۔ ضمیر جمع حاضر مستتر اس کا فاعل اور مرجع رُسُل ہیں دَعْوٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی پکارنا بلانا۔ اسی کا مصدر ہے دُعَاءٌ۔ نَا ضمیر جمع متکلم کا مرجع مخاطب لوگ کفار قومیں مذکورہ بالا۔ اِلٰی حرف جر بمعنی انتہاء غایت کے لیے ہے۔ ہٖ ضمیر کا مرجع مَا ہے جار و مجرور متعلق ہے تَدْعُوْنَ کے مُرِیْبٍ۔ اسم فاعل واحد مذکر کا صیغہ۔ باب افعال سے ہے اس کا مصدر اِرْبَاتٌ یا اِرْیَابٌ۔ بمعنی ایسے شک میں ڈالنا یا پڑنا جو بےچین کردے۔ رَیْبٌ اجوف یائی سے بنا ہے۔ بحالت جر ہے صفت ہے شک کی۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَ الَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ

اے میری قوم نجات یافتہ اسرائیلیو تم نے فرعون والوں کی تکلیفیں بھی دیکھ لیں اور اللہ تعالیٰ کے کرم و محبت بھی اس کو شکر گزار بندہ پیارا ہے ناشکرا بندہ ناپسند ہے اگر اس کی محبت عظیم ہے تو اس کا عذاب بھی شدید ہے وہ غنی ہے تمہارے کردار سے توحید ہے ساری کائنات سے اگر تم نے اس بات پر غور نہیں کیا یا تم اس کا ثبوت چاہتے ہو تو کیا تمہارے سامنے تمہارے پاس میرے وعظ و تقریری خطبوں میں یا توریت میں یا سفر میں آتے جاتے یا سناتے سنتے یا تاریخوں میں اُن قوموں کے واقعات اُن لوگوں کی خبریں نہ آئیں جو تم سے پہلے گزریں نوح علیہ السلام کی قوم۔ قوم عاد قوم ثمود ان کا کچھ تفصیلی بیان سورۃ ھُود میں گزر گیا۔ اور وہ لوگ وہ بیشمار قومیں جو اُن کے بعد ہوئیں جن کے پورے سارے کی جغرافیائی حالات و عادات کو اللہ کے سوا آج کوئی نہیں جانتا۔ جب بھی کبھی اُن کے پاس اُن کے رسول مکرم کھلی نشانیوں معجزوں کے ساتھ تشریف لائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا یہ کلام موسیٰ علیہ السلام کا نہیں اس لیے کہ سابقہ اُمتوں کا ذکر اور قوم نوح و عاد ثمود کے قصے توریت میں نہیں۔ بلکہ یہ کلام نیا جملہ ہے اور رب تعالیٰ کا خطاب ہے کفار مکہ کو۔ واللہ ورسُولُہٗ اعلم۔ حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ دسویں دادا عدنان اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے درمیان میں والدوں اور ماؤں کے نام نایاب ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نسبت جوڑنے والے نساب لوگ جھوٹے ہیں۔ کیونکہ وہ تو ہر ایک کا نسب حضرت آدم علیہ السلام تک جوڑتے چلے جاتے ہیں حالانکہ قرآن مجید کی یہ آیت بتاتی ہے کہ بہت سی قومیں ایسی گذریں جن کو رب تعالیٰ کے سوا جانتا ہی کوئی نہیں (از تفسیر غنی) جب درمیان میں ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں شجرہ نسب نامعلوم ہے تو نساب یقیناً غلط بیانی کرتے ہیں۔ ایک قول ہے کہ مِنْۢ بَعْدِهِمْ سے مراد قوم ایکہ قوم لوط قوم مدین قوم تبع والے اور لَا یَعْلَمُهُمْ سے مراد ان کی گنتی ہے کہ کتنے نافرمان تھے جن پر عذاب آیا اور کتنے فرماں بردار۔ لیکن پہلا قول درست ہے اسی لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام میں سے چند ہی کا ذکر ملتا ہے۔ نہ ان انبیا علیہم السلام کا نام مذکور نہ ان کی قوموں کا کہیں تذکرہ ہے اُن کی ذات صفات آثار اور حرکتیں مٹ چکیں نبی کریم کے دسویں دادا عدنان موسیٰ علیہ السلام کے صحابی تھے۔ وہاں تک نسب درست ہے بعد کی تاریخ مضطرب ہے۔ تفسیر روح البیان نے اس جگہ فرمایا کہ۔ لَا یَعْلَمُهُمْ کی نفی میں نبی اکرم داخل نہیں کیونکہ اللہ نے اپنے حبیب کو سب کچھ بتا دیا خود نبی اکرم فرماتے ہیں کہ ہم ما کان ما یکون کو جانتے ہیں۔ قوم نوح طوفان سے قوم عاد طوفانی آندھی سے قوم ثمود چیخ سے ہلاک ہوئی۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ آثار و نشانات ظاہر ہوں یا پوشیدہ تذکرے موجود ہوں یا معدوم تاریخ کسی قوم کا ذکر کرے یا نہ کرے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اُن کو اور اُن کی قوموں کے خاندانوں کو جانتا ہو نہ جانتا ہو مگر نوح علیہ السلام سے لے کر کفار مکہ تک جس قوم کے پاس بھی کوئی

نبی بھی تشریف شاہد کی کھلی نشانیاں لے کر تشریف لایا تو۔ فَرَدُّوْٓا اَیْدِیَهُمْ فِیْٓ اَفْوَاهِهِمْ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ وَاِنَّا لَفِیْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَیْهِ مُرِیْبٍ پس اُن کافروں نے پھیر لیے اپنے ہاتھ اپنے منہ پر یا اپنے منہ میں۔ اس جملے کی تفسیر میں چھ قول ہیں۔

نمبر ۱۔ ان کافروں نے اپنے انبیا کی باتیں اور پیغام الٰہی سن کر بہت شدید غصہ میں آ کر اپنے ہاتھ کاٹنے شروع کر دیے اپنے منہ سے۔ نمبر ۲۔ اپنے ہاتھ اپنے منہ پر رکھ کر دبی ہنسی ہنسنے لگے مذاق کرتے ہوئے۔ نمبر ۳۔ اپنے ہاتھ کی انگلی اپنے منہ پر رکھ لی کہ خاموش رہو ہم کو اپنے خدا کی باتیں نہ سناؤ۔ نمبر ۴۔ اپنے ہاتھ اُن کے منہ کی طرف لیجا کر ان کو منع کیا کہ خاموش ہو جاؤ تبلیغ بند کر دو۔ نمبر ۵۔ اپنے ہاتھ ان کے منہ پر رکھ دیے کہ بس بس زیادہ نہ بولو تقریر یہ ختم کرو۔ نمبر ۶۔ اپنے ہاتھ سے اشارہ ان کے منہ کی طرف کیا کہ لیجاؤ اپنی جنت اور نعمتیں رحمتیں برکتیں اور وحی پیغام ہمیں نہیں چاہیے۔ غرضکہ اُن کفار نے ہر طریقے سے انبیاء کرام کو ستایا اور باوجود سمجھدار ہونے کے رب کا ایسا شاندار فائدوں عزتوں والا پیغام اور دعوت ایمان کے ساتھ رضاء پروردگار سن کر بھی یہی بولے کہ بیشک جو تم پیغام سناتے ہو جس کے ساتھ تمہارے قول کے مطابق تم بھیجے گئے ہو ہم سب چھوٹے بڑے صاف صاف اُس کے منکر ہیں۔ اور ہم تمہاری باتوں کے کافر ہیں لہٰذا ہمارے پاس ایسی باتیں لے کر نہ آیا کرو۔ کیونکہ ہم تمہاری حقانیت صداقت کے منکر ہیں ہم اس بات کو بھی نہیں سمجھتے کہ تم لوگ اللہ کے رسول ہو اور اُس نے تم کو اپنا پیغام دے کر بھیجا ہے۔ اور بیشک ہم سب بڑے بوڑھے بچے پرانے عقل بے عقل تمہاری ان باتوں قول اقرار سے اور جن کی طرف تم ہم کو بلاتے رہتے ہو جس کو تم نے توحید۔ وحی قانون الٰہی۔ ایمان۔ اخلاص۔ عبادت۔ پاکدامنی۔ دیانت داری۔ خلوص نیت خوش خلقی۔ حلال کمائی کا نام دیا ہے۔ ان سب کو سمجھنے پرکھنے سے بہت ہی بڑے شک میں ہیں۔ ایسا شک جس نے ہم کو پریشان ہمارے دلوں کو بے آرام اور عقل کو ماؤف دماغ کو حیران فہم کو مضطرب کر دیا اور نفسوں کو بے اطمینانی میں ڈال دیا۔ ہم کو تمہاری اور اپنی حالت پر بڑا قلق ہے۔ گھر گھر میں بحث تکرار ہوائی جھگڑا شروع ہو گیا کوئی تم کو اچھا سچا کہتا ہے کوئی بُرا خراب کہتا ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ تم ہم کو اسی طرح پہلے کی طرح اطمینان سے رہنے دو۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ تاریخی واقعات کی معلومات تاریخی علم پڑھنا۔ سننا اور تاریخ پر یقین رکھنا اسلام اور شریعت پاک میں معتبر اور قابل قبول ہے بلکہ تاریخ لکھنا اور پڑھنا ضروری ہے۔ یہ فائدہ اَلَمْ یَاْتِكُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ ہاں اگر کوئی تاریخ حدیث و قرآن کے خلاف ہو تو نہ مانی جائے گی کیونکہ وہ مؤرخ کی بد دیانتی مشہور ہو گی

دوسرا فائدہ۔ جو واقعہ نیکی یا گناہ عوام میں مشہور ہو جائے وہ درست مانا جائے گا اور دیانتاً وہ آدمی جس کے بارے میں کوئی کام مشہور ہو جائے اس کا فاعل اور مبتلا یا ملوث تسلیم کیا جائے گا۔ اگرچہ عند القاضی حد ثبوت تک نہ پہنچے۔

مثلاً جو نیکی تقوے میں مشہور ہو جائے یا گناہ بدکاری فحاشی میں مشہور ہو جائے اس کو اسی جیسا مانا جائے گا مگر حد یا تعزیری سزا نہ ملے گی۔ **تیسرا فائدہ** ۔ کوئی شخص بھی سارے انبیا کو نام بنام نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے۔ نبی کریم کے پیچھے تمام انبیاء کرام نے معراج میں نماز پڑھی اس لیے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی مخلوق میں سارے انبیا علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہر طرح جانتے ہیں۔ **چوتھا فائدہ** ۔ جس طرح ہم تمام انسان بجز چند پیغمبرانِ کرام کے اسماءِ پاک اور مختصر حالاتِ زندگی کے اور کچھ نہیں جانتے مگر ایمان تمام انبیا پر ہے۔ علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام ۔ اسی طرح ہم کو یہ بھی عقیدہ اور یقین ایمان رکھنا چاہیے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا میں سے ہر ایک پر وحی بھی نازل ہوتی رہی اور ہر ایک کو معجزہ بھی عطا ہوا خواہ ایک یا دو یا زیادہ ۔ ہاں صحیفہ یا کتاب ہر ایک کو نہ ملی نہ شریعت ہر ایک کی علیحدہ ہوئی اور یہ وحی صرف رہنمائی یا وقتی عارضی قانونِ الٰہی کے لیے ہوتی تھی ۔ یہ فائدہ لَا يَعْلَمُهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند مسائلِ فقہی مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ جب تک کسی شخص کو اپنا خاندانی نسب نامہ نہایت یقینی طریقہ سے معلوم نہ ہو جائے اس وقت تک اپنا شجرۂ نسب نہ کسی کو بتائے نہ لکھے تاکہ نہ جھوٹ اور کذب ہو اور نہ غیر کی طرف نسبت ہو جانے سے ماں کی گالی بنے ۔ فقہاءِ کرام نے خود ساختہ نسب نامے کو حرام لکھا ہے ۔ نسب میں بناوٹ حرام ہے ۔

دوسرا مسئلہ ۔ کسی شخص کا بھی نسب نامہ حضرت آدم علیہ السلام تک معلوم نہیں ہو سکتا ۔ اس لیے نسب کے شجرے کو حضرت آدم تک لے جانا گناہ و ناجائز ہے ۔ یہ دونوں مسئلے لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ سے مستنبط ہوئے ۔ خاص کر آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شجرۂ پاک تو بالکل زیادتی سے بیان نہ کرے ۔ کہ اس میں سخت گستاخی کا اندیشہ ہے ۔ ہاں جہاں تک خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا بس اس سے آگے نہ بڑھے ۔ حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ نسّاب جھوٹے ہوتے ہیں ۔ اسی لیے وہ دنیا میں ذلیل ہی رہتے ہیں ہماری زبان میں ان کو مراثی کہتے ہیں ۔ البتہ اگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو تا آدم علیہ السلام اپنا شجرہ بیان فرما دیتے کہ آپ عالم ماکان و مایکون ہیں ۔ دوسرا کوئی ایسا نہیں کر سکتا ۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ قرآن و حدیث کا کوئی حکم کانون سن کر یا کسی عالمِ دین کے بھانے مسئلہ بتانے سے غصہ ۔ نفرت یا غرور تکبر یا کج بحثی کرنا سخت ناجائز اور حرام ہے رب تعالیٰ کو بہت ناپسند ہے ۔ اس بیہودہ عادت کو علامتِ کفر و کفار قرار دیا گیا ہے ۔ یہ مسئلہ فَرَدُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ سے مستنبط ہوا ۔ آج کل جہلاء اور شیطانی لوگوں نے علماء دشمنی کی آڑ میں اللہ تعالیٰ کے صاف صاف واضح احکام و قوانین کی جو مخالفت شروع کر رکھی ہے اور ہر مسئلہ پر اخبار و رسائل کے ذریعے عورتوں مردوں کا احتجاج شروع ہو جاتا ہے اور سڑکوں پر بر ملا اللہ کے دین کا مذاق اڑایا جاتا ہے ۔ کبھی عورتوں کی گواہی کا مسئلہ کبھی دیت کا رونا رویا جاتا ہے ۔ کبھی پردے کی مخالفت کبھی نامحرم کے

ہوا ۔ اور کفارہ ۔ ساتویں سطر کرنے کے شرعی کفارہ قصداً بتایا جاتا ہے سب جرم اور کفارہ چوتھا مسئلہ ۔ دین اسلام کا قانون ربانی ہے جس کا جرم اور کفارہ ہے ... سے مستنبط ہوا

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا وَالَّذِیْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ یعنی قوم نوح ۔ عاد ۔ ثمود کے بعد ۔ کیونکہ ہم ضمیر کا مرجع یہی تین قومیں ہیں پھر فرمایا لَا یَعْلَمُهُمْ یعنی ان تین کے علاوہ قوموں کو صرف اللہ ہی جانتا ہے ۔ اور ان تینوں کو دوسرے بھی جانتے ہیں ۔ حالانکہ ان تینوں کو بھی اللہ کے بتانے سے جانا اور ان کے علاوہ چند قومیں ہیں جن کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے تو ان کو بھی لوگوں نے جان لیا ۔ تو پھر یہ لَا یَعْلَمُهُمْ کی نفی اور اِلَّا اللّٰہُ کا استثنا کیونکر درست ہوا ؟ ۔

جواب ۔ مِنْ بَعْدِهِمْ میں ھم ضمیر کا مرجع صرف ان تین کی طرف نہیں بلکہ قرآن مجید کی بیان کردہ تمام قوموں کی طرف ہے ۔ اور بعد بمعنی درمیان ہے ۔ یعنی تمام قوموں کے درمیان کچھ قوموں کا ذکر نہیں لیکن یہ تین قومیں سب میں پہلے ہیں ۔ اس لیے یہاں ان کی وضاحت ہوئی ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا کہ ان کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا ۔ حالانکہ معراج کی رات سارے انبیاء کرام نے آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی ۔ نیز بہت انبیاء کرام کا نام اور حالات نبی کریم نے احادیث میں بیان فرمائے اسی طرح بہت سے بنی اسرائیل اور سابقہ امتوں کے واقعات صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سنے گئے جن کا ذکر قرآن مجید میں قطعاً نہیں نہ رب تعالیٰ نے کسی کو بتایا ۔ تو پھر بھی یہ اِلَّا اللّٰہُ کا استثنا کس طرح ٹھیک ہوا ۔

جواب ۔ اس کا جواب تفسیر میں دے دیا گیا کہ لَا یَعْلَمُهُمْ کی نفی میں ۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم داخل نہیں ۔ بلکہ عام انسان ہیں ایک جواب یہ ہے کہ یہ سورت معراج سے پہلے نازل ہوئی بعد میں نبی کریم کو سب کا علم آ گیا ۔ ایک جواب یہ ہے کہ نبی کریم تمام انبیاء کرام کو جانتے ہیں یہاں اس کی نفی نہیں بلکہ یہاں تو قوموں کے حالات کا ذکر ہے ۔ **مگر پہلا جواب** درست ہے ۔ اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالم کی ہر چیز کو ابتداءِ آفرینش سے جانتے ہیں ۔ **تیسرا اعتراض** یہاں لَا یَعْلَمُهُمْ فرما کر عوام کے علم کی نفی کی گئی ۔ حالانکہ پرانی کتابوں اور تاریخوں میں ایسی قوموں کے حالات ملتے ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اسی طرح بعض علاقوں میں انبیاء کرام کے مزارات ہیں جن کو وہاں کے علاقے والے جانتے ہیں ہمارے ضلع گجرات کے علاقے جلالپور جٹاں سے آگے دو نبیوں کے مزار مقدس ہیں ایک کا نام حضرت تانوخ علیہ السلام اور ایک کا نام حضرت موسیٰ جہازی علیہ السلام ۔ ان کے مزارات بارہ فٹ تقریباً لمبے ہیں ۔ یہ مزار تو پہلے سے ہیں مگر صاحب مزار کا نبی ہونا حضرت سائیں گوہر رحمۃ اللہ علیہ بنید حضر شریف والے ۔ ان کے مکاشفے سے معلوم ہوا ۔ تو یہ نفی کیونکر درست ہوئی ۔

جواب ۔ اس کے چند جواب ہیں ۔ اولاً یہ کہ کسی تاریخ یا کتاب میں کسی مستقل قوم کی تاریخ موجود نہیں جو کچھ ہے سب افسانہ یا

بناوٹ ہے اسی طرح انبیاء کرام کے حالات بھی جو اللہ رسول نے بتا دیئے بس وہی حتمی یقینی ہیں اس کے علاوہ کسی کو یقینی نبی نہیں کہا جا سکتا اگر کوئی کہدے کہ ان مزار کے اندر جو ہے میں ان کو نبی نہیں مانتا تو اس کو کافر نہ کہا جائے گا۔ دوم یہ کہ مکاشفہ سے نبوت کا پتہ لگانا اگرچہ یقینی نہیں ہو سکتا مگر یقین ہو بھی جائے تو صرف نام کا ہی پتہ لگے گا پوری تاریخ حالاتِ زندگی تو پھر بھی کسی نے نہ جانے۔ سوم یہ کہ یہاں قوموں کے حالات کی نفی ہے ذکر فقط ناموں کے علم کی۔ نام کے علم ہو جانے سے قوم کی تاریخ تو پھر بھی مجہول ہی رہی صرف نام سے کوئی فائدہ نہیں عبرت یا نصیحت تو واقعات سے ملتی ہے۔ لہٰذا یہ نفی اور استثناء سب کچھ بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ نَبَؤُا الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِکُمۡ قَوۡمِ نُوۡحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوۡدَ وَ الَّذِیۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِہِمۡ لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ راہِ سلوک میں شیخ کامل کا مرید باصفا کے لیے پہلا سبق۔ عبرت ہے۔ جس میں مقہورین ومجبورین کا حال وانجام بتایا۔ سنایا بلکہ دکھایا جاتا ہے۔ تاکہ پھلوں کے انجام دیکھ کر آئندہ وادی حیرت کی لغزشوں سے بچیں۔ قرآن مجید کے یہ تمام واقعات عذاب وقہر درس عبرت کی سب سے زیادہ ضرورت اہلِ طریقت کو ہے کیونکہ ان کا ہر قدم دو دھاری تلوار پر ہے۔ لغزش کھا جانے والے یا آئندہ آنے والوں کے لیے عبرت کی تاریخیں چھوڑ جاتے ہیں۔ یا وادی فنا میں ایسے روپوش ہو جاتے ہیں کہ لَا یَعۡلَمُہُمۡ اِلَّا اللّٰہُ ان کو اللہ خالق تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ عبرت کے لیے حکمت کے قدم چاہیئے جس سے وادی شوق میں چلا جائے اور زبانِ صدق چاہیئے جو عارفین کے دلوں پر اثر کرے اور اقوالِ تفصیل ضروری جو زاہدوں پر اثر کریں۔ حکمت یہ ہے کہ لقاء الٰہی کے وقت آداب واحترام بھی رہے اور جذبہ عبادت بھی صوفی وہ ہے مقہور کے واقعات سے عبرت لے مجبورین کے لیے دعا کرے علماء سے فیض لے جہلاء سے دور رہے۔ غیر اللہ کو چھوڑ کر رب سے وابستہ رہے۔ مشتاق وہ ہے جس پر معارف منکشف کئے جائیں اور حجاب والوں کے قصے سنا کر خوف وبکا کی طرف لایا جائے تاکہ تکبر وغرور کا جذبہ مٹایا جائے۔ تکبر ہی ایسا جراثیمی مہلک مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں اسی نے سابقہ قوموں کو تباہ برباد کیا۔ تقرب الی اللہ کے لیے قریبی راستہ انبیا اولیا کی محبت ہے۔ اس راستے میں تین کانٹے ہیں۔

نمبر ۱۔ تکبر۔ نمبر ۲ بے ادبی۔ نمبر ۳۔ نفسانیت۔ ان کو توڑ جانے سے شوق کے پودے لگتے ہیں جن میں مشاہدات کے پھل کھلتے ہیں۔ یہ پھول وکانٹے بتاتے ہیں کہ ہر شے حادث ہے اور حادث قدیم کا ادراک نہیں کر سکتی۔ جب حادث کا وصل قدیم سے ہوتا ہے تو عاشقینِ ذات کے دل معرفت کے پروں سے پرواز کرتے ہیں اور شوق ومحبت۔ عطا اور تمنا۔ جذبہ لقاء انوار انس کی منزل پر چلے جاتے ہیں مگر یہ ترکیٔ نفس اور روح کی پاکیزگی سے حاصل ہوتا ہے۔ آج تو ہر شخص پیر اور شیخ ہونے کا دعویدار ہے۔ مگر کاملین کے نزدیک ہر وہ چیز پیر ومرشد ہے جو مرید کو عالم حضوری میں پہنچا کر غائبانہ حفاظت کرے اخلاق سنوارے باطن اس طرح روشن کر دے کہ صحبت یافتہ بھی منور ہو جائیں مقام ولایت

مجاہدات و ریاضت سے حاصل ہوتے ہیں نہ کہ زیادہ کھانے پینے سے۔ خیال رہے کہ شریعت طریقت کی تائید ہے اور طریقت شریعت کی کیونکہ شریعت مکلف بناتی ہے اور طریقت معرفت عطا کرتی ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں اُستاذ نبوت سے ملتی ہیں۔ نبی مثل بادل کے ہیں جو اُمت کے پاس آ کر فیض دیتے ہیں اسی لیے فرمایا گیا جَآءَتۡهُمۡ رُسُلُهُمۡ بِالۡبَیِّنٰتِ فَرَدُّوۡۤا اَیۡدِیَهُمۡ فِیۡۤ اَفۡوَاهِهِمۡ وَ قَالُوۡۤا اِنَّا کَفَرۡنَا بِمَاۤ اُرۡسِلۡتُمۡ بِهٖ وَ اِنَّا لَفِیۡ شَكٍّ مِّمَّا تَدۡعُوۡنَنَاۤ اِلَیۡهِ مُرِیۡبٍ انبیاء کرام کی عملی و قولی تبلیغ آٹھ طرح کے مدارج پر ہے۔ نمبر۱۔ مخالفت نفس۔ نمبر۲۔ زہد۔ نمبر۳۔ تقویٰ۔ نمبر۴۔ صدق۔ نمبر۵۔ یقین۔ نمبر۶۔ وصل۔ نمبر۷۔ تقرب۔ نمبر۸۔ نورِ قلب۔ یہ وہ اعمال و مدارج ہیں جو اُمتی و مرد کامل بنا دیتے ہیں۔ کامل کے دس نشانات ہیں۔

نمبر۱۔ مرید ہونا۔ نمبر۲۔ متوکل۔ نمبر۳۔ شاکر۔ نمبر۴۔ مخلص۔ نمبر۵۔ زاہد۔ نمبر۶۔ مجاہد۔ نمبر۷۔ فقیر۔ نمبر۸۔ مدبر۔ نمبر۹۔ متفکر۔ نمبر۱۰۔ مراقب ہونا۔ یہ نشانات جب قائم ہو جائیں تو بندہ مرید سے مراد بن جاتا ہے۔ نبوت کا پہلا پیغام زہد ہے۔ زہد کی تین حالتیں ہیں۔ نمبر۱۔ فریضہ۔ یعنی ترک حرام۔ نمبر۲۔ فضیلت متشابہات میں تمیز کرنا۔ اور دور رہنا۔ نمبر۳۔ قربت۔ یعنی حلال کو بے لینا۔ راہ معرفت کی دوسری منزل ورع ہے یعنی ہر شے سے منہ موڑ کر مکمل تقویٰ حاصل کرنا۔ دربارِ نبوت کی تیسری سیڑھی اخلاص ہے۔ جس کی نشانی یہ ہے کہ مشاہدۂ حق مخلوق کے درمیان آڑ بن جائے۔ یہاں پہنچ کر بندے کی فنا کو بقاء ابدی حاصل ہو جاتی ہے۔ جو لوگ اپنے نبی علیہ السلام کی نہیں مانتے وہ باطن کو ماسوا اللہ سے سجاتے ہیں ان بکھر دلوں پر حرص و ہوس کا لباس آ جاتا ہے اور رحمت سے خلاء ہو جاتا ہے۔ نبوت کے قرب سے معرفت ملتی ہے معرفت سے مشاہدہ ہوتا ہے۔ اور مشاہدے کے بعد وصلِ الٰہی ہوتا ہے۔ وصل باللہ کے ذریعے مکاشفۂ اسرار۔ اور صاحب اسرار سے ظہور انوار ہوتا ہے۔ مرد سالک کو اس مقام پر روحانی لباس پہنایا جاتا ہے۔ جس میں تخصیص کا عمامہ تقریب کی قمیص اور تہذیب کا پیجامہ ہوتا ہے۔ تقریب سے مشاہدے کی منزل ملتی ہے۔ تہذیب موحد بناتی ہے اور تخصیص انفرادیت اور یکتائی پیدا کرتی ہے۔ اور یہ لباس بندے کا وجود بن جاتا ہے پھر وجود مجسّم شہود ہوتا ہے جہاں سلوک کی آخری منزل ہے کہ بندہ سجدۂ عجز میں گر کر لَا مَوۡجُوۡدَ اِلَّا هُوَ کی تسبیحیں پڑھتا ہے۔ مشاہدۂ تام یہ ہے کہ شاہد اپنے وجود کو خود فنا کر دے۔ جس طرح نشہ والا اپنے وجود سے بے خبر ہوتا ہے۔ شاہد کو مشاہدے کا خمار اس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے اہل وجد کی روحیں معطر ہوتی ہیں شاہد کا وجود مردہ دلوں کو حیاتِ نو بخشتا ہے۔ عقل عرفانی میں اضافہ کرتا ہے شاہد کی پہلی نعمت یہ ہے کہ تمام حجابات اٹھا دیے جاتے ہیں۔ عالم کائنات اور خالق کائنات کے سب سے پہلے اور عظیم شاہد محمد مصطفےٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ وجدانِ نبوت کے دو مقام ہیں۔ نمبر۱۔ اول ناظر۔ نمبر۲۔ دوم منظور۔ ناظر جو مشاہدۂ حق خود کرے اور منظور وہ جس کو مشاہدہ کرایا جائے۔ جب کوئی نبی کسی قوم کے پاس تشریف لاتے ہیں تو اُن کے دامن میں رب تعالیٰ کی محبت کے اٹھارہ خزانے ہوتے ہیں۔

نمبر۱۔ صداقت۔ نمبر۲۔ عدالت۔ نمبر۳۔ غنیٰ۔ نمبر۴۔ شجاعت ۔نمبر۵۔ علم۔ نمبر۶۔ عمل۔ نمبر۷۔ اجتہاد۔ نمبر۸۔ فکر نمبر۹۔ تدبر۔ نمبر۱۰۔ شکر۔ صبر۔ نمبر۱۱۔ تقوےٰ۔ نمبر۱۲۔ ولایت۔ نمبر۱۳۔ تصوف۔ نمبر۱۴۔ روحانیت۔ نمبر۱۵۔ غوثیت۔ نمبر۱۶۔ قطبیت۔ نمبر۱۷۔ ابدالیت۔ نمبر۱۸۔ افرادیت۔ ولایتِ الٰہیہ کی تمام منزلیں دربارِ نبوت ہی میں طے کی جاسکتی ہیں۔ عوام اور نا سمجھ کیا جانیں کہ شانِ نبوت کیا ہے اور ان کا آنا کتنا مفید اور مشکل کشا یہ تو اہلُ اللہ ہی جان سکتے ہیں کیونکہ نبوت کا اصل فائدہ غوث و قطب کو ہے۔ پھر علما زاہدین عابدین کو۔ نبوت مثل بارش فیض بخش ہوتی ہے۔ اور علما استاد شیخ پیر مرشد مثل کنواں دریا چشمہ فیض دیتے ہیں نبوت خود تشریف لاتی ہے مگر مرشد کے پاس چل کر جانا پڑتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْهَا۔

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ

فرمایا رسولوں نے اُن کے کیا بارے میں اللہ کے شک کرتے ہو تم پیدا کرنے والا ہے وہ آسمانوں کو

اُن کے رسولوں نے کہا کیا اللہ میں شک ہے آسمان اور زمین،

وَالْاَرْضِ ؕ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ

اور زمین کو بلاتا ہے تم کو تاکہ بخش دے لیے تمہارے کو گناہوں تمہارے

کا بنانے والا تمہیں بلاتا ہے کہ تمہارے کچھ گناہ بخشے اور موت کے مقرر

وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ؕ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ

اور مہلت دے تم کو تک مدت مقرر۔ بولے نہیں ہو تم،

وقت تک تمہاری زندگی بے عذاب کاٹ دے بولے تم تو ہمیں جیسے آدمی ہو تم

اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ؕ تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا

مگر بشر مثل ہماری تم ارادہ کرتے ہو کہ روک دو تم ہم کو سے اُس سے

چاہتے ہو کہ اُس سے ہمیں باز رکھو جو ہمارے باپ دادا،

كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ

کہ پوجتے تھے باپ دادا ہمارے تو لاؤ تم ہمارے پاس کوئی دلیل روشن

پوجتے تھے۔ اب کوئی روشن سند ہمارے پاس لے آؤ اُن کے

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ

فرمایا ان کو رسولوں نے اُن کے نہیں ہم مگر بشر مثل تمہاری

رسولوں نے اُن سے کہا ہم ہیں تو تمہاری طرح انسان مگر

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ

اور لیکن اللہ احسان فرماتا ہے پر جس چاہتا ہے میں سے بندوں اپنے

اللہ اپنے بندوں میں جس پر چاہے احسان فرماتا ہے۔

وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ

اور نہیں ہے لائق ہمارے یہ کہ لائیں ہم تمہارے پاس کوئی دلیل مگر سے اجازت

اور ہمارا کام نہیں کہ ہم تمہارے پاس کچھ سند لے آئیں مگر اللہ کے حکم سے

اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۱۱

اللہ کی اور پر اللہ ہی چاہیئے بھروسہ کریں مومن

اور مسلمانوں کو اللہ ہی پر بھروسہ چاہیئے۔

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں انبیاء کرام کے مبعوث ہونے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انبیاء کرام کی محبت آمیز تبلیغوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ اسی طرح پچھلی آیات میں قوموں کے کفر کا ذکر ہوا۔ اب

آیتوں میں اُن کے نہ ماننے اور کفر کرنے کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُن کے پاس نہ ماننے کا عذر کیا ہے۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ انبیاءِ کرام اللہ کی طرف سے بہت سی آیتیں اور نشانیاں لے کر آئے اب یہاں اِن آیتوں میں فرمایا جا رہا ہے۔ کفار بجائے ان کو ماننے کے اور نئے مطالبے کرتے رہے کہ اور کوئی سلطان یعنی اپنی نبوت پر نشانی لاؤ۔ یہی حال موجودہ کافروں کا ہے یہی بات سمجھانے کے لیے اگلی اور پچھلی آیتیں نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَيُؤَخِّرَكُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ قَالَتْ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مؤنث غائب قَوْلٌ سے مشتق ہے اِس کا فاعل رُسُلُ جمع مکسر منصرف۔ بقاعدۂ نحو جمع مکسر اور مؤنث لفظی کے لیے فعل کی مطابقت شرط نہیں بلکہ مذکر مؤنث ہر طرح جائز ہے۔ کیونکہ جس طرح جملہ فعلیہ میں مقابلہ اسمیہ وسعت و استمرار ہے اسی طرح مذکر میں وہ وسعت نہیں جو مؤنث میں ہے۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع کافر قومیں۔ اَ ہمزہ استفہام انکاری ہے فی جارّہ ظرفیہ اِس کے بعد لفظِ توحید۔ یا شان۔ یا لفظ وجود پوشیدہ ہے۔ اللّٰہ۔ اسم مفرد معرفہ بحالتِ کسرہ مجرور اور جار متعلق سے یکون فعل تامہ پوشیدہ کے شکٌّ اس پوشیدہ کا فاعل ہے۔ بعض نے کہا یہ فاعل ہے اور یکون جملہ فعلیہ تامہ ہو کر خبر مقدم مگر یہ ٹھیک نہیں اس لیے کہ اگلی عبارت فاطر اس لفظِ اللہ کی صفت ہے یا بدل اور قانون ہے کہ موصوف صفت و بدل وغیرہ میں اجنبی کا فاصلہ جائز نہیں۔ مبتدا اجنبی ہوتا ہے۔ فاعل بوجہ جملے کی جزء ہونے کے اجنبی نہیں ہوتا۔ شَكٌّ اسم مفرد نکرہ حاصل مصدر ہے۔ فاطر اسم فاعل ہے فَطْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ایجاد کرنا۔ پھاڑنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ باب نصر یا ضرب سے ہے۔ بحالتِ جر ہے۔ یا صفت ہے اللہ موصوف کی یا بدل الکل ہے اللہ کا اور اعراب بالتبع ہے۔ الف لام استغراقی ہے سَمٰوٰت جمع مکسر ہے سَمَاءٌ کا سُمُوٌّ سے مشتق بمعنیٰ بلند ہونا واؤ عاطفہ جمع کے لیے بلا تعقیب و تراخی۔ الف لام استغراقی۔ معطوف علیہ معطوف بحالتِ کسرہ ہے بوجہ مضاف الیہ۔ یَدْعُوْا فعل مضارع بمعنیٰ حال معروف صیغہ واحد مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلانا۔ پکارنا۔ باب نَصَرَ سے ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اللہ ہے۔ کُمْ ضمیر ظاہر منصوب متصل کا مرجع کفار قومیں ہیں۔ مفعول بہ ہے یَدْعُوْ کا۔ لام کَیْ ہے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے بمعنیٰ تاکہ یَغْفِرُ فعل مضارع معروف باب ضَرَبَ سے ہے غَفْرٌ سے بنا ہے۔ معاف کرنا۔ مٹانا۔ ڈھانا۔ چھپانا۔ رد کرنا۔ یہاں پہلے دو معنیٰ بن سکتے ہیں۔ حالتِ نصب ہے۔ لام نے زبر دیا۔ اللہ کی ضمیر ھُوَ اس کا فاعل ہے اسی لیے مرفوع ہے۔ لَکُمْ جار و مجرور اس کا متعلق ہے۔ لام جارّہ تعلیلیہ یا صلہ۔ یا بیانیہ تاکیدیہ ہے۔ مِنْ جارّہ بیانیہ ذُنُوْب جمع مکسر ہے ذَنْبٌ کی لغوی ترجمہ ہے جانور کی دُم پکڑنا ... الی تو ہوتا ہے کہ پیشاب وغیرہ اسی طرف ہوتا ہے۔ جانور لات بھی مار سکتا ہے۔ مگر فائدہ کوئی نہیں اسی معنیٰ میں گناہ کو ذَنْب کہتے ہیں۔ بُرے دُول کو بھی ذنب کہہ دیا جاتا ہے۔ اس کی اَذْنِبَہ۔ ذَنَائب اور

ذناب جمع بھی آتی ہے۔ کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے واؤ عاطفہ یُؤَخِّرُ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع۔ مصدر ہے تاخیر۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع۔ اللہ ہے بحالت نصب ہے کیونکہ عطف ہے یَغْفِرْ پر۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ اِلٰی جارّہ انتہا کے لیے اَجَلٍ۔ اسم مفرد نکرہ جامد بمعنیٰ مدت مُسَمًّی۔ اسم مفعول باب تفعیل سے سُمُوٌّ یا سُمِیٌّ یا اِسْمٌ سے بنا ہے۔ دراصل تھا مُسَمَّیٌ ی الف کر حرفِ علت بوجہ تنوین ثقیل ہوا تو گر گیا۔ ماقبل کا فتح تنوین سے بدل گیا۔ کسرہ نہیں آسکتا اگرچہ بحالت کسرہ ہے بوجہ صفت اَجَلٍ کی اس لیے کہ اسم مفعول کی اس دوسری میم کا فتح علامت ہے۔ جو گرائی نہیں جاسکتی۔ ترجمہ ہے مقرر کی ہوئی مدت۔ یا فیصلہ کی ہوئی۔ قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ یہ پچھلی ساری عبارت مسمّٰی تک کمالات کا مقولہ تھا۔ یا گلی عبارت جوابیہ ہے قالوا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع وہی مذکورہ بالا قومیں ہیں۔ اِنْ حرفِ شرط ہے مگر یہاں نافیہ ہے اِلَّا کی وجہ سے۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر مرفوع منفصل فاعل ہے کُنْتُمْ فعل تامہ پوشیدہ کا۔ دراصل تھا مَا كُنْتُمْ اِلَّا۔ اِلَّا حرف استثنا لغو بمعنی ہوا۔ یا اِلَّا متصل ہے اور بَشَرٌ مستثنیٰ مِنْہُ ہے۔ اور اَنْتُمْ مستثنیٰ منہ یہ دونوں مل کر فاعل ہوئے۔ بَشَرٌ۔ اسم جامد مفرد نکرہ ہے۔ بمعنیٰ ظاہر کھلی ہوئی کھال۔ اسی لیے جانوروں کو بشر نہیں کہہ سکتے کیونکہ اُن کی کھال بالوں سے ڈھکی ہوتی ہے خواہ ابتداءً یا تا عمر۔ بجز انسان کے۔ اسی لیے اصطلاح میں اب صرف انسان کو بشر کہا جاتا ہے۔ کیونکہ بدن کی کھال پر شروع سے آخر تک بال نہیں ہوتے۔ مِثْلُ۔ اسم تشبیہی ہے مفرد ہے نکرہ مخصوصہ بحالت رفع صفت ہے بَشَرٌ کی مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ مجرور متصل کا۔ تُرِیْدُوْنَ فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ باب افعال سے ہے مصدر ہے اِرَادٌ اور اِرَادَۃٌ رَوْدٌ یا رَیْدٌ سے۔ بمعنی چاہنا۔ پسند۔ ارادہ کرنا۔ یہاں پہلا معنی مراد ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ ہے اس کا مرجع رُسُلٌ ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ یہ پورا جملہ فعلیہ مفعول بہ ہے۔ تُرِیْدُوْنَ کا۔ تَصُدُّوْا۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر فاعل کا مرجع بھی رُسُلٌ ہے۔ دراصل تھا تَصُدُّوْنَ نون اعرابی آخری اَنْ ناصبہ کی وجہ سے گر گئی۔ صَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ بند کرنا۔ باب نَصَرَ سے بنے۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا مرجع رسل ہیں یہ فاعل ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ عَمَّا۔ دراصل تھا عَنْ مَا۔ عَنْ حرفِ جر بمعنی بَ جلدہ یا مِنْ ابتدائیہ۔ مَا موصولہ بحالتِ جر۔ اور جار و مجرور متعلق ہے تَصُدُّوْا کا۔ كَانَ یَعْبُدُ فعل ماضی استمراری معروف۔ صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسم ظاہر جمع ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنی پوجا کرنا۔ عبادت کرنا۔ معبود سمجھنا۔ آبَاءُ اسم جمع مکسر۔ اِس کا واحد ہے اَبٌ بمعنی باپ۔ آبَاءُ کا معنی باپ دادے۔ مضاف ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ مرجع کفار قومیں۔ فَ جزائیہ مابعد کا جملہ جزا ہے۔ اس کی شرط مقدر ہے۔ دراصل تھا۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ فِیْ دَعْوَاكُمْ فَاْتُوْا۔ اٰتُوْا۔ فعل امر حاضر معروف۔ صیغہ جمع مذکر۔ باب ضَرَبَ سے ہے۔ اَتْیٌ۔ مہموز الفا اور ناقص یائی سے مشتق ہے۔

بمعنیٰ ۔ لانا ۔ دینا ۔ یہاں بمعنیٰ دینا ہے ۔ نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل کا مرجع کفار قوتیں ہیں مفعول بہ ہے اَتٰی کا ۔ بِ جارہ بمعنیٰ مِنْ تبعیضیہ ۔ یعنی کوئی سُلْطٰن بروزن فُعلان ۔ عثمان سَلْطٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ قوت ۔ طاقت ۔ زور ۔ حجت ۔ سند ۔ بادشاہ ۔ بادشاہت ۔ روشنی دینے والا تیل ۔ اسی سے ہے سلیط بمعنیٰ زیتون کا تیل جو چراغ میں ڈالا جاتا ہے دلیل کو سلطان بھی اسی معنیٰ سے کہا جاتا ہے یعنی روشن دلیل ۔ اور دعوے کو دکھانے والی ۔ اس کا معنیٰ معجزہ بھی ۔ دلیل اور معجزہ اور طاقت کے معنیٰ میں ہو تو اس کی جمع نہیں ہوتی کیونکہ مصدر کی شکل ہوتی ہے ۔ جب بمعنیٰ بادشاہ یا حکومت ہو تو اس کی جمع ہے سلاطین ۔ یہاں بمعنیٰ معجزہ ہے یا دلیل یا سند ۔ الف نون زائدتان ۔ منصرف بوجہ ایک سبب ۔ مُبِیْنٍ باب افعال اسم فاعل ہے بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ ظاہر کرنے والا ۔ ثابت کرنے والا ۔ ثابت ہونے والا ۔ یہاں دوسرا معنیٰ مراد ۔ بحالت جر بمعنیٰ صفت ہے سُلْطٰنٍ کی ۔ اور جار و مجرور متعلق ہے اَتٰی کا ۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ قَالَتْ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مؤنث ۔ یہ عبارت جواب الجواب ہے ۔ لام جارہ بمعنیٰ مفعولیت یعنی اُن کو ۔ هُمْ ضمیر کا مرجع ہر نبی کی قوم ہے رُسُلُ جمع مکسر ہے رَسُوْلٌ کی اسم ہے بحالتِ رفع ہے فاعل ہے قَالَتْ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع سابقہ قومیں ۔ یہ سب جملہ فعلیہ قول ہے ۔ اِنْ حرف چار طرح کا ہوتا ہے ۔

نمبر ۱ ۔ اِنْ شرطیہ یہی اصلی اور حقیقی ہے ۔ نمبر ۲ ۔ اِنْ مؤکدہ ۔ نمبر ۳ ۔ اِنْ مخففہ ۔ یہ اِنَّ سے بدل کر آتا ہے ۔ نمبر ۴ ۔ اِنْ نافیہ یہ اکثر اِلَّا سے پہلے آتا ہے ۔ بعض دفعہ لَمَّا سے پہلے بھی ۔ اور بہت کم اکیلا اِن کے بغیر آتا ہے ۔ یہاں اِنْ نافیہ ہے ۔ یہ سب عبارت مقولہ ہے قول کا ۔ نَحْنُ ۔ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل بحالتِ رفع مبتدا ہے ۔ اِلَّا حرفِ استثنا ۔ لغو ہے زائد ہے بَشَرٌ اسم نکرہ مفرد بمعنیٰ صاف کمال والا جاندار یعنی انسان بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا کی ۔ موصوف ہے مابعد کا مِثْلُ ۔ اسم ہے تمثیلی ۔ مفرد معرفہ مصنوعی ہے (یعنی بنایا ہوا معرفہ) اضافتِ ضمیر نے اس کو معرفہ بنایا ۔ ہر وہ نکرہ جو معرفہ کا مضاف بن جائے وہ معرفہ بن جاتا ہے ۔ یہ صفت ہے ۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر مجرور متصل مضاف الیہ ۔ واؤ عاطفہ لٰکِنَّ حرفِ تشبیہ استدراک کے لیے ہے اللّٰہ اسم مفرد معرفہ ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ اسم ہے لٰکِنَّ کا یَمُنُّ فعل مضارع معروف باب نَصَرَ سے صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اللہ ہے ۔ مَنٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ احسان کرنا ۔ عَلٰی جارہ بمعنیٰ فوقیت ہے یا بمعنیٰ مَعَ (ساتھ) مَنْ اسم موصول مفرد واحد کے لیے آتا ہے ۔ یَشَآءُ ۔ فعل مضارع معروف ۔ باب فتح سے ہے ۔ شَیْئٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ۔ چاہنا ۔ پسند کرنا ۔ مِنْ جارہ بمعنیٰ مِنْ جارہ یا بَ جارہ ۔ عِبَاد ۔ جمع مکسر ہے عَبْدٌ کا ۔ اسم جامد بمعنیٰ اسم فاعل عابِدٌ ۔ یہ مصدر مبالغہ کے لیے جامد بنایا گیا ۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ ہے یہ جار و مجرور متعلق ہے یَشَآءُ کے اور وہ جملہ فعلیہ یَمُنُّ سے متعلق ہو کر خبر ہے لٰکِنَّ کی واؤ ۔ سرِ جملہ

مَا کَانَ فعل تامہ ماضی منفی صیغہ واحد غائب اس کا فاعل قُدْرَۃٌ پوشیدہ ہے۔ لَنَا۔ جار و مجرور اس کا متعلق ہے۔ لام جارہ بمعنیٰ مَعَ یا بمعنیٰ عِنْدَ۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ یہ جملہ فعلیہ مفعول بہ مَا کَانَ کا۔ ایک قول میں کَانَ ناقصہ ہے اور لَنَا ایک فعل پوشیدہ یَنْبَغِیْ کے متعلق ہوکر خبر مقدم ہے۔ اور اَنْ نَاتِیَ جملہ فعلیہ اسم موخر ہے۔ نَاتِیَ فعل مضارع معروف منصوب ہے۔ اَنْ ناصبہ ہے۔ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لانا۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے اور اگر اَتْیٌ کا معنیٰ دینا ہو تو یہ ظرف ہے بمعنیٰ عِنْدَ کُمْ۔ بِ جارہ زائدہ تاکیدیہ۔ سُلْطٰن اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ دلیل۔ معجزہ یا سَنَدْ۔ تنوین (دو زیریں) تنکیری ہے بمعنیٰ کوئی۔ اِلَّا لغو بمعنیٰ واؤ حالیہ بِ جارہ بمعنیٰ اِذْنٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ اجازت مجرور ہے بِ جارہ سے۔ اور مضاف ہے۔ اللّٰہ اسم مفرد معرفہ مضاف الیہ ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ فعل نَاتِیَ کا اور یہ جملہ فعلیہ حال ہے پہلے نَاتِیَ کا۔ واؤ سے جملہ عَلَی جارہ برائے فوقیت یا بمعنیٰ بِ جارہ یا اِلٰی جارہ۔ اللّٰہ مجرور متعلق مقدم ہے اس تقدیم سے حصر کا فائدہ ہوا۔ فَ حرف عطف زائدہ فاصلہ کے لیے لِیَتَوَکَّلْ فعل امر غائب صیغہ واحد مذکر باب تَفَعُّلْ وَکْلٌ مثال واوی سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ بھروسہ کرنا۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ۔ الف لام۔ استغراقی مُؤْمِنُوْنَ جمع مذکر سالم ہے مُؤْمِنٌ کی باب افعال کا اسم فاعل ہے۔ اس کا مصدر ہے ایمانٌ۔ اَمْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ماننا۔ اسلام قبول کرنا۔ دین قبول کرنا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے اَمْرٌ کا۔

تفسیر عالمانہ قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَیُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّى انبیاء کرام علیہم السلام نے اپنے اپنے دور کے کفار سے یہ مشکوک باتیں اور بہانے بازیاں سن کر فرمایا کہ اے کم عقلو نادانو کیا اللّٰہ میں شک کرتے ہو۔ یا اس لیے کہ تم دھریہ ہو چکے ہو اور وجود باری تعالیٰ کے ہی منکر ہو اللّٰہ کے ہونے میں ہی شک میں پڑ گئے ہو یا مشرک ہونے کی بنا پر رب تعالیٰ کی توحید میں شک کرتے ہو یا اُس کی صفات خالقیت میں شاکی ہو۔ حالانکہ اُس کا وجود اُس کا ہونا اس کی توحید اس کی صفتِ خالقیت کروڑوں دلیلوں کے علاوہ ایک یہی کتنی عظیم ظاہر سامنے موجود اور تمہارے سابق باپ دادوں کو تسلیم کر واقعی وہ اللّٰہ ہی صرف اکیلا۔ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنے والا ہے۔ اور بہ رحیم کریم اتنا کہ تمہاری اسی سرکشی کفر ظلم یا شرک نفرت۔ فساد کے باوجود۔ ہم کو بھیجا اور ہمارے قول۔ کلام پیغام کے ذریعے تم کو دعوت دیتا ہے۔ ایمان کی۔ مغفرت کی جنت کی تاکہ تمہارے سارے صغیرہ کبیرہ حقوق اللّٰہ بخشدے جو پہلے تم سے گناہ ہو چکے یا تمام گناہ حقوق العباد بھی معاف کر دے۔ بایک حدیث کا فرمان ہے۔ یا صرف کبیرہ گناہ معاف کر دے یہ بعض کا قول ہے یا بعض گناہ معاف کر دے۔ یہ مختلف اقوال مِنْ کی وجہ سے ہیں۔ اخفش نحوی نے فرمایا یہ مِنْ زائدہ ہے۔ جمہور نحات بصری کہتے ہیں کلام موجب میں مِنْ زائدہ نہیں آسکتا۔ لہٰذا مِنْ تبعیضیہ ہے یا بدلیہ ہے یا بیانیہ۔ اعلیٰ حضرت نے ایک روایت کے مطابق تبعیضیہ مانا ہے ہم نے مندرجہ بالا روایت کی بنا پر بیانیہ تسلیم کیا

کیا ہے۔ اور دعوتِ الٰہیہ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تاکہ تم کو آخیر تک مہلت دے مقرر شدہ موت کی آخری گھڑی تک۔ اور ایمان لانے کی بدولت تم اپنی اس دراز عمر میں زیادہ سے زیادہ نیک کام کر سکو۔ کافروں کی عمریں گنہگاران کو عذابِ دنیوی سے ہلاک کر دیا جاتا تھا۔ اور مومن دراز زندگی پا کر اپنی طبعی موت سے وفات پاتے تھے۔ کیونکہ کافر کی زندگی بیکار بلکہ نقصان دِہ اور مومن کی زندگی دنیا جہان کے لیے فائدہ مند۔ نیکیوں بھلائیوں سے بھرپور۔ ایک قول یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دو بلاوے ہیں ایک ایمان کا اور دوسرا ایمان لانے کی دراز مدت کا۔ ایمان لانے سے تو سابقہ تمام کفریات وغیرہ معاف اور دراز مدت سے ایمان اور توبہ کی مہلت بہت دی کہ آخری سانس پر بھی ایمان اور توبہ قبول ہے سکراتِ موت سے پہلے پہلے۔ کافر کے صغیرہ بھی کفریات کے اندر شامل ہیں قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ اتنا مدلل اور فصیحانہ پیغمبرانہ وعظ سننے کے بعد بھی کافروں نے کہا۔ تم تو ہم جیسے ہی بشر ہو۔ تمہارا ہر کام تمہاری ہر عادت ہر ادا شکل صورت طاقت ہمت چال ڈھال کھانا پینا شادی بیاہ نکاح اولاد کاروبار غرض کہ ہر بات میں تم ہم جیسے ہی ہو نبوت رسالت والی تم میں کوئی بات نظر نہیں آتی۔ کیا تم ہی رہ گئے تھے پیغمبر بننے کے لیے کیا اللہ کو تمہارے سوا کوئی اچھا نظر نہیں آیا۔ اگر اللہ نے تم جیسے کمزور انسانوں کو ہی نبی بنانا تھا تو ہم کو کیوں نبی نہ بنادیا۔ ہم تو یہی سمجھتے ہیں کہ تم صرف ہم کو ہماری اُس بہترین عبادت سے روکنا چاہتے ہو جس کو ہمارے باپ دادے کرتے چلے آئے ہیں اور تمہارا مقصد محض اپنی سرداری چمکانا ہے۔ لیکن تم اگر واقعی اپنی بات اور اپنے دعوئے پیغمبری میں سچے ہو تو وہ معجزے ہم نہیں مانتے جو تم نے دکھائے وہ تو ہو سکتا ہے تم نے جادو سیکھا ہو ہم تو فوری طور پر اپنی مرضی کے معجزے مانگتے ہیں ہمارے پاس تمہاری سچائی بیان کرنے والی کھلی دلیل لاؤ۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ؕ وَمَا كَانَ لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ہر نبی نے اپنی اپنی قوم کا یہ عامیانہ احمقانہ جواب سن کر جواباً فرمایا کہ اس سے ہم کو انکار نہیں کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ واقعی ہم ظاہری بشریت کھانے پینے میں اور دنیوی زندگی کے تمام تقاضے پورے کرنے میں تم جیسے ہی بشر ہیں نہ جن ہیں نہ فرشتے نہ آسمانی مخلوق۔ لیکن ہماری ظاہریت اور بشریت سے تم نے جو ہماری صفات۔ روحانی طاقت اور قوتِ خداداد۔ اور نورانیت کا انکار کر کے ہم کو اپنی طرح کمزور اور ضعیف سمجھ لیا یہ تمہاری نادانی اور کور چشمی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر وہ احسان کیا ہے اور وہ طاقتیں قوتیں۔ صلاحیتیں علمی خزانے روحانی انوار عطا فرمائے جو زمین و آسمان فرش و عرش پر کسی مخلوق کو عطا نہ فرمائے ہم کو ساری مخلوق میں غنی بنادیا ساری مخلوق کو ہمارا محتاج کر دیا ہم کو دینے والا اور سب کو ہمارے آستانوں سے مانگنے والا بنادیا۔ ہماری سب طاقتیں قوتیں۔ غیب و حاضر کا علم سب رب تعالیٰ کی عطا ہے۔ ہم کو اپنی کسی روحانیت کے لیے مجاہدہ مراقبے کرنے کی

ضرورت نہیں۔ ہماری کوئی چیز ذاتی نہیں سب عطائی ہے۔ کائنات کے کسب وعمل محنت و ریاضت عبادت مشقت سے وہ حاصل نہیں ہو سکتا جو ہم کو اس کی عطا سے مل گیا یہ سب محض اس پروردگار عالم کا احسان ہے۔ اور اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے۔ تم نے ہماری نبوت کے ثبوت یقینی واقعی کے لیے معجزہ طلب کیا تو یاد رکھو کہ حقیقتاً معجزات بھی ہمارے پاس ہیں ہم کو ان پر اختیار بھی ہے مگر اللہ کی اجازت کے بغیر ہماری مجال نہیں کہ تمہارے سامنے تمہارے مطلوبہ معجزات ہم ظاہر کریں۔ نہ ہم کو تمہاری بیہودہ مرضی کے پیش نظر اجازت مانگنے کی کوئی ضرورت ہے۔ ہمارا اصل کام تو رب تعالیٰ کا پیغام پہنچانا ہے۔ اور تمہاری عقل دل دماغ کو اس طرف لگانا ہے کہ بجائے معجزوں کے پیچھے پڑنے کے خود سوچو سمجھو غور کرو کہ آسمان وزمین کی خلقت کے علاوہ خود تمہارے جسم تمہارا وجود ہی توحید خالق کی منہ بولتی شُلطٰنٍ مُّبِیْن ہے۔ تمہارا ظاہر و باطن قدرت کا کتنا بڑا شاہکار ہے ہم تو تم کو دعوت غور و فکر دے کر مومن بنانا چاہتے ہیں اور مومن کی پہلی عبادت پہلی سوچ یہ ہے کہ وہ اللہ ہی کی ذات پر بھروسہ کریں۔ لہٰذا جو شخص یہ سبق سکھائے اسی کی اتباع میں ہمہ تن مشغول ہو جاؤ باپ دادوں کی حماقتوں پر جمود نہ کرو۔ کیونکہ نبوت کے یہ اسباق فطرت کے بلکل مطابق ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ دنیائے کائنات میں تمام اسلامیات کا دارو مدار نبی کی ذات مقدس پر ہے۔ نبی میں یا نبی کی کسی بات میں شک کرنا سب سے بڑا کفر ہے۔ یہ فائدہ اَفِی اللّٰہِ شَكٌّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ کفار مکہ اور یہود و نصاریٰ نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات اور شان و قوت و اختیار میں شک کیا تھا جس کو ذات الٰہی میں شک کرنا قرار دیا گیا۔ اس سے وہابیوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو شان نبی میں شک و انکار کرتے ہیں۔

دوسرا فائدہ ۔ انبیاء کرام۔ علماء اسلام اور اولیاء اللہ کی اطاعت ہر انسان پر فرض ہے کیونکہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا بلانا اللہ تعالیٰ کا بلانا ہے اور علما اولیا کی تبلیغ و دعوت بلانا انبیاء عظام ہی کا بلانا ہے یہ فائدہ یَدْعُوْكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ انبیا کے بلانے کو اللہ کا بلانا کہا گیا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ انبیاء کرام کو اپنے جیسا بشر سمجھنا شیطان اور کفار کا طریقہ اور علامت ہے۔ اور یہ عقیدہ سب کفریات کی جڑ ہے۔ یہ فائدہ بَشَرٌ مِّثْلُنَا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ نے بھی کسی نبی مکرم کو بشر کہہ کر خطاب نہ فرمایا۔ انبیاء کرام کا خود اپنے آپ کو بشر کہنا عجز و انکسار کے لیے ہے۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ کوئی نبی ہرگز ہم جیسے بشر نہیں بلکہ ہم سے کروڑوں درجے بلند مرتبے والے نوری بشر ہیں۔

چوتھا فائدہ ۔ انبیاء کرام اپنے معجزات دکھانے میں با اختیار ہوتے ہیں جب چاہیں جس کو چاہیں دکھائیں۔ جو معجزے عطا ہوتے ہیں ان کی اجازت مل چکی ہوتی ہے۔ ہاں کفار کے مطالبے والے معجزات کی اجازت لینی پڑتی ہے۔ قبضے میں وہ بھی ہوتے ہیں نیز بشریت صفت ہے کہ ذات لہٰذا انبیاء صفات میں ہم مثل ہوتے ہیں نہ کہ ذات میں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ اسلام میں قوم یا وطن پرستی حرام ہے ۔ قوم پرستی وغیرہ یہ ہے کہ حدیث و قرآن کے مقابل اپنے باپ دادا یا رسم و رواج کو زیادہ اہمیت دی جائے ۔ یہ مسئلہ ۔ اَنْ تَصُدُّوْنَا سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ ۔ کوئی کافر مسلمان ہو جائے تو اُس کے صرف حقوق اللہ معاف ہو جاتے ہیں حقوق العباد معاف نہیں ہوتے اسی طرح جو حج کرے یا شہید ہو جائے اس کا بھی یہ ہی حکم ہے ۔ یہ مسئلہ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ میں مِنْ تبعیضیہ سے مستنبط ہوا۔

تیسرا مسئلہ ۔ حرام اور حلال ہونا ۔ یعنی قانون شریعت ہے اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی بھی کسی چیز کو حرام یا حلال نہیں کر سکتا ۔ یہ مسئلہ بِسُلْطٰنٍ کی ایک تفسیر اور عموی ترجمہ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ وہاں لَھُمْ نہیں ہے پھر دوسری آیت میں فرمایا گیا ۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ یہاں لَھُمْ ہے اس کی کیا وجہ ؟

جواب ۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ لَھُمْ فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ یہ بات جو یہاں بتائی جا رہی وہ خاص موجود مخاطبین کو سنائی گئی ہے کیونکہ نبی کو بشر کہنے والے یہ کچھ لوگ تھے اس لیے لَھُمْ یعنی خاص ان کو کہا ۔ پہلی جگہ ۔ اللہ تعالیٰ کے بارے میں شک کا ذکر ہے اس کفر میں سب چھوٹے بڑے مبتلا تھے لہٰذا وہ کلام عام تھا اس لیے لَھُمْ نہ فرمایا گیا ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا مِنْ ذُنُوْبِكُمْ تمہارے کچھ گناہ معاف کئے جائیں گے ۔ یہاں نحوی قانون سے مِنْ زائدہ ہو سکتا ہی نہیں کیونکہ سیبویہ نحوی فرماتے ہیں کہ کلام مثبت میں مِنْ زائدہ نہیں ہو سکتا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ سب گناہ معاف نہ ہوں گے مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ یعنی تمہارے سب گناہ معاف ہوں گے اس میں مطابقت کیونکر ہو۔

جواب ۔ تفسیر کبیر نے اس کے چند جواب فرمائے ۔ نمبر ۱ ۔ یہاں کفار سے خطاب ہے اور دوسری آیت میں مومنوں سے خطاب ہے اس لیے یہ فرق ہے ۔ نمبر ۲ ۔ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ کا معنی ہے بغیر توبہ کے صرف اسلام کی وجہ سے کچھ گناہ معاف ہوں گے ۔ اور ذُنُوْبَكُمْ کا معنی ہے توبہ کرو گے تو سب گناہ معاف ہو جائیں گے ۔ نمبر ۳ ۔ مِنْ ذُنُوْبِكُمْ میں تبعیضیہ مِنْ نہیں ہے نہ زائدہ بلکہ بیانیہ یا بدلیہ ہے اور مراد سارے گناہ ہیں ۔ نمبر ۴ ۔ چوتھا جواب یہ کہ مِنْ میں بھی بعض گناہ مراد ہیں اور ذُنُوْبَكُمْ سے بھی کچھ گناہ مراد ہیں ، نہ کہ سب صرف ۔ جمع سے کلیت ضروری نہیں ۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا ۔ وَيُؤَخِّرَكُمْ اگر ایمان لاؤ گے تو تم کو نئی مدت تک مؤخر کر دیا جائے گا ۔ حالانکہ دوسری آیت میں ہے کہ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ایک منٹ آگے پیچھے نہیں ہو سکتے ۔ اس کی مطابقت کس طرح ہے ۔ جواب ۔ اس کے دو جواب ہیں ۔ پہلا یہ کہ ۔ يُؤَخِّرَكُمْ کا مقصد موت آگے پیچھے کرنا نہیں موت تو اَجَلٌ مُّسَمًّى ہی رہے گی تاخیر عمل صالح کرنے کے لیے وقت اور توفیق و سہولت ملنا ہے ۔ دنیوی آلام و مصائب میں مبتلا نہ کرنا ہے ۔ یا سابقہ مثل کا عذاب نہ آنا ہے ۔ جواب دوم یہ

کہ یہاں ہے یُؤَخِّرُ۔ اللہ خود مؤخر فرمائے گا اور وہ کفار و قیوم ہے۔ دوسری آیت میں لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ کافر خود آگے پیچھے موت کو نہیں کر سکتے۔ پہلا جواب اعلیٰ حضرت کے ترجمہ باکمال نے حل فرما دیا۔ دوسرا جواب میری طرف سے ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ خود بھی اور اپنے ولیوں کو بھی موت کو آگے پیچھے کرنے کی قوت عطا فرما رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِی اللّٰهِ شَكٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَدْعُوْكُمْ لِیَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ وَ یُؤَخِّرَكُمْ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى الہامات الٰہیہ کے پیغمبروں نے جو ان کی ہی ضمیروں میں تشریف لائے۔ فرمایا کہ کیا آسمانِ عقل اور زمینِ عجز کے پیدا کرنے والے اللہ میں شک کرنے والے ہو! اے رذالت و شقاوت کے دبیز اندھیروں میں پھنسے ہو، وہ تم کو مقامِ سعادت پر بلاتا ہے تاکہ ڈھک دے یا مٹا دے تمہارے ظلمتوں کے حجاب کو اپنے نور کی تجلیات سے اس سے یقین کی جلا پیدا ہو تاکہ استعداد سعادت کی توفیق دے کر فیصلہ تقدیر تک مہلت فکر عطا فرمائے قَالُوْۤا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِیْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ قربِ مکانی نے اُن کو اتباعِ ہدایت سے روک دیا۔ بولے سب اشقیا۔ تم تو ہماری مثل ہی واردات نفسی ہو۔ تم نفس و عقل اور ذاتی فکر و تدبر سے روکنے والے ہو خودی و تکبر سے ہٹا کر بےخودی کی طرف لے جانے والے۔ دنیوی ترقی سے دور کر کے راہِ سلوک پر چلانا چاہتے ہو اگر تمہاری راہ سچی ہے تو کوئی تابناک مثالی یا یعنی مضبوط دلیل پیش کرو۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ یَمُنُّ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَ مَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِیَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ الہامات سرمدی نے خطاب فرمایا جنسیتِ خلقت میں ہم تمہاری ہی مثل ہیں۔ تم نے آواز کی یکسانیت کو دیکھا مگر یہ نہ جانا ہم صوتِ الٰہیہ کے پرتو ہیں اپنی مخلوق میں سے جس کو چاہتا ہے اپنے خاص احسانات ازلیہ سے نواز دیتا ہے۔ ہمارے یہ انوار اسی کی جانب سے ہیں ہم اپنی مرضی سے بغیر اس کی اجازت تم کو کچھ نہیں دے سکتے۔ کافر انبیا کے گستاخ و منکر ہوئے اور بدباطن اولیاء اللہ کے منکر حالانکہ ولی کی کرامات مظہر معجزات اور انبیا کا صدقہ ہے۔ نبی کی نگاہ سے اولیا کی محنت سے ایمان ملتا ہے۔ اور مومن کا دل ربوبیت میں اور جسم عبودیت میں ہوتا ہے اس لیے مومن ہی متوکل ہے اور متوکل نہیں چاہتا مگر وہی جو اس کا اللہ چاہے کامل نہیں پسند کرتا اظہارِ کرامت کو۔ انسان پانچ قسم کے ہیں۔

نمبر۱۔ اکمل یہ شانِ نبوت ہے نبی کامل گر ہے۔ نمبر۲۔ کامل یہ شانِ ولایت ہے خود کامل مگر کسی کو کامل کر سکتا نہیں۔ نمبر۳۔ ناقص یہ بےعمل ہے۔ نمبر۴۔ ۔ اِل یہ گمراہ ہے۔ نمبر۵۔ ضال یہ گمراہ بھی اور گمراہ گر بھی ہے۔ ہر قوم کے پڑھے لکھوں اور علما کی تباہی دو چیزوں سے ہوتی۔ نمبر۱۔ علم پر عمل نہ ہو۔ بناوٹی مسئلوں پر عمل کیا جانے لگے۔ نمبر۲۔ دوسروں کو امر و نہی خود کو آزاد سمجھا جانے پہلے لوگ اول شریعت پھر طریقت پر چلنے اور عمل کرنے روح کو پاک کرنے کا حکم دیتے تھے اُس وقت اور اُن زمانوں یہی درست تھا لیکن آج کل طریقت پہلے رکھی جائے تاکہ شریعت پر عمل کیا جائے۔

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ط

اور کیا ہے ہم کو کہ نہ بھروسہ کریں ہم پر اللہ حالانکہ یقیناً ہدایت دی اُس نے ہم کو ہماری شریعت کی

اور ہمیں کیا ہوا کہ اللہ پر بھروسہ نہ کریں اُس نے تو ہماری راہیں ہمیں دکھا دیں

وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ط وَعَلَى اللّٰهِ

اور البتہ ہم ضرور صبر کریں گے پر اُس جو تکلیفیں دیتے ہو تم ہم کو اور اللہ پر ہی

اور تم جو ہمیں ستا رہے ہو ہم ضرور اُس پر صبر کریں گے اور بھروسہ کرنے والوں کو

فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ع ١٢ وَقَالَ الَّذِيْنَ

پس چاہیئے کہ بھروسہ کریں تمام بھروسہ کرنے والے۔ اور کہا انہوں نے جو کافر

اللہ پر ہی بھروسہ چاہیئے۔ اور کافروں نے اپنے رسولوں

كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ

ہوئے کو رسولوں اپنے البتہ نکال دیں گے ہم تم کو سے علاقہ اپنے یا

سے کہا ہم ضرور تمہیں اپنی زمین سے نکال دیں گے

لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ط فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ

لوٹ آؤ تم میں دین ہمارے تو وحی کی طرف اُن کے رب نے اُن کے

یا تم ہمارے دین پر ہو جاؤ۔ تو انہیں اُن کے رب نے وحی بھیجی کہ

لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ لا ١٣ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ

کہ ضرور ہلاک کر دیں گے ہم ظالموں کو اور ضرور آباد کریں گے ہم تم کو زمین میں

ہم ضرور ان ظالموں کو ہلاک کر دیں گے اور ضرور ہم تم کو ان کے بعد زمین

مِنْ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ

ے بعد ان کے ۔ وہ وعدہ یہ ہے اس کے جو ڈرتا رہا کھڑے ہونے سے سامنے میرے اور ڈرا

ہیں بسائیں گے یہ اس کے لیے ہے جو میرے حضور کھڑے ہونے سے ڈرے اور میں نے جو عذاب کا حکم سنایا ہے

وَعِيْدِ ۱۴

عذاب سے میرے

اس سے خوف کرے

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں انبیاء کرام کی تبلیغ کا کچھ حصہ مذکور ہوا اور کچھ گفتگو ان آیات میں ذکر ہوئی۔ تو یہ آیتیں پچھلی آیات کا تتمہ ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں انبیاء کرام کی اُس گفتگو کا تذکرہ ہوا جو نہایت ہی سلجھے ہوئے پیارے انداز میں انہوں نے اپنی قوم سے فرمائی اب ان آیتوں میں قوم کے احمقانہ متکبرانہ جواب کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیات میں قوم کے کفر۔ ناشکری اور گستاخی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں انبیاء کرام کے توکل صبر شکر اور تحمل کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا ۔ وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا ۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ واؤ عاطفہ یا سرِ جملہ زائدہ۔ مَا حرفِ نفی اس کے بعد یعنی فعل پوشیدہ ہے یا مَانِعٌ اسم فاعل پوشیدہ ہے۔ لَنَا۔ لام جارہ مفعولیت کا۔ نَا۔ ضمیر جمع متکلم مجرور متصل متعلق پوشیدہ فعل کا اَلَّا۔ دو حرف جڑے ہوئے ہیں۔ دراصل ہے اَنْ لَّا۔ اَنْ حرف ناصبہ مصدریہ مضارع کو زبر دیتا ہے۔ یہ سب عبارت سُبُلَنَا تک فاعل ہے فعل مضارع پوشیدہ کا لَا نَتَوَكَّلَ فعل مضارع منفی صیغہ جمع متکلم باب تَفَعُّل سے ہے وُكُوْل سے مشتق ہے بمعنی بھروسہ کرنا۔ سپرد کرنا۔ یقین کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مستتر عَلٰی جارہ فوقیت [illegible] اللہ اسم معرفہ معرب۔ جار و مجرور متعلق ہے لَا نَتَوَكَّلَ کے واؤ حالیہ قَدْ هَدٰىنَا۔ فعل ماضی قریب صیغہ مذکر غائب اس کا فاعل هُوَ ضمیر مستتر ہے اسی میں نَا ضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے۔ اس لیے منصوب ہے اپنے عامل سے جڑی ہوئی ہے اس لیے متصل ہے۔ سُبُلٌ۔ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے سبیل بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے قَدْ هَدٰىنَا کا۔ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس کا مرجع رُسُل ہے۔ واؤ ابتدائیہ تاکیدیہ

لَنَصْبِرَنَّ فعل لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ مضارع معروف صیغہ جمع متکلم باب ضَرَبَ سے ہے صَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی رکنا یا روکنا۔ اگر اس کے بعد عَنْ جارہ ہو تو معنی ہے روکنا خود کو یا کسی کو اگر اس کے بعد علٰی جارہ ہو تو معنی ہے رکنا۔ صبر چار قسم کا ہے۔

نمبر ۱۔ فریاد اور شکوہ شکایت نہ کرنا اس کا مقابل جَزْعٌ فَزْعٌ۔ نمبر ۲۔ بزدل نہ ہونا اس کا مقابل جُبْنٌ۔ نمبر ۳۔ حوصلہ نہ ہارنا۔ اس کا مقابل ہے ضجرٌ۔ نمبر ۴۔ خاموش رہنا۔ اس کا مقابل ہے مَذَلٌ۔ صَبْرٌ کے معنی انتظار کرنا۔ بے باک ہونا اور سہار لینا بھی ہے کوئی کام کرتا رہنا بھی صبر ہے۔ یہاں صبر تمام معنی کے اعتبار سے ہے علٰی جارہ فوقیت کے لیے مَا اسم موصول بحالت کسرہ ہے۔ اٰذَیْتُمُوْ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ بابِ افعال سے ہے اَذٰیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی جاندار کو تکلیف دینا۔ جسمانی یا روحانی دنیوی یا اخروی۔ اس کا فاعل کُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر بعض نحوی کہتے ہیں کہ اَنْتُمْ ضمیر مستتر ہوتی ہے ضمیر متصل مستتر نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بالصواب نا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے۔ واؤ سر جملہ۔ علٰی حرف جر اپنے ہی فوقیت کے معنی ہیں۔ اللہ اسم مفرد معرفہ۔ فَ زائدہ برائے تحسین۔ یہ جار و مجرور متعلق مقدم ہے برائے حصر۔ لِیَتَوَکَّلْ فعل امر غائب معروف صیغہ واحد مذکر غائب اَلْمُتَوَکِّلُوْنَ۔ الف لام استغراقی۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے ماقبل فعل کا۔ یہ دونوں فعل فاعل باب تَفَعُّلٌ سے ہیں اور وَکْلٌ سے مشتق ہیں بمعنی بھروسہ کرنا۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا۔ واؤ سر جملہ اگلی عبارت جوابُ الجواب ہے قَالَ فعل ماضی مطلق قَوْلٌ سے بنا ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع اسم ظاہر اس کا فاعل ہے۔ کَفَرُوْا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب۔ کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنی ترک کرنا لام جارہ برائے مفعولیت رُسُل اس کا مجرور ہے رسولٌ کی جمع مکسر ھم ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ لام تاکید۔ نُخْرِجَنَّ فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ بمعنی مستقبل۔ نَحْنُ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے کُمْ ضمیر جمع حاضر منصوب متصل مفعول بہ کا مرجع رُسُلٌ ہیں۔ مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ اَرْضٌ اسم جلد مؤنث لفظی مراد ہے علاقہ نا ضمیر متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے اَوْ حرفِ عطف تردیدی۔ لَتَعُوْدُنَّ فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ۔ صیغہ جمع مذکر حاضر بمعنی انشیٰ امر۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ عَوْدٌ اجوف واوی سے مشتق ہے۔ بمعنی۔ لوٹنا۔ پھر جانا۔ پھر آنا۔ یہاں پہلے معنی مراد نہیں، نہ ہی تیسرے بلکہ پھر جانا مراد ہے۔ اور اگر خطاب عام مومنین سے ہو تو پہلے یا آخری معنی میں ہے۔ فِیْ جارہ بمعنی اِلٰی۔ مِلَّةٌ اسم مفرد جامد ہے اس کی جمع ہے مِلَلٌ مَلِیْلٌ سے متغیر ہے۔ لغوی ترجمہ ہے۔ گرم راکھ۔ بخار کی گرمی۔ قانون بھی سخت اور گرم ہوتا ہے اس لیے اصطلاحاً قانون کا نام مِلَّةٌ ہے۔ منقول عرفی میں ہر اس دین کو مِلَّتٌ کہا جاتا ہے جس میں قانون اصول منوا ہوں۔ خواہ دین الٰہی ہو یا باطل ادیان۔ یہاں باطل دین ہی مراد ہے۔ بحالت کسرہ ماقبل سے اور مضاف ہے

مابعد کا نا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ یہ ساری عبارت مقولہ ہے قَالَ کا۔ فَاَوْحٰۤى اِلَیْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِیْنَ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ۔ فَ۔ حرفِ عطف برائے تعقیب بمعنی ثُمَّ۔ اَوْحٰی فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے وَحْیٌ سے مشتق ہے۔ لفیف مفروق ہے۔ بمعنی۔ پیغام پہنچانا حکم دینا۔ اشارہ کرنا۔ راہ دکھانا۔ دل میں ڈالنا۔ بذریعہ جبرئیل بات سنانی۔ یہاں آخری دو معنی بن سکتے ہیں اس کا مصدر ہے اِیْحَاءٌ اِلٰی جارہ۔ انتہاء غایت کے لیے ہِمْ ضمیر کا مرجع رُسُل ہے۔ رَبُّ۔ اسم مفرد معنوی معرفہ بوجہ اضافت الی معرفہ ضمیر۔ بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے اَوْحٰی کا۔ رَبٌّ صیغہ مبالغہ ہے بمعنی اسم فاعل۔ لغوی معنی پالنے والا۔ ترتیب دینے والا۔ اصطلاحی ترجمہ ازل سے ابد تک ہر مخلوق کو پرورش کرنے والا ہُمْ ضمیر جمع مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ لَنُهْلِكَنَّ فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ بمعنی مستقبل۔ صیغہ جمع متکلم باب افعال سے ہے مصدر ہے اِہلاکٌ ھَلَکٌ سے بنا ہے بمعنی۔ تباہ کرنا۔ فنا کرنا۔ باب افعال میں متعدی ہوا مادہ مصدر ھَلَکٌ لازم ہے بمعنی تباہ ہونا۔ فنا ہونا۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم کا مرجع واحد ہے یعنی رَبٌّ الظّٰلِمِیْنَ الف لام استغراقی یا اسمی ہے بمعنی اَلَّذِیْ۔ ظَالِمِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے ظَالِمٌ۔ اسم فاعل ہے باب ضَرَبَ سے ہے ظُلْمٌ سے مشتق بمعنی نقصان کرنا۔ اپنا یا کسی کا۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے مَاقبل فعل کا۔ واؤ عاطفہ۔ مابعد عبارت کا عطف ہے لَنُهْلِكَنَّ پر۔ اور پورا جملہ عاطفہ مفعول بہ ہے اَوْحٰی کا۔ لَنُسْكِنَنَّ باب افعال کا فعل مضارع معروف لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ بمعنی مستقبل۔ صیغہ جمع متکلم۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذات واحد ہے یعنی رب تعالیٰ پر جمعیت فقط فصاحت کلام کے لیے ہے۔ اس کا مصدر ہے اِسْکَانٌ سَکُوْنٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ آرام دینا۔ رحمت دینا برکت دینا۔ اطمینان دینا۔ بسانا۔ آباد کرنا۔ ٹھہرانا۔ اسی سے ہے سکون۔ تسکین اور سکین بمعنی چھری ہے۔ کہ وہ بھی ذبح کر کے چلتے پھرتے کو ڈال دیتی ہے۔ باب افعال نے متعدی کیا اس لیے۔ یہاں آخری تین معنی بن سکتے ہیں۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ مَاقبل کا اَلْاَرْضَ الف لام عہدِ ذہنی یا خارجی ہے اَرْضٌ اسم مفرد معرف باللام۔ بحالت فتح ہے مفعول فیہ ہے اسی فعل کا مراد ہے علاقہ۔ مِنْ جارہ زائدہ تاکیدیہ۔ بَعْدُ۔ اسم ظرف زمانی ہے بحالتِ کسرہ اکثر مضاف ہو کر آتا ہے۔ اور معرب ہو جاتا ہے۔ تینوں اعراب میں آجاتا ہے۔ اس کو مضاف الیہ بھی ہر اسم ہو سکتا ہے۔ جب مضاف نہ ہو تو مبنی ہوتا ہے یہ پر یا معرب نصبی ہوگا یعنی مبنی فرع۔ یہاں معرب مضاف ہے۔ ہِمْ ضمیر مذکر غائب۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب جار و مجرور ہو کر متعلق ہے۔ لَنُسْكِنَنَّ کا ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید ہے اس کا مشار الیہ سُکُوْنٌ اِہْلَاکٌ پوشیدہ ہے۔ بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے۔ لام جارہ۔ پہلی صورت یعنی سکون فی الارض کی پوشیدگی میں

لام فتح کا ہے اور دوسری صورت میں لام بینہ ہے۔ پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا۔ یسے دوسری صورت میں ترجمہ ہو گا و جیسے۔ مَنْ اسم موصول واحد مذکر غیر معین کے لیے بحالت جر لام کی وجہ سے۔ یہ جار و مجرور ثابت پوشیدہ اسم فاعل یا واقع سے متعلق اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ذٰلِکَ مبتدا کی۔ خَافَ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ باب فتح سے خوف اجوف واوی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ ڈرنا۔ مرعوب ہونا۔ دہشت میں آنا۔ نافرمانی سے بچنا۔ یہاں یہ سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ مَقَامَ اسم ظرف واحد کا صیغہ ہے۔ بمعنیٰ کھڑا ہونے کی جگہ۔ درجہ۔ مرتبہ۔ ذات مع صفات۔ یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ باب نصر سے۔ قوم اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ کھڑا ہونا۔ کھڑا رہنا۔ جم جانا۔ مضبوط ہونا۔ جتھہ بنانا۔ کھڑے ہونے کی پانچ قسمیں۔

نمبر ۱۔ حفاظت کے لیے۔ نمبر ۲۔ تعظیم کے لیے۔ نمبر ۳۔ ادا کرنے کے لیے۔ نمبر ۴۔ ہیبت جاننے کے لیے نمبر ۵۔ استقبال یا وداع کے لیے۔ مقام بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے خَافَ کا۔ یْ ضمیر واحد متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے مقام کا۔ ایک قول میں مَقَام مصدر میمی ہے۔ مضاف یاء متکلم کی طرف نہیں ہے بلکہ دراصل یہاں عِنْدَ ظرفیہ مکانیہ پوشیدہ ہے وہ مضاف ہے یاء متکلم کی طرف۔ عبارت اس طرح ہے مقامَ عِنْدِیْ۔ یعنی میرے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرا اس صورت میں مقام مفعول بہ ہوگا اور عندی ظرف مکان یہ ترکیب زیادہ مناسب ہے یہی اعلیٰحضرت نے پسند فرمائی۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے مابعد خَافَ کا ماقبل خَافَ پر۔ خَافَ فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب خَوْفٌ سے مشتق ہے۔ ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع مَنْ موصولہ ہے وَعِیْدِ۔ اسم معرف باللام مصدر ہے ثلاثی کا بروزن فَعِیْلٌ۔ رَحِیْلٌ۔ بمعنیٰ شدت کا وعدہ یعنی خوف دلانا۔ ڈرانا۔ جھڑکنا۔ مراد ہے عذاب کا وعدہ۔ عذاب کا فیصلہ بحالت نصب ہے محلاً یعنی اصلی پوشیدہ اعراب۔ مفعول بہ ہے خَافَ کا۔ یہ ظاہری کسرہ علامت یاء متکلم ہے دراصل تھا وَعِیْدِیْ۔ ترجمہ ہے میرے وعید سے ڈرا۔ یہ سب عطف کا جملہ صلہ ہوا موصول مَنْ کا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا لَنَا اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَاۤ اٰذَیْتُمُوْنَا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ اور کیا رکاوٹ یا دشواری ہے ہم تمام انسانوں کو۔ یا ہم گروہ انبیاء کو۔ یا ایمان والوں کو کہ ہم اپنے اللہ جل مجدہٗ پر بھروسہ نہ کریں حالانکہ اسی رب کائنات نے ہماری عزت۔ نصرت۔ فلاح و بہبود۔ اسرار۔ انوار۔ قرب جمال کی اور شریعت طریقت حقیقت معرفت کی تمام راہیں ہم کو دکھا دیں اور خود ہی پروردگار نے ہم کو منزل مقصود تک پہنچا دیا۔ اور ہر طرح تائید و حمایت کے سچے طریقے فرمائے زندگی کی تمام اطمینانیاں عطا فرمائیں۔ اور ہمارے توکل علی اللہ کی پہلی حالت یہ ہے کہ البتہ بیشک ہم ضرور ضرور اُن تمام مصیبتوں اور تکلیفوں۔ برا بھلا کہنے اور ستانے پر صبر کریں گے جو تم ہم کو ایذا پہنچاتے

ہو یا آئندہ پہنچاؤ گے۔ اور ہر وہ شخص جو سچے توکل کو اپنانا چاہتا ہے۔ اور متوکل بننے کا خواہش مند ہے تو اس کو اللہ پر بھروسہ کرنا اور ثابت قدم رہنا چاہیے۔ کیونکہ اللہ کی ذات پر ہی بھروسہ توکل ہے۔ باقی سب دھوکا ہے کامل توکل چار چیزوں کا نام ہے۔

نمبر۱۔ جسم عبودیت میں رہے۔ نمبر۲۔ دل ربوبیت سے لگے۔ نمبر۳۔ نعمت پر شکر ہو۔ نمبر۴۔ بلا پر صبر ہو۔ وہی اللہ اپنے ایسے بندے کی ہر منزل پر رہنمائی فرماتا ہے۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ہر قسم کی نصیحت محنت الفت اور انتہائی سچائی بھلائی کی باتیں سننے کے باوجود لاجواب کافر اپنی ضد کے پکے ہٹ کے پورے کسی خیر کی طرف مائل نہ ہوئے بلکہ انبیاء کرام کی ہر قوم نے عموماً اشاروں کنایوں میں یا اپنے سلوک سے اور حضرت شعیب علیہم السلام کی قوم نے خصوصاً صاف صاف عَلَى الْاِعْلَان کہا اپنے معظم رسولان کرام کو کہ ہم ضرور تم کو نکال دیں گے اپنے علاقے سے تمہاری وعظ تقریر سے ہم بہت دل برداشتہ ہو چکے ہیں۔ اور آج آخری تنبیہ ہے۔ اب اگر تم نے پھر ہم کو اپنے دین کی تبلیغ کی تو پھر کچھ تم کو مہلت نہ دیں گے۔ یا ایک صورت یہ ہے کہ تم البتہ لوٹ جاؤ ہمارے ساتھ اپنے اسی پچھلے طریقے میں کہ تم ہم سے کوئی چھیڑ خانی نہ کرو ہم تم کو کچھ نہ کہیں جس طرح پہلے تم خاموشی سے وقت گزار رہے تھے اب بھی اسی طرح بھلے مانسوں کی طرح چپ رہو نہ ہم کو برا کہو نہ ہمارے دین کو اگر ہم برے دین پر ہیں تو رہنے دو۔ یا یہ کہ تم ہمارے دین پر آ جاؤ یا اے قوم والو تم میں جو مومن امتی بن چکا ہے وہ پھر اپنے پرانے دین پر آ جائے اور انبیا کو چھوڑ دے تب تم رہ سکتے ہو۔ ورنہ تم کو تمہارے گھروں سے نکال دیں گے پھر نہ کہنا ہمیں خبر نہ ہوئی۔ یہ آخری حتمی گفتگو سن کر انبیاء کرام اصل ایمان کفار کے ایمان سے مایوس ہو گئے تب رب تعالیٰ نے ایمان والوں کی تسلی کے لیے اپنے محبوبین نبیین کی طرف وحی فرمائی۔ کہ اے مخلص بندو غم نہ کرو یہ کیا تم کو نکال سکتے ہیں۔ البتہ ہم ہی ان کو جو شرک گستاخی بے ادبی اور ایذا رسانی کر کے بدترین ظالم بن چکے ہیں عذاب آسمانی سے ہلاک۔ تباہ و برباد کر دیں گے۔ کہ ان کی اجڑی ہوئی بستیاں رہ جائیں گی اور خود ان کے وجود کا نام و نشان بھی نہ رہے گا۔ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ اور اے پیارے نبیو اور ان کے مخلص امتیو غلامو البتہ بیشک ضرور تم ہی لوگوں کو اس ہی علاقے میں ان ظالموں مشرکوں مغروروں کے ہلاکت تباہ برباد ہو جانے کے بعد نہایت شان و شوکت عزت و وقار۔ آرام و اطمینان کے ساتھ ہم خود آباد کریں گے۔ یہ خوشحالی آبادی تاقیامت ہر اس خوش قسمت شخص کے لیے ہے جس نے اپنے دل میں میرے جلال کی ہیبت رکھی۔ دنیا میں حضور قرب میں ہونے سے اور آخرت میں عدالتِ عالیہ الٰہیہ میں پیش ہونے سے اور جو شخص ڈرتا رہا آخری سانس تک میری پکڑ کی

شدت اور عذاب کی عالمگیر خبر ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص اپنے پڑوسی کو ایذا و تنگی تکلیف دے گا اللہ تعالیٰ اس ظالم کا مکان اسی مظلوم کو عطا فرمائے گا۔ اور ظالم حسرت سے ہی دیکھتا رہ جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ خوف پانچ قسم کا ہے۔

نمبر ۱۔ خوف عذاب یہ عوام کو ہونا چاہیے۔ نمبر ۲۔ خوف ہیبت یہ خواص کو ہوتا ہے۔ روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک عیسائی حکیم کے پاس صدیق اکبر کا قارورہ لے جایا گیا تو عیسائی قارورہ ملاحظہ کر کے مسلمان ہو گیا لوگوں نے وجہ پوچھی تو کہنے لگا کہ جس کا یہ قارورہ ہے اس کا جگر اور گردے ہیبت الٰہی سے سوختہ ہو چکے ہیں۔ نمبر ۳۔ خوف حجاب یہ خاص الخواص کو ہوتا ہے۔ نمبر ۴۔ خوف عتاب یہ مجوبین الٰہیہ کو ہوتا ہے۔ نمبر ۵۔ خوف انتظار یہ انبیاء کرام کو ہوتا ہے۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ فرمایا اگر ایک آن بھی کر انوار قدس اور نظارۂ جمال الٰہیہ کا انتظار کرنا پڑے تو خوف عشق سے میرا قلب شق ہو جائے۔ عاشق کو اپنے معشوق کا کتنا ہی قرب اور وصل میسر ہو مگر فراق دھڑکا ہمیشہ ہی لگا رہتا ہے۔ ان ہی تمام خوفوں کا نام درجہ بدرجہ ایمان ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر خوشی ایک وعدہ ہے اور ہر ناراضی ایک وعید ہے۔ جس طرح ہر نیک و بد کے لیے ایک وعدۂ الٰہی ہے اسی طرح ہر نیک و بد کے لیے اس کی حیثیت کے مطابق ایک وعید ہے۔ اور ہر شخص اپنی اپنی وعید سے ڈرتا ہے لیکن کافر فاسق اور ظالم بے خوف رہتا ہے اس لیے محروم رہتا ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ سب سے بڑی عبادت اللہ رسول پر بھروسہ کرنا ہے۔ خیال رہے کہ انبیاء کرام کا بھروسہ صرف رب تعالیٰ کی ذات پر ہوتا ہے مگر امت کا بھروسہ اللہ رسول پر ہونا چاہیے اس لیے کہ انبیاء پر اعتماد کے بغیر اللہ پر اعتماد ہو سکتا ہی نہیں۔ یہ فائدہ (وَمَا لَنَآ الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** بداعمالی اور ظلم سے دنیوی زندگی بھی تنگ ہو جاتی ہے۔ آخرت کا عذاب اور تکالیف تو اس کے علاوہ ہیں۔ اسی طرح نیک خصلتوں سے حیات دنیوی بھی خوشگوار ہوتی ہے۔ یہ فائدہ لَنُخْرِجَنَّ اور لَنُسْكِنَنَّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ۔** خوف الٰہی انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی ہوتا ہے۔ مگر عام خوف نہیں۔ بلکہ انبیاء عظام کا خوف بھی بے مثل ہے۔ اس کی تفصیل۔ تفسیر میں بیان کر دی گئی ہے۔ یہ فائدہ خَافَ مَقَامِیْ (الخ) کے عموم سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ کفر کا مشورہ دینا بھی کفر ہے اور گناہ کا مشورہ دینا بھی گناہ ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص کسی عورت کو ظالم خاوند کے پنجے سے چھوٹنے کے لیے مذہب تبدیل کرنے اور کفریہ

دین بدلنے کا مشورہ دے تو وہ خود مرتد ہو جائے گا اور اس ارتداد کی وجہ سے اس کا اپنا نکاح ٹوٹ جائے گا یہ مسئلہ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ (نور العرفان) اسی طرح زنا یا چوری یا سود خوری کا مشورہ دینا۔ اسی قسم کے اور اسی درجہ کے گناہ ہیں (حدیث پاک) **دوسرا مسئلہ** ۔ بغیر قانونی یا شرعی جرم کے کسی شخص کو اس کے ملکیتی گھر سے بیدخل کرنا حرام شرعی ہے۔ یہ مسئلہ لَنُخْرِجَنَّكُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ یہ کفار کا طریقہ ہے۔ اور اس بے دخلی سے مالک کی ملکیت ختم نہ ہوگی۔ اور یہ عمل بد سراسر ظلم ہے اسی طرح جو شخص صاف لفظوں میں نہ نکالے مگر ستا کر ایسے حالات پیدا کر دے کہ وہ مظلوم نکلنے پر مجبور ہو جائے یا کوئی اپنے پڑوسی کو ایذا رسانی کرے اور اُس کا قلبی ارادہ یہی ہو کہ یہ میرا پڑوسی بھاگ جائے یہ سب کام بدترین ظلم ہے۔ حدیث پاک میں ہے جو شخص اپنے نیک پڑوسی کو بلاوجہ ستائے تو قدرتِ الٰہیہ ظالم سے گھر چھین کر مظلوم کو دیدیتی ہے۔

تیسرا مسئلہ ۔ کفار کی زمین ان کے مکانات ان کے عبادت گاہوں میں رہائش کرنا یا اُن کی عبادت گاہوں کو اپنی عبادت گاہوں میں تبدیلی کرنا جائز ہے۔ صرف اُس کو کفریہ نشانات اور دھو کر ظاہری گندگی سے پاک کرنا فرض ہے۔ یہ مسئلہ۔ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ ہاں البتہ کفار کی اس بستی میں رہنا مسلمانوں کو حرام ہے جس میں عذاب آسمانی آیا ہو۔ لَنُهْلِكَنَّ کا معنیٰ ہے ان کو وہاں بستی سے نکال دینا یا جنگ میں ہلاک

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ اس کی وجہ کیا ہے کہ پہلے فرمایا فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۔ اور پھر ساتھ ہی دوسری آیت میں فرمایا گیا فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ دو دفعہ کیوں فرمایا گیا اور اختلاف کیوں رکھا گیا۔

جواب ۔ پہلے جملے کا معنیٰ ہے توکل کرنا چاہیئے ۔ دوسرے جملے کا معنیٰ ہے توکل پر ثابت قدم رہنا چاہیئے ۔ اس لیے دونوں دفعہ بھی درست ہے ۔ یہ لفظی اختلاف بھی عین مناسب ہے ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا کہ کفار نے اپنے نبیوں سے گستاخانہ طریقے سے کہا اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا یا تم ہمارے دین میں لوٹ آؤ ۔ اور لوٹنا وہاں بولا جاتا ہے جہاں پہلے بھی ہو ۔ تو کیا یہ انبیاء کرام پہلے اُن ہی کے دین میں تھے ؟

جواب :۔ تفسیر کبیر اور مسلمہ الرازی نے بھی اس کے چار جواب دیے ہیں نمبر ۱ ۔ یہ انبیاء کرام ان ہی میں ابتدا سے رہائش پذیر تھے مگر ابھی تبلیغ نبوت کی اجازت الٰہیہ نہ تھی اس لیے خاموشی سے وقت گذار رہے تھے تو کفار یہ سمجھے تھے کہ شاید یہ بھی ہمارے دین میں ہیں اس لیے لوٹنے کی بات کی ۔ نمبر ۲ ۔ یا ملت سے مراد طریقہ ہے ۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح تم پہلے خاموش تھے اب بھی خاموشی کا طریقہ ہمارے ساتھ رکھو ہمارے بتوں کو برا نہ کہو ۔ نمبر ۳ ۔ یا یہ خطاب ایمان والے تمام مومنوں سے ہے ۔ نہ کہ انبیاء کرام سے ۔ نمبر ۴ ۔ یا لوٹنے کا معنیٰ بدل جانا یعنی تم اپنا

دین بدل کر ہمارے دین میں آجاؤ۔ اور عربی میں عَوْدٌ بمعنی صَیْرٌ بہت مستعمل ہے **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مِنْۢ بَعْدِهِمْ یعنی ان کے ہلاک کرنے کے بعد تم کو وہاں سکونت دیں گے۔ وہ مومنین اور انبیاء کرام تو پہلے ہی وہاں رہائشی تھے۔

جواب: یا اس لیے کہ عذاب کے وقت ان انبیاء عظام اور مومنین کو وہاں سے نکال دیا جائے گا جب عذاب سے کافر ہلاک ہو جائیں تو پھر تم کو ان ہی مکانات میں بلالیا جائے گا۔ مگر یہ جواب اس لیے کمزور ہے کہ تاریخ کے خلاف ہے کیونکہ تاریخ شاہد ہے کہ جس جگہ آسمانی عذاب آیا وہاں تاقیامت آبادی نہیں ہوئی۔ اور نہ وہاں ٹھہرنا جائز ہی ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ جنگ میں ان کفار کو بذریعہ قتل ہلاک کرا کر تم کو اس شہر کا قبضہ دیا جائے گا تیسرا جواب یہ کہ ان کو ہلاکت دینے کے بعد تم کو عزت قوت بادشاہت حکومت اور زمین کی رہائش و حکومت دی جائے گی خواہ اسی جگہ یا کسی دوسری سرزمین پر۔ یہ جواب شاندار ہے۔ اور مضبوط۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ اے دعوت ربانی سے منہ پھیر کر دنیا کی طرف دیکھنے والو اور اہل دنیا پر بھروسہ کرنے والو ہم تو اپنے مولی پر ہی بھروسہ کریں گے کہ معرفت کا پہلا قدم توکل ہے اس دعوت الہی کا فائدہ بندوں کو ہے ہم کو رب کی حاجت ہے نہ کہ رب کو ہماری ہم بندے ہو کر اس پر بھروسہ کیوں نہ کریں کہ اس ذات وحدہٗ لاشریک نے آسمانوں اور زمین کی ظلمتوں کے پردوں سے اپنی صفت مغفرت کی طرف بلایا تاکہ تمہاری کمیونکو دور فرمائے اور تم کو اپنے راستوں کی ہدایت دے بیشک اس نے ہم کو تو اپنے خاص کرم سے ہمارے ایمان۔ معرفت اور محبت ازلی کے راستوں پر چلایا ہے یہی وصل الہی اور مقام عشق کے رستے ہیں۔ اے انعامات قدس کے منکرو تمہاری ایذاؤں پر۔ جو وسوسہ نفسانی۔ اضطراب ایقانی کی صورت میں قلب پر وارد ہوتی ہیں ہم صبر سے برداشت کریں گے ایک وقت آئے گا جب ہم مقام شکر کو پالیں گے۔ اس وقت تک ہر اہل انوار متوکل ابرار کو اپنے خالق مالک اللہ تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرنا چاہیئے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ توکل کے تین مقام ہیں۔ پہلا توکل ابتدائی یہ کہ حصول مقاصد میں اسباب سے ہٹ کر مسبب پر بھروسہ۔ دوسرا توکل وسطی۔ مسبب ہی کی طلب ہو جائے مقاصد کو بھی نظر انداز کر دیا جائے تیسرا توکل انتہائی یہ کہ خودی کو بھی فنا کر دیا جائے۔ مصطلاحِ صوفیا میں خودی کی بلندی کا طالب اشرار اور مردودین میں ہے۔ طالب معرفت پر اس لیے توکل اشد لازم ہے کہ اس کا پہلا حال وادی احسان میں ہے دوسرا حال ضمانت الہی میں تیسرا حال ظلق امتحان میں ہے صابر کے لیے بلاء منکرین پر صبر کہیں زیادہ آسان ہے حجاب انوار سے۔ کسی نے حضرت منصور حلاج سے پوچھا جب کہ ان کے ہاتھ پیر کاٹے جارہے تھے کہ اے منصور عشق کیا۔ فرمایا ظاہر تو یہ ہے جو تو دیکھ رہا ہے اور باطن قرب دوست

ہے ۔ عاشقِ صادق ہر چیز سے نفرت کرتا ہے اور وصلِ یار کی خاطر مصائب پر ہنستا ہے ۔ کیونکہ ہر چیز سے محبت کرنا بدبختی اور شقی کی نشانی ہے ۔ شقاوت کی تین نشانیاں ہیں ۔

نمبر ۱ ۔ علم ہو عمل نہ ہو ۔ نمبر ۲ ۔ عمل ہو مگر اخلاص نہ ہو ۔ نمبر ۳ ۔ صحبتِ صالحین ملے مگر احترام اور ادب نہ ہو ۔ عارفین فرماتے ہیں علم حفاظت ہے جہل غرور ہے ۔ صدق امانت اور قوت ہے ۔ صلہ رحمی بقا ہے قطع رحمی مصیبت ہے ۔ صبر شجاعتیں ہے ۔ کذب اور جھوٹ کمزوری ہدایت والا وہ ہے جس کا معاملہ دو طرفہ صاف ہو ۔ خود بھی شریعت سے باخبر ہو اور اپنی قوم کو باخبر رکھے غفلت والوں کی حفاظت کرے ان کی ایذاؤں کو برداشت کرے یہی اس آیت نے طالبِ معرفت کو سکھایا وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۔ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۔ وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۔ ذٰلِكَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِيْ وَخَافَ وَعِيْدِ حق و باطل میں یہ بھی بڑا امتیازی فرق ہے کہ حق کی مضبوطی کثیر دلائل سے ہوتی ہے اور باطل کے پاس صرف غرور و تکبر ہوتا ہے یا ظاہری چندروزہ جاہ و مرتبہ اسی بنا پر جب بھی کبھی حق و باطل کا ٹکراؤ ہوا تو دلائل کے مقابل انہوں نے فقط یہی کہا جو باطل راہ میں کافر ہوئے اپنے مرشدین کو کہ ہم ضرور تم کو اپنی زمینِ قالب سے نکال پھینکیں گے یعنی نیکی کے ارادۂ قلبی کو غالب نہیں آنے دیں گے یا جب تک کہ وہ نیکی اور اچھائی اسی کو نہ سمجھیں جو ہمارے نزدیک اچھائی ہے ۔ نیکی کے راہ چلنے والے مخلص بندے کے دل دماغ میں وسوسوں اور صوت سرمدی کی یہ بحث تکرار راہِ سلوک کے ہر قدم پر جاری رہتی ہے ۔ یہاں تک کہ الہامات ربانی سے قلبِ مومن کی دستگیری ہوتی ہے کہ اے عارف و طالب ہم ضرور ضرور ظالم نفس کو ہلاک کر کے تجھ کو اس سے بچائیں گے ۔ اور زمینِ قالب پر تیری ہی سلطنت قائم فرمائیں گے کہ مومنِ صادق کے ہاتھ پیر آنکھیں پیٹ ۔ فرج ۔ خیالات سماعت و بصارت و بصیرت سب پر روح اور دل کا قبضہ ہوگا ۔ وہ کیفیتِ روحانی اور قوتِ جدائی اور سکونتِ ایمانی رفعتِ وصل والا انعام ہے اسی کے لیے جو ہیبتِ خوف میں رہے میرے مقامِ جلال سے اور خوفِ تقویٰ رکھے میرے فراق کی نار و عید سے ۔ عوام کا خوف دخولِ نار سے ہوتا ہے ۔ فاسق فاجر کا خوف مقامِ نار سے ہوتا ہے ۔ خواص کا خوف مقامِ جنت کے فوت ہونے سے ہوتا ہے ۔ نیکوں کا خوف دخولِ جنت کی رکاوٹ سے لیکن اخص الخواص کا خوف مقامِ وصول قرب کے فوت ہونے سے ہوتا ہے ۔ اور انبیاء کرام کا خوف امت کی طرف ہوتا ہے ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں جو محبتِ الٰہی کا شراب پیتا ہے اس کا نشہ بغیر مشاہدۂ الٰہی کے نہیں اترتا ۔ عشقِ خدا محبتِ مصطفیٰ کا نشہ رات ہے اور اس کی صبح مشاہدۂ احمد مجتبیٰ ہے اور دوپہر دیدارِ جمالِ انوارِ کبریا ہے ۔ صداقت درخت ہے ۔ اس کا پھل مجاہدہ و ریاضت ہے ۔ خوفِ الٰہی کے نو نشانات ہیں ۔

نمبر ۱ ۔ شریعت سے مروت ہو ۔ نمبر ۲ ۔ قول میں صدق ہو ۔ نمبر ۳ ۔ فعل رضا ہو ۔ نمبر ۴ ۔ زبان میں ذکر اللہ ہو ۔ نمبر ۵ ۔ ظاہر میں اغیار سے روگردانی ہو ۔ نمبر ۶ ۔ باطن میں تقویٰ و پاکیزگی ہو ۔ نمبر ۷ ۔ قلب میں اسرارِ الٰہی پر ثابت قدمی ہو ۔ نمبر ۸ ۔ دماغ

میں عجز ہو ۔ نمبر ۹ ۔ طریقت کی رعایت ہو ۔ اس طرح کہ تمام وقتوں کو ماسوا اللہ سے منقطع کر دے ۔
اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا مِنْھَا ۔

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ ۱۵ مِّنْ

اور کشادگی چاہی اُن کفار نے حالانکہ نامراد ہوا ہر سرکش ضدی ۔ سے

اور انہوں نے فیصلہ مانگا اور سرکش ہٹ دھرم نامراد ہوا !

وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۱۶

پیچھے اُس کے دوزخ ہے اور پلایا جائے گا کچھ پانی پیپ کا چھوٹے گھونٹ لے گا ۔

جہنم اُس کے پیچھے لگی اور اسے پیپ کا پانی پلایا جائے گا !

يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ

اُس کے اور نہیں قریب ہے کہ نگلے اُس کو اور آئے گی موت کی مصیبت

بمشکل اُس کا تھوڑا تھوڑا گھونٹ لے گا اور گلے سے نیچے اتارنے کی امید نہ ہوگی اور اُسے

مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ؕ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ

ہر طرف سے ۔ حالانکہ نہ ہوگا وہ مُردوں سے اور سے پیچھے اُس کے

ہر طرف سے موت آئے گی اور مرے گا نہیں اور اُس کے پیچھے ایک

عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۱۷ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ

بڑا عذاب گندا ۔ مثال اُن کی جو منکر ہوئے سے رب اپنے

گاڑھا عذاب اپنے رب سے منکروں کا حال ایسا ہے کہ !

أَعْمَالُهُمْ كَرَمَادٍ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيحُ فِي

اعمال اُن کے جیسے کہ راکھ سخت چلی پر اُس ہوا میں

اُن کے کام ہیں جیسے راکھ کہ اُس پر ہوا کا سخت جھونکا آیا آندھی کے

يَوْمٍ عَاصِفٍ ۖ لَا يَقْدِرُونَ مِمَّا كَسَبُوا عَلَىٰ

دن آندھی کے کہ نہ قادر رہے وہ سے اُس جو کچھ کمایا تھا انہوں نے پر

دن میں۔ ساری کمائی میں سے کچھ ہاتھ نہ لگا۔

شَيْءٍ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ الضَّلَالُ الْبَعِيدُ ۝١٨

کسی چیز وہی ہے گمراہی دور کی

یہی ہے دور کی گمراہی

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں کافروں کا وہ گستاخانہ قول نقل ہوا جو انہوں نے انبیاء کرام کی گستاخیوں میں کیا تھا کہ ہم تم کو اپنے وطن سے نکال دیں گے۔ اب ان آیات میں اللہ کی طرف سے انبیاء کرام کو محبت اور تسلی بھرا جواب سنایا جا رہا ہے۔ کہ ہمارے نبیوں کو کوئی نہیں نکال سکتا۔ بلکہ یہ کافر خود ہی ان علاقوں سے نکل کر جہنم میں پہنچ جائیں گے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں کفار کی اُن متکبرانہ باتوں کا ذکر ہوا جن میں انہوں نے اپنی قوت طاقت کا اظہار کیا۔ اب یہاں رب تعالیٰ کی طرف سے اُن کی اور اُن کے اعمال کی کمزوری کا نقشہ کھینچا گیا کہ وہ مثال راکھ کے کمزور بے وقعت ہیں۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں انبیاء اور مومنین کا ذکر ہوا کہ جو ہم سے تقویٰ رکھتے ہیں اُن کو دنیا کی بادشاہت اور عزت بھی ملے گی کافر کی دنیوی عزت بھی عارضی ہے۔ اب یہاں کافروں کی دائمی جہنم اور وہاں کے حالات کی خبریں سنائی جا رہی ہیں۔

تفسیر نحوی وَاسْتَفْتَحُوا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيدٍ مِّن وَرَائِهِ جَهَنَّمُ وَيُسْقَىٰ مِن مَّاءٍ صَدِيدٍ ۔ يَتَجَرَّعُهُ وَلَا يَكَادُ يُسِيغُهُ وَيَأْتِيهِ الْمَوْتُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۔ وَمِن وَرَائِهِ عَذَابٌ غَلِيظٌ ۔ واؤ عاطفہ اور عطف ہے اُرَیٰ پر۔ اِسْتَفْتَحُوا فعل ماضی

مطلق معروف صیغہ جمع مذکر غائب باب استفعال سے ہے طلب کے لیے ۔ فَتْحٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ فیصلہ کرنا ۔ کھولنا ۔ غلبہ ہونا ۔ فتح حاصل کرنا اور ظاہر ہونا ۔ یہاں مراد فیصلہ چاہنا ہے ۔ یا غلبہ چاہنا ۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر اس میں مستتر ہے اس کا مرجع یا کافر قومیں ہیں ۔ یا قریش مکہ کفار ہیں اور یا انبیاء کرام ان تیسری صورت میں ترجمہ غلبہ چاہنا فتح چاہنا ۔ ایک قول میں یہ فعل امر ہے حاضر معروف جمع مذکر ۔ عین کلمہ ت کو زبر ہوگا ۔ اس قول میں اَنْتُمْ ضمیر جمع حاضر مستتر کا مرجع رُسل ہوگا واؤ سر جملہ یا حالیہ خَابَ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد غائب باب ضَرَبَ سے ہے خَیْبٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ تباہ ہونا ۔ ذلیل و رسوا ہونا ۔ نامراد ہونا ۔ خراب ہونا کُلُّ ناقص اسم تاکیدی استغراقی بحالتِ رفع فاعل ہے خَابَ کا ۔ مضاف ہے ۔ لفظاً واحد معنیً جمع ہے اس لیے یہ مذکر مؤنث واحد اور جمع سب کے لیے مستعمل ہے ۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۔ نمبر ۱ ۔ کُل مجموعہ ۔ نمبر ۲ ۔ کُل افرادی ۔ اکثر مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ۔ ظاہر ۔ اور ضمیر ہر قسم کا اسم ہو سکتا ہے ۔ اگر مضاف الیہ معرف باللام ہو تو کُل مجموعہ ہوگا اور ترجمہ ہوگا تمام اگر مضاف الیہ نکرہ ہو تو معنیٰ ہوگا ہر ۔ یا ہر ایک یہاں اس کا ترجمہ ہے ہر ۔ جَبَّارٍ ۔ اسم نکرہ مفرد مضاف الیہ ہے ۔ کُل افرادی کا ۔ مبالغہ کا صیغہ ہے جَبْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ متمرد ۔ اڑیل ۔ سرکش ۔ زبردست ۔ خود مختار ۔ عاجز کرنے والا ۔ یہاں پہلے تین معنیٰ میں سے ایک ہے ۔ یہ کفار و گنہگار کی حالت و کیفیت کا ذکر ہے ۔ دوسرے تین معنیٰ کے لحاظ سے رب تعالیٰ کی صفت ہے ۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے ماقبل کا اور موصوف ہے مابعد عَنِیْدٍ کا ۔ عَنِیْدٍ اسم نکرہ مفرد بروزن فَعِیْلٌ صفتِ مشبہ بمعنیٰ اسم فاعل بحالتِ جر صفت ہے عَنَدٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ عناد رکھنے والا ۔ کینہ اور بغض رکھنے والا ۔ کترا کے رہنے والا ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہیں ۔ مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ ۔ وَرَاءِ ۔ اسم ظرف ہے معرب ہوتا ہے ۔ اکثر مضاف ہوتا ہے مضاف الیہ موجود اسم ظاہر یا ضمیر ہوتا ہے ۔ مضاف الیہ یا فاعل ہوتا ہے یا مفعول ہے ۔ دراصل مصدر ہے وَرْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آڑ ۔ پردہ حد ۔ فاصلہ / علاوہ ۔ پس پشت ۔ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے اس کا ترجمہ ہوگا آگے ۔ اور آخری معنیٰ کے اعتبار سے ترجمہ ہوگا پیچھے وہی یہاں مراد ہے ۔ بحالتِ کسرہ ہے مِنْ جارہ سے ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ کا مرجع جَبَّارٍ ہے ۔ جار و مجرور متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا اور یہ جملہ اسمیہ حال ہے خَابَ جملہ فعلیہ کا یا جَبَّارٍ کا جَهَنَّمُ ۔ اسم عجمی فارسی ہے جس کی اصلیت ہے جہنام معرب و متغیر کیا گیا اور جہنم عربی میں مستعمل ہوا ۔ لغوی معنیٰ ہے آگ کی جمنی انگیٹھی اصطلاح میں مراد ہے دوزخ ۔ بحالتِ رفع ہے نائب فاعل ہے موجودٌ پوشیدہ اسم مفعول کا ۔ واؤ سر جملہ یُسْقٰی ۔ فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے ۔ مصدر ہے اِسْقَاءٌ سَقْوٌ یا سَقْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پانی پلانا ۔ سیراب کرنا ۔ پانی سینچنا ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل کا مرجع جَبَّارٍ ہے ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ۔ مَاءٍ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ پانی بحالتِ کسرہ مِنْ جارہ سے موصوف ہے صَدِیْدٍ صفت کا ۔ بروزن فَعِیْلٌ صَدٌّ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ پیپ زخم ۔ کچلہو ۔ بحالتِ کسرہ ۔ یَتَجَرَّعُ فعل مضارع بمعنیٰ مستقبل صیغہ

واحد مذکر غائب باب تفعّل سے ہے۔ جُرْعٌ سے مشتق ہے بمعنی پانی پینا۔ گھونٹ بھرنا۔ باب مجرّد میں اگر معنی ہوتا ہے نیز گھونٹ بھرنے یعنی غٹا غٹ پینا اور اس باب میں اگر ترجمہ ہوا آہستہ آہستہ اٹک اٹک کر پینا۔ گھونٹ گھونٹ کرکے پینا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع جبّار ہے ہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ کا مرجع ماء ہے۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے یَتَجَرَّعُ پر۔ اور یہ سب عطف یا حال ہے یُسْقٰی کا یا صفت ہے ماء کی لَا یَکَادُ۔ فعل مضارع حرف منفی۔ صیغہ واحد مذکر غائب باب کَادَ ہے شاذ مجرّد کا تیسرا باب کَوْدٌ سے بنا ہے بمعنی قریب ہونا۔ ظرف زمانی یا مکانی کے لیے ہوتا ہے اس لیے اس کے بعد کوئی ہم زمانہ فعل ضروری ہوتا ہے۔ جو مصدری معنیٰ سے اس کا فاعل ہوتا ہے یُسِیْغُ۔ باب افعال کا مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اسیاغ اور اِسَاغَةٌ۔ سَیْغٌ اجوف یائی سے بنا ہے۔ بمعنی نگلنا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع جبّار ہے ہ ضمیر واحد مذکر منصوب متصل کا مرجع ماء ہے مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ فاعل ہے لَا یَکَادُ کا۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے یَتَجَرَّعُ پر۔ یَاْتِیْ۔ فعل مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب باب ضرب سے ہے اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا۔ ہ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے اَلْمَوْتُ۔ الف لام عہد ذہنی۔ یا خارجی۔ موت اسم مفرد جامد بمعنی وفات۔ روح کی علیحدگی۔ بحالت رفع ہے فاعل ہے یَاْتِیْ کا مِنْ جارّہ بمعنی اِلٰی۔ کُلّ اسم مفرد تاکیدی افرادی ہے مَکَانٍ اسم ظرف باب نصر سے کَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی ہونا۔ مراد ہے ہر جگہ۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے یَاْتِیْ کا۔ واؤ حالیہ مَا نافیہ مشبّہ بلیس۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل اس کا اسم بِ جارّہ زائدہ مَیِّتٍ۔ اسم مفرد جامد بمعنی بے جان۔ مذکر ہے لیکن مؤنث پر بھی مستعمل ہے۔ اس کا مؤنث مَیْتَةٌ ہے بمعنی مردار۔ موتٌ سے بنا ہے بحالت کسرہ ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے کائنًا پوشیدہ اسم فاعل منصوب کا اور وہ جملہ اسمیہ ناقصہ خبر ہے مَا کی۔ واؤ سر جملہ۔ یا حالیہ ہے مِنْ جارّہ زائدہ۔ وَرَاءِ اسم ظرف بمعنی علاوہ ہ ضمیر کا مرجع یُسْقٰی ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا اور جملہ اسمیہ خبر مقدم ہے عَذَابٌ اسم مفرد صفت مشبّہ مبالغے کے لیے بروزن فَعَالٌ بحالت رفع مبتدا مؤخر ہے۔ بمعنی اُخروی سزا موصوف ہے غَلِیْظٌ۔ اسم مشتق صفت مشبّہ بروزن فعیلٌ ثقیلٌ۔ غِلْظٌ سے بنا ہے بمعنی سخت۔ آخری۔ بھاری۔ یہاں مراد سخت ہے۔ بحالت رفع۔ صفت ہے عذابٌ کی۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰى شَيْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ مَثَلُ۔ اسم مفرد تشبیہی اس کی جمع ہے امثال بمعنی کہاوت مشابہت بحالت رفع ہے مبتدا ہے۔ مضاف ہے الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کا۔ کَفَرُوْا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنی انکار کرنا۔ شرک کرنا ب جارّہ زائدہ رَبّ اسم صفاتی مفرد معرفہ ھِمْ ضمیر جمع غائب جار و مجرور متعلق ہے کَفَرُوْا کا۔ اعمال اسم جمع مکسّر ہے اس کا واحد عَمَلٌ ہے۔ بمعنی جان بوجھ کر بالارادہ کام کرنا صرف انسانی کاموں کو عمل کہا جاتا ہے۔ اچھے برے سب کو ہی شامل ہے۔ عمل اور فعل کا فرق تفسیر عالمانہ میں بتایا

جائے گا انشاء اللہ بحالتِ رفع اس لیے کہ ماقبل کی خبر بمتدا ہے اور مابعد کا بمتدا ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِيْنَ ہے۔
کَ حرفِ تمثیل و تشبیہ جارّہ ہے رَمَادٌ اسم مفرد جامد نکرہ اس کی جمع ہے اَرْمِدَةٌ بمعنیٰ لکڑی یا کوئلے کی راکھ۔ چھوٹی نون تنوین جر کی جگہ ہے۔ اِتصال کے لیے لائی گئی اِشْتَدَّتْ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مؤنث غائب بابِ افتعال سے ہے مصدر ہے اِشْتِدَادٌ شَدٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ سخت ہونا۔ تیز ہونا۔ تیز چلنا یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں بِ جارّہ بمعنیٰ عَلٰی ہٖ ضمیر واحد مجرور متصل کا مرجع رَمَادٌ ہے اَلرِّيْحُ الف لام جنسی رِيْحٌ اسم مفرد مؤنث ہے اس کی تصغیر رُوَيْحَةٌ ہے دراصل تھا رِوْحٌ۔ واؤ کو بوجہ کسرہ ی سے بدلا۔ بمعنیٰ ہوا۔ آندھی۔ بُو۔ باس یہاں مراد آندھی ہے۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ یَوْمٌ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ دن۔ زمانہ۔ وقت۔ روشنی۔ یہاں مراد زمانہ ہے۔ عَاصِفٌ اسم مفرد اسم فاعل ہے بابِ حَسِبَ یا ضَرَبَ سے ہے۔ عصف سے بنا ہے بمعنیٰ ہوا کا تیز چلنا۔ بحالتِ جر صفت ہے یَوْم کی یہ مرکب توصیفی مبالغے کے لیے ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے اِشْتَدَّتْ کا یہ پورا جملہ فعلیہ صفت ہے رَمَادٌ کی اور وہ مجرور ہو کر متعلق ہے مُجْتَمِعٌ یا تَمْثِیْلٌ فعل پوشیدہ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے بمتدا کی لَا یَقْدِرُوْنَ فعل مضارع منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع مستتر کا مرجع اَلَّذِيْنَ ہے۔ مِنْ جارّہ بمعنیٰ عَلٰی مَا موصول مجرور متعلق ہے ماقبل کا۔ کَسَبُوْا فعل ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ کَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ نفع اور فائدے کی نیت سے کوئی کام محنت مشقت ہمت طاقت اور عقل سے کیا جائے خواہ اُخروی یا دنیوی یہاں مراد اُخروی اعمالِ صالحہ ہیں۔ لغوی معنیٰ ہیں کمانا۔ حاصل کرنا۔ عَلٰی جارّہ اپنے معنیٰ میں ہے یعنی فوقیت۔ شَیْءٍ اسم مفرد نکرہ جامد ہے اس کی جمع مکسر ہے اَشْیَاءُ بحالت کسرہ ہے۔ جار و مجرور متعلق دوم ہے لَا یَقْدِرُوْنَ کا ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی۔ بحالتِ رفع کیونکہ بمتدا ہے ھُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل تاکید اور حصر کے لیے ہے اَلضَّلٰلُ الف لام عہدی ضلال اسم مصدر جامد بمعنیٰ گمراہی۔ بحالتِ رفع خبر ہے بمتدا کی۔ الف لام توصیفی بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ اسمی ہے بَعِیْدٌ صفت مشبہ۔ بروزنِ فعیل۔ یا مصدر ہے ثلاثی کا۔ بُعْدٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بہت دور ہونے والا۔ بحالتِ رفع ہے صفت ہے ضلال کی۔ اور یہ مرکب توصیفی خبر ہے بمتدا کی۔

تفسیر عالمانہ

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ. يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ۔ اور فتح مانگی انہوں نے یہاں مفسرین کے پانچ اقوال ہیں۔

نمبر ۱۔ فتح مانگی انبیاء کرام نے کہ یا اللہ ہم اپنی اپنی ان کافر قوموں کے ایمان سے مایوس ہو گئے ہیں اب ہم کو ان کے مقابلے میں غلبہ عطا فرما۔ اس طرح کہ ان کو عذابِ آسمانی سے ہلاک فرما دے یا اس طرح سے کہ ہم کو اجازت

جہاد اور قوت عطا فرما۔

نمبر ۲۔ فتح مانگی کافروں نے یا اپنے بتوں سے یا اپنی بددعاؤں سے کہ یا اللہ۔ یا۔ اے بتو۔ ان نبیوں کو فوت کر دو یا ہم سے دور کر دو۔ یا مباہلے سے کہ اگر وہ نبی سچے ہیں تو ہم پر عذاب آئے اور اگر ہم سچے ہیں تو یہ نبی فوت ہو جائیں۔

نمبر ۳۔ فتح مانگی انبیاء کرام اور مومنوں نے ادھر غلبہ مانگا کافروں نے۔

نمبر ۴۔ فتح مانگی آقا صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے کفار مکہ کے مقابل۔

نمبر ۵۔ فتح مانگی کفار مکہ نے اس طرح کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ہم پر پتھر برساوے تاکہ ہم پر یہ بات فتح ہو جائے کھل جائے کہ کون سچا تھا۔ پہلا قول جمہور کا ہے اس لیے زیادہ مناسب ہے۔ مگر ہر قول کی تائید مختلف آیات قرآنیہ سے ہو رہی ہے نیز نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام کے بددعائیہ اقوال سے پہلے قول کی تائید ہوتی ہے اور ناکام ہو گیا ہر مغرور سرکش۔ یا اس طرح کہ ان پر عذاب آسمانی آ گیا۔ یا اس طرح کہ وہ انبیاء اور مومنین کا کچھ نہ بگاڑ سکے یا اس طرح کہ ان کے بعد ان کا کچھ نہ بنا سکے۔ یا اس طرح کہ وہ لوگوں کو ایمان سے روکتے تھے اور مومنوں کو واپس مرتد ہونے کی ترغیب و لالچ دیتے تھے مگر نہ لوگ رکے اور نہ اہل ایمان مرتد ہوئے۔ جبار کے تمام معنی اور عنید کی اقسام تفسیر نحوی میں بیان کر دی گئیں۔ یہ تو ان بدنصیبوں کی دنیوی ذلت آمیز حالت ہوئی مگر اتنی سزا سے ہی چھوٹے نہیں۔ بلکہ اس زندگی یا اس ذلت یا اس عذاب آسمانی یا جہادوں میں قتل ہونے کے فوراً بعد قبر میں ہی یا بعد حشر بڑا جہنم ان کا منتظر ہے۔ یا یہ کہ کافروں کی منحوس زندگی ایک مختصر چھوٹی سی ایک آڑ ہے کہ ادھر آنکھیں میچیں اور ادھر جہنم کی کھڑکیاں کھل گئیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ جہنم میں چودہ قسم کا عذاب ہے نمبر ۱۔ گرمی۔ نمبر ۲۔ آگ۔ نمبر ۳۔ ٹھنڈک۔ نمبر ۴۔ بھوک۔ نمبر ۵۔ پیاس۔ نمبر ۶۔ بدبو۔ نمبر ۷۔ برا کھانا۔ نمبر ۸۔ برا پانی۔ نمبر ۹۔ گرم جھلسا دینے والی ہوائیں۔ نمبر ۱۰۔ فرشتوں کی مار۔ نمبر ۱۱۔ زہریلے جانور۔ نمبر ۱۲۔ گرم پتھر اور لوہے کے کانٹے۔ نمبر ۱۳۔ آپس میں دوزخیوں کی لڑائی۔ نمبر ۱۴۔ شور و غل چیخ و پکار۔ ان میں سب سے بڑا عذاب یہ ہے کہ اور پلایا جائے گا۔ یا اس طرح کہ شدت پیاس سے خود پانی کو تلاش کریں گے تو ایک نہر یا بڑی گندی نالی نظر آئے گی جس کی طرف لپکیں گے۔ اس میں جو پانی ہو گا وہ پیپ کی طرح گاڑھا لیس دار خون کی طرح سرخ۔ انتہائی بدبو دار۔ سخت ترین گرم۔ بہت ہی کڑوا۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ دوزخیوں کے زخموں آبلوں کا پیپ اور دھوون ہی ہو گا۔ اس پانی کو خود پئیں گے یا اس طرح کہ فرشتے جبراً ان کے منہ میں انڈیلیں گے۔ پیپ والے پانی کو شدت پیاس یا فرشتوں کے جبر کی بنا پر یَتَجَرَّعُهٗ گھونٹ تو اس کا بھر جائیں گے۔ یہ گھونٹ ان کے منہ کی مقدار کی مناسبت سے تقریباً چالیس ہزار من کا ہو گا۔ لیکن نگل نہ سکیں گے جلدی۔ یعنی جس طرح پیاسا آدمی مناسب ٹھنڈے

پیٹ کا پانی کو فوراً جلدی سے نکل جاتا ہے اس طرح وہ نکل سکیں گے بلکہ بہت تنگ اٹک کر اندر جاتے گا یا اپنے لیس دار گاڑھے ہونے کی وجہ سے گھونٹ ہوتے کی بنا پر وہ باہر نکال بھی نہیں سکیں گے سانس میں باہر پھینکنے اٹھنے کی طاقت نہ ہوگی کیونکہ دمے والے مریض کی طرح سانس سینے میں اٹکی ہوگی جہنم کا یہ سارا ماحول اتنا سخت اور تکلیف دہ ہوگا کہ ہر طرف دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے سے سخت آنے گی یعنی اسباب موت کہ اگر دنیا میں ہلکی سی تکلیف بھی آجاتی ان میں سے ایک تو فوراً مر جاتے پس جلتے ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ یا یہ کہ ان کے جسم کے ہر حصے میں اتنی شدید تکلیف ہوگی اور سر سے پاؤں تک ہر بال ہر رونگٹے میں وہ تکلیفیں اٹھتی ہوں گی کہ اگر موت ہوتی تو یک لخت مر جاتے اور چین پا جاتے حالانکہ وہ مرنے والے نہ ہو سکیں گے باوجود اس کے کہ تمنا کریں گے۔ یہ تو اس ماحول کا شدید اثر اور پانی کی تکلیف اور مصیبت ہوگی لیکن اس کے علاوہ وہ سخت ذلت آمیز اور بھی عذاب ہوگا یا فرشتوں کی مار یا ہمیشہ رہنے کی خبریں۔ یا آگ۔ تپش۔ اور کیڑے مکوڑے اور سانپ بچھو کے زہریلے ڈنگ شکر ہے رب تعالیٰ کا جس نے ہم کو مومن اور پیارے حبیب کی امت بنا دیا۔ اے میرے رحیم کریم اللہ ہم سب مسلمانوں کے ایمان کو ابدی محفوظ فرما۔ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ِاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ یَوْمٍ عَاصِفٍ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰی شَیْءٍ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ کفار کو جہنم کا یہ دائمی رسوائی مصائب والا عذاب اس لیے ہے کہ ان کے اعمال کی مثال جنہوں نے انتہائی جہالت ضد اور ہٹ دھرمی بے عقلی سے جانتے بوجھتے اپنے پالنہار خالق مالک اور سچے معبود کا کفر بھی کیا اور شرک بھی اس راکھ کے ڈھیر کی طرح ہے کہ جس پر شدت سے تیز ہوا چلے آندھیوں کے دنوں میں۔ اور ایک ہی ہلکے سے طوفان سے ساری راکھ کا ذرہ ذرہ دور۔ دور تک بکھیر کر رکھ دے۔ اور راکھ جمع کرنے والے کے ہاتھ کچھ بھی نہ آئے۔ اسی طرح کفار بھی نہ قابو میں رکھ سکیں گے اپنے ان اعمال سے جو ساری دنیوی زندگی میں اپنے اخلاق۔ مال۔ دولت۔ محنت۔ شفقت۔ انسانی ہمدردی۔ صلہ رحمی وغیرہ سے اچھے کام حاصل کئے۔ کچھ بھی۔ کیونکہ کافر منافق کی تمام اچھائیاں۔ دنیوی نام و نمود کے لیے ہیں۔ اعمال کفار گھر تو ہیں مگر خیمے کی مثل بغیر بنیاد۔ ڈھانچہ ہیں مگر روح کے بغیر۔ شاخیں ہیں مگر جڑ کے بغیر۔ ڈھیر ہے مگر نفع کے بغیر محض راکھ۔ کافر اچھی دنیوی زندگی میں جو کچھ کرتا ہے کفریات اور عملیات۔ اس کے کفریات باقی رہتے ہیں اس لیے جنت سے دور ہو جاتا ہے۔ اور اس کی اچھائیاں مثل راکھ کے ہلکی اور بے قیمتی ہوتی ہیں کہ نہ تو اس راکھ میں ایمان کی چنگاری رہتی ہے جو کچھ تو نفع کی امید دلائے اور نہ اس راکھ میں توفیق کا پانی رہتا ہے نہ ندامت کی تراوٹ آتی ہے جو کچھ تو اس کو وزنی بنا کر عذاب قبر کی آندھیوں سے بچالے۔ اس لیے جس طرح کافر قبر میں اپنے باطل دین کو بھی بھول جائے گا۔ اسی طرح میدان قیامت میں اپنے اعمال کو بھی بالکل بھول جائے گا۔ قیامت کا ایک جھٹکا ہی ان کے ذہن عقل و دماغ سے اعمال دنیوی کی ساری راکھ اڑا کے رکھ دے گا صرف اتنا یاد رہے گا کہ میں نے کچھ اچھے کام کئے تھے اس کی جزا کا طالب ہوگا۔ مگر وہ مطالبہ دور کی گمراہی اور فضول ہوگا کہ نہ اس کے ہاتھ پیر اس کے حق میں گواہی

دیں گے نہ اُس کا ذہن بتا سکے گا۔ بھول اس لیے ہوگی کہ وہ دن خاص رب تعالیٰ کا ہے اس دن صرف وہی بھلائی باقی رہے گی جو رب کے لیے کی جائے گی۔ جو کام دنیا کے لیے کئے تھے اُس کی جزا حسب خواہش عزت دولت مرتبہ۔ سلطنت وزارت امارت کی شکل میں دے دیا گیا تھا۔ اور جو کام بتوں کے لیے کئے تھے ان کی جزا بتوں سے مانگنی چاہیئے۔ یہاں اعمال کو راکھ سے مثال دی نہ کہ افعال کو۔ اس لیے کہ افعال اور اعمال میں پانچ طرح فرق ہے نمبر۱۔ افعال کا تعلق صرف دنیا سے ہے اچھے ہوں یا برے مگر اعمال کا تعلق آخرت سے ہے۔ نمبر۲۔ افعال صرف ظاہری اعضا کے کاموں کا نام ہے مگر اعمال ظاہری اور باطنی اعضا کے کاموں کا نام ہے۔ نمبر۳۔ افعال صرف کرنے والے کاموں کا نام ہے مگر اعمال کرنے اور نہ کرنے سب کو شامل مثلاً نماز پڑھنا بھی عمل ہے اور نہ پڑھنا بھی عمل ہے۔ پہلا نیک عمل دوسرا گناہ اور بد عمل۔ مگر نماز پڑھنا فعل ہے نہ پڑھنا فعل نہیں۔ نمبر۴۔ فعل ارادے کو نہیں کہتے مگر ارادے کو عمل کہا جائے گا۔ نمبر۵۔ فعل ہر کام کو کہدیتے ہیں خواہ بیکار ہو یا مفید ہو یا نقصان دہ لیکن عمل صرف کار آمد کو کہا جاتا ہے خواہ نفع والا یا نقصان والا۔ بیکار کام عمل نہیں۔ کافر کے اچھے کام مثلاً پچھلے زمانے میں غلام آزاد کرنا یا قیدی چھڑانا سرائے بنانا۔ صلہ رحمی۔ مہمان نوازی۔ غریبوں کی مدد یا اب سکول بنانے رفاہ عوام کے لیے کام کرنے۔ مسافروں کی امداد۔ رحم دلی وغیرہ فعل تو ہیں مگر اعمال نہیں کیونکہ راکھ ہو گئے ہاں کافر کی بدعملیاں باقی ہیں۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کفار کی ہلاکت کی دعا مانگنی اور فسادیوں کے مرنے کی دعا کرنی چاہیئے۔ ہاں ذاتی یا خاندانی یا سیاسی دشمنوں کی ہلاکت کی دعا نہ مانگنی چاہیئے۔ یہ فائدہ وَاسْتَفْتَحُوْا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ اعمال کا دارو مدار عقائد پر ہے عقائد مثل جڑ کے ہیں اور اعمال مثل پھول پھل کے۔ ہدایت الٰہی مثل پانی کے ہے۔ جب تک عقائد درست نہ ہوں کوئی نیکی پھلدار شاخ نہیں بن سکتی۔ یہ فائدہ کَرَمَادِ اشْتَدَّتْ بِهِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ گناہگار مومن ضال ہے اور کافر ضلال بعید ہے اور اس کمزور زمین کی طرح جس پر کتنی ہی محنت سے عمارت کھڑی کی جائے مگر ٹھیر نہ سکے۔ گناہگار مومن وہ پختہ زمین ہے جس پر عمارت کھڑی رہنے کی صلاحیت تو ہے مگر غفلت سے بیکار چھوڑی ہوئی ہو۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ قانون شریعت کے مطابق خون پیپ اور ہر وہ پانی یا پتلا مادہ جو جسم جاندار سے زخم کے ذریعے نکلے وہ ناپاک اور حرام ہے۔ خواہ زخم چھوٹا سا ہو یا بڑا۔ یہ مسئلہ مِنْ مَّاءٍ صَدِيْدٍ کے اشارۃ النص سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کافر کے کسی اچھے کام کو نیکی نہیں کہنا چاہیئے خواہ اُس کے کسی کام سے

عوام کو کتنا ہی فائدہ پہنچتا ہو۔ اسی طرح کسی کافر کو نیک بھی نہ کہنا چاہیئے۔ ضرورت کے موقعہ پر اس کو اچھا یا عقلمند یا نرم دل کہہ سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ لَا یَقْدِرُوْنَ مِمَّا کَسَبُوْا سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا جو نادان مسلمان شاعر یا سیاسی لیڈر کافروں کو بڑے اسلامی القاب سے نواز دیتے ہیں وہ عبرت پکڑیں۔ ہمارے ایک اسی قسم کے شاعر گزرے ہیں۔ دکتوریہ ۔۔۔ نام نکو گذاشت۔ یہ سب گناہ ہے اور خاص کر جہالت اور کفر نوازی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ جہنم میں عذاب تو بہت سی قسم کے ہوں گے لیکن یہاں بڑے اہتمام سے ماءِ صدید کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ دوسرے عذاب کا ذکر کیوں نہ کیا گیا (تفسیر کبیر)

جواب۔ اس لیے کہ سب سے زیادہ عذاب شدید ہے اور ذلت والا بھی ہے۔ اس ظاہر و باطن میں عذاب الیم ہے گویا کہ یہ پانی بہت سے عذابوں کا مجموعہ ہے اور پھر یہ کفار اپنے ہاتھوں سے خود لیں گے۔ دوسرے عذاب دوسری طرف سے آئیں گے نیز یہ پانی کا عذاب ہمیشہ طاری ہی رہے گا۔ **دوسرا اعتراض**۔ کفار کے اعمال کو رَمَادٌ یعنی راکھ کیوں فرمایا گیا۔

جواب۔ تین وجہ سے پہلی یہ کہ کافر اپنی اچھی باتوں اچھے کاموں کو نام و نمود و ریا کاری کی آگ میں جلا دیتا ہے۔ نمبر ۲۔ دوسری وجہ یہ کہ شرک کی گرمی سے وہ خشک ہو جاتی ہے۔ نمبر ۳۔ اور کفر کی ہوائیں اس کو اڑا دیتی ہیں۔ راکھ کی پانچ خاصیتیں ہیں۔ نمبر ۱۔ نہایت ہلکی۔ نمبر ۲۔ سیاہ۔ نمبر ۳۔ بیکار۔ نمبر ۴۔ ہلکی سی ہوا سے اڑ جائے نمبر ۵۔ کوئی چیز اس کو فائدہ مند نہ بنا سکے۔ اسی طرح کفر کی پانچ خاصیتیں ہیں۔ نمبر ۱۔ نرا جھوٹ۔ نمبر ۲۔ غرور و تکبر کی بنیاد۔ نمبر ۳۔ بے اطمینانی۔ نمبر ۴۔ اندھی عقل۔ نمبر ۵۔ بے اصولی لاقانونیت۔ اس لیے کفریہ اعمال کو راکھ سے تشبیہ دی گئی۔

تفسیر صوفیانہ

وَاسْتَفْتَحُوْا وَخَابَ كُلُّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ مِّنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَيُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ يَّتَجَرَّعُهٗ وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ ۚ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۔۔۔۔۔ ہر دنیا دار نے اس دنیا میں عیش و عشرت کی فتح یعنی کشادگی طلب کی حالانکہ اس جہان اور اُس جہان میں ہر نفسانی خواہشات والا جبار یعنی مغرور اور عنید یعنی اہل اللہ سے دشمنی رکھنے والا ذلیل و رسوا ہے اس ذلت کے علاوہ محرومی کی نار دوزخ ہے۔ غم کا ماءِ صدید ہے جس میں گناہوں کی بدبو حرام خوری کی کڑواہٹ ہے۔ پریشانیوں کے گھونٹ بھرتا ہے لیکن حرام مال سے لتھڑے ہوئے حلق کے نیچے نہیں اتار سکتا۔ ایسے بدنصیب کو اُخروی ذلتوں اور قدرتی رسوائیوں کی موت ہر طرف سے آتی ہے مگر بھٹکاری زندگی سے نجات پانے والا نہیں ہے۔ مردود ازلی تو چاہتا ہے کہ اس کو ظلمتوں کی موت ہی آجائے مگر

یہ آئندہ پوری نہ ہوگی۔ بلکہ یہی دنیا اُس پر عذابِ شدید اور سزاء غلیظ بن کر پے در پے نازل ہوگی۔ آج کوئی بھی دنیا میں رہ کر آخرت کی فکر کرنے والا نہیں۔ سب غافل دنیا ہی کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔ جب کہ دنیا ہر شخص کیلئے یکساں ملتی ہے۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ تفاوت یہ ہے کہ دنیا کامل ذاکر اہل اللہ اس کو خدا سے دور کر دے اور اپنے میں جذب کر لے۔ اور عقبیٰ صرف اتنا تعلق رکھتی جائے کہ جب اس سے مانگے تو دنیا ہی مانگے نعوذ باللہ سب ہی اسی میں کرے کہ دنیوی وجاہت سے نہ جھک جائے ورنہ دنیا میں اس کا اجر آخرت میں بھی نہیں اعمالِ صالحہ کا اجر دنیا میں بھی ملتا ہے مگر اس صورت میں کہ روح پاکیزہ اُس کا قلب منور اُس کا دماغ معطر کر دیا جاتا ہے جھڑک بیباس ہر گیہ روح ہے محکم سیری نفس کا اندھا پن ہے۔ شوقِ عبادت لذتِ ذکر۔ آنکھوں کا آنسو اعمالِ صالحہ کے دنیوی اجر ہے۔ اشقیا کو ان کے اچھے اعمال کا بدلہ نہ یہاں ملے نہ وہاں اس لیے کہ مَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ اَعْمَالُهُمْ كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ يَوْمٍ عَاصِفٍ ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ مِمَّا كَسَبُوْا عَلٰي شَيْءٍ ۭ ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ان ریاکاروں کی نیکیوں کی مثال جو اپنے کریم رحیم خالق مالک ازلی ابدی پروردگار سے دور ہوئے اُن کے دکھلاوے اور دنیا کی طمع والے بے خلوص عمل نفرت کی اُس بے قیمتی ہلکی پھلکی راکھ کی طرح ہے جس پر خاکی شدید طوفانی ہوا چل جائے بے نیازی الٰہی کی آندھیوں والے دنوں میں۔ ایک ہی جھونکے میں مشقتوں ریاضتوں والی ساری حسن اعمالیاں برباد ہو جائیں اور کمائی کا کچھ حصہ بھی ہاتھ نہ لگے۔ اے غافلو ابھی وقت ہے زندگی کا سورج ابھی ڈھلا نہیں ذرا سوچو کہ یہ بربادی کتنی دور کی گمراہی ہے اسے پیارے ہم سفرو عالمِ ناسوت کے مسافرو اس دنیا میں ہر کام اپنے رب کے لیے کرو۔ اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ بدنصیب تین شخص ہیں۔

نمبر ۱۔ جس مرید کو محافظِ قلب نہ ملے وہ بربادہ ہے اس کے سب عمل بھی راکھ کا ڈھیر ہیں۔ نمبر ۲۔ جس کے قلب پر فہم و فراست اور معرفتِ حق کی بارش نہ ہو۔ وہ خالی بادل ہے کہ نہ اُس میں عشق کی بجلی ہے نہ عقل کی کڑک ہے نہ خرد کی جھڑک ہے نہ محبت کے آنسوؤں کا پانی ہے نہ اُس کی ذات سے کسی کو فائدہ بلکہ اس کی نفسانی گھٹاؤں کی ظلمتوں سے نقصان ہی نقصان ہے۔ نمبر ۳۔ جو شخص مرید اور طالب اپنے آقا مرشد کی صحبتِ محفل سے یا مجلس خلوت سے راضی اور قانع نہیں ہوتا وہ بڑا کم نصیب ہے اُس کو محفل سے اٹھا دیا جاتا ہے۔ مساجدِ الٰہیہ سے روک دیا جاتا ہے اور غافلین غلاموں کی صحبت میں بھیج دیا جاتا ہے۔ مخلوق میں مشغولیت محرومی کی دلیل ہے اور مخلوق سے وحشت اُنسِ مولیٰ کی دلیل ہے۔ یہ دنیا چندروزہ ہے ابھی اعمال کی فرصت ہے خواہ راکھ کے ڈھیر جمع کر لو یا۔ عشقِ الٰہی کی پونجی حاصل کر لو کامیابی یہ ہے کہ علماء زاہدین اور صوفیا کی کتب پڑھو۔ بروں کی محفلوں کتابوں سے بچو۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ

کیا تم نے نہ دیکھا بیشک اللہ نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ساتھ حق کے

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے آسمان و زمین حق کے ساتھ بنائے

اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْكُمْ وَیَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۙ ۱۹ وَّمَا

اگر چاہے تو ختم کر دے تم کو اور لے آئے مخلوق نئی اور نہیں

اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور ایک نئی مخلوق لے آئے اور یہ

ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِیْزٍ ۲۰ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا فَقَالَ

وہ تبدیلی اوپر اللہ کے کچھ غالب اور حاضر ہوں گے قیامت میں لیے اللہ کے سب لوگ تو گویا کہیں گے

اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔ اور سب اللہ کے حضور علانیہ حاضر ہوں گے تو

الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا

کمزوروں نے کو ان جنہوں نے غرور کیا بیشک ہم تھے تمہارے تابع

جو کمزور تھے بڑائی والوں سے کہیں گے ہم تمہارے تابع تھے

فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ

تو کیا تم بچانے والے ہو ہم کو کچھ عذاب سے اللہ کے کچھ

کیا تم سے ہو سکتا ہے کہ اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم

شَیْءٍ ؕ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ ؕ سَوَآءٌ

تھوڑا سا بولے قیامت میں اگر ہدایت دیتا ہم کو اللہ تو ہدایت دیتے ہم تم کو برابر ہے

پر سے ٹال دو۔ کہیں گے اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں کرتے۔ ہم پر ایک سا ہے

عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ ﴿۲۱﴾

پر ہم کو	گھبراہٹ کریں ہم یا	صبر کریں ہم	نہیں ہے لیے ہمارے کوئی	بچنے کی جگہ					

چاہے بیقراری کریں یا صبر سے رہیں ہمیں کہیں پناہ نہیں

تعلق

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں کفار کے جلدی عذاب مانگنے کا ذکر ہوا تھا جس سے تباہی اور فنا ہی ہونا تھا اب اس آیت میں اللہ کی اس قدرت کا ذکر ہے کہ اللہ جب چاہے کسی بھی قوم کو فنا کر کے اُس کی جگہ دوسری نئی نسل لے آئے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں کفار کے اعمال کی حالت کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں ان ہی اعمال کے حساب کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہونے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں گمراہوں کے حالات کا ذکر ہوا کہ کل قیامت میں اپنے عذاب کے باعث موت کی حالت طاری ہوگی مگر مریں گے نہیں۔ اب ان آیات میں گمراہوں کے پیشواؤں باتوں اور حالتوں کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔ اَ۔ ہمزہ استفہام تقریری کے لیے ہے یعنی دیکھا ہے۔ لَمْ تَرَ فعل نفی جحد بلم مضارع معروف بمعنیٰ ماضی رَأْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دیکھنا صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل ہے اُس کا مرجع عام انسان مخاطب ہے۔ اَنَّ حرف تحقیق عمل میں مشابہ فعل ہے۔ بحالت نصب ہے کیونکہ یہ جملہ اسمیہ مفعول بہ ہے اللہ اس کا اسم منصوب خَلَقَ۔ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب یہ جملہ فعلیہ خبر ہے اَنَّ کی۔ الف لام استغراقی سموات جمع ہے سَمَاءٌ۔ سَمُوٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ بلندی مراد ہیں سات آسمان جمع مؤنث سالم ہے بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے۔ واؤ عاطفہ عطف ہے سموات پر الف لام استغراقی ارض اسم مفرد مؤنث لفظی بحالت نصب معطوف بِ جارہ بمعنیٰ مع۔ یا مصاحبت وملابست کی۔ یا یہ بِ سببیہ ہے یعنی حق کے ساتھ یا حق کے سبب یا بالکل حق اور درست ۔ جار ومجرور متعلق ہے خَلَقَ سے اِنْ حرف شرط يَشَاْ فعل مضارع معروف باب فَتَحَ سے ہے۔ صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ مشیت مصدر سے بنا ہے بمعنیٰ چاہنا یہ جملہ فعلیہ شرط ہے۔ يُذْهِبْ فعل مضارع معروف باب افعال صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع اللہ ذَهَبَ سے مشتق ہے بمعنیٰ جانا لازم ہے باب افعال نے اس کو متعدی کیا بمعنیٰ لے جانا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے واؤ عاطفہ۔ عطف ہے يُذْهِبْ

پر یَأتِ۔ فعل مضارع معروف اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر جس کا مرجع ہے اللہ۔ باب ضَرَبَ سے ہے۔ اَتیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ لانا متعدی ہے۔ یہ تینوں مضارع۔ یَشا۔ یذھب۔ یاتِ۔ مجزوم اِن کی وجہ سے۔ پہلا فعل شرط ہوا۔ دوسرا جزا۔ تیسرا معطوف۔ بِ زائدہ مفعولیت کے لیے خَلقٍ اسم مصدر مبالغہ کے لیے بمعنیٰ مخلوق بحالت جر ہے موصوف ہے جَدِیدٍ۔ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل بمعنیٰ نیا۔ یعنی نئی مخلوق واؤ حالیہ ہے یا سر جملہ۔ ما نافیہ مشبہ بلیس۔ ذالکَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ اِتیانُ و ذِھَابٌ پوشیدہ ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ اسم ہے مَا کا۔ عَلیٰ جارہ فوقیت کے لیے اللہ اسم مفرد معرفہ مجرور متعلق اوّل ہے کائناً پوشیدہ اسم فاعل کے اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ کی۔ بِ زائدہ ہے منفی خبر کی وجہ سے۔ عَزِیزٍ۔ اسم صفت مشبہ بمعنیٰ مشکل۔ بوجھل۔ سخت۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ بحالتِ کسرہ ہے متعلق دوم ہے پوشیدہ اسم فاعل۔ ایک قول ہے کہ مَا نافیہ کے بعد کَانَ فعل تامہ پوشیدہ ہے۔ اصل میں ہے مَا کَانَ ذَالِکَ اب ترکیب آسان ہے وَ بَرَزُوا لِلّٰہِ جَمِیعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْٓا اِنَّا کُنَّا لَکُمْ تَبَعًا فَھَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ واؤ سرِ جملہ بَرَزُوا فعل ماضی مطلق معروف صیغہ مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل۔ بُرُزٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ کھلنا۔ نکلنا ظاہر ظہور۔ میدان میں جانا۔ یہاں نکلنا مراد ہے۔ لِلّٰہِ۔ لام جارہ اللہ اسم مفرد معرفہ عَلَم ذاتی ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے بَرَزُوا کا جمیعًا۔ اسم تاکیدی ہے بحالتِ نصب ہے حال ہے بَرَزُوا کے فاعل ھُمْ ضمیر کا۔ فَ عاطفہ بمعنیٰ ثُمَّ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق قَولٌ سے بنا ہے اس کا فاعل اسم ظاہر جمع ہے اس لیے یہ واحد آیا۔ الف لام استغراقی۔ ضُعَفَاءُ اسم جمع مکسّر ہے ضعیف کا بمعنیٰ کمزور۔ ماتحت۔ نوکر غلام۔ غریب۔ یہاں سب کو شامل ہے۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے قَالَ کا۔ لام جارہ مفعولیت کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر مجرور متعلق ہے قَالَ کا۔ اِسْتَکْبَرُوْا فعل ماضی مطلق معروف صیغہ مذکر جمع۔ باب استفعال سے ہے مصدر ہے استکبار بمعنیٰ خود کو بڑا سمجھنا۔ بڑا بننا۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے یہ سب عبارت قول ہے۔ اِنَّ حرف تحقیق عمل میں مشابہ فعل۔ یہ سب عبارت شَیْءٍ تک اس کا مقولہ ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم منصوب ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ کُنَّا فعل ماضی مطلق بمعنیٰ بعید صیغہ جمع متکلم اِس کا واحد کَانَ ہے یہاں تامہ ہے ایک قول میں ناقصہ ہے فاعل۔ نَا۔ ضمیر جمع متکلم ہے۔ لام جارہ بمعنیٰ بِ۔ یا مفعولیت کا ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے جار و مجرور متعلق ہے کُنَّا کا تَبَعًا اسم جمع مکسّر ہے تَابِعٌ کا جیسے صَحْبٌ صاحب کی جمع بمعنیٰ پیروی کرنے والے ہر اچھی بری بات ماننے والے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے یا حال ہے کُنَّا کا۔ فَ عاطفہ۔ عطف سببی کے لیے بمعنیٰ وجہ سے۔ ھَلْ حرفِ سوال (استفہام) ہمیشہ جملہ موجبہ پر داخل ہوتا ہے جب مضارع پر داخل ہوتا ہے مستقبل کے لیے معیّن کر دیتا ہے۔ ماضی پر بھی اور اسم ضمیر اسم جامد اسم مشتق پر بھی آجاتا ہے۔ تصدیق ایجابی کے طلب کے لیے آتا ہمیشہ۔ یعنی کیا ایسا ہوگا۔ ہمزہ سوالیہ بھی طلب تصدیق کے لیے آتا ہے مگر وہ موجبہ سالبہ (مثبت منفی) سب کے لیے آتا ہے۔ ھَلْ اور

ہمزہ سوالیہ میں دس طرح فرق ہے۔ ھَلْ کے سوال میں صرف تحقیق حال مطلوب ہوتی ہے تقریب نہیں ہوتی۔ ھَلْ معنی کیا۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل۔ مبتدا ہے۔ مُغْنُوْنَ باب اِفعال کا اسم فاعل ہے صیغہ جمع مذکر غنیٰ سے مشتق ہے بمعنی غنی کرنا۔ بے پرواہ کرنا۔ بچانا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ عَنْ جارہ بمعنی مفعولیت نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل۔ مِنْ جارہ بیانیہ عَذَابِ اسم مفرد جامد بمعنی سزا۔ تکلیف۔ ندامت۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں مجرور مِنْ سے مضاف ہے مابعد کا اللہ اسم مفرد معرفہ الرب۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ شَیْءٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی کچھ۔ کسی چیز سے۔ یہ تینوں جار مجرور متعلق ہیں مُغْنُوْن کے اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا اَنْتُمْ کی اور جملہ اسمیہ معطوف ہے اِنَّا کُنَّا کا۔ اور مقولہ ہے قول کا۔ قَالُوْا۔ لَوْ ھَدٰنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق بمعنی مستقبل صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع متکبرین کفار۔ لَوْ حرف شرط۔ ھَدٰی فعل ماضی مطلق بمعنی تمنائی شرطی صیغہ واحد مذکر غائب نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے اللّٰہ اسم مفرد معرفہ مرفوع ہے فاعل ہے ھَدٰی کا۔ یہ جملہ فعلیہ شرط ہے حرف لَوْ شرطیہ ہے دو جملہ فعلیہ ماضیہ پر داخل ہوتا ہے پہلا جملہ سبب یعنی شرط ہوتا ہے دوسرا جملہ مسبب یعنی جزا ہوتا ہے۔ مضارع حال یا مستقبل پر نہیں آتا۔ لام جزائیہ زائدہ ھَدَیْنَا فعل ماضی مطلق بمعنی تمنائی جزائی۔ صیغہ جمع متکلم ضمیر نَا کا مرجع وہی متکبرین ہیں کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوا اور پورا جملہ شرطیہ مقولہ اول ہے۔ قَالُوْا کا۔ دونوں فعل ھَدٰی ناقص یائی سے مشتق ہیں بمعنی۔ دینِ الٰہی کی توفیق اور تعلیم دینا۔ سَوَآءٌ نکرہ اسم جامد بمعنی مصدر استواءٌ یعنی برابر ہونا ایک قول میں سواءٌ بمعنی مستوٍ اسم فاعل کے یعنی برابر ہونے والا اس کا تثنیہ جمع نہیں ہوتا۔ بحالت رفع ہے بتدا ہے علیٰ جارہ بمعنی لام تعلیلیہ۔ نَا ضمیر جمع متکلم۔ جار و مجرور متعلق ہے معنوی مصدر سَوَآءٌ کے یا معنوی اسم فاعل کے اَ ہمزہ سوالیہ استفہامیہ بمعنی اُو۔ جَزِعْنَا۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم فاعل ضمیر نَا جمع متکلم کا مرجع متکبرین ہیں ایک قول میں سب کفار ہیں سے باب سمع سے ہے جَزَعٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی بے قراری سے شور مچانا۔ اَمْ حرف عطف تردیدی۔ کبھی سوال کے لیے بمعنی کیا یہ کیا یہ؟ کبھی منشاء کے لیے بمعنی خواہ یہ۔ کبھی خبر کے لیے بمعنی یا یہ یا یہ۔ یہاں اَمْ خبریہ ہے۔ کبھی زائدہ بھی ہوتا ہے۔ اور کبھی بمعنی بَلْ ہوتا ہے۔ صَبَرْنَا۔ فعل ماضی مطلق بصیغہ جمع متکلم۔ باب نَصَرَ سے ہے صَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی چپ رہنا۔ برداشت کرنا۔ بے قراری نہ کرنا۔ یہاں سب معنی مناسب ہیں۔ سب سے میری مراد ہے کوئی بھی ایک معنی کر لیا جا سکتا ہے۔ مقصد نہیں بدلتا۔ یہ عبارت معطوف علیہ معطوف فاعل ہے سواءٌ بمعنی مُسْتَوٍ اسم فاعل کا یا بمعنی معنوی مصدر کا۔ مَا۔ حرف نفی مشبہ بلیس۔ لَنَا۔ لام جارہ نفع کا نَا ضمیر متکلم اس کا مجرور۔ جار و مجرور متعلق ثابتٌ یا کائنٌ یا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ زائدہ مَحِيْصٍ۔ اسم ظرف مکان بمعنی لوٹنے کی جگہ۔ پناہ گاہ۔ باب نَصَرَ یا سَمِعَ سے ہے جو حَیْصٌ یا حَیِّصٌ سے بنا ہے۔ بمعنی پناہ پکڑنا۔ کھال یا کپڑا سینا۔ پردہ ڈھکنا۔ اسی معنی میں چھڑنے

سلے ہوئے خیمے کو خوص کہتے ۔ بمحالت جر ہے مِنْ جارہ لغو ہے ۔ اس لیے صرف لفظاً مجرور ہے خبر ہے مَا نافیہ کی ۔ اور باطناً بحالتِ نصب ہے ۔ اگرچہ ظاہراً کسرہ ہے مِنْ کی وجہ سے بعض نے کہا مَا نافیہ کے بعد کان تامہ پوشیدہ ہے اور یہ دونوں جار و مجرور اُسی کے متعلق ہیں ۔ اور یہ جملہ خبر ہے ۔ سوا لاکی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۔ اے انسان کیا تو نے شانِ قدرت کو نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا بلند آسمانوں کو اور نیچی زمین کو بالکل حق درست ٹھیک کارآمد ہر طرح ہر وقت مفید ۔ وہ اللہ اگر چاہے تو تم سب سرکشوں نافرمانوں بدکاروں کو اس طرح فنا میں لے جائے کہ تمہارا نام و نشان بھی نہ رہے ۔ اپنی اس باغ و بہار والی زمین کو آباد کرنے کے لیے نئی مخلوق فوراً پیدا فرما کر لے آئے جو ساری زندگی اُس کی نعمتیں استعمال کر کے تسبیحیں پڑھیں شکر میں اُس کے لیے سجدہ ریز ہوں ۔ اور وہ سب پیدائش رد و بدل اور آسمان و زمین کی خلقت موجودہ انسانیت کو ایک آن میں فنا کر نا نئی کر ڈھا مخلوق کو ایک دم لے آنا اللہ تعالیٰ جبار و قہار پر کچھ مشکل نہیں ۔ ان آیت میں یہ بات واضح فرمائی جا رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سب کام حکمت پر مبنی اور قائم ہیں ۔ لیکن بندے کے کسی کام کی کوئی ذات حکمت اور سمجھ بوجھ نہیں ۔ بڑے بڑے ذی عقل کافر فاسق بالکل بیکار فضول بے مقصد اور عارضی کام کر دیتے ہیں جو راکھ کے ڈھیر سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتے اور انہی فضولیات میں ساری عمریں گزار جاتے ہیں ۔ اور ایک غریب مسکین اہلِ ایمان متقی ایمان کے ایسے جوہر بکھیر دیتا ہے کہ ایک ایک عمل مقدس کی قیمت دنیا جہان نہیں بن سکتا ۔ راکھ کو فنا ہے اور جوہر کو بقا ہے ۔ یہ بھی رب تعالیٰ کی حکمتِ نالغہ ہے کہ مومن کی ہر چیز کو بقا ہے ۔ دنیا کے اعمالِ انسانی تین قسم کے ہیں ۔

نمبر ۱ ۔ اعمالِ ایمانی ۔ نمبر ۲ ۔ اعمالِ کفریہ ۔ پہلے عمل مفید ہیں ۔ دوسرے عمل نقصان دہ ۔ نمبر ۳ ۔ اعمالِ فضولیات یہ عمل بیکار نہ ثواب نہ عذاب ۔ مثلاً مومن کی نیکیاں مفید کافر کی نیکیاں بیکار ۔ اور کافر کی کفریہ برائیاں نقصان والی رب تعالیٰ نے یہاں تین چیزوں کا ذکر فرمایا ۔ نمبر ۱ ۔ آسمان و زمین کی پیدائش یہ گویا مومن کی نیکیاں ہیں ۔ نمبر ۲ ۔ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ یہ گویا دنیوی اور اخلاقی اعتبار سے کافر کے اچھے کام ہیں ۔ نمبر ۳ ۔ يَاْتِ بِخَلْقٍ ۔ یہ گویا کافروں کی برائیوں کی جگہ مومن کی نیکیاں قائم فرمانا ہے ۔ رب تعالیٰ بندے کے کسی بھی اچھے عمل کو ضائع نہیں فرماتا بندہ خود ہی اس لائق ہو جاتا ہے کہ اس کی اچھائیوں کو فانی یا باقی کر دیا جائے ۔ مومن اپنے ایمان کے قلعے میں اپنی اچھائیوں کو بچا لیتا ہے اور کافر کی اچھائیاں آتشِ شرک میں جل بھن کر راکھ بن جاتی ہیں اور اُس پر کفر کی آندھی چلتی ہے جو اُس کو اڑا کر رکھ دیتی ہے ۔ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ ۔ اور سارے ہی جن و انس نیک و بد مومن و کافر

مخلص و منافق ایک دم سب مل کر اپنی ہر طرح کی قبروں اور عالم برزخ سے نکل پڑیں گے یقیناً۔ اللہ تعالےٰ قہر و جلال والے رحم و جمال والے کی بارگاہ میں حاضر ہونے کے لیے نہ کوئی رک سکتا ہے نہ کسی کو روک سکتا ہے نہ کوئی بھاگ کر چھپ سکتا ہے۔ نہ دامن بچا کر گزر سکتا ہے سب ہی کو حاضر ہونا ہے اس حاضری سے کسی کو مفر نہیں۔ جو کام یقینی ہونا ہوتا ہے اس کو ماضی بمعنیٰ مستقبل سے ذکر کیا جاتا ہے گویا ہو گیا۔ جب میدان محشر میں سب جمع ہو جائیں گے۔ اور ہر ایک کا پورا مکمل حساب کتاب ہو جائے گا۔ ہر شخص اپنے متعلق فیصلۂ الٰہیہ سن لے گا تو تمام کافر گروہ کی شکلوں میں یا فرداً فرداً اپنے اپنے سرداروں سے کہیں گے۔ ان کو ضعفا دنیا کے اعتبار سے کہا گیا ورنہ قیامت میں یہ سب ہی ضعیف خستہ حال مرجھائے چہرے والے ہوں گے۔ دنیا کے اعتبار سے یہ نوکر خادم یا معتقدین ہوں گے اور غریب جاہل بے پڑھے گنوار بھی ان ہی میں شامل ہوں گے۔ دنیا میں تو یہ اپنے آقاؤں سرداروں سے التجا اور فریاد کر کے بطریقہ پر کچھ مانگتے تھے مگر وہاں بشکل التجا فریاد یہ کہنا نہ ہوگا کیونکہ یہ ضعیف بھی ان کی بے بسی کی حالت دیکھ رہے ہوں گے بلکہ یہ مطالبہ غصہ اور توبیخ کے طریقے سے ہوگا (جمل) یا یہ قول اُس وقت ہوگا جب سارے کفار اور سرداران کفر کو ایک جگہ باندھ کر آگے پیچھے چلاتے ہوئے ملائکۂ عذاب لے کر جا رہے ہوں گے ایک قول ہے کہ یہ کلام اُس وقت ہوگا جب اپنی اپنی جہنم میں سب کافر گروہوں کی صورت میں عذاب بھگت رہے ہوں گے۔ اور یہ ہی زیادہ مناسب ہے کیونکہ عذاب کی کمی کا ہی مطالبہ ہے۔ ان لوگوں سے جن لوگوں نے دنیا میں اپنے آپ کو بہت بڑا سمجھا تکبر کیا۔ خیال رہے کہ اپنے آپ کو بڑا سمجھنا خودی اور تکبر اور علامات کفر ہے۔ اور کسی کا قدرتی بڑا بن جانا یہ اللہ کی نعمت ہے یہاں اِسْتَکْبَرُوْا فرما کر یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں کوئی کتنا ہی عروج و مرتبہ حاصل کرے مگر ایک مقام آتا ہے کہ جہاں بندے کو عاجز ہی بنتی ہے وہاں عاجز ہونا پڑتا ہے اگر کوئی بدبخت وہاں بھی عاجز نہ ہو تو وہ مستحق عذاب و رسوائی ہے۔ متبعین مریدین معتقدین کفر بطلان کہیں گے کہ اے سردارو دنیا میں ہم نے ساری زندگی ہر طرح تمہاری پیروی کی ہر جائز و ناجائز تمہاری مانی تم نے اللہ سے روکا ہم رک گئے تم نے شرافت دیانت امانت نیکی اور وحدہٗ لاشریک کی عبادت سے منع کیا ہم باز رہے۔ تم نے کہا تھا کہ ان انبیاء کی نہ ماننا ہم ان کے پاس بھی نہ پھٹکے۔ تم نے ان رحیموں کریموں پیاروں نبیوں کی ولیوں کی گستاخی بے ادبی اور ایذا رسانی کے حکم دیے ہم نے جی بھر کے ان کو ستایا تمہارے وعظ جلسوں مدرسوں کتابوں کو سن کر تم کو بہت کچھ سمجھ لیا تھا اور ان انبیاء کرام کو اپنے جیسا بشر ہی کہتے رہے۔ تمہارے گستاخانہ جلسوں تقریروں کی ہم نے رونق بڑھائی تمہارے نعرے لگائے تم نے کہا تھا کہ ہم اور ہمارا فلاں فلاں بہت شان والا اور بڑے ہیں۔ اور انبیاء کرام کو مجبور و غیر مختار کہا ہم نے تائید کی تھی لیکن آج ہم تو عذاب میں ہیں اور نبیوں ولیوں کے مدح خوان مطابع فرمان انوار الٰہی کے دامن میں ان امتیوں کی سفارش و شفاعت ان کے آقا نبی او سعدی مشائخ علماء نے

کر دی کیا تم بھی ہم کو اللہ تعالیٰ کے جبر و قہر والے عذاب جہنم سے پورا نہ سہی تو تھوڑا سا بھی بچا سکتے ہو۔ ہم نے تو تم سے ہی کہنا ہے ہم ان کے پاس کس منہ سے جا سکتے ہیں قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِيْصٍ بولیں گے وہ سرداران کفر بے ادب۔ گستاخ لیڈر رہنما۔ انتہائی وحشائی خستہ حالی بھیکے منہ مایوسی کی زبان سے کہ یہ سب باتیں دنیا کی تھیں یہ مطلبے دنیا میں کرنے کرانے کے تھے آج یہاں کچھ نہیں ہو سکتا دنیا میں اگر اللہ نے ہم کو ہدایت پر چلنے کی توفیق سعید عطا فرمائی ہوتی یا ہم کو ہدایت کا خزانہ دیا ہوتا تو ہم بھی تم کو وہیں دنیا میں ہدایت کا راستہ دکھا دیتے اور ہدایت کی روشنی سے تم کو کچھ دے دیتے۔ ہم نے دنیا میں اپنے لیے بھی گمراہی کو پسند کریں تھا اور تمہارے لیے بھی۔ دامن نبوت کی شکستگی کا انکار کیا دیوں کے گستاخ بنے اللہ کو بھی سچے طریقے سے نہ مانا تو پھر آج یہ ہی حشر ہونا تھا۔ ایک تفسیر اس طرح ہے کہ اگر اب ہمیں دنیا میں لوٹنے کی ہدایت دے تو البتہ یقیناً ہم تم کو بھی ہدایت دیں گے۔ ایک قول ہے کہ اگر رب نے ہماری عقلیں درست کی ہوتیں تو ہم تم کو بھی عقل سلیم کی بات بتلاتے سمجھاتے اب کچھ نہیں ہو سکتا خواہ ہم سب غم سے روئیں پیٹیں یا غصے اور افسوس سے چیخیں دھاڑیں۔ ہماری جزع فزع آج کام نہ دے گی۔ یا ہم خاموشی سے صبر کریں اور سہتے رہیں جھیلتے رہیں ابدالآباد تک یہ تمام عذاب مصیبتیں ذلتیں۔ خیال رہے کہ کفار کو قبر حشر اور جہنم میں اپنے اچھے کام تو سب بھول جائیں گے کیونکہ راکھ بنا کر اڑا دیے گئے لیکن اپنے کفریات اور دنیوی بدخصلتیں اپنے سرداروں کی جان پہچان اور سرداروں کو اپنے معتقدین کی پہچان میدان محشر میں بھی ہوگی اور جہنم میں بھی۔ اور ایک دوسرے کو پہچان کر یہ سب گفتگو ہو گی۔ اے جاہل ان پڑھ تابعدارو آج تو صبر بھی ہماری مجبوری بے فائدہ کوئی نہیں۔ اس لیے کہ ہم کو جہنم سے نکل بھاگنے کا تو اب خیال و تصور بھی نہیں ہو سکتا اب فرار کا کوئی راستہ نہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام عالم کے پیدا ہونے سے پہلے بجسد نوری مع روح اور مع جسم کائنات میں مخلوق ہو چکے تھے اور تمام واقعاتِ عالم ملاحظہ فرما رہے تھے۔ یہ فائدہ اَلَمْ تَرَ اِلَى فرمانے سے حاصل ہوا۔ اسی لیے جگہ جگہ تقریباً ہر واقعے کے ساتھ اَلَمْ تَرَ۔ وَاذْكُرْ۔ وَاِذْ وغیرہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اور یاد وہی چیز کرائی جاتی ہے جو یا پڑھی ہو یا سنی ہو یا دیکھی ہو۔ آقائے کائنات نے نہ تو کسی کتاب کو پڑھا نہ کسی یہودی عیسائی پادری راہب سے سنا۔ کیونکہ زمینِ مکہ میں کوئی توریت وغیرہ جاننے والا نہ تھا۔ نیز بہت سے سچے اور حقیقی واقعے توریت انجیل وغیرہ میں نہیں ہیں جیسے فرعونِ موسوی کی غرقابی اور نعش کا اب تک مصر میں موجود ہونا وغیرہ۔ پس لامحالہ نبی کریم کو یاد کرانے کا مقصد یہی ہے کہ وہ آنکھوں دیکھا واقعہ یاد کیجئے۔ بخلاف جی سہیل وغیرہ کو یاد کرانا اُن کے پڑھنے کو یاد کرانا ہے نہ کہ دیکھنے کو۔

دوسرا فائدہ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم زمین و آسمان کی ہر چیز جمادات نباتات حیوانات۔ جنات ہر ہر چیز کی حکمت۔ تاثیر۔ اور فوائد و نقصانات سے پوری طرح واقف ہیں۔ یہ فائدہ بالحق فرمانے سے حاصل ہوا۔ دنیا کے عقلا حکیم ڈاکٹر۔ فلاسفہ سائنسدان کثیر محنت کرکے آج جن چیزوں کو معلوم کر رہے ہیں ہمارے آقا نے وہ سب کچھ سینکڑوں سال پہلے بتا دیں تھیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ قیامت میں نبی ولی۔ اور علما کا وسیلہ مفید ہوگا۔ کافر کا بیکار نیز کفر کے سردار بے بس اور مجبور ہوں گے مومنوں کے سردار۔ با اختیار۔ قوت اور شفاعت والے ہوں گے۔ یہ فائدہ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا کی پوری گفتگو بیان کرنے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ضعیف کفار اہل ایمان کی شفاعت دیکھ کر ہی اپنے سرداروں سے بھی فریاد کریں گے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند مسائل فقہی مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزاء۔ اس لیے قانون شریعت۔ فقہی اصول و فروع۔ اور نماز۔ روزہ۔ حرام و حلال سب اسی زندگی کے فرائض و واجبات ہیں یہاں کے ہر عمل ہر عقیدے اچھے برے کا آخرت میں فائدہ و نقصان ہے۔ مگر آخرت میں کسی بھی عمل کا نہ فائدہ ہے نہ نقصان یہ مسئلہ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ دنیا میں اللہ والوں کا وسیلہ۔ طریقہ۔ اور سہارا پکڑنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ اور بروں فاسقوں۔ بدکاروں۔ بدعقیدوں۔ منافقوں۔ کافروں۔ بدمذہبوں سے دور بھاگنا واجب ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّا كُنَّا تَبَعًا سے مستنبط ہوا۔ کہ بروں کا ساتھ دنیا میں ہلاکت اور آخرت میں بیکار۔ **تیسرا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ کی طرف بری اور غلط بات منسوب کرنی حرام ہے۔ کیونکہ یہ بے ادبی اور گستاخی بے طریقہ کفار ہے۔ یہ مسئلہ لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ کفار نے انتہائی جھوٹ بولتے ہوئے قیامت میں اپنے مریدین سے پیچھا چھڑاتے ہوئے کہا کہ اگر ہم کو خدا نے ہدایت دی ہوتی تو ہم تم کو بھی دیتے یہ بڑا جھوٹ ہے اس لیے کہ رب تعالیٰ نے انبیاء کرام۔ اولیاء اللہ۔ قرآن و حدیث علماء اسلام کے ذریعے شریعت طریقت معرفت حقیقت ہر طرح کی ہدایت بھیجی مگر ان مغرور ظالموں نے خود ہی قبول نہ کی نہ کرنے دی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ میں آسمان و زمین کی پیدائش کا ذکر ہے اور اس سے پہلی آیت میں کافروں کے اعمال کے راکھ ہونے کا ذکر ہے آپس میں کوئی ربط کوئی جوڑ کوئی تعلق نہیں یہی نہیں بلکہ اکثر جگہ بے ربطی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ رب کا کلام نہیں محمد صاحب نے اپنے پاس سے بنایا ہے (آریہ پنڈت دیانند سرسوتی اور موجودہ زمانے کے عیسائی اور یہودی)

جواب۔ ستیارتھ پرکاش میں اس طرح کے احمقانہ بہت سے اعتراض قرآن پاک پر کیے گئے ہیں۔ جس کے

جواب صدر الافاضل مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مطبوعہ کتاب میں دیئے والد محترم حضرت حکیم الامت بدایونی نے بھی اپنی تصنیفات میں دیئے ہیں۔ دیانند رہچلا، تو زندگی بھر مسلمان مناظرین سے پٹتا ہی رہا اور میدان سے بھاگتا ہی رہا مگر میں اس پاگلانہ اعتراض کا جواب اس طرح عرض کرتا ہوں کہ اولاً تو ہم نے پندرھویں پارے تک ہر ہر آیت کا ربط اور تعلق ثابت کر ہی دیا ہے اس آیت کا بھی کثیر طرح تعلق درج کر دیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود میں کہتا ہوں کہ ربط ہونا کیا ضروری ہے۔ اور کس نے کہا ہے کہ کلام الٰہی کے لیے ربط ہونا شرط ہے آج دنیا میں بہت سے مصنفین ناول نگار افسانہ نویس بڑے ربط سے اپنے مضامین لکھتے ہیں تو کیا وہ سب رب تعالیٰ کے کلام ہو جائیں گے۔ نیز ایک مالی بناتا باغیچہ لگاتا ہے تو انتہائی ترتیب سے پودے لگاتا ہے۔ لیکن اللہ کے جنگلات بالکل بے ترتیب اگے ہوئے ہیں اور ان کو اللہ کی صنعت وقدرت اور اللہ کی چیزیں تسلیم کیا جاتا ہے۔ اسی طرح حکومت نہروں کو نہایت ترتیب سے بناتی ہے۔ مگر رب کے دریا بالکل بے ترتیب ہیں۔ مگر بے چون وچرا ہر شخص ان کو رب کا شاہکار مانتا ہے۔ لہٰذا صرف بے ربطی کا بیہودہ بہانہ بنا کر کلام الٰہی ہونے کا انکار کر دینا پاگل پن اور جہالت ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے ہے۔ بَرَزُوْا لِلّٰهِ اللہ کے سامنے جمع ہوں گے پھر ہے۔ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا ان پڑھ کافر سرداروں سے کہیں گے آج ہم کو بچاؤ دنیا میں ہم نے ہی تمہاری سرداری چمکائی تھی۔ پھر ہے سردار کہیں گے کہ اگر ہم کو ہدایت ملتی تو ہم تم کو بھی دیتے ان تینوں کی مطابقت کیونکر ہے۔

جواب۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ وہ رب کے حضور حساب اور دنیوی سرکشی کی بازپرس کے لیے جمع کئے جائیں گے تو وہ اپنی مجبوری ظاہر کرتے ہوئے سرداروں کی طرف دیکھ کر ان سے بازپرس کریں گے گویا یہ ایک طرز کا اپنی بازپرس کا جواب ہے۔ سردار لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ کہہ کر اپنی مجبوری بیان کر کے جان چھڑانے کی کوشش کریں گے۔ دوسرا جواب یہ کہ بَرَزُوْا کا جملہ علیحدہ ہے اور دوسری عبارت جہنم میں پہنچ کر ہے۔ اس تفسیری جواب سے اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ پہلے ہے۔ لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ (الخ) پھر ہے اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا یہ مطابق کس طرح ہے۔

جواب۔ چھوٹے کافر روتے تڑپتے مچلتے ہوئے بڑوں کو لعن طعن کریں گے۔ تب وہ ان کو طعنے بازی کا جواب دیتے ہوئے یہ بات کہیں گے کہ کچھ بھی کرو دہنا یہیں پڑے گا۔

تفسیر صوفیانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ اے روح کائنات کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ صانع ظاہر وباطن نے پیدا فرمایا آسمانِ تعینات کو اور زمین جسمیات کو بالکل درست اپنے اپنے مقام وصفات سے۔ ان آسمانوں زمین جب انسانیت کبریٰ کے جواہر قائم فرمائے۔ ان

میں فیضِ لطف اور فیضِ قہر کو قبول کرنے والی مختلف متعدد شخصیتیں ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ان تمام واردات محسوسہ کو ایک دم ختم کر کے ایک دم دوسری واردات کی جلوہ گری فرما دے کیونکہ جو خالق تعالیٰ جواہر خمسہ انسانیہ میں پیدا کرنے پر قادرِ مطلق ہے۔ اس کے لیے واردات قلبیہ کو تبدیل کرنا کچھ دشوار نہیں ہے۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ ہر وقت اپنے رب سے ڈرتا ہے اس کی پناہ طلب کرتا رہے کیونکہ وہ قہر و جلال اور کبریائی والا ہے وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِیْعًا۔ سب کو ہی اسی قہار کی منزلِ جلال پر حاضری دینی ہے۔ خیال رہے کہ حاضریِ بارگاہ تین قسم کی ہے۔ نمبر ۱۔ موتِ ارادی سے وہ صفاتِ نفس کے حجاب سے نکل کر میدانِ قلب میں حاضر ہوتا ہے۔ نمبر ۲۔ موتِ جسمانی سے یعنی قبر کی پہلی رات۔ نمبر ۳۔ قیامتِ کبریٰ کی حاضری وہ آنا کے حجاب سے نکل کر حقیقتِ وحدت کی فضاؤں میں پہنچنا ہے۔ پہلی حاضری ہر شقی و سعید کو دنیا میں ہی میسر ہو جاتی ہے اور ضمیر ہی بتا دیتا ہے کہ بندہ کس زمرے میں ہے۔ فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِیْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ۔ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَیْنٰكُمْ سَوَآءٌ عَلَیْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ مَّحِیْصٍ۔ اعضاء باطنیہ کو رابطۂ قلبی کے وقت پتہ لگتا ہے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا اس وقت کوئی پناہ بننے کے لیے تیار نہیں۔ نفس امارہ ہی کی طرف توجہِ باطنی ہوتی ہے اور اس سے التجا۔ لیکن واردات قہر کے وقت وہ بھی ہلاکت میں پڑا ہوا جواب دیتا ہے کہ نہ ہم نے توفیقِ الٰہی کو حاصل کیا نہ تم نے۔ اب جو اعمال کر لیے گئے ان کا بدلہ تو ضرور ملے گا خواہ فریاد کریں یا صبر۔ اب پہلے جیسی نہ عیاشی مل سکتی ہے نہ سکونِ ناسوتی اب تو جفا بھوک پیاس کی آگ میں جلنا ہی پڑے گا۔ اب مرشدِ برحق کی لگام میں جکڑا ہی جانا ہے۔ کوئی فرار یا بچاؤ نہیں ہے۔ نجات کا آلہ اس وقت تو ہم نے خود ہی ضائع کر دیا۔

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ

اور بولا شیطان جب کہ فیصلہ کر دیا گیا حساب کتب کا۔ بیشک اللہ نے وعدہ کیا تھا تم سے

اور شیطان کہے گا جب فیصلہ ہو چکے گا۔ بیشک اللہ نے تم کو سچا وعدہ دیا تھا

وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِیَ

وعدہ سچا اور جو وعدہ میں نے کیا تھا تم سے تو خلاف کیا میں نے تم سے اور نہیں تھی لیے میرے

اور میں نے جو تم کو وعدہ دیا تھا وہ میں نے تم سے جھوٹا کیا اور میرا

عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ

پر تم کچھ زبردستی مگر یہ کہ بلایا میں نے تم کو تو بات مان لی تم نے میری۔ تو نہ ملامت کرو تم

تم پر کچھ قابو نہ تھا مگر یہی کہ میں نے تم کو بلایا تو تم نے میری مان لی تو اب

لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ

مجھ کو اور ملامت کرو تم اپنے آپ کو نہیں میں مشکل کشا تمہارا

مجھ پر الزام نہ رکھو خود اپنے اوپر الزام رکھو نہ میں تمہاری فریاد کو پہنچ سکوں

وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ ؕ اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ

اور نہ تم کچھ مشکل کشا میرے بیشک میں نے انکار کر دیا اس کا جو شریک ٹھیرایا تھا تم نے

نہ تم میری فریاد کو پہنچ سکو وہ جو پہلے تم نے مجھے شریک ٹھیرایا تھا

مِنْ قَبْلُ ؕ اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۲۲﴾

مجھ کو سے پہلے بیشک ظالم لوگ لیے اُن کے ہے عذاب دردناک ۔

میں اس سے سخت بیزار ہوں بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے ۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق - پچھلی آیات میں اُن باتوں کا ذکر ہوا جو قیامت میں کافر گمراہ اپنے پیشواؤں سے کہیں گے اب ان آیتوں میں اُن باتوں کا ذکر ہے جو میدانِ قیامت میں کافروں کا بڑا پیشوا شیطان اپنے مریدوں سے کہے گا۔

دوسرا تعلق - پچھلی آیات میں دوسرے گمراہوں کافروں کی اُن باتوں کا ذکر ہوا جو وہ اپنے کافر مریدوں سے کہیں گے ۔ اب ان آیات میں کفار کے اُن سہاروں کا ذکر ہوا جن پر یہ لوگ بھروسہ کئے بیٹھے ہیں ۔

تیسرا تعلق - پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی ایک قدرت کا ذکر ہوا کہ وہ مخلوق کے بقا اور فنا پر قادر ہے ۔ اب کفار کی زبان سے رب تعالیٰ کے وعدے کی شان بیان ہو رہی ہے ۔

تفسیر نحوی

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ واؤ ابتدائیہ قَالَ فعل ماضی مطلق معروف واحد غائب مستعمل بمعنیٰ اس کا فاعل اسم ظاہر اَلشَّيْطٰنُ ہے۔ الف لام۔ عہدی یا اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ شَيْطٰن بر وزن فَيْعَال یا بروزن فَعْلَان۔ یہ شَطْنٌ یا شَيْطٌ سے مشتق ہے دوسری صورت میں الف نون زائدتان ہے۔ بمعنیٰ سرکشی کرنے والا مبالغے کا صیغہ ہے بحالت رفع فاعل ہے قَالَ کا لَمَّا اسم ظرف۔ قُضِيَ فعل ماضی مطلق مجہول بمعنیٰ قریب لَمَّا کی وجہ سے۔ باب ضَرَبَ سے ہے قَضَیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ فیصلہ کرنا۔ الف لام عہد خارجی اَمْرُ اسم جامد حاصل مصدر بمعنیٰ حکم۔ معاملہ۔ قانون۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے بحالتِ رفع فاعل ہے قُضِيَ کا یہ جملہ فعلیہ مظروف ہے لَمَّا ظرف کا۔ اِنَّ حرف تحقیق یہ پوری عبارت مقولہ ہے قَالَ کا۔ اللّٰہ بحالتِ نصب اسم ہے اِنَّ کا۔ وَعَدَ فعل ماضی بمعنیٰ بعید واحد غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع اللّٰہ ہے کُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے۔ وَعْدَ اسم مصدر بحالتِ نصب مفعول مطلق ہے وَعَدَ فعل کا اَلْحَقِّ۔ الف لام عہدی حَقٌّ اسم جامد حاصل مصدر بمعنیٰ مطابق۔ مناسب۔ سچ۔ موافق۔ دغیرہ۔ یہاں بمعنیٰ سچ ہے بحالت کسر مضاف الیہ ہے وَعْدَ کا۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے وَعَدَ پر۔ وَعَدْتُّ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد متکلم مرجع شیطٰن ہے۔ وَعْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ معاہدہ وعہد کرنا۔ مقرر کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے کُمْ ضمیر مفعول بہ۔ فَ تعقیبیہ اَخْلَفْتُ۔ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد متکلم۔ باب افعال سے ہے مصدر اِخْلَافٌ بمعنیٰ پیچھے ڈالنا۔ الٹ کرنا۔ وعدہ توڑنا۔ نافرمانی کرنا۔ یہاں مراد وعدہ توڑنا ہے۔ ضمیر متکلم کا مرجع شیطان ہے۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل جمع مذکر حاضر مفعول بہ کا مرجع شیطانی لوگ ہیں۔ دوزخی) وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ۔ واؤ مستانفہ یا حالیہ مَا كَانَ فعل ماضی منفی بعیدی صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسم ظاہر ہے۔ لام جارہ زائدہ تاکیدیہ یا بیانیہ یِ ضمیر واحد متکلم مجرور متصل کا مرجع شیطٰن۔ جار و مجرور متعلق اول ہے مَا كَانَ کا عَلَيْكُمْ جار و مجرور متعلق دوم ہے عَلیٰ جارہ فوقیت کے لیے کُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل۔ مِنْ حرف جر۔ زائدہ ہے لغو ہے۔ فاعل پر داخل ہے۔ سُلْطٰنٍ۔ اسم الف نون زائدتان بروزن فُعْلَان عُثْمَان۔ اسم مبالغہ ہے۔ بمعنیٰ۔ طاقت۔ حکومت۔ حجت۔ دلیل بادشاہ۔ یہاں مراد۔ طاقت ہے۔ ظاہراً یہ بحالت کسر ہے مِنْ کی وجہ سے باطناً بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے مَا كَانَ کا اِلَّا حرف استثنا منقطع کے لیے ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہیں اور سلطان ودعا کا مستثنیٰ منہ نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ سلطٰن قہر کی چیز ہے اور دعا کمزوری کی حالانکہ استثنا میں کیفیت کا اتحاد شرط ہے۔ ایک قول میں استثنا متصل ہے کیونکہ دعا دعوت بھی ... کی ایک قسم ہے۔ شیطان کی دعوت وسوسہ ہے اور وسوسہ بھی قابو پا لیتا ہے۔ اگرچہ قہر نہ ہی اگر منقطع ہو تو اِلَّا بمعنیٰ نہیں اور متصل ہو تو اِلَّا بمعنیٰ مگر۔ اَنْ۔ مخففہ حرف مشبہ لغو در اصل تھا اَنَّهٗ۔ دَعَوْتُ فعل ماضی مطلق

معروف مثبت واحد متکلم۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ متکلم وہی شیطان ہے دَعْوٌ ناقص واوی سے بنا ہے بمعنی بلانا
پکارنا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مفعول بہ ہے دَعَوْتُ کا۔ فَ تعقیبیہ بلاتراخی۔ اِسْتَجَبْتُمْ فعل ماضی مطلق معروف
مثبت صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع دوزخی لوگ باب استفعال سے ہے مصدر ہے۔ اِسْتِجَابَۃٌ
در اصل تھا اِسْتِجْوَابٌ۔ جَوْبٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی جواب دینا۔ مان لینا۔ قبول کرنا۔ دوسرے دو معنی مراد ہیں۔
لام جارہ نفع کا ی ضمیر واحد متکلم۔ مجرور متعلق ہے اِسْتَجَبْتُمْ کے۔ فَ سببیہ یا تعقیبیہ۔ یا بمعنی فی ظرفیہ مگر صحیح تر یہ ہے
کہ ف زائدہ ہے لَا تَلُوْمُوْا فعل نہی حاضر معروف باب نَصَرَ سے ہے۔ صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل
ہے جس کا مرجع سب دوزخی ہیں۔ لَوْمٌ سے بنا ہے بمعنی۔ ملامت کرنا۔ الزام دینا۔ مجرم بنانا۔ برا بھلا کہنا۔ گالیاں
دینا۔ یہاں ہر معنی درست ہے نِیْ نون وقایہ (اعراب بچانے والی) یٰ ضمیر متکلم۔ منصوب متصل۔ اتصال اور فعل
کو بچانے کے لیے نون آئی واؤ عاطفہ۔ عطف ہے لَا تَلُوْمُوْنِیْ پر لُوْمُوْا فعل امر صیغہ جمع مذکر حاضر باب نَصَرَ سے
لَوْمٌ بمعنی برا بھلا کہنا وغیرہ سے مشتق ہے نَفْسٌ۔ جمع مکسر ہے نَفْسٌ کی۔ اسم تاکیدی ترجمہ ہے۔ خود۔ اپنا
اپنا آپ بحالت نصب مفعول بہ ہے۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر برائے تاکید مضاف الیہ ہے اس کو اضافت نفسی کہتے ہیں
محض تاکید کرتی ہے۔ مَا حرف نفی مشبہ بلیس۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل اسم ہے مَا کا۔ بِ جارہ زائدہ بیانیہ
مُصْرِخِ باب افعال کا اسم فاعل صیغہ واحد مذکر صَرْخٌ سے بنا ہے بمعنی چیخنا۔ فریاد کرنا۔ لازم ہے باب افعال میں
متعدی ہوا بمعنی فریاد رس ہونا۔ مشکل کشا ہونا۔ بحالت جر ہے بِ جارہ کی وجہ سے کُمْ ضمیر مضاف الیہ جار و مجرور متعلق
ہے دَافِعًا یا قَادِرًا پوشیدہ اسم فاعل کے اور یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ کی۔ واؤ سے جملہ مَا نافیہ مشبہ بلیس
(لیس فعل ناقصہ کے مشابہ عمل اور معنی میں) اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل اسم ہے اس کا۔ بِ جارہ زائدہ بیانیہ مُصْرِخِ۔ اسم فاعل
صیغہ واحد مراد جمعیت کیونکہ اس کا منسوب اَنْتُمْ ضمیر جمع ہے۔ یٰ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ۔ جار و مجرور متعلق ہے
قَادِرُوْنَ پوشیدہ اسم فاعل جمع کے۔ اور وہ جملہ اسمیہ مفتوحہ خبر مَا ہے اِنِّیْ کَفَرْتُ بِمَا اَشْرَکْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ۔
اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اِنَّ حرف تحقیق مشبہ بالفعل۔ یاء متکلم بحالت نصب بالفتح مبنی اسم اِنَّ ہے کَفَرْتُ فعل
ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد متکلم مرجع شیطان ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ کفر کرنا۔
نہ ماننا۔ انکار کرنا۔ رد کرنا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ بِ جارہ مفعولیت کے لیے مَا اسم موصول بحالت جر۔ جار و مجرور
پوری عبارت متعلق ہے کَفَرْتُ کے اَشْرَکْتُمُوْ فعل ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا
کا مرجع وہی اہل جہنم ہیں۔ واؤ زائدہ نون وقایہ کے اتصال کے لیے۔ نون وقایہ مکسور۔ کسرہ علامت یاء متکلم ہے۔
در اصل نِیْ۔ مِنْ جارہ بیانیہ قَبْلُ اسم ظرف مبنی ہے ضمہ پر۔ کیونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔ جار و مجرور
متعلق ہے اَشْرَکْتُمْ کے۔ اِنَّ حرف تحقیق۔ الف لام استغراقی۔ ظٰلِمِیْنَ۔ جمع مذکر سالم ہے ظَالِمٌ کا۔ بحالت نصب

اسم ہے اِنَّ ۔ لام جارّہ بیانیہ مفعولیت کا حکم ضمیر جمع مذکر غائب ۔ مجرور متصل ۔ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجودٌ یا واجبٌ یا ثابتٌ کا اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی عَذَابٌ اسم مفرد نکرہ تنوین تعظیم کی ہے یعنی بڑا عذاب بمعنے اُخروی سزا بحالتِ رفع ۔ نائب فاعل یا فاعل ہے پوشیدہ کا ۔ اَلِیْمٌ اسم صفت مشبہ نکرہ مفرد بمعنی فاعل ہے ۔ اَلَمٌ سے بنا ہے یعنی دکھ دینے والا ۔ دردناک ۔ ذلیل کرنے والا ۔ زخم لگانے والا ۔ بحالتِ رفع کیونکہ صفت ہے عذابٌ کی۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ مفسرین فرماتے ہیں کہ جب تمام فیصلے ہو چکیں گے گنہگار تو انبیاء کرام کی بارگاہوں اور ولیوں کے آستانوں کی طرف اپنی شفاعت کے لیے دوڑیں گے اور تمام انبیاء کرام دعائیں دیں گے مگر شفاعت کے لیے کسی کی تلاش کا مشورہ عطا فرمائیں گے طالبانِ شفاعت پھرتے پھراتے آستانۂ رؤف ورحیم پر حاضر ہوں گے پیارے آقا کی چوکھٹ سے ایسی خوشبو اُٹھے گی کہ سب خوشبوء دل آویزی سے مست ہو جائیں گے پیارے رحمٰن ورحیم کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوں گے ۔ اور آپ کی شفاعت منظور ہو گی کروڑوں کو اس شفاعتِ مصطفیٰ کے صدقے شفیع مذنبین بنا دیا جائے گا ۔ پھر غوث قطب ابدال اوتاد افرادِ عالم محدث مفسر پیر اُستاد حافظ قاری چھوٹی اولاد لاکھوں شفاعت والے کروڑوں کو بخشوائیں گے یہ دیکھ دیکھ کر کفار بھی دل میں خواہش کریں گے پہلے تو اپنے سرداروں کے پیچھے پڑیں گے میدان محشر میں ہی یا جہاں کہیں بھی ۔ اُن سے جو جواب سنیں گے وہ پہلی آیت میں گزر گیا وہاں سے منہ لٹکائے ہوئے جب جہنم میں پہنچیں گا دیکھیں گے کہ ایک جگہ ابلیس آگ کی زنجیروں سے جکڑا پڑا سسک رہا ہے ۔ جہنم میں سب سے پہلے ابلیس لایا جائے گا ۔ اور صرف ایک جہنم کا فرشتہ اس کو گھسیٹتا ہو جہنم میں دور سے پھینک دے گا ۔ ایک عام فرشتے کی طاقت اتنی ہے کہ ستر ہزار ابلیس اگر ہوں تو اس کے سامنے رائی برابر ہیں ۔ جنت میں سب سے پہلے حضرتِ بلال جائیں گے جیسا کہ حدیث معراج سے ثابت ہوتا ہے ۔ جب ہر جہنمی کافر ابلیس کو دیکھیں گے تو اس کو لعنت ملامت کرتے ہوئے کہیں گے کہ آج تو ہماری شفاعت کر کیونکہ دنیا میں ہم نے تیرا کہنا مانا تجھ کو خوش کیا تھا ۔ تو شیطان جواباً کہے گا ۔ میں تمہاری کیا شفاعت کر سکتا ہوں میں تو زنجیروں میں قید ہوں ۔ جب جہنمی اُس کو زیادہ برا بھلا کہیں گے تو وہ قریبی آگ کے ایک ٹیلے یا منبر پر چڑھ کر یہ خطاب کرے گا کہ اے دوزخیو ۔ دنیا میں تم سے اللہ تعالیٰ نے کچھ وعدے کئے تھے اور میں نے بھی کچھ وعدے کئے تھے تم کو دونوں کے وعدے بالکل حرف بحرف یاد ہیں ۔ اور تم نے یہ بھی اپنی آنکھوں دیکھ لیا کہ رب تعالیٰ کے سارے وعدے سچے ثابت ہو گئے اور میرے سارے وعدے جھوٹے نکلے ۔ اب تم اسی سے اندازہ لگا لو کہ آج میں تمہاری کیا مدد کر سکتا ہوں ۔ آج

تو میں تم سے زیادہ ذلیل اور تم مجھ سے زیادہ ذلیل۔ آج اللہ کے دربار میں میری شفاعت کی حیثیت ہی کیا ہے۔ آج تو اللہ کے دربار میں انبیا اولیا کی ہی شان بلند ہے۔ رہا یہ کہنا کہ تم نے میری پیروی دنیا میں کی تھی۔ تو یہ تمہاری حماقت بدبختی۔ بدنصیبی تھی میری کوئی ہیبت طاقت قدرت حکومت تم پر مسلط نہ تھی نہ میں تم کو جبراً پکڑتا ڈراتا تھا۔ تم نے تو دنیا میں مجھ کو دیکھا تک نہ تھا۔ میں تو خود تم سے چھپتا پھرتا تھا مجھ کو تمہارے محافظ فرشتوں کا اور نبیوں ولیوں کا ڈر لگا رہتا تھا ہاں البتہ میں صرف اتنا کرتا تھا کہ تمہارے دلوں میں اپنے وعدوں کے وسوسے ڈالتا تھا بس یہی میری ایک دعوت تھی جس کے ذریعے میں نے تم کو بلایا اور تم نے میری دعوت کو اتنی جلدی قبول کر لیا جیسے پہلے ہی تیار بیٹھے تھے۔ تم کو تمہارے نبی ولی غوث وقطب پیرومرشد علما ائمہ صحابہ اہل بیت پکارتے بتاتے بچاتے ہی رہ گئے مگر تم تھے کہ ہر آواز سے کان لپیٹ کر میری طرف میرے راستے پر دوڑتے ہی چلے آئے۔ میں گر تمہارے آنے پر چند لمحوں کے لیے خوش ہو گیا تو مجھ پر کیا احسان۔ تم نے تو خود ہی اپنی عاقبت خراب کر لی لہٰذا آج مجھ کو لعن طعن ملامت اور برا بھلا نہ کہو بلکہ اپنے آپ کو برا بھلا اور ملامتیں کرو اپنے ہاتھ کاٹو۔ اپنے پیٹ کو نو۔ منہ پر تھپڑ مارو۔ یہ خبیث آج درغلانے والا اس دن کیسا صاف سچا جواب دے جائے گا۔ قربان جائیں ہم اپنے قرآن مجید کی عظمت پر کہ اس نے ساری کائنات کو چکے سے کیسا صاف صاف اس کی ساری باتیں سب کو بتا دیں کوئی اب بھی نہ سمجھیں تو کیسی بدبختی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے بیشتر وعدے فرمائے جو دنیا میں مشاہدے تجربے سے سب سچے ثابت ہو چکے اور قیامت قبر میں مزید ثابت ہو جائیں گے۔

نمبر ۱۔ عالم ارواح کا وعدہ میں تمہارا رب ہوں ہر جہان میں تم کو پرورش فرماؤں گا۔ نمبر ۲۔ میرے نبی تشریف لائیں گے۔ نمبر ۳۔ وہ صاحب اختیار بن کر اور نعمتوں کے خزانے لے کر آئیں گے۔ نمبر ۴۔ انبیا کا قرب رب تعالیٰ کا قرب اور ان سے دوری رب سے دوری ہوگی۔ نمبر ۵۔ میرا کلام بھی نازل ہوگا۔ نمبر ۶۔ میری طرف سے ہدایت وایمان بھی آئے گا۔ نمبر ۷۔ میرے نبی ظلمت سے نکالیں گے نور میں پہنچائیں گے۔ نمبر ۸۔ میرے ولی اور علما قیامت تک رہنمائی کے لیے آتے رہیں گے اور میری قوت کے مظہر ہوں گے۔ نمبر ۹۔ شکر کا ثواب بھی ملے گا اور دنیوی نعمتیں عزتیں بھی زیادہ ہوں گی۔ نمبر ۱۰۔ ناشکری کا عذاب بھی ضرور ہوگا اور دنیا میں غربت ذلت بھی۔ نمبر ۱۱۔ اللہ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں پیر فقیر قبر کو تعظیمی سجدہ حرام معبودی سجدہ کفر ہے۔ خواہ بندہ خودی میں ہو یا بیخودی میں۔ نمبر ۱۲۔ شیطان ونفس امارہ کو تمہارا دشمن بنایا جائے گا۔ نمبر ۱۳۔ انبیا علیہم السلام اور اولیا علما کو تمہارا خیرخواہ اور ہادی بنایا جائے گا۔ لہٰذا دوست دشمن کو پہچاننا۔ دوست کی ماننا دشمن کی نہ ماننا۔ نمبر ۱۴۔ تم کو دنیا میں بے خبر نہ رکھا جائے گا شریعت طریقت دنیا قبر حشر عذاب ثواب سب کی پوری خبر دے دی جائے گی۔ نمبر ۱۵۔ شریعت کے تمام قانون برحق ہے حرام بھی ہے حلال بھی۔ عبادت بھی امر بھی نہی بھی اس پر عمل میں امن ہے بے عملی اور انکار میں مصیبت ہے۔ نمبر ۱۶۔ اللہ

رسول کے حکم سے خرچ کرنے صدقہ و خیرات سے امیر ہو جاؤ گے۔ نمبر ۱۷۔ کنجوسی بخیلی سے غریب و ذلیل۔ نمبر ۱۸۔ موت کے بعد دائمی زندگی ہوگی۔ نمبر ۱۹۔ قبر کا حساب عذاب ثواب بھی ضرور ہوگا اور قیامت کا حساب عذاب ثواب بھی ضرور ہوگا کیونکہ قیامت اور جنت دوزخ برحق ہے۔ نمبر ۲۰۔ مومن متقی کو جنت۔ فاسق فاجر کو سزا یا شفاعت اور کافر کو دائمی جہنم سزا ملے گی۔ یہ سب وعدے قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔ شیطان نے جو وعدے اپنے معتقدوں فاسقوں کافروں سے کئے وہ سب جھوٹے۔

نمبر ۱۔ انبیاء بے اختیار ہیں۔ نبی ولی کچھ نہیں دے سکتے۔ نمبر ۲۔ نبی ولی کی عزت مت کرو ان کی نہ مانو۔ نمبر ۳۔ نبی ولی کی گستاخی توحید ہے ان کی عظمت اور نعت خوانی شرک ہے۔ نمبر ۴۔ نبی علی ولی کی اللہ کے دربار میں کوئی عزت و شان نہیں اِن کے پاس مت جاؤ ان کو کوئی اختیار کوئی قوت نہیں۔ نمبر ۵۔ حرام کچھ نہیں سب حلال ہے سب کچھ کھاؤ کماؤ۔ نمبر ۶۔ عبادتِ شریعت سب بیکار و بے فائدہ ہیں۔ نمبر ۷۔ قبر میں کوئی عذاب ثواب نہیں۔ نمبر ۸۔ قیامت کوئی نہیں یہ جہاں یونہی رہے گا۔ نمبر ۹۔ زکوٰۃ صدقہ خیرات مت دو غریب ہو جاؤ گے۔ نمبر ۱۰۔ غیر اللہ کو پیر فقیر قبر کو سجدہ جائز ہے۔ نمبر ۱۱۔ خالقا ہیں ہوسے غلط ہیں۔ نمبر ۱۲۔ بت پرستی جائز ہے۔ نمبر ۱۳۔ طریقت و تصوف غلط ہے نمبر ۱۴۔ ہولی دیوالی کی چیزیں چڑھاوے جائز ہیں۔ گیارہویں بارہویں اور محرم کی نیاز حرام ہے۔ نمبر ۱۵۔ شریعت کی مت مانو۔ نمبر ۱۶۔ صانع عالم کوئی نہیں سب کچھ خود ہی بن بگڑ رہا ہے۔ نمبر ۱۷۔ بس یہ دنیا کی زندگی ہی ہے لہٰذا خوب فحاشی عیاشی کر لو۔ پھر وقت ہاتھ نہیں آئے گا۔ یہ ہیں شیطانی وعدے جو اس نے اپنے چیلوں کے ذریعے سب کو سنائے پہنچائے۔ قیامت میں انہی کا ذکر کرکے کہے گا میرے سب وعدے جھوٹے تھے اور مجھ کو پتہ تھا کہ میں جھوٹے وعدے کر رہا ہوں۔ تم نے اس وقت میری کیوں مانی۔؟ لہٰذا آج۔

مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ ۭ اِنِّىْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ ۭ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ نہ میں تمہارا مشکل کشا حاجت روا ہو سکتا ہوں اور نہ تم میرے حاجت روا مشکل کشا ہو سکتے ہو یہ شان تو اللہ کے پیاروں کی ہے۔ اور پھر دنیا میں تم کو میں نے صرف وسوسے دیئے تم کو یہ تو نہیں کہا تھا کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنا لو۔ یا اس طرح کہ میری پوجا کرنے لگ جاؤ جیسا کہ بعض ہندو شیطان دیوتا کے پجاری ہیں یا اس طرح کہ اللہ کی بات چھوڑ کر میری بات اس طرح عقیدت سے ماننے لگ جاؤ جس طرح کہ اللہ کی بات ماننی چاہیئے۔ یا نبیوں ولیوں کو چھوڑ کر مجھ کو حاجت روا سمجھ لو۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ دنیا میں میری وجہ سے تم نے بتوں وغیرہ کا شرک کیا۔ میں تمہاری ان سب حرکتوں سے اس وقت بھی راضی نہ تھا مگر آج تو سخت بیزار ہوں۔ لہٰذا میں صاف منکر ہوں۔ اور تم سے سخت متنفر ہوں۔ بیشک تم اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہو۔ تم نے تو ایسی چالیں ایسے مکر کئے مجھے ایسے کفریات ایجاد کر لیے تھے جو میری سوچ سے بھی زیادہ تھے تمہارے چیلے فریب میری استادی

سے بڑھ گئے تھے۔ اور ظالموں کے لیے آج ابد تک بہت بڑا دردناک عذاب ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں نیکی کے کام آسان ہیں اکثر گناہ کے کام مشکل ہیں مگر کافر فاسق آسان کام سے منہ موڑتے ہیں اور مشکل کاموں کو خوشی سے کر جاتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کی عبادت ریاضت آسان ہے لیکن کفار جوگیوں راہبوں کی ریاضتیں ترک دنیا وغیرہ سخت مشکل مگر شیطان کے جال میں جکڑے ہونے کی وجہ سے اسلامیات سے روگرانی اور دوری۔ غافل دن میں دو قدم چل کر مسجد تک آنے میں مصیبت سمجھتا ہے مگر تماشے کے لیے سفر وقت اور دولت خرچ کرنے پر خوشی سے تیار ہو جاتا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ شیطان کے وسوسے ڈالنے کے بہت طریقے ہیں سب سے بڑا طریقہ یہ ہے کہ ابلیس یا اُس کا چھوٹا شیطان کندھوں کے بیچ نفس امارہ کے و تھڑے پر بیٹھ کر قلب کی رگ زنجیر شعور ہلاتا ہے تو قلب گناہ کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ کسی جگہ بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے۔

دنیا کی آٹھ چیزوں کا اثر انسانی دل پر وارد ہوتا ہے جس کی بنا پر انسان اچھا یا برا بنتا ہے۔

نمبر۱۔ محفل مجلس۔ نمبر۲۔ کلام۔ نمبر۳۔ کتاب اور تحریری مضامین۔ نمبر۴۔ محبت و عشق۔ نمبر۵۔ حسن وادا۔ نمبر۶۔ آواز سریلی۔ نمبر۷۔ نور۔ نمبر۸۔ نار۔ رب تعالیٰ نے وعظ کلام کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا محفل مجلس کے لیے اولیاء، علماء کو پیدا فرمایا کلام کے لیے کتابوں کو نازل فرمایا۔ محبت و عشق کے لیے اپنی ذات کا تعارف کرایا حسن وادا کے لیے سیرت النبی کو بھیجا آواز کے لیے تلاوت کلام کا حکم دیا۔ نار کے لیے عشق پیدا فرمایا اور نور کے لیے رحمۃ عالمین تشریف لائے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ میدانِ محشر میں کفار کو اپنے سب بداعمال یاد ہوں گے اور اپنے گمراہ کرنے والوں کو بھی پہچانیں گے یہاں تک کہ ابلیس کو پہچان لیں گے حالانکہ دنیا میں صرف نام ہی سنا ہے دیکھا نہیں جب کافروں کی ذہنی کیفیت یہ ہوگی تو مومن کی شان تو اِس سے کہیں بلند ہے۔ للٰذا مومنین بھی سب کو پہچانتے ہوں گے کفار صرف اپنے اچھے عمل بھول جائیں گے جو انہوں نے انسانی ہمدردی میں کئے ہوں گے۔ کفار کے دنیا میں اچھے کام صرف وہی ہیں جو انہوں نے رفاہ عام کے لیے کئے جیسے غریبوں کی دیکھ بھال سڑکیں۔ ہسپتال۔ وغیرہ ورنہ ان کی پوجاپات اور ترک دنیا کی مشقتیں۔ بتوں کی بھینٹ نذرانے تو بالکل ہی بیکار ہیں۔

دوسرا فائدہ۔ ابلیس اور تمام سرکش جنات کو جہنم میں ڈالا جائے گا۔ اگرچہ یہ آگ کے بنے ہوئے ہیں مگر آگ کا عذاب ان کو تکلیف دے گا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی کے گناہ سے خوش راضی ہو اس کو بھی عذاب ہو گا اگرچہ وہ خود گنہگار نہ ہو۔ روایتوں میں آتا ہے کہ وہ لوگ جو اپنے ماتحتوں سے اپنی عبادت پر راضی ہوں وہ بھی جہنم میں اس رضا کی بنا پر بھی ڈالے جائیں گے دیگر کفر اس کے علاوہ ہوں گے یہ فائدہ اِلَّآ اَنۡ دَعَوۡتُكُمۡ الخ

فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ تمام ایمان کی اصل ایمانِ رسالت ہے۔ دیکھو شیطان ابلیس۔ نبوت کے علاوہ سب کچھ مانتا تھا۔ توحید کا قائل جنت دوزخ قبر محشر کا قائل۔ عذاب وثواب پر ایمان تھا۔ صرف نبوت پر ایمان نہ تھا لہٰذا سب کچھ بیکار ہوگیا۔ اور جہنم میں ڈال دیا گیا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اپنے متعلق ایسی بات کہنی یا لوگوں مریدوں شاگردوں عقیدت مندوں سے کہلوانی جائز نہیں جو لائق نہ ہو یا شریعت کے خلاف ہو۔ اسی طرح خاص لباس یا کوئی لفظ لقب یا عمدہ وغیرہ جو اس میں نہ ہو وہ برتنا کبھی کہلوانا یا لکھنا جائز نہیں کل قیامت میں اُسے سزا مل سکتی ہے یہ مسئلہ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ کہ شیطان قیامت کے دن اپنے پر الزام تراشی اور ورغلانے سے منکر ہوگا۔ حالانکہ شیطان کی ان ہی حرکتوں اور پسندیدگیوں نے اس کو جہنم میں ڈالا ہوگا۔ لہٰذا جو پیر خود کو سجدے کرائے۔ یا غیر سید خود کو سید یا شاہ جی کہنے سے خوش ہو یا جاہل شخص علما کا لباس پہنے۔ یا اپنے آپ کو مفتی وغیرہ کہلوائے حالانکہ فتویٰ نہ لکھتا ہو وہ سب اپنا انجام سوچ لیں۔ اس زمانے میں یہ چیزیں فیشن بن چکی ہیں۔ ہم کتنے ہی پڑھے ہوں مگر خود کو ڈاکٹر۔ جج۔ اور کمشنر ایس پی وغیرہ نہیں کہہ اور کہلوا سکتے کیونکہ ایسا کہنے سے حکومت سخت سزا دیتی ہے تو اسلامی خطابات بھی نااہل کے لیے استعمال کرنا حرام ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ دنیوی زندگی میں ایسے کام کرنا جو قرآن وحدیث کی رو سے قابلِ ملامت ہوں حرام ہے۔ کل قیامت میں ایسے کاموں سے بڑی ذلت ورسوائی ہوگی۔ لہٰذا موجودہ زمانے میں ملامتیہ فرقہ گمراہ ہے۔ بلکہ بعض اسی جہالت کی بنا پر کفر تک چلے جاتے ہیں۔ گویا کہ دینی ملامت حرام ہے دنیوی ملامت جائز ہے یہ مسئلہ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا جہنم میں کفار وشیطان کی ایک دوسرے کو ملامت اسی دینی بدعملی کی بنا پر ہوگی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ شیطان نے کہا وَلُوْمُوْا اَنْفُسَكُمْ دنیوی گناہوں پر اپنے آپ کو ملامت کرو۔ اس سے ثابت ہوا کہ بندہ اپنے فعل کا خود خالق ہے۔ نہ کہ باری تعالیٰ اگر رب تعالیٰ خالق گناہ ہوتا تو شیطان کہہ دیتا کہ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلَا اَنْفُسَكُمْ (معتزلی فرقہ)

جواب۔ مفسرین نے دو جواب دیے ہیں نمبر ۱۔ یہ شیطان کا کلام ہے اس سے دلیل پکڑنا بھی شیطانی ہے۔ نمبر ۲۔ مسلکِ اہلسنت ہے کہ خالق گناہ رب تعالیٰ ہے مگر کاسب گناہ بندہ ہے۔ اور ملامت وعذاب کسب پر ہے نہ کہ خلق پر۔ یہ جواب زیادہ مضبوط ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَقَالَ الشَّيْطٰنُ قال فعل ماضی ہے جو گزشتہ کی خبر دیتا ہے حالانکہ یہ قول تو قیامت میں ہوگا۔ **جواب**۔ نحو کا مشہور قاعدہ کلیہ ہے کہ جہاں کوئی

ایسا نشان و قرینہ موجود ہو جو فعل کو التباس اور غلط یا مشتبہ ہونے سے بچالے تو وہاں مضارع کی جگہ ماضی اور ماضی کی جگہ مضارع استعمال کرنا جائز ہے اور اس استعمال کا فائدہ یقین دلانا ہے۔ ماضی کی جگہ مضارع بولنا یہ بتاتا ہے کہ یہ گزشتہ کا اتنا یقینی ہے کہ گویا ابھی ہو رہا ہے اور مضارع مستقبل کی جگہ ماضی بولنا یہ بتاتا ہے کہ یہ کام جو آئندہ ہوگا اتنا یقینی ہے گویا ہو ہی گیا۔ یہاں لَمَّا قُضِيَ الْأَمْرُ وہ قرینہ ہے جو قَالَ ماضی سے ماضی کا اشتباہ دور کر کے مستقبل کو ثابت کر رہا ہے۔ لہٰذا بالکل درست ہے اشتباہ بھی دور ہو گیا اور یقین کا فائدہ بھی ہو گیا۔

تیسرا اعتراض۔ شیطان نے کہا اَشْرَكْتُمُونِ میں تمہارے اس شرک سے انکاری ہوں جو تم نے مجھے کیا۔ شیطان کو تو کوئی نہیں پوجتا۔ ہندو بھی شیطان کو برا سمجھتے ہیں تو یہ بات کیونکر درست ہوئی؟

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ بدھ مت کا ایک فرقہ شنتو نامی شیطان ابلیس کو معبود کہتا ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ۔ شرک بمعنیٰ خدا تعالیٰ کے مقابل کسی کی بات ماننی۔ اس اعتبار سے اللہ رسول کا ہر نافرمان ضدی ہٹ دھرم اور اسلام کا مخالف شیطان کا پجاری ہے۔ **چوتھا اعتراض۔** شیطان نے یہ کیوں کہا کہ مجھ کو ملامت مت کرو۔ حالانکہ اس کے سب کام لائق ملامت و قابل عذاب ہے۔

جواب۔ اس لیے کہ تم اپنے فعل بد پر مجھ کو ملامت نہیں کر سکتے تم نے جو بد عملی کی اپنی خوشی سے کی رہی میری بات تو میں خود اپنے کو ملامت کروں گا یا ملائکہ کی طرف سے یا اللہ کی طرف سے یا مومنین کی طرف سے مجھ پر ملامت کی پھٹکار آئے گی۔ اور عذاب تو آ ہی گیا۔ تم بھی دیکھ رہے ہو۔ **لطیفہ۔** ایک دفعہ چکوال ضلع جہلم میں مرزائی مناظر نے وہابیوں کو اسی بات پر شکست دیدی تھی کہ تم ہم سے مرزا کی نبوت پر مناظرہ نہیں کر سکتے کیونکہ تمہارے قاسم نانوتوی نے خود ختم نبوت کا انکار کیا ہے ہاں ہم سے مناظرہ صرف بریلوی کر سکتے ہیں یا شیعہ لوگ۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اور بولا غرور نفسانی جب واردات تقدیر کا فیصلہ سنا دیا گیا بیشک رب کائنات نے قہر و جمال کے جو وعدے کئے وہ بالکل برحق ہیں اور اس کے مقابل جو متکبرانہ وعدے میں نے کئے تو وہ سب غلط تھے محض ظاہری دکھلاوا دھوکہ اور فریب تھا میں باطل میرے سب کام باطل اور باطل میں کچھ زور و سلطانیت نہیں ہوتی اے اعضاء قالب تم پر میرا کچھ زور نہ تھا صرف غیر مرئی وسوسہ اور راہ ہدایت سے ہٹ جانے کا مشورۂ باطنی ہی تھا جس کو تم نے قبول کر لیا۔ اب محرومی کے جہنم میں ضربات قہر کے وقت مجھ کو برا کہو مت کو سو یہ سب فیاشیاں خرمستیاں تمہاری اپنی ہیں میرا تو صرف بہانہ ڈھونڈا اور تمہارے نفسوں نے خود تم کو خودی کے چکر میں پھنسایا لہٰذا انہی کی مذمت کرو۔ اور اب ملامت سے بھی کچھ

فائدہ ہیں۔ لمحاتِ زندگی وسوائِس نفسانی میں شہواتِ جسمانی میں پھنسنے کے لیے نہیں یہ تو معرفتِ صفاتِ ربانی کے لیے دے گئے ہیں۔ اور معرفتِ صفات کے لیے فکر قلب ضروری۔ فکر کے لیے عقل اور عقل کے لیے تدبّر۔ تدبّر کے لیے حکمت ضروری۔ حکمت ہی خزانۂ قلب ہے اور بندۂ مومن کا انعام ہے۔ اشقیا تابعِ حرص و ہوس ہوکر کورِ چشمی کرتے ہیں۔ حالانکہ فرش سے عرش تک تمام مخلوق اور اُس کے ذرّے وحدانیت کی منہ بولتی نشانیاں اور دلیلیں ہیں۔ ساری کائناتِ ظاہری اور جسیاتِ باطنی اہلِ بصیرت کے لیے کتاب مبین ہے۔ حیاتِ دنیوی اسی فکر غور کے لیے دی گئی ہے مگر میں نے اپنی رذالت سے تم نے اپنی حماقت سے ان بیش لمحات کو گنوا دیا۔ اس لیے آج۔ مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِيَّ اِنِّيْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ مِنْ قَبْلُ اِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ نہ میں تم کو منزلِ مراد تک پہنچا کر تمہاری فریادرسی اور مشکل کشائی کر سکتا ہوں نہ تم میری (مشکل کشا تو اہلِ دل ہوتے ہیں) تم سب نفس پرست ہو آج میں تمہاری اُس پرستش اور عبادت سے بیزار ہوں جو تم نے مغروریت کے ساتھ ادا کیں تم نے غرورِ نفس کے سامنے اسی طرح سرنگوں کیا جس طرح اہلِ ایمان معبودِ حقیقی ربّ کائنات کے سامنے کرتے تھے مومن کی نماز تو قرآن و حدیث کی نیاز مندی سکھاتی ہے علما زاہدین عابدین کا ادب سکھاتی ہے لیکن تم نے نمازیں پڑھیں سر میں غرور رکھ کر سجدے کیے مگر عقل میں فتور رکھ کر۔ یہ عبادت نہیں بلکہ شریعت و طریقت کے ساتھ جفا و ظلم ہے اور بیشک ظالموں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں محرومیِ انوار کا۔ اور آخرت میں ناقابلِ ثواب کا۔ خیال رہے کہ شیطان و نفس کی محبت ہی اُس کی پوجا ہے اور اس کو رب تعالیٰ کا شریک بنانا ہے۔ محبت کا دوسرا نام ایمان ہے۔ مگر حقیقی محبت صرف رب تعالیٰ سے ہے۔ یعنی محبت کی بنیاد تین چیزوں پر ہے۔ نمبر ۱۔ وفا۔ نمبر ۲۔ ادب۔ نمبر ۳۔ مروت۔ محبت خدا کی نشانی اہلُ اللہ کی حرمت ہے۔ اور محبتِ مصطفیٰ کا پہلا انعام مشاہدۂ الٰہیہ میں ثابت قدمی ہے۔ دوسرا انعام نورِ ازلی سے موانست پیدا کرنا ہے۔ جس بندے کو یہ نعمتیں مل جاتی ہیں وہ فراق سے بچ جاتا ہے اور وصلِ انوارِ الٰہی سے چمکتا ہوتا ہے اور اپنے باطن میں عشقِ جمال کی آگ فروزاں دیکھتا ہے۔ مگر تمام کمالات کے لیے دامنِ احمد مجتبیٰ کی ہر مقام پر رہنمائی شرط ہے اسی دروازے کی نسبت غرورِ شیطانی اور تکبرِ ابلیسی سے بچا سکتی ہے۔ ہماری نمازیں روزے صدقہ و خیرات کی پہنچ تو فقط آستانۂ مصطفیٰ تک ہے دروازۂ الٰہیہ تک ہم کسی بھی عمل کے ذریعے نہیں پہنچ سکتے تمام اولیا و علماء ظاہری باطنی روحانی عرفانی وسیلے صرف آستانۂ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم تک پہنچا سکتے ہیں۔ یہ بیاہے نبی کی قوت و اختیار ہے کہ ہر کس وناکس کو پکڑ کر بارگاہِ ربّ کائنات میں پیش کر دیں۔ دین ہو یا دنیا قبر ہو یا حشر۔ ہر جگہ رحمۃ عالمین کی رحمت کی حاجت ہے۔ مخلوق کے لیے وہی اللہ کی طرف سے حاجت روا مشکل کشا۔ فریادرس بنا کر بھیجا گیا لہٰذا اے بندے۔ دونوں عالم کا تجھے منظور گر آرام ہے۔ تو ان کا دامن تھام لے جن کا محمد نام ہے۔

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ

اور داخل کر ہی دیئے گئے وہ جو مومن بنے اور عمل کیے اچھے۔ باغوں میں

اور وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ باغوں میں

تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ

جاری ہیں سے نیچے جن کے نہریں دائمی رہنے والے ہیں وہ میں اس۔ سے اجازت

داخل کئے جائیں گے جن کے نیچے نہریں رواں ہمیشہ اُن میں رہیں اپنے رب کے حکم

رَبِّهِمْ ؕ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ (۲۳) اَلَمْ تَرَ كَيْفَ

رب اپنے کی۔ عزت افزائی اُن کی میں اُن سلام کرنا ہے۔ کیا تم نے نہ دیکھا

سے اس میں اُن کے ملتے وقت کا اکرام سلام ہے کیا تم نے نہ دیکھا

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ

کیسی بیان فرمائی اللہ نے مثال کلام پاکیزہ کی

اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی پاکیزہ بات کی

اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ (۲۴) ۙ تُؤْتِيْٓ

جیسے کہ درخت اچھا جڑ اُس کی قائم اور شاخیں اُس کی میں آسمان دیتا رہتا ہے

جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ قائم اور شاخیں آسمان میں ہر وقت اپنا پھل

اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ؕ وَيَضْرِبُ اللّٰهُ

پھل اپنے۔ ہر وقت۔ سے اجازت رب۔ کی اپنے اور بیان فرماتا ہے اللہ

دیتا ہے اپنے رب کے حکم سے اور اللہ لوگوں کے لئے

الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۵﴾ وَمَثَلُ

تعالیٰ بہت مثالیں لیے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ۔ اور مثال

مثالیں بیان فرماتا ہے کہ کہیں وہ سمجھیں اور گندی بات کی مثال

كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﹰاجْتُثَّتْ مِنْ

کلام برے کی جیسے کہ درخت برا جو کاٹا گیا سے

جیسے ایک گندا پیڑ کہ زمین کے اوپر سے کاٹ دیا گیا

فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿۲۶﴾

اوپر زمین کے نہیں ہے لیے اُس کے کچھ ٹھیرنا

اب اُسے کوئی قیام نہیں

تعلق

اِن آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں جہنمی کفار اور اُن کے رہنماؤں کا ذکر ہوا تھا ۔ اب یہاں جنتی لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں کفار کی آپس میں لعنت ملامت کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں مومن متقی اور اللہ کے پیارے بندوں کے سلام دعا اور آپس کی گفتگو کا تذکرہ ہے ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں بتلایا گیا تھا کہ قیامت میں کفار کے سارے سہارے ٹوٹ جائیں گے اور سب گمراہ کرنے والے اِن گمراہوں کو چھوڑ جائیں گے مگر مومن کی یہ حالت نہ ہوگی مومن مصیبت میں جن اولیا غوث قطب کو پکارتا ہے وہ محشر میں بھی اُن کی مدد کریں گے ۔ اب اِن آیات میں یہ مثال بیان ہو رہی ہے کہ مومن شجرِ طیب کی مثل ہے ۔ اور کافر شجرِ خبیث کی مثل کمزور اور ٹوٹنے والا ہے ۔

تفسیر نحوی

وَاُدْخِلَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ ۔ واؤ سے جملہ اُدْخِلَ فعل ماضی مطلق مجہول باب افعال سے ہے مصدر اِدْخَالٌ ۔ داخل کرنا ۔ متعدی ہے یہاں بمعنی مستقبل ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالت رفع نائب فاعل اُدْخِلَ کا اٰمَنُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر جمع غائب مستتر اس کا

فاعل ہے۔ واؤ سے جملہ۔ عَمِلُوْا فعل ماضی مثبت معروف صیغہ جمع غائب ھُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر اس کا فاعل ہے۔ الف لام۔ استغراقی حرفی۔ یا اسمی بمعنی الّذی۔ صٰلِحٰت جمع مؤنث سالم واحد ہے صَالِحَۃٌ بمعنی درستی والے کام (نیکیاں) یہ سب جملے فعلیے عطف معطوف کے صلے ہوئے اَلَّذِیْنَ کے اور جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم واحد ہے جَنَّۃٌ بمعنی چھپا ہوا باغ چار دیواری وغیرہ میں۔ بحالتِ نصب میں اس پر کسرہ آتا ہے۔ مفعول فیہ ہے اُدْخِلَ کا۔ موصوف ہے۔ تَجْرِیْ فعل مضارع بمعنی حال معروف صیغہ واحد مؤنث جَرْیٌ سے بنا ہے بمعنی بہنا۔ مِنْ جارہ بیانیہ تَحْتِ اسم ظرف ہے۔ معرب ہے مگر تنوین یعنی دو زبر۔ زیر۔ پیش نہیں آسکتی۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل جار و مجرور متعلق ہے تجری کے اَلْاَنْھٰرُ الف لام عہدِ ذہنی اَنْھٰرُ جمع مکسر ہے نَھْرٌ کا بمعنی بہتا ہوا پانی۔ دراصل نہر اس جگہ کا نام ہے پانی پہنچانے کے لیے بنایا جائے لیکن مجازاً اس میں بہتے پانی کو بھی نہر کہدیا جاتا ہے۔ گویا سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا۔ بحالتِ رفع ہے۔ فاعل ہے تَجْرِیْ کا۔ خٰلِدِیْنَ اسم فاعل ہے باب نَصَرَ کا صیغہ جمع مذکر۔ واحد ہے خَالِدٌ خُلْدٌ سے بنا ہے بمعنی ہمیشہ رہنا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع جنّت ہے۔ کیونکہ غیر ذوی العقول جمع کے لیے واحد مؤنث کی ضمیر آتی ہے۔ بِ جارہ بمعنی مَعَ (ساتھ) اِذْنِ اسم مفرد جامد۔ بمعنی۔ مشیت چاہت۔ پسند۔ حکم۔ ارادہ۔ اجازت۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ مجرور ہے بِ جارہ سے متعلق دوم ہے خٰلِدِیْنَ کا۔ متعلق اوّل فِیْھَا ہے۔ مضاف ہے رَبِّ اس کا مضاف الیہ ہے اور مضاف ہے مابعد ھِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا۔ تَحِیَّتُ اسم مصدر حاصل مصدر ہے۔ باب تَفْعِیْلٌ سے ہے دراصل تھا تَحْیِیْیٌ۔ حَیٌّ سے مشتق ہے۔ بمعنی زندگی ملنا۔ زندگی دینا۔ زندہ رہنا۔ دو ی ایک جگہ جمع ہوئیں تو دوسری ی لام کلمہ کو تَ مصدریہ سے بدل دیا۔ اسی سے ہے حَیٰوۃٌ بمعنی زندگی۔ یہاں اسم جامد ہے بمعنی زندگی سلامتی کی دعا۔ قائم مقام سلام ہے۔ یا بمعنی مبارک بادی۔ بحالتِ رفع مبتدا ہے۔ ھِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل اس مصدر کا فاعل مضاف الیہ ہے اگر آپس کا سلام دعا مراد ہو اور اگر مبارک بادی مراد ہو اور اگر فرشتوں کی تحیت مراد ہو تو ھِمْ ضمیر مفعول مضاف الیہ۔ مرجع جنتی لوگ ہیں۔ فِیْ جارہ ظرفیہ ھَا ضمیر مؤنث کا مرجع جنّتٍ ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے تحیت مصدر کا۔ سَلٰمٌ اسم مفرد مذکر نکرہ۔ یا صفت مشبہ ہے سَلْمٌ سے بنا ہے بمعنی۔ ظاہری۔ باطنی آفتوں برائیوں سے بچنا۔ بچا ہوا رہنا۔ یہ بھی دعائیہ فقرہ ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر ہے مبتدا کی۔ اَلَمْ تَرَ کَیْفَ ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا کَلِمَۃً طَیِّبَۃً کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ اَصْلُھَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُھَا فِی السَّمَآءِ اَ ہمزہ استفہام اقراری کے لیے۔ لَمْ تَرَ فعل نفی جحد بلم مضارع معروف بمعنی ماضی مطلق اختیاری۔ صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر فاعل کا مرجع یا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں یا عام انسان یا مسلمان۔ باب ضَرَبَ سے ہے۔ رُأْیٌ۔ مہموز العین اور ناقص یائی سے بنا ہے بمعنی۔ غور کرنا۔ تدبر کرنا۔ سمجھنا۔ دیکھنا۔ فکر کرنا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے کَیْفَ۔ اسم سوالی برائے تعجب

مبنی غیر مُتَمَکِّن اَسْمَاءِ مبہمات میں سے ہے کیف کی تین حالتیں ہیں۔ نمبر ۱۔ ظرف زمانی۔ نمبر ۲۔ ظرف مکانی۔ نمبر ۳۔ ظرفِ مجازی۔ یہاں اِسی حالت میں ہے ظرف ہے تُم تَرَی کا لہٰذا بحالتِ نصب ہے۔ ضَرَبَ۔ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب فاعل اسم ظاہر اَللّٰہُ۔ بابِ ضَرْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ مارنا۔ بیان کرنا۔ یہاں مراد ہے بیان کرنا۔ مَثَلاً۔ اسم تشبیہی ہے۔ انوکھی چیزوں کی تشبیہ کے لیے بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ضَرَبَ کا۔ مُبْدَلُ مِنْہُ ہے کَلِمَۃً کا کَلِمَۃً اِسم مفرد مؤنث دراصل ہے کَلْمٌ تَ تانیث آخر میں لگی۔ کَلْمٌ سے بنا ہے بمعنی زخم لگانا۔ بات کرنا کوئی مفتی کام کرنا۔ کَلِمٌ مذکر کی جمع ہے کَلِمٌ یا اَلْکَلَام یا کَلْم۔ اور کَلِمَۃٌ مؤنث کی جمع کَلِمَاتٌ یہاں کَلِمَۃ سے مراد قولِ الٰہی یا فیصلۂ الٰہیہ۔ بحالتِ نصب ہے بدل تابع ہے طَیِّبَۃً تشبیہ کے لیے شَجَرَۃٍ اسم مفرد نکرہ بحالتِ جر۔ موصوف ہے طَیِّبَۃٍ صفت کا۔ اِس کی جمع مؤنث سالم ہے شَجَرَاتٌ۔ مذکر ہے شَجَرٌ مذکر مکسر جمع ہے اَشْجَار۔ شَجَرٌ سے بنا ہے بمعنی گھنا درخت۔ لمبی شاخیں۔ ڈالیوں والی چیز۔ اِسی معنی میں سلسلۂ نسب و شریعت و طریقت کو شجرہ کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہرا درخت ہے یہ مرکب توصیفی جار و مجرور ہو کر متعلق ضَرَبَ کا۔ اَصْلُ۔ اسم مفرد معرفہ بحالت رفع مبتدا ہے۔ تنوین سے مانع اضافت ہے اس کی جمع ہے اصول۔ اصل کا معنی جڑ۔ قاعدہ۔ ضابطہ۔ یہاں بمعنی جڑ ہے۔ ھَا ضمیر مضاف الیہ ہے لہٰذا مجرور متصل ہے ثَابِتٌ اسم فاعل۔ واحد مذکر کا صیغہ باب نَصَرَ سے ہے ثُبُوتٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ قائم رہنے والا۔ موجود ہونا۔ ظاہر ہونا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ وَاوٌ۔ عاطفہ یا سر جملہ۔ فَرْعُ۔ اسم مفرد معرفہ اس کی جمع ہے فُرُوْعٌ۔ فَرْعٌ کا لغوی ترجمہ ہے ہر چیز کا اوپر والا ظاہری حصہ جو اصل سے بلند ہو۔ سردار کو بھی فرع کہتے ہیں۔ اولاد کو فرع اسی معنی سے کہتے ہیں کہ ماں باپ دنیا سے چھپ جاتے ہیں۔ اور نسل باقی و ظاہر رہتی ہے۔ یہاں مراد ہے درخت کی شاخیں یہ واحد جنسی ہے جو سب شاخوں کو شامل ہوتی یا مراد ہے درخت کا تنا جو واحد ہی ہوتا ہے۔ تب یہ فَرْعُ واحد حقیقی ہے یعنی ایک فرع۔ بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے تنوین سے مانع اضافت ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کی طرف۔ فِی جارہ ظرفیہ اَلسَّمَاءِ۔ الف لام عہدِ ذہنی سَمَاءٌ اسم مفرد معرف باللام۔ سُمُوٌّ سے بنا ہے بمعنی بلندی۔ آسمان۔ یہاں مراد آسمانِ حقیقی ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے۔ موجودٌ یا مرفوعٌ پوشیدہ اسم مفعول کے اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر۔ خبر ہے مبتدا فَرْعُھَا کی۔ تُؤْتِیْٓ اُکُلَھَا کُلَّ حِیْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّھَا وَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ۔ وَمَثَلُ کَلِمَۃٍ خَبِیْثَۃٍ کَشَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃِ نِ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَھَا مِنْ قَرَارٍ۔ تُؤْتِیْ۔ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث غائب باب افعال سے۔ اِس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی آنا۔ لانا۔ دینا۔ یہاں مراد ہے دینا۔ ھِیَ ضمیر مرفوع مستتر اس کا فاعل ہے اُس کا مرجع شَجَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ ہے اُکُلُ اِسم جامد حاصلِ مصدر بمعنی خوراک غذا۔ طعام مراد ہیں پھل بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث مجرور متصل یہ مرکب اضافی نفسی ہے۔ کُلَّ اسم تاکیدی

بحالتِ فتحہ ظرف ہے تؤتی کا۔ مضاف ہے حِیْنٍ کا حِیْنٍ اسم مفرد نکرہ معرب اسم متمکن۔ جب مضاف ہو تو فتحہ پر مبنی ہوتا ہے۔ اس کی جمع اَحْیَانٌ۔ بمعنی۔ مطلق وقت۔ سال۔ مدت۔ ساعت۔ یہاں مراد مطلق وقت ہے یعنی ہر وقت۔ بعض نے کہا بمعنی سال ہے یعنی ہر سال۔ بِ جارہ بمعنی۔ اِذْنِ اسم مفرد بمعنی اجازت مضاف ہے رب اسم مبالغہ صفاتی نام ہے۔ ھَا ضمیر کا مرجع شَجَرَۃٌ طَیِّبَۃٌ واؤ ستر جملہ۔ یَضْرِبُ۔ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب ضَرْبٌ سے بنا ہے بمعنی بیان کرنا۔ اللہ اسم مفرد معرفہ بحالت رفع ہے فاعل ہے۔ الف لام استغراقی اَمْثَالَ جمع ہے مَثَلٌ کی بمعنی تشبیہ کہاوت۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے۔ لام جارہ بمعنی عِنْدَ النَّاسِ الف لام استغراقی ناس اسم مفرد لفظاً واحد ہے۔ معناً سب انسانوں کو شامل ہے۔ واحد جمع مذکر مؤنث بچہ بڑھا۔ عاقل۔ غیر عاقل۔ سب کو۔ نَوْسٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی بھولنا۔ محبت کرنا۔ اس کی تصغیر نویس ہے لَعَلَّھُمْ یَتَذَکَّرُوْنَ فعل مضارع معال صیغہ جمع مذکر غائب۔ باب تَفَعُّلٌ سے ہے۔ ذِکْرٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی۔ یاد کرنا۔ نصیحت پکڑنا۔ چرچہ کرنا۔ واؤ عاطفہ عطف ہے کَشَجَرَۃٍ پر تُؤْتِیْ پورا جملہ فعلیہ صفت ہے شَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ کی۔ وَیَضْرِبُ علیحدہ جملہ فعلیہ معترضہ ہے۔ مَثَلُ۔ اسم مفرد جامد تشبیہی ہے۔ بحالتِ رفع مبتدا ہے۔ تنوین سے مانع اضافت ہے کَلِمَۃٍ۔ مؤنث لفظی ہے۔ بحالتِ جر مضاف الیہ ہے مَثَل کا۔ موصوف ہے مابعد کا۔ خَبِیْثَۃٍ اسم مؤنث واحد ہے اس کی جمع ہے خَبِیْثَاتٌ اس کا مذکر ہے خَبِیْثٌ مذکر جمع ہے۔ خَبَائِثُ جمع سالم ہے خَبِیْثُوْنَ صفت مشبہ ہے۔ خُبْثٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ کمزور۔ بے فائدہ۔ بے پھل۔ بانجھ۔ خراب۔ گندہ۔ ناپاک۔ بدعقیدہ۔ بے دین۔ بددیانت۔ گناہ۔ نقصان دہ۔ یہاں مراد کمزور بے پھل ہے۔ بحالتِ کسرہ ہے صفت کَلِمَۃٍ کی۔ کَ حرفِ جر تشبیہی اسمی ہے ہم معنی مَثَلٌ کمکے کَشَجَرَۃٍ طَیِّبَۃٍ میں بھی ایسا ہی ہے۔ شَجَرَۃٍ اسم مفرد نکرہ عمومیہ موصوف ہے خَبِیْثَۃٍ صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی موصوف ہے مابعد جملے کا۔ اور جار و مجرور متعلق ہے یَکُوْنُ فعل پوشیدہ کا۔ وہ جملہ فعلیہ تامہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی ان تنوین کی عوض ہے۔ اُجْتُثَّتْ فعل ماضی مطلق مجہول مثبت صیغہ واحد مؤنث غائب۔ باب افتعال سے ہے۔ مصدر ہے اِجْتِثَاثٌ۔ جَثٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی۔ جڑ سے اکھیڑنا۔ تنا کاٹنا۔ زمین کے ساتھ ملا ہوا تنا کاٹنا۔ یہاں یہی آخری معنی مناسب ہے۔ مِنْ جارہ بمعنی بِ جارہ یا اپنے ہی ابتداء غایت کے معنی میں ہے۔ فوقِ اسم ظرف معرب ہے کیونکہ مضاف الیہ ظاہر موجود ہے بحالتِ جر ہے مِنْ جارہ سے۔ ظرفِ مکانی ہے اوپر۔ الارض۔ الف لام جنسی۔ اَرْضِ اسم مفرد معرف باللام بمعنی سطح زمین۔ بحالتِ جر ہے مضاف الیہ ہے فوق کا۔ یہ مرکب اضافی جار و مجرور ہو کر متعلق اُجْتُثَّتْ کا اس کا نائب فاعل ھِیَ ضمیر مستتر کا مرجع شَجَرَۃٍ خَبِیْثَۃٍ ہے اور ذوالحال ہے۔ مَا لَھَا جملہ اسمیہ کا۔ مَا نافیہ مشبہ بلیس لَھَا۔ لام جارہ برائے مفعولیت ھَا ضمیر مجرور متصل۔ متعلق ثابتٌ پوشیدہ کا اور یہ جملہ اسمیہ ہو کر اسم ہے مَا کا مِنْ جارہ زائدہ قَرَارٍ اسم مفرد نکرہ۔ بروزن فَعَالٌ ثلاثی مصدر ہے۔ اور یہاں مصدری معنی میں ہی۔

کبھی ظرف بھی ہو جاتا ہے یعنی ٹھیرنے کی جگہ۔ مگر یہاں بمعنی ٹھیرنا ہے۔ قَرَّ سے بنا ہے۔ بحالت کسرہ ظاہر لیکن بلفظاً بحالت فتحہ ہے کیونکہ خبر ہے مَا نافیہ کی۔ مانافیہ کا پورا جملہ اسمیہ ہو کر حال اُجْتُثَّتْ کے نائب فاعل یعنی ضمیر مؤنث کا۔

تفسیر عالمانہ وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ۔ اور داخل کیے جائیں گے۔ ایک قرأت ہے اُدْخِلُ متکلم یعنی میں داخل کروں گا۔ ان لوگوں کو جو ایمان لائے تمام شریعت طریقت معرفت حقیقت پر اور ظاہر و غائب پر حدیث و قرآن پر۔ اور تمام زندگی اچھے اور اللہ رسول کی خوشنودی والے کام کیے ایسے پوشیدہ باغوں ڈھکے چھپے چمن میں جن کے اندر خوبصورت ٹھنڈی میٹھی نہریں جاری ہیں۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کی اجازت سے اس میں ہمیشہ ہی رہیں گے کبھی بھی اس میں سے نکلنا نہ ہوگا۔ احادیث میں ہے کہ جہنم کے فرشتے ڈراونی شکلوں میں نہایت ذلت کے ساتھ دوزخیوں کو پکڑ جکڑ اور گھسیٹ گھساٹ کر دوزخ میں لے جا کر پھینک دیں گے دوزخیوں کے جسموں سے سخت بدبو نکلتی ہوگی اس لیے ملائکہ نفرت سے جلدی پھینک کر باہر نکل آئیں گے۔ مگر نہایت خوبصورت فرشتے بہت شان و شوکت عزت کے ساتھ جلوس کی شکل میں نور کے جھنڈوں کے ساتھ جنتیوں کو بہشت بریں میں لے کر جائیں گے۔ اذنِ الٰہی ہوگا کہ اے پیارے بندو یہ جنت تمہاری ابدی ملکیت ہے۔ اتنی خوشی ہوگی یہ سن کر کہ اگر موت ہوتی تو خوشی سے دل لبریز ہو کر پھٹ جاتے۔ اس جنت میں ہمیشہ تک آنے جانے ملنے ملانے کے وقت اُن کی آپس کی مبارکبادی یا ملائکہ کا استقبال یا باری تعالیٰ کی طرف سے تحیت یعنی پیغام سلام ہوگا۔ قرآن مجید کی آیتوں سے تینوں سلام ثابت ہیں۔ نمبر۱۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ نمبر۲۔ ملائکہ کی طرف سے وَالْمَلٰٓئِكَةُ یَدْخُلُوْنَ عَلَیْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ۔ نمبر۳۔ جنتیوں کی آپس کی ملاقات میں وَیُلَقَّوْنَ فِیْهَا تَحِیَّةً وَّسَلٰمًا۔ یہاں رب تعالیٰ نے بندوں کی عبادتیں بیان فرما کر اُس کے تین ثواب کا ذکر فرمایا۔ نمبر۱۔ ایمان نمبر۲۔ خلوص۔ نمبر۳۔ اعمال صالحہ۔ اس کے بدلے میں جنت تحیۃ اور ہمیشگی۔ گویا بندے کی طرف سے نیکی مکمل ہوگی تو رب کی طرف سے ثواب مکمل ہوگا۔ عمل صالح کی تین علامتیں ہیں نمبر۱۔ محبت لگن۔ نمبر۲۔ صحیح طریقہ۔ نمبر۳۔ اور خلوص۔ اللہ ہم کو توفیق عطا فرمائے۔ چونکہ پہلے بَرَزُوْا۔ میں سب ہی نیک و بد شامل تھے اس لیے سب کی حاضری کی حالت ابتدائی و انتہائی بیان فرمائی۔ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَیَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ اے عشق و محبت کی چاشنی چکھنے والے پیارے بندے کیا تو نے

نہیں دیکھا کہ اللہ کس کس پیار سے مثالیں بیان فرماتا ہے کلمہ طیبہ کی مفسرین نے فرمایا کہ کلمہ طیبہ میں سات قول ہیں یا اس سے مراد کلمہ اول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے یا اس سے مراد قرآن مجید ہے یا اس سے مراد اسلام ہے یا شریعت یا سیرت النبی ہے صلی اللہ علیہ وسلم یا مراد بندۂ مومن مگر عرفا فرماتے ہیں اس سے مراد ذات مصطفیٰ ہے۔ اور سیرت مصطفیٰ کے پندرہ اسباق ہیں۔ اس لیے بندۂ کامل کی پندرہ علامتیں ہیں۔

نمبر۱۔ عہد میں مضبوطی۔ نمبر۲۔ طبیعت میں خوشگواری۔ نمبر۳۔ سیرت و عادت میں پاکیزگی۔ نمبر۴۔ فکر کی بلندی نمبر۵۔ روح میں سرمتی۔ نمبر۶۔ اخلاق میں لطافت نمبر۷۔ جسم میں پاکیزگی۔ نمبر۸۔ معاشرت میں عدل وانصاف۔ نمبر۹۔ معاملات میں حسن سلوک۔ نمبر۱۰۔ سیاست میں دیانت۔ نمبر۱۱۔ قتال میں شرافت۔ نمبر۱۲۔ قلب میں سوز۔ نمبر۱۳۔ مزاج میں ذوق۔ نمبر۱۴۔ عبادت میں خلوص۔ نمبر۱۵۔ ظاہر عجز باطن عشق۔ یہی وہ کلمہ ہے جس کی مثال ایسے درخت کی ہے جو طیب یعنی مضبوط میٹھے پھلوں والا خوشبو والا میند ہرا بھرا گھنا۔ گہرا ہے اُس کی جڑ ثابت یعنی نیچے زمین کی گہرائیوں تک جس کو کوئی طاقت کوئی طوفان نہ ہلا سکے اور اُس کی شاخیں آسمانوں میں پہنچی ہوئیں۔ اپنے پھل ہر موسم میں ہر آن ہر زمانہ ہر گھڑی۔ ہر وقت دیتا ہے۔ اپنے پروردگار کے حکم اور اجازت سے۔ سیرت ذات پاک احمد مصطفیٰ کا مکمل نقشہ کھینچا گیا ہے مومن کی یہی زندگی ہے۔ آستانہ نبوی شجرِ طیبہ ہے ارواح اولیاء اللہ اُس کی شاخیں ہیں پھول احادیث مبارکہ ہیں پھل آیات قرآنیہ ہیں اور اُس کی جڑیں سینۂ مومن تک پہنچی ہوئی ہیں فیضان اولیا علماء اس کے حین ہیں۔ اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ حین کم سے کم ایک منٹ ہے اور زیادہ سے زیادہ چھ ماہ ہے۔ حضرت عبداللہ ابن عمر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے پوچھا بتاؤ شجرہ طیبہ سے کونسا درخت مراد ہے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ میرے دل میں آیا کہ وہ کھجور کا درخت ہے مگر میں جھجک گیا بچہ تھا بول نہ سکا پھر ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے بعد میں مجھ کو اپنے نہ بولنے پر افسوس بھی ہوا میں نے اپنے والد پاک حضرت عمر سے یہ بیان کیا تو اپنے فرمایا کہ اگر تم اُس وقت بیان کر دیتے تو مجھ کو سرخ اونٹ ملنے سے زیادہ خوشی ہوتی۔ یہ عجیب حکمت کی مثالیں ہیں جس کو اللہ قدرتوں والا بیان فرماتا ہے۔ اپنے پاکیزہ عقل و دماغ والے مقدس روحوں والے انسانوں کے لیے تاکہ نصیحت و سمجھداری حاصل کریں۔ ایک قول ہے کہ شجرۂ طیبہ سے مراد جنتی درخت ہے۔ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ جس طرح کلمہ طیبہ ایمان وعرفان کی اور شجرۂ طیبہ مومن وعارف کی مثال ہے اس طرح کفر وکافر کی مثال فرمائی جا رہی کہ خبیث اور ناپاک بات کی مشابہت اُس کمزور بیکار بے پھل، کڑوے کسیلے بدبودار درخت کی طرح ہے جو اکھاڑ پھینکا گیا ہو زمین کے اوپر سے۔ یا اس لیے کہ اُس کی جڑ اتنی چھوٹی تھی کہ درخت کا بوجھ نہ سہار سکے اور درخت اکھڑ کر خود گر گیا۔ یا اس لیے کہ ہوا نے اکھیڑ کر پھینک

دیا۔ یا اس لیے کہ باغ کے ملی نے اس خودرو بیکار بلکہ نقصان دہ پودے کو اکھیڑ پھینکا۔ بہر حال جب زمین پر گرا تو مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ اب اس کو زمین پر اس جگہ کوئی ٹھہرنے نہ دے گا جانوروں انسانوں کی ٹھوکروں سے نہ جانے کہاں کہاں روندا جائے گا۔ اس کے لیے کہیں قرار نہ ہوگا شجر خبیث کے بارے میں محققین کے دس قول ہیں۔ نمبر ۱۔ امام ضحاک کا قول ہے کشوث (نصور) مراد ہے۔ نمبر ۲۔ زجاج کہتے ہیں لہسن مراد ہے۔ نمبر ۳۔ اکثر کا قول ہے حنظلہ (تلیہ) مراد ہے۔ نمبر ۴۔ ہر کانٹے والا درخت۔ نمبر ۵۔ پانی کے اوپر کا ہی۔ نمبر ۶۔ پد بھیڑ۔ (برساتی اور گندی جگہ چھتری والا سفید پودا۔ نمبر ۷۔ بے پھول پھل کا ہر درخت ۸۔ جھاڑی۔ نمبر ۹۔ دودھک (زہریلی بوٹی) نمبر ۱۰۔ ابن عباس فرماتے زمین پر پیدا ہی نہیں ہوا۔ اسی طرح مومن شجرہ طیبہ ہے کافر شجر خبیث عالم عامل شجر طیب ہے بے عمل جاہل شجر خبیث عشق والا شجر طیب ہے نکتہ چین شجر خبیث۔ نگاہِ مصطفےٰ سے نوازا جانے والا شجر طیب ہے۔ پیارے آقا کی نگاہِ کرم سے گر جانے والا شجر خبیث ہے۔

نہ اُٹھ سکے گا قیامت تلک خدا کی قسم
کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے پھینک دیا

جو درِ نبی پر قائم ہوا وہ شجر طیبہ بن گیا جو دور ہوا بے قرار ہوا۔

ٹھوکریں کھاتے پھروگے اُن کے در پر پڑ رہو
قافلہ تو اے رضا اول گیا آخر گیا

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کافروں کی زبان پہلے عربی ہوگی کافی دن بعد میں بدل دی جائے گی اور گدھوں کتوں بلوں جیسی ہو جائے گی جیسا کہ پہلے بیان ہوا مگر جنتیوں کی زبان قبر سے ابدالاباد تک عربی ہی رہے گی۔ اسی لیے ان کو عربی زبان میں ہی سلام کیا جائے گا اس سے ثابت ہوا کہ رب تعالیٰ کو عربی زبان بہت پسند ہے۔ یہ فائدہ تَحِيَّتُهُمْ فِيهَا سَلَامٌ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** اللہ کے نزدیک سب سے بہترین عمل اور خصلت استقامت فی الدین ہے اسی لیے باری تعالیٰ نے مومن صالح کی مثال شجرہ طیبہ کی استقامت دی۔ استقامت کی مختصر اور جامع مانع تعریف یہ ہے کہ جو بھی کار خیر شروع کیا جائے اس پر ہمیشگی ہو پھر نہ چھوٹے اگرچہ تھوڑا ہو۔ یہ فائدہ أُكُلَهَا كُلَّ حِينٍ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** باطل کی سب سے آسان اور بہترین پہچان یہ ہے کہ اس کو اپنی کسی بات میں ٹھہراؤ اور قرار نہیں ہوتا۔ صبح کچھ شام کچھ باتیں کچھ تحریر کچھ کرتے کچھ ہیں کہتے کچھ ہیں تمام باطل اور جھوٹے بد مذہبوں کا یہی حال ہے۔ یہی کیفیت ان کی کتابوں کی ہے۔ کہ پہلے کچھ لکھ دیا بعد میں وہ عبارتیں کاٹ کر دوسری عبارت لکھ دی یہ فائدہ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ سے حاصل ہوا سب تعالیٰ نے غلط فرقوں کی خوب اچھی نشاندہی

فرما دی ہے۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** ۔ ہر مسلمان پر اپنے دوسرے مسلمان سے ملاقات کے وقت سلام کرنا بہت ضروری سنت ہے۔ اور جواب دینا فرض ہے۔ مگر زیادہ ثواب اور درجہ سلام کرنے کا ہے اور یہ ایسی عبادت ہے جو جنت میں بھی جاری رہے گی۔ یہ مسئلہ۔ فِیْهَا سَلٰمٌ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ سلام کرتے وقت وہی لفظ استعمال کرے جس کا ذکر قرآن و حدیث میں منقول ہے۔ السلام علیکم۔ وعلیکم السلام اس میں تبدیلی کرنا۔ یا سلام و جواب میں ایک ہی لفظ بولنا۔ یا کفار کے الفاظ استعمال کرنا ناجائز ہیں۔ ہاں کافروں کے لیے اُن کے لفظ استعمال کر سکتا ہے۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ دین کے لیے دنیوی چیز کا استعمال کرنا مثال دینے کے لیے جائز ہے۔ اس میں دین کی بے ادبی نہیں ہوتی۔ اسی طرح کسی بھی نباتات جمادات حیوانات کی برائی کو کافر کی مثال بنانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ۔ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ** ۔ سلام کرنا سنت ہے اور جواب دینا فرض ہے یہ مسئلہ سلام کو تحیت بنانے سے مستنبط ہوا اس لیے تحیۃ خوشی کی مبارکبادی اور فرض ایک لازمی ذمے داری بن جاتی ہے خوشی کو اس میں دخل نہیں رہتا۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ ابتدائی سلام حضرت آدم نے نورِ مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ کو کیا اس لیے سلام کرنا سنت بن گیا اور جواب رب تعالیٰ نے دیا تھا اس لیے جواب دینا فرض بنا دیا گیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا تَحِيَّتُهُمْ فِيْهَا سَلٰمٌ سلام تو سلامتی کی دعا ہے جنت میں تو ہر تکلیف و مصیبت سے دائمی سلامتی ہے پھر یہ دعا کیوں؟

جواب مفسرین فرماتے ہیں کہ دنیا میں بھی سلام صرف دعا ہی نہیں بلکہ بہت مقاصد کے لیے جاری فرمایا۔ جن میں سے میل محبت اور ملاقات کی اجازت بھی شامل۔ جنت میں یہ سلام صرف مبارکبادی کے طور پر بولا جائے گا۔ اسی لیے اس کو تحیۃ فرمایا۔ یعنی دائمی زندگی مبارک ہو۔ بعض نے فرمایا یہ سلام خبر ہے نہ کہ انشا۔ دعا انشا ہوتی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہے کہ تم کو دائمی سلامتی ہے۔ جب کہ دعا کا معنیٰ ہوتا ہے تم کو دائمی سلامتی ہو۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا اَلَمْ تَرَ کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ نے کیسی مثال بیان فرمائی۔ دیکھا تو واقعہ جاتا ہے۔ مثال اور بیان تو سنا جاتا ہے یہاں چاہیے تھا اَلَمْ تَسْمَعْ کیا تم نے نہ سنی وہ مثال۔ **جواب** ۔ تَرٰی رَاٰیٌ سے بنا ہے۔ جس کا اصلی معنیٰ ہے غور کرنا۔ اس کا معنیٰ دیکھنا جو کیا جاتا ہے وہ بھی قلبی دیکھنے کے معنیٰ میں ہے۔ لہٰذا اب اعتراض کوئی نہ رہا۔ کیونکہ غور و فکر ہر جگہ مستقل بلکہ ضروری ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا تُؤْتِیْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ دنیا میں

تو کوئی ایسا درخت نہیں جو ہر وقت پھل دے تو یہ کس درخت سے تمثیل پیش کی گئی ہے۔

جواب۔ یہاں درخت کی تین خصوصیات بیان کی گئی ہیں۔ نمبر۱۔ جڑ مضبوط۔ نمبر۲۔ شاخیں بلند۔ نمبر۳۔ ہر وقت اس کا پھل ملتا ہے۔ یہ تینوں صفتیں صرف کھجور کے درخت میں پائی جاتی ہیں۔ ہر وقت پھل ملنے کا مطلب یا یہ ہے کہ بازار میں ہر وقت پھل ملتا ہے یہ کھجور ہی کی شان ہے کہ پھل بھی ہے اور غلہ بھی اور لذت اور خوراک میں پھل ہے۔ اور بقا کے اعتبار سے غلہ ہے اور کوئی پھل اپنی اصلی حالت میں بغیر دیکھ بھال کے سال بھر تک نہیں ٹھیر سکتا۔ یا ہر وقت کا معنیٰ یہ ہے کہ بعض کھجوریں سال میں دو دفعہ لگتی ہیں۔ اور ہر وقت ان پر مختلف حالتوں میں پھل اُگے رہتے ہیں ایک موسم اترا کہ دوسرا شروع ہوگیا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا سَلٰمٌ۔ اور داخل کئے جائیں گے وہ لوگ اہلِ سعادت جو اسرارِ غیب پر ایمان لا چکے اور وادیِ سلوک کو لقاءِ شوق کے قدموں سے طے کر کے عمل صالح کی مشقتیں کیں۔ رضاءِ رحمانی کے باغوں میں جن کے نیچے انوارِ تجلیات کی شفاف نہریں جاری ہیں ہمیشہ اُن میں مراقبہءِ باطنی سے لذاتِ وصل میں رہنے والے ہیں۔ اپنے رب کی اذن توفیق سے۔ اُن کے استقبال اُن چمنِ انوار میں سلامتی کے سدا بہار گل دستے جس پردہ شاداں و فرحاں ہیں۔ اگرچہ ان کا ظاہر پراگندہ حال ہو۔ لیکن نہ ہیبت ہے نہ دہشت صوفیا فرماتے ہیں کہ صوفی کی جنت محبت اور محبت ہیبت و انس کے درمیان قلب کو معلق کرتا ہے۔ مگر طریقت اس سے آگے ہے اس کی علامت یہ ہے کہ تعلقِ محبوب اور لقاءِ مطلوب عقلِ خالص پر اس طرح غالب آجائے۔ کہ موت شیریں ہو جائے یہی مقامِ جنتِ عاشقین ہے اسی منزل پر حق کا ظہور ہوتا ہے۔ بندہ کیا ہے؟ بذاتِ خود کچھ بھی نہیں ہے۔ نہ جنتی نہ جہنمی نہ سعید نہ شقی۔ پوست بے مغز ہے مغز بے عدد ہے۔ لیکن کسی سے لگ کر کچھ بنتا ہے اس لیے کہ پھلوں کی قیمت مغز سے ہوتی ہے۔ مکان کی مکین سے اور لوگوں کی قیمت عقل سے ہوتی ہے۔ بندے کی قیمت بندگی سے ہوتی ہے۔ محبت کی آگ اشرار کو فنا کر دیتی ہے اور اسرار کو باقی رکھتی یہی خَالِدِیْنَ فِیْهَا کا نقشہ کامل ہے۔ توفیقِ بندگی اِذنِ الٰہی ہے۔ شریعت کے اعمالِ صالحہ نماز روزہ ہے مگر طریقت کے اعمالِ صالحہ یہ ہے کہ بندۂ صادق سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حَکَم اور حاکمِ بااختیار بنالے اور شیخ کے افعال و حرکات پر بلا اعتراض تعمیلِ حکم کرے اپنے ہر عمل کو حقیر جانے مرشد کا سہارا ہی اصل اذنِ الٰہی ہے لہٰذا خلوص کے دستے کو مضبوطی سے تھامے۔ یہ کام ابتدائی مراحل ہیں اور باعثِ نجات ہیں۔ وادیِ سلوک کی مسافرت کا پہلا قدم تو اگلے اعمال ہیں۔ اَلَمْ تَرَ كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَیِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ تُؤْتِیْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ

اے روحِ کائنات کیا تو نے چشمِ نعوت اور نورِ محبوبیت سے مشاہدہ نہ فرمایا کہ کس شانِ یکتائی اور صفتِ بے نیازی سے مثال بیان فرمائی اللہ نے مومن مخلص کی کہ جس کے سینے میں کلمۂ توحید اور نفسِ طیبہ ہے درختِ حق کی طرح طیب ہے۔ ارواحِ مقدسہ کے چمنِ عرفانی میں اس کی مضبوط جڑ ہے۔ اور توفیقِ کمال سے ثابت ہے اس کی اعمالِ مخلصہ کی شاخیں آسمانِ قربِ الٰہی میں ہیں عنایاتِ ربانی کے پانی سے سیراب ہیں۔ اس کا تنا معرفت اور اس کے پھول محبت ہے اس کے پتے شوقِ دید ہے اس کی چار دیوار رعایتِ خداوندی ہے۔ تمام نفوسِ قدسیہ میں لطائف عبودیت کے پھل دینے والا ہے اور معرفتِ انوارِ ربوبیت کی غذائیں پہنچانے والا ہے۔ کہ ایک مومنِ کامل سے کروڑوں جانوں کی بہارِ زندگی ہے۔ مومن وہ درختِ کبریا ہے جس کی جڑ اطمینانِ ذکر اللہ سے ثابت ہے اور جس کی شاخیں برہانِ الٰہی کے آسمانِ اعتقاد میں ہیں حکمت وحقائق اور معارف کے پھل ہمیشہ ہی اس کی سچائی کی زبان سے بانٹے جاتے ہیں۔

وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيثَةٍ اجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْأَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ۔ اور مثال خبیث کلمے کی جو خبیث بندے کے سینۂ منافقت میں اگا ہوا ہے۔ اس خبیث بدمزہ بدبودار پودے کی شکل ہے جو زمینِ مجد سے جدا کر دیا اور نورِ معرفت کی جڑوں سے کاٹ دیا گیا۔ جس کو کسی حال سکونِ قلبی حاصل نہیں ہو سکتا۔ امام جعفر صادق نے فرمایا۔ وہ شہوتوں کا درخت ہے اس کی زمین نفسِ امارہ ہے اس کا پانی لمبی دنیوی امیدیں ہیں اس کے پتے غفلت وسستی ہے اس کے پھل گناہ ہیں اس کا انجام نارِ جہنم ہے اور وہ اس آگ کا ایندھن ہے۔

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي

باقی رکھتا ہے اللہ ان کو جو مومن بنے رہے پر بات مضبوط کے ہیں

اللہ ثابت رکھتا ہے ایمان والوں کو حق بات پر دنیا

الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ

زندگی دنیوی اور میں آخرت اور گمراہ کرتا ہے اللہ

کی زندگی میں اور آخرت میں اور اللہ ظالموں کو گمراہ

الظّٰلِمِیْنَ ۙ وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ۲۷ اَلَمْ تَرَ اِلَی

ظالموں کو اور کرتا ہے اللہ جو چاہتا ہے ۔ کیا نہیں دیکھا تم نے طرف

کرتا ہے اور اللہ جو چاہے کرے کیا تم نے انہیں

الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ

اُن کے جنہوں نے بدل ڈالا نعمت کو اللہ کی ناشکری کرکے اور لاڈالا قوم کو اپنی

دیکھا جنہوں نے اللہ کی نعمت ناشکری سے بدل دی اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر

دَارَ الْبَوَارِ ۲۸ جَهَنَّمَ ۚ یَصْلَوْنَهَا ؕ وَبِئْسَ الْقَرَارُ ۲۹

گھر میں ہلاکت کے وہ جہنم ہے گھس جائیں گے یہ سب اُس میں اور برا ہے ٹھکانہ

لا اُتارا وہ جو دوزخ ہے اُس کے اندر جائیں گے اور کیا ہی برے ٹھیرنے کی جگہ

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّیُضِلُّوْا عَنْ سَبِیْلِهٖ ؕ قُلْ

اور بنا ڈالے اِن کافروں نے لیے اللہ کے برابر تاکہ گمراہ کرتے رہیں سے راہ اُس کی ۔ تم فرماؤ

اور اللہ کے لیے برابر والے ٹھیرائے کہ اُس کی راہ سے بہکادیں تم فرماؤ

تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِیْرَكُمْ اِلَی النَّارِ ۔

کچھ نفع لے لو کیونکہ پھرنا ہے تمہارا طرف آگ کے

کچھ برت لو کہ تمہارا انجام آگ ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں شجرِ طیبہ اور اُس کے ثابت اور مضبوط ہونے کا ذکر ہوا تھا ۔ لیکن واضح نہیں ہوا تھا کہ شجرِ طیبہ کون ہے ۔ اب اِن آیات میں شجرِ طیبہ کی صفات یعنی ثابت ہونا باقی ہونا مومن میں بیان فرماکر

یہ واضح کیا گیا کہ مومن ہی اسلام کا شجرِ طیب ہے۔ **دُوسرا تعلق** - پچھلی آیات میں شجرِ خبیث اور اُس کی صفات خبیثہ کا ذکر ہوا مگر واضح نہ ہوتا تھا کہ دنیا میں شجرِ خبیث کون ہے۔ اَب اِس جگہ کفار کے جہنم میں بُرے قرار کا ذکر فرما کر اشارہ فرما دیا کہ کافر ہی شجرِ خبیث ہیں۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیات میں اَلَم تَرَ فرما کر اپنے پیارے حبیب کی توجہ اپنی قدرت اور کلام الٰہی کی طرف مبذول کرائی تھی۔ اب اِن آیات میں اَلَم تَرَ فرما کر کفار کی حرکتوں کی طرف توجہ فرمانے کا دوبارہ حکم دیا گیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم ہر طرف متوجہ ہونے کی قدرت رکھتے ہیں۔

تفسیر نحوی

يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ ۚ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ يُثَبِّتُ فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب تفعیل سے اِس کا مصدر ہے تَثْبِيْتٌ۔ ثَبْتٌ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ قائم رکھنا۔ روک رکھنا۔ جمائے رکھنا۔ حکم لگا دینا۔ باقی رکھنا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں اللّٰہ اسم مفرد معرفہ عَلَم ذاتی ہے خالق تعالیٰ کا بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے يُثَبِّتُ۔ اسم موصول جمع مذکر بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے اَلَّذِيْنَ کا۔ اٰمَنُوْا فعل ماضی مطلق معروف مثبت باب افعال سے ہے مصدر ہے اِيْمَانٌ۔ اَمْنٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ ماننا تسلیم کرنا۔ اسلام قبول کرنا۔ یہاں یہی معنی ہے۔ هُمْ ضمیر جمع مستتر (پوشیدہ) اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے اَلَّذِيْنَ۔ بِ جارہ بمعنی عَلٰی الف لام عہدی (خارجی یا ذہنی) قَوْلِ اسم مفرد جامد۔ حاصل مصدر۔ بمعنی۔ حکم۔ فیصلہ۔ بات۔ وعدہ یہاں وعدۂ ایمانی مراد ہے موصوف ہے اَلثَّابِتِ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْ ثَابِتٌ اسم فاعل باب نَصَرَ سے ہے ثَبْتٌ سے بنا ہے۔ بمعنی مضبوط۔ قائم۔ دائم۔ یہاں ہر معنی درست ہے۔ بحالتِ جر ہے صفت قول کی جار و مجرور متعلق اوّل ہے يُثَبِّتُ کا۔ فِيْ جارہ ظرفیہ زمانیہ۔ الف لام استغراقی حَيٰوةِ اسم مفرد جامد بمعنی زندگی۔ موجودگی۔ بحالتِ جر ہے فِيْ جارہ سے۔ موصوف ہے۔ الف لام جنسی یا اسمی بمعنی اَلَّذِيْ۔ دُنْيَا۔ اسم تفضیل مؤنث اِس کا مذکر ہے اَدْنٰى دُنُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی۔ قریب ہونا۔ حقیر ہونا۔ عالَمِ ناسوت کا زمانۂ قیام۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے پہلے فِيْ پر۔ فِيْ جارہ ظرفیہ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْ۔ اٰخِرَةِ اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث۔ اٰخِرٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے آنا۔ پیچھے ہونا۔ بعد میں ہونا۔ عالَمِ بقا۔ قیامت۔ یہاں مراد ہے عالَمِ بقا۔ بحالتِ کسرہ مجرور ہے فِيْ سے۔ یہ پوری عاطفہ عبارت متعلق دوم ہے يُثَبِّتُ کا۔ واؤ سرِ جملہ۔ يُضِلُّ۔ فعل مضارع معروف باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِضْلَالٌ۔ بمعنی گمراہ کرنا۔ گمراہ ہونے دینا۔ چھوڑے رکھنا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہیں۔ اللّٰهُ اسم مرفوع فاعل ہے يُضِلُّ کا۔ الف لام استغراقی ظالمین۔ اسم فاعل جمع ہے ظالِم کی۔ ظُلْمٌ سے بنا ہے۔ بمعنی نقصان کرنا اپنا یا کسی کا۔ کفر کرنا۔ شرک کرنا۔ یہاں آخری دو معنی مراد ہیں جمع مذکر سالم بحالت فتحہ ہے۔ مفعول بہ ہے۔ واؤ سرِ جملہ۔ يَفْعَلُ۔ فعل مضارع معروف باب فَتَحَ سے ہے۔ فِعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی کوئی ایسا کام کرنا جس کا کوئی اثر باقی

ہے اَلشَّرُ بحالت رفع اس کا فاعل ہے۔ مَا اسم موصول بحالت فتحہ ہے مفعول بہ یَفْعَلُ کا۔ غیر ذوی العقول کے لیے اصالۃً۔ مگر ذوی العقول کے لیے مستعمل ہے۔ یَشَآءُ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ واحد مذکر مستتر اس کا فاعل۔ مرجع ہے اَللّٰہُ۔ باب فتح سے ہے اس کا مادہ ہے شَیْءٌ بمعنی چاہنا۔ یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے مَا موصول کا۔ اور مفعول بہ ہے یَفْعَلُ کا اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ کُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ یَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ ہمزہ استفہام تعجب کے لیے ہے۔ لَمْ تَرَ فعل نفی جحد بلم مضارع معروف بمعنی ماضی صیغہ واحد مذکر حاضر خطاب ہے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ رَاٰیٌ سے مشتق ہے بمعنی باغور و فکر دیکھنا۔ اِلٰی جارہ انتہا کے لیے ہے اَلَّذِیْنَ بَدَّلُوْا اسم موصول کا صلہ ہے۔ فعل ماضی مطلق معروف مثبت باب تفعیل سے ہے صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر جمع اس کا فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ہے مصدر ہے تَبْدِیْلٌ۔ بَدَلٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ اچھا چھوڑنا برا لینا۔ تغیر کرنا۔ بدلنا۔ ہٹانا۔ یہاں پہلے معنی مناسب ہیں۔ نِعْمَتَ اسم مفرد مؤنث۔ بمعنی نفع والی چیز۔ بلا معاوضہ ملنے والی چیز۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے۔ مضاف ہے اللّٰہ مضاف الیہ ہے اس لیے مجرور ہے۔ کُفْرًا۔ مصدر مادہ ہے بمعنی۔ شرک۔ یا ناشکری۔ حال ہے بَدَّلُوْا کا یا مفعول فیہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ عطف بَدَّلُوْا پر۔ اَحَلُّوْا۔ باب افعال کا ماضی مطلق معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے اِحْلَالٌ۔ حَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی حلال ہونا۔ لازم ہے باب افعال میں تعدی پیدا ہوئی۔ بمعنی حلال کرنا۔ کھولنا۔ حلول کرنا یعنی گھومنا۔ حَلّ کرنا یعنی آسان کرنا۔ اُتارنا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ هُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے اس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ قَوْمَهُمْ۔ یہ مفرد لفظاً واحد معنًی جمع ہے۔ بحالت نصب مفعول بہ ہے اَحَلُّوْا هُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ دَارَ اسم مفرد جامد بمعنی گھر بحالت فتحہ اَحَلُّوْا کا مفعول فیہ ہے اس کی جمع ہے دِیَارٌ مجازاً ہر اس جگہ کو دار کہا جاتا ہے جس میں کوئی گھر جائے اسی معنی سے چار دیواری۔ قلعہ۔ شہر اور جہان کو دار کہا جاتا ہے۔ اَلْبَوَارِ الف لام جنسی یا عہدی۔ بَوَارٌ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ بروزن فعال بُوْرٌ سے مشتق ہے بمعنی کھوٹ۔ برائی۔ ملاوٹ۔ مبالغہ نے زیادتی کے معنی پیدا کئے یعنی بہت کھوٹ۔ اصطلاح میں ہلاکت کے معنی میں ہے۔ جَهَنَّمَ اسم مفرد جامد متغیر عجمی ہے۔ فارسی سے لیا گیا ہے۔ دوزخ کا نام ذاتی ہے بحالت نصب ہے عطف بیان ہے دَارَ کا۔ یَصْلَوْنَ۔ فعل مضارع معروف مثبت صیغہ جمع مذکر غائب بمعنی مستقبل کیونکہ خبر ہے آئندہ کی۔ باب فتح سے ہے۔ صَلْیٌ سے بنا ہے بمعنی داخل ہونا۔ هُمْ ضمیر جمع غائب مستتر فاعل کا مرجع قوم ہے۔ هَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع جَهَنَّمَ ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول فیہ ہے۔ واؤ حالیہ۔ بِئْسَ فعل ذم اس میں هُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع دار ہے وہ مخصوص بالذم ہے اور اَلْقَرَارُ اس کا فاعل ہے اَلْقَرَارُ الف لام عہدی۔ یا زائدہ حرفی ہے۔ قَرَارٌ اسم مصدر ثلاثی ہے بمعنی مَقَرٌّ اسم ظرف بمعنی ٹھہرنے کی جگہ آرام کی جگہ

آرامی جلد۔ بحالت رفع ہے۔ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۔ و ابتدائیہ (مع جملہ) جَعَلُوْا فعل ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ جمع مذکر غائب ہُم ضمیر جمع غائب اس میں مستتر ہے وہ اس کا فاعل ہے اور مرجع الذین ہے باب فتح سے ہے۔ جعل۔ سے مشتق ہے بمعنی بنانا۔ گردانا۔ لِلّٰهِ۔ لام جارہ مقابلہ۔ اللہ اسم مفرد معرفہ بحالت کسرہ ہے متعلق ہے جعلوا کے۔ اَنْدَادًا۔ جمع مکسر منصرف جمع نِدّ کی۔ اسم جامد ہے بمعنی ذات میں شریک۔ یعنی برابر۔ مثل کے معنی بھی برابر ہوتے ہیں مگر وہ صفات میں شریک ہونے کی برابری کے لیے مستعمل ہے۔ لام کے تعلیلیہ یا سببیہ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ اس کے جزم ہی کی وجہ سے آخر کا نون اعرابی گر گیا۔ دراصل تھا يُضِلُّوْنَ باب افعال سے ہے۔ اس کا مصدر ہے اِضْلَال۔ ضَلَّ سے مشتق ہے متعدی ہے بمعنی۔ راہ سے ہٹانا غلط راہ پر چلانا۔ یا صحیح راہ سے روکے رکھنا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ عَنْ جارہ مجاوزت کے لیے یعنی ہٹانے کے لیے یا فقط زوالِ شی کے لیے ہے یا زوالِ حق اور وصولِ خیر کے لیے۔ سَبِيْل۔ اسم مفرد مضاف۔ مصدر ثلاثی ہے بروزن فعیل ریل۔ سَبَلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ نشان لگانا۔ دامن چھوڑنا۔ راستہ بنانا۔ سبیل کے معنی ہے کھلا اور آرام دہ راستہ مراد ہے شریعت اسلام اس کی جمع ہے سُبُل ہ ضمیر کا مرجع اللہ ہے۔ قُلْ۔ فعل امر حاضر معروف۔ صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ ضمیر متصل منفصل اس کا فاعل ہے مرجع ذات پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تَمَتَّعُوْا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر منفصل اس کا فاعل ہے۔ اور مرجع کفار مکہ ہیں باب تفعّل سے ہے۔ مَتَعٌ سے بنا ہے۔ بمعنی نفع لینا۔ فائدہ اٹھانا۔ یہ امر تہدیدی ہے۔ دھمکی۔ فَ عاطفہ زائدہ یا بیانیہ۔ اِنَّ حرف تحقیق مُغَیّر۔ مصدر میمی ہے۔ صَارَ فعل ناقصہ کا بمعنی۔ لوٹنا۔ پھرنا۔ رجوع کرنا۔ بدل جانا۔ تبدیلی آ جانا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ بحالت نصب ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا۔ تنوین سے مانع مضاف بنا ہے۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ ہے مصیرکم۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے ہے۔ اَلنَّار۔ الف لام عہد خارجی یعنی جہنم۔ نار اسم مفرد جامد معرف باللام۔ بمعنی لغوی تپش جلن۔ تیز روشنی جو ناپسندیدہ ہو اصطلاح میں آگ کو کہتے ہیں خواہ کسی حالت میں ہو۔ یہاں مراد ہے سارا جہنم (عالم دوزخ) بحالت کسرہ ہے۔ اِلٰی جارہ سے۔ تنوین سے مانع الف لام ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے واقع یا واجب پوشیدہ اسم فاعل کے اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ خیال رہے کہ معرب پر تنوین سے مانع صرف تین چیزیں ہوتی ہیں۔ نمبر ۱۔ اضافت میں مضاف ہونا۔ نمبر ۲۔ الف لام تعریفی کا آنا۔ نمبر ۳۔ غیر منصرف ہونا۔ یہ نحو کا قاعدہ کلیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ۔ یہی کلمہ طیبہ جو شجر طیب

کی طرح بلند وبالا سر سبز وشاداب سدا بہار ہے اس کے ذریعے ثابت وقائم فرماتا ہے اللہ تعالیٰ قادر وقیوم اُن خوش نصیب لوگوں کو جو اپنے اللہ رسول کی ہر ہر ادا ہر ہر چیز پر نہایت صدق دل سچی زبان سے ایمان لے آئے ثابت مضبوط دل نشین جال گذین پیارے نورانی قول بنا کر زبانِ مومن پر جاری کر کے اور قلبِ مومن میں ثابت کر کے دنیا کی زندگی میں اس طرح کہ اسی کلمۂ ایمانی قولِ عرفانی اور کلام ربانی کے ذریعہ بندۂ مخلص ولی غوث قطب بن جاتا ہے۔ اور عالم محدث مفسر بن جاتا ہے۔ صابر وشاکر عابد بن جاتا ہے۔ مفکر مدبر متحمل بن جاتا ہے ہزار ہا مصائب کو دل وجان سے برداشت کر لیتا ہے۔ ظالم کے ظلم کے سامنے برداشت کا پہاڑ بن جاتا ہے۔ شیطانی فریب کاریوں سے دھوکا نہیں کھاتا۔ معاشرے میں پیکرِ خُلق ومروت اور بااصول باشعور بن جاتا ہے۔ یہی کلمہ طیبہ اہلِ ایمان کو سکون واطمینان سے دل بخشتا ہے۔ وادیٔ تشکوک کی گمراہیوں سے بچاتا ہے۔ مومن مسلمان اسی کلمۂ طیبہ کی وجہ سے ورد ذکر واذکار سے تزکیۂ روح کے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ کلمۂ ایمانی کا نعرہ بلند کرنے والوں کو کتنی مشکلات مصائب اور ابتلا کا سامنا کرنا پڑا مگر کہیں بھی رب تعالیٰ نے ان حوصلہ مند جفاکشوں کے قدموں۔ قلبوں اور زبانوں میں ذرہ بھر تزلزل نہ پیدا ہونے دیا۔ سابقہ زمانوں میں حضرتِ یحییٰ۔ ذکریا علیہما السّلام اور جرجیس شمعون۔ اُصحابِ اُخدود۔ اصحابِ کہف پھر صحابہ کرام۔ حضرت بلال صہیب خُبیب مہاجرین صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کتنے کتنے اِن پر ظلم ہوئے ظالموں کافروں نے اُن کے ساتھ کونسا ظلم چھوڑا اسی کلمے کو چھڑانے کے لیے ہزاروں ظلم عذاب سزائیں ڈھائیں بھڑکتی آگ کھولتا تیل لوہے کی کنگیاں ان کے جسموں پر آزمائی گئیں۔ پہاڑوں سے گرایا گیا۔ بچوں کو ننگا ہوں کے سامنے ذبح کیا زندہ جلایا گیا تپتے ریت پتھر پر لٹایا گیا اونٹ گھوڑے سے باندھ کر دوڑایا گھسیٹا گیا۔ پھر اولیاء اللہ سے سرکشوں لشکروں۔ شیطانوں ابلیسوں نے کیا کچھ نہ کیا۔ کتنے ہی روپ بدل بدل کر غوثِ اعظم جیلانی جیسی پاکباز۔ ہستی کو دھوکہ دینے کی کوشش کی پھر ۱۹۴۷ء میں ان ہی کلمہ گو مسلمانوں کو ہند میں دہلی آگرہ امرت سر میں کس بے دردی سے قتل کیا گیا آج فلسطین بیروت شتیلا کیمپ میں مسلمان بچوں عورتوں، مردوں بوڑھوں پر کتنے ہی ظلم کئے جا رہے ہیں پسے کبھی اسپین قرطبہ غرناطہ میں انگریزوں عیسائیوں نے عہد شکنی بد عہدی کرتے ہوئے کتنے عربوں کو ہلاک کیا اور ہر طرح کے ظلم ڈھائے یہ سب کچھ بدسلوکی مسلمانوں سے اسی کلمۂ طیبہ اور توحیدِ الٰہی کی بنا پر کی گئی مگر کسی بھی مسلمان کا دل نہ گھبرایا نہ کلمہ چھوڑا۔ اس لیے کہ یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ کا ربانی وعدہ ہر مومن کے قلب وجگر میں شمع نورانی کی مثل روشن ہے یہ کلمہ پاک آخرت میں بھی مومن کامل کو مفید ہے چنانچہ آخرت کی پہلی منزل قبر میں جب منکر نکیر تشریف لاتے ہیں تو تین سوال کرتے ہیں یہ سوالات آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ پاک سے شروع ہوئے۔ عذاب قبر تو پہلے سے تھا مگر سوالاتِ قبر آقائے کائنات کی بعثت سے شروع ہوئے یہ امت پر کرم ہے کہ پہلے سوالات کئے

جاتے ہیں پھر ناکامی یا کامیابی کے بعد ثواب و عذاب شروع ہوتا ہے مگر پہلے آتے ہی عذاب یا ثواب شروع ہو جاتا تھا منکر نکیر کے دو سوال پہلے یہ ہیں۔ نمبر۱۔ مَنْ رَّبُّكَ تیرا رب کون ہے۔ نیک بندہ جواب دیتا ہے۔ رَبِّيَ اللّٰهُ میرا رب اللہ ہے۔ نمبر۲۔ پھر سوال ہوتا ہے مَا دِيْنُكَ تیرا دین کیا ہے دِيْنِيَ الْاِسْلَامُ بندہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ نمبر۳۔ تیسرا سوال عجب شان کا ہوتا ہے اہلسنت تو دنیا میں ہی اس کی چاشنی سے انتظارِ موت میں ہیں ہیں خطا کار و روسیاہیوں کے باوجود بھی منتظرِ موت ہوں کہ سزا تو بدعملی کی ملنی ہی ملنی ہے مگر دیدارِ جمالِ آقا تو نصیب ہو ہی جائے گا۔ ان دو سوالوں کے بعد ایک طرف سے کھڑکی کھلتی ہے نور و خوشبو کی فضائیں پھوٹ پڑتی ہیں۔ بندہ محوِ نظارۂ جمال مصطفےٰ ہوتا ہے مَا تَقُوْلُ فِيْ حَقِّ هٰذَا الرَّجُلِ (ترمذی شریف) اِس نورانی جمالِ جہاں آرا والے چہرۂ انور کے بارے میں دنیا میں کیا کہتا تھا۔ سُنی تو تڑپ کر بولے گا یہ میرے آقا یہ میرے مولا۔ بدبختی تو دنیا آخرت میں اُن لوگوں کے لیے ہے کہ جن کے بارے میں ارشاد ہوا۔ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ اللہ گمراہ کرتا ہے ظالموں کو دنیا میں اس طرح کہ نیکیوں سے دوری ولیوں سے علیحدہ مجلس علما سے فرار دماغ میں انتشار دولت کا خمار۔ بے اطمینانی پریشانی۔ تفکراتِ دنیا کا ہجوم۔ شعر

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند
روز و شب در زق زق و در بک بک اند

نہ توفیقِ خیر نہ مروتِ خیر ہر بات میں نکتہ چینی ہر چیز میں شک بدگمانی۔ نہ صیامِ دن نہ قیامِ شب۔ یہی ظالموں کی دنیوی گمراہی ہے بھٹکنے ٹھوکریں کھانے کی باری ہے پھر جب آغوشِ موت میں پہنچ کر کانٹوں بھری آخرت کی پہلی منزل قبر میں آتے ہیں تو وہاں پریشانی حیرانی کی نئی مشکلات کا سامنا ہوتا ہے حساب میں ناکامی امتحانِ قبر میں لاجوب۔ حدیث پاک میں ہے کہ بدکار فاسق۔ کافر ہر سوال کے جواب میں کہتا ہے ہاہ لَا اَدْرِيْ ہائے میں نہیں جانتا۔ جو لوگ کہتے تھے وہی میں کہدیتا تھا۔ یہ خیر و شر۔ توفیق و بے توفیقی ہدایت و گمراہی یہ اللہ تعالیٰ کے حکمت کے فیصلے میں اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّ اَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ اِس آیت میں اِن ظالموں کی نشاندہی فرمائی جارہی ہے کہ اے پیارے نبی کیا تم نے اُن خبیثوں کی طرف نہیں دیکھا جنھوں نے اللہ کی نعمت کو کفر کرکے بدل ڈالا۔ یا اس طرح کہ ان کو فائدہ برکتیں انوارِ تجلیات حاصل کرنے کے لیے ہم نے ہر طرح کی نعمتیں عطا فرمائیں مگر انھوں اپنی بدنصیبی سرکشی سے اس سے کچھ فائدہ حاصل نہ کیا یا اس طرح کہ ناجائز فائدہ اٹھایا۔ یا اس طرح کہ بخیلی کرتے ہوئے نہ فائدہ اُٹھایا نہ اٹھانے دیا یا اس طرح کہ جن کو نعمت ملی اس نے تو اپنی جہالت ناواقفی کی بنا پر فائدہ نہ اٹھایا دوسروں نے اس کی چیزوں سے دنیا آخرت کا فائدہ اٹھالیا یا اس طرح کہ ناشکری مغروری کی جس وجہ سے نعمت چھین لی گئی خیال رہے کہ دنیا میں جس کسی کو جو بھی دولت عزت وزارت

عمارت بادشاہت ملتی ہے وہ آخرت سنوارنے کے لیے ملتی ہے یہاں تک کہ مقدس مقامات کی رہائش بھی اُخروی خیر و برکت حاصل کرنے کے لیے عطا کی جاتی ہے۔ خانہ کعبہ حرم مکہ۔ مدینہ منورہ بیت المقدس۔ بغداد شریف وغیرہ میں وطنیت اور رہائش بمناسب تعالیٰ کی نعمت ہے خوش بخت اس کی اہمیت پہچانتے ہوئے غفلت خرمستی کو ترک کر کے ادب احترام اور شکرانے میں لمبی زندگی گزارتے ہیں مگر شیطانی لوگ حرم پاک حرمین طیبین میں رہتے ہوئے بھی قرآن۔ کعبہ اور روضہ پاک کی گستاخی بے ادبی ہی کی زندگی گزار جاتے ہیں۔ خود بھی ہلاک ہوتے ہیں اور اپنے ماتحتوں پیروکاروں کو بھی تباہی بربادی والے گھر جہنم میں ڈال دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ ابدی طور پر چلے جاتے ہیں اُس جہنم میں اور وہ انتہائی سخت گندا غلیظ برا ٹھکانہ ہے ذراسی عقل والا بھی اس میں کبھی جانے کے لیے آمادہ نہ ہو۔ کیسی اندھی عقل ہے کفار کی کہ اتنے سمجھانے کے باوجود پھر بھی دوزخ سے بچنے کی ذرا کوشش نہیں کرتے۔ خیال رہے کہ کفر کی زندگی تین حصوں میں اس طرح تقسیم ہے کہ بچپن پستی میں۔ جوانی غفلت و مستی میں اور بڑھاپا سستی میں گزرتا ہے۔ آخرت کا خیال بھی نہیں آتا۔ مگر مومن کی زندگی اس طرح ہے کہ بچپن علم کی آغوش میں جوانی عبادت کے ہوش میں۔ بڑھاپا خدا کے خوف میں گزرتا ہے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ ان ظالموں ناشکروں کافروں نے۔ انبیا کی ضد میں ان کی تعلیم شریعت قانون وعظ و نصیحت سے بچنے کے لیے ایک بہانہ بناتے ہوئے اللہ کے شریک گھڑ لیے ہیں۔ اس طرح کہ خود ہی لکڑی پتھر لوہے کے بُت بنائے اور مورتیاں تراشیں اور خود ہی اُن کی عبادت شروع کر دی۔ بقول شخصے۔

ع۔ خدا تراش لیا اور بندگی کر لی

اور اپنی سوچ سے ہی اللہ کے نام ان کو دے لیے مثلاً اِلٰہ۔ معبود۔ وغیرہ۔ یہ کیوں کیا؟۔ صرف اس لیے تاکہ اللہ کے راستے سے شریعتِ اسلامیہ کے بنائے قانون انبیاء کرام کے وعظ و نصیحت سے ان کو بھاگنے گمراہ ہونے کا اور دوسروں کو گمراہ کرنے کا موقعہ ہاتھ لگ جائے بہانہ مل جائے اور دنیا کے سامنے بات کر سکیں کہ ہمارے پنڈت پادری گرو راہب تو یہ کہتے ہیں ہم تو اُن کی مانیں گے ہماری وید بائبل۔ گرنتھ ہیں تو نعمتیں استعمال کرنے آخرت سنوارنے کا وہ حکم نہیں لکھا جو انبیاء نے بتایا۔ ایک تفسیری قول اس طرح ہے کہ انہوں نے اللہ کے شریک اس لیے گھڑ لیے تاکہ وہ شریک گمراہ کر دیں اُن کو۔ کچھ تو وہ شریک بنائے جن کو خود تراش لیا اور کچھ وہ شریک بنائے جن کو رب تعالیٰ نے پیدا کیا ہے مثلاً سورج ملائکہ۔ آسمان درخت۔ گائے۔ آگ۔ اور کچھ وہ شریک بنا لیے جو حقیقت میں اللہ کے برگزیدہ بندے ہیں مثلاً حضرت یسوع مسیح کو ابنُ اللہ بنا ڈالا یا حضرت علی کو رب کہہ کر اُن کی فوٹو کو یا خود ساختہ مزار کو پوجنا شروع کر دیا جیسا کہ نجف میں ہوتا ہے۔ یہ سب دنیوی کھیل ہیں اے پیارے نبی ان سب گمراہوں سے فرما دیجئے۔ اپنے بنائے دین کا نام لے لے کر چند دنیا کے دنوں میں خوب عیاشی نفس پرستی خواہشات کی لذت بے غیرتی بے حیائیوں کے مزے لوٹ لو پھر ایک

آخر کار تمہارا دائمی لوٹنا تو آگ کی طرف ہی ہے۔ آج دنیا پرستوں کا بھی تقریباً یہی حال ہے دین کی جو بلت ان کی عیاشی اور خواہشات نفسانیہ میں رکاوٹ بنتی ہو اس کی مخالفت کے لیے طرح طرح کے بہانے تراشے جاتے ہیں علما کو تنگ نظر کہا جاتا ہے۔ نام مولوی اور ملا کا لیا جاتا ہے لیکن مخالفت اسلام قرآن اور حدیث پاک کی جاتی ہے۔ ان سب کی آخری منزل نارِ جہنم ہے۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ عذاب قبر برحق ہے جو کفر کی بنا پر تو لازمی ہے مگر بعض گناہوں کی وجہ سے بھی ہوتا ہے جیسے چغل خوری۔ اور ناپاک کپڑوں میں رہنا۔ یہ فائدہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** اگرچہ ہر عمل کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ مگر کسب بندے کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ۔ يُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ۔** ناشکری اصل علامت کفار کی ہے۔ اور نعمت کو چھوڑنا۔ استعمال نہ کرنا یا غلط استعمال کرنا سب ناشکری میں داخل ہیں۔ اور یہ سب حرکتیں نعمت بدلنے کے معنی میں ہے یہ فائدہ۔ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ۔** جہنم کفار کا ٹھکانہ اور رہائش گاہ ہے۔ مگر گنہگار مسلمان کی فقط گزرگاہ کی شل ہے۔ یہ فائدہ۔ بِئْسَ الْقَرَارُ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان پر آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و نعت دشمنا فرض ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہیں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نبی کریم کی کسی چیز کی ذرہ توہین کرنا کفر ہے۔ یہ مسئلہ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ۔** ہر مسلمان پر فرضِ منصبی ہے کہ دنیوی نعمتوں کو اس طرح استعمال کرے کہ وہ نجاتِ اُخروی کا ذریعہ بن جائیں اور صرف تمتع ہی نہ ہوں بلکہ عبادتِ دائمی ہوں یعنی حلال طریقے سے استعمال میں لائے۔ اس لیے کہ کافر۔ ان نعمتوں کو برتتا ہے تو اس کا برتنا محض وقتی نفع ہے۔ یہ مسئلہ قُلْ تَمَتَّعُوْا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ہر چیز میں حقوق اللہ اور حقوق العباد و حقوق النفس کا خیال رکھنا مومن کی نشانی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اللہ ظالموں کو گمراہ کرتا ہے۔ حالانکہ بہت سے ظالم نیک طیب متقی بلکہ ولی اللہ بن جاتے ہیں۔ غوثِ اعظم کی کرامت بھی مشہور ہے کہ آپ نے چوروں کو قطب بنا دیا اور بچپن میں ڈاکوؤں کو نیک بنا دیا۔ پس مطابقت کیسے ہو۔

جواب۔ ظالم جب تک ظلم پر قائم رہے گا اس کی سب باتیں حرکتیں اور اعمال گمراہی ہی ہوں گے اور نقصان وہ یہ نہیں

ہو سکتا کہ ظالم ظالم بھی رہے اور متقی یا ولی اللہ بھی بنا دیا جائے۔ ہاں جب جستجوئے حق پر راغب ہوگا تو توفیق الٰہی سے دستگیری بھی پائے گا۔ دوسرا جواب یہ کہ تقدیر میں جن کا کافر و ظالم ہونا مقدرِ ازلی ہو چکا ہے وہ گمراہی میں ہی جائیں گے۔ تیسرا جواب یہ کہ قیامت میں اللہ تعالیٰ جنت کے راستے سے دور فرمائے گا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ کفار نے اللہ کا شریک بنایا تاکہ اللہ کے راستے سے گمراہ ہو جائیں۔ حالانکہ مشرکین کا مقصود تو یہ نہیں ہوتا وہ تو سمجھتے ہیں کہ ہم بتوں کے ذریعے خدا کے قریب ہو رہے ہیں خود قرآن مجید میں دوسری جگہ اس طرح ارشاد ہے مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى تو یہ مطابقت کس طرح ہوگی۔؟

جواب۔ لِيُضِلُّوْا میں لام عاقبۃ کا ہے نہ کہ غرض کا۔ یعنی بت پرستی اور شرک سے کفار کی غرض خواہ کچھ ہو مگر گمراہی اتنی یقینی اور قریب ہے کہ گویا شرک کیا ہی اس لیے ہے۔ اور یہ جملے تو عام محاوروں میں مستعمل ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو بار بار منع کیا جاتا ہو کہ باہر نہ نکلنا پھر بھی نکل جائے اور کسی کوئیں میں گر جائے تو کہا جاتا ہے کہ یہ بدبخت نکلا ہی گرنے کے لیے تھا اسی طرح یہاں ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا قُلْ تَمَتَّعُوْا تم فرما دو کہ نفع حاصل کر لو۔ اور دوسری آیت میں ہے کہ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ کفار نے ایسی تجارت کی جس کا نفع بالکل نہیں ہے۔ دونوں آیتیں تضاد بیانی بتلاتی ہیں مطابقت کس طرح ہوگی۔

جواب۔ اعلیٰحضرت کے ترجمے نے اس کا جواب دے دیا کہ تَمَتَّعُوْا کا معنی برتنا ہے۔ خیال رہے کہ متع اور ربح میں چار طرح فرق ہے۔ نمبر ۱۔ متع وہ نفع ہے جو اپنی ذات کے لیے ہو۔ ربح وہ نفع جو مال کے لیے ہو۔ نمبر ۲۔ متع سے مال کم ہوتا ہے ربح سے مال بڑھتا ہے۔ نمبر ۳۔ متع کا اثر فانی ہے ربح کا اثر باقی ہے۔ نمبر ۴۔ متع باطنی نفع۔ اور ربح ظاہری نفع۔ اس سب کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص اپنی دکان کی چیزیں پھل غلہ دانہ خود کھا رہا ہے بیچتا نہیں ہے اور دوسرا دکاندار اپنا مال دھڑا دھڑ بیچ رہا ہے۔ پہلے نے جو فائدہ حاصل کیا وہ متع ہے چند دن میں دکان ختم ہو جائے گی۔ چند دن کی عیاشی ہے۔ دوسرے دکاندار کا نفع۔ ربح ہے دکان ختم نہ ہوگی سودا بھی بڑھتا جائے گا اور گھر دولت بھی ڈھیروں لے جائے گا۔

تفسیر صوفیانہ يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِى الْاٰخِرَةِ وَيُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِيْنَ وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ اس دنیائے ناسوت میں اہلِ ایمان دو قسم کے ہیں کچھ تو صاحبِ اعمال ہیں کچھ صاحبِ احوال۔ صاحبِ اعمال کی سیر منازلِ شریعت میں ہے اور صاحبِ حال کی سیر ملکوتِ یزدانی میں ہے۔ عمل والوں کا تعلق قبر میں شروع ہوتا ہے لیکن صاحبِ حال کا تعلق ابد الآباد تک ثابت رہتا ہے اس طرح کہ اللہ ثابت فرماتا ہے ایمانی جوہر والوں کو مضبوط قول یعنی اسم اعظم سے کہ ان کے سینۂ منور میں کلمہ طیبہ قائم ہو جاتا ہے۔ دنیوی زندگی یعنی جسم ظاہری پر اور اخروی زندگی یعنی قالبِ باطنی میں ثابت فرماتا ہے

اللہ اُن کی روحوں کو ذکر اللہ کے انوار جاری رکھتا ہے اُن کی سیر کو ملکوت آسمانی میں اور طاری رکھتا ہے ان کی پرواز کو عالم جبروت میں۔ فکر کے پردوں سے۔ اور نفی واثبات کی تجلی قائم فرماتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ عالم قلم پر چلتا ہے اور عابد قدم پر چلتا ہے۔ اور زاہد لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے دو پروں پر اُڑتا ہے۔ جو اس وادیٔ جذب میں دنیا کا طالب بنا وہ ظالم ہوا اور اللہ ظالموں کو ویرانۂ غرور میں گمراہ کر ڈالتا ہے۔ وہ ذات بے نیاز ہے جو ارادہ فرماتا ہے وہ کرتا ہے۔ راہ شوق بڑا نازک مقام ہے۔ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ كُفْرًا وَّاَحَلُّوْا قَوْمَهُمْ دَارَ الْبَوَارِ جَهَنَّمَ يَصْلَوْنَهَا وَبِئْسَ الْقَرَارُ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا لِّيُضِلُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ قُلْ تَمَتَّعُوْا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ اِلَى النَّارِ۔ اے نور فطرت کیا تو نے اُن بدبختوں کی طرف غور نہ فرمایا جنہوں نے ہدایت اصلیہ اور نور فطری کی نعمت کو بدل لیا حجاب کے کفر اور بدعملی کی گمراہی سے اور جسم ظاہر کے تمام اعضا کو جنہوں نے ان بدخصلت نفسوں کے کہنے پر بُرے فعل کئے ہلاکت فنا کے گھر اور وادیٔ محرومی کی جہنم میں پھینک دیا اور متاع دنیا۔ عیاشی شہوت۔ حرص ہوس کو اللہ کا شریک اُس کے مقابل بنا ڈالا۔ کہ جو محبت اس انسان کو اللہ سے کرنی چاہیئے تھی وہ دنیاداری سے کرنے لگے۔ حالانکہ یہ دنیا وہ ہے کہ جس نے اُس کی طرف نگاہ کی یا توجہ پھیری اسی کو اُس نے نفسانی خواہشات میں گم کر دیا۔ اور دنیا سازی و متاع فانی میں اس طرح پھنسا کہ ایک لمحہ بھی خدا کی یاد نہ آئی۔ اے فطرت سلیم اہل نفس کو کہدے چند دن کی عیش و عشرت ہے پھر ابدی محرومی کی آگ میں دائمی ٹھکانہ ہے۔ اسمٰعیل نے تین نعمتوں کو بدلا تین خصلتوں سے۔ نمبر ۱۔ نعمت معبودیت کو بدلا کفر سے۔ نمبر ۲۔ نعمت خالقیت کو بدلا دہریت اور وجود صانع کے انکار سے نمبر ۳۔ رزاقیت کو بدلا ناشکری و جحود سے۔ اور روح بدن اور نفسوں کو دوری بارگاہ کی گمراہی اور رضاء الٰہی کی محرومی میں تباہ کر دیا۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے دل اندھے اور دماغ گونگے ہو گئے۔ تم فرماؤ کہ شہوات کی لذتوں کا کچھ نفع لے لو آخری انجام حسرت کی آگ ہی ٹھکانا ہے۔ نفس کو محرومی ہے اور قلب کو حسرت ہے۔ شریعت میں یہ خطاب کافر سے ہے مگر طریقت میں یہ خطاب غافل سے ہے۔

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ

فرما دیجئے کو بندوں میرے وہ جو ایمان لائے کہ قائم رکھیں نماز کو اور

میرے ان بندوں سے فرماؤ جو ایمان لائے کہ نماز قائم رکھیں اور

يُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً مِّنْ

خیرات کریں سے اُس جو رزق دیا ہم نے اُن کو پوشیدہ نفلی اور ظاہر فرضی سے

ہمارے دیئے میں سے کچھ ہماری راہ میں چھپے اور ظاہر خرچ کریں اُس دن

قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۔ اَللّٰهُ

پہلے اس کے کہ آئے وہ دن نہیں ہے تجارت میں جس اور دوستانہ ۔ اللہ

کے آنے سے پہلے جس میں نہ سوداگری ہوگی نہ یارانہ اللہ ہے

الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ

وہ ہے کہ پیدا کیا جس نے آسمانوں اور زمین کو اور اُتارا طرف سے

جس نے آسمان اور زمین بنائے اور آسمان سے پانی اُتارا تو اُس سے کچھ پھل تمہارے کھانے کو

السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

آسمان کے پانی تو نکالا ذریعہ اُس کے سے پھلوں رزق بناکر

پیدا کئے

لَّكُمْ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ

لیے تمہارے اور عاجز کیا لیے تمہارے کشتی کو تاکہ تیرے میں دریا

اور تمہارے لیے کشتی کو مسخر کیا کہ اُس کے حکم سے دریا

بِاَمْرِهٖ ۚ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۚ ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ

سے حکم اُس کے اور عاجز کیا لیے تمہارے نہروں کو ۔ اور عاجز کیا لیے تمہارے

میں چلے اور تمہارے لیے ندیاں مسخر کیں اور تمہارے لیے سورج اور

الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَیْنِ ج وَسَخَّرَ لَکُمُ

سورج کو اور چاند کو کہ مسلسل چلنے والے ہیں اور عاجز کیا ہے تمہارے

چاند مسخر کئے جو برابر چل رہے ہیں اور تمہارے لیے

الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ج ﴿۳۳﴾

رات اور دن کو

رات اور دن مسخر کئے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے خطاب فرمایا۔ اب ان آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں سے مخاطب ہونے کا ذکر ہے۔ گویا کہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے حبیب ہماری قدرتوں کو دیکھتے رہو اور کافروں پر کوئی نگاہ رکھو اور باتیں صرف مومنوں سے فرماؤ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں کفار کا نعمت کو بدلنے کا ذکر ہوا تھا کہ وہ ناشکری کے کفر سے اللہ کی نعمت چھنوا بیٹھے ہیں اب یہاں وہ طریقہ بیان ہو رہا ہے جس کو اختیار کرنے سے یہ نعمت تبدیل ہو نہ چھینی جائے یعنی راہ خدا میں خیرات کرنا۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کافر لوگ بتوں وغیرہ کو اللہ کے برابر سمجھتے ہیں اب فرمایا جا رہا ہے کہ ۔ آسمان زمین اور کائنات کی ہر چیز تو خالق کائنات اللہ رب العزت نے پیدا کی ہے یہ ان بتوں کو کس چیز میں اللہ کے برابر بناتے ہیں۔

تفسیر نحوی قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَۃً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْہِ وَلَا خِلٰلٌ ۔ قُلْ فعل امر معروف واحد مذکر قَوْلٌ اجوف واوی سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ امر کا ترجمہ ہے تم فرماؤ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے خطاب ہے۔ لام جارہ بمعنی مفعولیت عِبَادِ جمع ہے عبد کی بمعنی بندے ی ضمیر متکلم واحد کا مرجع اللہ تعالیٰ مراد ہیں عبادت گزار لوگ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول مبہمات میں سے ہے۔ مبنی اصل ہوتے ہیں بحالت جر ہے بدل ہے یا نعت ہے عباد کی۔ اٰمَنُوْا۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ باب اِفعال سے ہے مصدر ہے اِیْمَانٌ ۔ بمعنی اسلام قبول کرنا۔ اَمْنٌ اس کا مادہ ہے ماننا۔ اس میں آنا یہاں ماننا مراد ہے یُقِیْمُوْا ۔ فعل امر صیغہ جمع مذکر غائب باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِقْوَامٌ اور اِقَامَۃٌ ھُمْ ضمیر جمع مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع عباد ہے الصَّلٰوۃَ ۔ اسم مفرد

جامد بمعنی نماز بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے۔ واؤ عاطفہ عطف ہے یُقِیْمُوْا۔ یُنْفِقُوْا فعل امر غائب معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ باب افعال سے ہے۔ مصدر ہے اِنفاق نَفْقٌ سے بنا ہے بمعنی۔ خرچ کرنا۔ خیرات کرنا۔ مِمَّا۔ دو لفظ ہیں۔ مِنْ جارہ۔ تبعیضیہ۔ اور مَا موصولہ۔ جار و مجرور کا پورا جملہ متعلق ہے یُنْفِقُوْا کا رَزَقْنَا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم نَحْنُ۔ ضمیر جمع متکلم مستتر اس کا فاعل ہے مرجع ذاتِ باری تعالیٰ۔ باب نَصَرَ سے ہے رِزْقٌ سے بنا ہے بمعنی نعمت۔ نفع والی چیز۔ ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع عِبَادُ ہے سِرًّا۔ اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے اَسْرَارٌ بمعنی چھپی بات۔ دل کا راز۔ پوشیدہ کام۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ بحالتِ نصب ہے حال ہے یُنْفِقُوْا کا واؤ عاطفہ۔ عطف ہے سِرًّا پر۔ عَلَانِیَةً اسم مفرد جامد معطوف ہے اس لیے بحالتِ نصب ہے بمعنی ظاہر ظہور۔ مِنْ جارہ زائدہ۔ قَبْلِ اسم ظرف ہے بمعنی پہلے چار طرح مستعمل ہے۔

نمبر۱۔ قبل زمانی وہی یہاں مراد ہے۔ نمبر۲۔ قبل مکانی۔ نمبر۳۔ قبل رتبی (درجے اور مرتبے میں پہلے ہونا) نمبر۴۔ قبل ترتیبی ہمیشہ مضاف ہوتا ہے جب مضاف الیہ ظاہر ہو تو اسم متمکن ہوتا ہے یعنی عامل کے مطابق زبر۔ زیر آتا ہے۔ قبلَ۔ قبلِ وغیرہ جب مضاف الیہ محذوف منوی ہو تو مبنی ہوتا ہے ضمہ پر یہاں بحالتِ کسرہ ہے مِنْ سے۔ اگلی عبارت اس کی مضاف الیہ ہے۔ اَنْ حرفِ ناصبہ مصدریہ۔ یَاْتِیَ۔ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ بحالتِ نصب ہے اَنْ ناصبہ سے۔ یَوْمٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی دن۔ وقت۔ زمانہ۔ یہاں تینوں معنی بن سکتے ہیں۔ بحالتِ رفع فاعل ہے یَاْتِیَ کا۔ موصوف ہے مابعد عبارت کا۔ لَا۔ حرفِ نفی۔ عمل میں لیس کے مشابہ ہوتا ہے۔ بَیْعٌ اسم نکرہ مفرد مصدر مادہ احوف یائی ہے۔ بمعنی بیچنا اسم ہے لَا کا۔ فِیْہِ۔ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجودًا کا اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لانافیہ کی۔ واؤ عاطفہ عطف ہے بَیْعٌ پر۔ لَا نافیہ۔ دوبارہ اس لیے آیا کہ بقاعدہ نحوی جب لا مشبہ بلیس کے اسم پر کسی کا عطف ہو اور معطوف علیہ معطوف دونوں نکرہ ہوں تو تکرار لا۔ واجب ہے۔ خِلَالٌ۔ اسم نکرہ بحالتِ رفع کیونکہ تابع عطفی ہے بَیْعٌ کا۔ بعض نحات نے کہا یہ مصدر ثلاثی ہے بَیْعٌ مصدر کی مطابقت کی بنا پر۔ بمعنی مخالۃٌ۔ یعنی دوستی لگانا۔ دوست بننا۔ بعض نے کہا یہ اسم مکسر ہے خُلَّۃٌ کی بمعنی دوست۔ ولی محبت والے۔ مددگار۔ بروزن قِلَالٌ قُلَّۃٌ اور رِجَالٌ رَجُلٌ۔ بحالت رفع ہے کیونکہ عطف تابعی ہے بَیْعٌ پر اور لانافیہ اپنے معمولات سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے یَوْمٌ کی یَاْتِیَ جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ ہے قبل کا۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَللّٰہُ۔ اسم مفرد ذاتی علم ہے۔ بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے اَلَّذِیْ۔ اسم موصول واحد مذکر مرفوع ہے۔ خَلَقَ۔ فعل ماضی مطلق متعدی ہے۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع اللّٰہُ ہے السَّمٰوٰتِ۔ الف لام استغراقی۔ سمٰوات۔ جمع ہے سَمَاءٌ کی واؤ عاطفہ۔ عطف ہے سمٰوات پر۔ الف لام استغراقی ارض۔ اسم مفرد مؤنث لفظی۔ بحالت رفع۔ معطوف علیہ معطوف مفعول بہ ہے خَلَقَ کا اور جملہ فعلیہ خبر ہے مبتدا اللّٰہُ کی۔ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ واؤ عاطفہ عطف ہے اگلی ساری عبارت کا پہلی عبارت خَلَقَ پر۔ اَنْزَلَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے مصدر ہے اِنْزَالٌ متعدی ہے۔ نُزُوْلٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے اتارنا اترنا۔ اوپر سے نیچے آنا۔ مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے ہے۔ الف لام عہد ذہنی سَمَآءِ اسم مفرد جامد ہے بمعنی آسمان۔ یا بمعنی بلندی۔ اگر معنی آسمان ہوں تو مِنْ بمعنی سُوْ (طرف) مَآءً، اسم ۔ ۔ ۔ ترجمہ ہے پانی تنوین تنکیری ہے بحالت فتح ہے مفعول بہ ہے۔ فَ۔ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ بالتراخی۔ اَخْرَجَ۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب افعال اِخْرَاجٌ مصدر متعدی سے ہے اَنْزَلَ اور اَخْرَجَ دونوں میں ھُوَ ضمیر مستتر ہے جو ان کا فاعل ہے اور مرجع اللہ ہے ب حرف جر سببیہ ہے۔ ہٖ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر کا مرجع مَآءً ہے۔ مِنْ حرف جر بعضیت کے لیے۔ الف لام استغراقی یا جنسی۔ ثَمَرٰت۔ اسم معرفہ جمع مؤنث سالم واحد ہے ثَمَرَۃٌ مؤنث ہے ثَمَرَۃٌ۔ اس کی جمع مکسر ثِمَارٌ ہے ترجمہ ہے پھل فروٹ۔ رِزْقٌ۔ اسم مفرد جامد بحالت فتحہ مفعول لہٗ ہے۔ یا حال ہے ثَمَرٰت کا۔ بمعنی نفع والی چیز۔ خواہ دنیوی یا دینی بدنی۔ روحانی۔ اصطلاح میں غذا کو رزق کہا جاتا ہے۔ مجازاً پھلوں کو بھی رزق کہدیا جاتا ہے۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل متعلق ہے اَخْرَجَ کا۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے اَنْزَلَ پر سَخَّرَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر واحد مذکر فاعل ہے جس کا مرجع اللہ ہے۔ باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تَسْخِیْرٌ۔ سَخْرٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ۔ قابو میں کرنا۔ قابو میں دینا۔ مقرر کرنا۔ عاجز کرنا۔ جبراً کام میں لگانا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر مذکر حاضر مجرور متصل متعلق ہے سَخَّرَ کے۔ الف لام استغراقی ہے فُلْكَ۔ اسم معرفہ جمع ہے۔ بروزن اُسُدٌ۔ اس کا واحد بھی فُلْكٌ ہوتا ہے بروزن قُفْلٌ۔ ترجمہ ہے کشتیاں بحالت نصب ہے۔ مفعول بہ ہے سَخَّرَ کا۔ لِتَجْرِيَ۔ لام کے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ لام برائے علت ترجمہ ہے تاکہ۔ تَجْرِيْ۔ فعل مضارع معروف مثبت صیغہ واحد مؤنث غائب باب ضَرَبَ سے ہے جَرْيٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی بہنا۔ جاری ہونا۔ رینگنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں منصوب ہے۔ لام کی وجہ سے۔ فِيْ جارہ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام جنسی بَحْرٌ اسم مفرد جامد ہے اس کی جمع ہے بِحَارٌ۔ ترجمہ ہے دریا۔ سمندر۔ بِ جارہ سببیہ اَمْرٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی حکم۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ہے اللہ جار و مجرور متعلق ہے تَجْرِيْ کے۔ واؤ عاطفہ۔ عطف سَخَّرَ ماقبل پر۔ سَخَّرَ۔ فعل ماضی۔ باب تفعیل سے ہے۔ سُخْرٌ سے بمعنی عاجز کرنا پست رہنے دینا۔ ھُوَ مستتر کا مرجع اللہ ہے۔ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر ان تمام ضمیروں کا مرجع عباد ہیں خواہ مومن۔ خواہ کافر۔ الف لام استغراقی اَنْهٰرٌ اسم جمع مکسر منصرف جمع ہے نَهْرٌ کی بمعنی۔ بناوٹی کھودی ہوئی خواہ بڑی خواہ چھوٹی نالی مگر یہاں اصطلاحی معنی مراد ہیں یعنی نہروں میں جاری پانی۔ گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد ہے بحالت فتحہ ہے

مفعول بہ ہے سخر کا۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ واو عاطفہ عطف ہے پہلے سخر۔ پر سخر۔ فعل ماضی تسخیر مصدر ہے بمعنی کام میں لگانا۔ لام جارہ نفع کا کُم ضمیر کا مرجع تمام بندے (عباد) جار و مجرور متعلق ہے سخر۔ کا۔ الف لام عہد خارجی شمس۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی ہے اِس کی تصغیر شُمَیْسَۃٌ ہے اس کی جمع شموس ہے مجازی جمع ہے کیونکہ حقیقۃً شمس کائنات میں ایک ہی ہے اس کو منطق میں کلی ممکن الوجود فرد واحد کہا جاتا ہے۔ ترجمہ سورج آفتاب۔ سبب مجاز کی بنا پر دھوپ کو بھی شمس کہہ دیا جاتا ہے بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ سخر کا۔ واؤ عاطفہ ہے شمس پر۔ الف لام عہدِ خارجی قمر اسم مفرد جامد ہے اس کی جمع ہے اقمارٌ یہ بھی مجازی جمع ہے کیونکہ دنیا میں ایک ہی چاند ہے۔ قمر اسم جنسی ہے اسم صفاتی تین ہیں۔ نمبر۱۔ ہلال۔ نمبر۲۔ بدر۔ نمبر۳۔ مہاک بحالتِ فتحہ ہے بوجہ عطف تابع۔ ترجمہ ہے چاند۔ دائبین اسم تثنیہ فاعل ہے اس کا واحد دائبٌ ہے دأبٌ مہموز العین سے بنا ہے بمعنی مسلسل چلنا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے شمس و قمر کا یا صفت ہے اس کی۔ واوٗ عاطفہ۔ عطف ہے پہلے سخر پر لکم اس کا متعلق ہے۔ الف لام استغراقی لیل۔ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے لیالی لفظی مذکر ہے۔ بمعنی رات مفتوح ہے منعول بہ ہے سخر کا۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے لیل پر۔ الف لام جنسی۔ نہار۔ اسم مفرد جامد ہے بمعنی روشن دن طلوع اور ظہور آفتاب کا زمانہ اگرچہ بادل یا دھند سے پوشیدہ ہو۔ یعنی دن دھاڑ۔ بعض لوگوں نے اس کو اسم جنس مانا ہے۔ اُن کے نزدیک اِس کی جمع کوئی نہیں۔ حالانکہ اس کی جمع ہے نُھُوْرٌ یا نُھُرٌ یا اَنْھُرٌ۔ بحالتِ فتحہ ہے تابع عطف ہے لیل پر۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ لِعِبَادِيَ الَّذِينَ آمَنُوا يُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ سِرًّا وَعَلَانِيَةً مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خِلَالٌ ......

اِس حیات دنیوی میں کافر کو بھی قُل سے خطاب ہے اور مومن کو بھی۔ مگر کافر کو تہدید ہے مومن کو تنبیہ ہے۔ کافر کو مہلت ہے مومن کو عجلت ہے۔ کافر کو بیزاری ہے مومن کو تلقین ہے اسی لیئے کافر کو تمتعوا فرمایا جارہا ہے اور مومن کو یُقِیمُوا اور یُنفِقُوا کا کس پیارے انداز سے خطاب ہے کہ اے پیارے نبی فرما دیجئے میرے اِن بندوں کو جو سچے پکے مخلص ہو کر اللہ رسول کی ہر چیز پر ایمان لے آئے ہیں۔ وہ ہر وقت نماز کو اپنے دل و جان جسم و روح سے قائم رکھیں اس طرح کہ نفل سنت فرض کا بھی پورا اہتمام ہو اور شریعت کا بھی پورا قانون ہو دلیں عشق الٰہی ہو جسم پر طریقۂ مصطفائی ہو۔ باطن میں سوز و گداز ہو اور ظاہر میں فقہ کا لحاظ ہو۔ پوری طہارت اہتمام سے تکبیر تحریمہ خدا کے خوف سے قیام ذوق سے۔ رکوع ادب سے سجدہ لذت سے اور قعود عجز و انکسار سے سلام مروت سے دعا التجا سے۔ اور یہ ساری عبادت عشق ایسے خشوع سے ہو کر محبتِ الٰہیہ سے قرب کی معراج بن جائے۔ اور نماز سے فارغ ہو کر اللہ کے رزق سے جو بھی ہم نے ان کو رزق دیا ہے خوب خرچ کریں۔ اپنے پر۔ اپنوں پر پرایوں پر آل پر اولاد پر رشتے داروں پر۔ مسجدوں مدرسوں

پر والد استاد مرشد پر۔ پوشیدہ بھی یعنی نفلی صدقہ و خیرات ختم ایصال ثواب مال بھی دینی اور انسانی ہمدردی میں خرچ کریں اور علم ہنر بھی اور علانیہ ظاہر ظہورًا اعلان کر کے یعنی فرضی واجبی زکوٰۃ صدقات قربانی فطرانہ وغیرہ فقہاء کرام اور اہلِ شریعت فرماتے ہیں کہ۔ اقامۃ نماز کی بارہ شرطیں ہیں۔

نمبر۱۔ تینوں مکمل طہارتیں۔ جگہ۔ لباس۔ جسم۔ نمبر۲۔ خوف الٰہی۔ نمبر۳۔ خشوع یعنی نماز حاضری بارگاہ باری تعالیٰ سمجھ کر انتہائی ادب سے ادا کرے۔ نمبر۴۔ خضوع یعنی نہایت عاجزی اور ہیبت سے۔ نمبر۵۔ ساری چیزوں سے زیادہ نماز کا اہتمام کرے۔ نمبر۶۔ نماز عشق سے پڑھے۔ نمبر۷۔ وقت پر پڑھے۔ نمبر۸۔ ہر وقت نماز کے خیال میں رہے نمبر۹۔ خیال کی یکسوئی پیدا کرے۔ نمبر۱۰۔ الفاظِ نماز کی ادائیگی اور طریقہ نماز کے صحت کا بہت خیال رکھے فقہ کے مسائل یاد کرے جاہل آدمی کو نماز اُس کے منہ پر ماری جائے گی۔ اللہ بچائے۔ نمبر۱۱۔ غرور و تکبر اور غصہ ختم کرے اگر کوئی مسئلہ بتائے تو عاجزی سے سنے اور اُس کا خیال رکھتے عمل کرے ورنہ ذرا بھی نماز میں غلطی نماز کو برباد کر دیتی ہے۔ نمبر۱۲۔ کسی بھی نماز سے ریاکاری کا ارادہ نہ کرے خواہ ظاہر کر کے پڑھے یا پوشیدہ۔ خیال رہے کہ نفلی عبادت ظاہر کر دینا یا کسی کو بتانا سخت گناہ ہے۔ اور فرضی واجبی عبادت چھپانا گناہ ہے۔ ان شرعی شرائط پر مکمل عمل کرنا نماز کا قائم کرنا ہے۔ علماءِ دین ارشاد فرماتے ہیں مومن کی ہر خیرات اور خرچ اللہ کی راہ میں صدقہ ہے یہاں تک کہ خود کھانا بال بچوں کو کھلانا بھی۔ نیز جس کے پاس جو رزق ہو وہ خرچ کرے۔ امیر کا رزق مال دولت ہے اور ہنر مند کا رزق ہنر ہے علما کا رزق اِن کا دینی علم ہے۔ اور پڑھانا مسئلے بتانا ان کی خیرات صدقات ہیں۔ اہلِ طریقت کا رزق ان کی روحانیت ہے۔ جس کا فیض پہنچانا ان کی خیرات ہے۔ یہ جو سلطانُ العارفین حضرت باہو نے فرمایا۔ ع۔ بغداد شہر دے میں ٹکڑے منگساں۔ یا محمد صاحب کھڑی شریف والوں نے فرمایا۔ ع۔ پاؤ کرم دا ٹوٹرا۔ یہاں روٹی کے ٹکڑے مراد نہیں بلکہ فیض روحانی کا حصہ مراد ہے۔ اسی لیے اہلِ دل فرماتے ہیں کہ علماء زاہدین۔ عابدین کے پاس زیارت کے لیے جاؤ تو وہاں خاطر تواضع چائے دودھ کی آرزو لے کر مت جاؤ اور خاطر داری نہ کرنے پر ہرگز شکایت بھی مت کرو۔ بلکہ طلب روحانیت کی نیت لے کر جاؤ۔ اے پیارے نبی ان ایمان والوں سے فرمائیے کہ یہ اعمال خیر۔ نماز۔ زکوٰۃ صدقہ و خیرات۔ اس دن کے آنے سے پہلے کریں جس دن نہ کوئی تجارت خرید و فروخت ہوگی نہ کوئی دوستی برادری۔ یعنی نہ بیع ہوگی کہ دولت پاس ہونہ دوستی ہوگی کہ اُن پر خرچہ کیا جائے۔ وہ دن یا قبر کا زمانہ یا حشر کا۔ یا یہ سارا ہی زمانہ موت سے حساب کتاب تک ایک یہ تفسیر ہے کہ نہ بیع ہوگی تاکہ اپنی مرضی کے اعمال خرید لیے جائیں نہ دوستی ہوگی کہ بدکاروں کی کوئی مدد کر سکے۔ یا یہ کہ آج نمازیں پڑھو اس دن تو کسی کو تن بدن کا ہوش نہ ہوگا نہ بیع اور دوستی کس کو یاد ہوگی۔ غرض کہ بندوں کو تین چیزیں دی گئی۔

نمبر۱۔ جسم۔ نمبر۲۔ دولت۔ نمبر۳۔ اور وقت۔ ان تینوں کو اسی کی راہ میں مصروف کر دو۔ اسی زندگی میں بعد میں نہ جسم قابو میں ہوگا نہ دولت ہوگی نہ نماز روزے کا وقت ہوگا۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ

مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ اہل ایمان اپنی نمازوں زکوٰتوں سے اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائیں کیونکہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور بندوں کی ساری ضروریات اور چیزیں یہاں تک کہ خود بندہ بھی ان آسمان و زمین سے وجود میں آیا ہے کہ روح آسمانی ہے اور جسم زمینی۔ کائنات ظاہری کی باقی تمام اشیا بھی ان ہی اجرامِ آسمانی اور انواعِ زمینی میں ہیں۔ اور آسمان کی طرف سے ہی بشکل بارش اور شبنم اور برف اور اولہ کئی قسم کا پانی اتارا جن کی تاثیریں بھی مختلف ہیں قدرتِ الٰہی نے جسم آسمانی سے پانی بادل میں پہنچایا۔ بادل سے زمین پر آیا۔ یا پہلے زمین کے سمندر سے پانی بھاپ بن کر بلندیوں پر پہنچا پھر بادل بن کر برس گیا مگر پہلا قول درست ہے پھر اس پانی کے ذریعے ہزارہا پھلوں میں سے کچھ کہیں کچھ کہیں اگا کر نکالے۔ ایک قول ہے کہ یہ مِنْ حرفِ جر بیانیہ ہے اور معنیٰ ہے کہ تمام پھل ایک قول ہے کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے اور معنیٰ ہے کہ کچھ پھل۔ ہم نے دونوں تفسیروں کو جوڑ دیا کہ رب نے تمام پھل اگائے مگر کچھ کہیں کچھ کہیں۔ اگر دونوں کو جوڑا نہ جائے بظاہر دونوں قول غلط ہو جاتے ہیں کیونکہ رب باری تعالیٰ نے کوئی پھل آسمان پر رکھا ہے نہ سب ایک جگہ نکالے۔ اور یہ سب پھل رزق ہیں اے بندو تمہارے لیے یعنی نفع والی چیز خواہ کھانے کا پھل ہو یا غذا کا یا دوائی کا یا فقط سونے کا سونگھنے کا یا برتنے کا جیسے کپاس وغیرہ کہ اس سے لباس بنائے جاتے ہیں۔ آسمانوں کو رب نے قوتِ عطا دی ہے پانی کی قوتِ فاعلی اور زمین کو قوتِ قبولیت۔ ثمرات کو قوتِ مدافعت کہ ضروریات پوری ہو کر مضر چیزیں بھوک سردی گرمی دور ہوتی ہے اور حصولِ رزق کے لیے مسخر اور ماتحت کر دیا تمہارے لیے کشتیوں کو کہ خود ہی بناؤ خود ہی چلاؤ استعمال کرو چھوٹی شکاری اور سیاحت کی کشتی سے لے کر بڑے بحری جہاز تک سب کو فلک کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے آب دوز بحری جہاز نوح علیہ السلام نے بنایا یہ کشتیاں رب تعالیٰ نے مسخر فرمائی ہیں تاکہ اُسی کے حکم سے جاری رہیں سمندر اور دریا میں۔ اور کشتیوں کی سلامتی کے لیے ہم نے دریاؤں کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے عظیم پانی کو بالکل مسخر کر دیا تاکہ کشتی اور سفر اور مسافروں کی جانیں محفوظ رہیں۔ بحر العلوم میں ہے کہ دنیا میں اصلی دریا پانچ ہیں۔ نمبر ۱۔ نیل مصر میں۔ نمبر ۲۔ فرات کربلا میں۔ نمبر ۳۔ دجلہ بغداد میں۔ نمبر ۴۔ جیحون۔ بلخ میں۔ نمبر ۵۔ سیحون ہند میں یہ پانچوں جنت کے ایک چشمے سے ہیں باقی دریا ان کی فروع ہیں (روح البیان) وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اور اے انسانو تمہاری زندگی کاروبار سفر حضر۔ وقت زمانے اور کھیتیاں پکانے دن چمکانے بلکہ تمہارے لاکھوں فائدوں کے لیے تمہارے ہی لیے اللہ کریم نے سورج کو مسخر کیا اور تاریکوں۔ زیبائشوں چاندنیوں پھلوں کی مٹھاس کے لیے چاند کو بھی مسخر کر دیا کہ وہ تا قیامت ایک مقرر شدہ راستے پر دوڑتے پھر رہے ہیں۔ اور سورج کے ذریعے مسخر کیا یعنی بنایا تمہارے آرام آسائش سکون سونے اور جاگنے کے لیے رات کو اور دن کو کہ کبھی

ٹھنڈی کبھی گرم کبھی اندھیرا کبھی اجالا۔ کبھی دھوپ کبھی بادل کا سایہ۔ کبھی بڑے کبھی چھوٹے تاکہ ہمارے یہ نازک مزاج بندے اپنی زندگی کے ہر موڑ پر لمحے میں ہر نعمت سے ہر طرح کا آرام حاصل کرلیں۔ اور ہر سانس میں ہمارا شکر ادا کریں۔ اور بندہ بن کر زندگی گزاریں۔ اس لیے کہ جب اتنی چیزیں اُن کے لیے اللہ نے مسخر فرما دیں تو یہ فقط اپنے آپ کو نہایت تھوڑی مدت کے لیے قانونِ الٰہی کے لیے مسخر کردیں۔ یہی انصاف اور وفاداری کا تقاضہ ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ ساری مخلوق میں انسان اشرف اور انسانوں میں سب سے زیادہ شرافت ایمان والوں کو یہ فائدہ بِعِبَادِیَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنی طرف نسبت فرمایا۔ دنیا کی ساری نعمتوں سے یہ نسبت سب سے بڑی نعمت ہے۔ **دوسرا فائدہ۔** مومن جہنم سے آزاد ہیں یہ فائدہ بھی عِبَادِیَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ نسبتِ الٰہی عتق کو لازم فقہ میں ہے کہ اگر کوئی آقا اپنے غلام کو کہدے میرا بیٹا یا اے میرے بیٹے تو وہ غلامیت سے آزاد ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا کسی خوش قسمت کو عبادی کہدینا اس سے کہیں زیادہ اہم اور قیمتی و مفید ہے کیونکہ اللہ کا عبد ہونا عظیم خوش بختی ہے۔ **تیسرا فائدہ۔** غذائی نعمتوں میں سے پانی انسانی حیوانی زندگی کے لیے بہت ہی اشد ضروری اور یہ بہت بڑا کرم ہے۔ اسی لیے کئی مقام پر رب تعالیٰ نے بہت اہتمام سے اس کا ذکر فرمایا نیز تمام پانی آسمان کی طرف سے ہے خواہ کوئیں کا یا چشموں کا جس کا ذکر فرما کر رب تعالیٰ نے شکرِ الٰہی کی طرف بندوں کی توجہ کو مبذول فرمایا۔ لہٰذا ہم بندوں کو ہر وقت ہر حال میں اُس کے حضور حاضری لازم ہے۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ حیاتِ دنیوی میں کافر صرف ایمان لانے کا مکلف ہے اور مومن عباداتِ اسلامیہ نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ کا مکلف۔ لہٰذا کافر کو صرف ایمان کی تبلیغ کی جائے اور مومن کو صرف اعمال صالحہ کی یہ مسئلہ قُلْ لِعِبَادِیَ الَّذِیْنَ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** بدنی عبادت جیسے نماز روزہ ورد وظیفہ تلاوت کا وظیفہ ہر شخص کو اپنا اپنا ہی کرنا لازم ہے۔ کوئی دوسرا کسی کی طرف سے ادا نہیں کرسکتا۔ لیکن مالی عبادات کی ادائیگی کے لیے کسی دوسرے کو مختار بنایا جاسکتا ہے جب کہ خود کچھ مجبور ہو۔ مثلاً قربانی حج بدل وغیرہ۔ زکوٰۃ اس اعتبار سے نماز کی مثل ہے کہ صاحبِ مال کی دولت میں سے ہی ادا کی جاسکتی ہے۔ اگرچہ حساب کتاب کوئی دوسرا شخص لگادے اور ادا اُس کا ذاتی خزانچی کردے۔ یہ مسئلہ یُقِیْمُوْا۔ اور یُنْفِقُوْا کے قانونی حکم سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** مومن پر پانچ طرح کی عبادتیں فرض ہیں۔

نمبر۱۔ سمندر کے ذریعے یعنی حج۔ نمبر۲۔ شمسی ذریعوں سے پانچ وقت نمازیں۔ نمبر۳۔ قمری عبادتیں یعنی روزے و عیدین۔ نمبر۴۔ دن کی عبادت یعنی روزہ۔ نمبر۵۔ رات کی عبادت یعنی عشاء اور دیگر تراویح تہجد وتر وغیرہ۔ یہ مسئلہ سَخَّرَ لَكُمُ کے اشارۃ النص سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ نماز و خیرات اس دن سے پہلے کر لو جس دن بیع یعنی تجارت نہ ہو گی اور دوستی بھی نہ ہو گی۔ تو نماز خیرات کا تجارت و دوستی سے کیا تعلق ہے۔

جواب۔ دنیا میں دو طرح نفع حاصل کیا جاتا ہے۔

نمبر۱۔ تجارت۔ نمبر۲۔ ہدیوں۔ تحفوں سے۔ فرمایا یہ جا رہا ہے اس دن نہ تجارت کا نفع ہو نہ دوستی ہو کہ ہدیے تحفے یا میراث ملے۔ حالانکہ اس دن نفع کی شدید ضرورت ہو گی۔ وہ ضرورت دنیوی زندگی کی نماز خیرات سے پوری ہو گی۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ قیامت میں دوستی نہ ہو گی لیکن دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ کہ متقین آپس میں دوست ہوں گی۔ اور حدیث پاک میں ہے ہر شخص اپنے دنیوی محبوب کے ساتھ ہو گا۔ اس کی کیا وجہ ؟۔

جواب۔ یہاں کافر فاسق کی دوستی کی نفی ہے۔ اور حدیث پاک میں دوستی کا ذکر نہیں صرف ساتھ رکھے جانے کا ذکر ہے خود اپنی خوشی سے ساتھ نہ ہوں گے بلکہ رب تعالیٰ کے حکم سے ساتھ رکھے جانے کا بلکہ بدکاروں کو بدکاروں کے ساتھ جکڑا جانے کا ذکر ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ اللہ نے تمہارے لیے چاند سورج رات و دن کو مسخر کیا۔ حالانکہ مسخر تو وہ ہوتا ہے جو مطیع و فرماں بردار ہو۔ جیسے غلام۔ یا گھوڑا۔ ریل گاڑی موٹر۔ کشتی جہاز وغیرہ کہ جب چاہو چلاؤ جب چاہو روکو۔

جواب۔ چاند و سورج رات و دن کے مسخر ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی مرضی سے رُک نہیں سکتے۔ اور ہمارے لیے مسخر ہونے کا معنیٰ ہے کہ اُس کے سب فائدے اور نفع ہمارے لیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے لیے مسخر ہونے کا مطلب ہے کہ وہ روک بھی سکتا ہے الٹا پکڑ بھی چلا سکتا ہے اور ان تمام کی باگ ڈور اپنے انبیا اولیا کے ہاتھوں میں دے بھی سکتا ہے **چوتھا اعتراض**۔ کیا وجہ ہے کہ آسمان کا ذکر پہلے۔ زمین کا بعد میں اور رات کا ذکر پہلے دن کا بعد میں کیا گیا۔

جواب۔ آسمان فیض دینے والا ہے زمین فیض لینے والی اس لیے آسمان کا ذکر پہلے ہوا نیز آسمانوں کو پہلے پیدا کیا گیا زمین کو بعد میں۔ رات کو مقدم کیا تین وجہ سے۔

نمبر۱۔ رات رب کے لیے ہے دن بندوں کے لیے۔ نمبر۲۔ رات معراج عشق و معرفت کے لیے۔ دن مخلوق میں مشغولیت کے لیے۔ نمبر۳۔ رات ستر ذات کے لیے ہے دن ظہور صفات کے لیے ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قُلْ لِّعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَیُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَ یَوْمٌ لَّا بَیْعٌ فِیْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۔

اے محبوب فرمادیجئے میرے طالبوں سے جو ہوا و ہوس کے بندے نہ بنے بلکہ ہر مصیبت و آرام میں میرے در پر رہے میرے ہی بنے جو نورِ عنایت پر ایمان لائے اور نعمتِ الوہیت کی معرفت حاصل کر لی اور کفران سے تبدیل نہ کی چاہیئے کہ وہ نمازِ عشق و عبادتِ قرب قائم رکھیں اور سجادۂ عبودیت پر سجدہ ریز رہیں بسترِ قرب پر اعتکاف بیٹھیں اور مناجات کے ذریعہ اپنے اللہ سے ہم کلام ہوں۔ اور اپنے خاص مخلصین کو جو رزق۔ اسرارِ الوہیت و احکامِ عبودیت کا ہم نے ان کو دیا۔ اس کو مریدین طالبین پر خرچ کریں۔ اسرار کو سرًا خرچ کریں اور احکام کو طریقۂ ربوبیت میں علانیہ ظاہر طور خرچ کریں۔ اس سے پہلے کہ میدانِ معرفت اور گہوارۂ قبر۔ تنہائی اور خلوتِ قرب میں روح و بدن کی جدائی کا وقت آ جائے جس دن نہ بیعت ہو سکے نہ تعلقِ اتفاق نہ پیری مریدی کا ہوش۔ اور نہ ہی بجز پروردگار کے کسی کی دوستی کا جوش ہوش۔ یہ مریدوں کی طلب میں ملاقات کی خواہشیں یہ جبہ و دستار کی تمنا اسی وقت تک ہیں جب تک کہ اس کی زیارتِ جمال نصیب نہیں ہوتی۔ مسافرِ سلوک کا ایمان اعمالِ باطنی قلبی ہیں اور خیالاتِ یار و تصورِ دوست نمازِ تصوف ہے۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ وہی اللہ وہ ہے جس نے آسمانِ دماغ انسانی کو اور زمینِ قلبِ انسانی کو پیدا فرمایا۔ اور اتارا آسمانِ ولایت کی طرف سے عشق و معرفت کا نورانی پانی پھر زمینِ قلب سے اُس پانی کے ذریعے علم شریعت و طریقت کے ہر دل میں مختلف پھل لذتِ ایمانی سے اور غذاءِ روحانی سے بھرے ہوئے نکلے تم سب اہلِ ایمان کے لیے دائمی لذت بخش رزق اور نفوسِ قدسیہ کی کشتی جو زمینِ قلبِ منور میں خزانۂ انوار سے بھری ہوئی ہے تمہارے ہی جیسے اہلِ سعادت کے لیے مسخر فرمادی جو دریاءِ معرفت میں قربِ الٰہی کے کنارے کی طرف بہتی چلی جارہی ہے اُسی خالق تعالیٰ کے حکمِ ازلی سے اور اسی ربِ کائنات نے تمہارے لیے اے نیک بختو مسخر کر دیا یعنی آسان کر دیا راہِ سلوک کی نہروں کو اور محبتِ الٰہی کی لہریں تم کو آغوشِ عافیت میں لینے کے لیے مسخر ہیں یعنی جھکی ہوئی ہیں۔ لہٰذا کفر شرک نفاق اور قلبی کھوٹ سے بچتے ہوئے معرفت کی کشتی میں سوار ہو جاؤ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اور تمہارے لیے ہی مدنِ انوار کو مسخر کر دیا جو مدینۂ اسلام کا سورج یعنی دامنِ مصطفےٰ ہے اور صحبتِ اولیا یعنی ولایت کا چاند تمہارے ہی فیضان کے لیے بھیجا۔ اور اے بندو تمہاری تزکیۂ نفس کے لیے ہی شریعت کا دن اور طریقت کی رات کو تمہارے پاس ہزار آسانیوں کے ساتھ مسخر کیا۔ تاکہ اپنی حیاتِ دنیوی میں دنیا کو بھی دین کے سانچے میں ڈھال کر دونوں جہان کی نعمتوں سے شادان و فرحاں رہو۔

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا

اور دیا تم کو اُن تمام چیزوں سے جو مانگا تم نے اس کو اور اگر تم گننا چاہو

اور تمہیں بہت کچھ منہ مانگا دیا اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو

نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ

نعمتیں اللہ کی تو نہیں گن سکتے اُس کو بیشک انسان البتہ ظالم

شمار نہ کر سکو گے بیشک آدمی بڑا ظالم بڑا

كَفَّارٌ ۳۴ ع وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا

ناشکرا ہے ۔ اور اے نبی یاد کرو جب کہ عرض کیا ابراہیم علیہ السّلام نے اے رب میرے بنا اس

ناشکرا ہے ۔ اور یاد کرو جب ابراہیم نے عرض کی اے میرے رب اس شہر کو

الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِيْ وَبَنِيَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ

شہر کو امن والا اور بچائے تو مجھ کو اور میرے خاندان کو اس سے کو پوجیں ہم بتوں کو

امان والا کردے اور مجھے اور میرے بیٹوں کو بتوں کے پوجنے سے بچا

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ ۚ فَمَنْ

اے میرے رب بیشک اُن بتوں نے گمراہ کر دیا بہت سوں کو لوگوں میں سے تو جس نے

اے میرے رب بیشک بتوں نے بہت لوگ بہکا دیے تو جس نے

تَبِعَنِيْ فَاِنَّهٗ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ

پیروی کی میری تو بیشک وہ میرا ہے اور جس نے نافرمانی کی میری تو یقیناً تو بخشنے والا

میرا ساتھ دیا وہ تو میرا ہے اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو بیشک تو بخشنے والا

رَّحِيمٌ ﴿۳۶﴾

رحم والا ہے

مہربان ہے

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں باری تعالٰی نے اپنی نعمتوں کا ذکر فرمایا کہ ہم نے تمام پھل اور خشک و تر اشیاء تمہارے لیے پیدا کیں اب اِن آیات میں وہ نعمتیں بندوں کو دینے کا ذکر ہوا۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں ایمان والے مومنوں کے دینے کا ذکر ہوا کہ وہ ظاہر پوشیدہ نفلی فرضی ہر طرح غریبوں کو دیتے ہیں اب یہاں رب تعالٰی کی عطا کا ذکر ہوا کہ اُس کی دین سب مخلوق پر ہے اور اتنی کثرت ہے کہ کوئی اُن کو گن نہیں سکتا۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیات سے ثابت ہوا تھا کہ آسمان و زمین اور اُن کی ساری چھوٹی بڑی چیزیں رب تعالٰی کے قبضے میں ہیں۔ اب اِن آیت میں حضرت ابراہیم کی دعا سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سب انسان بھی اللہ کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔

تفسیر نحوی

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۔ واؤ سرِ جملہ۔ اٰتٰی۔ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب اِفعال سے ہے اِیْتَاءٌ مصدر ہے اَتْیٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے دیا۔ کُمْ ضمیر اِس کا مفعول بہ ہے اور اس میں پوشیدہ ضمیر ھُوَ کا مرجع اللہ تعالٰی ہے وہ ضمیر واحد مذکر اِس کا فاعل ہے۔ مِنْ حرفِ جر بیانیہ ہے کُلِّ اسم تاکیدی ہے۔ مضاف ہے بحالتِ کسرہ ہے۔ مَا اسم موصول مضاف الیہ ہے اس لیے باطن میں مجرور ہے ظاہراً اسم غیر متمکن مبنی ہے۔ سَاَلْتُمُوْہُ۔ سَاَلْتُمْ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر مذکر حاضر مستتر فاعل ہے اس کا مرجع عباد ہے۔ سُؤَالٌ سے بنا ہے بمعنی مانگنا۔ طلب کرنا۔ فریاد کرنا۔ پوچھنا۔ دعا کرنا۔ یہاں مانگنا مراد ہے۔ واؤ اِشباع یعنی بھراؤ کے لیے ہے ضمیر ہ سے جوڑنے کی وجہ سے۔ ہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے اِس کا مرجع ہے مَا۔ واؤ سرِ جملہ۔ اِنْ حرف شرط تَعُدُّوْا۔ فعل مضارع معروف مثبت صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے (مستتر) ہے اس کا فاعل ہے۔ عَدٌّ سے بنا ہے گننا۔ شمار کرنا۔ تَعُدُّوْا دراصل تھا تَعُدُّوْنَ۔ نونِ اعرابی اِنْ شرطیہ جازمہ نے گرادی۔ نِعْمَۃَ اسم مفرد جامد بمعنی۔ فضل بلا معاوضہ عطیہ۔ احسان۔ آسائش۔ اِس کی جمع ہے نِعَمٌ۔ مفتوح ہے مفعول بہ ہے۔ مضاف ہے اس لیے تنوین نہیں آسکتی اَللّٰہِ۔ اسم ذاتی عَلَم معرفہ ہے

مجرور ہے مضاف الیہ۔ لَا تُحْصُوْ۔ فعل مضارع منفی۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ باب افعال سے ہے۔ معدّہ ہے اِحْصَاءٌ بمعنیٰ مستقبل ہے۔ حَصْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پورا انتہائی گننا۔ شمار کرنا۔ گھیرنا۔ دراصل تھا لَا تُحْصُوْنَ نونِ اعرابی اِنْ شرطیہ نے گرادیا۔ کیونکہ یہ جملہ فعلیہ اس کی جزا ہے۔ ھَا ضمیر اس کا مفعول بہ ہے اور اس کا مرجع ہے نِعْمَۃَ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ الف لام جنسی اِنْسَانَ۔ اسم مفرد جامد ہے۔ اُنْسٌ سے بنا ہے بمعنیٰ میل جول۔ محبت۔ تعلق۔ رشتوں برادریوں والا ہونا۔ واحد جمع۔ مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے۔ بحالتِ نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ یہ عبارت علیحدہ ہے اس لیے اِنَّ آیا بکسرِ ہمزہ لام ابتدا ہے یا لامِ تاکید۔ ظَلُوْمٌ۔ بروزنِ فعولٌ مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ ظالمٌ یعنی بہت زیادہ ظالم۔ واحد مذکر ہے۔ کَفَّارٌ۔ صفت مشبّہ ہے مبالغے کے لیے بروزنِ فعّال۔ کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ناشکری کرنا۔ اسی سے ہے کفران۔ یہ دونوں اسم دو خبریں ہیں اِنَّ کی۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ واؤ سر جملہ اِذْ۔ اسم ہے۔ اس کے بارے میں چار قول ہیں۔ نمبر ۱۔ یہ ظرفِ زمان ہے اور یہی حقیقی ہے۔ نمبر ۲۔ ظرفِ مکان۔ نمبر ۳۔ حرف مؤکد۔ نمبر ۴۔ مفاجاتیہ ہے۔ اس طرح بھی مستعمل ہے مگر قلیل۔ اکثر بمعنیٰ مستقبل ہوتا ہے لیکن کبھی زمانہ ماضی کے لیے آتا ہے یہاں ماضی کے لیے ہے۔ ظرفِ زمان ہے بمعنیٰ اِذَا۔ قَالَ فعل ماضی مطلق معروف مثبت اِبْرَاہیم اسم عجمی غیر منصرف ہے عَلَم ہے اب عربی لفظ ہے پہلے عبرانی یا سُریانی لفظ تھا اس لیے عجمی کہلایا مرفوع کیونکہ قال کا فاعل ہے۔ رَبِّ۔ دراصل تھا رَبِّیْ (میرے رب) بَ کا کسرہ علامت یاءِ متکلم ہے نہ کہ اعراب۔ یہاں حرفِ ندا پوشیدہ ہے یہ اُس کا منادیٰ ہے۔ اصل میں یا ربِّ یاءِ متکلم اور اگلی ہمزہ وصل اس لیے حذف ہوئی کہ بَ کو جَ سے جوڑنا تھا۔ رَبِّ منادیٰ ندا محذوف سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا کیونکہ اُدْعُوْ کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ اِجْعَلْ۔ فعل امر باب فتح سے ہے جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بنانا۔ بنانا متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ هٰذَا اسم اشارہ قریب کے لیے بمعنیٰ یہ مبنی اصل ہے باطنی اعراب جس کو اصطلاحِ نحات میں اعرابِ حکائی بھی کہا جاتا ہے۔ اس کا اعرابِ حکائی فتحہ ہے مفعول بہ اول ہے اِجْعَلْ کا اَلْبَلَدَ الف لام عہدِ خارجی ہے بَلَدٌ اسم مفرد جامد ہے اس کی جمع ہے بِلَادٌ۔ ترجمہ ہے شہر۔ بڑی آبادی۔ واقفیت والی جگہ۔ مشار الیہ ہے هٰذَا کا اس لیے مفتوح ہے۔ اٰمِنًا۔ اسم فاعل ہے واحد مذکر کا صیغہ اَمْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اَمْنٌ دینا۔ امن لینا۔ یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں منصوب نکرہ ہے مفعول بہ دوم ہے یا حال ہے بَلَدَ کا۔ واؤ عاطفہ ہے عطف ہے اِجْعَلْ پر۔ اُجْنُبْ۔ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل اس کا فاعل ہے مرجع ہے رَبِّ۔ باب نَصَرَ سے ہے جَنْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بچانا۔ دور رکھنا۔ بہر حال متعدی ہے۔ نونِ وقایہ (یعنی اعراب بچانے والی) یٰ ضمیر متکلم۔ منصوب متصل مفعول بہ ہے واؤ عاطفہ عطف ہے یاءِ متکلم پر۔ بَنِیَّ۔ دراصل ہے بَنِیْنَ یٰ بَنِیْنِیَ جمع مذکر سالم ہے اِبْن کی۔ یا اِبْن کی۔ مضاف ہوا یاءِ متکلم کی طرف تو نونِ جمع اعرابی گر گئی اور یٰ کا یٰ میں اِدغام ہو گیا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ عطف تابع ہے پہلی

یاءِ متکلم مفعول بہ کا۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ (مضارع کو مصدر کے معنیٰ میں کر دیتا ہے) نَعْبُدَ۔ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مستتر اس کا فاعل ہے مرجع ابراہیم اور بنیؔ ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے عِبَادۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عبادت کرنا۔ متعدی ہے بیک مفعول۔ منصوب ہے اَنْ ناصبہ سے۔ الف لام استغراقی۔ اَصْنَامُ جمع مکسّر صَنَمٌ کی اسم جامد ہے بمعنیٰ مجسمہ۔ مورتی۔ بُت۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے نَعْبُدُ کا یہ جملہ فعلیہ مفعول بہ ہے اُجْنُبْ کا رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ۔ فَمَنْ تَبِعَنِیْ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ۔ وَمَنْ عَصَانِیْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ رَبِّ۔ دراصل تھا یَا رَبِّیْ۔ یا حرفِ ندا کو تخفیف کے لیے حذف کیا قرینہ ہے تَقَدُّم اور اضافتِ یاءِ متکلم یاءِ متکلم محذوف منوی ہوئی بوجہ (ثقیل) ہونے کے کیونکہ یٰ کے بعد ہمزہ مکسورہ ہے جس نے یٰ کو ثقیل کر دیا لہٰذا گر گئی اور اُس کی نشانی بَ کا کسرہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق هُنَّ۔ ضمیر منصوب متصل جمع مؤنث غائب اسم ہے اِنَّ کا مرجع ہے اَصْنَام۔ بقاعدۂ نحویہ غیر عقل والی چیزوں کے لیے مؤنث کی ضمیر آتی ہے اَضْلَلْنَ فعل ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ جمع مؤنث غائب۔ هُنَّ ضمیر مؤنث اس کا فاعل ہے۔ جس کا مرجع اَصْنام ہے چونکہ فاعل اسم ظاہر نہیں اس لیے صیغہ جمع آیا۔ باب افعال سے ہے۔ مصدر ہے اِضْلَالٌ۔ ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ اِضلال متعدی ہے بمعنیٰ گمراہ کرنا۔ ضَلَّ لازم ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا۔ كَثِيرًا۔ اسم صفت مشبّہ اسم فاعل کی طرح عامل مشتق ہے۔ مِنْ حرفِ جر۔ بعضیت کے لیے۔ الف لام استغراقی ہے یا جنسی ہے۔ نَاس اسم جمع مذکر ہے اس کی واحد کوئی نہیں نہ تثنیہ اصلاً مذکر ہے۔ مؤنث کے لیے بھی مستعمل ہے۔ مجرور ہے مِنْ جارّہ سے۔ جار و مجرور متعلق ہے۔ كَثِيرًا کا۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَضْلَلْنَ کا۔ فَ حرفِ عطف لغو بیانیہ۔ مَنْ اسم موصول شرطیہ تَبِعَ۔ فعل ماضی مطلق معروف باب سَمِعَ سے ہے صیغہ واحد مذکر غائب۔ تَبَعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ نقشِ قدم پر چلنا۔ پیچھے چلنا۔ فرمانبرداری کرنا۔ بات ماننا۔ وغیرہ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مستتر ہے جس کا مرجع مَنْ ہے۔ نون وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم کا مرجع اِبْرَاهِيْمُ ہے۔ فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ مشبّہ بالفعل کی ضمیر واحد مذکر غائب اِس کا اسم ہے اس لیے منصوب ہے اور عامل سے جڑی ہے اس لیے متصل ہے۔ مِنْ حرفِ جر انتہاءِ غایت کے لیے ہے نون وقایہ مدغم ہے مِنْ کی نون سے دراصل تھا مِنْ نِیْ۔ یاءِ متکلم مجرور متصل۔ جار و مجرور متعلق ہے مُلْحَقٌ پوشیدہ اسم مفعول کا اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اسم خبر سے مل کر جزا ہے مَنْ تَبِعَ شرط کی۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے جملے کا جملے پر۔ مَنْ موصولہ شرطیہ۔ عَصَا۔ فعل ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ واحد مذکر غائب باب نَصَرَ سے ہے۔ عَصْوٌ اجوف واوی یا عَصْیٌ اجوف یائی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ نافرمانی کرنا۔ نون وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے۔ فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ مشبّہ بالفعل كَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع رَبّ ہے۔ منصوب ہے کیونکہ اسم ہے غَفُوْرٌ - بروزن فَعُوْلٌ اسم نکرہ مبالغہ کے لیے بحالتِ رفع خبرِ اول ہے رَحِيْمٌ صفتِ مشبّہ کا صیغہ مرفوع ہے خبرِ دوم ہے اِنَّ کی۔

غَفُوْرٌ غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنی ۔ ڈھانکنا ۔ بخشنا ۔ مٹانا ۔ غفور کے معنی ہیں بہت بخشنے والا ۔ رحیم رَحْمٌ سے بنا ہے بمعنی بہت اور ہمیشہ رحم کرنے والا یہ اِنَّ اپنے اسم خبر سے جڑ کر ۔ جزا ہوئی مَنْ عَصَانِیْ جملہ شرطیہ کی ۔ اور یہ سب آیات اور اگلی آیات مقولہ ہے قَالَ اِبْرٰهِیْمُ کا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ ؕ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ اٰمِنًا وَّ اجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ۔ سابقہ مذکورہ مسخرات تو وہ نعمتیں ہیں جو بن مانگے رب نے عطا فرمائیں ۔ اور ان کے علاوہ بھی ہر وہ نعمت برکت عظمت ۔ عزت ۔ رزق ۔ فائدے تم کو دیئے جو تم نے زبان حال سے اور زبان قال سے اور زبان ضرورتِ زندگی سے اپنے رب تعالیٰ سے مانگیں ۔ ایک تفسیر میں ماضی منفی ہے اور معنی یہ ہے کہ اور اللہ نے دیا تم کو وہ تمام کچھ جو نہ مانگا تم نے ۔ اس صورت میں کُلِّ مضاف نہ ہوگا ۔ کائناتِ موجودات کی نعمتیں جو رب تعالیٰ نے بندوں کو عطا فرمائیں وہ دو قسم کی ہیں ۔ نمبر ۱ ۔ جو بندوں کے مانگے بغیر رب کریم نے پیدا فرمائیں اور اس میں کروڑ ہا زندگی کے فائدے ہیں مثلاً آسمان زمین چاند سورج وغیرہ ۔ نمبر ۲ ۔ جو طلب و دعا سے ملیں ۔ زبان حال سے طلب اس طرح کہ بندے کی حالت بقاء زندگی کے لیے اُس چیز کی ضرورت مند ہو ۔ زبان قال سے یعنی بندہ دعا مانگے ۔ یا اس کی عبادت میں مشغول ہو جائے ۔ اور زبانِ ضرورت مثلاً ۔ حالت ایسی ہو کر دیکھنے والے کو معلوم ہو جائے کہ یہاں اس شئی کی ضرورت ہے ۔ ایک آدمی پھٹے لباس میں آپ کے دروازے پر کھڑا ہو جائے ۔ یہ زبان حال سے مانگ رہا ہے اور دوسرا شخص صدا لگاتا ہے وہ زبانِ قال سے مانگتا ہے تیسرا شخص مرجھائے چہرے خشک لب سے کہیں بیٹھا ہے ۔ وہ کھانے پانی کا ضرورت مند ظاہر ہوتا ہے ۔ دنیا کی ہر چیز حیوانات جمادات نباتات اپنے خالق تعالیٰ کی بارگاہ میں ان ہی تین شکلوں پر مدد کی طالب ہے اور رب تعالیٰ سب کو عطا فرما رہا ہے اور اتنا عطا فرما رہا ہے کہ اے ساری مخلوق انسان جنات اور ملائکہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گنتی کرنا چاہو یا سب مل کر گننے کا ارادہ کرو تو ساری زندگی کبھی شمار میں نہیں لا سکتے ۔ گننا تو بڑی بات ہے ۔ انسانی غور و تدبر ۔ فکر و خیال میں بھی نہیں آسکتیں ۔ ایک جسم انسانی حیوانی کے بقا کے لیے ایک نوالہ جو خدا تعالیٰ نے بندے کو عطا فرمایا اس کی محض تیاری کے لیے کتنی اشیا عطا فرمائیں ۔ زمین آسمان پانی چاند سورج ایک دانے کو اُگنے اور بنانے کے لیے پھر لوہا ۔ اور مشینیں اس کو کاٹنے پیسنے صاف کرنے کے لیے پھر آگ ۔ پانی ۔ توا ۔ چولہا ۔ اس کو کھانا بنانے کے لیے پھر ہر انسان کے ساتھ ہر لقمے کی دیکھ بھال کے لیے باری عزاسمہ نے پانچ ڈاکٹر مقرر فرمائے ۔ ہاتھ نے اس کی سردی گرمی کا اندازہ لگا لیا ۔ اور آنکھوں کے قریب کر دیا ۔ آنکھوں نے اس کی اچھی بری رنگت اور اس میں ضروری غیر ضروری چیز کو دیکھ لیا اگر کوئی بال یا تنکا پڑا ہو تو نکال دیا جائے ۔ پھر ناک نے اس کو سونگھ لیا کہ سڑا بھسا تو نہیں پھر دانتوں نے کنکر پتھر اور ریت کے ذرے تک کا پتہ لگا لیا ۔ اور زبان نے ذائقہ کی لذت

لے لی کہ کڑوا ہے یا کھٹا میٹھا ۔ بکسا ۔ کیسلا ۔ اتنے قدرتی ڈاکٹروں نے پاس کیا تب رب رحمٰن رحیم نے بندے کے پیٹ میں ایک لقمہ پہنچایا۔ پھر سر سے پاؤں تک ہر مسام ایک نعمت ہے ۔ جسمانی کے علاوہ روح میں کروڑوں نعمتیں ہیں۔ اللہ اکبر۔ کون شمار کر سکتا ہے ۔ بس اعتراف ہی اس کی بارگاہ میں منظور مقبول ہے اس سے بھی انسان غفلت کرتا ہے ۔ بیشک انسان بہت ظلم کرنے والا ہے ۔ اور سب سے دور بھاگتا ہے کیونکہ ناشکرا ہے ایک روایت میں ہے ۔ کہ ظلوم سے مراد ابو جہل اور اس کی قوم بنی مغیرہ ہیں اور کفّار سے مراد بنی امیہ قرشی ہیں ۔ علما فرماتے ہیں انسان کی دو عادتیں جبلی یعنی پیدائشی ہیں ۔ نمبر ۱ ۔ نسیان ۔ نمبر ۲ ۔ اور غفلت کرتا ہے اور دو عادتیں نفسانی ہیں یعنی خود ساختہ ۔ نمبر ۱ ۔ انکار نمبر ۲ ۔ جہالت ۔ غفلت و نسیان کی بنا پر انسان ظلوم ہے اور انکار و جہالت کی بنا پر انسان کفّار ہے نسیان سے نقصان کی بیماری غفلت سے پریشانی و عجلت کی بیماری ۔ انکار سے دوری کی اور جہالت سے شکوے کی بیماری پیدا ہوتی ہے رب تعالیٰ نے سب سے بڑی نعمت انبیاءِ کرام کو مبعوث فرمایا ۔ تاکہ دو عادتوں کا رُخ موڑ دیں کہ نسیان و غفلت دین سے ہٹ کر دنیا کی طرف ہو جائیں ۔ اور دو عادتوں کو مٹا دیں ۔ شریعت نے نسیان کو طریقت نے غفلت کو حقیقت نے انکار کو معرفت نے جہالت کو ختم فرمایا ۔ اسی لیے حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے بارگاہِ مدیت احدیت میں عرض کیا ۔ اے پیارے نبی آپ بھی یاد کیجیے اُس وقت کو جب کہا ابراہیم خلیل نے اے میرے کثیر ہا نعمتیں دینے والے رب اور چاند سورج رات و دن کو مسخر بنانے والے معبود اس شہر مکہ کو بھی تا قیامت امن والا بنا دے اور ہر ظالم فسادی بدامنی پھیلانے والے جفا کار ۔ تخریب پسند دہشت گرد کو یہاں کے لیے ایسا مسخر کر دے کہ کسی جاندار کا دل دکھانا تو در کنار یہاں کا گھاس تنکا بھی نہ اکھاڑ سکے ۔ اور اگر کوئی کرے تو خود ہی تباہ ہی ہو جائے یہاں تک کہ یہاں کی ہوائیں فضائیں اور موسم بھی یہاں کوئی موذی امراض نہ لا سکے ۔ نہ کبھی قحط سالی آئے ۔ غرض کہ چاروں طرف ہر طرح کا امن و امان رہے ۔ اور دور دور تک یہ علاقہ حرم شریف بن جائے ۔ اور مجھ کو بھی دور رکھ اس طرح کہ میری عصمت قائم رہے اور کسی گناہ کی قدرت ہی نہ رہے جیسا کہ عصمت کی شان ہے وہ تا عمر باقی رہے انبیا کی خلقت میں مادۂ گناہ پیدا ہی نہ کیا گیا ۔ مگر عصمت ختم کرنے پر رب تعالیٰ قادر ہے اس لیے یہ دعا طلب کی گئی ۔ اور اے کریم میرے بیٹوں کو بھی دور رکھ اس بات سے کہ ہم میں سے کوئی کبھی پتھر لکڑی لوہے یا چاند سورج ستاروں یا آگ کے بتوں کو پوجیں ۔ اور اتنا دور کر دے کہ دل میں بھی خیال نہ آئے ۔ نہ کسی کی محبت پیدا ہو ۔ نہ ان کی تعظیم ہی ہم کر سکیں ۔ اس لیے کہ ۔ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِیۡرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَنۡ تَبِعَنِیۡ فَاِنَّهٗ مِنِّیۡ وَ مَنۡ عَصَانِیۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ اے میرے رحیم کریم ہادی رب بیشک ان بتوں نے اپنے وجود کے سبب یا اپنی چمک دمک خوبصورتی سے متاثر کر کے یا اپنی تیزی ۔ گرمی جاہ جلال سے مرعوب کر کے بہت سے احمق بیوقوف ظالم جاہل لوگوں کو گمراہ کر دیا ۔ سچے اللہ کے راستے سے بھٹکا دیا ۔ اے اللہ تیرے حکم کے مطابق ان تمام انسانوں

کو اپنی قوم کو تیری شریعت بتاتا۔ سناتا۔ سمجھاتا رہوں گا پھر اس میری تبلیغ کو سن کر جس نے میری اتباع فرمانبرداری کی میرے طریقے کو اپنایا اور نیک پاک مومن مخلص ہوگیا۔ تو بیشک وہ مجھ سے یعنی میرے امتیوں میں سے ہے اور جس شخص نے میری ہر طرح نافرمانی مخالفت اور مخاصمت کی۔ اس طرح کہ نہ شریعت پر عمل کیا نہ دین قبول کیا۔ نہ متقی بنے نہ مخلص۔ یا بدعمل ہوئے یا منکر تو بیشک تو اسے وَحْدَہٗ لاشریک سچے معبود توبہ کی توفیق دے کر بخشنے والا معاف فرمانے والا ہے اور ایمان کو توفیق دے کر دنیا و آخرت میں رحم فرمانے والا ہے میں نافرمانوں کا معاملہ اور برتاؤ تیرے سپرد کرتا ہوں کیونکہ تو مجھ سے زیادہ رحم والا ہے۔ بہرکیف جب تک نافرمانی کرتے رہیں گے میرا ان سے کوئی رابطہ تعلق اور قومی رشتے داری نہ ہوگی میں ہزاروں ایسے رشتوں کو تیرے رشتۂ محبت پر قربان کر دوں گا۔ اس لیے کہ میری نافرمانی دراصل تیری ہی نافرمانی ہے۔ کیونکہ میرا سب کچھ تیرا ہی ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا۔ اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی وہ ندا کہ اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ ذکر کر کے فرمایا کہ میں اپنی امت کی بخشش کا ہی طالب ہوں اور کافی دیر تک آہ و زاری کے ساتھ رب کی بارگاہ میں عرض کرتے رہے۔ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ اَللّٰهُمَّ اُمَّتِیْ اُمَّتِیْ اے رحیم میری امت کو ضرور ضرور معاف فرما۔ جبرائیل امین اللہ تعالیٰ کے حکم سے حاضر بارگاہ ہوئے اور عرض کیا اے آقا آپ کیا چاہتے ہیں فرمایا کہ امت کی بخشش رب نے بذریعہ جبریل پیغام بھیجا کہ اسے پیارے حبیب ہم تم کو تمہاری اُمت کے بارے میں راضی رکھیں گے۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

فائدے

ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا بارگاہِ الٰہیہ میں بہت پسندیدہ عبادت ہے۔ اس لیے دعا کا کوئی وقت معین نہیں۔ بلکہ دیگر عبادتیں بھی دعا کو جاری اور قائم رکھنے کے لیے فرض فرمائی گئی ہیں۔ نیز ہر عبادت میں دعائیں شامل فرمائی گئی ہیں کوئی عبادت دعا سے خالی نہیں۔ لہٰذا جو دعاؤں کی مخالفت کرے یا اپنے پاس سے وقت کی قیدیں لگاتا پھرے وہ گمراہ ہے۔ یہ فائدہ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کے عموم سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ قرآن مجید کے طریقۂ بیان اور طرزِ ذکر کے مطابق۔ عمومی خطاب یا عام لفظوں میں خواص کو شامل نہیں کیا جاتا۔ لہٰذا جب کبھی لفظِ انسان مذکور ہو یا انسان کو خطاب ہو تو انبیاء کرام اور اولیاء اللہ اس میں شامل نہ ہوں گے۔ جو شخص عام خطابات میں انبیاء کرام علیہم السلام کو شامل مانے یا سمجھے وہ بدترین جاہل و گستاخ ہے یہ فائدہ۔ اِنَّ الْاِنْسَانَ کے بعد لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شانیں اور صفات تمام دنیا و مَا فِیْهَا سے زائد ہیں۔ یہ فائدہ لَا تُحْصُوْهَا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ دیکھو رب تعالیٰ نے تمام ان کو قلیل فرما لیا۔ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ تو جو قلیل ہے اس کو تو تمام

انسان و جنات گن نہیں سکتے۔ پس جس کو رب تعالیٰ عظیم فرمائے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ اس کو کس طرح شمار کیا جا سکتا ہے۔ کتنے بدنصیب اور احمق ہیں وہ لوگ جو نبی کریم کی تعریف سے جلے مرتے ہیں اور اہلسنت پر طعن کرتے ہیں کہ تم اپنے آقا کی شان کو حد سے بڑھا دیتے ہو ایک دفعہ ہمارے پیارے اعظم چشتی نعت خوان نے ایک بہت بڑے ان کے مذہبی لیڈر خطیب پاکستان سے ان کے اسی طرح کے اعتراض پر فرمایا کہ حضرت جی تم سب مل کر آقا ء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کی حد بتا دو۔ حضرت جی ایسے چپ ہوئے کہ منہ چھپاتے بنی۔ یہ حال تو ان کے بڑوں کے علم کا ہے۔ اور ہاتھ کہاں ڈالتے ہیں۔ پیارے آقا ان پر میرے ماں باپ قربان ہوں ان کی شان کی حد ہی کسی کو معلوم نہیں تو حد سے بڑھے گا کیسے۔

احکام القرآن

اس آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق کسی شخص کا ذاتی نام لے کر اس کی چغلی یا غیبت یا برائی کرنا منع ہے۔ جب کہ برائی میں مشہور نہ ہو۔ لیکن علم نام لے کر برائی بیان کرنا جائز ہے۔ جیسے کہ کوئی یہ کہے لوگ برے کام کرتے ہیں۔ یا نبی کریم کے گستاخ گمراہ ہیں صحابہ کرام کو برا کہنے والے ظالم ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہ مسئلہ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ جو چیز گناہ کا سبب ہو اس کو مجرم قرار دینا یا ایسے شخص کو سزاء جرم کا مستوجب گرداننا شرعاً جائز ہے۔ یہ مسئلہ اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا سے مستنبط ہوا کہ دیکھو حضرت خلیل علیہ السلام نے گمراہی کا مجرم بتوں کو قرار دیا۔ حالانکہ پتھر کے بت تو کسی کو گمراہ ہونے کا حکم یا مشورہ نہیں دیتے نبی کی زبان قانونِ الٰہی کی زبان ہوتی ہے۔ لہٰذا والد اگر اولاد کو عالم استاد اپنے شاگردوں کو خطیب و امام اپنے مقتدیوں کو۔ پیر اپنے مریدوں کو والدہ اپنی بیٹیوں کو۔ بادشاہِ اسلام اپنی رعایا کو ٹھیک تربیت نہ دے تو شرعی مجرم ہے کہ وہ ذریعہ بن رہا ہے ان اپنوں اپنوں کی بے راہ روی کا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کافر کو اپنا سمجھنا شرعاً حرام ہے۔ اگرچہ اپنا قرابت دار یا ہم قوم یا اولاد ہو۔ یہ مسئلہ فَاِنَّهٗ مِنِّیْ سے مستنبط ہوا کہ نافرمانوں اور بے دینوں کو اپنا نہ فرمایا گیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا۔ هٰذَا الْبَلَدَ۔ اَلْبَلَدَ کا معرفہ اور سورۃ بقرہ میں ہے هٰذَا بَلَدًا نکرہ۔ **جواب**۔ سورۃ بقرہ شریف میں اس وقت کی دعا کا ذکر ہے جب ابھی یہ جگہ جنگل بیابان تھی اس کو شہر بھی بنانا ہے اور امن والا بھی۔ اس لیے هٰذَا علیحدہ ہے اِجْعَلْ کا مفعول بہ اول بَلَدًا اٰمِنًا یہ مرکب توصیفی علیحدہ ہے مفعول بہ دوم۔ لیکن یہاں اس وقت کی دعا کا ذکر ہے جب مکہ مکرمہ شہر بن چکا ہے اب صرف امن والا ہونے کی دعا ہے۔ اس لیے هٰذَا الْبَلَدَ جڑ کر مفعول بہ اول ہے اور اٰمِنًا۔ علیحدہ ہے مفعول بہ

ودم اور دونوں کا ترجمہ اس طرح ہے۔ سورۃ بقرہ۔ اے رب اس جنگل کو امن والا شہر بنا دے۔ سورۃ ابراہیم آیت یہی۔ اے رب اس شہر کو امن والا بنا دے۔ اس چیز کو بتانے کے لیے اس طرح یہاں ہوا اور اسی طرح حضرت ابراہیم نے اس وقت دعا مانگی تھی۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو تمام چیزیں دیں جو تم نے مانگیں۔ حالانکہ رب تعالیٰ نے نہ ہم سب کو وہ چیزیں دیں جو ہم نے مانگیں نہ ہم میں سے بعض کو وہ سب دیں جو انہوں نے یا ہم نے مانگیں۔ اور نہ ہی پوری چیز عطا فرمائی اور نہ ہر شخص کو تھوڑی تھوڑی عطا فرمائی تو پھر اس آیت کا معنی کیا ہے۔

جواب۔ اس کا جواب تفسیر مالمامد میں گزر گیا کہ ہمارا مانگنا صرف زبانِ قال ہی سے نہیں ہے بلکہ زبانِ حال اور زبان ضرورت سے بھی ہم مانگتے ہیں اور رب تعالیٰ نے ہماری ساری ہی ضرورتیں پوری فرما دیں۔ اگر ایک ضرورت بھی پوری نہ ہو تو بندہ مر جائے۔ ہم زبانِ قال سے مانگتے ہیں وہ اس لیے تمام نہیں دی جاتیں کہ ہم بلا ضرورت یا ضرورت سے زائد یا اکثر اپنے لیے نقصان دہ چیز مانگ لیتے ہیں اپنی کم عقلی سے۔ اس لیے وہ حکمت والا ہم کو نہیں دیتا۔ بعض نے جواب اس طرح دیا کہ اصل عبارت اس طرح ہے۔ وَاٰتٰکُمْ بَعْضًا مِّنْ جَمِیْعِ مَا سَاَلْتُمُوْہُ ترجمہ۔ اور دیا تم کو ان تمام میں سے بعض جو تم نے مانگا۔ مگر یہ جواب خواہ مخواہ تکلف ہے۔ جہاں تک ہو سکے پوشیدہ عبارت بنانے سے بچنا چاہیے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اہلسنت کہتے ہیں کہ نبی کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے مگر یہاں یہ دعا کہ اس شہر کو امن والا بنا قبول نہ ہوئی کیونکہ کعبہ پر اور مکے پر بہت دفعہ حملہ کیا گیا۔ اور کعبہ شہید کیا گیا یہ موجودہ کعبہ تعمیرِ خلیل نہیں ہے بلکہ تعمیر قریش اور نبی پاک ہے (دیو بندی وہابی)

جواب۔ امن سے مراد آفاتِ آسمانیہ بیماری قحط اور آپس کی خانہ جنگی ہے اس سے واقعی آج تک بلکہ تا قیامت محفوظ ہے۔ اور دعا حقیقتاً قبول ہے۔ بعض نے کہا یہ دعا پورے شہر کے لیے ہے کہ یہ ویران و برباد نہ ہو۔ اس لحاظ سے بھی قبول ہے **چوتھا اعتراض**۔ انبیاء تو معصوم ہوتے ہیں گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے پھر یہ دعا کہ وَاجْنُبْنِیْ مجھ کو بت پرستی سے بچا۔ کیوں مانگی ؟۔

جواب۔ اس کے بارے مفسرین کے تین قول ہیں۔ نمبر ۱۔ اس لیے کہ مجھ کو معصومیت پر قائم رکھ۔ نمبر ۲۔ یا اس لیے کہ بت پرستی کے وسوسوں سے بچا یعنی قلبی خیال سے بچا۔ کہ یہ شرکِ خفی ہے۔ نمبر ۳۔ اس لیے کہ اظہار بندگی بعجز اور دعا میں شمولیت ہے۔ **پانچواں اعتراض**۔ حضرت ابراہیم نے دعا میں کہا وَبَنِیَّ۔ اور میرے بیٹوں کو بھی بت پرستی سے بچا۔ حضرت ابراہیم کے بیٹے حقیقی صرف دو تھے حضرت اسماعیل اور اسحاق۔ اور بَنِیَّ۔ جمع ہے ان کی جس سے مراد آپ کی آئندہ نسل ہے اور وہ قبیلہ قریش ہے۔ وہ بت پرست ہوئے۔ تو ثابت ہوا کہ یہ دعا بھی قبول نہیں ہوئی۔ (وہابی دیو بندی)

جواب۔ تفسیر میں اس کا جواب دیا گیا ہے یہاں اتنا سمجھو کہ یہ دعا اس وقت موجودہ اولاد بیٹوں پوتوں کے لیے تھی اور اس وقت وہ سب مومن و صحابی ہی رہے۔ لہٰذا دعا قبول ہوئی۔ بعد میں قبیلہ قریش والے اگر گمراہ ہو جائیں تو دعا کی قبولیت میں فرق نہیں آیا اور قریش بھی سارے کافر ہونے تھے جس سے ثابت ہوا کہ دعاء خلیل بعض کے لیے قیامت تک قبول ہوئی۔ چھٹا اعتراض۔ مِنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ کا معنیٰ من بعضیتہ کی وجہ سے یہ کیا جائے کہ بعض کو دیا بعض کو نہ دیا۔ یا ہر ایک کو تھوڑا تھوڑا دیا کیا جائے تو یہ معنیٰ تین وجہ سے غلط ہوتا ہے نمبر ا۔ آگے ارشاد ہے لَا تُحْصُوْهَا تم ان نعمتوں کو گن نہیں سکو گے اور نہ گن سکنا کثرت کو ثابت کرتا ہے جب کہ بعضیت کثرت کے خلاف ہے۔ آپ کے تفسیری معنیٰ سے تعارض آیات ہو گیا۔ نمبر ۲۔ لَا تُحْصُوْهَا فرمانا اِمْتِنَانٌ احسان جتلانا ہے اور بعض پر احسان نہیں مناسب ہوتا۔ لَا تُحْصُوْهَا میں تو سب کو شامل کیا گیا لیکن دینے میں بعض کو دیا۔ تو لَا تُحْصُوْهَا کی عمومیت کیونکر درست ہوگی۔

جواب۔ سابقہ جوابات میں ہمارا جواب تو یہی ہے کہ اللہ نے سب بندوں کو سب ہی نعمتیں عطا فرمائیں صرف مانگنے والی زبانوں کا فرق ہے زبانِ قال زبانِ حال اور زبانِ ضرورت۔ اس جواب پر تو کوئی اعتراض نہیں پڑتا آپ کا یہ اعتراض جواب دوم پر ہے اور ان کی طرف سے جواب اس طرح ہے کہ رب تعالیٰ کی بعض نعمتیں بھی اتنی کثیر ہیں کہ لَا تُحْصُوْهَا گنی نہیں جا سکتیں نیز یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ بعض دیں بعض نہ دیں اور جو بعض دیں وہ ان بعض سے زیادہ ہوں جو نہ دیں۔ اور رہا یہ کہنا کہ جن بعض افراد کو بالکل نہ دیں وہ کیا گنیں گے انکو لَا تُحْصُوْهَا میں کیوں شامل کیا گیا تو اس کا جواب یہ کہ وہ لوگ ان نعمتوں کو گنیں جو بن مانگیں دی گئیں لَا تُحْصُوْهَا میں یہ قید تو نہیں ہے کہ کونسی نعمتیں گنو۔ بن مانگے تو ہر شخص کو ہی دی گئیں اور کثیر دی گئیں۔ بعضیت کا احتمال تو فقط سَاَلْتُمُوْهُ والی نعمتوں میں ہے۔ ساتواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ تَعُدُّوْا اور تُحْصُوْا عربی لغت میں مرادف یعنی ہم معنیٰ ہے تو نفی کیونکر درست ہوئی۔ ترجمہ اس طرح ہوگا کہ اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو گنو۔ یا نہ گن سکو۔ یہ تو عجیب فقرہ (جملہ) بن گیا۔

جواب۔ یہ دونوں ہم معنیٰ نہیں ہیں بلکہ تَعُدُّوْا کا معنیٰ ہے گننے لگو یعنی گننا شروع کرو۔ یہ ابتدا تو ہر انسان کے لیے ممکن ہے۔ آگے نفی ہے وہاں دوسرے مادہ مصدر کا فعل استعمال فرمایا کہ لَا تُحْصُوْهَا اس کا معنیٰ ہے گنتی کی صحیح تکمیل کرنی۔ یہ انسانی جناتی اور ملکوتی طاقت و علم سے ناممکن ہے۔ اسی مثال آگے آٹھویں اعتراض جواب میں عرض کی گئی۔ آٹھواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا تُحْصُوْهَا گن نہیں سکتے۔ جس سے ثابت ہوا کہ نعمتیں غیر متناہی ہیں حالانکہ نعمتیں مخلوق ہیں اور مخلوق غیر متناہی نہیں ہو سکتی۔

جواب۔ لَا تُحْصُوْهَا سے ہرگز غیر متناہی ہونا ثابت نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے۔ بلکہ یہاں کثرت نعمت کی بنا پر

گننے کی طاقت اور ہمت کی نفی ہے۔ اور انسانی طاقت بہت سی غیر متناہی تو درکنار معمولی متناہی اشیا گننے سے بھی قاصر ہے۔ دیکھو ایک بڑے درخت کے پتے بہت متناہی اور تھوڑے ہیں مگر انسان گن نہیں سکتا اور اسی طرح دریا کے قطرے اللہ کی نعمتیں تو اس سے کہیں زیادہ ہیں۔ ان آیت کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت ۳۷ تا آیت ۳۹ کے ساتھ کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ

اے رب ہمارے بیشک میں نے آباد کیا کچھ اولاد اپنی بیچ جنگل بے کھیتی

اے میرے رب میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی

زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ ۙ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا

والی تیرے عزت دئے ہوئے کے ۔ اے رب ہمارے چاہیئے کہ قائم رکھیں

نہیں ہوتی تیرے حرمت والے گھر کے پاس اے ہمارے رب اس لیے کہ وہ نماز

الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ

وہ نماز کو پس بنا دے تو دلوں کو طرف سے لوگوں کے کہ جھک جائیں

قائم رکھیں تو تُو لوگوں کے کچھ دل اُن کی طرف مائل

اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ (۳۷)

طرف اُن کی اور رزق عطا فرما تُو اُن کو کچھ پھلوں کا تاکہ شکر کرتے رہیں

کر دے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں

رَبَّنَآ اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ ؕ وَمَا یَخْفٰی

اے رب ہمارے بیشک تو ہی جانتا ہے جو ہم چھپاتے ہیں اور جو ہم ظاہر کرتے ہیں اور نہیں چھپ سکتی

اے ہمارے رب تو جانتا ہے جو ہم چھپاتے اور جو ظاہر کرتے ہیں اور اللہ پر

عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿۳۸﴾

پر اللہ کے کوئی چیز میں زمین اور نہ میں آسمان

کچھ چھپا نہیں زمین میں اور نہ آسمان میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ

کروڑوں حمد ہیں یے اللہ کے وہ جس نے عطا کیا مجھ کو بڑھاپے۔ اسمٰعیل

سب خوبیاں یے اللہ کے جس نے مجھے بڑھاپے میں اسمٰعیل و

وَاِسْحٰقَ ؕ اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۹﴾

اور اسحاق۔ بیشک رب میرا البتہ سننے والا ہے دعا کا۔

اسحٰق دیئے بیشک میرا رب دعا سننے والا ہے

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم کی دعا کا ذکر ہوا جس کے تین پہلو تھے۔ نمبر۱۔ عقائد نمبر۲۔ اعمال۔ نمبر۳۔ رزقِ حلال۔ پہلے ایک حصہ نقل فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں دوسرے دو حصہ نقل فرمائے گئے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی عطا اور کثرتِ نعمت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم کی دعا قبول فرما کر اُس کا عملی ثبوت پیش فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں انسان کو ظالم اور کافر ارشاد ہوا اب ان آیتوں میں فرمایا جا رہا ہے کہ انبیا اور اولیا اللہ اور ان کے اہلِ مجلس اللہ تعالیٰ کے شاکر بندے ہیں۔ اور یہ معلوم ہوا کہ عام الفاظ و القاب خطابات میں خواص شامل نہیں ہوتے۔

تفسیر نحوی

رَبَّنَا اِنِّيْ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ۔ رَبَّنَا۔ دراصل تھا یا ربنا۔ رب مضاف نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ۔ بقاعدۂ نحو منادیٰ مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے۔ یہاں ربّ اسی لیے مفتوح ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ی ضمیر واحد متکلم اسم ہے اِنَّ اس لیے محلاً۔ اَسْكَنْتُ فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد متکلم باب افعال

سے ہے۔ مصدر ہے اِسْکَانٌ۔ متعدی بیک مفعول ہے بمعنی ٹھیرانا سُکُوْنٌ سے مشتق ہے لازم ہے بمعنی ٹھیرنا۔ رہائش رکھنا۔ سکونت اختیار کرنا۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ ذُرِّیَّت اسم مفرد جامد مؤنث ہے ذَرْءٌ یا ذَرٌّ سے بنا ہے۔ بمعنی چھوٹی اولاد۔ بکھرے ذرات پیدا کی ہوئی چیزیں۔ یہاں پہلے معنی ہیں۔ اصطلاح میں ہر بڑی چھوٹی اولاد کو ذریت کہتے ہیں۔ مضاف ہے مجرور ہے مِنْ سے یْ ضمیر متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ بِ جارّہ بمعنی فِیْ ظرفیہ مکانیہ وَادٍ۔ اسم فاعل ہے دراصل تھا وادی تخفیف کے لیے یْ لام کلمہ کو گرا دیا اور عوض میں تنوین لگا دی وَدْیٌ سے بنا ہے بمعنی جنگل میدان۔ بیابان۔ جب اس کے آخر میں تْ تانیث ہو تو معنی ہوتے ہیں پہاڑی درہ نالہ۔ پہاڑوں کے درمیان لمبا تنگ راستہ۔ یہاں مراد مکہ مکرمہ کا اس زمانے کا ریگستانی لق و دق میدان ہے۔ مجرور ہے بِ جارّہ سے تنوین عوضی ہے موصوف ہے مابعد کا۔ غَیْرِ حرف استثنائی ہے مجرور ہے مضاف الیہ ماقبل کا اور مضاف ہے مابعد کا اس لیے کسرہ بلاتنوین ہے۔ ذِیْ اسماء ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اسم ظاہر کی طرف۔ بحالتِ کسرۃ ذِیْ ہوتی ہے۔ مضاف الیہ ہے غیر کا اس لیے مجرور ہے زَرْعٍ۔ مصدر بمعنی اسم مفعول یعنی مزروع یا ترجمہ ہے کھیتی۔ اسم نکرہ ہے تنوین تنکیری ہے یعنی بالکل کھیتی نہیں۔ عِنْدَ اسم ظرف مکانی ہے بمعنی قریب پاس ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ظاہر بھی ہوتا ہے ضمیر بھی۔ بَیْتٌ۔ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر بُیُوْتٌ بَیْتٌ مصدر مادہ کا حامل مصدر ہے باب ضرب میں جاری ہوتا ہے۔ بمعنی رات گزارنا ہے۔ اصطلاح میں کوٹھری کو یا بڑے کمرے کو بیت کہتے ہیں۔ مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے عِنْدَ کا۔ تنوین نہ آئی کیونکہ مضاف ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل کا جس کا مرجع رَبَّنَا ہے۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ۔ مُحَرَّم اسم مفعول واحد مذکر باب تفعیل سے ہے مصدر تَحْرِیْمٌ ہے حَرَمٌ سے بنا ہے بمعنی عزت کرنا اسی سے ہے احترام اور بمعنی منع کرنا۔ اسی سے ہے حرام اور بمعنی روکنا۔ اسی سے ہے محروم۔ محرّم بمعنی عزت کیا ہوا یہ صفت مفعولی ہے یعنی لوگ اس کی عزت کریں محرّم بمعنی حرام کیا ہوا یہ صفت فاعلی ہے یعنی اس کی ہیبت نے بعض کام یہاں حرام کر دیئے۔ بحالتِ جر ہے صفت ہے بیت کی۔ رَبَّنَا۔ اسم منادیٰ مضاف برائے تاکید دعا لِیُقِیْمُوْا فعل امر غائب معروف صیغہ جمع مذکر ھُمْ ضمیر فاعل مستتر کا مرجع ذریت ہے۔ باب اِفعال سے ہے۔ مصدر ہے اقامت۔ الف لام عہد خارجی صَلٰوۃ اسم معرفہ لغوی ترجمہ دعا ہے منقول شرعی نماز ہے۔ مفتوح ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ فَ تعلیلیہ بمعنی اس لیے اِجْعَلْ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ اَنْتَ ضمیر واحد اس میں مستتر ہے فاعل ہے اس کا مرجع رَبَّنَا ہے باب فَتَحَ سے ہے جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ بہر حال متعدی ہوتا ہے۔ اَفْئِدَۃً اسم جمع مکسر نکرہ ہے اس کا واحد فُؤَادٌ ہے ترجمہ ہے دل کا اندرونی باطنی حصہ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اِجْعَلْ کا مِنْ جارّہ زائدہ بیانیہ مضاف الیہ پر داخل ہوا وضاحت اور بیان کے لیے۔ الف لام استغراقی۔ ناس اسم جنسی معنوی جامد اور جمع ہوتا ہے جار و مجرور متعلق ہے اجعل کا تَھْوِیْ

فعل مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث ۔ ھَوِیٌ سے بنا ہے ۔ باب ضَرَبَ سے ہے بمعنی خواہش کرنا ۔ مائل ہونا ۔ جھکنا ۔ تیزی سے گزر جانا ۔ پھینک دینا ۔ گر پڑنا ۔ یہاں پہلے دو معنی مراد ہیں ھِیَ ضمیر واحد مؤنث اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اَفْئِدَۃً ہے فاعل جمع ضمیر ہے لیکن صیغہ واحد آیا اس لیے کہ غیر ذوی العقول ہے ۔ یہ جملہ حال ہے اَفْئِدَۃً کا اِلٰی حرف جر انتہاء غایت کے لیے ہے ھِمْ ضمیر کا مرجع ذریت ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے اِجْعَلْ پر اُرْزُقْ ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف واحد مذکر ہے اَنْتَ ضمیر اس میں مستتر ہے وہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع رَبّ تعالیٰ ہے ۔ رِزْقٌ سے بنا ہے روزی دینا ھُمْ ضمیر منصوب متصل کا مرجع ذریت ہے مفعول بہ ہے ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ الف لام استغراقی ثمرات ۔ اسم جامد جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے ثَمْرَۃٌ اور اس کا مذکر ثَمَر ہے جمع مکسر مذکر اَثْمَارٌ یا ثُمُرٌ ہے ۔ ترجمہ ہے پھل میوہ ۔ مراد ہر قسم کی غذائیں ہیں ۔ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ فعل مضارع احتمالی ۔ صیغہ جمع مذکر غائب ۔ باب نَصَرَ سے ہے متعدی بیک مفعول ہے ۔ اس کا مفعول بہ لفظ اللّٰہ پوشیدہ ہے ۔ شُکْرٌ سے بنا ہے بمعنی احسان مند ہونا ۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع ذریت ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہے ماقبل اعمال کا ۔ رَبَّنَا اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۔ رَبّ منادیٰ مضاف ہے اس لیے مفتوح ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے منادیٰ کا ۔ یا حرف ندائیہ پوشیدہ ہے ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ۔ ہمزہ اصلیہ مکسور ہے یا اس لیے ہوا کہ قَالَ کے بعد ہے اگرچہ دور ہے مقولہ سب ایک ہی ہے ۔ یا اس لیے ہوا کہ یہاں سے علیحدہ عبارت ہے اور اِنَّ شروع کلام میں واقع ہوا ۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل اسم اِنَّ ہے ۔ اور اس کا مرجع رَبَّنَا ہے ۔ اگلا جملہ اِنَّ کی خبر ہے ۔ تَعْلَمُ ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع بمعنی حال صیغہ واحد مذکر حاضر ۔ اَنْتَ ضمیر حاضر مستتر اس کا فاعل اور مرجع رَبّ ہے ۔ عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا متعدی بدو مفعول ہوتا ہے ۔ یہاں بیک مفعول ہے ۔ مَا اسم موصول ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تَعْلَمُ کا غیر عقل کے لیے مستعمل ہے مگر یہاں عموم کے لیے ہے ۔ نُخْفِي ۔ فعل مضارع معروف مثبت باب افعال سے ہے مصدر ہے اِخْفَاءٌ ۔ بمعنی چھپانا باب افعال ہمیشہ متعدی ہوتا ہے ۔ خَفِيٌّ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی چھپنا ۔ صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر جمع متکلم اس کا فاعل اس کا مرجع تمام انسان خطاب رَبّ حضرتِ ابراہیم اور ذریت ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے مَا نُخْفِي پر مَا اسم موصول محلاً نصب کیونکہ معطوف ہے پہلے مَا پر ۔ نُعْلِنُ ۔ باب افعال کا فعل مضارع معروف مثبت صیغہ جمع متکلم ۔ مصدر ہے اِعْلَانٌ ۔ بمعنی ظاہر کرنا ۔ عَلَنٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی ہیچ کر بولنا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ صلہ ہوا مَا کا ۔ اسی طرح وہ پہلا موصول صلہ ہوا ۔ اور یہ تمام جملہ عاطفہ مفعول بہ ہے تَعْلَمُ کا ۔ واؤ حالیہ یا سر جملہ مَا يَخْفٰى باب فَتَحَ کا مضارع منفی معروف مَا نافیہ اکثر ماضی کو منفی بناتا ہے مگر جب مضارع میں زمانی عموم ہو تو اس پر مَا آ جاتا ہے ۔ اس کا نام ہے منفی بِمَا ۔ صیغہ واحد مذکر غائب ۔ ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع مَا موصولہ سابقہ ہے مگر ظاہراً مِنْ شَيْءٍ فاعل ہے ۔ اور مِنْ زائدہ

نکیرہ فاعل پر داخل ہوا ہے۔ عَلَی حرف جر بمعنی عِنْدَ ظرفیہ ہے۔ یعنی اللہ کے نزدیک ۔ اللہ اسم مفرد معرفہ ذاتی علم ہے ۔ جار و مجرور متعلق ہے مَا یَخْفیٰ کا ۔ مِنْ جارہ زائدہ لغو ہے ۔ شَیْءٍ ظاہراً مجرور ہے مِنْ سے مگر محلاً (ہلتا) مرفوع کیونکہ فاعل ہے مَا یَخْفیٰ کا ۔ بعض کے نزدیک یہاں کُلُّ یا جَمِیْعُ پوشیدہ ہے اور مِنْ شَیْءٍ اُس کے متعلق اور وہ فاعل ہے منفی فعل کا ۔ شَیْءٍ موصوف ہے ۔ فِی جارہ ظرفیہ ۔ الف لام استغراقی اَرْضِ اسم مفرد مونث لفظی جار و مجرور معطوف علیہ ۔ واؤ عاطفہ جمع کے لیے لَا عاطفہ تاکید کے لیے فِی جارہ ظرفیہ ۔ الف لام استغراقی سَمَاءِ اسم مفرد جامد علم صفاتی ہے آسمانِ حقیقی کا جار و مجرور معطوف ہے ۔ پھر دونوں متعلق ہیں موجودٍ پوشیدہ کا ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے شَیْءٍ کی ۔ ایک ترکیب میں ۔ صرف پہلا جار و مجرور متعلق ہے موجودٍ پوشیدہ صفت کا ۔ وَلَا فِی السَّمَاءِ کا عطف مَا یَخْفیٰ پر ہے ۔ اور یہاں ایک فعل یَخْفیٰ پوشیدہ پہلے فعل مَا یَخْفیٰ کے قرینے سے ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ ۔ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ الف لام استغراقی بمعنی تمام حَمْدُ ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد ۔ بمعنی ذاتی صفات کی شان و فضیلت بیان کرنا ۔ حمد ۔ مدح ثنا اللہ اور شکر کا فرق انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا ۔ لام جارہ ملکیت کا ۔ اللّٰہِ بحالتِ کسرہ ہے لام جارہ کی وجہ سے حَمْدُ بحالتِ رفع مبتدا ہے ۔ لِلّٰہِ سے پہلے ثابتٌ اسم فاعل پوشیدہ ہے جار و مجرور کا پورا جملہ ثابتٌ کے متعلق ہے اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے حَمْدُ مبتدا کی ۔ اللہ موصوف ہے ۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر ۔ وَھَبَ ۔ فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر پوشیدہ اِس کا فاعل ہے اور اُس کا مرجع اللہ ہے ۔ باب ضَرَبَ ۔ لِیْ ۔ لام جارہ مفعولیت کا ی ضمیر واحد متکلم کا مرجع ابراہیم ہے یہ جار و مجرور متعلق ہے وَھَبَ کا ۔ وَھَبَ وَھْبٌ سے مشتق ہے بمعنی بخشنا عطا کرنا ۔ بغیر طلب کے دینا ۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنی فِی ظرفِ زمانی ۔ الف لام عہدی یا جنسی ۔ کِبَرِ ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد ہے ۔ ایک قول میں مبالغے کا صیغہ ہے بمعنی بڑھاپا ۔ بروزنِ فِعَلٌ جار و مجرور متعلق دوم ہے وَھَبَ کا ۔ اِسْمٰعِیْلَ ۔ اسم عجمی اور علم ہے ۔ عبرانی یا سریانی لفظ تھا اب عربی ہوا ۔ اس لیے غیر منصرف ہے ۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے اِسْمٰعِیْلَ پر ۔ اِسْحٰقَ ۔ اسم مفرد عجمی علم ہے عبرانی یا سریانی لفظ ہے اب عربی ہے لہٰذا غیر منصرف ہے تنوین سے مانع بھی غیر منصرف ہوتا ہے ۔ بحالتِ فتحہ عطف تابع ہے اِسْمٰعِیْلَ پر ۔ اِنَّ ۔ حرفِ تحقیق بمعنی بیشک ۔ یقیناً ۔ یہ نیا کلام ہے ۔ رَبِّیْ ۔ مرکب اضافی بمعنی میرا رب اسم اِنَّ ہے ۔ لام کُہ لغو زائدہ ہے ۔ تاکیدِ خبریہ کے لیے ہے سَمِیْعُ ۔ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لیے ۔ بمعنی بہت اور ہمیشہ ہر ایک کی ۔ سننے والا ۔ باب کَرُمَ سے ہے ۔ سَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی سننا بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبرِ اِنَّ ہے مضاف ہے ۔ اَلدُّعَآءِ ۔ الف لام استغراقی ۔ دُعَا اسم مصدر بمعنی طلب کرنا ۔ مانگنا ۔ فریاد کرنا ۔ شکایت کرنا ۔ یہاں ہر معنی ہو سکتا ہے ۔ یہاں حاصل مصدر اسم جامد بھی ہو سکتا ہے ۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے ۔ سَمِیْعُ کا ۔ دَعْوٌ مادۂ اشتقاق ہے ۔ بمعنی بلانا ۔ پکارنا ۔

مانگنا۔ دعا کی جمع ادعیہ۔ ایسے دعوت جس کی جمع ہے دعوات۔

تفسیر عالمانہ

رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔ اے ہمارے پالنے والے بیشک میں نے صرف تیری رضا کی خاطر چھوڑ دی ہے اپنی کچھ اولاد اور ذریت اہل خانہ یعنی اسماعیل اور ان کی آئندہ نسل ریت ٹیلوں کی ایسی میدانی جنگل میں جو بنجر خشک پتھریلی چٹیل بے کھیتی والی زمین ہے تیرے عزت احترام والے اور طوفانِ نوحی سے بچائے ہوئے مکرم گھر کے پاس۔ یہاں کی سکونت اس لیے ہے تاکہ وہ نماز قائم رکھیں نمازی بنیں۔ اے ہم سب کے رب کریم یہاں کی سکونت میں بجز تیری عبادت کے اور کوئی غرض دنیوی نہیں کیونکہ یہاں تو دنیوی کوئی چیز ساز و سامان ہے ہی نہیں کھیتی باڑی تک نہیں۔ مقصود تیری شریعت ہے نماز ان میں سب سے بڑا رکن ہے۔ نماز سارے ایمانیات کی اصل ہے۔ اور تیرا یہ گھر کعبہ معظمہ مرکز اسلام و قرآن و حدیث ہے۔ خیال رہے کہ حضرت ابراہیم کا غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ کہنے سے تین مقصد ہیں ایک یہ کہ یہاں کوئی دنیوی غرض کے لیے رہنے نہ آئے۔ دوئم یہ کہ یہاں کے رہنے والے اپنے آپ کو محض رب تعالیٰ کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں۔ تمام ظاہری دنیوی اسباب سے یکسر منہ موڑ لیں۔ سوئم یہ کہ حضرت ابراہیم بھی ساری زندگی دعائیں مانگتے رہے اور یہاں رہنے والے بھی اپنی ہر ضرورت کے لیے ہمیشہ اسی رب کے آگے ہاتھ پھیلاتے رہیں پس اے کریم جل جلالک۔ کچھ لوگوں کے دلوں کو محبت سے بھر کر ان کی طرف جھکا دے مائل کر دے کہ وہ ادھر آئیں ان کی مخلوں مجلسوں سے شریعت طریقت اور معرفتِ الٰہی کے درس لیں موحد مومن مخلص بنیں خالی جھولی آئیں مرادوں سے بھری جھولی لے کر جائیں۔ تجلیات کعبہ سے نور کی جلا پائیں۔ ان کے بلانے میں بھی کوئی دنیوی غرض نہیں ہے۔ اے رازق مالک اللہ ان کی دنیوی اغراض ضروریات تو ہی پوری فرما اور رزق عطا فرما ان کو ہر موسم میں ہر قسم کے پھلوں کا۔ میری غرض الیٰ عادؐں سے یہ ہے تاکہ وہ شکر کریں فراغت دامن و عافیت کا رزق پاکر ہر وقت تیری بارگاہ میں نمازوں نیازوں سے سجدہ ریز رہیں۔ اور شاید تیری توفیق ان کی دستگیری فرمائے تو واقعی وہ شاکر بندے بنے رہیں۔ رَبَّنَا اِنَّکَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِیْ وَمَا نُعْلِنُ وَمَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ لِیْ عَلَی الْکِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ اے ہمارے رب کریم بیشک تو وحدہٗ لاشریک یقیناً ان تمام باتوں رازوں بھیدوں کو جانتا ہے جو ہم تملم تا قیامت انسان اپنے دل دماغ اور سینوں میں۔ قلبی ارادوں۔ عقلی نکتوں اور سینے کے غم و فراق کو چھپاتے رہیں گے اور اس کو بھی تو جانتا ہے جو ہم اپنی زبانوں دعاؤں اپنی حالتوں۔ باتھ

بہرے کے عملوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ تو اللہ عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ہمارے متعلق کُلّی علم ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر تو کوئی چیز بھی مخفی نہیں نہ روئے زمین پر نہ آسمان میں۔ ہر ہر ذرہ اُس پر عیاں ہے خود انسان کو اپنے اندر کا اپنی پشت کا نہیں پتہ مگر اللہ اُن تمام کو بھی جانتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی دلیل تو خود انبیاء علیہم السلام اور اولیاءِ کاملین کا عطائی علم ہے۔ یہاں علم نبوت کی نفی نہیں۔ اور جاننے والے قلبی ارادوں کو اور دعاؤں کو سننے والے اللہ تعالیٰ کا کروڑ کروڑ شکر بے حد ہے۔ اُسی کے لیے سب تعریفیں ہیں جس نے عطا فرمایا مجھ کو اسمٰعیل فرزندِ اکبر جو میری سینکڑوں دعاؤں کی نشانی ہے۔ آپ نے اپنے پہلے بیٹے کا نام بھی اپنی دعا کی یادگار مناتے ہوئے اسمٰعیل رکھا۔ جس کا ترجمہ ہے ’’سن لے یا اللہ‘‘ اصل تھا اشمع یا ایل۔ عقنا ایل عبرانی میں اللہ تعالیٰ کا ذاتی یا صفاتی یعنی اللہ نام ہے۔ یا اس کا معنی ہے بہت ہی فرماں بردار بھولا بھالا۔ جس وقت اسمٰعیل پیدا ہوئے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر شریف ننانوے ۹۹ سال تھی (روح البیان) بعض قول میں چونسٹھ ۶۴ سال تھی۔ اور مجھ کو دوسرا بیٹا اسحٰق عطا فرمایا۔ یہ بھی عبرانی لفظ ہے تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ دراصل تھا اضحاک۔ جس وقت حضرت اسحٰق پیدا ہوئے اُس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ایک سو بارہ ۱۱۲ سال تھی اور حضرت اسمٰعیل تیرہ ۱۳ سال کے بچے تھے۔ یہ صحیح روایت کے مطابق ذبح کا واقعہ ولادتِ اسحٰق سے تقریباً دو ۲ سال پہلے ہو چکا تھا اور تعمیر کعبہ کا واقعہ چار سال بعد ہوا۔ اس وقت آپ نے یہ دعا مانگی۔ بیشک میرا اللہ جو میرے سارے معاملات کا پروردگار ہے۔ البتہ یقیناً قبولیت کا سننے والا ہے میری دعا کو۔ ایک قول میں۔ سارحمٰی سے الشماء تک جملہ معترضہ ہے اللہ تعالیٰ کا قول ہے لیکن ایک صحیح قول میں یہ بھی حضرت ابراہیم کا ہی مسلسل قول ہے۔

اِن دعاؤں کا تاریخی اور تفسیری اقوال سے مختصر واقعہ اور پس منظر

یہاں سورۃ ابراہیم میں آیت ۳۵ سے آیت ۴۱ تک حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تقریباً نو ۹ دعائیں مانگی ہیں۔ ایک قول میں ہے کہ یہ سب دعائیں تعمیر کعبہ کے بعد ایک ہی دفعہ ایک محفل میں ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر مانگی۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ سب دعائیں علیحدہ علیحدہ مختلف وقتوں میں مانگی تھیں۔ تیسرا قول ہے کہ یہ سب دعائیں ایک دم ہی مانگیں مگر اس وقت جب کہ حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیل شیر خوار کو پہلی دفعہ لق و دق بیابان جنگل ریگستان میں چھوڑ کر گئے تو کعبہ مکرمہ سے تقریباً ایک میل دور ثنیہ پہاڑی جانب شام کھڑے رُخ بطرف کعبہ فرما کر یہ دعائیں مانگیں مگر پہلا قول زیادہ درست ہے۔

مختصر قصہ یوں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً اکیس سو ساٹھ ۲۱۶۰ سال قبل علاقہ فلسطین دار الخلافہ

بابل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت پاک ہوئی سوائے آپ کے والدین کے باقی سب اہل قرابت بت پرست تھے آپ کا چچا آذر بُت پرستوں کا سردار تھا۔ یہ زمانہ نمرود بن کوش بن حام بن نوح علیہ السلام کا تھا۔ یہ اپنے ایک زمانہ میں کچھ مدت ساری دنیا کا بادشاہ گزرا ہے اس نے خدائی کا دعویٰ کیا تھا حضرت ابراہیم نے اپنی تیس سالہ عمر سے نمرود کا مقابلہ فرمایا آپ کی عمر تقریباً اکیاون سال تھی جب نمرود نے آپ کو آگ میں ڈالا آپ بحکم پروردگار چالیس دن آگ میں رہے۔ تمام کافروں نے دیکھا مگر آذر اور نمرود اور اس قوم کے تمام افراد کافر ہی رہے صرف ایک ہزار مومن بنے۔ آپ کی کل امت پانچ ہزار کے قریب تھی جب کہ آپ کی پوری قوم چھ لاکھ تھی۔ جب قوم و نمرود کی سختیاں حد سے بڑھیں تو آپ اپنے والد تارخ اور اپنے دو بھائیوں کے ساتھ ہجرت کر کے شام چلے آئے وہاں آپ کی پہلی شادی نکاح اپنی ماموں زاد حضرت سارہ سے ہوئی۔ آپ کافی زمانہ شام میں رہے پھر جب وہاں قحط کے آثار شروع ہوئے تو حضرت ابراہیم اپنی بیوی سارہ اور اپنے بھتیجے حضرت لوط علیہ السلام کے ساتھ شام سے ہجرت کر کے مصر کی طرف روانہ ہوئے۔ حضرت سارہ کی عمر حضرت ابراہیم سے دس سال چھوٹی تھی آپ خوبصورت تھیں۔ مصر کی ہجرت قبل مسیح بیس سو بیاسی سال ہے۔ اس اعتبار سے اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر پچھتر سال اور سارہ کی عمر پینسٹھ سال ہوتی ہے۔ اس وقت مصر کا پہلا بادشاہ فرعون اول علوان بن سنان بن نحور بن سروج بن رعو بن فلج بن ہود علیہ السلام بن سلخ بن ارفکسد بن سام بن نوح علیہ السلام بن لمک بن متوسلخ بن ادریس علیہ السلام بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام بقول مصنف انبیاء قرآن یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ننھیال ہے۔ یہ سب مومن موحد ہوئے ہیں۔ فرعون اول علوان بہت زبردست مومن بادشاہ گزرا ہے قوم ہود علیہ السلام میں سے تھا اور حضرت ہود کا امتی تھا مگر بہت عاشق مزاج حسن پرست تھا شہر میں جو خوبصورت عورت آتی اس کو جبراً ظلماً حاصل کر کے اپنی بیوی بنا لیتا تھا۔ اگر خاوند کے ساتھ ہوتی تو خاوند کو قتل کرا کے بیوہ بنا کر حاصل کر لیتا اور اگر کنواری ہوتی اور والد یا بھائی کے ساتھ ہوتی تو بہت سامال جانور دے کر حاصل کر لیتا۔ حضرت ابراہیم کو اپنے علم غیب کے ذریعہ اس کی اس علت کا پتہ چل گیا۔ آپ نے سارا سے فرمایا کہ جب تم سے بادشاہ کے لوگ یا بادشاہ پوچھے کہ تم کس کے ساتھ ہو تو کہنا کہ اپنے بھائی کے ساتھ ہوں اور دل میں دینی بھائی ہونے کا ارادہ کرنا۔ اور جب تم سے نکاح کرے تو تم زبان سے کچھ بھی نہ بولنا دل میں انکار کرنا۔ پھر آگے اللہ حفاظت فرمانے والا ہے چنانچہ بادشاہ کے مخبروں نے بادشاہ کو خبر دی اور آپ کو پکڑوا کر محل میں بلوا لیا گیا۔ پہلے سارا سے پوچھا کہ یہ تمہارے ساتھ ابراہیم تمہارا کیا ہے آپ نے فرمایا میرا بھائی۔ پھر خود ابراہیم علیہ السلام سے پوچھا آپ نے بھی فرمایا میری بہن ہے تب اس نے حضرت ابراہیم کو بہت سا مال دیا اور رخصت کر دیا اور پھر جب حضرت سارا کو خلوت میں بلوا کر ہاتھ لگانے لگا تو ہاتھ خشک ہو گیا بہت گھبرایا اور دعا کی درخواست آپ نے دعا

کی تو ٹھیک ہوگیا پھر ہاتھ لگانے لگا تو پھر فالج زدہ ہوگیا پھر دعا کی درخواست آپ نے پھر دعا کی اچھا ہوگیا۔ اس طرح سات مرتبہ ہوا تو وہ بہت گھبرایا اور کہا تو جادوگرنی ہے جا چلی جا ایک روایت میں ہے کہ اس نے یہ کہتے ہوئے کہ میرے پاس ایک اور بھی جادوگرنی ہے وہ بھی تو اپنے ساتھ لیجا اور حضرت ہاجرہ کو پکڑ کر حضرت سارہ کے حوالے کر دیا اور سارہ ہاجرہ کو لے کر حضرت ابراہیم کے پاس آئیں اور تمام واقعہ سنایا اور کہا کہ یہ ہاجرہ میری لونڈی بن کر خدمت کرے گی اس روایت کے مطابق حضرت ہاجرہ سلطان مغرب کی شہزادی تھیں کسی جنگ میں شکست ہوئی اور علوان نے ہاجرہ کو قیدی بنالیا اور بادشاہ کو قتل کر دیا یا ان کا والد بادشاہ مصر ہی تھا علوان بادشاہ نے شکست دی اور ہاجرہ کی خوبصورتی کی بنا پر ان کو اپنی بیوی بنالیا مگر ہاجرہ راضی نہ تھیں آپ بچپن سے بہت ہی عابدہ زاہدہ اور ولیہ کاملہ تھیں۔ جب علوا بادشاہ ان کو ہاتھ لگانے لگا تو اس وقت بھی اس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا ان پر بھی کسی طرح تمام مدت تمابو نہ پاسکا تھا اس لیے آج اس نے دونوں عورتوں کو جادوگر کا لقب دیا۔ دوسری روایت اس طرح ہے کہ جب علوان نے سارہ کو جادوگرنی کہا تو آپ نے سب حقیقت حال بیان فرمادی کہ میں جادوگرنی نہیں بلکہ رب تعالیٰ نے تیرے ظلم سے مجھ کو بچایا ہے۔ اس نے کہا تو میری جائز بیوی ہے ظلم کب ہے تو آپ نے فرمایا ابراہیم میرے خاوند ہیں اور ہم نے تیرے ظلم سے بچنے کے لیے اپنے آپ کو دینی بہن بھائی ظاہر کیا ہے وہ ابراہیم اللہ کے نبی ہیں ان کو کچھ نہ کہنا اور تو نے ایک معیبت تو ابھی دیکھ لی ہے حسب نسب پوچھا تو اپنی قرابت نکلی اس لیے اور بھی بادشاہ بہت متاثر ہوا اور اپنی سگی بیٹی ہاجرہ خدمت گزاری کے لیے حضرت سارہ کو بخش دی اس طرح حضرت ہاجرہ ابراہیم علیہ السلام کے اہل خانہ میں شامل ہوئیں۔ آپ سب کو لے کر کئی علاقوں میں پھرے مگر آپ کا دل نہ لگا تو آپ چھ سال کی سیاحت کے بعد پھر مستقل طور پر شام میں مکمل رہائش پذیر ہوگئے۔ اس رہائش کے تقریباً تین سال بعد حضرت سارہ نے حضرت ابراہیم سے عرض کیا کہ آپ اس شہزادی سے نکاح فرمالیں شاید رب تعالیٰ ہم کو کوئی اولاد عطا فرمائے آپ نے نکاح فرمایا اس وقت آپ کی عمر شریف پچاسی سال تھی۔ اس ترتیب سے وہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ چونسٹھ سال کی عمر میں تھے تو حضرت اسماعیل پیدا ہوئے ایک روایت ہے حضرت سارہ نے ہاجرہ کے ملنے کے پندرہ سال بعد جب آپ کی عمر شریف ستانوے سال تھی تب نکاح کرایا اور ایک سال بعد جب خلیل علیہ السلام کی عمر ننانوے سال تھی تب حضرت اسماعیل پیدا ہوئے اور یہ درست ہے۔ حضرت ہاجرہ سارہ سے دس سال تقریباً چھوٹی تھیں یہ دوسری شادی ایک روایت کے مطابق حضرت عیسیٰ سے بیس سو پچہتر سال پہلے ہوئی۔ اور مکہ مکرمہ خانہ کعبہ کے پاس ہجرت انیس سال بعد ہوئی مگر صحیح یہ ہے بیس سو تہتر یعنی دو سال بعد ہوئی۔ جب کہ حضرت اسماعیل کی عمر تقریباً گیارہ ماہ تھی۔ جب فرزند ہاجرہ ولادت ہوا تو حضرت سارہ کو غیرت آئی اور غصہ میں کہا کہ میں ہاجرہ کے ناک کاٹ کر اس کو بدصورت کروں گی اور اس پر آپ نے قسم کھالی۔ حضرت ابراہیم کو پتہ لگا تو آپ نے فرمایا یہ تو حرام ہے۔ اور قسم اس طرح پوری کر

لگے دونوں کان اور ناک کے نرم گوشت میں سوراخ کر دو اور ایک جگہ ایک ہی حصہ سلے اس طرح کہ اپنی قسم پوری کی حضرت ہاجرہ نے خوب ایک ایک ناک اور کانوں میں سونے چاندی کے کیل بندے وغیرہ پہنے تو اپنے زر گر سے کیل بنوا کر کان ناک میں پہن لیے سارہ نے دیکھا کہ یہ تو اب زیادہ خوبصورت لگ رہی تب آپ نے قسم کھائی کہ اس کو وہاں نکلوا دوں گی جہاں بھوک پیاس سے مر جائے۔ اور حضرت ابراہیم سے عرض کیا کہ ہاجرہ اور اس کے شیر خوار بچے کو جنگل میں چھوڑ آؤ اب یہ میرے پاس نہیں رہ سکتی۔ حضرت ابراہیم نے استخارہ کیا تو رب کی طرف سے جواب آیا اے ابراہیم جیسے سارہ کہتی ہے ویسے ہی کرو اور ان کو فاران کی پہاڑیوں میں مروہ کے پاس چھوڑ آؤ۔ چنانچہ عاشورہ کے دن حضرت ابراہیم گھر سے نکلے اور خچر لیے ایک پر خود بیٹھے ایک پر حضرت ہاجرہ اپنے بچے کے ساتھ بیٹھیں بوقت عصر شام کے علاقے سے خانۂ کعبہ کے پاس پہنچیں آگئے ایک روایت میں ہے کہ تین دن کے سفر کے بعد پہنچے آپ نے حضرتِ ہاجرہ کو وہاں اتارا ایک مشکیزہ پانی کا ایک تھیلی کھجوروں کی دی۔ اور واپس چل پڑے ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پیچھے دوڑ پڑیں اور پکاریں کہ اے پیارے خلیل اس سنسان ویران بیابان ریگستان نہ پانی نہ سایہ نہ کوئی مکان۔ نہ کہیں جان نہ پہچان۔ کس کے سہارے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ آپ نے کوئی جواب نہ دیا آپ نے گیارہ دفعہ یہ کلمات عرض کئے اور گیارہویں بار کہا کیا آپ کو رب تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے تب آپ نے صرف اشارے سے فرمایا ہاں تو آپ واپس پلٹ آئیں اور عرض کیا کہ اب ہم کو کوئی فکر نہیں۔ اللہ ہم کو ضائع نہ فرمائے گا حضرت ابراہیم دونوں خچر لے گئے ایک روایت میں ہے کہ ایک ہی خچر تھا جس پر دونوں بیٹھے تھے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ تین یا چار دن انہی کھجوروں اور پانی پر گزارہ فرمایا جب ختم ہو گیا تو آپ فکر مند ہوئیں ادھر اسماعیل علیہ السلام شدت گرمی اور بھوک پیاس سے بے حال ہو رہے تھے۔ آپ سے یہ دیکھا نہ گیا۔ آپ بچے کو اسی طرح اپنے دوپٹے پر لٹا کر کوہ صفا کی طرف دوڑیں اور اوپر چڑھ کر ادھر ادھر دیکھا کہ شاید کہیں کوئی آدمی کوئی دہ کہیں گھر نظر آئے۔ مگر ہر طرف ویران بیابان تھا۔ پھر وہاں سے اتر کر دوڑیں اور مروہ پر چڑھیں اس طرح سات چکر لگائے اور ہر چکر میں اپنے لخت جگر کو دیکھتی جاتی تھیں جب نیچی ہوتیں اور بچہ نظر نہ آتا تو بیتابی میں دوڑ پڑتی تھیں۔ آج یہی سنت ہاجرہ ہے جس کی یاد ہر وقت سعی سے منائی جاتی ہے۔ جب ساتواں چکر پورا ہوا تو کچھ آواز سنائی دی آپ نے اپنے سے فرمایا مَہ یعنی چپ اور سانس روک کر آواز سنی پھر آپ بچے کی طرف دوڑ پڑیں تو دیکھا کہ حضرت اسماعیل کے قدموں کی جگہ سے پانی کا چشمہ ابل رہا ہے۔ آپ انتہائی خوش ہوئیں اور ریت کی دیوار بنا کر چاروں طرف پانی کو حکم دیا زم۔ زمُ۔ ٹھیر جا ٹھیر جا۔ یعنی بہنے سے رک جا۔ حدیث پاک میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر حضرت ہاجرہ۔ زم۔ زم۔ نہ فرماتیں تو یہ پانی ایک بہتا ہوا چشمہ ہوتا معلوم ہوا کہ غیر جن و انسان پانی وغیرہ اولیاء اللہ کے تابع فرمان ہیں آپ کے زم زم فرمانے سے یہ چشمہ کنوئیں کی شکل اختیار کر گیا۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ پانی کس طرح نکلا ایک قول ہے کہ جبریل نے پر مار کر پانی نکالا۔ دوسرا قول ہے کہ حضرت ہاجرہ کے گرنے سے پانی نکلا تفسیر بیان اور کبیر نے ایک یہ قول بھی نقل فرمایا کہ حضرت اسماعیل کے قدموں کی رگڑ سے پانی کا چشمہ ابل پڑا۔ اور یہ ان کا بچپنی معجزہ یعنی اِرْہاص تھا۔ میرے نزدیک یہ قول قوی ہے اسی

لیے کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تو اس چیز کو مخفی رکھا گیا نہ جبریل کا نام لیا گیا نہ حضرت ہاجرہ کے خود دیکھنے کا کسی روایت میں ذکر ہے نہ جبریل ہو کوئی اور فرشتہ۔ لیکن البتہ نبی کے قدموں کی ٹھوکر اور پاؤں مارنے کی رگڑ سے چشمہ جاری ہونے کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح موجود ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کو حکم فرمایا اُرْكُضْ بِرِجْلِكَ هٰذَا مُغْتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ (سورہ ص ۴۲) ترجمہ۔ اے ایوب اپنے پاؤں سے ٹھوکر ماریئے۔ جب آپ نے پاؤں سے ٹھوکر ماری تو چشمہ جاری ہو گیا۔ اور فرمایا گیا یہ ہے چشمہ نہانے اور پینے کو۔ جب یہاں نبی کی ٹھوکر سے اللہ تعالیٰ چشمے بہا سکتا ہے تو حضرت اسماعیل کے چھوٹے چھوٹے پاؤں کی رگڑ سے بھی چشمہ جاری ہو سکتا ہے۔ اس طرح کہ آپ خاموشی سے انگوٹھا چوس رہے تھے اور بچوں کی طرح پاؤں چلا رہے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب پہلی بار اپنے ان گھر والوں کو یہاں چھوڑا تو اس وقت وہ دعا مانگی جو پہلے سیپارے میں درج ہے سورۂ بقرہ آیت ۱۲۶ یوم الآخر تک۔ لیکن سورۂ ابراہیم والی دعائیں اس وقت مانگی جب حضرت اسمٰعیل تقریباً سترہ یا اٹھارہ سال کے تھے اور کعبہ معظمہ بنا کر فارغ ہوتے تھے کعبے شریف کی تعمیر ابراہیمی حضرت مسیح سے دو ہزار چون سال پہلے ہوئی۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ جنگل میں چھوڑنے کے وقت ہی یہ سب دعائیں مانگیں ان پر یہ سوال پڑتا ہے کہ ان دعاؤں میں تو بیتک ہے حالانکہ جس وقت حضرت ہاجرہ کو چھوڑ گیا اس وقت تو بیت اللہ تعمیر ہی نہ ہوا تھا۔ اس کا جواب یہ دیتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کو غیب سے پتہ تھا کہ یہاں پہلے بیت اللہ تھا میں اسی کے پاس چھوڑ رہا ہوں۔ مگر یہ جواب کمزور ہے اس لیے کہ بیت کا پتہ تھا مگر حرم نہ تھا حرم تو ابراہیم علیہ السلام نے ہی بنایا۔ حضرت ابراہیم نے تین وقت دعائیں مانگیں۔ نمبر ۱۔ جنگل میں چھوڑتے وقت۔ نمبر ۲۔ تعمیر کعبہ کے وقت۔ نمبر ۳۔ تعمیر سے فارغ ہو کر۔ خانہ کعبہ کے بارے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ حضرت آدم علیہ السلام کا بنایا ہوا کعبہ طوفان نوح میں آسمان پر اٹھا لیا گیا تھا۔ دوسرا یہ کہ کعبہ وہیں سلامت رہا تھا مگر طوفان اس کے آس پاس آیا مگر کعبہ سے دس۔ دس میل دور رہا تھا یہ بعد میں شہید ہوا سوم یہ کہ طوفان سے ہی کعبہ شہید ہوا اور طوفان نے تمام پتھر بہا دیئے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ حضرت ابراہیم کی کل عمر ایک سو پچھتر ۱۷۵ سال ہوئی حضرت سارا کی ایک سو ستائیس ۱۲۷ سال اور حضرت ہاجرہ کی نوے ۹۰ سال عمر ہوئی حضرت سارہ کے انتقال کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر شریف ایک سو سینتیس سال تھی احادیث مشہورہ معتبرہ سے تو آپ کی صرف دو بیویاں مذکور ہیں مگر بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ حضرت سارہ کے انتقال کے بعد آپ نے ایک عورت قطورہ سے شادی کی جس سے چھ ۶ بیٹے ہوئے حضرت شعیب کا نسب انہی سے چلتا ہے انجیل پیدائش میں بھی یہ لکھا ہے مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ حضرت شعیب بنی اسرائیل سے تھے اور سب بنی اسرائیل اسحاق سے ہیں نہ کہ کسی قطورہ کی اولاد سے۔ حضرت اسماعیل کی کل عمر ایک سو سینتیس ۱۳۷ سال ہے وفات خلیل علیہ السلام کے وقت آپ کی عمر شریف نواسی ۸۹ سال تھی۔ حضرت اسحاق آپ سے تیرہ ۱۳ سال چھوٹے تھے اسحاق علیہ السلام کی کل عمر ایک سو اسی ۱۸۰ سال ہے۔ وصال ابراہیم علیہ السلام کے وقت آپ کی عمر شریف چھہتر ۷۶ سال تھی۔ حضرت ہاجرہ قبطی نسل

تھیں۔ مفسرین نُخْفِیْ اور نُعْلِنُ میں چند اقوال فرماتے ہیں۔ نمبر ۱۔ نُخْفِی یعنی چھپانے سے مراد وہ محبت ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے دل میں حضرت ہاجرہ کی تھی اور وہ شفقت و پیار جو حضرت اسماعیل کا تھا اور نُعْلِنُ سے مراد حضرت سارہ کی وہ زیادتی جو سوکن کے گھر لڑکا اور اولاد ہونے کی وجہ سے کی اور حضرت خلیل کا ان کو جنگل بیابان میں چھوڑ جانا۔ کہ ظاہراً یہ ظلم تھا مگر عین حکمت باری تھی اس لیے کوئی تصور وار نہیں نمبر ۲۔ نُخْفِی سے مراد دلی دعا اور نُعْلِنُ سے مراد زبانی دعا۔ نمبر ۳۔ نُخْفِیْ سے مراد بذاتِ خود ہاجرہ اور ان کا فرزند ہے جن کو جنگل میں قبیلے سے دور چھپا دیا۔ اور نُعْلِنُ سے مراد خود سارہ ہیں جن کو پاس رکھ لیا۔ ظاہراً یہ ہاجرہ و اسمٰعیل کی حق تلفی ہے مگر حکم ربی تھا اس لیے دعاؤں میں اُس کا ذکر کیا۔ بہر حال رب تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ساری دعائیں قبول فرمائیں اور ملک شام کا ایک نہایت ہی سرسبز پھلدار علاقہ ملک شام سے بذریعہ جبریل اُٹھوا کر۔ مکہ مکرمہ سے قریب رکھ دیا اس کا نام طائف رکھ دیا گیا اس لیے کہ شام سے اُٹھا کر لایا گیا اور اس طرح لائے جانے کو عربی میں طواف کہتے ہیں۔ یا اس لیے کہ حضرت جبریل نے اس پورے پہاڑ کو اپنے ہاتھ پر اُٹھا کر کعبہ کے سات چکر لگوائے۔ جس کو آج بھی طواف کہا جاتا ہے مطاف میں حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کے علاوہ تقریباً ستر انبیاء کرام کے مزارات ہیں جن میں آدم علیہ السلام بھی ہیں۔ حضرت سارہ و اسحاق۔ ابراہیم علیہما السلام کے مزارات شام کی ایک مسجد میں ہیں اس گاؤں کا نام آج کل الخلیل ہے۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بارگاہِ خداوندی میں صرف رب تعالیٰ کے انبیاء وہ شان رکھتے ہیں کہ ان کی ہر دُعا قبول ہوتی ہے اور یہ محبوبیت کی اعلیٰ نشانی ہے۔ نبی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو کوئی محبوب نہیں۔ ادھر تو دیوبندی وہابی اس چیز کے منکر ہیں اور ادھر بعض پیر پرست جاہلوں نے انبیاء کی توہین کے لیے ایسی گستاخانہ کہانیاں بنا ڈالی ہیں خدا ان کو ہلاک کرے مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے بارے یہ کہانی بنا ڈالی کہ۔ ایک عورت نے بچے کے لیے دعا کرائی موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے ذکر کیا رب نے فرمایا اس کی قسمت میں اولاد نہیں پھر ایک ولی اللہ جو گداگر تھا (بھیک مانگنے والا) اس نے گلی میں آواز لگائی کہ جو مجھ کو روٹی کھلائے گا اُس کو اولاد (بیٹا) ہوگا۔ ایک روٹی کا ایک بچہ۔ دو کے بدلے دو۔ اُس عورت نے دو روٹیاں کھلائیں تو دو بیٹے ہوئے وہ موسیٰ علیہ السلام کو دکھانے لائی تو موسیٰ علیہ شرمندہ اور پریشان ہو گئے اور رب تعالیٰ سے طور پر جا کر عرض کیا مولیٰ یہ کیا مجھ سے فرمایا کہ اس کی قسمت میں نہیں اور اب اس کو دے دیے رب نے کہا ہمارے ایک محبوب نے وعدہ کر لیا تھا۔ جو تم سے زیادہ محبوب ہے کہ تم ہمارے نام پر اپنا سر نہیں دے سکتے مگر وہ دیتا ہے۔ (استغفر اللہ) یہ کسی خبیث آدمی کی بناوٹی کہانی ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی بھی گستاخی ہے کہ گویا معاذ اللہ پہلے رب نے بھی غلط بیانی کی۔ پھر ہمارے اخباری خُطبا سوچتے سمجھتے نہیں اندھے بن کر

لکھ دیتے ہیں بیان کر دیتے ہیں یہ کہانی کئی مرتبہ اخبار جنگ لندن میں چھپ چکی ہے یہ سراسر کفر ہے۔ ولی تو درکنار غوث و قطب بلکہ صحابی بھی انبیاء کرام کے آستانوں کے جھاڑو کش ہیں۔ اور یہی خدمت ان کی بلند شان کی وجہ ہے۔ یہ تو محض ملاّ مختلّی کی خود ساختہ بیہودہ باتیں ہیں مگر بارگاہِ الٰہیہ میں ان کی بہت شانیں ہیں یہ فائدہ۔ تَسۡمِیۡعُ الدُّعَآءِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ جس طرح تمام عبادات میں ثواب کے اعتبار سے روزہ سب سے افضل اسی طرح قربِ الٰہی کے اعتبار سے نماز سب عبادات سے اعلیٰ و افضل ہے۔ اسی لیے حضرت خلیل علیہ السلام نے آبادیِ مکہ کو نماز کا سبب قرار دیا یعنی یہ شہر مکرم نماز کے لیے آباد کر رہا ہوں۔ تیسرا فائدہ۔ نیک متقی لوگ خاص کر نمازیوں کی عزت اور عوام کے دلوں میں اُن کی الفت و محبت ہونا یہ سب تعالیٰ کا کرم اور دعاء خلیل کا اثر ہے کہ اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا تو صرف اہلِ مکہ کے لیے مانگی تھی مگر دیگر نیکوں کی بھی بات بن گئی اور ان تک بھی اس دُعا کا اثر ہو گیا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر صاحب اولاد مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی کچھ اولاد کو مکمل طور پر دینی تعلیم دینی خدمات کی طرف لگائے اور کچھ اولاد دنیوی ضروریات کی طرف مائل کرنا مستحب ہے یہ مسئلہ۔ مِنۡ ذُرِّیَّتِیۡ میں مِنۡ تبعیضیہ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ۔** انبیاء کرام کے متعلق یہ بد گمانی کرنی کہ ان کی دعائیں قبول نہیں ہوئیں سخت حرام ہے۔ یہ مسئلہ فَاجۡعَلۡ اَفۡئِدَۃً (الخ) اور حضرت ابراہیم کی ان تمام دعاؤں کے موجودہ مشاہداتی تاثر سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** اللہ تعالیٰ سے دینی دنیوی دونوں دعائیں مانگنی جائز ہیں یہ مسئلہ تَہۡوِیۡۤ اِلَیۡہِمۡ اور وَارۡزُقۡہُمۡ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ پہلی دعا تَہۡوِیۡۤ۔ (الخ) دینی دعا ہے کہ حج اور عمرے اور حاضری کعبہ کی دعا ہے۔ اور دوسری وَارۡزُقۡ (الخ) دنیوی دعا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں اُس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اتنی کثیر دعائیں مانگیں مگر جس وقت نارِ نمرود میں جا رہے تھے تو کوئی دعا نہ مانگی اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب۔ تین وجہ سے۔ نمبر ۱۔ اس لیے کہ وہاں امتحان اور ابتلا تھا آج التجا ہے۔ نمبر ۲۔ اس لیے کہ وہاں اپنا معاملہ تھا یہاں غیروں کا معاملہ ہے یعنی تا قیامت اولاد مومنین کی فلاح و نجات کی دعا۔ ۳۔ وہاں صرف نارِ نمرود تھی جس کا تعلق صرف ذاتِ خلیل سے تھا۔ اور امتحان ربِّ جلیل کا تھا۔ جہاں جلنا ضروری تھا۔ جانے میں ہمت اور قوت نبوت اور خود داری کا ثبوت دینا تھا ورنہ جلنے میں اور بچنے کی دعائیں مانگنے میں بزدلی کا اعتراض ہونا تھا۔ اور جا کر نارِ نمرود کو گلزار بنوانا قدرتِ الٰہیہ کی شان دکھانا اور سینکڑوں نمرودیوں کو کلمہ پڑھانا تھا۔ یہاں نورِ مصطفیٰ سے کعبے کو بچانا

تھا اہل سعادت کی جبینوں سے حرمِ پاک کو بسانا تھا اور تا قیامت کروڑوں اہل اللہ کا کام بنانا تھا۔ اِس دعا کا تعلق بہت سے لوگوں کے بہت سے معاملات سے تھا۔ اس لیے اب دعاؤں کا وقت ہے۔ کہ رب جلیل نے کہا تو خلیل نے مانا اب خلیل کی باری ہے جلیل مانے گا۔ **دوسرا اعتراض**۔ حضرت ابراہیم نے دعا میں کہا اَفْئِدَۃً مِّنَ النَّاسِ۔ چاہیے تھا کہ اَفْئِدَۃَ النَّاسِ فرماتے بغیر مِنْ کے۔ **جواب**۔ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ اگر مِنْ جنسیت کا دعا میں شامل نہ کیا جاتا تو دوسرے دین والے بھی حج کرنے آجاتے اور کفار کو روکا نہ جا سکتا نیز حضرت ابراہیم کی اپنی خواہش بھی تھی کہ نہ حدودِ کعبہ میں مشرکین داخل ہوں نہ آنے آئیں کہ لاذوحام عوام یہاں کے باشندوں کو بار خاطر ہو اور کفار و مشرکین کو حج و عمرہ کرنا فضول بھی ہے کہ جب ایمان نہ ہو تو حاضری بیکار۔ بعض نے کہا کہ اَفْئِدَۃً کا ترجمہ گروہ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ بمعنیٰ دل ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ جب رب تعالیٰ نے ازل ہی سے سب کا رزق مقسوم فرمادیا تو دعاءِ رزق کیوں مانگی۔ **جواب**۔ دعا رزق کی نہیں بلکہ رزق کی اقسام کی ہے یعنی پھل بھی عطا ہوں اور اسی شہر میں بھیج۔ یہاں کے لوگوں کو اپنی قسمت کھانے کے لیے کہیں جانا نہ پڑے۔ **چوتھا اعتراض**۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وَھَبَ یہ تو شکر ہے۔ پھر اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ۔ کیوں عرض کیا؟

جواب۔ یہ اشارہ الحمد للہ کی طرف نہیں بلکہ اپنی اُس پہلی دعا کی طرف ہے جو رَبِّ ھَبْ لِیْ سے مانگی تھی۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا رَبَّنَا اِنِّیْ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ۔ اے میرے رب بیشک میں نے سکونت دی اپنی کچھ ذریت کو بغیر کھیتی والی جنگل میں۔ آپ کی تفسیر عالمانہ سے معلوم ہوا کہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دُعا اُس وقت مانگی جس وقت حضرت ہاجرہ کو چھوڑ کر گئے لیکن بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دعا سولہ سال بعد اُس وقت مانگی جب تعمیر کعبہ مکمل ہو چکی۔ لیکن دونوں تفسیروں پر اس طرح اعتراض وارد ہوتا ہے کہ اگر پہلے وقت کی دعا مراد لی جائے جب ابھی چھوڑ کر گئے ہیں تو اَسْکَنْتُ فرمانا ٹھیک نہیں کیونکہ اَسْکَنْتُ کا معنیٰ ہے خانہ آبادی گھر میں رہائش دینا۔ اسی سے ہے تسکین۔ سکینہ۔ اِس کا مادۂ اشتقاق ہے سُکُوْنٌ سَکَنٌ جس کا معنیٰ ہے آرام دینا۔ تو جب ابھی نہ گھر نہ در نہ کھانا نہ پینا۔ نہ کوئی آس نہ پاس نہ خیمہ نہ بستر۔ تو پھر یہ سکونت کیونکر ہوئی۔ یہاں بجائے اَسْکَنْتُ کے اَتْرَکْتُ یا اَنْزَلْتُ ہونا چاہیے۔ تھا یعنی میں نے چھوڑا یا میں نے اُتارا۔ اور اگر تعمیر کعبہ کر چکنے کے بعد یہ دعا مانگی گئی تو پھر وَادٍ کہنا غلط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ وادی کا لغوی ترجمہ ہے بیابان اور ویران جنگل۔ حالانکہ تعمیر کعبہ کے وقت یہ جگہ قبیلۂ جُرہم کی آمد سے ایک چھوٹا شہر بن چکا تھا۔ اب یہ وادی نہ رہی تھی۔ اس کا ازالہ کس طرح ہو سکتا ہے۔ **جواب**۔ ہم نے اپنی تفسیر عالمانہ میں اگرچہ یہ دونوں قول نقل کئے ہیں مگر ترجیح ہم نے اس بات کو دی ہے کہ یہ دعا تعمیر کعبہ سے فراغت کے بعد مانگی تھی۔ اور اُس وقت حضرت ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام بہت اچھے اور مکمل طریقہ سے آبادی اور سکونت اختیار کر چکے تھے۔ اس لیے اَسْکَنْتُ فرمانا اس اعتبار سے

بالکل درست ہوا۔ رہا اس شہر کو وادی فرمانا تو خیال رہے کہ وادی صرف جنگل بیابان کو نہیں کہا جاتا۔ بلکہ ہر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جس کو چھوٹے یا بڑے پہاڑوں نے گھیرا ہو۔ وہ جگہ خواہ بہت بڑا میدان ہو یا جنگل ہو یا چھوٹی جگہ۔ اور لمبائی میں نالے کی شکل ہو تو "وَادِیَۃ" کہا جاتا ہے۔ لیکن لمبائی اور چوڑائی والے میدان کو وادی کہا جاتا ہے۔ اگرچہ وہاں شہر بنا ہو۔ اس معنی کے لحاظ سے آج بھی مکہ مکرمہ کو وادیِ مکہ کہا جاتا ہے۔ دیکھو مقام تیہ جہاں تقریباً پانچ لاکھ بنی اسرائیل چالیس سال آباد رہے اس کو وادیِ تیہ کہا گیا صرف آس پاس پہاڑوں کی وجہ سے۔ لہٰذا اس بستی کو حضرتِ ابراہیم علیہ السلام کا وادی کہنا درست ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں

تفسیر صوفیانہ

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ۔ اے عالم ناسوت کے باشندو تمہاری زمینِ نفس پر قلب کا آسمان پیدا فرمایا اور حکمت کا پانی نازل کیا اور طاعتوں کے پھل نکالے تمہاری ارواح کا رزقِ لذاتِ تقویت بناکر شریعت کی کشتی کو طریقت کے دریا میں تمہارے لیے مسخر اور جاری فرمایا حق اور حقانیت کے اراد وٗ باطنی سے نہ کہ خواہشات و طبیعت کے حکم سے۔ اس لیے تاقیامت یہ کشتی لاہوتی دریاۂ معرفت میں منزلِ طریقت کی سمت ابدالآباد تک رواں دواں رہے گی کروڑھا مخالفتوں سے بھی نہ رک سکے گی۔ جو کشتی ہواؤ ہوس کی لہروں پر خواہشات کے امر سے چلتی ہے وہ جلدی ڈوبتی ہے اور ساحلِ حقیقت پر نہیں پہنچتی حالانکہ محنت و مشقت اور فاصلۂ سفر دونوں کا برابر ہوتا ہے یہی فرق دنیا میں دنیا دار اور دین دار کا ہے ساری مسافتوں ہم نے تمہاری طلب تمہارے بغیر مانگے اپنے کرم سے تمہارے بغیر مانگے اپنے کرم سے تمہارے لاکھوں فائدوں کے لیے علوم دینیہ کی نہریں مسخر کر دیں۔ اس لیے قرآن و حدیث اور فقہ اسلامی تم پر آسان ہو گیا۔ اور مکاشفے کے سورج اور مشاہدات کے چاند کو تاقیامت مسخر فرما دیا جو دامنِ قادریت چشتیتِ نقشبندیت سہروردیت کے آسمانوں میں ہمیشہ دائبین یں کشف و مشاہدے سے چلنے والے ہیں۔ انہی سے لیل بشریت۔ بشریتِ انسانیتِ کمال کی رات اور روحانیت کا دن مسخر کیا تاکہ فیضِ الٰہی کی قبولیت کی استعداد ہر ایک کو میسر ہو یہ ازل کا حسین استعداد تھا۔ لیکن عالمِ وجود انوارِ جسم اسرار اعضاء اَحْسَنِ تَقْوِیْم کا لباسِ فاخرہ تم کو اسی اللہ نے دیا پھر سفلیات میں تم کو نازل فرماکر تمہاری خواہشات طبیعات۔ ضروریات کے مطالبہ پر تم کو بے شمار توفیق و ابتلا کی نعمتیں اور اسباب دیئے تاکہ تم پھر اسفل السافلین میں سے اعلیٰ علیین کی طرف معراجِ صعود اور تاجِ معرفت حاصل کر لو۔ یہ تمام اتنی کثیر نعمتیں ہیں کہ اگر تم گننا چاہو تو نہیں گن سکتے۔ کچھ نعمتیں مخلوق سے متعلق ہیں اور کچھ نعمتیں معارفِ ربوبیت اور لطائفِ الوہیۃ سے متعلق ہیں اور ان تمام کا فائدہ مخلوق کو ہی ہے یہ سب ہی غیر متناہی رب ہے انتہا ہیں اور انسانِ کامل شجرِ کائنات کا وہ پھل ہے جس نے مقصدِ کائنات کو ظاہر کر دیا لیکن ناقص ظالم ہے کیونکہ اس نے اپنی خداداد استعداد اور صلاحیت کو حق تعالیٰ سے دوری اور باطل سے نزدیکی کے لیے استعمال کیا۔ اور سخت ناشکرا ہے

کہ انعاماتِ الٰہیہ کی قدر کی معرفتِ انوار حاصل نہ کی۔ اور خزانہ اسرار سے منہ پھیرا۔ وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَؕ رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضۡلَلۡنَ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ‌ۚ فَمَنۡ تَبِعَنِىۡ فَاِنَّهٗ مِنِّىۡ‌ۚ وَمَنۡ عَصَانِىۡ فَاِنَّكَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ اور التجاء فرمائی ابراہیم منیر اور خلیل اللہ نے اے میرے اخلاقِ حمیدہ کی پرورش فرمانے والے اس شہرِ قلب کو قحطِ انوار مرضِ فراق اور مصائبِ حجاب سے امن والا بنا۔ اور میرے سینۂ بے کینہ کو اپنے انوار کے مکین سے امن کی رونق والا بنا۔ اور مجھ کو بھی حسبِ سابق اور میری روح و جسد کو بھی جن سے میرے اعمال کی نسل چلتی ہے دنیوی خواہشات اور مشتبہات حواسِ خمسہ کے بتوں کی عبادت و اطاعت دور سے رکھ۔ اور مجھ کو مشاہدۂ خلیلی اور میرے اہلِ نسل کو مشاہداتِ نبوت کے آستانے سے دور نہ فرما۔ اے کریم مالک توفیق۔ ہماری محبتِ الٰہیہ کے لمحاتِ سعید میں غفلت کے ایسے خطرات بھی نہ آئیں جس سے ہم میں کوئی نفرت کے بتوں کی طرف مائل ہوں۔ کیونکہ خانۂ جسدی میں خواہشاتِ حرص و ہوس کے کئی بت موجود ہیں اسے سب باز رکھو ہم کو شرکِ خفی سے کہ ہم اپنی ذات کو تیرے وسیلہ کے بغیر دیکھیں۔ عارفین کے لیے وسیلۂ عظمیٰ ذاتِ مصطفیٰ ہے کہ انہی کے اسوۂ حسنہ سے نفوسِ عارفین کو یہاں ہے اور سینہ و دل کا نکھار ہے اور ظاہر و باطن کا سنوار ہے۔ جب کہ نفسِ امّارہ سز اکبر ہے۔ اے میرے محبوبیت کو پرورش فرمانے والے میرے اللہ۔ ان خواہشاتِ دنیا اور لالچ دولت نے تجھ سے دور حجابِ باطل میں پھنسا کر اور دنیا پرستی میں جذب کر کے بہت سوں کو گمراہ کر دیا اور تجلیاتِ انوار کی لذت سے جھٹکا دیا تو مجاہدۂ شوق اور غلبۂ ذوق سے میرے کہنے اور نقشِ قدم پر چلے گا۔ اور جس نے قوتِ روحانیہ کو تیری بارگاہ میں خرچ کیا تو وہ مجھ سے ہے۔ کہ اس کا قلب میرا قلب ہے اس کی طینت (طینتِ مخلص) میری طینت ہے اور اس کی روح میری روح اس کا سر یعنی بھید میرا بھید ہے۔ اس کا مشرب میرا مشرب ہے اس کا قرب میرا قرب ہے۔ وہ میرا پیارا اور میں تیرا پیارا۔ اور جس بُرے نصیب والے نے میری نافرمانی کی کہ تیرے حجاب اور دوری والا راستہ اختیار کیا تو ہر مقام میں وہ تیرے سپرد ہے خواہ اس کی ظلمۂ کثیف کو نورِ لطیف سے بدل دے۔ اور خزانۂ بخشش سے نواز دے یا فضائلِ کمال سے رحمت فرمائے۔ اے رب مخلوق میں تیری نافرمانی کی جرأت کون کر سکتا ہے کہ تو سب کی پیشانی پر قبضۂ قدرت فرمانے والا ہے سب اہلِ غضب و عذاب نبوت کے ہی نافرمان ہیں جس کی جا بر کسی پر غضب کسی پر عذاب کسی پر عتاب نازل ہوتا ہے۔ عارفین فرماتے ہیں کہ کافر کا صنم۔ لکڑی پتھر لوہے۔ پیتل کاغذ اور رنگ کی تصویریں اور بت ہیں۔ نفس کا صنم دنیا ہے۔ دل کا صنم عقبیٰ کی لذتیں ہیں۔ روح کا صنم۔ قوتِ روحانی کی خواہش پرواز ہے اور درجاتِ عُلیٰ کی تمنا ہے۔ سرِ خفی کا صنم۔ عرفانِ قرب ہے۔ ضمیرِ باطنی کا صنم مکاشفات و مشاہدات کی چاہت ہے۔ دماغِ خالص کا صنم کرامات ہیں۔ لیکن سالکِ راہ ان تمام صنموں بتوں سے وراء الورا ہے وہ ان تمام کے فنا اور ذاتِ واحد کے بقا کے جلوۂ اسکار میں مستغرق ہے۔ خیال ہے کہ پیری مریدی کی چاہت بھی دنیا پرستی کا ایک درخت

ہے۔ مرید تین قسم کے ہیں۔ نمبر ۱۔ اہل دنیا۔ نمبر ۲۔ اہلِ عقبیٰ۔ نمبر ۳۔ اہل مولیٰ۔ معرفت مثل ملک ہے۔ اہل مولیٰ مثل بادشاہوں کے بہت ہی تھوڑے ہیں۔ اہلِ عقبیٰ مثل وزراءِ مملکت ہیں اور اہلِ دنیا مثل رعایہ بہت زیادہ ہیں۔ فَمَنْ تَبِعَ سے اہل مولیٰ مراد ہیں۔ وَمَنْ عَصَانِیْ سے اہلِ عقبیٰ اور اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا سے اہلِ دنیا مراد ہیں (روح المعانی وروح البیان) صوفیا فرماتے ہیں کہ اپنا وجود صنم ہے اور منزلِ حجاب گمراہی ہے۔ رب کائنات کی بخشش کا ثواب مطیعین کے لیے ہے اور رحمت کی بھیک اور پچھاوا گناہگاروں کے لیے ہیں اور محرومی کا پیغام کافرین کے لیے ہے۔ اہل دنیا بد بخت ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ قلب گریہ زاری کی طرف نہیں آتا۔ اہل عقبیٰ زاہدین ہیں ان کا پہلا قدم اہل دنیا کا آخری ہوتا ہے۔ اہل مولیٰ متوکلین ہیں ان کا پہلا قدم زاہدین کا آخری قدم ہوتا ہے۔ جو شخص اپنے نفس کی مخالفت کر کے قرب الٰہی کی تمنا کرے رب تعالیٰ اپنی غفوریت اور رحیمیت سے اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ متقین کے تین عمل ہیں۔

نمبر ۱۔ نفس کی مخالفت۔ نمبر ۲۔ تقدیر پر رضا۔ نمبر ۳۔ قلب میں راسخ و مضبوط خوفِ خدا۔ یہ اعمال خواہشاتِ نفس کو جلا ڈالتے ہیں۔ بزرگی نورِ قلب کی آڑ ہے۔ سچائی کا وسیلہ ہی رب تعالیٰ کی رضا ہے بَلْ اٰمَنَّا شہر معرفت ہے اس کا دروازہ یقین کامل ہے۔ یقین کا تخلص خوفِ خدا ہے۔ اس میں داخلہ مراقبۂ ذات ہے۔ سچا مراقبہ یہ ہے کہ علم ادب۔ دنیا اور دنیا کی خواہشات کا ہوش نہ رہے۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِكَ الْمُحَرَّمِ ۔ رَبَّنَا لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ یَشْكُرُوْنَ ۔ اے ہم سب کی ازل سے ابد تک پرورش فرمانے والے خالق تعالیٰ بیشک میں نے اپنے اعضاءِ ظاہری و باطنی میں کچھ اعضا۔ یعنی قلب دماغ اور ملتفتہ کو اور ہاتھ پیر وغیرہ اعضاءِ ظاہری کو شوقِ باطنی اور عملِ ظاہری کے سہارے وادیِ سلوک کے لق و دق بیابان جنگل میں ٹھہرا دیا کہ جہاں حیاتِ دنیوی کی کوئی کھیتی نہیں نہ لذت نہ عیش نہ عشرت نہ یسرت نہ نصرت نہ غرورِ دنیا کا سایہ نہ دولت کا پانی نہ عزت کا کھانا تیرے شرعی حرمت والے مقدس گھر کے پاس کہ جہاں بجز تیری ذات کے کسی پر بھروسہ نہیں ہو سکتا۔ اس وادی حیرت میں سب سہارے ٹوٹ جاتے ہیں خود اپنا وجود بھی لاموجود کی آغوش میں جا پڑتا ہے۔ وادیِ عشق میں ساری دنیا سے ہجرت کرنی پڑتی ہے کہ تیری جوارِ کرامت میں تیرے اَلطاف خسروانہ کے لیے نمازِ صدق اور سجدہ عجز قائم رکھیں اور عبد کا وصل معبود سے ہو جائے اور کعبۂ مراد تجلیاتِ سرمدی کا آئینہ بن جائے۔ پس اے رب کعبۂ جلال کے معتکفین کو صفت ارادہ اور محبت سے ان کی طرف پھیر دے۔ اور نفس و نفسانیات کے قلوبِ اجنبیہ کو ادھر مائل فرما دے۔ ابن عطا نے فرمایا کہ جو بندہ مخلوق سے بالکل منقطع ہو جاتا ہے باری تعالیٰ مخلوق کو اُس کی طرف جھکاتا ہے اور اس کی مودت ان کے سینوں میں اور محبت اُن کے دلوں میں جلوہ گن ہوتی ہے۔ مولا اے عاشقین کی محبت کی چاشنی سے ربوبیت فرمانے والے کریم ان طالبانِ حقیقت کو اطاعت الٰہیہ کے پھل مقاماتِ رفیعہ کے رزق اور درجاتِ شریفہ کی غذائیں عطا فرما۔ قلب کے پھل حکمت

اور علم کی نہیں اور نومیں ہیں رئیس الحکمت احسان الٰہی ہے۔ اخیار فرماتے ہیں کہ علم کی تین قسمیں ہیں۔
نمبر ۱۔ علم من اللہ یہ علم لدنی ہے۔ اسی کو علم ظاہری کہتے ہیں۔ نمبر ۲۔ علم مع اللہ۔ یہ وابستگی الٰہی ہے اسی کو علم باطنی کہتے ہیں
نمبر ۳۔ علم باللہ یعنی اللہ کے لیے۔ علم حکمت اسی کو کہا جاتا ہے پہلے دو علم بولنے سے بڑھتے ہیں یہ علم خاموشی سے بڑھتا ہے۔ اسی لیے بڑی عبادت خاموشی ہے کہ اس سے بڑا علم اور حکمتِ الٰہی حاصل ہوتی ہے۔ خاموشی عقل کی جلا ہے نفس کی فنا ہے۔ علم وعقل کا پردہ خواہشات ہیں۔ تکمیل خواہشات عقل کی فنا اور نفس کی جلا ہے۔ دنیا پرستوں کے خیال میں خوش بخت وہ ہے جس کی خواہشاتِ طبیعت کی تکمیل ہوتی ہے اہلِ دل فرماتے ہیں جس کی خواہشاتِ طبیعت کی تکمیل ہو جائے وہ بڑا بد قسمت ہے جبکہ جس کی خواہشاتِ الٰہیہ کو مکمل کیا جائے اور عطائے خالق تعالیٰ کے پھلوں کا رزق حاصل ہو جائے وہ بڑا خوش بخت ہے۔ رویۂ جمالِ یزدانی دنیا و آخرت کا رزق ہے۔ جس کو یہ ملے اُس پر شکر واجب ہے۔ اور سب سے اچھا شکر عاجزی ہے۔ بندوں کو معرفتِ الٰہی کا روحانی رزق اسی لیے دیا جاتا ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ تاکہ وہ شکر کریں اور جان لیں کہ بجز رب کائنات کے کوئی مستحقِ شکر نہیں۔ شاکرین فرماتے ہیں کہ جس طرح دنیا کا پھل امراضِ جسمانیہ کو دور کرتے ہیں اس سے کہیں زیادہ۔ حکمت کے پھل امراضِ قلب کو ختم کر دیتے ہیں۔ اے ربِ کریم میری ذریت کو عشقِ مصطفیٰ کی دولت کے پھل عطا فرما۔ کیونکہ یہی شجرِ ابراہیم کا پھل اور دعاءِ خلیل کے چمن کی کلی ہے۔ یہی صفی الاصفیا اتقی الاتقیا اور افضل الارض والسما ہے۔ اسی آستانے سے فیضِ معرفت پانے والے حبیب ذی العظمت والکبریا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ یہی وہ شخصیتِ بے مثل ہے جس کی نعت حمدِ باری تعالیٰ ہے اور جس کی ثنا شکرِ الٰہی ہے اور جس کا ذکر لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ کی مکمل جامع مانع تفسیر ہے۔ رَبَّنَا إِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِي وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفَى عَلَى اللَّهِ مِن شَيْءٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي وَهَبَ لِي عَلَى الْكِبَرِ إِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ ۚ إِنَّ رَبِّي لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ اے ہمارے ظاہر و باطن خفی و جلی کو بحفاظتِ کاملہ پالنے والے بیشک تو ازل سے ابد تک ابتدا سے انتہا تک جانتا ہے اُس محبت کو جو ہم قلوب عشق کی گہرائیوں میں چھپاتے ہیں اور اس شکر کو جو ہم ظاہر کرتے ہیں یا جو فکر وتدبر ہم چھپاتے ہیں اور عمل جو ہم ظاہر کرتے ہیں۔ یا اُس احوال کو جو ہم چھپایا کرتے ہیں اور اُن آداب کو جو ہم ظاہر کرتے ہیں یا اُس عجز و تضرع و عاجزی کو جو ہم تیری عبودیت میں چھپاتے ہیں اور اس ظاہر اطاعتِ شریعت کو جو ہم ظاہر کرتے ہیں یا جو اسرارِ معرفت ہم چھپاتے ہیں اور وظائفِ عبادت ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور اس کو تو جانتا ہے جو ہم اپنے دلوں میں جذبۂ شوقِ الٰہی چھپاتے ہیں اور غلبۂ ذوقِ طلب ہم ظاہر کرتے ہیں۔ اور اللہ ذاتِ وحدہٗ لاشریک کے سامنے کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی نہ زمینِ اجسام میں نہ آسمانِ ارواح میں تمام کائناتِ دہر کی تعریفیں اور خوبیاں اچھائیاں اللہ جل شانہٗ کے لیے ہی ہیں ہر کیفیت ہر آن ہر حال میں۔ وہ رحیم جس نے مجھ کو کمزور ضعیف کو صبر کا اسمٰعیل اور شکر کا اسحٰق عطا فرمایا۔ طلب سے لذتِ دین اور بے طلب کے لذتِ نعمت عطا فرمائی اور جس نے مجھ کو اسمٰعیل شریعت اور اسحاقِ طریقت

عطا فرمایا۔ بیشک میرا رب۔ میرے جسم و روح عقل و حواس کا رب میرے قلب و صدور کا رب میرے افکار و اشغال کا رب۔ البتہ بہت ہی قبولیت و بخت کا سننے والا ہے میری دعا کو۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ راہ ولایت میں بندے کے تیرا حالات ہیں۔

اول رضا۔ دوم۔ قناعت۔ سوم۔ ورع۔ چہارم۔ توکل۔ پنجم۔ ادب۔ ششم۔ مشیت۔ ہفتم۔ مریدی۔ نہم۔ طالبیت دہم۔ مطلوبیت۔ یازدہم۔ مراد۔ دوازدہم۔ عبدیت۔ سیزدہم۔ شیخیت۔ رضا پر قناعت ورع ہے۔ توکل کی آخری منزل ترک اسباب ہے مگر جب تک توکل مستحکم نہ ہو اور ظاہری باطنی اعتبار سے مخلوق سے منقطع نہ ہو جائے ترک اسباب گناہ ہے غیر متوکل بندہ ناقص ہے۔ شیخ کو جائز نہیں کہ مرید کو ترک اسباب کی اجازت دے۔ عبدیت نام ہے ادب گلی کا انبیاء و لی۔ اللہ کا گستاخ عبد نہیں ہو سکتا خواہ ملحد دھری ہو جائے۔ شاکر وہ ہے جو مشیت پر شکوہ نہ کرے مرید وہ ہے جو اس طرح متوجہ الی اللہ ہو کہ کسی جانب نہ دیکھے۔ مقصود پیروی مریدی صرف قرب الٰہی کا حصول ہے خلیل بننے سے پہلے تین چیزوں کی فنا یقینی ہے۔ نمبر ۱۔ راہ جلال کا سفر تاکہ امامت آنا کو فنا ملے۔ نمبر ۲۔ حقیقت احوال کا انکشاف جس سے ظلمت نفس کی دوست ہو۔ نمبر ۳۔ علوم قدرت کا انکشاف تاکہ جہل ترکیبی زندہ نہ رہے بندہ جب ان مقامات کو طے کرلے تب دعا مانگنے کا حقدار ہے۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ

اے رب میرے بنا تو مجھ کو قائم رکھنے والا نماز کا اور میں سے نسل اولاد میری

اے میرے رب مجھے نماز کا قائم کرنے والا رکھ اور کچھ میری اولاد کو

رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ

اے رب ہمارے اور قبول فرما دعا میری۔ اے رب ہمارے بخش دے مجھ کو اور کو والدین میرے

اے ہمارے رب اور میری دعا سن لے اے ہمارے رب مجھے بخشدے اور میرے ماں باپ کو

ع

وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَحْسَبَنَّ

اور سب مومنوں کو اس دن کہ قائم حساب اور نہ گمان کر تو خبردار

اور سب مسلمانوں کو جس دن حساب قائم ہوگا۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ؕ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ

اللہ کو بے خبر سے اُس جو عمل کرتے ہیں ظالم لوگ ۔ فقط مہلت دیتا ہے اُن کو

اور ہرگز اللہ کو بے خبر نہ جاننا ظالموں کے کام سے انہیں ڈھیل نہیں دیرہا ہے مگر

لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ﴿۴۲﴾ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ

لیے اُس دن کے کہ حیران ہوں گی بیچ جس تمام آنکھیں اندھا دھند دوڑنے والے ہوں گے اُٹھانے والے

ایسے دن کے لیے جس میں آنکھیں کھلی کی کھلی رہجائیں گی ۔ بے تحاشا دوڑتے نکلیں گے

رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْئِدَتُهُمْ

سروں کو اپنے نہ پھیریں کی طرف اُن کے پلکیں اُن کی اور دل اُن کے

اوپر اٹھائے ہوئے کہ اُن کی پلک اُن کی طرف لوٹتی نہیں اور اُن کے دلوں میں

هَوَآءٌ ﴿۴۳﴾

اڑنے والے

کچھ سکت نہ ہوگی

تعلق اِن آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کی دعا کا ایک پہلو ذکر ہوا جس میں رزق حلال کی طلب تھی ۔ اب اِن آیتوں میں دعا کا تیسرا پہلو ذکر ہوا جس میں حسن عمل کی توفیق ملنے کی دعا ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں حضرت ابراہیم کے اولاد ملنے پر رب کے شکریے کا ذکر تھا اب ان آیتوں میں ۔ اولاد اور نسل کے راہ خدا پر قائم دائم رہنے کی دعا ہے ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ دعاؤں سے غافل نہیں بلکہ سننے والا ہے ۔ اب اِن آیت میں بتایا گیا کہ صرف دعا ہی نہیں وہ کریم تو تمام اعمال کا جاننے والا ہے کسی سے غافل نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں ۔

تفسیر نحوی ۔ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ

وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔ رَبِّ ۔ دراصل ہے یاربِّیْ ۔ (اے میرے رب) یا ندائیہ تخفیف کے لیے حذف کر دیا اور یاءِ متکلم الحاق کے لیے حذف کیا گیا۔ ب کا کسرہ یٰ ضمیر متکلم کی نشانی ہے۔ اِجْعَلْ باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف ہے صیغہ واحد مذکر۔ اَنْتَ ضمیر اس میں مستتر ہے جس کا مرجع رب ہے نون وقایہ یٰ ضمیر متکلم اس کا مفعول بہ ہے۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ متعدی بدو مفعول ہے۔ مُقِیْمٌ باب افعال کا اسم فاعل مصدر ہے اِقَامَۃٌ اور اِقْوَامٌ بمعنی درست صحیح اور پابندی سے کوئی کام کرنا۔ لغوی ترجمہ ہے خوش دلی سے کھڑا ہوا اس کا مادہ قِیَمٌ باب نَصَرَ صیغہ واحد مذکر ہے۔ بحالت جر ہے مفعول بہ دوم ہے اِجْعَلْ کا مضاف ہے اس لیے تنوین نہیں۔ الف لام جنسی ہے صلوٰۃ بمعنی نماز مجرور ہے واؤ عاطفہ۔ عطف ہے یٰ ضمیر منصوب متصل پر۔ مِنْ جارہ بیانیہ۔ ذریت اسم مفرد مؤنث بمعنی اولاد۔ نسل۔ یٰ ضمیر متکلم کا مرجع اِبْرَاھِیْمُ ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے اِجْعَلْ سے اور عطف یاءِ متکلم پر ہے ایک قول میں مِنْ جارہ زائدہ لغو ہے مفعول بہ معطوف پر داخل ہوا ہے لہٰذا اس کو جار و مجرور کہا جائے گا۔ رَبَّنَا۔ منادیٰ مضاف ہے اس کا مضاف الیہ نا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل ہے۔ واؤ۔ زائدہ جس کا حذف اور ذکر برابر ہے۔ خیال رہے کہ واؤ عربی میں سولہ معنی میں مستعمل ہے۔ تَقَبَّلْ فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل کا مرجع رَبَّنَا۔ باب تَفَعُّلٌ کا فعل ہے مصدر ہے تَقَبُّلٌ بمعنی قبول کرنا۔ مان لینا۔ قَبُوْلٌ سے مشتق ہے۔ دُعَاءِ۔ دراصل ہے دُعَائِیْ (میری دعا) دعا اسم مصدر بھی ہو سکتا ہے اور اسم جامد حاصل مصدر بھی۔ پہلی صورت میں ترجمہ ہوگا۔ مانگنا۔ بلانا۔ پکارنا۔ دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا۔ التجا فریاد۔ پکار۔ سوال۔ طلب ہم ندا۔ اور دعا کا فرق ان شاء اللہ تعالیٰ عالمانہ تفسیر میں بیان کریں گے یٰ محذوف اس کا مضاف الیہ ہے۔ کسرہ آخری یاءِ متکلم کا نشان ہے۔ ورنہ یہ محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تَقَبَّلْ کا رَبَّنَا اسم منادیٰ مضاف ہے۔ یا حرف پوشیدہ ہے اس کا قرینہ ب کا فتحہ ہے اِغْفِرْ باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف ہے۔ غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنی مٹانا۔ چھپانا۔ بخشنا۔ معاف کرنا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر مذکر حاضر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع رَبَّنَا ہے۔ لام جارہ نفع کا بمعنی مفعولیت یٰ ضمیر واحد متکلم مجرور۔ متعلق ہے اِغْفِرْ کے۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے۔ یٰ پر۔ لام جارہ مفعولیت کا۔ وَالِدَیَّ اسم تثنیہ مضاف ہے یاءِ متکلم کی طرف دراصل تھا وَالِدَیْنِ نونِ اعرابی مکسورہ اضافت کی وجہ سے گر گئی کیونکہ یہ نون تنوین کے قائم مقام ہوتی ہے اور تنوین اضافت میں مضاف پر نہیں آسکتی۔ یہ تثنیہ ہے والد اور والدہ کا یعنی سگے اصلی ماں باپ۔ لفظ اَبٌ اور وَالِدٌ اور اُمٌّ اور وَالِدَۃٌ اور اِبْنٌ اور وَلَدٌ میں نسبت عام خاص مطلق ہے۔ کہ ہر والد ہر والدہ ہر وَلَد کو اَبٌ۔ اُمٌّ اور اِبْنٌ کہا جا سکتا ہے لیکن باقی اَبٌ۔ اُمٌّ۔ اِبْنٌ کو۔ والد۔ والدہ۔ ولد نہیں کہا جا سکتا۔ ان میں کئی طرح فرق ہیں جو ان شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے وَالِدَیْنِ پر الف لام استغراقی یا اسمی بمعنی اَلَّذِیْ۔ مومنین جمع مذکر سالم ہے مُؤْمِنٌ کی۔ مومنٌ اسم فاعل ہے باب افعال کا۔ بحالت کسرہ ہے کیونکہ مجرور ہے لام جارہ مفعولیہ کے۔ یَوْمَ اسم مفرد جلد سے بمعنی۔

روشن دن۔ زمانہ۔ وقت۔ یہاں مراد وقت ہے۔ بحالت نصب ظرف ہے اِغْفِرْ کا۔ تنوین سے مانع مضاف ہوتا ہے۔ يَقُوْمُ۔ فعل مضارع مثبت معروف بمعنی مستقبل۔ قوم یا قیام سے مشتق ہے۔ بمعنی قائم [illegible] کھڑا ہونا۔ شروع ہونا۔ جاری ہونا۔ یہاں مراد ہے شروع ہونا۔ الف لام۔ عہدی حساب بروزن فِعَال ثلاثی مصدر ہے۔ حَسْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنی گنتی۔ گنا۔ چھان بین کرنا۔ نتیجہ بتانا۔ جواب طلب کرنا یعنی حساب لینا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے يَقُوْمُ کا۔ اور یہ جملہ فعلیہ مضاف الیہ ہے یَوْمَ کا۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ واؤ سے جملہ استینافیہ۔ لَا تَحْسَبَنَّ فعل نہی با نون ثقیلہ صیغہ واحد مذکر حاضر باب حَسِبَ سے ہے اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے انسان۔ یہ عبارت علیحدہ۔ حضرت ابراہیم کا مقولہ الْحِسَابُ تک ہے۔ حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنی وہ خیال جس میں دل و دماغ کی قوت شامل ہو۔ یہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اللّٰہ۔ اسم اعظم ذات باری تعالیٰ کا علم ذاتی ہے جامع صفات ہے۔ بحالت فتحہ مفعول بہ اول ہے غافلاً۔ مفعول بہ دوم غافلاً اسم فاعل باب نَصَرَ سے ہے غَفْلٌ سے بنا ہے۔ بے خبر ہونا۔ بھول جانا۔ بیوقوف ہونا۔ بھولا بھالا ہونا۔ یہاں پہلے معنی ہیں۔ واحد مذکر کا صیغہ ہے منصوب ہے تمام دو حرف ہیں۔ عَنْ جارہ بمعنی ب جارہ مَا موصولہ مجرور ہے عَنْ سے۔ يَعْمَلُ۔ فعل مضارع مثبت معروف عام ہے زمانہ حال و استقبال کو باب سَمِعَ سے ہے صیغہ واحد مذکر غائب عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنی سوچ سمجھ کر بوجھ کے عمل کرنا۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ۔ ظَالِمُوْنَ اسم فاعل ہے جمع مذکر سالم۔ واحد ہے ظالم۔ ظلم سے بنا ہے بمعنی نقصان کرنا اپنا یا کسی کا یہاں مراد گناہ اور کفر کرنے والے ہیں۔ بحالت رفع ہے فاعل اسم ظاہر جمع ہے يَعْمَلُ فعل واحد ہے۔ بقاعدہ نحو فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل بہر صورت واحد صیغہ ہوگا۔ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ۔

اِنَّ حرف تحقیق۔ لغو ہے مَا کافہ کی وجہ سے جس سے عمل نہیں کرتا۔ اب اِنَّمَا ایک لفظ ہے بمعنی فقط۔ يُؤَخِّرُ فعل مضارع مثبت صیغہ واحد مذکر غائب۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر منفصل مستتر ہے اس کا فاعل ہے اور مرجع اللہ۔ باب تفعیل سے ہے مصدر تاخیر اَخْرٌ مہموز الفاء سے مشتق ہے۔ بمعنی پیچھے کرنا۔ ڈھیل دینا۔ آخر میں کرنا بمعنی حال ہے۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع ظَالِمُوْنَ ہے میں منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے يُؤَخِّرُ کا۔ لام جارہ الیٰ انتہاء غایت کے معنی میں ہے۔ يَوْم۔ اسم مفرد جامد بمعنی وقت یا روشن دن خصوص نکرہ ہے تنوین تعظیمی ہے۔ یعنی بڑا دن۔ مجرور ہے لام جارہ سے موصوف مابعد جملہ کا۔ تَشْخَصُ فعل مضارع معروف مثبت باب فَتَحَ سے ہے صیغہ واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر مؤنث اس کا فاعل ہے جس کا مرجع بعض واحد ہے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ اگلا لفظ الْاَبْصَارُ اس کا فاعل اسم ظاہر ہے شُخُوْصٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا۔ غور کرنا۔ اوپر چڑھنا۔ آنکھوں کا پلک نہ جھپکنا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ اسی سے ہے تشخیص بمعنی مرض پر غور کرنا ذات کو شخص اسی لیے کہتے کہ ترقی کی منازل پر چڑھتا ہے۔ فِیْ جارہ ظرفیہ زمانیہ ہ ضمیر واحد مذکر کا مرجع یَوْم ہے۔ مجرور

متصل ہے۔ اس جار و مجرور کا تعلق تَشْخَصُ سے ہے۔ الف لام استغراقی اَلْاَبْصَارُ جمع مکسر منصرف ہے بَصَرٌ کا بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل اسم ظاہر ہے تَشْخَصُ کا۔ اسم جامد ہے۔ اس کا مصدر مادہ بَصَرٌ ہے بمعنیٰ دیکھنا آنکھ کی بینائی۔ یا خود آنکھ۔ تَشْخَصُ کے پہلے فاعل کے اعتبار سے یہاں اَبْصَارٌ نہیں بلکہ اِبْصَارٌ مصدر ہے باب افعال کا۔ اور بَصَرٌ کا معنیٰ آنکھ ہے۔ اور فیہ جار مجرور متعلق مقدم اِبْصَار کا اور یہ جملہ اسمیہ مصدریہ صفت ہے پوشیدہ بَصَرٌ کی اور عبارت کا ترجمہ اس طرح ہوگا چڑھ جائے وہ آنکھ یا کھلی کی کھلی رہ جائے گی وہ آنکھ جس میں دیکھنا ہے۔ مگر یہ سب تکلفات ہیں۔ آسان ترکیب دوسری ہے۔ مُهْطِعِيْنَ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر باب افعال سے ہے اس کا واحد ہے مُهْطِعٌ۔ اِهْطَاعٌ مصدر ہے هَطْعٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ تیز دوڑنا۔ گردن جھکا کر تیز دوڑنا۔ جلدی آنا۔ گھبرا کر بغیر سوچے چلا جانا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے صفتِ دوم ہے یوم کی۔ پہلی صفت تَشْخَصُ کا جملہ فعلیہ ہے۔ بحالتِ نصب ہے محلاً۔ کیونکہ حال ہے ظَالِمُوْنَ کا اور بحالتِ کسرہ ہے ظاہراً کیونکہ صفت ہے یوم کی۔ مُقْنِعِيْ اسم فاعل ہے صیغہ جمع مذکر باب افعال سے مصدر ہے اِقْنَاعٌ۔ قَنْعٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ منہ اٹھانا۔ آسمان کی طرف دیکھنا۔ گردن اونچی کرنا۔ مضاف ہے اس لیے نون اعرابی گر گئی کیونکہ تنوین کے قائم مقام ہوتی ہے اور تنوین مضاف پر نہیں آسکتی۔ دراصل تھا مُقْنِعِيْنَ۔ بحالتِ کسرہ ہے صفتِ سوم ہے یوم کی۔ یا بحالتِ نصب ہے حال ہے ظالمون کا۔ مُقْنِعِيْ کی وجہ سے مُهْطِعِيْنَ کا ترجمہ مُعْنِقِيْنَ ہوگیا تیز دوڑنا۔ گردن جھکا کر دوڑنا۔ یہاں درست نہیں ہو سکتا۔ رُؤُس جمع مکسر ہے رَأْسٌ کی بمعنیٰ سر پورا چہرہ وغیرہ گردن کے اوپر والا حصہ۔ بحالتِ جر ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے مُقْنِعِيْ کا اور تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ مابعد ھِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل مضاف الیہ کا۔ لَا يَرْتَدُّ فعل مضارع منفی بمعنیٰ مستقبل۔ باب افتعال سے ہے۔ دراصل ہے يَرْتَدِدُ دونوں دال کا ادغام کر دیا گیا کیونکہ ہم مخرج ہونے کی وجہ سے ثقیل ہوئیں تھیں مصدر ہے اِرْتِدَادٌ۔ رَدٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ پھرنا۔ لوٹنا۔ یہاں لوٹنا مراد ہے۔ اِلٰی حرفِ جر بمعنیٰ سُوْءٌ یعنی طرف یا اپنے ہی معنیٰ میں ہے انتہاءِ غایت کے لیے ھِمْ ضمیر کا مرجع ظالمون ہے جار و مجرور متعلق ہے لَا يَرْتَدُّ کا۔ طَرْفٌ۔ اسم مفرد جامد ہے بمعنیٰ کنارہ۔ مراد ہے آنکھ کا کنارہ یعنی پلک اور پردۂ چشم۔ اس کی جمع مکسر ہے اَطْرَاف تثنیہ ہے طَرْفَيْن مؤنث طَرْفَةٌ ہے۔ ھِمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع ظالمون ہے۔ مضاف الیہ طَرْفُ کا اور یہ مرکب اضافی فاعل ہے لَا يَرْتَدُّ کا۔ واؤ عاطفہ ہے۔ عطف ہے تَشْخَصُ پر۔ یا حالیہ اور اگلی عبارت حال ہے۔ ظالمون کا۔ اَفْئِدَةٌ اسم جمع مکسر منصرف ہے۔ اس کا واحد ہے فُؤَادٌ بمعنیٰ دل کا اندرونی حصہ۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ ھُمْ ضمیر مجرور مضاف الیہ ہے۔ هَوَاءٌ اسم مفرد نکرہ جامد ہے۔ بمعنیٰ خالی جگہ۔ فضا کو هَوَاءٌ اور نفسانی خواہش کو هَوًى اسی لیے کہتے ہیں کہ کسی عاقبت یا فائدے سے خالی ہوتی ہے۔ یہاں مراد ہے دل کی بہادری جرأت۔ سوچ سمجھ سے خالی ہونا۔ بحالت رفع ہے۔ خبر ہے مبتدا کی۔

تفسیر عالمانہ

رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَاءِ ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ

جب حضرت ابراہیم نے پہلی دعا میں یہ عرض کر دیا کہ میں نے ان لوگوں کو اس بیت اللہ کے پاس اس لیے آباد کیا ہے تاکہ نماز قائم کریں۔ تو اب اُسی کے لیے توفیق کی دعا مانگ رہے ہیں کہ اے میرے پروردگار جو میرا کام اور ارادہ تھا وہ میں نے کر دیا۔ تیرا کام ان کو نیک متقی مومن مخلص نمازی بنانا ہے اے کریم رحیم مولیٰ مجھ کو بھی سدا نماز قائم کرنے والا بنا اور میری آئندہ پیدا ہونے والی نسل میں سے کچھ اولاد کو بھی نماز کی ادا۔ پابندی۔ شرطوں۔ رکنوں۔ نماز کی تمام حدود۔ احترام وغیرہ کی حفاظت کی توفیق عطا فرما۔ اور حفاظت کرنے والا بنا۔ اہل لغت کے نزدیک اقامت کا ایک معنی حفاظت کرنا ہے۔ ذریت کا معنی آئندہ نسل ہے۔ مِن بول کر بعض اولاد کو شامل کیا۔ کیونکہ آپ کو اپنے علم غیب سے معلوم ہو گیا تھا کہ میری نسل میں کچھ لوگ کافر ہوں گے۔ ایک قول ہے کہ آپ کو یہ کافر ہونا غیب سے نہ پتہ لگا تھا بلکہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِينَ کے فرمانِ ربی سے معلوم ہوا تھا۔ مگر یہ قول کچھ کمزور ہے اس لیے کہ یہ فرمانِ الٰہی اس طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ ممکن ہے آپ کی اولاد میں ظالم ہوں۔ اس سے صرف اندازہ تو ہو سکتا ہے یقینی نہیں۔ جب کہ مِن ذریتی میں بعض کو خارج کرنا یقینی ہے۔ باری تعالیٰ نے یہ دعا بھی اس طرح قبول فرمائی کہ فرزند اسمٰعیل علیہ السلام قیدار سے لے کر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم تک پوری لڑی کو مومن موحد بنایا۔ حضور اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تمام آبا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ تک سارے ہی مومن موحد ہوئے کیونکہ یہ تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ یہ دعا بعض کے لیے ہے اور یہ ثابت ہے کہ دعا قبول بھی ہوئی اور یہ بھی ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد ابراہیم اور بنی اسمٰعیل میں تو اس دعا کا مستحق نبی کریم کی اصل اور حسب نسب والی لڑی سے زیادہ کون ہو سکتا ہے۔ گویا کہ حضرت ابراہیم نے یہ دعا مانگی ہی اصلِ مصطفیٰ کے لیے تھی اور بعض سے مراد یہی تمام اصول تھے۔ اسی دعا کو مزید مضبوط فرمانے کے لیے عرض کیا۔ اے رب ہمارے اور قبول فرما میری یہ دعا۔ بعض نے کہا کہ دعا سے مراد عبادت ہے یعنی میری عبادت قبول فرما (روح البیان)، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ غلط ہے اس لیے کہ اگر دعا سے عبادت ہی مراد ہوتی تو دُعَاءِ یعنی میری عبادت نہ ہوتا۔ بلکہ دُعَاءَنَا ہوتا یعنی ہم سب کی عبادت۔ کیونکہ جب عبادت کرنے میں سب کو شامل فرمایا تو قبولیت میں دوسروں کو جدا کر کے صرف اپنا ذکر کیوں؟ لہٰذا صاف ترجمہ ہی مناسب ہے یعنی دعا بمعنیٰ دعا۔ اور وہ چونکہ مانگنے والے واحد تھے اس لیے دعاءِ قبولیت میں واحد متکلم کی ضمیر ہی لائی گئی۔ نیز یہاں دعاء عرض کیا گیا۔ نداء نہیں کہا۔ اس لیے کہ محققین کے نزدیک دعا اور ندا میں چھ طرح فرق ہے نمبر۱۔ اگرچہ انشائیات کی دس اقسام میں ندا اور دعا دونوں ہی شامل ہیں مگر ندا عام ہے دعا خاص۔ نمبر۲۔ ندا بمعنیٰ پکارنا خواہ چھوٹا بڑے کو یا بڑا چھوٹے کو پکارے۔ لیکن دعا بمعنیٰ التجا یہ چھوٹے کی طلب بڑے سے ہوتی ہے۔ نمبر۳۔ ندا دینے کے لیے بھی ہوتی ہے اور لینے کے لیے بھی مگر دعا صرف مانگنے کے لیے ہوتی ہے۔ ندا میں قبولیت کی تمنا نہیں

ہوتی مگر دعا میں ہوتی ہے۔ نمبر۵۔ ندا عبادت نہیں مگر دعا عبادت ہے۔ اسی لیے کسی بُت کو ندا کرنی شرک نہیں بیکن بُت سے دعا مانگنی شرک ہے۔ نمبر۶۔ ندا صرف زبان یا ظاہری اعضاء سے ہوتی ہے مگر دعا زبان سے۔ ظاہری اعضاء اور حالت سے۔ اور دل دماغ سوچ فکر سے بھی ہوتی۔ خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تین دفعہ دعا مانگی۔ نمبر۱۔ ہجرت ہاجرہ کے وقت آپ کا اصلی نام ہاغار ہے حضرت سارہ نے آپ کا نام آجر رکھا یعنی اُجرت والی خدمت گذار۔ پھر حضرت ابراہیم نے ان کو ہاجرہ کا لقب دیا یعنی ہجرت والی۔ نمبر۲۔ تعمیر کعبہ کے دوران۔ نمبر۳۔ تعمیر کعبہ کے بعد مگر دو باتیں قابل غور ہیں۔ نمبر۱۔ ایک یہ کہ تینوں دفعہ دعاؤں کی نسبت صرف اسمٰعیل کی طرف ہی ثابت ہوتی ہے اسحٰق علیہ السلام کے لیے کوئی دعا ثابت نہیں دوم یہ کہ حضرت ابراہیم نے اپنی کسی دعا کے لیے۔ قبول ہو جانے کی فریاد اور دعا نہ فرمائی لیکن جب اپنی بعض اولاد کے ایمان تقوے اور نماز کی دعا مانگی تو فوراً التجا کی کہ اے اللہ میری یہ دعا ضرور قبول فرما۔ اسی لیے دُعَاءِ واحد ہے۔ اگر سب دعاؤں کی قبولیت کی التجا ہوتی تو یہاں اَدْعِیَہ ہوتا جمع کے صیغہ سے یا دَعْوات ہوتا جمع مؤنث۔ اس سے ثابت ہے کہ ساری دعاؤں میں یہ دعا زیادہ اہمیت والی ہے۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ اس دعا کا تعلق احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد سے یہ خاندانِ مصطفیٰ کے ایمان و تقوے کی دعا ہے۔ یہ بھی ذہن نشین رہے کہ اس میں حضرت اسحٰق کی اولاد بالکل شامل نہیں کیونکہ پہلے فرمایا گیا کہ اقامۃ نماز کے لیے خانہ کعبہ کے پاس چھوڑ جا رہا ہے اور یہاں بھی اقامۃ نماز کی دعا ہے حضرت ابراہیم نے دعا کے اس پیارے انداز سے تا قیامت لوگوں کو بتا دیا کہ پیارے مصطفےٰ کے آبا و اجداد میں کوئی کافر منافق بلکہ فاسق تک نہ ہو گا بلکہ عابد زاہد اولیاء اللہ ہوں گے۔ یہاں تو اجداد مصطفیٰ کا ذکر ہو گیا لیکن خود حضرتِ ابراہیم کی آباؤ اجداد کی کیا شان ہے وہ اگلی دعا میں مذکور ہے۔ کہ اے ہمارے رب مجھ کو بھی اپنی رحمتوں برکتوں اور بخششوں میں ڈھانپ لے اور میرے سگے والدین جنہوں نے مجھ کو جنا اُن کو بھی مغفرت بخشش عطا فرما اور تا قیامت تمام مومنوں کی بھی بخشش فرما۔ اُس دن تک یا اس دن میں جس دن قائم ہو حساب یعنی شروع ہو حساب آخرت یا قائم ہوں حساب دینے کے لیے تیرے رو برو۔ یا کھڑے ہوں قبروں سے حساب کے لیے۔ یہاں وَالِدَیَّ میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سگے ماں باپ مومن متقی موحد تھے آپ کی والدہ کا نام مثلیٰ بنتِ نمر تھا اور والد کا تارخ ابنِ نحور تھا حضرت ہود کی امت میں سے تھے۔ یہ دعا اپنے ان ہی سگے والدین کے لیے تھی۔ آذر آپ کا سگا چچا تھا اس کے لیے ایک دفعہ آپ نے دعاءِ مغفرت اُس کی زندگی میں مانگی تھی مگر اس سے منع فرما دیا گیا۔ دوسرا قول یہ کہ معاذ اللہ آپ کے ماں باپ کافر تھے اور یہ دعا اُن کے بارے ہی تھی اور یہ دعا ممانعت سے پہلے تھی آپ کو اس وقت علم نہ تھا کہ کافر کے لیے دعاءِ مغفرت منع ہے۔ اور آذر ہی آپ کا والد تھا تیسرا قول یہ کہ دعا حضرتِ آدم اور حضرتِ حوا کے لیے تھی۔ چوتھا قول یہ کہ یہ دعا اپنے دونوں بیٹوں کے لیے تھی اور آیت کے الفاظ میں وَلَدَیَّ ہے نہ کہ وَالِدَیَّ ہماری تحقیق کے مطابق صرف پہلا قول ہی درست ہے اور آیتِ قرآنیہ اور

روشن کلام کے مطابق ہے۔ باقی تین اقوال قطعاً غلط اور قرآن مجید کے سیاق وسباق کے خلاف ہے۔ چار وجہ سے۔

وجہ اوّل ۔ یہ دعا حضرتِ ابراہیم نے اپنی آخری عمر بڑھاپے میں مانگی اس کے بعد ممانعت کا ثبوت نہیں ۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آذر کے لیے آپ نے بخشش کی دعا نارِ نمرود سے پہلے مانگی تھی وہ آپ کی جوانی کا دَور تھا اس کے بعد ممانعت ہوئی اگر یہ دعا بھی آذر کے لیے ہی ہو اور آذر آپ کا والد تھا تو نتیجہ نکلے گا کہ گویا حضرت ابراہیم نے ممانعت کی مخالفت کی حالانکہ یہ کفر ہے یا کم از کم گناہ کبیرہ اور حرام ہے۔ نیز قرآن مجید میں جہاں بھی آذر کا ذکر آیا وہاں صرف اَبٌ یا اَبِیْ واحد کا ذکر آیا وہاں اَبَوَیَّ کہہ کر ماں کو شامل نہیں کیا گیا۔

وجہ دوم ۔ یہاں والدہ اور والد دونوں کا ذکر ہے۔ آپ کی والدہ کے مومنہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں تو اگر یہاں آذر کو ہی والد کہا گیا ہے تو یہاں بھی واحد ہی ہوتا۔ ماں کو شامل نہ کیا جاتا۔

وجہ سوم ۔ یہاں حضرت آدم وحوا بھی مراد نہیں ہو سکتے اس لیے کہ لفظ والد ۔ والدہ ۔ اور وَلَد بالکل سگے ماں باپ اور بیٹے کے لیے مخصوص ہیں ۔ دادا نانا ۔ دادی نانی کو بھی والد والدہ نہیں کہا جا سکتا۔ حضرت آدم وحوا کے لیے رب تعالیٰ نے سورہ اعراف میں فرمایا آیت نمبر ۲۷ ۔ ارشاد ہے کَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ یہاں اَبَوَیْ فرمایا نہ کہ وَالِدَیَّ اگر یہاں دعا میں حضرت آدم وحوا مراد ہوتے یہاں اَبَوَیَّ ہوتا۔ خیال رہے کہ ولد کا لغوی ترجمہ ہے نطفہ والی نسل۔ والدہ کا معنیٰ نطفے جننے والی ۔ والد کا ترجمہ ہے نطفہ ڈالنے والا اس لیے یہ منفرد المعنیٰ ہے نہ کہ مشترک ۔ لیکن لفظ اُم مشترک ہے اسی طرح لفظ اَبٌ اور لفظ اِبْنٌ بھی ۔ اُمّ کا معنیٰ اصل ۔ جڑ ۔ ماں چچی نانی دادی وغیرہ اور والدہ کو بھی کہہ دیتے ہیں اسی طرح اَبٌ کا معنیٰ مالک ۔ والا ۔ چچا ۔ دادا پڑدادا نانا وغیرہ ابن کا معنیٰ والا ۔ غلام ۔ خادم ۔ بھانجا ۔ بھتیجہ ۔ اور سگا بیٹا بھی ۔

وجہ چہارم ۔ وَلَدَیَّ بھی کسی قرأت میں ثابت نہیں لہذا ۔ ہر طرح سے ثابت ہو گیا کہ یہ دعا والدین کے لیے ہی ہے بلکہ چچا کے لیے چچا کو والد نہیں کہا جاتا ہاں اَبٌ کہہ دیا جاتا ہے ۔ اور آپ کے والدین مومن تھے رب تعالیٰ کا ارشاد ہے مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ترجمہ ۔ ابراہیم مشرکین میں سے نہیں پیدا ہوئے تھے ۔ ثابت ہوا کہ آپ کے بھی تمام آباء حضرت آدم تک مومن ہی تھے ۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ اے مسلمان تا قیامت یا اے مومنینِ مکہ یا اے مظلوم تو دل میں ذرہ سا گمان بھی نہ لانا کہ اللہ تعالیٰ ان کاموں ان بد عملیوں ان بد خصلتوں سے ناواقف ہے یا غافل بے توجہ ہے جو سارے تا قیامت ظلم کرنے والے کر رہے ہیں ۔ یہ جلدی نہ پکڑنا غفلت کی بنا پر نہیں ۔ اللہ تو فقط ان کو ڈھیل دیتا ہے ۔ اس دن کے لیے یعنی زمانۂ قیامت تک بدلہ جو بھی مقرر کیا گیا ہے وہ پورا دیا جائے ۔ کتنا شدید ہے وہ دن ۔ اللہ کے عذاب کی سختی اور کیفیت کا کوئی کیا اندازہ لگا سکتا ہے جب کہ دن اتنا سخت ہے کہ اس کا تھوڑا سا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ چڑھ جائیں گی اُس دن ساروں کی آنکھیں دہشت خوف ۔ تعجب پریشانی ۔

شور اور چیخ و پکار کی وجہ سے کئی سال تک بند ہی نہ ہوں گی ۔ تمام نیک و بد ۔ اندھا دھند بھاگتے چلے جائیں گے یا جبرائیل علیہ السلام کی پکار کی طرف یا میکائیل علیہما السلام کے بلاسے پر ۔ بلند کرتے ہوئے آسمان کی طرف یا سامنے کی طرف اپنے سروں کو ۔ نہ جھپکے گی اُن کی طرف پلکیں یا نہ پھریں گے دائیں بائیں اور نیچے ان کی نظریں بس سیدھ میں سب ہی بے تحاشا دوڑیں گے ۔ اتنی بھیڑ کے باوجود نہ کوئی گرے گا نہ پیچھے رہے گا اور اس وقت ہر خیال ہر طرح ہر سوچ فکر سے اُن کے دل ۔ دماغ ۔ سینہ و سر بالکل خالی ہوں گے ۔ اور دماغ ماؤف ہوں گے دل اتنی زور سے دھڑکتے ہوں گے کہ اُچھل کر حلق میں اٹک جائیں گے اسی دن کی دہشت سے بچائے جانے کی دعا حضرت خلیل نے اپنے لیے اپنے والدین کے لیے اور تا قیامت مومنوں کے لیے عرض کی جو مکمل مقبول و منظور ہے ۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ والدینِ پاک صاحبِ مغفرت اور بخشے ہوئے ہیں دعا کی یہ طرز ہی بتا رہی کہ یا ساری منظور ہو یا ساری مردود ۔ اگر ساری منظور ہے تو والدین جنتی ہوئے اور مردود ہے تو حضرت ابراہیم کو بھی مغفرت نہ ملی ۔ لہٰذا وہ سب تفسیریں بیہودہ ہیں جن میں مندرجہ بالا لغویات کہے گئے ہیں ۔ ایک قول ہے کہ حضرت ابراہیم کے والد تارخ حضرت ابراہیم کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے اس سے مزید تقویت ہوئی کہ یہ دعا آذر کے لیے نہیں ۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ جس شخص سے یا جس چیز سے رب تعالیٰ کو پیار محبت یا ہمدردی ہو ۔ اس سے ہر مسلمان کو محبت اور ہمدردی ہونی چاہیے ورنہ دنیوی معیبت یا اخروی عذاب کا اندیشہ ہے ۔ یہ فائدہ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ مظلوم بے کس بس کمزور کی تسلی کے لیے یہ ارشاد فرماتا ہے ۔

دوسرا فائدہ ۔ باری تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے اوّل سے آخر تک بلکہ عدم میں بھی وجود میں بھی اللہ تعالیٰ کسی چیز سے غافل نہیں ۔ جو معتزلی اور بعض موجودہ وہابی یہ کہتے ہیں کہ (معاذ اللہ) باری تعالیٰ کو کام و عمل ہو چکنے کے بعد علم ہوتا ہے جیسا کہ ان کی مشہور کتاب بلغۃ الحیران کے ابتدائی صفحات پر لکھا ہے ۔ وہ سخت بے دین ہیں ۔ یہ فائدہ غَافِلًا کی نفی فرمانے سے حاصل ہو ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ قیامت کے ابتدائی دور میں ہر نیک و بد مسلمان کا اور کفار کا ایک حال ہو گا ۔ بعد میں ہر ایک میں امتیاز اور چھانٹ ہونے پر حالات بدل جائیں گے ۔ یہ فائدہ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ فرمانے سے حاصل ہوا ۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ اصلاحی دعاؤں کے لیے شرعی شرط یہ ہے کہ پہلے اپنے لیے دعا مانگے ۔ اور فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دعا میں سب مسلمانوں کو شامل کرنا چاہیے خاص کر اپنے والدین اور اولاد کو یہ ۔ مسئلہ رَبِّ اجْعَلْنِي مُقِيمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي والی پوری دعا سے مستنبط ہوا ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ رب تعالیٰ سے مایوس ہونا حرام ہے ۔

بار بار دعا مانگے اور گڑگڑا کر رو کر اور نہایت عاجزی سے مانگنا چاہیئے۔ امر دعا میں حمد و ثنا کو بھی شامل کرنا چاہیئے تاکہ قبولیت کے نزدیک ہو جائے یہ مسئلہ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ کے الفاظ طیبات اور طریقہ ابراہیمی سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَلِوَالِدَیَّ۔ اے اللہ میرے ماں باپ کو بخشدے۔ حضرت ابراہیم کے والدین تو کافر تھے ان کے لیے دعاء مغفرت کیوں مانگی گئی مغفرت مانگنا کفر ہے۔

جواب: اس کا جواب تفصیل سے تفسیر عالمانہ میں عرض کیا گیا۔ کہ تمام انبیاء کرام کے والدین مومن ہوئے ہیں۔ اور مومنین کے لیے بخشش مانگنا جائز ہے۔ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ جو انبیاء کرام کے والدین کو کافر کہتا ہے اس کے اپنے ایمان میں شک ہے۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا لَا تَحْسَبَنَّ۔ اے نبی گمان بھی نہ کرنا۔ رد کا اس کو چاہتا ہے جس کے جرم یا غلطی کا امکان ہو اور اللہ کے متعلق بدگمانی کرنی کفر ہے۔ انبیاء کرام تو گناہ پر قادر نہیں ہوتے چہ جائیکہ کفر کا اندیشہ ہو۔ نیز بدگمانی وہ کرے جو صفات خداوندی سے جاہل یا غافل ہو حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کی کسی صفت سے غافل بھی نہیں جہالت تو ناممکن ہی ہے یہ نہی حضور علیہ السلام کو کیوں ہوئی۔

جواب: اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں دے دیا گیا کہ یہ خطاب نبی پاک کو نہیں۔ اس لیے کہ فوراً بعد آ رہا ہے کہ آپ ڈرائیے لوگوں کو۔ کن کو جو اپنی جہالت سے ایسا گمان کر بیٹھیں۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب نبی کریم سے ہی ہے مگر مراد فرضاً ہے۔ یعنی اگر فرضاً آپ کبھی غفلت میں آ جائیں تو بھی یہ گمان نہ کرنا یا مراد وسوسہ قلبی ہے۔ کہ وسوسہ بھی نہ آنے دینا۔ مگر پہلا جواب مضبوط اور درست ہے۔ **تیسرا اعتراض۔** یہاں ہے رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ اے رب مجھ کو بخش دے۔ انبیاء کرام تو معصوم ہوتے وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے گناہ صغیرہ یا کبیرہ کر سکتے ہی نہیں تو پھر وہ بخشش کس چیز کی مانگتے ہیں۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اپنی عبدیت اور عجز و انکسار دکھانے کے لیے اور دنیا کے سامنے رب تعالیٰ کے فضل و کرم کا چرچہ کرنے کے لیے۔ یا اس لیے کہ دوسروں کی دعا میں محض ایصال برکت کے لیے خود کو شامل کر لیا۔ تاکہ دعا جلدی قبول ہو نیز قیامت تک کے بزرگوں پیروں عالموں کو چھوٹوں کے لیے دعا کرنے کا طریقہ سکھانے کے لیے اس طرح دعا مانگی۔ دوسرا جواب یہ کہ مغفرت کے معنی صرف گناہوں کی بخشش ہی نہیں ہوتا بلکہ مغفرت کے معنی رحمت میں چھپا لینا۔ کرم و فضل و انعامات میں ڈھانپ لینا بھی ہوتا ہے۔ اور اس چیز کے لیے رب تعالیٰ سے سب کو دعا کی حاجت ہے۔ نیز جو دعا غرور و تکبر کو توڑنے والی ہوتی ہے وہ اسی قسم کی ہوتی ہے۔

ان آیات کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت ۴۲ تا آیت ۵۲ کے ساتھ کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ

اور ڈراؤ لوگوں کو ایسے دن سے کہ آئے گا ان کو عذاب تو کہیں گے

اور لوگوں کو اُس دن سے ڈراؤ جب اُن پر عذاب آئے گا تو ظالم کہیں گے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ

وہ جنہوں نے ظلم کیا ساری زندگی اے رب ہمارے مہلت دے ہم کو تک مدت تھوڑی اب قبول کریں گے ہم

اے ہمارے رب تھوڑی دیر ہمیں مہلت دے کہ ہم تیرا بلانا مانیں

دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ

بلانا تیرا اور فرمان برداری کریں گے ہم تمام رسولوں کی۔ کیا تم نہ تھے قسمیں کھاتے سے

اور رسولوں کی غلامی کریں تو کیا تم پہلے قسم نہ کھا چکے تھے

مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ﴿۴۴﴾ ۙ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ

پہلے کہ نہیں ہے بیچ تمہارے کچھ فنا اور ٹھیرے تم بیچ گھروں ان لوگوں کے

کہ ہمیں دنیا سے ہٹ کر کہیں جانا نہیں اور تم اُن کے گھروں میں بسے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ

جنہوں نے ظلم کیا جانوں اپنی پر حالانکہ ظاہر ہو گیا لیے تمہارے کہ کیسا

جنہوں نے اپنا بُرا کیا تھا اور تم پر خوب کُھل گیا ہم نے اُن کے ساتھ

فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ﴿۴۵﴾ وَقَدْ مَكَرُوْا

کیا ہم نے ساتھ اُن کے اور بیان کر دی تھیں لیے تمہارے بہت مثالیں۔ اور بے شک مکر کھیلے انہوں نے

کیسا کیا۔ اور ہم نے تمہیں مثالیں دے کر بتا دیا اور بے شک وہ اپنا سا داؤں چلے اور اُن کا داؤں

مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ

اپنے مکر اور قبضے میں ہے اللہ کے مکر اُن کا اگرچہ تھا مکر اُن کا

اللہ کے قابو میں ہے ۔ اور اُن کا داؤں کچھ ایسا نہ تھا

لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ﴿۴۶﴾

ایسا کہ گر جاتے سے جس بہت پہاڑ ۔

کہ جس سے یہ پہاڑ ٹل جائیں

تعلق ان آیات کریمہ سے پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ آخرت کے دن تک ان نافرمانوں کو مہلت دی گئی ہے اب پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا جا رہا ہے ان غافلوں کو اس دن سے ڈراؤ ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کافروں کے میدان محشر میں آنے کی حالت کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں میدان قیامت میں ان کفار کی فریادوں کا ذکر ہے ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفار کو ظالم فرما کر ان کے بد اعمال کا ذکر کیا گیا ۔ اب ان آیتوں میں اُن کے اعمال کی حقیقت بیان کر دی گئی کہ اُن کے سب عمل محض مکر و فریب ہیں ۔

تفسیر نحوی وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۔ واؤ استینافیہ (سرجملہ) اَنْذِرْ ۔ باب اِفعال کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر ۔ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر اس کا فاعل مصدر ہے اِنذار ۔ بمعنی ڈرانا ۔ ڈر کی خبر سنانا ۔ الف لام استغراقی نَاسُ اسم لفظاً واحد معنیً جمع ہے بمعنی انسان یَوْمَ اسم مفرد جامد بمعنی وقت ۔ زمانہ ۔ دن یہاں تینوں معنی میں ہے ۔ یَاْتِیْ ۔ فعل مضارع اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا ۔ باب ضَرَبَ سے ہے ۔ ہُمْ ضمیر منصوب ہے مفعول بہ ہے یَاْتِیْ کا یَوْمَ منصوب مفعول بہ دوم ہے اَنْذِرْ کا موصوف ما بعد جملہ فعلیہ کا ۔ اَلْعَذَابُ ۔ الف لام عہد ذہنی ہے اگر کیفیت کا لحاظ ہو اور عہد خارجی ہے اگر حیثیت عذاب ملحوظ ہو عذاب اسم مفرد مبالغہ ہے بمعنے سزا ۔ بدلہ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے یَاْتِیْ کا ۔ فَ تعقیبیہ بمعنی اَثَرٌ بلا تراخی ۔ یَقُوْلُ ۔ فعل مضارع بمعنی مستقبل باب نَصَرَ ۔ قَوْلٌ سے بنا ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر مرفوع ہے فاعل ہے یَقُوْلُ کا ظَلَمُوْا فعل ماضی مطلق بمعنی بعید معروف مثبت ہے ۔ باب ضَرَبَ سے ہے ۔ ظُلْمٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی نقصان کرنا اپنا یا کسی کا ۔ یہاں اپنا مراد ہے کفر سے یا گناہ سے ۔ ہُمْ ضمیر جمع مرفوع مستتر

کا فاعل ہے جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے۔ موصول صلہ مل کر فاعل ہے یَقُوْلُ کا اور۔ رَبَّنَا
سب اگلی جملت رُسُل تک مقولہ ہے یَقُوْلُ کا۔ منادیٰ مفرد مضاف ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم اس کا مضاف الیہ
ہے۔ یا حرفِ ندا پوشیدہ ہے۔ یہ جملت اُدْعُوْ کے قائم مقام ہو کر یہیں جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہو جاتی ہے
ماقبل اور مابعد سے اس کا تعلق نہیں ہوتا۔ اَخِّرْ۔ باب تفعیل کا امر حاضر صیغہ واحد مذکر اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا
فاعل ہے تاخیر مصدر اَخْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ ٹالنا۔ پیچھے کرنا۔ مہلت دینا۔ یہاں مہلت دینا مراد ہے۔ نا ضمیر جمع
متکلم منصوب متصل مفعول بہٖ ہے اَخِّرْ کا۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے اَجَلٍ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ مدت۔ زمانہ
موصوف ہے قَرِیْبٍ اسم صفتِ مُشَبَّہ ظرفِ مکانیہ ہے یا زمانیہ مجرور ہے کیونکہ تابع صفت ہے اَجَلٍ موصوف
کی۔ اور وہ جار و مجرور متعلق ہے اَخِّرْ کا۔ نُجِبْ۔ یہ تمام عبارت تعلیلیہ ہے سبب ہے اَخِّرْ کا۔ فعل مضارع معروف
مثبت جمع متکلم بمعنیٰ مستقبل باب افعال سے ہے مصدر ہے اَجْوَابٌ و اِجَابَۃٌ و جَوْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ قبول کرنا۔ جواب
دینا۔ مان لینا۔ یہاں مراد قبول کرنا۔ صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے دَعْوَتَ اسم مصدر مضاف ہے
بمعنیٰ بلانا۔ کَ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع رَبَّنَا ہے۔ واؤ عاطفہ عطف ہے نُجِبْ پر۔ نَتَّبِعْ۔ فعل مضارع معروف
مثبت مجزوم ہے بوجہ تابع عطف ہونے کے نُجِبْ مجزوم اور وہ مجزوم علت اور شرط کی جزا ہونے کی بنا پر اَخِّرْنَا
شرط ہے۔ در اصل تھا اِنْ اَخَّرْتَنَا وَ نُجِبْ دَعْوَتَكَ نُجِبْ لو حذف ہوا دعائیہ جملہ کی مشابہت کی بنا پر اور ف حذف ہوا
لو کے حذف سے۔ صیغہ جمع متکلم۔ باب افتعال سے ہے۔ مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مستقبل ہے۔
الف لام استغراقی یا عہدی۔ رُسُلَ۔ جمع مکسر ہے رسولٌ کی منصوب ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے۔ نَتَّبِعْ۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْا
اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ اَوْ حرفِ عطف۔ اس کا استعمال پانچ طرح ہوتا ہے۔
نمبر ۱ استفہام شکیہ۔ نمبر ۲۔ ابہام۔ نمبر ۳۔ تخییر۔ نمبر ۴۔ اباحت (جواز) نمبر ۵۔ تردید۔ جب یہ استفہام کے لیے ہوگا
تو اس کی واؤ مفتوح ہوگی باقی میں مجزوم۔ لَمْ تَكُوْنُوْا اَقْسَمْتُمْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی بعید فعل ناقصہ مجزوم
لم نافیہ سے نون اعرابی کا گرنا ہی جزم ہے صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ مگر دوسرے نحوی
کہتے ہیں نہ تَكُوْنُوْا علیحدہ فعل ناقصہ ہے۔ اَنْتُمْ اس کا اسم۔ اَقْسَمْتُمْ فعل ماضی مطلق باب افعال سے ہے مِنْ جارہ بیانیہ
قَبْلُ اسم ظرف مضاف الیہ محذوف منوی بنی ہے جرّہ پر۔ جار و مجرور متعلق ہے اَقْسَمْتُمْ کا اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر قسم خبریہ
ہوئی۔ مَا حرفِ نفی مشبّہ بلیس لَكُمْ جار و مجرور متعلق ہے کائنٌ یا ثابتٌ پوشیدہ کا مِنْ جارہ زائدہ تاکیدیہ تنکیریہ
بمعنی کوئی زَوَالٍ اسم مصدر ہے ثلاثی کا بمعنیٰ ختم ہونا مجرور ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق دوم ہے ثابتٌ کا۔ یہ جملہ اسمیہ منفیہ
مقسم ہے قسم کا۔ اور قسم اپنے مقسم سے مل کر خبر ہے لَمْ تَكُوْنُوْا فعل ناقصہ کی۔ وَسَكَنْتُمْ فِیْ مَسٰكِنِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَ تَبَیَّنَ لَكُمْ كَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَ ضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ وَ قَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَ عِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَ اِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ

واؤ حالیہ۔ اگلی عبارت (صرف پہلا جملہ فعلیہ) حال ہے لَمْ تَکُوْنُوْا کے اسم کا یا واؤ عاطفہ اور عطف ہے تَکُوْنُوْا پر سَکَنْتُمْ فعل ماضی مطلق بمعنی بعید باب نَصَرَ سے ہے۔ صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا مرجع ظَالِمُوْنَ ہے سَکَنٌ سے بنا ہے بمعنی رہائش رکھنا۔ ٹھہرنا۔ فِیْ جارہ ظرفِ زمانی۔ مَسٰکِن اسم ظرف مشتق ہے سَکَنٌ کا بمعنی رہائش گاہ یعنی گھر۔ بحالتِ کسرہ ہے فِیْ سے مضاف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصولہ یہ اگلا پورا جملہ موصول مضاف الیہ ہے۔ ظَلَمُوْا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب باب ضَرَبَ سے ہے ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا۔ یہاں مراد نافرمان بدکردار یا کافر ہیں۔ اَنْفُسَهُمْ مرکب اضافی بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ظَلَمُوْا کا اَنْفُسٌ جمع مکسر منصرف ہے نَفْسٌ کا بمعنی۔ ذات خود۔ سانس۔ روح۔ بدن۔ اپنا۔ یہاں یہ آخری معنی درست ہیں۔ واؤ حالیہ۔ حال ہے سَکَنْتُمْ کا تَبَیَّنَ فعل ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ واحد مذکر غائب باب تَفَعُّلٌ سے ہے۔ بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنی۔ درمیان ہونا۔ کھل جانا۔ ظاہر ہونا۔ بیان کر دینا۔ یہاں مراد ظاہر ہونا ہے۔ لام جارہ زائدہ مفعولیت کا ہے یا بمعنی علیٰ جارہ ہے۔ کُمْ ضمیر مذکر حاضر کا مرجع وہی ظالم کفار ہیں یہ جار و مجرور متعلق ہے تَبَیَّنَ کا کَیْفَ اسم مبہم غیر مشتق مبنی عوارضاتِ عشرہ سے ہیں۔ نحاتِ بصرہ کے نزدیک ظرفِ مجازی ہے سوالِ بیانیہ کے لیے ہے۔ فَعَلْنَا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ فِعْلٌ سے بنا ہے بمعنی کرنا۔ یہ مصدر عمومی ہے ہر باب کو بناتا ہے۔ بنیاد ہے تمام مشتقات کی اسی کے حروف کے نام لاتیر پر تمام صیغوں کے حروف کے اسماء صفاتیہ مکانیہ ہیں۔ بِ۔ حرفِ جار بمعنی مَعَ۔ ترجمہ ہے ساتھ۔ ہِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل۔ اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے فَعَلْنَا کا۔ واؤ سرجملہ۔ ضَرَبْنَا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ باب ضَرَبَ۔ ضَرْبٌ سے بنا ہے بمعنی مارنا۔ لغوی ترجمہ ہے ایک چیز کو دوسری پر ڈالنا۔ اصطلاحاً بہت طرح استعمال ہوتا ہے مگر لغت کا لحاظ رکھتے ہوئے۔ چنانچہ۔ بیان کرنا۔ مثال دینا۔ بنانا۔ چلنا۔ اثر کرنا۔ ہر طرح استعمال جائز ہے۔ یہاں مراد بیان کرنا ہے نَا۔ ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ لام نفع کا کُمْ ضمیر اس کا مجرور ہے اور متعلق ہے ضَرَبْنَا کا۔ الف لام استغراقی اَمْثَال جمع مکسر منصرف مثل واحد اسم متمکن معرب بحالتِ نصب مفعول بہ ہے ضَرَبْنَا کا۔ واؤ استینافیہ قَدْ مَکَرُوْا فعل ماضی قریب صیغہ جمع مذکر غائب۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ مَکْرٌ سے بنا ہے بمعنی۔ فریب کرنا۔ حیلہ کرنا چالبازی کرنا۔ دھوکا دینا۔ خفیہ تدبیر کرنا۔ یہاں فریب کاری مراد ہے۔ اس میں ھُمْ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ مَکْرَ اسم مفرد مصدر بحالتِ فتحہ مفعول مطلق ہے قَدْ مَکَرُوْا کا مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا۔ واؤ حالیہ ہے۔ اور حال ہے ھُمْ ضمیر فاعل کا۔ یا واؤ عاطفہ ہے مگر یہ قول ضعیف ہے۔ صحیح تر یہ ہے کہ واؤ سرجملہ ہے اور یہ عبارت پہلی عبارت سے جدا ہے۔ عِنْدَ اسم ظرف ہے بحالتِ فتحہ یہاں فعل پوشیدہ قُبِضَ اور یہ اس کا ظرف مَکْرُهُمْ اس کا نائب فاعل ہے۔ واؤ۔ یا وصلیہ ہے اور اِنْ شرطیہ تو بھی اگرچہ ہمارا ترجمہ اس کے مطابق ہے اگلی عبارت مثبتہ

ہے۔ یا واؤ سرجملہ اور اِن نافیہ اور آگے عبارت منفی ہے۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں اس قول کو ترجیح ہے میرے سسر محترم قبلہ مفتی اِیَن الدِّین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے کَانَ فعل ناقص ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب مکرو مُم مرکب اضافی اس کا اسم ہے۔ کَوْنٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی ہونا۔ ناقص۔ وہ فعل یا اسم یا حرف ہوتا ہے جو اپنا مقصد مطلب بغیر کسی دوسرے تام کے ملے نہ دے۔ لام۔ عاقبت یہ ہمیشہ مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ اور مضارع کو فتحہ دیتا ہے۔ یہ لام کَیْ کی دوسری حالت کا نام۔ تَزُوْلُ۔ فعل مضارع معروف مثبت معروف باب نَصَرَ سے ہے صیغہ واحد مؤنث غائب۔ زَوَالٌ سے بنا ہے بمعنی ہٹنا۔ مڑنا۔ ملنا۔ یہاں ہر معنی درست ہے اسی سے ہے زوال بمعنی ختم ہونا مٹنا۔ مِنْ جارہ بمعنی عَنْ جارہ۔ ہ ضمیر کا مرجع مکرہم ہے۔ الف لام استغراقی یا عہدی جبال اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے جَبَلٌ۔ بحالت رفع ہے۔ فاعل ہے تَزُوْلُ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ۗ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ - اور چونکہ ظالموں کافروں مجرموں کو جلدی نہ پکڑنا مہلت اور ڈھیل اور سنبھلنے کا موقعہ دینے کے لیے ہے لہٰذا اے پیارے نبی حبیب کریم ڈرائیے اِن ہی ظلم کرنے والوں بدبختوں اور مجرم لوگوں کو اُس دن سے جس میں آئے گا اُن پر عذاب تو کہیں گے نہایت دردناک غمناک روتی ہوئی گڑگڑاتی آواز کے ساتھ وہی لوگ جنہوں نے اِس دنیا میں بیشمار ظلم کئے۔ غرور وتکبر اور دولت امیری کے نشے میں سرداری اور افسری۔ حکومت کے بل بوتے پر عاجزوں مسکینوں غریبوں مفلسوں اور ہمارے نیک بندوں مخلصوں کو بہت ستایا۔ یہ عذاب یا موت کا وقت ہے اور قول سے مراد قلبی تمنا ہے یا یہ عذاب قبر میں ہے اور قول سے مراد حالت زار ہے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ عذاب میدان محشر کے فیصلہ اور اس کے بعد جہنم کا ہے۔ اور کہنے سے مراد زبان سے کھلا کلام کرنا ہے۔ کہ اے ہمارے رَبّنا۔ رب تعالیٰ پروردگار۔ مؤخر فرما دے ٹال دے یا روک دے ہمارے عذاب کو کچھ قریبی مدت تک کے لیے تو ہم ضرور۔ ضرور تیری اس دعوت کو جو انبیاء کرام نے کر تشریف لائے مان لیں گے اور فوراً پیارے رسولوں کی فرمانبرداری۔ تابعداری کر لیں گے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے یا ملائکہ کی طرف سے جواب آئے گا کہ اب تو بڑے بھولے بھالے بنتے ہو کیا پہلے قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے اور اپنے متعلق بڑے غرور تکبر اور زور دار لفظوں میں کہا کرتے تھے یا اپنے ماتحتوں عقیدت مندوں کو سنایا سمجھایا کرتے تھے کہ تمہارے لیے تمہاری دنیا عزت دولت شان وشوکت کے لیے کوئی زوال نہیں۔ کبھی ختم ہونا نہیں۔ یہ جہاں یوں ہی رہے گا۔ یا اپنی کارگزاری ذہنی خشوع آخرت سے غفلت اس طریقے سے جاری کر رکھی تھی کہ گویا تم کو مرنا ہی نہیں۔ اِن کوٹھی مکان جاہ و جلال باغ و بہار حسن و

جمال ۔ دنیوی کاروبار کو ختم ہونا ہی نہیں ۔ دنیا میں تمہارا قال بھی غلط تھا حال بھی برا تھا ۔ انبیا علما اولیا کی نذاریں ۔ نصیحتیں عبرتیں وعظ و تقریر کو مذاق میں ٹال دیتے تھے ۔ وَ ۔ حالانکہ تم ۔ سَكَنْتُمْ فِي مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۔ ان ہی کے گھروں میں آگے پیچھے رہتے چلے آتے تھے جنہوں نے اپنی جانوں پر پہلے ظلم کیا ۔ اس طرح کہ آخرت اور انجام آخرت اور فناء دنیا کو بھلا کر ہمہ تن دنیا میں اور دنیا سازی میں ہی مشغول رہے ۔ اور یہ مشغولیت اور غفلت ہی سب سے بڑا ظلم ہے ۔ اس تفسیر کی بنا پر یہ قول بھی قیامت اور جہنم کے زمانے کا ہے اور دوزخی کفار سے ہی کلام ہو رہا ہے ۔ کہ تم کو اپنی دنیا پر اتنا بھروسہ تھا حالانکہ روز لوگوں کو مرتے دنیا چھوڑتے گھر بار سے منہ موڑتے تم دیکھتے ہی نہ تھے ۔ بلکہ ان ہی باپ دادا کے چھوڑے ہوئے گھروں میں تم آباد ہوتے تھے پھر بھی عبرت نہ پکڑتے تھے اور قسمیں کھاتے تھے کہ یہ سب کچھ سدا رہے گا ۔ اس وقت اتنے احمق بنے رہے تو آج کیوں فریادیں التجائیں کر رہے ہو دوسری تفسیر اس طرح ہے کہ اے کفار مکہ تم سے پہلے کافروں نے دنیا کے ساز و سامان بنانے کوٹھیاں محل سجانے باغ لگانے ۔ اور کہتے رہے قسمیں کھاتے رہے کہ ہم نے جو کچھ بنایا وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا ۔ مگر وہ قوم نوح قوم عاد و ثمود قوم ہود و لوط ۔ سب فنا ہو گئیں اُن کے محلات ٹوٹ پھوٹ گئے ان کی بستیوں میں ویرانی خاک و دھول اڑا رہی ہے ۔ جو عقیدے جو باتیں جو ظلم جور کرتیں اُن کی تھیں ۔ بالکل بعینہٖ تم بھی وہی کچھ بنے بیٹھے ہو ۔ گویا کہ تم نے انہی کی کرسیاں اُن کی ہی سیٹیں سنبھال لیں اور اُن کی چھوڑی ہوئی گدیاں سجانے سنبھال لیے اور اُن کے ہی بناوٹی دین کی چار دیواری میں سکونت اختیار کر لی ہے ۔ حالانکہ تاریخ مشاہدے اور قرآن پاک حدیث شریف نیز انبیاء کرام کی زبانی تم پر سب ظاہر ہو گیا کہ ہم نے اُن سابقہ ظالموں کافروں سے اپنے قہر عذاب سزا عتاب ہلاکت و فنا اور بربادی کے ذریعہ کیا سلوک کیا ۔ اور ہم نے تو اے غافلو ۔ ہٹ دھرمو ۔ دنیا اور آخرت کی ساری ہی مثالیں کھول کھول کر بیان کر دیں دنیا کی سابقہ موجودہ برائی اچھائی عذاب انعام ۔ قبر حشر کی باتیں ۔ یہاں تک کہ اے کافرو حشر نشر اور معاد تک جو جو تم نے باتیں کرنی ہیں اور اللہ کی طرف سے جو جو جوابات ملنے ہیں وہ بھی پیشگی آج دنیا میں ہی بتا دیے گئے ہیں اب بھی نہ سمجھو نہ سنبھلو تو تمہاری بدقسمتی ہے ۔ خیال رہے کہ قرآن پاک کی آیت سے کفار کے چودہ اقوال منقول ہیں جو وہ جہنم میں پہنچ کر کریں گے ۔ اور غالباً تمام باتوں کی زبان عربی ہو گی اس لیے کہ مرنے کے بعد قسمتِ الٰہیہ سے ہر شخص عربی بولنا اور پڑھنا جان لے گا ۔ خواہ دنیا میں کسی زبان کا ہو اور خواہ بالکل ان پڑھ ہو یہ ساری گفتگو مفسرین کے اقوال کے مطابق تقریباً بازمانہ جہنم میں ۱۶۰۱۶۰ ستر لاکھ ایک سو ساٹھ سال تک جاری رہے گی پھر رب تعالیٰ ان کی زبان تبدیل فرما دے گا اور باتیں عربی میں نہ کر سکیں گے یا بالکل ہی نہ کر سکیں گے ۔

دوزخیوں کی پہلی باتیں ۔ سمت نمبر ۳۴ ۔ ابراہیم آیت نمبر ۲۱ ۔ عوام کفار اپنے مذہبی پیشواؤں سے کہیں گے آج ہم کو عذاب سے کچھ بچاؤ ہم دنیا میں تمہارے تابع فرمان تھے وہ کہیں گے اگر اللہ ہم کو ہدایت دیتا تو ہم تم کو بھی دیتے ہم بھی عذاب میں ہیں

لہٰذا صبر سے برداشت کرتے رہو۔

نمبر۲۔ دوسری باتیں۔ سورت نمبر۱۴۔ ابراہیم آیت نمبر۲۲۔ سب چھوٹے بڑے کافر شیطان کو برا بھلا کہیں گے تو شیطان کہے گا مجھ کو ملامت مت کرو۔ اپنے کو کرو۔

نمبر۳۔ سورت شوریٰ آیت نمبر۴۴۔ تمام کفار آپس میں رونے جھگڑنے کے بعد جہنم کے منتظم فرشتے یا دوسرے فرشتوں سے کہیں گے جب عذاب دیکھیں گے کہ کیا یہاں نکل بھاگنے یا چھٹکارے کا کوئی راستہ یا صورت ہے۔ چالیس سال تک اسی طرح پکارتے پوچھتے رہیں گے مگر فرشتے کوئی توجہ نہ دیں گے۔ پھر چالیس سال بعد صرف اتنا جواب دیں گے کوئی صورت نہیں ہے یہ لے تو ابھی بھی ذلت کے لیے ہوگی۔

نمبر۴۔ دوزخیوں کی چوتھی بات۔ سورۃ یونس آیت ۲۸ کافر کچھ لوگ سے کہیں گے ہم تم کو دنیا میں پوجتے تھے تمہارے بت جا کر تمہاری تعظیم کرتے تمہارے فوٹو تمہارے علم تمہاری خوشی سے گھروں میں لٹکتے تھے آج ہم کو بخشواؤ جہنم سے نکلواؤ۔ وہ لوگ جواباً کہیں گے۔ مَاكُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ تم ہم کو نہ پوجتے تھے۔

نمبر۵۔ جنتیوں کی پانچویں گفتگو۔ سورۃ مدثر آیت ۴۲ مومن جنت میں سے کافروں دوزخیوں سے پوچھیں گے تم کو دوزخ میں کس عمل نے پہنچایا تو کافر کہیں گے چار اعمال نے نمبر۱۔ ہم نماز کے منکر تھے۔ نمبر۲۔ ہم زکوٰۃ صدقات خیرات ختم درود کے ذریعے مسکینوں کو کھانا کھلاتے تھے بلکہ منکر تھے اور ان اسلامی طریقوں کو۔ غریب پروری کو حرام حرام کہتے تھے۔ نمبر۳۔ بیہودہ فکر والوں کے ساتھ مل کر خود بھی بیہودہ کفر شرک کے فتوے لگاتے اور بیہودہ فکریں کرتے رہتے ہمارے وعظ تقریریں اور تحریریں سب سے غرض کہ ہر کام نبی ولی کے خلاف اور گستاخی کرنے کی فکروں میں ہوتا تھا نمبر۴۔ اور ہم قیامت کو بھی جھٹلاتے تھے کچھ لوگ بالکل ہی انکار کرتے تھے اور کچھ ہم میں سے بدعقیدہ لوگ اس دن احمد مجتبیٰ کی شان کے منکر تھے یہاں تک کہ میدانِ محشر میں مسلمانوں کی اور سنیوں کی تمام باتوں کا یقین آگیا دنیا میں تو ہمارے پیشوا ماننے نہ دیتے تھے شرک بدعت اور نہ جانے کیا کیا مغلظات بکتے تھے۔

نمبر۶۔ دوزخیوں کی چھٹی گفتگو۔ سورۃ اعراف نمبر۷۔ آیت نمبر۵۰۔ دوزخی کافر جنتیوں سے کہیں گے۔ نَادٰى اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ دوزخی لوگ پکار پکار کر جنتیوں سے کہیں گے کہ ہم کو اپنی جنت کا کچھ پانی اور کچھ رزق نیچے پہنچاؤ تو جنتی لوگ جواباً کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے۔

نمبر۷۔ ساتویں گفتگو۔ سورۃ بقرہ۔ نمبر۲۔ آیت نمبر۱۶۷۔ جنتی کھانے پینے سے مایوس ہو کر اپنے سوا اپنے مذہبی پیشواؤں سے لڑیں جھگڑیں گے اور آپس میں کہیں گے لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً (الخ) کاش ہم کو اب دنیا میں لوٹ کر جانا ہوتا تو ہم ان سے بیزار ہو جاتے جیسے یہ آج ہم سے بیزار اور علیحدہ چھپے پھرتے ہیں۔

نمبر۸۔ دوزخیوں کی آٹھویں گفتگو۔ سورۃ حٰم سجدہ نمبر۴۱۔ آیت۔ نمبر۲۹۔ اور پھر بڑے ہی غصہ اور نفرت میں کہیں گے

رَبَّنَا اَرِنَا الَّذَيْنِ اَضَلّٰنَا (الخ) اے رب ہمارے ذرا ہم کو وہ لوگ دکھا دے جنہوں نے ہم کو گمراہ کیا جنات اور انسان شیطانوں میں تاکہ آج ہم ان کو پاؤں تلے روندیں اور ٹھوکریں مار مار کر اسفلین جہنم میں پھینکیں۔ یا یہاں پہلے مجرم ابلیس اور قابیل جن اور انسان مراد ہیں یہ دونوں بہت دور علیحدہ آگ کے پنجروں میں بند ہوں گے۔ یا ہر شیطان اور شیطانی انسان مراد ہے

نمبر ۹۔ کفار کی نویں بات چیت۔ سورۃ احقاف نمبر ۴۶۔ آیت نمبر ۳۴۔ فرشتے دوزخیوں سے پوچھیں گے جس دن ان کو جہنم میں لائیں گے کہ کیا یہ جہنم حق اور موجود نہیں ہے۔ تو سب کافر بولیں گے ہمارے رب کی قسم یہ بالکل حق اور موجود ہے۔ تو فرشتے کہیں گے تو چکھو اس کا عذاب جس کے تم دنیا میں منکر تھے۔

نمبر ۱۰۔ دوزخیوں کی دسویں گفتگو۔ سورۃ مومن نمبر ۴۰۔ آیت نمبر ۱۱۔ دوزخی کافر کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہم کو دو بار مارا اور دو بار زندہ کیا۔ پس اب ہم نے اپنے گناہوں جرموں کا اقرار کیا تو کیا یہاں سے نکلنے کی کوئی صورت ہے۔

نمبر ۱۱۔ کفار کی گیارھویں گفتگو۔ سورۃ فاطر آیت نمبر ۳۷۔ اور وہ دوزخی جہنم میں چیختے چلاتے ہوں گے اور فریادیں کرتے ہوں گے کہ اے ہمارے رب نکال ہم کو ہم اب اچھے اور نیک کام کریں گے پہلے بُرے کاموں جیسے نہ کریں گے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ہزاروں سال بعد جواب آئے گا کیا ہم نے تم کو دنیوی عمر دی تھی انبیاء علماء نہ بھیجے تھے قرآن میں سب کچھ بتا دیا تھا اور ساری دنیا میں قرآن پہنچ گیا تھا تفسیریں ترجمے لکھے گئے تھے تمہاری تو آج کی یہ باتیں بھی مشہور کر دی گئی تھیں۔ تو اب مزہ چکھو۔ ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

نمبر ۱۲۔ دوزخیوں کی بارھویں گفتگو۔ سورۃ سجدہ آیت نمبر ۱۲۔ اے ہمارے رب ہم نے تیرا جہنم دیکھ لیا اور دنیا میں انبیاء کرام کی زبانی قرآن کی بیانی ہم نے ان کے بارے میں سن لیا تھا۔ ہم کو پھر دنیا میں بھیج دے ہم اب نیک کام کریں گے۔ بیشک ہم اب کامل مکمل یقین کرنے والے ہیں۔ اس کا جواب بھی کئی ہزار سال بعد آئے گا۔ کہ اب بدلہ چکھو اس کا کہ تم اس دن کی حاضری کو بھول چکے تھے۔ آج ہم نے تم کو بھولا بسرا (نسیاً منسیا) کر دیا۔ اور ہمیشگی والا عذاب چکھتے رہو۔

نمبر ۱۳۔ کفار کی تیرھویں گفتگو۔ سورۃ ابراہیم ۱۴ آیت نمبر ۴۴۔ یہی جگہ جیسا کہ آپ نے تفسیر میں دیکھ لیا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ ساری بات چیت سوال و جواب اس طرح ہوں گے کہ دوزخی ہزار ہا سال تک تڑپتے پھڑکتے فریادیں کرتے اور پکارتے رہیں گے پھر کہیں جا کر ملائکہ اور اہل جنت اور رب تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کرے گا۔ لاکھوں سال بعد

نمبر ۱۴۔ چودھویں دفعہ گڑگڑا کر فریاد و التجا کریں گے۔ سورۃ مومنون ۲۳ آیت نمبر ۱۰۶۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا (الخ) کہیں گے اے رب ہمارے غالب آگئی ہم پر ہماری بدبختی اور واقعی ہم لوگ گمراہ تھے۔ اے رب ہمارے نکال دے ہم کو اس جہنم سے پھر اگر دوبارہ ہم برے کاموں میں لوٹیں تو واقعی ہم ظالم ٹھیریں گے۔ ہزار ہا سال کے بعد یہ آخری جواب دیئے گا۔ اور رب تعالیٰ اپنے قہر کی آواز سے فرمائے گا ذلت سے مردود بن کر اسی جہنم میں پڑے رہو۔ اور آئندہ خبردار مجھ سے بات

رہ کرنا۔ اس جھڑک کے بعد اُن کی زبان بدل جائے گی۔ اور گدھے کے رینکنے جیسی آواز نکالا کریں گی گدھے کے رینکنے کی ابتدائی آواز کو زفیر کہتے ہیں اور آخری آواز کو شہیق کہتے ہیں۔ چنانچہ سورۃ ہود آیت نمبر ۱۰۶ میں ہے۔ فَاَمَّا الَّذِیْنَ شَقُوْا فَفِی النَّارِ لَهُمْ فِیْهَا زَفِیْرٌ وَّ شَهِیْقٌ ۔ ترجمہ۔ پس لیکن جو بدبخت ہوئے تو وہ جہنم میں ہیں اُن کے لیے گدھے کی آواز زفیر اور شہیق ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کسی کی آواز کتے جیسی کسی کی خنزیر جیسی اور زیادہ کی گدھے جیسی ہوا کریں گی اور ہر وقت ہی بولتے چیختے پیٹتے رہیں گے عجیب شور برپا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ رب کریم تیرا کروڑ ہا شکر ہے کہ ہم کو مسلمان اور امت حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم بنایا یا اللہ ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرما۔ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ اور بیشک ان مکے کے کافروں نے بھی اگلی امتوں جیسے مکروفریب کئے ہیں یعنی انبیا کو ستانا۔ گستاخیاں طرح طرح کے بیہودہ مطالبے۔ اور اللہ کے قبضے میں ہے اُن کی اور ان کی بلکہ تمام کفار کی چالبازیاں کہ ہر طرح ناکام کر دیتا ہے کافر اپنے سب منصوبے ٹوٹتے دیکھ کر ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ اگرچہ اُن کے اور ان کے ایسے مکر تھے کہ جن سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائیں ٹکڑے ہو جائیں مگر رب تعالیٰ ہی اُن کے اتنے سخت نقصان دہ منصوبوں کو موم کی طرح پگھلا کر رکھ دیتا ہے۔ دوسری تفسیر۔ اور بیشک کفار مکہ نے اپنے مکر فریب خوب کئے مگر اُن کے سارے مکر اللہ کے قابو میں ہیں۔ اور اُن کے مکر ایسے نہیں ہیں کہ پہاڑ کو ہٹادیں ہمارے نبی اور ان کا قرآن حدیث اسلام۔ شریعت۔ اور تبلیغ وعظ مثل پہاڑ کے مضبوط ہیں۔ کفر کی مکڑیوں کو رب تعالیٰ نے آن واحد میں مکڑی کے جالے کی طرح دور کر دیا۔ یا اس طرح کہ وقت سے پہلے بھانڈا پھوٹ گیا یا اس طرح کہ نبی کریم اور صحابہ کو بچا لیا گیا یا اس طرح کہ اُن کی آپس میں پھوٹ پڑ گئی یا اس طرح کہ ان کو ہلاکت کی موت دیدی گئی۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ساری انسانیت اور تاقیامت زمانے کے لیے نبی ہیں یہ فائدہ وَاَنْذِرِ النَّاسَ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ اَلنَّاس عام ہے تا قیامت ہر قوم کے لیے۔ **دوسرا فائدہ**۔ جس طرح نیک لوگوں کے نیکیوں کی وجہ سے بہت سے القاب ہیں۔ صالح۔ مصلح۔ مومن۔ متقی وغیرہ رکھے گئے اسی طرح کافروں کے بھی اُن کی بدعملیوں کی بنا پر بہت سے نام ہیں مثلاً۔ فاسق۔ مغضوب۔ ضال۔ اور ظالم وغیرہ۔ یہ فائدہ یَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا سے حاصل ہوا۔ کہ یہاں کافروں کو ظالم کہا گیا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ دنیا میں پھر پلٹنا اور پلٹنے کی آرزو کرنا۔ اگر اشاعت دین کے لیے ہے تو اچھی ہے اور اگر عذاب آخرت سے بچنے آئندہ توبہ کرنے کے لیے تو طریقۂ کفار ہے حدیث پاک میں ہے کہ شہید بھی لوٹنے کی تمنا کرے گا۔ مگر اس کی تعریف کی گئی۔ اور یہاں کفار کی تمنا کا ذکر برائی سے کیا گیا یہ فائدہ۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ مبلغین اور خُطَبَاء عُلَمَاء حضرات پر فرض منصبی شرعی ہے عذاب وثواب اور قیامت و علامات اور قبر وحشر کے مسائل سکھیں اور مسلمانوں غافلوں کو ہر تقریر وعظ میں سنائیں اسی طرح اگر ممکن ہو تو کفار کو بھی اُن کا انجام میدانِ محشر میں کفار کی گنگو پریشانی اور دائمی عذاب سے ڈرائیں بجائے ہنسی مذاق کی باتیں اور لطیفے سنا کر تقریر کا مضمون بنانے کے آخری انجام سے ڈرائیں اور اپنی محفلوں جلسوں کو انبیاء عظام واولیا کی محفلوں کا نمونہ بنائیں ۔ یہ مسئلہ وَاَنۡذِرِ النَّاسَ ... کے واجبی حکم سے مستنبط ہوا ۔ آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابتِ عظمیٰ میں اولیا علماء اور مقررین واعظین پر بھی یہ حکم واجب العمل ہے کہ خود بھی ڈریں اور عوام مسلمانوں کو بھی ڈرائیں ۔ بڑی سخت گھڑیاں ہیں اللہ پناہ دے ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ فقہ اسلامی کے مطابق کسی چیز کا عمومی طور پر مشہور ہو جانا بھی شرعی گواہی اور ثبوت کے لیے معتبر ہے ایسی شہرت سے فیصلۂ عدالت یا فتوے شرعی جاری کرنا جائز ہے جیسے نکاح ۔ نسب یا کسی کی ملکیت ہونا ۔ یہ مسئلہ وَتَبَیَّنَ لَکُمۡ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ دیکھو قوم عاد وثمود کی ہزاروں سال سے اُجڑی بستیوں پر کوئی خدائی بورڈ نہ لگا تھا نہ کسی آیت وکلام الٰہی سے پکی نشاندھی کی گئی تھی صرف شہرت ہی سے جانا گیا تھا ۔ جس کو رب تعالیٰ نے معتبر قرار دیا ۔ یہی حکم خاندانی نسلی قومیت کا ہے ۔ اسی طرح کسی کے نیک و بد ہونے کی مشہوری کا حکم ہے ۔ لہٰذا جس کو زبانِ عام ولی اللہ کہے گی اس کو ولی اللہ ہی کہا جائے گا ۔

تیسرا مسئلہ ۔ فقہاءِ کرام کا شرعی قیاس بالکل برحق ہے ۔ اور قیاس کے ذریعے حرام وحلال کے ضابطے بالکل درست اور واجب العمل ہیں ۔ یہ مسئلہ ۔ وَضَرَبۡنَا لَکُمُ الۡاَمۡثَالَ ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ کہ رب تعالیٰ نے موجودہ کافروں کے انجام کو سابقہ کافر قوموں کے کفر اور اس کے انجام پر قیاس فرما کر عبرت دلائی ۔ یہی کچھ فقہی قیاسات میں ہوتا ہے ۔ یعنی اشتراکِ علت سے اشتراکِ حکم ہوتا ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا ۔ وَسَکَنۡتُمۡ فِیۡ مَسٰکِنِ الَّذِیۡنَ ظَلَمُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ ۔ یعنی جن لوگوں پر عذاب آیا ان کی بستیوں میں تم آباد ہوئے ۔ حالانکہ حدیث شریف میں ہے کہ عذاب شدہ بستیوں میں سکونت تو درکنار وہاں تو سفری پڑاؤ ڈالنا بھی منع ہے ۔ نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو صحابہ کرام کو ایک سفر میں قومِ ثمود کی اُجڑی بستی سے گزرتے ہوئے وہاں ٹھیرنے اور وہاں کے کوئیں سے پانی لینا بھی منع فرما دیا ۔ تو اسی آیت اور اس حدیث پاک میں مطابقت کیونکر ہو ۔

جواب ۔ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ عذاب شدہ بستی میں رہنا جائز نہ ہونا ۔ صرف مسلمانوں کے لیے ہے ۔ نہ کہ کفار کے لیے اور مسلمانوں پر اس ممانعت وپابندی میں بہت سی حکمتیں ہیں ۔ دوم یہ کہ سَکَنۡتُمۡ سے مراد رہائشی اور خانہ آبادی کی سکونت نہیں بلکہ راہ گزرتے سفر کی عارضی ٹھیراؤ والی سکونت مراد ہے ۔ جیسا کہ کفار کے

جاتے ان بستیوں کو دیکھا کرتے تھے ورنہ عذاب شدہ بستیاں اُجڑی ہوئی ویران اور ٹوٹی پھوٹی کھنڈرات کی شکل میں تھیں وہاں کوئی گھر سلامت نہ تھا۔ نہ کبھی آج تک وہاں پھر آبادی ہو سکی۔ سوم یہ کہ مساکن سے عذاب والی بستیاں مراد نہیں ہیں بلکہ باپ دادا کے چھوڑے ہوئے خاندانی گھر مراد ہیں۔ اور کَیْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ سے عذاب آسمانی مراد نہیں بلکہ ان کی موت۔ فنا۔ یا جنگوں میں ان کا قتل عام و شکست مراد ہے۔ اور عالیشان محلات چھوڑ جانا مراد ہے۔ اور جتایا یہ جا رہا ہے کہ تمہارا مَا لَكُمْ مِنْ زَوَالٍ۔ کہنا غلط ہے تم اپنی رہائشی بستیوں اور گھروں سے ہی۔ دنیا کی بے ثباتی کا اندازہ لگا لو۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا۔ اور اے کافرو تمہارے لیے ظاہر ہو گیا کہ ہم نے ان پہلی کفار قوموں سے کیسا عبرت ناک سلوک کیا۔ جب کفار مکہ ان سابقہ امتوں اور عذاب الٰہی کو مانتے ہی نہ تھے تو ان کو یہ کیوں فرمایا گیا کہ تم پر ظاہر ہو گیا پہلوں کا عذاب۔

جواب۔ عذاب الٰہی کو تو تسلیم نہیں کرتے تھے مگر ان کی تاریخ اور ان کے اچانک ہلاک ہو جانے سے پوری طرح واقف تھے۔ یہاں تک کہ پتھر برسنے۔ بندر بننے۔ قحط سالی وغیرہ ہونے کو بھی جانتے تھے۔ ان تمام آفتوں کو ناگہانی اتفاقی حادثات کہہ دیا کرتے تھے۔ یہاں صرف یہ بتلایا جا رہا ہے کہ یہ تمام ہلاکتیں مصیبتیں ناگہانی نہیں تھیں بلکہ ان کے ظلم اور کفر شرک کی وجہ سے عذاب الٰہی تھا۔ بالکل اسی قسم کا ظلم تم کر رہے ہو تو پھر اپنا انجام سوچ لو کیا ہونا چاہیے۔ پہلوں سے پچھلوں کو عبرت پکڑنی چاہیے۔ لفظ تَبَيَّنَ تو مشہور قرأت ہے۔ مگر قرأت سبعہ میں سے ایک قرأت وَنُبَيِّنُ بھی ہے۔ یعنی ہم بیان کرتے ہیں تمہارے لیے سو کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ **تیسرا اعتراض**۔ عذاب سابقہ کا ذکر کرنے کے بعد وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ کیوں فرمایا گیا۔ یہ کچھ بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے۔

جواب۔ بالکل بے جوڑ نہیں ہر طرح پورا تعلق اور مناسب موقعہ محل ہے۔ اگر مَكَرُوْا اور مَكْرُهُمْ دونوں کی ضمیر سابقہ امتوں کی طرف لوٹتی ہو اور معنٰی یہ ہو کہ بیشک انہوں نے مکر کیا اپنا مکر تو اس ذکر کا مقصد یہ ہے کہ ہم نے یہ سخت عذاب اس لیے دیا کہ ان کے مکر بھی بہت زیادہ اور دنیوی اعتبار سے بڑے سخت تھے کہ اگر ان کو مٹایا نہ جاتا تو ان کے مکر و فریب سے پہاڑ یا پہاڑ جیسی قوت و مضبوطی والے دلیر مومنین بھی پھسل جاتے۔ اور اگر مَكَرُوْا کی ضمیر کا مرجع کفار مکہ ہوں اور مَكْرَهُمْ کی ضمیر کا مرجع سابقہ کفار تو یہاں اس لیے ذکر کیا کہ جو وجہ و سبب ان کو عذاب دینے کی تھی تم بھی ویسی ہی مکاریاں کر رہے ہو۔ اور جو اللہ ان کو عذاب آسمانی یا ہلاکت زمینی سے خاک کر سکتا ہے۔ وہ تم کو بھی ختم کر سکتا ہے۔ ان وجوہ سے یہاں قَدْ مَكَرُوْا (الخ) فرمانا بالکل درست اور بارابطہ ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ۔ یعنی ان کے یا تمہارے مکر ایسے ہیں کہ ان سے پہاڑ ٹل جائیں یا ٹل جائیں۔ تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کسی کے مکر اور فریب سے پہاڑ کیسے ٹل سکتے ہیں۔

جواب۔ مفسرین عظام کے اس بارے میں چند قول ہیں کہ پہاڑ سے کیا مراد ہیں۔ کسی نے کہا اس سے مراد قرآن و حدیث

کی تبلیغ ہے اور آیتیں جاتی رہیں۔ یہ تَزُوْلَ سے مراد روک دینا ہے۔ کسی نے کہا کہ پہاڑ سے مراد انبیاء پاک کی دلیر اور قوت و اختیار والی شخصیت ہے یا پہاڑ سے مراد ذاتِ محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم مکر سے مراد کفار کی سازشیں ہیں لِتَزُوْلَ سے مراد ان کا پریشان و غمگین ہونا یا کفار سے مایوس ہو کر تبلیغ بند فرما دینا۔ لیکن اگر پہاڑ سے اصل پہاڑ بھی مراد ہوں تو بھی درست ہے۔ کیونکہ انسانی مکر و فریب اور حیلہ سازی سے واقعی پہاڑوں میں زلزلے آجاتے ہیں۔ اور فی زمانہ یہ حیرانی تو فضول ہے۔ دن رات پہاڑوں کو توڑا پھوڑا اور اپنی جگہ سے بارودی سرنگوں کے ذریعے ہٹایا جا رہا ہے یہ سب کچھ مکر و حیلہ سازی ہی تو ہے۔

تفسیر صوفیانہ

رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ الْحِسَابُ ۔ اے

میرے جسم کو غذاءِ ناسوتی اور روح کو غذاءِ لاہوتی اور دماغ کو غذاء جبروتی قلب کو غذاء ملکوتی دینے والے اللہ مجھ کو اپنے مقام قرب میں کھڑا ہونے والا بنا اسرار کا راکع اور معراج کا ساجد اور تختِ عرفانی پر تشہد پڑھنے والا کامل نمازی بنا اور میرے اعضاء ظاہر و باطن و تصور و خیالات کو ایسی ہی نمازِ عشق اور صلاۃِ معرفت قائم کرنے والا بنا۔ اے ہم سب کے رب میری خواہشاتِ ذات اور چاہتِ دیلی والی مناجات کو جامۂ قبولیت پہنا دے۔ اے رب ہمارے مجھ کو اور میرے خیالاتِ دموز کو اپنی مغفرت میں چھپا لے تاکہ میں خود بھی اپنے وجود کو نہ دیکھ سکوں اور انا کے حجاب سے دور ہو جاؤں اور میرے صفاتِ علویہ کے والد اور طبیعاتِ سفلیہ کی والدہ کو رحمت کی چادر۔ مغفرت کا لباس اسرار عطا فرما۔ کیونکہ ان کے سبب سے ضمیر و تجلیات کی ولادتِ باسعادت ہے۔ اور میرے تمام مریدین جمیع اہلِ ایمان کو بھی مغفرت کی عزت عطا فرما تاکہ کوئی بھی کسی کا تیری رویت کے لیے حجاب نہ بن سکے۔ اس دن میں جس دن اہلِ فراق و اہلِ وصال اور کمالیتِ نفس و نقصانیتِ حواس کا پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ جس دن ازل کے خلوص مناجات کا حساب نجاتِ ابدی اور کامیابیٔ درجات ہوگا۔ ہم کو آج اپنی بارگاہ میں قائم ہونے کی خوش بختی عطا فرما کہ جس دن حساب قائم ہو تو ہم کو نہ کھڑا ہونا پڑے۔ عارفین فرماتے ہیں کہ تین قسم کے دولت مند ہیں۔

نمبر ۱۔ جس نے اطاعتِ الٰہی میں زندگی گزاری اس نے دولتِ حیات پائی۔ نمبر ۲۔ جس نے جان کنی کے وقت کلمہ طیبہ کے ساتھ روح کو وداع کیا اس نے دولتِ موت پائی۔ نمبر ۳۔ جو بشارتِ رحمانی کے ساتھ قبر سے نکلا اس نے بے حساب قیامت کی دولت پائی۔ اہل سلامت و متقینِ عنایت کی نظر و بصیرت میں اس سے بڑی کوئی دولت نہیں۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ وَاَفْئِدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۔ اے عقل و ذہنی کے پرستار و دنیا کے جیب باطلہ اور فکر باطلہ سے یہ گمان بھی مت کرنا کہ ازل و ابد کو جاننے والا اللہ جل مجدہٗ اعمال سے بے خبر

ہو آگاہ رہنا قیامت دنیا کے عمل کرنے والوں ظالموں سے ۔ جنہوں نے بحرِ فنا میں انا کی کشتی چلائی اور رزمِ محبت معبودی سے گمراہ ہو کر حد سے بڑھنے کا ظلم کیا۔ یہ اُس کی قضا و قدر ہے کہ کسی کو سعادت میں کسی کو شقاوت میں رکھا۔ اور سب کو سلوکِ وادیِ طلب کی مہلت کے لیے مؤخر کیا تاکہ سعید شریعت و طبیعت کے راستے سعادت کی منزل پر اور شقی منزلِ اشقیا پر پہنچیں ۔ اور ظالموں کو مہلت تاخیر اسلیے دی تاکہ جی بھر کے ظلم و گناہ کر کے حسب بدبختی برابر کر لیں۔ ظالم کی مہلت ذلت کی دیری اس وقت تک کی ہے جب کہ معرفت کے شکر نورِ توحید سے عقل و دماغ کی آنکھیں آسمان حیرت میں چڑھ جائیں گی ۔ وہ دن مکاشفاتِ اکبر کا ہے جس دن سطواتِ عزت کے انوار ظاہر ہو جائیں گے اور تمام نفسانی قوتیں عظمتِ جلال ہیبتِ کمال میں غرق ہو جائیں گی۔ پھر کسی غیر کی طرف توجہ نہ کر سکیں گی اس دن نفس ملوق اور نفس کاذب کا فرق معلوم ہوگا ۔ جب قلب جسدی پر واردات الٰہیہ کی قیامت ہوتی ہے تو تلبیساتِ ابلیس اور نفس امارہ کی نفسانیات بدبختی کا سر اُٹھائے خود مستی کی دوڑ دوڑتے ہیں ۔ اور اہل ہوا کی ہوائیں نکل جاتی ہیں ۔ اور اُن کی بصارتیں عاداتِ رذیلہ کی طرف لوٹنے کی ہمت نہیں پاتیں ۔ لیکن اہلِ حق کے قلوب لقاءاللہ کی خواہشاتِ ابدیہ سے متعلق ہو کر فضاء قدسی میں محو بر ولہ ہوتے ہیں ۔ وَ اَنْذِرِ النَّاسَ یَوْمَ یَاْتِیْهِمُ الْعَذَابُ فَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَا اَخِّرْنَا اِلٰۤى اَجَلٍ قَرِیْبٍ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَ نَتَّبِعِ الرُّسُلَ اَوَ لَمْ تَكُوْنُوْۤا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۔ ہمہ وقت طلبِ دنیا کی سوچنے والی عقل انسانی کو ڈرائیے فکرِ آخرت میں اُس شدید وقت سے جب فراق و ہجر کا عذاب آجائے گا اور عقل دنیوی کی ساری تدبیریں کس مپرسی میں دھری رہ جائیں گی تب مقصود حیات کے غافل عناصر جنہوں نے دوریِ مطلوب کا ظلم کیا زبانِ بے بسی سے پکاریں گے ۔ اے اول و آخر ظاہر و باطن میں ہمارے رب ۔ صبح انوار کی قریبی مدت تک تھوڑی مہلت خیر و برکت عطا فرما تاکہ اب سابقہ ظلمات و ہراس کا تدارک کر لیں اور تیری دعوت قرب قبول کریں اب ہم پر حق و باطل آشکارا ہو گیا آتش فراق کی تپش کا عذاب شدید دیکھ لیا ۔ اب ضمیر و قلب کی صوتِ سرمدی پر لبیک کہیں گے ۔ الہاماتِ اسرار کا جواب یہی ہوتا ہے کہ اے غرورِ شیطانی کے وسوسو تم زبان حال کی قسمیں اور حلفیہ قول بولتے تھے کہ عیش نفس کو کبھی زوالِ زمانی نہیں ہے ۔ اس وقتِ خلوت کو بھلائے بیٹھے تھے ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ مومن کو چاہیئے کہ ہر وقت موتِ فراق کو یاد رکھے عوام کی موت روح و جسم کا فراق ہے عاقل کی موت فکر و تدبر کا فراق ہے لیکن عاشق کی موت رویت ذاتِ واحد کا حجاب ہے ۔ مومن کے چھ دوست ہیں ۔

نمبر ۱ ۔ علم جو آخرت کی فہم عطا کرے ۔ نمبر ۲ ۔ رفیق وہ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مدد کرے گناہوں سے روکے ۔

نمبر ۳ ۔ معرفت جو دشمن و دوست کا پتہ بتائے ۔ دشمن سے بچائے دوست کی آغوش میں پہنچائے ۔

نمبر ۴ ۔ عبرت جو انجام بتائے ۔ نمبر ۵ ۔ عدل و انصاف جو ظاہر و باطن کے حقوق گنوائے ادا کرائے کسائے مدِّ قیامت

سے بچائے۔ نمبر ۶۔ استعداد و توفیق باری تعالیٰ جو موت تک ساتھ نبھائے۔ (روح البیان و معانی)۔ وَسَكَنتُمْ فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْأَمْثَالَ۔ اور خواہشات نفسانی و وساوس ابلیسی ہی کے مشابہ ہیں ایک ہی خانۂ غفلت میں رہائش پذیر ہیں قالب انسانی پر دونوں نے ہی ظلم کثیف کیا۔ اعضاء ظاہری کو منزل مراد سے ہٹایا اور باطنی قوتوں کو قرب جلال سے ورغلایا۔ اور اپنے ساتھ ملالیا۔ شیطان ابلیس کو تو پہلے مااعدّ درگاہ کر دیا اور اب اسے نفسانی قوتوں تم پر ظاہر ہو گیا ابلیس اور اس کی ذریت کو کیسا ملعون و مردود کیا تو اپنا انجام بد سوچ لو۔ اور یہ سب ہماری حکیمانہ مثالیں ہیں۔ تاکہ بندہ قلب و قالب کی طرف نگاہ کرے علماء شریعت دوسرے کو وعظ و تقریر اور خطاب کرتے ہیں لیکن صوفیا اولیا اپنے کو وعظ خطاب کرتے ہیں علما فرماتے کہ قرآنی خطابات و ضمائر کے مرجع دیگر عوام ہیں مگر عارفین فرماتے ہیں کہ ان آیات کا مرجع اور توجہ خود بندے کا اپنا نفس و دماغ اور قلب و قالب ہے اس لیے پہلے بندے کو صوفی بننا چاہیے پھر مدرسۂ عشق میں قدم رکھے۔ ورنہ گہوارۂ ظلم میں گرنے اور ابلیسی جال میں پھنسنے اور بیت نفسانی مساکن شہوانی میں سکونت کا خطرہ ہے۔ وَقَدْ مَكَرُوا مَكْرَهُمْ وَعِندَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ وَإِن كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ عقل عیار نے قلب انوار کے خلاف کتنے ہی مکر و فریب اور بھیس بدلے۔ ابلیس نے کتنے ہی تلبیسی جال پھیلائے راہ شوق کے مسافروں اور وادیٔ عشق کے متوالوں کے راستے کتنے ہی کانٹے بچھائے مگر ان کے سب فریب و عیاریاں محبوبین و طالبین کی حفاظت فرمانے والے رب کائنات کے قبضہ میں ہیں اگرچہ ان کے مکر اتنے شدید تھے کہ لاکھوں منزل کے قریب پہنچے ہوؤں کے پائے استقامت صبر کے پہاڑ تحمل کے کوہ گراں بھی کٹھن وادیوں میں ڈگمگا جاتے۔ مگر اس کو بچالیا جاتا ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ راستی اور خلوص اختیار کر لیتا ہے اور وہ ہر ماسوا سے غمگین و بیقرار رہتا ہے۔ خواہشات نفس نفس کی وہ مکاریاں ہیں جو بندے کو راہ راست اور حکم خداوندی سے پھیر دیتی ہیں۔ وہی مومن نفس و شیطان کے مکر سے بچ سکتا ہے جو تین چیزوں پر عمل کرے۔

نمبر ۱۔ خدا تعالیٰ کا حکم بجالائے۔ نمبر ۲۔ اس کی منع کی ہوئی چیزوں سے رک جائے نمبر ۳۔ احکام قضاو قدر پر سر تسلیم جھکا دے اور علماء شریعت کے سامنے گداگر سائل کی حیثیت سے آئے عاجزی مسکینی کو اپنا حسب نسب سمجھے۔ جو بندہ حقوق اللہ کی حفاظت کرتا ہے رب تعالیٰ اس کے حقوق کی حفاظت فرماتا ہے مراقبۂ بیخودی میں رب تعالیٰ کو اپنا رفیق اعلیٰ بنالو۔ اگر اہل مکر کی مکاریوں سے بچنا ہے تو اللہ رسول کے دروازے پر قلب و قالب سے اعتکاف میں رہو۔ اللہ رسول کا دروازہ اہل اللہ کے آستانے ہیں اور اولیاء اللہ کی محفلیں ہیں۔ اغیار سے کچھ تعلق نہ رکھو۔ اغیار سے وہ مانگنا ہے جو اللہ سے ناواقف ہو۔ اور یہ نشانی ہے ایمان و معرفت کی کمی کی۔ جب بندۂ واصل ۲۰۱ اپنے رب کے ساتھ ہو تو کسی کا مکر اس کے ارادوں کے پہاڑ کو متزلزل نہیں کر سکتا۔

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

تو تو خیال بھی نہ کرنا کہ اللہ خلاف کرنے والا ہے وعدہ اپنا رسولوں سے اپنے بیشک اللہ

تو ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ اپنے رسولوں سے وعدہ خلاف کرے گا بیشک اللہ

عَزِیْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿٤٧﴾ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ

غالب ہے بدلہ لینے پر قدرت والا جس دن کہ بدلی جائے گی زمین علاوہ

غالب ہے بدلہ لینے والا۔ جس دن بدل دی جائے گی زمین اس

الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ﴿٤٨﴾

اس زمین کے اور سب آسمان بھی اور روبرو حاضر ہوں گے اللہ کے جو واحد ہے قہر والا ہے

زمین کے سوا اور آسمان اور لوگ سب نکل کھڑے ہوں گے ایک اللہ کے سامنے جو سب پر غالب ہے

وَ تَرَی الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ ﴿٤٩﴾

اور دیکھیں گے آپ مجرموں کو اس دن کہ بندھے ہوں گے جکڑے ہوئے میں زنجیروں۔

اور اس دن تم مجرموں کو دیکھو گے کہ بیڑیوں میں ایک دوسرے سے جڑے ہوں گے

سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّ تَغْشٰی وُجُوْهَهُمُ

کرتے ان کے آگ قبول کرنے والے تیل میں بھیگے ہوئے اور چھا جائے گی چہروں پر ان کے

ان کے کرتے رال کے ہوں گے اور ان کے چہرے آگ ڈھانک لے گی۔

النَّارُ ۙ لِیَجْزِیَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

آگ تاکہ بدلہ دے اللہ ہر جان کو اس کا جو کمایا اس نے بیشک اللہ

اس لیے کہ اللہ ہر جان کو اس کی کمائی کا بدلہ دے بیشک اللہ کو

سَرِیۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۵۱﴾

جلدی لینے والا ہے حساب

حساب کرتے کچھ دیر نہیں لگتی

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم نے ہر طرح مثالیں اور واقعات سنا کر ان کو راہِ راست پر آنے کی دعوت دی مگر یہ آنے والے نہ بنے اب فرمایا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے جو بھی وعدہ فرماتا ہے وہ پورا ہو کر رہے گا لہٰذا یہ کافر خوش فہمی سرکشی میں نہ رہیں۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں میدانِ قیامت میں کفار کے گڑگڑانے کا نقشہ کھینچا گیا تھا۔ اب اِن آیات میں خود میدانِ قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے جس سے سختی قہر کا اظہار ہے۔ **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیتوں میں کفار کے دنیا میں رہنے بسنے کا تذکرہ ہوا اب اِن آیات میں کفار کے جہنم میں رہنے بسنے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی فَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ مُخۡلِفَ وَعۡدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیۡزٌ ذُو انۡتِقَامٍ ؕ یَوۡمَ تُبَدَّلُ الۡاَرۡضُ غَیۡرَ الۡاَرۡضِ وَ السَّمٰوٰتُ وَ بَرَزُوۡا لِلّٰهِ الۡوَاحِدِ الۡقَهَّارِ ۔ فَ حرف ابتدائیہ (شروعِ کلام کے لیے) لَا تَحۡسَبَنَّ فعل نہی بانونِ تاکیدی ثقیلہ۔ باب حَسِبَ سے ہے صیغہ واحد مذکر حاضر اَنۡتَ ضمیر کا مرجع عام انسان ہے۔ اللہ۔ اسم مفرد جامد بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے۔ لَا تَحۡسَبَنَّ کا اصل حَسۡبٌ سے بنا ہے بمعنی دل و دماغ کی قوت والا گمان خیال۔ تصور۔ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ مُخۡلِفَ۔ اسم فاعل واحد مذکر بابِ افعال سے ہے۔ خَلۡفٌ سے بنا ہے بمعنی الٹ کرنا۔ خلاف کرنا۔ پیچھے کرنا۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ دوم ہے۔ لَا تَحۡسَبَنَّ کا وَعۡدِہٖ۔ اسم مفرد جامد (حاصل مصدر) یا مصدر اپنے مصدری معنی میں ہے بمعنی عَہۡد۔ اقرار۔ بحالتِ کسرہ ہے مفعول مضاف الیہ ہے مُخۡلِفَ کا۔ رُسُلَ۔ جمع مکسّر ہے رسول۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع اللہ ہے یہ مرکب اضافی تیسرا مفعول بہ ہے لَا تَحۡسَبَنَّ ایک قول میں مگر صحیح یہ ہے کہ یہ مُخۡلِفَ کا مفعول بہ دوم ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق اللہ بحالتِ فتحہ اسم ہے اِنَّ کا۔ عَزِیۡزٌ۔ اسم مفرد مشتق صفتِ مشبّہ بروزنِ فَعِیۡلٌ کریم۔ عِزٌّ سے بنا بمعنی غالب ہونا قوی ہونا یا عِزَّۃٌ سے بنا ہے بمعنی پیارا۔ عزت والا ہونا۔ عزت کا مالک ہونا۔ ہر معنی مناسب ہے بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبرِ اوّل ہے اِنَّ کی۔ ذُوۡ اسم مکبّر۔ اس کی تصغیر نہیں ہوتی اِس لیے اِس کو مکبّرہ کہتے ہیں اس طرح کے چھ لفظ مکبّرہ ہیں عربی میں۔ یہ اسم ہمیشہ اسم ظاہر کا مضاف ہوتا ہے۔ بحالتِ رفع آخر میں واؤ ہوتی ہے اِنۡتِقَامٍ۔ اسم

مصدر نکرہ ہے باب افتعال سے ہے نقم سے بنا ہے بمعنی بدلہ لینا۔ بدلہ دینا۔ سزا دینا۔ غلبہ پانا۔ یہاں پہلے تین معنی درست ہیں اگر غلبہ پانا مراد لیا جائے تو عزیز کی تاکید ہوگا۔ بحالت کسرہ ہے بوجہ مضاف الیہ کے۔ یہ مرکب لسانی مجرور ہے اِنَّ کا، یا تاکید ہے موکد کی (عزیز کی) یا صفت ہے عزیز کی۔ اگلی جملت علیحدہ جملہ ہے۔ یَوْمَ۔ اسم مفرد جامد بحالت فتح یا یہ انتقام مصدر کا ظرف ہے یا مفعول بہ ہے اس سے پہلے اُذْکُرْ پوشیدہ فعل امر ہے۔ جس میں خطاب عام انسان سے ہے یا نبی کریم سے اگر معنی ہو یاد کرانا یَوْمَ بمعنی زمانہ یا وقت یا دن۔ تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ اگلا جملہ فعلیہ ہے لہٰذا محلاً مجرور ہے۔ تُبَدَّلُ۔ فعل مضارع مجہول باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تَبْدِیْلٌ صیغہ واحد مؤنث غائب بَدَّلَ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ جگہ یا حالت بدلنا۔ متغیر کرنا۔ الف لام استغراقی یا تبعیضی یا جنسی اَلْاَرْضُ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی ہے۔ بحالت رفع نائب فاعل ہے۔ تُبَدَّلُ مثبت مجہول کا۔ غَیْرَ۔ اسم غیر اشتقاق مضاف ہے اسم ظاہر کی طرف مبنی ہے فتح پر یعنی تغیر کے لیے ہے۔ مضاف ہے۔ الف لام جنسی یا استغراقی ارض۔ بحالت جر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یا حال ہے یا صفت ہے تُبَدَّلُ کا یا اَرْضُ کا واؤ عاطفہ۔ عطف ہے اَرْضُ پر۔ الف لام استغراقی سماوات جمع مکسر ہے سَمَاءٌ کا ذاتی نام ہے یا جنسی۔ آسمان کا۔ مرفوع ہے معطوف علیہ ہے اَرْضُ کا واؤ عاطفہ ہے عطف ہے تُبَدَّلُ پر یا ابتدائیہ یا حالیہ حال ہے انتقام کا۔ بَرَزُوْا فعل ماضی مطلق مثبت معروف بمعنی مستقبل۔ برائے یقین کلی مستقبل ہوا ہے باب نصر سے ہے۔ صیغہ جمع مذکر غائب۔ بَرْزٌ سے مشتق ہے بمعنی ظاہر ظہور نکلنا۔ میدان میں نکلنے کو بَرْزٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے مبارزت۔ جنگ میں ایک ایک سپاہی کا نکلنا جس کو سب دیکھیں اسی سے ہے بُرَازٌ جسم کی گندگی نکلنا۔ اسی سے ہے بُرْزٌ۔ وہ روزی بناوٹی بلا دعوے میں نکلنا فریب دینے کے لیے مرزا غلام کہتا تھا میں بروزی نبی ہوں (معاذ اللہ) لِلّٰہِ۔ لام جارہ بمعنی الیٰ یا لُوکِیَّت۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ اللہ موصوف واحد اسم فاعل مجرور صفت اول ہے اللہ کی وَحْدٌ مثال واوی سے بنا ہے۔ بمعنی ایک ہونا اَلْقَهَّارِ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ۔ بروزن فَعَّال۔ صیغہ مبالغہ ہے۔ مجرور ہے صفت دوم ہے اللہ کا قَهْرٌ سے بنا ہے بمعنی مکمل غلبہ ہونا۔ زبردست قوت ہونا ذلیل کرنا۔ ہر طرح دبالینا۔ یہاں ہر معنی ہو سکتا ہے۔ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ۔ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔

واؤ۔ استینافیہ تَرٰی فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر حاضر بمعنی مستقبل اَنْتَ ضمیر واحد مذکر کا مرجع ذات نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہے رَأْیٌ سے بنا ہے بمعنی دیکھنا۔ الف لام استغراقی یا جنسی ہے مُجْرِمِیْنَ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر باب افعال سے ہے اِجْرَامٌ مصدر ہے۔ جُرْمٌ سے بنا ہے۔ یعنی۔ قصد کرنا۔ قانون توڑنا انسانیت کے خلاف کام کرنا۔ اس کا واحد مجرم ہے یہاں مراد ہیں کافر مشرک۔ یَوْمَ اِذٍ۔ یَوْمَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے اِذٍ اسم اشارہ قریبی مضاف الیہ ہے یہ مرکب مفعول فیہ ہے تَرٰی کا۔ مُقَرَّنِیْنَ اسم مفعول صیغہ جمع مذکر۔ بحالت فتح حال ہے مُجْرِمِیْنَ کا۔ باب تفعیل سے

ہے مصدر ہے تَقْرِیْنٌ ۔ قَرْنٌ سے بنا ہے بمعنی ملنا ۔ جکڑنا ۔ رسی یا بالوں کو بٹنا ۔ زنجیر بنانا ۔ یہاں مراد جکڑنا ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ ۔ الف لام عہدی اَلْاَصْفَادُ ۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے صَفَدٌ ۔ بمعنی زنجیر ۔ ہتھکڑی ۔ سَرَابِیْل ۔ اسم جمع منتہی الجموع ہمیشہ غیر منصرف ہوتا ہے اس لیے اس پر تنوین نہیں آسکتی اس کا واحد ہے سِرْبَالٌ بمعنی قمیص ۔ کرتا ۔ لفظ قمیص عام ہے ہر چھوٹی بڑی قمیص کو مگر سربالٌ وہ کرتہ جو گھٹنوں یا ٹخنوں تک ہو ۔ سراویل ۔ ملاؤ سے اس کا معنی ہے پیجامہ شلوار اس کا واحد ہے سروالٌ یہ مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے ۔ اور یہ مرکب اضافی مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے مِنْ جارہ بیانیہ قَطِرَانٍ ۔ اسم مفرد نکرہ ہے الف نون زائدتان مگر غیر منصرف نہیں ہے کیونکہ ایک سبب ہے اگر کسی کا علم ہو تو غیر منصرف ہوگا ۔ جنگلی درختوں میں سے نکلنے والا ایک سخت روغن ہے ۔ گندو بروزہ یا ۔ رال ۔ یا پتھر سے نکلی ہوئی گندھک ۔ یا پگھلا ہوا تانبا ۔ حقیقت کو اللہ رسول بہتر جانتے ہیں بحالت کسرہ ہے مِنْ سے جار و مجرور متعلق ہے کائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل کے ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا کی ۔ تَغْشٰی ۔ فعل مضارع مثبت معروف باب فتح سے ہے ۔ صیغہ واحد مؤنث غائب ۔ غَشْیٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنی ڈھکنا ۔ پردہ ڈالنا ۔ بیہوش کرنا یا ہونا ۔ لپیٹ میں لینا ۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں ۔ وُجُوْہَ ۔ اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے وَجْہٌ ۔ بمعنی چہرہ و مکمل یعنی پورا سر ۔ یا فقط شکل صورت اور یا پورا سامنا جسمانی حصہ ۔ مگر صرف شکل صورت مراد لینا زیادہ مناسب ہے ۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع مُجْرِمِیْنَ ہے ۔ اَلنَّارُ الف لام تعریفی عہدی ۔ نَارٌ ۔ اسم مفرد جامد بمعنی آگ نُوْرَۃٌ سے ہے ۔ بمعنی تیزی ۔ گرمی ۔ بھاڑ دینے والی ۔ اسی معنی میں پھونے کو نُوْرَۃٌ کہتے ہیں ۔ یہاں مراد جہنم کی آگ ہے ۔ وُجُوْھَھُمْ مفعول بہ ہے اور نارُ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے تَغْشٰی کا ۔ لِیَجْزِیَ ۔ لام کَیْ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے ۔ اور یہ لام ہر مشتق جامد فعل اسم پر داخل ہوجاتا ہے لیکن مضارع پر آتا ہے تو مکسور ہوتا ہے ۔ یَجْزِیَ فعل مضارع مثبت معروف مفتوح ہے اَنْ پوشیدہ سے باب ضَرَبَ سے ہے ۔ جَزْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے ۔ بمعنی بدلہ دینا ۔ جرم کی سزا دینا ۔ اَللّٰہُ اسم مفرد مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے یَجْزِیَ کا ۔ کُلَّ اسم تاکیدی ہے یہاں فقط جمعیت کے لیے ہے ۔ بحالت نصب ہے ۔ مفعول بہ اول ہے مَا اسم موصول واحد غیر ذوی العقول کے لیئے ہے ۔ یَجْزِیَ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مؤنث غائب کَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنی کمانا ۔ حاصل کرنا ۔ یہاں مراد ہیں اعمال آخرت اچھے یا برے ۔ مَا موصولہ عمومیت کے لیے ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوگیا ۔ اور موصول صلہ مفعول بہ دوم ہے یَجْزِیَ کا ۔ اِنَّ حرف تحقیق ۔ اللہ اسم مفتوح اس کا اسم ہے سَرِیْعُ صفت مشبہ کا صیغہ ہے ۔ باب کَرُمَ سے ہے (مطرد کا پانچواں باب) بروزن کَرِیْم ۔ سُرْعٌ سے بنا ہے اس کا مصدر سُرْعَۃٌ بھی آتا ہے بروزن ظُلْمَۃٌ نُطْفَۃٌ ۔ بمعنی جلدی کرنا جلدی ہونا ۔ یعنی لینا یا کرنا ۔ یا ہونا ۔ یہاں ہر معنی بن سکتا ہے ۔ بحالت رفع ہے کیونکہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر اِنَّ ہے ۔ الف لام عہد ذہنی ہے حِسَابِ ۔ بروزن فِعَالٌ ثلاثی کا مصدر ہے ۔ حَسْبٌ سے بنا ہے بمعنی گمان کرنا ۔ اندازہ لگانا پوچھ گچھ کرنا ۔ یہاں یہ ہی آخری معنی مراد ہیں ۔ بحالت کسرہ ہے مضاف الیہ ہے ۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ؕ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۔ جب رب تعالیٰ دنیا میں کفار کے مکر نہیں چلنے دیتا اور دنیا میں رب تعالیٰ کو کسی بھی چیز سے غافل خیال نہیں کرنا چاہیئے تو اے بندے خیال بھی نہ کرنا کہ رب تعالیٰ اپنے پیارے رسولانِ کرام سے قرآن مجید حدیث پاک وحی خفی وحی جلی اسرار والہام میں کیے ہوئے کسی بھی وعدے کو کبھی خلاف کرے۔ باری تعالیٰ نے انبیاء کرام سے چودہ وعدے فرمائے۔ نمبر۱۔ ہر طرح ہر وقت انبیاء کرام کی مدد فرمائے گا۔ نمبر۲۔ کائنات کی ہر چیز پر انبیاء کا غلبہ ہوگا۔ نمبر۳۔ اصل بادشاہت زمین پر انبیاء کرام کی ہوگی۔ نمبر۴۔ کفار کی دنیا و آخرت میں ہلاکت ہوگی۔ نمبر۵۔ آخرت میں ہر عمل کی مکمل جزا ہوگی۔ نمبر۶۔ مجرم کو ضرور سزا ملے گی۔ نمبر۷۔ اہلِ ایمان کو ثواب ضرور ملے گا۔ نمبر۸۔ کفار کو عذاب ضرور ہوگا۔ نمبر۱۰۔ دوزخ یقینی ابدی قائم رہے گی۔ نمبر۱۱۔ جنت بھی ابدی ہے۔ نمبر۱۲۔ مذنبین کی شفاعت یقینی ہے۔ نمبر۱۳۔ مرحومین پر رحم ہوگا۔ نمبر۱۴۔ مقہورین پر قہر ہوگا۔ بیشک اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ۔ دنیا میں ہر طرح غالب ہے قابو میں رکھنے والا ہے اور قیامت کے اس دن مجرم ظالم سے بدلہ لینے والا ہے جس دن بدل دی جائے گی زمین اس موجودہ زمین کے علاوہ اور سب آسمان بھی اس لیے کہ یہ دنیوی زندگی انتقام کے لیے کافی نہیں۔ یہاں ہر نعمت میں کچھ زحمت ہے اور تکلیف میں کچھ آرام ہے۔ نیز ظالموں کا ظلم بدکاروں کے گناہ اتنے بڑے ہیں کہ زمین و آسمان کی حقیقت اُن کے سامنے کچھ نہیں۔ سب سے سخت تو شرک ہے۔ جس سے زمین و آسمان بھر جاتے ہیں۔ اسی طرح نیکوں کی نیکیاں اتنی عظیم ہیں کہ ساتوں زمین ساتوں آسمان میں نہیں سما سکتیں۔ حدیث پاک میں ہے کہ سُبحان کا وظیفہ میزانِ قیامت میں بھاری ہے۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ آیتُ الکرسی کے برابر مخلوق میں کوئی چیز نہیں یہ زمین آسمان لوح و قلم عرش و فرش سے بڑی ہے تو جو اس کا ورد کرتا ہوگا بھلا اس کا بدلہ دنیا میں کونسی چیز بنے گی۔ تیسری حدیث شریف میں ہے کہ کلمہ طیبہ ہر چیز سے بھاری ہے علما فرماتے ہیں کہ دنیا میں کروڑ ہا۔ اربوں کھربوں بلکہ بے انداز نعمتیں بندوں کو ملیں۔ اور ایک گناہ سب کی ناشکری ایک کفر سب کا انکار ہے تو بھلا اتنے کثیر گناہوں کفران کا بدلہ دنیا میں کیونکر ہو سکتا تھا اس لیے پوری جزا کے لیے دائمی جنت اور دائمی جہنم قائم کی گئی۔ اور پورے حساب کتاب کے لیے قیامت کا بڑا دن مقرر فرمایا جس دن اس گناہ آلود۔ کفر سے لتھڑی ہوئی زمین کو بھی بدل کر دوسری پاک صاف ستھری زمین بچھائی جائے گی۔ اور جلال کی گرمی طے قہر کی دہشت والے دوسرے آسمان قائم کیے جائیں گے اس تبدیلی کی حقیقت میں مفسرین کے چند اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ آسمان و زمین تمام کی تمام ذاتی طور پر بدل جائے گی اور اسی طرح اپنی اپنی اشیا کے ساتھ لپیٹ کر کہیں رکھ دی جائیں گی یا فنا کر دی جائیں گی۔ دوم یہ کہ ذاتی نہیں بلکہ صفاتی طور پر تبدیلی ہوگی آسمان سے چاند۔ سورج ستارے اور زمین سے درخت پہاڑ مکانات۔ دریا سمندر سب مٹا دیئے جائیں گے زمین چاندی کی اور آسمان سونے کا کر دیا

جائے گا۔ سوم یہ کہ زمین آگ اور آسمان پیش بنا دیا جائے گا۔ چہارم یہ کہ آسمان سرخ تانبہ اور زمین دبول خاک کر دی جائیں گی۔ پنجم یہ کہ زمین کو سفید روئی بنا دیا جائے گا اور آسمان و سورج بہت قریب ہوگا تقریبًا ساٹھ گز کے فاصلہ پہ۔ ششم یہ کہ آسمان و زمین کو بالکل سیاہ کر دیا جائے گا جس سے گھٹا ٹوپ اندھیرا چھا جائے گا۔ اور روشنی اس دن نیکوں کے چہروں کی ہوگی۔ اس دن زمین کا نام ساہرہ ہوگا۔ یہ سارے اقوال چونکہ روایات و احادیث اور آیات قرآنیہ سے لے گئے ہیں للذا سارے ہی درست ہیں اور مطابقت اس طرح ہے کہ زمین و آسمان کی حالت اس دن بندوں کے اعمال کے مطابق ہوگی۔ کہیں آگ کہیں خاک کہیں سفید کہیں سیاہ کہیں سرخ۔ کہیں گرم نرم۔ مومن کی زمین مثل روئی کے ہوگی جب ان کو بھوک لگے گی۔ وہ اپنے قدموں کے نیچے سے کچھ اٹھائیں گے اور ملائکہ رحمت ان کو تحت الثریٰ کے بیل اور مچھلی کا سالن دیں گے۔ کافر بھوک پیاس اور گرمی میں مبتلا رہیں گے اور برے اعمال کے مطابق ٹخنے ٹخنے گھٹنے گھٹنے۔ سینے سینے اور گلے گلے پسینے میں ڈوبے ہوں گے لیکن ذاتی صفاتی تبدیلی اپنے مختلف وقتوں کے اندر ہوگی پہلے صفاتی تبدیلیاں ہوں گی پھر حساب وکتاب کے بعد ذات بدل دی جائے گی۔ یعنی اس زمین کو ہٹا کر دوسری زمین و آسمان لائے جائیں گے اس حکمت کو اللہ رسول بہتر جانتے ہیں۔ پہلے قدرت کی طرف سے نفخہ صعقہ ہوگا یعنی انتہائی سخت کڑک جس سے آسمان زمین کی ہر چیز بھر جائے گی اور ساری زمین روئی کی طرح ایک جیسی چٹیل ہو جائے گی اس کو ارض موقف کہا جائے گا پھر دوسرا آواز ہوگا اس کو صور پھونکنا کہا جاتا ہے اس کی آواز سے آسمان نیچے آ جائے گا اور زمین ٹکڑے ہو جائے گی مردے جاگ جائیں گے قبریں پھٹ جائیں گی دوسرے صور پر زمین نئی بن جائے گی پھر قدرتی آگ چلے گی اور سب مخلوق جاندار کو ان کے ٹھہرنے کی جگہ محشر میں پہنچا دے گی۔ اور سب اللہ تعالیٰ کے حضور صفوں کو باندھ کر حاضر ہوں گے اس طرح کہ پہلی صف صرف امت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری صف میں تمام انبیاء علیہم السلام کی امتیں تیسری صف میں نیک حسنات چوتھی صف گناہگار پھر فاسق پھر بدکار۔ پھر بد معاش۔ پھر کافر۔ پھر منافق اس طرح چالیس صفیں ہوں گی آخری صف میں جانور ہوں گے۔ اور ملائکہ و آسمانی ان کے گرد گھیرا ڈالے گول دائرے میں ہوں گے پہلا دائرہ آسمان اول کے فرشتوں کا اس طرح ساتوں آسمانوں کے فرشتوں کے سات دائرے ہوں گے۔ قیامت میں تین تکلیفیں ہوگی۔

نمبر ۱۔ بھوک پیاس۔ نمبر ۲۔ عرق یعنی پسینہ۔ نمبر ۳۔ ارق یعنی بےخوابی جیسی پریشانی۔ زمین سے آگے پل صراط ہوگا اور پل صراط کا ایک کنارہ میدان محشر سے ہوگا دوسرا میدان جنت میں دروازہ جنت کے سامنے ہوگا۔ پل صراط سے نیچے بر جہنم (جہنم کا پل) ہوگا۔ اس اللہ کے حضور سب کی حاضری ہوگی جو واحد ہے مومنوں کے لیے کہ اس کے سوا کوئی درود نہیں اور قہار ہے کافروں کے لیے کہ اس سے بھاگ نہیں سکتے۔ واحد ہے مظلوم کے لیے یعنی کارساز مددگار ہے اور قہار ہے ظالم کے لیے۔ واحد ہے احمد مجتبیٰ کے لیے کہ عرش پر صرف پیارے مصطفیٰ کو ہی اپنا دیدار کرایا۔ اور قہار ہے باقی مخلوق

انسانوں جنوں کے لیے کہ محشر میں سب ظاہر ظہور دیدار کریں گے۔ واحد ہے دنیا کے لیے کہ سب آرام پا رہے ہیں تمہارے آخرت کے لیے کہ سب کو بدلہ دینے والا ہے۔ وَتَرَى الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ فِي الْأَصْفَادِ ۝ سَرَابِيلُهُمْ مِنْ قَطِرَانٍ وَتَغْشَى وُجُوهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ۔

اور آج دنیا میں تو کوئی مجرم مجرمانہ حالت میں نظر نہیں آتا سب عیش و عشرت میں دندناتے پھرتے ہیں بلکہ بدکاروں نے نیک کاروں پر عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے۔ مگر اُس دن اے انسان تو مجرموں اللہ کے نافرمانوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا کہ اپنے اپنے شیطانوں کے ساتھ جکڑے بندھے ہوں گے گلے طوقوں سے اور ہاتھ پاؤں زنجیروں سے اُن کے لمبے کرتے پیروں تک قطران کے تیل سے بنے ہوئے اُن کے جسموں پر گاڑھے روغن کی طرح لپے ہوں گے۔ زمین اور آسمانی گرمی سے وہ تپ رہے ہوں گے۔ اور یہی آگ زمین و آسمان کی ان کے چہروں کو جھلسائے ہو گی تمام کھروائی۔ قیامِ محشر تغیر و تبدل، پکڑ دھکڑ طوق و سلاسل سب کچھ صرف اس لیے ہوگا تاکہ بدلہ دے اللہ تعالیٰ ہر نیک و بد خیر و شر جان کو اُس کے اُن اعمال کا جو اُس نفس (جان) نے اپنی قوتِ نظر و فکر عقیدۂ و مذہب اور قوتِ عمل بدی و نیکی سے دنیا میں کمایا اپنے لیے بنایا آگے بھیجا۔ آخرت میں ہر انسان کو اُس کی قوتِ فکر و عمل کی ہی جزا ملنی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت ہی جلدی تمام لوگوں کے پورے پورے حساب لینے والا ہے یا اس طرح کہ دنیا چند روزہ ہے بہت جلدی قیامت آنے والی ہے۔ یا اس طرح کہ میدانِ محشر میں بیشمار مخلوق جمع ہو گی مگر سب کا حساب کتاب آناً فاناً بہت جلدی بنٹ جائے گا ایک بھی انسان کسی طرح بھی بچ نہیں سکے گا۔ نہ کچھ حساب میں کمی رہ سکے گی۔ میدانِ محشر کے بعد یہ زمین و آسمان کو فنا نہ کیا جائے گا۔ بلکہ زمین کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور آسمان کو جنت میں بچھا دیا جائے گا۔ چاند سورج ستارے اور پتھر پہاڑ جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ لیکن تمام مساجد اور مدرسے خانقاہیں اور اللہ کے نام پر وقف زمین اکٹھا کر کے جنت کی مسجد بنا دی جائے گی اور اس پر چھت اسی آسمان کی ہو گی۔ اس کا محراب۔ ریاضُ الجنۃ ہو گا۔ اس کے دروازے پر مینارہ اُحد پہاڑ ہو گا یا اس میں اُعصا ستونِ حنانہ ہو گا۔ وَاللہُ اَعلم بالصّواب۔ میدانِ محشر میں جس دیکھنے کا ذکر ہے وہ دیکھنا عوام کا ہو گا۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو ازل سے سب کچھ بنظرِ عرفانی ہر چیز واقعہ دیکھ رہے ہیں بلکہ ان کے وجود سے بھی پہلے جیسا کہ احادیثِ معراج سے ثابت ہے۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ ظاہری اَسباب باطن کی نشانیاں ہیں قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کافروں کے جسم پر ایسی علامتیں لگا دے گا جس سے وہ دور سے پہچانے جائیں یہ مزید اُن کی ذلت و رسوائی کے لیے ہو گا۔ اس طرح اہلِ ایمان پر بھی بہت سی اُن کی نیک عملی کی نشانیاں ہوں گی جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہے یہ

فائدہ ۔ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دنیا میں بھی ۔ نیک و بد بعض دفعہ اپنے چہروں سے پہچانے جاتے ہیں بہت سے گستاخوں کی منحوسیت چہروں پر ظاہر ہوتی ہے اور دور سے پہچانی جاتی ہے ۔ **دوسرا فائدہ** ۔ قیامت کے ہزار سالہ یا پچاس ہزار سالہ ایک دن کے تھوڑے حصے میں تمام قیامت والوں کا مکمل حساب ہو جائے گا۔ یہ فائدہ سَرِيْعُ الْحِسَابِ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا باقی وقت میں ذکر پاک مصطفیٰ ہوگا صلی اللہ علیہ وسلم یہ ثبوت دیگر احادیث و آیات سے ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ باری تعالیٰ کو سب سے زیادہ نفرت ظلم اور بدکاری سے ہے ۔ یہ فائدہ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس زمین کو بھی بدل دے گا جس پر ظلم خون ریزی اور بدکاری ہوتی رہی ۔ اور اس آسمان کو بھی جس کے دروازوں سے یہ بُرے اعمال گزارے گئے ۔ تو اندازہ لگاؤ کہ پھر ظالموں بدکاروں سے کتنی نفرت ہوگی ۔ اے میرے رحیم کریم اللہ تعالیٰ مجھ کو بھی اور میرے تمام مسلمانوں کو بھی اپنے نفرت والے کاموں سے بچالے ۔

احکام القرآن

ان آیات طیبات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ایذار سانی اور ظلم کاری سے بچے ۔ خاص کر اللہ کے نیک بندوں انبیاء کرام و اولیاء ۔ عظام اور علماء اسلام کو ستانے سے تو بچنا فرض ہے ۔ یہ مسئلہ ۔ عَزِيْزٌ ذُوانْتِقَامٍ سے مستنبط ہوا ۔ اللہ جبار و قہار ۔ موذی کو کبھی معاف نہیں فرماتا آخرت کے علاوہ دنیا میں بھی عبرت ناک سزا دے دیتا ہے ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ عام باتوں میں مسلمانوں کے باطل خیالات و گمان پر شرعی پکڑ نہیں ہے جب تک کہ وہ غلط بات منہ سے نہ نکالے ۔ لیکن عقیدے کے طور پر گمان اور خیال بھی قابلِ گرفت ہے اس قسم کی بدگمانی سے بچنا فرض ہے ۔ یہ فائدہ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ کی نہی تاکیدی سے مستنبط ہو ۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ کفار کی ظاہری شکل و صورت اور لباس کی طرح شکل و صورت بنانا اور کافروں کا سا لباس یا نشانات اختیار کرنا مسلمانوں کو جائز نہیں خاص کر کفار کی مذہبی شکل و صورت لباس نشانات کو استعمال کرنا تو بالکل ہی حرام ہے ۔ جیسے ہندوؤں کا تلک اور بالوں کی لٹ اور سکھوں کا کڑا جوڑا مونچھیں داڑھی عیسائیوں کی ٹائی (صلیب) اور داڑھی مونچھ منڈانا ۔ وغیرہ ۔ یہ مسئلہ ۔ سَرَابِيْلُهُمْ قَطِرَانٍ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ کہ کفار کو ظاہری طور پر مسلمانوں سے علیحدہ کیا جائے گا ۔ شکل و صورت میں بھی اور لباس میں بھی اور نشانات میں بھی لہٰذا دنیا میں بھی ہر اعتبار سے علیحدگی واجب ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا ۔ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ (الخ) اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب حاضر ہوں گے ۔ آج بھی تو ہم سب بلکہ ساری مخلوق اللہ کے حضور حاضر ہے ۔ تو یہ خاص علیحدہ اس دن کا ذکر کیوں فرمایا گیا **جواب** ۔ تین وجہ سے نمبر ا ۔ یہاں قبروں سے نکلنا مراد ہے ۔ اور معنی یہ ہے کہ اپنے ٹھکانوں سے چل کر خاص اس کی مقررہ

بارگاہ میں جائیں گے۔ یہ مظاہرہ آج دنیا تک نہیں ہے۔ نمبر ۲۔ آج غائبانہ حاضر ہیں اُس دن ظاہر ظہور حاضری ہو گی۔ نمبر ۳۔ آج کوئی مانتا ہے کوئی نہیں مانتا مگر اس دن سب مانیں گے اور سب نظارہ کریں گے۔ کافر بھی مومن بھی نیک بھی بد بھی۔ **دوسرا اعتراض**۔ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ کا پہلی آیت سے بظاہر تعلق معلوم نہیں ہوتا۔ اس لیے کیوں ذکر کیا گیا۔ جواب۔ بالکل بے ربط نہیں ہے۔ بلکہ شاندار تعلق ہے۔ کیونکہ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ میں ظالموں کافروں سے بدلہ لینے کا ذکر تھا۔ اب یہاں وہ وقت بیان کیا جارہا ہے جب انتقام لیا جائے گا۔ للٰہذا بے ربط نہیں ہے۔

تفسیر صوفیانہ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰہَ مُخْلِفَ وَعْدِہٖ رُسُلَہٗ اِنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ ذُوانْتِقَامٍ یَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَیْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ اے حلالِ عمل میں گھومنے والے اپنے مولیٰ جل شانہٗ کے متعلق ہرگز بدگمانی نہ لانا کہ وہ مخبرینِ غیب قاصدینِ کائنات اہل اللہ سے عطا و لقا۔ قبض و بسط۔ فراق و وصل زحمت و رحمت کے وعدے یا نزول و ورود کے خلاف کرے گا۔ بیشک محبوبین کا اللہ ہر ظالم جابر سرکش پر غالب اور بد خصلتی کا بدلہ لینے والا ہے۔ جس دن وجودِ حقیقت کے انوار منکشف ہوں گے تو ہر شی کی ہلاکت ظاہر ہوگی بجز سالکانِ آغوشِ قدرت کے کہ ان کو سدا بقا ہے۔ جس دن تبدیل کر دی جائے گی معرفت والوں کے دل کی زمین صفاتِ بشریت سے صفاتِ روحانیہ مقدسہ کی نئی زمین نور سے جمالِ حق کے شہود میں اور سمٰواتِ ارواح کو بدل دیا جائے گا صفاتِ حدوث کے عجز سے اور زمینِ ضعفِ قالب کو بدل دیا جائے گا صفاتِ حقانیہ کی قوت سے یا زمینِ طبیعت کو بدل دیا جائے گا زمینِ نفس سے مقامِ دل کی طرف چلنے کے وقت اور آسمان تجلی کو بدلا جائے آسمانِ اسرار سے اسی طرح ایک دن زمینِ نفسانی کو زمینِ قلبی کا رنگ چڑھا دیا جائے گا اور آسمانِ سِرّی کو آسمانی روح تجلیات تک لایا جائے گا۔ اور سالک کے تمام مقاماتِ علیا کو بچھا کر دیا جائے گا اور مقامِ اسفل کو اونچائی تک پہنچا دیا جائے گا جس طرح کہ آسمانِ توکل کو افعالِ توحید میں اور آسمانِ رضا کو صفاتِ توحید میں۔ پھر آسمانِ مزاج کو مکاشفاتِ ذاتِ وحدت کے وقت زمینِ وحدت کے قریب کر دیا جائے گا کہ سارے خواص ہی واحدِ قہار کے قربِ نیاز میں حضوری پیش کریں گے۔ وَتَرَى الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ سَرَابِیْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ لِیَجْزِیَ اللّٰہُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ. اور انکو مشاہدہ اے عقل و غرور کے بندے اپنے باطنی قالب میں تو دیکھ لے گا کہ مجرم ناسوتی شہوتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوں گے اور ان کے طاغوتی جسموں پر سرکشی کے بدبودار اعمال کا لبادہ ہوگا اور محرومی کے جہنم کی آتش مایوسی نے ان کے ظلمانی چہروں کو جھلسا یا ہوگا۔ اور ذلتوں کے سیر میں جلبِ ربوبیت کی نارِ فراق نے چہروں کو جلا ڈالا ہوگا۔ دنیا میں ہی سعادت و شقاوت کا یہ نقشہ اس لیے قائم کیا گیا ہے تاکہ بدلہ دے اللہ جل مجدہٗ ہر شخصیت فنا و بقا کو جو بھی اُس نے کسی طرف سے خیر و شر حاصل کیا۔ خواہ عملِ ذاتی سے یا کسبِ خیراتی ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بہت جلدی قلب و دماغ کا عقل و نفس کا حساب

لینے والا ہے ۔ اپنے محبوبوں کو نعمات سعادت دے کر ۔ اور مغضوبوں کو ذلت کی زنجیریں پہنا کر ۔ یہ بقاو فنا کا حساب اسرار ہے ۔ مومن اپنا حساب دنیا کے ہر لمحے میں خود کرتا رہتا ہے اس طرح کہ اپنا گناہ کو پہاڑ دیکھتا ہے ۔ کافر و منافق کا حساب اللہ تعالیٰ کرے گا کیونکہ وہ گناہ کو حقیر تنکے سمجھتا ہے ۔ اللہ کا حساب یہ ہے کہ جب بندہ گناہ کو بڑا سمجھتا ہے تو رب تعالیٰ اس کو چھوٹا سمجھتا ہے اور درگزر فرماتا ہے اور جب بندہ چھوٹا سمجھتا ہے تو توبہ سے دور رہتا ہے رب جلیل اُس کو بڑا شمار فرماتا ہے ۔ جب تک بندہ معرفت سے دور رہتا ہے اُس وقت تک عظمت کبریائی سے ناآشنا ہوتا ہے ۔ شریعت کی حفاظت سے معرفت اور معرفت سے عظمت حاصل ہوتی ہے اور عظمت سے قرب اور قرب سے خوف و دہشت حاصل ہوتی ہے ۔ اسی لیے منزلِ قرب کے مسافر عوام گناہوں سے توبہ کرتے ہیں لیکن خواص غفلت سے توبہ کرتے ہیں ۔ توبہ کے تین مقام ہیں ۔ نمبر۱ ۔ غفلت سے توبہ ۔ نمبر۲ ۔ رویت سے توبہ ۔ نمبر۳ ۔ غیر اللہ سے توبہ ۔ توبہ کو مہلت ملا دو ورنہ موت قریب ہی ہے ۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا

یہ قرآن صرف تبلیغ ہے لیے لوگوں کے اور تاکہ ڈرائے جائیں وہ کافر ذریعے اس کے اور تاکہ جان لیں وہ سب

یہ لوگوں کو حکم پہنچانا ہے اور اس لئے کہ وہ اُس سے ڈرائے جائیں اور اس لیے کہ وہ جان لیں

هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۵۲﴾

فقط وہ ہی معبود ہے واحد اور تاکہ نصیحت مانیں عقل والے صحیح دماغ والے

کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں ۔

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓرٰ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ ①

ا ل ر ۔ یہ آیتیں کتاب کی ہیں اور بیان کرنے والے قرآن کی

یہ آیتیں کتاب اور روشن قرآن کی

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں انبیاءِ کرام کی تبلیغ اور تمثیل اور عذاب و ثواب کی آیتیں بیان ہوئیں اب اس کے نزول اور اس طریقہ بیان کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی سورۃ ابراہیم کی ابتدائی آیات میں بھی قرآن کریم کی شان بیان فرمائی گئی اصحاب اس سورتِ حجر کو بھی اِن ہی بیانات سے شروع فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی سورت میں بھی کفار کا ذکر اور مثالیں اور کائنات کی تخلیق کا ذکر ہوا اس سورت میں بھی اسی طرح کچھ وضاحت سے ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق** ۔ پچھلی سورۃ میں زیادہ تر کفار کی اُخروی زندگی کا ذکر ہوا اب اس سورت میں زیادہ تر کفار کی دنیوی زندگی اور عیش و عشرت کا ذکر ہو رہا ہے۔ **پانچواں تعلق** ۔ پچھلی سورت میں بھی نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو تسلی تشفی دی گئی تھی اس سورت میں بھی یہی بیان ہے۔ گویا یہ سورۃ پچھلی سورۃ کا تتمہ ہے۔ وہ سورت اجمال تھا تو یہ سورت تفصیل ہے۔ وہ بیان تھا تو یہ اُس کا بقیہ ہے لہٰذا اُس کے بعد یہی سورت عین مناسب تھی (از روح المعانی)۔

تفسیر نحوی هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَ لِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّ لِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۔ ھٰذا اسم اشارہ قریبی مشار الیہ کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں اسم اشارہ مبتدا ہے اس کا مشار الیہ لفظِ کلام یا قرآن پوشیدہ ہے بحالتِ رفع ہے مبہمات میں سے ہے اسم غیر متمکن مبنی اصل ہے۔ بَلٰغٌ سے آخر تک عطف کی تمام عبارت مشار الیہ خبر ہے اس مبتدا کی۔ بَلٰغٌ۔ اسم مفرد نکرہ مصدرِ ثلاثی ہے بَلَغَ سے بنا ہے بمعنی پہنچنا۔ کافی ہونا۔ لازم ہے اسی سے ہے بلوغت بمعنی جوانی کو پہنچنا۔ بلاغٌ مصدر متعدی بیک مفعول ہے۔ بمعنی پہنچانا۔ تبلیغ کرنا۔ لام جارہ مفعولیت کو مانع کا الف لام استغراقی ناس اسم مفرد جامد بمعنی انسان۔ اُنس سے بنا ہے بمعنی محبت اور محبت کرنے کے معنی میں ہے یہ جار و مجرور متعلق ہے مصدر بَلٰغٌ کا۔ واوٗ عاطفہ۔ عطف ہے مابعد جملہ فعلیہ کا ما قبل بلاغٌ پر۔ لام مکسورہ لامِ کَےْ ہے۔ اِس میں اَنْ حرفِ ناصبہ مصدریہ پوشیدہ ہے يُنْذَرُوْا فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع غائب مستتر اس کا فاعل ہے اور اُس کا مرجع ہے ناس۔ باب افعال سے ہے مصدر متعدی ہے اِنْذَارٌ بمعنی ڈرانا۔ ڈر سنانا۔ خوفناک خبر دینا۔ نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرنا۔ یہ مادہ مُطّرد کے سب بابوں

میں لازم ہے مگر باب کَرُمَ میں متعدی ہوتا ہے اسی لیے نَذِیْرٌ کے معنی ہیں ڈرانے والے اور نَاذِرٌ کے معنی ہے ڈرنے والا۔ نذیر انبیاء کرام کا صفاتی نام ہے اور نُذُرٌ جمع ہیں۔ مگر قرآن مجید میں صرف باب افعال اور باب کَرُمَ کے مشتقات مستعمل ہیں۔ اسی بنا پر جمہور نحات نے فرمایا کہ یُنْذَرُ کا مادہ صرف دو بابوں میں آتا ہے۔ نمبرا۔ باب افعال میں اکثر۔ نمبر۲۔ باب کَرُمَ میں قلیل۔ بِہٖ۔ بَ حلقہ سببیہ۔ ہٖ ضمیر غائب کا مرجع ھٰذَا ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے یُنْذَرُوْا۔ دراصل تھا یُنْذَرُوْنَ آخر سے نونِ اعرابی گر گئی۔ اَنْ ناصبہ پوشیدہ کے نصب سے اور اس کے بدلے خانہ پوری کے لیے الفِ تخفیفی لگا دیا۔ یہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہے بَلَاغٌ کا۔ واوٗ عاطفہ۔ عطف ہے یُنْذَرُوْا پر۔ لامِ کَیْ مکسورہ۔ یَعْلَمُوْا فعل مضارع معروف مثبت۔ منصوب ہے اَنْ مصدریہ ناصبہ پوشیدہ سے۔ دراصل تھا یَعْلَمُوْنَ نونِ اعرابی نصب کی وجہ سے گر گئی اور آخر میں اس کے بدلے زبر (فتحہ) کا نشان الفِ تخفیفی آ گیا۔ عِلْمٌ سے بنا ہے بمعنی جاننا۔ سمجھنا۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع نَاس ہے اَنَّمَا۔ دو لفظ ہیں۔ نمبرا۔ حرفِ تحقیق اَنَّ۔ چونکہ ماقبل فعل کا مفعول بہ ہے اس لیے ہمزہ کے فتحہ سے ہوا۔ مگر یہاں عملاً لغو ہے کیونکہ مَا کافہ ہے۔ اَب اِنَّمَا کا ترجمہ ہے فقط۔ برائے حصر ہے۔ ھُوَ۔ ضمیر واحد مذکر غائب منفصل۔ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ اِلٰہٌ اسم مفرد جامد بمعنی معبود اس کی جمع ہے اٰلِھَةٌ تثنیہ ہے اِلٰھَیْنِ ایک قول میں یہ لفظ مشتق ہے اَلَہٌ سے بمعنی پوجنا۔ پرستش کرنا۔ کسی کو خالق اور قادرِ مطلق سمجھ کر اس کی بات ماننا اِلٰہٌ۔ بروزنِ فِعَالٌ ثلاثی کا مصدر بمعنی اسم مفعول مَاْلُوْہٌ۔ یعنی پوجا ہوا۔ عبادت کیا ہوا۔ بحالت رفع ہے کیونکہ خبر اول ہے ھُوَ مبتدا کی۔ وَاحِدٌ۔ اسم مفرد مشتق اسم فاعل ہے۔ باب سَمِعَ یا حَسِبَ سے ہے بمعنی وحدت والا۔ یہاں اسم جامد ہے یعنی ایک ذات۔ بحالت رفع ہے خبرِ دوم ہے مبتدا ھُوَ کی یا اِلٰہٌ موصوف وَاحِدٌ صفت سے مل کر ایک ہی خبر ہے۔ واوٗ عاطفہ۔ عطف ہے یَعْلَمُوْا پر۔ لامِ کَیْ مکسورہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہے۔ جس نے نصب دیا یَذَّکَّرَ۔ فعل مضارع کو۔ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے باب تَفَعُّلٌ سے ہے دراصل ہے یَتَذَکَّرُ تاء اور ذال قریب المخرج ہیں اس لیے تاء کو ذال بنایا اور ادغام (مشدد) کر دیا۔ ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنی یاد کرنا۔ ذکر کرنا۔ چرچہ۔ نصیحت پکڑنا یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں۔ اُوْلُوْا۔ اسم تملیکی غیر منصرف معرب متمکن ہے۔ بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے یَذَّکَّرَ کا۔ یہاں بحالت رفع واوٗ سے معرب ہوتا ہے اور بحالت فتحہ و کسرہ آخر میں یٰ سے اعراب ہوتا ہے۔ یعنی اُولِیْ۔ بمعنی والا۔ یہ صرف جمع ہوتا ہے اس کا واحد نہیں ہوتا خیال رہے کہ عربی میں صرف چار لفظ تملیکی ہوتے ہیں جن میں ایک حرف اور تین اسم۔ نمبرا۔ لام جارہ حرف ملکیت کا۔ نمبر۲۔ صاحب۔ نمبر۳۔ ذو۔ واحد کے لیے۔ اس کا جمع بھی ہوتا ہے ذَوُوْ نمبر۴۔ اُوْلُوْ۔ اَلْاَلْبَابِ الف لام استغراقی یا جنسی۔ اَلْبَابِ اسم جمع معرف باللام۔ بروزنِ اَفْعَالٌ۔ لُبٌّ کی جمع مکسر ہے۔ بمعنی خالص ذہن۔ پاک ذہن۔ عقل اور لُبّ کا فرق ان شاء اللہ تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ سورۃ الحجر مکیۃ وھی تسع وتسعون اٰیۃ وست رکوعات۔

لفظ سورت اسم مفرد مؤنث لفظی ہے۔ یا اس کی واؤ اصلی ہے تب اِس کے تین معنیٰ ہیں۔ نمبرا۔ شہر کی چار دیواری کہ جس طرح شہر کی چار دیواری اپنے اندر شہر کے سینکڑوں خزانے گھیرے ہوتی ہے اسی طرح قرآن مجید کی سورت بھی علم و عرفان کا پورا خزانہ لیے ہوتی ہے۔ نمبر۲۔ سورت بمعنیٰ درجہ ترتیبی کہ کچھ طوال ہیں کچھ مئین کچھ مثانی اور کچھ مفصل۔ نمبر۳۔ سورۃ بمعنیٰ عزت وشان۔ کہ ساری کائنات میں یہ مضامین عزت و شان والے ہیں اس لیے اِن کو سورت کہا گیا۔ اور یا اِس کی واؤ ہمزہ سے بدل کر آئی دراصل تھا سُئر بمعنیٰ بچا ہوا حصہ۔ بقیہ مضمون تو چونکہ ہر سورت قرآن پاک کا علیحدہ حصہ ہے اس لیے اس کو سورت کہا جاتا ہے۔ اسی معنیٰ میں جھوٹے کھانے پانی کو بھی سور کہا جاتا ہے الحِجر۔ الف لام عہدِ خارجی ہے۔ حِجر بمعنیٰ پتھر یا پتھریلی جگہ یا گھر۔ بستی یا قوم۔ چونکہ اس سورت میں پتھریلی قوم کا ذکر ہے اِس لیے اِس کا نام سورۃ حجر ہے۔ مَکِّیَّۃٌ دو لفظ ہیں۔ نمبرا۔ مَکَّۃٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ درمیانہ۔ افضل۔ اب ایک مشہور اسلامی شہر کا نام ہے۔ نمبر۲۔ یاءِ نسبت بمعنیٰ والی۔ یہ ہمیشہ آخر میں آتی ہے ترجمہ ہے مکہ والی مگر یہاں آخر میں ۃ مصدریہ آگئی یعنی مکہ والی ہونا۔ سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مرکب اضافی مبتدا ہے اور مَکِّیَّۃٌ اُس کی خبر ہے۔ واؤ سرجملہ ہی ضمیر واحد مؤنث مرفوع منفصل مبتدا اس کا مرجع ہے سُوْرَۃٌ تِسْعٌ وَّتِسْعُوْنَ مرکب اعرابی عطفی اسماءِ اعداد سے ہے معنیٰ ننانوے (ایک کم سو) یہ ممیز ہے آیَۃٌ۔ اسم مفرد نکرہ مؤنث لفظی ہے بمعنیٰ نشانی۔ مجموعۂ کلام۔ مضمون کا ایک حصہ۔ ان سب معنیٰ سے قرآن مجید کے ایک مضمون کے ایک حصہ ایک شق کو آیت کہتے ہیں گویا کہ چند حروف کا مجموعہ ایک لفظ اور چند لفظوں کا مجموعہ ایک آیت اور چند آیتوں کا مجموعہ ایک سورت اور چند سورتوں کا مجموعہ ایک کتاب قرآن مجید۔ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ تمیز ہے ماقبل ممیز کی۔ واؤ عاطفہ۔ عطف ہے تِسْعٌ پر۔ سِتٌّ اسم مفرد عددی بمعنیٰ چھ (شش) ہے نکرہ معرب اسم متمکن ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ معطوف تابع ہے تِسْعٌ کا۔ تنوین سے مانع اضافت ہے۔ ممیز مضاف ہے۔ رُکُوْعَاتٍ اسم جمع مکسر منصرف اِس کا واحد ہے رُکُوْعٌ رَکْعٌ بروزن فَتْحٌ سے بنا ہے۔ یا رُکُوْعٌ بروزن فُعُلٌ سے یا رکع بروزن بَعْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ علی الترتیب۔ جھکنا۔ گو گڑا کر رو کر فریاد کرنا۔ عاجز ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ اصطلاحِ شریعت میں نماز میں جھکنے اور گھٹنوں پر ہاتھ ٹیکنے کو رکوع کہتے ہیں صحابہ کرام تراویح میں جس آیت پر اپنی رکعتوں میں رکوع فرماتے تھے اُس کا نام رکوع ہے ہر سورت قرآنیہ میں کچھ رکوع ہوتے ہیں اِس اگلی سورت حجر میں چھ رکوع ہیں۔ بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ تمیز مضاف الیہ ہے۔ تمام عبارت معطوف خبر ہے ہی مبتدا کی۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اِس کا پورا بیان تو تفسیر نعیمی پارہ اوّل میں دیکھو۔ یہاں چند نحوی باتیں سمجھ لو۔ بقاعدۂ نحویہ کوئی حرف جار میں اوّل نہیں آتا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ بٍ جارہ ابتدائیہ سے پہلے کوئی فعل یا اسم مصدر یا مشتق پوشیدہ ہے۔ اور ب کی موجودگی اس کا قرینہ (نشانی) ہے۔ یا اَشْرَعُ فعل مضارع بمعنیٰ حال پوشیدہ ہے یا شُرُوْعٌ مصدر مبتدا پوشیدہ یا شَارِعٌ اسم فاعل یا مَشْرُوْعٌ اسم مفعول پوشیدہ ہے۔ اسم کی ہمزہ وصلیہ بٍ جارہ کے ملنے سے گر گئی۔ مجرور ب سے مضاف۔ اللہ مضاف الیہ۔ الٰہ

مجرور ہے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ رَحْمٰنٍ اسم مفرد جلد غیر منصرف ہے یا اس لیے کہ الف نون زائدتان اور علم ہے
بروزنِ عُثْمَانُ عِلْمَانُ ۔ عَبْدَانُ یا اس لیے کہ عجمی علم ہے ۔ دراصل تھا رَخْمٰن خ سے عربی میں مستعمل ہوا تو رَحْمٰن ح سے ہو
گیا۔ ایک قول میں یہ رَحْمٌ سے مشتق ہے ۔ یہ لفظ باری تعالیٰ کی صفت خصوصی سے ہے ۔ صفتِ اوّل ہے اللہ کی ۔ الف
لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ رَحِیْم صیغہ صفت مشبہ برائے مبالغہ رحم سے مشتق ہے ۔ صفتِ غیر خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی ۔
اس لیے بندوں کو بھی رحیم کہنا جائز ہے ۔ لیکن رحمٰن کہنا حرام ہے شرک ہے ۔ بحالت کسرہ ہے کیونکہ صفتِ دوم ہے
اللہ کی ۔ اور وہ موصوف مضاف الیہ ہے اور مرکب اضافی جار و مجرور مل کر متعلق ہے پوشیدہ فعل اَشْرَعُ کا ۔ الٓرٰ ۔
تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ الٓرٰ یہ حروف مقطعات ہیں ۔ اس کی نحوی ترکیب ۔ و تفتیش کوئی نہیں صرف علم
تجوید و قرأت کے مطابق ۔ اس کی ادائیگی اس طرح ہے ۔ الف ۔ لام ۔ را ۔ جن حروف مقطعات پر مد لکھا ہوگا ۔ اس کو
بطریقہ ہجاء (تلفظ) پڑھا جائے گا ۔ اور جن پر کھڑی زبر پڑی ہوگی اس کو کھڑا پڑھا جائے ۔ تِلْكَ اسم اشارہ بعید اور
قریب کے لیے مستعمل ہے ۔ مذکر مؤنث بھی یکساں ہے ۔ مخاطب کے لحاظ سے اس میں واحد مذکر حاضر متصل ۔ اور
تثنیہ اور جمع مذکر کی ضمیر آتی ہے مشار الیہ اگرچہ کیسا ہی ہو ۔ مثلاً ۔ تِلْكَ تِلْكُمَا ۔ تِلْكُمْ ۔ یہ دو لفظ ہیں ۔ تِلْ اور كَ ضمیر حاضر
(مخاطب) لغو ۔ یعنی اس ضمیر کا ترجمہ نہ ہوگا ۔ دراصل تھا تِیْ كَ تِیْ اسم اشارہ مؤنث ۔ كَ ضمیر مذکر نے ساتھ مل کر اس
کو مذکر بنایا اور تانیث کی ایک نشانی یٰ کو لام سے بدل دیا گیا ۔ تِلْكَ ہو گیا ۔ بحالت رفع ہے مبتدا ہے اس کا مشار الیہ
کلام پوشیدہ ہے ۔ یہ اٰیٰتُ یہاں ذٰلِكَ ۔ اسم اشارہ اس لیے نہیں آسکتا کہ وہ صرف بعید مذکر واحد مشار الیہ کے لیے ہوتا ہے
مگر تِلْكَ ہر ایک کے لیے عام اور چونکہ کلام ماقبل بھی ہے جو قریب اور کثیر ہے ۔ اگر یہ ہی مراد ہے تو تِلْكَ قریبی ہوگا ۔
اور کلام مابعد بھی جو ابھی نازل نہ ہونے کی وجہ سے دور ہے اور کثیر بھی اگر یہ مراد ہو تو تِلْكَ بعیدی اشارہ ذٰلِكَ بوجہ معین
ہونے کے اس طرح پھر نہیں سکتا ۔ اٰیٰتُ ۔ اسم جمع مکسر ہے اٰیَةٌ واحد ہے بمعنی نشانی ۔ یا کلام کا کچھ حصہ ۔ بحالتِ رفع ہے
کیونکہ مابعد سب عبارت سے مل کر خبر مبتدا ہے ۔ الف لام ۔ عہد خارجی ۔ کِتٰب اسم مفرد معرفہ مصدر ثلاثی ہے بروزنِ فِعَال
بمعنی لکھنا ۔ کَتَبَ سے ہے ۔ یہاں بمعنی مَكْتُوْبٌ اسم مفعول ہے یعنی لکھا ہوا بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ بعض نے فرمایا
یہاں مِنْ پوشیدہ ہے دراصل اٰیٰتٌ مِّنَ الْكِتٰبِ یعنی یہ اضافت مِنِیَّہ توصیفیہ ہے ۔ واوُ عاطفہ تفسیریہ عطف ہے
اِلْکِتٰب پر ۔ قُرْاٰنٍ اسم مفرد نکرہ متمکن ۔ الف نون زائدتان ہے مگر منصرف ہے کیونکہ ایک ہی سبب ہے علمیت نہیں ۔
بروزنِ فُعْلَانٌ ۔ قَرْءٌ سے بنا ہے بمعنی پڑھنا ۔ ایک قول میں قَرْنٌ سے بنا ہے بمعنی ملانے والا تب نون زائدتان
نہ ہوگا کیونکہ نون مادے کا ہوگیا ۔ بحالتِ کسرہ باتنوین ہے کیونکہ عطف تالع ہے کِتٰب پر ۔ مُبِیْنٍ باب افعال کا اسم
فاعل واحد مذکر دراصل تھا مُبْیِنٌ یٰ مکسور ۔ پھر کسرہ نقل کر کے ماقبل کو دیا بوجہ ثقل خفیف کیا گیا اس کا مصدر اِبْیَانٌ ۔ اِبَانَةٌ
بمعنی ۔ ظاہر کرنا ۔ روشن ہونا بیان کرنا ۔ بَیْنٌ سے مشتق ہے ۔ بحالت جر ۔ صفت ہے قُرْاٰنٍ موصوف کی ۔

تفسیر عالمانہ

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِیُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِیَعْلَمُوْۤا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ سنو اے کائنات والو بس اب یہی قرآن ساری دنیا کے انسانوں کے لیے عظیم اور بلند و بالا قانونی پیغام ہے اسی میں امر۔ نہی۔ حلال حرام۔ پاک پلید اچھے برے۔ دوست و دشمن نیک و بد سب کا ذکر پہچان تفریق تمثیل سے ہے۔ اپنے ہر معاملے میں اسی کا دامن یقین و اقرار۔ تصدیق و عمل سے پکڑو یہیں شریعت کی لڑیں اور طریقت کی بہاریں ہیں۔ اسی جگہ حقیقت کے انوار اور معرفت کے پھول ہیں سب قوموں کی فلاح و بہبود کامیابی و ترقی اسی پیغام الٰہی اور تبلیغ نبوت میں ہے یہی آیتیں اور سورتیں ہیں کہ لِیُنْذَرُوْا بِهٖ قبر و حشر و نشر کی صعوبتوں سے اس کے ذریعے نافرمانوں کو ڈرایا جائے تاکہ سوچیں غور و فکر کریں اور اپنی خداداد قوتِ نظری سے تدبرِ نظری کریں۔ آسمان و زمین کی آیات قدرت کے علاوہ خود اپنے اندر جھانک کر دیکھیں کہ کتنے شاہکارِ قدرت پنہاں ہیں۔ اس غور و فکر کا ازلی ابدی فائدہ یہ ہے کہ لِیَعْلَمُوْا تاکہ وہ جان لیں کہ بس فقط وہی اللہ تعالیٰ معبودِ برحق وَحْدَهٗ لاشریک ہے۔ دنیا کا کاروبار اور اس کا اتار چڑھاؤ تو سب کے سامنے ہے سب ہی اس دریائے ظلمات بحرِ مصائب کے تیراک ہیں لیکن یہی دنیا اور اس کے واقعات مشاہدات و حکایات کسی کے لیے عبرت ہیں کسی کے لیے غفلت کا پردہ۔ مگر اس قرآن پاک اور احادیث مطہرات و کلامِ الٰہی و فرمودات مصطفائی کے نزول کا اصل مقصد ہے وَلِیَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ تاکہ پکے صاف خالص حقیقی۔ اور مکمل عقل خرد والے نصیحت حاصل کریں۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں اسی جگہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو تین قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ نمبر۱۔ قوتِ نظر۔ نمبر۲۔ قوتِ تَدَبُّر۔ نمبر۳۔ قوتِ عمل۔ قوتِ نظر کا مخزن عقل ہے۔ قوتِ تدبر کا مرکز لُبّ ہے۔ اور قوتِ عمل کا منبا مصدر قلب ہے۔ لیکن ذریعہ نظر اور تَدَبُّر دماغ اسا[illegible] اور ذریعہ اعمال نیک و بد۔ قالب ظاہر اعضاء ضعیفہ ہاتھ پیر وغیرہ سے عطا فرماتے ہیں کہ عقل اور لُبّ میں یہ فرق ہے پہلا یہ کہ عقل بذاتِ خود کثافتوں اور ملاوٹوں سے ملوث ہے لیکن لُبّ خالص طیب ہوتی ہے دوسرا یہ کہ عقل کی نظر اور فکر غلط بھی ہو سکتی ہے مگر لُبّ دینی ہو یا دنیوی ہر طرح صحیح ہوتی ہے۔ تیسرا یہ کہ عقل اول ہوتی ہے پھر اسی کی تزئین اور تحسین اور صفائی سے اس کو لُبّ بنا لیا جاتا ہے گویا کہ ہر لُبّ عقل ہے لیکن ہر عقل لُبّ نہیں ان دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ اس کی تمثیل کچھ اس طرح ہو سکتی ہے کہ زمین کے اندر پلنے بڑھنے والی سبزیاں غذائیں جب باہر نکالی جاتی ہیں تو گندی مندی ہوتی ہیں لیکن جب دھولی جاتی تو کھانے کے لائق اور صاف ستھری ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب تک عقل انسانی صحبتِ بد اور گناہوں کی زمین میں پلتی بڑھتی رہی۔ غرور و تکبر سرکشی اور بداندیشی کے کیچڑ میں تھڑی رہی لیکن جب اسی عقل کو عشقِ مصطفیٰ کے ہاتھوں نے نذیر و بشیر کی ہمت نے وہاں سے ہٹایا اکھیڑا۔ قرآن و حدیث کے پانی سے خوب مل مل کر دھو ڈالا تو وہی عقل لُبّ لبابِ حیات بن گئی یا اسی طرف اشارہ فرمایا ہے مولانا رومی نے شعر۔

عقل اندر حکم دل یزدانی است ؎
چوں ز دل آزاد شد شیطانی است ؎

ترجمہ۔ عقل جب تک دل کے ماتحت ہو گی یزدانی یعنی رُب ہو گی۔ جب دل سے علیحدہ ہو گی تو شیطانی ہو گی۔

سُوْرَۃُ الْحِجْرِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ تِسْعٌ وَّ تِسْعُوْنَ اٰیَۃً وَّسِتُّ رُکُوْعَاتٍ۔ یہ سورۃ حجر ہے۔ اس کا نام حجر اس لیے رکھا گیا کہ اس میں قوم ثمود کا ذکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اَصْحٰبُ الْحِجْرِ یعنی پتھریلی قوم (پتھر والی قوم) کے نام سے ذکر فرمایا ہے ان کی بستی بہت بڑے شہر کی صورت میں شام اور مدینہ منورہ کے درمیان پتھریلی پہاڑی علاقے میں واقع تھی۔ سب کا اتفاق ہے کہ یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔ (صاوی معانی خازن) مگر تفسیر روح معانی نے فرمایا کہ تین آیتیں اس کی مدنی ہیں۔ ۱۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ ۲۔ کَمَآ اَنْزَلْنَا (الخ) ۳۔ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ (الخ) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ اس کی پانچ آیتیں آیت جہاد سے منسوخ ہیں اس کی تفصیل اور ناسخ منسوخ کا پورا بیان ہماری کتاب العطایا الاحمدیہ فی فتاوٰی نعیمیہ جلد دوم میں دیکھو۔ قرآن مجید کی کل ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں جن کو علماء فقہا اور قراء حضرات نے چار حصوں پر تقسیم فرمایا ہے۔ نمبر ۱۔ طوال یا مطول جن کی آیات دو سو ۲۰۰ سے زیادہ ہوں یہ اول کی سات سورتیں ہیں۔ نمبر ۲۔ مئین جن کی آیات سو ۱۰۰ یا سو سے کچھ زیادہ ہوں۔ نمبر ۳۔ وہ سورتیں جو مئین کے بعد ہوں اور ان کی آیتیں سو سے کم ہوں یا سو ہوں مگر زیادہ نہ ہوں مثانی کا معنی ہے بعد میں آنے والی۔ یا مکرر ہونے والی چونکہ ان سورتوں کے مضامین کئی جگہ دہرائے جاتے ہیں جو پہلے گزر گئے اس لیے بھی یہ مثانی ہوئیں۔ نمبر ۴۔ مفصل اس کے معنیٰ ہیں فاصلہ کی ہوئی یا تفصیل کی ہوئی۔ یہ چھوٹی سورتیں ہیں بار بار بسم اللہ سے فاصلہ زیادہ ہوتا ہے اس لیے مفصل ہیں پہلے معنیٰ کے اعتبار سے۔ ان میں احکام کم اور واقعات زیادہ ہیں اس لیے یہ محکم ہیں اور چونکہ چند آیتوں میں بڑے بڑے واقعات کی تفصیل کی گئی ہے۔ جو حیران کن معجزہ ہے اس لیے بھی یہ مفصل ہے۔ مفصل کی تین قسمیں ہیں پہلی طوالِ مفصل دوم اوساطِ مفصل سوم قصارِ مفصل۔ (الحکم) اس سورت میں چونکہ ننانوے آیتیں ہیں لہٰذا اس کا نام ہوا مثانی۔ اور اس میں چھ رکوع ہیں۔ خیال رہے کہ رکوع ہر اس آیت پر ہوتا ہے یا ہر اس آیت کا نام ہے جس کو امام پڑھ کر رکوع میں جائے۔ یہ رکوع صحابہ کرام کے زمانہ پاک میں بن چکے اب ماوشما کا رکوع کرنا رکوعات قرآنی نہ بنائے گا۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ الٓرٰ۔ تِلْکَ اٰیٰتُ الْکِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ بسم اللہ شریف کا پورا بیان مع فوائد و قواعد حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر نعیمی جلد اول کے ابتدائی صفحات پر درج فرما دیا ہے۔ تفصیلی معلومات کے لیے وہاں مطالعہ فرمائیں۔ لیکن چند فرمودات علماء جو ضروری ہیں یہاں لکھے جاتے ہیں۔ علماء عاملین فرماتے ہیں کہ بسم اللہ اپنے ۱۹ حرفوں سے ایک عظیم نعمت الٰہیہ ہے جو انسانوں کو عطا ہوئی۔ یہ ورد ہر کام کی ابتدا اور مشکل کا حل ہے اور ہر تالے کی چابی ہے۔ مفسرین کا اس میں

اختلاف ہے کہ ہر سورت کے ابتدا میں جو بسم اللہ شریف ہے وہ وحی ہے یا نہیں۔ تو حنفی علما فرماتے ہیں کہ نہیں اس لیے نماز میں بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنی احناف کے نزدیک منع ہے مگر شوافع فرماتے ہیں کہ ہر بسم اللہ وحی ہے اور نماز میں بآواز بلند پڑھنی جائز ہے۔ مگر یہ حدیث سے ثابت نہیں۔ غیر مقلد بھی اسی طرح زور سے پڑھ لیتے ہیں۔ آلٓرٰ۔ یہ حروفِ مقطعات ہیں اس کا معنیٰ مراد مقصد اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا خیال رہے کہ قرآن مجید میں تین قسم کے الفاظ مکتوب ہیں۔

نمبر ۱۔ حروفِ مقطعات ان کا معانی اور ترجمہ کوئی انسان جن فرشتہ نہیں جانتا بجز اللہ رسول کے۔ نمبر ۲۔ متشابہات۔ جن کا ترجمہ تو عربی دان جان لیتا ہے مگر معنیٰ اور حقیقت کوئی نہیں جان سکتا۔ بجز اللہ رسول کے جیسے یدُ اللہ (اللہ کے ہاتھ) وغیرہ۔ نمبر ۳۔ محکم و مفسر الفاظ ان کا مطلب معانی ترجمہ سب کچھ علما بھی یعنی ترجمہ تو ہر عربی دان بھی جان لیتا ہے۔ تِلْکَ یہ کلام الٰہی پورا جو نبی کریم کے پاس آرہا ہے یا وہ آیتیں سورۃ میں جو نازل ہو چکیں یا وہ جو اس سورت میں نازل ہونے والی ہیں آیٰت الکتٰب کتاب کی آیتیں ہیں یا لکھی ہوئی آیتیں ہیں اگر یہ اضافت بیانیہ تو صیغہ ہو تو یہ معنیٰ ہوگا اس میں بعض مفسرین نے غلطی کھائی کہ کتاب سے کون سی کتاب مراد ہے۔ اور کہہ دیا کہ انجیل یا توریت مراد ہے مگر تفسیر جمل نے تردید فرمائی۔ اس لیے کہ خود قرآن پاک میں رب کریم جل مجدہ نے فرمایا کہ وَّقُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ۔ یعنی قرآن مبین فرقان حمید ہی مراد ہے کتاب سے اس لیے کتاب جو عالم دھر میں مکتوب یعنی لکھا ہوا نظروں کے سامنے موجود ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ جس کی کتابتِ الٰہیہ کا ایک نقطہ بھی کوئی نہ مٹا سکے گا نہ بدل سکے گا وہ یہ قرآن مبین ہے یعنی خود بھی ظاہر تر اور جو اس کے دامن عمل و یقین میں آجائے وہ بھی تا قیامت زندہ ظاہر باہر اور عزت والا ہو جائے۔ اور یہ قرآن ہی ہے جو ہر چیز کو بیان کرتا رہے گا۔ توریت و انجیل تو اب ڈھونڈے نہ ملیں گی۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قوت نظر و فکر اور تدبر عمل و یقین کی ایسی نعمتیں عطا فرمائی ہیں جو کسی مخلوق کو نصیب نہ ہوئیں۔ یہ فائدہ۔ بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ اور وَلِیَذَّکَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ سے حاصل ہوا کہ باوجود اس کے کہ قرآن مجید ساری کائنات کے لیے پیغام اور تبلیغ ہے مگر لِلنَّاسِ نے انسان کو خاص کر دیا۔ اور اُولُوا الْاَلْبَابِ نے بتا دیا کہ یہ نعمتیں صرف انسانوں کو ملیں۔ **دوسرا فائدہ**۔ صرف قرآن مجید سے دلائل توحید حاصل کرنے سے بندہ مومن ہو سکتا ہے قرآن مجید کو چھوڑ کر اپنے عقل و دماغ سے دلائل مہیا کرنے نہ مفید ہیں نہ قوی ہاں تائید میں دلائل پیش کیے جا سکتے ہیں تاکہ غیر مسلمانوں کا منہ بند کیا جا سکے یہ فائدہ ھٰذَا کے تقدم اور حصر سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ قرآن مجید کے نزول کے بعد اب کتاب الٰہی صرف قرآن پاک کا نام ہے نہ انجیل کا نہ توریت و زبور کا

یہ فائدہ داؤ تفسیر یہ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند مسائل معلوم ہوئے۔ **پہلا مسئلہ۔** قرآن مجید کی سب آیتیں تبلیغ کے لیے ہے کسی آیت اور قانون کو چھپانا گناہ ہے **دوسرا مسئلہ۔** تبلیغ میں کسی کی رو رعایت کرنا گناہ اور حرام ہے۔ بلا جھجک ہر مسئلہ ہر شخص کو بتانا چاہیئے یہ علما کی ذمے داری ہے۔ **تیسرا مسئلہ۔** ہر شخص پر تعلیم احکام قرآنی سیکھنا فرض ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض۔** اسی سورت ابراہیم کے اول میں ارشاد ہوا نبی کریم نکالیں ظلمت سے نور کی طرف لیکن یہاں بتایا گیا کہ خود عقل والے نصیحت پکڑیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ دامن نبوت کی عقل والوں کو ضرورت نہیں۔ (بعض بے دین) **جواب۔** لفظ بَلٰغٌ اور لِيُنْذَرُوْا بتا رہا ہے کہ تبلیغ نبوت کے بعد نصیحت پکڑیں اور سوچیں سمجھیں اسی لیے بَلٰغٌ اور اِنْذَارٌ کو مقدم کیا گیا۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں سے ثابت ہوا کہ انسان کی فضیلت صرف اس کی عقل اور لُب کی بنا پر ہے۔ حالانکہ دوسری آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اکرم و افضل صرف متقی ہیں۔ **جواب۔** یہاں افضلیت یا اکرمیت کا ذکر نہیں بلکہ صرف اہل عقل اور صاف ذہانت ہونے کا ذکر ہے اور وہ صرف لُب والے۔ ہم نے تفسیر میں بتا دیا کہ اہل ذہانت بھی وہی لوگ ہیں جو متقی ہوتے ہیں۔ یعنی لُب ہونا ذریعہ تقوے کا اور تقوی ذریعہ ہے افضلیت کا اب کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔ (تفسیر کبیر) **تیسرا اعتراض۔** نحوی قاعدہ ہے کہ ہر اسم اشارہ کے لیے مشار الیہ کا موجود ہونا شرط ہے۔ یہاں ھٰذَا کا مشار الیہ جو آیت میں وہ ابھی نازل ہی نہیں ہوئیں تو اشارہ کیوں ہوا۔ **جواب۔** اولاً تو یہ قاعدہ ہی نہیں ہے کسی نحوی نے نہ کہا۔ لیکن اگر ہو بھی تو قرآن مجید کے خلاف ہے دیکھو ذٰلِكَ الْكِتٰبُ میں تو ساری کتب ظاہر موجود نہیں پھر بھی اشارہ ہو رہا ہے۔ ثانیاً یہ کہ یہ آیات موجود تو ہیں لوح محفوظ میں اور سینۂ مصطفیٰ میں صرف نزول نہیں ہوا اور نحو کا یہ قاعدہ صرف معدوم مشار الیہ کے بارے ہو سکتا ہے۔ ثالثاً یہ کہ ہم نے تفسیر میں یہ احتمال بھی نکالا ہے کہ اس کا مشار الیہ سابقہ آیتیں ہوں جو نازل ہو چکی ہیں نہ کہ اس سورت کی آیتیں۔

تفسیر صوفیانہ

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ قلب انسانی گویا آتشی شیشہ ہے اور قرآن مجید آفتاب عالم تاب اور نذیر عالمین محمد مصطفیٰ ہیں صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان ہی کے دست اقدس سے یا سورج قرآنی کا رخ شیشۂ تجلی کی طرف پھرتا ہے یا شیشۂ دل کا رخ آفتاب انوار کلام الٰہی کی طرف پھرتا ہے۔ تاکہ سب جان لیں اور بدن و روح کی جدائی سے پہلے سمجھ لیں کہ عالم ناسوت و جبروت میں بس وہی ذات ازلی عبادت عشق کے لائق ہے۔ اور اکیلا ہی ہے جس کی محبت قلب

عشاق میں تابندہ و پائندہ ہے۔ یہ باتیں اور بھید صرف عقل سلیم والے جانتے ہیں۔ کیونکہ وہی نصیحت پکڑ لیتے ہیں اور فائدے میں رہتے ہیں۔ عوام کے نزدیک عقل والا وہ ہے جس نے دنیا کمائی علماء کے نزدیک عقل والا وہ ہے جس نے آخرت کمائی جنت اور جنت کی نعمتیں حاصل کیں۔ صوفیاء کے نزدیک عقل مند اور اولو الالباب (عقل والا) وہ ہے جس نے جنت کی نعمتیں بھی قرب الٰہی اور انوار محبت کے لیے قربان کر دیں۔

سورت ابراہیم کے کچھ فضائل و فوائد

صوفیاء کرام فرماتے ہیں سورت ابراہیم کا روزانہ ایک مرتبہ ورد تلاوت کرنا قبر میں نور پھیلاتا ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ اس کا ثواب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ہدیہ کرتے تھے۔ عاملین کا قول ہے کہ اگر کوئی جادو سے نامرد ہو گیا ہو تو روزانہ بعد نماز تہجد تین بار پڑھے اور مشک و زعفران سے لکھ کر پیئے تو انشاء اللہ نامردی دور ہو جائے گی اگر سفید ریشمی کپڑے پر لکھ کر شیر خوار بچے کے بازو پر باندھے تو رونے اور بد نظری سے بچے گا اس کا تعویذ کسی عامل کامل سے لکھوا کر یا باجازت خود زکوٰۃ نکال کر اگر لکھے اور پاس رکھے تو دینی و دنیوی کثیر فائدے ہیں اس کے عدد بحساب ابجد ۲۴۵۸۱۸ ہیں اس کا تعویذ یہ ہے۔

٦١٤٤٧	٦١٤٦٠	٦١٤٥٧	٦١٤٥٤
٦١٤٥٨	٦١٤٥٣	٦١٤٤٨	٦١٤٥٩
٦١٤٥٢	٦١٤٥٥	٦١٤٦٢	٦١٤٤٩
٦١٤٦١	٦١٤٥٠	٦١٤٥١	٦١٤٥٦

سورۃ حجر مکی ہے اس میں ننانوے ۹۹ آیتیں ہیں اور چھ رکوع ہیں۔ اے انسان غافل ذرا سوچ کہ جب سورت میں پتھر کا نام آیا تو ساری سورت کا نام ہی حجر ہو گیا تو اگر تیرے اندر اعمال سیاہ ہوں تو میدان محشر میں قبر میں تیرا نام نیکوں میں کس طرح شامل ہو سکتا ہے اچھی ناموری کے خواہش مند و۔ ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے۔ اور اپنے اندر انوار کی چمک پیدا کرو۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ شروع کرتا ہوں میں بقا کی لذتوں کو اللہ کے نام سے جو منزل شوق کے طالبوں کے لیے رحمٰن ہے اور بحر انوار کے غرقابوں کے لیے رحیم۔ الٓرٰ۔ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ۔ الٓرٰ۔ یہ عبارت گنجینۂ اسرار خدا سینۂ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیدوں میں سے ایک بھید ہے جس کو صوفی باصفا تو درکنار قرب اسرار کے جبریل و میکائیل بھی نہیں جانتے۔ اس کے معانی کو یا استاذ لم یزلی جانتا ہے یا شاگرد بے مثلی جانتا ہے۔ تِلْكَ۔ یہ سینۂ تجلیاتی آیات قدرت اور مکاشفات شریعت و کرامات طریقت سب قلب پاک احمد مجتبیٰ کے مکتوبات کی اعلیٰ نشانیاں ہیں یہی لوح مصطفیٰ کا آئینہ ہے جس کی ہر ہر ادا میں رب نعیم کا قرآن مبین ہے۔ جس کی جھلک تابہ فلک ہے جو ہمیشہ ہی مبین یعنی ظاہر و غالب رہے گا۔ جس کے لطائف سبعہ کے انوار سے سینۂ اولیاء جگمگا رہے ہیں۔ اے میرے رب

کریم۔ میں تیرے دین کا ادنیٰ ترین خاندانی خادم ہوں۔ میرے جنتی محمد کو اور میرے والدہ میرے دادا نانا۔ میرے بھائی۔ میرے نوری میرے صابر۔ میرے محمد احمد میرے امتیاز۔ میرے قادر میرے عبدالرزاق میرے قاری علی اکبر۔ میرے ہدایت اللہ میرے صاحب میرے یوسف اور سب دوستوں کے بیٹوں کو بھی میرے آقا کے توسط سے جنتی کر دے آمین یا رب العالمین۔ الحمد للہ تعالیٰ۔ آج بروز اتوار بعد نماز ظہر ۲۲۔ ذی الحج ۱۴۰۵ھ مطابق ۸ ستمبر ۱۹۸۵ء تفسیر نعیمی پارہ ۱۳ مکمل ہوا اب کل بروز پیر چاند کی ۲۳۔ انشاء اللہ تعالیٰ چودہواں پارہ شروع کیا جائے گا۔ بندہ صرف ایک ذریعہ ہے کام سب رب تعالیٰ کے ہیں۔ یہ اس کی اعلیٰ ترین کرم نوازی ہے کہ مجھ جیسے کم عقل بے علم کو اپنے ازلی ابدی قدیم کلام کی تفسیر لکھنے کی خوش بختی اور سعادت نصیب فرمائی یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ نے جو چیزیں تقدیر میں لکھی ہیں ہرگز ہرگز ان میں تغیر و تبدل نہیں ہوگا۔ رزق۔ موت۔ سعادت و شقاوت یہ چار چیزیں ہی دنیوی زندگی کا خلاصہ ہیں۔ انتہائی خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو رزق حلال۔ لذت کی موت اور اعمال صالحہ کی سعادت نصیب ہو اس اعتبار سے میں خاندانی طور پر قسمت کی بلندیوں پر ہو۔ جب کبھی دوبارہ اپنی بعض تصنیفات پر نظر ثانی کرنے کا موقعہ ملتا ہے تو اپنی عقل حیران ہوتی ہے کہ رب تعالیٰ نے یہ میرے قلم پر فضل پر کرم فرمایا ہے۔ اے میرے سنی حنفی بریلوی بھائیو مجھے یقین ہے کہ آپ کو اس تفسیر کے مطالعے سے یقیناً ایمانی عرفانی لذت حاصل ہوگی۔ اور بعض مقامات پر آپ کی زبان سے بے ساختہ مجھ گنہگار کے لیے دعاؤں کے پھول بکھر جایا کریں گے۔ تو اس وقت میری عاجزانہ التجا یہ ہے کہ آپ میرے لیے خاص کر یہ دعا ضرور کرنا کہ مولیٰ تعالیٰ اس فقیر بے نوا بے بضاعت کے قال کو حال بنا دے۔ اور مومنانہ قلم کو عارفانہ قلبی بنا دے۔ مجھے امید ہے کہ میرا کریم رحیم رب تعالیٰ آپ کی دعاؤں سے مجھ کو اپنے پیارے بندوں کی غلامی میں داخل فرمادے گا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ ۔

(اقتدار احمد)

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۹	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاوٰی نعیمیہ	فقہ حنفی کا مدلل ترین فتاوٰی (۵ جلد)
خطبات نعیمیہ	جمعہ و عیدین و دیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریات اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور انکی فکری غلطیوں کی نشاندہی
درود تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب
راہ جنت بجواب راہ سنت	سرفراز خاں گکھڑوی کی کتاب "راہ سنت" منہ توڑ جواب
ازیلا (اردو، انگریزی)	رد عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	...۱ہم عربی مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات اعلیٰ مطبوعات	مشہور اور مستند کتابوں میں چند ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کتابت کی غلطیوں، تصحیح کنندگان کی چشم پوشی، بعد کی ملاوٹ یا بعض جگہ خود مؤلف غلط فہمی کی وجہ سے انتہائی شدید قسم کی غلطیاں ہوگئیں ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس سخت غلط فہمی یا گمراہی پھیلنے کا خدشہ ہے۔

اسمِ تاریخی

اشرفُ التفاسیر

۱۳۶۳ھ

تفسیر نعیمی

پارہ چودھواں (۱۴)

مفسر صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

خلف الرشید

حکیم الامت مولانا الحاج المفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

1Z84

جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد خان محفوظ ہیں

نام کتاب: تفسیر نعیمی پارہ نمبر ۱۴
مفسر: مفتی اقتدار احمد خان صاحب
خلف الرشید
حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

سال اشاعت
تعداد
ناشر
ہدیہ روپے

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953
9۔ الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔ 7225085-7247350
فیکس:۔ 042-7238010
14۔ انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی
فون:۔ 021-2210212-2212011-2630411
e-mail:- zquran@brain.net.pk
Website:- www.ziaulquran.com

Green Dome International Ltd.
148-164 Gregory Boulevard, Nottingham. NG7 5JE U.K.
Tel:- 0115-911 7222 Fax:- 0115 911 7220

بسم اللہ الرحمن الرحیم

رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ۝٢

بہت ہی محبت کریں گے وہ جو کافر ہیں اس کو کہ کاش ہوتے وہ دنیا میں مسلمان

بہت آرزوئیں کریں گے کافر کاش مسلمان ہوتے انہیں چھوڑو کہ کھائیں اور

ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ

دفع کرو ان کو کہ کھاتے پھریں اور نفع لے لیں اور در غلاتی رہے اُن کو دنیوی امید

اُمید انہیں کھیل میں ڈالے تو اب جانا چاہتے ہیں اور جو بستی ہم نے ہلاک

فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ ۝٣ وَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ إِلَّا

تو عنقریب جان لیں گے اور نہیں ہلاک کیا ہم نے کسی بستی کو مگر

کی اس کا ایک جانا ہوا نوشتہ تھا۔ کوئی گروہ اپنے وعدے

وَلَهَا كِتَابٌ مَعْلُومٌ ۝٤ مَا تَسْبِقُ مِنْ أُمَّةٍ

اس حال میں کہ ہے اس کے لکھی ہوئی تقدیر تھی۔ نہیں آگے بڑھ سکتی کوئی جماعت

سے آگے نہ بڑھے نہ پیچھے ہٹے اور بولے کہ اے وہ

أَجَلَهَا وَمَا يَسْتَأْخِرُونَ ۝٥ وَقَالُوا يَا أَيُّهَا

مدت سے اپنی اور نہ پیچھے رہے گی۔ اور کافر بولے اے

جن پر قرآن اترا بے شک تم

الَّذِي نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ إِنَّكَ لَمَجْنُونٌ ۝٦ ط

وہ ذات کہ اُتارا گیا پر جس ذکر بیشک تم البتہ دیوانے ہو۔

مجنون ہو

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی سورت کی آیت میں کفار کے کفر اور اُن کو سمجھانے بجھانے کا تذکرہ ہوا اب ان آیتوں میں بتایا گیا کہ یہ اب نہ سمجھیں گے بلکہ کچھ مدت بعد اُن کو ہوش آئیں گے کیونکہ یہ لاتوں کے بھوت ہیں باتوں سے نہیں مانیں گے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی سورت کی آیت میں بتایا گیا تھا کہ تمام اعمال کی جزا سزا اگلے جہان میں ہوگی جس سے ثابت ہوا تھا کہ یہ جہان دار العمل ہے نہ کہ دار الاجر۔ اُس کی وضاحت کے لیے اب ان آیات میں فرمایا گیا کہ ان کفار کو یہاں کچھ سزا ملے گی نہ عذاب بلکہ عیش کرنے دو۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی سورت کی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ کفار اللہ کی طاقتوں اور قوت و شان کے منکر ہوئے اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ کافر تو ہمارے حبیب جو حاضر و ناظر ہیں اُن کی شان کے بھی منکر ہیں حالانکہ دن رات اِن کا فصیحانہ کلام و معجزات اور قوت و طاقت و اختیار دیکھتے رہتے ہیں تو اگر اَن دیکھے خدا کے منکر ہوں تو اِن حمقا سے کیا تعجب۔

نزول سورت حجر کی پچانوے ۹۵ آیتیں مکی ہیں اور یہ سب تین دفعہ میں نازل ہوئیں اور خانۂ کعبہ کے پاس نازل ہوئیں۔ اس کی چار آیتیں آیت ۲۴ آیت ۸۷ ۹۰ ۹۱ یہ مدنی ہیں۔

تفسیر نحوی رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ

رُبَمَا۔ دو لفظ متصل ہیں ۱ رُبَّ حرف جر اس میں تین قول ہیں ۱ ہمیشہ زیادتی کے لیے آتا ہے بمعنی بہت دفعہ ۲ ہمیشہ کمی کے لیے آتا ہے بمعنی بہت کم ۔ ۳ ہمیشہ مبہم (پوشیدہ) مقصد کے لیے آتا ہے بمعنی کتنا ہی۔ جمہور نحوی پہلے قول پر ہیں یہاں یہ ہی معنی ہیں یعنی بہت ۔ ۲ مَا کافہ ہے۔ جس کی وجہ سے رُبَّ کا جر دینے والا عمل ختم ہوگیا اور رُبَّ لغو ہوگیا۔ ایک قول میں مَا موصولہ نکرہ ہے اور مجرور ہے جار و مجرور متعلق مقدم ہے مَا کافہ کے ساتھ ہوگا تو مشدد نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ مشدد ہوتا ہے۔ رُبَّ اکثر ماضی پر داخل ہونا اور ابتداء کلام میں ہوتا ہے۔ يَوَدُّ۔ باب نصر کا فعل مضارع معروف مثبت وَدٌّ یا وُدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی دل سے چاہنا۔ پسند کرنا۔ یہاں بمعنی مستقبل ہے۔ ایک قول میں بمعنی ماضی مطلق رُبَمَا کی وجہ سے اور یہ جملہ بوجہ یقین تمثیل کا ہے یعنی گویا یہ بات ہو ہی گئی۔ الَّذِينَ۔ اسم موصول بحالت رفع فاعل ہے يَوَدُّ کا۔ كَفَرُوا۔ فعل ماضی مطلق معروف باب نصر سے ہے۔ كُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی شرک کرنا۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر اس میں پوشیدہ ہے مرفوع ہے اس کا فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ لَوْ حرف شرط تمنا کے معنی میں ہے۔ یعنی کاش اس لیے اس کا جواب نہیں ہے۔ كَانُوا جمع غائب فعل ناقصہ ماضی مطلق چونکہ یہاں کفار کی خبر دی جا رہی ہے اسلیے كانوا غائب ہے اگر حکایت بیان ہوتی تو كُنَّا ہوتا هُمْ ضمیر مستتر کا مرجع الَّذِينَ ہے۔ مُسْلِمِينَ جمع مذکر سالم واحد ہے مُسْلِمٌ بحالت نصب ہے خبر ہے كَانُوا کی سَلْمٌ سے بنا ہے۔ بمعنی اسلام قبول کرنا۔ ذَرْ۔ فعل اَمر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر۔ وَذْرٌ سے ہے بمعنی چھوڑنا آزاد رکھنا۔ دور کرنا۔ دور ہو جانا۔ لازم بھی آتا ہے متعدی بھی باب سَمِعَ سے ہے۔ یہاں چھوڑ دینا

بے توجہ ہونے کے معنی میں ہے۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل جمع مذکر غائب مفعول بہ ہے ذَرْ کا۔ اور اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر مستتر فاعل ہے ذَرْ کا جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یَاْکُلُوْا۔ فعل مضارع بمعنیٰ استمرارِ حال۔ یعنی کھاتے پھریں۔ صیغہ جمع مذکر غائب ہے۔ ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے اُس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ جملہ مکمّل مفعول لہٗ ہے ذَرْ کا واؤ عاطفہ عطف ہے یَاْکُلُوْا پر۔ یَتَمَتَّعُوْا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب باب تَفَعُّل سے ہے۔ مُتْعٌ سے بنا ہے بمعنی نفع لینا فائدہ حاصل کرنا۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع وہی اَلَّذِیْن ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَاْکُلُوْا کا۔ واؤ۔ عاطفہ۔ عطف ہے یَتَمَتَّعُوْا پر۔ یُلْھِہِ فعل مضارع مثبت معروف باب اِفعال سے ہے صیغہ مذکر غائب مصدر ہے اِلْھَاءٌ۔ لَھْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ورغلانا۔ اپنی طرف مائل رکھنا۔ لُبھانا لگائے رکھنا۔ پھنسائے رکھنا۔ یہاں سب معنی درست ہیں۔ ھِمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ الف لام عہدِ خارجی یا جنسی ہے۔ اَمَلٌ اسم مفرد جامد بمعنی اُمید۔ آرزو۔ خیالی ارادے۔ اس کی جمع ہے آمَالٌ۔ بحالتِ رفع ہے فاعل یُلْھِہِ۔ سب عطف معطوف مل کر مفعول لہٗ ہے ذَرْ کا۔ فَ تعقیبیہ سَوْفَ۔ حرفِ تقریبی ہے۔ بمعنی بہت جلدی عنقریب۔ ابھی ابھی سین بھی حرف تقریب ہے اور دونوں ہی مضارع کو مستقبل کے معنی میں کر دیتے ہیں۔ مگر سین میں زمانہ زیادہ نہیں ہوتا۔ سَوْفَ میں زمانہ زیادہ ہی ہوتا سَوْفَ میں زمانۂ مستقبل زیادہ وسیع ہوتا ہے۔ یعنی ایسا ہوتا رہے گا۔ ایک قول میں سَوْفَ اسم ظرف زمانی ہے۔ اس لیے اس پر دوسرا حرف آجاتا ہے مثلاً یہاں فَ تعقیبیہ آگئی۔ اور کبھی لامِ کے یا لام تاکید بھی آجاتا ہے۔ اِس قول میں ترکیباً سَوْفَ ظرفِ مقدم ہے۔ یَعْلَمُوْنَ۔ فعلِ مضارع۔ بمعنیٰ مستقبل صیغہ جمع مذکر غائب باب سَمِعَ سے ہے عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا محسوس کرنا ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ یا یہ علیحدہ جملہ ہے اور یا یہ بھی فَ عاطفہ کی وجہ سے یَاْکُلُوْا پر عطف ہے۔ واللّٰہُ اعلم بالصواب۔ وَمَآ اَھْلَکْنَا مِنْ قَرْیَۃٍ اِلَّا وَلَھَا کِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ۔ واؤ سرِ جملہ۔ مَآ اَھْلَکْنَا۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ نا ضمیر کا مرجع ذاتِ جلّ مجدہٗ۔ باب افعال سے ہے مصدر ہے اِھْلَاکٌ ھَلَکٌ سے مشتق ہے۔ مِنْ جارّہ بیانیہ تنکیریہ بمعنیٰ کوئی۔ کسی۔ قَرْیَۃٍ۔ اسم مفرد جامد ہے۔ قاف کے فتحہ سے۔ ایک قرأت میں قِرْیَۃٌ قاف کے جر سے ہے۔ اس کی جمع قُریٰ جیسے ذِرْوَۃٌ کی جمع ہوتی ہے ذُریٰ۔ لیکن جنھوں نے قُرْیَۃٌ نصب سے پڑھا ہے وہ کہتے ہیں یہ جمع سماعی ہے۔ قانونی نہیں کیونکہ فَعْلَۃٌ کے ہم وزن اسماء کی جمع قیاسی (قانونی)، بروزنِ فِعَالٌ آتی ہے۔ یہ لفظ قَرْیٌ سے بنا ہے بمعنی جمع کرنا۔ خواہ مکانات کو خواہ لوگوں کو یا کسی اور چیز کو جب لفظ قریہ کے ساتھ اھل کا لفظ ہوگا تو قریہ کا معنی ہوں گے بستی مکانات۔ اور جب نہ ہوگا جیسے یہاں تو معنی ہوں گے بستی والے لوگ۔ مِن جارّہ مفعول بہ پر داخل ہوا ہے۔ اِلَّا حرف استثنا۔ نے نفی توڑ دی۔ واؤ حالیہ۔ لام جارّہ ملکیت یا مفعولیت کا ھَا ضمیر واحد مونث کا مرجع قُرْیَۃٌ ہے۔ اور جار و مجرور متعلق ہے۔ مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ کِتَابٌ بروزنِ فِعَالٌ مبالغے کا صیغہ ہے بمعنیٰ مَکْتُوْبٌ ہے یعنی لکھا ہوا۔ بحالتِ رفع ہے خبرِ اول ہے

مبتدا کی ۔ مَعْلُوْمٌ ۔ اسم مفعول ۔ صیغہ واحد مذکر باب سَمِعَ سے ہے ۔ عِلْمٌ یا عُلُمٌ سے مشتق ہے ۔ پہلے معنیٰ سے مطلب ہوگا جانا ہوا دوسرے معنیٰ سے مطلب ہوگا نشان لگایا ہوا یعنی مقرر کیا ہوا ۔ بحالتِ رفع ہے ۔ یا خبر دوم ہے مبتدا کی اور یا صفت ہے کِتَابٌ کی اور موصوف صفت مل کر ایک خبر ہوگی ۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ وَقَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۔ مَا تَسْبِقُ فعل مضارع منفی معروف صیغہ واحد مؤنث غائب یہ منفی حرفِ ما نافیہ سے کی گئی ۔ خیال رہے کہ جہاں مضارع میں ماضی کی جھلک ہو وہاں مضارع کی نفی مَا سے ہوتی ہے اور جہاں حال کی ہی بات ہو تو لَا نافیہ سے نفی ہوتی ہے ۔ اور مستقبل کا معنیٰ ہو تو لَنْ کی نفی ہوتی ہے ۔ اور جب مضارع بالکل ماضی کے معنیٰ میں ہو تو لَمْ سے نفی ہوتی ہے ۔ اسی لیے مضارع منفی چار قسم کا ہے ۔ باب ضَرَبَ سے ہے ۔ سَبْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آگے بڑھنا ۔ جلدی کرنا ۔ پہلے ہونا یہاں بمعنیٰ ۔ پہلے ہونا ہے ۔ مِنْ جارہ بیانیہ فاعل پر داخل ہوا ہے دراصل تھا مَا تَسْبِقُ اُمَّةٌ تاکید کے لیے مِنْ آیا ۔ اُمَّةٍ ۔ اسم مفرد جامد نکرہ ہے لفظ واحد ہے معنیٰ جمع اس کی جمع ہے اُمَمٌ ۔ تین طرح اس لفظ کا استعمال ہوتا ہے ۔ ۱ بمعنیٰ تابعِ فرمان ۔ ۲ بمعنیٰ جماعت ۔ ۳ بمعنیٰ مدت یہاں مراد جماعت ہے ۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے ما قبل کا اور اب بھی ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اُمَّةٌ ظاہر ہے ۔ لیکن کچھ نحوی کہتے ہیں کہ یہ ظاہر لفظ ہی فاعل ہے اَجَلَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ مقرر شدہ مدت ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول فیہ ہے ۔ یا فی پوشیدہ ہے یا مِنْ ۔ مضاف ہے هَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے مَا تَسْبِقُ پر مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ فعل مضارع مثبت معروف منفی صیغہ جمع مذکر غائب مراد ہے اُمت ۔ خیال رہے کہ تسبق واحد ہے یستاخرون جمع ہے اس لیے کہ وہاں لفظ کا لحاظ ہے یہاں معنیٰ کا باب استفعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِسْتِئْخَارٌ اَخْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیچھے ہونا اس باب میں معنیٰ ہو سکتا ہے سب عطف کی عبارت جملہ معطوفہ ہو کر کِتَابٌ کی صفت ہے واؤ ہر جملہ ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اَلَّذِيْنَ ہے ۔ مابعد (آگے) ساری عبارت مقولہ اسی قول کا ۔ يَا حرفِ ندا ۔ مطلق ۔ یعنی قریب بعید اور درمیانے کے لیے مستعمل ہے ۔ اَصْلاً تو ندا کے لیے (پکارنے کے لیے) آتا ہے اسی لیے ہمیشہ اسم پر آتا ہے کیونکہ اسم کو ہی پکارا جاتا ہے ۔ جیسے یا اللہ یا رسول اللہ ۔ اگر منادیٰ مضاف ہو تو مفتوح مبنی ہوگا ۔ لیکن کبھی یَا ۔ میت پر آتا ہے تو حرف مندوب بن جاتا ہے ۔ اور اگر اس کے بعد فعل امر ہو تو منادیٰ محذوف مانا جائے گا ۔ دوسرا فعل ہو یا کوئی حرف ہو تو حرف تنبیہ ہوتا ہے ۔ یہاں ندائے قریب کے لیے ہے اَيُّهَا ۔ اسم فاصل یا حرف فاصل ہے ۔ دو حرف ہیں ۔ ۱ اَيُّ ۲ هَا ۔ اَيُّ مبنی ہے ضمہ پر حال میں یہ مذکر کے لیے ہوتا ہے اس کا مؤنث اَيَّتُهَا جو منادیٰ مؤنث کے لیے آتا ہے ۔ هَا حرفِ تنبیہ اَيُّ کے فاصلہ کے لیے ۔ اب یہ مجموعہ فاصلے کے لیے ہوتا ہے ۔ یہ اُس وقت لگایا جاتا ہے جب منادیٰ معرّف باللام ہو ۔ اور چونکہ اَيُّهَا ۔ صرف حرفِ ندا کے ساتھ ہی آتا ہے اس لیے کبھی حرفِ ندا حذف بھی کر

کردیا جاتا ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر۔ نُزِّلَ۔ فعل ماضی مطلق مجہول باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تَنْزِیْلٌ تَنَزُّلٌ سے بنا ہے بمعنی اترنا۔ اترانا علی جارہ بمعنی فوقیت ہٖ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْ ہے بقانونِ نحو جیسا مرجع ہوتا ہے ویسی ہی ضمیر ہوتی ہے۔ الف لام عہدِ خارجی۔ ذِکْرُ اسم مفرد جلیلہ بمعنی وحی اور کلام۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ نائب فاعل ہے نُزِّلَ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ منادیٰ ہوا۔ ندا منادیٰ مقولہ اول ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ ابتداءِ کلام میں ہے لہٰذا بکسرِ الہمزہ آیا۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ لام کے زائدہ ہے مَجْنُوْنٌ اسم مفعول صیغہ واحد مذکر۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ جَنٌّ سے ہے بمعنی چھپایا ہوا۔ چھپانا۔ پردہ ڈالنا۔ عقل پر پردہ ہونا۔ دیوانہ ہونا۔ اسی سے ہے جنات۔ جن چھپی ہوئی مخلوق۔ جنت کو بھی جنت اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ چھپی مخلوق ہے پوشیدہ جہان بحالت رفع ہے خبر ہے اِنَّ کی۔ یہ جملہ اسمیہ مقولہ دوم ہے۔ ایک قول ہیں۔ یٰاَیُّھَا۔ قَالُوْا کا مقولہ نہیں ہے۔ بلکہ رب تعالیٰ کا قول ہے اور ترجمہ اس طرح ہے۔ اے وہ ذات جس پر ذکر نازل کیا گیا۔ اُس کے بارے میں کہا کفار نے کہ تو مجنون ہے۔ یعنی ترکیب اس طرح ہے یٰاَیُّھَا منادیٰ ہوکر مبتدا ہوا اور اِنَّکَ جملہ خبر ہوئی۔

تفسیر عالمانہ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ذَرْهُمْ یَاْکُلُوْا وَ یَتَمَتَّعُوْا وَ یُلْهِهِمُ الْاَمَلُ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ۔ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یا اے مسلمانوں۔ بہت ہی دفعہ یعنی بار بار کافر لوگ دل کی گہرائیوں سے چاہیں گے کفِ افسوس ملیں گے۔ یا کبھی کبھی جب کفار کو دوزخ میں ہوش آئے گا تو تمنائیں تڑپیں گے یا آج تو یہ مست ہیں دل سخت ہیں۔ حرصِ دنیا اور لمبی امیدوں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ کبھی تو چاہیں گے تمنا کریں گے۔ یا خبردار متنبہ ہو جائیں یہ کافر ایک وقت بہت جلدی آرہا ہے کہ تمنا کریں گے یہ کفار۔ کاش یہ کفار نبی پاک کی امت میں شامل ہوکر مسلمان ہو جاتے۔ یہ تمنا دنیا میں اُس وقت ہوگی جب فتوحاتِ اسلامیہ اور بربادی کفرستان دیکھیں گے۔ اور اُس وقت ہوگی جب موت کے فرشتے دیکھیں گے۔ اور اُس وقت جب عذابِ قبر ہوگا۔ اور اُس وقت جب حساب وکتاب میدانِ محشر میں مکمل ہوگا۔ جنتی کو جنت میں اور خود کو جہنم میں جاتے دیکھیں گے اور اُس وقت بھی جب گناہگار سزا یافتہ مسلمانوں کو دوزخ سے نکلتے آزاد ہوتے دیکھیں گے۔ کہ جہنم کا دروازہ کھلا اور مسلمانوں کو نکال لیا گیا پھر ابدی مدت کے لیے دروازہ بند ہوگیا اور اُس وقت بھی جب کبھی جہنم میں ہوش آئے گا تھوڑے وقفے کے لیے یا تو ان چھ وقتوں میں سب کفار کو یہ حسرت ہوگی یا جہنم میں سب کو ہوگی باقی وقتوں میں بعض کو۔ لہٰذا ان کو مست چھوڑ دیجئے جانوروں کی طرح صرف کھانے پینے کی دوڑ دھوپ میں ہی لگے رہیں نہ سختی کرو نہ جنگ وجدال نہ بحث جھگڑا۔ ابھی لڑائی کا وقت نہیں آیا۔ کچھ دن ان بیچاروں کے نفع کے ہیں وہ اٹھا لینے دو۔ ان کو ان کی لمبی امیدوں خواہشاتِ نفسانیہ وسواسِ شیطانیہ موت سے غفلت نے دنیوی کھیل کود میں ڈالا ہوا پھنسایا ہوا ہے بہت جلدی دنیا میں ہی یا بعد موت سب حقیقت حال سے باخبر ہو جائیں گے اور اپنے کفریہ بطلان۔ مسلمانوں کی حقانیت کو جان لیں گے۔ مولیٰ علی شیرِ خدا نے فرمایا کہ مجھ

کو دو چیزوں سے سخت نفرت ہے۔ لمبی امیدیں اور خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کیونکہ لمبی امیدیں موت سے غافل خوفِ خدا سے دور کر دیتی ہیں اور نفسانیت کی پیروی سچی اور حق بات کی پیروی نہیں کرنے دیتی۔ (روح المعانی۔ بیان۔ صاوی) وَمَآ اَهۡلَكۡنَا مِنۡ قَرۡيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ۔ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسۡتَاۡخِرُوۡنَ ابتداءِ دورِ عالم سے اقوامِ عالم میں سزا و جزا۔ عذاب و بخشش۔ رحمت و ذلت۔ نرمی و گرمی ہوتی ہی چلی آرہی ہے۔ مجرموں کو ڈھیل اور مہلت بھی ملتی رہتی ہے۔ کسی پر آسمانی عذاب آیا کسی پر دنیوی۔ کسی کو ناگہانی موت سے مارا کسی کو جہاد و قتال سے آخر یہ کیوں؛ نہ ایک طرح کا عذاب نہ ہم مثل نوعیت۔ یہ سب کچھ اس لیے ہے کہ ہم باری تعالیٰ عزّ اسمہٗ نے ہر بستی والوں کے لیے بلکہ کائناتِ دھر کے ہر فرد کے لیے پورے ابتداؤ انتہا۔ اعمال و انجام کی کتاب لوحِ محفوظ میں ازل سے لکھ دی ہے جو کچھ ظہورِ عالم میں ہو رہا ہے سب اسی تحریر و نظام کے مطابق ہو رہا ہے۔ کوئی گروہ کوئی قبیلہ یا فرد ایک منٹ کی مدت سے بھی اپنے انجام سزا یا جزا کی مدت میں نہ آگے بڑھ سکتا ہے نہ پیچھے رہ سکتے ہیں آگے بڑھنے میں اپنے عمل دخل کا اختیار نہیں ہوتا اس لیے تسبق کو واحد لاکر بے طاقتی اور فردیت کا اظہار ہے۔ پیچھے کرنے میں طاقت کی ضرورت ہے اس لیے صیغہ جمع فرما کر طاقت کی طرف اشارہ ہے کہ سارے لوگ مل کر بھی پیچھے نہیں کر سکتے۔ کیونکہ نظامِ شاہی ہے کس کی جرأت ہے رد و بدل کی۔ سب کچھ ہی اشارۂ فطرت کے مطابق ہو رہا ہے۔ اور ہر چیز کی مقدار۔ وقت۔ طریقہ نوعیت لکھی جا چکی ہے نہ کسی کی جلد بازی کا اثر پڑے نہ کسی کی بھاگ دوڑ سے وہ بچ سکے جب اُس بارگاہ میں اپنی طاقت قوت کمالات عقلیات مکر و تدبیرات کچھ کام آسکتے ہی نہیں تو خوش نصیب وہی ہیں جو دامنِ احمد پاک میں پناہ گزین ہو کر مست الست ہو گئے وَقَالُوۡا يٰۤاَيُّهَا الَّذِىۡ نُزِّلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ اِنَّكَ لَمَجۡنُوۡنٌ۔ اس اعتبار اس ڈھیل اور زندگی کی پر بہار مہلت سے خوش قسمت ہی دنیا و آخرت کا نفع اُٹھاتے ہیں بدبختوں نے ہر موقعہ پر جب بھی آیات کا نزول ہوا اور ہمارے نبی نے اپنی زبان فیض ترجمان سے یہ قرآن مجید فصیح بلیغ سنایا۔ جواباً یہی کہا کہ اے وہ شخص جس پر یہ ذکر اتارا گیا ہے۔ بیشک تم مجنون ہو۔ دیوانے ہو۔ یا جس وقت یہ ذکر اتر رہا ہوتا ہے اُس وقت بیہوش (دیوانے) ہو جاتے ہو۔ کفارِ مکہ یہ بات مذاق اور دل لگی میں پکار پکار کر کہتے تھے۔ اس طرح کہ منہ دوسرے کی طرف پھیرتے اور خطاب نبی کریم سے کرتے یا اس طرح کہ اپنی محفلوں میں ایک دوسرے سے کہتے کہ غائبانہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں اس واقعہ کا تذکرہ اس طرح ہوا کہ ندائیہ جملہ عَلَيۡهِ غائب سے ارشاد ہوا اور اُس کی خبر بتدا حاضر کی ضمیر سے بولی گئی۔ یعنی تو پاگل ہے۔ ایسا کلام سناتا ہے جس میں اپنی رسالت جنت اور اُس کی نعمتوں عذاب سزا قیامت حشر و نشر کا اور اللہ کی توحید کا چرچہ کرتا ہے۔ اور دنیا کی نعمتوں۔ لذتوں۔ عیش و عشرت۔ کھیل کود تماشوں۔ اور ہمارے بتوں کو غلط کہتا ہے۔ یہ سب دیوانگی کی باتیں ہیں۔ بھلا کون عقلمند نقد موجود عیش و لذت کو چھوڑ کر آخرت کے نامعلوم وعدوں پر بھروسہ کرے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کفار خود بے وقوف دیوانے ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ قرآن حدیث

سے بیان فرمایا و حقیقت اور ابدی باقی ہے۔ مگر جس پر کفار یا گناہ گار بھروسہ کرتے ہیں وہ فانی اور حقیر اور مردود ہے مردار ہے چند گھڑیوں کا۔ گندم لیکر بھوسہ چھوڑنے والا دانہ مغز لے کر چھلکے چھوڑنے والا عقلمند ہے۔ اس کے خلاف کرنے والا مجنون ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِحَقِیْقَتِ الْاِیْمَانِ وَنَعِیْمِ الْجِنَانِ۔ چونکہ اس سورت پاک کے ابتدائی جملوں میں کفار مکہ کے اقوال و کردار اور تمسخرانہ گفتگو کا ذکر ہوا ہے اس لیے آئندہ آیات میں نہایت فصیح و بلیغ طریقے اور دلیل و برھان کے ذریعے نہایت مسکت انداز میں کفار کے تمام شکوک و شبہات دور کرتے ہوئے اُن کی زبانوں پر علم و تحقیق۔ واقعات مشاہدات کی مہر لگادی کہ ہٹ دھرمی کرتے ہوئے کفر و بُطلان سے جڑے رہیں تو اور بات ہے ورنہ حقیقی اور تاریخ پر مبنی کسی اعتراض کی مجال نہ رہی۔ نہ ہی اسلام کے دامن سے دور ہٹنے پر کوئی جواز رہا۔ اگر قریب آنے والوں کے ساتھ نہایت اچھے انداز میں تفہم و تفہیم فرمایا گیا تو سرکشوں کو دھمکی آمیز لہجے میں واضح کر دیا گیا کہ تمہاری خرمستیوں کی مدت بہت تھوڑی رہ گئی ہے اور جیسے کہ قوم لوط اور اصحاب حجر والوں کا جب انجام پہنچا تو ذرا آگے پیچھے کی مہلت نہ دی گئی۔ یہی حال تمہارا ہونا ہے۔ اس وضاحت کے ضمن میں آٹھ باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔

۱ قرآنِ مجید کی حقانیت پر دلائل۔ ۲ توحید باری تعالیٰ کا ثبوت اور بتوں کی بطالت کا مدلل بیانِ فصاحت۔
۳ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت۔ ۴ اِن دلائل میں کفار کو غور و فکر کی دعوت۔ ۵ انسانی پیدائش کا اسلامی مقصد۔ ۶ اسلام کی عالمگیر سلطنت پر روشن دلائل۔ ۷ کفار کی طرزِ زندگی بدعملی و بداخلاقی و تعصب و ہٹ دھرمی کا بیان۔ ۸ ان ہی آیات میں یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ اسلام سے علیحدہ ہو کر انسان میں پانچ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ پہلی یہ کہ شیطان کے خوبصورت جال میں پھنستا چلا جاتا ہے۔ دوسری یہ کہ اپنی تصوراتی دنیا میں امیدوں کے ایسے باغ لگاتا ہے کہ کسی اور حقیقت کی طرف متوجہ ہونے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ تیسری یہ کہ اپنے عقائد و اعمال کے بیہودہ ہونے کو جانتے ہوئے بھی اُن سے علیحدہ ہونے پر تیار نہیں ہوتا نہ ہی ہمت و جرأت کر سکتا ہے۔ چوتھی یہ کہ جھوٹی انا کی خاطر اور بیہودہ خودی کے شکار ہونے میں۔ انبیاء اولیاء علماء صلحا کا دشمن بنا رہتا ہے۔ پانچویں یہ کہ فسق و فجور عیش و لذت میں اس قدر دلدادہ ہو جاتا ہے کہ کسی کے کہنے سے باز نہیں آسکتا جب یہ بیماریاں زور پکڑ جاتی ہیں تو پھر کوئی آیات۔ کوئی سورت کوئی حدیث۔ کوئی نصیحت کوئی جھڑک اُس کے پتھریلے دل دماغ پر اثر نہیں کرتی۔ ایسا ہی ننگ انسانیت صاحب الحجر کہلاتا ہے۔ اِن ہی کو ذَرْھُمْ یا کلُوا جیسے تحقیری کلمات سے نوازا جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ھِدَایَتًا کَامِلًا دَائِمًا قَائِمًا تَامًّا۔

فائدے

اِن آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ اسلام لانے اور مسلمان ہونے کی وہ محبت آرزو خواہش اور تمنا مفید ہے جو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان علماء کرام کی تبلیغ سے اور اولیاء اللہ کے بتانے سمجھانے سے پیدا ہو۔ مجاہدین سے پٹتے ہوئے یا عذاب

کے فرشتے دیکھ کر یا قبر حشر میں انجام دیکھ کر مسلمان ہونے کی تمنا کرنا مفید نہیں۔ یہ فائدہ رُبَمَا یَوَدُّ سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ کافر تو بہت دفعہ مصیبت پڑنے پر اسلام لانے اور مسلمان ہونے کی خواہش کرتا ہے جیساکہ اکثر مار کُٹائی جنگ و جدال جہاد و قتال میں ہوتا رہتا ہے۔ ڈر کر گھبرا کر کلمہ پڑھتے ہیچے مسلمان بنتے بار ہا دیکھا گیا ہے۔ مگر بحمدہٖ تعالےٰ کتنی ہی مصیبت پڑے آگ خون کے طوفان اٹھ کھڑے ہوں قتلِ عام ہوتا ہو۔ ادنیٰ سے ادنیٰ غریب سے غریب تر مسلمان بھی کبھی کفر کی تمنا نہیں کرتا۔ مرد تو در کنار عورتوں سے بھی کبھی ایسا مظاہرہ سننے میں نہیں آیا۔ انقلابِ پاکستان اور زمانہ قریب کا فلسطینی قتل عام اور آئے دن ھندوستان کے مسلم کُش فسادات اس بات کی سچائی کے عینی تاریخی شاہد ہیں یہ سب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا عالگیر فیضان ہے۔ یہ فائدہ یَوَدُّ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا کے چودہ سو سالہ تشہیری جبری چیلنج سے حاصل ہے آج تک کسی غیر مسلم نے اس چیلنج کا سچائی پر مبنی جواب پیش نہیں کیا۔

تیسرا فائدہ ۔ کافر سے ہر قسم ہر نوع۔ ہر جنس کے کافر مراد ہیں خواہ بت پرست یا یہودی یا عیسائی یا مرزائی ہوں یا قادیانی۔ یہ بات حقیقت ہے کہ جب قادیانیوں کو پاکستان میں ذوالفقار علی بھٹو کے قانون سے شاہ احمد نورانی اور مفتی مختار احمد وغیرہم کی محنتوں مناظروں سے اقلیت قرار دیا گیا تو کئی پرانے اور نئے بوڑھے جوان قادیانی مسلمان ہو گئے۔ اسی طرح شاہ احمد نورانی کے دستِ حق پرست پر سورینام کے علاقے میں سینکڑوں قادیانی مسلمان ہوئے جس کی خبر غالباً جنگ لندن ۱۹۸۳ء گیارہ کو شائع ہوئی تھی۔ **چوتھا فائدہ** ۔ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کو کائنات کا علم غیب عطائی ہے۔ کیونکہ سارے علوم اور مخلوق کے تمام فیصلے لوحِ محفوظ میں لکھتے ہیں اور لوح محفوظ انبیاء کرام اور ان کے فیضان سے اولیاء اللہ کی نگاہوں کے سامنے ہوتا ہے۔ یہ فائدہ کِتَابٌ مَّعۡلُوۡمٌ سے حاصل ہوا۔ ورنہ لوح محفوظ پر لکھنا بیکار ثابت ہوگا کیونکہ رب نے اپنے لیے نہیں لکھا بلکہ اپنے نیک بندوں اور فرشتوں کے لیے لکھا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ حکومت اسلامیہ کافر کو زنا اور حرام کھانے پینے مثلاً خنزیر شراب وغیرہ سے نہ روکے گی۔ ہاں البتہ۔ جوئے چوری ڈکیتی سے قانوناً منع کیا جائے گا۔ یہ مسئلہ یَاۡکُلُوۡا وَیَتَمَتَّعُوۡا سے حاصل ہوا کہ اُن کو کھانے اور نفع کی اجازت ہے مگر تخریب کاری کی اجازت نہیں۔ جوا یا چوری وغیرہ تخریب ہے تحصیل فائدہ نہیں۔

دوسرا مسئلہ ۔ تقدیر دو قسم کی ہے تقدیرِ مبرم تقدیرِ معلق۔ تقدیر مبرم نہیں ٹل سکتی نہ آگے پیچھے ہو سکے یہاں صرف اُس کا ذکر ہے۔ لیکن معلق دعا اور شفاعت سے ٹل جاتی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں ذکر ہے کہ کفار نے کہا۔ اے وہ ذات جس پر ذکر نازل کیا گیا۔ یعنی قرآن مجید پھر کہا تو مجنون ہے۔ پہلی بات ایمان کی نشانی ہے اور دوسری بات کفر کی یہ اجتماعِ ضدین کیونکر ہوا۔

جواب ۔ دونوں باتیں کفریہ ہیں ۔ دوسری تو ظاہر ہے کہ گستاخی ہے ۔ اور ہر گستاخی کفر ہے ۔ پہلی بات اس لیے کفریہ ہے کہ انہوں نے یہ بات مذاقاً کہی تھی اور اشارہ اس طرف تھا کہ جس کو تم مسلمان ذکر کرتے ہو اور اُترنے کے دعوے دار ہو اُن کی یہ حالت حقیقی ہے ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ اہلسنت کا عقیدہ ہے کہ تقدیر بدل سکتی ہے اور نگاہِ مومن کو ٹلانے والا قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ بات یہ عقیدہ اس آیت کے بھی خلاف ہے اور حقیقت و مشاہدے و تاریخ کے بھی (دیوبندی) **جواب** ۔ ہم نے تفسیر میں اس کا جواب دیا ہے ۔ جس سے معلوم ہو گیا کہ یہ عقیدہ ان آیات کے خلاف نہیں ۔ ہاں البتہ آپ کی کم علمی کی وجہ سے آپ کی معلومات کے خلاف ہو سکتا ہے ۔ تاریخ و مشاہدے سے تو بہت ثابت ہے کہ کئی دفعہ تقدیرِ معلق والے عذاب ٹل گئے ۔ جیسے قومِ یونس علیہ السلام کا عذاب ۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں ذَرْهُمْ سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار کو دین کی تبلیغ نہیں چاہیئے صرف مسلمانوں کو تبلیغ کرو کلمہ پڑھاؤ (تبلیغی لوگ) ۔

جواب ۔ ہاں آپ کی آرام طلبی کے لیے تو یہ مطلب بہت مفید ہے ۔ مسجدوں میں جاؤ اور پُسرو جب کہ مسجد میں سونا حرام ہے ۔ اور فی زمانہ مسافر کے لیے بھی کیونکہ رہائشی ہوٹل ہر جگہ عام ہیں ۔ لیکن حقیقتاً ذَرْهُمْ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا ۔ اولاً تو اس لیے کہ یہ آیت منسوخ ہے اس کی تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھو دوم اس لیے کہ تبلیغ سب کفار کو کی جائیں گی بلکہ تبلیغ احکام و اسلام نبی ہی اصلاً کفار کے لیے ہے ۔ یہ تو نہایت بزدلی اور حماقت ہے کہ کفار کے قریب نہ جاؤ اور مسلمانوں کو ہی لوٹ پھیر کر کلمہ پڑھاؤ ۔ یہاں ذَرْهُمْ نے صرف کھانے پینے کی کھلی چھٹی دی ہے نہ کہ کافر رہنے کی کفر پر رضا نہیں ہے ۔

تفسیر صوفیانہ رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ كَانُوا مُسْلِمِينَ ذَرْهُمْ يَأْكُلُوا وَيَتَمَتَّعُوا وَيُلْهِهِمُ الْأَمَلُ فَسَوْفَ يَعْلَمُونَ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ چمنستانِ عالم میں سات قسم کے انسان بستے ہیں ۔ ۱ عاشقین ۲ زاھدین ۳ صالحین ۔ ۴ فاسقین ۵ کاملین ۶ غافلین ۷ کافرین ۔ دنیا میں تو ہر شخص اپنی من پسند زندگی گزار لیتا ہے ۔ مگر موت کا دروازہ کھلتے ہی ہر شخص ندامت و شرمندگی سے سرنگوں ہو جاتا ہے ۔ بجز عاشقین کے اور ہر شخص تاسّف سے ہاتھ ملے گا ۔ زاھدین کہیں گے کاش ہم عاشقین ہو کر وادیٔ فنا ہی میں گم ہو جاتے ۔ صالحین کہیں گے کاش ہم زاھدین کا مقام قرب حاصل کرتے ۔ فاسقین دانتوں سے کاٹیں گے کاش ہم صالحین کا درجہ حاصل کر لیتے کتنی قیمتی سانسیں ہم نے ضائع کر دیں ۔ کاملین تڑپیں گے ۔ کاش ہم باہمت مردبن کر وادیٔ محبت کے مجتہدین بن جاتے ۔ غافلین تمنا سے روئیں گے کاش ہم ذاکرین مطیعین ہو کر اتباعِ مصطفیٰ میں آجاتے کافر اپنا سر پیٹیں گے ۔ کاش ہم مومن مسلمان بن جاتے ۔ مگر اُس وقت بجز ندامت کچھ حاصل نہ ہوگا ۔ نقارۂ اجل بجنے سے پہلے ہی سب کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے ۔ آیت ربانیہ سُنا سُنا کر نفس امارہ جھنجھوڑا جا رہا ہے ۔ عالمِ فنا میں عالمِ بقا کا نقشہ کھینچا جا رہا ۔ یہاں کی آزادی وہاں کی پکڑ ہے یہاں عیش و لذتِ نفسانی کا کھانا پینا اور نفع لینا وہاں کی موت ہے ۔ یہاں کی لمبی امیدیں وہاں کا عذاب دائمی ہے یہاں کے میٹھے گھونٹ وہاں

کا زہر ہے اگر اب بھی نہ سنبھلو نہ سمجھو گے تو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۔ عنقریب بہت جلد موت کی نیند سوتے ہی سب کچھ جان لوگے وَمَا اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَّعْلُوْمٌ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۔ یہاں سب کچھ بتا سمجھا سنا دیا گیا ہے ۔ سعادت ۔ شقاوت ۔ کرامت ۔ رذالت ۔ درجات ۔ قربات ۔ مقامات کے حالات واضح کر دیے ۔ یہ ڈھیل کیوں دی جا رہی ۔ اس سے کس کو فائدہ کس کو نقصان ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ سنا دیا کوئی شخص کسی بھی قوت یا اتحاد مال سے اس تقدیرِ مبرم کی اجل کو آگے پیچھے نہیں کر سکتا ۔ اے ازل کے محرومو تم نے دنیا کے چھوٹے سے قریہ میں دل لگا لیا ۔ ان قریوں میں دل پھنسانے والے کتنے ہی سرکشوں کو ہم نے ہلاکتِ قلب وقالب سے وادیٔ فنا میں پہنچا دیا ۔ یہ سب ایک مقررشدہ فیصلہ ہے جو جبر کے ہاتھوں قہر کے قلم سے لکھا گیا کس کی مجال ہے جو ذرہ آگے پیچھے کر سکے ہر سرکش کی ایک ایک سانس ہمارے قبضۂ ازلی ابدی میں ہے ۔ کسی کو فرار نہیں ۔ اُس کے اور اس کے پیارے بندوں کے مقابل عملِ نفسانیت کے ہاتھ ٹوٹے ہوئے ہیں ہاں اس جہان میں زبان آزاد ہے ۔ زبان سے کہتے پھرتے ہیں قَالُوْا يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ ۔ مردودانِ ازل کی زبانوں نے کہا اے بتر سرہدی کے نزولِ ذکر کے دعویدار تو یقیناً مجنون ہے ۔ اسی لیے عالمِ فنا میں بقا کے وعدے کرتا ہے اور لذاتِ نفسانی کے میٹھے گھونٹ چھڑا کر وصالِ جلال کے روزے رکھوا تا ہے ۔ اے نادانو تم اُس کو مجنون کہتے ہو جو عقلِ کمال کا مخزن ہے ۔ جو عالمِ تخلیق کی عقلِ اول ہے ۔ جس کے دستِ یدِ الٰہی سے کائنات کو عقل وشعور تقسیم ہو رہا ہے ۔ بیوقوفو اُس کو مجنون کہتے ہو جس کی عقلِ معشوق کے کروڑوں عاشق مجنونِ دشتِ جنون بنے پھرتے ہیں کم عقلو ۔ اس کو مجنون کہتے ہو جس کی خِرد نے عالمین کو مزین کر دیا ۔ اللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بحلاوتِ عقل محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝۷

کیوں نہیں لے آتے آپ ہمارے پاس کو ملائکہ اگر ہو تم ہیں سے سچوں ۔

ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتے اگر تم سچے ہو ۔ ہم فرشتے

مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا

نہیں نازل کرتے ہم فرشتوں کو مگر وجہ سے بہت ضروری کام اور نہ ہوں وہ کافر اُس وقت

بیکار نہیں اُتارتے اور وہ اُتریں تو انہیں مہلت نہ ملے بیشک ہم نے اُتارا ہے یہ

مُّنظَرِينَ ⑧ إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ

مہلت دیے ہوتے بیشک ہم ہی نے نازل کیا قرآن مجید اور بیشک ہم ہی اس کی

قرآن اور بیشک ہم خود اس کے نگہبان ہیں ۔ اور بیشک

لَحٰفِظُونَ ⑨ وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ فِي شِيَعِ

البتہ حفاظت کرنے والے ہیں اور البتہ بیشک بھیجا ہم نے سے پہلے آپ کے ہیں

ہم نے تم سے پہلے اگلی امتوں میں رسول بھیجے اور اُن

الْأَوَّلِينَ ⑩ وَمَا يَأْتِيهِم مِّن رَّسُولٍ إِلَّا كَانُوا

قبیلوں پہلے ۔ اور نہیں آتا رہا اُن کے پاس کوئی رسول مگر تھے

کے پاس کوئی رسول نہیں آتا مگر اُس سے ہنسی کرتے ہیں

بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ⑪ كَذَٰلِكَ نَسْلُكُهُ فِي قُلُوبِ

وہ اُس کا مذاق اڑاتے ۔ اسی طرح عادت بنادیتے ہیں ہم اُس مذاق بازی کی بیچ دلوں

ایسے ہی ہم اُس ہنسی کو اُن مجرموں کے دلوں میں راہ

الْمُجْرِمِينَ ⑫ لَا يُؤْمِنُونَ بِهِ وَقَدْ خَلَتْ

مجرموں کے پھر وہ ایمان نہیں لاتے پر اُس حق ۔ اور بیشک پڑ چکی ہے

دیتے ہیں وہ اُس پر ایمان نہیں لاتے اور اگلوں کی

سُنَّةُ الْأَوَّلِينَ ⑬

یہ بری عادت پہلوں کی

راہ پڑ چکی ہے

تعلق

ان آیات کریمہ سے پچھلی آیات کا چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ مکے کے کفار آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو معاذ اللہ مجنون دیوانہ کہتے تھے ۔ اب ان آیات میں کفار کے احمقانہ مطالبات کا ذکر فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ درحقیقت یہ کفار خود ہی دیوانے ہیں کہ اپنے نفع نقصان کو نہیں سوچتے اور اندھا دھند ایسے مطالبے کرتے چلے جا رہے ہیں جو خود ان کے لیے سراسر بہت نقصان دہ ہیں اور ہلاکت کا باعث ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفار کی ان باتوں کا ذکر ہوا جن میں انہوں نے قرآن مجید کو ذکر کہا تھا اور اترنے کا اقرار کیا تھا ۔ لیکن نبی کریم کی گستاخی کی تھی اب ان آیات میں باری تعالیٰ ربّ العزت نے انہیں القاب سے قرآن پاک کو یاد فرما کر حفاظت کی ذمے داری کا ذکر فرمایا کہ ہم ہی اس کے محافظ ہیں اس میں وضاحت تو اس کی بھی ملتی ہے کہ نبی کریم اور آپ کی ہر شان کا محافظ بھی اللہ ہی ہے ۔ اور نبی کریم کو رب نے اتنا قوت والا بنایا کہ آپ کے سینے میں قرآن مجید کو رکھ کر حفاظت فرمائی ۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ ہر گروہ اور قبیلے کے لیے اس دنیا میں ایک زندگی کی کچھ مدت ہے ۔ جو اس کو ہر طرح گزارنی ہے خواہ نیکی اور ایمان کے ساتھ یا کفر میں اب ان آیتوں میں بتایا گیا کہ ہم اسی لیے کفار کے مطالبے نہیں مانتے کہ اگر ان کے مطالبوں پر ملائکہ یا عذاب آجائے تو پھر ان کو بالکل مہلت نہ ملے گی یہ کم عقل ہیں جو ایسے مطالبے کر رہے ہیں ۔

تفسیر نحوی

لَوْمَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ ۔ لَوْمَا ۔ دو حرف ہیں ۱ لو شرطیہ ۔ ۲ ما نافیہ امتناعیہ ۔ دونوں کو جوڑا گیا تو حرف تحضیض بن گیا ۔ بمعنی رغبت دلانا یعنی کیوں نہیں تَاْتِیْ ۔ فعل مضارع ۔ معروف مثبت صیغہ واحد حاضر اَنْتَ ضمیر اس میں مستتر ہے جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ اَتٰی سے بنا ہے بمعنی لانا ۔ زمانہ حال کے لیے ہے ۔ نا ضمیر متکلم جمع منصوب متصل جس کے پہلے عِنْدَ ظرفیہ پوشیدہ ہے ۔ اب یہ مفعول فیہ ہے تاتی کا یعنی ہمارے پاس یا ہم میں ۔ ب نائمہ مفعولیت کی ۔ الف لام جنسی ہے ۔ ملائکہ ۔ اسم جمع مکسر ہے ۔ اس کا واحد ہے مَلَكٌ ۔ جار و مجرور متعلق ہے تاتی کا ۔ ان حرف شرط اگلی عبارت شرط موخر ہے ۔ كُنْتَ ۔ فعل ماضی مطلق ناقصہ صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ یہ ضمیر اسم ہے ۔ مِنْ جارہ بیانیہ یا تبعیضیہ الف لام استغراقی صادقین اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے صَادِقٌ ۔ صِدْقٌ سے بنا ہے بمعنی سچا ہونا ۔ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ کائنٌ یا ثابتٌ یا واقعًا کا ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے كُنْتَ کی ۔ لَوْمَا کا پورا جملہ جزاء مقدم ہے ۔ مَا نُنَزِّلُ ۔ فعل مضارع معروف منفی صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر متکلم منفصل مستترہ ہے ۔ جس کا مرجع ذات باری تعالیٰ ہے ۔ باب تفعیل سے ہے اس کا مصدر ہے تَنْزِیْلٌ بمعنی حال ہے ۔ یہی قرأت مشہور و مروج ہے ۔ مگر دو قرأتیں اور بھی ہیں ۔ ۱ مَا تَنَزَّلُ ۔ باب تفعّل کا مضارع

معروف منفی صیغہ واحد مونث دراصل تھا مَا تَتَنَزَّلُ۔ تخفیف کے لیے ایک تَ علامتِ مضارع گر گئی ۔ یہ قرأت بھی بیجہ
ہے دسات قرأتوں میں سے ایک ۲ مَا نُنَزِّلُ باب ضرب مضارع معروف متی ۔ صیغہ واحد مونث ۔ مگر یہ قرأت
شاذ ہے ۔ الف لام جنسی ۔ یا عہدی ۔ مَلآئِکَۃَ ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ۔ لیکن دوسری دو قرأتوں میں بحالتِ
رفع ہے فاعل ہے ۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل ہے جس نے نفی توڑدی ۔ کیونکہ اس کے بعد ایک فعل تُنَزِّلُ پوشیدہ جو پہلے فعل
مَا تُنَزِّلُ سے مستثنیٰ ہے ۔ اور وہ پہلا مستثنیٰ منہ ہے بِ جارّہ استعانت کی یا سببیہ ۔ یا بمعنی مَعَ (ساتھ) الف لام عہدِ خارجی
حق ۔ اسم مفرد جامد ہے ۔ بمعنی ۔ عِلْمُ نام ہے ۔ یا بمعنی ۔ سچی بات ۔ یا مضبوط فیصلہ ۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں ۔ جار و مجرور
متعلق ہے پوشیدہ فعل نُنَزِّلُ کا ۔ ایک قول میں متعلق ہے فعل ظاہر سے ۔ اور اِلَّا بمعنی غَیْرَ منصوب حال ہے نا ضمیر کا یا ملائکۃ
کا ۔ واؤ عاطفہ ۔ یا حالیہ ۔ حال ہے مَا نُنَزِّلُ کا یا سرِ جملہ ہے اور یہی زیادہ درست ہے ۔ مَا کَانُوْا فعل ماضی مطلق ناقصہ ہے ۔
صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر اس میں مستتر اسم ہے جس کا مرجع کفار قائلین ہیں ۔ اِذًا ۔ اسم ظرف زمانی بمعنی حِیْنَ ۔ یعنی اُس وقت
دراصل تھا اِذْ ۔ اَنْ ۔ نون کو تخفیف کے لیے گرا دیا ۔ مُنْظَرِیْنَ ۔ اسم مفعول صیغہ جمع مذکر ۔ نَظَرٌ سے بنا ہے بمعنی دیکھنا
غور کرنا ۔ مہلت دینا ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے مَا کَانُوْا کی ۔ یہ پورا جملہ ناقصہ فعلیہ
ہو کر جزا ہے پوشیدہ جملہ شرطیہ کی ۔ پوشیدہ عبارت اس طرح ہے اِنْ نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ فَمَا کَانُوْا (الخ) اِنَّا نَحْنُ
نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ ۔ اِنَّا ۔ دراصل ہے اِنَّ نَا ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل (عمل میں) نا ضمیر جمع متکلم
منصوب متصل ۔ اسم ہے اِنَّ کا ۔ نَحْنُ ۔ ضمیر جمع متکلم منصوب منفصل تاکید ہے نا ضمیر متصل کی حصر کے لیے ہے ۔ بمعنی ہم نے
ہی ۔ بقانونِ نحو جہاں کہیں ایک صیغہ کی دو ضمیریں آ جائیں پہلی متصل دوسری منفصل تو وہاں دوسری کا ترجمہ ہی ہو جاتا ہے ۔
نَزَّلْنَا ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم ۔ باب تفعیل سے ہے ۔ مصدر ہے تَنْزِیْلٌ ۔ بمعنی اُتارنا متعدی بیک مفعول ہے
نُزُوْلٌ سے بنا ہے بمعنی اُترنا ۔ لازم ہے ۔ ضمیر جمع متکلم بارِز اس کا فاعل ہے اور مرجع اللہ تعالیٰ ہے ۔ الف لام عہد ذہنی
یا خارجی ہے ذِکْرٌ اسم مفرد جامد حاصل مصدر یا مذکور اسم مفعول کے معنی میں ۔ حاصل مصدر مبالغے کا فائدہ دیتا ہے ۔ مطلب
ہے بہت ہی ذکر کیا ہوا ۔ یا سب سے زیادہ ذکر کیا ہوا ۔ مراد قرآن مجید ہے بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے نَزَّلْنَا کا ۔
واؤ سرِ جملہ ۔ یا حالیہ اِنَّ حرفِ شبیہ تحقیق و تاکید نا ضمیر جمع متکلم بحالتِ نصب اسم ہے اِنَّ کا ۔ لَہٗ ۔ لام جارّہ مفعولیت کا ہٗ
ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل ۔ جار و مجرور متعلق مقدم ہے ۔ لام کے حٰفِظُوْنَ ۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر ۔ باب ضَرَبَ سے
ہے حِفْظٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنی یاد کرنا ۔ یاد رکھنا ۔ حفاظت کرنا بہر حال متعدی ہوتا ہے ۔ بحالتِ رفع ہے خبر ہے اِنَّ کی
لَہٗ کے مقدم نے حصر کا فائدہ دیا ۔ بقانونِ نحو ہر وہ معمول جو مؤخر ہوتا ہے اگر مقدم ہو جائے تو حصر پیدا کرتا ہے ۔ وَلَقَدْ
اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا کَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ
واؤ سرِ جملہ قَدْ اَرْسَلْنَا ۔ فعل ماضی قریب برائے یقین ۔ صیغہ جمع متکلم باب افعال سے ہے اِرْسَالٌ مصدر ہے ۔ متعدی

بیک مفعول ہوتا ہے اس کا مفعول بہ رُسُلاً پوشیدہ ہے ۔ مِنْ زائدہ تاکیدیہ ۔ قَبْلِ اسم ظرف زمانی بحالت کسرہ ہے مِنْ جارہ کی وجہ سے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مضاف الیہ ہے قَبْلِ کا یہ مرکب اضافی جار و مجرور متعلق اول ہے اَرْسَلْنَا کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ کے لیے ۔ شِیَعِ ۔ اسم جمع مکسر منصرف ہے ۔ اس کی واحد شِیْعَۃٌ مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے ۔ شَیْعٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی ۔ انتشار ڈالنا ۔ طاقت پہنچانا ۔ پھیلانا ۔ فرقہ بازی کرنا ۔ بکھیرنا ۔ لفظ شِیْعَۃٌ ۔ اسم جامد ہوا ہے بمعنی گروہ ٹولہ ۔ جماعت ۔ فرقہ ۔ دوستوں کا اجتماع بغیر دلائل کسی بات پر اڑ جانا یا اندھا دھند کسی کی اتباع کرنا اگرچہ دلائل اس کے خلاف ہوں وہ چھوٹی خشک لکڑیاں جن کو پہلے جلایا جائے تاکہ بڑی لکڑیوں کو آگ لگے ۔ (المنجد عربی) اَشْیَاعٌ بھی جمع آتی ہے ۔ بحالت جر ہے فِیْ سے ۔ مضاف ہے مابعد کا بحالت کسرہ ہے مضاف الیہ ہے اضافت توصیفی ہے ۔ یعنی شِیَع موصوف بھی اولین صفت ہے الف لام استغراقی ۔ اَوَّلِیْنَ جمع مذکر سالم ہے اس کا واحد ہے اَوَّلٌ ۔ بمعنی پہلے ہونا ۔ پہلے والا شخص ۔ اولین بمعنی پہلے لوگ گذشتہ زمانے کے لوگ ۔ واؤ سر جملہ مَا یَاْتِیْ ۔ فعل ماضی استمراری منفی معروف صیغہ واحد غائب ۔ دراصل ہے مَا کَانَ یَاْتِیْ ۔ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا ۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع کفار ہیں منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ۔ مِنْ جارہ زائدہ تنکیریہ بمعنی کوئی رَسُوْلٍ اسم مفرد مذکر بروزن فَعُوْلٍ مبالغہ کا صیغہ بمعنی خاص بھیجا ہوا شخص ۔ جار و مجرور متعلق ہے مَا یَاْتِیْ کا ۔ اِلَّا حرف استثنا منقطع ہے کیونکہ مستثنیٰ منوی پوشیدہ ہے ۔ کَانُوْا ۔ ماضی استمراریہ ہے ۔ یہ متصل تھا یَسْتَھْزِءُوْنَ سے ۔ دراصل تھا کَانُوْا یَسْتَھْزِءُوْنَ باب استفعال کا ماضی استمراری صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِھْزَاءٌ ۔ مذاق کرنا ہنسی اڑانا ۔ ھَزْیٌ ناقص یائی سے بنا ہے بمعنی ہنسنا ۔ دل لگی میں بِ جارہ بمعنی مَعَ ۔ ہٖ ضمیر واحد غائب مجرور متصل کا مرجع رَسُوْل ہے ۔ جار و مجرور متعلق مقدم یا متعلق وسطی ہے ۔ اسی ماضی استمراری کا ۔ ماضی کو توڑ کر بیچ میں جار و مجرور لانے سے تاکید اور حصر کا فائدہ ہوا ۔ کَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ ۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۔ کَذٰلِكَ ۔ چار حرفوں کا مجموعہ ہے کَ حرف تشبیہ ذَا ۔ اسم اشارہ بعید کے لیے بمعنی اُسی طرح ۔ لام علامت قرب یعنی اسی طرح چونکہ خطاب صرف ایک فرد سے ہے ۔ اس لیے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر ۔ مخاطب کے مطابق لگائی جاتی ہے ۔ مؤنث کَذٰلِكِ ۔ جمع مذکر کَذٰلِکُمْ اور جمع مؤنث میں کَذٰلِکُنَّ ہوتا ہے ۔ نَسْلُكُ ۔ باب نصر کا ۔ فعل مضارع جمع متکلم کا صیغہ ۔ سُلُکٌ سے بنا ہے بمعنی داخل چلانا ۔ متعدی بیک مفعول ہے ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع استہزاء ہے ۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے نَسْلُكُ کا ۔ فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے قُلُوْب جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے قلب مجرور ہے فِیْ سے مظروف ہے فِیْ ظرفیہ کا ۔ الف لام اسمی بمعنی الذی ۔ مُجْرِمِیْنَ ۔ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے مُجْرِمٌ بمعنی جرم کرنے والا ۔ جُرْمٌ سے بنا ہے ۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب باب افعال سے ہے اِیْمَانٌ مصدر ہے بمعنی مومن بننا ۔ مان لینا ۔ ایمان لانا ۔ یہاں ہر معنی بن سکتا ہے ۔ بِ جارہ بمعنی علیٰ ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع رسول ہے ۔ جار و مجرور متعلق لَا یُؤْمِنُوْنَ مضارع

نفی بِلا۔ کا اس کا فاعل ھُم ضمیر جمع ہے اس کا مرجع ہے کفار استہزاء کرنے والے۔ یہ جملہ فعلیہ صفت ہے مُجْرِمِیْنَ کی یا حال ہے نَسْلُکُہٗ کا۔ واؤ حالیہ ہے۔ یا عاطفہ بہر صورت اس کا تعلق نَسْلُکُہٗ سے ہے۔ قَدْ خَلَتْ۔ فعل ماضی قریب۔ صیغہ واحد مؤنث باب نَصَرَ سے ہے خَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی گزر جانا۔ عادت پڑ جانا۔ پہلے ہو چکنا۔ سُنَّۃٌ اسم مفرد مؤنث لفظی ہے۔ اس کی جمع مکسر ہے سُنَنٌ۔ سنّت کا معنی۔ راستہ۔ طریقہ۔ قانون۔ رواج۔ رسم۔ یہاں بمعنی رواج۔ یا طریقہ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ یا اَلَّذِیْ۔ اَوَّلِیْنَ۔ جمع مذکر سالم بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے سنّت کا اوّل اس کا واحد ہے۔ اَوَّلُ کا اسم تفضیل ہے باب ضَرَبَ سے ہے ترجمہ ہے۔ اصل کی طرف لوٹنا۔ امام ہونا۔ آگے ہونا۔ پہلے ہونا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ دراصل تھا اوئل دوسرے الف کو واؤ بنا لیا اور واؤ کا واؤ میں ادغام کر دیا۔ اوّل ہو گیا۔ اس کا مادہ اول مہموز الفا اور اجوف واوی ہے۔ یہ مرکب اضافی فاعل ہے۔ قَدْ خَلَتْ کا۔

تفسیر عالمانہ لَوْ مَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِکَۃِ اِنْ کُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا کَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ

کافروں نے کئی بار سمجھانے کے باوجود یہی کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو کیوں نہیں لے آتے تم ہمارے پاس فرشتوں کو۔ حالانکہ ان لوگوں نے نہ کبھی کوئی فرشتہ دیکھا تھا نہ کسی فرشتے سے واقفیت تھی صاف ظاہر ہے کہ اگر کوئی فرشتہ تصدیقِ نبوت کرنے آ بھی جاتا تو یہ دیکھ کر کس طرح مانتے کہ یہ فرشتہ ہی ہے پھر اس کی بھی تصدیق چاہتے تو یا کوئی اور فرشتہ اس فرشتے کی تصدیق کرتا اس طرح سلسلہ بڑھتا رہتا اور تسلسل لازم آ آیا پھر نبی کہتے کہ یہ فرشتہ ہے اور فرشتہ کہتا کہ یہ نبی ہیں تو دور لازم آ جاتا۔ اور کفار کی تسلی پھر بھی نہ ہوتی اور ملائکہ کا آنا بھی بیکار ہو جاتا۔ لہٰذا فرشتے بلا وجہ فضول مطالبوں سے کفار کو دکھانے کے لیے نازل نہیں کئے جاتے بلکہ رسولِ کریم کی طرف سے دشمنوں کو جواب دیتے ہوئے خود باری تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں نازل فرماتے ہم فرشتوں کو مگر اس کی ازلی ابدی تقدیری فیصلۂ برحق کے آنے کے وقت ملائکہ اللہ کے حق اور اٹل فیصلے کو لے کر ہی عوام کے پاس آتے ہیں۔ وہ فیصلہ یا کفار کے عذاب کا ہے جس کو جبرئیل امین اپنے گروہِ ملائکہ کے ساتھ ضدی ہٹ دھرم گستاخِ نبی کفار پر لے کر آتے رہے۔ یا عزرائیل علیہ السلام اپنے افراد کے ساتھ ہر شخص کے پاس موت لے کر آتے ہیں۔ فرشتوں کا عوام کے پاس آنا اور ان کو نظر آنا یا ان سے ہم کلام ہونا صرف دو ہی صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ مگر ان دونوں وقتوں میں مَا کَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ۔ کسی شخص کو پھر سوچنے سمجھنے توبہ کرنے نیک عمل کرنے یا شانِ نبوت ایمانِ رسالت قبول کرنے کی مہلت نہیں دی جاتی۔ جیسا کہ پہلے بے ادبوں گستاخوں۔ کافروں کے ساتھ ہوتا رہا ہے۔ اس لیے اے موجودہ کافرو ملائکہ کے آنے کی جلد بازی مت مچاؤ ان کا آنا تمہارے فائدے میں نہیں ہے۔ نبی کی مرضی سے کیا کچھ نہیں ہو سکتا۔ فرشتوں کا بلانا تو رسول اللہ کے لیے کچھ مشکل نہیں مگر دیکھنا تو تمہارا مفاد ہے۔ اے کافرو منکرو تمہارا نفع اسی میں ہے کہ نبی کو نبی کی زبان و فرمان سے مان لو۔ تمہارا ہی نفع

نقصان ہے۔ ہمارے نبی کا یا ہمارے قرآن اسلام کا کوئی نقصان یا فائدہ نہیں۔ تم مخالفت و انکار میں ساری طاقت بھی اگر خرچ کر دو تو ہمارے قرآن پاک کا ذرہ نقصان نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ بیشک ہم نے بذاتِ خود بغیر کسی واسطے کے ازل سے قلبِ مصطفےٰ پر نازل فرما دیا تھا یہ ذکر۔ یعنی قرآن مجید جو ہر اعتبار سے تا قیامت بلکہ قبر و حشر میں ہر مومن کے لیے تذکرہ اور ذکر اذکار ہے یا بذریعہ جبرئیل مسلمانوں کے لیے تھوڑا تھوڑا موقعہ محل کے اعتبار سے نازل کیا۔ اور دو وجہ سے ہم خود ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں۔ اوّل اس لیے کہ یہ آخری اور تا قیامت ہر شخص کے لیے مکمل ضابطۂ حیات اور دنیا و آخرت کے لیے مضبوط قانونِ الٰہی ہے۔ دوم اس لیے کہ یہ صرف ہمارا کلام ہی نہیں بلکہ ہمارے آخری نبی ساری کائنات کے رسولِ مکرم کا معجزہ بھی ہے اور چونکہ ہمارے نبی محمد مصطفےٰ کی نبوت ابدی باقی لہٰذا ان کا یہ معجزہ بھی ابدی باقی۔ اور اسی طرح نہ تم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نقصان کر سکتے ہو کیونکہ ان کی حفاظت کی ذمے داری بھی ہم پر ہے۔ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ بعض نے کہا کہ یہاں بھی نبی کریم کی حفاظت مراد ہے اور لَہٗ میں ہٗ ضمیر سے مراد نبی پاک ہیں مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ قرآن مجید کیلئے جاءَ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا اور نبی پاک کے لیے اَنْزَلْنَا کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا سابقہ مشاہدۂ تاریخی سے چار طرح اللہ کے کلام کو نقصان پہنچانا ثابت ہے تو رب تعالیٰ نے قرآن مجید کی حفاظت کے تذکرے میں ان چاروں راستوں کے بند ہونے کا مختلف آیات میں ذکر فرما دیا۔ ۱۔ یا چھپا لیا جائے۔ مگر قرآنِ مجید کو چھپایا نہیں جا سکتا۔ ۲۔ اس جیسا کلام بنا کر اس میں شامل کر دیا جائے مگر قرآن مجید جیسا کلام ایک آیت بھی کوئی نہیں بنا سکتا۔ ۳۔ یا کوئی عبارت یا حرف بدل دیا جائے زیادہ یا کم کر دیا جائے مگر قرآن مجید میں یہ بھی کسی کی جرأت نہیں۔ شیعہ لوگ جو صحابہ کرام پر طعنہ زنی کرتے ہیں یہ ان کی ذاتی کفریات ہیں۔ ۴۔ یا کوئی زمانہ بگاڑ دے یہ بھی ناممکن کیونکہ زمانہ کاغذ اور گتے کو کھا سکتا ہے قرآن پاک تو مسلمان بچے بچے کے سینے میں ہے اور پھر یاد کرنا اتنا آسان ہے کہ اس طرح کوئی مصنف اپنی کتاب یاد نہیں کر سکتا آج چودہ صدیاں گزر گئیں اللہ کے اس دعوے کو کون جھٹلا سکتا ہے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِيْ شِيَعِ الْاَوَّلِيْنَ وَمَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ۔ اے پیارے نبی غم نہ کیجئے ان کفار کی گستاخیوں اور انکار پر بلکہ ہماری کرم نوازیوں سے تسکین اور تسلی رکھیے کفار کا یہ رویہ کوئی نیا نہیں بلکہ تاریخ میں پرانا ہے۔ بیشک ہم نے آپ سے پہلے بھی اپنے کتنے ہی عظیم رسول بھیجے پہلے ضدی اور بناوٹی دین والی قوموں میں جو خود ساختہ مذہب کے اعتبار سے چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے تھے لغوی معنی میں بناوٹی بات پر اتباع کرنے والوں کو شیعہ کہا جاتا ہے اور لکڑی کے کھورے کو بھی شیعہ کہا جاتا ہے۔ یعنی بڑی لکڑیں چیرنے کے بعد جو چھوٹی چھوٹی لکڑیں بنتی ہیں۔ اس کو اردو میں کھورا عربی میں شیعہ کہا جاتا ہے۔ (منجد) لیکن ان چھوٹی قوموں ٹولیوں نے انبیاء کرام علیہم السلام سے یہی سلوک کیا کہ جب کوئی رسول ان کے پاس آیا تو انہوں نے صرف

مذاق اور ہنسی ہی اُڑائی نہ حقیقی خالق مالک کو پہچانا نہ اپنے سے پہلوں کا انجام سوچا۔ نہ معجزات کو مانا۔ اِن کے مطالبے جھوٹے وعدے کہ اگر یہ معجزہ دکھادو تو ہم ایمان لے آئیں گے سب کچھ دل لگی تھی یہ سرکشی ان کے لیے کچھ مفید نہ تھی بلکہ یہ توحقیقت میں ہمارا عذاب تھا۔ جس طرح پہلے بدبختوں کے دلوں میں ہم نے کفریہ حرکتیں گستاخانہ مذاق دھنسا دیا تھا کہ اُن کی یہ سب گستاخانہ ہنسیں ان کے قلبی ارادوں سے ہوتی تھیں اور اُس کو عین درست سمجھتے تھے اسی طرح ہم نے ہی ان موجودہ کفارِ مکہ اور یہودِ مدینہ کے دلوں میں بے ادبیاں۔ اور مذاق بازیاں ہم نے پیدا کر کے پرو ڈالی ہیں۔ لہٰذا ذہن نشین فرمالو کہ یہ کافر لوگ اپنی گستاخی کی وجہ سے کبھی مومن نہیں بن سکتے۔ یا یہ کفار اُس ذکر پر قرآن مجید پر کبھی ایمان نہیں لاسکتے۔ اور بیشک تاریخِ عالم شاہد ہے کہ پہلے سب کافروں کے طریقے اُسی طرز پر گزر چکے ہیں۔ یا پہلی قوموں پر اُن کی کفریات کی بنا پر ہماری سنّتِ الٰہیہ فیصلہ عذاب گزر چکی ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ ہم نے اپنے عذاب سے اکڑ بازوں کو کس طرح فنا کیا۔ نَسْلُکُہٗ اور لَا یُؤْمِنُوْنَ بِہٖ میں۔ ہ ضمیر کا مرجع ایک قول کے مطابق اس طرح ہے کہ پہلی ضمیر سے مراد کفار کا مذاق ہے اور دوسری ضمیر سے مراد قرآن مجید ہے اور یہی درست ہے۔ دوسرا قول اس طرح ہے کہ دونوں ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے مگر یہ اس لیے غلط ہے کہ یہاں نَسْلُکُہٗ کو سابقہ امتوں سے تشبیہ دی جا رہی ہے تو چاہیے کہ پہلی تمام اُمتوں کے پاس بھی کتاب اللہ ہو جو مثلِ قرآن اُن کے دلوں میں دھنسائی گئی ہو۔ تاکہ تشبیہ درست رہے۔ حالانکہ قومِ نوح عاد ثمود وھود ولوط کے پاس کوئی کتاب نہ تھی۔ لہٰذا درست یہی ہے کہ مراد استہزا ہے جو اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔ تیسرا قول یہ کہ دونوں ضمیریں استہزا کی طرف ہوں۔ تب بہ کی ب جارہ سببیہ ہوگی اور معنیٰ ہوگا کہ استہزا کی وجہ سے ان کے نصیب میں مومن بننا نہیں۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا کی ہر چیز نے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی دی جس کو کفارِ مکہ نے سنا بھی تھا دیکھا بھی تھا۔ صرف ملائکہ کو نہ دیکھا تھا اس لیے اس کا مطالبہ کیا ورنہ وہ کہتے کہ پتھروں سے کلمہ پڑھاؤ یا جانوروں چڑیوں سے ہرنیوں اونٹوں سے سجدے کرواؤ تب مانیں گے یہ تو نہیں کہتے ثابت ہوا کہ یہ سب دیکھ چکے ہیں۔ یہ فائدہ بِالْمَلٰٓئِکَۃِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ملائکہ عرشی بھی زمین پر آتے ہیں۔ مگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پاس حق یعنی وحی لے کر۔ اولیاء اللہ کے پاس حق یعنی رحمت وراحت لے کر۔ عام مومنین کے پاس سکونِ قلبی لے کر۔ اور کفار کے پاس حق۔ یعنی عذاب لے کر۔ موت کے وقت۔ حق یعنی موت لے کر۔ یہ فائدہ اِلَّا بِالْحَقِّ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ ہر خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ معتزلہ کا عقیدہ باطل اور کفریہ ہے یہ فائدہ۔ کَذٰلِکَ نَسْلُکُہٗ۔ الخ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ - اللہ کی طرف سے جو چیز بھی اترتی ہے وہ حق ہے - خواہ شریعت یا طریقت ہو یا ملائکہ ہوں یا موت و حیات ہو۔ کسی میں شک کرنا یا اس کو بے وقت کہنا یا ظالم و قاتل کہنا حرام ہے - جیسا کہ بعض جہلا موت کو بے وقت اور ملک الموت کو ظالم کہہ دیتے ہیں - **دوسرا مسئلہ** - قرآن مجید میں نہ کوئی ملاوٹ کر سکتا ہے نہ آیتوں کی تبدیلی ایسا کہنا کہ معاذ اللہ صحابہ کرام نے مولیٰ علی کی شان والی آیتوں میں تبدیلی کر دی - کفر ہے - یہ مسئلہ اِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ - فرمانے سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ** - احادیث مبارکہ بھی منجانب اللہ محفوظ ہیں - اس لیے ان کا منکر بے دین ہے اور احادیثِ متواترہ کا منکر کافر ہے - اس لیے کہ یہ بھی ذکر ہے - کیونکہ یہ بھی زبانِ پاکِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر جاری ہوا یہ مسئلہ بھی نَزَّلْنَا الذِّكْرَ - (الم) سے مستنبط ہوا -

اعتراضات

یہاں چند اعتراض ہو سکتے ہیں -

پہلا اعتراض - جب رب تعالیٰ نے یہاں ذکر فرما دیا کہ بیشک ہم نے ذکر نازل فرمایا اور ہم اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں تو پھر تم اہلسنت لوگ کیونکر کہتے ہو کہ صحابہ نے قرآنِ مجید جمع کیا اور حفاظت کی اور فلاں جامع قرآن ہے - اور صحابہ کو کیوں حفاظتِ قرآن کی فکر لگی - (شیعہ) جواب - باری تعالیٰ کے تمام افعال اسباب کے تحت ہوتے ہیں تو جس طرح ملائکہ رب تعالیٰ کی طرف سے مدبرات امر ہیں اور فرشتوں کے کام رب کریم کے کام ہیں فرشتے افعالِ باری تعالیٰ کے سبب اختیاری ہیں - اسی طرح صحابہ کرام اور تا قیامت اولیاء اللہ خصوصی مدبراتِ امر ہیں اور وہ باری تعالیٰ جل مجدہ کے اسبابِ اختیاری ہیں صحابہ کا یہ کام رب تعالیٰ کا ہی فعل حفاظت ہے - اس کی مزید بیشمار مثالیں ہیں - **دوسرا اعتراض** - لَہٗ لَحَافِظُوْنَ کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر بسم اللہ شریف جو سورتوں کے اول میں لکھی ہے وہ بھی اُس سورت کی ایک آیت اور وحی منزل اور ذکر میں شامل ہے اس لیے کہ حفاظت کا معنیٰ یہ ہے کہ نہ کوئی اس میں زیادتی کر سکے نہ کمی - اگر یہ بقولِ احناف آیت نہیں ہے تو پھر یہ زیادتی ہے جو صحابہ نے کی یا بعد میں کسی نے کی پھر حفاظتِ الٰہیہ کے خلاف ہے (امام رازی شافعی)۔

جواب - نہ بسم اللہ شریف آیت ہے اور نہ اس کا لکھنا قرآن مجید میں زیادتی ہے - اس لیے کہ عبارتِ سورت سے باہر لکھی جاتی ہے میں نے مدینہ پاک میں خود اپنی نظروں سے شواقع - حنابلہ اور مالکی مطبوعہ قرآن مجید کو دیکھا ان میں بھی ہر سورت والی بسم اللہ شریف علیحدہ خانوں میں لکھی ہوئی ہیں - اور اس میں مؤرخین کا اختلاف ہے کہ یہ صحابہ نے لکھنی شروع کیں یا بعد میں پھر اگر ان تمام بسم اللہ شریف کو علیحدہ خانے میں لکھنے کے باوجود آپ یہ کہیں کہ یہ آیت ہی ہے تو پھر سورت کا نام رکوعات و آیت کی تعداد بلکہ اب تو بعض مطبوعوں میں الفاظ و حروف کی تعداد بھی لکھی ہوتی ہے - کیا آپ کے نزدیک وہ بھی آیتیں بن جائیں گی (معاذ اللہ) لہٰذا ثابت ہوا کہ بسم اللہ آیت نہیں -

تفسیر صوفیانہ

لَوْمَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَا كَانُوْٓا اِذًا مُّنْظَرِیْنَ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ فِیْ شِیَعِ الْاَوَّلِیْنَ

منکر ازلی نفس امارہ تکذیبِ قلب کرتے ہوئے مختلف مطالبے کرتا ہی رہتا ہے کہ اگر آوازِ قلب سچی ہے تو دعوۂ دل کے مطابق انوارِ قدس کی تجلیات ہماری طرف کیوں نہیں آتیں تاکہ یہ ہماری تصدیق کا باعث بنیں۔ قلب عرش کی بلندیوں سے رب عرش کی صدا بلند ہوتی ہے کہ ہم اپنی تجلیات صرف حق کے ساتھ اور تائیدِ حق کے لیے نازل کرتے ہیں اور جب پورا وقت ہو جاتا ہے تو پھر کسی کو مہلت نہیں دی جاتی۔ اے منکرینِ انوارِ الٰہی ہم نے ہی قلبِ مومن اور سینۂ اتقیا پر ذکرِ الٰہی کا خزانۂ غیبی اور دولتِ باطنی نازل فرمائی ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت فرمانے والے ہیں نفس کی ہزار مخالفتیں بھی اس کا ذرہ نہیں بگاڑ سکتیں۔ صوفیا کرام فرماتے ہیں کہ ذکر چھ قسم کے ہیں۔

۱ ذکرِ ایمانی کلمہ طیبہ۔ ۲ ذکرِ لسانی نمازِ شریعت ۳ ذکرِ دماغ حفظِ قرآن مجید۔ ۴ ذکرِ شریعت سینۂ مومن میں علوم قرآن کریم ۵ ذکرِ قلبی اسرارِ قرآن مجید۔ ۶ ذکرِ ظاہر جو اوراق اور جلدوں میں ہے تو جس طرح اوراقِ قرآن مجید کا ادب احترام ہر مسلمان پر فرض ہے اسی طرح جہاں جہاں نزولِ ذکر ہوا ہے ان تمام دل دماغ سینوں کا ادب فرض لازمی ہے کیونکہ ہر جگہ اسی خالق و مالک کا نزول و حفاظت ہے اگر وہ حفاظت نہ فرمائے تو کسی کے پاس ذکر فکر ایمان و عرفان قطعاً باقی نہ رہے۔ اور یہ کوئی نیا قانون نہیں عالمِ جبروت سے ایسا ہوتا چلا آیا ہے کہ بستیٔ قالب میں نفس و نفسانیت کی اصلاح کے لیے ہم نے کئی طرح کے انوارِ تجلیات کے مرشدین برحق بھیجے۔ وَمَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ فِیْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ۔

مگر آخرت کی حقانی نعمتوں کو بھولنے والوں کے پاس جب بھی پیغامِ آخرت سنانے والا الہامِ الٰہی تشریف لایا تو نفسانیت نے ان کا مذاق ہی بنایا اور کامیابی کی باتوں کو ہنسی میں اڑا دیا۔ یہ مجرمین کی کامیابی نہیں بلکہ یہ ہی سب سے بڑی بدقسمتی ہے ہم شروعِ ناسوت سے اسی طرح برائی والوں کے قلبوں میں غرورِ نفسانی پیدا کر دیتے ہیں اسی لیے وہ شقاوت والے انعاماتِ ابدی پر ایمان نہیں لاتے۔ نفسِ امّارہ نے ہمیشہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ شروع سے یہ ہی سلوک جاری رکھا۔

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قالب انسانی کے دو حکمران ہیں۔

۱ قلب نورانی مرکزِ تجلیاتِ الٰہی۔ ۲ نفسِ امّارہ۔ گہوارۂ شیطانی۔ دنیا کی ہر ضرورت پر یہ دونوں یک دم اپنے قالب کے اعضاءِ رئیسہ پر جن کے مرکز سات اعضاءِ لطیفہ ہیں۔ حکم نافذ کرتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ اگر حرام حلال کی پرواہ نہ کرتے ہوئے دل میں ضرورت پوری کر لینے کی خواہش ہو تو وہ نفسِ امارہ کا حکم ہوتا ہے۔ مومن کو اس سے بچنا چاہیے بلکہ اس وقت ضرورت پوری نہ کرے طبیعت پر جبر کرے۔ اور اگر طیب کی و حلال ہی کی خواہش پیدا ہو حرام سے کراہت آئے تو سمجھو کہ قلبِ منور کا حکم ہے۔ اَللّٰهُمَّ اَغْنِنِیْ بِحَلَالِكَ عَنْ حَرَامِكَ

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ

اور اگر ہم کھول دیتے پر اُن دروازہ طرف سے آسمان کے کہ دیکھتے روشنی میں

اور اگر ہم اُن کے لیے آسمان میں کوئی دروازہ کھول دیں کہ دن

يَعْرُجُوْنَ ﴿۱۴﴾ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ

چڑھتے میں اُس دروازے - پھر بھی البتہ کہتے فقط جادو کیا گیا ہماری آنکھوں پر

کو اس میں چڑھتے - جب بھی یہی کہتے کہ ہماری نگاہ باندھ

نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي ع ۵

بلکہ ہم لوگ جادو کئے ہوئے ہیں - اور البتہ بنایا ہے ہم نے میں

دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو ہوا ہے - اور بے شک ہم نے

السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ﴿۱۶﴾ وَحَفِظْنٰهَا

آسمان بہت منزلیں اور خوبصورت کیا ہم نے اُس کو لیے دیکھنے والوں کے اور محفوظ کیا ہم نے

آسمان میں برج بنائے اور اُسے دیکھنے والوں کے لیے آراستہ کیا

مِنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ رَّجِيْمٍ ﴿۱۷﴾ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ

اس آسمان کو ہر شیطان رجم کئے ہوئے سے مگر جو شیطان چوری کرے سننے کی

اور اُسے ہم نے ہر شیطان مردود سے محفوظ رکھا - مگر جو چوری

فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۸﴾ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا

تو پیچھے بھاگتا ہے اُس کے شعلہ روشنی والا - اور زمین پھیلایا ہم نے اُس کو

چھپے سننے جائے تو اُس کے پیچھے پڑتا ہے روشن شعلہ -

وَاَلْقَيْنَا فِيْهَا رَوَاسِيَ وَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا مِنْ كُلِّ

اور ٹھوکیں ہم نے بیچ اُس بڑی کیلیں اور اُگایا ہم نے بیچ اُس کے۔ ہر قسم کی

اور ہم نے زمین پھیلائی اور اس میں لنگر ڈالے اور اس میں ہر چیز

شَيْءٍ مَّوْزُوْنٍ ⑲

چیز تولی ہوئی

اندازے سے اُگائی

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں کفار کے اُس مطالبے کا ذکر ہوا تھا جس میں اُنہوں نے فرشتوں کے اُترنے کا کیا تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ ان کے یہ مطالبے ایمان لانے کے لیے نہیں بلکہ صرف مذاق بازی کے لیے ہیں۔ اور ان کی حالت تو یہ ہے کہ فرشتوں کا اُتارنا درکنار اگر ان کو ہی آسمان پر چڑھا دیا جائے تو بھی بجائے ایمان لانے کے یہی کہیں گے کہ ہم پر جادو ہو گیا۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں قرآنِ مجید کی حفاظت کا ذکر ہوا۔ اب ان فرمودات الٰہیہ میں اُن آسمانوں کی حفاظت کا ذکر ہو رہا ہے جہاں سے حضرت جبرائیل قرآن مجید کی آیتیں لے کر آتے ہیں اور جہاں رب کے خزانے ہیں۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ کفار مطالبہ کر رہے ہیں کہ آسمان سے فرشتے اُتریں وہ ہمیں آسمانی باتیں بتائیں تب ہم ایمان لائیں گے۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے۔ کہ ان کے جادوگروں کے تابع جنات اور شیطان بھی آسمان پر جا کر فرشتوں کی زبانی غیبی خبریں سن کر چرا لاتے ہیں اور وہ اپنے جادوگروں کو بتا دیتے ہیں۔ جس سے آسمانی باتوں کا انہیں پتہ لگ جاتا ہے تو یہ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

تفسیر نحوی وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ۔ واؤ سرجملہ لَوْ حرف شرط فَتَحْنَا ۔ فعل ماضی مطلق ثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ مخاطب باری تعالیٰ ہے۔ باب فَتَحَ ہے فَتْحٌ سے مشتق ہے بمعنی کھولنا۔ کشادہ کرنا۔ قبضہ میں لینا۔ یہاں پہلے معنی ہے علٰی جارّہ بمعنی لام نفع ھِمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع کفار ہیں۔ جار و مجرور متعلق ہے فَتَحْنَا کا بَابًا ۔ اسم مفرد جلد بمعنی دروازہ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے فَتَحْنَا کا مِنْ جارّہ ابتدائیہ۔ یا بمعنی فِیْ ۔ السَّمَآءِ ۔ الف لام جنسی سَمَآءِ اسم واحد ہے مذکر ہے جلد ہے نام ہے ایک مخصوص گُرّے کا۔ بحالتِ کسرہ ہے مِنْ جارّہ کی وجہ سے متعلق دوم ہے فَتَحْنَا کا۔ ف

عاطفہ تعقیبیہ ظَلُّوْا ۔ باب نَصَرَ کا ناقصہ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ظَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی سورج کا چڑھنا ۔ کوئی کام سارا دن کرنا ۔ دھوپ کا سایہ ۔ دوپہر هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب اس میں مستتر ہے اُس کا مرجع کفار ہیں یا ملائکہ فِی جارّہ ظرفِ مکانی ۔ ہٖ ضمیر واحد کا مرجع سَمَاءٌ ہے ظَلُّوْا کا اسم هُمْ مستتر ہے اور جار و مجرور اُس کے متعلق ہے ۔ یَعْرُجُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب عُرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنی چڑھنا ۔ اِسی سے ہے معراج ۔ عروج هُمْ ضمیر جمع مستتر اس کا فاعل ہے ۔ اور یہ جملہ فعلیہ خبر ہے ظَلُّوْا فعل ناقصہ کی اور یہ جملہ ناقصہ معطوف ہے لَوْ فَتَحْنَا شرط کا لام کئے زائدہ جزائیہ ہے جس نے یقین کا فائدہ بھی دیا ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق یہ سب جملہ قول و مقولہ جزا ہے شرط کی ۔ صیغہ جمع مذکر هُمْ ضمیر جمع مستتر کا مرجع وہی مذاق باز کفار ہیں یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق لغو (بے عمل) ہے مَا کافہ کی وجہ سے ۔ سُکِّرَتْ فعل ماضی مطلق مجہول واحد مؤنث سُکُوْرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی عقل کا گڑبڑ ۔ نظر غلط ہونا ۔ بے ہوش کرنا ۔ نشہ ہونا ۔ جادو ہونا ۔ نظر بندی کرنا ۔ باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تَسْکِیْرٌ ۔ بمعنی نظر بندی کرنا ۔ اَبْصَارُ ۔ جمع مکسر منصرف ہے ۔ اِس کا واحد ہے بَصَرٌ بحالتِ رفع ہے کیونکہ نائب فاعل ہے سُکِّرَتْ کا نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ اَبْصَارُ مضاف کا ۔ بَلْ ۔ حرفِ عطف تصریفِ حکم کے لیے یعنی سابقہ فعل معطوف علیہ سے ہٹا کر معطوف پر لگانا نَحْنُ ۔ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ قَوْمٌ اسم مفرد لفظاً ۔ معنیً جمع بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر ہے مبتدا کی ۔ موصوف ہے مابعد کا مَسْحُوْرُوْنَ ۔ اسم مفعول جمع مذکر کا صیغہ ۔ سِحْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جادو کرنا ۔ هُمْ ضمیر اِس میں پوشیدہ ہے ۔ مرفوع ہے اِس کا نائب فاعل ہے یہ جملہ اِسمیہ ہو کر صفت ہے موصوف کی اور یہ مرکب توصیفی نَحْنُ مبتدا کی خبر ہے ۔ اور یہ جملہ اسمیہ عطف ہے سُکِّرَتْ پر ۔ وہ جملہ فعلیہ مقولہ ہے قَالُوْا کا ۔ پھر وہ جزا ہے شرط کی ۔ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ واؤ ۔ ابتدائیہ ۔ لَامْ کئے برائے تاکید قَدْ جَعَلْنَا ۔ فعل ماضی قریب صیغہ جمع متکلم باب فتح سے جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بنانا ۔ ٹھیرانا مقرر کرنا ۔ بدلنا ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں ۔ فِی جارّہ ظرفیہ مکانیہ ۔ اَلسَّمَآءِ الف لام جنسی یا عہدی سَمَاءٌ نام ہے بلند کرنے کا ۔ جار و مجرور متعلق ہے قَدْ جَعَلْنَا بُرُوْجًا بمعنیٰ خیمہ ۔ گول عمارت ۔ شاہی محل ۔ بلند عمارت ۔ جمع مکسر ہے بُرْجٌ کی ۔ آسمان مثل خربوزے کے اوپر نیچے ہے پھانکوں کی شکل ۔ اس طرح بارہ حصوں کا نام بارہ بُرج ہے بحالتِ فتحہ ہے مفعول ہے ۔ واؤ عاطفہ عطف قَدْ جَعَلْنَا پر زَیَّنَّا فعل ماضی مطلق باب تفعیل سے صیغہ جمع متکلم ۔ مصدر ہے تَزْیِیْنٌ بمعنیٰ خوبصورت کرنا زَیْنٌ اور زِیْنَةٌ سے بنا ہے هَا ضمیر منصوب متصل کا مرجع اَلسَّمَاءُ ہے ۔ لام جارّہ نفع کا ۔ نَاظِرِیْنَ ۔ اسم فاعل ہے باب نَصَرَ کا ۔ صیغہ جمع مذکر ۔ نَظْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دیکھنا ۔ ناظرین بمعنیٰ آنکھوں سے دیکھنے والے جار و مجرور متعلق ہے زَیَّنّٰهَا کا ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے قَدْ جَعَلْنَا پر حَفِظْنَا صیغہ جمع متکلم باب سَمِعَ سے ہے حِفْظٌ سے بنا ہے بمعنی بچانا ۔ حفاظت کرنا یہ تینوں فعل متعدی بیک مفعول ہیں ۔ هَا ضمیر کا مرجع سَمَاءٌ ہے مِنْ جارّہ بمعنیٰ بِ جارّہ بالمعنیٰ عَنْ جارّہ زوالیہ ۔ کُلّ اسم تاکیدی جمعیت کے لیے ۔ موجبہ کلیہ کا سور ہے شَیْطٰنٍ اسم مفرد ہے مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ بروزن

فَیْعَالٌ یا فَعْلَانٌ ۔ شَطْنٌ سے مشتق ہے بمعنی دور ہونا ۔ سرکش ہونا ۔ مردود ہونا ۔ یا شَطُّ سے بنا ہے بمعنی ہلاک ہونا بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے کُلِّ کا موصوف ہے مابعد کا رجیم اسم مفرد مبالغہ صفتِ مشبہ ہے ۔ رَجْمٌ سے بنا ہے بمعنی مرجوم اسم مفعول ہے ۔ ترجمہ ہے رجم کیا ہوا سنگسار کیا ہوا پتھروں سے ۔ موت مراد نہیں بحالتِ کسرہ ہے صفت ہے شیطانٍ کی ۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۔ اِلَّا حرفِ استثنا ۔ یا لغو ہے لٰکِنْ عاطفہ کے معنیٰ میں ہے اور عطف ہے حَفِظْنَا پر ۔ یا استثنا منقطع کے لیے ہے ۔ کیونکہ مستثنیٰ منہ لَا یَدْخُلُ الشَّیٰطِیْنُ کا جملہ پوشیدہ ہے اُس میں دخول کا ذکر ہے اور مستثنیٰ استرق ہے استراق دخول میں شامل نہیں ۔ یا مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ پوشیدہ عبارت بھی استرق ہے ۔ مگر پہلا اول قوی ہے ۔ مَنْ اسم موصول مراد شیطان ہے ۔ اِسْتَرَقَ ۔ باب اِفتعال کا ماضی مطلق معروف ہے سَرَقٌ سے بنا ہے بمعنی چوری کرنا ھُوَ ضمیر فاعل کا مرجع مَنْ ہے ۔ السَّمْعَ ۔ بمعنی سننا یا مصدر ہے یا حاصلِ مصدر بمعنی بات کلام ۔ گفتگو بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے ۔ الف لام جنسی ہے فَ عاطفہ تعقیبیہ ہے ۔ اَتْبَعَ ۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب تَبْعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے پڑنا ۔ لگنا ۔ چلنا ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع مَنْ ہے شِهَابٌ بروزنِ فِعَالٌ مبالغہ کا صیغہ ہے ۔ بمعنی انگارا ۔ آسمانی بجلی ۔ شعلہ ۔ ٹوٹتا ہوا تارا ۔ یہاں یہ ہی مراد ہے ۔ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اَتْبَعَ کا ۔ موصوف ہے ۔ مُبِیْنٌ مرفوع اسم فاعل ہے صفت ہے شِهَابٌ کی ۔ باب افعال سے ہے دراصل تھا مُبْیِنٌ ۔ مصدر ہے اِبَانَۃٌ ۔ بمعنی ظاہر کرنا ۔ ظاہر ظہور ۔ روشن کرنا ۔ روشنی دینا ۔ یہاں مراد ہے روشنی والا ۔ واؤ سر جملہ ۔ اَلْاَرْضَ ۔ الف لام استغراقی ہے یا جنسی ۔ اَرْضٌ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے پوشیدہ فعل ماضی خَلَقْنَا یا بَسَطْنَا کا ۔ مفسر پوشیدہ ہے مَدَدْنَا ۔ باب نصر کا ماضی مطلق معروف بصیغہ جمع متکلم ۔ مَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی بچھانا ۔ پھیلانا کھینچنا ۔ دراز کرنا ۔ لمبا کرنا ۔ یہاں مراد پھیلانا ہے تفسیر ہے پوشیدہ فعل بَسَطْنَا کی ۔ اگر خَلَقْنَا پوشیدہ ہو تو بچھانا بھی کی ہو سکتے ہیں ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع اَرْضٌ ہے ۔ مفعول بہ ہے مَدَدْنَا کا ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے مَدَدْنَا پر ۔ اَلْقَیْنَا باب افعال کا ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ جمع متکلم ۔ مصدر ہے اِلْقَاءٌ ۔ بمعنی ۔ ڈالنا ۔ گاڑھنا ۔ پھینکنا ٹھوکنا یہاں مراد ٹھوکنا ۔ لَقْیٌ سے بنا ہے ناقص یائی ۔ لغت میں لَقْیٌ کا معنیٰ ایسا ٹھوکنا گاڑھنا کہ کچھ حصہ نظر آتا ہے ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ ھَا ضمیر کا مرجع اَرْضٌ ہے ۔ رَوَاسِیَ ۔ اسم جمع مکسر ہے ۔ اِس کا واحد ہے رَاسٍ یا رَاسِیٌ ۔ اِس کا مؤنث لفظی رَاسِیَۃٌ اِس کی جمع مؤنث سالم رَاسِیَاتٌ ۔ بمعنی بوجھ ۔ سر ۔ پہاڑ ۔ یہاں بمعنی پہاڑ ہیں ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اَلْقَیْنَا کا ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے مابعد عبارت کا مَدَدْنَا پر ۔ اَنْۢبَتْنَا ۔ فعل مطلق معروف صیغہ جمع متکلم ۔ باب افعال سے ہے ۔ اِنْۢبَاتٌ مصدر بمعنی اگانا متعدی بیک مفعول ہے نَبْتٌ سے بنا ہے بمعنی اُگنا ۔ فِیْ ظرفیہ مکانیہ ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع اَرْضٌ ہے ۔ مِنْ بیانیہ زائدہ ہے کُلِّ اسم تاکیدی کلیت کے لیے مجرور ہے مِنْ سے مضاف ہے شَیْءٍ اسم مفرد جامد نکرہ

یعنی چیز مراد ہیں نباتات۔ شحات اور اہلِ لغت کے نزدیک شئی ہر اُس چیز کو کہا جاتا ہے جو نظر میں آ سکے یا محسوس کیا جا سکے اور اس میں پسند یا ارادے کا دخل ہو۔ اِسی سے ہے مشیّت۔ بحالتِ جر ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے مابعد کا موصوف ہے۔ موزون اسم مفعول واحد مذکر کا صیغہ ہے باب ضَرَبَ سے ہے وَزْنٌ مثال واوی سے مشتق ہے۔ بمعنی۔ تولنا۔ مناسب کرنا۔ برابر کرنا۔ مقدار مقرر کرنا۔ اندازے سے کرنا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ اگر تولنا حقیقی لغوی معنی مراد لیے جائیں تو یہاں مجاز ہوگا۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ ۙ لَقَالُوٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُوْنَ ۙ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِى السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّزَيَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِيْنَ ۙ اور اگر ہم اِن ضدی متعصب کافروں پر یعنی اِن کی نگاہوں پر آسمان کی طرف سے کوئی دروازہ کھول دیں جو حیثیتِ آسمان کے مطابق بہت بڑا بھی ہو تاکہ ہر شخص دیکھ لے پھر علین دو پہر کی چمکتی فضاؤں میں ملائکہ بھی اترتے چڑھتے نظر آئیں یا یہ خود چڑھیں مگر یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ کفار کا سابقہ مطالبہ خود اپنے چڑھنے کا نہ تھا بلکہ فرشتوں کے آنے جانے کا تھا اور سمجھتے تھے کہ فرشتے آسمانوں میں ہوتے ہیں۔ اسی بیہودہ مطالبے کی حقیقت بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اگر یہ اپنی مطالبے کی منظوری کی صورت میں اپنی نگاہوں سے آسمان کا دروازہ بھی دیکھ لیں اور فرشتوں کو بھی آتے جاتے آپ کے پاس دیکھ لیں تب بھی یہ خبیث روحیں ایمان نہیں لائیں گے بلکہ کہیں گے کہ یہ سب نظر بندی کے کھیل تماشے ہیں ہماری نظریں باندھ دی گئی ہیں جو ہمیں یہ غیر حقیقی چیزیں نظر آتی ہیں۔ صرف تصوراتی تخیلاتی شعبدہ بازی ہے۔ بلکہ ہم تمام قوم ہر شخص چھوٹا بڑا مومن کافر جادو زدہ کر دیا گیا اور معاذ اللہ جادو بھی ان ہی نبی بننے والے محمد صاحب نے کیا ہے۔ کیسی بدعقلی ہے اِن کفار کی کہ ابھی کہہ رہے تھے۔ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ۔ بیشک تم اے محمد مجنون ہو۔ اور اب کہہ دیں گے کہ ہم مسحور ہیں حالانکہ مجنون کسی کو مسحور نہیں کر سکتا ساحر تو بڑی عقل و ہوش والا ہوتا ہے۔ یہ بدعقل لوگ یہ نہیں سوچتے کہ جب ہم نے آسمان بنائے ہیں تو ان کا شاندار نظام قائم فرمایا اس میں مضبوط قلعہ نما برج بنائے اور اُس آسمان کو یا اُن برجوں کو ہم نے نہایت ترتیب انتظام کے ساتھ بے حد دلکش زینت بخشی۔ تمام اہل نظر و فکر والوں کے لیے یا ہر دیکھنے والے کے لیے کہ چاند و سورج سے روشن کیا اور ستاروں سے چمکدار کیا تو ہم نے زمین کو پیدا فرما کر بے انتظام کس طرح چھوڑنا تھا۔ یہاں کے نور و تابانی کے لیے انبیاء و مرسلین کو بھیجا گیا۔ اور ان کی نورانی کرنوں سے اولیاء صلحا کو فیضیاب کر کے زمین کو مزین کرنا بھی ہماری ہی کریمانہ ذمہ داری ہے۔ جب آسمان کے بروج و کواکب کو تسلیم کرتے ہو تو زمین پر بھی نورِ نبوت کو تسلیم کرو۔ آسمان ملائکہ کے لیے ہے زمین انسانوں کے لیے اے انسانو یہاں ہر چیز انسانوں کے ذریعے ہی ملے گی ناجائز مطالبے نہ کرو بندے بن جاؤ۔ قرآن مجید میں تین جگہ بروج کا ذکر فرمایا گیا ہے ایک جگہ یہاں دو جگہ اور ہے۔ بروج کے

بارے مفسرین اور کاہنوں نجومیوں کے مختلف اقوال ہیں۔ تعداد میں دو قول ہیں زمانہ قدیم میں اہل بابل کے نجومیوں کاہنوں نے ڈھائی سو تعداد بتائی ہے پھر سریانی اقوام اور اس کے بعد یونانی اقوام نے بارہ برج کا تذکرہ کیا۔ پھر عراقیوں نے ان برجوں کے نام وضع کر ڈالے۔ ۱ حمل۔ ۲ ثور۔ ۳ جوزا۔ ۴ سرطان۔ ۵ اسد ۶ سنبلہ ۷ میزان ۸ عقرب ۹ قوس ۱۰ جدی ۱۱ دلو ۱۲ حوت۔ اور چونکہ یہ دنیا کی اشیا کے نام ہیں کچھ جاندار کچھ بے جان تو اہل مصر اور شام کے کاہنوں نجومیوں نے انہی جانوروں چیزوں کی شکلوں پر برج کی شکلیں بنا ڈالیں جو آج تک چلی آ رہی ہیں مگر یہ سب بناوٹی تخیلات ہیں حقیقت کے خلاف۔ مفسرین کے اس بارے میں پانچ قول ہیں۔

۱ بارہ برج پورے آسمان دنیا کا نقشہ ہے اور حلیہ گویا آسمان بڑے خربوزے کی مثل ہے اور بارہ برج اس کی بارہ کھانپیں ہیں۔ ۲ بارہ برج آسمان میں چاند سورج کی بارہ منزلیں ہیں جو موسموں کے اعتبار سے مختلف وقتوں کی گزرگاہیں ہیں جس کو سورج روزانہ طے کرتا ہے اور چاند مہینہ میں ایک بار۔ ۳ بارہ برج آسمان کے بارہ قلعے ہیں جو مختلف قدرتی دھاتوں کے بنے ہیں۔ ۴ بارہ ستارے ہیں۔ ۵ اس کی حقیقت تو اللہ رسول ہی بہتر جانتے ہیں مگر جس قول پر اکثریت ہے وہ یہ ہے کہ بارہ برج بارہ ستارے ہیں چھ زمین کی شمالی طرف جن میں تین گرمی اور تین موسم بہار میں سورج کی گزرگاہ ہے اور چھ جانب جنوب ہیں جن میں تین سردی میں اور تین موسم خزاں میں سورج کا راستہ ہیں جب آفتاب ان کے پاس سے گزرتا ہے تو زمین والوں کو یہ برج ستاروں کی طرح چمکتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس لیے فرمایا گیا زَیَّنّٰهَا ہم نے ان کو خوبصورت کر دیا۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ھَا ضمیر سے سَمَا مراد ہے نہ کہ بروج۔ یعنی ہم نے آسمان کو ستاروں سے مزین کیا۔ ایک قول ہے کہ آسمان سے مراد حقیقی سما نہیں بلکہ بلندی مراد ہے۔ اور رب تعالیٰ نے زمین کی بلندیوں کو نو طرح مزین فرمایا۔ دن میں سورج کی تابانیوں سے ۲ چاندراتوں میں کرنوں کی شب افروزیوں سے ۳ اندھیری راتوں میں ستاروں کی جلوہ ریزیوں سے۔ ۴ صبح فروزاں۔ فجر کی دلربائیوں سے ۵ شام مغرب غروب کی سرخ و سفید رعنائیوں سے۔ ۶ موسم گرما میں نیلگوں آسمان کا نکھرنا۔ ۷ برسات میں کالی گھٹاؤں کا اٹھنا۔ ۸ کہیں قوس و قزح کی رونمائی ۹ تو کہیں شفق کی زینت فلکی۔ یہ سب حسین و جمیل منظر کس قدرتوں والے نے بنائے زَیَّنّٰهَا۔ ہم نے ہی فضاؤں کو جلا بخشی اور یہ منظر کشی۔ نگاہوں کی تازگی۔ قلب جگر کے لیے سکون و راحت کس کے لیے کیا۔ لِلنّٰظِرِیْنَ۔ اے انسانوں ہم رحیم کریم رب نے تم دیکھنے والوں کے لیے ہی سب زمین و آسمان کی یہ خوشنمائیاں پیدا کی ہیں۔ یہاں جَعَلْنَا کا معنیٰ پیدا کرنا ہے کیونکہ یہ متعدی بیک مفعول ہے۔ اگر حرفِ فی کو ظرفیہ نہ مانا جائے بلکہ بمعنی ب جارہ تعدیہ کہا جائے تو جَعَلْنَا بمعنی صَیَّرْنَا ہوگا۔ یعنی آسمان کو برج بنایا۔ وَحَفِظْنٰهَا مِنْ كُلِّ شَیْطٰنٍ رَّجِیْمٍ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ وَ الْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَ اَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَ اَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ۔

اور جس طرح زمین کی طرف اپنا ذکر اپنا کلام قرآن و حدیث اولیا علما کے دماغوں اور سینوں پر ہم نے ہی نازل فرما کر زمین کے

انسانی شیطانوں سے اس ذکر کی حفاظت ہم نے ہی فرمائی۔ اسی طرح ہم نے ہی اپنی اُن غیبی اور اسرارِ الٰہیہ والے کلام کی ہر ابلیسی شیطان سے حفاظت کی جو کلام فرشتوں کی زبانوں پر نازل فرمایا۔ اور اس آیت پاک کا مقصود بیان یہ ہے کہ زمین و آسمان کی حفاظت درحقیقت وہاں درست حالت میں کلامِ الٰہی کا موجود رہنا ہے۔ اور قانونِ الٰہی کا نافذ ہونا اور جاری رہنا ہے۔ اور زمین و آسمان کا معاد یہی ہے کہ کلامِ الٰہی شریعتِ خداوندی۔ قانونِ باری تعالیٰ کا نفاذ۔ عمل۔ ادب۔ وقار۔ دلوں میں حیثیت نہ رہے۔ یا قانونِ الٰہی میں کلام اللہ میں لفظی معنوی ملاوٹ کردی جائے۔ رب تعالیٰ نے ان ہی فسادوں سے آسمان و زمین کو شیطانوں سے بچایا۔ ورنہ یہ ابلیسی شیطان یا انسانی شیطان نہ آسمان کو توڑ سکتے ہیں نہ زمین کو نہ آسمان کو بدل سکتے ہیں نہ زمین کو مفسرین صحابہ کرام فرماتے ہیں پہلے زمانوں میں جنات کو آسمانوں اور جنت میں جانے کی اجازت تھی۔ لیکن آدم علیہ السلام کی گستاخی سے تمام جنات اور ابلیس کو جنت سے منع کر دیا گیا صرف دروازۂ جنت تک پہنچ سکتے تھے۔ جب ولادتِ مسیح علیہ السلام ہوئی تو ان کی رفعتِ آسمانی کے اعزاز میں شیطانوں کو تین آسمانوں سے روکا گیا۔ اور جب عید میلاد النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئی تو سب آسمانوں سے روک دیا گیا۔ غالباً معراجِ مصطفیٰ کے اعزاز میں تاکہ کوئی آسمان کسی شیطان سے گندہ نہ ہو سکے گزرگاہ مصطفیٰ کو پاک و صاف رکھنے کے لیے کئی سال پہلے ہی انتظام فرما دیا گیا۔ اب آسمان دنیا کے کناروں تک جا سکتے ہیں۔ پہلے بھی یہ شیطانی ذریت اور خود ابلیس ملائکہ سے غیبی باتیں سن کر اپنے جادوگروں کاہنوں کو آگر بتاتے تھے اور یہ کاہن لوگوں کو سنا دیتے تھے۔ فرعونِ مصر کو ولادت موسوی کی پیشگوئی وغیرہ اسی زمرے میں تھیں۔ اور اب بھی یہ شیطان پہلے آسمان کے کنارے تک دوڑتے پرواز کرتے جاتے ہیں یا ایک دوسرے پر چڑھ کر سیڑھی کی طرح پہنچتے ہیں اور ملائکہ کی گفتگو سے کچھ چوری کر لیتے ہیں مگر پوری نہیں سن پاتے کہ شہاب مبین آگ کے شعلے کی طرح ان کے پیچھے دوڑتا ہے اگر لگ جائے تو یا یہ شیطان مر جاتے ہیں یا دیوانے بھوت بن جاتے ہیں اور جنگلوں میں چھلاوا بنے پھرتے ہیں پھر کاہنوں کے پاس نہیں جا سکتے اور اگر بچ جائیں تو جو تھوڑا بہت سنا ہوتا ہے اس میں سو جھوٹ شامل کر کے جادوگروں کو سنا دیتے ہیں اور ایک آدھ پیشگوئی سچی نکل آنے سے اُن کی دکانداری چمک جاتی ہے۔ ملائکہ ان برجوں میں بیٹھے ہوتے ہیں اور جب رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون سنایا جاتا ہے تو تمام فرشتے ہیبت و خشیت سے تسبیح پڑھتے ہیں جس کی آواز شیطان سنتا ہے وہ اپنی ذریت کو بھگاتا ہے کہ جاؤ سنو کیا بات ہو رہی ہے تب سب جنات شیطانی خفیہ اور چوری چھپے کان لگاتے ہیں۔ جب ملائکہ تسبیح سے خاموش ہوتے ہیں تو ہر نیچے آسمان والا فرشتہ اوپر والے آسمان کے فرشتوں سے پوچھتا ہے کہ کونسا قانون اور پیشگوئی ارشاد ہوئی جب یہ اظہار ہوتا ہے تو یہ جنات بھی سن لیتے ہیں یہاں تک کہ شہاب کا شعلہ ان پر پڑتا ہے تو یہ بھاگتے ہیں جس کو وہ شعلہ لگتا ہے وہ یا زخمی یا پاگل یا قتل ہو جاتا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ آسمانی برج بہت بڑے بڑے ہیں سب سے چھوٹا برج زمین کے سب سے بڑے پہاڑ برابر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ یہ جو

ستارا ٹوٹتا دکھائی دیتا ہے یہ وہی شہاب مبین ہے جو اس وقت کسی شیطان کے پیچھے بھاگ رہا ہوتا ہے۔ فلاسفۂ قدیم وجدید اور سائنسدانوں نے اس بارے میں بڑے عجیب عجیب نظریات قائم کئے ہیں اور فرضی چٹانوں کو اٹھا کر عجائب خانوں کی زینت بناتے ہوئے ان کو شہابِ ثاقب آسمانی کا نام دیا ہے۔ اور ہمارے ایک اردو نگار افسانوی مفسّر صاحب نے اقبالیات کا سہارا لیتے ہوئے ان لغویات پر ایمان قائم کر لیا ہے۔ حالانکہ شہاب جس کو ثاقب بھی فرمایا گیا ہے اور نجم بھی وہ اسرار الٰہیہ ہیں نہ وہ پتھر ہیں نہ زمین پر آتے ہیں اس کی حقیقت نبی کریم ہی جانتے ہیں۔ جنہوں نے احادیث میں ذکر فرما دیا بس وہی سچ ہے۔ جن اشیا کی کھربوں تعداد میں امریکہ وغیرہ کی انسائیکلوپیڈیا گرنے کی خبر دیتی ہے وہ کوئی اور عجائبات قدرت ہوں گی جس طرح آسمانوں کو پھیلا کر اس میں برج بنا دیئے۔ ہم نے پانی پر زمین کو پھیلایا اور اس پر مضبوط پہاڑوں کو ٹھونک دیا تاکہ یہ زمین نہ چلے نہ پھرے نہ حرکت کرے بلکہ ایک جگہ ساکت وجامد رہے۔ سیارہ نہ ہو سکے ساکن رہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ زمین مقام کعبہ سے بننی شروع ہوئی اور چاروں طرف بیکدم بیکوقت یک رفتار پھیلنی شروع ہوئی۔ یہ زمین شمال میں اونچی ہے سب پہاڑ اسی جانب ہیں اور جنوب کی طرف جھکی ہوئی ہے۔ اسی طرف سمندر ہے۔ اس جھکاؤ سے دریا جاری ہوتے ہیں اور ساری زمین کو پانی پہنچتا ہے۔ اس طرزِ بناوٹ میں بھی عجیب کرشمۂ حکمت ربانی ہے اسی سبب اور ذریعے سے ہم نے زمین کے ہر موزون حصے پر ہر قسم کی چیزیں اگائیں جو انتہائی موزوں ہیں۔ یا اس طرح کہ تولی اور ناپی جاتی ہیں اور ہم وزن کی جاتی ہیں یا اس طرح کہ زمین کی کمزوری اور طاقت کے ہم وزن وہاں پھل پھول کھیتیاں اور درخت اگائے گئے۔ اسی طرح خشک وتر ریت ومٹی والی زمین کے حساب سے چیزیں اُگائی گئیں یا اس طرح کہ ہر نباتات اپنے قد جسم رنگ بو۔ اور مزے کے اعتبار سے نہایت مناسب پیدا فرمایا گیا۔ اس سے مختلف کبھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ سرو کا درخت گھٹتے گھٹتے نیاز بو کا پودا نہیں بن سکتا اور نیاز بو بڑھ کر سرو نہیں بن سکتی۔ اسی طرح گلاب چھوٹا ہو کر چمیلی کے پھول برابر نہیں ہو سکتا اور چمیلی گلاب برابر نہیں ہو سکتی غرض کہ ہر وقت ہر چیز ہر پودا بیلیں بوٹے نہایت موزوں ہیں ہر معنٰی کے لحاظ سے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ نبی کی دشمنی والی بنجر قلبی زمین میں اللہ کی توحید کا غنچہ پیدا نہیں ہو سکتا خواہ کتنے عجائب قدرت اور نشاناتِ الٰہیہ دیکھ لے۔ یہ فائدہ وَلَوْ فَتَحْنَا۔ (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ اگرچہ کفار نے توحید ورسالت کے ثبوت کے لیے فرشتوں کا مطالبہ کیا تھا جس کو رب نے رد فرما دیا۔ مگر یہاں بتایا گیا کہ کفار کو فرشتوں کی باتیں پہنچ جاتی ہیں۔ بذریعہ کاہن ونجومی وجادوگر اور کاہنوں کو بذریعہ ان کے جنات کے۔ تو یہ اتنا ثبوت ایمان کے لیے کافی ہے۔ دیکھو یہودی کاہنوں کو عیسٰی علیہ السلام اور پیارے

آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا ولادتِ پاک سے پہلے ہی پتہ لگ گیا۔ اسی طرح نمرود کے کاھنوں کو ابراہیم علیہ السلام کا فرعون کے کاھنوں کو موسیٰ علیہ السلام کا ولادت سے پہلے پتہ لگ گیا۔ یہ فرشتوں کی زبانی ہی گواہی ہے مگر کفار نے پھر بھی نہ مانا۔ یہ فائدہ۔ اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ الخ فرمانے سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ۔ زمین حرکت نہیں کرتی نہ گردش کرتی ہے نہ چلتی ہے۔ یہ فائدہ۔ فِیْھَا رَوَاسِیَ فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا سائنس کا نظریہ غلط ہے۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے ہمارا فتاویٰ العطایا۔ دیکھئے۔

احکامُ القرآن

اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ جادو کا علم اور جادو کا اثر درست ہے مگر انبیاءِ کرام کی کسی چیز کو یا معجزے کو جادو سے مشابہ کہنا حرام بلکہ کفر ہے۔ یہ مسئلہ سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا۔ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ چوری کرنا ہر وقت ہر اعتبار سے برا ہے اگرچہ نیکی والی چیز کی ہو۔ دیکھو جنات ملائکہ اچھی باتیں سنتے تھے مگر اس کو چوری فرماتے ہوئے برائی اور قابلِ سزا جرم قرار دیا گیا۔ لہٰذا دینی کتاب اپنے پڑھنے کے لیے یا قرآن مجید تلاوت کرنے کے لیے کہیں سے چوری کرنا حرام ہے۔ ہاں اپنے حق وصول کرنے کے لیے چوری جائز ہے۔ یہ مسئلہ سُکِّرَتْ اَبْصَارُنَا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ اگر یہ کفار آسمان پر چڑھ جائیں یا فرشتے آسمان سے دن دھاڑے اترتے چلے آئیں اُن کی آنکھوں کو نظر بھی آجائیں تو بھی یہ کہیں گے کہ ہماری آنکھوں پر جادو کر دیا گیا ہے یہ سب جادو کی نظر بندی ہے حقیقت کچھ بھی نہیں۔ تو سوال یہ ہے کہ کفار کی اتنی بڑی تعداد بھلا کیسے سب کے سب اس طرح شک کر سکتے تھے کوئی تو حقیقت کو یقینی پہچانتا۔ اور اگر واقعی سب شک کرتے ہوئے انکار کر جائیں تو حس اور مشاہدے پر اعتماد نہیں رہتا۔ پھر ان شک اور انکار کرنے والوں کا تصور نہیں ہوتا اور وہ معذور سمجھے جائیں گے۔

جواب۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے اس کے دو جواب دیے ہیں ایک یہ کہ یہاں مشاہدے قلبی یا عقلی کا انکار مراد نہیں دل سے اس مشاہدۂ ملکوتی کو یقینی سمجھتے تھے مگر فقط تعصب اور ضد ہٹ دھرمی کرتے ہوئے اس کو جادو کہتے۔ اسی لیے یہاں قرآن میں لَقَالُوْا ہے نہ کہ لَعَلِمُوْا یعنی فقط زبانوں سے انکار ہی کرتے عقل و دماغ سے اور دل سے سچی سمجھ پالیتے سمجھ میں غلطی یا شک نہ ہوتا اس لیے اب زبانی انکار سے وہ معذور نہیں ہو سکتے۔ جہاں تک ان کی عقلی اور قلبی حالت وکیفیت کا تعلق ہے وہ تو ان معجزات کو بھی سچا سمجھتے ہیں جو دیکھ چکے ہیں۔ لیکن ضد میں ہی اگر پھر بھی فضول مطالبے کرتے ہیں۔ بتایا جا رہا ہے مطالبہ پورا کرنا مفید نہیں زبان سے پھر بھی منکر ہی رہیں گے۔ اور نئے انکار کے لیے بہانہ جادو کا بنائیں گے دوسرا جواب یہ کہ لَقَالُوْا سے مراد سارے کافر نہیں بلکہ صرف سرداران کفر ہیں کیونکہ وہی مطالبہ کرتے تھے اور وہی ہٹ دھرم

تھے عوام بیوقوف تو جی حضوری ستھے۔ **دوسرا اعتراض**۔ جادو کی کوئی حقیقت نہیں اگر جادو کی کچھ حقیقت ہوتی تو کسی حقانی چیز میں بھی یقین نہیں کیا جا سکتا۔ یہاں تک کہ حقیقی شخصیت کا بھی انکار کیا جا سکتا کہ یہ وہ آدمی ہی نہیں۔ جو اپنے آپ کو کہہ رہا ہے نظر بندی سے ہمیں وہ نظر آ رہا ہے (معتزلہ)۔

جواب۔ جادو اپنی جگہ برحق اثر رکھتا ہے۔ مگر دو جگہ اس کا اثر نہیں پہنچ سکتا۔ ۱ کسی کی ذاتی شخصیت پر اور ذاتی نام پہ ۲ اور آسمان کی فضاؤں پر۔ یہ زمین کی چیز ہے زمین تک ہی رہتا ہے **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَحَفِظْنٰهَا۔ اور ہم نے حفاظت فرمائی ان آسمانوں کی ہر شیطان رجیم سے۔ یہ کیوں فرمایا گیا شیطان بھلا آسمان کا کیا نقصان کر سکتا ہے کیا ابلیس یا کوئی اور دوسرا شیطان آسمانوں کو توڑ سکتا ہے۔ یہ یقینی بات ہے کہ وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتا۔

جواب۔ حفاظت صرف گرانے سے ہی نہیں کی جاتی۔ بلکہ گندہ کرنے سے حفاظت۔ چوری سے حفاظت۔ شور مچانے سے حفاظت غرض کہ حفاظت بہت قسم کی ہے یہاں مراد ہے جاسوسی اور غیبی باتوں کی چوری کی حفاظت۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ گھر کی چوروں سے حفاظت کرو یعنی کوئی چیز نہ لے جائیں۔ گھر کی کتوں سے حفاظت کرو یعنی گندہ۔ پلید نہ کر دیں گھر کی بچوں سے حفاظت کرو یعنی شور نہ مچائیں۔ یہاں کہیں بھی توڑنے کا خدشہ نہیں ہوتا۔

چوتھا اعتراض۔ ان آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ شیاطین جنات آسمانوں سے غیبی باتیں چرا لاتے ہیں اور اپنے کاہنوں کو پہنچا دیتے ہیں۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی باتیں اور کلامِ انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس آنا معجزہ نہ رہا۔ کیونکہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو صرفِ انبیاء کرام کے ہاتھوں اور ذریعے ظاہر ہو۔ جب یہ غیبی خبریں کاہنوں کو بھی مل جاتی ہیں اور وہ بھی بتاتے پھرتے ہیں تو مغیبات اور وحی معجزہ نہ رہا نیز منکرِ نبوت کے نزدیک انبیا کی غیبی خبریں ان کی صداقت کی دلیل نہ رہیں۔ کیونکہ منکر کہہ سکتا ہے کہ یہ بھی اگرچہ سچی خبر ہے مگر کسی شیطان نے ہی پہنچائی ہو گی۔ یہ کہنا بھی فائدہ مند نہیں ہو سکتا کہ شیاطین پہلے جاتے تھے اب نہیں جاتے اب عیدِ میلاد کے بعد سے ان کو روک دیا گیا۔ اس لیے کہ آیت کا اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ۔ بتاتا ہے کہ اب بھی کچھ نہ کچھ چوری کر ہی لاتے ہیں۔ اور پھر یہ نبوت کے معجزات تو پہلے انبیاء کرام کے لیے بھی تھے۔ اُس وقت کیوں ان غیبی خبروں کو معجزہ کہا گیا۔ نیز منکر۔ جو قرآن وحدیث کو حق ہی نہیں مانتا۔ اور نبوتِ **مصطفےٰ** صلی اللہ علیہ وسلم کا انکاری ہے وہ کیوں نہ کہے گا کہ نبی کریم کی یہ غیبی خبریں بھی اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ۔ کا حصہ ہی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ شروع سے ہی ان شیطانوں کو روکا جاتا اور بالکل ہی روکا جاتا۔ ایسا کہ ایک لفظ بھی چوری نہ کر سکتے۔ **جواب**۔ اولاً تو وحی کا آنا یا غیبی خبریں دینا۔ ان کو معجزات انبیاء کرام میں شامل نہیں کیا گیا۔ یہ تو مقصدِ نبوت اور لاحقت ہے۔ اسی کو سچا ثابت کرنے کے لیے معجزات دیے جاتے ہیں معجزہ اس کے علاوہ وہ خرقِ عادت ہے جو نبوت اور اخبارِ نبوت۔ شریعت۔ قانونِ الٰہی اور وحی کی صداقت کے لیے عطا فرمایا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ انبیاء کرام کی خبریں وہ خصوصی غیوب ہیں جو کسی فرشتے کو بھی معلوم نہیں ہوتیں نہ آسمانوں پر اُن کا چرچہ و تذکرہ ہوتا ہے۔ وہ پیغامات جو قلوبِ انبیا و لسانِ رسولانِ کرام پر نازل ہوتے ہیں وہ سیدھا جبرئیل امین کے واسطے

بلکہ بعض پیغامات الٰہیہ جبریل علیہ السلام کے بھی بغیر نازل ہوتے ہیں۔ جو باتیں شیاطین ملائکہ کی محفلوں سے چرالاتے ہیں وہ وحی الٰہی یا قانونِ باری یا کلام ربانی نہیں ہوتا۔ بلکہ عام دنیا کے آئندہ ہونے والے حالات کا تذکرہ ہوتا ہے۔ یہی کچھ باتیں کاہنوں تک پہنچ جاتی ہیں اور وہ لوگوں کو بتلاتے پھرتے ہیں کہ کل یہ ہوگا۔ علم نبوت اس سے کہیں زیادہ وسیع و بلند ہے۔ انبیاء کرام دنیا کی خبریں دینے نہیں بلکہ وہ تو قرب الٰہی اور طریقۂ نجات کی راہیں بتانے تشریف لائے ہیں اگرچہ انکو معلوم سب کچھ ہوتا ہے اور بتا سب کچھ سکتے ہیں

پانچواں اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا وَالۡاَرۡضَ مَدَدۡنٰهَا۔ ہم نے زمین کو پھیلایا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین گول بھی نہیں اور کرہ بھی نہیں کیونکہ جو چیز پھیلائی جاتی ہے وہ پتلی اور دراز ہوتی ہے۔ حالانکہ ہمارے اسلامی فلاسفہ زمین کو گول کرہ مانتے ہیں۔ **جواب**۔ مَدَدۡنَا کا لفظ ہی بتا رہا ہے کہ زمین کرہ ہے۔ اس لیے کہ کرہ ہر وہ عظیم چیز ہے جو لمبی چوڑی اور موٹی ہو اور جو چیز پھیلائی جاتی ہے اُس کی دو صورتیں ہیں یا تو پہلے بنی ہو پھر پھیلائی جائے۔ یا بناتے ہوئے پھیلائی جائے۔ پہلی صورت میں تو چوڑائی پہلے ہوگی پھر پھیلانے سے لمبی ہوتی جائے گی دوسری صورت میں چاروں طرف پھیلے گی اور چاروں طرف سے ہر چیز گول ہوتی ہے پہلے کی مثال جیسے لپٹی ہوئی دری یا قالین یا کارپٹ۔ دوسری کی مثال جیسے روٹی اور مَدَدۡنَا کا معنی ہے چاروں طرف پھیلانا۔ کیونکہ یہ فعل مطلق بلا قید ہے اور مسئلہ اطلاق پر ہی جاری ہوتا ہے

چھٹا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا وَاَلۡقَيۡنَا فِيۡهَا رَوَاسِيَ۔ ہم نے اس زمین میں پہاڑوں کی کیلیں ٹھونک دیں اور دوسری آیت پاک میں ہے۔ اَنۡ تَمِيۡدَ بِكُمۡ۔ تاکہ تم کو لے کر زمین ہل نہ جائے تو کیا یہ پہاڑ زمین کے اجزاء ہیں اور کیا یہ زمین کا جز نہیں۔ غیر ہیں۔ پھر ان میں کھیتی باڑی اور درخت پھل فروٹ غلہ دانہ انسانی رزق کیوں ہوتا ہے جب کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے زمین سے تمہارا رزق پیدا کیا۔ یہ اعتراض اس لیے اُبھرا کہ کیل ٹھونکی جاتی ہے اور کیل لکڑی کا غیر ہوتا ہے۔ جنساً بھی اور فصلاً نوعاً بھی۔ نیز کیا زمین پہلے پیدا ہوئی اور پہاڑ بعد میں ہوئے یا دونوں ایک ساتھ۔ اَلۡقَيۡنَا سے تو ثابت ہوتا ہے کہ پہاڑ بعد میں پیدا کیے گئے۔

جواب۔ پہاڑ زمین کی ہی جنس ہے۔ کیل کا غیر ہونا شرط نہیں۔ کیا آپ نے دروازے بنانے والے بڑھئی کارپنٹر (ترکھان) کو نہیں دیکھا کہ جب وہ ایک کواڑ کے پٹ کو جوڑتا ہے تو لکڑی کے دروازے میں لکڑی اور بانس کی کیلیں ہی ٹھونکتا ہے۔ اور لوہار کو نہیں دیکھا کہ لوہے کی دو چادروں کو جوڑنے اور ایک دوسرے کے ساتھ روکنے کے لیے لوہے کی ریٹ ہی ٹھونکتا ہے۔ تو اسی طرح رب تعالیٰ نے زمین کو روکنے اور ٹھہرانے کے لیے جنس زمین سے ہی پہاڑ کھڑے کر دیے جو زمین کے اندر تک ٹھکے ہوئے ہیں۔ ہاں ان کی نوعیت کچھ سخت ہے جس کو پتھر کہا جاتا ہے جب کہ زمین کی اصلیت مٹی ہے۔ رہا یہ سوال کہ پہلے کون پیدا ہوا تو اس میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ پہلے سب زمین بن گئی اور جب اُس نے حرکت کی تو پہاڑ ٹھونکے گئے۔ دوم یہ کہ زمین اور پہاڑ ساتھ بنتے اور پھیلتے بڑھتے رہے وَاللّٰہُ وَرَسُوۡلُہٗ اَعۡلَمُ بہرکیف یہ کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ يَعْرُجُونَ لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَّاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۔ وَحَفِظْنَاهَا ...... مِن كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۔ تحقیق وہ ہیں جو دیکھتے بھالتے بھی اندھے بنے رہیں ایسے لوگوں کو سعادت کی کوئی خبر اور نظالت کی کوئی تائید بھی مفید نہیں اُن کے لیے آسمانِ معرفت کے دروازے بغیر ان کی ریاضت و عبادت کے ہم اپنے کرم و فضل سے خود ہی کھول دیں اور وہ انوارِ مقدس کی روشنی میں مکاشفاتِ اسرار کی سیڑھیوں پر چڑھتے چلے جائیں یا صبحِ شریعت کے کھلے یومِ ظاہری میں ان کے پاس ظاہر ظہور الہاماتِ حقی آجائیں تب بھی اُن کے نفوسِ شیطانیہ راہِ حقیقت سے دور ہو کر یہی کہیں گے۔ کہ یہ سب کچھ قلب کی حیلہ سازی اور مکر و فسون کا جادو ہے کیونکہ ہر انسان کے ساتھ ایک شیطان ہے اور ابلیس کا تختِ سحرِ نفسانی پر قائم ہے ماحل کو چاہیے کہ ہر وقت اللہ کی پناہ شیطن و ابلیس سے بچنے کے لیے طلب کرتا ہے وسوسۂ ابلیسی دراصل مثل جادو کے ہے اور نفسِ امارہ اس کا جادوگر ہے اعضاءِ جسمانیہ اس جادو کے مسحور ہیں جو گمراہی سے نظر بند ہیں اور ہر حقیقتِ قلبیہ کو جادو سمجھتے ہوئے مکاشفاتِ روحانی کو جادو سمجھنے لگتے ہیں ۔ ابلیس کی عداوت اَزلی ہے ۔ اسی لیے ذریتِ ابلیس بھی عداوت میں متعدد ہے اور اپنے جدِ اعلیٰ ابلیس کے تابع اس سحرِ شیطانی کو توڑنے کے لیے ہر زمان و مکان میں ذکرِ جہری مقرب صوفیا ہے ۔ اسی ذکر کی صحبت سے اہلیت کی تمنا ہے ۔ بیشک ہم نے ذکرِ الٰہی کے بارہ برج لطائف آسمانِ بشریت میں بنا دیے ۔ قالبِ روحانی کو ان ہی اذکارِ الٰہیہ سے ہم نے مزین کر دیا ہے اہلِ مکاشفہ کے لیے ۔ اگر جسمانی خاکی میں ذکرِ الٰہی کے چمکنے سورج چاند اور ستارے نہ ہوں تو انسانی ڈھانچہ ظلمتوں کی دنیا ہے اور تاریکیوں کا سمندر اندھیروں کا جنگل ہے ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ قالبِ بشریت میں بارہ لطیفے ہیں ۔ اور ان کو منور و مزین کرنے کے لیے بارہ ہی ذکر کے چمکتے سیارے رواں ہیں اور عارفین کا ذکر کی گردش کرنا مثل شمس و قمر و کواکب سیارگان منازلِ سلوک کی بارہ شاہراہیں ہیں ۔

۱ ۔ برجِ اول ناف ہے یہی لطیفۂ اول اس کا ذکر جلی ہے یہ ذکر کی پہلی منزل ہے اسی کو معرفت کا پہلا آسمان کہا جاتا ہے اسی تک شیطان کی رسائی ہے اہلِ معرفت کی یہیں پر حفاظت فرمائی جاتی ہے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے اور ہم نے ہی حفاظت فرمائی اسے معرفت کی غیبی خبروں والو تمہارے اس آسمانِ اول کی ہر مردود ازلی شیطن سے ۔ ۲ ۔ برجِ دوم نفسِ امارہ اس کا ذکر جہری ہے یہ دوسرا لطیفہ ہے ۔ ۳ ۔ برجِ سوم لطیفہ سوم ہے جو ناف کے مقابل پستانِ یمین کے پاس ہے ۴ ۔ برجِ چہارم داہنا کندھا یہی لطیفہ چہارم ہے ۔ ۵ ۔ برجِ پنجم شاہ رگ ۔ ۶ ۔ برجِ ششم قوتِ سامعہ ۔ ۷ ۔ برجِ ہفتم قوتِ باصرہ ۸ ۔ برجِ ہشتم قوتِ گویائی ۹ ۔ برجِ نہم دماغ ۱۰ ۔ برجِ دہم بایاں کندھا ۔ یہی لطفۂ اقوت کام کرتا ہے اور لطیفۂ اسرار ہے ۱۱ ۔ بایاں پستان یہی لطیفۂ کشف ہے ۱۲ ۔ قلب یہ بارھواں برج ہے اس کا سورج شریعت ہے اس

کا چاند نفی اثبات اس کے سیارگان ہفت ۔ اذکار ہفت سلاطین ہیں ۔ یہ ذکر ہی شیاطین کے لیے شہاب ثاقب ہیں اِلَّا مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ مُّبِیْنٌ وَالْاَرْضَ مَدَدْنٰهَا وَاَلْقَیْنَا فِیْهَا رَوَاسِیَ وَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا مِنْ كُلِّ شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ ۔ بدن انسانی میں نفس وہ شیطان ہے جو واردات قلبیہ کو تاویل و تحریف کی جاسوسی کے ذریعہ اپنی پسند کی خواہشات سے چوری کرتا رہتا ہے ۔ تو قلب عرفانی کے سچے اور بتین معانی اسرار اس کی تحریفات لغویہ کے پیچھے مثل شہاب مبین پڑتے ہیں اے طالب راہ معرفت یہ تو تیرے آسمان روحانیات کے مناظر باطنی ہیں ۔ تیری روح مثل سلوات بلندی کا بادشاہ ہے تیرے اعضاء ظاہری و باطنی اس کی رعایہ ہے ۔ پس جان لے کہ جو کچھ عالم ملکوت میں ہو رہا ہے وہی کچھ تیرے ظاہر و باطن میں جلوہ گر ہے تیرا جسم عالم تمثیل ہے ۔ اسی میں عالم رنگ و بو ہے اور یہیں کیفیات شہود و وصل ہیں ۔ آسمان روح کے تحت ہم نے ہی زمین بشریت کو تمناؤں کی فضاء محیط پر بچھایا اور اس بشریت ناسوتی کی ارض بسیط میں جبال عقل اور صفات قلب کی کیلیں ٹھونک دیں ان عقلی پہاڑوں میں ہی خزانۂ الٰہیہ کے عظیم مخزن ہیں ۔ علوم عالمین کے تمام معدن ان عقلی پہاڑوں میں ہی مخفی ہیں اور ان صفات قلبیہ سے ہی شریعت طریقت معرفت حقیقت کے چشمے جاری ہیں ۔ زمین بشریت کے ظاہری کھلے میدانوں میں ہم نے ہی توفیق خیر کے چمن اگائے ۔ اور تمام ذکر اذکار ۔ فہم فراست ۔ عبادت ۔ ریاضت ۔ فطانت ذکاوت ۔ طہارت ۔ جسارت ۔ اور تذکیۂ نفس کے پودے نہایت موزون مناسب لگائے کہ نہ اس میں افراط ہو سکے نہ تفریط ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ خرق عادت کی چھ قسمیں ہیں ۔

۱ ۔ معجزات یہ زمین نبوت کے قالب میں اگائے جاتے ہیں ان ہی میں چمن معجزات کی دلکش بہاریں ہیں ۔ ۲ ۔ کرامت یہ زمین ولایت کے اونچے سایہ دار درخت ہیں ۔ ۳ ۔ نفاست ۔ زمین تقوے میں اعمال صالحہ کی کھیتیاں ہیں ۔ ۴ ۔ سحارت ۔ ابلیسی جنگلات کے نقصان دہ کانٹے ہیں یہی سحر و جادو جسم شیطانی میں بدنما جھاڑیاں ہیں ۔ ۵ ۔ کہانت اہل فریب کی مکر کی جڑی بوٹیاں ہیں ۔ جن سے شر و فساد کے عرق نچوڑے جاتے ہیں ۔ یہی نشہ آور گھاس جو دنیا پرستوں کو مسحور و مخمور کر دیتا ہے ۔ ۶ ۔ شرارت ۔ زمین فسق کی خودرو بیلیں ۔ جھاڑ و جھنکاڑ ۔ ان کے اثرات سے بیماری بزدلی ۔ جھگڑے ۔ جدائیاں ۔ قتل و غارت ۔ خاندانی تباہی ۔ نظر بندی ۔ مسمریزم شعبدے ظاہر ہوتے ہیں ۔ یہ سب کچھ زمین بشریت کی نباتات ہے ۔ بندے تین قسم کے ۔ ۱ ۔ اعلیٰ ۲ ۔ اسفل ۳ ۔ ارذل ۔ ان میں زمین بشریت چھ قسم کی ہے ۔ تین زمینوں میں رب تعالیٰ نے خیر کے پودے اگائے ہیں اور دوسری تین میں شر و فساد کے ۔ کسی طرف قلب کی رہنمائی اور کشت زاری ہوتی ہے ۔ اور کسی طرف نفس امارہ کی ۔ اہل دنیا اور دلدادۂ شقاوت ۔ دنیوی نشوں کے پودے تلاش کرتے ہوئے خبیث اور گناہوں کی دلدل والی زمینوں کی طرف رغبت رکھتے ہیں ۔ لیکن حق کے متلاشی ایمانی پھولوں عرفانی غنچوں کی تلاش میں اہل اللہ کی کھیتیوں کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ

اور بنایا ہم نے لیے تمہارے بیں اس عیش کی زندگی کا سامان اور وہ بھی تمہارے لیے نہیں ہو تم جکو سے

اور تمہارے لیے اُس میں روزیاں کر دیں اور وہ کر دیئے جنہیں تم رزق نہیں دیتے اور کوئی

بِرٰزِقِيْنَ ﴿۲۰﴾ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ

رزق دینے والوں اور نہیں کوئی چیز مگر پاس ہمارے خزانے ہیں اُس کے

چیز نہیں جس کے ۔ پاس ہمارے خزانے نہ ہوں اور ہم اُسے نہیں

وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ﴿۲۱﴾ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ

اور نہیں اتارتے ہیں ہم اُس کو مگر سے اندازے معلوم اور ہم نے بھیجیں ہوائیں

اُتارتے مگر ایک معلوم اندازے سے ۔ اور ہم نے ہوائیں بھیجیں

لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ

البتہ بادل بنانے والیاں تو اتارا ہم نے طرف سے آسمان کے پانی پھر پلایا ہم نے تم کو وہ

بادلوں کو بارور کرنے والیاں تو ہم نے آسمان سے پانی اُتارا پھر وہ تمہیں

وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَ

اور نہیں ہو تم لیے اُس پانی کے ۔ سے خزانے والوں اور بیشک ہم ہی البتہ زندہ کرتے ہیں

پینے کو دیا اور تم کچھ اُس کے خزانچی نہیں ۔ اور بیشک ہم ہی جلائیں اور

نُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۲۳﴾ وَلَقَدْ عَلِمْنَا

مارتے ہیں اور ہم سب کے والی مددگار ہیں اور البتہ بیشک جان لیا ہم نے

ہم ہی ماریں اور ہم ہی وارث ہیں اور بیشک ہمیں معلوم ہیں جو تم میں آگے

الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ (۲۴)

آگے بڑھنے والوں کو	میں سے تم	اور	البتہ بیشک	جان لیا ہم نے	پیچھے رہنے والوں کو۔				
بڑھے	اور	بیشک	ہمیں	معلوم ہیں	جو تم میں	پیچھے	رہے		

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں زمین اور پہاڑ اور پھل سبزیاں اگانے کا تذکرہ ہوا اب اِن آیات میں اِن کا مقصد بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے یہ سب کچھ اے انسانوں تمہارے عیش و آرام کے لیے پیدا کی ہیں۔

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں آسمان کے برجوں کو پیدا فرمانے کا ذکر ہوا تو ضروری تھا کہ بندوں کی شکر گزاری کے لیے اُس کے مقصد اور منشا بیان کئے جاتے۔ ایک مقصد پچھلی آیت میں بیان ہوا یعنی زینت خوبصورتی جس کو دیکھ کر باطنی قوت بڑھتی ہے اور اب ان آیات میں اُس کی پیدائش کا دوسرا مقصد بیان ہو رہا ہے کہ وہاں سے ہوائیں اور بارشیں آتی ہیں جس سے انسان کی ظاہری جسمانی قوت بڑھتی ہے۔ گویا یہ آیات تتمہ ہیں اُن آیات کا۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے بڑے شاندار طریقے سے اپنی خالقیت کا ذکر فرمایا۔ اب اِن آیت میں باری تعالیٰ اپنی معلومات کا ذکر فرما رہا ہے۔ کیونکہ خالقیت اور علمیت لازم اور ملزوم۔ اور نسبتِ عام خاص من وجہ ہے۔

شانِ نزول ۔ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں عورتیں بھی باپردہ مسجدِ نبوی میں نمازوں اور وعظ سننے کے لیے حاضر ہوتی تھیں۔ منافق لوگ عورتوں کی تانک جھانک کے لیے پچھلی صفوں میں رہتے لیکن مخلص مومن اگلی صفوں میں بیٹھتے۔ تو مسلم لوگ ازراہِ جھجک منافقین کے ساتھ پچھلی صفوں میں بیٹھ جاتے نبیِ غیب دان صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ان حرکات کو رد کرنے کے لیے پہلی صف کی تعریف فرمائی مردوں کے لیے اور آخری صف کی تعریف فرمائی عورتوں کے لیے تو صحابہ کرام پہلی صف پر ہی بھیڑ کرنے لگے جس سے گڑبڑ اور تنگی ہونے لگی تب سورہ حجر کی آیت ۲۴ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور پھر بچوں کی صفوں کے بعد عورتوں کی صفیں بنائی جاتے لگیں۔

تفسیر نحوی وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ ۔ واؤ سرجلہ ۔ جَعَلْنَا ۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ صیغہ جمع متکلم باب فَتَحَ سے ہے۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ بنانا۔ مقرر کرنا۔ مہیا کرنا۔ یہاں آخری معنیٰ ہیں۔ جمع متکلم سے مراد واحد اللہ تعالیٰ۔ ادب یا جمعیت مراد نہیں فقط فصاحت کے لیے۔ لام جارّہ نفع کا ہے جب بھی لام جارّہ اسم ظاہر پر آتا ہے تو مجرور ہوتا ہے اور جب اسم ضمیر پر آتا ہے تو مفتوح ہوتا ہے

جیسے یہاں ۔ معنیٰ مطلب میں کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر کا مرجع عام انسان ہیں جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کے۔
فی ظرفِ مکانی کے لیے ھَا ضمیر مجرور متصل کا مرجع ارض ہے یا نباتات ۔ پہلا مرجع ظاہری کہلاتا ہے کیونکہ ارض کا لفظ
موجود ہے دوسرا مرجع معنوی ہے کیونکہ اَنْبَتْنَا فعل سے تخریج ہوگا یہ جار و مجرور متعلق دوم ہے مَعَایِشُ ۔ اسم ظرف
صیغہ جمع بروزنِ مَفَاعِلُ ۔ اس کا واحد مَعِيشٌ ۔ مَعِيشٌ ۔ مَعِيشَةٌ ہوتی ہے ۔ بابِ ضَرَبَ سے ہے ۔ عَيْشٌ سے
بنا ہے بمعنیٰ آرام دہ زندگی گزارنا ۔ یہ بحث اسم ظرف نہ زمانی ہے نہ مکانی بلکہ سببی ہے اس کو مجازی ظرف کہتے
ہیں اس کا ترجمہ ہے سامانِ زندگی ۔ یعنی زندگی گزارنے کا سبب ۔ لفظ عیش تمام حیوانی زندگی کے لیے مستعمل ہے
صرف دنیوی زندگی کے لیے ۔ حیات اور عیش میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے مَعَایِش
پر اس لیے بحالتِ محلی نصب ہے ۔ عطف معطوف مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا مَنْ اسم موصول منصوب بالحلی محلی بمعنیٰ
ما موصولہ ہے اسی طرح کبھی مَا بھی بمعنیٰ مَنْ ہوجاتا ہے لَسْتُمْ ۔ فعل ناقصہ منفیہ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر کُمْ ضمیر جمع مذکر
کا مرجع عام انسان ہیں لام جارہ مفعولیت کا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع مَنْ ہے بِ جارہ بمعنیٰ مِنْ تبعیضیہ
رَازِقِيْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر ۔ واحد ہے رَازِقٌ ۔ بابِ نَصَرَ سے ہے ۔ رِزْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ تربیت دینا ۔ غذا دینا ۔
سامان زندگی نفع پہنچانا ۔ یہاں غذا دینا اور سامان زندگی دینے کے معنیٰ میں ہے ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ اِنْ نافیہ مِنْ جارہ تبعیضیہ
شَيْءٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ چیز اس کی جمع ہے اَشْيَاءُ ۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل ۔ کیونکہ مِنْ شَيْءٍ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ
موجودٌ کے اور اِلَّا کے بعد بھی موجودٌ پوشیدہ ہے ۔ یعنی مستثنیٰ مستثنامنہ میں داخل ہے ۔ عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی اسم متمکن
معرب ہوتا ہے ۔ منصوب ہے کیونکہ ظرف ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول کا ۔ یہ جملہ اسمیہ مستثنا ہوگا ۔ خَزَائِنُ جمع مکسر
ہے ۔ بعض نے کہا جمع منتہی الجموع ہے مگر یہ غلط ہے ۔ اس لیے کہ اُس جمع کے الف کے بعد تین حرف صحیح جیسے مصابیح
یا دو حرف صحیح جیسے مساجد یا ایک حرفِ مشدد ہونا شرط ہے جیسے دَوَابّ یہاں دو حرف تو ہیں مگر ایک ہمزہ ہے جو صحیح
نہیں ۔ مصابیح نحوی طور پر صحیح ہے اگرچہ علم صرف میں صحیح نہیں ۔ اس کی واحد ہے خزانہ یا خزینہ بحالتِ رفع ہے
نائب فاعل ہے موجودٌ پوشیدہ کا ۔ ہٗ اس کا مضاف الیہ ۔ واؤ سر جملہ ۔ مَا نُنَزِّلُ ۔ فعل مضارع منفی معروف صیغہ جمع متکلم
ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے اس کا مرجع شیٔ ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ مستثنیٰ منہ ہے ۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل ۔
بِ جارہ اپنے معنیٰ میں ہے قَدَرٍ ۔ اسم مفرد جامد نکرہ موصوفہ مجرور ہے بِ سے بمعنیٰ اندازہ ۔ اسم کمّی (مقداری) ہے یا بمعنیٰ
وقت مقرر شدہ ظرفِ زمانی ہے اسی سے ہے تقدیر ۔ قسمت ۔ یا جگہ مقرر ۔ تو اسم ظرفِ مکانی ہے ۔ مگر پہلے معنیٰ کو ترجیح
ہے ۔ مَعْلُوْمٍ ۔ اسم مفعول ہے ۔ عِلْمٌ یا عَلَمٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ جانا ہوا ۔ یا بمعنیٰ مقرر کیا ہوا بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ صفت
ہے قَدَرٍ کی ۔ مرکب توصیفی جار مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ موجودٌ کے یا پوشیدہ نُنَزِّلُ کے دوسرے قول کو ترجیح ہے تاکہ
استثنا متصل بن جائے ۔

وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ ۚ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ۔

و ابتدائیہ۔ اَرْسَلْنَا فعل ماضی مطلق صیغہ متکلم مخاطب واحد باری تعالیٰ ہے۔ یہ فعل بافاعل ہے۔ اَلرِّیٰحَ۔ الف لام عہدی ریٰح جمع مکسر ہے ریحٌ کی۔ بمعنیٰ ہوائیں بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اَرْسَلْنَا کا۔ موصوف ہے۔ لَوَاقِحَ۔ اسم جمع منتہی الجموع اس کا واحد ہے لَاقِحٌ۔ اسم فاعل ہے واحد مذکر۔ اس کی اپنی تکسیری جمع لَاقِحُوْنَ ہے۔ لَقْحٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بوجھ اٹھانا۔ لازم ہوتا ہے یعنی خود بوجھ اٹھانے والی ہوتی ہے کسی کو بوجھ والا کرتی نہیں۔ بحالتِ فتحہ ہے تابع صفت ہے۔ یہ جملہ فعلیہ معنوی شرطیہ ہے کیونکہ اس کے شروع میں اِذَا حرفِ شرطیہ یا اِنْ شرطیہ پوشیدہ ہے۔ اگلی عبارت اس کی جزاء سببیہ ہے۔ فَ جزائیہ۔ اَنْزَلْنَا۔ فعل بافاعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم باب افعال سے ہے مصدر ہے اِنْزَالٌ اُتارنا۔ مِنْ جارہ بمعنیٰ سُوْ (طرف سے) ظرفیہ ہے۔ اَلسَّمَاءِ الف لام جنسی سَمَاءٌ نام ہے گرے کا۔ یا بمعنیٰ بلندی۔ جار و مجرور متعلق ہے اَنْزَلْنَا کے مَآءً اسم مفرد جامد نکرہ ہے بمعنیٰ پانی۔ اصطلاحاً ہر پتلی بہنے والی چیز کو ماء (پانی) کہہ دیا جاتا ہے۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ جزا ہے شرط کی۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ عطف ہے اَنْزَلْنَا جزا پر اَسْقَیْنَا فعل بافاعل باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ مصدر ہے اِسْقَاءٌ۔ بمعنیٰ پانی پلانا۔ پانی سے پیٹ بھرنا۔ پیاس بجھانا۔ یہاں سب معنیٰ درست ہیں۔ کُمُوْ دراصل ہے کُمْ۔ ضمیر جمع مذکر حاضر کو ہُ ضمیر واحد مذکر حاضر سے جوڑنے کے لیے درمیان میں واؤ تقنیمی (یعنی بھراؤ۔ خانہ پُری کرنے والی) لگائی گئی۔ برائے خفت اس کے بغیر بہت ثقل اور دشواری تھی۔ یہ کُمْ ضمیر مفعول بہ اول ہے اور ہُ ضمیر مفعول بہ دوم ہے۔ اِسْقَاءٌ متعدی بدو مفعول ہے۔ سَقْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سیراب ہونا۔ لازم مصدر ہے۔ وَاوْ حالیہ۔ حال ہے کُمُوْ کا مَا حرف مشبہ بلیس یعنی عمل میں لیس ناقصہ کے مشابہ ہے۔ اَنْتُمْ۔ ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل اس کا اسم ہے۔ لام جارہ ملکیت کا برائے قوت و طاقت بِ جارہ زائدہ لغو۔ یعنی عمل نہیں کرتی (جر نہیں دیتی) مِن بعضیت کے معنیٰ میں ہے خَازِنِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ فتحہ ہے خبر ہے مَا نافیہ مَا قبل کی۔ لَہٗ اس کا متعلق مقدم ہے اور کُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ یہ مکمل جملہ اسمیہ ہے۔ باب ضَرَبَ یا نَصَرَ سے ہے (نحات کا اختلاف ہے)۔ خَزْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ خزانہ بنانا۔ ذخیرہ جمع کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ واؤ سر جملہ۔ اِنَّا۔ دراصل ہے اِنَّ نَا۔ حرفِ تحقیق اور نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم۔ منصوب ہے۔ لَنَحْنُ۔ لام ابتدا مفتوح برائے حصر۔ نَحْنُ۔ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ نُحْیٖ۔ باب اِفعال کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ اس کا مصدر ہے اِحْیَاءٌ۔ بمعنیٰ زندہ کرنا۔ زندہ رکھنا۔ حیٌّ سے بنا ہے۔ مضاعف ثلاثی ہے۔ دراصل تھا نُحْیِیُ۔ بروزنِ نُکْرِمُ۔ حَیٌّ کا معنیٰ ہے زندہ رہنا۔ موجود رہنا قائم رہنا۔ واؤ عاطفہ عطف ہے نُحْیٖ پر نُمِیْتُ۔ باب افعال کا مضارع معروف جمع متکلم۔ مَوْتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مرنا۔ اجوف واوی ہے بعض کے

نزدیک مَیِّتٌ اَمْوَاتٌ یائی سے بنا ہے۔ اس کا مصدر ہے اِمَاتَۃٌ۔ اِمَاتَۃٌ بمعنی مارنا۔ موت بھیجنا۔ فنا کرنا۔ یہ جملہ فعلیہ فعل با فاعل معطوف ہے اور سب عطف خبر ہے نَحْنُ مبتدا کی۔ واؤ۔ یہ جملہ نَحْنُ مبتدا۔ الف لام اسمی بمعنی الذین وَارِثُوْنَ۔ جمع مذکر سالم۔ بحالت خبر ہے نَحْنُ مبتدا کی۔ اس کا واحد ہے وارثٌ۔ یہ جملہ تطبیقی ہے نَحْنُ ضمیر کے مطابق جمع لائی گئی حقیقۃً واحد ہے وَرْثٌ سے بنا ہے بمعنی مالک ہونا۔ میراث پانا۔ یہاں مالک ہونا مراد ہے۔ واؤ ابتدائیہ۔ لام کے یا زائدہ ہے قَدْ عَلِمْنَا۔ فعل ماضی قریب جمع متکلم فعل با فاعل۔ الف لام اسمی بمعنی الذین مُسْتَقْدِمِیْن باب استفعال کا اسم فاعل۔ جمع مذکر کا صیغہ بحالت فتحہ ہے مفعول بہ ہے قد علمنا کا اس کا مصدر ہے اِسْتِقْدَام بمعنی آگے بڑھنا۔ لازم ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ کُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل۔ مرجع ہے عام انسان۔ متعلق ہے قَدْ عَلِمْنَا کے۔ واؤ ابتدائی۔ لام زائدہ تاکیدیہ۔ قَدْ عَلِمْنَا ماضی قریب۔ علمٌ سے بنا ہے بمعنی جاننا۔ متعدی بیک مفعول ہے الف لام اسمی بمعنی الذین مُسْتَاْخِرِیْنَ باب استفعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ بحالت نصب مفعول بہ ہے قَدْ عَلِمْنَا کا۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِئْخَارٌ بمعنی پیچھے رہنا۔ پیچھے ہٹنا۔ پیچھے آنا۔ ان تین معنیٰ میں لازم ہے۔ یہاں لازم ہے۔ اور ترجمہ ہے پیچھے ہٹنے والے۔ اس کا معنی۔ پیچھے لانا۔ پیچھے کرنا بھی ہے۔ ان معنی میں یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرٰزِقِيْنَ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ سابقہ آیت وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَآءِ سے قدرت خالقیت اور نعمت الٰہیہ کا تذکرہ شروع ہے جس کی فہرست میں یہ آٹھویں نعمت مذکور ہوئی۔ کہ ان آسمان و زمین اور ان کی ہر پیداوار اور نباتات میں ہم نے تم انسانوں کے لیے نہایت بہترین شاندار زندگی کے سامان پیدا کئے ہیں۔ اور اس مخلوق کے لیے بھی ہم نے ہی زندگی کے سامان بنائے جن کو رزق دینے والے حقیقت میں تم نہیں ہو۔ یہ جو کچھ ظاہر نعمتیں ہیں یہ تو بہت تھوڑی ہیں۔ بقدر ضرورت تم پر ظاہر کر دی جاتی ہیں مگر اصلیت یہ ہے کہ ہر چیز اور ہر نعمت کے بڑے بڑے عظیم خزانے بھرے پڑے ہیں ہماری بارگاہ میں۔ اور بہت اچھی تلی ہر طرح سے معلوم و مفہوم طریقے سے ہی ہم ان کو نازل فرماتے رہتے ہیں۔ کہ ہم نعمت کو بھی جانتے ہیں۔ منعم کو بھی مقام نزول کی اہمیت اور لیاقت و استحقاق کو بھی۔ انہی نعمتوں کے ذریعے کسی کو امیر کسی کو غریب بنا دیا اس کی حکمت ہم کو معلوم ہے معایش جمع ہے معیشت کی جس کا معنی ہے زندگی گزارنا جس مخلوق کی جس طرح بسہولت زندگی گزرتی ہے وہی اس کا عیش ہے۔ بکری کا عیش گھاس میں ہے شیر اور کتے بلے کا عیش گوشت و خون میں۔ مَنْ سے مراد وہ تمام جاندار مخلوق ہے جو کائنات میں پھیلی پڑی ہے کچھ مخلوق انسان کے قبضے اور ماتحت ہے جیسے بال بچے لونڈی غلام نوکر چاکر گائے بھینس بکری وغیرہ کچھ مخلوق انسان کے قبضہ سے کچھ دسترس سے اور کروڑہا حیوانات ہیں جو علم انسانی سے باہر ہیں ان تمام کو دن رات ہر طرح ہر جگہ ہر وقت رب تعالیٰ ہی پرورش فرما رہا ہے۔ کس کو کس وقت کتنا کھانا پانی اور

ضروریات زندگی مہیا فرمائی ہیں اس کی قدر اور اندازہ اسی خالق کائنات کو معلوم ہے۔ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَیْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ زمین سے کھانا غذائیں ہم الٹیں نکالیں اور آسمان کی طرف سے اس طرح پانی پیدا فرمایا کہ بھرنے والی ہواؤں کو ہم نے بھیجا جنہوں نے بادلوں کو پانی سے بھر دیا تو پھر ہم نے ہی آسمانوں کی طرف سے عظیم قدرتوں والا پانی نازل فرمایا مفسرین فرماتے ہیں کہ سمت اور اطراف کے اعتبار سے بھی ہوائیں چار قسم کی ہیں اور اثرات کے اعتبار سے بھی فقط چار ہوائیں اور روانگی کے مقصد کے اعتبار سے بھی چار قسم کی ہیں۔

ملا۔ شرقی ہوا جس کو باد صبا یا پُروا کہا جاتا ہے یہ جنت سے آتی ہے اور بادل بناتی ہے۔ ملا شمالی ہوا بادلوں کو چلاتی ہے ملا جنوبی ہوا بادلوں کو پانی سے بھرتی ہے ملا مغربی ہوا جس کو پچھمی اور بادِ دبور بھی کہا جاتا ہے یہ پانی برساتی ہے۔ اور یہ سب کچھ اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ اور یہ انتظام ملکِ رعد کے سپرد ہے۔ ملا ریحِ عقیم یہ خزاں لاتی ہے ہر چیز کو خشک کر دیتی ہے۔ ملا ہواءِ بشارت موسم بہار کی خبر لاتی ہے اس کو مبشرات کہا جاتا ہے۔ ملا ریحِ صرصر آندھی یا طوفانی ہوا کو کہا جاتا ہے۔ اس کے چلنے پر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم دعائیں عرض کرتے تھے کہ مولیٰ تعالیٰ اس کو ہمارے لیے ریح یعنی بادِ عذاب و نقصان و ہلاکت نہ بنانا بلکہ ریاح یعنی بادِ رحمت بنانا۔ ملا ریح لواقح۔ جو یا تو بادلوں کو پانی سے بھرتی ہے یا درختوں کے نر و مادہ کے نطفے منتقل کرتی ہے ملا بادِ سینفی یعنی گرم ہوا لُو یہ زہریلے مچھر کیڑے مکوڑے مارتی ہے اور نقصان دہ رطوبتوں کو ختم کرتی ہے۔ ملا بادِ زمستانی موسم سرما لاتی ہے ملا بادِ غولاتی یہ اشیاءِ زمین کو اکھیڑتی منتقل کرتی ہے۔ ملا بادِ عقاب اس کو حدیثِ پاک میں ریح کا نام دیا گیا ہے۔ پہلی اُمتوں پر اس کے ذریعے عذابِ آسمانی آتا رہا اور اب عتابِ آسمانی کا نزول ہوتا ہے۔ ہمارے فلاسفہ کہتے ہیں کہ صرف آسمانی پانی ہی پینے کے قابل ہوتا ہے خواہ بارش کی شکل میں ہو یا پہاڑی برف یا اس کے گھلنے سے چشموں کی صورت اور ان سے دریاؤں نہروں کے راستے پانی کی روانگی اسی طرح کوؤں نلکوں میں بھی آسمانی ہی پانی ہوتا ہے۔ زمینی پانی صرف سمندری ہے غرض کہ زمین پر تمام میٹھے پانی آسمانی ہیں اور کڑوے کھاری پانی خود زمینی ہیں۔ اس لیے آسمانی پانی ہی اَسْقَیْنٰكُمُوْهُ ہم نے تم کو پلایا۔ اور زمین پر اس کو جوہڑوں تالابوں کی شکل میں بچایا ورنہ زمین کے مسامات کا کام ہے پانی کو چوس لینا اور پانی کا کام ہے دھنستے چلے جانا۔ کیا عجیب رحیمانہ کریمانہ قدرتِ پروردگار ہے۔ یہ تمام اسی کی قدرت کے جمع کردہ خزانے ہیں۔ یہ نہریں۔ کوئیں۔ ڈیم۔ تالاب مَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِیْنَ۔ تم انسان فلاسفر۔ سائنسدان انجینئر اور کھدائی کرنے والے مستری مزدور اس کے خزانے جمع نہیں کر سکتے تم نے تو صرف کھود کر نیچی جگہ بنا دی اس کو بھرنا جمع رکھنا زمین کو چوسنے سے باز کرنا یہ سب ہمارے ہی افعال ہیں۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْیٖ وَنُمِیْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِیْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِیْنَ۔ بےشک ہم ہی

زندہ کرتے ہیں یا زندہ رکھتے ہیں آسمان وزمین کی تمام مخلوق کو جس کو جتنا عرصہ چاہتے ہیں زندگی دیتے ہیں۔ زندگی بھی عجب اسرار الٰہیہ میں سے ہے جس کے آنے جانے اور ختم ہونے کی حقیقت آج تک کوئی نہیں جان سکا۔ اور نہ کوئی رب تعالیٰ کے سوا زندگی دے سکتا ہے نہ زندگی لے سکتا ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ اور موت بھی ہم ہی دیتے ہیں۔ اور موت کی ہلاکت دفنا اور بربادی ہر چیز سے غفلت کے بعد باقی چیزوں کے وارث نگہبان حقیقی مالک تمام اشیاء ونفوس کے ہم ہی ہیں اس لیے کہ ہم ہی باقی ہیں۔ وارث ہونے کے لیے دو چیزیں شرط ہیں ایک یہ کہ نہ رہنے والے شخص کا مال ہو۔ دوسرے یہ کہ اس کے بعد اس وراثت کا کوئی حقدار ہو۔ تو وہی حقدار وارث ہوگا۔ تو چونکہ دائمی سب کے بعد باقی رہنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اس لیے وہی سچا وارث ہے اسی لیے انبیاء کرام کا دنیوی وارث کوئی نہیں ہوتا کیونکہ انبیاء کرام کے پاس دنیوی مال ہی نہیں رہتا ان کا مال دین ہی ہے اور اس کا مستحق صرف خلیفۂ وقت ہے۔

اور البتہ بیشک ہم نے تم سب کو جان لیا خواہ پہلے لوگ ہوں یا بعد میں آنے والی نسلیں۔ یا تم میں آگے بڑھنے والے ہوں یا پیچھے رہنے والے۔ یا فوت شدہ ہوں یا موجودہ لوگ یا عالم ارواح کے ہوں یا عالم دنیا کے لوگ۔ یہاں مُستقدمین اور مُستاخرین میں فقہاء کرام مفسرین عظام کے چند قول ہیں لیکن جو بات تفسیر ابن عباس میں لکھ دی گئی ہے وہ درست نہیں یہ کہ زمانہ نبوی میں ایک بہت خوبصورت عورت نماز پڑھنے آتی تھی تو کچھ مسلمان تو آگے اگلی صفوں میں کھڑے ہو جاتے تاکہ ہم نہ دیکھ سکیں اور کچھ اس نیت سے پچھلی صف میں کھڑے ہوتے تاکہ ہم اُس کو دیکھیں۔ اور پھر سجدے میں ہاتھوں کے بیچ سے دیکھتے رہتے۔ یہ انتہائی لغویات ہے ایک تو اس لیے کہ سجدے میں یہ تو منہ ٹیڑھا کر کے دیکھتے مگر عورت بھی تو سجدے میں پڑی ہے نظر کیا آتی دوم اس لیے کہ اس طرح منہ کھلا عورت کا آنا بھی تو حرام ہے کوئی عورت مسجد نبوی میں کبھی بغیر چادر بے پردہ نہیں آئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انتہائی سختی سے منع کیا ہوا تھا سوم اس لیے کہ صحابہ کرام سے یہ حرکت ناممکن ہے اور منافقین کسی خاص عورت کے لیے ایسا کر نہیں سکتے۔ شان نزول اگرچہ کچھ درست ہے مگر اس میں خاص عورت کا ذکر نہیں نیز شان نزول میں اختلاف ہے اور منافقین کے پیچھے رہنے کی وجہ میں بھی اختلاف ہے۔ بعض نے فرمایا کہ منافقین جلدی بھاگنے کے لیے پیچھے کھڑے ہوتے تھے۔ یا کچھ لوگ دور گھروں والے دیر سے پہنچتے تو پیچھے کھڑے ہوتے ان کی تسلی کے لیے فرمایا گیا کہ تم جہاں بھی کھڑے ہو نیتیں پاکیزہ اور خیر رکھو تو کوئی مضائقہ نہیں رب تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ بہر کیف تفسیر ابن عباس کی یہ بات قطعاً غلط ہے (حقیقت یہ ہے کہ تفسیر ابن عباس کی اکثر باتیں غلط ہوتی ہیں، اس میں اسرائیلیات کی بہت باتیں ہیں۔)

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا ہر چیز کو پیدا کرنا نہ یہ کہ کسی گودام میں رب نے چیزیں جمع کر رکھی ہیں اور وہاں بھری پڑی ہیں جو تھوڑی تھوڑی نازل فرماتا رہتا ہے جیسا کہ آریوں اور دیگر ہندوؤں اور

کچھ عیسائیوں کا یہ باطل عقیدہ ہے اور مسلمان فرقوں میں بوہریوں کا بھی یہ عقیدہ ہے۔ یہاں اعلیٰحضرت کے ترجمے کی شان ظاہر ہوتی ہے کہ مفسر محترم سید رحیم شاہ صاحب سے یہاں ترجمہ میں لغزش ہوئی۔ جو انہوں نے بھرے ہوئے کا لفظ بڑھا کر ان فرقوں کو تاثر مہیا کر دیا۔ اگرچہ سید صاحب کی مراد غالباً یہ نہیں ہے۔ واللہ اعلم بہر کیف یہ ترجمہ یا تفسیر مناسب نہیں۔ جب یہ سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ لَآ اَقُوۡلُ لَكُمۡ عِنۡدِىۡ خَزَآئِنُ اللّٰهِ کا منشا بھی یہ بتلانا ہے کہ میں محمد مصطفےٰ اللہ کے خزانوں کو پیدا کرنے والا نہیں۔ یہ مقصد نہیں کہ میرے پاس کچھ ہے ہی نہیں۔ ورنہ اس حدیث سے ٹکراؤ پیدا ہو جائے گا جس میں فرمایا گیا اُوۡتِیۡتُ مَفَاتِیۡحَ خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ۔

دوسرا فائدہ۔ نماز میں اول وقت پہنچنا اور مقتدی حضرات کا پہلی صف میں جگہ لینے کی کوشش کرنا افضل ہے اور سنتِ صحابہ کرام ہے یہ فائدہ وَلَقَدۡ عَلِمۡنَا الۡمُسۡتَقۡدِمِيۡنَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ نیک لوگوں کا پڑوسی ہونا بھی خوش قسمتی اور افضلیت ہے۔ یہ فائدہ اَرۡسَلۡنَا الرِّيٰحَ الخ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے بارش کی وجہ سے بارش والی ہوا کو ریح فرمایا۔ حالانکہ قرآن مجید میں رحمت کی ہوا کو ریح کہا جاتا ہے اور غضب والی طوفانی آندھی کی ہوا کو ریح فرمایا گیا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اگرچہ سب اشیا کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر انسان کو روزی کمانا فرض ہے یہ مسئلہ مَعَايِش کے تفسیری اشارے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ معایش کا ایک معنیٰ یہ بھی ہے کہ حصولِ عیش والی زندگی۔

دوسرا مسئلہ۔ زندگی میں انسان اپنے اموال کا عارضی طور پر مستقل مکمل وارث و مالک ہوتا ہے مگر بعد وفات کوئی شخص اپنی کسی چیز کا وارث مالک نہیں رہتا۔ لہٰذا مزارات پر چڑھاوے صاحبِ مزار کی ملکیت نہیں ہو سکتے مگر اللہ کے لیے وقف ہیں جیسے کہ مساجد وغیرہ اور قبرستان نہ یہ حکومت کی ملک ہیں۔ اس لیے ان کو ہر مسلمان استعمال کر سکتا ہے یہ مسئلہ نُمِيۡتُ سے متصل بعد نَحۡنُ الۡوٰرِثُوۡنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ وَمَنۡ لَّسۡتُمۡ لَهٗ بِرٰزِقِيۡنَ۔ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جانور حیوان گائے بھینس اونٹ بھیڑ بکری تم گھر میں رکھتے ہو اس کو بھی تم رزق نہیں دیتے نفع تم لیتے ہو۔ رزق اللہ تعالیٰ کھلاتا ہے۔ یہ تفسیر اس لیے درست نہیں کہ یہاں لفظِ مَنۡ موصولہ ہے جو عقل والوں کے لیے آتا ہے تو یہاں بال بچے نوکر غلام تو مراد ہو سکتے ہیں مگر گھریلو جانور مراد نہیں ہو سکتے۔

جواب :۔ قواعدِ نحویہ کے تحت اصلاً تو واقعی مَنۡ اور مَا دونوں اسم موصولہ اپنے الگ معانی کے لیے مقرر ہیں اس طرح کہ مَنۡ عقل والوں کے لیے اور مَا غیر عقل والوں کے لیے۔ مگر کبھی اس کے برعکس بھی مستعمل ہو جاتے ہیں۔ مثلاً باری تعالیٰ

فرمایا ہے فَمِنْهُم مَّن يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ الخ یعنی بعض جانور وہ ہیں جو پیٹ کے بل چلتے ہیں جیسے کیڑے مکوڑے۔ دیکھو یہاں حیوانات غیر عقل کیلئے لفظ مَن آیا۔ نیز بارھویں پارے میں آیت کریمہ سے یہ تفسیر درست ثابت ہوتی ہے کہ فرمایا گیا۔ وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا نیز حاجات ضروریہ اور لوازمات حیاتیہ میں تمام حیوان بھی انسانوں کی مثل عقل رکھتے ہیں روزی طلب کرتے ہیں پیاس کے وقت پانی کی طرف دوڑتے ہیں۔ ہلاک کرنے والے راستوں اور چیزوں سے بھاگتے ہیں۔ یہ سب سمجھداری کی باتیں اور کام ہیں۔ سورۃ نمل میں ایک چیونٹی نے کہا تھا اُدْخُلُوا مَسَاكِنَكُمْ اس لیے ضروریات زندگی کے لیے مَن کا لفظ ایسے موقعوں پر جائز ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہر چیز کے خزانے رب کے پاس موجود ہیں اور تفسیر نے فرمایا کہ خزانے جمع نہیں ہیں بلکہ ہر آن بقدر ضرورت رب تعالیٰ پیدا فرما دیتا ہے۔ پیدائش میں دیر نہیں لگتی۔ تو پھر معتزلہ کا یہ قول درست ہوا کہ معدوم بھی اشیا ہی ہوتی ہیں اہلسنت کا مسلک ہے کہ معدوم کو شی نہیں کہا جا سکتا۔ یہاں مَا مِن شَيْءٍ فرمایا گیا۔ اس کی کیا وجہ۔ **جواب**۔ معدوم کو حقیقتاً شی نہیں کہا جاتا یہاں معدوم کو شَیْءٍ اور خزانہ فرمانا تمثیلاً ہے اور آئندہ کی حالت کا ذکر ہے جس طرح کہ عالم ارواح میں باری تعالیٰ نے ارواح انبیاء سے میثاق لیا نہ کہ انبیاء سے مگر اُن کو نبیین فرمایا آئندہ کے حالات کی بنا پر یا جس وقت کے قرآن مجید زمین پر اتر رہا تھا اس وقت کے اعتبار سے کہ اب روحیں لبادۂ نبوت میں تھیں۔ یا جو چیز یقینی ہوتی ہے اس کو پیشگی نام دے دیا جاتا ہے جیسے کہ قیامت کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال ہوا۔ اور معنی ہے کہ گویا ہو ہی گئی اسی طرح یہاں کہ وہ معدوم گویا پیدا ہو ہی گئیں اس لیے وہ شی ہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا نَحْنُ الْوَارِثُونَ ہم وارث ہیں۔ وارث تو وہ ہوتا ہے جو مورث کے مرنے کے بعد مالیت کا مالک بنے پہلے اُس مال کا مالک نہ ہو۔ حالانکہ رب تعالیٰ تو ازل سے ابد تک ہر چیز کا مالک ہے۔ وارث کہنا کس طرح درست ہوا۔
جواب۔ یہاں وارث بمعنی باقی ہے نہ کہ مالک یعنی ہم باقی ہیں اگرچہ سب فنا ہو جائیں۔ یا بمعنی ذاتی مالک ہے۔ باقی سب عارضی اور عطائی ہے۔ یا یہ معنی ہے آج تو کسی کی دنیا میں کسی طرح کچھ ملکیت موجود بھی ہے لیکن سب کی موت کے بعد صرف ہماری ہی ملکیت قائم ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا إِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُومٍ یہ مَعْلُومٍ کس اعتبار سے ہے اگر بندوں کے اعتبار سے ہے کہ بندوں کو معلوم ہے تو غلط ہے کیونکہ عام بندے کسی بھی رزق کی آمد اور مقدار کو نہیں جانتے اور اگر اللہ کے علم کے اعتبار سے ہے کہ اللہ کو اندازہ معلوم ہے تو پھر ایک برابر سب جگہ اور سب بندوں کیلئے رزق کیوں نہیں اترتا۔ اس لیے کہ قَدَرٍ کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ قَدَرِ كِفَايَةٍ یعنی اس اندازے سے رب تعالیٰ رزق اتارتا ہے جو سب بندوں کو کافی ہو جائے (تفسیر کبیر رازی) **جواب**۔ مَعْلُومٍ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے۔ لیکن قَدَر کا معنی كِفَايَة یا اندازہ نہیں۔ بلکہ معنی ہے نِهَايَة۔ مقصد بیان یہ ہے کہ بندوں کی نسبت سے ہمارے خزانے بے انتہا ہیں مگر ان میں سے جو اتارا جاتا ہے وہ محدود اور انتہا ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معلوم کی نسبت بھی بندوں کی طرف ہو یعنی بندے اس کو تو جانتے جو اترا ہے لیکن ہمارے خزانوں کو نہیں جانتے۔ **پانچواں اعتراض**۔ یہاں فرمایا أَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ چاہیے تھا کہ ہوتا مُلَقِّحَ یا مُلْقِحَ

کیونکہ لَوَاقِحَ اسم فاعل لازم ہے اور اِس کا ترجمہ ہے خود بھری ہونے والی۔ اور مَلَاقِحُ اسم فاعل متعدی ہے جس کا ترجمہ ہے بادلوں کو بھرنے والی اور یہی بتانا مقصود ہے۔ **جواب**۔ اگرچہ مَلَاقِحُ متعدی ہے مگر زیادہ مناسب اور موقعہ کے لحاظ سے بہترین با مقصد لفظاً اور جامع صیغہ لواقح ہی ہے چار وجہ سے ایک اس لیے کہ جو خود بھرا ہوگا وہی دوسرے کو بھرے گا۔ دوم اس لیے کہ لواقح بمعنی ملاقح ہی ہے۔ اور یہ رواجاً بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص ہمارے گھر بھرا پُرا آیا۔ یعنی اس کے آنے سے ہمارا گھر بھر گیا۔ اس نے بھر دیا۔ سوم یہ کہ لواقح میں نسبت فاعلی زیادہ واضح ہے جیسے کہا جاتا ہے ذَرٌ حُمٌ وَارِزٌ یعنی فَرْدُوْزِنٌ۔ چہارم یہ کہ لواقح کا معنی یہ ہے کہ یہ ہوائیں اُن بادلوں کو اٹھاتے ہوتی ہیں جو پانی سے بھرے ہیں۔ اور لواقح معنی حامل ہیں۔ اس وجہ سے لواقح فرمانا ہی درست ہے۔ **چھٹا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ پہلوں اور بعد والوں کو جانتا ہے کیا مسلمانوں کا اللہ موجودین کو نہیں جانتا۔ موجودین کا ذکر کیوں نہیں کیا گیا (آریہ) **جواب**۔ اس لیے کہ موجودین کو تو ہر ایک جانتا ہے اس کو ذکر کرنا کوئی کمال نہیں۔ کمال اور قدرت تو یہ ہے کہ ازلی ابدی اور معدوم کو جانا جائے۔ اس کی تفسیر صوفیانہ آیت ۳۱ کے ساتھ بیان کی جائے گی۔

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور بیشک رب تمہارا - وہی جمع کرے گا اُن کو حشر میں بیشک وہ دانائی حکمت والا علم والا ہے

اور بیشک تمہارا رب ہی انہیں قیامت میں اٹھائے گا اور بیشک وہی علم و حکمت والا ہے

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ

اور البتہ پیدا کیا ہے ہم نے انسان کو سے کھڑکتی مٹی ۔ سے

اور بیشک ہم نے آدمی کو بجتی ہوئی مٹی سے

مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۶﴾ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ

گارے پُرانے ۔ اور جنات کو پیدا کیا ہم نے اُس کو سے پہلے بذریعہ آگ

بنایا جو اصل میں ایک سیاہ بُودار گارا تھی اور جن کو اس سے پہلے بنایا بے دھوئیں کی آگ

السَّمُوْمِ ﴿۲۷﴾ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌ

تیز پختہ کے ۔ اور یاد کرو جب کہ فرمایا رب نے تمہارے کو فرشتوں بیشک میں پیدا کرنے والا ہوں

سے ۔ اور یاد کرو جب تمہارے رب نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں آدمی کو بنانے والا ہوں

بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ﴿۲۸﴾ فَاِذَا

بشر کو سے کھڑکتی مٹی جو پرانے گارے سے ہے ۔ تو جب

بجتی مٹی سے جو بدبودار سیاہ گارے سے ہے ۔ توجب

سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ

برابر صحیح کردیا میں نے اُس کو اور پھونک دی میں نے میں اُس کے روح اپنی تو کہا کہ گرجاؤ لیئے اسکے

میں اُسے ٹھیک کرلوں اور اس میں اپنی طرف کی خاص معزز روح پھونک دوں تو اس کے لیے

سٰجِدِیْنَ ﴿۲۹﴾ فَسَجَدَ الْمَلٰٓىٕكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ﴿۳۰﴾

سجدہ کرتے ہوئے تو سجدہ کردیا فرشتوں نے اُن تمام نے مل کر

سجدے میں گر پڑنا تو جتنے فرشتے تھے سب کے سب

اِلَّاۤ اِبْلِیْسَؕ اَبٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ﴿۳۱﴾

سوائے ابلیس کے ۔ انکار کیا اس سے کہ ہو وہ ساتھ سجدہ کرنے والوں کے

سجدے میں گرے سوا ابلیس کے اُس نے سجدے والوں کا ساتھ نہ مانا

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتِ کریمہ میں رب تعالیٰ نے دنیوی زندگی سازو سامان کا ذکر فرمایا جس سے ثابت ہوا تھا کہ یہ دنیا سب اسی نے پیدا فرمائی ہے ۔ اب اِن آیات میں حشرونشر کا ذکر ہورہا ہے کہ وہ زندگی اور وہاں کا اجتماع بھی اُسی کی شانِ قدرت ہے ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں ہواؤں اور پانیوں کا ذکر ہوا ۔ اب ان آیات میں مٹی اور آگ کا ذکر ہورہا ہے ۔ اور اشارہ کیا گیا کہ یہ چار عنصر ہی ہیں جو مادی دنیا کے رکن ہیں اِس پر ظاہر کائنات کا تعلق ہے اور انہی چاروں میں سرکشی کا ظہور ہوتا ہے ۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور تمہارے پچھلے لوگوں کو جانتا ہے ۔ اب اِن آیات میں اشارہ کیا جارہا ہے کہ تمہارے اگلے تو وہ تھے جن کو فرشتوں نے سجدہ کیا ۔ اور تمہارے پچھلے آقا دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

ہیں تمہارے انگوں کی شیطان نے گستاخی کی اور پچھلوں کی خود تم گستاخی نافرمانی کر رہے ہو لیکن رب کریم کی بارگاہ میں دونوں ہی آدم علیہ السلام اور نبی پاک عظمت و شان والے ہیں۔

تفسیر نحوی

وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ. وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ. وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ۔ واؤ ابتدائیہ۔ اِنَّ حرف تحقیق۔ رَبَّ۔ مصدر مبالغہ کا اسم ہے۔ جیسے زیدٌ عدلٌ۔ معنیٰ ہیں بہت زیادہ اور مکمل تربیت دینے والا۔ پالنے والا۔ حفاظت کرنے والا۔ منصوب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے۔ مضاف ہے کَ۔ ضمیر واحد مذکر کا۔ کَ ضمیر حاضر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام مسلمان۔ یا عام انسان۔ پہلے قول کو ترجیح ہے۔ مجرور متصل ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اور اپنے عامل مضاف سے جڑی ہوئی ہے۔ هُوَ۔ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مابعد کا اور خبر اِنَّ ہے پورا جملہ اسمیہ ہو کر یَحْشُرُ باب نَصَرَ کا مضارع معروف واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع رَبَّ ہے۔ حَشْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اکٹھا کرنا۔ جمع کرنا۔ جکڑ کر لے جانا۔ بمعنیٰ مستقبل ہے۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے هُوَ مبتدا کی۔ اور وہ جملہ خبر اِنَّ ہے۔ اِنَّ حرف تحقیق بمعنیٰ بیشک۔ ہٗ ضمیر اس کا اسم ہے اسی لیے یہ ضمیر منصوب ہے۔ حَكِيْمٌ اسم صفت مشبہ۔ حُكْمٌ یا حِكْمَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ تدبیر کرنا۔ صحیح معرفت اور پہچان کرنا۔ مضبوط اور درست فیصلہ کرنا۔ عقل والا ہونا۔ حکیم کا معنیٰ ہوا تدبیر والا۔ ہر چیز کی معرفت والا اچھے فیصلہ والا ان معانی میں یہ اللہ کی صفت ہے اور صفاتی نام ہے۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے عقل والا ہونا بندے کی صفت ہے۔ بحالت رفع ہے خبر اول ہے اِنَّ کی۔ عَلِیْمٌ مبالغہ ہے۔ بمعنیٰ بہت علم والا بحالت رفع خبر دوم ہے اِنَّ کی۔ واؤ سر جملہ۔ لام ابتدائیہ برائے تاکید۔ قَدْ۔ لغت عربی میں قد تین قسم کا ہے۔ ۱ اسم ۲ اسم فعل ۳ حرف بدا ملیت ہے۔ یہاں حرف ہے۔ جب ماضی پر داخل ہو تو کبھی مطلق کو قریب بناتا ہے کبھی سوالیہ بن جاتا ہے کبھی کمی کے لیئے آتا ہے۔ اور کبھی تحقیق و یقین کے لیے یہاں یقین کے لیے ہے۔ خَلَقْنَا فعل ماضی مخاطب باری تعالیٰ ہے۔ الف لام استغراقی اِنْسَانَ۔ اسم مفرد جامد۔ اسم جنسی ہے اس لیے مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے مِنْ جارّہ بمعنیٰ مَعَ صَلْصَالٍ۔ اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی کھڑکھڑاتی ہوئی مٹی۔ بروزن فَعْلَالٌ ہے بمعنیٰ مُصَلْصَلٌ۔ مُصَلْصَلٌ مضاعف رباعی سے بنا ہے۔ مٹی کی چوتھی اور آخری حالت کا نام ہے یعنی ٹھیکری۔ پختہ۔ پکی ہوئی۔ مِنْ جارّہ بیانیہ توصیفیہ حَمَاٍ۔ اسم مفرد جامد نکرہ ہے بمعنیٰ کیچڑ۔ گارا پرانا۔ بحالت کسرہ ہے مِنْ سے۔ مَسْنُوْنٍ۔ اسم مفعول سَنٌّ سے بنا ہے باب نَصَرَ سے ہے۔ لغوی اعتبار سے دس معنیٰ میں مستعمل ہے۔ یہاں مراد بدلا ہوا۔ پرانی ہو کر جو چیز بدل جاتی ہے اس کو مسنون کہا جاتا ہے کیچڑ یا گارا پرانا ہو کر سیاہ ہو جاتا ہے۔ پس ترجمہ ہوا کالی کیچڑ۔ یہ مٹی کی تیسری حالت ہے۔ مٹی کی کل چار حالتیں ہوتی

ہیں۔ اس کا پورا بیان انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں ہوگا۔ واؤ عطفِ جملہ۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام۔ جَانَّ۔ اسم جمع مکسّر ہے اس کی واحد ہے جِنٌّ۔ نسلِ جنات کا جنسی نام ہے۔ ایک قول میں جَانٌّ۔ سب سے پہلے جن یعنی ابلیس کا نام ہے۔ اس لیے یہ لفظ مفرد جامد ہے۔ یہاں بحالتِ نصب ہے یا اس لیے کہ مُقدّم ہے اور اس کا مفسّر آگے ہُ ضمیر منصوب ہے۔ یا اس لیے کہ یہاں ایک فعل خَلَقْنَا پوشیدہ ہے جس کی تفسیر یا تاکید موجودہ خَلَقْنَا کر رہا ہے یہ اُس کا مفعول بہ ہے۔ ایک قول میں دَالْجَانَّ ہے بحالتِ رفع مبتدا ہے اگلی سب عبارت جملہ فعلیہ ہو کر اس کی خبر ہے۔ خَلَقْنَا۔ بابِ نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم ہے۔ خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا۔ ہُ ضمیر واحد غائب کا مرجع جَانَّ ہے منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے خَلَقْنَا کا۔ مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے قَبْلُ اسم ظرف زمانی ہے مضاف ہے اور اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اس لیے مبنی رفع پر ہے مِنْ جارہ بمعنی مع۔ نَارِ۔ اسم مفرد جامد بمعنی آگ مضاف ہے یہ اضافتِ توصیفی کہلاتی ہے یعنی موصوف صفت آپس میں مضاف اور مضاف الیہ ہوں۔ السَّمُوْمُ۔ الف لام عہد ذہنی سَمُوم بروزنِ فَعُول صیغہ ہے مبالغے کا۔ سَمٌّ مصدر ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گرم ہونا ہوا کا۔ بغیر دھوئیں والی آگ۔ سموم کا معنیٰ انتہائی گرم ہوا۔ یہاں مراد ہے انتہائی تیز آگ جس کا دھواں نہ ہو۔ کیونکہ تیز آگ کا دھواں نہیں رہتا۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے نار کا۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ۔ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ واؤ عطفِ جملہ۔ اِذْ اسم ظرف زمانی ہے اس کے بعد اُذْكُرْ پوشیدہ ہے جس میں خطاب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ قَالَ فعل ماضی مطلق واحد غائب رَبُّ اسم مفرد جامد نام ہے اللہ تعالیٰ کا۔ بحالتِ رفع فاعل ہے قال کا۔ لام جارّہ مفعولیت کا۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام مَلٰٓئِكَة۔ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے مَلَکٌ۔ فرشتوں کا اسم علم جنسی ہے۔ انتظامِ کائنات سرانجام دینے کی وجہ سے ان کو مَلَکٌ کہا جاتا ہے چونکہ سب ہی مختلف انتظاماتِ عالم میں مشغول ہیں اس لیے سب کو مَلَکٌ کہا گیا ان کا جنسی نام صرف یہی ہے نوعی علم کوئی نہیں کیونکہ نوع ایک ہی ہے نہ کر جوان نہ بچے نہ بوڑھے نہ عورت نہ مرد۔ نہ صنعتی نہ سندھی۔ ہاں ذاتی نام سب کے علیحدہ ہیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ افراد والی مخلوق ہے۔ یہاں تک کہ تمام انسان تمام پرندے چرندے کیڑے مکوڑے نباتات پتے گھاس کے تنکے سب کو علیحدہ گنتی میں کر کے ایک طرف کیا جائے تو اُس کے مقابل بھی گیارہ گنا زائد ہیں۔ (صاوی روح البیان) یہ جار و مجرور متعلق ہے قَالَ کا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ ہمزہ کے جر سے یہ سب اگلی عبارت مقولہ ہے۔ قول کا۔ مقولہ چونکہ نئی عبارت ہوتی ہے اس لیے حرفِ مشبہ اِنَّ آتا ہے نہ کہ اَنَّ۔ یٖ ضمیر متکلم منصوب متصل اسم ہے اِنَّ کا۔ خَالِقٌ اسم فاعل واحد مذکر بحالتِ رفع ہے خبر ہے اِنَّ کی خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا۔ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ مرجع رَبٌّ ہے بَشَرًا۔ اسم مفرد جامد بَشَرٌ یا بَشْرٌ سے بنا ہے بمعنی بغیر بال کی کھال والا۔ مراد انسان ہے۔ بَشَر انسان کا صفاتی اور کیفیاتی نام

ہے۔ منصوب مفعول بہ ہے خالقٌ کا۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ صَلْصَالٍ۔ اسم مفرد جامد بمعنی پکی ہوئی دھکی ہوئی کھڑکتی مٹی نکرہ مجرور ہے مِنْ سے مِنْ جارّہ بیانیہ صَلْصَالٍ کا بیان کیفیت ہے حَمَاٍ۔ اسم مفرد جامد نکرہ اسم مُشکنی مجرور ہے مِنْ سے بمعنی کیچڑ۔ مَسْنُوْنٍ۔ اسم مفعول ہے سَنٌّ سے بنا ہے بمعنی پرانا کیا ہوا۔ سیاہ گارا بحالت کسرہ ہے تابع صفتی ہے حَمَاٍ کا۔ فَ حرف عطف بمعنی ثُمَّ۔ اِذَا حرف شرط اگلا سب جملہ شرط ہے سَوَّیْتُهٗ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد متکلم بمعنی مضارع منتقبل ہے مخاطب رب تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے تَسْوِیْئٌ۔ تَسْوِیَۃٌ۔ اجوف واوی ناقص یائی لفیف مقرون سے بنا ہے۔ بمعنی درست کرنا۔ برابر کرنا۔ مکمل کرنا۔ یہاں ہر معنی درست ہے۔ ہٗ ضمیر کا مرجع بشرًا ہے واؤ عاطفہ عطف ہے سَوَّیْتُهٗ پر نَفَخْتُ۔ باب نصر کا ماضی مطلق معروف مثبت نَفْخٌ سے بنا ہے بمعنی پھونکنا ڈالنا فی جارّہ ظرفیہ مکانیہ ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع بشرًا ہے۔ مِنْ جارّہ زائدہ بیانیہ۔ یا تبعیضیہ۔ مفعول بہ پر داخل ہوا ہے۔ روح اسم مفرد جامد۔ بمعنی ہوا۔ جان۔ بھید۔ یہاں بمعنی جان ہے۔ یْ۔ ضمیر متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے روح مضاف کا۔ یہ مرکب اضافی جارو مجرور ہو کر متعلق ہے نَفَخْتُ کا اور وہ جملہ فعلیہ معطوف ہے سَوَّیْتُ کا اور وہ جملہ عاطفہ ہو کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ قَعُوْا۔ باب افعال کا۔ امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر وقعٌ سے بنا ہے۔ ثابت ہونا۔ واجب ہونا۔ موجود ہونا اسی سے ہے واقعہ وقوع۔ مو قعہ لازم ہے۔ باب افعال نے اس کو متعدی بنا دیا۔ مصدر ہے اِوْقَاعٌ واؤ کو ماقبل کسرے کی وجہ سے یٰ سے بدل دیا ہو گیا اِیْقَاعٌ بمعنی گر پڑنا فَرًا قَعُوْا دراصل تھا اَوْقِعُوْا ہمزہ وصلی کو بوجہ ثقل اور واؤ کو بوجہ ملابست کے خطرے کے پیش نظر گرا دیا گیا۔ لام جارّہ نفع کا ہے یا ظرفیت مکانی کیلئے ہے بمعنی عِنْدَ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع بشرًا ہے۔ سَاجِدِیْنَ۔ اسم فاعل باب نصر کا صیغہ جمع مذکر۔ سَجْدٌ سے بنا ہے بمعنی سجدہ کرنا۔ بحالت فتحہ ہے حال ہے قَعُوْا کے فاعل اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا جس کا مرجع ہے ملائکہ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ۔ فَ تعقیبیہ۔ سَجَدَ۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب سَجْدٌ سے بنا ہے بمعنی زمین سے پیٹ اور سینے کے بل چمٹ جانا۔ زمین پر انتہائی جھکنا۔ اصطلاح شریعت میں بنیت فرماں برداری کسی کی اظہار تعظیم ادب شفقت کے لیے مخصوص اعضا کو زمین پر لگانا۔ یہی سجدے کی حقیقت ہے۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ۔ الف لام استغراقی ملائکہ جمع مکسر ہے مَلَكٌ کی بمعنی تمام فرشتے۔ كُلُّ اسم تاکیدی هُمْ ضمیر جمع اس کا مضاف الیہ ہے اَجْمَعُوْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم۔ اس کا واحد ہے اَجْمَعُ۔ اسم تفضیل ہے۔ باب فتح کا۔ جَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی اکٹھا ہونا ایک جگہ ہونا۔ ایک دم کرنا۔ بحالت رفع ہے مَلٰٓئِكَةُ اس لیے مرفوع ہے کہ فاعل ہے سَجَدَ کا۔ كُلُّهُمْ اس لیے مرفوع ہے کہ تاکید انفرادی ہے اَجْمَعُوْنَ تاکید جمعیت (اجتماعی) ہے۔ ملائکہ مؤکد اپنی دونوں تاکیدوں سے مل کر فاعل ہوا۔ اِلَّآ۔ حرف استثنا منقطع ہے کیونکہ مابعد مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ ابلیس فرشتہ نہیں ہے۔ اِبْلِیْسَ۔ بروزن اِدْرِیْسَ۔ اسم عجمی ہے۔ علم ذاتی ہے شیطان کا۔ غیر منصرف ہے۔ منصوب ہے کیونکہ مستثنیٰ منقطع ہے اِلَّآ کے بعد ہے۔ ذوالحال

ہے مابعد کا۔ بعض نے لفظِ ابلیس کو عربی لفظ مانا ہے بَلَسٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ غمگین ہونا متحیر ہونا متکبر ہونا۔ بروزنِ اِفْعِیل اِبلیل مبالغہ کا صیغہ ہے۔ مگر یہ غلطی ہے کیونکہ اس کا غیر منصرف ہونا متفق علیہ ہے اور اس کے لیے دو سبب یعنی ۱ عجمی ۲ عَلَم ہونا شرط ہے۔ ایک قول میں یہ مستثنیٰ متصل ہے کیونکہ فرشتوں میں شامل کر کے نکالا گیا ہے۔ اَبٰی باب فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد غائب۔ اِبَآءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ انکار کرنا۔ منہ پھیرنا۔ نفرت سے انکار کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع ابلیس ہے۔ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اَبٰی کا۔ اَنْ۔ حرفِ ناصب مضارع مصدریہ ہے۔ اس کے دو عمل ہیں۔

۱ مضارع کو نصب دینا یہ لفظی عمل ہے۔ ۲ مضارع کو مصدری معنیٰ میں کر دینا۔ یہ معنوی عمل ہے۔ یَکُوْنَ۔ فعل مضارع حالتہ ہے ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے فاعل ہے۔ اس کا مرجع ابلیس ہے۔ منصوب ہے اَنْ سے۔ واحد مذکر غائب کا صیغہ ہے۔ مَعَ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے مابعد کا۔ مفتوح ہے کیونکہ مفعول مَعَہٗ ہے ماقبل کا۔ ایک قول میں یَکُوْنَ ناقصہ ہے۔ تب یہ خبر ہوگی ال الف لام استغراقی۔ بمعنیٰ تمام۔ سٰجِدِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا واحد ہے سَاجِدٌ بمعنیٰ سجدہ کرنے والا۔ سُجُوْدٌ سے مشتق ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ چونکہ عالم انسانیت پر موت بھی ہے حیات بھی فنا بھی ہے اور پھر بقا بھی اور یہ تمام کچھ بیکار نہیں ہے اس لیے بیشک رب تعالیٰ نے ہی جمع کیا ایک وقت میں ایک جگہ تمام انسانیت کو تاکہ پہلوں اور پچھلوں کو سب ہی اپنی آنکھوں دیکھ کر جان لیں دنیا میں کوئی شخص نہ اگلوں کو جانتا ہے نہ پچھلوں کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ میدانِ محشر قائم کرنے قیامت برپا کرنے اور از اول تا آخر تمام انسانوں کو ایک میدان میں جمع کرنے میں کیا راز اور کتنی حکمتیں ہیں اس کو بھی رب تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ بیشک وہ ہی حکمتوں والا ہے اور اپنی تمام حکمتوں مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔ مخلوق کا وارث ہونا حشر نشر بعث قیامت کا متقاضی ہے اس لیے یہ سب کچھ واجب و لازم ہے۔ اجتماعِ قیامت کے لیے پانچ لفظ استعمال فرمائے گئے ہیں ۱ حشر ۲ نشر ۳ بعث ۴ رجعت ۵ جمع مگر حشر کا معنیٰ اسی حالت پر قیامت میں پہنچانا جس حالت میں زندگی مرنے تک گزاری ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔ اجتماعِ قیامت دو چیزوں کا تقاضہ کرتا ہے ایک یہ کہ مقصدِ قیامت کیا ہے اس کے لیے فرمایا گیا وہ حکیم ہے مقصد جانتا ہے۔ دوم یہ کہ سب کس طرح جمع ہوں گے اس کے لیے فرمایا گیا وہ علیم ہے سب کو جانتا ہے کہ کون کس طرح مرا اور کس حالت میں کہاں کہاں پڑا ہے۔ اب جو قیامت کا منکر ہے وہ اس کی حکیمیت کا منکر ہے اور جو ریزہ ریزہ ہونے کے بعد اٹھنے پر حیران ہے وہ علیم ہونے کا منکر ہے اور دونوں صفتوں کا انکار کفر ہے۔ میدانِ محشر کیونکہ وہیں قائم ہوگا جہاں کی مٹی سے حضرت آدم علیہ السلام

کو جایا گیا۔ اس لیے محشر حشر کے بعد پیدائش انسانی کا ذکر فرمایا کہ اے مست و متکبر انسان اپنی خلقت پر غور کر بے شک ہم نے اوّل انسان کو کس خمیری مٹی اور پرانے چلے کیچڑ سے علم و معرفت کے سانچے میں ڈھال کر کھڑکتی مٹی کی طرح خشک پتلا بنایا اور یہ ڈھانچہ ایک سو بیس سال تک پڑا خشک ہوتا رہا۔ جس مٹی سے پہلا انسان بنایا گیا۔ اسی کی چار حالتیں کی گئیں پہلی تراب یعنی خشک دھول دوم مٹی اپنی خاصیتوں کے اعتبار سے زمین کے مختلف حصوں پر چالیس قسم کی ہے حضرت عزرائیل نے سب جگہ سے ایک ایک مٹھی اٹھا کر جمع کر دی تو اس پر قدرت الٰہی سے چالیس قسم کی بارش ہوئی یہی چالیس عادتیں اور کیفیتیں انسان میں پیدا ہو گئیں یعنی شادی غمی بیماری تندرستی تنگی نرمی وغیرہ اور چالیس مٹیوں کا اثر یہ ہے کہ کوئی کالا کوئی گورا پیلا سرخ وغیرہ اس بارش سے یہ مٹی طین بن گئی یعنی کیچڑ تازہ۔ سوم پھر چالیس سال یا چالیس دن یہ کیچڑ پڑی رہی تو سیاہ خمیری ہو گئی یعنی حماء۔ پھر اس کو انسانی موجودہ شکل نہایت حسین و جمیل صورت پر پتلہ ڈھالا گیا تو یہ مٹی مسنون کہلائی یعنی تصویر۔ چہارم پھر اس پر چالیس قسم کی تپش ڈالی گئی تو یہ صلصال یعنی سخت کھڑکتی مٹی ہو گئی پھر اس میں روح الٰہی پھونکی گئی۔ کتنے بیوقوف و بیہودہ ہیں وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ انسان پہلے بندر تھا۔ ہر مخلوق اپنی خلقت میں علیحدہ اور مستقل ہے مگر ترتیب وجود اس طرح ہے کہ پہلے فرشتے پھر پانی پھر زمین پھر آسمان پھر جنات تجرو نباتات پھر صلصال یعنی انسانی ڈھانچہ پھر مختلف حیوانات جنگلی و آبادی پھر روح انسانی پھونکی گئی پیدائش ارواح میں اختلاف ہے صحیح یہ ہے کہ جنات سے پہلے ارواح انسانی و جناتی پیدا کی گئیں ملائکہ سب ایک دم پیدا کیے گئے باقی مخلوق آگے پیچھے اور قیامت تک ہوتی رہے گی انسان سے پہلے جانّ کو نار سموم سے پیدا کیا گیا۔ جان سے مراد پہلا جن ہے یا وہ ابلیس ہی ہے یا کوئی اور جن۔ ایک قول میں جان اسم جنس ہے یا اسم جمع ہے یعنی تمام جن۔ عادت کے اعتبار سے جتنی قسمیں انسان کی ہے اتنی ہی جنات کی ہیں۔ مگر خاصیت میں یہ ملائکہ کی طرح جسم لطیف ہے اور پوشیدہ ہے بہت سے سرسید علی گڑھی مارکہ لوگ اس مخلوق کے منکر ہیں مگر اب کچھ مانتے جا رہے ہیں۔ نار سموم سے مراد گرم ہوا یعنی لو۔ دنیوی آگ سے ستر گنا زیادہ تپش والی۔ دنیا کی گرم ہوا جو سخت گرم علاقوں میں دوپہر کو یا کبھی کبھی رات کو چلتی ہے۔ کبھی ہلکی اور کبھی تیز چلتی ہے۔ وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ اَبٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ۔ اور اے نبی اس وقت کو یاد کرو جب آپ کے رب نے ان ہی انسانوں کی عظمت و سرفرازی کے لیے ارشاد فرمایا تھا اپنے تمام آسمانی زمینی عرشی لوحی اور منتظمین جنت معتقین جہنم فرشتوں سے کہ بے شک میں بہت جلدی کچھ دنوں بعد پیدا کرنے والا ہوں ایک بشر نازک کھال والی ہستی یا خلافت الٰہیہ کی خوشخبری والی ذات اس مٹی کے پرانے خمیری گارے سے خوبصورت مسنون پیاری سی صورت پر سخت کھوکھتی خشک مٹی کا پتلا۔ پھر جب اس کو برابر تیار اور مکمل کر دوں میں

اور اپنی روح اُس میں پھونک دوں تو تم سب اُس کی تعظیم کرتے ہوئے اُس کے حضور آس پاس گول دائرے کی ہیئت میں زمین پر سجدے میں گر جانا۔ یا اُس کی طرف اُس کو قبلہ بناتے ہوئے مثل کعبہ حلقہ بنا کر سجدے میں سروں کو رکھ دینا۔ بعض نے کہا صرف زمینی ملائکہ کو حکم تھا مگر یہ درست نہیں ورنہ شیطان اپنے سجدہ نہ کرنے میں یہ بھی عذر و بہانہ پیش کرتا کہ مولیٰ اُن آسمانی فرشتوں نے بھی تو سجدہ نہیں کیا اُن پر گرفت کیوں نہیں؟ نَفْخٌ کے معنیٰ ہے خالی چیز میں پھونک سے ہوا بھرنی یہاں یہ ثابت کیا گیا کہ پُتلا اندر سے خالی ہے۔ محققین فرماتے ہیں تمام مخلوق میں جسم اور روح ہے۔ یہاں تک کہ ملائکہ جنات اور نباتات، جمادات میں بھی اور جسم و روح کی جدائی کا نام فنا اور موت ہے۔ مگر صرف انسان کی روح کو نسبتِ باری تعالیٰ کی اضافت کا شرف حاصل ہوا کہ فرمایا گیا رُوحِیْ۔ اس کی وجہ یہ ہے روحِ انسانی میں وہ تمام صفات رکھے گئے ہیں جو دیگر مخلوق میں متفرق ہیں۔ مثلاً ملائکہ کی نوریت۔ جنات کی ناریت نباتات کی نشوونمیت جمادات کی نمویت سب کچھ انسان میں جمع ہے نیز انسان کا جسم مجموعۂ عناصر مخلوقات ہے اسی لیے وہ تمام خوراکیں جو تمام مخلوق حیوانی و غیر حیوانی متفرق طور پر کھاتی ہے حضرتِ انسان وہ اکیلا ہی دوا یا غذا بنا کر کھا جاتا ہے۔ اسی مجموعۂ کمالات کی بنا پر مرکزِ روح قلب کو بنا دیا گیا اور اس میں عشقِ الٰہی کی امانت رکھی گئی اسی لیے اس کی اضافت باری تعالیٰ نے اپنی جانب فرمائی۔ اشیاءِ لطائف میں سب سے زیادہ جسمِ لطیف روح ہے پھر نور پھر نار اسی لیے عالمِ ارواح عرشِ اعظم سے اوپر ہے عالمِ ارواح کے دو حصے ہیں پہلا ارواحِ جنات یہ نیچے ہے اوپر ارواحِ انسان اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ کا سوال ہر دو عالم کی روحوں سے ہوا تھا۔ صرف روح کا کوئی نام نہیں نہ فقط جسم کا کوئی نام ہے۔ یہ نام اور مقام و مراتب روح مع الجسد کا نام ہے۔ عالمِ ارواح میں نہ کسی کو موسیٰ علیہ السلام کہا جا سکتا تھا نہ عیسیٰ علیہ السلام نہ غوث نہ قطب نہ کوئی مولوی صاحب نہ پیر صاحب روح کے عناصر چھ ۶ اور جسم کے چار یہ صرف انسانی عناصر ہیں۔

۱ آگ ۲ مٹی ۳ پانی ۴ ہوا ۵ انوار ۶ سر ۷ خفی اخفیٰ ۹ نفس ۱۰ اَشرار۔ روح پہلے قلب میں جاتی ہے ناک کے راستے وِدْجان سے ہوتی ہوئی پھر سارے جسم میں ہر ہر بال میں سرایت کرتی ہے یہ روحِ اکبر ہوتی ہے جس کا اندر جانا زندگی اور اسی راستے باہر نکلتی ہے اور نکلنا موت ہے۔ اس کے علاوہ پانچ روحیں ہیں جن کو لطائف خمسہ کہا جاتا ہے ان میں دو روحِ سفلیہ ہیں اور تین ارواحِ علویہ، خوابِ ایمانی و شیطانی میں روحِ سفلی نکلتی ہیں اور کشف و سیر ملکوتی میں ارواحِ علویہ۔ جب روح پھونکی گئی تو تمام فرشتوں نے اجتماعی طریقے پر صف بندی کر کے ایک دم سجدہ کیا اور چالیس دن چالیس سال سجدے میں پڑے رہے فرشتوں کو یہ علم نہ تھا کہ یہ سجدہ تعظیمی ہے یا سمتِ قبلہ ہے نیز سجدے کی حکمت اور وجہ بھی معلوم نہ تھی فقط حکمِ ربی سے سجدے میں چلے گئے اور یہی بندے کی سچی شان ہے۔ مگر ابلیس جو اگرچہ جنات میں سے ہے مگر ملائکہ کے ساتھ رہنے کی بنا پر وہ اس حکم میں شامل تھا اور اس بات کو وہ خود بھی جانتا تھا اس لیے وہاں قریب تو آ گیا مگر سجدے میں نہ گرا بلکہ اس سے صاف انکار کر گیا کہ سجدہ کرے۔ اُس کا یہ فعل حضرتِ آدم کی گستاخی

نہ تھی خود اللہ کے حکم کی بھی سخت نافرمانی تھی۔ بعض نے کہا کہ ابلیس فرشتوں میں سے ہی ہے مگر یہ غلط ہے ایک قول کہ ابلیس جنی فرشتہ ہے۔ اور یہ بھی ملائکہ کی ایک قسم ہے مگر یہ بھی غلط ہے کیونکہ ملائکہ سب ایک ہی قسم کے ہیں ایک دم سب پیدا ہوئے اور یکدم زندہ ہوئے اور قریب قیامت بوقت صُور سب ایک دم فوت ہو کر اور دوسرے صور پر سب زندہ ہوں گے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ آخر میں آنا عظمت و افضلیت اور افرافیت کی دلیل بھی ہو سکتی ہے۔ دیکھو اکثر مفسرین فرماتے کہ آدم علیہ السلام باقی انسانوں کے علاوہ دیگر اَجناسِ مخلوق میں آخری مخلوق ہیں اور ان کو اشرفیت و خلافت کا تاج عطا فرمایا گیا، تمام ملائکہ جنات نباتات جمادات حیوانات پہلے پیدا کئے گئے بجز چند کے تو اسی طرح نبوت میں اتمامِ کائنات سب سے آخر میں تشریف لائے لہٰذا تمام خلقت سے افضل ہوئے آپ کی افضلیت کی لاکھوں دلیلوں میں سے یہ بھی ایک دلیل بن سکتی ہے۔ یہ فائدہ مِنْ قَبْلُ کے خصوصی ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ رب تعالیٰ کا کسی کو کسی بھی لقب سے یاد فرما لینا بھی اُس کی انتہائی خوش قسمتی ہے۔ لہٰذا رب تعالیٰ کا حضرت آدم یا کسی بھی نبی علیہم السلام کو بشر کہہ دینا بھی ان کی عظمت کی نشانی ہے اِس لیے بشر مباشرتِ بالیدٰ کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی اپنے رب کے دستِ قدرت سے بنے ہوئے۔ یہ فائدہ خالقٌ بَشَرًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ سجدہ صرف جسم آدم کو نہ تھا بلکہ روح اور جسم کو تھا یہ فائدہ وَنَفَخْتُ کے بعد فَقَعُوْا فَ تعقیبیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ ۔ انسان کو شیطان سے ہر وقت پناہِ الٰہی مانگنی چاہیے اور بچنے کی ہمت چاہنی چاہیے۔ اس لیے کہ شیطان مساماتِ انسانی میں بھی داخل ہو سکتا ہے اتنا سخت لطیف ہے۔ یہ فائدہ مِنْ نَارِ السَّمُوْمِ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ نارِ سموم انتہائی نرم و گرم آگ کو کہتے ہیں۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ بشریت صرف جسم کا نام ہے لیکن نبوت۔ ولایت غوثیت قطبیت اور موسیٰ عیسیٰ ہونا علیہم السلام یہ روح مع الجسم کا نام ہے۔ اور روح مع الجسم ہونا عالمِ ارواح میں نہیں ہوا بلکہ زمین پر دنیوی زندگی سے شروع ہوا لہٰذا اِنِّیْ مُتَوَفِّیْكَ (الخ) سے وفاتِ مسیح کی دلیل لینا جہالت ہے۔ یہ مسئلہ۔ وَنَفَخْتُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اسی لیے عالمِ ارواح میں کسی کا نام نوح و ابراہیم یا عبدالقادر جیلانی وغیرہ نہ تھا نیز کسی بشارت میں نام لینے کا مطلب بھی یہ ہوتا ہے کہ فلاں کا یہ نام ہوگا۔

دوسرا مسئلہ ۔ مٹی بذاتِ خود پاک ہے کسی رنگ کسی بو کی مٹی کی ذاتی بدبو اُس کو پلید نہ کرے گی۔ لہٰذا کالی کیچڑ کپڑوں کو لگے اور ہو پاک کوئی گندی پڑتے نہ دیکھی ہو کسی نے تو وہ عندالشرع پاک ہوگی اُس کو خشک کرکے تیمم جائز ہے یہ مسئلہ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے ایک ترجمے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہم نے جنات کو آگ سے پیدا کیا۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی خاصیتِ آگ یہ ہے کہ اُس میں کوئی چیز نہیں ٹھیرتی جل جاتی ہے پھر نارِ سموم تو بہت ہی تیز ہے۔ وہاں زندگی عقل خرد کس طرح ٹھیر سکتی ہے۔ مٹی اور نور میں تو ہزاروں چیزیں موجود ہیں۔ لہٰذا زندگی بھی ٹھیر سکتی ہے۔

جواب ۔ انسانی جسمانیت میں چار عناصر ہیں جن میں ایک آگ بھی ہے وہاں آگ نے جان اور عقل کو کیوں نہیں جلا یا۔ اِس پر تو نہ کوئی اعتراض ہے نہ اختلاف کہ آگ ایک جسم ہے خواہ لطیف ہی ہو۔ لہٰذا جسم لطیف میں قادرِ مطلق زندگی پیدا کر سکتا ہے نیز یہ کہنا بھی غلط ہے کہ آگ ہر چیز کو جلا دیتی ہے۔ دیکھو لوہے کے اندر آگ پوری سرایت کر گئی یہاں تک کہ اس کو نرم کر دیا پگھلا دیا مگر جلا نہ سکی۔ مٹی کو آگ نہیں جلا سکتی۔ اسی طرح جس طرح کہ لوہا سونا چاندی آگ میں باقی رہا زندگی عقل بھی آگ میں باقی رہ سکتی ہے۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ ملٰئکہ جمع ہے مَلَکْ کی جس نے تمام فرشتوں کو سجدے میں شامل کر دیا اور کُلُّهُمْ نے تاکید کر دی تو پھر اَجْمَعُوْنَ کیوں فرمایا گیا یہ لفظ تو بیکار اور زائد لگتا ہے۔ (معاذ اللہ)

جواب ۔ علماءِ نحو نے اِس کے مختلف جواب دیے ہیں۔ سیبویہ نحوی اور خلیل نحوی نے کہا کہ یہ دونوں ایک جیسی تاکیدیں ہیں یعنی تاکید کے بعد تاکید۔ اور اس سے حصر اور بختگیِ کلام اہتمامِ سجدہ ثابت ہوا۔ لیکن مبرّد نحوی نے فرمایا کہ كُلُّهُمْ سے پہلے لفظِ ملائکہ کی جمعیت نے کثرت بتائی اور كُلُّهُمْ نے کلیت یعنی تمام فرشتے ہونا بتایا جس سے سب ہی ملائکہ کی سجدے میں شمولیت ثابت ہوئی لیکن اَجْمَعُوْنَ نے بیک وقت اکٹھا ہو کر سجدہ کرنا بتایا۔ اور یہ تفسیر صحیح ہے امام ابن انباری فقیہ نے بھی اسی کو پسند فرمایا۔ (مسائل الرازی) **تیسرا اعتراض** ۔ مبرّد نحوی کی بات غلط ہے کیونکہ اگر اَجْمَعُوْنَ سے ایک دم سب کا مل کر سجدہ کرنا مراد لیا جائے تو یہ مَلٰٓئِكَةُ کا حال بنتا ہے اور حال ہمیشہ منصوب یعنی زبر والا ہوتا ہے تو چاہیے تھا کہ یہ لفظ اَجْمَعِيْنَ ہوتا۔ نہ کہ اَجْمَعُوْنَ (زجاج نحوی و تفسیر مظہری)

جواب ۔ علماءِ نحو کے نزدیک جس طرح لفظ كُلٌّ اسم تاکیدی ہے اسی طرح اَجْمَعُ بھی اسم تاکیدی ہے اَجْمَعُوْنَ اسی اَجْمَعُ کا جمع ہے۔ كُلٌّ اَجْمَعُ اَكْتَعُ اَبْصَعُ یہ سب حروفِ اسمی واحد ہوں یا جمع فقط تاکیدِ کلام کے لیے ہی مستعمل ہوتے ہیں ہاں بعض لفظ تاکیدِ کثرت کے لیے ہوتے ہیں اور بعض تاکیدِ کیفیت کے لیے۔ جس لفظ میں جتنے احتمال ہوں اتنی ہی تاکیدیں کے لیے تاکیدی لفظ بولے جاتے۔ چونکہ یہاں ملائکہ کی سجدہ ریزی میں دو چیزیں تھیں جمعیت اور اجتماعیت یعنی ساروں کا سجدہ اور ایک دم سجدہ اس لیے تاکید کے لیے دو لفظ ارشاد ہوئے اور دونوں بالکل کار آمد مفید ہیں کوئی لفظ ان دونوں میں سے نہ بیکار ہے نہ زائد۔ كُلُّهُمْ نے ملائکہ کی جمعیت کی تاکید کی اور اَجْمَعُوْنَ نے اجتماعیت کی تاکید کی اَجْمَعُوْنَ جمعیت اور کثرت کی تاکید نہیں کر سکتا جیسے کہ كُلٌّ سے اجتماع کی تاکید نہیں ہوا کرتی۔ لفظِ تاکیدی تمام اپنے علیحدہ معانی

میں مشتمل ہیں کوئی ایک جیسی تاکید نہیں کرتا اس لیے سیبویہ وغیرہ نحات کا قول قطعاً غلط ہے کہ یہ دونوں ایک جیسی تاکیدیں کر رہے ہیں۔ اور اعتراض بھی غلط ہے کہ یہ حال ہو سکتا ہے اور اگر حال ہو تو منصوب ہونا چاہیئے جس کی شکل اَجْمَعِیْنَ ہوتی ہے نہ کہ اَجْمَعُوْنَ یہ سب کچھ غلط ہے۔ صحیح اور قوی یہ ہی ہے کہ یہ حال نہیں بلکہ تاکید ہے اور تابع تاکیدی کی بنا پر کُلُّھُمْ کی نقل بحالتِ رفع ہے نہ کہ بحالتِ فتحہ۔

تفسیر صوفیانہ

وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ وَمَنْ لَّسْتُمْ لَهٗ بِرَازِقِيْنَ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ وَاَرْسَلْنَا الرِّيٰحَ لَوَاقِحَ فَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَسْقَيْنٰكُمُوْهُ وَمَآ اَنْتُمْ لَهٗ بِخٰزِنِيْنَ۔ اے عالم ناسوت میں غفلت کی زندگی برباد کرنے والو۔ عبرت کی آنکھوں تفکر کی عقلوں تدبر کے فہموں سے غور کرو کہ ہم نے ہی تمہارے روح و جگر ظاہر و باطن قلب و قالب کے لیے ضروریاتِ ابدی کی بقاء عطا کے لیے مفید سامان اور رزق و روزی بنائے ہیں اور تمہارے اعضاء قویہ کو بھی ہر قسم کی روزی مہیا فرمائی جن کو تم رزق دے سکتے ہی نہیں۔ اے ناسمجھ بندو دنیا داروں کی طرف آس باندھتے ہو۔ امیروں کو داتا اور رازق سمجھتے ہو۔ سرداروں کے دروازوں کی طرف دوڑتے ہو حالانکہ کوئی ایسا رزق اور ضروریاتِ مخلوق کی چیز نہیں ہے جس کے خزانے ہمارے پاس نہ ہوں۔ تربیتِ اجسامِ کائنات کے لیے زمینِ ظاہر کے پہاڑوں میں فضاؤں ہواؤں میں لاتعداد خزانے ہیں اور پرورش روح کے لیے عالمِ باطن میں بیشمار مخزن و معدن پیدا فرما دیئے گئے ہیں عارفین فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ جلّ مجدہٗ نے جسم انسانیت میں کثیر حسبِ مناسبت اور دقیقِ ضرورت۔ لائق حاجت ۱۸ خزانے پیدا فرمائے ہیں جن کو معلوم مقدار سے معرفت کی نگاہ دیکھتی ہے۔ پہلا خزانہ صورتِ ظاہری دوم خزانۂ اسمی سوم خزانۂ معنوی چہارم خزانۂ رنگ پنجم خزانۂ رائحہ (خوشبو) ششم خزانۂ لذت ہفتم خزانۂ طبعی۔ ہشتم خزانۂ خاصیت نہم خزانۂ احوال۔ دہم خزانۂ وارداتِ الٰہیہ ۱۱ خزانۂ نفعی ۱۲ خزانۂ نقصانی ۱۳ خزانۂ ظلمت ۱۴ خزانۂ انوار ۱۵ خزانۂ ملکوتی ۱۶ خزانۂ لطف و رحم ۱۷ خزانۂ قہر و غضب ۱۸ خزانۂ صفاتِ اللہ قلبِ مومن اور نفسِ بشریت ان خزانوں کے معدن و مخزن ہیں۔ اور قالبِ انسانیت پر ازل کی تقدیر کے مطابق انتہائی معلوم اندازے سے تقاضاء بدنی کی حکمتِ بالغہ سے ہم ہی نازل فرماتے ہیں۔ ہماری ایجاد اور انزال ایسے ہی اندازوں سے ہے جو ہماری معرفت والوں کو معلوم ہے۔ اور ہم نے ہی خیر و شر کی ہوائیں جو کہ سے بھری ہوئیں جسم انسانی میں بھیجیں تو آسمانِ قدسیہ کے سات لطیفوں کے اسرار سے عشق و عقل فہم و فراست اور کشف و مراقبہ کے پانی ہم نے نازل کئے اور ذوق و مستی کے پیاسوں کو تزکیۂ نفس اور جلاءِ روحانی کے پانی سے ہم نے تم کو سیراب کیا۔ اور تفکراتِ دنیا کے جھلسے ہوؤں کو ہم نے شربتِ قربِ ذات کا پانی پلایا۔ یہ لذات کے خزانے تمہاری طاقت و اختیار میں نہ تھے۔ نہ ہی توفیقِ الٰہی کے بغیر تم اس کے خزانچی بن سکتے تھے۔ وَاِنَّا لَنَحْنُ نُحْيٖ وَنُمِيْتُ وَنَحْنُ الْوٰرِثُوْنَ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنْكُمْ وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَاْخِرِيْنَ وَاِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ اِنَّهٗ

حکیمٌ علیمٌ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ اے ہوشِ عقل اور گوشِ قلب و نوشِ جسم والو۔ سماعتِ تدبر سے سنو کہ بیشک ہم ہی زندگی ایجاد کر کے کائنات کو زندگی بخشتے ہیں۔ اور زندہ رکھتے ہیں اور ہم ہی موت کو پیدا فرما کر مردہ کر دیتے ہیں۔ ہم ہی زمینِ ملکوتی کو زندہ کرتے ہیں کہ باغ و ثمر اُگ جاتے ہیں ہم ہی زمین کو مردہ کرتے ہیں کہ جھاڑ و خار نمودار ہو جاتے ہیں ہم نے ہی کسی کو سرسبز شاداب کر دیا کسی کو بنجر بیابان کر دیا۔ بارش سے زندگی۔ خزاں سے موت دیتے ہیں۔ کسی کو ایمان کی زندگی کسی کو کفر کی موت دیتے ہیں۔ اسی لیے مومن قبر میں بھی زندگی والا ہے اور کافر چلتا پھرتا بھی مردہ ہے۔ ہم ہی دلوں کو انوارِ مشاہدہ کی زندگی بخشتے ہیں۔ اور مجاھدے کی آگ میں موت دیتے ہیں۔ ہم ہی اہلِ سعادت کو توفیقِ عبادت سے حیاتِ ابدی دیتے ہیں اور فاسق و فاجر کو متابعتِ شہوات کی عارضی غفلت کی موت مارتے ہیں۔ ہم ہی راہِ معرفت کے مخلص سالکین کو شہودی تجلیاتِ ذات کی دائمی بقا دیتے ہیں اور اہلِ مکر و فساد اور دنیا پرستوں کو حجاب و محرومی کی موت مارتے ہیں۔ بس ہمارا ہی فعل مارنا ہے اور ہمارا ہی فعل زندہ رکھنا ہے ہم ہی خالقِ حیات و موت ہیں اور ہم ہی اپنے ولیوں کے دلوں کو اپنے جمال کے انوار سے زندہ رکھتے ہیں اور ان کے نفوسِ امارہ کو اپنے جلال کی نظرِ قہاری سے ابدی موت دیتے ہیں۔ اور اپنے عاشقین و طالبین کے ہم ہی وارث ہیں۔ تاکہ وہ ضربِ لا الٰہ سے اپنے وجود و ہستی کو فنا کریں اور ہماری بقا سے باقی رہیں۔ جب طالبِ حق ہمارے قرب سے موت و صل سے فنا ہو جاتا ہے تو ہم اس کے وارث ہو کر اس کو منزلِ بقا تک پہنچا دیتے ہیں۔ اور البتہ بیشک مسافرانِ طریقت میں اقدامِ عشق اور محبت کے پیروں سے تیز چل کر آگے بڑھنے والوں کو بھی ہم اچھی طرح جانتے ہیں اور مائل نفس پرستوں کے پیچھے رہنے والوں کو بھی ہم جانتے ہیں۔ کون وادیِ عشق کو الفت سے طے کرتا ہے کون نفرت سے کون تیزی سے کون سستی سے آپ کا رب ان تمام متقدمین اور تمام متاخرین کو بیشک ایک وادیِ انتظار میں جمع فرمانے والا ہے۔ وہیں پر خوش بختوں کے لیے قرب کے دروازے کھلتے ہیں اور بدبختوں کے لیے ہجر کی محرومی کے حجاب لگتے ہیں۔ اس تقسیمِ ازلی واصلی میں بیشک وہ رب تعالیٰ حکمت والا ہے اور ہر حیثیت و معاد کو جاننے والا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بندہ طالب ہے مولیٰ مطلوب۔ اور طالب عاقل ہے مطلوب حکیم ہے اور عاقل فہیم ہوتا ہے لیکن حکیم علیم ہوتا ہے۔ فہم کو زوال ہے علم کو کمال ہے۔ زوال کو فنا ہے کمال کو بقا ہے۔ فانی کی فنا عطائی ہے لیکن باقی کی بقا ذاتی ہے بندہ کسی کو فنا دے سکتا نہ بقا۔ بس مولیٰ تعالیٰ ہی صلصالِ معدومیت سے حماءِ مسنون کی فنا کو لبادۂ انسانیت کی بقا عطا فرماتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اے دنیائے معرفت میں چلنے والو بیشک ہم نے انسان کو زمین کی اس صلصال سے پیدا کیا جو حماءِ مسنون کے خزانوں سے بھری ہوئی ہے۔ زمین بھی اسرارِ الٰہیہ میں سے ایک عظیم بھید ہے۔ رب تعالیٰ کے ظاہری باطنی۔ روحانی جسمانی۔ نورانی عرفانی کے ہزارہا خزانے چمنِ زمین میں بکھیر دیئے اور اسی زمین سے اپنی پسندیدہ مخلوق کو انوارِ عشق کی امانت کا گرانمایہ خزانہ دیکر عالمِ ملک و ملکوت اور جہانِ کروبیاں پر اشارہ فرمایا کہ انسان بھی اللہ کی بھیدوں میں سے ایک

بھید ہے۔ جس طرح کے سارے کرّوں میں زمین چھوٹا کرّہ ہونے کے باوجود قدرت کے سارے مادّی خزانوں کی عظیم امانت دار ہے۔ اِسی طرح اسی زمین کی مٹی سے پیدا کئے ہوئے انسانی سینہ دل دماغ قدرتِ الٰہیہ کے سولہ خزانوں کا کتنا بڑا امین ہے۔ اسی میں خزانۂ نبوت رسالت۔ مرسلیت ہے۔ اسی میں شریعت طریقت معرفت حقیقت کے معدن ہیں۔ ان ہی دل ودماغ میں۔ علوم سمٰوات والارض ہے۔ یہیں پر کلامِ الٰہی آیٰتِ قدرت وکراماتِ فطرت کے خزانے مدفون ہیں۔ یہی مبارک سینے غوثیت ولایت قطبیت کا مخفی مرکز ہیں اِسی سرزمینِ بشریت پر علم وافکار کے پھول کھلتے ہیں یہ اشرفیت نہ ملائکہ کو حاصل ہوئی نہ جنات کو۔ اِس لیے کہ وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

اور جنات کو ساٹھ ہزار سال پہلے ایسی آگ سے ہم نے پیدا فرمایا جو صرف تپش سوزاں ہی ہے اس میں فیضانِ الٰہیہ کا کوئی خزانہ موجود نہیں۔ یہ بعد میں پیدا کرنا بھی ہمارا عظیم کرم ہے جو ہم نے انسانیت پر فرمایا۔ اے انسان تو ہمارے خانۂ قدرت کا دروازہ ہے تو صفاتِ الٰہیہ کے پھل پھول والا درخت ہے۔ تو ہی ہمارا قانونِ کُن ہے اور تو ہی ہماری قدرت کا بھید ہے اس لیے تو ہمارا خلیفۂ ارض ہے۔ اور محبوب آسمانی ہے یہی وجہ ہے کہ جب فرمایا تیرے رب نے تمام فرشتوں سے۔ نوریوں سے جن میں تیری اظہارِ عظمت کے لیے کئی صدیاں پہلے ایک ناری کو بھی شامل کر لیا۔ اس کو بھی ساتھ فرمایا کہ بیشک میں اہلِ عقل میں سے خاتم المخلوق بشر کو پیدا کرنے والا ہوں جس کا ہر فرد ہی میری قدرت کا بھید میری صفات کا مظہر میرے ملکوت کا مالک اور میری شانِ صنعت کا خزانہ ہوگا۔ کمزور اتنا کہ حماءِ مسنون سے ہوگا اور قوتِ گویائی ایسا کہ صلصال سے ہوگا۔ عاجز اس لیے کہ نحیف مٹی سے ہوگا۔ قوی اس لیے کہ مظہرِ جلالِ الٰہی ہوگا۔ اور باکمال ایسا کہ فرشتے بھی اُس کی شاگردی پر فخر کریں گے اور بارعب ایسا کہ شیطان بھی اُس کے سایہ سے بھاگیں گے تھرّائیں گے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے تین چیزوں میں عقل وفہم ودیعت فرمائی۔

۱ نور میں شرافت کے ساتھ ۲ نار میں شرارت کے ساتھ ۳ اور خاک میں عجز کے ساتھ۔ اس لیے جب بندۂ سالک اپنی ذات وصفات مثل حق تعالیٰ کی ذات وصفات میں فنا ہو جاتا ہے تو حق تعالیٰ کی ذات وصفات سے قریب ومتصف ہو جاتا ہے اور خودی کے فنا کے بعد باقی الوجود ہو جاتا ہے اِسی مقامِ عبدیت پر اِس حدیثِ پاک کا مظہر بن جاتا ہے کہ خود قوتِ الٰہیہ اُس کے کان آنکھ۔ ہاتھ۔ زبان بن جاتا ہے اور بندہ اپنے مولیٰ کے قدموں سے چلتا ہے غرض کہ ہر لحاظ سے اُس کی صفات کا مظہر بن کر خلافت فی الارض کے کام کرتا ہے۔ فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ۔

پھر جب اِس جوہر یکتا کو اہلیت وقابلیت کی برابری سے نواز دوں اس طرح کہ امانتِ الٰہی اور روحِ عرفانی کے لائق یہ مجسمہ ہو جائے اور اپنے دستِ جمال اور قوتِ کمال سے اُس قالب میں ملکوتِ اعلیٰ کی قرب کمال والی روح پھونک دوں جو

خاص مقامِ قرب میں میری روح ہے۔ اور سوائے اس مخلوق انسانیت کے کسی اور دوسری مخلوق کو یہ روح نہ دی گئی۔ اسی روح کی سب شانیں اور قوتیں ہیں۔ یہی روحِ اعظم ہے مظہرِ ذاتِ الٰہی ہے۔ اسی پر ربوبیتِ الٰہی کا پورا ظہور ہے صوفیا کی زبان میں اس کو قلب کہتے ہیں منطقی اس کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں علماءِ شریعت اسی روح کو عقل کہتے ہیں۔ یہ روح کائنات جسم میں ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ یہی سلطانی روح ہے۔ ذاتِ احدیت کے باطنی غیوب میں سے ہے جس طرح صفاتِ الٰہیہ کمالیہ پہلے ذاتِ احدیت کے غیوب میں تھیں اسی طرح یہ روح تعلقِ بدنی سے پہلے روحِ باطن تھی جو مقامِ خاص کی قوت میں تھی۔ اس قوت کا نام عالمِ امر ہے وہیں تقدیرِ ازلی کا دفتر ہے۔ یہ روح عاشقِ صادق اس کا پہلا معشوق اللہ تعالیٰ ہے۔ دوسرا معشوق اپنا بدن ہے۔ امام غزالی و امام رازی نے فرمایا روح اپنی ملاقاتِ بدن سے پہلے اثر مجرد ہے اور اس کی دو قوتیں ہیں۔ ۱۔ روحِ سلطانی۔ ۲۔ روحِ حیوانی۔ قوتِ سلطانی کا مقام جوفِ قلب ہے۔ اور صفاتِ ارواح بدن کے افعال و حرکات ہیں۔ حبیب اللہ کریم جل مجدہٗ نے حماءٍ مسنون سے بدن انسانی کو تخلیق فرمایا تو اس میں اپنے تین بھید معین فرمائے۔ ۱۔ تعینِ حقیقی ۲۔ تعینِ ایجابی ۳۔ تعینِ سلبی۔ جس طرح جسم انسانی کی آنکھ فرشتوں کو جنات کو نہیں دیکھ سکتی اسی طرح فرشتوں کی اور جنات کی نوری و ناری آنکھ ان انسانی باطنی اسرارِ الٰہیہ کو نہیں دیکھ سکتی۔ تعینِ حقیقی سر الاسرار ہے اس کو وَنَفَخْتُ فِيهِ مِن رُّوحِي کا لقب ذی شان عطا ہوا۔ یہی ذاتِ واحد کا مظہر ہے اور یہی عرش اللہ۔ تعینِ ایجابی کا نام روحِ سلطانی ہے۔ یہ صفاتِ واحد تعالیٰ کا مظہر ہے۔ تعینِ سلبی کا نام روحِ حیوانی ہے یہ بندے کے افعال و اعمال کا مظہر ہے اسی کو۔ اَمْرِ رَبِّیْ۔ کا اعلیٰ لقب عطا ہوا۔ ان میں سے کسی پر حجاب قرب نہیں آسکتا مگر جس پر جہالتِ نفس چھا جائے اور غفلتِ شیطانی آجائے اگر کسی ہادی۔ مرشدِ برحق کے دستِ یداللّٰہی سے یہ غفلت و جہالت کے پردے ہٹ جائیں تو انوارِ تجلیاتِ الٰہیہ کا اسی طرح مشاہدۂ قلب اور معاینۂ چشم کرنے لگے جس طرح دوپہر میں سورج کو دیکھا جاتا ہے۔ اے میرے کریم رحیم رب میرے ان حجابات کو دور فرما۔ وسیلۂ نبوتِ مصطفیٰ اور وسیلۂ ولایتِ غوث الورٰی کے صدقے و طفیل سے۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان ہی تعینات ثلٰثہ کی طرف اشارہ ہے اسی حدیث مقدسہ میں آخر مُكُمْ بِنَفْسِهٖ اَعْرَفُكُمْ بِرَبِّهٖ اور دوسری حدیث پاک میں ہے مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ بدن انسانی کے یہ بھید اتنے بڑے ہیں کہ ستر ہزار عالم اور زمین و آسمان عرش و کرسی لوح و قلم۔ اور تمام خزانۂ علوم اس کے گوشوں میں پڑے ہوتے ہیں۔ بدنِ انسانی فرشتوں کی گزرگاہ و شاہراہ ہے۔ ان بھیدوں کی معرفت فقط اسی کو نصیب ہوتی ہے جو دریاءِ تفکر میں متغرق ہو گیا جس خوش نصیب کو تفکر کی دولت حاصل ہوئی اس کے لیے ساری کائنات مخلوقات مسخر ہو گی ایسی ہی ہستی صفات کو خلیفۃ اللہ فرمایا گیا۔ اسی کے لیے تمام ملائکہ زمینی و آسمانی عرشی و کرسی۔ جبرائیل و میکائیل۔ ناری و نوری کو سجدہ ریز ہونے کا حکم عطا فرمایا کہ اے ملائکہ۔ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ۔ اس کے لیے سجدے کرتے کرتے گر جاؤ۔ یہ حکم اس لیے ہوا کہ یہ روح سرمدی مراتب قرب کے اعلیٰ رتبے میں تھی نفخۂ الٰہی سے اسفل قالب کی طرف آئی۔ اور اس سیر کوتی سے وہ روح سارے مقامات کو طے کرتی

ہوئی عبور کرتی ہوئی نور و نار کے مقام سے گزرتی ہوئی شرافتِ خلافت سے مزین ہوئی اس لیے سب اس کو سجدہ کرو۔ بدنِ انسانی کعبۂ ملائکہ بنا اور روحِ انسانی آفتابِ ملائکہ ہوگی۔ اسی لیے تمام فرشتوں نے بیکدم سجدہ طلب کیا۔ مگر ابلیس ناری نے ساجدینِ عظمت میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ کسی نے بھی اُس بھید کو نہ جانا مگر ابلیس نے استحقاقِ سجدہ کو نہ سمجھا دوسرے ملائکہ نے استحقاق کو جان لیا کہ تمام مخلوق کی شانیں فضیلتیں قوتیں عظمتیں اسی ایک چھوٹے سے جسم خاکی میں روپوش ہیں۔ ابلیس نے اس رمز کو نہ پایا اور دشمنِ حاسد بن بیٹھا۔ اور بندے پر بشریتِ ظلمانی کا حجاب ڈال دیا۔ اسی لیے کوئی بندہ کسی حال میں شیطان سے محفوظ نہیں بجز حالتِ سجدہ کے کہ جب بندہ سجدہ کرتا ہے تو شیطان قریب نہیں آسکتا۔

(تفسیر روح البیان)

قَالَ يَاإِبْلِيسُ مَا لَكَ أَلَّا تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ ﴿٣٢﴾

فرمایا اے ابلیس کیا ہوا تجھ کو یہ کہ نہ ہوا تو ساتھ سجدہ کرنے والوں کے

فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ سجدہ کرنے والوں سے

قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن

بولا نہیں ہوا میں اس لیے کہ سجدہ کروں کو بشر جس کو پیدا کیا تو نے سے

الگ رہا بولا مجھے زیبا نہیں کہ بشر کو سجدہ کروں جسے تو نے بجتی مٹی سے بنایا

صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ ﴿٣٣﴾ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا

کھڑکھتی مٹی جو بدلی ہے گارے بدبودار سے فرمایا تو نکل جا اس جنت

جو سیاہ بودار گارے سے تھی ۔ فرمایا تو جنت سے نکل جا کہ تو مردود ہے

فَإِنَّكَ رَجِيمٌ ﴿٣٤﴾ وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ

پس بیشک تو مردود ہے اور بیشک پر تجھ لعنت ہے تک دن

اور بیشک قیامت تک تجھ پر لعنت ہے۔ بولا اے میرے رب تو مجھے مہلت دے اُس دن

الدِّیْنِ ﴿۳۵﴾ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۳۶﴾

دین کے فیصلہ کے۔ بولا اے میرے رب پس مہلت دے مجھ کو تک اُس دن کہ اٹھائے جائیں گے۔

تک کہ وہ اٹھائے جائیں ۔ فرمایا تو اُن میں سے جن کو

قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ

فرمایا تو بیشک تو ہے سے مہلت دیے ہوؤں تک دن وقت

اس معلوم وقت کے دن تک مہلت ۔ بولا اے رب میرے قسم اُس کی کہ تو نے مجھے

الْمَعْلُوْمِ ﴿۳۸﴾ قَالَ رَبِّ بِمَاۤ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ

مقرر۔ اس نے کہا اے میرے رب قسم اِس کی کہ گمراہ کیا تو نے مجھ کو

گمراہ کیا میں انہیں زمین میں بھلاوے دوں گا اور ضرور میں اُن سب کو

لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۳۹﴾ اِلَّا

البتہ ضرور رو غلاؤں گا میں اُن کو بیچ زمین اور البتہ ضرور گمراہ کروں گا میں اُن سب کو مگر

بے راہ کروں گا ۔ مگر جو اُن میں تیرے چنے

عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۴۰﴾

تیرے بندوں کو سے اُن خلوص والے

ہوئے بندے ہیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں شیطان کی سرکشی کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں شیطان کے اُس مکالمے کا ذکر ہوا جس میں اُس نے اپنی سرکشی کی وجہ بیان کی ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں انسانیت کی خوش بختی اور شان کا ذکر ہوا کہ سب فرشتوں نے اُس کو سجدہ کیا۔ اب اِن آیات میں انسان کی اُس بدبختی کا ذکر ہو رہا ہے جس کی بنا پر انسان خود اپنے

رب کریم کے سجدے کا منکر ہوگا ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ شیطان کو آگ سے پیدا کیا گیا ۔ اب اِن آیت میں اُس کی جلی کٹی باتوں کا ذکر ہے جو آگ کی خاصیت ہے ۔

تفسیر نحوی

قَالَ يٰٓاِبۡلِيۡسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوۡنَ مَعَ السّٰجِدِيۡنَ ۔ قَالَ لَمۡ اَكُنۡ لِّاَسۡجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقۡتَهٗ مِنۡ صَلۡصَالٍ مِّنۡ حَمَاٍ مَّسۡنُوۡنٍ ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق اس کا فاعل ھُوَ ضمیر اس میں ہی پوشیدہ جس کا مرجع اللہ رب تعالیٰ ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اگلی عبارت سجدین تک اس کا مقولہ ہے ۔ یا حرف ندا قریب کے لیے ۔ اِبۡلِيۡسُ اسم مفرد معرفہ منادیٰ ہے اس لیے بنی ہے ضمہ پر غیر منصرف ہے عجمی عَلَم ہے شیطان کا ۔ ندا اپنے منادیٰ سے مل کر مسبب ہوا اگلی عبارت سبب ندا ۔ مَا حرف استفہام یعنی سوال ۔ لام جارہ مفعولیت کا كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل کا مرجع ابلیس ہے جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل مَانِعٌ کے ۔ یعنی کیا ہے منع کرنے والی چیز تجھ کو ۔ اَلَّا ۔ دو حرف ہیں ۱ اَنۡ ناصبہ مصدریہ ۲ لا نافیہ مضارع کے ساتھ ہے لَا تَكُوۡنَ ۔ فعل مضارع منفی ناقصہ ہے اَنۡتَ ضمیر حاضر مستتر اس کا اسم ہے ۔ اگر تامہ ہے تو ضمیر فاعل ہے اور مرجع ابلیس ہے منصوب ہے اَنۡ ناصبہ سے مَعَ اسم ظرف مکانی بحالت فتحہ ہے پہلی صورت خبر ہے لَا تَكُوۡنَ کی اور دوسری یعنی تامہ کی صورت میں مفعول معہٗ ہے لَا تَكُوۡنَ ۔ ساجدین جمع مذکر سالم ہے سَاجِدٌ کی اسم فاعل ہے مراد ملائکہ ہیں یہ جملہ فعلیہ ناقصہ مفعول بہٖ ہے مَانِعٌ پوشیدہ کا ۔ قَالَ فعل ماضی معروف مطلق ۔ واحد مذکر غائب قَوۡلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے ۔ ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع ابلیس ہے ۔ فعل فاعل مل کر قول ہوا ۔ لَمۡ اَكُنۡ ۔ فعل مضارع معروف نفی حجد بلم صیغہ واحد متکلم ناقصہ ہے اَنَا ضمیر متکلم اس میں پوشیدہ ہے اِس کا اسم ہے ۔ لام جحود ہمیشہ مکسور ہوتا ہے اور فعل ناقصہ منفی کی خبر پر آتا ہے اس میں اَنۡ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے مضارع پر داخل ہوتا ہے اُس کو نصب دیتا ہے ۔ وضاحت پیدا کرتا ہے جیسے یہاں ۔ اَسۡجُدَ فعل مضارع معروف باب نَصَرَ سے صیغہ واحد متکلم مخاطب ابلیس ہے ۔ منصوب اَنۡ پوشیدہ سے اَنَا ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے سُجُوۡدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اصطلاحی سجدہ کرنا ۔ لام جارہ نفع کا ہے یا بمعنیٰ اِلٰی ہے ۔ بَشَرٍ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ظاہر کھال والا یعنی انسان مجرور نکرہ ہے جار و مجرور متعلق ہے اَسۡجُدَ کا ۔ موصوف ہے مابعد کا ۔ خَلَقۡتَ ۔ فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر حاضر اَنۡتَ ضمیر مستتر اِس کا فاعل جس کا مرجع ہے رب تعالےٰ ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع بَشَرٌ ہے ۔ مفعول بہٖ ہے خَلَقۡتَ کا مِنۡ جارہ تبعیضیہ یا بمعنیٰ بِ سببیہ ملتِ مادی کے لیے صَلۡصَالٍ اسم مصدر رباعی ہے بمعنیٰ اسم مفعول مُصَلۡصَلٌ ہے مِنۡ جارہ بیانیہ صفت پر داخل ہوا ہے صَلۡصَالٍ نکرہ موصوف ، حَمَاٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کیچڑ گارا موصوف ہے ۔ مَسۡنُوۡنٌ اسم مفعول واحد مذکر نکرہ بحالتِ کسرہ صفت ہے حَمَاٍ کی یہ مرکب توصیفی صفت ہے مجروری ہے صَلۡصَالٍ کی اور وہ مرکب توصیفی جار و مجرور ہو کر متعلق ہے خَلَقۡتَ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے بَشَرٍ کی وہ جار و مجرور متعلق ہے اَسۡجُدَ کا اور وہ جملہ فعلیہ خبر ہے لَمۡ اَكُنۡ کی ، اور جملہ ناقصہ مقولہ ہے قال کا ۔ قَالَ فَاخۡرُجۡ مِنۡهَا فَاِنَّكَ رَجِيۡمٌ ۔ وَّاِنَّ عَلَيۡكَ اللَّعۡنَةَ اِلٰى يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۔ قَالَ رَبِّ فَاَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ

قَالَ فعل ماضی مطلق اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع رب تعالیٰ ۔ فَ زائدہ بمعنیٰ اِب سببیہ برائے توجیہ یعنی اِذا
اُخْرُجْ ۔ باب نصر کا امر ہے ۔ صیغہ واحد حاضر اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع ابلیس ہے خُرُوْجٌ سے بنا ہے معنیٰ نکلنا ۔
مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع ۔ جنت ہے یا وہ جگہ جہاں وہ اس وقت موجود تھا ۔ فَ تعلیلیہ بمعنیٰ
کیونکہ اِنَّ حرفِ تحقیق کَ ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے مرجع ابلیس ہے ۔ رَجِیْمٌ ۔ صفت مشبہ کا صیغہ بروزنِ فَعِیْلٌ
اسم مفعول کے معنیٰ میں یعنی مَرْجُوْمٌ ۔ رجم کیا ہوا ۔ ملعون ۔ مردود ۔ دھکا دیا ہوا ۔ رَجْمٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے پتھروں سے
مارا ہوا ۔ یہاں یہ مراد نہیں ۔ بلکہ مجازی منقولی معنیٰ میں ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے فَاِنَّکَ پر ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ۔ عَلٰی جارہ برائے
فوقیت کَ ضمیر کا مرجع ابلیس ہے ۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے قَائِمٌ یا نافِذٌ یا ثابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا اور وہ جملہ
اسمیہ ہو کر خبرِ مقدم ہے اِنَّ کی ۔ الف لام عہد ذہنی ۔ لَعْنَۃٌ ۔ اسم مفرد حاصل مصدر ۔ بمعنیٰ رحمت سے بہت دور ۔ انتہائی
ذلت خواری ۔ منصوب ہے کیونکہ اسم مؤخر ہے اِنَّ کا ۔ اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت کے لیے یَوْم اسم مفرد جامد بمعنیٰ دن ۔
یا زمانہ ۔ مراد قیامت کا وقت ہے ۔ الف لام جنسی ۔ دِیْنٌ ۔ اسم مفرد معرفہ جامد ہے ۔ بمعنیٰ ۔ انسانوں پر جاری ہونے
والا مذہبی قانون ۔ یا بمعنیٰ شریعت ۔ مذہب ۔ خواہ سچا ۔ خواہ برا ۔ یہاں مراد سچا ہے ۔ مجرور ہے مضاف الیہ ہے یہ
مرکب اضافی مضاف الیہ ہو کر مجرور اور جار مجرور متعلق دوم ہے ۔ قَائِمٌ پوشیدہ کا ۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع ابلیس
ہے ۔ رَبِّ ۔ دراصل ہے یا رَبِّیْ ۔ اے میرے رب ۔ حرفِ ندا بوجہ قرینہ حذف ہوا تخفیف کے لیے اور یاءِ متکلم حذف
ہوئی علامتِ کسرہ کی بنا پر ۔ لفظِ رب منادٰی مجرور اپنے نداءِ پوشیدہ کے فعل اَدْعُوْا کا مفعول بہ ہوا ۔ اور جملہ فعلیہ ہو کر مسبب
ہوا ۔ فَ حرفِ عطف لغو سببیہ ہے ۔ اَنْظِرْ ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر ۔ اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے
جس کا مرجع ہے رَبّ ۔ مصدر ہے اِنْظَارٌ ۔ بمعنیٰ مہلت دینا ڈھیل دینا ۔ نَظْرٌ سے بنا ہے ۔ ترجمہ لغوی دیکھنا ۔ غور کرنا ۔
سوچنا ۔ دیر کرنا ۔ انتظار کرنا ۔ یہاں باب افعال نے مہلت کے معنیٰ پیدا کیے ۔ نون وقایہ ۔ یعنی ۔ اعراب کو بچانے والی نون ۔
یْ ضمیر واحد متکلم ۔ منصوب متصل ۔ مفعول بہ ہے اَنْظِرْ کا ۔ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے یَوْم ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ دن
یا مدت ۔ یُبْعَثُوْنَ ۔ باب فتح کا مضارع مجہول بمعنیٰ مستقبل صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع مستتر کا مرجع تمام انسان ہیں ۔
بَعْثٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ اٹھنا ۔ اٹھانا ۔ لازم بھی ہوتا ہے ۔ اور متعدی بھی ۔ یہاں متعدی مجہول ہے یعنی اٹھایا جانا ۔
یہ جملہ فعلیہ مضاف الیہ ہے یَوْم کا ۔ اور یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَنْظِرْ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ سبب ہوا ندا کا مسبب سبب
مقولہ ہے قَالَ کا ۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ۙ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ
لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِى الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۙ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ
قَالَ ماضی مطلق اس کا فاعل ھُوَ ضمیر غائب مرجع رَبّ ہے ۔ فَ تعقیبیہ ۔ یعنی اس کے بعد ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ کَ ضمیر اس کا
اسم منصوب متصل ہے ۔ مرجع ابلیس ہے ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ۔ الف لام استغراقی مُنْظَرِیْنَ باب افعال کا اسم مفعول صیغہ جمع مذکر

یعنی مہلت دیے ہوؤں سے۔ اِنْظَارٌ مصدر ہے۔ مجرور ہے۔ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے یَوْمِ اسم مفرد جامد مجرور یعنی دن مَعْلُوْمٌ اسم مفعول واحد مذکر۔ باب سَمِعَ سے ہے عِلْمٌ یا عَلَمٌ سے بنا ہے۔ یعنی جانا ہوا یا مقرر کیا ہوا۔ عِلْمٌ کے معنے جاننا عَلَمٌ کے معنی ہیں نشان لگانا مقرر کرنا۔ مجرور ہے صفت تابع ہے یوم الوقت کی۔ یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے یوم کا۔ وہ جار و مجرور متعلق ہے مُنْظَرِیْنَ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر مجرور ہے اور متعلق ہے ضرورت فعل ناقصہ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ ناقصہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی قَالَ۔ ماضی مطلق معروف قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ بولنا۔ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے۔ مراد ابلیس ہے۔ رَبِّ۔ دراصل تھا یا رَبِّیْ (اے میرے رب) بِ جارہ سببیہ مَا اسم موصول۔ اَغْوَیْتَ باب اِفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد حاضر۔ نون وقایہ یْ ضمیر متکلم مفعول بہ ہے اَغْوَیْتَ کا۔ غَوْیٌ لفیف مقرون سے بنا ہے بمعنی گمراہ کرنا۔ پھسلانا۔ غلط راہ لے جانا۔ غلط راستہ پر بلا لینا۔ ضَلٌّ اور غَوْیٌ میں تین طرح فرق ہے پہلا یہ کہ ضل کبھی لازم کبھی متعدی۔ غَوْیٌ بہر حال متعدی ہوتا ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ ضَلٌّ غلط راستہ پر چلا دینا غلط راہ بتا دینا۔ مگر غَوْیٌ۔ غلط راہ پر ساتھ لے کر چلنا۔ یا غلط راہ پر بلانا تیسرا یہ کہ ضَلٌّ میں مُضِل کا گمراہ ہونا یا غلط ہونا ضروری نہیں۔ غَوْیٌ میں اِغوا کرنیوالا خود بھی غلط راہ پر ہوتا ہے۔ اس کا مصدر ہے اِغْوَاءٌ۔ لام کلمہ یْ آخری ہمزہ سے بدل گیا۔ آسانی کے لیے۔ لَاُزَیِّنَنَّ۔ فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ صیغہ واحد متکلم۔ مخاطب ابلیس ہے۔ باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تَزْیِیْنٌ۔ زَیْنٌ۔ اور زِیْنَتٌ سے بنا ہے۔ بمعنی خوبصورت کرنا۔ ملمع کرنا۔ فیشن کرنا۔ لام جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع انسان ہیں اس کو ذہنی مرجع کہتے ہیں کیونکہ ظاہراً آیت میں لفظِ انسان نہیں ہے۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام جنسی اَرْضٌ اسم مفرد منصرف مؤنث لفظی۔ متعلق دوم ہے۔ واؤ عاطفہ عطف ہے لَاُزَیِّنَنَّ پر لَاُغْوِیَنَّ فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم۔ باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اغواءٌ۔ غَوْیٌ سے بنا ہے بمعنی اِغوا کرنا۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع وہی ذہنی انسان ضمیر منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ اَجْمَعِیْنَ۔ اسم تاکیدی ہے۔ بحالت نصب ہے تاکید تابع ہے ھُمْ ضمیر کا۔ اِلَّا حرف استثناء متصل کے لیے ہے کیونکہ مستثنیٰ عِبَاد۔ داخل ہے ھُمْ مستثنیٰ منہ میں۔ عِبَادُ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے عَبْدٌ۔ مفرد جامد بمعنی بندہ کَ ضمیر مخاطب مجرور متصل مرجع ہے رب تعالیٰ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُخْلَصِیْنَ۔ اسم مفعول جمع مذکر بحالت فتح صفت ہے عِبَادَ کی۔ باب اِفعال سے ہے مصدر ہے اِخْلَاصٌ۔ بمعنی خالص کرنا۔ صاف کرنا۔ صاف رکھنا۔ ایک طرف کا ہو رہنا۔ مُخْلَصِیْن کا ترجمہ ہے اپنے آپ کو صاف پاک خالص رکھتے ہوئے لوگ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ ۔ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ ۙ

تمام ملائکہ سجدے میں پڑے ہوئے اور ابلیس ایک طرف دور ہو کر پیٹھ پھیرے کھڑا۔ اس لیے خود رب تعالیٰ نے بغیر کسی واسطے

کہ ابلیس سے فرمایا۔ یہ فرمان ابلیس کو ذلیل کرنے کے لیے تھا لہٰذا اس سوال وجواب کے مکالمے سے ابلیس کلیمُ اللہ نہ ہوا۔ فرمایا اے ابلیس۔ یہ شیطان کا ذاتی اور پیدائشی نام ہے۔ بعض نے فرمایا کہ جب اس ابو الجن کو لباسِ ملکیت پہنایا گیا تب اس کا نام ابلیس ہوا۔ ایک قول ہے آج اس مکالمے اور سجدۂ آدم علیہ السلام سے انکار کے وقت پہلی دفعہ اسکو اسوقت اس نام سے خطاب کیا اس لیے کہ ابلیس بَلَسٌ سے بنا ہے اور بلسٌ کا معنیٰ ہے مکّار۔ وَاللہُ اَعلم وَرَسُولُہٗ۔ اس کا اصل پیدائشی نام عزازیل بھی ہے۔ لیکن اب اس کا یہی نام رائج ہے۔ اے ابلیس تجھ کو کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا۔ جب کہ حکم سجدہ میں تو شامل تھا تجھ پر ہمارا اتنا کرم ہوا کہ تجھ کو ناریوں سے نکال کر نوریوں میں شامل کر دیا گیا۔ اور جب عظمت میں تو شامل تو حکم میں بھی تو شامل۔ یہاں تفسیر ابن کثیر نے۔ تفسیر ابن عباس سے عجیب روایت نقل کی۔ فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو پیدا فرمایا تو خبر دی کہ میں بشر کو پیدا کرنے والا ہوں تم سب اُس کو سجدہ کرنا۔ تمام ملائکہ نے انکار کر دیا کہ ہم نہیں کریں گے۔ رب تعالیٰ نے ایک آگ بھیجی جس نے تمام فرشتوں کو جلا کر ہلاک کر دیا پھر دوسرے فرشتے پیدا کئے اور ان کو حکم سجدہ دیا تو سب نئے فرشتوں نے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہا ہم نے اطاعت کی مگر ان نئے فرشتوں میں صرف ابلیس منکر ہوا تو یہ استفسار ہوا جواباً ابلیس نے کہا کہ میں ایسا کم عقل نہیں ہوں کہ ایسے بشر کو سجدہ کروں جس کو تو نے خمیر سے گارے کی حقیر مٹی سے پُتلا بنایا ہے۔ تفسیر ابن عباس کی یہ روایت قطعاً غلط اور اسرائیلی لغویات سے ہے۔ یہی نہیں تفسیر ابن عباس ان خرافات سے بھری ہوئی ہے اسی لیے یہ تفسیر محققین کے نزدیک نامقبول ہے۔ نگاہِ ابلیس نے حضرت آدم کے خالی ڈھانچے کو دیکھا اس میں معرفت وانوار کے خزانوں کو نہ دیکھ سکا نیز اس نے حضرت آدم کے عنصرِ ظاہری یعنی فقط مٹی کو جانا۔ حالانکہ انسانیت ہی وہ مخلوق ہے جس میں کائناتِ عالم کی تمام مخلوق کے عناصر موجود ہیں۔ ابلیس صرف نار ہے جبریل وغیرہ تمام ملائکہ صرف نور ہیں مگر انسان نار بھی ہے اور نور بھی۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ کو شیطان کا متکبرانہ اور احمقانہ جواب پسند نہ آیا تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا۔ کہ تو نکل جا تو یہاں سے۔ یا مراد ہے جنت سے۔ یا مراد ہے آسمانوں سے۔ یا مراد ہے جماعتِ ملائکہ سے اور یہ تیسرا قول درست ہے۔ پہلا قول ان مفسرین کا ہے جو کہتے ہیں کہ سجدۂ آدم جنت میں ہوا۔ دوسرا قول اُن کا ہے جو کہتے ہیں آسمانوں میں ہوا۔ مگر یہ بالکل ہی غلط ہے دو وجہ سے۔

۱ اس لیے کہ حضرت آدم یا زمین پر رہے یا جنت میں آسمانوں پر نہ ٹھہرائے گئے۔ ۲ ابلیس کو آسمانوں سے یا ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت روکا گیا یا پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے عید میلاد کے وقت روکا گیا۔ حالانکہ یہ آیت بتا رہی ہے کہ سجدۂ آدم علیہ السلام کے وقت نکالا گیا۔ لہٰذا درست یہ ہے کہ یہ نکالا جانا گروہ ملائکہ سے ہے۔ اور مردود دین میں شامل کرنا ہے فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ کیونکہ تو مردود ہے۔ رحمت اور انعامات سے آج کے بعد دور ہٹایا ہوا ہے۔ یا اگر کبھی فرشتوں کے قریب آیا تو اُن ہی فرشتوں کے ہاتھوں جو آج تیرا ادب احترام کر رہے ہیں تو رجم کیا ہوا ہوگا۔ اور دربدر ذلیل وخوار ہوتا پھرے گا۔ وَاِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْٓ

اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ ۔ قَالَ رَبِّ
بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ

اور یہ ذلت و رسوائی رجم بالنجم اور لاحول انسانی کے کوڑے ہر طرف کی پھٹکار تجھ پر دین کے دن تک ہے یعنی قیامت کے شروع ہونے تک۔ اس لیے کہ تو نے تکبر کیا اور حماقت بھی۔ تکبر تو یہ کہ تو نے اپنی پیدائش ناری کو لطافت کی بنا پر اعلیٰ سمجھا اور مٹی کو کثافت کی بنا پر ادنیٰ جانا۔ حالانکہ آگ مٹی کو فنا نہیں کر سکتی مگر مٹی آگ کو بجھا دیتی ہے اور حماقت یہ کہ تو نے اپنی فضیلت و بلندی کو اپنے اعمال سابقہ کا نتیجہ سمجھا حالانکہ یہ تو رب تعالیٰ کا کرم و فضل ہے جس کو چاہے دیدے تو نے سجدۂ آدم کو دیکھا رب تعالیٰ کے حکم کو نہ دیکھا اتنی ذلت ملنے کے باوجود بھی عاجزی کی توفیق نہ ملی بلکہ کہا اے میرے رب تو مجھ کو تو مہلت عطا فرما تاکہ کبھی مجھ کو موت نہ آئے۔ تو نے مجھ کو رجیم کیا ہے میں اولاد آدم کو رجیم کروں گا کیونکہ اسی کی وجہ سے میں مردود کیا گیا اس دن تک مجھ کو زندگی دے جس دن یہ انسان دوبارہ اٹھائے جائیں اس کی آرزو قبول کرتے ہوئے اللہ نے فرمایا ٹھیک ہے تو بوری پوری مہلت دیا ہوا ہے لیکن قیامت تک نہیں بلکہ وقت معلوم تک جو پہلا صور پھیلنے کا وقت ہے اس وقت تجھ کو موت آئے گی اور چالیس سال تک تو مردہ پڑا ذلیل ہوگا پھر دوسرے صور پھیلنے پر سب کے ساتھ تجھ کو بھی اٹھایا جائے گا روایتوں میں ہے کہ چار قسم کی مخلوق کو پہلے صور تک مہلت دی گئی ہے۔

عا ۔ تمام ملائکہ ۲ ۔ ابلیس ۳ ۔ ابلیس کی اولاد جو پیدا ہوتی ہے مگر مرتی نہیں ۴ ۔ حضرت خضر علیہ السلام لیکن دیگر جنات انسانوں کی طرح پیدا ہوتے ہیں بچے جوان بوڑھے ہوتے ہیں اور مرتے ہیں کافر و مومن بھی ہیں۔ ابلیس اور حضرت خضر علیہ السلام ہر ایک سو بیس سال کے بعد بوڑھے ہوتے ہیں تو ان کو تیس سالہ جوان کر دیا جاتا ہے۔ ابلیس کی سب اولاد مذکر ہوتی ہے اور ابلیس خود مذکر بھی ہے اور مؤنث بھی۔ ابلیس بھی اگرچہ جن ہے مگر کھانا پینا کسی ابلیسی کے لیے نہیں جب کہ دوسرے جنات کھاتے پیتے بھی ہیں۔ ہاں دیگر جنات کی عمریں لمبی ہوتی ہیں۔ اس عالم میں جتنی مخلوق کو مہلت ملی وہ خود رب تعالیٰ نے بغیر طلب عطا فرمائی صرف ابلیس نے اپنی مہلت اور لمبی زندگی کا مطالبہ کیا تو نفخۂ اولیٰ تک منظور ہوا۔ جس کو شکر بجائے شکریہ ادا کرنے کے کہتا ہے کہ اے رب چونکہ تو نے مجھ کو مردود کیا اور راہ راست سے بھٹکایا ہے اس لیے مجھ کو تیرے بھٹکانے کی قسم ہے میں ضرور۔ ضرور ان آدمیوں کے لیے زمین غرور و فریب میں ہر قسم کے فیشن خوب صورتیاں سجاؤں گا۔ اور تمام انسانوں کو گمراہ کروں گا۔ اور تجھ سے دور کروں گا۔ میرے داؤ چلے یا نہ چلے مگر کسی بھی نیک و بد اچھے برے کو چھوڑوں گا نہیں۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ ہاں البتہ یہ میں بھی جانتا ہوں کہ تیرے خالص بندے میرے فریب میں نہیں آئیں گے۔ جنہوں نے اطاعت طہارت نفاست میں خلوص پیدا کیا اور عملی و خفی برائیوں سے بچے۔ مکر سازی سے اور ملمع بازی سے دور رہے۔ کعب احبار سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم کی وفات ہونے لگی تو عرض کرنے لگے مولیٰ تعالیٰ شیطان کو تو لمبی عمر کی مہلت مل چکی ہے۔ اس لیے وہ میری موت پر ہنسے گا خوش ہوگا۔ تو ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ اے آدم تمہاری وفات اور تمہاری اب پھر جنت کو روانگی اس عظمت و شان فرشتوں کے جلوسوں

جنت کی خوشبوؤں کے ساتھ ہوگی کہ شیطان اور اس کی اولاد حسرت سے منہ نوچیں سر پیٹے اور دانت کاٹیں گے سینہ کوبی کریں گے بلکہ قیامت تک ہر پیاسے کی وفات ہم خوشنما بنائیں گے جس کو دیکھ دیکھ کر ابلیس اور اس کی ذریت سینے ہی پیٹتی رہے گی۔ اور یہ مہلت اس کو مفید نہیں بلکہ ہر موت کا غم اس کو دیا جائے گا اپنے کروڑہا ساتھیوں کی ذلت آمیز موت کا غم دیکھے گا اور پھر سب کی موت کی تکلیف اور ذلت ملاکر اس کو انتہائی ذلت سے مارا جائے گا چالیس سال تک اس کا جسم سڑتا رہے گا جس میں ستر ہزار جہنمی بدبوئیں پیدا ہوں گی اور ستر ہزار زہریلے سانپ بچھو اس کو ڈستے رہیں گے۔ پوری رسوائی کے ساتھ اس کو محشر میں لایا جائے گا اور پھر تمام ذلتوں کے ساتھ انسانوں اور فرشتوں کی ٹھوکروں سے جہنم میں پہنچایا جائے گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ سوال صرف لاعلمی کی بنا پر نہیں ہوتا۔ یہ جو جہلاء دیوبند نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کا صرف اس لیے انکار کر دیتے ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فلاں بات جبرئیل علیہ السلام سے پوچھی یا صحابہ سے پوچھی یا کسی سے پوچھی یہ دلیل وہابیانہ جاہلانہ ہے دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے ابلیس سے پوچھا۔ تو کوئی ان سے پوچھے کیا رب تعالیٰ کے پوچھنے کی وجہ وہی ہے جو نبی کریم کے کسی سے پوچھنے پر شور وغوغا کرتے ہو۔ سوال کبھی اظہارِ علم کے لیے بھی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ مَالَكَ اَلَّا تَكُوْنَ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** کسی کی ظاہریت کو دیکھ کر اس کو معمولی سمجھنا یا کمزور جاننا شیطانی فکر ہے۔ ذی عقل وہ ہوتا ہے جو ہر ایک کے باطن پر نظر کرے اور حقیقت کو پہنچانے۔ دیکھو ابلیس نے حضرت آدم علیہ السلام کی بشریت پر نگاہ رکھی۔ روحِ قدسیہ کی عظمت کو نہ جانا۔ اور باطنی طاقت کو نہ سمجھ سکا۔ اب بھی جو روحانی آنکھوں قلبی بینائی سے محروم ہے وہ قوتِ نبوت کو نہیں جان سکتا۔ **تیسرا فائدہ۔** ہر عقلمند کو چاہیے کہ جاھلوں سے دور رہے۔ جہلا کی ہر بات کا جواب دینا علماء کو مناسب نہیں۔ یہ فائدہ قَالَ فَاخْرُجْ سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ابلیس کی باتوں کا جواب نہ دیا بلکہ مردود کر دیا۔ گستاخانِ انبیاءِ عظام کو دور ہٹانا دربارِ سنتِ الٰہیہ ہے۔ **چوتھا فائدہ۔** انسان کے ایمانی دشمن دو ہیں۔ ۱۔ نفسِ امارہ ۲۔ ابلیس۔ جنات کا دشمن صرف نفسِ امارہ اور جس پر امارہ غالب آجائے وہ جنات خود شیطان بن جاتا ہے۔ انبیاء کرام کو شیطان ورغلا نہیں سکتا۔ اور نفسِ امارہ ان کا ہوتا ہی نہیں۔ اولیاء اللہ کو شیطان ورغلا سکتا ہے مگر نفس امارہ کے مردہ ہونے کی وجہ سے وہ محفوظ رہتے ہیں لہٰذا انبیاءِ کرام معصوم ہیں اولیاء اللہ محفوظ۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ نصِ قرآنی کے مقابل اپنی عقل چلانا حرام ہے۔ یہ مسئلہ لَمْ اَكُنْ لِاَسْجُدَ سے مستنبط ہوا کیونکہ ابلیس نے حکم الٰہی کے مقابل اپنی رائے اپنی عقل کو زیادہ سمجھا۔ **دوسرا مسئلہ۔** تقیہ

حرام ہے۔ جو تقیہ کرے وہ ابلیس سے بدتر ہے۔ ابلیس نے اپنے دل کے خیالات کا برملا اظہار کر دیا۔ تقیہ نہ کیا۔ یہ مسئلہ بھی قَالَ لَمْ اَکُنْ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کوئی حاکم کوئی قاضی۔ مفتی۔ اپنے ذاتی علم اور معلومات کے مطابق فیصلہ یا فتویٰ نافذ نہیں کر سکتا۔ نہ بذریعہ وحی یا الہام شرعی فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔ بلکہ ہر عدالت کو مدعی اور مدعی علیہ گواہان سے بیانات لینا اشد ضروری بلکہ واجب لازم ہیں۔ یہ مسئلہ لَمْ اَکُنْ لِاَسْجُدَ (الخ) کا حکم نافذ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ دیکھو رب تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے مگر جب تک شیطان کی بات اور وجہِ گناہ نہ سن لی فیصلہ صادر نہ فرمایا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مفسرین اس کی تفسیر یہ فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے بلا واسطہ ابلیس سے کلام فرمایا۔ یہ تو بہت بڑا اعزاز ہے اور عزت افزائی ہے۔ شیطان اس کا مستحق کیونکر ہوگا۔

جواب۔ کلامِ محبت عزت افزائی ہوتا ہے نہ کہ کلامِ حقارت۔ ابلیس سے یہ کلام فرمانا اس کو رجیم اور مردود کرنے کے لیے تھا۔ اور یہ کلام بلا واسطہ اس لیے فرمایا گیا کہ سب ملائکہ سجدے میں پڑے ہوئے تھے۔ اور یہ کلام ضروری اس لیے تھا تاکہ اُس کے خلاف اُس کو مردودِ ابدی کرنے کے لیے حجت اور زبانی اقرار اور وجہ انکار کی گواہی عدالتِ الٰہیہ کے فیصلے کے لیے قائم ہو جائے۔ جو بات اہانت اور ذلیل کرنے کے لیے ہو وہ اعزاز نہیں ہوتا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ابلیس پر لعنت قیامت تک ہے اور جب جنس علیحدہ ہو تو غایت مغیا میں داخل نہیں ہوتی لہٰذا ثابت ہوا کہ ابلیس پر لعنت قیامت سے پہلے پہلے ہے قیامت شروع ہوتے ہی اُس پر لعنت بند ہو جائے۔

جواب۔ تفسیر رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ یہ جملہ محاورۂ عرب کے مطابق فرمایا گیا یعنی بہت ہی درازمدت ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں کہ میں یہ چیز قیامت تک نہ دوں گا یا میں قیامت تم سے محبت کروں گا۔ دوم یہ کہ قیامت تک واقعی اس پر لعنت ہوگی مگر بعد قیامت لعنت بند ہو جائے گی مگر لعنت کا نتیجہ یعنی عذاب شروع ہو جائے گا **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ابلیس کو وقتِ معلوم تک مہلت اور زندگی دی گئی۔ حالانکہ مکلفین کو اپنے وقت موت کا پتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ تو شیطان کو کیوں بتایا گیا۔

جواب۔ شیطان کو ہرگز نہیں بتایا گیا۔ کیونکہ یہ تو فرمایا کہ تو قیامت تک زندہ رہے گا مگر قیامت کب آئے گی یہ شیطان کو بھی معلوم نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ یٰۤاِبْلِیْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِیْنَ قَالَ لَمْ اَكُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّكَ رَجِیْمٌ وَّ اِنَّ عَلَیْكَ اللَّعْنَةَ اِلٰى یَوْمِ الدِّیْنِ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْۤ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ چونکہ فرشتے نور

میں اور انسانیت منیر ہے اور ابلیسیت نار ہے۔ اس لیے فرشتے وقارِ علم کی خاطر اور فضیلت عطا کی بنا پر جھک گئے اور زمین پر سر رکھ دیا۔ لیکن ناریت میں غرور تمرّد ہے اور غرور میں جہالت ہے۔ اور جہالت میں محرومی ہے اس لیے ازل کے بدنصیب نے ربّ کائنات کے حکم کو بھی نہ مانا۔ اور تجلیاتِ انوار و مکاشفاتِ اَسرار سے خالی اور بے نصیب ہی رہا۔ تب الہاماتِ ربانیہ نے سوال کیا کہ اے مکر و فسوں پھیلانے والے تیرا کیا حال ہے اور تیری کیا حجت ہے کہ مقامِ قرب میں ہونے کے باوجود اُستادِ ملائکہ زمینی ہو کر پھر بھی تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا ابلیس نے جواباً کہا میری حجت یہ ہے کہ میں نارِ سموم سے ہوں جو لطیف جوہر ہے عُلوّ اور جوہرِ نورانی کی شکل ہے اور جس کے سامنے مجھ کو جھکایا جا رہا ہے وہ کثیف ہے ظلمانی ہے اور انتہائی کمزور مٹی سے پیدا کیا ہوا ہے۔ جو سب مخلوق میں اَسفل ہے۔ یہ تقاضاءِ انصاف کے خلاف ہے کہ اعلیٰ کو ادنیٰ کے سامنے جھکایا اور گرایا جائے۔ اور پھر میں پرانا عبادت گزار۔ آدم نے ابھی ایک سجدہ بھی نہ کیا۔ یہ سب متکبرانہ گفتگو محض اس لیے کی کہ جہالتِ نفسی نے اُس کی چشمِ بصیرت پر رذالت کا پردہ ڈال دیا اُس نے فقط قالبِ انسانیت کو دیکھا روحِ یزدانی کی چمک دمک اور جاہ و جلال کو نہ دیکھا ورنہ آنکھیں نورِ تابانی سے چندھیا جاتیں اسے کیا خبر کہ اس کا مقام رضا ہے۔ اس کا حال تسلیم ہے اور اس کا دین سلامتی ہے اِس کی حیات ایمان ہے اِس کی موت بقا ہے۔ مگر اندھوں کو ایسی باتیں سمجھانے کی ضرورت نہیں ایسے مردودوں کا یہی جواب ہے کہ فَاخْرُجْ فرمایا ہماری بارگاہِ محبت و رضا سے نکل جا۔ اور بس بیشک تو آج سے ہی تمہاری جلال کے پتھروں سے رجم ہونے کے لائق ہے۔ ابلیسِ نفس کو آدمِ روحانی کے سامنے سجدے کا حکم ملا لیکن چونکہ طبیعتِ نفس اللہ سے تکبر کرنا۔ تعظیم و اطاعت سے انکار اور سجدے سے دوری ہے اس لیے تا قیامت نفسِ امّارہ کو انعاماتِ فطرت سے نکال دیا گیا۔ اور قربِ تجلیات سے رجیم کر دیا گیا اور صفاتِ قہر کے نتائجِ غضب سے ملعون مقہور اور دور کیا گیا۔ اُس دن تک جب کہ ہمارے مشاہدات کا سورج روحِ مشرق سے طلوع ہو۔ اور نفوسِ قدسیہ کی زمین اَنوارِ مشاہدہ سے منور ہو۔ اور صفاتِ ذمیمہ حیوانیہ مظلمہ۔ اَخلاقِ حمیدہ روحانیہ سے نورانی ہوں۔ نفسِ ابلیسی نے کہا کہ اے میرے رب اُسی یومِ جمال تک مجھ کو مہلت دے۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ اِلٰی یَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ لَاُزَیِّنَنَّ لَهُمْ فِی الْاَرْضِ وَلَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ الہاماتِ سرمدی نے فرمایا پس بیشک تو عالمِ قالب میں ہر طرح کے وسواس و وہمیات کی مہلت دیا ہوا ہے مقدر و نصیب کے معلوم اوقاتِ کثیف کے دن تک۔ نفسِ ابلیس نے کہا اے میرے رب مجھ کو قسم ہے ان گمراہوں کی جن کی جانب تو نے مجھ کو ڈالا البتہ یقیناً میں زمینِ قالب اور جسمِ بشریت میں گناہوں کی زینت سجاؤں گا اُن تمام افرادِ ظاہری اور باطنی کے سوا قلب و روح کے مخلص عارفین کاملین ساتھیوں کے یک دم دبیک طریق سب کو گمراہ کروں گا۔ کہ صبحِ دھوکہ کی چکاچوند میں ان کی چشمِ دہوش و گوش کو مٹا ڈالوں گا۔

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ﴿٤١﴾ اِنَّ عِبَادِيْ

فرمایا یہ راستہ ہے طرف میری سیدھا ۔ بیشک بندے میرے

فرمایا یہ راستہ سیدھا میری طرف آتا ہے بیشک میرے بندوں پر تیرا کچھ قابو

لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ

نہیں ہے تیرے پر اُن کچھ زور مگر وہ جو پیروی کریں تیری ۔ سے

نہیں سوا اُن گمراہوں کے جو تیرا ساتھ دیں اور بیشک جہنم اُن

الْغٰوِيْنَ ﴿٤٢﴾ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٤٣﴾

گمراہوں ۔ اور بیشک دوزخ البتہ وعدہ کیا ہوا ہے اُن تمام سے

سب کا وعدہ ہے اُس کے سات دروازے ہیں ہر دروازے کے لیے ان میں سے

لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ ۭ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ

لیے اُس کے سات ہیں دروازے لیے ہر دروازے کے سے اُن گمراہوں حصہ

ایک حصہ بٹا ہوا ہے ۔بیشک ڈر والے باغوں اور چشموں میں ہیں اُن میں

ع ۳ مَّقْسُوْمٌ ﴿٤٤﴾ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ﴿٤٥﴾

بانٹا ہوا ہے بیشک متقی ہیں میں باغوں اور چشموں

داخل ہو سلامتی کے ساتھ امان میں

اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ

داخل ہو جاؤ تم اِن میں سے سلامتی امن والے بن کر ۔ اور مٹا دیا ہم نے وہ جو تھا

اور ہم نے ۔ اُن کے سینوں میں جو کچھ کینے تھے سب کھینچ لیے آپس میں

صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۷﴾

ان کے سینوں کے سب کھوٹ بھائیوں کی طرح پر اونچے تختوں آمنے سامنے

بھائی تختوں پر روبرو بیٹھے ۔ نہ انہیں اس میں کچھ تکلیف پہنچے

لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿۴۸﴾

نہ پہنچے گی اُن کو میں اُس مشقت اور نہ وہ سے اس نکالے ہوؤں

نہ وہ اس میں سے نکالے جائیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق: پچھلی آیت میں شیطان کی طویل باتوں اور آئندہ ارادوں کا ذکر ہوا تھا اب ان آیت میں رب کریم کے ہدایت والے اقوال اور ہدایت یافتہ بندوں کی نشانیوں کا تذکرہ ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں شیطان کی گمراہ گری اور گمراہ بندوں کا ذکر ہوا تھا ۔ اب ان آیتوں میں گمراہوں کے بُرے انجام اور ذلیل ودائمی ٹھکانے کا ذکر ہے **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کے مخلص بندوں کا ذکر ہوا تھا اب ان آیات میں اُن کی اُخروی شاندار زندگی کا ذکر ہے ۔

شانِ نزول ۔ حضرتِ ابو ثعلبی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم ایک جگہ سے گذر رہے تھے کچھ لوگ بہت زور زور سے دنیوی باتیں کر رہے تھے اور ہنس رہے تھے نبی کریم کو یہ دنیوی ہنسی مذاق برا محسوس ہوا اور آپ نے منع فرمایا تب یہ آیات از ۴۵ تا ۴۸ مکے شریف میں نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ. قَالَ فعل ماضی هُوَ ضمیر مستتر کا مرجع رب تعالیٰ ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا هٰذَا اسم اشارہ قریب صِرَاطٌ اسم مفرد جامد نکرہ مشار الیہ ہے دونوں مل کر مبتدا ہوا ۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ اِلٰی انتہائیہ جارہ یْ ضمیر واحد متکلم مجرور متعلق مقدم ہے مُسْتَقِيْمٌ کا ۔ اسم فاعل ہے باب استفعال کا مصدر اِسْتِقَامَةٌ اور اِسْتِقْوَامٌ ہے ۔ قِيَمٌ سے یا قَوْمٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنی قائم رہنا ۔ استقامۃ اور استقوام کا معنی ہے ۔ سیدھا رہنا ۔ سیدھا ہونا ۔ درست رہنا ۔ یا ہونا ۔ ثابت قدم رہنا ۔ مستقیم وہ کھلا اور سیدھا راستہ جس میں نہ موڑ ہو نہ اونچ نیچ ہو ۔ بحالتِ رفع ہے جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق

ابتداءِ کلام میں ہے عِبَادِیْ۔ اسم جمع مکسر ہے عَبْدٌ کی ی ضمیر واحد متکلم مجرور متصل ہے مضاف الیہ ہے عِبَادِیْ کا۔ مرجع رب تعالیٰ۔ یہ مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے۔ لَیْسَ فعل ناقصہ ماضی مطلق غیر مشتق واحد مذکر غائب یہاں تامہ ہے لام جارہ زائد مفعولیت کا یعنی تجھ کو۔ کَ ضمیر مجرور۔ متعلق اول ہے لَیْسَ کا عَلٰی جارہ ہِمْ ضمیر مجرور متصل متعلق دوم ہے۔ سُلْطٰنٌ۔ اسم مبالغہ مشتق ہے بروزنِ فُعْلَانٌ عُثْمَانٌ۔ الف نون زائدتان ہے منصرف ہے کیونکہ علم نہیں ہے۔ بمعنیٰ۔ طاقت۔ غلبہ حکومت۔ سُلْطٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ حکومت کرنا۔ غلبہ پانا۔ یہاں مراد غلبہ طاقت ہے۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے لَیْسَ تامہ کا۔ اور وہ پورا جملہ فعلیہ خبر ہے اِنَّ کی۔ اِلَّا۔ حرف استثنا لغو لٰکِنْ عاطفہ کے معنیٰ میں ہے۔ مَنْ اسم موصول واحد عقل والا۔ معطوف ہے۔ عِبَادِیْ پر۔ اِتَّبَعَ۔ فعل ماضی مطلق بابِ افتعال سے ہے۔ مصدر ہے اِتِّبَاعٌ۔ دراصل تھا۔ اِتْتِبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پیچھے چلنا۔ تابعِ فرمان ہونا۔ نقش قدم پر چلنا۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے مَنْ۔ کَ ضمیر واحد حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ابلیس ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام۔ غَاوِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ دراصل غَاوِیِیْنَ۔ بقاعدۂ نحو ایک جنسی دو حرف ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے ایک ی حذف ہوگی۔ غَوْیٌ سے بنا ہے باب ضَرَبَ سے ہے۔ بمعنیٰ اِغوا ہونے بُری راہ چلنے والے کسی کے ساتھ لگ کر گمراہ ہونے والے مراد ہیں کفار یہ جار مجرور متعلق ہے اِتَّبَعَکَ کا۔ واوٗ سرجملہ یا حالیہ۔ اِنَّ مشبہ بالفعل جَهَنَّمَ۔ اسم مفرد جامد عربی لغت ہے۔ ایک قول میں فارسی سے لیا گیا ہے۔ بحالتِ نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ لام ابتدائیہ مفتوح ہے کیونکہ خبرِ اِنَّ پر داخل ہوا۔ مَوْعِدُ۔ اسم ظرف واحد کا صیغہ۔ مکانی ہے۔ بمعنیٰ وعدے کی جگہ۔ وُعْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مقرر کرنا۔ فیصلہ کرنا بحالتِ رفع ہے۔ یہ سب جملہ اسمیہ ظرفیہ خبر ہے اِنَّ کی۔ ھُمْ۔ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل۔ مفعول مضاف الیہ ہے مَوْعِدُ کا۔ اور مُؤَکَّدٌ ہے مابعد کا۔ اَجْمَعِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم۔ اسم تاکیدی اس کا واحد ہے اَجْمَعُ۔ جَمْعٌ کا اسم تفضیل مذکر۔ بمعنیٰ مل کر ایک دم ہونا۔ مجرور ہے کیونکہ تاکید ہے ھُمْ ضمیر ماقبل کی لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ۔ لام جارہ نسبتیہ جزئیہ۔ یا بمعنیٰ فی ظرفیہ ثانیہ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع جَهَنَّمَ ہے سَبْعَةُ اسماءِ تعدادی میں سے ہے تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ نکرہ ہے۔ ممیز مضاف ہے۔ اَبْوَابٍ۔ اسم جمع مکسر واحد ہے باب بمعنیٰ دروازہ۔ اسم جامد ہے۔ تمیز مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی ماقبل موجودٌ پوشیدہ کا نائب فاعل ہے لَهَا جار مجرور اس کے متعلق ہے۔ اور مابعد کا ذوالحال ہے۔ لِكُلِّ یہ سب عبارت حال ہے اَبْوَابٍ کی۔ لام جارہ نسبتی اضافی کُلِّ اسم تاکیدی ہے نکرہ ہے کُلِّ مجرور بہ لام ہے تنوین سے مانع اضافت ہے۔ ممیز مضاف بابٍ تمیز مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور ہے اور متعلق ہے۔ ضمنًا پوشیدہ اسم مفعول منصوب حال کا۔ مِنْ جارہ بعضیت کا ھُمْ ضمیر مجرور کا مرجع غَاوِیْنَ متعلق دوم ہے پوشیدہ کا۔ یہ جملہ اسم ہو کر بنتا ہوا۔ جُزْءٌ۔ موصوف ہے مقسوم صفت ہے۔ مرکب توصیفی خبر ہے اور جملہ اسمیہ حال ہے۔ جُزْءٌ اسم

جامد ہے۔ بمعنی حصہ ٹکڑا۔ کُل کا مقابل اِس کی جمع مکسر ہے اَجْزَاءٌ۔ مَقْسُوْمٌ۔ اسم مفعول باب سَمِعَ سے ہے۔ قَسْمٌ سے بنا ہے بمعنی بانٹنا۔ ٹکڑے کرنا۔ مقرر کرنا۔ حصے کرنا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِیْنَ وَ نَزَعْنَا مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰی سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِیْنَ لَا یَمَسُّهُمْ فِیْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِیْنَ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ الف لام استغراقی مُتَّقِیْنَ۔ جمع مذکر اسم فاعل صیغہ جمع باب افتعال سے اِتِّقَاءٌ مصدر ہے۔ وَقْیٌ سے بنا ہے۔ دراصل تھا۔ اُوْتِقَایٌ واؤ کوت سے بدلا بوجہ خفّت اور آخر میں ی کو ہمزہ سے بدلا۔ بمعنی ڈرنا۔ بچنا۔ بحالتِ فتحہ ہے اِسم اِنَّ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی۔ متعلق ہے سَاکِنُوْنَ پوشیدہ اسم فاعل جمع کا جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم واحد جَنَّةٌ ہے بمعنی چاردیواری میں چھپا ہوا باغ و مالطفہ۔ عطف ہے جنّت پر عُیُوْنٍ جمع مذکر سالم عَیْنٌ کی بمعنی پانی یا پتلی چیز بہتی ہوئی چیز کا چشمہ یہ عطف مجرور ہوا اور ساکنون جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اُدْخُلُوْا۔ فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر باب نَصَرَ سے ہے اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل پوشیدہ کا مرجع مُتَّقِیْن ہے ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع جَنّٰت ہے۔ منصوب منفصل ہے مفعول فیہ ہے بِ جارہ سببیہ۔ یا بمعنی مَعَ (ساتھ) سَلٰمٍ۔ بروزنِ فَعَالٍ مصدر ثلاثی ہے۔ سَلْمٌ سے بنا ہے بمعنی باقی رہنا۔ بچا رہنا۔ صحیح۔ تندرست رہنا۔ اٰمِنِیْنَ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر باب سَمِعَ سے ہے۔ اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنے امن میں آنا بے خوف ہونا۔ بحالتِ نصب ہے یا بحالتِ کسرہ ہے۔ کیونکہ یا حال ہے اُدْخُلُوا کے فاعل کا۔ یا بدل ہے سلام کا۔ بدلُ الکل ہے یا بدل اشتمال۔ اگر جنتیوں کا پورا سلام آمنین ہے تو کُل ہے ورنہ اشتمال۔ یہ پورا جملہ فعلیہ انشائیہ مقولہ ہے قول کا۔ واؤ سرِ جملہ۔ نَزَعْنَا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق۔ صیغہ جمع متکلم مخاطِب ہے اللہ تعالیٰ۔ نَزْعٌ سے بنا ہے بمعنی دور کرنا۔ اتار دینا۔ بہرحال متعدی ہے۔ مَا اسم موصول منصوب ہے مفعول بہ ہے۔ فِیْ ظرفیہ مکانیہ صدور۔ جمع مکسر ہے صَدْرٌ کی بمعنی سینہ۔ اسم جامد ہے۔ مصدر بھی ہوتا ہے۔ جس کا معنی ہے کسی چیز کا اندر سے بن کر نکلنا۔ صادر ہونا مجرور ہے فِیْ جارہ سے مضاف ہے ھُمْ ضمیر کا۔ یہ سب متعلق ہے موجودًا پوشیدہ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے مَا موصول کا مِنْ جارہ بیانیہ غِلٌّ۔ اسم مفرد جامد متمکن معرب نکرہ ہے۔ ترجمہ ہے۔ کینہ (چھپی دشمنی) کدورت (دلی نفرت) ناجائز خیانت۔ کھوٹ۔ (منافقت) کنجوسی۔ یہاں ہر معنی ہوسکتے ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے پوشیدہ موجودًا کا۔ اِخْوَانًا باب اِفعال کا مصدر ہے۔ بمعنی بھائی بننا۔ اَخُوْ سے بنا ہے۔ منصوب ہے حال ھُمْ ضمیر کا یا مُتَّقِیْنَ کا۔ عَلٰی جارہ بمعنی فوقیت اس کا تعلق ہے فِیْ جَنّٰتٍ کے عامل ساکنون سے سُرُرٍ مجرور جمع مکسر مذکر۔ اِس کا واحد ہے سَرِیْرٌ۔ بروزنِ فَعِیْلٌ۔ صفت مشبہ کو جامد بنایا گیا ہے۔ اس کا مؤنث ہے سَرِیْرَةٌ اور اُس کا جمع مؤنث ہے اَسِرَّةٌ۔ جامد کا ترجمہ ہے تخت اور مشتق کا ترجمہ بہت خوشیوں والا سُرُوْرٌ سُرُوْرًا سے بنا ہے اسی سے ہے مَسْرُوْرٌ مُّتَقٰبِلِیْنَ۔ باب تَفَاعُلٌ کا اسم فاعل جمع ہے۔ بمعنی آمنے سامنے۔ قُبُلٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ سامنے ہونا۔ بحالتِ نصب ہے۔ حال ہے۔ ساکنون کا۔ یا

مجرور ہے صفت ہے سُرُرٍ کی - لَا یَمَسُّ. باب فَتَحَ کا مضارع منفی معروف صیغہ واحد مذکر غائب ۔ بمعنی مستقبل مَسٌّ سے بنا ہے بمعنی چھونا۔ لگا ھُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل کا مرجع متقین ہے مفعول بہ ہے منفی فعل کا - فِیْ جارّہ ظرف مکانی کے لیے - ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع جنّٰت ہے - نَصَبٌ - اسم مفرد جامد مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے - لَا یَمَسُّ کا نَصَبٌ کا ترجمہ ہے - بیماری - سختی - برا انجام - سخت پتھراہٹ - تھکاوٹ - مشقت - دکھ - تکلیف دہ قیام - یہاں سب معنی بن سکتے ہیں - واؤ، سرجملہ - یا حالیہ اور حال ہے سارکنون کا - پہلی صورت میں یہ جملہ علیحدہ عبارت ہے - مَا حرف نفی مشبہ بلیس - ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل اسم ہے اِنْ کا - مِنْ جارّہ ابتدا، غایت کے لیے - یہی اس کا اصلی معنی ہے - ھَا ضمیر مجرور متصل مرجع ہے - جنّٰت - متعلق مقدم ہے - مُخْرَجِیْنَ کے - بِ جارّہ زائد خبر مَا پر داخل ہوئی ہے - مُخْرَجِیْنَ اسم مفعول - صیغہ جمع مذکر - بحالت نحو ہے - خبر ہے مَا کی - باب افعال سے ہے مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنی نکالنا - خُرُوْجٌ سے بنا ہے - بمعنی نکلنا یہ لازم ہے باب افعال میں متعدی ہے - مُخْرَجِیْنَ - ھُمْ ضمیر نائب فاعل مستتر اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے - ایک قول میں مَا نافیہ کے بعد یکون ناقصہ پوشیدہ ہے ھُمْ اس کا اسم مِنْھَا متعلق اوّل مخرجین متعلق دوم - واللہ اعلم بالصواب -

تفسیر عالمانہ

قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ ۔ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ ۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ ۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ ۔ ابلیس کے سوال و کلام کے بعد رب تعالیٰ نے اپنے مخلص بندوں کی نشاندہی فرماتے ہوئے فرمایا یہی ہے یعنی سجدۂ آدم اور ادبِ انبیا اولیا - احترام حکم پروردگار کے عقائد حقانیہ پر قائم ہونا راستہ میری طرف یا میری حفاظت و محبت و رعایت میں یا میرے کرم پر واجب ہے اس راستے کی حفاظت کرنا - مضبوط ہے یا ہمیشہ قائم رہنے والا ہے یا سیدھا ہے جس وقت باری تعالیٰ نے ابلیس کو یہ جواباً فرمایا اس وقت تمام ملائکہ سجدے میں پڑے ہوئے تھے اس لیے ھٰذا کا اشارہ اسی سجدہ ریزی کی طرف ہوا کہ یہ ہے میرا راستہ جو اسی طرح عاجزی مسکینی اختیار کرے گا اور رب تعالیٰ کے ہر حکم کے سامنے بلا چون و چرا جھک جائے گا بیشک وہی میرے بندے ہیں - جن کی عظمتِ کردار اور خلوصِ بے ریا کا تو نے بھی اعتراف کیا ہے - صرف میری عبادت کا نام خلوص نہیں - وہ تو اے ابلیس تو بھی ہزاروں سال سے کر رہا ہے - مگر تو بھی اپنے آپ کو مخلص نہیں سمجھتا - مخلص تو وہی بندے ہیں جو ان فرشتوں کی طرح انبیاء کرام کا ادب احترام عزت و شان مانتے ہوئے میری طرف آئیں ان بندوں پر واقعی تیرا کوئی زور نہیں چلے گا - بعض نے فرمایا ھٰذا سے مراد خلوص ہے - مگر یہ دُور کی بات ہے - اہل لغت نے یہاں عَلٰی کے تین معنی کئے ہیں ۱ بمعنی اِلٰی یعنی طرف ۲ بمعنی فِیْ یعنی میری حفاظت میں ۳ اپنے ہی معنی میں - یعنی واجب ہے میرے کرم پر (مجھ پر) ان تین معنی کے لحاظ سے اس کی تین تفسیریں ہوئیں - مستقیم کے تین معنی کئے گئے ہیں - ۱ سیدھا یعنی دینِ اسلام

اور دینِ خداوندی میں یہ سب نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ ہاں جو اُن گمراہوں میں سے جو تیری پیروی کریں گے۔ اور تیرے
ورغلانے بہکانے سے تیرے ہی ہو جائیں گے اور اپنی اصلیت فطرت اور یہ انسانی عظمت بُھلا کر تیری آرام دہ
بدعملیوں کو اختیار کر لیں گے اُن پر تیری قوت سلطنت وارد ہوگی اور وہ تیرے تسلّط سے نہ نکل سکیں گے۔ ایک
تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ اے ابلیس میرے کسی بندے پر تیرا تسلّط اور تیری قوت قائم نہیں ہو سکتی نہ تو کسی کو جبراً اپنا
مطیع بنا سکتا ہے بس تیرا اتنا ہی زور ہے کہ تو دل میں خفیہ وسوسہ ڈالے گا۔ تو جس نے تیرے وسوسے کو ٹھکرا دیا وہ
مخلص بندہ ہوگا جس نے اس اغوا اور وسوسے کے زیر اثر تیری اتباع کر لی۔ تو وہ گمراہ ہوں گے جن کی ساری دنیا کے
ہر زمانے میں سات قسمیں ہوں گی اور بیشک البتہ اُن تمام اغوا شدہ لوگوں کا مَوعِد۔ یعنی وعید اور جھڑک۔ سزا عذاب کی
جگہ ایک ہی سات منزلہ جہنم کا بڑا علاقہ دائمی ٹھکانہ ہوگا۔ اس پوری جہنم کے سات دروازے ہیں جو موجودہ فلیٹ کی
شکل میں اوپر نیچے ہر منزل پر ایک دروازہ ہے۔ اور ان سات قسم کے گمراہوں کے لیے درجہ بدرجہ تقسیم کئے ہوئے
ہیں اس طرح کہ پہلی منزل۔ نار کی جس میں فاسق مسلمان بھی گناہوں کو جلانے کے لیے رکھے جائیں گے۔ اور وہیں سے
شفاعت کے ذریعہ نکالے جائیں گے۔ ۲ جہنم لَظیٰ اس میں عیسائی کافر داخل کئے جائیں گے ۳ جہنم حطمہ اس میں
یہودی کفار ۴ جہنم سعیر اس میں آسمان اور چاند و سورج ستاروں کے پجاری ہوں گے ۵ وادی سقر جس میں
آتش پرست ۶ جحیم اس کے دو حصے ہیں دوسرے حصے کا نام زمہریر۔ یعنی برفانی ٹھنڈک۔ اس میں پہلے میں بت پرست
دوسرے میں دہریہ کفار ۷ جہنم ہاویہ اس کو حامیہ بھی کہتے ہیں۔ اس میں منافقین کا ٹھکانہ۔ اس سارے علاقے کا
نام جہنم ہے۔ اسی لیے لھا کی طرف۔ سبعۃ ابواب کی اضافت کی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ جہنم بھی ایک طبقے اور
باب کا نام ہے۔ اس کے علاوہ چھ ہیں۔ مگر آیت کی اضافت سے یہ بات درست نہیں لگتی۔ سب جہنم پہلے ہی
مکمل تیار کر دی گئی ہے۔ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ
صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ
مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ۔ اے ابلیس یہ تو تیرے کہنے لگنے والوں کا بدترین ذلت والا حال ہوگا۔ لیکن جن مخلصین کو
تو گمراہ اغوا نہ کر سکے گا وہ مقامِ تقویٰ حاصل کر کے ہمارے متقی بن جائیں گے اِن کا اُخروی دائمی حال اُس شان و عظمت
کا ہوگا کہ بیشک تمام متقین جنتوں اور باغوں کے چشموں میں ہوں گے۔ جہنم تو اوپر نیچے سات منزلوں میں ہے اور سب
منزلیں ایک برابر لمبی چوڑی بنائی گئی ہیں سب سے پہلی منزل طبقۂ نار ہے اس کی چھت پل صراط ہے اور پل صراط
جنت کے دروازے یا بیرونی میدان سے جڑا ہوا ہے۔ مگر جنت سب ایک ہی گھر ہے۔ ہاں البتہ اس میں
چوبارے اور بالا خانے ہیں۔ جو درجہ بدرجہ متقین صالحین۔ صدیقین۔ شہدا اور نبیین کی قیام گاہیں ہیں پہلے داخلے
پر فرشتے کہیں گے یا رب تعالیٰ کی طرف سے سہانا پیغام آئے گا کہ داخل ہو جاؤ تم ان جنتوں میں۔ سلامتیوں۔ مبارک

بادلیوں خوشخبریوں کے ساتھ ۔ یا السلام علیکم کہتے اور سنتے ہوئے ۔ ہر طریقے کی امن والے ہوکر حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ دخولِ جنت کے وقت رب تبارک و تعالیٰ جل مجدہٗ کی طرف سے چار بار چار خوشخبریاں سنائی جائیں گی ۔ ۱۔ ابد تک تندرست رہو گے کبھی بھی کسی بھی بیماری میں مبتلا نہ ہو گے ۲۔ ہمیشہ زندہ رہو گے کبھی موت نہ آئے گی ۳۔ ہمیشہ جوان رہو گے کبھی بڑھاپا نہ آئے گا ۔ ۴۔ ہمیشہ قائم اور سکونت میں رہو گے کبھی جنت سے نکالے نہ جاؤ گے یہ جنت اُن سب کے لیے آرام کے اعتبار سے مثل مہمان خانہ ہوگا اور رہائش کے اعتبار سے دائمی ملکیت ہوگی ۔ اور ہم اُن جنتیوں کے سینوں سے یا اُن کے باطنوں میں سے ہر قسم کی گندگی ۔ میل کچیل دور پھینک دیں گے ۔ اس طرح کہ نہ دماغ میں ایک دوسرے کے لیے تکبر نہ عقل میں فتور نہ طبیعت میں تکدر و نفرت نہ دل میں حسد و بغض ۔ نہ پیٹ میں گندگی ۔ نہ کلیجے میں غصہ ۔ محققین فرماتے ہیں جنتی جسموں میں چار عضو نہیں ہوں گے ۱۔ نفسِ امارہ ۲۔ پتہ ۳۔ اوجھڑی ۴۔ دُبر ۔ یعنی نیچے کا سوراخ ۔ ایک قول ہے کہ جب پُل صراط سے گزر کر باخیریت تمام متقی جنتی دروازۂ جنت پر پہنچیں گے تو کچھ لوگوں کو اپنے دنیا کے مخالفین کو دیکھ کر غصہ یا حسد آئے گا تو رب تعالیٰ اپنی تجلیِ رحمت سے اس کو ختم کر کے رحمت و سکون سے بھر دے گا ۔ مولیٰ علیؓ نے فرمایا کہ میں اور عثمانؓ غنی ۔ طلحہؓ و زبیرؓ اُن میں سے ہی ہوں گے ۔ اور ہماری آپس کی رنجیدگیاں وہاں ہی ختم ہوں گی ۔ بعض نے فرمایا کہ چونکہ نَزَعْنَا فعل ماضی ہے اس لیے اس سے مراد اسلامی محبت اور بھائی بندی ہے اور وہ عداوتیں دور کرنا مراد ہیں جو دورِ جہالت کی صحابہ کرام میں تھیں پھر اسلام لانے سے ختم ہو گئیں ۔ مگر یہ قول درست نہیں اس لیے کہ یہ آیت عمومیت تاقیامت متقین کے لیے ہے مگر اس قول سے تخصیص ماننی پڑے گی ۔ نیز فعل ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے ۔ اور یقینی ہونے کی بنا پر فعل ماضی لایا گیا ۔ گویا کہ ایسا ہو ہی گیا ۔ دنیا میں بہت طریقوں سے مسلمان آپس میں حسد بغض رکھتے ہیں مگر دخولِ جنت کے وقت سب ختم کر دیا جائے گا ۔ اور کسی کے دل میں کسی کا مقام و مرتبہ دیکھ کر یا نعمتوں کی کثرت دیکھ کر حسد یا رشک پیدا نہ ہوگا ۔ بلکہ سب بھائیوں کی طرح محبت کریں گے ۔ یہ بھائی ہونا صرف محبت کے اعتبار سے ہوگا ۔ ورنہ چھوٹے بڑے کا ادب و احترام اور مدارج وہاں بھی ہوں گے اسی طرح اولاد و والدین کا بھی امتیاز ہوگا ۔ نور کی طرح سنہری تختوں پر بیٹھا کریں گے اگرچہ بعض جنتی بعض سے بڑے فاصلے پر ہوں گے مگر کسی کی طرف کسی کی پیٹھ نہ ہوگی کیونکہ پیٹھ کرنا بے ادبی اور بے مروّتی کی نشانی ہے ۔ اگر کبھی کسی دُور والے سے ملنے کا ارادہ ہوگا تو تخت پر ہی بیٹھ کر خواہش کریں گے اور تخت مل پڑے گا اور کسی بھی وقت کسی طرح اُن کو کوئی مشقت ۔ تکلیف نہ پہنچیں گی ۔ اور سب سے زیادہ خوشگوار تو اُن کے لیے یہ سچی خوشخبری ہے کہ وہ تمام جنتی اِس جنت اور اُس آرام وہ زندگی اور اُس راحت بخش سکون سے کبھی بھی نکالے نہ جائیں گے ۔ کیا کرم ہے میرے خالق مالک کا کہ اُس نے اپنے قرآن پاک کے ذریعے سب اچھے بروں کے تمام اُخروی حالات و مقامات صاف صاف بتا دیے کسی سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے ۔ اور حدیث پاک نے آنکھوں دیکھی جہنم کا حال سنا دیا اب بھی کوئی شیطان سے

نہ بھاگے اور دامن مصطفیٰ میں پناہ نہ لے تو کتنی بدنصیبی ہے

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ ۔ اولیاء کاملین منجانب اللہ محفوظین میں داخل ہیں جس طرح کہ تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں یہ فائدہ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ سے حاصل ہوا۔ معصوم وہ ہے جو گناہ صغیرہ یا کبیرہ کر ہی نہ سکے اس میں گناہ کا مادہ ہی نہ پیدا کیا گیا ہو۔ جیسے ملائکہ۔ اسی لیے فرشتوں کو بھی معصوم کہا جاتا ہے۔ محفوظ وہ ہے جو گناہ کر سکے مگر کرتا نہ ہو۔ نیک وہ ہے جو گناہ کر بھی سکتا ہے اور کر لیتا ہے مگر فوراً سچی توبہ کر کے بخشوا لیتا ہے۔ فاسق وہ جو گناہ کر کے توبہ نہ کرے۔ بعض نادان لوگ اپنی نادانی سے یہ لکھ گئے کہ معاذ اللہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں۔ (الخ) اللہ ان کو ہدایت دے۔ **دوسرا فائدہ** ۔ اعمال کتنے ہی خوبصورت کیوں نہ ہوں جب تک صراط مستقیم پر بندہ نہ آئے سب بیکار وہ اخلاص جو دامن مصطفےٰ سے ہٹا ہو وہ ریاکاری ہے۔ **تیسرا فائدہ** ۔ شیطان کا وسوسہ ہر ایک کو آسکتا ہے خواہ مخلص بندہ ہو یا غیر مخلص۔ یہاں تک کہ اولیاء اللہ اور انبیاء کرام کو بھی۔ مگر شیطان کا درغلانا۔ عام مخلصین کو بھی نہیں آسکتا۔ یہ فائدہ سُلْطٰنٌ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ۔ درغلانا قابو پانا ہے اور یہی تسلط یا سُلْطٰنٌ ہے مگر وسوسہ صرف قریب ہونے اور خیال بدلنے کا نام ہے۔ جتنا ایمان زیادہ ہوگا۔ شیطان اتنا ہی بار بار قریب آکر ستائے گا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ شریعت اسلامیہ کا یہ قانون اپنی جگہ بالکل اٹل اور کلیہ ہے کہ کوئی کافر جہنم میں جاکر پھر ابدی طور پر نکل نہیں سکتا اور فاسقین کو بعد سزا نکال لیا جائے گا۔ قادیانیوں کا عقیدہ غلط ہے کہ کافر بھی زیادہ مدت بعد جہنم سے نکال کر جنت یا اعراف میں رکھے جائیں گے۔ یہ مسئلہ لَمَوْعِدُهُمْ کی تفسیر سے مستنبط ہوا اسی طرح دیگر آیات میں بھی واضح ثبوت ہے۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ عام متقی عام ملائکہ سے افضل ہیں کیونکہ ملائکہ زیارت کرنے آیا کریں گے اور سلام کیا کریں گے۔ اور زیارت کرنے والا اس سے افضل نہیں ہو سکتا جس کی زیارت کر رہا ہے (فتاویٰ بحر الرائق جلد اول ص ۳۵۴) یہ مسئلہ بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ کی ایک تفسیر اور دیگر آیات اہل جنت سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ متقی باغوں اور چشموں میں ہوں گے۔ تو کیا ہر متقی کا چشمہ علیحدہ علیحدہ ہوگا یا ایک ہی سب کے گھروں تک پہنچے گا۔ اگر ایک ہی پہنچے تو عیون فرمانا درست نہیں اور اگر سب کا چشمہ علیحدہ ہو تو وہ نہر کیونکر بنے گا جب کہ انہار بھی جنت میں ہی ہیں۔

جواب ۔ دونوں صورتوں میں سے جو بھی صورت ہو قابل اعتراض نہیں کیونکہ جنت میں نہ حسد بغض ہے نہ چھینا جھپٹی نہ قلت مذلت۔ لیکن بعض بزرگوں نے فرمایا کہ نہریں بھی ہوں گی اور ہر ایک کا علیحدہ چشمہ بھی ہوگا۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا فِیْ جَنّٰتٍ (الخ) اور پھر فرمایا گیا اُدْخُلُوْهَا (الخ) تو داخلے سے پہلے جنت میں کیسے ہوں گے ۔ **جواب** ۔ امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہ عبارت برعکس ہے یعنی جس وقت سلامتی سے داخلے کا حکم مل جائے گا تب وہ متقی باغوں چشموں میں ہوں گے ۔ دوسرا یہ کہ جنت میں ہر متقی کے لیے بہت سے باغات ہوں گے تو جب ایک باغ سے دوسرے میں داخل ہوں گے تب کہا جائے گا ۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ (الخ) اور یہ تعظیم وتکریمی الفاظ ابد تک ہوتے رہیں گے کچھ بزرگوں نے یہ بھی فرمایا کہ جب ایک جنتی دوسرے سے ملنے جایا کرے گا تب استقبالیہ جلے صاحب خانہ کی طرف سے ہوں گے اور اگلا کلام وَنَزَعْنَا (الخ) اسی سلام دعا کی وجہ بیان فرمارہا ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَعْلَمُ مگر پہلا جواب زیادہ درست ہے ۔

تیسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ میرے بندوں پر تیرا زور نہیں چلے گا ۔ حالانکہ جنات اور بھت پریت قسم کے شیطان انسان کو اچھا خاصا قابو میں کر لیتے ہیں بلکہ احادیث سے ثابت ہے کہ جنات کئی انسانوں کو مار ڈالتے ہیں ۔ **جواب** ۔ یہاں سلطٰن سے مراد جبراً گناہ کرانا ہے ۔ یعنی دل پھیر دینا ۔ رہا جسمانیت پر قابو تو اس کا یہاں انکار نہیں اور یا عبادی سے مراد متقی بندے ہیں نہ کہ ہر ایک ۔ متقی بندوں پر کوئی جن کسی طرح قابو نہیں پاسکتا ۔ بلکہ متقی نیک سے تمام مخلوق ڈرتی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِیْنَ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِیْنَ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّعُیُوْنٍ

ندائے غیبی سے ہر روشن ضمیر کو فرمایا جاتا ہے کہ یہ ہی صدق وخلوص طالبین صادقین کا راہِ منزل شوق ہے جو صفاتِ ذمیمہ کی گھاٹیوں سے دور ہے اور کدورت وغیریت کی بدراہیوں سے علیحدہ ہے ۔ اور میری طرف سیدھا راہ ہے بغیر کسی تغیر تبدل کے ہمیشہ رہنے والا ہے ۔ بیشک میری عبادت ذکر وفکر ومجاہدے میں ہمہ مشغول ومصروف رہنے والے میرے بندے اے ابلیس نفسانی وطغیانی تیرا اُن پر کوئی فریب نہیں چل سکتا یہی وہ علم لدنی کے علمائے زاہدین ہیں ۔ راشدین مهدیین راہِ سعادت ہیں ۔ مگر وہ نجاساتِ نفسی کے جہلا ۔ یا علم مغروری کے علما جو ریاکاری میں تیسری اتباع کریں تیرے وسوسوں سے اغوا ہو جانے والے بس وہی عیاریوں کے جال میں پھنسنے والے ہیں پس اے علم والو دورِ جہالت سے اور بچو اس علم خبیث سے جس کا مرکز ابلیسیت ہے اور طلب کرو علم طیب کو جو درِ پاکِ مصطفےٰ سے ملتا ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور بیشک ایسے بدنصیبوں کے لیے فراق نار اور دوریِ منزل کی جہنم ہے ۔ اُس کے سات دروازے ہیں ۔ ۱ حرص ۲ حسد ۳ شر ۴ غضب ۵ شہوت ۶ تکبر غرور ۷ فساد ۔ جہنم نفاوت کا ہر دروازہ اسی جیسی بدبختی والے کے لیے تقسیم کر دیا گیا ہے ۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ قالب بشریت میں ہر شقی وسعید کو سات اعضاد یئے گئے ۔

۱ عضوِ سماعت ۲ عضوِ بصارت ۳ عضوِ تکلم ۴ عضوِ شہوت ۵ عضوِ بطش یعنی دو ہاتھ ۶ عضوِ مشایت یعنی دو قدم ۔ ان اعضاء سے سات قسم کے گناہ سرزد ہوتے ہیں اس لیے جہنم عتاب کی سات سزائیں تقسیم ہیں۔ لیکن وہ بندے جو اپنے ان اعضاءِ رئیسہ کو جہنم کے ساتوں دروازوں سے بچائے وہ کامل متقی ہے اور بیشک متقی رضا و محبت کے باغوں اور انوارِ قدس کے چشموں میں شاداں و فرحاں ہوں گے ۔ جہنم کے سات دروازے اور جنت کے آٹھ دروازے اس لیے ہیں کہ رب تعالیٰ کی شانِ قہاری کا ظہور کم ہوتا ہے اور شانِ رحمت کا زیادہ ۔ عارفین فرماتے ہیں کہ اذان کے سات لفظ اور اقامت کے آٹھ لفظ جو نمازی سننے یا سنانے میں ان کی پابندی کرے گا اس پر اذان سے سات باب جہنم بند اور اقامت سے ہشت باب بہشت کھل جاتے ہیں اور فرمایا جاتا ہے ۔ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ اے پیارو داخل ہو جاؤ تم مقامِ قرب کی جنتوں میں ۔ کثافت رذالت قبض و بعد فراق و ہجر سے بالکل مطمئن ہو کر نہ دخول کی ممانعت نہ خروج کا کھٹکا ۔ ہم نے ان کے قلوب صنوبری کو تمام عیبوں کینوں سے صاف کر دیا اوصافِ نفسیہ کا تذکیہ فرمایا اور الفتِ ایمانی کے نورانی تختوں پر منزلِ شریعت کے بھائیوں کی شکل دامنِ نبوت میں بٹھا دیا نہ ان کو حسد و غضب کی تکلیفِ نفسی لگے نہ وہ بیت تجلیات سے نکالے جائیں اور لذتِ عشقِ الٰہیہ کے پھلوں سے ابد الآباد تک نوازے جائیں ۔ اہلِ معرفت کی غذائیں تسبیح و تحمید اور ذکر و فکر سری ہے ۔

نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۴۹﴾ وَاَنَّ عَذَابِيْ

خبر دے دو میرے بندوں کو کہ بیشک میں ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں ۔ اور بیشک میرا عذاب ہی

خبر دو میرے بندوں کو کہ بیشک میں ہی ہوں بخشنے والا مہربان اور میرا ہی عذاب

هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿۵۰﴾ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ

عذاب ہے دردناک ۔ اور گزشتہ واقعات سناؤ ان لوگوں کو بابت مہمانوں کی

دردناک عذاب ہے اور انہیں احوال سناؤ ابراہیم کے مہمانوں کا جب

اِبْرٰهِيْمَ ﴿۵۱﴾ اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا وقف لازم

حضرت ابراہیم کے جب کہ حاضر ہوئے سامنے اُن کے تو بولے السلام علیکم ۔ فرمایا ابراہیم نے بیشک ہم

وہ اس کے پاس آئے تو بولے سلام کہا ہیں تم سے ڈر معلوم ہوتا ہے

مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿۵۲﴾ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ

تم سے البتہ فکر مند ہیں عرض کیا سب نے ، فکر مند ہوئیے بیشک ہم خوشخبری دیتے ہیں تم کو سمجھدار بیٹے ۔

انہوں نے کہا ڈریئے نہیں ہم آپ کو ایک علم والے لڑکے کی بشارت دیتے ہیں

عَلِيْمٍ ﴿۵۳﴾ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ

کی ۔ فرمایا کیا خوشخبری دیتے ہو تم مجھ کو پر اس حالت کے پہنچا مجھ کو بڑھاپا

کہا کیا پر مجھے بشارت دیتے ہو کہ مجھے بڑھاپا پہنچ گیا

فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ﴿۵۴﴾

تو کس لیے خوشخبری دیتے ہو تم

اب کاہے پر بشارت دیتے ہو

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ شیطان کا فریب مخلص بندوں پر نہیں چل سکتا اب ان آیات میں بتایا جارہا ہے کہ اے پیارے حبیب آپ کی ایمان افروز باتوں کا اُن پر بہت جلدی اثر ہوگا لہٰذا آپ اُن کو میری شان بتادو ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ اللہ کے مخلص بندوں کے دلوں میں دنیوی حسد کھوٹ وغیرہ برائیاں نہیں ہوتیں ۔ اب ان آیات میں رب تعالیٰ اپنے کچھ مخلص بندوں کا ذکر فرمارہا ہے جن کو نبوت کے تاج سے نوازا ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں رب کریم کی طرف سے بندوں کی اُخروی زندگی کی لذت سامانیوں کا ذکر ہوا تھا اب ان آیات میں اُس کی وجہ بیان ہورہی ہے کہ اللہ چونکہ غفور رحیم ہے ۔ اس لیے یہ اُس کی کمال شفقت ہے کہ بندوں کے چھوٹے چھوٹے اعمال کی بھی بڑی بڑی جزا عطا فرماتا ہے ۔

شانِ نزول - ابن ابی حاتم اور علی بن حسین تابعی سے روایت ہے کہ جب سورت حجر کی وہ آیتیں نازل ہوئیں جن میں جہنم کا ذکر ہے تو حضرتِ سلمان فارسی اور دیگر صحابہ بہت گھبرائے تب مخلص صحابہ کی تسلی کے لیے چھ آیتیں نازل ہوئیں از ۴۵ تا ۵۰ ایک روایت میں ہے کہ نَزَعْنَا والی آیت ۴۷ اور ۴۸ یہ خلفاءِ راشدین کے بارے میں نازل ہوئیں۔ بعض مفسرین نے شانِ نزول اس طرح بیان کیا ہے کہ آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ صحابہ کرام کو کسی بات پر ہنستے ہوئے دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ کیوں ہنستے ہو تمہارا یہ غفلت کا کیا حال ہوگیا۔ صحابہ بہت ڈرے نبی کریم یہ فرما کر آگے بڑھ گئے اور پھر لوٹے اور ان صحابہ سے فرمایا کہ جبریل ابھی آئے تھے اور رب کا پیغام دیا کہ اے محمد میرے بندوں کو ناامید مت کرو۔ اور یہ آیت نازل ہوئیں نَبِّئْ عِبَادِیْ (الخ) مگر یہ قول طرزِ آیت کے خلاف ہے اس لیے کہ یہاں بھی تو عذاب الیم کا ذکر ہے۔ نیز ہنسنے سے روکنا ناامید کرنا نہیں۔ اور پھر وحی اس طرح کبھی نازل نہیں ہوتی تھی بلکہ نبی کریم لیٹ جاتے تھے اور آپ پر غشی کی کیفیت محسوس ہوتی تھی۔ نیز صحابہ کرام مایوس نہ ہوتے تھے مایوسی تو گمراہی ہے اور یہ قول دیگر احادیث اور تمام جمہورِ امت کے مطابق نہیں۔

تفسیر نحوی نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۔ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ ۔ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ۔ نَبِّئْ باب تفعیل کا امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل ہے اسی میں پوشیدہ ہے۔ اس کا مصدر ہے تَنْبِیْئَةٌ اور تَنْبِیْئٌ۔ نَبَاٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خبر دینا۔ آگاہ کرنا بتانا عباد اسم جمع مکسر منصوب۔ عَبْدٌ کی بمعنیٰ بندہ۔ یٖ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ کا مرجع رب تعالیٰ۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ اوّل ہے۔ اِنِّیْ مرکب۔ اَنَّ حرفِ تحقیق یٖ ضمیر اس کا اسم منصوب ہے متصل ہے۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم منصوب منفصل۔ یٖ ضمیر متصل کی تاکید کے لیے آیا۔ حصر کا فائدہ ہے بمعنیٰ ہی۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ غَفُوْرٌ صیغہ مبالغہ بروزن فعولٍ قبول۔ صفتِ مشبہ ہے۔ بمعنیٰ بہت بخشنے والا۔ پردہ پوشی کرنے والا۔ معرف باللام اسم متمکن معرب ہے اَلرَّحِیْمُ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ رحیم صفت مشبہ بمعنیٰ رحم کرنے والا بہت زیادہ۔ وہ غفرٌ سے یہ رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ چھپانا۔ مٹانا۔ مہربانی کرنا۔ احسان کرنا۔ دونوں بحالتِ رفع ہیں۔ اور اوّل دوم خبر اَنَّ ہے۔ یہ جملہ اسمیہ ہوکر مفعول بہ دوم ہوا نَبِّئْ کا۔ اَنَّ درمیان کلام ہے اس لیے مفتوح الہمزہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ اَنَّ معطوف ہے اِنِّیْ ماقبلہ پر۔ عَذَاب اسم مفرد جامد مضاف ہے یٖ متکلم مضاف الیہ ہے عذاب کا کسرہ یٖ کی مناسبت میں ہے اعراب نہیں ہے بحالتِ نصب ہے اسم اَنَّ ہے۔ هُوَ۔ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل۔ اس کا رفع دو وجہ سے ہے اس لیے کہ خبر اَنَّ ہے۔ ۲ اور اس لیے کہ مبتدا ہے مابعد کا اس مبتدا سے حصر کا فائدہ ہوا بمعنیٰ ہی۔ الف لام تعریفی عہدی عَذَاب اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا۔ اَلْاَلِیْمُ۔ الف لام اسمی اَلَّذِیْ کے معنیٰ میں اَلِیْمٌ۔ صفتِ مشبہ۔ اَلَمٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بہت درد والا۔ تکلیف والا۔ اَلْعَذَابُ موصوف ہے اَلْاَلِیْمُ کا یہ مرکب توصیفی خبر ہے ہُوَ کا۔ واؤ ابتدائیہ۔ نَبِّئْ فعل

امر واحد مذکر خطاب دونوں جگہ نَبِّئْ امر میں ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے ۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع ۔ یا عِبَادِ ہے ۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے نَبِّئْ کا یا عام مسلمان ۔ عَنْ جارہ بمعنی فِیْ جارہ بمعنی بارے میں ۔ ضَیْفِ ۔ اسم مفرد جامد بمعنی مہمان ۔ اسم جنسی ہے اس لیے جمع کے لیے بھی آجاتا ہے یہاں جمع کے لیے ہے ۔ اسم جنسی حقیقۃً جمع نہیں ہو سکتا واحد ہی ہوتا ہے ۔ مگر واحد جنس کے اعتبار سے اس میں زیادہ افراد شامل ہو جاتے ہیں یہ مجرور ہے عَنْ سے مضاف ہے ۔ اِبْرٰھِیْمَ ۔ اسم غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے عربی لغت میں مستعمل ہے ۔ اسی لیے بحالتِ کسرہ بھی فتحہ آیا ۔ مضاف الیہ ہے ضیف کا ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہے اور متعلق ہے نَبِّئْ کا ۔ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۔

اِذْ ۔ اسم ظرف زمانی برائے شرط مجازی ۔ مابعد کا جملہ مظروف مجازی شرط ہے ۔ دَخَلُوْا باب نصر کا ماضی مطلق معروف صیغہ جمع مذکر غائب ۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے ۔ ضیف ۔ عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ ظرفیہ یعنی پاس ۔ خیال رہے کہ جہاں کہیں بھی ایک حرف اپنے اصلی معنی چھوڑ کر دوسرے حرف کے معنی میں ہو تو وہاں ڈبل دگنا ۔ دوہرا فائدہ لینا مقصود ہوتا ہے ۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع ابراہیم ہے ۔ فَ تعقیبیہ بلا تراخی ۔ قَالُوْا ۔ فعل ماضی جمع مذکر ۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر کا مرجع ضیف ہے ۔ فعل اپنے فاعل ھُمْ ضمیر مستتر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ۔ سَلٰمًا بمعنی ملاقاتی ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ سَلَّمْنَا کا ۔ یہ لفظ مقولہ ہے قَالُوْا کا ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق ھُوَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع ابراہیم ہے ۔ اِنَّا ۔ دراصل ہے اِنَّ نَا ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ۔ قَالَ کا مقولہ ہونے کی بنا پر ابتداءِ کلام میں ہے لہٰذا اِنَّ ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل ہے ۔ اسم ہے اِنَّ مِنْ جارہ بمعنی اِلٰی ظرفِ مکانی یعنی طرف ہے ۔ کُمْ ضمیر حاضر کا مرجع ضیف ہے جار مجرور متعلق مُقدَّم وَجِلُوْنَ صفت مشبہ کا وَجِلُوْنَ جمع ہے اس کا واحد مذکر وَجِلٌ مؤنث وَجِلَۃٌ ہے ۔ وَجِلٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی پریشانی والا ڈر ہونا ۔ فکر مند ہونا یعنی تشویشناک ۔ صفت مشبہ متعلق مقدم سے مل کر خبر اِنَّ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا ۔ قَالُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع ہے ضیف ۔ لَا تَوْجَلْ فعل نہی صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل مستتر ہے ۔ مرجع ابراہیم ہے ۔ باب ضَرَبَ سے ہے وَجْلٌ سے بنا ہے اِنَّا ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ۔ نَا ضمیر جمع متکلم منصوب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے نُبَشِّرُ ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم ۔ مخاطب ضیف جنسی جمع ہے ۔ اس کا مصدر ہے تبشیر ۔ بُشْرٌ سے بنا ہے بمعنی خوشخبری دینا پیشگوئی خبر سنانا ۔ اسی سے بشارت ہے ۔ کَ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے ۔ منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے ۔ بِ جارہ مفعولیت کی زائدہ ہے غُلٰمٍ ۔ اسم مفرد نکرہ متمکن معرب ہے ۔ بمعنی بیٹا موصوف ہے اس کی تنوین تنکیری ہے عَلِیْمٍ اسم صفت مشبہ علم سے بنا ہے بمعنی بہت جاننے والا ۔ بحالتِ کسرہ صفت تابع ہے غلام کی ۔ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نُبَشِّرُ کا ۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے ۔ اور اِنَّ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول لہٗ ہے لَا تَوْجَلْ کا ۔ اور وہ مقولہ ہے ۔

قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۔ قالَ ۔ ماضی مطلق باب نَصَرَ کا قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنی کہنا ۔ اِس کا فاعل اسی میں ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مستتر ہے جس کا مرجع ابراہیم علیہ السلام ہے ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہیں ۔ اگلی تمام عبارت اس کا مقولہ ہے ۔ اَ ہمزہ سوالیہ ہے ۔ سوال تعجب کے لیے ہے نہ کہ اقراری یا انکاری بَشَّرْتُمُوْ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر اس کا فاعل جس کا مرجع ضَیْفِ جنسی جمع ہے اس کا مصدر ہے بَشَّرْتُمْ بمعنی خوشخبری دینا ۔ واؤ محض خانہ پُری کے لیے ہے جس کو تفخیم اور اشباع کہتے ہیں ۔ یہ اتصال کے لیے آتی ہے ۔ نون وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم منصوب ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے اِس فعل ماقبل کا ۔ علیٰ جارہ بمعنی فِیْ ظرفیہ زمانیہ ۔ اَنْ مخفّفہ دراصل تھا اَنَّ ۔ اب مخفف ہو کر لغو یعنی غیر عاملہ ہے ۔ مَسَّ ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مذکر غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی چھونا ۔ پکڑنا ۔ پہنچنا ۔ یہاں تینوں معنی مناسب ہیں ۔ نون وقایہ یٰ ضمیر متکلم اس کا مفعول بہٖ ہے ۔ الف لام جنسی زائدہ تعریفیہ کِبَرُ ۔ اسم حاصل مصدر بمعنی بڑھاپا ۔ کِبَرٌ سے بنا ہے بمعنی بڑا ہونا ۔ فَ ۔ ظرفیہ حالیہ بمعنی اَبْ ۔ اَلْاٰنَ کے معنی میں ۔ بِمَ ۔ دراصل تھا بِمَا ۔ بِ جارہ سببیہ بمعنی لِمَا (کیوں) ۔ مَا سوالیہ ۔ آخر کا الف بِ کے جڑنے کی وجہ گر گیا اور میم کا زیر بطورِ نشانی باقی رہا ۔ مَا استفہامیہ کا الف مَا موصولہ کے التباس سے بچنے کے لیے گرایا ۔ کیونکہ ما موصولہ کا الف بِ کے جڑنے سے نہیں گر سکتا کیونکہ اصلی اور مضبوط ہے مگر یہ گر سکتا ہے کہ وصلی ہے اس لیے باقی رکھنا ضروری ہے ۔ جار و مجرور متعلق مقدم ہے ۔ تُبَشِّرُوْنَ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر باب تفعیل سے ہے ۔ مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنی خوشخبری سنانا ۔ بُشْرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی خوشی سنانا ۔ بِشْرٌ مصدر مادہ کا ترجمہ کھال والا ہونا اور بِشْرٌ مصدر کا ترجمہ ہے شر والا ہونا تینوں لغت علیحدہ ہیں ۔ بُشْرٌ ۔ بِشْرٌ ۔ بَشْرٌ یہ جملہ فعلیہ علیحدہ کلام ہے ۔

تفسیر عالمانہ

نَبِّئْ عِبَادِیْۤ اَنِّیْۤ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۙ وَ اَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ وَ نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ۘ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ۔ اے کریم رحیم رحمتِ عالمین نبی ۔ میرے اُن بندوں کو تا قیامت خبر دیدو ۔ جو اعمالِ صالحہ ریاضت و عبادات میں بڑے متقی نہیں کمزور و معروف ہیں ۔ کہ یقینًا میں واحد لاشریک ہی ہر بخشش مانگنے والے کو بخشنے والا ہوں اور ہر مجبور دنیوی دینی روحانی جسمانی ظاہری باطنی پر رحم فرمانے والا ہو ۔ لیکن فاسق و بدکار ظالم متکبر مغرور کے لیے میرا عذاب بھی دردناک عذاب ہے ۔ مفسرینِ کرام فرماتے ہیں کہ پہلی آیت اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ میں عبادی سے مراد انتہائی متقی نیک پاکباز مخلص بندوں کا ذکر تھا ۔ مگر یہاں اُن کو اپنا بندہ فرما کر عزت بخشی جا رہی ہے جو اگرچہ عبادت میں سُست ہیں لیکن مجھ سے بخشش کی طلب کرتے رہتے ہیں ۔ اس لیے کہ بندے سات قسم کے ہیں ۔

۱ عبدِ تشریفی یہ صرف شانِ عبدیتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اس لیے فرمایا اسریٰ بعبدہٖ ۲ عبدِ تفضیلی ۔ جیسے کہ باری تعالیٰ نے تمام انبیاء کرام کو عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ یا عِبَادَنَا اِبْرٰهِیْمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ (الخ) فرمایا ۳ عبدِ تکریمی ۔ جیسے فرشتوں کو فرمایا گیا ۔

عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۴ عبدِ اخلاص - جیسے ابھی پہلے عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ آیا ۔ ۵ عبدِ اقراری جیسے یہاں
گنہگار کو نَبِّئْ عِبَادِیْ فرمایا گیا ۔ ۶ عبدِ ایمانی ۔ جیسے تمام مسلمان صرف کلمہ پڑھتے ہی اُس کے بندے بن جاتے ہیں۔ اعمال ابھی
بعد میں ہوں گے ۷ عبدِ ملکیتی ۔ یعنی لونڈی غلام جیسے تمام مخلوق عرشی فرشی جمادات نباتات حیوانات کا فرومومن سب اللہ کے
بندے ہیں پس جو بندہ دھوکے سے شیطان کے پھندے میں پھنس گیا اور پھر پچھتایا تو وہ غم نہ کرے میں غفور بھی ہوں رحیم بھی کر
پچھلے بخش دوں گا آئندہ بچا لوں گا ۔ اور جو سرکشی سے اُس کے وسوسوں میں پڑا اور خرمست ہوا تو اُس کے لیے دردوالا عذاب
بھی تیار ہے۔ جس کی مثالیں سابقہ امتوں میں گزر گئیں کہ ابلیس نے اپنے قول اور ارادے کے مطابق ہر انسان کو ہر طریقہ سے
ورغلایا ۔ یہاں تک کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں حضرت لوط کی قوم کو کیسی گھناؤنی بدکاری میں مبتلا کر دیا کہ وہ اس خبیثانہ
حرکت کو اچھا سمجھنے لگے ۔ بچنے والے نیک بندوں کو طعنے دینے لگے ۔ تو پھر ہم نے اُن میں سے نیک بندوں پر کس طرح
غفاریت اور رحیمیت فرمائی اور بدخصلت لوگوں کو کیسا سخت عذاب دیا ۔ لہٰذا اے پیارے نبی ان مغرور ومغرور کافروں کو
ہمارے اُن عذاب لانے والے بارہ فرشتوں کا واقعہ سنائیے جو انسانی مہمانوں کی شکل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے
تھے ۔ ایک قول میں تین فرشتے تھے ۔ ایک قول میں سات ایک قول میں دس تھے جبرئیل علیہ السلام کی قیادت میں حاضر بارگاہ خلیل
ہوئے اور اس طریقے سے بے وقت بے اجازت آئے کہ ابراہیم علیہ السلام جلدی میں پہچان ہی نہ سکے ۔ اور اس طرح
اچانک آنے میں منشاء باری تعالیٰ بھی یہ تھا کہ پہچانے نہ جا سکیں ۔ حضرت ابراہیم نے جب آتے دیکھا تو چونکہ کھانا پہلے ہی
تیار تھا دسترخوان نبوت بچھا تھا فرمایا یہ تلا ہوا بچھڑے کا گوشت کھائیے ۔ مگر کسی نے کھانے کی طرف توجہ نہ دی فقط السلام علیکم
بول کر ایک طرف کھڑے ہو گئے ۔ حضرت ابراہیم کے پاس تو روزانہ بیسیوں مہمان آتے جاتے کھاتے پیتے تھے ۔ مگر اس
طرح کبھی نہ دیکھے تھے کہ کھانے کی بات ہی نہیں کرتے آپ سخت حیران بھی ہوئے اور فکرمند بھی ۔ اسی فکر و پریشانی میں سلام کا
جواب دینا بھی خیال نہ رہا ۔ اور فرمایا ۔ بیشک ہم سب گھر والے اور نوکر چاکر آپ کی طرف سے عجیب حیرانی اور فکر و پریشانی
میں مبتلا ہو گئے ۔ کہ بے وقت آنا اور جلدی میں اجازت بھی طلب نہ کرنا پھر کچھ کھاتے بھی نہیں ۔ کیا تم کو کوئی پریشانی آئی
ہے ۔ یا تم ہم سے ناراض ہو یا لڑنے آئے ہو ۔ کیونکہ مسافر مہمان اگر نہ کھائے تو اس کے سوا اور کیا سمجھا جا سکتا ہے ۔ یہ سب
کچھ آنا فانا اتنی جلدی ہوا کہ نبی کی خداداد طاقت والی آنکھ بھی اور غیب کے علم والی عقل شعور بھی اصلیت کی طرف متوجہ نہ ہو سکی
لیکن چونکہ علم نبوت سے وہ زیادہ دیر چھپ نہیں سکتے تھے اس لیے فوراً سب کی طرف سے ایک فرشتے حضرت جبرائیل نے
یا سب نے ہی بیک آواز عرض کیا ۔ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ عَلٰٓى
اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ ۔ بولے ہماری طرف سے کسی قسم کا فکر و اندیشہ نہ فرمائیے ہم دشمن نہیں
نہ لڑنے آئے ہیں بلکہ ہم دوست ہیں بیشک ہم آپ کو بہت ہی خوش کرنے والی ایک خبر سناتے ہیں ۔ ہم آپ کو بہت
علم والے بیٹے کی بشارت دیتے ہیں جو کچھ زمانے کے بعد آپ کو ولادت میں عطا ہو گا ۔ اس کو کسی مدرسے میں علم پڑھانا نہ پڑے

گا بلکہ جو رب اُس کو بیٹا اور مذکر انسان بنائے گا وہی اللہ اس کو سکھائے گا۔ اور اتنا علم سکھائے گا کہ وہ بچہ شکمِ مادر سے ہی علیم بن کر آغوشِ مادر میں آئے گا۔ اور عالم نہیں ۔ علامہ نہیں بلکہ علیم ہوگا یعنی ہمیشہ تک عالم رہے گا اُس کا علم کبھی ختم نہ ہوگا یہ خوشخبری سن کر بے حد خوش ہو کر جواباً فرمایا ۔ اے اللہ کی خوشخبری پہنچانے والو کیا تم مجھ کو یہ بشارتِ عظیم اُس وقت نہیں سنا رہے ہو جب مجھ کو بہت زیادہ بڑھاپا پہنچ گیا ۔ اُس وقت آپ کی عمر ایک سو بیس یا ایک سو بارہ سال ہو چکی تھی جب یہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کی خوشخبری آپ نے سنی ۔ تو فرمایا کس نوعیت کی تم سب مجھ کو بشارت سناتے ہو کیا میری نسل اور نطفے سے ہوگا یا میرے بیٹے اسماعیل کی نسل سے میرا پوتا ہوگا ۔ یا مجھ کو جوان کر دیا جائے گا ۔ یا ایسے ہی قدرتِ الٰہی کی نشان ظاہر ہوگی ۔ عام طور پر تو اِس عمر میں ابھی تک کسی کی اولاد نہیں ہوئی اور نہ ہی میں نے اپنے اب کسی بیٹے کے لیے دعا ہی مانگی ہے پہلے جب دعائیں مانگا کرتا تھا تو مجھ کو پیارا اسماعیل عطا کر دیا گیا تھا ۔ اس عمر میں تو ہر بوڑھا اولاد سے مایوس ہی ہوتا ہے یہ کلام موجودہ کفارِ مکہ تبلیغ ہے چونکہ پہلے یہ سنایا گیا کہ وہ اللہ اپنے عاجز بندوں کے لیے غفور و رحیم اور سرکشوں کے لیے اس کا عذاب الیم ہے اس لیے ان فرشتوں کو اُس وقت دونوں کاموں کے لیے بھیجا گیا اور موجودہ لوگوں کو بتایا گیا کہ ہم نے کس طرح اپنی غفاریت اور رحیمیت حضرت ابراہیم و آلِ ابراہیم پر فرمائی اور سرکش قومِ لوط کو کس طرح عذاب الیم سے ہلاک کر دیا ۔ امام صاوی نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام کا وَجِلُوْنَ فرمانا اس لیے تھا کہ آپ نے ان مہمانوں میں جلالِ الٰہی اور ہیبتِ ربانی دیکھ لی تھی ۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ اس لیے درست نہیں کہ اگر یہ بات ہوتی تو لَا تَوْجَلْ نہ کہا جاتا اور نہ آپ ان کو مہمان سمجھتے نہ کھانا پیش کرتے نہ ان کو لڑنیوالا دشمن سمجھتے اس زمانے میں بلکہ آج بھی رواج ہے کہ دشمن اور لڑنیوالا کھانا نہیں کھاتا ۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ کامل ایمان یہ ہے کہ بندے کو عتابِ الٰہی کا خوف بھی ہو اور رحمتِ باری تعالٰی کی امیدِ یقینی بھی اور ہر وہ چیز جو ان دونوں کے خلاف بندے کے عمل و قول سے ظاہر ہو وہ گناہ ہے یہ فائدہ نَبِّئْ عِبَادِیْ اور ان آیات کے شانِ نزول سے حاصل ہوا ۔ **دوسرا فائدہ** ۔ ملائکہ کو علمِ غیب ہے اور وہ پیشگی جانتے ہیں کہ آئندہ کیا ہوگا اسی لیے بشارتِ فرزند دے رہے ہیں یہ فائدہ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ سے حاصل ہوا ۔ یعنی یہ پیغام یا وحیِ الٰہی نہیں نہ ہم اس وقت وحی لے کر آئے ہیں ہم اپنے سابقہ علم کے مطابق بشارت دے رہے ہیں لیکن محض بشارت دینے نہیں آئے نہ رب تعالٰی نے اس وقت ہم کو بشارت دینے کے لیے حکماً بھیجا ہے ۔ وہ تو ہم اپنی خوشی سے دے رہے ہیں ۔ اسی سب بات کو جانتے ہوئے حضرتِ ابراہیم نے پوچھا کہ اچھا پھر اے مُرْسَلُوْنَ آئے کیوں ہو ۔ اور جب فرشتوں کو علمِ غیب ہے تو انبیاء کرام کو بدرجۂ اَولٰی ہے ۔

تیسرا فائدہ ۔ تقدیرِ الٰہی میں ازل سے سب کچھ لکھا جا چکا ہے یہاں تک کہ مخلوق کے نام بھی صفات بھی شان بھی دیکھو فرشتے حضرتِ اسحٰق کا نام بھی اپنے غیبی علم کے ذریعے جانتے ہیں ۔ علیم ہونے کی شان نبوت بھی ۔ حالانکہ ابھی عالم وجود میں

کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کو غلام فرزند یا اسحٰق کہا جائے۔ کیونکہ صرف روح نہ اسحٰق ہے نہ کسی کا بیٹا نہ نبی۔

چوتھا فائدہ۔ نبی کا کسی وقت ملائکہ کو نہ پہچاننا یا کسی انسان کو نہ پہچاننا۔ علم غیب کے خلاف نہیں نہ شانِ نبوت میں اس سے کچھ فرق پڑتا ہے۔ اگر غیب دانی کا دارومدار صرف ہر وقت پہچاننے پر ہی ہو تو چاہیئے کہ ملائکہ کا علم غیب مانو کیونکہ وہ ہر وقت ہر شخص کو جانتے ہیں۔ حضرت ملک الموت نے کبھی اپنی کارکردگی میں کبھی غلطی بھول نہیں کی۔ ہاں نبی کا ملائکہ کو اس وقت پہچاننا ضروری لازمی ہے کہ جب کہ فرشتے وحی لے کر آئیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر مہمان کی میزبانی ہر گھر والے پر واجب ہے خواہ اس کو پہچانتا ہو یا نہ خواہ اس کو بلایا ہو یا نہ خواہ وہ با اجازت بروقت آیا ہو یا بے اجازت بے وقت یہ مسئلہ۔ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ میں لفظ ضیف فرمانے اور سمجھنے سے مستنبط ہوا۔ اسی لیے حضرت ابراہیم نے سب سے پہلا کام ان کی خاطر تواضع کا اور کھانا کھلانے کا انتظام کیا۔ آنے سے ناراضگی نہ فرمائی بلکہ جب نہ کھایا تو کھانے کا افسوس اور تشویش فرمائی۔ **دوسرا مسئلہ** قانونِ شریعت کے مطابق آنے والے کو سلام کرنا چاہیئے نہ کہ گھر والے یا پہلے سے کہیں بیٹھے ہوئے شخص کو۔ یہ مسئلہ فَقَالُوْا سَلٰمًا سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ کی کسی چیز میں یا قول و کلام حکمت و نوعیت معلوم کرنے کے لیے سوالات کرنا گناہ نہیں۔ اسی طرح شاگرد کا اُستاد سے آیتِ قرآنیہ پر اعتراضاً کچھ پوچھنا صرف سمجھنے کے لیے بالکل جائز یہ مسئلہ حضرت ابراہیم کا۔ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اسی سے ثابت ہوا کہ طلباء مدرسہ کا مصنوعی مناظرہ کرنا۔ اور دو گروہ بن کر ایک گروہ باطل بن کر حق کے خلاف تیاری گناہ نہیں بشرطیکہ بھٹکنے کا خطرہ نہ ہو لیکن اگر کسی شاگرد کا باطل کی تیاری سے یا مناظرہ جیت کر باطل و گمراہ ہونے کا خطرہ ہو تو ہرگز جائز نہیں یہی حکم اصلی نقلی مناظروں کے سامعین کا ہے۔ بلکہ بہتر یہ ہے کہ مدارسِ اسلامیہ کے ایسے مصنوعی مناظروں میں قابل اور بڑے اساتذہ ضرور موجود رہیں۔ اور باطل کے جیت جانے پر باطل کو غلط اور حق کو صحیح ثابت کر دیں تاکہ تمام کے سارے خدشات ختم ہو جائیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے اِنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الخ فرمایا کہ بیشک میں ہی بخشنے والا رحم کرنے والا ہوں یہاں غفاریت رحیمیت کو اپنی طرف نسب فرمایا۔ پھر فرمایا اِنَّ عَذَابِیْ الخ بیشک میرا عذاب دردناک ہے۔ یہاں عذاب کے متعلق یہ نہیں کہا گیا کہ میں عذاب دینے والا ہوں۔ یا تو دونوں جگہ اس طرح ہوتا اَنَا الْغَفُوْرُ وَاَنَا الْمُعَذِّبُ یا دونوں جگہ اس طرح ہوتا اِنَّ مَغْفِرَتِیْ وَرَحْمَتِیْ اور اِنَّ عَذَابِیْ دونوں جملے یکساں کیوں نہیں آئے؟

جواب۔ چونکہ مغفرت اور رحم اعلیٰ اور صفتِ جمالی ہے اس میں پیار محبت شفقت کی شان ہے اس کو اپنی ذات کی طرف نسبتِ فاعلی سے بیان فرمایا کہ غفاریت و رحم میں نے خود کرنا ہے۔ ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف اعلیٰ چیزیں ہی منسوب ہونی چاہیئے

عذاب وعتاب ۔ جلال وغفرت کا مظہر ہے ۔ اس لیے اپنی ذات کو مُعَذِّب نہ فرمایا ۔ عذاب کسی دیگر طرف سے بھی آسکتا ہے لہٰذا دونوں فرمان اور طرزِ بیانی بالکل درست اور عین حکمت کے مطابق ہیں ۔ ہمارے اس جواب پر سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱۵ کے الفاظ فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُہٗ سے اعتراض نہیں کیا جاسکتا ۔ کیونکہ وہاں سیاق وسباق میں مغفرت سے تقابلی ذکر نہیں ۔ نیز وہاں عذاب کی صرف مشروط دھمکی ہے ۔ جس کو اصطلاح میں تنبیہ کہا جاتا ہے ۔ اور یہ کہ وہاں دنیوی عذابِ عارضی کا ذکر ہے ۔ لیکن یہاں عذابِ اُخروی دائمی کا ذکر ہے کیونکہ مغفرت کے ساتھ مذکور ہے ۔ مغفرت کا تعلق وظہور صرف آخرت میں ہی ہے ۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں نَبِّئْ عِبَادِیْٓ الخ کے بعد نَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ ۔ کیوں ارشاد ہوا دونوں میں کیا جوڑ ہے **جواب** ۔ چونکہ نَبِّئْ عِبَادِیْ ۔ میں مغفرت رحم ۔ اور عذاب الیم کا تذکرہ تھا ۔ اور دونوں کا مورد بندہ ہی تھا لیکن وہاں یہ وضاحت نہ ہوئی تھی کہ کون لائق مغفرت ورحم ہے اور کون مستحق عذاب وقہر ہے ۔ اس لیے نَبِّئْهُمْ میں اب دونوں قسم کے بندوں کا ذکر فرمایا گیا تاکہ متقیوں کو تسلی وتسکین ہو اور بدکاروں کو اپنے انجام سے خوف ہو ۔ **تیسرا اعتراض** ۔ حضرت ابراہیم نے بشارت پر حیرانگی کیوں کی ۔ حیرانگی انکار ہے اور انکار کفر ہے ۔ **جواب** ۔ یہ وضاحت تفسیر عالمانہ میں کردی گئی کہ حیرانگی نہیں بلکہ استفسار نوعیت ہے ۔ **چوتھا اعتراض** ۔ تو پھر ملائکہ نے حضرت ابراہیم کو وضاحتی جواب کیوں نہیں دیا ۔ اس استفسار سے روکا کیوں ۔ **جواب** ۔ روکا نہیں بلکہ علم نبوت کی طرف متوجہ کیا کہ اے ابراہیم ان قسم کے جواب تو آپ کو خود ہی معلوم ہیں ہم کون ہیں آپ کے سامنے زبان کھولنے والے وضاحت کرنے والے ۔ آپ ہم سے زیادہ علم لدنی والے ہیں ۔ صرف اس وقت آپ ان مکاشفاتِ قلوبیہ کی طرف متوجہ نہیں ۔ بوجہ بشارتِ عظمیٰ کی خوشی کے ۔

تفسیر صوفیانہ نَبِّئْ عِبَادِیْٓ اَنِّیْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ ۙ وَاَنَّ عَذَابِیْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِیْمُ وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۔ اے حبیب کریم خبر دیجئے ان لوگوں کو جو صرف میرے ہی بندے ہیں حرص وہوس کے بندے نہیں نہ دنیا کی خواہشات والے نہ عقبیٰ کی لالچ والے ۔ بیشک میں ہی فقط واحد لاشریک قلوب عارفین کی خطاؤں کو بخشنے والا ہوں اور طالبین صادق کو ان کی سچی طلب کی طرف لانے والا ہوں ۔ اور سالکینِ راہ کے قدموں کو خطراتِ نفس سے بچانے والا ہوں اور بیشمار قسم قسم کے فیوضات سے ان پر رحم کرنے والا ہوں میں ہی رحیم ازلی ابدی ہوں اپنے بندگانِ عشق کو مکاشفاتِ اعلیٰ اور مشاہداتِ ارفع کی محفلوں میں پہنچانیوالا ۔ یہی امید کے قدم زہد وریاضت ہیں ۔ بندہ وہی کامل ہے جس کا ایمان امید وخوف کے ساتھ ہو ۔ نہ فقط اُمید ہو کہ محرمات میں گر پڑے اور ریاضت وعبادت سے منہ موڑ بیٹھے ۔ بلکہ ذاتِ الٰہیہ سے امید صادق تو یہ ہو کہ وہ غفور ورحیم ہے ۔ لیکن یہ بھی بتا دیجئے کہ بیشک میرا عذاب حجاب اور دوری باب درکاتِ جناب بھی بڑا ہی دردناک ہے ۔ یہ مقامِ خوف ہے یہی ایمان وعقیدے کے دو بازو ہیں ۔ فقط امید بھی کفر ہے اور فقط خوف بھی کفر ہے ۔ خوف سے مایوسی ہے اور امید سے غفلت اور بے پرواہی ہے ۔ اسبابِ مغفرت بھی بہت ہیں

اور اسبابِ عذاب بھی بہت ہیں۔ مغفرت کا سبب اعظم عشقِ الٰہی اور محبتِ مصطفائی ہے اسی کے ذریعہ معرفت و جذب حاصل ہوتا ہے۔ عذاب کا بڑا سبب ذات و صفات سے جاہل ہونا ہے۔ ابراہیم قلب پر نزولِ تجلیاتِ اجنبیہ کی خبر یعنی جب قُربِ منازل کی سلامتی کی بشارتیں دے کر ورودِ ظہور فرمایا تو عداوتِ نفسی کا اندیشہ بیدار ہوا اور اضطرابِ طبیعت نے اپنی پریشانی صفات کو آشکارا فرمایا۔ تب جمالِ تجلیات نے فرمایا اے قلبِ سلیم تو اہلِ بشارت ہے۔ بیشک ہم طالب صادق کو عشق مقبول و عقل باخبر کی خوشخبری سنانے والے ہیں۔ قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِیْ عَلٰۤی اَنْ مَّسَّنِیَ الْکِبَرُ فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ۔ قلب صادق نے فرمایا عشقِ لاہوت کی کیسی خوشخبری ہے میرے جواس ضعیف کو کیا خوش کن خبر سناتے ہو تم کیا میرے ضعف نفس کو اس عشقِ نار کی برداشت ہوگی میری آرزوئیں جہادِ نفس میں کمزور ہیں تو مجھ کو اس دولتِ بیدار عشقِ مصطفےٰ کی بشارت کس طریقے سے دیر ہے ہو اس امانت کو سنبھالنا تو بڑی جواں مردی کا کام ہے میں اپنے اعضاءِ ظاہری و باطنی کو مباشرتِ اعمال اور صحبتِ طاعات میں کس طرح مشغول کر سکوں گا۔ نفس امارہ کے شر و فساد کا بڑھاپا ان پر ظاہر و نافذ ہوچکا ہے دل شکستہ جگر سست ہے وسواسِ شیطانی نے اُن کو درجاتِ قرب کے ملنے سے مایوس کر دیا ہے۔ اس لیے کہ حصولِ کمال کے اسباب انتہا کو پہنچ چکے ہیں۔ دنیا کی لمبی امیدوں نے جوانی کو خراب کر دیا ہے صوفیا فرماتے ہیں دس چیزیں تزکیۂ نفس اور مجاہداتِ طریقت میں مثل بڑھاپا کمزوری اور رکاوٹ بنتے ہیں۔ ۱ لذتِ دنیا ۲ حیرتِ فطرت ۳ درکاتِ ابلیس ۴ خطراتِ نفس ۵ فکرِ معاش ۶ ضعفِ باطن ۷ بے نوریِ دماغ ۸ لمبی امیدیں ۹ سختیِ دل ۱۰ بُرا ساتھی۔ اگر کسی کو یہ دس بڑھاپے مل جائیں تو مکاشفات و مشاہدات کے انعاماتِ ابدی میں اس کی حیرت بجا ہے۔ مگر اللہ جل مجدہٗ کے کرم بھی حیران کن ہیں اے میرے کریم عقل و فہم اور مجاہداتِ اعمال میں یہی سب سے زیادہ بوڑھا ہوں اپنے فضل و کرم سے مجھ کو بھی بشارتِ اعظم عطا فرما۔

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِیْنَ ﴿۵۵﴾

بولے مہمان خوشخبری دی ہم نے آپ کو ساتھ سچائی کے تو نہ ہو تم میں سے مایوس ہونے والوں

کہا ہم نے آپ کو سچی بشارت دی ہے آپ نا اُمید نہ ہوں

قَالَ وَ مَنْ یَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖۤ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿۵۶﴾

فرمایا اور نہیں مایوس ہوتا سے رحمت رب کی اپنے مگر گمراہ لوگ

کہا اپنے رب کی رحمت سے کون نا امید ہو مگر وہی جو گمراہ ہوئے

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۵۷﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ

فرمایا تو کیا ارادہ ہے تمہارا اے بھیجے ہوؤ ۔ بولے سب بیشک ہم بھیجے گئے ہیں

کہا پھر تمہارا کیا کام ہے اے فرشتو ۔ بولے ہم ایک مجرم قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں

اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ؕ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ

طرف ایک قوم جرم کرنے والی کے ۔ فقط حضرت لوط کے گھر والوں کو بیشک ہم بچالیں گے اُن کو

مگر لوط کے گھر والے ان سب کو ہم بچا لیں گے ۔

اَجْمَعِيْنَ ﴿۵۹﴾ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ ۙ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۴

سب کو سوائے بیوی کے اُن کی ۔ تقدیر جان لی ہم نے کہ بیشک وہ البتہ ہیں سے پیچھے رہنے والوں

مگر اُس کی عورت ہم ٹھیرا چکے ہیں کہ وہ پیچھے رہ جانے والوں میں ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے پیارے نبی ہمارے بندوں کو خبر دیدو ۔ اب ان آیات میں اُن اچھی خبروں کا ذکر ہے جو رب کریم جل مجدہٗ اپنے انبیاءِ عظام کو فرما رہا ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی غفاریت رحیمیت کی خوشخبری دی گئی تھی ۔ اب اس جگہ رحمت سے ناامید لوگوں کی نشاندہی کی جا رہی ہے ۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں حضرتِ ابراہیم کے پاس ملائکہ کے آنے کا ذکر ہوا اور خوشخبری فرزند کا ذکر ہوا ۔ مگر چونکہ حضرت ابراہیم نے اپنی نبوی ذہانت سے پتہ لگا لیا تھا کہ صرف فرزند کی بشارت اِن کا اصل مقصد نہیں اس لیے اب ان آیات میں اصل مقصد پوچھ رہے ہیں ۔

تفسیر نحوی قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ قَالُوْا ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ مذکر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع ضیف ہے بَشَّرْنٰكَ ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم ۔ فعل با فاعل كَ ضمیر اس کا مفعول بہ ہے خطاب حضرت ابراہیم سے ہے ۔ بِ جارہ مفعولیت کا ہے یا بمعنیٰ مَعَ ہے ۔ الف لام عہد ذہنی یا خارجی حَقٌّ ۔ یہ لفظ عربی میں آٹھ معنی میں مستعمل ہے یہاں بمعنیٰ سچی بات ہے ۔ فَ عاطفہ تعلیلیہ بمعنیٰ لِهٰذَا ۔ لَا تَكُنْ فعل نہی معروف واحد کا صیغہ اَنْتَ ضمیر اس کا

فاعل مرجع ابراہیمؑ ہے فعل تام ہے مِنْ جارّہ تبعیضیہ ۔ الف لام تعریفی اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ قَانِطِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب نصر سے قَنَطٌ سے بنا ہے بمعنی سخت مایوس ہونا بعض اہل لغت فرماتے ہیں یہ مادّہ ہر باب میں مستعمل ہے مطرد کے آٹھوں بابوں میں سے ۔ قرآن مجید میں باب فتح سے ہے ۔ قَالَ فعل ماضی بصیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد اس کا فاعل مستتر ہے ۔ یہ فعل فاعل مل کر قول ہوا آگے سب عبارت مقولہ واؤ عاطفہ زائدہ مَنْ موصولہ نافیہ استفہام خبری ہے ۔ یَقْنَطُ ۔ باب فتح کا مضارع معروف واحد مذکر غائب قَنْطٌ سے بنا ہے ۔ مِنْ بیانیہ ۔ یا بمعنی بَ جارّہ رَحْمَۃ ۔ اسم مفرد جامد بمعنی ۔ مہربانی ۔ کرم نوازی ۔ بخشش ۔ مجرور ہے مِنْ جارّہ سے ۔ رَبّ ۔ اسم مفرد جامد مضاف الیہ ۔ اور مضاف ہے ما قبل اور مابعد کا ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے مَنْ ۔ اِلَّا حرف استثنا بمعنی سوا ۔ مفرغ ہے یعنی مستثنیٰ منہ مذکور نہیں ۔ اس لیے مابعدِ اِلَّا یَقْنَطُ کے فاعل کا بدل الکل ہو کر مرفوع ہوا ۔ اَلضَّآلُّوْنَ ۔ الف لام اسمی اَلَّذِیْنَ کے معنی میں ہے ضَالُّوْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر سالم واحد ہے ضَالٌّ ۔ ضَلٌّ سے بنا ہے بمعنی گمراہ ہونا ۔ مراد کافر فاسق بدکردار لوگ سب ہیں ۔ باب نصر سے ہے ۔ بحالتِ رفع واؤ اور نون مفتوح آئی آخر میں جمع مذکر سالم کا یہی اعراب ہوتا ہے ۔ چونکہ مستثنیٰ مفرغ ہے اس لیے اس کا اعراب عمل کے مطابق آیا ۔ فاعل کے مطابق ۔ قَالَ فعل ماضی ۔ قَوْلٌ باب نصر سے ہے ۔ فَ تعقیبیہ مَا حرف سوال خَطْبُ ۔ اسم مفرد جامد ۔ بمعنی ۔ حال ۔ مہم دبدبہ گرم حقیقت اہم معاملہ ۔ رویّہ ۔ سلوک ۔ طریقہ ۔ یہاں بمعنی مہم ہے ۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کا مرجع ۔ ضَیْف ہیں ۔ اَیُّھَا ۔ یہ دو لفظ ہیں ۔ ۱؎ اَیُّ ۔ حرف سوال یا حرف شرط ۔ یہاں سوالیہ ہے ۲؎ ھَا ضمیر مجرور متصل ہے ۔ مگر یہاں مجرور نہیں ۔ کیونکہ جر کا عامل کوئی نہیں ۔ اَیُّ کے ساتھ مسؤل عنہ کے مطابق ضمیر غائب یا حاضر لگائی جاتی ہے ۔ جب منادیٰ معرف باللام ہو تو حرف ندائی کو منادے سے جوڑنے اور شکل وصورت کو اپنی حالت پر رکھنے کے لیے بیچ میں اَیُّھَا مذکر منادیٰ میں اور اَیَّتُھَا مونث منادیٰ میں لگاتے ہیں اور چونکہ یہ لفظ متصلہ خاص ہے حرف ندا سے اس قرینے کی وجہ سے کبھی حرفِ ندا حذف بھی کر دیا جاتا ہے ۔ جیسا کہ یہاں دراصل تھا یا اَیُّھَا ۔ الف لام ۔ اسمی بمعنی اَلَّذِیْ ۔ خیال رہے کہ عربی میں الف لام بہت اہم چیز ہے اور اس کی آٹھ قسمیں ہیں ۱؎ الف لام زائدہ ۲؎ غیر زائدہ ۳؎ حرفی ۴؎ اسمی ۵؎ جنسی ۶؎ استغراقی ۷؎ عہد خارجی ۸؎ عہد ذہنی یہ سب اسم معرب کے اول ہی آسکتا ہے ۔ مُرْسَلُوْنَ باب افعال کا اسم مفعول ہے صیغہ جمع مذکر ۔ رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنی بھیجنا ۔ بہر حال متعدی ہوتا ہے ۔ مُرْسَلُوْنَ کا ترجمہ ہے بھیجے ہوئے ۔ بحالتِ رفع ہے ۔ کیونکہ منادیٰ مفرد ہے ۔ مرکب نہیں ۔ یہ ندائیہ جملہ مبتدا موخر ہے اور فَمَا خَطْبُکُمْ ۔ خبر مقدم ہے مرکب انشائی اور سوال جز کر ۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ ۔ قَالُوْا ۔ فعل ماضی جمع مذکر غائب یہ جملہ جوابی ہے ۔ قول ہے ضیف کا ۔ اِنَّ حرف تحقیق ۔ نَا ضمیر اس کا اسم اُرْسِلْنَا باب افعال کا ۔ فعل ماضی مطلق مجہول مثبت صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر اس کا نائب فاعل اِلٰی جارّہ انتہاء غایت کے لیے ۔ قوم اسم مفرد جامد معنیً جمع ہے ۔ موصوف ہے اسی لیے اس کی صفت جمع ہے ۔ مُجْرِمِیْنَ ۔ اسم فاعل باب افعال کا صیغہ جمع متکلم بحالت کسرہ ہے صفت تابع ہے ۔ اِلَّا حرف استثنا ۔ آلَ اسم مفرد جامد بمعنی گھر والے بیوی بچے مضاف ہے ۔ بحالتِ فتحہ ہے ۔ مستثنیٰ متصل غیر مفرغ ہے ۔

دراصل تھا اَوَلٌ بمعنیٰ لوٹنا ۔ تابع فرمان ہونا ۔ واؤ کو الف سے بدلا گیا ۔ اس کی تصغیر ہوتی ہے اُوَیْلٌ جن نحویوں نے اس کی اصل اہل بتائی ہے وہ غلطی پر ہیں اس لیے کہ اہل عام ہے ہر چھوٹے بڑے ۔ امیر غریب ذوی العقول غیر عقول ۔ آقا غلام کا مضاف بن جاتا ہے ۔ مگر آل صرف بڑے انسان کا مضاف ہوتا ۔ بڑائی خواہ دنیوی ہو یا دینی ۔ آل کا مضاف الیہ کبھی آل میں شامل ہوتا ہے جب کہ مضاف الیہ علیحدہ مذکور نہ ہو اور کبھی شامل نہیں ہوتا جب کہ علیحدہ مذکور ہو ۔ یہاں مضاف الیہ آل میں شامل ہے ۔ کیونکہ علیحدہ پہلے ذکر نہیں لُوطٍ اسم مفرد جامد نکرہ ہے ۔ عَلَم ذاتی ہے ۔ بحالت کسرہ ہے مضاف الیہ آل کا یہ مرکب مستثنیٰ ہے اس کا مستثنیٰ منہ قوم ہے ۔ اور چونکہ قوم میں آل لوط شامل ہے ۔ اس لیے متصل ہے اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ دونوں اِلَّاحرفِ استثناء درست ہیں (لغو نہیں ہے) اِنَّا ۔ حرفِ مشبہ اور ضمیر جمع متکلم اسم ہے ۔ لامِ جحود ابتدائیہ برائے تاکید ۔ مُنَجُّوْ ۔ باب تفعیل کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر ۔ دراصل تھا مُنَجِّيُوْنَ آخر کی نونِ اعرابی لامِ جحود کے عمل سے گر گئی ۔ لامِ جحود فتحہ دیتا ہے اور فتحہ سے نونِ اعرابی گر جاتی ہے ۔ یٰ پر ضمہ ثقیل ہوا تو اس کو ساکن کر دیا گیا ۔ اب دو ساکن جمع ہو گئے ۔ واؤ اس لیے نہیں گر سکتی کہ علامت جمع ہے لہٰذا یٰ گر گئی اور ماقبل کو واؤ کی مناسبت سے ضمہ دے دیا ۔ اس کا مصدر ہے تَنْجِيَةٌ نَجْوٌ ۔ سے مشتق ہے بمعنیٰ بچانا ۔ ترجمہ ہے ہم بچانے والے ہیں ۔ ایک قول ہے کہ مُنَجُّوْ اسم فاعل مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع مجرور متصل ہے مفعول مضاف الیہ ہے اور اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی گری نہ کہ لامِ تاکید سے ۔ پہلی ترکیب میں هُمْ ضمیر منصوب ہو گی اَجْمَعِيْنَ ۔ اسم تاکیدی ۔ جمع ہے ۔ پہلی ترکیب سے بحالتِ فتحہ کیونکہ هُمْ کی تاکید تابع ہے وہ منصوب تو یہ منصوب دوسری ترکیب سے مجرور ہے ۔ کیونکہ اس کا مؤکد هُمْ مجرور مضاف الیہ ہے ۔ ایک قول میں اَجْمَعِيْنَ حال ہے هُمْ کا لہٰذا بہر صورت مفتوح ہے ۔ مُنَجُّوْ پورا جملہ اسمیہ خبرانّ ہے ۔ اسی لیے مرفوع ہے ۔ اِلَّا حرفِ استثناء ۔ اِمْرَاَةٌ ۔ اسم مفرد مؤنث اس کی مذکر ہے اِمْرَءٌ ۔ جمع کوئی نہیں ہوتی ۔ بمعنیٰ عورت ۔ اضافت کی صورت میں بمعنیٰ بیوی ۔ یہاں مراد بیوی ہے ۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مستثنیٰ غیر مفرغ ہے متصل ہے ۔ مستثنیٰ منہ هُمْ ضمیر ہے جس کا مرجع آل ہے ۔ اور چونکہ آل میں بیوی داخل ہوتی ہے اس لیے مستثنیٰ متصل ہوا ۔ اگر مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو تو اس کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں ۂ ضمیر واحد مذکر کا مرجع لُوطٍ ہے ۔ قَدَّرْنَا ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق معروف صیغہ جمع متکلم مخاطب مرسلون ملائکہ ہیں ۔ اس کا مصدر ہے تَقْدِيْرٌ ۔ بمعنیٰ ۔ تقدیر بنانا ۔ اندازہ لگانا ۔ معلوم کر لینا پہلے معنیٰ تو نہیں بن سکتے کیونکہ وہ خاصہ رب تعالیٰ ہے ۔ آخری معنیٰ درست ہیں ۔ کیونکہ دوسرے معنیٰ میں تنگی ہے ۔ جو یہاں مناسب نہیں ۔ یہ علیحدہ جملہ ہے ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ۔ درمیان کلام میں ہے کیونکہ مفعول بہ ہے قَدَّرْنَا ۔ کا ۔ مگر مکسور ہے ۔ اس لیے کہ اس کی خبر پر لامِ ابتداء ہے جس کی وجہ سے قَدَّرْنَا حُكْمًا معلق مانا گیا ۔ اور معلق کالعدم ہوتا ہے ۔ اور جب قَدَّرْنَا کالعدم ہوا تو اِنَّهَا گویا ابتداء میں آ گیا اس لیے مکسور الہمزہ ہوا مگر ظاہراً ترکیب میں یہ جملہ اسمیہ مفعول بہ ہے قَدَّرْنَا کا ۔ ھا ضمیر واحد مؤنث غائب منصوب اس لیے کہ اسم اِنَّ ہے متصل اس لیے کہ اپنے عامل اِنَّ سے جڑی ہوئی ہے ۔ اس کا

مرجع اَمْرَنَا ہے ۔ لام ابتدائیہ زائدہ مِن جارہ تبعیضیہ ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ غَابِرِیْنَ ۔ اسم فاعل باب ضَرَبَ سے ہے صیغہ جمع مذکر ۔ غبر سے بنا ہے معنی پیچھے رہنا ۔ باقی پڑی رہنا ۔ ترجمہ ہے ۔ پیچھے رہ جانے والوں سے ہلاک ہونے والوں میں سے بحالت کسرہ ہے مِن سے اور یہ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ کائنۃً یا صائرۃً کا ۔ یا بحالتِ نصب ہے حال ہے پوشیدہ کی ضمیر کا ۔ مگر یہ تکلف ہے ۔

تفسیر عالمانہ

قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۔ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۔ تمام ملائکہ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے خلیل یہ ٹھیک ہے کہ اس آخری عمر میں بتقاضاءِ بشریت فطرت کے مشاھداتی تجربے کی بنا پر اولاد سے مایوس ہو جانا ایک نفسیاتی امر ہے ۔ اور اگر عوام اولاد کی آس چھوڑ بیٹھیں تو برا نہیں لیکن آپ مایوسوں میں سے نہ ہو جائیے دو وجہ سے ایک تو یہ کہ ہم نے آپ کو یہ خوشخبری بالکل سچی اور حق دی ہے ۔ آپ اسی طرح بوڑھے ہی رہیں گے آپ کی بیوی محترمہ بھی اسی طرح اسی عمر میں رہیں گی اور آپ کی ہی اولاد میں سے آپ کی ذاتی بلا واسطہ نسل میں سے بیٹا ہوگا ۔ دوسری وجہ یہ کہ آپ کی ذات نبوت کی شان والی ہے ۔ اجسام انبیا مظہرِ قدرتِ الٰہی ہوتے ہیں ۔ رب کی بیشمار قدرتیں جسم نبی پر ظاہر ہوتی ہیں ۔ اس لیے کہ یہ ابدان کمالاتِ قدرتِ خداوندی کے اظہار کا مرکز ہوتے ہیں ۔ محققین فرماتے ہیں کہ کل کائناتِ مخلوق تین قسم کی ہے ۔ ۱ اجسامِ انبیاءِ کرام ۲ اجسامِ اولیاءِ عظام ۳ اجسامِ باقی مخلوق ۔ اجسامِ انبیا علیہم السلام پر رب تعالیٰ اپنی قدرتیں اور کمالات وصفات ظاہر فرماتا ہے ۔ اجسامِ عوام پر ۔ قانونِ الٰہی ظاہر اور جاری ہوتا ہے ۔ اجسامِ اولیاءُ اللہ پر معجزاتِ انبیا ظاہر ہوتے ہیں ۔ گویا کہ انبیاءِ کرام اللہ کی قدرتیں اور کمالات ہیں ۔ اولیاءُ اللہ ۔ انبیاءِ کرام کے معجزات ہیں ۔ اور دیگر مخلوق اللہ تعالیٰ کے قانون ہیں ۔ اسی لیے جسم نبوت بے مثل ہوتا ہے ۔ کوئی بھی چیز نبی کی مثل نہیں ہو سکتی ۔ نہ ذات وصفات نہ خیالات ۔ لہٰذا اے پیارے خلیل آپ کے خیالات عوام جیسے رواجی نہیں ہونے چاہئیں ۔ حضرت خلیل علیہ السلام نے فوراً جواب ارشاد فرمایا ۔ نہیں نہیں اے فرشتو میں ہرگز مایوس نہیں میں تو صرف نوعیتِ ولادت کا سوال کر رہا تھا کہ شاید اس بشارت دینے والے ربِّ قدیر نے کچھ اور بھی تم کو بتایا ہو کوئی نوعیت کچھ نشانی وغیرہ میں جانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ربّ کائنات کی رحمت سے کون مایوس ہو سکتا ہے بجز فسادی بے عقل ناسمجھ گمراہوں کے ۔ علماءِ کرام فرماتے ہیں کہ گمراہ انسان کی چار نشانیاں ہیں ۔

۱ وہ بھی گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو قادر نہ مانے ۲ وہ بھی گمراہ ہے جو باری تعالیٰ کو بندوں کے اعمال و افعال کا عالم و باخبر نہ جانے ۳ وہ بھی گمراہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو بخل سے پاک نہ سمجھے ۴ وہ بھی گمراہ ہے جو رب تعالیٰ کے افعالِ قدرت و قانون کو مبنی حکمت اور درستی کے مطابق نہ جانے ۔ اور جو گمراہ ہوتا ہے وہی قانطین اور مایوسوں میں سے ہوتا ہے ۔ (تفسیر کبیر رازی روح)

اس گفتگو اور سوال و جواب سے حضرت ابراہیم نے خود ہی اندازہ لگا لیا کہ یہ سب جو مہمانوں کی شکل میں آئے ہیں اور اپنے آپ کو کسی حکمت الٰہیہ کے تحت چھپائے ہیں اور آپ اپنے اجسام نوری اور لطیف کو بشریت کے لباس میں پنہاں کر کے لائے ہیں یہ اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے ہیں۔ اور محض خوشخبری سنانے کے لیے اس طرح رازداری سے آنا نہیں بلکہ اصل آمد کسی اور مقصد کے لیے ہے یہ سب اندازے اپنے علم بصیرت سے لگا کر ارشاد فرمایا تو اے اللہ کے مُرسَلُوْنَ ۔ (بھیجے ہوؤ) فرشتو آپ لوگوں کا اصل ارادہ کیا ہے۔ سب نے عرض کیا۔ بیشک ہم ایسی قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں جو سب کے سب بدترین مجرم ہیں۔ حضرت ابراہیم کا اندازہ اس لیے بھی ہوا کہ صرف خوشخبری کے لیے ایک فرشتہ بھی کافی تھا اور پھر اپنی اصلی شکل میں ہی آتے مسافر اور مہمان بن کر نہ آتے۔ اگرچہ ابھی تک کسی ایسی بشارت کا واقعہ گزرا نہیں تھا جس میں ایک فرشتے نے بشارت دی ہو۔ حضرت ذکریا اور حضرت مریم رضی اللہ عنہا کے واقعات بعد میں ہوئے۔ نیز بشارت یحیٰی علیہ السلام کے موقعہ پر بھی زیادہ فرشتے تھے جیسا کہ اُس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ فرمایا فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ یعنی حضرت ذکریا علیہ السلام کو آواز دی فرشتوں نے۔ مَلٰٓئِكَةُ جمع ہے اس پوچھنے پر ملٰئکہ نے عرض کیا ہم سب مجرموں کو ہلاک کرنے آئے ہیں سوا اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَا اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ ہم اسی کام کے لیے بھیجے گئے سب قوم کی طرف سوائے حضرت لوط علیہ السلام کی آل یعنی اہل ایمان کے۔ اس تفسیری ترجمے کے مطابق اِلَّا سے اشتثنا متصل بنے گا۔ دوسری تفسیر اس طرح ہے۔ ہم سب مجرموں کی طرف بھیجے گئے ہیں لیکن آل لوط کی طرف نہیں بھیجے گئے مگر میرے نزدیک پہلی تفسیر اس لیے مناسب ہے کہ یہ ملٰئکہ سب کی طرف بھیجے گئے تھے فقط نوعیت میں اور کیفیتِ عمل میں فرق تھا کہ مجرموں کی طرف بھیجے گئے ان کو تباہ و ہلاک کرنے کے لیے اور مومنین کی طرف بھیجے گئے اس لیے کہ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ بیشک ہم البتہ ضرور ضرور بچائیں گے اُن تمام نیک پاک لوگوں کو مگر اُن کی بیوی کو۔ یہاں بھی دو قول ہیں ایک یہ کہ آل سے مراد صرف گھر والے ہیں تب یہ اِلَّا مستثنیٰ متصل کے لیے ہے کیونکہ بیوی یقیناً گھر والی ہوتی ہے بلکہ اصل اہل بیت تو بیوی ہی ہوتی ہے اسی سے گھر اور اولاد بنتی ہے۔ اولاد کو مجازاً اہل بیت کہہ دیا جاتا ہے۔ دوم یہ کہ آل کا معنیٰ ہے متبع فرماں بردار ہے تب یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ بیوی کافرہ تھی متبع اور مومنہ نہ تھی۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ بہر صورت یہ مستثنیٰ متصل ہے اس لیے کہ حضرتِ لوط کی یہ بیوی جس کا نام واحلہ تھا اگرچہ کافرہ تھی مگر مجرمہ اور فاحشہ بدکارہ نہ تھی نبی کی بیوی فاحشہ ہو سکتی ہی نہیں۔ اور جب یہ مجرمہ نہ تھی تو مجرمین میں داخل نہ ہوئی اور جب اُن میں داخل نہیں ہوئی تو آل میں داخل ہوئی کیونکہ یہاں دو گروہوں کا ہی ذکر ہے۔ اور جب آل میں داخل ہو کر نکالا گیا تو مستثنیٰ متصل ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ یہ پہلے مومنہ تھی مگر قوم سدوم ہی سے ہونے کی بنا پر قومی محبت نے اس کو خراب کیا تھا اس نے ہی ان مہمانوں کی خفیہ خبر دی تھی اور جب حضرتِ لوط اپنی آل کو لے کر جا رہے تھے تو یہ مُڑ مُڑ کر بار بار اپنی قوم کو دیکھتی تھی اور کہتی تھی ہائے میری قوم۔ حالانکہ تمام آل کے لیے حکم ربانی تھا کہ کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے جب عذاب کے پتھر برسنے لگے تو یہ ہائے قوم

کہہ کر پیچھے کی طرف بھاگی کہ ایک پتھر اُس کو بھی لگا اور وہیں قریب ہی مر گئی اسی تقدیری فیصلے کا یہاں ذکر ہے کہ ملائکہ نے پیشگی خبر دیتے ہوئے حضرتِ ابراہیم سے عرض کیا کہ بیشک ہم نے تقدیر سُن لی ہے یا ہم نے یہ طے کر لیا ہے ۔ یا ہم کو اندازہ ہے یا ہماری یہ بھی ڈیوٹی ہے ۔ یا اس کی تقدیر میں یہی ہے کہ یہ پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے یا پیچھے لوٹ جانیوالوں میں ہو گی ۔ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے ۔ آپ کی عمر اِس وقت ترپن سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم اس وقت ایک سو بیس سال کے تھے ۔ آپ کا نام شریف لوط بن حاران بن تارخ تھا ۔ آپ بھی نبی تھے اور ایک دوسری قوم جو آپ کی برادری سے نہ تھی جس کا نام قوم سدوم تھا وہ تقریباً چالیس ہزار افراد تھے ۔ اور تین شہروں میں قریب قریب آباد تھے ۱ اردن ۲ شام ۔ اور وادی سدوم ۔ ان تینوں شہروں کی طرف آپ مبعوث تھے مگر شہر سدوم کے لوگ بدکار بھی ہو گئے تھے جب کہ دوسرے قوم والے صرف کافر ہی تھے ۔ حضرت لوط دینِ ابراہیمی اور شریعتِ خلیل علیہ السلام کے ہی مُبلغ نبی تھے ۔ اور جس وقت ملتِ ابراہیمی نافذ ہوئی اور ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ملت کی تمام سنتوں پر عمل فرمایا اُسی وقت حضرت لوط نے بھی ملتِ ابراہیمی پر عمل کیا ۔

(تفسیر روح البیان ۔ کبیر صاوی ۔ مدارک معانی ۔ ابن کثیر)

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ بعض الفاظ ایسے ہوتے ہیں کہ جن کے ظاہری معنیٰ حقیقی معنیٰ کے خلاف ہوتے ہیں ایسے موقعوں ظاہری معنیٰ چھوڑ دینے چاہئیں بلکہ وہ مطلب لینا چاہئیے جو حقیقت کی مطابقت تمام رکھے مثلاً حضرتِ لقمان نے اپنے فرزند دلبند سے فرمایا یَا بُنَیَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ الخ اس کا ظاہری معنیٰ ہے کہ اے میرے پیارے بیٹے اللہ کا شرک نہ کر ۔ حالانکہ کسی کام سے باز کرنا تب ہی درست ہے جب وہ اس کام میں مبتلا یا مشغول ہو لیکن حقیقت کے یہ بات قطعی خلاف ہے کیونکہ حضرتِ لقمان کا بیٹا اولیاء کاملین میں تھا تو اب اس کا معنیٰ ایسا کیا جائے گا جو حقیقت سے نہ ٹکرائے وہ یہ کہ اے میرے بیٹے کبھی آئندہ شرک نہ کرنا یا کسی اپنی اولادیں سے شرک نہ کرنے دینا ۔ یا اپنے دوستوں کو شرک نہ کرنے دینا اور یہ بات ان کو سنا دینا کہ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ اسی طرح مِنَ الْقَانِطِیْنَ کا ترجمہ یہاں لفظی ظاہری نہیں کیا جا سکتا بلکہ اصلی ترجمہ یہ ہے کہ آپ ایسی بات نہ فرمائیں جو قانطین یعنی مایوس لوگوں کے مشابہ ہوتی ہے ۔ یہ فائدہ وَمَنْ یَّقْنَطُ الخ کے جوابی جملے سے حاصل ہوا ۔ **دوسرا فائدہ** قرآنِ مجید احادیثِ پاک اور عربی لغت کے اعتبار سے آل کے اصلی معنیٰ ہے متبع ۔ فرماں بردار ۔ اور ایمان قبول کرنے والا ۔ ان ہی فرماں برداری کی وجہ سے اولاد نسل کو بھی آل کہہ دیتے ہیں لہٰذا شیعہ حضرات کا یہ کہنا کہ آل کا معنیٰ صرف اولاد ہی ہے قطعاً غلط ہے ۔ اگر یہ بات درست ہوتی تو یہاں لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِیْنَ ۔ نہ فرمایا جاتا کیونکہ اَجْمَعِیْنَ کا لفظ بہر صورت بالاتفاق جمع ہے مخالفین کو بھی تسلیم ہے حالانکہ حضرتِ لوط کی اولاد نسل صرف دو بیٹیاں تھیں تو اَجْمَعِیْنَ جمع کیوں ارشاد ہوا ماننا پڑے گا کہ متبعین بھی شامل ہیں اور آل کا حقیقی معنیٰ یعنی مومنین مراد ہیں ۔ اور پھر شیعہ

لوگ غور نہیں کرتے کہ آل بمعنیٰ اولاد کرنا ان کو نقصان دہ ہے وہ چاہتے ہیں کہ حضرت علی کو آل میں شامل کیا جائے لیکن وہ اس ترجمہ سے نکل جاتے ہیں کیونکہ وہ اولادِ نبی نہیں۔ بلکہ داماد ہیں۔ اولاد میں ہوتے تو حضرت فاطمہ کے بھائی بنتے شوہر نہ بنتے۔ **تیسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے افعالِ پاک کو کسی سبب کی طرف نسبت کرنا چاہیئے اور اس طرح کرنا ٹھیک ہے۔ یہ فائدہ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ رسول بھلا کرتے ہیں۔ اللہ رسول عطا فرماتے ہیں۔ اللہ رسول کا فضل و کرم ہے۔ کیوں کہ یہاں بھی ملٰئکہ نے اللہ تعالیٰ کے کام کو اپنی طرف منسوب کیا جس کا ذکر رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کا کام بندے کا اپنی طرف نسبت کرنا شرعاً جائز ہے۔ یہ مسئلہ ملائکہ کے قَدَّرْنَا فرمانے کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ صرف شہرت کی بنا پر کسی شخص کو مجرم کہنا اور سمجھنا شرعاً جائز ہے۔ اور جس شخص کا فعلِ بدکاری لوگوں میں مشہور ہو چکا ہو ایسے شخص کے متعلق یہ کہنا کہ یہ مرد یا یہ عورت بدکار۔ بدفعل ہے جائز ہے کہنے والے کو حدِ قذف نہ لگے گی کیونکہ یہ تہمت نہیں رہی اگرچہ شرعی ثبوت نہ حاصل ہو۔ یہ مسئلہ اِلٰی قَوْمٍ مُّجْرِمِیْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دیکھو ملائکہ نے تحقیقِ حال اور مشاہدۂ ظاہری سے پہلے ہی ان کو مجرمین فرما دیا۔ حالانکہ عذاب ابھی جائز نہ تھا اس کے لیے مشاہدۂ حال ضروری تھا اور مشاہدے کے لیے انہوں نے شکلیں تبدیلی کی تھیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ ملائکہ زیادہ کیوں آئے۔ تین۔ سات۔ دس۔ یا بارہ۔ جب کہ بشارت تو ایک فرشتے سے بھی کافی تھی دیکھو بشارتِ یحییٰ زکریا علیہ السلام کو اور بشارتِ عیسیٰ حضرت مریم کو ایک ہی فرشتے جبریل علیہ السلام نے دی۔ یہاں اتنے بہت سے کیوں آئے۔ **جواب**۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ بشارت کی عظمت و شان کے لیے یہ جلوس نکالا گیا۔ حضرت یحییٰ کی بشارت کے لیے بھی ایک فرشتہ نہیں تھا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ترجمہ۔ ان کو بہت سے فرشتوں نے ندا کی۔ ملائکہ جمع ہے مَلَكٌ کی۔ لیکن حضرت مسیح علیہ السلام کے لیے ایک فرشتے کا آنا یہ بشارتِ فرزند نہ تھی بلکہ عطاءِ فرزند تھی۔ ہر معظمؑ کے اظہارِ عظمت کے لیے جلوس مبارک نکالنا۔ اور نکلوانا سُنّتِ الٰہیہ اور طریقۂ ملائکہ ہے بعض مفسرین نے کہا ہے کہ بشارتِ یحییٰ میں صرف جبریل تھے مگر انہوں نے حضوری کثرت کا انکار نہیں کیا۔ صرف نَادَتْهُ کا فاعل ایک فرشتہ کو بنایا ہے۔ اور مقصد یہ ہے کہ آئے بہت سے مگر سب کی طرف سے ندا ایک نے کی تھی وہی یہاں ہوا۔ دوم یہ کہ یہ صرف بشارت ہی نہ تھی بلکہ عدالتِ الٰہیہ کے فیصلۂ عذاب کو نافذ کرنے کے لیے گواہی کو تلاش اور حاصل کرنا تھی اس لیے زیادہ آئے اگر صرف نزولِ عذاب ہی مقصود ہوتا تب بھی ایک فرشتہ کافی تھا جیسا کہ سابقہ قوموں پر صرف بذریعہ جبریل ہی عذاب نازل ہوتا رہا۔ **دوسرا اعتراض**۔ ملائکہ نے قَدَّرْنَا کیوں فرمایا۔ اس کا معنیٰ ہے ہم نے تقدیر بنائی ہے۔ تقدیر کا فاعل تو رب تعالیٰ ہے۔ **جواب**۔ تفسیر روح البیان نے اس کا جواب اس طرح فرمایا ہے کہ قُربِ الٰہی اور

اور مدبرات امر الٰہی ہونے کی بنا پر رب تعالیٰ کا کام اپنی طرف نسبت کیا جیسے کہ بادشاہ کا عملہ بادشاہ کے کام کو اپنا منسوب کہتا ہے کہ ہم نے یہ منصوبہ تیار کیا ہے۔ دیگر جوابات تفسیر عالمانہ میں عرض کر دیئے گئے کہ قَدَّرْنَا کا معنی تقدیر بنانا نہیں بلکہ تقدیر جاننا یا فیصلہ کر لینا یا تیار ہو کر آنا مراد ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ یہ استثنا منقطع ہے یا متصل۔ **جواب**۔ اس کی مختصر وضاحت تفسیر میں کر دی گئی ہے کہ دو احتمال ہیں ۱۔ اس کا تعلق اُرْسِلْنَا سے ہے۔ تب یہ متصل ہے کیونکہ ملائکہ نیک و بد سب کی طرف آئے کسی کو بچانے کے لیے کسی کی ہلاکت کے لیے ۲۔ اس کا تعلق قوم سے ہے تب یہ منقطع ہے۔ کیونکہ آل لوط مجرمین قوم میں شامل نہیں تھے۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ قَالَ وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ۔ الہاماتِ زبانی خطاب کرتے ہیں کہ اے قلبِ مطلوب ہم نے تجھ کو حقِ جلال کی خوشخبری سنائی ہے کہ روحِ صلب اور قلبِ رحم سے عشقِ حقیقی کا ایسا تحفۂ نایاب تولد ہوگا جو علومِ دینی اور فہمِ لاہوتی رسومِ جبروتی انکارِ ناسوتی رسومِ دنیوی کا علیم ہوگا۔ اے قلبِ مذکی اپنی حالتِ ضعفی پر نگاہ نہ کر بلکہ رحیمِ ازلی کی آشکارا قدرتوں کو دیکھ مثلِ مایوساں نہ ہو۔ صوتِ قلبی سے حقیقتِ کیفیت بلند ہوتی ہے کہ بے راہی مایوسِ رحمت ہوتے ہیں۔ یہ بشارتیں صبحِ قیامت تک ہر مخلص و مومن کو ملتی رہیں گی۔ کبرِ نفس پر بندھنِ ضلالت ہے۔ مگر دلِ مومن کو ہر حال میں وصلِ رحمت و لطفِ الٰہی ہے۔ طبیعتِ جمالی نے فرمایا اے قدسِ تجلیات کے رسولو کیا تمہارا صرف یہی پیغامِ رحمت و رافت ہے یا کسی اور طرف بھی اظہارِ سیرانی ہے۔ بولے ہم اصل میں مجرمین نفوسِ شیطانیہ کی طرف بھیجے گئے ہیں اس لیے کہ قالبِ بشری میں ابلیس نے اور ذریتِ ابلیس نے رذالت کا فساد و جرم قبیح شروع کر رکھا ہے۔ اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ جسمِ بشریت پر وارداتِ قہر کا عذاب سب نفسیات پر ہی وارد ہوتا ہے مگر ضمیرِ روشن کی پناہ میں آنے والے حالات کو عتابِ جلالی سے بچا لیا جاتا ہے۔ ہاں مردہ ضمیری کو فنا کی تقدیر سے ہلاک ہونے والوں کے ساتھ قائم رکھ دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ وادیِ عشق میں فلاں ابن فلاں کوئی چیز نہیں ہے۔ وہاں نسب و قرابت کام نہیں دیتی۔ صحبت و قربت۔ وصل و شغل بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ مقامِ معرفت میں تو فقط علمِ نافع اور عملِ صالح ہی کے قدموں سے چلا جا سکتا ہے۔ نہ زوجیت کا بھروسہ نہ ابنیت کا وقار۔ وادیِ عشق میں وصل صورت سے پہچان نہیں ہوتی وصل سیرت ہی سے شناخت ہے۔ اس لیے کہ مشابہتِ صورت منافقت ہے اور منافقتِ راہِ محبت کفرِ عظیم ہے کفر کی صحبت و وصل میں شک ہے لیکن۔ صحبتِ سیرت میں یقین ہے۔ فسق میں شک ہے تقوے میں یقین ہے۔ ملاوٹ میں شک ہوتا ہے اخلاص میں یقین ہوتا ہے۔ پلیدی مشکوک ہوتی ہے مگر پاکیزگی میں یقین ہے حرمت میں شک ہے مگر حلت میں یقین ہے۔ اور شک کو ہلاکت مقدر ہے مگر یقین کو نجاتِ ابدی شک والے قانطین میں سے

ہیں یقین والے قانعین میں سے شک والے مجرمین میں سے ہیں یقین والے مرحومین میں سے ۔ شک والے غابرین میں واخل
یقین والے لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ میں شامل اہل شک کو فنا ہے اہل یقین کو بقا ۔ نفس امارہ شکوک وحمیات کی وادی سدم
میں ٹھہرا ہوا ہے ۔ لیکن نفس مطمئنہ یقین کے آل لوط میں منزہ ہے ۔ اسی زمین بشریت پر خلاقِ کائنات کی صفات غفور و رحیم کا بھی
ظہور ہے اور عذابِ الیم کی بھی وعیدِ شدید کا اندیشہ ہے ۔ غافل انسان کو اس کا نفس مطمئنہ ہر وقت خطاب کرتا ہے کہ کاش
تو پیدا ہی نہ کیا جاتا اور اگر تو پیدا کر دیا گیا ہے تو تجھ کو چاہیئے کہ سوچے کہ تیری خلقتِ ناسوتی کا مقصد کیا ہے اے خوابِ غفلت
میں سونے والے بیدار ہو اپنی نگاہِ قلبی کھول اور دیکھ دیدۂ عبرت سے کہ تیرے سامنے کیا ہے اور عذاب قہر کے کون سے
قاصد تیری قضا کا پیغام فرمانِ قدرنا سنانے آستانۂ مرکزِ تجلیات پر پہنچ چکے ہیں ۔ یہ وہی پیغامبر ہیں جو کبھی تیری بشریت کے
سامنے سجدہ ریز ہوئے تھے آج تجھ سے بیزار و متنفر ہو کر تجھ کو ہلاک کرنے چلے آئے کیا تجھ کو اپنے آپ پر کبھی بھی رنج و افسوس
نہیں آتا تجھے نہیں معلوم کہ عذابِ لشکر تیرے سامنے ہے بالکل قریب ہے پہنچنے والا ہے ۔ تو پیادہ پا سرمست دوڑتا چلا آ رہا
ہے اور خود ہی ہلاکت کے قریب تر ہو رہا ہے ۔ تو اپنی بستی و محالات پر مغرور ہے حالانکہ تیرے ساتھ تیری یہ بستی بھی تباہ ہو
جائیگی ۔

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۣالْمُرْسَلُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ

تو جب آئے حضرت لوط کے گھر والوں کے پاس دیکھے بھیجے ہوئے فرشتے فرمایا حضرت لوط نے بیشک تم لوگ ہو بن بلائے

تو جب لوط کے گھر فرشتے آئے ۔ کہا تم تو کچھ بیگانہ لوگ ہو

مُّنْكَرُوْنَ ﴿٦٢﴾ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ

بولے ہاں بلکہ ہم خود آئے ہیں آپ کے پاس ایسی چیز کے ساتھ کہ تھے یہ کافر ہیں اس میں شک کرتے

کہا ہم تو آپ کے پاس وہ لائے ہیں جس میں یہ لوگ شک کرتے تھے ۔

يَمْتَرُوْنَ ﴿٦٣﴾ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿٦٤﴾

اور لائے ہیں ہم پاس آپ کے اٹل فیصلے کو اور یقیناً ہم البتہ سچے ہیں ۔

اور ہم آپ کے پاس سچا حکم لائے ہیں اور ہم بیشک سچے ہیں ۔

فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ

تو راتوں رات لے جائیے کو اہل اپنے کچھ حصے میں رات کے دور گئیں اور پیچھے چلنا تم ان گھر والوں کے

تو اپنے گھر والوں کو کچھ رات رہے لے کر باہر جائیے اور آپ اُن کے پیچھے چلیے

وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۶۵

اور نہ متوجہ ہو کوئی سے تم میں اور گزرنا بالکل ایسا ہی جیسا حکم دیئے

اور تم میں کوئی پیچھے پھر کر نہ دیکھے ۔ اور جہاں کو حکم ہوا سیدھے

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ

گئے ہو ۔ اور فیصلہ کر دیا ہم نے طرف اُس کے اُس معاملے کی کہ بیشک جڑیں اِن کی کٹی ہوئی ہوں گی

چلے جائیے اور ہم نے اُسے اس حکم کا فیصلہ سنا دیا کہ صبح ہوتے اِن کافروں کی

مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۶۶

صبح پانیوالوں کے ساتھ

جڑ کٹ جائے گی

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرشتوں کی حضرت ابراہیم سے بات چیت کا تذکرہ تھا ۔ اب یہاں اُن ہی ملائکہ کا حضرتِ لوط سے کلام کا ذکر ہے گویا پہلے غائبانہ تذکرہ تھا اب بالمشافہ گفتگو ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ حضرتِ ابراہیم بھی ملائکہ کو نہ پہچانے تھے اور یہ نہ پہچاننا ایک وجہ سے تھا ۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ حضرتِ لوط بھی اِن کو نہ پہچانے ۔ اور اس میں رب تعالیٰ کی حکمت خاص تھی جو صرف اس خاص وقت کے لیے ہوئی ۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ فرشتوں نے کہا کہ ہم آلِ لوط علیہ السلام کو عذاب سے بچالیں گے ۔ اب یہاں بچنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے

تفسیر نحوی فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ

بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ وَ اَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۔ فَ حرفِ تعقیبیہ ۔ لَمَّا ۔ اصل میں لَمَّا حرفِ جازم مثل
لَم کے اس کا ترجمہ ہوتا ہے ۔ ابھی تک مضارع کو جزم دیتا ہے اور ماضی کے معنیٰ میں کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ لَمَّا کا استعمال
عربی میں تین طرح ہوتا ہے ۔ ۱ لَمَّا شرطیہ اُس کا ترجمہ ہوتا ہے جب بمعنیٰ اِذَا ۔ جب کہ ماضی شرط وجزا پر داخل ہوتا ہے
۲ ظرفیہ زمانیہ بمعنیٰ اِذْ ۔ اس وقت اِس کے شروع میں فَ زائدہ بمعنیٰ تَو ہوتی ہے ۳ لَمَّا حرفِ استثنا بمعنیٰ اِلَّا ۔ ترجمہ
ہے مگر ۔ اِس کی بناوٹ میں بھی تین قول ہیں ۔ ۱ دراصل لَمًّا تنوین سے تھا ۔ مصدر مبالغہ کے معنیٰ میں ترجمہ ہے جمع کرنے
والا ۔ ۲ دراصل لَ مَنْ مَا تھا ۳ دراصل لَنْ مَا تھا ۔ اور وہ کہتے ہیں کہ لَنْ نافیہ ہوتا ہے ۔ یہاں لَمَّا شرطیہ ہے ۔ جاءَ
فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب ضَرَبَ سے ہے ۔ جَيْئٌ اجوف یائی اور مہموز اللام سے بنا ہے بمعنیٰ آنا ۔ آل اسم
مفرد جامد مضاف ہے لُوطٍ اسم عَلَم مضاف الیہ کی وجہ سے بحالتِ کسرہ ہے نکرہ کی تنوین نہیں ہے ۔ بلکہ تخصیصی ہے
یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے ۔ یہ لفظ تو جامد ہے لیکن لفظِ لَوْطٌ یا لَيْطٌ مادہ مصدر ہے اسی سے ہے لواطت بمعنےٰ
مردوں سے بدفعلی ۔ لُوط کے معنیٰ لغوی ہیں خبریں دینے والا لیکن لَوْطٌ یا لَيْطٌ کے لغوی لحاظ سے نو معنیٰ ہیں ۔
۱ گوشت میں سوراخ کرنا ۔ اسی معنیٰ سے لواطت ہے ۲ نظر بد لگانا ۔ ۳ چیز چھپانا ۴ حوض کا پانی گدلا کرنا ۵ بہت
پھرتیلا ہونا ۔ ۶ چادر لپیٹنا ۷ نفع پانا ۔ ۸ دلچسپ کام کرنا ۹ کسی چیز کا دل کو بھا جانا ۔ یہ بھی اتفاق ہی ہے کہ حضرت لوط
کو اسی قوم کا نبی بنایا گیا جو لواطت کرتی تھی ۔ بعض احمقوں نے لُوط ہی سے لواطت کا اشتقاق کیا ہے الف لام عہدِ خارجی
بمعنیٰ وہی ۔ مُرْسَلُوْنَ اسم مفعول ہے باب افعال کا صیغہ جمع مذکر ۔ بحالتِ رفع فاعل ہے جاءَ کا ۔ قَالَ ۔ فعل ماضی قَوْلٌ سے
بنا ہے بمعنیٰ کہنا ۔ یہ جملہ فعلیہ قولیہ جزا ہے ماقبل شرط کی ۔ ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع لُوط ہے ۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ قول ہوا ۔ اِنَّ
حرف مشبہ کُمْ ضمیر اِس کا اسم ۔ قَوْمٌ اسم مفرد ہے ۔ موصوف ہے ۔ لفظًا واحد ہے حقیقۃً (حُکْمًا) جمع ہے اسی لیے مُنْكَرُوْنَ اِس
کی صفت جمع ہے ۔ اسم مفعول ہے صیغہ جمع مذکر ۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل جملہ اسمیہ (خبریہ جملہ) ہو کر صفت ہوئی ۔
مُرکب توصیفی خبر اِنَّ ہے ۔ بعد میں وہ سب مَقُوْلہ ہے قول کا ۔ باب افعال سے ہے اِنْکَارٌ مصدر ہے ۔ بمعنیٰ ۔ منع کرنا ۔ روکنا ۔
نہ ماننا ۔ ترجمہ ہے تم منع کیے ہوئے ہو ۔ رد کیے ہوئے ہو ۔ ناپسندیدہ ۔ قَالُوْا ۔ فعل ماضی جمع مذکر ھُمْ ضمیر جمع فاعل ہے ۔
فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ اگلی سب عبارت مقولہ ہے ۔ بَلْ ۔ حرفِ عطف کبھی اِضراب کے لیے آتا ہے کبھی استدراک
کے لیے ۔ یہاں استدراک کے لیے ہے ۔ اضراب کا مطلب ہے سابقہ کی نفی نہیں بلکہ اور زیادتی ۔ جیسے کہا جاتا ہے یہ چور ہے
بلکہ سینہ زور ہے ۔ یعنی مزید برآں ۔ استدراک کا مطلب ہے سابقہ کی نفی مابعد کا ثبوت یعنی ایسا نہیں بلکہ ایسا ہے ۔ مطلب ہے
کہ ہم مُنْكَرُوْنَ نہیں بلکہ جِئْنَا ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم ۔ مخاطب مُرْسَلُوْنَ ملائکہ ہیں ۔ جَيْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔
آنا ۔ لانا ۔ كَ ضمیر واحد حاضر منصوب متصل مرجع لُوط ہے ۔ ظرف عِنْدَ مکانیہ یہاں پوشیدہ ہے اُس کا اعراب نصب ظروف
یعنی كَ ضمیر کو دیا گیا ۔ بمعنیٰ آپ کے پاس ۔ بِ جارہ بمعنیٰ مَعَ (ساتھ) اگر جِئْنَا ۔ آنے کے معنیٰ میں ہو ورنہ اگر لانے کے معنیٰ میں

ہو تو بِ جارہ مفعولیت کے معنیٰ میں ہو گی بمعنیٰ ۔ کو ۔ مَا موصولہ مجرور ہے بِ سے ۔ مابعد کی پوری عبارت اس کا صلہ ہو کر مجرور متعلق ہے ۔ جِئْنَا کا ۔ کَانُوْا فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ماضی استمراری ۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کے بیچ میں فِیْهِ آیا کلام میں سختی اور حصر پیدا کرنے کے لیے دراصل فیہ بعد میں تھا ۔ باب اِفْتِعَالٌ سے ہے اِمْتِرَاءٌ بمعنیٰ شک کرنا ۔ مَرْیٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِمْتِرَاءٌ ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ بھی ہو سکتا ہے زمانیہ بھی بعض نے کہا فِیْ بیانیہ ہے یعنی بارے میں ۔ ہ ضمیر کا مرجع مَا ہے ۔ وَاوٗ عاطفہ عطف ہے مَا بعد کا جِئْنَا پر ۔ اٰتَیْنَا ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم ۔ مصدر ہے اِتْیَانٌ ۔ بمعنیٰ لانا ۔ آنا ۔ کَ ضمیر واحد حاضر ۔ دراصل تھا عِنْدَکَ ۔ ترجمہ ہے ۔ آپ کے پاس ۔ بِ جارہ میں دو احتمال ہیں اگر اٰتَیْنَا بمعنیٰ لانا ہے تو بِ مفعولیت کی ہو گی بمعنیٰ ۔ کو ۔ اور اگر اٰتَیْنَا کا معنیٰ دوسرا ہو ۔ یعنی آنا ۔ تو بِ بمعنیٰ مَعْ (ساتھ) ہو گی ۔ الف لام عہدی ہے ۔ حَقِّ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ۔ فیصلہ ۔ یا بمعنیٰ سچائی ۔ درستی ۔ واوٗ عاطفہ ۔ عطف ہے مابعد کا جِئْنٰکَ پر ۔ اِنَّا ۔ دو لفظ ہیں اِنَّ حرف مشبہ تحقیق کے لیے ۔ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے منصوب ہے اسمیۃ کی وجہ سے ۔ متصل ہے اپنے ماقبل سے ۔ لام کے ابتدائیہ خبر اِنَّ پر مفتوح ہو کر آیا ۔ اس کے علاوہ جر اور نصب دونوں طرح آتا ہے ۔ صٰدِقُوْنَ ۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل ہے ۔ صیغہ جمع مذکر ۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی ہمزہ مکسور اس لیے ہے کہ ۔ عطف پورے جملہ کا ہے نہ کہ فقط اِنَّ کا ۔ لہٰذا اِنَّ بذاتِ خود ابتداءِ کلام میں ہی ہے ۔ درمیانِ کلام تب ہوتا ہے ۔ جب مفعول بہ یا فاعل ۔ یا مجرور یا تابع ہو کر آئے ۔ عطف سے کلام علیحدہ ہی متصور ہوتا ۔ بعض نے کہا یہ واوٗ عاطفہ نہیں ہے ۔ اور اسی کو ترجیح ہے ۔ صٰدِقُوْن صِدْقٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ سچ بولنا ۔ سچا ہونا ۔ یہاں دوسرے معنیٰ زیادہ موزوں ہیں ۔ کیونکہ مناسب حال ہیں ۔ مگر پہلا معنیٰ بھی درست ہے ۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا یَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَیْثُ تُؤْمَرُوْنَ فَ زائدہ اَسْرِ ۔ باب افعال کا فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر واحد مذکر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع لوطؑ ہے ۔ مصدر ہے اِسْرَاءٌ ۔ سُرًى سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ رات کو چلنا ۔ بِ جارہ بمعنیٰ مع ۔ اَهْلِ ۔ اسم مفرد جامد ۔ لغوی ترجمہ ہے ۔ والا ۔ مالک ہونا ۔ ساتھی ہونا ۔ تعلق جوڑنا ۔ یہاں مراد ہے گھر والے بال بچے اگرچہ اس کی جمع ہے اہالیا مگر یہ خود بھی معنیٰ جمع میں مستعمل ہوتی ہے کَ ضمیر کا مرجع لوطؑ ہے ۔ بِ ۔ جارہ بمعنیٰ فِیْ جارہ ظرفیہ ۔ قِطْعٍ ۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنیٰ ٹکڑا ۔ حصّہ ۔ مِنْ تبعیضیہ ۔ الف لام عہدِ خارجی یعنی آج رات ۔ لَیْل اسم جنسی ہے مفرد جامد ۔ اس کی جمع ہے لَیَالِیْ ۔ ترجمہ ہے رات ۔ اس کا مؤنث لفظی ہے لَیْلَۃٌ ۔ دراصل تھا ۔ لَیْلَاۃٌ کیونکہ اس کی تصغیر ہوتی ہے لُیَیْلَۃٌ ۔ بحالتِ کسرہ ہے مجرور ہے متعلق سوم ہے اَسْرِ کا ۔ واوٗ عاطفہ ۔ عطف ہے اَسْرِ پر ۔ اِتَّبِعْ باب افتعال کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر ۔ دراصل تھا اِتْتَبِعْ ۔ اول میں دو تْ جمع ہوئیں ۔ پہلی مادّے کی اصلی دوسری افتعال کی لہٰذا دونوں کو مدغم کر دیا ۔ اس کا فاعل انتَ ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع لوطؑ ہے مصدر ہے اِتِّبَاعٌ ۔ تَبَعٌ سے

بنا ہے بمعنی پیچھے چلنا۔ اَدْبَارٌ۔ اسم جمع ہے واحد ہے دُبُرٌ۔ بمعنی پیٹھ۔ بحالت نصب کیونکہ ظرف مفعول فیہ ہے کُمْ ضمیر کا مرجع اصل ہے۔ واؤ عاطفہ۔ مابعد جملہ کا عطف ہے اَسْرِ پر لَا یَلْتَفِتْ۔ باب افتعال کا فعل نہی صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِلْتِفَاتٌ۔ لَفْتٌ سے بنا ہے۔ بمعنی منہ پھیر کر دیکھنا۔ ادھر اُدھر متوجہ ہونا۔ یہاں پہلے معنے مناسب ہیں۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ کُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل متعلق لَا یَلْتَفِتْ کا۔ اَحَدٌ اسم مفرد عددی۔ اس کا استعمال عربی میں دو طرح چار معنی میں ہوتا ہے ۱ نفی میں بمعنی کوئی۔ استغراقِ جنسی کی نفی مقصود ہوتی ہے اسی معنی میں یہاں ہے۔ ۲ ثبوت و ایجاب میں۔ بمعنی دہائی سے اوپر پہلا نمبر ۳ مضاف کے معنی میں بمعنی ایک۔ ۴ اظہارِ وحدت کے لیے۔ بمعنی ایک دو کا مقابل اور جز۔ خیال رہے کہ مفرد اور احد میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مفرد میں محض علیحدگی ہوتی ہے۔ اگرچہ تعداد زیادہ ہی ہو اس لیے مفرد تین قسم کا ہے۔

۱ مفرد وہ جو دو میں سے علیحدہ ہو۔ دوم۔ مفرد وہ جو جملے سے علیحدہ ہو یعنی جملہ نہ ہو۔ بلکہ اس کی جز بن سکے۔ سوم مفرد وہ جو مرکب نہ ہو۔ مگر احد میں صرف وحدت ہوتی ہے اگرچہ کسی بڑے عدد سے جڑ کر ہو جیسے اَحَدَ عَشَرَ۔ واؤ عاطفہ مابعد جملہ کا عطف ہے اَسْرِ پر۔ اُمْضُوْا۔ اِمْضُوْا۔ باب نَصَرَ یا ضَرَبَ کا فعل امر ہے جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر جو اس کا فاعل ہے اصل مرجع۔ کیونکہ اصل بھی معنوی جمع ہے مَضْیٌ سے بنا ہے بمعنی گزرنا۔ حَیْثُ۔ اسم مفرد ظرفیہ مضاف ہے مکانِ ابہامی کے لیے ہوتا ہے یعنی جگہ معین نہیں ہوتی۔ بمعنی جہاں کہیں۔ ہمیشہ مبنی ہوتا ہے ضمہ پر مگر بحالت نصب ہے کیونکہ ظرف ہے اُمْضُوْا کا کبھی کبھی بمعنی کیفیت کے لیے آتا ہے بمعنی جس طرح۔ یا جس طریقہ سے یہاں اسی معنی میں ہے جب اس کے بعد مَا کافہ آ جائے تو شرطیہ ہو جاتا ہے۔ مَا اسم موصولہ مضاف الیہ ہے حَیْثُ کا تُؤْمَرُوْنَ۔ باب نَصَرَ یا باب افعال کا فعل مضارع مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر اَمْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنی حکم دیا جانا۔ وَقَضَیْنَآ اِلَیْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِیْنَ۔ واؤ سر جملہ۔ ابتدائیہ نئے کلام کے لیے۔ قَضَیْنَا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ قَضْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنی فیصلہ کرنا۔ فیصلہ سنانا یہاں دوسرے معنی میں ہے اِلیٰ جارہ انتہا کے لیے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع لُوطؑ ہے جار مجرور متعلق ہے قَضَیْنَا کا۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مُبْہَم مبنی ہوتا ہے۔ بحالت نصب ہے۔ مفعول بہ ہے قَضَیْنَا کا یا بدل ہے اس کا یا عطف بیان ہے۔ اَلْاَمْرَ۔ الف لام عہدی۔ اَمْرٌ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی حکم۔ تب یہ مفعول بہ ہے۔ اور اگلی عبارت اس کا عطف بیان یا بمعنی فیصلہ تب بدل ہے۔ یا عطف بیان۔ اور اگلی عبارت اس کا حال ہے۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مشار الیہ ہے ذٰلِكَ منصوب کا۔ اَنَّ حرفِ تحقیق اور یقین کے لیے دَابِرَ۔ اسم فاعل ہے باب نَصَرَ کا واحد مذکر۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ اسم اَنَّ ہے۔ دُبُرٌ سے بنا ہے۔ بمعنی پیچھے آنا یا رہنا۔ اس کی تین صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زمانی ہو۔ دوم یہ کہ مکانی ہو۔ سوم یہ کہ رتبی ہو تاخیر مکانی کا معنی ہے پیٹھ۔ تاخیر زمانی یا رتبی کا معنی ہے نسل۔ مضاف ہے۔ هٰٓؤُلَآءِ۔ اسم اشارہ قریبی۔ جمع مطلق کے لیے ہے۔ (مذکر مؤنث) بحالت جر ہے

مضاف الیہ ہے۔ مقطوعٌ۔ اسم مفعول واحد مذکر۔ قطعٌ سے بنا ہے بمعنی۔ توڑنا۔ کاٹنا۔ پہلا متعدی ہے دوسرا معنی لازم۔ یہاں دونوں مناسب ہیں ترجمہ ہے۔ توڑا ہوا یا کاٹا ہوا بحالت رفع ہے کیونکہ یہ پورا جملہ اسمیہ خبر ہے اَنَّ کی۔ اور وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال یا عطف بیان اَمْرُ کا۔ اس لیے اَنَّ درمیانِ کلام ہوا اُس کی ہمزہ مفتوح ہوئی مُصْبِحِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل۔ صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے اِصْبَاحٌ۔ بمعنی صبح کرنا۔ بحالتِ فتحہ ہے۔ کیونکہ یا مفعول منہ ہے۔ ہمارا ترجمہ اسی ترکیب میں ہے۔ یا حال ہے۔ مقطوعٌ کے نائب فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا۔ یا ظرفِ زمانی ہے مقطوعٌ کا۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ اسی ترکیب میں ہے۔

تفسیر عالمانہ فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ﹰالْمُرْسَلُوْنَ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۔ قوم لوط کا پورا تفصیلی بیان سورۂ ھود میں گزر چکا ہے یہاں مختصراً اس طرح سمجھ لیا جائے کہ باری تعالیٰ عزّاسمہٗ کے یہ مقرب مرسلین ملائکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آدھا دن ٹھیر کر بوقتِ دوپہر وہاں سے روانہ ہوئے اُس ہی خوبصورت نوجوان مہمانوں کی شکل میں۔ ایک قول ہے کہ حضرت خلیل کے پاس جس شکل میں آئے تھے اُس کو بدل کر دوسری شکل میں نہایت حسین جمیل نوجوان لڑکوں کی طرح وادیٔ خلیل سے چار کوس یعنی چھ میل دور وادیٔ سدوم میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آئے حضرتِ لوط نے ان کو مہمان ہی سمجھا مگر اُن کی عمر اور حُسنِ جوانی کو دیکھ کر فرمایا بیشک تم منکر قوم ہو۔ مُنْكَرُوْنَ کا لفظی ترجمہ ہے انکار کئے ہوئے یعنی میری قوم نے مجھ کو مہمان رکھنے سے منع کیا ہوا ہے۔ اس ممانعت کے مدِّ نظر تم ٹھیرائے جانے اور مہمان رکھے جانے سے یا پناہ دیئے جانے سے انکار کئے ہوئے ہو۔ مُنْكَرُوْنَ کا اصطلاحی ترجمہ ہے اجنبی لوگ کہ نہ مسافر معلوم ہوتے ہو نہ مقامی۔ نہ تم پر سفر کے آثار ہیں نہ کوئی تم کو یہاں پہچانتا ہے۔ میں اپنی قوم کی خباثتوں سے بہت پریشان ہوں تم جیسے بھولے بھالے پیارے انجان مہمانوں کو کس طرح ٹھیراؤں چند گھڑیوں کے لیے تم کو چھپا تو سکتا ہوں۔ مگر زیادہ دیر حفاظتی ذمّے داری نہیں لے سکتا۔ ملائکہ نے کہا۔ بَلْ جِئْنٰكَ یہ کلام اِس جگہ مقدم آیت میں مذکور ہوا مگر حقیقتاً قوم کے آجانے اور گھر کا گھیراؤ کرنے اور حضرت لوط علیہ السّلام سے مباحثہ کرنے کے بعد کا ہے۔ جیساکہ سورۂ ھود میں گزر گیا۔ حضرت لوط علیہ السّلام نے ابھی تک قطعاً نہیں پہچانا تھا کہ یہ لڑکے اور مہمان نہیں ہیں اور اِس میں حکمتِ الٰہی تھی اس لیے کہ رب تعالیٰ کا قانون ہے کہ کوئی فیصلہ بغیر شاھد ے اور گواہی کے نہ ہو۔ قوم مجرم تھی مگر چشم دید گواہی کوئی نہ تھی ملائکہ نے آج عذاب کا فیصلہ نافذ کرنا تھا۔ اور لواطت مثل زنا کے نہیں ہے کہ اس کے لیے چار عینی گواہ ہوں اس بنا پر ملائکہ نے لڑکوں کا روپ دھارا۔ تاکہ بدکار قابلِ سزا مجرم ان کی طرف گناہ کے ارادے سے آئیں۔ اور کل قیامت میں یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم کو عذاب بلا وجہ بغیر قصور دیا گیا ہم نے تو سچی توبہ کر لی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ بدکار قوم کی ساری بحث گفتگو اور لوط علیہ السّلام کے کافی پریشان ہونے کے بعد ملائکہ نے اپنا تعارف کراتے ہوئے کہا۔ اے نبی اللہ ہم قوم نہیں۔ قوم تو مردوں عورتوں کی برادری کا نام ہے ہم

نہ مرد ہیں نہ عورت نہ حقیقی مذکر نہ مؤنث ۔ بلکہ ہم صرف اُسی عذاب الٰہی کو لے کر آپ کے پاس آئے ہیں جس کے بارے میں یہ بدکار لوگ شکوک انکار کرتے تھے ۔ آپ قوم کی اِن موجودہ بیہودہ حرکتوں سے ذرّہ بھر پریشان نہ ہوں یہ ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ابھی دیکھنا اِن کا اپنا کیا حال ہوتا ہے اور ہم آپکے پاس حق تعالٰی کی طرف سے یا حق بات کے ساتھ آئے ہیں ۔ اور اگرچہ اس وقت ہم انسانی شکل میں ہیں مگر ہم جو بات کر رہے ہیں اس میں بالکل سچے ہیں ۔ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۔ لہٰذا آپ ہماری فکر نہ کریں قوم کی حالت ہم نے دیکھ لی ہے جس نے بچیس سال سے آپ کی ہر طرح کی بشارت و نذارت والی تبلیغ کا اثر نہیں لیا تو آج کیا شرم کریں گے جس عذاب کی آپ اِن کو خبریں سناتے تھے وہ اب آگیا ہے ۔ بس آپنے یہ کرنا ہے کہ سب سامان وغیرہ یہیں چھوڑ کر اپنا اہل خانہ جو صرف آپکے بیوی بچے ہی تھے دو بیٹیاں اور آپ کی بیوی ہو یہی اکثر مفسرین کا قول ہے مگر بعض فرماتے ہیں کہ کچھ لوگ قوم سدوم میں مومن ہو گئے تھے اور ان کی دلیل سورۂ نمل کی وہ آیت ہے اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ الخ ۔ اور سورہ شعراء آیت نمبرا فَنَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اَجْمَعِيْنَ ۔ اور اجمعین کا لفظ تو یہاں بھی ہے جو جمع پر دال ہے حالانکہ آپ کی اولاد صرف دو بیٹیاں تھیں ۔ ان تمام کے ساتھ تہجد کے وقت یہاں سے ہجرت کر جاؤ اور آپ قائدین کر اُن کے پیچھے چلیں یا اس لیے کہ وہ سب آپ کی نگرانی میں رہیں یا اس لیے کہ آپ کے پیچھے رہنے کی بنا پر کوئی بھی سست رفتار نہ ہو نہ بھولے نہ بھٹکے یا اس لیے کہ ان میں کوئی غلط قدم نہ اٹھائے اور آپ کے احکامات پر عمل کرتا رہے ۔ یہ سب باتیں آپ کے ساتھ یا آگے رہنے میں حاصل نہ ہوں گی اور تم میں سے کوئی بھی کسی طرف توجہ نہ کرے نہ دائیں بائیں نہ پیچھے گھر بار کا خیال آئے نہ عذاب کی آوازیں آئیں نہ ہلاک ہونیوالوں کی چیخ و پکار سنائی دے ایک قول میں لَا يَلْتَفِتْ کا جملہ محاورۃً ہے یعنی تیز سرپٹ چلنا ہے ایسا کہ پیچھے مڑ کر بھی نہیں دیکھتا ۔ بہرکیف مقصود تیز چلانا ہے جو سیدھے چلنے سے حاصل ہوتا ہے اِدھر اُدھر دیکھنے اور توجہ کرنے سے رفتار سست پڑ جاتی ہے ۔ اور تیز چلنے کے دو مقصد ہے یہ کہ تیز چلنے سے سوائے اگلی منزل کے اور کوئی خیال نہیں آتا ہے جہاں سے نکلا ہو وہاں سے جلدی دور اور جدھر کو جانا ہو اُس کے قریب جلدی ہو جاتا ہے ۔ چونکہ سب کی روانگی پیدل تھی اور عذابِ آسمانی پتھریلی بارش کی طرح آنے والا تھا اس لیے حدودِ عذاب سے جلدی نکلنے کے لیے تیزی کا حکم دیے گئے ہو ۔ ایک قول ہے کہ بہت پہلے حضرت لوط کو عذاب کی خبر اور آپ کے ہجرت کر جانے کی خبر اور مقام و شہر کی اطلاع رب تعالٰی نے وحی فرما دی تھی ۔ اب یہ اسی کا تذکرہ ہے ۔ وہ ملکِ شام کا علاقہ تھا یا اُردن شہر تھا جس میں کچھ دیگر قومِ سدوم ہی کے باشندے تھے مگر وہ بدکار نہ تھے نہ اس وقت اُن پر عذاب آنا تھا ۔ بعض نے کہا مصر کی طرف جانے کا حکم ہوا تھا واللہ و رسولہ اعلم بالصواب ۔ وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰۤؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۔ اور اِن تمام حالات و مشاہدات و حرکات بحث تمحیث کی گواہیوں کے بعد ہم نے اپنی عدالتِ الٰہیہ کا فیصلہ بھیج دیا اُن حضرتِ لوط کی طرف اُس عذاب کے امر کا ۔ کہ بیشک اِن ذلیل بے غیرت بدکار لوگوں کی جڑیں کاٹ دی گئیں ہیں یا کاٹ دی جائیں گی صبح ہوتے

ہوتے کہ اہلِ دنیا تو گل صبح بہاراں کی لذتوں میں خوشیوں کے ساتھ بیدار ہوں گے مگر یہ بدنصیب خاکی آخری سسکیاں اور نزع کی ہچکیاں بھرتے ہوں گے۔ کچھ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ قول بھی ملائکہ کا ہے۔ اور فرشتوں نے کہا کہ ہم نے اب قوم کی حالت بد دیکھ کر عذاب کا پکا فیصلہ کرلیا ہے اور عدالتی کاروائی اِس جیسے جرم کے لیے مکمل ہو گئی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ جملہ رب تعالیٰ کا کلام ہے جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب ہے اور پہلی کسی وحی اور خبر کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اے پیارے حبیب ہم نے حضرتِ لوط کو پہلے ہی بہت دن گزرے اپنا فیصلہ سنادیا تھا۔ اب یہ کاروائی کہ فرشتوں کو لڑکوں کی شکل میں بھیجا گیا اُس بدقوم کی ذلیل حرکتیں دکھا کر عدالتی گواہی حاصل کرنا تھی۔ لہٰذا ان کی جڑیں یعنی آئندہ نسلیں بھی اب ختم کردی گئیں جب کہ عدالتی کام پورے ہو گئے اور یہ جرم اِس ہی نوعیت کا تھا کہ اُس کے لیے ایسی ہی شہرت اور مشاہداتی گواہی کافی تھی۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ جہاں کوئی نیک بندہ ہو یا کسی نیک بندے کی قبر ہو وہاں آسمانی عذاب نہیں آتا جس علاقے میں عذابِ الٰہی آنا ہوتا ہے وہاں کسی نیک ولی اللہ کو مرتے ہی نہیں دیا جاتا بلکہ زندہ نکال لیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ سے حاصل ہوا۔ اور اسی طرح تاریخی مشاھدہ بھی ہے۔ چونکہ عذابِ الٰہی سے زمین پھٹ جاتی ہے اور ناقابلِ رہائش ہو جاتی ہے اور نیک بندوں کے مزارات کی توہین رب کو گوارا نہیں اس لیے ان بستیوں میں کسی نیک کی قبر بھی ثابت نہیں۔ آج بھی صالحین اور نیک لوگوں کا علاقے سے نکل جانا علاقے کی بدنصیبی ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ کا نبی ہر وقت ہر آن حیات اور بعد وفات ہر آنے والے کو پہچانتے ہیں بجز اِس کے کہ خدا تعالیٰ کی مرضی اور حکمت چھپانا ہو۔ یہ فائدہ۔ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ۔ فرمانے کے بعد پھر فوراً نام بنام ملائکہ کا پہچان جانے سے حاصل ہوا کہ یہ جبرئیل ہیں یہ فلاں۔ جب کہ اِن مسافر بننے والوں نے اپنا تعارف یا نام نہ بتایا بلکہ یہ بھی نہ کہا کہ ہم فرشتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ ہر وہ چیز جس کے منکر لوگ چند طرح انکار کریں اس کو عربی میں امترا کہتے ہیں مثلاً کبھی کہیں کہ لے آؤ کبھی عذاب آنے کا صاف انکار کریں۔ کبھی کہیں اگر آگیا تو ہم مقابلہ کرلیں گے کبھی کہیں ہم پہاڑ پر یا غاروں میں چھپ کر بچ جائیں گے یہ گویا سب گفتگو انکار ہی ہے اگرچہ اس کی کیفیتِ بیان الگ الگ سے ہے اسی لیے اِس اِنکار کو امترا فرمایا۔ یعنی ظاہراً شک حقیقتاً اور باطناً صاف انکار۔ اور انبیاء کرام کی کسی بھی بات میں شک کرنا بالکل اسی طرح کفر ہے جس طرح انکار کرنا کفر ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کسی بزرگ کی طرف پیٹھ کرنا صرف اُس صورت میں جائز ہے جب بزرگ خود فرمائیں اور اس میں کوئی خاص وجہ یا حکمت ہو۔ یہ مسئلہ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ سے مستنبط ہوا کہ آلِ لوط نے اِس سفر میں حضرت لوط کی طرف پیٹھ کی جو ظاہراً بے ادبی تھی مگر چونکہ پشت پناہی ضروری تھی اس لیے یہ کام جائز ہوا اسی طرح سیدنا حضرت

عبدالرحمٰن بن ابوبکر صدیق نے ایک دفعہ نبی کریم کے حکم سے امامت فرمائی اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ کے پیچھے اقتدا میں کھڑے ہوئے۔ یونہی کوئی شیخ مرشد یا شاگرد کو یا دینی استاد نماز یا راہ میں آگے چلنے کا حکم دے تو جائز ورنہ اپنی مرضی سے بزرگوں کے آگے یا قرآن مجید حدیث پاک کی طرف پیٹھ کرنا گناہ ہے۔ عاملین کاملین حضرات فرماتے ہیں کہ اگر کسی سخت مہم میں سفر کرنا ہو تو رجال غیب کی طرف چند قدم پیٹھ کر کے چلنے سے مشکل حل ہو جاتی ہے خصوصاً باطل سے مناظرے یا کفار سے جہاد کے لیے جاتے وقت۔ اس پیٹھ کرتے وقت رجال غیب کو پشت پناہ سمجھے۔ رجال غیب کے مقامات کہ کس تاریخ کس سمت ہوتے ہیں یہ تفسیر صوفیانہ میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ **دوسرا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ کے کسی حکم پر عمل کرنے کی صورت میں یا عبادت یا تلاوت کی حالت میں کسی غیر طرف دائیں بائیں توجہ کرنا ناجائز ہے لہٰذا نماز میں ادھر ادھر دیکھنا نماز کو توڑ دیتا ہے اور تلاوت قرآن پاک کرتے ہوئے بلا وجہ دائیں بائیں دیکھنا گناہ ہے کیونکہ اس سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور خیالات بٹ جاتے ہیں۔ غلطی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ مقصد تلاوت فوت ہو جاتا ہے۔ اسی طرح بزرگوں اور مرشد کے روبرو بھی۔ بلکہ یہ تو دنیوی لحاظ سے بھی معیوب سمجھا جاتا ہے ہم عدالت کے جج کے سامنے ہمہ تن متوجہ ہو کر کھڑے ہوتے ہیں یہ مسئلہ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

ان آیت میں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں بتایا گیا ہے کہ حضرت لوط نے ملائکہ سے فرمایا اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ تم انکار کیے ہوئے ہو یعنی میں تم کو مہمان نہیں رکھتا۔ یہ بات تو اخلاق نبوت کے خلاف ہے آپ نے ایسا غیر اخلاقی جواب کیوں دیا۔ آپ گھر میں بٹھاتے کھانا پیش فرماتے پھر اپنی قوم کا حال بتا کر باعزت رخصت ہونے کا کہہ دیتے۔ **جواب**۔ مُنْكَرُوْنَ کا ترجمہ مفسرین نے یہ بھی کیا ہے کہ بیشک تم اجنبی ہو۔ اگر اس ترجمہ کو دیکھا جائے تو اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ لیکن معترض کے ترجمے کے اعتبار سے مطلب یہ ہے کہ تم کو میں زیادہ دیر ٹھیرا نہیں سکتا ایک وقت کی مہمانی ضرور کر دوں گا مگر زیادہ وقت تک پناہ نہیں دے سکتا۔ یا مطلب یہ ہے کہ تم میری قوم کی طرف سے مُنْكَرُوْنَ ہو۔ انہوں نے مجھ کو منع کیا ہوا ہے۔ میری طرف سے انکار نہیں۔ نیز اگر حضرت لوط بھی انکار کر دیں تب بھی ان حالات کے تحت غیر اخلاقی نہیں بلکہ مہمانوں کی خیر خواہی ہے۔ نیز مہمان نوازی کے کچھ قواعد ہوتے ہیں اگر میزبان خود ہی پریشانیوں میں گھرا ہو تو مہمانی لازم نہیں ہوتی **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ملائکہ نے کہا کہ بیشک ہم البتہ یقیناً سچے ہیں یہاں ان کی سچائی کا کس نے انکار کیا تھا جو ان کو اپنی سچائی یہ ایسا قسموں جیسا کلام بولنا پڑا

جواب: یہ کلام کسی کے انکار کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ جلد از جلد اپنی پہچان کرانے کی وجہ سے تھا۔ اس لیے کہ قوم نے انتہائی سخت پریشان کن گھیراؤ کیا ہوا تھا بعض نے فرمایا کہ یہ بات لوط علیہ السلام کو نہیں سنائی گئی بلکہ جب قوم اندر داخل ہوئی تو ملائکہ نے باآواز بلند حضرت لوط کو متوجہ و مخاطب کرتے ہوئے قوم کو سنائی اور وہ واقعی شروع سے

عذاب کے منکر تھے ان کے لیے یہ مشابہ قسم جملہ ارشاد ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ۨالْمُرْسَلُوْنَ ۙ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ قَالُوْا بَلْ جِئْنٰكَ بِمَا كَانُوْا فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ وَاَتَيْنٰكَ بِالْحَقِّ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ وَاتَّبِعْ اَدْبَارَهُمْ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ وَّامْضُوْا حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ ۔ ہر بُرائی کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ حدِ انتہائی پر پہنچ جاتی ہے۔ تو قضاء الٰہی کے رسولانِ حق اس عذاب قہر کو لے کر آجاتے ہیں جس میں نفس پرست ہمیشہ شک اور تمسخر ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ بارگاہِ قلب یزدانی سے نکل کر انعاماتِ قضاؤ قدر کے پیغام رسان بارگاہِ روشن ضمیر کی طرف کتاب الٰہی کا فیصلہ نفوذ سنانے آگئے۔ شواہدِ حق کے گواہ نے قالبِ بشریت کے معاینۂ ظاہری کے لیے بھیس بدل کر اس ناگہانی انداز میں ورود فرمایا کہ پھر مہلتِ معرفت بھی نہیں ہوئی ضمیر کی تفکرِ صداقت نے پوچھا کہ تم اجنبی ہو۔ اس شان وحال سے کبھی نزولِ اسرار نہ ہوا۔ انعامِ قدر نے کہا بستیِ نفسانیت پر وہی حقانیت وصداقت لے کر آئے ہیں جس میں یہ شک کرتے ہیں۔ اے روشن ضمیر تو اپنے چراغِ ہدایت کے ساتھ خلوتِ اسرار کی لیلِ معراج میں صلوٰۃِ عشق کے سجود و رکوع کے سفر میں مسافرِ راہِ معرفت بن جانا اور اعمالِ اخروی کی حفاظت میں پشت پناہی کرنا اور سالکینِ طریقِ حق میں سے کوئی بھی ہرگز دنیوی نشو ونما کی دائیں بائیں یا انجامِ نفسِ رذیل کی طرف توجہ نہ کرے کیونکہ سالکِ طریقت کو جائز نہیں کہ نگاہِ طلب سے بجز پروردگار کسی طرف بھی دیکھے۔ مقامِ علوٗ اور معراجِ قدمِ نبوت اسی طالبِ مخلص کو نصیب ہوتی ہے جس کی نگاہِ شوق ان ہی راہوں پر سیدھی لگی رہے جن راستوں پر قدمِ مصطفیٰ کے نشانات ملتے ہوں۔ اے طالبانِ مولیٰ جستجوءِ عافیتِ بارگاہ میں گھر بار وطن دلیس عزت و راحت سامان و سرمایہ چھوڑ کر ہستیِ وجود سے نکلنے والو۔ جامِ الست سے مست ہو کر ماسوا اللہ سے گزرتے چلے جاؤ اس طرف جو عالمِ قلب قوسینِ صفات ہے اور جس جگہ کا محبت وشفقت کے تقاضوں سے تم حکمِ اَوْ اَدْنیٰ دیئے گئے ہو۔ عاشقِ ذات کا کوئی وطن نہیں اس کے ہر قدم پر تعینِ مقامِ ارتفاع ہے۔ سالک کی پروازِ لاہوتی کے شہر در شہر بیشمار راستے ہیں۔ سالک و مجذوب مہاجرینِ وادیِ عشق ہیں۔

وَقَضَيْنَآ اِلَيْهِ ذٰلِكَ الْاَمْرَ اَنَّ دَابِرَ هٰٓؤُلَآءِ مَقْطُوْعٌ مُّصْبِحِيْنَ ۔ ہلاکتِ نفس و نفسانیات کا فیصلہ تقدیر ہو چکا ہے۔ صبح انوارِ ذکر و فکر اور راہِ سحر گاہی کے وقت ان تمام نتیجۂ اخروی سے غافل شر پسند عناصر امویہ کو خوف و عتاب کے زلزلوں پتھروں سے اکھیڑ کر رکھ دیا جائے گا۔ یہ امرِ ربی ہے جس کو رد کرنے موڑنے والا نہیں ہے۔ نفسِ آمارہ زوال پذیر ہے اور قلبِ منور کے اہل وآل اور صاحبِ دل سفر کُن کی طرف منتقل ہونے والے ہیں۔ بستیِ قالب میں کتنے ہی سال گزر گئے بچپن لوطِ دناع اور شبابِ خلیل

ضمیر نے کتنی مرتبہ شرم و عار دلائی عذابِ حجاب سے بچانے کی کوشش فرمائی۔ مگر تجلیسِ ابلیسیت کے نظارے کرنے والی آنکھوں نے کب چشم و گوش ہوش و لب کو بند کیا تھا شرم کے آنچل کو کب کھولا تھا۔ عالمین فرماتے ہیں اگر کوئی شخص کہیں جنگل وغیرہ میں راستہ بھول جائے تو چاروں طرف منہ پھیر کر چار دفعہ بآواز بلند پکارے اعینونی یا عباد اللہ المدد تو غیبی شخص آ کر اس کی مدد فرما دیتے ہیں اور راستہ وغیرہ بتا کر مشکل آسان کر دیتے ہیں۔

وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾

اور آئے شہر والے خوش ہوتے ہوئے

اور شہر والے خوشیاں مناتے ہوئے آئے۔

قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾

فرمایا بے شک یہ میرے مہمان ہیں تو نہ بے عزت کرو تم مجھ کو

لوط نے کہا یہ میرے مہمان ہیں مجھے فضیحت نہ کرو

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ قَالُوْۤا اَوَلَمْ

اور ڈرو اللہ تعالیٰ سے اور نہ رسوا کرو تم مجھ کو۔ لوگ بولے کیا نہ

اور اللہ سے ڈرو اور مجھے رسوانہ کرو۔ بولے کیا ہم نے

نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ﴿٧٠﴾ قَالَ هٰۤؤُلَآءِ

منع کیا تھا ہم نے تم کو سب جہانوں کی ذمے داری سے فرمایا وہ

تمہیں منع نہ کیا تھا کہ اوروں کے معاملے میں دخل نہ دو۔ کہا یہ قوم کی

بَنٰتِیْۤ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ ﴿٧١﴾ لَعَمْرُكَ

میری ہی بیٹیاں ہیں اگر ہو تم پاک زندگی ادا کرنے والے تمہاری عظیم عمر کی قسم

عورتیں میری بیٹیاں ہیں اگر تمہیں کرنا ہے۔ اے محبوب تمہاری جان کی قسم

إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۷۲﴾

بے شک یہ کافر بھی البتہ اپنے سرکشی کے نشے میں بھٹک رہے ہیں۔

بے شک وہ اپنے نشہ میں بھٹک رہے ہیں۔

فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ ﴿۷۳﴾

ہاں تو پکڑ لیا انکو چنگھاڑ نے جب کہ طلوع کا وقت پانے والے تھے۔

تو دن نکلتے انہیں چنگھاڑ نے آ لیا

فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا

پس بنا دیا ہم نے ان کے اوپر کو ان کا نیچا اور برسائے ہم نے

تو اس بستی کا اوپر کا حصہ اس کے نیچے کا حصہ کر دیا اور ان پر

عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ ﴿۷۴﴾ إِنَّ فِي

پر ان بہت پتھر سے ہر ایک کے نام لکھے ہوئے لوگوں کے۔ بیشک میں اس

کنکر پتھر برسائے بے شک اس میں

ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ ﴿۷۵﴾

البتہ نشانِ قدرت ہیں صحیح دماغ والوں کے لیے

نشانیاں ہیں فراست والوں کے لیے

تعلق ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت لوط کے پاس ملائکہ کے آنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیتوں میں حضرت لوط کے پاس ان کی قوم کے آنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت لوط کا فرشتوں سے کلام کرنا

اور ان کو نہ پہچاننے کی وجہ سے دیکھ کر پریشان اور گھبرا جانے کا ذکر ہوا مہمانوں کی رسوائی کے خوف سے اب ان آیت میں حضرت لوط کا اپنی قوم کو دیکھ کر ان کے تیور پہچان کر گھبرانے اور پریشان ہونے سے گفتگو کرنے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں ملائکہ کے خبر دینے کا تذکرہ ہوا کہ آپ کی اس قوم پر عذاب آنے والا ہے۔ اب ان آیتوں میں عذاب کے وارد کر دینے کا ذکر ہوا۔

تفسیر نحوی وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۔ قَالَ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ ضَیْفِیْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۔ قَالُوْۤا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ واؤ سر جملہ جَآءَ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق معروف جَیْئٌ سے بنا ہے بمعنی آنا ۔ لانا ۔ لازم بھی ہوتا ہے۔ متعدی بھی۔ یہاں لازم ہے اَهْلُ اسم مفرد جامد بمعنی والے جمع کے لیے بھی یہی مستعمل ہوتا ہے اور واحد کے لیے بھی مذکر مؤنث سب کے لیے کیونکہ اسم جنسی ہے۔ یہاں جمع کے لیے ہے۔ اگلے فعل جمع کے قرینے سے (علامت سے)، بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے جَآءَ کا مضاف ہے۔ الف لام عہد خارجی بمعنی اس یعنی اس شہر والے۔ مَدِیْنَةِ اسم مفرد جامد۔ مَدَنٌ سے ہے بمعنی لغوی مٹی کے ڈھیر۔ مٹی کے گھر۔ اصطلاحی معنی عام شہر بستی۔ یہاں مراد بستی سدوم ہے۔ یَسْتَبْشِرُوْنَ باب استفعال کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِسْتِبْشَارٌ بمعنی خوشی منانا۔ خوش ہونا بُشْرٌ سے بنا ہے۔ قَالَ فعل ماضی مطلق قَوْلٌ سے بنا ہے۔ اجوف واوی ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے اس کا فاعل ہُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے اس کا مرجع لُوْطٌ ہے۔ فعل فاعل مل کر قول ہوا۔ اگلی سب عبارت قَالُوْا تک اس کا مقولہ ہے۔ اِنَّ حرف ہے لیکن عمل اور معنی میں فعل سے مشابہ ہے اس لیے اس کے چھ ساتھیوں کو بھی حروف مشبہ کہتے ہیں اسی عملی مشابہت کی بنا پر ھٰؤُلَآءِ ۔ اسم اشارہ جمع کے لیے قریب بعید دونوں کے لیے مستعمل ہے یہاں بعیدی نہیں بلکہ قریبی اشارہ ہے کیونکہ مشار الیہ مہمان قریب تھے ہمیشہ مبنی ہوتا ہے کیونکہ مبنی اصل ہے ضَیْفِیْ ضَیْفٌ اسم مفرد لفظی۔ جمع معنوی کیونکہ اسم جنسی ہے۔ اور ہر اسم جنسی۔ واحد و کثرت پر بولا جاتا ہے اس کی لفظی جمع ہے اَضْیَافٌ مرکب اضافی ہے یَ متکلم اس کا مضاف الیہ ہے اسی لیے مجرور متصل ہے ھٰؤُلَآءِ بحالت نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا اور ضَیْفِیْ بحالت رفع ہے خبر ہے اِنَّ کی فَ تعقیبیہ سببیہ بمعنی لہٰذا یعنی اسلئے لَا تَفْضَحُوْا فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر باب فَتَحَ سے ہے فَضْحٌ سے بنا ہے بمعنی شرمندہ کرنا۔ رسوا کرنا۔ نون وقایہ یعنی اعراب بچانے والی نون اس کا کسرہ یَ ضمیر واحد متکلم محذوفہ کی نشانی ہے دراصل تھا۔ نِیْ ۔ مد سیاہ سے بچنے کے لیے یَ کو حذف کیا اور تخفیف پیدا کی گئی۔ واؤ عاطفہ عطف ہے مابعد جملے کا ماقبل نہی پر۔ وَاتَّقُوْا باب افتعال کا امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر مصدر ہے اِتِّقَاءٌ بمعنی ڈرنا۔ بچنا۔ شرم کرنا حیا کرنا یہاں پہلے یا آخری معنی مراد ہیں تَقْوٰی سے بنا ہے دراصل ہے اِتْقَاءٌ مادے کی ت اور افتعال کی ت کو

مشدد مُدغم کردیا۔ اس کا فاعِل اَنْتُم ضمیر جمع مذکر حاضر ہے۔ جس کا مرجع اَہلِ مدینہ ہیں اللہ بحالتِ فتحہ مفعول بہٖ ہے وَاتَّقُوا کا واوٗ عاطفہ۔ عطف ہے مابعد فعل نہی کا ماقبل اِتَّقُوا پر لَا تُخْزُوْنِ فعل نہی باب افعال سے صیغہ جمع مذکر حاضر مصدر ہے اِخْزَاءٌ بمعنی رُسوا کرنا ذلیل کرنا۔ دور کرنا ہلاک کرنا۔ متعدی ہے باب افعال میں خِزْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ذلیل و رسوا وغیرہ ہونا لازم ہے۔ نِ۔ نون وقایہ۔ یا متکلم منصوب متصل محذوف ہے منوی مفعول بہ ہے اپنے اسی فعل نہی کا۔ قَالُوْا۔ فعل ماضی مطلق۔ ھُمْ ضمیر اسم مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اہلِ مدینہ ہیں۔ اَوَ۔ حرفِ عطف ہے۔ مگر یہاں استفہامِ اقراری کے لیے ہے۔ اسی لیے واؤ مفتوح ہوئی دراصل تھا اَوْ بمعنی یا اب بمعنی کیا ہے لَمْ نَنْهَكَ۔ فعل مضارع نفی جحد بلم۔ بمعنی ماضی بعید۔ صیغہ جمع متکلم باب فتح سے نَنْهٰی تھا ی پر ضمہ بھاری تھا ساکن کر دیا نَنْہیْ ہو گیا۔ اب لَمْ نے آخر کی ی لامِ کلمہ جزم کے بدلے گرا دیا نَنْہَ ہو گیا۔ نَحْنُ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ مخاطب اہل مدینہ ہیں کَ ضمیر مذکر حاضر مرجع لفظ لُوطٌ ہے۔ عَنْ حرفِ جر مجاوزۃ وَتُدوالیہ کے لیے کسی سے دور ہٹنا فقط۔ یہ ہی اس کا اصل معنی مقصدی ہے اس کا اصلی دوسرا مقصد مجاوزتِ وصولی ہے یعنی ایک سے ملکر دوسرے سے لگنا الف لام استغراقی۔ یا عہدِ خارجی۔ عالمین اسم جمع اسم مذکر سالم واحد ہے عَالَمْ بمعنی جہان مراد ہے جہان والے یہاں محاورے کے درجے میں مستعمل یعنی سب یہ محاورہ کی وجہ سے ہوا۔ عَنْ کے بغیر استغراقی معنی مراد ہوں گے۔ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ قَالَ ماضی مطلق ہو مستتر کا مرجع لوطؑ ہیں یہ جملہ فعلیہ قول ہوا۔ اگلی عبارت مقولہ ہے۔ ھٰؤُلَاءِ اسم اشارہ یہاں بعیدی معنی میں بمعنی وہ۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ اس کا مشار الیہ اَلنِّسَاءُ نقلی پوشیدہ حکماً موجود کیونکہ انگلی کا اشارہ بھی ہے۔ اس کو مشار الیہ سکوتی کہتے ہیں بَنَاتِیْ مرکب اضافی بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا کی بَنَاتٌ اسم جمع ہے بِنْت کی یا اِبْنَۃ کی بمعنی بیٹی۔ مضاف ہے۔ یْ متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مبتدا و خبر شبہ جملہ اسمیہ جزاء مؤخر ہے۔ اِنْ حرفِ شرط کُنْتُمْ فعل ماضی مطلق کَانَ تامہ سے جمع حاضر کا صیغہ اَنْتُمْ پوشیدہ اس کا فاعل فٰعِلِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب اس کا مفعول بہ سب ملکر شرط مؤخر ہے۔ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِیْ سَكْرَتِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۔ لام جارہ قسمیہ بمعنی دقائم مقام) اُقْسِمُ کے ہوتا ہے۔ لام کی تین حالتوں میں دو حرکتیں ہوتی ہیں ع۱ جب یاءِ متکلم پر یا اسم ظاہر یا ضمیر پر داخل ہوتا ہے بغیر قسمیہ تو مجرور ہوتا ہے۔ نمبر۲ جب بغیر قسمیہ ضمیر پر آئے واحد متکلم کے علاوہ تو مفتوح ہوتا ہے نمبر۳ جب قسمیہ ہو تو بھی مفتوح ہوتا ہے۔ یہاں قسمیہ ہے اس لیے مفتوح ہے عَمْرٌ اسم مفرد جامد بمعنی زمانۂ دنیوی زندگی۔ یعنی قیامت اور عالمِ برزخ سے پہلی زندگی خواہ انسانی مخلوق ہو یا زمینی بحری یا فضائی۔ لہٰذا اس وقت ملائکہ کی زندگی بھی حیاتِ دنیوی ہے عُمُرٌ بحالتِ رفع ہے لفظاً مگر بحالتِ نصب ہے محلاً۔ کیونکہ جب لام قسمیہ اُقْسِمُ کی جگہ ہے تو یہ مفعول بہٖ کی جگہ ہوا مضاف

ہے۔ لَکَ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل کا عَمْرُ کا لفظی رفع اس لیے ہے کہ یہ مرکب ابتدا ہے اور اس کی خبر قسمی ہے۔ ترجمہ ہے۔ قسم ارشاد فرماتا ہوں میں تیری عمر کی قسم ۔ لفظ عُمُر مشہور لغت میں عُمُرٌ ہے۔ عین میم کے ضمہ دوسری لغت میں عُمْرٌ ہے بفتح العین یہی مستعمل ہے تیسری لغت ہے عُمُرٌ عین کا ضمہ میم کا زبر جس طرح لفظ مُحبت اور مَحبت میم کے ضمہ اور فتحہ سے دونوں طرح درست اور مستعمل ہے۔ بعض نے کہا کہ لفظ عمر جب قسم کے لئے ہو تو بالفتح ہوتا ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوا۔ دوسری ترکیب اس طرح ہے لَعَمْرُكَ اُقْسِمُ. لَعَمْرُ مبتدا اُقْسِمُ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ یہ ترکیب آسان ہے مبتدا خبر ہے۔ ملکر جملہ قسمیہ ہوا۔ اور اگلی سب عبارت جملہ شبہ اسمیہ ہو کر جواب قسم ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ ھُمْ ضمیر اس کا اسم۔ لام گے ابتدائیہ زائدہ فی جارۃ ظرفیہ کیفیتی حالی اس کو مجازی ظرف کہتے ہیں سَکْرَتِ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی نشہ مدہوشی بیہوشی مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب اس کا مضاف الیہ اور اس کا مرجع مکی کفار ہیں۔ یعنی لفظی مرجع محذوف منوی ہے۔ یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے یَعْمَهُوْنَ فعل مضارع مثبت معروف کا صیغہ جمع مذکر غائب باب سَمِعَ سے عَمَهٌ سے بنا ہے یعنی بھٹکنا۔ حیران پھرنا۔ ھُمْ ضمیر جمع مستتر اس کا فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ. فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ. اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ف۔ حرفِ تعقیبیہ۔ اَخَذَتْ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی۔ پکڑنا۔ لینا یہاں پکڑنا مراد ہے اور پکڑ مجازی ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرجع بستی والے۔ الف لام عہد ذہنی ہے یا خارجی صَيْحَةٌ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی کڑک چنگھاڑ چیخ یہاں ہر معنی مناسب ہے کڑک جمادات کی سخت بلند آواز کو کہتے ہیں اور چنگھاڑ حیوانات کی سخت آواز کو اور چیخ انسانی سخت انتہائی بلند آواز کو کہتے ہیں مگر مجازاً صفی کیفیت کی مطابقت و مشابہت کی وجہ سے دوسری جگہ بھی مستعمل ہیں۔ یہاں بھی مجازی معنی مراد ہیں بحالتِ رفع فاعل ہے اَخَذَتْ کا مُشْرِقِيْنَ باب افعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر بحالتِ نصب حال ہے ھُمْ کا یا ظرفِ زمانی ہے مصدر ہے اِشْرَاقٌ۔ بمعنی چمکنا۔ طلوع ہونا۔ ظاہر ہونا۔ وقتِ اشراق ہونا۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ ف سببیہ تعقیبیہ جَعَلْنَا۔ باب فتح کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم۔ مخاطب رب تعالیٰ ہے۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ کرنا۔ عَالِيَ باب ضرب کا اسم فاعل ہے عُلُوٌّ سے بنا ہے بمعنی بلند ہونا۔ اونچا ہونا۔ اوپر کی چیز۔ مضاف ہے منصوب ہے مفعول بہ اول ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرجع مدینہ بستی سدوم۔ سَافِلَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل واحد مذکر سُفْلٌ سے بنا ہے بمعنی نیچا ہونا۔ پست ہونا۔ بحالتِ فتحہ مفعول بہ دوم جَعَلْنَا متعدی بدو مفعول کا ھَا ضمیر کا مرجع بستی ہے واؤ عاطفہ۔ عطف ہے مابعد جملہ فعلیہ کا ماقبل جَعَلْنَا پر۔ اَمْطَرْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ صیغہ جمع متکلم مخاطب رب تعالیٰ ہے۔ مَطَرٌ سے بنا یعنی

برسنا۔ لازم ہے۔ باب اِفعال نے متعدی بنایا مصدر ہے اِمْطَارٌ۔ بمعنی برسانا۔ بارش کرنا۔ عَلٰی جارہ بمعنی فوقیت ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور ہے عَلٰی سے متعلق ہے اَمْطَرْنَا کا حِجَارَۃً اسم مفرد جامد ہے۔ بمعنی پتھر اس کا جمع مکسر اَحْجَارٌ ہے مِنْ جارہ بمعنی تبعیضیہ۔ سِجِّیْلٍ اسم مفرد جامد معرب اسم ہے یعنی فارسی قدیم زمانہ سے یہ لفظ بدل کر لفظی تغیر کی شکل میں عربی بنا۔ اصل تھا سنگ گِل بمعنی مٹی پتھر یعنی کنکر۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ یہ جار و مجرور یا متعلق ہے اَمْطَرْنَا کے یا پوشیدہ اسم مفعول مَجْعُوْلًا کے اور صفت ہے حِجَارَۃً کی اِنَّ حرف تحقیق۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مجازیہ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی مشار الیہ محذوف معنوی۔ بحالتِ کسرہ ہے مبنی غیر متمکن ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدًا اسم مفعول کا اور جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی لَاٰیٰتٍ۔ لام ابتدائیہ ہے اٰیٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم واحد ہے اٰیَۃٌ۔ بمعنی نشانی علامت۔ نکرہ حصر مختصر کلام چھوٹی جماعت۔ یہاں مراد ہے۔ نشانِ قدرت بحالت فتحہ ہے۔ اسم مؤخر ہے اِنَّ کا۔ لام جارہ نفع کا۔ لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب تفعّل سے ہے مصدر ہے تَوَسُّمٌ نشانِ اشیاء دیکھنا پہچان کر لینا۔ عقل سے پرکھنا۔ جانچنا۔ عبرت لینا۔ قیافہ لینا۔ یہاں بمعنی عبرت ہے۔ وَسْمٌ سے بنا ہے بمعنی نشان والا ہونا۔ مادّہ لازم ہے۔ مگر مصدر متعدی ہے۔ جار و مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ خبر مقدم کا لَاٰیٰتٍ درمیان میں اسم اِنَّ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِىْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۙ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ۔ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۔ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِىْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ؕ ابھی فرشتوں کو مہمان سمجھتے ہوئے پناہ دینے اور چھپانے کی ہی سوچ رہے تھے اور سخت پریشان تھے۔ سب سے زیادہ پریشانی اپنی خبیث بیوی نافرمان۔ قوم پرست اور لالچی زوجہ کی طرف سے تھی جو لالچ میں آ کر حضرت لوط کے ہر مہمان کی مخبری کر دیتی تھی اور باوجود منع کرنے کے ابھی ابھی پیشاب کے بہانے چلی گئی تھی ابھی تک آپ نے ان ملائکہ کو پہچانا نہیں تھا۔ بعض خبیث اور بدباطن لوگ اس ناپہچان سے انبیاءِ کرام کے علمِ غیب کی حقیقت کا انکار کر دیتے ہیں اور کور عقلی کی بنا پر اسی طرف دھیان نہیں دیتے کہ یہ توجہ نبوت سے عارضی پوشیدگی تو حکمتِ ربانی کے عین مطابق تھی۔ حضرت لوط تو پریشانی میں گھر میں اِدھر اُدھر پھر رہے تھے اور مہمانوں کو پچھلے کمرے میں بٹھایا ہوا تھا اُدھر آپ کی بیوی واعلہ بازار سے تیز گزرتی جاتی اور ہر شخص دکاندار کو بتاتی جاتی تھی کہ آج تو ہمارے گھر بہت ہی خوبصورت لڑکے آئے ہیں۔ قوم تو پہلے ہی جیسے منتظر بیٹھی تھی آناً فاناً دکانوں کو چھوڑ چھاڑ حضرت لوط کے مکان کی طرف دوڑ پڑے اور ایک دوسرے کو خوشخبریاں سناتے یا خوشیاں مناتے۔ ان کی بھاگ دوڑ کو تماشہ بناتے ہوئے عورتیں اور لڑکیاں۔ بچے بھی ساتھ آ گئے۔ بلکہ یہ عورتیں ان تماشوں اور بدکاریوں کو دیکھنے کی عادی ہو چکی تھیں اور اپنے بدکار خاوندوں سے تعاون کرتی تھیں کہ یہ بدکار لوگ جس مسافر کو یا مہمان کو پکڑ کر لاتا تو وہ بھاگنے جان بچانے کی کوشش کرتا تو عورت اس کو سر اور بالوں سے پکڑ کر قابو کئے رکھتی

اور خاوند بدکاری کرتا رہتا۔ اس کا معاوضہ عورت کو یہ ملتا کہ وہ بھی مہمان عورت کی خواہش کے مطابق اس کے خاوند کے سامنے زنا کر لیتا۔ اس طرح تینوں کی خوشی پوری ہو جاتی۔ لیکن یہ بے غیرتی اتنی عام نہ تھی بعض عورتیں باعزت بھی تھیں اور حضرت لوط سے اپنے مردوں کی شکایت کرتی تھیں۔ اور بعض عورتیں خاوندوں کی بے توجہی کی بنا پر دوسری بستیوں میں جا کر حرام کراتی تھیں غرضکہ شیطانیت عروج پر تھی۔ آئے دن بستی سدوم کے بازاروں میں اس طرح شور مچے رہتے تھے۔ آج پھر جب شور اٹھا تو حضرت لوط فوراً سمجھ گئے کہ میرے ہی گھر کی طرف یلغار ہے۔ مردودہ نے مخبری کر دی ہو گی آپ فوراً گھر کا دروازہ بند کر کے باہر دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے بدکارو اندر میرے یہ مہمان بیٹھے ہیں۔ لہٰذا تم آج مجھ کو رسوا نہ کرو۔ اور اللہ کا خوف کرو۔ اور میرے مہمانوں سے دست درازی کر کے میری عزت خراب نہ کرو کیونکہ مہمان کی حفاظت میزبان کا فرض ہے اور مہمان کو ذلیل کرنا میزبان کی ذلت ہے۔ سب بے غیرت ایک دم یا چند مرد وہ سب کی طرف سے بولے کہ اے لوط ہم نے تجھ کو بارہا منع نہیں کیا کہ سارے جہان کی ٹھیکداری مت اٹھا۔ اور اجنبیوں کو پناہ مت دیا کر۔ آپ نے انتہائی غصے میں آ کر اور ارد گرد جمع شور تماشہ دیکھنے والی عورتوں کو دیکھ کر فرمایا کہ وہ تمہاری بیویاں جو میری بیٹیوں کی طرح ہیں۔ کیونکہ سب امت قوم نبی کی بیٹے بیٹی کے درجے میں ہوتی ہے۔ تم اپنی شہوت رانی ان سے کرو اگر تم کرنا چاہتے ہو۔ بعض بے علم اور کم فہم حضرات نے کہا کہ حضرت لوط نے اپنی نسلی بیٹیوں کو ان بدمعاشوں کے سامنے پیش کیا کہ ان سے نکاح کر کے صحبتیں کرو (معاذ اللہ) کیسی احمقانہ بات ہے۔ سب مانتے ہیں کہ حضرت لوط کی صرف دو بیٹیاں تھیں۔ یہ بھی حکمت شان کریمی جل مجدہ ہے کہ آپ کو دو ہی بیٹیاں دی گئیں اور کوئی اولاد نہ ہوئی۔ اور آپ فرماتے ہیں بناتی۔ یہ لفظ جمع ہے جو کم از کم تین پر بولا جاتا ہے اگر اپنی صلبی بیٹیاں مراد ہوتیں تو بنتای ہوتا۔ بس تفسیر کرنے کا شوق ہے خواہ عقل اندھی ہی کیوں نہ ہو لوط علیہ السلام کے سمجھانے کے باوجود وہ آگے بڑھتے ہی رہے یہاں تک کہ دروازہ توڑ دیا یا دیوار پھاندنے لگے۔ تب ملائکہ نے اپنا پورا تعارف کرایا۔ اور حضرت لوط کو اپنے پاس بلایا اور رب تعالیٰ کی اجازت سے اس بڑھتے ہوئے اجتماع کی طرف انگلی لہرا دی اچانک سب نیم اندھے ہو گئے اور تن بدن میں جلن سی پڑ گئی۔ بس پھر کیا تھا ساری شہوت فنا ہو گئی اور چیختے چلاتے پیچھے بھاگے کہ ہائے مر گئے ارے یہ مہمان تو جادو گر ہیں۔ یہ قریب مغرب عصر کا وقت تھا۔ رات کو صبح تک پھر جو ہوا سو ہوا۔ اس ذکر کے بعد رب تعالیٰ نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرمایا۔ لَعَمْرُكَ إِنَّهُمْ لَفِي سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُونَ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِينَ. فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ. إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَآيَاتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِينَ اے نبی تمہاری جان اور روح کی قسم ہے مجھ کو۔ البتہ بے شک وہ قوم لوط والے بدمعاش اس وقت البتہ۔

اپنے شہوانی نشے میں ایسے دوڑتے آرہے تھے کہ ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے۔ اور بری طرح بھٹکتے ٹھوکریں کھاتے گرتے پڑتے تھے۔ یا یہ موجودہ کفار اپنے کفر یہ خرمستیوں کے نشہ میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور پچھلے کسی واقعے سے عبرت نہیں پکڑتے۔ بعض نے کہا کہ یہ کلام بھی اُن مہمان فرشتوں کا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ کسی مخلوق کو اللہ کے سوا کسی کی قسم بولنا حرام اور شرک کے مترادف ہے اس لیے کوئی فرشتہ لَعَمْرُکَ نہیں کہہ سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ ہر شی کی قسم فرما سکتا ہے۔ روایتوں میں ہے کہ بجز روح محمدی کے رب تعالیٰ نے کسی روح کی قسم نہ فرمائی اس کی وجہ یہ کہ نبی پاک کی جان ساری کائنات سے افضل ہے۔ دوم یہ کہ اگلی عبارت رب تعالیٰ کی ہے۔ لہٰذا اُس کی مطابقت میں یہ قسم بھی اس کی کلام کی رَوِش سے یہی ثابت ہے کہ یہ خطاب باری تعالیٰ کا ہے۔ رات بھر یہ لوگ درد اور اندھے پن سے چیختے چلّاتے تڑپتے رہے۔ فیصلے کے مطابق بوقت فجر پہلے چیخ اور انتہائی ڈر اور کڑک آئی جس سے مردوں کے پتے پھٹ گئے اور بچے جانور عورتیں ہلاک ہو گئیں۔ کیونکہ بدکاری کا عذاب صرف مردوں کو ملنا تھا اور کفر کا عذاب عورتوں کو بھی اور جڑ کٹنے اور نسل ختم ہونے کا عذاب بچوں کو۔ اس وقت مشرق سے فجر طلوع ہو رہی تھی اور یہ سب لوگ مُشرقین یعنی مشرق پانے والے تھے۔ یا ابتداءِ عذاب فجر صادق کے وقت اور انتہاءِ عذاب اِشراق کے وقت ہوا پھر بنا دیا ہم نے اس پوری بستی کی آبادی کے اوپر کو اس کا نیچا یا اسی چیخ کے ذریعے کہ چیخ کی ہولناکی سے زلزلے کی شکل ہوئی زمین کانپی پھٹی اور تمام عمارات بڑی بڑی مضبوط پختہ پتھریلی اُن دا خِلہ میں زمین بوس ہو گئیں۔ یا یہ چیخ کے بعد قدرتی زلزلہ آیا۔ یا حضرتِ جبریل نے اتنی زمین کو اٹھا کر الٹا کر دے مارا۔ مگر پہلا قول زیادہ درست ہے اس لیے کہ ان لوگوں کے تین جرم تھے ۱ کفر ۲ گستاخیِ نبی ۳ اور بدفعلی اس لیے عَلَی التَّرتِیب ان پر تین عذاب آئے نمبر ۱ دہشت ناک چنگھاڑ۔ نمبر ۲ زلزلہ لیکن ابھی مرے نہیں نمبر ۳ پھر۔ اَمطَرنَا عَلَیہِم بارش کر دی ہم نے اُن پر پتھروں کی جو سجّیل تھے یعنی ہر ایک کا اس پر نام لکھا ہوا تھا جس پر جس کا نام تھا اُسی کو لگا اور ایک ایک پتھر سے ہی ہلاکت ہو گئی یا وہ پتھر سجّیل سے بنے ہوئے یعنی مٹی سے بنکر پکا لیے گئے تھے۔ اور یہ سب کچھ قدرتی تھا۔ یہ بارش بھی قدرتی تھی فرشتوں کے ہاتھوں سے نہیں تھی اگر حضرت جبرئیل بستی کو اٹھا کر الٹاتے تو پھر پتھر برسنے سے پہلے ہی سب مر جاتے اور پتھراؤ بیکار ہو جاتا۔ اور یہ پتھریلی بارش عام تھی۔ یہاں تک کہ جو جہاں تھا بستی یا باہر یا جنگل میں یا سفر میں وہیں جا کر پتھر اس کو لگا۔ جس پتھر پر زوجہ لوط کا نام لکھا تھا وہ وہیں اس کو آ کر لگا اور ہلاک کر دیا۔ چیخ سے بچے بوڑھے اور عورتیں مریں زلزلے سے گھر ٹوٹے اور پتھریلی بارش سے بدکار مرے اور منٹوں میں تباہی نے نام و نشان مٹا کر قیامت تک کے لیے عبرت کی آیتیں قائم فرما دیں۔ مگر اس سے عبرت بھی صرف سمجھدار اور صحیح دماغ اور پناہ گاہِ مصطفیٰ میں آنے والے

ہی لیتے ہیں۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم **فائدے** ۔ اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ مہمان کی عزت میزبان کی عزت ہے مہمان کی کو بے عزت کرنا یا ستانا پریشان کرنا میزبان کی رسوائی ہے اور گھر والے پر ظلم ہے ایسے ظلم سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے یہ فائدہ لَا تَفْضَحُوْنِ اور وَلَا تُخْزُوْنِ سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ** ۔ مظلوموں بے کسوں، مجبوروں پریشان حالوں کی مدد کرنا اور بچانا حمایت کرنا پناہ دینا سنتِ انبیاءِ کرام ہے۔ اسی طرح نیکی کی حمایت کرنا بھی طریقۂ رسولانِ پاک ہے ہر مسلمان کو ہر حال میں اس کو اپنانا چاہئے یہ فائدہ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ۔ قوم کا بزرگ یا استاد۔ مرشد۔ اور عالم دین اپنے چھوٹوں کو اپنا بیٹا بیٹی کہہ سکتا ہے۔ اگرچہ دین مختلف ہو۔ یہ فائدہ هٰٓؤُلَآءِ بَنَاتِیْٓ سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ ۔ ساری مخلوق میں جسم پاک مصطفیٰ اور آپ کی روحِ مقدسہ سب سے اعلیٰ افضل اور رب تعالیٰ کو پیاری ہے اسی لیے رب نے صرف آپ کی جان کی قسم ارشاد فرمائی اور کسی کی جان کی قسم نہ فرمائی۔ یہ فائدہ لَعَمْرُكَ سے حاصل ہوا۔ **احکام القرآن** ۔ اس آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** ۔ ناواقفی میں کوئی بات حقیقت کے خلاف کہہ دینا گناہ نہیں اگرچہ اس پر قسم بھی ہو لوے۔ شریعت میں گرفت نہیں یہ مسئلہ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِیْ فرمانے سے مستنبط ہوا، دیکھو حضرت لوط نے ملائکہ کو مہمان فرمایا حالانکہ وہ مہمان نہ تھے تو اس کو جھوٹ نہ کہا جائے گا، کیونکہ آپ نے ابھی تک ملائکہ کو پہچانا نہ تھا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ فقہ حنفی میں لوطی یعنی لڑکوں سے بدفعلی کرنے والے کو شرعی حد کی سزا مقرر نہیں ہے بلکہ اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی جو حاکم اسلام خود مقرر کرے گا۔ یہ مسئلہ اس سزاءِ آسمانی کے طور طریقوں سے مستنبط ہوا کہ عذاب تین طریقے سے آیا۔ یعنی چیخ۔ زلزلہ۔ اور پتھراؤ۔ جب کہ حد صرف ایک مقرر ہوتی ہے۔

اعتراضات اس جگہ چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ۔ حضرتِ لوط نے پہلے فرمایا لَا تَفْضَحُوْنِ مجھے بے عزت نہ کرو پھر فرمایا لَا تُخْزُوْنِ مجھے رسوا نہ کرو۔ بات تو ایک ہی ہے پھر دو لفظ کیوں فرمائے یا ایک ہی دفعہ کہہ دیا جاتا۔ کافی تھا۔ یا پھر دونوں دفعہ ایک ہی لفظ استعمال کر دیا جاتا **جواب** ۔ ان فعلوں کے مادے ہیں فَضْحٌ اور خِزْیٌ۔ اور دونوں کا ترجمہ ہے بے عزت اور رسوا ہونا۔ یا کرنا۔ لیکن فرق یہ ہے اپنے کام سے خود رسوا ہونا۔ فَضْحٌ ہے جس کو نادم و شرمندہ ہونا کہتے ہیں۔ دوسرے کی وجہ سے ذلت اٹھانا۔ خِزْیٌ ہے۔ تو چونکہ قوم نے دو باتیں کی تھیں ایک یہ کہ تم اپنے مہمانوں کو اپنے گھر سے نکال دو۔ اس کے جواب میں لَا تَفْضَحُوْنِ فرمایا کہ اے بدبختو۔ مجھ سے ایسا کام نہ کرواؤ جو بداخلاقی بے مروتی والا ہو با اخلاق اور شریف النفس مہمانوں کو گھر سے دھکے نہیں دے سکتے۔ کتنے شرم کی بات ہے کہ میں اتنے بڑے گھر میں اجنبی مہمانوں کو کچھ دیر نہ رکھ سکوں یہ گھروں میں جا کر میری غیر اخلاقی حرکتوں کا ذکر کریں گے تو میری شرمندگی ہوگی۔ دوسری بات قوم

نے یہ کی تھی تم ان کو ہمارے حوالے کر دو تاکہ ہم بدفعلی کریں یہ ذلت آمیز رسوائی تھی جو قوم کے ہاتھوں ہوتی اس لیے پہلے صیغہ کے ساتھ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فرمایا اور دوسرے صیغے لَا تُخْزُوْنِ کے ساتھ وَاتَّقُوا اللّٰهَ فرمایا۔ لہٰذا دونوں فعل نہایت موزوں و مناسب ہیں **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا لَعَمْرُكَ فرشتوں نے کہا اے لوط علیہ السلام آپ کی عمر کی قسم۔ غیر اللہ کی قسم کھانی تو شرک ہے پھر ملائکہ نے یہ قسم کیوں کھائی۔ **جواب** ۔ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں مگر مضبوط جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں وضاحت کرتے ہوئے دیا کہ یہ قول فرشتوں کا ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ فرشتوں کو قوم کی حالت لوط علیہ السلام کو بتانے کی کیا ضرورت تھی وہ تو لوط علیہ السلام خود ہی دیکھ رہے تھے بلکہ فرشتے تو اندر تھے حضرت لوط باہر تھے۔ اس لیے فرشتوں سے زیادہ مشاہدہ فرما رہے تھے پس درست یہ ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قول پاک ہے وہ قسم فرما سکتا ہے جس کی چاہے بلکہ اس کی قسم فرمانا اس شی کی عظمت کی دلیل ہے جب کہ بندوں کی قسم اللہ کے غیر کی شرک کے ہم معنی ہے۔ ہماری قسم کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے اس چیز کو اللہ کے برابر عظمت والا سمجھ لیا۔ اور یہی شرک ہے۔ اور اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ اللہ کریم اپنے حبیب کو اس قوم لوط کی یا اس قوم قریش کی حالت بیان فرما رہا ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ رب نے قسم کیوں فرمائی قسم تو اعتبار دلانے کیلئے ہوتی ہے۔ اہل ایمان کو تو پہلے ہی اعتبار ہے کفار کو قسم دینا مفید نہیں ان کو تو اعتبار آئے گا ہی نہیں **جواب** اعتبار کے لیے نہیں بلکہ اظہار عظمت کے لیے ہے نیز قرآن مجید عربی میں نازل ہوا اہل عرب تاکید کے لیے قسم بول دیتے ہیں اسی رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ چوتھا اعتراض عذاب آسمانی سے بچوں اور بیگناہ انسانوں حیوانوں کو کیوں ہلاک کیا گیا یہ تو سراسر ظلم ہے کیا مسلمانوں کا خدا یہ ظلم کرتا ہے (آریہ ہندو) جواب۔ ہلاکت سے موت ہوتی ہے اور موت ظلم نہیں۔ نیز بچے اور حیوان چیخ سے ہلاک نہ کرتے بلکہ تمہاری سزا ہے سزا صرف فاسقین مردوں عورتوں کو ملی الزامی جواب یہ ہے کہ تم لوگوں نے دنیا میں انتہائی ظالمانہ جنگیں کر کے بے شمار انسانی جانوں کو تباہ و ہلاک کیا اور کروا دیا۔ کیا یہ ظلم نہیں تھا جبکہ یہ لوگ تمہاری مخلوق و ملکیت بھی نہیں تھے اللہ تعالیٰ کی تو یہ سب مخلوق ہے جس طرح چاہے جب چاہے فوت کرے

تفسیر صوفیانہ وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِيْنَةِ يَسْتَبْشِرُوْنَ قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ لَعَمْرُكَ اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ مدینہ تمالب بشریت کے حواس باطنہ مکر شیطانی اور شر نفسانی پر فخر و غرور کرتے ہوئے دماغ فتور کی خوشخبریاں لیتے ہوئے راہ فساد میں آتے ہیں تو ضمیر روشن حیاء خرد باطن سے ہی آواز دیتی ہے کہ نفسانیت شہوانی کے بندو یہ قلب و جگر یہ نور نظر یہ سمع بصر یہ قول و فکر یہ پکڑ و دھکڑ۔ یہ سیر و سفر یہ عضو عمل سب میرے پاس چند دن کے مہمان ہیں اللہ کی عارضی امانتیں ہیں ان سے اعمال جنسی کرا کر کل قیامت میں بارگاہ جلال میں مجھ کو ذلیل و بے عزت نہ کروا ئے خواہشات نفسانیہ اللہ سے ڈرو اور نگاہ قلب میں مجھ کو شرمندہ نہ کرو تمہارے کانوں میں میری ایک بات بھی نہیں پہنچتی تمہیں معلوم ہے کہ اس عالم ناسوتی میں دست قضا نے کتنے ہی مغرور دل مفرور دل

اکڑ والوں شہوت پسندوں کو فنا کا زہر پلا دیا ارے تم کن قدموں سے دوڑے آتے ہو یہ قدم اس طرح استعمال کے لیے نہیں یہ تو بارگاہِ محبوب تک پہنچنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں۔ دروازۂ خدا تک پہنچنے کے لیے صرف دو ہی قدم ہیں ایک قدمِ نفس ہے دوسرا قدمِ خلق اے غافلو طالبِ شیطان نہ بنو طالب رحمٰن بنو اگر ان دو قدموں پر قابو پا لیا تو مریدِ صادق کے لیے دریار تک رسائی آسان ہے۔ نفوسِ خناثی نے جواب دیا اے واعظِ قصہ گو ہم کبھی سے تجھ کو منع کر رہے تھے کہ جہانِ نظر و فکر اور اندیشۂ مہر و وفا اور رزمِ داریِ اعضا سے دور ہو جا۔ دلیلِ سِری اور برہانِ عقلی نے فرمایا یہ میری شریعت کی پابندیاں ہیں اگر تم تکمیل خواہشاتِ شہوانیہ کرنا ہی چاہتے ہو تو اے ذلیل نفسِ امارہ والو شریعت کی آغوشِ فطرت میں رہ کر کرنے والے بنو اے محبوب تیری اوّل آخر ظاہر و باطن ابدی بقا کی قسم۔ بیشک یہ جسمِ بشریت کے امارہ شیاطین القمانی خرمستی میں خود ہی بھٹکتے رہیں گے قالبِ مومن کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُشْرِقِيْنَ فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ اپنا ہی بگاڑ جن تمہی اعمالِ سیاہ سے سینے کو بھرا قہرِ جبار کی کڑک نے ان ہی کو ہلاکت خیز سختی سے پکڑا۔ جب عارفین کا آفتابِ عروج عظمتِ بارگاہی کا سورج چڑھتا ہے تو نفس پر زوالِ عذاب شروع ہو جاتا ہے اور خود پرستوں کے دنیوی اچھے اعمال کو ریاکاری کے جھٹکوں سے ذلت و نامقبولی کے [illegible] میں پھینک دیا جاتا ہے۔ قبض و قہر دوری۔ دربارکاری کے غضبناک پتھروں سے سنگ باری کر کے تسلطِ نفس کا نشان بھی مٹا دیا جاتا ہے۔ بیشک جسم وجودی میں قضاؤ قدر کے یہ فیصلے قدرتِ کمال کی بڑی نشانیاں ہیں جن کو عارفین کے کان نطقِ حق سے سنتے ہیں۔ اور قلبِ ایمانی سے جانتے ہیں فراستِ ظاہر و باطن مومنِ عارف کے اسرار ہیں آیات اسرار کو صرف عارفین ہی سمجھتے ہیں وہی زبانِ صدق کے متوسّمین ہیں۔ نگاہِ مومن کے لیے ہی نشانیاں آتی ہیں۔

وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿۷۶﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اور بے شک وہ بستی لوط البتہ راہ مسافران میں موجود ہے بیشک بیں اس

اور بیشک وہ بستی اس راہ پر ہے جو اب تک چلتی ہے بیشک اسمیں

لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ

البتہ نشان عبرت ہے لیے قوموں کے اور بیشک تھے رہنے والے جنگل

نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لیے اور بے شک جھاڑی

الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَ

وقف لازم

کے البتہ ظالم تھے۔ تو ظلم کا بدلہ لیا ہم نے سے ان اور

والے ضرور ظالم تھے تو ہم نے ان سے بدلہ لیا اور

اِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ وَلَقَدْ كَذَّبَ

ع ٥

بے شک دونوں بستیاں البتہ ہیں سامنے ہیں ظاہر طور۔ اور البتہ جھٹلایا ہے

بے شک یہ دونوں بستیاں کھلے راستے پر پڑی ہیں اور بے شک حجر

اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿٨٠﴾ وَاٰتَيْنٰهُمْ

پتھر کے مکان والوں نے رسولوں کو۔ حالانکہ دی تھیں ہم نے ان

والوں نے رسولوں کو جھٹلایا اور ہم نے ان کو اپنی

اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿٨١﴾ وَ

رسولوں کو نشانیاں اپنی تو رہے وہ سب کافر۔ سے ان ہٹنے والے۔ اور

نشانیاں دیں تو ان سے منہ پھیرے رہے اور

كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا

مجروالے تراشتے تھے سے پہاڑوں مضبوط گھروں کو

وہ پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے۔

اٰمِنِیْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ

محفوظ رہنے کے لیے پس پکڑلیا انکو سخت چیخ نے

بے خوف۔ تو انہیں صبح ہوتے

مُصْبِحِیْنَ ﴿۸۳﴾ فَمَاۤ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا

جب کر صبح پاتے والے تھے تو نہیں بچایا کو ان۔ اُسنے جو

چنگھاڑنے آلیا تو ان کی کمائی کچھ ان کے

یَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾

کماتے تھے بداعمالیاں۔

کام نہ آئی۔

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں قومِ لوط کے عذاب کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا تھا کہ اب قوموں کے سامنے اس عذاب کا ذکر کیوں کیا جارہا ہے تاکہ سمجھداری حاصل کریں اب ان آیتوں میں بتایا جارہا ہے کہ یہ کافر لوگ ان بستیوں کو دن رات اپنی آنکھوں سے بھی دیکھتے ہیں اور تاریخی پس منظر بھی جانتے ہیں مگر پھر بھی نافرمانیِ رب سے نہیں ڈرتے اس لیے کہ عقل وفراست نہیں رکھتے جانور کے جانور ہی ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا فراست و عقل والے ہی ان واقعاتِ خوفناک سے عبرت پکڑتے ہیں۔ اب اشارۃً بتایا جارہا ہے کہ فراست والے اور توسّمین صرف وہی ہیں جو دامنِ مصطفٰی میں آکر مومن بن گئے گویا کہ آستانۂ احمد پاک عقل وفراست کا اول آخر مرکز ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں قومِ لوط کے عذاب کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں دوسری قوم ھود اور قومِ صالح علیہما السلام کے عذابوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَاِنَّهَا لَبِسَبِیْلٍ مُّقِیْمٍ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَیْكَةِ لَظٰلِمِیْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِیْنٍ واؤ مرتبہ۔ اِنَّ حرف۔ ہَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع بستی یعنی سدوم یعنی قوم لوط علیہ السلام کی بستی منصوب متصل ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے۔ لام کے تاکید یہ زائدہ

بِ جارّہ بمعنی فِیْ ظرفیہ مکانیہ حقیقیہ ہے سَبِیْلٍ۔ اسم مفرد مشتق صفت مشبہ بروزنِ قلیل سَبُلٌ سے بنا ہے بمعنی کھلا راستہ
شارعِ عام۔ شاہ راہ۔ مجرور ہے بِ جارّہ سے موصوف مُقِیْمٍ صفت ہے باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر ہے مصدر ہے
اِقَامَۃٌ اور اِقْوَامًا۔ قَوْمٌ یا قِیَمٌ سے بنا ہے بمعنی قائم رہنا جاری رہنا۔ سبب بولکر مسبب مراد لیا ہے کہ راستہ پر لوگ چلتے ہیں
نہ کہ راستہ۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدًا اسم مفعول کا اور وہ شبہ جملہ ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ حرفِ تحقیق
فِیْ جارّہ ظرف مجازی کیونکہ مظروف ذٰلِکَ ہے جس کا مشار الیہ وہ واقعہ ہے اور واقعہ بذاتِ خود نہ زمان ہوتا ہے نہ
مکان ہے اگر مشار الیہ بستی ہے تو یہ ظرفِ مکانی ہے حقیقی ہے۔ لام کے زائدہ برائے تاکید آیَۃً اسم نکرہ مفرد
معرف صحیح ہے اس لیے بحالتِ نصب ظاہر نصب آیا تنوین عظیم کی ہے بمعنی بڑی آیت۔ فِیْ ذٰلِکَ جار و مجرور متعلق ہے
مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا اور وہ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبرِ مقدم ہے اِنَّ اور لَاٰیَۃً اسم مؤخر ہے اِنَّ کا۔ اس تقدم و تاخر نے شدت
احساس کا فائدہ دیا۔ لام جارّہ نفع کا لِّلْمُؤْمِنِیْنَ اسم جمع مذکر سالم مجرور ہے لام سے اس کا واحد ہے مومن مراد ہیں۔
مسلمان یہ جار و مجرور متعلق ہے دوم مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ واؤ سرِ جملہ۔ اِنْ مخففہ دراصل تھا اِنَّہٗ عملاً لغو ہے معنی یقین
کے دیرہا ہے کَانَ فعل ناقصہ بمعنی ماضی بعید صیغہ واحد مذکر غائب اَصْحٰبُ۔ اسم جمع مکسر واحد ہے صاحب بمعنی
والا۔ مالک۔ ساتھی۔ رہائشی یہاں بمعنی والا اور رہائشی مراد ہے۔ اَیْکَۃِ اسم جمع مکسر یا جمع شلی ہے جامد ہے۔
واحد اَیْکَۃٌ بمعنی گھنے درخت۔ جھنڈ۔ درختوں کا جنگل۔ اَیْکَۃٌ کے معنی ہوتے ہیں ایک گھنا درخت اَیْکٌ بہت گھنے
درخت مراد جنگل سرسبز ایک قرأت میں ہے لَیْکَۃٌ بمعنی جنگلی علاقہ۔ مراد ہے اَیْکَۃُ سے شہر اور لَیْکَۃٌ سے وہ سب
علاقہ مگر مشہور قرأت اَیْکَۃِ۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے اَصْحٰبُ کا اور مرکب اضافی کَانَ کا اسم ہے۔ لام زائدہ۔
ابتدائیہ۔ ظٰلِمِیْنَ جمع مذکر سالم ہے ظالم کی بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَ کی بمعنی ظلم کرنے والے یعنی کفر کرنے
والے فَ سببیہ۔ بمعنی لہٰذا اِنْتَقَمْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مصدر ہے اِنْتِقَامٌ
نَقِمٌ سے بنا ہے بمعنی جرم کے برابر سزا دینی بدلہ لینا خواہ اپنا خواہ اپنے دوست کا۔ مِنْ جارّہ بیانیہ ھُمْ ضمیر جمع کا
مرجع اَصْحٰبُ الْاَیْکَۃِ ہیں جار مجرور متعلق ہے اِنْتَقَمْنَا۔ کا واؤ سرِ جملہ اِنَّ حرفِ مشبہ ھُمَا ضمیر صیغہ مؤنث غائب
اس کا مرجع ہے بستی سدوم اور بستی اَیْکَہ منصوب متصل ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے اور اپنے عامل اِنَّ سے جڑی ہوئی ہے
لام ابتدائیہ بِ جارّہ بمعنی فِیْ جارّہ ظرفیہ حقیقیہ اِمَامٍ اسم مفرد [illegible] بروزن فِعَالٌ اَمٌّ سے بنا ہے بمعنی ارادہ کرنا۔
پسند کرنا۔ کسی کی ضرورت محسوس کرنا۔ امام بمعنی ماموم اسم مفعول ہے۔ ترجمہ ہے چاہا ہوا۔ جس کو چاہا جائے
انسان چاہا جائے تو ہوتا ہے پیشوا۔ رہنما۔ مقتدا۔ یہاں بمعنی راستہ ہے۔ بہت آمد و رفت والے راستے
کو امام کہا جاتا ہے۔ مجرور ہے بِ سے موصوف ہے مُّبِیْنٍ اسم فاعل باب اِفعال کا صیغہ واحد مذکر دراصل تھا
مُبْیِنٌ یٰ پر کسرہ ثقیل تھا لہٰذا نقل کر کے ماقبل کر دے دیا۔ اس کا مصدر ہے اِبَانَۃٌ اور اِبَانَۃٌ بمعنی کھلا کرنا۔

ترجمہ ہے۔ کھلا راستہ یہاں جامد کی شکل میں ہے بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنی ظاہر ہونا سیدھا ہونا۔ مشہور ہونا
بحالتِ کسرہ ہے صفت ہے امام کی مرکب توصیفی مجرور ہے ب سے متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ اِنَّ
جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا۔ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ
وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ. وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ واو، لام
تاکید۔ بعض کے نزدیک لام قسم ہے اور قسم پوشیدہ ہے در اصل تھا۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ مگر ترجیح پہلے قول کو ہے
قَدْ حرفِ تحقیق۔ كَذَّبَ۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے تکذیب بمعنی جھٹلانا۔ اَصْحٰبُ
اسم جمع مکسر بحالتِ رفع کیونکہ فاعل ہے كَذَّبَ کا مضاف ہے۔ الف لام عہد خارجی۔ حِجْرُ اسم مفرد جامد بمعنی پتھر
ترجمہ ہے پتھر والے اسم جنسی ہے اس لیے جمع بھی ہو سکتا ہے۔ بعض پتھروں والے حجر کا ترجمہ ہے روکنا اسی معنی میں
پتھر کو حجر یا حجر کہا جاتا ہے۔ مجرور ہے مضاف الیہ الف لام عہدِ خارجی یا استغراقی ہے حکماً مُرْسَلِيْنَ۔ جمع مذکر سالم
بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے كَذَّبَ کا اس کا واحد ہے مُرْسَلٌ اسم مفعول رُسُلٌ سے بنا ہے باب افعال سے ہے ارسال
مصدر ہے بمعنی بھیجنا۔ اس کا ترجمہ ہے بھیجے ہوئے۔ انبیاء کرام کا الہامی لقب ہے واؤ حالیہ اور اگلی عبارت
حال ہے اصحاب کا یا كَذَّبَ کا اٰتَيْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر ہے اِتْيَانٌ بمعنی دینا۔ یا لانا متعدی
بدو مفعول ہے هُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اصحابُ حجر ہے مفعول بہ اول ہے اس لیے منصوب ہے اٰيٰت۔
جمع مؤنث سالم ہے اٰيَةٌ کی مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے مجرور متصل ہے مضاف الیہ ہے۔ یہ
مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے۔ فَ حرفِ تعقیب بیانِ عاقبت کے لیے كَانُوْا۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع
مذکر غائب هُمْ ضمیر مستتر اس کا اسم ہے عَنْ۔ جارہ حرفِ مجاذاتِ زوال۔ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا
مرجع ہے اٰيٰت۔ جار و مجرور متعلق ہے كَانُوْا کے مُعْرِضِيْنَ۔ بابِ افعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر مصدر ہے
اِعْرَاضٌ بمعنی منہ پھیرنا۔ نفرت کرنا نہ ماننا پرہیز کرنا اگر اعراض کے مشتقات کے ساتھ لام جارہ آئے تو معنی ہیں
اس کی طرف منہ پھیرنا اگر عَنْ جارہ آئے تو معنی ہوتے ہیں اس سے منہ پھیرنا۔ یعنی دور ہونا۔ دوسری طرف ہونا منصوب
ہے خبر ہے كَانُوْا کی جمع مذکر سالم کا اعراب بحالتِ جر و فتحہ یٰ اور نون مفتوحہ ہوتی ہے۔ جیسے یہاں ہوا۔ واؤ سے جملہ كَانُوْا يَنْحِتُوْنَ
بابِ ضَرَبَ کا ماضی استمراری صیغہ جمع مذکر غائب۔ نَحْتٌ سے بنا ہے۔ بمعنی عادت یا پیشہ یا فن کے مطابق کام
کرنا۔ یا بمعنی جٹ جانا کسی کام میں۔ یہاں پیشہ اور فن مراد ہے مِنْ جارہ بمعنی فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام جنسی
یا زائدہ جِبَالٌ جمع مکسر منصرف ہے جَبَلٌ کی جار مجرور متعلق ہے ماقبل فعل کا بُيُوْتًا۔ جمع مکسر منصرف ہے بَيْت
بمعنی کمرہ لغوی ترجمہ ہے رات گزارنے کی جگہ محاورے میں اس گھر کو بیت کہتے ہیں جس کے سارے کمروں پر ایک
ہی چھت پڑی ہو صحن نہ ہو جیسے آج کل کوٹھی نما مکانات۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اٰمِنِيْنَ۔ اسم فاعل صیغہ جمع

مذکر بحالت نصب ہے یا مفعول لۂ ہے فعل کا یا حال ہے ہُمْ ضمیر کا یا اُن کے اس فعل کا حال ہے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی طرف راغب۔ اس میں وسعت ہے اور یہ بہترین تفسیری ترجمہ ہے۔ اسی میں اظہارِ فن کاری ہے ہمارے ترجمہ میں اظہارِ مقصد خانہ سازی ہے اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنی بے خوف ہونا۔ امن میں ہونا۔ حفاظت کرنا۔ آرام کرنا۔ ف حرفِ تعقیب بمعنی اِذ مفاجائیہ (اچانک) اَخَذَتْ۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی پکڑنا لینا۔ گھیرنا۔ آمادہ کرنا اصلی یعنی لغوی ترجمہ ہے پکڑنا وہی یہاں مراد ہے۔ یا گھیرنا مراد ہے ہُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے اَخَذَتْ کا۔ اس کا مرجع اَصْحَابُ حجر ہے۔ الف لام عہدِ خارجی اَلصَّیْحَۃُ اسم مفرد جامد بمعنی چیخ دھاڑ۔ دھماکہ۔ چنگھاڑ۔ یہاں ہر معنی درست ہے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے۔ مُصْبِحِیْنَ۔ باب افعال کا۔ اسم فاعل جمع صیغہ جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِصْبَاحٌ بمعنی صبح کرنا یا پانا یا دیکھنا۔ ترجمہ ہے صبح پانے والے بحالتِ نصب ہے حال ہے ہُمْ ضمیر کا فَمَآ اَغْنٰی عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ حرفِ تعقیبہ مَآ اَغْنٰی۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق منفی معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اِغْنَاءٌ بمعنی کام آنا بے پرواہ کرنا۔ امیر کرنا دولت مند کرنا، حاجت پوری کرنا یا بنانا۔ یہاں پہلے دو معنی بن سکتے ہیں۔ عَنْ جارہ بمعنی بَ تعدیہ (مفعولیت) ہُمْ ضمیر کا مرجع۔ اصحٰب حجر ہیں یہ جار و مجرور متعلق ہے مَآ اَغْنٰی کا مَا اسم موصول مرفوع ہے کیونکہ اپنے صلے سے ملکر فاعل ہے مَآ اَغْنٰی کا مراد ہے پیشہ (ہنر) یا گھر پتھر کے مضبوط۔ كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ فعل ماضی استمراری مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب بابِ ضَرَبَ سے ہے۔ کَسْبٌ سے بنا ہے بمعنی کمائی کرنا۔ حاصل کرنا۔ سامان کرنا یعنی کاریگری۔ یہاں ہر معنی بن سکتا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ اور بیشک وہ قوم لوط کی بستی سدوم البتہ مسافروں کے بالکل سیدھے اور آسانی راستے پر ہے یہاں تک کہ ہر حاجی ہر تاجر اور خاصکر یہ کفارِ مکہ تو جب بھی شام کی طرف سفر کرتے ہیں یا مصر کی طرف دوسرے راستے سے جاتے ہیں تو آتے جاتے یہ اُجڑی بستی کھنڈر ان کو نظر آتے ہیں وہاں ٹھیرتے ہیں ان کا تذکرہ اپنی باتوں اپنی تاریخوں اپنے شعروں میں کرتے ہیں۔ مگر نادانی سے اس تباہی کو اتفاقی حادثہ موسمی طوفان یا آتش فشاں پہاڑوں کا سانحاتی زلزلہ کہکر مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن اصل حقیقت کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ یہ انبیاء کرام کے گستاخوں پر رب تعالیٰ کا آسمانی عذاب تھا۔ نہ یہاں کوئی آتش فشاں پہاڑ ہے نہ کوئی طوفان اُٹھتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اب کیوں نہیں ہوتا۔ اب آتش فشاں پہاڑ کہاں گم ہو گئے بات دراصل یہ ہے کہ ان عبرت ناک واقعات میں البتہ نشانیاں فقط ایمان والوں کے لیے ہیں جن کے دل ازل سے ہی نورِ ایمانی کے لیے چمک رہے تھے۔ جب ان کو ان واقعات سے عبرت دلائی گئی تو فوراً حقیقت کی تہہ تک پہنچ گئے اور اللہ رسول پر ایمان لے آئے۔ اور اچھادہ تو کچھ دور زمانے اور دور علاقے کا واقعہ ہے۔ بیشک حضرت شعیب علیہ السلام

کی دونوں قومیں۔ ایکہ اور مدین تو ابھی قریبی زمانے میں گزری ہیں اور ان کی یہ دونوں بستیاں بھی مدینہ منورہ سے فلسطین کے راستے پر قریب ہی ہیں بیشک اَن ایکہ یعنی جھاڑیوں والوں نے شرک و کفر اور کم تولنے والی خیانتوں بے ایمانیوں کے کیسے ظلم کئے۔ حضرت شعیب نے کس کس طریقے سے سمجھایا نیک پاکباز دیانتدار مومن بننے کو کہا بجز چند افراد کے سب ہی ظالم بنے رہے تو پھر ہم نے ان سے بھی سخت انتقام لیا۔ ان لوگوں نے گستاخیاں بے ادبیاں انبیاء کرام کی کیں مگر چن چن کر بدلہ ہم نے لیا۔ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ۔ اس عبارت کی تفسیر میں تین قول ہیں نمبر ۱ اور بیشک وہ دونوں یعنی حضرت لوط اور حضرت شعیب البتہ بہت بڑے امام قوم تھے اللہ کے قانون کھلے کھلے بیان فرمانے والے۔ اگرچہ ہر نبی ہی قوم کا امام اور قابلِ تعظیم تکریم اتباع اقتداء ہوتا ہے مگر خصوصیت سے ان دو کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ یہ غیر قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے اپنی برادری میں نہ تھے حضرت لوط کی برادری قوم عمالقہ تھی یہ ابراہیم علیہ السلام کی برادری تھی اور حضرت شعیب علیہ السلام کی برادری بنی اسرائیل مدین نمبر ۲ اور بیشک یہ دونوں یعنی دونوں بستیاں۔ بستی لوط اور بستی ایکہ دونوں کھلے صاف سیدھے آسان راستوں پر ہیں۔ راستے کو امام اس لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ منزلِ مقصود پر پہنچنے کا خواہش مند مسافر راستے کی اقتداء اور اتباع تقریباً اسی طرح کرتا ہے جس طرح نمازی امام صاحب کی یا پیچھے چلنے والا آگے چلنے والے کی نمبر ۳ یہ دونوں یعنی حضرت شعیب کی تبلیغ کا مرکز اور علاقہِ بعثت و نبوت دو بستیاں تھیں ایک بستی ایکہ دوسری بستی مدین۔ دونوں قریب قریب آمنے سامنے ایک ہی راستے پر تھیں یہاں صرف بستی ایکہ کا ذکر ہوا۔ دو وجہ سے اول یہ کہ عذاب کی ابتداء یہاں سے ہوئی بعد میں بطورِ انتقام مدین پر عذاب آیا۔ دوم یہ کہ ظلم میں پیش پیش یہ ایکہ والے تھے مدین والے صرف مشرک تھے بد دیانت خائن اور دھوکہ باز نہ تھے۔ نہ وہ تجارتی لوگ تھے بلکہ کھیتی باڑی اور باغات والے تھے۔ یا چرواہے۔ ان تمام قوموں سے پہلے حضرت صالح علیہ السّلام کی قوم۔ اصحابِ حجر یعنی پتھر بنانیوالی قوم تو بہت ہی طاقتور اور کاریگر تھے۔ انہوں نے بھی ہمارے ایک رسول حضرت صالح کو جھٹلایا انکار اور بے ادبی کی تو گویا تمام مرسلین انبیاء اور رسولوں کی ہی تکذیب کی کیونکہ ایک کا انکار سب کا انکار ہے اس لیے کہ پیغام اور دعوت اور تبلیغ توحید و رسالت و قانونِ الٰہی ایک ہی ہے۔ وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ اور دیں ہم نے قوم حجر کو بہت سی نئی قدرت کی آیتیں یا اس طرح کہ چونکہ ان کو اپنی پتھر سازی پر ناز تھا کہ پتھر سے بڑے بڑے مکان پہاڑوں کے اندر ہی اندر کھودتے بناتے چلے جاتے تھے۔ اور دیگر بڑے بڑے جانور تراشتے تھے تو ہم نے صالح علیہ السلام کو پتھر ہی کا معجزہ عطا فرمایا کہ اس سے ایک اونٹنی بھاگتی دوڑتی نکل آئی جس میں ہماری قدرت کی پانچ نشانیاں تھیں نمبر ۱ بہت بڑی کہ آج تک اور قیامت تک اتنا بڑا کوئی جانور پیدا نہ ہوا نہ ہو گا نمبر ۲ اونٹنی نے نکلتے ہی بہت بڑا بچہ جنا اور وہ دو دن بعد پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ روایتوں میں ہے

کہ قیامت کے قریب وہ دَابَّۃُ الارض کے نام سے نکلے گا۔ نمبر ۳ پہاڑ سے نکلنا کہ بہت بڑی چٹان پھٹی اس میں اونٹنی چیختی چلاتی نکل آئی چٹان پھر کافی دیر کے بعد اسی طرح بند ہو گئی نمبر ۴ وہ اونٹنی بستی کا سارا پانی پی جاتی تھی اور ایک دن چھوڑ کر ایک دن پانی پیتی تھی۔ اور کھاتی کچھ نہ تھی نمبر ۵ ہر روز دودھ اتنا دیتی تھی کہ بستی کے ہزاروں انسانوں کو کافی سے زیادہ ہوتا تھا۔ یا آیتوں سے مراد صالح علیہ السّلام کے دیگر معجزات ہیں جن کا ذکر نہ ہوا یا آیتوں سے قدرت کے عجائبات زمینی و آسمانی ہیں یا آیتوں سے مراد وحی الٰہی کا وہ صحیفہ ہے جو حضرت صالح پر نازل ہوا تھا۔ لیکن ان تمام آیتوں کے باوجود وہ اپنی شیطان پرستی اور ضد سے ہر چیز کا انکار کرتے ہوئے ایمان سے علیٰحدہ ہی رہے اور ان کی صنعت کاری اتنی ترقی اور کمال پر تھی کہ پہاڑوں کی چٹانیں کھود کر بڑے بڑے اور خوبصورت نقش و نگار والے گھر بناتے تھے۔ اٰمِنِیْنَ۔ امن حاصل کرنے کے لیے یا چور ڈاکوؤں سے یا سردی گرمی سے کیونکہ پہاڑ کی اندرونی جگہ غار وغیرہ اور زمین کے تہہ خانے سردی میں گرم اور گرمی میں ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ یا عذاب الٰہی سے بچنے کے لیے۔ کتنے بیوقوف تھے کہ عذاب سے بچنے کے لیے اتنی محنت مشقت کرتے تھے حالانکہ بغیر مشقت صرف نبی کے دامن میں چھپ جاتے تو بچ جاتے نبی کا آستانہ ٹوٹا پھوٹا حجرہ جو حفاظت رکھتا ہے وہ پہاڑوں کی غاریں چٹانیں نہیں کر سکتیں اور ایسا ہی ہوا کہ جب اس قومِ صالح کی تباہ کاریاں ظلم و شر اور نبوّت کی گستاخی حد سے بڑھی تو بس جبریل امین کی یا قدرتی ایک ہی دہلا دینے والی چیخ چنگھاڑ نے ان کو پکڑ لیا مل الصبح فجر کے وقت یا طلوعِ آفتاب کے وقت اور جس فن پر وہ مغرور تھے وہ ان کے کسی کام نہ آیا۔ ان کو یہ تو یقین تھا کہ ہماری یہ سرکشی ضرور رنگ لائیگی مگر ان کا خیال تھا کہ شاید قوم نوح علیہ السّلام کی طرح طوفان آئے یا قومِ عاد کی طرح زلزلہ آجائے اور زمین الٹی ہو جائے یا بارش کی طرح پتھر برسیں۔ ان تمام سابقہ عذابوں سے بچنے کی تدبیریں انھوں نے پہاڑوں کے اندر غار نما گھر بنا لیے مگر ان پر چیخ کا عذاب آیا۔ اور سب بچاؤ کے سامان ہشیاری فن کاری موٹی چٹانوں کی کوٹھیاں دھری کی دھری رہ گئیں۔ تبوک کو جاتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کا گزر راہ اسی بستی سے ہوا تھا۔ نبی پاک نے فرمایا کہ ان گھروں سے روتے اور استغفار کرتے عاجز ہوتے گزرو ہرگز تماشہ یا آثارِ قدیمہ سمجھ کر نہ دیکھنا کہیں تم پر عذاب نہ آجائے اس کوئیں کا پانی بھی پینے نہ دیا بلکہ آٹا گوندھا ہوا جانوروں کو کھلوا دیا اونٹنی والے کوئیں سے پانی لینے کی اجازت دی اور خود آپ کا اشاۃ منہ ڈھانپ کے نفرت کرتے ہوئے اپنی سواری بھگا کر گزر گئے۔ اور بستی سے باہر سب نے مقام فرمایا مسلمانوں کا سیاحِ اعظم ابن بطوطہ آٹھویں صدی ہجری میں اپنی سیاحت کے دوران اس بستی حجر سے گزرے تھے اور وہ لکھتے ہیں اس وقت تک قوم حجر کے ڈھانچے ہڈیاں بکھری پڑی تھیں اور مکان و نقش و نگار بالکل تازہ معلوم ہوتے تھے۔ خیال رہے کہ جب سے دنیا بنی ہے اس وقت سے آج تک پندرھویں صدی ہجری تک صرف سات قوموں پر آسمانی اور خدائی قہرِ الٰہی کے عذاب آئے۔ پہلا عذاب قوم نوح پر۔ ان کی بستی دمشق میں سیلاب میں غرق کرنے سے آیا حضرت عیسٰی علیہ السّلام سے تقریباً تین ہزار

ایک ہزار سو سال پہلے آپ کی قوم پانچ قبیلوں پر مشتمل تھی، نمبر ۱ قوم ود نمبر ۲ قوم سواع نمبر ۳ یغوث نمبر ۴ قوم یعوق نمبر ۵ قوم نسر قوم وُدّ اور سواع وغیرہ ان کے خاندانی باپ دادے اور بزرگ تھے۔ دنیوی بزرگی والے ان کے مرنے کے بعد ان کے بُت بنا کر پوجنے لگ گئے یہ لوگ غالباً حضرت ادریس کے زمانے میں ہوئے۔ دوسرا عذاب قوم عاد پر آیا حضرت مسیح سے دو ہزار پانچ سو سال پہلے ان کے نبی ہود علیہ السلام تھے۔ یہ مشرک کافر تھے بُت اور ستارہ پرست ان کی بستی کو آسمان تک اُٹھا کر اُلٹا پھینکا گیا۔ یا ان پر صرصر ہوا کا طوفان آٹھ دن تک جاری رہا اور ہلاک ہوئے ان کا علاقہ خلیج فارس سے حضر موت تک تھا بہت دراز قد شہ زور تھے نمبر ۳ قوم ثمود پر تیسرا عذاب آیا ان کے نبی صالح علیہ السلام تھے حضرت عیسیٰ سے چوبیس سو سال پہلے ان کی بستی وادی قریٰ مکہ پاک سے شام جاتے ہوئے راستے میں ہے یہ بھی بُت پرست اور قیامت اور سزا جزا کے منکر تھے اونٹنی کے قتل کے تین دن بعد چیخ سے ہلاک ہوئے نمبر ۴ قوم سدوم پر بھی چیخ اور زلزلہ اور پتھراؤ سے عذاب آیا۔ یہ قوم حضرت مسیح سے اکیس سو سال پہلے ان کے نبی لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے بیٹے تھے ان کی بستی دریائے لوط (بحیرہ مردار) کے کنارے شام کے جنوب میں حجاز کے راستے میں ہے نمبر ۵ قوم ایکہ نمبر ۶ قوم مدین یہ دونوں بستیاں دریائے قلزم کے مشرقی کنارے آباد تھیں۔ قوم مدین سے حضرت شعیب اہل خاندان تھے اور قوم ایکہ دوسرا خاندان تھا۔ یہ لوگ بددیانتی جھوٹ دغابازی اور کفر شرک بت پرستی میں مبتلا تھے حضرت مسیح سے سولہ سو سال پہلے ان دونوں بستیوں پر ایک ہی وقت میں چیخ کڑک گرمی اور آگ کی بارش کا عذاب آیا اس کو عذاب یوم الظلہ بھی کہتے ہیں نمبر ۷ قوم قبطی فرعون کو خدا مانتے تھے اور بت پرستی بھی کرتے تھے ان کی طرف حضرت موسیٰ مبعوث ہوئے تھے حضرت عیسیٰ سے چودہ سو سال پہلے اس قوم کو دریائے نیل میں غرق کر دیا گیا۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** تین چیزیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمتیں ہیں نمبر ۱ عقل نمبر ۲ علم نمبر ۳ ایمان۔ جس کے پاس یہ تینوں نعمتیں ہیں وہ خوش قسمت ترین انسان ہے۔ یہ فائدہ آیت لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ اور آیت لِّلْمُؤْمِنِيْنَ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ جو شخص دنیا کے واقعات کو اتفاقی حادثہ سمجھے وہ گمراہ ہے کیونکہ یہ نظریہ کفار کا ہے۔ یہ فائدہ بھی لِلْمُتَوَسِّمِيْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ ایک نبی کی مخالفت سب انبیاء عظام علیہم السلام کی مخالفت ہے کیونکہ سب کا پیغام اور تبلیغ ایک ہے۔ اسی طرح ایک صحابی کا انکار گویا سب کا انکار ہے اس لیے کہ سب کے دامن میں ایک ہی آقا کا نور صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ فائدہ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ بزرگان دین کے تبرکات فیض رساں ہیں ان کا ادب کرنا ان کی دیکھ بھال کرنی ہر مسلمان پر فرض ہے یہ مسئلہ فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ سے مستنبط ہوا۔ کہ اونٹنی رب کا کرم اور حضرت صالح کا تبرک و معجزہ تھا اس کا

دودھ بھی تبرک تھا۔ اس کا ادب اور عزت نہ کرنے سے عذاب آگیا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان کو تمام نمازوں کی پابندی چاہئے مگر خاص کر تہجد اور فجر کی نماز کا بہت ذوق شوق سے خیال رکھنا چاہئے کیونکہ اس وقت اکثر عذابِ الٰہی آتے رہے۔ اس کی پناہ اور **استغفار** اس وقت زیادہ کرنی چاہئے۔ یہ مسئلہ مُصْبِحِيْنَ داخل فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہ عذاب اتوار کے دن صبح سے شروع ہوا اور بدھ کی صبح کو ختم ہوا۔ پہلے سب کے چہرے زرد ہوئے دوسرے دن سرخ ہوئے تیسرے دن سیاہ ہوئے چوتھے دن ہلاک ہو گئے (روح البیان)

اعتراضات

ان آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی حجر والوں نے تمام رسولوں کو جھٹلایا۔ حالانکہ وادیِ حجر ایک شہر یا ایک مختصر پہاڑی علاقے کا نام تھا۔ اور اس قوم میں صرف حضرت صالح علیہ السلام ہی مبعوث ہوئے تھے۔ کوئی اور نبی کسی وقت بھی تشریف نہیں لائے اور حضرت صالح علیہ السلام کو ہی اس قوم نے جھٹلایا تھا تو پھر مُرْسَلِيْنَ جمع کیوں فرمایا گیا۔ **جواب**۔ اس قوم سے پہلے دیگر قوموں میں بہت سے انبیاء کرام تشریف لا چکے تھے اور ان کے جھٹلانے کا انجام بھی مشہور ہو چکا تھا کہ کس طرح ان پر عذاب آیا اور انہوں نے اپنے اپنے نبیوں کی کس طرح گستاخیاں کیں اور توحید و رسالت دعوتِ حق کی کس طرح مخالفت کی یہ قوم سب کچھ جانتی سمجھتی تھی مگر حضرتِ صالح علیہ السلام کے سب کچھ یاد دلانے برا انجام سمجھانے کے باوجود اس نے اپنے بڑے باپ دادوں کا ہی طریقہ اختیار کیا۔ اسی کو قابلِ تائید اور اچھا سمجھا۔ اسی بنا پر حضرت صالح کی تکذیب کرتے رہے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ ان لوگوں نے بھی سب مُرسلین کی ہی تکذیب کی کیونکہ برے کی تائید اور برے شخص کو اپنا پیشوا سمجھنا اسی کی مثل ہونا ہے۔ آج کے دور میں بھی جن بدبختوں نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیاں لکھنے والوں کو اپنا امام۔ پیشوا اور پیر مرشد مانا وہ بالکل اسی طرح گستاخ کافر ہے۔ جس طرح وہ خود لکھنے والے۔ اگرچہ کہتے پھریں کہ بھائی عیب ہم نے تو نہیں لکھیں۔ نیز ایک نبی کا انکار گویا۔ سب کا ہی انکار ہے کیونکہ دین سب کا ایک ہی ہے اگرچہ نام اور شریعت مختلف رہی ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں بستی لوط کے لئے فرمایا گیا۔ لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ بیشک وہ بستی راستے پر موجود ہے۔ اور پھر دو بستیوں کے لئے فرمایا گیا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ اس کا ترجمہ بھی وہی ہے۔ تو یہ دو طرح کے الفاظ کیوں استعمال ہوئے۔ **جواب**۔ تفسیر عالمانہ میں مفسرین کے بیان کردہ تمام تفسیری احتمالات بیان کر دیئے گئے۔ ایک یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ۔ سے مراد حضرت لوط اور حضرت صالح عَلَيْهِمَا السَّلَام ہیں۔ اور وہی اپنی اپنی قوم کی طرف تاجِ نبوت کے ساتھ امام مبین بنا کر بھیجے گئے تھے۔ لیکن اگر اس سے وہ علاقے اور بستیاں ہی مراد ہوں جیسا کہ عام مفسرین بیان فرماتے ہیں تو جغرافیائی محلِ وقوع اور موجودہ حالتوں کے اعتبار سے یہ مختلف الفاظ ارشاد فرمائے گئے۔ اور فرق ان دونوں عبارتوں میں لغوی اعتبار سے اس طرح ہے کہ سبیل مقیم کا معنی ہے آباد راستہ۔ یعنی راستہ پر اب بھی لوگ رہتے ہیں جو آتے جاتے مسافروں کو ان کھنڈرات

کے عبرت ناک تاریخی حال بتاتے رہتے ہیں۔ کہ اپنے وقتوں میں یہ کتنی گنجان وسیع اور علاقے کی بڑی منڈیاں تھیں۔ اور ایک گناہ نے جرم کے بدلے آج کیسی گور غریبانی ہوئی ہیں۔ اور امام مبین کا معنی ہے کہ ان بستیوں کے آس پاس اگرچہ دور دور تک کوئی آبادی نہیں رہی۔ مگر یہ ایسی کھلی شاہ راہ ہے کہ تقریباً ہر علاقہ کے لوگ یہاں سے گزرتے ہیں۔ اور اس کی موجودہ حالت ایسی ظاہر ہے کہ کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں یہ خود ہی اپنی حالت زار سے سب پر اپنی تاریخ بیان کر رہی ہے۔ پہلی بستی کو زلزلے سے کھنڈر بنا دیا گیا تھا اس لیے وہ سبیل مقیم ہوئی اس بستی مدین اور ایکہ کو ویران بے آباد کر دیا گیا بستی قائم رہی اس لیے یہ خود اپنی کہانی بیان کرنے والی مبین ہے۔ اور ہر مسافر اسی راہ سے منزل پر پہنچتا ہے اس لیے امام ہوئی۔ ان فرقوں کی وجہ سے دونوں جگہ عبارتیں مختلف فرمائی گئیں۔ **تیسرا اعتراض** ۔ حضرت صالح کو تو ایک اونٹنی کا ہی معجزہ دیا گیا تھا تو پھر یہاں آیٰت کیوں فرمایا گیا۔ یعنی ہم نے ان کو بہت سی آیتیں عطا فرمائیں۔ **جواب** ۔ اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ ایک اونٹنی ہی بہت سے معجزوں کا مجموعہ تھی جیسا کہ تفسیر میں تفصیل بیان کی گئی۔ دوم یہ کہ اونٹنی کے علاوہ بھی معجزے تھے مگر ان کا ذکر نہیں ہوا یا مراد ہے۔ کلام الٰہی کی آیتیں۔ اور یا لفظ آیتنا ان سب کو شامل ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم ان آیت کی تفسیر صوفیانہ اگلی آیت نمبر ۹۸ کے ساتھ کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ

اور نہ بنایا ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور اس کو جو درمیان ہے ان دونوں کے

اور ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے

اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ

مگر حکمت کے لیے اور بیشک قیامت البتہ آنے والی ہے لہٰذا معافی دیئے

عبث نہ بنایا۔ اور بے شک قیامت آنے والی ہے

الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ

رہو ان کو اچھی معافی۔ بیشک رب آپ کا وہی ہمیشہ سے پیدا کرنے والا ہے

تو تم اچھی طرح درگزر کرو۔ بیشک تمہارا رب ہی بہت پیدا کرنے والا

الْعَلِيمُ ﴿٨٦﴾ وَلَقَدْ آتَيْنَاكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِي

جاننے والا ہے اور بیشک ہم نے تمکو سات آیتیں جو دہرائی جاتی ہیں دیں

جاننے والا ہے۔ اور البتہ بیشک دیں ہم نے تمکو آیتیں بار بار پڑھی جانیوالیاں

وَالْقُرْآنَ الْعَظِيمَ ﴿٨٧﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا

اور عظمت والا قرآن۔ اپنی آنکھ اٹھا کر اس چیز کو نہ دیکھو جو

اور قرآن پاک بہت عظمت والا۔ نہ حیرت سے کھولو آنکھوں کو اپنی طرف اسکے جو

مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ

ہم نے نفع دیا جس کا خاندانوں کو ان کافروں کے اور نہ غمگین ہو ئیے پر ان سرکشوں

نفع دیا جوڑوں کو برتنے کو دی اور ان کا کچھ غم نہ کھاؤ اور

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿٨٨﴾ وَقُلْ

اور چھپا لیجیے رحمت کے پروں میں اپنے سب مومنوں کو۔ اور فرما دیجئے

مسلمانوں کو اپنی رحمت کے پروں میں سے لو۔ اور فرماؤ کہ

إِنِّي أَنَا النَّذِيرُ الْمُبِينُ ﴿٨٩﴾

بیشک اب میں ہی ہوں ظاہر طور ڈرانے والا۔

میں ہی ہوں صاف ڈر سنانے والا (اس عذاب سے)۔

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیات میں چند قوموں پر عذاب الٰہی آنے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیتوں میں بتایا جا رہا ہے۔ کہ انہوں نے ہماری خالقیت، مالکیت اور معبودیت کو نہ مانا اور اپنی زندگی کو گندا کر دیا تھا۔ اس وجہ سے ان پر عذاب آیا تو اے موجودہ قومو تم عبرت حاصل کرو۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیتوں میں گزشتہ قوموں کی صنعت کاری اور دنیوی عقل و شعور کا تذکرہ ہوا۔

اب ان آیات میں صنعتِ باری تعالیٰ کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ گزشتہ قوم والے بہت فن کار کاریگر اور بڑے بڑے دولت مند ہوئے مگر نافرمانی پر جب عذاب آیا تو بجز دامنِ نبی کے کوئی ان کو نہ بچا سکا دہی بچا جو نبی کے غلاموں میں شامل ہوا۔ اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ آپ اپنی نظرِ رحمت وکرم اور خواہشِ ایمان کی نگاہ اس طرف نہ فرمایئے کہ شاید وہ اپنی دولت وقوت سے اسلام کو فائدہ پہنچائیں گے اور نہ ان کے ذِین رہنے پر غم فرمایئے۔ کیونکہ ناجائز اور حرام کی دولت وقوت حرام طرف ہی جاتی ہے۔

شانِ نزول ایک مرتبہ یہود بنی قریظہ اور بنی نضیر عیسائیوں کا بہت مال تجارت وغیرہ کے نفع سے آیا جس میں جواہرات خوشبوئیں اور غلے تھے مساکین صحابہ نے دیکھ کر صرف بارگاہِ نبوت میں کچھ حسرت کی باتیں کیں اور عرض کیا کاش اتنا مال ہم کو ملے تو ہم دین کی خوب خدمت کریں اور ثواب کمائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ افسردہ ہوئے اور خیال کیا یہ حسرت ان کو کیوں ہوئی تب یہ آیت نمبر ۸۸ تا ۹۰ نازل ہوئیں (تفسیر صاوی) روح البیان نے فرمایا کہ سامان اور دولت سردارانِ مکہ کے پاس آیا تھا۔ جس کی غریب مسلمانوں نے شکایت کی تھی یہ قول زیادہ صحیح لگتا ہے کیونکہ یہ ساری سورۃ مکی ہے جنہوں نے پہلا قول تسلیم کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ چار آیتیں مدنی ہیں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا۔

تفسیر نحوی وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَاۤ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۔

واو ابتدائیہ مَا خَلَقْنَا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مخاطِب اللہ تعالیٰ ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے خَلْقٌ سے بنا ہے۔ ہر حال متعدی ہوتا ہے۔ بمعنی پیدا کرنا۔ الف لام استغراقی سَمٰوٰت اسم جمع مونث سالم سَمَاءٌ کی اس لیے بحالتِ فتح کسرہ ہے۔ مفعول بہ ہے خَلَقْنَا کا واو عاطفہ الف لام استغراقی اَرْض اسم مفرد منصرف صحیح ہے معطوف تابع ہے سَمٰوٰت کا اس لیے یہ بھی مفتوح ہے واو عاطفہ مَا موصولہ بَيْنَ اسم مصدر ثلاثی اَجوف یائی ہے۔ مفرد منصرف صحیح ہے اسم متمکن ہے تینوں اعراب سے آ جاتا ہے۔ بَيْنَ بَيْنَ بَيْنَ۔ لغوی ترجمہ ہے درمیان۔ اس کے ذریعے چھ فائدے حاصل کیے جاتے ہیں۔ نمبر ۱ جدائی کا نمبر ۲ وصل کا نمبر ۳ ظاہر کرنے کا نمبر ۴ دو غیر کو ایک کرنے کا (وحدت کا) نمبر ۵ سامنے ہونے کا۔ نمبر ۶ فاصلہ بتانے کا۔ اصلاً مصدر مادہ ہے لیکن کبھی یہ اسم جامد حاصل مصدر ہوتا ہے کبھی اسم ظرف بنتا ہے۔ یہاں یہی آخری معنی ہے۔ هُمَا۔ ضمیر تثنیہ مونث غائب مجرور متصل کیونکہ مضاف الیہ ہے بَيْنَ مضاف ظرفِ مکانی کا مرجع ہے زمین آسمان سمٰوٰت والارض اِلَّا۔ حرفِ استثنا متصل نے سابقہ نفی مطلقہ کو توڑا۔ ب جارہ بمعنی ہے باب سببیہ۔ الف لام زائدہ تعریفی تخصیصی حَقّ۔ اسم مفرد جامد بمعنی۔ مضبوط۔ سچا۔ درست۔ صحیح۔ حکمت۔ تدبیر۔ ضروری۔ مفید۔ حقیقت کے مطابق۔ واقعہ کے مطابق ہونا۔ واجب ہونا۔ فرض ہونا۔ جائز ہونا۔ یہاں بمعنی۔ حکمت یا مفید یا مضبوط یہ جار مجرور متعلق ہے خَلَقْنَا۔ پوشیدہ فعل کا اور جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا جب کہ مَا خَلَقْنَا جملہ فعلیہ مستثنیٰ منہ ہے واو برجائیہ اِنَّ حرف

تحقیق بمعنی یقیناً۔ الف لام عہدی ساعۃٌ اسم مفرد مؤنث۔ بمعنی وقت کا کچھ حصہ۔ زمانے کا کچھ حصہ۔ قیامت۔ یہاں یہ آخری معنی ہی مراد ہیں منصوب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے۔ لام کے بمعنی اَلبتہ تاکید یقین کے لیے۔ آتِیَۃٌ۔ اسم فاعل واحد مؤنث اَتٰی سے بنا ہے بمعنی آنا ترجمہ ہے آنے والی ہے مرفوع ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی۔ فَ سببیہ بمعنی لہٰذا۔ اِصْفَحْ باب فَتَحَ کا فعل امر صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ صَفْحٌ سے بنا ہے بمعنی معاف کرنا درگذر کرنا۔ یہاں دوسرے معنی ہیں ہے الف لام جنسی یا زائدہ صَفْحٌ اسم مصدر منصوب ہے کیونکہ مفعولِ مطلق ہے اِصْفَحْ کا۔ موصوف ہے۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ جَمِیْلٌ بروزنِ فعیل صفت مشبہ جَمُلَ سے مشتق ہے بمعنی خوبصورت۔ اچھا حسنِ سلوک بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ صفت ہے صَفْحٌ کی۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ رَبَّ اسم مفرد جامد صفاتی نام ہے باری تعالیٰ کا مضاف ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے مرکب اضافی منصوب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے ھُوَ۔ ضمیر واحد مذکر مرفوع ہے دو وجہ سے ۱۔ ماقبل اِنَّ کی خبر ہے ۲۔ مابعد کا مبتدا ہے۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ ھُوَ ضمیر منفصل نے آکر حصر کا فائدہ دیا۔ خَلَّاقٌ اسم مبالغہ بروزنِ فعّال جَوَّاد باب نَصَرَ سے ہوتا ہے خَلْقٌ سے بنا بمعنی پیدا کرنا صحیح اندازہ لگانا۔ ٹھیک بنانا۔ ترجمہ ہے بہت پیدا کرنے والا۔ بار بار پیدا کرنے والا ہمیشہ تک پیدا کرتے رہنے والا۔ الف لام اسمی عَلِیْمٌ صفتِ مشبہ ہے بروزنِ کریم عِلْمٌ سے بنا ہے بمعنی جاننا ہے۔ خبردار ہونا خبر رکھنا۔ ترجمہ ہے بہت جاننے والا یعنی ہر وقت ہر ایک کو ہر طرح جاننے والا۔ خبر رکھنے والا۔ بحالت رفع ہے صفت ہے خَلَّاق کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا کی مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اور وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یہ خیال رہے کہ لفظ خَلَّاق اور خالق صفت خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی کسی اور کو کہنا حرام ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ اِلٰی مَا مَتَّعْنَا بِہٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْھُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَکَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَاؤ حرف لام کیا یہ قَدْ اٰتَیْنَا فعل ماضی قریب صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ باب افعال سے ہے۔ اَتٰی سے بنا ہے بمعنی دینا۔ مصدر ہے اِیْتَاءٌ کَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مفعول بہ اول ہے سَبْعًا۔ اسم مفرد عددی ہے نکرہ متمکن ہے۔ مؤنث کے لیے ہوتا ہے خلافِ قیاس ہے یعنی اس کے مذکر میں ۃ تانیث ہوتی ہے۔ مؤنث میں نہیں ہوتی ترجمہ ہے سات۔ مِن جارّہ بیانیہ یا تبعیضیہ۔ اگر بیانیہ ہو تو سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ ایک نام ہے۔ اگر تبعیضیہ ہو تو دو نام ہیں الف لام استغراقی۔ مَثَانِیْ اسم معدولہ جمع ہے واحد ہے مَثْنٰی۔ ثَنْیٌ سے بنا ہے بمعنی دو دو ہونا۔ دو کرنا اسی سے ہے اثنا۔ مَثَانِیْ اور مَثْنٰی کا ترجمہ ہوا۔ دوہرا کرنا۔ بار بار کرنا۔ چھانٹ کرنا۔ دو دو کرنا۔ بعض عجمی زبان دانوں کا خیال ہے کہ مَثْنٰی عبرانی لفظ ہے جو عربی میں منتقل ہوا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس کے بہت سے مشتقات عربی لغت اور نحو صرف میں مستعمل ہے۔ بحالتِ کسرہ ہے۔ مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور متعلق ہے۔ اٰتَیْنَا کا واؤ عاطفہ۔ القرآن۔ الف لام۔ استغراقی یعنی تمام قرآن۔ بروزن فُعْلَان۔ صیغہ مبالغہ ہے الف نون زائدتان ہے قَرَءَ سے بنا ہے یعنی بہت پڑھا ہوا ہونا قرآن بمعنی

مقروؔ ہے۔ بحالتِ نصب ہے معطوف ہے سبعًا پر موصوف ہے اَلْعَظِیْمَ صفت کا۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ عَظِیْمٌ بروزن فعیل صفت مشبہ عظم سے بنا ہے ۔ معنی بہت مضبوط۔ بہت بڑائی والا صفت ہے اس لیے منصوب ہے لَا تَمُدَّنَّ فعل نہی بانون ثقیلہ۔ خیال رہے کہ نون تاکید اپنی حالت سے کلام کی حالت کو بدلتی ہے اسی لیے نون تاکید ثقیلہ شدت اور وجوب تاکید کا اظہار کرتی ہے جب کہ نون خفیفہ جواز کا۔ نہی معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ مدّ باب نَصَرَ سے بنا ہے۔ بمعنی کھینچنا آنکھیں پھاڑ کر دیکھنا۔ للچائی نظروں سے دیکھنا۔ دراز کرنا۔ بار بار دیکھنا۔ پھیرنا پھرنا۔ یہاں یہ دو آخری معنی درست ہیں۔ اس میں اَنْتَ ضمیر مستتر ہے۔ اس کا فاعل مخاطب ہے۔ جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عَیْنَیْکَ۔ عَیْنَیْ دراصل تھا عَیْنَیْنِ تثنیہ ہے عَیْنٌ کا بمعنی آنکھ۔ یہ بہت معنی میں مشترک ہوتا ہے۔ مفتوح ہے کیونکہ مفعول بہ ہے نون کا اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ کَ ضمیر واحد حاضر مضاف الیہ ہے مجرور ہے متصل ہے اِلٰی جارہ انتہا کے لیے ہے بمعنی طرف ما موصولہ مَتَّعْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مصدر ہے تَمْتِیْعٌ۔ مَتْعٌ سے بنا ہے بمعنی دنیوی نفع دینا۔ لینا۔ پانا۔ یہاں پہلے معنی ہیں مخاطب باری تعالیٰ ہے بِ جارہ مفعولیت کی ضمیر واحد غائب کا مرجع کا ہے اَزْوَاجًا۔ اسم جمع مکسر۔ واحد ہے زَوْجٌ۔ مراد ہیں خاوند بیوی۔ یعنی ایک گھریلو خاندان مع اولاد لفظ ازواج جب مضاف نہ ہو تو بمعنی جوڑا ہے۔ یعنی خاوند بیوی۔ جب مضاف ضمیر مذکر ہو تو بمعنی بیویاں اور جب مضاف ضمیر مؤنث کی طرف ہو تو بمعنی خاوند ہوتا ہے۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے مَتَّعْنَا کا مِنْ جارہ تبعیضیہ ھُمْ ضمیر جمع کا ازواجًا ہے جار و مجرور متعلق دوم ہے واؤ ابتدائیہ لَا تَحْزَنْ۔ فعل نہی معروف صیغہ واحد مذکر حاضر حُزْنٌ سے بنا ہے بمعنی غمگین ہونا علٰی جارہ فوقیت کے لیے ہِمْ ضمیر کا مرجع اَزْوَاجًا۔ واؤ عاطفہ۔ اِخْفِضْ فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ باب ضَرَبَ سے ہے خَفْضٌ کے معنی۔ نرم ہونا۔ نرم کرنا۔ پناہ دینا یعنی مشکل کشا حاجت روا بننا۔ جَنَاحَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی پر۔ بازو۔ ہاتھ دامن مخفقت۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ کَ ضمیر واحد مذکر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ اِخْفِضْ کا۔ لام جارہ نفع کا مُؤْمِنِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم ہے اس کا واحد مُؤْمِنٌ۔ باب اِفعال کا اسم فاعل اِیْمَانٌ۔ مصدر ہے۔ اَمْنٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے مسلمان لوگ۔ جار مجرور متعلق ہے اِخْفِضْ کا وَقُلْ اِنِّیْ اَنَا النَّذِیْرُ واؤ عاطفہ جملہ قُلْ فعل امر حاضر معروف اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اگلی سب عبارت اس کا مقولہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل اس کا اسم ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم منصوب منفصل اس کی تاکید ہے اَلنَّذِیْرُ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ نَذِیْرٌ۔ بابِ کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ ہے نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرانا۔ خوف دلانا۔ بچانا الف لام اسمی۔ مُبِیْنٌ۔ اسم فاعل ہے باب اِفعَال کا صیغہ واحد مذکر۔ یہ دونوں موصوف صفت خبر ہیں۔ اِنَّ کی مُبِیْنٌ اسم کا ترجمہ ہے کھول کر بیان کرنے والا اِبْیَانٌ اور اِبَانَۃٌ ۔ اس کا مصدر ہے۔ بَیْنٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ظاہر ہونا۔ ظاہر کرنا۔ بیان کرنا۔ روشن ہونا کرنا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِیَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِیْلَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ اے تاقیامت دنیا بھر کے نافرمانو بے دینو کافرو تم نے دیکھ سن ہی لیا کہ سابقہ نافرمان مغرور گستاخ قوموں سے ہم نے کیا سلوک فرمایا آسمان و زمین کے کیسے کیسے عذاب ان پر وارد ہوئے تباہ و برباد ہو کر فنا ہو گئے بالکل کو زمین و آسمان کی کسی چیز نے بھی پناہ نہیں دی نہ پہاڑ انکو بچا سکے نہ پہاڑی گھروں غاروں میں چھپنا انکے کام آیا یکفار اپنے ہر گمان میں غلط ثابت ہوئے ہمارے انبیاء کرام نے جس جس عذاب عتاب کی خبر دی تھی وہ ہو کر رہی اسکی وجہ یہ نہیں کہ ہم رحیم اور غفور نہیں ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ ہم نے آسمان اور زمین اور جو کچھ ان ساتوں آسمانوں زمینوں کے درمیان ہے وہ صرف حق کے لیے پیدا کیا ہے۔ اگر یہ حق پرست ہوتے تو کبھی فنا نہ ہوتے بلکہ آسمان اور زمین چاند سورج پہاڑ دریا شجر حجر انکے لیے مسخر ہو جاتے اور پتھر ان کو سلام کرتے کسی پتھر کی کیا جرات تھی کہ انکو لگتا یا ہلاک کرتا کوئی پانی انکو ڈبو نہ سکتا بلکہ بحر ظلمات میں گھوڑے دوڑا دیتے۔ دریاؤں پر مصلے بچھا لیتے ہواؤں پر کھڑاؤں اڑا دیتے اس عالم کائنات میں ابدی امن صرف ان کو ہے جو انبیاء کرام کے لائے ہوئے پیغام حق کی حمایت کرتے ہیں انکو کبھی تباہی بربادی اور فنا نہیں وہ تو قبریں جاکر بھی زندہ ہیں۔ عذاب دنیوی صرف ان پر آتا ہے جو حق تعالیٰ کے منکر ہوئے اور اپنے پرایوں پر ظلم کرتے رہے۔ شرک۔ بددیانتی۔ بدکاری گستاخی۔ غرور اور کفر و بے غیرتی میں زندگی گزارتے رہے اور یہ دنیوی آسمانی مذکورہ عذاب کوئی ان کے جرموں کا بدلہ نہیں تھا بلکہ یہ ظلم کو روکنے اور آئندہ کے لیے عبرت تھا پورا بدلہ تو قیامت میں ہی ہوگا۔ اور بیشک قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ تو اے پیارے نبی ان موجودہ کفار مکہ کی گستاخیوں اور حق سے روگردانیوں پر ملال نہ فرمائیے۔ اور جلال نبوت کا اظہار فرماتے ہوئے ان پر قوت خداداد نہ آزمائیے بلکہ اخلاق کریمانہ اور خلق عظیم کے جمال سے نوازیئے اور فی الحال درگزر کرتے ہوئے غضب الٰہی و عذاب آسمانی سے بچائیے بیشک آپ کا رب تعالیٰ ہی ان کو اور تمام کائنات کو پیدا کرنے والا ہے جو مٹا بھی سکتا ہے بنا بھی سکتا ہے اور چونکہ خالق ہے اس لیے مخلوق کے ہر حال ہر عمل کو ہر وقت جانتا ہے۔ ان کفار پر حسب سابق دنیا میں آسمانی عذاب نہیں آئے گا کیونکہ سابقہ عذاب آئندہ دیگر انبیاء کی نافرمان امتوں کیلئے عبرت بنایا جاتا تھا مگر اب نہ کوئی نبی آئے گا نہ کوئی دوسری امت ہو گی۔ ان کو امیری سرداری اور دولت عیش و عشرت منا ہماری رضا کی دلیل نہیں ان دولتوں اور سرمایہ داری کو دیکھ کر نہ ان دنیا پرستوں کو مغرور ہونا چاہیے نہ اے ہمارے پیارے مسلمانو تم کو مغموم ہونا چاہیے کیونکہ یہ دنیا تو گندگی حرام ناپاک ہے اور فانی ٹھکرے ہیں۔ حالانکہ بیشک ہم نے اے حبیب کریم نبی رحیم آپ کو اور آپ کے ذریعے وسیلے طفیل سے تاقیامت ہر مسلمان کو اتنے بڑے خزانے ابدی دین دنیا کو سجانے والے موتی عطا فرمائے ہیں جو سبع مثانی اور پورے قرآن مجید کی شکل

میں پیش بہا رب کا آخری دائمی تحفہ عظیم ہے۔ لہٰذا لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ قطعاً نہ توجہ فرمایئے اپنی آنکھوں سے اس ساز و سامان کی طرف جس کا عارضی نفع دیا ہم نے اُن مختلف کافر خاندانوں کو۔ آپ کا یہ توجہ کرنا نہ قہر سے ہو کہ سرکشوں کو یہ دولت کیوں مل گئی نہ اس فکر سے ہو کہ کہیں یہ دشمنِ اسلام اپنی اس دولت سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچائیں یہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اور مسلمانوں کی حالتِ عزیب دیکھ کر ملال کرو اور نہ ہی کفار کی خر مستی دیکھ کر۔ اسلام نہ لانے پر غم فرماؤ بلکہ مسلمانوں کی قسمت پر خوشی فرمایئے کہ آپ ہی کی برکت و طفیل سے تا قیامت ہر مومن کو کونین کی دولت سبع مثانی اور قرآنِ عظیم مل گیا مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں لَا تَمُدَّنَّ کی نہی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو ہے اور یہ تسلی اور غم دور کرنے کے لیے ہے اس لیے کہ نبی کریم کو تو دنیا کی رغبت ابتداء ہی سے نہ تھی متعدد احادیث میں دنیا سے بے رغبتی کی تلقین نبی پاک اپنی امت کو فرماتے ہی رہتے تھے اور خود آپ ہمہ وقت دریاؤں ہواؤں بارشوں سے زیادہ سخاوت فرماتے ہی رہتے تھے۔ یہ نہی صرف امت کی خاطر رنجیدگی دور کرنے کے لیے ہے۔ اور اس لیے ہے کہ اے پیارے غمخوار و غمگسار نبی کفار کے بندہ دنیا بننے کی حسرت نہ فرمایئے بلکہ اپنے جان نثار مخلص سیدھے سادے بھولے بھالے مظلوم مومنین کو اپنے رحمت کرم محبت شفقت کے عالمگیر پروں میں پناہ دیجئے تاکہ دنیا و آخرت کی مصیبت۔ تکلیف بے اطمینانی حسرت۔ غبطہ رشک تمام فکروں سے آزاد ہو جائیں۔ کیسی خوش بختی ہے ہم امتیوں کی کہ سینے میں سبع مثانی ہے اور ہاتھوں میں قرآنِ عظیم اور رحمتِ عالمین کے دامن میں پناہ ہے پیاروں کو تو اپنے دامن میں چھپایئے اور منکروں سے فرما دیجئے کہ اب قیامت تک تمام اقوامِ عالم کے لیے فقط میں ہی نافرمانیِ حق تعالیٰ کے وبال سے ڈرانے والا ہوں۔ سَبْعَ مَثَانِی کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد سورۃِ فاتحہ شریف ہے دوم یہ کہ اس سے مراد قرآن پاک ہے۔ پہلے قول میں آٹھ وجہ سے سورۃ فاتحہ کیلئے سبع مثانی کہا گیا اولاً یہ کہ حدیث پاک میں اس پہلی سورت کے سات نام ارشاد فرمائے جن میں اس کا ایک نام سبع مثانی ہے۔ دوسرا نام فاتحہ تیسرا نام۔ اُمّ الکتاب۔ چوتھا نام اُمّ القرآن۔ پانچواں۔ سورۃِ حمد۔ چھٹا۔ سورۃِ رحمت۔ ساتواں نام۔ سورۃ آمین۔ دوسری وجہ یہ سات آیتیں ہیں اور بعض قرّاء حضرات نے پہلی آیت بسم اللہ کو بنایا ہے۔ اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ سے الضَّآلِّيْنَ تک ایک آیت بنائی ہے۔ لیکن اکثر مشہور قرّاء نے بسم اللہ کو شامل نہیں کیا۔ اور اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ پر چھٹی آیت بنائی۔ تیسری وجہ یہ کہ یہ سورۃ فاتحہ دو دفعہ نازل ہوئی پہلے مکہ پاک میں پھر مدینہ پاک میں اور ہر دفعہ ستر ہزار فرشتے لے کر آئے چوتھی وجہ ہر نماز میں بار بار یعنی ہر دو رکعت میں دو بار پڑھی جاتی ہے۔ پانچویں وجہ اس کے الفاظ دو دو بار آئے ہیں مثلاً اگر بسم اللہ کو پہلی آیت بنایا جائے تو لفظِ رحمٰن لفظِ رحیم دو دو دفعہ اور اِیَّاکَ دو بار صِرَاطَ دو بار عَلَيْهِمْ دو بار۔ جب کہ مثانی کا معنیٰ ہے دو دو بار ہونا چھٹی وجہ یہ کہ یہ سورت آدھی رب کے لیے ہے آدھی بندے کے لیے اس طرح

کہ پہلی آدھی میں حمد ہے دوسری آدھی میں دعا ہے۔ اس لیے دو حصے میں ہیں لہٰذا یہ مثانی ہوئی۔ ساتویں وجہ یہ کہ یہ صرف مسلمانوں کو ملی ہے پہلے کسی امت کو نہیں ملی۔ اس لیے یہ خصوصیت اور استثنا بنانے والی ہے۔ اور مثانی کا لفظ استثنا سے بھی معدول ہو سکتا ہے۔ آٹھویں وجہ یہ کہ یہ ثنا سے مشتق ہے اور اس میں نیک بندوں کی تعریف ہے دوسرے قول میں چھ وجہ سے پورے قرآنِ کریم کو سبع مثانی فرمایا گیا۔ پہلی وجہ یہ کہ حدیث پاک میں ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ کو اللہ تعالیٰ نے تورات کے بدلے سبع طُوال عطا فرمایا۔ یعنی بڑی سات سورتیں۔ بڑی اور طوال سورت وہ ہے جس میں دو سو آیتیں یا زیادہ ہوں۔ اور فرمایا مجھ کو انجیل کے بدلے تیس سورتیں عطا ہوئیں اور مجھ کو زبور کے بدلے مثانی عطا ہوئیں اور مفصل سورتیں مجھ کو زیادہ عطا ہوئیں۔ معلوم ہوا کہ پورے قرآن مجید کا نام مع فاتحہ سبع مثانی ہے اور واؤ عاطفہ نہیں تفسیر یہ ہے دوسری وجہ یہ کہ قرآن مجید میں سات قسم کا کلام ہے ۱ فرائض میراث وغیرہ اور فرض و واجبات ۲ حدود و تعزیرات ۳ تشبیہات و تمثیلات ۴ خیرات اور نیکیاں اور نیک لوگوں کا اجر و ثواب ۵ سرکش بدبخت اور شر پسند لوگوں کا ذکر اور برائیوں کی نشاندہی اس کا وبال و عذاب ۶ عبرت کی باتیں ۷ قصص خبریں۔ تیسری وجہ یہ کہ بہت سے واقعات و احکامات بار بار مذکور ہوئے چوتھی وجہ یہ کہ اس میں بڑی سورتیں سات ہیں ۱ البقرہ ۲ آل عمران ۳ نساء ۴ مائدہ ۵ انعام ۶ اعراف ۷ اس میں اختلاف ہے ایک قول میں ساتویں سورت یونس ہے۔ اور یہی صحیح ہے دوسرے قول میں سورۃ انفال اور توبہ کو ایک سورۃ شمار کرتے ہیں اس لیے کہ درمیان میں بسم اللہ شریف نہیں آئی۔ پانچویں وجہ یہ کہ پورے قرآن مجید کی سات منزلیں ہیں۔ ۹ چھٹی وجہ یہ کہ پورا قرآن کریم سات قرأتوں پر نازل ہوا۔ اور لوحِ محفوظ پر بھی سات حصوں میں لکھا ہوا ہے اگرچہ دو طرفہ اپنے دلائل ہیں مگر قوی دلائل پہلے قول میں ہیں۔ دوسرا قول اولاً تو اس لیے کمزور ہے کہ اس کا مدار واؤ تفسیریہ پر ہے حالانکہ واؤ تفسیری کہنا بھی ضعیف ہے صحیح تر یہ ہے کہ حروف تفسیری میں نحات کے نزدیک واؤ تفسیری کوئی چیز نہیں۔ دوم اس لیے کہ سات سورتیں وغیرہ ہونا جزء ہے جب کہ قرآن عظیم کل ہے جزء کو کل نہیں کہا جا سکتا۔ بعض نے اس کا جواب سورۃ یوسف کی ابتدائی آیت میں دیا کہ دیکھو سورۃ یوسف کو قرآن کہا گیا۔ مگر یہ غلط ہے وہاں بھی پورا قرآن مجید مراد ہے نہ کہ فقط سورۃ یوسف۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ۔ رب تعالیٰ کی ہر چیز حکمت اور فوائد اور منشاء باری تعالیٰ کے عین مطابق ہے کوئی چیز باطل اور بیکار نہیں خواہ وہ شئی اچھی ہو یا بری پاک ہو یا ناپاک یہ فائدہ اِلَّا بِالْحَقِّ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ رب تعالیٰ کو حق سچ اور سچا کھرا بندہ پسند ہے کیونکہ تمام آسمان و زمین اسی کے لیے پیدا کیے گئے ہیں یہ فائدہ اِلَّا بِالْحَقِّ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** ۔ آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی آغوشِ رحمت قیامت تک کیلئے

ہر مجبور بیکس بے یار بدکار مسلمان کے لیے کھلی پناہ گاہ ہے یہ فائدہ وَاخۡفِضۡ جَنَاحَكَ الخ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ قرآن مجید کی طرف پیٹھ کرنا۔ پاؤں کرنا۔ اس کو بے وضو چھونا بے غسل پڑھنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ وَالۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اسی طرح حافظ۔ عالم۔ قاری۔ شیخ ولی اللہ پیر طریقت کی طرف پیر کر کے لیٹنا بلا عذر منع ہے۔ کہ وہاں کاغذ پر قرآن پاک ہے اور یہاں سینے دل دماغ اور زبان پر قرآن مجید ہے مرشد کے سینے میں اسرار قرآن مجید ہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان کو ہر مسلمان متقی نیک عابد زاہد کی خاص کر سید کی عزت احترام واجب ہے۔ اگرچہ ضعیف مسکین ہو۔ یہ مسئلہ وَاخۡفِضۡ کی دوسری تفسیر سے مستنبط ہوا جب کہ یہ امر تمام مسلمانوں کو ہو۔ **تیسرا مسئلہ**۔ مال و دولت بذات خود پاک ہے پلید گندہ یا حرام نہیں۔ ہاں اس کی نسبت اور اضافت اس کو حرام اور پلید بنا دیتی ہے۔ لہٰذا سود رشوت ظلماً اور کافر کا مال نجس ہے اس کی طرف رغبت کرنا مسلمان کو حرام ہے۔ یہ مسئلہ لَا تَمُدَّنَّ الخ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ سبع مثانی سے مراد سورۃ فاتحہ شریف ہے اور بعض کہتے ہیں پورا قرآن مجید مراد ہے۔ جیسا کہ آپ نے بھی تفسیر عالمانہ میں لکھا ہے فرمایا جائے کہ یہ اختلاف کیوں ہے اور درست کون سی بات ہے۔ **جواب**۔ درست بات پہلی ہے۔ مگر انسانی اختلافات اپنے اپنے تفکر کا نتیجہ ہوتا ہے۔ تفکر سے دلائل اور دلائل سے اختلاف ظاہر ہوتے ہیں ان ہی دلائل کی روشنی میں یہ کہنا صحیح ہے کہ سبع مثانی فاتحہ شریف ہی کا نام ہے۔ کچھ دلائل تو تفسیر میں عرض کئے گئے مزید اس طرح ہے کہ آیت پاک میں واؤ عاطفہ قوی دلیل ہے کیونکہ معطوف علیہ معطوف کا غیر ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ یہی وہ سورت ہے جس کی سات آیتیں ہیں اور ہر آیت کے اعتبار سے اس کے تیس نام ہیں ۱ سورۃ حمد اسلئے کہ پہلا لفظ اَلۡحَمۡدُ ہے ۲ سورۃ شکر اس لیے کہ حمد شکر ہے ۳ سورۃ کنز اسلئے کہ یہ عرش سے نازل ہوئی ہے جو عالمین سے بڑا بھی ہے اور ... ۴ اور یہی ۵ سورۃ رحمت اسلئے اس میں صفات رحمت کے دو نام ہیں ۶ سورۃ ورد اسلئے کہ رحمن و رحیم کا وظیفہ پڑھا جاتا ہے ۷ سورۃ رقیہ اسلئے کہ ان دو ناموں کی ابجدی تعداد کے برابر اس سورت کے تعویذ لکھے جاتے ہیں ۸ سورۃ وافیہ اسلئے کہ اس کی دو دفعہ تلاوت سے پورے قرآن پاک کی تلاوت جتنا ثواب ملتا ہے ۹ سورۃ کافیہ اسلئے کہ اسکی تلاوت کا ثواب بنا بھر کے ہے ۱۰ سورۃ شافیہ اسلئے کہ حدیث پاک میں فرمایا گیا۔ سورۃ فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء یہ تینوں نام مَالِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کی وجہ سے ہوئے ۱۱ سورۃ مناجات۔ اسلئے کہ اس میں اِهۡدِنَا میں دعائیں ہیں ۱۲ سورۃ تعلیم اسلئے کہ اس میں رب کریم نے بندے کو مانگنے کا طریقہ سکھایا ہے ۱۳ سورۃ تفویض اسلئے بندہ اِیَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ کہہ کر سب کو رب تعالیٰ کے سپرد کر دیتا ہے ۱۴ فاتحہ اس لئے کہ اِهۡدِنَا عرض کر کے بندہ ہدایت کا دروازہ کھلواتا ہے یا یہ قرآن مجید کا دروازہ ہے ۱۵ سورۃ ام القرآن۔ اسلئے کہ تمام قرآن مجید کا خلاصہ اس میں ہے ۱۶ سورۃ ام الکتاب اسلئے کہ کسی نبی کی تلاوت اسکے بغیر نماز میں نہیں ہو سکتی نہ کسی آیت کی ۱۷ سورۃ قرآن اسلئے کہ یہ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ تک ترتیب قرآن مجید سے باہر ہے ۱۸ سورۃ صلوٰۃ اسلئے کہ حدیث پاک

میں ہے لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب ۱۸ سبع مثانی۔ اسلئے کہ یہ سات آیتیں ہر نماز میں یعنی دو رکعت میں دوبار پڑھی جاتی ہے۔ ۱۹ سورۃ اساس۔ اسلئے کہ یہ ہر نماز کی بنیاد ہے ۲۰ سورۃ دین اسلئے کہ اس میں مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ ہے ۲۱ سورۃ آمین اسلئے کہ صرف اسی سورت کے آخر میں۔ آمین کہا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ یہی وہ سورت ہے جس میں بندہ سات مرتبہ اپنے رب تعالیٰ سے کلام کرتا ہے۔ بقولہ حدیث پاک جب بندہ اسکی تلاوت کرتا ہے تو باری تعالیٰ ہر آیت پر اپنے فرشتوں سے اپنے اس بندے کا ذکر فرماتا ہے چہارم اسلئے کہ اس میں وہ سات حرف نہیں ہیں جو مختلف سورتوں میں عذاب کیلئے استعمال ہوئے ۱ ث ثبور یعنی ہلاکت کے لیے ۲ ج۔ جہنم اور جحیم کے لیے ۳ خ خزی یعنی ذلت ونقصان کے لیے ۴ ش شہیق۔ جہنمیوں کی چیخ و پکار کے لیے ۵ ز۔ زفیر یعنی جہنمیوں کے رونے کے لیے فِيهَا زَفِيرٌ وَشَهِيقٌ اور زقوم جہنمیوں کی خوراک کے لیے بھی ۶ ظ لظیٰ۔ جہنم کا ایک طبقہ ۷ ف۔ فراق کیلئے ہر دوزخی جدا بندھا ہوگا پنجم یہ کہ دنیا میں بندے سات قسم کے ہیں۔ جیساکہ یٰعِبَادِیَ کی تفسیر عالمانہ میں بیان کیا گیا۔ ہر بندے کے حال کے اعتبار سے ایک آیت ہے ششم یہ کہ اسکی تلاوت سے سات بیماریوں اور مصیبتوں سے نجات ملتی ہے۔ ۱ شہوت ۲ حرص ۳ غضب رغصہ، ۴ عزت ۵ مُہلک بیماری ۶ جہنم کے سات دروازے اس کی تلاوت کرنے والے پر بند ہو جاتے ہیں ۷ سات حرفوں والے مندرجہ بالا عذابوں سے نجات ملتی ہے ہفتم یہ کہ قرب الٰہی کے سات راستے ہیں ان سب کی چابی یہ سورت ہے اسی طرح جنت کے سات دروازے اسکو پکاریں گے کہ ہم سے گزر کر جنت میں داخل ہو جا واللہ اعلم بالصواب

دوسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيلَ پھر فرمایا گیا۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ اس ترتیب اور صفح جمیل کے بعد خلاق العلیم کی صفت کا تذکرہ کیوں کیا گیا بظاہر تو مناسب نہیں لگتا۔ **جواب** ۔ بالکل مناسب اور بہت طرح مناسب ہے۔ بڑی وجہ یہ کہ فَاصْفَحْ میں چھوڑنے کا تذکرہ ہے اور خلّٰق العلیم میں پکڑنے اور قابو میں ہونے کا تذکرہ ہے اور مخلوق کو سمجھایا یہ گیا کہ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے مجرموں گستاخوں کو معاف کرنا چھوڑنا ہمارا کام ہے مجرموں کو پکڑنا سزا دینا کیونکہ وہ رحمت عالمین ہیں۔ ہم رب العالمین ہیں۔ لیکن ان کا چھوڑنا اور چھڑانا ہماری اجازت ہمارے حکم سے ہے ورنہ یہ پکڑنے میں کمزور نہیں۔ اور ہماری پکڑ کی شان وقوت یہ ہے کہ ہم نے اپنے دست قدرت سے سب کو بنایا ہے اور کسی سے کبھی بھی بے خبر نہیں تو جو بنا سکتا ہے اور جانتا بھی ہے وہ نافرنوں کو گرفتار بھی کر سکتا ہے اس لیے یہاں دونوں آیتیں نہایت مناسب ہیں **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ کے بعد فرمایا گیا وَقُلْ اِنِّيْۤ اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ کیا نبی کریم کا نذیر ہونا مومنوں کے لیے ہے۔ کیونکہ دوسروں سے تو دور اور علیحدہ ہونے کا حکم یعنی ان کو بلانے کا بھی کوئی فائدہ نہیں ان کو چھوڑ دو فَاصْفَحْ ۔ **جواب** ۔ وَقُلْ اِنِّيْ (الخ) میں مومنوں کے لیے حکم نہیں دیا جا رہا بلکہ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ ۔ کفار سے خطاب ہے اور فَاصْفَحْ سے مراد تبلیغ بند کرنا نہیں بلکہ بددعا اور قلبی رنجیدگی سے روکا گیا تھا۔ اسی لیے مفسرین اس آیت کو آیت جہاد سے منسوخ مانتے ہیں۔ ناسخ منسوخ کا پورا تفصیلی بیان ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں مطالعہ فرمائیے۔

تفسیر صوفیانہ وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَاِنْ كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ لَظٰلِمِيْنَ
فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ وَلَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ وَ
اٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ

آیت نمبر ۱۰ اور بے شک مکافاتِ عمل کی بستیاں نگاہِ عبرت کی سیدھی صاف راہوں پر ہیں لیکن ہر کثافت نفسی سے نہیں دیکھی جا سکتیں بے شک ان مشاہداتِ بحر و بر میں اور واقعاتِ مدو جزر میں اسرارِ غیوب پر ایمانِ عقیدت لانے والوں کے لیے سینۂ صفا کو روشن کرنے والی قدرتِ صانع کی عظیم آیت ہے۔ اور بے شک شعیبِ بصیرت سرمدی کی بستیٔ ظلمات والے بھی دیانتِ اعمال و اماناتِ عبادات غفلت و کدورت کی خیانتوں کا ظلم کرنے والے تھے تو سامانِ عبرت پیدا کرنے کے لیے مومنوں کو بچا لیا اور کافروں کو ہلاک مظلوموں کو نجات دی ہم نے اور ظالموں سے بدلہ لیا۔ اس فیصلۂ قدرت میں کسی کو خوابِ غفلت سے جگانا ہے کسی کو متنبہ کرنا ہے کسی کے لیے وعدہ ہے کسی کے لیے وعید ہے کسی کی تائید ہے کسی کی تادیب ہے۔ تاکہ نفسِ امارہ کے افعال سے بچا جائے اور حالات سے عبرت پکڑی جائے۔ یہی صدورِ آدمیت کہیں بقعۂ نور ہے کہیں عذابِ یوم النشور کہیں دیارِ ظلم دھور ہے۔ دنیا ستم قاتل ہے۔ نفس مکار ہے لیکن بندہ غافل ہے۔ اے ابنِ آدم ہر عبرت ظاہر ظہور امام مبین ہے۔ بستیٔ قلب بستیٔ نفس۔ ناصح ضمیر اور ناصح دماغ سب روشن ضمیری والے پیشوا ہیں تیری آنکھ مطلق آزاد ہے حرام میں اور تیری زبان مطلق بے کلام ہیں اور تیرا جسم سست ہے کسبِ اعمال میں تیری عمر تیزی سے گزرتی جا رہی ہے اور تو غفلت میں ہے۔ بے شک پتھر دل والوں نے مکاشفاتِ ذاتِ الٰہیہ والوں کو جھٹلا دیا۔ انبیاء و مرسلین کے پاس ہمارے اصولِ شریعت متفق ہیں اور اولیاء مقربین کے پاس ہمارے اصولِ حقائق متفق ہیں۔ ایک کا انکار سب کا ہی انکار ہے۔ انسان کی بستیٔ قالبِ حجر میں ہم نے کتنی ہی سچائی کی نشانیاں پیدا فرمائی ہیں۔ مگر سختیٔ کثافتِ عقل شلِ پتھر ہے کہ نہ عبرت ہے نہ شکر ہے نہ بصیرت ہے منعمِ حقیقی سے تکبر کی نافرمانی ہے۔ آیات کا کفر ہے اور طبیعتِ خباثت کا مقدر ہے اور ضلالت لازوالی ہے۔ ہم نے ہی اس انسان کو اس کی شیر خوارگی میں آغوشِ پدر اور پستانِ مادر کی شفقانہ آیتیں عطا فرمائیں۔ مگر جوشِ جوانی کے وقت ہمارے ان ہی آیت سے منہ موڑنے والا ہے۔ ہر پیدا ہونے والے کو سینۂ مادر کی شکل میں ناقۂ صالح کی عظیم نشانِ قدرت ہم نے ہی دی ہے۔ مگر سب اعراضِ کفران کرنے والے ہیں۔ اے نادانی سے اعراض کرنے والے غافل مجلسِ عقل سے نکل کر عقلِ قلب میں حاضر باش ہو اور محفل کی پہلی صف میں بیٹھنے کی کوشش کر مقتدرِ عفو کا خریدار بن۔ امامِ مبین تیرے لیے تیرے دو قدم میں ایک قدم دنیا ہے دوسرا قدم آخرت تک رسائی ہے۔ پتھر کی طرح کسل مندنہ ہو جس نے اپنے قدموں کو ختم کر دیا اور طبیعت نے اس پر قبضہ کر لیا قلبِ صالح کی زبان و دعوت پر کان لگا کیونکہ قلبِ انسانی ہی رب کریم کا پیغام بر صداقت ہے۔ جس کی ہر دم پکار رہے کہ اے توبہ کے طلبگار تو ہم آگے آجا

اے مخلوص کے جو بازآیت الہیہ کے قریب آجاؤ محفل قلب مقام ولایت ہے. مدارج کی جگہ ہے

وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ فَمَآ اَغْنٰى عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

آیت نمبر ۸۴ دنیا عبرت کی جگہ ہے عشرت کی نہیں فکریت کی جگہ ہے غفلت کی نہیں عبدیت کا مقام ہے نظارات صنعت کا نہیں دنیا سازی میں لمحاتِ حیات ضائع نہ کرو یہ دنیا تم کو امن و عافیت نہیں دے سکتی تم سے پہلے کتنے ہی ثمود کاری گر آئے جو پہاڑوں میں گھر تراشتے تھے تاکہ قہر خدا سے امن پائیں مگر آخر کیا ہوا۔ صبح عارفین کے وقت جبکہ محبوبین پر رحمت وکرم نازل ہوتا ہے نافرمانوں پر غضب کی کڑک نازل ہوئی اور ان کی تمام کاری گری. کمائی صنعت وحرفت مضبوط گھر بار اللہ جبار وقہار کے غضب سے ان کو کچھ بھی نہ بچا سکا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اہل قلب کے لیے جائز نہیں کہ ریاکاری کے ویران گھروں میں نفس کی اجڑی بستیوں میں عبادت و ریاضت یا مجاہدات تکلفات میں معروف و مشغول ہو اگر پیارے رب کی رضا حاصل کرنی ہے تو حجرۂ قلب ہی تیری آباد بستی ہے. جس طرح عالم دہر میں موسم اور زمانے مختلف ہوتے آتے جاتے رہتے ہیں، اسی طرح دنیا کے علاقے گھر اور قانون مختلف ہوتے ہیں اور سالکین کی دنیا ان کے اپنے ہی اندر ہے۔ قالب بشریت کے حالات کیفیات عملیات. عادات مختلف ہیں شان تقویٰ کبھی عزیمت میں ہے کبھی رخصت میں ہے. اے بندو اگر تم اپنے اعضاء ظاہری کو مطلق چھوڑ دو گے تو تمہارے اعضاء باطنی بھی مطلق آزاد ہو جائیں گے . اعضاء ظاہری کو حکم قلبی پر لگائے رکھو طبیعتِ نفسانی چاہے یا نہ چاہے۔ تاکہ تم معرفین میں داخل ہو جاؤ. عارف وہ ہے جو ماسوا اللہ کی طرف متوجہ نہ ہو۔ عالم وہ ہے جو تقوے کے پانی سے شرمگاہ نفس امارہ کا استنجا اور انوارِ تجلیات کے پانی سے قلبِ مخلص کا وضو تازہ رکھے۔ جس کی یہ عادت نہیں وہ نہ عالم ہے نہ زاہد ہے نہ عارف ہے بلکہ وہ دیوانہ مجنوں ہے. سالکین کا قول ہے. کہ جب بندہ استنجا کرتا ہے تو زاہد بنتا ہے جب وضو کرتا ہے تو عالم بنتا ہے اور جب متوجہ کعبہ ہو کر نمازِ عشق میں کھڑا ہوتا ہے تو عارف بن جاتا ہے۔ یہی وہ آیت الہیہ ہیں جو مومنین معرفت کے لیے نشانِ منزل مراد ہیں اور مومنین مشاہداتِ محبوب کے لیے نشانِ قدرت جمال ہیں. لیکن ان ہی آیات ظاہرہ سے دنیا کے دیوانے دولت کے متوالے اور حقیقتِ آخرت سے بیگانے اعراض کرتے ہیں حالانکہ دنیا میں زحمت ہے دین میں رحمت ہے دنیا میں شقت ہے کہ يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ ہے اور دین میں راحت ورافت ہے کہ آغوشِ نبوت میں نازِ عافیت ہے. اے دامنِ مصطفیٰ سے دور بھاگنے والے دیوانے تو جس امن کو اپنی ہنرمندی. حکومت وثروت و دولت میں تلاش کرتا پھر رہا ہے وہ تو اسلام کے عالمگیر لہلہاتے چمن سدا بہار میں ہے۔ علاقۂ حجر کی وادیٔ گناہ میں قدم نہ رکھ وہاں تو نفسانیت کے چیخ و پکار ہے مصیبتوں کی چنگھاڑ و دھاڑ ہے۔ آخرت تو کچھ دور ہے دنیا واہ و فغاں میں بھی یہ کمائی کام نہیں آئی. ہر سو ما اغنٰی کا رونا ہے اور ہر زبان وَمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ کا آوازہ ہے ان آوازوں سے زاہدین کے دل دہلتے ہیں عارفین کے جگر گرتے ہیں اور غافلین کے سینے شق ہوتے ہیں۔ قالبِ بشریت پر نفس کی دیدہ دلیری فساد پرستی اور وسواس شیطانی

مخالفتِ قلب مقابلۂ حق صرف چند دن کا عارضی ہے۔ نتیجۂ آخری یہ ہے کہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ۔ اور نہیں پیدا فرمایا ہم نے بصیرتِ انسانی کے آسمانوں کو اور بصارتِ بشریت کی زمین کو اور جو ان کے درمیان بصیرتِ شعوری سے مکاشفاتِ باطنی ہیں اور جو کچھ بصارتِ نظری سے نظارۂ آیاتِ ظاہری ہے مگر ان حق والو کیلئے جو شعورِ کشفی حاصل کرکے صفاتِ حق سے موصوف ہو جاتے ہیں فقط انسانِ کامل اور بندۂ واصل ہی کیلئے تمام کائناتِ سماوی و ارضی پیدا کی گئی کیونکہ وہی اپنے انعامِ فطرت سے فائدہ لینے والا ہے۔ اور وہی مظہرِ کمالاتِ الٰہی ہے۔ اُولی الالباب کیلئے ہی دنیا و ما فیہا ہے۔ اخلاقِ الٰہیہ کا خزانہ وخزینہ وجودِ انسانی ہے۔ لبادۂ انسانیت کے چھلکے میں صفاتِ الٰہیہ کا مغز ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ارواحِ جسم آسمانِ اعلیٰ ہے اور جسم کا ڈھانچہ زمینِ بشری ہے اور ان کے درمیان نفوس اور قلوب اسرار و خفیات ہیں۔ اور اس تمام کی مقصدِ خلقت۔ حق یعنی مظہر و منفذ و مصدر ہے۔ اور رب تعالیٰ کی صفاتِ کمالیہ جمالیہ کا مرکزی میدان۔ انسان ہے۔ رب تعالیٰ کے تمام قانون۔ قدرتیں اور تمام صفاتِ فعلی انسان پر ہی ظاہر ہوتے ہیں باقی مخلوق پر انسان کے تابع ہو کر۔ گویا کہ انسان مبانیۂ باطنی اور معائنۂ ظاہری کیلئے رب کا بنایا ہوا آئینہ ہے اسی کے باطن میں تذکیہ ہے اسی میں تصفیہ ہے۔ یہیں خلوت یہیں جلوت اسی میں انا اسی میں فنا اسی جگہ شہودِ ھُوِیَّت ہے اور اسی جگہ تجلیِ ربوبیت ہے اسی قالب سے اَنَا الْحَق کا نعرۂ مستانہ بلند ہوتا ہے اور یہیں سے سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ کے آوازے آتے ہیں۔ اور بیشک ان تمام کائناتِ بشریت پر قیامتِ عشق آنے والی ہے طالبِ صادق کے نفسِ امارہ کیلئے اور عنقریب ذکرِ خفی کے گردش سانس سے صور پھکنے والا ہے اور ریاضتِ عبادت والو کے مجاہدات کے زلزلوں سے نفس کے کلیجہ پھٹنے والے ہیں اور غفلت و مکر کے سکر میں پڑے ہوئے اپنی قبورِ خلوت گاہ سے نکلنے والے ہیں اور طلب و صدق و اجتہاد اور امراض کے نتیجۂ قلبی سننے کے لیے محشرِ عشق و محبت کے میدان میں جمع ہونے والے ہیں۔ اور بہت جلدی نفوسِ خبیثہ کو کثرتِ اجتہاد اور مشقتِ ریاضات کی موت آنے والی ہے اور موتِ نفس ہی اس کی قیامتِ صغریٰ ہے۔ لہٰذا اے طالبِ صادق اپنے نفسِ امارہ سے درگزر فرما اور عشقِ الٰہی کا بوجھ اس پر ڈالنے کی کوشش کر وہ ذلیل و نکما پر کالہ اس نعمتِ عظمیٰ کا بوجھ نہ اٹھا سکے گا۔ اس کو درسِ عبرت کا کوئی خادم نہیں۔ عنقریب قیامتِ عشق میں تذکیۂ عشق سے آنِ واحد میں وہ کچھ حاصل ہو جائے گا جو کئی سالوں کی مشقتِ مجاہدہ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ عشق جذبۂ الحق ہے۔ حدیث میں ہے کہ ثقلین کے اعمال کل ایک میزان میں اور واحد عشقِ الٰہی اور محبتِ مصطفائی دوسرے پلے میں تو وزن عشق کا زیادہ ہوگا۔ مولیٰ علی نے فرمایا کہ صفحِ جمیل یہ ہے کہ گناہوں سے روگردانی کر خطاؤں سے معافی دینا۔ نہ جھڑک ہو نہ شرمندہ کرنا۔ ہاں پیار و شفقت سے سمجھانا بدستور ہو۔ احسان کرکے بھولنا اور تکلیف پاکر بھلا کرنا صفحِ جمیل ہے۔ بیشک تیرا رب ہی صورتِ معنوی و حقیقی کا پیدا کرنے والا ہے۔ ہر شخص کی بدخلی

بد عملی اسی کا گناہ ہے اور وہ ازل سے ابد تک ہر شی کو جاننے والا ہے۔ اور علیم ہے مظہر صفات کا خلاق ہے مظہر ذات کا وہی اللہ پیدا کرنیوالا ہے حقائق کا جاننے والا ہے خلائق کا۔ خالق ہے شعورِ قلب کا عالم ہے فتورِ نفس کا۔ خلاق ہے مومن و کافر کا علیم ہے حکمت فہم کا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْهِمْ وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِیْنَ وَقُلْ اِنِّیْۤ اَنَا النَّذِیْرُ الْمُبِیْنُ اور اے پیارے نبی کتنا کرم ہے آپ پر اور آپ کے وسیلے سے تا قیامت آپ کی امت کے اولیا علما پر کہ بیشک ہم نے آپ کو اپنی صفات میں سے سات صفتیں عطا فرمادیں جو بار بار آپ پر وارد اور نازل ہوتی ہیں ۱ حیاتِ ابدی ۲ علم ۳ قدرت ۴ ارادہ ۵ بصر ۶ سمع ۷ کلام۔ یہ صفاتِ اصولیہ وجودِ قلب پر بھی ہیں اور وجودِ حقانی کے مقام تجار پر بھی ہیں۔ اور یہی صفات ذاتِ باری تعالیٰ کی بھی ہے اور عبدِ ربانی کی بھی یہ صفات سبع بھی مثانی بھی ہیں۔ اس لیے کہ مظہرِ ذات بھی ہیں مظہر صفات بھی۔ اور ہم نے عطا کیا سینۂ پاکِ مصطفیٰ ہیں خلقِ عظیم کا قرآن کریم صدرِ منور جامع جمیع صفات کما یہ ہے تمام کائناتِ رطب و یابس اسی کتابِ مبین میں ہے اس کے اخلاق ایک حقیقت قائم ہیں اور جب ہم نے اپنے بندۂ مخلص کو ان لازوال نعمتوں سے بلا عوض نوازا ہے تو اے بندے اس کا شکر یہ احسان مندی یہ ہے کہ اپنی چشم جسمانی کو ان بدنصیبوں اور حجابِ محرومی میں پڑے ہوؤں کی طرف نہ پھیر دے اور نہ ہی اپنی عین روحانی نگاہ ایمانی سے ان کے باطن کی غلاظتوں کی طرف توجہ کر یہ عارضی چند گھڑیوں کی خانہ سازی ساز و سامانی عشق و مستی ہے اس دنیا و دون میں ہر باطل کو کچھ مدت دی جاتی ہے یہاں نمرود کی حکمرانی۔ فرعون کی ہذیانی کے روح سوز نظارے ہوتے ہی رہتے ہیں۔ یہاں باطل کو عیش حق کو طیش ملتا ہی رہتا ہے یہاں کا شمر لعین۔ تجلیاتِ انوارِ حسین کے سینے پر سوار ہوتا ہے مگر لَا تَحْزَنْ تو ان حالات سے غمگین نہ ہو نفس و نفسانیات کی حالتِ زار پہ رنج نہ کر ہاں اپنے ذکر و اذکار سے دل لگی ملنے والے حق پرستوں کو دامنِ عبادت کے پروں میں لے آ۔ اور ہر ما سوا اللہ سے آنکھ موڑ لے۔ یا اے نبی شاکرین کو مقامِ شکر کے پروں میں پناہ دے تاکہ مومنین حاضر ہو جائیں اور ہم نعمتیں اسرار کی دیں کہ حقیقی نعمت توفیقِ خیر ہے نہ کہ دنیوی ساز و سامان اے قلبِ سعید جب مقامِ محبوبیتِ کبریٰ میں پہنچ جائے تو اپنے انوار کے پروں کو اعضاء ظاہری و باطنی سے بچھا دے تاکہ انکو بھی اپنی ہمتِ عالیہ سے مقامِ محبوبیت تک پہنچا دے اس لیے کہ تیرے باطن میں انوارِ مصطفیٰ کی جلوہ گری ہے پس جو تیری اتباع کریگا وہی محبتِ ربانی حاصل کر سکتا ہے جو بدنصیب ہو اس کو فرما دے کہ بیشک میں اشقیا کو منزل کی دوری حجاب کی بے نوری قہر زاری سے ڈرانیوالا ہوں۔ اے نادان عقل فتور اور نفس لعین کا ساتھ نہ دے بلکہ نذیرِ مبین کے دامنِ عافیت میں پناہ حاصل کرلے۔ اے میرے رب کریم مصائبِ نفس قیامت سے تو ہی بچانے والا ہے۔

★

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ الَّذِيْنَ

جس طرح پہلے کبھی نازل کیا تھا عذاب جنہوں نے کلام الٰہی کو تقسیم کرنے والوں پر یہی ہیں وہ

جیسا ہم نے بانٹنے والوں پر اتارا جنہوں نے

جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ فَوَرَبِّكَ

جنھوں نے سمجھا قرآن مجید کو بھی دانت کاٹے ٹکڑے۔ تو قسم رب کی

کلام الٰہی کو بکھرے بوٹی کرلیا تو تمہارے رب کی قسم

الربع لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ الربع

آپ کے البتہ ضرور پوچھینگے ان تمام سے بارے اُسکے جو کرتے تھے

ہم ضرور ان سب سے پوچھیں گے جو کچھ وہ کرتے تھے تو علانیہ

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾

تو بلاجھجک سب سنادو وہ جس کا حکم دیئے گئے ہو تم اور منہ پھیر لو تمام مشرکوں سے

کہدو جس بات کا تمہیں حکم ہے اور مشرکوں سے منہ پھیر لو

اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ

بیشک ہم کافی ہیں آپ کو مذاق اڑانے والوں کے مقابلے میں وہ جو بنا لیتے ہیں

بیشک ان ہنسنے والوں پر ہم تمہیں کفایت کرتے ہیں جو اللہ کے ساتھ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ وَلَقَدْ

ساتھ اللہ کے معبود دوسرا تو عنقریب جان لیں گے اور البتہ بیشک

دوسرا معبود ٹھہراتے ہیں تو اب عنقریب جان جائیںگے اور بیشک

نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿٩٧﴾ لا

جانتے ہیں ہم کہ بیشک آپ ہیں کہ غمگین پریشان ہوتا ہے سینہ آپ کا اس کی وجہ سے جو وہ کافر کہتے رہتے

ہمیں معلوم ہے کہ انکی باتوں سے تم دل تنگ ہوتے ہو

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿٩٨﴾ لا

لہٰذا آپ مشغول رہئے تسبیح میں کی حمد رب اپنے اور رہو سجدے کرنیوالوں میں

تو اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو اور سجدہ والوں میں ہو

وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿٩٩﴾ ع

اور عبادت میں رہو اپنے رب کی یہاں تک کہ آجاتے پاس آپکے یقینی فیصلہ

اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیات میں کافروں کی۔ چند بری حرکتوں کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب یہاں انکی ایک اور سخت بری حرکت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ پہلی حرکتیں ایمان لانے کے بغیر کفر کی تھیں مگر ان کفار کی یہ حرکتیں ہیں کہ ایمان لا کر پھر کفر میں چلے گئے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں قرآنِ کریم کی عظیم الشان سورت کا ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب فرمایا جا رہا ہے۔ کہ قرآن مجید جس کی سورتیں بہت عظمت والی ہیں ان کافروں نے اسکی بھی قدر نہ جانی اور ٹکڑے کرنیکی کوشش کی **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں مومنوں پر نظر کرم کرنے اور قریب رکھنے دینے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیات میں مشرکین سے دور رہنے کا ذکر ہے۔ نزول حضرت قتادہ اور حضرت ابن سائب تابعی سے روایت یہ ہے کہ آیت ۹۰ اور آیت ۹۱ کفار قریش کے متعلق نازل ہوئی مگر یہ مدنی ہے۔ اور حالت بگڑ والوں کی بیان کی جا رہی ہے۔ بعض نے کہا یہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو سہولت کے حکم مان لیتے تھے مگر سخت حکم سے جان چراتے اور انکار کرتے تھے۔

شانِ نزول۔ طبرانی اور بزاز نے حضرت انس بن مالک سے روایت کیا کہ کفار مکہ کے پانچ بڑے سردار ۱۔ عاص بن وائل ۲۔ اسود بن مطلب ۳۔ اسود بن عبد یغوث ۴۔ حارث بن قیس اور ایک ان کا بھی سردار ولید بن مغیرہ یہ لوگ پیارے آقا رحمت کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ہی پریشان کیا کرتے تھے گستاخیوں وغیرہ سے ایک دفعہ آپ

نبی کریم خانہ کعبہ میں عبادت کیلئے تشریف لے گئے تو یہ بھی آگئے اور سخت بدتمیزیاں کرنے اور گالیاں دینے لگے نبی کریم نے ان میں سے ایک کیلئے اندھا ہونے کی بددعا فرمائی تو حضرت جبرائیل نے اگر سب کو انگلی لگائی جس سے ایک کی آنکھیں ایک کا پاؤں ایک کا ہاتھ کمر اور پیٹ بہت خراب ہو گیا اور اسی بیماری میں تڑپ تڑپ کر مر گئے تب یہ آٹھ آیتیں ۹۲ تا ۹۹ نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی

كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ كَمَا۔ اسم متعلق ہے۔ دو لفظ ہیں ک جارہ حرف تشبیہ و تمثیل۔ اس میں سب کا اتفاق ہے کہ مَا اسم۔ اس میں اختلاف چار اقوال سے پہلا یہ مَا کافہ ہے دوسرا۔ ما موصلہ ہے۔ تیسرا ما مصدریہ ہے۔ چوتھا ما زائدہ۔ ترجیح پہلے کو ہے۔ ما کافہ جس کے ساتھ آئے اسکا عمل ختم کر دیتا ہے اَنْزَلْنَا۔ فعل۔ ماضی مطلق۔ معروف صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ باب افعال سے ہے۔ مصدر ہے اِنْزَالٌ۔ بمعنی نازل کرنا۔ اتارنا۔ نُزُولٌ سے بنا ہے بمعنی اترنا۔ عَلٰی جارہ فوقیت کیلئے۔ الف لام۔ اسمی مُقْتَسِمِیْنَ۔ باب افتعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ مصدر۔ اِقْتِسَامٌ۔ بمعنی بانٹنے والے۔ قسمیں کھانے والے۔ قسمیں لینے والے۔ بحالت جر ہے متعلق ہے اَنْزَلْنَا۔ کے۔ موصوف ہے۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر۔ صفت ہے ماقبل کی۔ جَعَلُوا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ہُم ضمیر جمع اس کا مرجع مُقْتَسِمِیْنَ ہے۔ باب فَتَحَ سے ہے۔ جَعْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی۔ بنا ڈالنا۔ سمجھ لینا۔ الف لام عہدی قرآن۔ اسم مفرد معدولہ الف نون زائدہ تان ہے۔ بروزن فُعْلَان قَرْءٌ سے بنا ہے بمعنی پڑھا ہوا ہونا منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ عِضِیْنَ اسم جمع مذکر سالم واحد ہے عِضَۃٌ بمعنی ٹکڑا۔ حصہ۔ دانتوں سے جھنجھوڑا ہوا منصوب ہے۔ مفعول بہ دوم ہے جَعَلُوا کا۔ فَ تعقیبیہ سببیہ ہے یا زائدہ۔ واؤ حرف جر قسمیہ (ہمیشہ قسمیہ ہوتا ہے) قائم مقام ہے اُقْسِمُ کے رَبِّ۔ اسم مفرد جامد۔ کَ اس کا مضاف الیہ ضمیر حاضر مجرور متصل ہے۔ رب مجرور ہے واؤ جارہ سے لام تاکید جواب قسم کیلئے سگر یہ علیحدہ نہیں۔ لَنَسْئَلَنَّ فعل لام تاکید با نون۔ تاکید ثقیلہ ہے مضارع جمع متکلم بمعنی مستقبل ہے باب فَتَحَ سُؤَالٌ مہموز العین سے بنا ہے۔ بمعنی پوچھنا۔ تفتیش کرنا۔ حساب لینا۔ باز پرس کرنا۔ ھُم ضمیر جمع کا مرجع مُقْتَسِمِیْنَ ہے۔ منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے۔ اسم جمع مذکر سالم تاکیدی ہے بحالت فتحہ ہے صفت تاکیدی ہے۔ عَنْ جارہ زائدہ بیانیہ بمعنی بارے میں۔ مَا اسم موصول کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ فعل ماضی استمراری۔ باب سَمِعَ سے ہے۔ صیغہ جمع مذکر غائب ھُم مستتر اس کا فاعل ہے مرجع مُقْتَسِمِیْنَ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا اور مجرور ہے۔ متعلق ہے نَسْئَلَنَّ سے اور وہ جملہ فعلیہ تاکیدیہ ہو کر جواب قسم ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۔ فَ حرف سببیہ بمعنی لہٰذا۔ اِصْدَعْ باب فَتَحَ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر صَدْعٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ کسی ٹھوس چیز میں سوراخ کرنا جس سے وہ ٹوٹ جائے یا کھل جائے

اور باطنی حصہ ظاہر ہو جاوے۔ اصطلاحی ترجمہ گھل کر بات سنا دینی خواہ رنج و غم سے دل پھٹ جائے یا خوشی سے کھل جائے۔ بِ جارہ زائدہ مفعولیت کی ہے مَا اسم موصول تُؤمَرُ باب نصر کا فعل مضارع مجہول بمعنی ماضی قریب یا حال صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر واحد حاضر مستتر اسکا نائب فاعل جس کا مرجع نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ واؤ سر جملہ عاطفہ ہے عطف ہے تابعد اَعْرِضْ کا اصْدَعْ پر جیسے پہلے قول کو ترجیح ہے اَعْرِضْ باب افعال کا امر حاضر اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

الف لام استغراقی مُشْرِكِيْنَ باب اِفعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر واحد مشرک مصدر اِشراک سے بنا ہے۔ بہر حال شریک ہے۔ بمعنی شریک کرنا۔ اِنَّا دو لفظ ہیں ہمارا۔ اِنَّ حرف تحقیق عامل ناضمیر جمع متکلم منصوب متصل اِنَّ کا اسم ہے جسکا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یقیناً۔ باب ضرب کا ماضی مطلق ہے۔ صیغہ جمع متکلم۔ مرجع اللہ تعالیٰ کَفٰی سے بنا ہے۔ بمعنی کافی ہونا ضروری ہے۔ ناضمیر جمع متکلم مفعول بہ ہے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُسْتَهْزِءِيْنَ۔ باب استفعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر بحالت نصب اَلَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ۔ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع یہ صفت ہے مُسْتَهْزِءِيْنَ کی يَجْعَلُوْنَ۔ فعل مضارع معروف مثبت باب فتح سے ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر غائب اس میں مستتر ہے۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ عقیدہ رکھنا۔ سمجھنا مَعَ اسم ظرفِ مکانی یہاں بمعنی برابر ہے۔ (سوائم) مضاف ہے۔ اَللّٰہ اسم مفرد جامد بلکہ اسم اعظم ہے۔ عَلَمِ ذاتی جامع صفات ہے۔ بحالت کسرہ مضاف ہے۔ اِلٰهًا اسم مفرد نکرہ مشتق صیغہ مبالغہ بروزن فِعَال بمعنی مَاْلُوْہٌ اسم مفعول اَلَّهُ سے بنا ہے۔ بمعنی عبادت کرنا معبود سمجھ کر اطاعت کرنا ترجمہ ہے عبادت کے لائق سمجھا ہوا موصوف ہے اٰخَرَ اس کی صفت ہے بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے يَجْعَلُوْنَ کا۔ اٰخَرَ اسم تفضیل مذکر۔ اس کا مونث ہے اُخْرٰی بمعنی بہت پیچھے رہنے والا ہر لحاظ سے پیچھے والا۔ دوسرا ہونیوالا یا اِلٰهًا جمع ہے۔ اَلِیَہ کی اَخَرٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے ہونا متاخر ہونا۔ فَ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ سَوْفَ حرفِ تقریب۔ اکثر وعید اور جھڑک کے موقعہ پر آتا ہے۔ مضارع سے پہلے ہوتا ہے اور مضارع کو مستقبل کیلئے معین کر دیتا ہے زمانہ حال کا معنی ختم کر دیتا ہے۔ يَعْلَمُوْنَ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب باب سَمِعَ يَسْمَعُ سے ہے عِلْمٌ سے بنا ہے بمعنی جاننا یہاں مستقبل کے معنی میں ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب پوشیدہ کا مرجع مُسْتَهْزِءِيْنَ ہے۔ وَاؤ سر جملہ۔ لام ابتدائیہ مفتوحہ۔ قَدْ نَعْلَمُ۔ فعل ماضی قریب صیغہ جمع متکلم فاعل اللہ ہے۔ اَنَّ حرف تحقیق مشبہ بالفعل کَ ضمیر واحد مذکر اس کا اسم منصوب۔ بقاعدۂ نحو تمام ضمیریں مبنی ہوتی ہیں انکا اعراب محلی ہوتا ہے۔ يَضِيْقُ۔ فعل مضارع معروف مثبت باب ضَرَبَ سے ہے۔ ضِیْقٌ اجوف یائی بنا ہے۔ بمعنی تنگ ہونا دل کا۔ ہاتھ کا۔ جگہ کا۔ طبیعت کا عقیدہ کا۔ نظر کا۔ یہاں مراد ہے دل کی تنگی یعنی رنج ملال غم۔ پریشانی صَدْرُ۔ اسم

معرفہ جامد اس کی جمع ہے صدور بمعنی سینہ۔ لغوی ترجمہ ہے: نکلنا کسی چیز کا۔ ہر شئی نکلنے کا مخزن قلب ہے اور قلب سینے میں اس وجہ سے سینہ کو صدر کہا جاتا ہے۔ گویا مظروف کا ظرف کو نام دیا گیا۔ بحالتِ رفع فاعل ہے یَضِیْقُ کا۔ کَ ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے۔ بِ جارہ سببیہ۔ مَا اسم موصول یَقُوْلُوْنَ۔ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب نَصَرَ سے ہے قَوْلٌ اجوف واوی سے بنا ہے بمعنی کہنا۔ مضارع بمعنی حال ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہوا۔ یَضِیْقُ کا۔ فَ حرفِ زائدہ سببیہ بمعنی لہٰذا سَبِّحْ۔ فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع اس میں مستتر ہے اس کا فاعل ہے۔ باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تسبیح۔ سَبْحٌ سے بنا ہے بمعنی پاکیزگی بیان کرنا۔ یہ ذکر خاص ہے اللہ کے لیے اس کی تسبیح ہوتی ہے۔ مطلب ہے مخلوق کی تمام عادات و خصائل سے پاک ہونا۔ بِ جارہ بمعنی مفعولیت حَمْدِ۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی ذاتی تعریف اور خوبیاں بیان کرنا۔ مضاف ہے رَبِّ اسم مفرد۔ مضاف الیہ ہے۔ ماقبل کا لہٰذا مجرور ہے اور مضاف ہے مابعد کَ ضمیر واحد مذکر کا۔ واوَ عاطفہ۔ کُنْ۔ فعل امر کَانَ فعل ناقصہ مگر یہاں تامہ ہے اَنْتَ ضمیر واحد مذکر اس کا فاعل ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ الف لام جنسی۔ سَاجِدِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب نَصَرَ سے ہے۔ مجرور ہے مِنْ سے جمع مذکر سالم بحالتِ جری ی نون مفتوحہ سے ہی اعراب لیا ہے۔ متعلق کُنْ امر کا۔ کَوْنٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ہونا۔ واوَ عاطفہ اُعْبُدْ۔ فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر۔ باب نَصَرَ سے ہے عَبْدٌ سے بنا ہے بمعنی عبادت کرنا۔ رَبَّ اسم مفرد مفتوح ہے مفعول بہ ہے اُعْبُدْ امر کا مضاف ہے۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ہے۔ ان تمام فعل امر اور کَ مذکر حاضر کا مرجع نبی کریم کی ذات پاک ہے صلی اللہ علیہ وسلم اور سمجھانا امت کو مقصود ہے حَتّٰی حرفِ جر۔ انتہاءِ غایت کیلئے ہوتا ہے۔ مگر اِلٰی کی طرح یہاں کسی ابتداء سے متعلق نہیں۔ بلکہ سابقہ حالت کا اختتام مقصود ہوتا ہے حَتّٰی کا اصل تعلق یَاْتِیَ سے ہے نہ کہ اُعْبُدْ سے۔ کیونکہ حَتّٰی کے مابعد اختتام عبادت سجود۔ تسبیح کا نہیں بلکہ تنگیِ دل کا ہے۔ یعنی یہ مطلب نہیں کہ جب یقین آجائے تو عبادت ختم ہو جائے۔ بلکہ معنی یہ ہے کہ جب یقین آجائے تو تنگیِ دل ختم ہو جائے حَتّٰی میں اَنْ مصدریہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ یَاْتِیَ فعل مضارع مثبت معروف باب ضَرَبَ سے ہے اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا منصوب ہے اَنْ ناصبہ پوشیدہ کی وجہ سے۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعول ہے۔ ترجمہ ہے تمہارے ساتھ یا پاس۔ یا مفعول بہ ہے الف لام عہدی ہے یَقِیْنُ اسم حاصل مصدر۔ بروزنِ فَعِیْلٌ یَقْنٌ سے بنا ہے۔ یہاں جامد ہے۔ بمعنی دل ماننا۔ خیالؔ۔ وہمؔ۔ گمانؔ۔ معرفتؔ۔ ادراکؔ۔ علم مشاہدہ۔ تمام ہی ماننے کے اسباب اور مثل ہیں۔ مگر یقین کا درجہ سب سے اونچا ہے۔ اور مشاہدہ عمل کی پہلی سیڑھی اور علم کی آخری سیڑھی ہے۔ بحالت رفع ہے فاعل ہے یَاْتِیَ کا۔

تفسیر عالمانہ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِیْنَ الَّذِیْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِیْنَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْــٴَـلَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ عَمَّا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ اے پیارے حبیب ان بدنصیب مذاق

بازدی کی باتوں سے رنجیدہ نہ ہوئیے ہم نے محض اپنے کرم اور محبت سے آپکو سبع مثانی کی ایسی دولت عطا کی ہے جیسے پہلے
اقوام عالم اور خاصکر یہود و نصاریٰ کو توریت انجیل نازل فرما کر دی یہی مُقْتَسِمِیْن یعنی ٹکڑے اور حصے بخرے کرنیوالے ہیں
یا اس طرح کہ یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کے باہمی مشورے سے آپ کے اور اسلام و قرآن کے خلاف مختلف گروہوں
میں تقسیم ہو گئے۔ کوئی جنگل میں راہ مسافراں پر جا بیٹھا کوئی مکے کی گلیوں سڑکوں پر معین ہو گیا۔ کوئی حرم کے دروازے
پر آبیٹھا۔ کوئی شہر کے مغربی شرقی جنوبی شمالی راستے پر معین ہو گئے تاکہ سب طرف سے آنیوالوں کو نبی کریم سے دور
رکھا جائے اور مسافروں حاجیوں کو اسلام کے خلاف ورغلایا جائے بہکایا جائے۔ یا اس طرح کہ کسی نے ہمارے نبی صلی
اللہ علیہ وسلم کو جادوگر کہا۔ کسی نے شاعر۔ کسی نے دیوانہ۔ کسی نے مسحور (جادو کیا ہوا) کہا اور اس طرح اپنی گستاخیوں کو
آپس میں تقسیم کر لیا۔ یا اس طرح کہ قرآن مجید کے کسی حصے کو صحیح کہا کسی کو غلط مان لیا کسی کے منکر ہو گئے اور اپنے کفر کو
تقسیم کر لیا۔ یا اس طرح کہ یہود و نصاریٰ جو آج ہمارے نبی محبوب کے عناد میں کفار و مشرکین سے جڑ رہے ہیں خود انہوں
نے اپنی کتابوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا کہ امیروں کے لیے قانون گھڑ لیے غریبوں کے لیے اصل قانون قائم رکھے۔ کتاب
اللہ کے کچھ حصہ کو مان لیا۔ کچھ کا انکار کر دیا کلام اللہ کو اپنی باتوں سے مخلوط کر دیا یا اس طرح کہ آج انہوں نے اپنی ہی
زندگی کو تقسیم کر دیا۔ یا اے پیارے حبیب ہم ان مذاق باز گستاخ کفار مکہ پر اسی قسم کا ہلاکت و قتل کا عذاب نازل کریں گے جیسے
ہم نے پہلے مُقْتَسِمِیْن یعنی دین سے کھیلنے والوں پر نازل کیا جنہوں نے اپنی کتابوں کی طرح قرآن مجید کو بھی دانت کاٹے ٹکڑے
کرنے کا منصوبہ بنایا ہے۔ اے حبیب کریم تمہارے رب کی قسم ہے آپ کی تسلی۔ علم الیقین یا عین الیقین یا حق الیقین کی خاطر
ان تمام کفار اور گستاخوں سے جہاں بھی ہوں بیٹھے۔ رہیں سر پر جو بھی اعمال یا باتیں کریں ایک ایک چیز کا حساب لینگے۔
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ۔ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ
مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۔ اے حبیب کریم چونکہ کفار مکہ کے ان سرکشوں نے اپنی خباثت
گستاخی اور اسلام دشمنی کی انتہا کر دی ہے۔ آخر جتنی ڈھیل ملنی تھی مل چکی۔ اب آپ کسی کی مروت نہ فرمائیے چونکہ ہمارے
ہی حکم سے آپ اب تک رکے ہوئے تھے لہٰذا اب ہم ہی حکم فرما رہے ہیں کہ تمام تبلیغ کھل کر گلی کوچوں میں فرمائیے
اور حق و باطل کو بالکل جدا کر دیجئے تاکہ اجنبی مسافروں کو جو ان سرداران کفار کے ورغلانے سے عجب تذبذب میں پڑ جاتے
ہیں حقانیت اسلام صبح فروزاں کی طرح آشکار ہو جائے۔ اور مشرکین مکہ کے ایمان کی امید نہ رکھئے نہ انکی ایذا رسانی کا
خیال کیجئے۔ اب آج کے بعد یہ آپ کا ذرہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کیونکہ بیشک انکے مقابل میں ہم آپ کو کافی ہیں۔ یہ آپکا
مذاق اڑانے والے جنہوں نے اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرا معبود بھی بنا لیا ہے۔ ابھی تک اتراتے پھر رہے ہیں مگر عنقریب
بہت ہی جلدی اپنے انجام کو جان لینگے۔ خیال رہے کہ دنیا میں چار قسم کے کفر ہوتے رہے ہیں۔ ۱ خدا تعالیٰ کی ذات کا انکار
اور یہ کہ جہان میں جو کچھ ہو رہا ہے خود بخود ہو رہا ہے اسی کو دہریت کہتے ہیں ۲ صرف بتوں کو یا چاند سورج کو خدا و معبود

ماننا۔ ۳۔ اللہ کے مددگار اور نائب معبود۔ بتوں وغیرہ کو سمجھنا۔ کہ بتوں کے بغیر خدا کی خدائی نہیں چل سکتی اللہ بڑا خدا ہے اور بت چھوٹے خدا۔ یہود و نصاریٰ کا ابنیت والا عقیدہ اسی کفر کی شاخ ہے۔ ۴۔ بتوں کو خدا کے ساتھ برابر شریک اور معبود سمجھنا۔ یہاں اسی کفر کا ذکر ہے۔ اور تمام کفریات کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیات میں موجود ہے۔ تفصیل کے لیے دیکھئے والد محترم قبلہ علیہ الرحمۃ کی کتاب علم القرآن۔ مکہ میں پانچ کافر سردار ایسے تھے جنہوں نے آقائے دو عالم سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو اور مسلمانوں کو بہت ہی ستایا تھا۔ یہی لوگ مختلف موقعوں پر جگہ جگہ کھڑے ہو کر اجنبی مسافروں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں بتایا کرتے تھے۔ اگرچہ اس کا اثر اکثر الٹا ہوتا تھا کہ جن لوگوں کو نبی کریم کا پتہ نہ ہوتا وہ بھی دشمنی آمیز باتیں سنکر دیکھنے ملاقات کرنے کیلئے چلا آتا اور چہرۂ انور دیکھتے ہی دل میں ایمان آجاتا۔ ان سرداران مکہ کا سرغنہ اور مشیر اعلیٰ ولید بن مغیرہ تھا لیکن گستاخی اور شرارتوں میں سب سے زیادہ اسود بن مطلب بن حارث تھا۔ یہ بھدی النفس تھا۔ باقی تین ساتھیوں کے نام ۳۔ عاص بن وائل ۴۔ اسود بن عبد یغوث ۵۔ عدی بن قیس اسود بن مطلب کی گستاخیوں شرارتوں اور مسلمان دشمنی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ رحمۃ للعالمین جیسے رحیم کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے کسی کو بددعا نہیں دی اس کو بددعا دی کہ مولیٰ اس کو اندھا کر دے اولاد کر دے۔ نامعلوم کونسے صحابی کو ستایا ہو گا جس سے دل برداشتہ ہو کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بددعا دی۔ روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ جبرائیل امین ساتھ تھے کہ یہ پانچوں ادھر آنکلے اور اسی طرح مذاق بازی اور گستاخی کرنے لگے۔ جبرئیل امین نے عرض کیا یارسول اللہ یہ کیسے لوگ ہیں آپ نے فرمایا کہ یہ زمین کے بدترین لوگ ہیں تب جبرئیل علیہ السلام نے کہا کہ ان پر عذاب الٰہی آنیوالا ہے۔ چنانچہ چند دن بعد ولید بن مغیرہ اپنے پیر میں ایک زہریلے تیر چبھنے سے تڑپ تڑپ کر مرا۔ اسود بن مطلب آنکھوں میں زہر باد کی وجہ سے اندھا ہوا تڑپ تڑپ کر مرا۔ عاص بن وائل پیر میں کانٹا چبھنے سے مرا۔ پیر سوج کر اونٹ کی گردن کی طرح موٹا ہو گیا تھا۔ اسود بن عبد یغوث۔ پاگل اور دیوانہ ہو گیا اور خود کو کانٹے چبھو چبھو کر مرا۔ عدی بن قیس۔ چار دن تک اپنے دماغی پھوڑے کے بدبودار پیپ کے ناک کے ذریعے بہنے سے مرا۔ یہ ہے گستاخان رسول پر رب تعالیٰ کا قہر۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰی یَاْتِیَكَ الْیَقِیْنُ اے حبیب مکرم البتہ بیشک ہم جانتے ہیں کہ کفار کے ظلم اور مسلمانوں کی مظلومیت دیکھ دیکھ کر رنج و غم اور افسوس سے یقیناً آپ کا سینہ تنگ ہوتا ہے اور دل مبارک انتہائی ملال کی گھٹن محسوس کرتا ہے کفار کی زبان درازیوں اور غریب یتیم مسلمانوں کی بارگاہ نبوت میں شکوہ شکایت فریاد و التجا ہے۔ تو اے حبیب رحیم فی الحال اس کا بہترین علاج صرف یہ ہے کہ آپ اور آپ کے متبعین اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں تسبیح کیجئے اپنے رب کی حمد کے ساتھ یا اس طرح کہ خلوت و جلوت میں سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ پڑھتے رہئے۔ یا اس طرح کہ اللہ

تعالیٰ کے انعامات کو یاد دلاتے رہیے۔ اور ان پر شکر کی تلقین فرماتے یا اس طرح کہ علی الاعلان اللہ کی صفات حمیدہ کا چرچہ و تبلیغ فرمایئے اور سجدین عابدین سالکین مسلمانوں کے ساتھ رہیے اور اکثر انکو اپنے قریب رکھئے یا اس طرح کہ پریشانی میں سجدے زیادہ کیجئے کہ سجدہ ہی ہر وقتی معراج مومن ہے۔ اور یہ سب کام بلکہ آپ کا تو ہر کام ہی عبادت ہے لہٰذا اپنے ان معمولات میں لگے رہیئے یا مسلمانوں کو لگاتے رکھئے۔ یا اس طرح نماز فرائض کے علاوہ نوافل بھی زیادہ ادا فرمایئے۔ کہ یہ نوافل ہی مسلمانوں کیلئے قرب الٰہی کا بہترین ذریعہ ہے۔ یا اس طرح کہ اپنے دین دنیا کے ہر کام میں یہاں تک کے اپنی خوشی غمی لین دین خرید و فروخت اور زندگی کے ہر نیچے اونچے موڑ پر احکام خداوندی اور شریعت اسلامیہ کے ماتحت ہو جایئے اپنی عقلیات و تفکرات دنیا چلانے کی طرف مت لگاؤ بلکہ قرآن و حدیث شریعت طریقت سمجھنے کی طرف لگاؤ۔ تمہاری دنیا شریعت پاک نے چلانی ہے۔ یہاں رب تعالیٰ نے چار حکم عطا فرمائے ایک یہ کہ تسبیح کرو۔ ۲ تحمید (حمد) کرو۔ ۳ سجدے کرو۔ ۴ عبادت کرو علماء کرام فرماتے ہیں کہ ظاہر اور علیٰحدہ علیحدہ افعال ہیں مگر باطنا یہ سب تمتہ ہیں اپنے ماقبل کا۔ کیونکہ تسبیح۔ مکمل ہوتی ہے حمد سے اور حمد کا اعلیٰ مقام اور خالص وقت سجدہ ہے اس لیئے کہ نماز کے ہر رکن میں آنکھیں کھلی ہوں تو اغیار نظر آتے ہیں اگرچہ درو دیوار ہی ہو مگر سجدے میں اغیار سے آنکھیں بند ہو جاتی ہیں کھلی بھی ہوں تو قرب کی بنا پر نظر نہیں آتا ہماری آنکھ کی یہ حالت فطری ہے کہ کثرت قرب میں بھی بیکار اور کثرت بُعد میں بھی۔ اور سجدے میں کثرت قرب ہے۔ اس لیئے یہ عبادت کا تتمہ اور مکمل عبادت سجدہ ہی ہے اے حبیب کریم کفار کی یہ گستاخیاں مذاق بازیاں فقط اس وقت تک ہیں جب تک کہ آپ کے پاس جہاد کا یقینی حکم نہیں آتا یا جب تک یہ پیش رو دار اور کے گستاخ سرکش کا مر ہلاک نہیں ہوتے یا کفار کا اپنے کفر کو اچھا سمجھنا اور اسلام و قرآن کو معاذ اللہ بُرا سمجھنا اس وقت تک ہے جب تک قیامت یقینی نہیں آجاتی۔ یا آپ کی تسبیح تحمید سجدے عبادت اس وقت تک جاری رہنی چاہیے اور یہ محنت عبودیت اس وقت تک قائم رہے جب تک کہ ہر عابد و ساجد کو وفات نہ آجائے خیال رہے کہ ویسے تو یقین علم کا انتہائی اور آخری نتیجہ ہے مگر قرآن و حدیث میں چار چیزوں کو یقین فرمایا گیا ۱ قیامت کو ۲ موت کو ۳ ہلاکت کفر کو ۴ نجات مومنین کو۔

فائدے۔ ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ کسی مسلمان کو کسی حالت میں پریشان نہیں ہونا چاہیئے۔ مولا تعالیٰ کا شروع سے ہی یہ طریقہ مبارکہ رہا ہے کہ اپنے پیاروں کو دشمنوں میں پالتا ہے۔ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کو رب نے آغوش فرعون کی پرورش میں رکھا جو آپ کا دشمن اور خون کا پیاسا تھا خانہ کعبہ کو کفار بت پرستوں کی حکمرانی میں قائم رکھا۔ آج گنبد خضریٰ مقدسہ کی پرورش فرما رہا ہے بخدیوں وہابیوں نئی خبرست اور دندناتی سلطنت ہیں حالانکہ یہ لوگ گنبدوں اور مزاروں کے بدترین دشمن ہیں۔ مگر کیا مجال ہو اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں آئے ہوئے اس مقدس متبرک گنبد پاک کی طرف بُری آنکھ اٹھا کر بھی

دیکھ سکیں خدا تعالیٰ اس سرسبز پیارے گنبد کو ہمیشہ شاداب رکھے یہ گنبد تو عرشیوں فرشیوں کے جگر کی ٹھنڈک ہے۔ یہ فائدہ اِنَّا کَفَیْنٰکَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ کوئی شخص تا قیامت قرآنِ مجید کے الفاظ و حروف نہیں بدل سکتا اور نہ ہی نعتِ مصطفیٰ علیہ التحیۃ و الثنا کو قرآن مجید سے خارج کر سکتا ہے اگرچہ نعتِ پاک کے دشمنوں اور شانِ احمد مجتبیٰ کے گستاخوں نے اپنا داؤں ترجموں تفسیروں تشریحوں میں چلا ڈالا۔ اور جگہ جگہ نعت و شان کی آیتوں میں غلط ترجمہ کر کے اپنی خیانتِ باطنی کا اظہار کر دیا مگر الفاظ میں یہ خیانت کوئی نہ کر سکا۔ حالانکہ ان کا دل چاہتا ہے کہ لفظوں کو بھی مٹا دیں اور نہ کر سکنے پر دل کو مسوس کر پیچ و تاب کھاتا ہے۔ یہ فائدہ مُسْتَهْزِءِیْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** بروں سے برائی کا بدلہ لینا سنّتِ الٰہیہ ہے خاص کر گستاخانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے گستاخی کا بدلہ سزا اور ہلاکت کی شکل میں لینا یہ فائدہ بھی مُسْتَهْزِءِیْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ درحقیقت یہ آیت سلاطینِ اسلامیہ اور اسلامی حکومت کے ذمہ داروں کو تنبیہ ہے کہ اے لوگوں اپنے تاج و تخت اور سلطنت و کرسی بچانے کے لئے ہزاروں قانون بنا لیتے ہو سب سے پہلے گستاخیٔ نبوت کی عبرت ناک سزا کا قانون بناؤ جس سے یہ شیطنیت جڑوں سے اکھڑ جائے **چوتھا فائدہ**۔ ذکرِ الٰہی عبادت سجدہ و زیری سے مصیبتیں پریشانیاں دور ہوتی ہیں۔ دل میں بہادری پیدا ہوتی ہے آقا ... صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے بھی کثرتِ نوافل فرماتے تھے مسلمانوں کو بھی یہ طریقہ اپنانا چاہیے یہ فائدہ فَسَبِّحْ کی ف تعقیبیہ سببیہ سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ تقیہ حرام ہے۔ کیونکہ حکم ہے فَاصْدَعْ۔ یعنی چھپ کر تبلیغ نہ فرماؤ خوف پریشانی دل سے نکال کر تبلیغ فرماؤ ہر مومن مسلمان ہر ملک میں ہر جگہ اپنی صورت سیرت کردار سے اسلام ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ ہر دین والا اپنے دین کا غیروں کیلئے نمونہ ہوتا ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے پوری تبلیغ فرما دی جو کہے کہ بعض احکام نہیں پہنچائے وہ گمراہ و بے دین ہے۔ یہ مسئلہ بھی فَاصْدَعْ کے حکم سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ عبادت وہ کامل ہے جس میں تسبیح تحمید اور سجدہ ہو۔ یہ مسئلہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ نماز ایسی عبادت ہے جو کسی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی۔ مسلمانوں پر مرنے تک فرض ہے۔ یہ مسئلہ حتیٰ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا ہے کَمَاۤ اَنْزَلْنَا۔ یہ کاف حرف تشبیہ ہے تشبیہ کیلئے مشبہ بہ کی ضرورت ہے اور نحوی قاعدے کے مطابق ان دونوں میں اجنبی کا فاصلہ منع ہے مگر آپ کی تفسیر کے مطابق مشبہ سبع مثانی ہے اور مشبہ بہ اَنْزَلْنَا ہے درمیان میں لَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْکَ۔ جملہ معترضہ کا فاصلہ ہے ایسا کیوں ہے

جواب۔ یہ اجنبی کا فاصلہ نہیں بلکہ یہ معناً مناسب ہے۔ چونکہ ان آیت سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی مقصود ہے اور تسلی کا پہلا سبب یہ ہے کہ کفار کی چیزوں پر توجہ اور نگاہ نہ کی جائے بلکہ ان کو حقارت سے نظر انداز کیا جائے گویا کر

یہ جملہ تکمیل تسلی ہے نہ کہ اجنبی۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا لَنَسْئَلَنَّهُمْ ہم ان کفار سے ضرور پوچھینگے اور دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے فَيَوْمَئِذٍ لَّا يُسْئَلُ عَنْ ذَنْبِهٖٓ اِنْسٌ وَّلَا جَآنٌّ ۔ کسی سے گناہ کے بارے میں نہیں پوچھا جائیگا یہ تعارض کیوں؟

جواب ۔ اس کے تین طرح جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ سوال کی نفی جن و انسان سے ہے اور یہاں سوال کا ہونا مُقْتَسِمِيْنَ سے ہے لہٰذا تعارض نہ ہوا۔ دوم یہ کہ سوال کی نفی میں معلوماتِ الٰہیہ کی طرف اشارہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی جن و انس سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اور یہاں سوال کا ہونا کفار کو ذلیل و لاجواب کرنے کیلئے ہے سوم یہ کہ حشر کے پہلے حصے میں سوال کی نفی ہے۔ اور یہاں بعد کا ذکر ہے یعنی پہلے سوالات نہ ہونگے بعد میں ہونگے۔ مگر پہلا جواب مضبوط ہے دوسرا کمزور اور تیسرا غلط ہے کیونکہ وہاں آیت میں یومئذ سے پورے یوم محشر کو شامل ہے اور پورے وقت کی نفی ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ لفظ عِضِيْنَ کی ایک تفسیر سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار معاذ اللہ قرآن مجید کو بھی مخلوط اور ٹکڑے ٹکڑے کر دینگے حالانکہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم اس کے محافظ ہیں۔

جواب ۔ اس کا جواب فوائد میں بتا دیا گیا کہ عِضِيْنَ کا معنیٰ ہے اپنے عقیدے اور بناوٹی ترجموں اور اپنی مصنوعی چھانٹ سے صرف اپنی اپنی پسند مطلب بنا کر ٹکڑے کر سکتے ہیں نہ کہ الفاظ و حروف کو یعنی کسی نے آدھے قرآن مجید کو مانا کسی نے چوتھائی کو یا کسی نے نرم آیت مان لی سختی والی نہ مانی یا اپنے مطلب کی مان لی مخالفت کی نہ مانی لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ فَوَرَبِّكَ لَنَسْئَلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اے نورِ احمدی سے منور قلب ہم نے تیرے فیوض کو نافذ کرنے کیلئے قالب جسدی کو سبع مثانی عطا فرمایا جیسا کہ پہلے نفسانی مُقْتَسِمِيْنَ کو نعمتیں دیں مگر انہوں نے بدبختی سے ٹکڑے کر دیں جو بصیرت نورانیہ حق اور باطل کو جدا کرنیوالی تھی جو وحی کا نور تھا اسی کو وجود فانی سے نوچ کر جدا کر دیا۔ تیرے رب کی قسم ہم ان لوگوں سے ضرور حساب لینگے جنہوں نے ہمارے قرآن مجید کو دانت کاٹی روٹی سمجھا۔ اور قاری حافظ عالم پیر بنے صرف روٹی کمانے کیلئے عزت و شہرت حاصل کرنے کیلئے نہ کہ ہماری رضا کیلئے جو کچھ کرتے رہے ایک ایک ذرے کا حساب ہوگا۔ یہ تو ہمارا کلام قانون احکام تھا۔ مگر تفسیر اپنی رائے سے کرتے رہے۔ الفاظ پر بس نہ چلا تو مطلب معانی کو توڑ مروڑ کر بدلتے رہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ عاشقِ جانباز تو اپنے اندر تین خصلتیں ظاہر کر دے علم اسلام خالص دین ہو کہ وہی چشمہ بقا ہے اسی چشمہ حیات کو ظلمتِ شرک سے علیحدہ کر دے غذا طیب و حلال ہو کیونکہ وادیٔ قلب کی روشنی اسی سے ہے مت صدق نیت سے اعمال ہوں یہ عشق کی پہلی معراج ہے۔ تو اپنا قدم ارادی سنبھال۔ نفس و

نفسیات کی ان ریاکاریوں سے تجھ کو بچانیوالے ہم کافی ہیں۔ لیکن جنہوں نے حلال کے ساتھ حرام۔ نور کے ساتھ ظلمت۔ عدل کے ساتھ ظلم۔ سچ کے ساتھ جھوٹ کا تعلق جوڑا وہ اپنے ان کمزور سہاروں کی اصل حقیقت کو عنقریب جان لینگے۔ یہ لوگ مُسْتَہْزِءِیْن ہیں یعنی قرآن و شریعت کے احکام کا مذاق کرنیوالے ہیں۔ انہوں نے ہی خالق کے ساتھ خلق کو شریعت کے ساتھ طبیعت کو دین کے ساتھ دنیا کو اپنا دوسرا الٰہ و معبود سمجھلیا۔ عنقریب جب نشۂ دولت اتریگا غبار دنیا چھٹیگا۔ تب عذاب فراقِ ابدی میں سب جان جائینگے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ. بیشک ہم جانتے ہیں اے ہماری محبت کی وادی میں قدم عشق رکھنے والے تیرے سینۂ مصفا میں بشریت کی کمزوری اور تنگیٔ رفتار کی رنجیدگی کو۔ اور ہم جانتے ہیں شفقت کی انتہا اور غیرت کے کمال کو۔ اور جب مسافرانِ راہ منزلِ مطلوب کے آگے خواہشات دنیوی کے کانٹے بکھیر دیئے جاتے ہیں تو اس غم کی واردات کو بھی ہم جانتے ہیں۔ اس کا علاج یہی ہے کہ اقوالِ اشرار (جو کچھ وہ کہیں) اور اعمالِ اغیار (جو کچھ وہ کریں) ان کے مقابلے آئینۂ جمال کی تسبیحیں کر دے۔ شکر کی حمد اور قرب کے سجدوں کو اپنی معرفت کی ڈھال بنالے اور اخلاص کی عبادت میں اس وقت تک مشغول رہے تاکہ جمالِ یار کا حق الیقین بلکہ عین الیقین حاصل ہو جائے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ نے بندوں کو چار چیزیں عطا فرمائی ہیں ۱ قالب ۲ قلب ۳ زبان ۴ اعضاءِ ظاہری باطنی۔ زبان چاہتی ہے کہ میں بولتی رہوں اس لیے اس کو حکم دیا گیا کہ ذکرِ اغیار چھوڑ کر ذکرِ یار یعنی تسبیح میں مشغول ہو جا۔ قلب چاہتا ہے کہ میں کسی سے عشق و محبت کروں اس لیئے اس میں حمد کی تلقین فرمائی گیونکہ حمد ہی طالب و مطلوب میں عشق پیدا کرتا ہے اور حبیب و محبوب کے وصل کا ذریعہ ہے۔ اعضا چاہتے ہیں کہ ہم کسی کی فرماں برداری میں جٹ جائیں تو ان کو پابندیٔ سجود میں جکڑ جانیکا طریقہ بتایا۔ قالب یعنی جسم انسانی چاہتا ہے کہ میں کسی کے کام میں لگ جاؤں تو اس کو سراپا عبادت کا طریقہ سمجھایا۔ جب بندہ ہمہ تن ذوق سے رب تعالیٰ کے ان فرمانوں پر عمل کرتا ہے۔ تو مشاہدۂ جمال سے سرفراز ہوتا ہے۔ پھر ہزار مصیبتیں آجائیں مصائب کے پہاڑ بھی ٹوٹ پڑیں بندے کو پتہ بھی نہیں چلتا یہ دکھ تکلیف خوف و حزن۔ رنج و غم۔ ضیقِ صدری اس وقت تک ہے جب تک نگاہیں دنیا کی طرف لگی ہوئی ہیں لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ کی منزل پر نہیں آئیں۔ مگر جب رات کی تسبیح دن کی حمد۔ آہِ سحرگاہی کے سجدوں۔ خشوعِ عبادت۔ خضوعِ ریاضت سے قلبِ سلیم چلا پایا ہے تو آئینۂ معرفت میں مشاہدہ و تجلیات ہوتا ہے۔ فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ کی تلوار لیکر اٹھتا ہے اور طوفانِ نفسانی سے ٹکرا جاتا ہے۔ یہ چاروں حکم عظیم نعمتِ یزدانی و دولت عرفانی ہے۔ جب تک حجاب ہے اس وقت تک غمِ دنیا و پریشانیٔ ناسوتی ہے۔ ان چار تلواروں سے حجابِ ظلمت کو چھاڑ دو پھر دیکھو کیا بہار آتی ہے۔ عارفین فرماتے ہیں کہ بندے کی چار منزلیں ہیں۔

پہلی منزل ۔عبادت۔ دوسری منزل۔ جب بندے کی عبادت خالص ہوتی ہے تو عالمِ ربوبیت کی روشنیاں منکشف

ہیں تیسری منزل۔ تحقیرِ دنیا۔ اس انکشافِ روشنی سے دنیا حقیر لگتی ہے۔ جب اس منزل پر بندہ پہنچتا ہے تو چوتھی منزل عدم ملتی ہے کہ دنیا کا ہونا نہ ہونا۔ دنیا کی راحت و تکلیف سب کالعدم ہو جاتا ہے احبابِ دنیا کی محبت و تعریف اور اغیارِ دنیا کے طعن و تشنیع اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ حمد یہ حقیقی ہے کہ باری تعالیٰ کو ہر عیب سے پاک مانا جائے اور ہر صفت کا جامع مانا جائے۔ جو اس حمد میں مشغول ہو جاتا ہے وہ دونوں جہان سے ، وگردان ہو گیا۔ یہ وہ مقام ہے جس کی انتہا الیقین ہے یقین کے پانچ درجے ہیں۔ ۱۔ اسم الیقین یہ عوام کی منزل ہے ۲۔ رسم الیقین۔ یہ حافظینِ نفس کی منزل ہے ۳۔ علم الیقین یہ علما کی منزل ہے ۴۔ عین الیقین یہ اولیاء اللہ کی منزل ہے ۵۔ حق الیقین یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی منزل ہے اِن تمام کی حقیقتِ مرکزی منزلِ مصطفیٰ ہے وہ بارگاہِ قدس ہے وہیں تک سب کی دوڑ ہے۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَآءِ وَ الْمَحْبُوْبِیْنَ دَآئِمًا اَبَدًا ۱۔ سورۃِ حجر کے کچھ فضائل اور وظائف حضرت حکیم الامت قبلہ والد محترم نعیمی بدایونی کے وظائف میں یہ سورۃ شامل ہے۔ خواص یہ ہیں کہ جو روزانہ بعد نماز عصر با جماعت پڑھ کر جنگل کی طرف چلا جائے اور باوضو ایک دفعہ جاتے ہوئے و دوسرے ایک دفعہ آتے ہوئے۔ اول آخر تین تین دفعہ درود تاج۔ یہاں یہ سورت مع درود تاج ختم ہو جاتے وہاں سے ہی واپس لوٹے اور اسی طرح مسجد تک پڑھتا چلا آئے یا گھر تک بشرطیکہ دوران ورد بات نہ کرے تو اتنا شعور ہوگا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پتھروں کی تسبیح سن لیگا۔ دوم۔ جب کوئی شخص کوئی چیز خریدے یا بیچے تو خریدنے کے بعد یا بیچنے سے پہلے اس مندرجہ ذیل طریقے۔ ایک دفعہ یہ سورت پڑھ کر اس چیز پر دم کرے حیرت انگیز غیبی برکت ہوگی۔ طریقہ یہ ہے کہ چیز سامنے رکھ کر ایک جگہ باوضو بیٹھ کر پڑھے اول آخر درود تاج تین دفعہ سوم۔ زعفران خالص اور گلاب خالص سے کاغذ پر لکھ کر حاملہ عورت کو یا بچے والی عورت کو پلاتے دودھ زیادہ ہو حاملہ اور بچے والے حلال جانور کو بھی پلانا مفید ہے۔ چہارم۔ اگر اس کا تعویذ کسی عامل سے لکھوا کر اپنے گھر یا دکان پر رکھے تو چوری اور آگ سے محفوظ رہے۔ غرضیکہ سرق حرق غرق کیلئے مفید ہے۔ اس کے کل عدد بحساب ابجد ۵۶۷۰۹ ہیں اس میں تکسیر نہیں ہے۔

نقش کا نقشہ یہ ہے

۵۸۹۰۴	۵۸۸۹۹	۵۸۹۰۶
۵۸۹۰۵	۵۸۹۰۳	۵۸۹۰۱
۵۸۹۰۰	۵۸۹۰۷	۵۸۹۰۲

سورۃ حجر چھ رکوعوں کی مختصر مضمون وضاحت تفسیر کا خلاصہ اور بیان

پہلا رکوع

اس میں باری تعالیٰ نے آسمان زمین چاند سورج اور دریا پہاڑ پھول پھل اور موسموں کی حیران کن تخلیق کا ذکر فرماتے ہوئے حیاتِ اُخروی کا استدلال اور قیامت حشر نشر کی دلیل اور اپنی ذاتی حکمت و علم کا ثبوت پیش فرمایا ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ آج یہ مغرور کافر اپنے مسلمان ہونے کو اچھا نہیں سمجھتے اور نہ قرآن مجید کو کلامِ الٰہی سمجھ کر مانتے ہیں حالانکہ یہ سچے قرآن کی آیتیں ہیں۔ بہت جلد دنیا میں ہی فتوحاتِ اسلامیہ دیکھ کر یا انتقالِ

موت یا قبر اور قیامت میں حسرت کریں گے کہ کاش ہم بھی بلال ابوذر اور سلمان فارسی کی طرح مخلص مسلمان بن گئے ہوتے لیکن آپ اُن کی پرواہ نہ فرمایئے چند دن ہنس کھیل لینے دو۔ ازل سے ابد تک ہرامت ہر گروہ کی موت کا ایک وقت مقرر ہے جس کو کوئی ذرہ بھر آگے پیچھے نہیں کرسکتا یہ قانون الٰہی ہے مگر اللہ کے پیارے بندے قدرت الٰہی کے مظہر ہوتے ہیں۔ وہ تقدیر معلق کو آگے پیچھے کرسکتے ہیں اسی لیے لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ میں صرف کفار کا ذکر ہے اے نبی کریم آپ کی بے مثل باتوں کو سن کر اور حیران کن اعمال دیکھ کر یہ ضدی لوگ آپ کو مجنون کہتے ہیں اور کیسے غلط بیہودہ مطالبے کرتے ہیں کہ سمجھانے بتانے کیلئے دین سکھانے کیلئے فرشتے آئیں۔ حالانکہ خود انسان ہیں انسانی طرز پر زندگی گزارتے ہیں بھلا فرشتے انسانی زندگی کا طریقہ کیا سکھا سکتے ہیں۔ گھریلو عملی زندگی فرشتے کب سکھا سکتے ہیں۔ ہمارے ملائکہ تو عام لوگوں کے پاس موت یا عذاب ہی لے کر آتے ہیں پھر مہلت نہیں ملتی۔ نیز یہ کافر بدطینت سمجھتے ہیں کہ شاید توریت زبور۔ انجیل کی طرح قرآن مجید میں بھی ملاوٹ کی خیانت کی جاسکتی ہے۔ یا شاید یہ قرآن کریم بھی کچھ عرصے بعد منسوخ کردیا جائیگا حالانکہ ایسا نہیں ہوگا کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری کا ہم نے اعلان فرمادیا ہے۔ رہی کفار کی مذاق بازی تمسخر اور اہل اللہ کی گستاخی تو یہ انکی پرانی عادت ہے ایسے بدنصیبوں کو ہم اچھائی کی توفیق دیتے ہی نہیں۔ یہ تاریخ میں سنت الٰہیہ کا پرانا مشاہدہ ہے جس کی قسمت میں ایمان نہ ہو اس پر تو اگر دن دوپہر میں بھی آسمان کے دروازے کھل جاتے فرشتوں کو چڑھتے اترتے دیکھ لیں پھر بھی کہہ دیں گے کہ یہ سب جادو کا کھیل ہے۔ **دوسرا رکوع**۔ اس میں فرمایا گیا کہ یہ کفار کیا اللہ تعالیٰ کے آسمانوں میں مزین تارے اور بارہ برجوں کی منزلیں اپنے علم ہیئت علم نجوم فلسفے سائنس کے ذریعے مشاہدہ نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ ہم نے ہی پیدا فرمایا ہے۔ اور کیا یہ کفار آسمان سے شہاب ثاقب اڑتے اور ستارہ ٹوٹتے نہیں دیکھتے اور ان کے کاہنوں کے پاس ان کے جنات فرشتوں کی باتیں چوری چھپے سن کر لیکر نہیں آتے؟ کیا یہ سب چیزیں اللہ رسول پر ایمان لانے کیلئے کافی دلیلیں نہیں۔ وہ جنات اگر ان کو نہیں بتاتے کہ آسمان پر فرشتے اللہ کی اور نبی کریم کی یہ باتیں کررہے تھے اب کونسا مطالبہ باقی رہا۔ کیا یہ فرشتوں کی گواہی نہیں ہے؟ مقصود تو ملائکہ کی تصدیق سننا ہے خواہ فرشتے خود آکر کہیں یا تمہارے بھیجے ہوئے جنات سن کر تم کو بتادیں۔ تمہارے کاہنوں کو ولادت نبوت سے پہلے ہی آمد مصطفیٰ کا جو پتہ چل گیا تھا وہ بھی جنات کے ذریعے ہی تو تھا ہمارے یہ نبی آخر الزمان کوئی نرالی بات نہیں فرماتے وہی بات وہی دلائل قدرت سناتے سمجھاتے ہیں جو ہم نے اسی زمین میدانی اور کوہستانی پانی شجر وحجر میں پھیلا دیئے ہیں جیسا کہ سیاحت وسفر کرنیوالو تم اپنے سفر منازل میں دیکھتے مشاہدہ کرتے رہتے ہو۔ اور اس ساکن و جامد زمین پر ہر چیز کی موزونیت وقت پر ہوتا ہو نپے تلے انداز سے ہونا وجود باری تعالیٰ وحدہٗ لاشریک پر ایسی دلیل ہے جس کا کوئی عقل والا انکار نہیں کرسکتا مگر تم پھر بھی نہیں مانتے یہ تمہاری ناشکری بلکہ بدقسمتی ہے مگر ہم اپنا کرم رحم پھر بھی جاری رکھتے ہیں کہ تم کو بھی اور تمہارے نوکر غلام گھریلو خدام اور بال بچوں جانور ڈنگر کتے نانوں سے ہر طرح

کا رزق و آرام و آسائش عطا فرما رہے ہیں نہ کبھی کمی ہوتی ہے نہ رکاوٹ اس لیے کہ ہمارے خزانے بھرے پڑے ہیں جن میں سے اندازے سے اُتارا جاتا ہے ہمارا تو آسمان بھی خزانہ ہے زمین بھی ہوائیں بھی بادل بھی۔ اور اس کے پانی بھی جس شکل میں چاہتے ہیں ہمارے خزانے نازل ہوتے رہتے ہیں تمہارے پاس تو اپنے کھانے کیلئے بھی کچھ نہیں ہے کسی کو کیا دو گے جب تم نہ تھے تو بھی ہم وارث تھے جب تم کو ہم نے زندہ کیا تو بھی اور اور پھر جب تم کو ہم مار ڈالیں گے تو بھی تمہارے اور کائنات کی ہر چیز کے ہم ہی رازق وارث اور مربی ہونگے اس لیے ہم تمہارے اگلوں کو بھی جانتے ہیں اور پچھلوں کو بھی تمہارے برے نیکو بھی اور تمہارے اچھے نیکو بھی۔ تمہارے باپ دادوں کو بھی اُن کے اچھے برے عقیدہ و نیکو بھی۔ یہی کچھ ہمارے نبی تم کو ہم بتا رہے ہیں۔ لہٰذا تمہارے بھلے کی بات تو یہی ہے کہ آج دنیا میں ہی اپنا ایمان لے آؤ لیکن اگر آج نہیں مانتے تو کل میدانِ محشر میں تمہارا رب سب کو جمع کر دیگا یقیناً وہ حکمت والا بھی اور علم والا بھی۔ **تیسرا رکوع**۔ اس میں فرمایا گیا کہ اے کافرو دنیا میں آخر کس چیز پر تم اکڑے اور مغرور بنے پھرتے ہو ذرا اپنی پیدائشی ابتدا تو دیکھو۔ بیشک ہم نے پیدا کیا انسان کو خمیری کالی باسی کیچڑ والی مٹی سے جو مخلوق۔ جماداتی میں سب سے زیادہ کمزور ہے اور تم سے پہلے جنات کو شعلے والی گرم آگ سے ہم نے پیدا کیا اب تم انبیاءِ اکرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے پیش کردہ سچے دین کے مقابل اپنے باپ دادوں کا بناوٹی دین پیش کرتے ہو ہر وقت کہتے پھرتے ہو ہمارے باپ دادے ہمارے بڑے۔ تم کو اپنے کن باپ دادوں پر ناز ہے۔ کیا ان پر ہی جو در در پر سجدہ کرتے پھرتے تھے ذلیل بتوں چاند سورج اور لکڑیوں درختوں کے سامنے ماتھا ٹیکتے تھے۔ ارے بدقسمتوں اگر ناز کرنا ہے تو اپنے جدِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام پر کرو جن کو ہم نے اپنے دستِ اقدس سے خلیفہ فی الارض کا ازلی ابدی شاہی تاج پہنایا جن کیلئے اپنی جنت کو بسایا۔ اور تمام ملائکہ کو ان کے سامنے سجدے میں جھکایا اور جس ابلیس نے ان کو سجدہ نہ کیا اُس کو تمہاری عزت و شان بڑھانے کیلئے ذلیل و مردود بنایا۔ تمہارے جدِ اعلیٰ حضرتِ آدم تو نہایت مقرب بارگاہِ الٰہیہ تھے اپنے اللہ معبود کو سجدہ کرنیوالے تھے۔ تم لوگوں کو انکا اور انکے دین و اعمال کا خیال نہیں ان کا احترام نہیں۔ اور بعد والے گمراہ باپ دادوں کا بڑا خیال ہے حالانکہ وہ تمہارے بُرے اسی ابلیس و شیطان کے ساتھی بن گئے جس نے تم سب کو بے دین کرکے جہنم میں ڈالنے مارنے جلانے کا عہد کر رکھا ہے تم ابلیس کے پھندے میں پھنس گئے عجب کہ ہمارے مخلص بندوں پر اُس کا زور نہیں چل سکتا اور یہ بات وہ بھی سمجھتا ہے۔ کھاتے پیتے ہمارا ہو۔ کتنا شیطان کا مانتے ہو جہنم سے نہیں ڈرتے جس کے سات دہشت ناک دروازے ہیں اور وہ ابلیس و ابلیسیوں کیلئے ہی تیار کئے گئے ہیں۔ اور بزدلی کمزوری کی حالت یہ ہے کہ دنیوی معمولی آگ و تکلیف بھی برداشت نہیں اے بیوقوفو کیوں شیطان کے ساتھ لگ کر دائمی جہنم کے اندر جاتے ہو۔ **چوتھا رکوع**۔ اس میں فرمایا گیا کہ ہمارے پیارے نبی رحمت کے دامن میں آؤ سو جنتِ قدس کیطرف بلا رہے ہیں۔ آستانۂ مصطفیٰ سے کروڑوں نعمتوں کے ساتھ

ساتھ تقوے کی خیرات بھی تاقیامت بٹ رہا ہے۔ بارگاہِ ربوبیت کے لائق تو صرف متقی ہیں اور بیشک متقی ہی جنتوں اور چشموں میں تاابد جا سکتے ہیں جہاں داخلے کے وقت کتنی ہی محبت اور ہزار پیاروں کے کہا جائیگا داخل ہو جاؤ تم ان جنتوں میں دائمی سلامتی کے ساتھ اور ہر دکھ سے امن میں ہو کر متقی ہی وہ لوگ ہیں جن کے سینوں سے وہ تمام برائیاں ہم نے دور فرما دیں اور کچھ بقیۂ دخولِ جنت کے وقت ہم دور فرما دینگے جو کچھ ان کے اندر ایک دوسرے کی طرف سے کچھ کدورت یا غصہ ناراضگی ہو گی وہاں تو سب ہی بھائی بھائی کی طرح پیار و محبت سے رہینگے قدرتِ الٰہی کے تختوں پر شان کریں سے آمنے سامنے رہا کرینگے ایسے پاک بازوں کیلئے جنت ہی وہ مقام ہے کہ نہ اس میں کوئی تکلیف ہے نہ وہ غلامانِ نبی ولی وہاں سے کبھی نکالے جائیں۔ اے حبیب کریم رؤف رحیم میرے تمام بندوں کو دو خبریں سنا دیجئے ایک یہ کہ میں ہر بخشش مانگنے والے کو بخش دینے والا ہوں اور ہر مجبور پر رحم فرمانے والا ہوں بشرطیکہ سیدھا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے سے میری طرف آئے۔ دوسری خبر یہ ہے اگر آستانۂ نبوت کو چھوڑ دیا تو خواہ کتنی ہی زہد و رھبانیت کرے بیشک اس کیلئے میرا عذاب ہے اور دردناک سزا۔ اگر تم کو اے دنیا والو میرے عذاب کی خبر شناخت نہیں یا تم میری قدرت کی بخششوں اور کرم و عفو سے ناواقف ہو تو تمہارے نبی کی زبانی سنو۔ اے حبیب کریم انکو حضرت ابراہیم کے مہمانوں کا واقعہ سنا دیجئے جب وہ سلام کرتے ہوئے بغیر اطلاع بے وقت اچانک پہنچ گئے تھے اور ان کا پیش کردہ کھانا بھی نہ چھوا تھا رواجِ زمانہ کے مطابق حضرت ابراہیم نے متفکر ہو کر فرمایا تھا کہ ہم تمہارے بارے میں فکر مند ہیں تب مہمانوں نے عرض کیا تھا کہ فکر مند نہ ہوں بلکہ ہم تو رب رحیم کی بخششوں کے ساتھ آپ کو بڑے دائمی علم والے بیٹے کی خوشخبری سنانے آئے ہیں۔ پھر میلانِ حالی مقام حضرت خلیل نے اپنے مہمانوں کو مکمل پہچانتے ہوئے فرمایا کہ مجھ کو بڑھاپے کی انتہائی حالت میں کس قسم کی بشارت سنا رہے ہو۔ مہمان بولے ہماری بشارت بالکل حق سچ ہے لہٰذا آپ اس کی چھان بین کرتے ہوئے اپنے بڑھاپے سے مایوس نہ ہو جائیے۔ کیونکہ ذاتِ نبوت مظہرِ قدرتِ الٰہیہ ہوتی ہے۔ دیگر مخلوق منفذِ قانونِ الٰہی ہوتی ہے نبی کی طفلگی جوانی اور بڑھاپا بھی قدرت کا عظیم شاہکار ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ میں جانتا ہوں کہ رب تعالیٰ کی رحمت سے صرف گمراہ اور بدقسمت لوگ ہی مایوس ہوتے ہیں۔ اچھا اے فرشتو یہ بتاؤ کہ تم اس طرح بشری شکل میں اس عجیب طریقے پر اچانک کیوں بھیجے گئے ہو کہ میں نبی ہو کر بھی تم کو پہچان نہیں سکا تو انہوں نے اس راز سے پردہ اٹھاتے ہوئے عرض کیا کہ ہم مجرم قوم کیلئے بھیجے گئے ہیں اس پر عذاب ڈالینگے سوائے اُن کے نبی حضرت لوط کی آل کے اُن کو عذاب نہ ہوگا اُن کو بچا لیا جائیگا بجز انکی لالچی اور نافرمان کنبہ پرست بیوی کے کہ اس کی تقدیر کہ ہم جانتے ہیں بیشک وہ عورت بھی عذاب پانے والی قوم کی محبت اور رشتے داری کی الفت میں پیچھے رہ جانے والوں میں سے ہے وہ ہلاکت سے نہ

فخ سکیں۔ **پانچواں رکوع** - اس میں فرمایا گیا کہ یہ بشارتیں تو اس کی غفاریت و رحیمیت کی قدرتیں اور نشانیاں ہیں لیکن جب مجرموں کی عبرت انگیز سزا کا وقت آیا تو کون اس کے ہاتھ روک سکا رحم و بخشش کا مظاہرہ فرما کر بھیجے ہوئے فرشتے جب آل پیغمبر حضرت لوط علیہ السلام کی بارگاہ میں اسی طرح خفیہ لباس بشری میں عدالت الٰہیہ فیصلہ عذاب لیکر بطور گواہ موقعہ و دلائل کا مشاہدہ کرنے کیلئے آئے تو لوط علیہ السلام نے ان کو اجنبی مسافر مہمان سمجھ کر نہایت پریشانی سے فرمایا کہ اے مہمان لوگوں تمکو ٹھہرانے کی مجھ پر پابندی لگی ہوئی ہے اور تم ٹھہرانے کی پابندی لگائے ہوئے ہو قوم سدوم کے بد خصلت و ذلیل لوگوں نے مجھ کو مہمان رکھنے سے منع کیا ہوا ہے۔ تو اس وقت جو ا با ملائکہ نے بتایا کہ ہم مسافر مہمان قوم نہیں بلکہ ہم اس عذاب کو لیکر آئے ہیں جس سے روزانہ آپ ان کو ڈراتے تھے مگر یہ ضدی لوگ آپ کی ہر بات کو شک میں ٹال دیتے تھے آج ہم آپ کے پاس اسی حق کے ساتھ آگئے ہیں اور ابھی ان کو پتہ چل جائیگا کہ بیشک ہم سچے ہیں ہاں آپ رات کے آخری حصے میں اپنے اہل خانہ اور تمام ساتھیوں کو لیکر اس بستی سے نکل جائیں۔ پیچھے قائد بن کر چلئے تاکہ تم لوگوں میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے نہ دائیں بائیں دیکھے تاکہ سفر میں سستی اور دیری نہ ہو نہ عذاب الٰہی پر نظر پڑے اور اسی طرف جائیے جدھر کا حکم بذریعہ وحی الٰہی دیئے گئے ہو اور ہم نے رب تعالیٰ سے فیصلہ لے لیا ہے کہ صبح ہوتے ہوئے ان سب مردودوں کی اگلی پچھلی جڑ و نکو فنا کر دیا جائیگا اس لئے کہ اے اللہ تعالیٰ کے محترم نبی معظم رسول ہم نے فیصلۂ الٰہیہ کیلئے وہ مطلوبہ گواہی ابھی ابھی آنکھوں دیکھے واقعے سے حاصل کر لی ہے جو اس شہر کے ان بد ذات و ذلیل و بے غیرت شہریوں نے ہماری آمد پہ مظاہرہ کیا اور آپ کی باتیں بھی سن لیں اور آپ کی تبلیغ احکام الٰہیہ بھی جان لی ہم تو آپ کی حقانیت کے بھی گواہ بن چکے ہیں اور ان کی بدکاری کی عادت کے بھی آپ نے کس شان سے حق نبوت ادا فرمایا اور کس پیار سے انکو سمجھایا کہ بیشک یہ میرے مہمان ہیں مجھ کو مردودیت دکھا کر اپنی شہرت کو مزید گندا کر کے ان مہمانوں کے سامنے رسوا اور بے عزت نہ کرو کیونکہ تم انکی نظر میں میری قوم کہلاتے ہو مجھ کو دنیا تم ہی سے سمجھتی ہے۔ لہٰذا شریعت کا خیال رکھو اللہ سے ڈرو اور میرے مہمانوں پر دست درازی کر کے مجھ کو ندامت و شرمندگی میں مت ڈالو۔ اس لیے کہ ہر میزبان کا فرض ہے مہمان کی عزت کرنی حفاظت رکھنی۔ مہمان کی کوئی شخص توہین کرے تو گھر والے کی ذلت ہے۔ آپ نے نہایت اچھے طریقے سے پورے پورے احکام شریعت۔ دین کی باتیں اپنی اس قوم کو پہنچا دیں۔ پھر قوم کا واہیات جواب منکرانہ کلام بھی ہمارے کانوں نے سن لیا جو انہوں نے دیا کہ کیا ہم نے تجھ کو پہلے سے منع نہیں کر رکھا کہ دنیا بھر کی حفاظت کی ذمہ داری مت لیا کرو۔ پھر جو آپ نے ایک سچی سیدھی صاف پاکیزہ باعزت راہ ان کو دکھائی کہ یہ تمہاری بیویاں جو میری بیٹیوں کی شکل میں موجود گھروں میں ہیں ان کے ساتھ اصول شریعت والا معاملہ کیوں نہیں کرتے۔ اگر تم میں ذرا بھی شرافت ہے تو ان کے حقوق زوجیت ادا کرو۔ اے ہمارے آخری نبی محبوب و محترم ہم کو تمہاری پاکیزہ اور منوق سے

اعلیٰ اشرف جانی قسم آپکی یہ قوم اپنے کفریات کے نشے میں بھٹکتی پھر رہی ہے۔ آپ ان کو بتا دیجئے کہ قوم لوط کے اُن بدبختوں کی بدبختی کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ صبح طلوع ہوتے ہی اُن کو پہلے دہشت ناک چیخ نے ہلا کر رکھ دیا پھر سخت زلزلے نے ان کے گھروں دیوار و نحو اُلٹ پلٹ کر رکھ دیا اور سارا کھیل اور اس کے ساتھ ہی ہم نے ان پر اپنی قدرت سے اینٹوں پتھروں کی بارش کر دی یہ سب کچھ آج کیوں سنایا جا رہا ہے؟ صرف اس لیے کہ بیشک اِن واقعات میں نیک باطن پاکیزہ روح اور عقل والے خوش نصیبوں کیلئے عبرت کی بہت نشانیاں ہیں۔ منکرین اور کافر بھی اِن تاریخی واقعات سے بے خبر نہیں۔ پڑھنے سننے کے علاوہ اپنے سفروں کے دوران اس بستی لوط کے کھنڈرات دیکھتے رہتے ہیں یہ بستی کسی خفیہ علاقے میں نہیں تھی یہ تو بیشک اُن کے سیدھے کھلے راستے پر واقع ہے آتے جاتے دیکھتے گزرتے ہیں اور تذکرے بھی کرتے ہیں لیکن ان کو دیکھ کر بھی اپنی بُری کفریہ حرکتوں سے باز نہیں آتے اس لیے کہ ان علاقوں کھنڈروں میں بھی بیشک صرف روشن ضمیر اہلِ سعادت قابل ایمان لوگوں کیلئے ہی اللہ کی نشانیاں ہیں۔ یہ تو خیر کچھ دور کا واقعہ ہے۔ ابھی اس کے بعد قریب ہی حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم ایکہ والوں کا نتیجہ خیز واقعہ بھی گزر چکا ہے وہ بھی ظالم تھے۔ بدکار۔ دھوکے باز۔ بددیانت اور مشرک کافر تھے۔ قرآن کے نظلوموں میں بیکسوں مجبوروں کا بدلہ ہم نے اُن ایکہ والوں سے لیا۔ حالانکہ ان دونوں پیارے نبیوں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی قوم کو بہت کچھ سمجھایا ڈرایا تھا بیشک وہ دونوں نبی علیہما السلام ۱۔ حضرت لوط علیہ السلام اور اُن کے بعد حضرت شعیب علیہ السلام کتنی شان کے امام اور کھلا کھلا کلامِ الٰہی بیان کرنے والے تھے اور ان دونوں کی بستیاں ۱۔ بستی سدوم (بستی لوط) ۲۔ اور بستی ایکہ بالکل راہِ مسافراں پر واقع ہیں اور حضرت شعیب تو دو بستیوں کے نبی تھے ۱۔ مدین ۲۔ ایکہ یہ دونوں برسرِ عام شاہ راہ پر ہیں **چھٹا رکوع** ۔ فرمایا گیا کہ یہ بات اوّل سے ہی سب پر روشن و ظاہر ہے کہ ہماری ناراضگی کے عذاب سے وہی بچ سکتا ہے جو عاجز و مسکین بنکر آستانۂ قربِ پر گر جائے ورنہ اس کے علاوہ کسی دروازے پر کسی کی پکار سے جانے والا ہزار منتیں کرے سفارشیں دوڑائے ہمارے عتابِ قہری سے نہیں بچ سکتا۔ کوئی طاقت۔ حکومت لشکر تیر و تفنگ کی قوتِ منفردی۔ کوئی فن کاری رعب و دبدبہ بھی ایسے ظالم کو ہمارے شکنجے سے بچا سکے نہ غاریں صحرائیں چٹانیں اور پہاڑ کی پناہ گاہیں ہمارے عذاب کو روک سکیں اے پیارے نبی ان کو قوم حجر کے ظالموں کا فردل کے متعلق بھی بتایئے کہ کتنے مضبوط فن کار طاقت والے تھے اور انہوں نے اپنے مکانات کس طرح اونچے بلند و بالا پہاڑوں پر چٹانیں کھود کر تراش کر خانہ در خانہ بنا لیے تھے محض اس یقین پر کہ اب اُن کو آسمانی ناگہانی عذاب نہ پہنچ سکیگا اسی نکلا نہ مغروریت۔ اکڑبازی اور پہاڑی گھروں کے بھروسے پر مطمئن ہو کر البشرؑ بیشک اُن سب حجر والوں نے تمام اگلے پچھلے انبیاءِ کرام مرسلینِ عظام کی باتیں وعظ و نصیحت توحید و رسالت قانونِ الٰہی شریعت کے احکام۔ سچائی حق پرستی کی عبادتیں بت پرستی سے باز رہنے کی تبلیغیں غرضیکہ اپنے قومی برادری کے نبی حضرتِ صالح علیہ السّلام کے سامنے

ہر چیز کو جھٹلا دیا اور ظالموں نے یہ بھی نہیں سوچا کہ ایک نبی کا جھٹلانا گویا سب انبیاءِ کرام کو جھٹلانا ہے۔ حالانکہ ان کے مطالبے پر ہی جو معجزہ۔ نشانِ قدرت اور صالح علیہ السلام کی صداقت پر علامت انہوں نے مانگی اپنے عقل و فن کے مطابق وہ معجزات بھی ان کو دکھائے گئے کہ پتھر کے فنکار ونکو پتھر سے ہی اونٹنی دی گئی اور اس کے علاوہ دیگر آیتیں نعمتیں۔ وحیِ الٰہی کے صحیفے ہم نے ہی انکو عطا فرمائے لیکن ضدی طبیعت والوں نے سب سے ہی بلاوجہ و دلیل منہ موڑ لیا۔ تو پھر کس کا نقصان ہوا نتیجہ کیا نکلا رات کی عیاشیوں دن کی بدمعاشیوں کے بعد جب ایک رات اپنے نرم گرم بستروں پر سوئے غافل و بدمست ہر چیز سے بے پرواہ ہو کر تو صبح ہوتے ہوتے ان کو ایک ہی قدرتی چنگھاڑ نے پکڑ لیا جس سے اُن کے پتے پھٹ گئے دل کٹ گئے اُٹھنے بھاگنے کی بھی مہلت نہ پا سکے اور اُن کا سارا سازو سامان۔ فنی کمال۔ عزت و وقار۔ کفر و اشرار بتوں سے بت پرستی کے قول و اقرار۔ بد اعمالی کردار ذرہ بھر کام نہ آ سکی۔ یہ سزا و جزا عتاب و عذاب آخر کیوں ہوتا رہا ہے صرف اس لیئے کہ ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور جو کچھ بھی ان کے درمیان ہے وہ سب اس لیے پیدا نہیں کیا کہ زمین والے زمین پر کفر۔ شرک۔ ظلم سرکشی۔ عیاری۔ مکاری۔ عیاشی۔ باطل پرستی۔ فساد فریب کرتے پھریں نہ یہ سب کچھ ابلیسیت و شیطانیت کیلئے پیدا کیا گیا۔ ہم نے تو تمام مخلوق کو اپنی مبنی مناسب حکمتوں کے ساتھ صرف حق پرستوں نیکوں متقیوں سیدھے سادے صاف گو سچے پکے اللہ والوں کیلئے پیدا کیا ہے اور یہ دُنیوی عذاب تو بہت ہی معمولی ایک چھوٹا سا جھٹکا ہے جس کی تاب بھی اتنی قد آور قومیں نہ لا سکیں پورا بدلہ اور اصل عذاب تو بعدِ قیامت ہوگا۔ اور بیشک وہ قیامت یقیناً بہت جلد آنیوالی ہے اے پیارے نبی ان بدقسمت کفارِ مکہ کی کفریہ گستاخیوں کو اپنی رحمتِ عالمینی کے طفیل درگزر فرما دو ان پر ہلاکت کا عذاب نہ منگوانا بیشک آپ کا رب انکی ہر ہر حرکت کو جانتا ہے کیونکہ وہ خالقِ کائنات ہے۔ سب کچھ اُس کے قبضے میں ہے۔ البتہ بیشک ہم نے آپ کو اور آپ کی وجہ سے آپ کے وسیلے کے ذریعے تا قیامت تمام مسلمانوں کو قرآنِ مجید کی شکل میں ایک بڑا خزانہ عطا فرمایا اور اسی قرآنِ مجید میں ایک سورۃ فاتحہ سبع مثانی جیسی نعمت عظیم کا تحفہ انعام فرمایا ہے جس کے مقابل دنیا کے سارے خزانے اور کفار کی تمام دولت ہیچ ہے ذلیل و حقیر ہے اس لیئے اے پیارے نبی رحمتِ عالمین اپنے غریب مسکین مظلوم جفاکش کفار کے ہاتھوں ستائے ہوئے بھولے بھالے مسلمانوں کی۔ آبدیدہ رنجیدگی سے متفکر ہو کر قطعاً اپنی نگاہوں کو کبھی بھی کسی بھی خیال سے اُس دولت کفار کی طرف نہ دیکھنا جو اُن میں سے بہت کلاقسم کے کفار کو عارضی وقت تک نفع لینے کیلئے دے رکھی ہے۔ اور اسی طرح کفار کے مومن نہ بننے پر بھی غم نہ فرمایا کیجیے۔ آپ اپنے صحابہ اور تا قیامت مومنین سے دل خوش فرمایا کرو اور تا قیامت تمام کائناتِ عالم کے مومنوں کو اپنے رحمتِ عالمینی کے پروں میں چھپا لو کیونکہ تمام اہلِ ایمان کیلئے آخری پناہ گاہ تو یہی آغوشِ عافیت ہے۔ ان پیاروں سے تو شفقت و رافت ہو۔ لیکن کفار سے فرما دیجیے کہ اب قیامت تک بس میں ہی ظاہر

وَّمُبِیْن نذیر ہوں۔ یہ نذارت و ڈراوا بالکل ایسا ہی ہے جیسا ہم نے پہلے کفار یہود و نصاریٰ پر نازل کیا تھا جنہوں نے توریت زبور انجیل وغیرہ کلام الٰہی کو ٹکڑے ٹکڑے حصوں میں تقسیم کر دیا اس طرح کہ آدھی کو مانا آدھی کا انکار کیا۔ یا کچھ کو صحیح رکھا کچھ حصے میں ملاوٹ کر دی یا کچھ ظاہر کر دیا کچھ چھپا لیا۔ امیروں کیلئے نرم قانون بنا دیا غریبوں کیلئے سخت قانون بنا دیا یہی حرکات موجودہ کفار کرنا چاہتے ہیں کہ مرضی کے مطابق والے قرآن مجید کو مان لیا مرضی کے خلاف احکامِ قرآنی سے منہ پھیر لیا۔ مگر یہ خرمستیاں من پسندیاں چند روزہ ہیں۔ آپ کے رب کی قسم یہ کفار و منکرین جو کچھ کر رہے ہیں قیامت میں ہم ضرور ضرور اس کی مکمل پوچھ گچھ کرینگے لہٰذا آج آئندہ بغیر کسی رو رعایت کے برملا سرِ عام اس تمام وحیِ الٰہی قانونِ ربانی کا اعلان فرمائیے جس کا آپ کو حکم دیا گیا ہے اور مشرکین سے دور رہیئے کوئی ضرورت نہیں ان کا غم کھانے کی ان کے کافر رہنے پر رنج نہ فرمائیے۔ رہا ان کا عشق مذاق اڑاتے ہوئے گستاخیاں کرنا۔ تو ہم آپ کو ان کے مقابل کافی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کئی جھوٹے معبود بنا لئے عنقریب بہت ہی جلدی یہ سارے بدبخت اپنے انجام کو جان لینگے۔ اور البتہ بیشک ہم بخوبی جانتے کہ آپ کا سینہ مبارک ان کفار کی گستاخیوں اور شرکیہ بدتمیزیوں سے رنج اور تنگی محسوس کرتا ہے۔ اس کا فی الحال علاج یہ ہے کہ آپ خوب پہلے سے بھی زیادہ اپنے رب کی حمد کی تسبیحیں پڑھئے اور اپنے پیارے نیک عابد و زاہد و ساجد امتیوں کے ساتھ گھلے ملے رہئے اور کثرت سے رب تعالیٰ کی عبادت فرمائیے۔ یہاں تک کہ آخری حتمی فیصلہِ الٰہی آپ کے پاس آ جائے۔ یا بیماری کی صورت میں یا قتل و غارت اور ہلاکت کی شکل میں اور جہاد کرنے کی اجازت آ جائے یا فتح اور فتوحات کا مژدہ جاں فزا آ جائے یہی دن کفار کی یقینی سزا کا ہے۔ اس کے بعد جو عبادات و تسبیحات آپ کرینگے وہ محض لذتِ قربِ الٰہی کیلئے ہوگی موجودہ حکم عبادات اور سجدہ سجود تو فقط غم غلط کرنے اور کفار پر قہر دشمنوں پر ذلت ڈالنے کیلئے ہے گویا کہ یہ عبادت بطورِ وظیفہ ہے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہمیشہ ہی کثرتِ عبادت میں شاغل رہتے تھے یہاں تک کہ پیروں پر درازیِ قیام سے ورم آ جاتا تھا۔ اللہ اکبر محبوب کی اداؤں کے قربان جائیں

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَ نُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَتِهٖ فَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَ سَلِّمْ۔

سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَّسِتَّ عَشَرَ رُكُوْعًا۔ سورہ نحل مکی ہے اس میں ایک سو اٹھائیس آیتیں اور سولہ رکوع اس کے الفاظ ۲۸۴۰ اور حروف ۷۷۰۷ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔

أَتَىٰ أَمْرُ اللَّهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوهُ ۚ سُبْحَانَهُ وَتَعَالَىٰ

گویا آ ہی گیا۔ اَمر اللہ کا تو نہ جلدی مانگو تم اس کو پاکیزگی ہے اس کو اور بلند و برتر ہے ان

اب آتا ہے اللہ کا حکم تو اس کی جلدی نہ کرو پاکی اور برتری اُسے ہے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ① يُنَزِّلُ الْمَلَائِكَةَ بِالرُّوحِ

سے اس کے شریک بناتے ہیں وہ کافر۔ نازل فرماتا ہے فرشتوں کو ساتھ ہیں نفع والی چیز کے

اُن شریکوں سے۔ ملائکہ کو ایمان کی جان یعنی وحی لیکر اپنے جس

مِنْ أَمْرِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ

سے حکم اپنے پر جس کے چاہتا ہے میں سے بندوں اپنے۔ کہ

بندوں پر اُتارتا ہے کہ ڈر سناؤ

أَنْ أَنْذِرُوا أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا أَنَا فَاتَّقُونِ ②

تم سب ڈر سناؤ کہ بیشک نہیں ہے معبود مگر میں تو ڈرو تم مجھے۔

کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں مجھ سے ڈرو

خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ بِالْحَقِّ ۚ تَعَالَىٰ

پیدا کیا اس نے آسمانوں اور زمین کو ساتھ بالکل حکمت۔ بلند و برتر ہے ،

اس نے آسمان اور زمین بجا بنائے وہ ان کے شرک سے

عَمَّا يُشْرِكُونَ ③ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ نُطْفَةٍ

سے اس کہ شریک بناتے ہیں وہ۔ پیدا کیا انسان کو سے نطفے

برتر ہے اس نے آدمی کو ایک نتھری بوند سے بنایا

فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ ④

پس بے سوچے	وہ	جھگڑالو	بنگیا	ظاہر	ظہور
تو	جبھی	کھلا	جھگڑالو	ہے۔	

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی سورت کی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ مشرکین سے روگردانی کر لیجئے یہ آپ کی نظر کرم کے لائق نہیں۔ اس سورت کی ابتدائی آیتوں میں فرمایا گیا کہ عنقریب ان کے پاس موت یا جہاد کے وقت اللہ کا فیصلہ آجائیگا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی سورت میں سابقہ امتوں کے کفر نافرمانی اور عذاب تباہی کا ذکر ہوا تھا۔ اب اس سورت میں موجودہ کفار کو ان تباہ شدہ بستیوں کو دیکھنے کی تلقین فرمائی گئی تاکہ عبرت پکڑیں ڈریں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی سورت میں مختلف جگہ پر بار تعالیٰ نے آسمان۔ زمین۔ پہاڑ۔ پانی۔ ہوا۔ انسان۔ جنات۔ اور کافروں کے عذاب۔ آسمان کے بارہ برج۔ رزق کے خزانے۔ جنت حشر نشر کے پیدا کرنے کا مختلف طریقوں سے وضاحتاً و اشارۃً و کنایۃً ذکر فرمایا تھا جس سے خیال گزرتا تھا کہ معلوم اتنی چیزیں بنانے میں رب تعالیٰ کو کتنی دیر لگی تو اس کا جواب اس سورتِ نحل میں دیا گیا کہ رب تعالیٰ جب کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو [illegible] ہی لینا کافی ہے کُن ہوجا تو ہو جاتی ہے۔ ان رابطوں تعلقات کی بنا پر سورت حجر کے بعد سورت نحل کا ہونا نہایت ہی مناسب ہے۔ **نزول**: سورت نحل کے بارے میں چند روایات میں کچھ اختلافات ظاہر ہوتا ہے مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ سب کی سب مکی ہے **شانِ نزول**: ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ جب کفارِ مکہ نے نزولِ عذاب اور قیامت کا انکار کیا تو یہ پہلی آیتیں نازل ہوئیں صفوۃ التفاسیر **تفسیر نحوی** سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ سُوْرَةٌ اسم مفرد مؤنث نقلی ہے جمع سُوَرٌ بنا ہے سُوْرٌ بمعنی گھیرنا۔ جو ایک پورے مضمون کو گھیرے وہ سورت ہے الف لام عہد خارجی تعریفی یا معرفہ بنانے والا۔ اسم جنسی ہے۔ نام ہے۔ شہد کی مکھی کا۔ یہ خود مذکر مؤنث واحد جمع کیلئے مستعمل ہے کیونکہ اسم جنسی ہے جیسے لفظ انسان وغیرہ اسماءِ جنسیہ۔ نحوی ترجمہ بخشش عطا۔ لافر۔ ان معنی کے لحاظ سے ہی نحل کا صفاتی نام ہوا۔ مکیۃٌ لفظ مکہ اسم ذاتی ہے نام ہے ایک مخصوص شہر کا۔ ایک قول میں دراصل بکۃٌ۔ ب سے تھا۔ کثرتِ استعمال سے ب میم سے بدل گئی جس طرح لَازِبٌ سے لَازِمٌ بنگیا۔ نحوی ترجمہ چھینا۔ بھیڑ کرنا بَكٌّ سے بنا ہے۔ چونکہ یہاں طواف کی بھیڑ تلبیہ کی چیخ پکار ہوتی رہی اور تاقیامت رہے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس لیے یہ نام پڑ گیا۔ ایک قول ہے کہ یہ بکاءٌ رونے فریاد کرنے سے بنا ہے۔ ایک قول میں مکہ شہر کا نام ہے اور بکہ پوری وادی پورے علاقے کا نام ہے مکی وہ سورت ہے جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئی۔ آخر میں یٔ نسبت کی ۃ تانیث بنا سبب لفظ سورت

وَهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ آيَةً۔ واوٴ ابتدائیہ ضمیر کا مرجع سورت ہے مِائَۃٌ اسم مفرد ہے نکرہ ہے اس کی جمع ہے مِئِیْن اور عاطفہ ثمان اسم
معین نکرہ مخصوص واوٴ عاطفہ۔ عِشْرُوْنَ اسم مفرد عددی یہ مرکب بنائی بمعنی ایک سو اٹھائیس ۱۲۸ آیَۃً اسم مفرد نکرہ جمع ہے
آیَات۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ یہ مرکب بنائی صفت ہو کر خبر ہے ھِیَ ضمیر مبتدا کی۔ یا بحالتِ فتحہ ہے۔ تمیز ہے مرکب
کی۔ یعنی نشانی جماعت۔ مدد۔ علامت یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ مراد ہے قرآنِ مجید کے مضمون کے حصہ کا ایک شق وَسِتَّ عَشْرَةَ رُكُوْعًا
واوٴ عاطفہ سِتَّ اسم مفرد عددی مذکر ہے اس کی مونث سِتَّۃٌ ہے۔ بحالتِ رفع ہے محلاً ہاً لفظاً کیونکہ عطف ہے خبر
مبتدا پر ظاہراً فتحہ۔ کیونکہ مرکب بنائی ہے عَشْرَ سے مگر تمیز ہے رُکُوْعًا۔ اسم مفرد مصدر ثلاثی ہے بروزن فعول رَکَعَ
سے بنا ہے۔ ظرفی معنی ہیں یعنی رکوع کرنے کی جگہ یا آیت یا وقت مراد ہے وہ آیت جس کو پڑھ کر صحابہ کرام تراویح میں
رکوع فرماتے تھے۔ بحالت نصب ہے تمیز ہے سِتَّ عَشَرَ کی اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا
یُشْرِكُوْنَ يُنَزِّلُ الْمَلٰٓىِٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ۔ اَتٰی باب ضَرَبَ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر
غائب۔ بمعنی مستقبل قریب اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ اَمْرُ۔ اسم مفرد جامد بمعنی حکم فیصلہ معاملہ۔ قانون قیامت۔ یہاں
یا فیصلہ مراد ہے یا قیامت۔ بحالتِ رفع فاعل ہے اَتٰی کا اللّٰہ اس کا مضاف الیہ ہے۔ فَ حرف سببیہ بمعنی لہٰذا
لَا تَسْتَعْجِلُوْا۔ فعل نہی معروف صیغہ جمع۔ مذکر حاضر باب اِسْتِفْعَالٌ سے ہے عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنی جلدی کرنا۔ اَنْتُمْ ضمیر
مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ذہنی۔ کفار مکہ ہیں۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مفعول بہٖ مرجع امر ہے (مرجع کا معنی ہے
لوٹنا ہوا۔ یعنی مراد و مطلب) سُبْحٰنَ۔ اسم مفرد مصدر ہے بروزن غُفْرَانٌ۔ باب نَصَرَ کا ایک ثلاثی مصدر ہے۔ بحالتِ فتحہ ہے
کیونکہ مفعولِ مطلق ہے پوشیدہ فعل یُسَبِّحُوْنَ کا۔ تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ
ہے مرجع اَللّٰہ ہے واوٴ عاطفہ تَعَالٰی۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب تَفَاعُلٌ سے ہے عُلُوٌّ سے بنا ہے بمعنی
بلند ہونا ہے بے عیب ہونا۔ پاک ہونا۔ یہاں مراد پاک ہونا۔ باب تَفَاعُلٌ اکثر دو طرفہ مقابلے کیلئے ہوتا ہے مگر یہاں
مبالغہ کیلئے ہے اس لئے کہ جیسے دو طرفہ کام کے برابر ایک طرف اتنا ہی کام ہو جائے تو ڈبل ہو جاتا ہے اور
ڈبل میں مبالغہ ہے۔ اسی معنی میں یہاں مستعمل ہے یعنی سارے بلندوں سے بلند۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع
اللّٰہ ہے عَنْ جارہ تجاوز و زوالی کیلئے مَا اسم موصول مجرور ہے عَنْ سے یُشْرِكُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع اِشْرَاکٌ مصدر ہے
شِرْکٌ سے بنا ہے۔ بمعنی بت پرستی۔ ھُمْ ضمیر مستتر مرجع ذہنی ہے مراد کفارِ مکہ ہیں۔ یُنَزِّلُ نُزُلٌ سے ہے باب
تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب مصدر ہے تَنْزِیْلٌ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس
ضمیر کا مرجع ہے اللّٰہ تعالیٰ الف لام عہدی مَلٰٓئِکَۃَ۔ اسم جمع مکسر منصرف ہے واحد ہے مَلَکٌ بمعنی فرشتے۔ بحالت
نصب ہے۔ مفعول بہٖ ہے یُنَزِّلُ کا۔ بِ جارہ بمعنی مَعَ ...... الف لام عہدِ ذہنی رُوْحٌ اسم مفرد
جامد بمعنی جان غیبی چیز۔ وحی (قرآن) جبرائیل۔ یہاں مراد وحی ہے امر اسم مفرد جامد بمعنی حکم ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع

اللہ تعالیٰ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم یُنَزِّلُ کا ہے، جارہ بمعنی فوقیت۔ مَنْ اسم موصول واحد مذکر یَشَاءُ۔ باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا۔ ارادہ کرنا۔ پسند کرنا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ عِبَادِ۔ اسم جمع مکسر ہے عَبْدٌ کی۔ مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر مضاف الیہ ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یَشَاءُ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول مَنْ کا۔ اور وہ جار مجرور متعلق ہے دوم یُنَزِّلُ کا اَنْ اَنْذِرُوْا اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ یہاں اَنْ ناصبہ نہیں بلکہ مشبہ ہے لغو ہے حرف مشبہ لغو ہے عمل میں کیونکہ مخفف کیا گیا ہے بوجہ ثقل کے دراصل تھا اَنَّهٗ اَنْذِرُوْا باب افعال کا امر ہے جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے جس کا مرجع عباد ہے مصدر ہے اِنْذَار بمعنی ڈرانا خوف دلانا۔ نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرنا مرعوب ہونا دہشت زدہ ہونا۔ اس اَنْذِرُوْا کی وجہ ان کو مخفف کیا گیا ان حرف تحقیق درمیان کلام میں ہے اس لیے ہمزہ کے فتحہ سے ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر اس کا اسم ہے منصوب متصل ہے مگر یہاں ضمیر شان ہے اس لیے اَنْ لغو مانا گیا ہے مگر یہ غلط ہے ضمیر شان سے ان مخفف کا لغو کرنا ضروری نہیں ہے لَا حرف نفی جنس اِلٰهَ اسم مفرد جامد بمعنی معبود۔ عبادت کے لائق سمجھا ہوا۔ بحالت نصب ہے۔ اسم ہے لَا کا۔ اِلَّا حرف استثنا بمعنی سوا۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مجرور منفصل کیونکہ۔ مضاف الیہ سے قائم مقام اِلَّا اَنَا اسم مضاف کے مرکب معنوی حکمی۔ خبر ہے لَا کی وہ شبہ جملہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے اَنْذِرُوْا کا اور وہ جملہ فعلیہ ماقبل کا مفعول بہٖ فَ تعقیبیہ سببیہ بمعنی لہٰذا اِتَّقُوْا۔ باب افتعال کا امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر ہے۔ دراصل تھا اِتْتَقِيُوْا مادہ کی ت کو مصدر کی ت میں مدغم کیا۔ ی پر ضمہ بوجہ ثقل تھا ضمہ ماقبل کو دیا تو دو ساکن جمع ہو گئے واؤ اور ی۔ واؤ گر نہیں سکتی کیونکہ علامت جمع ہے لہٰذا ی کو گرا دیا۔ تَقْیٌ یا تَقْوٰی سے بنا ہے بمعنی بری چیزوں سے بچنا۔ پرہیزگار ہونا۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے یعنی نافرمانی رب سے ڈرو کہ اس کی ممنوع چیزوں سے پرہیز کرو۔ نِ۔ نون وقایہ ی محذوف ضمیر متکلم۔ اس کی نشانی ہے کسرہ نون مفعول بہٖ ہے۔ خَلَقَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف باب نصر سے خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا نیست سے ہست کرنا۔ الف لام استغراقی سَمٰوٰت اسم جمع مؤنث سالم واحد ہے سَمَاءٌ نام جنس ہے بلند گردوں کا۔ واؤ عاطفہ۔ اَلْاَرْضَ معطوف۔ سَمٰوٰت معطوف علیہ کا۔ الف لام استغراقی ارض اسم مفرد مؤنث لفظی ہے۔ معطوف عبارت بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے خَلَقَ متعدی بیک مفعول کا۔ خلق کا مادہ مصدر ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ بِ جارہ بمعنی مَعَ ہے یا بائے سببیہ ہے الف لام عہدی حَقّ اسم مفرد جامد ہے مجرور ہے بِ جارہ سے متعلق ہے۔ خَلَقَ کا۔ حَقٌّ بمعنی مضبوط۔ مفید۔ واقع موجود۔ سچا۔ کارآمد۔ حقیقت واقعی۔ یہاں ہر معنی درست ہے تَعٰلٰى۔ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب۔ اصل کی ت مادہ اصلیہ تھے عُلُوٌّ سے بنا ہے۔ بمعنی پاک ہونا۔ بے عیب ہونا۔ علیحدہ ہونا۔ بلند ہونا۔ باب تَفَاعُلٌ سے ہے عَنْ جارہ تجاوز زوالی کیلئے ہے۔

ما اسم موصول یُشْرِکُوْنَ ۔ باب افعال کا مضارع ۔ جمع ۔ مذکر غائب ۔ اِشراکٌ مصدر ہے۔ خَلَقَ ماضی مطلق متعدی بیک مفعول ۔ خیال رہے کہ جس میں فعل معانی یا تبعی یا تشبیہ شامل نہ ہو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے دوسرا مفعول تشبیہ یا تمثیل یا صفت سے ہوتا ہے الف لام جنسی انسان ۔ اسم جنس ہے مذکر مؤنث واحد جمع سب کو شامل ہوتا ہے ۔ اُنْسٌ یا نِسْیٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی محبت کرنا یا بھولنا بحالت نصبہ ہے ۔ مفعول بہ ہے خَلَقَ کا مِنْ جارہ تعلیلیہ یا بیانیہ ہے مادی سے ہے نُطْفَۃٍ اسم مفرد جامد بمعنی صاف پانی بدبودار مادہ ۔ قطرہ ۔ مراد ہے مذکر مؤنث مادہ منویہ ۔ مجرور نکرہ ہے ۔ متعلق ہے خَلَقَ کا ف تعقیبیہ تعبیریہ بمعنی ثُمَّ یا تراخی اِذَا ۔ اسم ظرف زمانی مفاجاتیہ ہے ۔ بمعنی اچانک تو اسی وقت ۔ تب تو ۔ پھر اس وقت ۔ یہاں پہلے معنی درست ہیں ۔ ھُوَ ضمیر منفصل ہے مبتدا ہے ۔ اس کا مرجع اِنسان ہے ۔ خَصِیْمٌ اسم صفت مشبّہ ہے بروزن فَعِیْلٌ ۔ بحالت رفع ہے خبر ہے مبتدا ما قبل کی ۔ اور موصوف ہے مابعد کا خَصْمٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی جھگڑا کرنا ۔ لڑنا ۔ ناز نخرے دکھانا ۔ اس کی جمع اَخْصَامٌ یا خُصْمَانٌ یا خُصَّامٌ ہوتی ہے مُبِیْنٌ ۔ باب افعال کا اسم فاعل صیغہ واحد مذکر بَیْنٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی ظاہر ہونا ۔ روشن ہونا ۔ سامنے ہونا ۔ باب افعال میں متعدی ہوا ۔ ترجمہ ہے صاف صاف کھل کر بات کرنا ۔ ظاہر ظہور ہوتا ۔ بحالت رفع ہے صفت ہے خَصِیْمٌ کی

تفسیر عالمانہ اَتٰۤی اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۔ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۔ اے بربادیوں ہلاکتوں کی جلد بازی کرنیوالو کم عقلو ۔ بس اللہ تعالیٰ کا اٹل فیصلہ تمہارے بارے میں آ ہی گیا کہ ابھی آئندہ تمہارے ساتھ دنیا و آخرت میں کیا ہونیوالا ہے ۔ لہٰذا جلدی نہ مچاؤ اس عذاب میں جو ہمارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پیشگی خبر دی ہے ۔ کبھی کسی نے اپنی ہلاکت کی بھی جلدی مچائی ہے ؟ رہا کافروں کا یہ خیال کہ ان کے بت اور چاند سورج ستارے جھوٹے معبود ان کو دنیا کی ہلاکت قبر کے عذاب اور آخرت کی سزا سے بچالینگے تو یہ اُن کی نادانی و حماقت ہے اسلیئے کہ یہ نبی اور اُن کی خبریں اور کفار کی ہلاکت جس رب کی طرف سے ہے وہ اللہ ہر کمزوری ہر عیب اور ہر کمی سے پاک اور طاقت و قوت ہیبت و جبروت میں ان تمام سے بلند و بالا و اکمل ہے جن کو یہ بدنصیب کافر اس جبار قہار اللہ کا شریک ٹھہراتے ہیں کفار کی یہ جلد بازی اس لیے ہے کہ وہ ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ کے نبی ہونیکے منکر ہیں اور اعتراض یہ ہے کہ اللہ نے صرف ایسے آدمی کو ہی نبی بنانا تھا جو خاندانی اعتبار سے یتیم ہے مالی اعتبار سے غریب ہے اور قومی اعتبار سے کسی کا سردار نہیں ۔ کیا یہ سرداران مکہ نبوت کے قابل نہ تھے ۔ اگر اللہ نے نبی بنانا تھا تو ان کو بناتا تاکہ تمام ماتحت لوگ ان کی بات مان کر مومن بنجاتے اور کسی کو عار بھی نہ ہوتی کہ ہم ایک اپنے سے چھوٹے

اور یتیم کی بات کیوں مانیے کیا ان کفار کو یہ سمجھ نہیں کہ اللہ نازل فرماتا ہے بہت معزز فرشتے کو روح ملکوتی جان لاہوتی وحی الٰہی پیغام ربانی کے ساتھ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے جو چاہے۔ جو اس امانت الٰہیہ کے بار گراں کو اٹھانے کے لائق ہو اسی کو اپنی نبوت اپنے پیغام کلام سے نوازتا ہے۔ یہاں سرداری یا دولت و ثروت کا کام نہیں مقصد نبوت تو فقط یہ ہی ہے کہ اے گروہ رسولاں تم غافلوں سرکشوں کافروں کو اس طرح سے ڈراؤ کہ انہیں سمجھ آجائے کہ اصل شرک تو نے شرک کرتے پھرتے ہیں لیکن حقیقت یقینیہ یہ ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو چاہیے کہ ہر حال اور زندگی کے ہر لمحے میں مجھ سے ہی ڈریں کسی اور سے ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ بعض نے فرمایا کہ اَتٰی فعل ماضی بمعنی مستقبل اس لیے لایا گیا کہ چونکہ امر الٰہی بشکل قتال و عذاب آنا یقینی ہے اس لیے گویا آ ہی گیا یُنَزِّلُ مشہور قرأت ہے مگر ایک قرأت میں تُنَزَّلُ ہے۔ تو معنی ہوگا اترتے ہیں ملائکہ (از تفسیر کبیر) مگر یہ درست نہیں کیونکہ عَلٰی مَنْ یَّشَاءُ کے خلاف ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ ملائکہ جمع ہے۔ یشاء واحد ہے اور بقاعدہ نحو جب فاعل غائب ہو تو فعل مطابق فاعل آتا ہے۔ دوسرے یہ کہ ملائکہ اپنی مشیت سے نازل نہیں ہو سکتے۔ اس لیے پہلی قرأت درست ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور چاہت سے نازل فرماتا ہے۔ نیز صحیح تر یہ ہے کہ ملائکہ اگرچہ جمع ہے مگر مراد فقط جبرائیل ہیں اس لیے کہ جبرائیل سردار ملائکہ ہیں اور اصل عرب کی وضاحت ہے کہ عظمت شان یا قوت ذات بتانے کیلئے جمع بولکر واحد مراد لیا جاتا ہے جیسے باری تعالیٰ کیلئے جمع متکلم۔ بعض نے فرمایا کہ امر سے مراد صرف وحی نہیں ہی روح سے مراد صرف کلام الٰہی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا ہر فیصلہ مراد ہے اس لیے ملائکہ سے مراد بہت سے فرشتے ہیں۔ روح سے مراد صحیح یہ ہے کہ صرف کلام اللہ ہے۔ اس لیے کہ کلام الٰہی بھی کائنات کیلئے مثل جان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن لوگوں نے اس سے مضبوط تعلق جوڑا وہ قبروں میں بھی زندہ اور حاجت روا۔ اور جن لوگوں نے اس کلام خداوندی سے منہ موڑا وہ چلتے پھرتے بھی مردہ ہیں بعض نے کہا کہ ملائکہ جمع کیلئے ہی ہے اور روح سے مراد جبرائیل ہیں۔ ب بمعنی مَعَ ہے۔ یعنی فرشتے اترتے ہیں جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ خیال رہے کہ قرآن مجید میں چار چیزوں کو روح کہا گیا ہے ۱ جسمانی جان کو اور یہی اصل معنی ہیں ۲ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو۔ ۳ جبرائیل علیہ السلام کو ۴ کلام اللہ توریت انجیل زبور قرآن پاک وغیرہ کو۔ حضرت جبرائیل اکثر مواقع پر فرشتوں کے لشکر کے ساتھ آتے تھے۔ جیسے سابقہ امتوں پر عذاب اور انبیاء کرام پر بشارتوں کے وقت۔ جنگ بدر میں اور بہت دفعہ خاص آیت کی وحی کے وقت روایت ہے کہ سورت فاتحہ اور اخلاص۔ سورت محمد کو جبرائیل امین ستر ہزار فرشتوں کے ساتھ لائے جو وحی بالواسطہ آتی ہے اس کو وحی جلی کہا جاتا ہے۔ اس کی ترتیب نزول اس طرح کہ اللہ تعالیٰ سے جبرائیل علیہ السلام اول اور بذریعہ جبرائیل انبیاء کرام کو اسی لیے فرشتے اور انبیاء معصوم ہوتے ہیں گمراہی کذب و ملاوٹ کرنے

کرنے یا رد و بدل پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ فَاتَّقُوْنِ فرما کر یہ بتایا گیا کہ وحی نبوت ایمان اعمال کا مقصد تقویٰ حاصل کرنا اور خوف خداوندی ہے تقوے کے بغیر ایمان و اعمال سب بیکار۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ وہی اللہ جل مجدہٗ شان الٰہیہ کے لائق ہے کیونکہ اس نے پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمینوں کو ایسی درستگی سے کہ آسمان و زمین اور ان کی تمام چیزیں شکل و صورت بناوٹ مضبوطی اور طریقہ کارکردگی میں سب ایک ہی طریقہ پر نہایت عمدگی سے ہزاروں فائدے پہنچاتے ہوئے حقانیت کے ساتھ قائم ہیں نہ ٹوٹ پھوٹ ہے نہ تساہل و تکاہل ہے۔ اور ہر چیز ہی اپنی زبان حال سے پکار رہی ہے کہ تعالیٰ عما یشرکون۔ وہ خالق تعالیٰ بلند و برتر ہے ان تمام چیزوں سے جن کو یہ کافر اللہ کا شریک سمجھے بیٹھے ہیں خیال رہے کہ کبھی کسی دور میں کسی بزرگ ولی اللہ یا نبی اللہ کی پرستش نہیں ہوئی نہ کسی نبی ولی بزرگ کو اللہ کا شریک کیا گیا۔ ہاں البتہ بعض بزرگوں کے نام پر بنا دیے بت بنا کر ان کی مجسم شکل کو پوجا گیا۔ اس لیے اس قسم کی آیت میں عما یشرکون سے مراد صرف بت یا چاند سورج ہی مراد ہوتے ہیں جن بعض حضرات نے اپنی اندھی تفسیروں میں انبیاء اولیاء بزرگان دین کو بھی اس میں شامل مانا ہے وہ محض ان کی ابلیسیت ہے۔ رب تعالیٰ نے یہاں پہلے ایک دعوے کا ذکر فرمایا کہ میں ہی معبود ہوں۔ اور مجھ ہی سے ڈرو۔ اب اس عبارت میں چار دلیلیں۔ مذکور ہوئیں دو یہاں اور دو اگلی آیت میں پہلی یہ کہ اس اللہ نے آسمان و زمین کو پیدا کیا جس میں کسی کا ذرہ بھر دخل نہیں۔ جب کام میں کوئی شریک نہیں تو شان میں بھی کوئی شریک نہیں ہو سکتا اور چونکہ زمینی چیزوں میں مٹی پتھر اور دھات کے بت بھی شامل اور آسمانی اشیاء میں چاند سورج ستارے شامل تو یہ خود مخلوق و محتاج ہوئے۔

دوسری دلیل۔ یہ کہ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ سرکش انسان ہے اس کو بھی رب تعالیٰ نے ہی ایک نطفے سے پیدا کیا۔ جو نہایت ہی حقیر اور قابل نفرت چیز ہے۔ اس کمزوری میں اسی رب قدیر نے یہ قدرت پیدا کی کہ انسان نے اپنی ذہانت و فطانت سے زمین و آسمان کے قلابے ملا دیے۔ جو انسان کامل پیدا ہونے کے بعد بھی چڑیا کے بچے سے بھی زیادہ کم عقل تھا وہی جب جوان ہوتا ہے تو ہر چیز کے سامنے "خصیم" "مبین" بن جاتا ہے۔ ہواؤں پر اس کا قابو فضاؤں سے وہ کھیلتا ہے۔ درندے اس سے تھراتے ہیں۔ پہاڑوں کو توڑتا ہے۔ دریاؤں کو موڑتا ہے۔ پھر اتنی نعمت عظمت عزت کے باوجود ناشکرا اتنا کہ اپنے رب کے مقابل بھی اکڑتا ہے۔ اور بیوقوف اتنا کہ مٹی کے بتوں سے ڈرتا ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ قرآن مجید مومن کو ابدی زندگی اور روحانی زندگی عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا جو شخص قرآن مجید سے مکمل تعلق جوڑے گا وہ قبر و حشر میں بھی صاحب تصرف با اختیار زندگی والا ہوگا۔ یہ فائدہ وحی کو روح فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ جس طرح روح جسم سے متعلق ہو تو جسم کو زندہ رکھتی ہے۔ اسی طرح قرآن مجید ارواح مومنین کو زندہ رکھتا ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے دین کی تبلیغ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ خاص کر

انبیاء کرام یا وارثان کے آستانوں کے تعلیم یافتہ صحابہ کرام اولیاء اللہ اور علماء کرام پر مگر جاہل پر تبلیغ دین حرام ہے کہ وہ اپنی جہالت سے نہ جانے کیا کہتا پھرے۔ تبلیغ کرنے کے شوقین لوگوں کو پہلے قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ کا علم حاصل کرنا چاہیے پھر جس طرح چاہے جس وقت چاہے تبلیغ کیلئے نکلے۔ یہ فائدہ یُنَزِّلُ (الخ) اور مِنْ عِبَادِہٖ فرمانے کے بعد اَنْ اَنْذِرُوْا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ جس بندے پر اللہ کی طرف سے علم روحانی نازل ہوا وہ لوگوں کو اللہ کے قانون سنائے دوزخ سے ڈرائے شرک کفر سے بچائے ایمان قرآن کلمے نماز کی طرف بلائے۔

تیسرا فائدہ۔ معبود صرف وہ ہو سکتا جو خالق ہو لہٰذا کسی انسان حیوان وغیرہ کے آگے کسی قسم کا سجدہ کرنا حرام قطعی ہے۔ یہ فائدہ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ (الخ) فرما کر تعالٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ مشرکین کے علاوہ وہ بدبخت پیر و مرید اس سے عبرت پکڑیں جو اپنے پیروں اور ان کی قبروں کو سجدہ کرتے ہیں۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ دین کی باتوں۔ قرآن مجید کی آیتوں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کلام الٰہیہ میں غور و فکر اور قیاس کرنا جائز ہے یہ مسئلہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ (الخ) کے الفاظ اور شان نزول سے مستنبط ہوا کہ جب کفار مکہ کے ساتھ اُبَی ابن خلف کافر منکر قیامت ایک انسانی ہڈی لا کر معترض ہوا تو اس آیت سے نطفے پر قیاس غور و فکر کی دعوت دی گئی کہ جو رب تعالیٰ نطفے کی بوند سے طاقت والا جیتا انسان بنا سکتا ہے وہ ان ہڈیوں کو دوبارہ گوشت پوست اور روح بھی دے سکتا ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ شریعت کے تمام احکام قانون الٰہی پر جاری ہوتے ہیں اس لیے اکثر قرآن مجید میں قوانین کا ذکر فرمایا جاتا ہے لیکن اس کے باوجود ہر جگہ مسلمانوں کو قدرت الٰہیہ پر ایمان لانا فرض واجب ہے یہ مسئلہ مِنْ نُّطْفَةٍ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ تمام انسانوں حیوانوں کو نطفے سے پیدا فرمانا مولیٰ تعالیٰ کی قانونی بات ہے مگر قدرت یہ ہے کہ آدم علیہ السلام و حضرت عیسیٰ کو بغیر نطفے پیدا فرما دیا۔ لہٰذا معجزات و کرامات و خرق عادات قوت اولیاء اللہ پر اعتراض کرنا جہالت ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کیے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ یعنی اللہ تعالیٰ کا امر آ گیا۔ پھر فرمایا گیا۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ اس کی طلب میں جلدی مت کرو۔ مفسرین کے نزدیک ہ ضمیر کا مرجع امر ہی ہے تو پھر جلدی سے کیوں ممانعت ہے جب ایک چیز آ ہی گئی تو اب اس کی جلدی مچانے کا کیا مطلب اور ممانعت کیونکر درست ہوتی؟ جواب۔ اس کا جواب ہم نے اپنے ترجمے و تفسیر میں دیدیا کہ یہاں فعل ماضی گزشتہ کی حکایت کیلئے نہیں بلکہ آئندہ کے یقین کیلئے۔ علم نحو کے قانون کے مطابق ماضی کے صیغے کا ان دو طریقوں پر عام استعمال ہوتا ہے۔ گزشتہ واقع کیلئے ہے اور آئندہ کے یقین کو بیان کرنے کے لیے۔ اس کو اردو میں ان لفظوں سے بولا اور لکھا کہ فلاں چیز ایسی یقینی ہے کہ گویا آ ہی گئی۔ لہٰذا اب اعتراض ختم ہو گیا **دوسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآن

میں کہیں جگہ صرف انسان کو نطفے سے پیدا کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے جیسا کہ یہاں۔ حالانکہ تمام حیوانات ہی نطفے سے پیدا ہوتے ہیں جواب اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ انسان تمام حیوانی مخلوق میں اتنی کمزور مخلوق ہے کہ ولادت کے بعد بھی دو ڈھائی ماہ تک مثل نطفہ اور وقطرے کے بے شعور بے عقل اور ہر طرح نا سمجھ رہتا ہے بخلاف دیگر حیوانات کے کہ وہ پیدا ہوتے ہی صرف چلنے پھرنے بھاگنے پھاندنے لگ پڑتے ہیں بلکہ ان کا شعور ہر طرح بیدار ہو جاتا ہے۔ مثلاً بچہ مرغی یا بطخ کا انڈے سے نکلتے ہی دوڑنے لگتا ہے اور بلی سے ڈرنے لگتا ہے۔ ماں کے پروں میں چھپنے لگتا ہے۔ دانے دنکے کو سمجھتا ہے۔ نا کھانے والی چیز دنکا بھی شعور رکھتا ہے کنکری پر منہ نہیں مارتا۔ دوسرے دوم یہ کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے جس کو تکبر اور غرور ہوتا ہے۔ اور تکبر کی بنا پر اصلیت کو بھول جاتا ہے۔ اس لیے اس کو بار بار اصلیت یاد کرائی گئی

تفسیر صوفیانہ اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ یُنَزِّلُ الْمَلٰٓىٕكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖۤ اَنْ اَنْذِرُوْۤا اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ۔

آگیا باطن میں اللہ کا امر جو شان اعظم ہے رب تعالیٰ کی ساری قدرتوں کا جس کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ لہٰذا اب مظاہر قدرت الٰہیہ قیامت وعذاب اُخروی و مشاہدۂ محشر کی جلدی نہ کرو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ۔ میں اور قیامت ان دو جڑی ہوئی چھوٹی بڑی ملی ہوئی دو انگلیوں کی طرح ہیں۔ یعنی کوئی زیادہ فاصلہ نہیں۔

نفسانیتِ انسانی اپنے خالق تعالیٰ کو جس نقشے میں سوچتی ہے اور اسی کو مشاہدۂ ذات سمجھنے لگی ہے وہ سب گمراہی اور شیطانی تخیلات ہیں باری تعالیٰ ان سے پاک ومنزہ ذات وحدت ہے۔ وہی مطلوب کائنات اپنے مشتاق کے جوار میں مخلوقِ نورانی کو حیاتِ ابدی کی نعمتیں دیکر اپنے امر لم یزلی سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے تا قیام قیامت بھیجتا ہے۔ یہی معرفت و مشاہدۂ حقیقی ہے۔ ان خواص بندوں کی ملازمت یہ ہے کہ غافلوں جاہلوں کو اس طرح ڈرائیں سمجھائیں کہ صرف رب تعالیٰ کے مشاہدے میں ہیجوں کے سوا کوئی بھی معبودیت کے لائق نہیں ہے اس کی صوت سرمدی سارے جہانوں میں جاری ہے کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں لہٰذا ہر آن بجز وبسط شام وسحر زمین و زمان میں مجھ ہی سے ڈرو۔ کیونکہ سب بندوں کی تدبیر میرے ہی قبضہ و قدرت میں ہے۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ تَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ فَاِذَا هُوَ خَصِیْمٌ مُّبِیْنٌ ۔

کائنات انسانی ہیں۔ اسی اللہ خالق تعالیٰ نے آسمانِ نبوت اور زمینِ ولایت کو پیدا فرمایا۔ انتہائی درستی مضبوطی خوبصورتی اور حقانیت کے ساتھ۔ ان صنعتوں خلقتوں میں وہ رب تعالیٰ۔ تمام سے بلند و بالا عظمتوں رفعتوں والا ہے گھٹیا ناکارہ چیزوں سے یہ نفس کے بندے شیطان کے شریک سمجھتے ہیں۔ ان جھوٹے اور باطل بتوں میں کوئی اس کی طرح نہیں پیدا کر سکتا اس باری تعالیٰ نے تو نطفے کی معمولی چھینٹ سے انسان کو پیدا فرما دیا۔ جو آج رب ماہری قوتوں کے بل بوتے پر اپنے ہی خالق تعالیٰ کی مخالفت میں ظاہر ظہور مقابلے باز بن گیا ہے صوفیا کرام

فرماتے ہیں کہ انسان میں تمام مخلوق حیوانی کے صفات موجود ہیں چنانچہ پرندوں کی شہوت۔ درندوں کا غضب شیطانی صفت وہم وحمد۔ حرام جانوروں کی صفت فحش افعال جنات کی صفت تخریب کاری و مکاری و جاسوسی۔ اور ملائکہ کی صفت عقل انسان میں پیدا کی گئی۔ ان میں بدترین شہوت ہے۔ پھر درندگی اور پھر وہمیات کا درجہ ہے۔ ہر انسان خَصِيمٌ مُّبِينٌ ہے مومن نفس امارہ سے جھگڑا کرتا اور کافر قلب شکر گزار سے لڑتا ہے۔ مومن تقدیر سے لڑتا ہے اور تقدیر بدلوالیتا ہے کافر تدبیر سے لڑتا اور تقدیر کے آگے بے بس ہو جاتا ہے۔ حقیقی مومن کی گیارہ صفات ہیں ۱ خدا کی معرفت ۲ نیکی و بدی کی معرفت ۳ حقوق کی معرفت ۴ والدین کی معرفت ۵ صلہ رحمی ۶ غصے پر قابو ۷ صدقہ رحم ۸ گناہوں سے پرہیز ۹ مصائب ۱۰ شکر قرآن ۱۱ مومن ظاہر یا باطن میں مظلوم ہوتا ہے اس لیے اس کی بددعا سے بچنا چاہیے۔ یہ سب شانیں مومن کو قانون پر عمل سے ملتی ہیں۔ کامل وہ ہے جو خود سے باخبر ہو ظاہر جو کو جان لینے سے نہیں ظاہر کو تو جانور بھی جانتا ہے۔ بھوک پیاس غضب شہوت کو سمجھنا حیوانی ادراک ہے انسان تو جوہر انسانیت کی باطنی معرفت کیلئے پیدا کیا گیا ہے۔

★

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ

اور جانور پیدا کیا اُن کو بیچ تمہارے میں ان سردی سے بچاؤ اور نفع بہت

اور چوپائے پیدا کئے اُن میں تمہارے لیے گرم لباس اور منفعتیں ہیں۔

وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ

اور سے انہی گوشت کھاتے ہو اور لیے تمہارے میں اُن شان و شوکت ہے

اور اُن میں سے کھاتے ہو اور تمہارے لئے اُنہیں تجملی جب

تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝٦ وَتَحْمِلُ

جس وقت شام کو لاتے اور جس وقت صبح کو چراتے ہو اور کچھ جانور اٹھاتے ہیں

انہیں شام کو واپس لاتے ہو اور جب صبح چرنیکو چھوڑتے ہو اور وہ تمہارے

أَثْقَالَكُمْ إِلَىٰ بَلَدٍ لَّمْ تَكُونُوا بَالِغِيهِ إِلَّا

بوجھ تمہارے شہر کے کہ نہ تھے تم پہنچنے والے جہاں مگر

بوجھ اٹھا کر لے جاتے ہیں ایسے شہر کی طرف

بِشِقِّ الْأَنفُسِ ۚ إِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَّحِيمٌ ﴿٧﴾

سے محنت جانوں کی بے شک رب تمہارا البتہ مہربان رحم والا ہے

کہ اس تک نہ پہنچتے مگر ادھ مرے ہو کر بیشک تمہارا رب نہایت مہربان رحم والا ہے

وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَ

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے اس لیے پیدا کئے کہ سواری کرو تم ان پر اور

اور گھوڑے اور خچر اور گدھے کہ ان پر سوار ہو اور

زِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿٨﴾ وَعَلَى اللَّهِ

ہر حال میں اچھے اور پیدا کرتا رہتا ہے وہ چیزیں بھی جو نہیں جانتے تم اور پاس ہے اللہ کے

زینت کے لیے اور پیدا کرے گا جس کی تمہیں خبر نہیں اور بیچ کی

قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ

مقصود راستہ اور سے انہیں راستوں کے ٹیڑھا راہ بھی اور اگر چاہتا البتہ ہدایت

راہ ٹھیک اللہ تک ہے اور کوئی راہ ٹیڑھی اور چاہتا تو تم سب کو

أَجْمَعِينَ ﴿٩﴾ ع

دیتا تم سب کو

راہ پر لاتا

ع ١

تعلق ۔ ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیتوں میں انسان کی پیدائش کا ذکر ہوا جو اصل مقصود دنیا ہے۔ اب ان آیتوں میں دوسری جاندار حیوانات مخلوق کی پیدائش کا ذکر ہے جو تابع انسان ہیں بلکہ انسان کے نفع کے لیے ہیں۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں انسان کی سرکشی کا ذکر ہوا اب ان آیات میں اللہ کی اُن کریمیوں کا ذکر ہے جو بلا امتیاز ہر انسان کے لیے ہیں اور جس کی وجہ سے انسان کی عزت و جمال ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں انسان کی پیدائشی کمزوریوں کا ذکر ہوا کہ انسان جسمانی طور پر بہت کمزور ہے مگر نفسانی اور شیطانی طور پر بڑا طاقتور بنتا ہے۔ ان آیتوں میں بڑی طاقت والی مخلوق کا ذکر ہے جس کو انسانی خدمت کے لیے مسخر اور مطیع کر دیا گیا۔

شانِ نزول ۔ ایک دفعہ کے مکہ مکرمہ کا ایک کافر بارگاہِ نبوت میں بڑے گستاخانہ انداز میں آیا جس کا نام اُبی ابن خلف تھا اور کسی مردہ انسان کی ایک پنڈلی کی ہڈی اُٹھا لایا اور بولا کہ کیا اللہ اس کو زندہ کر سکتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے تو اس کے رد میں یہ آیتیں نازل ہوئیں ان آیات ۳ تا ۲۳ جس میں بتایا گیا ارے احمق تو ہڈی کو زندہ کرنے پر حیران ہوتا ہے خود تجھ کو ایک معمولی قطرہ نطفہ انسان سے پیدا کیا اور اس طرح اتنے بڑے بڑے حیوان نطفوں سے پیدا کر دیئے۔ **تفسیر نحوی**

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ۝ **والانعام**

انعام اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے نعم۔ لغوی ترجمہ۔ نعمت مفید چیز بلا معاوضہ فائدہ مند عطا اصلاح میں اونٹ کو نعم کہا جاتا ہے چار وجہ سے۔ ۱۔ اونٹ ساری دنیا میں پایا جاتا ہے۔ باقی جانور کہیں ہیں کہیں نہیں ۲۔ اونٹ سفر حضر کا ساتھی باقی جانور نہیں ۳۔ اونٹ میں انسان کی پوری زندگی کی ضروریات موجود ہیں باقی میں نہیں ۴۔ اور اونٹ اپنی غذا خود ڈھونڈ کر لیتا ہے باقی جانور نہیں۔ اس لیے یہ ہی اصلی آرام دہ نعمت ہے باقی اس کے تابع بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ماقبل فعل پوشیدہ خلق کا انعام سے مراد گھریلو جانور ہیں نہ کہ جنگلی وہ انعام نہیں ہیں صرف حیوان ہیں خلق فعل ماضی مثبت معروف ہو ضمیر فاعل جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ یہ تفسیر ہے پوشیدہ فعل کی ہا تعلیل یعنی وجہ ہے ھا ضمیر واحد مونث منصوب متصل مفعول بہ ہے خلق کا لکُم۔ لام جارہ نفع کا کم ضمیر جار مذکر اس کا مرجع سارے انسان مخاطب جار مجرور متعلق ہے خلق کا۔ ایک قول میں لکُم کا تعلق مابعد عبارت سے ہے یہ عبارت ھا پر ختم ہو گئی اگلی عبارت نئی ہے۔ واللہ اعلم فی ظرفیہ مکانیہ ھا ضمیر کا مرجع انعام جمع ہے بقاعدہ نحویہ غیر ذوی العقول کے لیئے واحد مؤنث کی ضمیر آجاتی ہے۔ دِفْءٌ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے اَدْفَاءٌ معنی ہے سردی کے لیے گرم اون کھال وغیرہ جس سے ہزار قسم کے لباس بنتے ہیں واؤ عاطفہ منافع اسم جمع منتہی الجموع۔ واحد نفع ہے یا منفعۃ۔ یعنی فائدہ مند خواہ اپنی ذات سے یا اپنے ذریعے سے یہ دونوں معطوف علیہ و معطوف بحالت رفع ہیں فاعل ہیں پوشیدہ ثابت یا موجود کے فیھا جار مجرور اسی کے متعلق ہے واؤ ابتدائیہ من جارہ ھا کا مرجع انعام ہے تاکلون بابِ نصر کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر اکل مہموز الفاء سے بنا ہے یعنی کھانا مع ادراک لینا انتم ضمیر اس کا فاعل ہے اور منھا اس کا متعلق مقدم ہے۔ ولکم جار لکم جار و مجرور متعلق ہے اول پوشیدہ موجود کا فی جارہ ظرفیہ مکانیہ ھا کا مرجع انعام

ہے جار مجرور متعلق ولَکم سے پوشیدہ کا ہے۔ مفعول کا جَمَالٌ اسم مصدر ثلاثی ہے بروزن فعال۔ ایک قول میں اسم جمع مکسر ہے جمل کا۔ پہلے قول میں یعنی خوبصورتی عزت وشان وشوکت امیری دولت مندی۔ کیونکہ مویشی سے انسان کو صحت خوبصورتی عموماً ملتی ہے اور عزت دولت مالک وتاجر کو ملتی ہے۔ دوسرے قول میں جمال یعنی اونٹ ہے۔ عرب کی دولت زیادہ تر اونٹ ہی ہے۔ بحالت رفع نائب فاعل ہے پوشیدہ کا حِیْنَ اسم مفرد ظرف زمانی مبہم کے لیے یہ ہمیشہ کسی اسم یا فعل سے جڑ کر آتا ہے اگر ظاہراً اتصال نہ ہو بلکہ تا ہوتا ہے اور وہی مابعد اس کا ابہام (پوشیدگی) دور کر کے اس کو معین کر دیتا ہے۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کی جمع ہے اَحْیَان یہاں بحالت نصب ہے ظرف ہے مقدم موجودہ پوشیدہ کا اور مضاف ہے مابعد کا تُرِیْحُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع بمعنی حال صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا مرجع انسان ہیں جملہ فعلیہ ہو کر مضاف حِیْنَ کا مصدر ہے اِرَاحَۃٌ اور اَرَاحَۃٌ بمعنی جانور کو جنگل سے کھلا پلا کر آرام کے لیے گھر لانا رِیْحٌ سے بنا ہے بمعنی آرام دینا لینا اسی سے ہے راحت واؤ عاطفہ حِیْنَ اسم ظرف مبہم غیر معین بمعنی وقت سال ساعت یہی دونوں جگہ پہلے معنی مراد ہیں۔ بحالت نصب کیونکہ عطف ہے پہلے حِیْنَ پر۔ تَسْرَحُوْنَ باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر سرح سے مشتق ہے بمعنی جانور کو چرنے کے لیے چھوڑنا جنگل یا چراگاہ میں یہ جملہ فعلیہ مضاف الیہ ہے حِیْنَ کا اور دونوں جملہ عاطفہ ہو کر ظرف ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودہ کا۔ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَکُمْ اِلٰی بَلَدٍ لَّمْ تَکُوْنُوْا بٰلِغِیْہِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّکُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ تحمل باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب۔ حَمْلٌ سے بنا ہے بمعنی بوجھ اٹھانا اسی سے حمل حاملہ۔ ھِیَ ضمیر واحد مؤنث کا مرجع انعام ہے اَثْقَالَ اسم جمع مکسر مفرد واحد ثِقْلٌ ہے۔ بمعنی بھاری سامان سخت چیز بحالت نصب ہے۔ مفعول بہ ہے تحمل کا بخلاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس کا مرجع عام انسان اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے ہے بَلَد اسم مفرد جامد نکرہ اس کی جمع مکسر بلاد ہے مجرور ہے اِلٰی جارہ سے موصوف مابعد کا لَمْ تَکُوْنُوْا دراصل تَکُوْنُوْنَ تھا لَمْ کی وجہ سے نون اعرابی گر گیا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق ناقصہ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا اسم ہے۔ بَالِغِیْ۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر باب نَصَرَ سے ہے بُلُوْغ سے بنا ہے بمعنی پہنچنا بحالت نصب ہے۔ کیونکہ خبر ہے فعل ناقصہ کی ضمیر واحد مذکر کا مرجع اَثْقَال ہے دراصل تھا بَالِغِیْنَ نون اعراب والی اضافت کی وجہ سے گر گیا اِلَّا حرف استثناء لغو بمعنی لیکن عاطفہ استدراک کے لیے یا لٰکِنْ مخفف ہے شقات لٰکِنَّ تعاب جارہ سببیہ شِقٌّ ایک قرات میں شَقٌّ پہلے قول میں اسم مفرد جامد ہے مصیبت محنت زور قوت کے معنی یہ ہے دوسری قرات سے مصدر ہے بمعنی مشقت مجرور ہے ب سے مضاف ہے

اَلْاَنْفُس اسم جمع مکسر مضاف الیہ ہے واحد ہے نَفْسٌ بمعنی جان جسم بعض نے کہا شق بمعنی آدھا ہونا ہے اور یہ مرکب توصیفی ہے نہ کہ اضافی ترجمہ ہے آدھی جان سے یہ مرکب اضافی مجرور ہوا اور جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ بٰلِغِیْن اسم فاعل جمع مذکر کا اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے بالغیہ کا اَنْتُمْ ضمیر مستتر فاعل کا اِنَّ حرف تحقیق رَبٌّ اسم مفرد جامد مبالغہ کے معنی میں ہے یعنی بہت پالنے والا منصوب ہے اسم ہے اِنَّ کا مضاف ہے کُمْ اس کا

مضاف الیہ۔ لام مفتوحہ ابتدائیہ زائدہ۔ رَؤُفٌ اسم فعل صفت مشبہ کا صیغہ ہے بروزنِ فعولٌ۔ رَأفٌ سے بنا ہے بمعنی نیک بندوں
کو شفقت سے بچانا اچھے کو محبت و مہربانی سے نوازنا۔ بحالتِ رفع ہے خبر۔ اوّل ہے اِنَّ کی رَحِیمٌ صفت مشبہ رَحْمٌ سے
بنا ہے بمعنی ہر نیک و بد کو مہربانی اور سہولت دینا۔ اور ترس کرنا۔ مشقت میں نہ ڈالنا۔ بحالت رفع ہے خبر دوم ہے۔ اِنَّ کی
وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ
وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ واؤ عاطفہ معطوف علیہ پہلے خلق کا مفعول بہ انعام الف لام جنسی خیل اسم جامد اس
کی جمع ہے اخیال اور خیول بمعنی گھوڑا۔ واؤ عاطفہ الف لام جنسی۔ بغال۔ اسم جمع مکسر واحد ہے بَغْلٌ بمعنی خچر واؤ عاطفہ الف لام جنسی
حمیر اسم جمع مکسر ہے۔ اس کا واحد ہے حمارٌ۔ یہ تینوں معطوف سب ہیں مابعدہ۔ لام کے بیدیہ۔ ترکبو فعل مضارع مثبت
معروف باب نصر صیغہ جمع مذکر حاضر۔ لام کئے نے جزم دیا تو نون ہوا ای گر گئی۔ رکوبٌ سے بنا ہے بمعنی سوار ہونا۔ انتم ضمیر
جمع مذکر اس کا فاعل ہے۔ ھا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مفعول بہ ہے جس کا مرجع یہ تینوں جانور ہیں یہ جملہ فعلیہ
ہو کر سبب ہوا۔ مسبب سبب مل کر عطف الْاَنْعَام کی ضمیر خَلَقَهَا میں ھا ضمیر پر۔ واؤ ہر جملہ یَخْلُقُ باب نَصَرَ کا
فعل مضارع بمعنی مستقبل معروف۔ آئندہ کی غیبی خبر ہے۔ بعض نے کہا یہ بمعنی حال ہے۔ کیونکہ بہت سی سواریاں ایسی
بھی ہیں جن کی سواری ہونا اس وقت لوگوں کو معلوم نہ تھا جیسے ہاتھی یا دوسری مخلوق جنگلی یا دریائی مراد ہے مگر قول ہیں ہو ہے
ھُوَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ مَا اسم موصول منصوب مفعول بہ ہے یَخْلُقُ کا لَا تَعْلَمُونَ باب سمع کا فعل مضارع
منفی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اسم اَنْتُم ضمیر فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا۔ اور وہ مفعول بہ ہے واؤ ہر جملہ۔ علی جارہ
وجوب کے لیے اللہ اسم معرفہ جامد مجرور ہے علی سے جار و مجرور متعلق ہے واجبٌ پوشیدہ کے یا وَجَبَ فعل ماضی کے
یا یجب فعل مضارع کے آخری قول کو ترجیح ہے قَصْدَ۔ اسم مصدر بمعنی مقصود۔ یعنی ارادہ کیا ہوا راستہ۔ مراد ہے سیدھا
راستہ مضاف ہے مابعد کا یہ اضافت توصیفی اور تقلیبی ہے۔ جس سے تاکید و یقین کا فائدہ حاصل ہوا۔ دراصل ہے اَلسَّبِيلُ
اَلْقَصْدُ الف لام جنسی سَبِيلِ۔ بروزن فعیل صفت مشبہ ہے بمعنی بہت کھلا راستہ سُبُل سے بنا ہے۔ بمعنی راستہ بنانا۔ مجرور ہے
مضاف الیہ صفاتی ہے۔ یہ مرکب فاعل ہے پوشیدہ یَجِبُ کا واؤ ہر جملہ۔ یا حالیہ۔ پہلی صورت میں علیحدہ نئی عبارت ہے
دوسری صورت میں یہ جملہ حال ہے سَبِيل کا مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث مجرور متصل کا مرجع سبیل ہے۔ یہ جار و
مجرور متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ اسم مفعول کے جَائِرٌ باب سَمِعَ کا اسم فاعل واحد مذکر جَوْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ٹیڑھا
ہونا۔ بھٹکنا۔ گھومنا۔ راستے سے ہٹا ہوا ہونا۔ غلط راہ۔ منزل سے دور پھیرا اسی سے ہے جو بمعنی ظلم بحالت رفع ہے
فاعل ہے پوشیدہ کا۔ واؤ ابتدائیہ لو حرف شرط شَاءَ باب سَمِعَ یا فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر
شرط ہوئی۔ لام ابتدائیہ جزائیہ ھَدَا باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق ھَدَیٰ ناقص یائی سے مشتق ہے۔ بمعنی سیدھی راہ دکھانا منزل
پر پہنچانا۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ کُم ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے۔ ھُوَ کا مرجع

اللہ تعالیٰ ہے اور کُمْ سب انسان اَجْمَعِیْنَ اسم تاکیدی جمع مذکر۔ بحالت فتحہ ہے کیونکہ تابع تاکیدی ہے۔ کُمْ ضمیر کے

تفسیر عالمانہ

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اللہ تعالیٰ ہی شان معبودیت کے لائق ہے کیونکہ اسی نے اے انسانوں تمہارے لیے تمام گھریلو جانور پیدا کئے اُن جانوروں کے جسموں میں سردی سے بچاؤ کے لیے ہزاروں قسم کے گھٹیا بڑھیا لباس ہیں۔ سستے سے سستا اور قیمتی سے قیمتی اور بے شمار نفع بخش فائدے ہیں۔ خیال رہے کہ انعام سے مراد چار قسم کے جانور ہیں۔ ۱ اونٹ نر و مادہ ۲ گائے نر مادہ ۳ بکری نر مادہ ۴ بھیڑ نر مادہ۔ یہ جانور دنیا کے ہر خطے میں پالے جاتے ہیں۔ ان کے علاوہ ان کی مختلف قسمیں ان کے ہی تابع ہو کر ان میں شامل ہیں مثلاً بعض علاقوں میں بھینس نر مادہ اور دنبہ مینڈھا وغیرہ اونی جانور بعض نے فرمایا کہ انعام میں حلال جانور شامل ہے بشرطیکہ گھریلو ہو۔ اس لیے انہوں نے مرغی نر مادہ کو بھی شامل مانا ہے۔ ان جانوروں میں اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے بارہ قسم کے فائدے رکھے ہیں۔ ۱ گوبر سے کھاد اور ۲ ایندھن ۳ دودھ سے ہزاروں قسم کا کھانا ۴ پینا ۵ دودھ سے بین الاقوامی تجارت ۶ خون سے بہت سی اشیا بنتی ہیں اسی لیے اس کی تجارت جائز ہے اس کے ثبوت و تفصیل کے لیے ہمارا فتاویٰ العطایا اوّل ملاحظہ فرمایا جائے۔ ۷ خون سے کھاد بنتی ہے۔ ۸ جانوروں کی کھال سے جوتے اور برتن بنائے جاتے ہیں ۹ گوشت سے خوراک اور ہزاروں قسم کی دوائیاں بنائی جاتی ہیں ۱۰ چربی سے دوائیاں اور صابن اور بہت سے روغنیات بنائے جاتے ہیں۔ ۱۱ دانت سے بٹن اور مختلف پوڈر سفوف بنائے جاتے ہیں ۱۲ ہڈی سے ہزاروں چیزیں بنتی ہیں۔ غرضکہ ایک جانور سے لاکھوں فائدے ہیں۔ ان ہی انعام میں سے کچھ جانور ایسے بھی ہیں جو صرف تم انسان کھاتے ہو۔ خواہ گھر پال کر مثلاً مرغی بطخ مچھلی وغیرہ خواہ شکار کر کے مثلاً حلال جنگلی جانور اور پرندے اور ان تمام ہی قسم کے چرندوں پرندوں چوپایوں میں کتنی شاندار خوبصورتیں خوشنمائیاں اور زیب و زینت اور جمال ہے جب تم صبح کو ان کے ساتھ نکلتے ہو اور شام کو اُن کے جھرمٹوں میں واپس آتے ہو۔ چرندوں کو صبح چرانے کے لیے پرندوں کی رونقیں دیکھنے کے لیے اور چوپایوں کو تجارت وغیرہ کے لیے لے جاتے وقت اور شام کو چرا کر واپس لاتے ہوئے دودھ کے جانوروں کے دودھ دوہتے اور برتن بھرتے ہوئے ان جانوروں سے بانوں کی رونق گھر کی زینت اور ان کے ذریعے کمائی ہوئی دولت سے معاشرے میں عزت و جمال ان ہی میں کتنے ہی جانور بیل اونٹ وغیرہ وہ ہیں جو دن رات تمہاری خدمت باربرداری کے لیے ہر وقت حکم کے غلام بنے ہوئے تمہارے مال اور بوجھ کو ایک شہر سے دوسرے شہر لے جاتے ہیں۔ جس بوجھل سامان کو تم کبھی بھی آسانی سے نہ لے جا سکو۔ آج دنیا میں نقل و حمل میں کتنی ہی مشینیں بن چکی ہیں اور سواری گاڑیاں چل چکی ہیں مگر پھر بھی اللہ تعالیٰ کے پیدا فرمائے

ہوئے ان جانوروں کی کارکردگی کا مقابلہ کوئی مشین نہیں کر سکتی آج کے دور میں بھی بہت سے علاقے ایسے تو ہیں۔ جہاں سائنسی کوئی مشین موٹر بس ٹرک کام نہیں آسکتا مگر گھوڑے گدھے خچر ہر مقام پر کار آمد اور ضروری ہیں۔ آج اگر خدانخواستہ یہ جانور ختم ہو جائیں تو انسان کے کروڑوں کام رک جائیں اور خود ساختہ مشینری ناکام ہو جائے۔ کتنی عظیم نعمتیں ہیں جو بلا معاوضہ رب تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا فرمائیں۔ بے شک تمہارا رب البتہ بہت ہی شفقت فرمانے والا ہے کہ کس بے مثال طریقے سے اُس نے انسانوں کو ہزاروں مشکلوں مصیبتوں اور تکلیفوں سے ان حیوانات کے ذریعے بچالیا۔ اور اتنے عظیم الجثہ جانوروں کو انتہائی کمزور سوکھے سڑے انسان کے قابو میں دے دیا اور وہ خالق تعالیٰ رحیم بھی ہے کہ کسی نعمت کا کوئی کرایہ خرچہ وغیرہ وصول نہیں فرماتا اور اتنے اتنے بڑوں جانوروں کو غریب تر انسانوں کو بھی عطا فرما دیا ہے کہ اگر یہ غریب لوگ بھی ذرا سی محنت کریں تو سینکڑوں جانوروں کے مالک بن جائیں اور محنت بھی کیا نہ فقط تُرِيحُونَ اور تَسْرَحُونَ ورنہ رب تعالیٰ نے ان جانوروں کی خوراک کے دستر خوان تو خود ہی ساری زمین پر بچھا دیئے ہیں اگر انسانوں کو کھلانی پڑتی تو سمجھ آجاتی۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ۔ اور پیدا فرمایا اُسی رب کریم نے گھوڑوں کو خچروں اور گدھوں کو صرف اس لیے کہ تم اُن پر اپنی سیر تفریح یا ضرورت کے لیے سواری کرو۔ اور اُن سے زینت خوبصورتی ذاتی عزت خود بخود حاصل ہو جاتی ہے۔ ان حیوانات سے انسان کے جسمانی سفر اور راستے طے ہوتے ہیں کتنا کریم ہے وہ رب تعالیٰ جسے دنیوی سیدھے راستوں کے ذریعے منزلوں پر جلدی اور باسہولت پہنچنے کے لیے کیسی شاندار اور سیدھی سادی سواری کیلئے خوبصورت گھوڑے مضبوط خچر اور سادہ بھولے بھالے مسکین طبع چھوٹے بڑے گدھے پیدا فرمائے اور اسی پر بس نہیں ان کے علاوہ بھی عجیب مخلوق پیدا فرمائے گا اور پیدا فرمائی ہیں جن کو تم انسان ابھی بالکل جانتے تک نہیں۔ مثلاً لوہے پیتل تانبے سلور سے مشینیں اور ان کے چلانے کے لیے آگ پانی پٹرول بھاپ دھواں وغیرہ۔ یہ سب کچھ اللہ کی مخلوق ہے انسان نے تو اپنی عقل سے صرف ان بکھری چیزوں کو جوڑ دیا ہے جس سے وہ اپنی پیدائش والے مقاصد کا کام کرنے لگ گئیں۔ اگرچہ یہ سب چیزیں اس وقت بھی زمین کے اندر پیدا موجود تھیں مگر انسان ان کی موجودگی کو یا اُن سے فائدے حاصل کرنے کو نہیں جانتا تھا۔ مَالَا تَعْلَمُونَ کا اشارہ تین طرف ہے ۱؎ کچھ مخلوق وہ ہے۔ جو عالم میں موجود ہے اور تم انسانوں کی خدمت گزاری میں مشغول ہے مگر تم نہیں جانتے ۲؎ زمین کے اندر ہماری بہت سی مخلوق ایسی ہے۔ جو آئندہ چل کر تمہارے لیے بہت مفید ہوگی مگر ابھی تم اس کو نہیں جانتے ۳؎ آئندہ کچھ چیزیں ایسی پیدا کی جائیں گی جو تم کو بہت مفید ہوں گی مگر تم نہیں جانتے۔ اِن آیت سے چوپایوں گھوڑوں وغیرہ کی پیدائش کا مقصد بیان ہوا کہ وہ صرف سواری وغیرہ کے لیے ہیں ان کو کسی اور طرح کھائی کر ضائع نہ کرو نہ یہ کھانے کے لیے بنائے گئے۔ تمہارے گوشت وغیرہ کی ضروریات کے لیے اتنے ڈھیر سارے اَنعام پیدا کر دئے گئے ہیں۔ لیس اُن پر ہی کفایت کرو۔ یہ تو دنیوی راستوں

کی سہولت کا انتظام خداوندی تھا جو رب تعالیٰ نے اپنے ذمہ کرم پر خود ہی لازم فرمایا ہوا ہے اور بندوں کو اختیار دے دیا کہ جو چاہے دنیوی عیش آرام سہولت حاصل کرنے کے لیے ان چیزوں کو استعمال کرے اور جو چاہے سادھو۔ ہندو وغیرہ باطل مذہبوں میں پڑ کر ان کو چھوڑے رکھے اسی طرح وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے ایک سیدھا راستہ جو صاف اُسی رب کی طرف جاتا ہے یہ راستہ بھی رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا اور اُس تک لے جانے والے انبیاء کرام علیہم السلام بھی اُسی نے بھیجے یہ روحانی راستے دین و ایمان شریعت و معرفت کے راستے ہیں۔ اے انسانو اپنی عقلوں سے دنیوی نعمتوں کو سمجھو اور سمجھ کر اللہ کو خالق معبود مانو اور اپنے قلبوں سے روحانی راستوں اور ان کی سہولت والے اعمال کرو۔ دنیا کے لیے اَنعام و خیل بغل ہیں آخرت کے لیے اَعمال و نیک افعال پیدا کئے گئے ہیں۔ اور اس سیدھے راستے کے متعلق بار بار انبیاء کرام بھیج کر اس لیے سمجھایا جا رہا ہے کہ وَمِنْهَا جَآئِرٌ۔ اسی بڑی شاہراہ ایمان میں سے دائیں بائیں ابلیس و ابلیسی لوگوں نے بے شمار ٹیڑھے میڑھے حق سے دور ظالمانہ راستے نکال لیے ہیں۔ اپنے خداداد اختیار اور ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں انہی پر چل پڑنا ورنہ عذاب دائمی ہے۔ تم اپنی محنت سے سیدھا راستہ ہی اختیار کرنا اسی خود چلنے میں اجر عظیم و ثواب ہے۔ ورنہ اگر رب تعالیٰ چاہتا تو وہ خود ہی تم سب کو مثل ملائکہ ایمان کی ہدایت عطا فرما دیتا۔ مگر پھر تم کو دنیا کی لذت زینت و جمال بھی نہ ملتا اور آخرت کی جنت کا مزہ بھی نہ ملتا۔ فائدے۔ ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: حیوانات انسانوں کی خدمت اور خوراک کے لیے پیدا کئے گئے۔ ان میں ذاتی کوئی افضلیت و شرافت نہیں۔ لہٰذا کسی جانور کی تعظیم کرنا یا ان کو متبرک سمجھنا یا ان کی پوجا کرنا سخت حماقت اور کبیرہ گناہ ہے سنا ہے کہ پاکستان بننے سے پہلے احراریوں نے قائد اعظم مرحوم کی مخالفت کرتے ہوئے گاندھی کا ساتھ دیا اور گاندھی کو دہلی کی جامع مسجد میں بلایا تو جہاں سے گاندھی کی بکری گزرتی تھی احراری لوگ بکری کو جھک کر سلام کرتے تھے۔ یہ ہے کفر نوازی۔ بہرکیف جانور کی تعظیم حماقت و فضول ہے یہ فائدہ وَمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: جائز طریقے سے فیشن اور زینت اور خوبصورتی اختیار کرنا برا نہیں ہے۔ لہٰذا اچھے سے اچھا کپڑا پہننا اچھا گوشت وغیرہ کھانا اور خوبصورتی والی سواری پر بیٹھنا فضول خرچی نہیں۔ مسلمانوں کو اس کی اجازت ہے بشرطیکہ تکبر غرور نہ پیدا ہو اور مرد عورت کا اور عورت مرد کا فیشن نہ کرے یہ فائدہ وَفِيْهَا جَمَالٌ (الخ) سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: مسلمان علما کو تبلیغ کرنا لازم ہے کوئی ہدایت حاصل کرے یا نہ کرے یہ نہ خیال کرے کہ فلاں ہدایت نہیں لے سکتا تو میں اس کو کیوں بتاؤں سمجھاؤں تبلیغ کروں ہدایت دینا رب تعالیٰ کا کام ہے وہ چاہتا تو سب کو ہی ہدایت عطا فرما دیتا۔ یہ فائدہ وَلَوْ شَآءَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہاں البتہ بیعت کرنے کے لیے شرط ہے کہ پہلے اس کو مسلمان ہونے پر مکمل تسلی و تشفی سے تیار کر لیا جائے۔ بعض دنیا دار پیری کا دھندا کرنے والے اب اس دور میں ہر شخص کو محض دولت مند

سمجھ کر مرید کر لیتے ہیں اور نہ گناہ سے روکتے ہیں نہ برائیوں سے بلکہ کافروں کو بھی بیعت کر کے اسلام کی طرف راغب نہیں کرتے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ خود بھی پلیلے اور نام نہاد مسلمان رہ جاتے ہیں۔ آجکل جو بے شرع پیر ہیں اسی نرم رویہ کا اثر ہے۔ **احکام القرآن** ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ گھوڑا کھانا حرام ہے۔ جن ائمہ نے اس کو حلال مانا ہے غلطی پر ہیں۔ یہ مسئلہ وَالْخَيْلَ کو بغال اور حمیر کے ساتھ ذکر کرنے اور مِنْهَا تَأْكُلُونَ سے علیحدہ کرنے سے مستنبط ہوا۔ نیز لِتَرْكَبُوهَا فرمانے سے اس کی پیدائش کا مقصد بیان کر کے بھی بتایا گیا کہ گھوڑا خچر اور گدھا کھانے کے لیے نہیں پیدا کیا گیا۔ دوسرا مسئلہ حلال جانوروں کی ہر چیز حلال نہیں ہے۔ چنانچہ پِتہ مثانہ۔ آلۂ پیشاب اور خصیے کھانا حرام ہیں۔ یہ مسئلہ وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ کی مِنْ تبعیضیہ سے مستنبط ہوا گھوڑے کی حرمت بہت سی احادیث مشہورہ سے بھی ثابت ہے اس کا تفصیلی بیان اور مخالفین کے دلائل اور ان کا توڑ ہمارے فتاوٰی العطایا حصہ سوم میں ملاحظہ فرمائیے۔ **اعتراضات**۔ یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں دِفْءٌ یعنی لباس کا ذکر پہلے کیا گیا اور تَأْكُلُونَ یعنی کھانے کا ذکر بعد میں کیا گیا حالانکہ کھانا زیادہ اہم ہے اور کھانے کا ہر انسان محتاج ہے۔ لباس کے بغیر زندگی گزر جاتی ہے۔ اور عام طور پر تقدم سے اہمیت کا اشارہ ہوتا ہے۔ **جواب**۔ اول تو یہاں اہمیت کے اظہار کے لیے یہ تقدم نہیں ہے۔ اگر ہو بھی تو اہمیت کئی قسم کی ہے۔ یہاں یہ اہمیت ہے کہ لباس میں اظہار ہوتا ہے لباس دیر تک رہتا ہے اور پھر لباس اونی اور چمڑے وغیرہ کا ہر شخص پہنتا ہے۔ جب کہ بعض قومیں گوشت نہیں کھاتیں۔ اظہار شان و خوبصورتی لباس میں ہی ہوتی ہے۔ نہ کہ خوراک میں **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَمِنْهَا تَأْكُلُونَ مِنْهَا کے تقدم نے حصر پیدا کیا اور ترجمہ ہوا کہ ان جانوروں میں سے ہی کچھ کھاتے ہو حالانکہ ان چار پایہ جانوروں کے علاوہ بھی انسان بہت سے گوشت پھل سبزیاں کھاتا ہے تو یہ حصر کیونکر درست ہوا۔

جواب۔ اکثریت انسانوں کی عادتاً روزمرہ گھریلو چوپایوں کا گوشت ہی کھاتی ہے۔ مرغی بطخ اور شکاریات عام عادت میں شامل نہیں بلکہ کبھی کبھی مزید لذت کے لیے۔ اسی طرح فروٹ۔ اور سبزیاں ہیں۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ حصر کھانے کا نہیں بلکہ جانوروں کا ہے۔ اور ترجمہ اس طرح ہے کہ ان میں سے کچھ صرف کھائے ہی جاتے ہیں جن کو تم صرف کھاتے ہی ہو۔ ان سے لباس کا یا سواری کا نفع نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں تُرِيحُونَ کو پہلے اور تَسْرَحُونَ کو بعد میں بیان کرنا درست نہیں ہے اس لیے کہ صبح کو چرنے کے لیے جانا پہلے ہوتا ہے یعنی تَسْرَحُونَ پہلے ہوتا ہے اور تُرِيحُونَ یعنی شام کو واپسی بعد میں ہوتی ہے۔

جواب۔ اس بیان سے مراد اظہار شان ہے صبح جانور بھوکے پیاسے اور خالی دودھ جاتے ہیں تو جانوروں کی حالت مرجھائی ہوتی ہے۔ وہ رونق نہیں مگر شام کو بھرے پُرے ہوتے ہیں اور خوشنمائی ہوتی ہے۔ اسی نعمت کا اظہار ہے اور ادائیگی شکر مقصود ہے لہٰذا یہ تقدم تاخر بین درست ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ اہلسنت کہتے ہیں کہ کرامات اول

اللہ برحق ہیں اور کرامات میں یہ کہا جاتا ہے کہ ولی اللہ بغیر مشقت بغیر سواری کے میلوں سفر طے کر لیتا ہے حالانکہ رب تعالےٰ نے سارے انسانوں کے لیے فرمایا۔ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ یعنی ایک شہر سے دوسرے شہر بھی سواری کے بغیر سفر انسان کو دشوار ہے اور جب یہ کرامت غلط ثابت ہوئی تو دوسری بھی غلط ہوئیں۔

جواب:۔ اہلسنت کرامات کو اس لیے برحق کہتے ہیں کہ ان کا قرآن مجید برحق کہتا ہے۔ دیکھو واقعہ سلیمان اور تخت بلقیس کا لایا جانا۔ آیت میں عام خاص بن وجہ کی نسبت کا اظہار ہے یعنی عام لوگوں کی عام وقت میں یہ کیفیت ہوتی ہے۔ رہا کرامات ولی اللہ تو وہ خصوصی لوگوں کی خصوصی حالات ہیں عوام پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔

تفسیر صوفیانہ: وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ۔ وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔

اور رب تعالےٰ نے روح کی ترقی کے لیے بدنِ انسانی میں بے شمار ذی ہوش حواس پیدا کیے جن میں انسانی مراقبہ مشاہدہ کے بے شمار فائدے ہیں۔ ان ہی کے ذریعے شیطانی وسوسے سے حفاظت ہوتی ہے اور ان ہی سے روحانی غذائیں میسر آتی ہیں عارفین فرماتے ہیں کہ بدنِ انسانی کے اعضاء ظاہری انعام منافع ہیں اور اعضاء باطنی مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ہیں۔ جسطرح انسان دنیوی دولت روپیہ پیسہ سونا چاندی ہیرے جواہرات کو جیبوں تجوریوں اور بٹووں میں ہزار طرح گھروں۔ گلیوں سڑکوں بازاروں میں چھپائے چھپائے پھرتا ہے کہ کہیں کوئی چور اچکا گرہ کٹ میری اس دولت کو نہ چھین لے اسطرح مسلمان کو چاہیئے کہ اپنے دل دماغ عقل علم اور آنکھ کان ہاتھ پاؤں کی بھی ہر وقت دنیوی دولت سے بڑھکر حفاظت کرے کہ کہیں کوئی لعین ابلیس شیطان راہ چلتے دل دماغ نظر فکر چرا کر نہ لے جائے۔ اے مسافرِ راہِ ناسوت جب کسی کا ہاتھ تیری جیب میں پڑ جائے تو تیری دولت برباد ہوئی اور جب تیری نگاہ غیر عورت پر پڑ جائے تو تیری نظر تباہ ہوئی بازاروں گلی کوچوں میں زیادہ نہ چل تاکہ کوئی بھی تیری نظر تیرے خیالات و تصورات پر ڈاکہ نہ ڈال سکے بندہ روح ہے اور جسم اسکی سواری گاڑی ہے اور انعام تَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ ہے اور منزل معرفت اِلٰى بَلَدٍ بدن کمزور گھوڑا ہے روح اسکی محتاج ہیں سفر قرب طے کر رہی ہے یہ حیاتِ دنیوی ہے جو بِشِقِّ الْاَنْفُسِ کی حالت سے دوچار ہے لیکن بعد موت روح کا معاملہ الٹ ہے کہ روح گھوڑا اور سواری گاڑی ہے بدن سوار۔ اب اسکی رفتار روح کے قبضے میں ہے۔ اگر تو چاہتا ہے کہ پلک جھپکتے میں عالم ملکوت کی سیر و سیاحت کرلے تو مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی خلوت میں چلا جا۔ اور غذاء اعمالِ صالحہ و لذاتِ عشق سے روح کو طاقت و قوت والا بنالے۔ مومن عارف کیلئے ہی اس دنیا میں حقیقی و یقینی جمال تُرِيْحُوْنَ وَتَسْرَحُوْنَ ہے یہ زندگی

بازاری عیاشی اور غیرہ نہیں آنکھ بجولی کیلئے نہیں دی گئی۔ یہاں تو دل فکرِ قرآنی عقل فہمِ قرآنی آنکھ نظرِ قرآنی کان سماعت قرآنی زبان اقوالِ قرآنی بدن نقشۂ قرآنی اور ہاتھ قرآن وحدیث کیلئے پاؤں مجد و حرم کیلئے بنانے پڑینگے مسلمان کے ہاتھ پیر گیند بلے اور میدانِ کھیل کود کیلئے نہیں بنائے گئے جب جسم بندے کا ہو اور راس پر نقشہ احمد مجتبیٰ کا ہو کام مومن کا ہو مگر طریقہ مصطفیٰ کا ہو تب معرفت کی سعادتیں ملتی ہیں۔ اے انسانو تمہارے یہ عقل وخرد قلب وضمیر کے ان ہی چوپایوں میں اعمال واقوال کا جمال ہے شام کی خلوتوں صبح کی جلوتوں میں شام کے مراقبوں اور دن کے مشاہدوں میں معرفت کے پھول پتے حاصل کرتے ہو اور ذکرِ الٰہی کے الفاظ سے اپنے اعضاءِ باطنی وحواس ظاہری کو لذت پہنچاتے ہو۔ اور عالمِ ناسوت سے عالمِ لاہوت کی طرف پرواز روحانی سے اعمالِ ایمانی کے بھاری سامان لیجاتے ہو۔ ورنہ ذکرِ الٰہی اور اتباعِ مصطفائی کے بغیر سارے اعمال یہیں برباد ہو جاتے ہیں نفسِ امارہ پر ذکر کی ریاضت مشقت ہے جس سے یہ دور بھاگتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ دستگیری فرماتا ہے طوعاً کرہاً بندے کو اپنے حضور جھکائے رکھتا ہے بیشک تمہارا رب البتہ مہربانی اور رحم فرمانے والا ہے۔ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيرَ لِتَرْكَبُوهَا وَزِينَةً ۚ وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۔ وَعَلَى اللَّهِ قَصْدُ السَّبِيلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ صوفیا فرماتے ہیں کہ انسانی تدابیر مثل خیل ہیں اور آرزوئیں خواہشیں مثل بغال ہیں اور خیالات وتصورات مثل حمیر ہیں اور تقدیر ایسی مخلوق ہے جس کو انسان نہیں جانتا انسان اپنے تدبیر کے گھوڑوں اور امیدوں کی سواریوں اور خیالات کے حمیروں پر کتنی دور نکل جاتا ہے اور کیا کیا منصوبے بناتا ہے کتنی زینتیں دنیوی رونقیں ساز وسامان حاصل کر لیتا ہے۔ مگر تقدیرِ ازلی کسی اور راستے پر چل پڑتی ہے اور انسان چاہتے ہوئے بھی اُس پر سوار ہو جاتا ہے۔ انسانی عقل خواہشات وتصورات کے راستے ٹیڑھے اور دائیں بائیں ہیں۔ مگر اللہ کی تقدیر کا راستہ بالکل صاف ستھرا اور سیدھا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کو اسی راستے پر شروع سے ہی چلا دیتا۔ اور کسی کو بھی تدبیر وتخیل کی اجازت نہ دیتا۔ مگر ایسا نہ ہوا کیونکہ اللہ کو کسی کا مفلوج ہونا پسند نہیں بارگاہِ الٰہی میں مردِ کامل وہ ہے جو تقدیر سے لڑے اور لڑ کر اپنی تقدیر بدلوائے وہ شخص جو تقدیر کے آگے اپاہج ہو کر مفلوج اپاہج ہو جائے وہ مرد نہیں خنثیٰ ہے اس لڑائی میں عشقِ الٰہی کے تبر۔ صبر کی شجاعت اور ہر دہ نفرت کو پھاڑنے والی محبتِ مصطفیٰ کی تلوار۔ فکر کی ریاضت سے نفسِ سرکش پر عبادت کی کمان سے شکر کی عدالت سے صحیح نشان پر چلہ چڑھانا پڑتا ہے۔ تب قصد السبیل کا مظاہرہ ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً ۖ لَكُمْ مِنْهُ

وہی اللہ وہ ہے جس نے اتارا طرف سے آسمان کی پانی یہ تمہارے سے اُس

وہی ہے جس نے آسمان سے پانی اُتارا اُس سے تمہارا

شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ﴿۱۰﴾ يُنْۢبِتُ

پینا ہے اور سے اسی درخت ہیں میں جس چراتے ہو تم جانوروں کو اگاتا ہے

پینا ہے اور اس سے درخت جن سے چراتے ہیں اس پانی سے

لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ

لیے تمہارے کھیتی کو اور زیتون اور کھجور اور انگور

تمہارے لیے کھیتی اگاتا ہے اور زیتون اور کھجور انگور

وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ

سے ہر قسم پھلوں کو بے شک میں اس یقیناً نشان قدرت لیے اس قوم کے

اور ہر قسم کے پھل بیشک اس میں نشانی ہے دھیان

يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۙ وَالشَّمْسَ

جو غور و فکر کرتے رہتے ہیں۔ اور تابع فرمان اپنے کئے واسطے تمہارے رات کو اور دن کو اور سورج کو

کرنے والوں کو اور اس نے تمہارے لیے مسخر کئے رات اور دن اور سورج

وَالْقَمَرَ ؕ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ

اور چاند کو اور ستارے بھی سب کے سب عاجز ہیں سے حکم اس کے بے شک میں

اور چاند اور ستارے اس کے حکم کے باندھے ہیں بے شک اس میں

ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ

اس البتہ نشانیاں ہیں لیے ان لوگوں کے جو دماغ رکھتے ہیں۔ اور وہ جو اگایا

نشانیاں ہیں عقل مندوں کو اور وہ جو تمہارے لیے

فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

ہیں زمین میں قسم قسم کے ہیں رنگ اُن کے - بے شک بیچ اس

زمین میں پیدا کیا رنگ برنگ بے شک اس میں نشانیاں ہیں

لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳﴾

البتہ نشان ہے واسطے اس قوم کے جو ذکر کرتے ہیں

یاد کرنے والوں کو

تعلق ۔ ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں چوپایوں چرندوں کے پیدا فرمانے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں انسانی حیوانی زندگی کو باقی رکھنے والی اشیاء کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں زمینی نعمتوں کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں آسمانی نعمتوں کا ذکر ہو رہا ہے گویا کہ پہلے اُن نعمتوں کا ذکر ہوا جو انسانوں کے سامنے مسخر اور ماتحت و ملکیت میں ہیں اور اب اُن نعمتوں کا ذکر ہوا جو انسانوں کے لیے مسخر ہیں جیسے چاند سورج دن رات اور ستارے وغیرہ یہ سب قدرتِ الٰہیہ کے قبضے میں مسخر ہیں۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر ہم چاہیں تو تم سب انسانوں کو خود ہی ہدایت دے دیں کوئی محنت غور و تفکر ہی تم کو نہ کرنا پڑے اب فرمایا جا رہا ہے کہ تم کو خود ہی عقل و شعور غور و تفکر سے ہماری آیتوں کو سمجھنا۔ اور ایمان لانا پڑے گا۔ گویا پچھلی آیتوں میں معرفت و حقیقت کی طرف اشارہ فرمایا گیا اب یہاں شریعت کی طرف چلنے کا حکم ہے۔

تفسیر نحوی

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۔ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر۔ مراد ذاتِ باری تعالیٰ اَنْزَلَ فعل ماضی مطلق معروف ہُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کیلئے بمعنی طرف ہے الف ۔لام جنسی سَمَاء اسم مفرد جامد گرتے کا نام بھی اور بلندی کے معنی میں بھی یہاں بلندی مراد ہے یعنی بادل مَاءً اسم مفرد جامد بمعنی پانی۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے۔ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر مذکر حاضر مجرور متعلقِ دوم ہے اَنْزَلَ کا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ، ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع مَاءٌ ہے جار مجرور متعلق پوشیدہ فعل خُلِقَ یا جُعِلَ کا شَرَابٌ اسم مفرد جامد یا صیغہ مبالغہ ہے۔ شُرْبٌ سے بنا ہے ۔بمعنی پینا۔ نگلنا بغیر چبائے حلق سے نیچے اتر جانے والی چیز۔ بحالتِ رفع ہے نائب فاعل ہے جُعِلَ پوشیدہ کا۔ واؤ دوسرا جملہ۔ مِنْ جارہ بعضیت کا ضمیر واحد کا مرجع مَاءٌ ہے

شجر اسم مفرد جامد مذکر لفظی ہے اس کی جمع ہے اشجار مونث ہے شجرۃ اس کی جمع ہے شجرات یعنی درخت خواہ چھوٹا خواہ بڑا بحالت رفع ہے نائب فاعل ہے پوشیدہ فعل یُنْبَتُ کا شَجَرٌ موصوف ہے مابعد کا فِیْ جارہ ظرف مکان کے لئے ہ ضمیر کا مرجع شجر۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم تُسِیْمُوْنَ کا باب افعال کا فعل مضارع مادہ ہے سَیْمٌ مصدر ہے اِسَامٌ یا اِسَامَۃٌ بمعنی چرانا چگانا صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع مستتر اس کا فاعل۔ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے شجر کی۔ یُنْبِتُ۔ باب افعال کا فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب ھو ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ مصدر ہے اِنْبَاتٌ نبتٌ سے بنا ہے بمعنی اگانا۔ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر مخاطب مذکر مجرور ب جارہ سببیہ ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ماءٌ ہے الف لام استغراقی زرع۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر جمع ہے زروع یعنی کھیتی واؤ عاطفہ الف لام استغراقی زیتون اسم مفرد جامد جنسی نام ہے ایک درخت باردار کا۔ واؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی نخل اسم مفرد جامد بمعنی کھجور کے درخت اسم جنسی ہے نخلۃ کے معنی ہیں کھجور بھی اور درخت بھی۔ نخیل صرف درخت کھجور کا نام ہے۔ واؤ عاطفہ الف لام استغراقی اعناب اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے عنب یہ سب اسم زرع۔ زیتون۔ نخیل اعناب۔ بحالت نصب ہیں۔ کیونکہ سب معطوف علیہ معطوف ملکر مفعول بہ ہے ینبت۔ واؤ عاطفہ مِنْ جارہ تبعیضیہ کُلِّ اسم تاکیدی۔ ایک قول میں مِنْ بیانیہ کُلّ کی وضاحت کے لیے۔ الف لام استغراقی ثمرات اسم جمع مؤنث سالم ہے ثمرۃ کا مضاف الیہ ہے کُلِّ مضاف کا۔ اور جار مجرور متعلق ہے یُنْبِتُ کا۔ یا مِنْ زائدہ لغو ہے اور یہ مرکب اضافی عطف ہے اعناب پر یا یہ جملہ علیحدہ ہے پوشیدہ فعل کا۔ اور یہ واؤ ابتدائیہ ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ۔ اِنَّ حرف تحقیق فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مجرور مشار الیہ سابقہ چیزیں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجود کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ کی لام ابتدائیہ آیۃ۔ اسم مفرد جامد بمعنی نشان قدرت ذوالجلال ہے۔ لام جارہ نفع کا قوم اسم لفظی واحد معنوی جمع بحالت جر ہے یہ جار مجرور ملکر متعلق ہے پوشیدہ ثابتًا اسم فاعل کے۔ جملہ اسمیہ ہو کر منصوب ہے یَتَفَكَّرُوْنَ۔ باب تفعل کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے تَفَکُّرٌ۔ فکر سے بنا ہے بمعنی غور کرنا سوچنا۔ موصوف صفت ملکر حال ہوا اور پھر اسم موخر ہوا۔ اِنَّ کا واؤ جملہ۔ سَخَّرَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب۔ لام نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر۔ متعلق ہے سَخَّرَ کا۔ اَلْ الف لام استغراقی یا جنسی لَیْلَ اسم جنسی ہے اس کی جمع ہے لَیَالِیْ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے سَخَّرَ کا واؤ عاطفہ الف لام استغراقی یا جنسی نَهَارَ اسم مفرد جنسی ہے اس کی جمع ہے اَنْهَادٌ یا اَنْهُرٌ یا نُهُرٌ بمعنی دن روشن وقت واؤ عاطفہ۔ الف لام عہد خارجی شمس اسم مفرد جامد بمعنی سورج اس کی مجازی جمع شموس ہے حقیقی جمع کوئی نہیں۔ واؤ عاطفہ اَلْقَمَرَ الف لام جنسی قمر اسم مفرد جامد اس کی جمع مجازی اَقْمَرٌ ہے حقیقی جمع کوئی نہیں کیونکہ چاند سورج دنیا میں ایک ہی ہیں شمس کی روشنی دھوپ کو شمسیہ اور قمر کی روشنی چاندنی کو مقمر کہتے ہیں یہ تینوں لفظ نہار قمر شمس بحالت نصب ہیں عطف ہیں لیل پر پھر مفعول بہ ہے۔ ایک قرأت میں یہ تینوں لفظ بحالت رفع ہیں مبتدا ہیں اور مسخرات اس کی خبر ہے۔ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ

وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ۔

واؤ عاطفہ ہے الف لام استغراقی نجوم اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد نجم ہے بمعنی چھوٹی روشنی۔ پوشیدہ ضیاء ستارے یہاں آخری معنی میں ہے بحالت رفع مبتدا ہے مسخرات باب تفعیل کا اسم مفعول صیغہ جمع مونث هُنَّ ضمیر مونث غائب مستتر اس کا نائب فاعل۔ بِ جارہ سببیہ امر اسم مفرد جامد بمعنی فیصلہ ضمیر واحد مذکر غائب جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے مضاف الیہ ہے امر مضاف کا اور مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہوئی مسخرات کی اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ اِنَّ حرف تحقیق فی جارہ ظرفیہ ذالک اسم اشارہ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجود کا وہ سب جملہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی۔ لام ابتدائیہ آیت کی تاکید کے لیے ہے آیت جمع مونث سالم ہے آیت کی بمعنی نشان قدرت بحالت فتحہ ہے بوجہ اسم مؤخر ہونے کے اِنَّ کا لام جارہ نفع کا قوم اسم مفرد جامد موصوف ہے۔ یَعْقِلُوْنَ۔ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع غائب اس میں پوشیدہ جس کا مرجع قوم ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قوم کی اور یہ متعلق دوم ہے موجود اسم مفعول پوشیدہ کا جو خبر ہے اِنَّ کی۔ واؤ ابتدائیہ مَا اسم موصول۔ ذَرَاَ باب فتح کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ھو مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ لام نفع کا کُمْ ضمیر اس سے مجرور متعلق اول ہے ذرا کا۔ یہ ذَرْءٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا ظاہر کرنا بکھیرنا۔ یہاں ہر معنی درست ہے۔ فی جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام عہدی خارجی اَرْض اسم مفرد مونث جامد بمعنی زمین یہ جار مجرور متعلق دوم ہے ذرا کا مُخْتَلِفًا باب افتعال کا اسم فاعل واحد مذکر متعدی ہے اس کا مصدر ہے اختلاف بمعنی پیچھے کرنا غلط کہنا مخالف ہونا علیحدہ ہونا خلاف ہونا۔ رنگ برنگے ہونا یہاں آخری معنی میں ہے۔ اَلْوَان اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے لَوْنٌ بمعنی رنگ بحالت رفع فاعل ہے مختلفا کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے ذرا کو۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما موصول کا۔ دونوں مل کر اپنے ما بعد کا مشار الیہ ہوا۔ اِنَّ حرف تحقیق فی ذالک جار مجرور اپنے سابقہ مشار الیہ سے مل کر متعلق ہے موجود پوشیدہ کا اور وہ شبہ جملہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی لام ابتدائیہ آیت بحالت نصب اسم مؤخر ہے اِنَّ کا۔ لام جارہ نفع کا قوم اسم مفرد لفظی مجرور ہے لام سے موصوف ہے یذکرون باب تفعّل کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب دراصل تھا یَتَذَکَّرُوْنَ چونکہ ت اور ذال قریب المخرج ہیں کہ ت کا مخرج نوک زبان اور ثنایا علیا کی جڑ۔ اور ذال کا مخرج نوک زبان اور ثنایا علیا کے کنارے اس لیے ت کو ذال بنا دیا اور دونوں ذال میں ادغام رتشدید، کر دیا حرف کو مشدد اس لیے کیا جاتا ہے کہ جس طرح تشدید میں لفظی سختی ہوتی ہے اسی طرح اس صیغے اور مصدر میں معنوی سختی پیدا ہو جاتی ہے اس لیے جب کبھی کلام میں سختی یا تاکید پیدا کرنا مقصود ہو تو تشدید کر دی جاتی ہے جیسے کہ یہاں کیا گیا۔ اب اس کا ترجمہ ہوا خوب نصیحت پکڑتے ہیں مصدر ہے تذکّر ذکر سے مشتق ہے۔ بمعنی نصیحت پکڑنا یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ ذکر کرنا۔ اب تفعل میں تو پہلے ہی شدت کلام تھا مگر ذال کے ادغام نے اور شدت پیدا کر دی۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی موصوف صفت مل کر مجرور اور وہ متعلق دوم ہوا موجود پوشیدہ کا وہ اسم اِنَّ کا ہے۔ بعض حضرات اس کی وہی ترکیب کرتے ہیں جو ہم نے لِقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ میں کی ہے۔

تفسیر عالمانہ

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَ الزَّیْتُوْنَ وَ النَّخِیْلَ وَ الْاَعْنَابَ وَ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ

وہ اللہ جس کے سوا کائنات میں کوئی معبود و مسجود نہیں ہو سکتا۔ وہی ہے جس نے اپنی قدرت کاملہ و اختیار قاہرہ و حکمت باہرہ سے آسمان کی طرف سے فقط تمہارے لیے پانی اتارا۔ اس میں کتنے عظیم اور لاتعداد فائدے ہیں۔ پہلا فائدہ جو سب سے بڑا ہے کہ اس سے تمہارا پیاس بجھانا اور پینا ہے کہ اگرچہ انسان اور تمام جانوروں کا پیدا کرنا بھی بڑی قدرت ہے مگر اُن کے بقا کے لیے پانی اشد ضروری ہے اور جیسی لذتِ زندگانی مٹھاس غذائیت پانی میں ہے۔ ایسی کسی بناوٹی مشروب میں نہیں۔ پانی کا دوسرا فائدہ وَمِنْهُ شَجَرٌ۔ اسی پانی سے زمین میں تمام نباتات گھاس پھوس جھاڑیاں درخت ہیں شجر کا لغوی ترجمہ ہے اختلاف ہونا۔ مختلف چیزوں کا باہم جڑنا اسی معنی سے ہر نباتات کو خواہ چھوٹی ہو یا بڑی نباتات ہو اُس کو شجر کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے اصطلاحاً صرف بڑے تناور درخت کو شجر کہا جاتا ہے اور خودرو نباتات کو نسیۃ یا نجیم اور جن کو اُگایا جاتا ہے ان کو زرع کہا جاتا ہے۔ نباتات بھی قدرت کا عجیب شاہکار ہے کہ چھوٹے بیج سے تناور درخت یا نازک گھاس کا تنکا اور پھر ظاہر و باطن ایک پودے میں سینکڑوں نعمتیں ہیں۔ علماء عظام فرماتے ہیں کہ ایک ایک پودے میں تقریباً بیس بیس انسانی فائدے ہیں ۱ جڑیں ۲ اُن کی تاثیریں ۳ لکڑی ۴ شاخیں ۵ ان کے فائدے اور تاثیریں ۶ پتے ۷ پتوں میں دوائی اثرات ۸ حیوانات اونٹ گائے بھینس بکری کی خوراک ۹ خوشبودار پھول ۱۰ پھولوں کا عرق ۱۱ پھولوں سے شہد ۱۲ پھولوں سے عطریات ۱۳ پھولوں سے مختلف انسانی حیوانی دوائیاں ۱۴ پھولوں سے۔ بیج ۱۵ پھولوں کے بیج سے غلے اناج و خوراک ۱۶ درختوں کے خوش نما رنگ جس سے دل دماغ اور بینائی کا فائدہ اور علاج ۱۷ مختلف قسم کے پھل فروٹ ۱۸ اور پھلوں کے خوش نما رنگ ۱۹ پھلوں میں قوت اور لذت والی غذا ۲۰ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ان ہی درختوں پودوں میں تم جانوروں کو چرائے پھرتے ہو کہ اونٹ وغیرہ کو درختوں کے پتے گائے بھینس گھوڑے خچر وغیرہ کے لیے گھاس اور جھاڑیاں۔ پانی کا تیسرا فائدہ۔ اسی کے ذریعے رب تعالیٰ تمام انسانوں کے لیے کھیتیاں اُگاتا ہے اگرچہ محنت انسانی ہوتی ہے اور زیتون جیسی قیمتی اور مفید چیز بھی اسی پانی سے اُگتی ہے اطباء و حکماء فرماتے ہیں کہ زیتون کے فائدے بے شمار ہیں۔ اور اسی پانی سے کھجوروں کے باغ اور اسی سے خوشنما انگور اُگاتا ہے ان چیزوں میں بیک وقت بیشار لذت۔ تراوت اور غذائیت بھر دی گئی ہے اور مختلف بیماریوں کا قدرتی علاج بھی ہے ان کے علاوہ رب تعالیٰ نے نباتاتِ عالم میں بے شمار ایسے پھل فروٹ اسی پانی سے ایسے پیدا فرمائے جس کو انسانی دماغ شمار نہیں کر سکتا یعنی رب کریم نے انسان کی پرورش ہی نہ فرمائی کہ پرورش کے لیے صرف غلہ ہی کافی تھا بلکہ قوت لذت غذائیت حسنِ نظر زبانی مزیداری کے علاوہ بھینی خوشبوؤں سے بھی نوازا گیا اس طرح کھانے والے کو ایک لقمے میں بیسیوں نعمتیں نہیں مل جاتیں؟ مگر یہ کون سمجھتا ہے بد دماغ لوگ کب ان کو اپنی توجہ میں لاتے ہیں فرطاسِ دہر پر پھیلی ہوئی ان گنت قدرتیں صرف اُن لوگوں کے لیے ہی ایمان و عرفان کی نشانیاں ہیں جو اپنی صحیح الدماغی

سے کچھ غور و فکر تدبر کرتے ہیں اور حقیقت کو سوچتے ہیں کہ یہ سب کچھ گردش ایام ستاروں کے چکر چاند سورج کے ہیر پھیر سے نہیں ہو رہا بلکہ ان سب کے خالق تعالیٰ کی قدرت ہی سے ہو رہا ہے۔ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ اہل دنیا جہلا نجومیوں کے چکر میں پھنسکر یہ سمجھتے ہیں کہ شاید موسموں کی تبدیلی بہار و خزاں برگ و شجر بار و ثمر پھول پھل اور عالم ناسوت کی یہ چہل پہل سب کچھ چاند و سورج کی گردش سے خود بخود ہوتا چلا جا رہا ہے ان کی نادان نگاہیں ہر موقع پر ستاروں کی طرف اٹھتی ہیں قسمت کا حال سیاروں کی چال اور ستاروں کی گردش سے وابستہ کر دیتے ہیں ان بد مذہبوں نے کبھی بھی خالق خیر و شر کی طرف توجہ نہ کی حالانکہ اے کم عقلو باری تعالیٰ وہ ہے جس نے تمہاری ضروریات کے لیے رات و دن کو ایک دراز چکر میں چلا دیا اور جن چاند سورج ستاروں کو اے مشرکین کفار تم اپنا حاجت روا معبود سمجھتے ہو یہ باطل **معبود** تو اس سچے حقیقی معبود کے حکم تمہاری کے بندھے ہوئے مسخر غلام ہیں بیشک ان تمام اشیا میں تو عقل والی قوم کے لیے بہت بیان دینے والی بڑی بڑی نشانیاں ہیں بے عقلوں جاہلوں نے کیا سمجھا ہے وہ تو صرف یہی سمجھتے ہیں کہ دن نکلا تو کھیتوں۔ اسکولوں کالجوں یونیورسٹیوں اور سائنسی لیبارٹریوں تجربہ گاہوں میں گھس گئے اور لگے نئے نئے تجربے کرنے کبھی آسمان پر نگاہ اٹھائی تو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی فکر کرنے لگے اور اگر زمین کی طرف دیکھا تو زندگی کی ساری قیمتی سانسیں معدنیات کے تلاش کرنے نکالنے میں خرچ کر ڈالیں اور نئی نئی ایجادات کر کے یہ سمجھ لیا کہ دنیا میں زندگی کا مقصد پورا ہو گیا ارے بدنصیب یہ قیمتی زندگی دنیوی تجربوں یا سونے چاندی پٹرول نکالنے کے لیے نہیں دی گئی اگر تو حامل قرآن ہے تو ان اشیاء عالم کو دیکھ کر اپنے من کی دنیا میں ڈوب جا اور فقیر حال مست ہو جا اور اپنے خدا تعالیٰ کو پالے جب اہل عقل اور صاحب دل والوں نے خود آگاہی کو چھوڑ کر خدا آگاہی کی چشم بصیرت سے انہیں چاند سورج ستاروں کو دیکھا تو کوئی غوث و قطب بن گیا کوئی ابدال و اوتاد۔ یہ زندگی سائنسدان بننے کے لیے نہیں دی گئی بلکہ ولی اللہ بننے کے لیے ملی ہے یہ زندگی جہاز اڑانے کے لیے نہیں ملی بلکہ مقام کرامت تک پہنچکر مثل خواجہ اجمیری اپنی کھڑاؤں اڑانے کے لیے دی گئی ہے۔ اے حامل قرآن مومن تو اس لیے پیدا نہیں کیا گیا کہ ایٹم بم بنانے اور دنیا کو تباہ کرتا پھرے بلکہ تو تو اس لیے پیدا کیا گیا ہے کہ تیرا ایک چھوٹا سا رقعہ اور دو حرفی پیغام جائے اور دریائے نیل تھر آ جائے۔ کیسے نادان ہیں ہمارے موجودہ سائنس زدہ مسلمان جو کفار یہود و نصاریٰ کی سائنسی ترقی دیکھ کر ہر وقت کڑھتے رہتے ہیں ڈاکٹر اقبال نے اسلام کے علما و اولیا مساجد مدارس خانقاہوں نمازوں اور سجدوں کو نہ صرف اس لیے نفرت و حقارت کی کہ یہ لوگ انگریزی سائنسدانوں کی طرح سائنسی ترقی کیوں نہیں کرتے مسجدوں مدرسوں سے اب تک کیوں چپٹے ہوئے ہیں ذکر الٰہی کے وظیفوں نمازوں میں کیوں مشغول ہیں۔ اس طرح ہمارے ایک اقبال پرست موجودہ مفسر صاحب بھی اس آیت کی تفسیر لکھتے ہوئے سائنسدانوں کو اہل عقل سمجھتے ہیں اور اولیاء اللہ کو بے عقل حال مست کہہ کر دنیادار کی طرح مال مست کی شکل سمجھتے ہوئے

اولیاء اللہ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں پھر حیرانی یہ ہے کہ اس قسم کے شاعر و مفسر اہل اللہ، مسجد نشین کو تو بُرا کہتے اور حال مستی کو معطّل دیتے ہیں مگر خود ساری عمر کوئی سائنسی کمال نہیں دکھاتے صرف زبانی طعنے بازی اور اھل اللہ و خانقاہ، مدارس پر زبان درازی کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ دنیوی کام مثل گھاس پھوس جمع کرنے اور کھودنے کے ہے اور دینی کام مثل شہنشاہی کرنے اور سلطنت چلانے کے ہے جب کوئی بادشاہ و شہزادہ کسی گھسیارے پر حسرت نہیں کیا جاتا تو مومن کیوں حسرت و رشک کفار سائنسدانوں پر کرے۔ دنیوی کام کے لیے کفار کو پیدا کیا گیا ہے اور دینی کام کے لیے مومن مسلمان کو، کفار کم فضل خدام ہیں ان کو دنیوی کاموں کی طرف لگا دیا گیا مومن اہل عقل ہے اس آیت کریمہ میں اہل عقل سے اہل ایمان اولیاء علماء ہی مراد ہیں۔ قیامت میں کسی دانشور سے یہ سوال نہیں ہوگا کہ تو نے سائنس فلسفہ کیوں نہ پڑھا۔ اگر سائنس پڑھنا حیات دنیوی کا منتہا باکمال انسانیت ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام سائنسدان بن کر آتے اور سائنسی تجربے و ایجادات کرتے۔ اس قسم کے کم فہم مفسرین یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ اس آیت میں اہل عقل سے مراد سائنسدان ہیں۔ یہ تفسیر نہیں بلکہ تحریف کلام اور مسلمانوں کو منشاء قرآنی و راہ حق سے دور کر کے یہود و نصاریٰ کے راستے پر چلانے والی ہے۔ اس قسم کے لوگ یہ نہیں سوچتے کہ اگر قرآن مجید سائنسی تجربے کرانے کے لیے ہی حکم دے کر آیا ہے تو پھر یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیوں نہ کیا۔ اور اگر لِقَوۡمٍ یَّعۡقِلُوۡنَ سے مراد دنیوی تجربے کار لوگ ہیں اور علماء اولیاء صوفیاء یہ کام نہ کر کے قابل نفرت و طعن ہیں تو نبوی دور کے متعلق تم جیسے مفسرین کا ذہن کہاں تک پہنچیگا رب تعالیٰ سب کو ہدایت دے ان آیات کا مقصد یہ نہیں کہ ہر مسلمان سب کچھ چھوڑ کر بس دوربینیں پکڑ کر سائنسی لیبارٹری میں ہی مشغول ہو جائیں بلکہ مقصد یہ ہے کہ اے لوگو آسمان و زمین کے ظاہر و باطن سے جو کچھ بھی ظاہر ہو رہا ہے یا آئندہ ہوگا خواہ کسی ذریعے کسی کی محنت سے ہو یا کوئی بھی ذریعہ بنجائے زمین و آسمان میں تو لاکھوں چیزیں ہیں جن کے ظاہر ہونے کا وقت اور اسباب و ذرائع یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہے۔ جو کام جس کی تقدیر میں ہے وہ اسی نے کرنا کسی کے کسی کو مطعون کرنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔ اہل اللہ اور اہل دنیا، نیز مومن و کافر کی مثال ایسی ہے جیسے بادشاہ، شہزادے اور خدام۔ بادشاہ ہونگے ذمے سلطنت کے کام ہوتے ہیں جب کہ خدام کے ذمے بادشاہوں شہزادوں کی خدمت اسی طرح مومن کے ذمے عالم فقیہ اور غوث و قطب بننا ہے اور ہر کوشش کر کے اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے کام کرنا ہیں مگر دنیوی تجربہ کاروں کے ذمے دنیا کی ایجادات بنانا کی کمینوں خادموں۔ تو ان کے کاموں پر کیا رشک و حسرت کرنا۔ اے کم فہم تجھ کو تو یہ حسرت ہونی چاہیے کہ کاش ہم محدث مفسر عالم فقیہ غوث و قطب ولی بنجائیں اور صرف حسرت ہی نہیں بلکہ جانبازی سے کوشش کرنی کہ ہم بھی اللہ تعالیٰ کے رنگوں میں سے کسی رنگ میں رنگے جائیں کیا تو اللہ تعالیٰ کی اس آیت پر غور نہیں کرتا کہ اس نے تمہارے ہی لیے زمین میں مختلف خوشنما چیزیں پیدا فرمائیں۔ آسمان و زمین میں ہر طرف اسی رب کریم کی جلوہ گری ہے۔ بیشک ان میں معرفت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ اُس قوم کے لیے جو ہر وقت یاد الٰہی و ذکر الٰہی میں حال مست میں یہ نشانیاں دنیا سازی کے لیے نہیں بلکہ ایمان بخش

ہیں یہ فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: یہاں مسلمانوں کو یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ معاشی ترقی کے لیئے اپنے ملک میں کھیتی باڑی زیادہ سے زیادہ کرنی چاہیئے باغات کھیت سب مفید مگر کھیت افضل ہیں کیونکہ باغات کے بغیر زندگی گزر سکتی ہے مگر کھیت ضروریات زندگی میں سے ہیں اس سے غذا حاصل ہوتی ہے یہ فائدہ یُنۡبِتُ لَکُمۡ بِہِ الزَّرۡعَ میں زرع یعنی کھیت کو مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: تمام پھلوں میں سب سے زیادہ مفید اور افضل زیتون کھجور اور انگور ہے اس سے جتنی چیزیں بنتی ہیں اتنی کسی اور پھل سے نہیں بنتیں یہ فائدہ علی الترتیب تین پھلوں کے خصوصی ذکر سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ: دنیا کا سارا نظام رب تعالیٰ نے بندوں کے لیے پیدا فرمایا لہٰذا بندوں کو چاہیئے کہ ہر وقت شکر یعنی اتباعِ مصطفیٰ میں رہیں اور عشق و محبتِ محبوب میں سرشار رہیں یہ فائدہ سَخَّرَ لَکُمۡ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اس آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: آسمانی بارش کا پانی کسی وقت کسی پاک جگہ برسے وہ پاک ہے۔ ہاں گندی جگہ برسے تو وہ گندی جگہ اس کو ناپاک کرگئی جو برس رہا ہے وہ بہر کیف پاک ہے یہ مسئلہ مِنۡہُ شَرَابٌ بلا قید فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اور جب بارش پاک ہے تو تمام بخارات کا پانی بھی پاک ہے لہٰذا گو بربد انسانی گندگی کے بخارات اڑ کر چھت سے لگے اور وہ پانی بن کر کپڑوں یا بدن پر ٹپکا تو وہ کپڑے وغیرہ ناپاک نہ ہونگے بادل بھی زمینی بخارات ہی ہیں۔

دوسرا مسئلہ: امام اعظم اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا فرمان ہے کہ ہر مسلمان کو فلسفہ منطق علم طب علم نجوم اور علم فلکیات اور علم توقیت سیکھنا فرض ہے۔ یہ مسئلہ چاند سورج رات و دن کو مسخر کرنے کے ذکر سے مستنبط ہوا کہ علم سیکھنے کے لیے ہی رب تعالیٰ نے ان کو مسخر فرمایا ہے۔

تیسرا مسئلہ: اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کرنے کی غرض سے کھیتی باڑی باغات سازی اور دنیوی علوم میں مشغول ہونا بھی عبادت ہے۔ یہ مسئلہ لَاٰیٰتٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **اعتراضات** یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے تُسِیۡمُوۡنَ یعنی جانوروں کو چرانے کا ذکر ہے اور پھر انسان کے کھانے والی چیزوں کا ذکر کیا گیا اور دوسری آیت میں فرمایا گیا کُلُوۡا وَارۡعَوۡا اَنۡعَامَکُمۡ اس تبدیلی کا کیا فائدہ۔

جواب: اس آیت کی ترتیب میں انسانی اخلاق کی تعلیم ہے یعنی تم بھوکے جانوروں کی طرف پہلے توجہ دو اور اپنے سے زیادہ ان کا خیال رکھو اور اس دوسری آیت کی ترتیب میں کھانے کی تقسیم کا ذکر ہے یعنی ایک ہی چیز میں رب تعالیٰ نے تمہاری اور تمہارے جانوروں کی خوراک بنا دی کہ گودا اور دانے تم پہلے اپنے لیے علیحدہ کر لو یا کھا لو اور بھوسا اور چھلکا جو بعد میں بچتے ہیں وہ اپنے جانوروں کو کھلا دو۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ آسمانی بارش کے پانی کے ذریعے

کھیتی زیتون کھجور انگور اور کچھ پھل پیدا فرمائے کیونکہ یہ کلام مثبت ہے اور مثبت میں مِنْ تبعیضیہ ہوتا ہے حالانکہ تمام پھل ہی بارش سے پیدا ہوتے ہیں۔

جواب:۔ اولاً تو یہ قاعدہ ہی متفق علیہ نہیں ہے کہ کلام مثبت میں مِنْ تبعیضیہ ہی آسکتا ہے بعض نحاۃ کے نزدیک مِنْ زائدہ بھی ہو سکتا ہے۔ تو اگر اس مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ کے مِنْ کو زائدہ مان لیا تب تو اعتراض ختم ہو گیا لیکن مِنْ بعضیت کا مان کر جواب یہ ہے کہ دنیا میں کھیتی زیتون کھجور انگور تو پورے ہیں مگر مطلقاً پھل ہزارہا قسم کے ایسے ہیں جو دنیا میں نہیں بلکہ جنت میں ہیں لہٰذا مِنْ تبعیضیہ جنت کے قابل ہے۔ یا یہاں علاقائی تقسیم کے اعتبار سے بعضیت کا مِنْ ہے کہ ہر علاقے میں بعض پھل پیدا ہوتے ہیں نہ کہ تمام۔ اس لیے بعضیت کا مِنْ ہونا درست ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حالانکہ رات و دن کا اپنا کوئی وجود نہیں وہ تو سورج کی رفتار کا نام ہے تو اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو مسخر کیا۔

جواب:۔ یہاں مقصود کفار کے لیے اظہارِ نعمت ہے اور نعمت فائدوں کا نام ہے اس لیے پہلے نعمت کے فائدوں کا ذکر کیا یعنی دن و رات بعد میں سورج یعنی اصل نعمت کا ذکر کیا۔ نیز تسخیر کے معنی صرف عاجز کرنا ہی نہیں بلکہ نافذ کرتے اور پابندی کے ساتھ جاری رہنے کے معنی میں بھی بولا جاتا ہے تو یہاں مراد یہ ہے کہ رات اور دن کو جہان پر جاری و طاری کیا۔

تفسیر صوفیانہ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ۔ وہی اللہ وہ ہے جس نے آسمانِ نبوت سے قرآن مجید کا پانی حدیث پاک کی بارش تم سب مخلوق کے لیے اتاری جس سے تم کو ایمان کا شربت ملا اور ایمان کے درختِ اعمال کے پھول پھل اور سرسبز و شاداب عبادتوں کی چراگاہیں میسر ہو گئیں جس سے تمہارے قلب عشقِ الٰہی اور محبت نبی کا چارہ چرتے ہیں اور تمہارے نفوسِ قدسیہ ریاضتوں کی غذائیں چرتے ہیں اسی ابرِ رحمتِ نبوت کی جھومتی گھنگھور گھٹا کی موسلا دھار انوار تجلیات کی بارشوں سے چمنستانِ مومن میں تمہارے ہی لیے معرفت کی کھیتیاں عبادت کی تازگی والے سجدوں کے زیتون اور صدقات و خیرات کی تر و تازہ کھجوریں اور ادب و احترام کے رس بھرے میٹھے انگور اور ہر قسم کے ذکر و اذکار کے پھل اگائے بیشک مومن کاملین ان نعمتوں کا ظہور بہت ہی بڑی حیرت میں ڈال دینے والی قدرت کی نشانی ہے اس قوم کے لیے جو ہمیشہ شاہکارِ قدرت میں غور و تدبر تفکر و تنظر کرتے رہتے ہیں صوفیاء کرام کے نزدیک دنیا کا آسمان چاند سورج ستاروں والا اونچا آسمان ہے لیکن آخرت کا آسمان ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس کے سورج و ستارے قرآن و حدیث و عبادات ہیں۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرٰتٌۢ بِاَمْرِهٖ ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ۔

اے راہِ معرفت کے متلاشیو تمہارے ہی لیے تمہارے رب تعالیٰ نے مراقبے کی رات اور مشاہدے کا دن مسخر و جاری فرمایا ہے اور تمہارے لیے ہی قرآن مجید کا سورج اور حدیث پاک کا چمکتا چاند مسخر و محفوظ اور نافذ فرمایا۔ اور آسمان عبادتوں کے چمکتے ستاروں جیسے سجدے روشن قیام دمکتے رکوع اسی کے حکم سے مثل نجوم مسخر و موجود ہیں بیشک قربِ الٰہی کے ان آسان ترین راستوں میں عقلِ سلیم والی قوم کے لیے بڑی نشانیاں ہیں اور وہ جو تمہاری زمینِ قلبی میں عشقِ الٰہی محبتِ مصطفوی عقلِ ایمانی فہم رسائی کے رنگ برنگ پھول کلیاں اور غنچے کھلائے اور نفس امارہ میں کفر نفاق فسق بے ادبی حسد بغض غرور و تکبر کی جھاڑیاں کانٹے اگائے ہیں ان میں انہیں ذکر کرنے والوں یا تذکرہ پڑھنے والوں اور نصیحت پکڑنے والوں کے لیے بہت عبرت کی نشانیاں ہیں اے انسان یہ سب کچھ زوال پذیر ہے۔ یہاں ہر ایک کا سفر جاری ہے۔ اے امتحان گاہِ ناسوتی میں رہنے والے تو سفر کُن کی طرف منتقل ہونے والا ہے۔ تیری عمر فانی کے کتنے ہی لیل و نہار گزر گئے۔ تیرے کان میں اللہ کی ایک بات بھی نہیں پہنچی تجھے معلوم ہے اس دنیا نے تجھ جیسے کتنے مغروروں اکڑ والوں کو فنا کا زہر پلا دیا اس لیے اے بندے غافل نہ بن طالب بن۔ منزلِ معرفت تک پہنچنے کے لیے صرف دو ہی قدم ہیں ایک قدمِ نفس دوسرا قدمِ خلق اگر تو نے دو قدموں پر قابو پالیا تو اے مریدِ طالب اپنے رب تک آسانی سے پہنچ جائے گا۔ پہلے قدم کا نام دنیا ہے اور دوسرے قدم کا نام آخرت ہے بندہ وہی کامیاب ہے جو حبسِ عقل سے نکلکر قفلِ قلب کا حاضر باش ہو جائے تیز چلکر صفِ اوّل میں جگہ بنائے محفلِ قلب کے تبرکات متعدد و صفو ہیں اُن کا خواہش مند بنجائے۔ قلب کی آواز پر کان لگائے کیونکہ قلبِ مومن اللہ کا نقارہ ساز ہے اور نقارہ دعوت الی اللہ ہے پکار کی صدائیں اٹھ رہی ہیں کہ ابھی وقت و مہلت ہے۔ اے توبہ کے طلبگار و خلوص کے جویا دُاگے آجاؤ۔ محفلِ قلب کی پانچ صفیں ہیں۔ پہلی صف مقامِ ولایت دوسری صف مقامِ مدارج تیسری صف خاصانِ خدا کے لیے چوتھی صف الہاماتِ الٰہیہ والوں کے لیے پانچویں اور آخری صف محبوبِ تعالیٰ کی محفل ہے۔ عکوس والوں کو ان صفوں میں جگہ ملتی ہے۔ قلبِ مومن پہلی صف کے لیے مثل دن ہے۔ دوسری کے لیے مثل شمس ہے تیسری کے لیے مثل قمر ہے چوتھی کے لیے مثل نجوم پانچویں کے لیے مثلِ لیل کہ وہاں خلوت کا اندھیرا ہے نامحرم کو خلوتِ محبوب کا آستانہ نہیں دکھایا جاتا۔ لہٰذا ریاکاری کا کوڑا اور زہر کا غرور پھینک دو تاکہ دل والوں کی محفل سے حصہ پاؤ ورنہ محرومی تو بہت ہی آسان ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا

اور وہ اللہ ہے جس نے اپنے تابع فرمان کیا دریا کو تاکہ تم اس سے پاکیزہ

اور وہی ہے جس نے تمہارے لئے دریا مسخر کیا کہ اس میں سے تازہ گوشت

طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا

گوشت کھاؤ اور تاکہ نکالو تم اس سے وہ زیور جو تم پہنتے ہیں لاتے ہو

کھاتے ہو اور اس میں سے گہنا نکالتے ہو جسے پہنتے ہو

وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ

اور تو دیکھتا ہے کشتیوں کو کہ پانی کو چیرنے والی اس میں اور تاکہ طلب کرو تم

اور تو اس میں کشتیاں دیکھے کہ پانی کو چیر کر چلتی ہیں اور اس لیے کہ تم اس کا

فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۴﴾ وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ

اس کا فضل اور تاکہ تم شکر کرو اور اس نے ڈالے بوجھل زمین میں

فضل تلاش کرو اور کہیں احسان مانو اور اس نے زمین میں

رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ

کہیں کہ کہیں حرکت کر جائے تم سب کی وجہ سے اور نہریں اور راستے بنائے تاکہ سفر حضر کی

لنگر ڈالے کہ کہیں تمہیں لے کر نہ کانپے اور ندیاں اور رستے کہ

تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵﴾ وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۱۶﴾

ہدایت پاؤ اور بہت نشانیاں بنائیں اور ایک ستارے سے وہ سب تا قیامت ہدایت پانے رہیں گے

تم راہ پاؤ اور علامتیں اور ستارے سے وہ راہ پاتے ہیں

أَفَمَن يَخْلُقُ كَمَن لَّا يَخْلُقُ ۗ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ ﴿١٧﴾

تو کیا وہ ذات جو خالق ہو اُس کی مثل ہے جو خالق نہ ہو

تو کیا جو بنائے وہ ایسا ہو جائے گا جو نہ بنائے تو کیا تم نصیحت نہیں مانتے

وَإِن تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللَّهِ لَا تُحْصُوهَا ۗ إِنَّ اللَّهَ

اور اگر گننا چاہو تم اللہ کی نعمت تو کبھی نہ گن سکو گے اُن کو بیشک البتہ اللہ

اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو انہیں شمار نہ کر سکو گے بیشک اللہ

لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٨﴾

بخشنے والا رحم والا ہے

بخشنے والا مہربان ہے

تعلق ۔ ان آیتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیت سے چند طرح ہے ۔ **پہلا تعلق** باری تعالیٰ جل مجدہ نے حیوانی انسانی مخلوق کے لیے جو نعمتیں پیدا فرمائیں ان کے مرکز و مخزن تین جگہ قائم فرمائے آسمان زمین اور پانی پچھلی آیت میں آسمانی و زمینی نعمتوں کا تذکرہ ہوا ۔ اب ان آیت میں دریائی و آبی نعمتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے ۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں تین قسم کے مقامات کا ذکر کیا گیا ۔ جہاں سے انسانوں کو بقاءِ زندگی کے لیے رزق ملتے ہیں اب ان آیت میں انسانی حیوانی رہائش گاہ کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ رہائش صرف زمین پر ہو سکتی ہے اس لیے اس کو ساکن کیا گیا ہے اگر یہ بھی چاند سورج ستاروں یا پانی کی طرف چلتی پھرتی تو کبھی بھی اس پر ٹھیرا اُن نہ رہتا یا پھر پانیوں میں شہر آباد ہوتے یا چاند سورج میں مخلوق کو رکھا جاتا ۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں آسمانی زمینی دریائی نعمتوں کا ذکر ہوا ۔ اب یہاں اُن کے برتنے فائدہ حاصل کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اور ان نعمتوں کے حصول کا طریقہ و علم سکھایا جا رہا ہے کہ آسمانی زمینی دریائی علوم حاصل کر کے نعمتیں مہیا کرلو فائدہ اٹھالو ۔

تفسیر نحوی

هُوَ الَّذِي سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَتَسْتَخْرِجُوا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُونَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيهِ وَلِتَبْتَغُوا مِن فَضْلِهِ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ۔

واؤ سر جملہ ہُوَ ضمیر مرفوع منفصل اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر ھُوَ مبتدا کا مرجع اور الذی خبر مبتدا سے باری تعالیٰ

مراد ہے۔ سَخَّرَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف اس کا مصدر ہے تسخیر، سَخَرٌ سے بنا ہے بمعنی عاجز ہونا یہ لازم ہے عاجز کرنا ماتحت
کرنا تابع کرنا قابو میں کرنا یہ مصدری ترجمہ متعدی ہے یہاں یہی معنی ہیں۔ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اَلْبَحْرَ الف لام استغراقی
بمعنی عام بحر اسم مفرد جامد بمعنی دریا بحالت فتحہ ہے۔ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ لام کے تعلیلیہ تاکلوا باب نصر کا
مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَکْلٌ سے مشتق ہے بمعنی کھانا۔ واؤ ضمیر تاکلوا اس کا فاعل ہے۔ اَکَلَ گئے ہیں ان نا جو پوشیدہ
ہوتا ہے اس نے نصب دیا لہٰذا تاکلون کی نونِ اعرابی گر گئی۔ مِنْ جارہ سببیہ یا بعضیت کا۔ ہٗ واحد مذکر غائب مجرور متصل
کا مرجع بحر ہے یہ جار مجرور متعلق ہے لتاکلوا کا۔ لحمًا اسم مفرد جامد بمعنی گوشت اس کی جمع لحوم ہے اسی سے ہے لحیم یعنی موٹا
زیادہ گوشت والا۔ موصوف طریًا صفت ہے اسم مفرد جامد بمعنی پاکیزہ۔ حلال۔ تازہ لذیذ یہ مرکب توصیفی بحالت نصب
ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تاکلوا کا۔ واؤ عاطفہ تستخرجوا باب استفعال کا فعل مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے
استخراج متعدی ہے بمعنی نکالنا حاصل کرنا خروج سے بنا ہے لازم ہے بمعنی نکلنا۔ منصوب ہے کیونکہ معطوف ہے
لتاکلوا کا مِنْ جارہ بمعنی فی ظرفیہ کا ہٗ ضمیر کا مرجع بحر ہے۔ حلیۃ اسم مفرد مؤنث لفظی یہ تانیث کی ہے یا تنکیر دینا وحدت
کی ہے اس کی جمع ہے حُلِیّ بمعنی زیور یا مراد ہے سونا چاندی اور ہیرے جواہرات لفظ حلیۃ سب کو شامل ہے بعض
کے نزدیک وہ چیزیں مراد ہیں جس سے زیور بنتا ہے یعنی معنوی طور پر ذات مراد لی گئی ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول
بہ ہے ماقبل کا اور موصوف ہے مابعد کا۔ تلبسون۔ باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر لُبْسٌ سے
بنا ہے بمعنی پہننا لباس بنانا چھپانا ملاوٹ کرنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں اَنْتُمْ ضمیر اس کا فاعل مراد عام انسان ہیں ھا ضمیر اس
کا مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی حلیۃ کی وہ سب مفعول بہ ہے اور یہ جملہ فعلیہ معطوفہ ہوا سب مل کر علت
ہوئی سخر کی۔ واؤ یہ جملہ تریٰ باب فتح کا فعل مضارع معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل
رائی سے بنا ہے بمعنی دیکھنا غور کرنا۔ الف لام معرفہ جنسی الفلک اسم جمع مکسر منصرف بروزن اُسْدٌ اس کا واحد بھی فُلْکٌ
بروزن قُفْلٌ بمعنی کشتی بحری جہاز مفتوح ہے مفعول بہ ہے۔ مواخر اسم جمع منتہی الجموع اس کا واحد ہے ماخرۃ یہ مصدر میمی
ہے بمعنی اسم فاعل مخر یا اَخْرٌ سے مشتق ہے بمعنی پیچھے کرنا آخر کرنا پانی کو چیرنا یہاں ترجمہ ہے پانی کو چیرنے والیاں پیچھے
چھوڑنے والیاں فی جارہ ظرفیہ مکانیہ ہٗ ضمیر کا مرجع بحر ہے۔ واؤ عاطفہ۔ لام کئے جب مضارع پر آتا ہے تو مکسور ہو جاتا ہے
اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے جو مضارع کو نصب دیتا ہے تبتغوا باب افتعال کا فعل مضارع مثبت معروف
جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مراد ہے عام انسان اس کا مصدر ہے ابتغاء بمعنی چاہنا
ڈھونڈنا یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں بغی سے مشتق ہے نون اعرابی بوجہ نصب گر گئی دراصل تبتغون تھا مِنْ جارہ
تبعیضیہ فضل اسم مفرد جامد حاصل مصدر اس کی جمع ہے فضائل بمعنی کسی اچھی چیز کی زیادتی یا بمعنی اللہ کا انعام و نعمت، مہربانی
یہاں یہ معنی بہتر ہیں اچھی چیز کی زیادتی کو فضل کہا جاتا ہے عام چیز کی زیادتی کو کثرت کہا جاتا ہے۔ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ

ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر علتِ دوم ہے سَخَّرَ کی واؤ عاطفہ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ باب نصر کا مضارع احتمالی صیغہ جمع مذکر حاضر شُکْرٌ سے مشتق ہے نعمت کا چرچہ کرنا قدر پہچاننا احسان ماننا یہاں سب معنی مراد ہیں یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اور علتِ سوم ہے سَخَّرَ کی۔ اور تمام معلول علت مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا وہ سب مل کر خبر ہے هُوَ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔

وَاَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۔ وَعَلٰمٰتٍ ؕ وَبِالنَّجْمِ هُمْ یَهْتَدُوْنَ ۔ اَفَمَنْ یَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ ؕ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۔ واؤ بر جملہ اَلْقٰى باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف مصدر ہے۔ اِلْقَاءٌ لَقْیٌ سے بنا ہے بمعنی زمین پر ڈالنا اس طرح کہ ساری چیز نظر آتی رہے یا بمعنی زمین میں ڈالنا اس طرح کہ کچھ چھپ جائے اسی کو ٹھونکنا کہتے ہیں۔ اس میں هُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام عہد ذہنی ارض مفرد جامد بمعنی زمین جار و مجرور متعلق ہے اَلْقٰى کا۔ رَوَاسِیَ اسم جمع منتہی الجموع اس کا واحد ہے رَاسِیَۃٌ بمعنی بوجھ اور ایک جگہ جم جانے ٹھہر جانے والی چیز بحالتِ فتحہ کیونکہ مفعول بہ ہے اَلْقٰى کا اَنْ ناصبہ نفی کیلئے یعنی یہ نہ ہو کہ۔ خیال رہے کہ اَنْ ناصبہ کے پانچ معنی ہوتے ہیں مطلب یہ کہ ہو جائے یہ نہ ہو کہ (۲) تاکہ (۳) ایسا کرو (۴) کیونکہ تَمِیْدَ باب ضرب کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب ہِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ارض ہے مَیْدٌ سے مشتق ہے بمعنی بڑی چیز کا ہلنا جلنا یہاں لِئَلَّا یا کَرَاهَةَ پوشیدہ ہے دراصل عبارت لِئَلَّا تَمِیْدَ یا کَرَاهَةَ اَنْ تَمِیْدَ پہلا قول نحاتِ بصرہ کا ہے اور دوسرا قول کوفی نحویوں کا بِکُمْ جارہ بمعنی مَعَ کُمْ ضمیر مجرور متعلق ہے تَمِیْدَ کا واؤ عاطفہ اَنْهٰرًا جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَهْرٌ بمعنی بنایا ہوا پانی کا راستہ بحالتِ فتحہ عطف ہے بَحْر پر یہاں جَعَلَ فعل پوشیدہ ہے۔ واؤ عاطفہ سُبُلًا اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے سَبِیْلٌ بمعنی راستے سڑکیں دوڑنے بحالتِ نصب ہے عطف ہے نہرًا پر اَنْ تَمِیْدَ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول لہٗ ہے اَلْقٰى کا لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ باب افتعال کا فعل مضارع احتمالی صیغہ مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ علت ہے اَلْقٰى کی هُدًی سے بنا ہے بمعنی ایمان اور اسلام قبول کرنا واؤ عاطفہ ہے عَلٰمٰتٍ جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے عَلَامَۃٌ بمعنی نشانِ راہ زمین کی نشانیاں موڑ وغیرہ بحالتِ فتحہ ہے معطوف ہے رَوَاسِیَ کا ایک قول میں یہاں وَضَعَ ماضی پوشیدہ ہے اور علامت منصوب اس کا مفعول بہ ہے واؤ بر جملہ بِ جارہ سببیہ الف لام استغراقی یا عہدی نجم اسم مفرد جامد جنسی اس کی جمع ہے نجوم ترجمہ ہے ستارے بِ جارہ سے مجرور ہے متعلق مقدم ہے مابعد فعل یَهْتَدُوْنَ کا هُمْ ضمیر جمع غائب مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے یَهْتَدُوْنَ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ظاہر غیر قابل والی اس کا فاعل نہیں ہو سکتی کیونکہ فاعل ظاہر یا ضمیر کبھی بھی اپنے فاعل فعل سے پہلے نہیں ہو سکتا البتہ دوسرے معمول اپنے فعل سے مقدم ہو سکتے ہیں۔ فاعل ضمیر کا مرجع اہلِ مکہ ہیں یا سب انسان تا قیامت ایک قول میں بِالنَّجْمِ پوشیدہ فعل کا متعلق ہے مابعد فعل کا کوئی متعلق نہیں ہو سکتا ان کے نزدیک عامل معمول کے درمیان کسی اجنبی کا فاصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہاں درمیان والا هُمْ ضمیر اجنبی ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ اولاً تو یہ فاصلہ

جلہ جائز فائدہ ہی غلط ہے اجنبی کا فاصلہ ہو سکتا ہے جس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں تفصیل کے لیے ہمارے فتاوٰی نعیمیہ جلد اول میں پیروں کے مسح والا مسئلہ مطالعہ فرماؤ۔ دوم یہ کہ ھُمْ یُخْلَقُوْنَ میں ھُمْ اجنبی نہیں بلکہ جملے کی جز ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ اَفَمَنْ۔ آ ہمزہ سوالیہ انکاریہ یعنی ایسا نہیں فَ حرف ابتدا برائے تہیں کلام اظہار وجہ کے لیے ہوتی ہے مَنْ اسم موصول مراد ہے ذات باری تعالیٰ یَخْلُقُ۔ فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر فاعل مستتر کا مرجع مَنْ ہے۔ باب نصر سے ہے خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنی پیدا کرنا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مبتدا ہوا کَ حرف جر تشبیہ کے لیے ہر قسم کی مشابہت کو عام ہے مَنْ اسم موصول بحالت جر ہے کاف جارہ سے لَا یَخْلُقُ باب نصر کا مضارع منفی معروف بمعنی حال خَلْقٌ سے بنا ہے ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع مَنْ ہے۔ اور اس دوسرے مَنْ سے مراد بت ہیں۔ یہ جملہ فعلیہ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا اور دو متعلق ہے ثابت یا کَائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا اَفَمَنْ کی آ ہمزہ استفہامیہ سوال اقرار کے لیے۔ یعنی ضرور نصیحت پکڑ لو فَ حرف ابتدا۔ لَا تَذَکَّرُوْنَ باب تفعیل کا مضارع معروف منفی بلا صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے اور خطاب ہے سب کفار کو دراصل تھا تَتَذَکَّرُوْنَ تَ علامت مضارع کو گرا دیا کیونکہ دوسری تَ مصدر اس کی جگہ ہے ذکر سے مشتق ہے بمعنی نصیحت پکڑنا۔ واؤ حرف جار حرف شرط تَعُدُّوْا باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر مجزوم ہے اِنْ شرطیہ نے جزم دیا ہے دراصل تھا تَعُدُّوْنَ نون اعرابی جزم سے گر گئی عَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گننا۔ اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع عام انسان نِعْمَۃَ اسم مفرد جامد جنسیت وحدت کی ہے یا تانیث کی مضاف ہے لفظ اللہ اسم مفرد جامد اسم اعظم ذات جل مجدہ کا۔ مضاف الیہ بحالت جر یہ مرکب اضافی بحالت فتح مفعول بہ ہے تَعُدُّوْا کا لغت کا معنی ہے علما و فقہ مفید چیز لَا تُحْصُوْا باب افعال کا مضارع منفی معروف جمع مذکر حاضر۔ اس کا مصدر اِحْصَاءٌ بمعنی گنتی صحیح اور مکمل کرنا۔ احاطہ کرنا گھیر لینا یہاں پہلے معنی میں ہے حَصٰی سے بنا ہے ہر وقت متعدی ہوتا ہے۔ دراصل تھا۔ لَا تُحْصِیُوْنَ بروزن لَا تُکْرِمُوْنَ ی لام کلمے پر ضمہ بوجھل ہوا لہٰذا ضمہ ماقبل کو دیا دو ساکن جمع ہو جانے سے ی گر گئی۔ واؤ نہیں گری کیونکہ علامت جمع ہے آخر کا نون اعرابی اِنْ شرطیہ نے گرا دیا کیونکہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے لَا تُحْصُوْا کا۔ اِنَّ حرف تحقیق۔ اللہ اسم مفرد جامد بحالت فتح کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا۔ لام مفتوحہ ابتدائیہ خبر اِنَّ کی تاکید کے لیے آیا۔ غَفُوْرٌ۔ اسم مبالغہ بروزن فَعُوْلٌ غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنی چھپانا۔ مٹانا۔ بخشنا یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ مرفوع ہے کیونکہ خبر اول ہے اِنَّ کی رَحِیْمٌ۔ اسم صفت مشبہ۔ رَحْمٌ کی مشتق ہے ترجمہ ہے۔ بہت ہی رحم کرنے والا۔ مرفوع ہے کیونکہ خبر دوم ہے۔ اِنَّ کی یہ سب کچھ مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَھُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْہُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْہُ حِلْیَۃً تَلْبَسُوْنَھَا وَتَرَی الْفُلْکَ مَوَاخِرَ فِیْہِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ وَلَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ

اور کتنی عظیم حیران کن قدرتوں والا ہے وہ اللہ تعالیٰ جس نے زمین کے آس پاس چاروں طرف بحر بیکنار

پھیلے ہوئے سمندر وحشت ناک پانی اور اُسکی لہروں کو مسخر عاجز و مسکین پابند کمین کر دیا تاکہ تم اے انسانو اس سخت نمکین کڑوے سمندری پانی سے نکالکر تازہ پاکیزہ نرم و نازک میٹھا لذیذ گوشت کی مچھلیاں پکڑ سکو اور اُس سے ہزار چیزیں بنا کر کھاؤ اور اس سمندر کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ تم اس سے بہت نیچے جاکر غوطہ خوری کے ذریعے اور رب تعالیٰ کی دی ہوئی عقل کے ساتھ قسم قسم کے موتی جواہرات ہونگے مرجان سیپیوں کے زیور نکالو جن کو تم لباس بناتے ہو اپنی بیویوں بہو بیٹیوں کے لیے سمندر کا تیسرا فائدہ یہ کہ اس بحرِ عظیم پانی میں ایسی عظیم کشتیاں دن رات نہایت آرام اور تیز رفتاری سے پانی کو چیرتی ہوئی چلتی رہتی ہیں۔ بپھری ہوئی لہروں کو پہاڑ جیسی موجوں کو اُس ہی خالق و رحیم کریم نے تنکوں جیسی کشتیوں کے لیے بڑے بڑے بحری جہازوں کے لیے مسخر و نرم کر کے تحمل کی طرف پھا دیا صرف اس لیے کہ وَلِتَبْتَغُوا مِنْ فَضْلِهِ تاکہ تم ساری دنیا کے انسانو سمندری دریائی سفر کے ذریعے تجارت و کاروبار کر کے اُس خالق تعالیٰ کا فضل دولت حرمت سامان رزق خوراک کی شکل میں تلاش کر سکو اور مولیٰ کریم نے یہ سب شاہکار قدرت کیوں ظاہر فرمائے اصل مقصود کیا ہے وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ اور تاکہ تم قدرتی نعمتیں کبھی اجرام فلکیہ میں کبھی چاند سورج ستاروں میں کبھی انسانی بدن اور نفوس آدمیت میں کبھی حیوانات چرند پرند و درند میں کبھی ثمرات و شجرات و نباتات میں اور پھر کبھی بحرِ ذخار کی موج کے طوفانوں میں دھارکی لہروں پاٹ کی موجوں میں دیکھ کر شکر پروردگار کرو اور شکر گزار بندے بن جاؤ۔ غور تو کرو کہ پانی بھی اُس نے پیدا کیا اور پانی میں سفر کرنے کے لیے کشتی جہاز آبدوزیں بنانا بھی اسی رب کریم نے سکھایا کہ سب سے پہلے اُسکے ہی حکم حضرت نوح علیہ السلام نے اُسی رب تعالیٰ کے سکھانے بتانے سے کشتی نما آبدوز جہاز بنایا پھر اُس کی نقل میں بعد کے دوسرے انسانوں نے کشتیاں جہاز بنائے نوح علیہ السلام سے پہلے دنیا میں کبھی کسی نے کہیں کوئی کشتی نہ بنائی تھی۔ (تفسیر ابن کثیر) جہاز رانی میں سب سے زیادہ ایجادات ترقی اور قوت مسلمان قوم نے کی باقی اقوام نے ان کی نقل اور تقلید کی۔ دریائی جانوروں میں طَرِیًّا صرف مچھلی ہی ہے جو پاکیزہ و نرم تازہ ہو تو کھانے کے لائق جلدی بگڑ جانے والا۔ کسی دوسرے جانور کا گوشت اتنا نرم نہیں ہوتا اسی لیے فقہی اصطلاح میں مچھلی کو گوشت نہیں کہا جاتا۔ اور یہاں اس کو لحم فرمانا مجازاً ہے۔ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ وَاَنْهٰرًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ۙ وَعَلٰمٰتٍ ۭ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ ۭ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۝ اور اُس رب قدیر نے گاڑھ دی ہیں زمین میں ایک جگہ ٹھہرا دینے والی سنگلاخ بے شمار کیلیں کہ کہیں ہل جائے۔ یعنی تاکہ ہل نہ پڑے۔ تمام متقدمین و متاخرین فلاسفہ اور علماء ہیئت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین ایک کرہ ہے اور انڈہ نما گیند کی شکل پانی میں پڑی ہوئی ہے اس کا صرف ایک چوتھائی اوپر ظاہر ہے اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمۃ ربع سکون کا نام دیتے ہیں تین چوتھائی پانی کے اندر ہے۔ چاروں طرف سمندر ہوتا تو ہر شخص کو نظر بھی آرہا ہے اس ربع سکون پر ہی سب انسان چرند پرند نباتات حیوانات پہاڑ ندی نالے رکھے گئے ہیں۔ دنیا کے جزیرے جیسے برطانیہ جزائر انڈیمان (کالا پانی وغیرہ) صرف اس لیے بنجاتے ہیں کہ جہاں سطح زمین نیچی تھی وہیں سمندر آگیا اور اس طرح ایک اونچا ٹکڑا جزیرہ کہلانے لگا

ورنہ سب زمین ایک جڑا ہوا کرہ ہے جزیرے جزیرے جدا نہیں نہ یہ دوسری تیسری زمین ہے۔ جیسا کہ بعض احمقوں نے جزیروں کو جدا زمین سمجھ کر سات زمینوں کی گنتی پوری کی۔ سائنسدانوں اور اُن کی جی حضوری میں بعض اردو مفسرین نے انتہائی غیر ذمہ داری اور نادانی کا ثبوت دیتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ زمین مثل سیارہ گردش کرتی ہے حالانکہ حرکت زمین پر ان نادانوں کے پاس مضبوط دلیل تو درکنار کوئی بھونڈی دلیل بھی نہیں۔ جب کہ زمین کے ایک جگہ ٹھہرنے پر عقلی۔ نقلی۔ قرآنی۔ حدیثی۔ مشاہداتی۔ منطقی فلسفی تقریبًا اٹھارہ دلائل ہیں جن کو کوئی توڑ نہیں سکتا جس کی کچھ تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں ملاحظہ فرماؤ۔ یہاں بس اتنا سمجھ لو کہ قرآن مجید کی اس آیت اَنْ تَمِيْدَ کے علاوہ تقریبًا گیارہ آیتوں سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ چاند سورج گردش میں ہیں نہ کہ زمین اور یہ کہ زمین پانی پر رکھی ہوئی ہے اور جو پانی میں ہو وہ سیاروں کی طرح گردش کس طرح کر سکتی ہے دوم یہ کہ یہ آیت اور سورہ انبیاء کی آیت ۳۱ سورۃ لقمان کی آیت ۱۰ یہی بتا رہی کہ زمین ٹھہری ہوئی ہے اس لیے کہ پہاڑ مثل کیل زمین میں ٹھکے ہوئے ہیں زمین پر صرف بوجھ بن کر رکھے ہوئے نہیں ہیں اسی لیے ارشاد ہے۔ فِي الْاَرْضِ نہ کہ عَلَى الْاَرْضِ۔ اور رب تعالیٰ خالق کائنات نے زمین میں پہاڑوں کی کیلیں ٹھونکی ہی اس لیے ہیں کہ زمین کو ٹھہرانا مقصود ہے سوم یہ کہ پہاڑوں کو رواسی فرمایا اسی لیے کہ وہ ایک جگہ ٹھہرے ہیں اور زمین کو بھی ٹھہرائے ہوئے ہیں اسی معنیٰ کی بنا پر اہل عرب بندرگاہ (ٹرمینل) کو مرسیٰ کہتے ہیں۔ لہٰذا ان چند وضاحتی باتوں سے ثابت ہوا کہ نہ یہ زمین ہوائی جہاز کی طرح پرواز میں ہے کیونکہ تسخیر بحر کے زمرہ میں ہے نہ مثل بحری جہاز رفتار میں ہے کیونکہ اَلْقٰى فِي الْاَرْضِ۔ ہے چہارم یہ کہ جو چیز پانی میں چلتی ہے وہ ضرور دائیں بائیں ہچکولے کھاتی ہے خواہ اس پر کتنا ہی بوجھ لدا ہو۔ لیکن زمین کبھی ہچکولے نہیں لیتی کیونکہ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ ہے اور مشاہدہ بھی یہی ہے نیز پانی میں چلانے کا آخر مقصد کیا ہے وہ ذات پاک تو فضولیات اور بیکار کام سے پاک ہے رہا زمین پر رات دن کا بننا اور چاروں طرف سورج کی دھوپ روشنی و حرارت کا پہنچنا تو سورج کی گردش سے ہی حاصل ہو رہا ہے۔ زمین کے چلنے پھرنے کی حاجت نہیں اس لیے حرکت زمین کا قائل ہونا بیہودہ خیال اور سر پھروں کا کام ہے۔ انعام ربانی تو دیکھو کہ اسی زمین خشک پر میٹھے پانی کی نہریں چلائیں اگر نہریں اور دریا بھی مسخر نہ ہوں تو وہ بھی سیلاب بن کر عذاب ڈھا دیں۔ اسی پروردگار عالم نے انسانوں حیوانوں کے چلنے پھرنے سفر کرنے کے لیے اور گم شدگی سے بچانے کے لیے بے شمار راستے بنائے علم ہیئت اور جغرافیہ دان فرماتے ہیں کہ جس طرح زمین پر سڑکوں گلیوں۔ دروں پگڈنڈیوں۔ وادیوں گھاٹیوں۔ نالیوں۔ کھائیوں سے راستے بنائے گئے ہیں اس طرح سمندر میں بھی لہروں اور مختلف رنگدار پانیوں کے ذریعے قدرت الٰہیہ نے مضبوط راستے بنائے ہیں جو صرف مسافران بحری اور جہاز ران کمپنی والے ہی جانتے پہچانتے ہیں۔ کیسا کرم ہے کہ سطح زمین پر راستے بنائے اور زمین کی بلندیوں پر درختوں وغیرہ سے نشانات بنا دئے یعنی راستوں کو پہچاننے کے لیے پہاڑوں گھاٹیوں جنگلات و اشجار کی علامات بنا ڈالیں۔ صحیح

قول یہ ہے کہ سبلاً اور علامات دونوں کا عطف سخر پر ہے نہ کہ القیٰ پر کیونکہ القیٰ کے لیے فی الارض فرمایا گیا جبکہ علامات علی الارض یعنی زمین کے اوپر ہیں نہ کہ اندر لہٰذا القیٰ صرف پہاڑ ہیں اور اس قدرتوں والے کریم رحیم مولیٰ تعالیٰ نے ستاروں کو پیدا فرما دیا کہ انہی کے ذریعے یہ بندے ہر وقت سفر حضر بحری خشکی ہوائی راستوں پر منزل کی ہدایت پاتے ہیں۔ اندھیرا ہو یا اجالا دن ہو یا رات ہر چلنے والے کو ستاروں کی حاجت ہے سفر میں راستے اور مشرق مغرب وغیرہ کا پتہ لگانے کے لیے اور حضر میں وقتوں کا پتہ لگانے کے لیے نجوم کی ضرورت ہے۔ چاند سورج بھی نجوم سیارگان میں شامل ہیں اتنی کروڑ ہا مخلوق کا پیدا فرمانیوالا کیا ان بتوں کی طرح ہو سکتا ہے یا ان لوگوں کی طرح جو کچھ بھی پیدا کرنے کی طاقت نہیں رکھتے کیا اب بھی یہ کفار اس کے بندے نہیں بنتے اور اس کی یاد معبودیت نہیں مناتے حالانکہ حق بندگی یہ تھا کہ زندگی کی ہر حالت ہر سانس میں اسی کا چرچا ہوتا۔ وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا إِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ بندو جاؤ تم سے کہا جاتا ہے کہ رب تعالیٰ کا ذکر کرو یہ صرف عبادت گزاری پاکیزگی عبادت تمہارے ہی اخلاق درست کر کے تم کو دنیا و آخرت میں باعزت بنانے کے لیے ہے ورنہ حقیقی شکر تو درکنار تم تو اس کی نعمتوں کو شمار بھی نہیں کر سکتے چاہیں کتنی ہی کوشش کرو کروڑ ہا نعمتیں تمہارے جسم میں موجود ہیں پھر زمین کے اوپر اس کے اندر دائیں بائیں اور بادلوں فضاؤں ہواؤں آسمانوں میں تمہارے لیے بے حساب نعمتیں ہیں اور پھر یہ نعمت کیا کم ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے کفر شرک اور لاکھوں گناہوں کو بغیر معافی مانگے بھی بخشنے والا۔ لیکن کفر شرک دنیا میں فقط معاف ہو سکتا ہے بعد موت نہیں۔ تمہارے اتنے بڑے جرم کے باوجود اپنی کوئی نعمت تم پر بند نہیں کرتا اور ایسا رحیم ہے کہ ہر طرح کا دنیوی آرام دئیے ہی جاتا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت سے فائدہ حاصل کرنا اللہ کریم کی رضا و خوشنودی کا باعث ہے اسی لیے رب تعالیٰ بار بار فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لیے یہ سب کچھ مسخر کر دیا خیال رہے کہ کسی کے لیے مسخر کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ وہ مسخر شدہ چیز یا بندے کے قبضے میں دے دی جائیں دوم یہ کہ بندہ کے لیے مسخر ہوں بندے کا اس پر قبضہ یا غلبہ نہ ہو۔ وہ چیز بندے کو نقصان نہ پہنچا سکے بلکہ یا تو وہ چیز بندے کے لیے بالکل بے ضرر ہو جائے اور بے ضرری کے ساتھ ساتھ فائدہ بھی پہنچائے۔ پہلی صورت انبیاء علیہم کے لیے ہے کہ انبیاء کرام کے قبضے میں عالم کی ہر چیز دے دی جاتی ہے چاند سورج بادل ہوائیں فضائیں ان کے حکم کے پابند بنا دئیے جاتے ہیں۔ اس کا ثبوت احادیث و قرآن میں بہت جگہ موجود ہے۔ انبیاء کرام کی غلامی کے طفیل بعض بہت بڑے بڑے خواص اولیاء اللہ کو بھی یہ عزت بخش دی جاتی ہے جیسے کہ حضور غوث پاک کو حضرت خضر کی اتباع و فرمانبرداری کی بنا پر بہت کچھ انعام ملا۔ دوسری صورت عام انسانوں کے لیے ہے کہ چاند سورج ستارے ہوائیں پانی انسانوں کے فائدے کے لیے رواں دواں مگر انسان کے قبضے میں نہیں نہ کسی بادشاہ وزیر امیر کا ان پر غلبہ ہے اس طرح جنات سانپ بچھو وغیرہ انسان کو نقصان

نہیں دے سکتے یہ سب کچھ مسخر ہونا ہے۔ ورنہ مولیٰ تعالیٰ کے قبضے اور غلبے کے ماتحت تو ہر چیز ہے۔ سمندروں دریاؤں کا نہ ڈبونا زمین کا کھیتیاں اگانا اور چپ چاپ گدھا بنا نادانوں کی ٹھوکریں پھاوڑے کھرپے کلہاڑیاں برداشت کرتے چلے جانا یہ سب دوسری قسم کی تسخیر میں شامل ہے یہ فائدہ وَسَخَّرَ الْبَحْرَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ زمین و آسمان بالکل اپنی جگہ ساکن و جامد ہیں صرف سیارے۔ چاند سورج ستارے چکر لگا رہے ہیں۔ یہ فائدہ اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ سے حاصل ہوا سکون زمین کے مکمل و مضبوط دلائل اور سائنسی دلیلوں کا رد ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں ملاحظہ فرماؤ۔

تیسرا فائدہ دنیا کی ہر چیز انسان کے لیے نصیحت ہے۔ لہٰذا انسان کو چاہیے کہ ہر چیز میں غور و فکر تدبر کرے۔ یہ فائدہ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** دریائی جانوروں میں صرف مچھلی کھانا حلال ہے اس کے علاوہ کوئی جانور حلال نہیں مچھلی وہ ہے جس کے پنجے پاؤں نہ ہوں صرف چھوٹے چھوٹے دائیں بائیں پر ہوں لہٰذا جھینگا کیڑا حرام ہے اس کے پنجے ہوتے ہیں اسی طرح کچھوا کیکڑا وغیرہ تمام دریائی آبی جانور حرام ہیں۔ مچھلی کی ایک پہچان یہ بھی ہے کہ مچھلی پانی سے باہر ایک منٹ زندہ نہیں رہ سکتی جبکہ دوسرے تمام سمندری جانور پانی سے باہر بھی زندہ چلتے پھرتے رہتے ہیں۔ یہ مسئلہ لَحْمًا طَرِيًّا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** چاند سورج ستارے صرف علم توقیت اور علم جغرافیہ کے لیے بنائے گئے ہیں یعنی اُن کے ذریعے نماز۔ روزے۔ حج و قربانی کے وقت و تاریخیں اور سال و ماہ و ہفتے دن و رات کا اندازہ اور وقت معلوم کیا جائے ستاروں سے غیبیہ غیب کا حال معلوم کرنا یا قسمت کو ستارے سے معلق سمجھنا حرام ہے۔ علم نجوم سے مراد اگر علم توقیت و علم جغرافیہ یعنی راستے اور سمتیں معلوم کرنا لیا جائے تو یہ علم سیکھنا جائز بلکہ فرض علی الکفایہ ہے اور اگر عرف عام والا علم نجوم مراد ہو تو یہ سیکھنا سکھانا اور نجومیوں سے قسمت کا حال پوچھنا اور اس پر یقین کر لینا سب حرام ہے۔ یہ مسئلہ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** قرآن مجید سے حقیقی مجازی تعظیمیں حاصل ہوتی ہیں وہ دو قسم کی ہیں ایک عبادت دوم تعظیم عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ہوتی ہے کسی غیر کی عبادت حرام ہے مگر تعظیم ہر اُس چیز کی جائز بلکہ بعض اوقات شرعی واجب ہے جس کو رب تعالیٰ نے محترم اور بڑا بزرگ بنایا ہے یہ مسئلہ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ دریا تمہارے لیے مسخر کئے ہیں اور تسخیر کی علت یعنی وجہ یہ ہے کہ تم اُس سے تازہ گوشت کھاؤ دریا تو انسان کو ڈبو دیتے ہیں سیلاب لاکر پوری بستیاں تباہ کر دیتے ہیں اگر انسان بھٹک ہے تو اپنے موت تک اس سے بچتا ہے پھر یہ تسخیر کیسی ہوئی۔

جواب: معترض نے سمندر کی ہیبت ناک لمبائی چوڑائی اور دہشت انگیز وسعت کو مدنظر نہ رکھا۔ اور پھر ایسے بحر بیکنار میں جہازوں کشتیوں کو خراماں خراماں چلتے اور مہینوں سفر کرتے نہ دیکھا اور اتنے بڑے سمندر میں اپنی اس چھوٹی زمین پر غور نہ کیا ورنہ صرف انہی باتوں پر سوچنے غور کرنے سے یہ اعتراض خود بخود حل ہو جاتا ہے کہ کسی قدرت نے ان پہاڑوں جیسی لہروں کو باندھ کر رکھا ہے۔ رہا یہ اعتراض کہ سیلاب سے بستی کا تباہ ہو جانا تو یہ اعتراض نہیں بلکہ اسی تسخیر کے ثبوت کی ادنیٰ سی دلیل ہے کہ اے انسان تیری اور تیری ان عالیشان سیمنٹڈ بستیوں کی حیثیت تو یہ ہے کہ بارش کے معمولی سیلاب نے ان سنگلاخ بستیوں کو خس و خاشاک کی طرح بہا کر فنا و تباہ کر دیا اور کوئی انسانی قوت بھی اس معمولی بارش کی تباہی سے نہ بچا سکی یہ وہ دلیل ہے جو گمراہوں بے دینوں کو خواب سرمست سے جگانے والی راہ راست پر ڈالنے والی ہے۔ کہ اگر یہ سمندر مسخر نہ ہوتا تو تمہاری یہ چھوٹی سی کائنات انسانیت ایک لہر کی مار تھی۔ **دوسرا اعتراض:** آپ کی تفسیر نے اَنْ تَمِیْدَ بِکُمْ سے ثابت کیا ہے زمین چلتی نہیں بلکہ ایک جگہ ساکن کھڑی ہے حالانکہ بہت سے مفسرین کہتے ہیں کہ تَمِیْدَ کا معنی چلنا نہیں بلکہ دائیں بائیں ہچکولے کھانا ہیں اس آیت میں چلنے کی نفی نہیں ہے صرف ہچکولوں کی نفی ہے مطلب یہ ہے کہ سیدھی چل رہی ہے خالی کشتی کی طرح ہچکولے نہیں کھاتی نہ جھکتی ڈولتی ہے۔

جواب: بہت سے مفسرین نے نہیں بلکہ اردو خوان چند سائنسدان مفسرین نے سائنس سے مرعوب متاثر ہو کر اب لکھ دیا بہر حال ایسا لکھنا قطعاً غلط اور کم فہمی ہے تین وجہ سے ایک یہ کہ ان نادان مفسروں کو اپنی یہ غلط بات منوانے کے لیے کہنا پڑتا ہے کہ پہاڑ زمین کے اوپر کشتی کے سامان کی طرح رکھے ہوئے ہیں حالانکہ یہ غلط ہے اگر ایسا ہوتا تو آیت پاک کے الفاظ اَلْقٰی فِی الْاَرْضِ نہ ہوتے بلکہ علی الارض ہوتے لفظ فی بتا رہا ہے کہ پہاڑ زمین پر صرف رکھے ہوئے نہیں ہیں بلکہ ٹھکے ہوئے ہیں اور ٹھونکنا روکنے کے لیے ہی ہوتا ہے دوم یہ کہ ہچکولوں سے روکنے کے لیے وزن ساری کشتی میں برابر رکھا جاتا ہے ورنہ بوجھ سے کشتی ایک طرف ڈھلک جاتی ہے اور ڈوبنے کا خطرہ ہو جاتا ہے لیکن زرا سی پہاڑ زمین کے چاروں طرف برابر نہیں ہیں ثابت ہوا کہ کشتی کے سامان کی طرح پہاڑ زمینی ہچکولے روکنے کے لیے نہیں بلکہ چلنے سے روکنے کے لیے ہے سوم یہ کہ جب کشتی چلتی ہے تو تجربہ و مشاہدہ ہے کہ کشتی کتنی ہی بھری کیوں نہ ہو چلنے سے ہچکولے ضرور کھاتی ہے۔ کوئی وزن کتنا ہی وزن رکھا ہو کسی طرح سے بھی رکھا ہو ہچکولوں سے روک نہیں سکتا۔ صرف ٹھہری ہوئی کشتی ہی ہچکولوں اور جھکنے ڈوبنے سے بھی بچ سکتی ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ زمین ساکن ہے اس لیے وہ تفسیریں غلط ہیں جو حرکت زمین کی دلیلیں ڈھونڈتی اور بیان کرتی و بناتی پھرتی ہیں اور پھر سوچنا یہ ہے کہ زمین کو آخر چلانے کا مقصد کیا ہے جو چاند سورج کے چلانے سے حاصل نہیں ہوا۔ خیال رہے کہ چاند سورج و سیارگان ہی چلنے کے لیے ہیں اس لیے ان پر آبادی نہیں رکھی گئی اور زمین ہی چونکہ انسانی حیوانی آبادی کے لیے ہے اس لیے اس کا ساکن ہونا ضروری ہے۔

تیسرا اعتراض: یہاں آپ نے اور پرانے مفسرین نے فرمایا کہ زمین پانی پر ہے حالانکہ زمین کی حقیقت اس کے خلاف

ہے زمین کی حقیقت یہ ہے کہ خشکی و سمندر یعنی بحر و بر سب گیند کی طرح ایک گول کرہ ہے اور غبارے کی طرح اڑتا پھر رہا ہے اسی نقشے کے مطابق سائنسدانوں نے زمین کا گلوب گول گیند کی طرح بنایا ہے اور اس پر خشکی اور چھوٹے چھوٹے جزیروں اور چھوٹے بڑے دریاؤں پانیوں کے ساتھ بڑے سمندر کا بھی نقشہ بنایا ہے۔ **جواب**۔ یہ نقشے یہ تصورات سب ذہنی پیداوار ہیں اور اپنی دیوانگی ہے۔ مگر یہ ذہن اور بناوٹی خیالی اختراعات قرآن و حدیث کے خلاف ہونے کے علاوہ خود سائنسدانوں کے اپنے پرانے نظریات کے بھی خلاف ہیں۔ اور عقل سلیم بھی اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں۔ معترض کہتا ہے کہ زمین اور پانی ایک ہی کرہ ہے حالانکہ قرآن مجید سورۃ ھود آیت نمبر ۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وَكَانَ عَرْشُهٗ عَلَى الْمَآءِ یعنی پانی پر عرش اعظم رکھا ہوا تھا اس سے ثابت ہوا کہ پانی علیحدہ ایک مستقل کرہ ہے۔ تفاسیر و روایت میں ہے کہ تجلیات الٰہیہ سے پانی میں جوش کھولاہٹ و تیزی پیدا ہوتی اس سے جھاگ و دھواں بھاپ پیدا ہوا۔ تجلیات الٰہیہ سے جھاگ جم کر زمین بنی اور بھاپ جم کر آسمان بنے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ زمین علیحدہ کرہ ہے پانی علیحدہ اور یہ کہ زمین پانی پر رکھی ہوئی ہے۔ پرانے فلاسفہ اور سائنس دان زمین کو مرغی کے انڈے کی شکل گول مانتے رہے جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں لکھا ہے نیز تمام سائنس دان اب تک یہ مانتے چلے آ رہے ہیں کہ تمام کائنات عالم میں سات کرے ہیں ۱۔ آب ۲۔ کرہ خاک یعنی زمین ۳۔ کرہ ہوا و کرہ باد ۴۔ کرہ نار ۵۔ کرہ دخان ۶۔ عالم سیارگان ۷۔ فلکی کواکب۔ ان نظریاتی اقوال سے بھی زمین کا علیحدہ کرہ ثابت ہوتا ہے نیز آج تک تمام سائنس دان کہتے رہے ہیں کہ ہوا کا دباؤ صرف مدار زمین میں ہے اور یہ کسی نے بھی نہ کہا کہ کرہ ہوا بھی سیارہ ہے اور زمین کے ساتھ ساتھ پرواز میں ہے جب مدار زمین میں موجودہ ہوا پرواز میں نہیں تو زمین بھی پرواز و رفتار میں نہیں ہو سکتی۔ ثابت ہوا کہ زمین و سمندر کا ایک کرہ ہونا بھی غلط موجودہ گلوبی نقشہ بھی غلط اور بحر و بر کی پرواز بھی غلط صرف چاند سورج و ستارے ہی گردش میں ہیں بحر و بر جامد و ساکن ہیں سائنس کی اتنی ترقی کے باوجود آج تک کوئی سائنسدان سمندر کا دوسرا کنارہ اور سمندر کی لمبائی چوڑائی نہ ناپ سکا نہ آخری گہرائی کا پتہ لگا سکا جب کہ سائنسدانوں نے زمین کی پوری لمبائی چوڑائی ناپ ڈالی ہے بلکہ مامون رشید کے حکم سے اس زمانے کے فلسفی عیسیٰ بن حصین نے پوری زمین کی پیمائش و مسافت صحیح معلوم کر لی تھی جس پر موجودہ سائنسدان گروہ نے اتفاق کیا۔ اگر یہ سب بر و بحر ایک ہی کرہ محور پرواز ہوتا تو یہ تضاد کیوں ہوتا۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ عام مفسرین اور قرآن مجید کی اگلی دوسری آیت ۲۰ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔـا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ سے ثابت ہوتا ہے کہ لَمَنْ سے مراد بت ہیں۔ حالانکہ بت بالکل بے جان و بے عقل چیز ہیں تو یہاں لفظ مَنْ کیوں بولا گیا یہ عقل والوں کے لیے مستعمل ہے۔ چاہیئے تھا کہ كَمَا لَا يَخْلُقُ ہوتا۔

جواب:۔ یہاں چونکہ خطاب کفار بُت پرستوں سے ہے اور وہ اپنے بتوں کو بڑا عقل والا سمجھتے ہیں اس لیے کَمَنْ فرمایا گیا۔ اور یہ اُن کی احمقانہ سمجھ کی تائید نہیں بلکہ ان کے ذہنی تصور کو اس طرف پھیرنے کیلئے ہے کہ یہاں تمہارے بُت ہی مراد ہیں نہ کہ کوئی دوسری جمادات یا نباتات۔ ورنہ اگر یہاں کَمَا لَا یَخْلُقُ فرمایا جاتا تو بت پرستوں کا ذہن اپنے بتوں کی طرف نہ جاتا اور وہ کہہ دیتے کہ یہاں بُت مراد نہیں وہ کَمَا لَا یَخْلُقُ میں سے نہیں بلکہ یہاں دیگر جمادات وغیرہ کا ذکر ہے۔

دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ مَنْ اور مَا اسم موصول کے متعلق قاعدہ اکثریہ و اصلیہ تو واقعی یہی ہے کہ مَن اہل عقل کے لیے اور مَا غیر ذوی العقول کے لیے مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں اس کے خلاف بھی کبھی ہو جاتا ہے کہ مَن غیر عقل کے لیے جیسے ارشاد ہے فَمِنْهُمْ مَنْ يَمْشِي عَلَىٰ بَطْنِهِ۔ ترجمہ بہت سے جانور وہ ہیں ان میں سے جو پیٹ کے بل چلتے ہیں اور مَا عقل والوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ سورۃ والشمس کی آیت ۵ میں ارشاد ہے وَالسَّمَاءِ وَمَا بَنَاهَا یہاں لفظ مَا خالق تعالیٰ کے لیے بولا گیا۔

پانچواں اعتراض یہاں اس طرح ہونا چاہیے تھا اَفَمَنْ لَا یَخْلُقُ کَمَنْ یَخْلُقُ اس لیے کہ کافر کہتے ہیں ہمارے بت (معاذ اللہ) اللہ کی طرح ہیں یہ نہیں کہتے کہ اللہ ہمارے بتوں کی طرح ہے۔ مگر یہاں موجودہ آیت کا ترجمہ تو اس طرح ہوتا ہے کہ کیا خالق اور اللہ اس کی طرح ہو سکتا ہے جو پیدا نہیں کرتا کفار کی تردید کے لیے تو یہ فرمانا چاہیے تھا وہ بت جو کچھ بھی پیدا نہیں کرتے اُس معبود کی طرح ہو سکتے ہیں۔ جو سب کچھ پیدا کرتا ہے۔

جواب:۔ مشرکین اپنے بتوں کو کسی کی مثل نہیں کہتے نہ تشبیہ دیتے ہیں بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بت حکومت و عزت میں اللہ کی برابر ہیں۔ (معاذ اللہ) اس کا جواب دیا گیا کہ عزت وہ حکومت میں برابری کیسے ہو سکتی وہ خالق تعالیٰ ہے اور یہ کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ نیز رب تعالیٰ جل و علیٰ ہے اس کا ذکر پہلے ہی ہونا چاہیے ایک جواب یہ دیا گیا کہ چونکہ پہلے بتوں کی کمزوری بیان کی گئی ہے اس لیے اب فرمایا گیا کہ جو اللہ اتنی عظیم عظیم اشیا کا پیدا کرنے والا ہے وہ ان کمزور بتوں کی طرح کیسے ہو سکتا ہے۔ یا برابری کیونکہ ہو سکتی ذرا اکلو جیز پر اے کم عقلو خیال کرلو۔ (تفسیر کبیر)، وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ اس کی تفسیر صوفیانہ ان شاء اللہ تعالیٰ آیت ۲۳ کے بعد ہوگی

وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَالَّذِيْنَ

اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے ہو اور ظاہر کرتے ہو تم ۔ اور وہ لوگ جو

اور اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور ظاہر کرتے ہو ۔ اور اللہ کے

يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا وَّهُمْ

عبادت کرتے ہیں کی غیر اللہ نہیں پیدا کر سکتے کچھ اور وہ خود

سوا جن کو پوجتے ہیں وہ کچھ بھی نہیں بناتے اور وہ خود

يُخْلَقُوْنَ ﴿۲۰﴾ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ

سب پیدا کئے گئے ہیں ۔ مردے ہیں نہ کر زندہ ۔ اور نہیں شعور رکھتے

بنائے ہوئے ہیں مُردے ہیں زندہ نہیں اور انہیں خبر نہیں

اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ﴿۲۱﴾ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ

کہ کب قیامت میں اٹھائے جائیں گے ۔ معبود تمہارا معبود ہے ایک ہی تو وہ جو

کہ لوگ کب اُٹھائے جائیں گے ۔ تمہارا معبود ایک معبود ہے تو وہ جو

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ

نہیں ایمان لاتے پر قیامت اُن کے دل انکار کرنے والے ہیں اور

آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے دل منکر ہیں اور وہ

مُّسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا

خود کو بڑا سمجھنے والے ہیں ۔ نہیں شک اس میں کہ حقیقت میں اللہ جانتا ہے جو

مغرور ہیں ۔ فی الحقیقت اللہ جانتا ہے جو چھپاتے اور

يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں بیشک وہ اللہ نہیں محبت کرتا بڑا بننے سمجھنے والوں کو

ظاہر کرتے ہیں - بیشک وہ مغروروں کو پسند نہیں کرتا

تعلق اِن آیات کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے -
پہلا تعلق - پچھلی آیت میں ہزارہا قسم کی نعمتوں اور اُن کے پیدا کرنے کا ذکر فرما کر اب اُخروی نعمت یعنی ہدایتِ کاملہ کے حصول کی طرف بندوں کو رغبت دی جا رہی ہے -
دوسرا تعلق - پچھلی آیت میں اللہ حیٌّ لاَیَمُوتُ کی شانِ خالقیت بیان فرمائی گئی اب اِن آیات میں مشرکین کے جھوٹے معبودوں کے خود ہی مُردہ ہونے کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جو خود مردہ ہو وہ کسی کو کیا پیدا کرے گا - تیسرا تعلق - پچھلی آیت میں کنایتاً اللہ تعالیٰ کا رحم ثابت ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی زمینی دریائی آسمانی نعمتیں سب کو دیں یہ اُس کا اپنی جاندار مخلوق بلا امتیاز سب کافروں مومنوں وغیرہم پر رحم و شفقت تھی جس سے دھوکا ہو سکتا تھا کہ شاید اِن سب سے اللہ کو محبت بھی ہے - اَب اِن آیات میں اِس کی تردید فرمائی جا رہی ہے رحم و شفقت سے محبت ہونا ضروری نہیں اللہ کو بدکاروں مغروروں سے محبت کبھی نہیں ہو سکتی -

تفسیر نحوی وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ - اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۙ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ - واؤ سر جملہ لفظِ اللہ مبتدا لہٰذا مرفوع - يَعْلَمُ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف هُوَ ضمیر واحد مذکر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ ، مَا اسم موصول منصوب ہے -
تُسِرُّوْنَ - باب افعال کا فعل مضارع معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا مرجع یا اہلِ مکہ مخاطب ہیں یا سارے انسان - دراصل تُسْرِرُوْنَ تھا - ر کا ر میں ادغام کر دیا - بوجہ مناسبت اور خفت - مصدر ہے اِسرارٌ بمعنی چھپانا - سِرٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی راز لینا - بھید چھپانا - واؤ عاطفہ تُعْلِنُوْنَ - باب افعال کا مضارع معروف مثبت جمع مذکر حاضر - مصدر سے اِعْلَانٌ بمعنی ظاہر کرنا - بتانا - اَنْتُمْ ضمیر مخاطب اِس کا فاعل ہے جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا دونوں مل کر معطوف ہے مَا تُسِرُّوْنَ کا - وہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے - يَعْلَمُ کا اور وہ جملہ فعلیہ خبر مبتدا ہے - واؤ سر جملہ

اَلَّذِیۡنَ اسم موصول جمع مذکر۔ یَدۡعُوۡنَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمۡ ضمیر مستتر کا مرجع اَلَّذِیۡنَ ہے۔ دَعۡوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بلانا۔ پوجنا۔ یہاں دوسرے معنیٰ میں ہے مِنۡ جارہ مفعولیت کا۔ دُوۡنِ۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ۔ مقابل۔ سوا۔ حفاظت۔ غیر۔ گھٹیا۔ نیچے۔ جگہ سے ہٹنا (تجاوز کرنا) یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ معرب ہوتا ہے اکثر۔ کبھی مبنی بھی ہوتا ہے۔ یہاں معرب ہے۔ مضاف ہے۔ اللّٰہِ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ لَایَخۡلُقُوۡنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع منفی بلَا۔ صیغہ جمع مذکر غائب خَلۡقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدا کرنا اس کا فاعل ضمیر مستتر ھُمۡ ہے۔ شَیۡئًا۔ اسم مفرد جامد جنسی تنوین تنکیری ہے بمعنی کوئی چیز۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے۔ واؤ۔ حالیہ ھُمۡ ضمیر جمع مبتدا ہے۔ یُخۡلَقُوۡنَ فعل مضارع مجہول ھُمۡ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا نائب فاعل ہے۔ جس کا مرجع دونِ اللّٰہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ خبر مبتدا ہوکر حال ہوا۔ لَایَخۡلُقُوۡنَ کے فاعل ھُمۡ ضمیر کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہوکر صفت ہوگی، دُوۡنِ اللّٰہ کی۔ اَمۡوَاتٌ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے مَیِّتٌ بمعنیٰ بے جان۔ کمزور۔ بے نفع۔ جدائی۔ وفات شدہ۔ مرا ہوا۔ روح جسم سے علیحدہ ہونا۔ دِن بدن کسی چیز کا تھوڑا تھوڑا گھٹنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے۔ غَیۡرُ اسم مفرد جامد۔ بالکل نفی کے لیے۔ مضاف ہے اَحۡیَآءٍ۔ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے حَیٌّ۔ بمعنیٰ زندہ۔ موجود۔ جاندار۔ طاقتور۔ بڑھنے والا۔ (نامی) نفع بخش۔ یہاں زیادہ مناسب پہلے معنیٰ ہیں باقی معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر مبتدا ہے۔ واؤ۔ سر جملہ یا حالیہ مَایَشۡعُرُوۡنَ۔ فعل مضارع منفی بِمَا نافیہ۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمۡ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اَمۡوَاتٌ ہے۔ باب نَصَرَ سے ہے شُعُوۡرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ حواسِ خمسہ سے جاننا۔ اَیَّانَ۔ اسم ظرفِ استفہامی ہے۔ یہ دو لفظ ہیں ۱۔ اَیَّ ۲۔ آوَانٍ۔ اَیٌّ حرفِ استفہام ہے (سوالیہ) بمعنیٰ کون سا۔ اَوَانٌ اسم ظرف زمانی ہے بمعنیٰ وقت۔ واؤ کو یٰ کیا اور ادغام کر دیا۔ ہوگیا اَیَّانَ اور مجموعے کا ترجمہ ہوا۔ کَبۡ (کس وقت)، یُبۡعَثُوۡنَ۔ فعل مضارع مثبت مجہول باب نَصَرَ سے ہے جمع مذکر غائب ھُمۡ ضمیر جمع مذکر اس کا نائب فاعل جس کا مرجع ہے اَلَّذِیۡنَ یا اَمۡوَاتٌ مرجع ہے۔ بَعۡثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا۔ خواہ دنیا میں یا میدانِ محشر میں۔ زندے کو بھیجنا یا زندہ کر کے بھیجنا یہاں مراد ہے زندہ کر کے میدانِ محشر میں بھیجنا۔ اَیَّانَ اِس کا ظرفِ مقدم ہے۔ یہ جملہ فعلیہ مفعول بہ ہے مَایَشۡعُرُوۡنَ۔ اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اِلٰهٌ اسم مفرد مشتق صیغہ مبالغہ۔ بروزن فِعَالٌ۔ بمعنیٰ اسم فاعل اٰلِہٌ۔ اَلَہٌ سے مشتق ہے۔ (بنا ہے) بمعنیٰ حیران کرنا۔ عاجز کرنا۔ ترجمہ ہے بہت ہی

حیران کرنے والا ۔ ہر ایک چیز کو عاجز کرنے والا ۔ اَلٰہٌ کا معنیٰ عبادت کرنا بھی ہے تب یہ لفظ مبالغہ بمعنیٰ اسم مفعول مَاْلُوْہٌ ہوگا ۔ اور ترجمہ ہوگا عبادت کیا ہوا (معبود) مضاف ہے ۔ اسی لیے تنوین نہیں آئی ۔ کُمْ ۔ ضمیر جمع مذکر حاضر کا مرجع تمام انسان ہیں اگرچہ ظاہراً خطاب کفار مکہ کو ہے ۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ۔ اِلٰہٌ اسم نکرہ بحالت رفع خبر ہے مبتدا کی موصوف ہے وَاحِدٌ اسم مفرد مشتق مذکر وَاحِدٌ اسم فاعل ہے وَحْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ایک ہونا ۔ اکیلا ہونا ۔ بے مثل ہونا اسماءِ عدد کا پہلا عدد ہے بحالت رفع صفت ہے اِلٰہٌ کی مرکب توصیفی خبر مبتدا ہے فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ. لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَ مَا یُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ ۔ فَ ابتدائیہ تجنیسیہ ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ ۔ فعل مضارع منفی معروف باب اِفعال سے ہے صیغہ جمع مذکر غائب ۔ مصدر ہے اِیْمَانٌ ۔ اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اسلام قبول کرنا ھُمْ مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ۔ بِ جارہ بمعنیٰ علیٰ ۔ الف لام عہدی آخِرَتِ ۔ اسم فاعل صیغہ مؤنث واحد ۔ اٰخِرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بعد میں ہونا ۔ اخیر میں ہونا ۔ یہ جار مجرور متعلق ہیں لَا یُؤْمِنُوْنَ کے یہ سب جملہ فعلیہ موصول صلہ مل کر مبتدا ہے ۔ قُلُوْبُ ۔ جمع مکسر منصرف ۔ اس کا واحد ہے قَلْبٌ اسم جامد ہے ۔ مصدر بھی ہوتا ہے بمعنیٰ پھیرنا ۔ قلب اسم جامد بمعنیٰ دل ۔ پھرتا حرکت کرتا رہتا ہے ۔ ظاہراً خون سے باطناً ۔ علم ۔ فہم قوت سے مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی موصوف ہے مُنْكِرَةٌ ۔ اسم فاعل باب افعال کا صیغہ واحد مؤنث مصدر ہے اِنْكَارٌ ۔ نُكْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نہ ماننا ۔ ھِیَ ضمیر واحد مؤنث اس میں مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع قلوب ہے ۔ غیر ذوی العقول جمع کے لیے ضمیر واحد مؤنث غائب آجاتی ہے ۔ یہ شبہ جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے ۔ قُلُوْبُ ۔ واؤ حالیہ ۔ قُلُوْبُهُمْ کی ضمیر ذوالحال ہے ۔ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ مُسْتَكْبِرُوْنَ ۔ باب استفعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر ۔ مصدر اِسْتِكْبَارٌ ۔ كِبْرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ بڑا ہونا ۔ استکبار کا ترجمہ ہے بڑا سمجھنا ۔ سرکشی کرنا ۔ تکبّر کا ترجمہ ہے بڑا بننا ۔ ضمیر پوشیدہ ھُمْ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ یہ شبہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی اور وہ جملہ اسمیہ ہوکر حال ہے ۔ قُلُوْبُهُمْ کا ۔ اور خبر مبتدا ہے ۔ لَا جَرَمَ ۔ اسم متصلہ ہے ۔ دو لفظ ہیں ۱ لَا نافیہ ۲ جَرَمَ اسم فعل ۔ بمعنیٰ ماضی مطلق شَكَّ ۔ لَا جَرَمَ بمعنیٰ لَا شَكَّ ۔ ترجمہ ہے نہیں شک کیا اس نے یا نہیں شک والی ہوئی یہ بات کہ ۔ یا یقینی ہے یہ بات اصطلاح میں یہ لفظ لورا یقیناً کے معنیٰ میں مستعمل ہے ۔ ترکیب میں دو قول ہیں ۔ ۱ لَا جَرَمَ ۔ فعل ماضی مطلق معروف منفی

ہے صیغہ واحد مذکر غائب ۔ ۲ لَاجَرَمَ اسم فعل بمعنی ثَبَتَ یا حَقَّ ۔ ماضی مطلق ۔ بہر دو صورت اگلی عبارت جملہ اسمیہ ہو کر اس کا فاعل ہے ۔ اَنَّ حرف تحقیق اللّٰہ اُس کا اسم لہٰذا منصوب ہے ۔ یَعْلَمُ ۔ باب سمع کا فعل مضارع ثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے مَا اسم موصول یُسِرُّوْنَ ۔ باب اِفعال کا مضارع ثبت معروف ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ ۔ مصدر ہے اِسْرَارٌ ۔ سِرٌّ سے بنا ہے بمعنی چھپانا ۔ دل میں خیال کرنا آپس میں رازداری کرنا ۔ خفیہ باتیں یا تدبیریں کرنا ۔ یہاں ہر معنی درست ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا پھر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا اسم موصول ۔ یُعْلِنُوْنَ ۔ باب افعال کا مضارع ثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ مصدر ہے اِعْلَانٌ ۔ بمعنی ظاہر کرنا ۔ عَلَنٌ سے بنا ہے بمعنی ظاہر ہو جانا ۔ برملا بات کرنا ۔ سامنے آنا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اور موصول معطوف ہوا ماقبل کا اور عطف کی سب عبارت مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا ۔ اور وہ جملہ خبریہ فعلیہ خبر ہے اَنَّ کی اور وہ فاعل ہوا اَنَّ کا ۔ اسی لیے اَنَّ کا ہمزہ مفتوحہ ہے ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہٗ ضمیر واحد منصوب متصل اسم اِنَّ ہے اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ۔ لَایُحِبُّ باب اِفعال کا مضارع منفی بلا بمعنی حال صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے مصدر ہے اِحْبَابٌ ۔ بمعنی محبت کرنا ۔ پسند کرنا ۔ حُبٌّ سے بنا ہے ۔ بمعنی محبت ہو جانا ۔ پسند ہونا ۔ باب اِفعال میں اگر متعدی ہوا ۔ الف لام استغراقی یا اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ ۔ مُسْتَکْبِرِیْنَ باب استفعال کا اسم فاعل صیغہ مذکر بحالت نصب مفعول بہ ہے لَایُحِبُّ کا ۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر خبر اِنَّ ہے ۔ وہ جملہ ہو کر یہیں پر مکمل ہو گیا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰہُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ . وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا وَّھُمْ یُخْلَقُوْنَ ۔ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ ۔ اے اللہ کے کافرو ۔ نبی کے گستاخو تم تاقیامت ہمارے حبیب نبی محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جو بھی تحریراً تقریراً ۔ عقیدتاً ۔ عملاً ۔ فعلاً باتیں چھپا چھپا کر کرتے ہو یا ظاہر ظہور برملا کرتے ہو اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے اور اپنے محبوب کو فوراً بتا دیتا ہے اس لیے تمہاری فریب کاریاں چال سازیاں اور سب منصوبے ہتھکنڈے دھرے رہ جاتے ہیں ۔ ہمارے نبی اور اُن کے صحابہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکتے ۔ یہ وسعت علمی بھی سچے معبود کی شانِ اُلوہیت ہے ۔ تمہارے جھوٹے معبود تو ذرہ بھر علم نہیں رکھتے ۔ اور وہ تمام لکڑی پتھر

لوہے کے بُت جن کو یہ اللہ کے مقابلے میں پوجتے ہیں وہ تو کوئی چیز بھی نہ پیدا کر سکیں نہ بنا سکیں اور وہ خود مخلوق ہیں اور انسانی ہاتھوں سے تراشے خراشے ہوئے ہیں۔ بیکار ہیں بنجر زمین کی طرح مردہ ہیں ہرگز کسی وقت بھی نہ زندہ تھے نہ ہیں نہ ہوں گے اور قطعاً شعور نہیں رکھتے نہ سمجھ نہ ادراک نہ سن کر نہ پڑھ کر کب کس دن یہ سب انسان قبروں سے اٹھائے جائیں گے۔ ایک قول میں اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ سے مراد کفار ہیں۔ اور پہلے قول میں اموات بُت ہیں۔ یہ قول زیادہ صحیح ہے اس لیے کہ یہاں سچے اور جھوٹے معبود کی پہچان کرائی جا رہی ہے۔ کہ سچا معبود حَیٌّ لَا یَمُوْتُ ہے۔ اور جھوٹے معبود اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ ہیں۔ اور جس طرح زمین کو مردہ کہہ دیا جاتا ہے اسی معنیٰ میں پتھر کے بت کو بھی مردہ کہا گیا ہے علما فرماتے ہیں کہ موجودات چار قسم کی ہیں۔

ع۱ حَیٌّ لَا یَمُوْتُ یہ شان فقط سچے حقیقی معبود اللہ تعالیٰ کی ہے ع۲ اَحْیَاءٌ غَیْرُ اَمْوَاتٍ یہ شان انبیاءِ کرام کی ہے کہ فقط ایک آن کے علاوہ اِن پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ ع۳ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ یہ حالت بتوں کی اور کفار کی ہے اگرچہ بظاہر زندہ چل رہے ہوں ع۴۔ اَحْیَاءٌ بَعْدَ الْاَمْوَاتِ یہ حالت عام جنات وانسان کی ہے کہ زندگی ظاہری کے بعد موت پھر قبر کی زندگی۔ گویا کہ کلّی موت بتوں کی قلبی موت کفار کی۔ جسدی موت عام انس وجن کی قبر میں سب زندہ کر دیئے جاتے ہیں جیسا کہ متعدد آیات واحادیث سے ثابت ہے اس بنا پر یہاں مراد صرف بت ہی کو اموات فرمایا گیا۔ ہمارے اِس دور کے ایک نہایت ہی جاہل اُردو مصنف اس آیت کا مطلب بیان کرتے ہوئے انتہائی گستاخانہ انداز میں اموات غیر احیا سے مسلمان اولیا انبیا اور بزرگ ہستیاں مراد لیتے ہوئے کہتے ہیں کہ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ سے مراد وہ صالحین ہیں جن کو غالی معتقدین داتا گنج بخش یا غریب نواز کہتے ہیں۔ پوچھو اس بیوقوف مفسر سے کہ یہ تفسیر تو دیگر احادیث وآیتِ قرآنی کے سراسر خلاف ہے۔ اس لیے کہ یہاں فرمایا گیا اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ۔ اگر اس سے قبر والے مراد ہوتے تو وہ تو قبر سے پہلے بھی زندہ ہیں اور قبر میں بھی جیسے کہ شہداء وغیرہ۔ نیز ابو جہل کے قتل کے بعد نبی کریم نے اس سے کلام فرمایا اور بتایا کہ یہ مقتولین بدر سنتے ہیں۔ آج سارے نجدی وہابی دیوبندی مودودی مدینہ پاک پہنچ کر بحرفِ ندا صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں۔ نیز یہاں فرمایا گیا۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ اور قیامت میں اٹھنے کا شعور نہیں رکھتے۔ حالانکہ ہر عام مسلمان بھی حشر نشر قیامت کا شعور رکھتا ہے۔ بے شعور تو صرف لکڑی پتھر وغیرہ ہی ہے اور اسی کے بنے ہوئے بت بے شعور ہیں۔ نیز فرمایا گیا اَیَّانَ یُبْعَثُوْنَ کب اٹھائے جائیں گے۔ یعنی

یہ بت جن کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو یہ نہیں جانتے کہ لوگ کب اٹھائے جائیں گے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ ذرے ذرے بلکہ تمہاری خفیہ علانیہ حرکتوں کو بھی جانتا ہے۔ یہاں حقیقی اور بناوٹی معبودوں کا تقابلی جائزہ و تعارف پیش کیا جا رہا ہے نیز کبھی کسی دور میں کسی بزرگ کو معبود نہ کہا گیا نہ اُس کی عبادت کی گئی ہاں بعض بزرگوں کے نام کے بت بنا کر اُن کو پوجا گیا۔ تو بُرائی بتوں کی فرمائی جا رہی ہے اور ان کے عقیدت مندوں کو سمجھایا جا رہا ہے۔ نہ کہ بزرگوں کی اور بے شعور یہ بت ہیں نہ کہ بزرگ۔ بزرگانِ دین کو تو رب تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے۔ اسی لیے انبیاء اور بعض اولیاءُ اللہ اپنے عطائی عِلم غیب سے تُسِرُّوْنَ وَتُعْلِنُوْنَ کو جان لیتے ہیں۔ نہ معلوم ان جاہل مفسروں کی عقل کہاں ماری جاتی ہے کہ مثلِ بتاں خود ہی بے شعور ہو گئے۔ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ ۔ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ۔ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۔ کوئی عقل کا اندھا ذھن کا کورا مانے یا نہ مانے مگر حقیقت یہی ہے کہ تم سب کائناتِ مخلوق کا سچا قابلِ عبادت معبود وہ ایک ہی معبود ہے جو خالق مالک علیم و خبیر اتنی کثیر شاندار نعمتیں پیدا فرما کر بلا معاوضہ عطا فرمانے والا۔ اور اُس کی قدرتیں اتنی آشکارا ظاہر و ثابت واضح روشن ہیں کہ ذرا سی سمجھ والا بھی معرفتِ کردگار حاصل کر لیتا ہے لیکن وہ لوگ بدبخت جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اُن کے دل نورِ معرفت سے دور محروم اندھیرے میں پڑے ہیں اور اسی لیے وہ توحید و رسالت کے منکر ہیں اور اب حالت یہ ہو گئی ہے کہ ہمارے پیارے رحمۃ عالمین حبیب کی باتوں کے آگے اپنے آپ کو زیادہ بڑا سمجھتے ہوئے نہایت غرور و تکبر کرنے والے ہیں اور اسی غرور کی وجہ سے مجلسِ مصطفیٰ میں حاضری کو عار سمجھتے ہیں۔ یہ انکا غرور ہی ہے جو ان کو اِتباعِ رسولِ پاک عبادت الٰہیہ۔ راہِ ہدایت انکساری سجدہ ریزی کے قریب نہیں آنے دیتا۔ حالانکہ نبی کریم کی سچائی اور رب کی کروڑوں نعمتوں کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور یہ بات بھی بہت بڑے یقین والی ہے اس میں قطعاً شک نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ تمام کچھ جانتا ہے کہ جو وہ لوگ چھپاتے ہیں اور وہ جو ظاہر کرتے ہیں۔ ان کی پوشیدہ چیزیں ان کے قلبی عقیدے اور ارادے ہیں ان کی ظاہر چیزیں ان کے اعمال ہیں۔ وہ ظاہر کو جانتا ہے اِس طرح کہ اُس کے انجام کا پتہ ہے خفیہ کو جانتا ہے اِس طرح کہ وہ اللہ مخلوق کے اتنا قریب ہے کہ کسی کی جان بھی اتنی قریب نہیں۔ پوشیدہ کو جانتا ہے اس طرح کہ قلبی ارادوں سے واقف ظاہر کو جانتا ہے اس

طرح کہ اُس کی سزا جزا پوری دے سکتا ہے۔ گناہگار کوئی کتنا ہی ہو مگر عاجزی مسکینی میں اُس کو معاف کیا جا سکتا ہے لیکن مغرور متکبر اور خواہ مخواہ خود کو بڑا سمجھنے والے اکڑ باز کو کبھی بھی اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا۔ خیال رہے کہ تکبر ساری برائیوں فسق و فجور اور کفریات، گستاخیوں بے ادبیوں کی جڑ ہے۔ اسی لیے تمام گستاخانِ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے چہرے تکبر سے مکروہ ہو جاتے ہیں۔ اور گستاخ بدبخت اپنے تکبر کی بنا پر مکروہ چہروں سے ہی پہچانے جاتے۔ نیز آقاءِ کائنات اور تمام انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا گستاخ اللہ کا بھی ادب نہیں کرتا اسی لیے لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۔ اللہ تعالیٰ متکبروں کو پسند نہیں فرماتا۔ کیونکہ تکبر ہر اچھے عمل ہر اچھی نصیحت سے روک دیتا ہے علما فرماتے ہیں کہ تکبر سے بیس خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔

۱۔ گستاخی ۲۔ بے ادبی ۳۔ جہالت۔ ۴۔ ظلم۔ ۵۔ فساد۔ ۶۔ سرکشی۔ ۷۔ بے غیرتی۔ ۸۔ بدفعلی۔ ۹۔ بدعملی۔ ۱۰۔ گناہ۔ ۱۱۔ کفر۔ ۱۲۔ شرک۔ ۱۳۔ قتل و غارت۔ ۱۴۔ بے برکتی۔ ۱۵۔ نحوست۔ ۱۶۔ قطع رحمی۔ ۱۷۔ شیطانیت ۱۸۔ مکاری ۱۹۔ ہر ایک کا برا چاہنا۔ ۲۰۔ حق کی مخالفت۔ موجودہ دور کے گستاخوں میں یہ سارے عیوب صاف نظر آتے ہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو تکبر سے بچائے۔ تکبر ہر شخص کے لیے ہر وقت بُرا ہے خواہ وہ مسلمان ہو یا غیر مسلم مولوی کی شکل میں ہو یا پیر کی کوئی مدرسہ ہو یا عام دنیوی جگہ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ باری تعالیٰ کا علم قدیم ہے ازلی ابدی ہے مگر اُس کا مشاہدہ ہر آن ازل سے ابد تک حادث ہے اس لیے کہ مشاہدے کا تعلق بندے کے فعل سے ہوتا ہے۔ جب مشہود الیہ حادث تو مشاہدہ بھی حادث۔ یہ فائدہ مَا تُسِرُّوْنَ (الخ) کے مستقبل و حال فرمانے سے حاصل ہوا اور یہاں ایک قول میں علم بمعنیٰ مشاہدہ بھی ہے۔ دوسرا فائدہ۔ رب تعالیٰ کی صفات کسی بندے میں ماننا عین شرک ہے۔ خواہ وہ خصوصی صفات ہوں یا غیر خصوصی اس لیے کہ رب تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بے مثل اور لاشریک ہے۔ ہاں البتہ صفاتی نام اور وہ لفظ استعمال کرنا جو اللہ تعالیٰ کی اُس صفت کے لیے مستعمل ہے وہ دوسرے کے لیے بھی استعمال کرنا جائز ہے۔ جیسے لفظ مجید۔ سمیع۔ بصیر۔ کریم وغیرہ اللہ کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور قرآن پاک کے لیے بھی نبی کریم کے لیے بھی لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ جیسا وہ اللہ تعالیٰ مجید ہے اسی طرح قرآن بھی مجید ہے۔ یہ فائدہ اِلٰہُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ تکبر کرنا مومن کی عادت نہیں۔ جو مسلمان ہو کر تکبر کرے

وہ اپنے مومن ہونے کے خلاف حرکت کر رہا ہے۔ ایمانِ کامل سے محروم ہو جائے گا۔ یہ فائدہ وَهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ھُمْ کا مرجع کفار ہیں اور ھُمْ کے تقدم نے حصر کا فائدہ دیا۔ چوتھا فائدہ۔ مومن مسلمان کو اپنا ظاہر و باطن دونوں درست اور پاکیزہ رکھنے چاہئیں یہ فائدہ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب کریم نے اپنے مشاہدے میں دونوں کا ذکر فرمایا۔ یعنی اس کی بارگاہ میں صرف باطن ہی کا اعتبار نہیں ہے وہاں ظاہر بھی دیکھا جاتا ہے۔ کوئی شخص کتنا ہی عاجز مسکین اور باطن کا نیک بنے مگر ظاہراً نماز روزہ نہ کرے تو مردودِ بارگاہ ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ زندگی دو قسم کی ہے ۱۔ روحانی ۲۔ جسمانی ظاہری۔ ظاہری زندگی پر ظاہری یعنی شریعت کے احکام جاری ہوتے ہیں۔ اس لیے ہر کافر و مشرک کو شرعاً زندہ ہی کہا جائے گا اور زندگی کے سارے قانون اُس پر لگیں گے۔ میراث وغیرہ۔ اگرچہ باطناً ہر کافر مردہ ہے۔ یہ مسئلہ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اسی لیے کافر کو نماز روزے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ دوسرا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ کے ہر فقہ میں مسلمان کو تکبر اور غرور کرنا حرام ہے۔ ہاں البتہ بحالتِ جنگ کفر کے سامنے تکبر جائز ہے وہ بھی صرف اس لیے کہ کفار پر رعب پڑے گھبرائیں حوصلہ توڑ جائیں۔ عام حالات میں غرور حرام ہے۔ خیال رہے کہ تکبر نام ہے جھوٹی اکڑبازی اور انانیت کا سچی صفت کا اظہار یا اپنے ساتھی اور لشکر یا جماعت کی شان بیان کرنی خواہ کسی طرز و طریقے سے ہو یہ تکبر نہیں۔ یہ مسئلہ۔ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ سے مستنبط ہوا۔ جھوٹی اکڑ کو عربی میں استکبار کہا جاتا ہے۔ نیز بلا وجہ بلا ضرورت اپنی سچی صفات کا اظہار بھی بُرا ہے کیونکہ تکبر کی ہم شکل ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَاللّٰهُ يَعْلَمُ۔ اللہ جان لے گا یا جانتا ہے۔ مگر دوسری آیت میں ارشاد ہوا لِيَعْلَمَ اللّٰهُ۔ تیسری جگہ ارشاد ہے وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ (الخ) پہلی آیت نے بتایا شروع سے جانتا ہے۔ دوسری نے اور تیسری نے بتایا کہ رب تعالیٰ ابھی نہیں جانتا آئندہ جانے گا۔ اسی بات سے پتہ لگتا ہے کہ یہ رب کا کلام نہیں ورنہ یہ تضاد بیانی اور غلط بیانی نہ ہوتی۔ (آریہ و عیسائی)

جواب۔ حضرت حکیم الامت بلاونی اُس کا جواب یہ دیا ہے کہ پہلی آیت میں علم اپنے معنی میں ہے یعنی ادراک و معلومات۔ پتہ ہونا۔ اور دوسری آیتوں میں علم بمعنی مشاہدہ کرنا ہے۔ اس کی وضاحت ابھی ہم نے فوائد میں بیان کر دی۔ کہ باری تعالیٰ کی معلومات اور پتہ ہونا قدیم ہے اور مشاہدہ حادث ہے۔ جب تک بندہ کرے گا نہیں اُس وقت تک مشاہدہ بھی نہیں ہوگا۔ **دوسرا اعتراض۔** ابھی پہلے آیت ۱۷ میں فرمایا گیا کَمَنْ لَّا یَخْلُقُ یعنی بت کچھ پیدا نہیں کر سکتے اب پھر یہاں آیت ۲۰ میں فرمایا گیا لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا۔ یعنی وہ بُت کچھ پیدا نہیں کر سکتے۔ یہ تو فقط لفظی تکرار ہو گئی۔ اِس کی دوبارہ ضرورت کیا تھی؟۔ **جواب۔** پہلی آیت میں صرف تقابلی سوال ہے اور دعوتِ غور فکر ہے کہ اے کافرو بہت سوچ کر بتاؤ کہ کیا خالق اور غیر خالق کسی بھی حیثیت میں برابر ہو سکتے ہیں۔ اس کا جواب اہلِ دانش و تدبّر کے نزدیک صاف نفی میں ہے لیکن کفّار و اغیار کی طرف سے سوال ہو سکتا تھا کہ وہ کون ہے جو غیر خالق ہے اور جس کو خالق کے برابر سمجھا جا رہا ہے۔ تو اُس کی صاف صاف لفظوں میں وضاحت فرمائی گئی کہ وہ۔ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ ہیں اُنہی کی یہ حالت ہے کہ لَا یَخْلُقُوْنَ شَیْئًا۔ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے۔ اور صرف یہی نہیں کہ وہ پیدا نہیں کر سکتے بلکہ وہ تو اتنے کمزور ہیں کہ وَهُمْ یُخْلَقُوْنَ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں یا خود کسی انسانی ہاتھ کے گھڑے ہوئے ہیں **تیسرا اعتراض۔** اَمْوَاتٌ کے بعد غَیْرُ اَحْیَاۤءٍ فرمانا محض تکرار ہے۔ کیونکہ مقصد دونوں کا ایک ہی ہے۔ **جواب۔** فقط اَمْوَاتٌ ہونا ایک کمزوری ہے جبکہ اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاۤءٍ دوسری کمزوری ہے۔ اس طرح کہ باری تعالیٰ سچا معبود اس لیے بھی ہے کہ وہ نہ اَمْوَاتٌ ہونے میں ہے نہ غَیْرُ اَحْیَاۤءٍ ہے۔ اور رب تعالیٰ کی انسانی و جنّاتی مخلوق کی چار حالتیں ہیں۔

۱۔ غَیْرُ اَحْیَاۤءٍ۔ یعنی لَاشَیْءَ ع۲ پھر دنیا میں آکر اَحْیَاۤءٌ ع۳ موت سے اَمْوَاتٌ ہوئے ع۴ پھر بعد موت چند ساعتوں کے بعد اَحْیَاۤءٌ ہوئے۔ مگر اے مشرکو جن کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو وہ بُت تو اتنے کمزور ہیں کہ ہماری حیوانی مخلوق اور بندوں کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ایسے اَموات ہیں کہ کبھی بھی اَحْیَاۤءٌ نہیں ہو سکتے۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غَیْرُ اَحْیَاۤءٍ ہیں نہ قبلِ موت زندگی نہ بعدِ موت زندگی۔ تو چونکہ یہاں بعد موت زندگی کی نفی بتانی مقصود تھی اس لیے اَمْوَاتٌ کے بعد غَیْرُ اَحْیَاۤءٍ کہنا نہایت مفید ہے۔ محض تکرار نہیں بلکہ جداگانہ معانی ہیں۔ اور معبودِ حقیقی وہ ہو سکتا ہے جو موت و حیات قبل و بعد کے سارے عیوب سے پاک ہو (کبیر۔ و مسائل الرازی)

چوتھا اعتراض۔ بُت جمادات ہیں اور جمادات کو میّت کہنا درست نہیں۔ مردہ اُسے کو کہا جاسکتا ہے جو پہلے زندہ ہو۔ جواب۔ موت وحیات کا اصلی معنیٰ ہے غیر نفع وفائدہ اور نفع اور فائدہ۔ تو اس اصلی معنیٰ کے اعتبار سے زندہ وہ جو نفع اور فائدہ دے اور لے۔ مردہ وہ جو نفع وفائدہ نہ لے سکے نہ دے سکے۔ اسی معنیٰ میں زمین کو زندہ و مردہ کہا جاتا ہے تو یہاں بھی یہی بتایا گیا ہے کہ کافرو۔ مشرکو یہ بُت مردہ یعنی ناقابل نفع ہیں ان کو کوئی فائدہ نہیں نہ فائدہ دے دے سکیں اور ان کی یہ کیفیت غیرُ اَحیاءٍ یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے خیال رہے کہ دیسے پتھر سے نفع لیا تو جاسکتا ہے مگر پتھر خود نفع نہیں دے سکتا۔ اس لیے اَمْوَاتٌ فرمایا گیا۔

پانچواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ۔ اور وہ بُت شعور نہیں رکھتے کہ کب اٹھائے جائیں گے لوگ۔ یعنی قیامت کب ہوگی۔ بتوں کے متعلق اس بات کا ذکر کیوں کیا گیا جب کہ قیامت کے بارے میں تو کوئی انسان بھی نہیں جانتا بلکہ جنات بھی نہیں جانتے کہ قیامت کب کس وقت آئے گی۔ آخر اس خصوصی نفی کی کیا ضرورت تھی۔ بتوں کی سینکڑوں کمزوریوں میں سے کسی ایسی کمزوری کا ذکر کیا جاتا جو کسی انسان میں نہ ہوتی۔ نیز یہاں فرمایا گیا۔ لَا يَشْعُرُوْنَ چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا لَا يَعْلَمُوْنَ وہ نہیں جانتے۔ اس لیے کہ علم کا تعلق سَر سے اور سَر کے دماغ سے ہے جب کہ شعور کا تعلق دل کی گہرائیوں سے ہے۔

جواب۔ اگرچہ بُت معمولی جانور اور کیڑے مکوڑے سے بھی زیادہ بے شعور ہیں اس لیے کہ جمادات ہیں مگر یہاں بتوں کا انسانیت سے تقابل مقصود نہیں۔ بلکہ کفار کے عقیدے کے مطابق جو بتوں کو معبود کہتے تھے۔ سچی اور جھوٹی بناوٹی معبودیت کا تقابل ہے کہ سچا معبود وہ ہے جو قیامت۔ حشر نشر۔ بندوں کے قبروں سے اٹھنے کو جانتا ہے۔ ہر چیز کی خبر رکھتا ہے۔ یہ بُت اس لیے بھی باطل ہیں کہ ان کو پتہ ہی نہیں کہ بندے کب اٹھائے جائیں گے۔ لہٰذا ان کو معبود سمجھنا اور ان کی پوجا پرستش کرنا انتہائی احمقانہ حرکت ہے ان سے زیادہ تو جانور حیوانات کو شعور ہے۔ نیز شعور کی نفی اس لیے درست ہے کہ شعور کی نفی سے تمام قوّتوں کی نفی ہو جاتی ہے شعور کا اصل معنیٰ ہے بے حس۔ بے حواس ہونا۔ جیسے مٹی کا ڈھیلہ۔ بے حس ہے۔ علم کی نفی سے۔ باقی قوّتوں کی نفی نہیں ہوتی۔ دیکھو بچہ شیر خوار۔ بلکہ یک روزہ بچّہ بالکل بے علم ہوتا ہے مگر اُس کی تمام قوّتیں احواسِ ظاہری و باطنی۔ اس میں موجود ہیں انہی قوّتوں کا نام شعور ہے۔ علما فرماتے ہیں کہ شعور اور علم میں چھ طرح فرق ہے۔ ع۱ شعور وہبی چیز ہے علم کسبی۔ ع۲ شعور پیدائشی ہوتا ہے۔ علم ہوش

سنبھالنے کے بعد بلکہ بعد بلوغت ۳۔ شعور جانوروں کو بھی ہوتا ہے مگر علم صرف ذی عقل کو۔ ۴۔ شعور حواسِ ظاہری سے بھی حاصل ہوتا ہے اور حواسِ باطنی سے بھی مگر علم صرف حواسِ ظاہری سے حاصل ہوتا۔ ۵۔ شعور روح کا خاصہ ہے مگر علم عقل کا خاصہ ہے۔ ۶۔ بہت سے انسان بے علم ہیں مگر کوئی انسان بے شعور نہیں۔ منطقی لوگ جس کو علم کہتے ہیں وہ ان ہی معنی میں ہے۔ تمام انسان خاص کر مسلمانوں کو قیامت حشر و نشر اور قبروں سے اٹھنے کا شعور ہے مگر تعین وقت کا علم نہیں اس لیے شعور کی نفی بالکل درست ہے۔ شعور کی نفی نے یہ بتایا کہ بتوں کے پاس حواس کی کوئی قوت بھی نہیں نہ عقلی نہ قلبی۔ نہ بصارت نہ سماعت نہ شامہ نہ لامسہ نہ ذائقہ۔ نہ ماشیہ نہ فہم نہ ادراک۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وَّ تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَ تَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِیْهِ وَ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ وَ اَلْقٰى فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِكُمْ وَ اَنْهٰرًا وَّ سُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ اور وہ اللہ وہ تناور قدرتوں والا ہے جس ذاتِ کریم نے قرآن کا سمندرِ بیکراں تمہارے لیے مسخر یعنی آسان نزین فرما دیا ہے تاکہ تم اس بحرِ بے کنار کی شریعت سے جسمانی روحانی غذائیں کھاؤ جو غذائیں تم کو دنیا و آخرت میں عشقِ کمال کی لذت بخشیں اور تزکیۂ نفس کی طراوت دیں اور طریقت کے زیور اس سمندرِ قرآنی سے نکالو۔ جن کو محافلِ نورانیہ مجالسِ قدسیہ میں دل دماغ عقل و فکر کا زیور بنا کر پہنو۔ تمہاری تمام عقل و دانش کی کشتیاں تدبیر و تدبر کے جہاز اسی سمندر کی لہروں میں کشاں کشاں رواں دواں تیرتے پھر رہے ہیں تاکہ اجتہاد و فقہ کے مسائل۔ حیاتِ دنیوی کی ہر ضرورت غمی و خوشی کے قواعد حقوق العباد و حقوق اللہ کے فضائل اسی قرآن مجید سے تلاش کر سکو۔ اور گہوارۂ اسلام کی آرام دہ باعزت زندگی پا کر کائناتِ عالم کے سامنے شریعت و معرفت کا شکر الٰہی ادا کرتے رہو۔ اللہ تعالیٰ نے مومن کی زمین جسمانی میں شریعتِ قرآن و حدیث کے قانونی لنگر ٹھونک دیے تاکہ تمہاری ارضِ جسمانی اس سمندرِ قرآنی کے دھارے میں نفسانی طوفانوں اور وسواس کی ہواؤں میں گمراہوں کی طرح بھٹکتی نہ پھرے۔ اے حق کے متلاشیو رب کائنات نے وادیِ اسلام میں شریعت کی نہریں اور طریقت کے رستے تمہارے لیے بنا دیئے تاکہ تم ان راستوں میں ایقان و عرفان کے پانیوں سے نہاتے دھوتے پیتے پلاتے شاداں و فرحاں قربِ محبوب کی ہدایت پالو۔ اس راستوں کی مسافت میں تصوف کی تینتیس منزلیں ہیں اور ہر منزل کا ایک دروازہ ہے۔ پہلا دروازہ ریاضتِ نفس۔ ۲۔ صبرِ جمیل۔ ۳۔ طلبِ مولیٰ۔ ۴۔ مصائب پر تحمل۔

۵ مجاہدہِ مسلسل ۔ ۶ علم دینی کے حصول میں لگن ۔ ۷ فقرا کی مجلس اور ہم نشینی ۔ ۸ اُمراء اور بادشاہوں وزیروں سے اجتناب ۔ ۹ اَغنیا سے دوری ۱۰ شریعت کی مکمل سرتاپا پابندی ۔ ۱۱ اللہ سے ہروقت فریاد والتجا ۔ ۱۲ مکرِ شیطانی سے ہروقت استغفار وتوبہ ۱۳ اللہ کی رحمت کی ہروقت اُمید ۔ ۱۴ دِل میں رِقّت وہیبتِ الٰہی کا خوف ۱۵ ذکرِ باطن میں مشغولیت ۱۶ اُخوّت ومودّت ۔ ۱۷ مساکین پر رحم ۔ ۱۸ جود وسخا ۱۹ بخل سے پرہیز ۔ ۲۰ ہر کام میں میانہ روی ۲۱ فحش لوگوں اور فحاشی سے بچنا ۲۲ اللہ رسول کے لیے محبّت اور عداوت ۔ ۲۳ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خیال رکھنا اور اپنے تعلق داروں سے کرانا ۔ ۲۴ دینی معاملات میں سختی گیری ۔ ۲۵ مناظروں مکالموں اور زیادہ کلام سے بچنا ۔ ۲۶ حکم تقدیر ۔ قضاءِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم کرنا ۔ ۲۷ ۔ اَحوال وکرامات کا ترک کرنا کرامتوں کی خواہش نہ کی جائے ۔ ۲۸ منظورِ بارگاہ ہونے کی خواہش اور طلب میں لگا رہنا ۔ ۲۹ محبّت شیخ مرشد میں فنا ہونا ۔ تصورِ شیخ میں متوجہ رہنا ۔ ۳۰ ہر حال میں جمعیتِ قلبی اختیار کرنا ۔ ۳۱ دنیا سے بے نیاز ہوجانا ۔ ۳۲ ہر چیز کو مشاہدہ حق میں کرنا ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جسم انسانی میں بتّیس جوڑ ہیں اور ہر جوڑ کے لیے یہ ہی منزلیں حِلْیَۃُ تَلْبَسُوْنَہَا ہے ۔ ولایت صغریٰ سے ولایت کبریٰ تک پہنچنے کے لیے یہ ہی منزلیں اور دروازے ہیں وَعَلٰمٰتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ . اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ . اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ رب تعالیٰ نے دن و ایمان کے راستوں میں بھی مسافرانِ راہِ طریقت کے لیے عظیم نشانات وعلامات پیدا فرما دیئے تاکہ بندہ شیطانی بھول بھلیوں میں پھنس کر گمراہی کے جنگل میں نہ جا پڑے ۔ شریعت کے دن میں علما فقہا قدرت کے رہنما نشان ہیں اور طریقت کی اندھیری راتوں میں اولیاء اللہ منزلِ قرب کے تارے ہیں ہدایت دی پاتے رہیں جو غیر خالق سے منہ موڑ کر رشتہ توڑ کر خالق تعالیٰ کے طالب بن جائیں ۔ یہی ہدایت کے ستارے اور راہِ شوق کے نشانات اِس صحراءِ ناسوتی میں ہر قول وعمل سے نعرہ بزن ہیں کہ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ خالقِ کُنْ فَيَكُوْنُ مخلوقِ ناسوتی کی طرح کس طرح ہو سکتا ہے ۔ مرد بینا کے لیے یہی ایک بات عظیم نصیحت ہے ۔ مقامِ عبرت ہے ۔ تمام بندے اہلِ طریقت حاملِ شریعت اگر باطن وظاہر کی نعمتیں ذکرِ مراقبہ سے شمار کی کوشش کریں تو ایک نعمت کو بھی احاطۂ ذکری میں نہیں لا سکتے بیشک اللہ تعالیٰ ہی وہ کریم وقدیر ہے جو بندوں کی کمزوریوں کو بخششوں سے بدلنے والا ہے اور توفیق کی رحمتوں سے نوازنے والا ہے ۔ نشاناتِ الٰہیہ والے عالم ربّانی وہ ہیں جن کے قول و

عمل میں ربانی فتوحات رحمانی الہامات اور سبحانی ارشادات - نورانی ہدایات ہوں - جن کی طبیعتوں میں انداز حکیمانہ کی جھلک ہو اور چہروں میں جمالِ روحانی کی چمک ہو - قدرت کے چمکتے ستارے وہ اولیاء و صوفیاء ہیں جو کلام کریں تو حقیقت لاہوتی ظاہر ہو اور خاموش ہوں تو انوارِ حال کی چمک ہو - جن کے اعضاءِ ظاہری سے بے تعلقی واضح ہو اور حواس باطنی میں تعلقِ معرفت کے رشتے پیوست ہوں - وجود سے فانی ہوں - روح سے باقی ہوں - باطل سے فانی ہوں حق سے باقی - مخلوق سے ٹوٹے ہوئے ہوں خالق سے جڑے ہوئے ہوں - تصوّف ہی بندے کو مردِ کامل بناتا ہے - صوفیاءِ کرام اور اہلِ تحقیق فرماتے ہیں کہ تصوّف کفر سے ایمان کی طرف - معصیت سے اطاعت کی طرف - نفسانیت سے روحانیت کی طرف راغب ہونے کا نام ہے - لباس و دستار کا عالم اور گدڑی و تسبیح کا صوفی طالب دنیا ہے - اور طالب دنیا زیادہ پڑھنے پڑھانے کا خواہش مند رہتا ہے - لیکن طالب دین عمل میں زیادتی کا خواہش مند ہوتا ہے - طالب دنیا وَاِنْ تَعُدُّوْا کے چکروں میں عمر برباد کر دیتا ہے - لیکن طالب دین و ایمان لَا تُحْصُوْهَا کے بحر تفکر میں غوطہ زن ہو جاتا ہے - طالب دنیا کو علم پڑھانا ڈاکو کے ہاتھ میں تلوار دینا ہے - بحرِ لاہوتی معرفت کا خزانہ ہے اور اولیاء اللہ غفاریت کے پردے میں چھپے ہوئے ہیں - علماءِ ربانی رحیمیت کے اونچے مینار پر بلند ہیں - خطاؤں کی معافی غفاریت ہے اور عطاءِ نعمت رحیمیت ہے - توفیق خیرات غفاریت ہے اور اعمالِ صالحہ رحیمیت ہے - شریعت غفاریت ہے - طریقت رحیمیت ہے - یہ تمام انعامات اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے پیدا کئے ہیں - صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر عبادتِ الٰہی بندوں کو عطا نہ ہوتی تو بندے گھٹن سے مرجاتے - وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ اَمْوَاتٌ غَيْرُ اَحْيَآءٍ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ - اور صرف اللہ تعالیٰ ہی اُن تمام اسرارِ خفی و جلی کو جانتا ہے جو اے منزلِ مراد پر چلنے والو تم اپنے عقل و شعور میں چھپاتے رہتے ہو اور اقوال و اذکار سے ظاہر کرتے ہو اہل دل فرماتے ہیں کہ مومن کا ذکرِ خفی مَا تُسِرُّوْنَ ہے اور ذکرِ جہری مَا تُعْلِنُوْنَ ہے - یہی اہلِ ایمان کی شان ہے صوتِ سرمدی سے انہی کو خطاب کیا جاتا ہے - اور وہ بدکردار و بدنصیب جو اللہ تعالیٰ خالقِ کل کو چھوڑ کر شیطان کے بندے اور پجاری بنتے ہیں زندگی کے قیمتی لمحات دنیا پرستی میں برباد کر دیتے ہیں - نہیں سوچتے کہ جن نفسیات کے ہم شیدائی ہیں وہ فانی مخلوق ہے کہ قلبِ جسدی کو بگاڑ تو سکتے ہیں مگر کوئی فائدہ بنا نہیں سکتے - ہجر کی موت سے مردہ ہو چکے ہیں ایسے

کبھی بھی ہدایتِ الہٰیہ کی زندگی نہ پاسکیں۔ انسان وساوسِ شیطانی سے اتنا مخمور و مدہوش ہو جاتا ہے کہ اُس کے تمام حواسِ ایمانی بے حس ہو جاتے ہیں مردہ بدست زندہ کی مثل۔ قلب سے بیگانے عقل کے کورے نہیں جانتے کہ کون کب کس حالت میں آخری انجام میں اٹھایا جائے گا۔ کس کو وصلِ حق کس کو عزا احق کون باطل میں اٹھایا جائے اور کون مقصدِ مراد میں یہ سب کچھ اللہ علیکم کی جلوہ گری ہے۔ اے حقیقت کے دامن کی پناہ چاہنے والے قلبِ مخلص والے بندے تیرا نفس مفلس ہے۔ اور قلب مخلص لہٰذا نفس کی پرستش نہ کر اُس سے دور ہو۔ مفلس اور مخلص میں چار طرح فرق ہے۔

۱ مفلس لالچی ہوتا ہے اور مخلص بے غرض۔ ۲ مُفلس غریب ہوتا ہے اور مخلص حقیقی امیر۔ ۳ مفلس حریص ہوتا ہے اور مخلص صابر۔ مفلس اہلُ اللہ کا دشمن ہے ہر آن سرکشی و شرارت پر کمر بستہ مگر اہلُ اللہ کا انتقام معافی ہے۔ ۴ مفلس احسان جتانے والا نیز بھڑکتا شعلہ ہے اور سخاوت خشک لکڑی مخلص اس لکڑی کو کشتی بنانے والا ہے۔ لیکن احسان جتانے والا اس لکڑی کو ایندھن بنانے والا ہے۔ ۵ مفلس اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَاءٍ ہے اور مخلص دارِ بقا کی زندگی والا ہے۔ احسان کرنا باطل کا بھی ہتھیار ہے اور حق کا بھی۔ اہلِ باطل احسان سے اَنَا کی راہ دیکھتے ہیں لیکن اہلُ اللہ کے لیے اَنَا و خودی کے فنا سے منزلِ بقا اور خلعتِ وصل ہے۔ جس سے دُنیوی ذلّت اور اُخروی عزت ہے یہ شان منصور حلاج کی ہوئی۔ لیکن اگر بقا کے ارادے سے آنا کہا تو یہ خودی فناءِ مردودیت ہے۔ جس کا انجام اَمواتٌ غیرُ اَحیاءٍ ہونا ہے۔ اور دنیوی حصہ تو ملتا ہے مگر دائمی ذِلّت نصیب میں ہوتی ہے۔ جیسے ابلیس کا حال ہوا۔ بندے کو ہر وقت ہیبتِ الٰہی میں ہونا چاہیئے۔ کون کس طرح مبعوث ہو یہ فقط اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ وَّ هُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ۔ لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ۔ اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ۔ اے کائناتِ عالمین کی قوتو بس ایک ہی ذاتِ قدس ہے جس کے حضور سجدہ ریز ہونا جس کے آستانے پر تم سب کا جھکنا لائق و درست ہے اس لیے کہ کسی کی کوئی طاقت اُس سے بلند نہیں ہے۔ سب ہمتیں اُس کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ پس وہ نفسانیات جو منزلِ آخرت کو نہیں سمجھتے اُن کے دل راہِ صداقت سے دور پڑے ہوئے ہیں۔ اور وہ اہلِ نفس جو اپنی فنا کو بقا سمجھنے والے ہیں۔ اگرچہ اُن کی مزاجی طبیعتیں حقیقتِ فنا کو تسلیم کرتی ہیں۔ بیشک اللہ تعالیٰ روح کی پوشیدگی اور جسم کی ظاہری کو پورا پورا جانتا ہے مکر کے جال پھیلانے والے جو کچھ اپنے ضمیر کی گہرائیوں میں چھپاتے ہیں۔ اور قول و عمل سے جو ظاہر کرتے ہیں۔ اُن تمام اسرار و آشکار کو رب تعالیٰ

جانتا ہے۔ دنیاءِ دون اور اس کی ہر چیز گھٹیا ہے۔ طالبِ دنیا مردود ہیں۔ اور ناکارہ و گھٹیا۔ کمزور ضعیف کا اپنے آپ کو اونچا بلند و بڑا سمجھنا قابلِ نفرت۔ اس لیے بیشک وہ ربّ عالمین بڑا سمجھنے والوں کو متکبروں کو محبوب نہیں رکھتا۔ اس لیے کہ ان کی دل کی آنکھیں اندھی ہیں ان کے نصیب میں مشاہدۂ جمال نہیں۔ ان کا نفس آمارہ آنکھیں کھولے ہوا ہے۔ اور دنیا کی جانب ہی دیکھنے اور اس کی تمنائیں ہے۔ حالانکہ آنکھوں کو دونوں جہان سے بند کر لینے سے ہی مشاہدۂ حق نصیب ہوتا ہے۔ عین معرفت سے ہی مطالعۂ صفات جمال و جلال ہو سکتا۔ اس راستے میں وہی قدم بڑھا سکتا ہے جو دانا بینا ہو۔ یہاں قوتوں کا مظاہرہ اور دعویٰ کرنے والے متکبرین تھک کر گر جاتے ہیں لیکن عجز والے روشن آنکھوں کی مدد سے قدم بڑھاتے ہوئے درگاہِ محبوب تک پہنچ جاتے ہیں۔ ولایت الٰہیہ کے سفر میں صرف سولہ قدم چلنے پڑتے ہیں۔

ع۱ پہلا قدم خوف ہے۔ محبوب کی سطوتِ بے نیازی سے دلوں کا مضطرب ہونا خوفِ عشاق ہے۔ ع۲ دوسرا قدم شکر۔ محبوب کے ذکر کے وقت فرحت سے دل کا جوش مارنا شکر ہے ع۳ قدمِ یقین۔ محبوب سے وصل ماسوا سے انقطاع احکامِ مغیبات اسرار پر مطلع ہونا یقین ہے ع۴ قدمِ وصل۔ فنائی الذات ہونا اس کے تین درجے ہیں۔ فنا فی الشیخ۔ فنا فی الرسول۔ فنا فی اللہ۔ ع۵ قدمِ صبر۔ بلاؤ مصائب پر وقوف کے باوجود بقاءِ ادب کے ساتھ ثبات مع اللہ رہے۔ ع۶ قدمِ انبساط۔ اپنے مراتب و مدارج کے باوجود عجز کے ساتھ جلوت و خلوت میں نفس ذاکر رہے۔ ع۷ قدمِ قرب۔ بلادِ لطف کے علاقوں کو طے کرنا اور انوار کی منزل تک پہنچنا قربِ الٰہی ہے۔ ع۸ قدمِ محبت۔ دنیا کو حلقۂ انگوٹھی عشقِ محبوب کو اس کا نگینہ سمجھنا۔ ع۹ خلوص کا قدم محبوب کی چاہت میں سب بلکہ خود کو بھی غیر سمجھے ع۱۰ قدمِ شوق۔ رویتِ محبوب کی تمنا بڑھتی ہی جائے۔ اور دیدار میں سکون ہو فتور نہ ہو۔ ع۱۱ قدم وارداتِ الٰہی یہ فضلِ ربی ہے نہ استدعا کا دخل ہے نہ طریقہ و ساعت مقرر۔ نہ فریاد نہ دعا یہ تمام قدموں سے انوکھا ہے۔ ع۱۲ قدمِ بقا۔ بقاءِ محبوب ہی میں بندے کی بقا ہے۔ نہ لقا کو فنا ہے نہ لقا والے کو لہٰذا بقا ہی بقا ہے۔

ع۱۳ قدمِ معرفت۔ ہر شی کی مخفیات کا علم اور شواہد حقیقت کو عیونِ قلبی سے دیکھنا ع۱۴ قدمِ وفا۔ سرًّا و جہرًا رعایتِ حقوق اللہ کو حفاظتِ حدود اللہ۔ مسارعت الیٰ مرضاتِ اللہ ع۱۵ قدمِ ہمت یہ ہے کہ نفس کو حبِّ دنیا سے روح کو تعلقِ آخرت سے قلب کو ارادۂ غیر اللہ سے خالی کرنا۔ ع۱۶ قدمِ رضا۔ خودی کو فنا کرنا۔ یہ قدم ولایتِ صغریٰ کے لیے پہلا ہے مگر اسی میں انتہا کا مقام ہے

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ ۔ کی جلوہ سامانی ہے ۔ ان قدموں کو چلنے کے بعد منزلِ محبوبیت ملتی ہے ۔ یہ پھول وچمن وہاں کھلتا ہے جہاں انکار کی جھاڑیاں تکبر کے کانٹے لَا يُؤْمِنُوْنَ کی بدعقیدگی مُسْتَكْبِرُوْنَ کی گندگی اور حسکرۃ کا کوڑا کچرا نہ ہو ۔ تمام انسان ہی قدموں پر چلنے کے لیے پیدا کئے گئے ہیں ۔ جس نے ان قدموں کی کوشش نہ کی اُس کی زندگی برباد ہے وہی لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ کے زمرے میں داخل ہے ۔ اے میرے رب کریم مجھے بھی میری اولاد کو بھی ہمت قدم عطا فرما ۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا

اور جب بھی پوچھا گیا اُن سے کہ کیا اُتارا اور رب نے تمہارے تو یہی بولے کہ

اور جب اُن سے کہا جائے تمہارے رب نے کیا اُتارا ۔ کہیں

اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ ۙ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ

قصے بناوٹی ہیں پچھلوں کے ۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اٹھائیں اپنے بوجھ

اگلوں کی کہانیاں ہیں کہ قیامت کے دن اپنے بوجھ

كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ

پورے دن قیامت کے اور کچھ بوجھ اُن کے

پورے اُٹھائیں اور کچھ بوجھ اُن کے

يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع ۲ / ۹

گمراہ کرتے ہیں جن کو بے ناسمجھی خبردار براہے وہ بوجھ جو بنا رہے ہیں ۔

جنہیں اپنی جہالت سے گمراہ کرتے ہیں سن لو کیا ہی برا بوجھ اُٹھاتے ہیں

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ

بیشک مکر کیا تھا اُن لوگوں نے جو سے تجھے پہلے اُن کے تو اٹھایا اللہ نے بنیادوں کو

بیشک اُن سے اگلوں نے فریب کیا تھا تو اللہ نے اُن کی چُنائی کو نیو

مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ

اُن کی سے جڑوں پھر گر پڑی پر اُن چھت سے اوپر اُن کے

سے لیا تو اوپر سے اُن پر چھت گر پڑی

وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ (۲۶)

اور آیا عذاب اُن کو طرف سے اُس جگہ کہ نہ تھی سمجھ اُن کو

اور عذاب اُن پر وہاں سے آیا جہاں کی انہیں خبر نہ تھی۔

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیات میں کفار کے غلط اور شرکیہ عقیدوں کا ذکر ہوا کہ اپنے خود ساختہ عقیدوں میں انہوں نے بتوں کو آسمانی معبود سمجھ لیا۔ اب اِن آیات میں کفار کی اُن بیہودہ باتوں کا ذکر ہے جو وہ حقیقی معبود اور اُس کے سچّے اور دائمی کلام کے بارے میں کرتے رہتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں کفار کی اِس بے علمی کا ذکر ہوا تھا جس میں وہ بروزِ قیامت خود اپنے اُٹھنے کے منکر تھے۔ اب اِن آیتوں میں اُن بوجھوں کا ذکر ہے جو وہ خود اپنے سر پر قیامت میں اٹھا کر لائیں گے یعنی اے کافر تم تو اٹھنے کے منکر ہو حالانکہ تم کو تو بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں موجودہ کافروں کی بدعملی بدعقیدگی کا ذکر ہوا تھا کہ یہ مغرور ہیں اور مغرور ہمیشہ بیوقوف ہوتے ہیں اِن میں حماقت تو ہوتی ہے چالبازی چستی چالاکی فریب کاری نہیں ہوتی لہٰذا مغرور آدمی اتنا سخت نہیں ہوتا اُس کو مارنا آسان ہوتا ہے اب اِن آیتوں میں سابقین کافرن کا ذکر ہے کہ وہ بہت چالاک ہشیار فریب کار تھے جب اُن کو آنِ واحد کے عذاب نے ہلاک کر دیا تو تم کیا چیز ہو۔

شانِ نزول روایت ہے کہ مکے کا ایک کافر نضر بن حارث اُس نے بہت قصّے کہانیاں یاد کی ہوئی تھیں۔ ایک دفعہ اُس سے کسی صحابی نے ایمانِ قرآن کے بارے میں سوال کیا تو کہنے لگا کہ (معاذ اللہ) قرآن مجید بناوٹی قصّے کہانیوں کی ایک کتاب ہے ایسی کہانیاں تو مجھ کو بھی بہت یاد ہیں۔ اُس کی تردید میں چھ آیتیں از ۲۴ تا ۲۹ نازل ہوئیں۔

تفسیرِ نحوی وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۙ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۔ واؤ سرِ جملہ اِذَا حرفِ شرط ظرفیہ زمانیہ بمعنیٰ جس وقت۔ جب بھی۔ جب۔ قِيْلَ۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول قَوْلٌ سے بنا ہے ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مستتر اِس کا نائب فاعل لام جارّہ مفعولیت کا ھُمْ ضمیر کا مرجع کفار مکہ ہے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے قِيْلَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ مجہولیہ قول ہوا۔ مَاذَا۔ کی اصلیت میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مَاذَا اسم بسیط ہے۔ مرکّب یا مفرد نہیں یعنی اگرچہ پہلے یہ لفظ علیحدہ دو تھے مگر اَب ایک ہی لفظ ہے۔ ترجمہ ہے۔ کیا کچھ۔ کتنا کچھ۔ یہ کبھی اسم جنس ہوتا ہے۔ بمعنیٰ یہ کچھ ہے۔ کبھی موصول ہوتا ہے بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ کبھی استفہامیہ ہوتا ہے۔ بمعنیٰ کتنا کچھ اسی معنیٰ میں یہاں ہے۔ ترکیباً یہ اسم موصول سوالیہ ہے اور مابعد جملہ۔ اس کا صلہ ہے۔ دوسرا قول یہ کہ مَاذَا اسم مرکّب ہے مَا اور ذَا سے۔ مَا سوالیہ ذَا موصولہ یا ۲ مَا سوالیہ ہی ہے اور ذَا اسم اشارہ قریب۔ ۳ یا مَا زائدہ اور ذَا اشارہ قریب یا مَا سوالیہ اور۔ ذَا۔ زائدہ ترجمہ علی الترتیب اس طرح ہوگا۔ ۱ کیا ہے وہ جو۔ ۲ کیا ہے یہ۔ ۳ یہ ۴ کیا۔ خیال رہے کہ مفرد اسم وہ ہے جو اصلاً ایک ہی ہو اور معنیٰ بھی ایک ہی ہو۔ جیسے زید بکر وغیرہ بسیط اسم وہ ہے۔ جو اصلاً دو ہوں مگر اس طرح جُڑ جائیں کہ معنیٰ ایک ہو جائیں۔ جیسے بَعْلَبَكّ۔ حَضْرَمَوْت وغیرہ۔ مرکب اسم وہ جو اصلاً یعنی شروع سے دو ہوں اور معنیٰ بھی دو ہوں جیسے مرکب توصیفی اضافی۔ بنائی۔ منع صرفی۔ مرکب تقییدی۔ اَنْزَلَ۔ بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ مصدر ہے۔ اِنْزَالٌ بمعنیٰ اُتارنا۔ نَزْلٌ سے بنا ہے اُترنا۔ رَبُّ۔ اسم مفرد جامد بحالتِ رفع فاعل ہے اَنْزَلَ کا کُمْ ضمیر جمع مذکر مخاطب مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ سوالیہ ہو کر مقولہ ہوا قِيْلَ کا۔ قَالُوْا۔ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع پوشیدہ اس کا فاعل مل کر قول ہوا۔ اَسَاطِیْرُ۔ اسم جمع منتہی الجموع اس کا واحد ہے اُسْطُوْرٌ یا اُسْطُوْرَۃٌ۔ اسی سے ہے۔ سَطْرٌ (لکھی ہوئی ایک لائن) اسی سے مِسطر۔ لکیر کھینچنے کا آلہ۔ اَسَاطِیْرُ بمعنیٰ اپنے قلم اور دماغ سے بنائی ہوئی۔

خبریں لکھی ہوئی سطریں یعنی جھوٹی۔ جیسے کہ ناول افسانہ۔ مضاف ہے غیر منصرف ہے۔ الف لام عہدی یا اسمی۔ اَوّلِیْنَ۔ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے اوّل۔ بمعنیٰ پہلے لوگ۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے۔ یَحْمِلُوا۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت۔ حَمْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اٹھانا۔ لادنا منصوب ہے لامِ کَیْ میں اَنْ پوشیدہ سے دراصل تھا یَحْمِلُوْنَ۔ نون اعرابی بوجہ نصب گر گئی۔ ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع کفارِ مکہ ہیں اَوْزَارَ۔ اسم جمع مکسّر منصرف واحد ہے وِزْرٌ بمعنیٰ بوجھ۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع خود کفار (یعنی اپنا) یہ مرکبِ اضافی ممیّز ہے یا ذوالحال ہے۔ کَامِلَۃً۔ اسم فاعل مؤنث۔ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ یا حال ہے یا تمیز ہے اَوْزَارَ کی یہ سب مل کر مفعول بہ ہوا یَحْمِلُوا کا۔ یَوْمَ۔ اسم مفرد جامد ظرفِ زمانی ہے۔ بمعنیٰ دن۔ وقت۔ مضاف ہے۔ الف لام عہدِ ذہنی۔ قیامت۔ اسم مصدر ہے۔ آخر کی ت مصدریہ ہے۔ بمعنیٰ کھڑا ہونا۔ اٹھ ہونا۔ قائم ہونا۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے یوم کا۔ مرکّب اضافی۔ مفعول فیہ ہے یَحْمِلُوا کا یہ سب جملہ فعلیہ مسبّب (عاقبت) ہے یا علت ہے۔ قَالُوا کی۔ واؤ سرِ جملہ۔ مِن جارّہ تبعیضیہ۔ اَوْزَارِ اسم جمع مکسّر منصرف واحد ہے وِزْرٌ۔ بمعنیٰ وہ بوجھ جو اپنے جسم پر لادا جائے۔ تھکا دینے والا۔ مضاف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول بحالتِ جر۔ مضاف الیہ ہے۔ یُضِلُّوْنَ۔ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِضْلَالٌ بمعنیٰ گمراہ کرنا۔ ضَلَّ سے بنا ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مرفوع متصل مستتر ہے۔ ھُمْ ضمیر ظاہر منصوب متّصل ہے مفعول بہ ہے۔ بِ جارّہ بمعنیٰ عَنْ جارّہ غَیْرِ اسم مفرد جامد فقط نافیہ مضاف ہے عِلْمٍ۔ اسم مصدر یا حاصل مصدر مضاف الیہ ہے نکرہ غیر معیّن ہے۔ مرکّب اضافی مجرور ہوا اور جار مجرور متعلق ہے یُضِلُّوا کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ اَوْزَارِ کا۔ مرکب اضافی مجرور ہے مِنْ سے۔ جار و مجرور متعلق ہے یُحْمَلُ فعل منقبل پوشیدہ کا۔ اَلَا۔ حرفِ بسیط ہے۔ تین طرح مستعمل ہے۔

۱ فقط کلام کے ابتدا۔ افتتاح کے لیے ۲ عرض کرنے کے لیے (یعنی نرمی سے سمجھانے کے لیے) ۳ تحضیض۔ (جھڑک) کے لیے۔ یعنی سختی سے بات سنانے کے لیے۔ یہاں آخری طریقہ ہے۔ بعض نے کہا یہ لفظ مرکب دو کلموں سے ۱ ہمزہ استفہام ۲ لا نافیہ۔ اور مرکّب کرنے کی وجہ ہے کلام کی نفی کو توڑ کر ثبوت میں شدت پیدا کی جائے۔ اپنے اپنے دلائل سے دونوں قول درست ہیں۔ اور مدعا یہ کہ۔ اَلَا۔ اصلاً مرکّب ہے مگر انجام کار بسیط ہو گیا ہے۔ سَاءَ فعلِ ذم ہے۔ بحث ماضی مطلق باب نَصَرَ سے ہے سَوْءٌ اجوف واوی اور مہموز اللّام سے بنا ہے بمعنیٰ۔ بُرا ہونا۔

ہمیشہ لازم ہوتا ہے۔ اِس باب مجرّد ہیں۔ مَا۔ اسم موصول۔ بحالتِ رفع فاعل مخصوص بالذّم ہے سَاءَ کا۔ یَزِرُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔ وِزْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بوجھ اُٹھانا۔ ھُمْ ضمیر مستتر اِس کا فاعل جس کا مرجع کفار ہیں۔ صلہ ہوا موصول کا۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ قَدْ مَكَرَ۔ فعل ماضی قریب مثبت معروف۔ باب نَصَرَ سے ہے۔ مَکْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ فریب کرنا چال چلنا۔ یا کسی کے فریب کو توڑنا۔ پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول بحالتِ رفع فاعل ہے قَدْ مَكَرَ کا۔ مِنْ جارّہ بیانیہ قَبْلِ اسم ظرفِ زمانی۔ یہ جب مضاف ہو تو معرب ہوتا ہے اور عامل کا اعراب ظاہر ہوتا ہے۔ ھِمْ ضمیر مجرور اِس کا مضاف الیہ ہے۔ مرکّب اضافی مجرور ہے مِنْ سے اور متعلق ہے مَرُّوْا فعل ماضی پوشیدہ کا یہ جملہ فعلیہ صلہ ہوا اَلَّذِيْنَ کا۔ فَ سببیہ اَتٰی۔ فعل ماضی مطلق۔ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا۔ یہاں بمعنیٰ لانا ہے۔ بُنْيَانَ۔ اسم مفرد الف نون زائدتان۔ مذکر۔ اِس کی جمع نہیں ہوتی اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس کو ترجیح دیتا ہے ایک قول میں یہ جمع ہے بُنْيَانَةٌ کی جیسے شُعْرَانٌ نُعْلَانٌ۔ نُعْمَانٌ۔ بمعنیٰ ساری عمارت۔ بنیاد سے چھت تک بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے ھُمْ ضمیر جمع مضاف الیہ۔ مِنْ حرفِ جر۔ الف لام استغراقی۔ قَوَاعِد۔ اسم جمع منتہی الجموع۔ (یعنی وہ جمع جس کی پھر جمع نہ بن سکے جمعُ الجمع)۔ اِس کا واحد قَاعِدٌ بھی ہوتا ہے بمعنیٰ بنیاد (عبارت کی دیوار کا نیچے کا زمین دوز حصہ)۔ قَاعِدَةٌ بھی۔ بمعنیٰ آئسہ بوڑھی عورتیں۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ لغتاً جس پر کوئی چیز قائم اور ٹھہری ہو اُس کو قَاعِدٌ کہتے ہیں۔ بحالتِ کسرہ ہے مِنْ سے جار و مجرور متعلق ہے اَتٰی کا۔ فَ حرفِ انجام۔ عاقبت۔ خَرَّ۔ باب ضَرَبَ نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف۔ خَرٌّ سے بنا ہے مضاف ثلاثی کا مادہ ہے۔ بمعنیٰ دھماکے سے گرنا۔ ایک دم گرنا۔ ڈھے جانا۔ عَلٰی جارہ فوقیت کی ھِمْ ضمیر کی مرجع اَلَّذِيْنَ ہے۔ الف لام عہدی یا ذہنی یا خارجی سَقْفُ۔ اسم مفرد جامد معرف باللام بمعنیٰ چھت۔ اِس کی جمع ہے سُقُوْفٌ اور اِس جمع کی جمع سُقُفٌ ہے۔ اور بھی دو قول ہیں ترجیح اِسی کو ہے۔ بحالتِ رفع ہے۔ فاعل ہے خَرَّ کا۔ مِنْ جارّہ ابتدائیہ فَوْقِ۔ اسم ظرفِ مکانی۔ جب اِس کا مضاف الیہ ظاہر موجود ہو تو یہ معرب ہوتا ہے۔ ھِمْ ضمیر اِس کا مضاف الیہ ہے۔ ترجمہ اُن کے اوپر سے۔ واؤ سر جملہ۔ اَتٰی۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ اَتْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ آنا۔ باب ضرب سے ہے۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ۔ الف لام عہدِ ذہنی عَذَابٌ۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ سزا۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے اَتٰی کا۔ مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے یا بیانیہ۔

یا زائدہ ہے۔ حَیْثُ۔ اسم ظرفِ مکانی مبہم۔ جب یہ ما موصولہ کے ساتھ مل کر آئے شرط و جزا کے لیے ہوتا ہے۔ بمعنی حیثما۔ ہر حال میں ضمہ پر مبنی ہوتا ہے۔ ظاہراً اس پر ضمہ ہے مبنی کی وجہ سے مگر محلاً مجرور ہے مِنْ جارہ سے بمعنی۔ جہاں کہاں۔ جدھر۔ جب کبھی۔ یہاں پہلے معنیٰ ہی درست اور مراد ہیں۔ حیثما۔ ظرفِ زمانی ہوگا بمعنیٰ جب کبھی۔ بیانِ کیفیت کے لیے بھی آتا ہے۔ بمعنیٰ اس طریقے سے۔ یہ معنیٰ بھی یہاں بن سکتے ہیں۔ لَا یَشْعُرُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع منفی بِلاَ۔ صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ شَعُرٌ سے بنا ہے۔ بمعنی حواسِ خمسہ کے ذریعہ جاننا۔ اسی سے ہے شُعُوْرٌ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ۔ لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَھُمْ کَامِلَۃً یَّوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِیْنَ یُضِلُّوْنَھُمْ بِغَیْرِ عِلْمٍ اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے بہت کثیر دلائل عقلیہ ظاہریہ باطنیہ سے توحید و رسالت کو ثابت فرما دیا لیکن اس کے باوجود ان عقل کے اندھوں ضد کے پکوں سے جب بھی کہا گیا اور پوچھا گیا کہ کیا اُتارا تمہارے پروردگار نے وہ کون سا کلام ہے جس کا چرچہ عالم میں پھیلتا چلا جا رہا ہے اے مکے والو مسافروں کے راہ میں بیٹھنے والو ذرا ہم کو بھی تو بتاؤ تاکہ ہم بھی اس نوری چہرے والے سردارِ انبیا کی محفل میں حاضر ہو کر اللہ کے کلام کو زبانِ فیضِ مصطفیٰ سے سنیں تو یہ کفارِ مکہ کعبہ کے پاس بیٹھنے اور جنگلوں میں بیٹھ کر دربارِ مصطفیٰ میں آنے والے مسافروں کو روکنے کے لئے بار بار یہی بولے کہ اللہ نے کچھ نہیں نازل کیا یہ تو خود محمد مصطفیٰ نے ہی اگلے افسانوں قصّے کہانیوں ناولوں اور جھوٹے سچے واقعات کو نہ جانے کہاں کہاں سے کس کس سے سن سنا کر جمع کر لیا ہے۔ یہ وہی پہلوں کے اساطیر ہیں۔ کفارِ مکہ یہ صرف اس لیے کہتے ہیں تاکہ لوگ نہ محفل پاک میں حاضر ہوں۔ نہ شانِ مصطفیٰ ظاہر ہو نہ کلامِ الٰہی کی لذت سے کوئی آشنا ہو سکے بلکہ اُن کی یہ بیہودہ گفتگو سن کر وہیں سے دل بُرا کر کے واپس لوٹ جائے۔ لیکن در پردہ اُن کی یہ بداعمالیاں اس لیے ہو رہی ہیں تاکہ وہ قیامت کے دن اپنا پورا بوجھ بھی اُٹھائیں اور ان لوگوں کا بوجھ بھی اٹھائیں جن کو وہ اپنی جہالت، بیوقوفی اور حسد بغض کی وجہ سے گمراہ کر رہے ہیں۔ کیا ہی سخت ترین بُرا ہے وہ بوجھ جو وہ بناتے اور اکٹھا کرتے چلے جا رہے ہیں جس کا پتہ قیامت میں چلے گا۔ چونکہ قرآن مجید نبی کریم کی نبوت کا معجزہ ہے اور یہ وہ نبوت کا معجزہ ہے جو تا قیامت ہر ایک کے سامنے رہنے والا ہے اور کافر نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے اسلیے ہر وقت وہ قرآن مجید کا بھی انکار کرتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام نہیں بلکہ پرانے لوگوں کے قصّے

کہانیاں ہیں یا اُن کے پیچھے بیتے ہوئے واقعات یا ان کی جھوٹی بناوٹی ناولیں افسانے جن کو یہ بھی سناتے ہیں۔ اور جانتے بوجھتے قرآن مجید کی فصاحت بلاغت قانون الاحکام۔ حقائق و دقائق اور علوم کا انکار کر دیتے تھے۔ یہ گفتگو آپس میں بھی کرتے تھے اور حجاج سے بھی مہمانوں سے بھی مسافروں سے بھی۔ اس جگہ رب تعالیٰ نے کفار کے اس قول کے عذاب کا ذکر فرمایا کہ انجام یہ ہے کہ اپنا اور اُن لوگوں کا کفریہ بوجھ اٹھائیں گے جو ان کے کہنے سے مسلمان نہیں ہوتے کفر پر ہی لوٹ جاتے ہیں۔ گویا ان کفارِ مکہ پر ڈبل عذاب۔ ۱ اپنے کافر رہنے کا۔ ۲ اور دوسروں کو کافر کرنے کا۔ لیکن کہنے ماننے والوں پر ایک بوجھ صرف گمراہ اور کافر رہنے کا۔ یہاں مِنْ بعضیت کا ہے بوجھ سے متعلق نہیں بلکہ اَلَّذِیْنَ سے تعلق ہے یعنی بوجھ بعض نہیں بوجھ تو پورا ہوگا اَلبتّہ۔ لیکن ہوگا اُن کا جو ان کے بہکانے سے گمراہ ہو گئے۔ اور جو نہ بہکے ان کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ خواہ وہ مومن ہو گئے یا کسی اور وجہ سے کافر ہی رہے نہ کہ اُن کے کہنے سے قَدْ مَكَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْیَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَیْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ یارسول اللہ کفارِ مکہ کی ان گستاخانہ ذلیل حرکتوں سے آپ غمگین دل نہ ہوں اس لیے کہ یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے اس سے پہلے جو کافر قومیں گزری ہیں انہوں نے بھی اسی قسم کے مکر فریب اور طرح طرح کے منصوبے اپنے انبیا کی نافرمانی کرنے اور ان کو ستانے کے لیے بہت کئے تھے اور وہ کافر بھی سمجھتے تھے کہ شاید ہماری مکاریاں منصوبے بندیاں بہت مضبوط اور کامیاب ہیں۔ مگر آپ کے اللہ نے ان کو اور ان کے تمام فریبانہ منصوبوں کو ان کی جڑوں سے اکھیڑ دیا۔ پس گر پڑیں اُن کی گھریلو چھتیں اُن کے اوپر جب کہ وہ رات کو غفلت کی نیند سو رہے تھے اور سب دب کر مر گئے ایک بچہ بھی باقی نہ بچا۔ اور رات کا عذاب اُن کے پاس اتنی تیزی اور اچانک آیا کہ وہ سمجھ بھی اور سنبھل بھی نہ سکے۔ ایک قول ہے کہ بُنیان سے مراد کفار کی فریب کاریوں کے محل ہیں اور جڑ سے اکھیڑنے کا معنیٰ ہے کہ انبیاءِ کرام اور دینِ الٰہی کے خلاف تمام منصوبوں کو ناکارہ کر دیا گیا تھا تو اب یہ کفارِ مکہ بھی اپنی سوچی سمجھی اسلام قرآن حدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف فریب کاری پر خوش نہ ہوں انجام ان کا بھی ویسا ہی ہونے والا ہے۔ ایک قول ہے کہ بُنیان سے مراد وہ مینارہ اور برج ہے جو ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغِ ایمان سے ناخوش ہو کر نمرود بن کنعان کافر خدائی کا دعویٰ کرنے والے نے پانچ ہزار گز یا اس سے بھی اونچا دو فرسخ یعنی چھ میل اونچا بنوایا تھا۔ اور ایک بڑا صندوق ہلکی پتلی لکڑی کا بنا کر اس میں خود اور اپنے وزیر ہامان کو بٹھایا تھا۔ دو یا تین بڑی گدھوں کے پاؤں

اوپر باندھے اور بانس پر گوشت باندھا۔ جب گدھوں نے گوشت دیکھا تو اوپر کو لپکیں لیکن چونکہ وہ بھی صندوق سے بندھی تھیں اور بانس بھی اس لیے گدھوں کے ساتھ صندوق بھی اوپر کو پرواز کرتا رہا۔ اور گوشت کو پکڑنے کی خاطر تقریبًا ایک ماہ اوپر کی طرف پرواز جاری رہی۔ اللہ تعالیٰ نے عقاب۔ نسکرہ۔ باز اور گدھ کو یہ طاقت و ہمت اور برداشت بخشی ہے کہ وہ بھوکے پیاسے رہکر مہینہ ڈیڑھ مہینہ پرواز کر سکتے ہیں۔ اب نمرود اور اس کا وزیر جب آسمان کو دیکھتا ہے وہ تو اتنا دور لگتا ہے جتنا زمین سے لگتا تھا اور زمین کو دیکھتا ہے تو گول چاند کی طرح نظر آتی ہے۔ تو نمرود نے آسمان کی طرف ایک تیر پھینکا۔ قدرتِ الٰہیہ سے وہ تیر چند منٹ بعد خون میں سنا ہوا واپس اسی سوراخ کے ذریعہ صندوق میں آکر گرتا ہے۔ نمرود خوش ہو جاتا ہے کہ میں نے ابراہیم کے رب کو قتل کر دیا (معاذ اللہ) پھر اس نے گوشت والے بانس کو اُلٹا کر دیا جس سے گوشت

آگیا۔ تو گدھوں نے نیچے کی طرف پرواز شروع کر دی اور نیچی پرواز کی وجہ سے وہ چند دن میں زمین پر آگئے یہاں سے چل کر نمرود اپنے پایۂ تخت پہ پہنچا جبکہ مینارے پر گھمنڈ میں بڑا مغرور بنا جا رہا تھا اُدھر حضرتِ جبرئیل نے رب تعالیٰ کے حکم سے ایک پر مارا جس سے وہ انتہائی مضبوط مینارہ ایکدم ٹوٹ کر گر پڑا۔ (واللہ اعلم بالصواب) مگر اس آیت پاک کی تفسیر میں پہلا قول درست ہے۔ مقصدِ کلام یہ ہے کہ انسان کچھ بھی کرے کتنی ہی تدبیریں بنائے رب تعالیٰ کی منشا کے بغیر کچھ نہیں کر سکتا بلکہ اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو کوئی کسی کے لیے مصیبت کا گڑھا کھودتا ہے۔ وہ خود ہی اس میں گر جاتا ہے۔ ہر میدان میں رب تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ اپنے پیارے نبیوں۔ ولیوں اور صالحین متقیوں کی شان آن بان بڑھاتا ہے۔ اکثر دیکھا جا رہا ہے کہ فاسق و فاجر کفار اور گستاخ لوگوں کی دنیوی زندگی اور موت ذِلّت و رسوائی سے ہی ہوتی ہے۔ میں نے بچشم خود بہت سے نبی کریم کے گستاخوں کو بُری ذِلّت آمیز موت مرتے دیکھا ہے۔ دنیا میں اگرچہ جُبّہ و دستار کے ساتھ شکلِ مومنانہ بناتے پھریں گی اپنی بداعمالیوں فریب کاریوں کی بنا پر ایسے ایسے تکلیف دہ واقعات ہو جاتے ہیں جو ہر اعتبار سے عذاب الٰہی ہی ہوتے ہیں مگر بندے اس کا شعور نہیں رکھتے اور سمجھتے ہیں کہ موسم ہی ایسا تھا یا دشمن کی بنا پر ایسے ایسے تکلیف دہ واقعات ہو جاتے ہیں جو ہر اعتبار سے عذاب الٰہی ہی ہوتے ہیں مگر بندے اس کا شعور نہیں رکھتے اور سمجھتے ہیں کہ موسم ہی ایسا تھا یا دشمن کی کارستانی یا کسی جادوگری کا چکر قرار دے لیتے ہیں۔ مگر اپنی طرف اپنی سیاہ کاریوں کی طرف دیکھتے ہوئے یہ نہیں کہتے کہ ہم پر یہ عذابِ الٰہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کریم و رحیم سب کو ہدایت و شعور دینے والا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اگرچہ تمام مکر و فریب ہی بہت برے اور قابلِ گرفت و نقصان دہ ہیں مگر۔ انبیاءِ کرام اور اللہ تعالیٰ کی چیزوں کے خلاف فریب کاری تو بہت ہی سخت گناہ ہے جس کی سزا بلاواسطہ خود رب کی طرف سے نازل ہوتی ہے۔ سختیِ جرم کا اندازہ سزا کی سختی سے کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے بندے کو حتی الامکان اللہ کے پیاروں کی ناراضگی سے بچنا چاہیئے۔ یہ فائدہ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ کی پوری آیت کے مضمون اور تفسیر سے حاصل ہوا۔ دُوسرا فائدہ۔ قیامت میں انشاء اللہ تعالیٰ علماء و مشائخ کو ہر عمل کا دُگنا ثواب ملے گا اس لیے کہ ان کو اپنے اعمال کا ثواب بھی ملے گا اور وہ اپنے شاگردوں مریدوں اور مقتدیوں کے اعمال کا پائیں گے یہ فائدہ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ کی اقتضاءُ النّص سے حاصل ہوا کہ جب بد عملی کا بوجھ گمراہ کرنے والوں کو اٹھانا پڑے گا تو نیک عملی کا ثواب نیک بنانے والوں مسئلے سنانے والوں کو بھی انشاء اللہ ضرور ملے گا۔ تیسرا فائدہ۔ قیامت کے دن کامل سزا صرف کفار کے لیے ہے۔ گناہگار مسلمان کو گناہ کی پوری نہیں ملے گی بلکہ کچھ گناہ شفاعت سے کچھ گناہ ایصالِ ثواب ختم شریف اور لواحقین اور پچھلے نیک وارثین کی نیکیوں کے بخشنے سے معاف یا ہلکے کردیئے جائیں گے یہ فائدہ کَامِلَةً کی نسبت صرف کفار کی طرف کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل متنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ جب کوئی شخص خاص کر کوئی عالم دین یہ کہے کہ یہ حدیث پاک ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا ہے تو کسی شخص کو جائز نہیں کہ ایک دم بغیر تحقیق انکار کرے بلکہ اگر سننے والا خود عالم ہے تو تحقیق و تفتیش کرے۔ اور اگر عالم نہیں تو علماءِ محققین سے پوچھے۔ خاص کر اس زمانے میں جب کہ کتابیں چھپی ہوئی ہر جگہ دستیاب ہیں بزرگوں اور علماءِ محدثین کی محنتوں سے دینی خدمتوں سے دین بہت آسان ہو چکا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کسی حدیث پاک کا انکار کرنا۔ کفار کی علامت ہے یہ مسئلہ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ اور يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ فرمانے سے متنبط ہوا۔ اِس سے منکرینِ حدیث چکڑالوی اور پرویزی عبرت پکڑیں۔

دوسرا مسئلہ۔ بے علم جاہل آدمی کو قطعاً ناجائز ہے دین کی تبلیغ کرنا اور لوگوں کو مسائل بتانا۔ اس لیے کہ جاہل انسان اپنی جہالت کی وجہ سے یقیناً غلط مسئلے بتائے گا اور لوگوں کو گمراہ کرے گا۔ یہ مسئلہ بھی يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ کی تفسیر سے متنبط ہوا۔

اعتراضات۔ یہاں چند اعتراض و سوالات وارد ہوتے ہیں۔

پہلا اعتراض - یہاں فرمایا گیا - وَاِذَا قِیْلَ لَہُمْ جب ان سے کہا گیا کہ کیا نازل کیا تمہارے رب نے تو جواب میں کفار نے کہا پہلوں کے فسانے قصے کہانیاں - اس سے معلوم ہوا کہ کفار نزولِ وحی کو تسلیم کرتے تھے مگر اللہ کی گستاخی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ اللہ نے بناوٹی کہانیاں نازل کی ہیں حالانکہ ایسا نہیں وہ تو یہ مانتے ہی نہ تھے کہ نبی کریم جسکو کلامِ الٰہی کہہ رہے ہیں وہ آسمان سے نازل ہوا ہے بلکہ وہ تو اس کو نبی پاک کی بناوٹ کہتے تھے - تو یہ آیت کی عبارت کس طرح درست ہوئی - **جواب** - تفسیر کبیر نے اس کے تین طرح جواب دیئے ہیں - پہلا یہ کہ کفار کا یہ جواب تمسخر اور مذاق تھا - اس طرح کہ جب کوئی اجنبی سوال کرتا کہ مکے میں نبوت کا دعویٰ کرنے والے نبی کریم پر رب نے کیا نازل کیا ہے تو مذاق کرتے ہوئے کہتے کہ دیکھو لو یہ کہانیاں ہیں جنکو منزل من اللہ کہا جاتا ہے یا منہ لمبا کر کے کہتے کہ ہاں جی اللہ نے اب کہانیاں ہی نازل کرنی تھیں - اور تو کچھ نازل کرنے کی چیز رہی ہی نہیں - دوم یہ کہ - کفار کے جواب کی کچھ عبارت پوشیدہ ہے - پوری بات اس طرح ہے کہ جب کوئی مسافر ان سے پوچھتا کہ رب تعالیٰ نے کونسا کلام نازل فرمایا ہے تو جواباً کہتے ہاں کہا تو جاتا ہے کہ اللہ اپنا کلام نازل فرما رہا ہے - مگر وہ سب بناوٹی قصے ہیں - اب خود سوچ لو کہ کیا رب کا کلام ایسا ہوتا ہے - سوم یہ کہ - کفار کہتے تھے کہ ہم کیا کہہ سکتے ہیں - رب کے کلام والی کوئی نشانی تو اس میں پائی نہیں جاتی - نہ فصاحت نہ بلاغت - نہ دقائق نہ حقائق - یونہی معمولی قصے ہیں جو ہر کوئی افسانہ گو سنا سکتا ہے - (معاذ اللہ) - لہٰذا یہ ہر طرح کی گفتگو - تسلیم کرنا نہ تھی -

دوسرا اعتراض - یہاں فرمایا گیا - فَخَرَّ عَلَیْہِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِہِمْ یعنی اُن کفار پر چھت اُن کے اوپر کی طرف سے گر گئی - چھت تو ہوتی ہی اوپر ہے اور اوپر سے ہی گرتی ہے - پھر یہ لفظ بڑھانے سے کیا فائدہ ... ؟ (تفسیر کبیر) -

جواب - امام رازیؒ نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ مِنْ فَوْقِہِمْ سے اس چیز کی تاکید اور وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ جب چھت گری تو وہ چھت والے اس کے نیچے ہی تھے اور ہلاک ہوئے - ورنہ چھت تو واقعی اوپر ہی ہوتی ہے اور اوپر سے ہی گرتی ہے مگر یہ ضروری نہیں کہ لوگ - چھت والے اُس کے نیچے ہی ہوں - اس کو بیان کرنے کے لیے مِنْ فَوْقِہِمْ فرمانا نہایت ضروری اور مفید ہے - **تیسرا اعتراض** - یہاں فرمایا گیا لِیَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَہُمْ کَامِلَۃً - بڑے کافر چھوٹے کافروں کا پورا بوجھ اٹھائیں گے - اور دوسری جگہ ایک آیت میں فرمایا گیا وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی قیامت میں کوئی کسی کا بوجھ قطعاً نہیں اٹھائے گا - اِن آیتوں میں مطابقت کیونکر ہو - **جواب** - اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں - ایک یہ کہ اِس آیتِ پاک میں گمراہ گر کفار اور گمراہ ہونے والے کفار کا ذکر ہے - اور اُس دوسری آیت میں غیر متعلق کفار کا ذکر ہے - یعنی جن کافروں کے کفر اور بدعقیدگی کا تعلق دوسرے

بڑے کافروں سے وہ تو چھوٹوں کا بوجھ اٹھائیں گے۔ اور جو غیر متعلق کافر لوگ ہیں وہ کسی دوسرے کے کفر کا بوجھ نہیں اٹھائیں گے۔ دوسرا یہ کہ اس آیت میں یہ فرمایا گیا ہے ہر کافر اپنا بھی بوجھ اٹھائے گا اور گمراہ و معتقد ہونے والے کافر ماتحت کا بھی۔ اور اُس دوسری آیت میں یہ فرمایا جارہا ہے کہ ایسا نہیں ہوگا کہ اصل مجرم ہلکا پھلکا رہے اور دوسرے کسی شخص کو مزدوروں کی طرح اُس کا بوجھ اٹھوادیا جائے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ اس آیت میں کافر کا بوجھ کافر کے اٹھانے کا ذکر ہے یعنی کافر گر اور بڑا کافر اپنے کافر ساتھی کا بوجھ اٹھائے گا اور مجرم کافر پر بھی کافر بننے کا بوجھ پورا پورا ہوگا۔ اور اس دوسری آیت میں ہے کہ کوئی مسلمان اپنے کسی کافر رشتے دار کا بوجھ محبت یا حمایت یا ترس کھاتے ہوئے نہیں اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ لِيَحْمِلُوْٓا اَوْزَارَهُمْ كَامِلَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۙ وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۔ یہ دنیاء دون کا طریقۂ باطلہ ہے کہ جب بھی اُن مردہ ضمیروں سے پوچھا جائے کہ تمہارے ازلی ابدی پروردگار نے قلب مزکیٰ پر کونسی واردات نازل فرمائی ہیں تو طغیانی شرارتیں یہی جواب دیتی ہے کہ یہ وساوس شیطانی ہیں جیسے کہ نفس امارہ پر ہوتے تھے۔ قلب ابلیسی دھوکے میں ہے کہ وہ غلاہٹ کو سدلے ربانی سمجھ رہا ہے۔ نفس و شیطان کی یہ جھوٹی بات اور کذب بیانی ایک بھاری بوجھ ہے جس کو ایام قہر میں پورا پورا اپنے اوپر اٹھائیں گے۔ اور اُن اعضاءِ ظاہری کا طغیانی بوجھ ان ہی امارہ و شیطانی نفوس پر ہوگا جن کو یہ اللہ سے دور فتنہ و فتور، شرارت و قصور میں استعمال کرتے پھرتے تھے۔ بے عقلی و نادانی اور ظلمت شیطانی سے۔ خبردار انتہائی ذلیل کرنے والی ہیں وہ بوجھ اغیار کی گٹھڑیاں جو یہ عالم نفرت میں اٹھائیں گے جب کے درگاہِ قدس سے محرومی کی زنجیریں ڈال کر دُور کارے جائیں گے۔ نفس شرارت کرنے کا عادی اور قلب صبر کرنے کا عادی۔ صوفیا کے نزدیک صبر تین قسم کا ہے۔

۱۔ صبر اللہ یعنی اُمورِ الٰہی کی ادا اور ترکِ نہی پر ثابت قدم رہنا۔ ۲۔ صبر مَعَ اللہ۔ یعنی قضا و قدر پر پُرسکون رہنا۔ ۳۔ صبر علی اللہ۔ یعنی جلالِ محبوب کی تاب اور آخرت کا سفر وعدۂ الٰہی پر اطمینان ہونا یہ صبر سب سے زیادہ سخت ہے۔ پہلے صبر میں نفس پر اپنی سرکشی کا بوجھ ہے لِيَحْمِلُوْٓا (الخ) کا ظہور ہے۔ دوسرے صبر میں وَمِنْ اَوْزَارِ الَّذِيْنَ کا مشاہدہ اس میں نفس امارہ کا ضعف ہے۔ تیسرے صبر میں نفس کی موت ہے اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ۔ قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَاَتَى اللّٰهُ بُنْيَانَهُمْ

مِنَ الْقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَاَتٰىهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ۔ عقل نفسانی نفس و شیطان کا بھاری جال ہے ابلیس پہلے زمانوں سے اسی عقلی جال کے ذریعے ہر راستے میں شکار کرتا رہا ہے۔ کفر شرک۔ منافقت اور فسق نفس امارہ کے تین بڑے مکان ہیں۔ ان پر شرارتوں فتنوں۔ فسادوں کی چھت ہے۔ قرآن وحدیث کی خبریں اور محرومی ذلت نامرادی کا باطنی عذاب ہے اور بدکاروں کے سینے کا اندھیرا اور ظلمت اُن کی لاشعوری ہے۔ قلب نورانی اور روحِ ایمانی کو آگاہ فرمایا جا رہا ہے کہ جسدِ انسانی کے شروع دنوں ہی سے نفسِ امارہ نے شیطانی تصورات کے ذریعے قسم قسم کے مکر حیلے بہلانے کرنے شروع کر دیئے تھے تو خالق تعالیٰ نے ان نفسوں کے کفر شرک فسق و فجور کی ساری عمارتیں اس طرح ڈھا دیں کہ خود اپنے کھڑے ہوئے فساد قائم کئے ہوئے فتنوں اور شرارتوں کی چھتیں ان پر ان لمحات میں گریں کہ یہ سب نفوسِ رذیلہ اپنی رذالتوں میں مشغول تھے۔ اور ان گرے ہوؤں پر کسی نے ترس نہیں کھایا نہ بچایا بلکہ مزید اُن پر اس طریقے سے عذابِ محرومی اور فنا آیا کہ بے شعوری میں سمجھ بھی نہ سکے اور اپنے ساتھ اپنی پوری شخصیت کو بھی اعضاء ظاہری و باطنی کو بھی قعرِ ذلت میں ڈال دیا یہی آج بھی ان کفار و منافقین کا انجام بد ہے۔ نفسِ امارہ کا سب سے بڑا مکر یہ ہے کہ جھوٹوں کو سچوں کا لباس پہنا کر صراطِ مستقیم پر کھڑا کر دیا جائے تاکہ اس راستے پر چلنے والے مخلص مسافران منزلِ محبوب کو اپنی طرف بلانے متوجہ کرنے کے ذریعے حیلے بہانے سے روکا ٹوکا جائے۔ اور رک جانے والوں کو ان کی طرف کان لگا والوں کو نہایت میٹھی آواز سے محبوب سے دور کر دیا جائے۔ اَللّٰهُمَّ قِنَا وَاِيَّانَا مِنْهُمْ

ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ

پھر قیامت کے دن رسوا کرے گا اُن کو اور فرمائے گا کہاں ہیں

پھر قیامت کے دن انہیں رسوا کرے گا اور فرمائے گا کہاں ہیں

شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ

وہ شریک میرے کہ ضد بازیاں کرتے تھے تم جن کے بارے میں فرمایا

میرے وہ شریک جن میں تم جھگڑتے تھے علم والے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ

اُن لوگوں نے جو دیئے گئے علم بیشک ذلت ہے آج اور برائی ہے

کہیں گے آج ساری رسوائی اور برائی

عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ

پر کافروں ۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ موت دیتے ہیں جن کو فرشتے

کافروں پر ہے ۔ وہ کہ فرشتے اُن کی جان نکالتے ہیں اس حال پر

ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۪ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ

ظلم کرنے والے ہیں جانوں پر اپنی ۔ تو ڈالیں گے وہ صلح سلامتی کہ ہم نہ کرتے تھے

کہ وہ اپنا بُرا کر رہے تھے اب صلح ڈالیں گے کہ ہم تو کچھ برائی نہ

مِنْ سُوْٓءٍ ؕ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ

کچھ گناہ ۔ ہاں بیشک اللہ جاننے والا ہے کو اُس جو تم

کرتے تھے ۔ ہاں کیوں نہیں بیشک اللہ خوب جانتا ہے جو تمہارے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۸﴾ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ

کرتے رہے تو داخل ہو جاؤ تم دروازوں میں دوزخ کے ہمیشہ رہنے والے

کوتک تھے اب جہنم کے دروازوں میں جاؤ کہ ہمیشہ اس میں

فِيْهَا ؕ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ﴿۲۹﴾

میں اُس تو یقیناً بُرا ہے ٹھکانہ بڑا بننے والوں کا

رہو تو کیا ہی برا ٹھکانہ مغروروں کا

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے -
پہلا تعلق - پچھلی آیات میں سابقہ مشرکین کے دنیوی اُن عذابوں کا ذکر ہوا جو خاص قوموں پر خاص وقتوں پر آیا - اب اِن آیت میں اُن عذابوں کا ذکر ہو رہا ہے جو آخرت میں بلا امتیازِ زمانہ اور قومیت سب کافروں پر دائمی ہوتا رہے گا - **دوسرا تعلق** - پچھلی آیت میں کافروں کی اُن باتوں کا ذکر ہوا جو وہ اللہ رسول اور قرآنِ پاک کے خلاف کرتے رہتے تھے - اب اِن آیات میں اُن باتوں کا تذکرہ ہے جو قیامت میں اہلِ ایمان اُن کفار کے بارے فرمائیں گے - **تیسرا تعلق** - پچھلی آیتوں میں کفار کے عذاب سے مرنے کا ذکر ہوا تھا اب اِن آیت میں کفار کے عام موت مرنے کا ذکر ہے - یعنی دنیا میں تو اُن کی حالتیں مختلف ہیں مگر آخرت میں سب کی حالت ایک جیسی ہوگی -

تفسیر نحوی ثُمَّ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ یُخْزِیْهِمْ وَیَقُوْلُ اَیْنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِیْهِمْ قَالَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْیَ الْیَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ -
ثُمَّ حرف - عطف ہے مابعد کلام کا ماقبل اَتٰهُمُ الْعَذَابُ پر یَوْمَ اسم ظرفِ زمانی بمعنیٰ دِن - وقت زمانہ - یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں - بحالتِ فتحہ ہے ظرفِ مقدم ہے مضاف ہے - الف لام عہدِ ذہنی بمعنیٰ وہ نا معلوم - جس کی حقیقت کا سننے والے کو پتہ نہ ہو - اُس پر الف لام عہدِ ذہنی آتا ہے اور اگر متکلم اور سننے والے دونوں کو پتہ ہو تو عہدِ خارجی - قِیٰمَةِ - اسم مصدر بمعنیٰ کھڑا ہونا - یُخْزِیْ باب اِفعال کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر مستتر اُس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ - مصدر ہے اِخْزَاءٌ - خِزْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ذلیل کرنا - رسوا کرنا - بُرے کاموں کا نتیجہ سنانا - دراصل تھا یُخْزِیُ - یٰ پر ضمہ (پیش) ثقیل (بوجھل) تھا لہٰذا ساکن کر دیا - هِمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے - واؤ عاطفہ یَقُوْلُ - فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر مستتر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ فاعل ہے اِس کا - اَیْنَ اسم ظرفِ مکانی استفہامیہ - اگر اَیْنَ کے ساتھ ما موصولہ آ جائے تو اَیْنَ شرطیہ ہو جاتا ہے بمعنیٰ جہاں کہیں یا جس طرف - مگر یہاں ظرفیہ مکانیہ ہے بمعنیٰ کہاں - کدھر - شُرَكَآءِ - اسم جمع مکسر منصرف شریک کی جمع ہے - بمعنیٰ ملکیت کا ساجھی اوصافِ خصوصی کا ساتھی ہم مثل - یہاں مراد ہے معبودیت کا حصہ دار - مضاف ہے یاءِ متکلم کی طرف اس لیے مجرور ہے ورنہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مظروف ہے ظرف مظروف مل کر مقولہ ماقبل کا اور موصوف ہے مابعد کا - اَلَّذِیْنَ اسم موصول - كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ باب مُفَاعَلَةٌ کا ماضی استمراری - مصدر ہے مشاقت - شَقَقٌ سے بنا ہے مضاعف ثلاثی ہے - بمعنیٰ ایک

دوسرے کو چیرنا۔ لڑنا۔ ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا۔ مناظرہ کرنا۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ بمعنٰی بارے ہِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مرجع ہے شُرَکَاءِ۔ جار مجرور متعلق ہے کُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ کا یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے۔ موصول صلہ مل کر صفت ہے۔ شرکائی کی۔ وہ مظروف ہو کر مقولہ ہوا قول کا اور قول مقولہ مل کر معطوف یُخْزِیْ کا۔ قَالَ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب چونکہ اس کا فاعل اسم ظاہر ہے اگرچہ جمع ہے اس لیے قَالَ واحد آیا۔ یہ قول یا جوابی ہے جو غیر مخاطب کی طرف سے ہے۔ کیونکہ پہلے قول میں خطاب کفار سے ہے مگر جواب مسلمانوں کی طرف سے منقول ہوا یا یہ نیا قول علیحدہ ہے۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول بحالت رفع فاعل ہے قَالَ کا چونکہ تمام موصولات مبنی ہوتے ہیں اس لیے ان کا اعراب ظاہر نہیں ہوتا۔ اعراب صرف اسماءِ متمکنہ معربات کا ظاہر ہوتا ہے اُوْتُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت مجہول صیغہ جمع مذکر غائب۔ ھُمْ ضمیر مستتر۔ اس کا نائب فاعل جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ الف لام عہدِ ذہنی عِلْمَ۔ اسم مفرد حاصل مصدر (جامد) بمعنٰی معلوم۔ یا بمعنٰی قوتِ ادراک۔ یا فہم سمجھ یا عقل سلیم۔ یہاں ہر معنٰی مناسب ہے۔ بحالت زبر ہے مفعول بہ ہے اُوْتُوْا اس کا مصدر ہے اِیْتَآءٌ۔ اِیْتٌ سے بنا ہے بمعنٰی دینا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر فاعل ہے قَالَ کا۔ اگلی عبارت مقولہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ الف لام عہدی خِزْیَ حاصل مصدر بمعنٰی رسوائی۔ ذلت۔ بحالت نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ اَلْیَوْمَ۔ اسم مفرد معرف باللام۔ الف لام تخصیصی ہے۔ یوم اسم ظرف زمانی بمعنٰی عام دن۔ الف لام نے تخصیص پیدا کی اور ہو گیا بمعنٰی آج۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ ظرف کَائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ وَاؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی یا عہدی۔ سُوْٓءَ۔ اسم تفضیل مونث واحد بمعنٰی برے کام۔ بری سزا۔ سخت مصیبت مقابل ہے حسنٰی کا بمعنٰی اچھے کام۔ ایک قول میں یہ مصدر ثلاثی ہے بمعنٰی جہنم میں جانا بروزن رُجْعٰی۔ اسم جامد حاصل مصدر بھی ہو سکتا ہے جہنم کے معنٰی میں۔ بحالت نصب ہے۔ کیونکہ معطوف ہے خِزْیَ پر۔ علٰی جارّہ فوقیت کا۔ الف لام استغراقی کا فِرِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر کُفْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنٰی شرک کرنا بحالت جر ہے علٰی سے جار مجرور متعلق ہے کَائِنٌ پوشیدہ کا۔ اَلْیَوْمَ اس کا ظرف ہے بیچ میں وَالسُّوْٓءَ کا فاصلہ آ گیا۔ کیونکہ ظرف میں اس کے برداشت کی قوت ہوتی ہے۔ کَائِنٌ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اسم خبر سے مل کر مقولہ ہوا۔ اَلَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِهِمْ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر صفت ہے ماقبل کٰفِرِیْنَ کی

اس لیے محلاً (باطناً) مجرور ہے ۔ تَتَوَفّٰی ۔ باب تَفَعُّلٌ کا ۔ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب وَفٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پورا ہونا ۔ لازم ہے باب تفعّل میں اگر متعدی ہوا معنیٰ پورا کرنا ۔ زندگی پوری ہو جانے کا نام وفات ہے ۔ مصدر ہے تَوَفّی اور تَتَوَفّٰی در اصل تھا تَتَوَفَّیُ ی کو الف سے بدل دیا ھُمْ ضمیر جمع منصوب متّصل ہے ۔ مفعول بہ ہے تَتَوَفّٰھَا کا ۔ الف لام عہدِ ذھنی مَلٰٓئِکَۃُ اسم جمع مکسّر منصرف ہے بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے تَتَوَفّٰی کا ۔ بقاعدۂ نحوی جمع مکسّر فاعل کا فعل مؤنث بھی آجاتا ہے ۔ ظَالِمِیْ ۔ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے ظَالِمٌ ۔ دراصل تھا ظَالِمِیْنَ ۔ مضاف ہوا اس لیے نونِ اعرابی آخر سے گر گئی کیونکہ یہ نون تنوین کے قائم مقام ہوتی ہے ۔ مضاف پر چونکہ تنوین نہیں ٹھہر سکتی اس لیے نون جمع اعرابی اور نون تثنیہ اعرابی بھی نہیں ٹھہر سکتی بحالتِ فتحہ ہے حال ہے کٰفِرِیْنَ کا ۔ ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان کرنا دنیا یا آخرت کا ۔ اپنا یا کسی کا ۔ یہاں مراد کفر ہے ۔ یا فسق و فجور ۔ اَنْفُسْ ۔ اسم جمع مکسّر منصرف نَفْسٌ واحد ہے بمعنیٰ ذات ۔ بحالتِ جر ہے مضاف الیہ ہے ظالمی کا ھُمْ ضمیر کا مرجع کٰفِرِیْنَ ہے ۔ ف ۔ عاطفہ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ ۔ تراخی کے لیے ہے ۔ اَلْقَوْا ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل فاءِ عاقبت کی وجہ سے ۔ مصدر ہے اِلْقَاءٌ ۔ بمعنیٰ ڈالنا ۔ تین طرح مستعمل ہے ۔

۱ ہاتھ سے ڈالنا ۔ ۲ زبان سے ڈالنا ۔ ۳ ارادے سے ڈالنا یہاں زبان سے ڈالنا مراد ہے ۔ لَقْوَۃٌ سے ہے ۔ بہر حال متعدی ہوتا ہے ۔ منہ بگاڑنے اور ڈالنے والی بیماری کو بھی لقوہ انہیں معنیٰ سے کہتے ہیں ۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کٰفِرِیْنَ ۔ الف لام عہدِ خارجی سَلَمٌ ۔ اسم مفرد جامد مذکر مؤنث ہر دو کے لیے مستعمل ہے بمعنیٰ ۔ صلح ۔ عاجزی ۔ نرمی ۔ مسکین بننا ۔ فرماں برداری کا اظہار کرنا ۔ مَاکُنَّا نَعْمَلُ باب فتح کا یا سمع کا ماضی استمراری منفی معروف ۔ عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کام کرنا صیغہ جمع متکلم ۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم کا مرجع کٰفِرِیْنَ ہے ۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ ۔ تنکیری معنیٰ کے لیے ہے ۔ یعنی کوئی ۔ سُوْءٍ ۔ اسم مفرد جامد ۔ بمعنیٰ ۔ برائی ۔ گناہ عیب ہر نقصان دہ چیز کو سُوْءٍ کہا جاتا ہے نقصان خواہ دینی ہو یا دنیوی روحانی ہو یا بدنی ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ماقبل فعل کا ۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قَائِلِیْنَ پوشیدہ اسم فاعل جمع کا اور قول مقولہ مل کر حال ہوا اَلْقَوْا کے فاعل کا ۔ بَلٰی ۔ حرفِ ایجاب سابقہ نفی کو توڑنے کے لیے اور حقیقت حال سے آگاہ کرنے ظاہر کرنے بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے اس سے پہلے پوشیدہ یَقُوْلُوْنَ فعل مستقبل ہے ۔ اس

کا فاعل ملائکہ کی طرف راجع ضمیر ھُمۡ ہے۔ اور فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ بلیٰ اس کا مقولہ
اول بلیٰ اور نعم دونوں ہی حرفِ ایجاب ہیں مگر فرق یہ ہے کہ نعم سابقہ کلام کی تائید کرتا ہے خواہ
نفی ہو یا ثبوت۔ لیکن بلیٰ نفی کے بعد آتا ہے اور نفی کو توڑتا ہے۔ یہاں بلیٰ نے ماکنا کی نفی کو توڑا۔
اگر یہاں نعم ہوتا تو معنیٰ یہ ہوتا کہ ہاں واقعی تم نے کوئی برائی نہیں کی۔ اور بلیٰ نے یہ معنیٰ کئے کہ ان تم
نے برائی کی ان حرف تحقیق اللہ اسم منصوب ہے اس کا اسم۔ علیم۔ صفتِ مشبہ کا صیغہ ہے علم سے
بنا ہے بمعنیٰ خوب جاننے والا۔ ب جارہ ما اسم موصول مجرور ہے ب سے کنتم تعملون۔
فعل ماضی استمراری مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ انتم ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع کفرین۔
عمل سے بنا ہے بمعنیٰ ہاتھ پیر کے کام نیک یا بد۔ ف سببیہ بمعنیٰ لہٰذا ادخلوا۔ باب نصر کا۔
امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر۔ دخل سے بنا ہے۔ بمعنیٰ اندر جانا۔ اندر آنا۔ باہر والا کہے تو پہلے
معنیٰ ہوں گے اندر والا موجود کسی کو داخلہ کا کہے تو دوسرے معنیٰ ہوں گے۔ ابواب۔ اسم جمع
مکسر منصرف۔ باب واحد ہے بمعنیٰ دروازہ۔ بحالت فتحہ ہے۔ مفعول فیہ ہے۔ ادخلوا کا تنوین
(دوزبر) سے مانع اضافت ہے۔ جہنم اسم مفرد جامد بمعنیٰ دوزخ غیر منصرف ہے کیونکہ علم اور عجمی
ہے۔ بحالت کسرہ ہے مضاف الیہ ہے۔ ابواب کا۔ خالدین۔ اسم فاعل جمع مذکر ھم ضمیر جمع مذکر
اس کا فاعل فی جارہ ظرفیہ مکانیہ ھا ضمیر مجرور متصل یہ جار و مجرور متعلق ہے خالدین کا۔ یہ سب شبہ
جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا ادخلوا کے فاعل کا فلبئس مثوی المتکبرین ف حرفِ عاقبت انجام کا۔ لام
ابتدائیہ یقینیہ بمعنیٰ البتہ۔ بئس فعل ذم ماضی مطلق۔ بمعنیٰ برا ہے اس کا مخصوص بالذم یعنی جہنم
پوشیدہ ہے۔ مثوی اسم مفرد جامد یا مشتق اسم ظرف ہے باب ضرب کا۔ ثوی سے بنا ہے۔ اس کی
جمع مثاوی۔ مضاف ہے بمعنیٰ ٹھکانہ۔ رہائش گاہ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ الذین۔ متکبرین باب
تفعل کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے تکبر۔ بمعنیٰ خود پسندی کرنا۔ غرور کرنا۔ اپنے کو بڑا سمجھنا
مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف بئس کا۔ بئس سب سے جڑ کر جملہ فعلیہ ذمیہ ہوا۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ یُخۡزِیۡهِمۡ وَ یَقُوۡلُ اَیۡنَ شُرَكَآءِیَ الَّذِیۡنَ كُنۡتُمۡ تُشَآقُّوۡنَ
فِیۡهِمۡ ؕ قَالَ الَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ اِنَّ الۡخِزۡیَ الۡیَوۡمَ وَ السُّوۡٓءَ عَلَی
الۡكٰفِرِیۡنَ ۙ الَّذِیۡنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ ۪ فَاَلۡقَوُا السَّلَمَ مَا كُنَّا نَعۡمَلُ مِنۡ سُوۡٓءٍ ؕ
یہ جو کچھ ذکر ہوا یہ تو دنیوی ذلت و رسوائی ہے کہ باوجود قرآن مجید کی گستاخیاں کرنے کے اور
لوگوں کو قرآن و صاحب قرآن سے روکنے کے لوگ پھر بھی دن بدن رسول پاک کے دامن میں آتے

چلے جارہے ہیں۔ اور یہ شکست بھی ان کی بڑی ذلت ہے۔ لیکن قیامت میں ان کو پوری ذلت اللہ تعالیٰ دے گا اور فرمائے گا میرا مولیٰ تعالیٰ حساب محشر کے وقت کہ کہاں ہیں تمہارے بناوٹی خیالی وہمی وہ میرے شریک جھوٹے معبود جن کی محبت میں تم کٹے مرے جاتے تھے اور مسلمانوں سے حجت بازی کرتے تھے۔ میدانِ محشر میں اسی موقعہ پر تمام اہلِ علم مسلمان بھی دیگر سابقہ اُمتیں بھی اولیاءُ اللہ اور ملائکہ بھی۔ ہر طرف سے یہی کہیں گے کہ بیشک آج کا ہل رسوائی اور دائمی برائی ہر طرح کی مصیبت عذاب اُن کافروں پر وارد ہو کر رہے گا جو اُس وقت تک اپنی جانوں پر کفر شرک حسد بغض عداوت مخالفت۔ ممانعت رکاوٹ گستاخی بے ادبی سرکشی۔ اذیت کے ذریعے اپنی جانوں پر ظلم اور اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔ جس وقت کہ ان کو موت کے فرشتے موت دے رہے تھے۔ یعنی مرنے وقت تک اپنی جانوں پر ظلم ہی کرتے رہے کسی بھی نیک آدمی کا کہنا نہیں مانا کہ کم از کم مرتے وقت ہی کلمہ پڑھ لیتے یا گستاخیٔ رسولِ پاک سے باز آجاتے۔ یہ کافر اور بے ادب گستاخ لوگ دنیا میں تو کیسے کیسے غرور کرتے ہیں کہ کسی کو دولت کا گھمنڈ کوئی حکومت پر نازاں کسی کو سرداری پر فخر کوئی کرسی پر مغرور۔ کسی کو اپنے پڑھنے لکھنے اور شاگردوں کی تعداد پر اتنا تکبر کہ خبثِ باطن سے رسول کریم کے علم پر گستاخی کرنے لگ جاتے ہیں مگر جب ان کے موت کے فرشتے اِن کے گلے دبائیں گے تب اکڑ ٹوٹے گی اور لجائیں گے فریادیں کریں گے اور صلح محبت کی کوشش کریں گے۔ کہ اے موت کے فرشتو آج ہم پر کیوں عذاب اور سختی کرتے ہو۔ خدا کے لیئے چھوڑ دو یہ ڈراؤنی شکلیں تو نہ دکھاؤ۔ ہم تو دنیا میں کوئی برا عمل نہ کرتے تھے مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کلام کے دو مقصد بنتے ہیں یا تو وہ کافر جھوٹ بولتے ہوئے کہیں گے کہ ہم کوئی برائی نہ کرتے تھے جس طرح قرآنِ کریم حدیثِ پاک اور زبانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اولیاء اللہ علماءِ اہلسنت نے فرمایا ہم نے اسی طرح کیا۔ اور یا مقصد یہ ہے کہ ہم نے جو کچھ بھی شرک کفر گستاخی بے ادبی کی وہ ٹھیک تھی برائی نہ تھی اس لیے کہ ہر شخص جو بھی مذہبی عمل کرتا ہے وہ اس کو صحیح یقین کر کے کرتا ہے۔ ایک مقصد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم نے باطن میں اگرچہ کوئی عقیدہ رکھا مگر ظاہراً سیاسی طور پر تو ہم اچھے ہی کام کرتے رہے اور جن کی اچھائی کا ہم کو آج یقین آرہا ہے دنیا میں ہم اُن میں شامل ہوتے ہی رہتے تھے اگرچہ قلبی عقیدت سے نہ سہی۔ صرف دھوکہ دہی کے لیے یا اپنا مقام بنانے کے لیے دونوں یا ساتھی جمع کرنے کے لیے یا منبر و محراب پر قبضہ کرنے کے لیے۔ ہر فریبی کی تاریخ ایسی فریب کاریوں سے بھری پڑی ہے۔

ہر محفل اور ہر مسجد میں نظر آجاتے ہیں۔ اپنی اسی چال کا یہاں اظہار کرتے ہوئے۔ موت کے وقت فرشتوں سے یا میدانِ محشر میں بارگاہِ ذوالجلال کے اندر کہیں گے کہ اللہ قسم ہم نے تو کبھی کوئی برائی نہیں کی۔ بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ ہاں۔ ہاں۔ اب کیسی باتیں بنا رہے ہو۔ کیسے مسکین۔ اور نیک بن رہے ہو۔ یہ طنزیہ جواب ہے یا موت کے وقت جیسا کہ بعض نے فرمایا مگر بوقتِ موت اس طرح کے سوال و جواب اور گفتگو کا احادیث میں کوئی تذکرہ نہیں اس لیے درست یہ ہی قول ہے کہ یہ سب باتیں میدانِ محشر کی ہیں۔ وہاں بھی یہ بلیٰ فرشتے کہیں گے کہ ہاں بیشک اللہ تعالیٰ ان تمام عملوں کو جانتا ہے جو تم ظاہر باطن خفیہ علانیہ چھوٹے بڑے۔ کفر و فسق کے کرتے رہے ہو۔ اور یہ جو کچھ تم کو ذلّت و رسوائی مل رہی ہے اُسی کے حکم اور فیصلے سے ہے۔ پس حساب و کتاب کے بعد یا موت کے بعد داخل ہو جاؤ جہنم کے دروازوں میں۔ ہر شخص اپنے اپنے دروازے کے ذریعے۔ اگر وقتِ موت مراد ہو تو ابواب سے مراد قبریں ہیں یا جو بھی مرنے کے بعد ٹھکانہ ہو۔ خیال رہے کوئی بھی مُردہ مرنے کے بعد خواہ کسی حالت میں رکھا جائے مگر اُس کی ہر چیز روح جسم عالمِ برزخ میں چلا جاتا ہے اور برزخی کیفیت اس پر طاری ہو جاتی ہے خواہ قبر میں دفن کیا جائے یا جلا کر راکھ بکھیر دی جائے یا جسم کو ظاہر کسی جگہ فریز کر دیا جائے۔ یہ برزخی زندگی دیکھنے سے نظر نہیں آتی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ مردہ دس سال سے برف خانے میں پڑا ہے مگر حقیقتاً وہ برزخی حالات سے دوچار ہے۔ یہی حال ان مُردوں کا ہے جن کو جانور۔ درندے کھا جائیں۔ میدانِ محشر کے بعد تو جہنم میں داخلہ ہوگا لیکن قبر اور عالمِ برزخ اگرچہ جہنم نہیں مگر جہنم کا دروازہ ضرور ہے۔ اور کافر۔ بدکار کو جہنم کی گرمی اور مختلف عذاب پہنچتے رہتے ہیں۔ یہ عذاب۔ سزا۔ ذلت۔ فرشتوں کی مار اب جو قبر سے شروع ہوئی ہے قیامت تک چلے گی پھر اُس کے بعد بھی خَالِدِيْنَ فِيْهَا۔ اے کافرو تم کو اس میں ہمیشہ ہی رہنا ہے۔ ابھی تو ابوابِ جہنم یعنی ابتدا ہے آئندہ اس سے کچھ زیادہ ہی ہو گا کم نہیں ہوگا۔ اے سرکش کافرو۔ ابھی دنیوی زندگی میں اپنی سرکشی اور گستاخیوں سے باز آجاؤ۔ ورنہ آنکھ بند ہوتے ہی معلوم ہو جائے گا کہ فَلَبِئْسَ مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ مغرور اور متکبر لوگوں کا ابدی دائمی ٹھکانہ کتنا سخت برا ہے۔ عذاب سزا والا گندا اور بدبودار ہے اَللّٰهُمَّ اَجِرْنَا مِنَ النَّارِ بِحُرْمَةِ سَيِّدِ الْاَبْرَارِ۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دامنِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی عظیم نعمت ہے جس کی مثال نہیں

ملتی۔ کتنا ہی گنا ہگار ہو مگر پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا امتی ہو۔ قیامت میں اُس کی رسوائی ذلت نہیں ہو گی اگر عذاب جرم و گناہ ہوا بھی تو نہایت پوشیدگی میں رکھا جائے گا۔ کسی بھی دوسرے شخص کو پتہ نہ چلے گا یہ فائدہ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ میں ذلت کو کفار سے خاص کر دینے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا میں اگر کفار پر عذاب آجائے تو اُس سے آخرت کا عذاب ختم یا کم یا ہلکا نہ ہوگا۔ جس طرح پہلی اُمتوں پر دنیا میں آسمانی عذاب آئے اور ہلاک کئے گئے۔ کفار مکہ پر بھوک کا عذاب سات سال تک آیا کوئی کافر مرے یا بدر میں مقتول ہوئے اِن عذابوں سے آخرت کا عذاب ذرہ بھر کم نہ ہوگا نہ قبر کا عذاب کم ہو۔ یہ فائدہ ثُمَّ يُخْزِيْهِمْ میں ثُمَّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ ہر شخص کو دنیا میں رب تعالیٰ کی خشیت۔ قبر کی دہشت اور انجام سے ڈرتے رہنا چاہیئے۔ ایمان و اعمال کا دارو مدار موت پر ہے۔ یہ فائدہ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اصل کافر اس کو کہا جائے گا جو کفر پر مر گیا۔ قرآن مجید میں اِن ہی کفار کی بُرائی بیان کی جاتی ہے۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ زندہ موجود کافر کو بد دعا دینی یا اُس پر خاص کر لعنت ڈالنی شرعاً ناجائز ہے۔ اس لیے کہ انجام کا پتہ نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مومن ہو کر فوت ہو۔ ہاں مرنے کے بعد جب کہ یقین سے کفر پر مرنا معلوم ہو تو جائز ہے۔ اسی طرح زندگی میں کافر کو ہدایت کی دعا دینی جائز ہے خواہ انفرادی ہو یا اجتماعی۔ مگر بخشش کی دعا ہر کافر کے لیے منع ہے۔ یہ تمام مسائل ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ سے مستنبط ہوتے ہیں کہ اس میں انجام آخری کا ذکر ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں۔ خواہ عالم نزع ہو یا کوئی ایسی علامت نظر آجائے جس سے اُس کافر کو اپنی موت کا یقین ہو جائے اور اسی کیفیت میں وہ مر جائے مثلاً۔ موت کے فرشتے نظر آجائیں اور اُن کو دیکھ کر کلمہ پڑھنے لگے اپنے سابقہ کفر سے توبہ کرے یا دُعا مانگنے لگے جیسے فرعون نے ڈوبتے وقت کہا تھا آمَنْتُ (الخ) یا گولی اور تلوار کا مہلک زخم لگے تب کلمہ پڑھے۔ بعض فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی تلوار یا بندوق۔ سر پر مارنے کیلئے آگیا اور یقین ہو گیا کہ قتل کر ہی ڈالے گا۔ ایسی حالت کا ایمان لانا بھی معتبر نہیں ہے مگر صرف دھمکی معتبر نہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ یہ مسئلہ۔ فَاَلْقَوُا السَّلَمَ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ کافر کو جھڑکنے یا تنبیہ کرنے یا اُس کا مذاق اڑانے کے لیے اس سے اُس کے عقیدے کے مطابق بات کرنی شرعاً جائز ہے۔ مثلاً مشرکین سے پوچھنا کہ بتاؤ کہاں ہیں وہ شریک جن کو تم اللہ کا شریک کہتے ہو یا جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا۔ هٰذَا رَبِّيْ۔ یہ مسئلہ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ۔ فرمانے

سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات ان آیت میں چند اعتراض کیئے جا سکتے ہیں۔
پہلا اعتراض - یہاں فرمایا گیا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا اَیْنَ شُرَکَآءِیْ میرے شریک کہاں ہیں؟ اور سورۃ انعام آیت ۲۲ میں ارشاد ہے اَیْنَ شُرَکَآؤُکُمْ تمہارے شریک کہاں ہیں۔ اس میں کیا فرق ہے۔

جواب - یہ دونوں سوال قیامت میں ہوں گے۔ لیکن شُرَکَآءِیْ فرمانے میں ان کے برے عقیدے کا ذکر ہے اور شُرَکَآؤُکُمْ فرمانے میں ان کے اس بھروسے کا ذکر ہے جو وہ اپنے بتوں پر کرتے تھے کہ قیامت میں یا ہر مصیبت میں ہمارے یہ بت ہماری مدد کریں گے۔ اس لیے دونوں طرح فرمانا بالکل درست ہے کہ دو چیزوں کا اظہار ہے۔ یہاں شُرَکَآءِیْ فرما کر کفار کے عقیدے کا باطل و بیہودہ ہونا بتایا جا رہا ہے۔ **دوسرا اعتراض** - یہاں فرمایا گیا فَاَلْقَوُا السَّلَمَ مَا کُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْٓءٍ یعنی کفار قیامت کے میدان میں باتیں کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو کچھ برائی نہ کرتے تھے۔ مگر دوسری جگہ سورۃ یٰس آیت ۶۵ میں ہے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ یعنی زبانوں پر مہر لگا دی جائے گی۔ زبانیں بول ہی نہ سکیں گی۔ ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔

جواب - یہاں اس آیت میں ابتدائی حالات کا ذکر ہے۔ حساب کتاب سے پہلے باتیں کریں گے اور حساب کے وقت بھی باتیں کریں گے صفائی بیان کرتے ہوئے جھوٹ بولیں گے۔ اور اس دوسری آیت میں عارضی حالت کا ذکر ہے۔ کہ زبانی جھوٹ کو روکنے کے لیے تھوڑی دیر زبانوں پر مہر لگائی جائے گی پھر ہاتھ پیر کا بیان لینے کے بعد مہر توڑ دی جائے گی۔ اور پھر وہ بولنے لگے گا اسی لیے جہنم میں جا کر بھی باتیں کرے گا۔ اَلْیَوْمَ کا معنیٰ پورا وقتِ قیامت نہیں۔ بلکہ تھوڑا سا وقت مراد ہے **تیسرا اعتراض** - یہاں فَاَلْقَوُا السَّلَمَ سے معلوم ہو رہا ہے کہ کفار بہت عاجز بنیں گے اور انتہائی مسکینیت سے صلح ڈالیں گے۔ کیونکہ صلح ہمیشہ عاجزی سے ہی کی جاتی ہے۔ مگر دوسری آیت میں فَلَبِئْسَ مَثْوَی الْمُتَکَبِّرِیْنَ سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ بہت اکڑ باز ہوں گے۔ مغرور متکبر ہوں گے۔ اس میں وجہِ فرق کیا ہے؟۔

جواب - یہاں کفار کی دنیوی اور اُخروی دو حالتوں کا ذکر ہے۔ یعنی دنیا میں یہ ہر وقت موت تک مغرور متکبر رہے۔ اور عاجز مسکین وہ قیامت میں بنیں گے اور وہاں عاجز بننے سے کوئی فائدہ نہیں نیز فرمایا گیا کہ کفار قیامت میں صرف عاجز بنیں گے عاجز ہوں گے نہیں۔ عاجز بننے اور عاجز ہونے میں

بڑا فرق ہے۔ عاجز ہوتا وہ ہے جو طبعًا قدرتی مسکین نرم دل ہو خوش اخلاق ہو۔ اور عاجز بننا عارضی مکاری مطلب برآری ہے۔

تفسیر صوفیانہ ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ وَيَقُوْلُ اَيْنَ شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْٓءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۲ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ۔ پھر فیصلۂ ربانی کے قائم ہونے کے دن جب کہ قلب عرش پر تجلیات کے انعام ہوں گے اور نفسِ شیطانی پر قہرِ ذلت کی بارش کی مثل سزا میدانِ محرومی میں کھڑا کیا جائے گا اور پوچھا جائے گا اے ازل کے محروم کہاں ہے آج وہ دنیا اور دولتِ دنیا خواہشات و تمنائیں جن کو میرے امر و نہی اور میرے قانون میری شریعت میری عبادت سے زیادہ محبوب سمجھتے تھے۔ کہاں ہیں وہ تجارتیں دکانداریاں جن کو تم اپنا رازق سمجھتے تھے۔ کہاں ہیں وہ عوام جن کو طاقت کا سرچشمہ سمجھا جاتا تھا کہاں ہیں وہ بادشاہتیں۔ حکومتیں اور حکومتی کرسیاں جن پر اللہ سے زیادہ بھروسہ کیا جاتا تھا۔ اور جن کی خاطر تُشَآقُّوْنَ فِيْهِمْ آپس میں قتل و غارت جنگ و جدال فتنہ و فساد لڑائی جھگڑا کرتے رہتے تھے۔ اس یومِ حیرت میں صرف اہلِ علم لدنی والوں کو قوت گویائی دی جائے گی وہی اذنِ ازلی سے گویا ہوں گے کہ آج محرومیت کی ذلت ہے اور قربتِ الٰہی سے دوری کا بُرا عذاب ہے۔ وارداتِ اہل اللہ کے منکر کافروں پر۔ وہ شقاوت کے کافر اور شرارت کے مشرک اُن کے قوائے ملکوتیہ جو اُن کے نفس سے متصل ہوتے ہیں نفوسِ مقدسہ کی شکل میں آکر۔ اُن روحانی قوتوں کو موت دیتے ہیں جو نفسِ ظالم میں پوشیدہ ہو کر اپنی سعادتِ مخزونہ پر ظلم کرتے رہتے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بندے پر جس قوت کا غلبہ ہو اُسی کے اثرات اجسام و اعمال و اقوال پر وارد ہوتے ہیں اُس کی قوتِ ملکوتی بھی اسی شکل میں تبدیل ہو جاتی ہے اگر وہ ظلمتِ ظلم میں ہی زندگی برباد کرتا ہے تو اولاً حجاب کی موت وارد ہوتی ہے۔ جس کی وجہ سے انسان کسی بھی کارِ خیر کے لائق اور قابل نہیں رہتا۔ اُس کے ہاتھ پاؤں مثلِ مردہ نیکی کی طرف اٹھتے ہی نہیں۔ اُس کے کان کسی نصیحت کو سنتے ہی نہیں وفات کے وقت موت کے فرشتے بھی اُسی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ ملائکہ کی شکلیں انسان و جنات کے آئینۂ بدنی کے مطابق نظر آتی ہیں یہاں تک کہ اگر بندے کے اعمال ردی اور ظلمت والے ہوں تو ملائکہ وحشتناک نظر آتے ہیں اور ایسی مصیبت ناک کہ جنات بھی ڈر سے کانپ جائیں۔ اگر قلب حسین و منور ہو تو شکلِ ملائکہ بھی خوبصورت و دل نشین ہوتی ہے۔ بندے تین قسم کے ہیں۔

ظالمی انفسہم ۲ صابری علی ما اصابہم ۳ شاکری انعمہم ۔ بدترین خلائق پہلا بدنصیب گروہ ہے ۔ لیکن صابر فقیر افضل ہے شاکر غنی سے چوتھا گروہ ہے شاکری ما اصابہم یعنی مصیبتوں بلکہ بلاؤں پر بھی شکر کرنے والا ہے ۔ جیسے حضرت بلال اور حضرت یاسر ۔ رضوان اللہ علیہم اجمعین ۔ شاکر فقیر تمام بندوں سے افضل ہے ۔ اور لا خوف علیہم کے درجے میں ہے ۔ خوف کی چھ قسمیں ہیں ۔ ۱ خوفِ کافر ۔ ۲ خوفِ فاسق ۔ ۳ خوفِ عابد ۴ خوفِ عالم ۵ عارفین ۶ خوفِ یقین ۔ لاخوف میں ان خوفوں کی نفی ہوئی ۔ ایک خوف ہے خوفِ عاشق ۔ یہ کسی کسی کو ہے اور یہ خوف نعمت ہے ۔ فالقوا السلم ما کنا نعمل من سوء بلیٰ ان اللہ علیم بما کنتم تعملون فادخلوا ابواب جہنم خلدین فیہا فلبئس مثوی المتکبرین ۔ ہرگز نہیں نفس دلیر شاطر ہے جب تک کہ اس کو شریعت کی سخت لگام اور طریقت کے شکنجے میں نہ کسا جائے ۔ خنزیرِ نفسانی کو توڑنے کا بس یہی ایک مؤثر طریقہ ہے ۔ نفوسِ رذیلہ اور اہلِ شقاوت جب مشقتِ ریاضت سے کمزور و لاغر ہو جاتے ہیں تب سلامتی کے راستوں پر آنا چاہتے ہیں ۔ اور اپنے سابقہ بداعمالی کی ظاہر و باطن میں نفی کرتے ہیں مگر یہ عذر پاس زمانہ کے بعد فائدہ نہیں دیتا اور سرکش عقل بدعمل نفس مغرور دماغ کی سزا ء شقاوت قائم کر دی جاتی ہے کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر اس چیز کو جاننے والا ہے جس کو اے بندو جو بھی تم کرتے تھے اور کرو گے ۔ لہٰذا جہنم حقارت کے آتشِ فنا کے دروازوں میں ابدی موت کے لیے داخل ہو جاؤ ۔ اب ہمیشہ کے لیے اسی نارِ محرومی میں رہنا اور جلنا مرنا ہے ۔ قلب سعید کو مقامِ ولایت درجۂ محبت اور عشقِ الٰہی کا تمغہ مل گیا ۔ نفسِ مردود کو بھی متکبرین کا برا ٹھکانہ دے دیا گیا ۔ اب قلب و نفس میں کوئی رابطہ نہ رہے گا قلب کا یہ مقام ذکر سے نصیب ہوا ۔ ذکر میں بندہ پہلے ہوتا ہے کیونکہ ذکر میں طلب ہوتی ہے ۔ اور طلب میں بندگی ۔ اور چونکہ طلب پہلے ہوتی ہے عطا بعد میں اسی لیے رب تعالیٰ کا ذکر بعد میں ہوتا ہے بندے کا ذکر طلب ہے ۔ مولیٰ تعالیٰ کا ذکر عطا ہے طلب پہلے ہوتی ہے تب عطا ہوتی ہے ۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اس آیتِ پاک میں فاذکرونی اذکرکم لیکن محبت میں پہلے رب کی محبت پھر بندے کی ذکر کسبی ہوتا ہے لیکن محبت عطائی ہوتی ہے ۔ اسی لیے ایک جگہ ارشاد ہوا ۔ یحبہم و یحبونہ ۔ طالب کو چاہیے کہ فالقوا السلم کی آیت پر غور کرے اور درکات والوں سے دور رہے ۔ ہر وقت مطلوب کے عشق محبت میں مستغرق رہے ۔ بلکہ استغراق کو ترقی دے کبھی محو نہ ہونے دے ۔ اور سوچتا رہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہر شئی کو ہر آن جانتا ہے ۔

وَقِيلَ لِلَّذِينَ اتَّقَوْا مَاذَا أَنزَلَ رَبُّكُمْ ۚ قَالُوا خَيْرًا ۗ

اور کہا گیا کو اُن جو متقی بننے کر گیا ہے وہ جو اُتارا رب نے تمہارے بولے بھلائی

اور ڈر والوں سے کہا گیا تمہارے رب نے کیا اتارا بولے خوبی

لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا فِي هَٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۚ

لیے اُن کے جنہوں نے نیک کام کیے ہیں اِس دُنیا بلند درجے

جنہوں نے اِس دنیا میں بھلائی کی اُن کے لیے بھلائی ہے

وَلَدَارُ الْآخِرَةِ خَيْرٌ ۚ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣٠﴾

اور البتہ گھر آخرت کا بھلائی والا ہے اور یقیناً اچھا ہے گھر متقیوں کا

اور بیشک پچھلا گھر سب سے بہتر اور ضرور کیا ہی اچھا گھر پرہیز گاروں کا

جَنَّاتُ عَدْنٍ يَدْخُلُونَهَا تَجْرِي مِن تَحْتِهَا

باغ ہیں رہنے کے لائق داخل رہیں گے وہ متقی اُن میں جاری رہیں گی سے نیچے اُن کے

بسنے کے باغ جن میں جائیں گے اُن کے نیچے نہریں

الْأَنْهَارُ ۖ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي

نہریں لیئے اُن کے ہیں اُن وہ ہے جو چاہیں گے اسی طرح بدلا دیتا ہے

رواں انہیں وہاں ملے گا جو چاہیں۔ اللہ ایسا ہی صلہ

اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ﴿٣١﴾ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ

اللہ پرہیزگاروں کو وہ کہ وفات دیتے رہیں اُن کو فرشتے اس حال میں کہ

دیتا ہے پرہیز گاروں کو۔ وہ جن کی جان نکالتے ہیں فرشتے ستھرے پن

طَیِّبِیۡنَ ۙ یَقُوۡلُوۡنَ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمُ ۙ ادۡخُلُوا الۡجَنَّۃَ

وہ پاک وصاف ہوتے ہیں کہیں گے فرشتے السلام علیکم۔ داخل ہوجاؤ تم جنت میں

ہیں یہ کہتے ہوئے کہ سلامتی ہو تم پر جنت میں جاؤ

بِمَا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۳۲﴾

بدلہ اُس کا جو تم عمل کرتے رہے

بدلہ اپنے کیئے کا

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں متقیوں کی اُن باتوں کا ذکر ہوا جو وہ کفار کے متعلق خود کہیں گے۔ اب ان آئیت میں اُن باتوں کا تذکرہ ہے جو وہ اللہ تعالیٰ یا ملائکہ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرکے جواباً کریں گے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں کافروں کے جہنم میں داخلے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیات میں مومنوں کے جنت میں داخلے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ یہ بات عین حقیقت ہے کہ مومن کافر ہر شخص نے مرنا ہے۔ مگر چونکہ ہر دو کی جس طرح زندگی اور اُخروی انجام میں نمایاں فرق ہیں اسی طرح بوقتِ نزع نظارۂ موت میں بھی فرق ہے چنانچہ پچھلی آیات میں کافروں کو موت دینے والے ملائکہ اور اُن کی گفتگو مذکور ہوئی اب ان آیات میں ایمان والوں کے وفات کی حالت اور شان کا ذکر ہو رہا ہے تاکہ فرق ظاہر ہو۔

شانِ نزول۔ اہلِ عرب و عجم کے دور والے قبائل کے لوگ، ایامِ حج میں اپنے قاصد بھیجا کرتے تھے تاکہ مکۂ پاک میں اگر حج بھی کریں نبی کریم اور اسلام و قرآن کے بارے میں صحیح معلومات حاصل کریں۔ سردارانِ کفار نے اِن قاصدوں کو نبی کریم یا صحابہ سے ملنے سے روکنے کے لیے اپنے آدمی بیرونی راستوں پر چھوڑے ہوتے تھے جو نبی کریم اور اسلام کے خلاف بہت گستاخانہ غلط باتیں کرکے قاصدوں کو نفرت دلاتے اور وہیں سے واپس چلے جانے کی رغبت دیتے مگر قاصد ان کی یہ رغبت نہ مانتے بلکہ صحابہ سے ملتے اور قرآن و اسلام اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صحیح معلومات لے کر جاتے تب یہ چھ آیتیں ایک دفعہ اسی قسم کے واقع پر نازل ہوئیں از آیت نمبر ۳۰ تا ۳۵۔

تفسیر نحوی

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِىْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ۔ واؤ سے جملہ قِیلَ ۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل ہے جس کا مرجع ذہنی قَوْلٌ یا کلامٌ ہے لام جارّہ برائے مفعولیت اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مجرور ہے لام سے اِتَّقَوْا باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف تقوٰی سے بنا ہے بمعنیٰ پرہیزگار۔ متقی ہونا تاءِ اصلیہ مادے کی تاءِ مصدر یہ میں مُدغم ہوگئی مصدر ہے اِتِّقَاءٌ ۔ ھُمْ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ فعل فاعل مل کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور اور متعلق قیل کا یہ مکمل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ مَاذَا ۔ حرفِ استفہام بسیط ہے بمعنیٰ کیا کچھ ۔ اَنْزَلَ ۔ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق ۔ صیغہ واحد مذکر غائب ۔ اِنْزَالٌ مصدر ہے بمعنیٰ اُتارنا ۔ رَبُّ ۔ اسم مفرد مبالغہ جامد بمعنیٰ پالنے والا ۔ بحالتِ رفع فاعل ہے اَنْزَلَ کا ۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور ہے مضاف الیہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قَوْلٌ کا ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق یہ قولِ جوابی ہے ۔ ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا خَیْرًا ۔ اسم مفرد جامد ۔ بمعنیٰ بھلائی اس کی دو قسمیں ہیں ۔ ۱ مطلق ۔ ۲ مقید ۔ ایمان ہدایت جنت ۔ نیکی ۔ علم ۔ تقوٰی ۔ یہ خیرِ مطلق ہے ۔ دولت عزت ۔ سلطنت ۔ اولاد یہ خیرِ مقید ہے اس کا مقابل ہے شر یہاں مراد ایمان اور ہدایت ۔ بحالتِ نصب ہے ۔ مفعول بہٖ ہے پوشیدہ فعل اَنْزَلَ ماضی کا ۔ لام جارّہ نفع کا ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مجرور ہے لام جارّہ سے ۔ اَحْسَنُوْا ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِحْسَانٌ ۔ بمعنیٰ اچھائی کرنا ۔ حسنِ سلوک کرنا ۔ ھُمْ ضمیر جمع اس کا فاعل ہے ۔ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ ۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ ھٰذِہٖ ۔ اسم اشارہ قریب کے لیے ۔ یہ لفظ مرکب ہے ھَا حرفِ تنبیہ اور ذِہٖ اسم اشارہ سے ۔ الف لام جنسی دُنْیَا ۔ اسم تفضیل مؤنث ۔ اس کا مذکر ہے اَدْنٰی ۔ دَنُوٌّ یا دَنِیٌّ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ قریب ہونا ۔ گھٹیا ہونا ۔ کم تھوڑا ہونا ۔ مراد ہے یہ جہان ۔ (دارُ العمل) مشار الیہ ہے ھٰذِہٖ کا ۔ اشارہ اور مشار الیہ مجرور ہے ۔ اور جار مجرور متعلق ہے اَحْسَنُوْا کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مجرور ہوا ۔ اور وہ متعلق ہوا یَکُوْنُ فعل تامہ پوشیدہ مضارع کے ۔ حَسَنَةٌ ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی ۔ یا مذکر ہے ۔ آخر کی ۃ وحدت کی ہے ۔ بمعنیٰ اچھائی ۔ بھلائی ۔ مفید چیز ۔ خوشی دینے والا کام ۔ یا واقعہ ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے ۔ اس کی ضد (مقابل) ہے سَیِّئَۃٌ ۔ اسم جنسی ہے ۔ بحالتِ رفع ۔ فاعل ہے یَکُوْنُ پوشیدہ کا ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ لام کئے مفتوحہ برائے تاکید ۔ دَارُ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ چار دیواری والا گھر ۔ بحالتِ رفع کیونکہ مبتدا ہے ۔ مضاف ہے ۔

الف لام عہد ذہنی آخِرَۃِ - اسم فاعل مؤنث - آخِرٌ سے بنا ہے بمعنی آخر میں ہونے والا - مراد ہے بعد قیامت والا جہان - مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے - یہ مرکب اضافی مبتدا ہے - خَیْرٌ اسم مفرد جامد ہے بمعنی بھلا - اچھا - خوشی دینے والا مقابل ہے شر کا مرفوع ہے خبر ہے مبتدا کی - واؤ سر جملہ - لام ابتدائیہ تاکیدیہ - نِعْمَ فعل مدح - غیر متصرف اس کا صیغہ مؤنث ہے نِعْمَتْ - بمعنی اچھا - خوبصورت دَارُ الْمُتَّقِیْنَ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے - دَارُ اسم مفرد جامد مرفوع ہے - الف لام استغراقی مُتَّقِیْنَ باب افتعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر - واحد مُتَّقِی ہے بحالت جر ہے - مضاف الیہ ہے دار کا - نِعْمَ کا مخصوص بالمدح ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع دَارُ الْاٰخِرَۃِ ہے - یا مخصوص بالمدح اگلی عبارت جَنّٰتُ عَدْنٍ ہے - یا یہاں لفظ دار الجزا محذوف ہے اور مخصوص ہے نِعْمَ - اس میں تین قول ہیں - دو قول اولین میں یہ جملہ بالکل علیحدہ ہے - ماقبل - مابعد سے جدا ہے

جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِیْهَا مَا یَشَآءُوْنَ كَذٰلِكَ یَجْزِی اللّٰهُ الْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓىٕكَةُ طَیِّبِیْنَ یَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَیْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ

جَنّٰتُ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے جَنَّۃٌ - بمعنی پوشیدہ باغ - خواہ نگاہوں سے پوشیدہ یا حواس خمسہ سے پوشیدہ یا خیال و وہم عقل و دماغ سے پوشیدہ - مراد ہے عالم آخرت - بحالت رفع ہے - اس کی پانچ طرح ترکیب کی گئی ہے -

۱ - مبتدا ہے مابعد جملہ اس کی خبر ہے - ۲ - اس کا الٹ ہے ۳ - یہ مبتدا ہے خبر محذوف - ۴ - یہ خبر مقدم اس کا مبتدا مؤخر پوشیدہ - ۵ - یہ مخصوص بالمدح ہے - مگر ہماری ترکیب اس طرح ہے - جَنّٰتُ مضاف عَدْنٍ - اسم مفرد جامد بمعنی دائمی - ہمیشہ رہنے والی - یہ اسم صفاتی ہے تمام جنت کا - یا یہ عَلَم ذاتی ہے جنت کے ایک طبقے کا تب یہ ترجمہ یہاں نہ ہوگا - نکرہ مجرور ہے مضاف الیہ ہے - مرکب اضافی مبتدا ہوا - یَدْخُلُوْنَ - باب نَصَرَ کا فعل مضارع بمعنی مستقبل - صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع متقین ہیں - دُخُوْلٌ سے بنا ہے بمعنی اندر آنا - یا اندر جانا - هَا - ضمیر واحد مؤنث غائب منصوب متصل مفعول فیہ ہے اس کا مرجع جَنّٰتُ - موصوف ہے مابعد کا - تَجْرِیْ - باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب جَرْیٌ سے بنا ہے - بمعنی بہنا - جاری ہونا - مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے تَحْتِ اسم ظرف جامد نکرہ ہے بمعنی نیچے - اس کا مقابل ہے فَوْقَ یعنی اوپر - مشابہ ہے اَسْفَل کے - یہ دونوں لفظ ہمیشہ درمیان کلام میں آتے ہیں - ان کا ماقبل مَافَوْقَ یعنی اوپر ہوتا ہے - اور مابعد ماتحت - یعنی نیچے ہوتا ہے - دونوں میں فرق

یہ ہے کہ اَسْفَل کا ماقبل اور مابعد ایک ہی چیز ہوتا ہے لیکن تَحْتُ کا ماقبل اور مابعد دونوں جدا جدا دو چیزیں ہوتی ہیں۔ ھَا ضمیر مرجع جنّٰت یعنی درخت ہیں۔ یا مکانات۔ مجرور متّصل ہے مضاف الیہ ہے۔ مرکّب اضافی اور جار و مجرور متعلّق ہے تَجْرِیْ کے۔ الف لام استغراقی اَلْاَنْھٰارُ۔ اسم جمع مکسّر منصرف۔ واحد نَہْرٌ ہے۔ بمعنیٰ وہ زمین جس کو پانی بہنے کے لیے کھود کر بنایا جاتا ہے۔ مراد پانی ہے یعنی سبب بول کر مسبّب مراد لیا جاتا ہے۔ کیونکہ یہاں یہ جگہ پانی سے خاص ہو جاتی ہے۔ بعض نے کہا کہ دونوں کے مجموعے کا نام نہر ہے اور جاری ہونے کا مطلب دراز ہونا۔ پھیلا ہوا ہونا۔ ساتھ ساتھ چلنا واقع ہوتا ہے اس معنیٰ سے دونوں جاری ہیں۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے تجری کا۔ اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے یا صفت ہے۔ مَا قبل ھا ضمیر کی۔ یَدْخُلُوْنَ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ لام جارّہ نفع کا ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع متّقین۔ یہ جار مجرور متعلّق مقدّم ہے مابعد کا۔ مَا اسم موصول ہے اَصلاً غیر ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے۔ لیکن مجازاً عام ہے۔ یَشَاءُوْنَ۔ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف ہے۔ صیغہ جمع مذکّر غائب بمعنیٰ مستقبل۔ شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چاہنا پسند کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر مستتر جمع غائب ھُمْ کا مرجع متّقین ہے۔ یہ فعل فاعل جار مجرور مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ مگر دوسری ترکیب میں لَھُمْ متعلّق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول مبتدا کے اور مَا یَشَاءُوْنَ صلہ موصول خبر ہے۔ کَذٰلِکَ یہ اسم کُل تشبیہ کے لیے۔ یہ ہمیشہ درمیان میں آتا ہے۔ اس کے ماقبل کا نام مشبّہ بہ اور مابعد کا نام مشبّہ ہوتا ہے۔ یہاں سابقہ کلام میں مذکور نعمتیں مشبّہ بہ ہیں یہ لفظ چار لفظوں کا مجموعہ ہو کر بسیط ہوا ہے۔ ۱۔ کَ تشبیہی ۲۔ لام تقریبی یا بعیدی۔ ۳۔ کافِ آخری ضمیر مخاطب کا۔ ۴۔ ذا اسم اشارہ مطلق۔ اس میں ضمیر مخاطَب ذہنی خطاب کی بنا پر ہوتی ہے اگرچہ اسی اعتبار سے واحد تثنیہ جمع مذکّر مؤنّث تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ مثلاً۔ ذٰلِکُمَا۔ کَذٰلِکُمْ کَذٰلِکِ کَذٰلِکُنَّ۔ یہی حال ذٰالِکَ کا ہے۔ یَجْزِیْ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف بمعنیٰ حال یا مستقبل صیغہ واحد مذکّر۔ اِس کا فاعل۔ اَللّٰہُ ہے۔ جَزْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بدلہ دینا الف لام استغراقی۔ مُتَّقِیْنَ۔ باب افتعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکّر بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے یَجْزِیْ کا مادّہ ہے تَقْوٰی۔ بمعنیٰ ہر نقصان دِہ اور غم دینے والی اور کسی کو ناراض کرنے والی بات۔ عمل۔ اور خیالات و عقائد سے بچنا۔ منقولِ اصطلاحی شرعی میں اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بچنا۔ موصوف ہے اَلَّذِیْنَ۔ اِسم موصول مراد ہیں متّقی لوگ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ صفت ہے مُتَّقِیْنَ کی۔ تَتَوَفّٰی۔ بابِ تفعّل کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحدۂ مؤنّث۔ ھُمْ ضمیر منصوب متّصل اِس کا مفعول بہ

جس کا مرجع (مراد) مُتّقین ہے الف لام عہدِ ذہنی ہے مَلٰٓئِکَۃُ اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے مَلَکٌ بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے تَتَوَفّا کا۔ وَفْیٌ لفیف مفروق سے بنا ہے۔ طَیِّبِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم۔ واحد طَیِّبٌ ہے۔ بمعنیٰ پاک صاف ستھرا۔ خوبصورت۔ خوش منظر۔ بحالت فتحہ ہے حال ہے یا مُتّقین کا یا مَلٰٓئِکَۃ کا۔ حال وہ ہوتا ہے جو فاعل یا مفعول یا مبتدا یا خبر یا اسم معمول کی کیفیت بتائے یَقُوْلُوْنَ۔ فعل مضارع معروف بمعنیٰ مستقبل مثبت جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع غائب اس کا فاعل مستتر ہے۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ سَلٰمٌ۔ اسم مفرد حاصل مصدر بروزنِ فَعَالٌ ثلاثی کا مصدر ہے۔ بمعنیٰ ظاہری باطنی آفتوں سے بچنا۔ بچایا جانا۔ یا یہ مصدر معروف ہے یا مجہول بحالتِ رفع فاعل ہے پوشیدہ فعل ماضی وَقَعَ کا بمعنیٰ دعا۔ خبریہ۔ نہیں انشائیہ یا تجیزیہ ہے۔ تنوین یعنی دو پیشیں۔ عوضِ اضافت ہیں۔ دراصل سلامُنا یا سَلامُ اللّٰہِ۔ تھا۔ مضاف الیہ کو محذوف منوی کر دیا۔ اُس کے عوض تنوین لگا دی جس سے عمومی جامعیت کا فائدہ ہوا۔ سَلامُنا تحیۃً اور عزت افزائی (مبارکباد دی) سلامُ اللّٰہِ۔ خبر ہے یا دعا مشابہ تحیۃ ہے۔ عَلٰی جارہ فوقیت کے لیے۔ کُمْ ضمیر مذکر حاضر مجرور متصل مراد ہیں متقی لوگ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ وَقَعَ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ اول ہے۔ اُدْخُلُوا۔ فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مخاطب باب نَصَرَ۔ دَخْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اندر آنا۔ اندر جانا۔ یہ دو ترجمے متکلم کے اپنے مکان کے اعتبار سے ہوتے ہیں۔ اَنْتُمْ اس کا فاعل جس کا مرجع متقی لوگ۔ الف لام عہدی۔ جَنَّۃَ۔ اسم مفرد جنسی عموم کے لیے۔ مراد ہے عالم آخرت۔ مفتوح ہے مفعول فیہ ہے اُدْخُلُوْا کا۔ ب جارہ سببیہ بمعنیٰ وجہ سے مَا اسم موصول یا مصدریہ۔ موصول اپنے مابعد کو صلہ بناتا ہے اور مصدریہ اپنے مابعد کو مصدری معنیٰ میں کرتا ہے اگرچہ ماضی ہو مضارع ہو کوئی خبر یہ فعل ہو۔ کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ باب فَتَحَ یا سَمِعَ کا ماضی استمراری جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے مُتّقین۔ عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اعضا سے کام کرنا اچھے یا برے۔ یہاں مراد ہیں اچھے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ وہ مجرور۔ متعلق اُدْخُلُوا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ قَالُوْا خَيْرًا لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ ۔

دنیاوی کائنات میں ہر جگہ نہ سارے برے کانٹے ہی ہیں اور نہ سارے کے سارے اچھے پھول ہی ہیں۔ بلکہ نظامِ قدرت سے ہوتا یہی رہا ہے کہ اگر کسی کے لیے کسی جگہ زہریلے کانٹے ہیں تو وہیں پر اُس کے لیے تریاقی پھول بھی ہیں اہلِ حق

کے لیے کفر و کفریات اور کفار کانٹے ہیں تو مخلص متقی مومن سدا بہار پھول اور کلیاں ہیں۔ ان آیات میں دونوں کا ذکر کیا گیا ہے کہ اگر حاسد و سرکش کانٹوں جیسے کافر۔ مسافروں سے اسلام قرآن کے بارے میں دل آزار گفتگو کرتے تھے اور پوچھنے والوں کو بارگاہِ قدسیاں سے دور بھگانے متنفر کرنے کی حتی المقدور کوشش میں لگے رہتے تھے اساطیر۔ ساحر۔ مجنون۔ کاہن کاذب اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ لیکن ان وفود اور حجاج مسافروں میں سے جب کوئی یہی سوال کسی مومن صحابی سے کرتا تو وہ ایمان افروز جواب دیتے ہوئے فرماتے۔ رب تعالیٰ نے اپنے نبی محمد رسولُ اللہ کے لیے یہ قرآن خیر کثیر بنا کر نازل فرمایا۔ ایسی خیر کہ دنیا جہان قبر حشر حکمت و نصرت کی ساری خیریں جمع فرما دی گئیں ایسی خیر کہ جس کے ہوتے ہوئے نبی کریم اور صحابہ کرام کو کوئی کبھی برائی چھو سکتی ہی نہیں۔

عجیب نکتہ۔ باری تعالیٰ نے یہاں قرآن مجید اور وحیِ الٰہی کو خَیْرًا فرمایا۔ اور تنوین تعظیمی لگا کر کثرت و عظمت کا اشارہ فرمادیا۔ اور بحالتِ نصب فرماکر نزول اور عطاءِ ربانی کا اشارہ فرمادیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر کثیر عطا فرمائی۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ میرے حبیب نے ایک مرتبہ اپنے علم غیب کو خیر کثیر کے ہونے پر موقوف کیا تھا جس سے کچھ گستاخ بدبخت قرب قیامت میں نبی کریم کے علم غیب کی نفی کریں گے۔ ان گستاخوں کا منہ توڑ جواب دیا جا رہا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا تھا اگر میں غیب جانتا تو میرے پاس خیر کثیر ہوتی۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ قرآن و حدیث خیر کثیر ہی تو ہے۔ جب ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خیر کثیر ہے تو سمجھ لو کہ کائنات کا علم غیب بھی ہے ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ خیر اور غیب عطائی ہے۔ ذاتی نہیں کیونکہ ذاتی ہو نا شانِ اُلوہیت ہے اور ہر چیز کا ذاتی ہونا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور بلا واسطہ عطائی ہونا صرف نبوت کی صفت ہے اسی لیے علما فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ذاتی ہونے میں بے مثل ہے اور پیارے نبی عطائی ہونے میں بے مثل ہیں۔ یہ ہی قرآن کریم نبی پاک کے لیے خیر کثیر ہے اور تا قیامت متقی امتی کے لیے حَسَنَۃٌ ہے کیونکہ نیکوں کو اسی کے ذریعے تمام حسنات حاصل ہوتی ہیں۔ اعمالِ دنیا سے جزاءِ آخرت تک عبادت سے ریاضت تک جسمانیت سے روحانیت تک علم سے ولایت تک سب اسی قرآن مجید کا ہی فیض ہے۔ اور پھر آخرت کا گھر تو بہت ہی بھلائیوں والا ہے۔ خیر اور حَسَنَہ میں فرق یہ ہے کہ حَسَنَہ میں اپنے کردار کا کچھ دخل ہوتا ہے اسی لیے اعمالِ صالحہ کو حَسَنَہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح حلال طیب روزی بھی حَسَنَہ ہے۔ مگر خیر وہ ہے جس میں اور جس کے ملنے میں بندے کے کسی فعل کا دخل نہ ہو۔ اسی لیے قرآن مجید اور تمام وحی جلی و خفی بھی خیر ہے آخرتِ مومنین

بھی خیر ہے۔ حَسَنَہ وہ ہے جس میں زوال ممکن مگر خیر میں نہ زوال نہ تغیر نہ تبدّل۔ اسی لیے ساری مخلوق کے علوم مدارج۔ شان۔ صفات حَسَنَہ ہیں مگر انبیاءِ کرام کی طاقت قوت شان۔ علم اختیار خیر ہیں۔ ان میں نہ زوال نہ تغیر تبدّل۔ بڑھاپے میں ہر انسان کی علمی فکری جسمی حالات بدل جاتے ہیں مگر نبوت کی ہر چیز روزِ اول سے آخر ابدی تک یکساں رہتی ہے۔ دنیا پرست اشیاءِ دنیا پر مغرور ہوتا ہے جو دنیا میں مغرور ہوتا ہے حالانکہ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ متقیوں کا گھر ہی اچھا ہے اس لیے کہ وہ جنتِ عدن ہے اور اس کو کبھی زوال نہیں متقی لوگ اس میں ہمیشگی کے لیے داخل ہوں گے خوبصورتی ایسی کہ جگہ جگہ دودھ۔ پانی۔ شہد۔ اور خوشبوؤں کی نہریں جاری ہوں گی۔ اور کثرت ایسی کہ ہر متقی ہر وقت اپنی ہر پسند کو وہاں موجود پائے گا۔ جنّت کی یہ ایسی خصوصیت ہے جو دنیا میں کسی کو بھی نصیب نہیں۔ خواہ نیک ہو یا بد۔ دولت مند ہو یا ساری دنیا کا بادشاہ۔ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ سن لو اے دنیا والو کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح ایک ہی جنت اور علاقۂ جنت کی صورت میں تمام ان لوگوں کو جزا دیتا ہے جو دنیا میں کامل متقی بن کر رہے۔ متقی وہ ہے جو ہر چھوٹی سے چھوٹی نیکی کرتا رہے اور ہر چھوٹی سی چھوٹی برائی سے بچتا رہے کسی وقت کسی حالت میں لاپرواہی نہ برتے اور کسی بھی اچھے برے عمل کو معمولی نہ سمجھے۔ خوفِ خدا ہر وقت اُس پر طاری رہے۔ متقی وہی لوگ ہوتے ہیں کہ فرشتے ملکُ الموت کے تمام معاون ساتھی بندوں کی طیب طاہر حالت میں ان کو وفات دیتے ہیں۔ اس طرح کہ اعمالِ صالحہ عباداتِ شرعیہ سے ان کا ظاہر و باطن طیب ہوتا ہے اور دنیا کی فکروں خواہشوں الجھنوں سے ان کا دل پاک صاف ہوتا ہے۔ اور لمبی امیدوں سے دولت کے چکروں سے ان کا دماغ خالی ہوتا ہے۔ اور لقاءِ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشیوں سے اُن کا دل شاداں ہوتا ہے کہ قبر میں جلوۂ مصطفیٰ کی زیارت نصیب ہوگی اور میدانِ محشر میں دیدارِ باری تعالیٰ کی شرفیابی کے خیال و تصور سے طبیعت خوشیوں سے بھری ہوتی ہے۔ متقی کے لیے موت عید بن جاتی ہے۔ ابھی وہ انہی خیالات کی خوشی میں مست ہوتے ہیں کہ ملائکہ کی۔ یک دم سب کی یا فقط ایک کی سب کی طرف سے آواز سنائی دیتی ہے کہ اے پیارے متقی لوگو ہمارا سلام ہو تم پہ۔ یا اللہ کا سلام سنو اللہ تعالیٰ تم کو سلام فرماتا ہے۔ کیسی شان کی وہ گھڑی ہوگی کیسی خوشیاں ہوں گی جب حسین و جمیل مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے فرشتے رب کا سلام بندے کو دیتے ہوئے بصد احترام قبضِ روح کر کے بارگاہِ ربِّ ذو الجلال میں پہنچانے کے لیے آتے ہیں اور مومن اس حسین منظر میں اپنی قبر اور زیارتِ جلوۂ

مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کرتے ہوئے موت کی وادی میں جانے کی تیاری میں ہوتا ہے اور ساتھ ہی بار بار زبانِ ملائکہ سے سنتا ہے۔ اُدۡخُلُوا الۡجَنَّةَ اے ارواحِ مومنین جاؤ اپنی اپنی جنتوں میں داخل ہو جاؤ۔ کیونکہ مومن کی قبور بھی مثلِ جنت آرام دہ ہیں اور بفرمانِ حدیث پاک قبرِ مومن میں جنت کی کھڑکی کھولدی جاتی ہے اور قبر میں ہی جنت کا رزق پیش کیا جاتا رہتا ہے تا قیامِ قیامت۔ ہر چیز سے زیادہ لذت تو دیدارِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مومن کو ملتی ہے۔ اسی لذت کے لیے مومن عبادت و ریاضت کی مشقتوں میں اپنی زندگی گزار کر پھر ہنستے مسکراتے ہوئے جان دے دیتا ہے۔ اسی لیے فرشتے کہتے ہیں کہ اے متقی مسلمانو۔ آج یہ سب کچھ عزت افزائی ہمارے سلام دعا خوشخبریاں بشارتیں سب منظرِ روح افزا بِمَا كُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ اُن ہی اعمالِ صالحہ و ریاضاتِ شاقہ و عباداتِ شرعیہ کی وجہ سے ہے جو تم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات اور اسوۂ حسنہ کے مطابق کرتے تھے۔ ایک قول ہے کہ جنت سے قبر مراد نہیں بلکہ اصلی حقیقی جنت مراد ہے اور اُدۡخُلُوۡا میں تین قول ہیں۔ ۱؎ یہ میدانِ محشر میں کہا جائے گا۔ ۲؎ بوقت موت کہا جائے گا۔ اور معنیٰ ہے کہ داخل ہو جانا جنت میں جب سب کے دخول کا وقت ہو۔ ۳؎ اُدۡخُلُوۡا۔ گویا کہ تم قبر میں بلکہ آرام دہ جنت میں ہی داخل ہو رہے ہو اور حکم علم الیقین کے لیے فرمایا جاتا ہے وَاللّٰهُ اَعۡلَمُ وَرَسُوۡلُهٗ بِالصَّوَابِ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ مومن کی زندگی بھی مبارک ہے کہ نفسِ امارہ کی مخالفت اور دل کی موافقت نبی کی شریعت اور اللہ کی معرفت کا زمانہ عبادت کی لذت اور ریاضت کی مشقت کا زمانہ ہے۔ اور موت بھی مبارک ہے رب تعالیٰ کی جزا اور رضا کا زمانہ ہے۔ حسد بغض نہیں نفسانی خواہشات نہیں کیونکہ آخرت میں نفسِ امارہ نہیں قالب میں قلب ہی قلب ہے اور وہ ہمیشہ اچھی خواہشات ہی کرتا ہے یہ فائدہ خیراً کو دو دفعہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیا میں کسی کی ساری خواہشات پوری نہیں ہوتیں۔ مگر آخرت میں ہر جنتی کی ساری خواہشات پوری ہوا کریں گی یہ فائدہ مَا يَشَآءُوۡنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی دنیا میں ہم کو رب تعالیٰ کی مرضی پوری کرنا اور اس کی ماننا چاہیئے اور آخرت میں رب تعالیٰ اپنے کرم سے ہماری سب باتیں مانے گا۔ **تیسرا فائدہ**۔ موت کے فرشتے بہت ہیں مگر اُن کے سردار ایک حضرت عزرائیل ہیں۔ اور خداداد قوت سے یک وقت سارے جہان میں ہر میت کے پاس جلوہ گر ہیں یہ فائدہ تَتَوَفّٰهُمُ الۡمَلٰٓئِكَةُ میں ملائکہ کے جمع ہونے کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ ایک قول میں یہ جمع ادب و احترام کے اظہار کے لیے ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ بندوں کا ادب و

تعظیم جمع بولتے میں ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کو جمع حاضر یا جمع غائب کے صیغہ سے پکارنا جائز نہیں ہے اور اس کی توحید کے خلاف اور مشرکانہ گفتگو سے مشابہ ہے۔ ہاں البتہ بندوں میں بزرگوں کے لیے جمع بولنا تعظیماً جائز نہیں یہ مسئلہ یَتَجرِی اللہُ میں یتجری کو واحد اور الملٰئکۃ کو ایک تفسیر کے مطابق واحد فرشتے کے لیے جمع بولنے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ ہر ملاقات کے وقت سلام کرنا واجب لازم ہے۔ یہ مسئلہ سَلَامٌ علیکمُ سے مستنبط ہوا۔ کہ ملٰئکہ بھی بوقت ملاقاتِ نزع یا ملاقاتِ محشر مومنوں سے یہی فرمائیں گے۔ نیز جب سلام سے معنیٰ سلام مراد ہو تو سلامٌ علیکم کہا جائے گا اور جب سنتِ سلام مراد ہو تو السّلامُ علیکم کہا جائے۔ ایک قول میں سلام کرنا سنتِ مؤکدہ ہے اور جواب دینا فرض یا واجب ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ سابقہ آیت میں قرآن مجید کے متعلق کفّار کا قول منقول ہوا۔ انہوں نے کہا۔ یہ قرآن مجید اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ہے۔ یہاں اس آیت میں مسلمانوں کا قول نقل فرمایا گیا قَالُوْا خَیْرًا۔ وہاں بھی قالوا اَساطیرُ ہے یہاں بھی قالُوْ خیراً ہے تو پھر کیا وجہ ہے کہ وہاں۔ اَساطیرُ رفع کی حالت میں ہے اور یہاں خیراً۔ فتحؔ یعنی زبر کی حالت میں۔؟
جواب۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار نے نزول مِنَ اللہ کا انکار اور سائل کے سوال میں اَنْزَلَ رَبُّکُمْ کی نفی کرتے ہوئے جواب دیا تھا کہ یہ جس کو تم قرآن مجید کہتے ہوئے اللہ کی طرف سے نازل شدہ سمجھتے ہو۔ وہ منزل مِنَ اللہ نہیں بلکہ ھُوَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ وہ پہلوں کے بیان کردہ افسانے ہیں۔ چونکہ یہاں ھُوَ ضمیر پوشیدہ مبتدا ہے اس لیے اَساطیرُ کو رفع آیا۔ اور مسلمانوں نے جو جواب دیا اس میں نازل ہونے کا اقرار ہے۔ سوال تھا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ تمہارے رب نے کیا نازل فرمایا۔ تو سچا جواب اس طرح دیا گیا کہ اَنْزَلَ خَیْرًا۔ خیر کو نازل فرمایا۔ اس جگہ اَنْزَلَ پوشیدہ ہوا۔ اور خیراً اس کا مفعول بہ لہٰذا فتح (زبر آیا)
دوسرا اعتراض۔ مسلمانوں نے خیراً کیوں کہا۔ قرآناً یا کلاماً۔ یا کتاباً کہنا چاہئے تھا۔
جواب۔ اس لیے کہ نزول کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ نازل شدہ کا تعارف بھی ہو جائے۔ کہ رب تعالیٰ نے جو نازل فرمایا ہے وہ قیامت تک کی ہر قوم کے لیئے ہر اعتبار سے ہر علاقے ہر حالت میں ہر طرح خیر اور بھلائی ہی بھلائی ہے۔ یہ ایک لفظ کہدینا اتنا بڑا۔ عظیم اور جامع مانع جواب ہے جس نے کہ بعد میں

کئے جانے والے بہت سے سوالات کا جواب پیشگی دیدیا۔ یہ شافی وکافی جواب قرآناً یا کتاباً کبھی دے سے نہ بنتا۔ **تیسرا اعتراض**۔ گناہ اور فسق کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ دیکھو۔ یہاں اِن آیت میں۔ لِلَّذِیْنَ کو مقدم کرکے حصر پیدا کرتے ہوئے حَسَنَۃٌ یعنی جنّت کو اَحْسَنُوْا سے خاص کر دیا۔ اور وضاحت سے رب کریم نے بتا دیا کہ جنّۃ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو حَسَنہ کام یعنی اچھا عمل کریں نیکی اور تقویٰ اختیار کریں۔ ثابت ہو گیا کہ فاسق و فاجر برے عمل والے کو جنّت کبھی بھی نہیں۔ یہی سزا اور ابدی دائمی جہنم کافروں کے لیے بھی ہے۔ لہٰذا فاسق بھی جب عذاب میں کافر کی مثل دائمی جہنم میں رہا تو پھر وہ کافر ہی ہوا فاسق لوگ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا نہیں ہیں (معتزلی اور موجودہ وہابی)

جواب۔ یہ اعتراض اور استدلال فقط اس جہالت و ناسمجھی کی بنا پر ہے کہ معترض نے اَحْسَنُوْا کو بھی منحصر اور مخصوص سمجھ لیا۔ یہ بات تو تسلیم ہو سکتی ہے کہ لِلَّذِیْنَ کا پہلے ہونا حصر پیدا کر دے اگرچہ یہ بھی درست نہیں۔ مگر اَحْسَنُوْا تو مخصوص نہیں۔ اِس سے تو ہر اچھا کام مراد ہے۔ اور اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ سب سے اچھا کام ایمان قبول کرنا ہے۔ اَعمالِ حسنہ تو بعد کی چیز ہے۔ اور چونکہ پہلے کافروں کا ہی ذکر ہو رہا ہے اس لیے تقابُلی جائزے میں یہاں اَحْسَنُوْا سے مراد ایمان قبول کرنا اور اسلام لاکر مسلمان بن جانا ہے۔ ورنہ اَحْسَنُ کام تو وہ بھی ہیں جو دنیوی اعتبار سے اچھے ہوں اور ایسے احسن کام تو کافر بھی اپنے آس پڑوس اور گلی محلے۔ ملک علاقے میں کرتے رہتے ہیں حالانکہ ان احسن کاموں پر جنّت نہیں۔ جنّت تو دینی اَحْسَن پر ہے۔ نیز حَسَنَۃٌ سے جنّت ہی مراد لینا درست نہیں۔ قرآن مجید میں حسنہ بہت معنیٰ میں آیا ہے جس کی تفصیل آئندہ تفسیر میں بیان کر دی گئی ہے۔ اور اگر جنّت ہی مراد ہو تو اس سے دائمی جہنم کا ثبوت غیر محسن کے لیے کس طرح ہوا۔ بہرکیف یہ دلیل نہایت کمزور ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَقِیْلَ لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّکُمْ قَالُوْا خَیْرًا لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ هٰذِهِ الدُّنْیَا حَسَنَةٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ خَیْرٌ وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِیْنَ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۔ اصل اہلِ تقویٰ قلب مومن ہے اور اُس پر تجلیاتِ الٰہیہ کا نزول ہوتا ہے وادیِ طلب کا اجنبی مسافر مراقبۂ اَسرار اور کعبۂ جلال میں پہنچ کر قلب شاہد کی طرف متوجہ ہو کر سوال کرتا ہے تو اہلِ ضمیر دل کی طرف سے کہتے ہیں۔ وادیِ عشق میں ہر طرف خیر ہی کا نزول ہو رہا ہے اَتقیاء جمال کے لیے عالمِ ناسوت میں مشاہدۂ انوار کا مدینۂ حرم ہے اور عالمِ لاہوت کی آخری منزل میں خیر ہی ہے قربِ محبوب کے چمن متقی قلب کے لیے ہے اِس دارِ سرور میں بقا کی سکونت

دخول ہے اسی میں محبت الٰہیہ کی نہریں آبشاریں جاری ہیں۔ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَاءُونَ ۚ كَذَٰلِكَ يَجْزِي
اللَّهُ الْمُتَّقِينَ ۔ الَّذِينَ تَتَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ طَيِّبِينَ ۙ يَقُولُونَ سَلَامٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ۔
مقام مرید سے مراد بننے والوں کے لیے ان مشاہدات کے چمنوں میں طلب صادق کی ہر شئی ہے ۔
خالق تعالیٰ مخلصین طالبوں کو اسی کی مثل قرب سے نوازتا ہے ۔ ان کی دنات لقاءِ محبوبیت ہے ان
کے اعمالِ قلب کی جزا میں ہمیشہ کے لیے دخولِ سرور فرمالو۔

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ

نہیں انتظار کرتے ہیں مگر اس کا کہ آئیں اُن کے پاس فرشتے یا آئے

کاہے کے انتظار میں ہیں مگر اس کے کہ فرشتے اُن پر آئیں یا تمہارے رب کا

أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ

آخری فیصلہ تمہارے رب کا اسی طرح کیا اُن لوگوں نے جو سے پہلے اُن کے

عذاب آئے ان سے اگلوں نے بھی ایسا ہی کیا

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿٣٣﴾

اور نہیں ظلم کیا اللہ نے اُن کا اور لیکن تھے وہ جانوں پر اپنی ظلم کرتے

اور اللہ نے اُن پر کچھ ظلم نہ کیا ہاں وہ خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے

فَأَصَابَهُمْ سَيِّئَاتُ مَا عَمِلُوا وَحَاقَ بِهِم مَّا

تو پڑیں اُن پر برائیاں اُن کی جو کیا انہوں نے اور گھیر لیا کو اُن اُسی نے تھے وہ کا

تو اُن کی بُری کمائیاں اُن پر پڑیں اور انہیں گھیر لیا اُس نے

كَانُوا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۳۴﴾ ع وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا

جس مذاق اُڑاتے - اور بولے وہ جو مشرک ہوئے

جس پر ہنستے تھے - اور مشرک بولے

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ

اگر چاہتا اللہ نہ عبادت کرتے ہم کی غیر اُس کے ذرا بھی

اللہ چاہتا تو اُس کے سوا کچھ نہ پوجتے نہ ہم

نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ

ہم اور نہ باپ دادے ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم خود کے بغیر اُس

اور نہ ہمارے باپ دادا - اور نہ اُس سے جدا ہوکر ہم کوئی چیز حرام

شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ

کچھ چیز- اسی طرح کیا انہوں نے جو پہلے تھے اُن سے- تو نہیں ہے

ٹھہراتے - ایسا ہی اُن سے اگلوں نے کیا تو

عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۳۵﴾

پر رسولوں مگر پہنچا دینا ظاہر ہونے والا-

رسولوں پر کیا ہے مگر صاف پہنچا دینا

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے-

پہلا تعلق - پچھلی آیت میں بوقتِ موت فرشتوں کے آنے کا ذکر ہوا تھا جو صرف موت دینے والے ہیں کسی کے لیے زحمت کسی کے لئے رحمت - اب اِن آیات میں کافروں کا ذکر ہے جس کی ہیں

وہ عذاب کے فرشتوں کے اُترنے کی خواہش ذکر کرتے رہتے تھے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کی اُخروی آزاد زندگی کا ذکر ہوا اب اِن آیتوں میں کافروں کی اُخروی مقید زندگی کی طرف وضاحت فرمائی جارہی ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا مومن ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں اب اِس جگہ کافروں کی اُن باتوں کا ذکر ہے جو رب کو ناپسند ہیں۔

تفسیر نحوی

هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ أَمْرُ رَبِّكَ ۚ كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ

هَلْ ۔ حرفِ استفہام ہے یعنی سوالیہ۔ مگر کبھی بمعنیٰ قَدْ حرفِ تحقیق بھی ہوتا ہے مگر کم کبھی سوال تقریری کے لیے ہوتا ہے ۔اکثر سوالِ حقیقیہ کے لیے ہوتا ۔ اسی لیے یہاں ہے ۔حرفِ استفہام اور بھی ہیں مگر هَلْ کی سات خصوصیات ہیں۔

۱۔ ہمیشہ موجبہ کلام پر آتا ہے ۲۔ هَلْ کے بعد اِنَّ حرفِ تحقیق نہیں آسکتا ۳۔ هَلْ سے پہلے حرفِ عطف آسکتا ہے۔ مثلاً واؤ ۔ یا اَمْ وغیرہ ۴۔ هَلْ کے بعد فعلِ اختیاری نہیں آسکتا ۔ ۵۔ هَلْ کے بعد شرطیہ جملہ نہیں آسکتا یعنی اِن شرطیہ وغیرہ ۶۔ هَلْ ماضی مضارع سب پر آتا ہے مگر مضارع میں زمانۂ مستقبل کا معنیٰ ہوتا ہے نہ کہ حال کا ۷۔ هَلْ منفی سوال کے لیے بھی آجاتا ہے بمعنیٰ نہیں اسی معنیٰ میں یہاں ہے اُس وقت جملہ خبریہ پر بھی آتا ہے اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے کمال نے یہ بات سمجھائی ۔حقیقت ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ترجمے کے پوشیدہ جوہر سمجھنے اور لذتِ معلومات لینے کے لیے اظہارِ علم کا ماہر ہونا چاہیئے ۔ يَنظُرُونَ ۔ باب نَصَرَ کا مضارع معروف بمعنیٰ مستقبل صرف عزلی نہ کہ ترجمہ ۔ نَظْرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ دیکھنا ۔ غور کرنا ۔ نظریں اُٹھا اُٹھا کر دیکھنا یعنی انتظار کرنا ۔ هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے ۔ إِلَّا حرفِ استثنا ۔ مفرّغ ۔ کیونکہ مستثنیٰ (ینظرون پوشیدہ) محذوف منوی ہے ۔ اَنْ ناصبہ خود محلاً منصوب ہے کیونکہ سب عبارت مل کر مفعول بہٖ ہے تَأْتِيَ ۔ ایک قرأت میں يَأْتِيَ ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب یا واحد مذکر ہے بحالتِ نصب ہے اَنْ ناصبہ سے اَتْيٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا ۔ مراد زمانۂ مستقبل ہے ۔ هُمْ ضمیر جمع غائب مذکر مفعول بہٖ ہے تَأْتِيَ کا بمعنیٰ عِندَهُمْ ۔ یعنی پاس ۔ عِندَ کو حذف کرنے کا مقصد یہ ہے کہ آنے کی حکمت بھی بتائی گئی ۔ یعنی اُن کو مفعول بنایا گیا ۔ صرف قریب ہونا نہیں اُن کو کچھ کیا گیا موت اور بارش سے ۔ الف لام عہدِ ذہنی مَلَائِكَةُ جمع مکسّر ہے مَلَكٌ کی بمعنیٰ فرشتے فاعل ہے تَأْتِيَ کا بدیں وجہ مرفوع ۔ اَوْ حرفِ عطف ۔ تردیدی بلاتعین ۔ مَانِعَةُ الْخُلُوِّ کو ظاہر کرنے کے لیے یعنی دونوں باتیں ختم نہیں ہو

سکتیں ہاں البتہ دونوں ایک دم آسکتی ہیں۔ موت اور عذاب کے فرشتے۔ یَاْتِیَ۔ فعل مضارع معروف مثبت۔ معطوف ہے پہلے فعل تَاْتِیَ پر اس لیے منصوب ہے تبعًا۔ اَمْرُ۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی حکم۔ فیصلہ۔ عذاب بحالتِ رفع ہے فاعل ہے۔ مضاف ہے مابعد کا رَبِّ۔ اسم مفرد جامد مبالغے کے معنٰی میں بمعنٰی بہت پالنے والا۔ مضاف ہے كَ ضمیر واحد حاضر اس کا مضاف الیہ۔ كَذٰلِكَ۔ اسم تشبیہ ہے بسیط ہے۔ ماقبل مشبہ بہ ہے اور مابعد مشبہ۔ فَعَلَ۔ فعل ماضی مطلق معروف مثبت ہر باب میں جاری ہوتا ہے۔ عربی نحو صرف کا بنیادی ہے۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر۔ مبنی ہے مبہم ہے۔ بحالتِ رفع ہے۔ فاعل ہے فَعَلَ کا۔ مِنْ جارہ بیانیہ قبلِ اسم ظرف معرب بحالتِ کسرہ ہِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے فَعَلَ کا۔ كَذٰلِكَ حرفِ تشبیہ جار مجرور متعلق مقدم ہے فَعَلَ کا۔ واؤ مستانفہ جملہ۔ مَا ظَلَمَ۔ فعل ماضی مطلق منفی معروف۔ باب ضَرَبَ سے ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنٰی نقصان کرنا بہرصورت متعدی ہوتا ہے۔ خواہ مجرد کے بابوں سے ہو یا مزید فیہ کے هُمْ ضمیر اس کا مفعول۔ اس لیے منصوب ہے۔ اَللّٰہُ اسم مفرد جامد۔ بعض نے کہا مشتق ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے ظَلَمَ کا۔ واؤ حالیہ۔ لٰکِنْ حرفِ عطف استدراک کے لیے یعنی ماقبل کلام کو غلط اور مابعد کو صحیح کرنے کے لیے۔ كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ فعل ماضی استمراری۔ درمیان میں۔ مفعول بہ کا فاصلہ لایا گیا حصر اور تاکید پیدا کرنے کے لیے۔ هُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے۔ کفارِ مکہ۔ اَنْفُسَ۔ اسم جمع مکسر منصرف۔ واحد ہے نَفْسٌ بمعنٰی جان۔ خودی (اپنا) اس معنٰی میں اس کو ضمیر نفسی بھی کہتے ہیں۔ اسم تاکیدی ہے۔ بمعنٰی ذات بھی ہے اور سانس بھی۔ یہاں مراد جان ہے یا اپنے آپ۔ مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع مجرور متصل کا۔ بحالتِ نصب ہے۔ کیونکہ مفعول بہ ہے كَانُوْا یَظْلِمُوْنَ کا فَاَصَابَهُمْ سَیِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ یَسْتَهْزِءُوْنَ فَ تعقیبیہ ہے یا سببیہ۔ اَصَابَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد غائب مصدر ہے اِصَابَۃٌ اور اِصْوَابٌ۔ بمعنٰی۔ پہنچنا۔ واقع ہونا۔ لگنا۔ هُمْ ضمیر مفعول بہ ہے۔ سَیِّاٰتُ۔ جمع مؤنث سالم۔ اس کا واحد ہے سَیِّئَۃٌ بمعنٰی برائی۔ وبال۔ گناہ مصیبت۔ اس کا مقابل ہے حَسَنَۃٌ۔ بمعنٰی اچھائی۔ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے اَصَابَ کا مضاف ہے مابعد کا۔ اس لیے تنوین نہیں آئی۔ مَا اسم موصول۔ عَمِلُوْا۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق معروف صیغہ جمع غائب۔ هُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع کفار ہیں عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنٰی دل دماغ اور اعضا کے کام واؤ مستانفہ جملہ۔ حَاقَ۔ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ حَیْقٌ سے بنا ہے بمعنٰی گھیرنا۔ غالب آنا۔ بِ جارہ مفعولیت کا ہِمْ ضمیر مجرور متصل مراد کفار ظالمین ہیں متعلق ہے حَاقَ کا۔ مَا۔ اسم موصول

بحالت رفع فاعل ہے حاق کا۔ کَانُوْا یَسْتَہْزِءُوْنَ باب استفعال کا ماضی استمراری صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے اِسْتِہْزَآءٌ۔ ھَزْئٌ سے بنا ہے بمعنی مذاق اڑانا۔ درمیان میں بہٖ جار مجرور اس کے اپنے متعلق کا فاصلہ آگیا۔ تاکید کے لئے اور حصر کے لیے بٖ جارّہ۔ مفعولیت کا۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اَمْرٌ ہے۔ وَقَالَ الَّذِیْنَ اَشْرَکُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ کَذٰلِکَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔

واؤ ابتدائیہ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول محلاً رفع کی حالت میں ہے فاعل ہے قَالَ کا۔ اَشْرَکُوْا۔ باب افعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے اشراکٌ۔ شِرْکٌ سے بنا ہے بمعنی بت پرستی کرنا۔ بہرحال یہ متعدی ہے۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ قَالَ اپنے فاعل سے جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اگلی عبارت مقولہ ہے۔ لَوْ شرطیہ شَآءَ فعل ماضی مطلق۔ واحد مذکر۔ شَیْءٌ اجوف یائی اور مہموز اللام سے بنا ہے۔ بمعنی چاہنا۔ اَللّٰهُ اسم مفرد جامد اسم اعظم ہے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ شرط ہوئی۔ مَا عَبَدْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم۔ منفی ہے۔ عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنی عبادت کرنا۔ پوجا کرنا۔ مِنْ جارّہ بیانیہ دُوْنِ اسم ظرف مکانی بھی ہوتا ہے بمعنی نیچے۔ اسم جامد بھی ہوتا ہے۔ بمعنی مقابل۔ کم گھٹیا۔ سوا۔ علاوہ۔ یہاں اسم جامد ہے بمعنی سواہٖ ضمیر مضاف الیہ ہے اس کا۔ معرب ہوتا ہے اس لیے کبھی دونَ کبھی دونِ۔ یہاں مجرور مِنْ سے جار مجرور متعلق ہے۔ فعل کا مِنْ جارّہ زائدہ تاکید تنکیری استغراقی نفی کے لیے یعنی کچھ بھی۔ شَیْءٍ اسم مفرد نکرہ تاکید سے کلی نفی ہوئی بمعنی بالکل۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل تاکید کے لیے ہے عَبَدْنَا کی ضمیر جمع متصل کی کیونکہ مابعد کو عطف کرنا تھا اور متصل پر عطف نہیں ہو سکتا لہٰذا نَحْنُ منفصل لائی گئی۔ واؤ عاطفہ لا نافیہ زائدہ۔ آبَآءُ۔ اسم جمع مکسّر ہے اس کا واحد ہے اَبٌ بمعنی باپ دادے۔ یعنی پچھلا خاندان مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور منفصل ہے۔ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی معطوف ہے نَحْنُ کا اور تاکید تابع ہے نَا ضمیر متصل کی۔ واؤ عاطفہ۔ لَا حَرَّمْنَا۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم یہ ماضی لَا سے منفی ہوئی نفی کی شدت بیان کرنے کے لیے مانافیہ سے شدت پیدا نہیں ہوتی مصدر ہے تَحْرِیْمٌ بمعنی حرام کرنا۔ حُرْمٌ سے بنا۔ بمعنی دور ہونا۔ عزت والا ہونا۔ حرام ہونا۔ سختی سے منع کرنا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ مِنْ جارّہ بیانیہ دُوْنِ۔ اسم مفرد معرب جامد۔ بمعنی بغیر۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اللّٰه مِنْ زائدہ تاکیدیہ۔ شَیْءٍ اسم مفرد جامد نکرہ ہے مِنْ جارّہ تاکید استغراقی نے شَیْءٍ کی کلّی نفی کر دی یعنی کچھ بھی نہ بالکل نہ۔ یہ دونوں جار مجرو

متعلقِ اوّل اور دوم ہوئے لَاحَرَّمْنَا کے اور وہ جملہ فعلیہ ہوکر عطف مَا عَبَدْنَا پر ہوا کَذٰلِكَ۔ اِسم بسیط تشبیہی۔ کاف جارّہ کی وجہ سے مجرور ہوکر متعلقِ مقدّم ہوا فَعَلَ ماضی مطلق مثبت معروف کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر محلاً مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے فَعَلَ کا۔ فَعْلٌ مادّہ مصدر مُبْہَم سے بنا ہے بمعنیٰ مِنْ زائدہ قَبْلِ اسم ظرف زمانی بمعنیٰ پہلے۔ بَعْدُ کا مقابل۔ مضاف ہے معرَب ہوتا ہے جب مضاف الیہ ظاہر موجود ہو جیسے یہاں هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب جار مجرور مل کر متعلق ہوا مَوجودًا اسم مفعول پوشیدہ کا اور شبہ جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ فاعل ہوا فَعَلَ کا ف۔ حرفِ ابتدا ماقبت بمعنیٰ پس۔ هَلْ حرفِ استفہام نافیہ عَلٰی جارّہ۔ الف لام استغراقی یعنی تمام۔ رُسُلْ۔ اِسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے رسول مجرور ہے عَلٰی سے۔ اِلَّا حرفِ استثنیٰ مفرغ۔ کیونکہ مستثنیٰ منہ مذکور نہیں۔ بلکہ محذوف منوی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے فَهَلْ وَجَبَ عَلَی الرُّسُلِ اِلَّا نے وجوب کی نفیِ مطلق (عمومی) کو توڑا اور ایک شق میں یعنی صرف تبلیغ کو ثابت کیا۔ علٰی جارّہ وجوب کے لیے ہے۔ اَلْبَلَاغُ۔ الف لام اِستغراقی یا جنسی بَلَاغ۔ بروزنِ فَعَال۔ مصدر ہے ثلاثی کا متعدّی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی مگر یہاں متعدّی ہے کیونکہ بمعنیٰ اِبْلَاغٌ باب افعال سے ہے اور بابِ اِفعال ہمیشہ متعدّی بیک مفعول ہوتا ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ اِلَّا کے بعد مستثنیٰ ہے۔ موصوف ہے۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ مُبِیْنٌ۔ بابِ افعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ مصدر ہے اِبْیَانٌ۔ مُبْیِنٌ تھا بروزنِ مُکْرِمٌ۔ بمعنیٰ بیان کرنا۔ کھول کر سنانا۔ کھلم کھلا تبلیغ کرنا۔ ظاہر کرنا۔ پورا مکمل کرنا۔ بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ظاہر ہونا۔ سامنے ہونا۔ درمیان ہونا۔ یہ دونوں بلا تنوین الف لام کی وجہ سے ہیں مُبِیْنَ صفت ہے۔ موصوف صفت مل کر مستثنیٰ ہوا۔ جب کہ فَهَلْ وَجَبَ مستثنیٰ منہ ہے۔ اگرچہ حروفِ نافیہ بھی بہت ہیں اور حروفِ سوالیہ بھی مگر بیک وقت جس میں دونوں چیزیں جمع ہو جائیں وہ حرفِ هَلْ ہے۔ اِس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ نفی کی خبر اور استفہام سے تاکید پیدا ہو جاتی ہے۔ اردو میں ترجمہ اس طرح ہوگا بس یہی تو ہے۔ رہا۔ اس کے سوا کیا ہے۔ سوال اور نفی یعنی خبر اور انشاء کے اجتماع سے کلام میں تین چیزیں پیدا ہوئیں جو اِس جگہ اشد ضروری تھیں ۱۔ تاکید ۲۔ شدّت ۳۔ حصر۔ یہ بات هَلْ سے ہی حاصل ہوتی ہے لہٰذا یہاں یہی لفظ مفید ہے۔ مَا نافیہ یا استفہامیہ یا ہمزہ استفہامیہ سے یہ بات اور مقصد حاصل نہ ہوتا۔

تفسیر عالمانہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ فَاَصَابَهُمْ

سَیِّئٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ اے پیارے نبی آقاءِ کُل رحمتِ عالمین۔ جتنے بھی آسان اور نرم طریقے کسی کو سمجھانے کے ہو سکتے تھے اُن تمام طریقوں سے قرآن و حدیث کے ذریعے تم نے اِن کفارِ مکہ کو سمجھا دیا۔ پہلوں کا انجام بتا دیا ان کے ظلم آشکار کر کے اس کی جزا سزا سنا دی اُن کے اُجڑے گھروں ٹوٹی بستیوں کی نشان دہی بھی کر دی یہ خود بھی اِن کھنڈرات کو کئی دفعہ آتے جاتے دیکھ چکے ہیں۔ مگر یہ اب بھی اپنی بُری حرکتوں سے باز نہیں آتے تو سمجھ لیجیے کہ یہ صرف ذلت آمیز موت کے منتظر ہیں ان کی یہ حالت بتا رہی کہ اب یہ سوائے اِس کے اور کسی چیز کے منتظر نہیں کہ اُن کے پاس موت کے ہیبتناک فرشتے آئیں یا آپ کے رب تعالیٰ کا فیصلہ آ جائے۔ یہ حماقتیں اور بدتہذیبیاں جو یہ کفار کر رہے ہیں اِن سے پہلے کافر بھی کرتے رہے ہیں۔ اور جس قوم پر جو بھی مصیبت ٹوٹی یا عذاب آیا تو وہ اللہ نے ظلم نہ فرمایا۔ بلکہ ان کفار نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کے طومار توڑے۔ ظالم جب کسی پر مصیبت ڈھائے اور مظلوم اس مصیبت کا شکار ہو جائے تب وہ ظلم مظلوم پر ہوا۔ لیکن اگر مظلوم کو کچھ بھی نہ ہوا اور وہ صاف بچ جائے بلکہ اس کی عزت عظمت اور زیادہ ہو جائے تو یہ ظلم خود ظالم پر ہی پڑ جاتا ہے۔ اس طرح کہ ظالم ذلیل رسوا ہو جاتا ہے۔ حسد کی آگ ناکامی کی شرمندگی میں جلتا مرتا رہتا ہے۔ اور دنیا کی کوئی راحت اس کو آرام نہیں پہنچا سکتی۔ محققین فرماتے ہیں کہ نقصان دینے تین قسم کے ہیں۔

۱ ظالم۔ جس کو اپنے نفع سے غرض نہ ہو صرف دوسرے کا نقصان کرے اپنی اَنا اور خود غرضی کی خاطر۔ ۲ موذی۔ جس کی شرارتوں سے دوسرے کو نقصان پہنچ جائے۔ ۳ حاسد۔ جو اپنے فائدے اور نفع کے لیے دوسرے کا نقصان چاہے یا کرے۔ اور اُن میں سے جو بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے تو وہ خود اپنے پر ظلم کرنے والا۔ کُفارِ مکہ نے نبی کریم کی دشمنی میں قرآنِ مجید اسلام اور اللہ تعالیٰ کی گستاخیوں میں ظلم ایذا اور حسد ہر طرح سے معاندانہ مخالفانہ کام کیے مگر ہر میدان میں ناکام ہوئے اس لیے دنیا میں ذلیل اور آخرت میں معذّب ہوئے یہ نقصان اُن کو کسی دوسرے نے نہیں دیا بلکہ فَاَصَابَهُمْ سَیِّئٰتُ مَا عَمِلُوْا۔ ان کی اپنی ہی بدکرداری کی سزا اُن کو ملی۔ اور ایسی ملی کہ وَحَاقَ بِهِمْ۔ ان پر ہر طرح ابدی بلائی چھا گئی اب وہ کسی طرف سے کبھی بھی کسی طریقے سے بچ کر نہیں نکل سکتے۔ یہ مصیبت و ظلم خود اُن کا اپنا اِس لیے ہے کہ جس چیز کا مذاق اڑاتے تھے وہی عذاب اُن پر انتہائی دردناک ہیبت ناک طریقے سے وارد ہو گیا۔ لیکن عذاب سے پہلے انبیاءِ مرسلین کے سمجھانے کے باوجود تمسخرانہ طور پر یہی حال رہا کہ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ

مِنْ شَیْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ۔ ابتدا سے ہر کفر اور باطل فرقے کا یہ طریقہ رہا ہے کہ اولاً حق کا مقابلہ اپنے زور بازو سے کیا پھر جب اس سے مقصد پورا نہ ہوا بیہودہ گوئی بداخلاقی تمسخر سے مقابلہ کیا جب انبیاءِ کرام نے اس کو بھی اپنی خوش خُلقی سے برداشت کر لیا تو اپنے خود ساختہ دلائل سے جیتنے کی کوشش کرنی شروع کی لیکن جب باطل پرستوں کو یہاں بھی ذلت آمیز شکست ہوئی تو اپنے باپ دادوں کی پرانی مثالیں لے بیٹھتے۔ اور تاخیر عذاب کی ڈھیل کو اپنی سچائی اور رب تعالیٰ کی رضا سمجھتے۔ اسی کا یہاں ذکر ہے کہ بدعقل مشرکین۔ اللہ کی حکمت۔ رضا۔ مشیت۔ ارادے اور حکم میں فرق نہیں کرتے اور اس قسم کے تمام مشرکین یہی کہتے پھرتے ہیں کہ اگر یہ ہماری بت پرستی بری ہے اللہ کی مرضی کے خلاف ہے تو اللہ چاہتا تو خود ہی ہم کو کسی طریقے سے جبراً قہراً روک دیتا ہم اس کے غیر کی عبادت کر ہی نہ سکتے کچھ بھی۔ نہ ہمارے باپ دادے۔ وہ تو لمبی لمبی ہزار سالہ عمر تک شرک کرتے رہے ان کو تو کسی نے نہ روکا نہ ان پر عذاب آیا بہت ہی خوش خرم زندگی گزار کر دنیا سے چلے گئے۔ اور عبادتِ غیر اللہ کے علاوہ تو ہم نے بہت سی ایسی اشیاء خود اپنے اقوال سے اپنے پر حرام بھی کر لی ہیں اللہ کے کسی صاف ظاہر حکم کے بغیر۔ لیکن یہ بھی کافی زمانوں سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ اونٹ کی چربی کچھ بتوں کے نام پر چھوڑے ہوئے جانور بحیرہ سائبہ وصیلہ کچھ دیگر اشیاء۔ اگر یہ بھی بقول تمہارے اے انبیا کے گروہ۔ اللہ کے خلاف ہوتا تو وہ ہم کو منع کر دیتا یا زبردستی ہم کو روک دیتا۔ یا ہم میں ان بدعملیوں کی قوت وطاقت ہی نہ رہتی۔ مگر چونکہ ایسی کوئی رکاوٹ نہ ہوئی لہٰذا یہ سب کچھ شرک کفر اور اپنی مرضی جسے چاہیں حرام حرام کہدیں اللہ کی عین مرضی کے مطابق ہے اس بیہودہ استدلال کا نہایت شاندار جواب فرمایا گیا کہ تم غلط کہتے ہو کہ اللہ نے تم کو یا تمہارے بڑوں کا اپنی رضا سے یہ کرنے دیا تم کہتے ہو کہ ان بڑوں نے بھی شرک اختیار کیا تھا اور چیزیں حرام کی تھیں تو ان سے بھی اللہ راضی لہٰذا ہمارے شرک وحرام پر ہم سے بھی راضی ہے۔ یہی کلام جب تمہارے بڑوں بیہودوں باپ دادوں نے کیا تھا تو ان کو روکنے کے لیے بھی ہم نے اپنے انبیاءِ کرام بھیجے تھے اور جب تمہارے باپ دادوں نے مثل تمہارے انبیا کی بات نہ مانی تھی تو ہم نے ان پر عذاب بھیج کر ان کو فنا کر دیا تھا۔ ہمارے معظم رسولوں کا کام تو صرف ہمارا حکم پہنچا دینا ہے جو انہوں نے پہلے بہت شاندار طریقے سے کیا اور اب کر رہے ہیں۔ تم کو تمہارے باپ دادوں کا سب حال ان کی اجڑی بستیاں دکھا دی گئی ہیں۔ وہ عیش سے نہیں مرے بلکہ ذلت کی موت مرے رہا یہ کہ تم کو گناہ و شرک کی ہمت وطاقت ہی کیوں دی؟ تو اس لیے کہ تم اشرف المخلوقات ہو۔

تم جانور حیوان نہیں کہ نکیل ڈال کر تم کو گھسیٹا جائے یا کسی کے کیلے سے باندھ دیا جائے یا لگام ڈال کر مسخر کر دیا جائے اور تم اطاعت پر گھوڑوں گدھوں کی طرح مجبور ہو جاؤ۔ تم زمین میں ہمارے پیارے اور خلیفہ فی الارض ہو۔ تمہارے اعمال کی کچھ اہمیت اور قدر و قیمت ہے تمہاری زندگی قیمتی سرمایہ ہے تمہارے ایک ایک عمل کے لیے ہماری بارگاہ میں دس دس اور ستر ستر گنا۔ بلکہ پچاس ہزار اور لاکھوں گنا تک ثواب تیار ہیں۔ اور ثواب اسی عمل پر ہوتا ہے جو بندہ اپنے اختیار اپنی محبت پیار اور عشق الٰہی سے کرے اسی لیے تم کو عقل دل دماغ فہم فراست شعور۔ علم۔ فکر۔ تدبر کے ذریعے ذہن میں ہر اچھے برے فعل پر اختیار بخشا مارے باندھے کے کاموں پر ثواب نہیں ہوا کرتا۔ گدھے گھوڑے کتنی ہی محنت مشقت کی اطاعتِ مالک کریں ان کو کھانا دانا تو ملے گا آخروی ثواب نہیں ہے۔ انبیاء کرام یہی باتیں بتانے سمجھانے آتے ہیں کہ اے بندو اپنی اور اپنی زندگی و لمحاتِ زندگی اور چند سانسوں کی قدر پہچانو اور رب نے ہر قسم ہر طرح کے کام کرنے کی جو تم کو ہمت طاقت دی ہے اس کو غنیمت جانو شکر کرو پہلوں کا انجام دیکھو جو تمہارے پہلے باپ دادا کرتے اور بھگتتے رہے۔ اب بھی دامنِ مصطفٰے میں آجاؤ وقت کو غنیمت جانو۔ اپنے باپ دادا کی کفریہ شرکیہ سے اپنے ضمیر کو دھوکا مت دو۔ مشیتِ الٰہیہ اور رضاءِ الٰہیہ میں فرق سمجھو۔ جبر و قدر کے پیچیدہ مسائل میں اپنی عقل مت دوڑاؤ۔ اور اگر تم ہمارے پیارے نبی کی نبوت اور ان کی پیاری تبلیغ کے صرف اس لیے منکر ہوتے ہو کہ ان کی تبلیغی باتیں کوئی نئی نہیں ہیں وہی اَسَاطِيرُ الْاَوَّلِينَ۔ پرانے زمانوں کی باتیں۔ نوح و ابراہیم موسٰی و ہارون (علیہم السلام) جیسی باتیں۔ تو تمہاری دلیلیں بھی تو كَذَٰلِكَ الَّذِينَ مِن قَبْلِهِمْ ہیں۔ اپنے باپ دادوں جیسی احمقانہ اور باعثِ عذابِ الیم ہیں۔ ہمارے انبیاء پر تو پہلے بھی اور اب بھی فقط بَلَاغُ الْمُبِينُ ہی ہے۔ اگر ایسی ہی بری عادتوں سے تمہارے ان بڑوں پر عذاب آتے رہے تو تم کیسے بچ سکتے ہو۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کائناتِ عالم میں رب تعالیٰ کی ہدایت کا آخری دروازہ آقائے دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں۔ جس کو اس آستانۂ مقدس سے بھی ہدایت نہ ملی اس کو اور کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ ایسا انسان انتہائی بدنصیب ہے یہ فائدہ هَلْ يَنظُرُونَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نہ مان کر اُن کے دروازے سے ہٹ کر منہ موڑ کر صرف عذابِ الٰہی کا انتظار کیا جا سکتا ہے۔ ہدایت تو کہیں سے اب مل سکتی ہی نہیں۔ **دوسرا فائدہ۔** تمام انبیاء کرام علیہم السلام

اور خصوصاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم۔ تمام مخلوق سے بے نیاز ہیں اگر کوئی بھی ایمان نہ لائے تو بھی انبیاء کرام علیہم السلام کا کچھ نہیں بگڑتا یہ فائدہ اس جگہ اور قرآن مجید میں کئی جگہ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کو جس حال میں جہاں بھی رکھے وہ اُس کا عین کرم حکمت اور انصاف ہے کسی بھی تکلیف پر رب تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت نہیں کی جا سکتی۔ ہاں البتہ دنیوی تکالیف اور عذاب دنیوی یا اُخروی بندے کی اپنی سیاہ عملیوں بدکاریوں کی اور کفریات کی وجہ سے آتے ہیں۔ لہٰذا انسان اور خاص کر مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہر وقت اپنی نیکی بدی پر دھیان رکھے۔ نیکی پر شکرِ الٰہی اور بدی پر استغفار اور خوف و دہشت کرتا رہے یہ فائدہ وَمَا ظَلَمَهُمُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ فقہاءِ اسلام فرماتے ہیں کہ عقیدہ بد لنے اور بدعقیدگی سے کفر لازم آتا ہے بداعمالی اور گناہ سے کفر لازم نہیں آتا کوئی شخص عقیدہ کفریہ کرے اُس کے مطابق عمل کرے یا نہ کرے کافر ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ۔ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا (الخ) کی اُس تفسیر سے مستنبط ہوا جس میں اعمال سے یہاں مراد قلبی عقیدے ہیں۔ اور نیز لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا۔ والے عقیدے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ۔** حرامِ شرعی صرف وہ چیز ہو سکتی ہے جس کو اللہ رسول حرام فرمائیں اسی لیے ایک جگہ ارشاد ہوا۔ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ (الخ) سورت توبہ آیت ۲۹ کسی دوسرے انسان کے حرام حرام کہنے سے کوئی چیز حرام نہیں ہوتی یہ مسئلہ وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا اس سے وہ جاہل لوگ عبرت پکڑیں جنہوں نے ہر چیز کو حرام کہنے کی مشین کھولی ہوئی ہے۔ اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حرام کہنا۔ گویا اللہ کی مرضی اور اُس کی بات ہے اور شریعت کا حکم بن گیا۔ مجتہدین ائمہ اربعہ نے جن اشیاء کو حرام ثابت کیا ہے وہ قرآن و حدیث سے ہی ثابت کیا ہے خود حرام نہیں کہا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ كَذٰلِكَ لفظ تشبیہ ہے۔ اس سے پہلے والا جملہ مشبّہ ہے اور اس سے بعد دوسرے بعد والا جملہ مشبّہ بہ ہے۔ اور یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ مشبّہ اپنے مشبّہ بہ کے بالکل مشابہ ہونا چاہیئے۔ قول عمل اور اُس کے نتیجے میں۔ ورنہ یا تشبیہ غلط ہو گی۔ یا اگر نتیجہ مختلف ہو تو ظلم ہو گا۔ کہ بات دونوں نے کی لیکن سزا صرف ایک کو ملی۔ (آریہ)۔ اگر

موجودہ کفار نے بھی وہی کفریہ بات کی تھی تو ان پر وہ عذاب کیوں نہیں آیا جو پہلوں پر آیا یہ بیجا رعایت تو سراسر ناانصافی اور ظلم ہے۔ (دہریہ) جواب۔ اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ دنیا میں ہزاروں سزا دینے والوں کے لیے ہزار مواقع ایسے آتے ہیں جب کہ وہ ایک جیسی تعزیری سزا نہیں دیتے حالانکہ جرم ایک جیسا ہوتا ہے اور اس کو کوئی بھی قاضی جج اور منصف حاکم کا ظلم نہیں کہتا بلکہ اس کو دانشوری کہا جاتا ہے۔ ڈاکٹر حکیم لوگ ایک ہی طرح کے دو مریضوں کا مختلف علاج کرتے ہیں اور دونوں کو شفا ہو جاتی ہے۔ خود آریہ کا مذہب ہے کہ مرنے کے بعد آواگون ہو کر جون بدلتی ہے۔ اور دوسرے روپ میں انسان آ جاتا ہے اور گناہگار کتے بلے بندر کی شکل میں آتا ہے۔ حالانکہ ایک قسم کے گناہگار سب کے سب صرف ایک ہی قسم کے جانور بنتے۔ مگر مختلف جونوں میں آتے ہیں اور اس کو بھگوان کی حکمت سمجھا جاتا ہے۔ اگر معترض کی تشبیہ کو مدِ نظر رکھا جائے تو یہ بھگوان کا ظلم اور بے انصافی بنتا ہے جو تم اپنے بھگوان کو بچانے کے لیے جواب دو گے وہی یہاں سمجھ لو تحقیقی جواب یہ ہے کہ اولاً تو تشبیہ میں مکمل تشبیہ ضروری نہیں۔ صرف ایک چیز کا اتحاد بھی تشبیہ کے لیے کافی ہے۔ لہٰذا سابقہ کافر اور موجودہ کا نفسِ کفر میں آپس میں سب مشابہ ہیں مگر نوعیتِ کفر جداگانہ۔ اس لیے عذاب جداگانہ کسی کو آسمانی عذاب کسی کو زمین پر عذاب قتال جہاد کے ذریعے۔ جن پچھلی اُمتوں پر آسمانی عذاب آئے وہاں ایک حکمت یہ بھی تھی کہ وہ ساری قوم ہی کافر رہی سوائے چند ایک کے۔ اور اُس نبی علیہ السلام پر جہاد فرض نہ ہوا کیونکہ لشکرِ اہلِ ایمانی بنا ہی نہیں۔ لیکن جن انبیاءِ کرام کے پاس اہلِ ایمان کا لشکر بن گیا۔ اُن پر جہاد فرض اور وہ جہاد ہی کافروں کے لیے خدائی عذاب بن گیا۔ اور قتل ہو کر فوراً عذابِ قبر میں مبتلا ہو گئے۔ یہ جنگ شہدا کے لیے عذاب نہیں کہ وہ تو شہادت سے راحت میں چلے گئے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَحَاقَ بِهِمْ۔ یعنی حق آ گیا اُن پر وہ عذاب۔ لفظ حَاقَ تو حق سے مشتق ہے۔ اور حق اچھی چیز کو کہا جاتا ہے۔ باطل کے مقابل۔ تو یہاں بری چیز یعنی عذاب کے لیے حق کا لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟ قرآنِ مجید نے عذاب کو بئس یعنی برا فرمایا ہے جواب۔ یہ لفظ حیق سے بنا ہے لیکن اگر حقّ سے بھی مانا جائے تو حقّ کے لغوی معنیٰ میں غالب آنا۔ چھا جانا۔ سچائی اور صداقت کو بھی حق اس لیے کہتے ہیں کہ حقیقت میں وہی غالب ہوتا ہے۔ عذاب کو حق اسی لیے کہا گیا کہ وہ غالب آ جاتا ہے۔ مغلوب نہیں ہوتا۔ اگرچہ ظاہراً پتہ نہ لگے۔ نیز عذاب کافروں کے لیے بُرا فرمایا گیا۔ کفار پر عذابِ اللّٰہ آنا مومنوں کے لیے اچھا ہے جیسا کہ چور ڈاکو کی گرفتاری شرفاء کے لیے اچھی ہے خود ڈاکو کے لیے بری۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں پہلے بھی فرمایا گیا۔ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اور پھر دوسری جگہ فرمایا گیا۔

كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مگر اس کے بعد ہے وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ اور یہاں بعد میں ہے كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ پہلی آیت سے ثابت ہو رہا ہے ان پر عذاب آیا۔ اور دوسری آیت سے کفار سے درگزر کرنا ثابت ہو رہا ہے۔ **جواب** ۔ پہلا اس قسم کا جملہ اور عبارت خود رب تعالیٰ کا قول ہے کہ انہوں نے بھی ایسا کہا تھا لہٰذا ان پر عذاب کا آنا ظلم نہیں تھا۔ اور اب یہ دوسری عبارت خود کفار کا قول ہے۔ کہ جس طرح ہم اور یہ موجود کافر شرک کر رہے ہیں۔ اسی طرح ان سے پہلوں نے بھی شرک و حرام کیا تھا۔ اس وجہ سے یہاں عذاب کا ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی درگزر کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا وَحَاقَ بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۔ اہلِ شقاوت صرف اسی چیز کے منتظر ہیں کہ اُن کے پاس سَوطِ عذاب کے صدائے غیبی کے ظلمات آئیں۔ یا قہرِ بُعد کا فیصلۂ ربانی آ جائے۔ بدباطن نفوس نے فسادِ جسمانی میں یہی اَعمالِ ظلمت کئے۔ شریعت کی عبادت طریقت کی ریاضت والی بندشوں پابندی یہ رب کا ظلم نہیں۔ ظلم تو اَشقیا نے ان پابندیوں سے ہٹ کر خود اپنی جانوں پر کیا لہٰذا ان کو موتِ نفسانی کی بُرائی شقاوت کی بدبختی پہنچی۔ اور عقلِ سلیم قلبِ صمیم کے جن مُراقبوں کا نفسِ شیطانی مذاق و انکار کرتے تھے۔ اُسی کی کثافت نے اِن کو ابدی سزا میں گھیر لیا۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ نَّحْنُ وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُوْنِهٖ مِنْ شَيْءٍ ؕ كَذٰلِكَ فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ۔ خواہشاتِ دنیا کے دنیا پرست مشرکوں نے کہا کہ اگر رب تعالیٰ چاہتا تو ہم دنیا پرستی اور خواہشاتِ نفسی نہ کرتے کچھ بھی نہ ہم نہ ہمارے باطنی آباؤ اَجداد قلبی رحجان و ارادے اور نہ ہم دنیا سازی سیاست بازی کے لیے اپنی مرضی سے نئی نئی راہیں جائز و ناجائز تجارت کی کھولتے یہ سب کچھ دنیا بنانے والے خالق تعالیٰ کی رضا سے ہم کر رہے ہیں۔ ندائے غیبی سے قلب محبوب پر جواب آتا ہے کہ یہی بدعملی اُن سے پہلے بدکاروں نے بھی کی تھی اُن کے پاس بھی عقل و ضمیر کے پیغامِ اِسرار مبعوث تھے۔ ضمیر کی آواز نے سمجھایا تھا۔ تو ضمیر و قلب و عقل و خرد کے باطنی اَسرار کا کام تو کھلا کھلا پہنچانا ہی ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب بندہ طلبِ مولیٰ بن کر توفیق کا لباس اور سعادت کا زیور پہن کر خلوتِ مراقبہ کے حُجلۂ عروسی میں خود کش رہتا ہے۔ تو ضمیر شوق کا زوجِ باطنی سینۂ اسرار کے پردے اٹھا کر قلب مستور کو جگاتا ہے اُس وقت بندہ دنیا کی تمام فکروں اُلجھنوں پریشانیوں سے بے نیاز ہوتا ہے طالبِ حق کے لیے حیاتِ دنیوی کا یہ عظیم و عجیب سرور بخش مؤثر ہوتا ہے اور بندہ سمجھ جاتا ہے کہ مجھ کو اسی دن کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ

اور البتہ بیشک بھیجا ہے ہم نے بیں ہر اُمت ایک رسول اس لیے کہ تم لوگ عبادت کرو اللہ کی

اور بیشک ہر اُمت میں ہم نے ایک رسول بھیجا کہ اللہ کو پوجو

وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ

اور بچو تم سب بتوں سے تو کچھ اُن میں وہ ہیں جن کو ہدایت دی اللہ نے اور

اور شیطان سے بچو تو اُن میں کسی کو اللہ نے راہ دکھائی اور

مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ ؕ فَسِیْرُوْا فِی

کچھ اُن میں وہ کہ لازم ہوئی پر اُن گمراہی تو سیر کرو میں

کسی پر گمراہی ٹھیک اُتری تو زمین میں چل پھر کر

الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ﴿۳۶﴾

زمین پس آنکھوں سے دیکھو کیسا ہوا تھا انجام جھٹلانے والوں کا

دیکھو کیسا انجام ہوا جھٹلانے والوں کا ،

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ مَنْ

اگر تم قلبی محبت سے چاہو پر ہدایت اُن کی پس بیشک اللہ نہیں ہدایت دیتا اُس کو

اگر تم اُن کی ہدایت کی حرص کرو تو بیشک اللہ ہدایت نہیں دیتا جسے

یُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ﴿۳۷﴾

گمراہ کرتا ہے جس کو اور نہیں ہے لیے اُن کے کوئی بھی مددگار

گمراہ کرے اور اُن کا کوئی مددگار نہیں

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں انسانوں کے دو گروہ کا ذکر ہو رہا ہے ۔ اب یہاں وجہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ دو گروہ کیوں بن گئے ۔ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللّٰهُ ۔ نے یہ اشارہ فرمایا ہے

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفار کے ان کاموں کا ذکر ہوا جو وہ خود کرتے رہے اور اُن کی وجہ سے ظالم کافر ہوئے ۔ اب اِن آیات میں رب تعالیٰ اُن کو ایک عمل کا حکم فرما رہا ہے جس کی وجہ سے وہ پھر خوفِ الٰہی اور نیکی میں آسکتے ہیں اور برائی و ظلم سے بچ سکتے ہیں ۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ ہمارے پیارے رسولوں پر صرف احکامِ الٰہیہ قرآن و حدیث کا پہنچا دینا لازم ہے کسی کے ایمان لانے کی ذمے داری اُن پر نہیں ۔ اب اِن آیتوں میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے پیارے حبیب آپ کسی کے ایمان کی اتنی حرص نہ فرماؤ کہ اپنے آپ کو ہی مغموم کر لو اللہ آپ کے گستاخوں کو کبھی ہدایت نہ دے گا ۔ اور نہ کوئی دنیا و آخرت میں اُن کا مددگار ہو ۔

شانِ نزول ۔ ابنِ جریر اور ابن ابی حاتم نے ابوالعالیۃ تابعی سے روایت کی کہ ایک مشرک کی ایک مسلمان سے قرض کے لین دین پر کچھ بات ہوئی دورانِ گفتگو مسلمان نے کہا اُس رب کی قسم جس سے میں مرنے کے بعد ملنے کا یقین رکھتا ہوں میں اپنا قرضہ تجھ سے ضرور وصول کر لوں گا ۔ تو کافر نے قسم کھائی کہ اللہ ہرگز مردے زندہ نہیں کر سکتا ۔ تب یہ تین آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۳۶ تا آیت ۳۸ ۔

تفسیر نحوی وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنْهُم مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُم مَّنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ ۔ واؤ سرِ جملہ ۔ لامِ کئے ۔ تاکیدیہ تحقیقیہ قَدْ بَعَثْنَا باب فتح کا ماضی قریب مثبت معروف صیغہ جمع متکلم ۔ مخاطب ذات بابرکات جَلَّ مَجْدُهُ ہے ۔ بَعْثٌ سے بنا ہے کسی کو کسی بڑی ذمے داری کے ساتھ بھیجنا ۔ یا سختی سے کسی کو اٹھانا ۔ فی جارہ مکانی ظرفیت کے لیے ۔ كُلِّ اسم تاکیدی اُمَّةٍ ۔ اسم مفرد جامد اس کا جمع ہے اُمَم ۔ یہ نکرہ عمومی ہے ۔ یعنی ہر گروہ ہر جماعت ہر آل ۔ مضاف الیہ ہے كُلِّ یہ مرکب مجرور ہے فی سے ۔ اور متعلق ہے قَدْ بَعَثْنَا کا ۔ رَسُولًا ۔ اسم مفرد صفت مشبہ بمعنیٰ اسم مفعول مُرْسَل ۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے قَدْ بَعَثْنَا کا ۔ اَنِ ۔ حرفِ ناصبہ بمعنیٰ اَیْ تفسیریہ ترجمہ ہوا یعنی اس لیے کہ ۔ یا اَنْ مصدریہ ہے ۔ تب معنیٰ ہوگا ۔ رسول بھیجا ہم نے عبادت کرانے کے لیے ۔ دوسرے معنیٰ قوی ہیں ۔

اُعْبُدُوا - بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اِس کا فاعل عَبْدٌ سے مشتق ہے - بمعنیٰ اطاعت - حکم پر چلنا - فرماں بردار - پوجا - یہ لغوی تراجم ہیں مگر منقول شرعی میں کسی کو ذاتی مستحق سمجھ کر اُس کی عزت اور فرمانبرداری کرنا عبادت اور عطائی مستحق سمجھ کر کرنا اِتباع ہے - عبادت اور عبودیت دونو مصدر ہیں مگر تین طرح فرق ہے - اوّل یہ کہ رب تعالےٰ کی نسبت سے اُس کا نام عبادت اور بندے کی نسبت سے عبودیت دوم یہ کہ کرنے سے پہلے عبادت نام ہے اور کرتے وقت یا کرنے کے بعد اُس کا نام عبودیت سوم یہ کہ عبادت عام ہے ہر فرماں برداری کو - یہاں تک کہ مومن کا سونا جاگنا - کھانا - پینا - سب عبادت - مگر عبودیت صرف پرستش - پوجا - سجدہ ریزی کا نام - یہ حقیقی فرق ہیں لیکن مجازاً عبودیت کو بھی عبادت کہدیا جاتا ہے - اَللّٰہَ اسم مفرد جامد - نام ذاتی ہے باری تعالیٰ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اُعْبُدُوا کا - فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ اَنْ مصدریہ کے لحاظ میں مفعول لہٗ ہے قَدْ بَعَثْنَا کا - اور اَنْ تفسیریہ کی صورت میں مفسّر ہے پورے کلام سابقہ کا - واوٗ عاطفہ اِجْتَنِبُوْا - بابِ اِفتعال امر حاضر معروف جمع مذکر - مصدر ہے - اِجْتِنَابٌ - بمعنیٰ - پرہیز کرنا - دور رہنا - بچنا - نفرت کرنا - یہاں ہر معنیٰ درست ہے - جَنْبٌ سے بنا بمعنیٰ ایک کروٹ ہونا - علیحدہ رہنا - اِسی معنیٰ میں مسافر کو اجنبی اور پلید کو جُنبی کہا جاتا ہے - الف لام استغراقی ہے اگر طاغوت کو حکمی جمع مانا جائے اور الف لام عہدی ذہنی ہے اگر طاغوت کو لفظاً واحد مانا جائے - طَاغُوْتَ - اسم مفرد جامد - جنسی لفظ ہے لہٰذا یہ واحد جمع مذکر - مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے - اس کا معنیٰ - بُت یا شیطان - بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے - اُعْبُدُوا اللّٰہَ پر - فَ - حرفِ تعقیب یا حرفِ تعلیل یعنی بَعَثْنَا کے بعد یا بَعَثْنَا کے ذریعہ یا وجہ سے - مِنْ جارہ تبعیضیہ - ھُمْ - ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل اِس کا مرجع عام لوگ یا ہر نبی علیہ السّلام کی قوم - مَنْ اسم موصول بحالتِ رفع فاعل ہے پوشیدہ فعل یَکُوْنُ - یا کَانَ کا - در اصل عبارت اس طرح تھی فَیَکُوْنُ مِنْھُمْ مَّنْ (الخ) - مِنْھُمْ جار مجرور اسی پوشیدہ مضارع فعل تامہ یا ماضی کا متعلق ہے ہَدٰی بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اَللّٰہُ اِس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے مَنْ کا پھر فاعل ہے پوشیدہ کا ھُدیٰ سے بنا ہے بمعنیٰ - منزلِ ایمان تک پہنچانا - واوٗ عاطفہ مِنْ جارہ تبعیضیہ - ھُمْ ضمیر کا مرجع وہی قومِ نبی علیہ السّلام مجرور - اِس جار مجرور کا عطف ہے ماقبل مِنْھُمْ پر - مَنْ اسم موصول بحالتِ رفع معطوف سابقہ مَنْ پر - حَقَّتْ - بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب حُقُوْقٌ مضاف ثلاثی سے بنا ہے - بمعنیٰ - صحیح ہونا - مضبوط ہونا - مطابق ہونا -

ٹھیک نشانے پر پڑنا ثابت ہو جانا۔ چھا جانا۔ یہاں یہ آخری معنی زیادہ مناسب ہیں۔ بعض اہل لغت نے اس کا ترجمہ کیا ہے دھنس جانا۔ علیٰ جارہ فوقیت کے لیے ہ ضمیر مجرور متصل۔ اس کا مرجع مَنْ ہے۔ متعلق ہے حَقَّتْ کے۔ الف لام عہدِ خارجی یا جنسی۔ ضَلَالَۃُ۔ اسم مصدر ثلاثی بروزنِ فَعَالٌ۔ آخر میں ۃ مصدریہ ہے۔ بمعنیٰ گمراہ ہونا۔ گمراہ کرنا۔ یہاں اسم جامد حاصل مصدر ہے۔ یعنی گمراہی۔ اس کا مادہ ضَلَلٌ۔ مضاف ثلاثی بحالتِ رفع ہے فاعل ہے حَقَّتْ کا۔ حَقَّتْ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ کا فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ فَ تعلیلیہ سِیْرُوْا۔ بابِ ضَرَبَ کا امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر۔ سَیْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھرنا۔ چکر لگانا گھومنا پھرنا۔ چلتے ہوئے آس پاس دیکھتے جانا ہلکی چال۔ اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفارِ مکہ یا سارے لوگ ہیں۔ فِیْ جارہ ظرفیہ۔ الف لام عہدِ خارجی ارض اسم مفرد جامد مؤنث لفظی۔ مجرور ہے متعلق ہے سِیْرُوْا کا۔ فَ تعقیبیہ۔ اُنْظُرُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر۔ نَظْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غور کرنا۔ آنکھ سے دیکھنا۔ دل دماغ کو حاضر کر کے دیکھنا۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا مرجع کفارِ مکہ۔ کَیْفَ۔ اسم غیر متمکن مبنی۔ مُبْهَم۔ ظرفِ مجازی۔ سوالیہ ہے کبھی شرطیہ بھی ہوتا ہے۔ بیانِ حالت یا سوالِ حالت یا تعلیق حالت کے لیے ہوتا ہے۔ محلاً منصوب ہے خبرِ مقدم ہے کَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق کی۔ صیغہ واحد مذکر غائب عَاقِبَۃُ۔ اسم مفرد جامد۔ یا مشتق اسم فاعل مؤنث عَقْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیچھے ہونا۔ بعد میں ہونا۔ آخر میں ہونا۔ مراد ہے انجام۔ نتیجہ۔ مضاف ہے۔ الف لام استغراقی۔ مُکَذِّبِیْنَ باب تفعیل کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے تَکْذِیْبٌ۔ بمعنیٰ جھٹلانا۔ کسی کو جھوٹا کہنا۔ مجرور ہے مضاف الیہ ہے عاقبت کا یہ مرکب اضافی اسم ہے کَانَ ناقصہ کا اور پورا جملہ فعلیہ ناقصہ مفعول بہ ہے اُنْظُرُوْا کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوا سِیْرُوْا کا۔ اِنْ۔ حرفِ شرط۔ تَحْرِصْ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر مخاطب اس میں مستتر ہے۔ حِرْصٌ۔ یا حَرَصٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ کسی چیز کی زیادتی ہونا۔ خواہش اور تمنا کی زیادتی کو لالچ کہتے ہیں اگر صرف اپنا مفاد ہو تو طمع ہے۔ اگر اپنا بھی غیر کا بھی یا فقط غیر کا مفاد ہو تو حرص ہے بری چیز کے لیے ہو تو جائز ہے۔ علیٰ حرفِ جر استعمال کے لیے ھُدٰی۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر ہے۔ بمعنیٰ ایمان نصیب ہونا۔ ہدایت ملنا ھُمْ ضمیر کا مرجع کفارِ مکہ مضاف الیہ ہے ھُدٰی کا۔ اور مرکب اضافی مجرور ہے علیٰ سے متعلق ہے تَحْرِصْ۔ مضارع مجزوم ہے اِن شرطیہ سے۔ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ مشبہ شروع کلام میں ہے اَللّٰہَ اسم

مفرد منصوب اسم ہے اِنَّ کا۔ لَا یَہْدِیْ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بلا۔ صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر اس میں مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللہ ہے فعل حال کے معنیٰ میں ہے مَنْ اسم موصول بحالت فتحہ مفعول بہ ہے لَا یَہْدِیْ کا یُضِلُّ۔ باب اِفعال کا مضارع مثبت معروف۔ دراصل تھا یُضْلِلُ۔ لام کا لام میں ادغام کیا گیا کیونکہ دونوں ہم جنس اور ہم مخرج ہیں۔ لام کا مخرج زبان کا کنارہ نوک اور سامنے کے اوپر والے دو دانت کی جڑ تالو میں پوشیدہ۔ ان کو ضواحک کہتے ہیں کیونکہ ہنسی میں کھلتے ہیں۔ ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا لازم ہے اِفعال نے متعدی کیا بمعنیٰ گمراہ کرنا۔ واو حالیہ یا سرِ جملہ۔ ما نافیہ مشبہ بلیس۔ لام جارہ نفع کے لیے ھُمْ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے جو لفظاً واحد مگر معناً جمع ہے ھُمْ ضمیر میں معنیٰ کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ نکرہ کے لیے بمعنیٰ کوئی۔ نٰصِرِیْنَ۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر۔ بحالت کسرہ ہے مِنْ سے۔ اس کا واحد ہے نَاصِرٌ۔ نَصْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ اپنے حساب اور اپنی اہلیت کے بِنا پر کسی کی مدد کرنا۔ بحالت کسرہ ہے۔ مِنْ جارہ ہے۔ لَھُمْ اور مِنْ دونوں جار مجرور متعلق ہیں مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کے اور وہ شبہ جملہ ہو کر اسم ہوا مَا نافیہ کا اور اس کی خبر محذوف ہے۔ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ۔ یہ جملہ صلہ موصول سے جڑ کر خبر ہے مَا کی ایک قول میں مِنْ جارہ زائدہ لغو ہے۔ اور نٰصِرِیْنَ۔ خبر ہے اِنَّ کی یہ مرکب زیادہ آسان ہے۔ کیونکہ پوشیدہ خبر مجازاً صفت بن جاتی ہے۔ ما موصولہ حال سابقہ مَنْ کا۔ اور وہ مفعول بہ اور پھر لَا یَہْدِیْ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے شرط کی۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ اجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَ مِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ ۔ کفارِ مکہ کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ دادا اسی طرح شروع سے کرتے چلے آ رہے ہیں اور یہ بت پرستی کا دین بہت زمانوں سے جاری ہے آج تک کسی نے اس کو بُرا نہ کہا نہ کسی نے منع کیا نہ کسی طرح سے اللہ نے روکا نہ اللہ کے نزدیک یہ بُرا ہے اگر یہ بُرا ہوتا تو اللہ ہم کو نہ کرنے دیتا۔ کفار کی یہ باتیں سراسر جھوٹ اور کذب بیانی پر مبنی ہیں ورنہ تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے یہ بھی جانتے سمجھتے ہیں کہ البتہ بیشک ہم نے ابتداء سے آج تک ہر انسانی گروہ قبیلے اور قوم و اُمّت میں ایک ایک رسول بھیجا۔ اور ہر رسولِ مکرم و معظم نے سب لوگوں سے ایک ہی تبلیغ فرماتے ہوئے فرمایا کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ اور ہر طاغوت یعنی سرکش ملعون اور گمراہ کرنے والے اور دامن نبوت عظمت انبیا اولیا سے دور رکھنے والے شیطان سے بچو ایک طرف رہو۔ تو ہمیشہ سے ہی

ایسا ہوتا چلا آرہا ہے کہ نہ سب نے دعوتِ انبیاء کا انکار کیا نہ ہی سب نے اقرار کیا بلکہ بہت سے ان میں ایسے ہوئے کہ انہوں نے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پیغام ربانی کو عقلِ سلیم اور تاریخی مناظر و مشاہد کی روشنی میں تدبر و تفکر سے سوچا تو ان کو ربِ کائنات نے اپنے فضل و کرم سے ہدایت عطا کی۔ اور بہت سے ایسے بدنصیب ہوئے کہ ان کی غرور و تکبر والی نفسانی شیطانی طبیعت نے ان کو حقیقت کو سوچنے سمجھنے کا موقعہ ہی نہ دیا۔ اور انبیاءِ عظام کو غریب و حقیر سمجھتے ہوئے ہمارے پیارے نبیوں کا مذاق ہی اڑاتے رہے۔ اور اللہ کے دین نبی کے دامن مخلصین کی صحبت اولیاء اللہ کی محفلوں سے دور ہٹنے کے لیے طرح طرح کے بہانے قسم قسم کی دلیلیں بناتے رہے یہ وہی لوگ تھے جن پر ازل سے ہی لعنت کی پھٹکار اور دُور کی گمراہی لاحق ہو چکی تھی۔ اے موجودہ کافرو تم کیسے کہتے ہو کہ تمہارے سارے ہی باپ دادا بت پرست رہے۔ وہ بھی تو تمہارے ہی آباؤ اجداد تھے جو فوراً بارگاہِ رسالت کے جانثار ہو گئے۔ اور وہ بھی تمہارے ہی باپ دادا تھے جو کافر ہی رہے لیکن ہم نے کسی کو ایسے ہی نہیں چھوڑ دیا۔ بلکہ آئندہ نسلوں کے لیے ہم نے نیکوں کی نیکی کا اور بروں کی برائی کا پورا پورا نشان قائم فرما دیا۔ لہٰذا فَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ ذرا زمین میں نکل کر سیر کر کے تو دیکھو۔ تو جگہ جگہ ہمارے سابقہ انبیاءِ کرام ان کی تبلیغ۔ قانون اور شریعت و کتاب کو جھٹلانے والوں کا بھی انجام دیکھ لو۔ اور ہمارے پیاروں کے آستانے اور مزارات بھی دیکھ لو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کفار کا یہ کہنا کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے اگرچہ حقیقتاً درست ہے مگر چونکہ کفار کا منشا اس کلام سے انبیاءِ کرام کا مذاق اڑانا اور نبوت کو بیکار اور جھوٹا سمجھنا تھا اس لیے کفار کا یہ قول کفر قرار دیا گیا۔ خیال رہے کہ طاغوت ہر اس چیز کو کہتے ہیں جو بندے کو دینِ الٰہی اور اللہ رسول سے دور کرے خواہ وہ شیطان ہو یا اس کی ذریت یا بُت ہوں یا بت پرستی کرانے والے پنڈت پادری وغیرہ۔ انسانی بت کی پرستش حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئی اور جانوروں کی پوجا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے اور درختوں کی پوجا حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے سے۔ اور آسمان و کواکب کی پوجا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے آگ کی پوجا عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے سے آگ کا پہلا پجاری زرتشت تھا۔ یہ سارے مل ملا کر تقریباً تین سو ساٹھ طاغوت بنتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)۔

اِنْ تَحْرِصْ عَلٰى هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِىْ مَنْ يُّضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ اے پیارے نبی جانِ کائنات رحمۃ عالمین۔ قانونِ ازلی ہے کہ ہدایت کا انمول موتی نہ جبر سے دیا جاتا ہے نہ قہر سے نہ کسی کی نرمی دل سے۔ اور ایسی جبری قہری ہدایت کا فائدہ بھی کوئی نہیں۔ ہدایت تو منزلِ شوق کا راستہ ہے۔

بغیر چاہت اور طلب کے نہیں دی جا سکتی ۔ اے نبی تم تو سراپا رحمت ہو ہر شخص کی ہی فلاح و ہدایت پر قلبی حرص و خواہش رکھتے ہو ۔ لیکن یہ کفار مکہ اور سرداران قریش اتنے سخت بدتہذیب اور آپ کے گستاخ بے ادب بے نصیب جندی ہٹ دھرم ہیں کہ اگرچہ ہم کو تسلیم کرتے ہیں مگر اے نبی تم کو مجنون وغیرہ کہتے ہیں اور وحی کو اساطیر کہہ کر مذاق کرتے ہیں لوگوں کو دین سے روکتے ہیں اپنے عقیدوں کو اچھا اور اسلام کو برا کہتے ہیں ۔ ان بدبختوں کی ہدایت پر اگرچہ تم حرص کرو تو بھی بیشک اللہ تعالیٰ اپنے قدیمی قانون کے مطابق اس کو کبھی بھی ہدایت نہیں دے گا جس کو گمراہی میں بھٹکتا چھوڑ دیتا ہے ۔ اور ایسے لوگوں کیلئے دنیا و آخرت میں کسی طرح کا کوئی مددگار نہیں ۔ نہ دنیا میں توفیق خیر دے کر گمراہی سے کوئی بچا سکے نہ آخرت میں اللہ کے عذاب سے کوئی چھڑا سکے ۔ اس لیے کہ جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ فرمالیتا ہے تو پھر کسی کی مجال نہیں جو اس کو بچالے ۔ اس فیصلہ کے بعد تو کسی کی حرص ۔ خواہش دعا التجاء کوئی بھی کارآمد نہیں ۔ اور ایسے شخص کی نشانی یہ ہوتی ہے کہ کسی وقت بھی کسی کا سمجھانا اس کو درست یا نرم دل نہیں کرتا ۔ کسی کی نصیحت یا میٹھی اچھی بات اس پر اثر نہیں کرتی ۔ تند خو ۔ مغرور اور گستاخ بنا رہتا ہے ۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کی عبادتوں میں سب سے بڑی اور ابتدائی ۔ پہلی عبادت ایمان لانا ہے ۔ اگرچہ یہ ایمان قبول کرنا دل کا کام ہے ثابت ہوا کہ دل کے اعمال بھی عبادت ہیں اور صرف قلبی خیالات پر ثواب ملے گا ۔ اور یہ اللہ کا کرم ہے کہ برے خیالات پر رب تعالیٰ پکڑ نہیں فرمائے گا مگر اچھے خیالات اور ارادوں پر ثواب ضرور ملے گا ۔ بلکہ اچھے خیالات تصورات اور ذہنی ریاضت پر تو ولایت غوثیت قطبیت بھی مل جاتی ہے ۔ یہ فائدہ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔ اس لیے کہ انبیاء کرام کافروں کو ایمان ہی کی دعوت دیتے ہیں کفار پر ایمان والی عبادت ہی فرض ہے ایمان لانے اور قلبی عقیدے ارادے درست کرنے کو ہی عبادت قرار دیا گیا ۔ اس کی نافرمانی پر ہی کفار کو عذاب ہوگا ۔ ورنہ کفار دنیا میں بحالت کفر نماز روزے کے مکلف نہیں ۔ **دوسرا فائدہ** ۔ چونکہ ایمان اور عبادات اسلامیہ بہت اہم ہیں اور اللہ نے تمام انبیاء کرام کو اسی مقصد کے لیے مبعوث فرمایا ہے لہٰذا اچھوں کی صحبت میں بیٹھنا اور بروں سے بچنا نہایت ضروری اور فرائض اسلامیہ میں داخل ہے یہ فائدہ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ کوئی شخص اپنے ذاتی علم عقل اور لیاقت پر بھروسہ نہ کرے اسی بھنور میں بڑے بڑوں کو ڈوبتے دیکھا گیا ہے ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ کسی شخص کا بدنصیب رہنا اور انبیاء اولیاء علماء ۔ قرآن و حدیث سے فیض اور ایمان نہ پانا ۔ تبلیغ اور تقریر وعظ و نصیحت یا علماء اولیاء اللہ کا قصور نہیں ۔ یہ نافرمان کی اپنی بدقسمتی ہے ۔ اس لیے نہ تبلیغ بند کرنی چاہیئے نہ اسلامی شریعت اور مسائل میں نرم طریقہ یا تبدیلی یا

وقتی رکھو رکھاؤ یا کسی کا لحاظ مروت ہو۔ اسلام میں جتنی نرمی ہونی چاہیے تھی وہ اللہ نے خود ہی فرما دی ہے۔ اب بندے کے اختیار میں نہیں ہے یہ فائدہ۔ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ کی تفسیر سے حاصل ہوا کسی موقع پر کسی کافر پر کسی کافر کا زمی کا مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا۔ اس سے وہ لوگ اور موجودہ پیری کا دھندہ کرنیوالے عبرت پکڑیں جو سیاسی طور پر اور مریدوں کی تعداد بڑھانے کیلئے خود اور مریدوں کو بدلنے کی کوشش نہیں کرتے اسلام کو ہر طرح اپنی مرضی کا بنانا چاہتے ہیں اور اسی قسم کے مولوی اور مفتی اپنے لیے منتخب کر لیتے ہیں۔ اسی طرح پہلے بادشاہ کرتے تھے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جن سفروں کا اسلام اور قرآن میں رب تعالیٰ نے اور حدیث پاک میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے اور اس حکم کی وجہ سے جو سفر کفار پر ضروری اور مسلمانوں پر واجب و لازم ہو گئے ہیں اُن سفروں میں عذاب شدہ بستیاں دیکھنا عبرت پکڑنا توبہ استغفار میں بھی یہ شامل ہیں یہ مسئلہ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ الخ میں اُنْظُرُوْا امر فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس اعتبار سے تُشَدُّ الرِّحَالُ میں بھی یہ شامل ہے۔ **دوسرا مسئلہ۔** مسلمانوں کو دنیوی علوم خاص کر علم تاریخ اور علم جغرافیہ اور ہر زمانے کی سواری چلانے کا علم مثلاً پہلے زمانے میں گھوڑے اونٹ چلانے کا علم ہنر اور مشق اور آج کل ہوائی جہاز ریل۔ کار۔ بس ٹینک۔ اور بحری جہاز کی ڈرائیوری سیکھنا واجب اور ضروری ہے۔ یہ مسئلہ بھی فَانْظُرُوْا والی آیت اور اس کی امریت و حکمتِ باطنی سے مستنبط ہوا۔ اس کی مزید وضاحت ہماری کتاب اسلام کی عالمگیر خوبیاں میں پڑھیئے۔

تیسرا مسئلہ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیوی کاموں میں حرص کرنا حرام ہے۔ لیکن دینی کاموں میں حرص عین جائز بلکہ واجب ہے اور دنیوی حرص پر عذاب ہے تو دینی کاموں میں حرص کرنے پر ثواب ہے۔ یہی حکم لالچ کا ہے۔ یہ مسئلہ اِنْ تَحْرِصْ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاسکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ الخ زمین میں خوب ہر طرف چلو پھرو جاؤ سفر کرو۔ اور حدیث پاک میں ہے لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰى ثَلٰثَةٍ تین مسجدوں کے علاوہ کسی اور طرف سفر نہ کرو۔ ان دونوں میں مطابقت کیسے ہو۔ **جواب۔** مطابقت بہت آسان ہے یا اس طرح کہ آیت میں کفار کو عبرت کے لیے سفر کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اور مسلمانوں کو فضول سفروں سے روکا جا رہا ہے۔ یا اس طرح کہ آیت میں سیر کا حکم ہے جو صرف عبرت پکڑنے اور دینِ اسلام کی طرف راغب ہونے کے لیئے اور حدیث پاک میں سفر سے ممانعت کی جا رہی ہے۔

سیر میں وہ جگہ دیکھنی مقصود ہوتی ہے مشقت نہیں ہوتی۔ سفر میں اصل غرض ذاتی کام اور مشقت ہوتی ہے جس سے وہ کسی جگہ کو غور سے نہیں دیکھ سکتا۔ نیز حدیث پاک میں دوسری مسجدوں کو دیکھنے زیارت کرنے کی غرض میں سفر سے منع فرمایا گیا قابل زیارت صرف یہ تین مسجدیں ہیں۔ باقی دنیا کی سب مسجدیں برابر ہیں۔ بس اپنی مسجد کی ہی پانچ وقت زیارت کرو۔ اس سے تبلیغی وہابیوں کو عبرت پکڑنی چاہیئے جو اپنی نور مسجد کو مسجدِ نبوی سے بھی افضل سمجھتے ہیں۔ (معاذ اللہ) اور لوگوں کو اپنی مسجد کی زیارت کی ترغیب دیتے ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِنْ تَحْرِصْ عَلٰی هُدٰىهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ یعنی اے نبی تم اگرچہ کفار کی ہدایت پر حرص فرماؤ مگر بیشک اللہ اُن کو ہدایت نہیں دے گا۔ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم بالکل کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے۔ اور تمام علماءِ اسلام فرماتے ہیں کہ ہدایت نام ہے کفر کی ظلمت سے نکال کر اسلام کے نور میں لانا۔ اور یہ ہدایت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دینا ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَیْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ سورۂ ابراہیم آیت ۱ اور سورتِ شوریٰ آیت ۵۲ میں ارشاد ہے وَاِنَّكَ لَتَهْدِیْۤ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت دیتے ہیں ان میں مطابقت کس طرح ہو۔

جواب۔ دراصل ہدایت چھ قسم کی ہے۔

۱ قربِ الٰہی کی منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ ۲ دل میں دین کی محبت ڈالنا۔ ۳ توفیقِ خیر اور حالات سازگار ہونے۔ ۴ منزلِ مقصود کے راستے تک لے آنا۔ ۵ راستہ دکھا دینا۔ ۶ راستے پر چلانا۔ پہلی تین ہدایتیں صرف رب تعالیٰ دے سکتا ہے کوئی اُس کے علاوہ نہیں دے سکتا اس آیت میں ان ہی تین قسم کی ہدایتوں کا ذکر ہے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حریص ہونے کا معنیٰ یہ ہے کہ آپ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان گمراہوں کو بھی ہدایت توفیق عطا فرمائے اور ان کے دل میں اسلام قرآن کی محبت ڈال دے۔ اور فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِیْ سے ہدایتِ نبوت کی نفی نہیں ہوتی بلکہ حرص کے پورا نہ ہونے کی بات ہو رہی ہے۔ ہدایت کی چوتھی اور چھٹی قسم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ عطا فرماتے ہیں۔ ہدایت کی پانچویں قسم قرآن مجید سے بھی حاصل ہوتی ہے اور حدیث پاک سے بھی اور اولیا علما سے بھی۔ لیکن سب سے بڑی ہدایت رب تعالیٰ کی ہے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھر قرآن مجید کی پھر حدیثِ پاک پھر اولیاءِ اللہ پھر علما سے ملنے والی ہدایت۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ فَمِنْهُمْ مَّنْ هَدَى اللّٰهُ وَمِنْهُمْ مَّنْ حَقَّتْ عَلَیْهِ الضَّلٰلَةُ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَیْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِیْنَ

اے دردِ فراق کے عالمِ عشق میں بسنے والو۔ البتہ بیشک ہم نے ہر گروہِ طالبین میں پیغامِ معرفتِ الٰہیہ کے ساتھ اپنا الہاماتِ ربانی کا رسول مبعوث فرمایا کہ تمام ظاہری باطنی جہری سری خواہشات و اعمال میں اپنے خالق ذوالجلال کی رضا پر ہی جھکے رہو۔ اور باطل کی طاغوتی طاقتوں سے دور اور متنفر رہو۔ تو اللہ ہی نے کسی کو ہدایتِ ایصال الی المطلوب کی منزل تک جوارِ قرب کی تجلیات میں پہنچایا ۔ اور کچھ بدنصیبوں پر وادیِ درکات کی گمراہی گھر گئی ۔ اور وہ راہِ معرفت سے دور بھٹکتے ہوئے موتِ فنا میں گر گئے لہٰذا اے عبرتِ انجام کی نگاہ والو زمینِ اجسام کی تدبر و تفکر کی سواری پر سوار ہو کر سیر کرو پھر دیکھو مراقبۂ روحانی سے کہ مشاہدۂ انوار کو جھٹلانے والوں اور دور بھٹکنے والوں کا انجامِ بد کیسا ہوا۔ صوفیا کی اصطلاح میں بَعَثْنَا سے مراد وارداتِ احوال ہے ۔ اُمّت سے مراد تخصیصِ جسمانی ظاہری و باطنی ہے ۔ رسول سے مراد رب تعالیٰ کے غیبی الہام ہیں عباداتِ صوفیاء سے مراد مراقبۂ غور تدبر و تفکر ہے ۔ طاغوتِ باطنی نفس کے وسوسے ہیں جو طالبِ حق کے لیے سب سے بڑی رکاوٹ ہے ۔ ان کی طرف توجہ نہ دینا اجتنابِ مومن ہے ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اہلِ شریعت کے مشرب میں یہاں مومن و کافر کا تذکرہ ہے ۔ لیکن ہمارے مشرب و مذہب میں مَنْ هَدَى اللّٰهُ سے درویشِ صادق ۔ اور صداقت کا پیکر راہِ معرفت کا فقیر مراد ہے ۔ اور مَنْ حَقَّتْ عَلَيْهِ سے ۔ منزلِ معرفت کے گمراہ مراد ہیں خواہ جبہ و دستار میں اہلِ ظاہر ہوں یا طرۂ امتیاز میں اہلِ دنیا ہوں ۔ یا دلقت و شلوار میں اہلِ باطن ہوں ۔ سِيرُوا کا حکمِ الٰہی سیرِ جسمانی تدبرِ نفسانی اور مراقبۂ روحانی کے لیے ہے فِي الْأَرْضِ سے زمینِ قلبی و نفسی مراد ہے ۔ فَانْظُرُوا کا اشارہ وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ ۔ کی طرف ہے ۔ اِنْ تَحْرِصْ عَلَىٰ هُدَاهُمْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي مَنْ يُضِلُّ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ۔ اے عقلِ سلیم اور قلبِ حلیم اور طبیعتِ شریف تو اگر ان کمر کے لباس والے گمراہوں کی ہدایت پر خواہش مند اور حریص بھی ہو ۔ تو بھی خالقِ کُنْ فَيَكُونُ اُس بدنصیب کو ہدایتِ منزلِ انوار نہیں بخشتا جس کو اُس کی بدذاتی و سرکشی کی وجہ سے وادیِ ناسوت میں ذلتِ گمراہی دیتا ہے اور بے کسی کے اُس لق و دق ویران میدان میں کوئی بھی اُس کا مددگار نہیں ہوتا ۔ یہ عذابِ فراق کی گمراہی اِس لیے ہے تاکہ عالمِ اسرار میں درویشِ مخلص و فقیرِ صادق کی سچی پہچان ہو سکے فقیرِ مخلص و درویش کا روحانی لباس یہ ہے کہ تفکر و تدبر کا جبہ ۔ عجز کا ٹپکا ۔ ذکرِ دائمی کا عمامہ ۔ علمِ کثیر کا کُرتہ ۔ کثرتِ حلم کا بٹن کلامِ جمیل کا رومال ۔ قُربِ حسین کا تہبند ۔ فراخدلی کی بنیان تزکیۂ نفس کی چادر ۔ رجوع الی اللہ کا عصا ۔ اور غیرت کی جلوت ۔ حیا کی خلوت بستر ہو ۔ اُس کا ہنسنا تبسم ہو ۔ اور اس کا سوال صرف تعلّم ہو ۔ غافل کو جگانے والا ہو جاہل کو سکھانے

والا ہو ۔ اور موذی کو ہٹانے والا ہو ۔ ایذا پر بے صبری نہ کرے ۔ بے سمجھوں کی محفل نہ کرے ۔ مصیبت سے غمناک نہ ہو ۔ غیبت میں بات نہ کرے ۔ محرمات سے دور ہو ۔ شبہات سے واقف ہو ۔ مغرور ہو ۔ غریب کا معین ہو ۔ یتیم کا حفیظ ہو ۔ چہرے میں بشاشت ہو ۔ سینے میں حفاظت ہو ۔ اور دل میں حزانت ہو ۔ ذکر مشغول ہو ۔ فقر مسرور ہو ۔ دین میں شہد سے زیادہ میٹھا ہو اور لوہے سے زیادہ سخت ہو نہ اپنا بھید کھولے نہ کسی کا پردہ پھاڑے ۔ حکمت میں لطیف ہو ۔ خلوت میں شہید ہو ۔ یعنی مشاہدہ کرنے والا ۔ اور جلوت میں حسین ہو ۔ اپنے وجود کا محاسبہ کرے اسرار کا مکالمہ کرے نفس سے مجادلہ کرے ۔ طیّب مذاق ہو ۔ حسن اخلاق ہو ۔ نرم کروٹوں والا ہو ۔ طویل جاگنے والا ہو ۔ جہلا کے لیے صبر والا ہو ۔ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کا شفقت والا ہو ۔ اُس کی الفت اتقوی ہو اطوار حیا ہو ۔ حرکات ادب ہوں ۔ اقوال عجب ہو ۔ صبح کا راضی ۔ دوپہر کا صابر اور شام کا شاکر ۔ رات کا ناقل ہو ۔ قلب دفور ہو ۔ قول موزوں ہو نکر مجول ہو ۔ صادق اللسان ہو ۔ طاہر الجنان ہو ۔ پہلے فقہ حاصل کرے پھر خلوت میں شاغل ہو ۔ بغیر علم کے عبادت کرنا اصلاح نہیں فساد باطن ہے ۔ قدم راسخ ہو ۔ مشرب مبارک ہو ۔ درویشی کا یہ لباس ہو تو بندے کو تلویح علویت اور فقیر کو امیری ولایت ملتی ہے ۔ (از فرمودات غوث پاک شہنشاہ ولایت) اے رب کریم مجھ کو اور میری اولاد کو بھی یہ نعمتیں عطا فرما ۔ آمین بجاہ رحمۃ عالمین یارب العالمین ۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ

اور قسم بولی انہوں نے کی اللہ سختی سے ہاتھ بلا بلا کر اپنے کو نہیں اٹھا سکے گا اللہ اُس کو جو

اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے کہ اللہ مُردے

يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا

مرجاتا ہے حالانکہ لازم وہ ہو چکا ہے پکا اور لیکن اکثر لوگ نہیں

نہ اٹھائے گا ہاں کیوں نہیں سچا وعدہ اُس کے ذمہ پر لیکن اکثر لوگ

يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ

جانتے ہیں ۔ تاکہ ظاہر کر دے لیے اُن کے جو قیامت میں اختلاف کرتے ہیں میں جس

نہیں جانتے ۔ اس لیے کہ انہیں صاف بتا دے جس بات میں جھگڑتے تھے

وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿۳۹﴾

اور تاکہ آنکھوں جانیں وہ جو کافر رہے کہ بیشک تھے وہ جھوٹ بولنے والے۔

اور اس لیے کہ کافر جان لیں کہ وہ جھوٹے تھے

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ

فقط بات ہماری لیے کسی چیز کے جب ارادہ کیا ہم نے یہ ہے کہ کہتے ہیں لیے اُس کے کہ ہو جا

جو چیز ہم چاہیں اُس سے ہمارا فرمانا یہی ہوتا ہے کہ ہم کہیں ہو جا

ع۵ ۲/۱۱ فَيَكُوْنُ ﴿۴۰﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا

تو وہ ہو جاتی ہے اور وہ جو مہاجر بنے راہ الٰہی میں بعد اس کے کہ

وہ فوراً ہو جاتی ہے۔ اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنے گھر بار چھوڑے

ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ؕ وَلَاَجْرُ

ظلم کیے گئے البتہ ضرور ٹھکانہ دیں گے ہم اُن کو میں دنیا بہت شاندار اور البتہ آخرت

مظلوم ہو کر ضرور ہم دنیا میں انہیں اچھی جگہ دیں گے اور بیشک آخرت کا

الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ الَّذِيْنَ

کا بدلہ بہت بڑا ہے اگر یہ کافر جانتے ہوں ان کو جنہوں نے

ثواب بہت بڑا ہے کس طرح لوگ جانتے وہ جنہوں نے

صَبَرُوْا وَعَلٰی رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۴۲﴾

صبر کیا اور پر رب اپنے بھروسہ کرتے ہیں۔

صبر کیا اور اپنے رب ہی پر بھروسہ کرتے ہیں

تعلّق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفار کو زمین میں سیر کرنے کا حکم دیا جا رہا تھا تاکہ وہ سرکشوں کے انجام کو دیکھ کر اپنی تاریخی معلومات بڑھانے کے ساتھ ساتھ خشیتِ الٰہی بھی حاصل کریں جو ذریعۂ ایمان ہے۔ اب اِن آیتوں میں بتایا گیا کہ وہ دنیا و آخرت کی حقیقتوں سے بے علم ہیں۔ ان کے یہے ہی ظاہر کرنے کو یہ حکم دیا گیا ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے نبی آپ اِن کفار کے ایمان پر مشفقانہ حرص نہ فرمائیے۔ اب اِن آیت میں وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ ہدایت اُن کو ملے گی جو آپ کی محبت میں سب چیزوں کو چھوڑ کر مہاجر بن جائے۔ اور اُس کے دل میں آپ کی محبت ہو تب دولتِ ایمانی حاصل ہو گی۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہوا تھا اب اِن آیتوں میں اُن کی نشانیاں بتائی جا رہی ہیں۔ کہ بے ہدایتے گمراہ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنے دین کو بچاتے رہتے ہیں۔ اور مخلص نیک بندے اللہ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔

شانِ نزول ۔ ابن جریر نے داؤد بن ہند سے انہوں نے حضرت قتادہ تابعی سے روایت فرمایا کہ جب کفارِ مکہ نے مسلمانوں کو بے حد ستانا شروع کیا تو سخت مجبوری میں محبتِ رسول پاک اور دولتِ ایمان بچانے کے لیئے سب گھر بار مال و دولت کو چھوڑ چھاڑ کر مکے پاک سے ہجرت کر گئے پہلے حبشہ گئے۔ اور جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ ہجرت نہ کی اُس وقت تک یہ حبشہ میں غربت کی حالت میں رہے کُل اَسّی صحابہ کرام نے حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی پھر وہاں سے مدینے طیبہ کی طرف جتنے میں آٹھ ماہ قیام رہا اِسی دوران تب یہ چار آیتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں۔ از ۳۹ تا ۴۲۔

تفسیر نحوی وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۔ واؤ سر جملہ۔ اَقْسَمُوْا۔ بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع کفارِ مکہ قسم سے بنا ہے مصدر اِقسام ہے بَ جارہ معیت کی یا

مفعولیت کی۔ جَهْدَ۔ اسم مصدر ہے بمعنیٰ طاقت لگانا۔ زور سے یا جوش سے بولنا۔ چیخنا بات کرنے میں۔ بحالتِ فتحہ ہے یا اس لیے کہ مفعول مطلق ہے جَهَدُوْا فعل پوشیدہ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا اَقْسَمُوْا کے فاعل کا۔ یا اس لیے کہ یہ خود حال ہے فاعل کا مضاف ہے اس لیے تنوین (دو زبر) نہیں آئی۔ اَيْمَانِ۔ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے یَمِیْن بمعنیٰ قَسَم۔ یُمْنٌ سے صفت مشبہ مشتق ہے یُمْنٌ کا اصلی لغوی معنیٰ ہے۔ قوّت طاقت برکت نحوست کا مقابل۔ اسی معنیٰ سے داہنے یعنی سیدھے ہاتھ کو یمین کہتے ہیں کہ اس میں طاقت قوّت ہے اور مسلمان کے اسی ہاتھ میں برکت ہوتی ہے۔ اور اس معنیٰ کی مناسبت سے قَسَم کو یمین کہا گیا۔ کہ پُر جوش قسم کے وقت ہاتھ پر یہ ہاتھ مارا جاتا ہے خاصکر اہلِ عرب ایسا کرتے ہیں اب ہر قسم کا نام یمین ہے نرم ہو یا گرم۔ قسم کو قسم اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے ذریعے سچ جھوٹ۔ اچھے بُرے کو تقسیم کیا جاتا ہے۔ اَيْمَانِ مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع غائب مضاف الیہ مرجع کفارِ مکہ ہیں۔ یہ سب عبارت قسم کا بیان ہوا۔ اور مابعد مُقْسَمٌ علیہ ہے۔ اور یہ جملہ اَقْسَمُوْا انیا جملہ ہے۔ ایک قول میں اس کا عطف ہے وَقَالَ الَّذِيْنَ پر۔ لَا يَبْعَثُ بابِ فَتَحَ کا مضارع معروف منفی بمعنیٰ مستقبل صیغہ واحد مذکر غائب بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا۔ اُٹھانا۔ کھڑا کرنا۔ یہاں مراد زندہ کر کے اُٹھانا ہے۔ اَللّٰهُ اسم ظاہر۔ اس کا فاعل ہے۔ کلامِ قسمیہ سے نفی میں شدت آئی جس سے قدرت کی نفی ہوئی یعنی اُٹھا سکتا ہی نہیں۔ مَنْ اسم موصول واحد مذکر خاص ہے عقل والوں سے یَمُوْتُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مُثبت معروف واحد غائب هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہوا مَنْ کا۔ اور موصول صلہ مفعول بہ ہو کر مُقْسَمٌ علیہ۔ بَلٰی۔ حرفِ ایجاب سابقہ نفی کو توڑ کر ثبوت کے لیے ہے۔ وَعْدًا۔ اسم مصدر مفعول بہ ہے پوشیدہ فعل وَجَبَ ماضی کا۔ جس کا فاعل ضمیر هُوَ مستتر جس کا مرجع اللہ ہے۔ عَلٰی جارّہ وجوب کے لیے۔ ہٗ ضمیر نفی واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالےٰ بمعنیٰ اپنا۔ ترجمہ ہے اپنے پر۔ حَقًّا۔ اسم مصدر بحالتِ نصب حال ہے وعدًا کا۔ بمعنیٰ۔ سچا۔ حق۔ مضبوط۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے اس کی دوسری ترکیب اس طرح کی گئی ہے کہ وعدًا مفعول مطلق وَعَدَ فعل پوشیدہ کا اور حقًّا مفعول مطلق حَقَّ فعل پوشیدہ کا۔ واؤ حالیہ یا سرِ جملہ لٰكِنَّ۔ حرفِ مشبہ تحقیق کے لیے نہ کہ استدراک کے لیے۔ اَكْثَرَ۔ اسم تفضیل مذکر بحالتِ نصب اسم ہے لٰكِنَّ کا مضاف ہے كَثْرَةٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ زیادہ ہونا لازم ہے۔ الف لام جنسی۔ نَاس اسم لفظاً واحد معنیً جمع۔ بعض نے کہا انسان کی جمع ہے۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے اَكْثَرَ کا۔ لَا يَعْلَمُوْنَ۔ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بلا۔ صیغہ جمع مذکر غائب۔ عِلْمٌ سے بنا ہے۔ هُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع ہے اَكْثَرَ۔ یہ جملہ

فعلیہ ہوکر خبر ہے لکِنّ کی۔ ایک ترکیب میں لکِنّ جملہ اسمیہ ہوکر حال دوم وعدًا کا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں جملہ مکمل ہوگیا۔ ماقبل سے کوئی تعلق نہیں۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ لامِ کَے مکسورہ تعلیلیہ کیونکہ یہ سب کلام مابعد والا علت ہے وعدًا علیہ کی۔ یُبَیِّنَ۔ فعل مضارع معروف مثبت باب تفعیل سے مصدر ہے تَبْيِيْنٌ۔ بمعنیٰ۔ بیان کرنا۔ ظاہر کرنا۔ جدا کرنا۔ تفریق اور امتیاز کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ لام جارّہ مفعولیت کا ھُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا مرجع کفارِ مکہ جار مجرور متعلق ہے یُبَیِّنَ کا۔ ھُمْ ضمیر موصوف ہے مابعد کا۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر۔ یَخْتَلِفُوْنَ۔ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف بمعنیٰ حال۔ مصدر ہے اختلاف۔ بمعنیٰ جھگڑا کرنا۔ پیچھے رہنا۔ نہ ماننا۔ ظاہرًا یہ ایجاب ہے معنیً نفی ہے۔ ھُمْ ضمیر مستتر فاعل جس کا مرجع کفارِ مکہ۔ فِیْ جارّہ ظرفِ مکانی مجازی بمعنیٰ بارے میں۔ ہٖ ضمیر کا مرجع وعدًا حقًّا ہے۔ واؤ عاطفہ۔ لام کَے مکسور تعلیلیہ۔ یَعْلَمَ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ عِلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جاننا سمجھنا۔ اِس کا فاعل اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر۔ کَفَرُوْا۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف بابِ نَصَرَ سے ہے کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شرک کرنا ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے۔ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر فاعل ہے یَعْلَمُ کا۔ اَنَّ حرفِ مشبّہ ھُمْ ضمیر کا مرجع کفارِ مکہ یَعْلَمُ کا فاعل یُبَیِّنَ اور یَعْلَمَ دونوں مفتوح ہیں کیونکہ اِن سے پہلے دونوں جگہ لام کَے موجود ظاہر ہے اور اُس میں ہمیشہ اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اُس نے نصب دیا ہے۔ یَعْلَمَ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا یُبَیِّنَ کا۔ اور معطوف علیہ معطوف سے مل کر علت ہوئی وعدًا پورے جملے کی۔ اَنَّهُمْ میں ھُمْ ضمیر اِس کا اِسم ہے كَانُوْا كٰذِبِيْنَ كَانُوْا فعل ناقصہ ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اِس کا اسم۔ کٰذِبِیْنَ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل۔ واحد ہے کاذِبٌ۔ کِذْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جھوٹے ہونا۔ جھوٹ بولنا۔ جھوٹا کہنا بحالتِ نصب ہے خبر ہے اَنَّ کی۔ کَانُوْا فعل ناقصہ ماضی بعید کے معنیٰ میں ایک قول میں ماضی استمراری کے معنیٰ میں ہے۔ کَانُوْا اپنے اسم خبر سے مل کر خبر ہے اَنَّ کی اَنَّ جملہ اسمیہ ہوکر یَعْلَمَ کا مفعول بہٖ ہوا۔

اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الَّذِيْنَ صَبَرُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ۔ اِنَّمَا۔ دو لفظوں سے متصلہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق لغو۔ ما کافہ نے لغو کیا اور حصر پیدا کیا ترجمہ ہوا۔ فقط۔ قَوْلٌ مصدر مضاف بمعنیٰ بات۔ کہنا۔ فرمان۔ حکم۔ نا ضمیر جمع متکلم فاعل مضاف الیہ۔ اِس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ لام جارّہ مفعولیت کا شَیْءٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ چیز

مجرور ہے لام سے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے قَوْلُ مصدر سے۔ اِذَا ظرفیہ زمانیہ دائمی بمعنی جب بھی اَرَدْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مخاطِب باری تعالیٰ ہے۔ مصدر ہے اِرَادَۃٌ اور اِرَادَۃٌ رَیْدٌ اجوف یائی سے بنا ہے۔ بمعنی۔ تہیا کرنا۔ آمادہ ہونا۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب ہے مفعول بہ ہے اپنے عامل اَرَدْنَا سے متصل یعنی جڑا ہوا ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر ظرف ہے قَوْلُ مصدر کا اور وہ سب مل کر شبہ جملہ ہوکر مبتدا ہے۔ اَنْ حرفِ ناصبہ نَقُوْلَ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ لام جارہ مفعولیت کا یا سببیت کا ہٗ ضمیر کا مرجع شَیْءٌ ہے جار مجرور متعلق ہے نَقُوْلَ کا جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا کُنْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر معتل ہے یعنی اس کے وزن اور شکل میں تبدیلی کی گئی ہے۔ دراصل اُکْوُنْ تھا بروزنِ اُنْصُرْ۔ کَوْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہونا۔ اَنْتَ ضمیر مستتر اِس کا اسم ہے کُنْ یہاں تامہ ہے۔ ایک قول میں ناقصہ ہے اَنْتَ ضمیر واحد حاضر پوشیدہ اسم ہے اور اس کی خبر ظاہراً اسم فاعل یا موجوداً پوشیدہ ہے یعنی ہو جا تو ظاہر۔ یا موجود۔ یہ جملہ فعلیہ تامہ یا ناقصہ مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر۔ مفعول بہ دوم ہوا فَ جزائیہ یَکُوْنُ فعل مضارع باب نَصَرَ سے صیغہ واحد مذکر غائب تامہ ہو تو ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے اور جملہ مکمل ہے اگر ناقصہ ہے ھُوَ مستتر اس کا اسم ہے اور جملہ مکمل ہے اگر ناقصہ ہے ھُوَ مستتر اس کا مرجع پہلا ہٗ ہے اور لفظ ظاہر پوشیدہ اس کی خبر۔ یہ جملہ فعلیہ تامہ ناقصہ ہوکر جزا ہوئی اِذَا اَرَدْنَا کی یا۔ اَنْ نَقُوْلَ کی۔ وَاؤ سرِ جملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع ھَاجَرُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُوْ مستتر اس کا فاعل مرجع اَلَّذِیْنَ ہے مصدر مُھَاجَرَۃٌ۔ ھَجْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ چھوڑنا۔ دور ہونا۔ ترکِ وطن کرنا۔ فِیْ جارہ بمعنیٰ لام تعلیلیہ ترجمہ ہے لیے اَللّٰہِ اسم مفرد جامد مجرور ہے متعلقِ اوّل ہے ھَاجَرُوْا کا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ابتداءِ غایت کے لیے ہے۔ بَعْدِ اسم ظرفِ زمانی مجرور ہے مِنْ سے مضاف ہے اِس کا مضاف الیہ ظاہر ہے اس لیے یہ متمکن معرب ہے۔ مَا موصولہ۔ ظُلِمُوْا باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول ھُمْ ضمیر نائب فاعل۔ ظُلْمٌ بنا ہے بمعنیٰ نقصان دینا۔ تکلیف ایذا رسانی کرنا۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا اور موصول صلہ مضاف الیہ بَعْدِ کا۔ وہ جار مجرور متعلق دوم ھَاجَرُوْا کا۔ اور ھَاجَرُوْا جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مبتدا ہوا۔ لام ابتدا مفتوحہ۔ یا فعل لَنُبَوِّئَنَّ مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ۔ بمعنیٰ مستقبل۔ صیغہ جمع متکلم مخاطِب اللہ تعالیٰ ہے۔ باب تفعیل سے ہے مصدر ہے بمعنیٰ جگہ دینا۔ ٹھہرانا۔ بَوْءٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ رہائش کے لیے اترنا یا اتارنا۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام عہدِ ذہنی۔ دُنْیَا۔ اسم تفضیل مؤنث۔

مذکر ہے اَدْنیٰ۔ دُنُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھٹیا ہونا ۔ دور ہونا ۔ یہاں مراد ہے یہ جہانِ زندگی دار العمل ۔ جار مجرور متعلق ہے اور حَسَنَۃً تمیز ہے یا حال ہے لَنُبَوِّئَنَّ کی ایک قول میں حَسَنَۃً مفعولِ دوم ہے لَنُبَوِّئَنَّ کا کیونکہ یہ فعل لَنُعْطِيَنَّ کے معنیٰ میں ہے اور وہ متعدی بدو مفعول ہے اُس کے معنیٰ کا لحاظ رکھتے ہوئے ۔ متعدی بدو مفعول ہوگیا ۔ اگرچہ اپنے معنیٰ میں یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے نحات کا یہ قاعدہ کہ حال یا فاعل کا ہوتا ہے یا مفعول کا کلیہ نہیں دیکھو حَسَنَۃً ایک قول میں فعل کا حال بن رہا ہے لَنُبَوِّئَنَّ جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہوئی وَالَّذِيْنَ بتدا کی ۔ واؤ سرجملہ ۔ لام کَ اَجْرُ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بدلہ مضاف ہے ۔ الف لام عہدی اٰخِرَۃِ ۔ اسم فاعل مؤنث بمعنیٰ پیچھے آنے والی ۔ آخر میں ہونے والی مراد ہے دوسرا جہان عالم جزا دارِ ثواب مکسور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اَجْرُ۔ یہ مرکب اضافی خبر مقدم ہے یا بتدا ہے ۔ اَکْبَرُ اسم تفضیل صیغہ واحد مذکر ۔ کِبْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بڑا ہونا ۔ عام ہے ہر اعتبار کی بڑائی کو ۔ ترجمہ ہے بہت بڑائی والا ۔ بحالت رفع کیونکہ خبر ہے بتدا کی یا بتدا موٴخر ہے ۔ یہ جملہ اسمیہ ہوکر جزاءِ مقدم ہے ۔ لَوْ حرفِ شرط تمنائی کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ ۔ فعل ماضی استمراری صیغہ جمع مذکر غائب مگر یہاں لَو شرطیہ نے ماضی کے معنیٰ میں کر دیا ہے ۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول ۔ اس کے ماقبل سے تعلق میں دو قول ہیں ۔

۱ یہ کہ یہ منصوب ہے مفعول بہٖ ہے یَعْلَمُوْنَ کا ۔ ۲ دوم یہ کہ مرفوع ہے فاعل ہے یَعْلَمُوْنَ کا ۔ ایک شاذ قول یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے اَعْنِیْ فعل پوشیدہ ہے اور اُس کا مفعول بہٖ ہے ۔ میرے نزدیک پہلا قول درست ہے ۔ صَبَرُوْا ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر ھُمْ ضمیر مستتر فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ۔ علیٰ جارہ فوقیت کا رَبِّ اسم جامد مکسور ہے عَلٰی سے ھِمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق مقدم ہے حصر کے لیے یَتَوَكَّلُوْنَ باب تفعّل کا مضارع مثبت معروف بمعنیٰ حال صیغہ جمع مذکر غائب ۔ مصدر ہے تَوَکُّلٌ ۔ وَکْلٌ مثال واوی سے بنا ہے بمعنے بھروسہ کرنا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا پھر جملہ عطف صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مفعول بہٖ ہوا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ ۙ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ ۭ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۔ اور یہ کفار مکہ بڑی پکی قسمیں کھائے بیٹھے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نہیں زندہ اٹھا سکتا اُس شخص کو جو مر کر مٹ گیا ۔ محققین فرماتے ہیں کہ تمام ادیانِ عالم تین قسم کے ہیں ۔ ۱ آسمانی دین ۲ مشرکانہ دین ۔ ۳ دہریہ دین ۔ آسمانی دین والے زندگی بعد موت اور قیامت حشر نشر

کو مانتے ہیں۔ اس کے علاوہ تمام مشرک اور دہریہ لوگ خواہ وہ کبھی کسی زمانے کسی قوم وگروہ کے ہوں مرنے کے بعد دوسرے جہان کی زندگی کو نہیں مانتے۔ اُن ہی مشرکین میں سے کُفّارِ مکہ تھے۔ جو بڑے ہی پختہ عقیدے کے ساتھ ہر ایک کے سامنے سخت لہجے پرعزم الفاظ اور ہاتھ پر ہاتھ مار کر اہلِ عرب کے دستور کے مطابق قسمیں کھا کر کہتے تھے کہ ہرگز ہرگز ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ اللہ تعالیٰ ان بکھری بوسیدہ ہڈیوں کو پھر زندہ کر کے انسان بنا دے۔ ظاہری لفظوں میں تو ان کفار نے صرف قیامت کا ہی انکار کیا تھا مگر اس انکار سے تین چیزوں کا انکار خود بخود ہو جاتا ہے۔ اس لیئے باری تعالےٰ جلّ مجدُہٗ نے اُن ہی تین طریقوں سے جواب دیتے ہوئے کفار کے بناوٹی نظریئے خود ساختہ عقیدے کی مکمل و مدلّل تردید فرمادی۔ ۱؎ قیامت کے انکار سے انبیاءِ کرام کی شان۔ ان کے فرمودہ قانون و تبلیغ اور مقصدِ بعثت کے فوائد کا انکار ہو جاتا ہے کہ جب دوسری زندگی حشر نشر کچھ ہے ہی نہیں تو پھر بعثتِ نبوت بیکار بے فائدہ ہوئی۔ اس کا تردیدی جواب ان الفاظ میں فرمایا گیا کہ ۔ بَلٰی وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا ۔ قیامت ضرور آئے گی اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاءِ کرام اپنے کلام پاک کے ذریعے کئی بار اس کا مضبوط پکا وعدہ فرمایا ہے۔ انبیاءِ کرام اور کلامِ الٰہی یہ وعدہ سنانے کے لیے ہی تشریف لاتے رہے۔ یہ وعدہ پورا ہو کر رہے گا۔ لہٰذا نبوت کی آمد بہت مفید اور قابلِ تسلیم ہے بلکہ احسانِ باری تعالیٰ ہے کہ مصیبت پڑنے سے پہلے خبردار کر دیا۔ لیکن اکثر عقل کے اندھے اس فائدے کو نہیں جانتے۔ ۲؎ اسی طرح قیامت کے انکار سے ایک بہت بڑے تجربے مشاہدے کا بھی انکار ہو جاتا ہے کیونکہ دنیا میں ہر شخص دن رات دیکھتا ہے کوئی دنیا میں ظالم ہے کوئی مظلوم کوئی عبادت گزاری کی محنتوں میں ہے کوئی فسق و فجور کی عیاشیوں میں۔ اور اسی حالت میں دنیا سے چلا جاتا ہے اکثر ظالم کو کوئی سزا نہیں ملتی اور مظلوم کی کوئی دادرسی نہیں ہوتی۔ اس دنیا میں ہزاروں معوری فیصلے نہیں ہو پاتے کہ بندہ مر جاتا ہے۔ یہ کیفیات بتاتی ہیں کہ فیصلے کا دن کوئی اور ہی ہے۔ ہر دین والا اپنے دین کو سچا اور دوسرے کے دین کو جھوٹا کہتا ہے۔ مگر اس دنیا میں اس کا فیصلہ نہیں ہوتا اس لیئے عقل و ضمیر مانتی ہے کہ دوسری زندگی لازمی اور یقینی ہے اس لیئے جو قیامت کا منکر ہے وہ گویا اپنی عقل و خرد کا ہی منکر ہے۔ اگر قیامت نہ ہوتی تو ظلم اور بے انصافی ہوتی۔ اور قیامت کا آنا اسلیئے بھی ضرور لگا ہے کہ۔ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ تاکہ ظاہراً بتادے کہ دنیا میں ان باتوں میں تم ہمارے نیک بندوں سچے نبیوں سے جھگڑا کرتے تھے اور انبیاءِ کرام اپنی کمال شفقت سے تمہاری تکلیفوں کو برداشت کرتے تھے بھلا کیسے ہو سکتا تھا کہ قیامت کا انصاف والا دن قائم نہ ہو۔ ورنہ تو سب عبادت ریاضت دینی محنت

مشقت بیکار ہو جاتی۔ اور ہر شخص ظلم و گناہ پر دلیر ہو جاتا۔ قیامت کی دہشت ہی تو ظالموں کو ظلم سے فاسقوں کو فسق سے روکے ہوئے ہے جو نیک بنا ہے وہ خوفِ محشر ہی سے بنتا ہے۔ آج دنیا میں کافر قیامت کا انکار کرتے ہیں اس لیے ضروری ہوا کہ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّهُمْ كَانُوا كَاذِبِينَ۔ اللہ تعالیٰ اس دن بتا دے گا کہ اے کافرو یہ ہی وہ زندگی بعد الموت کا یومِ عدل ہے۔ اور تم اس کا انکار کرتے ہوئے جھوٹے کذاب تھے۔ اور ہمارے انبیاء عظام علیہم السلام سچے تھے۔ اور چونکہ انکارِ قیامت سے قدرتِ الٰہی طاقتِ ربانی کا بھی انکار ہوتا تھا اس لیے فرمایا گیا إِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ إِذَا أَرَدْنَاهُ أَنْ نَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ۔ اے نادانو ہم کو اللہ اور آسمان و زمین کا خالق و باری مانتے ہوئے بھی تم کہتے ہو کہ ہم دوبارہ ان کو زندہ نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی دہریہ منکرِ خدا ایسی بات کہتا تو الزام نہ دیا جاتا تم تو رب کا اور اپنا خالق تسلیم کرتے ہو پھر بھی ہماری طاقت کو نہیں مانتے سنو ہماری طاقتِ عظیم کی نشان یہ ہے کہ ہم جب کسی بھی چیز کا ارادہ فرمالیں تو بس اشارۃً فرما دیتے ہیں کہ ہو جا۔ تو وہ فوراً ایک پلک مارنے سے پہلے ہو جاتی ہے خواہ لوح و قلم عرش و کرسی جتنی بڑی ہو یا ذرۂ قلیل جتنی چھوٹی ہو۔ اور پھر یہ زندگی بعد الموت یوم قیامت اس لیے بھی ضروری ہے۔ وَالَّذِينَ هَاجَرُوا فِي اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَلَأَجْرُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ۔ الَّذِينَ صَبَرُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی راہ میں انتہائی مظلوم مجبور ہو کر اپنے رستے بستے بھرے پُرے گھر بار وطن رشتے دار باغ باغات چھوڑ کر ہجرت کی دیسی سے پردیسی وطن سے بے وطن ہوئے غریب الوطنی کی مصیبتیں جھیلیں اس کے بعد کے اپنے وطن میں اُن کفار کی طرف سے بے حد ناقابلِ برداشت ظلم کیے گئے ان کفار نے اپنے اسی عقیدے کی بنا پر ظلم کیے دیے تھے کہ کون ہم سے پوچھنے والا ہے۔ کون باز پُرس کر سکتا ہے۔ کوئی ایسا دن نہیں آسکتا جس دن ہم سے کوئی اس ظلم و خونریزی کا حساب لے نہ دنیا میں اور آخرت کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مگر یہ انکا خیال خام ہے۔ ہم تو دنیا میں ہی بہت جلدی اُن پیارے مظلوم صحابہ کو ایسا مضبوط ٹھکانا شاندار علاقہ دیں گے کہ ہر زبان پر اس شہرِ منورہ کا نام علاوہ سینکڑوں ناموں کے حَسَنَۃ ہو جائے گا۔ اس شہر کی ہر چیز ہی حَسَنَۃ ہو گی وہاں کی نعمتیں جنت کے مشابہ وہاں کے دوست رشتے داروں سے افضل وہاں کے میٹھے اخلاق تا قیامت اہلِ مکہ کے اخلاق سے عظیم ہم دنیا میں ایسے شہر کو ان کا دائمی وطن بنائیں گے جس کو عرش والے حَسَنَۃ کہتے ہیں اور فرش والے مدینہ طیبہ۔ جس میں رب تعالیٰ کی پسندیدہ ریاض الجنۃ ہے اور حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پیارا احد پہاڑ ہے۔ وہ شہر جس کے پتھروں نے پاؤں چومے ہیں محمد کے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جہاں کے پہاڑوں میں بھی محبت کا جذبہ ہے۔ وہ شہر جہاں سلام پڑھو تو

طواف کا ثواب اور مسجد قبا میں نوافل اشراق پڑھو تو عمرے کا ثواب اور اگر خوش بختی سے جلوۂ مصطفےٰ کی زیارت ہو جائے تو لاکھ کروڑاں حجّاں ۔ وہ شہر حسنہ جو کائنات آفاقی اور سلطنت اسلامی کا دار الخلافہ بننے والا ہے اے منکرین قیامت ظالم کافرو یہ تو تمہارے دیکھتے دیکھتے دنیوی نشان ہوگی آخرت کا ثواب تو کہیں زیادہ کہ یہاں تو محبوبِ رب کا دیدار اور وہاں ربِّ محبوب کا جلوہ نصیب ہوگا قیامت اور یوم حساب کا ہونا تو اتنا ضروری اور لازمی ہے کہ منکرین قیامت بھی دل سے چاہتے ہیں اکثر غریب و مظلوم ہندوؤں کو دیکھا گیا ہے کہ جب ظالم کے ظلم سے تنگ آجاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ بھگوان تجھ سے بدلہ لے گا یہاں تک کہ آریہ ہندو اور بُت پرست ہندوؤں نے زندگی بعد الموت کے لیے آواگون اور جون بدلنے کا مسئلہ بنا لیا غرض کہ ہر شخص زندگی بعد الموت کو عقلاً تسلیم کرتا ہے صرف ضدبازی میں اکڑتے ہوئے انکار کرتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ قسموں پر قسمیں کھا جاتا ہے ۔ ہم کہتے ہیں کہ بدبختو اگر ماننا ہی ہے تو سچے اور حقیقی طریقے سے مانو ۔ ہاں اگر یہ کفار دنیا میں ہی کسی طرح صبر کرنے والوں کی دنیوی نشان و شوکت اور سلطنت و حکومت کو جان لیتے اور اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنے والوں کی اُخروی عزّت و ثواب کو معلوم کر لیتے تو خود بھی بندہ بن جاتے اور کبھی ظلم و مخالفت نہ کرتے ۔ یا اگر یہ مشرکین ان مومنین صحابہ کی آئندہ ہونے والی نشان، قوّت، عظمت، حکومت سرداری اور اُخروی عزّت و ثواب کو معلوم کر لیتے تو خود بھی بندہ بن جاتے اور کبھی ظلم و مخالفت نہ کرتے ۔ یا اگر یہ مومن صحابہ اپنی آئندہ ہونے والی نشان و قوّت عظمت حکومت سرداری اور اُخروی اجر و جزا کو پہلے ہی جان جاتے تو اور بھی زیادہ شاداں و فرحاں مسرور و مخمور ہوتے ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔
پہلا فائدہ ۔ بندوں پر واجب کرنا کسی کام کو یہ رب تعالیٰ کا فعل ہے مگر خود رب تعالیٰ پر کسی چیز کا واجب ہونا یہ رب تعالیٰ کے اپنے واجب کرنے سے ہوتا ہے ۔ یہ فائدہ ۔ وَعْدًا عَلَیْہِ حَقًّا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ کہ بندوں پر کرم فرماتے ہوئے مولیٰ کریم خود ہی بعض کام اپنے ذمّہ کرم پر واجب فرما لیتا ہے ۔ دوسرا فائدہ ۔ قیامت تک وہ ہجرت اور نقلِ مکانی عبادت اور باعثِ ثواب ہے جو اسلام قرآن دین و ایمان بچانے اور اللہ رسول کی خاطر اُس کے لیے کی جائے ۔ ذاتی اور دنیوی اغراض کے لیئے ہجرت و ترکِ وطن کرنا ہجرتِ اسلامی اور عبادت نہیں اگرچہ دوسری جگہ بھی جاکر دین کے کام ہی کرے ۔ یہ فائدہ ھَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ تیسرا فائدہ ۔ دنیا میں مسلمان کو بغیر طلب اگر کسی نیکی اور عبادت کا بدلہ اور فائدہ مل جائے تو اس سے آخرت کا ثواب قطعاً کم

نہ ہوگا۔ یہ فائدہ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَۃِ اَکْبَرُ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیاتِ طیبات سے چند مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ تمام فقہا اور اہلِ علم فرماتے ہیں کہ ہجرتِ نبوی کے بعد مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے۔ چنانچہ امام مالکؒ نے اس پر بہت دلائل قائم فرمائے ہیں۔ اس آیتِ کریمہ نیز سورتِ والضحیٰ کی آیت ۔ وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی سے بھی یہ مسئلہ مستنبط ہوتا ہے اس لیے کہ یہاں مدینہ طیبہ کو حَسَنَۃ یعنی ساری کائنات میں تمام مقامات سے شرافت و فضیلت والا شہر فرمایا گیا اور اُس آیت میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلے وطن مکہ معظمہ کے مقابل دوسرے وطن مدینہ طیبہ کو خیر فرمایا گیا۔ یہ دونوں آیتیں مدینہ طیبہ کی فضیلت کے ثبوت میں اتنی مضبوط دلیلیں ہیں کہ مخالف کے پاس ان کا کوئی جواب نہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰلِکَ۔ نیز دلالۃً یہ بھی ثابت ہوا کہ مدینہ طیبہ طاہرہ منورہ کو کوئی گھٹیا یا بُرے لفظ والا نام نہیں دینا چاہیئے۔ مثلاً یثرب نہ کہنا چاہیئے کہ رب تعالیٰ نے اس کو حَسَنَۃ اور خیر جیسے پیارے القاب عطا فرماکر اس کی شان تمام مخلوق سے بڑھادی۔ **دوسرا مسئلہ**۔ جس چیز کو آقائے کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے چھوڑ دیں وہ چیز سب مسلمانوں کو چھوڑنا واجب ہے۔ خواہ وہ چیز دینی دنیوی اعتبار سے کتنی ہی اہم ہو۔ مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں اس چیز کو مدِ نظر رکھنا چاہیئے۔ یہ مسئلہ وَالَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا۔ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں پر چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا لٰکِنَّ اَکْثَرَ النَّاسِ لَا یَعْلَمُوْنَ تفسیر سے معلوم ہوا کہ اَلنَّاس سے مراد کافر ہیں۔ اور کافر سب ہی قیامت کے منکر ہیں تو یہاں اَکْثَرَ النَّاس کیوں فرمایا گیا۔ چاہیئے تھا کُلَّ النَّاس ہوتا۔ یا صرف وَلٰکِنَّ النَّاس ہوتا۔ **جواب**۔ اَلنَّاس سے مراد کافر نہیں۔ بلکہ اَکْثَرَ النَّاس سے مراد کافر ہیں۔ اَلنَّاس سے سب انسان مراد ہیں مومن بھی عام کافر بھی اور منکرینِ قیامت کافر بھی۔ اور چونکہ ہر قسم کے مجموعی کفار کی تعداد اہلِ ایمان لوگوں سے زیادہ ہے اس لیے اَکْثَرَ النَّاس فرمانا عین درست ہے۔ اور کفار کی اکثریت قیامت کی منکر ہے۔ صرف یہود و نصاریٰ اور صابئی جو دنیا میں اس وقت بہت ہی قلیل بلکہ نابید کی حد تک کم ہیں یہ لوگ اگرچہ کفار میں شامل ہیں۔ مگر قیامت کے منکر نہیں۔ اگر اَلنَّاس سے مراد کافر ہوں تو یہ ہی مطلب ہے کہ مجموعی تعدادِ کفر کے مدِ نظر تھوڑے ایسے کافر ہیں جو قیامت کو مانتے ہیں ورنہ اکثر منکر ہی ہیں۔

دوسرا اعتراض - تفسیر سے معلوم ہوتا ہے کہ باری تعالیٰ نے قیامت کے آنے کی چار وجوہ بیان فرمائیں مگر لامِ تعلیلیہ دو جگہ آیا جس سے قیامت کا آنا دو وجہ سے ظاہر ہوا - اس کی کیا وجہ ؟ -
جواب - پہلی دو جگہ صرف کفار کے لیے بیان ہوئیں وہاں صرف کفار کو قیامت میں بنانا مقصود ہے اور صرف قیامت کا ذکر ہے - یعنی قیامت اس لیے ہوگی کہ کفار کو بیان کر دیا جائے کہ اسی کے بارے میں جھگڑا - اختلاف اور بحث کرتے تھے تو یہ ہے قیامت اب چکھو عذاب - ۲ اس لیے قیامت ہوگی کہ کافر خود جان لیں کہ یہ وہ قیامت ہے جس کو جھٹلاتے تھے - اس لیے علت بیان کرنے کا لام ضروری ہوا - دوسری دو جگہ ۱ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا ۲ اور كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ اس میں بھی اگرچہ قیامت کی علت بیان ہوئی مگر اس کا تعلق فقط قیامت سے نہیں بلکہ دنیا و آخرت میں مسلمانوں کی شان بتانا مقصود ہے - اس لیے اس عبارت کو خبر کے طور پر بیان فرمایا گیا نہ کہ علت معلول بناکر - گویا کہ پہلی عبارت میں صراحتاً وظاہراً وجہِ قیامت کا ذکر ہے اور دوسری عبارت میں اشارۃً وجہ اور فوائدِ قیامت کا ذکر ہے - اس لیے یہاں لامِ تعلیلیہ نہیں لایا جاسکتا - **تیسرا اعتراض** - یہاں فرمایا گیا - اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ - معدوم کو شی فرمایا گیا - اور ابھی جس کا نام نشان بھی نہیں اُس کو خطاب کرنے کا جواز ثابت ہوا - حالانکہ اکثر عُلما فرماتے ہیں کہ معدوم کو شی نہیں کہا جاسکتا - معدوم شی ہوتی ہی نہیں - اور اس بات پر اجماعِ امت ہے کہ معدوم کو خطاب کرنا جائز نہیں - لہٰذا کُن - یعنی ہو جاتو - یہ کس سے خطاب ہے اگر معدوم سے ہے جس کا وجود ابھی ذرہ بھی نہیں ہے تو یہ خطاب بالاتفاق محال ہے - اور اگر یہ خطاب موجود سے ہے تو ہو جا تو کہنا بیکار ہوا وہ تو پہلے ہی موجود ہے - موجود کو کہنا کہ ہو جا - یہ تحصیلِ حاصل ہے - اور منطق کے نزدیک تحصیلِ حاصل محال ہے - **جواب** - اس کے دو جواب ہیں ایک جواب امام محمد بن ابی بکر رازی نے فرمایا ہے کہ یہاں معدوم کو شی کہنا مجازاً ہے اور خطاب کرنا اس لیے جائز ہے کہ خطاب تین قسم کے ہیں - ۱ خطاب بالامر - ۲ خطاب بالنہی - ۳ خطاب تکوینی - امر نہی کا خطاب موجود اور ظاہر و حاضر سے ہوتا ہے - لیکن خطاب تکوینی معدوم کو ہوتا ہے - عُلَماء اور اِجماعِ اُمت کی گفتگو امر نہی پر ہے - نہ کہ تکوینی پر - دوسرا جواب امام فخرالدین رازی نے فرمایا کہ یہ کُن فرمانا خطاب نہیں ہے بلکہ اظہارِ ارادہ ہے - صرف بیان کرنا انسانی فہم سے قریب کرنے کے لیے بصورتِ خطاب ہے - اصل معنیٰ یہ ہے کہ جب رب تعالیٰ کسی کا ارادہ فرماتا ہے تو وہ ایک دم ہو جاتی ہے - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۴۲ سے آگے بیان کی جائے گی - اِنشاءَ اللہ تعالیٰ -

---

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے سے پہلے آپ کے مگر مردوں کو وحی کرتے رہے ہم طرف اُن کی

اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جن کی طرف ہم وحی کرتے

فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۳﴾

تو اے منکرو پوچھ لیا کرو تم ابدی یاد رکھنے والے سے اگر تم نہ ہو جانتے۔

تو اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہیں۔

بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ ؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ

باوجود روشن دلیلوں اور خدائی کتابیں لینے کے اور اتاری ہم نے طرف آپکی یادگار

روشن دلیلیں اور کتابیں لے کر۔ اور اے محبوب ہم نے تمہاری طرف یہ یادگار اتاری

النصف

لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۴۴﴾

تاکہ سنادو لوگوں کو جو کچھ اتارا گیا طرف اُن کے اور شاید وہ غور کریں

کہ تم لوگوں سے بیان کردو جو اُن کی طرف اُترا اور کہیں وہ دھیان کریں

اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ

کیا پس بے خوف ہو بیٹھے وہ جنہوں نے مکر کیا گناہوں کا اس سے کہ دھنسا دے اللہ کو

تو کیا جو لوگ برے مکر کرتے ہیں اس سے نہیں ڈرتے کہ اللہ انہیں

بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ

اُن زمین میں یا آئے پاس اُن کے عذاب ایسی جگہ سے کہ

زمین میں دھنسا دے یا انہیں وہاں سے عذاب آئے جہاں سے

لَا يَشْعُرُوْنَ ﴿٤٥﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِيْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا

سمجھ ہی نہ سکیں وہ - یا پکڑ لے اُن کو ان کے گھومنے پھرنے میں کہ اُن کے تو نہ ہوں

انہیں خبر نہ ہو یا انہیں چلتے پھرتے پکڑ لے کہ

هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿٤٦﴾ اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ

وہ کچھ عاجز کرنے والے یا پکڑ لے اُن کو بوجہ بزدلی کے۔

وہ تھکا نہیں سکتے یا انہیں نقصان دیتے دیتے گرفتار کرے

فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٤٧﴾

کیونکہ رب تمہارا نرمی کرنے والا رحم والا ہے

کہ بیشک تمہارا رب نہایت مہربان رحم والا ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں بتایا گیا تھا کہ ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجے جنہوں نے احکام الٰہیہ کی تبلیغ فرمائی لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ نہ جاننا ان کی اپنی سستی اور حماقت کی وجہ سے ہے۔ کیونکہ نہ تو رسول جن یا فرشتہ تھے جو اُن کو نظر نہ آئیں اور نہ عورتیں تھے جو پردہ نشین یا کمزور دل ہوتی ہیں بلکہ اعلیٰ قوت و شان و شوکت والے مرد تھے جو بار بار جگہ جگہ برسرِ عام ہمارے احکام کی تبلیغ فرمانے کی ہمت رکھتے تھے۔ کیونکہ مرد تھے۔ لجاجت سے اور ڈرتے ڈرتے اور وہ بھی صرف نرم اور دوستوں کو تبلیغیں کرتے پھرنا۔ کفار کو کچھ نہ کہنا یہ نامردوں کا کام ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جہان بھر کے کافر تا قیامت جاہلِ مطلق ہیں۔ اب بتایا جا رہا ہے کہ علمِ ربانی کے خزانے سینۂ پاک مصطفیٰ میں ہیں۔ اگر دنیا جہان کا علم لینا ہے تو آستانۂ مصطفیٰ پر آ جاؤ۔ دنیا و آخرت کا علم و نور ملے گا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں لَيُبَيِّنَ فرما کر سمجھایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے لوگوں کے سامنے اپنے علوم و معارف۔ جس سے سوال ابھرتا تھا کہ اللہ کس طرح بیان فرماتے ہے۔ تو ان آیات میں وضاحت فرمائی گئی کہ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ یعنی ہمارے حبیب کے منہ سے بیان

ہونا ہمارا بیان کرتا ہے۔

شانِ نزول۔ جب مشرکینِ مکہ نے یہ کہہ کر نبی پاک کی رسالت کا انکار کیا کہ اللہ کبھی کسی انسان کو اپنا نبی نہیں بناتا۔ تب سورتِ نحل کی آٹھ آیات نازل ہوئیں از آیت ۴۳ تا ۵۰۔

تفسیر نحوی وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْــٴَـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ واؤ سرِ جملہ۔ مَآ اَرْسَلْنَا۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق منفی جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ اِس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ بمعنی بھیجنا رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنی پیغام دینا۔ قاصد بنانا۔ مِنْ جارہ بیانیہ یا زائدہ قبل اسم ظرف زمانی معرب ہے کیونکہ اس کا مضاف الیہ ظاہر موجود ہے مجرور ہے مِنْ سے۔ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر۔ مجرور متصل مضاف الیہ ہے اُس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے مَآ اَرْسَلْنَا کا۔ اِلَّا۔ حرفِ استثناء۔ متصل ہے رِجَالًا اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے رَجُلٌ۔ بحالتِ نصب ہے اور نصب جائز ہے کیونکہ کلام سابق غیر موجب اور مستثنیٰ اِلَّا کے بعد ہے موصوف ہے۔ نُوْحِیْ۔ بابِ اِفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ مصدر ہے اِیْحَاءٌ بمعنی وحی بھیجنا۔ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع رِجَالًا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نوحی کا۔ فَ جزائیہ ایک قول میں سببیہ بمعنی لہٰذا یا زائدہ ابتدائیہ۔ اِسْئَلُوْا۔ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اِس کا فاعل سُؤَالٌ سے بنا ہے بمعنی پوچھنا۔ اَهْلَ اسم مفرد جامد بمعنی مالک۔ والا اہلیت لیاقت قابلیت۔ یہاں بمعنی قابلیت ہے یا بمعنی والا ہے۔ الف لام عہدِ خارجی ذکر اسم مصدر۔ جامد (حاصل مصدر) مفرد اس کی جمع ہے اَذْکَار۔ ذِکْر کا مصدری معنیٰ ہے یاد کرنا۔ یا در کھنا حضورِ قلبی نصیحت کرنا۔ چرچہ کرنا۔ اور حاصل مصدری معنیٰ۔ کلامِ الٰہی۔ علم۔ قانون۔ یہاں مراد کلامِ الٰہی۔ مضاف الیہ ہے لہٰذا مجرور ہوا مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِسْئَلُوْا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزاءِ مقدم ہے۔ اِنْ حرف شرط۔ كُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی مطلق مثبت معروف اس کا مجہول نہیں ہوتا۔ صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ مستتر اِس کا اسم ہے۔ لَا تَعْلَمُوْنَ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بلا معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ اس میں پوشیدہ ہے وہ فاعل ہے جس کا مرجع کفارِ مکہ ہے۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے كُنْتُمْ کی۔ بَ جارہ۔ الف لام عہدِ خارجی بَیِّنَاتٍ اسم جمع مؤنث سالم اِس کا واحد ہے بَیِّنَةٌ بمعنی روشن۔ ظاہر۔ صاف۔ مضبوط دلیلیں۔ مجرور ہے بَ سے واؤ عاطفہ الف لام عہدِ خارجی زُبُر۔ جمع مکسر منصرف ہے زَبُوْرٌ کی۔ بمعنے ٹکڑے ٹکڑے۔ گہری کھائی۔ تھوڑا کلام مختلف باتیں۔ دانائی کی باتیں۔ عقلیات۔ یہاں مراد وہ کلام ہے جو صحیفے سے زیادہ ہو اور کتاب سے کم ہو۔ اور اس میں شرعی قانون نہ ہو صرف حمد و حکمت ہو۔ مجرور ہے

معطوف ہے بَیِّنٰتِ پر۔ اور معطوف علیہ معطوف مجرور ہے۔ مگر اس کے متعلق ہونے میں چار قول ہیں۔ ۱؎ ب بمعنی مع ترجمہ ہے باوجود۔ اور متعلق ہے لَا تَعْلَمُوْنَ کا۔ ۲؎ اَرْسَلْنَا هُمْ پوشیدہ ہے یہ اس سے متعلق ۳؎ مُلْتَبِسِیْنَ اسم فاعل جمع حال رِجَالًا کا پوشیدہ ہے یہ اس کا متعلق ہے ۴؎ متعلق ہے نَارْسَلْنَا کا۔ مگر پہلی ترکیب زیادہ آسان ہے۔ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔ واؤ دوسرا جملہ۔ اَنْزَلْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم نُزُلٌ سے بنا ہے بمعنی اوپر سے نیچے لانا۔ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرجع نبی کریم کی ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ جار مجرور متعلق ہے اَنْزَلْنَا کے الف لام عہدی ذِكْر۔ اسم مفرد جامد مراد قرآن مجید وحدیث پاک ہے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اَنْزَلْنَا کا۔ لام کَیْ تعلیلیہ۔ اَنْزَلْنَا پورا جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا تُبَیِّنَ۔ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر مستتر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مفتوح ہے لام کَیْ کی وجہ سے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اس کا مصدر تَبْیِیْنٌ بمعنی پورا۔ صاف کھول کر بیان کرنا بَیْنٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ظاہر ہونا۔ ظاہر کرنا۔ لام جارہ نفع کا۔ یا بمعنی عِنْدَ۔ د سامنے پاس) اَلنَّاس۔ الف لام استغراقی ناس اسم مفرد جامد۔ یا جمع ہے یا معنوی جمع ہے۔ مراد ہیں سب انسان۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تُبَیِّنَ کا۔ مَا۔ اسم موصول بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے تُبَیِّنَ کا نُزِّلَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت مجہول مصدر ہے تَنْزِیْلٌ۔ نَزْلٌ سے بنا ہے بمعنی اُترنا لازم ہے باب تفعیل نے متعدی کیا۔ هُوَ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل جس کا مرجع۔ کُتُبِ الٰہیہ سابقہ۔ اِلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ یعنی پاس یا بمعنی مَعَ یعنی ساتھ ہیں۔ یہاں انتہاءِ غایت کے لیے نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کتب سماوی کا انتہاءِ غایت نبی کی ذات ہوتی ہے هِمْ ضمیر کا مرجع یہودی۔ عیسائی ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے نُزِّلَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا موصولہ کا واؤ عاطفہ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ۔ باب تفعّل کا مضارع احتمالی مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے تَفَكُّرٌ۔ فِكْرٌ سے بنا ہے بمعنی غور کرنا۔ سوچنا۔ تفعّل میں اگر شدت پیدا ہوئی۔ یعنی بہت سوچنا دل دماغ کی گہرائی سے سوچنا۔ هُمْ ضمیر کا مرجع کفارِ مکہ یا یہود و نصاریٰ ہیں۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر اَنْزَلْنَا کی دوسری علت ہوئی۔ وہ دونوں علتوں سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَكَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اَ ہمزہ سوالیہ ہے توبیخ (جھڑک) کے لیے فَ حرفِ عطف اس سے پہلے اَلَمْ یَتَفَكَّرُوْا۔ پوشیدہ معطوف علیہ ہے۔ اَمِنَ۔ باب سمع کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر

غائب اَمْنٌ سے بنا ہے اَمْنٌ بمعنیٰ سمجھنا۔ مطمئن ہونا۔ بے باک ہونا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ فاعل ہے اَمِنَ کا۔ اگرچہ یہ جمع ہے اور صیغہ فعل واحد ہے کیونکہ اسم ظاہر فاعل میں یہ جائز ہے۔ مَکَرُوْا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر۔ مَکْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ تدبیریں کرنا۔ الف لام اِستغراقی سَیِّئَاتِ۔ جمع مؤنث سالم بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے مَکَرُوْا کا۔ اس کا واحد ہے سَیِّئَۃٌ۔ حَسَنَۃٌ کا مقابل۔ بمعنیٰ بُری۔ نقصان دِہ۔ ظلم والی باتیں تدبیریں۔ ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ فاعل ہوا اَمِنَ کا۔ اَنْ ناصبہ۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ اگلی سب عبارت مفعول بہ ہے اَمِنَ کا۔ یَخْسِفَ باب سَمِعَ کا مضارع مُثْبَت معروف۔ صیغہ واحد مذکر غائب خَسْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ گاڑھنا۔ دبا دینا۔ زمین میں دھنسا دینا۔ اَللّٰہُ اس کا فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے۔ بِ جارّہ زائدہ مفعول پر آئی ہِمْ ضمیر مجرور متّصل اور غائب کی منفصل بھی اسی شکل کی اگر بِ جارّہ نہ آتی تو ھُمْ ضمیر لفظِ اللّٰہ سے متصل ہوتی جس سے ثقل بھی پیدا ہوتا اور حُسنِ کلام بھی ختم ہو جاتا۔ جہاں کہیں بھی حرفِ زائد لایا جاتا ہے وہاں اسی قسم کے مقصد ہوتے رہیں۔ الف لام جنسی اَرْضَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ زمین مفعول فیہ ہے جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہوا۔ اَوْ حرفِ عطف تردیدی یَاْتِیَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مُثْبَت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا۔ یہاں پہلے معنیٰ ہیں۔ بمعنیٰ مستقبل اِنشائی۔ منصوب ہے کیونکہ معطوف تابع یَخْسِفَ کا ھُمْ ضمیر مفعول بہ ہے۔ الف لام عہدِ ذہنی عَذَابُ اسم مفرد حاصل بمعنیٰ خدائی۔ غیبی سزا۔ مِنْ جارّہ۔ ابتدائیہ حَیْثُ اسم ظرف زمانی غیر متمکن مبنی ہے ضمہ پر بمعنیٰ مُبْھَم جگہ۔ غیر معیّن مقام مضاف ہے۔ لَایَشْعُرُوْنَ مضارع منفی معروف جمع مذکر غائب۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفارِ مکہ۔ باب نَصَرَ سے ہے شَعُوْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حواسِ خمسہ اور ضمیر سے کسی چیز کو معلوم کرنا۔ یہ جملہ فعلیہ مضاف الیہ ہے حیث کا۔ اَوْ حرفِ عطف تردیدی یَاْخُذَ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مُثْبَت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللّٰہ تعالیٰ ہے یا عذاب ہے۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ ہے مرجع ہے کفارِ مکہ فِیْ جارّہ ظرفیہ زمانیہ۔ تَقَلُّبِ باب تَفَعُّلٌ کا مصدر ہے بحالتِ کسرہ ہے فِیْ جارّہ سے قَلْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چلنا پھرنا۔ سفر کرنا۔ سیر کرنا۔ اِدھر اُدھر جانا آنا۔ ھِمْ ضمیر مضاف الیہ۔ یہ مرکّبِ اضافی جار مجرور متعلق ہے یَاْخُذَ کا۔ فَ حالیہ عاقبۃ کے بیان کے لیے۔ مَا ناجیہ مشتبہ بلیس ھُمْ ضمیر مرفوع متّصل اسم ہے مَا نافیہ کا بِ جارّہ بمعنیٰ مِنْ تبعیضیہ مُعْجِزِیْنَ باب اِفعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ واحد ہے مُعْجِزٌ۔ بروزن مُکْرِمٌ عَجْزٌ سے بنا ہے۔ مصدر ہے اِعْجَازٌ۔ بمعنیٰ کمزور کرنا۔ عاجز کرنا۔ یہ جار و مجرور قابلاً اسم فاعل پوشیدہ کے متعلق ہے اور شبہ جملہ ہوکر خبر ہے مَا کی اور وہ حال ہے ھِمْ کا۔ یَاْخُذَ پورا جملہ مل کر معطوف ہے یَخْسِفَ کا۔

اَوْ حرفِ عطف یَاْخُذَ فعل مضارع اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی پکڑنا گرفت کرنا۔ لینا۔ مبتلا کرنا۔ گھیرنا ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یا عذاب ہے ھُمْ مفعول بہ ہے علٰی جارہ تَخَوُّفٍ۔ باب تفعّل کا مصدر ہے۔ خوف سے بنا ہے۔ بمعنی ڈرانا۔ یا اپنے دل میں کسی کا ڈر بیٹھنا۔ اگر علٰی اپنے معنٰی میں ہے تو پہلا ترجمہ درست ہے اعلٰحضرت نے یہی اختیار فرمایا کیونکہ باب تفعّل علٰی سے متعدی ہو جاتا ہے۔ اور اگر علٰی بمعنی فِیْ ہے تو دوسرا معنٰی درست ہے اس وقت لازم ہوگا ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے مگر اصلی ترجمہ اعلٰی حضرت کا ہے۔ کیونکہ حتی الامکان حروف کو اپنے معنٰی میں رکھنا اچھا ہوتا ہے۔ ان باریکیوں کو کسی مترجم نے مدِنظر نہیں رکھا بجز اعلٰی حضرت کے اس لحاظ سے اعلٰی حضرت کا ترجمہ علمی شاہکار کے علاوہ آپ کی کرامت معلوم ہوتا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اپنے قریبی فعل یَاْخُذَ کا۔ اور جملہ فعلیہ معطوف ہے یَخْسِفَ کا اسی لیے یہ سب فعل منصوب ہیں۔ یَخْسِفَ جملہ فعلیہ ہوکر مفعول بہ ہے اَمِنَ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ فَ ابتدائیہ۔ مگر ایک قول میں۔ اَمِنَ جملہ ہوکر مسبّب ہوا فَ سببیہ۔ اگلی عبارت جملہ اسمیہ ہوکر اس کا سبب اور سبب مسبّب مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبَّ اسم مفرد مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ ہے جس سے تمام اہلِ مکہ مخاطَب ہیں یہ مرکبِ اضافی اسم ہے اِنَّ کا۔ لام ابتدائیہ تاکید کے لیے رَءُوْفٌ۔ اسم صفتِ مشبّہ مبالغے کے لیے بروزنِ فَعُوْلٌ رَافَۃٌ سے بنا ہے بمعنی بہت آرام دینے والا ہر وقت ہر حال میں ہر شئی کو۔ بحالتِ رفع ہے خبرِ اول اِنَّ کی رَحِیْمٌ صفتِ مشبّہ بمعنی بہت ہی رحم فرمانے والا۔ مرفوع ہے کیونکہ خبرِ دوم ہے۔ اِنَّ کی۔

تفسیر عالمانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ فَسْــٴَـلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَۙ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِؕ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّكْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ ۔ اے کفارِ مکہ قیامت کے انکار کے ساتھ رب تعالیٰ کی دوسری قدرت کا انکار کرتے ہو کہ ہماری تعالیٰ کسی انسان کو رسول نہیں بنا سکتا نہ اُس کی شان کے لائق نہ اُس کے پاس کسی اور روحانی مخلوق کی کمی ہے اگر وہ اپنا رسول بھیجتا تو کسی فرشتے یا جن کو بھیجتا۔ یہ اعتراض اور تنقید بھی تمہاری جہالت اور لاعلمی کی بنا پر ہے۔ ورنہ حقیقت اور تاریخ اور مشاہدۂ عالم دنیا اور ہر زمانہ اس بات پر گواہ ہے کہ ہم نے ابتداءِ انسانیت سے اب تک مردوں کو ہی رسول بنا کر بھیجا کبھی بھی کسی قوم میں کوئی فرشتہ یا جنات یا عورت یا خنثٰی نبی نہیں بنایا گیا۔ اور ہم اپنے ان انبیاءِ کرام کو ہی اپنے قانون شریعت طریقت معرفت اسرار کی وحی خفی و جلی الہام فرماتے رہے ہیں اگر تمہاری عقلیں اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہیں تو اپنے یا دور دراز کے اہلِ علم تاریخ دانوں آتے جاتے سفر کی منزلوں

کا مشاہدہ کرنے والوں اور توریت کے راہبوں زبور کے کاہنوں انجیل کے پادریوں اور دیگر پڑھنے والوں سے پوچھ کر دیکھ لو سب یہی بتائیں گے کہ واقعی محمد مصطفیٰ سے پہلے بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب جتنے بھی رسولانِ عظام تشریف لائے وہ سب ہی انسانی مرد ہوئے اور سب کو ہی اللہ تعالے کی طرف سے معجزات اور کلامِ الٰہی کے صحیفے دیئے گئے۔ کسی کو بلا واسطہ کسی کو بالواسطہ یعنی پہلے نبی علیہ السّلام کی کتاب یا صحیفہ۔ کسی کو بڑی کتاب جن کی تعداد چار ہے کسی کو چھوٹی کتاب جس کو صحیفہ ہی کہا جاتا تھا اور اُن کی کُل تعداد ایک سَو دس ہے۔ اور معجزہ ہر نبی کو علیحدہ مستقل دیا گیا۔ کسی کو ایک کسی کو زیادہ انبیاءِ بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ معجزات موسیٰ علیہ السّلام کو ملے یعنی نو معجزے۔ لیکن اے پیارے نبی حبیب کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ آپ کی طرف ہم نے کروڑ ہا معجزات عطا فرمانے کے بعد اپنا ابدی دائمی لازوال ذکر یعنی قرآن مجید نازل فرمایا جو اللہ کی قدرت ہے کیونکہ اُس کا کلام اور آپ کا معجزہ ہے کیونکہ آپ کی زبان ہے یہ معجزہ ہمیشہ تک باقی رہنے والا ہے اس لیے کہ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ۔ تم ہی اس کو پورا پورا تمام عالم کے انسانوں کی تعلیم و تعلّم بیان کرسکتے ہو یہ قرآنِ مجید ہر بات کو بیان کرتا ہے مگر اجمالاً آپ کی زبان ہی اس کی تفسیر کر سکتی ہے۔ اے پیارے یہ کلام میرا ہے بیان تیرا ہے اور فرمان میرا ہے زبان تیری ہے۔ ذکر میرا ہے چرچا تیرا ہے۔ ہم نے تیری طرف لوگوں کے لیے نازل فرمایا یہ قانونِ الٰہی ہے شریعتِ خداوندی ہے یہ مکمل ذکر ہے اس لیے کہ قرآن میرا ہے اور حدیث تیری ہے۔ یہ اسلام کے دو بازو ہیں۔ نہ کوئی حدیث کو چھوڑ سکتا ہے نہ قرآن کو۔ نہ کوئی فقط اہلِ قرآن بن سکتا ہے نہ فقط اہلِ حدیث اے پیارے رحمۃ عالمین یہ ذکر صرف پڑھنے یا ذکر کرنے کے لیے تو یسّرنا ہے بہت ہی آسان لیکن تدبّر تفکّر اور سمجھنے کے لیے لِتُبَيِّنَ ہے۔ انتہائی مشکل کے تیرے سمجھائے بغیر انسان تو در کنا جن و ملک بھی جبرائیل و میکائیل بھی نہیں سمجھ سکتے تو ہی اے نبیِّ مکرم کائناتِ عالم کا معلم اول ہے۔ تیری بارگاہ میں سب ہی اُمّی ہیں مگر تو صرف رب کے سامنے اُمّی ہے۔ تو ہی بتا سکتا ہے یہ قرآن کس شان کا ہے جو نازل کیا گیا ہے کتنا بڑا معدن ہے خزانہ ہے کیسا سمندرِ بے کراں ہے تیرے بتائے بغیر اس کی قدر کوئی کیا جانے۔ ہاں حبیبِ کریم کے بتانے کے بعد اور سمجھانے پڑھانے بیان کرنے کے بعد لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ شاید یہ دنیا والے اس قرآنِ مجید کی شان کو سمجھ لیں اور غور و فکر تدبّر و تحقیق کریں۔

أَفَأَمِنَ الَّذِينَ مَكَرُوا السَّيِّئَاتِ أَنْ يَخْسِفَ اللَّهُ بِهِمُ الْأَرْضَ أَوْ يَأْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُونَ ۔ أَوْ يَأْخُذَهُمْ فِي تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِينَ أَوْ يَأْخُذَهُمْ عَلَىٰ تَخَوُّفٍ فَإِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ۔

جب اِن کفّار کو معلوم ہے کہ اس سے پہلے بھی ہم اپنے رسول انسانی مردوں کو ہی بناتے رہے اور وہ ہمارے

سچے رسول تھے تو یہ بدبخت جو ہماری قوت و طاقت کو تسلیم بھی کرتے ہیں پھر ہمارے پیارے
محبوب کو کیوں نہیں مانتے ان کی تبلیغ اور قرآن و حدیث بلکہ ان کی ذات کے خلاف اُن کے کلمہ پڑھنے
والوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں سخت قسم کے مکر فریب کرتے رہتے ہیں اور ذرا نہیں سوچتے کہ اللہ تعالیٰ
اپنے انبیاء عظام رسولانِ کرام کی شان و آن کی خاطر پہلوں کی طرح تم کو بھی پچھلی نافرمان اُمتوں کی مثل
بہت سی قسم کے عذابوں سے ہلاک فنا اور برباد کر سکتا ہے ۔ جب کہ ان کو پچھلی تاریخی عذاب اُجڑی
بستیاں اور واقعات معلوم ہیں تو پھر اپنی انتہائی کم عقلی سے اپنی اُن ہی خبیثانہ حرکتوں کے باوجود عذابِ الٰہی
آنے سے بے خوف اور مطمئن کیوں ہوئے بیٹھے ہیں ۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ باری تعالیٰ چاروں طرف
سے جیسا چاہے عذاب نازل فرمادے خواہ ان بدکاروں بدعملوں کو زمین میں جیتے جی دھنسا دے جیسے
قارون کو کیا اور قریب قیامت بھی ایسے انفرادی طور پر واقعات رونما ہوں گے جیسا کہ غیب جاننے
والے نبی نے فرمایا یا اچانک ہنستے کھیلتے ان پر اس طریقے سے عذاب آجائے کہ یہ سمجھ بھی نہ سکیں اور
سنبھل بھی نہ سکیں جیسا کہ پچھلی اُمتوں میں سے قومِ لوط پر پتھر برسے یا کبھی کسی علاقے میں اچانک
آسمانی اولے برس جائیں جس سے سیکڑوں جانور و انسان ہلاک ہو جائیں یا آندھی طوفان تباہی
مچادے یا آگ لگ جائے اور وجہ سمجھ نہ آئے لوگ اہلِ خانہ یہی سمجھتے رہیں کہ شاید بجلی کی تار شارٹ ہو
گئی ہو گی ۔ یا زکوٰۃ نہ دینے والے کی چوری ڈکیتی ہو جائے یا حرام میں ملا ہوا حلال مال بھی ضائع ہو جائے
یا طوفان و سیلاب سے ہلاکت پڑ جائے ۔ اللہ ہر چیز اور طریقے پر قادر ہے ۔ ایسا ہوتا بھی رہا ہے
لہٰذا آئندہ کا بھی اندیشہ رکھنا چاہیے اور اُس احکم الحاکمین کی سزا سے ڈرنا بچنا چاہیے (اللہ ہم سب کو
توفیق دے) ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ قابلِ سزا بدکاروں کو اُن کے سفر و حضر ۔ یا چلتے پھرتے اور عیش و
عشرت کی ناچ رنگ کی محفل میں ہی اُن پر عذاب ڈالدے اور خوشی کی محفل اچانک غم کی محفل بن جائے
جو اللہ گھروں کی کوٹھڑیوں میں عذاب بھیج سکتا ہے وہ سفر کی منزلوں پر بھی ہلاک کر سکتا ہے جیسا کہ قوم
ھود کے مسافروں پر بھی دور دراز علاقوں میں وہی عذاب پہنچا تھا جو بستی ھود میں آیا ۔ تَقَلُّبِهِم کے
ایک معنیٰ یہ بھی کئے گئے ہیں کہ کفار علاماتِ عذاب دیکھ کر بچنے بھاگنے کی تیاریوں میں نقل مکانی کرتے
ہوں لیکن اُن کی ساری تدبیریں اور بھاگ دوڑ اُن کو عذابِ الٰہی سے نہ بچا سکے جیسا کہ قومِ موسےٰ
پر طاعون اور مکڑیوں کا عذاب آیا ۔ تَقَلُّبْ کے معنیٰ یہ بھی کئے گئے ہیں کہ وہ بستروں میں نیند کی کروٹیں
بدل رہے ہوں اور عذاب اگر اسی حالت میں ہلاک کر دے بہر حال کوئی طاقت کسی وقت کسی طریقے
سے بھی رب تعالیٰ کو اُس کی کسی سزا دینے سے نہ روک سکیں نہ عاجز کر سکیں ۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے اور ہوتا رہا

ہے کہ بے خبری میں نہ مارا جائے بلکہ عذاب کی نشانیاں چند دن پہلے ہی ظاہر ہو جائیں اور لوگ اپنے طور پر سائنسی ایجادات یا علاج معالجے یا عقلی تدبیروں سے بچنے کی کوشش کریں مگر نہ بچ سکیں سب تدبیریں بیکار ثابت ہو جائیں اور دہشت و خوف سے لوگوں کے رنگ زرد اور سیاہ پڑ جائیں مگر پھر بھی عذابِ الٰہی ہلاک کر ڈالے جیسا کہ قومِ ثمود کو تین دن پہلے ہی عذاب کی نشانیاں دکھا دی گئیں تھیں کہ پہلے دن سب کے چہرے پیلے پڑ گئے دوسرے دن سرخ اور تیسرے اور آخری دن سیاہ ہوئے پھر عذاب آیا اور سب ہلاک ہو گئے یا جیسے کہ قحط کا آنا یا دشمن کے لشکر کی آمد اور حملے کی خبریں۔ غرضیکہ رب تعالیٰ ہر طرح ہلاک کر سکتا ہے کوئی شخص امیر یا غریب بادشاہ یا فقیر فوج یا پولیس عوام یا خواص۔ عقل یا تدبیر کسی ذریعے کسی سہارے سے بچ نہیں سکتا۔ کائنات کے لیے رب تعالیٰ نے عذاب و سزائے الٰہیہ سے بچنے کی بس ایک تدبیر اور ایک ہی سہارا پیدا فرمایا ہے کہ دامنِ نبوت میں آ جاؤ۔ طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں بلکہ آستانۂ مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ اتنی قوت و طاقت اختیار و حکومت کے باوجود باری تعالیٰ مغرور متکبر فاسق ظالم کافر بے ادب گستاخ فسادی لوگوں کو کیوں ہلاک نہیں فرماتا؟ صرف اس وجہ سے کہ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ پس بیشک تمہارا رب ہے پالنے والا شفقت و محبت اور رافت فرمانے والا ہے اور ہمیشہ سے رحم فرمانے والا ہے۔ اسی لیے ڈھیل دیتا ہے پیار سے قرآن و حدیث کے ذریعے سمجھاتا ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہر نبی کو معجزہ بھی عطا فرمایا اور اپنا کلام و قانون بھی یہ فائدہ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اگرچہ وہ کلام بالواسطہ ہو جیسے ابراہیم علیہ السلام کی شریعت اور صحیفے یوسف علیہ السلام تک سب انبیاء کو ملتے رہے۔ دوسرا فائدہ۔ قرآن مجید ہمیشہ ظاہر اور جہان بھر میں مشہور رہے گا اس کو کبھی کوئی چھپا کر نہیں رکھ سکتا۔ یہ فائدہ وَاَنْزَلْنَا کے بعد اُس کی علت لِتُبَیِّنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا شیعہ لوگوں کا یہ کہنا کفریہ جھوٹ ہے کہ اصل قرآن امام مہدی غار میں چھپا کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ تیسرا فائدہ۔ قاری اور حافظ سے عالمِ دین کا درجہ افضل و اعلیٰ ہے۔ اور تلاوتِ قرآنِ مجید سے تفکرِ قرآنِ مجید زیادہ ضروری ہے۔ یہ فائدہ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ نزولِ قرآنی کا اصل مقصد اُس کو سمجھنا تدبّر و تفکّر کرنا اور بہت زیادہ سمجھنے کے بعد اُس پر عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو سچی سمجھ عطا فرمائے۔ چوتھا فائدہ۔ انفرادی طور پر اب بھی عذابِ الٰہی نافرمانوں پر آ سکتا ہے جس عذاب کے بند ہونے کا وعدہ ہے وہ اجتماعی عذابِ الٰہی

ہے جیسے سابقہ امتوں پر یک دم سب پر آیا۔ یہ فائدہ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰہُ بِہِمُ الْاَرْضَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان پر ائمۂ مجتہدین کی تقلید کرنا واجب ہے۔ ہر شخص بحرِ قرآن وحدیث میں غوطہ زن ہونے کی کوشش نہ کرے ورنہ گمراہی کی طغیانیوں میں ڈوب جائے گا جیسا کہ تمام غیر مقلدین گمراہیوں میں بھٹک رہے ہیں اور درپردہ تقلید کرنے پر مجبور ہیں۔ بعض مسائل ایسے ہیں جو ہم کو قرآنِ مجید واحادیث میں صراحتًا قطعًا نظر نہیں آتے مثلًا طلاقِ معلق مگر سارے غیر مقلدین اس طلاق کے وقوع کو مانتے ہیں اور ثبوت فقہ سے ہی لیتے ہیں یہ مسئلہ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ قرآنِ مجید کے کسی مسئلے کو دنیوی غرض کی بنا پر چھپانا حرام قطعی ہے موقعہ محل کے اعتبار سے علماء اور مشائخ پر فرض ہے کہ قانونِ قرآن مجید کو عوام میں خوب پھیلائیں اور بتائیں دنیا کی کسی طاقت وملامت سے نہ ڈریں۔ یہ مسئلہ لِتُبَيِّنَ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض ہو سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ عذاب اور پکڑ کے ساتھ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ فرمایا گیا۔ جواب۔ عذاب کا ذکر اس لیے کیا گیا کہ رب تعالیٰ جب چاہے تمہاری نافرمانیوں پر حسب سابق عذاب بھیج دے۔ رؤف ورحیم سے یہ بتایا گیا کہ باوجود قدرتِ کاملہ اب تک جو نہیں بھیجا محض اس لیے کہ وہ انتہائی رؤف رحیم ہے اپنے بندوں کو توبہ کی زیادہ ڈھیل ومہلت عطا فرماتا ہے۔ گویا کہ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کسی پوشیدہ معلول کی علت ہے۔ دوسرا اعتراض۔ سورۃ نحل پوری مکی ہے بجز تین آیت کے۔ اور یہ آیت ۴۳ وَمَآ اَرْسَلْنَا بالاتفاق مکی ہے اور اہلِ مکہ اس وقت سب ہی مشرک تھے وہ تو کسی نبی کو نہیں مانتے تھے۔ تو ان کیلئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ثبوت میں سابقہ انبیاء کی دلیل پیش کیوں کی گئی کہ ہم نے پہلے بھی مردوں کو ہی نبی بنا کر بھیجا ہے دلیل تو وہ دیجاتی ہے جس کو مخالف تسلیم کرے ہاں البتہ یہ دلیل یہود ونصاریٰ کے مقابل درست تھی کیونکہ وہ سابقہ انبیاء کی تعداد انکی نبوت ورسالت کو مانتے تھے کہ وہ مرد ہی تھے عورت جن فرشتہ نہیں تھے مگر مشرکین کے لیے یہ دلیل درست نہیں لگتی۔ جواب۔ یہ دلیل اس لیے نہیں دی گئی کہ مخالف پر الزام عائد کیا جائے۔ جس کو الزامی جواب کہا جاتا ہے کہ جب تم اس کو مانتے ہو تو اس کو بھی مانو۔ بلکہ سابقہ تاریخ کا حوالہ دیا جا رہا ہے کہ اے مشرکین مکہ جس چیز کا تم مطالبہ کر رہے ہو وہ غلط ہے اور قانونِ الٰہیہ وفطرتِ کائناتی اور عاداتِ خداوندی کے خلاف۔ اگر سابقہ تاریخ سے واقعی تم ناواقف ہو تو فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ (الخ) ذکر والے یہود ونصاریٰ سے پوچھ لو۔

تیسرا اعتراض۔ اہل سنت حضرات کہتے ہیں کہ شریعت کی چار دلیلیں ہیں۔
۱ قرآن۔ ۲ حدیث۔ ۳ اجماع اُمت۔ ۴ قیاس۔ جیسا کہ علم اصول فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔
حالانکہ قیاس قطعًا غلط ہے۔ اور قرآنِ مجید کی اِس آیت سے قیاس کی مخالفت ثابت ہوتی ہے۔
دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر تم کو کسی بات کا علم نہ ہو سکے تو ذکر یعنی علم والوں سے پوچھ لو۔
اگر قیاس بھی جائز ہوتا تو یہاں فرمایا جاتا کہ اگر تم کو علم نہیں تو قیاس کر لو۔ اس لیے اب جو قیاس
کرتا ہے وہ قرآنِ مجید کی اِس آیت کی مخالفت کرتا ہے۔ اور قرآنِ کریم کی مخالفت تو کفر ہے لہٰذا
ثابت ہوا کہ قیاس کفر ہے (اہلِ حدیث یعنی غیر مقلد وہابی۔)
جواب۔ یہاں فَاسْئَلُوْا کا تعلق تاریخی واقعات سے متعلق ہے اور قیاس تاریخی واقعات پر نہیں ہوتا
بلکہ مسائل شرعیہ پر کیا جاتا ہے۔ آپ لوگوں کو اسلام کی ہر بات ہی کفر شرک نظر آتی ہے اور پھر خود بھی
اس میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ دیکھو تمام غیر مقلد وہابی طلاق معلق کو مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ طلاق
کو کسی شرط پر معلق کیا تو جب وہ شرط پائی جائے گی طلاق واقع ہو جائے گی۔ حالانکہ یہ مسئلہ
کسی آیت یا حدیث سے ثابت نہیں بلکہ دیگر معلقات پر قیاس ہی کے ذریعے واقع ہوتی ہے۔ تفسیر
کبیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ تمہاری یہ دلیل تمہارا اپنا وہم ہے۔ قیاس تو اجماعِ صحابہ سے ثابت
ہے نیز نبی کریم نے قیاس کرنے کا حکم عطا فرمایا ہے۔ اور یہ دلائل تم لوگوں کے اِس وہمی دلائل سے
زیادہ قوی ہیں امام رازی کے زمانے میں یہ باتیں معتزلی کیا کرتے تھے جن کو آج وہابیوں نے پسند
کر لیا۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں آیت ۴۳ ختم ہونے کے بعد بالکل شروع میں آیت ۴۴ کا پہلا
حرف بِالْبَیِّنٰتِ ہے قواعد نحویہ کے مطابق بِ جارہ شروع میں نہیں آ سکتی۔ تو یہاں کیوں آ گئی۔؟
جواب۔ یہاں بھی شروع میں نہیں بلکہ ایک جملے یا ایک فعل کے بعد ہے۔ مگر اس کے تعلق کے بارے
میں پانچ قول ہیں۔ ۱ اس کا تعلق وَمَآ اَرْسَلْنَا سے ہے۔ اور عبارت اس طرح سے ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا
مِنْ قَبْلِكَ بِالْبَیِّنٰتِ وَالزُّبُرِ اِلَّا رِجَالًا ۲ فرّاء نحوی نے اِس کو غلط قرار دیا کہ اِلَّا بعد میں نہیں
ہو سکتا یا اس طرح ہو سکتا ہے کہ یہ آیت ۴۴ اس طرح شروع ہوا اَرْسَلْنَا هُمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۳ یہ متعلق ہے
یُوْحِیْ کے اور عبارت اس طرح ہے یُوْحِیْ اِلَیْهِمْ بِالْبَیِّنٰتِ ۴ ذکر بمعنیٰ علم ہے اور بِالْبَیِّنٰتِ کا تعلق
فَاسْئَلُوْا سے ہے۔ اور عبارت اس طرح ہے فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ بِالْبَیِّنٰتِ ۵ اس کا تعلق لَا تَعْلَمُوْنَ
سے ہے۔ اور عبارت اِس طرح سے ہے اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ بِالْبَیِّنٰتِ بہرکیف بے جوڑ نہیں تفسیر نحوی
میں بھی اس کی کچھ وضاحت کر دی گئی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَّمُوْتُ بَلٰى وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ۔ نفوسِ شیطانی نے قلب کی زندگی کو جھٹلایا اور انکار کیا کہ عشقِ الٰہی کی آگ میں جو فنا فی اللہ ہوا اُس کی بقا نا ممکن ہے۔ اور معقولاتِ باطل نے قدرتِ الٰہیہ کے انکار پر اللہ تعالیٰ کی قسموں کو ہی شاہدِ سرتی بنایا۔ کہ میدانِ قہر کی وادیِ درکات میں قیامتِ صغریٰ کی نارِ فراق سے مردہ ضمیروں کو خلاقِ کائنات زندہ نہیں کر سکتا۔ ہاں ہاں۔ ایسا ضرور ہوگا کہ سینۂ عُشاق کو انوارِ تجلیات کی حیاتِ ابدی سے جگمگا دیا جائے اور عقلِ روشن کو تابندہ تفکّر و تدبر کی زندگی عطا کی جائے اور نفوسِ شیطانیہ کو بھی قہر و ذلت کی زندگی میں بتلا رکھا جائے۔ لیکن اس رازِ مخفی کو اہلِ شقاوت و کفرانِ نعمت مُلا اکثر لوگ نہیں جان سکتے۔ ہیجانِ باطن کی یہ قیامتِ صغریٰ کا برپا ہونا اِس لیے حق ہے۔ کہ عقولِ نادانی جن باطنی اسرار میں قلوبِ ایمانی سے اختلاف کرتے ہیں ان کو ثابت فرمایا جائے۔ عقل کا کام بحث و مناظرہ کرنا ہے۔ جسمانیتِ انسانی میں چار درخت ہیں اور چار نہروں سے اُن کو پانی ملتا ہے۔

۱ عقل درخت ہے تفکر اُس کا پانی ہے۔ ۲ دوسرا درخت غفلت ہے جہالت کی نہر سے اختلاف کا پانی اس کو ملتا ہے۔ ۳ جب باطن کی قیامتِ صغریٰ اور ہجران کا میدانِ محشر قائم ہوتا ہے تو درختِ ندامت کو زندگی ملتی ہے۔ اور نہرِ توبہ سے اُس کو پانی ملتا ہے۔ ۴ پھر شجرِ محبت اُگایا جاتا ہے۔ اور موافقت و اطاعت کی نہر سے اُس کو پانی ملتا ہے۔ شجرِ عقل کا سب سے بڑا دشمن نفسِ امارہ ہے جو پہلے عقل سے انتہائی محبت کرتے ہوئے اُس سے ملتا ہے پھر اپنے باطن کے چار گھن اس میں بسا دیتا ہے پہلا گھن کیڑا حسد ہے۔ جو مسلمانوں اور علما اولیاءُ اللہ سے عقل میں داخل ہوتا ہے ہر طرح گستاخی بے ادبی اور نقصان پہنچانے کے عقل منصوبے بناتی ہے ۲ دوسرا گھن حرصِ دُنیا۔ اس طرح کہ ساری دنیا کے حصول میں تمام عقل خرچ کر دیتا ہے ۳ دنیوی جاہ۔ مرتبہ۔ عزت کی خواہش و طلب۔ ۴ فکرِ دنیا۔ و شہوت پرستی۔ یہ چار گھن عقل کے درخت کو کھوکھلا کر دیتے ہیں۔ لیکن نفسِ امارہ ہزار حیلوں بہانوں۔ وسوسوں تسلیوں سے قسمیں بول بول کر یہی سمجھاتا ہے کہ کچھ نہیں ہوا عقل درست ہے اُس کے تفکرات و تجربات صحیح ہیں اور بندہ اِن میں ہی مست گرار رہتا ہے۔ کہ گویا مُردہ ہے کبھی نہ اُٹھایا جائے گا۔ لیکن قلبِ محبوب کو تین معرفتیں ملتی ہیں جن سے زُہد پیدا ہوتا ہے ۱ دنیا کے مکر کی پہچان اور اس سے ہٹنا بچنا ۲ آخرت کی آرزو اور طلب میں کوشش۔ ۳ رب تعالیٰ کی تمام صفتوں کا احترام۔

بندے کی قیامت باطنی میں تمام بدیوں کو ایک جگہ مقامِ نفس میں جمع کر دیا گیا ہے۔ عقل شیطانی کی ابلیسیت کو زہد کی چار دیواری بنا کر عشقِ الٰہی کا تالا لگا کر قید کر دیا گیا۔ لیکن دنیا داری کو اس کی چابی بنایا جو لالچ کے قبضے میں ہے دنیا کا پہلا اثر غفلت ہے۔ اہل سلوک کی غفلت اس کی موت ہے۔ دنیا دار سمجھتا ہے اس موت کے بعد کبھی زندگی نہیں ہے۔ یہ جہان بیٹھا۔ اگلا کس نے دیکھا۔ بلکہ ذکر الٰہی سے مردوں کو زندگی ملتی ہے۔ جہنم فرقت کسی کو قرار ہے جس کے پاس ایمان کی نشانی۔ نفاق کی بیزاری۔ اور شیطان سے حصاری یعنی قلعہ بند حفاظت ہو۔ لیکن اکثر لوگ ان حقیقتوں کو نہیں جانتے۔ اِنَّمَا قَوۡلُنَا لِشَیۡءٍ اِذَاۤ اَرَدۡنٰهُ اَنۡ نَّقُوۡلَ لَهٗ كُنۡ فَيَكُوۡنُ وَالَّذِيۡنَ هَاجَرُوۡا فِى اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا ظُلِمُوۡا لَـنُبَوِّئَنَّهُمۡ فِى الدُّنۡيَا حَسَنَةً‌ ؕ وَلَاَجۡرُ الۡاٰخِرَةِ اَكۡبَرُ‌ ۘ لَوۡ كَانُوۡا يَعۡلَمُوۡنَ ۙ‏ الَّذِيۡنَ صَبَرُوۡا وَعَلٰى رَبِّهِمۡ يَتَوَكَّلُوۡنَ۔ ہمارے جبر و قدر کے فیصلے ظلمت و نور کی واردتیں قبض و بسط کی قسمیں مراقبہ و مشاہدے کے انعامات شقاوت و سعادت کی منزلیں جس کا بھی ہم ارادہ فرمائیں ساعتِ کُن فرمانے میں ہو جاتی ہے۔ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر میں فرمایا کہ رب تعالیٰ کے فیصلے خلق کے متعلق تین قسم کے ہیں۔

۱۔ ارادۂ الٰہی ۲۔ قدرتِ الٰہی ۳۔ علم الٰہی۔ رب تعالیٰ کا علم مطلق ہر چیز پر محیط ہے۔ کُن سے پہلے بھی اور بعد بھی لیکن علم ارادہ وقتِ معین اور وجہ معین سے خاص اور علم قدرت۔ وجودِ شی واجب اور موجود ہونے اور موقوف علیہ کے موجود ہونے سے اور اس وقتِ معین اور وجہ معلوم سے خاص ہے۔ مثلاً کبھی ایسا ہوگا ۱۔ یہ ارادۂ الٰہی ہے۔ ۲۔ ان موجود چیزوں سے یہ چیز فلاں وقت ہوگی یہ معلوماتِ الٰہی ہیں ۳۔ اور ایسا ہو گیا یہ قدرت الٰہیہ ہے۔ ان تینوں کا مرجع علم مطلق ہے اسی کو عزیمت اور تخلیق کہا جاتا ہے بخلاف بندے اور مخلوق کے علم کے۔ وہ صرف بننے کا اور ہو جانے کا علم رکھتا ہے۔ بنانے اور کرنے کا علم نہیں رکھتا۔ بندے کی ایجادات قبل از وقت تخیل و تصور ہے علم نہیں۔ بندہ کہتا ہے میں کل یہ کروں گا اور ایسا کل ہوگا یہ صرف تخیل ہے۔ اس کو علم نہیں کہا جا سکتا ہے ضروری نہیں کہ ہو جائے۔ علم یہ ہے کہ وہ کام ضروری ہو جائے۔ اسی چیز کو سمجھانے کے لیے فرمایا گیا۔ کہ کُن کہتے ہیں تو وہ وجودِ حقیقی میں آ جاتی ہے خواہ جلدی یا بہت دیر سے جس قسم کا ارادہ اسی قسم کے وقت میں وہ چیز ہو جاتی ہے۔ لہٰذا جن اہلِ فراست نے اللہ کے ارادہ۔ علم و قدرتِ صفات میں اپنے شعور عقل۔ تدابیر۔ نفس و خواہشات تمناؤں۔ امیدوں۔ آرزوؤں سب سے ہجرت کر لی منہ موڑ لیا۔ اس کے بعد حسدِ شیطانی کدورتِ شیطانی۔ عداوتِ نفسانی کے کتنے ہی مظلوم ہوئے اور دنیا کی ہر محفلِ باطلین میں ان پر ظلم شقاوت کیے گئے۔ ایسے مخلص طالبین کو ہم عالم ناسوت میں منزلِ محبوب کا مشاہدۂ جمال عطا

فرمائیں گے۔ اور راہِ عشق کی آخری منزل کا انعام محبوبیتِ ابدی دیں گے۔ جو تمام تحائفِ لذاتی سے بلند ہے۔ راہِ طلب کی وادیوں میں صبر سے بڑھتے رہنے والے۔ جو ہر ذکر فکر شکر صبر۔ قیام و قعود میں اپنے پروردگار خالق تعالیٰ پر ہی بھروسہ کرتے ہیں۔ اگر وہ مقامِ جبروت سے پہلے ہی ان وارداتِ انوار اور منزلِ لاہوت کے ٹھکانوں کو پہلے ہی جان لیتے تو دو عالم سے ہاتھ دھو لیتے۔ اور ہر لذت دہر سے دور ہو رہتے۔ ؎ شعر

اگر درویش بر حالے بماندے
سرِ دست از دو عالم برفشاندے

یہ دنیوی لذتیں اسی وقت تک کے لیے ہیں۔ جب تک جلوۂ محبوب کا نور پردے میں ہے۔ صلی اللہ علیہ وسلم
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ.
اے آسمانِ نبوت کے نیرِ تاباں ہم نے تجھ سے پہلے صرف علم و عرفان کی قوت والوں کو ہی اپنے فیصلۂ ازلی ابدی کا پیغامبر بنایا۔ اور ان حواسِ باطنی کی طرف اسرارِ مخفی کی وحیِ الہامی فرماتے رہے۔ تو اے ظاہر والو ذکرِ خفی والوں سے سعادت والوں کی منزلوں کا پتہ پوچھ لو۔ اگر تم کو ان مشاہدات والوں کا پتہ اور ان کے راہِ سلوک کا علم نہ ہو۔ اور درد عشق کی لذت کا پتہ لگانا ہے تو پوچھو شبِ تاریک کی روشن دعاؤں۔ تڑپتی التجاؤں اور فریادِ بیّنٰت سے اور زبورِ سینہ کی سحر گاہی آہوں سے۔ اے کائناتِ عالم کے جگمگاتے نیرِ تاباں۔ ہم نے اپنے تمام ذکر فکر۔ علم و عرفان کے خزانے تیری طرف ہی نازل فرما دیئے۔ اور سب جہانوں کے پوچھنے والوں کو تیری گلی کا رستہ بتایا گیا۔ اب تو ہی عالمِ ناسوت، لاہوت جبروت کے سائلوں کو اور ہر پوچھنے والے انسان کو بیان فرمانے والا ہے کہ پہلوں کی طرف کیا نازل کیا گیا۔ اب سب کے لیے تو ہی اہلِ ذکر ہے۔ اب سارے جہانوں کے لیے تیری عقل علمِ الٰہی ہے تیری زبان ذکرِ الٰہی اور تیرا چہرہ عرفانِ الٰہی ہے۔ اے ازلی ابدی محبوب سب انسانیت کے لیے بیان فرما تاکہ یہ لوگ قلبِ منوّر اور عقلِ معطّر کی گہرائیوں میں اتر کر فکر و تدبّر کریں۔ آستانۂ قدس میں مرد اور رجال وہ ہے جو زاہد بحر و بر ہو۔ اور زاہد وہ ہے جو دنیا کا ہلکا اور آخرت کا بھاری ہو۔ فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ والی آیت میں اہلِ دین کا ذکر ہے اور نَجَی الْمُخِفُّوْنَ وَهَلَكَ الْمُثْقِلُوْنَ والی حدیث میں اہلِ دنیا کا ذکر۔ دین والا مردِ زاہد ہے۔ اور دنیا کے بوجھ والا نامرد ہے۔ اہلِ ذکر۔ ذاکرِ الٰہی ہے اور وہی کامل ہے و مفید ہے اور وہی الہامِ الٰہی کا حقدار ہے۔ اس لیے کہ ذکر اللہ میں چھ فائدے ہیں۔

۱ حفاظتِ ذنوب ۲ مشاہدۂ ذات بعینِ تجلی ۳ رب تعالیٰ کی مضبوط دوستی ۴ عالمِ کائنات کی عزیزیت ۵ نفس کے اشرار وخباثت سے بچاؤ۔ ۶ قربِ اولیاء اللہ کی اُنسیت ومحبت کا حصول جسمِ انسانی اور جسدِ ایمانی کے چار ذکر ہیں پہلا ذکر نماز۔ اس کے ترک سے سلبِ ایمان کا اندیشہ دوسرا ذکر۔ زکوٰۃ۔ اس کے ترک سے۔ تمام برکتوں سے محرومی ہے تیسرا ذکر۔ صدقہ وقربانی۔ اس کے ترک سے قلب اور جسم کی تندرستی سے محرومی ہے چوتھا ذکر۔ دعا۔ اس کے ترک سے قبولیت سے محرومی ہے۔ اے وادیِ شوق اور راہِ طلب کے مسافر محتاج نہ بن ورنہ محتاج کر دیا جائے گا۔ لَا تَعْلَمُوْنَ کے زمرے میں شامل نہ ہو۔ تو ہمیشہ سائل اور پوچھنے والا ہی رہ بن۔ کسی خاموش کو حقیر نہ سمجھ اور کلام لغو سے خود بھی حقیر نہ بن۔ گروہِ رجال میں داخل ہوکر۔ مصائبِ اغیار کا مقابلہ صبر سے اور نعمتوں کی حفاظت شکر سے کر۔ کیونکہ الہامات اور وحیِ الٰہی میں تنگ کرنے والے بدکاروں سے برائی دور کر گئی ہے۔

اس راہِ سلوک میں تیرہ خاردار جھاڑیاں ہیں۔

۱ حسد ۲ انکار ۳ نِفاق ۴ جھوٹ ۵ کنجوس ۶ حرص ۷ لالچ ۸ غصہ ۹ عداوت ۱۰ ریا ۱۱ بہتان ۱۲ غیبت۔ ۱۳ منافقت۔ بتینت کی زرہ اور زہد ولایت کے لباس کو پہن کر اس راستے میں قدم رکھ۔ رجالِ سعید کی پانچ نشانیاں ہیں۔

۱ دل کی نرمی ۲ کثرتِ گریہ ۳ دنیا سے نفرت ۴ دُنیوی امیدوں کا کم ہونا۔ ۵ حیا۔ مردانِ راہِ خدا کی گفتار معرفت ہے اور اُن کی خاموشی مشاہدہ ہے۔ اَفَاَمِنَ الَّذِیْنَ مَکَرُوا السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَیْثُ لَا یَشْعُرُوْنَ۔ اَوْ یَاْخُذَهُمْ فِیْ تَقَلُّبِهِمْ فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِیْنَ اَوْ یَاْخُذَهُمْ عَلٰی تَخَوُّفٍ فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ۔ کیا دنیاءِ دون میں بسنے والے آس واُمید کی مکاریاں بدکاریاں کرنے والے اِس بات سے بے خوف ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ ان کی زمینِ جسمانی کو قعرِ مذلت میں دھنسا دے یا کسی ایسی جانب سے اُن پر ظلماتِ باطنی کا عذابِ فراق آ جائے کہ عقل و دماغ کی قوتِ باطنی اُس کو سمجھ ہی نہ سکے۔ یا نفوسِ رذیلہ کی خوابِ غفلت میں ان کو دستِ قہاری سے گرفتار فرمالے۔ یا خیالاتِ لغویہ اور تصوراتِ بیہودہ کی اونچی پروازوں۔ لبی امیدوں کے منصوبوں کی مسافرت میں ہی ان کو پنجۂ موت سے پکڑ لے تو اُس وقت ان کا سارا مکر وفریب اکڑ وغرور گم ہو جائے۔ اور کچھ بھی نہ روک سکیں ہر وسوسۂ شیطانی عیاریِ نفسانی ٹوٹ جائے۔ یا نفس کی بزدلی اور عقلِ فاسدہ کی تھکاوٹ واندیشا کی پران کو خوفِ لعنت سے پکڑ لیا جائے۔ مگر ایسا صرف اِس لیے نہیں ہوتا۔ اور نفوسِ ابلیسیت کو اس لیے ڈھیل دی جاتی ہے کہ بیشک تمہارا پروردگار قواءِ ظاہری و باطنی کو پالنے والا

بہت ہی نرمی حلیمی فرمانے والا ہے۔ اور ازل و قدیم کا رحم فرمانے والا ہے۔ جسم انسانی میں دو قوتیں خالق تعالیٰ نے پیدا فرمائیں ایک نفسانی جو ابلیس کا مرکزِ تلبیس ہے۔ جو خود باقی رہنے کا خواہش مند ہے یہی اُس کا غرور ہے۔ دوسری ایمانی قوت جو مرکزِ انوار و تجلیات ہے۔ اِس کی خواہش ذاتِ وحدت میں فنا ہو جانا ہے۔ اور یہی اصل حقیقتِ ایمانی ہے کیونکہ اپنی ہستی سے فانی ہو کر اُس کی ذاتِ پاک کے خیال میں گم ہو جانے کا نام مشاہدہ ہے۔ اور دل کو ماسوا اللہ سے خالی کرنے کا نام مجاہدہ ہے۔ نفسانی قوتوں کو زیر کرنے کا نام مجادلہ ہے۔ اِسی مقام پر اَنۡ يَّخۡسِفَ اللّٰهُ کا مظاہرہ قدرت ہے۔ زاہد وہ ہے جو ظاہر و باطن کے اُتار چڑھاؤ سے بے نیاز ہو جائے۔ بادشاہوں امیروں سے دور ہو جائے۔ دل طمع سے خالی ہو۔ ہر چیز منجانب اللہ سمجھے نہ کسی سے خدشہ۔ مخلوق کی طرف مائل ہونا یہ باطن کی پاکیزگی کے لیے مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ والا مخفی عذاب ہے۔ اور تزکیۂ روحانی کے لیے يَاۡخُذَهُمۡ فِىۡ تَقَلُّبِهِمۡ والی ناگہانی پکڑ ہے۔ اس عذاب اور پکڑ سے بچنے کے لیے مومن کو تین چیزیں لازم ہیں۔ امر و نہی اور تقدیر پر رضا۔ اے بندۂ مخلص مراقبۂ عام میں اللہ تعالیٰ کو اپنا راہنما بنالے تاکہ اُس کی امداد حاصل کر سکے۔ پس اللہ رسول سے سوال کر۔ ان لوگوں سے سوال کرتا ہے جو اللہ رسول سے ناواقف ہو۔ رسولُ اللہ ہی رب تعالیٰ کی پہلی و آخری چوکھٹ ہیں۔

اَوَلَمۡ يَرَوۡا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنۡ شَىۡءٍ يَّتَفَيَّؤُا

کیا نہ دیکھا اُن کافروں نے طرف اِس کے جو پیدا کیا اللہ نے کوئی چیز بھی جھکتا ہے

اور کیا انہوں نے نہ دیکھا کہ جو چیز اللہ نے بنائی ہے اُس کی پرچھائیاں

ظِلٰلُهٗ عَنِ الۡيَمِيۡنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمۡ

سایہ اُس کا طرف داہنی اور بائیں سجدہ کرنے کے لیے اللہ کو اور وہ سب ہی

داہنے اور بائیں جھکتی ہیں اللہ کو سجدہ کرتی اور وہ اُس کے حضور

دَاخِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا

عاجزی والے ۔ اور اللہ کیلئے سجدہ کرتے ہیں وہ جو ہیں آسمانوں کے اور وہ جو

ذلیل ہیں۔ اور اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ

فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا

میں زمین۔کوئی جاندار اور فرشتے اور وہ جو نہیں

زمین میں چلنے والا ہے اور فرشتے اور وہ غرور

يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ

تکبر کرتے ۔ خوف طاری رکھتے ہیں رب کا اپنے۔ سے اوپر اپنے

نہیں کرتے ۔ اپنے اوپر رب کا خوف کرتے ہیں

ع السجدة ۱۲ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ﴿۵۰﴾ السجدة وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا

اور عمل کرتے ہیں وہی جو حکم دیئے گئے ہیں اور فرمایا اللہ نے نہ بناؤ تم

اور وہی کرتے ہیں جو انہیں حکم ہو اور اللہ نے فرما دیا دو خدا نہ

اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّاىَ

دو معبود دو طرح ۔ فقط وہ معبود ہے اکیلا تو مجھ سے ہی

ٹھیراؤ وہ تو ایک ہی معبود ہے تو مجھی سے

فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

پس ڈرو تم

ڈرو

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بت پرستوں کی شرکیہ سجدہ ریزی اور کفریہ عبادت کا ذکر ہوا اب ان آیت میں سب مخلوق کی سچی سجدہ ریزی کا ذکر ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ بجز انسان کے کوئی بھی شرک نہیں کرتا۔ جنات کا یہاں تذکرہ نہیں ہے اگرچہ اُن میں بھی شرک کی طغیان ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں انسان کی کمزوری اور باوجود انتہائی لاغری کے زبردست متکبر ہونے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں بہت طاقت والی مخلوق کا ذکر ہوا کہ ملائکہ باوجود زبردست طاقت والے ہونے کے پھر بھی عاجز بنے رہتے ہیں متکبر نہیں ہوتے۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی نافرمانیوں کا ذکر کیا گیا کہ اتنے انبیاءِ کرام نے ہر طرح سمجھایا مگر یہ نافرمانی کرتے ہی رہتے ہیں اب ان آیتوں میں ملائکہ کی فرمانبرداری کا ذکر ہے کہ جو بھی اللہ تعالیٰ حکم فرماتا ہے وہ فوراً عمل کرتے ہیں

چوتھا تعلق۔ پچھلی آیت میں عذاب نازل ہو جانے کے چار طریقوں کا ذکر ہوا تھا کہ رب تعالیٰ کو کوئی عذاب سے نہ روک سکتا ہے نہ عاجز کر سکتا ہے۔ اب اس کی ایک وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ کسی کو روکنا طاقت سے ہوتا ہے مگر رب تعالیٰ سے زیادہ کسی کی طاقت ہی نہیں ہے۔ ملائکہ بھی اُس کی بارگاہ میں عاجز و مسکین ہیں۔

تفسیر نحوی

اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَيْءٍ يَّتَفَيَّؤُا ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰهِ وَهُمْ دٰخِرُوْنَ اَوَ۔ ایک قول میں حرفِ عطف تردیدی ہے بمعنیٰ یا یہ۔ یا یہ۔ دو چیزوں کے درمیان میں آتا ہے اور ایک کی تردید مقصود ہوتی ہے ایک کی تائید اصلاً وَ ہے واؤ ساکن لیکن جب استفہام کے لیے آئے تو واؤ پر فتحہ آتا ہے جیسے یہاں۔ استفہام توبیخی ہے اگر خطاب کفار کو ہے۔ لیکن اگر خطاب مسلمانوں سے یا عام انسان سے ہے تو استفہام تحقیقی ہے۔ یا تقریری ہے۔ دوسرے قول میں اَوَ۔ اَ ہمزہ استفہام توبیخی (جھڑک) ہے وَ عاطفہ اور واؤ سے پہلے ایک فعل پوشیدہ معطوف علیہ ہے۔ دراصل ہے اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا وَلَمْ يَرَوْا۔ لَمْ يَرَوْا فعل مضارع بابِ ضَرَبَ کا۔ صیغہ جمع مذکر غائب لَمْ جازمہ کے عمل سے آخر کی نونِ اعرابی گر گئی۔ رَاْيٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غور سے دیکھنا۔ دل دماغ کی قوت کے ذریعے آنکھوں سے دیکھنا۔ خواب کو رویت بھی اسی معنیٰ میں کہتے ہیں۔ اِلٰى جارہ انتہاء غایت کے لیے ہے مَا موصولہ خَلَقَ۔ ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب بابِ نَصَرَ خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدا کرنا۔ ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اس کے معنیٰ میں کوئی مصدر نہیں آتا۔ اللّٰهُ۔ اسم مفرد جامد خالق تعالیٰ کا ذاتی نام ہے بحالتِ رفع فاعل ہے خَلَقَ کا مِنْ جارہ تبعیضیہ شَيْءٍ

اسم مفرد جامد متمکن معرب نکرہ ہے مجرور ہے متعلق ہے خَلَقَ کا۔ موصوف ہے مابعد کا یَتَفَیَّؤُا باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے تَفَیُّءٌ۔ فَیْءٌ اجوف یائی اور مہموز لام سے بنا ہے۔ بمعنی سایہ ڈالنا۔ سایہ پھیلنا۔ سایہ کا جھکنا۔ دراز ہونا۔ ظِلٰلٌ۔ اسم جمع مکسر ہے ظِلٌّ کا بمعنی سایہ عربی میں فَیٌ کے معنی بھی سایہ ہیں اسی لیے اس کی جمع اَفیاءٌ اور فُیُوءٌ ہے مگر فرق یہ ہے کہ ظلٌ بمعنی اصلی سایہ جو اس کے قد کے برابر ہو اسی معنیٰ میں بزرگوں کے رحم کرم کو سایہ اور ظِل کہدیتے ہیں۔ عادل بادشاہ حاکم کو ظِلُّ اللّٰہ۔ وغیرہ القاب سے اِسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے کرم کے مَظہر بنتے ہیں اور اُسی سے ڈر کر لوگوں پر رحم کرتے ہیں۔ اور فَیْ وہ سایہ ہے جو چیز کے اصل قد سے گھٹ جائے یا بڑھ جائے۔ فَیٔ زوال شرعی اصطلاح میں گھٹے ہوئے سایہ کو کہتے ہیں گرمیوں میں دوپہر کو پیروں میں رہتا ہے۔ اِشراق اور سہ پہر کے سائے بڑھے ہوتے ہیں اس لیے اُن کو فَیٔ کہا جاتا ہے یہاں اِسی سائے کا ذکر ہے یعنی اُن کے ظِل فَیٔ بنتے ہیں (گھٹتے بڑھتے ہیں) اُن کے اِس سائے کو اُن کے رکوع سجدے قرار دیئے گئے یا تشبیہ دی گئی ہے۔ عَنْ جارّہ بمعنی اِلٰی اِنتہائیہ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ یَمِیْنِ۔ اسم مفرد معرفہ بمعنی اَسید ھا (دایاں) ہاتھ۔ منقول مجازی میں دائیں طرف کو بھی یمین کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے یُمْنٌ کا صفت مشبہ ہے بمعنی بہت قوت والا بہت برکت والا۔ چونکہ دایاں ہاتھ بائیں سے قوی ہوتا ہے نیز اس میں شرعی فضیلت ہے اس لیے اِس کو یمین کہا گیا۔ غالبًا مُلکِ یَمَن کو اس لیے یہ نام دیا گیا کہ وہ حجازِ مقدس سے دائیں جانب ہے یہاں مراد دائیں سمت ہے واؤ عاطفہ الف لام اسمی شَمَائِل اسم جمع مکسر ہے شِمَالٌ کا۔ اصلی معنی بائیں سمت اُلٹی طرف۔ مخالف راستہ۔ یا بائیں ہاتھ کو بھی مجازاً شمال اور یسار کہدیتے آسمان کا شمال طلوعِ آفتاب کی طرف مُنہ کرنے سے جو اُلٹے ہاتھ کا علاقہ ہوگا وہ شمال ہوگا۔ یہاں مراد سورج کا مشرق مغرب اور چیزوں درختوں وغیرہ کا دایاں۔ بایاں۔ سُجَّدًا۔ اسم مصدر ہے۔ اپنے مصدری معنیٰ میں ہے۔ بروزنِ رُکَّعٌ بحالتِ نصب مفعول لہٗ ہے یَتَفَیَّؤُا۔ کا۔ سُجُوْدٌ سے بنا ہے بمعنی زمین سے لپٹنا۔ چمٹنا۔ اوندھے گرنا۔ جھکنا۔ لام جارّہ ملکیت یا استحقاق یا تعظیم کا۔ اَللّٰہ اسم مفرد مجرور ہے لام سے بحالت کسرہ ہے۔ جار مجرور متعلق ہے سُجَّدًا کے کچھ لوگوں نے سُجَّدًا کو اسم فاعل صیغہ جمع مذکر مانا ہے۔ سَاجِدًا واحد ہے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے مگر یہاں نہیں۔ واؤ حالیہ یا نئے جملہ۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب۔ مرفوع منفصل مبتدا ہے جس کا مرجع مَا موصولہ ہے جو لفظًا واحد ہے مگر اپنی عمومیت میں جمع معنوی۔ دَاخِرُوْنَ۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ باب نَصَرَ کا۔ دُخُوْرٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ کمزوری کی بنا پر

عاجز ہونا یعنی حقیقتاً اور مجبوراً عاجز ہونا۔ بحالتِ رفع ہے۔ اپنے فاعل ھُمْ ضمیر سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ وَّالْمَلٰٓئِكَةُ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ۔ واؤ سر جملہ۔ لام جارہ استحقاقی ملکیتی اَللّٰہِ مجرور متعلق مقدم ہے۔ برائے حصر يَسْجُدُ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع سُجُوْدٌ سے بنا ہے بمعنی شرعی اصطلاحی۔ سات اعضا کا زمین پر لگانا انسانوں کا سجدہ باقی مخلوق کا ان کی کیفیت جسمی کے مطابق۔ مَا۔ موصولہ بحالتِ رفع اگلی پوری عبارت صلہ ہو کر فاعل ہے يَسْجُدُ کا۔ فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے۔ الف لام استغراقی سمٰوات جمع مؤنث سالم سَمَآءٌ یہ سات عالم میں۔ قدرتِ الٰہیہ کے مجرور ہے فِیْ سے واؤ عاطفہ مَا موصولہ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام استغراقی اَرْض اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنی پوری زمین مجرور ہے فِیْ سے۔ پہلا جار مجرور متعلق پوشیدہ موجودٌ اسم مفعول کا۔ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے دوسرے پوشیدہ موجودٌ کا مِنْ جارہ بیانیہ یا تبعیضیہ۔ دَآبَّةٍ۔ اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث باب نَصَرَ کا۔ دراصل تھا دَابِبَةٌ دَبٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی۔ زمین کھودنا۔ اکھیڑنا۔ روندنا۔ چلنا۔ یہاں آخری معنی میں ہے اور مراد ہے ایسا چلنا جس سے زمین پر نشان بن جائے اس لحاظ سے تمام حیوانات دابہ ہیں کیڑے کوڑے پرندے اور انسان بھی یہ مکسور ہے مِنْ سے۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے دوسرے موجودٌ کا۔ یہ موجودٌ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا اور معطوف ہے پہلے مَا موصولہ کا۔ اسی طرح پہلا موجودٌ پوشیدہ اپنے ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ اَلْمَلٰٓئِكَةُ الف لام استغراقی ملائکۃُ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے مَلَكٌ بمعنی فرشتہ بحالتِ رفع کیونکہ عطف ہے مَا موصولہ پر اور وہ سب سے مل کر فاعل ہے يَسْجُدُ کا۔ واؤ سر جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے اس کا مرجع ملائکۃُ ہے لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ باب استفعال کا۔ مضارع منفی بِلا معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ ھُمْ ضمیر جمع اس میں مستتر ہے۔ اور اس کا مرجع ملائکۃُ ہے فاعل ہے اس کا۔ مصدر ہے اِسْتِكْبَار بمعنی غرور کرنا۔ خود کو بڑا سمجھنا۔ کِبْرٌ سے بنا ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی يَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ يَخَافُوْنَ باب فَتَحَ یا سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ خَوْفٌ اجوف واوی سے بنا ہے رَبَّ اسم مفرد جامد اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے منصوب ہے مفعول بہ ہے يَخَافُوْنَ کا۔ ھُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس کا مرجع ملائکۃُ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ مِنْ جارہ بیانیہ فَوْقِ اسم ظرف

بمعنیٰ بلندی ۔ اوپر ۔ استعلا (مرتبہ کی بلندی کے لیے) یہاں آخری معنیٰ میں ہے ۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اگر مضاف الیہ ظاہر ہو تو اسم متمکن معرب اور اگر محذوف ہو تو ضمہ پر مبنی غیر متمکن ہے ۔ مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب نفسی ہے بمعنیٰ اپنے ۔ مضاف الیہ ہے ۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے یَخَافُوْنَ کا ۔ یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے ۔ یہاں مفعول دوم عذاباً پوشیدہ ہے عبارت اس طرح یخافون ربہم عذاباً من فوقہم ۔ ایک قول میں عذاب ربہم ہے ۔ اور ایک قول میں ۔ یہاں مِنْ سے پہلے عالیاً پوشیدہ ہے یہ جار مجرور اُس پوشیدہ کے متعلق ہے اور عالیاً اسم فاعل جملہ اسمیہ ہوکر حال ہے عذاب کا ۔ یَفْعَلُوْنَ فعل مضارع جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع ملائکہ ہے باب فتح سے ہے بمعنیٰ حال ہے مَا اسم موصول محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یَفْعَلُوْنَ کا یُؤْمَرُوْنَ ۔ باب افعال کا فعل مضارع مجہول بمعنی حال جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل ۔ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مفعول بہ ہوا ۔ اَمْرٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ حکم دینا ۔ حکم دیا جانا ہے ۔ واؤ سر جملہ ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق معروف قَوْلٌ سے بنا بمعنیٰ کہنا ۔ فرمانا ۔ اللّٰہُ اس کا فاعل ۔ اسم معرفہ مرفوع جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا ۔ لَا تَتَّخِذُوْا باب افتعال کا فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ۔ مصدر ہے اِتِّخَاذٌ ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ لینا ۔ بنانا ۔ قبول کرنا ۔ منتخب کرنا ۔ عقیدہ رکھنا ۔ یہاں آخری معنیٰ مناسب ہیں اَنْتُمْ ضمیر مستتر جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ۔ جس کا مرجع کفارِ مکہ مخاطب لوگ یا عام کافر ۔ اِلٰھَیْنِ ۔ اسم تثنیہ ۔ واحد ہے اِلٰہٌ بمعنیٰ معبود ۔ ترجمہ ہے دو معبود اِثْنَیْنِ اسم عدد بمعنیٰ دو ہونا ۔ جامد معرب متمکن تاکید ہے ماقبل کا اسی لیے تابع ہے اعراب میں دونوں لفظ بحالتِ زبر ہیں ۔ موکد تاکید مل کر مفعول بہ ہے ۔ فعل نہی کا ۔ اِنَّمَا ۔ اسم حصری ۔ متصلہ دو لفظوں سے ملا اِنَّ حرف تحقیق لغو اور مَا کافہ ۔ بمعنیٰ فقط (بس) ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل ہے ۔ اس کا مرجع ہے اَللّٰہُ مبتدا ہے ۔ اِلٰہٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ معبود خبر اوّل ہے مبتدا کی ۔ وَاحِدٌ ۔ اسم عددی معرب ہے بمعنیٰ ایک ۔ وَحْدٌ کا اسم فاعل ہے یعنی ایک ہی رہنے والا مرفوع ہے خبر دوم ہے ھُوَ مبتدا کی ۔ فَ سببیہ بمعنیٰ لہٰذا ۔ اِیَّایَ ۔ یہ دو لفظ ہیں ۔ ملا اِیَّا ۔ حرفِ حصر ہے بمعنیٰ ہی ۔ ملا یَ ۔ ضمیر واحد متکلم متصل ۔ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ اِس سے پہلے ایک فعل امر اِرْھَبُوْا پوشیدہ ہے ۔ یہ اُس کا مفعول بہ ہے ۔ دراصل تھا ۔ اِرْھَبُوْا اِیَّایَ اگر یہ فعل ظاہر ہوتا تو اِیَّایَ کے بعد ہوتا ۔ جیسے اِیَّاکَ نَعْبُدُ پہلے لانا منع ہے ۔ لیکن پوشیدہ ہوکر پہلے آسکتا ہے ۔ حذف اس لیے کیا گیا کیونکہ یہ مفسر محذوف ہے اور مابعد فعل مفسِر ہے ۔ فَ زائدہ تاکید یہ اِرْھَبُوْا باب فتح کا امر حاضر معروف ۔ صیغہ جمع مذکر حاضر ۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع حاضر ۔ پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفار ہیں

رَھبۃٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ محبت آمیز خوف۔ سب کی محبت اور خوف نکال کر ایک سے ڈرنا۔ جھکنا۔ مرعوب ہونا۔ اِسی سے راہب ہے بمعنیٰ اللہ کے لیے اُس کے خوف سے ترکِ دنیا کرنا۔ نِ۔ دراصل تھا نِیْ۔ نون وقایہ (بچانے والی) یٔ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل محذوف ہے اور نون کا زیر اُس کی نشانی ہے۔ مفعول بہٖ ہے اِرْھَبُوْ۔ متعدی بیک مفعول کا۔ علیحدہ جملہ فعلیہ ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔

اِن دُنیا والوں نے اللہ کی کمالِ قدرت میں غور کرتے ہوئے اُن تمام چیزوں کی طرف فکر و تدبر کی نگاہ سے نہیں دیکھا جن کو رب تعالیٰ نے بڑے ٹھوس اور مضبوط اور دراز قد جسموں سے پیدا فرمایا یہ منکر انسان تو اُن کے سامنے ذرۂ ناچیز ہے آتنی بڑی بڑی اور طاقت والی مخلوق کی حالت یہ ہے کہ بارگاہِ قدس کی ہیبت اور دہشت و خوف سے اُن کے سائے زمین پر پھیلتے دراز ہوتے ہوئے جھکے چلے جاتے ہیں کبھی دائیں طرف جب کہ سورج طلوع میں چڑھتا ہو اور چاند مشرق میں ڈھلتا ہو اور کبھی بائیں طرفوں میں جب کہ سورج مغرب میں ڈھلتا ہو اور چاندنی راتوں میں چاند مغرب میں چڑھتا ہو۔ یہ زمین پر آن تمام اُشیا نباتات جمادات پہاڑ درخت وغیرہ سایوں کا پھیلنا زمین پر پڑنا اللہ تعالےٰ جبار و قہار کے لیے سجدہ کرنا ہے۔ اور انتہائی عاجزی انکساری کمزوری کا اظہار ہے۔ اے انسانوں یہ اُشیا جن کو تم بے جان بے شعور بے عقل خیال کرتے ہو ہر وقت اللہ کے حضور میں عاجز و مسکین اور سجدہ ریز ہیں۔ یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کو تمام وہ چیزیں ہر ہر وقت سجدہ کرتی ہیں اور ہیبتِ الٰہیہ سے تھراتی ہوئی نیچے گری پڑی رہتی ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ خواہ وہ زمین کے دابّہ جانور اور دیو ہیکل حیوانات ہوں یا ہر جگہ کے فرشتے ہوں۔ اِن تمام مخلوقات میں سے کوئی بھی کسی وقت بھی ذرہ برابر اپنی بڑائی یا غرور و تکبر نہیں بولتا نہ کسی لمحے تکبر کا اظہار کرتا ہے۔ خیال رہے کہ جسم اور سایہ دونوں ہی اللہ کی مخلوق ہیں۔ سایہ مثلِ ہم شکل جسم ہے۔ اور ہر چیز کا سایہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کرتا ہے۔ لیکن کافر کا جسم سجدہ نہیں کرتا۔ سایہ اس کا بھی سجدہ ریز ہے۔ درختوں کا جسم بھی ساجد ہے اور سایہ بھی۔ جسم کے سجدے کی حقیقت نظر نہیں آتی۔ مگر سایہ کا زمین پر پھیل کر فنی بن جانا یہ اس کا سجدہ ہے زوال کے وقت سکڑ کر چھوٹا ہو جانا یہ سجدہ سے اُٹھنا ہے۔ درختوں کا پھلوں سے لد کر جھکنا یہ سجدۂ شکر ہے اور سایہ پھیلنا یہ سجدۂ عبادت ہے۔ حیوانات کا ہر وقت مُنہ نیچے کیے رہنا۔

اور اپنے مالک کی اطاعت میں مسخر رہنا یہ ان کی عبادت اور سجدہ ریزی ہے۔ کیونکہ یہ اطاعت اللہ ہی کے حکم سے ہے ورنہ انسان کی کیا ہمت کہ وہ کسی جانور کو مسخر کر سکے۔ دیکھو مکھی مچھر بھڑ بچھو سانپ کو رب تعالیٰ نے مسخر نہیں کیا تو وہ انسان کو ستانے رلاتے تڑپاتے بلکہ جان سے مار ڈالتے ہیں۔ اسی طرح ملائکہ بھی اس کی بارگاہ میں سجدے میں رہتے ہیں۔ لیکن ان تمام سجدوں میں سے کسی سجدے کا ثواب نہیں نہ سائے کے سجدوں کا نہ جسمانی سجود کا۔ ثواب صرف انسانی جسم کے سجدوں کا ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان اور جنات کے جسمانی سجدے اختیاری اور شوق و محبت اور لذتِ عشقِ الٰہی اور اپنے ذوق سے ہوتے ہیں۔ انسان مومن ہزار بار کا ڈمو مجبوریوں کو توڑ کر رب کی بارگاہ میں سجدہ کرنے چلا آتا ہے۔ انسانی سجدہ اُس کو مسخر و مجبور کر کے نہیں کرایا گیا۔ باقی تمام سجدے اضطراری ہیں خواہ ملائکہ کے ہوں یا جمادات نباتات حیوانات کے سجدے ہوں۔ یا کسی بھی جسم کے سائے کے سجدے ہوں۔ اسی وجہ سے کافر یا مومن کو اُس کے سائے کی سجدہ ریزی کا ثواب نہ ملے گا۔ کیونکہ وہ اضطراری ہے نہ کہ اختیاری۔ سجدے کا اصل طریقہ زمین پر لگنا ہے۔ مجازاً جھکنے کو بھی سجدہ کہہ دیا جاتا ہے۔ ہر شریعت میں سجدہ مختلف طریقوں سے زمین پر ہوتا رہا مگر اسلامی سجدہ سات اعضا کا زمین پر لگنا ہے۔ زمین سے مراد ہر وہ جگہ جہاں انسان چل پھر سکے۔ خواہ چھت ہو یا ہوائی جہاز یا بحری جہاز یا کشتی وغیرہ يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۔ انسان اور جنات کے علاوہ تمام مخلوق اور اُن کے سائے نباتات حیوانات جمادات اور ان کے سائے۔ ملائکہ و موکلات عرشی و فرشی اور روحانی مخلوق يَخَافُونَ رَبَّهُمْ رب تعالیٰ کا خوف اپنے اوپر طاری رکھتے ہیں یا اپنے اوپر عذاب نازل ہونے سے ڈرتے رہتے ہیں۔ یا اپنے اوپر قدرتِ الٰہیہ اور قوتِ خداوندی کو ہر وقت موجود پاتے ہیں اس لیے لرزتے رہتے ہیں کیونکہ جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اُتنا ہی تعارف زیادہ اور جتنا تعارف پہچان زیادہ اُتنی ہی ہیبت زیادہ اور جتنی ہیبت و خوف زیادہ اُتنی فرمانبرداری زیادہ اور جتنی فرماں برداری زیادہ اُتنی ہی شان زیادہ۔ جس کو اپنی کمزوری کا پتہ ہو وہ عاجز ہوتا ہے۔ اور عاجزی والا تکبر نہیں کر سکتا۔ اس لیے آسمان و زمین کی مخلوق تکبر نہیں کرتے کہ وہ ڈرتے رہیں اپنے اللہ تعالیٰ سے۔ یہی خوفِ الٰہی اُن سے فرماں برداری کراتا ہے اور اسی بنا پر وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ اور فوراً کرتے ہیں جو اُن کو حکم دیا جاتا ہے خیال رہے کہ جمادات نباتات حیوانات اور تمام انسانات جسم کثیف ہیں اور صرف جسم کثیف کا سایہ ہوتا

ہے اِن کے علاوہ جنّات اور ملائکہ نار و نور، روح۔ یہ اَجسام لطیف ہیں اِن کے سایہ نہیں ہوتے بلکہ اصل حقیقت میں یہ خود مثل سایہ ہوتے ہیں جب اپنی شکل میں نظر آئیں تو سائے کی طرح ہی ہوتے ہیں۔ سائے کی تقریبًا تمام خصوصیات ان میں موجود ہوتی ہیں۔ سایہ بھی قدرت کا عجیب حیرت ناک شاہکار ہے۔ محققین اور صوفیائے کرام کے علاوہ فلاسفر اور سائنس دانوں منطقیوں اور جادو کے سفلی علم والوں نے بھی سایہ کی بہت محیّر العقول صفات بیان کی ہیں۔ ۱ سایہ بھی توحید باری تعالیٰ اور رب تعالیٰ کی خالقیت مالکیت اور تدبیرِ الٰہی کی عظیم الشّان دلیل ہے۔ اِس کا اُبھرنا۔ اِس کا بڑھنا۔ اِس کا گھٹنا۔ اس کا پھیلنا۔ اس کا کھڑا ہونا ٹھہرنا۔ اِس کا جھکنا۔ کبھی بائیں ہونا۔ کبھی دائیں ہونا۔ پھر کبھی بالکل پیروں میں ہونا۔ اور پھر کبھی غائب ہونا یہ ایسا مسلسل قانونِ الٰہیہ ہے جو ہر موسم میں یکساں تا قیامت جاری ہے۔ عالَم انسانیت کے لیے یہ ایک پائیدار گھڑی ٹائم پیس اور عِلم السّاعت ہے ۲ سایہ اَجسام پورے نظامِ شمسی کا شاندار آئینہ ہے۔ سورج کی رفتار۔ سورج کا طلوع۔ عروج۔ زوال۔ غروب۔ سب کچھ اِسی آئینۂ قدرت میں دیکھا جا سکتا ہے ۳ سائنس کی بیشتر شمسی ایجادات اِسی سایہ کے ذریعہ ہوئیں۔ جن میں پہلے دھوپ گھڑی پھر موجودہ گھڑی بھی شامل ہے آج کے دَور میں بھی اکثر لوگ اِسی سایہ سے دن کی مقدار کا اندازہ لگاتے ہیں پھر یہ سایہ ہر شخص کے پاس ہے اسی پر اگر انسان غور کرے تو مدبّرِ کائنات جَلَّ جَلَالُہٗ کی عظمتِ توحید کا ایمان مل جاتا ہے۔ ۴ دانائے سفلی کہتے ہیں کہ سایہ سایہ والے کے مثل ہوتا ہے۔ غالبًا اسی لیے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلّم کا سایہ نہ تھا۔ کیونکہ آپ کی مثل کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ ۵ سایہ اپنے جسم کا مؤکّل ہوتا ہے۔ جادو کے ذریعے اُس کو وقتی طور پر اپنے سے جدا کر کے بہت سے کام لیئے جا سکتے ہیں ۶ سایہ بھی اللہ کے بندوں میں سے ایک بندہ ہے۔ اسی کے حکم سے گھٹتا بڑھتا اور غائب ہوتا ہے۔ ۷ سایہ جسم لطیف ہے۔ اور تمام اَجسامِ لطیف کی طرح نہ اِس کو پکڑا جا سکتا ہے نہ ہتھیاروں سے اِس کو مارا جا سکتا ہے ۸ بعض علومِ سفلیہ کے ذریعے اپنے یا دوسرے حیوانی سائے کو عارضی متشکّل کیا جا سکتا ہے ۹ سایہ میں بوجھ نہیں ہوتا۔ ۱۰ جنّات اور ملائکہ بھی بوجھ نہیں رکھتے۔ اسی لیے کاتبین ملائکہ انسان پر بیٹھے رہتے ہیں مگر محسوس بھی نہیں ہوتا۔ اِسی طرح جنّات کا سایہ انسان کو ہو جاتا ہے۔ اسی لیے اصطلاح میں جنّات کا سایہ کہا جاتا ہے۔ ۱۱ بعض جادوگر یا علمِ روحانی والے کسی گھر یا کسی جسم پر قابض ہو جاتے ہیں۔ وہ ان کے سائے ہی ہوتے ہیں خود اپنے گھر بیٹھے ہوتے ہیں۔ سایہ ہر جگہ پھرتا ہے مگر یہ لازمی شرط ہے کہ جسم اُس وقت تک ایک ہی جگہ اپنے مراقبے یا کنٹرول میں رہے۔ اگر جسم چلے

گا تو سایہ کا عمل ختم ہو جائے گا۔ ۱۲ جادو یا نورانی علم کے ذریعے ایک جسم کے سینکڑوں بلکہ لاکھوں سائے بنائے جا سکتے ہیں۔ اور سب سے کام لیا جا سکتا ہے۔ اسی کو جسم مثالی کہتے ہیں ۱۳ بعض نیک بندوں کے سائے اُن کی وفات کے بعد اُن کی قبر پر مجاور بن کر تا قیامت اُن کے اوراد پڑھتے رہتے ہیں۔ ۱۴ سایہ جب مؤکل بن جاتا ہے تو اُس کی رفتار ہوا سے زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اور آنِ واحد میں لاکھوں میل کا سفر کر لیتا ہے بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ آصف بن برخیا کا سایہ ہی تختِ بلقیس اٹھا کر لایا تھا۔ آصف کے حکم سے رضی اللہ عنہ ۱۵ اسی روایت کی بنا پر کہتے ہیں کہ سایہ کے عمل سے سایہ والے کو عذاب یا ثواب ہوتا ہے قدرت کی ان تمام اشیاء کا خالق وہی وحدہٗ لاشریک باری تعالیٰ ہے۔ اسی لیے وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْۤا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ اللہ کریم نے فرمایا۔ اے انسانو دو دو معبود نہ بناؤ۔ اگر یہ تثنیہ جنسی ہے تو معنیٰ ہے کہ ایک سے زیادہ معبود نہ بناؤ۔ یعنی یہ عقیدہ نہ رکھو کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی کہیں کسی کے لیے معبود ہے۔ تب یہ جھڑک والا حکم تمام مشرکین کو شامل ہے۔ خواہ ہندو ہوں یا مشرکینِ عرب ایک یا دو بت کا پجاری یا تین سو ساٹھ بت پوجنے والا یا ستارہ۔ سورج۔ چاند یا آگ پرست۔ یا بندر پیپل گائے کا پجاری۔ اور اگر یہ تثنیہ اپنے اصلی معنیٰ میں ہو یعنی عددی۔ تب اس کا معنیٰ ہے دو معبود نہ بناؤ اور یہ خطاب صرف یہود و نصاریٰ کو ہے جن نادانوں نے اللہ کے علاوہ ایک اور معبود روح القدس کو بنا لیا اور دوسرا معبود حضرت عزیر علیہ السلام کو یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کو عیسائیوں نے بنا لیا یہ سب عقیدے کفر و شرک اور باطل ہیں اس لیے کہ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ معبود حقیقی تو فقط وہی ایک اللہ ہے۔ اور میری ذات ہی چونکہ قوت طاقت بڑائی والی ہے۔ فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ پس مجھ سے ہی خوف جھجک شرم احترام سدا قائم رکھو اور میری شریعت طریقت کے خلاف کسی کی بات نہ مانو کسی کی ناراضگی کی پرواہ مت کرو نہ کسی کے ظلم و ایذا سے ڈرو تمام ظلم و تکالیف عارضی چند منٹ ہیں بس دائمی عذاب سے بچنے کی کوشش کرو۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْنَا وَارْزُقْنَا وَلَا تُسَلِّطْ عَلَیْنَا بِذُنُوْبِنَا مَنْ لَّا یَخَافُكَ وَلَا یَرْحَمُنَا۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بندے کو صرف اعمالِ خیر و شر کا اختیار دیا گیا ہے اس کے علاوہ بندے کو کسی چیز پر کوئی اختیار نہیں بلکہ بندہ اتنا بے بس اور مجبور ہے کہ اپنے و اشیائے عالم درختوں وغیرہ کے سائے بدلنے پر بھی قدرت نہیں رکھتا یہ بھی نہیں کر سکتا کہ جس وقت مغرب میں سایہ کسی شے کا ہو تو موڑ کر مشرق یا شمال میں کر دے اتنے عاجز کو عاجزی انکساری اور سجدہ

ریزی ہی اچھی ہے۔ اکڑ و غرور سمجتا نہیں۔ یہ فائدہ یَتَفَیَّؤُا ظِلٰلُهٗ الخ سے حاصل ہوا۔
دوسرا فائدہ۔ مخلوقاتِ الٰہیہ میں صرف انسان اور جنات ہی مغرور سرکش اور نافرمان کا ذریعے حالانکہ زمین کی ساری مخلوق حیوانی میں انسان اور عالم بالا کی ساری مخلوق میں جنات سب سے کمزور مخلوق ہے بلکہ جنات تو بنگ انسانوں سے بھی کمزور ہیں۔ کمزوری و ذلت کے باوجود اتنی اکڑ اور سرکشی ہے یہ فائدہ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ الخ سے حاصل ہوا۔ دَآبَّةٍ کا ذکر انسان کو بندہ بننے کے لیے اور وَالْمَلٰٓئِكَةُ کا ذکر جنات کے بندہ بننے کے لیے ارشاد ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ جس طرح تمام انسان اشرف المخلوق ہیں اسی طرح ملٰئکہ تمام مخلوق سے افضل ہیں۔ گویا کہ اشرفیت انسان کو اور افضلیت ملائکہ کو عطا ہوئی اب افضل ملائکہ ہی ہوگا جو ملائکہ سے زیادہ عبادت و ریاضت کرے گا۔ یہ فائدہ مِنْ دَآبَّةٍ کے ساتھ ملائکہ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات طیبات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ۔ تمام انسان غوث و قطب علما وغیرھم امر اور نہی کے مکلف ہیں مگر ملائکہ اور انبیاء عظام صرف امر کے مکلف ہیں۔ نہی اور ممنوعہ چیزوں کے مکلف نہیں اس لیے کہ یہ سب ملائکہ اور انبیا علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اور معصوم گناہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ امر میں مکلف ہونے کا معنیٰ یہ نہیں کہ ان سے جبراً کرایا جاتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ ان کو کرنے والے کام کی فہرست سنائی جاتی ہے کہ یہ کرو۔ وہ کرو۔ جس عبادت کے مکلف فرشتے ہیں وہ افعالِ انسانی عبادت سے جدا ہیں۔ یہ مسئلہ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۔ سے مستنبط ہوا۔
دوسرا مسئلہ۔ توحید باری اور رسالتِ مصطفوی ایسا عام حکم ہے جس کے مکلف تمام ملٰئکہ۔ تمام جن و انس اور تمام مخلوق جمادات و نباتات ہیں۔ یہ مسئلہ۔ وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا (الخ) فرمانے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک کے ذریعے کہلوانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ آپ کی تفسیر اور مَا یُؤْمَرُوْنَ کی آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ ملائکہ مکرم شرعی جرم اور اللہ کی نافرمانی کر ہی نہیں سکتے۔ مگر ہاروت ماروت دو فرشتوں نے نافرمانی اور جرم کیا۔ **جواب**۔ ملائکہ اور دیگر معصومین کی نافرمانی کی جرأت نہ کر سکنا ان کی عصمت کی وجہ سے ہے جب تک عصمت موجود ہے وہ گناہ پر قادر نہیں ان میں گناہ کا مادہ ہی نہیں ہے لیکن یہ عدمِ قدرت ممتنع بالغیر ہے۔ اگر عصمت ختم کر دی جائے تو گناہ کر سکتے ہیں ہاروت ماروت سے

جب عصمت ختم ہوئی ان کے اندر گناہ کی قدرت پیدا کی گئی تب انہوں نے جرم کیا۔ دیگر ملائکہ میں یہ قدرت موجود ہی نہیں۔ عصمت کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ان میں نہیں ہے۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا فَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ یعنی مومن کو فقط اللہ سے ہی ڈرنا چاہیئے۔ تو جو شخص حاکم یا دشاہ سے یا سانپ بچھو سے ڈرتا ہے وہ مومن نہ رہا۔ **جواب۔** اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں ڈر سے مراد اُلوہیت کا خوف ہے یعنی جس طرح مشرک ہندو۔ کافر لوگ بتوں سے گائے پیپل اور چاند سورج سے ڈرتے ہیں اسی طرح معبود سمجھ کر ان کا خوف رکھنا شرک ہے وہ خوف صرف رب تعالیٰ کا چاہیئے۔ دوم یہ کہ وہ خوف جو اطاعتِ الٰہی سے روک دے وہ منع ہے۔ مثلاً بادشاہ کے خوف سے نماز روزہ چھوڑ دیا۔ یہ خوف ایمان ختم کر دے گا۔ اور ایسا ڈرنے والا مومن کہلانے کا حق دار نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ سجدہ کرنا عبادت ہے اور ہر عبادت پر ثواب ہے تو چاہیئے کہ درختوں کو بھی ملے حالانکہ ایسا نہیں کیونکہ ثواب تو محشر کے بعد جنت میں ملے گا مگر انسانوں کے علاوہ زمین کی ساری مخلوق فنا کر دی جائے گی تو پھر جمادات و نباتات کو سجدہ ریزی کا کیا فائدہ۔؟ **جواب۔** سجدہ دو قسم کا ہے ۱۔ سجدۂ عبادت۔ یہ انسانوں جنات اور فرشتوں کا ہے ۲۔ سجدۂ خضوع و ادب یہ درختوں کا سجدہ ہے۔ اور سجدۂ عبادت کا ثواب ہوتا ہے نہ کہ سجدۂ خشوع خضوع وہیبتِ الٰہیہ اور ادب کے سجدے کا۔ سجدۂ عبادت کا ثواب انسانوں کو جنت دے کر ملائکہ کو رب تعالیٰ کی خوشنودی دے کر اور جنات کے بارے میں تین قول ہیں۔ ۱۔ ان کو جنت ملے گی ۲۔ ان کو عالمِ اعراف میں رکھا جائے گا ۳۔ انکو فنا کر دیا جائے گا۔ قول کے مطابق اُن کو دنیا میں طاقت اور میدانِ محشر کی کامیابی اور خوشنودی رب تعالیٰ ہی اُن کا ثواب ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ۔ یعنی جو دابّہ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ رب تعالیٰ کو سجدہ کرتا ہے۔ سجدے سے ثابت ہوا کہ تمام دابّہ ذی عقل میں شامل ہیں۔ تو چاہیئے تھا کہ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ۔ کہا جاتا۔

جواب۔ یہاں مَن کہنا مناسب نہ تھا۔ اس لیے کہ لفظِ مَن میں خصوصیت ہے اور لفظ مَا میں عمومیت ہے۔ اس لیے مَا ارشاد ہوا تاکہ ذی عقل اور غیر ذی عقل اور غیر ذوی العقول سب شامل ہو جائیں مَا تو لفظ اپنی عمومیت کی بنا پر دونوں کو شامل ہے۔ اور سجدہ ریزی ذی عقل اشیاء سے خاص نہیں۔ یہاں یہی بتانا مقصود ہے۔ اسی لیے آسمانوں کا بھی ذکر کیا گیا۔ **پانچواں اعتراض۔** کیا وجہ ہے کہ لفظِ یمین تو واحد لایا گیا مگر لفظِ شمائل جمع ارشاد ہوا؟ **جواب۔** تفسیر کبیر نے اس کے جواب میں چار قول نقل فرمائے ہیں ایک قول یہ کہ لفظِ یمین اگرچہ واحد ہے مگر مراد جمع ہے۔ جیسے کہ دوسری ایک آیت میں ہے وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ۔

اور وہ سب لوگ پیٹھ پھیریں گے۔ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگوں کی ایک پیٹھ تو نہیں ہو سکتی۔ مگر لفظ دبر واحد ہے۔ اس لیے کہ مراد جمع ہے۔ اور ایسا وہاں کیا جاتا ہے جہاں ذاتی طور پر تو وہ چیز کثرت اور جمع میں ہو مگر کیفیتِ صفاتی سب کی ایک ہو یا نوعیت ایک ہو تو یہاں چونکہ یمین کی تمام اوقات کیفیات ایک جیسے ہیں لہٰذا واحد ارشاد ہوا یہی بات دُبُر میں ہے۔ مگر شمائل ذاتاً صفتاً مختلف ہے اس لیے جمع ہی لفظاً اور جمع ہی مراد ہوا۔ دوسرا قول۔ فرآء نحوی نے کہا کہ یمین سے مراد ظلال نہیں بلکہ ظلال والی شی مراد ہے اور چونکہ شی واحد ہے اسی لیے یمین واحد ہے۔ اور لفظ شمائل میں خود سائے مراد ہیں وہ تو جمع ہے لہٰذا شمائل بھی جمع تیسرا قول۔ یہاں اہلِ عرب کے رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اہلِ عرب کا رواج ہے کہ جب کبھی ایک چیز کے لیے دو صیغے استعمال کئے جائیں تو ایک صیغے کو جمع بولیں گے اور ایک کو واحد۔ تقدم و تاخر یعنی پہلے اور دوسرے کی کوئی پابندی نہیں۔ کبھی پہلے کو واحد دوسرے کو جمع جیسے یہاں۔ اور کبھی پہلے کو جمع دوسرے کو واحد جیسے۔ جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ۔ اور جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ چوتھا قول۔ یمین واحد ہی ہے۔ مراد میں بھی۔ صیغے میں بھی۔ اس لیے کہ یمینِ شمس سے یمینِ ظلال بنتا ہے۔ اور یمینِ شمس۔ شرق یعنی طلوعِ شمس کے مقام کو کہتے ہیں اور طلوع ایک دن میں ایک ہی ہوتا ہے اس لیے یمین ہر دن واحد ہی ہوا۔ لیکن شمال نام ہے اپنی پہلی جگہ سے منحرف ہونے اور ہٹنے کا۔ تو چونکہ انحراف ہر آن دوسرا ہے۔ اس لیے شمائل بیشمار ہوئے۔ اسی وجہ سے شمائل جمع لایا گیا۔ یہ قول سب میں شاندار ہے۔

چھٹا اعتراض۔ سایوں کا چلنا بڑھنا۔ پھیلنا۔ دائیں بائیں ہونا۔ قدرتِ الٰہیہ سے نہیں ہے بلکہ سورج کی رفتار سے ہے۔ (دہریہ) جواب۔ مگر سورج کی رفتار تو قدرتِ باری تعالیٰ سے ہے۔ اس لیے کہ جسم اشیاءِ عالم متحرک لذاتہٖ نہیں کیونکہ اگر حرکتِ جسم کی علت اور وجہ اُس کی ذات ہوتی تو جب تک ذات باقی سارا جسم متحرک رہتا۔ کسی جزء میں بھی سکون نہ ہوتا۔ مگر ایسا نہیں کسی جسم میں بھی نہ مکمل سکون ہے نہ حرکت۔ پس ثابت ہوا اجسامِ عالم کی حرکت و سکون کسی صناعِ عالم کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور سورج بھی سائے بھی اجسام ہی ہیں۔ ساتواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَهُمْ دٰخِرُوْنَ۔ اور وہ سائے عاجز ہیں۔ لفظِ دٰخِرُوْنَ جمع مذکر سالم ہے۔ اور نحوی قانون کے مطابق جمع مذکر سالم عقل والوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن نباتات اور نباتات کے سائے عقل والے نہیں ہیں تو اُن کے لیے یہ صیغہ کیوں استعمال کیا گیا۔ جواب۔ اس لیے کہ دٰخِرُوْنَ میں سجدہ کرنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزی کرنے کا ذکر ہے۔ اور یہ کام اہلِ عقل کا ہے تو چونکہ کام ذوی العقول کا ہے اس لیے۔ جمع سالم کا صیغہ

استعمال کیا گیا کام کی نسبت سے ۔ آٹھواں اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ ۔ اِلٰهَيْنِ ۔ کا ترجمہ ہے دو معبود اور اِثْنَيْنِ کا ترجمہ بھی ہے دو ۔ تو جب اِلٰهَيْنِ کہنے سے ہی مطلب حاصل ہو گیا تھا پھر اِثْنَيْنِ کہنے کی کیا ضرورت تھی ۔ یہ لفظ زائد ہو گیا ۔ جواب ۔ تفسیر کبیر نے اس کے جواب میں بھی تین قول نقل کیے ہیں ۔

ع۱ چونکہ معبود کو دو سمجھنا یا دو چیزوں کو معبود کہنا ۔ بہت ہی نفرت والا عقیدہ ہے سخت جرم ہے اس لیے اس کی قباحت برائی اور نفرت سمجھانے کے لیے تاکید کرتے ہوئے اِلٰهَيْنِ کے بعد اِثْنَيْنِ ارشاد ہوا ۔ ع۲ دراصل یہ عبارت تقدّم و تاخّر سے تھی ۔ کہ اِثْنَيْنِ اِلٰهَيْنِ تھا ۔ یعنی اے لوگو کبھی بھی تم ایک سے زیادہ کو معبود نہ سمجھو ۔ ایک سے زیادہ جو کم از کم تعداد ہے وہ دو ہیں ۔ تو دو کو بھی معبود نہ بناؤ ۔ تو زیادہ آٹھ نو دس ۔ تو بہت ہی بد عقیدہ ہے اِلٰهَيْنِ کو پہلے ارشاد فرمانے سے حصر کا فائدہ ہوا کہ دوئی صرف الٰہیت میں ممنوع ہے اور کسی میں منع نہیں ۔ ع۳ اِلٰهَيْنِ لفظ تو ایک ہے مگر دو چیزیں بتاتا ہے ایک ثبوتِ الٰہ اور دوم ثبوتِ تعدّد ۔ تو جب اِلٰهَيْنِ فرمایا ۔ اس سے یہ نہ معلوم ہوا کہ ثبوتِ الٰہ کی ممانعت ہے یا ثبوتِ تعدّد کی یا دونوں کی ۔ اس لیے اِلٰهَيْنِ کے بعد اِثْنَيْنِ کہنا بہت ضروری ہوا تاکہ پتہ لگے کہ صرف تعدّد کی ممانعت ہے ۔ نواں اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ کیا انہوں نے دل سے نہیں دیکھا اس کی طرف جس کو پیدا کیا اللہ تعالیٰ نے (الخ) یہاں فرمانا چاہیئے تھا ۔ اَوَلَمْ يَنْظُرُوْا (الخ) ترجمہ ۔ کیا انہوں نے آنکھوں سے نہیں دیکھا ۔ لغوی اور تفسیری اعتبار سے يَرَوْا ۔ مشتق ہے رویتؐ سے اور رویت کا معنیٰ ہے دل سے دیکھنا اگرچہ آنکھیں بند ہوں اسی لیے خواب کو رویا کہا جاتا ہے ۔ جب کہ يَنْظُرُوْا ۔ نَظَرٌ سے بنا ہے جس کا معنیٰ ہے آنکھ سے دیکھنا ۔ اور ظاہری چیز آنکھ سے ہی دیکھی جاتی ہے ۔ جن چیزوں کے سایوں کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ سب چیزیں اور ان کے سائے آنکھوں سے دیکھنے والی ظاہر چیزیں ہیں تو ان کے لیے لفظ رویت کیوں استعمال کیا گیا ۔ ! جب کہ دکھانا بھی ان لوگوں کو مقصود ہے جن کا دل کفر کے اندھیرے میں ہے اور انہی کا ذول کو دل کا اندھا قرار دیا جا چکا ہے ۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ ۔ یعنی وہ قلبی کانوں کے بہرے قلبی زبان کے گونگے اور دل کی آنکھوں کے اندھے ہیں ۔ جواب ۔ تفسیر نحوی میں اس کا جواب حل کر دیا گیا ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ رویت کے معنیٰ دل کی آنکھوں سے دیکھنا نہیں ۔ دیکھو حدیث پاک میں آتا ہے ۔ صُوْمُوْا لِرُؤْيَتِهٖ وَاَفْطِرُوْا لِرُؤْيَتِهٖ چاند دیکھو تو روزے شروع کر دو اور چاند دیکھو تو روزے ختم کر دو یہاں آنکھ سے چاند دیکھنا مراد ہے نیز حدیث پاک میں واقعۂ معراج میں ارشاد نبوی ہے ۔

رَاَیْتُ رَبِّیْ فِیْۤ اَحْسَنِ صُوْرَۃٍ۔ میں نے اپنے رب تعالیٰ کو بہت صاف صورت میں دیکھا۔ یعنی صاف طور پر۔ اسی طرح ارشاد ہے۔ مَنْ رَّاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا اگر بقولِ معترض رویت کے معنی صرف دل سے دیکھنا ہوتا تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی شخص خواب میں رمضان شریف کا چاند کبھی کسی مہینے دیکھ لے تو اس پر رمضان فرض ہوگیا حالانکہ ایسا نہیں۔ خواب کو جو رویا کہا جاتا ہے تو وہ اس معنی میں ہے کہ انسان کی اصلی جسمانی آنکھ اور بصارت سر کے پچھلی طرف ہے۔ روشنیٔ نظر کا مرکز وہی ہے۔ جب انسان نیند میں مخمور ہوتا ہے تو پتلی پچھلی طرف پھر جاتی ہے۔ اور اب آنکھ باطن کی طرف سے دیکھتی ہے۔ تو گویا اسی پتلی کا سامنے سے دیکھنا نظر ہے اور اسی پتلی کا پچھلی طرف سے دیکھنا رویت ہے۔ یہی کیفیت مراقبے کی نظر بندی میں ہوتا ہے۔ ہر نظر بندی کا یہی حال ہے۔ خواہ مسمریزم ہو یا خیال بندی بھی سب کچھ اسی طرح ہے مگر روحانی مراقبہ قوت میں سب سے زیادہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اَوَلَمْ یَرَوْا اِلٰی مَا خَلَقَ اللّٰہُ مِنْ شَیْءٍ یَّتَفَیَّؤُا ظِلٰلُہٗ عَنِ الْیَمِیْنِ وَالشَّمَآئِلِ سُجَّدًا لِّلّٰہِ وَھُمْ دٰخِرُوْنَ۔ وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّالْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ اس سیرگاہِ عالم میں پھرنے والوں نے کیا اس مخلوقاتِ باطنی کی طرف نہیں دیکھا جن کو خالقِ اسرار اللہ نے خلقت فرمایا۔ وادیٔ جسم کے لطائفِ سبعہ اپنے اجسامِ لطیفہ کو کبھی قلبِ یمین کی جانب سجدۂ بندگی میں جھکاتے ہیں کبھی خصائلِ عقل کی جانب یہی وہ باطنی سجدے ہیں جو سمواتِ روحانیہ اور زمینِ جسمانیہ کی ہر قوت اللہ ربّ العزت کے آستانۂ قدس پر ادا کر رہی ہے اور تمام باطنی طاقتیں عجز سے اوندھی ہیں جسدِ عنصری کے عقلی دابے جنہوں نے افلاکِ دھر میں ہلچل مچائی ہوئی ہے اُس کے حضور ذلت و عجز کے سجدے کر رہے ہیں۔ اور قربِ خاص کے ملائکہ جن میں تمام کائنات کی طاقتیں ہیں وہ بھی اللہ کی بارگاہِ سطوت میں کسی بھی تکبر کا دم نہیں مار سکتے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ ہر انسان میں رب تعالیٰ نے گیارہ ۱۱ قوتیں پیدا فرمائی ہیں ۱ قوتِ بصارت ۲ قوتِ بصیرت ۳ قوتِ مزاج ۴ قوتِ سری ۵ قوتِ لسانی ۶ قوتِ جنانی ۷ قوتِ تدبیر ۸ قوتِ تحریر ۹ قوتِ تعبیر ۱۰ قوتِ تسخیر ۱۱ قوتِ اکبر۔ یہ باطن کے اجسامِ لطیفہ ہیں۔ بندہ خواہ مومن ہو یا کافر اُس کی یہ قوتیں اپنے عجز میں معبودِ حقیقی کو ہر آن گڑگڑا اور قبض و بسط میں اور پھیل کر ضمیر میں سجدہ کر رہی ہیں۔ عارفِ کامل کی بصیرت ان سجدوں کو ہمہ وقت دیکھتی ہے اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جس طرح ظاہری اشیاء کے سائے ہوتے ہیں اسی طرح باطنی اعضاء کے بھی سائے ہیں اور جس طرح ظاہری سائے حضورِ قدس کے سجدہ گیر ہیں اسی طرح باطنی سائے بھی سجدہ ریز

ہیں عقل کی دہشت۔ آنکھوں کا آنسو۔ قلب کا خوف ضمیر کا پچھتانا۔ نفس کا کھسیانا۔ روح کا گڑگڑانا بصیرت کا چمکنا۔ دماغ کا ماؤف ہو جانا یہ سب حضورِ قدس کے سجدے ہیں۔ مگر ظاہری سجدۂ عبادت و زہد خلوصِ مومن ہے۔ اہلِ معرفت کے مشرب میں اللہ سے خلوص یہ ہے کہ بندہ سمجھے مخلوق موجود ہی نہیں ہے۔ ایسے خلوص سے ہی رب کو پایا جا سکتا ہے خلوص قلب باطن کا عدل ہے۔ جب دل اللہ کے ساتھ ہو تو کوئی چیز بھی دل سے جدا نہیں ہوتی اور یہ جان رکھ کہ کوئی چیز بھی اُس کے علم سے باہر نہیں مومن اپنے گناہ کو پہاڑ سمجھتا ہے اور منافق گناہ کو مکھی مچھر سمجھتا ہے۔ سجدے کے لیے روزۂ طریقت شرط ہے اور ورد سب کے لئے حفاظت اور حفاظت کے لیے گناہوں سے بچنا شرط ہے یَخَافُوْنَ رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ. وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ. راہِ طریقت کا مسافر منزلِ قرب کی طرف جتنا بڑھتا جاتا ہے اس میں صفاتِ ملکی پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ بندے میں جتنی ملکیت زیادہ ہوگی اتنا ہی قرب حضوری بڑھے گا اور جتنا قرب زیادہ ہوگا اتنا ہی اُن کے اوپر خوف زیادہ ہوگا۔ اور جب بندہ صفاتِ اعلیٰ و قربِ عُلیا پر پہنچ جاتا ہے تو زمانے کی ولایت اُس کے سپرد کر دی جاتی ہے اور ولایتِ الٰہیہ کے تمام بوجھ اُس کی لپیٹ میں ہوتے ہیں۔ کائنات کا روحانی انتظام و انصرام اسی کے ذمے ہوتا ہے اہلِ زمین ان مقدس ہستیوں کو اقطاب عالم کہتے ہیں اور اہلِ آسمان ان کو مدبرات امر کہتے ہیں اور مثلِ ملائکہ۔ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ بن جاتے ہیں۔ ان کی ظاہری باطنی قوت اللہ کے امر میں ہمہ تن مشغول ہوتی ہے صرف جسمانی ڈھانچہ ان کا ہوتا ہے باقی تمام کام رب تعالیٰ کے ہوتے ہیں جس طرح تمام مدبرات امر ملائکہ جبرئیل علیہ السلام کے ماتحت ہوتے ہیں اسی طرح تمام جہان کے قطب حضرتِ غوث پاک شہنشاہِ بغداد کے ماتحت ہوتے ہیں اور حضور غوثِ پاک حضرتِ خضر علیہ السلام کے ماتحت ہیں۔ اور تمام عرشی فرشی نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماتحت ہیں۔ تمام اشیاءِ عالم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبضہ و تصرف ہے۔ ولایتِ الٰہیہ اور مقامِ مدبرات اُسی بندے کو عطا کیا جاتا ہے جس کا نفسِ امارہ اور قلب منور ایک ہی معبود مطلوب اور مسجود حقیقی کو سجدہ کرنے والے ہوں اسی لیے تمام باطنی قوتوں روحانی جسموں کو روزِ ازل میں ہی حکمِ ربانی عطا ہوا کہ دو معبود نہ بناؤ۔ ایک جسم باطن میں ایک ہی خواہشِ عبادت قائم رہ سکتی ہے۔ لہٰذا انوارِ مشاہدات اور وارداتِ تجلیات کے حصول کے لیے بس مجھ سے ہی ڈرو۔ اسی خوف میں سب قوتیں ہیں۔ اور انہی قوتوں میں لذتیں ہیں اس لیے کہ جب صبحِ وصال کی نسیم جاں فزا سالکینِ معرفت کی منزلوں تک پہنچتی ہے جو انتظار کے

ریگستانوں میں پڑے ہوئے ہیں اور شب وصل کا خیال جب اُن لوگوں کی مُستی لذّت کی خوابگاہوں میں آتا ہے جو ہجر و فراق کے خوگر ہوگئے ہیں۔ اور جب روح عاشق خبر وصال دریافت کرنے کے لیے پا بر کاب ہوتی ہے۔ اور طلب کی آنکھیں جمالِ محبوب کی بجائے تڑپ کے آنسوؤں سے سرشار ہوجاتی ہے اور سوال کا یمین ِظلل لغزش سجدہ کے اعتراف میں مشغول ہوتا ہے اور ہمتوں کے شمائل دروازۂ مغفرت پر قدمِ عجز رکھتے ہیں۔ اور ارادوں کے سمٰوات بلندیِ عقائد پہ ہوش سے خالی ہوجاتے ہیں اور عقل و خرد کی اَرضِ سجدۂ عجز کے اشارے کرتی ہے حیرت کے دابۂ اپنے دولتِ اعمال سے پُرمسرت بسترِ اَسرار سے دُختر نغمات کی بادِ بہاری کے قدموں پر سوار کراتے ہیں۔ اور ملائکہ قلبی لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ کی صدائیں بلند کرتے ہیں۔ تو یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ کی بہت سے شاہراہیں کُھل جاتی ہیں۔ جن کی کیفیت جاننے سے نفسِ مقہوری فکرِ مجہولی اور ذہنِ مجبوری حیران ہو جاتے ہیں۔ تب صوتیِ عرشی سے صداءِ لَم یزلی آتی ہے کہ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَیْنِ اثْنَیْنِ۔ کہ اے ہوائے ہوس کے پرستارو۔ باطن و ظاہر کے۔ دنیا و دین کے۔ عقل و قلب کے خوشی و غمی کے۔ تجارت و عبادت کے۔ تدبیر و تقدیر کے سیاست و ریاست کے دو الگ الگ معبود نہ بنالو۔ کائنات میں ہر سجدے ہر عجز ہر عبادت ہر ریاضت کا مستحق بس ایک ہی معبود ہے۔ تمہاری ہر چیز فقط اُسی کے حکم و قانون کے مطابق ہونی چاہیے۔ زندگی کی وارداتیں اس طرح گزارو کہ جسم تمہارا ہو قانون رب تعالیٰ کا ہو۔ اور تمہارے اجسام پر نقشہ احمدِ مصطفیٰ کا ہو صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سنتِ مصطفیٰ ہی۔ منزلِ عشق الٰہی کا صراطِ مستقیم ہے۔ تب ان واردات میں ایسے احوال و معانی منکشف ہوتے ہیں جن کی ماہیت عقل نفسانی کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ کبھی مثل برق دل وجدِ اشتیاق سے پارہ پارہ ہوتا ہے۔ کبھی آفتابِ جلالِ ذات کی تابانی سے روح تشنگی حجاب اور گرمی عشق سے تڑپ اٹھتی ہے۔ مگر طالبِ صادق وَاِیَّایَ فَارْهَبُوْنِ کی چادر اور خوفِ الٰہی کا لباس پہن کر ہر شئی سے بےخوف ہو کر منزلِ مقصود تک قدم بڑھاتا ہی چلا جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا وَاَوْلَادِیْ۔ بلذتِ سنتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّیْنُ

اور اسی کی ملکیت ہے جو آسمانوں اور جو زمین اور اُسی کا حقیقی قانون

اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور اُسی کی فرماں برداری

وَاصِبًا ۭ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ﴿٥٢﴾ وَمَا بِكُمْ مِّنْ

مضبوط ہے کیا پس اللہ کے غیر سے ڈرتے ہو۔ اور جو ہے پاس تمہارے کوئی

لازم ہے تو کیا اللہ کے سوا کسی دوسرے سے ڈرو گے اور تمہارے پاس جو

نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ

نعمت تو طرف سے اللہ کے ہے پھر جب کبھی پہنچی تم کو تکلیف تو اُسی کی طرف

نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے پھر جب تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو اسی کی طرف

تَجْـــَٔرُوْنَ ﴿٥٣﴾ ۚ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ

گڑگڑاتے ہو پھر جب اُس نے کھول دی اُلجھن تم سے تو ۔ اچانک ایک فرقہ

پناہ لے جاتے ہو پھر جب وہ تم سے بُرائی ٹال دیتا ہے تو تم میں ایک گروہ

مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ﴿٥٤﴾ ۙ لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ ۭ

تم میں سے۔ کا رب اپنے شرک کرنے لگتے ہیں۔ تاکہ انکار کر ڈالیں کا اُس جو دیا ہم نے انکو

اپنے رب کا شریک ٹھیرانے لگتا ہے کہ ہماری دی نعمتوں کی ناشکری کریں

فَتَمَتَّعُوْا ۫ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿٥٥﴾ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا

لہٰذا نفع لے لو پھر عنقریب جان لو گے اور بناتے ہیں وہ لیے اس بُت کے کہ جس کا

تو کچھ برت لو کہ عنقریب جان جاؤ گے اور انجانی چیزوں کیلئے ہماری دی ہوئی روزی میں سے حصّہ

يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ ۭ تَاللّٰهِ لَتُسْــَٔـلُنَّ

وجود نہیں جانتے حصّہ اُس سے جو ہم نے رزق دیا اُن کو قسم اللہ کی یقیناً پوچھے جاؤ گے

مقرر کرتے ہیں خدا کی قسم تم سے ضرور سوال ہونا ہے ۔

عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ﴿٥٦﴾

تم اُس کے بارے جو افترا بناتے ہو تم ۔

جو کچھ جھوٹ باندھتے تھے

تعلق ان آیتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں رب کریم نے فرمایا کہ مجھ سے ہی ڈرو ۔ اب ان آیات میں اُس کے دلائل دیئے جا رہے ہیں کہ چونکہ سب کچھ اسی کا ہے لہٰذا اسی کی خشیت اور تقوے کے ذریعے اُسی کی فرمانبرداری ہونی چاہیئے گویا کہ پہلی آیات میں دعویٰ تھا اور اب دلیل ہے ۔
دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں فرشتوں کے خوف کا ذکر ہوا کہ وہ اللہ سے ڈرتے ہیں اب ان آیتوں میں بندوں کے خوف کا ذکر ہو رہا ہے کہ تم ڈرو ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں سجدے کو بہت شان سے ذکر کیا گیا اس لیے کہ اصل عبادت سجدہ ہے باقی عبادت اِس کی فرع ہیں ۔ اب اُس کی وجہ کی طرف اشارہ ہوا کہ سجدے سے تقویٰ اور خوفِ الٰہی اور خوفِ الٰہی سے عجز پیدا ہوتا ہے ۔ اور یہی اصل عبدیت ہے ۔

تفسیر نحوی وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۔ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ ۔ واؤ سرِ جملہ ۔ لام حرفِ جر ملکیت کا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ ۔ مَا اسم موصولہ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ ۔ الف لام استغراقی سمٰوات جمع ہے سماءٌ کی بحالتِ جر ہے واؤ عاطفہ الف لام استغراقی ارض اسم مفرد جامد بحالتِ جر ہے معطوف سمٰواتِ پر معطوف علیہ معطوف مجرور ہے متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول کے اور وہ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے ۔ مَا موصولہ اور وہ موصول صلہ فاعل ہے ثَبَتَ فعل ماضی پوشیدہ کا لَهٗ بھی اسی کا متعلق ہے ۔ واؤ سرِ جملہ ۔ لام جارّہ ملکیت کا ہٗ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ۔ الف لام عہدی دِیْنٌ ۔ اسم مفرد جامد ہے اس کی جمع مکسّر ہے اَدْیَان ۔ چھ معنیٰ میں مستعمل ہے ۔ ۱ اصلی لغوی معنیٰ ہے الٰہی قانون ۲ مجازًا شریعت ۳ اطاعت ۴ ملت ۵ بدلہ اور جزا ۶ فرمانبرداری کے لیے بھی آتا ہے یہاں اصل معنیٰ میں ہے وَاصِبًا ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل صیغہ واحد مذکر ۔ وَصَبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہمیشہ

رہنا۔ مضبوط ہونا۔ قابلِ قبول اور قابلِ عمل ہونا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے قاموس اللغات میں سخت بیماری کو بھی وَصَبٌ کہا گیا ہے (مظہری) بحالتِ فتحہ ہے۔ خبر ہے یَکُوْنُ فعل ناقصہ مضارع کی اس کا اسم ہے اَلدِّیْنُ۔ لَهٗ جار مجرور اس کا متعلق ہے اصل عبارت ہے یَکُوْنُ لَهُ الدِّیْنُ وَاصِبًا ایک ترکیب واصبًا حال ہے دِیْنُ کا اور یَکُوْنُ پوشیدہ تامہ ہے ایک اور ترکیب میں ثَبَتَ ماضی پوشیدہ ہے۔ اَ ہمزہ استفہام انکاری یا توبیخی ہے فَ تعقیبیہ تعجب کے لیے ہے غیرِ حرفِ استثنا مجازی لغو ہے مضاف ہے بحالتِ نصب ہے۔ مفعول بہ مقدم ہے۔ اللّٰہِ مضاف الیہ ہے تَتَّقُوْنَ۔ بابِ افتعال فعل مضارع بمعنیٰ حال صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفار ہیں۔ مصدر ہے اِتِّقَاءٌ بمعنیٰ ڈرنا۔ بچنا خوف کھانا۔ پرہیزگار بننا نافرمانی سے دور رہنا۔ یہاں آخری دو معنیٰ بنتے ہیں۔ تَتَّقُوْنَ دراصل تھا تَتَّقِيُوْنَ بروزن تَجْتَنِبُوْنَ یٰ پر ضمہ ثقیل تھا ماقبل کو دے دیا دو ساکن جمع ہوئے۔ واؤ تو گر نہیں سکتی کیونکہ علامتِ جمع ہے۔ یٰ گر گئی۔ واؤ حالیہ مَا اسم موصول بَ جارہ بمعنیٰ عِنْدَ (پاس)۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرجع تمام انسان یا صرف کفارِ مکہ مخاطب ہیں جار مجرور متعلق ہے موجودٌ اسم مفعول پوشیدہ کا مِنْ جارہ تبعیضیہ یا بیانیہ۔ ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ یعنی کوئی بھی۔ مراد ہے تمام۔ نِعْمَةٍ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی ہے۔ ہر آرام اور خوشی دینے والی چیز نعمت ہے نعمت ہونا مخصوص ہے رب تعالیٰ سے۔ یعنی عطا اگرچہ کسی طرف سے مگر اس چیز کا نعمت ہونا (آرام دہ اور خوش کن ہونا) اللہ کی جانب سے ہے۔ اس کی جمع ہے نِعَمٌ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے موجودٌ کا۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مبتدا ہوا۔ فَ زائدہ بمعنیٰ جزا (مشابہ جزا) کیونکہ مبتدا میں شرط کی جھلک ہے مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے بمعنیٰ طرف سے اللّٰہ مجرور ہے متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ کا۔ ثابتٌ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی ثُمَّ حرفِ عطف تعقیب تراخی کے لیے۔ مابعد کا عطف ہے ماقبل مَا موصولہ پر۔ اِذَا حرفِ شرط ظرفیہ زمانیہ مَسَّ۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ تھوڑا لگنا۔ چھوجانا۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ الف لام عہدی ضُرٌّ۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ تکلیف۔ مصیبت۔ نقصان۔ تنگی گھبراہٹ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ بحالتِ رفع فاعل ہے مَسَّ کا۔ فَ جزائیہ اِلٰی جارہ انتہا کے لیے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق مقدم تَجْئَرُوْنَ باب سَمِعَ یا فَتَحَ کا۔ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ اس کا فاعل پوشیدہ جَئْرٌ مہموز العین سے بنا ہے۔ یا جَارٌ اجوف الفی یا جَوْرٌ اجوف

وادی سے ۔ بمعنیٰ ۔ شکار کو گھبرانے کے لیے شکاری کا شور مچانا منقول اصطلاحی ترجمہ ۔ فریاد کرنا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر جزا ہوئی ۔ شرط وجزا معطوف علیہ مابعد کا ۔ ثُمَّ حرفِ عطف اِذَا حرف شرطیہ کَشَفَ ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق کَشْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دور کرنا ۔ کھولنا ۔ الف لام عہدی ضُرَّ ۔ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ مصیبت ۔ تنگی بحالت نصب مفعول بہ ہے کَشَفَ کا ۔ عَنْ جارّہ مجاوزت زوالی کے لیے ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر حاضر جس کا مرجع کفار مکہ ۔ جار مجرور متعلق ہے ۔ کَشَفَ کا اور یہ سب جملہ فعلیہ بن کر شرط ہوئی ۔ اِذاً ۔ مفاجاتیہ جزائیہ بمعنیٰ اچانک اِذاً کی تنوین گر گئی اِذا شرطیہ کی مناسبت سے ۔ فَرِیْقٌ ۔ اسم مشتق صفتِ مشبہ مبالغے کے لیے ۔ بمعنیٰ بہت بڑا گروہ فَرْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جدا ہونا ٹکڑے ہونا اسی سے فِرقَۃٌ بمعنیٰ چھوٹا گروہ ۔ فَرِیْقٌ لفظاً واحد ہے معنیً جمع ہے جس طرح قوم اِس کا جمع ہے فُرُوقٌ یا فِرَقٌ ۔ اور فِرقَۃٌ کی جمع ہے اَفْرِقَۃٌ ۔ فریقٌ ۔ موصوف ہے ۔ مِنْ تبعیضیہ ۔ کُمْ ضمیر مجرور جار مجرور متعلق ہے کَائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل کا ۔ یہ اپنے فاعل مستتر اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے ۔ موصوف صفت مِل کر مبتدا ہوا ۔ بِ جارّہ بمعنیٰ مَعَ ۔ ربّ اسم مفرد نام صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا ۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع فَرِیْقٌ ہے مضاف الیہ ہے ۔ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے یُشْرِکُوْنَ باب اِفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ۔ مصدر ہے اِشْرَاکٌ ۔ بمعنیٰ بُت پرستی ۔ شِرْکٌ سے بنا ہے ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع فریقٌ ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر خبر مبتدا ہوئی ۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہوکر جزا ہوئی شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا ثُمَّ کا ۔ وہ معطوف ہے ۔ مَا کا پھر وہ حال ہے تَتَّقُوْنَ کے فاعل کا ۔ لِیَکْفُرُوْا بِمَآ اٰتَیْنٰھُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰھُمْ تَاللّٰہِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۔ لام کَے تعلیلیہ اگلی عبارت علت ہے یُشْرِکُوْنَ کی یا لام عاقبت ہے یا لام صیرورت یا لام امر ہے پہلے قول کو ترجیح ہے اعلیٰحضرت کا ترجمہ بھی اسی طرف راغب اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اُس نے مضارع کو نصب دیا لہٰذا یَکْفُرُوْا ۔ فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب کی نونِ اعرابی گر گئی نصب کی وجہ سے باب نَصَرَ سے ہے کُفْرٌ سے بنا ہے بِ جارّہ مفعولیت کا آتیْنَا ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق ۔ صیغہ جمع متکلم اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دینا ۔ دِلوانا ۔ مصدر ہے اِیْتَاءٌ ۔ ضمیر کا مرجع اللہ تعالےٰ ہے ۔ فَ حرفِ تعقیبیہ بلاتراخی یہ اگلی عبارت مقولہ ہے پوشیدہ فعل قُل کا ۔ کہ دراصل ہے فَقُلْ تَمَتَّعُوْا ۔ باب تفعُّل کا فعل امر ۔ توبیخ کے لیے ہے ۔ مَتْعٌ سے بنا ہے اِس کا مصدر ہے تَمَتُّعٌ بمعنیٰ نفع حاصل کرنا ۔ فَ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ (پھر) سَوْفَ ۔ حرف تقریب وعید کے لیے ہے تَعْلَمُوْنَ فعل مضارع

عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا۔ محسوس کرنا۔ باب سَمِعَ سے ہے صیغہ جمع حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا مرجع فریقٌ ہے مخاطب ہے۔ واؤ ابتدائیہ یَجْعَلُوْنَ۔ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف جمع غائب جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا۔ مقرر کرنا۔ ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع وہی کفار فریق۔ لام جارّہ نفع کا۔ مَا۔ اسم موصول لَا یَعْلَمُوْنَ۔ اس کا صلہ ہے۔ فعل مضارع عِلْمٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے جس کو جانتے تک نہیں۔ موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے یَجْعَلُوْنَ کا نَصِیْبًا اسم مصدر ثلاثی یہاں حاصل مصدر ہے بمعنی حِصّہ۔ بروزن فَعِیْلٌ۔ نَصْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ظاہر کرنا۔ اونچا کرنا۔ علیحدہ کر کے اُس کو اس طرح رکھنا کہ دور سے ممتاز نظر آئے۔ اسی معنی سے حِصّہ کو نصیب کہا جاتا ہے۔ تقدیر اور قسمت کو بھی نصیب اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔ زبر کو نصب اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ اوپر ہوتا ہے۔ اسی معنی سے منصب ہے۔ بمعنی درجہ عُہدہ۔ کیونکہ اس میں بھی بلندی ہوتی ہے۔ مفعول بہ ہے یَجْعَلُوْنَ کا لہٰذا منصوب ہے۔ مِمَّا۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ۔ مَا موصولہ۔ رَزَقْنٰا۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم رِزْقٌ سے بنا ہے بمعنی نفع والی چیز دینا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے رَزَقْنٰا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مجرور ہوا اور متعلق دوم ہے یَجْعَلُوْنَ کا یا متعلق ہے نصیبًا مصدر کا۔ اور وہ شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہے۔ تَ حرفِ جر قسمیہ۔ قائم مقام اُقْسِمُ فعل پوشیدہ کا۔ اللّٰہِ مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے اُقْسِمُ فعل مضارع مستتر کے وہ جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوئی تَ قسمیہ واؤ جارّہ قسمیہ کے معنی میں ہوتی ہے اور واؤ قسمیہ ب جارّہ قسمیہ کے معنی میں ہوتی ہے لیکن نحاتِ بصرہ تَ کو اصل قسمیہ مانتے ہیں اس کی نائب واؤ اور واؤ کی نائب ب جارّہ قسمیہ۔ ان کے نزدیک ب جارّہ اَصْلاً قسمیہ نہیں۔ بلکہ اصلاً وصلِ کلام کے لیے ہوتی ہے۔ اور یہ مُتَّفِقَہ قانون ہے کہ ایک چیز دو معنی میں اصل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے تَ قسمیہ جارّہ صرف قسم کے لیے ہی آتی ہے بخلاف ب کے۔ اسی طرح واؤ جارّہ بھی تَ کی نیابت میں صرف قسم کے لیے ہے۔ تَ جارّہ صرف لفظِ اللّٰہ پر آ سکتی ہے۔ بخلاف واؤ جارّہ کے حالانکہ اصل قسم اسی کی ہے۔ اس لیے بھی تَ اصل ہوئی واؤ نائب لَتُسْئَلُنَّ فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ بمعنی مستقبل مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر حاضر مستتر اس کا نائب فاعل سُؤَالٌ سے بنا ہے۔ باب فَتَحَ سے ہے۔ بمعنی پوچھا جانا۔ گرفت یا محاسبہ یا محاکمہ کیا جانا۔ عَنْ جارّہ بمعنی فی (یعنی بارے میں) مَا موصولہ كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ فعل ماضی ناتمام۔ (استمراری) صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ۔ باب افتعال سے بمعنی بناوٹ کرنا۔ جھوٹی باتیں بنانا۔ کسی کی طرف منسوب کرنا (بہتان باندھنا)۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ اور موصول صلہ مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے لَتُسْئَلُنَّ کا وہ جملہ فعلیہ

ہو کر جواب قسم اپنے جواب سے مل کر جملہ قسمیہ ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ. وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ۔ اللہ واحد کی معبودیت حق ہے اِس کے کروڑوں دلائل کے علاوہ اور یہ بھی بہت بڑی دلیل ہے کہ اُسی کا ہے وہ تمام جو پورے آسمانوں میں ہے اور جو ساری روئے زمین میں ظاہر و باطن میں ہے۔ ہر شی پر اُس کا قبضہ مکمل ہے۔ کسی شخص کے کسی چیز پر قبضے چار طرح سے ہو سکتے ہیں ۱۔ غضب سے۔ اور یہ حرام ہے ۲۔ ملکیت سے۔ یہ صفت بہت سی مخلوق کو حاصل ہے ۳۔ عبدیت (غلامیت) سے۔ یہ بھی بہت سوں کو حاصل ہو سکتی ہے اور ہوتی رہی ہے۔ ۴۔ مخلوقیت سے۔ یہ صورت خاص ہے رب تعالیٰ کے لیے۔ کسی بھی شخص کو یہ صفت کسی معنی میں حاصل نہیں باری تعالیٰ کے لیے کسی چیز کا غضب محال بالذات ہے۔ اس لیے کہ وہ ملکیت غیر میں ہوتا ہے اور یہاں آسمان و زمین کی کسی چیز میں ملکیت غیر ہے ہی نہیں۔ ہر شی پر اسی کی حقیقی ذاتی ملکیت ہے۔ باقی اَشیا میں تینوں قسم کے قبضے صرف رب تعالیٰ کے لیے ہیں کسی مخلوق کی یہ شان نہیں۔ اور جس کا ذاتی تینوں قسم کا قبضہ ہو وہی معبود ہو سکتا ہے۔ اِن تینوں میں سب سے بڑی صفت خالق ہونا ہے۔ کسی کو رب تعالیٰ کے سوا خالق نہیں کہا جا سکتا۔ بعض جاہل گمراہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کو معاذ اللہ پاکستان کا خالق کہدیتے ہیں۔ اسی طرح شاعروں کو اُن کے اَشعار کا خالق کہدیا جاتا یہ سب شرکیہ الفاظ ہیں مجھ کو حیرانی ہے کہ یہ وہابی دیوبندی جو نعت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر شان کو شرک کہدیتے ہیں نعت خوانی کی مخالفت کرتے ہیں۔ یہاں حکومت کے ڈر سے کچھ نہیں بولتے۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ اے نام کے توحید یو کیا غیر اللہ سے ڈرتے ہو۔ یہ تو فقط ایک مثال ہے ورنہ ان لوگوں کا غیرِ خدا کے دروازوں پر جانا اور اُمراء سے ڈرنا تو مشہورِ زمانہ ہے ان کے خود ساختہ عقیدے میں عید میلاد کا جلوس و جلسہ و جشن شرک ہے لیکن جب حکومت نے منایا تو سب سے آگے آگے۔ امام ضامن باندھنا شرک ہے لیکن جب صدر ایوب امریکہ گئے تو ان کے ایک بڑے تھانوی صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے صدر کو باندھا تمام کائنات میں اُس کا دین شریعت قانون الٰہی فیصلے ہر فرد پر غالب ہیں۔ پھر کسی غیر اللہ سے ڈرنے کی کیا وجہ۔ یہ حقیقت ہے کہ ایک دل میں دو ڈر جمع نہیں ہو سکتے۔ اگر بندے کے دل میں رب تعالیٰ کا خوف ہو شرمِ نبی ہو شریعت کا احترام ہو تو پھر کسی دنیادار یا جن بھوت درندے پرندے کا خوف اُس کے دل میں نہیں آسکتا یہ اِدھر اُدھر کا خوف تب ہی دل میں آتا ہے جب خوفِ الٰہی میں کسی طرح کی کمی ہو۔ خوف رہب۔ تقویٰ۔ خشیت چاروں کا معنیٰ ڈرنا ہے۔

مگر فرق یہ ہے کہ مطلقاً ڈر ہر قسم کا۔ خوف ہے۔ دبدبہ اور ہیبت کا ڈر رہب ہے۔ حکم کو ماننا اور حکم عدولی سے ڈرنا تقویٰ ہے۔ کسی کی قوت اور اپنی کمزوری کو پہنچانتے ہوئے اس سے ڈرنا خشیت ہے۔ دنیوی لحاظ سے تو کسی کا فقط رہب ہوتا ہے کسی کا فقط رہب۔ خشیت ہے۔ ظاہری امیری دولت حکومت کی وجہ سے کسی کا فقط خشیت یا خوف۔ مگر کامل مومن اور عارف وہ ہے جس کے دل میں اللہ تعالیٰ کا خوف۔ رہب خشیت۔ تقویٰ سب کچھ ہو۔ اس لیے کہ انسانو تمہارے پاس جو بھی کسی طرف سے کوئی اچھی مفید چیز آتی ہے وہ اللہ ہی کے پاس سے عطا ہوتی ہے صرف راستے مختلف ہیں۔ بلکہ دنیا کی اشیا کو تمہارے لیے نعمت اور فائدہ مند بنانا بھی اسی کا کرم ہے۔ ورنہ یہ ہی چیزیں تمہارے لیے زہر قاتل بھی بن سکتی ہیں اے شرک کرنے والو کبھی یہ غور نہیں کرتے کہ عطاء نعمت بھی اُسی کی طرف سے اور دفاعِ مصائب وبلا بھی اُسی کی طرف سے ہے تم نے بارہا مصیبتوں سے پریشان ہو کر اسی کے آگے فریاد کی۔ جب کبھی تم کو کسی بیماری۔ درد تکلیف۔ ظلم وستم یا دشمن نے گھیرا تو اسی کی بارگاہ میں تم ہائے ہائے فریاد فریاد کرتے ہوئے روئے۔ چیخے تڑپے۔ اور یہی دعائیں مانگیں کہ اُوپر والے سُن لے مدد فرما دے۔ مصیبت دور کر دے۔ پھر تم کو مندر۔ اور بُت۔ گائے۔ بندر۔ پیپل۔ دیوی۔ دیوتا سب بھول جاتے ہیں۔ اور اللہ کے ولیوں کے مزارات کی طرف دوڑ پڑتے ہو۔ کیونکہ سچ سمجھتے ہو کہ اللہ کی بخشش و عطا۔ کرم وسخا کے آستانے یہی مقدس مقامات ہیں۔ اور رحمت الٰہی کے اسٹیشن یہی ہیں۔ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ ۝ لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ ۚ فَتَمَتَّعُوا ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝ وَيَجْعَلُونَ لِمَا لَا يَعْلَمُونَ نَصِيبًا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ ۗ پھر جب اُسی رب کریم نے کھولدی دور فرما دی وہ بیماری۔ بلا۔ مصیبت۔ درد۔ تکلیف۔ بلا وسیلہ یا دوائی تعویذ دم درود اور ولی نبی کی دعا کے وسیلے سے۔ تو اچانک فوراً ہی بلا سوچے سمجھے بغیر احسان مانے تم انسانوں میں سے ایک گروہ مشرکین لوگ جو پہلے بھی مشرک و بُت پرست ہی تھے پھر اپنے مندروں کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور حسب سابق شرک کی پوجا پاٹ میں مشغول ہو جاتے ہیں۔ انہیں بھول ہی جاتا ہے کہ ہم کسی مصیبت میں اللہ کے ولیوں کے آستانے پر گئے تھے وہاں مسلمانوں کے رب تعالےٰ سے رو کر فریاد کی تھی اور سب لوگوں نے ہم کو اُن آستانوں پر حاضر دیکھا تھا۔ اُس مصیبت میں یہ بُت ذرا کام نہ آئے تھے۔ علامہ احمد حسن نوری نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا کہ کفار ہندو سکھ تو مصیبت کے وقت مزاراتِ اولیاء اللہ پر حاضری دے کر مشکل کشائی چاہتے ہیں اور اُن کی مشکلیں حل ہوتی ہیں مگر بحمدہٖ تعالیٰ کوئی مسلمان کبھی کسی مصیبت میں غیر اللہ کے پاس فریاد لے کر نہ گیا کسی نے

مسلمان کو کبھی کسی مندر میں نہیں دیکھا۔ مسلمان کتنا ہی جاہل گنوار ہو وہ اپنی فریادیں اللہ کے اپنوں کے پاس ہی لے کر جاتا ہے اور فائدہ پاتا ہے۔ اس لیے کہ وہ اتنا ضرور جانتا ہے کہ اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا شرک نہیں عین توحید ہے۔ ہاں مندروں میں جانا شرکِ حقیقی ہے۔ اور یہ واقعہ ہے کہ مندروں بتوں سے مانگنے سے خود مشرک کو بھی کچھ نہیں ملتا ورنہ وہ مصیبت میں مندر کو چھوڑ کر مزارات کی طرف نہ آتا۔ اور کفار کا اپنے بتوں کو چھوڑ کر اللہ سے فریاد کرنا شروع زمانوں سے ہوتا چلا آیا ہے۔ اور اس کا مشاہداتی ثبوت یہی اُن کا مزاراتِ اَولیا پر حاضری ہے۔ پہلے زمانوں میں بھی ایسا ہوتا رہا اور اب بھی اسی طرح دیکھا جا رہا ہے۔ اِسی مشاہدے کا یہاں تذکرہ ہے۔ کفار اس کا انکار نہیں کر سکتے۔ اگر صرف خفیہ فریادیں مراد ہوتیں تو کفار اپنی ان فریادوں کا انکار کر سکتے تھے۔ فَرِیْقٌ کے متعلق دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ تَجْـَٔرُوْنَ میں سب انسان مراد ہیں یعنی دعائیں تو سب ہی مومن و کافر اللہ سے ہی مانگتے ہیں مگر مصیبت ٹلنے کے بعد جو بُرے بن جاتے ہیں وہ گروہ صرف مشرکین کا ہے۔ دوسرا قول یہ کہ تَجْـَٔرُوْنَ میں صرف مشرکین مراد ہیں۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ مصیبت ٹلنے کے بعد کچھ مشرک دوبارہ شرک نہیں کرتے اور کچھ مشرک پھر پہلے کی طرح شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں فریادرس رب کو بھول جاتے ہیں۔ مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے یہ تمام مشرک شرک اس لیے کرتے ہیں تاکہ ہماری نعمتوں کی ناشکری کریں۔ جو ان کو ہم نے دی ہیں۔ حالانکہ نعمت والے کا شکریہ ادا کرنا فرض ہے۔ خیال رہے کہ شکر کرنا عبادت اور فرماں برداری اور اطاعت و اتباع کا نام ہے۔ صرف زبانی شکر شکر کرنا شکر نہیں۔ کفار دنیا میں دو کام کرتے ہیں۔

۱۔ مصیبت میں اللہ کو اور اللہ والوں کو پکارتے ہیں اس کا بدلہ ان کو یہ ملا کہ فَتَمَتَّعُوْا اچھا تھوڑا نفع پوری دنیوی زندگی میں اللہ کی تمام حاصل شدہ نعمتوں سے اٹھالو۔ ۲۔ مصیبت ٹلنے پر پھر شرک و کفر۔ اس کا بدلہ یہ ہے کہ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ۔ عنقریب۔ بوقتِ قبر یا میدانِ محشر یا جہنم میں تم اپنے برے انجام جان لو گے ان کی مصیبتوں کا تو یہ حال تھا جو ابھی بیان ہوا لیکن یہ کفار اپنی خوشیوں سرمستیوں میں اُسی رزق سے جو محض اپنی رحیمیت و شفقت ہے ہم نے ان کو دیا۔ دولت حیوانات۔ نباتات غذائیں وغیرہ میں سے اپنے اُن بتوں کے حصے بناتے ہیں جو بُت ان حصوں کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتے۔ کہ بحیرہ۔ سائبہ۔ وصیلہ۔ حام۔ مندروں کے چڑھاوے کس نے کہاں چھوڑے ہیں۔ یا یہ کفار بالکل نہیں جانتے کہ ان بتوں کا ان حصوں سے کچھ نفع نقصان نہیں اور نہ یہ بُت بے جان مورتیاں ان چڑھاوا دینے والوں کو کچھ نفع دے سکیں۔ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ذاتِ الٰہی کی قسم البتہ بیشک ضرور پوچھا جائے گا اُن تمام کفر جھوٹ۔ افترا۔ بناوٹ۔ مکر فریب۔ ایذارسانی کے بارے میں

جو تم اپنے باطل دین کو بنانے بچانے کے لیے اور سچے دینِ اسلام کی دشمنی مخالفت میں کرتے رہے ہو۔ چونکہ کفار کی ہر چیز ہی افترا ہے اس لیے تَفْتَرُوْنَ تمام کفریہ اعمال کو شامل ہے۔ پہلے زمانوں سے آج تک دنیا کے تمام مشرکین۔ بت پرست ستارہ پرست۔ آتش و حیوانات پرست درختوں کے پجاری۔ اپنے ان جھوٹے معبودوں کے لیے حصے نکالتے رہے جن میں سے غلہ رزق اور روپیہ پیسہ پنڈت راہبوں۔ احبار جوگیوں سادھوؤں کے لیے کھانا استعمال کرنا جائز مانتے ہیں۔ اور کچھ حیوانات کو کھانا حرام سمجھتے ہیں وہ کھلے پھرتے ہیں۔ کل سات قسم کی چیزیں جن کو وہ بتوں کا حصہ بناتے ہیں۔ چار قسم کے جانور اور تین قسم کے دیگر مال و دولت پیداوار۔ ستارہ پرست کہتے ہیں یہ شمس کا حصہ یہ قمر کا یہ زہرہ ستارے کا وغیرہ۔ آج کل ہندو کہتے ہیں یہ کالی دیوں کا یہ پیپل والی کا وغیرہ وغیرہ (العیاذ باللہ)

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے مگر اولیاء اللہ کی ولایت و کرامت کو علماء کرام کے علم و فقہ کو مومن کے تقوے کو فنا نہیں وہ قبر حشر میں بھی موجود مفید ہے۔ اسی طرح خود اولیا علما اور مومنین کو بقا ہے۔ یہ فائدہ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ جب دین کو بقا ہے تو دینی اعمال اور دین والوں کو بھی بقا ہے۔ نبوت تو اس سے کہیں اونچی چیز ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ بندے کو چاہیے کہ اُس کو جو چیز جو نعمت کہیں سے بھی ملے اس کو رب تعالیٰ کی طرف سے ہی جانے خواہ وہ چیز اور نعمت جسمانی ہو یا روحانی۔ شریعت کی ہو یا طریقت و معرفت کی دنیوی ہو یا دینی۔ لہٰذا کسی سے مانگنے کو دراصل رب کا حکم جانے۔ بہانہ سمجھے۔ مثلاً ڈاکٹر حاکم پولیس سے امداد مانگنا دوائی و علاج اسی طرح انبیاء کرام اولیاء اللہ سے مانگنا بھی رب کی طرف سے جانے یہ سب رب تعالیٰ کے دروازے اور وسیلے ہیں۔ یہ فائدہ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ ہر باطل اور جھوٹا شخص ہر وقت بے یقین رہتا ہے اس کو اپنے عقیدے اور دلائل پر بھی یقین اور بھروسہ نہیں ہوتا کفار کی بے یقینی کا حال یہ ہے کہ ذرا سی مصیبت میں بتوں کو اور مندروں کو چھوڑ چھاڑ مزاروں پر جا کر رب تعالیٰ سے فریادیں کرتے ہیں۔ یہی حال آج کل کے فاضلِ فلاں فاضلِ فلاں گستاخانِ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے منکروں بے ادبوں کا ہے۔ کہ یہ قرنُ الشیطٰن بھی کبھی کچھ۔ کبھی کچھ کرتے پھرتے ہیں گویا ادھر سے کسی نے مار دی۔ اعتراض کیا تو اس کتاب کا سہارا پکڑ لیا اور اُس پر کسی نے اعتراض کیا تو اِس کا سہارا لے لیا۔ صبح کو ایک عبارت لکھی اس پر اعتراض و گرفت ہوئی تو شام کو وہ عبارت کاٹ کر دوسری لکھ دی۔ ایک مطبوعہ پر پکڑ ہوئی تو دوسرے میں تبدیل کر دی۔ پھر کہا جاتا ہے ہمارے حضرت جی بڑے عالم تھے

یہ بھی کیا علم ہے جس میں قوت و ٹھیراؤ ہی نہ ہو۔ بہر کیف باطل کا شروع سے ہی یہ طریقہ رہا۔ یہ فائدہ۔ فَاِلَیۡہِ تَجۡـَٔرُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ دنیا میں دولت و نعمت مل جانا یا کسی میدان میں کامیاب ہو جانا سچے ہونے کی علامت نہیں۔ اصل کامیابی اعمال خیر کی توفیق ہے مومن کو اسی طرف زیادہ توجہ کرنی چاہیے خواہ دنیوی عزت دولت حاصل ہو یا نہ ہو۔ یہ فائدہ۔ فَتَمَتَّعُوۡا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مندر گرجے یا کنیے اور گردوارے کو چندہ دے یہ سخت حرام ہے۔ یہ مسئلہ نَصِیۡبًا مِّمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اللہ کے رزق سے بتوں اور بت خانوں کو دینا کفار کا طریقہ اور کفر ہے۔ **دوسرا مسئلہ۔** اولیاء اللہ کے ختم شریف اور مسجدوں مدرسوں۔ مومن فقراء مسکین اور بیندوں کے لیے مسلمانوں کا کچھ چندہ دینا عین جائز باعث ثواب ہے۔ یہ مسئلہ لِمَا لَا یَعۡلَمُوۡنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ بتوں کی اصل حقیقت کا کفار کو پتہ نہیں لیکن اولیاء اللہ کے ولی اللہ ہونے کی حقیقت کا مومن کو علم ہے۔ تو جہاں علم نہ ہو وہاں حصہ دینا گناہ و کفر ہے لیکن جہاں علم ہو وہاں عین عبادت مباح بلکہ بعض وقت واجب ہوتا ہے۔ **تیسرا مسئلہ۔** جو چیز بتوں کے نام پر مندروں میں یا کہیں پر رکھی ہو وہ چیز کھانا استعمال کرنا جائز ہے یہ مسئلہ۔ وَیَجۡعَلُوۡنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ یہاں رب تعالیٰ نے اس رکھنے اور حصہ چندہ دینے کو حرام فرمایا۔ چیز کو حرام نہ کیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ اِذَا فَرِیۡقٌ مِّنۡکُمۡ۔ یعنی مصیبت دور ہوتے کے بعد ایک گروہ تم میں سے پھر رب تعالیٰ کے شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے جس سے ثابت ہوا کہ سب کفار شرک میں مبتلا نہیں ہوتے۔ حالانکہ مشاہدہ ہے کہ مصیبت ٹلنے کے بعد سب کافر اسی طرح مشرک کے مشرک ہی رہتے ہیں۔ لہٰذا یہاں ثُمَّ فرمانا اور فَرِیۡقٌ فرمانا درست کس طرح ہے؟ **جواب۔** تفسیر عالمانہ میں اس کا وضاحت سے جواب عرض کر دیا گیا ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ اگر مِنۡکُمۡ سے مراد صرف تمام مشرکین ہی ہوں عام انسانوں کو خطاب نہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ جتنی دیر مصیبت میں پھنسے رہتے ہو اتنی دیر شرک نہیں کرتے۔ لہٰذا ثُمَّ فرمانا درست ہوا۔ فَرِیۡقٌ کہنا اس لیے درست ہوا کہ کچھ لوگ اس دوران بھی پوجا پاٹ اور پرستش تو بتوں کی ہی کرتے رہتے ہیں مگر گڑگڑاتے ہیں رب تعالیٰ کے سامنے۔ بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ یُشۡرِکُوۡنَ سے مراد عملی شرک ہے۔ کہ مصیبت میں وہ بند ہو جاتا ہے اور مصیبت

ملنے پر وہ شروع ہو جاتا ہے اعتقاد اگرچہ باقی رہتا ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ لَا یَعْلَمُوْنَ سے کون لوگ مراد ہیں اگر بت مراد لیے جائیں جیسا کہ بعض مفسرین کہتے ہیں تو یہ ذوی العقول کا صیغہ ہے پتھر کے بت کے لیے یہ نہیں آسکتا۔ اگر اس سے بقولِ وہابی اولیاء انبیاء معاذ اللہ مراد ہوں تو لَا یَعْلَمُوْنَ غلط ہو جاتا ہے کیونکہ اولیاء اللہ کو بہت اشیاء کا علم ہے۔ جہان اُخروی کا تو عام مسلمان کو بھی قرآن و حدیث کے ذریعے بہت کچھ علم ہے اور اگر مشرکین مراد ہوں تو۔ یہاں خواہ مخواہ پوشیدہ عبارت ماننی پڑے گی۔ نیز پھر بھی لَا یَعْلَمُوْنَ غلط ہو جائے گا۔ اس لیے کہ مشرکین تو جانتے ہیں کہ ہم کس کس بت کا حصہ نکال رہے ہیں۔ **جواب**۔ اس کا جواب بھی تفسیر عالمانہ میں دے دیا گیا ہے۔ اور اگرچہ مفسرین کے اقوال اس کی ضمیر کے مرجع کے بارے میں اپنے اپنے دلائل سے دونوں مذکور ہیں۔ مگر بہتر یہی ہے کہ مراد بت ہیں۔ یعنی بت نہیں جانتے۔ رہا۔ یہ کہنا کہ لَا یَعْلَمُوْنَ صرف ذوی العقول کے لیے استعمال ہوتا ہے یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ یہ قاعدہ صرف جمع مذکر سالم میں مشہور ہے۔ مگر وہ بھی قرآن مجید سے ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف ثابت ہے جیسا کہ لفظِ دَاخِرُوْنَ میں پہلے بتا دیا گیا۔ خیال ہے کہ جن بزرگوں نے لَا یَعْلَمُوْنَ میں مشرکین کفار لوگ مراد لیے ہیں۔ وہ بھی علم سے علم ظاہری مراد نہیں لیتے بلکہ علم باطنی کی نفی کرتے ہیں۔ یعنی کفار بتوں کو تو جانتے ہیں مگر اُن کے نفع نقصان دینے اور حاجت روائی مشکل کشائی کو نہیں جانتے اور بلا وجہ بے یقینی کا عقیدہ بنائے پھرتے ہیں جیسا کہ ہم نے تفسیر میں ایک احتمال کے طور پر ذکر کر دیا ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ۔ یعنی اے انسانو تم کو جو نعمت بھی ملتی ہے وہ اللہ سے ہی ملتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء اولیاء سے کچھ نہیں ملتا۔ لہٰذا اُن سے مانگنا بھی بیکار بلکہ حرام و شرک ہوا۔ (وہابی) لیکن دوسری بہت سے آیت سے انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاءِ عظام علیہم الرحمۃ والرضوان سے مانگنے کا اشارۃً وکنایۃً ودلالۃً واقتضاءً ثبوت ملتا ہے نیز ہم دن رات ڈاکٹر حاکم۔ حکیم سے مانگتے رہتے ہیں اور ملتا بھی ہے ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب**۔ اس کا جواب تو اسی آیت میں موجود ہے۔ کہ فرمایا گیا فَمِنَ اللّٰهِ۔ یعنی ہر نعمت اللہ کی طرف سے ہوتی ہے۔ بِیَدِ اللّٰہِ نہیں فرمایا گیا۔ ہر نعمت اللہ کے ہاتھ اور اس کی قدرت سے نہیں ملے گی۔ ہاتھ انبیاء اولیاء کے ہوں گے۔ ڈاکٹر حکیم۔ حاکم کے ہوں گے مگر نعمت ظاہری باطنی جسمانی و روحانی فَمِنَ اللّٰهِ اللہ ہی کی طرف سے ہو گی۔ صرف ملنے کے آستانے مختلف ہیں لہٰذا ان آستانوں پر جانا شرک نہیں عین ایمان ہے۔ ان آیت کی تفسیرِ صوفیانہ آیت ۶۰ کے بعد ہے۔

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنَاتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا

اور بناتے ہیں لیے اللہ کے بیٹیاں پاک ہے وہ اللہ اور لیے اپنے جو

اور اللہ کے لیے بیٹیاں ٹھیراتے ہیں پاکی ہے اُس کو۔ اور اپنے لیے جو

يَشْتَهُونَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى

پسند کرتے ہیں اور جب بشارت دیا گیا کوئی اُن میں سے بیٹی کی

اپنا جی چاہتا ہے۔ اور جب اُن میں کسی کو بیٹی ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے

ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ﴿٥٨﴾ يَتَوَارٰى

تو رہ جاتا ہے چہرہ اُس کا سیاہ ہوکر اس حال میں کہ غصّہ کے گھونٹ پینے والا ہے چھپتا ہے

تو دِن بھر اُس کا منہ کالا رہتا ہے اور وہ غصّہ کھاتا ہے لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے

مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَيُمْسِكُهٗ

سے لوگوں بوجہ بُرا سمجھنے کے اُس کو بشارت دیا گیا جس کی۔ کیا روک رکھے

اِس بشارت کی بُرائی کے سبب کیا اُسے ذلّت کے ساتھ

عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ

اِس بشارت والی چیز کو ذلّت پر یا دفن کر دے اس کو بیچ مٹی خبردار بُرا ہے

رکھے گا یا اُسے مٹی میں دبا دے گا ارے بہت ہی برا حکم

مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿٥٩﴾ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ

جو فیصلہ کرتے ہیں لیے اُن کے جو نہ مانتے ہیں کو آخرت

لگاتے ہیں۔ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے انہیں کا

مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى ۭ وَهُوَ الْعَزِيْزُ

حالت بُری اور لیے اللہ کے شان ہے بلند اور وہ عزت

برا حال ہے اور اللہ کی شان سب سے بلند اور وہی عزت و

ع ۱۰ ۱۳

الْحَكِيْمُ ۝٦٠

حکمت والا ہے

حکمت والا ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مشرکینِ مکہ کی خود ساختہ بدعقیدگیوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں مختصر فہرست بتائی جارہی ہے کہ یہ مشرک کیا کیا افترٰی باندھتے ہیں **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ جو نعمت بھی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے لہٰذا اُس کی قدر کرو۔ اِن آیت میں بتایا گیا کہ کافر اُس کی دی ہوئی چیزوں کی قدر نہیں کرتے۔ بلکہ بیٹی جیسی پیاری چیز سے نفرت کرتے ہیں۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ ان مشرکین کے ایسے دیوتا اور جھوٹے معبود ہیں جن کی حقیقت اور وجود کو بھی کوئی نہیں جانتا یعنی جن کی حقیقت اور وجود ہے ہی کوئی نہیں اُن کے لیے دولت و رزق کے بڑے بڑے حصہ بناتے ہیں یا یہ کہتے ہیں کہ بادل کا دیوتا فلاں ہے دولت کی دیوی فلاں ہے۔ اِن آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ کے لیے یہ بیٹیاں بناتے ہیں۔ کتنے عجیب اور احمقانہ گھر بیٹھے فیصلے کرتے رہتے ہیں۔

تفسیر نحوی وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ واؤ سر جملہ۔ یَجْعَلُوْنَ۔ بابِ فتح کا مضارع معروف مثبت صیغہ جمع مذکر غائب جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنا لینا۔ گھڑ لینا۔ سمجھ لینا۔ عقیدہ کر لینا۔ یہاں سب معنیٰ ہو سکتے ہیں۔ لام حرفِ جر نفع کی علت کا۔ اللّٰہ اسم مفرد نام ذاتی خالق تعالیٰ کا۔ مجرور ہے متعلق ہے یَجْعَلُوْنَ کا۔ الف لام عہدِ خارجی بَنٰت۔ جمع مؤنث سالم واحد ہے بِنْتٌ بمعنیٰ بیٹی اس کا واحد مذکر ہے ابن۔ بمعنیٰ بیٹا تاء تانیث آخر میں لگی۔ سُبْحٰنَ بروزنِ فُعْلَانَ۔ اصلاً مصدر ہے بمعنیٰ تسبیح یعنی پاکیزگی بیان کرنا مگر

یہاں اسم حاصل مصدر مفرد معرفہ ہے۔ یا مفعول مطلق ہے اس کا فعل یُسَبِّحُ یا نُسَبِّحُ مقدر متروک ہے۔ اسی لیے اس کو نصب ہے ہمیشہ مضاف ہوکر آتا ہے اسم ظاہر کی طرف یا ضمیر کی طرف یہ لفظ خاص ہے اللہ تعالیٰ کے ساتھ۔ واؤ برجملہ لام جارّہ اضافت لامیہ ہے۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر نفسی بمعنیٰ اپنے لیے مَا اسم موصول یَشْتَهُوْنَ باب افتعال کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے اِشْتِهَاءٌ شَهْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نفسانی خواہش شیطانی چاہت۔ نفس پرستی۔ واؤ حالیہ مابعد حال ہے یَشْتَهُوْنَ کے فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا اِذَا ظرفِ زمانی بمعنیٰ شرطیہ۔ بُشِّرَ فعل ماضی مطلق مثبت مجہول صیغہ واحد مذکر غائب اَحَدُ اسم عددی پہلا عدد بمعنیٰ ایک معرب اِسم متمکن ہے تنوین سے مانع مضاف ہوتا ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی نائب فاعل ہے بُشِّرَ فعل مجہول کا۔ باب تَفْعِیْلٌ سے ہے مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنیٰ لغوی کھال کا رنگ بدلنا بَشَرٌ یا بِشْرٌ۔ یا بَشَرَةٌ سے بنا ہے بمعنے لغوی کھال ظاہر والا ہونا یعنی بالوں کے بغیر۔ اصطلاحی ترجمہ خوشخبری سنانا جو خوشخبری یا بدخبری میں چہرے کی کھال کا رنگ بدلتا ہے اس لیے اس کو بشارت یا تبشیر یا بُشریٰ کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے عام خبر۔ یا اِستہزاءً بشارت کا فعل استعمال ہوا۔ یا بلحاظ حقیقت اور عموم اولاد کی خبر والدین کے لیے خوشخبری ہی ہوتی ہے۔ بِ حرف جر مفعولیت کے معنیٰ میں۔ الف لام جنسی۔ اُنْثیٰ۔ اسم مفرد جامد مشابہِ مشتق تفضیل مؤنث۔ بمعنیٰ مادہ۔ نر کا مقابل (مؤنث) مراد ہے لڑکی یعنی بیٹی۔ جار مجرور متعلق ہے بُشِّرَ کا۔ یہ فعل تمام معمولات سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی۔ ظَلَّ۔ فعل ماضی مطلق ناقصہ صیغہ واحد مذکر غائب۔ بمعنیٰ بدل جانا۔ پھر جانا۔ ایک حالتِ اصلیہ سے ہٹ کر دوسری عارضی وقتی حالت میں ہونا۔ صَارَ فعل ناقصہ میں بھی تغیر ہوتا ہے مگر ایک دوامی یا دراز حالت سے بدل کر دوسری دراز حالت میں آنا صیرورت ہے جیسے امیر سے غریب ہونا وغیرہ اور دوامی حالت سے عارضی وقتی حالت میں آنا ظلّت ہے جیسے خوشی میں چہرہ سرخ ہونا۔ غصہ میں لال ہونا۔ خوف میں زرد ہونا۔ غم میں سیاہ ہونا یہاں آخری بات ہے یہ سایہ تبدیل ہوتا رہتا ہے اس لیے عربی میں اس کو بھی ظِلّ کہتے ہیں اور چونکہ حالات اور وقت کی ظاہر ظہور تبدیلی خوشی غمی۔ ڈر وغیرہ یونہی سایہ کا ظہور میں آنا چھوٹا بڑا۔ آگے پیچھے دائیں بائیں ہونا سب کچھ دن میں ہوتا ہے رات میں اکثر ایک ہی جگہ ایک ہی غفلت کی کیفیت ہوتی ہے۔ اس لیے دن اور دوپہر کو ظِلّ کہا جاتا ہے۔ نہ کہ رات کو وَجْهُهٗ۔ مرکب۔ وَجْهٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ چہرہ یہ اصل لغوی حقیقی معنیٰ ہیں مجازاً۔ ذات۔ سینہ۔ سامنے ہونا۔ متوجہ ہونے کے لیے بھی مستعمل ہے۔ یہاں حقیقی معنیٰ میں ہے ہٗ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر غائب کا مرجع اَحَدُ ہے۔ مرکب اضافی اسم ہے ظَلَّ ناقصہ

کا۔ مُسْوَدًّا ۔ باب اِفْعِلَالٌ ثلاثی مزید فیہ ملحق برباعی ۔ کا اسم مفعول ۔ دراصل تھا مُسْوَدَدًا ۔ دال کا دال میں ادغام کیا گیا۔ سُوْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کالا ہونا ۔ سیاہ ہونا ۔ یہ حقیقی معنیٰ ہے ۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۔ مجازاً ہر مُبْہَم چیز کو یا جس سے اندھیرا ہو ۔ سود یا سواد کہا گیا ہے ۔ بڑی جماعت کو سوادِ اعظم ۔ اور دور سے دکھی ہوئی غور طلب شکل کو مُسْوَدَّۃٌ مؤنث ۔ آنکھ کی سیاہی کو سَوَادٌ ۔ لکھے ہوئے کالے لفظوں کو مسودہ اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے ۔ بحالتِ نصب ہے خبر ہے ظَلَّ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ جزا ہے شرط بُشِّرَ کی ۔ واؤ حالیہ ۔ مابعد حال ہے اَحَدٌ کی ضمیر ظَلَّ کے اسم کے مضاف الیہ کا ۔ یا عاطفہ ہے ۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ کَظِیْمٌ ۔ اسم صفت مشبہ ۔ کَظْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غصہ میں چپ سادھ لینا ۔ خاموشی اختیار کرنا ۔ رکنا ۔ غصہ برداشت کرنا ۔ رکنا ۔ کڑھنا ۔ پریشان ہونا (پینا) یہاں پہلے معنیٰ میں ہے بحالتِ رفع ہے ۔ خبر ہے مبتدا کی ۔ پھر جملہ اسمیہ خبریہ ہے یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ؕ اَیُمْسِكُهٗ عَلٰی هُوْنٍ اَمْ یَدُسُّهٗ فِی التُّرَابِ ؕ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ ۝ لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی ؕ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۔ یَتَوَارٰی ۔ باب تَفَاعُلٌ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب دراصل تھا یَتَوَارَیُ ی پر ضمہ ثقیل تھا لہٰذا یٰ کو الف سے بدل دیا ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے اس کا مرجع اَحَدٌ ہے ۔ مصدر تَوَارِیٌ ۔ وَرْیٌ ۔ لفیف مفروق سے بنا ہے بمعنیٰ چھپنا ۔ چھپتے پھرنا ۔ باب تَفَاعُلٌ میں دوسرے معنیٰ ہیں وہی یہاں مراد ہیں ۔ چھپنا یعنی مسلسل پوشیدہ ہونا ۔ اور چھپتے پھرنا کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ کہ اِدھر سے نکلے اُدھر چھپے اُدھر سے اِدھر ۔ مِن جارّہ ابتدائیہ بیانیہ ۔ الف لام عہدِ خارجی مراد ہے اپنی ۔ قَوْمٌ ۔ اسم مفرد جامد معنیً جمع ۔ بمعنیٰ قریبی رشتے دار ۔ جار مجرور متعلق اول ہے یَتَوَارٰی کا مِن جارّہ تعلیلیہ سُوْءٌ ۔ اسم مصدر ۔ مگر یہاں حاصل مصدر جامد بمعنیٰ ۔ بری چیز ۔ غم میں ڈالنے والی چیز ۔ موصوف مَا اسم موصول بحالتِ کسرہ محلی ہے نہ کہ ظاہری کیونکہ مبنی ہے ۔ ظاہر اعراب صرف معرب متمکن پر آتا ہے ۔ صفت ہے ماقبل کی بُشِّرَ ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنیٰ بشارت دینا ۔ (خوشخبری) یہاں مراد ہے مطلق خبر ۔ بِ جارّہ مفعولیت کی ۔ ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع مَا موصولہ ۔ جار مجرور متعلق ہے بُشِّرَ ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل جس کا مرجع اَحَدٌ ہے ۔ اَ ۔ ہمزہ استفہام طلب کیلئے ہے عبارت معمول (مفعولیہ) ہے پوشیدہ اسم فاعل نَاظِرًا کا ۔ اور نَاظِرًا بجملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَتَوَارٰی کے فاعل کا یُمْسِكُ ۔ افعال کا مضارع مثبت بمعنیٰ مستقبل مشتق ہے اِمْسَاكٌ ۔ ترجمہ ہے روک رکھنا مَسْكٌ سے بنا ہے بمعنیٰ رکنا یہ لازم ہے افعال نے متعدی بنایا ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب ہے مفعول بہ ہے یُمْسِكُ کا ۔ عَلٰی جارّہ بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ یا بمعنیٰ مَعَ ظرفیہ هُوْنٍ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ذلت ۔ رسوائی مصیبتوں والی زندگی ۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے ۔ مجرور معرب متمکن نکرہ ہے ۔ تنوین تنکیری بمعنیٰ عام ذلت یا تعظیمی ۔ بمعنیٰ بڑی ذلت جار مجرور متعلق

ہے یُمۡسِکُ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ اَمۡ ۔ حرفِ عطف تردید غیر معین مشابہ اَوۡ عاطفہ ترجمہ ہے
یا ۔ اگر پسند کے لیے ہو تو ترجمہ ہوگا خواہ ۔ کبھی بمعنیٰ بل اور کبھی زائدہ ہوتا ہے ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں
ہے ۔ ایک قول میں بمعنیٰ بل (بلکہ) استدراکیہ ہے ۔ یَدُسُّ ۔ بابِ نصر کا مضارع مثبت معروف بمعنے
مستقبل ۔ دُسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ چھپانا ۔ دبانا مٹی میں اس طرح گاڑھنا کہ سب چھپ جائے
یہاں مراد بمعنیٰ وَاُدٌ ہے یعنی زندہ دفن کرنا ۔ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے اَحَدُ ۃٗ ضمیر مفعول بہ
اس کا مرجع مَا بُشِّرَ ہے ۔ فِیۡ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام جنسی تُرَاب ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ اصل مٹی والی
زمین ۔ مجازاً یا نسبتاً خاک اور دھول اور مٹی کو بھی تراب کہا جاتا ہے ۔ حضرت علی کا لقب اَبُو تُرَاب اسی
دھول مٹی کے معنیٰ میں ہے ۔ جار مجرور متعلق ہے یَدُسُّ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے ۔ یُمۡسِکُ کا ۔
اَلَا ۔ حرفِ توبیخ یا تنبیہ سَآءَ فعلِ ذم ماضی مطلق ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا یَحۡکُمُوۡنَ کا حاصل
مصدر (حُکۡمٌ ہے) مَا اسم موصول یَحۡکُمُوۡنَ ۔ بابِ نصر کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر
غائب ھُمۡ ضمیر جمع مذکر اس میں مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع یَجۡعَلُوۡنَ کا فاعل یعنی کُفَّارِ مکہ ۔ یہ جملہ فعلیہ
ہوکر صلہ ہوا اور موصول صلہ مخصوص بالذم ہوا ۔ سَآءَ سب معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ذمیہ ہوگیا ۔ لام جارہ
اَلَّذِیۡنَ اسم موصول جمع مذکر ۔ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ۔ بابِ افعال کا مضارع منفی معروف بمعنیٰ فعل حال ۔ صیغہ جمع غائب
ھُمۡ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اَلَّذِیۡنَ ۔ بَاءِ جر ۔ بمعنیٰ علیٰ فوقیت (استعلائی) الف لام عہدی آخِرَتِ
اسم فاعل مؤنث مجرور متعلق لَا یُؤۡمِنُوۡنَ کا ۔ مراد ہے حشر نشر قیامت ۔ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ
مجرور ۔ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ یا قَائِمٌ مقدر کے ۔ وہ شبہ جملہ ہوکر مبتدا ہے ۔ مَثَلُ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ
مشابہت ۔ یا بمعنیٰ حالت ۔ صفت ۔ کیفیت ۔ مضاف توصیفی ہے ۔ الف لام عہدی یا جنسی ۔ سَوۡءِ ۔ اسم
مصدر بمعنیٰ اسم جامد سُوۡئٰی اسم مقصورہ جیسے کہ موسیٰ ۔ طُوۡبٰی ۔ ترجمہ ۔ ظلم ۔ کمینگی ۔ قباحت ۔ نقصانِ دنیوی
اُخروی ۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے ۔ یہ اضافتِ صفاتی ہے ۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا کی ۔
واؤ سرِ جملہ ۔ لام جارہ ملکیت کا یا اضافت کا ۔ اللّٰہِ مجرور متعلق ہے قَائِمٌ یا مَوۡجُوۡدٌ پوشیدہ کا اور وہ جملہ
اسمیہ ہوکر مبتدا ہے الف لام تخصیصی مَثَل اسم مفرد جامد بمعنیٰ شان ۔ صفت ۔ موصوف ہے ۔ الف لام
اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیۡ ۔ اَعۡلٰی ۔ اسم تفضیل مذکر ۔ دراصل تھا اَعۡلَیُ ۔ یٰ پر ضمہ ثقیل تھا (بوجھل) تھا الف کو
الف سے بدل دیا ۔ عُلُوٌّ یا عُلِیٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ بلند ہونا ۔ بڑا ہونا ۔ ترجمہ ہے بہت زیادہ بلندی والا ۔
صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا کی واؤ سرِ جملہ ۔ ھُوَ ۔ ضمیر مرفوع منفصل اس کا مرجع ہے
اللّٰہ تعالیٰ ۔ مبتدا ہے ۔ الف لام اسمی ۔ عَزِیۡزٌ اسم صفت مشبہ بمعنیٰ بہت زیادہ غالب ۔ مجرب ۔

جلیب ۔ الف لام اسمی ۔ حکیم ۔ اسم صفت مشتبہ ۔ بمعنی بہت زیادہ قدرت والا ۔ تدبیر والا ۔ مصلحت والا ۔ یہ دونوں اسم دو خبریں ہیں ھُوَ مبتدا کی ۔ مبتدا اور دونوں خبریں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا ۔

تفسیر عالمانہ

وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ ۙ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۝ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۝ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۔

اور ان منکرین و مشرکین کی کیسی گستاخانہ اور پست ذہنیت ہے کہ اللہ خالق و مالکِ کائنات کے لیے اولاد ثابت کرتے ہیں اور وہ بھی بیٹیاں ۔ باری تعالیٰ جلَّ مجدہٗ تو ہر قسم کی اولاد بیٹے بیٹیوں سے پاک ہے اور اپنے لیے کچھ اور ہی پسند کرتے ہیں ۔ بیٹیاں پسند نہیں کرتے ۔ اور جب کبھی ان بدبختوں میں سے کوئی مؤنث بیٹی کی خوشخبری دیا جائے ۔ اولاد کا ہونا دینا جہان میں خوشخبری ہی ہے ۔ یہ کوئی اولاد کے ترسے ہوئے بے اولادوں سے پوچھے ۔ مگر ان مشرکوں کافروں کا چہرہ بیٹی کی ولادت کی خبر سے ۔ ظاہر ظہور سیاہی مائل ہوجاتا ہے ۔ اور غصہ میں تلملا کر رہ جاتا ہے ۔ ولادت روکنے اور بدلنے پر تو بس نہیں چلتا ۔ البتہ برادری کے افراد ۔ یاروں دوستوں رشتے داروں سے چھپتا پھرتا ہے ۔ اس بیٹی کی پیدائش کی خوشخبری کو اپنے لیے بُرا اور طعنہ یا آئندہ کے لیے مصیبت سمجھتے ہوئے کہ کس طرح اس کی شادی کر کے کسی کی دامادی کا وبال گلے ڈالوں گا ۔ بیٹی کی مصیبت اور بلا سے نجات حاصل کرنے کے لیے نئے نئے منصوبے سوچتا ہے ۔ کبھی سوچتا ہے ۔ اَيُمْسِكُهٗ کہ ٹھیک ہے اسی بیٹی کو پالوں گا بہت بری طرح سے لونڈیوں ذلیلوں کی طرح محض کام کاج کے لیے نوکرانی بنا کر جانوروں جیسے سلوک و برتاؤ پر ۔ کبھی سوچتا ہے ۔ یا اس بیٹی کو کچھ بڑا ہونے پر باپ دادا کے رواج کے مطابق مٹی میں زندہ دفن کردوں ۔ خبردار ہو جائیں یہ بدذات ظالم لوگ دنیا اور آخرت کے اعتبار سے بہت ہی بُرا ہے لائقِ عذاب دائمی ہیں یہ اُن کی تمام بُری حرکتیں بُرا ہے ان کا یہ غور و فکر والا فیصلہ اللہ کے متعلق بھی اور اپنے خونی رشتے کے ساتھ بھی ان آیات میں جن باتوں کا ذکر فرمایا گیا ان کا پس منظر کچھ اس طرح ہے کہ پورا علاقۂ عرب آٹھ حصّوں میں تقسیم ہے اور ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد اصل عرب ہیں ان بارہ قبیلوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں ۔

نمبر ۱ قریشی ۔ ۲ ہاشمی ۔ ۳ مُطّلبی ۔ ۴ بنی قُراعنہ ۔ ۵ بنی خزاعہ ۔ ۶ بنی کنانہ ۔ ۷ قبیلہ مضر ۔ ۸ بنی تمیم ۔ ۹ بنی خزیمہ ۔ ۱۰ بنی ہوازن ۔ ۱۱ بنی زہرہ ۔ ۱۲ بنی نزار ۔ یہ قبائل سردارانِ عرب تھے ان میں ہی بنی خزاعہ اور بنی کنانہ کا مشرکانہ عقیدہ یہ تھا کہ تمام فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں اور بیٹیاں اس

لیے کہتے تھے کہ نظر نہیں آتے تھے ملائکہ اور جنات تو جسم لطیف ہونے کی بنا پر سب سے ہمیشہ ہی پوشیدہ رہتے ہیں مگر وہ کفار اس پوشیدگی کو اُن کی پردہ نشینی پر محمول کرتے تھے ۔ اور ان کو عورتیں سمجھتے تھے ۔ اور کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی نہایت نیک فرمانبردار شرم وحیا والی قابلِ احترام بیٹیاں ہیں ۔ اہلِ عرب ہر شرم وحیا اور ظاہر نظر نہ آنے والی چیز کو مؤنث ہی سمجھتے اور کہتے ہیں ۔ اسی بنا پر سورج کو شمس مؤنث کا لفظ دیتے ہیں اس کی تصغیر شُمَیْسَۃٌ ہے ۔ کیونکہ سورج اپنی تیز شعاعوں کی بنا پر نظر نہیں آتا نہ کوئی آنکھ بھر کر دیکھ سکتا ہے (ابنِ کثیر ۔ کبیر ۔ مظہری) آج بھی سورج کے پجاری صبح کے وقت آفتاب کی پرستش کرتے ہوئے یہ تصور رکھتے اور کہتے ہیں کہ لال دگر شالے میں پردہ کئے ہوئے بھگوان کی دیوی ہے ۔ اور ہندوؤں میں بھی دیوتاؤں سے زیادہ دیویوں کی تعداد ہے لیکن اس کے باوجود سابقہ دور میں مضر ۔ تمیم ۔ خزاعہ عرب قبائل اور موجودہ دور میں ہندو ۔ آریہ ۔ اور برہمن ۔ برہم چاری ۔ ہندو قبائل اپنی انسانی عورتوں بیٹیوں بچیوں کو بیویوں ۔ دلہنوں کو انتہائی ذلیل ۔ قابلِ نفرت ۔ پیر کی جوتی لونڈی ۔ گھر کی نوکرانی ۔ اور جانوروں گائے بیل سے زیادہ بری چیز سمجھتے ہیں ۔ لڑکوں کی پیدائش پر خوشی کے شادیانے لڑکیوں کی پیدائش پر غم کے سیاہ چہرے ۔ ان ہندوؤں کی دیکھا دیکھی جاہل مسلمان بھی ایسا ہی مظاہرہ کرتے ہیں ۔ حالانکہ لڑکے اکثر بیوفا ۔ نافرمان ۔ ماں کو جوتوں سے مارنے والے ۔ باپ کے قاتل اور والدین کو رُلانے ستانے والے ہوتے ہیں ۔ مگر لڑکی بے بس ۔ مجبور بے کس کمزور ہونے کے باوجود ۔ محبت کی پتلی ۔ باوفا ۔ شرم وحیا والی فرماں بردار خدمت گزار ہوتی ہے یہ اکثر ہوتا ہے ۔ شاذ ونادر ہی اس کے الٹ ہوتا ہوگا ۔ عرب کے قبیلہ کنانہ ۔ تمیم خزاعہ ۔ یہ ۔ بیٹیوں سے سخت نفرت کیا کرتے تھے ۔ اور بیٹی کی پیدائش پر ۔ ان لوگوں کے پانچ قسم کے سلوک ہوا کرتے تھے ۔

۱۔ بیٹی کی خبر سنتے ہی بڑے سردار گلا گھونٹ کر مار دیتے ۔ مگر جس کو ماں چھپا دیتی یا کسی کو دے دیتی ۔ پھر کچھ بڑا ہونے پر لے لیتی ۔ بڑی بیٹی ہو جانے پر نہیں مارتے تھے ۔ ۲۔ بیٹی ہونے پر گھر چھوڑ دیتے یا بیوی کو بھی مار مار کر نکال دیتے ۔ ۳۔ بیٹی ہونے پر غم اور شرم سے چھپتے پھرتے یا بیوی سے کہتے کہ بیٹی کو میرے سامنے تا عمر نہ لانا ۔ ۴۔ بیٹی کو خادمہ یا نوکرانی اور ذلت آمیز سلوک کے لیے پال لیتے تھے ۔ اور ہوش سنبھالنے پر گندا پرانا لباس پہنا کر جانوروں اونٹوں بکریوں کو چرانے پر لگا دیتے تھے یا گھر کا گوبر ۔ گو ۔ غلیظ کوڑا اٹھانے کی ڈیوٹی پر مقرر کرتے ۔ اس کی بات ۔ مشورہ کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا ۔ بیٹے کے جرموں کی سزائیں بیٹیوں کو دے دیا جاتا تھا کہ وہ سزا بھگتیں ۔ جانوروں کے ساتھ

گندی بدبودار جگہ میں ان کی رہائش ہوتی تھی۔ کسی تقریب میں شمولیت کے وقت ان کے ساتھ لئیمانہ سلوک برتا جاتا تھا ہر بات میں بیٹے کی عزت اور بیٹی کی ذلت کی جاتی۔ اس طرح کے سلوک سے بیٹی موت کو پسند کرنے لگتی۔ اَیُمۡسِکُهٗ۔ میں اسی کا ذکر ہے۔ ۵ کچھ لوگ چار سال کی عمر تک بیٹی کو پالتے پھر ایک دن اچھے کپڑے پہنا کر نہلا دُھلا کر لے جاتے اور کسی جنگل میں خفیہ طور پر روتی۔ چیختی۔ ابا۔ ابا کہتی ہوئی بھولی بھالی نازک پھول جیسی پیاری بیٹی کو گڑھا کھود کر زندہ دفن کر دیتا۔ مائیں روتی تڑپتی رہ جاتیں۔ اَمۡ یَدُسُّهٗ۔ میں اسی ظلم کا ذکر ہے۔ (تفسیر کبیر۔ معانی۔ روح البیان تاریخ عالم) یہ تو اسلام کا عالم نسوانیت پر کرم ہے جس نے عورتوں کو اونچا اور پیارا مقام عزت عطا فرمایا۔ قرآن مجید کی سورۃ نسا اور بیشمار احادیث عورتوں کی عزت وعظمت پر نشانِ اعظم ہیں۔ عورت کی عزت اور حقوق صرف اسی حد تک ہیں جو اسلام نے مقرر فرمائے۔ اس سے تجاوز کرنا اور ناجائز آزادی چاہنا حقوق نہیں بلکہ بے حیائی بے غیرتی اور گناہ ہے۔ یہ آزادیٔ نسواں دراصل یہود ونصاریٰ کی پیروی ہے یہ دونوں قومیں عورتوں کو سڑکوں پر بالکل ننگا پھرانے کے خواہش مند ہیں (خدا تعالیٰ سب مسلمانوں کو شرِ شیطان سے بچائے) لِلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوۡءِ ۚ وَ لِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰی ؕ وَ هُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ جو لوگ آخرت قیامت حشر نشر حساب کتاب کے منکر ہیں اُن کی دونوں جہان میں بدترین حالت ہے دنیا میں روحانی طور پر گندے غلیظ دھتکارے ہوئے مردودِ بارگاہ۔ روحانی بیمار لاغر بلکہ مُردے اور آخرت میں جسمانی وروحانی گندے غلیظ۔ ان کی ہر عادت ہر خصلت ہر عمل ہر صفت ہی بری ہے کسی بھی چیز کو اچھائی کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہر شان ہر صفت اور ہر قانون بلندی اور بہتری خوبصورتی افادیت کے اعلیٰ اور اونچے مقام پر ہے۔ اور وہ اللہ غالب بھی ہے سب پر اور ہر کام میں حکمت والا بھی ہے۔ احادیث وتفاسیر کے فرمان کے مطابق مَثَلُ السَّوۡءِ اور مَثَلُ الۡاَعۡلٰی بہت سی قسم کے ہیں۔ ۱ شرک ۲ کفر ۳ ظلم ۴ فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا ۵ اپنے لیے بیٹیوں سے نفرت ۶ بچیوں عورتوں کو ذلیل سمجھنا ور ذلیل کر کے پالنا ۷ چھوٹی بچیوں کو مار ڈالنا ۸ زندہ دفن کرنا ۹ اللہ کے دیئے ہوئے رزق اولاد سے بتوں کو چڑھاوے دینا ۱۰ انسانی کمزوری ۱۱ اولاد کا محتاج ہونا ۱۲ غریبی کے خوف سے اولاد کو مار ڈالنا ۱۳ مکھی مچھروں سے ڈرنا اور اللہ تعالیٰ کے مقابلے کی ٹھان لینا۔ ۱۴ سنگدلی۔ کنجوسی۔ جہالت۔ یہ سب مَثَلُ السَّوۡءِ ہیں۔ اور جلال۱ جمال۲۔ کمال۳۔ غنا۴۔ بقا۵۔ علم۶۔ قدرت۷ قوت۸۔ رحم۹۔ کرم۱۰۔ رازقیت۱۱۔ مالکیت۱۲۔ اولاد۱۳ وغیرہ سے پاک اور غنی۱۴ صمد۱۵ لَمۡ یَلِدۡ۱۶ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ۱۷ ہونا۔ غالب۱۸ ہونا۔ حکمت۱۹ والا ہونا۔ یہ سب مَثَلُ الۡاَعۡلٰی ہیں۔ ایک قول میں

مَثَلِ اَعلیٰ اللہ کی وہ عطا ہے جو اُس نے اپنے محبوبوں۔ پیاروں کو عطا فرمائیں۔ لہٰذا۔ ایمان، عرفان حدیث و قرآن۔ قربِ رحمان، جنتِ رضوان۔ اعمالِ صالحہ کی توفیق۔ حلال طیب رزق۔ وحی۔ الہام محبتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یہ بھی مَثَلِ اَعلیٰ ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُولُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی کسی چیز سے نفرت کرنا خاص کر لڑکیوں کی ولادت سے گھبرانا پریشان ہونا۔ بہت ہی گناہ اور کفار کا طریقہ ہے اس سے اُن کم عقل مسلمانوں کو بچنا چاہیئے جو لڑکیوں کی پیدائش پر رنج و غم کرتے ہیں۔ ہاں البتہ اپنی نسل چلنے یا بڑھاپے میں دست و بازو بننے یا عالمِ دین بنانے حافظ و قاری بنانے کی خواہش میں لڑکے کی دعا مانگنی درست ہے اور انبیاءِ کرام کی سنت ہے۔ یہ فائدہ ظَلَّ وَجْهُهٗ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ رشتے داروں کو بھی اور خاص کر عورتوں کو ان حرکتوں سے بچنا چاہیئے کہ لڑکی پیدا ہونے پر والد یا والدہ سے افسوس کریں یا طعن کریں اور خاوند کو بیوی سے نفرت پڑا کسائیں یہ سب کام بھی کفار کے ہیں۔ بلکہ مسلمانوں کو تو چاہیئے کہ والدین کو مبارک بادیاں اور رحمت کی خوشخبریاں سنائیں احادیث رسول اللہ کے مسئلے بتائیں۔ اور اگر وہ رنج و غم میں ہوں تو بھی اُن کو منع کریں۔ یہ فائدہ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ کفار اور مشرک ہندو لوگ پہلے بھی اور اب بھی لڑکی والے کو طعنے بازیاں کر کے ذلیل کرتے تھے اسی لیے وہ قوم سے منہ چھپاتا پھرتا تھا۔ **تیسرا فائدہ**۔ رب تعالیٰ کے لیے گھٹیا نام یا گھٹیا چیز منسوب کرنی نہیں چاہیئے اسی طرح وہ نام یا لقب بھی اللہ جَلَّ مَجْدُهٗ کے لیے بولنا گناہ ہے جو عام انسانوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ مثلاً اللہ صاحب یا اللہ میاں وغیرہ۔ یہ فائدہ ۔اَلسَّوْءِ اور وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اللہ کے لیے جھوٹ ثابت کرنا جیسا کہ وہابی کہتے ہیں یا تھکاوٹ ثابت کرنا جیسا کہ عیسائی کہتے رہیں کفر ہے۔

احکامُ القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ لڑکیوں اور عورتوں بیویوں کو اُن کے اُن جائز حقوق سے محروم کرنا جو اللہ تعالیٰ نے قرآن و حدیث میں اُن کو دئیے ہیں۔ سخت گناہِ کبیرہ اور باعثِ عذاب و قہر ہے مثلاً میراث سے محروم کرنا۔ یا لڑکی کو بمقابلہ لڑکے کے کم اہمیت دینا بے علم اور جاہل رکھنا۔ بیٹی کو شفقت و پیار نہ کرنا۔ وغیرہ۔ یہ مسئلہ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ احادیثِ پاک میں اُس باپ کی بہت شان بیان ہوئی ہے جو بیٹی سے شفقت کرے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ ہر جائز کام میں رکاوٹ

پیدا کرنی ۔ یا اللہ تعالیٰ کی خوشنودی والے کام کرنے میں شرم کرنا جھجک محسوس کرنی ۔ اور اللہ کے احکام کو کھلے بندوں اظہار نہ کرنا گناہ ہے ۔ اور کافروں کی نشانیاں ۔ مثلاً ۔ نماز پڑھتے زکوٰۃ دیتے یا فرض عبادت کا اظہار کرتے شرم کرنی سخت گناہ کبیرہ ہے ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ فرض عبادت کو چھپا کر کرنا بھی گناہ ہے ۔ **مسئلہ** ۔ یَتَوَارٰی مِنَ الْقَوْمِ سے مُستنبط ہوا ۔ ہاں البتہ نفلی عبادت کا اظہار منع ہے وہ بھی صرف ریا کے اندیشے سے ورنہ شرم کرنا وہاں بھی ناجائز ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ الْبَنٰتِ تو کفار اللہ کے لیے بیٹیاں بناتے ہیں ۔ بنانے کا معنیٰ ہے کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا ۔ گھڑنا ۔ ڈھالنا ۔ ایجاد کرنا ۔ جیسے مٹی سے گڑیا بنائی جاتی ہے ۔ وغیرہ ۔ وغیرہ ۔ حالانکہ کسی مخلوق سے یہ کام ناممکن ہے نہ ہی کفار نے ایسا کوئی کام کیا تھا ۔ تو پھر یہاں یَجْعَلُوْنَ ۔ کیوں ارشاد ہوا ۔ **جواب** ۔ معترض کا یہ ترجمہ ہی غلط ہے بلکہ یہ ترجمہ معتزلہ نے اپنے پہلے زمانوں میں کبھی بنایا تھا اور اسی غلط ترجمے کی بنا پر انہوں نے قرآن کریم کو حادث کہنا شروع کر دیا تھا ۔ لفظِ جَعَلَ کے حسبِ موقعہ بہت سے ترجمے ہیں ۔ یہاں معترض کے اعتراض کا پورا مکمل جواب اعلیٰحضرت کے ترجمے نے دے دیا ۔ ہمارا ترجمہ لغوی ہے ۔ اور اعلیٰحضرت کا نیچے والا ترجمہ تفسیری ہے ۔ یعنی یَجْعَلُوْنَ کا معنیٰ ۔ ٹھہراتے ہیں ۔ سمجھتے گمان ۔ خیال وہم کرتے اور اسی پر عقیدہ بناتے ہیں **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا وَلِلّٰہِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی مثال ہے اور بہت اعلیٰ ہے ۔ لیکن اگلی آیت ۷۴ میں ہے کہ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰہِ الْاَمْثَالَ ۔ اللہ کے لیے مثال نہ بناؤ کسی بھی قسم کی ۔ مطلقاً ممانعت فرما دی گئی ۔ نہ اعلیٰ نہ ادنیٰ ۔ تو ان میں مطابقت کیونکر ہو ۔ **جواب** ۔ اس کا تفصیلی جواب تفسیر عالمانہ میں دونوں آیتوں کے تحت عرض کر دیا گیا ہے ۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ اسی آیت میں ممانعت یا اجازت کا تذکرہ نہیں ہے ۔ صرف یہ فرمایا گیا کہ اللہ کے لیے اعلیٰ مثل ہے ۔ اور وہاں بندوں کو اللہ کی تمثیل سے منع کیا گیا ہے ۔ اس لیے کہ بندے چونکہ حقیقت و معرفت کو نہیں جانتے اس لیے وہ اللہ کی مثال پیش ہی نہیں کر سکتے اگر اپنی ناقص عقل سے پیش کریں گے تو باطل ہی ہوگی تفسیر کبیر نے دونوں کی مطابقت اسی طرح کی ہے ۔ اس آیت کا منشا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی فقط مثال بیان فرما سکتا ہے ۔ وہی حق اور صحیح داعلیٰ ہوگی ۔ مزید وضاحت تفسیر عالمانہ میں دیکھئے واللہ اعلم بالصواب **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا اِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ یعنی جب اُن کو خوشخبری دی گئی ۔ ان میں سے کسی ایک کو ۔ یہاں لفظِ خوشخبری کیوں استعمال فرمایا گیا حالانکہ جس وقت کا یہ ذکر کیا جا رہا ہے وہاں

تو ماحول ہی سارا ایک جیسا رکھا۔ کہ بیٹی کی خبر سنانے والا بھی اپنی طرف سے غم کی خبر سنانے والا ہوتا تھا اور سننے والا بھی اُس کو بدخبری ہی سمجھ کر سنتا تھا۔ عربی لغت میں بری خبر کے لیے رَجْفٌ، اِرْجَافٌ استعمال ہوتا ہے اور عام خبر کے لیے۔ خَبَرٌ، اِخْبَارٌ۔ اور غیبی خبر کے لیے نَبَأٌ۔ خبرِ موت کے لیے نَعْیٌ کے لفظ استعمال ہوتے ہیں۔ تو یہاں ہم موقعہ لفظ چھوڑ کر بے موقعہ لفظ کیوں استعمال کیا گیا؟

جواب۔ اس کی لفظی تشریحی وضاحت تو تفسیر نحوی میں کردی گئی ہے اور اِس لفظ کی وجہ استعمال تفسیر عالمانہ میں بیان کردی گئی یہاں آنا اور سمجھ لو کہ لفظِ بشارت اپنے حقیقی معنیٰ میں ہر خبر کو کہہ دیتے ہیں۔ جس سے حالات وقتی طور پر تبدیل ہو جائیں۔ بتایا یہ جارہا ہے کہ بیٹی کی خبر اُس زمانے میں اسی طرح حالات کو تبدیل کر دیتے تھے کہ گھر کا پورا سکون برباد ہو جاتا تھا۔ والدہ کو مامتا کی ہر وقت تڑپ لگ جاتی تھی والد کو غیض اور شرم کی کیفیت بن جاتی تھی۔ جس سے گھریلو محبت۔ سکونِ قلبی حقوقِ زوجیت۔ اور خانہ سازی جیسی معاشرے کی تمام اہم ذمے داریاں متاثر ہو جاتی تھیں اس لیے بیٹی کی ولادت والی خبر کی گرانی اور اہمیت کو واضح کرنے کے لیے بُشِّرَ کا لفظ استعمال فرمانا عین موقعہ محل کے مطابق اور نہایت ضروری ہے۔ **چوتھا اعتراض۔** یہاں بیٹی کی خبر کو بُری خبر سمجھنا۔ اور اِس پر رنج و غم کا اظہار کرنا۔ کفار کی نشانی قرار دیا گیا ہے۔ کہ بیٹی کی ولادت سے کافروں کی یہ حالت اور یہ شکل ہو جاتی ہے۔ حالانکہ ہم نے تو بہت سے مسلمانوں کی بھی یہی کیفیت دیکھی ہے کہ وہ بھی بیٹی کی ولادت کی خبریں سن کر بہت غمزدہ اور افسردہ ہو جاتے ہیں۔ بلکہ کسی شخص کو بیٹی کی دعا کراتے آج تک نہیں دیکھا گیا۔ ہر شخص بیٹے کی ہی دعا کراتا ہے۔ تو یہاں صرف کفار کی طرف اِس کی نسبت کیوں کی گئی۔

جواب۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ موجودہ مسلمانوں نے یہ بُری عادت کفار سے لی ہے۔ جیسے کہ اور بہت سی رسمیں مثلاً جہیز کی کثرت اور حقِ مہر کی قِلّت حالانکہ اسلام نے بیٹی کی عزت بڑھائی ہے اور حدیثِ پاک میں بیٹی کو رحمت فرمایا گیا۔ اسی طرح اسلام نے جہیز کی قلت اور حق مہر کی کثرت کی ترغیب دی ہے دوسری وجہ یہ کہ یہاں جس سختی اور غیض و غضب کا ذکر کیا جارہا ہے وہ صرف کفار کی ہی حالت اُس وقت تھی کوئی مسلمان اگرچہ اپنی بیوقوفی سے ولادت بنت سے رنجیدہ ہو جاتا ہے مگر زندہ دفن نہیں کرتا۔ نہ ہی بیٹوں کے مقابل بیٹی کو ذلیل کرتا ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَهُ الدِّيْنُ وَاصِبًا ؕ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ ۔ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَاِلَيْهِ تَجْئَرُوْنَ ۔ ثُمَّ اِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنْكُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْكُمْ بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُوْنَ۔ اور اُسی کا مشاہدہ ہے اُن تمام کائناتِ عالم کی

چیزوں میں نفوس جو عقلیات نظریات کے آسمانوں میں بلند ہیں۔ اور جو دماغ فطری کی زمین میں مدفون خزانے ہیں۔ اور اُسی رب تعالیٰ اَحکم الحاکمین کا فیصلۂ ازلی قدیمی اٹل ہے۔ نفس و شیطان کی ہر طاقت سرکشی اُس کے سامنے ہیچ ہے۔ غالب ہے اُسی اللہ کا دین مقدر۔ اے مسافرانِ راہِ طریقت اللہ کا یہی راستہ سیدھا اور مضبوط ہے۔ کیا پس اللہ کے غیر دنیوی خواہشات شہوات سے مغلوب ہوتے ہو۔ حالانکہ قلب و قالب پر مشاھدے مراقبے۔ وارداتِ اَنوار کی جو بھی نعمت سری اور انعام باطنی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ تمام عالم کی نعمتیں دو قسم کی ہیں ۱ دینی ۲ دنیوی پہلی دینی نعمتوں کا نام ہے معرفتِ حق دوسری دینی نعمتوں کا نام ہے معرفتِ خیر۔ معرفتِ حق کا فائدہ قُربِ ذات اور معرفتِ خیر کا فائدہ عملِ صالحہ۔ لیکن دنیوی نعمت تین قسم کی ہے ۱ نفسانی ۲ جسمانی ۳ خارجی۔ اور یہ قسمیں جنس ہیں۔ ان کی نوعیں حد و حساب سے باہر۔ شمار سے مشکل گنتی میں محال۔ اسی کی طرف اشارہ ہے اُس آیت کریمہ میں۔ کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا قالب انسانی میں عقل عاجز ہے۔ نفس کافر ہے اور فکر غافل ہے اور قلب شاکر ہے۔ غافلین و کافرین کی حالت یہ ہے کہ جب قہرِ ظلمت کا حجاب ہجران وارد ہوتا ہے۔ اور تنگیِ سینہ کی مصیبت نازل ہوتی ہے تو اُسی کاشف کائنات اور حلِ مشکلات کے آستانے پر انکساری دکھاتے ہیں۔ پھر جب مصائب مخفی و مشکلاتِ باطنی کی ظلمتیں چھٹ جاتی ہیں۔ تو حواسِ باطنی میں سے کچھ پھر خواہشاتِ نفسانیہ کے شرکِ خفی میں مشغول و مصروف ہو جاتے ہیں اسی لیے بلا عارفین کے لیے جانِ ایمان ہے اور رنج و تکلیف واصلین کے لیے نسیم اسرا ہے۔ سب سے بڑی مصیبت محبوب سے جدائی ہے اور سب سے بڑا غم مطلوب کا نہ ملنا ہے۔ اپنی تمام قوتوں کو ترک کر کے مرضیِ مولیٰ کے سپرد کر دینا توحید ہے۔ عقل کی آنکھ کو بند کر دینا تفرید ہے۔ جب عارفِ ذات پر انوار کی نعمتوں کا ورود ہوتا ہے تو اُس کی تکمیل ہوتی ہے اور عارف جب کامل ہوتا ہے تو اُس کی بسم اللہ مظہرِ صفتِ کُنْ فَیَکُوْنُ ہو جاتی ہے۔ اور عارفِ کامل کا ایک دفعہ بسم اللہ کہنا وہی اثر رکھتا ہے جو رب تعالیٰ کے کُنْ فرمانے کا۔ ابتداءِ سفرِ طلب یہ ہے کہ جب زبان اللہ کہے تو دل اَغیار سے خالی ہو جائے۔ جب بندے پر اسم اللہ غالب ہو تو کوئی اُس پر غالب نہیں آ سکتا۔ یہاں تک کہ زہر بھی بے اثر ہو جاتا ہے لِيَكْفُرُوْا بِمَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَتَمَتَّعُوْا فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْئَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ۔ بندے کا خواہشاتِ دنیوی میں مشغول ہونا ہی کفرانِ نعمتِ الٰہیہ ہے کہ نعمت پائے کسی سے اور سمجھے کسی اور جانب سے۔ احسان کسی اور کا ہو شکر کسی اور کا کرے۔ یہ منفعتِ دنیوی اور فوائدِ عالم

اسوی صرف چند ساعت بقا کا ہے۔ عنقریب جب تجلیاتِ توحید کا ظہور ہوگا۔ اور انوار کا ورود جلوہ گاہِ قلبِ صنوبر پر ہوگا تو تم سب کچھ جان لوگے۔ ابھی تو ان دیکھی قوتوں کا تخیلِ باطل اور تصورِ وہمیہ لیے بیٹھے ہو۔ اور ہمارے مشاہداتِ لاہوتی کی غذائے روحانی کو شہوتوں کے بتوں پر برباد اور نثار کر دیتے ہو۔ قسم ہے مقصودِ کائنات معبودِ مخلوقات کی کہ تم تمام نفسیات کے بندوں شیطان کے ہمزادوں سے قہرِ حجاب کی قیامتِ صغریٰ میں ان تمام وسوسوں۔ وہموں اور تخیلاتی منصوبوں کی افترا اور بناوٹ کے بارے میں ضرور پوچھا جائے گا۔ لہٰذا اس ساعتِ جلال کے آنے سے پہلے تمام بناوٹوں وسوسوں کو چھوڑ کر قلبِ منور کے روحانی قافلوں میں شامل ہو جاؤ۔ جن کو ہر دم صدائے محبوب سے ندا کی جاتی ہے کہ اے روحانی قافلو ان منازل میں چل نکلو والے دلوں کے شہسوارو ان مقاماتِ عرفانی کو پانے کے لیے تیز سے تیز تر چلو۔ پہلے منزل گاہِ محبوب کا پتہ لگاؤ۔ معرفتِ راہ کے نشانات کا علم حاصل کرو پھر مرشد سے جدائی اختیار کرو۔ کیونکہ جو شخص علم کے بغیر عبادت و ریاضت کرتا ہے، وہ راہِ معرفت میں افترا کرتا ہے۔ اس کی اصلاح و درستی مشکل ہے۔ اے صوفیو لَا یَعْلَمُوْنَ کے گروہ سے نکل کر علماءِ شریعت کے نشاناتِ قدم پر چلو۔ کہ اسی پر چل کر وادیِ حیرت میں آ سکتے ہو۔ ظاہر میں تم ان کی تقلید کرو۔ اور باطن میں ان کی پیشوائی کرو۔ شریعت میں شاگرد طریقت میں مرشد بنو۔ تاکہ دو طرفہ سے ابلیسی غرور ٹوٹے۔ شریعت نورِ الٰہی کا چراغ ہے اور تصوف تنگ گلیاں۔ اس چراغ کو لے کر چلو۔ اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ جو شخص علم کی روشنی میں عمل کرتا ہے اس کو علمِ لدنی دیا جاتا ہے۔ بغیر چراغِ علم کے ہزار سالہ عابد بھی وَیَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا یَعْلَمُوْنَ کے شیطانی گروہ میں ہوتا ہے۔ اس کی تمام عبادت و ریاضت نَصِیْبًا مِّمَّا رَزَقْنٰهُمْ بن جاتی ہے۔ کہ عبادت رب کی ہے مگر راندۂ درگاہ ہوتی ہے چالیس دن رب تعالیٰ سے خالص ہو جاؤ ماسوا اللہ کو چھوڑ دو تاکہ قلب و زبان سے حکمتوں کے چشمے پھوٹنے لگیں۔ اور دل وادیِ قاب سے آتشِ الٰہیہ کا نظارہ کرے بندۂ عارف کا دل ہر لمحہ پکارتا ہے کہ اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ کے جلوے اور تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ کے مغز کے یہیں بستیِ قلب میں ہیں۔ بندے کا دل عرشِ حق ہے جہاں سے آوازۂ جلال آتی ہے۔ کہ میں ہی تیرا رب ہوں۔ میری عبادت کر خواہشات کے اہل و عیال اور حیاتِ دنیوی کا حصہ لینے والے وارثوں کو ہٹا دے۔ شہوتوں کی قرابتوں سے دور ہو جا تاکہ رب کو پہچان لے۔ اے محبوب بندے قلب تیرا ہے اس میں علم میرا ہے جسم تیرا ہے اس پر قرب میرا ہے۔ اعضا تیرے ہیں اس پر ملکیت میری ہے۔ جب یہ واردات ہوں تو نفسِ امارہ کو وسواس کے اجرا کی ہمت نہیں رہتی۔ اور قلب پر کُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ۔ کا اندیشہ ختم ہو جاتا ہے اور القاءِ دائمی

نصیب ہوتی ہے اور ذکرِ قلبی جاری ہو جاتا ہے۔ ایسے دل پر الہاماتِ ربانی کے غنچے کھلتے ہیں۔ جن کو انوار کی چادر میں محفوظ کیا جاتا ہے۔ تب قلبِ دلیر کو فرعونِ نفس کے دربار میں کھڑا کیا جاتا ہے اور قلبِ مسعود کو حکم فرمایا جاتا ہے کہ ان ہواؤ ہوس کے غیر اللہ کو پیغامِ ازلی سنادے کہ تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ ۔ قسم ہے ربِ تجلیات کی کہ بناوٹوں اور بد نظریوں وسوسوں کے بارے میں ضرور پوچھ گچھ کئے جاؤ گے وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ سُبْحٰنَهٗ وَلَهُمْ مَّا يَشْتَهُوْنَ ۔ وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۔ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْٓءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰى هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِى التُّرَابِ اَلَا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۔ رجسِ شیطانی والے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ خالق تعالٰی کے لیے صرف سجدہ ریزیاں ہی ہیں۔ اور عبادتِ مخلوق سے اللہ کو نفع ہے سُبْحٰنَهٗ ۔ ان تمام حاجتوں سے رب تعالٰی پاک ہے اس ذاتِ بے عیب کو کسی نفع کی حاجت نہیں۔ اور سمجھتے ہیں کہ دنیا کی تمام اشیا حکومت سلطنت تجارت غمی خوشی ملکی انتظام لباس خوراک رہائش سب کچھ خود اُس کا اپنا ہے۔ ان میں اپنی من مانی تدبیریں کرتے ہیں۔ گویا کہ اللہ کا قانون شریعت طریقت۔ اور علما صوفیا صرف مذہبی عبادتوں اور مسجدوں خانقاہوں تک ہے۔ ہماری دنیا میں اللہ کا قانون نہیں چلے گا۔ ہم دین کو مسجدوں خانقاہوں سے باہر نہیں آنے دیں گے۔ اپنی تدبیروں کو بلند و مضبوط سمجھتے ہیں اور عباداتِ الٰہیہ کو کمزور جنسِ نازک غیر اہم گمان کرتے ہیں۔ اور ان ہی کے اس بُرے نظریے کے مطابق جب کبھی دینِ الٰہی کا قانون سنایا جائے یا عبادت کا حکم دیا جائے ان میں سے کسی کو تو اُس کے نفسِ باطنی کا چہرہ غم سے سیاہ ہو جاتا ہے۔ اور طبیعتِ ظاہری انتہائی افسردگی کسل مندی سستی کے بہانے تراشنے والا ہے۔ اہلِ حکم سے اپنے خُبثِ باطنی کو چھپاتا پھرتا ہے۔ اُس حکمِ عبادت اور اداءِ ریاضت کی وجہ سے جو اُس کے لیے دنیا و آخرت کے لیے شان و عظمت والی خوشخبری ہے اُسی سے گھبراتا ہے کہ کیا کروں۔ سستی کسل مندی سے ادا کرلوں یا زندگی کی قیمتی سانسوں کو لمحاتِ حیات کو گناہوں کی دلدل میں بربادی کا گڑھا کھود کر ضائع کردوں۔ خبردار بہت ہی برا ہے ہلاکت انگیز فیصلہ ہے۔ جو یہ اہلِ شقاوت کرتے ہیں۔ یہ تو دنیا پرستوں کی کیفیاتِ نفسانی ہیں۔ لیکن اہل اللہ کے عقائدِ سرمدی یہ ہیں کہ اسم ذات غم دور کرتا ہے۔ مصیبت کو ٹالتا ہے۔ قلب و عقل کی سیاہی کو دور کرتا ہے اور نور کو عام کرتا ہے کہ ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا سے نکل کر صفائے نور میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ ہی ہر غالب پر غالب ہے۔ اور اہلِ معرفت مظہرِ عجائبِ قدرت ہے۔ سلطنتِ الٰہیہ کا قلمرو ہے۔ رب تعالٰی کی سلطنت بلند ہے اُس کی شان ارفع ہے دلوں

کا نگہبان ہے۔ ہر بندے کی ہر نیت کو جانتا ہے۔ نفس کی حکمرانی کو بندۂ مخلص کے سینۂ باطنی سے وہی جل مجدہٗ ختم فرماتا ہے۔ ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ جو اُس کی پناہ میں آجائے وہ اُس کا محفوظ ہے۔ اللہ کا دوست غیر کو نہیں تکتا۔ وہی اللہ تک پہنچتا ہے جو اُس کا راستہ ہے جو واصل باللہ ہوتا ہے وہ قرب حضوری میں زندگی گزارتا ہے۔ جو رب کا مشتاق ہے۔ وہ اُسی سے مانوس ہے۔ اور اَشرار سے متنفر ہے۔ اور اَغیار سے کنارہ کش ہے۔ اُسی کا وقت صاف ہے۔ اے بندو اللہ کے دروازے پر دستک دو۔ اُسی کی پناہ حاصل کرو۔ اے اللہ سے منہ پھیرنے والو اُس کی طرف دوڑ پڑو۔ کہ جب اُس کے نام کی یہ شان ہے تو مقامِ ذات کا کیا ہوگا۔ جب دارِ محنت کی یہ شفا ہے تو دارِ نعمت کیسا ہوگا۔ جب بند دروازے کی یہ لذت ہے تو جس طالب کے لیے پردے کھل جائیں اُس کی کیا کیفیت ہوگی جب رب کو پکارنے کی یہ لذت ہے۔ تو رب تعالیٰ کے پکارنے کی کیا لذت ہوگی۔ کیسے بُرے ہیں وہ لوگ اور کتنا بُرا ہے اُن کا فیصلہ۔ اسی تقسیمِ تقدیر سے آشکارا ہوتا ہے کہ اَلَا سَآءَ مَا یَحْكُمُوْنَ مشاہداتِ اَنوارِ تجلیات سے فرار بہت برا فیصلہ ہے لِلَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ وہ فنائے باطنی جو کیفیات اسرار اور فیصلہ قہار کے نتیجۂ اُخروی کو تسلیم نہیں کرتے اُن کی ہر حالت ہر سانس ہر زمانہ عمر کا ہر لمحہ دنیائے دون میں بُری مثال ہے۔ اور اللہ کے لیے ہی ہمیشہ عالمِ روحانیت میں۔ چمنستانِ محبوبیت میں اعلیٰ مثال ہے۔ وادیٔ طلب کے مسافرانِ طریقت مخلصین بندے ذوق کے ارادوں سے عشق کے قدموں سے اعلیٰ مثالیں قائم فرماتے ہیں۔ شریعت۔ طریقت۔ معرفت۔ حقیقت۔ ظاہر و باطن سب کچھ اللہ ہی کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ اور وہی اللہ جل مجدہٗ ہر حق و باطل پر غالب اور ہر مثال میں حکمت والا ہے۔ نبوت۔ ولایت۔ صدیقیت۔ شہیدیت۔ یہ سب اسی کی عظمتِ قدرت کے اعلیٰ نشان ہیں اور اسی کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ بندۂ مومن میں اُسی کی جمالِ اَسرار کی بزرگی کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہے۔ اسی طرح کہ عارفین مشاہدے میں اور عاشقین صبح وصل کی ساعتوں میں شجرِ انوار کی شاخوں پر قلبِ سکون سے اپنے دوستِ ازلی کو پکارتے ہیں۔ جب عاشق کے دل میں قرب کی خوشبو پہنچتی ہے تو وہ اپنے اللہ کے ذکر میں محو ہو جاتے ہیں۔ یہ سب توفیقِ الٰہی کی مَثَلِ اعلیٰ ہیں۔ غافل پر اُس کی بُری مَثَل ہے افسوس ہے اس کو موت کیسے آئے گی جب کہ اُس نے اپنے رب کو پہچانا ہی نہیں۔ جب اللہ تعالیٰ شربتِ عرفانی کا ایک گھونٹ پلا دیتا ہے تو تجلیٔ شوق کی برق کے چمکنے سے طورِ سینہ انتہاءِ لذت کی بنا پر حرکت میں آجاتا ہے۔ اور محبوب کے راز کو پا جاتا ہے روح بدن کے

پنجروں کو چھوڑ کر شوق کے بازوؤں سے فضاءِ عشق میں پرواز کرنے لگتے ہیں۔ لیکن طلب ضعیف کی مَثَلُ السّوءِ پر حکمتِ الٰہی کے پُر عظمت شاہین جبر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اور شہواتِ نفسانیہ کے تمام کبوتر مدہوشی کے جنگل میں گر پڑتے ہیں۔ مگر جس کو رب تعالیٰ مَثَلِ قدیم پر عزیزیت کا دانہ اور مشاہدے کا پانی عطا فرمادے وہ بیج نکلتا ہے۔ عاملینِ حواس کے لیے جلالِ ابدی کی روشنیاں چمکائی جاتی ہیں۔ لیکن عارفینِ حق کی نگاہوں کے سامنے کمالِ محبت کے نور کی ضیاپاشیاں ہوتی ہیں۔ راہِ معرفت میں صدیقین کے قدم وادیِ سلوک میں خاکستر ہو جاتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ وادیِ مقدس سے گزر کر منزلِ قدر پر پہنچنے والے ہیں۔ اہلِ معرفت کے لیے یہی مَثَلِ اعلیٰ ہیں کیونکہ محبوب کائنات عرش کے مطلوب شہنشاہِ عرب و عجم کے سایہ دار دامن عافیت میں چین کی نیند سونے والے ہیں۔ اور زندیق کمر کے قدم تیہ فراق میں جھلستے ہیں۔ کیونکہ انقطاع اور جدائی کے قابل ہیں۔ وہ امانتِ حیات میں خیانتوں کی بُری مثالیں چھوڑنے والے ہیں۔ اے بندۂ ذاق سمجھ لے کہ شکلِ انسانی میں اسرارِ غیب میں سے ایک رازِ پنہاں رکھا گیا ہے۔ جس میں کمالِ قدرت کا خزانہ ہے۔ جب طالبِ صادق اس کی جستجو کرتا ہے تو انوارِ قلب اُس کی رہنمائی کرتے ہیں اور وہ مراد کو پا لیتے ہیں سینۂ اعلیٰ میں مَثَلِ اعلیٰ کا نشان قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن جب زندیق طالبِ دنیا اس راز کی سراغ رسانی کی طرف راغب ہوتا ہے تو نفس کے پردوں سے مخالفت کی صدائیں آتی ہیں۔ اس لیے کاذبین اس چشمۂ قدرت پر جانے کا راستہ نہیں پاتے۔ اس لیے کہ اس آخرت پر ان کا ایمان و یقین نہیں ہوتا اُن کی بے یقینی کی موت مَثَلُ السّوءِ بن جاتی ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ

اور اگر پکڑتا اللہ تعالیٰ لوگوں کو وجہ سے ظلم اُن کے نہ چھوڑتا

اور اگر اللہ لوگوں کو اُن کے ظلم پر گرفت کرتا تو زمین پر

عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلٰٓى أَجَلٍ

پر اُس زمین کوئی چلنے والا اور دیر فرماتا ہے اُن کو تک مدت

کوئی چلنے والا نہیں چھوڑتا لیکن انہیں ایک ٹھیرائے وعدے تک مہلت

مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ

مقرر پھر جب آگیا آخری وقت اُن کا نہ ہٹیں گے

دیتا ہے پھر جب اُن کا وعدہ آئے گا نہ ایک گھڑی

سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ۝٦١ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ

ایک ساعت پیچھے اور نہ آگے بڑھیں گے ۔ اور بناتے ہیں لیئے اللہ کے

پیچھے ہٹیں نہ آگے بڑھیں اور اللہ کے لیے وہ ٹھیراتے ہیں

مَا یَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ

وہ جس کو خود ناپسند کرتے ہیں اور جنتی ہیں زبانیں اُن کی جھوٹ کو کہ بیشک

جو اپنے لیے ناگوار ہے اور اُن کی زبانیں جھوٹ کہتی ہیں کہ

لَهُمُ الْحُسْنٰى ؕ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ

لیے اُن کے بھلائی ہے نہیں ہے شک اِس میں کہ لیے اُن کے آگ ہے اور بیشک وہ

اُن کے لیے بھلائی ہے تو آپ ہی ہوا کہ اُن کے لیے آگ ہے اور حد سے

مُّفْرَطُوْنَ ۝٦٢ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ

تو جلدی بھیجے ہوئے ہیں قسم اللہ کی البتہ یقیناً بھیجا ہم نے طرف تمام اُمتوں کے

گزارے ہوئے ہیں ۔ خدا کی قسم ہم نے تم سے پہلے کتنی اُمتوں کی طرف

قَبْلِكَ فَزَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ

آپ سے پہلے تو خوبصورت کر دیئے لیے اُن کفار کے شیطان نے عمل اُن کے تو وہی

رسول بھیجے تو شیطان نے اُنکے کوتک انکی آنکھوں میں بھلے کر دکھائے تو

وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۶۳﴾

مددگار بنا پھرے آج ۔ حالانکہ یہ اُن سب کے عذاب ہے دردناک

آج وہی اُن کا رفیق ہے اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفار کے عقیدے و اعمال کا ذکر فرمایا گیا تھا جو سراسر معاشرے کے لیے ظلم تھے اب ان آیت میں بتایا گیا اللہ تعالیٰ کی یہ کمال شفقت ہے کہ ظلم پر ان کو جلدی نہیں پکڑتا ٹھیک ہونے کی مہلت عطا فرماتا ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ یہ کافر لوگ بیٹیوں سے نفرت کرتے ہیں جس سے ثابت ہوا تھا کہ بیٹیوں سے نفرت کرنا کفر کی ہی نشانی ہے ۔ اب اِن آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ اللہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اُسی چیز کو جس سے خود نفرت کرتے ہیں یہ کفر کی دوسری نشانی ہے **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ کفار اپنے تکبر کی بنا پر دنیا کی ہر نعمت کا اپنے آپ کو مستحق سمجھتے ہیں یہاں تک کہ بیٹی سے اِسی لیے نفرت کرتے ہیں کہ خود کو بیٹوں کا مستحق سمجھتے ہیں حالانکہ اُن کا یہ خیال قطعاً غلط ہے کیونکہ اُن کو دنیوی نعمتیں بھی کسی ذات کے صدقے میں مل رہی ہیں ۔ اب اِن آیات میں فرمایا گیا کہ کافر آخرت کی اچھائیوں اور نعمتوں کا بھی خود کو ہی مستحق سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بھی خیالِ خام ہے حقیقتاً وہاں اُن کے لیے نارِ جہنم ہے دنیا میں بعض کفار آخرت کو مانتے ہیں ۔ یہ اُن ہی کفار کا ذکر ہے جو آخرت کو مانتے ہیں ۔

تفسیر نحوی وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ إِلٰٓى أَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَإِذَا جَآءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ واؤ سر جملہ ۔ لَوْ حرفِ شرط ۔ يُؤَاخِذُ ۔ باب مُفَاعَلَہ کا فعل مضارع صیغہ واحد مذکر غائب اَللّٰہُ اِس کا فاعل ۔ مصدر ہے مُؤَاخَذَۃٌ ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی لینا ، پکڑنا ۔ الف لام عہدی ہے لفظِ ناس جنسی اسم مفرد ہے یا جمع ۔ مراد ہیں کافر و فاسق آدمی منصوب ہے ھُمْ ۔ ب جارہ سببیہ ظُلْم اسم مفرد مصدر ثلاثی مادہ ہے ، ھِمْ ضمیر جمع غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے ظُلْم مضاف کا مرکب اضافی جار مجرور برائے تعلق يُؤَاخِذُ کا اَلنَّاسَ اُس کا مفعول بہ ہے ۔ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا ۔ مَا تَرَكَ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق منفی صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اِس کا فاعل ۔ تَرْکٌ سے بنا ہے بمعنی چھوڑنا ۔ درگزر کرنا ۔ باقی رکھنا ۔

یہاں ہر معنیٰ درست ہے ۔ علیٰ جارّہ فوقیت کا ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل کا مرجع ظاہری ہے یعنی تُراب بمعنیٰ زمین ۔ یا ذہنی ہے یعنی اَرض ۔ یہی قول راجح ہے جار مجرور متعلق اوّل ہے مَاتَرَکَ کا مِنْ بیانیہ عمومی بمعنیٰ کوئی بھی دَآبَّۃٍ اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے دَوَابّ بمعنیٰ زمین پر چلنے والا ایک صحیح قول میں دَبَّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے اسم فاعل مؤنث ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے زمین کو روندنے والا ۔ منقولی ترجمہ ہے گھوڑا اصطلاحی ترجمہ جانور حیوان چوپائے حقیقی ترجمہ ہے تمام زمین پر چلنے والے انسان حیوان کیڑے مکوڑے ۔ مجازی ترجمہ ہے ہل چل مچانے والا اس معنیٰ سے پانی میں چلنے والیاں مچھلیاں بھی دابّہ میں شامل ہیں (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ) مچھلی کے علاوہ باقی دریائی سمندری جانور ۔ خشکی میں شامل ہیں ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَاتَرَکَ کا وَاوٗ عاطفہ زائدہ لٰکِنْ حرفِ عطف استدراکیہ ۔ ایک قول میں اس کے الٹ ہے یُؤَخِّرُ ۔ بابِ تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اَللّٰہُ ہے ھُمْ ضمیر منصوب متصل جمع مذکر مفعول بہ اِلٰی جارّہ انتہاءِ غائت کے لیے اَجَلٍ اسم مفرد جامد نکرہ مُتَمَکِّن بمعنیٰ مدت معیّن وقت ۔ موصوف ۔ مُسَمًّی بابِ تفعیل کا اسم مفعول صیغہ جمع مذکر ۔ مصدر ۔ تَسْمِیَۃٌ ۔ تَسْمِیَۃٌ سَمْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نام رکھنا ۔ بحالتِ کسرہ کیونکہ صفت تابع ہے موصوف صفت مجرور ہے متعلق ہے یُؤَخِّرُ کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ مَاتَرَکَ جملہ فعلیہ معطوف علیہ کا پھر دونوں مل کر جزاءِ شرط ہوئے ۔ فَ حرفِ عطف بمعنیٰ لیکن ۔ اِذَا حرفِ شرط جَآءَ ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل جَیْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا ۔ اَجَلُ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ مقرر شدہ وقت ۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے جَآءَ کا ھُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اَجَل مضاف یہ فعل فاعل مل کر فعلیہ ہو کر شرط ہوئی لَایَسْتَاْخِرُوْنَ بابِ استفعال کا مضارع مستقبل منفی صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر غائب اس میں مستتر ہے اس کا فاعل ہے مراد تمام ناس بمعنیٰ استئخار ۔ اَخْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیچھے ہٹنا ۔ سَاعَۃً اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنیٰ قلیل مدت (منٹ) تنوین عوض تقلیل کی ۔ یا تنکیری عوض ہے بمعنیٰ کچھ ۔ بحالتِ فتحہ ہے ظرف ہے ۔ واؤ عاطفہ لَایَسْتَقْدِمُوْنَ بابِ اِستفعال کا فعل مضارع مستقبل منفی مصدر ہے اِسْتِقْدَامٌ بمعنیٰ آگے بڑھنا ۔ قَدْمٌ سے بنا ہے ، پیر کو قدم اسی لیے کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے انسان حیوان آگے بڑھتا ہے ۔ یعنی سبب کو مسبب کا نام دیا گیا ۔ یہ فعل اپنے فاعل ھُمْ ضمیر جمع مستتر سے مل کر جس کا مرجع اَلنَّاس ہے جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَایَسْتَاْخِرُوْنَ پورا جملہ معطوف علیہ اور دونوں جزاءِ شرط ہوئے اور جملہ شرطیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰہِ مَا یَکْرَہُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُہُمُ الْکَذِبَ اَنَّ لَہُمُ الْحُسْنٰی ۔ واؤ ابتدائیہ یَجْعَلُوْنَ ۔ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع معروف مثبت جمع مذکر ۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنانا ۔ لام جارّہ اضافت کا اَللّٰہُ اسم مفرد جامد مجرور

متعلق ہے یَجْعَلُوْنَ کا مَا اسم موصول یَکْرَهُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف حال۔ صیغہ جمع غائب هُمْ ضمیر مذکر مستتر اس کا فاعل ہے مرجع کفارِ مکہ۔ کُرْہٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ناپسند کرنا۔ نفرت کرنا۔ شریعت جس کو ناپسند کرے اس کو مکروہ اسی معنیٰ سے کہتے ہیں پہلے معنیٰ سے مکروہ تنزیہی اور دوسرے سے تحریمی۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا اور وہ مفعول بہ ہے یَجْعَلُوْنَ کا۔ واؤ سر جملہ۔ تَصِفُ۔ بابِ ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب وَصْفٌ سے مشتق ہے مثال واوی ہے بمعنیٰ بیان کرنا کیفیت حالت اور صفت بیان کرنا۔ یہاں پہلے علم معنیٰ مراد ہیں۔ اَلْسِنَتُ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے لِسَانٌ بمعنیٰ جسمانی مُنہ کی زبان۔ مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع اس کا مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے تَصِفُ کا۔ الف لام جنسی۔ یا عہدِ خارجی کَذِبَ اسم حاصل مصدر۔ بمعنیٰ جھوٹی بات۔ ذال کے کسرے نے مبالغہ پیدا کیا۔ یعنی بہت صاف جھوٹ سخت جھوٹ۔ منصوب ہے۔ کیونکہ مفعول بہ اول ہے تَصِفُ کا۔ یہ فعل متعدی بدو مفعول۔ اَنَّ حرفِ تحقیق۔ لام جارہ اضافت کا۔ هُمْ ضمیر جمع غائب مرجع کفارِ مکہ۔ مجرور ہے جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ الف لام عہدِ خارجی۔ حُسْنیٰ۔ اسم تفضیل صیغہ واحد مؤنث۔ حُسْنٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ عمدہ۔ بہترین۔ فائدہ مند۔ نیکی بھلائی۔ اچھائی۔ کامیابی۔ جنت اچھا انجام۔ یہاں ہر معنیٰ بن سکتا ہے۔ ثابتٌ پوشیدہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اور اَلْحُسْنیٰ بحالتِ نصب اسم مؤخر ہے۔ اَنَّ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ دوم ہے تَصِفُ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَ اَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ۔ تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ لَاجَرَمَ اسم فعل بمعنیٰ حقًا ماضی مطلق۔ یا حقّ۔ یعنی یقینی ہے یہ بات۔ اسی کے قائم مقام ہو کر اگلی عبارت اس کا فاعل ہے۔ ایک قول میں یہ فعل غیر متصرفہ ہے۔ منفی ماضی مطلق ہے۔ واحد مذکر غائب۔ اس طرح کہ لا نافیہ جَرَمَ فعل ماضی بمعنیٰ شک ترجمہ ہے نہیں ہے شک یعنی یقینًا۔ تیسرا قول ہے لا نفی جنس جَرَمَ اس کا اسم اگلی عبارت اس کی خبر ہے۔ ہماری ترکیب پہلے قول پر ہے۔ اَنَّ حرفِ تحقیق لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ ثابتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ الف لام عہدِ ذہنی نار اسم مفرد جامد بمعنیٰ آگ مراد ہے جہنم۔ بحالت نصب ہے اسم مؤخر ہے اَنَّ کا ثابتٌ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اَنَّ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ اَنَّ حرفِ مشبہ هُمْ ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے۔ مُفْرَطُوْنَ۔ بابِ افعال کا اسم مفعول صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے اِفْرَاطٌ بمعنیٰ حد سے بڑھنا۔ فَرْطٌ

سے بنا ہے ۔ لغوی ترجمہ ہے اپنے اصلی ٹھکانے اور حیثیت کے مقام پر نہ رہنا ۔ نہ ٹھیرنا ۔ پیچھے رہنے کا نام تفریط ہے آگے بڑھ جانے کا نام اِفراط ہے ۔ کچھ سامان کسی منزل کسی جگہ اپنے جانے سے پہلے بھیجنے کو بھی اِفراط کہتے ہیں ۔ اندازے کے وقت سے پہلے کسی کام کے ہونے یا کسی کے آنے کو اِفراط کہا جاتا ہے ۔ اور لیٹ ہونے کو تفریط ۔ یہاں مراد یا حد سے بڑھنا ہے یا عذاب میں جلدی جانا ہے ۔ ھُم ضمیر اس میں نائب فاعل ہے ۔ شبہ جملہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف اور سب عطف فاعل ہے لاجَرَمَ کا ۔ تَ جارّہ قسمیہ ۔ اللّٰہِ مجرور جار مجرور متعلق ہے اُقسِمَ فعل پوشیدہ کے وہ جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوا ۔ لام کَدْ ابتدائیہ قَدْ اَرْسَلْنَا ۔ فعل ماضی قریب جمع متکلّم ہے مخاطب اللہ تعالیٰ نَا ضمیر فاعل ہے اِلیٰ جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے اُمَمٍ ۔ اسم جمع مکسّر منصرف اِس کا واحد ہے اُمّت بمعنیٰ قوم ۔ گروہ جماعت ۔ مجرور ہے ۔ متعلق اوّل ہے قَدْ اَرْسَلْنَا کا ۔ مِنْ جارّہ بیانیہ ۔ یا زائدہ قَبْلِ اسم ظرف معرب متمکن ہے ۔ مجرور ہے ۔ مضاف ہے كَ ضمیر واحد مذکّر حاضر مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ۔ مضاف الیہ ہے مرکّب اضافی مجرور ہے اور متعلق دوم ہے قَدْ اَرْسَلْنَا ۔ کے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ زَیَّنَ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق ۔ مثبت معروف اِس کا مصدر تَزْیِیْنٌ ۔ زَیْنٌ اور زِیْنَتٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ سجانا ۔ فیشن کرنا ۔ خوبصورت کرنا ۔ (میک اپ) لام جارّہ نفع کا ھُم ضمیر سے مراد کفارِ سابقہ اَلشَّیْطٰنُ الف لام معرفہ کا عہدی شَطَنٌ یا شَیْطٌ سے بنا ہے شَطَنٌ بمعنیٰ شرارتی شَیْطٌ بمعنیٰ راندہ ہونا اسی سے ہے شط العرب یعنی عرب کا کنارہ شیطان سے مراد ہے ابلیس ۔ مرفوع ہے فاعل ہے زَیَّنَ کا یہ فعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ قَدْ اَرْسَلْنَا جملہ عاطفہ ہو کر جواب قسم ہوا ۔ پھر دونوں جملہ قسمیہ ہو گئے ۔ فَ سببیہ بمعنیٰ لہٰذا ھُوَ مبتدا وَلِیُّ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ۔ ساتھی ۔ دوست ۔ قریبی ۔ مددگار ۔ والی وارث پیشرو ۔ یہاں مراد ساتھی ہے ۔ یا یہ جملہ طنزیہ ہے تب بمعنیٰ مددگار ہوگا ۔ الف لام معرفہ کا برائے تخصیص یَوْم اِسم مفرد جامد بمعنیٰ دن مطلقہ ۔ مگر الف لام تخصیصی نے آج کے معنیٰ میں کر دیا مراد ہے قیامت کا دن ظرفیہ حال ہے وَلِیٌّ کا ۔ مرکّب اضافی ذوالحال سے حال مل کر خبر ہے مبتدا کی پھر جملہ اسمیہ ہے ۔ واؤ ہر جملہ ۔ لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا ۔ موجودٌ اپنے فعل فاعل سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے ۔ عَذَابٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا موصوف ہے ۔ اَلِیْمٌ ۔ صفتِ مشبّہ مبالغہ کے لیے اَلَمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دردناک صفت ہے عَذَابٌ کی موصوف صفت مل کر مبتدا ہوا خبر مقدّم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا ۔

تفسیر عالمانہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۔ اور اگر رب تعالیٰ اُن لوگوں کو پکڑتا جن کو دنیا کی آبادی کے لیے پیدا فرمایا ہے اُن کے ظلم ۔ یعنی کفر ۔ شرک ۔ بدکاری ۔ جرائم فسق و فجور ۔ فساد و نقصان ۔ شرارتوں عداوتوں ، گستاخیوں کی بنا پر ۔ تو پھر باقی اس زمین پر چلنے والی مخلوق کو بھی زمین پر نہ چھوڑتا ۔ یعنی نہ رہنے دیتا ۔ خیال رہے کہ انسان سے پہلے جنات کو زمین کی آبادی کے لیے پیدا کیا گیا پھر جنات کو ویرانوں میں آباد فرمایا اور ساری زمین خشکی و تری بحر و نہر پر انسان کی آبادی و حکمرانی مقرر اور ثابت و قائم فرمائی ۔ انسان ہی کے دم قدم سے ساری دنیا کی رونق ترقی اور آبادی ہے ۔

انبیاء کرام بھی اِن ہی انسانوں کو سمجھانے پڑھانے سکھانے بندہ بنانے کے لیے مبعوث فرمائے جاتے ہیں ۔ اور باقی تمام جانور حیوانات چرند و پرند و درندے ۔ گھریلو ۔ وحشی ۔ شکاریات ۔ کیڑے مکوڑے ۔ حشرات ۔ جنگلی ۔ غیر جنگلی ۔ ہوائی ۔ فضائی ۔ آبی ۔ سمندری ۔ انسانی فائدوں کے لیے ہی پیدا فرمائے گئے ۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اگر کفار و فساق کو ہم عذاب و سزا میں جلدی پکڑ لیتے اور ہلاک و فنا کر دیتے تو باقی زمین پر رہائشی مخلوق کو بھی نہ چھوڑتے ۔ اور زمین نہ رہنے دیتے ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو اس لیے کہ جو اُن کے آنے کا مقصد ہے وہ باقی نہ رہتا ۔ اس لیے ہم ان کو بھی اپنی جوارِ رحمت میں واپس بلا لیتے اور باقی انبیاء کو زمین پر آنے ہی نہ دیتے ۔ لیکن حیوانات کو اللہ تعالیٰ اس لیے ختم کر دیتا کہ اُن سے فائدہ لینے والے ہی نہ رہتے تو پھر اُن کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ۔ دنیا تو ساری خالی کر دی جاتی مگر طریقے مختلف اس طرح کہ کفار کو عذاب سے پکڑ اور اَخذ کر کے فساق کو سزا سے گرفت کر کے ۔ انبیاء کرام سے ترک دنیا کرا کر واپس بلا لیا جاتا اگرچہ بذریعہ وفات اس لیے کہ اللہ کے مقرب بارگاہ بندوں کی وفات مواخذہ اور پکڑ نہیں بلکہ ترکِ زمین ہے ۔ حیوانات کی پیدائش کا سلسلہ بند کر کے ۔ اور نیک بندوں اولیاء اللہ علماء و زاہدین عابدین کی ولادت بند کر کے کہ کفار و فساق کی ہلاکت سے سلسلۂ نسل و تولید ختم ہو جاتا ۔ دنیا کو خالی کرنے کے یہ مختلف طریقے بیان کرنے کے لیے ظالموں کی اصل نسل ختم کرنے کے لیے اَخَذَ اللّٰهُ ۔ ارشاد ہوا اور باقی نیک ۔ بے گناہ مخلوق کے زمین سے اٹھانے کے لیے مَا تَرَكَ ارشاد ہوا ۔ ہماری اِس تفسیر سے وہ تمام اعتراضات ۔ سوالات ۔ اور بیہودہ عقائد ختم ہو گئے جو گستاخ بے ادب ۔ رافضی ۔ خارجی ۔ معتزلی ۔ قدریہ ۔ جبریہ باطل فرقے کرتے ہیں کسی نے کہا معاذ اللہ انبیاء کرام بھی

ظلم کرتے ہیں اس لیے کہ اَلنَّاسَ اور بِظُلْمِهِمْ میں وہ بھی شامل ہیں۔ کسی نے کہا کہ انسانوں کے ظلم کی وجہ سے جانوروں کو ہلاک کرنا۔ اللہ کا ظلم ہے معاذاللہ غرض کہ قرآن مجید میں اندھی اور جاہلانہ عقل دوڑانے سے اسی قسم کی بدعقیدگیاں اور بے دینیاں جنم لیتی ہیں۔ ان اعتراضوں کا ذکر تفسیر کبیر اور مظہری میں بیان کیا گیا ہے ایک تفسیری قول میں اَلنَّاس سے مراد بھی صرف کفار ہیں اور مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَابَّةٍ سے بھی صرف کفار ہی مراد ہیں۔ جلدی پکڑ نہ فرمانے کا ذکر ہے۔ مگر بالکل آزاد نہ چھوڑا جائے گا بلکہ مقررہ موت یا قیامت کی مدت آنے پر تمام ظالموں کو ضرور پکڑا جائے گا۔ اللہ جبار قہار سب ظالموں، ستمگروں کو یقیناً سخت طریقے سے پکڑ فرمائے گا پھر جب وہ پکڑ کا وقت معین آ جائے گا تب یہ ظالم ایک ساعت ایک منٹ۔ ذرہ برابر نہ آگے بڑھیں گے کہ ایک لمحہ بھی ان کی زندگی زیادہ ہو جائے نہ ایک سانس پہلے مر سکیں گے۔ اگرچہ عذاب موت دیکھ کر۔ وہ بدکار خواہش کریں گے کہ کاش اس آتے ہوئے عذاب سے پہلے مر جائیں۔ اور عذاب سے ہٹ کر گزر جائیں۔ یا کچھ دن اور زندگی مل جائے اور اس عذاب کی تکلیف سے بچے رہیں۔ یا آگے پیچھے ہونے کا معنی یہ ہے کہ جسمانی طور پر ہم اس موت کے راستے سے ادھر ادھر ہو جائیں تاکہ عذاب اپنے معین یا بند راستے سے گزر جائے۔ مگر اس طرح کی کوئی خواہش پوری نہ ہو سکے گی۔ خیال رہے کہ دابہ ہر اس جانور انسانی یا حیوانی کو کہتے ہیں جو اپنے پیر نیچے رکھتا ہو۔ خواہ پانی میں رہنے والا ہو یا خشکی پر۔ چھوٹا ہو یا بڑا۔ محققین اور ماہرین حیوانات کہتے ہیں کہ جتنے جاندار زمین پر مع ہوائی فضائی کے بستے ہیں اس سے دس گنا زیادہ مخلوق سمندر میں رہتی ہے۔ لیکن سمندر کا اصل باشندہ صرف مچھلی ہے۔ یعنی مچھلی پانی کے بغیر چند منٹ زندہ نہیں رہ سکتی جس طرح کہ خشکی کے باشندے چند منٹ پانی میں نہیں رہ سکتے۔ باقی سمندری مخلوق پانی میں رہتی ہے اور خشکی میں بھی۔ نیز سمندر میں سب سے زیادہ تعداد مچھلی کی ہے باقی مخلوق آٹے میں نمک کے برابر۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے صرف مچھلی کو ہی صید بحریہ اور حیوان بحریہ کا لقب دیا ہے اور باقی سمندری جانوروں کو صید بحریہ میں شامل نہیں مانا۔ اس کی مزید تفصیل ہمارے فتاوی العطایا جلد اوّل میں ملاحظہ فرمائی جائے۔ مجازی طور پر دابہ سمندری جانوروں میں صرف مچھلی کو کہا جاتا ہے کیونکہ وہی اپنی تیز رفتاری کی بنا پر پانی کو روندتی اور ہل چل مچاتی ہیں۔ جس طرح کہ پھلوں میں آم کی ایک ہزار قسمیں ہیں اور کیڑوں میں سانپ کی بارہ ہزار قسمیں ہیں اسی طرح مچھلی کی چالیس ہزار اقسام اب تک دریافت ہو چکی ہیں۔ چھوٹی سے چھوٹی مچھلی مکھی کے برابر ہوتی ہے۔ اور بڑی سے بڑی مچھلی بحری جہاز یا بڑی

چٹان کے برابر۔ مچھلی کی ہر قسم اپنے رنگ ۔ روپ ۔ شکل ۔ حجم ۔ جسمانیت میں مختلف ہوتی ہے اور عادات و خصائل ۔ نمی تاثیر میں بھی مختلف ہوتی ہے ۔ مچھلی کی اتحادی اور خصوصی متفق علیہ پہچان یہ ہے کہ اُس کے ظاہری اعضا میں سے کوئی عضو نہیں ہوتا ۔ نہ ہاتھ نہ پاؤں نہ پنجے نہ بازو صرف پَر ہوتے ہیں ۔ اسی لیے وہ سمندری جانور جس کے پنجے پیر نہ ہوں وہ مچھلی ہے اور وہ پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ۔ جس حیوانِ آبی میں یہ دو پہچانیں موجود ہوں وہ حلال پاک طیب ہے لیکن اگر کسی سمندری جانور میں پنجے ہوں وہ مچھلی نہیں اگرچہ شکل و صورت مچھلی جیسی ہو ۔ اسی طرح اگر کوئی جانور مچھلی کی طرح پاؤں پنجے والا بھی نہ ہوں ۔ پَر ہوں مگر خشکی میں بھی زندہ رہتا ہو تو وہ بھی مچھلی نہیں وہ پانی کا سانپ ہوتا ہے ۔ اور کھانا اس کا حرام ہے ۔ نیز سمندری تمام حیوانات اور خشکی کے تمام درندے چرندے چوپائے انسانات میں ایک امتیازی فرق یہ بھی ہے ۔ سمندری کسی بھی جانور میں گردن یعنی شہ رگ اور دوسری رگیں نہیں ہوتیں ۔ جب کہ خشکی کے ہر بڑے جانور میں گردن ہوتی ہے ۔ ہاں البتہ خشکی کے کیڑے مکوڑے بھی گردن نہیں رکھتے ۔ تمام حیوانات دابہ ہیں ۔ مچھلی سمندری دابہ ہے ۔ باقی تمام حیواناتِ آبی و خشکی و ہوائی فضائی ۔ اور رینگنے والے کیڑے مکوڑے ۔ زمینی دابہ ہیں ۔ مچھلی مجازی دابہ ہے باقی حیوانات حقیقی لغوی اور اصطلاحی دابہ ہیں ۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب ۔ وَيَجْعَلُونَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُونَ وَتَصِفُ أَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ أَنَّ لَهُمُ الْحُسْنَىٰ لَا جَرَمَ أَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَأَنَّهُمْ مُفْرَطُونَ اور اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ہماری اسی ڈھیل اور جلدی نہ پکڑنے کی بنا پر اس دُنیوی نرمی سے ناجائز فائدہ اُٹھاتے ہوئے ۔ اللہ کے لیے اُن چیزوں اور ایسی بناوٹی باتوں کو منسوب کر دیتے ہیں جو خود اپنے لیے سخت ناپسند اور بُرا سمجھتے ہیں کہ جب اولاد کی بات آتی ہے تو اللہ سبحٰنہٗ و تعالیٰ کے لیے بیٹیں مقرر کرنے لگتے ہیں حالانکہ وہ سب کا خالق و مالک ہے ۔ اور اپنے لیے نر زور بیٹے پسند کرتے ہیں ۔ اور جب مال اسباب جانوروں کی تقسیم کرتے ہیں تو ردی گھٹیا اللہ کا حصہ بناتے ہیں اور اعلیٰ عمدہ اپنے لیے رکھتے ہیں ۔ جب سرداری حکومت اور ملکیت کی بات چلتی ہے تو اللہ کے لیے ذلیل بتوں کو خدائی شہنشاہی و ملکیت کا شریک و حصہ دار سمجھنے لگتے ہیں اور اپنے لیے کسی کو حصہ دار بنانا گوارا نہیں کرتے ۔ اور ان کفار پنڈت یا دریوں کی زبانیں کس طرح چرچر جھوٹ بناتی چلی جاتی ہیں یا اس طرح کہ اللہ کے لیے بیٹیاں یا اولاد کا جھوٹا عقیدہ بنانا اور خود بیٹوں کو پسند کرنا ۔ یا اس طرح کہ باوجود گستاخی بے ادبی اور جھوٹ باتیں بنانے کے پھر بھی اپنے کو اللہ کا محبوب سمجھنا ۔ اور اپنے

لیے حسنیٰ یعنی جنت میں داخل ہونے کا فاسد گمان رکھتا - حالانکہ یقینی حقیقت یہ ہے کہ ان کفار کے لیے دائمی ابدی جہنم اور آگ ہے - اور بیشک وہ حد سے بڑھے ہوئے ہیں - چونکہ لفظ مُفْرَطُوْنَ کی قرٔت میں تین قول ہیں - اس لیے اس کی تین تفسیریں ہیں ۱؎ مُفْرَطُوْنَ - یعنی حد سے بڑھے ہوئے جہنم میں ابدی چھوڑے ہوئے بھلائے ہوئے - یا جلدی ڈالے ہوئے ۲؎ مُفْرِطُوْنَ یعنی عبادت اور فرماں برداری سے دور ہٹنے والے احکام الٰہیہ کو ضائع کرنے والے عمر برباد کرنے والے - انبیاء کرام کی بے ادبیاں کرنے والے - ۳؎ مُفَرِّطُوْنَ - یعنی غلط اور خیالی عقیدے بنانے والے تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ - اللہ کی قسم ان کفار کا یہ وطیرہ آج سے نہیں پہلے زمانوں سے ہوتا چلا آیا ہے اور ہر ہر قوم کے پاس ہم نے ایک ایک نبی علیہ السلام بھیجا آپ سے پہلے تمام انسانوں کے پاس اور ہمارے اُن نبیوں نے ہر طرح سے ان کو ساری ساری عمر سمجھایا - راہِ حق بتایا - اور رب کے قرب میں بلایا مگر اُن کے لیے تو ابلیس شیطان نے اُن کے ہی بد عمل غلط عقیدے خوبصورت کر دیئے تھے اُن کے دل میں شیطان نے یہی بات ڈال دی تھی تم جو کر رہے ہو نہایت درست ہے - اور جس طرح دنیا میں شیطان ان کو اپنے پیچھے لگائے پھرتا تھا آج قیامت میں بھی وہی ان کے کام سنبھالے وہی ان کو مدد دے جہاں سے چاہے آج اللہ رسول کی طرف سے کوئی بھی ان کفار کا مددگار نہ ہوگا - رب تعالیٰ کی طرف سے تو ان کے لیے دردناک ذلت آمیز عذاب ہی ہے - جو کسی صورت ٹل نہیں سکتا شیطان بھی زور لگا کر دیکھ لے بلکہ وہ تو خود بھی اُس ہی عذاب میں مرا پڑا ہے -

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے -

پہلا فائدہ - دنیا میں کسی گناہ پر پکڑ نہیں ہے یہ دارُ العمل ہے یہاں ہر شخص کو ڈھیل ملی ہوئی ہے اس لیے ڈھیل سے ناجائز فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے - نہ یہاں کی چھوٹ کو اپنی سچائی کی دلیل بنایا جائے یہ فائدہ وَلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا - یہ آیت ہر کافر و فاسق کے لیے لمحۂ فکریہ ہے **دوسرا فائدہ** - کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ گناہ گار کے گناہوں کی سزا وبال اور مصیبت کے لپیٹ میں بیگناہ بھی آ جاتے ہیں جیسے کہا جاتا ہے کہ چور کے ساتھ اس کی لنگوٹی بھی پکڑی جاتی ہے یا جیسے کہا جاتا ہے کہ گندم کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں لہٰذا کسی نیک مخلص کو کسی تکلیف میں دیکھ کر مغضوب نہیں کہا جا سکتا یہ فائدہ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ** - سب سے خطرناک یہ بات ہے کہ انسان گناہ کو نیکی سمجھنے لگے - یا ناجائز

کو جائز سمجھنے لگ جائے یہی کفر ہے۔ گناہ کو گناہ سمجھ کر ہی کرنا گناہگار اور فاسق فاجر بناتا ہے لیکن گناہ کو نیکی سمجھنے سے انسان کافر ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ زَیَّنَ لَهُمُ الشَّیْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیا میں سب سے زیادہ حرام اور ناجائز جُرم ظلم ہے ہر شخص اس کو برا سمجھتا ہے ہر قانون میں اس کی سزا ہے دنیوی قانون بھی ظلم کو بُرا سمجھتا ہے۔ خواہ وہ عملی ہو یا بدعقیدگی حقوق العباد میں ہو یا حقوق اللہ میں یا ظلم نفسی ہو۔ بہرحال حرام ہے یہ مسئلہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ رب تعالیٰ نے اپنی پکڑ کی وجہ ظلم قرار دی۔ دوسرا مسئلہ۔ تقدیر دو قسم کی ہے ۱۔ تقدیرِ مُبرم ۲۔ تقدیرِ معلق۔ تقدیرِ مبرم کبھی بدل نہیں سکتی۔ ہاں تقدیرِ معلق دُعا معجزے اور کرامات اولیاء اللہ سے بدل سکتی ہے یہ مسئلہ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً الخ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ گیارھویں صدی کے مجدد حضرت سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا پہلا قول یہی ہے۔ لیکن بعد کا ایک قول مذکور ہے کہ مبرم بھی ٹل سکتی ہے اور خود اپنی ایک دعا کا ذکر فرماتے ہیں کہ میری دعا سے تقدیرِ مبرم بدل گئی۔ مگر یہ درست نہیں ہے قرآن و حدیث کے خلاف ہے جس کو مجدد صاحب تقدیرِ مبرم سمجھ رہے ہیں وہ بھی تقدیرِ معلق ہی تھی۔ واللہ اعلم۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ انبیاء معصوم نہیں ہوتے اور وہ گناہ پر قادر ہوتے ہیں۔ بلکہ ان سے گناہ سرزد ہوتے ہیں۔ (بعض بے دین) یہی اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کیونکہ یہاں فرمایا گیا۔ اگر اللہ چاہتا تو کسی بھی زمین پہ چلنے والے کو نہ چھوڑتا اس کے ظلم کی وجہ سے۔ اور چونکہ انبیاء بھی انسان ہیں اور زمین پہ چلتے ہیں۔ اس لیے ان سے ظلم سرزد ہوتا ہے۔ **جواب**۔ معترض نے جس طرح اپنی بدعقیدگی اور کفر کو بچانے کے لیے ترجمہ غلط کیا ہے۔ اُس سے تو واقعی یہ اعتراض بن جاتا ہے مگر اس کا صحیح ترجمہ اور سچی تفسیر اعتراض پڑنے نہیں دیتی۔ جیسا کہ ہم نے تفسیر عالمانہ میں وضاحت کر دی ہے۔ لیکن اس اعتراض کی صورت میں اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا الزامی جواب تو یہ ہے۔ پھر تو تمام جانور حیوانات چرندے پرندے کیڑے کوڑے بھی ظالم فاسق فاجر اور کافر ٹھہرتے ہیں۔ حالانکہ ان کو کوئی شخص کافر یا فاسق نہیں کہتا زمین پر تو یہ بھی چلتے ہیں اور یہ بھی دابہ ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ ظلم کا تعلق۔ صرف النّاس سے ہے۔ اور النّاس سے کُل انسان مراد نہیں۔ اس پر الف لام عہدی خصوصی ہے۔ اور صرف کفر فسق کے ظالم مراد ہیں۔ اور ترجمہ اس طرح ہے کہ اگر اللہ کافر فاسق کو اُن کے ظلم کی وجہ

سے پکڑتا تو باقی دوسرے زمین پر چلنے والوں کو بھی زمین پر نہ رہنے دیتا۔ اور اس کی وجہ تفسیر عالمانہ میں بتا دی گئی ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ظالموں کے ظلم کی وجہ سے اگر رب تعالیٰ پکڑ فرماتا تو پھر کسی دوسرے دابہ کو بھی نہ چھوڑتا۔ گویا ظلم ایک کرے اور سزا سب کو ملے۔ بیگناہوں کو ہلاک کرنا اور سزا دینا تو بذاتِ خود ظلم ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ظلم محال ہے۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ۱۔ حیوانات اور کیڑے مکوڑوں کو ہلاک کرنا ظلم نہیں۔ دیکھو دن رات ہم چوپائے ذبح کرکے کھا جاتے ہیں اور خود اسلام نے بہت موقعوں پر ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ صفائی کے لیے یا دوائی بنانے کے لیے کیڑے مکوڑے مارے جاتے ہیں یہ بھی ظلم نہیں۔ ۲۔ رہا بیگناہ انسان کا کسی ناگہانی عذاب سے ہلاک ہونا تو وہ سزا نہیں بلکہ نیک آدمی کے درجاتِ اُخروی کا سبب بن جاتے ہیں۔ ۳۔ نیز اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا کُلی مالکِ ازلی ابدی ہے۔ اور اپنی ملکیت میں تصرف کرنا خواہ کسی طرح سے ہو ظلم نہیں ہوتا۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ظالموں کو پکڑتا۔ تو ایسا ہوتا۔ اور نحوی قواعد کے مطابق لَوْ نفی کرتا ہے شرط کی۔ تو ثابت ہوا کہ انسان ظلم تو کرتا ہے مگر رب تعالیٰ پکڑتا نہیں۔ اس سے لازم آتا ہے کہ ظلم اچھی چیز ہے۔ اور اگر ظلم برا ہے تو ظلم کے باوجود نہ پکڑنا برائی کو پھیلانا ہے۔ اس کا جواب کس طرح ہے۔ **جواب**۔ ظلم بہرکیف بُرا ہے اور باری تعالیٰ نے ہی اُس کو برا قرار دیا ہے۔ لیکن اس کی سزا اس دنیا میں نہیں۔ یہ دنیا ایسے بڑے جرم کی سزا کے لیے کافی نہیں تھی اس لیے بعد قیامت لمبا زمانہ اس کے لیے منتخب فرمایا۔ یہاں لَوْ يُؤَاخِذُ کا مطلب ہے کہ اگر دنیا میں پکڑ فرمانا چاہتا تو ایسا ہوتا مطلق پکڑ کی نفی نہیں ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ مَا تَرَكَ عَلَيْهَا اس ھا ضمیر کا مرجع تمام مفسرین کے نزدیک زمین ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے لفظِ ارض نہیں آیا اور ہمیشہ مرجع ضمیر سے پہلے ہوتا ہے اضمار قبل الذکر نا جائز ہے۔ تو یہاں ایسا کیوں ہوا۔ **جواب**۔ اس لیے کہ مرجع دو قسم کا ہوتا ہے ایک مرجع ظاہری دوم مرجع ذہنی۔ جب کبھی اشارۃً یا کنایۃً جملے میں کوئی ایسی چیز ہو جو مرجع کی نشاندہی کر رہی ہو تو وہاں مرجع ظاہری لانا کوئی ضروری نہیں ہوتا۔ اس کی مثالیں قرآن مجید، حدیث پاک اور عربی شعراء کے کلام میں بہت موجود ہیں۔ جیسے کہ اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ نزول چونکہ قرآنِ مجید کا ہو رہا تھا اس لیے ہٗ کا ذہنی مرجع اَنْزَلْنَا سے سمجھ آگیا۔ اسی طرح یہاں ہے کہ دابّہ اصطلاحاً کہتے ہی اُس کو ہیں جو زمین پر چلتا ہے۔ لہٰذا لفظِ دابّہ سے ثابت ہو گیا کہ اس کا ذہنی مرجع زمین ہی ہے۔ ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آیت ۶۷ کے بعد ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَمَآ اَنۡزَلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ

اور نہ اتاری ہم نے اوپر آپ کے کتاب مگر اس لیے کہ کھول دو تم لیے اُن کے

اور ہم نے تم پر یہ کتاب نہ اتاری مگر اس لیے کہ تم لوگوں پر روشن کر دو

الَّذِى اخۡتَلَفُوۡا فِيۡهِ‌ۙ وَهُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ

وہ حقیقت اختلاف کیا انہوں نے بیچ جس اور ہدایت اور رحمت تو یہ کتاب ہے اُن لوگوں کے لیے

جس بات میں اختلاف کریں اور ہدایت اور رحمت ایمان والوں کے

يُّؤۡمِنُوۡنَ ۞ ۶۴ وَاللّٰهُ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحۡيَا

جو ایمان لاتے ہیں اور اللہ نے نازل فرمایا طرف سے آسمان کے پانی تو زندہ کیا

لیے اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا تو اس سے زمین کو زندہ کر دیا

بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا‌ ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيَةً

ذریعے اُس کے زمین کو مردہ بعد مرنے کے اُس کے بیشک اُس میں البتہ کرشمۂ قدرت ہے لیے

اُس کے مرے پیچھے بیشک اس میں نشانی ہے

ع ۸ ۱۴ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ۞ ۶۵ وَاِنَّ لَـكُمۡ فِى الۡاَنۡعَامِ

اس قوم کے جو سنتے ہیں اور بیشک ہے تمہارے لیے چرندوں

اُن کو جو کان رکھتے ہیں اور بیشک تمہارے لیے چوپایوں میں

لَعِبۡرَةً‌ ؕ نُسۡقِيۡكُمۡ مِّمَّا فِىۡ بُطُوۡنِهٖ مِنۡۢ بَيۡنِ فَرۡثٍ

البتہ مقام غور ہے پلاتے ہیں ہم اُس سے جو بیچ ہے پیٹوں اُن کے سے درمیان گوبر

نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو اُن کے پیٹ میں ہے گوبر

وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿٦٦﴾ وَمِنْ

اور خون دودھ خالص خوشگوار لیے پینے والوں کے اور سے

خون کے بیچ میں سے خالص دودھ گلے سے سہل اُترتا پینے والوں کے لیے۔ اور

ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ

پھلوں کھجور اور انگور بناتے ہو تم سے اُس

کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے کہ اُس سے نبیذ بناتے ہو

سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً

نبیذ اور چھوہارے کشمش کا اچھا رزق بیشک بیں اُس البتہ نشانی ہے

اور اچھا رزق بیشک اس میں نشانی ہے

لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾

لیئے لوگوں جو عقل رکھتے ہیں

عقل والوں کو

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ اگر اللہ چاہتا تو ظالموں کو اُن کے ظلم کی وجہ سے بہت جلدی پکڑ لیتا مگر ایسا نہیں فرماتا۔ اب ان آیتوں میں اس ڈھیل اور نہ پکڑنے کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ ہم نے رحمت و ہدایت کا ہی ارادہ فرمایا ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہر ایک کے لیے ایک مدت مقرر ہے اس سے پہلے کسی کو فنا نہ کیا جائے گا۔ اب ان آیتوں میں اس کی وجہ بیان ہورہی ہے۔ کہ یہ زندگی کی مہلت آیاتِ الٰہیہ کو سمجھنے سننے کے لیے دی گئی ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا تھا ہم نے اپنے بہت انبیا مختلف وقتوں میں مختلف قوموں کی طرف بھیجے جو اُن کی آخرت اور دنیا درست کرنے کے لیے تشریف لائے مگر شیطان نے اُن کی

بدعملیوں بدکاریوں کو اُن کے سامنے جھلا کر دکھایا۔ اب اِن آیات میں دوسری آسمانی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا جس سے اُن کی زندگی کی صحت و تندرستی مہیا تھی مگر ان کی بے عقلیوں نے اِس کو بھی نہ پہچانا۔

تفسیر نحوی

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِی اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ واؤ سر جملہ۔ مَا اَنْزَلْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی منفی معروف مطلق صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ علیٰ اِستعلائیہ۔ کَ ضمیر واحد حاضر مجرور متصل اِس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جار مجرور متعلق فعل کا۔ الف لام عہد خارجی کِتَاب بروزنِ فِعَالٌ ثلاثی مصدر ہے۔ بمعنیٰ مکتوب اسم مفعول یعنی لکھی ہوئی مراد قرآنِ مجید ہے۔ اِلَّا۔ حرفِ اِستثنا مفرغ۔ اس نے سابقہ نفی کو ختم کیا۔ لام مکسورہ ابتدائیہ اس لام میں اَن ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ تُبَيِّنَ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ ضمیر مستتر اِس کا فاعل ہے خطاب آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ منصوب ہے اِسی لام کے تعلیلیہ کے اَن مقدرہ سے مصدر ہے تَبْيِيْنٌ۔ بمعنیٰ بیان کرنا۔ ظاہر کرنا۔ صاف صاف سنا دینا۔ بَيْنٌ سے بنا ہے۔ لام جارہ مفعولیت کا هُمْ ضمیر جمع غائب مجرور متصل مرجع عام کافر لوگ ہیں یا یہود و نصاریٰ هُمْ موصوف ہے یا مُبدل منہ ہے۔ اَلَّذِی اسم موصول واحد مذکر۔ اس کی صفت ہے یا بدل ہے۔ اِخْتَلَفُوا باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے اِخْتِلَافٌ خلف سے بنا ہے۔ بمعنیٰ جھگڑا کرنا۔ رائے اور نظریہ بدلنا۔ مخالفت کرنا۔ فِی جارہ ظرفیہ۔ ظرفِ مجازی کے لیے ہِ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع دین ہے جار مجرور متعلق ہے اِخْتَلَفُوْا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا۔ موصول صلہ صفت ہے هُمْ ضمیر کی وہ جار مجرور ہو کر متعلق ہے لِتُبَيِّنَ کا۔ واؤ عاطفہ هُدًى۔ اسم مصدر ثلاثی ہے۔ یہاں حاصل مصدر ہے یعنی ہدایت۔ یا یہ مصدر بمعنیٰ ھادِی ہے واؤ عاطفہ رَحْمَةً اِسم مفرد جامد بمعنیٰ شفقت (بڑے کی چھوٹے پر مہربانی احسان) لام جارہ۔ هُدًى اور رَحْمَةً۔ دونوں معطوف اَلْكِتَاب اس لیے دونوں منصوب ہیں اور موصوف ہیں مَابَعْد کا۔ قَوْمٍ اِسم مفرد لفظی واحد ہے معنوی جمع ہے۔ مجرور ہے لام جارہ سے موصوف يُؤْمِنُوْنَ۔ باب اِفعال کا۔ فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِيْمَانٌ هُمْ ضمیر مستتر اِس کا فاعل بمعنیٰ حال ہے۔ ترجمہ ہے ایمان لاتے ہیں۔ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی قَوْمٍ کی۔ مرکب توصیفی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل کائنًا کا وہ جملہ اسمیہ تامہ ہو کر معطوف ہے کِتَاب کا وہ سب مفعول بہ ہے اَنْزَلْنَا کا۔ واؤ سر جملہ۔ اَللّٰهُ اسم مفرد جامد بحالت رفع مبتدا ہے۔ اَنْزَلَ باب اِفعال کا ماضی

مطلق واحد مذکر ھُوَ ضمیر مستتر فاعل مرجع اَللّٰہُ ۔ مِن جارہ ابتداءِ غائت معنوی کے لیے ۔ یعنی طرف سے الف لام عہدی یا جنسی سَمَآءِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ایک آسمان جار مجرور متعلق ہے اَنْزَلَ کا ۔ مَآءً اسم جامد نکرہ اسم متمکن بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہٖ اَنْزَلَ کا ۔ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا فَ عاطفہ تعقیبیہ اَحْیَا ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر (پوشیدہ) اس کا فاعل مرجع ہے اللّٰہ تعالیٰ بِ جارہ سببیہ بمعنیٰ ذریعے ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع ۔ مَاءٌ (پانی) ہے ۔ الف لام جنسی یا عہدی اَرْض اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنیٰ زمین مراد ہے کھیتی منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اَحْیَا کا بَعْدَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے مَوْتِ ۔ مصدر مادہ اجوف واوی ہے بمعنیٰ مرنا ۔ مردہ ہونا ۔ بے کار ہونا ۔ مقصد نہ دینا ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے ۔ مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع ارض ۔ مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے مَوْتِ کا یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے بعد کا اور ظرف ہے اَحْیَا کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے اَنْزَلَ کا ۔ معطوف علیہ معطوف سے مل کر خبر ہے مبتدا کی ۔ اور جملہ اسمیہ ہوکر مکمل ہوا ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ ۔ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ۔ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق فِیْ جارہ ظرفِ مجازی کے لیے ذٰلِکَ اسم اشارہ بعید کے لیے بھی مستعمل ہے ۔ مبنی ہوتا ہے ۔ محلاً مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا ۔ اور وہ شبہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر مقدم ہے اِنَّ کی ۔ لام ابتدائیہ تاکیدیہ اٰیَۃً ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی بحالتِ نصب اسم متوخر ہے ۔ ماقبل اِنَّ کا ۔ اور موصوف ہے مابعد کا ۔ لام جارہ نفع کا قوم ۔ اسم مفرد نکرہ متمکن مجرور ہے لام سے موصوف ہے یَسْمَعُوْنَ اس کی صفت ہے باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مراد ہیں مسلمان لوگ یا عقل والے لوگ ۔ سَمْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سننا ۔ فعل حال ہے جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے یوم موصوف صفت مجرور ہوا جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل نافعًا یا مفیدۃً کا اور شبہ جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے اٰیَۃً کی آیت کے معنیٰ ہیں علامت نشانی ۔ یہاں مراد قدرت کی نشانی ہے ۔ موصوف صفت مل کر اسم مؤخر ہے اِنَّ کا ۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا ۔ واؤ سرِ جملہ ابتدائیہ ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا اور وہ جملہ ہوکر خبرِ مقدم ہے اِنَّ کی ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ مجازی ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام ۔ اَنْعَامِ ۔ اسم جمع مکسر منصرف بمعنیٰ گھریلو چوپائے جانور اس کا واحد ہے نَعَمٌ ۔ اصلاً اونٹ کا جنسی نام ہے ۔ اصطلاحاً ہر حلال جانور کو خاص کر چوپائے کو شامل مانا گیا ہے ۔ یہ جار و مجرور متعلق دوم ہے ۔ موجودٌ پوشیدہ کا ۔ لام کئے ابتدائیہ تاکید کے لیے ہے عِبْرَۃً ۔ اسم مصدر ہے آخر میں ۃ مصدریہ ہے ۔ بمعنیٰ نصیحت پکڑنا ۔ منصوب ہے کیونکہ اسم مؤخر ہے

اُن کا۔ اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر مکمل ہوا۔ نُسْقِیْ۔ باب افعال کا فعل مضارع صیغہ جمع متکلم۔ مخاطب اللہ تعالیٰ ہے مصدر ہے اِسقاءٌ۔ بمعنی بہت کثرت سے پلانا۔ سَقْیٌ سے بنا ہے بمعنی پلانا۔ بہر حال متعدی ہوتا ہے۔ بقاعدۂ نحوی جب کوئی متعدی مادہ مصدر باب افعال میں آتا ہے تو مبالغہ پیدا ہوتا ہے یعنی ڈبل متعدی۔ نَحْنُ ضمیر نحن تکلم مستتر اس کا فاعل ہے اور کُمْ ضمیر جمع حاضر اس کا مفعول بہ ہے اس لیے نَحْنُ مرفوع ہے کُمْ منصوب ہے۔ مِمَّا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ مَا اسم موصولہ مجرور ہے مِنْ سے فِیْ جارہ تبعیضیہ مَا اسم موصولہ مجرور ہے مِنْ سے فِیْ جارہ ظرفیۃ مکانیہ حقیقیہ بُطُوْنِ جمع کثیر۔ بَطْنٌ کی جمع پیٹ۔ لغوی ترجمہ باطنی چیز پوشیدہ اشیاء۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے جنس اَنْعَام (چوپایوں دودھ کے جانوروں کی جنس) اس لیے واحد ضمیر لائی گئی بُطُوْنِہٖ میں ضمیر مذکر کی بنا پر سیبویہ نحوی نے اَنْعَام کو اُن مفرد لفظوں میں شمار کیا ہے جو بروزن اَفْعَال ہوتے ہیں اور کچھ نحوی فرماتے ہیں کہ لفظ انعام لفظاً واحد ہے اس لیے یہاں اس کے لیے ضمیر واحد آئی اور یہ لفظ معنیً جمع ہے اس لیے سورۃ مومنون میں اس کے لیے مؤنث کی ضمیر آئی یعنی بُطُوْنِہَا۔ ہَا ضمیر حیوانات کیلئے جمع ہوتی ہے۔ ہم نے یہاں زجاج نحوی کا قول صحیح مانا ہے۔ یعنی یہ اسم جنس ہے۔ لہٰذا دونوں قسم کی ضمیریں درست ہیں۔ مضاف الیہ ہے بُطُوْن کا یہ مرکب اضافی مجرور ظرفی ہے۔ اور متعلق ہے جملہ مرسل خبر کرنسق کا پہلا۔ نُسْقِیْ کا پہلا متعلق ہے مِنْ بَیْنِ جارہ تبعیضیہ یا بیانیہ بَیْنِ اسم معرب ظرف مکانی ہے بمعنی درمیان اسم معرب ظرف مکانی ہے بمعنی درمیان مضاف ہے فَرْثٍ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مجرور ہے فَرْثٍ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی آنتوں کے اندر موجود گوبر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ دَمٍ اسم مفرد نکرہ جامعہ بمعنی خون معطوف ہے۔ یہ سب مضاف الیہ ہے بَیْنِ کا اور وہ مجرور ہے متعلق دوم ہے نُسْقِیْ کا۔ لَبَنًا اسم مفرد نکرہ جامد معرب موصوف ہے بمعنی دودھ خالِصًا۔ اسم فاعل واحد مذکر خُلُوْصٌ سے بنا ہے بمعنی چھانٹا ہوا نکالا ہوا مخلوط میں سے علیحدہ کیا ہوا۔ یہ اسم فاعل بمعنی مُخْلَص اسم مفعول ہے یا ترجمہ ملاوٹ سے پاک ہونے والا۔ بحالت نصب ہے صفت اول لَبَنًا کی سَائِغًا اسم فاعل باب ضرب سَیْغٌ سے بنا ہے بمعنی نرمی سے نگلا جانا ایک قول میں سَائِغًا بمعنی لذت سے حلق میں اترنے والا۔ حالت نصب صفت دوم ہے لَبَنًا کی۔ لام جارہ نفع کا۔ الشّٰرِبِیْنَ۔ الف لام۔ استغراقی۔ شَارِبِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر شُرْبٌ سے مشتق ہے بمعنی پینا۔ بحالت جر ہے لام جارہ سے جار مجرور متعلق ہے۔ سَائِغًا اسم فاعل کے وہ شبہ جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہوئی

وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۔

واؤ مُرجلہ۔ مِنْ جار تبعیضیہ ثَمَرٰتِ جمع مؤنث سالم واحد ہے ثَمَرَۃٌ۔ مذکر ثَمَرٌ اس کی جمع ہے اَثْمَارٌ بمعنی پھل میوہ ہے موصوف ہے۔ اَلنَّخِیْلِ جنس نَخِیْل جمع سماعی ہے نَخْلٌ کی بمعنی کھجوریں معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی۔ اَعْنَابِ اسم جمع مکسر ہے عِنَبٌ کی بمعنی انگور۔ مجرور ہے معطوف۔ معطوف علیہ معطوف صفت ہے۔ موصوف

صفت مجرور ہوا اور متعلق ہے پوشیدہ نعظیم کا ۔ تَتَّخِذُوْنَ ۔ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف بمعنیٰ فعل حال مصدر ہے اِتِّخَاذٌ ۔ بمعنیٰ بنانا ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے ۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع حاضر مستتر اس کا فاعل ہے ۔ مِنْ جارہ بعضیت کی ہ ضمیر کا مرجع ثَمَرٰتِ ۔ یہ ضمیر واحد مذکر جنسی ہے ۔ اسی لیے واحد آئی جمع کے لیے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تَتَّخِذُوْنَ کا سَكَرًا اسم مصدر ہے مگر حاصل مصدر ہے جامد ۔ بمعنیٰ فرحت ۔ نشہ ۔ مدہوشی ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے ۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ رِزْقًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ غذا ۔ موصوف ہے حَسَنًا ۔ حاصل مصدر ہے بمعنیٰ لذیذ ۔ اچھا ۔ مفید ۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف تابع ہے سَكَرًا پر اس لیے یہ دونوں اسم منصوب ہیں معطوف علیہ مفعول بہٖ ۔ اسی لیے منسوب ہے تَتَّخِذُوْنَ ۔ پورا جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ یا صفت ہوئی اعناب کی یا بیان ہے ثمرات کا ۔ اِنَّ ۔ حرف تحقیق ۔ فِیْ ذٰلِكَ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا ۔ وہ خبر جملہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی ۔ لام مفتوحہ ابتدائیہ اٰيَةً ۔ اسم مفرد جامد اسم مؤخر ہے اِنَّ کا ۔ لام جارہ نفع کا قَوْمٍ اسم جامد بمعنیٰ رشتے دار برادری موصوف ہے يَعْقِلُوْنَ ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف باب ضرب سے ہے ۔ عقل سے بنا ہے بمعنیٰ سمجھداری ہونا ھم ضمیر مستتر اس کا فاعل ۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قَوْم کی ۔ قوم مجرور ہے لام سے جار مجرور متعلق مَوْجُوْدٌ کا

تفسیر عالمانہ

وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۔ اور اے حبیب کریم آپ پر یہ کتاب قرآن مجید صرف اس لیے ہم نے نازل کیا ہے تاکہ آپ قیامت تک ہر کافر منکر مشرک کو کھول کھول مفصل بیان فرما دیں وہ تمام امور ۔ بنیادی باتیں جن میں یہ کفار اپنے وہم و خیالات کی آڑ میں کثیر اختلاف جھگڑے اور مختلف دین مذہب عقیدے بنائے پھر رہے ہیں ۔ یہ کتنا عظیم موقع ہے کہ سارے وھمیات کو ختم کر کے نبی کے دامن حقانیت میں آ گر اس قرآن مجید کو ۔ لیں جس میں دل کی گہرائیوں دماغ کی بلندیوں اور عقل کی تابانیوں کے لیے کامل و اکمل ہدایت و رہنمائی ہے اور جسم انسانی مقاصد ایمانی کے لیے ظاہر و باطن و بادا آخرت میں رحمت عظیم ۔ راحت ضخیم اور امدادات عمیم ہے ۔ مگر فضائل کی قوم ادراک کی پاک باز اہل عقل لوگوں کے لیے جو اپنی سابقہ حماقتوں کو چھوڑ کر ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ہزار دل و جان سے پورا پورا ان کی ہر ادا پر ایمان لائیں ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کفار کا ایک ۔۔۔ تو اہل عقل لوگوں اہل کفر لوگوں سے ۔۔۔ کہ تمام کفریات بے شمار قسم کے ہو گئے ہیں جس کی تفصیل کتب ۔۔۔ میں منقول ہے

نیز حدیث پاک میں آتا ہے کہ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ یعنی تمام کافر اتحاد و یکجہتی اور مسلم دشمنی میں ایک گروہ ہیں لیکن عقائد نظریات اور عملیات رسم و رواج میں مختلف ہیں اس طرح کہ ہر کافر کا دین علیحدہ ہے۔ یہ اختلاف تو وہمیات پر قائم ہے اور ایک اختلاف مسلمانوں سے وہ چار باتوں میں ہے۔

۱ توحید ۲ رسالت ۳ قیامت ۴ تقدیر۔ یہ بنیادی اختلاف ہے۔ ان ہی کے تبیان کا یہاں ذکر ہے اور ان میں سے بھی زیادہ اہم توحید ہے اور اس کے لیے رسالت بھی اہم مسئلہ ہے گویا کہ توحید وہی معتبر ہے جو رسالت کے دروازے سے آئے۔ قرآن مجید کے ذریعے حدیث پاک نے چھ چیزوں کی وضاحت بیان فرمائی۔

۱ توحید ۲ حرام ۳ حلال ۴ جبر قدر۔ شرکیہ کفریہ عقیدے۔ چونکہ تمام اسلامیات میں اصل توحید ہے اس لیے قرآن پاک میں متعدد جگہ کے علاوہ اس سورت کی ابتدائی آیت میں بھی اور یہاں بھی بیشمار تمثیل و تذکرے اور مختلف اشیا کی تخلیق کے ذکر سے ثبوتِ توحید ہی مقصود ہے۔ شروع سورت میں ۱ الٰہیات ۲ نبوت ۳ قیامت ۴ اجرام فلکیہ ۵ خلقت انسانی ۶ حیوانی ۷ پیدائش نباتات ۸ دریاؤں کا ذکر ۹ زمین کا ذکر اجمالاً ہوا۔ اب ان آیت میں ان ہی اشیا کا ذکر کچھ تفصیل اور وضاحت سے ہو رہا ہے۔ کہ ارشاد ہوا۔ اور اللہ تعالیٰ جَلّ شانہٗ نے ہی نازل فرمایا آسمان کی طرف سے بادل کے ذریعے پانی تو اس کے سبب سے کائی زمانے کی مردہ زمین کو سینکڑوں بہاروں کے ساتھ ایک دم زندہ فرما دیا۔ اور اس عظیم، عجیب حیرت انگیز کارنامے میں عقل سے سننے والوں کے لیے بہت دلائل قدرت نشاناتِ الٰہیہ بلکہ قیامت حشر نشر کے ثبوت ہیں۔ وہ اس طرح کہ آسمان سے پانی، پانی سے زمین کی زندگی یعنی پیداوار نباتات۔ نباتات سے رزقِ انسانی و حیوانی۔ اور رزق سے انسانی حیوانی زندگی کیسی حیرانی ہے کہ جس زمین پر سالہا سال سے بارش نہیں ہوئی ہر چیز چٹیل بنجر ہو گئی۔ کہ اچانک اس پر بارش ہوئی اور ہر طرف سے گھاس پھوس پودے نکل پڑے اور طرح طرح کے کیڑے مکڑی مینڈک نکل پڑے اور شور و غل مچا کر زمین کی پُر بہار زندگی کی خبریں دینے لگے۔ کس نے بیج ڈالا۔ کب ڈالا۔ وہ بیج کہاں مستور تھے۔ ہم چلتے پھرتے دھیان بے دھیان ہیں دانے گٹھلیاں پھینکتے پھرتے ہیں اور وہ بنجر زمین میں ملیا میٹ ہو جاتے ہیں۔ ہم نے تو کبھی تفکر ہی نہیں کیا کہ کل موسم بہار میں قدرتِ الٰہیہ ان گٹھلیوں کو ہی نخلستانِ سرسبز میں تبدیل فرما دے گی۔ یہ نظارے ہم آئے دن کرتے رہتے ہیں مگر ایمان کی آنکھوں سے نہیں کرتے۔ سنتے ہیں مگر انصاف۔ عقل۔ تدبر۔ تحمل کے کانوں سے نہیں

ورنہ دنیا کی یہی تغیر و تبدل ہر کافر و منکر کو قیامت پر ایمان لانے کے لیے کافی وافی مضبوط دلیل ہے۔ کہ جو رب تعالیٰ سڑی گلی گٹھلیوں، بیجوں سے باغ لگا سکتا ہے وہ رب قدیر بکھری بھری دختہ ہڈیوں کو جامۂ انسانیت پہنا کر حشر برپا کر سکتا ہے۔ یہاں ایمان اور سننے والی قوم کا ذکر کیا گیا۔ اور مقصد ہے کہ نبی کی بات عقل و تدبر سے سنو اور ایمان لاؤ پھر دنیا کے نظارے کرو۔ تب ہر ورقِ درختِ سبز دفتریست معرفتِ کردگار۔ بن جائے گا۔ آستانۂ نبوت سے دور ہو کر دیکھنا سننا مثل جانوروں کے دیکھنا سننا ہے وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۚ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ ۝ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ۗ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ۝ اور بیشک اے تمام انسانو تمہارے لیے ان تمام حرام حلال چوپایوں میں کتنی بڑی نصیحت ہے۔ حلال چوپایوں کے پیٹوں میں سے ہم تم کو بھی دودھ پلا دیتے ہیں جو خالص بغیر کسی ملاوٹ کے گوبر اور خون کے بیچ میں سے ہی نکلتا بنتا ہے۔ اور پینے والوں کے لیے فرحت آمیز لذت بخش نرم گلے سے جلدی اترنے والا ہے۔

جسم انسانی و حیوانی خاکی بھی عجیب کارخانۂ قدرت ہے۔ ویسے تو ہر مؤنث چوپایہ ہی دودھ پیدا کرتا ہے مگر یہاں حلال چوپایوں کا خاص کر ذکر ہے کیونکہ حرام دودھ والے جانور کا دودھ نہ کافر پیتے ہیں نہ مسلمان۔ اسی لیے وہ دودھ صرف ان کے بچے ہی کے لائق تھوڑا سا ہوتا ہے۔ حلال دودھ کے جانور چار ہیں۔ ۱ اونٹ ۲ بھینس ۳ گائے ۴ بکری۔ بھیڑ اگرچہ حلال ہے مگر اس کا دودھ بہت تھوڑا ہوتا ہے۔ نسقیکم میں شامل نہیں۔ کارخانۂ جسم حیوانی میں بارہ اندرونی اعضا ہیں۔ ۱ زرخرہ ۲ معدہ ۳ پھیپھڑا ۴ کلیجی ۵ پتہ ۶ تلی ۷ گردہ ۸ مثانہ ۹ آنتیں ۱۰ رگیں ۱۱ پستان ۱۲ اوجھڑی۔ جسم کی یہ بارہ بارہ مشینیں دن رات اپنے کام میں لگی ہوئی رہیں۔ اول انسانی حیوانی غذا کو جسم کے بیرونی اعضا کے لیے مناسب بناتی ہیں۔ جب حلقوم اور زرخرہ کے راستے غذا اندر پہنچتی ہے۔ تو پہلے معدہ اس پر قابض ہوتا ہے۔ وہ اس کو پیس کر رکھ دیتا ہے یہ ہضم اول ہے۔ اس میں غذا گلتی ہے پھر یہاں سے منتقل ہو کر یہ سب غذا کرش یعنی اوجھڑی میں جاتی ہے یہاں اس فضلہ غذا سے مذکر میں چودہ چیزیں بنتی ہیں اور مؤنث میں پندرہ چیزیں بنتی ہیں ۱ بول ۲ براز ۳ چربی ۴ منی ۵ مذی ۶ ودی ۷ تھوک ۸ پسینہ ۹ بلغم ۱۰ غدود ۱۱ صفراء ۱۲ سوداء ۱۳ خون ۱۴ پیپ ریشہ۔ اور مؤنث میں دودھ بھی بنتا ہے۔ کلیجی کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ غذا کے اجزاءِ کثیفہ کو جذب کر سکتی ہے اجزاءِ لطیفہ کو نہیں۔ اور آنتیں اجزاءِ لطیفہ کو جذب کر لیتی ہیں

کیشفر کو نہیں کبھی خون بناتی ہے یہ اوپر جمع ہوتا ہے اور براز نیچے بیٹھ جاتا ہے اسی کو فرث کہا جاتا ہے
غذائی فضلے سے اولاً صرف خون بنتا ہے قدرت الٰہیہ سے خون کی مخصوص مقدار رحم مادر میں جا کر
بذریعہ ناف حمل کی خوراک بنتی ہے پھر پتہ خون میں سے صفرائی اجزا نکالتا ہے اور تلی سودائی اجزا کو
اور جو ہڑی ہیں ہر عضو بالنی کی رگیں ہوتی ہیں مثانے کی رگیں اجزاءِ بول کو اپنی طرف کھینچتی ہیں پھیپھڑوں
کی قدرت چکنائی کے اجزا نکالتے ہیں مسامات کی رگیں پانی کے اجزا نکال لیتے ہیں نرتوں کی رگیں اور
مؤنث، فرج و نخل کی رگیں منی۔ ودی۔ اور مذی کے اجزا کو۔ اور زبان آنکھ کی رگیں آنسو اور تھوک
کے اجزا کو نکال لاتی ہیں۔ سینے اور دماغ کی رگیں بلغم و ریشے کے اجزا نکال لیتے ہیں غرض کہ غذا
سے نسکلہ فضلے سے خون اور خون سے اتنی چیزیں نکال کر خون صاف اور خالص رہ جاتا ہے اس
خون میں سے رب تعالیٰ سفید و شفاف گی مکھن ملائی والا دودھ پیدا فرماتا ہے۔ پھر ہر بچے کے
مطابق ہی ثقیل و خفیف دودھ ہوتا ہے جو تین قوتیں نباتاتی خوراک میں بڑے انسان و حیوان کو ملتی
ہیں وہی تین قوتیں رب تعالیٰ نے دودھ میں پیدا فرمادی ہیں ۱ ملائی گرم تر ہے ۲ ماٹیت
سرد تر ہے ۳ چھاچھ سرد و خشک ہے سب سے کمزور اور پتلا دودھ انسانی
عورت کا ہوتا ہے نیز جن کا دودھ یہاں مذکور ہے وہ صرف چار جانور ہیں جو اوپر مذکور ہوئے ان کا دودھ بھی ان کے بچے کی خوراک
زیادہ ہونے کے حساب سے پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ جانور معمولی خوراک کھاتے ہیں نہ ان کا اتنا خون ہوتا ہے یہاں پہنچ کر عقل انسانی
دنگ ہے۔ یہاں ربوبیت الٰہیہ اپنی کیسی شان سے جلوہ گر ہے۔ کوئی نہیں جان سکتا۔ محققین فرماتے ہیں کہ چونکہ مزاج مذکر گرم و خشک
ہے وہاں دودھ پیدا نہیں ہوتا۔ اور مزاج مؤنث تر اور سرد ہے اس لیے دودھ بنتا ہے۔ پھر یہ تمام اشیا خون سے نکل کر اپنے اپنے
جسمانی مخزن میں پہنچ جاتے ہیں اور خون دل کی رگوں کے ذریعے دل میں پہنچتا ہے وہاں سے
نہایت قوت۔ جوش اور طاقت لے کر دوسرے راستے جسمانی رگوں میں تیزی سے گردش کرتا
ہے۔ اس خون میں اس تمام غذا کی مختلف تاثیریں ہوتی ہیں جو اس جسم نے کھائی ہوں۔ اس لیے یہ خون
جہاں جہاں جس جس رگ میں پہنچتا ہے تو اسی تاثیر کا اثر پیدا کرتا ہے۔ یہ خون کہیں گوشت بناتا ہے
کہیں کھال کہیں بال کہیں ہڈی۔ ناخن۔ کہیں مستی۔ کہیں نرمی کہیں گرمی کہیں عقل کہیں علم کہیں فہم۔ حکما اور
طبیب۔ ڈاکٹر لوگ کہتے ہیں جانور کے گوشت کا جو حصہ کھایا جائے تو انسان کے جسم کا وہی حصہ مضبوط
ہوتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بعض جانوروں کی خصلت کا بھی اثر ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔ خون چونکہ
انتہائی جوش سے بدن میں گردش کرتا ہے۔ اس لیے اگر دماغ کی طرف ذرا سی رکاوٹ پیدا ہو تو چھینک
آتی جس سے دماغ پر چڑھا ہوا ریشہ چھٹتا ہے اور دماغ کو فرحت ہوتی ہے۔ اگر سینے کی طرف رکاوٹ

پڑے تو کھانسی آتی ہے جس سے سینے پر جما ہوا زائد بلغم اکھڑ کر براستہ منہ نکل جاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کا کمال انتظام ہے۔ غرض کہ بدن میں خون ہی کی شہنشاہی ہے اور یہ خون ان کھانوں غلوں اور پھلوں سے پیدا ہوتا ہے جن کا ذکر اگلے کلام میں ارشاد ہے۔ جسم انسان کے لیے تو سارے ہی پھل مفید ہیں لیکن کھجور اور انگور سب سے زیادہ عمدہ ہیں اور ان میں بھرپور غذائیت ہے۔ ان کو خود بھی کھایا جاتا ہے اور سیکڑوں قسم کی چیزیں ان سے بنائی جاتی ہیں تم ان سے سکر یعنی نشے دار چیزیں بنا کر حرام لذت و مستی بھی حاصل کرتے ہو اور حلال شاندار اچھا رزق بھی بناتے ہو یا سکر سے مراد خمر اور رزق حسن سے مراد سرکہ۔ یا سکر سے مراد حلال چیزیں یا شکر سے بننے والی چیزیں رزق سے مراد نبیذ کھجور و انجیر کا پانی۔ یا سکر سے مراد پھلوں سے بنائی ہوئی حرام چیز۔ رزق حسن سے مراد حلال چیزیں یا سکر سے مراد پینے والی چیزیں رزق سے مراد کھانے والی چیزیں۔ بیشک ان تمام نعمتوں میں قدرت الٰہیہ کی بہت بڑی بڑی نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے کہ دودھ کی پیدائش میں قیامت کی دلیل کہ جو باری تعالیٰ نباتات سے تر او غذا سے فضلہ فضلہ سے عمدہ عمدہ سے خون۔ خون سے چربی اور چربی سے گھی چکنائی سے دودھ۔ دودھ سے پھر دہی گھی کی غذا دہ خالق تعالیٰ روح و بدن سے نطفہ۔ نطفہ سے مزغہ۔ مزغہ سے علقہ۔ علقے سے حمل حمل سے بچہ۔ بچے سے جوان۔ جوان سے بوڑھا۔ بوڑھے سے مردہ۔ مردے سے خاک خاک سے پھر زندہ انسان بنا سکتا ہے۔ اسی طرح پھلوں اور ان کے پھول گٹھلیوں میں بھی کثیر دلائل توحید پنہاں ہیں

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ قرآن مجید صرف تلاوت کے لیے نہیں۔ بلکہ یہ تا قیامت ہر مسلمان کیلئے زندگی کا پورا قانون ربانی شفاعت۔ شفاء۔ رحمت اور زندگی کے ہر شعبے میں پوری اور ہر قسم کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ہے۔ یہ فائدہ لَهُمُ الَّذِي اخْتَلَفُوا فرمانے سے حاصل ہوا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اپنے ہر اختلاف میں قرآن پاک کو اپنا جج قاضی اور حکم بنا کر اسی سے ہدایت لو۔ **دوسرا فائدہ۔** قرآن مجید اُس کو فائدہ دے گا جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک آپ کی احادیث آپ کے اعمال آپ کی اُسوۂ حسنہ کے ذریعے ملے گا۔ جو شخص بھی کسی زمانے میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی احادیث مطہرات سے علیحدہ قرآن مجید کو پڑھنے سمجھنے عمل کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس کے لیے یہ قرآن پاک نہ ہدایت ہے نہ رحمت نہ شفا۔ بلکہ گمراہی ہے یہ فائدہ اِلَّا لِتُبَيِّنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ۔** قرآن مجید کو جتنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سمجھا اور جانا۔ اتنا مخلوق میں کسی نے

نہیں سمجھا۔ نبی کریم ہی ساری مخلوق انسان جنات مخلوقِ آسمانی جبریل و میکائیل وغیرہم کے واحد استاذِ اعظم ہیں۔ یہ فائدہ بھی اِلَّا لِتُبَیِّنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ کائناتِ عالم پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فیض قرآن مجید سے زیادہ ہے۔ یہ فائدہ لِقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ سے حاصل ہوا۔ کہ قرآن مجید کا رحمت ہونا مسلمان اور اہلِ ایمان سے خاص ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رحمت ہونا تمام جہانوں کے لیے عام ہے گویا کہ آقا ﷺ کائنات کا ہر شخص ہر چیز ہر مخلوق ہی حاجتمند ہے۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ریاکاری ملاوٹ اور تکبر و غرور والی عبادت اور اسی طرح غلط طریقے پر عبادت کرنا۔ ناقابلِ قبول اور مردود ہے۔ ایسی غلط عبادت کرنا ہی حرام ہے۔ اسی لیے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جو عبادت کراہتِ تحریمیہ سے ادا کی جائے وہ لوٹانی واجب ہے۔ مثلاً ننگے سر نماز پڑھنا۔ یا سِلک ریشم کے لباس میں یا مرد کا سونے لوہے وغیرہ دھات کی انگوٹھی پہن کر نماز پڑھنا واجبُ الاعادہ ہے۔ یہ مسئلہ لَبَنًا خَالِصًا کے اِشارۃُ النّص سے مستنبط ہوا کہ جب رب تعالیٰ کی نعمتیں بندوں کے لیے خالص ہیں ہر قسم کی ملاوٹ سے پاک ہیں تو بندے کی عبادت بھی رب تعالیٰ کے لیے خالص ہونی چاہیے۔ بعض لوگ فقہا کی اِس عبارت کا بہانہ بناتے ہیں کہ ننگے سر عاجزی کے لیے کرنا اور خشوع خضوع کے لیے ننگے سر نماز پڑھنا جائز ہے۔ میں کہتا ہوں کہ وہ کونسی عاجزی ہے جو نبی کریم اور صحابہ کرام کے طریقے مبارکہ سے ہٹ کر ہو۔ اگر ننگے سر سے عاجزی پیدا ہوتی تو کیا اُن فقہا کو پتہ لگ گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس عاجزی کا پتہ نہ لگا۔ نیز فقہاءِ کرام تو فرماتے ہیں کہ سر کے بال اور اعلیٰ لباس بھی تکبر پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا ننگے سر نماز پڑھنے والوں کو چاہیے کہ سر پر استرہ پھرا کر اور گدڑی پہن کر پھر ننگے سر نماز پڑھیں۔ یہ کیا فیشن پرستی اور عیسائیت کا نقشہ ہے کہ عیسائیوں کو راضی کرنے کے لیے صرف ٹوپی۔ پگڑی اتار دی جو اسلام کا اعلیٰ نشان ہے۔ یہ عاجزی اور خشوع نہیں بلکہ کفر نوازی اور فیشن پرستی ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ شراب اور ہر نشے والی چیز خبیث ہے۔ یہ مسئلہ وَرِزْقًا حَسَنًا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ کہ سَکَرًا یعنی نشہ آور چیز کو رِزْقًا حَسَنًا سے واوِ عاطفہ کے ذریعہ الگ کر دیا۔ یعنی سَکَرًا رزق بھی نہیں اور حَسَن بھی نہیں اور عربی لغت میں جو چیز رزق نہ ہو وہ سراسر نقصان دہ اور جو حَسَنًا نہ ہو وہ خبیث ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ امامِ اعظم اور ان کے بڑے شاگرد امام ابو یوسف رضی اللہ تعالیٰ عنہما جن کو اصطلاحِ فقہ میں شیخین کہا جاتا ہے ان کے نزدیک کھجور۔ انگور وغیرہ کا نبیذ (میٹھا پانی) ہر مسلمان کے لیے حلال و طیّب ہے۔ دیگر ائمہ اِس کو بھی بلا دلیل حرام کہتے ہیں۔ امام اعظم کا یہ مسلک حق

ہے اور سَکَرًا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ جب کہ سَکَرًا کا معنی میٹھا اور نبیذ کیا جائے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ یعنی یہ قرآنِ مجید صرف مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔ حالانکہ قرآنِ مجید تو سب انسانوں جنّوں کے لیے ہدایت ہے لاکھوں کافروں کو اِس سے ہدایت ملی۔ اور تا قیامت انشاء اللہ تعالیٰ ملتی رہے گی۔ خود قرآنِ مجید نے بھی ایک مقام پر ارشاد فرمایا۔ فِيْهِ هُدًى لِّلنَّاسِ۔ اِس میں تمام انسانوں کے لیے ہدایت ہے۔ تو یہاں یہ تخصیص کیوں فرمائی گئی؟ نیز جب قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا اُس وقت کوئی بھی مومن نہیں تھا۔ تو قرآنِ کریم سے کفّار کو ہی آگے ہدایت ملی۔ **جواب۔** مفسّرین نے اِس کے دو جواب بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ ھُدًی وَّرَحْمَۃً کا تعلق لِتُبَيِّنَ لَهُمْ سے ہے۔ یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے یہ کتاب صرف اس لیے نازل فرمائی ہے تاکہ آپ ان کافروں کو بیان کر دیں ایک یہ بات کہ تم جس میں اختلاف کرتے ہو وہ اصل حقیقت میں کیا ہے۔ اور دوسری یہ بات بیان کر دو کہ یہ قرآن مجید اہلِ ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے لہٰذا تم ایمان لے آؤ تاکہ تم کو قربِ الٰہی کی ہدایت اور دونوں جہان کی رحمت اس قرآنِ کریم کے ذریعے ملے۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ چونکہ اُس کی ہدایت اور رحمت سے نفع صرف مسلمان پاتے ہیں اس لیے اَن کی تخصیص فرمائی گئی۔ بعض نے فرمایا کہ یُؤْمِنُوْنَ۔ مضارع بمعنی مستقبل ہے۔ یعنی جو بھی ایمان لائیں گے وہی ہدایت و رحمت پائیں گے۔ اَب اعتراض بالکل ہی ختم ہوگیا۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا سَکَرًا یعنی نشے والی چیز۔ اور نشہ شریعتِ الٰہیہ میں ہمیشہ ہی حرام رہا تو پھر اس کو نعمت کے طور پر کیوں ذکر فرمایا گیا۔ **جواب۔** مفسّرین نے اِس کی دو وجہ بیان کی ہیں۔ ۱ یہ آیت مکّی ہے اور اُس وقت مسلمانوں پر شراب حرام نہ ہوئی تھی۔ لہٰذا عام پانیوں کی طرح ایک چیز تھی ۲ یہاں خطاب کفّار سے ہے اور کفّار کے لیے اُن کے خیال کے مطابق یہ نعمت ہے۔ مگر بہتر جواب یہ ہے کہ یہاں سَکَرًا بطورِ نعمت مذکور نہیں بلکہ بطورِ تعارف ہے کہ یہ اشیاء تم بناتے ہو جائز بھی ناجائز بھی واللہ اَعلم۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ۔ اہلِ ظاہر کے نزدیک اجسامِ حیوانی کا نام اَلنَّاس ہے اور ڈھانچے کو انسان کہا جاتا ہے۔ مگر اہلِ باطن کے نزدیک اندر کا انسان کسی دوسری چیز کا نام ہے۔ اہلَ اللہ فرماتے ہیں انسان

باطنی شعور کا نام ہے۔ یہ ظاہری جسم اور اعضا تو اس کے خادم ہیں۔ اندر کا انسان حاکم و سلطان ہے اسی انسان باطن کو منطقی حیوانِ ناطق کہتے ہیں۔ سب گناہ ظلم کفر و ایمان۔ نیکی و بدی۔ جفا و وفا۔ فساد و صلح اسی کی جانب سے سرزد ہوتے ہیں۔ اگر اس پر نفس امارہ کا تسلط ہو جائے تو یہ کالعدم ہو کر لاشعور کہلاتا ہے۔ ظاہری جسم کو دابۃ کہا جاتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے عالمِ ناسوت اور دنیا والو۔ عالمِ ناسوت جبروت۔ ظاہر و باطن۔ قدسِ قیامت کے لیے رب قدیر کا ایک ازلی فیصلہ معیّن ہے جس کے تحت ہر کام فکر۔ عمل۔ تبدّل و تغیّر۔ سزا جزا۔ موت و حیات اپنے اپنے وقت پر ہوتا ہے ہر شے کی ایک معیّن مدت ہے۔ جو یقیناً آنی ہے ان لمحات سے پہلے کوئی بھی شخص یا کوئی سے کام نہ ذرہ بھر مؤخر ہو سکتے ہیں نہ مقدم نہ پہلے ہو سکتے ہیں نہ بعد ہیں لہٰذا کسی کو جلد بازی دکھانے کی ضرورت نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو وقت سے پہلے ہی انسانِ باطنی کی گرفت فرما لیتا جس کی وجہ سے کسی قالب جسم انسانی کو زمین اسرار پر نہ چھوڑتا کہ ارضُ اللہ کو روندتا اور فساد پھیلاتا پھرے۔ زمینِ جسمانی پر فساد مچانے اور کفر و شرک کی لاشعوریت سے ظاہر و باطن کو روندنے والے یہی حیوانات دابۃ ہیں جن کو اصطلاحِ دنیا میں انسان کہا جاتا ہے۔ بازارِ عالم میں دو قسم کے تاجر ہیں ۱؎ ظلم و فساد کے تاجر اور ۲؎ اصلاح و درستی کے تاجر۔ اور جتنے بھی خریدار ہیں وہ بھی دو قسم کے ہیں ۱؎ اہل عقل ۲؎ اہل جہالت۔ یہ تمام قسمیں ہر انسان کے باطن میں موجود ہیں۔ بند اور بے رونق بازار کا نام جہالت ہے اور کھلے بازار کا نام علم ایمانی ہے۔ تقوے کے تمام راستے علم کی چابی سے کھلتے ہیں اور انوار و تجلیات کی روشنیوں سے روشن ہوتے ہیں۔ اسی لیے ہر صوفی پر علماء حق کی شاگردی اور طلب علم لازم ہے مریضِ نفس دابۃ جسمانی ہے۔ اس کے لیے علم کی شعاؤں میں ہی علاجِ باطنی ہے۔ اس لیے کہ تقوے کے لیے دلیل و حجت ضروری اور دلیل کے لیے علم ضروری۔ متقین کے مدارج مہدیین کے مراتب اور مجتہدین کے مناصب کی سیڑھی علم ہی ہے علم ظلم کا قفل ہے اور جہالت ظلم کی چابی ہے۔ علم کی وجہ سے بندہ کو جزا ہے اور جہالت کی بنا پر سزا۔ قرب معرفت کی سیر میں علم سے ہی آسانیاں پیدا ہوتی ہیں علم ہی بارگاہِ شرافت میں کھڑے ہونے کے لائق ہے۔ علم سے الہام ہوتے ہیں اور جہالت سے وسوسے اگر علم ربانی بندے کی دستگیری نہ فرمائے تو الہام اور وسوسے میں فرق معلوم نہ ہو سکے۔ الہام رب تعالیٰ کی طرف سے اور وسوسہ شیطان کی طرف سے اور حرص و ہوس نفس کی طرف سے ہوتی ہے۔ اس کی پہچان ہر سالک کو اس طرح ہوتی ہے کہ جو علم شریعت اور فقہ اسلامی کے مطابق ہو وہ الہام ہے جو شریعت دینیہ کے مسائل کے خلاف ہو وہ وسوسہ شیطانی ہے یہی حال تمام خواہشات کا ہے۔ جاہل صوفی دھوکہ کھا کر گر جاتا ہے وصل منزل کے لیے نہ فضل ربی کا انتظار کرتا ہے نہ تدبر نہ تفکر اس لیے جلد بازی اور خود اعتماری

میں منزلِ طلب سے مارا جاتا ہے۔ لیکن اہلِ علم کو فضلِ ربی بچا لیتا ہے علم کا سب سے اونچا مقام فقر ہے علماءِ کرام صوفیا کے محتاج نہیں مگر صوفیا علم کے محتاج ہیں۔ غوثیت قطبیت سب علم کی شاخیں ہیں۔ (امام غزالی) وَیَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا یَكْرَهُوْنَ وَتَصِفُ اَلْسِنَتُهُمُ الْكَذِبَ اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ ۔ اسی جہالتِ باطنی کی بنا پر ظلمتِ وسواس کو اللہ کے الہامات سمجھتے ہیں۔ حالانکہ ظلمتوں کو اپنے عقیدوں اور قولوں کی بنا پر اپنے لیے ناپسند کرتے ہیں تخیلاتِ وہمیہ کی اپنی بنا دی خود ساختہ زبانوں سے ہمہ وقت جھوٹ بناتے ہیں کہ بیشک دنیا و تدبیر کی ہر بھلائی ان ہی کے لیے ہے۔ لیکن بغیر شک کے یقیناً ان حواسِ نفسانیہ کے لیے نارِ فراق ہے اور مقامِ لعنت ہے اور بیشک وہ سب شقاوتوں میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں۔

روزِ ازل سے یہ بات سمجھا دی گئی ہے کہ جو نفس کی موافقت کرتا ہے حرام سے نہیں بچ سکتا۔ صدق و صفا اسی بندے متقی کو حاصل ہے جو حرام غذا سے بچا۔ صدق و صفا کے بغیر قربِ الٰہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ دنیا سے بچنے کا نام ہے تقویٰ اور تقوے سے صدق اور صدق سے صفائی باطن اور صفائی سے قربِ بارگاہ اگر یہ مدارجِ ظاہری نہیں ہیں تو باطن کی دعوے دار محض تصنع ہے لَیَسْتَهُمُ الْكَذِبَ ہے۔ اے منزلِ قرب کے متلاشی مسافر۔ دنیا میں ماسوٰی سے روزہ رکھ تاکہ عقبیٰ میں شرابِ لقا سے افطار کر سکے۔ جو نامرادی کے بیابان میں رہ کر مشاہداتِ انوار کی رونقوں کا دعویٰ کرے وہ مُفْرَطُوْنَ میں سے دُرکارہ ہوا ہے۔ مملکتِ اسلامیہ کے بادشاہ فقہاء ہیں اور اہلِ معرفت ان کے وزیر ہیں۔ ان ہی کے تصرف میں خزانۂ رضا ہے۔ یہ ہی سعید روحیں چمنستانِ اُلفت کے غنچوں پر قالُوا بلیٰ کے سچے نغمے سنانے والی ہیں۔ جو لوگ ان سے دور ہیں لَا جَرَمَ اَنَّ لَهُمُ النَّارَ بیشک آتشِ شقاوت ان کے لیے ہے۔ اے بندو یومِ حساب سے پہلے اپنا حساب کر لو۔ دنیا آخرت کا پُل ہے۔ اس کی گزرگاہ بہت مختصر ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ وقت تمہارا انتظار نہیں کرے گا۔ لہٰذا تم وقت کی قدر کر لو۔ رات و دن منزلِ محبوب کی سیڑھیاں ہیں۔ زبان کو کذب سے بند کر لو اور قدموں کو کھول لو اہلِ دنیا کو دن آنے کی خوشی ہوتی ہے۔ لیکن محبانِ حق کو رات کے آنے کی۔ دن والوں کے لیے نار ہے اس لیے کہ نار کا کام دن ہی میں ہوتا ہے۔ شبِ تاریک توفیقِ الٰہی کے چراغِ ہدایت پانے والوں کے لیے نور ہے اور نور کا کام رات میں ہی ہوتا ہے۔ دنیوی دکانیں دن ہی میں کھلتی ہیں۔ لیکن معرفتِ دینی کی دکانیں رات میں کھلتی ہیں۔ اہلِ دنیا لات کے قائل اور خلوتِ شب ان کے لیے مَا یَكْرَهُوْنَ ہے۔ اہل اللہ کے لیے رات ہی وصل کی گھڑی ہے۔ اہل دنیا کو دن کا سُنا پیارا مگر اہل اللہ کو وحدت

کارونا پیارا رشب خلوت کا یہی رونا ہی ہے جس سے آنکھوں کو ہدایت کی روشنی اور قلب کو مضبوط بنیادوں والے عقائد ملتے ہیں ۔نفسِ امارہ کا راستہ اِفراط و تفریط کے گھٹا ٹوپ اندھیرا سے بھرا پڑا ہے ۔اِن سے بچنے کے لیے چراغ قلبی لازم ہے ۔واللہ اعلم تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰۤى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ فَهُوَ وَلِيُّهُمُ الْيَوْمَ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔

اے آسمانِ نبوت کے سراجِ منیر ۔اللہ قہار و جبار کی ازلی قدیمی قسم ہے ہم نے بیشک تیرے رِفعتِ آسمانِ نبوت پر جلوہ افروزی اور زمینِ قلبی کو جگمگانے سے پہلے ۔تمام قوائے ظاہری و عقولِ باطنی کے پاس اپنے وارداتِ الہامی اور بصیرتِ فکری کے رسولانِ اَسرار بھیجے ۔زمین اجسام کی اِن باطنی اُمتوں کے برے اَعمالِ شر و فساد کو شیطانِ نفس نے اُن کے فہم و فکر میں خوبصورت بنادیا ۔تو آج فراق بہجر کی قیامتِ صغریٰ میں وہی نفسِ رذیل اِن کا ساتھی ہے ۔اور اِن سب کے لیے شقاوت و ذلت کا دکھ دینے والا عذاب ہے ۔اے بندۂ راہِ سلوک تیرے یہ ہم نشین ابلیسی ساتھی ہی تیرے بڑے دشمن ہیں ۔اِن کی زینت شہرت تیرے لیے فنا کی موت ہے ان کی محفلوں سے دور بہت دور رہو جا گمنامی کو پسند کر کیونکہ اسی میں امن ہے ۔ناموری اور مشہوری عاشق کی موت ہے دامنِ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی خلوت گاہ میں آنے والا ہی مبارک ہے ۔ہم نے اپنے محبوب ازلی کو فرمایا کہ ۔وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۙ وَهُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۞ وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا ۗ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ۔

اے آستانۂ مطلوب پر ہمیشہ جلوہ فرمانے والے قلب عرشی ہم نے تجھ پر اَوراقِ دہر کی کتاب اَسرار صرف اس لیے اتاری ہے تاکہ حواسِ باطنی عقل و خرد ۔فہم و ہوش ۔نفس و ضمیر کے اختلافیات اور اَعمالِ مختلفہ کو ظاہر واضح بیان کر دے ۔اور یہ کتابِ سینہ و بیانِ قلبی بحرِ توحید کے سفرِ سلوک میں اہلِ ایمان کے لیے رحمتِ قرب اور ہدایتِ مشاہداتِ اَنوار ہے اور اللہ نے زمینِ عقل پر آسمانِ نبوت سے وحی و الہام کا پانی نازل فرمایا ۔جس کے ذریعے ۔خواہشاتِ نفسانیہ سے عقل کی موت اعمال سے بعد ۔تفکراتِ صالحہ کی زندگی عطا فرمائی ۔بیشک سینۂ مومن اور عقلِ عرفانی میں قوتِ سامعہ والوں کے لیے بہت عظیم نشانی ہے ۔اِسی لیے مومن کے لیے دنیا بھی مبارک ہے کہ وہ ریاضت و عبادت تفکر و تدبر ۔محنتِ عرفانی ۔مشقتِ ایمانی کا گھر ہے اور آخرت بھی مبارک کہ لذتِ دیدار الاُدراحت قُرب ۔اور انعاماتِ مشاہدات و جزاءِ اَنوار کا گھر ہے ۔مومن کی دنیا ۔ہدایتِ ربانی اور مومن کی آخرت رحمتِ رحمانی ہے ۔دنیاءِ فقراء بیانِ اَسرار ہے ۔اور دنیاءِ اُمرا فضولیات کا گڑھا ۔صوفیا کو حکم ہے

کر فضول بات کا جواب نہ دو۔ کیونکہ یہ مباحثہ ہے اور مباحثہ ذکرِ الٰہی اور فکر مراقبہ میں رکاوٹ ہے تو سمجھ لے کہ فضول بات کہنا اور کرنا کتنا نقصان ہے۔ بحث مباحثہ بُعد بارگاہ ہے اور تبیانِ کتبِ الٰہی مخلوق پر شفقت ہے اور شفقت ذریعہ ہے قربِ الٰہی کا۔ وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّ دَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآىٕغًا لِّلشّٰرِبِیْنَ وَ مِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَ الْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ اور بیشک تمہارے لیے اے حواسِ باطنی اعضاءِ ظاہری کے انعام وجوارح میں حیرت انگیز عبرتِ طریقت ونصیحتِ شریعت ہیں ان ہی اعضاءِ ظاہری کے اعمالِ بطون اور اندرونی افعال و اقوال سے سستی کس مندی غفلت کے گو برگندگی اور ہزار ہا بیماریوں تکلیفوں غم و پریشانیوں کے خون کے درمیان سے اعمالِ صالحہ واقوالِ پاکیزہ وکردارِ طاہرہ کا خالص دودھ ہم تم کو پلاتے ہیں۔ جو تزکیۂ نفس کے شارہین کے لیے روح کی گہرائیوں میں اُترنے والا ہے اور نخلِ مراقباتِ فکر مدبرانہ سے۔ اور ریاضاتِ شاقہ کے انگوروں سے بھی عبرتِ بندگی ہے۔ اسی تزکیۂ ریاضت سے مستی عشق معرفت اور ظاہری شریعت کا رزقِ حسن حاصل کرتے ہو تم۔ بیشک عقلِ سلیم والوں کے لیے اِن ظاہری باطنی حادثات و اثرات میں شاہکارِ قدرت کے نشان ہیں۔ کہ ان ہی میں صحت ہے ان میں ہی بیماریاں ہیں اور تمام بیماریوں کی نفسیاتی دَوَا موت کی یاد ہے۔ عاقل کا عالم ہونا اور عالم کا زاہد ہونا اپنے اہلِ زمانہ پر رحمت ہے۔ جو عابد زاہد متقی نہ ہووہ عذاب ہے۔ وہ شخص جو سارا دن تقریر کرے اور حق بیانی نہ کرے وہ لِتُبَیِّنَ کی مخالفت کرتا ہے اور اہلِ حقیقت کے نزدیک گونگا ہے۔ اور بغیر دودھ والا جنگلی جانور ہے یا بغیر پھل والا گھریلو درخت ہے جانور جنگلی بے فائدہ بلکہ نقصان دہ ہوتا ہے اور درخت گھریلو بستیوں والا بے پھل کا درخت بے فائدہ نقصان دہ ہوتا ہے۔ اے ایمان والو جو تم میں سے زیادہ عمر والے بوڑھے ہیں وہ زیادہ قابلِ تعظیم ہیں اس لیے کہ مومن کامل متقی زاہد جسقدر بوڑھا ہوتا ہے۔ اس کا ایمان اسی قدر طاقتور ہوتا ہے۔ نیکوں کی زیارت کرو تاکہ ان کی حالت کی اطلاع ہو۔ مومن کی زبان بھی اِلَّا لِتُبَیِّنَ کا مظہر ہے اور اس کی حالت و کیفیت بھی عملی تبلیغ اور عملی بیان ہے۔ اجسامِ عابدین دنیا میں کتابِ مبین ہیں مومن کی خلوت سُکرًا ہے اور جلوت رزقًا حسنًا ہے۔ اور مومن کا وجود آیتِ الٰہیہ ہے۔ اہلِ ایمان ہی قَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ہیں۔ خوش اخلاقی مومن کا دودھ ہے۔ مرشد کے حکم پر چلنے والا مخلص مرید شَارِبِیْن کے گروہ سے ہے۔ حقوق اللہ سدا بہار کھجوریں ہیں اور حقوق العباد موسمی انگور ہیں۔ طالبِ حق کے لیے سب سے بڑی عبادت خوش خُلقی ہے اور خوش خُلقی انیس چیزوں کا نام ہے۔

۱ خندہ پیشانی ۲ سخاوت ۳ کسی کو ایذا نہ دینا ۴ ذاتی اور دنیوی وجہ سے دشمنی دوستی نہ ہو۔
۵ مخلوقِ الٰہی کا راضی رہنا ۶ دینی دنیوی مشقتوں کو سہنا برداشت کرنا ۷ عاجزی سے پیش آنا۔
۸ محرمات سے بچنا ۹ رزقِ حلال کی تلاش ۱۰ اہل وعیال کی پرورش ۱۱ عبادت عادت بن جائے۔
۱۲ اچھی طبیعت اچھے عمل اَخلاقِ حسنہ ہیں ۱۳ جسم کے اربعہ عناصر کی صحت و اعتدال حُسن ہے
روح کے عناصرِ اربعہ کی صحت و اعتدال پر ہونا خوش خُلقی ہے ۱۴ سچا عقیدہ ۱۵ اَعمال میں سادگی
۱۶ نرم وحلال شہوت ۱۷ غضب قابو میں ہونا ۱۸ ایسی عبادت وریاضت جو عادت میں دلکشی پیدا
کردے مومن کی خوش اَخلاقی ہے ۱۹ لوگوں میں ایسا بیٹھنا کہ پہچاننا مشکل ہو۔ ممتاز نہ بنو۔ عارفین
کہتے ہیں کہ شکل اور رنگ میں ظاہری حُسن ہے اَخلاق میں باطنی حُسن ہے۔ جسم کے عناصر آگ پانی مٹی۔ ہوا
ہے۔ اور روح کے عناصر قوتِ عمل۔ قوتِ غضب۔ قوتِ خواہشات۔ اور قوتِ عدل ہے حُسنِ صحبت
درسگاہِ تصوف کا پہلا سبق ہے۔ دنیا جہان کی تمام خوش اَخلاقیاں سیرتِ مصطفٰی پاک میں ہیں صلَّی اللّٰہ علیہ
وآلہٖ وسلّم۔

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ

اور الہام کیا رب نے تمہارے طرف شہد کی مکھی کے یہ کہ بنا تو

اور تمہارے رب نے شہد کی مکھی کو الہام کیا کہ پہاڑوں میں گھر بنا

الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ﴿۶۸﴾

اندر پہاڑوں کے گھروں کو اور اندر درختوں کے اور اندر اس کے جو چھتیں بناتے ہیں انسان

اور درختوں میں اور چھتوں میں پھر ہر قسم کے پھل

ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ

پھر کھا تو سے ہر پھل - پھر روانہ ہو تو فضائی راستوں میں اپنے رب کے

میں سے کھا اور اپنے رب کی راہیں چل کر تیرے لیے نرم و آسان ہیں

ذُلُلًا ؕ يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ

باآسانی نکلتاہے سے پیٹوں اُن کے ایک قسم کا پانی کہ مختلف ہیں

اُس کے پیٹ سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے

اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ

اُس کے رنگ ہیں اُس شفا ہے بیٹے لوگوں کے بیشک ہیں اُس

رنگ برنگ جس میں لوگوں کی تندرستی ہے بیشک اس میں نشانی ہے

لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ﴿۶۹﴾ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ

البتہ نشانِ قدرت ہے لیے اُن لوگوں کے جو غور کرتے ہیں اور اللہ نے تم کو پیدا کیا پھر

دھیان کرنے والوں کو اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا پھر

يَتَوَفّٰىكُمْ ۚ۫ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ

موت دے گا تم کو اور کوئی تم میں سے وہ ہے جو لوٹایا جائے گا طرف کمزور عمر کے

تمہاری جان قبض کرے گا اور تم میں کوئی سب سے ناقص عمر کی

لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ اِنَّ اللّٰهَ

کہ نہ سمجھ رکھے گا ہزاروں علموں کے بعد کچھ بھی بیشک اللہ

طرف پھیرا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد کچھ نہ جانے بیشک اللہ

۹ ع ۵ ۱۵ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ ﴿۷۰﴾ ع

ہی ہمیشہ کا علم والا قدرت والا ہے

سب کچھ جانتا ہے سب کچھ کرسکتا ہے

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں اُن نعمتوں کا ذکر ہوا جو زمینی پیداوار سے حاصل ہوتی ہیں جن میں عجیب قدرتِ الٰہیہ کا شاہکار ہے۔ اَب اِن آیت میں اُس سے بھی عجیب تر ایک نعمت کا ذکر ہے جو ایک چھوٹے کیڑے کی زبان سے حاصل ہوتی ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں زمین کی موت زندگی کا ذکر ہوا تھا اب ان آیات میں انسان کی موت و زندگی کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اُن بڑے جانوروں کا ذکر ہوا جو بھوسہ کھا کر بہترین دودھ بناتے ہیں۔ یہاں اُس چھوٹے کیڑے کا ذکر ہے جو پھولوں کا پھیکا اور کڑوا رس چوس کر بہترین شہد بناتا ہے۔

نزول۔ یہ اکیس آیتیں بیک دم مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں از آیت ۶۸ تا آیت ۸۹ اور اِس کے نزول یا شانِ نزول کا کوئی سبب روایات سے ظاہر نہیں ہوا۔

تفسیر نحوی

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا واؤ سر جملہ۔ اَوْحٰی باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اِیْحَاءٌ۔ بمعنیٰ وحی کرنا یا اِلہام کرنا۔ پیغام دینا۔ ہدایت دینا۔ بات سمجھانا۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں وَحْیٌ سے بنا ہے مادۂ اشتقاق لفیف مفروق ہے۔ رَبُّكَ مرکب اضافی فاعل ہے اَوْحٰی۔ یہ فعل دراصل تھا۔ اَوْحَيَ بروزنِ اَكْرَمَ۔ یاء متحرک کو ماقبل فتحہ کی وجہ سے الف سے بدل دیا۔ اِلٰی جارّہ انتہائیہ الف لام اِستغراقی بمعنیٰ تمام نَحْل۔ اسم مفرد جنسی ہے واحد جمع مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے یہاں واحد مؤنث کیلئے ہے مجرور ہے اِلٰی سے متعلق ہے اَوْحٰی کا متعلق بمعنیٰ شہد کا جانور۔ اَنْ۔ نُونِ ساکنہ کو اگلی عبارت سے جوڑنے کے لیئے جب حرکت دی گئی تو کسرہ آیا اِنِ ہو گیا یہ قانونِ نحو مِنْ جارّہ میں ٹوٹ جاتا ہے۔ اِتَّخِذِیْ۔ بابِ افتعال کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مؤنث۔ مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنانا۔ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ دراصل تھا۔ اِاْتِخَاذٌ مادے کی ہمزہ ثانیہ کو ت بنا کر تاءِ مصدریہ میں مُدْغَم (مشدّد) کر دیا۔ مِنْ جارّہ۔ الف لام جنسی جِبَالِ جمع مکسّر منصرف واحد ہے جَبَلٌ جار مجرور معطوف علیہ ہے۔ بُیُوْتًا۔ فاصلہ ہے جملہ عاطفہ کے درمیان جمع مکسّر ہے بیتٌ کی بمعنیٰ گھر کمرہ۔ کوٹھڑی۔ رات گزارنے کی جگہ۔ بمعنیٰ گھروندا (چھتہ) ہے بحالتِ نصب مفعول بہ ہے اِتَّخِذِیْ کا۔ واؤ عاطفہ مِنْ جارّہ الف لام جنسی شَجَرِ۔ اسم جنسی مفرد ہے جمع کو بھی شامل ہے بمعنیٰ بڑے درخت بحالتِ کسرہ ہے مِنْ سے جار مجرور معطوف ہے جبال پر وَمِمَّا۔ واؤ عاطفہ مِنْ جارّہ یہ تینوں مِنْ بمعنیٰ فِیْ ہے۔ مَا اسم موصولہ یَعْرِشُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا۔ مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب حم

ضمیر جمع غائب مرجع لوگ انسان ہیں۔ عَرْشٌ سے بنا ہے بمعنی چھت بنانا مضبوط۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول کا۔ موصول صلہ مجرور۔ اور عطف ہے جِبَالِ پر۔ اور وہ متعلق ہے سب مل کر اِتَّخِذِیْ کا اور یہ فعل امر جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہے ثُمَّ حرفِ عطف کُلِیْ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مؤنث۔ دراصل تھا اُءْکُلِیْ۔ اَکْلٌ سے بنا ہے بمعنی کھانا۔ نگل جانا، غصب کرنا، غیبت کرنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے مِنْ تبعیضیہ بمعنی تھوڑا تھوڑا۔ کُلِّ اسم تاکیدی مکسور ہے مِنْ جارہ سے۔ مضاف ہے الف لام جنسی بمعنی ہر ایک ثَمَرٰتِ۔ اسم جمع مکسّر۔ واحد ہے ثَمَرَۃٌ۔ بمعنی پھل پھول۔ پھول ہی سے پھل بنتا ہے اس لیے مجازاً پھول کو بھی ثمرات میں بِالتَّبع شامل مانا گیا ہے۔ ثَمَرٌ کا لغوی ترجمہ ہے نتیجہ آخری انجام۔ پھول کا آخری انجام چونکہ پھل ہے اس لیے اس کو ثمر کہا گیا۔ شہد کی مکھی حقیقتاً اور زیادہ تر پھول چوستی ہے۔ یہاں ثمرات یا اس لیے کہا گیا کہ ثمر بمعنی پھول ہے یا اس لیے کہ دونوں کو چوستی ہے۔ یا اس لیے کہ پھولوں میں پھلوں کا ہی جوہر ہوتا ہے تو مسبب بول کر سبب مراد لیا۔ مضاف الیہ ہے کُلِّ کا لہٰذا مجرور ہے۔ مرکب مجرور ہے متعلق ہے کُلِیْ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے فَ حرفِ عطف تعقیبیہ اُسْلُکِیْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مؤنث۔ سُلُوْکٌ سے بنا ہے بمعنی چلنا۔ راہ پکڑنا۔ اختیار کرنا۔ عام ہے ہر طریقہ کو۔ اَنْتِ۔ ضمیر واحد مؤنث حاضر مستتر اس کا فاعل ہے سُبُلَ اسم جمع مکسّر ہے۔ سَبِیْل کی بمعنی کھلا راستہ مضاف ہے رَبِّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا۔ مضاف الیہ ہے ماقبل سُبُلَ کا لہٰذا مجرور اور مضاف ہے مابعد کا۔ کِ ضمیر واحد مؤنث کا جس کا مرجع نحل مؤنث معنوی ہے۔ یہ سب ڈبل مرکب (دوہرا) ذوالحال ہے۔ ذُلُلاً۔ اسم مفرد نکرہ معرب بحالتِ نصب حال ہے۔ اس کی جمع ذُلُوْلٌ۔ مبالغہ کا صیغہ ہے۔ ترجمہ بہت نرم کیا ہوا صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول ہے۔ ذِلٌّ۔ ذُلٌّ مضاف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی ذلیل ہونا۔ کرنا۔ نرم ہونا کرنا۔ سمجھانا۔ نہ بھولا ہوا ہونا۔ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی۔ ذوالحال حال مل کر مفعول فیہ ہوا۔ اُسْلُکِیْ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کُلِیْ پر اور معطوف ہے اِتَّخِذِیْ پر۔ اور وہ سب سے مل کر مفعول بہ ہے اَوْحٰی کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ یَخْرُجُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف خَرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنی نکلنا۔ لازم ہے فعل حال ہے مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے بُطُوْن جمع ہے بَطْنٌ کی بمعنی پیٹ۔ هَا۔ ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع ہے نحل۔ یہ جملہ چونکہ علیحدہ ہے خبریہ اس لیے هَا ضمیر غائب کی آئی۔ جب کہ پہلی عبارت میں نحل کو خطاب تھا مجرور متصل ہے مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہے متعلق ہے یَخْرُجُ کا۔ شَرَابٌ۔ اسم حاصل مصدر بروزنِ فَعَال ثلاثی مصدر ہے۔ ہر پینے کی چیز کو کہا جاتا ہے جو چبانی نہ پڑے۔ شُرْبٌ سے بنا ہے

بمعنی پینا ۔ موصوف ہے ۔ مُخْتَلِفٌ ۔ اسم فاعل واحد مذکر باب افتعال سے ہے مصدر ہے اِخْتِلَافٌ ۔ بمعنے قسم قسم کا ہونا ۔ خُلْفٌ سے بنا ہے ۔ اَلْوَانُ ۔ جمع مکسر ہے لَوْنٌ کا بمعنی رنگ ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل مضاف الیہ اَلْوَانُ کا جنسی مرجع ہے شَرَابٌ ۔ یہ مرکب اضافی فاعل ہے مُخْتَلِفٌ کا اور دہ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے شَرَابٌ کی ۔ فِیْ جارّہ ظرفِ مکانی ۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب لفظی مرجع ہے شراب اس لیے لفظی مناسبت سے یہ ضمیر مذکر لائی گئی ۔ اور پہلے ھَا مؤنث سے جنس شراب مراد ہے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا شِفَاءٌ اسم ثلاثی بروزن فِعَالٌ بمعنی علاج فائدہ ۔ لام جارّہ نفع کا ۔ لِلنَّاسِ اسم جامد جنسی بمعنی آدمی یہ جار مجرور متعلق ہے شِفَاءٌ مصدر کا یہ شبہ جملہ نائب فاعل ہے موجودٌ پوشیدہ کا ۔ اور دہ شبہ جملہ ہو کر حال ہے شَرَابٌ کا ۔ اور یہ سب کچھ مل کر فاعل ہے یَخْرُجُ کا جملہ فعلیہ مکمل ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْـًٔا ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق فِیْ جارّہ ظرفیہ ذٰلِكَ اسم اشارہ مجرور متعلق ہے موجودٌ مقدرہ کے وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہوئی اِنَّ کی اِنَّ تمام جگہ خبر کو تاکید پیدا کرنے کے لیے مقدم کیا گیا ۔ لام مفتوحہ ابتدائیہ اٰیَةً اسم مفرد جامد مؤنث لفظی ۔ بمعنی نشانی علامت مراد ہے نشانِ قدرت ۔ اسم مؤخر ہے اِنَّ کا ۔ اس لیے منصوب نکرہ ہے ۔ لام جارّہ نفع کا قَوْمٍ اسم مفرد نکرہ ممکن موصوف یَتَفَكَّرُوْنَ ۔ باب تَفَعُّلٌ فعل مضارع جمع مذکر غائب ۔ تَفَكُّرٌ مصدر ہے ۔ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی موصوف صفت مجرور ہو کر متعلق ہوا موجودٌ پوشیدہ کا وہ خبرِ مقدم ہے واؤ سرِ جملہ ۔ اَللّٰهُ مفرد مرفوع مبتدا ہے خَلَقَ ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے اَللّٰهُ ۔ كُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے ۔ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ۔ ثُمَّ حرفِ عطف تعقیب مع تراخی کے لیے یَتَوَفّٰى ۔ باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مثبت معروف وَفٰی سے بنا ہے ۔ بمعنی پورا کرنا ۔ مراد ہے زندگی پوری کرنا ۔ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع اَللّٰهُ ہے كُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ معطوف علیہ معطوف خبرِ مبتدا ہے ۔ واؤ سرِ جملہ ۔ ابتدائیہ ۔ یَكُوْنُ فعل تام مضارع پوشیدہ مقدر ہے مِنْكُمْ جار مجرور اس کے متعلق ہے جملہ فعلیہ ہو کر موصوف ہے مَنْ موصولہ کا ۔ یُرَدُّ ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت مجہول بمعنی فعل حال یا مستقبل ۔ رَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی لوٹایا جانا ۔ رکھا جانا ۔ چھوڑا جانا یہاں پہلے معنی میں ہے ھُوَ مستتر اس کا نائب فاعل اِلٰی جارّہ انتہائیہ اَرْذَلِ ۔ اسم تفضیل مذکر رَذْلٌ سے بنا ہے بمعنی کمزور ہونا ۔ گھٹیا ہونا ۔ اَشَدّ بوڑھا ہونا ۔ مضاف ہے لام عہدی عُمُرَ مفرد جامد بمعنی زندگی مضاف الیہ ہے ۔ مرکب اضافی مجرور اور متعلق ہوا یُرَدُّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا ۔ لِكَیْ لام حرفِ جر ۔ كَیْ اسم تاکیدی

سَبِیْلِہٖ بمعنیٰ تکہ اس میں اَن پوشیدہ ہے جس نے آئندہ (ما بعد) مضارع کو نصب دیا۔ بقاعدۂ نحویہ۔ لام کئ حرف ہے عاقبت کا۔ یا جارہ ہے اور لام کئ اسم ناصبہ ہے۔ مدعاء استعمال دونوں کا تحقیق و تاکید ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یُرَدُّ کا لَا یَعْلَمَ باب سَمِعَ سے بحث فعل مضارع مثبت معروف ہے منصوب ہے لام کئ سے۔ هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے بَعْدَ اسم ظرف مضاف ہے عِلْم اسم مصدر ہے بمعنیٰ جاننا مضاف الیہ ہے بَعْدَ کا دونوں متصل مرکب ہو کر ظرف ہے لَا یَعْلَمَ کا شَیْئًا۔ اسم مفرد جامد۔ نکرہ غیر مخصوصہ بمعنیٰ کچھ بھی۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے لَا یَعْلَمَ کا جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے یُرَدُّ کا۔ معلول علت سے مل کر موصول کا صلہ ہوا پھر فاعل ہوا یَکُوْنَ پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق اللّٰہ اسم ہے اِنَّ کا عَلِیْمٌ۔ صفتِ مشبہ بمعنیٰ بہت ہی اور ہمیشہ تک جاننے والا مرفوع ہے قَدِیْرٌ۔ اسم صفتِ مشبہ مبالغہ کے لیے۔ صفتِ خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ عَلِیْمٌ اور قَدِیْرٌ۔ یہ دونوں دو صفتیں ہیں۔ اللہ کی قَدِیْرٌ سے بنا ہے۔ اسی سے ہے قَادِرٌ مگر یہ صفتِ رب تعالیٰ غیر خصوصی ہے قادرٌ اور قدیرٌ میں فرق تین طرح سے ہے۔ پہلا یہ کہ قَدِیْرٌ صرف اللہ تعالیٰ کو کہہ سکتے ہیں۔ کسی دوسرے کو نہیں کہہ سکتے قادرٌ دوسرے کو کہہ سکتے ہیں خواہ عقیدے سے خواہ حقیقت سے دوم یہ کہ۔ قادر اُن کاموں کے کرنے والے بااختیار فاعل کو کہتے ہیں جو ایسے کاموں کو کرنے کا اختیار رکھتا ہو جو اور لوگ بھی کر سکتے ہوں مگر قدیر ایسے کاموں کی ہمت والا جو کوئی نہ کر سکے سوم یہ کہ قادر موجود کام انجام دینے والا۔ قدیر معدوم یا ایجاد والا کام کر سکے۔ مرفوع ہے خبر دوم ہے۔ اِنَّ کی۔ اِنَّ پورا جملہ اسمیہ خبریہ تحقیقیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِیْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِیْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا یَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ بڑے جانوروں سے حیران کن قدرتِ الٰہیہ کے ذریعہ دودھ نکالنا تو سب جانتے ہیں اور دن رات اپنے ہاتھوں سے دوہتے ہیں۔ اس میں تو حکما عقلا اطبا اور محققین نے بہت سی معلومات بھی حاصل کر لی ہیں کہ دودھ کس طرح گوبر اور خون کے درمیان سے چھن کر چلا آتا ہے اور کونسا عضوِ باطنی کونسا کام کرتا ہے۔ لیکن یا رسول اللہ آپ کے رب نے تو ایک حقیر معمولی انتہائی چھوٹے کیڑے کے ذریعے ایسا خالص شہد پیدا فرما دیا کہ آج تک کوئی بھی شہد کی لذت رنگ ڈھنگ اور تاثیر کا مقابل کسی بھی عقل و علم کے ذریعے اپنی کسی تجربہ گاہ (لیبارٹری) یا کارخانے میں پیدا نہ کر سکا۔ اس چھوٹے سے ہوائی پرندے فضائی کیڑے کا نام عربی میں نحل فارسی میں مگس اردو میں شہد کی مکھی انگریزی میں۔ بی (Bee) پنجابی میں ماکھیوں ہے۔ اے نبی آپ کے رب نے

شہد کی مکھی کی طرف وحیِ الہامی فرمائی یعنی ہزاروں سال پہلے سے مدرسۂ قدرت میں اس پرندے کو تعلیم دی کہ تو پہاڑوں کی اونچی چٹانوں پر درختوں کی اونچی شاخوں انگور وغیرہ بیلوں کی اونچی ٹہنیوں پر۔ اور انسانی گھروں کے اونچے شہتیروں پر اپنے اپنے چھتے اور شاندار قسم کے چھ کونے کمرے بنا پھر اس کے بعد ہر دور دراز کے باغ۔ چمن۔ اور جنگلات ہر قسم کے پھلوں سے اپنی غذا کھا۔ اور پیٹ بھر کر اپنے رب تعالیٰ کے فضائی راستوں پر واپس اپنے گھر کو اڑتی چلی آ۔ عاجزی انکساری کے ساتھ آتے جاتے کسی کو ڈنک کے ذریعے ایذا نہ پہنچا۔ اے پیارے نبی معلوم ہے کہ اس ساری کاروائی کے بعد اور نحل کو ہمارے سکھانے پڑھانے اور الہامی وحی پر عمل کرنے کے بعد کیا ہوتا ہے۔ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا۔ ان تمام نحل کے پیٹوں سے ایسا کمال پتلا شیرا نکلتا ہے جن کی سب کی لذت جسمانیت اور مٹھاس اگرچہ ایک جیسی اور برابر ہوتی مگر ان کے رنگ مختلف ہیں کہ بڑی مکھی کا شہد پیلے رنگ کا چھوٹی کا سرخ رنگ کا پھول چوسنے والی کا شہد سفید رنگ کا اور انسانی مٹھائی شکر کھانے والی کے شہد کا ہریالی مائل سرخ سا۔ پھر اس شہد میں صرف میٹھی لذت ہی نہیں بلکہ تمام دنیا کے مختلف مزاجوں طبیعتوں والے انسانوں کی تمام مختلف بیماریوں کے لیے بہترین شفا بھی ہے۔ لفظِ وحی لغوی اور اصطلاحی اعتبار سے قرآن مجید میں کل ۷۴ جگہ ارشاد ہوا ہے اس لحاظ سے وحی چودہ ۱۴ قسم کی ہوتی ہے۔

۱ وحی کلامی ۲ وحی جلی ۳ وحی خفی ۴ وحی منامی ۵ وحی بالواسطہ ۶ وحی بلاواسطہ ۷ وحی نفسی ۸ وحی حقیقی ۹ وحی معنوی ۱۰ وحی کشفی ۱۱ وحی الہامی ۱۲ وحی قلبی ۱۳ وحی روحی ۱۴ وحی صوتی۔ ان تمام مندرجہ بالا اقسام کو رب تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ لیکن سورتِ انعام آیت ۱۱۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ وحی کا لغوی معنیٰ ہے اشارۃً کسی کو بات سمجھانا یا بتانا یا حکم دینا۔ اس معنیٰ سے قرآن مجید نے حضرت ذکریا علیہ السلام کے ایک فرمان کو وحی فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّ عَشِيًّا (سورۃ مریم آیت ۱۱) وحی کا اصطلاحی معنیٰ ہے۔ دل میں بات ڈالنی اگر اللہ کی طرف سے ہو تو اس کو اِلقاءِ اِلہامی کہا جاتا ہے اور یہ ہمیشہ اچھی بات اور اچھے کام کا ہوتا ہے۔ یہ اِلقا۔ انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام علما صلحا بلکہ فجار فساق اور کفار کو بھی رب تعالیٰ ہی کی طرف سے درجہ بدرجہ حیثیت کے مطابق ہوتا ہے۔ دنیا میں جو انسان بھی کوئی دینی دنیوی فلاح و بہبود اور اچھی مفید ایجادات کے کام کر رہا ہے وہ سب رب تعالیٰ ہی کی ہدایتِ باطنی کے اِلقا کی وجہ سے ہے یہ سب علوم و ہنر و عقلیات رب کریم نے ہی بلا امتیاز سب مخلوق کو تعلیم فرمائی۔ اسی تعلیم سِرّی کا نام وحیِ ربانی الہامِ رحمانی ہے اس طرح کی وحی اور الہام انسانوں کے علاوہ

جانوروں کیڑے مکوڑوں چیونٹیوں - پرندوں درندوں کو بھی القاء فرمائے گئے اسی الہام ربانی کی تعلیم سے چڑیاں اور مکڑیں کیسے کیسے عجیب حیران کن گھونسلے اور جالے اور مٹی کے گھروندے بنالیتی ہیں اسی ضمن میں یہاں شہد کی مکھی کو وحی اور الہام کا خصوصیت سے اس لیے ذکر فرمایا گیا کہ نحل کی کارکردگی سے رب تعالیٰ کی ایک عجیب نعمت انسانوں کو ملتی ہے اور جو وحی انبیاء علیہم السلام کی طرف ہوتی ہے اُس کی نوع پہلی اقسام مندرجہ بالا ہیں - جو وحی اولیاء اللہ کو ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں وحی کشفی - قلبی - الہامی اگر القاء بری باتوں کا ہو تو اس کو وسوسہ کہا جاتا ہے يُوحِي بَعْضُهُمْ میں اسی کا ذکر ہے - انبیاء کرام اور بعض اولیاء اللہ کے الہامات دل کی ایک اونچی آواز کی شکل میں ظاہر ہوتے ہیں بعض دفعہ فضاؤں سے غیبی آواز آتی سنائی دیتی ہے نبی اور غیر نبی کی وحی میں چھ طریقے سے فرق ہوتا ہے ۱ انبیا علیہم السلام کو وحی الہٰی کا یقین ہوتا ہے - ۲ وحی لانے والا انبیا سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا ۳ نبی کی خواب بھی جاگنے کی مثل ہے ۴ انبیاء کو ہر وحی کی باقاعدہ آواز آتی ہے صرف القاء نہیں ہوتا ۵ نبی علیہ السلام کو تمام وحی عالم ارواح میں بتائی پڑھائی جاتی ہے ۶ انبیاء کی وحی خفی کا کسی کو پتہ نہیں لگ سکتا نہ فرشتے کو جن وانس کو ملائکہ کو جو وحی ہوتی ہے وہ بھی صوتی ہوتی ہے نہ کہ القائی جو وحی تمام روحوں کو عالم ارواح میں کی گئی خواہ ارواحِ انبیا کو یا عام روحوں کو اس کو وحیِ روحی کہا جاتا ہے - اسی وحی کا ذکر وَاَوْحٰی اِلٰی اُمِّ مُوْسٰی والی آیت میں ہے - نومولود انسانی حیوانی بچوں کو دودھ چوسنے کا طریقہ اور تمام حیوانات پرند چرند و درند کو پرورش اولاد نیز رہائش کی تمام کارکردگی کا سارا طریقہ رب تعالیٰ کی طرف سے اسی وحی الہامی کی القاء پر ہوتا ہے - شہد کی مکھی جو ہزاروں سال سے ایک ہی طریقے پر اپنی پوری عملی زندگی گزار رہی ہے اس کے تمام کام ہی عجیب حیران کن ہیں نحل کا پہلا کام اپنا گھر بنانا ہے - اللہ اکبر کیا قدرت کی کاریگری ہے کہ تقریباً ایک لاکھ نحل کا ایک گروہ ہوتا ہے اور تقریباً چھ دن میں ہزارہا - ایک جیسے برابر خانے مسدس شکل کے بنا دیتی ہیں ایک ملکہ اور ایک ہی اس کا خاوند ہوتا ہے باقی سب مکھیاں بغیر خاوند لاولد ہوتی ہیں - محل نما چھتہ گیارہ کمروں پر مشتمل ہوتا ہے - ۱ ملکہ کی رہائش کا ۲ ایک خاوند کے ساتھ شب باشی کا ۳ ایک کمرہ انڈے دینے کا ۴ اور ایک انڈے سینے کا ۵ ایک کمرہ بچے رہنے کا ۶ ایک کمرہ خاوند کے لیے ۷ ایک ملکہ کا خصوصی عملہ رہنے کے لیے ۸ ایک شہد کا خام ذخیرہ کرنے کے لیے ۹ اور موم خانہ ۱۰ ایک شہد جمع کرنے کے لیے ۱۱ ملکہ کی خوراک کے لیے - یہ چھوٹے مسدس خانے بچوں کی پرورش اور حفاظت کے لیے اس میں سب میں بچے بھرے ہوتے ہیں تمام نحل گیارہ حصوں میں تقسیم ہوتے ہیں ۱ ایک گروہ چھتہ بنانے والا - یعنی

معمار مستری ۲ مزدور پارٹی ۳ چوکیدار گروہ ۴ ملکہ کی حفاظتی گروہ ۵ انڈوں کی حفاظتی جماعت
۶ تمام چھتہ کی صفائی کرنے والا گروہ ۷ مجرم مکھی کو گرفتار اور سزا دینے والا گروہ۔ مجرم مکھی وہ ہے
جو وقتِ مقررہ سے دیر سے آئے یا کسی اور کے چھتے میں غلطی سے چلی جائے وہاں سے اگر جان
بچا سکے اور اپنے گھر میں آئے تو یہاں بھی جان کی خیر نہیں ہوتی ۸ ذخیرۂ شہد کی حفاظتی جماعت
۹ ان گروہوں کی خوراک لانے والا گروہ ۱۰ صحافی گروہ یعنی نزدیکی پھولوں کی خبریں لانے والا گروہ۔
۱۱ سب سے بڑا گروہ پھولوں کا رس چوسنے والا ہوتا ہے۔ یہ اپنا پیٹ بھرنے کے بعد پھر پھولوں
کے رس چوستا ہے ہر گروہ کی مکھی کی خوراک و غذا سے وہی چیز بنتی ہے جو اُس کی ذمہ داری ہو۔
معمار مکھی کے مُنہ سے چھتہ بننے کے اجزا اور موم والے گروہ سے موم اور شہد والے گروہ سے شہد اور اُس کی
خوراک سے بُراز اور جسمانی توانائی اور ڈنگ کا زہر بنتا ہے۔ عجیب کرشمہ ہے کہ ایک ہی پھول کا
ایک ہی پیٹ میں شہد بھی بن رہا ہے زہر بھی اور گندگی بھی۔ نحل مکھی صرف پھولوں پتوں کو چوستی ہے
پھلوں کو نہیں چوس سکتی کہ پھل کا چھلکا سخت ہوتا ہے۔ اور چونکہ پھول سے ہی آخر میں پھل بن جاتا
ہے اس لیے پھولوں کو ثمرات کہا گیا شہد کی مکھی چار قسم کی ہوتی ہے ۱ چھوٹی مکھی ۲ بڑی مکھی ۳ پہاڑی
اور جنگلی مکھی ۴ آبادی والی مکھی۔ ہر قسم اپنے ہی علاقے میں چھتہ بناتی ہے۔ اسی لیے آیتِ پاک
میں چھتہ بنانے کے لیے چار جگہوں کا ذکر ہوا۔ ۱ پہاڑ ۲ درخت ۳ بیلیں ۴ اور انسانی گھر۔
اگرچہ پھول رنگ مزے اور تاثیر میں مختلف ہیں مگر ایک چھتہ کا پورا شہد ایک ہی رنگ کا ہوتا ہے
نیز شہد خانہ ایسا مضبوط اور محفوظ ہوتا ہے کہ آندھی طوفان بارش وغیرہ میں نہ دھول مٹی اندر جائے
نہ بارش اولہ۔ پھول چوسنے کے لیے یہ مکھی تین تین میل دور نکل جاتی ہے مگر راستہ نہیں بھولتی وقتِ مقررہ
پر گھر آتی ہے۔ تمام عملے کے لیے آنے جانے کا وقت اور ڈیوٹی مقرر کرنا ملکہ کا کام ہے۔ شہد کے رنگ
اگرچہ چار قسم کے مختلف ہیں مگر مزہ سب کا ایک طرح کی مٹھاس ہے۔ اور تاثیر بھی سب شہدوں کی ایک
جیسی ہے۔ علاقہ کھلا میدان ہو یا پہاڑی گھنا کھیت ہو یا جنگل۔ نحل کے لیے سب راستے ذُلُلًا یعنی
آسان اور جانے پہچانے ہوتے ہیں۔ گویا وہ رب کے سامنے عاجز مسکین کہ راستے میں کسی کو تکلیف
اور ایذا نہیں دیتی نہ اس کو اُن راستوں میں تکبرانہ غصہ آتا ہے۔ جیسا کہ اس کے علاوہ بھڑ۔ بھونڈ۔
اور بر بر تیا۔ بلاوجہ ڈنگ مار دیتی ہیں یہ ایسا نہیں کرتی حالانکہ اس کا زہر بھڑ وغیرہ سے آٹھ گنا زیادہ
تیز ہوتا ہے اور بڑی نحل کے کاٹنے سے انسان مر بھی جاتا ہے۔ اسی عاجزی کے بدلے میں تمام
راستوں کو اس کے لیے عاجز اور مسخر کر دیا گیا۔ مفسرین نے ذُلُلًا کی یہ دونوں تفسیریں کی ہیں۔ واللہ

رب کریم کا مزید کرم ہے کہ ایک شہد میں ہزار قسم کی بیماریوں کی شفا ہے۔ اور پھر یہ شہد ہزار ہا سال سے دنیا کے ہر سرد گرم خطے میں انسانوں حیوانوں کی خوراک دوائیوں میں استعمال ہو رہا ہے۔ اور اتنی کثرت سے پیدا ہوتا ہے کہ جن علاقوں میں پہلے وقتوں میں گنا۔ یا شکر نہ ہوتی تھی وہاں ہر مٹھائی اور شربت کے لیے یہی شہد استعمال ہوتا تھا۔ کیا انسان ان عجائباتِ خدا تعالیٰ میں غور نہیں کرتا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ۔ بیشک اُس نحل اور اُس کی کارکردگی اِتباع فرماں برداری اور ہماری وحی پر ہزاروں سال سے آج تک ہر نئی مکھی کا مسلسل ایک جیسا کام اور عمل اور ایک ہی ننھے سے پیٹ میں فضلہ۔ زہر اور میٹھا شہد ہے اور ایک صحیح روایت کے مطابق ہر مکھی درود شریف پڑھتی جاتی آتی ہے اس لیے پھولوں کا کڑوا رس میٹھا شہد بن جاتا ہے ان سب باتوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ عجیبہ بہت اعلیٰ نشانی ہے۔ لیکن اُن لوگوں کے لیے جو رب تعالیٰ کے پیارے بندے ان چیزوں میں ایمانی عرفانی غور فکر کرتے رہتے ہیں وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ یَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰۤى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَیْ لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَیْــٴًـا اِنَّ اللّٰهَ عَلِیْمٌ قَدِیْرٌ ۔ اے انسانو قدرتِ الٰہیہ کی اتنی بڑی بڑی اور چھوٹی چھوٹی صنعتیں نعمتیں دیکھنے اور پا لینے کے بعد ذرا اپنی حالت پر بھی غور کرو کہ کس حقیر نطفے سے تم کو اللہ نے پیدا کیا پھر مُضغہ علقہ اور حمل بنانے کے بعد پہلے بچہ پھر نابالغ پھر نوجوان پھر جوان شاب پھر بوڑھا شیخ پھر کہول پھر شیوخ پھر ھَرَم۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو بوڑھا کر کے مارا جائے بلکہ اللہ قادر و قیوم جس وقت چاہتا ہے جس کو تم میں سے وفات دے دیتا ہے۔ اور تم میں بہت سے وہ لوگ بھی ہیں جو عمر کی انتہائی کمزور ذلیل اور بے بسی بے کسی کی بچوں جیسی حالت کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تاکہ اپنی جوانی کے سارے سیکھے ہوئے علوم و فنون شہ زوری سپہ گری و فنون دانی کے بعد پھر کچھ بھی نہ جانیں اور پھر جاہل کے جاہل رہ جائیں۔ یہ سب کچھ قادرِ مطلق کے حکم وارادے سے ہو رہا ہے بیشک اللہ جاننے والا ہے کہ کس کو کتنی عمر دی جانی چاہیے۔ اور پوری طرح ہر وقت قدرت و طاقت والا ہے چاہے تو شہ زور پہلوان کو عین بھرپور جوانی میں موت دے دے اور بوڑھے کھوسٹ شیخ فانی کو جو بستر پر کروٹ بدلنے میں بھی کسی سہارے کا محتاج ہو اس کو زندہ رکھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ انسانی زندگی آٹھ عمروں میں تقسیم ہوتی ہے۔

۱ حمل کی زندگی چھ ماہ سے دو سال تک ۲ شیر خوارگی دو سال ۳ نابالغی بارہ سال یا نو سال تک ۴ نوجوانی ۳۵ سال تک بوڑھا شیخ ساٹھ سال تک ۵ کہولت ستر سال تک ۶ شیخ عمر نوے سال تک ۷ شیخ فانی نوے کے بعد شروع ۸ ارذلِ عمر سو سال اور اس سے آگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

اسی عمر سے رب کی پناہ مانگتے تھے۔ آپ کے دعائیہ الفاظ اس طرح ہیں اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ سُوْءِ الْعُمُرِ. وَمِنْ اَنْ اُرَدَّ اِلٰى اَرْذَلِ الْعُمُرِ. حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جو روزانہ تاعمر قرآن مجید کی تلاوت کرتا رہے اُس کو رب تعالیٰ ارذل عمر نہیں دے گا۔ دھریہ کفار کہتے ہیں کہ عالم میں جو کچھ ہو رہا ہے خود بخود مادے اور طبیعت کی بنا پر ہو رہا ہے اس طرح کہ انسان بنا ہے۔ مادۂ منویہ اور خون سے ان دونوں کی طبیعت گرم اور تر ہے ان سے ہڈی پٹھے گوشت پوست بنتا ہے۔ جب تک بدن کی رطوبت بدنی حرارت پر غالب رہتی ہے بدن کے اندرونی بیرونی اعضا بڑھتے رہتے ہیں۔ اسی کو جوانی اور بچپن کا نام دیا جاتا ہے عمر کے پینتیس ۳۵ سال اسی طرح گزرتے ہیں پھر اس عمر کے بعد چالیس سال رطوبت و حرارت کی دونوں قوتیں برابر ہو جاتی ہیں اور بدن کی نشوونما ٹھہر جاتی ہے۔ پھر رطوبت گھٹتی جاتی ہے مگر بہت خفیف اس کا نام کہولت ہے۔ یہ ساٹھ سال عمر سے ستر سال تک رہتی ہے۔ پھر یہ رطوبت تیزی سے ظاہر ظہور گھٹتی ہے اسی کو شیخ فانی اور ارذل عمر کہا جاتا ہے یہ کیفیت ایک سو بیس ۱۲۰ سال کی عمر تک ہوتی ہے پس یہی عقلیات و تخیلات ہیں جن کی بنا پر یہ احمق لوگ ذات باری تعالیٰ کے منکر ہوئے پھرتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ تحقیق درست بھی ہو تب بھی پوچھا جاسکتا ہے کہ یہ چیزیں تو مادے اور طبیعت سے بنتی چلی جاتی ہیں مگر مادہ اور طبیعت کس نے پیدا کیا۔ اس میں شعور تو نہیں ہے۔ اور پھر موت و زندگی کی یہ کیفیت مختلف کیونکہ اگر رطوبت ہی پر زندگانی کا دار و مدار ہو تو جوانی میں موت کیوں آتی ہے۔ یہاں کس احسن طریقے سے دھریت کی اس دلیل کو توڑا گیا ہے۔ ایک چھوٹے سے جملے نے پوری کفر کی دنیا کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ اللہ کی بارگاہ میں وہ انسان بہت ہی قابلِ قدر ہے اور معزز ہے جو اپنے وجود سے دوسروں کو فائدہ پہنچائے دیکھو دنیا میں بیشمار کیڑے مکوڑے مکھیاں مچھر ہیں بھڑیں۔ بھونڈ۔ اور ڈیموں ہیں مگر رب تعالیٰ نے اپنے قرآن مجید میں کسی کا تذکرہ اور تعلیم الٰہی کا ذکر نہیں فرمایا یہ امتیازی خصوصیت کیڑوں میں صرف شہد کی مکھی کو نصیب ہوئی۔ اس لیے کہ اُس کے وجود سے مخلوقِ الٰہیہ خاص کر انسانوں کو کثیر فوائد ہیں۔ اسی بنا پر خود رب نے اُس کو وحی تعلیم فرمائی حالانکہ یہ دنیوی حقیر فانی فائدہ ہے۔ تو سمجھ لو کہ جس کے وجود سے اہلِ دنیا کو علم عقل اور معرفتِ الٰہیہ شریعت طریقت اور فہمِ قرآن و حدیث کا فائدہ پہنچتا ہو اس کا درجہ اور فضیلت بھی باقی مخلوق سے زیادہ ہے۔ اور ایسے ایمان والوں کو بھی خود رب تعالیٰ ہی سکھاتا پڑھاتا ہے۔ اور اسرارِ خفی کے پیغام پہنچاتا ہے۔ اسی لیے علما اور اولیا صوفیا کا مقام دوسروں سے بلند و بالا ہے۔ یہ فائدہ وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ دنیا کے تمام علوم کو فنا ہے

اور انسان دینوی علوم بڑھاپے میں بھول جاتا ہے۔ مگر جو علم رب تعالیٰ خود بندے کو عطا فرمائے وہ کبھی کسی عمر میں بھی بندے کو نہیں بھولتا نہ وہ علم فنا ہو سکے۔ لہٰذا علم نبوّت اور اُس کے وسیلے سے علم ولایت کبھی عمر میں فنا اور ختم نہیں ہوتا۔ انبیاء کرام کا علم رب تعالیٰ کے پڑھانے عطا فرمانے سے سدا بہار ہے اور اولیاء اللہ کا علم انبیاء کرام کے پڑھانے سے دائمی ہے یہ فائدہ بھی وَاَوْحٰی رَبُّكَ سے حاصل ہوا دیکھو شہد کی مکھی بوڑھی ہونے تک رب تعالیٰ کے دیئے ہوئے اِس الہامی علم کو نہیں بھولتی۔ اگرچہ بڑھاپے کی وجہ سے اُس کے اندر پیٹ سے نکلے ہوئے شہد کا رنگ تیز سرخ ہو جاتا ہے۔ حکما اور طبیب حضرات فرماتے ہیں کہ۔ جوان مکھی کا شہد سفید ادھیڑ عمر کا شہد پیلا اور بوڑھی کا شہد سرخ رنگ کا ہوتا ہے۔ ہر مکھی تین دفعہ ہی شہد بناتی ہے پھر مر جاتی ہے۔ نیز ایک چھتے کی سب مکھیاں تین دن میں پیدا ہوتی ہیں سب ساتھ ہی جوان اور ساتھ ہی ادھیڑ اور ساتھ ہی بوڑھی ہوتی ہیں اور آخری شہد بنا کر تین چار دن میں ہی مر جاتی ہے تجربہ کار لوگوں نے ایک ہی چھتے کا تین مرتبہ مختلف سفید پیلا سرخ رنگ دیکھ کر ہی یہ فیصلہ کیا ہے۔ کئی علاقوں کی مکھیوں کے شہد ہلکا سبز اور تیز سیاہ بھی دیکھا گیا۔ مگر شاذ و نادر۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے تیز پیلا سبزی مائل اور تیز سرخ چیز سیاہی مائل ہو جاتی ہے۔ بہرکیف اصلاً شہد کے تین ہی رنگ مشہور اور عام دستیاب ہیں۔ مگر یہ تبدیلی رنگ مختلف پھولوں کی بنا پر نہیں بلکہ مکھی کی عمر کی بنا پر ہوتا ہے۔ تیسرا فائدہ۔ یہ آیت اور نحل کے شہد کا تذکرہ قیامت کی زندگی پر مضبوط دلیل ہے۔ وہ اس طرح کہ جو قادر و قیوم اللہ۔ مختلف پھولوں کے پھیکے رس کو جمع کر کے ایک عجیب لذت کا شہد بنا سکتا ہے وہ مولیٰ تعالیٰ انسان کی بکھری ہڈیوں کو خاک راکھ بنائے ہوئے انسانی جسم کو جمع کر کے پہلے جیسا انسان بھی بنا سکتا ہے یہ فائدہ شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ نیک متقی بندوں کے کام رب تعالیٰ کے ہی کام ہیں اس لیے کہ وہ بندے رب کی قوت رب کے حکم سے ہی کرتے ہیں یہ فائدہ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیا میں کوئی ایسا جانور نہیں ہے جو خود تو حرام ہو۔ شریعت میں اس کا کھانا حرام ہو۔ مگر اُس کے جسم سے نکلی ہوئی چیز حلال ہو۔ سوائے شہد کی مکھی کے۔ کہ خود شہد کی مکھی کو کھانا حرام مگر اُس کے پیٹ سے نکلا ہوا شہد کھانا حلال و جائز ہے۔ یہ حیرت انگیز قانون کسی اور جانور میں نہیں ہے۔ یہ مسئلہ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ صرف اُس کے پیٹ کا شہد حلال ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ جو جانور حرام ہیں اُن کی ہر چیز یہاں تک کہ دودھ۔ تھوک پسینہ بھی حرام ہے۔ اور جو جانور حلال ہیں اُن کے دودھ پسینے تھوک بھی حلال اور پاک ہیں طیب

اور طاہر ہاں البتہ۔ حلال جانور کی بھی قے۔ اور بول براز حرام ہے۔ یعنی کسی جانور کی بھی کھائی ہوئی غذا پیٹ میں پہنچنے کے بعد قے کے ذریعے خواہ خود قے کرے یا ہو جائے۔ حرام ہے اسی طرح پچھلے راستے سے نکلنے پر بھی حرام ہے بول بن کر نکلے یا براز فضلہ یا بغیر ہضم ثابت ہی نکل آئے۔ تمام ائمہ مجتہدین اور فقہا کا اس میں اتفاق ہے۔ نیز محققین کا اس میں اختلاف ہے کہ شہد کی مکھی شہد کو قے کے طریقے سے نکالتی ہے یا انڈے کی مثل پچھلے راستے سے اکثریت اس پہ ہے کہ قے کے طریقے سے منہ کے راستے نکالتی ہے۔ کچھ کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ پچھلے راستے سے۔ واللہ اعلم۔ یہ تمام مسئلے فِيهِ شِفَآءٌ لِلنَّاسِ فرمانے سے مستنبط ہوئے **تیسرا مسئلہ**۔ جب شہد کی مکھی کی قے یا براز حلال طیب ہوا بلکہ شفاء بیماری بن گیا تو انبیاء کرام کے بول و براز بھی گندگی نہیں بلکہ طیب طاہر اور پاک ہیں۔ اس لیے کہ بہر حال نبوت کی شان مکھی سے کروڑوں درجے زیادہ ہیں۔ کسی کپڑے پر شہید کا خون لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ تو کسی نبی علیہ السلام کا خون۔ بول۔ براز لگ جائے تو بھی ناپاک نہیں ہوگا۔ بلکہ یہ سب چیزیں حلال بھی رہیں گی۔ یہ مسئلہ بھی فِيهِ شِفَآءٌ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک شہد کی مکھی کی تجارت جائز ہے۔ جب کہ دوسرے کسی کیڑے مکوڑے سانپ بچھو کی تجارت حرام ہے۔ دیگر ائمہ ثلاثہ کے نزدیک شہد کی مکھی کو بھی بیچنا خریدنا اور اس بیوپار۔ کاروبار کی قیمت کھانا برتنا منع ہے۔ یہ مسئلہ اَنِ اتَّخِذِيْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ جب اس کو ہر جگہ گھر بنانا جائز ہوا رب تعالیٰ کی طرف سے اس کو کھلی اجازت ہے۔ تو اس کے لیے گھر بنوانا اور یہ کاروبار بھی جائز ہوا۔

پانچواں مسئلہ۔ شہد کی مکھی کو مارنا قتل کرنا۔ اور اس کے آباد گھر توڑنے ناجائز ہیں۔ یہ مسئلہ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ سے مستنبط ہوا۔ کہ یہ ہر جگہ جا کر سب کچھ کھا سکتی ہے۔ اللہ کی بھیجی ہوئی مہمان ہے۔ چھتے میں اللہ تعالیٰ کا کام کر رہی ہے۔ اس کو قتل کرنے والا ظالم ہوگا۔ اور ظلم حرام ہے نیز اسی طرح جو انسان بھی کسی وقت اللہ کے کام میں لگا ہو اللہ کے قرآنی یا حدیثی حکم سے۔ اس کو ستانا بھی ناجائز ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا حالانکہ چاہیے تھا کہ فِي الْجِبَالِ ہوتا۔ تینوں جگہ مِنْ کے بجائے فِيْ ہونا چاہیے تھا۔ کیونکہ یہاں ظرفیت فِيْ سے بنتی ہے۔

جواب۔ یہاں مِنْ بعضیت کو بتانے آیا ہے۔ یعنی تمام پہاڑوں پر یا پہاڑ کی تمام جگہوں پر بکھر کر

گھر نہیں بناتا۔ پہاڑ کی بعض مخصوص و محفوظ جگہ پر بناتا ہے۔ اِسی طرح کسی باغ کے بڑے درخت کی اونچی اور بڑی شاخ پر گھر بناؤ۔ یہی حکم گھروں میں چھتہ بنانے کا ہے۔ للٰہذا مِنْ کہنا بہر مناسب ہے۔ فِیْ کہنا درست نہیں۔ اس لیے کہ فِیْ سے صرف ظرفیت ہی ثابت ہوتی جس سے بلندی ثابت نہیں ہوتی بلکہ اگر کبھی فِیْ بول کر بلندی مراد لی جائے تو فِیْ بمعنیٰ عَلٰی کہنا پڑتا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِس میں لوگوں کے لیے شفاء ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کی ہر بیماری کے لیے شہد میں شفاء ہے۔ حالانکہ صفرائی بیماری اور پتے کے ہیجان کی بیماری میں شہد سخت نقصان دِہ ہے۔ اسی طرح پیچش اور دست کی بیماری میں شہد کھانے سے بیماری زیادہ ہو جاتی ہے تو یہ کیونکر درست ہوا۔ **جواب۔** تفسیر کبیر نے جواب دیا کہ یہاں مراد انسان کی وہ چھوٹی موٹی بیماریاں ہیں جو اکثر موسمیات کی تبدیلیوں سے پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ مثلاً جاڑا بخار نزلہ۔ کھانسی خشک و تر۔ دمہ وغیرہ۔ تمام بیماریاں یا اَمراضِ پیچیدہ مراد نہیں لیکن حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ بیمار میں اگر ذرا صبر ہو اور ڈاکٹر۔ حکیم حاذِق ہو۔ تو شہد بہت سے خصوصی اور پیچیدہ اَمراض میں بھی شفا ہے۔ بلکہ بہت سی گولیوں۔ دوائیوں۔ معجونوں میں شہد ہی استعمال کیا جاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض۔** یہاں فرمایا گیا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ (الخ) اس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر انسان پر مسلم غیر مسلم۔ نیک و بد۔ عابد پر۔ ایسا وقت آ سکتا ہے۔ حالانکہ احادیث میں حضرت ابنِ عباس اور حضرت عکرمہ کا قول منقول ہے کہ متقی عابد زاہد۔ ہر روز تلاوت کرنے والے اَرذلِ عمر میں صحتِ عقل میں رہتا ہے۔ **جواب۔** اگرچہ مفسرین اِس کے بارے میں بھی چند اقوال بیان کرتے ہیں مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ متقی انسان کو رب تعالیٰ۔ بڑھاپے کی ارذلِ عمر میں کم عقلی میں مبتلا نہیں فرماتا۔ چنانچہ قرآن مجید نے بھی ارشاد فرمایا ثُمَّ رَدَدْنٰهُ اَسْفَلَ سٰفِلِيْنَ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (الخ) ہاں البتہ فاسق فاجر بدکردار مسلمانوں کو بھی ارذلِ عمر کی دیوانگی اور جہالت پہنچ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ فرمائے۔ حضرت والدِ محترم حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ بڑھاپے کا سٹھیا ہوا اپنے دین و ایمان سے بھی کئی دفعہ ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ ثُمَّ كُلِيْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِيْ سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلًا۔ اے قلوبِ عرش کے محبوب تیرے رب نے اَزْواجِ نحل کی طرف وحی فرمائی کہ دماغِ انسانی کی چٹانوں غاروں۔ تصورات

کی اونچی چوٹیوں میں خلوت خانۂ اسرار بنالے اور اعضاء جسم کے شجرات اور خواہشات نفس کے جنگلات میں بھی بیعت حیات قائم فرما۔ اور عقل کے خانوں میں بھی تسلط قائم فرما۔ پھر چمن قرآن کے سدا بہار پھولوں اور احادیث طیبات کے غنچوں پر کُن کے چھتوں سے۔ تالوا بلیٰ کے پودوں پر اُڑ کر توحید کے باغوں میں۔ ارواح شہد کی مکھیاں آئیں تاکہ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کی شاخوں سے معرفت کے پھل محبت الٰہی کے پھول۔ ذکر اللہ شگوفوں سے خلوص عبادت کا رس چوس لیں۔ اور وصل کی کلیوں سے لذت عشق کا طعام نور حاصل کرلیں۔ اور مقام قدس میں اپنا گھر بنائیں۔ اور درگاہ علو کے صراط قرب اور سُبل مشاہدات سے گزر کر وصل کی منزل کی طرف چلے۔ اور ہمت عالیہ کے بطن سے۔ يَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔ حضوری درگاہ کا جو شہد خلوص نکلتا ہے۔ اُس کو مظہر قضاؤ قدر کے ہاتھوں سے مقام علیا پر دماغ ناسوتی کے خانوں کو فہم و ادراک۔ علم و عرفان کے مختلف رنگ والے شہد سے بھر دے۔ شاہکار قدرت کے اِس شہد امر ذہبی میں نفس انسانی کے ہزار ہا امراض فنا کے لیے شفاء بقا ہے۔ اللہ تعالیٰ رب کائنات نے نحل روح کو وحی کی کہ جسم انسانی حجر نفس شجر قلب۔ یعرشون کے کمروں میں۔ نہایت عاجزی و ذلت سے راہ طریقت پر چلے۔ شریعت کے پھل کھلائے اور انوار حقیقت کے غنچوں کا فائدہ حاصل کرے۔ بیشک اِن روحوں اور اعمال روحانی میں۔ فطرت قدیمی کی بڑی نشانی ہے۔ فکر باطنی اور تدبر بستری اور عقل یزدانی والوں کے لیے۔ وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ اے عقول جسمانی اور دانش طغیانی۔ تم سب کو حیات قلبی سے اللہ نے پیدا فرمایا پھر نفس امّارہ کی موت سے تم کو وفات دے گا۔ اور تم میں سے کثیر وہ ہیں جو طبیعت رذیلہ کی طرف پھیرے جائیں گے تاکہ علم معرفت اور نور ایمانی کے بعد پھر ظلمت جہالت میں ایسے گر پڑیں کہ فکر و تدبر۔ بصارت قلبی۔ بصیرت ذہنی کچھ بھی باقی نہ رہے۔ بیشک اللہ ہی کی ذات اقدس ہے جو ازل سے ابد تک ہر شقی و سعید۔ مخلص و مرتد مغرور و مقہور کو جاننے والا ہے۔ اور ہر فیصلہ خفی و جلی پر قادر ہے۔ دنیوی زندگی میں نزول بلا و مصیبت ہلاکت کے لیے نہیں بلکہ امتحان کے لیے ہوتا ہے۔ یہ جہان امتحان گاہ ربانی ہے یہاں کی ہر چیز امتحان ہے۔ موت و حیات وفات و بقا۔ چھوٹی اور لمبی عمریں بچپن جوانی بڑھاپا۔ غیر محرم پر نگاہ پڑ جائے تو نگاہ بند کرے تاکہ ثواب پائے۔ بدترین وہ ہے جو توبہ کی اُمید پر گناہ اور زندگی کی اُمید پر توبہ کرتا ہے جب تک نظر نہ اُٹھے تو پاک ہے۔ خوش قسمت وہ ہے جس کی زبان ذاکر دل شاکر اور عقل فرماں بردار ہو۔ صوفیاء کرام فرماتے

میں کہ رب تعالیٰ نے انسان کو دو نعمتیں عطا فرمائیں ۔ ۱ عقل ۲ علم ۔ لیکن جب لمبی عمر ہو جائے تو علم ختم ہو جاتا ہے اور اگر لمبی خواہشات ہو جائیں تو عقل ختم ہو جاتی ہے ۔ بے علمی روحانی موت ہے ۔ جس طرح مردہ جسم بے فائدہ ہوتا ہے اسی طرح بے عمل عالم بے فائدہ ہے ۔ بلکہ بے عمل عالم مثل پارس کے ہے جو دوسرے پتھر کو سونا بنا دیتا ہے مگر خود پتھر ہی رہتا ہے ۔ ظاہر باطن کا نمونہ ہے اجسام انسان بلکہ مخلوقِ الٰہی کے لیے سب سے زیادہ نقصان و مصیبت دنیا پرست لالچی انسان ہے ۔ پھر عالم بے عمل پھر ریاکار صوفی اور پیر ہے ۔ جب خواہشاتِ نفس اَرذل عمر ہو جاتی ہیں تو عقل مزاجی لَا یَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ ۔ کے درجے میں چلی جاتی ہے ۔ اس لیے جاہل شخص کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا ۔ اعمالِ صالحہ میں سب سے بلندی مرتبہ سخاوت کا ہے اور سخاوت یہ ہے کہ اپنی ضرورت سے پہلے غیر کی حاجت روائی اور مشکلکشائی کرے ۔ اہلُ اللہ کا وجود ہی کرامت ہے ۔ اسی لیے اُن کی زندگی سعادت ہے ۔ اُن کی وفات کرامت ہے اور اُن کی آرذل عمر بلاکت ہے ۔ اس لیے کہ دنیا اور دنیوی زندگی وہ نجاست ہے جو خود صورتی میں لپیٹی گئی ہے ۔ شریعت میں اَرذلِ عمر بڑھاپے کی زندگی ہے مگر طریقت میں ارذلِ عمر نفس کی زندگی ہے ۔ نفس کا شر شیطان کے شر سے زیادہ سخت ہے اس لیے کہ ابلیس شیطان ضروریاتِ زندگی میں پھنساتا ہے اور نفس فضولیاتِ زندگی میں پھنساتا ہے ۔ ضروریاتِ زندگی دنیا نہیں ہے دنیا ہر وہ چیز ہے جو ضرورت سے زیادہ ہو ۔ صوفی وہ ہے جو دونوں سے کنارہ کش ہو جائے ۔ ضروریات میں پھنسنا گناہِ صغیرہ ہے ۔ اور فضولیات میں پھنسنا گناہِ کبیرہ ہے ۔ اے بندے گناہِ صغیرہ سے بچ جا کیونکہ وہ گناہِ کبیرہ کی سیڑھی ہے اور گناہِ کبیرہ سے بھی بچ کیونکہ وہ کفر کی سیڑھی ہے ۔ باطنی کفر جہالت ہے اور بے عقلی گناہِ صغیرہ ہے ۔ نفسانی خواہشات گناہِ کبیرہ ہیں ۔ تصوراتِ باطل قلب کی وفات ہے عشقِ قلب کی اَرذل عمر ہے کیونکہ ماسوا اللہ کو بھول جاتا ہے قلبِ عاشق آتشِ محبت سے دھکتا ہے اس لیے سب خیالات خاکستر ہو جاتے ہیں آتشِ عشق سے زیادہ تیز کوئی آگ نہیں مگر عاشق مثل دریا ہے جو سمندر کے قُرب کی بنا پر خاموش ہوتا ہے ۔ بچپنہ ابلیس کا ہے اور جوانی نفس کی ہے اور بڑھاپا عقل کا ہے ۔ جو ابلیس کے راستے پر ہے وہ بچہ اگرچہ بوڑھا ہو جو نفس کے ماتحت ہے وہ جوانی کی جہالت میں ہے اگرچہ عمر رسیدہ بوڑھا بزرگ ہو جائے جو اہلِ عقل ہے وہ بزرگ ہے خواہ عمر چھوٹی ہو ۔ حضرت سعدیؒ نے فرمایا بزرگی بعقل است نہ بسال و امیری از دل است نہ بمال ۔ یعنی بزرگ اور پیشوا رہنما ہونا عقلِ ایمانی و فکرِ عرفانی سے ہوتا ہے نہ کہ لمبی عمر ہو جانے سے جیسے کہ امیر اور دولت مند ہونا قلب سخاوت اور دلِ فیاض سے ہے نہ کہ بہت زیادہ مال جمع کر لینے سے ۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ

اور اللہ نے بلندی دی کسی کو تم میں سے پر کسی کے ۔ میں دولت

اور اللہ نے تم میں ایک کو دوسرے پر رزق میں بڑائی دی

فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا

تو کیا جو بڑائی دیئے گئے ہیں لوٹانے والوں سے ہیں اپنا مال طرف اس آدمی کے کہ

تو جنہیں بڑائی دی ہے وہ اپنا رزق اپنے باندی غلاموں کو

مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ؕ اَفَبِنِعْمَةِ

جس آدمی کے مالک بن گئے ہیں اُن کے ہاتھ تو وہ میں دولت برابر ہو جائیں کیا پس سے انعام

نہ پھیر دیں گے کہ وہ سب اس میں برابر ہو جائیں تو کیا اللہ کی

اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۷۱﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

اللہ کے منکر ہو سکتے ہیں ۔ اور اللہ نے بنایا لیے تمہارے سے

نعمت سے مکرتے ہیں ۔ اور اللہ نے تمہارے لیے تمہاری جنس سے

اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ

جنہیں تمہاری بیویاں اور بنائے لیے تمہارے ۔ ذریعے

عورتیں بنائیں اور تمہارے لیے تمہاری عورتوں سے

اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ

بیویوں کے تمہاری ۔ بیٹے اور اگلی نسل اور رزق دیا تم کو

بیٹے اور پوتے نواسے پیدا کیے اور تمہیں ستھری چیزوں

مِّنَ الطَّيِّبٰتِ ۭ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ

سے پاکیزہ تو کیا اب بھی کفر کو مانیں گے اور سے نعمت

سے روزی دی تو کیا جھوٹی بات پر یقین لاتے ہیں اور اللہ کے فضل

اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ ۝۷۲ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ

اللہ کی وہ کافر ہوں گے اور پوجتے رہیں گے غیر خدا کو

سے منکر ہوتے ہیں اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے

اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ

جو نہیں مالک ہے لیے اُن کے رزق کا طرف سے آسمانوں

ہیں جو انہیں آسمان اور زمین سے کچھ بھی روزی

وَالْاَرْضِ شَيْــًٔا وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۝۷۳

اور زمین کے کچھ بھی اور نہ وہ طاقت رکھتے ہیں ذرہ بھر

دینے کا اختیار نہیں رکھتے نہ کچھ کر سکتے ہیں۔

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مختلف قسم کے رزقوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں مختلف قسم کے رزق والے لوگوں کا ذکر کیا گیا تاکہ لوگوں کی مختلف حالتوں کا پتہ لگ جائے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں زمینی پیداوار کا ذکر کیا گیا تھا اب ان آیت میں خود انسانی پیداوار کا ذکر کیا گیا۔ کیونکہ بیوی بچے انسانی پیداوار ہیں **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسان کی بڑھاپے والی زندگی کا ذکر کیا گیا جس میں انسان بہت سی چیزوں کا محتاج ہو جاتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ کی اُس نعمت کا ذکر ہے جو انسان کو ایسی مصیبت اور محتاجی کے وقت کام آتی ہے یعنی بیوی بچے۔
شانِ نزول۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباس سے روایت کیا کہ ایک قریشی کافر مکے میں تھا اُس کا ایک غلام

اور ایک غلام عثمان غنی کا تھا۔ مگر وہ غلام کافر تھا اسلام کو اچھا نہ سمجھتا تھا۔ اس کافر کا غلام مسلمان تھا مگر مجبور تھا۔ ان کے حالات کی ان پانچ آیتوں میں کہاوت بیان ہوئی از آیت ۷۲ تا ۷۶۔

تفسیر نحوی

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ ۚ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ

واؤ مبر جملہ اَللّٰہُ بحالتِ رفع مبتدا ہے فَضَّلَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اَللّٰہُ ہے مصدر ہے تفضیلٌ۔ فَضْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنٰی ضرورت سے زیادہ دینا۔ تفضیل ہے اور ضرورت سے زیادہ ملنا فَضْل ہے۔ فضل کی تین قسمیں ہیں۔ ۱ جنسی۔ ۲ نوعی ۳ ذاتی۔ یہاں ذاتی مراد ہے۔ بَعْضَکُمْ مرکب اضافی بحالتِ رفع فاعل ہے فَضَّلَ کا۔ بَعْضَ اسم مفرد جامد بمعنٰی کچھ۔ جو کم سے کم ایک فرد ہے اور زیادہ سے زیادہ نصف سے کم۔ عَلٰی جارّہ بعض مجرور نکرہ معرب۔ جار مجرور متعلق ہے فَضَّلَ کا۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ۔ الف لام جنسی رِزْقٌ۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنٰی روزی۔ مال دولت۔ غذا۔ مجرور ہے فِیْ سے متعلق ہے دوسرا فَضَّلَ کا۔ فَ۔ ابتدائیہ مَا نافیہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مراد ہے بَعْضَکُمْ فُضِّلُوْا باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر نائب فاعل جس کا مرجع بَعْضَ ہے۔ بِ جارّہ زائدہ رَادِّیْ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ دراصل تھا رَادِّیْنَ۔ نونِ اعرابی علامتِ جمع گر گیا مضاف ہونے کی وجہ سے باب نَصَرَ سے رَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے۔ لوٹانے والا۔ رد کرنے والا۔ رِزْقِ اسم جامد بمعنٰی۔ روزی۔ مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے رَادِّیْ کا۔ اور وہ جار مجرور متعلق ہے فُضِّلُوْا کا۔ مگر ایک دوسری ترکیب اس طرح ہے مَا نافیہ مشبہ بلیس اَلَّذِیْنَ فُضِّلُوْا موصول صلہ اسم ہے مَا کا۔ مرفوع ہے۔ بِ زائدہ۔ رَادِّیْ اسم فاعل مضاف رِزْقِھِمْ مفعول مضاف الیہ ہے۔ اور پھر یہ مرکب اضافی خبر ہے مَا مشبہ کی۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنٰی لام جارّہ نفع کا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے رَادِّیْ کے۔ مَا موصولہ مَلَکَتْ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب۔ مِلْکٌ سے بنا ہے بمعنٰی مالک ہونا قابض ہونا اَیْمَانُ۔ اسم جمع مکسر منصرف یَمِیْنٌ واحد۔ بمعنٰی داہنا ہاتھ ھُمْ ضمیر کا مرجع بَعْضَ ہے مضاف الیہ ہے اَیْمَانُ کا مرکب اضافی فاعل ہے مَلَکَتْ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا پھر موصول صلہ مل کر مجرور ہے عَلٰی کا جار مجرور متعلق ہے رَادِّیْ کا فَ سببیہ بمعنٰی تاکہ۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع ہے مبتدا ہے۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ ہِ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر غائب کا مرجع رِزْق ہے متعلق مقدم ہے سَوَآءٌ مصدر کا۔ بروزنِ فَعَالٌ ثلاثی مصدر ہے۔ مصدر اپنے متعلق سے مل کر خبر ہے

بتداکی۔ بتداخبر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اَ ہمزہ استفہام انکاری فَ ابتدائیہ زائدہ۔ بِ جارہ مفعولیت کا نِعۡمَۃِ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی۔ بمعنیٰ بلا معاوضہ مفید عطا۔ مجرور ہے بِ سے مضاف ہے اللّٰہِ اسم مفرد مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مجرور ہوا۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے یَجۡحَدُوۡنَ باب فَتَحَ یا سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب بمعنیٰ فعل مستقبل یا بمعنیٰ فعل حال۔ جَحۡدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ انکار کرنا۔ بہر حال متعدی ہوتا ہے۔ ھُمۡ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے ایک قرأت میں تَجۡحَدُوۡنَ ہے مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ پہلی آیت میں سب انسانوں کو خطاب ہے مومنوں کو بھی کفار کو بھی کہ تقسیم نعمت بھی سب کے لیے ہوتی ہے اور ہر شخص ہی یہ چاہتا ہے کہ میرا غلام میرے برابر نہ ہو سکے۔ لیکن منکر نعمت الٰہی صرف کفار ہیں اس لیے یہاں غائب کا صیغہ درست ہے فعل فاعل متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَنۡفُسِكُمۡ اَزۡوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمۡ مِّنۡ اَزۡوَاجِكُمۡ بَنِيۡنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمۡ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ

وَاوٌ سرِ جملہ۔ اللّٰہُ بحالتِ رفع بتدا ہے جَعَلَ۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ ہے۔ جَعۡلٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ بنانا۔ منتخب کرنا چننا۔ معین کرنا۔ لام جارہ نفع کا کُمۡ ضمیر میں خطاب تمام کفار سے ہے مگر مراد سارے انسان۔ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنۡ جارہ مفعولیت کا (حرفِ جر) بمعنیٰ فی ظرفیہ۔ یعنی اُن میں سے۔ اَنۡفُسٌ۔ جمع مکسر ہے نَفۡسٌ کی بمعنیٰ ذات۔ جنس۔ روح۔ یہاں مراد جنس ہے۔ مضاف ہے کُمۡ ضمیر جمع حاضر مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مجرور ہے متعلق دوم ہے جَعَلَ کا۔ اَزۡوَاجًا۔ جمع مکسر ہے زَوۡجَۃٌ کی بمعنیٰ بیوی۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے دوم کے درجے میں مِنۡ اَنۡفُسِکُمۡ یہ متعلق مفعول بہ اوّل کے درجہ میں ہے جَعَلَ سب متعلقات سے مل کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ جَعَلَ ماضی۔ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مراد اللہ تعالیٰ لَکُمۡ جار مجرور اس کا متعلق اوّل۔ مِنۡ جارہ سببیہ۔ بمعنیٰ ذریعے اَزۡوَاجٍ۔ جمع مکسر۔ مؤنث واحد ہے زَوۡجَۃٌ۔ مؤنث ہے اِس کا مذکر زَوۡجٌ ہے۔ اصلاً لغتاً یہ لفظ اُس فردِ واحد کے لیے مستعمل ہے جو کسی کا جنسی ساتھی بن جائے خواہ نوعاً بھی ساتھی ہو۔ مگر صفتاً مختلف ہو جیسے مرد عورت۔ نر مادہ۔ اس کی جمع اَزۡوَاجٌ تثنیہ زَوۡجَانِ ہے۔ اصطلاحِ شریعت میں نکاح والی بیوی کو کہا جاتا ہے۔ بَنِيۡنَ۔ جمع سالم ہے اِبۡنٌ کی بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے جَعَلَ کا معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ حَفَدَۃً۔ اسم جمع مکسر سماعی غیر قانونی ہے۔ کیونکہ اِس کا واحد حَافِدَۃٌ ہے یا حَافِدٌ۔ اس کی جمع قانونی ہے حَافِدُوۡنَ اسم فاعل ہے حَفۡدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ محبت سے دوڑنا۔ خدمت میں تیزی سے آنا۔ مراد ہیں پوتے نواسے سب نسل حَفۡدٌ کا لغوی ترجمہ ہے۔ مفتوح ہے معطوف ہے بَنِیۡنَ پر۔

جَعَلَ فعل سب سے مل کر معطوف علیہ ہوا واوٗ عاطفہ۔ رَزَقَ ۔ فعل ماضی مطلق ھُوَ ضمیر اِس کا فاعل جس کا مرجع ہے اَللّٰہُ ۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل اِس کا مفعول بہ ہے مِنْ حرف جَر۔ بعضیت کا اِلف لام عہد خارجی یا اِستغراقی ۔ طَیِّبَاتِ ۔ اِسم جمع مؤنث سالم طَیِّبَۃٌ واحد مؤنث ہے بمعنیٰ ۔ حلال ۔ پاکیزہ ۔ صحت افزا ۔ خوشگوار ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے ۔ بحالتِ جر مجرور ہے مِنْ سے ۔ جار مجرور متعلق ہے رَزَقَ کا ۔ اور یہ فعل سب سے مل کر جملہ ہو کر معطوف ہوا ۔ اور سب جملہ عاطفہ خبر ہے اَللّٰہُ مبتدا کی ۔ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰہِ ھُمْ یَکْفُرُوْنَ ۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَمْلِکُ لَھُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْئًا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۔ اَ ہمزہ استفہام اِنکاری کے لیے ہے یا توبیخی ہے ۔ فَ عاطفہ ۔ ذہنی مقدرہ معطوف علیہ کے لیے ۔ بِ جارہ بمعنیٰ عَلٰی ۔ الف لام عہدی بَاطِلِ اسم فاعل واحد مذکر رَجَالٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ کمزور ۔ جھوٹ ۔ فانی ۔ ناحق ۔ اونچی آواز ۔ جو عارضی غالب آ جائے ۔ نقیض ہے حَق کی ۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے ۔ یُؤْمِنُوْنَ ۔ باب اِفعال کا مضارع ثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مراد کفارِ مکہ ہیں ۔ یہ فعل فاعل متعلق مقدم سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ذہنی ہوا ۔ مقدرہ فعل کا ۔ واوٗ سر جملہ بِ جارہ مفعولیت کا ۔ نِعْمَۃِ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ منید شی ۔ مضاف ہے اَللّٰہِ مضاف الیہ ۔ مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے یَکْفُرُوْنَ کا ۔ فعل مضارع باب نَصَرَ کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اِنکار کرنا نہ ماننا ۔ شرک کرنا ۔ ناشکری کرنا ۔ یہاں پہلے یا آخری معنیٰ مراد ہیں ۔ ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفار ہیں ۔ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب حصر اور تاکید کے لیے لائی گئی ۔ اس کا رابطہ یُؤْمِنُوْنَ مذکر غائب سے پہلے کلام مذکر حاضر رَزَقَکُمْ وغیرہ سے نہیں ۔ اگر یہ ھُمْ نہ ہوتی تو التباس و اشتباہ پڑ جاتا ۔ مبتدا کو درمیان میں لانے سے تاکید پیدا ہوئی ۔ وَاوٗ سر جملہ ۔ یَعْبُدُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر غائب ۔ ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے مراد کفارِ عرب ہیں عَبْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عبادت کرنا کسی کو معبود سمجھنا ۔ مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ ۔ اسم مفرد جامد معرب کمثل ہے مضاف ہے اَللّٰہِ مضاف الیہ ہے ۔ ترجمہ ہے اللہ کے سوا ۔ علاوہ ۔ غیر کو ۔ جار مجرور متعلق ہے یَعْبُدُوْنَ کا مَا اسم موصول ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ صلہ سے مل کر مفعول بہ ہے لَا یَمْلِکُ ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اِس کا فاعل جس کا مرجع مَا ہے ۔ لام جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع کفار ہیں جار مجرور متعلق ہے رِزْقًا ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ روزی ۔ مال دولت ۔ غذا ۔ منصوب ہے مفعول بہ ہے ۔ لَا یَمْلِکُ کا ۔ اور ذُوالحال ہے شَیْئًا اسم مفرد جامد نکرہ متمکن معرب

کا تنوین تنکیری ہے بمعنیٰ کچھ بھی ۔ تھوڑی چیز ۔ منصوب ہے رزقاً کا ۔ اور وہ مل کر مفعول بہ ہے ۔ مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے ۔ الف لام استغراقی یا عہدی بمعنیٰ تمام سمٰوات جمع ہے سماءٌ کی واؤ عاطفہ ۔ الف لام عہدی یا استغراقی ۔ ارض بمعنیٰ تمام زمین معطوف ہے معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور ۔ اور متعلق ہے ۔ لَا یَمْلِکُ کا ۔ یہ فعل سب سے جڑ کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ۔ واؤ عاطفہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ باب استفعال کا فعل مضارع جمع مذکر غائب ۔ ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع ہے بُت (جھوٹے معبود) ۔ مصدر اِسْتِطَاعٌ ۔ اِسْتِطَاعَۃٌ بمعنیٰ طاقت رکھنا ۔ قوت ہونا ۔ اختیار کرنا ۔ کر سکنا ۔ ہو سکنا ۔ طَوْعٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ ہمت ۔ خوشی ۔ مرضی ارادہ کرنا یا ہونا ۔ یہاں مراد طاقت ۔ ہمت نہ ہونا ۔ یہ جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ اور سب عبارت عاطفہ صلہ ہوئی ۔ موصول مفعول بہ ۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ۔

اے انسانوں جس طرح تمہاری موت و حیات ہمارے قبضہ و قدرت میں ہے تم کو اس کا وقت اور عمر قطعاً معلوم نہیں جس کو جس عمر میں چاہیں ہم فوت کر دیں اور جتنا چاہیں ہم زندہ رکھیں اسی طرح اے انسانوں تمہاری زندگی حالت کیفیت بھی ہمارے مکمل قبضے میں ہے اپنی کسی کیفیت پر تم انسانوں کا کوئی اختیار نہیں ۔ تمہاری تندرستی ۔ بیماری امیری غریبی خوبصورتی بدصورتی سب کچھ اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے ۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی تم کو مختلف درجے عطا فرمائے ۔ تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں اور دنیوی ساز و سامان عیش و عشرت اور مفید چیزوں اعلیٰ مرتبوں میں بعض کو محض اپنے فضل و کرم سے بلا استحقاق درجوں فضیلت عطا فرمائی ۔ اور اس حقیقت واقعی کا مشاہدہ تجربہ بھی ہے کہ ۔

بناداں آں چناں روزی رساند
کہ دانا اندراں حیراں بماند

کم عقل بے وقوف نادانوں بے ہنروں کو وہ رب تعالیٰ اس طرح ہر قسم کی رزق و روزی سے فضیلت پہنچاتا ہے کہ ہزاروں علم و ہنر و صفت و عقل و خرد والے غربت و ذلت اور حیرانی میں سرگرداں بلکہ ان بھلا بیوقوفوں کے دروازوں پر ہاتھ باندھے کھڑے نظر آتے ہیں اور بسا اوقات ایسا بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ امیر آدمی با وجود ہزارہا نعمتوں دولتوں کے اُبلا ہوا ساگ کھا رہا ہے اپنی بیماریوں کی بنا پر اور نوکر چاکر

اسی کے دستر خوان پر ہزاروں نعمتیں کھا رہے ہیں۔ پھر آنکھوں نے یہ بھی نظارہ دیکھ لیے کہ بادشاہ بیمار و ناتوان ہے اور مزدور ہشاش بشاش صحت مند ہے اور بادشاہ حسرت کی نگاہ سے غریب تندرست کو دیکھ رہا ہے۔ لہٰذا دنیا طلبی میں عمر برباد کرنے والے نہایت احمق ہیں۔ کیونکہ رزق دینے والا صرف پروردگار عالم ہی ہے اور صرف رزق ظاہری ہی نہیں بلکہ عقل خرد۔ علم۔ تدبّر۔ تحمّل تفکّر۔ ہنرمندی سب ہی اُس کی عطاء فضل ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ یہ عطا نہ نسلیت پر موقوف ہے نہ وطنیت پر نہ قومیت پر نہ ذاتی محنت پر۔ ایک ہی باپ کا ایک بیٹا احمق۔ دیوانہ۔ بیوقوف ہے۔ اور دوسرا بیٹا عقل کے اعلیٰ مقام پر ہے۔ یہ عطاءِ الٰہی ایسا سمندر ہے جس کا کنارہ نہیں ہے۔ اور یہ تقسیم بھی اس کی قدرت کی ایک حیران کن نشانی ہے۔ اور توحیدِ باری تعالیٰ کی عظیم دلیل یہ سب کچھ خود بخود نہیں ہو رہا۔ ورنہ یکسانیت ہوتی بلکہ کسی حکیم کائنات کے فیصلۂ قدرت کے اشارے سے ہو رہا ہے۔ اور چونکہ ہر ایک کو رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ تو وہ لوگ جو رزق کے ذریعہ امیری وزیری۔ بادشاہی۔ دولت مندی۔ سرداری اور لونڈی غلام کی ملکیت سے فضیلت دیئے گئے ہیں کیا اپنے اپنے غلام لونڈی اور نوکروں خادموں کو وہ اپنے رزق لوٹا رہے ہیں اور کیا یہ اُمراء دولت مند یہ پسند کر سکتے ہیں کہ ہم انسانی حقوق کا خیال رکھتے ہوئے اپنے غلاموں کو بھی اتنی دولت دے دیں کہ وہ دولت مندی میں اُن کے برابر ہو جائیں ہرگز ایسا نہ کریں گے۔ اگرچہ غلام عقل و فہم ہنرمندی قوّت و طاقت میں اپنے مالک سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو۔ وہ تو اپنے نوکروں کو ذلیل و غریب ہی رکھنا چاہتے ہیں۔ وہ یہ نہیں سمجھتے کہ عزت و ذلّت بھی رب کے اختیار میں ہے۔ چاہے تو اسی غلام کو امیر ترین آقا بنا دے اور اُس متکبر آقا کو ذلیل نوکر بنا دے۔ یہ دولت اس لیے دی گئی ہے کہ اپنے ساتھ تمام معذوروں کمزوروں اپاہجوں کو اور تمام حقداروں کو کھلائے۔ اور عقل و خرد سے بے عقلوں کی امداد و استعانت کرے اور جب کفّار ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے اپنے غلاموں کو شریک نہیں بناتے تو پتّھر کے بتوں کو ہمارا شریک کیونکر بناتے ہیں۔ اور کیوں کہتے ہیں کہ فلاں دیوتا یہ دیتا ہے فلاں دیوی یہ دیتی ہے۔ اُس ستارے نے بارش برسائی اُس نے ہوا چلائی ان ہی میں کے بعض کافر یہ بھی مانتے ہیں کہ یہ سب ہمارے بندے مخلوق ہیں۔ پھر ہمارا ہی شریک ٹھیراتے ہیں۔ اور اپنے عارضی فانی مال و دولت و سرداری میں کسی کی شرکت پسند نہیں کرتے حالانکہ تم سب انسانیت میں برابر ہو مخلوقیت سب کی یکساں ہے۔ اور تمہارے غلام اسی بنا پر تمہارے ساتھ برابری و شریک بننے کا حق رکھتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ کے ساتھ تو کسی کو

کسی طرح سے برابر ہونے کا حق ہی نہیں کہ وہ خالق یہ مخلوق۔ خیال رہے کہ جس طرح بُت پرست بتوں اور چاند سورج ستاروں کو رب تعالیٰ کا شریک مان کر مشرک ہوئے اسی طرح یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ابنُ اللہ کہہ کر۔ عیسائی حضرت مسیح کو اللہ کا بیٹا کہہ کر اور بعض شیعہ۔ حضرت علی کو رب کہہ کر مشرک ہوئے یہاں اِن سب کو بھی خبردار کیا جا رہا ہے کہ یہ سب ہمارے بندے اور مخلوق ہیں تم اِن کی غلط محبت سے خود اُن مُقدّس ذاتوں کو بھی ناراض نہ کرو اور ہمارے عذاب کو بھی دعوت مت دو دنیا میں ٹھیک ٹھیک بندے بن کر رہو۔ بھوجل مت پھانکو۔ دودھ۔ شہد۔ اور قسم قسم کی دولتیں نعمتیں لینے کے بعد پس پھر بھی وہ کافر اللہ کی نعمت سے انکاری ہوتے ہیں۔ یا صاف مُنہ سے انکار بکتے ہیں جیسے دھریہ کافر یا کہتے ہیں کہ فلاں نعمت ہمارا یہ دیوتا یا دیوی دیتی ہے یہ بھی اللہ کی عطا کا انکار ہے۔ یا نجومیوں کا یہ کہنا کہ بارشیں فلاں ستارے کی وجہ سے ہے اور بہار فلاں ستارے سے وغیرہ وغیرہ یہ کہنا بھی اور ایسا عقیدہ بنانا بھی اللہ کی عطا کا انکار اور کفر ہے۔ یا یہ سوالِ انکاری ہے کہ تم کس طرح اللہ کا انکار کر سکتے ہو۔ یعنی عقل کے اعتبار سے کوئی بھی اللہ کی نعمتوں کا انکار نہیں کر سکتا جو بھی کرے گا وہ انتہائی کم عقل ہو گا۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ۔ اور کمال کرم ہے کہ اللہ نے تمہاری اصل نسل عیش عشرت قلبی سکون کے لیے تمہاری ہی جنس کی ایک صنف سے تمہارے لیے شریفانہ ماحول سے گھر بسانے کے لیے بیویاں بنادیں۔ بعض نے کہا کہ مراد حضرت حوا ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ قیامت تک ساری عورتیں مراد ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ بیوی کے تیرہ ۱۳ فائدے خاوند کو ہوتے ہیں۔

۱ گھر بسانا ۲ شرم وحیا ۳ عزت ملنی ۴ معاشرے میں قابل مشورہ سمجھا جانا ۵ شرم وحیا کا لباس ۶ نسل چلنی ۷ قلبی راحت ۸ بہترین مشیر ۹ تا عمر ساتھ نبھانا ۱۰ وفاداری ۱۱ گھر کی محافظہ ۱۲ بہترین خدمت گار ۱۳ ہر دُکھ برداشت کر کے صرف خاوند کی محبت چاہنے والی۔ یہ حقیقت ہے کہ بیوی سے جو راحت خاوند کو پہنچتی ہے وہ کسی دوست قرابتدار یا دولت وثروت سے نہیں پہنچتی۔ بیوی بھی رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اور اِن ہی بیویوں کے ذریعے ہی تمہارے بیٹے اور آس پاس دوڑتے کھیلتے پھرتے والے اور بھاگ کر قریب آنے والے پھول جیسے خدمت گزار پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں اور لمبی نسلیں بنائیں جو بڑھاپے کا سہارا۔ کمزوری کا آسرا۔ اور محبت سے پاس رہنے والی اولاد لڑکیاں لڑکے بنائے۔ اور اس نسل کو پالنے پرورش کرنے کے لیے۔ طیبات لذیذ حلال پاکیزہ روزیاں اللہ نے ہی عطا فرمائیں تو کیا یہ کفار مشرک۔ منکر اور دھریہ لوگ شیطان پر ایمان لاتے ہیں۔ اور اللہ کی

سب سے بڑی نعمت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔ یا باطل یعنی حرام کو پسند کرتے ہیں کہ کتے بلے سور مردار، سود رشوت چوری ڈکیتی غصب لوٹ مار ظلم سے مال کھا جاتے ہیں اور اللہ کی نعمت یعنی حلال جانوروں کو خود ہی اپنے پر حرام کر کے اس کے کھانے کے منکر ہوتے ہیں۔ یا اپنے خود ساختہ کفریہ عقیدوں پر ایمان لاتے ہیں کہ معاذ اللہ وہ اللہ کی بیوی وہ اللہ کی بیٹیاں۔ فلاں اُس کا بیٹا یہ اللہ کے شریک اور اللہ کی نعمت قرآن و حدیث سے منکر ہوتے ہیں۔ قدرتِ ربانی کی کتنی حیرت انگیز تخلیق ہے کہ مرد سے عورت کی زندگی۔ بیوی سے ازدواجی زندگی ازدواجی سے نسلی زندگی۔ نسلی سے خاندانی زندگی قائم فرمادی۔ ایک ہی انسان کو دو بالکل ہی مختلف قسموں میں تقسیم فرمادیا کہ طبیعت مزاج ہیولہ عادات خصائل شکل و ہیئت اعضاء اندرونی و بیرونی میں آتنی تفریق کے ذریعہ خاندانوں کو ایسا جوڑ دیا کہ ایک دوسرے پر قربان ہوئے پھرتے ہیں اسی وابستگی میں عالم کائنات کی راحتیں رافتیں سمودیں کیا ایسے کریم رب تعالیٰ کی لذت آمیز روحانی و جسمانی نعمتوں سے منہ موڑ کر غلیظ باطل چیزوں کو حرام طریقے سے مان لیں ڈاکٹر و طبیب کہتے ہیں کہ اگر نطفۂ منویہ داہنے خصیے سے ذکرِ مردی میں آئے اور وہاں سے رحم مادر کے داہنی حصے میں پہنچ جائے تو مذکر پیدا ہوتا ہے اور اگر منی کا نطفہ بائیں خصیے سے نکل کر آلۂ تناسل سے ہوتا ہوا رحم کے بائیں خانے میں چلا جائے تو مکمل مؤنث بچہ ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔ وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَيْئًا وَّلَا يَسْتَطِيعُونَ۔ ظاہری بڑی نعمتوں کے علاوہ دن رات میں بندوں پر کروڑہا نعمتیں بندوں کو ملتی ہیں تو بندوں کو فرض و لازم ہے کہ اپنے منعم اللہ تعالیٰ کا ہر دم شکریہ ادا کریں اور اللہ کا شکریہ کیا ہے؟ اس کی سچی پکی اور صحیح عبادت ہی شکر ربانی ہے یہ کافر کیسے بے وفا ناشکرے کم عقل ہیں کہ نعمتیں رب تعالیٰ کی کھاتے ہیں اور اس کو تسلیم بھی کرتے ہیں وَيَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ — اور عبادت اللہ کے سوا جھوٹے معبودوں اور بتوں کی کرتے ہیں جو بت وغیرہ آسمانوں زمین میں سے اپنے ان پجاریوں کے لیے کسی بھی رزق دینے کے مالک نہیں قطعاً کچھ بھی اور نہ ہی کچھ طاقت و ہمت رکھتے ہیں۔ یہ تو اپنے ہاتھ تک نہیں ہلا سکتے اگر کوئی ان کو گرا دے تو خود سنبھل نہیں سکتے۔ جب قرآن مجید نے سمجھا دیا کہ بندے کا سب سے بڑا عیب ناشکری ہے اور ناشکری صرف یہ ہے کہ غیر اللہ کی عبادت کی جائے اللہ کے سوا کسی کو معبود سمجھا جائے۔ قرآن مجید کی تعلیم یہی ہے۔ لہٰذا کسی بندے کو اگر رب کا محبوب سمجھا جائے اور محبوب سمجھ کر اس کی عزت۔ ادب اور اطاعت۔ اتباع کی جائے تو یہ اللہ کی ناشکری نہیں ناشکری صرف یہ ہے کہ کسی غیر اللہ کو معبود سمجھا جائے یہی کفر فسق اور جہالت ہے یہیں سے یہ مسئلہ بھی حل ہو جاتا ہے کہ جب کسی انسان کو معبود سمجھا جائے اور اُس سے کچھ مانگا یا فریاد کی جائے تو وہ اللہ کی ناشکری۔ کفر اور شرک ہے لیکن اگر کسی کو معبود نہ سمجھا جائے بلکہ اللہ کا بندہ۔ اور محبوب سمجھا جائے تب اُس سے فریاد

کرنا مانگنا شرک کفر یا ناشکری نہیں بلکہ قطعاً جائز ہے اسی نظریے کے مطابق دنیا کا ہر فرد دن رات حاکم حکیم۔ ڈاکٹر طبیب وغیرہ سے مدد طلب کرتے رہتے ہیں۔ اور تمام مسلمان انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام سے مدد۔ فریاد کرتے اور مانگتے رہتے ہیں۔ غیر اللہ سے مانگنا کفر بھی ہے اور عین ایمان بھی ہے۔ کافر بتوں سے مانگ کر کافر جہنمی ہوا مسلمان اولیاءُ اللہ سے مانگ کر مومن دمتقی و موحد بن گئے فرق صرف یہی ہے جو یہاں اس آیت نے بیان فرمایا کہ کافر نے بتوں کو اللہ کا دخیل۔ شریک اور لائق عبادت سمجھا مگر مومن نے انبیاء و اولیاء کو اللہ کا حبیب دخلیل سمجھا۔ کافر نے سمجھا کہ بُت معطی ہیں مگر مومن کہتا ہے کہ انبیاء و اولیاء قاسم نعمت ہیں معطی اللہ ہی ہے۔ لہٰذا کفار کا بتوں سے مانگنا ناشکری و کفر ہے اور مومن کا نبی و ولی سے مانگنا ایمان و شکر ہے۔ اس آیتِ کریمہ کا یہی صاف اور واضح نکتہ حمقائے دیوبند کے وہابیانہ مزاج میں نہ آسکا۔ اور وہ بھی صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاءُ اللہ کے لیے ورنہ حاکم حکیم۔ پولیس۔ اور ڈاکٹر طبیب کے پاس اللہ کو چھوڑ کر بھول کر یہ سب بھی اَلْمدد کہتے ہوئے دوڑے چلے جاتے ہیں اور ان کی نہ توحید بگڑے نہ ایمان جائے۔ اگر آیت کا مطلب وہی ہوتا جو وہابیوں نے سمجھا کہ نبی ولی سے مانگنا تو شرک اور حکیم حاکم سے مانگنا جائز تو یہاں آیت پاک میں وَیَعْبُدُوْنَ نہ ہوتا۔

فائدے اس آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ رب تعالیٰ جس کو جو چاہے دے سکتا ہے مالک و مختار بنا سکتا ہے ہاں البتہ کوئی بھی شخص کتنا بھی بڑا دولت مند یا علم ہنر قوت طاقت والا بن جائے یا نبی۔ ولی ہو۔ اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں بن سکتا۔ یہ فائدہ فَهُمْ فِيهِ سَوَآءٌ سے حاصل ہوا کہ یہاں برابری کی نفی ہے نہ کہ دینے عطا کرنے اور مالک بنانے کی۔ کیونکہ ہر مالک اپنے غلام کو کچھ نہ کچھ دیتا ہی ہے مگر برابری نہیں ہونے دیتا۔ کفار صرف اس لیے کافر ہوئے کہ وہ بتوں میں رب تعالیٰ کی برابری کا عقیدہ بناتے ہیں لہٰذا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو کائنات کے خزانے عطا فرما دیئے اور اولیاء اللہ کو یہ قدرتیں کرامتیں زمین کی ملکیتیں اور اختیار دیئے اور وہ انبیاء اولیاء تمام لوگوں کو دے سکتے ہیں ان سے مانگنا منع نہیں۔ اسی طرح کا عقیدہ بنانا عین ایمان ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ اولاد رب تعالیٰ کی نعمتوں میں سے بڑی نعمت ہے اس کے ملنے اور نیک طبیعت ہونے پر بھی بندے کو رب تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہیئے۔ اولاد ملنے کا شکر یہ ہے کہ اپنی اولاد کو اسلام قرآن حدیث اور اچھے عقیدے اچھے اخلاق عبادت و ذکرِ الٰہی کی طرف لگایا جائے۔ یہ فائدہ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً فرمانے سے حاصل ہوا۔ جو شخص اپنی اولاد مذکر۔ مؤنث کو دین سے جاہل رکھے گا۔ وہ ناشکری اور

کفرانِ نعمت کر رہا ہے جس کی قیامت میں یقیناً سزا ملے گی۔ **تیسرا فائدہ**۔ رب تعالیٰ نے جسمانی نعمتیں غذاؤں پھلوں اور غلے دانے میووں۔ کھیتوں کے ذریعے دی ہیں اور روحانی نعمتیں۔ قرآن مجید احادیث پاک ذکرِ الٰہی اور عبادات کے ذریعے دی ہیں۔ تو جس طرح جسمانی نعمتوں کے لیے نعمت والوں کے پاس جانا گناہ شرک کفر نہیں اسی طرح روحانی نعمت کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء اللہ علماء عظام اور پیر و مرشدوں کے پاس جانا بھی منع نہیں بلکہ فرض و لازم واجب ہے۔ یہ فائدہ وَرَزَقَكُمْ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیا میں انسانوں کا نکاح صرف انسانی عورتوں سے ہو سکتا ہے کسی جانور یا جناتنی یا عورت کا جن سے نکاح ہرگز جائز نہیں بلکہ قطعاً حرام ہے۔ یہ مسئلہ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ہاں البتہ جنت میں حوریں بیویاں ہوں گی تو وہ جہان دوسرا ہے۔ نیز حوریں انسانوں کی طرح ہیں جسمانیت اور قوام ہیں۔ وہ جن فرشتوں کی طرح جسم لطیف نہیں ہیں نہ وہ تشکیل تبدیل کر سکیں۔ اور شریعت کے احکام صرف زمین پر دنیا میں ہے۔ **دوسرا مسئلہ** انسان کی اولاد انسان ہی ہو سکتی ہے۔ اگر کسی عورت کے پیٹ سے بندر، بکری۔ یا سانپ پیدا ہو جائے تو وہ انسانی اولاد نہیں بنے گا۔ اور نہ اس کا نام رکھا جائے گا نہ ختنہ نہ جھنڈ۔ مرنے کے بعد نہ نمازِ جنازہ نہ کفن نہ دفن۔ نہ میراث کا حقدار ہو۔ نہ زچہ عورت کو خون کی نفاس والا مانا جائے نہ نمازیں معاف ہوں گی نہ روزے قضا نہ عدت گزرے گی یہ مسئلہ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ۔ یعنی کیا کفار اللہ کی نعمتوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ کسی کافر نے کبھی اللہ کی نعمت کا انکار نہیں کیا۔ ان کا کفر تو فقط یہ ہے کہ وہ بتوں کو پوجتے ہیں۔ بت پرستی کو انکارِ نعمت کس طرح کہا جا سکتا ہے۔

جواب۔ بت پرستی ہی انکارِ نعمت ہے اس لیے کہ جب کافر نے بت کو معبود سمجھا تو اس کو نفع نقصان کا مالک بھی سمجھا۔ اور نفع بھی نعمت ہے اور قدرتِ نقصان کے باوجود نقصان نہ دینا بھی نعمت ہے۔ تو ایک بت پرستی سے ہزارہا نعمتوں کو بتوں کی جانب سے ماننا پڑتا ہے۔ اور ان نعمتوں کا اس کے حاصل ہونے کے وقت اللہ تعالیٰ سے منکر ہونا پڑتا ہے کہ یہ نفع فلاں بت فلاں دیوی فلاں دیوتا۔ فلاں ستارے سے ہم کو حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ کی طرف نسبت نہیں کی جاتی حالانکہ یہ سب

نعمتیں جو کسی بھی وقت کفار کو ملی ہیں رب تعالیٰ کی طرف سے ہی ملی ہیں نہ کہ بتوں کی طرف سے۔ اس لیے بت پرستی۔ نعمتِ الٰہیہ کا ظاہر ظہور انکار ہے۔ اگرچہ صاف مُنہ سے انکاری لفظ نہ بولے۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا مِنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا یعنی تمہاری جانوں سے تمہاری بیویاں بنائی گئیں۔ اگر یہ بات ہے تو۔ پھر بہن بیٹی بھی بیویاں ہو سکتی ہیں کیونکہ یہ ہماری ہی جان ہمارے ہی خون سے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے جن عورتوں کو بیوی بنانے کے لیے جائز قرار دیا ہے وہ ہماری جانوں سے قطعاً نہیں ہیں۔ تو یہاں اَنْفُسِكُمْ کہنا درست کیسے ہوا۔

جواب ۔ مسائلِ رازی کتاب میں امام محمد رازیؒ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ۱۔ اِس سے مراد پہلی بیوی حضرتِ حوا ہیں اور وہ واقعی حضرتِ آدم کی پسلی اور جان سے ہی تھیں۔ ان سے ہی تمام نسلِ انسانی چلی ۲۔ نفس چار قسم کا ہے ۱۔ نفسِ اصولی جیسے والدین ۲۔ نفسِ فروعی جیسے اولاد۔ ۳۔ نفسِ نوعی۔ جیسے مختلف انسان ۴۔ نفسِ جنسی۔ جیسے تمام نسلِ انسانی۔ تو یہاں اَنْفُسِكُمْ سے مراد نفسِ جنسی یا نوعی ہے نہ کہ اصول و فروع۔ اسی لیے ایک جگہ فرمایا گیا لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ یعنی تمہارے نبی تمہاری جنس کے انسان رسول تشریف لائے۔

تیسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا مَالَا یَمْلِكُ۔ یعنی بُت کسی چیز کے مالک نہیں مَا سے ثابت ہوا کہ بت غیر عقل والی اشیاء میں پھر فرمایا گیا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ۔ وہ بُت کچھ طاقت نہیں رکھتے اس جمع مذکر کے صیغے سے معلوم ہوتا ہے کہ بت عقل والے ہیں۔ کیونکہ یہ صیغہ عقل والوں کے لیے ہی مستعمل ہے۔

جواب ۔ اوّلاً تو یہ قانون ہی غلط ہے کہ یہ صیغہ صرف اہلِ عقل کیلئے ہے لیکن اگر مان بھی لو تو مقصد یہ ہے کہ مَالَا یَمْلِكُ میں بتوں کی حقیقت واقعی کا اظہار ہے کہ واقعتًا وہ بُت بے عقل چیزیں ہیں اور لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ میں۔ کفار کے غلط اور جاہلانہ عقیدوں کی نشاندہی کی جارہی ہے کہ جن کو تم اپنی دانست میں معبود اور عقلمند سمجھتے ہو۔ وہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ہیں۔ اِن آیت کی تفسیر صو نیانہ آیت ۷۶ کے بعد ہے۔

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ

تو نہ ڈھالتے پھرو لیئے اللہ کے ہم مثلیں بیشک اللہ جانتا ہے

تو اللہ کے لیے مانند نہ ٹھہراؤ بیشک اللہ جانتا ہے

وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٧٤﴾ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا

اور تم نہیں جانتے ہو - بیان فرمائی اللہ نے ایک مثال

اور تم نہیں جانتے - اللہ نے ایک کہاوت بیان فرمائی

عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّ مَنْ

کہ ایک غلام ملکیت میں نہیں قدرت رکھتا پر کسی چیز اور ایک وہ شخص ہے کہ

ایک بندہ ہے دوسرے کی ملک آپ کچھ مقدور نہیں رکھتا اور ایک وہ

رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ

رزق دیا ہم نے اُس کو اپنے پاس سے رزق کھلا تو وہ خرچ کرتا ہے کو اُس

جسے ہم نے اپنی طرف سے اچھی روزی عطا فرمائی تو وہ اُس میں سے خرچ کرتا ہے

سِرًّا وَّ جَهْرًا ؕ هَلْ یَسْتَوٗنَ ؕ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ؕ

ظاہر اور پوشیدہ کیا برابر ہو سکتے ہیں اس طرح کے لوگ - تمام تعریفیں ہیں اللہ کے

چھپے اور ظاہر کیا وہ برابر ہو جائیں گے سب خوبیاں اللہ کو ہیں

بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿٧٥﴾ وَ ضَرَبَ

لیکن بہت سے اُن کے بے علم بنے رہتے ہیں اور بیان فرمائی

بلکہ اُن میں اکثر کو خبر نہیں - اور اللہ نے

اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُهُمَاۤ اَبْكَمُ لَا

اللہ نے مثال دو مردوں کی ایک اُن میں سے گونگا نہیں

کہاوت بیان فرمائی دو مرد ایک گونگا جو کچھ کام

يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ

طاقت کسی پر کسی کام میں اور وہ بوجھ ہے پر مولیٰ اپنے

نہیں کر سکتا اور وہ اپنے آقا پر بوجھ ہے

اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ؕ هَلْ يَسْتَوِيْ

جس طرف بھیجتا ہے اُس کو نہیں لاتا ذرا بھلائی کیا برابر ہو گا

جدھر بھیجے کچھ بھلائی نہ لائے۔ کیا برابر ہو جائے گا

هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰى

وہ۔ اور وہ جو حکم دیتا ہے ظلم سے بچنے کا اور وہ خود بھی پر

یہ اور وہ جو انصاف کا حکم کرتا ہے اور وہ

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ع ﴿۷۶﴾

راستے سیدھے

سیدھی راہ پر ہے

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں باری تعالیٰ نے آسمان و زمین کی بڑی بڑی مخلوق کا ذکر فرمایا۔ اُن میں سے تو کوئی بھی اُس کا شریک بننے کی ہمت و جرأت نہ کر سکا۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے انسانوں تم پر سب چیز روشن کر دی گئی اور اُن اشیا میں کوئی بھی شریک بننے کا دعویدار نہیں تو تم کہاں سے شریک نکال لائے لہٰذا تم شریک نہ بناؤ۔ کیونکہ تم بے علم ہو۔ **دوسرا تعلق** پہلے انسانوں کے شریکوں کا ذکر کیا گیا تھا کہ بیوی بچے تمہارے شریک ہیں تم اِن کے حاجتمند ہو۔ اور ایک وقت آنے پر اُن کے پاس قوتیں ہوں گی مگر تم بے قوت ہو جاؤ گے۔ اب اِس جگہ اِن آیات میں عبدیت کی مثال دی جا رہی ہے عبد پر کتنا ہی زمانہ گزرے کسی شان سے ہو وہ بے قوت عبد ہی

رہے گا اس کی ظاہری شان بھی اُس کے مولا کی ہوگی اب سمجھ لو کہ رب کی تعریف اور شان کس عقیدے میں ہے اُس کا بیٹا بنانے میں یا سب کائنات کو اُس کا بندہ بنانے میں۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں کافروں کی عظیم حماقت اور ناشکری کا ذکر ہوا کہ وہ رب جلّ وتعالیٰ کا کفر کرتے ہیں جو کہ اُن کو رزق اور نعمتیں دیتا ہے اور عبادت اُن بتوں کی کرتے ہیں جو اِن کو کچھ بھی نہیں دیتے نہ آسمانی نہ زمینی۔ اب اِن آیتوں میں ایسے ہی کم عقل لوگوں کی کہاوت بیان فرمائی جا رہی ہے۔

تفسیر نحوی

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ. ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰى شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا. هَلْ یَسْتَوٗنَ. فَ حرفِ عطف لغو ابتدائیہ لَاتَضْرِبُوا باب ضَرَبَ کا فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے اور خطاب کفار سے ہے ضَرْبٌ سے بنا ہے۔ لغوی معنیٰ نشان لگانا ہے۔ اسی کا لحاظ رکھتے ہوئے اس کا اصطلاحی ترجمہ مارنا۔ کیونکہ اس میں بھی جسم پر اندرونی یا بیرونی نشان (زخم) بنتے ہیں۔ بمعنیٰ بیان کرنا زبان یا قلم سے اس میں بھی نشان ظاہر ہوتے ہیں۔ لفظی یا حرفی چلنا۔ تھپکنا۔ ڈالنا۔ واقع کرنا تیار کرنا سب اسی لغوی لحاظ پر ہے یہاں یہ ہی معنیٰ مراد ہیں۔ لام جارّہ اضافت کا اَللّٰہ مجرور متعلق ہے نہی کا۔ الف لام عہدی اَمْثَالِ جمع مکسّر ہے مَثَلٌ کا بمعنیٰ تشبیہ ہم مثل۔ بحالتِ نصب مفعول بہ ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ اَللّٰہ اسم مفرد جامد مفتوح ہے اسم ہے اِنَّ کا یَعْلَمُ۔ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر اس میں مستتر ہے اس کا فاعل ہے مراد اللہ تعالیٰ۔ واوٗ حالیہ یا عاطفہ اَنْتُمْ ضمیر مرفوع منفصل جمع مذکر حاضر مبتدا ہے۔ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع منفی بمعنیٰ فعل حال جمع مذکر حاضر اس میں اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع کفار ہے لیکن مراد سب عوام ہیں۔ جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا ہوئی۔ یہ سب جملہ عاطفہ یا حالیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی ضَرَبَ فعل ماضی مطلق۔ ضَرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بیان کرنا اَللّٰہُ بحالتِ رفع اِس کا فاعل ہے مَثَلًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ کہاوت مشابہت بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ماقبل فعل ضَرَبَ کا مبدل منہ ہے مابعد کا۔ عَبْدًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ غلام ہر طرح فرمانبردار۔ پابندِ اطاعت۔ ممیّز ہے مَمْلُوْکًا اِسم مفعول صیغہ واحد مذکر۔ باب ضَرَبَ سے ہے مِلْکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کسی کی ملکیت میں آیا ہوا (زر خرید)۔ بحالتِ نصب نکرہ ہے تمیز ہے عبدًا کی۔ ممیّز تمیز مل کر موصوف۔ لَا یَقْدِرُ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی صیغہ واحد

مذکر غائب ھُوَ مستتر فاعل جس کا مرجع عبدًا ہے۔ علیٰ جارّہ فوقیت کے لئے شیءٍ ۔ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنیٰ کچھ بھی۔ کسی چیز پر۔ تنوین تحقیری ہے بمعنیٰ چھوٹی سے چھوٹی چیز۔ جار مجرور متعلق ہے لَایَقْدِرُ کے یہ فعل قَدَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ اپنی مرضی سے کچھ کرنا۔ غالب آنا۔ طاقت وہمت ہونا اندازہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں اور اُس کی نفی ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صفت ہے موصوف صفت مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَنْ اسم رَزَقْنٰا۔ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم۔ نحنُ ضمیر مستتر کا مرجع اللّٰہُ ہے ہُ ضمیر ظاہر واحد مذکر غائب مرجع مَنْ موصولہ ہے منصوب مفعول بہ ہے۔ مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے بمعنیٰ طرف سے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل ہے تاکید نفی کے لیے ہے یعنی اپنی طرف سے۔ رِزْقًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ روزی۔ مفید چیزیں۔ موصوف ہے حَسَنًا۔ اس مفرد جامد۔ بمعنیٰ اچھا۔ عمدہ۔ خواہش اور صحت کے مطابق۔ منصوب ہے صفت ہے رِزْقًا کی۔ موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہے رَزَقْنٰا کا جملہ فعلیہ صلہ ہوا۔ موصول صلہ معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ ھُوَ ضمیر واحد مذکر مبتدا ہے۔ یُنْفِقُ۔ بابِ اِفعال کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مَنْ ہے۔ اس کا مصدر ہے اِنْفَاقٌ بمعنیٰ خرچ کرنا۔ خیرات کرنا۔ صدقہ کرنا۔ یہاں تینوں قسم کا انفاق مراد ہے۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ۔ یا بمعنیٰ فی ظرفیہ بمعنیٰ میں سے ہُ ضمیر واحد مذکر کا مرجع رِزْقًا ہے۔ سِرًّا۔ اِسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ چھپا ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ جَھْرًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ ظاہر کیا ہوا۔ یہ عبارتِ عاطفہ حال ہے ھُوَ ضمیر مستتر کا۔ جملہ فعلیہ ہوکر خبر مبتدا۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہوکر معطوف مَنْ پر۔ اور وہ معطوف ہے عَبْدًا پر۔ اور عبدًا سب سے مل کر بدل ہے مَثَلًا کا۔ اور مُبدَل مِنْہُ بدل مفعول بہ ہے ضَرَبَ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ ھَلْ۔ حرفِ استفہام اِنکاری۔ یعنی ایسا نہیں ہے۔ یَسْتَوٗنَ۔ بابِ اِفتعال کا مضارع مثبت معروف ہے۔ صیغہ جمع مذکر غائب۔ سَوِیٌّ لفیف مقرون سے بنا ہے۔ مصدر اِسْتِوَاءٌ۔ بمعنیٰ برابر ہونا۔ آخری یٰ لام کلمہ کو ہمزہ سے بدلا گیا۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلَیْنِ اَحَدُھُمَآ اَبْکَمُ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّھُوَ کَلٌّ عَلٰی مَوْلٰىہُ اَیْنَمَا یُوَجِّھْہُّ لَا یَاْتِ بِخَیْرٍ ھَلْ یَسْتَوِیْ ھُوَ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَھُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام۔ حَمْدٌ۔ اسم مفرد جامد (حاصل مصدر) بمعنیٰ وہ خوبیاں بیان کرنا جو موصوف کی ذاتی اور بے مثل ہوں۔ اس لیئے حمد صرف باری تعالیٰ کی ہوتی ہے کسی مخلوق کی نہیں ہو سکتی۔ بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے ثَابِتٌ یا وَاجِبٌ اسم فاعل پوشیدہ ہے لِلّٰہِ جار مجرور اس پوشیدہ کا

متعلق ہے اور جملہ اسمیہ معطوف علیہ ہے بَل حرفِ عطف تدارک کے لیے ہے ۔ یعنی اصلاحِ علم اور عقائد مقصود ہے ۔ اَکثَرُ ۔ اسم تفضیل مذکر مضاف ہے ۔ غیر منصرف ہوتا ہے کیونکہ وزنِ فعل ہے کَثرۃ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادتی والا ۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع کفار ہیں ۔ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع منفی صیغہ جمع مذکر غائب عِلمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جاننا ھُمْ ضمیر مذکر غائب اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفار ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف لِلّٰہِ پر ۔ وہ جملہ اسمیہ خبر اَلْحَمْدُ مبتدا کی ۔ واؤ سے جملہ ضَرَبَ ماضی مطلق واحد غائب مرفوع ہے اس کا فاعل ۔ مَثَلًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ کہاوت بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ضَرَبَ کا ۔ مبدل منہ ہے مابعد کا رَجُلَیْنِ تثنیہ ہے ۔ رَجُلٌ کا بدل ہے مَثَلًا کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے ضَرَبَ کا ۔ اَحَدُ ۔ اسم مفرد جامد عددی بمعنیٰ ایک مضاف ہے اس لیے دو پیش نہ آئے ھُمَا ۔ ضمیر تثنیہ مذکر غائب مرجع ہے رَجُلَیْنِ ۔ مضاف الیہ ہے لہٰذا مجرور متصل ۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ۔ اَبْکَمُ ۔ اسم تفضیل مذکر بُکْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدائشی گونگا ہونا ۔ ترجمہ بہت زیادہ گونگا (گونگا بے عقل) یہاں تنوین سے مانع غیر منصرف ہونا ہے ۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر مبتدا ہے ۔ موصوف مابعد کا لَا یَقْدِرُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی واحد مذکر غائب قَدْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ طاقت و ہمت ہونا ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اَحَدُ ہے عَلٰی جارہ فوقیت کے لیے شَیْءٍ ۔ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ چاہت ۔ پسند اصطلاحًا چیز عام ۔ تنوینِ تنکیری بمعنیٰ کوئی بھی کچھ بھی چھوٹی سی چیز ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یَقْدِرُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَبْکَمُ کی اور موصوف صفت ذوالحال ہے واؤ حالیہ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے کَلٌّ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بیکار بے وفا ۔ اپاہج ۔ بے فائدہ ۔ معذور ۔ چھری یا تلوار کی پشت (دوسری جانب جس طرف دھار نہیں ہوتی) وہ بھی بیکار ہوتی ہے ۔ غم ۔ سختی ۔ یتیم لاغر ۔ اصل معنیٰ بیکار ہیں باقی معنیٰ مجازی ہیں یہاں اصلی حقیقی معنیٰ یعنی بیکار معذور مراد ہیں موصوف ہے عَلٰی جارہ استعلائیہ مَوْلٰی ۔ اسم مفعول ہے بابِ افعال کا اسم مفعول واحد مذکر یا بابِ ضَرَبَ کا اسم ظرف ۔ بروزنِ مُکْرَمٌ یا مَضْرَبٌ ۔ وَلِیٌّ یا وِلْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ والی (میراث) پانے والا ۔ یا بمعنیٰ مددگار ۔ کارساز ۔ حاجت روا ۔ مشکل کشا ۔ حمایتی ۔ آقا ۔ مالک ۔ یہاں ان ہی دو معنیٰ میں ہے اسم مقصور ہے اس لیے اس کا اعراب کسرہ تقدیری ہے ۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہے عَلٰی سے جار مجرور متعلق پوشیدہ اسم فاعل واقِعٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے کَلٌّ کی یہ مرکب توصیفی ذوالحال ہے اَیْنَمَا ۔ اسم ظرف بسیطی ۔ متصلہ ۔ اَیْنَ ظرفیہ مکانیہ شرطیہ ۔ مَا موصولہ ہے ۔ بمعنیٰ جہاں کہیں ۔ مضارع کو جزم دیتا ہے ۔ یُوَجِّهْ بابِ تفعیل کا فعل مضارع

مثبت معروف مصدر ہے تَوْجِیْہٌ۔ بمعنی متوجہ ہونا۔ سامنے ہونا۔ چہرہ دکھانا۔ بھیجنا۔ یہاں اسی معنی میں ہے مجزوم ہے اَیْنَمَا سے۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مَوْلاً ہے ہُ ضمیر ظاہر واحد مذکر غائب مرجع اَحَدُ ہے منصوب متصل مفعول ہے یُوَجِّھْ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا۔ لَایَاْتِ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف نفی بمعنی فعل حال یا مستقبل۔ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ لانا۔ یہاں لانا مراد ہے۔ دراصل تھا لَایَاْتِیْ۔ آخر کی یٰ گر گئی جزم کی وجہ سے اَیْنَمَا نے اس کو بھی جزم دیا کیونکہ یہ جملہ جزا ہے۔ بِ جارّہ مفعولیت کا خَیْرٍ اسم مفرد مصدر۔ یہاں جامد ہے بمعنی بھلائی خیریت۔ شر کا مقابل ہے۔ جار مجرور متعلق ہے یَاْتِ کا۔ جملہ فعلیہ جزا ہے شرط جزا مل کر حال ہے۔ حال ذوالحال خبر ہے ھُوَ کی اور وہ معطوف ہے اَبْکَمُ پر اور وہ خبر ہے بتدا اَحَدُ کی یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت ہے رَجُلَیْنِ۔ موصوف صفت بدل ہوا مَثَلاً کا۔ اور مُبْدَل مِنْہُ بدل مفعول بہ ہے ضَرَبَ کا پھر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ ھَلْ۔ حرف استفہام انکاری۔ تصدیق ایجابی کے لیے۔ یعنی برابر نہیں ہیں بلکہ علیحدہ ہیں یَسْتَوِیْ۔ باب افتعال کا مضارع معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر ظاہر اس کا فاعل۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ موصولہ یَاْمُرُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ اَمْرٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی حکم دینا۔ اچھی بات بتانا۔ نصیحت کرنا۔ یہاں ہر معنی درست ہے۔ ھُوَ ضمیر مستتر کا مرجع مَنْ موصولہ ہے۔ بِ جارّہ مفعولیت کا۔ الف لام جنسی عَدْلِ۔ اسم مفرد مصدر۔ یہاں جامد یعنی حاصل مصدر کے معنی میں ہے۔ بمعنی انصاف جار مجرور متعلق ہے یَاْمُرُ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ ذوالحال۔ واؤ حالیہ ھُوَ ضمیر مرفوع بتدا۔ عَلٰی جارّہ استعلائیہ۔ صِرَاطٍ اسم مفرد جامد بمعنی راستہ۔ مُسْتَقِیْمٍ۔ باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ یا اِسْتِقَامَۃٌ۔ قَوْمٌ سے بنا ہے۔ بمعنی قائم رہنا۔ سیدھا ہونا۔ صفت ہے صِرَاطٍ کی مرکب توصیفی مجرور ہے متعلق ہے وَاقِعٌ اسم فاعل پوشیدہ کا۔ یہ شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر بتدا ہوئی۔ بتدا خبر اسے مل کر حال ہوا ذوالحال حال مل کر معطوف ھُوَ کا ہو کر فاعل یَسْتَوِیْ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ وَّمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ یُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا۔ هَلْ یَسْتَوٗنَ۔ اے انسانوں تم کو منع کیا جاتا ہے کہ اپنی عقل۔ تصوّر۔ تخیل۔ اور گمان و وھم سے اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کے لیے دنیوی چیزوں کے قیاس پر مثالیں نہ بناتے پھرو۔ ۱ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات قوت و کمال جمال و جلال کو بھی

خود ہی جانتا ہے اور مخلوق کی پیدائشی حالات کو بھی جانتا ہے۔ تم انسانوں میں سے کوئی بھی نہ خالق کو پہچان سکتے ہو نہ مخلوق کو بلکہ تم تو خود اپنی حقیقت کو بھی نہیں جانتے کہ کیسے بنے کس سے بنے کیا بن گئے۔ تمہاری کھال ہڈی گوشت پوست کیا چیز ہے۔ ۲ یا بیشک اللہ جانتا ہے کہ تم نے جو جھوٹی باطل تمثیلیں اللہ کے لیے بنا رکھی ہیں یہ سب تمہارے وہم ہیں۔ اور تم ان کے بطلان کو اپنے اندھے عقیدے کی بنا پر نہیں جان پاتے۔ ۳ یا اللہ تمہارے کفریہ شرکیہ جرموں اور ان کی سزا کو جانتا ہے تم نہیں جانتے ورنہ کرتے ہی نہ ۴ یا بیشک اللہ جانتا ہے کہ صرف اللہ ہی معبود ہے اور کوئی معبود نہیں۔ اور تم کافر لوگ نہیں جانتے اسی لیے شرک کرتے ہو۔ ۵ یا اللہ اپنی تمام مخلوق کی حیثیت کیفیت جانتا ہے اسی لیے جیسا جس کو چاہتا ہے شان عزت درجا در امیری۔ غریبی والا۔ اور آقا۔ غلام بنا دیتا ہے مگر تم اللہ کی اس حکمت قدرت عظمت کو نہیں جانتے یہ پانچ مختلف اقوال مفسرین کے ہیں۔ اس آیت کی تفسیر میں ضرب مثل کا معنیٰ ہے ایک کا ظاہری حال دیکھ کر دوسرے کے حال کو اس کے مشابہ سمجھنا۔ یہ مثل اور مشابہت دنیا کو دنیا کے مطابق تو دی جا سکتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں دی جا سکتی۔ اس لیے کہ مشابہت اور تمثیل کے لیے دونوں کے حال کا تعارف ضروری ہے۔ لیکن انسان چونکہ اللہ کی ذات و صفات سے قطعاً متعارف ہو سکتا ہی نہیں۔ لہٰذا اس کے لیے تمثیل نا ممکن باری تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں بے مثل واحد و یکتا ہے۔ اس لیے فرمایا گیا لَا تَضْرِبُوْا۔ اے لوگو ہرگز اس کیلئے تمثیلیں تشبیہیں نہ بناتے پھرو۔ اس لیے کہ تم جو بھی مثال بناؤ گے وہ اپنی عقل قیاس اور تصوّر و تخیل سے بناؤ گے اور یہ سب کچھ انتہائی محدود ہے جب کہ باری تعالیٰ کی ذات و صفات لامحدود تو لا محدود کی مثال محدود کیسے بنا سکتی ہے تمہارا قیاس مشاہدے کا محتاج اور اس کی ذات و صفات غائب اور غائب کو شاہد پر قیاس کرنا نا ممکن۔ تاریخی اور تحقیقی طور پر مذاہب و ادیانِ عالم کی تعداد آج تک جو دریافت ہوئی ہے وہ چودہ ۱۴ ہے۔ ۱ بت پرستی شرک۔ ۲ جین گوتم بدھ کے پیروکار ۳ زرتشتی ۴ آریہ ھندو ۵ بدھ مذہب ۶ شنٹو ۷ تاؤ۔ ۸ کنفیوشی۔ ۹ یہودیت ۱۰ عیسائیت ۱۱ سکھ ۱۲ ھندو ۱۳ دھریہ ۱۴ مادہ پرستی۔ ان تمام نے اللہ تعالیٰ کے لیے طرح طرح کی مثالیں اور تشبیہیں بنا رکھی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے کچھ دین والے زبانی طور پر توحید والے بنتے ہیں مثلاً آریہ۔ یہودی۔ عیسائی۔ سکھ یہ مذاہب اللہ کے واحد ہونے کا عقیدہ بناتے ہیں مگر ان لوگوں نے بھی اللہ کے لیے مثالیں بنا ڈالیں۔ آریہ نے سمجھا کرشن میں خدا محدود ہو گیا اور موسم کو معبود بنا لیا۔ یہودیوں نے حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا کہہ کر ایک مثال گھڑلی عیسائیوں نے حضرت مسیح ابن اللہ سے رب کی مشابہت بنائی۔ سکھوں نے گرو اور گرنتھ کی شکل کو رب سمجھ لیا۔ ویدک

تعلیم ہے کہ خالق کی صفات مجسم ہیں۔ یہ بارش کی دیوی یہ سورج کا دیوتا۔ اللہ کی صفات پر انہوں نے اپنے بت بنا لیے اور کہتے ہیں کہ آسمان والا تو ایک ہی ہے مگر اُس کی صفات ان مثالوں اور شکلوں پر ہیں۔ کسی کی ہاتھی جیسی سونڈ اور کسی کے دس سر۔ اللہ کی صفتِ قہاریت اور قحط کے لیے کالی دیوی۔ رحم کی دیوی لکشمی۔ کسی نے اللہ کے لیے تجسم کسی نے تعطیل کسی نے تنزیہہ کسی نے اثبات ونفی کسی نے تشخص سے اور کسی نے صفات کا ہیولہ بنا ڈالا۔ ویدا ور زرتشت نے اللہ کی صفات کا ہی سرے انکار کر دیا۔ اور پرستش کے لیے ایک تشخص قائم کر کے مورتی بنالی۔ آریہ نے اللہ کی مثال موسم کو بنا لیا اس کو تنزیہ کہا گیا۔ بدھ نے تعطیل ہر چیز کو معطل اور ترک اور فنا کرنا یعنی جس کی یہ صفت ہو وہ رب خواہ وہ ظاہراً بندہ نظر آئے۔ عیسائیوں نے اللہ کو کلام کلام کو اللہ اور کلام کو مجسم مانا۔ غرضکہ۔ تعطیل۔ تنزیہہ۔ تجسّم۔ تشخّص۔ ہیولہ یہ سب شرک وکفر ہے فرقہ باطنیہ والے اثبات ونفی کے ضربُ الامثال میں پھنسے رہے۔ یعنی نور بھی ہے لا نور بھی۔ خالق لا خالق۔ حاکم لا حاکم۔ یہ ہی تمثیل تشبیہیں ہیں جس کی بنا پر یہ سب دین کفر وشرک بن گئے حالانکہ تحریری اور زبانی طور پر ہر مذہب ہی کہتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ڈاکٹر اقبال مرحوم بیچارا اسی تحریر کے چکر میں پھنس کر کہتا ہے کہ ہندو کو مشرک اور کافر نہیں کہنا چاہیے۔ اس کی عقل نے یہ غور نہ کیا کہ ذات وصفات کے لیے تجسّم۔ تشخّص قائم کرنا اور ہیولے بنانا عین شرک ہے صرف اسلام ہی وہ دینِ برحق ہے جس نے اِس پرانے شرک سے بچانے کے لیے فرمایا فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِن کفار کی دیکھا دیکھی وہابیوں نے بھی اللہ کے لیے طرح طرح کی مثالیں بنانی شروع کر دیں۔ ایک وہابی ابن تیمیہ اُٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ اللہ آسمان سے ایسا اترتا ہے جیسے میں منبر سے اترتا ہوں اور جب عرش کی کرسی پر بیٹھتا ہے تو کرسی چوں چوں کرتی ہے۔ دوسرا وہابی اُٹھتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کو عام دنیا کے بادشاہوں کی طرح سمجھنے لگتا ہے اور کہتا ہے کہ ہائے ہائے اگر تم نے ہر چیز نبی ولی سے مانگنی شروع کر دی تو اللہ کے پاس کیا رہ جائے گا۔ ان بیچاروں کو دن رات اللہ کے متعلق یہ ہی غم کھائے جا رہا ہے۔ اسی لیے پروردگار عالم نے سختی سے منع فرما دیا کہ اے دنیا کے احمق لوگو خبردار تم اللہ کے لیے کسی طرح کی کوئی مثال نہ بیان کرو اِس کی ایک وجہ اسی سورت کی آیت ۶۰ میں بیان فرما دی ہے کہ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ مَثَلُ السَّوْءِ کافر لوگ بری مثال ہی بنائیں گے، وہ اللہ کی حقیقی شان کے مطابق مثال نہیں بنا سکتے۔ اس لیے منع فرما دیا گیا اور فرمایا گیا کہ اگر تم کو مثالیں سننے کا شوق ہی ہے تو اپنی بیہودہ اور خیالی مثالوں کو چھوڑ کر اللہ اور اس کے پیارے رسول کی بتائی ہوئی مثالیں سنو اور سمجھو۔ اللہ کی مثال دیوی دیوتا میں نہیں بلکہ اُس کی قدرت طاقت۔ اختیار۔ علم۔ عطا۔ کرم رحم۔ کی مثالیں اس کے انبیاء اولیاء میں دیکھو۔ دیوی دیوتا کی مثالیں تو

مَثَلُ السَّوْءِ ہیں۔ لیکن اس کی بیان کی ہوئی مثالیں وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى بہت ہی سچی حقیقی۔ یقینی ہیں۔ اللہ نے ایک مثال بیان فرمائی کہ ایک جگہ دو غلام ہوں ایک عبد مجبور مملوک کسی بھی چیز پر قادر نہیں اور ایک وہ بندہ ہے جس کو ہم نے اپنے پاس سے عظیم الشان رزق حسنہ دیا ہے۔ اور اس کو اتنا بڑا مکمل اختیار بھی دیا ہے کہ وہ ہر وقت دن رات صبح شام کائنات کے تمام سائلوں مانگنے والوں کو ہر قسم کا رزق پوشیدہ اور ظاہر ان ہی ہمارے دیئے ہوئے خزانوں سے بلا جھجک دھڑا دھڑ خرچ کرتا چرند و پرند۔ حیوان و جنات انسان و ملائکہ کو بانٹتا چلا جا رہا ہے چاند توڑتا سورج موڑتا بارشیں برساتا انگلیوں سے چشمے بہاتا۔ دودھ پلاتا۔ جابر کے گھر کھانا کھلاتا۔ ہرنیوں کو چھڑاتا۔ اونٹوں کو بچاتا چڑیوں کی فریادیں سنتا سناتا چلا جا رہا ہے۔ اور پھر بھی نہیں بلکہ اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ کا اعلان سناتے ہوئے اپنی بندگی اور اللہ کے دینے کا اظہار بھی فرماتا جا رہا ہے کہ یہ خزانے میرے ذاتی نہیں عطاء الٰہی ہیں میں مُعْطِی نہیں قاسم ہوں۔ میں ہی مَنْ رَّزَقْنٰهُ والا بندہ ہوں۔
کیا یہ دونوں قسم کے بندے برابر ہیں۔ کیا اولیاء اللہ کو اور ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ان بتوں کی طرح مجبور و بے کس سمجھتے ہو۔ کیا کفار کی طرح انبیاء و اولیاء کو چھوڑ کر بتوں کی طرف بھاگو گے۔ ہر عقل مند تو خرچ کرنے والے دینے بانٹنے والے سخی داتا کے آستانے کی طرف لینے مانگنے کے لیے دوڑا آتا ہے۔ اور تم کیا ایسے آستانوں سے بھی بھاگو گے اور لوگوں کو دور بھگاؤ گے۔ بتوں کی طرح ان کو بھی شرک کہو گے۔ بتوں کی آیتیں ہمارے ان مختار اور مشکل کشا بندوں پر لگاؤ گے۔ هَلْ يَسْتَوٗنَ۔ کیا یہ سب ایک جیسے برابر ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ حقیقت یہ ہے کہ اپنے پیارے بندوں کو خود رب تعالیٰ ہی رزق کے خزانے اور قدرت طاقت۔ اختیار عطا فرماتا ہے۔ اس لیے جس کی بھی تعریف حمد و ثنا کرو وہ اللہ ہی کی حمد ہے۔ کیونکہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہی ہیں۔ جی بھر کر نبی کریم کی نعتیں اور انبیاء و اولیاء کے قصیدے گاؤ کہ یہ سب اللہ کی ہی حمد ہیں۔ لیکن اکثر بے علم بے عقل بے شعور بے حاسد و خائن لوگ اس بات کو نہیں جانتے۔ بعض احمق لوگوں نے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کا معنی اور تفسیر یہ بیان کی ہے کہ جب اللہ کی یہ دو غلاموں والی مثال سن کر هَلْ يَسْتَوٗنَ کا جواب کافر نہ دے سکے تو رب نے کہا الحمد للہ۔ یعنی شکر ہے شکر ہے۔ ایک دوسرا کہتا ہے کہ نہیں بلکہ کافروں کی خاموشی دیکھ کر نبی کریم نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ کیسی غلط تفسیر ہے اور دوسری تو کفر یہ ہے کیونکہ وہ رب کے کلام ہونے کا انکار ہے بعض لوگوں نے کہا کہ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا میں اللہ نے اپنی اور بتوں کی مثال بیان فرمائی مگر یہ تفسیر قطعاً غلط ہے بلکہ یہ مثال بتوں کی اور اولیاء اللہ کی ہے۔ اس لیے کہ عبد مملوک کے مقابل وَمَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا کا ذکر ہے یعنی جس کو

اللہ نے رزق دیا ہماری یہ تفسیر اس لیے صحیح ہے کہ ابن عباس حضرت قتادہ ابن جریر اور تمام علماء فقہا نے یہی فرمائی ہے (تفسیر کبیر۔ ابن کثیر۔ مظہری) کیا ایسی غلط تفسیروں کو قرآن مجید کی تفہیم کہا جا سکتا ہے تفسیر تو ایسی ہونی چاہیے کہ قرآن کریم کی ضیا سے قلوب منور ہو جائیں۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ ۙ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ ۭ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ ۙ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ ۙ وَهُوَ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اور اللہ نے شاندار ایک اور مثال بت پرستوں اور خدا پرستوں کی بیان فرمائی۔ کہ دو آدمی ہیں اُن میں سے ایک پیدائشی گونگا۔ جو لازمی بہرا بھی ہوتا ہے۔ اور پھر دبلا لاغر بیمار بھی ہے کوئی کام نہیں کر سکتا۔ یا سُست ڈھیٹ کام چور ہے کھانے پینے پہننے اوڑھنے میں تیز ہے اپنے مالک پر نرا بوجھ ہی ہے۔ جہاں کہیں کسی کام پیغام کے لیے بھیجا جاتا ہے تو کام بگاڑ کر بُری ہی خبر لاتا ہے۔ کبھی اچھی خبر نہ لایا۔ دیگر برائیوں کے علاوہ حد درجے کا بیوقوف بھی ہے۔ اپنی حماقت سے ایسی جگہ ایسی صحبت میں جاتا ہے اُن سے مانگتا ہے تعلق جوڑتا ہے جن سے کبھی اچھی چیز نہ مل سکے۔ اور دوسرا وہ عابد زاہد۔ صائم الدَّہر۔ قائم اللَّیل بارگاہ الٰہیہ کا حاضر باش ہے جو ہمیشہ خود کو اور دوسروں کو قرآن و حدیث کی عدل والی باتوں کا ہی حکم دیتا ہے۔ اور وہ پیارا بندہ حیاتِ دنیوی میں شریعت طریقت معرفت حقیقت کے اُس نورانی سیدھے راستے پر ہے جو عَلَما عُلَمَا۔ اولیاء اللہ کے آستانوں سے گزرتا ہوا سیدھا درِ مصطفیٰ تک پہنچ کر قربِ خداوندی کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ کیا یہ دونوں انسان بھی کبھی کسی کے نزدیک برابر ہو سکتے ہیں۔ چونکہ دنیا کی مخلوق چار قسم کی ہے اس لیے قرآنِ مجید نے یہاں دو مثالوں میں اُن چاروں قسم کا ذکر فرمایا۔ پہلی مثال میں ان کا ذکر ہوا جن کو لوگ قابلِ احترام سمجھتے ہیں اُن سے فریادیں کرتے ہیں حاجتیں مانگتے ہیں وہ کفّار کے لیے بُت اور دیوتا ہیں۔ اور مسلمانوں کے لیے انبیاء کرام اور اولیاء اللہ ہیں۔ مثال اوّل میں دونوں کی حقیقت بیان کر کے بتوں سے رد کا گیا اور انبیاء اولیاء کے آستانوں مزاروں کی طرف بھیجا جا رہا ہے مثالِ دوم میں خود جانے والوں کا ذکر ہے کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ سے دور عبادتِ الٰہیہ سے بیزار نیکی کرنے میں سُست۔ نماز روزے سے علیحدہ۔ اللہ کی نعمتیں کھانے پینے میں بڑے چست چالاک اور دوسرا بندہ عبادت ہی میں مشغول اُس کا اُٹھنا بیٹھنا۔ سونا جاگنا چلنا پھرنا کھانا پینا۔ تجارت کاروبار سب کچھ عبادت اللہ کے کاموں میں تیز ہشیار۔ پوچھا جا رہا ہے کہ اگر اس طرح کے دو غلام تمہارے پاس ہوں تو تم کو کونسا پیارا ہو گا۔ بس سمجھ لو کہ اللہ کو بھی وہی پیارا ہے جو بتوں اور بروں کو چھوڑ کر اللہ رسول اور مُقرب اولیا کا حاضر باش ہو۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات و اعمال و افعال و اقوال میں بے مثل ہے۔ اسی لیے اُس کی بنائی ہوئی تمام مخلوق بھی بے مثل ہے یعنی کوئی بھی دنیا میں نہ اللہ کی ذات و صفات کی طرح کوئی چیز پیش کر سکتا ہے نہ اُس کی مخلوق کی طرح کوئی کچھ بنا سکے یہاں تک کہ ساری دنیا کے لوگ اہلِ ہنر مل کر بھی ایک گھاس کا تنکہ نہیں بنا سکتے ہاں البتہ رب تعالیٰ اپنی مخلوق کی مثل ہزاروں چیزیں بنا سکتا ہے۔ لہٰذا جس کی مثل رب نے پیدا فرما دیں وہ بے مثل نہیں لیکن جس کی مثل رب نے پیدا نہیں کیا وہ کائنات میں بے مثل ہے اُس کی مثلیت کا دعویٰ کرنا کفرِ صریح ہے۔ یہ فائدہ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ جو شخص زبان سے رب تعالیٰ اور پیارے نبی کی باتیں نہ کریں وہ حقیقتاً گونگا ہے۔ اگرچہ دنیا کے ہر علم و ہنر کی بات کرتا ہو۔ لہٰذا مومن کو چاہیے کہ ہر وقت اپنے دینی دنیوی معاملات میں اللہ رسول کی ہی باتیں کرے اور لوگوں کو سنائے بشرطیکہ پہلے خود جانے۔ یہ فائدہ لَا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ فرمانے سے حاصل ہوا جب کہ ایک تفسیر کے مطابق اِس سے کفار مراد ہوں جو دنیا کی ہر بات کر لیتے ہیں مگر پھر بھی گونگے بہرے۔

تیسرا فائدہ۔ کامل مومن وہ ہے جو خود بھی نیک بنے اور دوسروں کو بھی بلا لالچ نیک بنائے یہ فائدہ وَمَنْ یَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ اور وَهُوَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ انبیاءِ کرام اور خاص کر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل اپنے آپ کو یا کسی کو کہنا یا سمجھنا حرام اور کفر ہے یہ مسئلہ۔ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ جب مومن و کافر برابر نہیں تو اُمتی اور نبی کس طرح برابر ہو سکتے ہیں بعض گستاخوں نے لکھا ہے کہ کبھی اُمتی اَعمال میں نبی کے برابر بلکہ بڑھ بھی سکتا ہے۔ ایسا کہنے والا شرعاً کافر ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کافر مومن کا اور مومن کافر کا نہ رشتے دار رہتا ہے نہ قرابت دار نہ ہی شریک۔ نہ میراث کا حقدار دین سے مرتد ہوتے ہی سارے رشتے ولایتیں وراثتیں یکدم ختم ہو جاتی ہیں۔ یہ مسئلہ هَلْ یَسْتَوِیْ هُوَ کے سوالِ انکاری سے مستنبط ہوا۔ فقہاءِ مجتہدین اس آیت اور چند احادیث سے ہی یہ مستنبط کرتے ہیں کہ مرتدین کو مسلمان کی میراث نہ ملے گی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا کہ فَلَا تَضْرِبُوا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ جس سے ثابت

ہوا کہ اللہ کا مثل ہے ہی کوئی نہیں۔ اور پھر ساتھ ہی فرمایا گیا ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ کی مثال ہے۔ بعض مفسرین بھی ایسا کہتے ہیں۔ یہ تعارض کیوں ہے۔

جواب۔ جن مفسرین نے اس آیت کو اللہ کی مثال قرار دیا ہے۔ وہ غلطی پر ہیں۔ اللہ کی مثال کا واقعی کائنات میں کوئی نہیں ہو سکتا یہاں اللہ نے مثال دی ہے مگر اپنی نہیں بلکہ مومن کافر اور بتوں اور اولیاء کی۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں پہلے فرمایا گیا۔ عَبْدًا پھر فرمایا مَّمْلُوْكًا پھر فرمایا گیا لَّا یَقْدِرُ عَلٰی شَیْءٍ یہ تین لفظ ضرورت سے زائد ہیں۔ نہیں ہونے چاہیئے تھے۔ اس لیے کہ جو عبد ہے وہ مملوک بھی ہے اور جو مملوک ہے وہ واقعی کسی نعمت پر قادر مختار نہیں۔

جواب۔ عبد عام ہے غلام کو اور نیک عابد زاہد کو۔ دیکھو رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ سُلَیْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ سلیمان اچھا بندہ۔ اس لیے عبد کو خاص غلام ثابت کرنے کے لیے مملوکا فرمانا نہایت ضروری و درست ہے۔ نیز بہت سے غلام عبد ماذون مختار قادر و مکاتب ہوتے ہیں اس لیے لَا یَقْدِرُوْنَ کہہ کر بتایا گیا کہ یہ غلام کسی قسم کی اذن و اختیار بھی نہیں رکھتا۔ اس لیے لَا یَقْدِرُوْنَ کہنا بھی نہایت ضروری تاکہ عبد ماذون و مکاتب نکل جائیں۔ **تیسرا اعتراض۔** یہاں دو بندوں کی مثال دی گئی ہے ۱ غلام محتاج کی اور ۲ نیک امیر دولت مند کی تو چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا هَلْ یَسْتَوِیَانِ۔ مگر فرمایا گیا ہے۔ هَلْ یَسْتَوٗنَ جمع صیغہ بولنا درست نہیں ہے۔

جواب۔ یہاں کوئی خاص غلام یا نیک آزاد بندہ مراد نہیں بلکہ۔ عام جنس مراد ہے یعنی ایک اس قسم کا بندہ اور ایک اس قسم کا اور جب جنسیت مراد ہوتی ہے تو جمع کا صیغہ ہی لایا جاتا ہے۔ تاکہ عمومیت کا پتہ لگ جائے۔ گویا کہ یہاں واحد لفظ جمع کے قائم مقام ہے۔ بعض نے کہا عبد مملوک تو ایک ہی مراد ہے مگر مرزوق بندے زیادہ مراد ہیں کیونکہ لفظ مَنْ جماعت کے لیے بھی مستعمل ہے۔ لہٰذا یَسْتَوٗنَ درست ہوا مگر یہ جواب غلط ہے۔ اس لیے کہ ایک مملوک کا جماعت اُمَرا سے مقابلہ مناسب نہیں۔ ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آیت ۷۹ کے بعد ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَاۤ اَمْرُ

اور لیے اللہ کے ہیں غیب آسمانوں اور زمین کے اور نہیں ہے کام

اور اللہ ہی کے لیے ہیں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزیں اور قیامت

السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ أَوْ هُوَ أَقْرَبُ ؕ

قیامت کا مگر جیسے پلک مارنا آنکھ کا یا وہ زیادہ قریب ہے

کا معاملہ نہیں مگر جیسے ایک پلک کا مارنا بلکہ اِس سے بھی قریب

إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٧٧﴾ وَاللَّهُ

بیشک اللہ پر ہر چیز قادر ہے اور اللہ نے ہی

بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے اور اللہ نے

أَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُونِ أُمَّهَاتِكُمْ لَا تَعْلَمُونَ

نکالا تم کو سے پیٹوں ماؤں کے تمہاری۔ نہ جانتے تھے تم

تمہیں تمہاری ماؤں کے پیٹ سے پیدا کیا کہ کچھ نہ

شَيْئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْأَبْصَارَ وَالْأَفْئِدَةَ

کچھ بھی اور بنایا لیے تمہارے سننا اور دیکھنے کی آنکھیں اور دل

جانتے تھے اور تمہیں کان اور آنکھ اور دل دیئے کہ تم

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٧٨﴾ أَلَمْ يَرَوْا إِلَى الطَّيْرِ

تاکہ تم اِن اعضا سے شکر کرو۔ کیا انہوں نے نہ دیکھا طرف پرندوں کے

احسان مانو کیا انہوں نے پرندے نہ دیکھے

مُسَخَّرَاتٍ فِي جَوِّ السَّمَاءِ ؕ مَا يُمْسِكُهُنَّ إِلَّا

جو حکم کے تابع ہیں بیچ ہوا آسمان کی نہیں روکا ہوا ہے اُن کو کسی موجود نے مگر

حکم کے باندھے آسمان کی فضا میں انہیں کوئی نہیں روکتا سوا

اللّٰهُ ۭ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ﴿۷۹﴾

اللہ نے بیشک میں اس البتہ نشانیاں ہیں لیے قوم کے جو ایمان لاتے ہیں۔

اللہ کے اس میں نشانیاں ہیں ایمان والوں کو۔

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں اہلِ ایمان کی ظاہر پوشیدہ خیرات و صدقات کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیات میں بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب نیک کاموں کو جانتا ہے کیونکہ آسمان و زمین کا غیب اُسی کے لیے ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ دنیا میں انسان کو تین قسم کی نعمتوں کی ہر وقت حاجت ہے۔ ۱؎ کھانے برتنے کی نعمتیں ۲؎ خدمت گاری کی نعمت ۳؎ کام کاج کرنے کی نعمت اِن میں ایک بھی نہ ملے تو انسان یا مر جاتا ہے یا ذلیل ہو جاتا ہے یا بیکار۔ پچھلی آیت میں پہلی دو نعمتوں کا ذکر ہوا اب اِن آیتوں میں تیسری نعمت کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بیکار نکمّے بے عمل اور کار آمد باعمل محنتی نیک متقی لوگوں کی مثال بیان فرما کر کفّار سے پوچھا گیا کہ کونسا بندہ اچھا ہے۔ اب اِن آیت میں۔ پرندوں کی محنت و پرواز کا ذکر فرما کر بتایا جارہا ہے۔ تم کو ہم نے مضبوط اعضاء دیئے مگر تم نے اِن کو ہمارے راہ میں نہ چلایا۔ پرندوں کو بھی ہم ہی پرواز کی قوت دیتے ہمارے ہی حکم سے چڑھتے اترتے ہیں۔ ہم نے ہی فضاؤں میں اُن کو روکا ہوا ہے۔

تفسیر نحوی وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ واؤ سرِ جملہ لام جارّہ ملکیت کا یا مفعولیت ترجمہ پہلا اللہ کا۔ ترجمہ دوسرا اللہ کو۔ یہاں ثابتٌ اسم فاعل مقدّر ہے یہ جار مجرور اس کا متعلق ہے۔ غَیْبُ اسم مصدر ہے بمعنی پوشیدہ ہونا۔ غائب ہونا۔ مخاطَب و متوجّہ نہ ہونا۔ یہ لغوی ترجمہ ہے۔ اصطلاح میں ہر وہ چیز جو انسانی حواسِ ظاہری و باطنی سے نظر نہ آئے وہ غیب ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے اِس لیے اسم جامد حاصل مصدر ہے مضاف ہے الف لام استغراقی سموات جمع مؤنث ہے سماءٌ کی واؤ عاطفہ الف لام استغراقی ارض اسم مؤنث جامد۔ سماءٌ بھی مؤنث لفظی ہوتا ہے بدلیلِ تصغیر معطوف علیہ معطوف مضاف الیہ ہے اور مرکب اضافی فاعل ہے ثابتٌ کا۔ وہ سب سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہوا۔ واؤ سرِ جملہ مَا نافیہ۔ اَمْرُ اسم مفرد جامد بمعنی کام۔ معاملہ۔ حکم۔ فیصلہ۔ یہاں مراد ہے ابتداءِ قیامت مضاف

ہے بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے پوشیدہ اسم فاعل وَاقِعٌ یا ثَابِتٌ یا آتٍ یا صَادِرٌ ! کے یا قیام مصدر مقدر کے اِس دوسری صورت میں اَمْرُ کا ضمہ (پیش) علامتی ہے اگر قیام ظاہر ہوتا تو یہ فاعل مضاف الیہ ہوکر مجرور ہوتا۔ الف لام استغراقی ہے یا عہدی۔ سَاعَۃِ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ قیامت۔ مجرور ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے وَاقِعٌ کا جملہ اسمیہ ہوکر مستثنیٰ مِنْہُ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنا مفرغ۔ کیونکہ مستثنیٰ مِنْہُ پوشیدہ اور مستثنیٰ بھی۔ دراصل ہے اِلَّا وَاقِعٌ۔ کَلَمْحِ کاف جارّہ۔ لَمْح اسم مفرد حاصل مصدر۔ بمعنیٰ جھپک۔ آنکھ کی۔ کوندا بجلی کا (آسمان)۔ آنکھ مچولی کنکھیوں سے دیکھنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے لغوی ترجمہ مشابہت ہے جس میں فرق نہ کیا جاسکے یا فرق کی مہلت نہ ملے مضاف ہے مجرور کاف تشبیہی سے ہے۔ الف لام جنسی بَصَرِ اسم جامد بمعنیٰ آنکھ اصلاً مصدر ہے بمعنیٰ دیکھنا۔ مضاف الیہ ہے لَمْح کا یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے۔ اَوْ حرفِ عطف بمعنیٰ بَل استدراک مزیدت کے لیے ہے کہ تناقض کے لئے یعنی سابق کی مخالفت مقصود نہیں بلکہ اور زیادتی مقصود ہے۔ اِس کو بَل اضرابیہ بھی کہتے ہیں۔ ھُوَ ضمیر مبتدا ہے۔ مرفوع منفصل ہے۔ اَقْرَبُ۔ اسم تفضیل قربِ زمانی کے لیے واحد مذکر کا صیغہ قُرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادہ قربت والا۔ اسم تفضیل ہمیشہ غیر منصرف ہوتا ہے بوجہ وزنِ فعل ہونے کے۔ اس لیے اُس پر تنوین نہیں آئی۔ بحالت رفع ہے کیونکہ خبر مبتدا ہے۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے۔ جملہ عاطفہ مجرور ہے جار مجرو متعلق ہے پوشیدہ وَاقِعٌ کا وہ جملہ اسمیہ مستثنیٰ ہوا۔ اِنَّ حرفِ تشبیہ اَللّٰہَ مفتوح اِس کا اسم۔ عَلٰی جارّہ استعلائیہ۔ کُلِّ اسم تاکید مضاف ہے شَیْءٍ اسم جامد مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور اور متعلق مقدم ہے قَدِیْرٌ اسم فاعل واحد مذکر کے۔ قُدْرَۃٌ سے بنا بمعنیٰ موقعہ اور مصلحت کے مطابق ہر کام کی صلاحیت قوت اختیار رکھنا۔ یہ صفتِ خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی کسی بندے کو قدیر کہنا منع ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ یہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر اِنَّ ہے۔ قَدِیْر کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر ہے۔ وَاللّٰہُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ واؤ سر جملہ اللّٰہُ مبتدا۔ اَخْرَجَ۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد غائب مستتر اِس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللّٰہُ ہے۔ مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنیٰ نکالنا متعدی بیک مفعول ہے۔ کُمْ ضمیر مذکر حاضر مراد کفارِ مکہ مرجع عمومی ہے۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ مِنْ جارّہ ابتدائیہ غایت کے لیے بمعنیٰ فی ظرفیہ مکانیہ ترجمہ مخلوط ہے۔ میں سے۔ بُطُوْنِ۔ اسم جمع مکسر منصرف بَطْنٌ واحد ہے بمعنیٰ۔ باطن پوشیدہ پیٹ۔ رِحم۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ مضاف ہے اُمَّهٰتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد اُمَّۃٌ بھی

ہے اور اُمّ دَامٌّ بھی۔ لغوی معنیٰ ہے بیج۔ اصلیت۔ جَڑ۔ اصلی لفظ اُمَّہٌ ہے بمعنیٰ والدہ بننا۔ صرف اُسی ماں کے لیے آتا ہے جو سگی ہو (جس کے پیٹ سے بچہ پیدا ہو) اُس کو تبدیل کرکے اُمٌّ کیا گیا۔ یعنی ھ کو میم بنایا۔ اور دونوں کو مدغم (مشدّد) کردیا۔ یہ لفظ ہر نسبت کے لیے مستعمل ہے خواہ والدہ ہو یا کوئی مؤنث رشتے دار بزرگ یا کوئی مؤنث چیز۔ مثلاً اُمّ القُریٰ وغیرہ۔ انسانی اُمّ کی جمع ہمیشہ اُمّہٰت ہوتی ہے اصلیت کا لحاظ رکھ کر۔ لیکن حیوانات کی اُمّ کی جمع اُمَّاتْ یا اُمَّات ہوتی ہے۔ بحالتِ کسرہ ہے مضاف الیہ ہے ماقبل بطونِ کا اور مضاف ہے مابعد کا کُمْ ضمیر جمع مذکر مخاطب سب مرکب اضافی مجرور اور متعلق ہے اَخْرَجَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر ذُو الحَال لَا تَعْلَمُوْنَ مضارع منفی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر منفصل پوشیدہ اس کا فاعل مرجع عام انسان۔ شَیْئًا اسم نکرہ مفرد بحالتِ نصب مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا۔ حال ذو الحال معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ جَعَلَ۔ ماضی مطلق۔ واحد مذکر اس کا فاعل ھُوَ اسی میں مقدّر ہے مرجع اَللہ۔ لَکُمْ۔ لام اضافت کا کُمْ ضمیر مجرور متّصل متعلق ہے جَعَلَ کا۔ الف لام جنسی۔ سَمْعَ۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنیٰ قوّتِ سماعت یعنی سننے کی طاقت۔ کان کے اُس پردے کا نام ہے جس سے آواز کی لہریں ٹکراتی ہیں اور دماغ کی اُذنی رگوں کو ہلاتی ہیں۔ اُذن سارے جسمی عضوی کان کو کہتے ہیں مگر سَمْعَ صرف اُس پردے کو وہ قوّت بھی مخلوق ہے اور پردہ بھی۔ مگر یہاں مراد ہے اِس قوّت کو اُس پردے میں رکھنا۔ ڈالنا۔ بنانا۔ واؤ عاطفہ الف لام جلسی یا استغراقی اَبْصَارَ۔ جمع مکسّر ہے بَصَرٌ کی بمعنیٰ بینائی (دیکھنے کی قوّت) بحالتِ نصب ہے کیونکہ تابع عطفی ہے۔ یہ مرکب عطفی مفعول بہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ الِف لام استغراقی یا جنسی اَفْئِدَۃَ جمع مکسّر ہے فُؤَادٌ کی۔ اسم نکرہ منصرف ہے۔ بمعنیٰ قلب کی وہ جگہ جو مخزنِ فراست ہے۔ عضوی دل کو قلب کہا جاتا ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ معطوف ہے۔ سَمْعَ پر جَعَلَ پورا جملہ معلول ہے۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ فعل مضارع احتمالی صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع مستتر فاعل۔ شُکْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ اِظہارِ نعمت جس کے بہت طریقے ہیں۔ جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی معلول علّت خبر مبتدا۔ پھر جملہ اسمیہ۔ اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرَاتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ۔ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللہُ۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اَ ہمزہ استفہامیہ اقراری۔ یعنی ایسا ہی ہے ہمزہ سوالِ انکاری والا ایجاب کو سلب کرتی ہے اور سلب کو بھی سلب تاکیدی رہنے دیتی ہے۔ لیکن اقراری اس کے برعکس۔ سلب کو ایجاب اور ایجاب کو تاکید میں لاتی ہے۔ یہاں سلب (منفی) کو ایجاب یعنی مثبت میں کیا گیا ہے۔ لَمْ یَرَوْا۔ فعل نفی جحد بلَم۔ مضارع بمعنیٰ ماضی مطلق۔ جحد کا معنیٰ ہے جان کر نہ کرنا۔ سمجھ اور شعور سے نہ کرنا۔ بقاعدۂ نحو جیسی نفی ٹوٹے ویسا ہی ثبوت پیدا ہوتا ہے۔ تو مطلب

ہوا کہ سب لوگ عقل و شعور سے دیکھتے ہیں۔ حاضر کے بعد غائب صیغہ لانا عمومیت پیدا کرنے کے لیے۔ اِلیٰ جارّہ انتہائیہ ہے۔ الف لام جنسی طَیْر اسم مفرد جنسی معرَّف ہے بمعنیٰ پرندہ جمع واحد سب کو شامل۔ یہاں جمع مراد ہے مُسَخَّرٰتٍ۔ باب تفعیل کا اسم مفعول صیغہ جمع مؤنث سَخَّرَ سے بنا ہے بمعنیٰ قبضے میں کرنا مُسَخَّرات یعنی قبضے میں کئے ہوئے۔ هُنَّ ضمیر جمع مؤنث اس کا فاعل جس کا مرجع ہے طَیْر اسم جنسی سے یہاں جمعیت مراد ہے اس لیے اس کے لیے صیغہ جمع مؤنث۔ بقاعدۂ نحو جنسی جمع ضمیر ذوالعقول حقیقتاً مؤنث ہوتی ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے طَیْر کا۔ ذوالحال حال مل کر مجرور اور متعلق ہے ماقبل کا۔ فِیْ جارّہ ظرفِ مکانی کے لیے جَوِّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ فضا وہ جگہ جو زمین سے تقریباً پندرہ میل تک اوپر جانب آسمان ہو۔ مضاف ہے اَلسَّمَآءِ اسم مفرد مراد پہلا آسمان۔ الف لام عہد خارجی۔ مضاف مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے مسخرات کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا۔ مَا یُمْسِکُ۔ باب اِفعال کا مضارع منفی معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اِمساک۔ مَسَکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ روک کے رکھنا۔ اسی طرح کہ صرف گرنے نہ دینا۔ ٹھہرائے رکھنا۔ تھامنا۔ بند کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ مکمل ٹھہرانے کو جزمؔ یا سکنؔ کہا جاتا ہے۔ جس میں نہ دائیں بائیں ہو سکے نہ اوپر نیچے یہاں یہ مراد نہیں۔ اس لیے مُمْسِک جس میں اوپر اور دائیں بائیں کا ثبوت نیچے گرنے کا سلب (نفی) ہے۔ نیچے آنے کا بھی سلب نہیں ہے۔ هُوَ اس میں پوشیدہ ہے جس کا مرجع نکرہ غیر معین ہے بمعنیٰ کوئی مراد ہیں موجودات هُنَّ۔ ضمیر جمع مؤنث غائب مرجع طَیْر ہے منصوب متصل ہے مفعول بہ۔ اِلَّا۔ حرفِ استثناء متصل مذکور۔ اللّٰهُ۔ فاعل ہے پوشیدہ فعل یُمْسِکُ کا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا۔ مُستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر جملہ استثنائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ ایک قول میں مستثنیٰ منقطع مذکور ہے۔ کیونکہ مستثنیٰ منہ مَا یُمْسِکُ کی ضمیر مستتر کا مرجع مخلوق ہے اور مستثنیٰ اللّٰهُ جو مخلوق میں شامل نہیں۔ مگر متصل کہنے والوں کی دلیل یہ ہے هُوَ کا مرجع جنسی۔ موجودات ہے نہ کہ مخلوقات۔ اور موجودات کی شمار میں اللہ تعالیٰ شامل ہے۔ اگرچہ حقیقتاً جنسی نوع صنفی شمولیت نہیں ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ فِیْ جارہ ظرفِ مجازی ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ خبرِ اِنَّ ہے جملہ اسمیہ ہو کر مقدم۔ لام ابتدائیہ اٰیٰتٍ جمع مؤنث ہے اٰیَۃٌ کی بمعنیٰ نشاناتِ قدرتِ الٰہیہ۔ منصوب ہے اسم مؤخر ہے اِنَّ کا لام جارّہ نفع کا قَوْمٍ موصوف۔ یُؤْمِنُوْنَ۔ باب اِفعال کا مضارع مثبت معروف هُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر اس کا فاعل فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی قَوْمٍ کی موصوف صفت مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق موجودٌ پوشیدہ کا جو خبر اِنَّ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَلِلّٰهِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَاۤ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ

لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ اور تمام آسمانوں زمین کی اور ان کی تمام چیزوں کی پوشیدہ حقیقت کا غیبی علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے۔ غیب کی تعریف کے متعلق لوگوں کے مختلف اقوال ہیں۔

۱ غیب وہ جو حاضر نہ ہو ۲ غیب وہ جو پوشیدہ ہو ۳ آسمانی تمام چیزوں کو غیب کہا جاتا ہے جن میں جنت دوزخ وغیرہ بھی شامل ہے ۴ غیب وہ جو نظر نہ آئے ۵ وہ چیز جو ابھی پیدا نہیں وہ غیب ہے۔ مگر یہ سب تعریفیں ناقص ہونے کی بنا پر غلط ہیں۔ ان تعریفوں کو لے کر پھر یہ گستاخی کرنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں۔ معاذ اللہ آپ کو تو دیوار کے پیچھے کا پتہ نہیں۔ اور بناوٹی روایتیں سناتے پھرنا کہ نبی کریم گھوڑے پر سوار تھے کسی نے پوچھا گھوڑے کے پاؤں کتنے ہیں تو آپ نے اتر کر گن کر بتائے۔ کبھی گستاخ لوگ کہتے ہیں کہ اُمّ المومنین حضرت عائشہ کی تہمت کا نبی کریم کو کیوں پتہ نہ لگا۔ اور عائشہ صدیقہ کا ہار گما نبی کریم کو پتہ نہ لگا۔ وغیرہ وغیرہ میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سب چیزیں غیب تھیں اور ان کا جان لینا غیب کا ہی جان لینا ہے تو حضرت عیسٰی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تم کو میں اُن تمام چیزوں کی خبر دے سکتا ہوں جو تم کھاتے ہو بچاتے جمع کرتے ہو نیز جادوگر۔ نجومی۔ جوتشی بھی آسمان وزمین کی بہت سی چیزوں کا پتہ بتا دیتے ہیں دربارِ فرعونی کے بہت سے نجومیوں نے ولادتِ موسیٰ سے کئی سال پہلے حضرت موسیٰ کی پیدائش کی بالکل سچی خبر دیدی تھی آج محکمہ موسمیات کے ذمے دار آفیسر کئی گھنٹے پہلے موسم کے متعلق کئی چیزوں کی خبر دیدیتے ہیں۔ یہود عرب کو نبی کریم کی ولادت کی خبریں اُس وقت کے نجومیوں نے دی تھی جو بالکل سچی تھیں۔ علم جفر کے ذریعے ماضی حال مستقبل کی خبریں دور دراز کے واقعات کا پتہ لگ جاتا ہے۔ مسمریزم۔ ٹیلی پیتھی۔ ہپناٹزم کے ماہرین پوشیدہ اور آئندہ اور دور کی چیزوں کو جان لیتے ہیں بہت سے اولیاء اللہ صاحبِ کرامات بے اولاد کی قسمت کا پتہ لگا کر ہر قسم کے بچے اور اولاد کا پتہ لگا لیتے ہیں۔ اگر اسی کا نام غیب جاننا ہے تو بھلا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان علوم سے کس طرح سے ناواقف رہ سکتے ہیں۔ کیسی احمقانہ بناوٹ ہے کہ نبی کریم کو گھوڑے کے پیروں کا پتہ نہ تھا نیچے اتر کر گن کر بتایا اور پوچھنے والا کیسا احمق تھا کہ آپ سے ایسا سوال کیا۔ نیز اگر آسمان و زمین کی ان پوشیدہ چیزوں اور واقعات کا پتہ لگا لینا ہی علم غیب ہو تو پھر یہ علم اللہ تعالیٰ کی خصوصیت نہ رہی حالانکہ قرآن مجید کی اس آیت اور دیگر متعدد آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب کو نہیں جانتا۔ قرآن کریم میں غیب اور غیوب اور مغیبات آسمانی و زمینی کا ذکر تقریبًا پچاس ۵۰ جگہ ہوا ہے جن سے علمِ غیب کی اہمیت کا پتہ لگتا ہے ان آیات سے یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی بھی علمِ غیب نہیں رکھتا۔ نہ انبیاء نہ اولیاء نہ نجومی نہ جادوگر نہ علمِ جفر۔ مسمریزم۔ ٹیلی پیتھی نہ جوتشی۔ نہ سائنس۔ نہ کشف نہ مراقبہ۔ لیکن مختلف لوگوں نے غیب کی جو مندرجہ بالا تعریفیں کی ہیں اِن سے پتہ لگتا ہے کہ غیب کوئی اہم چیز نہیں ہے ہر شخص مسلم غیر مسلم ذرا سی محنت کر کے جان لیتا ہے۔ جب کہ قرآن و حدیث میں علم غیب کو بہت اہمیت دی گئی ہے یہاں تک کہ کسی نبی علیہ السلام اور کسی ولی اللہ غوث و قطب نے بھی غیب جاننے کا دعویٰ نہیں کیا۔ ولیوں کے سردار غوثِ پاک جیسی ہستی نے قصیدہ غوثیہ شریف میں بہت سے سچے دعوے فرمائے ہیں مگر غیب دانی کا دعویٰ غوثِ پاک نے بھی نہ فرمایا۔ کہیں بھی نہیں فرمایا کہ میں غیب جانتا ہوں۔ خود آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے عرش و فرش لوح و قلم جنت و دوزخ زمین و آسمان اور اُن کی تمام ظاہر و باطن چیزوں کو دیکھا بلکہ نگاہِ جسدی سے رب تعالیٰ کا دیدار فرمایا۔ وہ بھی ظاہر ظہور صاف لفظوں میں غیب جان لینے کا دعویٰ نہیں فرماتے حالانکہ اِس کے علاوہ آپ نے بہت سے حق دعوے فرمائے پھر اگر غیب صرف آسمانوں یا جنت دوزخ سے ہی متعلق ہوتا تو اس آیت اور دیگر آیت میں غیب کو زمین اور اُس کی چیزوں میں بھی ثابت فرمایا جا رہا ہے۔ ان تمام سوالات کا بس ایک ہی جواب ہے کہ سابقہ مندرجہ تمام تعریفیں جو غیب کے متعلق کی گئیں ہیں وہ سب غلط ہیں۔ اصلی اور جامع مانع مکمل تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو انسان کے حواسِ ظاہری اور حواسِ باطنی اور قوّتِ قلبیہ سے معلوم نہ ہو سکے وہ غیب ہے۔ اور اُسی کا جان لینا علم غیب ہے۔ باری تعالیٰ نے انسان کے اندر پندرہ ۱۵ حواس پیدا فرمائے ہیں۔ سات حواسِ ظاہری ۱ قوّتِ باشیہ ۲ قوّتِ حاسّہ ۳ قوّتِ لامسہ ۴ قوّتِ ذائقہ ۵ قوّتِ باصرہ ۶ شامّہ ۷ قوّتِ سامعہ اور سات حواس باطنی ہیں ۱ قوّتِ فہمیہ ۲ قوّتِ حافظہ ۳ قوّتِ تخیّل ۴ قوّتِ ظنیہ ۵ قوّتِ نفسانیہ ۶ قوّتِ ضمیریہ ۷ قوّتِ جاذبہ۔ اور ایک قوّت کا نام۔ قوّتِ قلبیہ ہے۔ صوفیاء کرام کی اصطلاح میں ان ہی حواس کو جسدِ انسانی کی سات زمینیں سات آسمان اور قلبُ المؤمن عرش اللہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ تمام علومِ ظاہری باطنی۔ روحانی۔ عرفانی کشفی۔ مراقبی۔ نجومی۔ مادّی۔ علوم شریعت طریقت حقیقت۔ معرفت اِن ہی حواس سے حاصل کئے جاتے ہیں۔ منطقی۔ فلسفی۔ سائنسدان عالِم محدّث مفسّر مجدّد مجتہد ولی اللہ۔ غوث۔ قطب ابدال اوتاد۔ اَفراد۔ اِن ہی حواس کی محنت سے بنتا ہے۔ کرامات۔ مکاشفات۔ مراقبات۔ مجاہدات۔ عبادات۔ ریاضات۔ مشاہدات۔ سحریات جفریات۔ نجومیات۔ فلکیات۔ اَرضیات موسمیات کے علوم بھی اِن ہی پندرہ حواس سے حاصل کئے جا سکتے ہیں۔ مگر ان حواس سے علم غیب حاصل نہیں ہو سکتا۔ انسان صرف اُن ہی علوم کا استجاد عویٰ کر سکتا ہے جو وہ خود اپنے حواس کی محنت سے حاصل کر لے۔ علم غیب چونکہ کسی بھی حواس سے

کسی بھی محنت مشقت سے حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اور انسان کے پاس علم حاصل کرنے کی صرف یہ پندرہ قسمیں ہی ہیں۔ لہٰذا انسان کو علم غیب حاصل نہیں۔ کائنات کی ہر چیز میں تین کیفیتیں ہیں۔ ۱۔ ظاہری ۲۔ باطنی ۳۔ غیبی۔ ہر چیز کی حقیقتِ مادیہ غیب ہے جس کو بجز پروردگار کوئی نہیں جانتا۔ کائنات کے ذرے سے لے کر ہاتھی تک میں ایک حقیقی عنصر موجود ہے وہی سب بندوں سے مخفی ہے۔ انسان اپنی عقل۔ علم کے زور پر گھاس کے پتے کو اور خود اپنی کھال۔ گوشت ہڈی کو ظاہر باطن سے دیکھ لیتا ہے مگر یہ نہیں جانتا کہ اس کی بنیادی حقیقت کیا ہے کس چیز سے اس طرح بن گئی اسی لیے کاریگر کاغذ۔ کپڑے اور پلاسٹک کے پھول تو بنا سکتا ہے مگر اصلی گھاس کا تنکا بھی نہیں بنا سکتا۔ گزشتہ آئندہ واقعات کے ہونے کو تو سن پڑھ اور پتہ لگا سکتا ہے مگر اس کے وقوع کی حقیقتِ گزشتہ و آئندہ نہیں جان سکتا۔ اسی اظہار کے لیے یہاں فرمایا گیا لِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ایک جگہ فرمایا گیا لَا يَعْلَمُ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ ویسے تو ہر علم کی توفیق اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے مگر علم غیب کی تو مکمل تعلیم رب تعالیٰ ہی جس کو چاہے عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا ہم نہیں کہہ سکتے کہ فلاں کے پاس علم غیب ہے فلاں کے پاس نہیں جب تک کہ پوری دلیل اشارۃً یا کنایۃً نہ ملے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ہم اس لیے غیب جاننے کا اقرار کرتے ہیں کہ چند آیات سے اس کا ذکر ملتا ہے کلامِ الٰہی میں اَنْبَاۗءِ الْغَيْبِ اور نُوْحِيْهِ۔ اور نُوْحِيْهَا اور فَلَا يُظْهِرُ اور لِيُطْلِعَكُمْ ۔ والی آیتیں اسی غیب کی تعلیمِ ربانی کا ہی ذکر فرما رہی ہیں۔ اظہار اور اطلاع اور وحی بھی تعلیمِ الٰہی ہی ہے۔ دکھانا سنانا بھی علم دینا ہی ہے۔ اب جو شخص یہ کہے کہ غیب کا علم کسی نبی کو ہے ہی نہیں وہ ان آیات اور تعلیمِ الٰہیہ کا منکر ہے۔ تعلیم دینے سے غیب کا علم آ جانا درست ہے۔ علمِ غیب کی یہ خصوصیت ہے کہ وہ کسی کی اپنی محنت اور حواس سے نہیں آ سکتا۔ اسی علم غیب کے زمرے میں قیامت آنے کا علم ہے اسی غیبی حقیقت کا یہاں ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ پلک جھپکنے کی طرح یا اس سے بھی زیادہ جلدی آئے گی۔ نہ ٹھہر ٹھہر کر آئے جو تم کو بچنے سنبھلنے کی مہلت ملے نہ آتے ہوئے کچھ آثار نشانات بتائے اور جو چیز اتنی جلدی آئے کہ نہ سوچنے سمجھنے دے نہ کچھ سامان اٹھانے دے تو پھر اس دنیا میں دل لگانے سامان بنانے کی ضرورت ہی کیا ہے بس ہلکے پھلکے رہو اور وہ سامان بناؤ جو تم سے پہلے ہی خود بخود وہاں پہنچتا رہے۔ یہ قیامت بھی اللہ کی طاقت۔ قدرت سلطنت کا ایک عظیم نشان ہے بیشک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے انسانو تم بھلا علم غیب کو کیا جانو تم کیا۔ تمہارے حواس کیا تمہاری تو اپنی یہ حالت ہے کہ اللہ نے تم کو تمہاری ماؤں والداؤں کے پیٹوں سے اسی حالت میں نکالا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے یہ تمہاری کیفیت اس کا قانونِ ولادت ہے لیکن اس کی یہ قدرت بھی

ہے کہ چاہے حضرت مسیح کو بطنِ مادر میں ہی بلکہ اس سے بھی پہلے عالمِ اَرواح یا عالمِ اَمر میں ہی سب کچھ پڑھا دے سکھا دے۔ اور اُسی خلّاقِ عالم نے تمہاری حواسِ ظاہری قوتِ سامعہ۔ باصرہ اور قوتِ قلبیہ بنائے تاکہ تم اپنے ان تمام حواس ظاہری باطنی کو اس کے شکریے میں استعمال کرو اَلَمْ یَرَوْا اِلَی الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ اللہ نے تمام انسانوں کو باطنی و ظاہری حواس دیئے۔ جن میں کان آنکھ ایسے حواس ہیں جن کا تعلق باطنی حواس سے ہے اور باطنی حواس میں دل سب سے زیادہ مفید اور قوی ہے۔ یہ حواس اس لیے دیئے گئے ہیں تاکہ انسان عالم اور عالم کی ہواؤں فضاؤں کو عقل دل دماغ سے جانے اور اللہ کی حیرت انگیز قدرتوں کو دیکھے ان حواس کے باوجود کیا ان کفار اور منکرین ناشکروں نے پرندوں کی طرف نہیں دیکھا جو آسمان اور بلند فضاؤں میں کیسے بندھے ہوئے حکمِ الٰہیہ کے پابند ہو کر اُڑتے پھر رہے ہیں۔ بڑے بڑے بڑے اور چھوٹے پرندوں کو انتہائی نرم لطیف اور نازک ہوا میں صرف اللہ تعالیٰ نے روک رکھا ہے کہ جس طرح چاہیں اُلٹے سیدھے۔ پر پھیلائے پر مارتے بہت بلندی پر اور بہت ہی نیچے اُڑتے پھریں اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا اور ان سب کے اَفعال کا خالق ہے جس کو وہ نہ اڑائے تو ہزاروں پروں کے باوجود بھی نہ اُڑ سکے نہ فضا میں ٹھہر سکے جیسے مرغی بطخ۔ بیشک اس تمام صنعت میں ایمان والوں کے لیے ایمان قائم رکھنے اور ایمان لانے کے لیے البتہ بیشمار دلائل اور نشانیاں ہیں۔

فائدے

اِن آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کائناتِ عالم کی مخفی حقیقت کو کوئی مخلوق میں نہیں جانتا۔ بجز اُس کے جس کو خود رب تعالیٰ نے علم غیب سکھایا ہو۔ لہٰذا کسی کے متعلق بلا دلیل ہرگز نہیں کہنا چاہیئے کہ فلاں شخص غیب جانتا ہے یہ فائدہ لِلّٰہِ۔ اور غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے حاصل ہوا۔ لِلّٰہِ کے تقدّم نے حصر کا فائدہ دیا۔ دنیا جہان میں اگر کسی مخلوق کو غیب کا علم ہو تو وہ عطائی وہبی ہی ہوگا۔ بخلاف دیگر علوم کے کہ وہ بندوں کے ذاتی بھی صفاتی بھی پڑھنے پڑھانے سے عطائی بھی ہوتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ۔** باری تعالیٰ کی صنعتیں دو قسم کی ہیں بعض قانونی ہیں اور بعض قدرتی۔ قانون یہ ہے کہ ولادت کے وقت لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا۔ اور قدرت یہ ہے کہ حضراتِ اَنبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلام عالمِ اَرواح اور بطنِ مادر میں ہی سب کچھ جانتے ہوں لہٰذا کسی مسلمان کو کسی وقت بھی نہ قدرت کا انکار کرنا چاہیئے نہ قانون کا وہ بدبخت لوگ جو اَنبیا اَولیا کی شان و قوت کو نہیں مانتے وہ حقیقت میں رب تعالیٰ کی قدرت کا انکار کرتے ہیں اَجسامِ اَنبیا اَولیا رب کی قدرتوں کا مظہر ہے اور دیگر عام مخلوق رب تعالیٰ کے قانون کا مظہر ہے۔ یہ فائدہ۔

لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا فرمانے اور دوسری آیت احادیث سے حاصل ہوا۔تیسرا فائدہ۔ جس طرح کہ باطنی اعضا میں دل سب سے اعلیٰ نعمت ہے اسی طرح ظاہری اعضا میں کان سب سے بڑی نعمت ہے کیونکہ یہ تمام علوم کے حصول کا ذریعہ ہے۔اور علم ہی سرچشمۂ ہدایت و معرفتِ الٰہیہ ہے۔ اسی لیے کوئی نبی بہرا نہیں ہوا اسی طرح کوئی غوث و قطب بھی بہرا نہیں ہوتا۔یہ فائدہ جَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ میں سمع کو مقدم کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا ذاتی مالک ہے اور بندے یعنی صرف انسان، زمین کی بعض چیزوں کے عطائی مالک ہیں۔باقی جاندار۔انسان کے علاوہ، جنات فرشتے اور حیوانات کسی چیز کے بھی مالک نہیں ہیں۔ذاتی اور عطائی ملکیت میں فرق یہ ہے کہ ذاتی مالک اگر اپنی چیز کا کسی اور کو مالک بنادے تو بھی اس کی اپنی ملکیت اور قبضہ اور تصرف ختم نہیں ہوتا۔اور عطائی مالک جب اپنی چیز کا کسی اور کو مالک بنادے تو اس کی اپنی ملکیت قبضہ اور تصرف قانوناً و شرعاً ختم ہو جاتا ہے۔ مثلاً میں نے ایک زمین بیچدی یا تحفہ۔ ہبہ۔ وقف میں کسی اور کو دیدی۔ تو اب میں وہاں کچھ تصرف بھی نہیں اور کام بھی نہیں کر سکتا۔مگر ذاتی مالک اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں ولیوں کو سارا جہان دے کر بھی اس میں تصرف فرماتا ہے۔ دیکھو زمین میری ہے مگر درخت گھاس پھوس رب تعالیٰ اگا رہا ہے۔ دوسرا کوئی شخص میری زمین میں ایسا نہیں کر سکتا۔نیز اگر عطائی ملکیت ہو تو دوسرا شخص اپنی نصف ملکیت سے شریک بن سکتا ہے۔مگر ذاتی ملکیت میں کوئی بھی شریک نہیں بن سکتا ذاتی ملکیت ہمیشہ پوری ہی ہوتی ہے۔نصف یا چوتھائی نہیں ہوتی۔باری تعالیٰ اپنی قدرت سے جس کو مالک بنادے وہ شریک نہیں بن سکتا البتہ حبیب بن سکتا ہے۔یہ مسئلہ لِلّٰہِ میں ملکیت کے لام سے مستنبط ہوا۔قرآن مجید میں رب تعالیٰ کی ملکیت کے ثبوت تو بہت جگہ ہیں مگر کسی کو دینے کی نفی کہیں نہیں ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ ہر شئی پر قادر ہے مگر لاشئی پر قدرت کا کوئی ثبوت نہیں۔لہٰذا جو کم عقل اور گستاخ ان آیتوں سے سہارا پکڑ کر یہ کہدیتے ہیں کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے وہ کفر اور حرام کے مرتکب ہوتے ہیں۔ ایسا کہنا حرام ہے۔کیونکہ جھوٹ لاشئی ہے۔شئی نہیں ہے۔نیز ان جیسی تمام آیتوں میں کرنا مراد ہوتا ہے نہ کہ بولنا وغیرہ۔یہ مسئلہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔یہاں فرمایا گیا اَوْ هُوَ اَقْرَبُ یعنی قیامت کا معاملہ آنا بپا ہونا۔

پلک جھپکنے کی طرح ہے یا اس سے بھی قریب تر یہ عبارت جملہ خبریہ ہے۔ اور جملہ خبریہ میں حرف اَوْ آنا شک کے لیے ہوتا ہے۔ حالانکہ رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ تو یہاں یہ حرف کیوں آیا؟

جواب۔ علما نے اس کے جواب میں تین قول فرمائے ہیں ۱۔ اَوْ حرفِ عطف بمعنیٰ بَلْ ہے۔ یعنی بلکہ۔ اور اس کی قرآن مجید میں بہت مثالیں ہیں مثلاً فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۔ وغیرہ وغیرہ۔ ۲۔ یہ اَوْ بمعنیٰ واؤ ہے یعنی اور ۳۔ اَوْ اپنے ہی معنیٰ میں ہے یعنی شک کے لیے۔ مگر یہ شک بندوں کی نسبت سے ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اور معنیٰ یہ ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اتنی فوراً ہوگی کہ بندے اندازہ نہیں لگا سکے گا کہ یہ آنکھ جھپکنے میں آئی ہے یا اس سے بھی پہلے۔ اس وقت بتانا یہ مقصود ہے کہ مولیٰ تعالیٰ قیامت لانے میں ہر طرح قادر ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ الخ پھر فرمایا گیا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ یعنی پہلے پیدا کیا گیا پھر کان آنکھیں۔ اور دل بنایا گیا۔ یا پھر کان کی سماعت کا علم آنکھ کی بصارت کا اور دل کی فہم کا علم دیا گیا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ بچہ مکمل ہو کر پیدا ہوتا ہے لیکن یہ عطف بتا رہا ہے کہ یہ چیزیں بعد میں ہوئیں۔

جواب۔ اس کے جواب دو طرح ہیں اولاً یہ کہ یہاں واؤ سے عطف کیا گیا ہے نہ کہ ثُمَّ سے یا فَ عاطفہ سے۔ اور واؤ ترتیب کو نہیں چاہتی۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط ہے۔ دوم یہ۔ کہ یہاں سَمْع سے کان مراد نہیں یا قوتِ سماعت مراد نہیں بلکہ استعمال مراد ہے۔ یعنی اگرچہ والدہ کے پیٹ میں کان آنکھ دل دماغ سب کچھ موجود ہیں اور ان کی قوتیں بھی موجود ہیں مگر پیٹ میں یہ چیزیں استعمال نہیں ہوتیں۔ اس لیے ان کا ذکر بعد میں فرمانا بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ باری تعالیٰ نے یہاں تین علوم عطا فرمانے کا ذکر کیا۔ یعنی اللہ نے بندوں کو سننے دیکھنے اور سمجھنے کا علم عطا فرمایا۔ تو سوال یہ ہے کہ علوم نظری ہیں یا بدیہی یعنی خود بخود آ جاتے ہیں (اس کو بدیہی کہا جاتا ہے) یا سوچ سمجھ اور کسب سے حاصل ہوتے ہیں اگر یہ بدیہی ہیں تو چاہیے کہ پیدا ہوتے ہی بچے کو یہ سارے علوم حاصل ہو جائیں حالانکہ ایسا نہیں اس کی سماعت۔ بصارت اور قلبی قوت سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا نہ پہچانتا ہے نہ سمجھتا ہے اور اگر یہ نظری ہیں تو یہ علم محنت سے حاصل ہونے چاہئیں پڑھنے پڑھانے اور کسی استاد سے یا ان کے لیے کسی اور علم کا سہارا لیا جائے پھر اس دوسرے علم کے لیے کسی تیسرے علم کی ضرورت پڑے اور ایک تَسَلْسُلْ لازم آ جائے جو محال ہے۔ تو پھر یہ کونسا علم ہوا۔

جواب۔ حق یہ ہے کہ یہ علوم بدیہی ہیں مگر پیدا ہوتے ہیں بعد ولادت۔ اور حاصل کسی دوسرے علم سے نہیں ہوتے بلکہ اپنے ہی حواسِ ظاہری و باطنی سے حاصل ہوئے اور وہ حواس خاص کر سماعت۔ بصارت

ہے۔ طریقہ یہ ہے کہ اولاً ذاتِ انسانی تمام علوم سے خالی پیدا ہوئی لیکن بچے نے دنیا میں آکر اپنی خدا داد سماعت سے دیکھا اور بار بار دیکھا۔ سنا اور بار بار سنا تو وہ نقشہ آنکھوں کے راستے دل دماغ میں نقش ہو گیا اور کانوں کے راستے وہ الفاظ خیالات وگمان کی صورت میں دماغ و قلب کے اندر جمع ہو گئے۔ اسی طرح باقی حواس سے بھی بغیر محنت اور کسب پڑھنے پڑھانے اور غور فکر کے بغیر۔ بدیہی طور پر علوم مختلفہ حاصل ہوتے رہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا بِرَآدِّيْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَهُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ

اے راہِ عشق کے مسافرو۔ اللہ نے تم کو درجہ بدرجہ بعض سے بعض کو رزق انوار اور غذاءِ قرب میں درجوں فضیلت دی تو وہ خوش بخت جن کو فضیلت دی گئی۔ کس طرح اپنے خزانۂ معرفت کو اپنے بیعت و طلب کے مریدوں کی طرف لوٹا سکتے ہیں کہ وہ مقامِ قرب میں برابر ہو جائیں۔ تو کیا اللہ کریم رحیم کی ان باطنی دائمی ازلی ابدی نعمتوں کا کوئی انکار کر سکتا ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ جل مجدہ نے حواسِ ظاہری اور باطنی کو قوت وطاقت کے مختلف درجے اور مرتبے عطا فرمائے۔ اور حواسِ باطنی کو حاکم بنایا حواسِ ظاہری کو محکوم۔ قوتِ باطنی کا نفس چاہتا ہے کہ اعضاءِ ظاہری میرے ماتحت ہو کر تابعِ فرمان ہوں اور عقل کہتی ہے کہ میرے ماتحت ہو کر میری اتباع کریں۔ دل چاہتا ہے کہ سب میرے قابو میں رہیں۔ کوئی بھی اپنے برابر کسی کو جرأت نہیں دیتا۔ یہ خداداد قوتیں ہی جسدِ انسانی کی وہ نعمتیں اور رزق ہیں جن کے وسیلے سے عوارضِ صفاتیہ کی تمام خارجی صفات بندے کو میسّر ہوتی ہیں۔ دنیاءِ انسانیت کی تمام چہل پہل ان ہی کے دم سے ہے۔ نعمتیں تو سب حاصل کر رہے ہیں ذوق و شوق سے برت رہے ہیں۔ مگر منعمِ حقیقی سے اس لیے منکر ہیں کہ دماغِ مغرور پر غفلتِ نفسانی کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور یہ غفلت فنا کی موت ہے۔ بقا اسی کے لیے ہے جو ذاتِ حق میں شکر سے مشغول رہے۔ اگر ایک لمحہ اِس دنیا میں ذاتِ حق سے غافل ہو جائے تو فنا ہو جائے۔ اللہ کے دوست کی تین خصلتیں ہیں۔

۱ سخاوت مثلِ سمندر ۲ شفقت مثلِ آفتاب ۳ عاجزی مثلِ زمین جس میں یہ تین خصلتیں ہوں گی وہ کبھی بھی اللہ کریم کی نعمتوں کا انکار کر کے يَجْحَدُوْنَ کے زمرے میں شامل نہیں ہو سکتے۔ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ اَفَبِالْبَاطِلِ يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ اور اللہ نے عالمِ ارواح میں تمہاری روحوں کے لیے جسم کی بیویاں بنائیں اور تمہارے عالمِ ناسوت و عالمِ لاہوت کے فائدوں کے لیے تمہارے جسم کی بیویوں سے اعضاءِ باطنی کے بنین بنائے

اور اَعضاءِ ظاہری کے حَفَدَہ بنائے۔ اور اَعمالِ صالحہ عبادات۔ ریاضات۔ ایمانیات۔ شریعت و طریقت کے طیّب رزق عطا فرمائے۔ تو کیا وہ جسم کے نفس پرست اَعمالِ باطلہ و افعالِ کفریہ۔ غفلت و سستی شقاوت و بدبختی پر ایمانِ محبت لاتے ہیں اور باطل کے سامنے جھکتے ہیں اور عشق و معرفت کی ازلی حقیقی نعمت کا کفران کرتے ہیں۔ صوفیا کی اصطلاح میں اَنْفُسْ سے مراد اَرواح۔ زوج سے مراد جسم۔ بَنِیْن یعنی بیٹے اور اولاد سے مراد اعضاءِ باطنی ہیں اور حَفَدَہ یعنی نسلِ فرعی نسل در نسل اور نوکر خدام سے مراد اعضاءِ ظاہری ہیں۔ رزقِ طیّب سے مراد اَعمالِ صالحہ ہیں۔ باطل سے مراد صحبتِ بد۔ یُؤْمِنُوْنَ سے مراد اہلِ شقاوت کی دوستی۔ نعمت سے مراد توفیقِ الٰہی۔ اور کُفران و انکار سے مراد بدعملی ہے۔ علماءِ شریعت کے مشرب میں عالم سے مراد پورا جہانِ دنیا ہے لیکن عُلَماءِ طریقت و اہلِ معرفت کے مسلک میں عالم سے مراد قلب و قالب اور جسدِ انسانی کی دنیا ہے۔ علماء شریعت پورے جہانِ ظاہری کو درست فرمانا چاہتے ہیں لیکن صوفیاءِ طریقت صرف مَن کی دنیا کو سنوارنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ ؎

دل بدست آور کہ حجِ اکبر است ۔۔۔ اے ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

تن کی دنیا کیا ہے ایک سوزِ طرب
مَن کی دنیا کیا ہے عشقِ معرفت

وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ شَیْـًٔا وَّلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ۔ فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اور روزِ اول سے ہی اہلِ شقاوت اپنے اللہ مُعطیِ نعمت خالقِ کائنات کو چھوڑ کر ان اَسبابِ دنیا کی پرستش کرتے ہیں جو ان اہلِ تدبیر کے لیے کسی بھی چیز کے مالک نہیں نہ آسمانِ عقل کی طرف سے کوئی رزقِ روحانیات حاصل کر سکیں نہ زمینِ نفسانی اور ارضِ ضمیر ہی سے نیتِ خیر کے اَعمالِ خلوص کا رزق پا سکیں۔ اور ان نفوس و شیاطین کو جسدِ ظاہری پر کوئی طاقت و استطاعت نہیں۔ تو اِن خصائلِ رذیلہ کو اللہ کی چیزوں کی مثل نہ سمجھ قلب و شعور کو نفسِ امارہ کی مثل نہ بناؤ۔ بیشک ہر ظاہر و باطن کے اَسرارِ مخفی کو اللہ ہی جانتا ہے۔ تم اہلِ حواس اور اہلِ نفس نہیں جانتے۔ اللہ کے غیروں کی طرف توجہ کرنی عارفین کے نزدیک عبادۃِ غیر اللہ ہے۔ اور سب گناہوں کی جڑ ہے۔ ہر اسباب سے ہٹنا اِستغفارِ فُقرا ہے۔ اور فقیری کا وہ حقدار ہے جس کی کوئی خواہش باقی نہ رہے۔ عباداتِ الٰہی کا مقصد یہ ہے کہ بندے کے ہر حواس میں محبتِ الٰہی کی لہریں موجزن ہوں محبتِ صادق کی نشانی یہ ہے کہ فرماں برداری بھی ہو اور محبوب کی بے رخی کا دھڑکا بھی لگا ہے۔ عبادت کا اس لیے حکم دیا جاتا ہے کہ صرف عبادت سے ہی بندہ عارف بنتا ہے اور عارف کا پہلا درجہ یہ ہے کہ

حق و صداقت کی صفات اُس میں پیدا ہوں اور آخری درجہ یہ ہے کہ دنیا و مافیہا اس کی دو انگلیوں کے بیچ میں ہو۔ کفر شرک اور گناہ میں بندہ تب ہی مبتلا ہوتا ہے جب کہ معرفت سے دور ہوتا ہے۔ معرفت کے لیے لَا تَضْرِبُوْا کے حکم پر چلنا پڑتا ہے۔ یہ منزل کی پہلی سیڑھی ہے۔ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّ مَنْ رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّ جَهْرًا هَلْ يَسْتَوٗنَ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ساری کائنات انسانیت کے لیے مولیٰ تعالیٰ نے ایک مثال بیان فرمادی ایسے عبد کی جو مملوک ہے۔ انسان بھی چار قسم کے ہیں۔ مجذوب۔ مقید۔ مشرک۔ موحد۔ اور عبد بھی چار قسم کے ہیں عبد شیطان عبدِ شہوت عبدِ دنیا۔ عبدِ رحمٰن۔ عبدِ شیطان مملوک ہے اور عبدِ دنیا لَا يَقْدِرُ ہے۔ کسی چیز پر بھی قدرت نہیں رکھتا۔ نہ علم نہ حکمت نہ فکر نہ لے سکے نہ کسی کو دے سکے یہ نفسِ امارہ ہے اور دوسرا وہ جس کو اللہ نے ہزارہا ستری باطنی نعمتیں عطا فرمائیں وہ مشاہدات و مراقبات۔ قرب و تجلیات انوار و اسرار کو قبض و بسط میں بانٹتا ہے۔ وہ مظہرِ وجودِ قدرت ہے اور وکیلِ عُلُوِّ حضرت ہے۔ اللہ کی تمام حمدوں کا مرکز جلال ہے لیکن کسادِ عقلی اور شقاوتِ نفسی والے سوائے کثیرہ اِس رازِ پنہانی کو نہیں جانتے۔ اس لیے بندۂ عبد بننا گناہ ہے بندۂ مولیٰ بننا شعور ہے۔ یہ تمثیل حواسِ باطنی کی ہے۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَا اَبْكَمُ لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ وَّهُوَ كَلٌّ عَلٰى مَوْلٰىهُ اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ لَا يَاْتِ بِخَيْرٍ هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور بیان فرمائی رب تعالیٰ نے ایک مثال عالمِ ناسوت کے اجسادِ ناسوتی کی اِن میں سے ایک گنجِ شقاوت میں بہرا گونگا ہو کر پڑا ہے۔ نہ سماعتِ نطقِ صوتِ سرمدی ہے نہ ادراکِ عقلی ہے۔ مراقبہ کی ریاضت۔ مشاہدے کی نعمت راہِ سلوک کی ہمت۔ کسی پر قادر نہیں ہے۔ نہ حکمت کے تفکرات پر قدرت نہ عبادت کے اعمال پر طاقت۔ بس وہ حیاتِ [illegible] مشغول بوجھ ہے۔ نہ خلوتِ قلب میں جا سکتا ہے نہ جلوتِ عقل میں نہ شعور کی بلندیوں پر چڑھ سکتا ہے نہ ضمیرِ نور کی گہرائیوں میں جا سکتا ہے۔ ایسا شقی النفس شخص جدھر بھی توجہ کرے گا۔ سعادتِ انوار اور صحبتِ ابرار کی بھلائی نہیں لا سکتا۔ طبیعت کا عبد ہے مگر غیر کا محتاج و ذلیل ہے۔ اے تدبراتِ ادراکیہ۔ کیا یہ مغرورِ طریقت اور مقہورِ معرفت اور مجبورِ شریعت۔ اسرارِ باطن کا بہرا جسدِ خاکی اُس عقلِ مزکّٰی اور حواسِ مصفّٰی کی مثل برابر۔ مدارجِ قرب۔ بارگاہ میں مشابہ ہو سکتا ہے جو عدلِ توحید۔ قیامِ شریعت اور منزلِ محبوب کی طرف قدمِ منصفانہ بڑھانے کا حکم عطا فرماتا ہے۔ اور راہِ معرفت میں بقاءِ اَبدی کے سیدھے راہ پر ہے۔ اور ظلِّ وحدت کے عدل کا حکم کرتا ہے۔ وادیِ فنا سے گزر کر بقا کے راستے پر گام زن ہے وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۚ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۔
اور اللہ ہی کے پاس ہے سماواتِ روح اور زمینِ اجسام کی تمام مخفی حقیقتیں ۔ اور ابتلاءِ قحط الرجال کی قیامتِ صغریٰ کے وارداتِ قضاء و قدر کا امرِ الٰہی پلک جھپکنے یا اُس سے بھی پہلے ہے ۔ باری تعالیٰ عالمِ امر کی ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ۔ نفس و عقل ۔ تدبیر و فکر کی کوئی قوت اُس کے قبضے سے باہر نہیں غیوبات مخلوق سات ہیں ۱ غیبُ الجن ۲ غیبُ النفس ۳ غیبُ القلب ۴ غیبُ السِّر ۵ غیبُ الروح ۶ غیبُ الخفی ۷ غیبُ الغیوب ۔ بیشک خالق تعالیٰ قبضِ واردات کی موت اور بسطِ انوار کی حیات پر قادر ہے ۔ محرومی کی موت اور توفیق کی حیات پر قادر ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے ہی اظہارِ قدرت فرماتے ہوئے تم کو مادرِ گیتی ۔ اُمّہاتِ دہر کے بطنِ شہوت کی ظلمتوں سے نورِ ایمان کی فضاؤں میں نکالا ۔ اے نفس و قلب ۔ عقل و شعور تم کچھ بھی نہ جانتے تھے ۔ حکمتِ مراقبہ فہم مشاہدہ تجربۂ واردات سے بالکل واقف نہ تھے توفیقِ الٰہی نے تمہارے جسمِ بقا کے لیے قوتِ استطاعت کے سننے والے کان ۔ انوارِ قرب کا مشاہدہ کرنے والی آنکھیں ۔ اور جلوۂ محبوب کی لذت لینے والا دل بنایا ۔ تاکہ تم مقامِ سعادت پر کھڑے ہو کر شکر باطنی کے سجدے کرو شکر کا نام محبت ہے اور محبت کی سچائی یہ ہے کہ کوئی اُس کا مقابلہ نہ کر سکے ۔ اے صوفی قلبِ عرفانی کو ذلت کی ایذا نہ دے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے نفس کی پیروی قلب کی ذلت ہے ۔ خود شناسی میں عمر برباد نہ کر حق شناسی میں کمال پیدا کر ۔ خودی امرِ ساعت ہے جس کی فنا لمحِ بصر ہے یا اس سے بھی اقرب ہے ۔ حق شناسی کے لیے تین چیزیں پیدا کی گئیں ۱ نفس کی نگہبانی والی ابصار ۲ سکوتِ معرفت والے کان ۳ لوگوں سے علیحدہ رہنے اور خلوت میں بیٹھنے والا دل ۔ مُوَحِّد وہ ہے جو وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ کی قربت و محبت میں وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ ہو جائے ۔ عارف وہ ہے جو غمگین و خاموش رہے ۔ بدبخت وہ ہے جو گناہ کر کے بھی مسرور پُراُمید رہے ۔ اصلی سخی درویش ہے کہ وہ کسی طالبِ مراد کو خالی نہیں پھیرتا اور دو عالم سے دل اٹھا لیتا ہے ۔ درویش اہلِ سمع ہے ۔ عالم اہلِ بصر ہے اور عارف اہلِ اَفئدہ ہے ۔ علماء سے دوری بدترین ہے ۔ اور نیک محفل خوش ترین ہے ۔ اے طالبِ شراور بردنیکی مجلس والے ۔ اے طالبِ معرفت موتِ جسمانی کو دوستی میں پسند کر ۔ راحتِ دنیا سے گریز کر ذکرِ الٰہی سے محبت رکھ ۔ ہر غذا پر شکر واجب ہے اور عارف کی غذا انوارِ ذات ہیں ۔ وہ دل اور وہ اَفئدہ پاک ہیں جو وسوسوں سے بچے ہوں ۔ ساعت وہی بہتر ہے جو خلوتِ الٰہی کی جلوہ ریزی میں گزرے ۔ اَلَمْ یَرَوْا اِلَى الطَّیْرِ مُسَخَّرٰتٍ فِیْ جَوِّ السَّمَآءِ ؕ مَا یُمْسِكُهُنَّ اِلَّا اللّٰهُ

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۔ عالمِ ظاہر میں دیکھنے اور قلابیں ملانے والوں نے کیا سماءِ فکری و روحانی کی فضاؤں میں بصیرتِ قلبی کے مراقبوں میں قوائے روحانیہ اور تخیلاتِ نفسانیہ کے بلند اڑتے ہوئے روحانی دہری پرندوں کو نہ دیکھا۔ اِن فکر۔ عقل کے نظری وعلمی۔ وہمی اور تخیلاتِ تدبیر کو آسمانِ لاہوتی اور ہوائے جبروتی میں سوائے رب تعالیٰ کے کون ٹھہرا سکتا ہے۔ کون رحیم و کریم ہے جو تدابیرِ انسانی کو تکمیل کے پر عطا فرما کر ارادوں کی بلندیوں پر قائم فرما دیتا ہے۔ کیا انسان غور نہیں کرتا کہ ان نعمتوں میں اہلِ ایمان کے لیے قانونِ ربوبیت کی کتنی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔ علم گہرا سمندر ہے انوارِ لطائف جوِّ السماء ہے۔ معرفتِ نفس علم سمندر کی نہر ہے اور معرفتِ الٰہی لطائفِ انوار کی فضائیں ہیں۔ اسی لیے علم اللہ کی چیز ہے اور معرفت بندے کی چیز ہے۔ عارف زمینِ جسدی کا سورج ہے جس سے تمام کائناتِ انسانیت روشن ہے۔ نماز ابتدا سے انتہا تک طَیرِ مُسَخَّرَاتٍ کے عرفانی پر ہیں۔ اسی پروازِ عاشقانہ سے معراجِ مومن ہے۔ اس لیے کہ نماز میں قالبِ عابد عمل اِلَی اللہ میں اور قلبِ عابد فکر مِنَ اللہ اور زبان ذکر باللہ میں مشغول ہوتا ہے۔ اور یہی معراج بارگاہِ قدس ہے۔ زبانِ مومن قلبِ مومن کا آئینۂ آیتِ جمال ہے۔ اے وادیِ طلب میں بوڑھے ہو جانے والے مخلصو۔ وادیِ شوق کے چھوٹوں پر تعلیمِ راہ کی شفقت کرو کیونکہ منزلِ معرفت کے قدموں میں اُن کی لغزشیں اور خطائیں اور گناہ تم سے کم ہیں۔ اور اے میدانِ جلال کے نووارد مسافرو بڑوں بوڑھوں کا احترام کرو۔ کیونکہ اُن کا ایمانِ مشاہدہ تم سے زیادہ ہے مضبوط ہے۔ اس وادیِ عشق میں ہر شخص کا ٹھیرا رہنا اُس کا اپنا کمال نہیں بلکہ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا اللّٰہُ ۔ اوّلین و آخرین، سابقین و موجودین سب کو رب تعالیٰ وادیِ زلزالِ جلالی میں توفیقِ خاص سے ثابت رکھتا ہے۔ جس کا دشمن عقلمند ہے وہ خوش قسمت ہے۔ خوشامدی ساتھی اور بیوقوف دوست تکبر کا زہریلا بیج ہیں۔ اے بندۂ مومن ہر میدان کے قدم جگاہ ہیں اور ہر شخص کے لیے زبان علیحدہ ہے۔ اور ہر فضا کے اڑنے والے پر مختلف ہیں۔ ہر شخص سے اُس کی حیثیت کا کلام بیان سنادے تاکہ میدانِ قیامت میں اعمال کا خزانہ پاس ہو۔

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّ

اور اللہ نے بنایا لیے تمہارے گھروں سے تمہارے سکون اور

اور اللہ نے تمہیں گھر دیئے بسنے کو اور

جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا

بنائے لیے تمہارے سے کھالوں حیوانات کی خیمے

تمہارے چوپایوں کی کھالوں سے کچھ گھر بنائے

تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ ۙ

ہلکا پاتے ہو تم اُن کو زمانے سفر کے اپنے اور زمانے میں اپنے ٹھیرنے کے

جو تمہیں ہلکے پڑتے ہیں تمہارے سفر کے دن اور منزلوں پر ٹھیرنے کے دن

وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ

اور سے اُون اُن کی بھیڑوں سے اور ببری اونٹوں کی اور بال اُن بکریوں کے سے

اور اُن کی اُون اور ببری اور بالوں سے کچھ گرستی کا سامان اور برتنے کی چیزیں

اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ﴿۸۰﴾ وَاللّٰهُ جَعَلَ

بستر کمبل اور نفع کا سامان کچھ زیادہ دنوں اور اللہ نے ہی

ایک وقت تک اور اللہ نے تمہیں اپنی بنائی ہوئی چیزوں

لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ

بنایا لیے تمہارے اُس سے جو پیدا کیا سایہ۔ اور بنایا لیئے تمہارے

سے سائے دیے اور تمہارے لیئے پہاڑوں میں چھپنے

الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ

پہاڑوں میں سے غار حفاظت والے اور بنائے لیے تمہارے لمبے لباس

کی جگہ بنائی اور تمہارے لیے کچھ پہناوے بنائے کہ

تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ

جو بچاتے ہیں تم کو گرمی سے اور کچھ لباس بچاتے ہیں تم کو

تمہیں گرمی سے بچائیں اور کچھ پہناوے کہ لڑائی میں

بَأْسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ

تمہاری جنگ میں اسی طرح پورا کرتا ہے نعمت کو اپنی پر تم

تمہاری حفاظت کریں یونہی اپنی نعمت تم پر پوری کرتا ہے

لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ﴿۸۱﴾

تاکہ تم فرمان برداری کرو

کہ تم فرمان مانو

تعلّق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے بندوں پر تین قسم کی نعمتیں دینے کا ذکر فرمایا جن میں انسانی عمل درآمد کا کوئی دخل نہ تھا۔ مثلاً ۱ رزق۔ ۲ اولاد۔ لونڈی غلام۔ اور ۳ اعضاء ظاہری باطنی۔ اَب اِن آیات میں ایک چوتھی نعمت کا ذکر فرمایا گیا جس میں از اوّل تا آخر انسانی صنعت عقل و فراست کا پورا دخل ہے۔ یعنی مکان اور خیمہ سازی گھر بنگلے کوٹھیاں وغیرہ۔ کہ انسان اللہ کے بنائے ہوئے عمارتی سامان کو اللہ کی دی ہوئی عقل سے برتے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے انسانی پیدائش اور ماؤں کے رحم سے نکلنے کے وقت کو یاد دلایا کہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے۔ اَب انسان کی عقل و خرد صنعت و حرفت بیان فرمائی جارہی کہ کیا کمزور تو تھڑا تھا مگر رب تعالیٰ نے کیا بنادیا۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیات میں پرندوں کے فضاؤں میں ٹھیرانے کا ذکر ہوا اَب اِن آیات میں انسانوں کو مضبوط پہاڑوں میں ٹھیرانے کا ذکر ہے یہ سب اُسی کے قدرت و کرم کے نشانات ہیں۔

(اللہ اکبر کبیراً)

تفسیر نحوی

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا يَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِيْنٍ ۔ واؤ ابتدائیہ اَللّٰهُ ۔ اسم معرفہ مرفوع مبتدا ہے جَعَلَ ماضی جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنانا ہے ہمیشہ متعدی ہوتا ہے لام جارّہ نفع کا کُمْ ضمیر حاضر سے بنا ہے جس میں خطاب کفارِ مکہ سے مراد سب انسان ہیں مِنْ جارّہ ابتدا کے لیے بیوت ۔ جمع ہے بیت کی لغوی اصلی و حقیقی ترجمہ ہے رات گزارنے کی جگہ ۔ مجازی اصطلاحی ترجمہ ہے گھر ۔ اکثر مضاف ہوتا ہے کیونکہ کسی نسبت والا گھر بیت کہلاتا ہے ۔ کُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلقِ دوم ہے جَعَلَ کا ۔ سَكَنًا مفعول بہ ہے جَعَلَ کا اسم مفرد جامد (حاصل مصدر) بمعنیٰ رہائش ۔ سکونت ۔ یہ سب فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے ۔ واؤ عاطفہ جَعَلَ ۔ ماضی مطلق لام جارّہ نفع کا کُمْ ضمیر مجرور متعلق اول ہو جَعَلَ کا مِنْ جارّہ سببیہ ۔ جُلُوْدِ ۔ اسم جمع مکسّر جِلْدٌ کی بمعنیٰ کھال ۔ بَشَرٌ کا معنیٰ کھال کا صرف اوپر کا ظاہری حصہ اور جلد کہتے ہیں پوری کھال کو کچی ہو یا پختہ چمڑہ بال ہوں یا نہ ہوں مضاف ہے ۔ الف لام جنسی یا عہدِ خارجی اَنْعَامِ ۔ جمع مکسّر ہے نَعَمٌ کی بمعنیٰ پالتو جانور چارپایہ ۔ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلقِ سوم ہے جَعَلَ کا بُيُوْتًا مفعول بہ ہے جَعَلَ کا نکرہ مفرد ہے بمعنیٰ گھر مراد ہیں خیمہ موصوف ہے تَسْتَخِفُّوْنَ بابِ استفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ۔ مصدر ہے اِسْتِخْفَافٌ خَفٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ ہلکا ہونا ہلکا محسوس کرنا ۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع حاضر مستتر فاعل ہے مرجع کُفّارِ مکّہ هَا ضمیر ظاہر واحد مؤنث غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع بیوتًا ۔ يَوْمَ ۔ اسم مفرد ظرفِ زمانی بمعنیٰ دِن مضاف ہے ظَعْنِ اسم مفرد جامد ہے ایک قول ہیں مصدر ہے بمعنیٰ ٹھہرنا حفظ کا الٹ یعنی سفر میں پھرنا ۔ حفظ یعنی وطن میں ٹھہرنا اصلاً ظَعَنٌ ہے بفتح العین تخفیف کے لیے سکونِ عین ہوا ۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی پھر مکمل مضاف الیہ ہے يَوْمَ کا اور مرکب اضافی ہو کر ظرف ہے واؤ عاطفہ مابعد کا عطف پہلے يَوْمَ پر یوم مضاف اِقَامَت ۔ بابِ اِفعال کا مصدر ہے بمعنیٰ کھڑا کرنا ۔ مقیم بننا ۔ بنانا ۔ اصلاً متعدی ہے ۔ در اصل تھا اِقْوَامٌ مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مجرور متصل کا پورا مرکب اضافی معطوف ہے ۔ تَسْتَخِفُّوْنَ اپنے فاعل مفعول ظرف سے مل کر صفت ہے بُيُوْتًا کی اور وہ مفعول بہ ہے جَعَلَ کا ۔ واؤ عاطفہ مِنْ یہ جار مجرور سب مل کر معطوف ہے مِنْ جُلُوْدِ کا ۔ اَصْوَافِ ۔ اسم جمع مکسّر ہے صُوْفٌ واحد کا ۔ بمعنیٰ اون واؤ عاطفہ اَوْبَار جمع مکسّر ہے وَبَرٌ کی بمعنیٰ اونٹ کے بال سارے جسم کے جس سے کمبل بنائے جاتے ہیں ۔ واؤ عاطفہ اَشْعَار جمع مکسّر ہے شَعْرٌ کی بمعنیٰ بکری کے بال ۔ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب تینوں جگہ مجرور متصل مضاف الیہ

ہے اور مرجع اَنْعَام ہے۔ جمع غیر عقلی کے لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر آتی ہے۔ یہ سب عطف مجرور ہو کر معطوف ہے پہلے مِنْ پر۔ اَثَاثًا۔ اسم مفرد جنسی اس کی جمع نہیں ہوتی نہ تثنیہ۔ بمعنی گھریلو سامان۔ واؤ عاطفہ مَتَاعًا۔ اسم مفرد جامد نکرہ اس کی جمع ہے اَمْتِعَۃ۔ ایک قول میں مصدر میمی ہے تَوَمَّعْ مادّہ ہے۔ مگر یہ غلط ہے مَتَّعْ سے بنا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ باب اِفعال کا مصدر ہے دراصل تھا اِمْتَاعٌ۔ کثرتِ استعمال سے اوّل کی ہمزہ گر گئی اور اس کی علامت فتحہ اوّل کی میم کو دے دیا کیونکہ اوّل حرف ساکن نہیں رہ سکتا۔ ترجمہ ہے چیزوں کا نفع دینا۔ اب جامد ہو گیا لہٰذا ترجمہ ہو گیا نفع دینے والی چیز۔ صحیح ترکیب میں یہاں مصدری معنی میں ہے اِلٰی جارّہ انتہائیہ حِیْنٍ۔ اسم ظرف زمانی بمعنی وقت نکرہ مفرد ہے مجرور ہے۔ جار مجرور متعلق ہے مَتَاعًا کا۔ یہ شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اَثَاثًا پر اور وہ عطف ہے بیوتًا پر۔ اور پھر سب عبارت خبر ہے مبتدا اللہ کی۔ وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَکْنَانًا ۔ واؤ ابتدائیہ۔ اَللّٰہُ مبتدا۔ جَعَلَ۔ جَعْلٌ سے بنا بمعنی بنانا پسند کرنا معیّن کرنا لام حرفِ جر نفع کا کُمْ ضمیر جمع سے مراد تمام انسان جار مجرور متعلق اوّل ہے جَعَلَ فعل ماضی مطلق کا۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ سببیہ مفعول بہ پر داخل ہوا جَعْلٌ مصدر ہمیشہ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ مگر کبھی اس کا ایک مفعول جار مجرور کی شکل میں ہوتا ہے جیسے یہاں۔ مَا۔ اسم موصول جنسی یعنی واحد جمع سب کے لیے مستعمل ہے ہر جنسی اسم کا یہی مقصد ہوتا ہے۔ خَلَقَ ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع ہے اَللّٰہُ۔ فعل فاعل مل کر جملہ ہو کر صلہ ہوا اور موصول صلہ مجرور متعلق ہے جَعَلَ کا ظِلٰلًا۔ اسم مصدر ثلاثی بمعنی حاصل مصدر (جامد) ترجمہ ہے۔ سایہ کرنا۔ سایہ ہونا۔ سراپا سایہ۔ ظِلّ مضاعف ثلاثی سے ہے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے جَعَلَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ جَعَلَ فعل ماضی جَعْلٌ سے بنا بمعنی تیار کرنا۔ چھوڑنا۔ لام حرفِ جر نفع کا کُمْ ضمیر مجرور متصل عام انسان مراد ہے اگرچہ خطاب کفارِ مکہ کو ہے۔ مِنْ جارّہ بمعنی فِیْ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام معرفہ کا استغراق جِبَال۔ جمع مکسّر ہے جَبَلٌ کی۔ لغوی ترجمہ ہے سخت۔ بڑا۔ مضبوط۔ اٹل۔ اسی لحاظ سے پیدائشی عادت کو جبلّت کہتے ہیں کہ وہ اٹل ہوتی ہے اصطلاحًا بمعنی پہاڑ بڑا۔ چھوٹے پہاڑ یا پہاڑی کو عربی میں جَبَلٌ عَقَبَۃٌ کہتے ہیں جار مجرور متعلق ہے قائم مقام مفعول بہ۔ جَعَلَ کا۔ اَکْنَانًا۔ جمع مکسّر ہے۔ کَنٌّ کی بمعنی چھپنے کی جگہ۔ حفاظت کا مکان۔ جو قدرتی بنا ہوا ہو۔ اس کا مؤنث جمع ہے۔ اَکِنَّۃٌ۔ مؤنث واحد ہے کِنَانٌ۔ چھپنے کی خود ساختہ جگہ کو عربی میں مستورہ کہا جاتا ہے۔ یہ مضاعف ثلاثی کا مصدر بھی مستعمل ہے مگر یہاں جامد ہے اس لیے جمع آئی کیونکہ مصدر۔ مادّے کی جمع نہیں ہوتی۔ جامدی اعتبار سے بمعنی غار۔ پردہ

غلاف ۔ آڑ ۔ ہر معنیٰ میں مستعمل ہے یہاں بمعنیٰ غار ہے ۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ دوم ہے ۔ واؤ عاطفہ اس کے ماقبل ساری عبارت معطوف علیہ ہوئی اور مابعد کی معطوف عَلَيْكُمْ تک جَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيلَ تَقِيكُمْ بَأْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ جَعَلَ فعل ماضی جَعْلٌ سے بنا ہے معنیٰ بنانا یعنی پسند کرنا ۔ صنعت فرمانا ۔ سکھانا ۔ لام جارہ نفع کا کُمْ مجرور متصل مراد عام انسان مگر مرجع صرف کفارِ مکہ ہے ۔ سَرَابِيلَ ۔ جمع منتہی الجموع ۔ غیر منصرف ہے ۔ اس کا واحد ہے سِربالٌ ۔ خیال رہے کہ جمع منتہی الجموع وہ ہے جس کے بعد اس لفظ کی جمع یا جمع الجمع نہ بن سکے نہ مکسر نہ سالم نہ کثرت نہ قلت نہ ثلاثی نہ رباعی ۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ درمیان میں جمع کا الف ہوتا ہے اور آخر میں الف کے بعد یا تین حرف جیسے یہاں ۔ یا دو حرف جیسے مساجد مصادر یا ایک حرف مشدد جیسے دَوَابّ ۔ سرابیل کا ترجمہ ہے لمبا کرتہ ۔ بڑی اور کھلی قمیص ۔ اگرچہ یہ جمع ہے مگر کثرتِ استعمال یا لمبے ہونے کی بنا پر واحد کے لیے مستعمل ہوگیا ۔ اب اصطلاحًا ایک قمیص کو کہتے ہیں اور زیادہ کو بھی ۔ بعض لوگوں نے اس کے بارے میں اور توجیہات کی ہیں کہ یہ سِربَالَۃٌ کی جمع انتہائی ہے اور سربالۃٌ کا معنیٰ قمیص کا حصہ یا آستین یا پائنچہ یا آنچل یا دامن یا ان سب کے مجموعے کا نام ہے سرابیل ۔ اور ان کو جوڑ کر چونکہ ایک کرتہ بنتا ہے لہٰذا سرابیل اصلاً واحد ہے ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ چونکہ یہ لمبا کرتہ ہوتا ہے اس لیے پورے لباس کا کام دیتا ہے ۔ لہٰذا اس کا استفادی ترجمہ لباس بھی ہے ۔ تَقِيْ ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف ۔ وَقْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بچانا ۔ علیحدہ کرنا صیغہ واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر واحد مؤنث غائب مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع سرابیل ہے ۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر ۔ اس کا مفعول بہ اول ۔ الف لام جنسی یا عہدِ خارجی حَرَّ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ گرمی ۔ تپش ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ دوم ہے واؤ عاطفہ ۔ اس کا ماقبل معطوف علیہ ہے اور مابعد معطوف ہے ۔ اس طرح کہ سرابیل پہلا موصوف تقی پہلا ۔ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی ۔ موصوف صفت معطوف علیہ ۔ سرابیل دوسرا موصوف تقی ۔ فعل مضارع وَقْیٌ لفیف مفروق سے بنا ہے بمعنیٰ بچانا بہر صورت متعدی ہوتا ہے ۔ یعنی ہر باب میں متعدی ہے بدو مفعول ۔ کُمْ اس کا مفعول بہ اول بَاْسَ ۔ اسم مفرد جامد ۔ بمعنیٰ تنگی ۔ مصیبت ۔ تکلیف ۔ لڑائی جنگ غریبی ۔ یہاں مراد جنگ ہے ۔ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعولِ دوم ہے تَقِی جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی سرابیل موصوف صفت مل کر معطوف اور پھر مفعول بہ جَعَلَ کا ۔ سابقہ تمام خبری عبارت مشبہ بہ ہوئی ۔ كَذٰلِكَ چار لفظوں کا مجموعہ ہے ۔

۱ کاف تشبیہی ۲ ذا اسم اشارہ ۳ لام حرفِ زائد صرف بُعد پیدا کرنے کے لیے ۔ ۴ کَ ضمیر مخاطَب صرف نسبت کے لیے نہ کہ مرجع کے لیے ۔ مجموعہ حرفِ تشبیہ ۔ يُتِمُّ ۔ ایک قول میں باب نَصَرَ کا مضارع

واحد مذکر غائب۔ تمٌّ سے بنا ہے۔ مگر درست یہ ہے کہ باب افعال کا مضارع مثبت معروف ہے مصدر ہے اِتمامٌ۔ بمعنیٰ پورا کرنا۔ جب کہ تمٌّ مضاعف ثلاثی مادہ مصدر کا ترجمہ ہے پورا ہونا۔ باب نَصر میں لازم ہے۔ مگر یہاں ضرورت متعدّی کی ہے جو افعال سے پوری ہوگی۔ دراصل تھا یُتْمِمُ بروزنِ یُکْرِمُ۔ پہلے قول کی قرءت ہے یَتِمُّ۔ مگر درست نہیں۔ ھُوَ مستتر فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ نِعْمَۃٌ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے۔ علیٰ جارّہ اپنے ہی معنیٰ میں ہے برائے فوقیت۔ یا بمعنیٰ لام جارّہ نفع کا۔ کُمْ مجرور نعمت سے مراد دنیوی سامان ہے (مال و دولت اور مذکورہ آرام دہ چیزیں)۔ جار مجرور متعلق ہے یُتِمّ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ باب اِفعال کا۔ مضارع احتمالی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع کفارِ مکہ۔ مصدر ہے اِسلامٌ۔ بمعنیٰ ماننا۔ اقرار کرنا۔ مسلمان ہونا۔ فرماں برداری کرنا۔ عاجز ہونا۔ جھک جانا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی یا اِس بیانِ سابقہ کی یا نعمت دینے کی۔ معلول علت مل کر خبر ہوئی اَللّٰہُ مبتدا کی۔

تفسیر عالمانہ

وَاللّٰہُ جَعَلَ لَکُمْ مِّنْ بُیُوْتِکُمْ سَکَنًا وَّجَعَلَ لَکُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِکُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِکُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَآ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ ۔ اور اگر اللہ خالق کائنات وحدہٗ لاشریک لہٗ نے پرندوں کو ہواؤں میں اُڑنے درختوں پر شاندار حیران کُن گھونسلے بنانے زمین پر چگنے شکار کرنے سمندر دریا سے روزی مہیا کرنے کا اُس نے گُر سکھا دیئے۔ تو اُسی رب تعالیٰ نے تمہارے آرام و آسائش و رہائش کے لیے بستیوں۔ شہروں۔ پہاڑوں۔ قریوں گاؤں میں تمہارے گھروں کمروں کو ٹھیوں کو تمہاری ہی خداداد عقل خِرد اور ہنر مندی کے مستقل رہائش والے اینٹ پتھر لوہے لکڑی کے عظیم الشان گھر بنا دیئے۔ اور اُسی خالق تعالیٰ نے تمہاری عارضی سفری رہائش کے لیے مختلف بڑے بڑے جانوروں کی کھالوں سے کمرے کی ہم شکل گھر بنا دیئے جن کو اپنی لغت میں خیمہ یا فسطاط کہتے ہو۔ کتنا ہلکا پاتے ہو تم اِن مضبوط خیموں کو اپنے سفر کے لیے اٹھاتے ہوئے جس دِن سفر کا ارادہ ہو۔ اور دورانِ سفر کسی جنگل بیابان کسی بھی منزل پر ٹھیرنے کے دن۔ اور وہی جانور جن کے وجود سے تم اپنے سینکڑوں فائدے حاصل کرتے ہو پوست ہڈی چربی کے علاوہ اُن کے تو بال بھی بیکار پیدا نہیں ہوئے اُن سے بھی تم کو بہت نفع ملیں کہ دُنبے۔ مینڈھے۔ بھیڑ کی انتہائی گرمی والی نرم ملائم اون اور ریشم سے اور اونٹوں کی (وبر) یعنی جَت سے اور بکریوں کے لمبے بالوں سے۔ گھریلو برتنے کے اثاثے کپڑے کوٹ دستانے جرابیں وغیرہ۔ اور گھر کی زیب و زینت کے لیے متاع۔ قالین۔ غلاف پردے وغیرہ۔ لیکن ان خوبصورتیوں فیشنوں میں دل نہ لگا

بیٹھنا۔ نہ ان کو دین وایمان بنالینا کہ یہ اسی طرح سدا رہے گا۔ دنیا اور دنیا کی ہر چیز ساز سامان عیش و عشرت مکان بستیاں۔ جانور اور جانور والے روئی ریشم سب کچھ الیٰ حین۔ کچھ ہی وقت اور مدت تک ہے۔ برتنے والوں کے اعتبار سے بھی کچھ مدت کہ سامان بنا پڑا ہے مگر سامان والا مر گیا۔ اور سامان خود اپنے اعتبار سے بھی کچھ دن کا ہے کہ چند دن استعمال ہوا پھر ٹکڑے ہو کر گھس گھسا کر ٹوٹ پھوٹ گیا۔ یا پرانا ہو کر قابلِ نفرت اور ناقابلِ استعمال ہوا پھینک دیا گیا۔ فانی دنیا کے اعتبار سے بھی یہ سب گھر بار کچھ دن کا ہے۔ کہ قیامت کے دن تک تو یہ دنیا اور اس کی چیزیں بڑھتی پھلتی پھولتی رہیں گی جانور پیدا ہوتے ہی رہیں گے۔ اون ریشم۔ روئی کھال گوشت ھڈی چربی پیدا ہوتی ہی رہے گی مگر کب تک آخر فنا قیامت میں۔ علما فرماتے ہیں کہ الیٰ حین کے تین معنیٰ ہیں کیونکہ بندہ کو فنا ہے۔ چیزوں کی فنا ہے اور دنیا کو بھی فنا۔ اثاثہ اور متاع کا فرق بیان کر دیا گیا۔ کہ برتنے والی اشیا اگر خوبصورت ہوں تو اثاثہ ہے اور محض فیشن وزینت والی اشیا اگرچہ زیادہ خوبصورت نہ ہوں متاع ہیں۔ بھلا کس کی طاقت ہے جو رب تعالیٰ کی نعمتوں کو شمار ہی کر سکے ان گھریلو جانوروں کو ہی دیکھ لو۔ کہ گوشت ہڈی سے بال ناخن اور لید گوبر تک کار آمد چیز ہے شہری بکری نہ سہی پہاڑی بکری کے اتنے لمبے بال ہوتے ہیں کہ بڑے بڑے رَتے کمبل اور بہت کچھ بنایا جا سکتا ہے۔ اونٹ کے جسم سے رہائش کا پورا سامان بنا لیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ برتن اور گلدان وغیرہ بھی۔ اس پر کرم یہ کہ ان حیوانات کی خوراک بھی پروردگارِ عالم نے اپنے ذمے لگا لی ہے ساری زمین اور جنگلات کو ایک عظیم دسترخوان بنا دیا۔ اگر یہ جانور۔ روٹی سالن۔ پلاؤ زردے یا گوشت کھانے والے ہوتے تو کون پال سکتا اور ہزاروں کا مالک بن کر کون زمین پر غرور سے چل سکتا کتنے افسوس کا مقام ہے کہ اس رب کی نعمتوں کا اسی کے کرم سے مالک بن کر سر میں شیطانی غرور چوہدراہٹ۔ خان بہادری۔ اور وڈیرگی لیے پھرے اور اسی کریم رحیم اللہ کا نافرمان۔ منکر ہو کر اس سے دور بھاگے اتنی نعمتیں بھولتیں پا کر ایک چھوٹے سے سجدے کو بھی بوجھ سمجھے۔ اے میرے خالق میرے رازق تو ہی ہم کو اپنے دروازے پر جھکنے سجدہ کرنے کی ابدی توفیق دینے والا ہے

وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ۔

سابقہ مذکورہ نعمتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے تم میں سے ہر حیثیت کے بندے کے لیے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے مضبوط گھنے اونچے لمبے سائے پیدا فرمائے۔ کہ جن کے پاس مستقل گھر نہیں وہ پہاڑوں کے دامن میں پناہ لیں جن کے پاس خیمے نہیں ہیں وہ درختوں کے نیچے بیٹھ کر سفری تھکاوٹ

کو دور کرلیں اور بھوک پیاس کی حاجت دفع درت پوری کرلیں۔ بلکہ بعض درخت تو صرف بنائے ہی سائے کے لیے ہیں جیسے بوڑ برگد۔ پیپل۔ ان درختوں کے سائے اتنے لمبے چوڑے اور گھنے ہوتے ہیں کہ پوری برات اس کے نیچے بیٹھ سکتی ہے۔ اے گرمی سے جھلسے ہوئے لوگو مسافرو بارش سے ستائے ہوئے راہ گیرو ان محفوظ اور ٹھنڈے سایوں میں بیٹھ کر کبھی اپنے رب تعالیٰ کا شکر بھی ادا کیا کرو کیا کبھی تم نے حمد الٰہی کے دو بول بھی منہ سے نکالے؟ پھر کمال ہے ان سایوں میں کہ سایوں سے باہر سخت گرمی۔ لو۔ اور تپش ہے مگر سائے میں ایسی ٹھنڈک اور صحت بخش لذت ہے کہ بیٹھتے ہی نیند کے جھونکے۔ ان نعمتوں کی قدر تو وہ غریب جانیں جن کے پاس نہ گھر کی لذت نہ خیمے کی ٹھنڈک۔ اور پھر ایسی ٹھنڈک گھروں اور خیموں میں نہیں ہوتی۔ یہ پہاڑ دیوار درختوں کے سائے صرف دھوپ سے ہی نہیں بچاتے بلکہ بارش۔ آسمانی برف باری۔ اولوں کی بوچھاڑ سے بھی بچاتے ہیں ورنہ ان ناگہانی اور ہلاکت خیز آفتوں سے مسافر اور جنگلات میں پھرنے والے کس طرح بچ سکتے ہیں بادلوں کا سایہ تو اس سے کہیں زیادہ اور نفع بخش ہے۔ یہ تمام سائے ایسے شان والے ہیں کہ انسانوں کو اس کے لیے ذرا مشقت نہیں کرنی پڑتی۔ امیر غریب سب اس سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں نہ کرایہ نہ قیمت نہ کوئی فیس نہ ٹیکس نہ بل۔ امیر لوگ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے مکان کو ٹھیا بناتے ہیں اور ان میں سردی گرمی کے لیے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے مگر رب تعالیٰ نے تمہارے لیے پہاڑوں میں شاندار مضبوط چھوٹے اور بڑے کشادہ اور ہوادار غار بنا دیئے۔ جو سردیوں میں گرم اور گرمیوں میں ٹھنڈے رہتے ہیں۔ اب بھی بہت سے لوگوں کی مستقل رہائش ان ہی غاروں میں ہے۔ بڑے بڑے امیر بھی اس کو بہترین خوبصورت صاف ستھرا بنا کر اس میں گھروں سے زیادہ آرام دہ رہائش کرتے ہیں۔ نہ ٹوٹ پھوٹ اور مرمت کا خطرہ نہ چور ڈاکو کا کھٹکا چاروں طرف سے مضبوط۔ یہ تو رہائشی حفاظت کی نعمتیں ہیں رب کریم نے تو تمہارے لیے ایسے ایسے لباس پیدا فرمائے جو نازک خوبصورت چمک دار ریشمی ہونے کے ساتھ ساتھ تم کو ہر قسم کی ہر علاقے کی گرمی سے بھی ہر طرح بچاتے ہیں یہ لباس تمہاری خوبصورتی زینت اور عزت کا بھی ذریعے ہے اور جسمانی حفاظت کا بھی دھول مٹی گرد و غبار سے نیز باریک لباس میں گرم ہوا بھی ٹھنڈی ہو کر جسمانی مسامات سے لگتی ہے۔ اور انسان فرحت اور سوندھاہٹ حاصل کرتا ہے۔ اور زینت چونکہ دکھانے کے لیے ہی ہوتی ہے اس لیے لباس کے زیادہ فائدے موسم گرما میں ہی حاصل ہوتے ہیں۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ کھانا سردیوں کا اور پہننا گرمیوں کا۔ ایک لباس تو تم کو کڑکتی گرمی سے محفوظ رکھتا ہے اگر یہ قسم قسم کے ریشمی سوتی چمکیلے بھڑکیلے رنگ برنگے زنانہ مردانہ لباس

نہ ہوتے تو تمہاری ذلت کے علاوہ تمہاری کھالیں پھٹ جائیں۔ لیکن اے انسانو تمہارے دشمن صرف سردی گرمی ہی نہیں بلکہ بہت سی بیرونی جاندار مخلوق بھی ہے جن شیر چیتے سانپ بچھو کے علاوہ خود انسان بھی انسان کا موذی اور مہلک دشمن ہے جو تم کو بہت حیلوں ہتھیاروں سے قتل و ہلاک کرنے کے درپے ہے تو اس سے محفوظ رہنے کے لیے ہم نے تمہاری کاریگری کے ذریعے تمہارے لوہے پیتل تانبے سلور کے ایسے لباس بنا دیئے جو تم کو جنگ لڑائی میں بچاتے ہیں۔ اس طرح کر تیلایا موٹا ریشم جو اگرچہ عام حالات میں مرد کو صرف پہننا حرام ہے مگر بحالتِ جہاد جائز ہے کیونکہ اس پر سے تلوار یا تیر پھسل جاتی ہے اور بچاؤ کی ایک صورت ہے۔ اور ڈھال۔ زرہ۔ اور موجودہ لوہے کا ٹوپ بولٹ پروف جیکٹ سب اسی میں شامل اسی طرح مچھر دانی اور زہریلے کیڑوں مکوڑوں مکھیوں سے بچانے والے کپڑے بھی اس میں شامل۔ لفظِ باس ہر مصیبت کو شامل ہے تاکہ انسان جسمانی طور پر سلامت رہے یہ سب کتنی عظیم نعمتیں ہیں جن میں انسان غور ہی نہیں کرتا۔ جس طرح انسان کے جسم عزت اور خوبصورتی کو بچانے کے لیے رب تعالیٰ نے یہ کروڑہا نعمتیں شروع زمانے سے پیدا فرمادیں کوئی زمانہ بھی ان سے خالی نہ ہوا اسی طرح حفاظتِ روح کے لیے اللہ تعالیٰ اپنی روحانی عرفانی نعمتِ نبوت بھی پوری فرماتا ہے۔ جس کی ابتدا حضرت آدم سے اور تتمہ ذاتِ محمد مصطفیٰ پر ہوا تاکہ تم اے انسانو دامنِ مصطفیٰ میں آ کر دونوں جہان کی آرام و سلامتی والے مسلمان بن جاؤ۔

فائدے

ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ دنیا میں ہر چیز کمزور ہے یہاں تک کہ ہمارا دنیوی جسم بھی۔ مگر آخرت کی ہر چیز عمدہ اور مضبوط ہے۔ وہاں ہمارا جسم بھی عمدہ اور مضبوط ہوگا اِنشاءَ اللہ تعالیٰ۔ نہ ٹوٹ پھوٹ نہ درد تکلیف۔ یہ فائدہ مَتَاعًا اِلٰی حِیْنٍ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں اور عقل والوں کو چاہیے کہ آخرت کو اچھا بنائیں۔ دنیا میں وقت ضائع نہ کریں۔ **دوسرا فائدہ** ۔ اللہ تعالیٰ کی بعض نعمتیں ایسی ہیں جو صرف انسانوں کے لیے ہیں۔ مثلاً لباس۔ یہ کسی جانور۔ نباتات۔ جنات۔ فرشتوں کو نہ دیا گیا۔ اِس کی وجہ یہ کہ جنات اور ملائکہ کو سردی گرمی اور خاک دھول سے کچھ نقصان نہیں ہوتا۔ اور حیوانات کو بال۔ پَر دے کر سردی گرمی سے بچایا۔ نیز انسان کی خوبصورتی لباس سے ہے۔ دیگر مخلوق کی جسمانیت خوبصورت ہے یا بدصورت یہ فائدہ وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ مولیٰ تعالیٰ نے سب سے زیادہ نعمتیں ظاہری باطنی۔ انسان کو عطا فرمائیں اور انسانوں میں مسلمانوں کو سب سے ہی زیادہ نعمتیں بخشیں یعنی قرآن کریم حدیثِ پاک۔ روح کو بچانے کے لیے اولیاء اللہ علماءِ کرام پیدا فرمائے اس لیے انسان کو دُ

خاص کر مسلمانوں کو رب کا شکر بھی بہت کرنا چاہیے۔ یہ فائدہ۔ كَذٰلِكَ يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ (الخ) —— فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اونٹ بھیڑ۔ بکری اور تمام حلال جانوروں کے بال اون۔ پر۔ وغیرہ پاک ہیں ان کا استعمال کرنا مسلمان مرد و عورت کو حلال و جائز ہے۔ اسی طرح ان کی کھال بھی پاک ہے یہ مسئلہ وَجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ۔ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ سوائے خنزیر کے کسی بھی حرام چرندے پرندے۔ اور درندے کو تکبیر سے ذبح کر دیا جائے تو اس کی کھال ناپاک نہ رہے گی اسی طرح کوئی حلال یا حرام جانور مر جائے اور اس کی کھال اتار کر اچھی طرح خشک کر لی جائے جس کو رنگلیا پکانا۔ پختہ کرنا کہا جاتا ہے وہ بھی پاک ہو جائے گی اسی طرح ہر غلط ذبیحے کی کھال وغیرہ اشیا کا یہی حکم ہے۔ اس کا جوتا وغیرہ بنانا پہننا جائز ہے۔ یہ مسئلہ بھی مِنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ہاں لیکن آدمی کی کھال وغیرہ اس کی عزت و شرافت کی بنا پر استعمال کرنی جائز نہ ہوگی اگرچہ انسان پاک مانا گیا ہے خواہ کافر ہو۔ اور خنزیر کی ہر چیز نجس العین ہونے کی بنا پر ناپاک ہی رہے گی۔ خیال رہے کہ بعض مفسر اَنعام مطلق ہر چوپائے کو کہتے ہیں ان کی تفسیر سے یہ مسئلہ بنتا ہے۔

اعتراضات

ان آیت پر چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَثَاثًا وَّ مَتَاعًا۔ واؤ حرفِ عطف نے بتایا کہ یہ دونوں غیر ہیں۔ حالانکہ لغوی اعتبار سے دونوں کا ترجمہ ہے سامان تو یہ دو لفظ کیوں استعمال ہوئے اور پھر مغایرت کیوں پیدا کی گئی۔ **جواب**۔ اگرچہ سامان ہی دونوں کا ترجمہ ہے مگر اثاثًا اور متاعًا میں چار طرح فرق ہے ۱ اثاثہ جائداد منقولی ہے متاع جائیداد غیر منقولی ہے ۲ اثاثہ لینے دینے اور برتنے استعمال والا سامان ہے۔ متاع گھر کی زیب و زینت والا سامان۔ ۳ اثاثہ وہ سامان جس کو جمع کر کے رکھا گیا ہو کسی وقت کے لیے اور متاع جس سے فی الحال فائدہ و نفع حاصل کیا جا رہا ہو۔ ۴ اثاثہ وہ جس کا فائدہ ضروری نہیں ملے نہ ملے مگر متاع وہ سامان جس کا فائدہ مل رہا ہو۔ اس لیے ان میں غیریت کو ظاہر کرنے کے لیے واؤ عاطفہ لانی بہت ضروری ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا تَقِيْكُمُ الْحَرَّ۔ (الخ) یعنی لباس تم کو گرمی سے بچاتا ہے۔ حالانکہ لباس تو انسان کو گرمی اور سردی دونوں سے بچاتا ہے۔ چاہیے تھا اس طرح کہا جاتا تَقِيْكُمُ الْحَرَّ وَالْبَرْدَ۔ یعنی بچاتا ہے تم کو سردی گرمی دونوں سے **جواب**۔ اس کی تفصیلی وجہ تو تفسیر عالمانہ میں عرض کر دی گئی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو۔ کہ چونکہ عرب میں زیادہ گرمی پڑتی ہے اس لیے

گرمی کی طرف اشارہ کر کے اس نعمت کی اہمیت بتائی گئی۔ نیز گرمی کا ذکر کر کے سردی کا ذکر خود بخود کیا ہو گیا کیونکہ موسم دو ہی قسم کے ہوتے ہیں۔ جیسے کہ بِیَدِكَ الْخَیْرُ۔ کہہ کر۔ شر کا ذکر خود بخود ہو گیا۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا تَقِیْكُمُ الْحَرَّ یعنی لباس تم کو گرمی سے بچاتا ہے۔ چاہیے تھا کہ کہا جاتا تَقِیْكُمُ الْبَرْدَ۔ تم کو سردی سے بچاتا ہے۔ اس لیے کہ گرمی میں لباس کی اتنی ضرورت نہیں ہوتی جتنی سردی میں ہوتی ہے۔ گرم لباس اور زیادہ لباس گرمی میں نہیں پہنا جاتا۔ سردی میں زیادہ لباس استعمال ہوتا ہے

جواب۔ لباس صرف پہناوا ہی نہیں زینت اور دکھلاوا بھی ہے اس لیے گرمی کا ذکر کیا گیا نیز ایک قمیص اگر گرمی کے لیے ہے تو دو تین قمیصیں اور کپڑے سردی میں پہن لیے جاتے ہیں۔ لہٰذا کم از کم لباس کا ذکر فرما دیا گیا۔ اور کم از کم لباس کی نسبت چونکہ گرمی سے تھی اس لیے گرمی کا ذکر کر دینا عین درست ہے۔ یعنی گرمی کے ذکر سے سردی کا ذکر شامل ہو گیا مگر سردی کے ذکر کر دینے سے گرمی کا ذکر نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْۢ بُیُوْتِكُمْ سَكَنًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُیُوْتًا تَسْتَخِفُّوْنَهَا یَوْمَ ظَعْنِكُمْ وَیَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا وَاَوْبَارِهَا وَاَشْعَارِهَاۤ اَثَاثًا وَّمَتَاعًا اِلٰى حِیْنٍ۔ اور رب تعالیٰ نے تمہارے لیے اے دنیا کی کثافتوں سے غمزدہ مرجھائے ہوئے پریشان حال مخلص مومنو تمہارے آشیانۂ قلب میں ذکر الٰہی کے پُر سکون گھروں کو اطمینان و راحت بنا دیا اور تمہارے لیے اس بے راہ روی کی مسافرتِ دنیا میں شرم و حیا۔ غیرتِ ایمانی کے پردوں سے عزت کے گھر بنا دیئے۔ وادیٔ طلب کی مسافرت اور منزلِ شوق کی اقامت کے لمحات میں اسی غیرتِ ایمانی سے اسرارِ لطیفہ کی خفّتِ انوار حاصل کرتے ہو۔ اور قوتِ بطش کے صفائی کردار سے اور قوتِ ذوق کے ریشوں سے اور قوتِ عقل کے شعور سے اعمال کا اثاثہ اور مشاہدات کا متاع بنایا۔ منزلِ قرب کے درجے میں پہنچنے کی مدتِ سعادت تک وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ ظِلٰلًا وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْكُمُ الْحَرَّ وَسَرَابِیْلَ تَقِیْكُمْ بَاْسَكُمْ كَذٰلِكَ یُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُوْنَ ــــ اور اے عالمِ لاہوت کے مسافرو اللہ نے تمہارے لیے مخلوقِ روحانی سے نفس و شیطان کے بچاؤ کے لیے امنِ بقا کے اجسامِ لطیف کے سائے بنا دیئے اور جبالِ تقویٰ میں خلوتِ اسرار کے غار بنا دیئے اور تمہارے اعمالِ صالحہ کے لباس بنائے جو آتشِ فراق کی تپش و گرمی سے تم کو بچاتے ہیں۔ اور ریاضتوں کی زرہیں عطا فرمائیں جو قتالِ نفس و ابلیس سے تم کو بچاتی ہیں۔ منزلِ مراد کی نعمتیں ان ہی طریقوں سے تم پر مکمل فرماتا ہے۔ تاکہ تم راہِ عشق میں سرِ تسلیم کو جھکائے ہوئے بارگاہِ قدس کی چوکھٹ پر سجدہ ریز ہی رہو۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جسم باطنی کے لطائفِ سبعہ ظلالِ قدرت

ہیں اور مومن کا تقویٰ مثل پہاڑ ہے۔ خلوت کے مراقبے اکھاڑ معرفت ہیں۔ مومن کا شرعی کردار لباس ہے اور طریقت کی مشقتیں ریاضتیں اس کی ذرہ ہے۔ جس کے سبب شیطانی حملوں سے محفوظ رہتا ہے۔
وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗٓ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿٨٢﴾

پھر بھی اگر یہ منہ پھیریں تو فقط پر آپ پہنچانا ہے کھلا کھلا

پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اے محبوب تم پر نہیں مگر صاف پہنچا دینا

یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَ

بالکل پہچانتے ہیں یہ کافر نعمت اللہ کی پھر منکر بن جاتے ہیں اُس کے اور

اللہ کی نعمت پہچانتے ہیں پھر اُس سے منکر ہوتے ہیں اور

ع ۱۱ اَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٨٣﴾ وَ یَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ

زیادہ ان میں سخت کافر ہیں اور جس دن اٹھائیں گے

اُن میں اکثر کافر ہیں۔ اور جس دن ہم اٹھائیں گے

كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ

طرف سے ہر اُمت کی گواہ پھر نہیں اجازت دی جائے گی اُن کو جو

ہر اُمت میں سے ایک گواہ پھر کافروں کو نہ

كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿٨٤﴾ وَ اِذَا رَاَ

کفر پر رہے اور نہ توبہ کی مہلت دیئے جائیں گے۔ اور یاد تو کرو جب دیکھا

اجازت ہو نہ وہ منائے جائیں۔ اور ظلم کرنے والے

الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

اُنہوں نے جو ظالم رہے عذاب کو کہ نہ ہلکا کیا جائے گا سے اُن

جب عذاب دیکھیں گے اس وقت سے نہ وہ عذاب ہلکا ہو نہ انہیں مہلت ملے اور شرک کرنے والے جب اپنے

وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿٨٥﴾ وَإِذَا رَاَ الَّذِيْنَ

اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے اور جس وقت جب کہ دیکھا ان لوگوں نے

شریکوں کو دیکھیں گے کہیں گے اے ہمارے رب یہ ہیں

اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ

کہ شرک کیا جنہوں نے بنادی شریکوں کو اپنے بولے اے رب ہمارے یہ ہیں

ہمارے شریک کہ ہم تیرے سوا پوجتے تھے

شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ج

ہمارے سامنے شریک بننے والے وہ جن کو پوجتے تھے، تیرے مقابلے

تو وہ اُن پر بات پھینکیں گے۔

ثلثہ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿٨٦﴾ ج

تو وہ ڈالیں گے طرف اُن کے طعنہ کہ بیشک تم البتہ جھوٹے ہو۔

کہ تم بیشک جھوٹے ہو۔

تعلق | ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے عطیئے اور کرم انعامات یاد کرا کر اُس کی وجہ بتائی گئی انبیاءِ کرام کے ذریعے یہ اس لیے یاد کرائے جا رہے ہیں تاکہ تم مسلمان ہو جاؤ۔ جس سے کافروں کو گمان ہوا تھا کہ شاید ہمارے مسلمان نہ ہونے سے انبیاء کو کچھ نقصان ہوگا اس لیے وہ اور بھی اکڑے

پھرتے تھے۔ اب اِن آیات میں فرمایا جارہا ہے۔ کہ اے پیارے حبیب آپ پر صرف پہنچانا ہے کوئی مانے یا نہ مانے آپ کا کوئی نقصان نہیں۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں اشارۃً کنایۃً تین چیزیں فرمائی گئیں تھیں اللہ تعالیٰ کی عطا۔ انبیاءِ کرام کی مشفقانہ تبلیغ۔ اور کافروں کی ظالمانہ روگردانی اور انکار۔ اب اِن آیتوں میں کفار کی کفریہ روش کی وجہ بتائی جارہی ہے۔ کہ پہچانتے سب کچھ ہیں نہ ماننا صرف قلبی کفر و عناد کی وجہ سے ہے۔ **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں کفار کی دنیوی مصروفیات اور شان و شوکت کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں کفار کی اُخروی بے بسی بے کسی کا نقشہ دکھایا جارہا ہے۔ **شانِ نزول۔**

۔ ابن ابی حاتم نے مجاہد سے روایت کیا کہ ایک دفعہ ایک اعرابی گنوار آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اُس نے عرض کیا کہ مجھے اپنا قرآن سنائیے پھر آپ نے جب سنانے کا ارادہ فرمایا تو اُس موقعہ پر یہ چار آیتیں نازل ہوئیں جو اُس کو سنائیں از آیت ۸۰ تا ۸۴۔ جب اُس نے سنیں تو ہاں ہاں اور ٹھیک ٹھیک کہتا رہا جب آیت ۸۳ سنی تو منہ پھیر کر چلا گیا۔

تفسیر نحوی

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۔ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ فَ حرفِ عطف تعقیبی۔ اِنْ حرفِ شرط۔ تَوَلَّوْا۔ باب تَفَعُّلٌ کا فعل مضارع مثبت معروف انشائیہ صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر اِس کا فاعل مرجع کفار کہ پہلا کلام حاضر کے صیغوں سے ہوا جسمیں کفار کو مخاطب بنایا گیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب اب یہ کلام غائب کے صیغہ سے ہے۔ اِس میں مخاطب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں اور مخاطب باری تعالیٰ عزَّ اسمُہٗ ہے۔ دراصل تَتَوَلَّوْا تھا۔ مضارع حاضر کے صیغوں میں تاء علامت کو تاءِ مصدری کی ہم جنسی (ہم مخرجی) کی بنا پر حذف کیا گیا اُس کی موافقت اور ہم وزنی قائم رکھنے کے لیے یاءِ علامت کو بھی حذف کیا گیا۔ تَوَلَّوْا ہوگیا۔ وَلْیٌ سے یا وَلَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھرنا مڑنا۔ منہ پھیرنا۔ منہ موڑنا۔ نہ ماننا۔ وَلْیٌ کا لغوی ترجمہ ہے سامنے آنا۔ سہارا دینا اسی معنیٰ میں مددگار حاجت روا۔ مشکل کشا کو ولی کہتے ہیں۔ والی وارث بھی اسی معنیٰ سے ہیں۔ باب تفعّل کی پانچ خاصیتوں میں سے ایک خاصیت سلب ہے۔ یہاں اسی خصوصیت میں ہے۔ یعنی۔ سامنے آنے کا سلب منہ موڑنا۔ اور پھرنا ہے۔ فَ جزائیہ۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ لغو۔ ما کافہ برائے حصر۔ بمعنیٰ فقط۔ علیٰ جارّہ وجوب کا۔ كَ ضمیر واحد مذکر غائب اِس کا مرجع مبارک پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ مقدس ہے یہ جار مجرور متعلق ہے وَجَبَ پوشیدہ فعل ماضی مطلق کا یا وَاجِبٌ پوشیدہ کا۔ الف لام استغراقی ہے بلاغ بروزنِ فَعَال ثلاثی مصدر ہے بمعنیٰ پہنچانا۔ موصوف ہے۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ مُبِیْنٌ اسم فاعل واحد مذکر

بابِ اِفعال سے بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کھلا۔ ظاہر۔ صاف صاف۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ رفع صفت ہے۔ موصوف صفت فاعل ہے پوشیدہ عامل وَجَبَ یا وَاجِبٌ کا وہ جملہ فعلیہ یا اسمیہ ہو کر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا۔ یَعْرِفُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مُثبت معروف صیغہ جمع غائب ھُمْ مستتر اس کا فاعل مرجع کفارِ مکہ مراد سارے کفار ہیں نِعْمَةَ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی۔ بمعنیٰ بلا معاوضہ بہرحال مفید عطیہ۔ مراد ہیں اللہ کی عطیات و مسخرات۔ مضاف ہے اللّٰہِ مضاف الیہ ہے بدیں وجہ مجرور ہے مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ مگر ایک ترکیب میں معطوف علیہ ہے ثُمَّ حرفِ عطف تعقیب تراخی کے لیے ہے۔ مگر پہلی ترکیب میں لغو اور دوسری میں کار آمد یُنْكِرُوْنَ۔ بابِ اِفعال کا مضارع مثبت معروف جمع غائب مصدر ہے اِنْكَارٌ نُكْرٌ سے بنا ہے۔ متعدی مادہ ہے۔ بمعنیٰ نہ ماننا۔ منکر ہونا۔ مخالف ہونا۔ ناشکری کرنا ھَا ضمیر ظاہر واحد مؤنث غائب مرجع ہے نِعْمَة یا واحد ہے اور ضمیر بھی واحد اگر حساب برابر ہوا یا یہ نعمت جنسی جمع ہے۔ تو ھَا ضمیر واحد غیر ذوی العقل کے قانون سے آئی۔ منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا مگر دوسری ترکیب میں معطوف ہوا اور معطوف علیہ معطوف مل کر یا جملہ عاطفہ ہو کر مکمل ہے یا حال ہے تو وَا کا واؤ حالیہ یا سرِ جملہ۔ اَكْثَرُ۔ اسم تفضیل مذکر۔ كَثْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادہ ہونا۔ لازم ہے مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ الف لام اِستغراقی۔ كَافِرُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ كُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شرک کرنا۔ ناشکری کرنا۔ بحالتِ رفع ہے خبر ہے مبتدا کی۔ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ لیکن اگر واؤ حالیہ ہے تو یہ جملہ حال ہوگا یُنْكِرُوْنَ کے فاعل ھُمْ ضمیر مستتر کا۔ جس کا مرجع کفار ہیں۔ مگر ترجیح پہلے قول کو ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ. وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ. وَاِذَا رَاَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ واؤ سرِ جملہ يَوْمَ مضاف ہے اور مابعد تمام عبارت مضاف الیہ ہے پھر مرکب اضافی ظرف مفعول بہ ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کا۔ لیکن ایک دوسری ترکیب اس طرح ہے اسم مفرد ظرفِ زمانی بمعنیٰ دن بحالتِ نصب ظرفِ مقدم ہے بقاعدۂ نحو ظرف تمام معمولات میں سب سے مضبوط اور سخت ہے کیونکہ تمام چیزیں اگرچہ عامل ہی کیوں نہ ہو اس کا مظروف بن کر اس میں سما جاتا ہے۔ اسی لیے یہ مقدم بھی ہو جاتا ہے مؤخر بھی۔ نَبْعَثُ۔ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع صیغہ جمع متکلم نَحْنُ اس میں مستتر ضمیر مرفوع متصل جمع متکلم۔ مرجع باری تعالیٰ بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا۔ یہ صفت غیر خصوصی ہے لہٰذا نسبتِ عباد بھی ہے اور لازم ہوتا ہے اور متعدی بھی بمعنیٰ اٹھنا۔ زندہ ہونا۔

بھیجنا کسی کا کسی طرف ۔ اور نسبتِ الٰہیہ بھی ہے ۔ اس وقت صرف متعدی ہوتا ہے ۔ بمعنیٰ اٹھانا ، زندہ کرنا ۔ بھیجنا ۔ اللہ تعالیٰ کا کسی فرشتے یا رسول علیہ السلام کو کسی طرف یہاں اسی دوسری نسبت سے ہے بمعنیٰ زندہ کرکے اٹھانا ۔ مِنْ جارہ بعضیت کا کُلِّ اسم تاکیدی مضاف ہے اُمَّةٍ ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی یا حقیقی بمعنیٰ گروہ جماعت گروہ ۔ مضاف الیہ اس لیے مجرور ہے مرکب اضافی مجرور ہے اور متعلق ہے نبعث کا شَہِیدًا ۔ اسم صفت مشبہ شُہُودٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حاضر ہونا ۔ دیکھنا بغور ۔ مشاہدہ کرنا ، گواہ بننا ، کافر کے مقتول کو شہید حقیقی اسی معنی میں کہا جاتا ہے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں جلدی حاضر ہوتا ہے ۔ یا آیات سے پہلے جنت کا مشاہدہ کرتا ہے ۔ یا اپنی جان سے گواہی توحید و رسالت پیش کرتا ہے ۔ ثُمَّ حرف عطف برائے تراخی تعقیب بمعنیٰ ف عاطفہ قائم مقام ظرف یعنی اس وقت لَا یُؤْذَنُ ۔ باب افعال کا مضارع منفی مجہول واحد مذکر غائب مصدر ہے اِیذَانٌ ۔ اِذْنٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ اجازت دینا هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا نائب فاعل ہے جس کا مرجع ہے اِذْنٌ ۔ لام جارہ مفعولیت کا اَلَّذِیْنَ ۔ اسم موصول کَفَرُوْا ۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع غائب ۔ هُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور اور متعلق ہے لَا یُؤْذَنُ کا ۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہے ۔ واوٌ حرف عطف ۔ لَا نافیہ مشبہ بلیس هُمْ ضمیر اس کا اسم مرفوع ہے ۔ اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یُسْتَعْتَبُوْنَ باب استفعال کا مضارع منفی مجہول لاءِ مشبہ کی وجہ سے ۔ مصدر ہے اِسْتِعْتَابٌ ۔ صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر نائب فاعل اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ عَتْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مصیبت جھیلنا ۔ مشقت سے اترنا یا چڑھنا ، ناراضگی دور کرنا ۔ منانا ۔ منانے کی مہلت دینا ۔ یہاں آخری معنی مراد ہے ۔ فعل مجہول اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر لا ہے پھر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے لَا یُؤْذَنُ کا ۔ واوِ سر جملہ ابتدائیہ یہ جملہ علیحدہ ہے ۔ یا واوٌ عاطفہ تب یہ عطف ہے ماقبل پر ۔ اِذَا حرف شرط ظرفیہ زمانیہ ۔ رَاٰی ۔ باب فتح کا ماضی مطلق ۔ واحد غائب رَاْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا ۔ فعل مستقبل کے معنیٰ میں ہے یعنی دیکھیں گے ماضی کا فعل اظہارِ یقین کے لیے لایا گیا ۔ گویا دیکھ ہی لیا ۔ اَلَّذِیْنَ موصولہ اس کا فاعل ہے ۔ ظَلَمُوْا فعل ماضی مطلق جمع غائب هُمْ اس کا فاعل ضمیر مستتر ۔ الف لام عہدی عَذَابَ بمعنیٰ سزا مفعول بہ ہے ۔ یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ فاعل رَاٰ کا ۔ وہ فعل فاعل جملہ فعلیہ شرط ہوا ۔ فَ جزائیہ لَا یُخَفَّفُ فعل مضارع منفی بلا مجہول صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ مستتر ضمیر اس کا نائب فاعل جس کا مرجع عذاب ہے ۔ اس کا مصدر ہے تَخْفِیْفٌ خَفَّفَ ۔ خُفٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ ہلکا ہونا ۔ ہلکا کرنا یا کیا جانا ۔ عَنْ حرفِ جار مجاوزات زوالی کے لیے (یعنی دور کرنے ہٹانے کے لیے) هُمْ ضمیر مجرور متصل ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُخَفَّفُ کے یہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ واوٌ عاطفہ

لا نافیہ مشبہ ہُمْ اس کا اسم مرفوع ہے۔ یُنظَرُونَ۔ فعل مضارع منفی ہے مجہول صیغہ جمع غائب باب افعال سے ہے اِنظَارٌ مصدر ہے۔ نَظْرٌ سے بنا ہے بمعنی مہلت ملنا۔ مہلت دینا۔ دیا جانا۔ جملہ فعلیہ ہوکر خبر لا۔ اور معطوف ہے پورا عطف کا جملہ جزا۔ شرط جزا جملہ شرطیہ ہوکر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ رَاٰی فعل ماضی بمعنی مستقبل اظہار یقین کے لیے ترجمہ ہے گویا دیکھ ہی لیا۔ اَلَّذِیْنَ اس کا فاعل اس لیے محلاً مرفوع ہے۔ اَشْرَکُوْا اِشْرَاکٌ مصدر سے ماضی مطلق ہے جمع مذکر۔ بمعنی بُت پرستی کرنا۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا اور فاعل ہے۔ شُرَکَاءَ۔ جمع مکسر ہے شَرِیْکٌ کی۔ صفت مشبہ ہے بمعنی اسم مفعول۔ یعنی شریک بنائے ہوئے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے یہ اضافت فاعل ہے بمعنی ان کے بنائے ہوئے شرکا۔ مرکب اضافی منصوب مفعول بہ ہے رَاٰی کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہے

قَالُوْا رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِيْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ ۚ فَاَلْقَوْا اِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ———

قَالُوْا۔ فعل ماضی مطلق قَوْلٌ سے باب نَصَرَ ہے ھُمْ اس کا فاعل جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ سب جملہ جزا ہے مگر ف جزائیہ مفقود کیونکہ جزا کی تعقیب حاصل ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ رَبَّ اسم مفرد نام ہے صفاتی اللہ تعالیٰ کا منصوب ہے کیونکہ منادیٰ مضاف ہے دراصل تھا یَارَبَّنَا۔ نا۔ ضمیر جمع متکلم مخاطب اَلَّذِیْنَ کفار عالم ہیں۔ حرف ندا مقدرہ اپنے منادیٰ مضاف الیہ سے مل کر ندا ہوئی هٰٓؤُلَاءِ۔ دو لفظوں سے جڑ کر بنا۔ ۱ ھا حرف تنبیہ ۲ اُوْلَاءِ۔ اسم اشارہ جمع قریبی۔ بمعنی یہ سب مبنی ہے محلاً مرفوع ہے مبتدا ہے۔ شُرَکَاءُ اسم جمع مکسر ہے شَرِیْکٌ کی مضاف ہے نا ضمیر مضاف الیہ جمع متکلم مجرور متصل۔ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول کُنَّا نَدْعُوْا۔ ماضی استمراری جمع متکلم دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنی بلانا۔ معبود سمجھنا۔ پکارنا۔ عبادت پوجا کرنی۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں مِنْ زائدہ بیانیہ دُوْنِ اسم مفرد جامد معرب متمکن۔ مضاف ہے کَ ضمیر مخاطبہ کا بمعنیٰ سوا مقابل۔ بغیر۔ مجرور ہے متعلق ہے کُنَّا نَدْعُوْا کے یہ جملہ فعلیہ صلہ ہوا موصول صلہ صفت ہوئی۔ شُرَکَاءُنَا موصوف صفت سے مل کر خبر مبتدا۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہوکر بیان ندا ہوا۔ اور ندا اپنے بیان سے مل کر مقولہ ہوا۔ فَ جزائیہ بمعنیٰ ثُمَّ عاطفہ (تعقیب باتراخی کے لیے) اَلْقَوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے شُرَکَاءُ مصدر ہے اِلْقَاءٌ۔ لَقْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ ڈالنا۔ پھینکنا۔ بات منہ پر سامنے کر دینی۔ یہاں آخری یہی معنیٰ مراد ہیں۔ اِلٰی جارّہ انتہا کے لیے ھُمْ ضمیر کا مرجع کفار لوگ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے اَلْقَوْا کا الف لام عہدی قول اسم مفرد حاصل مصدر بمعنیٰ بات مفتوح ہے مفعول بہ ہے۔ اَلْقَوْا فعل کا۔ مُمَیِّز ہے یا مُبْدَل منہ ہے یا موصوف ہے مابعد کا۔ اِنَّ

حرف تحقیق کُم ضمیر اِس کا اسم ہے مراد کفار ہیں منصوب متصل۔ لام کے ابتدائیہ۔ کَاذِبُوْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ کِذْبٌ سے بنا ہے بمعنی جھوٹ بولنا بحالتِ رفع خبر ہے اِنَّ کی ۔ اِنَّ اسم خبر سے مل کر نعت یا بدل تمیز ہے قولَ کی۔ اَلْقَوْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاءِ دوم ہے یا معطوفی جزا ہے قَالُوْا کی اور قالُوا اپنے مقولے سے مل کر جزا ہے اَلَّذِیْنَ کی۔

تفسیر عالمانہ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ یَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰہِ ثُمَّ یُنْکِرُوْنَہَا وَاَکْثَرُہُمُ الْکٰفِرُوْنَ . وَیَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیْدًا ثُمَّ لَا یُؤْذَنُ لِلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَلَا ہُمْ یُسْتَعْتَبُوْنَ ۔ اتنی نرمی محبت ۔ شفقت ۔ رحمت اور ہر طرح سے سمجھانے بتانے سنانے اور نعمتیں صحتیں دولتیں عزتیں دینے کے بعد بھی اگر یہ کفار منکر ناشکرے اب بھی ہماری بارگاہ میں سر تسلیم خم نہیں کرتے اور پچھلی گمراہ اُمتوں کی طرح نافرمانی اور غرور تکبر اور آپ کے آستانے سے دور ہی بھٹکنا چاہتے ہیں تو اے پیارے نبی آپ بالکل فکر مند غمگین نہ ہوئیے آپ پر صرف ہمارے احکام قرآن حدیث قانون شریعت طریقت ۔ اور سزا جزا کی خبریں پہنچا دینا ہی تھا اور وہ سب کچھ آپ نے اپنے قول فعل عمل وعظ تقریر خطبات کے ذریعے پہنچا دیا اور نہایت اَحسن طریقے سے بتا دیا کہ ایمان عقل بصیرت راہنمائی ہدایت کا نام ہے اور کفر جہالت ۔ اندھاپن کا نام ہے اور تعطّل ۔ سستی ۔ کسل ۔ عبادت سے علیحدگی کا نام فسق وفجور ہے ۔ حیاتِ کفریہ بہری گونگی ہے ۔ حیاتِ عصیانی اپاہج معذور ۔ لولی لنگڑی ہے ۔ لیکن حیاتِ ایمانی روشنی بصارت سماعت و عقل والی ہے ۔ یہاں سبّب کی جگہ سبب کو قائم فرمایا گیا ۔ دراصل تھا ۔ تو اگر یہ آپ سے اب بھی منہ پھیر لیں ۔ آپ کا کوئی نقصان نہیں آپ نے پورا پیغام پہنچا دیا ۔ اس لیئے کہ آپ پر پورا پہنچانا ہی تھا ۔ اے پیارے نبی یہ کفار اللہ کی ہر نعمت کو اچھی طرح سمجھتے ہیں ۔ لیکن اس کے شکریے کے منکر ہوتے ہیں ۔ ملتا سب کو اللہ رسول کے در سے ہے مگر ۔ عبادتِ شکرانہ بتوں کی طرف لے جاتے ہیں ۔ اور مانتے اپنے شیطانوں کی ہیں ۔ اِن میں سے زیادہ تر جو عاقل بالغ باہوش و حواس پڑھے لکھے سمجھدار ہیں وہ تو سخت ضدی مغرور قسم کے کافر ہیں ۔ لیکن بچے ۔ نابالغ ۔ دیوانے اور ان پڑھ جاہل اُن کا کفر تو اپنے بڑوں کی بنا پر ہے دیکھا دیکھی ۔ ایک قول ہے کہ اکثر بمعنی تمام ہے یعنی اَن میں کے سب ہی کافر ہیں ۔ بہر کیف اِن کا یہ کفر ۔ فاسقوں کا فسق ۔ مغروروں کا غرور چند دن کا ہے ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہم پروردگارِ عالَم ہر ایک گروہ کے اَعمال اَقوال افعال کے پورے پورے حساب کے لیے ہر منکر کافر کے اپنے پورے بیان پورے دلائل پورے انکار کے بعد بڑا

شاندار عظمت و کردار کا پیکر شاہد و نذیر گواہ میدانِ محشر میں مبعوث فرمائیں گے۔ اس گواہی کے بعد پھر کسی کافر کو بولنے انکار کرنے کی اجازت نہ ہوگی نہ تڑپنا پھڑکنا۔ رزنا۔ کانپنا۔ فریاد کرتا دیکھا جائے گا نہ توبہ اور معافی کا مطالبہ ہوگا۔ نہ وہاں یہ لجاجتیں قبول ہوں۔ یہ سب کام تو دنیا میں ہی ہیں۔ ہمارے انبیاء اولیاء۔ علماء ہر طرح سے سمجھا رہے ہیں منا رہے ہیں۔ سنا رہے ہیں۔ توبہ اور ایمان کی طرف بلا رہے ہیں اور یہ کفار و فساق قیمتی بے مثل زندگی کی سانسوں کو ضائع کر رہے ہیں۔ دنیا دارُ العمل ہے یہاں تم کو سمجھایا جاتا رہے گا۔ یہاں تم نہیں مانتے جب کہ بڑا آرام وہ وقت ہے۔ کل قیامت میں ہم نہیں مانیں گے جب کہ تم فریادیں کرو گے توبہ کرنا چاہو گے۔ اس لیے کہ یوم محشر سزا و جزا اور فیصلے کا وقت ہے۔ توبہ اور معافی کا نہیں ہے۔ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ وَاِذَا رَاَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا شُرَكَآءَهُمْ قَالُوْا رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا الَّذِیْنَ كُنَّا نَدْعُوْا مِنْ دُوْنِكَ فَاَلْقَوْا اِلَیْهِمُ الْقَوْلَ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ میدانِ قیامت اور جہنم کے حالات بھی کفار کے لیے عجیب بے کسی بے بسی کے ہوں گے۔ کہ جب وہ ظلم کرنے والے دوزخ میں عذاب دیکھ لیں گے تو پھر تا ابدالآباد کسی بھی لمحے ذرہ برابر بھی اُن ظالموں کافروں سے اُن کے حصہ کا عذاب ہلکا یا کم نہیں کیا جائے گا اور نہ وہ کافر کسی اور کام یا مشغولیت کی وجہ سے کچھ مہلت دیئے جائیں۔ نہ عذاب آنے کے لیے انتظار کرائے جائیں۔ یعنی کسی طرح سے چند منٹ کا بھی آرام و سہولت نہ ملے گی۔ یہی حال عذابِ قبر کا بھی ہے۔ ایک قول ہے کہ رَاٰیْ سے عذابِ قبر اور وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ سے عذابِ جہنم مراد ہے۔ ایک قول ہے رَاٰیْ سے جہنم میں داخلے کے بعد عذاب پہنچنے اور یُنْظَرُوْنَ سے میدانِ قیامت کا وقت مراد ہے۔ یہ حال و کیفیت ہر قسم کے تمام کفار کی ہوگی حدیثِ بخاری سے ثابت ہے کہ ابولہب سے عذابِ قبر پیر کے دن ہلکا کر دیا جاتا ہے۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کی خوشی منانے کے صدقے ہو سکتا ہے اس کی یہ رعایت جہنم میں بھی کی جائے مگر یہ خصوصیت اور قدرت ہے لیکن باقیوں کے لیے قانون وہی ہے جو بیان ہوا۔ اور مشرکین کفار جب میدانِ قیامت یا جہنم میں داخلے کے بعد وہیں پر اپنے بتوں کو بھی پڑے دیکھیں گے یا اپنے پنڈت پادریوں گروؤں کو۔ تو رب سے عرض کریں گے کہ اے ہمارے سچے حقیقی معبود رب یہ تو ہمارے وہی بناوٹی جھوٹے شریک ہیں جن کو ساری زندگی ہم تیرے مقابل تیری مخالفت میں پوجتے پکارتے اور بلاتے رہے ہم اپنے سجدوں میں انہی کو پکارتے۔ گناہ کر کے اپنے ان ہی پادریوں سے بخشوا لیا کرتے اور دیدہ دلیری سے ان کے سہارے گناہ کر لیا کرتے تھے۔ ہم تیری مخالفت میں

اور اسلام قرآن شریعت نبوت سے دور ہونے میں ان ہی کے کہنے پر عمل کیا کرتے تھے یہ پنڈت ہی ہمارا سہارا بنے پھرتے تھے۔ لہٰذا ہمارا کچھ عذاب ہم سے ہٹاکر ان کو دیدے۔ تو وہ سب بت اللہ کی قدرت سے اور پنڈت پادری۔ و دیگر شیاطین اپنے مونہوں سے فوراً بولیں گے۔ نہیں تم بالکل جھوٹے کذاب اور لعنتی ہو۔ ہم نے تم کو کب کہا تھا کہ ہم کو مورتی بناکر یا معبود سمجھ کر پوجنا یا چاند سورج ستائے جو وہیں ہوں گے وہ بولیں گے کہ ہم نے تم کو نہیں کہا تھا کہ ہماری پوجا کرو اور سے پنڈت پادری منہ لٹکائے ہوئے گویا ہوں گے اور نہایت ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہوئے ان جھوٹے کافروں کو جھٹلاتے ہوئے اس ڈر سے کہ کہیں بقول ان کے آدھا عذاب اور زنجیر آجائے۔ بولیں گے کہ کمبختو تم پکے جھوٹے ہو۔ دنیا میں تم خود ہمارے پاس آتے تھے۔ اللہ کی فرماں برداری پر دل تمہارا اپنا نہیں چاہتا تھا اور آج بہانے ہمارے بناتے ہو۔ اسلام قرآن اور نبی کے دروازے کھلے تھے اولیاء اللہ کے آستانے موجود تھے تم کیوں وہاں نہ جاتے تھے۔ ہم نے کوئی تمہارے پیروں میں بیڑیاں تو نہیں ڈالی تھیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا و آخرت میں ہم سب اُمتی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر وقت ہر حالت میں حاجتمند ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص کے ضرورت مند نہیں ہیں ان کو پروردگار عالم نے سب سے بے نیاز فرمادیا ہے یہ فائدہ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ فرمانے سے حاصل ہوا شعر

تم تو جس خاک کو چاہو وہ بنے بندۂ پاک
ہم نہی کس کو بنائیں جو خفا تم ہو جاؤ

دوسرا فائدہ۔ مومن اور مسلمان کبھی اپنے آپ کو غریب نہ سمجھیں اس لیئے کہ جو نعمتیں رب کریم نے مسلمانوں کو دی ہیں وہ کسی کو نہیں ملیں۔ مثلاً ایمان۔ قرآن۔ حدیث۔ عبادات ذکر الٰہی اور سب سے بڑی نعمت خود نبی پاک کی ذات اقدس۔ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فائدہ يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا کی تفسیر ثانی سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ**۔ عذاب کی دردناکی۔ ذلت آمیزی۔ اور تخفیف عذاب نہ ہونا صرف کافروں کے لیئے ہے فاسق فاجر مسلمان اگرچہ کچھ عرصے کے لیئے جہنم میں جلے گا۔ اور سزا پائے گا مگر اس کو ذلت اور دردناکی نہ ہوگی بلکہ دعاؤں شفاعتوں اور زندگی کے نیک اعمال و ایصال ثواب کی وجہ سے تخفیف عذاب بلکہ معافی عذاب بھی ہوگا۔ یہ فائدہ فَلَا يُخَفَّفُ (الخ)۔ کو خاص کفار کے لیئے فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی شریعت طریقت قرآن کی حدیث کے ذریعے تمام مسائل کی پوری پوری تبلیغ فرمادی دین اسلام کا کوئی مسئلہ یا کوئی فیصلہ قانون ایسا نہیں جس کی تبلیغ امت کو نہ ہو گئی ہو۔ جس طرح قرآنِ مجید کی شرح و تفصیل و تفسیر حدیث پاک ہے اسی طرح احادیث کی شرح اور وضاحت اسلامی فقہ ہے۔ یہ مسئلہ فَاِنَّمَا عَلَیْكَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ کی اِقتضاءُ النّص سے مستنبط ہوا۔ یعنی آپ پر مکمل پہنچا دینا تھا جو آپ نے پہنچا دیا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کفار بے دینوں اور بد مذہبوں بُرے عقیدے والے لوگوں کی محفلوں۔ مجلسوں۔ صحبتوں میں جانا اُن سے میل جول بڑھانا حرام ہے۔ اسی طرح اُن کی کتابیں پڑھنا یا ہر وہ کام کرنا جس سے اُن کے موذی اثرات کا خطرہ ہو۔ قطعاً ناجائز ہے۔ آج تک جتنے بھی کفر اور باطل فرقے بنے بنائے ہیں وہ صحبتِ بد کا ہی نتیجہ ہیں قیامت میں کفار اسی کا اظہار کریں گے۔ یہاں کے بروں دوستوں ساتھیوں کے وہاں دشمن بن جائیں گے یہ مسئلہ۔ هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا کی تفسیر سے مستنبط ہوا شُرَكَآؤُنَا سے مراد اُن کے دنیوی گمراہ کن ساتھی ہیں۔ جن کی محفلوں نے ان کو تباہ حال کیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا ثُمَّ یُنْكِرُوْنَهَا یعنی وہ سب ہی اللہ کی نعمت اسلام قرآن اور نبی پاک کے منکر ہیں۔ پھر ساتھ ہی فرمایا گیا وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ اور ان میں اکثر کافر ہیں اس کا مطلب یہ ہوا کہ سب منکر کافر نہیں؟ **جواب**۔ اَكْثَرُهُمْ میں اُن کفار کا ذکر ہے جن کی موت کفر پر مقدر ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ منکر تو اس وقت سب ہیں لیکن۔ سب کفر پر مریں گے نہیں بلکہ کچھ مسلمان بن جائیں گے اکثریت کفر پر مرے گی۔ لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہ رہا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ قیامت میں کفار کہیں گے رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ شُرَكَآؤُنَا۔ اے ہمارے رب یہ ہیں ہمارے وہ شریک ہم جن کو تیرے سوا پوجتے تھے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کو سب کچھ پتہ ہے تو اس بتانے کا مقصد کیا ہے؟ **جواب**۔ یہ قول بتانے کے لیے نہیں بلکہ اپنے جرم کا اقرار کرنے کے لیے ہے کہ پہلے وہ انکار کر چکے تھے اور ان کے ہاتھ پیروں نے گواہی دی تھی پھر ان کو جہنم میں بھیجا گیا جس پر وہ انتہائی پشیمان ہو رہے تھے اب جہنم میں پہنچ کر جب ان کی نگاہ اپنے بتوں اور بندوں شیطانوں پر پڑی تو پکار اٹھے۔ اس خیال سے کہ شاید اس اقرار سے معافی مل جائے یا اس خیال سے کہ شاید رب تعالیٰ بتوں شیطانوں کو مورد الزام ٹھہرا دے نہ فرمایا کرم کو مجبور ہاں لے تیرا احترام **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ بت پکاریں گے ۔ اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۔ بیشک بت پرستو تم البتہ جھوٹے ہو۔ حالانکہ کفار نے سچ کہا ہوگا کہ یہ وہ شریک ہیں جن کو ہم تیرے سوا پوجتے تھے۔ تو بتوں اور شیطانوں نے

ان کو جھوٹا کیوں کہا۔؟ **جواب** ۔ یا اس لیے کہ کفار نے بتوں کو رسوا کرنے کے لیے ان کو موردِ الزام ٹھیرایا تو بتوں نے یہ کہہ کر کہ ہم نہیں جانتے تم ہم کو پوجتے تھے تم جھوٹے ہو۔ ان کو مزید ذلیل و رسوا کیا۔ اور یا اس لیے کہ تمہارے عقیدہ ہمارے متعلق یہ تھے کہ ہم سب کچھ تم کو دے سکتے ہیں۔ اسی عقیدے کی بنا پر تم نے ہم کو پوجا۔ حالانکہ تم اپنے اس عقیدے میں جھوٹے ہو۔

تفسیر صوفیانہ

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ۝ يَعْرِفُونَ نِعْمَتَ اللَّهِ ثُمَّ يُنْكِرُونَهَا وَأَكْثَرُهُمُ الْكَافِرُونَ ۝ وَيَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ۔ تو اگر بدنصیبِ ازلی انوارِ مشاہدات کی روشنیوں سے منہ موڑیں انکار کی گردن پھیریں تو اے شہنشاہِ قلب تیرے ذمۂ خاص پر صرف روشن رہنمائی ہے۔ یہ منکرینِ وارداتِ محبوبانِ الٰہی اللہ تعالیٰ کی نعمۃ رزقِ روحانی کے وررد کو سمجھتے ہیں۔ نقطۂ غرورِ نفسانی اور وسوسۂ شیطانی کی صحبتِ بد۔ اور عنادِ باطنی صفاتِ نفسِ رذیل کی بنا پر منکر ہوتے ہیں اور اہلِ نفس میں اکثریت نورِ فطرت کے کفرِ حجاب میں ہیں۔ اور میزانِ باطنی کے حسابِ ظلمات کے دن ہر طبیعتِ باطنی کے لیے اعضاءِ ظاہری کا شہیدِ فطرت اور گواہِ حقیقت ہم مبعوث و حاضر موجود کریں گے۔ پھر کسی بھی شریرِ باطل اور خبیثِ باطن کو وسوسوں افکارِ پریشانی کی اجازت نہ دی جائے گی۔ نہ وہ کسادِ شقاوت والے رعایت کیے جائیں۔ دنیا میں جسم و روح کو دو نعمتیں دی گئیں ایک شریعت اور دوسری طریقت۔ علماءِ شریعت قینچی ہیں کہ اس سے کپڑا کاٹا جاتا ہے۔ اسی سے حجابِ غفلت کو پھاڑا جاتا ہے۔ اور اہلِ طریقت صوفیا سوئی ہیں کہ اس سے کپڑا سیا جاتا ہے اور جوڑا جاتا ہے اسی سلے ہوئے کپڑے کو عفت کی چادر خلوتِ حق کا لباس اور ستارِ عیوب کا جوڑا بنایا جاتا ہے۔ اسی لیے پہلے علماء کے قدموں میں اور پھر مرشد کی تربیت میں جانا پڑتا ہے قینچی کا کام جلدی اور سوئی کا کام دیر سے مکمل ہوتا ہے۔ اسی لیے شریعت کی تدریس جلدی اور طریقت کی تہذیب دیر سے حاصل ہوتی ہے۔ اے استادِ شریعت اور مرشدِ طریقت تیرے ذمے صرف بلاغِ مبین ہے۔ تو شمع کی طرح جل تاکہ دوسروں کو روشنی ملے مگر شمع کی طرح نہ بن کہ خود تیرے نیچے اندھیرا ہو۔ منکرینِ نعمت اور کفران کے گناہگاروں کا زمینِ قالب میں صحیح سلامت چلنا بھی کرامتِ قلب ہے۔ خود شناسی اور خود پرستی حرام ہے کیونکہ فَإِنْ تَوَلَّوْا کا غرور اسی سے پیدا ہوتا ہے۔ خود شکنی معرفت ہے وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ۔ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ قَالُوا رَبَّنَا هَٰؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُو مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ اور جب اہلِ بر

جنہوں نے قلب و عقل پر شقاوت کا ظلم وسواس کی جفا کی عذاب ہجران اور سزاء فراق دیکھی تو کبھی بھی ان سے یہ بد نصیبی ہلکی نہ کی جائے گی۔ اور کساوت کی مزید انتظار کی ساعت نہ دی جائے گی۔ اور شرکِ خفی کرنے والے نفوسِ شیطانی جب قیامتِ صغریٰ کے میدانِ حجاب میں اپنے شرکاءِ تدابیر اور کفر و بطلان کے منصوبوں کو خاکِ ظلمت میں پڑا دیکھیں گے تو ربّ قضا و قدر کو پکاریں گے کہ اے ہماری تقدیر و قضا کے رب ہماری تدبیروں کے بت اور تصوراتِ باطل کے صنم یہ اوندھے گرے پڑے ہیں ہم جن کو تیرے فیصلۂ تقدیر کے مقابل بہت کچھ سمجھتے تھے آج یہ جھوٹی تدبیریں سچی تقدیروں کے مقابل کام نہ آئیں۔ زبانِ حال اور لسانِ کیفیت اور لغتِ باطنی سے وہ سب انسانی غلط تدبیریں اور ناکام منصوبے اُن کو جواب میں کہیں گے اِنَّكُمْ لَكٰذِبُوْنَ اے نفوسِ خواہشاتِ شہوانی اور تصوراتِ وتخیلاتِ شیطانی تم سب ازل کے جھوٹے اور مکر کے جال پھیلانے والے ہو۔ اے بندۂ تقدیر راضی برضاءِ الٰہی ہو جا کہ کائنات کی ساری سعادتیں اسی میں راسخ موجود ہیں ظلمت سے، دوری نور سے حضوری، خلوت سے نمودری قضاء الٰہی کے حسن جمال و جلال میں ہے۔

تو مشو مغرور بر حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

وصلّی اللہ تعالیٰ علیٰ خیرِ خلقہٖ محمّدٍ وّاٰلہٖ وبارک وسلّم۔

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ﹰالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ

اور گویا گر ہی پڑے طرف اللہ کے اُس دن عاجزی سے اور غائب ہوگیا سے اُن وہ

اور اُس دن اللہ کی طرف عاجزی سے گریں گے اور اُن سے گم ہو جائیں گی

مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ۝٨٧ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا

جن کو بڑا کچھ بنا رکھا تھا ۔ وہ جو کافر ہوئے اور روکا انہوں نے

جو بناوٹیں کرتے تھے ۔ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ

عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ

سے راستے اللہ کے قیامت میں زیادہ کیا ہم نے اُن کا عذاب ایک عذاب کے اوپر

سے روکا ہم نے عذاب پر عذاب بڑھایا

بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿۸۸﴾ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ

بدلہ اُس کا کہ تھے وہ فساد کرتے ۔ اور جس دن اٹھائیں گے ہم میں ہر اُمت

بدلہ اُن کے فساد کا اور جس دن ہم ہر گروہ میں

أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِّنْ أَنفُسِهِمْ وَجِئْنَا

سے گواہ ایک خلاف اُن پر طرف سے ذات اُن کی اور لائے ہم کو

ایک گواہ اُنہی میں سے اٹھائیں گے کہ اُن پر گواہی دے اور اے محبوب تمہیں ان سب پر

بِكَ شَهِيدًا عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ

آپ گواہ اُن سب پر اور اُتارا ہم نے پر آپ کتاب

شاہد بنا کر لائیں گے اور ہم نے تم پر یہ قرآن اُتارا

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ

جو کھلا بیان کرنے والی ہے ہر چیز کو اور ہدایت ہے اور رحمت اور خوشخبری

کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے اور ہدایت اور رحمت اور بشارت

ع ۱۲ / ۱۸ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿۸۹﴾ ع

لئے تمام مسلمانوں کے

مسلمانوں کو

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا تعلق پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفار کی میدانِ محشر والی اُس گفتگو کا ذکر ہوا جو رب کریم کے سامنے اپنے رہنماؤں سے لعن طعن پر سوال و جواب کریں گے اِس اُمید میں کہ شاید ہم کسی طرح بچ

بن کر جھوٹ جائیں۔ اب اِن آیات میں اُن کی مایوسی کے بعد رب کے حضور عاجزی دکھاتے ہوئے گرنیکا ذکر ہے کہ یہ سمجھئے کا پہلا حربہ پہلے مذکور ہوا دوسرا حربہ اب بیان ہو رہا ہے **دوسرا تعلق**۔ دنیاءِ کفر میں کافر دو قسم کے ہیں ایک کافر ہونے والے اور دوسرے کافر کرنے والے پچھلی آیات کافر ہونے والوں اور اُن کی اُخروی عذاب کا ذکر تھا۔ اب اِن آیات میں کافر کرنے والوں کا اور اُن کے دگنے عذاب کا ذکر ہے۔ تاکہ تذکرہ مکمل ہو **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ میدانِ قیامت میں کافر اور کافر گر آپس میں ایک دوسرے پر کافر ہونے کا الزام دھریں گے جو در پردہ ایک قسم کی مجرم کے منہ سے ہی ایک دوسرے کے خلاف گواہی ہوگی۔ اب اِن آیات میں دوسری صاف صاف گواہی کا ذکر ہے۔

شانِ نزول۔ ابن جریر نے بریدہ سے روایت کیا۔ اور ابن ابی حاتم نے ابوبکر بن ابی حفص سے روایت کیا۔ کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلّم نے کفار سے چند باتوں پر وعدہ لیا اور کفار نے قسمیں کھا کھا کر پکا وعدہ کیا کہ ہم اِن باتوں پر کاربند رہیں گے پھر وعدے مسلمانوں نے اُن سے کئے مسلمان تو اپنے وعدوں پر قائم رہے مگر کافروں نے وعدہ توڑ دیا تو یہ سات آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۸۹ تا آیت ۹۵ آیت ۹۲ میں مکہ مکرمہ کی ایک دیوانی اور وہمی بوڑھی عورت کی مثال دی گئی ہے جو سارا دن بڑی محنت سے چرخے پر سوت کاتتی مگر شام کو یہ کہتے ہوئے سارا توڑ دیتی کہ یہ تو غلط بن گیا۔ اِس کا نام سعیدیہ اسدیہ تھا اور پھر مجنونہ لقب پڑ گیا تھا۔

تفسیر نحوی وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ۨالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ

واؤ سر جملہ اَلْقَوْا۔ باب افعال فعل ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ ضمیر جمع غائب مستتر اِس کا فاعل ہے جس کا مرجع میدانِ محشر کے کفار ہیں۔ اِلْقَاءٌ مصدر ہے لَقُوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈالنا۔ گرانا۔ باب اِفعال میں ہر مصدر متعدی ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں گرنے کے معنیٰ میں ہے لازم ہے۔ کفار کے گرنے کو باب اِفعال سے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اُن کے گرنے کی سختی تیزی اور وجہ بتائی جائے گویا اُس دن اللہ تعالیٰ کے حضور گرنا فرماں برداری کے لیے نہیں ہوگا۔ اُن کی مجبوری۔ سختیِ عذاب۔ جہنّم کی ہولناکی جو غالباً نظر آتی ہوگی اُن کو گرنے پر مجبور کرے گی۔ گویا مجبوری نے اُن کو گرا دیا۔ یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے۔ خبرِ یقینی کے لیے ماضی استعمال ہوا۔ گویا ایسا ہو ہی گیا۔ اِلٰی جارہ بمعنیٰ عِنْدَ (پاس) اللّٰہِ مجرور متعلق ہے اَلْقَوا کے یَوْمَئِذٍ اسم ظرفِ زمانی یہ مرکب اضافی ہے مگر اب بسیط ہے ایک لفظ کے درجہ میں۔ یَوْمَ ظرفِ زمان مضاف ہے اِذْ مفاجاتیہ یا شرطیہ۔ یا یہ بھی ظرفیہ وقتیہ ہے بمعنیٰ

اِذًا۔ تینوں احتمال درست ہیں مضاف الیہ اس کو اضافتِ معنوی بھی کہا جاتا ہے اور اضافت تمییزیہ بھی بمعنیٰ اُس دن۔ الف لام عہدِ ذہنی ہے کیونکہ ابھی کسی کو معلوم نہیں کہ اُس دِن کفار کی عاجزی فریاد کیسی ہوگی سَلَمَ۔ اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل۔ بحالتِ نصب ہے اَلْقَوْا کے فاعل کا۔ یہ جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ۔ ضَلَّ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق معروف مثبت واحد مذکر غائب۔ ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ گم ہونا دور ہونا۔ روپوش ہونا۔ وارفتہ ہونا۔ یہاں مراد ہے روپوش ہونا عَنْ جارّہ مجاورتِ زوال کے لیے ھُمْ ضمیر کا مرجع وہی کفار۔ مَا اسم موصول کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ باب اِفتعال کا ماضی استمراری مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ بمعنیٰ بناوٹ کرنا۔ ملاوٹ کرنا۔ خود ساختہ عقیدہ۔ تصوّر بنانا حقیقت کے خلاف یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ ھُمْ اِس کا فاعل مستتر ہے فعل فاعل جملہ فعلیہ صِلہ ہے موصول صِلہ مل کر فاعل ہوا ضَلَّ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ کَفَرُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر فاعل مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ۔ واؤ عاطفہ صَدُّوْا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ مستتر ضمیر فاعل ہے صَدٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ روکنا۔ متعدی ہے عَنْ حرفِ جر زوالی سَبِیْلِ اسم مفرد صفتِ مشبّہ۔ سُبُلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عام راستہ خواہ بڑا خواہ چھوٹا مضاف ہے۔ اَللّٰہِ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ مرکّب اضافی مجرور متعلق ہے صَدُّوْا کے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کَفَرُوْا پر۔ وہ معطوف علیہ صِلہ ہوا۔ اَب اس میں دو قول ہیں کہ یہ صِلہ موصول کس کے ساتھ ہے۔ پہلا قول یہ ہے کہ بدل ہے یَفْتَرُوْنَ کا دوسرا قول یہ کہ مبتدا ہے۔ اور زِدْنٰھُمْ ساری عبارت خبر ہے میرے نزدیک اسی دوسرے قول کو ترجیح ہے۔ کیونکہ زِدْنَا کی وجہ کا معلوم ہونا ضروری ہے علّت حکمیہ ہے مگر پہلی صورت میں زِدْنَا۔ جملہ مستانفہ بنتا ہے اور وجہ عذاب معدوم ہوتی ہے جو حکمتِ حکیم کے خلاف ہے۔ زِدْنَا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم نَحْنُ منفصل ضمیر مستتر اِس کا فاعل جس کا مرجع اَللّٰہُ تعالیٰ ہے۔ زَیْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادہ دینا۔ زیادہ ہونا۔ لینا۔ یہاں پہلے معنیٰ ہیں ہے ھُمْ ضمیر مفعول بہ۔ عَذَابًا۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بروزنِ فَعَالٌ ثلاثی مصدر سے ہے۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے موصوف ہے فَوْقَ اسم ظرفِ مکانی سمتی۔ مضاف ہے الف لام تعریفہ معیّن کا عذاب بمعنیٰ سزا مضاف الیہ ہے مرکّب اضافی صفت ہے بِ جارّہ سببیہ مَا موصولہ کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ۔ باب اِفعال کا ماضی استمراری مصدر ہے اِفْسَادٌ۔ فَسَدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ توڑنا۔ فساد مچانا۔ ظلم کرنا یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے ھُمْ اس کا فاعل۔ جملہ ہو کر مجرور متعلق ہے زِدْنَا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا ماقبل کی یَوْمَ نَبْعَثُ

فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ شَہِیْدًا عَلَیْہِمْ مِّنْ اَنْفُسِہِمْ وَجِئْنَا بِکَ شَہِیْدًا عَلٰی ہٰٓؤُلَآءِ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکَ الْکِتٰبَ تِبْیَانًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّہُدًی وَّرَحْمَۃً وَّبُشْرٰی لِلْمُسْلِمِیْنَ واو سر جملہ۔ یَوْمَ اسم ظرف زمانی مفرد معرب متمکن اس کی جمع مکسر اَیَّام بحالتِ فتحہ ہے ظرف یا مفعول بہ ہے اُذْکُرْ فعل امر پوشیدہ کا۔ تنوین دو زبر سے مانع مضاف ہے نَبْعَثُ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنی اٹھانا۔ بنانا بھجوانا۔ بھیجنا۔ فِیْ جارہ ظرفِ مکانی کے لیے کُلِّ اسم تاکیدی محصورہ کلیہ (موجبہ کلیہ کا سُور) مضاف ہے اُمَّۃٍ اسم مفرد مؤنث لفظی۔ جامد ہے اس کی جمع اُمَمٌ ہے۔ بمعنے جماعت قوم۔ قبیلہ۔ یہاں مراد دینی گروہ ہے۔ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مجرور متعلق ہے نَبْعَثُ کا شَہِیْدًا۔ اسم صفت مشبہ۔ بمعنی گواہ۔ اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے یعنی بیان دینے بیان کرنے والا۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر اس میں پوشیدہ ہے اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ذہنی واحد ہے۔ شَہِیْدًا کی تنوین اُس کی عوض ہے۔ عَلٰی جارّہ فوقیت کا۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع اُمَّۃٍ ہے۔ چونکہ یہ معناً جمع ہے اس لیے ضمیر جمع آئی۔ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ جارّہ تبعیضیہ۔ اَنْفُسٌ جمع مکسر ہے نَفْسٌ کا اسم تاکیدی ہے بمعنیٰ اپنے میں سے۔ ھِمْ ضمیر جمع مذکر کا مرجع اُمَّۃٍ ہے۔ یہ لفظ اگرچہ مؤنث ہے مگر اس کی معنوی جمع مذکر ہی ہوگا۔ کیونکہ مراد اصلی مرد ہی ہوتے ہیں۔ مضاف الیہ ہے۔ اَنْفُسٌ کا۔ جار مجرور متعلق دوم ہے نَبْعَثُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ ہے یَوْمَ کا۔ واؤ یا عاطفہ ہے اور مابعد معطوف ہے نَبْعَثُ پر۔ یا علیحدہ جملہ ہے اور واؤ سر جملہ ہے۔ جِئْنَا۔ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم۔ مخاطب اللہ تعالیٰ ہے۔ مَجِیْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا۔ یہاں مراد ہے لانا کیونکہ یہ مصدر مادّہ لازم بھی ہر باب میں ہوتا ہے اور متعدّی بھی۔ اور علامتِ امتیازی مفعول بہ ہونا ہے۔ یعنی اگر اُس جملے میں مفعول بہ ہے تو متعدّی ورنہ لازم۔ یہاں اسی علامت سے متعدّی ہے بِ جارّہ مفعولیت کَ ضمیر مخاطب واحد مذکر۔ مجرور متصل اِس کا مرجع۔ ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم شَہِیْدًا صفت مشبہ شُہُوْدٌ سے بنا ہے۔ حاضر ہونا۔ موجود ہونا۔ مشاہدہ کرنا دیکھنا۔ گواہ ہونا۔ یہاں بیک وقت تمام معنیٰ کا مراد ہونا ہے۔ کیونکہ گواہ میں یہ تمام صفات لازم ہیں بحالتِ فتحہ ہے۔ مفعول بہ ہے۔ عَلٰی جارّہ استعلائی۔ غلبہ کے لیے۔ یہاں دونوں جگہ عَلٰی فوقیتِ الزامی (مخالفت) کے لیے ہے۔ ھٰٓؤُلَآءِ۔ اسم اشارہ قریبی مراد ہے اُمَّۃٍ۔ مجرور ہے عَلٰی سے اور متعلق ہے جِئْنَا کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر یا مکمل ہوگیا۔ یا معطوف ہے نَبْعَثُ کا۔ دونوں ترکیبیں مناسب حال ہیں واؤ سر جملہ نَزَّلْنَا۔ باب تفعیلٌ ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم نَحْنُ ضمیر مستتر کا مرجع ذاتِ پاک جل مجدہٗ ہے

علیٰ جارّہ فوقیت کا یا بمعنیٰ عِنْدَ ۔ (پاس) کَ ضمیر واحد مذکر حاضر ۔ مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جار مجرور متعلق ہے نَزَّلْنَا کا ۔ تَنْزِیْلٌ مصدر ہے بمعنیٰ اتارنا ۔ نزُلٌ لازم سے بنا ہے باب تفعیل میں متعدی ہوا ۔ الف لام عہد خارجی ۔ کِتَاب ۔ بروزنِ فِعَالٌ ثلاثی مصدر بمعنیٰ اسم مفعول مکتوبٌ ہے ۔ یعنی لکھی ہوئی ۔ مراد ہے قرآنِ مجید ۔ مفتوح ہے مفعول بہ ہے نَزَّلْنَا کا ۔ ذُوالحال ہے ۔ تِبْیَانًا ۔ بابِ تفعیل کا مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ہے تَبْیِیْنٌ سے مُعَرَّب ہے ۔ خیال رہے کہ مصدر کو بمعنیٰ اسم فاعل یا اسم مفعول کرنے سے مبالغہ عمومی پیدا ہوتا ہے جو اور مبالغوں میں نہیں ہوتا ۔ ترجمہ ہے بیان کرنے والا بہت ہی بیان کرنا کوفی اور بصری نحویوں کا اس میں اتفاق ہوا ہے کہ تِفعال کے وزن پر صرف دو ہی مصدر آتے رہیں ۔ ۱۔ تبیانٌ ۲۔ تِلقاءٌ مگر تفسیر کبیر نے فرمایا کہ ہر مادے کا مصدر بر وزنِ تِفعالٌ بھی آسکتا ہے اور بر وزنِ تَفعالٌ بھی اس کی بہت سی مثالیں مشہور ہیں مثلاً تکرارٌ ۔ تذکارٌ ۔ تسیارٌ ۔ اور مثلاً تقصارٌ ۔ تمثالٌ وغیرہ ۔ لام جارّہ مفعولیت ہے ۔ کُلِّ اسم تاکیدی مجرور ہے لام جارّہ سے مضاف ہے شیٍٔ اسم مفرد جامد تنکیری مضاف الیہ کا ۔ بمعنیٰ چیزیں ۔ جمع جنسی ہے ۔ اس کی جمع ظاہری اَشْیَاءٌ ہے ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہے متعلق ہے تبیانًا کا ۔ وہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ ۔ واؤ عاطفہ ھُدًا اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ ہدایت ۔ رہنمائی ۔ واو عاطفہ رَحْمَۃً ۔ اسم مفرد حاصل مصدر (جامد) ہے مذکر ہے آخر میں تاء مصدریہ ہے نہ کہ تانیثی ۔ یا وحدت کی ۔ بمعنیٰ ہر حال میں مفید چیز واؤ عاطفہ بُشْرٰی ایک قول میں مصدر ثلاثی ہے ۔ یہاں حاصل مصدر جامد ہے ۔ اور اسی کو ترجیح ہے ماسبق کی مناسبت کی بنا پر ۔ بمعنیٰ خوشخبری ۔ یہ مصدر مبالغہ ہے یعنی بہت بڑی خوشخبری ۔ ایک قول ہے یہ اسم تفضیل مؤنث ہے ۔ ترجمہ وہی ہے ۔ مگر مبالغہ نہیں ہوگا ۔ مبالغہ اصل میں تب پیدا ہوتا ہے جب مصدر کو اسم مشتق کے معنیٰ میں لایا جائے یہی وجہ ہے کہ جتنے وزن (صیغہ کی شکل و صورت) مبالغے کے ہیں وہ مصدر کے بھی وزن ہیں ۔ لام جارّہ نفع کا مُسْلِمِیْنَ جمع مذکر سالم ہے مُسْلِمٌ کی بمعنیٰ اسلام لانے والا ۔ مطیع ۔ فرماں بردار ۔ جھکنے والا ۔ بحالتِ جر ہے لام سے متعلق ہے ۔ بُشْرٰی کے اور وہ شبہ جملہ ہو کر معطوف ہوا ۔ سب معطوف مکر عطف ہے تِبْیَانًا پر اور وہ حال ہے کِتَاب کا ۔ اور وہ مفعول بہ ہے نَزَّلْنَا کا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِۣ السَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ۔اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ — اور قیامت کے دن تمام حساب کتاب پوچھ گچھ دلائل و شہادت

کے بعد جب کفار کے پاس کوئی بچنے کا سہارا نہیں رہے گا۔ نہ یار نہ مددگار نہ ولی نہ کارساز نہ اُن کا کوئی مشکل کشا نہ حاجت روا نہ شفیع نہ ہمدرد تب ہزار فریادیں کرتے ہوئے گڑگڑاتے مچلے اللہ کی بارگاہِ اقدس میں سجدہ کرتے ہوئے گر جائیں گے۔ اُس دن اسلام کو مانیں گے۔ اور اُن کی یہ کیفیت اتنی یقینی ہے کہ گویا ایسا ہو ہی گیا۔ اور آج دنیوی زندگی میں یہ کفار مشرکین جتنے بھی اَعمال اَفعال اَقوال عقائد میں اِفترا بناوٹ جھوٹ باتیں کرتے ہیں اور گمان و خیال کرتے ہیں کہ یہ قیامت میں ہمارے کام آئیں گے۔ ہم کو محفوظ او رامن میں رکھیں گے۔ اور قیامت کا دن یا موت کے بعد کی سب زندگی ان بتوں دیوتاؤں پنڈتوں راہبوں پادریوں کے قبضے میں ہے۔ اِن کے یہ سارے خیالات عقیدے اور سہارے قیامت کے دن ٹوٹ جائیں گے اور اُس دن آنکھوں دیکھیں گے۔ کہ آج وہ سب بارگاہِ اَقدس میں خود مقہور و مجبور ہو کر عذاب کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں اور اُن کا بناوٹی دین سب غائب و گمراہ ہو چکا ہے۔ پجاری اور دیوی دیوتا اور شیطٰن وہاں سب ہی اُس کے حضور عاجزی انکساری سے گریں گے لیکن اُس دن یہ عاجزی کام نہیں آئے گی بلکہ وہ سردار لوگ جو خود بھی سخت کافر رہے اور دوسرے ماتحتوں مسافروں کو بھی اسلام قرآن شریعت نماز روزہ اور مکہ مکرمہ میں مسجد حرم کی بارگاہِ نبوت سے روکا مدینہ طیبہ میں مسجد نبوی سے روکتے ہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل تک آنے والے اللہ کے سچے راستے سے روکتے رہے قیامت میں ہم اُن کا عذاب ایسا زیادہ کریں گے کہ عذاب پر عذاب دیں گے۔ اس طرح بھی کہ اُن کی آگ دوسرے کفار کی آگ سے دُگنی تیز ہوگی زمہریر کی ٹھنڈک ذِلت دردناک تکلیف بھوک پیاس دوسروں سے زیادہ۔ اُن کے لیے سانپ بچھو زیادہ بڑے۔ زیادہ زہریلے۔ اونٹ برابر جسمانیت اور تین سو مٹکوں برابر ایک ایک میں زہر۔ سانپ کے منہ میں اُحد پہاڑ برابر کیلیں اور دانت۔ عرشِ اعظم کے نیچے سے آگ کے پانچ دریا صرف اِن ہی بڑے کافروں کے لیئے نکلیں گے۔ اُن پر اندھیرا بھی مسلط کیا جائے گا۔ اس لیے کہ اُن کا نقصان اور فساد سب سے زیادہ کہ خود بھی کافر رہے اور کافر کرتے بناتے بھی رہے۔ لہٰذا ایک عذاب اُن کے اپنے کفر کا اور ایک عذاب اُن کی کفر سازی اور فساد کا (تفسیر کبیر مدارک کثیر۔ صفوۃُ التفاسیر۔ مظہری) یہ اللہ رسول کا کتنا بڑا رحم و کرم ہے کہ آج دنیا میں ہی سب حالاتِ قیامت کھول کھول کر بیان فرما دیے اور سارے جہان میں قرآنِ مجید و عُلماءِ اسلام کو پھیلا دیا تاکہ ہر غیر مسلم کو عذاب سے بچنے محشر کی ذِلت و رُسوائی سے علیحدہ ہونے کی پوری پوری مہلت ملے۔ اب بھی اگر نگاہِ عبرت نہ کھلے تو کتنی بدقسمتی ہے وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِم

مِّنْ اَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ ؕ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ۔ اگرچہ ہم ہر شخص کے ہر حال ہر اعمال ہر خیال سے ہر وقت پوری طرح واقف رہیں اور بغیر عدالتی کاروائی کے ہر شخص کا مکمل فیصلہ کر سکتے ہیں مگر ہم اُس قیامت کے دن ہر جماعت اور اپنے اپنے زمانوں کی ہر اُمت کے حساب کتاب پوچھ گچھ کرتے وقت اُن کے اقوال و اعمال پر اُن ہی کے قبیلے سے ایک گواہ وہیں میدانِ محشر میں مبعوث کرتے ہوئے بلائیں گے وہ گواہ اُن کے ہی وہ نبی علیہ السلام ہوں گے جو دنیا میں اُن کے پاس اللہ کا دین لے کر تشریف لائے اور کافروں مشرکوں کو تبلیغ ایمان فرماتے رہے اور اُن کفار نے دنیا میں اُن کی گستاخی نافرمانی کرتے ہوئے اللہ کے دین سے روگردانی کی اور صاف متکبرانہ لفظوں میں توحید و رسالت کا انکار کیا میدانِ محشر میں بھی جھوٹ بولنے سے نہ ہٹیں گے تب گواہ بلائے جائیں گے۔ لیکن یہ بدنصیب کفار۔ انبیاء کی گواہی کا بھی انکار کر دیں گے تب رب تعالیٰ انبیاء کرام کے کلام شہادت پر گواہ امتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس جگہ بلائے گا۔ جس کا ذکر سورۃ بقر کی آیت ۱۴۳ میں گزرا۔ اُمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا جائے گا کہ تم ان انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں کس طرح گواہی دیتے ہو تم تو ان کے زمانوں میں موجود نہ تھے تب صحابہ۔ تابعین۔ تبع تابعین اولیا۔ علماء۔ اور سچے متقی مومن لوگ عرض کریں گے کہ ہم نے آقاء کائنات محمد پاک صاحب لولاک سابقًا نورہٗ واٰخرًا ظهورہٗ کی زبانِ پاک سے قرآن و حدیث میں یہ سب کچھ سنا ہے۔ تو وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ۔ اے پیارے حبیب ہم آپ کو اُن تمام اولین و آخرین۔ مدعی علیہم مدعیین۔ انبیاء و مرسلین کے لیے عدالتِ الٰہیہ کا گواہِ اعظم بنا کر نہایت شان و شوکت سے لائیں گے کہ سب کی نگاہیں آمدِ مصطفیٰ پر اور سب کے دل شہادتِ احمدِ مجتبیٰ پر لگے ہوں گے۔ اور پھر یہ گواہی اس رعب و دبدبے کی ہو گی کہ کوئی انکار و اعتراض تو درکنار چون و چرا نہ کر سکے گا۔ اسی گواہی پر ابدالاباد والا فیصلۂ خداوندی ہو جائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اَنْفُسِهِمْ سے مراد ہر انسان کے جسمانی ہاتھ پیر کی گواہی ہے۔ مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ یہاں شہیدًا واحد ہے اگر ہاتھ پیر کان۔ ناک کی گواہی مراد ہوتی تو شُہَدَا جمع فرمایا جاتا۔ ایک قول ہے کہ ھٰۤؤُلَآءِ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمتِ کفریہ مراد ہے یعنی عرب کے کافر جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ فرمائی مگر ایمان نہ لائے۔ مگر یہ بھی کمزور بات ہے اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت تو قیامت تک ہے اور اُن سب کو نبی کریم کی ذاتی تبلیغ واقعی نہ پہنچی۔ کسی کو علماء کے ذریعے کسی کو اولیاء اللہ مشائخ و مدارس کے ذریعے پھر کسی کو سچے صحیح علماء کے ذریعے کسی کو جھوٹے بناوٹی علماء کے ذریعے۔ نیز اپنی اُمت کے لیے اگر گواہی ہوتی تو یہاں بھی پہلے کی طرح نَبْعَثُ فِيْ هٰۤؤُلَآءِ۔ ہوتا۔ جِئْنَا بِكَ نہ ہوتا یہ تمام فرق بتاتے ہیں

کراِن گواہوں کی گواہی صرف اپنی اپنی اُمّت کے لیے ہے لیکن رسول اللہ کی گواہی سارے محشر کے لیے اور اے نبی ہم نے آپ پر ایسی عظیم ازلی ابدی دائمی کتاب نازل فرمائی ہے جو پوری کائنات کی ہر ظاہر۔ پوشیدہ ۔زمینی ۔آسمانی ۔عرشی فرشی انسانی حیوانی ۔ فلکی ۔ ملکوتی ۔جناتی ۔روحانی ۔اوّلی ۔آخری شریعت کی طریقت کی معرفت وحقیقت کی ۔ دینی دنیوی ۔حرام و حلال ۔ علم وعقل ۔فہم و فراست اَعمال وعقائد تمام چیزوں کا بیان واظہار لے کر آنے والی ہے ۔اسی لیے اس کتاب کو پڑھنے کے لیے محمدِ مصطفیٰ جیسا جسیم ۔ فہیم ۔نسیم ۔لئیق ۔لطیف ۔ رفیق ۔ مُطاع ۔ مجتبیٰ ۔ قسیم کریم ۔وسیم نبی پیدا فرمایا گیا ۔اور پڑھانے کے لیے خود رحمٰن ورحیم نے کمال لطف سے کرم نوازی فرمائی ۔ لہٰذا یہ کتاب تمام اُقوامِ عالم کے لیے سچی راہ کے لیے ہدایت ہے ۔ دینی دنیوی ہر ایک کے لیے رحمت ہے اور دامنِ نبی کریم میں آکر ابدی سلامتی پانے والوں کے لیے شاندار خوشخبری ہے ۔یا یہ قرآنِ مجید اللہ کے راستے میں چلنے والوں کے لیے رہنمائی کی ہدایت ہے ۔ ہر انسان وجنات اور مخلوق ارضی وسماوی رحمت ہے اور مسلمان متقی ہو جانے والوں کے لیے بشارت ہے ۔

فائدے

اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔کام اور عمل وہ ہی اچھا اور قابلِ قبول ہوتا ہے جو اپنے وقت اور موقع محل کے مطابق ہو ۔ وقت گزرنے کے بعد یا وقت سے پہلے کرنا قبولیت اور منظوری کے قابل نہیں ۔یہ فائدہ وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ (الخ) سے حاصل ہوا لہٰذا مسلمانوں کو حج روزہ نماز ۔توبہ استغفار وقت پر اور دنیا کی زندگی تندرستی میں کر لینا چاہیے ۔عمل میں سُستی کاہلی بے پرواہی کرنا مصیبت ڈال دیتی ہے ۔

دوسرا فائدہ ۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انسانوں سے پہلے پیدا کیے گئے لیکن ولادت بعد میں ہوئی ۔اسی لیے تمام اوّلین وآخرین کی گواہی آپ کے کلام سے ہوگی اور آپ سب انبیاءِ کرام کے گواہِ صفائی آخری ہوں گے آپ کی گواہی پر فیصلہ ربانی ہو جائے گا ۔یہ فائدہ وَجِئْنَا بِكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا اس آیت سے اُس حدیثِ مشہورہ کی تائید ہوتی ہے جس میں فرمایا گیا ۔كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ

تیسرا فائدہ ۔حضور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک اپنے ہر اُمتی کے ہر حال سے واقف ہیں ۔یہ فائدہ شَهِيْدًا عَلٰى هٰؤُلَآءِ کی دوسری تفسیر سے حاصل ہوا جب کہ هٰؤُلَآءِ سے مراد مسلمان اُمت ہو اسی طرح بعض مفسرین فرماتے ہیں ۔

احکام القرآن

اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔تمام عبادات میں سب سے افضل اور اہم ۔اللہ تعالیٰ کے قرب و

خوشنودی کے لیے سب سے زیادہ مقبول عبادت سجدہ ہے گویا سجدہ معراجِ مومن ہے دنیا میں جو کفار سجدۂ الٰہی کے منکر ہیں وہ کل قیامت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہوئے سجدہ ہی کریں گے یہ مسئلہ وَاَلْقَوْا اِلَی اللّٰهِ فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ فقہاءِ کرام سجدہ کی بارہ قسمیں بیان فرماتے ہیں نیز قرآن مجید میں چودہ مقام پر سجدے ہی تلاوت کرنے والے پر واجب کیے گئے ہیں

دوسرا مسئلہ ۔ تعزیری سزا اگرچہ حاکمِ اسلام اپنے فیصلے سے جاری کرتا ہے مگر جرم کے بالکل مطابق سزا ہونی چاہیئے اگر زیادہ ہوگی تو حاکم کی قیامت میں پکڑ ہوگی ۔ جتنا جرم اتنی ہی سزا ہوگی ۔ زیادہ سزا دینا شرعاً حرام ہے ۔ یہ مسئلہ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا (الخ) کی اقتضاء النص سے مستنبط ہوا کہ جب باری تعالیٰ مجرم کو ڈبل سزا نہیں دیتا تو دوسرے کسی حاکم کو یہ جائز نہیں ۔ زِدْنٰهُمْ (الخ) نے یہ بتایا کہ ڈبل مجرم کو ڈبل عذاب ہوگا یعنی خود بھی کافر ہو اور دوسروں کو کافر بناتا پھرے عام کفار کو دگنا عذاب نہ ہوگا ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا وَضَلَّ عَنْهُمْ (الخ) یعنی دنیا میں جو کچھ وہ کفار کہا کرتے تھے ۔ قیامت میں وہ اُن سے غائب ہو جائے گا ۔ حالانکہ غائب تو وہ ہوتا ہے جو پہلے موجود ہو ۔ جب کہ ان کا افترا تو دنیا میں بھی موجود نہیں تھا ۔ نہ بتوں کی مشکلکشائی نہ حاجت روائی ۔ نہ فریاد رسی ۔ نہ نفع نقصان دینا ۔ تو پھر یہاں کیوں فرمایا گیا ۔ ضَلَّ عَنْهُمْ ۔

جواب ۔ کفار کا عقیدہ ہے ہمارے بُت ہم کو اللہ کی پکڑ سے بچالیں گے جب بھی رب نے پکڑا ۔ قیامت جب قائم ہوگی ۔ تو اُن سے کہا جائے گا کہ آج رب کی پکڑ تم پر وارد ہوگی اب بلاؤ اپنے حمایتوں کو تب وہ اپنے بتوں پنڈتوں یا دریوں کی طرف دیکھیں گے اُس وقت اُن کا وہ عقیدہ اور عقیدے کی سچائی وحقیقت غائب ہوگی ۔ یا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں تو رب تعالیٰ اُن کو مصیبت سے بچاتا تھا مگر وہ سمجھتے تھے یہ ہمارے بتوں کی طرف سے ہے مگر قیامت میں ان کے خیالات اور سمجھ والی امداد بتوں کی جانب سے ان کو نہ ملے گی ۔ نہ اللہ کی طرف سے بچایا جائے ۔ تب وہ سمجھیں گے ہائے یہ دنیا میں امداد بھی بتوں سے نہیں ملتی تھی بلکہ اللہ کی طرف سے ملتی تھی ۔ اگر بتوں سے ملتی ہوتی تو آج کیوں غائب ہے ۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۔ یعنی قرآنِ مجید ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے ۔ تو پھر شرعی فقہی مسائل میں چار ائمہ کا اختلاف کیوں ہے ؟

جواب ۔ قرآنِ مجید تبیان ہے اہلِ عقل کے لیے نیز تبیان بھی چودہ قسم کا ہوتا ہے ۔

۱ اشارۃً۔ ۲ وضاحتاً ۳ عبارۃً ۴ دلالۃً ۵ اقتضاءً ۶ محکماً ۷ مفسّراً ۸ مجملاً۔ ۹ اختصاراً ۱۰ استنباطاً۔ ۱۱ ظاہراً ۱۲ خفیاً ۱۳ متشابہاً ۱۴ مشکلاً۔ لہٰذا تبیان میں اپنی اقسام کی وجہ سے اور اہلِ عقل کی عقلوں کے مختلف ہونے کی وجہ سے اختلاف ہوا نہ کہ تبیان نہ ہونے کی بنا پر۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ قرآن مجید ہر چیز کو بیان کرنے والا ہے۔ حالانکہ بہت سے ضروری مسائل قرآن مجید میں نہیں ہیں۔ مثلاً نماز کی رکعتوں کی تعداد۔ اور پڑھنے کا طریقہ کیا واجب ہے کیا فرض۔ مستحب۔ نفل۔ سفر کی مدت مسح اور حیض کی مدت اور باریک مسائل۔ حدِ شرب چوری کا نصاب۔ زکوٰۃ کے مسائل۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو پھر یہ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کیسے ہوا؟۔

جواب۔ واقعی قرآنِ مجید ہر چیز کا بیان ہے۔ لیکن اگر کسی کو سمجھ نہ آئے تو اس کے لیے تین طریقے بھی قرآن مجید نے بیان فرما دیے۔ پہلا طریقہ۔ قرآنِ پاک کی وضاحت حدیث پاک سے حاصل کرو چنانچہ قرآن مجید نے ہی فرمایا۔ وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ دوسرا طریقہ۔ اجماعِ اُمّت سے قرآنِ مجید سمجھو چنانچہ ارشاد ہے وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ تیسرا طریقہ قرآنِ پاک پر ہی قیاس کر کے مسائل کا استنباط کرو۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ۔ اور اعتبار نام ہے نظر و استدلال و استنباط کا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذِ ِالسَّلَمَ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ

یہ فطرتِ انسانی ہے کہ عیش و عشرت میں بندہ اپنے رب کو بھول جاتا ہے ایامِ مصائب میں ہی آستانۂ قدس کی طرف دوڑتا۔ گڑگڑاتا فریادیں التجائیں کرتا ہے۔ اگرچہ رب تعالیٰ کے عفو و کرم والے دروازے ہر وقت کھلے ہیں مگر بعض اوقات بندہ اپنے گوشِ ہوش اس وقت کھولتا ہے جب وقتِ معافی بہت بُعد کی منزلوں گزر چکا ہوتا ہے۔ مُہلتِ الٰہیہ کی آخری گھڑی بھی ختم ہو چکی ہوتی ہے۔ اِس نازک وقت میں دُنیوی سارے اسباب۔ رشتے۔ محبتیں۔ دوستیں جن کو وہ انسان اپنے افترائی تصورات میں بہت اہمیت دیتا ہے سب کی سب اِس سے غائب ہو جاتی ہیں اور کوئی بھی کام نہیں آتا۔ یہ انسان وہی لوگ ہیں جنہوں نے توفیقِ الٰہی اور زندگی کی سانسوں کے خزانۂ قدرت کے سامنے کبھی سر نہیں جھکایا۔ غرورِ نفسی تکبرِ شیطانی کے کفر میں ہی رہے۔ اور عقل و فہم خیالات و تصورات کو ہمیشہ انوار و مشاہدات کی منزلِ قُرب سے روکے ہی رہے۔ آج یومِ فراق میں عجز و سلامتی انکساری و بندگی کام نہیں دے سکتی یہ تو عذابِ مصائب اور تنگی و شقاوت کی بنا پر ہے۔ عجز و بندگی تو وہ محبوب ہے جو شوقِ عشقِ الٰہی میں بعد

آج تو عذابِ حجاب کی ساعتیں ہیں۔ آج ہم غالب کے ان فسادیوں پر۔ اُن کے تنقاوتِ فتنہ کے بدلے میں آتشِ فراق کے عذاب پر مصائبِ حجابِ انوار اور بُعدِ معرفت کے عذاب بڑھائیں گے۔ وَيَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيدًا عَلَى هَٰؤُلَاءِ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَانًا لِكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَىٰ لِلْمُسْلِمِينَ اور وادیِ قرب و بُعد کے یومِ وصل و فراق میں ہر نفس و قلب میں ان ہی کے قالبِ جسدی کا وجودِ حقانی کا گواہ حاضر کریں گے جو غائب مستقط ہوگا اُن پر۔ اور اے انوارِ محمدی تیرے مشاہدۂ جمال کو ہم نے عالمِ ناسوت کے ان تمام حواسِ مخفیہ پر شہیدِ ازلی شاہدِ ابدی اور گواہِ ملکوتی بنادیا۔ اور تجھ پر ہی عقلِ فرقانی کی پوری کتاب ہم نے نازل فرمائی جو تیرے لیے اسرارِ غیوب اور مغیباتِ قلبِ باطنی کو بیان کرنے والی ہے۔ اے محبوب کمالاتِ سرمدی تیری ہی کتابِ عقل۔ کمالِ فطرت کی ہدایت۔ اور تربیتِ کائناتِ کی رحمت۔ اور لقاءِ ذات و صفات کی بشارت ہے۔ بارگاہِ قدس کے آستانۂ قرب پر عشقِ قلب اور قلبِ عقل اور ذوقِ فکر لذتِ شعور کے ساتھ جھکنے والوں کے لیے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ سلسلۂ روحانیت میں یومِ مشاہدۂ باطنی میں اہلِ سعادت کے لیے مشاہدۂ جمل ہے اور اہلِ شقاوت کے لیے مشاہدۂ جلال ہے۔ مرشد کا وجود شہیدِ کیفیاتِ مرید ہے اور تصرفاتِ احمدی شہیدِ اعظم ہے۔ عقلِ عرفانی و شعورِ فرقانی۔ فہم و فراست کی تبیانی کتاب ہے۔ جو سینۂ مومن پر نزولِ بصیرت فرمانے والی ہے۔ اور مسافرانِ تسلیم و رضا کے لیے منزلِ قرب کی ہدایت۔ مراقبۂ توفیق کی رحمۃ اور معرفتِ الٰہی کے لیے فرحت و نصرت کی بشارت ہے۔ اسی لیے عابد و زاہد کو حکم ارشادی ہے کہ اے بندے اپنی عبادت اور دوسرے کے گناہ کو آخری سمجھ تاکہ اپنی عاجزی اور دوسرے کے احترام کی عادت قائم ہوجائے مگر اس احترام کو چھپانا فرض ہے کیونکہ شریعت میں فاسق کا احترام گناہ ہے۔

إِنَّ	اللَّهَ	يَأْمُرُ	بِالْعَدْلِ	وَالْإِحْسَانِ		وَإِيتَاءِ		
بیشک	اللہ	حکم دیتا ہے	بارے میں انصاف	اور زیادہ نیکی		اور	دینے	کا
بیشک	اللہ	حکم فرماتا ہے	انصاف	اور نیکی		اور رشتے	داروں	کے

ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ

قرابت والوں کو اور منع فرماتا ہے بے غیرتی کے کاموں اور گناہوں

دینے کا اور منع فرماتا ہے بے حیائی اور بری بات

وَالْبَغْیِ ج یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿٩٠﴾ وَاَوْفُوْا

اور بغاوت سے نصیحت فرماتا ہے تم کو تاکہ تم نصیحت پکڑو اور پورا کرو تم

اور سرکشی سے تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ تم دھیان کرو اور اللہ کا عہد

بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ

کو عہد اللہ کے جب کہ عہد کر لیا ہے تم نے اور نہ توڑو تم قسموں کو

پورا کرو جب قول باندھو اور قسمیں مضبوط کر کے

بَعْدَ تَوْكِیْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْكُمْ

بعد مضبوط کرنے کے اُن کو حالانکہ بیشک بنا لیا ہے تم نے اللہ پر اپنے

نہ توڑو ۔ اور تم اللہ کو اپنے اوپر ضامن کر

كَفِیْلًا ط اِنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ﴿٩١﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا

ذمہ والا بیشک اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو ۔ اور نہ ہو تم

چکے ہو ۔ بیشک اللہ تمہارے کام جانتا ہے ۔ اور اُس عورت کی طرح نہ ہو

كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ط

مثل اُس بڑھیا کے توڑ دیا جس نے اپنے کتے ہوئے دھاگے کو سے بعد مضبوط بنانے کر دیا ٹکڑے ٹکڑے

جس نے اپنا سوت مضبوطی کے بعد ریزہ ریزہ کر کے توڑ دیا

تَتَّخِذُوْنَ اَیْمَانَکُمْ دَخَلًاۢ بَیْنَکُمْ اَنْ تَکُوْنَ

بناتے ہو تم قسموں کو اپنی خیانت آپس میں کہ ہو جائے

اپنی قسمیں آپس میں ایک بے اصل بہانہ بناتے ہو کہ

اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰی مِنْ اُمَّةٍؕ اِنَّمَا یَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ

ایک اُمت وہ زیادہ نفع والی سے۔ایک گروہ سے فقط اللہ آزماتا ہے

کہیں ایک گروہ دوسرے گروہ سے نفع زیادہ دے اللہ تو اس سے تمہیں آزماتا ہے

بِهٖؕ وَ لَیُبَیِّنَنَّ لَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَا كُنْتُمْ

تم کو ان باتوں سے اور ضرور بتا دے گا تم کو دن قیامت کے وہ کہ تھے تم

اور ضرور تم پر صاف ظاہر کر دے گا قیامت کے دن جس

فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۹۲﴾

میں اُس اختلاف کرتے

بات میں جھگڑتے تھے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں میدانِ قیامت کی گواہیوں کا ذکر ہوا جس سے عدالتِ الٰہیہ کی شان کا اظہار مقصود ہوا اب ان آیات میں بندوں کو صحیح عدالتیں بنانے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں میدانِ قیامت کی چھ چیزوں کا ذکر فرمایا گیا تھا تین کفار کے لیے ایک سب کے لیے ایک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور ایک صرف مومنوں کے لیے۔ یعنی۔ ۱ گڑگڑانا۔ ۲ جھوٹے معبودوں کا اپنے جھوٹے بندوں سے بھاگ جانا ۳ گمراہ گروں کا دگنا عذاب۔ ۴ سب کے لیے گواہی ہونا ۵ نبی پاک کی گواہی ہونا ۶ مومن مسلمانوں کے لیے قرآن مجید کی ہدایت اور رحمۃ خوشخبری ہونا۔ اب ان آیتوں میں دنیوی زندگی کی چھ چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

تین کرنے والی تین نہ کرنے والی ۱ عدل ۲ احسان ۔ ۳ اہلِ قرابت کی دستگیری ۴ فحش ۔ ۵ منکر ۶ بغاوت ۔ **میسّر التعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفار کے عقلمند بن جانے کا ذکر ہوا جب کہ اُن کو اُن کی عقلمندی مفید نہ ہوگی ۔ اب یہاں اِن آیات میں اُن کفار کے دنیا میں بیوقوف بنے رہنے کا ذکر ہوا

تفسیر نحوی

اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ ۚ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۔ اِنَّ حرف تحقیق ۔ اللّٰہ بحالتِ فتح اسم ہے ۔ یَاْمُرُ ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع اللّٰہ ہے اَمْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حکم دینا ۔ فعل حال ہے ب جارہ تعدّی (مفعولیت) کا الف لام جنسی عَدْلِ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ انصاف ۔ برابری ۔ واؤ عاطفہ ہے الف لام استغراقی اِحسانِ باب اِفعال کا مصدر ہے ۔ حُسْنٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ اچھائی ۔ بھلائی کرنا ۔ یا اچھا چاہنا اسم جمع ۔ بحالتِ جر معطوف ہے ماقبل کا واؤ عاطفہ ۔ اِیْتَاءِ ۔ باب اِفعال کا مصدر ہے یُتْۃٌ ۔ یا اِتیٌ سے بنا ہے ۔ دوسری بات مرجوح ہے ۔ دراصل تھا اِئْتَائٌ ۔ دوسری ہمزہ اصلیہ کو ی بنایا تخفیف کے لیئے اور آخر کی ی لام کلمہ کو ہمزہ بنایا تخفیف کے لیے بمعنیٰ دینا ۔ مصدر مضاف ہے ۔ ذِیْ اسم مکبّرہ بحالت جرہ مضاف الیہ ہے اِیتاء کا ۔ اور مضاف ہے مابعد کا ۔ الف لام استغراقی یا عہدی قُرْبٰی ۔ بروزن بُشْریٰ فُعْلیٰ مصدر سماعی ہے قُرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قریب ہونا ۔ قریب کرنا ۔ رشتہ بنانا ۔ قریبی بن جانا ۔ یہاں قریبی رشتے دار مراد ہیں مضاف الیہ ۔ اسم مقصور ہے اس لیے تقدیری کسرہ ہے ۔ یہ سب اضافت معطوف ہے ۔ اور سب عطف مجرور متعلق ہے ۔ یَاْمُرُ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ یَنْهٰی ۔ باب سَمِعَ یا فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف ۔ مگر باطناً نفی ہے نَہْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ منع کرنا ۔ روکنا ۔ عَنْ جارّہ مجاوزتِ زوال کے لیے ۔ الف لام استغراقی فَحْشَاءِ ۔ اسم جمع قلت ہے فَحْشٌ ۔ بروزنِ حَمْرَاءُ یہ فحشۃ کی جمع بعض نے کہا یہ اسم تفضیل واحد مؤنث ہے اس کا مذکر ہے اَفْحَشُ ۔ مگر یہ درست نہیں کیونکہ مؤنث تفضیل میں فا کلمہ کو ضمہ ہوتا ہے حالانکہ یہاں فتحہ ہے ۔ فُحْشٌ اِس کا مادہ اصلیہ ہے بمعنیٰ کھلی برائی ۔ بے غیرتی اگرچہ جائز کام میں ہو ۔ معیوب اور برا لگنے محسوس ہونے والا کام ۔ شان سے گرا ہوا کام یا بات کرنا ۔ گھٹیا ذلیل کام یا بات ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے ۔ بعض نے فرمایا کہ اگر معرفہ باللام ہو تو مراد ہے زناکاری وغیرہ اور اگر نکرہ ہو تو بمعنیٰ رذیل گھٹیا ۔ خلافِ شان کام یا کلام ۔ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ ۔ الف لام اِستغراقی بمعنیٰ تمام ۔ مُنْکَرِ ۔ باب اِفعال کا اسم مفعول واحد مذکر ۔ نُکْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ عقلاً ۔ یا طبعاً ۔ یا تہذیباً ۔ یا شرعاً ۔ یا ہر طرح بُرا کام بیہودہ کلام ۔ معطوف ہے ماقبل کا لہٰذا مجرور

ہے واؤ عاطفہ الف لام استغراقی۔ بَغْیِ۔ اسم مصدر مادہ ہے۔ بمعنی فساد حق کی مخالفت۔ حد سے بڑھنا فساد مچانا۔ بغاوت کرنا۔ سرکشی کرنا۔ یہاں مراد پہلے دو معنیٰ ہیں۔ مجرور ہے کیونکہ عطف تابع ہے یہ سب عطف مجرور ہوا۔ اور متعلق ہے یَنْہٰی کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا یَاْمُرُ پر۔ اور وہ سب خبر ہے اِنَّ کی پھر جملہ اسمیہ۔ یَعِظُ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع اَللّٰہُ ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر۔ مفعول بہ ہے۔ جملہ فعلیہ ہوکر معلول ہوا۔ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ باب تفعّل کا مضارع احتمال صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے تَذَکُّرٌ ذِکْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ یاد کرنا۔ یاد رکھنا۔ یاد دلانا۔ نصیحت پکڑنا۔ پہلے معنیٰ یا آخری معنیٰ میں ہے لَعَلَّکُمْ کا معنیٰ امید یا تمنا نہیں کیونکہ ان دونوں میں شک کا ظہور ہے اور رب تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ بلکہ یہاں لَعَلَّکُمْ کا معنیٰ ہے ارادہ یعنی اللہ ارادہ فرماتا ہے کہ بندہ ان نصیحتوں کو قبول کرکے باعزت ایمان تقوے والا ہو جائے۔ کُمْ مستتر فاعل ہے۔ جملہ فعلیہ ہوکر علت ہوئی معلول علت مل کر جملہ تعلیلیہ انشائیہ ہوا۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا۔ واؤ استینافیہ اَوْفُوْا باب اِفعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر۔ اِیْفَاءٌ مصدر ہے وَفْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پورا کرنا۔ نبھانا۔ ب جارہ تعدیہ عَہْد۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ وعدہ مضاف ہے اَللّٰہِ مضاف الیہ جار مجرور متعلق ہے اَوْفُوْا کے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر جزاء مقدم ہے اِذَا حرفِ شرط عَاهَدْتُّمْ۔ باب مُفاعلۃٌ کا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ مصدر ہے مُعَاهَدَةٌ۔ عَهْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دو طرفہ کسی کام کرنے کا عقد باندھنا اقرار کرنا یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر شرطِ مؤخر ہوئی اور جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔ واؤ استینافیہ (سر جملہ) لَا تَنْقُضُوْا باب نَصَرَ کا فعل نہی معروف جمع مذکر۔ نَقْضٌ سے بنا ہے بمعنیٰ توڑنا متعدی ہے الف لام استغراقی ہے یا جنسی۔ اَیْمَان۔ جمع مکسر ہے یَمِیْنٌ کی بمعنیٰ قسم۔ مضبوط وعدہ ایک قول میں یہ جمع الاقسام ہے یعنی اپنے چاروں قسموں کی جمع اور ایک اعتبار میں یہ جمع مُقسم ہے اور مراد ایک ہی قسم یمینِ منعقدہ ہے۔ اسی قول کو ترجیح ہے۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے۔ بَعْدَ۔ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے تَوْکِیْدِ۔ باب تفعیل کا مصدر ہے۔ اَکْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکا اقرار کرنا مضبوط کرنا۔ بار بار کرنا۔ مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ہے مرجع ہے اَیْمَانَ یہ ڈبل مرکب اضافی ظرف ہے لَا تَنْقُضُوْا کا اس لئے منصوب ہے۔ جملہ فعلیہ ذوالحال ہے۔ واؤ حالیہ قَدْ جَعَلْتُمْ۔ باب فَتَحَ کا ماضی قریب معروف جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ اِس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ سابقہ پانچوں حاضر

جمع کے صیغوں میں اَنْتُمْ مستتر ضمائر کا مرجع مسلمین ہے۔ اللہ مفعول بہ اول کَفِیلًا۔ صفت مشبہ بروزن فعیل وکیل وغیرہ۔ کَفْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ذمہ لینا۔ ذمہ دار بنانا۔ اس کی جمع ہے کُفَلَآءُ۔ یہ جَعَلْتُمْ کا دوسرا مفعول بہ ہے یہاں جَعْلٌ کا معنیٰ ہے اختیار سمجھنا۔ مقرر کرنا۔ عَلَيْكُمْ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْتُمْ کا کُمْ ضمیر حاضر مذکر نفسی ہے یعنی اپنے پر۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا۔ ذوالحال حال مل کر جملہ حالیہ خبریہ ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِیْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِیَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ۔ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ اِنَّ حرفِ تحقیق اللہ اس کا اسم منصوب ہے يَعْلَمُ باب سَمِعَ کا مضارع واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر فاعل مستتر جس کا مرجع اللہ ہے مَا موصولہ۔ یہ اکثر غیر ذوی العقول کے لئے آتا ہے اور مَنْ موصولہ اہلِ عقل سے خاص ہے تَفْعَلُوْنَ۔ فِعْلٌ سے مشتق مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر کا صیغہ ضمیر مستتر اَنْتُمْ کا مرجع مُسْلِمِیْنَ ہے فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مفعول بہ ہے يَعْلَمُ کا عِلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جاننا۔ واقف ہونا۔ پہچاننا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ ہو کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا واؤ استینافیہ لَا تَكُوْنُوْا۔ فعل ناقصہ نہی معروف جمع مذکر حاضر۔ كَ حرفِ جر۔ برائے تشبیہ صفاتی۔ اَلَّتِیْ اسم واحد مؤنث نَقَضَتْ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب۔ نَقْضٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ توڑنا۔ ٹکڑے کرنا غَزْلَ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کتا ہوا سوتی دھاگہ۔ ڈور۔ غزالہ اس ہرنی کو بھی کہتے ہیں جس کے گلے میں قدرتی سرخ ڈوری پڑی ہوتی ہے امام غزالی کا لقب غزالی اسی لیے ہے کہ ان کا دھاگے کا کاروبار تھا یا پیشہ تھا۔ غَزْلَ مضاف هَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع اَلَّتِیْ ہے مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ بَعْدَ اسم زمانی۔ مضاف ہے قُوَّةٍ۔ اسم مصدر ہے آخر میں ت مصدریہ ہے۔ بمعنیٰ طاقت ور ہونا۔ اپنی اصلیت میں ہونا۔ مضبوط ہونا۔ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی ظرف ہے نَقَضَتْ کا اس لیے مفتوح ہے اَنْكَاثًا۔ جمع مکسر ہے نَكْثٌ کی بمعنیٰ۔ نئے کتے ہوئے دھاگے کا ٹکڑا۔ جمع یعنی ٹکڑے ٹکڑے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے نَقَضَتْ کا۔ یا غَزْلَ کا۔ جملہ فعلیہ صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے لَا تَكُوْنُوْا کا۔ تَتَّخِذُوْنَ۔ بابِ افتعال مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے اِتِّخَاذٌ بمعنیٰ جان بوجھ کر بنانا۔ اَنْتُمْ مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے مسلمین اَيْمَانَ۔ جمع مکسر ہے يَمِيْنٌ کی۔ بمعنیٰ منعقدہ قسم۔ (جو کسی عہد و اقرار پر بولی جائے) مضاف ہے کُمْ ضمیر حاضر نفسی بمعنیٰ اپنے۔ مجرور متصل مضاف الیہ ہے دَخَلًا اسم مصدر ہے یہاں حاصل مصدر ہے

بمعنیٰ ۔ بہانے بازی ۔ دغابازی ۔ ملاوٹ ۔ مالمشول ۔ دُخُولٌ سے بنا ہے ۔ جس کا ترجمہ کسی کے اندر جانا ۔ لازم ہے ۔ اگر اندر جانا صحیح یا ضروری ہو تو وہ دخول ہے اور اگر اندر جانا ممنوع تھا یا صحیح یا جائز نہ تھا تو ایسے داخلے کو دَخَلٌ کہتے ہیں یہاں مراد ہے کسی وعدے میں بہانہ بازی کو داخل کرنا ۔ اسی سے ہے دَخَل اَندازی ۔ بیجا مداخلت ۔ منصوب ہے مفعول بہ دوم ہے بَیْنَ ۔ اسم ظرف مفتوح ہے مفعول فیہ ہے مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع حاضر نفسی کا ۔ ترجمہ ہے اپنے درمیان تَتَّخِذُوْنَ جملہ فعلیہ ہوکر یا ذوالحال ہے مابعد اَنْ تَکُوْنَ کا اور یا یہ مابعد مفعول لہٗ ہے ۔ اِس کا ۔ دوسرے قول کو ترجیح ہے کیونکہ پہلے قول میں لفظِ مَخَافَۃً مقدر ماننا پڑتا ہے ۔ مقدر سے حتیَّ الامکان بچنا بہتر ہے ۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ تَکُوْنَ فعل ناقصہ مضارع واحد مؤنث غائب مفتوح اَنْ کی وجہ سے ہے ۔ اُمَّۃٌ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ قوم جماعت ۔ قبیلہ ۔ مرفوع ہے اِسم ہے تَکُوْنَ کا ۔ ھِیَ ۔ ضمیر واحد مؤنث غائب مرفوع منفصل اس کا مرجع اُمَّۃٌ ہے مبتدا ہے مابعد خبر کا ۔ مگر محلاً مفتوح ہے کیونکہ خبر ہے تَکُوْنَ کی ۔ اَرْبٰی اسم تفضیل مذکر واحد رَبْیٌ ۔ یا رَبُوٌ سے بنا ہے ۔ باب نصر سے ہے بمعنیٰ نفع لینا ۔ بڑھا چڑھا کر بیچنا قرضے پر زیادتی لینا (سود) یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اِس کا فاعل ہے مِنْ جارّہ بمعنیٰ عَنْ جارّہ مجاوزت کے لیے اُمَّۃٍ بمعنیٰ گروہ ۔ جار مجرور متعلق ہے اَرْبٰی کا جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر خبر مبتدا ہِیَ کی وہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر تَکُوْنَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر مفعول لہٗ ہے تَتَّخِذُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر حال ہے لَا تَکُوْنُوْا کا ۔ نحاتِ بصرہ کہتے ہیں کہ ھِیَ اَرْبٰی خبر ناقصہ نہیں ہو سکتی کیونکہ اسم ناقصہ نکرہ ہے اُن کے نزدیک دونوں اسم و خبر کا یکساں ہونا شرط ہے وہ ھِیَ اَرْبٰی کو محلاً مرفوع صفت اُمَّۃٌ کی اور تَکُوْنَ کو تامہ کہتے ہیں اُمَّۃٌ مرکب توصیفی اُس کا فاعل ہے ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق لغو کیونکہ مَا کافہ ہے یَبْلُوْ ۔ باب نصر کا مضارع مثبتہ معروف واحد مذکر غائب بَلْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آزمانا ۔ اِمتحان لینا ۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع اہلِ ایمان اَللّٰہُ مرفوع ہے فاعل ہے ۔ بِ جارّہ سببیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل مرجع ہے لَا تَکُوْنُوْا ۔ کی نہی اور ممانعت جار مجرور متعلق ہے فعل یَبْلُوْ کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لامِ کَے مفتوحہ تعلیلیہ یُبَیِّنَ ۔ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع ہے اللہ تعالیٰ ۔ مصدر ہے تَبْیِیْنٌ ۔ بَیْنٌ ۔ سے بنا ہے بمعنیٰ بیان کرنا ۔ ظاہر کرنا ۔ باب تفعیل میں متعدّی ہے ۔ لام جارّہ ۔ تعلیلیہ کُمْ ضمیر مجرور متعلق ہے یُبَیِّنَ کا یَوْمَ ۔ اسم ظرفِ زمانی بمعنیٰ دن ۔ الف لام عہدی قِیٰمَۃِ ۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ کھڑے ہونے ۔ حاضر ہونے ۔ قائم ہونے کا دِن مراد ہے

میدانِ محشر اس لیے جارہا ہے ۔ مضاف الیہ ہے ۔ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے ۔ مَا موصولہ کُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ باب افتعال کا ماضی استمراری ہے جمع مذکر حاضر ۔ مصدر ہے اِخْتِلَافٌ بمعنی ۔ جھگڑے بحثیں ۔ ضد بازی کج بحثی کرنا ۔ اگرچہ مرجع مسلمان ہیں مگر مراد سب انسان ہیں ۔ فِیْہِ جار مجرور درمیان میں آکر تاکید حصر پیدا کر رہا ہے ۔ متعلق ہے اسی فعل کا یہ جملہ فعلیہ صلہ ہے مَا کا ۔ موصول صلہ مفعول بہ ہے لَیُبَیِّنَنَّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اور معطوف علیہ یَبْلُوْ ۔ علت ہے لَاتَکُوْنُوْا کی وہ سب مل کر جملہ تعلیلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَآئِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے محبوب نبی کی حیاتِ طیبہ عملی نمونے کے مطابق تمام مسلمانِ تا قیامت کو عدل اور احسان کرنے کا اور ہر قسم کے اہلِ قرابت کو ہر ضرورت کے وقت دینے عطا کرنے کا حکم فرماتا ہے اور اپنے حبیب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک کے اقوال و فرمودات کے ذریعہ ۔ بد تہذیبی ۔ بے غیرتی ۔ ناپسندیدہ کام ۔ اور بغاوت سرکشی سے سخت منع فرماتا ہے ۔ احادیث و قرآن کے الفاظ عبارات میں زندگی کے ہر شعبے میں انتہائی شان والی پاکیزہ نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم اقوامِ عالم کے سامنے عقل کے اونچے مقام پر فائز ہو کر تمام دنیا کے لیے اِن دینی دنیوی کامیاب طریقوں کا بڑے فخر سے تذکرہ کر سکو ۔ اور خود بھی اس نصیحت کو اپنا کر ان کو عمل کر کے دین دنیا کی کامیابیوں والے سدا بہار چمن کی لذتیں خوشبوئیں حاصل کرتے ہوئے قوت دولت حکومت کے ذریعے معاشرے کو حسین بنا سکو ۔ دنیاءِ تاریخ میں عدلِ نوشیرواں اور سخاوتِ حاتم کا خوب ڈھول پیٹا جاتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ عدل اپنی تمام تر رعنائیوں اور احسان اپنی تمام خوشبوؤں اور ایتاءِ ذِی الْقُرْبٰی اپنی تمام فیاضیوں کے ساتھ فقط زندگی پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں جلوہ گر ہیں ۔ پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر عمل عدلِ الٰہیہ کا مظہرِ اعظم ہے اور نبی اکرم کی ہر ادا احسان اور ہر بقا ایتاء ہے یہ وہ سمندر ہے کہ عدلِ نوشیروی اُس کے کناروں کی نمی ہے اور سخاوتِ حاتم اُس کے سورج کی ابتدائی سرخی ہے ۔ تفاسیر و احادیث کے بیانات کے مطابق حیاتِ احمدِ مجتبیٰ عدل ۔ احسان ۔ اور ایتاءِ قربیٰ کے مجموعۂ کمال کا نام ہے ۔ عدل اپنی تقسیم میں بہت قسموں پر منقسم ہے اسی طرح چمنِ مصطفیٰ میں جو احسان کے پھول کھلتے ہیں وہ بھی چودہ قسموں کے ہیں ۔ ایتاءِ ذی القربیٰ بھی بہت نوعیت کا ہے ۔ عدلِ اسلامی بائیس ۲۲ قسمیں ہیں۔

۱ انصاف کرنا ۲ ظلم نہ کرنا ۳ مجرم و ظالم سے بدلے لینا ۴ مستحق کو اُس کے حق کے برابر دینا

۵ ہر کام میں درمیانہ روی ۶ بُرے کو بُرا سمجھنا ۷ ثابت قدم رہنا ۸ اچھا کام کرنا۔ ۹ شریعتِ اسلام عدل ہے ۱۰ اپنی صحت بنانا۔ بیماریوں سے بچنا بھی شریعتِ عدل کا حکم ہے ۱۱ فقہا نے فرمایا کہ ختنہ کرانا بھی عدل ہے۔ کیونکہ اس سے شہوانیت میں کمی ہوتی ہے۔ ۱۳ حقوق میں تناسب یعنی اہلِ حقوق کے مدارج کا خیال رکھ کر حقوق کی تقسیم عدل ہے ۱۴ ہر چیز میں کمی زیادتی سے بچنا عدل ہے ۱۵ اسی طرح روحانیت میں بھی عدل کی بہت قسمیں ہیں ۱۶ عبادتِ الٰہیہ عدل ہے ۱۷ عبادت میں مراقبہ کہ رب تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے یہ عدل ہے ۱۸ مسلمان کا ظاہر و باطن یکساں پاکیزہ ہو۔ ۱۹ توحید پر ایمان اور تعطیل و تشریک جیسے کفریات سے بچنا عدل ہے ۲۰ کلمہ طیبہ پڑھنا عدل ہے ۲۱ اچھے عقائد عدل ہے ۲۲ فرائض و واجبات ادا کرنا عدل ہے۔

اِحسان کی قسمیں۔ ۱ باطن ظاہر سے زیادہ پاکیزہ ہو۔ ۲ حق سے زیادہ دینا فضل و کرم کرنا۔ ۳ بدلے کی طاقت کے باوجود دشمن کو معاف کر دینا ۴ درگزر کرنا۔ ۵ بُرے کو اچھا بنانا۔ ۶ تمام مخلوق سے محبت و شفقت کرنا ۷ ہر کام بطریقۂ احسن کرنا ۸ فاسق کی اہانت کرنا۔ ۹ اچھی اخلاقی بات کرنا۔ ۱۰ عبادتِ نفلیہ ادا کرنا۔ ۱۱ ہر عبادت میں مشاہدہ کا تصور کرنا۔ کہ تو رب تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے اور رب تعالیٰ تجھ کو دیکھ رہا ہے ۱۲ ہر وقت اچھے ہی عمل کرنا۔ ۱۳ عبادت میں احتیاط۔ خشوع خضوع محبت لذت خوفِ الٰہی۔ غیر اللہ سے بے خوفی بھی احسانِ روحانی ہے ۱۴ معرفت اور طریقت احسان ہے۔

اِیتاءِ ذی القربیٰ کی پندرہ ۱۵ قسمیں ۱ خاوند پر بیوی کا تمام خرچہ۔ ۲ والدین پر اولاد کا خرچہ ۳ اولاد پر والدین کا خرچہ اور خدمت ۴ غریب اہلِ قرابت کا خرچہ اگرچہ دور کی قرابت ہو ۵ تمام غربا مساکین کی امداد و مالی تعاون ۶ نسبی۔ نسلی۔ روحانی۔ ایمانی۔ حقوقِ استادی ان قرابتوں کا حق ادا کرنا۔ ۷ ہر شخص کے لیئے وہی اچھائی چاہنا جو اپنے لیئے پسند کرے ۸ اچھی دعائیں دینا ۹ مومن کے لیے زیادتِ ایمان توفیقِ اعمالِ صالحہ چاہنا ۱۰ کافر کے لیئے مسلمان ہونا چاہنا ۱۱ حدودِ شریعت میں رہنا کہ نہ ظلم کرے نہ زیادتی ۱۲ قابلِ اطاعت کی اطاعت کرنا ۱۳ اہلِ ایمان سے میل ملاقات ہمدردی و تعاون۔ امداد ۱۴ بڑوں کو دینا ۱۵ سخاوت کی عادت۔ یہ سب ایتاءِ ذی القربیٰ ہیں تین عادتوں سے منع کیا گیا ۱ فحشا ۲ منکر ۳ بغی۔ ان کی بھی بہت سی اقسام ہیں۔ چنانچہ فحشا کی نو ۹ قسمیں ہیں۔

۱ ہر بے غیرتی کا کام ۲ زناکاری ۳ جس کو معاشرہ اور انسانیت بُرا کہے ۴ قابلِ لعنت

ملامت افعال ۵ قوتِ شہوانیہ میں مشغول رہنا ۶ خلافِ عقل کام کرنے ۷ کنجوسی ۸ عدل و احسان کو چھوڑنا ۹ ختنہ نہ کرانا۔ کیونکہ اس سے نفسانی شہوت بڑھتی ہے۔

منکر کی نو قسمیں ہیں۔ ۱ جس کو شریعت ناپسند کرے ۲ مستحق کو اس کے حق سے کم دینا۔ ۳ جس کام سے شریعت نے منع کیا ہو۔ ۴ غصے میں مشتعل ہونا ۵ حقوقِ زوجیت ادا نہ کرنا۔ ۶ خدا کی نعمتوں سے منہ موڑنا ۷ ظاہراً اچھا لگے مگر باطن گندا۔ پلید۔ برا ہو ۸ سختی ہو دل رقتِ قلبی نہ رہنا ۹ اپنی جسمانی صلاحیتیں برباد کر دینا۔ مثلاً خصی ہونا۔ پورا آلۂ تناسل کٹوا دینا وغیرہ۔ یا قطع رحمی کرنا۔ بغی کی بارہ قسمیں ہیں۔ ۱ کسی بھی کام میں حد سے بڑھنا ۲ تکبر و ظلم کرنا ۳ جبر و تشدد کے ذریعے بالا دستی یا حکومت چاہنا ۴ قابلِ اطاعت کی اطاعت نہ کرنا ۵ ثابت قدم نہ رہنا ۶ حق مار لینا ۷ چوری۔ ڈکیتی۔ لوٹ مار ۸ اپنی قوتوں کو ضائع کرنا حرام و فضول و لغویات ہیں۔ ۹ عدل کو چھوڑنا ۱۰ قابلِ تعظیم کی گستاخی اور فاسق کی عزت یہ بھی بغی ہے ۱۱ بت پرستی شرک۔ اور صفاتِ الٰہیہ کا انکار جس کو تعطیل کہا جاتا ہے ۱۲ خود کو کسی بدخصلتی سے جسمانی یا روحانی بیمار بنا لینا۔ عدل کو ہماری زبان میں انصاف کہا جاتا ہے انصاف نصف سے بنا ہے بمعنی آدھا آدھا کرنا برابر دینا مگر یہ لفظ عدل کی تمام قسموں کو جامع نہیں عدل کے لیے موزوں لفظ تناسب و توازن ہونا چاہیے غرض کہ یہ تین آیت اخلاقیات اور حسنِ معاملات کی جامع ہیں۔ اور یہ آیت تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ کا عظیم ثبوت ہے یہی آیت فصاحت و بلاغت کا ایسا خزانہ ہے جس کو سن کر ولید بن مغیرہ جیسا کافر بھی متحیر ہو کر کہنے پر مجبور ہو گیا کہ یہ انسانی کلام نہیں۔ یہ واللہ بڑا شیریں ہے بڑا خوش رنگ ہے بڑا سر سبز اور گھنا سایہ دار ہے اور عمدہ پھلوں سے لدا ہوا ہے۔ اس آیتِ پاک کی دلکشی کا اندازہ اس سے بھی ہوتا ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن مظعون جمعی اسی آیت کو سن کر اور اس سے متاثر ہو کر فوراً مسلمان ہو گئے۔ یہ آیت لفظوں میں تو مختصر ہے مگر معانی میں بے کراں سمندر۔ ان چند لفظوں نے اسلامی زندگی کا پورا وسیع و عریض خاکہ کھینچ دیا۔ يَعِظُكُمْ سے چودہ قسم کی نصیحتیں دی جاتی ہیں۔ ۱ امر ۲ نہی ۳ خیر و شر کے درمیان تمیز۔ ۴ ۵ آداب ۶ احترام ۷ وعدہ۔ ۸ وعید ۹ ترغیب و ترہیب۔ ۱۰ فرائض و نوافل۔ ۱۱ اخلاق ۱۲ و عادات ۱۳ و خصائلِ ۱۴ حمیدہ۔

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ ۔ اور اے قیامت تک کے مسلمانو اللہ کے تمام عہد کو پورا کرتے رہو خواہ وہ کسی سے کیا ہو۔ اللہ سے عالمِ ارواح میں یا رسول اللہ سے بیعت میں یا دینِ اسلام

قرآن و حدیث سے علماء و مشائخ کی زبان پر۔ یا کسی فرد یا جماعت یا کسی دوست عزیز رشتے دار سے اپنی قوم سے ہو یا غیر قوم سے اجنبی سے یا واقف کار سے۔ دوست ہو یا دشمن ہم مذہب ہو یا غیر مذہب وہ وعدہ امن و عافیت کی حالت میں ہو یا جنگ و جدال میں۔ عہد سیاسی ہو یا ذاتی۔ کمزور سے ہو یا طاقتور سے۔ خواہ تم نے وعدہ کیا ہو یا تم سے عہد لیا گیا۔ اوّلاً وعدہ کرتے وقت پہلے خوب سوچو اور جب عہد یا وعدہ کر چکو تو کسی بھی لمحے عہد شکنی کا تصوّر بھی نہ ہو۔ کسی حال میں بھی وعدہ خلافی جائز نہیں۔ شرعاً گناہ ہے قانوناً جرم ہے خاص کر قسم کھا کر وعدہ یا عہد کرنا تو بہت ہی سخت ہے کہ وہ خالص اللہ کا عہد بن جاتا ہے کیونکہ اس میں اللہ کو کفیل (ذمے دار) بنا لیا جاتا ہے۔ ایسے وعدوں کو توڑنا گویا قسموں کو توڑنا ہے اور بلا مجبوری قسم توڑنا قسم کی توہین ہے جس کی سزا دنیا میں ذلت رسوائی بے اعتمادی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے تمام کام جانتا ہے۔ تم مسلمان ہو۔ تم کفار اور یہود و نصاریٰ کی طرح یا جہلاء عرب کی طرح وعدہ شکن بد دیانت نہ بنا کہ جس کو طاقت ور دیکھا اس کے ساتھ لگ گئے اور کمزور سے کیئے ہوئے وعدے کی پرواہ نہ کی۔ اسی طرح سیاسی چالباز اور ابن الوقت قسم کے لیڈر۔ حکمران یا سپہ سالار جنہوں نے مکاری سے جھوٹے وعدے کئے اور وقت نکل جانے کے بعد عہد شکنی کی۔ یہود و نصاریٰ انگریز۔ ہندو اور اہل یورپ کی تاریخ ایسی بد دیانتوں سے بھری پڑی ہے۔ ہر قوم کے عمل سے ہی اُس کے مذہب و دین کی شناخت ہوتی ہے۔ دنیاء کائنات میں اس وقت صرف مسلمان ہی اللہ کے دین پر ہیں اس لیے ان کو اللہ کی ان تمام نصیحتوں پر ہمہ وقت بڑی احتیاط سے عمل کرنا چاہیے۔ وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا. تَتَّخِذُونَ أَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ أَنْ تَكُونَ أُمَّةٌ هِيَ أَرْبَىٰ مِنْ أُمَّةٍ. إِنَّمَا يَبْلُوكُمُ اللَّهُ بِهِ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ چونکہ وفاء عہد اور عہد شکنی پر دینی دنیوی کثیر امور کا دارومدار ہے کہ جس طرح عہد اور وعدہ کرنے والے کو دین دنیا کا فائدہ معاشرے میں وقار حکومت و سلطنت مضبوط دوستی سے نفع اسی طرح عہد شکنی سے دین دنیا کا نقصان کہ اس کی بھی ذلت اُس کے دین خاندان کی بھی ذلت۔ اس لیے عرب کی ایک مالیخولیا کی بیمار دِھمَن عورت سے مثال دے کر منع فرمایا جا رہا ہے کہ تم اُس احمق عورت کی طرح مت ہو جانا جو پہلے تو بہت محبت چاہت اہتمام سے خود بھی اور اپنی تمام بہو بیٹیوں نوکرانیوں اور لونڈیوں کی پوری جماعت سے اُون۔ روئی۔ ریشم کا دھاگا کتواتی پھر دوپہر کو یا شام کو سمجھتی یہ کام ٹھیک نہیں ہوا اور فوراً بلا سوچے سمجھے سارا دھاگا توڑ

تاڑ کر پھینک دیتی اور سمجھتی کہ یہ اب میں نے بہت اچھا کام کیا۔ اور اُس کے کارندے بھی اُس کی خوشنودی کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملا دیتے۔ حالانکہ دھاگا بہت شاندار مضبوط بنا ہوتا تھا۔ اور یہ پہلا کام درست ہوتا تھا مگر وہ اچھے کو بُرا اور بُرے کو اچھا سمجھتے ہوئے سب دھاگے اَنکَاثًا یعنی ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اس کا نام سعیدیہ اسدیہ یا ربطہ بنت عمر بن سعد بن کعب تیمیہ اور لقب جعرہ تھا اے ایمان والو تم ایسی احمقانہ دل آزار حرکتیں نہ کرنا کہ پہلے پکی مضبوط قسمیں کھا کھا کر عہد کر لو اور پھر جب دوسری سی جانب قوت طاقت دولت۔ حکومت دیکھو تو ان وعدوں کو چپ چاپ اَنکَاثًا ٹکڑے کر دو یہ ٹھیک ہے کہ جہلاء عرب پہلے ایسا کرتے رہے یا دنیا کے کافر ایسا کرتے ہیں اور اس پر خوش ہوتے خود کو بڑا سیاسی سمجھتے اور اس ذلیل حرکت پر قوم سے شاباش لیتے ہیں۔ مگر اے حبیب کریم کے اُمتیو تم ایسا ذلیل بے انصافی بے غیرتی۔ فحش اور لغو کام نہ کرنا تم کو تو اخلاقِ حسنہ سیرتِ طیبہ کردارِ اعلیٰ کا اُستادِ زمانہ بننا ہے اگر تم ہی ایسے جاہلانہ کام کرو گے تو دنیا والے حُسنِ عمل کس سے سیکھیں گے کیا تم اپنی مضبوط قسموں۔ منعقدہ یمینوں کو فریب۔ چالبازی۔ بہانہ سازی اور دغا بازی بنانا چاہو گے۔ اپنے مشوروں آپس کی باتوں کے بیچ میں۔ اِس ناکارہ بیہودہ خیال اور وہم کی بنا پر کہ اس پہلے قسم والے گروہ سے وہ دوسرا گروہ زیادہ نفع۔ قوت۔ اور دولت والا ہے کہ اِس حلیف سے کنگر غداری عہد شکنی بغاوت کرتے ہوئے فوراً دوسرے سے ناطہ جوڑ لو۔ یا جو ووٹ لیتے اور مانگتے وقت غریب عوام سے وعدے کئے تھے یکسر بُھلا دو۔ ایسی عہد شکنیاں کرنے سے پہلے اتنا ضرور ضرور سوچ لیا کہ رب تعالیٰ زمانے کے اِس اُتار چڑھاؤ حکومتوں کی ٹوٹ پھوٹ۔ کمزور اور طاقتور گروہوں کے ہیر پھیر سے تم سب کی کڑی آزمائش فرما رہا ہے کہ معلوم ہو کہ تم اپنے دنیوی چند روزہ نفع کا زیادہ ساتھ دیتے ہو یا ہمارے نام کی قسموں وعدوں عہد و پیمان کا۔ یہ بات کہ تمہارا کونسا کام مفید ہے کونسا نقصان دِہ کونسا ساتھی مفید کونسا چالباز یا تمہاری اچھی بری حرکتوں کا انجام کیا ہوگا۔ اور جن باتوں میں آج تم دوسروں سے اختلاف کرتے رہو گے۔ یہ سب کچھ تمہارے سامنے اللہ جَلَّ شَانُہٗ قیامت کے دن ظاہر فرمائے گا۔

فائدے

اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بندے پر رشتے داروں کا غیروں سے زیادہ حق ہے لہٰذا پہلے رشتے اور قرابت والوں کی حاجتیں پوری کرے پھر کسی اور کی یہ فائدہ اِیتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی کی خصوصیت سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ہر شرم ناک کام بے حیائی ہے خواہ وہ جائز ہی ہو۔ اس کی مثالیں بہت

یہاں ذکر کی ضرورت نہیں یہ فائدہ فحشاء کے عموم سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ قیامت میں کفار کے گناہ علانیہ بیان کئے جائیں گے مگر دشمنوں کی اچھائیوں کا ذکر تک نہیں ہوگا۔ لیکن مسلمان کی نیکیاں بہت طریقے سے مشہور کی جائیں گی مگر گناہوں کو مخفی رکھا جائے گا۔ اس لیے کہ کفار کی ذلت اور مومن کی عزت مقصود ہے یہ فائدہ وَلَیُبَیِّنَنَّ لَکُمْ کو خاص کفار کے لیے ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ شریعت کے ملکی مسائل میں مسلمانوں کی طرح کافر رعایہ بھی مکلف ہے جیسے کہ ایمان میں یہ مسئلہ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ الخ میں بغیر کسی کے ذکر کئے مطلق فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ اسلامی اور شرعی حکم کے قانون کی وجہ سے کفار کو بھی عمل کرنا پڑے گا بے عملی پر اور وعدہ خلافی اور رشتے داروں کو حقوق نہ دینے پر عدالت اسلامیہ کفار کی گرفت کرے گی ہاں البتہ عبادات کے مکلف کفار نہیں۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ ہر قسم کے رشتے دار کو ہر قسم کا حق دینا واجب ہے خواہ قریبی ہوں یا دور کے سسرالی ہوں یا مادری۔ ددھیال ہو یا ننھیال۔ حقوق مالی ہوں یا بدنی دنیوی ہوں یا ایمانی۔ یہ مسئلہ اِیْتَآءِ اور ذِی الْقُرْبٰی کے عموم سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ یمین یعنی قسم شریعت میں چار قسم کی ہے ۱ یمینِ فور ۲ یمین لغو ۳ یمینِ غموس ۴ یمین منعقدہ وعدے اور عہد میں یہی آخری قسم بولی جاتی ہے۔ اس کے توڑنے پر کفارہ واجب ہے اسی کا یہاں ذکر ہے۔ اس قسم کو پورا کرنا اور نبھانا واجب ہے۔ یہ مسئلہ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ الخ سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ** ۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کی قسم کھانا حرام اور شرک ہے یہ مسئلہ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ الخ جس میں اللہ کی قسم کا ذکر ہو گیا۔ تو پھر کیوں فرمایا گیا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَیْکُمْ کَفِیْلًا یہ تو تکرار مضمون ہو گئی جو بیکار ہے۔ **جواب** ۔ بیکار نہیں نہ تکرار مضمون ہے بلکہ اَیمان میں وہ وعدے مراد ہیں جن کے لیے قسمیں بولی جاتی ہیں اور قَدْ جَعَلْتُمْ میں اللہ کے ذکر سے وعدے کو مضبوط کرنا مراد ہے۔ یہ دونوں علیحدہ چیزیں ہیں۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ شاید تم نصیحت پکڑو۔ عربی لغت میں لَعَلَّ شک اور ترجی کے لیے آتا ہے تو باری تعالیٰ نے یہ لفظ کیوں فرمایا وہ تو شک سے پاک ہے۔ **جواب** ۔ لَعَلَّ اظہار ارادہ کے لیے بھی آتا ہے وہی یہاں مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا ارادہ فرماتا ہے۔ اور ترجمہ ہے تاکہ تم نہ کر شاید۔ ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۹۵ کے بعد ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ

اور اگر چاہتا اللہ البتہ بنا دیتا تم کو امت ایک اور لیکن

اور اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت کرتا لیکن

يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلَتُسْـَٔلُنَّ

گمراہ رہنے دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور منزل تک پہنچا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور البتہ ضرور پوچھے جاؤ گے تم

اللہ گمراہ کرتا ہے جسے چاہے اور راہ دیتا ہے جسے چاہے اور ضرور تم سے تمہارے

عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَا تَتَّخِذُوْۤا اَيْمَانَكُمْ

بارے میں اس کے جو تم کرتے تھے اور نہ بناؤ تم قسموں کو اپنی

کام پوچھے جائیں گے - اپنی قسمیں آپس میں بے اصل

دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَ

خیانت آپس میں کہ پھسل جاوے کوئی قدم بعد ثابت ہونے کے اس کے اور

بہانہ نہ بنالو کہ کہیں کوئی پاؤں جمنے کے بعد لغزش نہ کرے اور

تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ

چکھو گے تم سزا کو بدلے اس کے کہ روکا تھا تم نے سے راستے

تمہیں برائی چکھنی ہو - بدلہ اس کا کہ اللہ کی راہ سے

اللّٰهِ ۚ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۹۴﴾ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ

اللہ اور لیے تمہارے عذاب ہے بڑا اور نہ خریدو تم بدلے اللہ کے

روکتے تھے اور تمہیں بڑا عذاب ہو - اور اللہ کے عہد پر تھوڑے دام

اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیۡلًا ؕ اِنَّمَا عِنۡدَ اللّٰہِ ہُوَ خَیۡرٌ لَّکُمۡ

عہد کے تھوڑی قیمت فقط ہے پاس اللہ کے وہ ہی مفید ہے لیے تمہارے

مول نہ لو بیشک وہ جو اللہ کے پاس ہے تمہارے لیے بہتر ہے

اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۹۵﴾

اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

اگر تم جانتے ہو۔

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ دنیا میں انسانی قوم مختلف فرقوں میں بٹی ہوئی ہے ۔ اب ان آیات میں فرمایا گیا ہے کہ گروہ بندی ایک حکمت کے تحت ہے اگر اللہ چاہتا تو ساری کائنات میں دیگر مخلوق کی طرح انسان بھی ایک گروہ ہی ہو سکتا تھا ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں قسم بولنے کی اہمیت بیان کی گئی پورا کرنے کی تلقین فرمائی گئی تھی اب ان آیت میں قسم توڑنے کی سزا کا ذکر ہے ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں عدل احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیا گیا تھا اب ان چیزوں کی نشاں دہی کی جا رہی ہے جن میں عدل احسان اور قرابتداری کا لحاظ اشد ضروری ہے ۔

تفسیر نحوی وَلَوۡ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَکُمۡ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً وَّلٰکِنۡ یُّضِلُّ مَنۡ یَّشَآءُ وَیَہۡدِیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَلَتُسۡـَٔلُنَّ عَمَّا کُنۡتُمۡ تَعۡمَلُوۡنَ واؤ ۔ استینافیہ لَوۡ حرفِ شرط شَآءَ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب شَیۡءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا پسند کرنا ۔ اَللّٰہُ اس کا فاعل اسم ظاہر ہے ۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ۔ لام کَ جزائیہ جَعَلَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد غائب لام کَ نے خبریہ کو انشائیہ بنا دیا جیسے لَوۡ شرطیہ نے شَآءَ خبریہ کو انشائیہ بنایا ۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ۔ اہل لغت کے نزدیک جَعَلَ کے دس معنی ہیں ۱ پسند کرنا ۲ انتیار کرنا ۳ شکل بدلنا ۴ لباس بدلنا ۵ عہدہ یا درجہ دینا ۶ حالت بدلنا ۷ شان بدلنا ۸ ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری کرنا (جگہ بدلنا) ۹ زمانہ بدلنا ۔ بکھروں کو جوڑنا ۔ ۱۰ اصلی حقیقی معنیٰ ہیں متغیر کرنا یعنی ہست کرنا یا ہست سے نیست کرنا باقی معنیٰ سب اسی کے

ضمنی اقسام ہیں۔ جَعْلٌ خَلْقٌ کا مخالف ہے کیونکہ خَلْقٌ ہے نیست سے ہست کرنا۔ اسی لیے جَعْلٌ بندے کی بھی صفت ہے اور اسی لیے متعدی بدو مفعول ہے۔ بخلاف خلقٌ کے کہ وہ کبھی بھی بندے کی صفت نہیں ہو سکتی نہ متعدی بدو مفعول لہٰذا جَعْلٌ کبھی بھی خَلْقٌ کے معنی میں نہیں ہو سکتا اور نہ اس کے برعکس۔ یہی وہ نازک جگہ ہے جس میں معتزلہ نے دھوکہ کھا کر یا دھوکہ دے کر مخلوقیتِ قرآن مجید کا کفریہ عقیدہ بنایا۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اول اُمَّۃً۔ موصوف وَاحِدَۃً اسم عددی مؤنث لفظی ہے کیونکہ صفت تابع ہے اُمَّۃً کی اور یہ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہے۔ بقاعدۂ نحو تابع متبوع کا دس چیزوں میں متفق ہونا ضروری ہے ۱۔ معرفہ ۲۔ نکرہ ۳۔ مذکر ۴۔ مؤنث ۵۔ واحد ۶۔ تثنیہ ۷۔ جمع ۸۔ اعراب فتحہ نصب ۹۔ رفع ضمہ ۱۰۔ جزکسرہ۔ جَعَلَ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لغو لٰکِنْ حرفِ عاطفہ مفید واؤ صرف تاکید کے لیے آیا۔ یُضِلُّ۔ باب افعال کا فعل مضارع دراصل یُضْلِلُ تھا۔ لام کا لام میں ادغام کر دیا مصدر ہے اِضْلَالٌ ضَلٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ کرنا۔ ھُوَ ضمیر فاعل جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ مَنْ موصولہ یَشَاءُ فعل مضارع مثبت معروف ھُوَ مستتر فاعل۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مفعول بہ ہے یُضِلُّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَھْدِیْ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اَللّٰہُ ہے مَنْ یَّشَاءُ جملہ فعلیہ اس کا فاعل ھُوَ مستتر۔ صلہ ہوا مَنْ موصولہ کا اور موصول صلہ مفعول بہ ہے یَھْدِیْ کا جملہ فعلیہ معطوف یُضِلُّ پر۔ معطوف ہے جَعَلَ پر یا حال ہے جَعَلَ کا یا شَاءَ کا اور یہی کو ترجیح ہے۔ سب مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوگا۔ واؤ سر جملہ۔ لَتُسْئَلُنَّ فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل مجہول باب فَتَحَ سے ہے سُؤَالٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پوچھا جانا۔ عَنْ جارہ بمعنیٰ ب جارہ یا فی ظرفیہ بمعنی بارے میں۔ مَا موصولہ۔ کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ باب فَتَحَ یا سَمِعَ کا ماضی استمراری مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے عام انسان۔ ظاہراً مسلین سے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے لَتُسْئَلُنَّ کا وہ جملہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَلَا تَتَّخِذُوْا اَیْمَانَکُمْ دَخَلًا بَیْنَکُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌ بَعْدَ ثُبُوْتِھَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَکُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ

واؤ سر جملہ (استینافیہ) لَا تَتَّخِذُوْا۔ باب افتعال فعل نہی معروف جمع مذکر حاضر۔ اَخْذٌ سے بنا بمعنیٰ لینا۔ پکڑنا۔ بنانا۔ توڑ موڑ کرنا۔ یہاں بنانا۔ یا توڑ موڑ کرنا مراد ہے۔ اَیْمَانَ۔ جمع مکسر ہے یَمِیْنٌ کی مضاف ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مفعول بہ اول ہے۔ دَخَلًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ بہانہ بازی۔ مفعول بہ دوم ہے۔ بَیْنَکُمْ۔ بَیْنَ مضاف کُمْ ضمیر مضاف الیہ ترکیب اضافی ظرف ہے لَا تَتَّخِذُوْا۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر نہی تنبیہی شرطیہ ہوئی ف جزائیہ جواب نہی کے لیے یہاں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے

اسی لیے تَزِلَّ۔ مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب بحالتِ فتحہ ہے۔ زَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ پھسلنا۔ غلطی کرنا۔ باب ضَرَبَ سے ہے قَدَمٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ پیر یا پنجہ ٔ پیر۔ بحالتِ رفع فاعل ہے۔ بَعْدَ اسم ظرف مضاف۔ ثُبُوتٌ ثلاثی سماعی کا مصدر ہے بمعنیٰ ثابت رہنا قائم مضبوط ٹھہرنا۔ جگہ پکڑنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہیں یہ مضاف ہے ھَا ضمیر مؤنث غائب کا اس کا مرجع قدم جو مذکر غیر ذوی العقول ہے اس لیے واحد مؤنث کی ضمیر آئی۔ یہ مضاف الیہ ہے۔ مرکبِ اضافی ظرف ہے تَزِلَّ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ تَذُوْقُوْا۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر بحالتِ فتحہ ہے اس لیے نونِ اعرابی گر گئی۔ نصب عطف تابع کی وجہ سے آیا اس کا متبوع فَتَزِلَّ چونکہ مفتوح ہے اس لیے یہ بھی مفتوح ہوا۔ اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ الف لام عہدِ ذہنی سُوْءَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ تکلیف۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تَذُوْقُوْا کا۔ بِ جارّہ سببیہ کا موصولہ صَدَدْتُمْ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ مستتر فاعل ہے۔ عَنْ جارّہ مجاوزت کا سبیل اسم مفرد جامد یا مشتق بمعنیٰ راستہ مضاف ہے اللّٰہِ۔ مضاف الیہ مرکبِ اضافی مجرور متعلق ہے صَدَدْتُمْ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا اور وہ مجرور ہو کر متعلق ہے تَذُوْقُوْا کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تَزِلَّ پر۔ اور وہ جملہ ذوالحال ہے۔ واؤ حالیہ لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے یَکُوْنُ پوشیدہ مضارع تامہ کا عَذَابٌ موصوف عَظِیْمٌ صفت دونوں مل کر فاعل ہوئے یَکُوْنُ پوشیدہ کا اور یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے تَزِلَّ کا اور وہ سب مل کر جواب نہی شرطی ہو گیا۔ پھر سب مل کر جملہ منہیہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ۔ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ واؤ ابتدائیہ۔ لَا تَشْتَرُوْا۔ باب اِفْتِعَالٌ کا فعل نہی معروف جمع مذکر حاضر اِشْتِرَاءٌ مصدر ہے بمعنیٰ خرید و فروخت کرنا شَرْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خریدنا۔ بِ جارّہ عوضی بمعنیٰ بدلے میں عَهْد اسم مفرد جامد بمعنیٰ عہد اقرار۔ وعدہ۔ بھروسہ۔ ذمے داری۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے مضاف ہے اللّٰہِ مضاف الیہ مرکبِ اضافی مجرور متعلق ہے نہی کا۔ ثَمَنًا۔ اسم مفرد جامد نکرہ معرب متمکن۔ بمعنیٰ حصّہ۔ بدلہ۔ قیمت۔ فقہی اصطلاح میں بازاری بھاؤ کو ثمن اور خود ساختہ بھاؤ کو قیمت کہا جاتا ہے۔ موصوف ہے قَلِیْلًا۔ اسم صفت مشبّہ بروزنِ فعیل بمعنیٰ بہت ہی تھوڑی۔ گھٹیا۔ حقیر۔ قِلَّۃٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ کم ہونا۔ منصوب کرہ ہے کیونکہ صفت ہے ثمنًا کی موصوف صفت مفعول بہ ہے۔ نہی کا جملہ فعلیہ منہیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق عملًا لغو معنیً مفید مَا کافہ ہے جو حرف عمل سے روکتا ہے عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے اور لفظِ اللّٰہ مضاف الیہ۔ مرکبِ اضافی ظرف ہے پوشیدہ فعل یا اسم فاعل کا دوسری ترکیب میں۔

اِنَّ عاملہ مَا موصولہ عند اللّٰہِ ظرف ثابتاً یا مَوجوداً کا وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر اسم اِنَّ۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل جس کا مرجع مَا ہے۔ مبتدا ہے خَیْرٌ اسم مصدر بمعنی بھلا ہونا۔ اچھا ہونا۔ فائدہ مند ہونا۔ مقابل ہے شر کا۔ لام جارّہ نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر کا مرجع مُسلمین ہے۔ مجرور ہے جار مجرور متعلق خَیْرٌ مصدر کا۔ اور وہ شبہ جملہ ہوکر خبر ہے ھُوَ مبتدا کی اور وہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ جملہ اسمیہ ہوکر جزاءِ مقدم ہے۔ اِنْ حرفِ شرط۔ کُنْتُمْ فعل ناقصہ۔ اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اِس کا اسم۔ تَعْلَمُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے کُنْتُمْ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر شرطِ مؤخر ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ یُّضِلُّ مَنْ یَّشَآءُ وَیَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ یہ تمام امر نہی - وعدہ وفائی - اور اخلاقیات کی تعلیم اے مسلمانو تم کو اس لیے دی جا رہی ہے کہ تم ہر لحاظ سے ساری دنیا میں مخصوص اور ممتاز رہو۔ شان و عزت تمہارے قدموں سے وابستہ رہے اغیار تمہاری مثالیں پیش کریں اپنے تمہارے گن گائیں اللہ رسول اور اُس کے فرشتے تم سے پیار فرمائیں غیر مسلم تمہارے اعلیٰ کردار سے متاثر ہوکر دامن اسلام میں آجائیں۔ تم مسلمان قوم دوسروں کو اپنے راستے پر چلانے کے لیے پیدا کیے گئے ہو نہ کہ کسی غیر کے راستے پر چل کر اُس کی مثل بننے کے لیے تم یہ کوشش نہ کرو کہ اگر کوئی کافر۔ منافق۔ بدخصلت تمہارے سچے راستے پر نہیں چلتا تو تم اُس کے بُرے اور گندے راستے پر چلنا شروع کردو۔ یا اقوام عالَم۔ کافر مومن۔ مسلم غیر مسلم۔ اچھے بُرے کو ایک ہی لڑی میں پرونے ایک اُمت بنانے کے لیے اپنے دین۔ ایمان۔ کردار۔ اعمال و اخلاقیات۔ اسلامی شرعی مسائل۔ رسم و رواج۔ تہذیب و تمدن میں لچک پیدا کرو۔ اِس طرح کا بیہودہ اِتحاد اللہ تعالیٰ کی منشا کے خلاف ہے۔ اور اگر اللہ چاہتا اور منشاءِ الٰہیہ میں یہ بات ہوتی تو اللہ تعالیٰ خود ہی تم سب کو اوّل سے آخر تک ایک قبیلے ایک دین ایک مذہب ایک علاقے میں پوری انسانیت کو ایک زمانے میں ایک ہی اُمت اور گروہ بنا دیتا حالانکہ اس ذات کیلئے یہ ایک اُمت بنانا کچھ مشکل نہیں لیکن یہ یکجہتی اُس کی حکمتِ عالیہ ابدیہ ازلیہ کے خلاف ہے۔ وہ خالق کائنات۔ کچھ بدقسمت لوگوں کو ان کی گمراہی میں ہی رکھنا چاہتا ہے لہٰذا جس کو چاہتا ہے اس کو گمراہی میں پہنچا دیتا ہے۔ اور جس کو چاہتا ہے ہر طرح کی کامل ہدایت عطا فرماتا ہے۔ اِس میں یہ بھی حکمت ہے کہ نیکی اور ہدایت کی شان و قدر معلوم ہو۔ اچھے لوگوں کی امتیازی شان دنیا و آخرت میں بلند ہو۔ اگر سب ہی اچھے یا بُرے ہوں تو نعمت۔ راحت۔ عافیت

عزت۔ دولت۔ نیکی۔ حسنِ اخلاق کی نہ قدر ہو نہ پہچان نہ کسی کو جنت کا ثواب نہ کسی کو علم کی تیز درت دنیاءِ کائنات کی چہل پہل مناظرے مقابلے مدارس و مساجد ہماری اسی حکمتِ عاملہ و بالغہ کی مرہونِ منت ہے۔ اور ہاں البتہ یقیناً۔ بروزِ قیامت تم تمام انسان کافر مسلمان نیک و بد۔ اُن تمام عملوں کا مول کردار و عملیات کے بارے میں ضرور۔ ضرور پوچھے جاؤ گے جو تم اس دنیا میں اپنی زندگی بھر کرتے رہے کہ کس کے عمل سے انسانیت کو فائدہ ہوا کس کے عمل سے نقصان۔ کس کے عمل کو دیکھ کر غیر مسلم بھی کافر ہونے کے باوجود حلقہ بگوش اسلام ہو گئے اور کس کی بدعملی فسق و فجور بددیانتی۔ بداخلاقی نے اغیار کے سامنے اسلام کا غلط نقشہ پیش کیا اور کافروں کے اسلام لانے سے رُک جانے کا سبب بنا۔ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًاۢ بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ دنیوی زندگی کی حقیقی پائدار اور سچی شان و شوکت کے لیے۔ رب تعالیٰ مسلمانوں کو ایک اور عظیم درسِ اخلاقیات عطا فرما رہا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے سوا تمام ادیان و مذاہب اِن اخلاقیات سے خالی ہیں۔ بائبل سے لیکر گرنتھ اور وید۔ گیتا تک تمام مذہبی کتب ان حسین قوانین و احکام و مواعظِ حسنہ سے یکسر خالی ہیں۔ تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ ہر مذہب اپنے پیروکار اور اہلِ مذہب پر سہولت اور بیجا طرفداری کا خواہش مند رہتا ہے۔ مگر یہ دینِ الٰہی اور حق مذہب کی بہترین مثال اور خوش اسلوبی ہے کہ وہ اپنے ماننے والوں کو انتہائی سختی سے ہر اچھی بات۔ عاداتِ حمیدہ۔ اور خصائلِ لطیفہ کا ہمہ وقت پابند دیکھنا چاہتا ہے تاکہ کوئی بھی غیر قوم اُس پر کسی طرح کا طعن و ملامت نہ کر سکے۔ اخلاقِ حسنہ اور دیانت داری کے ضمن میں یہ بھی رب تعالیٰ کی طرف سے کتنی شاندار پابندی ہے کہ وفاءِ عہد کے ساتھ ساتھ اپنی قسموں کا بھی بہت زیادہ خیال رکھو۔ قسم کو فوائد کی زنجیر اور ہاتھ پاؤں کی بیڑیاں سمجھو اور نہ بناؤ تم اے مسلمانو کسی حالت کسی زمانے میں اپنی منعقدہ قسموں کو آپس کے انسانی معاملات میں بیجا دخل اندازی۔ مکاری فریب بازی۔ دھوکا دہی۔ حیلہ سازی۔ بہانہ تراشی کا ذریعہ نہ ایسا ہو کہ لوگ تو تمہاری قسموں پر اعتماد کرتے ہوں مگر تم اس اعتماد سے ناجائز فائدے اٹھاؤ۔ اور قسم کو لوگ پھانسنے کا جال خیال کرنے لگو۔ یہ حرکت بہت ہی بری انتہائی خطرناک ہے۔ اس کا سراسر نقصان تم کو ہی ہوگا۔ کہ لوگ فقط ایک دو دفعہ ہی دھوکہ کھائیں گے۔ لیکن اس قسم کی فریب کاری کا ابدی۔ دنیوی۔ اُخروی نقصان تم کو ہی اٹھانا پڑے گا۔ اُن نقصانات میں سے پہلا نقصان تو یہ ہوگا کہ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا۔ تمہارے قدم دینِ اسلام پر ثابت ہونے کے بعد پھر زائل ہو جائیں گے بھٹک کر اسلام۔ قرآن۔ حدیث۔ قربِ الٰہی۔ دامنِ مصطفائی سے بہت دور ہٹ جائیں گے۔ اس

بے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول پاک اور اُس کی ساری مخلوق کے ساتھ دیانت ۔ امانت ۔ عبادت ۔
ریاضت ۔ صداقت ۔ شرافت ہی کا نام تو دینِ اسلام ہے جب یہ ہی نعمتیں مسلمان کے پاس نہ رہیں
تو پھر دینِ اسلام کب رہا ۔ اور دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ تم دوستوں میں عہد شکنی ۔ غدّاری ۔ دھوکہ بازی
کے اندر بدنام ہو جاؤ گے ۔ تیسرا نقصان یہ ہوگا کہ ۔ دوسرے لوگوں کو تمہارے ساتھ فریب کاری
دھوکہ سازی کا بہانہ مل جائے گا جو تم کو اس حیلے سے انتقاماً بڑے سے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں
چوتھا نقصان یہ ہوگا کہ ۔ جب تمہاری جھوٹی قسموں کا فریب بازیوں کا غیر مسلموں کو پتہ چلے گا تو وہ
تمہاری بدکرداری ۔ بددیانتی ۔ ملاوٹ کاری ۔ ملمع سازی کی بنا پر سچے دین اسلام سے متنفر اور برگشتہ
ہو جائیں گے ۔ اور اسلام قبول کرنے سے رک جائیں گے اس بنا پر تم کو پانچواں نقصان یہ ہوگا ۔
وَ تَذُوْقُوا السُّوْٓءَ بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اور تم کو دنیا و آخرت کی ذلت ۔ خواری ۔ بےعزتی
بے اعتمادی ۔ قتل و غارت ۔ شکست ۔ اور خود ساختہ غلامیت کی نفرت آمیز برائی چکھنی پڑے گی ۔
اس کی وجہ یہی ہوگی کہ تم نے اپنے بُرے عمل سے لوگوں کو اللہ کے دین سے سچے راستے سے روشن
شریعت سے پیاری طریقت سے روکا ۔ زبانی اگرچہ نہیں مگر عملی زندگی سے گھناؤنے افعال سے بیہودہ حرکات سے
یہ تم غیر مسلموں کے اسلام سے قریب آنے میں ایک بڑی رکاوٹ بن گئے تھے اس لئے کہ اسلام تو نام ہی مسلمان کی زندگی کے نقشے کا ہے
اسلام جبر ۔ قہر ۔ تیر تلوار کا نام نہیں ۔ نہ ہی اسلام تلوار سے پھیلا ۔ اس دین نے تو مسلمانوں کے ذاتی دلیوں خوش قلبوں والے کردار اور عمل نمونے سے پھیلا ہے
لیکن اگر کسی مسلمان نے تم میں سے انفرادی یا اجتماعی طور پر اپنوں یا غیروں یا بیگانوں سے کسی بھی معاملے میں قسم شکنی ۔ وعدہ خلافی وغیرہ اخلاقی جرم کیا تو اس کو
ساتواں نقصان ۔ بڑا زبردست ابدی خرابی والا یہ ہوگا کہ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ اور تمہارے
لیے بالکل کافروں جیسا بڑا عذاب ہوگا ۔ اس لیے کہ اپنی ان بُری حرکتوں قسموں کی بے پرواہیوں اللہ کی
بے ادبیوں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخیوں کی بنا پر تم اسلام سے نکل چکے ہو گے اور تمہارے
اچھے عمل بھی برباد ہو چکے ہوں گے ۔ اور تم کو پتہ بھی نہ چل سکے گا ۔ تم اپنی اس بدخصلتی کو اپنی عقلمندی ۔
سیاسی چال ۔ اور تجارتی نار مولے ہی سمجھتے رہو گے مگر دین دنیا کا دیوالیہ نکل چکا ہو ۔ تمہاری یہ احمقانہ
حرکتیں ہو سکتا ہے تم کو سیاسی لیڈر بنا دیں ۔ اور کفار سے چاپلوسی ۔ غیر مسلموں سے الفت مسلمانوں سے
نفرت ۔ دشمن اسلام کا ساتھ دینا انبیاء اولیا سے علیحدہ ہونا ۔ اور اسی قسم کی ابن الوقتی ہو سکتا ہے تم کو
چند روزہ دنیوی زندگی میں راس آ جائے ۔ مگر اسلام سے ہٹا کر آخرت میں خسارہ ہی خسارہ ہے
اس لیے عذاب عظیم ہونا لازمی امر اور بجا فیصلہ ہے ۔ وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اِنَّمَا
هُوَ عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۔ اور اے مسلمانوں دنیا میں شاید تم اللہ کی قسم

اور رب تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد یا اُس کے نام سے کئے ہوئے وعدے کی قدر و قیمت نہ جان سکو تو ذہن نشین کر لو کہ اللہ کے عہد بہت ہی قیمتی اور شان و عظمت والے اور اہمیت والے ہیں دنیا کے سارے منافع ساری کائنات کی دولت سارے خزانے اس کے سامنے حقیر و قلیل ہیں۔ لہٰذا تم بیوقوف نہ بنو اور نہ خرید و تم اپنی چھوٹی چھوٹی سمجھ سوچ کی بنا پر معمولی باتوں پر اللہ کے عہد کے بدلے دنیوی تھوڑی قیمت کو کہ ذرا ذاتی فائدہ دیکھا تو اللہ کے اُن عہدوں کو جو نہایت نیک نیتی سے کلمہ پڑھ کر۔ قسمیں کھا کر۔ حلف دے کر اللہ رسول یا پیر و مرشد سے یا والدین یا بیوی بچوں یا گاہکوں تاجروں سے یا نکاح بیاہ کے وقت یا قاضی۔ مفتی جج بنتے وقت یا حکومتی کلیدی امانتیں اور ذمہ داریاں سنبھالتے وقت کئے تھے ایک دم توڑ دو۔ یہ قیامت میں معلوم ہوگا کہ تم نے عہد شکنی کر کے قسمیں توڑ کر کتنا خراب کام کیا اور کیسا اچھا عمل برباد کر دیا۔ فقط اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں تو یہی وعدہ وفائی ہی تمہارے لیے ہر طرح اچھی ہے۔ اگر تم دنیا میں ہی اِس چیز کو جان لیتے تو پھر عہد شکنی جیسے بُرے عمل کی طرف منہ نہ کرو۔ خیال رہے کہ تمام انسان عالمِ ارواح سے لے کر قبر تک ہزار ہا عہدوں۔ وعدوں میں پابند بنا کر پیدا کیا گیا ہے۔ اور اِن وعدوں کو نبھانا ہی سچی اور دائمی زندگی ہے۔ اِسی کا نام ایمان عرفان اسلام تقویٰ ہے اسی کی اہمیت کو بار بار قرآنِ کریم میں واضح فرمایا جا رہا ہے۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت انسانی عقل و فہم سے وراء ہے۔ بندہ نہیں سمجھ سکتا جس طرح جسمانی اور مادی اعتبار سے تمام مخلوق مختلف ہے اسی طرح ایمانی مذہبی اور دینی روحانی لحاظ سے بھی سب کو مختلف پیدا فرمایا لہٰذا مسلمانوں کے مسلمان ہونے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہونے پر بھی اللہ کا لاکھ لاکھ شکر کرنا چاہیئے۔ اور اپنے دین ایمان کی قدر اور حفاظت میں لگے رہنا۔ بُروں سے بچتے اور ڈرتے گھبراتے رہنا چاہیئے۔ یہ فائدہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ (الخ) سے حاصل ہوا جس میں باری تعالیٰ کی عظیم بے نیازی کا درس ملتا ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ بندے کے ہر حال سے ہر وقت باخبر ہے۔ اور میدانِ محشر میں سوال و جواب حساب و کتاب بندے کی آگاہی اور فیصلۂ الٰہی کے لیئے ہوگا نہ کہ معلومات کے لیے۔ یہ فائدہ وَلَتُسْـَٔلُنَّ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ دینِ اسلام اور دین کی چیزیں اتنی عظیم اور قیمتی ہیں کہ تمام عالم دنیا بھی اُس کی پوری اور جائز قیمت نہیں بن سکتا۔ یہ فائدہ ثَمَنًا قَلِيلًا۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ جھوٹ فریب اور بہانہ بازی ہر حال میں ہی حرام وگناہ اور ناجائز ہے خاص طور پر اللہ رسول اور دین۔ قسم کی آڑ لے کر۔ یا مذہبی رہنمائی کا لباس پہن کر عالم خطیب امام اور پیر بن کر ایسی حرکتیں تو بہت ہی خطرناک ہیں۔ یہ مسئلہ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا (الخ) کی نہی اور ممانعت سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ قسم اگرچہ بہت اہم ہے۔ لیکن قانونِ شریعت کے مطابق اگر کوئی مسلمان کسی وقت اچھے عمل یا اچھی بات پر قسم کھالے کہ میں فلاں عبادت یا نیکی حسن سلوک نہیں کروں گا۔ تو چاہیئے کہ قسم توڑ دے اور وہ نیکی کرلے پھر اپنی قسم کا کفارہ دیدے۔ اور اگر گناہ کرنے پر کسی نے قسم کھائی ہو تو بھی گناہ سے باز رہے اور اُس قسم والے وقت کو بغیر گناہ کے گزر جانے دے اور پھر کفارہ دیدے اگر مطلقاً وقت میں گناہ کرنے پر قسم بولی ہو تو یہ کہہ کر قسم توڑ دے کہ میں اپنی قسم توڑتا ہوں اب میں وہ فلاں گناہ ہرگز نہ کروں گا پھر کفارہ دیدے۔ خیال رہے کہ کفارۂ قسم تین روزے یا دس مسکینوں کا کھانا دینا ہے۔ یہ قسم ٹوٹنے کے بعد واجب ہوتا ہے۔ اگر کسی نے پہلے کفارہ دے دیا بعد میں قسم توڑی تو کفارہ دوبارہ دینا پڑے گا۔ یہ مسئلہ فَتَزِلَّ قَدَمٌ (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ شریعت کی معرفت اور دین اسلام کے ذریعے جو بھی چیز یا مال وغیرہ مسلمان کے ہاتھ آئے وہ کھانا برتنا مسلمان کے لیئے حلال ہے۔ یہ مسئلہ۔ اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ہاں جو چیز شریعت کے قواعد قانون کے خلاف مسلمان کو ملے وہ مسلمان کے لیے حرام ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ۔ قَدَمٌ واحد اور نکرہ فرمایا گیا۔ چاہیئے تھا کہ یا معرفہ ہوتا۔ اَلْقَدَمُ۔ یا جمع ہوتا۔ اَقْدَامٌ۔ تاکہ کسی طرح سے اَيْمَانَكُمْ کے مشابہ ہو جاتا وہ معرفہ بھی ہے اور جمع بھی۔ اور قدم پھسلنے کا سبب اسی کو بنایا گیا ہے لہٰذا برابری ضروری تھی۔

جواب۔ برابری اتنی ضروری نہیں جتنی کہ اہمیت کو ظاہر کرنا یہاں قَدَمٌ کو نکرہ واحد فرما کر یہ جتایا گیا کہ ایک عام قدم پھسلنا بھی عظیم نقصان ہے۔ تو بہت سے خصوصی قدم پھسلنے کا کیا حال ہوگا۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ پھر فرمایا گیا وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ حالانکہ سُوء اور عذابِ عظیم۔ ایک ہی چیز ہے۔ تو اس تکرار کا کیا فائدہ۔؟ **جواب**۔ سُوء یعنی برائی سے مراد دنیوی مصیبت ذلت بے اعتمادی۔ رسوائی ہے۔ اور اس کا تعلق دَخَلًا سے ہے۔ اور وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ

سے مراد اُخروی سزا ہے اور اس کا تعلق فَتَزِلَّ قَدَمٌ سے ہے۔ یعنی اگر قسموں کو فریب کاری بناؤ گے تو دنیوی برائی ملے گی اور اگر دین سے قدم پھسل گیا تو اُخروی عذاب ملے گا۔

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ بیشک اللہ خالق قلب و قالب۔ قلبِ منور کو ہر کیفیتِ واردات میں طالبانِ معرفت سے عدلِ اعمالِ لطیفہ اور مسافرانِ وادیِ قرب سے احسانِ ہدایتِ راہ کا حکم فرماتا ہے۔ اور حواسِ ظاہری کو تلقینِ افعالِ صالحہ اور حواسِ باطنی کے اہل قرابتِ جسدی کو انوارِ صحبت دینے کا حکم فرماتا ہے۔ اور قلبِ عرفانی کو منع فرماتا ہے۔ خواہشاتِ شہوانیہ کے فحشا سے اور کفرانِ منکر سے۔ اور تصوراتِ متکبرانہ کی بغاوت سے۔ اے اعضاءِ جسدیہ رب کریم تم کو درسِ روحانیت کی نصیحت شفقت فرماتا ہے تاکہ تم ہمہ وقت یادِ الٰہی کے مراقبہ تجلیات میں شاغل رہو نفسِ انسانی ایک ایسا جوہر ہے جو زمرۂ ملائکہ سے ہے اور روحِ انسانی عالیہ قدسیہ ہے مگر جب روح و جسد اس جہان میں داخل ہوئے تو تعلقاتِ علیا سے خالی تھے۔ لیکن اصل مقامِ قدس تک پہنچنا مقصدِ حیات تھا لہٰذا اُن کو چھ حکم دیئے گئے تین کرنے والے اور تین نہ کرنے والے تاکہ معارفِ الٰہی اور اعمالِ صالحہ میں ترقی ہو۔ اور اس ترقی سے نعمتیں حاصل ہوں۔

۱ عالمِ غیب کی طرف ترقی عدل ہے ۲ قدس کی چوکھٹ کی طرف رسائی احسان ہے ۳ ملائکہ مقربین کی محفلیں ایتاء ہے اور جوارِ ربوبیت قربیٰ ہے جن تین سے منع کیا گیا ہے وہ ان سعادتوں کے حصول میں خطرناک رکاوٹیں ہیں اور خیراتِ روحانیہ کی کامیابیوں سے روکنے والی لہٰذا تین کا حکم اور تین سے ممانعت کردی گئی تاکہ مسافرانِ عالمِ دنیا کے لیے عرصۂ قیامت تک رسائی آسان ہو۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ اے عالمِ جسمانیت کے قلوب و عقول بصارت و بصیرت اللہ کے عہد پورے کرو تم جو عالمِ اسرار میں حریمِ خلوت گاہ قدس کے آستانے پر فکرِ مشاہدات کے عہد باندھے تم نے اور تخیلاتِ باطنی کی قسموں کو ارادوں اور نیتوں سے مضبوط کرلینے کے بعد کفر شرک فسق کے ہتھیار سے نہ توڑو تم حالانکہ عالمِ ارواح میں تمہاری روحوں کی زبان نے اپنے اعمالِ باطنی دستری پر اللہ خالقِ ارواح و اجسام کو کفیل و شاہد تسلیم کیا تھا۔ بیشک اللہ جانتا ہے جو بھی تم اپنے ارادۂ باطنی میں کرتے ہو یا کروگے وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ اَنْكَاثًا ۭ تَتَّخِذُوْنَ اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ اَنْ تَكُوْنَ اُمَّةٌ هِىَ اَرْبٰى مِنْ اُمَّةٍ ۭ اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ اللّٰهُ بِهٖ ۭ وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ

اے بیابانِ ناسوتی میں رہنے والے قوتِ اخلاص کے مردانِ حُرجوانو - اس بوڑھی عقلِ خردس کی طرح
مت بنو - جو ارادات صبحِ دہور کو دَسواس مَسا اور وہمیاتِ زوال میں برباد کر دے مضبوط نیت کے بعد
افکار پریشان کر کے - اے عقلِ شباب والو اپنے راہِ سلوک کے قدموں کو اپنے ہی ظاہر والوں کے لیے
دھوکہ فریب نہ بنالو اس خیالِ باطل میں کہ شاید عالمِ ناسوت کا نفع عالمِ لاہوت پر غالب ہو - یہ دونوں
عالمِ امتحان گاہ ازلی ہیں حیاتِ دنیوی سے بیشک اللہ تعالیٰ تم کو آزماتا ہے - اور یہ بیابانِ ظلماتِ حواسِ
باطنی و ظاہری اس لیے بنایا گیا تاکہ قیامتِ سعادت و شقاوت کے دن تمہارے لیے تمہارے وہ افکار و
اعمال و اشغال نیاتِ وارادات ظاہر و بیان فرمائے جس میں تم اختلاف کرتے تھے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ -
اور اگر مولیٰ تعالیٰ چاہتا تو تمام ہی حواسِ ظاہری و باطنی کو بیابانِ ظلمت سے نکال کر راہِ طلب کے
مسافرانِ مراد کا ایک گروہ ہی بنا دیتا - لیکن مشاہدۂ انوار کی شانِ اعلیٰ ظاہر فرمانے کے لیے جس کو چاہتا ہے
شقاوتِ باطنی کی وجہ سے قعرِ مذلت میں گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قربِ ذات اور منزلِ مراد کی
اِیْصَالُ اِلَی الْمَطْلُوْبِ والی ہدایت عطا فرماتا ہے - اور اے قالبِ جسدی میں بدطلبی کا انتشار پھیلانے والو
البتہ ضرور تم سب قیامتِ محرومی میں اپنے اپنے اعمالِ خواہشات و جوارحات کے بارے میں پوچھے جاؤ
گے وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًۢا بَيْنَكُمْ فَتَزِلَّ قَدَمٌۢ بَعْدَ ثُبُوْتِهَا وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ
بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ اور نیاتِ مراد کی قسموں کو کساوتِ قلبی اور شقاوتِ نفسی
کے لیے دامِ تزویر نہ بناؤ کہ وادیِ طلب میں زہد و عبادت کے قدم صراطِ وحدتِ ذات سے ہٹ کر
شہواتِ نفسانیہ میں پھسل جائیں - اور عقل و شعور کو معرفتِ الٰہیہ کے راہِ انوار سے روکنے کا عذابِ محرومی
اور بُعد و ہجران کی بُرائی تم کو پہنچے - اور ظلماتِ نفس کا بڑا عذاب تم جیسے اہلِ شقاوت کے لیے ہی ہے
لہٰذا اے راہِ سعادت پر چلنے کی خواہش رکھنے والو - وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اِنَّمَا
عِنْدَ اللّٰهِ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اللہ کے وعدۂ خلوتِ اخلاص کے اصل سرمایہ کو ریاکاری کے کھوٹے
سکوں قلیل و حقیر قیمت کے عوض مت خریدو - تمہارے لیے دنیا جہان میں فقط وہی نعمتِ مشاہدۂ
جمال اور دامنِ محبوب کی ٹھنڈی راحت خیرِ کائنات ہے جو اللہ کے پاس ہے - اگر تم ان حقائق اصلیت
کو بصیرتِ قلبی سے جان لیتے - اہلِ شوق اور صاحبِ درد کی مثال اس گیلی لکڑی کی طرح ہے جو آگ
میں پڑی ہو کہ ایک طرف آگ ہو دوسری طرف آنسوؤں کا پانی نکلتا ہو - دنیا کے دو قدم ہیں -
عا آنے کا قدم مشغولیت ہے عا اور جانے کا قدم حسرت ہے اسی لیے اس دُنیا کو ثمن قلیل : ما یہ دنیا

کو برا کہنا بد ہے مگر اس کو چاہنا بدتر ہے۔ اے بندے خیر کا خریدار بن۔ شریعت کی زکوٰۃ ڈھائی فی صد ہے مگر طریقت کی زکوٰۃ یہ ہے کہ ڈھائی فی صد اپنے لیے رکھے باقی مال محبوب کی راہ میں لٹا دے یہاں تک کہ قلب و جگر بھی لٹا دے اپنے قبضے میں نہ رکھے۔ محبوب ذات کے قبضے میں دیدے۔ عارفین فرماتے ہیں کہ خیر اصل دولت ہے اور اس کا ڈھائی فی صد دنیا ہے۔ اس لیے ساری دنیا کو لٹا دینا حقِ زکوٰۃ ادا کرنا ہے اسی لیے فقراءِ طریقت کے لیے ایک پیسہ بھی رکھنا گناہ ہے کہ وہ زکوٰۃ کا مال ہے۔ اولیاءُ اللہ کا ساری دنیا پر اسی لیے تصرف و اختیار ہے کہ یہ اُن ہی کی نکالی ہوئی زکوٰۃ ہے۔ اور تمام خیر اُن کے لیے ہے۔ دنیادار دنیا پرست ایمانی غریب اور روحانی تنگدست ہے۔ اسی لیے آستانۂ فقراءِ سالکین سے اُن کو دنیا بطورِ زکوٰۃ بانٹی جاتی ہے دنیا کتی ہوئی خوبصورت سُوت یا اُون ہے۔ جس کو مجذوبینِ الٰہی۔ نَقَضَتْ غَزْلَهَا۔ کی مثل اُلٹا کر دیتے ہیں۔ اور امتحانِ قضا و قدر میں کامیاب ہو جاتے ہیں۔

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۗ وَلَنَجْزِيَنَّ

جو پاس ہے تمہارے فنا ہو جائے گا اور جو پاس ہے اللہ کے باقی رہنے والا ہے اور البتہ ضرور بدلہ دیں گے ہم

جو تمہارے پاس ہے ہو چکے گا اور جو اللہ کے پاس ہے ہمیشہ رہنے والا ہے اور ضرور ہم صبر کرنے والوں کو

الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

ان کو جو صابر رہے اجر اُن کا زیادہ اچھا ہے اُس سے جو وہ نیکیاں

اُن کا وہ صلہ دیں گے جو اُن کے سب سے اچھے کام کے قابل ہو جو

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ

کرتے رہے جس نے عمل کیا اچھا مردوں عورتوں

اچھا کام کرے مرد ہو یا عورت

اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَ

میں سے اور وہ مومن بن گیا تو البتہ ضرور زندگی دیں گے ہم اُس کو نہایت خوشگوار زندگی اور

اور ہو مسلمان تو ضرور ہم اُسے اچھی زندگی جلائیں گے اور

لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا

البتہ ضرور بدلہ دیں گے ہم اُن کو اس سے کہیں زیادہ اچھا جو وہ نیکیاں کرتے رہے

ضرور اُنہیں اُن کا نیگ دیں گے جو اُن کے سب سے

يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۷﴾ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ

پس تم جب تلاوتِ قرآن کرو تو

بہتر کام کے لائق ہوں۔ تو جب تم قرآن پاک پڑھو تو اللہ کی پناہ مانگو

بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۹۸﴾ اِنَّهٗ لَيْسَ

اعوذ باللہ پڑھا کرو ۔ بیشک حقیقت ہے کہ نہیں ہے

شیطان مردود سے ۔ بیشک اُس کا کوئی قابو اُن پر نہیں

لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ

لیے اس کے کوئی قوت پر اُن لوگوں کے جو ایمان لائے اور پر رب اپنے

جو ایمان لائے اور اپنے رب ہی پر بھروسہ

يَتَوَكَّلُوْنَ ﴿۹۹﴾ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ

بھروسہ کرتے ہیں ۔ فقط اُس کی قوت پر اُن کے ہے جو دوستی کرتے ہیں اُس سے

رکھتے ہیں اُس کا قابو تو انہیں پر ہے جو اُس سے دوستی کرتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

اور یہی وہ لوگ ہیں جو اُس کو شریک سمجھتے ہیں۔

اور اُسے شریک ٹھیراتے ہیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں حرام طریقوں سے دولت کمانے کی ممانعت فرمائی گئی تھی اب اِن آیتوں میں ایسی دولت کی حقیقت بتائی جارہی ہے کہ وہ تو فنا ہی فنا ہے۔ بقا تو صرف حلال دولت کو ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ جو دولت اللہ کی ہے وہی خیر ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ کی خوشنودی والی چیزیں حاصل کرنا ہی اعمالِ صالحہ ہیں۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں یہ ظاہر ہوا تھا کہ انسان مختلف گروہوں میں بٹا ہوا ہے۔ اب بتایا جارہا ہے اللہ کا گروہ کونسا ہے۔

شانِ نزول مشرکینِ مکہ آیت کے منسوخ ہونے کا تمسخر اڑاتے تھے اور طرح طرح سے طعن بازیاں کرتے رہتے تھے اُن کو اِس کی عظیم حکمت کا کیا پتہ تھا۔ اُس پر یہ دس آیتیں نازل ہوئیں۔ از آیت ۹۶ تا آیت ۱۰۵۔

تفسیر نحوی مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً مَا موصولہ عِنْدَ اسمِ ظرف مکانی بمعنی پاس قریب۔ قُرب تین قسم کا ہوتا ہے۔ ۱ قرب جسم یعنی قرب وجودی ۲ معنوی ۳ قُربِ محبوبی۔ یہاں تینوں قُرب مراد ہیں۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ لہٰذا مجرور متصل مرجع مسلمین۔ مرکّب اضافی ظرف ہے پوشیدہ موجودٌ کا۔ یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا موصول کا اور وہ مبتدا ہے۔ یَنْفَدُ باب فتح یا سمع کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مقدرہ فاعل جس کا مرجع مَا موصولہ ہے۔ نَفَدٌ سے بنا ہے بمعنی فنا ہونا مٹ جانا۔ استعمال کرکے بھی اور بغیر استعمال بھی۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ مستقبل خبر ہے مبتدا کی۔ واؤ سر جملہ مَا موصولہ عِنْدَ اللّٰہِ یہ اضافی مرکّب مُوْجُوْدٌ پوشیدہ کا ظرف ہے اور جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر صلہ موصول مل کر مبتدا۔ بَاقٍ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مذکر۔ ھُوَ مستتر فاعل مرجع مَا موصولہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر خبر مبتدا۔ واؤ استینافیہ لَنَجْزِيَنَّ لام تاکید با نونِ تاکید ثقیلہ مستقبل معروف جمع متکلم ایک قرأت میں لَيَجْزِيَنَّ ہے واحد غائب مذکر مخاطب اللہ تعالےٰ

کُلٍ مُجَرَّدٌ ہے۔ یَجْزِیُ ناقص یائی سے بنا ہے۔ اسی سے ہے جَزَاءٌ بمعنیٰ بدلہ دینا۔ نَحْنُ ضمیر پوشیدہ
اس کا فاعل ہے اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر اس کا مفعول بہ صَبَرُوا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب
ھُمْ مستتر اس کا فاعل صَبْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ رکنا۔ برداشت کرنا۔ جھیلنا۔ شور و فریاد نہ کرنا کسی تکلیف
پر شکوہ شکایت نہ کرنا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ مفعول اول ہے۔ اَجْرَ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنیٰ بدلہ
اُجرت۔ انعام۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے۔ بِ حرف جر
برائے مقابلہ بِاَحْسَنِ۔ اسم تفضیل صیغہ واحد مذکر۔ بمعنیٰ صفت مشبّہ حَسَنٌ یعنی سب اچھے اعمال۔ یا تفضیل اپنے
ہی معنیٰ میں ہے۔ تب اَحْسَنِ کا تعلق اَجر سے ہے نہ کہ صَبَرُوا سے یعنی ادنیٰ عمل کا ثواب اعلیٰ عمل کے برابر
ہوگا۔ یہ شان صرف صابرین کی ہے۔ مضاف ہے۔ یا اضافت مِنیہ ہے۔ دراصل تھا بِاَحْسَنِ مِمَّا۔ مَا۔
موصولہ کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ باب سَمِعَ کا ماضی استمراری صیغہ جمع مذکر غائب۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع صابرین ہیں
فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت مضاف الیہ اَحْسَنِ کا۔ وہ مجرور متعلق ہے صَبَرُوا
کا وہ جملہ فعلیہ صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا اور موصول صلہ مفعول بہ لَنَجْزِیَنَّ کا۔ مَنْ۔ اسم موصول شرطیہ عَمِلَ۔ باب
سمع کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ مستتر فاعل جس کا مرجع ہے مَنْ شرطیہ موصول صَالِحًا
باب شَرُبَ کا اسم فاعل۔ واحد مذکر۔ بحالت نصب ہے حال ہے عَمِلَ کا یا صفت ہے عَمَلَ کے فاعل
کی۔ مِنْ جارہ بعضیت کا۔ ذَکَرٍ۔ اسم مفرد جامد نکرہ متمکن بمعنیٰ مذکر (نر) انسان مسلمان۔ معطوف علیہ اَوْ حرف
عطف بمعنیٰ واؤ عاطفہ جمعیت کے لیے۔ یعنی اور اُنْثٰی۔ اسم تفضیل مؤنث بروزن فُعْلٰی۔ اُنُثٌ سے مشتق
ہے بمعنیٰ مؤنث ہونا۔ مادہ ہونا۔ عورت ہونا۔ بحالت کسرہ ہے کیونکہ عطف تابع ہے ذَکَرٍ کا۔ یہ جملہ
معطوف ذو الحال ہوا واؤ حالیہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل بتدا واحد مذکر غائب۔ مرجع جملہ معطوف یعنی مذکر
مؤنث دونوں ہیں۔ مُؤْمِنٌ۔ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ۔ اَمْنٌ سے بنا ہے
بمعنیٰ ایمان لانا۔ اسلام قبول کرنا۔ ترجمہ ہے ایمان والا۔ بحالت رفع ہے خبر ہے بتدا کی وہ جملہ اسمیہ
ہو کر حال ہے۔ وہ ذو الحال حال مل کر مجرور متعلق ہے عَمِلَ کا عَمِلَ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ
جزائیہ لَنُحْيِيَنَّ لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ مستقبل معروف صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر مقدرہ اس
کا فاعل مراد اللہ تعالیٰ۔ باب افعال سے ہے اِحْيَاءٌ مصدر ہے بمعنیٰ زندہ کرنا۔ زندگی بخشنا۔ متعدی
بدو مفعول ہے۔ ہٗ ضمیر واحد غائب مفعول بہ اول ہے اس کا مرجع مومن ہے حَيٰوۃً۔ اسم مفرد جامد
بمعنیٰ زندگی موصوف ہے طَيِّبَۃً۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ پاکیزہ۔ ستھری۔ خوشگوار۔ بحالت نصب ہے
کیونکہ صفت تابع ہے۔ حَيٰوۃً کی۔ موصوف صفت مفعول بہ دوم ہے لَنُحْيِيَنَّ۔ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر

جزا ہوئی۔ شرط اور جزا مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوگیا۔ یہ ہمیشہ انشائیہ ہوتا ہے۔ خیال رہے کہ جملہ انشائی دس قسم کے ہیں

۱ امر ۲ نہی ۳ استفہام ۴ تمنی ۵ ترجی ۶ نداء ۷ عرض ۸ قسم ۹ تعجب ۱۰ عقود۔ جملہ شرطیہ عقود میں سے ہے۔ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ أَجْرَهُمْ بِأَحْسَنِ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ۔ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطَانٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ۔ إِنَّمَا سُلْطَانُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَلَّوْنَهُ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ واؤ سر جملہ لَنَجْزِيَنَّ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مراد ذاتِ واحد تبارک تعالیٰ ہے۔ جمعیت فقط فصاحتِ کلام کے لیے ہے باب ضَرَبَ سے ہے۔ بمعنیٰ بدلہ دینا هُمْ ضمیر کا مرجع مُؤمِنٌ ہے اور وہ جنسی جمع ہے اس لیے هُمْ ضمیر جمع ہے منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اَجْرَ اسم مفرد جاملہ بمعنیٰ اُجرتِ۔ تنخواہ۔ محنت عوض۔ اِنعام۔ یہاں دونوں جگہ انعام ہے۔ کیونکہ مملوک اور غلام کا اَجْر عوض یا بدلہ نہیں ہوتا نہ وہ مستحق ہوتا ہے۔ اَجْرَ مضاف هُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے فعل تاکیدی کا۔ بِ جارّہ عوض مقابلے کے لیے اَحْسَنِ۔ اسم تفضیل مذکر۔ بمعنیٰ اَحْسَنَ۔ مضاف ہے مَا موصولہ كَانُوا يَعْمَلُونَ ماضی استمراری عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اعضا سے کام کرنا۔ اچھے یا برے یہاں مراد اچھے ہیں۔ هُمْ اِس کا فاعل پوشیدہ ہے فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مفعول مضاف الیہ اَحْسَنِ اسم تفضیل مضاف اپنے مفعول مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہوکر مجرور متعلق ہے لَنَجْزِيَنَّ کا۔ فَ۔ زائدہ۔ اِذَا۔ حرفِ شرط ظرفیہ زمانیہ قَرَأْتَ۔ فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل اِس میں مقدر ہے۔ خطاب مومن سے ہے۔ باب فَتَحَ سے ہے قَرْءٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ الفاظ کو پڑھنا۔ دیکھ کر یا حفظ شدہ۔ الف لام تعریفی (معرّف باللام) قُرْآن۔ اسم مفرد مشتق ہے یا قَرْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پڑھنا۔ آخر میں الف نون زائد ہے۔ بروزنِ فُعْلَانٌ۔ مبالغے کا صیغہ بمعنیٰ بہت پڑھا ہوا۔ دنیا میں کسی کتاب کا یہ صفاتی نام اسم بامسمّیٰ نہ ہوا بجز نبی کریم رؤف رحیم صَلَّی اللہُ علیہ وسلّم کی کتابِ مجید کے اور یا یہ لفظ قَرْنٌ سے بنا ہے مبالغہ کا صیغہ بمعنیٰ بہت ملانے والا جمع ہونے والا۔ تب یہ نون مادۂ کی اصلیہ ہے زائد نہیں ہے۔ بروزنِ فُعْلَالٌ۔ بحالتِ فتح ہے مفعول بہ ہے قَرَأْتَ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ اِسْتَعِذْ۔ بابِ اِسْتِفْعَالٌ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ مستتر اس کا فاعل مراد ہے مومنٌ۔ مصدر ہے اِسْتِعْوَاذٌ۔ اور اِسْتِعَاذَةٌ　عَوْذٌ اجوف واوی سے بنا ہے بمعنیٰ پناہ مانگنا۔ یا پکڑنا۔ یا پناہ کی طرف جانا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں بِ جارّہ اِضافت کی یا تعدی کی۔

اَللّٰہِ مجرور مفرد ب جارہ سے متعلق اول ہے اِسْتَعِذْ کا مِنْ جارّہ بمعنیٰ عَنْ جارّہ مجاوزت کا۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ ہر شیطان یا عہد خارجی بمعنیٰ ابلیس۔ یا اسمی ہے بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ شَیْطٰن۔ اسم مبالغہ صفت مشبہ بروزنِ فَیْعَالٌ یا فِعْلَانٌ شَطْنٌ یا شَطْطٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ دور ہونے والا۔ سرکش ہونے والا۔ موصوف ہے۔ الف لام عہدی رَجِیْم بروزن فَعِیْل صفت مشبّہ رجمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ دھتکارہ ہوا پتھروں سے یا کسی چیز کو پھینک کر مارا ہوا۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہے متعلق ہے اِسْتَعِذْ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔ اِنَّ حرف تحقیق یہ معنوی نام ہے حرف مشبہ بالفعل کا عملی نام ہے۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا اسم منصوب متصل مرجع شیطان ہے۔ لَیْسَ۔ فعل تامہ ماضی منفی صیغہ واحد مذکر غائب ناقصہ تھا۔ اس کی صرف صغیر نہیں ہوتی۔ لام جارّہ تعدیہ (مفعولیت کا) ہٗ ضمیر مجرور متصل مرجع شیطان ہے۔ جار مجرور متعلق ہے لَیْسَ کا سُلْطٰنٌ۔ بروزن فُعلانٌ۔ اسم مبالغہ نکرہ اسم متمکن سَلْطٌ یا سلیطٌ سے بنا ہے۔ سَلْطٌ بمعنیٰ غلبہ ہونا۔ اسی سے ہے مسلّط ہونا سلیط بمعنیٰ روشنی ہونا۔ آگ کی۔ سُلْطٰنٌ بمعنیٰ۔ غلبہ۔ حکومت۔ بادشاہ۔ حاکم۔ حاکمیت۔ دلیل۔ قوت۔ ظاہر چیز۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ رفع فاعل ہے عَلٰی جارّہ اِستعلائی اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع۔ آمَنُوْا باب اِفعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مصدر ہے اِیْمَانٌ بمعنیٰ دینِ اسلام قبول کرنا۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا علٰی سے جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ علٰی جارّہ فوقیت کا رَبِّہِمْ مرکب اضافی جار مجرور متعلق مقدم ہے اس تقدّم سے حصر کا فائدہ ہوا۔ یَتَوَکَّلُوْنَ۔ باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب تَوَکُّلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھروسہ کرنا۔ وَکْلٌ مادّہ ہے۔ بمعنیٰ سپرد کر دینا۔ قبضے میں کر دینا ھُمْ اس کا فاعل ہے۔ یہ فعل با فاعل اور متعلقِ مقدّم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا پھر معطوف ہوا جملہ عاطفہ متعلق دوم ہے لَیْسَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر خبر اِنَّ اور جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرف تحقیق عملاً لغو معنیً مفید۔ ما کافہ۔ یہ لفظ بسیط ہو گیا۔ سُلْطٰنُہٗ مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ عَلٰی جارّہ استعلائیہ (فوقیت کا بمعنیٰ پر) اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ یَتَوَلَّوْنَ۔ باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مثبت معروف جمع غائب مصدر ہے تَوَلِّیٌ وَلْیٌ ــــ لفیف مفروق سے بنا ہے۔ بمعنیٰ محبت کرنا۔ دوستی کرنا۔ مددگار ہونا۔ وارث ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ دراصل یَتَوَلَّیُوْنَ تھا بمعنیٰ دوستی لگاتے ہیں۔ ہٗ ضمیر کا مرجع شیطان ہے مفعول بہ ہے یَتَوَلَّوْنَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ھُمْ ضمیر جمع مرفوع اس لیے کہ مبتدا ہے

منفصل اس لیئے کہ جُدا ہے۔ بِ جارہ یا سببیہ ہے تب ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع شیطان ہے اور ترجمہ ہے کہ بذات خود اس کے ذریعے اُس کے اغوا یا اُس کے بہکانے کے سبب ۔ یا یہ بِ جارہ تعدیہ ہے۔ تب بھی ہٖ کا مرجع شیطان ہے اور معنیٰ ہے اُس کو شریک بنانے والے۔ یہی ترجمہ اعلحضرت نے اور ہم نے اختیار کیا۔ یا یہ بِ جارہ اضافت کا اور ترجمہ ہے اُس کا شریک بنانے والے تب ہٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ مگر یہ معنیٰ بعیدی ہیں کیونکہ سباق کے خلاف ہے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اِس تقدم نے حصر اور شدت پیدا کی۔ مُشْرِکُوْنَ باب افعال کا اِسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے اِشْرَاکٌ شِرْکٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بُت پرستی۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب پوشیدہ اسکا فاعل یہ جملہ اِسمیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ کی پوری عبادت مل کر معطوف ہوا جملہ عاطفہ مجرور ہو کر متعلق ہے۔ وَاقِعٌ پوشیدہ یا مُسَلَّطٌ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہے سُلْطٰنُہٗ مبتدا کی۔ اور وہ جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ اے انسانو جو کچھ تمہارے پاس ہے تمہاری عقل فہم خرد۔ علم۔ بصیرت۔ تدابیر۔ سیاست۔ چالبازی۔ اور اپنی چالبازیوں سے کمائی ہوئی دُنیوی دولت تجارت۔ حکومت وہ سب کا سب عنقریب بہت جلدی سب فنا اور ختم ہو جائے گا اور ہمیشہ باقی رہنے والا وہی ہے جو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اُس کی رحمت۔ فضل۔ کرم۔ رضا۔ خوشنودی بندوں کے نیک اَعمال اور اُن کا ثواب۔ اُخروی عزّت۔ شان و شوکت اللہ کی چیزوں کو بقا ہے۔ تو پھر باقی دولت کو حاصل کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے نہ کہ فانی حقیر کی۔ اور جن لوگوں نے اس نکتے کو سمجھ لیا اور ہر کام میں اللہ رسول کی خوشنودی کا خیال رکھا شریعت طریقت کی پابندی لازم رکھی۔ دنیاداروں کی عیاشی حرام خوری اور ناجائز تجارت سے منہ موڑا۔ اور ہر طرح مکمل صبر کیا۔ تجارت میں نقصان پر صبر دنیا کی مصائب پر صبر۔ کھیلوں تماشوں سے دور۔ حلال روزی پر مسرور۔ حرام روزی سے نفور۔ اہلِ شر کے طعنوں سے بے پرواہ ہو کر صبر و شکر کی ایسی پاکیزہ زندگی گزاری جس کے لیے پیدا کئے گئے تھے۔ ہم اُن کو اُن کے اِن پاکیزہ اَعمال کے اجر میں ایسی شان والی جزا عطا فرمائیں گے جو اُن اعمال سے کہیں زیادہ اچھی اور بڑھ چڑھ کر ہو گی جو وہ دنیا میں ہزارہا تکلیفیں جھیل کر کرتے رہے۔ کہ خود انہوں نے تو ہر شخص سے عدل۔ احسان اور صلہ رحمی۔ وعدہ وفائی اور قسم کا پورا پورا خیال کیا اور تمام ممنوعات سے بچتے ہوئے شریعت و طریقت کے دامن کو ساری عمر مضبوطی و پابندی سے تھامے رکھا۔ اور دوسروں کی عہد شکنی۔ وعدہ خلافی اور قسم کی بے پرواہی پر پورا صبر کیا۔ ہمارا یہ ازلی ابدی قانون کریمانہ ہے

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ـــــ

جو شخص بھی عورتوں مردوں میں سے نیک اعمال اچھے کام اصلاحی کردار کرے بشرطیکہ مسلمان ہو۔ تو ہم اُس کو ابتدا سے ابدالآباد تک ایسی پیاری شاندار زندگی عطا فرمائیں گے جس کو حیاتِ طیبہ کہا جاتا ہے دنیا میں بھی کہ اُس کو۔ سکونِ اطمینانِ قلبی۔ توفیقِ عبادات۔ ذکر و فکر و عبادت میں لذت۔ فسق و فجور سے نفرت۔ پاکیزہ دولتوں کی کثرت۔ حرام غذا سے بچنے کی ہمت۔ غریبی حالت میں بھی شکر، صبر اور قناعتِ قلبی (دل بھرا پُرا رہنا) ہر وقت اطاعت و عبادت میں گزر بسر ساری عمر گزارنا۔ دنیوی دینی کامیابیاں۔ اور بندے کی تمام تدابیر رب تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہونا۔ نیک نامی اچھی شہرت پاکیزہ تذکرہ۔ مقبول عبادت۔ نفس و شیطان اور جان لیوا دشمنوں سے بیزار رہنا۔ صحابہ کرام۔ تابعین مجتہدین کے مختلف اقوالِ طیبات کے مطابق یہ دنیا کی حیاتِ طیبہ ہے۔ اسی طرح قبر میں حیاتِ طیبہ کی نوازشیں ہوتی ہیں کہ دیدارِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جلوہ ریزیاں۔ امتحانِ قبر کی کامیابی۔ جنت کی ہوائیں۔ رب تعالیٰ کی رحمتیں۔ دُلہنوں کی طرح آرام کرنے کی ادائیں تا قیامت مزار پر رونقیں۔ ختمِ قرآن مجید اور ایصالِ ثواب کی محفلیں۔ اپنے پرایوں میں ذکرِ جمیل کی مجلسیں۔ قصیدہ خوانیاں فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ کی دیدہ سامانیاں زندگی کی ایسی خوشنمائیاں کہ قبروں میں بھی مخلوقِ الٰہیہ کی حاجت روائی مشکل کشائی ہو رہی ہے۔ مزارات پر مانگنے والے سائلوں کی قطار بندیاں۔ اور جب روزِ محشر ہوگا پھر تو خود حیاتِ طیبہ نثار ہو جائے گی۔ جب تاجِ نور پہنا کر تختِ محشر پر بٹھایا جائے گا۔ جب لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مژدہ سنایا جائے گا۔ جب سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ کا نغمہ سنایا جائے گا۔ جب کوثر کا جام پلایا جائے گا۔ جب ابدی حیات کا تمغہ عطا فرمایا جائے گا جب جنت کا مقام دکھایا جائے گا۔ جب حرمِ مکۂ مکرمہ کی ایک نماز کو لاکھ گنا اور حرمِ مدینہ منورہ کی ایک نماز کو پچاس ہزار اور بیت المقدس کی ایک نماز کو ایک ہزار بنایا جائے گا۔ جب ایک ایک نیکی کا ثواب دس گنا بلکہ خشوع و خلوص کے درجہ بدرجہ سات سو گنا دیا جائے گا جب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری سہانی مسکراتی شفاعت کا زیور پہنایا جائے گا۔ جب خوشنودیِ ربانی کا لباس ابدی زیبِ تن کرایا جائے گا۔ تب حیاتِ طیبہ کا پورا نظارہ اور وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ کی سچی تفسیر آشکارا ہوگی۔ آج تو سنایا جا رہا ہے کہ ہم کئی گنا زیادہ اچھا اجر عطا فرمائیں گے لیکن اُس دن نظارہ ہوگا کہ دیکھو اے منکرو۔ کافرو ہم اپنے سیدھے سادے بھولے بھالے مخلص مومنوں کو ایسی عظیم جزا دے رہے ہیں جو اُن کی تمام نیکیوں سے اچھی ہے

زیادہ ہے۔ لہٰذا ایمان والے جب بھی نماز یا غیر نماز میں قرآن مجید تفظی پڑھے۔ یا درد وظیفے میں یا قرآن مجید کا وعظ سنائے یا قرآن کریم پر عمل کرتے ہوئے کوئی بھی نیکی کرنے لگے تو پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ پڑھ لے تاکہ ابلیس یا تیرا خصوصی شیطان کوئی وسوسہ نہ ڈالے اور تو اس وسوسے سے نیکی پر مغرور متکبر۔ اپنے حُسنِ قرأت تحسینِ وعظ پر ریا میں مبتلا نہ ہو جائے کہ کہیں تیرے خلوص کے ساتھ ساتھ تیرا تمام عمل وتلاوت بھی تباہ ہو جائے نہ تجھے حیاتِ طیبہ حاصل ہو نہ جزاءِ احسن۔ ہاں البتہ بیشک یہ ہمارا وعدہ ہے کہ اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ بیشک کسی بھی شیطان کا ہمارے اُن پیارے بندوں پر ذرہ برابر زور نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہر چیز پر مکمل سچے پکے طریقے سے عملاً وقولاً ایمان لے آتے اور ہر نیکی عبادت تلاوت کے وقت ہر وسوسے ہر شیطان ہر باطل انسان سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ اور اُس کی پناہ پر ہی پورا بھروسہ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اب ابدالآباد تک صرف قرآن مجید ہی ہدایت وروشنی کا سرچشمہ ہے۔ یہیں سے شریعت طریقت۔ قانونِ الٰہی فرمانِ مصطفائی اور دین دنیا کی فلاح۔ کامیابی وکامرانی۔ قوت عزت سب کچھ اسی قرآنِ پاک سے حاصل ہو گی۔ دنیا کی اور کوئی کتاب مذہبی ہو یا غیر مذہبی اُخروی ہدایت نہیں دے سکتی بلکہ موجودہ مذہبی کتب تو ہر اعتبار سے ہی بیکار ہیں۔ خواہ وہ جن کا نام آج کل توریت۔ تالمود۔ زبور انجیل بائبل رکھ دیا گیا ہے وہ یا۔ زرتشتیوں کی ژند اوستا یا ہندوؤں کی گیتا۔ آریوں کی وید۔ سکھوں کی گرنتھ۔ نہ ان سے ہدایت ہی مل سکتی ہے نہ سچائی اسی لیے شیطان کے وسوسے باطل فرقوں کی یلغار صرف قرآن مجید اور اُس کی کامل تفسیر احادیث پاک کے پڑھنے پڑھانے سمجھنے سمجھانے کے وقت ہی زیادہ ہوتی ہے۔ اگر بندے کو رب تعالیٰ کی پناہ نہ ملے تو اسی قرآن سے گمراہی وضلالت مل جاتی ہے۔ اور بڑے بڑے عالموں فاضلوں پیروں ولیوں پر شیطان کا داؤں چل جاتا ہے۔ بدیں وجہ ہر مومن کو قرآن پاک پڑھنے سمجھنے سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ۔ پڑھ لینے کا استحبابی حکم دیا۔ اور اسی اللہ کی پناہ نہ مانگنے نہ ملنے کی وجہ سے اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۔ فقط اس ابلیس اور اُس کے شیطان کا زور اور دبدبہ مکر وفریب وسوسہ اُن ہی لوگوں پر چلتا ہے جو اُس سے اور اُس کے کاموں سے محبت رکھتے ہیں۔ یا اس طرح کہ اس کو اللہ کا برابر کا شریک سمجھتے ہیں جیسا کہ کافروں کا ایک فرقہ پہلے عرب میں تھا اور آج کل ہندوستان میں ہے ایران میں ابلیس کا نام خالق شر اور اہرمن رکھا گیا۔ یا اس طرح کہ اُس کے بُرے کاموں پر عمل کیا اور اور اپنے اختیار محبت اور پسند سے ابلیس کو اپنے سر چڑھا لیا۔ اور شیطان کی وجہ سے شرک میں مبتلا ہو گئے۔ نہ اللہ کی پناہ طلب

کی بنا اُس طرف دوڑے بلکہ رب تعالیٰ کی پناہ سے دور بھاگے چونکہ باری تعالیٰ کے قرآن پاک پر کفار کے اعتراض و انکار کا ذکر اگلی آیات میں آ رہا ہے اس لیے اللہ کریم نے ایمان والوں کو پہلے ہی بتا دیا کہ شیطان مردود سے رب کی پناہ مانگتے رہو جب بھی قرآن مجید پڑھنے یا سمجھنے بیٹھو۔ اس لیے کہ سارے گناہ کفریات۔ انکار اور برائیاں گمراہیاں ابلیس اور شیاطین کی طرف سے ہی ہیں۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ قیامت میں مومن کی سب سے بڑی شان ہوگی کہ عمل مومن کے ہوں گے اُس کے مطابق لیکن اُن کی جزا ملے گی رب تعالیٰ کی شان کے لائق۔ یہ فائدہ بِاَحۡسَنِ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ مومن کو نیکیوں کا صلہ دنیا میں ملجاتا ہے اور نیکیوں کی جزا آخرت میں ملے گی یہ فائدہ حَیٰوۃً طَیِّبَۃً فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ توفیقِ خیرات اور سکونِ قلبی یہ اس کا صلہ ہے۔ یہ چیز کافر اور دنیا پرست کو حاصل نہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ نیک اعمال کے لیے ایمان شرط ہے۔ اسلام کو چھوڑ کر کوئی یہودی عیسائی۔ صابی۔ وغیرہ کتنا نیک بنے سب برباد ہے یہ فائدہ وَ ھُوَ مُؤۡمِنٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ انبیاء کرام پر کسی شیطان کا داؤں نہیں چل سکتا۔ اس لیے کہ جب متقیوں پر نہیں چل سکتا تو نبوت کا مقام تو بہت بلند ہے۔ وہاں تک تو شیطان کی رسائی ہی نہیں۔ یہ فائدہ لَیۡسَ لَہٗ سُلۡطٰنٌ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ پڑھنا صرف تلاوت سے پہلے ضروری ہے۔ لیکن بسم اللہ الرحمٰن پڑھنا۔ ہر نیک کام کے لیے ضروری ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا قَرَاۡتَ الۡقُرۡاٰنَ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰہِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ صرف پڑھنا ان ہی الفاظ سے بہتر ہے جو احادیث سے ثابت ہیں۔ اپنی طرف سے نئے نئے الفاظ اور عجیب زبانیاں پیدا کرنا۔ منع ہے۔ اور احادیث سے صرف اس طرح ثابت ہے اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ بس ان ہی لفظوں سے تعوّذ پڑھے۔ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں وہ زبان اور وہی الفاظ ہی قبولیت کا شرف حاصل کرتے ہیں جو زبانِ نبوت سے ادا ہوں۔ یہ مسئلہ اِذَا قَرَاۡتَ۔ میں صیغہ واحد مذکر حاضر فرما کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کی طرف اور زبانِ پاک سے تعلیم دلوانے کے اِشَارَۃُ النَّصِّ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ صرف پڑھنا ضروری ہے۔ قرآنِ مجید لکھتے وقت صرف بسم اللہ شریف لکھی جائے گی۔ اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ لکھنا لازم و ضروری نہیں۔ یہ مسئلہ بھی اِذَا قَرَاۡتَ سے مستنبط ہوا۔ اور اس لیے بھی کہ وسوسہ صرف تلاوت کے

وقت آتا ہے نہ کہ کتابت کے وقت۔ اسی لیے۔ قرآن مجید میں ہر سورت کے اوّل بسم اللہ شریف تو لکھی ہوئی ہے۔ مگر اَعُوْذُ بِاللّٰہ کبھی کسی نے نہیں لکھا۔ ہاں البتہ عام خطوط کے اوّل میں لفظوں سے بسم اللہ نہیں لکھنی چاہیئے خاص کر اس بے ادبی والے زمانے میں۔ اگر لکھنی ناگزیر ہو تو اُس کے عدد ۷۸۶ لکھ۔ کچھ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُن خطوط سے دلیل پکڑتے ہوئے کہتے ہیں کہ جو آپ نے بادشاہوں کی طرف خط لکھے اس میں لفظی بسم اللہ شریف لکھی جاتی تھی اسی طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط بلقیس کی طرف۔ اس میں بھی عربی بسم اللہ شریف لکھی ہوئی تھی لہٰذا سب کو جائز ہے کہ لفظی بسم اللہ ہر خط یا اخبار میں لکھ سکتا ہے مگر یہ موازنہ قطعًا غلط اور جہالت ہے اس لیے کہ عوام کے خطوط کا اتنا خیال نہیں رکھا جاتا زمین پر پھینک دیا جاتا ہے۔ لیکن خواص کے خطوط سنبھال کر ریکارڈ کیے جاتے ہیں دیکھو۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ خطوط ابھی تک عالم میں موجود ہیں۔ نیز اگر خط پھاڑ دیا جائے اور بسم اللہ شریف کے الفاظ ریزہ ریزہ پھٹ جائیں جدا ہو جائیں تب احترام کی وہ ذمہ داری باقی نہیں رہتی۔ واللہ اَعلم بالصّواب۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى حرفِ مَنْ اسم موصولہ عام ہے مذکر اور مؤنث کو۔ تو مَنْ کہنے سے ہی مذکر مؤنث مراد ہو گئے تھے پھر دوبارہ علیحدہ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى کہنے کی کیا ضرورت تھی نیز یہاں تو مقصود جمع کرنا تھا تو پھر اَوْ حرفِ تفریدی اختیاری کیوں ارشاد ہوا۔ وَاُنْثٰى۔ فرمانا چاہیئے تھا۔ **جواب**۔ حرفِ مَنْ اگرچہ دونوں کو شامل ہے مگر زیادہ استعمال مذکر کے لیے ہوتا ہے اس لیے جب تک مذکر مؤنث بول کر تاکید نہ کی جائے ذہن صرف مذکر کی طرف ہی جاتا ہے۔ اور یہاں بعد میں وَهُوَ مُؤْمِنٌ فرمایا گیا اس سے اور زیادہ ذہن مذکر کی طرف مائل ہوتا تھا۔ اس لیے اظہارِ کرم کے لیے وضاحت کرتے ہوئے دونوں کا ذکر کر دیا گیا۔ نیز حرفِ اَوْ کا فائدہ یہ ہوا کہ دونوں کی جداگانہ شان کا اظہار ہوا۔ یعنی اعمالِ صالحہ اور مقبولیتِ بارگاہِ الٰہیہ میں داخل ہونے کے لیے عورت مرد میں کوئی بھی کسی دوسرے کا مرہونِ منت نہیں۔ اگر یہاں واؤ عاطفہ ہوتا تو خیال کیا جا سکتا تھا کہ دونوں مل کر عمل کریں تب مقبولیت ہوگی ورنہ نہیں۔ یہاں اَوْ فرما کر اس خیال کو ختم کیا گیا۔ اور فرمایا گیا کہ مرد عورت کوئی بھی۔ یہ مغایرۃ ذاتی ہے۔ صفاتی نہیں ہے۔ اسی لیے۔ اَوْ کا ترجمہ یا نہیں ہوگا۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں مَنْ عَمِلَ صَالِحًا کے بعد وَهُوَ مُؤْمِنٌ فرمایا گیا جس سے معلوم ہوا عملِ صالح علیحدہ چیز ہے۔ یعنی ایمان کے بغیر بھی کسی کام کو صالح کہا جا سکتا ہے اور کوئی شخص ایمان کے بغیر بھی صالحین میں

شمار ہو سکتا ہے۔ جب کہ دوسری آیت میں تمام کفار کو مفسدین میں شمار کیا گیا ہے۔ تو ان دوسری آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ کوئی اسلام پر ایمان کے بغیر کوئی عمل صالح نہیں کر سکتا اور یہاں اس آیت نے بتایا کہ ایمان کے بغیر بھی عمل صالح ہو سکتا ہے۔ ان میں مطابقت کس طرح ہو۔ **جواب**۔ یہاں صالح عمل کا معنیٰ ہے کہ وہ کام بذات خود اچھا ہو۔ جیسے صلح رحمی خوش خلقی۔ اور انسانی ہمدردی۔ وغیرہ۔ اور وَهُوَ مُؤمِن میں واؤ حالیہ ہے۔ مقصد بیان یہ ہے کہ فقط عمل صالح ہونا نیکی ہونے کی دلیل نہیں۔ نیک اور مقبول بارگاہ عمل اس کو کہا جائے گا جس کے ساتھ ایمان بھی ہو۔ ایمان اعمال کے لیے شرط ہے اور ہمیشہ شرط اپنے مشروط کا غیر ہوتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ واؤ تفسیریہ ہے اور معنیٰ ہے کہ جو بھی اچھے کام کرے یعنی وہ مومن ہو جائے۔ مگر یہ قول کچھ کمزور ہے۔ اور ان دوسری آیات میں مفسدین کا معنیٰ ہے کافر بننا اور کافر بنانا اہل ایمان سے لڑائی کرنا۔ قتل کرنا۔ انبیاء کرام کی گستاخی بے ادبی کرنا۔ انسانی ہمدردی کے خلاف کام کرنا۔ بہر کیف عمل صالح عام ہے نیکی اور غیر نیکی کو کافر اگر اچھے کام فلاح و بہبود۔ انسانی ہمدردی کرے تو اس کو بھی عمل صالح کہا جائے گا۔ مگر وہ نیکی اور بر و تقویٰ نہ کہلائے گا۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں اعمال صالحہ میں مومن کی قید لگائی گئی جس سے ثابت ہوا کہ ایمان کے بغیر اچھے اعمال بیکار ہیں۔ مگر ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ۔ یعنی ذرہ برابر بھی اچھا کام کیا تو قیامت میں اس کو ضرور دیکھے گا یعنی اجر پائے گا۔ یہ تضاد کیوں ہے۔ **جواب**۔ اُس سورۃ زُلزِلت کی آیت میں تین قول ہیں پہلا یہ کہ وہاں مومن و کافر کا ذکر ہے کہ قیامت میں مومن اپنے اعمال کافر اپنے اعمال پائے گا۔ مومن کے اعمال خیر ہیں کافر کے شر۔ دوسرا قول یہ کہ۔ وہاں نیک و بد مسلمان کے اعمال کا ذکر ہے۔ تیسرا قول یہ کہ وہاں تمام انسانوں کے اچھے برے اعمال کا ذکر ہے یعنی کافر خواہ مومن جو بھی اچھے کام کرے اس کا بدلہ ضرور ملے گا مگر کافر کے اچھے اعمال کا بدلہ دنیا میں ہی اور برے کام کا بدلہ آخرت میں۔ مگر مومن کے ہر کام کا بدلہ آخرت میں ملے گا۔ لیکن پہلا قول درست ہے یہاں اس آیت میں اعمال کی قبولیت کا ذکر ہے۔ اس لیے اس آیت کا اس آیت سے کوئی مقابلہ یا تعارض نہیں۔ **چوتھا اعتراض**۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ حیاتِ طیبہ دنیا میں ہی مل جاتی ہے تو بتایا جائے کہ اس کی نوعیت کیا ہے۔ **جواب** اس کا جواب تفسیر میں دیا گیا یعنی حلال رزق اور ایمان کی دولت عشق مصطفیٰ قرآن و حدیث کی سمجھ اور اس پر عمل۔ اطمینان قلبی یہ ہی حیات طیبہ ہے۔ اس کی تفسیر صوفیانہ آیت ۱۰۳ کے بعد ہے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ ۙ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ

اور جب کبھی تبدیل کیا ہم نے کسی آیت کو کسی آیت کی جگہ حالانکہ اللہ بہتر جاننے والا ہے

اور جب ہم ایک آیت کی جگہ دوسری آیت بدلیں اور اللہ خوب جانتا ہے

بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ

جس کو جس وقت نازل کرتا ہے بولے وہ فقط تم بناوٹ والے ہو بلکہ اکثر ان کافروں کے

جو اتارتا ہے۔ کافر کہیں تم تو دل سے بنالاتے ہو بلکہ ان میں اکثر کو

لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ

کچھ نہیں جانتے تم فرماؤ اس سب کو اتارا پاک روح نے طرف سے

علم نہیں۔ تم فرماؤ اسے پاکیزگی کی روح نے اتارا تمہارے

رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى

رب اپنے کے ساتھ حق کے تاکہ قوت دے اللہ ان کو جو مومن بنے اور ہدایت

رب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک کہ اس سے ایمان کو ثابت قدم کرے اور ہدایت

وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ

اور خوشخبری ہے مسلمانوں کے لیے۔ اور البتہ ہم جانتے ہیں کہ بیشک وہ

اور بشارت مسلمانوں کو اور بیشک ہم جانتے ہیں کہ وہ

يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِيْ

کافر کہتے پھرتے ہیں کہ فقط سکھا جاتا ہے اس نبی کو بشر۔ زبان اس کی

کہتے ہیں کہ یہ تو کوئی آدمی سکھاتا ہے جس کی طرف

يُلۡحِدُوۡنَ اِلَيۡهِ اَعۡجَمِىٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ

نسبت دیتے ہیں وہ کافر طرف جس کے عجمی ہے حالانکہ یہ زبان

ڈھالتے ہیں اُس کی زبان عجمی ہے اور یہ

عَرَبِىٌّ مُّبِيۡنٌ ۝۱۰۳

بہت فصیح بلیغ عربی ہے

روشن عربی زبان

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں صابرین کے اجر و ثواب کا ذکر ہوا تھا اب اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ کفارِ مکہ اسلام اور قرآن کے خلاف اور منسوخی و آیت کی حکمت پر جو زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور مسلمان اس کو برداشت کرتے ہیں یہ بھی اُن کا صبر ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں قرآن مجید کی شان بیان ہوئی اب ان آیت میں قرآن مجید لانے والے فرشتے کی شان بیان ہو رہی ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ جو لوگ اللہ سے پھر جاتے ہیں اُن پر شیطان کا قبضہ ہے اب ان آیتوں میں بتایا جا رہا ہے شیطانی قبضہ کی نشانی اور اثرات کیا ہیں یہ کہ ہر اچھی چیز کو بُرا اور بری چیز کو اچھا سمجھتا ہے۔ اور حماقت اُس کو اندھا بے سمجھا بنا دیتی ہے۔

شانِ نزول۔ ابن عباس فرماتے کہ جب کسی آیت کو منسوخ کر کے سخت حکم نازل ہوتا یا کبھی ایک حکم کے بعد دوسرا نازل ہوتا تو مسلمان تو بہت خوشی سے اُس پر عمل کرتے مگر کفار اعتراض کرتے تو یہ تردید میں نازل ہوئی۔ نیز۔ ابن جریر نے حضرت ابنِ عباس سے روایت کیا کہ مکہ مکرمہ میں ایک لوہار بالعام نامی تھا از راہِ واقفیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی اُس کے پاس تشریف لے جاتے وہ شخص بالکل عجمی تھا عربی سے اچھی طرح واقف نہ تھا۔ اس آمد و رفت سے مشرکین مکہ کے ہاتھ ایک گستاخی آگئی اور کہنے لگے کہ معاذ اللہ نبی کریم علیہ السلام والصلوٰۃ اسی لوہار سے سیکھ کر ہم کو قرآن مجید سناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام ہے۔ اُن کی تردید میں یہ چار آیتیں نازل ہوئیں انا آیت ۱۰۲ تا آیت ۱۰۵ دراصل کفارِ مکہ اپنی بے یقینی و حماقت کی بنا پر۔ اپنی اس بیہودہ گفتگو کو

کو کبھی کسی طرف منسوب کرتے تھے چنانچہ مکے کے مختلف کافروں کے چھ عجمی غلام تھے۔

۱ جبر ۲ عائش ۳ یعیش ۴ یسار ابو فلیہم ۵ بلعان ۶ بلعام۔ بلعام یہودی تھا باقی پانچ عیسائی پہلے پہلے تو مکے کے مختلف کفار کبھی عائش۔ یعیش کے متعلق کہتے کہ یہ محمد مصطفیٰ کو قرآنی عبارت پڑھاتے ہیں۔ لیکن جب یہ سب عجمی غلام مسلمان ہو گئے تو صرف بلعام کا نام لینے لگ گئے حالانکہ وہ سب سے زیادہ عجمی اور گنوار ان پڑھ تھا۔

تفسیر نحوی

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ واؤ۔ استینافیہ۔ اِذا حرفِ شرط بَدَّلْنَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مصدر ہے تبدیلٌ۔ بَدَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ایک ہٹا کر دوسری لانا۔ آیَۃً۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ نشانی علامت۔ کلامِ الٰہی کے مضمون کا تھوڑا حصہ۔ یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ نصب مفعول بہ ہے بَدَّلْنَا کا مکَانَ۔ اسم ظرف مشتق ہے صیغہ واحد مذکر فعل ناقصہ سے بنا ہے۔ کَونٌ مصدر مادّہ ہے۔ دراصل تھا مَکْوَنٌ۔ باب نصر سے ہے۔ تعلیل نحوی سے واؤ الف بن گیا۔ بمعنیٰ ہونے کی جگہ اب جامد ہو کر صرف جگہ کے معنیٰ میں ہے مضاف ہے آیَۃٍ مضاف الیہ ہے اسم مفرد نکرہ ہے مُعرب متمکن۔ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے بَدَّلْنَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ذوالحال واؤ حالیہ اَللّٰہُ اسم مفرد جامد مرفوع مبتدا ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل باب سمع کا صیغہ واحد مذکر۔ بِ جارّہ تعدیہ کا مَا موصولہ۔ یُنَزِّلُ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ متکلم کے بعد ایک ہی آیت میں غائب کا صیغہ اس کی نشان دہی کر رہی ہے اَللّٰہُ مبتدا کی موافقت کے لیے ہے۔ اور یہی بلاغتِ کلام ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا پھر مجرور پھر متعلق ہے اَعْلَمُ کا وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر مبتدا وہ جملہ اسمیہ معطوف۔ اور بَدَّلْنَا اپنے معطوف سے مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ ہو کر شرط ہوئی۔ قَالُوْا۔ باب نصر کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر کا مرجع کفارِ مکہ ہیں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّمَا حرفِ حصر بمعنیٰ فقط۔ بس۔ صرف۔ اَنْتَ۔ ضمیر واحد مذکر۔ مرفوع منفصل۔ مبتدا۔ مُفْتَرٍ۔ باب افتعال کا۔ اسم فاعل واحد مذکر۔ مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ فَرْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ گھڑنا۔ خود بنانا اور کسی کی طرف منسوب کرنا۔ جھوٹ۔ فریب۔ دراصل تھا مُفْتَرِیٌ۔ تعلیل نحوی سے یٰ گر گئی اور تنوین علامتِ یٰ کے لیے زیر آگئی۔ یہ اسم فاعل اپنے

پوشیدہ فاعل سے جڑ کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر معطوف علیہ۔ بَلْ۔ حرفِ استدراک پچھلے کلام کو غلط کر کے اگلا کلام حقیقتِ حال بتانے کے لیے۔ اَکْثَرُ۔ اسم تفضیل مذکر۔ کَثْرَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادہ ہونا۔ تعداد یا فضیلت یا حجم۔ یا عمر میں یا علم میں۔ یہاں تعدادی کثرت مراد ہے۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ۔ مرکب اضافی مبتدا ہے لَا یَعْلَمُوْنَ باب سمع کا مضارع منفی معروف ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے اس کا مرجع قَالُوْا کا فاعل کُفّارِ مکہ ہیں۔ جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف قَالُوْا پر اور جملہ معطوفہ ہو کر جزا ہے اِذَا بَدَّلْنَا کی سب مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔ قُلْ یہ علیحدہ عبارت جواب ہے قَالُوْا کا۔ فعل امر اَنْتَ اسم ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ نَزَّلَ۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق۔ واحد مذکر غائب مصدر ہے تَنْزِیْلٌ بمعنیٰ اتارنا متعدی بیک مفعول۔ نُزُوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اترنا لازم ہے۔ ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع آیۃ یا موصول ہے رُوْحُ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ زندگی مضاف توصیفی ہے الف لام عہدِ ذہنی قُدُس۔ مصدر مبالغہ بروزنِ فُعُل۔ بمعنیٰ پاک باز۔ پاکیزہ جسم۔ مضاف الیہ صفتی ہے۔ اس کو اضافتِ توصیفی کہتے ہیں۔ مرکب کا ترجمہ ہے پاک جان۔ ستھری روح۔ مراد حضرت جبرئیل ہیں بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے نَزَّلَ کا۔ مِنْ جارّہ بمعنیٰ سُو (طرف) ترجمہ ہے طرف سے رَبِّکَ مرکب اضافی حقیقی مجرور متعلق اوّل ہے نَزَّلَ کا بِ جارّہ بمعنیٰ مَعَ۔ الف لام اسمی حَقّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ۔ سچا۔ مقابل کذب کے جار مجرور متعلق دوم ہے نَزَّلَ پر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ لام کَے ابتدائیہ تعلیلیہ یُثَبِّتَ۔ باب تفعیل کا مضارع مُثبت معروف واحد مذکر غائب۔ بحالتِ نصب ہے لام کَے میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ اُس کی وجہ سے۔ مصدر ہے تَثْبِیْتٌ ثَبَتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قائم کرنا۔ محفوظ کرنا۔ ثابت کرنا۔ اَلَّذِیْنَ موصول آمَنُوْا۔ فعل ماضی مطلق جمع غائب۔ باب افعال سے ہے بمعنیٰ نیک متقی مسلمان ہونا۔ اِیْمَانٌ مصدر ہے ھُمْ ضمیر مستتر فاعل فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصولہ یا صلہ مفعول بہ یا مفعول لَہٗ یُثَبِّتَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی نَزَّلَ کی معلول علت مل کر مقولہ ہوا قول کا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ. واؤ سر جملہ یا زائدہ یا حالیہ ھُدًی۔ اسم معدولہ ھَادِیًا سے یا مفرد جامد ہے بمعنیٰ ہدایت دینے والا یا ہدایت۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ بُشْرٰی۔ اسم مبالغہ بروزنِ فُعْلٰی مصدر ثلاثی ہے۔ بمعنیٰ خوشخبری۔ یا اسم تفضیل مؤنث

ہے بمعنی خوشخبری دینے والی۔ معطوف ہے۔ یہ دونوں بحالتِ نصب ہیں یا مفعول لہٗ ہے نَزَّلَ کا یا حال ہے اسی کا۔ یا هُوَ کائِنٌ یہاں پوشیدہ ہے۔ یہ کائِنٌ ناقصہ کی خبر ہے هُوَ مستتر اس کا فاعل لِلْمُسْلِمِيْنَ جار مجرور اس کا متعلق جملہ اسمیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے مابعد هُوَ پوشیدہ مبتدا کی۔ پہلی دو ترکیبوں میں لِلْمُسْلِمِيْنَ متعلق نَزَّلَ کا یا بُشْریٰ صیغۂ مبالغے کا۔ مگر پہلی ترکیب کائِنٌ والی آسان ہے۔ لام جارہ نفع کا ہے۔ واؤ سر جملہ۔ لامِ ابتدا تاکیدیہ قَدْ نَعْلَمُ فعل ماضی قریب جمع متکلم علمٌ سے بنا ہے۔ نَحْنُ اس کا فاعل ہے۔ جو اس میں چھپا ہے اَنَّ حرفِ تشبیہ و تحقیق هُمْ ضمیر جمع مذکر کا مرجع کُفّار ہیں منصوب متصل ہے اسم ہے اَنَّ کا یَقُوْلُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع غائب هُمْ مستتر فاعل فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّمَا حرفِ حصر۔ يُعَلِّمُ باب تفعیل کا مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہٗ ضمیر منصوب اس کا مفعول بہ مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک۔ مصدر ہے تعلیمٌ بمعنیٰ سکھانا پڑھانا علم دینا۔ بَشَرٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ایک آدمی تنوین عوضی ہے واحدٌ کا عوض ہے۔ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے يُعَلِّمُ کا اور موصوف۔ لِسَانٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ لغت مادری زبان مضاف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر کا يُلْحِدُوْنَ۔ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب مصدر ہے اِلْحَادٌ لَحْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ جھوٹ بات کو کسی کی طرف نسبت کرنا۔ بے دین ہونا۔ آوارہ ہونا۔ یہ سب مجازی معنیٰ ہیں اصل لغوی معنیٰ ہے ایک طرف ہٹ جانا۔ قبر کو لحد اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ ساری دنیا سے ایک طرف ہوتی ہے اور میت کو سب سے ہٹا لیتی ہے۔ بے دین دہریہ کو ملحد بھی اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ وہ تمام دینوں سے ہٹ کر ایک طرف ہو جاتا ہے یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع بَشَرٌ ہے۔ جار مجرور متعلق يُلْحِدُوْنَ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مضاف الیہ ہے لِسَانٌ کا۔ یہ مرکب اضافی مبتدا اَعْجَمِیٌّ۔ اَعْجَمُ اسم تفضیل ہے مذکر واحد۔ عَجَمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ عجمی زبان والا۔ بے سمجھ۔ عربی نہ جاننے والا۔ یا کچی غیر فصیح زبان والا۔ عجم کا لغوی ترجمہ ہے پوشیدہ ہونا۔ پوشیدگی والا۔ جانوروں کو عجم اور عجما اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ ان کی زبان اور بولی سب سے پوشیدہ۔ جاہل گنوار۔ اور غیر عرب کو عجمی اور عجام اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے۔ کہ وہ اہلِ عرب کے مقابل صحیح بات نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں اسم تفضیل کا ہے کثرت پیدا ہوئی بمعنیٰ بہت غلط زبان والا۔ آخر میں یاءِ نسبت ہے۔ مرفوع ہے خبر ہے

بتدا کی ۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر ذوالحال ہوا واؤ حالیہ ۔ ھٰذا اسم اشارہ قریبی بتدا ہے محلاً مرفوع ہے بنی مبہم غیر متمکن ہے لِسَانٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ مادری زبان مرفوع ہے کیونکہ ماقبل بتدا کی خبر ہے ۔ مابعد کی موصوف عَرَبِیٌّ ۔ اسم مفرد جامد آخر میں یٔ نسبت کی جس کا معنیٰ ہوتا ہے ۔ والا یعنی عرب والی زبان یہ صفتِ اوّل ہے لِسَانٌ ۔ مُّبِیْنٌ ۔ بابِ افعال کا اسم فاعل صیغہ واحد مذکر ۔ بمعنیٰ بیان کرنے والا ۔ یعنی فصاحت بلاغت اور کثیر علوم کو بیان کرنے والا بحالتِ رفع صفتِ دوم ہے ۔ لِسَانٌ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر خبر مشار الیہ ہوئی ھٰذا بتدا اسم اشارہ کی وہ جملہ اسمیہ ہوکر حالِ غیری ہوا ۔ بمعنیٰ شان ۔ لِسَانُ الَّذِیْ کا ایک ترکیب میں یہ علیحدہ عبارت بتدا خبر ہوکر مکمل ہے ۔ اور وَھٰذا کی واؤ حالیہ نہیں استینافیہ ہے لِسَانُ الَّذِیْ صفت ہے بشرٌ کی اور وہ فاعل ہے یُعَلِّمُ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ مقولہ ہے ۔ قول مقولہ مل کر خبرانؔ ۔ وہ جملہ اسمیہ ہوکر مفعول بہٖ قَدْ نَعْلَمُ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مکمل ہوا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ ۔ اے پیارے نبی ہماری تمام مخلوق کے مالک و مختار حبیب سوچئے اور کتنا نقصان دہ ہے شیطانی تسلّط اور کتنا احمقانہ ہے ابلیسی وسوسہ اور کہاں تک شیطان کو دوست بنانے والوں کی عقل ماری جاتی ہے اس کا ادنیٰ سا نتیجہ اور ثبوت یہ ہی دیکھ لو کہ جب بھی ہم مسلمانوں کی قانون والی کسی آیت کو منسوخ فرماکر اُس کی جگہ لفظاً یا حکماً دوسرے قانون کی آیت لاتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنی اس تبدیلیٔ حکم منسوخ قانون اور جو کچھ بھی جس وقت جس طرح نازل فرماتا ہے اُس کی حکمت ۔ فوائد ۔ منشا کو بہت اچھی طرح جانتا ہے ۔ مگر یہ شیطان زدہ لوگ کہتے ہیں ۔ کہ اے محمد (صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ) اس قرآن کو فقط تو خود ہی اپنی سوچ فکر سے بنانے والا ہے اسی لیے کبھی کچھ قانون بنایا جاتا ہے کبھی کچھ ۔ کبھی سخت کبھی نرم ۔ کبھی زیادہ پھر کبھی تھوڑا بھلا رب کی طرف سے نازل شدہ قانون کبھی ایسا ہو سکتا ہے ۔ یہ تبدیلیں تو وہ کر سکتا ہے جو بندوں کی طبیعتوں اور قانون کے انجام سے ناواقف ہوکر پہلے ایک قانون بنا دیا پھر سمجھا کہ یہ قانون مفید نہیں ہے تو فوراً اس کو منسوخ کر کے دوسرا بنا دیا ۔ یا پھر ایسی تبدیلیاں وہ کرتا ہے جو اپنی قوم کا تمسخر اڑاتا ہے یا قوم کو بیوقوف بناتا ہے ۔ ایسی بیہودہ باتیں سب کا فر منافق کرتے ہیں مگر کچھ تو سمجھتے بوجھتے جان کر ایسی باتیں کرتے

ہیں بلکہ اکثر ایسے بے علم اور جاہل ہیں کہ اس عظیم حکمت کو جانتے ہی نہیں نہ جاننے کی کوشش کرتے ہیں۔ اتنی سی بات بھی اُن کی سمجھ میں نہیں آتی کہ وقفے وقفے کے بعد قانون میں تبدیلی تو انتہائی عقل ودانش کا ثبوت ہے۔ مقامِ غور ہے اور سب کا آنکھوں دیکھا تجربہ ہے کہ دائی بچے کی خوراک روز بروز تبدیل کرتی ہے۔ ڈاکٹر حکیم مریض کی دوائی وخوراک بدلتے رہتے ہیں تو دائی اور ڈاکٹر کی یہ تنسیخ وتبدیلی اس کی نادانی یا ناسمجھی نہیں بلکہ بچے اور مریض کی عمر وحالت کی تبدیلی کی بنا پر عین عقلمندی ہے۔ بس یہاں بھی اسی طرح سمجھ لو اور پھر کلامِ الٰہی کی تنسیخ کوئی آج نئی بات نہیں۔ یہ تو زمانۂ آدم علیہ السّلام سے ہوتا چلا آرہا ہے۔ رب تعالیٰ نے پہلے آدم علیہ السلام کو کچھ صحیفے عطا فرمائے پھر نوح علیہ السّلام کے صحیفوں سے ان کو منسوخ فرمادیا پھر ابراہیم علیہ السّلام پر نازل کردہ صحیفوں سے صُحُفِ نوحی منسوخ فرمادیئے گئے پھر توریت سے تمام سابقہ صحیفے منسوخ کئے گئے پھر زبور سے توریت کو اور پھر انجیل سے زبور کو اور پھر آمدِ مصطفیٰ سے تمام ہی سابقہ کتبِ کلام بلکہ انبیاءِ عظام کی نبوت تک دنیا سے تبدیل کر دی گئی۔ ان تبدیلیوں کو سب تاریخ دان اور اپنے پرائے مسلم غیر مسلم۔ مشرک وکافر جانتے ہیں اور سُن کر پڑھ کر جانتے مانتے ہیں۔ اب تو صرف آیت سے آیت کی معمولی تبدیلی ہو رہی ہے وہ بھی کسی دوسری کتاب سے نہیں بلکہ اسی کتاب اور اسی زبان سے اسی طرح کہ قرآن سے قرآن حدیث سے حدیث۔ قرآن سے حدیث اور حدیث سے قرآن کہیں پورا نسخ کہ تلاوت بھی مخفی کر دی گئی کہیں صرف حکم تبدیل ہوا تلاوت اور الفاظ باقی رکھے گئے۔ اچھا اے پیارے نبی اگر یہ اس طرح نہیں مانتے تو ایک اور دلیل سے سمجھائیے کہ فرشتوں اور جبرئیل کو تو مانتے ہیں اکثر مطالبہ کرتے رہتے ہیں کہ ہمارے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں آجاتا۔ کبھی کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) بہرکیف یہ کفّار فرشتوں کو مانتے ہیں تو فرمائیے کہ اس قرآن مجید کو ہر دفعہ جبرئیل امین جیسی پاک روح اپنے رب تعالیٰ کے پاس سے لے کر نازل کرتے رہتے ہیں۔ نزول تبدیل تغیر تنسیخ سب انہیں کے ذریعے ہو رہا ہے اور بالکل حق سچ بغیر کسی بھول چوک اور خیانت کے ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ روح القدس ہے کسی طرح کی کوئی کمزوری اُن میں نہیں ہے نیز اس تبدیلیِ احکام تنسیخی آیت میں ہزاروں حکمتوں فائدوں کے علاوہ یہ بھی حکمتِ الٰہی و نشاءِ خداوندی ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو شریعت۔ طریقت۔ عمل کردار عبادات ریاضات مشقت محنت جفاکشی۔ نرمی۔ سختی ہر چیز کا عادی بنا کر ہر طرح ہر جگہ دنیا وآخرت۔ قبر وحشر میں

امیری غریبی میں۔ تنگی ترشی میں۔ مضبوط اور ثابت فرما دے۔ قرآن مجید کا اس طرح موقعہ بموقعہ تھوڑا تھوڑا بدل کر بدل کر نازل ہونا بھی عظیم ہدایت ہے اور یہی تنسیخ و تبدیلی مسلمانوں کی عزت آبرو۔ عظمت دولت۔ اور آسانیٔ اعمال کے لیے شاندار خوشخبری ہے تنسیخ آیت کی پوری تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں ملاحظہ فرمایا جائے۔ خیال رہے کہ باعتبارِ نزول تبدیلِ آیت سات طرح ہوئی۔

۱۔ ایک حکم کو ختم کر کے دوسرا حکم آنا کفار کا صرف اسی پر اعتراض تھا۔ یہی اعتراض اب منکرینِ حدیث چکڑالوی کرتے ہیں۔ ان تمام حمقا کو رب تعالیٰ نے خود جواب دے دیا۔ ۲۔ ایک حکم کی تھوڑی تھوڑی تنزیل جیسے شراب کا قانون تھوڑا تھوڑا اترا۔ ۳۔ ایک حکم کی مختلف نوعیتوں کا علیحدہ علیحدہ نزول جیسے۔ کنوارے کا جرم زنا اور شادی شدہ کا ارتکابِ زنا قرآن میں ظاہراً اور اقتضاءً اور اشارۃً۔ اور احادیث میں زبانِ نبوت سے ظاہر ہوا ۴۔ ایک ہی بات کے لیے کبھی ایک مثال پھر کبھی دوسری مثال ۵۔ ایک قصے کا مختلف لفظوں میں چند بار نزول ہونا۔

۶۔ ایک ہی چیز کو ثابت کرنے کے لیے کبھی ایک دلیل کبھی دوسری دلیل نازل ہونا۔ ۷۔ پھر کبھی ایک واقع کو مجمل بیان کرنا پھر بعد میں اس کی تفصیل نازل فرمانا۔ یہ بھی ایک طرح کی تبدیلی ہے مگر یہاں بَدَّلْنَا والی آیت میں یہ تبدیلیاں مراد نہیں۔ کیونکہ کفار کا اس پر اعتراض نہیں تھا۔ یہاں ایک اردو مفسر نے اپنی کم فہمی سے ان سب تبدیلیوں کو بَدَّلْنَا میں شامل مانا ہے اور وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ سورت مکی ہے اور مکے میں نہ احکام نازل ہوئے نہ تنسیخ ہوئی حالانکہ یہ ان کی اپنی لاعلمی ہے بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرہ سالہ مکی زندگی میں کوئی حکم نازل نہ ہوا ہو۔ اسی طرح یہ صاحب ایک اور غلطی کرتے ہیں کہ روح القدس کا ذکر کرنا اس لیے یہاں ضروری ہوا کہ جبریئل میں بشری کمزوری نہیں وہ تمام نقائص سے پاک ہیں۔ یہ بات اس لیے غلط ہے کہ کفار نے حضرت جبریئل کو اگر فرشتہ نہ مانا ہوتا تو ان کو کیا خبر تھی کہ وہ بشری عیوب و کمزوریوں سے پاک ہیں اور یہ دلیل بیکار ہو جاتی۔ اور پھر جس بشر کو کفار مفتر کہہ رہے ہیں اُس کی بشریت تو جبریئل میکائیل سے بھی زیادہ قوت و شوکت والی ہے کروڑوں ملائکہ کی نورانیت ایسے بشر کے قدموں پر قربان۔ یہ بشر تو الیس لے مثل اور بے عیب ہے مُبَرَّءٌ امِنْ كُلِّ عَيْبٍ۔ ہے تمام نقائص سے پاک ہے کہ بچپن سے بڑھاپے تک مکے سے مدینے تک کسی دشمن کی آنکھ نے بھی اس میں کوئی چھوٹا سا عیب بھی نہیں دیکھا اس کی معصومیت سے تو لوح و قلم کے فرشتوں میں خیر آئیں ٹیں۔

صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ ؕ لِسَانُ الَّذِیْ يُلْحِدُوْنَ اِلَيْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِيْنٌ ۔ اور بیشک ہم البتہ خوب اچھی طرح اِن کفار کی اُس سب احمقانہ گفتگو کو بھی جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ ان کو یہ قرآن کی عبارتیں ایک فلاں یا فلاں یا فلاں بشر سکھاتا ہے۔ کم عقلی کی انتہا ہے کہ اُن فلاں فلاں کی زبان اور بولی جن کی طرف اس پڑھانے سکھانے کو نسبت کرتے ہیں سخت اَن پڑھوں گنواروں جیسی گونگی عجمی ہے اہل عرب کے سامنے مثل گونگوں کے بول نہیں سکتے حالانکہ یہ عبارات آیٔت جو پیارے نبی کی زبان پاک سے قرآن مجید کی شکل میں سنا جا رہا ہے فصاحت وبلاغت کی اونچی بلندیوں کو بیان کرنے والی عربی زبان اور لغت ہے۔ یہاں کفار کی ایک نئی کم عقلی کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔ کفارِ مکہ اور اُن کی دیکھا دیکھی ارد گرد کے یہود ونصاریٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد اور دشمنی میں اتنے دیوانے ہو چکے تھے کہ اُن کو خود سمجھ نہیں آپاتا تھا کہ ہم ان کی چڑھتی شان اور مسلمانوں کی بڑھتی تعداد کو کس طرح روکیں۔ اسی جھنجھلاہٹ میں سٹپٹاتے ہوئے کبھی کہتے یہ نبی جادوگر ہے۔ کبھی کہتے اس پر جادو یا جنات کا سایہ ہے کبھی کہتے یہ دیوانہ ہے۔ کبھی کہتے یہ مُفتَرِ ہے یعنی قرآن مجید کی عبارتیں خود بنا لیتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ اللہ نے نازل فرمایا ہے۔ کبھی کہتے کہ ان کو فلاں فلاں عجمی غلام پڑھاتا ہے۔ کبھی کہتے کہ وہ غلام خدیجہ رضی کو پڑھاتا ہے اور خدیجہ رضی محمد مصطفےٰ کو پڑھاتی ہیں کبھی کہتے کہ سلمان فارسی محمد مصطفےٰ کو پڑھاتے ہیں۔ خود ان کا اپنا یہ وہم بھی کسی ایک پر پُختہ نہ بیٹھتا تھا۔ کبھی کسی کا نام لیتے کبھی کسی کا اور یہی جھوٹے کی نشانی ہے۔ اشارہ یہ ہے فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اولاً تو وہ عجمی ہیں پھر غلام ہیں اور غریب لوہار ترکھان قسم کے مزدور ہیں۔ علم سے اُن کو دور کا واسطہ بھی نہیں توریت وانجیل کی چند آیتیں سن سنا کر رٹ رٹا کر کبھی کبھی پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ بھلا یہ اتنی شاندار قرآنی عربی بنا سکتے ہیں جب کہ تم اتنے بڑے فصیح وبلیغ اہل عرب ہو کر بھی قرآن مجید کی مثل ایک چھوٹی سورت بھی آج تک نہ بنا سکے اور پھر اتنی لمبی تان کھینچنے کی کیا ضرورت تھی اگر یہ عجمی لوگ پڑھانے کے قابل ہوتے تو خود ہی نہ دعوےٰ کر دیتے اور میدان میں آجاتے۔ اور پھر ان میں سے کچھ کو تو توریت وانجیل کی چند آیتیں ہی یاد نہیں جن کو آقائے کائنات کبھی کبھی ان عجمیوں کی دلجوئی کے لیے گزرتے ہوئے سُن لیتے تھے لیکن وہ بڑے بڑے راہب اور پادری پوری توریت وانجیل کے ماہر وعارف جنہوں نے نبی کریم کے کلام قرآنی کے سامنے سرنگوں کر دیے تھے وہ ذرا نہ بول سکے۔ اور خدا کی شان دیکھئے یہی سب عجمی غلام دامنِ مصطفےٰ میں آکر حلقہ بگوشِ اسلام

ہو جاتے ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ قرآن مجید کی آیتوں اور بعض آیات کی تلاوتوں میں نسخ ہوتا رہا ہے اور تمام صحابہ کرام اور مسلمانوں نے اس کو تسلیم کیا ہے۔ انکار صرف کافروں نے کیا۔ اب جو شخص رب تعالیٰ کی اس عظیم حکمت کا انکار کرے گا۔ وہ کفریہ بات اور عقیدہ بنائے گا۔ یہ فائدہ۔ وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ چکڑالویوں پرویزیوں کو اس سے عبرت پکڑنی چاہیئے۔ اور اس عقیدے سے باز آنا چاہیئے۔ نسخ آیات کا انکار ان جیسی صریحی آیات کا انکار ہے۔ **دوسرا فائدہ** ۔ اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کو ہر حال میں خندہ پیشانی اور بہادری دلیری سے ماننا اس پر عمل کرنا ہی تاقیامت مسلمانوں کی شان۔ علامت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نقش قدم پر چلنا ہے۔ یہ فائدہ۔ اِذَا بَدَّلْنَآ۔ والی آیت کے ایک شانِ نزول سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ اسلام اور اسلامی شریعت پر ثابت قدم رہنا مسلمان کی علامت اور دنیوی اُخروی نشانی ہے۔ کبھی کدھر ہو جانا۔ کسی کے منہ پر کچھ کہہ دینا اور کسی کے سامنے کچھ یہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے یہ فائدہ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن ان آیت سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ قرآن کریم یا حدیث پاک کی تنسیخ یا تبدیلی احکام صرف اس وقت تک ہوئی جب تک نزولِ وحی ہوتا رہا۔ اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بحیاتِ ظاہری موجود رہے۔ اس کے بعد یہ سلسلہ قطعاً بند ہو گیا کسی صحابی نے بھی کسی نقلی قانون میں تبدیلی نہ فرمائی۔ لہٰذا آج یہ کہنا کہ زمانہ بڑا سخت ہے یہ بدل دو۔ وہ بدل دو۔ مولوی لوگ بہت سختی کرتے ہیں انہیں حالاتِ زمانہ کا پتہ نہیں۔ اور اہلِ حکومت و لیڈر حضرات ایسے جاہل مفتیوں کی تلاش میں رہتے ہیں جو ان کی سیاسی چالوں کے مطابق فتوے بنائیں۔ یہ سب کام حرام ہیں اب ایک نقطہ بھی شریعت کا نہیں بدلا جا سکتا۔ خواہ کوئی اسلام کو نرم سمجھے یا سخت۔ قرآن و حدیث کی وضاحت میں اجتہاد کر کے ائمہ مجتہدین فقہا نے سب کچھ بتا دیا ہے اب تو نئے اجتہاد کی بھی ضرورت نہیں۔ فقہا نے تاقیامت کسی مسئلے کو باقی نہیں چھوڑا۔ آج مسلمانوں کے لیے ہر مسئلہ کا حل اور نئی ظاہری باطنی فضائی ہوائی بری بحری تمام مشکلات کا حل فقہِ اسلامی میں کسی نہ کسی طرز پر موجود ہے۔ یہ مسئلہ۔ اِذَا بَدَّلْنَآ اور لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا

کہ تبدیلی احکام و آیات صرف رب تعالیٰ کا کام ہے۔ مسلمانوں کا کام صرف اُس پر ثابت رہنا ہے نہ کہ خود تبدیلی شروع کر دینا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ (الخ) اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کی آیتوں کا نسخ صرف قرآنی آیت سے ہو سکتا ہے حدیث سے نہیں ہو سکتا۔ (امام شافعیؒ)۔

جواب۔ یہ استدلال کمزور ہے۔ اس لیے کہ۔ یہاں صرف اس چیز کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ آیت کو آیت سے تبدیل فرماتا ہے۔ اِس ثبوت سے دوسرے کی نفی نہیں ہو سکتی۔ نہ یہاں حصر ہے نہ استثنا امام شافعیؒ کے لیے یہ آیت تب دلیل بنتی جب کہ اِلَّا اٰیَةً ہوتا۔ یعنی کہ ہم صرف آیت سے ہی آیت کو بدلتے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں لہٰذا یہ استدلال صحیح نہیں۔ اور امام اعظم کا مسلک مضبوط ہے۔ امام اعظمؒ امام مالکؒ دونوں کا مسلک ہے کہ نسخ چار قسم کا ہے۔ ۱ قرآن کا قرآن سے نسخ۔ اسی کا یہاں ذکر ہے۔ ۲ حدیث کا حدیث سے نسخ۔ ۳ قرآن سے حدیث کا نسخ۔ ۴ حدیث سے حکم قرآن کا نسخ۔ یعنی قرآن مجید کے الفاظ اور تلاوت حدیث سے منسوخ نہیں ہو سکتی مگر قرآن مجید کی آیت کا مسئلہ۔ اور حکم۔ قانون۔ حدیث سے منسوخ ہو سکتا ہے جیسے۔ میراث کے بہت سے قرآنی مسائل اس حدیث سے منسوخ ہیں۔ لَا وَصِیَّةَ لِلْوَارِثِ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا۔ کہ نَحْنُ الْاَنْبِیَآءُ لَا نَرِثُ وَلَا نُوْرَثُ۔ ہم گروہ انبیاء علیہم السلام نہ کسی کے وارث بنتے ہیں نہ وراثت دیتے ہیں۔ اِن احادیث نے قرآن مجید کے بہت مسئلے منسوخ کر دیئے نسخ کا پورا بیان تفسیر نعیمی جلد سوم اور مراۃ جلد اوّل اور فتاویٰ العطایا دوم میں ہے

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ یعنی اسے نبی فرمایئے کہ اس قرآن مجید کو روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام نے نازل کیا ہے۔ کفارِ مکہ کے سامنے حقانیت قرآن پر نزول جبرئیل کو دلیل کیوں بنایا گیا؟ جب وہ کافر نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کو نہیں مانتے تھے حالانکہ ظاہر ظہور ہزاروں معجزے دیکھتے تھے تو وہ اُس جبرئیل کو کیا مانتے جس کو کبھی دیکھا بھی نہیں۔ دلیل تو وہ ہونی چاہیئے تھی جس کو مخالف ماننے پر مجبور ہو جائے۔

جواب۔ کفارِ مکہ تمام فرشتوں اور جبرئیل کو مانتے تھے۔ بلکہ مطالبہ کرتے تھے کہ ہمارے پاس کوئی فرشتہ آئے یا اللہ کا رسول فرشتہ ہوتا تب ہم ایمان لاتے۔ فرشتوں کی تعظیم بھی کرتے تھے اور کہتے

تھے ملائکہ اللہ کی معزز پردہ نشین بیٹیاں ہیں ان کے اس عقیدہ اور اس مطالبے پر یہ فرمایا گیا کہ اس قرآن مجید کو بھی ہمارے نبی اکرم کے پاس جبرئیل فرشتہ ہی لے کر آتے ہیں۔ ان کو روحِ قدس کہنا صرف ان کا لقب بیان کرنا ہے۔ ورنہ کافروں کے لیے یہ لقب کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ ہاں البتہ ان کو معلوم ضرور تھا کہ روح القدس جبرئیل ہی کا لقب ہے ورنہ وہ پوچھتے کہ روح القدس کون ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ مختلف تفاسیر کے مطابق۔ بالحق کا تعلق یا من ربک سے ہے یا جبرئیل روح القدس سے ہے اور یا نَزَّلَهٗ سے ہے اور تینوں تفسیروں کے مطابق ترجمہ اس طرح بنتا ہے۔ ۱ تیرے رب کی طرف سے یہ حق ہے ۲ روح القدس نے حق نازل کیا۔ ۳ جو اترا ہے وہ حق ہے۔ بقاعدۂ نحویہ حق جوار کے لحاظ سے بالحق۔ کا تعلق مِنْ رَّبِّكَ سے زیادہ مناسب و موزوں ہے۔ مگر پھر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ کی تو ہر بات ہر کلام ہر چیز ہی حق ہے ناحق کچھ بھی نہیں۔ تو پھر منزل من اللہ کلام کو حقانیت سے مخصوص و مذکور کرنا کیونکر درست ہے؟ نیز آگے ارشاد ہوا۔ لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ۔ تاکہ ثابت و قائم کرے تو اس سے کیا مراد ہے آیا وہ کلام مضبوط بنائے یا جبرئیل یا رب تعالیٰ ایمان والوں کو ثابت و قائم کرے مفسرین اسلام نے یہاں بھی تینوں احتمال اور تشریح فرمائی ہے۔

جواب۔ یہ دراصل دو سوال ہیں۔ پہلے سوال کا جواب اس طرح ہے کہ حضرت مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ نے اتنا شاندار ترجمہ فرمایا ہے کہ جس سے اعتراض یکسر ختم ہو جاتا ہے۔ یعنی حق سے مراد یہاں ناحق کا مقابل نہیں۔ بلکہ مقصدِ بیان یہ ہے کہ روح القدس لاتے وقت بالکل ٹھیک ٹھیک لائے نہ کوئی کمی نہ بھول چوک نہ زیادتی۔ نہ گڑبڑ اور بالحق کا تعلق تنزیلِ روح القدس سے ہے نہ کہ باری تعالیٰ سے اور نحو کا یہ قاعدہ نہ تو ضروری ہے نہ کلی ہے کہ حق جوار ہی کو ہر جگہ ملحوظ رکھا جائے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا۔ دوم یہ کہ بالحق میں ب جارہ فرما رہی ہے کہ یہاں حق سے مراد فقط نزول ہے کیونکہ حرفِ جر۔ ب من وغیرہ ہمیشہ کسی مشتق سے ہی متعلق ہوتے ہیں اور یہاں مشتق صرف نَزَّلَ ہی ہے۔ دوسرے اعتراض کا جواب اس طرح ہے کہ ہم نے اپنے ترجمے میں اس کی نسبت رب تعالیٰ کی طرف اس بنا پر کی ہے کہ یہ کلام اتارا اگرچہ روح القدس نے ہے مگر دیا رب تعالیٰ نے ہے اس لیے اس قرآن پاک کے ذریعے اللہ تعالیٰ ثابت قدم اور مضبوط فرماتا ہے اہل ایمان کو لیکن جن مفسرین نے لِيُثَبِّتَ کا فاعل قرآن مجید کو بنایا وہ علما سبب بول کر

مُسَبِّبُ الْاَسْبَابِ مراد لیتے ہیں۔ اس لیے کہ اصل ہادی اور ثابت و قائم کرنے والا تو اللہ ہی ہے۔ باقی اشیا و اشخاص تو وسیلہ و ذریعے ہیں۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ۔ لفظ مُبِیْنٌ ترجمہ ہے بیان کرنے والی یعنی عربی زبان بیان کرنے والی ہے۔ حالانکہ زبان خود تو بیان نہیں کرتی وہ تو متکلم انسان زبان اور لغت کو استعمال کرکے بیان کرتا ہے۔ تو یہاں لسان کو مُبِیْن کیوں فرمایا گیا۔

جواب۔ دو وجہ سے اوّلاً اس لیے کہ اہلِ عرب اَلفاظ و حروف کو لغت بھی کہتے ہیں اور لسان بھی فرق دونوں میں یہ ہے کہ لفظ جب تک کاغذ پر رہیں وہ لغت ہیں لیکن جب وہ ہی الفاظ زبان پر جاری ہوں تو وہ لسان ہیں۔ اس لیے یہاں لغتِ عربی نہ کہا گیا بلکہ ارشاد ہوا کہ لِسَانٌ عَرَبِیٌّ۔ یعنی وہ عربی الفاظ جن کو زبان سے بولا جا رہا ہے وہ مُبِیْن ہیں بوجہ متکلم کے بولنے کے دوم اس لیے کہ مبین سے مراد فصاحت و بلاغت ہے۔ جو زبان و الفاظ میں بیشمار معانی پرو دیتی ہے۔ اور جس کی بنا پر تھوڑی عبارت بھی بہت سے معنی کو ظاہر و بیان کر دیتی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ ۔ وَلَنَجْزِيَنَّ الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۔ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ۚ وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ اے بیابانِ فنا کے راہ نورد اگر عالمِ بقا کے طلب گار ہو تو یہ علامتِ سرمدی پوری طرح ذہن نشین کر لو کہ جو کچھ تصورات۔ تخیلات۔ تدابیر۔ تراکیب تمہارے شعور و عقل کے پاس ہے وہ سب فنا ہے اور جو انوارِ جلال اسرارِ جمال قضاء و قدر۔ مشاہدات اللہ کے پاس ہیں وہ ہی باقیاتِ صالحات ہیں۔ اور البتہ ظلماتِ نفس پر صبر کرنے والوں کو ہم قربِ جمال کی جزا عطا فرمائیں گے۔ جو اُن کے زہد و ریاضت مشقتِ عبادت والے اعمالِ لطائف اور وادیِ شوق کی مسافرتِ کلفت کی برداشت سے کہیں زیادہ ہے۔ مردانِ اہلِ قلب اور زنانِ اہلِ عقل میں سے جو بھی آستانۂ قدس پر مراقبۂ خلوص کے اعمالِ صالحہ سے اپنی جبینوں کو جلا بخشے گا۔ اور قلب و جگر سے مشاہدۂ ذات پر ایمان لائے گا۔ تو ہم اُس کو ابدی حیاتِ طیبہ سے بہارِ بقا میں۔ تجلیاتِ انوار میں زندہ موجود رکھیں گے۔ اور ان مسافرانِ منزلِ شوق کو حُسن کے پھولوں جیسی جزاءِ اعمال اُن کے تصوراتِ سرمدی سے زیادہ عطا فرمائیں گے۔ قلبِ مومن اور قلبِ جاہل میں فرق یہ ہے کہ قلبِ مومن اللہ کی معرفت سے لاانتہا وسعتوں تک کھلا ہوتا ہے۔ جب شرحِ قلبی میسر ہوتی ہے اور دل اُن معرفتوں سے بھرا

ہو تو احوالِ دنیا کے واقعات سے غمگینی حزن وملال کو قلبِ مومن میں جانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ لیکن قلبِ جاہل معرفتِ الٰہیہ سے خالی ہوتا ہے۔ اس لیے مصائبِ دنیا اور واقعاتِ پریشانیہ سے بھرا ہوتا ہے۔ قناعت حیاتِ طیبہ ہے لہٰذا قانع کی زندگی عیش وسرور والی ہے۔ حریص ہمیشہ تنگی اور گھٹن میں رہتا ہے۔ مومن کا عیش دنیا میں حیاتِ طیبہ ہے۔ لیکن کافر کی زندگی حیاتِ رذیلہ ہے۔ اس کی پانچ وجوہ۔

۱ مومن کو اس بات کی معرفت ہے کہ جو کچھ ہے وہ اللہ کی جانب سے ہے نہ کہ بندے کی تدبیر سے اس لیے وہ قضاء وقدر پر راضی برضا رہتا ہے۔ اور رب تعالیٰ تو رحیم وکریم ہے اس لیے وہ جو کرے گا وہ رحم وکرم ہی ہوگا۔ کافر جاہل نہیں سمجھتا۔ اسی وجہ سے مومن مسرور۔ جاہل مغموم رہتا ہے ۲ مومن ذہنی طور پر ہر رنج وراحت کے لیے تیار رہتا ہے لیکن کافر کو تقدیرِ الٰہی کی معرفت نہیں ہے اسی سبب سے مومن کو مصیبتوں کے پہاڑ بھی معمولی لگتے ہیں اور کافر کو معمولی مصیبت بھی پہاڑ لگتے ہیں ۳ مومن سمجھتا ہے کہ حیاتِ دنیا کی تمام اچھائیاں خسیس ہیں۔ اس لیے ان کے آنے جانے سے قلبِ مومن میں تغیر نہیں آتا۔ مگر کافر کے لیے دنیا ہی سب کچھ ہے لہٰذا آنے پر مغرور اور جانے پر مغموم ہوتا ہے۔ ۴ مومن بے ثباتیِ دنیا اور تغیرِ جہانی کو سمجھتا ہے جانتا ہے کہ دنیا کہیں سے اُس کے پاس آئی ہے اور پھر اُس سے ہٹ کر کسی اور جگہ پہنچے گی اس لیے دنیا مومن کے دل میں نہیں بیٹھتی۔ مگر کافر اس حقیقت سے غافل ہے وہ دنیا کا عاشق بن جاتا ہے۔ اس کے زوال پر دل جلتا ہے اسی کا نام حیاتِ دنیا ہے ۵ مجدد صاحب سرہندی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے تو اللہ کی طرف سے آنے والی ہر چیز سے بندہ کو لذت آتی ہے۔ مُحبِ صادق کے لیے محبوب کی تکلیف لذیز ہے محبوب کے انعام سے اس لیے کہ انعام میں مُحب کی خوشی ہوتی ہے اور درد میں محبوب کی خوشی ہے۔ اور عاشق کو اپنی خوشی سے زیادہ محبوب کی خوشی پیاری ہوتی ہے۔ مولانے رومی نے فرمایا۔ ؎

عاشقم بر لطف بر قہرت بجد — اے عجب من عاشقم بر ہر دو ضد
ناخوش از وے خوش بُوَد در جان من
جان فدائے یارِ دل رنجانِ من

فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَ الَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ۔

اے قلبِ منور جب تو اسرارِ معرفت کی کتاب پڑھنے لگے تو خود کو ربِّ ذی الجلال کی پناہ میں دے لے نفسِ امارہ پر مسلط ہونے والے شیطانِ مردود سے۔ تاکہ تجھ میں حواسِ مغرورہ ریاءِ مکر نہ آئیں۔ بیشک اِس شیطان کا تسلّطِ سرکشی اُن قلوبِ مزکّی پر وارد نہیں ہو سکتا جو قُربِ جلال کے دامنِ پناہ میں امن و ایمان سے خلوت گزین ہیں۔ اور اُسی کے مشاہدۂ انوار پر بھروسہ کرتے ہیں۔ نفسِ شیطانیہ کا تسلّط فقط اُن ہی قلوب پر طاری ہوتا ہے جو خواہشاتِ شیطانیہ سے دوستی لگاتے ہیں۔ اور تدابیرِ نفسانیہ کو تقدیرِ الٰہیہ کا شریک سمجھتے ہیں۔ دنیاءِ دون میں دو ہی قسم کے مسافرانِ راہ نورد ہیں ایک اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور دوم اَلَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ اہلِ ایمان فُقراءِ طریقت ہیں۔ اور اہلِ شرکِ خفی دنیا پرست ہیں۔ صاحبِ فقر زمین کی طرح عاجز کہ ہر شخص اس کو روندتا ہو۔ بادل کی طرح بلند کردار کہ ہر ایک پر سایہ کرے۔ سورج کی طرح روشن ضمیر کہ ہر ذرّے کو چمکائے۔ بارش کی طرح سخی ہوتا ہے کہ ہر شے کو سیراب کرے۔ عارف لوگ اُمراءِ کائنات ہیں اور اُن کا سرمایۂ زندگی حُسنِ اَخلاق ہے۔ حسنِ اخلاق عملِ اخلاق کا نام ہے نہ کہ علمِ اخلاق کا۔ چھ چیزیں شیطان کے تسلط سے پیدا ہوتی ہیں۔ ع۱ لذّتِ خورد و نوش میں مشغولیت ع۲ غفلت ع۳ حرص و ہوس۔ ع۴ حسد و بغض ع۵ فکرِ غیر اللہ ع۶ خوفِ غیر اللہ۔ یہ ہی قلب کی سیاہی ہیں۔ یہی سیاہی موتِ فنا ہے۔ اور اسی سے قالب کی تباہی ہے۔ اِسی کا نام خودی اور خود پرستی ہے۔ خودی قلب کی موت ہے اور بیخودی حیاتِ قلب ہے۔ دل کی زندگی دامنِ پناہِ ربّانی ہے۔ جس نے رب سے پناہ طلب کر لی وہ شیطان پر غالب آگیا۔ اے بندۂ مسکین خلوت گاہِ مراقبے کا ہم نشین ہو جا اور یہیں بیٹھ کر قرآنِ انوار کا مطالعہ فرما۔ تاکہ رَوِشِ حواس سے شیطان کا تسلّط ختم ہو۔ راہِ معرفت کی فقیری رب کی آغوشِ فطرت کی پناہِ ابدی ہے۔ صوفیا کے نزدیک توکّل یہ ہے کہ دامنِ خواہشات جھاڑ دیا جائے۔ اور توکّل منزلِ معرفت کا زادِ سفر ہے۔ اور راہِ معرفت کا دُزدِ باطن ابلیسِ لعین ہے سرمایہ قیمتی ہے چور سخت ہے۔ کوئی حفاظت کام نہیں آسکتی انسانی ساری عقلیں اور تدبیریں وساوسِ شیطانی کے آگے ہیچ ہیں۔ اس لیے بار بار نہایت اہتمام سے ہر نیکی کے وقت خاص کر راہِ تصوف میں چلنے والے کو ربِّ کائنات کی طرف سے بار بار حکمِ عرفانی فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندے اِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ۔ اللہ کی پناہ کے سوا کوئی تجھ کو شیطان سے نہیں بچا سکتا

تیرا علم نہ تیری عقل نہ تیری تدبیریں۔ یہاں تو ہر وقت تجھ کو وَقَانِیْ بِفَضْلِ مُتَّقِیْ کا ورد یاد رکھنا پڑے گا۔ وَاِذَا بَدَّلْنَاۤ اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْۤا اِنَّمَاۤ اَنْتَ مُفْتَرٍؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ لِیُثَبِّتَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِیْنَ اور جب کبھی بھی ہم نے صحیفۂ قلب سے وارداتِ احوال کی کسی نشانِ قدرت کو بدلا آمت کیفیت کی جگہ اور اللہ رب العزت خوب جانتا ہے اِس کی حکمتِ بالغہ کو جس کو جس کیفیتِ ورود سے جہاں نازل فرماتا ہے ۔ اور جہاں سے روکتا ہے ۔ تو اے محبوبِ ازلی قلبِ عرشی روحِ کائنات یہ نفوسِ شیطانیہ ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ یہ تمام حالات و کیفیات سب تیری اپنی ہی بناوٹ ہے ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قلوبِ اولیاء اللہ کی اکتیس ۳۱ آیاتِ کیفیات ہیں۔

۱ فیض ۲ بسط ۳ تغیر ۴ تبدّل ۵ فقر ۶ درویشی ۷ حجابِ ابتلاء ۸ فراقِ انتظار ۹ وصلِ باد تارع ۱۰ تنزّل ۱۱ ترقی ۱۲ عروج ۱۳ دردِ عشق ۱۴ لذتِ محبوبیت ۱۵ خلوتِ مراقبہ ۱۶ جلوتِ مشاہدہ ۱۷ غمِ فراق ۱۸ لذتِ تنہائی ۱۹ ذکر ۲۰ فکر ۲۱ تکبر ۲۲ صبر ۲۳ تحمل ۲۴ تجمل ۲۵ محبت ۲۶ عشق ۲۸ قُرب ۲۹ بُعد ۳۰ ولایتِ کبریٰ ۔ ۳۱ خُلتِ صُغریٰ ۔ اِن آیت کا بدل بدل کر قلبِ عارف پر ورود ہوتا ہے ۔ جس کو اہلِ معرفت ہی جانتا ہے ۔ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ جسدِ اسرار کے کثیر حواس اِن واردات کو محسوس تک نہیں کرتے ۔ لہٰذا اے محبوبِ عرشُ اللہ تو کہدے کہ ان وارداتِ قلبیہ کو روح الارواح جانِ فطرت نے تیرے رب کی طرف سے حق الیقین کے ساتھ نازل کیا ہے تاکہ اہلِ مشاہدہ راہِ سعادت میں قائم ہوجائیں صحیفۂ قلبی کی یہ آیاتِ ورود ہی راہِ معرفت کے مسافرانِ تسلیم و رضا کے لیے ہدایتِ وصل کو بشارتِ مشاہدۂ قرب ہے ۔ جب بندۂ مخلص بارگاہِ قدس میں بارادۂ قوی حاضر باش ہونے کے لیے وادیِ طلب میں قدم رکھتا ہے تو اُس کے صدفِ قلب پر انوار کی بارش ہوتی ہے صوفیا کے نزدیک انوار کا تسلسل بَدَّلْنَا آیتٌ ہے ۔ اور ورودِ کیفیات مَّكَانَ اٰیَةٍ ہے ذکرِ خفی سے قلبِ مسعود جب کھلتا ہے تو عشقِ الٰہی کا قطرۂ شفاف اِس کی گہرائیوں میں اترتا چلا جاتا ہے اسی کا نام یاقوتِ درویشی ہے یاقوتِ درویشی کو حاصل کرنا ہو تو ۔ حسد تکبر حرص ۔ بخل ۔ کھوٹ ۔ ملاوٹ ۔ غل و عشق ریاکاری کو ترک کرو جس پیر میں یہ عیب ہوں وہ طریقت کا مرتد ہے ۔ اور اُس کی سزا قتلِ روح ہے ۔ مذہب فقیری میں اہلِ دنیا کے پاس جانا ۔ اُمرا سے میل ملاپ رکھنا ۔ بادشاہ سلاطین یا اہلِ دربار سے دوستی لگانا

حرامِ معرفت ہے۔ کیونکہ یہ محفل زہرِ قاتل ہے۔ اہلِ دنیا اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ ہیں۔ اور خدا کا قُرب اہلِ دنیا سے دوری میں ہے۔ الہاماتِ الٰہی اور اسرارِ غیوب روح قدس ہیں۔ جب بندہ حرام غذاؤں اور فاسد لقموں سے بچتا ہے تو اُس پر روحِ قدس نزولِ اجلال فرماتی ہے۔ اسی روح کی معرفت جسدِ خاکی حضوریِ بارگاہ حاصل کرتی ہے۔ لقمۂ حرام سے حضوریِ بارگاہ حاصل نہیں ہوتی۔ عالمِ ناسوت میں ہدایت و بشارت فقیری ہے اور درویشی صراطِ فقر ہے۔ رب تعالیٰ کو فقیری اس لیے محبوب ہے کہ یہ فقیری انبیا کا لباس ہے۔ اور اہلِ دنیا کے لیے حجابِ اکبر ہے۔ اور بندہ جوہرِ معرفت ہے جس کو چھپایا گیا ہے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا یُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ لِسَانُ الَّذِیْ یُلْحِدُوْنَ اِلَیْهِ اَعْجَمِیٌّ وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِیٌّ مُّبِیْنٌ ۔ اور البتہ بیشک نفس کی گہرائیوں کی تمام وہمیاتِ فاسدہ کو ہم جانتے ہیں جو وہ کہتے ہیں کہ قلبِ روحانی کو منزل گاہِ ھط کی نشانیاں جسدِ بشری سکھاتا ہے۔ یہ دل نظر و بصارت کی نظربندیوں میں اُلجھا ہوا ہے۔ نفوسِ رذیلہ یہ نہیں شعور رکھتے کہ قالبِ جسدی اور اعضاءِ ظاہری تو ہر خواہش سے ناواقف اور عجمی بے وقوف ہے۔ اور لسانِ قلب عربی یعنی اسرارِ فطرت کی بولتی ہوئی بیّن و قیم۔ واضح و شارح زبانِ انوار اور لغاتِ سرمدی ہے۔ قلب و جسم۔ نظر و بصارت۔ قوتِ لامسہ و شامہ تو قلبِ مومن کے ماتحت ہے۔ تمام اعضاءِ ظاہری کیفیاتِ باطنی میں رب تعالیٰ کے ہیبتِ خوف میں ہیں۔ اور قلب شاکر خوفِ الٰہی دلانے والا ہے۔ اس لیے کہ ظاہر کے چراغ تو بتی اور گیس ہے مگر باطن کا چراغ خوفِ خدا ہے۔ اور یہ ایسا چراغ ہے کہ جس سے نیکی اور بدی دیکھی جاسکتی ہے۔ مرکزِ معرفت قلب ہے لیکن دروازۂ معرفت زبان ہے۔ اس کا کھلنا بھی قفلِ مدفون کہ مُبینِ خزانۂ اسرار ہے اور بند ہونا بھی مفید ہے کہ حفاظتِ اشیاءِ غیوب ہے۔ دولتِ عارفین معرفت ہے اور اس کے تین خزانے ہیں۔ پہلا خزانہ علم ہے۔ دوسرا خزانہ شرافت ہے تیسرا خزانہ عبادت ہے۔ یہ تینوں خزانے مدینے والی سرکار صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کی کتابِ رحمت سے پڑھائے سکھائے بتائے اور عطا کیے جاتے ہیں۔ اس رحمتِ الٰہیہ کے تین دروازے ہیں پہلا دروازہ ترکِ گناہ ہے دوسرا دروازہ کثرتِ شکر ہے۔ تیسرا دروازہ ریاضت و مشقت والی عبادت ہے۔ یہ وہ اشیا ہیں کہ جتنی زیادہ کثرت میں ہوں اتنی ہی زیادہ قیمتی ہیں۔ ان کا حصول وادیِ طلب کے ہر مسافرِ راہ گزر کے بس کی بات نہیں۔ اِس کو وہی مردِ راہِ خدا اور جری پاسکتا ہے جس کے پاس عشقِ الٰہی کی طاقت اور محبتِ مصطفائی کی قوت موجود ہو۔ اس راہ کا طاقتور وہی ہے

جس کے دماغ فطنت میں ضبطِ غصہ و غضب کا جوہر ہو۔ جس کے قلب میں صبر کا مادہ ہو۔ جس کے جگر و ضمیر میں غربت و مسکینیت کے حجاب ہوں۔ جس کی تنگ دستی میں پردہ پوشی ہو اور جس کی غنا میں قناعت ہو۔ کیونکہ صوفیا کی اصطلاح میں طاقتور وہ ہے جو صابر ہو غصے کو ضبط کر سکے کمزور وہ ہے جو شہوت سے دب جائے۔ مسلکِ فقراء میں امیر دولت مند وہ ہے جو ہر منزلِ شاقہ پر صبر و قناعت کرے۔ بشر وہ ہے جس کے پاس چھ وسیلے ہوں۔

۱ معرفت کا وسیلہ عبادت ہے ۲ عبادت کا وسیلہ عشقِ معبود ہے ۳ عشق کا وسیلہ محبت ہے ۴ اور محبت کا وسیلہ دامنِ مصطفٰے ہے ۵ اور دامنِ مصطفٰے کا وسیلہ اولیاء اللہ ہیں ۶ ولایتِ اولیاء تک پہنچنے کا وسیلہ علماءِ شریعت ہی ہیں۔ مقامِ بشریت کی پہلی سیڑھی محفلِ علماء ہے جو ملحدینِ اعجمی مدارس و خانقاہ سے دور اور بیزار ہیں وہ عرفا کے نزدیک حقیقی بشر کہلانے کے حقدار نہیں ہے بلکہ وہ عقلِ ملحد اور لغتِ عجم والا گنوار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ لَا یَهْدِیْهِمُ

بیشک وہ جو نہیں ایمان لاتے پر آیتوں اللہ کی نہیں ہدایت دیتا ہے اُن کو

بیشک وہ جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے اللہ انہیں راہ نہیں

اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (۱۰۴) اِنَّمَا یَفْتَرِی الْكَذِبَ

اللہ اور لیے اُن کے عذاب ہے دردناک ۔ فقط گھڑتے ہیں جھوٹ کو وہی

دیتا اور اُن کے لیے دردناک عذاب ہے جھوٹ بہتان وہی باندھتے ہیں جو

الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ۚ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ

جو بے ایمان رہتے ہیں سے آیتوں اللہ کی اور وہی ہیں

جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے اور وہی

الْكٰذِبُوْنَ ۝١٠٥ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ

جھوٹ بولنے والے ۔ جس نے کفر کیا اللہ کا سے بعد

جھوٹے ہیں ۔ جو ایمان لاکر اللہ کا منکر ہو

اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىِٕنٌّۢ

ایمان لانے کے اُس کے : سوائے اُس کے جو مجبور کیا گیا حالانکہ دل اُس کا مطمئن ہے

سوا اُس کے جو مجبور کیا جائے اور اُس کا دل ایمان پر

بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ

پر ایمان کے اور لیکن جو کھل گیا ہیں کفر

جمع ہوا ہو ۔ ہاں وہ جو دل کھول کر کافر ہو

صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَلَهُمْ

ظاہر ظہور تو پر اُن غضب ہے طرف سے اللہ کے اور لیے اُن کے

اُن پر اللہ کا غضب ہے اور اُن کو

عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝١٠٦

عذاب ہے بڑا

بڑا عذاب ہے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفارِ مکہ کا قرآن مجید کی کفریہ توہین اور زبانِ طعن کا ذکر ہوا تھا اب اِن آیتوں میں اُن کے اِس کفر کے وبال اور مصیبت کا ذکر ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں

کفارِ مکہ کی احمقانہ تنقیدوں کا ذکر ہوا جو وہ قرآن مجید پر کرتے تھے اب اِن آیتوں میں بتایا جا رہا ہے کہ وہ تو قرآن مجید کو بنایا ہوا کہتے ہیں حالانکہ ان کی اپنی سب باتیں جھوٹی اور بناوٹی ہیں۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں ظاہر اور مضبوط مومنوں اور کھلے کافروں کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیتوں میں مرتد کافروں اور مجبور مومنوں کا ذکر کیا جا رہا ہے تاکہ ہر ایک کی علیحدہ علیحدہ نشانی معلوم ہو جائے۔

شانِ نزول ۔ ابن ابی حاتم نے حضرتِ ابنِ عباس سے روایت کیا اور ابن سعد نے اپنے طبقات میں عمر بن حکم سے روایت کیا۔ کہ جب نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کا ارادہ فرمایا تو صحابہ کرام نے مختلف شہروں کی طرف ہجرت کرنی شروع کر دی۔ کافروں نے ان قافلوں کو ستانا اور ظلم کرنا شروع کیا۔ چنانچہ صحابہ کا ایک آٹھ افراد پر مشتمل گروہ حبشے کی طرف روانہ ہو رہا تھا راستے میں قریش نے اُن کو پکڑ لیا۔ اُن صحابہ کرام میں حضرتِ بلالؓ۔ حضرت ۲ عمار بن یاسر ۳ صہیب ۴ خباب۔ ۵ یاسر ۶ ان کی بیوی سُمیّہ ۷ سالم۔ ۸ عامر بن فہیرہ تھے۔ کوئی تو چھڑا کر بھاگ گیا کسی کو قتل کر دیا جن میں یاسر اور سمیّہ بھی شہید ہوئے۔ عمار نہ بھاگ سکے ان کو کفر کی طرف مجبور کیا تو انہوں نے جان بچانے کے لیے کفریہ لفظ بول دیئے پھر واپس مکہ مکرمہ میں آکر روتے ہوئے آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا تو آقائے دو عالم نے فرمایا کیا تمہارا دل مطمئن تھا۔ آپ نے عرض کیا یقیناً۔ نبی پاک نے اسی وقت فیصلہ فرما دیا کہ تم بالکل مومن ہو تب یہ چھ آیات نازل ہوئیں از آیت ۱۰۶ تا آیت ۱۱۱۔

تفسیر نحوی

اِنَّ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۙ لَا یَہۡدِیۡہِمُ اللّٰہُ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌ ۔ اِنَّمَا یَفۡتَرِی الۡکَذِبَ الَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ۚ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡکٰذِبُوۡنَ

اِنَّ حرفِ مشبہ۔ اَلَّذِیۡنَ اسم موصول جمع مذکر۔ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ مضارع فعل حال منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب باب اِفعال مصدر ہے ایمانٌ۔ یعنی دینِ اسلام قبول کرنا۔ اِس دین کو قبول کرنے کا نام ایمان اس لئے ہے کہ اب کائنات میں اللہ کی صحیح معنوں میں بات ماننا اسی دین میں ہے اور اللہ کے دربار میں مانا ہوا یہی دین ہے۔ بِ جارّہ تعدی کا۔ اٰیٰت جمع ہے آیۃٌ کی بمعنیٰ قرآن مجید کے الفاظ معانی مضاف اَللّٰہِ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے لَا یُؤۡمِنُوۡنَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ لَا یَہۡدِیۡ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی بمعنیٰ حال یا مستقبل ھُمۡ ضمیر غیر مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ کے نافرمان غیر مومن مفعول بہ ہے منصوب ہے اَللّٰہُ فاعل فعل فاعل مفعول سے مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لام جارّہ بمعنیٰ علیٰ فوقیت کا بمعنیٰ اُن پر۔ ھُمۡ کا مرجع

اَلَّذِیۡنَ جار مجرور متعلق ہے واجبؔ یا موجودؔ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہوکر مبتدا ہوا۔ عَذَابٌ موصوف اَلِیۡمٌ صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بمعنیٰ بہت دردناک تکلیف دِہ صفت ہے۔ موصوف صفت خبر ہے مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف جملہ عاطفہ خبرانؔ۔ اِنَّمَا حرفِ حصر یَفْتَرِیۡ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب مصدر ہے اِفۡتِرَاءٌ۔ بمعنیٰ اپنے دل سے بات بناکر کسی اور کی طرف نسبت کرنا الف لام تعریفی کَذِبَ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ جھوٹ باطل۔ غیر حقیقی نامعلوم۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے مفعول بہ ہے یَفْتَرِیۡ کا۔ اَلَّذِیۡنَ۔ اسم موصول۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے یَفْتَرِیۡ کا۔ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ۔ باب افعال کا مضارع منفی فعل حال۔ ھُمۡ ضمیر مستتر کا مرجع اَلَّذِیۡنَ بؔ جارّہ بمعنیٰ علیٰ۔ اٰیٰتِ جمع مکسّر ہے اٰیَۃٌ کا۔ مضاف ہے اللّٰہِ مضاف الیہ مرکب مجرور اور متعلق ہے۔ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ اُولٰٓئِکَ۔ اسم اشارہ دور کے لیے۔ دو لفظوں سے متصل بسیط ہے۔ ۱ اولاءِ ۲ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر۔ اب بسیط ہے بمعنیٰ وہ سب لوگ ھُمۡ ضمیر مذکر غائب مشار الیہ ہے اس کا مرجع اَلَّذِیۡنَ ہے۔ اسم اشارہ اور مشار الیہ مبتدا ہوا۔ الف لام اسمی۔ بمعنیٰ اَلَّذِیۡ۔ کٰذِبُوۡنَ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا کی وہ جملہ اسمیہ ہوکر مکمل ہوا کِذۡبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جھوٹ بولنا۔ یعنی سمجھتے جانتے واقع کے خلاف بات کرنا۔ مَنۡ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنۡۢ بَعۡدِ اِیۡمَانِہٖۤ اِلَّا مَنۡ اُکۡرِہَ وَ قَلۡبُہٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِیۡمَانِ وَ لٰکِنۡ مَّنۡ شَرَحَ بِالۡکُفۡرِ صَدۡرًا فَعَلَیۡہِمۡ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ ۚ وَ لَہُمۡ عَذَابٌ عَظِیۡمٌ۔ مَنۡ اس کی ترکیب نحوی میں تین قول ہیں۔ ۱ یہ سب مابعد عبارت دال ہے کٰذِبُوۡنَ کی اور وہ مدلول ہے۔ ترجمہ ہے۔ جھوٹے ہیں کیونکہ جو لوگ کافر ہوئے اللہ کے۔ ۲ یہ عبارت بدل ہے اولٰٓئِکَ کی۔ اور ترجمہ ہوگا۔ کون جھوٹے جو کافر ہوئے بعد ایمان کے (مرتد ہوئے) ۳ یہ عبارت تفسیر ہے لَا یُؤۡمِنُوۡنَ کی اور ترجمہ ہے جو ایمان نہیں لاتے قائم نہیں رہتے یعنی کافر ہوگئے بعد ایمان کے۔ واللّٰہُ اعلم بالصواب۔ کَفَرَ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف کُفۡرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شرک کرنا۔ بؔ جارّہ تعدیت کی اللّٰہِ مجرور متعلق ہے کَفَرَ کا۔ مِنۡ جارّہ بیانیہ یا ابتداءِ غایت کیلئے بَعۡدِ اسم ظرفِ زمانی معرب متمکن ہوتا ہے۔ مضاف ہے اِیۡمَانِ مصدر ہے باب افعال کا مضاف ہے ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرجع ہے مَنۡ۔ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے بَعۡدِ کا اور وہ مجرور ہوکر متعلق دوم ہوا کَفَرَ کا۔ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا اور صلہ موصول بدل ہے۔ اُولٰٓئِکَ کا۔ یہ ماقبل کی ترکیب ہے لیکن مابعد کا مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثناء مقید۔ اگلی عبارت مستثنیٰ متصل

ہے۔ یا منقطع۔ مقدم۔ یا مؤخر اپنے مقام پر۔ چار قول ہیں۔ یعنی چار ترکیبیں ہیں۔ منقطع کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور اکراہ میں شمولیت نہیں۔ کفر اعتقاد کا نام ہے اور اکراہ عمل جوارح ہے یہاں مستثنیٰ منہ کفر ہے۔ مستثنیٰ اکراہ ہے۔ للہذا منقطع ہوا۔ متصل کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور مجبور ہونا دونوں طبعی امر ہیں۔ ہاں مجبور کرنا واقعی علیحدہ چیز ہے۔ اُکْرِہَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت مجہول۔ مصدر اِکْرَاہٌ۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ بمعنیٰ مجبور کرنا۔ دباؤ ڈالنا۔ دھمکی دینا کُرہٌ لازم سے بنا ہے۔ بمعنیٰ ناپسند ہونا۔ اسی سے ہے مکروہ تحریمی و تنزیہی۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا نائب فاعل جس کا مرجع مَنْ ہے ذوالحال ہے واؤ حالیہ قَلْبُ اسم مفرد جامد بمعنیٰ دل۔ قَلْبٌ کا ترجمہ ہے بدلنا۔ پلٹنا۔ پھرنا۔ دل بھی چونکہ ہر وقت حرکت سے بدلتا الٹا پلٹا ہوتا ہے اسی لیے اس کو قلب کہتے ہیں باطناً بھی ارادے بدلتے رہتے ہیں اسی وجہ سے قلب ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مجرور متصل ہے مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مبتدا ہے۔ مُطْمَئِنٌّ۔ باب افعلال کا اسم فاعل واحد مذکر ثلاثی مزید فیہ غیر ملحق برباعی باہمزہ وصل کا پانچواں باب ہے اطمینانٌ طَمْنٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ پُرسکون ہونا۔ اپنے حال میں مگن رہنا۔ اپنے ارادے سے نہ ٹلنا۔ وسوسہ سے بچنا۔ یہاں پہلے اور آخری مراد ہو سکتے ہیں ھُوَ مستتر اس کا فاعل ہے بِ جارہ بمعنیٰ مَعَ الف لام عہد ذہنی اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ دین۔ عقیدہ۔ مذہب۔ یہاں مراد دین ہے۔ جار مجرور متعلق ہے مُطْمَئِنٌّ کا یہ جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر خبر مبتدا ہے۔ مبتدا خبر مل کر حال ہوا اُکْرِہَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا اور وہ مستثنیٰ ہوا۔ مستثنیٰ منہ صلہ ہوا پہلے ابتدائی مَنْ کا وہ ماقبل سے متعلق ہوگا معطوف علیہ مابعد وَلٰکِنْ کا۔ واؤ زائدہ لٰکِنْ۔ حرف عطف استدراک کے لیے سابقہ کلام کے وہم کو دور کر کے اگلے کلام کو نافذ کرنے کے لیے۔ مَنْ یا موصولہ ہے یا شرطیہ ہے۔ اور یہی زیادہ صحیح ہے شَرَحَ۔ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب لازم ہے ھُوَ مستتر کا مرجع مَنْ وہ اس کا فاعل ہے بِ جارہ بمعنیٰ بِیْ۔ الف لام استغراقی یا جنسی کُفْر اسم حاصل مصدر بمعنیٰ بت پرستی۔ جار مجرور متعلق ہے شرح کا صَدْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سینہ۔ اور سینے کے اندر کا دل۔ مفعول فیہ ہے شرح کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ۔ بقاعدۂ نحویہ جملہ اسمیہ جزا ہو تو فَ جزائیہ لانی واجب ہے۔ علیٰ جارہ استعلائیہ ھِمْ ضمیر مجرور متصل اس کا مرجع ہے مَنْ جو لفظاً اگرچہ واحد ہے مگر اپنے عموم کی بنا پر جمع جنسی ہے اس لیے ضمیر جمع مذکر غائب آئی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ وَاقِعٌ اسم فاعل کا۔ غَضَبٌ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ ناراضی۔ غصہ۔ قہر۔ عذاب۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے

مِنْ حرفِ جر ابتدائیہ بمعنی عِنْدَ یا بمعنی سُوْءِ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اُسی پوشیدہ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہوکر جزا ہے شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ واوٴ استینافیہ۔ لَھُمْ۔ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول کا اور عَذَابٌ عَظِیْمٌ موصوف صفت اس کا غائب فاعل ہے۔ مَوْجُوْدٌ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ لَا یَھْدِیْھِمُ اللّٰہُ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ اِنَّمَا یَفْتَرِی الْکَذِبَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰذِبُوْنَ۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ کی آیتوں اور قرآن و حدیث کی نشانیوں کمالاتِ کلامِ الٰہی۔ قانونِ شریعت مسائلِ اسلامیہ پر ایمان نہیں لاتے اور ضد تعصب ہٹ دھرمی سے اپنی جہالت و نادانی کی باتوں سے انکار ہی کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کو کبھی بھی توفیقِ خیر اور اپنی قربِ تجلی کی ہدایت نہیں عطا فرماتا۔ یہ اُن کی دنیوی ذلت و رسوائی ہے۔ اگرچہ اپنے مذہب و دین کے مطابق کتنی ہی عبادت ریاضت محنت مشقت کریں اس کے باوجود اُن کے لیے آخرت میں بہت ہی دردوالا عذاب ہے۔ اس لیے کہ وہ دائمی ہے۔ اور انتہائی بے سکونی والا ہے اور گندا بدبودار ہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی چین نہیں ہے۔ غرض کہ ہر طرح سے دردناک ہے۔ یہ دنیا و آخرت کی سزائیں اس لیے ہیں کہ انہوں ہمارے بے عیب اور بے مثل حبیب نبی مکرم کو مُفتری کہا۔ اُن کے زبان والے کلام کو کلامِ الٰہی ماننے سے انکار کیا۔ اور کہا کہ یہ کلام انہوں نے خود افترا کیا ہے جب کہ حالت یہ ہے کہ حقیقتاً افترا اور جھوٹ بنانے والے فقط وہی لوگ ہیں جو اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں لاتے۔ اپنے موںہوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ یہ رب کا کلام نہیں دراصل ان کی یہ باتیں ہی افترا ہیں اور اسی بنا پر یہی کفار جھوٹے ہیں۔ ہمارا نبی و حبیب تو ایسا سچا طاہر و مطہر ہے کہ صدق و صفائی۔ کائنات کی سچائی کو اُس پر ناز ہے۔ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِہٖٓ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ وَلٰکِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْکُفْرِ صَدْرًا فَعَلَیْھِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ۔ یہ اٹل اور مضبوط قانونِ الٰہی ہے کہ تا قیامت جو بھی مسلمان ہونے اسلام قبول کرنے کے بعد مرتد ہوکر کافر ہو جائے کسی بھی قسم کا کفر بُت پرست یا یہودی عیسائی۔ یا دہریہ۔ اللہ کا منکر یا رسول اللہ محمد مصطفی یا کسی بھی نبی علیہم الصلوٰۃ والسلام کا منکر یا کسی آسمانی کتاب توریت زبور انجیل صحفِ آدم و ابراہیم و موسیٰ کا منکر یا قرآنِ مجید اور اُن کتب آسمانی کے کلامِ الٰہی ہونے کا منکر ہو غرضکہ اپنے اسلام کو چھوڑ کر کسی بھی شرعی کفریہ قوم میں چلا جائے بالکل اپنی رضا خوشی اور خواہش سے کسی

مجبوری اور دھمکی سے نہیں۔ اس لیے کہ اگر وہ شخص جو قتل کی دھمکی سے مجبور کیا جائے اور ڈر کر جان بچانے کی خاطر گھبرا کر جابر ظالم کے کہنے کے مطابق بالکل اسی طرح کے کفریہ الفاظ صرف اپنی زبان سے ادا کر دے جو جابر ظالم کافر کہلوانا چاہتے ہیں۔ اور اس مجبور مسلمان کا دل ایمان و اسلام سے مطمئن اور منور ہو ایسے مجبور کے لیے تو وقتی طور پر کفریہ لفظ بولدینے جائز ہیں۔ اگرچہ لازم نہیں ہیں۔ نہ بولتا اور قتل ہو جاتا تو شاندار فضل و عظیم مرتبے والا تھا۔ مگر تاہم جائز کی حد تک ٹھیک ہے۔ لیکن یہاں توروئے سخن اُن بدنصیبوں کی طرف ہے جس نے اپنا سینہ و دل کفر کی محبت میں کھول لیا اور کفر بولنے میں وسیع کر لیا تو اُن پر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا غضب اور قہر ہے کہ ان کو قرآن و حدیث کے مطابق قانونی سزا میں ذلت آمیز قتل و غارت سے ہلاک کر دیا جائے گا۔ اور اگر یہ لوگ مرتد ہو کر کسی طرح قتلِ شرعی سے بچ بھی گئے تو آخرت میں اُن کے لیے بہت بڑا عذاب دائمی موجود ہے۔ جس سے بھاگ نہیں سکتے۔ خیال رہے کہ اِن آیات طیبات میں۔ تین قسم کے لوگوں کا ذکر کیا گیا۔ ع ۱ پہلی آیت میں منکرین کا پھر ع ۲ اس جگہ مرتدین اور ع ۳ ساترین مومنین کا۔ اسلام میں سب سے پہلا مرتد عبداللہ بن ابی سرح ہوا۔ جس سے کافی پوچھ گچھ کی گئی اور مرتد ہونے کی وجہ معلوم کی گئی ہر طرح تسلی تشفی کی گئی اور جب وہ کوئی وجہ و عذر نہ بتا سکا محض دنیوی لالچ کی خاطر مرتد ہوا بلکہ زمین پر باعثِ فساد ہوا تب نبی کریم اور قرآنِ مجید کے ظاہری حکم کے مطابق اُس مرتد کو قتل کر دیا گیا تفسیر جمل اور امام رازی نے ایک روایت بیان فرمائی کہ یہ عبداللہ بن سعد بن ابی سرح قتل نہ کیا گیا تھا مرتد ہونے کے بعد قتل کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ پھر فتح مکہ کے دن یہ دوبارہ مسلمان ہو گیا۔ مگر امام رازی نے خود ہی اس روایت کو ضعیف قرار دیا اور فرمایا کہ یہ سورۃ نحل مکی ہے اور سب آیات ہی مکی ہیں لہٰذا یہ روایت تو تب صحیح ہو سکتی ہے کہ اس سورتِ نحل کو مدنی مانا جائے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ اور اسلام میں سب سے پہلے شہید حضرت عمار کے والد حضرت یاسر اور یاسر کی بیوی عمار کی والدہ ہیں جو ہجرت کے راستے میں شہید کیے گئے۔ اور اسلام میں سب سے پہلا منافق عبداللہ بن اُبی اور سب سے پہلے ساتر مومن حضرت ابو طالب اور دوسرے ساتر مومن حضرت عمار رضی بن یاسر رضی ہوئے۔ روایت و تاریخ میں ہے کفارِ مکہ کے ظلم اور عبادت میں رکاوٹ سے تنگ آکر تین افراد کے مختصر قافلے نے ہجرتِ مدینہ کا ارادہ کیا۔ ان کو کفار نے راستے میں پکڑ لیا اور مرتد ہونے پر مجبور کرتے ہوئے قتل کی دھمکی دی حضرت یاسر اور ان کی زوجہ حضرت سُمیَّہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے نہایت دلیری سے ان کو منہ توڑ جواب دیتے ہوئے انکار کیا۔

کفار نے ان کو بری طرح قتل کرکے شہید کر دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سیدالشہدا کا لقب عطا فرمایا۔ لیکن عمارؓ گھبرا گئے۔ اور کلمۂ کفر بول دیا مگر دل میں ایمان وایقان بھرا رہا۔ کفار نے جن میں ابوجہل ملعون بھی تھا۔ حضرت عمارؓ کو چھوڑ دیا تو عمارؓ غم زدہ روتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے آقائے کائنات صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان کو تسلی دی اور تاقیامت اس طرح کے سارے مومنین کے لیے مومن ہی رہنے کا قانون بنا دیا کہ اگر آئندہ بھی تمہارے یا کسی مومن کے ساتھ کہیں پر اس طرح کی مجبوری۔ دشواری آئے تو صرف زبان سے کلمۂ کفر بولنا جائز ہے بشرطیکہ دل ایمان سے مطمئن ہو۔ مکہ مکرمہ میں سب سے پہلے علی الترتیب سات حضرات نے اسلام ظاہر کیا۔
ع ۱ ابوبکر صدیق ع ۲ حضرت خبابؓ ع ۳ صہیب رومی ع ۴ بلال حبشی ع ۵ یاسر ع ۶ حضرت سُمَیَّہ۔ ع ۷ عمار بن یاسر۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ خیال رہے کہ جس مجبوری اور اکراہ میں کفریہ الفاظ بول دینے کی اجازت ہے وہ چار قسم کا ہے۔

ع ۱ جابر و ظالم کفار قتل کی دھمکی دیں اور جلدبازی کریں دباؤ ڈالیں کہ جلدی یہ کفریہ بات بول۔

ع ۲ صرف زبان کفریہ الفاظ بولے دل نفرت کراہت اور انکار ہی کرتا ہے۔

ع ۳ زبان سے اگر ہوسکے سوالیہ طرز اختیار کرے۔ یا ممکن ہو تو تمسخرانہ یا کفار کی اہانت والی طرز اختیار کرے بشرطیکہ کافر محسوس نہ کرپائیں۔

ع ۴ مجبور مسلمان اتنا گھبرایا ہو۔ ڈرا ہوا ہو اور پریشان ہوکر زبان سے کلمۂ کفر بولتے وقت دل کے اطمینان کی طرف یا نیتِ قلبی کی طرف اُس کا دھیان وخیال ہی نہ جائے۔ ان سب صورتوں میں مجبور شرعی مجرم نہیں۔ لیکن پھر بھی اگر ذرا سی ہمت کرے اور بالکل کفریہ الفاظ نہ بولے جان دیدے تو کمال افضلیت وشہادتِ عظمیٰ ہے۔ اسی طرح خیال رہے کہ مجبوری صرف اُن الفاظ اور افعال میں مانی جاتی ہے جن میں مجبور کو بھاگنے یا بچنے کی مہلت نہ ملے مثلاً ظالم جابر کفار وغیرہ سر پر تلوار لے کر کھڑے ہوں کہ بُول کفر ع ۲ یا اس فلاں شخص کو تو اپنے ہاتھ سے قتل کر ورنہ تجھ کو قتل کردیں گے ع ۳ یا تو اِس کے ہاتھ پیر وغیرہ کاٹ دے ورنہ تجھ کو ہم قتل یا معذور وزخمی کرکے ہلاکت میں پہنچا دیں گے ع ۴ یا یہ حرام کھا پی۔ مثلاً خنزیر۔ مردار۔ شراب وغیرہ۔ ان صورتوں میں اکراہ تصور کیا جائے گا۔ اور مجبور کی دنیوی اور اُخروی معافی ہے۔ لیکن اگر جابر قتل کی دھمکی سے زنا پر یا لواطت پر مجبور کرتا ہے ع ۳ یا دور جاکر کسی کو قتل یا اپاہج کرنے پر مجبور کرتا ہے اور جابر ساتھ نہیں ہے۔ پھر بھی یہ مجبور انسان ان جرائم کا مرتکب ہوکر زنا وغیرہ کرلیتا ہے یا حرام کھا لیتا ہے پی

لیتا ہے۔ تو مجبور نہیں مانا جائے گا اور مجرم ہوگا۔ مگر اس جرم کی حد نہیں لگے گی البتہ تعزیر اور توبہ ضرور ہوگی۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے

پہلا فائدہ۔ قرآن مجید ہدایت کا پانی ہے مگر مثل کوئیں کے چل کر نہیں آتا خواہش مند کو اس تک جانا پڑتا ہے اگر کوئی اس پر ایمان عقیدہ محبت الفت اور ادب نہ رکھے تو وہ بدنصیب قرآن مجید سے ہدایت نہ پائے گا۔ یہ فائدہ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ جب کہ ہدایت سے مراد توفیق و سعادتِ ایمان ہو۔ **دوسرا فائدہ۔** سب سے بدتر گناہ جھوٹ ہے کیونکہ یہ بدترین کافروں کی علامت ہے۔ کفار نے نبی کی ذات کے لیے کہا کہ نبی (معاذ اللہ) جھوٹ بول سکتا ہے۔ یعنی نبی میں جھوٹ کی قدرت مانی اور دنیا کی نئی پیداوار گستاخوں نے خدا تعالیٰ کو جھوٹ پر قادر مانا۔ یہ گویا کفر سے بدتر گستاخی ہے۔ مسلمانوں کو ایسے گستاخوں سے بچنا چاہیے۔ **تیسرا فائدہ۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار گویا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا ہی انکار ہے یہ فائدہ۔ مَنْ کَفَرَ بِاللّٰہِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ کفار نے اللہ تعالیٰ کا انکار حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے نہ کرایا تھا بلکہ نبی پاک اور قرآن و اسلام سے گستاخی کرائی تھی۔ جس کو کفر باللہ قرار دیا گیا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ جان کے خوف سے کلمۂ کفر بولنا جائز ہے مگر نہ بولنا بہتر ہے لیکن حرام کھانے کے مجبور پر کھا لینا بہتر ہے نہ کھانا اور جان دے دینا گناہ ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ (الخ) اور اس سے پہلے مَنْ کَفَرَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ۔** دار الحرب یعنی وہ علاقہ جس میں مسلمانوں کو کفر پر مجبور کیا جائے اور اسلام پر عمل نہ کرنے دیا جائے وہاں مسلمانوں کو رہنا گناہ و حرام ہے۔ جب موقعہ ملے فوراً وہاں سے ہجرت کر جائے۔ یہ مسئلہ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ کے شانِ نزول سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** مرتد۔ بدترین کافر اور قانونی مجرم ہے۔ اس لیے تمام سابقہ نیک اعمال و عبادات برباد ہیں۔ نکاح ٹوٹ جاتا ہے فریضہ حج برباد ہو جاتا ہے اور نسلیت بھی ختم ہو جاتی ہے اسی لیے قرآن مجید میں اس کی سزا قتل ہی مقرر فرمائی کہ یہ غدارِ دینی ہے۔ یہ مسئلہ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰہِ اور وَلَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ دو سزاؤں کے ذکر اور اس کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ۔** اگر مجبور شخص زبان سے کفر ادا کرے اور دل بھی کفر کی طرف ہو جائے اطمینان

میں نہ رہے تو کافر ہو جائے گا۔ **پانچواں مسئلہ۔** اگر کوئی شخص دل لگی اور مذاق میں کفریہ کلمات ادا کر دیے تو کافر ہو جائے گا۔ یہ دونوں مسئلے مَنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوتے خیال رہے کہ اسلامی شریعت میں چھ چیزیں مذاق اور دل لگی سے درست نافذ اور واقع ہو جاتی ہیں۔ جن میں۔ طلاق۔ نکاح اور عتاق۔ اور کفر بکنا شامل ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ تقیہ کرنا جائز ہے اور تقیے میں ہر طرح کی غلط بیانی جھوٹ بات کرنی جائز ہے۔ دیکھو اللہ نے فرمایا مَنْ كَفَرَ۔ پھر فرمایا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ (الخ) اس آیت سے تقیے کا شاندار ثبوت ہے۔ (شیعہ روافض)

جواب۔ بالکل غلط ہے۔ اس لیے کہ یہاں مجبور کے جان بچانے کا ذکر ہے کہ جس طرح جن لفظوں سے کافر کسی مسلمان کو کفریہ الفاظ بولنے پر مجبور کرے اور تلوار سامنے ہو۔ قتل کی دھمکی ہو۔ اتنی مصیبت میں کفر بولنا اور فقط وہی لفظ بولنا صرف جائز رکھے گئے۔ بہتر یہ بھی نہیں۔ مگر تقیے میں دھوکہ دینا مقصود ہوتا ہے اور عام حالات معمولی واقعات میں اپنی مرضی سے جھوٹ بیانی ہوتی ہے نہ قتل کی دھمکی ہوتی ہے نہ کسی کا تلوار لے کر جبر و زبردستی۔ تقیہ بہرکیف بدترین جرم ہے۔ کسی بھی آیت و حدیث سے ثابت نہیں۔ بلکہ اس طرح توڑ موڑ کر دلائل بنانے بھی دھوکہ دینا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا لَا يُؤْمِنُونَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ۔ یہ جملہ فعلیہ ہے۔ ساتھ ہی عطف کر کے فرمایا گیا۔ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ یہ جملہ اسمیہ ہے۔ نحوی قانون کے مطابق جملہ فعلیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر منع ہے۔ کیونکہ فعل میں دوام نہیں ہوتا اور اسم مشتق میں دوام ہے۔ تو یہ آیت نحوی قواعد کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

جواب۔ نحوی قانون ہی کے مطابق۔ فعل میں کبھی لزوم ہوتا ہے اور کبھی مفارقت اس کی بہت سی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں۔ یہ ٹھیک ہے کہ فعل میں دوام نہیں ہوتا اور اسم میں دوام ہوتا ہے لیکن جب اسم مشتق کو فعل کی علت بنایا جائے تو عطف جائز ہے۔ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ جھوٹ کا افترا وہی بناتے ہیں جو مومن نہیں۔ اس کی وجہ اور علت یہ ہے کہ شروع سے ہی جھوٹ بولنے والے ہیں۔ تنبیہ یہ ہے کہ جب افترا کیا تو وہ کافر ہوئے کفر میں داخل ہوئے اور جھوٹے تو وہ پہلے سے تھے لہٰذا لَا يُؤْمِنُوْنَ بھی پہلے سے ہوئے اس عطف نے دونوں کو ایک درجے کا بنا دیا۔

تیسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖ ۔ جو کافر ہوا اپنے ایمان کے بعد پھر فرمایا گیا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ مگر وہ جو مجبور کیا گیا ۔ یہاں اِلَّا حرف استثنا کیوں لایا گیا ۔ جب مجبور انسان کافر نہیں ہے تو کافر سے مستثنیٰ کیوں کیا گیا ۔ استثنا کے ذریعے تو داخل شدہ کو نکالا جاتا ہے ۔ مجبور تو کفر میں داخل ہی نہیں ہوا ۔

جواب ۔ یہاں استثنا شخصیت سے نہیں بلکہ قول اور بات کا استثنا ہے یعنی جو کفریہ بات مرتد کے منہ سے نکلی بالکل اُسی کی مثل کفریہ بات مجبور مسلمان کے منہ سے نکلی ۔ مگر وہ کفریہ بات مرتد کو کافر بنا دے گی مجبور کو نہیں بنائے گی ۔ تو یہ استثنا کفریہ بات کے حکم اور نتیجے کا ہے یعنی بات ایک جیسی ہے مگر حکم سے مجبور مستثنیٰ ہے ۔

چوتھا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا ۔ لغت اور اصلاحِ نحاۃ کے قانون کے مطابق حرفِ لٰكِنْ استدراک یعنی سابقہ کسی غلطی اور وہم کے اندیشہ وغیرہ کی وجہ سے استعمال کیا جاتا ہے اور اس وہم و غلطی کو دور کرنا مقصود ہوتا ہے ۔ تو یہاں چونکہ پہلے کفر فرما ہی دیا گیا ہے اور مرتد کے کُفر میں تو شک و شبہ ، وہم وغیرہ ہے ہی نہیں تو پھر لٰكِنْ نے کِس غلطی کو دور کیا ۔ اور یہاں لٰكِنْ کیوں استعمال فرمایا گیا ۔ اس طرح ہونا چاہیے تھا ۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِیْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِیْمَانِ فَعَلَیْهِمْ غَضَبٌ (الخ) یعنی جو شخص اللہ پر ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا سوائے اُس کے جو کفر پر مجبور کیا گیا اور اس کا دل ایمان سے مطمئن ہے ۔ تو ان مرتدین پر اللہ کا غضب ہے ۔ یا اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ کی پوری عبارتِ استثنائیہ کو عَذَابٌ عَظِیْمٌ کے بعد لایا جاتا ۔

جواب ۔ چونکہ مَنْ كَفَرَ فرمانے کے بعد اِلَّا نے کُفر کی نفی کر دی تھی کہ مَنْ اُكْرِهَ ۔ كَفَرَ کے باوجود کافر نہیں ۔ اس لیے وہم پڑ سکتا تھا کہ شاید كَفَرَ کا معنیٰ اور ترجمہ ہے کہ جس نے کفر کا عقیدہ بنایا ایمان کے بعد ۔ حالانکہ مَنْ كَفَرَ کا معنیٰ یہ نہیں ۔ بلکہ مَنْ كَفَرَ کا معنیٰ ہے جس نے کُفر کے الفاظ بولے کُفر بکا ۔ ان لوگوں کی دو قسمیں ہیں تو اس وہم کو دور فرمانے کے لیے لٰكِنْ فرمانا بالکل درست ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ جس نے ایمان کے بعد کفریہ الفاظ بولے تو اُس پر ایک دم کفر کا فتویٰ یا حکم نہیں لگے گا بلکہ چھان بین قول و اقرار ۔ تفتیش و تحقیق اور محنتِ کثیر سے معلوم کیا جائے گا کہ وہ مَنْ اُكْرِهَ ہے یا نہیں ۔ اگر مَنْ اُكْرِهَ ہے تو بری ۔ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ (الخ) لیکن اگر کھُلے دل سے کُفر بکا ہے تو اُن پر غضب اور عذابِ عظیم ہے ۔ اب معترض کا اعتراض ختم ہو گیا اور مطلب واضح ہو گیا ۔

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ اِنَّمَا يَفْتَرِى الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ۔

بیشک وہ حواسِ ظاہری و باطنی جو نفسِ رذیل کے جالِ وسواس میں پھنس کر اللہ کی اسرارِ معرفت والی نشانیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے اور تخیلاتِ مومنانہ پیدا نہیں کرتے اللہ ربُّ العزت ان کو منزلِ قرب کی ہدایتِ وصل نہیں عطا فرماتا اور ان کے لیے ہی محرومیِ انعامِ مشاہدہ اور مردودیِ بارگاہ کا دردِ فراق والا ابدی عذاب ہے۔ وہمیاتِ دماغی کے جھوٹے افترا۔ اور باطل تسلیوں کے غلط نظریات وہی سرکش ومفتن بناتے پھرتے ہیں جو روحِ آسمانی اور جسدِ زمینی میں موجود نشاناتِ قدرت پر بصیرتِ ایمانی سے متوجہ نہیں ہوتے۔ اہلِ شقاوت کے یہ ہی حواسِ باطنی بُطلانِ کذب میں ہیں۔ اے بندے وادیِ عشق میں قدم رکھنے سے پہلے اپنے نفسیات کی ہدایت کی ہمت کر۔ کیونکہ عاشق کا دل محبت کا آتشکدہ ہے جو کچھ اس میں آتا ہے جل کر نیست ونابود ہو جاتا ہے۔ آتشِ محبت سے زیادہ تیز کوئی آگ نہیں ہے نفسِ امارہ کے لیے یہی عذابِ الیم ہے خیالاتِ نفسانیہ ندی نالوں کی طرح ہیں جب تک ندی نالے سمندر سے دور رہتے ہیں شور وطرب ایسا سخت برپا رہتا ہے کہ دور تک سنائی دیتا ہے۔ ساری وادی میں ایک ہلچل مچی ہوتی ہے۔ لیکن جب سمندر کے قریب ہوتا ہے تو سب دم خم ختم ہو جاتا ہے۔ اس طرح نفسِ امارہ کی خواہشات وشہوات کے ندی نالوں کا تمالبِ غفلت افترا وکذب میں ہیجان برپا ہے مگر جب نفسِ رذیلہ کو بحرِ قلب کے قریب کیا جاتا ہے اور مسافرِ معرفت بندۂ طالب واصلِ حق ہوتا ہے تو اُس کا جوش وخروش ختم ہو جاتا ہے۔ عارفِ حق جتنے قدم وادیِ حیرت میں طے کرتا جاتا ہے اتنا ہی اس کا عرفان بڑھتا جاتا ہے اہلِ شقاوت کی بھی تین خصلتیں ہیں اور اہلِ سعادت کی۔

۱ آندھی کی طرح اِفترا ۲ کیچڑ کی طرح کِذب ۳ دلدل کی طرح بے دینی اور لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ آندھی گندگی لاتی ہے کیچڑ گندگی کو جماتی ہے اور دلدل گندگی میں پھنساتی ہے۔ اسی لیے اہلِ شقاوت لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ کے زمرے میں رہتے ہیں مگر اہلِ سعادت زمین کی طرح تواضع اور عاجزی میں رہتے ہیں ۲ دریا کی طرح سخی ہوتے ہیں ۳ اور آفتاب کی طرح شفقت فرماتے ہیں۔ زمین ہر ایک کو ٹھیراتی ہے ہر ایک کے لیے اُس کا دامنِ کرم کھلا ہے دریا گندگی کو دھو ڈالتی ہے ۳ اور سورج اُس دھلے ہوئے کو سکھاتا ہے تاکہ لباسِ یار کو پہن سکے۔ اے بندے اہلِ سعادت کی محفل اختیار کر اور لَا يُؤْمِنُوْنَ کی شقاوت والوں سے دور بھاگ۔ نیکوں کی صحبت نیک کاموں سے بہتر ہے اور بدوں کی صحبت بُرے کاموں

سے بدتر ہے مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَ قَلْبُهٗ مُطْمَىٕنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَ لٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۔ عالمِ ناسوتی عیاشیوں لذتوں آرام مستیوں کے بعد جب کوئی مریدِ حق آستانۂ مرشد سے ۔ بیابانِ ظلمات کو چھوڑ کر وادیٔ معرفت میں قدمِ ایمان رکھتا ہے تو خیابانِ نفس سے ہزارہا ظلم وجفا آندھیاں اٹھتی ہیں جو دوسواس کی جھاڑیوں میں الجھا کر اور سابقہ عیش ولذت کو یاد دلا کر مرتدِ معرفت بنانا چاہتی ہیں ۔ تو جو سفرِ مراد کا نووارد مسافر ۔ لذتِ محبتِ محبوب اور دردِ عشق کی مٹھاس سے ناواقف ہو عبادت کی نمازوں ۔ ریاضت کے روزوں ۔ مشقتِ وظائف کے چلوں ۔ خلوتِ دنیا اور تنہائیٔ قلب کے بوجھل مراقبوں کو برداشت نہ کرتے ہوئے شیطانی خوشنودی اور قلب کُشی کر کے پھر کفرِ باطنی کے لیے سینہ کھول دے تو اُن پر قہرِ محرومی کا غضب اور بربادیٔ اعمال کا عذابِ عظیم وارد ہوتا ہے ۔ ہاں البتہ وہ قلبِ مخلص وصابر جو راہِ ولایت کی مشقتوں ۔ مصیبتوں کو جھیلتے ہوئے ۔ آستانۂ مرشدِ قدس پر سرِ نیاز جھکانے سے مطمئن ہو ۔ اور تخیلاتِ نفسانی کی ہلاکت سے بچنے کے لیے حلیۂ نفسانی میں بدل جائے وہ شقاوتِ ازلی ابدی سے بچ جائے گا ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ مسافرِ معرفت کی پہلی میزبانی دلجوئی ہے دلجوئی اکراہِ باطن سے اور نیتِ قلبی اطمینان ہے ۔ مسلمان کو گناہ اتنا ضرر نہیں پہنچا) جتنا اپنے مسلمان و ہم مسلک کو ذلیل وخوار کرنا ۔ عارف وہ ہے جو ماسوا کو دل سے مٹا دے اور کسی اکراہ میں نہ آئے ۔ نفس وشیطان کتنا ہی مجبور کرے مگر گناہ سے کم از کم ایسا دور رہے کہ عمرِ بلاغت کی مقدار برابر فرشتے اس کا گناہ نہ لکھ سکیں ۔ شریعت میں نابالغ وہ ہے جس کی غلطی گناہ نہ بنے طریقت میں نابالغ وہ ہے جس کے گناہ سرزد نہ ہوں ۔ اگرچہ مَنْ اُكْرِهَ ہو جائے ۔ چار چیزیں مردانِ معرفت کے جوہر ہیں ۔ ع۱ غریبی میں اظہارِ امیری اور شکر ع۲ بھوک میں اظہارِ دلیری ع۳ غم میں اظہارِ خوشی ع۴ ذاتی دشمن سے بھی اظہارِ دوستی ۔ یہ چیزیں غضبِ الٰہی اور عذابِ عظیم سے بچاتی ہیں ۔ مسلمان کو چاہیے کہ تین چیزوں کو دوست بنائے ع۱ فقیری ع۲ بیماری ع۳ موت ۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى

وہ سزا اس وجہ سے ہے کہ انہوں محبت چاہی دنیوی زندگی سے بدلے

یہ اس لیے کہ انہوں نے دنیا کی زندگی آخرت سے

الْاٰخِرَةِ ۚ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۷﴾

آخرت کے اور بیشک اللہ نہیں ہدایت دیتا کافر لوگوں کو

پیاری جانی اور اس لیے کہ اللہ ایسے کافروں کو راہ نہیں دیتا

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَ

وہی ہیں یہ کہ مہر لگا دی اللہ نے پر دلوں اُن کے اور

یہ ہیں وہ جن کے دل اور

اَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ لَا

کانوں اُن کے اور آنکھوں اُن کی اور یہی ہیں غفلت میں رہنے والے ۔ نہیں ہے

کان اور آنکھوں پر اللہ نے مہر کردی ہے اور وہی غفلت میں پڑے ہیں ۔ آپ ہی

جَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ ثُمَّ

شک کہ بیشک وہ ہی آخرت میں خسارہ والے ہیں ۔ پھر

ہوا کہ آخرت میں وہی خراب ہیں پھر

اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا

یقیناً رب آپ کا اُن کے لیئے ہے جو مہاجر بنے سے بعد اس کے کہ بڑے امتحانوں میں ڈالے گئے

بیشک تمہارا رب اُن کے لیے جنہوں نے اپنے گھر چھوڑے سے بعد اس کے کہ ستائے گئے

ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا ۙ اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ

پھر جہاد کیا انہوں نے اور صبر کیا انہوں نے بیشک رب آپ کا سے

پھر انہوں نے جہاد کیا اور صابر رہے بیشک تمہارا رب

ع ۲۰

بَعۡدِهَا لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

بعد ان خطاؤں کے ہے البتہ بخشنے والا رحم والا

اس کے بعد ضرور بخشنے والا ہے مہربان

تعلق

ان آیات کریمہ کا تعلق پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح سے ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں کفار مکہ کے ظاہر بظہور بڑی دلیری سے کفر کرنے کا ذکر ہوا تھا اب ان آیتوں میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ ان کو دنیا پیاری ہے نہ کہ آخرت۔

دوسرا تعلق۔ کفار کے شرح صدر کا بیان ہوا اور اس کی سزا و عذاب کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان کے دلوں۔ کانوں۔ آنکھوں کے اوپر مہر الٰہی لگنے کا ذکر ہے۔ گویا کہ پہلے ان کے کشادہ کھلے ہوئے کفر یہ سینے کا ذکر تھا کہ وہ کھلا ہی اس لیے ہے کہ وہاں کفر آ رہا ہے۔ اب ان کے بند دل کا ذکر ہے کہ ایمان ان میں جا ہی نہ سکے۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں ان مومنوں کا ذکر ہوا جن کو کفر بولنے پر مجبور کیا گیا اور انہوں نے کفر بول کر اپنی جان بچائی۔ اب ان آیتوں میں ان مومنوں کا ذکر کیا گیا جن کو گھر وطن چھوڑنے پر مجبور کیا گیا اور انہوں نے گھر بار چھوڑ کر اپنا ایمان بچایا۔

شانِ نزول۔ یہ چار آیات ایک روایت کے مطابق۔ حضرت عیاش بن ربیعہ (یہ ابوجہل کے رضاعی یا اخیافی بھائی تھے) اور ابو جندل بن سہل اور ولید بن ولید بن مغیرہ اور سلمہ بن ہشام اور عبداللہ بن اسد ثقفی کی شان میں نازل ہوئیں۔ جن کو کفار نے ایذائیں دیں۔ (صاوی) ایک قول ہے کہ یہ آیت حارث بن سوید انصاری کے لیے آئی جو مرتد ہو کر کفار سے مل گئے تھے پھر اسلام لائے اور بہت بڑے مجاہد ہوئے پہلے ارتداد کی وجہ سے ان کے قتل کا فیصلہ ہو گیا تھا (جمل)۔

تفسیر نحوی

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا الۡحَيٰوةَ الدُّنۡيَا عَلَى الۡاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهۡدِى الۡقَوۡمَ الۡكٰفِرِيۡنَ ۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَسَمۡعِهِمۡ وَ اَبۡصَارِهِمۡ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید مبنی ہے بحالت رفع ہے محلًا۔ مبتدا ہے اس کا مشار الیہ محذوف منوی ہے الوعید (جمل) یا عذاب۔ بَ جارّہ سببیہ اَنَّ حرفِ تشبیہ ھُمۡ ضمیر اس کا اسم جس کا مرجع کفار مشرکین۔ اِسۡتَحَبُّوۡا۔ باب استفعال کا ماضی مطلق ثبت معروف مصدر ہے اِسۡتِحۡبَابٌ حُبٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ محبت کرنا۔ چاہنا۔ پسند کرنا۔

پیارا سمجھنا ۔ الف لام جنسی حَیٰوۃ اسم مفرد جامد بمعنیٰ زندگی ۔ موجودگی ۔ اَلدُّنیا ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ دُنیا ۔ اسم تفضیل مؤنث صفت ہے موصوف صفت مفعول بہ ہے ۔ خیال رہے کہ حیاتِ دنیا اُس زندگی کا نام ہے جس میں قوّتِ نامیہ ہوتی ہے ۔ یعنی اعضاءِ جسم کا بڑھنا ۔ کیونکہ دنیا دُنُوٌّ سے بنا ہے اور دُنُوٌّ کا ایک ترجمہ گھٹنا بڑھنا ہے ۔ اَجسام کی بالیدگی صرف اِسی دنیوی زندگی کا خاصّہ اسی معنیٰ میں بھی اِس کا نام الحیات الدنیا ہے برزخی اور اُخروی زندگی میں قوّتِ نامیہ نہیں ہوگی ۔ علیٰ استلائیہ الف لام عہدی آخرۃ اسم فاعل مؤنث ۔ بمعنیٰ پیچھے ہونے والی آخرت کا عالَم مراد ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اِسْتَحَبُّوْا کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اَنَّ کی وہ جملہ اسمیہ خبریہ تحقیقیہ ہوکر خبر مبتدا ہوئی ۔ واؤ دُوسرِ جملہ اَنَّ اللّٰہَ ۔ اَنَّ حرفِ تحقیق ۔ مفتوحُ الہمزہ ہے ۔ کیونکہ بتدا ہے مَابعد کا ۔ بقاعدۂِ نحو یہ دس جگہ اِنَّ مکسورہ ہوتا ہے اور نو جگہ اَنَّ مفتوحہ ہوتا ہے ۔ جن میں سے ایک یہ ہے ۔ اَللّٰہُ اسم اَنَّ ۔ لَایَھْدِیْ ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی معروف واحد غائب مذکر ھُدیٰ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ قُرب کی منزل تک پہنچانا ۔ یعنی منزلِ مقصود تک ۔ توفیقِ ایمان دینا ۔ یہاں دونوں معنیٰ مراد ہیں ۔ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل ہے ۔ جس کا مرجع اللّٰہ تعالیٰ ہے ۔ الف لام استغراقی قَوْمَ ۔ اسم مفرد لفظی الف لام استغراقی ۔ کٰفِرِیْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ فتحہ ہے بمعنیٰ شرک کرنے والے اللّٰہ رسول کی نافرمانی اور انکار کرنے والے ۔ صفت ہے قوم کی اور جمعیت معنوی میں تابع متفق ہے ۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لَایَھْدِیْ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر اَنَّ ۔ یہ سب مل کر مبتدا ہوا ۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ قریبی ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ۔ طَبَعَ فعل ماضی ۔ واحد مذکر غائب ۔ طَبْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مہر لگا دینا ۔ بیکار کردینا ۔ کسی چیز کا چھاپ دینا ۔ خواہ ابھار کر یا کھود کر ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے امام رازی نے سورہ بقرہ کے شروع میں خَتْمٌ اور طَبْعٌ میں آٹھ فرق بیان کیے ہیں جن میں ایک یہ کہ خَتْمٌ کے معنیٰ ٹھپّا لگاکر بند کرنا اور طَبْعٌ کے معنیٰ کسی چیز پر سخت اور موٹا پردہ کَس کر بند کرنا اللّٰہ اِس کا فاعل علیٰ جارّہ فوقیت کا قلوب جمع مکسّر ہے قلب کا بمعنیٰ دِل ھِمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ سَمْعِ اسم مفرد جمع جنسی ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ واؤ عاطفہ اَبْصَارِ جمعُ مکسّر ہے بَصَرٌ کی بمعنیٰ آنکھ ۔ ھِمْ ضمیر مضاف الیہ یہ سب مرکب اضافی جملہ عاطفہ ہوکر مجرور ہوا جار مجرور متعلق ہے طَبَعَ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مشار الیہ اسم اشارہ مشار الیہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ ۔ ھُمْ ضمیر مرفوع بتدا ہے ۔ الف لام اسمی غٰفِلُوْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر بابِ ضرب سے ہے ۔ غَفْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ بے سمجھ ۔ نادان ۔ لاپرواہ ۔ یاد کرنے کے بعد بھول جانا جلنتے

بوجھتے نہ سمجھ رکھنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ رفع خبر مبتدا ہے۔ جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے پہلے اُولٰئِكَ پر۔ وہ سب مل کر خبر مبتدا۔ اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر مکمل ہوا۔ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ لَاجَرَمَ۔ ایک قول میں لفظِ مرکّب۔ لا۔ جرم دو علیحدہ لفظ ہیں لا نافیہ۔ جَرَمَ بمعنیٰ شک۔ ایک قول میں یہ اب بسیط ہے بمعنیٰ یقیناً ایک قول میں۔ یہ ماضی منفی ہے واحد مذکر غائب کا صیغہ۔ ہم اسی قول سے ترکیب کرتے ہیں۔ ترجمہ ہوگا۔ کبھی بھی شک نہیں ہے۔ یعنی شک کا وجود تک نہیں ہے۔ لاشکّ۔ لاریب کا ترجمہ بھی اگرچہ یہ ہی ہے مگر یہاں شدّتِ نفی اور یقین کی تاکید بھی ہے۔ جس سے اگلے کلام کی اہمیت کی وضاحت ہوئی۔ اَنَّ حرفِ مشبّہ هُمْ ضمیر اس کا اسم منصوب ہے متصل ہے اس کا مرجع قَوْمِ کٰفِرِیْنَ ہے۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام عہدِ خارجی۔ آخِرَتِ۔ اسم فاعل مؤنّث مراد ہے بعد قیامت عالمِ عقبیٰ عالمِ جزا۔ بحالتِ کسرہ متعلق مقدّم ہے۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب تاکید ہے پہلے هُمْ کی یہ مؤکد تاکید اسم اَنَّ ہے الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْنَ اسم موصول خٰسِرُوْنَ۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر باب ضَرَبَ سے ہے خَسَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ گھاٹا۔ نقصان۔ پانے والے۔ ضائع کرنے والے برباد کرنے والے۔ یا ہونے والے بحالتِ رفع ہے۔ اپنے فاعل هُمْ ضمیر مستتر اور متعلق مقدّم سے مل کر خبر اَنَّ ہوئی اور وہ جملہ اسمیہ تحقیقیہ ہوکر فاعل ہوا لاجَرَمَ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہوا فعل با فاعل۔ مکمل۔ ایک ترکیب هُمُ الْخٰسِرُوْنَ بتدا خبر ہوکر پورا جملہ اسمیہ خبریہ خبر ہے اَنَّ کی ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَ صَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ ثُمَّ۔ حرفِ عطف لغو کیونکہ شروع کلام میں ہے حروفِ عطف ہمیشہ درمیانِ کلام میں آتے ہیں۔ اگر ابتدا میں آجائیں تو لغو ہوتے ہیں یعنی معطوف علیہ معطوف نہیں تعقیب رتبی کے لیے یعنی اُن کے حالات یہ ہوں گے اور ہوئے اِنَّ حرفِ تحقیق۔ رَبَّ مضاف كَ ضمیر واحد حاضر۔ مضاف الیہ۔ مرکّب اضافی اسم اِنَّ ہے۔ لام جارّہ نفع کا یا بمعنیٰ مع (ساتھ) اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر هَاجَرُوْا۔ باب مُفَاعَلَةٌ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر اس کا فاعل مستتر مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے بَعْدِ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے مَا موصولہ فُتِنُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت مجہول ایک قرأت میں فَتَنُوْا ماضی معروف ضمیر مستتر کا مرجع کفار ہوں گے هُمْ مستتر نائب فاعل جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول کا۔ اور وہ مضاف الیہ مرکّب مجرور متعلق هَاجَرُوْا۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ ثُمَّ حرف عطف تعقیب تراخی کے لیے جٰهَدُوْا۔ ماضی مطلق باب مُفَاعَلَةٌ۔ هُمْ پوشیدہ اس کا فاعل۔ فعل

با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ صبروا ۔ ماضی مطلق صبرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ برداشت کرنا ۔ جاہدوا کا مصدر ہے مجاہدۃٌ ۔ بمعنیٰ جنگ کرنا یہ سب عطف مل کر صلہ ہوا ۔ الذین کا موصول صلہ مجرور ہوا ۔ جار مجرور متعلق ہے ناصرٌ پوشیدہ اسم فاعل کا ھُوَ اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی ۔ وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبَّکَ ۔ مرکب اضافی اسم اِنَّ ۔ خیال رہے کہ ان دونوں جگہ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ مِنْ جارہ بیانیہ ۔ بَعْدِ ۔ اسم ظرفِ زمانی ۔ نکرہ معرب متمکن ہے ۔ مضاف ہے ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ اس کا مرجع یہ سب حالات ہیں (یعنی فتنہ ۔ ہجرت ۔ جہاد ۔ صبر ۔) یہ مرکب اضافی مجرور ہوا جار مجرور متعلق مقدم ہے غَفُورٌ رَحِیمٌ کے ۔ لام کے ابتدائیہ تاکیدیہ غفورٌ بروزنِ فعولٌ صفتِ مشبہ غَفرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ بخشنا ۔ چھپانا ۔ مٹانا ۔ رَحِیمٌ رَحْمٌ سے مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ رحم کرنا شفقت ۔ مہربانی کرنا ۔ غفورٌ یہ خبر اول ہے اِنَّ کی رَحِیمٌ خبر دوم ہے ۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ ۙ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ وہ مسلمان ہونے کے بعد پھر مرتد ہو جانا دوسرے کسی بھی کفریہ دین میں چلے جانا اس لیے نہیں کہ کسی دین میں کوئی اچھی بات اچھی دلیل یا کوئی اصولی اور معجزاتی چیز اُس دینِ باطل میں نظر آگئی یا مرتد کی تحقیق و تفتیش کے ذریعہ اسلام سے اچھی کوئی خوبی اس دوسرے دین و مذہب میں اُس کو مل گئی ۔ نہیں ایسی کوئی بات نہیں ۔ بیشک اِن نادانوں کے مرتد ہوتے اسلام چھوڑنے کفر میں دوبارہ جانے کا فقط یہ سبب ہے کہ انہوں نے کفار کا لالچ قبول کرتے ہوئے دنیوی زندگی کے عیش و آرام و دولت چاپلوسی کو دقتی آؤ بھگت پر مرمٹتے ہوئے آخری دائمی عظیم الشان طیب طاہر زندگی کے مقابلے میں پسند کرلیا ۔ حقیقت واقعی بھی یہی ہے اور آج تک کے تجربے اور مشاہدے سے بھی ثابت ہے کہ کوئی بھی عقلمند تحقیق و تفتیش اور مذاہب و ادیان کی چھان بین اور تلاشِ حق کی نیت سے جستجو کرنے والا کبھی بھی اسلام سے منحرف یا روگرداں ہوتا نہیں دیکھا گیا ۔ جو بھی اسلام سے مرتد ہوتا ہے وہ یا لالچ میں آکر یا دھمکی اور دباؤ میں آکر ۔ کفار کے پاس مذہبی تبلیغ اور مشہوری کے لیے لالچ اور ناجائز دباؤ ۔ دھمکیوں کے ہی ہتھیار ہیں ۔ باطل دین کی محبت صرف نوکری چھوکری ۔ اور کوٹھی میں ہے ۔ یہی کیفیت باطل فرقوں

کی ہے۔ اور جب کوئی شخص کسی دین کو دنیوی دولت لالچ کے لیے قبول کرتا ہے تو وہ گویا سچے اور جھوٹے دین کو محض تماشہ اور کھیل دل لگی سمجھتا ہے۔ اور وہ زمین میں فساد برپا کرنے کا خطرناک ذریعہ بن جاتا ہے اس لیے وہ زمین پر ایک بوجھ ہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ایسی کافر قوم کو کسی قسم کی ہدایت اور کھلی چھٹی نہیں دیتا۔ ایسے شخص کے لیے دو ہی راستے ہیں یا پھر دوبارہ بندہ بن جائے اور ٹھیک طرح مسلمان ہو جائے یا پھر اس کا وجود زمین سے ختم کر دیا جائے یہی مرتد لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے جہالت و حماقت کی اور کانوں پر بہرا پن اور بے توجہی کی۔ آنکھوں پر اندھا پن گمراہی کی سخت ڈاٹ اور رکاوٹ لگا دی۔ اور یہ لوگ دنیا کے نشے میں ایسے مدہوش لالچی عیاش ہو چکے ہیں کہ مرتد ہونے کے دنیوی اور اُخروی انجام سے بالکل ہی غافل ہیں ایسے غافل اور غفلت میں ایسے کاہل کے جانوروں سے بدتر اپنے کریم رحیم رب تعالیٰ ہی کو بھول گئے خیال رہے کہ دنیا میں زندگی صرف دین و ایمان اور عبادتِ رحمٰن کے لیے بنائی گئی ہے۔ اور دین نام ہے غور و فکر تدبر۔ تعقل۔ علم۔ دلائل۔ اصول و قوانین۔ شریعت و معرفت کے ذریعے رب تعالیٰ تک پہنچنا۔ لہٰذا جب بھی کوئی شخص کوئی دین اختیار کرنا چاہے تو دین میں یہ چیزیں تلاش کرنا چاہیے نہ لالچ کو مدنظر رکھا جائے نہ ابن الوقتی اور ذاتی مفاد کو۔ نہ دھمکی و دباؤ سے دین بدلا جائے۔ اور چونکہ دینی دنیوی تمام خوبیاں اور مضبوط دلائل صرف اسلام میں ہی ہیں اس لیے اسلام کو چھوڑنے والا صرف اپنا لالچ اور ذاتی مفاد پورا کرنا چاہتا ہے۔ ایسے شخص کو جہاں سے مفاد ہو وہیں چلا جاتا ہے یہ ابن الوقتی غداری اور فساد ہے اسی وجہ سے مرتد کی سزا قرآن مجید نے توبہ یا قتل بیان کی ہے۔ اور جس طرح دنیوی سلطنتوں کا غدار فسادی زندہ نہیں رکھا جاتا اسی طرح ایسے دین کے غدار کو بھی زمین پر باقی نہیں رکھا جا سکتا۔ اور زندگی کی کسی بہار دیکھنے کی ان کو ہدایت و راہنمائی نہیں دی جا سکتی اسی لیے عقل بھی تقاضہ ہے کہ مرتد کو قتل ہی کر دیا جائے ہاں البتہ مرتد کو توبہ کرنے تسلی و تشفی کا وقت اور مہلت ضرور دی جائے گی اور اگر مرتد کے بھاگ جانے کا اندیشہ ہو تو اس مہلت کے لیے قید بھی کیا جا سکتا ہے۔ لَاجَرَمَ اَنَّهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ. ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ بغیر کسی وہم گمان اور خام خیالی اور شک کے بیشک یہ بات یقینی ہے کہ وہ مرتدین جنہوں نے اسلام جیسے آسان تر دینِ الٰہیہ کو بلاوجہ مشکل اور کٹھن سمجھتے ہوئے چھوڑ کر کوئی دوسرا دین اختیار کر لیا یا اپنے پچھلے دین پر لوٹ گئے۔ آخرت میں بہت ہی گھاٹے اور نقصان والے ہیں اُخروی

گھاٹے کی چھ صورتیں ہیں جو سب ان کفار کو ملیں گی۔
ع۱ ان کے لیے غضب الٰہی لازم اور واجب ہے۔ ع۲ یہ عذاب الٰہی کے مستحق ہو چکے۔
ع۳ ان کو چند روزہ غفلت و ذلت کی زندگی تو مل جائے گی مگر آخرت کی باعزت زندگی نہ ملے گی۔
ع۴ نہ دنیا میں کسی بھی چیز کی ہدایت الٰہیہ نصیب ہو۔ ع۵ دل کان آنکھ پر مہر۔ ڈاٹ (موٹا پردہ) ہو جانا۔ ع۶ کبھی بھی راست بازی کا ہوش نہ آنا۔ مومن اگرچہ فسق و فجور میں مبتلا ہو کر وقتی عارضی غفلت میں پڑ جاتا ہے لیکن وہ گھاٹے اور خسران میں نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ توحید رسالت کی امانت اُس کے پاس ہوتی ہے۔ یہ کمزور دل پلپلے نو مسلمانوں کا حال تھا جو ذرا سی سختی و دھمکی سے اسلام چھوڑ بیٹھے۔ مگر بھیر وہ لوگ جنہوں نے اسلام قرآن اللہ رسول کے لیئے اپنے وطن گھر بار کو مال و دولت بیوی بچے چھوڑے اور راہِ خدا میں قربان کئے اپنی امیرانہ جائدادیں چھوڑیں وطن سے بے وطن مسافر ہوئے۔ ماریں کھائیں زخم اٹھائے فاقے کئے مگر کسی بھی حالت میں اپنے ہادی برحق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دامن نہ چھوڑا اور ہر معرکے جنگ و جہاد میں سینہ سپر رہے۔ ہجرت و جہاد ہر موقعہ پر صبر کیا اور خالص اللہ رسول کے بندے ہو گئے تو آپ کا رب تعالیٰ بھی ان ہی کے لیے اور رب کی دنیوی عزتیں اُخروی دولتیں بھی ان کے لیے ہی ہیں۔ بہت سے لوگوں پر تو کفار مکہ نے ہر طرح کے فتنے سزائیں قتل و غارت دھمکیاں۔ خوف وہراس طاری کیئے۔ اور کئی لوگ فتنے میں مبتلا ہو گئے اس طرح کہ کفار کی دھمکیوں میں آکر مرتد ہو گئے لیکن پھر جب ان کو سمجھایا گیا تو دوبارہ مسلمان ہو گئے کچھ نے تقیہ کر کے جھوٹ بول کر کفریہ باتیں کیں اور اپنی آخرت خراب کی کسی نے کفار سے ڈر کر۔ ذرا سی دھمکی سے اللہ رسول میں شک کرنا شروع کیا۔ پھر بہت عرصے بعد مسلمان بنے اِن تمام حرکتوں کے باوجود بیشک اے حبیب کریم آپ کا رب اس کے بعد بھی اپنے بندوں تمہارے غلاموں کے لیے البتہ بہت ہی بخشنے والا جلدی توبہ قبول کرنے والا۔ بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ یہاں جس فتنے کا ذکر ہے وہ اُن صحابہؓ مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی طرف سے آٹھ طرح بر پا ہوا۔
ع۱ ایذائیں ع۲ دھمکیاں ع۳ قتل مار توڑ ع۴ مرتد ہونے پر لالچ اور ترغیب ع۵ نو مسلمانوں کی غریبی کمزور بزدلی ع۶ ڈرادا دینا ع۷ بزدل مسلمانوں کا پورا دل زبان سے مرتد ہو جانا پھر بہت مدت بعد دوبارہ سچا پکا مسلمان ہونا ع۸ کچھ ضعیف مسلمانوں کا صرف زبان سے تقیہ کرتے ہوئے مرتد ہو جانا۔ اگرچہ یہ بھی اُس وقت گناہ تھا۔ مگر یہ گناہ ہجرت۔ جہاد اور صبر سے ختم ہو گیا ضقاریت

اور رحیمیت یہ ہے کہ مرتدین کی سچی توبہ اور آئندہ کے لیئے پختہ مسلمان ہو جانے سے سابقہ گناہ اور زمانۂ ارتداد کی گستاخیاں اور کفار کی امداد کا گناہ بغیر سزا معاف کر دیا گیا مِنۡ بَعۡدِهَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ رحم و بخشش اُن کے اُن برے عملوں کے بعد ہوئی دوم یہ کہ یہ بخشش و رحم اُن کی سچی توبہ کے بعد کیا گیا۔ خیال رہے کہ ان آیت میں چھ قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا ع ۱ سخت ترین ظاہر کافر۔ ع ۲ سخت ظاہری مرتدین ع ۳ قوی دل مضبوط ایمان والے بہادر۔ دلیر مسلمان ع ۴ کمزور اور بزدلی کرنے والے مسلمان ع ۵ مرتد ہو کر پھر اسلام کی طرف لوٹ آنے والے مسلمان ع ۶ کفارِ مکہ کی اذیتوں کو سہنے برداشت کرنے کے بعد ہجرت۔ جہاد۔ صبر کرنے والے اُولُوالعزم صحابہ مسلمان۔

(تفسیر کبیر۔ مظہری ابن کثیر۔ جُمَل۔ مدارک صفوۃ التفاسیر۔ خزائن)۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا کی زندگی سے محبت کرنا مومن کے لیے جائز بلکہ بہتر ہے اور کافر و فاسق کے لیے گناہ ہے۔ کیونکہ مومن حیاتِ دنیا کی خواہش عبادات ریاضات خدمتِ اسلام کے لیے کرتا ہے۔ مگر کافر مال و دولت جمع کرنے کے لیے اور فاسق۔ گندگی زندگی گزارنے کیلئے زندگی طلب کرتا ہے۔ یہ فائدہ بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ خیال رہے دنیوی زندگی مومن کے لیے اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے اس لیے کہ وہ اس کے ذریعے آخرت کی زندگی کو حیاتِ طیبہ بنا لیتا ہے۔ اور یہی زندگی کافر و فاسق کے لیے عذاب اور مصیبت ہے۔ کہ اس کی محبت میں وہ آخرت کو تباہ کر لیتا ہے۔ **دوسرا فائدہ۔** اللہ رسول کی محبت اور عشق میں کفر بول دینا بھی نیکی اور درستی ہے۔ دیکھو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے صرف اس لیے کفر بول دیا تھا کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل مجلس دیدار نصیب ہو۔ اسی لیے اس کو صحیح قرار دیا گیا یہ فائدہ بھی بِاَنَّهُمُ اسۡتَحَبُّوا سے حاصل ہوا۔ کیونکہ کفار کی محبتِ دنیا۔ کفر ہے۔ مومن کی عین ایمان۔ **تیسرا فائدہ۔** سب سے بڑی خوش نصیبی۔ قلب کی زندگی اور دل کا جاگنا ہے۔ دل کی موت اور غفلت بد قسمتی ہے۔ یہ فائدہ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡغٰفِلُوۡنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ غفلت کفر کی نشانی ہے مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔ **چوتھا فائدہ۔** دنیا میں بہت سے نیک کام ایسے ہیں کہ جو خود بھی باعثِ ثواب ہیں لیکن ان کے ذریعے سابقہ گناہ بھی مٹا دیئے جاتے ہیں اور بندہ ایسے اچھے عمل کر کے اگلے پچھلے گناہوں سے پاک ہو جاتا ہے۔ مثلاً حجِ مقبول یعنی صحیح شرعی حج اور جہاد۔ ہجرت۔ کفار کے مصائب پر صبر شکر۔ والدین کی دعائیں۔ ہر خطا و لغزش کا

کفارہ بن جاتی ہیں۔ یہ فائدہ۔ مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا۔ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیا کی محبت دنیا سازی اور کاروبار کے لیے چاہنا گناہ ہے اور ساری زندگی ہائے دنیا میں گزار دینی حرام ہے۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ دنیا دار کی زندگی کفر کی زندگی کے مشابہ ہے۔ یہ مسئلہ عَلَى الْاٰخِرَةِ کے تقابل سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ دنیا کے اعتبار سے وہ نقصان میں ہے جس کی عقل کاروبار اور تجارت کے لائق نہ ہو۔ اور آخرت کے اعتبار سے وہ نقصان اور خسارے میں ہے۔ جس کا دل ایمان کے لائق نہ رہے۔ یہ مسئلہ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ مسلمان اگر کسی وجہ سے کفرستان کو چھوڑ جائے اور ترکِ وطن کر جائے تو پھر وہ اپنی اس منقولی غیر منقولی جائداد کا مالک نہیں رہتا۔ لہٰذا جب کبھی دوبارہ مسلمان حکومت اس پر قبضہ کرلے تو وہ جائیداد مالِ غنیمت یا موجودہ مالک کی ملکیت تصور ہوگا (احناف) یہ مسئلہ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ جب تک شرعی قانون والی ملکیتی جائیداد کسی ملک یا شہر میں کسی کی ہوگی اُس وقت تک وہ شخص مہاجر اور تارکِ وطن نہیں بن سکتا۔ ایسے شخص کو مسافر تو کہا جاسکتا ہے مہاجر نہیں۔ مہاجر وہی ہے جس کی جائیداد اور وطنیت اس علاقے سے ختم ہو جائے اگرچہ وہ شخص جائیداد بیچ کر ہی نکلا ہوا ہو۔ **چوتھا مسئلہ**۔ مہاجرِ شرعی صرف وہ ہے جو دین بچانے اور اللہ رسول کے لیے گھر سے وطن سے نکلے یا جبراً نکالا جائے مسلمان ہونے کی بنا پر۔ اِسی وجہ پر پاکستان کی تقسیم کے وقت مسلمانوں کا ہندوستان چھوڑنا شرعی ہجرت ہے اور راستے میں کفار کے ہاتھوں قتل ہونا شہادت ہے۔ یہ مسئلہ۔ مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ قائدِ اعظم محمد علی مرحوم نے یہ نعرہ لگوا کر کہ۔ پاکستان کا مطلب کیا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ تین فائدے پہنچائے۔ ۱ ایک یہ کہ پاکستان واقعۃً بن گیا۔ اگر یہ نعرہ نہ لگتا تو پاکستان کبھی نہ بن سکتا۔ اور دنیا کی تاریخ میں یہ پہلا نظریاتی ملک ہے جو صرف کلمہ طیبہ کے نعرے سے بن گیا۔ دوئم یہ کہ ترک مکانی اسلامی ہجرت بن گئی۔ سوئم یہ کہ اس راستے کا قتلِ مومن شہادت بن گئی۔ آج اگرچہ بنگلہ دیش سیاسی شرارتوں کی بنا پر علیحدہ اسلامی ملک بن گیا ہے مگر اُن لوگوں کو بھی قائدِ اعظم کا شکریہ اور دن منانا چاہیئے۔ کیونکہ اس ملک کی ہندوؤں سے آزادی تو قائدِ اعظم ہی کی وجہ سے ہے۔ ورنہ وہ علاقہ بھی آج تک ہندوؤں کی مظلوم ریاست

بن جاتا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی کافر کو ایمان وغیرہ کی ہدایت نہیں دیتا۔ حالانکہ دنیا کے سب کافر رب تعالیٰ کی ہدایت سے ہی مسلمان ہوئے ہیں۔

جواب۔ اس کا جواب خود اگلی آیت میں رب تعالیٰ نے دے دیا کہ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ (الخ) یعنی یہاں تمام کفار کا ذکر نہیں بلکہ اُن کافروں کا ذکر ہے جن کا کفر پر مرنا مقدر ہے۔

دوسرا اعتراض۔ جب اللہ نے دلوں۔ کانوں آنکھوں کو خود ہی بند کر دیا تو اب کافر اگر مسلمان نہ بنیں تو اُن کا کیا قصور۔

جواب۔ یہاں طَبَعَ فرمایا گیا۔ یعنی کفار نے پہلے قصور کئے اور اُن قصور جرائم کی سزا میں انکے کانوں دلوں کو بند کر دیا گیا۔ جیسے کوئی شخص لکڑی کو مٹی میں دبا دے اور رب تعالیٰ اُس کو گھن لگا دے یا لوہا پانی میں ڈال دیا جائے اور اللہ تعالیٰ اُس کو زنگ لگا دے۔ اسی طرح کفار نے اپنے آپ کو کفر کی گندگی میں ڈالا۔ تو دل ایسا زنگ آلود ہوا کہ قرآن و حدیث سنتے ہیں مگر دل میں اثر نہیں آنکھوں سے معجزات دیکھتے ہیں مگر شعور نہیں آتا۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِنَّ رَبَّکَ مِنْۢ بَعْدِھَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ یعنی بیشک آپ کا رب اِس کے بعد البتہ غفور رحیم ہے۔ تو کیا وہ اس سے پہلے غفور رحیم نہیں تھا۔ باری تعالیٰ کی تو ہر صفت قدیم ہے۔

جواب۔ ہر صفت کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں ۱ صفت بِالْقُوَّہ ۲ صفت بِالفعل۔ صفتِ بالقُوّہ یعنی کام کی قوت وصلاحیت۔ اللہ کی تمام صفات اِس بِالْقُوَّہ ہونے کے اعتبار سے قدیم ہیں لیکن بالفعل یعنی عمل در آمد کرنے کے لحاظ سے بہت سی صفات حادث ہیں۔ مثلاً صفتِ خالقیت رازقیت اپنی صلاحیت کے اعتبار سے قدیم ہے۔ مگر عملی طور پر یہ صفت اُس وقت ہوئی جب وہ بندے پیدا ہوئے جن کو رزق دینا تھا اور دیا گیا۔ اسی طرح یہاں ہے۔ کہ بالقوّہ رب تعالیٰ قدیم سے ہی غفور رحیم ہے لیکن غفاریت کا ظہور اور فعل مِنْۢ بَعْدِھَا ہے۔

تفسیر صوفیانہ ذٰلِکَ بِاَنَّھُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا عَلَی الْاٰخِرَۃِ وَاَنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَسَمْعِھِمْ وَاَبْصَارِھِمْ

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ ۝ نفوسِ حیوانیہ کا وہ بار بار میلانِ کفر اور انشراحِ شرک اس وجہ سے ہے کہ کسادتِ نفس نے غفلت آرام طلبی کے ادنیٰ گھٹیا لمحات کو عبادتِ جسد اور مراقبۂ قلب کے منوّر مبارک لمحاتِ نور کے مقابل زیادہ پسند کیا۔ اور چونکہ حبِّ دنیا ہر گناہ کی اصل اور بڑے دنیا کی محبت ایسا موٹا پردہ ہے کہ ہر گناہ اسی میں سمایا ہوا ہے اسی نے بصیرتِ قلبی کو اندھا کر دیا ہے اور مادۂ جسمانیہ میں زہرِ غفلت گھول دیا ہے جس سے شقاوت کی موت واقع ہے۔ اور بیشک مولیٰ تعالیٰ اُن محجوبینِ کفر کو ہدایتِ منزلِ مشاہدہ عطا نہیں فرماتا جو حبِّ دنیا کے حجابِ کسل و نسیان میں اس طرح مستور ہو چکے ہوں کہ قبولِ ہدایت ممتنع ہو گئی ہو۔ یہی وہ بد نصیب ازلی ہیں جن کے مُردہ قلبوں پر قساوت اور سماعتِ باطنی پر کدورت اور بصارتِ عقبیٰ پر اللہ نے شقاوت کی مہر لگا دی۔ اور یہی لوگ ہیں جو الہاماتِ الٰہیہ کے نزول اور فہمِ مکاشفہ اور صوتِ سرمدی کے سننے سے قبضِ نسیان کی غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ لَا جَرَمَ اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۔ یقیناً وہ ہی لوگ جنہوں نے حیاتِ دنیوی کو لذاتِ نفس کی دنیا میں برباد کر دیا۔ عقل و شعور کی تمام سعی و تدابیر کو حصولِ دنیا میں خرچ کر دیا۔ اور وبالِ حسرت کی موت مر گئے منزلِ قرب پر وصلِ محبوب کے انتظار مسافرت کے آخری لمحات میں انتہائی نقصان پانے والے ہیں۔ انسان تاجرِ آخرت ہے عباداتِ صالحہ قیمت ہیں سعاداتِ اُخروی مال ہے مومن خریدار ہے محلّ ایمان دل ہے۔ کافر اس کو نہیں خرید سکتا اُس کے لیے چھ رکاوٹیں ہیں۔

ع۱ غضبِ الٰہی کا لزومِ واجبی ع۲ عذابِ الٰہی کا استحقاق ع۳ حیاتِ دنیا کا ملنا حیاتِ اُخروی کا نہ ملنا ع۴ ہدایتِ حسنات اور راہِ مشاہدات نہ ملنا ع۵ قُربِ محبوب سے محرومی۔ ع۶ غافلوں میں ہونا۔ لہٰذا وہ خُسران میں ہیں۔ اے بندۂ مسافرِ معرفت تیرے اَعمال مثلِ تجارت کے ہیں اور عامل مثل تاجر کے ہے لہٰذا ایسے عمل کر جو زیادہ مفید ہوں۔ ضروری ہے کہ جیسا موقعہ ہو ویسا ہی عمل کیا جائے۔ اے عزیز نفس کی اصلاح کر۔ دوسروں کے لیے خود کو تباہ نہ کر۔ لوگوں کے عیبوں سے آنکھ بند کر اپنے عیبوں پر نظر رکھ اور اپنے عیبوں کو مٹا پہلے عمل بالمعروف کر پھر امر بالمعروف کی طرف جا مستحقینِ احترام کا احترام کر اور بیعتِ قلبِ مسعود کے عہد کو پورا کر تاکہ جھوٹا نہ ہو۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ پھر بیشک اے قلبِ مسعود۔ اُن مسافرانِ وادیِ شوق کے لیے جنہوں نے عالمِ ناسوت کی لذتوں خواہشوں اور شہوتوں نفسانی مجلسوں سے

ہجرت روحانی عالم لاہوت کی طرف کی۔ وسواس ابلیس کے فتنوں سے برباد اعمال ہونے کے بعد پھر تزکیۂ نفس کے مجاہدوں۔ ریاضت وعبادت کی مشقتوں پر صبر جمیل کیا۔ ظلمات سرکشی کو صبر سے برداشت کیا۔ بیشک تیرا رب رحیم۔ اس تزکیۂ روحانی کے بعد۔ اپنے بندۂ مخلص کو غفاریت کی نورانی چادر میں مستور کائنات فرمانے والا ہے۔ اور رحم وکرم کے دامن آغوش میں لینے والا ہے۔ اس لیے ہر بننے طالب کو مدرسۂ معرفت اور درسگاہ روحانی کے چھ سبق یاد رکھنے واجب طریقت ہیں ع۱ اپنے نفس کو پہچاننا معرفت الٰہی کی نشانی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ کہ ہم اپنی نشانیاں ذات انسانی میں دکھاتے ہیں تاکہ ہماری حقیقت کی جھلک معلوم ہو سکے ع۲ کوئی چیز اتنی قریب نہیں جتنی خود اپنی ذات ع۳ اپنی معرفت نہ ہونا کم عقلی اور نفس امارہ کا فتنہ ہے ع۴ دنیا معرفت الٰہی کے لیے بنائی گئی ہے۔ اگر یہاں رہکر بھی معرفت ذات حاصل نہ ہو تو زندگی بیکار ہے۔ محض دعویدار بننا حیوانیت ہے کیونکہ صرف ظاہر کو تو جانور بھی جانتا ہے بھوک پیاس صحت بیماری کو جانور بھی سمجھتے ہیں۔ ظاہری زندگی کے تمام حالات چرند پرند ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ اگر انسان سمجھے کہ زندگی صرف اس لیے ہے کہ بھوک لگے تو کھالے پیاس لگے تو پی لے غصہ آئے تو لڑے۔ شہوت ستائے تو بیوی کو ڈھونڈے یہ کام تو کتے بلے بھی کرتے ہیں ع۵ انسان کی زندگی پانچ فکروں کے لیے بنی ہے۔

ع۱ کون ہے تو خود ع۲ تو کہاں سے آیا ہے ع۳ کہاں جانا ہے ع۴ کیوں آیا ہے ع۵ کیوں جانا ہے۔ پانچ باتیں سمجھنی چاہئیں۔ ع۱ نیکی کیا ہے ع۲ بدی کیا ہے ع۳ بھلائی کیا ہے۔ ع۴ برائی کیا ہے ع۵ بدبختی کیا ہے درسگاہ معرفت میں چار جماعتیں اور درجے (کلاسیں) ہیں اول فُتِنُوا۔ یعنی فتنۂ نفس امارہ دوم ہجرت الی اللہ۔ اور ھَاجَرُوا بننا۔ سوم جَاهَدُوا۔ یعنی مجاہدہ مراقبہ اور خلوت کی عبادات ریاضت کی مشقتیں چہارم۔ صَبَرُوا۔ یعنی قیام لیل صیام دھر۔ فاقہ اور بھوک پیاس کی اذیتوں سے نفس کو مغلوب ومقہور ومجبور کرنا۔ ان چار جماعتوں کو پاس کر کے۔ غفاریت ورحیمیت کی سند سحر نور اور عید یوم نشور میسر ہوتی ہے۔ خوش بخت ہے وہ جس کے صیام کے بعد عید مشاہدہ ہو۔ جس کی ہجرت کے بعد منزل قرب کا وطن ہو جس کے جہاد کے بعد دولت انوار کی مال غنیمت ہو جس کے صبر کے بعد غفاریت کا لباس اسرار ہو۔

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا

ایک دن ہے کہ آئے گی ہر جان جھگڑا کرے گی بارے میں اپنے آپ کے

جس دن ہر جان اپنی طرف ہی جھگڑتی آئے گی

وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١١١﴾

اور پورا بدلہ دیا جائے گا ہر جان کو جو بھی عمل کیا اس نے اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے

اور ہر جان کو اس کا کیا پورا بھر دیا جائے گا اور ان پر ظلم نہ ہو گا

وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً

اور بیان فرمائی اللہ نے ایک مثال بستی کی جو تھی امن والی بے فکری والی

اور اللہ نے کہاوت بیان فرمائی۔ ایک بستی کہ امان و اطمینان سے تھی

يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ

آتا رہا اس کے پاس رزق اس کا جی بھر کے طرف سے ہر جگہ کے تو ناشکری۔ اس نے

ہر طرف سے اس کی روزی کثرت سے آتی تو وہ اللہ کی نعمتوں کی

بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ

کی نعمتوں اللہ کی پھر چکھایا اس کو اللہ نے بھوک اور خوف کا لباس

ناشکری کرنے لگی تو اللہ نے اسے یہ سزا چکھائی کہ اسے بھوک اور ڈر کا پہنا دیا پہنایا

بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿١١٢﴾ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ

بدلے میں اس کے جو بدیاں کرتے تھے۔ اور البتہ بیشک آئے ان کے پاس

بدلہ ان کے کئے کا اور بیشک ان کے پاس ان ہی میں سے

رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ

ایک رسول سے اُن ہی کے قبیلے تو جھٹلایا انھوں نے اُن کو پس پکڑ لیا اُن کو عذاب نے

ایک رسول تشریف لایا تو اُنھوں نے اُسے جھٹلایا تو انہیں عذاب نے پکڑا

وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اور وہ ظلم کرنے والے تھے

اور وہ بے انصاف تھے

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں۔ کفار کی محبتِ دنیا۔ اور دنیوی کاموں میں محنت مشقت و جانفشانی کا ذکر ہوا اب اِن آیتوں میں میدانِ قیامت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ کفار کے یہ سب اعمال برباد ہو جائیں گے۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیتوں میں کفار کے غافل و مطمئن ہونے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں ایک مطمئن کافر قوم کی کہاوت بیان ہو رہی ہے کہ دنیا پر خوش ہونے کا کتنا برا انجام ہے **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں دنیوی حالات میں مسلمانوں کی پریشانیوں کا ذکر کیا گیا۔ اب اِن آیتوں میں اللہ کے رسولوں کی دنیوی پریشانیوں کا ذکر کیا گیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو پریشانی ہی پریشانی ہے۔

تفسیر نحوی

يَوْمَ تَاْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ۔ **يَوْمَ** اسم مفرد جامد ظرفیہ بمعنیٰ دن بحالتِ نصب ہے کیونکہ یا ظرف ہے رحیمؐ کا یا مفعول بہ ہے ما قبل پوشیدہ اُذْكُرْ کا۔ جس کا ترجمہ یاد کرو۔ یاد دلاؤ۔ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ معرب ہے نکرہ ہے تنوین سے مانع اضافت ہے۔ یہ مضاف ہے اور مابعد جملہ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ اُذْكُرْ کا جو پوشیدہ ہے۔ چونکہ غیر ذوالعقل ہے اِس لیے اگلا صیغہ واحد مؤنث آیا اس کی نسبت سے آیا یا نفس فاعل کی وجہ سے تَاْتِيْ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف بمعنیٰ مستقبل۔ اَتیٰ سے بنا

ہے بمعنیٰ آنا رلازم ہے ۔ کُلُّ اسم تاکیدی بحالتِ رفع فاعل ہے تَاْتِیْ کا مضاف ہے نَفْسٍ ۔ اسم مفرد جامد مضاف الیہ ہے ۔ بمعنیٰ ذات ۔ جان ۔ ایک فرد ۔ یہ مرکب اضافی مابعد کا موصوف ہے ۔ تُجَادِلُ باب مفاعلۃ کا مضارع مثبت معروف واحد مؤنث نائب بمعنیٰ فعل مستقبل ۔ مصدر ہے مُجَادَلَۃٌ ۔ جَدَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جھگڑا کرنا ھِیَ ضمیر واحد مؤنث مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے نَفْسٍ ۔ یہ خود مؤنث ہے اس کی تصغیر نُفَیْسَۃٌ ہوتی ہے ۔ عَنْ جارہ بمعنیٰ بِ جارہ الصاقیہ یا بمعنیٰ فِیْ ۔ نفس بمعنیٰ ذات ۔ اپنے ۔ یعنی اپنے بارے میں ۔ مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث مجرور متصل مضاف الیہ ہے ۔ یہ ضمیر نفسی ہے اور لفظ نفس محض تاکید کے لیے جس کا ترجمہ ہوتا ہے خود اپنے بارے میں ۔ یہ اضافتِ نفسی کہلاتی ہے ۔ مرکب مجرور متعلق ہے تُجَادِلُ کے ۔ جملہ فعلیہ ہوکر صفت ہوئی کُلَّ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے تَاْتِیْ کا اور وہ جملہ فعلیہ مضاف الیہ ہے یَوْمَ کا ۔ تَاْتِیْ جملہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ ۔ تُوَفّٰی ۔ باب تفعیل کا مضارع مجہول صیغہ واحد مؤنث ۔ مصدر ہے تَوْفِیَۃٌ یا تَوْفِیَۃٌ ۔ وَفٰی سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ ۔ پورا کرنا ۔ پورا دینا ۔ بھرنا ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے ۔ کُلُّ نَفْسٍ ۔ مرکب اضافی حالتِ رفع ہے نائب فاعل ہے تُوَفّٰی کا ۔ مَا موصولہ ۔ عَمِلَتْ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق ۔ عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اَعضاءِ ظاہری سے کام کرنا ۔ اَعضاءِ باطنی کے کام کو عقائد اور اختراع کہا جاتا ہے ۔ ھِیَ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع ہے نَفْسٍ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مفعول بہ ہوا تُوَفّٰی کا ۔ وَفّٰی باب تفعیل میں اگر متعدی بدو مفعول ہوتا ہے ۔ یہاں پہلا مفعول بہ نائب فاعل ہوگیا ۔ نائب فاعل حقیقت میں مفعول بہ ہی ہوتا ہے ۔ صرف مجہول میں مرفوع ہوجاتا ہے ۔ واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ لَا یُظْلَمُوْنَ ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مجہول ھُمْ ضمیر جمع مستتر اس کا نائب فاعل جس کا مرجع کُلَّ نَفْسٍ ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ خبر یہ خبر مبتدا ہے ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے تُوَفّٰی پر ۔ اور وہ معطوف ہے تَاْتِیْ پر ۔ واؤ سر جملہ ۔ ضَرَبَ ۔ ماضی مطلق مثبت واحد مذکر غائب ضَرْبٌ سے بنا ۔ بمعنیٰ ۔ مارنا ۔ نشان ڈالنا ۔ بیان کرنا ۔ مثال بنانا ۔ یہاں آخری معنیٰ میں ہے ۔ اَللّٰہُ اس کا فاعل ہے ۔ مَثَلًا ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کہاوت ۔ مثال ۔ مشابہت ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے ضَرَبَ کا ۔ اور مبدل منہ ہے ۔ قَرْیَۃً ۔ اسم مفرد جامد ۔ بمعنیٰ رہائشی بستی ۔ لغتاً چھوٹی بستی کو کہتے ہیں یعنی گاؤں کو مگر اصطلاحاً ہر بستی کو یعنی عمومِ مجاز کے اعتبار سے ۔ یہاں بڑی یا درمیانی بستی مراد ہے یعنی شہر تابع بدل ہے مَثَلًا کا ۔ اور موصوف ہے مابعد جملہ کا کَانَتْ ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق واحد مؤنث غائب اس کا اسم ہے ھِیَ ضمیر مستتر اس کا

مرجع قَرْیَۃً ہے۔ آمِنَۃً۔ اسم فاعل مؤنث۔ اپنے مستتر ھِیَ ضمیر فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اوّل ہے کَانَتْ کی۔ مُطْمَئِنَّۃً۔ باب اِفْعِلَالٌ ثلاثی مزید فیہ غیر ملحق برباعی یا ہمزہ وصل کا پانچواں باب کا اسم فاعل مؤنث۔ طَمْنٌ سے بنا ہے مصدر اِطْمِیْنَانٌ ہے۔ بمعنی پُرسکون ہونا۔ آرام و سہولت سے رہنا۔ ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے قَرْیَۃً۔ جملہ اسمیہ ہو کر موصوف۔ یَاْتِیْ۔ اَتْیٌ سے بنا ہے مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب بمعنی آنا۔ لازم ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب منصوب متصل مفعول فیہ ہے مرجع قَرْیَۃً ہے رِزْقُ۔ اسم مفرد جامد بمعنی روزی غذا۔ آرام دہ مفید چیزیں ہر سہولت کو عام ہے۔ مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ مرجع قَرْیَۃً ہے۔ مرکب اضافی فاعل ہے یَاْتِیْ کا۔ رَغَدًا۔ اسم مفرد۔ یا مصدر ہے بمعنی اکثرت سے ہونا۔ تب یہ حال ہے رِزْقُ کا یا صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بمعنی بہت زیادہ چیز۔ تب بھی رزق کا حال ہے۔ یا یہ جمع سماعی ہے رَاغِدٌ اسم فاعل مذکر کی جیسے خادم کی جمع خُدَمٌ۔ بت بہ حال قَرْیَۃً کا ہے مراد ہے اہل قریہ۔ ترجمہ ہے با فراغت بلا روک ٹوک بلا مشقت کھانے والے۔ یہ تین قول ہیں بہر صورت حال ہے اس لیے منصوب نکرہ مُعْرَب ہے۔ مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے کُلِّ اسم تاکیدی بمعنی ہر مضاف ہے مَکَانٍ کا۔ کَوْنٌ کا اسم ظرف ہے مذکر واحد ہے بمعنی جگہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہے متعلق ہے یَاْتِیْ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مُطْمَئِنَّۃً کی اور وہ خبر دوم ہے کَانَتْ کی۔ وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صفت ہے قَرْیَۃً کی فَکَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰہِ فَاَذَاقَھَا اللّٰہُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ ۔ وَلَقَدْ جَآءَھُمْ رَسُوْلٌ مِّنْھُمْ فَکَذَّبُوْہُ فَاَخَذَھُمُ الْعَذَابُ وَھُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ فَ تعقیبیہ کَفَرَتْ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مُثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنی ناشکری کرنا۔ ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے قَرْیَۃً۔ اور مراد اہل قریہ ہیں بِ جارہ تعدیہ کی اَنْعُمُ جمع مکسر مذکر ہے نِعْمَۃٌ کی بمعنی احسان۔ فضل۔ برکت۔ شفقت اور مفید چیزیں۔ یہاں آخری معنی مراد ہے مضاف ہے اَللّٰہِ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق ہے کَفَرَتْ کا۔ فَ سببیہ بمعنی لہٰذا۔ اَذَاقَ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب مصدر ہے اِذْوَاقٌ اور اِذَاقَۃٌ۔ ذَوْقٌ سے بنا ہے بمعنی چکھنا۔ حقیقی معنی تو منہ سے چکھنا ہوتا ہے مگر مجازاً کسی طرح بھی کوئی جسم سے لگے یا پہنچے اس کو چکھنا ہی کہدیتے۔ اور مقصود ہوتا ہے قلت بیان کرنا۔ یعنی جو کچھ پہنچا ہے وہ گویا مثل چکھنے کے ابھی کم ہے متعدی بدو مفعول ہے۔ ھَا ضمیر منصوب متصل مفعول بہ اوّل ہے اس کا مرجع قریۃً ہے اَللّٰہُ۔ باری تعالیٰ کا ذاتی نام جو جامع صفات ہے

مفرد جامد ہے۔ بحالتِ رفع فاعل ہے اَذَاقَ کا۔ لِبَاسَ۔ اسم مصدر ثلاثی بروزنِ فِعَالٌ بمعنیٰ مَلْبُوسٌ یعنی پہنا ہوا۔ لُبْسٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ۔ چھاجانا۔ ڈھانکنا۔ چھپالینا۔ آڑ بننا۔ لغوی ترجمہ چھا جانا ہے۔ باقی اصطلاحی تراجم بہت ہیں۔ جمع ہے اَلْبِسَۃٌ۔ یہاں لغوی میں ہے۔ الف لام عہدی جُوْعِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بھوک اِس کی جمع نہیں ہوتی کیونکہ جنسی لفظ ہے۔ واوٗ عاطفہ۔ الف لام عہدی خَوْفِ۔ مصدر مادہ ہے بمعنیٰ ڈرنا۔ یہاں حاصل مصدر ہے بمعنیٰ ڈر۔ یہ مرکب عطف مضاف الیہ ہے لباسَ کا وہ مرکب اضافی مفعول بہٖ دوم ہے اَذَاقَ کا۔ بَ جارّہ سببیہ بمعنیٰ وجہ سے۔ ماموصولہ کَانُوْا یَصْنَعُوْنَ۔ بابِ فتح کا ماضی استمرار جمع مذکر غائب صُنْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ کسی کام کو خاص ترکیب یا فن سے بنانا۔ بناوٹ کرنا۔ یہاں مراد ہے بُرے اعمال کو اچھا خوبصورت بناکر کرنا یا دل لگاکر کرنا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر ہے وہ فاعل جس کا مرجع اَہْلِ قریہ ہیں۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے اَذَاقَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ واوٗ سرجملہ لام ابتدائیہ تحقیقیہ۔ قَدْ جَاءَ۔ فعل ماضی قریب صیغہ واحد مذکر غائب۔ بابِ ضَرَبَ سے ہے مَجِیْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ لازم ہے ھُمْ۔ ضمیر جمع غائب۔ منصوب ہے مفعول معہٗ ہے بمعنیٰ عِنْدَھُمْ۔ یعنی اُن کے ساتھ۔ اُن کے پاس رَسُوْلٌ۔ اسم مفرد مشتق مبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ پیغامبر قاصد۔ نبی۔ صاحبِ شریعت نبی۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں۔ بروزنِ فَعُوْلٌ۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے قَدْ جَاءَ کا۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ ھُمْ ضمیر جمع مجرور متصل۔ جار مجرور متعلق ہے قَدْ جَاءَ کا۔ فَ تعقیبیہ۔ کَذَّبُوْا بابِ تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے تَکْذِیْبٌ بمعنیٰ کسی کو جھوٹا کہنا۔ کِذْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جھوٹ بولنا یہ مصدری مادّہ لازم ہے اور تکذیبٌ متعدّی ہے۔ ھُمْ مستتر فاعل ہے مرجع ہے اَہْلِ قریہ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل بمعنیٰ وہ مَرجع ہے رسولٌ مفعول بہٖ ہے۔ کَذَّبُوْا کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر مسبّب ہوا۔ فَ عاطفہ سببیہ اَخَذَ۔ بابِ نَصَرَ کا۔ ماضی مطلق مثبت معروف۔ واحد مذکر غائب ھُمْ ضمیر ظاہر منصوب متصل اِس کا مفعول بہٖ۔ الف لام عہدِ خارجی عَذَابُ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ سزا۔ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے۔ اَخْذٌ کے معنیٰ ہیں پکڑنا۔ گھیرنا۔ جکڑنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر ذوالحال ہوا واوٗ حالیہ ھُمْ۔ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ ظٰلِمُوْنَ اسم فاعل جمع ہے ظالِمٌ کی ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان کرنا۔ مرفوع ہے کیونکہ خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ماضیہ ہوکر حال ہوا ذوالحال حال مل کر مُسَبَّب ہوا۔ یہ دونوں مل کر جملہ سببیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ○

اے غافل ناقدرے انسانو بات بے بات اسلام سے مرتد ہونے والو۔ کروڑوں نعمتیں دینے والے رب تعالیٰ کے ناشکرے لوگو یاد تو کرو اُس دِن کو ذرا تصور تو کرو اس بے بسی والے خطرناک ہیبت ناک دہشت زدہ دن کا جس دن میں وہ رب تعالیٰ ہی بس غفور رحیم ہو گا۔ کوئی بھی اُس دن کسی پر نہ کچھ بخشش کر سکے نہ رحم و کرم شفقت محبت۔ اللہ کریم ہی اِس دن غفور ہے رحیم ہے جس دن آئے گا ہر انسان اور جن فرشتہ اور ہر جاندار اپنی ہی جان کی بھلائی میں جدل بحث مباحثہ اور جھگڑا کرتا ہوا ہر شخص ہر نفس۔ ہر جان نفسی نفسی کرتا ہو گا۔ کفار عذاب جہنم ٹلنے اور مہلت ملنے کے لیے اپنی جان بچاؤ کے لیے ہائے میری جان پکارتے فریادیں کرتے روتے چلاتے ہوں گے۔ گناہگار بدکار فُسّاق و فُجّار حیران و پریشان اپنے اپنے لیے کسی شفاعت کرنے والے کو ڈھونڈتے ہوں گے۔ عُلما اولیا۔ زاہدین عابدین ترقّیِ درجات کے لیے نفسی نفسی کے خیال میں ہوں گے۔ انبیاء و مرسلین۔ صفی و نجی خلیل و ذبیح۔ کلیم و مسیح قربِ بارگاہ کے حصول اور مقامِ محمود کی تمنا اور دیدارِ تجلیاتِ الٰہیہ کی خواہش میں نفسی نفسی کرتے ہوں گے۔ اُس دن ہر شخصیت ہر جان۔ دنیا میں زندگی گزارنے والا ہر بندہ ہر آدمی اپنے دنیوی اچھے بُرے تمام اعمال کردار۔ افعال حسنات سیئات کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور وہ کسی طرح سے بھی ظلم نہ کیے جائیں گے۔ نہ نیکوں کی نیکیوں کو بلا وجہ کمی کر کے نہ بدکاروں کی بدیوں کو کسی بھی طرح سے بڑھا کر۔ ہاں یہ رب کا کرم ضرور ہو گا کہ نیکوں کی نیکیاں کئی گُنا زیادہ فرما دے اور بروں کی سزائیں تخفیف فرما دے۔ کیونکہ حق تلفی ظلم ہوتی ہے اور کرم کرنا ظلم نہیں ہوتا۔ ابنِ جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت معاذ سے اور تفسیر بغوی میں حضرت فاروق اعظم سے روایت ہے کہ اُس دن عین محشر کے وقت ساتویں زمین کے نیچے سے جہنم کو اوپر لایا جائے گا ایک ہزار جہنم کی زنجیریں ہوں گی ہر زنجیر کو ستر ہزار فرشتے کھینچیں گے۔ اُس وقت تمام جنات فرشتے جبریل و میکائیل انبیاء و مرسلین۔ اور تمام کافر مومن نیک و بد انسان رکوع میں جھک جائیں گے۔ اِن لمحات میں سب سے افضل نبی حضرت خلیل بھی نفسی نفسی پکاریں گے اور جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے صرف آقاءِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم اُس روز عرش کے نیچے سجدہ ریز ہوں گے اور رب تعالیٰ کی ایسی حمد کریں گے جو کسی نے کبھی نہ کی ہو گی اور خاص اُس دِن رب تعالےٰ اُس حمد کی تعلیم اپنے حبیب کریم کو فرمائے گا۔ اُس دِن صرف حبیب کردگار احمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک پر اُمتی اُمتی ہو گا۔ وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ

كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔ اور اے اہل مکہ کتنا کرم ہے تم پر کتنی شان ہے تمہاری کہ ساری کائنات میں زمین و آسمان میں لوح و قلم عرش و فرش میں مشرق و مغرب میں صرف تمہاری بستی مکہ کو ایک مثالی بستی بنا دیا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بستی کی اقوام عالم کے سامنے عظیم انوکھی نرالی مثال بیان فرمائی جو خصوصیات اس ظاہراً چھوٹی سی قریہ میں قائم کی وہ چیزیں وہ صفات ابتداءِ آفرینش سے آج تک کسی بڑی بستی کو بھی نہ ملیں ۔ پہلی خصوصیت یہ کہ یہ بستی چور ڈاکو دشمن ۔ ظالم جنگ قتال کے خطرات سے امن والی رہی ۔ کسی چور ڈاکو ۔ دشمن بدخواہ کی تو مجال ہی کیا بڑے بڑے جابر ظالم بادشاہ اور شہ زور لشکر کے سپہ سالار اور بڑی سلطنتوں کے تختے الٹنے والے حکمران ۔ قاتل اور ہلاکو وغیرہ اس بستی کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتے ۔ یہاں تو بدنظر فیلوں کو ابابیلوں سے ہلاک کر دیا جاتا رہا ۔ انسان تو درکنار یہاں کے حیوانات کو شکاریوں سے اور نباتات کو جنگلیوں سے بھی امن رہی ۔ دوسری خصوصیت یہ کہ یہ بستی ۔ بیماری ۔ پریشانی غربت ۔ مفلسی ۔ تنگدستی ۔ گرمی کی ہلاکت سردی کی مصیبت سے بالکل مطمئن رہتی رہی ۔ یہاں تو موسم بھی نہایت احترام سے گزرتے رہے سورج کی تمازت کو جرأت نہیں کہ اپنی تپش سے کسی کو مارے اور ٹھنڈک کے نقطۂ انجماد کو ہمت نہیں جو کسی کو پریشان کرے کائنات کی ہر چیز کے دل میں ان کا احترام قائم فرما دیا ۔ تیسری خصوصیت یہ کہ یہ بستی نہ محنت کرتی ہے نہ مشقت نہ کھیتی باڑی کی کلفت نہ سامان سازی کی مزدوری بیٹھے بٹھائے نہایت عیش و عشرت ۔ آرام و سکون سے دنیا کے کونے کونے گوشے گوشے سے ہر جگہ ہر مکان ہر علاقے سے ہر موسم میں ہر قسم کا ہر موسم کا پھل فروٹ رزق ساز و سامان آتا چلا آ رہا ہے ۔ یہ باتیں تو دنیا میں کسی جگہ دیکھنے میں نہیں آئیں آخر اس بستی پر یہ انعامات و فیوضات کیوں ہیں ؟ تو تاریخ و تجربہ قرآنی آیات و احادیث بتاتی ہیں کہ یہ سب کچھ ابراہیم خلیل اللہ کی مہتم بالشان دعا کی قبولیت کا اثر ہے جو آپ نے آج سے سینکڑوں سال پہلے اس بستی کی بیابانی کے زمانے میں رب تعالیٰ سے مانگی تھی کہ ۔ وَارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرَاتِ ۔ اے رب اس بستی والوں کو ہمیشہ خوش حالی کے پھلوں والا رزق عطا فرما ۔ اسی بستی کی فضاؤں میں ہواؤں میں اطرافِ اربعہ میں یہی دعا ابرِ بادِ بہاری کی طرح چھائی ہوئی رہی اس بستی کے خاردار جنگلوں میں اسی دعا کے سدا بہار پھول کھلتے رہے ۔ مگر اس بستی کے رہنے والوں نے ان خداداد سہولتوں فارغ بالیوں سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے کیا کچھ نہ کیا ۔ شرک کیا ۔ کفر کیا ۔ ظلم تشدد برتا ۔ بیویوں کو جانور بنایا ماں کو نوکرانیاں سمجھا ۔ بچیوں کو زندہ دفن کیا ۔ کعبے کو

بت خانہ بنایا - یتیموں کو رلایا غریبوں کو ستایا - مسافروں کو لوٹا - پردیسیوں کے حقوق چھینے -
علی الاعلان بدکاریاں فحاشیاں کیں - فخریہ بے غیرتیاں کیں - رشوت سود اور چور بازاریاں اپنائیں
ملاوٹ کسادت اور ذخیرہ اندوزیاں کیں غرض کہ ہر طرح کا ظلم کیا لیکن اہل بستی کے کسی ظلم نے دعاء ابراہیمی
پر اثر نہ ڈالا - کوئی شرک و کفر خلیل کی دعا کے قوت و شان والے اثر کو نہ روک سکا - یہ مسلسل اسی طرح
حرم پاک ہی رہا - مگر بد نصیبی اس قوم مکہ کی کہ اس نے ایک دم اللہ کی ساری نعمتوں کی ناشکری کردی
ایسی ناشکری جو پہلے کے شرک کفر ظلم بربریت قتل و غارت سے کہیں زیادہ سخت ہے - وہ یہ کہ اس
قوم مکہ نے قریش و مضر نے قبیلہ کفر نے - ہمارے محبوب فرش کے شہنشاہ عرش کے تاجدار احمد
مختار کو نبی نہ مانا کائنات میں سب سے زیادہ سچے رسول کی تکذیب کی جو ایسا معصوم کہ جس کا ہر گناہ اور
جھوٹ ممتنع بالغیر جس کی معصومیت کسی غلطی پر قادر ہی نہیں - اور پھر تکذیب ہی نہیں بلکہ محبوب
اور اس کے بے داغ امتیوں کو اتنا ستایا اتنا ستایا کہ وہ رحمتِ عالمین زبان جس نے طائف والے
ظالموں کو بددعا نہ دی وہ وجودِ رحمت و کرم جس نے خون کے پیاسوں کو قبائیں دیں - بدکلامیاں سن کر
دعائیں دیں اسی زبان نے بھی - اَللّٰھُمَّ اشْدُدْ وَطْاَتَکَ عَلٰی مُضَرَ وَاجْعَلْ عَلَیْھِمْ سِنِیْنَ کَسِنِیْ یُوْسُفَ
اے اللہ قریش مضر پر قحطِ یوسفی کی طرح قحط بھیج - بس پھر کیا تھا - دعاءِ خلیل کا علاقہ بددعاء
حبیب کی لپیٹ میں آگیا - ادھر کافروں نے رحمۃ عالمین کو ایذائیں پہنچائیں ادھر رب نے سات سالہ
سخت قحط بھیج دیا جس نے بھوک پیاس بیماری ڈر - خوف - بزدلی - ذلت آمیز زندگی سے لباس
کی طرح ہر کافر کو لپیٹ لیا - گھیر لیا - یہ سب دنیوی ذلتیں نقط ان اعمال کی وجہ سے آئیں جو وہ
ہمارے محبوب اور ان کے صحابہ سے کرتے رہے - اب دعاءِ خلیل کا پاس بھی نہ کیا گیا - نہ حرمِ محترم
کا خیال رکھا گیا - اس لیے کہ اب بددعاءِ حبیب سامنے تھے - کفار نے رحمۃ للعٰلمین پر ان کے ہی
وطن میں سکون و سکونت کے دروازے سب بند کردیے تو ربُّ العالمین نے اپنی ربوبیت کے
فضل و کرم راحت و نصرت - بارش و رزق عزت و دولت - فتح و مدد کے سب دروازے بند کر
دیئے اب وہی عرب ہیں مگر کتے بلے اور مردار کھا رہے ہیں - اور مسلمانوں کی بڑھتی طاقت کا ہر
وقت ڈر خوف لگا ہوا ہے - بیماری و بھوک سے مر رہے ہیں - ہر طرف دھواں دھواں نظر قتل و
غارت کا دھڑکا لگا ہے یہ قحط بعثت کے پانچویں سال آیا اور سات سال رہا - پھر ابو سفیان سردارِ کفر
کا نمائندہ بن کر گڑگڑاتے ہوئے بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور معافی دعا کی درخواست کرتے
ہوئے ایمان کا وعدہ کیا - آقاءِ کائنات نے رحم فرماتے ہوئے بارگاہِ رب کریم میں دعا عرض کی تب یہ

قحط ختم ہوا مگر پھر بھی یہ جھوٹے فریبی لوگ ایمان نہ لائے اس لیے ان پر مسلمانوں کی جہادوں کا عذاب اور قتال کا خوف کر دیا گیا۔ الآخر فتح مکہ پر سزا ختم ہوئی (تفسیر کبیری۔ مظہری۔ ابن کثیر مفہوماً انتہی) یہ وہ کونسی نعمتیں تھیں جن کو بیک لفظ کفار نے جھٹلایا ناشکری کی وہ یہ تھی کہ۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ اور البتہ بیشک بالیقین اُن پاسبانِ کعبہ رہائشینِ حرم۔ اور اہالیانِ عرب کے پاس ہمارا وہ معظم رسول تشریف لایا جس کی امانت دیانت۔ صداقت رفاقت حسب نسب خاندان۔ لیاقت شرافت۔ لطافت ونظافت رحمۃ ورافت سے یہ تمام قبائل عرب بخوبی واقف تھے کیونکہ وہ رسول ان ہی میں تھے۔ کسی دور کے اجنبی نہ تھے۔ جس کی پاکیزہ زندگی کا گوشہ گوشہ لمحہ لمحہ بچپن جوانی بڑھاپا اُن کی آنکھوں اور دل دماغ کے سامنے گزرا جس کو اوّلاً امین وصادق الوعد کہا لیکن جب قرآن وحدیث اور رب کی باتیں سنائیں تو پھر جھٹلا دیا اُس کو۔ تو اِن ناز ونعمت کے پلے ہوؤں کو دعائے خلیل کے سرمستوں کو۔ بددعائے حبیب کی وجہ سے دنیوی عذاب نے جکڑ لیا اور یہ ہی خود بدبخت بدقسمت ظالم ہیں ان کے ظلم کا عذاب بیچارے بچوں ناتوانوں بیگناہوں جانوروں کو بھی اور سرزمین حرم کو بھی بھگتنا پڑا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ بُری صحبتوں میں بیٹھنا بُرے لوگوں کو دوست بنانا اِس لیے ناجائز ہے کہ ایک گناہ کا اثر دوسرے پر پڑتا ہے اور دونوں مصیبت کی لپیٹ میں آجاتے ہیں۔ مثل ہے کہ دانوں کے ساتھ گھن بھی پس جاتے ہیں۔ اِسی لیے کہ گھن نے دانوں سے دوستی لگائی ناکردہ گناہ کی سزا اسی وجہ سے مل جاتی ہے کہ وہاں کیوں گئے۔ قیامت میں کفار یہ بھی عذر کریں گے کہ ہم سے فلاں نے گناہ کرایا ہم بے بس تھے مگر یہ عذر قبول نہ ہوگا۔ دنیوی قانون میں بھی یہ عذر قبول نہیں ہوتا یہ فائدہ۔ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جس طرح نیک بندوں سے رب تعالیٰ خوف وغم دور فرما دیتا ہے اسی طرح فاسق فاجر اور بدکاروں کو دنیا میں خوف دہشت گھبراہٹ پریشانی کی مصیبتیں پڑ جاتی ہیں جتنا انسان گناہوں میں زیادہ پھنستا جاتا ہے غم بڑھتے جاتے ہیں یہ فائدہ لباس الجوع والخوف فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ رب تعالیٰ کی ناشکری سب سے بڑا گناہ ہے کہ اس کا عذاب بعض دفعہ دنیا میں بھی آجاتا ہے یہ فائدہ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ شریعت اسلامیہ کے تمام قوانین۔ عین انصاف۔ اور درستی والے ہیں خواہ سزا حدود و تعزیرات اسلامیہ کی صورت میں ہوں یا جزا۔ اور لین دین تجارت کاروبار نماز روزے کی شکل میں ہوں۔ بعض کفار کا اور ان کی باتیں سن کر بگڑے ہوئے مسلمانوں کا یہ کفریات بکنا کہ اسلام میں سختیاں ہیں۔ اور سزائیں ظالمانہ ہیں۔ جہالت اور نادانی ہے۔ اسی طرح یہ کہکر کہ مولوی تنگ نظر ہے خشک مُلا ہے۔ اسلامی قوانین کی مخالفت اور مذاق اڑانا۔ حرام ہے یہ فائدہ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ فرمانے سے مستنبط ہو۔ کہ جب قیامت میں باری تعالیٰ ظلم نہیں فرمائے گا۔ ہر ایک کی جزا سزا انتہائی انصاف سے ہوگی تو وہ رحیم کریم باری تعالیٰ۔ دنیا میں سخت اور ظالمانہ قانون کیوں بنائے گا۔

دوسرا مسئلہ۔ حرم شریف مکہ مکرمہ قیامت تک کے لیے محفوظ و مامون ہے یہاں کے انسانوں جانوروں اور شکاریات بلکہ گھاس جھاڑیوں کو ستانا کاٹنا بھی حرام ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک حرم مدینہ کا بھی یہ ہی حکم ہے کہ بجز ضروری گھاس جھاڑیوں کے اور فروٹ سبزیوں کے علاوہ کسی شی کو ستانا فقہ مالکی میں حرام ہے۔ یہ مسئلہ۔ قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی فقط اہل قریہ امن و اطمینان میں نہیں بلکہ خود پوری قریہ امن میں ہے۔ جس میں در و دیوار گھاس پھوس اور شکاریات سب آگئے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ يَوْمَ تَأْتِيْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا یعنی قیامت کے دن نفس اپنے نفس سے لڑے گا جھگڑا کرے گا۔ نفس کی اضافت نفس کی طرف کیسے درست ہو سکتی ہے جب کہ وہ ایک ہی چیز ہے۔ کیا نفس کا بھی کوئی نفس ہے۔

جواب۔ وجودِ انسانی میں رب تعالیٰ نے دو چیزیں پیدا فرمائی ہیں ایک روح اور دوسری جوہر۔ جس کو ذات کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کے مجموع کا نام انسان ہے۔ اسی لیے مکمل انسان کو بھی نفس کا نام دیا گیا اور صرف روح کو بھی نفس کہہ دیا جاتا ہے اور صرف تشخص یعنی جوہر کو بھی نفس کہا جاتا ہے۔ لفظ خود فارسی میں لفظ اپنا۔ اردو میں اسی جوہر کا نام ہے۔ تو اس آیت میں پہلے نفس سے مراد مجموعہ یعنی انسان ہے۔ اور دوسرے نفس سے مراد وہ جوہر ہے۔ ہم اس کا ترجمہ اردو میں اس طرح کر سکتے ہیں۔ کہ اپنے بارے میں۔ یا اپنے لیے۔ یعنی قیامت کے دن ہر انسان یا ہر تشخص۔ ہر شخصیت اپنے بارے میں جھگڑا کرے گا۔ اور اس اضافت کو اضافتِ نفسی کہا جاتا ہے۔ یہ بالکل درست ہے۔ چونکہ ایک

وجود میں نفس مختلف ہیں۔ کوئی کُل ہے کوئی جُز ہے۔ اور کُل کی اضافت جُز کی طرف اور جُز کی کُل کی طرف جائز ہے لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ۔ اَنْعُم جمع مکسر ہے اور جمع مکسر جمع قلت ہوتی ہے۔ تو اس کا ترجمہ ہوا کہ قریہ والی کفار قوم نے تھوڑی نعمت کا کفران کیا۔ اور اللہ نے اس کفران پر عذاب دیا۔ حالانکہ کفار تو ساری نعمتوں کا کفران کرتے ہیں تو چاہیئے تھا یہ کہا جاتا۔ انہوں نے تمام نعمتوں کا کفران کیا تب ان پر عذاب آیا۔ یہاں جمع قلت کیوں بولا گیا۔

جواب۔ اس کے جواب دو طرح ہیں ۱ یہ کہ ایک وقت میں انسان ساری نعمتوں کا کفر نہیں کر سکتا۔ انسان کفر کرتا رہتا ہے آج ایک کل دوسرا۔ اور رب تعالیٰ کی طرف سے عذاب نہیں ملتا۔ یہاں تک کہ وہ کافر کوئی ایسا سخت کفر کر لیتا ہے کہ پھر اس کو مہلت نہیں ملتی اور عذاب میں پکڑ لیا جاتا ہے۔ تو جس کفر پر وہ پکڑا گیا وہ تھوڑا ہی تھا۔ دوسرا جواب یہ کہ تنبیہ ہے اس بات پر کہ جب تھوڑی ناشکری اور کفران و کفر پر عذاب آگیا تو ساری نعمتوں کا کفران کرنے پر کیا حال ہوگا۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ۔ یعنی اللہ نے کفار کے کفران پر اُن کو بھوک کا لباس چکھایا۔ لباس تو چکھایا نہیں جاتا۔ لباس پہنایا جاتا ہے اور مزہ چکھایا جاتا ہے تو یہاں یا یہ فرمایا جاتا کہ فَكَسَاهُمْ لِبَاسَ الْجُوْعِ یا فرمایا جاتا۔ فَاَذَاقَهُمْ طَعْمَ الْجُوْعِ۔

جواب۔ یہاں دو چیزیں بتانی مقصود ہیں ۱ جنسِ بھوک ۲ نوعیتِ بھوک۔ جنسِ بھوک مثل ذوق اور ذائقہ اور لذت کے ہے۔ اس لیے کہ جس طرح کھانے کی کچھ لذت اور مزہ ہوتا ہے اسی طرح نہ کھانے کا بھی کچھ مزہ ہوتا ہے اگرچہ بُرا مزہ ہوتا ہے۔ نوعیتِ بھوک شدت بھوک ہے اور کسی چیز کی شدت اور زیادتی وہ ہوتی ہے جو مشدود علیہ آدمی کو چاروں طرف سے گھیرے۔ لہٰذا شدت کا تعارف لباس سے کرایا گیا کہ لباس بھی انسان کو سب طرف سے گھیرتا ہے لہٰذا یہاں اَذَاقَ نے جنسیت کو بتایا اور لِبَاسَ نے نوعیت اور کیفیت کو بتایا۔ اس لیے یہ عبارت بہت ہی درست ہے یہ گویا استعارہ ہے اور استعارہ دو قسم کا ہوتا ہے ۱ استعارہ تجریدی ۲ استعارہ ترشیحی۔ یہاں استعارہ تجریدی ہے۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا قَرْيَةً۔ یہ لفظ مؤنث ہے۔ اس کی مناسبت سے كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً یہ مؤنث الفاظ۔ پھر يَاْتِيْهَا رِزْقُهَا۔ فَاَذَاقَهَا میں واحد مؤنث کی ضمیریں۔ اور فَكَفَرَتْ۔ واحد مؤنث کے یہ تمام صیغے۔ بالکل درست ہیں لیکن اس کے بعد فرمایا گیا۔ بِمَا كَانُوْا

یَصْنَعُوْنَ ۔ یہ جمع مذکر کا صیغہ ہے ۔ یہ کس مناسبت سے کہا گیا ۔ جب کہ مراد اس سے قریہ ہی ہے یہاں بھی بما صنعت یا تصنع ہونا چاہیے تھا کہ یہ مؤنث کا صیغہ بھی مناسب ہوتا
جواب ۔ پہلے لفظوں صیغوں اور ضمیروں میں انعامات کا ذکر ہوا جو بلا امتیاز سب پر تھے انسان حیوان چرند پرند نباتات ، جمادات سب کو امن و امانت تھی اور ہر بستی ان ہی چیزوں کے مجموعے کا نام ہے ان سب پر انعام گویا بستی پر انعام تھا ۔ لہٰذا ہر جگہ بستی ہی کا سبب رکھا گیا اور وہ سب صیغے ہوئے جن کا مرجع قریۃ ہی ہوا ۔ لیکن بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔ میں وجہ عذاب اور سزا کا ذکر ہے اس لیے اس بستی والے ان لوگوں کو نظر میں رکھا گیا جو جرم کا سبب بنے یا مرتکب ہوئے اور چونکہ وہ اکثریت میں تھے اس لیے کثرت فرما کر کثرت تمثیلی مراد لی گئی گویا کہ ساری بستی نے ہی یہ جرم کئے غرض کہ اس آیت میں تین چیزیں ظاہر فرمائی گئیں ۱ عطاءِ رحمت ۔ عذاب نعمت ۲ عذاب الٰہی کے باعث مجرمین ۳ اور اکثریت تعداد مجرمین ۔ قلت تعداد غیر مجرمین ۔ بعض لوگوں نے یہ جواب دیا ہے کہ چونکہ بستی سے ۔ بستی والے ہی مراد ہوتے ہیں اس لیے یَصْنَعُوْنَ فرما کر آخر میں اصلیت قریہ کو ظاہر فرمایا گیا

پانچواں اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا ۔ فَاَذَاقَهَا الخ) یعنی ان کو بھوک کا عذاب آیا ۔ اور اس کا سبب اور وجہ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ میں بیان کی گئی ۔ پھر فرمایا گیا فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ۔ یعنی ان کو عذاب نے پکڑا ۔ اور اس کا سبب تکذیب کو قرار دیا گیا ۔ تو کیا یہ دونوں عذاب علیحدہ علیحدہ ہیں یا ایک ہی کا ذکر دوبارہ کیا گیا ۔ اگر ایک ہی عذاب ہے تو سبب دو کیوں مذکور ہوئے اور اگر دو عذاب ہیں تو دوسرا کیا اور کب ہوا ؟ ۔

جواب ۔ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ دو مختلف عذاب مذکور ہوئے پہلا بھوک کا عذاب دوسرا جہادوں میں قتل کفار خاص کر جنگ بدر میں یا پہلا دنیوی عذاب اور دوسرا اُخروی عذاب مراد ہے ۔ ان آیت کی تفسیر مع فیامہ آیت ۱۱۴ کے بعد کی جائے گی ۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ

لہٰذا	تم کھاؤ	سے	اس جو دیا	رزق	تم کو	اللہ نے	حلال		مزیدار		اور
تو	اللہ	کی	دی	روزی		حلال	پاکیزہ		کھاؤ		اور

اشْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۱۱۴

خوب شکر کرو نعمت کا اللہ کی اگر تم ہو اُسی کی عبادت کرتے

اللہ کی نعمت کا شکر کرو اگر تم اُسے پوجتے ہو

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ

فقط حرام کیا پر تم مردار کو اور خون کو اور گوشت

تم پر تو یہی حرام کیا ہے مردار اور خون اور

الْخِنْزِيْرِ وَمَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ

[illegible] اس کو جس کو پکارا گیا ہو غیر اللہ کے۔ تو جو مجبور کیا گیا

سور کا گوشت اور [illegible] ذبح کے وقت غیر خدا کا نام پکارا گیا ہو پھر جو لاچار ہو

غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۱۱۵

نہ بغاوت کرنے والا [illegible] تو بیشک اللہ بخشنے والا رحم والا ہے

نہ خواہش [illegible] اور [illegible] تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ

اور نہ کہو تم اس کو کہ وصف بیان کرتی ہیں زبانیں تمہاری جھوٹ کو

[illegible] تمہاری زبانیں جھوٹ بیان کرتی ہیں

هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ

یہ حلال اور یہ حرام تاکہ تو افترا باندھو تم پر اللہ

یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے کہ اللہ پر

الْكَذِبَ ۭ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ

جھوٹ کا۔ بیشک وہ لوگ جو بناوٹ کر لیتے ہیں پر اللہ

جھوٹ باندھو بیشک جو اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں

الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ۠ وَّلَهُمْ

جھوٹ کی کبھی کامیاب نہ ہوں گے۔ سامان ہے تھوڑا۔ اور لیے اُن کے

اُن کا بھلا نہ ہو گا تھوڑا برتنا ہے اور اُن کے لیے

عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۱۷﴾

عذاب ہے دردناک

دردناک عذاب

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں ایسی بستی کا ذکر ہوا تھا جس کو رب نے کثیر نعمتیں دیں مگر اُس نے رب تعالیٰ کی نعمتیں استعمال کر کے پھر بھی ناشکریاں کیں۔ اب بندوں کو نعمتیں برتنے کا صحیح طریقہ بتایا جا رہا ہے۔ کہ کھاؤ حلال کر کے اور خوب شکرِ الٰہی ادا کرو۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں ناشکری کرنے کا وبال مذکور ہوا اب اِن آیتوں میں۔ شکر گذاروں کا ذکر ہے اور شکر گذاری کی نشانی یعنی عبادتِ الٰہی کا تذکرہ ہوا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں نعمتوں کی نشان دہی کی گئی اب بتایا جا رہا ہے کہ نعمتِ خداوندی وہی ہے جو حلال و طیب ہے۔ حرام چیز نعمت نہیں ہے اُس کو نہ برتو۔

شانِ نزول۔ امام بغوی نے فرمایا کہ جب مشرکین مکہ قحط سے پریشان ہوئے اور بچے بوڑھے بھوکے مرنے لگے تب سب کفار گھبرا کر بارگاہِ نبوت میں آئے اور عرض کیا کہ حضور خطائیں تو ہم سے ہوئی ہیں بچوں کا کیا قصور آپ اُن کے لیے قحط ختم فرما دیجئے تب یہ آیات آٹھ عدد اتریں از ع ۱۱۲ تا ع ۱۱۹ جس میں بظاہر مشرکین اور در اصل سب سے خطاب ہے۔ تو نبی پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے اُن کو بچوں بے گناہوں کی خاطر رزق بھی دیا اور دعا بھی کی۔

تفسیر نحوی

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۪ وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ______ فَ ابتدائیہ تحسین کلام کے لیے یا فَ جزائیہ یہ قول صحیح ہے یا سببیہ علیہ

لہٰذا کے معنی میں۔ کُلُوا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَکْلٌ سے بنا ہے بمعنی کھانا۔ نگل جانا چبانا۔ حلق سے نیچے اُتارنے کا نام اَکْلٌ ہے جب تک زبان اور دانتوں میں رہے ذَوْقٌ اور مَضْغٌ ہے۔ مہموزِ الفاء ہے دراصل تھا اُاْکُلُوْا بروزنِ اُنْصُرُوْا۔ دونوں ہمزہ اس لیے گر گئیں کہ پہلی چونکہ وہ ہم جنس حرف ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے ہمزۂ وصل گری۔ اور دوسری مادّے کی ہمزہ ہے اوّل میں ساکن نہیں ہو سکتا۔ اور متحرک کرنے سے باب بدلتا ہے۔ اس لیے گرانا آسان ہے۔ مِنْ جارّہ بیانیہ یا تبعیضیہ مَا۔ اسم موصول رَزَقَ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف۔ رِزْقٌ سے بنا ہے۔ بمعنی روزی دینا۔ نعمتیں عطا کرنیں۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل۔ مفعول بہ ہے اللّٰہ بحالتِ رفع فاعل ہے رَزَقَ کا۔ حَلٰلًا۔ اسم مصدر۔ بروزنِ فَعَالًا۔ ثلاثی ہے۔ بمعنی شرعی جائز۔ مقابل ہے حرام کے بمعنی شرعی ممنوع طَیِّبًا۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنی پاکیزہ۔ لذت والا نجس یا بدمزہ کا مقابل یہ دونوں مرکب توصیفی ہو کر حال ہے کُلُوْا کے فاعل اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا جس کا مرجع مومنین ہیں۔ کُمْ سے مراد بھی مومن ہیں۔ واؤ عاطفہ۔ ماقبل کُلُوا جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہے اُشْکُرُوْا باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر شُکْرٌ سے بنا ہے بمعنی۔ احسان مند ہونا۔ نعمت کا اظہار کرنا چرچا کرنا۔ تابع ہونا۔ شکر کرنا عام ہے ہر حمد و نعمت رٹنا۔ توصیف اور شان بیان کرنے کو۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع مومنین ہیں نِعْمَۃَ۔ اسم مفرد جامد۔ ایک قول میں مؤنث لفظی ہے اور ۃ آخر میں تانیث کی ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ مذکر ہے اور ۃ وحدت کی ہے۔ بمعنی۔ بلا معاوضہ بلا استحقاق مفید چیز کا ملنا عطا کرنا۔ مضاف ہے اللّٰہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اُشْکُرُوا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کُلُوْا کا۔ سب مل کر جملہ عاطفہ ہوا۔ اور جزاء مقدّم ہوئی۔ اِنْ حرفِ شرط۔ کُنْتُمْ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا اسم ہے۔ اِیَّاہُ۔ یہ دو لفظ ہیں ۱۔ اِیَّا۔ ۲۔ ہُ۔ اِیَّا کے متعلق چار قول ہیں ۱۔ اسم ظاہر ہے بمعنی خاص۔ مضاف ہوتا ہے ضمیر کی طرف اِیَّایَ۔ اِیَّاکَ۔ اِیَّاکُمْ۔ اِیَّاہُ غرض کہ یہ ہر اسم ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے اسم ظاہر کی طرف مضاف نہیں ہوتا ۲۔ ضمیر کے ساتھ مل کر مکمل ایک ضمیر ہے۔ ۳۔ یہ حرف ہے زائدہ ۴۔ محض زائدہ حصر کے لیے۔ یہ آخری قول درست ہے۔ ہُ ضمیر واحد مذکر غائب متصل ہے۔ کسی سے جڑنا شرط ہے۔ اوّل میں آئی حصر کے لیے اور

یا لایا گیا اتصال کے لیے۔ ورنہ مقدم نہ ہو سکتی اور حصر کا فائدہ نہ ہوتا حالانکہ ضروری تھا۔ یہ مفعول مقدم ہے۔ تَعْبُدُوْنَ کا۔ باب نصر کا فعل مضارع صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ فاعل پوشیدہ ہے عَبْدٌ سے بنا ہے بمعنی معبود سمجھ کر کسی کی تابع داری کرنا۔ اطاعت کرنا (اسی کو عبادت کہتے ہیں) یا بمعنی پوجا کرنا۔ پرستش کرنا یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کُنْتُمْ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط مؤخر ہے۔ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوئے۔ اِنَّمَا حرف حصر بمعنی فقط حَرَّمَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف مصدر ہے تَحْرِیْمٌ بمعنی حرام کرنا۔ حُرْمٌ بنا ہے۔ بمعنی ناقابل استعمال۔ قابل حرمت عزت۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں یعنی سخت ممنوع شرعی چیز۔ متعدی ہے ھُوَ ضمیر مستتر فاعل جس کا مرجع اَللّٰہُ ہے۔ ترجمہ ہے حرام کیا۔ عَلٰی جارہ بمعنی لام جارہ یعنی لیے کُمْ ضمیر جمع حاضر۔ جار مجرور متعلق ہے حَرَّمَ کا۔ ا الف لام استغراقی مَیْتَۃَ اسم مفرد جامد بمعنی مردار واؤ عاطفہ الف لام عہد خارجی۔ کیونکہ ہر خون حرام نہیں صرف بہتا خون حرام ہے دَمَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی خون واؤ عاطفہ لَحْمَ۔ اسم مفرد مبنی جامد بمعنی گوشت اس کی جمع ہے لحوم مضاف ہے۔ الف لام استغراقی خنزیر اسم مفرد جامد جنگلی جانور کا نام اس کی جمع ہے خنازیر۔ واؤ عاطفہ۔ ما موصولہ۔ اُہِلَّ۔ باب افعال ماضی مطلق مثبت مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ مستتر نائب فاعل ہے جس کا مرجع مَا۔ مصدر ہے اِھْلَالٌ۔ ھَلَلٌ سے بنا ہے بمعنی لغوی بوقت ذبح جانور کا چیخنا۔ ڈکرانا۔ پھر منقول عرفی میں ذبح کو ہلال کہا گیا۔ پھر عام ہو گیا ہر چیخنے کے لیے پھر پہلی کے چاند کو اسی لیے ہلال کیا گیا کہ اس پر چیخ پکار ہوتی ہے حاجی کے تلبیہ کو اہلال کہا گیا کیونکہ اس میں بھی بانداز آواز ہوتی ہے یہاں مراد ذبح کرنا ہے۔ لام جارہ بمعنی لیے غیر اسم مفرد جامد بمعنی دوسرا سوا مضاف ہے اللّٰہ مضاف الیہ جار مجرور متعلق اول بِ جارہ تعدیہ۔ ضمیر کا مرجع مَا۔ جار مجرور متعلق دوم۔ اُہِلَّ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ وہ معطوف سب عطف سے مل کر مفعول بہ ہو حَرَّمَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُکُمُ الْکَذِبَ ھٰذَا حَلٰلٌ وَّ ھٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ف زائدہ تعقیبیہ یعنی حقیقی تعقیب مکانی یا زمانی نہیں ہے۔ مَنْ اسم موصول شرطیہ جو صرف اہل عقل کے لیے ہی خاص ہے خواہ انسان جنات یا ملائکہ یہاں صرف انسان مومن مسلمان مراد ہیں۔ اُضْطُرَّ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت مجہول۔ مصدر ہے اضطرارٌ بمعنی۔ مجبور کرنا کیا جانا ضَرَرٌ سے بنا ہے بمعنی نقصان ہونا لازم اضطرار متعدی ہے اس کی دو قسمیں ہیں ۱ اضطرار خارجی ظاہری ۲ اضطرار نفسی باطنی۔ یہاں باطنی مراد ہے۔ بقاعدہ نحو

جب مصدر کا ف کلمہ ص یا ض ہو تو باب افتعال کی ت طا سے بدل جائے گی جیسے مصطفیٰ وغیرہ
صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل غیر ۔ اسم مفرد جامد صفت مبہم کے لیے ہوتا ہے
مگر کبھی اِلّا کے معنی میں بھی آجاتا ہے یہاں اپنے معنی صفتیت کے لیے ہے بحالت فتحہ ہے
یا حال ہے اُضْطُرَّ کے فاعل ھُوَ مستتر کا اور یہ اعراب لفظی حقیقی ہے یا بدل ہے اس کا یہ اعراب
محلی ہے کیونکہ ھُوَ نائب فاعل مرفوع مگر اصلاً مفعول بہ ہے اس لیے محلاً منصوب ہے ۔ مضاف
ہے ۔ بَاغٍ ۔ اسم فاعل ہے باب ضَرَبَ کا واحد مذکر ۔ بَغْوٌ یا بَغْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بغاوت کرنا منہ
موڑنا ۔ سرکشی کرنا ۔ حد سے بڑھنا ۔ بغیر مجبوری کوئی کام کرنا ۔ یہاں یہ آخری معنیٰ میں ہے واؤ عاطفہ
تاکیدیہ لَا عاطفہ نافیہ ۔ عَادٍ ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مذکر عَدْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادتی کرنا ۔
باغ اور عادٍ دونوں کا لام کلمہ ی حرف علت ہے جو اجتماع ساکنین سے گرگیا ۱ ی ساکن ۔
۲ تنوین ساکن دونوں میں ھُوَ ضمیر مستتر ہے فاعل ہے جس کا مرجع مَنْ ہے دونوں جملہ اسمیہ ہو کر
معطوف علیہ معطوف ہو کر حال یا بدل ہوئے اور جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ موصول صلہ شرط ہوا ۔ فَ ۔
جزائیہ جملہ اسمیہ جزا ہو تو فَ لانا واجب ہے جزا مقدم ہو تو بھی اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم
غَفُوْرٌ خبر اول رَحِیْمٌ خبر دوم ۔ غَفُوْرٌ اور رَحِیْمٌ غفر اور رحم سے بنے ہیں دونوں صفت مشبہ مبالغہ کے لیے ۔ اِنَّ اسم
خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا ۔ واؤ ۔ ابتدائیہ لَا تَقُوْلُوْا باب نَصَرَ کا
نہی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کہنا ۔ لِمَا ۔ لام جارہ مفعولیت کا مَا ۔ وَتَصِفُ
وصف سے مشتق ہے ۔ بیان کرنا ۔ بتانا کسی چیز کی شکل صورت کے ساتھ عادت بیان کرنا توصیف
ہے ۔ یا بڑھا چڑھا کر بیان کرنا ۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۔ باب ضَرَبَ سے ہے دراصل تَوْصِفُ تھا
واؤ ماقبل فتحہ سے ثقیل (بوجھل) ہوئی لہٰذا گر گئی ۔ اَلْسِنَتُ ۔ اسم جمع مکسر ہے آخر میں ت نوعی
عوضی ہے نہ کہ تانیث ہے اس کا واحد لِسَانٌ مذکر ہے ۔ بمعنیٰ منہ کی عضوی زبان ۔ مضاف ہے ۔ کُمْ
ضمیر کا مرجع کُفّارِ مکہ ہیں مضاف الیہ ہے مرکب اضافی فاعل ہے تَصِفُ کا الف لام عہدی کا اَلْکَذِبَ ۔
اسم حاصل مصدر بمعنیٰ جھوٹ ۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تَصِفُ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ
ہوا مَا کا اور مجرور ہو کر متعلق ہے لَا تَقُوْلُوْا کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا ھٰذَا اسم اشارہ قریبی
مبتدا ہے ۔ حَلٰلٌ ۔ اسم مصدر ۔ جامد ہے ۔ بمعنیٰ جائز غیر ممنوع ۔ بحالت رفع خبر مبتدا ۔ دونوں مل
کر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ ھٰذَا مبتدا ۔ حَرَامٌ ۔ مصدر ثلاثی بروزن فَعَالٌ ۔ حَرُمَ سے بنا
ہے بمعنیٰ ممنوع نا جائز ۔ خبر مبتدا جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ۔ معطوف علیہ معطوف ۔ معمول ہوا لام تعلیلیہ

جازمہ تفترُوْ۔ باب افتعالؔ کا مضارع مثبت مجزوم۔ لام جازمہ سے۔ دراصل تھا تفترُوْنَ۔ نونِ اعراب جزم سے گرگئی۔ مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ بمعنیٰ۔ بہتان باندھنا۔ جھوٹ منسوب کرنا۔ غلط بیانی۔ فریب کاری۔ اَنْتُم ضمیر مخاطب مستتر فاعل مرجع کفارِ مکہ۔ علیٰ بمعنیٰ اِلیٰ انتہائیہ۔ بمعنیٰ طرف۔ الف لام عہدی کَذِبْ اسم مفرد جامد بمعنیٰ جھوٹ۔ علَی اللّٰہِ متعلق ہے۔ لِتَفْتَرُوْ کا۔ اَلْکَذِبَ مفعول بہ ہے اِس کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر عِلّت ہوئی۔ معلول عِلّت مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ جملہ مقالیہ ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ یَفْتَرُوْنَ۔ فعل مضارع۔ اِفْتِرَاءٌ سے ہے۔ بمعنیٰ جھوٹ باندھنا۔ بہتان۔ فریب باندھنا۔ ھُمْ ضمیر غائب مستتر اس کا فاعل مرجع ہے اَلَّذِیْنَ عَلَی اللّٰہِ جار مجرور متعلق ہے یَفْتَرُوْنَ کا اَلْکَذِبَ۔ بمعنیٰ اپنی دل پسند جھوٹی بات۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے۔ یَفْتَرُوْنَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر اسم اِنَّ لَایُفْلِحُوْنَ۔ باب اِفْعَالؔ کا۔ مضارع منفی معروف بمعنیٰ فعل مستقبل۔ مصدر ہے اِفْلَاحٌ۔ فَلْحٌ۔ مصدر کا ترجمہ ہے کامیابی حاصل کرنا مُتعدّی ہے۔ فَلَحٌ ثلاثی کا ترجمہ ہے کامیاب ہونا لازم ہے۔ ھُمْ ضمیر غائب مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ فعل یا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ۔ سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مکمّل ہوا۔ مَتَاعٌ۔ اسم مفرد جامد یا ثلاثی کا مصدر حاصل مصدر بمعنیٰ سامانِ زندگی موصوف ہے۔ قَلِیْلٌ۔ صفتِ مشبّہ بروزنِ فعیل بمعنیٰ بہت ہی تھوڑا تعداد میں یا جگہ میں یا مدت میں۔ قَلَلٌ اور قِلّتٌ سے بنا ہے۔ بحالتِ رفع صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف علیہ ہے۔ واؤ عاطفہ بمعنیٰ ثُمَّ تعقیبیہ باتراخی ہے۔ ثم خود نہیں آیا۔ کیونکہ یہاں دونوں کے معنیٰ قائم رکھنے تھے۔ قلّتِ مدت کو بیان کرنے کے لیے گویا ساتھ ہی جمع ہیں۔ لام جارہ ھُمْ ضمیر جمع مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ یا موجودٌ پوشیدہ کا عَذَابٌ اسم مفرد معرب متمکن نکرہ مخصوصہ مرفوع ہے فاعل ہے پوشیدہ کا اَلِیْمٌ اسم مفرد صفت مشبّہ بمعنیٰ بہت ہی تکلیف دِہ مبالغہ ہے۔ بحالتِ رفع کیونکہ تابع صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی فاعل ہوا ثابتٌ کا وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے مَتَاعٌ کا۔ سب عطف مل کر ھٰذا پوشیدہ مبتدا کی خبر ہوئی اب جملہ اسمیہ مکمل ہے۔

تفسیر عالمانہ

فَکُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ حَلٰلًا طَیِّبًا وَّاشْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاہُ تَعْبُدُوْنَ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْکُمُ الْمَیْتَۃَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَمَآ اُھِلَّ لِغَیْرِ اللّٰہِ بِہٖ ——— لہٰذا اے مسلمانو اور اس دُھواں دار جھلسا دینے والے قحط کے بعد سچی توبہ کر کے مسلمان ہو جانے والو اب اُس طیّب طاہر پاکیزہ رزق سے خوب کھاؤ

ہر وقت کھاؤ کھلاؤ جو رزق تم کو اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ نے عطا فرمایا ہے ۔ لیکن کفار بد بخت کی طرح حرام کرکے نہیں ناشکری نافرمانی کرکے اور چیزوں کو گندہ پلید کرکے نہیں بلکہ حلال اور لذیذ روحانی فرحت بناکر اور اللہ کے رزق لے کر خوب شکر کرو اللہ کی نعمتوں کا ۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ پہلے تم اہلِ مکہ کو دعاءِ خلیل کے صدقے میں رزق حلال طیب ملتا رہا اور اب تا قیامت دعاءِ حبیب کے طفیل رزق اور نعمتیں ملیں گی ملتی رہیں گی بشرطیکہ تم سچی توبہ استغفار کے ساتھ اُس اللہ سچے معبود کی بندگی کرو عشق و محبت لذّت و الفت سے نہایت صاف دل خلوصِ عقل سے اُس کی عبادت کرتے رہو ۔ زمانۂ قحط میں تم کو کتنی حرام اور گندی چیزیں کھانی پڑیں اُس کا کرم و رحم ہے کہ وہ مصیبت جو تمہاری بدعملیوں بے ادبیوں کی وجہ سے آئی تھی محبوب کی دعا کے صدقے ختم ہوئی اب قیامت تک اللہ نے تم پر فقط ہر قسم کا مردار حرام فرما دیا خواہ مُنْخَنِقَۃ (گلا گھونٹ کر مارا ہوا) یا مَوْقُوْذَۃ (اُونچی جگہ سے لُڑھکا کر مارا ہوا) یا متردیہ (خود گر کر مرا ہوا) یا نطیحہ (چھرا یا کوئی چیز گھونپ کر مارا ہوا) یا درندے کا مارا ہوا اور بہتا ہوا خون یعنی جو حلال جانور کی بوقتِ ذبح رگوں یا کسی جسم کے حصہ سے بہکر نکلا ہو ۔ وہ بھی حرام ہے اگرچہ باہر آکر جسم جائے ۔ اور خنزیر کا لحم یعنی پورا جسم حرام فرما دیا ۔ اس لیے کہ خنزیر کی کھال نہیں ہوتی گوشت پر ہی بال ہوتے ہیں نیز چربی گردے کلیجی اصطلاحاً گوشت میں ہی شمار ہوتے ہیں اور وہ حلال جانور بھی حرام کر دیا جو کسی بھی غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا گیا ہو ۔ یعنی ذبح کرتے وقت اللہ کا نام چھوڑ کر کسی انسان یا بُت کا نام لیا گیا ہو فقط اُسی کو حرام کیا ہے ۔ غیر اللہ کا ذبیحہ خواہ اس طرح ہو کہ مندر کے پاس بُت کے لیے تکبیر پڑھ کر قربانی کرے اور اُس کے لیے خون بہائے یا کسی انسان کے لیے خون بہائے یا خون تو اللہ کے لیے بہائے مگر تکبیر کی جگہ کسی انسان زندہ یا فوت شدہ کا نام لے یا کسی بُت کا سب طرح کا ذبیحہ اللہ نے حرام فرما دیا ۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں کل چار جگہ حرام چیزوں کا ذکر فرمایا ۔ ایک اِسی جگہ تین اس سے پہلے ۱ سورۃ بقرہ مدنی آیت ۱۷۲ بالکل ان ہی لفظوں سے چار چیزوں کی حرمت نازل ہوئی ۔ صرف تین طرح کچھ لفظی تغیر ہے ۔ ۲ سورہ مائدہ آیت ۳ مدنی یہاں لفظِ حصر اِنَّمَا ۔ نہیں ہے اور دس چیزیں حرام کی گئیں چھ قسم کا مردار جانور ۔

۱ میتہ ۲ منخنقہ ۳ موقوذہ ۴ متردیہ ۵ نطیحہ ۶ درندے کا مارا ہوا اور دو قسم کا ما اُہِلَّ ۔

۱ غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے ۲ تکبیر پڑھ کر کسی بُت یا انسان کے لیے خون بہایا جائے یہ بھی حرام ہے اس لیے کہ خون جانور اور روح اللہ کی مخلوق ہے لہٰذا اسی کے نام پر ذبح ہوگی اور اسی کے لیے اسی کی عظمت و قربت کے لیے خون بہایا جا سکتا ہے ۹ اور خون بہتا ہوا اور دسویں چیز خنزیر ۔

۲ سورۂ انعام آیت ۱۴۵ تک یہاں بھی سورۂ نحل کی طرح ان چار ہی حرمتوں کا نزول ہوا ہے۔ صرف خون کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ صرف بہتا ہوا نکلنے والا خون حرام ہے۔ گویا کہ حرمت و حلت اتنی اہم اور شدید و سخت چیز ہے کہ اس کو چار دفعہ نازل فرمایا گیا۔ دو دفعہ مکہ معظمہ میں اور دو دفعہ مدینہ منورہ میں۔ لیکن سورۂ بقرہ میں اور یہاں ان حرمتوں کو انما سے شروع فرمانا اس لیے نہیں ہے کہ ان کے علاوہ اسلام میں اور کوئی جانور یا اور کوئی چیز حرام ہی نہیں ہے بلکہ مفسرین نے اس جگہ انما کے حصر میں چار قول بیان فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حصر کفار کے لیے ہے کہ کافر جن جانوروں کو حرام کہتے ہیں اور انہوں نے حرام ہونے کا جو طریقہ اپنے دل سے گھڑ لیا ہے وہ غلط ہے۔ کافر کہتے ہیں کہ کسی حلال حیوان گائے بکری بھینس اونٹ بیل بجار سانڈ وغیرہ کو کسی شخصیت، انسان یا بت کے نام کر دو کہ یہ جانور اس کا ہے تو وہ حرام ہوگا۔ اسی لیے عرب اور ہند کے کافر ہندو ان کے سانڈ بجار اور بحیرہ، سائبہ، پہلے اب بتوں اور پنڈتوں کے نام لگا دیتے ہیں پھر ان کو حرام سمجھنے لگ جاتے ہیں ان کے خود ساختہ عقیدے کی تردید کرتے ہوئے ان سب آیتوں میں بار بار سمجھایا گیا ہے کہ کسی شخص کے نام لگ جانے سے جانور یا مٹھائی یا کوئی چیز حرام نہیں ہوتی اور گیارہویں وغیرہ حرام نہیں مسلمان اس کو اللہ کے نام پر ذبح کر کے کھا سکتا ہے ختم شریف دلا سکتا ہے صدقہ و خیرات بھی کر سکتا ہے۔ اس کو حرام کہنا کافروں کا طریقہ ہے۔ بالکل یہی عقیدہ وہابیوں نے بنا لیا کہ غوث پاک کا بکرا داتا صاحب کی مٹھائی حرام۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں گروہوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا کہ احمقو فقط تمہارے کہنے سے یہ جانور اور چیزیں حرام نہ ہوں گی حرام صرف وہ ہیں جن کو اللہ نے حرام کیا۔ دوسرا قول یہ کہ یہ حصر اضافی ہے یعنی بغیر واسطہ صرف وحی قرآنی کے ذریعے یہ چار چیزیں حرام ہیں اس کے علاوہ جو چیز اور جو جانور کیڑے مکوڑے کتا بلا دریائی خشکی۔ کوڑا کچرا جو بھی حرام ہے وہ ہمارے نبی۔ مختار شریعت شہنشاہ اسلام نے ہمارے حکم اور اذن سے اپنی زبان سے حرام فرمائی ہیں۔ جیسا کہ سورۂ اعراف آیت ۱۵۷ میں۔ صراحت فرمائی گئی کہ ہمارے یہ نبی چیزوں کو حلال بھی فرماتے ہیں اور حرام بھی۔ تیسرا قول یہ کہ یہ حرمت بتدریج ابتدائی ہے اس لیے چار اشیا پر حصر ہوا۔ پھر جب احادیث سے دوسری چیزیں حرام ہوئیں تو یہ حصر منسوخ ہو گیا۔ مگر یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ اگر یہ حصر وقتی اور عارضی ہوتا تو چار سورتوں میں اور مکی مدنی زندگی میں بار بار نزول نہ ہوتا یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ اتنے عرصے تک نبی کریم نے اور کوئی چیز حرام نہ فرمائی ہو۔ چوتھا قول یہ کہ یہ حصر حرمت کے بیان سے ہے یعنی یہ اشیا ہر طرح صرف حرام ہی ہیں ان کا اور کوئی مصرف کوئی فائدہ نہیں بخلاف دیگر

مضرات کے مثلاً تیّ بالا اور کیڑے مکوڑے اگرچہ کھانے حرام ہیں لیکن اس کے علاوہ بہت سے فائدے اور مسرفسات ہیں موجود ہیں جن کی بنا پر وہ قابل استعمال ہیں۔ واللہ اعلم ورسولہٗ ۔ مگر یہ مندرجہ بالا تمام چیزیں ہر طرح ہر وقت ہر شخص کے لیے حرام ہی ہیں۔ لیکن فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ فقط وہ شخص جو انتہائی سخت مار دینے والی بھوک سے یا کسی خونخوار دشمن کی طرف سے مجبور کیا جائے۔ نہ تو اسلام و شریعت سے نہ اللہ رسول سے بغاوت کرنے والا اور نہ عادت و لذت اٹھانے والا ہو نہ بھوک سے زیادہ کھانے والا یعنی فقط اتنا کہ جس سے جان بچ جائے یا بچنے پر جان کی دھمکی آمیز جبر کیا جائے اور وہ ان میں سے معمولی مجبوری کی مقدار کھالے تو بیشک اللہ تعالیٰ ایسے مصیبت زدہ کو بخشنے والا رحیم ہے اس لیے کہ یہ چیزیں اس کے لیے بھی حرام ہی رہیں گی اور جتنی مقدار بھی اس نے کھائی ہوگی پیٹ میں حرام ہی گئی مگر اس کا گناہ بخشا جائے گا۔ اس لیے کہ حلال حرام کرنے والا تو فقط اللہ رسول ہی ہے۔ اور کسی کو یہ حق نہیں ہے کہ کسی شے کو بغیر استنباط قرآنی و نبوی اپنی مرضی و دل لگی سے حرام یا حلال کہتا پھرے۔ لہٰذا۔ وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ۔ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ اے ہر قسم کے لوگو۔ اپنے عمل عقیدے اور من مرضی سے ایسی باتیں نہ کہتے اور بناتے پھرو جن کو فقط تمہاری زبانیں ہی بیان کرتی ہوں جھوٹ موٹ حالانکہ کسی طرح سے ثبوت کوئی بھی نہ ملتا ہو۔ محض سرکشی ۔ عناد ۔ خود سری گندے عقیدوں کی بنا پر کہہ دو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام تا کہ بڑا جرم ہے کہ تم اللہ کی ذات پر افترا باندھتے ہو اپنے جھوٹ کا۔ شروع سے آج تک اور آئندہ تا قیامت یہ بات اور فیصلۂ الٰہیہ اٹل ہے اور تاریخی تجربہ و مشاہدہ ہے کہ بیشک جن لوگوں نے بھی اللہ کی طرف اپنی جھوٹی بات منسوب کی وہ دنیا و آخرت میں ناکام و ذلیل و خوار ہی ہوئے۔ دنیا کے تھوڑے دنوں اُن کو نفع ضرور ملتا رہا۔ لیکن اخیر اُن کے لیے دردناک عذاب ہی دائمی ہوا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ جس طرح ایمان نام ہے کفر چھوڑنے کا اسی طرح تقویٰ نام ہے گناہ چھوڑنے کا۔ لذت دار اور حلال روزیاں ۔ چھوڑ بیٹھنا تقویٰ نہیں ہے۔ ہاں البتہ حرام و خبیث چیزیں نہیں کھانی چاہئیں۔ یہ فائدہ فَكُلُوْا مِمَّا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ہر مسلمان کو ہر حال میں ہر طریقے کا شکر الٰہی کرنا چاہیئے۔ اور شکر نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نقش قدم پر چلنے

کا اسی لیے شکر کی تین قسمیں ہیں۔
۱۔ شکر اعتقادی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی تمام تعلیمات پر پورا ایمان لایا جائے۔
۲۔ شکر عملی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے پر زندگی گزاری جائے ۳۔ شکر لسانی یہ ہے کہ بندہ ہمیشہ حمد و نعمت کہتا رہے۔ یہ فائدہ وَاشْكُرُوْا کے مطلق فرمانے اور شکر کو اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ پر معلق فرمانے سے حاصل ہوا کہ شکر وہی کر سکتا ہے جو عبادت کرے اور رب تعالیٰ کی عبادت نام ہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اُسْوَةٌ حَسَنَة کا **تیسرا فائدہ** ۔ بغیر دلیل کسی چیز کو حرام کہہ دینا۔ اللہ پر افترا باندھنا یعنی جھوٹ بنانا ہے۔ اگر کوئی آدمی عید میلاد۔ گیارھویں شریف۔ یا نعت خوانی کو حرام کہے تو اس کو دلیل پیش کرنی چاہیئے۔ یہ فائدہ وَلَا تَقُوْلُوْا (الخ) کی ممانعت اور اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ ۔ بتوں کے نام پر لگائے ہوئے جانور اور چیزیں حرام نہیں ہیں اسی طرح خود بت کو توڑ کر استعمال کرنا بھی جائز ہے حرام نہیں۔ مثلاً سونے کا چاندی لوہے پتھر کا بت اور گنگا جمنا پانی کا استعمال کرنا بھی حلال ہے یہ مسئلہ اِنَّمَا حَرَّمَ کے حصرِ اضافی سے مستنبط ہوا۔ یعنی اِنَّمَا کا حصر صرف بتوں کی چیزوں اور کسی شخص کے نام لگائی چیزوں کو حرمت سے نکالنے کے لیے ہے حرمت کو صرف ان مذکورہ جانوروں کی طرف اضافت اور نسبت کی گئی ہے **دوسرا مسئلہ** ان مذکورہ جانوروں کے علاوہ وہ جانور بھی حرام ہیں جن کو احادیث میں حرام فرمایا گیا اب تا قیامت صرف وہی حرام ہیں جو قرآن و حدیث کی دلیل سے حرام ہوں۔ یہ مسئلہ بھی اِنَّمَا حَرَّمَ کے حصرِ اضافی سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ** ۔ جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں وہ اگر بغیر ذبح مر جائیں تو حرام ہیں۔ اس لیے کہ ان میں مسفوح (بہتا خون) ہے۔ اور اس کا پورا نکلنا شرط ہے۔ اور پورا خون صرف گردن کی رگوں سے ہی نکل سکتا ہے۔ ہاں جس جانور کا بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ بغیر ذبح مردہ ہو جائیں تو بھی حلال ہیں وہ دو ہیں مچھلی و ٹڈی یہ مسئلہ حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔
چوتھا مسئلہ ۔ صرف بہتا خون حرام ہے۔ لہٰذا تلی کلیجی اگرچہ خون ہے مگر بہتا ہوا نہیں اس لیے حلال ہے۔ یہ مسئلہ وَالدَّمَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ کلیجی اور تلی کو حدیث پاک میں خون ہی فرمایا گیا ہے۔ **پانچواں مسئلہ** ۔ خنزیر کی ہر چیز حرام ہے۔ صرف لحم فرمانا اس لیے ہے کہ اس کی کھال نہیں ہوتی کھال کے علاوہ ہر چیز کو گوشت ہی کہا جاتا ہے یہ مسئلہ لَحْمَ الْخِنْزِيْرِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **چھٹا مسئلہ** ۔ مجبور کی طلاق اور عتاق (غلام آزاد کرنا) واقع ہو جاتی ہے بشرطیکہ زبان سے ادا کرے صرف لکھنے سے نہیں ہوگی۔ امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ہوتی۔ باقی تینوں ائمہ کے نزدیک

ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ فَمَنِ اضْطُرَّ کی ایک تفسیر اور گذشتہ آیت اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ سے مستنبط ہوا۔ **ساتواں مسئلہ** ۔ شریعت اسلامیہ میں تین چیزوں پر پکڑ نہیں ۱ خطاء ۲ بھول نسیان ۳ جبر و اضطرار۔ اسی بنا پر امام اعظم فرماتے ہیں کہ مجبور کے قتل اور زنا پر حد نہیں امام شافعی کے نزدیک ہے۔ یہ مسئلہ۔ فَمَنِ اضْطُرَّ کے لئے فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ فَكُلُوْا۔ یعنی پس تم کھاؤ۔ اس میں خطاب کس سے ہے۔ اگر خطاب کفار سے ہے تو طیب حلال کیوں فرمایا اور وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ۔ کیوں فرمایا گیا۔ کافر تو کسی عبادت کے مکلف نہیں ہوتے حالانکہ شکر بھی عبادت ہے۔ ان کو تو ایمان لانے کا حکم دینا چاہیئے تھا۔ اور پھر کافر کے لیے حلال طیب رزق کی کیا ضرورت ہے۔ کافر تو بحکم قرآنی خود نجس پلید ہے۔ اور اگر خطاب مسلمانوں سے ہے تو پھر اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ کیوں فرمایا گیا۔ مسلمان تو عبادت کرتے ہی ہیں۔ **جواب** ۔ یہاں خطاب کفار سے ہے اس لیے کہ پچھلی آیت میں کافروں کا ہی ذکر ہو رہا ہے۔ اور شکر کو عبادت پر معلق کیا گیا۔ اور ایمان لانا بھی عبادت ہے۔ یہاں اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ کا معنیٰ ایمان قبول کرنا ہی ہے۔ نیز شکر بغیر ایمان و اسلام قبول کئے ہو سکتا ہی نہیں۔ اور حلال طیب یہ ہر رزقِ خداوندی کی قدرتی شان ہے خواہ کافر کھاتا ہو یا مومن۔ ہر پھل فروٹ۔ غلہ دودھ ہی۔ شہد۔ گوشت وغیرہ حلال و طیب ہی ہے خواہ کافر کھائیں یا مومن۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ حرام صرف وہ چیزیں ہیں جن کو رب تعالیٰ نے حرام فرمایا۔ تمہارے حرام کرنے سے حرام نہ ہوگا۔ حلال طیب ہی رہے گا بعض نے فرمایا کہ یہ حکم مسلمانوں کو ہے۔ کہ کھاؤ اور شکر کرو۔ اور اِنْ كُنْتُمْ میں اِنْ شرطیہ نہیں بلکہ حالیہ ہے۔ یعنی اس حال میں کہ خوب عبادت بھی اسی اللہ کرتے رہو۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ۔ یعنی تمہاری زبانیں جھوٹ بناتی ہیں۔ پھر فرمایا گیا۔ لِتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ تاکہ افترٰی باندھو تم اللہ پر جھوٹ کا۔ تَصِفُ بھی اللہ پر افترا ہے پھر علیحدہ لِتَفْتَرُوْا کیوں فرمایا گیا۔؟ افترا جھوٹ ہی ہوتا ہے تو بعد میں پھر اَلْكَذِبَ کیوں ارشاد ہوا۔ یہ تکرار کوئی مفید نہیں لگتی۔

جواب ۔ یہ تکرار نہیں ہے بلکہ علیحدہ علیحدہ بیان ہیں۔ پہلے فرمایا گیا۔ تَصِفُ۔ یعنی تمہاری اپنی زبانی باتیں۔ اگرچہ آج تم اپنی طرف سے یہ باتیں بنا رہے ہو مگر ایسا بھی نہ کہو کیونکہ کل تم کہنا شروع کر دو گے

یا تمہاری آمدہ نسلیں کہ یہ ہم نے حلال حرام نہیں کیں بلکہ اللہ نے ہی حرام حلال کی ہیں۔ لِتَفْتَرُوْا کا لام تعلیلیہ یہی بتا رہا ہے اور لِتَفْتَرُوْا کے بعد کَذِب فرمانا مزید وضاحت کے لیے ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اپنی زبانی جھوٹ باتیں مت بولو کہ کہیں کل کو ان غلط باتوں کو اللہ کی طرف لگا دو جو نرا ہی جھوٹ ہے لہٰذا آیتِ کریمہ کا کوئی بھی لفظ غیر مفید نہیں۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ۔ بیشک وہ لوگ جو اللہ پر جھوٹ کا افترا باندھتے ہیں وہ کامیاب نہیں ہوں گے۔ تو کیا دوسرے کافر جو حرام حلال کا افترا نہیں باندھتے وہ کامیاب ہو جائیں گے۔

جواب۔ اولاً تو اس آیت میں کسی لفظ یا طرزِ بیانی سے حصر ثابت نہیں ہوتا جس کا نتیجہ نکلتا کہ صرف افترا والے ناکام ہوں گے جب حصر ہی نہیں تو یہ سوال غلط ہوا کہ کیا دوسرے کافر کامیاب ہوں گے بغیر حصر کے ایک کی نفی سے دوسرے کا ثبوت کیسے ہو سکتا ہے۔ دوم یہ کہ یہاں افترا صرف حرام حلال کا نہیں بلکہ مطلقاً ہر قسم کا افترا مراد ہے خواہ کافر کرے یا فاسق فاجر مسلمان۔ خواہ حرام حلال کا افترا کرے یا کسی اور چیز کا۔ اور کافر کا ہر عقیدہ ہی افترا ہے۔ اس لیے کوئی بھی کافر کہیں ہو کبھی ہو۔ لَا یُفْلِحُوْنَ۔ عام ہے کہ کامیاب نہ ہوں گے

تفسیرِ صوفیانہ یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ دنیاءِ فانی کے رہنے والوں پر بس ایک دن ایسا آئے گا جب کہ کوئی کسی کو نہ درغلا سکے نہ وسوسہ ڈال سکے بلکہ ہر نفس امارہ و مطمئنہ اپنی ہی بقا کی فکر و تصور میں ہوگا۔ قالبِ جسمانی پر وہ قیامتِ صغریٰ قربِ وبُعد کے لمحاتِ تقضاءِ قدر کا زمانہ ہوگا ہر ظاہری و باطنی کو اس کے اعمالِ سیاہ و سفید کا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ جسدِ ظاہر و باطن حق و باطل میں سے کوئی بھی کمی نہ کیا جائے گا۔ شقاوت و سعادت جس کا جو حقدار ہے وہ اس کی پوری جزا پائے گا۔ کوئی بھی محرومی جزا سزا کا ظلم نہ کیا جائے گا۔ منزلِ مشاہدہ میں یہ پہچان بہت ضروری ہے کہ کون نفس اس مقام پر ہے بدبختی کی علامت یہ ہے کہ گناہ کرے اور مقبولیت کی امید رکھے۔ منزل قرب ہے ۔۔۔ میں مثلِ آفتاب ہیں۔ تمام عالم ان کے نور سے روشن ہے۔ نفسِ لوامہ کے لیے وادیِ طلب میں دو قدم ہیں پہلا قدم طوافِ کعبہ بالال۔ کر چلے۔ بندۂ عارف کعبے کا طواف کرتا ہے یہ مقامِ مریدی ہے یہاں تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا کا ظہور ہے۔ پھر جب تجلیاتِ اسرار کا اس پر نزول ہوتا ہے تو کعبہ اس کا طواف کرتا ہے یہ مقامِ مرادی ہے اور کاشانۂ محبوبی ہے یہاں تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ کا

ظہور ہے ۔ عالمِ فنا میں ہر مقام ہر دن ۔ ہر ساعت علیحدہ ہے ۔ مگر عالمِ بقا میں ہر نفس کے لیے ایک ہی دن ہے وہاں عشق ۔ عاشق ۔ و معشوق ۔ طلب ۔ طالب و مطلوب سب ایک ہی نفس میں موجود ہیں ۔ عارفین فرماتے ہیں کہ یومِ ثانی زمانۂ قبر ہے ۔ اور کیفیاتِ قبر توفّی ہے ۔ اور عذابِ قبر و نظارۂ قبر۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ۔ ہے خواجہ معین الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب حضور غوث پاک کی غلامی میں حاضر ہوئے اور کسبِ فیض کیا تو آپ پر تمام عالم منکشف ہو گیا ۔ اور مخلوق کی سزا و جزا کو ملاحظہ فرمایا ۔ فرماتے ہیں اگر کوئی بتدی نفسِ مردہ کے حال سے واقف ہو جائے تو ہیبت و دہشت سے نمک کی طرح پگھل کر ختم ہو جائے وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ اٰمِنَةً مُّطْمَئِنَّةً يَّاْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ۔

اور اہلِ معرفت کی آسانیِ سلوک کے لیے مولیٰ تعالیٰ نے ایک قریۂ اجسام کی مثال بیان فرمائی جو کدوراتِ نفسیہ سے امن والی تھی اور قلبِ منتعدہ کے فیض سے مطمئن و مستفید تھی اکتسابِ فضائل کا رزق علومِ نافعہ خصائلِ حمیدہ اور انوارِ شریفہ کی غذائیں ہر طرف سے طریقۂ بدیہہ اور حواسِ مؤثرہ کی ہر جانب سے قوتِ عقلیہ اور افعالِ جوارحہ کے ہر مکان سے اعمالِ جمیلہ کی روحانی نعمتیں ۔ خوفِ فنا کے امن والی اور اعتقادِ حقانیہ کے اطمینان والی بستی و روح تھی ۔ پس لمحاتِ بلوغت کے زمانے میں کفر تخیلات اور شرکِ تصورات کی سیاہ بخت آندھیاں وساوسِ شیطانی کے طوفانوں کے ساتھ ایسی چلیں کہ انعاماتِ الٰہیہ کے شکر مراقبہ اور احساسِ مشاہدہ کی تمام لذات ختم ہو گئیں ۔ تو صفاتِ ظلمانیہ کی قحطِ انوار کا مزہ چکھا دیا اللہ نے معانی واردات کو تبدیل کر کے اور امدادِ قلبی کو بند کر کے اور فضائل و انوار و معانی اسرار کو بند کر کے اور مبتلائے شہوات سے خوفِ فنا و بربادیِ اعمال کا مزہ چکھا دیا ۔ یہ سب بلاؤ مصائب نفسِ شیطانی کفرانِ نعمت کی بنا پر ہے اور نعمت کی ناشکری یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی اشیاء مادیہ و حسیہ کو غیر اللہ کے لیے خرچ کیا جائے اور خواہشاتِ دنیا میں مصروف رہے ۔ مولیٰ علی مشکلکشا رضی اللہ تعالیٰ کرم اللہ وجہہ ۔ اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الضَّلَالِ بَعْدَ الْهُدٰى ۔ اے ہمارے رحیم کریم اللہ ہم پناہ مانگتے ہیں اللہ کی ہدایت کے بعد گمراہ ہونے سے ۔ وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۔ اور البتہ بیشک اسی بستی قالب میں بسنے والے حواسِ ظاہری و باطنی کے پاس قوتِ فکریہ کا عظیم رسولِ مکرم ان ہی تمام قوائے روحانیہ و اعضاءِ نفس میں سے تشریف لایا معانیِ معقولہ اور آرائے صادقہ کے ساتھ تو اہالیانِ قالب کی نفسانیات و خواہشات نے اس رسولِ مکرم کی طبیعاتِ امر و نہی کو جھٹلا دیا کہ نہ نیاتِ صالحہ کا اثر قبول کیا نہ نصیحتِ مجیدہ او شعور مادہ

کو مانا۔ نہ خصائلِ حمیدہ پر سر کو جھکایا نہ محبتِ الٰہیہ کا سجدہ کیا۔ نہ مقتضاءِ ضمیر کے روزے دار ہوئے نہ شریعت کے مطابق سوئے نہ طریقت کے مطابق جاگے۔ تو پکڑ لیا اُن کو ابدی حجاب شقاوت نے اور لذتِ کمال کے عذابِ محرومی نے۔ اور اس حال میں پکڑا کہ اہلِ شقاوت حقوقِ جسمانیہ کو نقصان دینے کے ظلم میں مشغول تھے اور راہِ فضیلت و مشاہدۂ طریقت۔ نظارۂ معرفت سے دور کرنے والے تھے (محی الدین ابنِ عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) تکذیبِ حق کا سبب حجاب ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ مولیٰ اور بندے کے درمیان سب سے بڑا حجاب محبتِ دنیا ہے۔ جتنا انسان دنیا میں مشغول ہوتا جاتا ہے اُسی مقدار سے حق تعالیٰ سے دور ہوتا جاتا ہے۔ کیفیتِ قلب کا پتہ لگانا ہے تو آئینۂ جمالِ رسول مبعوث کی طرف منہمک ہونا چاہیئے۔ قطبِ عالم قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمت نے ارشاد فرمایا کہ جب تک بندہ محبت اور عشقِ الٰہی کے صیقل سے شیشۂ قلبی کو زنگارِ دنیا سے پاک و صاف نہیں کرتا اُس وقت تک اللہ تعالیٰ کو ہرگز پا نہیں سکتا۔ ذکرِ الٰہی صیقلِ قلبی ہے۔ اور عشقِ نبی کریم اُس صیقل کی جلا ہے۔ اے بندے معرفتِ ربانی کے طالب مسعود اپنے دل کی فکر کر۔ کیونکہ اصل صلاحیت راستی دل سے ہے۔ امن و اطمینان کے رزقِ روحانی سے قلب کی حیاتِ ابدی ہے۔ اور فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللّٰهِ سے دل کی موت ہے۔ دنیا کی لذتیں۔ خواہشیں اور کھانے پینے کی مشغولیت حواسِ جسدیہ پر عذابِ غفلت ہے۔ جب نفسِ امارہ کا غلبہ ہو تو ہر عضوِ ظاہری ظلم کرتا ہے۔ عقل کا ظلم غیر اللہ کا فکر و اندیشہ ہے۔ یہ عقل کی سیاہی ہے۔ غافل کا جسم بنجر زمین کی مثل ہے اور بد اعمالیاں خس و خاشاک جھاڑ جھنکار ہیں۔ گندی اور ناکارہ زمین بیج کو قبول نہیں کرتی اور بُرا قالب نورِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو قبول نہیں کرتا۔ اس لیے كَذَّبُوْهُ کا اظہارِ بدبختی ہوتا رہتا ہے۔ اسی لیے ہر انسان کو رسولِ مرشد کی ہر وقت ضرورت ہے فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ۔ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ پس علومِ لدنیہ۔ عقولِ سلیمہ۔ انوارِ شرعیہ۔ اعمالِ شرعیہ کا طیب و مبارک وہ رزق قلب و قالب کے لیے قبول کرو جو اللہ ذاتِ جل مجدہٗ نے دیا۔ اور راہِ سلوک میں قدمِ معرفت سے آگے بڑھ کر سجدۂ آستانۂ قدس سے جبیں سائی کر کے انعاماتِ قربِ الٰہیہ کا شکر ادا کرو۔ اگر تم روحِ صادقہ و شعور کا شغف سے۔ اُسی کی عبادتِ خالصہ ادا کرنا چاہتے ہو۔ اے راستۂ منزلِ طلبِ قدس کے مسافرانِ منزل تم پر تمہارے محبوبِ ازلی مطلوبِ ابدی نے دنیاء مردار اور دولتِ دنیا کا بہتا ہوا ظلم و جفا کا خون۔ اور۔

صحبتِ امراءُ سلاطین کا لحمِ خنزیر نفس اور پردہ ریاکاری کی ریاضت۔ مشقت۔ خواہش جو غیر اللہ کے لیے ظاہر کر دی گئی ہو۔ حرام اشدّ حرام فرمادی ہے۔ جو شخص علم۔ شرافت اور عبادت کی حلال و طیب روزی چھوڑ دے اور بے خوفِ الٰہی کی ظلمات بیابانی میں شقاوت۔ دنیوی اور خواہشاتِ شہوانی کے لیے قوتِ نفس سے مجبور کر دیا گیا ہو۔ نہ طبیعتِ بغاوتِ ابلیس کا غلبہ ہو نہ جبلی بدبختی کی شقاوت ہو۔ بلکہ قوتِ شعور کے قدم راہِ سعادت میں گامزن ہوں۔ تو بیشک رب تعالٰی مجذوبینِ ضعفا کو پردۂ قرب میں بلانے والا ہے اور مشاہدۂ جمال سے رحم فرمانے والا ہے۔ عارفین فرماتے ہیں کہ رحمِ الٰہی تین باتوں سے حاصل ہوتا ہے۔

ع ۱ خلوصِ عبادت ع ۲ کثرتِ شکر۔ ع ۳ ترکِ گناہ سے۔ طلبِ علم شکرِ الٰہی کا پہلا قدم ہے۔ ہر چیز کی زیادتی سے اُس کی قیمت گھٹ جاتی ہے مگر علم جتنا زیادہ ہوگا اُس کی قیمت اتنی ہی بڑھتی جاتی ہے۔ صالحین فرماتے ہیں کہ دنیا مُردار ہے۔ اہلِ دنیا کی مغروری اور غصہ دم مسفوح ہے اور بُری صحبتیں لحمِ خنزیر ہیں۔ قربِ الٰہی اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک خواہشاتِ ارضی و سماوی کو اللہ کے نام پر ذبح نہ کر دے۔ شریعت کا شکریہ ہے کہ بندہ نماز و صیام میں مشغول ہو۔ طریقت کا شکریہ ہے کہ دنیا سے منہ پھرا لے اور معرفت کا شکریہ ہے کہ فنائیت کا مقام حاصل کرے مقامِ فنا کے تین مدارج ہیں۔ درجۂ اول فنافی الشیخ درجۂ دوم فی الرسول۔ درجۂ سوم فنافی اللہ یہ تمام درجے خلوتِ مراقبہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ صحبتِ اولیاء اللہ چراگاہِ طریقت ہے۔ اور اولیاء اللہ مرشدِ برحق کی باتیں حلال طیب رزق ہے۔ بیعتِ مرشد عبادتِ الٰہیہ ہے۔ ذکرِ طریقت و سفرِ معرفت شکرِ نعمت ہے۔ بندے کو چاہیئے کہ اپنے دل کو چار چیزوں سے بچائے۔

ع ۱ دنیا پرستی ع ۲ بری صحبت ع ۳ خواہشات اور اُمیدوں سے ع ۴ غیر اللہ کی دوستی سے۔ قدرتی تفکرات سے جو شخص پریشان و مجبور ہو اُس کو بھی آستانۂ قدس کا سہارا نہیں چھوڑنا چاہیئے دروازۂ ربوبیت پر پڑا رہے خواہ کتنے ہی طوفان نفس و نفسانیت کے گزر جائیں۔ قطب الاقطاب حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ انسان کے جسم میں چار قسم کی حرام غذائیں ہیں۔

ع ۱ غلّ و غش کھوٹ دنیا کا مردار۔ یعنی وہ اعمال مردار و مردود ہیں جس میں یہ عیوب پائے جائیں ع ۲ حسد کا خنزیر ع ۳ بخل کا بہتا ہوا خون۔ ع ۴ غرور و تکبر کا ما اُھلّ۔ نفسِ امارہ کوشش کرتا رہتا ہے کہ عقل و شعور کو ان عاداتِ رذیلہ میں پھنسا دے۔ قلبِ مزکی بچانے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ جب تک عقل وادیِ قلب میں رہتی ہے اس وقت تک بندہ غیر باغٍ ولا عادٍ کے مقام بخشش

پر جلوہ ریز ہوتا ہے اور انوارِ رحمت کا تاج پہنایا جاتا ہے وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّ هٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ وَّلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۔ اور اے راہ سعادت و ہدایت سے دور ہونے والو اپنی زبانِ تصورات و ذہنِ تخیلات سے مشاہدۂ اسرار کے اندازے مت لگاؤ کہ یہ کشفِ انوار کی کھلی شاہراہیں ہیں اور یہ فیضِ لطائف کی حرام واندھیری ظلمتیں ہیں ۔ اور یہ عداوتِ الٰہیہ کا راستہ ہے اور یہ ولایتِ ذاتِ جمال کا صراطِ صادقہ ہے ۔ وادیٔ طلب میں نفوسِ خبیثہ کے خیالاتِ رذیلہ مالکِ کُنْ فَیَکُوْن ۔ خالقِ امر و نہی کی ذاتِ قدس پر کذب محض کا افتراء و ہمیہ ہے ۔ وادیٔ قالب پر وہ قوتِ حواس کبھی غلبہ اور کامیابی نہیں پا سکتی جو تمام لمحاتِ حیات میں کذب و افترا کے جال ہی پھیلاتی رہے ۔ قوتِ خیالیہ ۔ تصوراتِ وہمیہ دولتِ نفس کی چند روزہ جوشِ جوانی کی متاع ہے ۔ قلب کی راہیں ہمیشہ کشادہ ہیں ۔ اور نفسانیت کے لیے شقاوت و محرومیٔ بارگاہِ جمال کا عذابِ الیم ہے ۔ اور ظلماتِ بیابان کا جہنم جسمانی ہے ۔ اہلِ معرفت فرماتے ہیں جو چیز قلب کی روشنی ہے وہ نفس کی ظلمت ہے اور جو عمل قلب کی ترقی ہے وہ ہی عمل نفس کا تنزل ہے ۔ اہلِ نفس وہ بھٹکے ہوئے مسافر ہیں جو کانٹوں کو پھول ۔ ظلمت کو نور ۔ اشرار کو اسرار سمجھتے ہیں اور اسی افترا میں ناکامی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ اہلِ شریعت کے نزدیک تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ ۔ یہ ہے کہ بندہ اپنی ذاتی رائے سے کسی کو حرام کسی کو حلال کہنا شروع کر دے نہ قرآنِ مجید نہ حدیثِ پاک نہ قیاس نہ اجماعِ امت لیکن اہلِ طریقت کے مسلک میں تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ یہ ہے کہ قلب و شعور کے فیصلے کے خلاف کوئی نفسِ امارہ اور طبیعتِ ابلیسیہ سے نارِ باطن کو نورِ باطن سمجھ لے ۔ اہلِ باطن صوفیا کے نزدیک نفس و شیطان کی یہ خصلتِ رذیلہ قالبِ جسدی کا فتنۂ عظیم اور افتراءِ کذب ہے ۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ دو کے درمیان یعنی عقل و قلب کے درمیان فتنہ جسم کی تباہی ہے ۔ اے بندۂ عاجز دنیا میں اپنے سے نیچے کی طرف دیکھ اور اونچے کی طرف نہ دیکھ کیونکہ دنیا مقامِ تنزل اور گرنے کی جگہ ہے تو اونچے سے گرنے والا لَا يُفْلِحُوْنَ کے زمرے میں ہے وہ کبھی نہیں بچ سکتا اسی لیے دنیوی اعتبار سے اونچا ہونا عذابِ الیم ہے ۔ اور دین میں اپنے سے اونچے کی طرف دیکھ ۔ نیچے کی طرف مت دیکھو ۔ کیونکہ دین میں نیچے رہنے والا ۔ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ۔ کے گروہِ ملعونہ میں شمار ہے ۔ بندے کی کتنی بدنصیبی ہے کہ اس لمحاتِ حیات میں معرفتِ الٰہی کی ترقی بلندی کی کوشش نہ کرے ۔ اونچا صرف وہ ہے جو معرفت کا لباس پہن کر آستانۂ قدس پر سجدہ ریز ہے ۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا

اور پر اُن لوگوں کے جو یہودی ہوئے حرام کیا ہم نے ان سب کو جو سنائیں ہم نے

اور خاص یہودیوں پر ہم نے حرام فرمائیں وہ چیزیں جو پہلے ہم نے

عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا

تمہارے سامنے ابھی کچھ پہلے اور نہیں ظلم کیا ہم نے اور لیکن تھے

تمہیں سنائیں اور ہم نے اُن پر ظلم نہ کیا ہاں وہی اپنی

اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ

وہ اپنی جانوں پر خود ظلم کرتے ۔ پھر بیشک رب آپ کا واسطے انہیں کے جنہوں نے

جانوں پر ظلم کرتے تھے ۔ تمہارا رب اُن کے لیے جو

عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ

عمل کیے بُرے جہالت کی وجہ سے پھر توبہ کرلی سے بعد

نادانی سے برائی کر بیٹھیں پھر اس کے بعد توبہ کریں

ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا

اُس کے اور ہوگئے نیک بن گئے بیشک رب آپ کا اسے بعد اُس کے

اور سنور جائیں بیشک تمہارا رب اس کے بعد

لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۱۹﴾

یقیناً بخش دینے والا رحم والا ہے

ضرور بخشنے والا مہربان ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ حلال نعمتیں خوب کھاؤ اور حرام سے بچو۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ پچھلے وقتوں کے یہودیوں نے اپنے آپ پر بعض چیزیں خود حرام کرالی تھیں اس کی وجہ بڑا جرم ہے تم اس سے بچو۔ گویا یہ حرام کرالینا بھی ایک قسم کا گناہِ عظیم ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں سختی سے منع فرمایا گیا تھا اس بات سے کہ کوئی شخص شریعت کے کسی معاملے میں حرام یا حلال کر کے مداخلت نہ کرے۔ اب ان آیات میں یہودیوں کی اس حرکت کا ذکر کیا گیا۔ جس کو ظلم قرار دیا گیا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ناکام زندگی کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ کون لوگ ہیں جس کی زندگی بدعملی اور جھوٹ کی وجہ سے ناکام ہو گئی۔ اب فرمایا جارہا ہے کامیاب زندگی والے وہ لوگ ہیں جن کو توبہ کی توفیق ملی۔ **چوتھا تعلق**۔ چونکہ جانوروں کی دو قسم کی حرمت شریعت میں ہوتی رہی ایک قانونی دائمی سب کے لیے اور دوسری عارضی سزا کے طور پر صرف مجرمین کے لیئے۔ ان آیات میں دونوں حرمتوں کا ذکر کیا گیا اس طرح کہ ابھی پچھلی آیتوں میں دائمی قانونی حرمت کا ذکر ہوا اور ان جانوروں کی حرمت مذکور ہوئی جو جانور بذاتِ خود پلید۔ نجس گندے اور نقصان دہ ہیں۔ اور یہاں دوسری قسم کی حرمت مذکور ہوئی جو جانور بذاتِ خود گندے پلید نقصان دہ نہیں ہیں مگر قوم کی سرکشی نفسانی شرارت کی سزا کے لیے حرام کی گئیں۔ اگرچہ ظاہرا یہ تمام آیت بنی اسرائیل اور یہود و نصاریٰ کا ذکر فرما رہی ہیں اور ان کے جرموں کا تذکرہ اور حرکتوں کا ذکر ہے۔ مگر عبرت ہر اس بیہودہ انسان کے لیے ہے جو اپنی خباثتِ باطنی اور جہالتِ ظاہری سے ہر اچھی اور حلال و طیب چیز کو حرام حرام کہتا پھرے اور ناپاک گندی حرام چیزوں کو اپنے حلقوم و زبان کے چسکے کے لیے حلال کہے۔ جیسے کہ آج کل کے وہابی دیوبندی لوگ کوے کچھوے گوہ بجو۔ گھوڑے کو حلال کہتے ہیں۔ اور ختم درود۔ گیارھویں بارھویں۔ عید میلاد کے متبرک کھانوں کو حرام کہتے ہیں۔ حالانکہ گھوڑے وغیرہ کی حرمت تو قرآن و حدیث سے روایتاً درایتاً ثابت ہے۔

تفسیر نحوی وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ۔ واؤ سر جملہ علیٰ جارہ وجوب کے لیے الَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر هَادُوْا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب هُوْدٌ اجوف وادی سے بنا ہے بمعنی لغوی (حقیقی) توبہ کرنا۔ معافی مانگنا۔ اصلاً عبرانی لفظ ہے۔ اسی زبان میں یہ ترجمہ ہے مجازاً اور اصطلاحاً۔ اس میں پانچ قول ہیں ۱ هُوْدٌ مصدر ہے بمعنی نرم دل ہونا۔ عربی میں مستعمل ہے ۲ هُوْدٌ اسم مفرد جامد ہے۔ ایک پیغمبر حضرت ھود علیہ السّلام بن عبداللہ کا ذاتی مادری نام ہے۔ وجہ

تسمیہ یہ ہے کہ آپ بہت نرم دل تھے اور صاف کر خوش آواز تھے ۳ھ هُودًا اسم جمع سماعی ہے یَهُودِیٌّ واحد مذکر کی ۔ ۴ھ هُوْدٌ مصدر ہے بمعنی یہودی ہونا ۔ یہودی بنی اسرائیل کی اُسی مذہبی قوم کا نام ہے جو بچھڑے کی پوجا کرنے کے بعد فوراً بغیر کسی کے کچھ کہے توبہ کرکے علیحدہ ہو گئے تھے باقی بنی اسرائیل اُن کی ہی نسل سے ہیں ۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ماننے والوں کا نام یہودی ہے ۔ وہی یہاں مراد ہیں ۔ ۵ھ ایک قول ہے کہ حضرتِ یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی نسل بنی اسرائیل اور اُن میں سے ایک بیٹے یَہُوْدا کی نسل کا نام یہودی ہے ۔ یہودا بھی چونکہ نرم طبیعت اور نرم دل تھا دوسرے بھائیوں کے مقابل اس لیے اُس کا نام یہودا یا فقط هُوْدا ۔ رکھا گیا ۔ ایک قول ہے کہ اس کی ولادت بڑی آسانی سے ہوئی تھی اس لیے یہودا نام رکھا گیا ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ هُمْ ضمیر جمع مستتر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے وہی اِس کا فاعل ۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مجرور ہوا ۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے حَرَّمْنَا کا ۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے ۔ مصدر ہے تحریم بمعنیٰ حرام کرنا ۔ ناجائز قرار دینا ۔ منع کرنا ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے مَا موصولہ قَصَصْنَا ۔ بابِ نصر کا ۔ ماضی مطلق جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ۔ قَصَصٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ واقعات سنانا ۔ کسی کے یا اپنے ۔ یا خود حاضر مخاطَب کے گزرے حالات تفصیل سے سنانا ۔ کہانی سنانا ۔ علیٰ جارّہ بمعنیٰ عِنْدَ ۔ كَ ۔ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ۔ مِنْ جارّہ اِبتداءِ غایت کے لیئے ۔ قَبْلُ ۔ اسم ظرفِ زمانی ضمہ پر مبنی ہے کیونکہ مضاف الیہ اس کا محذوف منوی ہے ۔ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے قَصَصْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مفعول بہ ہے حَرَّمْنَا کا ۔ واؤ حالیہ مَا ظَلَمْنَا ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے مَا ظَلَمْنَا کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ ۔ فعل با فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا حَرَّمْنَا کے فاعل نا ضمیر کا ۔ وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا واؤ عاطفہ لغو زائدہ لٰکن حرفِ عطف استدراک کے لیے جس نے پہلے کی نفی کو ثابت رکھتے ہوئے اگلے کلام مثبت ایجاب کو واضح اور ظاہر کیا ۔ كَانُوْا يَظْلِمُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی استمراری ہے ۔ مگر اس کو توڑ کر بیچ میں اسی کا مفعول بہ داخل کیا گیا حصر اور کلام میں شدتِ تاکید پیدا کرنے کے لیئے ۔ هُمْ مستتر فاعل ہے اَنْفُسَ ۔ جمع مکسر نفسی ہے نَفْسٌ کی بمعنے خود اپنا ۔ خود اپنی جان ۔ نفس بمعنیٰ جان ۔ روح ۔ ذات ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے ۔ مضاف ہے هُمْ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ استمراریہ ہو کر معطوف ہو مَا ظَلَمْنَا کے جملے پر ۔

ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔ ثُمَّ حرفِ عطف لغو کیونکہ شروع کلام میں آیا ۔ بمعنی تعقیبیہ رتبی تعقیب کے لیے ہے نہ کہ زمانی یا مکانی لیئے ترجمہ ہوگا باوجود اس کے ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق رَبَّكَ مرکب اضافی ۔ بحالتِ فتحہ اسم ہے اِنَّ کا ۔ لام جارہ تعدیہ (مفعولیت) کا اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر ۔ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے اَلَّذِيْنَ ۔ الف لام جنسی سُوْٓءَ اسم مفرد جامد بمعنی بُرائی ۔ نقصان ۔ مقابل ہے بھلائی (نِعَم) کا ۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے ۔ ب جارہ سببیہ جَهَالَةٍ اسم مفرد مصدر ۔ بمعنی نادانی ۔ غلط عقیدہ ۔ غلط طریقہ ۔ یہاں مراد نادانی یعنی بے علمی بے وقوفی ۔ آخر میں تۃ مصدریہ ہے مجرور ہے متعلق ہے عَمِلُوْا کا ۔ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عاطفہ تعقیب تراخی کے لیے ۔ تَابُوْا ۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی تَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی رجوع کرنا معافی مانگنا ۔ مِنْ جارہ بیانیہ ۔ بَعْدِ اسم ظرف زمانی معرب ہے کیونکہ مضاف ہے اور مضاف الیہ ظاہر ہے ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بحالتِ کسرہ محلاً کیونکہ مبنی ہے مضاف الیہ ۔ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَابُوْا کا جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ۔ اَصْلَحُوْا ۔ باب افعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع اس میں پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع اَلَّذِيْنَ ہے ۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ۔ تَابُوْا جملہ عاطفہ ہو کر عطف ہے عَمِلُوْا پر ۔ وہ جملہ صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مجرور متعلق پوشیدہ غَفُوْرٌ ہے وہ صفت مشبہ اپنے پوشیدہ ھُوَ فاعل اور متعلق سے مل کر خبر اِنَّ ہوکر جملہ اسمیہ ہوکر مکمل ہوا اِنَّ ۔ حرف تحقیق رَبَّكَ اضافی بحالتِ فتحہ اسم ہے اِنَّ کا ۔ مِنْ حرفِ جر ابتداءِ غایت کے لیے ہے یا بیانیہ بَعْدِ اسم ظرف معرب بمعنی مضاف ہے ۔ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ہے ۔ اس کا مرجع ۔ جَهَالَة ہے ۔ بعض نے کہا ۔ توبہ اور اعمالِ صالحہ ہے ۔ اسی کو ترجیح ہے ۔ مرکب اضافی مجرور ہوا مِنْ سے جار مجرور متعلق مقدم ہے لام کے ابتدائیہ تحقیق کے لیے ۔ غَفُوْرٌ ۔ صیغہ مبالغہ ہے ۔ غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنی مٹانا ۔ معاف کرنا ۔ بخشنا ۔ چھپانا ۔ حفاظت کرنا ۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے ۔ بحالتِ رفع خبر ہے اِنَّ کی ۔ ایک قول میں موصوف ہے مابعد کا ۔ اور ایک قول میں یہ خبر اوّل ہے ۔ رَحِيْمٌ ۔ بروزن فَعِيْلٌ صفت مُشَبَّہ ہے مبالغے کے لیے ۔ رَحْمٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنی شفقت کرنا ۔ مہربانی ۔ ترس کرنا محبت کرنا ۔ یہاں بھی ہر معنی بن سکتا ہے ۔ غَفُوْرٌ میں بھی ھُوَ پوشیدہ اور وہ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر موصوف ہوا رَحِيْمٌ بھی اپنے مستتر ھُوَ ضمیر فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر یا صفت ہوئی غَفُوْرٌ کی اور مرکب توصیفی خبر اِنَّ ۔ یا رَحِيْمٌ جملہ اسمیہ خبر دوم ہے ۔ اِنَّ جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر مکمل ہوا ۔

تفسیر عالمانہ

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ چار چیزیں بنیادی اور چھ چیزیں ضمنی طور پر کل دس قسم کے جانور تو قانوناً خود حیوانات کی گندگی پلیدی اور نقصان کی بنا پر حرام ہوئے اور کچھ جانور صرف سزا کے طور پر ان لوگوں پر ہم نے حرام کر دیئے جو مذہباً یہودی ہوئے تھے خواہ وہ بنی اسرائیل ہوں یا دوسری نسل دوسری قومیں ہم مذہب یہودی ہوں ۔ یک دم ان تمام پر وہ سب جانور اور اُن کی چمانی چربی وغیرہ حرام فرما دیں جن کی کچھ تفصیل ہم نے اے حبیب کریم اس سورۃ نحل سے پہلے نازل شدہ سورۃ انعام میں آپ سے بیان کر دی ۔ اور یہ حرمت اور ایک خاص طبقے کو ان لذت آمیز اور سستی نعمتوں سے محروم کر دیا جانا اگرچہ بہت نقصان ، خسارہ اور ظلم ہے مگر یہ ظلم ہم نے نہیں کیا ۔ نہ اللہ تعالیٰ کبھی کسی پر ظلم فرماتا ہے ۔ اور لیکن یہ یہودی خود ہی اپنی نادانی حماقت بدبختی سرکشی اور نفسانی شیطانی حرکتوں کی بنا پر اپنی جانوں پر ظلم کرتے رہتے تھے اس طرح کہ ہر نبی علیہ السّلام سے دشمنی اللہ تعالیٰ کے ہر قانون ہر حکم کی نافرمانی ہر ممانعت کی مخالفت اپنے نبی کی ہر فرمان کی خلاف ورزی اور اپنی من مرضیاں بنانا ، عبادات و ریاضات میں اپنی نئی نئی ایجادات کرنا ۔ اور جہالت ، سے انبیاء کرام علیہم السّلام کی بنائی ہوئی آسان عبادتوں کو چھوڑ کر اپنے اوپر اپنی پسند کی مشقتیں ڈال لینا ۔ اور نفس سرکش کے کہنے پر بہت حلال اشیاء کو اپنے لیے حرام سمجھ لینا ۔ اور اپنے مقابل انبیاء عظام اور ان کی خدائی تعلیم کو (معاذ اللہ) غلط کہنا اور سمجھنا ۔ اپنی جاہلانہ احمقانہ ، نقصان دہ کاموں ، عملوں اور باتوں کو صحیح سمجھنا ۔ نفسانی خواہشات میں پڑے رہنا ۔ نفسِ رذیلہ کی اُسی سرکشی کو توڑنے اور نیک بندہ بنانے کے لیے اُن پر بہت سے گوشت اللہ نے حرام فرما دیئے ۔ جن میں ہفتے کے دن مچھلی کا شکار اور ہر پنجے والا جانور جس کے ناخن ہوتے ہیں وہ بھی حرام ان کی ہر چیز کھانا حرام جیسے مرغی ۔ بطخ اور پرندے کبوتر وغیرہ اور جیسے شتر مرغ اونٹ ہرن نیل گائے وغیرہ ۔ ان حیوانات کی ہر چیز گوشت چربی سری پائے گردے کلیجی وغیرہ ۔ اور گائے بکری ۔ دنبہ بھیڑ بھینس وغیرہ کی فقط چربی اُن یہودیوں پر حرام کر دی گئی تاکہ نفسانی سرکشی ۔ تیزی نافرمانی ۔ غرور ، ٹوٹ جائے ۔ خیال رہے کہ ان گوشتوں سے نفس اور نفسانی شہوتوں میں تیزی و زیادتی پیدا ہوتی ہے جس سے غرور شیطانیت ۔ غفلت سستی اور نیند کا غلبہ پیدا ہوتا ہے ۔ اسی لیے مشائخ عظام بھی چلہ کشی کے دوران اِن جلالی و جمالی چیزوں سے مکمل پرہیز کراتے ہیں ۔ خیال رہے کہ مِنْ قَبْلُ کے تعلق میں تین قول ہیں ۔

ع ۱ یا اِس کا تعلق ۔ ھَادُوْا سے ہے یعنی ۔ یہ حرمت سابقہ اور پہلے یہودیوں پر تھی اب دین اسلام

آ جانے کے بعد کسی شریعت کا کوئی حکم امر یا ممانعت حلت یا حرمت کسی شخص پر باقی نہیں کیونکہ اب تو وہ دین ہی ختم ہو گیا اب تو دنیا میں یہودی بننا ہی ختم اور ناجائز وکفر ہے چہ جائیکہ اس شریعت کے احکام دوئم یہ کہ اس کا تعلق حَرَّمْنَا سے ہو۔ یعنی یہ چیزیں پہلے زمانوں میں حرام ہوئیں اُن پہلے یہودی دین والوں پر۔ جب کہ وہ دین اور اُن پر یہ پابندیاں درست تھیں۔ اب یہ چیزیں کسی پر بھی نہیں ہیں نہ یہود و نصاریٰ پر نہ مسلمانوں پر۔ اس لیے کہ بذاتِ خود یہ جانور اور یہ گوشت چربی وغیرہ بُری گندی یا نقصان دہ نہیں۔ یہ تو بالکل پاک صاف طیب طاہر منزہ مبرہ اور مفید ہیں مگر یہودیوں نے اپنے دقتوں میں اپنی حرکتوں اپنے جُرموں اور اپنی خود ساختہ رہبانیت کی نافرمانیوں آلائشوں سے خود اپنے پر پابندی لگالی تھی تو یہ چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔ سوم یہ کہ اس مِنْ قَبْلُ کا تعلق قَصَصْنَا سے ہے یعنی اے پیارے نبی ہم نے اِس عارضی اور مجرمانہ سزا والی حرمت کا تفصیلی حکم اِس سورت سے پہلے نازل شدہ سورت (سورتِ انعام) میں آپ کے سامنے بذریعہ وحیِ جلی و خفی کھول کر بیان فرما دیا۔ یہ عارضی حرمت دائمی نہیں بلکہ صرف سزا ہے لہٰذا پہلے بھی بتا دیا گیا تھا اور اب بھی تا قیامت یہ کریمانہ فیصلہ الٰہیہ ہے کہ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِیْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْۤا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ کوئی بھی جب بھی جہاں بھی کتنے ہی گناہ نافرمانیاں کرلیں پھر بھی بیشک اے محبوب نبی تمہارا رب ایسے ہی اُن لوگوں کے لیے جنہوں نے اپنی لمبی عمروں میں ہر طرح کی بُرائیاں بدعملیاں کفر شرک منافقت گستاخی نادانی گناہ فسق و فجور کبیرہ صغیرہ لغزش خطا وغیرہ جہالت کی وجہ سے بہت گناہ کیے پھر کبھی اُن کو ہوش آیا ضمیر نے جھنجھوڑا قلب بیدار ہوا۔ عقل ٹھکانے آئی اور توبہ کی طرف مائل ہوئے اتنے سالوں تک گندی زندگی کے اور اُس کے بعد سچی توبہ کی اور اُس پر قائم رہے اور ہر طرح ہر وقت نیک کاموں میں زندگی کے وقت اور سانسیں گزاریں۔ سابقہ اکڑ غرور توڑ کر عاجزی اختیار کی شر و فساد ختم کر کے اصلاحی کام کیا۔ بیشک اے محبوب کائنات آپ کا رب اِس سچی توبہ کے بعد البتہ یقیناً پچھلے تمام گناہوں کفریات کو بخشنے والا ہے اور آئندہ کی زندگی اور قبر و حشر میں ہر قسم کا رحم فرمانے والا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں۔ دنیا کی تمام انسانی برائیاں جہالت کی وجہ سے ہی ہوتی ہیں اگرچہ کفر اور شرک ہی ہو۔ اور اگرچہ کافر فاسق دنیا کے سارے علوم پڑھا ہو جانتا ہو اور اگرچہ دینی امر و نہی کی معلومات بھی رکھتا ہو خواہ کسی شخص کا کفر اور گناہ فسق صحبتِ بد کی وجہ سے ہو یا خاندانی اثر کی بنا پر یا کسی نے اُس کو کفر و فسق پر مائل اور آمادہ کیا ہو یا خود اپنی بد طینتی بد خصلتی کی وجہ سے یا بُری بدعقیدہ کتب بینی کی وجہ سے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر انسان کے اندر پیدائشی طور پر جہالت کا

مادّہ موجود ہے۔ جس پر نفسِ اَمّارہ کا پورا پورا قبضہ ہے جہالت کا لغوی ترجمہ ہے ناسمجھی۔ اِس کا مقابل ہے فہم فراست اور تفقہ۔ جس کے پاس فہم و فراست اور تفقہ کی روشنی و نور نہ ہو اُس پر ہر وقت جہالت کا غلبہ رہتا ہے۔ جہالت کے تین ہتھیار ہیں۔

۱ ضد ۲ غرور ۳ سرکشی فساد۔ جہالت کی بنا پر انسان اچھے کی اچھائی اور برے کی برائی نہیں پہچان سکتا۔ جہالت کی شکل و صورت کو اندھیرے سے تشبیہ دی جا سکتی ہے۔ چونکہ انسان جہالت کے مقابل بے بس مجبور ہے اس لیے آخر دم تک جاہل انسان کو رب تعالیٰ کریم و رحیم کی طرف سے معافی اور بخشش کا اعلانِ عام ہے۔ لیکن موت کے وقت توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے۔ پھر صرف گناہوں کی بخشش باقی رہتی ہے کفر کی بخشش موت اور نزع کی حالت سے ختم ہو جاتی۔ نہ وہ توبہ کر سکتا ہے نہ توبہ قبول ہو۔ خیال رہے کہ گناہوں سے باز آ جانے کا نام سچی معافی مانگنا ہے اور کفر شرک سے باز آنے کا نام سچی توبہ کرنا ہے۔ یہاں آیت میں سُوٓءَ سے سب برائیاں مراد ہیں اور تَابُوْا سے کفر سے علیحدگی مراد ہے اور اَصْلَحُوْا سے گناہ فسق سے بچنا اور سابقہ کی معافی مانگنا مراد ہے۔ اور غفاریت سے کفر کی توبہ قبول فرمانا مراد ہے رحیمیت سے فاسق کے گناہ ختم کرنا اور معافی قبول کرنا مراد ہے واللہ اعلم بالصواب (تفسیر کبیر۔ مظہری۔ ابن کثیر)

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ گناہ سے رزق گھٹتا ہے خاص کر جھوٹ بولنے اور جھوٹی قسمیں بولنے سے۔ یہ فائدہ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں کو غفلت اور گناہوں کی زندگی سے بچنا چاہیے۔ اور زیادہ قسمیں بھی نہیں بولنی چاہئیں اب ان تمام آیتوں کو سنانے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اے مسلمانو تم اس برے کردار سے بچو جن کے وبال پچھلی اُمتوں پر آئے۔ یہ ضروری نہیں کہ کافر پر ہی عذاب یا مصیبت آئے۔ فاسق بدکردار کو بھی اُس کی فاسقانہ حرکتوں پر عذاب آ سکتا ہے۔ **دوسرا فائدہ۔** تمام انبیاءِ کرام اپنی اپنی قوم کے نبی اُس وقت تھے جب وہ تشریف لائے تھے اس وقت اُن کی بات نہ ماننی کفر اور ظلم تھا۔ جس کی مصیبت اُسی دور میں پڑتی تھی۔ آج وہ انبیاءِ کرام کسی قوم کے نبی نہیں ہیں۔ اُن کی دنیوی نبوت اور بعثت۔ شریعت قانون وغیرہ سب کچھ منسوخ ہو چکا ہے آج کوئی شخص یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ موسیٰ علیہ السلام یا داؤد یا عیسیٰ علیہم السلام ہمارے نبی ہیں۔ یہ فائدہ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ماضی استمراری فرمانے سے حاصل ہوا کہ انبیاءِ سابقین کی بات نہ ماننا ان کی شریعت پر نہ چلنا اُس وقت ظلم تھا آج نہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ آج ساری دنیا میں کسی شخص پر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے پنجے والا جانور اور اونٹ کا گوشت۔ اور گائے۔ بکری کے پگھلنے والی چربی حرام نہیں ہے نہ مسلمانوں پر نہ موجودہ یہودی اور عیسائی کہلانے والوں پر۔ اس لیے کہ یہ اس شریعت کی سزا تھی جواب منسوخ ہو چکی ہے۔ اس لیے آج اگر کوئی یہودی یہ چیزیں کھالے تو وہ اس کھانے کا گنہگار نہ ہوگا بلکہ آج تو کسی کا یہودی ہونا عیسائی ہونا ہی صحیح نہیں ہے۔ یہ مسئلہ بھی وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ کی ماضی استمراری سے مستنبط ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے کے بعد تو یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ موسیٰ علیہ السلام رسول ہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ سچی توبہ یہ ہے کہ گناہ کا نشان ختم ہو جائے۔ جب تک گناہ نظر آرہا ہے اس وقت تک شریعت میں توبہ منظور نہیں۔ مثلاً ایک شخص داڑھی منڈاتا ہے اور اب وہ کہتا ہے کہ آئندہ داڑھی نہ منڈاؤں گا۔ تو یہ کہنا وعدۂ توبہ ہوا۔ جب اس کی داڑھی چار انگلی ہو جائیگی اس وقت اس پرسے گناہ ختم ہوگا۔ اب وہ گناہ نظر نہیں آرہا۔ اس لیے اب سچی توبہ ہوئی۔ اسی طرح سونے کی انگوٹھی یا ریشمی لباس یا لوہے پیتل تانبے کی انگوٹھی یا عورت نے ان ناجائز دھاتوں کا زیور پہنا ہوا ہے۔ وہ منہ سے توبہ توبہ کہیں مگر اتاریں نہیں تو وہ توبہ نہیں ہے۔ یہ مسئلہ۔ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْۤا۔ فرمانے سے مستنبط۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ وہ۔ داڑھی منڈانے والے حافظ یا قاری یا امام مسجد کو جو امامت یا رمضان شریف کی نماز تراویح پڑھانے کی لالچ میں وعدہ کر لیتے ہیں کہ ہم آئندہ داڑھی نہ منڈائیں گے۔ نہ ان کو امام بنایا جائے نہ ان پر اعتبار کیا جائے۔ جب تک کہ چار انگلی برابر داڑھی چہرے پر نظر نہ آئے اس وقت تک امامت ناجائز ہے نہ تراویح پڑھا سکتا ہے نہ فرض نہ وتر۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ یعنی ان یہودیوں پر ہم نے ظلم نہیں فرمایا۔ لیکن وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔ اس ظلم کا تعلق حرمنا سے ہے جیسا کہ تفاسیر سے ظاہر ہے تو کیا حرام ہونا کسی چیز کا ظلم ہے۔ اگر حرام ہونا یا حرام کرنا ظلم ہے تو یہودیوں پر حرام کیا جانا تو یہودیوں کا اپنا ظلم تھا۔ لیکن جو چیزیں آج تک حرام ہیں ہر مسلمان پر وہ کس کی جانب سے ظلم ہے۔ یعنی خنزیر۔ خون۔ مردار وغیرہ۔

جواب۔ تفسیر بالا نہ میں بتایا گیا کہ حرام ہونا دو قسم کا ہے۔ ایک یہ کہ خبیث اور پلید اشیا حرام کر دی جائیں

دوم یہ کہ طیب اور پاکیزہ چیزیں حرام کردی جائیں خبیث اشیا کا حرام کردیا جانا ظلم نہیں بلکہ بندوں پر رحم و کرم ہے۔ لیکن طیب چیزوں کا حرام ہونا ظلم ہے۔ اور اس میں بندے کا اپنا بدکردار سبب ہے۔ لہٰذا بندہ خود ہی ظالم ہوا۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ یعنی وہ لوگ جنہوں نے جہالۃ سے برے عمل کئے وہ توبہ کرلیں اور نیک اعمال کریں تو بخشش و رحم ہوگا۔ بھول چوک تو جہالت و نادانی سے ہو جاتی ہے۔ مگر کفر۔ شرک۔ اور فسق و فجور کا عادی مجرم۔ تو یہ کفریات و گناہ جہالت سے نہیں کرتے وہ تو جانتے بوجھتے سب برائیاں کر رہے ہیں وہ اگر توبہ کریں تو کیا ان کی معافی نہ ہوگی۔

جواب۔ دنیا میں تمام کفریات۔ شرکیات۔ اور بدکرداریاں گناہ وغیرہ سب کچھ جہالت ہی کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اور جاہل انسان ہی کافر۔ مشرک فاسق و فاجر بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ عقل ذریعہ ہے معرفتِ الٰہیہ کا جو شخص عقل سلیم سے کام لیتا ہے اس کو رب تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی اور جس کو معرفتِ الٰہی حاصل ہوگئی وہ نہ کفر کرسکتا ہے نہ فسق۔ اور عقلِ سلیم سے ہٹنے کا نام ہی جہالت ہے۔ اگرچہ دنیوی اعتبار سے بہت پڑھا لکھا ہو۔ مگر جب اس کے پاس دین۔ اسلام۔ قرآن و حدیث نہیں یا اس پر عمل نہیں تو وہ جاہل ہے۔ اسی معنیٰ میں مکے کے ایک سخت کافر کو ابوجہل کہا گیا ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اس کے بعد اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔ باری تعالیٰ کی تمام صفات قدیم ہیں۔ اور پہلے سے ہیں۔ مگر اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ کا غفور رحیم ہونا قدیم نہیں بلکہ حادث ہے۔ کیونکہ بعد میں ہونا۔ حادث ہونے کی شان ہے تو کیا اللہ تعالیٰ بندوں کے نیک کام کرنے سے پہلے غفور اور رحیم نہ تھا۔؟ لہٰذا سوال ہے کہ اس جگہ اس طرح کیوں فرمایا گیا۔

جواب۔ باری جلَّ اسمُہٗ کی تمام صفات قدیم ہیں مگر صفاتِ الٰہیہ کا صدور اور بالفعل ہونا حادث ہے۔ اصلِ صفت فعل نہیں بلکہ فعل کی قوت ہوتا ہے۔ فعل تو اظہارِ صفت کا نام ہے اور اظہارِ صفاتِ باری تعالیٰ تا قیامِ قیامت ہر لحظہ ہر آن ہر ساعت کروڑہا کیفیات سے جاری و حادث ہیں۔ زبانِ عربی میں صفت کا ذکر مصدر اور مصدری معنیٰ کے بولنے سے کیا جاتا ہے۔ اور فعل کا تذکرہ فاعل اور فاعلی صیغے سے کیا جاتا ہے۔ مصدر جیسے کرنا۔ یا کرنے والا ہونا۔ اور فاعل کی مثال جیسے کرنے والا۔ فاعلی معنیٰ کی مثال۔ جیسے بہت کرنے والا ہمیشہ کرنے والا۔ آئندہ کرنے والا۔ وغیرہ۔ لفظِ غفور اور لفظِ رحیم یہ دونوں صفتِ مشبہ کے صیغے ہیں۔ اور اس کا معنیٰ ہے۔ بخشنے والا۔ رحم کرنے والا ہے

جب کہ اس کا مصدر اور مصدری معنیٰ ۔ غفریت ۔ غفاریت ۔ غفوریت ہے ۔ یہاں لفظ غفور اور رحیم ارشاد ہوا ہے نہ کہ مصدر وغیرہ ۔ اور یہ لفظ بتا رہے ہیں کہ یہاں صفت غفور و رحیم مراد نہیں بلکہ فعل غفور و رحیم مراد ہے ۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ جب بندہ تائب ہو کر اصلاحِ عمل کر لیتا ہے تو باری تعالیٰ بالفعل بخشش فرماتا ہے اور رحم ۔

تفسیر صوفیانہ

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا مَا قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ۔ اور قالبِ باطنی کے ان حواسِ سرکشی پر جو مکر و فریب اور تعصبِ مخفی کے یہودی بنے ہم نے اُن تمام انوار الہامات کو حرام کر دیا جو اے قلبِ محبوب تجھ پر ہم نے یومِ الست سے پہلے وارد و ظاہر و بین فرما دی تھیں ۔ اور ہم ذاتِ جمال و جلال نے اُن میں سے کسی کو وادیِ ظلمت کی شقاوت نہیں دی ۔ لیکن وہ نفوسِ ابلیسیہ اپنی طبیعتِ طغیانیہ کی بنا پر خود ہی اپنے حواسِ ظاہری و باطنی کو ظلماتِ فسق کی وادی میں بھٹکاتے پھرتے تھے ۔ اُس کی وجہ یہ کہ بندے کو اپنے بحرِ جسمانی کی محیط لہروں کی پہچان نہیں ہے ۔ بندے کو چاہیے کہ اپنے ایمان کے وسیلہ سے نو چیزوں کو پہچانے ع۱ نیک و بد کو ۔ ع۲ قالب جسمانی کے شہنشاہِ قلب کو ع۳ حقوق والدین ع۴ حقوق العباد کو ع۵ اپنی ذات کی حقیقتِ اصلیہ مخلوقیہ کو ع۶ خالق تعالیٰ کو ع۷ ایمان کو ع۸ عرفان کو ع۹ انوار کو ۔ ان معرفتوں کے حصول کو قدمِ اول کہا جاتا ہے ۔ مومن کی آٹھ نشانیاں ہیں ۔

ع۱ گناہوں سے پرہیز ع۲ مصیبتوں پر صبر ع۳ بد دعاءِ مظلوم سے اجتناب ع۴ ذکرِ الٰہی کا انہماک اور کثرت ع۵ محتاجوں کی مشکل کشائی حاجت روائی ۔ ع۶ غصہ پر ضبط ع۷ درشتی پر برداشت ع۸ صلہ رحمی جب بندہ خلوصِ قلبی سے اس وادیِ محبت میں قدم ارادہ رکھتا ہے ۔ ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۔

نفوسِ باطنی کے ظلمِ سِری ستمِ مخفی کے بعد پھر بھی اے قلب طالب تیرا پروردگار ۔ اُن مسافرانِ وادیِ طلب کے لیے جو ظلمتِ جہالت اور ناواقفی بے شعوری کی بنا پر منزلِ مراد کی طرف راہ نوردی سے اپنے طے ارض کے قدموں کو روک کر بد عملی میں مبتلا و مشغول ہو جائیں اور آستانۂ قدس کے سجدوں سے اُٹھ جائیں ۔ خلوتِ یار سے جلوتِ اغیار میں چلے جائیں ۔ پھر ضمیرِ باطن کی خلشِ صادقہ سے آتنی کسادت و کسالت کے بعد پھر توبۂ دائمی اور رجوع الی اللہ کی طرف قدم اُٹھائیں ۔ اور احوالِ باطنی کی جلدی اصلاح اور تزکیۂ نفس میں مصروف ہو جائیں ۔ اور دنیاءِ ناسوتیہ افکارِ شیطانیہ سے دور ہٹ کر درِ محبوب پر قیام خلوص کر لیں ۔ بیشک تیرا رب ذوالجلال آتنی خرابیِ اعمال اور توبۂ بسیار کے بعد قالبِ شاکر اور اجسامِ تائب کو مشاہدۂ انوا

کے پردوں میں چھپانے والا ہے اور بقاءِ دائمی - اَمنِ محبوبی - عافیت اطمینانی کا رحم فرمانے والا ہے
اِس لیے کہ طالبِ معرفت کا اِصلاحِ حال یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں رب تعالیٰ کی ربوبیت اور اسلام کے دین
ہونے پر اور سرورِ کائنات محمد رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّم کے نبیِ مختار ہونے پر بصدقِ دِل راضی
رہے۔ شریعت میں بدعملی یہ ہے کہ انسان بے عمل بے نمازی فاسق فاجر بنا رہے۔ چوری ٹھگی بدمعاشی
ڈکیتی اور شرک۔ کفر گمراہی۔ بدعقیدگی میں بتلا ہو جائے لیکن طریقت میں سوءِ عملی یہ ہے کہ فاسد نظریات
باطل تصورات برے تخیلات خام خیالی اور طبیعتِ شیطانی میں پھنس جائے۔ عارفین کے نزدیک
عقل کی خلوت نفس کی جلوت دونوں ہی عمل سوء ہیں۔ صوفیا کے مشرب میں گیارہ خصائل جہالت ہیں۔
ع۱ غفلت ع۲ سستی ع۳ فکرِ دنیا۔ ع۴ توبہ کی امید پر گناہ کرتے رہنا ع۵ غیر اللہ یعنی اہلِ دنیا پر
بھروسہ کرنا ع۶ نعمتیں رب تعالیٰ کی برتنا اور فرماں برداری غیر اللہ کی کرنا ع۷ کسالت یعنی دینی کاموں
میں سستی اور دنیوی اشغال میں چستی دکھانا ع۸ کسافت اور بے خلوصی۔ ع۹ برے لوگوں کی صحبت
اختیار کرنا۔ ع۱۰ مرشدِ برحق کی بیعت نہ ہونا ع۱۱ شریعت کے علما اور طریقت کے صوفیا سے دشمنی رکھنی۔
راہِ طریقت کے طالبانِ حق کے لیے توبہ کے دو دروازے ہیں پہلا دروازہ علمِ شریعت اور دوسرا
دروازہ علمِ طریقت۔ اعمالِ شریعت بھی اصلاحِ بندگی ہے اور افکارِ طریقت بھی۔ شریعت کی جلوت
طریقت کی خلوت سے ہی نفس و عقل کی اصلاح ہو سکتی ہے مدارس و خانقاہ سے ہی ولایتِ الٰہیہ کے
مرتبے تقسیم فرمائے جاتے ہیں جب بندہ خلوصِ قلبی اور ارادۂ عقلی اور نیتِ شعوری سے درسگاہِ
معرفت کے چلوں وظیفوں اور مراقبۂ خلوت سے تزکیۂ روح کی اِصلاح کا سبق سیکھتا ہے تو اُس
کو ولایتِ مغفرت کی چادرِ مستور اڑھائی جاتی ہے۔ اور صوفی باصفا ولی اللہ بن جاتا ہے۔ اور جب
بندہ مدرسۂ شریعت میں اَعمالِ عباداتِ ظاہر اور اَفعالِ شریعت والے امر و نہی پر نہایت مستقل مزاجی
دائم الاوقاتی ظاہری باطنی پاکیزگی کے ساتھ علمِ شریعت کے سبق حاصل کرے اور علمِ تبحر سے خدمتِ دینی
میں مشغول ہو جائے تو اُس کو ولایتِ رحیمیت کا تاج پہنایا جاتا ہے۔ اسی لیے بارگاہِ قدس میں عالمِ
باعمل و کمال بھی ولی اللہ اور غوث و قطب ہے اور صوفیِ طریقت بھی ان ہی مقامات پر فائز قائم ہوتا
ہے۔ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ حضرت امامِ اعظم اپنے وقت کے قطبِ عالم تھے۔ واللہ اعلم بالصواب
توبہ عملِ صالحہ کا نام ہے نہ کہ زبانی باتوں کا۔ سچی توبہ یہ ہے کہ ہر عضو بلکہ ہر بال اور رونگٹے کی توبہ ہو۔ توبہ
کا پورا نقشہ نمازِ مومن میں ہے۔ اور اَصلحوا کا مکمل طریقہ تزکیۂ صلوٰۃِ عارف میں ہے۔ آنکھ کی توبہ جائزہ دیکھنا
ہے توبہ کی چھ قسمیں ہیں۔

۱ نفس کی توبہ۔ ۲ دل کی توبہ ۳ آنکھ کی توبہ ۴ کان کی توبہ ۵ ہاتھوں اور پیروں کی توبہ۔ ۶ پھر سب سے آخر میں زبان کی توبہ ہے۔ توبہ کی علامت یہ ہے کہ ظاہری گناہ کا نشان کبھی جسم پر باقی نہ رہے اور باطنی و عارضی اور فعلِ گناہ کی نفرتِ شدیدہ پیدا کر لی جائے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے ہم سب کو توبۂ طریقت اور اصلاحِ نفس کی توفیق عطا فرمائے۔

إِنَّ إِبْرَٰهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِّلَّهِ حَنِيفًا ط

بیشک حضرت ابراہیم تھے بڑے امام ہر وقت عبادت کرنے والے اللہ کی سب سے علیحدہ ہو کر

بیشک ابراہیم ایک امام تھا اللہ کا فرمانبردار اور سب سے جدا

وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۲۰﴾ شَاكِرًا لِّأَنْعُمِهِ ط

اور نہیں تھے وہ شرک والوں کے ساتھ۔ تھے شکر کرنے والے کی نعمتوں اُس کی

اور مشرک نہ تھا اُس کے احسانوں پر شکر کرنے والا

اجْتَبَٰهُ وَهَدَٰهُ إِلَىٰ صِرَٰطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۱۲۱﴾

چن لیا اللہ نے اُن کو اور ہدایت بنا دیا اُن کو طرف راہ سیدھی کے

اللہ نے اُسے چن لیا اور اُسے سیدھی راہ دکھائی

وَءَاتَيْنَٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ط وَإِنَّهُ فِي الْءَاخِرَةِ

اور دی ہم نے اُن کو بیچ دنیا ہر طرح کی خوبیاں اور بیشک وہ بیچ آخرت

اور ہم نے اُسے دنیا میں بھلائی دی اور بیشک وہ آخرت میں

لَمِنَ الصَّٰلِحِينَ ﴿۱۲۲﴾ ط ثُمَّ أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ أَنِ اتَّبِعْ

البتہ نیکوں میں سے ہیں۔ پھر وحی کی ہم نے طرف آپ کی کہ تم بھی اختیار کرو

شایانِ قرب ہے پھر ہم نے تمہیں وحی بھیجی کہ دینِ ابراہیمی کی پیروی کرو

مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

دین حضرت ابراہیم کا حنیف بن کر اور نہیں تھے وہ شرک کرنے والوں میں سے									
جو	ہر	باطل	سے	الگ	تھا •	اور	مشرک	نہ تھا	

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں یہودیوں کے ظلم اور نافرمانیاں ذکر کی گئیں ۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا اُن کی شان بتائی گئی جن کی طرف یہ یہودی خود کو منسوب کرتے ہیں ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں بندوں کو صالح بننے کی تلقین کی گئی تھی اب فرمایا جارہا ہے کہ حضرت ابراہیم جو اولو العزم پیغمبر اور ہمارے خلیل بھی ہیں وہ عظیم الشان صالح تھے تم بھی اُن کے ہی نقش قدم پر چلو کیونکہ اُن کے اعمال ہی دراصل صالح عمل ہیں۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے اپنی شان کا اظہار فرمایا ۔ اب ان آیت میں رب تعالیٰ نے اپنے پیارے بندے نبی اکرم حضرت ابراہیم کی شان بیان فرمائی جس سے سارے انبیا کی شان معلوم ہوئی۔

شان نزول کفار قریشی یہودیوں سے سن کر حضرت ابراہیم کے متعلق غلط باتیں کہتے تھے ۔ اُن کی تردید میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں از ۱۲۰ تا ۱۲۱ ۔

تفسیر نحوی اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ۭ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۔ وَاٰتَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۔ اِنَّ حرف تحقیق ۔ ابراہیم ۔ اسم غیر منصرف ۔ عجمی اور علم ہے علم ذاتی ہے حضرت خلیل اللہ کا منصوب ہے اسم ہے اِنَّ کا اس میں مختلف اقوال ہیں کہ لفظ ابراہیم مثل اسمٰعیل جبرائیل کے مرکب ہے ۔ یا بسیط ہے یا مفرد ہے ۔ عبرانی لفظ ہے ۔ کَانَ ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق معنی ماضی بعید صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد ۔ مستتر اس کا اسم ہے ۔ اُمَّةً ۔ اسم مفرد مذکر جامد آخر کی ۃ وحدت کی ہے ۔ نہ کہ تانیث کی یہ لفظ سات معنیٰ میں مستعمل ہے ۔ ۱ پیروی اور اتباع کرنے والا کسی نبی علیہ السلام کی ۔ خواہ ایک ہی آدمی ہو وہ مکمل اُمت ہے ۔ ۲ بمعنیٰ گروہ ۔ ٹولہ ۔ جماعت خواہ انسانوں کا یا پرندوں کا ۔ یا جمادات نباتات حیوانات کا یا جنات و ملائکہ کا ۳ مدت ۔ زمانہ ۔ ۴ پیشوا ۔ رہنما ۔ مرشد ۔ ھادی ۔ امام ۔ ۵ گروہ والا ۔ ۶ قابل تعظیم شخص ۷ بہت سی صفات والا ۔

یہاں سب سے مناسب معنیٰ امام ہیں جو جامع ہے دیگر معانی کا۔ موصوف ہے قَانِتًا۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل۔ قُنُوْتٌ بفتح القاف سے بنا ہے بمعنیٰ۔ عاجزی کرنا۔ باادب رہنا۔ خاموش طبع۔ باادب کی خاموشی۔ فرماں بردار۔ فرائض کے علاوہ نفل عبادت بھی پڑھنا۔ دنیوی زندگی کے ہر حال میں اللہ کو یاد کرنے والا۔ کثرتِ حمدِ باری کرنا یہ اس کے تمام مصدری معنیٰ ہیں اس کا مادہ ہے قَنَتَ۔ لغوی ترجمہ ہے فکرمند۔ حساس۔ خیر اور بھلائی کی فکر قُنُوْتٌ اصطلاحًا اچھائی اور خوبی ہے۔ اسی معنیٰ میں یہاں ہے خیر اور بھلائی سے مگر قُنُوْطٌ قاف کے ضمہ سے ہے۔ یعنی بھلائی سے مایوسی یہ برائی ہے۔ ھُوَ ضمیر مستتر قَانِتًا کا فاعل ہے جس کا مرجع ابراہیم ہیں لام جارہ تعدیہ کا اللہِ مجرور۔ متعلق ہے قَانِتًا کا یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت ہے اُمَّةً کی مرکب توصیفی خبر کان۔ حَنِیْفًا۔ اسم مبالغہ صفتِ مشبہ۔ حَنَفٌ سے بنا ہے۔ لغوی حقیقی ترجمہ دور ہونا برائی سے۔ اصطلاحی ترجمہ ہے سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف ہونا۔ یا اُس کے ذکر فکر میں مشغول ہونا۔ ہر عقل و نفس کے راستے کو چھوڑ کر اللہ کے بنائے ہوئے راستہ پر چل پڑنا۔ بحالتِ فتحہ ہے حال ہے کَانَ کے اسم مستتر ھُوَ کا۔ کَانَ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ لَمْ یَكُ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی بعید اختیاری تامہ بمعنیٰ تھے دراصل تھا۔ یَكُوْنُ۔ لَمْ جازم سے واؤ حرفِ علت کا مابعد نون لام کلمہ ساکن (مجزوم) ہوا۔ واؤ پہلے ساکن تھا لہٰذا واؤ گر گیا کیونکہ دو ساکن جمع نہیں ہو سکتے۔ اور نونِ مشابہتِ حروفِ علت اور کثرتِ استعمال کی وجہ سے گر گیا خیال رہے کہ عربی کے اٹھائیس حروف ہجا میں سے پانچ حرف غیر مستقل ہیں۔ ع ۱ واؤ ع ۲ ی ع ۳ الف ع ۴ ہمزہ ع ۵ نون۔ کیونکہ یہ حروف۔ حرکت و اعراب کے قائم مقام ہے چنانچہ واؤ ضمہ کے۔ الف فتحہ کے۔ یٰ کسرہ کے۔ ہمزہ الف کے قائم مقام۔ اور نونِ تنوین کے۔ اسی لیے یہ اکثر گرا دیئے جاتے ہیں مگر نون ان میں کچھ مضبوط ہے اس لیے چار حرف غیر صحیح کہلاتے اور نون حروفِ صحیحہ میں شامل ہے۔ اور دوسرا فرق یہ کہ نون ثقیل نہیں ہوتا باقی چار ثقیل ہوتے ہیں۔ نون کثرتِ استعمال کی وجہ سے گرایا جاتا ہے مگر گرانا ضروری نہیں ھُوَ ضمیر مستتر پوشیدہ فاعل۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ الف لام اِستغراقی۔ یا اسمی۔ مُشْرِكِیْنَ۔ باب اِفعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے اِشْرَاكٌ۔ شِرْكٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بت پرستی۔ مجرور ہے مِنْ سے۔ جار مجرور متعلق ہے لَمْ یَكُ کا۔ جملہ فعلیہ تامہ ہو کر معطوف ہوا کَانَ ناقصہ کا۔ وہ سب جملہ معطوفہ ہو کر خبر اِنَّ ہے۔ شَاكِرًا۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل صیغہ واحد مذکر۔ ھُوَ مستتر فاعل ہے جس کا مرجع ابراہیم ہے تنوینِ تعظیمی ہے۔ لام جارہ متعدی کا اَنْعُمٌ۔ جمع مکسر ہے نِعْمَةٌ کا بمعنیٰ۔ مہربانی۔ احسان۔ انعام۔ عطیہ۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ مرکب مجرور متعلق ہے شَاكِرًا۔ یہ جملہ اسمیہ

ہوکر حال ہے ابراہیم کا۔ اِجْتَبٰی دراصل تھا اِجْتَبَیَ۔ جَبْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چن لینا باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر اور جبیٌ کا لغوی ترجمہ حوض کو پانی سے بھرنا ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ ہے ایک ترکیب میں یہ جملہ علیحدہ ہے اور ایک ترکیب میں یہ مُسْتَقِیْم تک سب عبارت عطف ہوکر صفت ہے شَاكِرًا ہیں اور اکثر کو یہی پسند ہے چنانچہ ہٗ ضمیر مفتوح مفعول بہ ہے اِجْتَبٰی کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ هَدٰا فعل ماضی هُدًیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ منزل مقصود تک پہنچانا۔ هُوَ مستتر ضمیر فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع ابراہیم اِلٰی جارہ انتہائیہ۔ صِرَاط اسم مفرد جاہد کھلا راستہ مُسْتَقِیْم۔ باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ اور اِسْتِقَامَۃٌ۔ قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مضبوط۔ قائم۔ سیدھا۔ درست یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ صفت ہے صراط کی بمعنیٰ سیدھا راستہ مجرور ہے متعلق ہے هَدٰی کا وہ جملہ ہوکر معطوف۔ یا کمل۔ واؤ سر جملہ آتَیْنَا۔ ماضی مطلق جمع متکلم اِتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دینا۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر مفعول بہ ہے آتینا کا۔ فِیْ جارہ ظرفِ مکانی کے لیے الف لام عہدی یا جنسی دنیا بمعنیٰ یہ جہان جار مجرور متعلق ہے آتینا کا۔ حَسَنَۃً اسم جنسی۔ بمعنیٰ خوشگوار نعمت۔ ضد ہے سَیِّئَۃٌ کی مفعول بہ ہے۔ آتینا کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ واؤ سر جملہ اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا اسم اس لیے منصوب ہے فی جارہ ظرفیہ مکانیہ یا زمانیہ یعنی اُس وقت الف لام عہدی آخرتِ۔ اسم فاعل مؤنث جار مجرو متعلق اول یَکُوْنُ فعل تامہ پوشیدہ ہے۔ لام ابتدائیہ تاکیدیہ من حرفِ جر۔ بیانیہ تبعیضیہ۔ الف لام استغراقی صَالِحِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ صَالِحٌ واحد ہے۔ صُلْحٌ سے بنا ہے بمعنیٰ متقی پرہیزگار۔ اچھے عمل والا۔ نیک بندہ صلاحیت یعنی قابلیت والا۔ بحالتِ کسرہ ہے مِنْ سے اس لیے آخر ی اور نون مفتوح آئی۔ جار مجرور متعلق دوم ہے یَکُوْنُ پوشیدہ کا۔ یَکُوْنَ فعل اپنے فاعل مستتر اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ خبریہ ہوکر خبر اِنَّ۔ اور وہ اسم خبر سے جڑ کر جملہ اسمیہ تحقیقیہ ہوکر مکمل ہوا۔ ثُمَّ حرفِ عطف لغو۔ تعقیب رتبی مجازی کے لیے یا بمعنیٰ فَ عاطفہ تعلیلیہ بمعنیٰ اس لیے۔ اَوْحَیْنَا۔ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ بمعنیٰ ماضی بعید۔ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کا یا بمعنیٰ عِنْدَ۔ ترجمہ ہے آپ کے پاس كَ ضمیر واحد مذکر مخاطبہ مجرور متصل مرجع ہے ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ جار مجرور متعلق ہے اَوْحَیْنَا کا اَنِ۔ حرف ناصب دراصل تھا اَنْ۔ بقاعدۂ نحو یہ ساکن جب متحرک ہوتا ہے تو کسرہ آتا ہے۔ اس لیے نون کو کسرہ آیا۔ یہ قاعدہ کلیہ ہے مگر جزوی طور پر ٹوٹ جاتا ہے چنانچہ لَمِنَ میں مِنْ جارہ کو حرکتِ نصب آئی۔ اِتَّبِعْ۔ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل اس میں مستتر اس کا فاعل ہے

جس کا مرجع ذات پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے مصدر ہے۔ تَبِعَ سے بنا دراصل اِتْتِبَاعٌ ہے تاء مصدریہ کا تاء اصلیہ میں ادغام کر دیا ہم جنسی کی بنا پر۔ ترجمہ ہے۔ وہی اپناؤ۔ اس راہ چلو۔ تَبِعَ کا لغوی ترجمہ نقل کرنی۔ پیروی کو بھی اسی معنی میں اتباع کہتے ہیں کہ اگلے کی نقل ہوتی ہے۔ اگر اگلا موجود ہے تو اس کی بات اور فعل کی نقل ہوگی اور وہ اگلا افضل ہوگا پچھلے سے اسی کو نقش قدم پر چلنا اور تابع داری کہا جاتا ہے۔ لیکن اگر اگلا موجود نہیں تو اس کا راستہ مراد ہوتا ہے یعنی جس راہ پر وہ چلنے کا پابند تمام تم بھی اس پر چلو اس صورت میں پچھلا اور بعد والا اگلے کے برابر یا کبھی اس سے افضل بھی ہو سکتا ہے یہی کیفیت یہاں ہے مِلَّتَ۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ۔ قانون کے اصول۔ مذہب قانون کے فروع۔ اور دین عام ہے اصول و فروع کے مجموعے کو۔ بعض نے ملت کا ترجمہ سنت کیا ہے یہ اصطلاحی مجازی ترجمہ ہے۔ مضاف ہے۔ ابراہیم۔ مضاف الیہ مگر چونکہ غیر منصرف ہے اس لیے بحالتِ جر بھی فتحہ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے تبع کا۔ حَنِیْفًا۔ صفتِ مشبہ۔ بمعنیٰ۔ بہت ہی علیحدہ۔ پاک و صاف۔ بحالت فتحہ ہے حال ہے۔ یا اِتَّبِعْ کے فاعل اَنْتَ کا ہمارا ترجمہ اسی طرف ہے۔ یا مِلَّتَ کا۔ اعلیٰحضرت کا ترجمہ اسی طرف ہے۔ یا اِبْرَاہِیْمَ کا غالباً اعلیٰحضرت کا ترجمہ اسی طرف۔ ہے واؤ عاطفہ ما بعد کا عطف یا حَنِیْفًا پر ہے تیسرے قول کی صورت میں یا ابراہیم پر عطف۔ ہے جب کہ حنیفاً حال ہو اَنْتَ یا مِلَّتَ کا پہلا لفظ حنیفاً تو بالاتفاق ابراہیم کا حال ہے۔ لیکن یہ حنیفا اس میں اختلاف ہے ایک قول میں یہ ملت کا حال ہے تب نحویوں کا وہ قاعدہ غلط ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ حال ہمیشہ فاعل یا مفعول بہ کا ہی ہوتا ہے۔ اور ثابت ہوا کہ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے مَاکَانَ۔ فعل ماضی مطلق منفی معروف۔ اس کا مجہول نہیں ہوتا۔ تامہ ہو تو ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع ابراہیم ہے اور مِنْ جار مجرور متعلق ہے۔ اگر کَانَ ناقصہ ہو تو ھُوَ مستتر اسم ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ زائدہ خبر پر داخل ہوا۔ الف لام جنسی یا بمعنیٰ استغراقی یا اسمی تین قول ہیں ہمارے ترجمہ میں آخری کو ترجیح ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے مَاکَانَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے۔ اِتَّبِعْ فعل امر سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَوْحَیْنَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ اِبْرٰھِیْمَ کَانَ اُمَّۃً قَانِتًا لِّلّٰہِ حَنِیْفًا وَّلَمْ یَکُ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ شَاکِرًا لِّاَنْعُمِہٖ اِجْتَبٰہُ وَھَدٰہُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وَاٰتَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّاِنَّہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اے مشرکین مکہ حضرت ابراہیم کے ثناخوانی اور تکریم و تحریم کا دم بھرتے ہو ان کو عقیدت سے مانتے ہو۔ ان کے حکم پر حج کرتے ہو ان کے شہر میں بستے ہو ان کے ہی آب زمزم سے جگر ٹھنڈے کرتے ہو ان کی دعاؤں کے طفیل ہی شہر مکہ حرم کعبہ میں دولت و نعمت

ثروت عزت سے چین کی زندگی گزارتے ہو مگر اُن کی سچی تعلیم دینِ حق سیرتِ طیبہ پر چلنے عمل کرنے کی بجائے شرکیہ مخالف راستے پر چلتے ہو اور پھر انتہائی ڈھٹائی سے جھوٹ بولتے ہوئے کہتے ہو کہ ابراہیم بھی مشرک تھے اور ہمارے دین پر تھے حالانکہ بیشک ہمارے خلیل ابراہیم اپنی ذات میں ہر طرح کی ظاہراً اشارۃً صفات میں کامل تھے اور پوری انسانیت کی اچھائیاں انہیں موجود تھیں اسلئے وہ خود ہی پوری اُمت تھے اللہ نے ابراہیم کی ظاہراً اشارۃً بیس صفتیں اور شانیں بیان فرمائیں

ع۱ اپنے وقت میں پوری کفریہ قوم نمرود کے مقابل اکیلے تن تنہا مُوَحِّد اور توحیدِ باری تعالیٰ کی نہایت شان سے تبلیغ فرمانے والے ع۲ ایسی عبادت و ریاضت کرنے والے کہ پورا دینِ الٰہی ان کے اندر موجود تھا اور اکیلے پوری اُمت تھے ع۳ تاقیامت ہر دین کے امام تسلیم کئے گئے اور اللہ کے تمام سچے بندے ان کی اقتداء پر فخر کرتے ہیں ع۴ مومنِ اکمل تھے۔ مشرک نہ تھے ع۵ اللہ تعالیٰ کے برگزیدہ اور خاص چنے ہوئے بندوں میں سے تھے ع۶ ہدایت والے کہ اللہ تعالیٰ کی سب ہدایتیں ان کو ملی تھیں شریعت طریقت معرفت حقیقت ع۷ اُس کی نعمتوں پر ایسے شاکر تھے کہ تھوڑی نعمت پر شکر بہت زیادہ کرتے تھے شاکراً کی تنوین تعظیمی ہے اور اَنْعُمْ جمع قلت فرمانے میں یہی حکمت اور اشارہ ہے ع۸ دنیا میں بھی اللہ ربُّ العزت نے حسنہ عطا فرمایا۔ یعنی اچھا تذکرہ۔ دنیا کے ہر انسان کے دل میں اُن کی محبت یہاں تک کہ ہندوستان کے ہندو اور آریہ سکھ بھی اُن کو مانتے ہیں۔ لمبی نسل دی گئی اور ابوالانبیا کا عظیم لقب پایا۔ ع۹ ہمیشہ مہمان نواز ایسے کہ مہمان کے ساتھ ہی کھاتے ورنہ دیر کر دیتے ع۱۰ سب سے پہلے بُت شکنی آپ نے فرمائی ع۱۱ بہترین مناظر ع۱۲ نبی رسول اور خلیل ہوئے ع۱۳ حج کعبہ کے بانی ع۱۴ خانۂ خدا کے معمار ع۱۵ آپ کو ہی رب نے امام کا لقب عطا فرمایا ع۱۶ باہمت جرأت مند۔ عظیم حوصلہ۔ بردبار۔ حلیم الطبع ع۱۷ صادق کامل۔ اللہ نے آپ کو اپنے بہت انعاموں اور امتحانوں کے لیے چُن لیا۔ اور اپنی طرف آنے والے سیدھے راہِ قرب و معرفت کی ہدایتِ کاملہ و توفیقِ صادقہ دی۔ اور آخرت میں صالحین میں شامل فرمایا۔ اور آپ کو کامل صالح اعمال دیئے گئے خیال رہے کہ صالح عمل وہ ہے جس کو کبھی فنا نہ ہو جو تا ابد اپنے عامل کے ساتھ اور آخر عامل کو ہی اس کا ثواب ملے کسی اور کو نہ دے دیا جائے جیسے کہ کئی گناہگاروں کے عمل قیامت میں بٹ جائیں گے ع۱۸ حضرت ابراہیم علیہ السَّلام تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔ بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ع۱۹ باری تعالیٰ نے ہر دور میں اپنی کُل زمین پر چودہ مخلص بندے (نقیب اولیاء) مقرر فرمائے جن کے اَعمالِ صالحہ اور دعاؤں کی برکت سے زمین قائم ہے اور اہلِ زمین مصائب سے محفوظ رہتے ہیں لیکن دورِ ابراہیم میں صرف ابراہیم علیہ السلام اکیلے ہی نقیبِ کامل اس لیے بھی آپ کو اُمّۃً فرمایا گیا۔ (کبیر۔ مظہری ابن کثیر) ع۲۰ آپ کو حنیف ہونے کا منفرد لقب ع۲۱ ہوا۔ آپ کی ملت بھی حنیف ہے

حنیفیت کی دس خصلتیں اور سنتیں ہیں۔
۱ داڑھی رکھنی ۲ مونچھوں کو چھوٹا کرانا یعنی لبوں کے بال کاٹنا ۳ بغل کے بال مونڈنا ۴ ختنہ کرانا ۵ بال زیرِ ناف مونڈنا ۶ ناخن ترشوانا ۷ قربانی کرنا ۸ مسواک کرنا ۹ حجامت کرانا ۱۰ اور غسل کرنا خوشبو لگانا۔ اور یہی سنتیں ملتِ ابراہیمی ہیں ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۔ پھر سب سے بڑی فضیلت اور شان و عظمت حضرت ابراہیم کو یہ ملی کہ اے پیارے نبی۔ ہم نے آپ کی طرف وحی فرمائی اس بات کی کہ آپ بھی اُسی طریقے کی اتباع کرو جس کی پیروی حضرت ابراہیم نے کی اور جو راستہ ہم نے ابراہیم کو دکھایا اور وہ اُس پر چلے اے نبی تم بھی اس پر چلو۔ اس ایک حکم سے تاقیامت حضرت ابراہیم کا نام روشن ہو گیا ہر وقت کی نمازوں میں نفلوں سنتوں میں تکبیر و تشریق میں کعبہ و منیٰ میں۔ قربانی و حج میں سیرتِ مصطفیٰ میں مومن کی ہر ادا میں ابراہیم کی یادگار قائم ہے اگر ایسا نہ ہوتا۔

تو ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ
لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اے لوگو صرف ابراہیم کی شخصیت ہی حنیف نہ تھی بلکہ ان کی ہر ادا ہر سنت اور ہر ملت حنیف تھی۔ اسی لیے اپنے حبیب نبی المرسلین محمد رسول اللہ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے ہی اس پر چلنے اور عمل و اختیار فرمانے کا حکم دیا۔ تاکہ قیامت تک ہر مومن مسلمان پیارے نبی کے واسطے سے ملتِ ابراہیمی پر چل کر ہماری بارگاہ میں حنیف طیب پاکباز راستباز منزہ ہر اچھائی سے۔ منزہ ہر برائی سے۔ قریب ہر حق سے رہے دور ہر باطل سے اور پاک ہر عیب سے ہو جائے۔ یہ ابھی تک ہم نے اپنے خلیل علیہ السلام کی جتنی بھی شانیں بیان فرمائی ہیں۔ اور ان کی زندگی کی جیسی سچی تصویر کھینچی ہے۔ اور یہاں ان آیت میں مختصر الفاظ میں جس طرح اُن کی حیاتِ طیبہ بیان ہوئی ہے اِس سے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ بالکل قطعاً و ہرگز وہ ابراہیم مشرکین میں سے نہ تھے۔ اس لیے کہ مشرک تو زمین پر بدترین انسان ہے نہ وہ حنیف ہو سکتا ہے نہ شاکر نہ صالح نہ قانت۔ اور مشرک کے پاس نہ ہدایت ہوتی ہے نہ حسنہ۔ مشرک حنیف نہیں بلکہ ہر برائی میں غلیظ ہوتا ہے شکر گزار نہیں بلکہ اپنے ہر قول و فعل میں ناشکرا۔ بت پرستی کرنا اور سچے رب کا آستانہ چھوڑ کر باطل کی چوکھٹ پر سر گرنا۔ ناشکری کی بدترین اور سب سے بڑی مثال ہے۔ مشرک کے پاس دنیا میں حسنہ اور آخرت میں اعمالِ صالحہ نہیں ہوتے۔ بھلا ایسا دُرکارہ ہوا آدمی۔ کبھی برگزیدہ چنا ہوا اور مجتبیٰ ہو سکتا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ انبیاءِ کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار (۱۲۴۰۰۰) ہیں اُن میں تین سو تیرہ (۳۱۳)

علیحدہ مستقل شریعت والے رسول علیہم السلام۔ ان میں سے چار صاحب کتاب مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام نبی سے افضل رسول اور رسول سے افضل مرسل۔ مرسل سے افضل کلیم اللہ اور کلیم اللہ سے افضل خلیل اللہ اور خلیل اللہ سے افضل حبیب اللہ۔ باری تعالیٰ نے حضرت آدم کو فرمایا صَفِيُّ اللہ۔ یعنی مصطفیٰ اور خلیل کے لیے فرمایا اِجْتَبٰهُ۔ یعنی مجتبیٰ۔ لیکن چونکہ آقاءِ دو عالم حضور اقدس محمد رسول اللہ جامع کمالات ہیں اس لیے آپ مصطفیٰ بھی ہیں اور مجتبیٰ بھی۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلَّمْ۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ کے دربار میں جتنی شان اور عظمت انبیاءِ کرام کی ہے اتنی کسی مخلوق کی نہیں۔ یہاں تک کہ دشمن ان کی گستاخی کرتا ہے تو خود رب تعالیٰ ان کی طرف سے جواب عطا فرماتا ہے۔ یہ فائدہ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** کوئی نبی کبھی بھی ایک منٹ کے لیے غلط اور بے راہ نہ ہوا یہ فائدہ وَهَدٰهُ سے حاصل ہوا۔ کہ باری تعالیٰ بچپن بلکہ عالم ارواح سے ہی انبیاءِ کرام کو ہدایت عطا فرماتا ہے۔ لہٰذا کسی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ کہنا کہ معاذ اللہ وہ پہلے غلط تھے بعد میں ان کو ہدایت ملی۔ کفر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چاند سورج کو هٰذَا رَبِّیْ کہنا سوالِ استفہامی تھا نہ کہ عقیدہ۔ **تیسرا فائدہ۔** نبی کی نبوت ان کے اعمال بلکہ ولادت سے بھی پہلے ہوتی ہے۔ اعمال بعد میں۔ یہ فائدہ اِجْتَبٰهُ کو بغیر فِ تعقیبیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے شکر کی وجہ سے اِجْتَبٰهُ نہیں ہوا بلکہ اِجْتَبٰهُ پہلے تھا اس کی وجہ سے اتنی عظیم نیکیاں اور شکر کیا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو۔ ہر برے دین باطل مذہب غلط محفلوں۔ اور کتابوں۔ گندے لوگوں سے ساری عمر بچنا چاہیے۔ یہ مسئلہ حَنِيْفًا فرمانے سے مستنبط ہوا دیکھو حضرت خلیل باوجود نبی۔ معصوم۔ اور تمام علوم سے واقف ہونے کے پھر بھی برے لوگوں بری محفلوں سے دور ہی رہتے تھے۔ تو ہم پر تو یہ حنفیت لازم اور واجب ہے۔ **دوسرا مسئلہ۔** داڑھی رکھنا ہر مسلمان کو لازم ہے یہ مسئلہ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ (الخ) فرمانے اور اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ (الخ) کے امر سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ حضرت ابراہیم آخرت میں بھی صالح ہوں گے یعنی بزرگی والے۔ حدیث پاک سے اس کی تفسیر اور وضاحت میں فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی داڑھی مبارک آخرت میں بھی ہوگی جب کہ کسی دوسرے ولی نبی کی

داڑھی نہیں ہوں گی سب نوجوانوں کی عمر کی مثل ہوں گے۔ گویا کہ میدان محشر میں بھی داڑھی بزرگی کی نشانی ہے لہٰذا دنیا میں مسلمانوں کو اللہ رسول کی خوشنودی کے لیے داڑھی رکھنی چاہیے تاکہ ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے بزرگی عطا ہو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِينَ پھر دوسری آیت میں ساتھ ہی فرمایا گیا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ دو دفعہ اس طرح فرمانے میں کیا حکمت ہے۔ صرف فعل میں تبدیلی ہوئی کہ پہلے لَمْ يَكُ ہے۔ اور بعد میں ہے مَا كَانَ۔

جواب۔ ہم نے اپنے ترجمے میں اس فرق کی وضاحت کردی ہے کہ پہلے الفاظ میں مِنْ بمعنیٰ مَعَ ہے یعنی حضرت ابراہیم مشرکوں کے ساتھ نہ تھے نہ برادری کے اعتبار سے نہ تعاون۔ اور مدد کے اعتبار سے نہ دوستی محبت کے ذریعہ نہ میل ملاپ۔ لین دین کے اعتبار سے غرض کہ کسی طریقے سے بھی مشرکوں کا ساتھ نہ دیتے تھے۔ اس کی وضاحت ایک دوسری آیت میں فرمائی گئی کہ وَإِنَّ مِنْ شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ یعنی حضرت نوح علیہ السلام کے گروہ میں سے اور اہل ایمان کے ساتھیوں میں سے البتہ ابراہیم علیہ السلام تھے۔ اور دوسری جگہ مِنْ بعضیت کا بیانیہ ہے۔ یعنی حضرت ابراہیم خود بھی شرک کرنے والے نہ تھے۔ اس کی وجہ یہ کہ پہلی آیت میں سابقہ یہودیوں کے باطل اقوال کا جو اس وقت جواب دیا گیا تھا اس کو یہاں بتایا جا رہا ہے۔ یہودی اور کفار کا عقیدہ یہ تھا کہ حضرت ابراہیم بھی یہودی تھے۔ یہودی عیسائی ابن اللہ کہنے کی وجہ سے مشرک ہو گئے تھے اور اب بھی ہیں۔ لیکن مشرک خود کو سمجھتے نہیں تھے۔ تو جواب دیا گیا تھا کہ ابراہیم تم جیسے مشرکوں کے ساتھ کیسے ہو سکتے تھے۔ یہودی لوگ حضرت ابراہیم کو مشرک نہ کہتے تھے مگر ان کو یہودی مانتے تھے گویا کہ حضرت ابراہیم کے ساتھ ساتھ یہودیت کی بدعقیدگی اور شرک کا اظہار کیا گیا۔ اس دوسری آیت میں ان کفار مکہ کا جواب دیا گیا جو ابراہیم علیہ السلام کو مشرک اور بت پرست کہتے تھے (معاذ اللہ)

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا شَاكِرًا لِأَنْعُمِهِ۔ یعنی حضرت ابراہیم۔ اللہ کی تھوڑی نعمتوں کا شکریہ ادا کرنے والے تھے۔ اس لیے کہ اَنْعُم جمع قلت ہے۔ جس کا معنیٰ تھوڑی نعمتیں مطلب ہے کہ ساری نعمتوں کا شکریہ ادا نہ کرتے تھے۔ تو یہ تو برائی ہے نہ کہ اچھائی۔ اس فرمان کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ اس کا جواب تفسیروں میں عرض کیا گیا کہ اَنْعُم جمع قلت ہے۔ اور شاکراً کی تنوین تعظیمی ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم۔ تھوڑی سی نعمتوں کا بہت ہی زیادہ شکر ادا کرتے تھے۔ تو پھر زیادہ اور بڑی نعمتوں کے شکر کی کیا حالت ہوگی۔ لہٰذا یہ جملہ انتہائی شان کا ہے یعنی بہرحال شاکر تھے اگرچہ نعمت تھوڑی ہوتی۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ یعنی بیشک حضرت ابراہیم البتہ صالحین میں سے ہوں گے قیامت میں یہ لفظ عمومی ہے صالح تو ہر نیک مرد ہوتا ہے۔ چاہیئے تھا فرمایا جاتا فِیْ اَعْلٰی مَقَامِ الصَّالِحِیْنَ یعنی صالحین کے مقام سے اونچے۔

جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ اس طرح فرمانے سے حضرت ابراہیم کا درجہ سب سے بلند ماننا پڑتا ہے۔ جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا درجہ سب سے زیادہ بلند ہے۔ ابراہیم علیہ السلام بھی آپ کے مقتدیوں اور امتیوں میں شامل۔ دوسرا جواب یہ کہ۔ یہاں حضرت ابراہیم کی دعا کی قبولیت کی طرف اشارہ ہے کہ انہوں نے یہی دعا مانگی تھی کہ۔ وَاَلْحِقْنِیْ بِالصّٰلِحِیْنَ۔ انہی لفظوں سے یہاں ذکر فرما کر دعا کی شان بتلائی گئی۔ رہا آپ کا درجہ دیگر صالحین سے بلند ہونا تو وہ دوسری آیت میں ذکر کر دیا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اٰتَیْنٰهَاۤ اِبْرٰهِیْمَ عَلٰی قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ۔

چوتھا اعتراض۔ محمد صاحب نبی نہیں تھے اس لیے کہ آپ کی کوئی شریعت نہیں تھی آپ کو حکم تھا کہ ابراہیم کی شریعت کی اتباع کرو حالانکہ کوئی نبی کسی دوسرے نبی کی پیروی کرنے نہیں آتا۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا فَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ الخ

جواب۔ یہ اعتراض سابقہ یہودی عیسائی لوگوں کی اور موجودہ ہندوؤں کی طرف سے کیا جاتا رہا۔ اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ پھر عیسٰی یسوع مسیح کے پاس بھی کوئی دین کوئی نبوت اور قانون و شریعت تم لوگ ثابت نہیں کر سکتے کیونکہ بائبل متی باب ۵ آیت ۱۷ میں ہے کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں۔ اور پورا کرنا عمل سے ہی ہوتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ ہم نے فلاں کی بات پوری کر دی یعنی اُس پر عمل کر لیا۔ اسی طرح موسیٰ علیہ السلام بھی زندگی بھر ملتِ ابراہیمی کی اتباع و پیروی کرتے رہے۔ داڑھی۔ ختنہ۔ حج وغیرہ ملتِ ابراہیمی ہی کا نام ہے۔

جواب تحقیقی یہ ہے کہ ملت فرمایا گیا نہ کہ شریعت۔ شریعت اور ملت میں چار طرح فرق ہے ۱ شریعت پورے قانونِ الٰہیہ کا نام۔ ملت چند ذاتی عملیات کا نام ہے ۲ شریعت میں واجبات فرائض نوافل بھی ہوتے ہیں اور حقوق اللہ کی تفصیل و ادائیگی کا حکم بھی۔ لیکن ملت میں مستحبات اور کسی شخصیت کا ذاتی طریقہ۔ ۳ اسی لیے ملت کا معنیٰ دینِ ابراہیمی بھی کیا گیا ہے۔ ۴ ملتِ ابراہیمی صرف چند چیزیں ہیں۔ جب کہ شریعت پوری زندگی کا لائحہ عمل کا نام ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِیْفًا ؕ وَ لَمْ یَكُ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ اجْتَبٰىهُ وَ هَدٰىهُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ بیشک قالب ملکوتی کا خلیلِ قلب

کائناتِ جسد کا امام و مرشد اور رہبر منزلِ قربِ ذات ہے۔ آستانۂ جلال پر دہی سجدہ ریز ہے۔ تمام خواہشاتِ ظاہری اور شہواتِ باطنی سے مبرّہ منزّہ پاکیزہ حُسن جمال سے آراستہ۔ الہاماتِ مکمال سے پیراستہ ہے۔ شرکِ خفی کی گندگی والے مشرکین میں سے نہیں ہے۔ مشاہدۂ انوار اور تجلیاتِ سرمدی کی نعمتوں کا ہر حال وشان میں شکرِ جنانی کرنے والا ہے۔ اقلیمِ جسمانی میں فقط قلبِ ولایت کو ہی رب تعالیٰ نے رازِ بیرونی کے لیے اجتباءِ خلعت فرمایا ہے۔ اور محبتِ الٰہیہ کے سیدھے راستے کی طرف قُربِ ذات کی ہدایت دی ہے۔ عارفِ حق کا دل پوری کائنات ہے یہ ہی نیابتِ اَسرار کا خلیفۂ ارضِ قالب ہے یہی شہ نشینِ صَفِیُّ اللّٰہ ہے۔ یہی کشتیٔ منزلِ قرب اور جودیِ انوار کا نوحِ اذکار ہے۔ یہی خلوتِ رازِ قدرت کا خلیل ہے۔ یہی وارداتِ الہامات کا کلیمِ طورِ تجلّیات ہے۔ یہی عرصہ گاہِ مناظرِ قدرت کا عُزیر ہے یہی عرفانِ لاہوتی کا مسیحِ جلوتِ تفضا ہے۔ یہیں پر محبوبیت کا جلوہ آشکارا ہے۔ قلبِ مومن حنیفًا اور موحّدِ اعظم کے مقامِ بلند پر جلوہ افروز ہے۔ اسی قلب کو پہچاننا پوری کائناتِ نفس و ذات کو پہچاننا ہے اسی لیے حکم ہے کہ پہلے انسان دل کو پہچانے۔ کیونکہ تمام ارادوں کا اثر پہلے دل پر ہوتا ہے۔ پھر دل کے ذریعے جسم کے دوسرے اعضا پر پہنچتا ہے۔ لغتِ تصوّف میں اس کو مقامِ روح کہا جاتا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ جلّ شانہٗ کی تمام نعمتیں اوّلاً عرش پر آتی ہیں پھر وہاں سے مقاماتِ ارضی و سماوی میں تقسیم ہوتی ہیں۔ اسی طرح عباداتِ ریاضاتِ مراقبات کے اسرار و انوار اوّلاً قلبِ عارف پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں پھر وہاں سے ظاہری باطنی اعضا پر۔ قلب جوہر لطیف ہے۔ جو اثراتِ لدنیہ کو عرشِ فواد سے کرسیِ عقل تک منتقل فرماتا ہے۔ قلبِ مسعود کے اس حصّے کو مقامِ روحِ قدس کہا جاتا ہے۔ تمام خزائنِ قدرت کا اس میں نظارہ ہے۔ اسی لیے ارشاد ہوا کہ۔ وَاٰتَیْنٰهُ فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور ہم نے ہی عالمِ ناسوتی میں افکارِ نفسانیہ اور طاغوتِ شیطانیہ کی دنیا میں ولایتِ قلبی کو مشاہداتِ حسنہ سے نوازا۔ اور بیشک وہ قلبِ محبوب کشفِ لطائف کی منزلِ آخرت میں عرفانِ الٰہی کی صلاحیت و قابلیت رکھنے والوں میں سے ہے (معانی۔ بیان) قلب و قالب کی یہ زندگی اس لیے ملی ہے تاکہ روح کو ان لمحات میں مقامِ معرفت تک پہنچایا جائے۔ اے بندے خلیل بننے کے لیے معرفت ضروری ہے اور معرفت کے لیے خلوتِ حنیف لازمی ہے۔ جو خلوتِ مراقبہ میں رہکر یا حیّ یا قیوم کا ورد کرتا ہے وہ مقامِ بقا پاتا ہے۔ اس لیے معرفت کی جستجو کر۔ یہ جستجو ہی شکرِ نعمت ہے۔ بندۂ عارف وہ طائرِ لاہوتی ہے جو جبر دتی پنجرے میں گوشہ نشین ہے وہ پنجرۂ انوار۔

ع۱ عبادت ع۲ بندگی اور ع۳ ریاضت ع۴ مشقت۔ ع۵ قیام ع۶ شرافت ع۷ کلفت۔ ع۸ طریقت

معرفت ۱۰ ۔ حقوق ۱۱ ۔ امر ۱ ۔ نہی ۱۲ کی بارہ ۱۲ سلاخوں سے بنایا گیا ہے اور اس پر توحید کا رنگ چڑھایا ۔ اور اس میں قرآن و حدیث کی پیالیاں رکھی گئی ہیں ۔ اور اعمالِ صالحہ کا رزق حسنہ ڈالا گیا ۔ نبوت کی چاشنی سے میٹھا قوام دیا گیا ۔ رویتِ جمال کا شربت اور مشاہداتِ ملکوت کی چوریاں رکھی گئی ۔ ثُمَّ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۔ پھر تختِ عرفانی سے ہم نے چمن سالت میں اے روحِ گل تیری طرف القاءِ ازلی کی وحی بھیجی کر قفسِ جسدی میں جلوہ افروز ہو کر ابراہیم قلب کی طرح قدمِ ارادہ سے وادیِ عرفان میں اتباع فرما ۔ اور مثلِ قلب خصائلِ نفس سے ہٹ کر آستانۂ الٰہیہ پر حنیف ہو جا ۔ ابراہیمِ قلب کبھی بھی محبت و میلان ما سوا اللہ کے شرک کرنے والوں میں سے نہ تھا ۔ عارفین کے قلوب کی سات خصلتیں ہیں ۔

۱ ارادۂ صادقہ کی زینت ۲ ماسوای کی طرف امید کی جنابت سے غسلِ وحدت کرنا ۳ شہوتِ نفس کا ختنہ کر کے مٹا دینا ۴ محبت اغیار کے گندے بال مونڈ دینا ۵ راہ معرفت میں لذتوں کی قربانی کرنا ۶ لمبی امیدوں کا سر مونڈ دینا ۷ چمن توحید کے پھولوں کی خوشبوءِ عشق لگانا ۔

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِیْنَ اخْتَلَفُوْا

فقط بنایا گیا تھا سینچر کا دن پر اُن لوگوں جو اختلاف کر بیٹھے

ہفتہ تو انہیں پر رکھا گیا تھا جو اُس میں مختلف ہو گئے

فِیْهِ ؕ وَ اِنَّ رَبَّكَ لَیَحْكُمُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ

میں اُس اور بیشک رب آپ کا البتہ فیصلہ فرمائے گا درمیان اُن کے دن قیامت ۔ میں

اور بیشک تمہارا رب قیامت کے دن اُن میں فیصلہ کر دے گا

فِیْمَا كَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ اُدْعُ اِلٰى

اُس ۔ تھے وہ بیچ جس اختلاف کرتے ۔ بلائیے طرف

جس بات میں اختلاف کرتے تھے ۔ اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ

سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ

شریعت کے رب کی اپنے۔ سے طریقے اچھے اور نصیحت پیاری سے

پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ

اور مکالمہ کرو اُن مخالفوں سے ایسے لہجے سے جو بہت ہی اچھا ہو کیونکہ رب آپ کا ہی

اور اُن سے اِس طریقے پر بحث کرو جو سب سے بہتر ہو بیشک تمہارا رب

اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ

زیادہ جاننے والا ہے اُس کو جو گمراہ ہوا سے راستے اُس کے اور وہ بہت جاننے والا ہے

خوب جانتا ہے جو اُس کی راہ سے بہکا اور وہ خوب جانتا ہے

بِالْمُهْتَدِیْنَ ﴿۱۲۵﴾

ہدایت پانے ہوؤں کو

راہ والوں کو

تعلق اِن آیت کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت کریمہ میں بیان فرمایا گیا تھا کہ یہودیوں نے کچھ ایسے ظلم کیے تھے جن کی بنا پر رب تعالیٰ نے بہت سی حلال چیزیں اُن پر حرام فرما دی تھیں۔ اب اُن کے وہ ظلم بتلائے جا رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت کریمہ میں حضرتِ ابراہیم کی ملت یعنی دینی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی سب مسلمانوں کو وجوبی تلقین فرمائی جا رہی ہے اب اِن آیات کریمہ میں یہودیوں کے اپنے دین چھوڑ کر اُس میں اختلاف کرنے کی بری رسم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کہ وہ قوم جو خود کو ابراہیمی کہلانے کے دعویدار ہیں وہ تو خود ہی زبردست فرقہ بندی کا شکار ہیں۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں حضرتِ ابراہیم اور اُن کی ملت کی شان بیان ہوئی تھی۔ اب اِن آیات میں اُس سچی راہ کی طرف اُن یہودیوں کو بلانے کی اجازت

دی جارہی ہے۔ جس پر ہونے کا وہ یہودی اور دنیا کے دوسرے دین والے ہونے کا دم بھرتے ہیں۔

تفسیر نحوی

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۚ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا حصر دو لفظوں کا مجموعہ بسیطہ ہے جس سے حصر کا فائدہ ہوا بمعنی فقط بس۔ (زرا) جُعِلَ۔ ماضی مطلق مجہول جَعْلٌ سے بنا۔ بمعنی مقرر کرنا۔ پسند کرنا۔ سپرد کرنا۔ یہاں تینوں معنی مناسب ہیں۔ الف لام عہد خارجی۔ سَبْتٌ۔ اسم مفرد جامد مذکر لغوی ترجمہ ہے۔ کام بند کرنا۔ کام چھوڑنا۔ چھٹی کرنا۔ اصطلاحی معنی ہے آرام کرنا۔ اسی سے ہے اَلنَّوْمُ سُبَاتٌ۔ نیند آرام ہے۔ منقول عربی میں سینچر کے دن کو عبرانی سریانی۔ اور زبور کی لغت (زبان۔ بولی) طورانی۔ اور عربی میں بھی سَبت کہتے ہیں۔ عربی کا اصلی نام سَبتہ ہی ہے۔ وجہ تسمیہ یہ کہ رب تعالیٰ نے تمام مخلوق چھ دن میں تخلیق فرمائی اور ایک باقی تھا کہ تخلیق مکمل ہو گئی اور ساری اقوام عالم کو اس دن شکرانے کی عبادت کا حکم دیا گیا۔ تا عیسیٰ علیہ السلام ان کو اتوار کا دن عبادت کا ملا کیونکہ وہ ابتداءِ تخلیق کا دن ہے۔ مسلمانوں کو جمعہ کا مبارک دن کہ وہ تکمیل کا دن ہے۔ سَبْتُ مرفوع ہے کیونکہ نائب فاعل ہے جُعِلَ کا۔ عَلٰی جارّہ وجوب کے لیے اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ اِخْتَلَفُوْا۔ باب افتعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر جمع غائب اس میں پوشیدہ ہے اس کا فاعل ہے اَلَّذِیْنَ۔ فِیْ جارّہ ظرفِ مجازی مکانی بمعنی بارے میں۔ ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع۔ سَبت ہے جار مجرور متعلق ہے اِخْتَلَفُوْا کا مصدر ہے اِخْتِلَافٌ معنی۔ انکار کرنا۔ نہ ماننا۔ پیچھے ہٹنا۔ دور ہونا۔ خَلْفٌ سے بنا ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے جُعِلَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ (استینافیہ) اِنَّ حرف تحقیق تاکیدیہ رَبَّکَ۔ مرکب اضافی اسم اِنَّ۔ اسی لیے رَبَّ مفتوح ہے۔ لام زائدہ ابتدائیہ بمعنی تاکر یا تعلیلیہ یَحْکُمُ باب نصر کا مضارع مثبت معروف بمعنی مستقبل هُوَ مستتر کا مرجع رَبّ ہے۔ بَیْنَ اسم ظرف مکانی بمعنی درمیان (بیچ) مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے مرکب اضافی مفعول فیہ ہے یَوْمَ۔ اسم مفرد جامد ظرفِ زمانی۔ مضاف ہے۔ الف لام عہد ذہنی قیامت۔ اسم مصدر ثلاثی۔ سماعی ہے بمعنی کھڑا ہونا۔ مراد ہے میدانِ محشر۔ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی ظرف ہے یَحْکُمُ کا۔ فِیْ جارّہ ظرفِ مجازی کے لیے مَا موصولہ۔ کَانُوْا یَخْتَلِفُوْنَ۔ باب افتعال کا ماضی استمراری صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع اس میں مقدر ہے جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ مصدر ہے اِخْتِلَافٌ۔ بمعنی کج بحثی کرنا۔ جھگڑا کرنا۔ مناظرانہ گفتگو کرنا۔ مجادلانہ باتیں کرنی۔ فِیْهِ جار مجرور کو درمیان میں لانے سے شدتِ کلام اور

پیدا ہوئی ۔حضر کی۔ متعلق اور فاعل مستتر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔مَا۔ کا موصول صلہ مل کر مجرور۔ متعلق لَیَحْکُمُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ یا انشائیہ ہو کر خبر اِنَّ ۔ اور جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ اُدْعُ۔ فعل امر حاضر معروف ۔اَنْتَ اسم ضمیر مقدرہ اس کا فاعل جس کا مرجع ہے ذاتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنی بلانا ۔پکارنا ۔ اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے سَبِیْل بروزن فعیل سُبُلٌ سے بنا ہے بمعنی بہت کھلا راستہ مبالغہ کا صیغہ ہے مضاف ہے رَبّ اسم مفرد جامد مضاف ہے كَ ضمیر واحد حاضر مضاف الیہ یہ دوہرا مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اُدْعُ کا بِ جارہ سببیہ ۔الف لام جنسی ۔حکمت ۔اسم مصدر جامد یعنی حاصل مصدر۔ بمعنی عقل ۔ علم تدبیر یہاں ہر معنی مناسب ہے واؤ عاطفہ ۔الف لام جنسی ۔مَوْعِظَة ۔ مصدر میمی ہے بروزنِ مَفْعِلَةٌ مَوْعِدَةٌ ۔ وَعْظٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی ایسے طریقے سے نصیحت کرنا جس سے سننے والے کے دل پر اثر ہو ۔ موصوف ہے ۔الف لام جنسی حَسَنَة ۔اسم مفرد جامد بمعنی عمدہ اچھی ۔ فائدہ مند بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ صفت تابع ہے ۔ یہ سب عطف مل کر مجرور اور متعلق دوم اُدْعُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوا ۔ واؤ سرجملہ ۔ جَادِلْ باب مفاعلۃٌ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس کا فاعل پوشیدہ ۔ مصدر ہے مُجَادَلَةٌ ۔ جَدَلٌ سے بنا ہے بمعنی باتوں سے جھگڑا کرنا ۔ بحث کرنی ۔ مناظرہ کرنا مقابلہ کرنا ۔ یہاں بمعنی سمجھانا ہے ھُمْ ضمیر جمع غائب مفعول بہ ہے جَادِلْ کا ۔ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ مراد ہے کفار بِ جارہ سببیہ ۔ اَلَّتِیْ ۔اسم موصول واحد مؤنث ھِیَ ۔ ضمیر واحد مؤنث غائب ۔ مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ اَحْسَنُ ۔اسم تفضیل مذکر غیر منصرف ہے اس لیے تنوین نہیں آسکتی ۔ بحالتِ رفع خبر مبتدا ۔ بمعنی بہت اچھائی والی ۔ مضبوط دلیل والی بات ۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے جَادِلْ کا وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا ۔ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِیْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل عمل میں ۔ رَبَّكَ مرکب اضافی اسم اِنَّ ۔ ھُوَ ۔ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع رَبَّكَ اَعْلَمُ ۔اسم تفضیل واحد مذکر ۔ عِلْمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے ۔ بہت جاننے والا ۔ خیال رہے کہ صفت مشبہ اور صیغہ مبالغہ ۔ اور اسم تفضیل میں یہ فرق ہے کہ ہمیشگی کے لیے صفت مشبہ ہوتا ہے ۔ یعنی ہمیشہ کرنے والا ۔ صیغہ مبالغہ لینے والے کی نسبت سے ہوتا ہے مثلاً زَیْدٌ عدل زید سراپا انصاف ہے یعنی جس کو یہ انصاف دیتا ہے اس کو بہت انصاف ملتا ہے اور صحیح ملتا ہے اسم تفضیل کثرتِ تعدد کے لیے ہے ۔ جیسے اعلم بہت جاننے والا ۔ یعنی خود اس کے پاس علم وغیرہ بہت ہے ھُوَ مستتر اس کا فاعل بِ جارہ مفعولیت (تعدی کا) مَنْ موصولہ خاص ہے

ذوی العقول کے لیے۔ ضَلَّ۔ باب نصر کا ماضی مطلق۔ واحد مذکر هُوَ مستتر فاعل جس کا مرجع ہے مَنْ ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گمراہ ہونا لازم ہے عَنْ جارہ مجاوزت (دوری) کے لیے ہے سَبِیْلِہٖ۔ اسم مفرد مشتق۔ بمعنی بہت کھلا راستہ۔ یعنی جب سے بنا اسی وقت سے کھلا۔ کیونکہ صفت مشبہ میں ہمیشگی والی زیادتی پائی جاتی ہے۔ مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع رب تعالیٰ ہے ایک قول میں یہ ضمیر نفسی ہے۔ بمعنی اپنے اور مرجع مَنْ موصولہ ہے۔ مگر یہ غلط ہے مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مجرور ہے متعلق ہے ضَلَّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا۔ موصول صلہ مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کا۔ وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر۔ خبر مبتدا، وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ هُوَ مبتدا۔ اس کا مرجع رب تعالیٰ اَعْلَمُ۔ اسم تفضیل واحد مذکر ترجمہ ہے بہت جاننے والا۔ هُوَ اس میں پوشیدہ ہے وہ ہی فاعل ہے جس کا مرجع۔ رَبَّكَ ہے۔ ب جارہ تعدیہ۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام مُهْتَدِيْنَ۔ باب افتعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ اِهْتِدَاءٌ مصدر ہے۔ ترجمہ ہے ہدایت لینا، ہدایت پانا۔ توفیق خیر یا ایمان ملنا۔ بحالت کسرہ ہے۔ مجرور ہے متعلق ہے اَعْلَمُ کے وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف۔ سب عطف مل کر خبر اِنَّ اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۔ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ یہ بھی ملت ابراہیمی کی ہی پیروی ہے کہ نبی کریم اور اُمت مسلمہ کو عبادت خصوصیہ کے لیے جمعہ کا دن دیا گیا۔ ابراہیم کے لیے بھی جمعہ کے دن کو خصوصی اور مقدس بنایا گیا تھا۔ ابراہیم اور اُن کے علاوہ تمام انبیاء عظام کے لیے بھی یوم جمعہ قابل تکریم تھا۔ سَبْت یعنی سینچر اور ہفتہ کا دن تو فقط اُن بنی اسرائیل یہودیوں اور قوم موسیٰ کے لیے بنایا گیا تھا جنہوں نے متبرک اور مقدس دن کے تعین و تقرر میں اپنے نبی حضرت موسیٰ سے اختلاف کیا تھا۔ اور پھر جب رب تعالیٰ کی طرف سے ان کو بھی سبت کا دن دے دیا گیا اور اس سارے دن میں ہر قسم کے تمام کاروبار چھوڑ کر یہاں تک کہ دکان تجارت۔ شکار اور اس دن کھانا پکانا چولھا جلانا تک منع کر دیا گیا۔ تو کچھ سرکش لوگوں نے اس سخت پابندی کو برداشت نہ کیا اور یوم سبت کی بیحرمتی اور اپنی شریعت موسوی کی نافرمانی کرتے ہوئے دیگر نیک فرماں بردار تابعدار لوگوں سے جھگڑا اور اختلاف کیا۔ اُن پر رب تعالیٰ کی طرف سے سختی فرماتے ہوئے اس دن کے شکار کو بالکل حرام کر دیا گیا جب کہ اس سے پہلے صرف شکار کرنا منع تھا لیکن شکار کا گوشت حرام نہ تھا۔ مگر فقط ان کی نافرمانیوں سرکشیوں گستاخیوں کے بعد ان پر سب گوشت حرام کر دیا گیا۔ اور گویا کہ یوم سبت اُن پر مسلط اور رب کا قہر بنا دیا گیا۔ اب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ سختی اور حرمت حضرت ابراہیم

پر بھی اور اُس وقت سے یوم سبت مخصوص اور متبرک ہے اور اُس دِن کا شکار اُس زمانے سے حرام چلا آرہا ہے اور یہی اسی بناء دُنی سمجھ کی بناپر مسلمانوں پر اعتراض کررہے ہیں کہ اگر تم ملتِ ابراہیم کے تابع ہو تو سبت کی تعظیم کیوں نہیں کرتے اس دن کے شکار کا گوشت حرام کیوں نہیں جانتے۔ اس دن چھٹی کیوں نہیں کرتے۔ یومِ جمعہ کی عظمت اور عبادتِ خصوصیہ کیلئے اسکی تعیین کیوں کرتے ہو یہ تو ملتِ ابراہیمی کے خلاف ہے۔ مگر یہ اعتراض موجودہ یہودیوں اور اُن سے سُن سُن کر مشرکین مکہ کا ان کی حمایت ہے۔ اللہ بیشک آپ کا رب تعالیٰ اپنا فیصلہ قیامت میں فرمائیگا ان تمام غلط عقیدوں کے بارے میں جن میں وہ دنیا میں جھگڑے اور اختلاف کرتے رہتے تھے۔ واقعہ اس طرح ہے کہ جب دنیا میں پہلی آسمانی کتاب توریتِ مقدس حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی اور اس میں نئی شریعت دی گئی تو اُسی شریعت کے تحت اُن کی عبادت کے لیے ایک دن معین کرنے کا مسئلہ پیش آیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بحکم ربِّ العالمین رب تعالیٰ اور سابقہ تمام انبیاء کرام کا مقدس دن یومِ جمعہ پیش فرمایا مگر یہودی قوم نے اپنی جھگڑالو فطرت کے مطابق اُس میں بھی حضرت موسیٰ سے اختلاف کیا اور کہا نہیں ہم کو یہ دن پسند نہیں ہم تو یومِ سبت پسند کرتے ہیں اس لیے کہ لبقول توریت اللہ نے چھ دن میں زمین و آسمان اور سمندر بنائے جو اتوار کو شروع ہوئے اور جمعہ کو ختم ہوئے۔ ہفتے (سبت) کا دن فراغت کا ہوا لہٰذا ہم بھی چھ دن کام کریں گے اور سبت کو فارغ رہا کریں گے۔ چونکہ یہ انبیاء کرام کی نسلیں تھیں اس لیے لاڈلی تھیں لہٰذا ان کی یہ بات بھی مان لی گئی اور خصوصیت کی عبادتوں کا حکم اسی دن کے لیے مقرر ہوگیا۔ نیک لوگوں نے تو تاعمر اس پر عمل کیا مگر بدکار لوگوں نے کچھ دن کے بعد طرح طرح کی عہد شکنیاں اور نافرمانیاں شروع کردیں اور حضرت موسیٰ کی خلاف ورزیاں کرتے ہوئے دینِ موسوی کے مخالف حرکتیں اور عادتیں شروع کردیں۔ اس لیے سرکشی و نفسانی خواہشات کی روک تھام کے لیے اللہ کی طرف سے سختیاں بڑھتی گئیں اس ضمن میں پہلے اونٹ پھر ہر ناخن والا جانور جن میں خرگوش بھی شامل تھا پھر گائے بکری کی چربی حرام کی گئی اور پھر آبی سمندری شکار قطعاً حرام کردیا گیا۔ حالانکہ سزا سے پہلے صرف عبادت کرنے کے لیے تمام کاروبارِ دنیوی اور شکار حرام تھا۔ اور اگر کوئی شکار کرلیتا تو وہ جانور دوسروں کے لیے حلال ہی رہتا تھا۔ جیساکہ آج کل بحالتِ احرام خشکی کا شکار صرف شکاری کے لیے ممنوع ہے دوسرے کے لیے حلال ہے۔ اور شکاری شرعی مجرم ہے اسی طرح بنی اسرائیل پر اولاً اس طرح ہوا۔ پھر سزاءً مکمل حرام ہوا شکاری پر بھی اور دوسروں پر بھی تو یہ حرمت عارضی اور سزاءً تھی جس کو موجودہ یہودی شرعی سمجھتے ہیں۔ اور اس کی ابتدا حضرت ابراہیم تک لیجاکر مسلمانوں کی اتباعِ ابراہیمی پر طعن کرتے تھے۔ یہاں اسی بات کا جواب دیا جارہا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا جارہا ہے کہ اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۔ اے حبیبِ کریم چونکہ دنیا بھر کے اکثر کفار مشرکین و یہود

نصاریٰ ابراہیم علیہ السلام کو ماننے اور محبت کرنے کا دم بھرتے ہیں اور ملتِ ابراہیمی آپ کے پاس ہے اس لیے تا قیامت تمام لوگوں کو آپ خود بلا واسطہ یا واسطۂ امت صحابہ اولیا علماء۔ دینِ اسلام قرآن و حدیث اور سچی ملتِ ابراہیمی کی طرف بلائیے اہلِ عقل ذی شعور دانشوروں حق کے متلاشیوں کو۔ اپنی حکمت حقانیت مضبوط دلائل یقینی برہانوں کے ذریعہ اور عوام کو بلائیے اچھی باتوں دل نشین گفتگو پیاری مثالوں۔ اور ناراضیٔ رب تعالیٰ کی نذارتوں خوشنودی و رضاءِ الٰہی کی بشارتوں جہنم و جنت کی سزاؤں جزاؤں دنیا میں رب تعالیٰ کی نعمتوں رحمتوں کے میٹھے ذکر سنا سنا کر۔ اور موعظۂ حسنہ کے ذریعے۔ اور جو لوگ اسلام قرآن اور اللہ رسول کی مخالفت میں ضد ہٹ دھرمی غرور تکبر اور بیہودہ دلیلیں فضول اعتراض لے کر آپ سے مناظرہ کرنے آئیں تو ان سے نہایت احسن۔ خوش خلقی اور بے مثال جوابات مضبوط دلائل ان کے تسلیم شدہ عقائد سے اِلزامی سوالات کے ذریعہ مجادلہ فرمائیے۔ تاکہ ان کی ساری شیخی غرور اپنے علم کا تکبر مٹ کر رہ جائے۔ اور آپ کے براہین قاطعہ سے لرزہ براندام ہو جائیں۔ کوئی مانے یا نہ مانے یہ آپ کی ذمے داری نہیں کیونکہ۔ بیشک آپ کا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اس کو جو بد نصیب آپ جیسے رحمۃ عالمین راحتِ عاشقین مشفقِ کامل کی سچی باتوں نصیحتوں دلیلوں کے بعد بھی اللہ کے راستے اس کے سچے اور حق دین سے گمراہ ہی رہے اور وہی اللہ زیادہ جاننے والا ہے ان خوش نصیبوں کو جو آپ کے دامنِ رافت میں آ کر آپ کی حکمت بھری نصیحتیں سن کر دینِ اسلام اور ملتِ ابراہیم کی ہدایت پانے والے ہیں۔ یہ آیت کریمہ ظاہراً تو مختصر لفظ ہیں لیکن حقیقت میں اصولِ رشد و ہدایت حکمت و دلائل۔ مواعظِ حسنہ اور مجادلۂ عظمیٰ دعوتِ اسلام خوشگوار گفتار فنِ مناظرہ طریقۂ مکالمہ ضوابطِ مجادلہ اور حصولِ مکابرہ میں انمول اور عظیم علمی خزانہ ہے چونکہ انسان اپنی ذہنی کیفیات کے اعتبار سے تین قسم کے ہیں اس لیے اس آیت میں تمام مبلغینِ اسلام کو تین طرح دعوت و تبلیغ کا حکم دیا گیا۔

۱ کچھ خاص لوگ اہلِ شعور اور حق کے متلاشی ہوتے ہیں ان کو حکمت و دلائلِ یقینیہ کی روشنی میں دعوت دینا ہی مفید ہے۔ ۲ اور اکثریت عوام کی ہوتی ہے اِن دونوں قسموں کے لوگوں کو خود بلانا پڑتا ہے اس لیے ان دونوں گروہوں کے لیے فرمایا۔ اُدْعُ۔ ان کو دعوت دیجئے اور ان کے پاس جائیے ۳ کچھ لوگ ضدی طبیعت بد دماغ۔ متکبر عادت۔ اور سخت قسم کے منکر۔ اور ہر حال میں خود کو سچا سمجھنے والے اور ہر داؤ پیچ۔ چرب زبانی۔ حیلہ بازی۔ جھوٹ و سچ دجل و فریب سے اپنی برتری چاہنے والے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اگر ذرا بھی علمی نرمی دکھائی جائے یا ان کی پاس خاطر میں کچھ

عزت رکھی جائے تو ان کا غرور و تکبر۔ سرکشی خود نمائی اور بڑھ جاتی ہے۔ ایسے لوگوں کو بلانا نہیں پڑتا بلکہ اپنی حماقت سے حق کے مقابل مناظرے و مجادلے کے لیے خود آجاتے ہیں اُن کیلئے فرمایا گیا وَ جَادِلۡهُمۡ۔ یعنی علم کی سختی طبیعت وگفتار کی نرمی دلائل کی کرختگی اور باتوں کی خوش خلقی سے ایسی مار مارو کہ مزاج درست ہو جائے۔ قرآنِ عظیم نے ہر مقام پر اہلِ ایمان کو یہی اُسلوبِ بیان اور طریقہ سکھایا ہے۔ یہاں تین قسم کے دلائل کا ذکر فرمایا۔ ع۱ دلائل اقناعیہ تحقیق و یقین تک پہنچاتا ع۲ دلائل افحامیہ۔ سامع کی تسلی اور مطمئن کرنا ع۳ دلائل جدلیہ۔ مدمقابل کو لاجواب کرنا اس پر اسی کے مسلمات کو لازم کرنا کہ ماننے پر مجبور ہو جائے۔ منکر و مغرور کے دلائل کو شغبیہ کہا جاتا ہے تا قیامت مسلمانوں کو اس آیت کریمہ کے ذریعے چند چیزوں سے روکا جا رہا ہے اور چند باتوں کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ع۱ تبلیغ کے شوق سے پہلے۔ مبلغ کے پاس علم حکمت علم مواعظہ حسنہ اور علم دلائل اور اپنی دینی معلومات پوری طرح ہونی ضروری ہیں ورنہ نادان بے علم غیر تربیت یافتہ بستر بند مبلغ تو دین اسلام کے لیے نقصان دہ ہے ع۲ مبلغ میں سخت مزاجی درشتی نہ ہو۔ ع۳ دنیوی لالچ خوف و ہراس نہ ہو۔ تبلیغ اسلام اتنی اہم ہے کہ اس کی تعلیم خود رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں عطا فرمائی۔ اَغیار کے سامنے ایسا احسن طریقہ پیش کرنا چاہیے کہ کوئی اپنا پرایا یہ نہ سمجھے کہ یہ کوئی اپنی علیحدہ پارٹی یا گروہ بنانا چاہتے ہیں بلکہ اَغیار کے دلوں میں یہ بات ضرور بیٹھ جائے کہ یہ رب تعالیٰ کے راستے کی دعوت ہے۔ دلائل ایسے شاندار ہوں کہ شک کا اندھیرا دور ہو جائے اور عقلوں کا اندھیرا نورِ یقین میں بدل جائے اَخلاق ایسے میٹھے اور پاکیزہ کہ منزلِ اسلام سے دور ہٹنے والے بھی اجنبیت بھول کر قرب و یگانگت پائیں حسنہ ایسا کہ پتھر دل موم ہو جائیں۔ گویا کہ اندازِ حکیمانہ۔ نصیحت خیر خواہانہ۔ اور جدل و دلیل شریفانہ ہوں۔ جس مجادلے اور مکالمے کی رب تعالیٰ اجازت عطا فرما رہا ہے اُس کا مقصد صرف حق رسانی اور مخالف کے دل دماغ میں یقین پیدا کرنا ہے۔ ہرانا شکست دینا۔ سننے والوں کی نظروں میں ذلیل و رسوا کرنا۔ اور مدِمقابل کے دل کو دکھ پہنچانا۔ ضد میں لانا۔ نفرت سے بھرنا مقصود نہ ہو۔ اگر مخالف کو صرف چُپ ہی کرانے کی نیت ہو تو وہ حق پرستی اور للّٰہیت نہیں ہو سکتی۔ نہ سچی تبلیغ۔ مگر موجودہ دور کی اور قوم مسلم کی کتنی بدقسمتی ہے کہ آج دین و دنیا کی ہر چیز میں جھگڑا۔ فساد۔ بحث و نزاع فتنہ اور اَنانیت ہی باقی رہ گئی ہے۔ آج ہر کام ہر بات دینی ہو یا دنیوی ذاتی اور نفسانی خواہش کے لیے کی جاتی ہے۔ ہر میدان میں اپنی ہی جیت ضروری سمجھی جاتی ہے خواہ جائز طریقے سے یا ناجائز طریقے سے۔ مگر منشاءِ پروردگار یہ ہے کہ مومن کی ہر بحث مناظرہ مجادلہ مکالمہ لڑائی جھگڑا دوستی دشمنی فقط حق و صداقت سچائی و انصاف۔ اور اللہ رسول

کے لیے ہو۔ یہی مجادلۂ احسن اور مومن کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے کم از کم دین وایمان کے معاملے میں نفسانیت اور کج بحثی اور ضمیر کشی نہیں ہونی چاہیئے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ رب تعالیٰ کے تمام فیصلے دنیا میں بتا دیئے گئے ہیں۔ مگر اس کا نفاذ قیامت میں ہوگا۔ یہاں دنیا میں بتا دینے کا مقصد خوف اور امید پیدا کرکے انسانوں کو سچا بندہ بنانے کے لیے ہے۔ یہ فائدہ لَیَحْکُمُ بَیْنَہُمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ لیحکم کی ایک تفسیر یہ معنیٰ ہے کہ قیامت کے دن فیصلہ ربانی ہر شخص کے بارے میں نافذ ہوگا۔ ورنہ کفر فسق اور ایمان کے نتائج تو آج ہی ہر شخص کو قرآن وحدیث اور علماءِ اسلام کے ذریعے معلوم ہے۔

دوسرا فائدہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تا قیامت ساری مخلوق کے نبی ہیں۔ اور دین اسلام ہی اب اللہ کی طرف جانے والا واحد راستہ ہے۔ باقی تمام دین باطل ہیں، خواہ اُن کا کچھ نام رکھ لیا جائے۔ یہ فائدہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ (الخ) سے حاصل ہوا کہ صرف نبی پاک کو ہی حکم ہوا کہ ساری مخلوق کو اپنے رب کے راستے کی طرف بلاؤ لہٰذا آج دنیا میں صرف نبی کریم کا بلانا ہی رب تعالیٰ کا بلانا ہے۔

تیسرا فائدہ ۔ دینی تبلیغ کے لیے بے دینوں باطل فرقوں سے مناظرہ کرنا جائز ہے۔ مگر مناظر اسلام کو مناظر میں وہ تعلیم یاد رکھنا چاہیئے جس کی تعلیم یہاں دی جا رہی ہے۔ تاکہ رب تعالیٰ کی مدد شامل حال ہو۔ یہ فائدہ وَجَادِلْہُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** ۔ سچے اور صحیح اور مضبوط دلائل والے مناظرے کے بعد بھی یہ یقینی وضروری نہیں کہ باطل کی فطری بے دینی ختم ہو جائے یا تقدیری گمراہی بدل جائے۔ گمراہ اور بے دین اگرچہ شکست کھانے کے بعد بھی بے دین ہی رہے لیکن۔ مخلص مناظر اسلام کو اُس کی نیک نیتی کا ثواب مل جائے گا۔

اَحکامُ القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ یہود ونصاریٰ پر سینچر (یوم سبت) کے پورے دن۔ عبادت خانے میں رہکر دن گزارنا . . . . اور عبادت کرنا فرض تھا۔ لیکن ہم مسلمانوں کے لیے جمعہ کے سارا دن چھٹی اور دنیوی کاروبار چھوڑنا **صرف مستحب** ہے تاکہ غسل وغیرہ باسہولت کر سکیں۔ یہودیوں عیسائیوں کے لیے اس دن صبح سے شام تک کوئی دنیا کا کام کرنا حرام تھا مگر مسلمانوں کے لیے صرف۔ جمعہ کی پہلی اذان سے نماز جمعہ کی دوسری چار مؤکدہ سنتوں تک ہر قسم کا دنیوی کاروبار خرید وفروخت لین دین حرام ہے۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جمعے کے وقت جمعہ چھوڑ کر جو بھی چیز لی دی جائے وہ حرام کمائی ہے۔ یہ

مسئلہ۔ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَی الَّذِیْنَ سے مستنبط ہوا۔ **دُوسرا مسئلہ**۔ امتی پر انبیاءِ کرام کی رائے اور مشورہ ماننا بھی اشد ضروری ہے۔ اور مشورہ ماننے والے سلامتی اور دینی دنیوی معاملات و احکام میں نجات، کامیابی، کامرانی حاصل کر لیتے ہیں مگر نہ ماننے والے دین دنیا میں ناکام نامراد اور ذلیل و رسوا ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ کَانُوْا فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ سے مستنبط ہوا کہ عبادت کے لیے دن کے تقرر میں جن چند لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کی بات مانی تھی وہ تو یوم سبت میں بھی ٹھیک ہی پابند رہے۔ مگر جس اکثریت نے اپنی بات منوا کر جمعہ چھوڑ کر ہفتہ پسند کیا وہ اپنے اس دن کی بھی پوری پابندی نہ کر سکے اور بُری طرح عذاب اور شکلیں مسخ ہونے کی ذلت میں خراب و ہلاک ہوئے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ یعنی یہودیوں پر ہفتے (سنیچر) کا دن مسلّط کر دیا گیا رب تعالیٰ نے اپنی رضا سے یہ دن مقرر نہیں فرمایا رب کی رضا والا دن تو فقط یوم جمعہ تھا۔ اسی لیے تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام نے جمعہ کا دِن پسند فرمایا۔ آخر جمعے میں وہ کونسی خصوصی اور عقلی شان ہے جو دوسرے کسی دن کو نہیں۔

جواب۔ یوم جمعہ کی خصوصی شان آیت و احادیث میں بیشمار مذکور ہوئی ہیں جن میں چند ایک یہ ہیں جن کو عقل بھی تسلیم کرتی ہے ۱۔ یہودیوں کا یوم سبت فراغت کا دِن تسلیم کیا گیا۔ اس لیے یہود نے اپنی عقل سے یوم سبت کو پسند کیا۔ عیسائیوں کا یوم احد یعنی اتوار کا دن آسمانوں زمین کی پیدائش کا ابتدائی دِن ہے۔ اس لیے عیسائیوں نے یہ پسند کیا۔ یہ اُن کی اپنی اپنی عقلوں کی باتیں ہیں مگر یوم جمعہ تکمیل اور کمال کا دِن ہے۔ اس لیے یہ یوم تشکر ہے کہ آج کے دِن نسلِ انسانی کے لیے رب تعالیٰ کے بڑے بڑے انعام آسمان چاند سورج ستارے اور رہائش انسانی کے لیے شاندار دسیع زمین کی خلقت مکمل ہوئی۔ لہٰذا اس کا شکریہ ادا کرنا انسان پر فرض۔ شکریہ تو عبادت سے ہوتا ہے۔ اِس لیے جُمعہ خصوصی عبادت کا دن بنایا جانا عقلاً درست ہے۔ بائبل میں یومِ سبت کا ذکر کرتے ہوئے اللہ کی بڑی گستاخیاں کی گئی ہیں کہ رب نے چھ دن میں آسمان و زمین بنائی اور ساتویں دن ریسٹ (آرام) کیا۔ اور تازہ دم ہوا۔ (پیدائش باب اوّل آیت، ۳۱ خروج باب ۲۰ آیت ۱۱ و ۴۸) ۲۔ جمعے کے دن سرزمینِ دنیا پر فرشتوں کا پہلا سجدہ آدم کو اور آدم علیہ السلام کا پہلا سجدہ اللہ کو ہوا۔ ۳۔ نسلِ انسانی کے پہلے انسان حضرت آدم جمعہ کو پیدا کیے گئے۔ وغیرہ وغیرہ اس لیے یہ دن رب تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔ اور یہ دِن فراغت لینے کا دن نہیں عبادت کرنے کا دِن ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بیشک آپ کا رب قیامت کے دن ضرور

اُن کے درمیان فیصلہ فرمادے گا۔ سوال یہ ہے کہ فیصلہ تو قرآن مجید کے ذریعے دنیا میں ہی ہو گیا ہے کہ کون کافر ہے کون مومن۔ کون مجرم ہے کون صحیح ہے۔ اسی لیے کفار سے جہاد کیا جاتا ہے۔ اور مشرکین کو برا سمجھا جاتا ہے ورنہ جرم ثابت ہونے سے پہلے تو کسی کو مجرم اور برا نہیں کہا جا سکتا۔ قیامت کا دن تو صرف سزا کا دن ہے۔ تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا۔

جواب۔ دنیا میں صرف اچھے بُرے کی وضاحت کی گئی ہے کسی بھی مجرم کے بارے میں عدالت الٰہیہ کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا۔ عدالت کے فیصلے کے بعد کسی مجرم کو آزاد کھلا نہیں چھوڑا جا سکتا۔ یہاں تو ہر کافر۔ مجرم۔ ظالم۔ آزاد پھر رہا ہے۔ ثابت ہوا کہ ابھی کسی کے بارے میں فیصلہ نہیں نیز موت سے پہلے پہلے کسی بھی کافر کو انفرادی طور پر لعنت ڈالنا یا برا کہنا شرعاً منع ہے۔ اس لیے کہ نہیں معلوم آج یہ کافر ہے کل ہی مومن ہو جائے۔ اسی طرح موت کے بعد بھی کسی کافر پر لعنت کرنا منع ہے۔ جب تک کہ یقینی اس کا کفر پر مرنا معلوم نہ ہو جائے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۔ فقط سبتِ مشقتِ ریاضت کِلال اور ترکِ لذات کی پابندی۔ اُن طبیعتِ شقاوت پر ڈالی گئی تھی جنہوں نے عبادتِ ربانی کی ادا کلائیں غفلت۔ سستی۔ کسل۔ کسادت۔ نفرت۔ انکار۔ کفران کی خسیس عادتوں کے ذریعہ اختلاف کیا۔ اور مشغولیتِ اعضاءِ ظاہری میں مُخل کیا۔ اور ایسے لوگوں کے درمیان تیرا پروردگار وادیٔ حیرت میں قیامتِ صُغریٰ کے لمحات میں قضاء و قدر کا حکم فرمائے گا۔ کہ اختلافِ تصورات میں کون صادق کون کاذب ہے۔ یہ فیصلہ قلب و قالب کی وادیٔ فغان میں ہر آن ہو رہا ہے۔ ضمیر سے آوازۂ عبرت بلند ہو رہا ہے کہ اسے بندو تم دنیا کے پیچھے اپنے اوقات برباد کرتے ہو۔ کیونکہ خدا کی عبادت نہیں کرتے۔ اوقاتِ زندگی کو آلائشِ دنیا میں ڈبوتے ہو اور خدا سے دور ہوتے ہو۔ اور اپنی عاقبت خراب کرتے۔ جو رب تعالیٰ کا پیارا ہوتا ہے وہ مراقبۂ خلوت میں کثرتِ عبادت میں مصروف رہتا ہے اور خود کو معصیت سے باز رکھتا ہے اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۔ نفوسِ بشریہ کے جواہر ماہیت میں مختلف ہیں۔ بعض جواہر چمک دار صاف شفاف ایسے ہوتے ہیں کہ اُن کا تعلق اور لگاؤ جسم سے بہت کم ہوتا ہے۔ اور عالمِ روحانیت کی طرف بہت زیادہ جذب ہوتا ہے۔ اور بعض جواہر کدورت کی ظلمت والے ہیں اُن کا تعلق جسمانیت سے بہت زیادہ اور روحانیت سے بہت کم اور یہ خصلتیں اور استعداد ہر جوہر

کے لوازمات سے ہوتی ہیں۔ اسی لیے اُن کا تغیر و زوال ممتنع ہوا۔ تلبیب مسعود کو حکم دیا جارہا ہے۔ کہ پہلے گروہِ نفس کو حکمت و موعظہ حسنہ سے راہ طلب اور منزلِ معرفت کی دعوتِ مراقبہ دے اور دوسرے پورے گروہِ ظلمت کو جدالِ احسن سے مغلوب کر لیکن پھر بھی شقاوت کے گمراہ اور سعادت کے مُہتدین کو رب تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔

وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ

اور اگر پچھلے جرموں کی سزا دینا چاہو تم ان شکست خوردہ کفار کو تو پچھلے جرموں کی سزا دو اسی کی مثل جو تم پہلے ستائے گئے

اور اگر تم سزا دو تو ایسی ہی سزا دو جیسی تمہیں تکلیف پہنچائی تھی

بِهٖ ؕ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۲۶﴾

اور اگر تم نے صبر کر لیا تو وہ بہت ہی اچھا ہے لیے صابروں کے۔

اور اگر تم صبر کرو تو بیشک صبر والوں کو صبر سب سے اچھا۔

وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ

اور آپ تو ضرور ہی صبر کرو۔ اور نہ ہوگا صبر آپ کا مگر توفیق سے اللہ کی اور نہ غم فکر کرو

اور اے محبوب تم صبر کرو اور تمہارا صبر اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور اُن کا غم نہ کھاؤ

عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ان پر۔ اور نہ ہو تم میں دل رنجیدگی کی تنگی اُن مکاریوں کی وجہ سے جو وہ کرتے رہتے ہیں

اور اُن کے فریبوں سے دل تنگ نہ ہو

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ

یقیناً اللہ ساتھ ہے اُن کے جو متقی بنے رہے اور اُن کے

بیشک اللہ اُن کے ساتھ ہے جو ڈرتے ہیں اور

ع ۱۶ / ۹ / ۲۳

هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ﴿۱۲۸﴾

جو اچھا برتاؤ کرنے والے ہیں
جو نیکیاں کرتے ہیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں اُن یہودیوں کو سمجھانے کا اور دعوتِ اسلام دینے کا ذکر ہوا جو مشرکینِ مکہ سے مل کر اُن کو بھڑکاتے اور طرح طرح سوالات کراتے تھے اور کفارِ مکہ اُن کے کہنے پر مسلمانوں کو ستاتے رہتے تھے۔ اب ان آیت میں مشرکین سے بدلہ لینے کی طاقت پانے کے وقت کے متعلق مسلمانوں کو سمجھایا جارہا ہے کہ تم زیادہ سختی نہ کرنا کیونکہ وہ ظلم جہالت کی وجہ سے کرتے ہیں مگر تم اے مسلمانوں جہالت سے دور ہو۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار سے بحث کرنے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں بالکل ہی صبر کرنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں گمراہوں اور ہدایت والوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ہدایت والوں کی شان اور علامات بیان فرمائی جارہی ہیں۔ کہ شان تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن کے ساتھ ہے اور علامات یہ ہیں کہ وہ متقی اور محسنین ہیں۔

شانِ نزول۔ امام حاکم مستدرک نے اُبَی ابنِ کعب رضی اللہ عنہ سے اور امام بیہقی اور بزاز نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا کہ جنگِ اُحد میں کفارِ مکہ نے مسلمان شہداء کے چہروں کو مُثلہ کیا یعنی زخموں سے بگاڑا اور پیٹ چاک کئے خاص طور پر حضرت حمزہ کو تو بہت ہی ستایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت صدمہ ہوا اور قسم فرمائی کہ ایک حمزہ کے بدلے میں ستر کافروں کو قتل کروں گا اور یہی حال کیا جائے گا۔ اس پر سات آیت نازل ہوئیں۔ از آیت ۱۲۲ تا ۱۲۸۔ مگر بروایت ابن حصار صحیح یہ ہے کہ آخری تین آیتیں نازل ہوئیں یعنی ۱۲۶ تا ۱۲۸۔ اور یہ آخری تین آیات تین دفعہ نازل ہوئیں ایک دفعہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے چند دن پہلے مہاجرین کو دکھ دینے والے کفار کے بارے میں دوسری دفعہ میدانِ اُحد میں اسی مُثلہ کرنے کے واقعے کے بعد تیسری دفعہ فتح مکہ کے دن۔ واللہ و رسولہٗ۔ ابھی تک یہ تمام شانِ نزول اور اسبابِ نزول از تفسیر خزائن العرفان اور خازن اور اَسْبَابُ النُّزُوْلِ لِلسُّیُوْطِی سے نقل کئے گئے۔

تفسیر نحوی وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ ۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ

واؤ ابتدائیہ اِنْ حرفِ شرط عَاقَبْتُمْ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق مثبت معروف انشائیہ ہے مفاعلۃ یہاں دو طرف کے معنیٰ میں نہیں ہے اگرچہ اصلی معنیٰ دو طرفہ ہی ہیں۔ مگر یہاں یک طرفہ سزا مراد ہے اِنْ شرطیہ کی وجہ سے بمعنیٰ مستقبل۔ عَقْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ بعد میں ہونا منقولِ اصلاحی میں ترجمہ ہے بدلا لینا۔ کیونکہ بدلہ بھی بعد میں ہی ہوتا ہے۔ اَنْتُمْ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فَ جزائیہ عَاقِبُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا امر ہے۔ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ مستتر فاعل بِ جارہ زائدہ۔ یا سببیہ۔ مِثْلِ اسم مفرد جامد تشبیہی۔ بمعنیٰ برابر مضاف ہے مَا۔ موصولہ۔ عُوْقِبْتُمْ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر حاضر مستتر۔ فاعل۔ بِ تعدیہ کی ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مرجع ذہنی عقاب پوشیدہ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے عُوْقِبْتُمْ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ مِثْل کا۔ یہ مرکّب اضافی مجرور متعلق ہے عَاقِبُوْا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ استینافیہ لام غیر عاملہ ابتدائیہ۔ یہ لام ہر اسم فعل مشتق غیر مشتق (جامد) یہاں تک کہ حروف پر بھی آجاتا ہے۔ ہمیشہ مفتوح ہے۔ اِنْ حرفِ شرط۔ صَبَرْتُمْ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع (ا ہے مسلمان صحابہ کرام ذہنی ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ لام غیر عاملہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا خَیْرٌ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ اچھا۔ مفید۔ شر کا مقابل۔ لام جارہ الف لام استغراقی۔ صَابِرِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ بحالتِ جر۔ صَبْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ برداشت کرنا رکنا۔ بدلہ نہ لینا۔ شکوہ شکایت نہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ جار مجرور متعلق ہے خَیْرٌ مصدر کے مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ اِصْبِرْ باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف واحد حاضر اَنْتَ ضمیر واحد پوشیدہ مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا واؤ سببیہ تعلیلیہ بمعنیٰ کیونکہ سے اور یہاں مَا نافیہ مشبہ بلیس ہے صَبْرُ اسم جامد۔ بمعنیٰ قوتِ برداشت نرم طبیعت۔ مضاف ہے کَ ضمیر مضاف الیہ۔ مرکّب اضافی مستثنیٰ منہٗ۔ اِلَّا حرفِ استثنا مفید مفرغ۔ بِ جارہ بمعنیٰ مِنْ ابتدائیہ یعنی طرف سے اَللّٰہِ مجرور متعلق ہے تَوْفِیْقُ مصدر پوشیدہ کا۔ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مستثنیٰ ہوا دراصل یہاں مستثنیٰ منہٗ پوشیدہ ہے۔ اصلاً عبارت اس طرح ہے وَمَا صَبْرُکَ مِنَ الْاَشْیَآءِ اِلَّا تَوْفِیْقًا بِاللّٰہِ اس لیے یہ مفرغ اب مبرک قائم مقام ہے۔ یہ دونوں مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ علت ہوئے وَاصْبِرْ کے۔ معلول علت مل کر جملہ تعلیلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ لَاتَحْزَنْ۔ باب سَمِعَ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل حُزْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غمگین ہونا رنجیدہ ہونا۔ علیٰ جارہ فوقیت کا یا بمعنیٰ لام تعلیلیہ یعنی وجہ سے

ھُمۡ ضمیر جمع غائب کا مرجع یا منکرین کفار ہیں اور یہی صحیح ہے یا شہدا صحابہ ہیں۔ جار مجرور متعلق ہے نہی کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائیہ۔ لَاتَكُ۔ فعل نہی۔ واحد مذکر حاضر۔ دراصل تھا لَاتَكُنۡ۔ لام کلمہ نون کثرتِ استعمال کی وجہ گر گئی اور یہ گرنا جائز ہے۔ آبھی سکتی ہے خاص کر حالتِ وصل مابعد میں نون نہیں ہوتی دونوں طرح جائز ہے۔ کثرتِ استعمال یہ ہے کہ کَوۡنٌ مصدر تقریباً ہر فعل میں کسی نہ کسی طرح مستعمل ہے۔ کیونکہ ہر مثبت میں ہونا ہے اور ہر منفی میں نہ ہونا۔ موجود ہے۔ یعنی کَانَ مَاكَانَ دیگر مصادر میں یہ بات نہیں اگرچہ ان کا لام کلمہ نون ہی ہو۔ کَوۡنٌ اجوف واوی سے بنا ہے فِیۡ جارہ ظرفیہ کیفیت کے لیے ضَیۡقٍ ایک قرأت میں ضِیۡقٌ ہے بمعنیٰ غمگینی حاصل مصدر جامد۔ بمعنیٰ تنگی۔ دلی رنج یہ عبارت مقلوبی ہے کیونکہ ضَیۡقٍ صفت ہے۔ صفت موصوف میں ہوتی ہے مِّمَّا اس کا اُلٹ مَا موصولہ۔ یَمۡكُرُوۡنَ۔ باب نصر کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مَكۡرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حیلہ سازی۔ تدبیر کرنا۔ خفیہ باتیں ھُمۡ ضمیر مستتر اس کا فاعل جملہ فعلیہ موصول صلہ ہو کر مجرور متعلق دوم ہوا لَاتَكُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيۡنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيۡنَ هُمۡ مُّحۡسِنُوۡنَ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ابتداءِ کلام میں ہے اس لیے ہمزہ کے زیر سے آیا۔ اللّٰهُ اسم مفرد جامد علم ہے ذاتِ باری تعالیٰ کا اسم اعظم ہے۔ بحالتِ فتح ہے اسم اِنَّ ہے۔ مَعَ۔ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے اَلَّذِيۡنَ اسم موصول جمع مذکر۔ اسماءِ مبہمات میں سے ہے مبنی اصل ہوتا ہے اِتَّقَوۡا۔ باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ہے مصدر ہے اِتِّقَاءٌ۔ تَقۡوٰی سے بنا ہے بمعنیٰ ڈرنا۔ بچنا۔ پرہیزگار ہونا۔ متقی ہونا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ ھُمۡ ضمیر مستتر فاعل ہے۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اَلَّذِيۡنَ اسم موصول ھُمۡ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ مُحۡسِنُوۡنَ۔ باب اِفعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ مصدر ہے اِحۡسَانٌ حُسۡنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نیک کام کرنا حسن سلوک کرنا۔ اللّٰہ کے قرب میں آنا۔ ھُمۡ مستتر اس کا فاعل مرجع اَلَّذِيۡنَ ہے۔ بحالتِ رفع ہے خبر مبتدا ہے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف سب عطف مضاف الیہ کا۔ مرکب اضافی خبر اِنَّ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہے ۱۸ جولائی ۱۹۸۴ء ۱۹ شوال ۱۴۰۴ھ بروز بدھ سورہ نحل کی تفسیر نحوی مکمل ہوئی اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنۡ عَاقَبۡتُمۡ فَعَاقِبُوۡا بِمِثۡلِ مَا عُوۡقِبۡتُمۡ بِهٖ ؕ وَلَئِنۡ صَبَرۡتُمۡ لَهُوَ خَيۡرٌ لِّلصّٰبِرِيۡنَ ۔ اے پیارے نبی قانونِ شریعت یہی ہے اور تا قیامت سرکشوں کی سرکشی توڑنے مجرموں کی سرزنش کرتے ظالموں کو ظلم سے مؤثر طریقے پر روکنے اور نافرمانوں کی تادیب کے لیے رخصت یہی ہے کہ اگر مظلوموں کی دادرسی کرتے ہوئے یا اپنے

سابقہ ایذار سانوں سے برائی کا بدلہ اور ظلم کی سزا دینا چاہو تو اتنی ہی سزا دو جس کے برابر تم ظلم کیے گئے ہو۔ اور اگر تم مظلوم ہو۔ داد خواہ ہو صبر کر لو یا اس طرح کہ شکوہ شکایت نہ کرو یا اس طرح کہ ظالم پر قابو پاکر پھر کھلے دل معاف کر دو۔ یا اس طرح کہ مصیبت و ایذا کو جھیل جاؤ یا اس طرح کہ مجرم جب سچے دل سے تائب ہو جائے اور سچوں کے ساتھ لگنے پر دل محبت سے مائل ہو جائے تو تم بھی سزا سے رُک جاؤ پچھلے جرم و ظلم بھلا دو۔ تو البتہ یقیناً یہ صبر اور معافی دنیا و آخرت میں صابروں کے لیے بہت ہی اچھا ہے کہ دنیا میں عزت آخرت میں انعام۔ اور دنیا میں یہ مجرمین تائبین دل و جان سے تمہارے احسان مند ہو کر تا عمر تمہارے قدموں میں اور آخرت میں رب تعالیٰ کی خوشنودی تمہارے دامن میں دنیا میں زمین پر تمہارے اس حُسنِ سلوک سے تمہاری سلطنت آخرت کی جنت میں تمہارے اِن اعمالِ صالحہ سے تمہاری سرداری۔ بدلہ لینا شریعت ہے معاف کرنا طریقت ہے۔ بدلہ لینا رخصت ہے معاف کرنا عزیمت ہے۔ بدلہ لینا اجسام کی حفاظت معاف کرنا ارواح کی زینت۔ وہ بھی جائز یہ بھی جائز وہ بھی قانون یہ بھی قانون کبھی وہ مفید کبھی یہ مفید مگر معاف کرنا اکثر مفید اس لیے پہلے قانون یعنی بدلہ لینے کو حرفِ شرط سے مقید کر دیا تاکید نہیں فرمائی۔ لیکن معاف کرنے کو حرفِ شرط کے ساتھ لامِ مفتوحہ کے ساتھ تاکید بھی فرما دی۔ کہ زیادہ تر معافی اور صبر کو پسند کرو۔ مگر دونوں عمل ہی اخلاقِ حسنہ ہیں اس میں خطاب نبی کریم اور صحابہ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو ہے مگر قانون قیامت تک پوری امت کے لیے ہے۔ موقعہ بموقعہ دونوں پر عمل کا اختیار ہے۔ اخلاقی معیار سے گری ہوئی کوئی بات نہیں۔ صحابہ کرام کے کسی فعل کو اخلاقی معیار سے گرا ہوا سمجھنا انتہائی گستاخی ہے۔ ہمارے ایک اردو مفسر صاحب نے مجرم کو سزا دینے والے اس قانون کو اخلاقی معیار سے گرا ہوا لکھا۔ یہ اُن کی کج روی ہے اللہ ہم سب کو معاف فرمائے۔ کسی بھی قانون پر عمل کرنا بد خلقی نہیں ہوتا۔ چہ جائیکہ صحابہ کرام کے اعمال طیبات۔ عقوبت اور عقاب حقیقی معنیٰ میں برائی پہنچانے کو کہتے ہیں مگر مجازاً برائی کے بدلے یعنی سزا کو بھی عقاب اور عقوبت کہہ دیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اصلی برائی اور قانونی بدی تو ظلم ہے مگر سزا قانوناً تو بری نہیں لیکن مجرم کو بری لگتی ہے اس لیے اسے بھی برائی کا نام دیا گیا گویا مسبَّب کو سبب کا نام دیا گیا۔ زمانۂ کفر میدانِ اُحد میں ہندہ کے حکم اور انعام کی لالچ میں ہندہ کے غلام وحشی نے پہلے غلام تھا جبیر بن۔ طعم کا چھپکر حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر حملہ کر کے شہید کر دیا۔ ہندہ اپنے گھر سے چھری لے کر اسی ارادے سے آئی تھی کہ میں حمزہ کا مُثلہ کروں گی چنانچہ موقعہ پا کر اُس نے آپ کا مُثلہ کیا یعنی دونوں کان۔ ناک۔ اور آلۂ تناسل اور دونوں خصیے اپنے ہاتھ سے کاٹ کر اُن کو رسی میں پرو کر اپنے

گلے میں ہار پہنا ، اور پیٹ چاک کر کے کلیجی نکال کر ایک ٹکڑا چبایا نگلنے کی کوشش کی مگر نہ نگل سکی تھوک دیا۔ گلے میں ہار پہنے سارے میدان کفر میں چکر لگایا نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو پتہ لگا تو انتہائی غم فرمایا اور فرمایا کہ اگر نگل جاتی تو جہنم حرام ہو جاتی۔ (تفسیر مظہری۔ خازن) ایک روایت میں ہے کہ جنگ احد میں اڑسٹھ صحابہ شہید ہوئے چار انصار اور چونسٹھ مہاجرین۔ سب مہاجرین کو کفار نے مثلہ کیا جن میں حضرت حمزہ بھی تھے۔ (مظہری بیان خازن) دوسری روایت ہے کہ صرف حضرت حمزہ کا مثلہ کیا گیا۔ (تفسیر قادری) یہ روایت تین وجوہ سے قوی لگتی ہے۔ ع۱ سید الشہداء صرف آپ کا لقب ہے نہ کہ دیگر شہدا کا۔ اگر سب کی شہادت اور مثلہ برابر ہوتا تو سب کو یہ لقب ملتا۔ ع۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف ان کی میت پر فرمایا میں ان کے بدلے ستر مثلہ کروں گا ع۳ یہ آیت بھی بتا رہی ہے کہ ایک کے بدلے ستر کی قسم سے منع کیا گیا اور برابری یعنی ایک کا ایک بدلہ لینے کی اجازت دی گئی۔ چونسٹھ ہی مثلہ تھے تو ستر اور چونسٹھ تقریباً برابر ہی ہیں یہ تو ہو نہیں سکتا کہ نبی کریم نے صرف اپنے چچا کا غم کر لیا اور قسم فرمادی۔ دوسرے مثلہ شدہ کی پرواہ نہیں کی۔ صحابہ کا یہ کہنا کہ ہم ستر کا مثلہ کریں گے نبی کریم کے تعاون کے لیے تھا۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ ویسے تو اے پیارے نبی آپ کی ہر چیز ہی ہماری خاص عطا ہے مگر آپ کا صبر خاص ہماری توفیق اور عطا سے ہے جو ہمارے ہی حلم لم یزلی کا مظہر ہے لہٰذا آپ تو ضرور ہی اپنے صبر کا مظاہرہ فرمائیں کیونکہ آپ کا صبر بھی احکام الٰہیہ کی تبلیغ اور تا قیامت امت مسلمہ کے لیے نمونۂ حسنہ ہے۔ یہ نہی لازمی ممنوعی نہیں ہے نہ ہی یہ امر وجوبی ہے۔ جیسا کہ بعض حمقا کو دھوکا ہوا۔ اس لیے کہ واصبر میں اور لاتحزن میں حزن اور غم و صبر کا ذکر ہے اور یہ سب چیزیں غم فکر پریشانی حزن ملال صبر۔ محبت قلبی مخزن ہیں اور قلب رب تعالیٰ کے قبضے میں ہے مولیٰ تعالیٰ نے کبھی کسی بندے پر نہ تکلیف مالا یطاق۔ لازم۔ واجب کی اور نہ غیر اختیاری چیز کا مکلف بنایا۔ پس چونکہ صبر غم رنج غیر اختیاری امور سے ہے لہٰذا اس بنا پر اصبر کا امر تو اظہار شان قدرت کے لیے ہے کہ کوئی صبر کرتا ہے مجبوری سے کوئی دباؤ سے کوئی کسی کے ڈر کوئی تنگی اسباب سے کوئی کسی وجہ سے مگر دربار مصطفوی میں تو نہ مجبوری ہے نہ دباؤ نہ کسی ظالم کا ڈر نہ تنگی اسباب نہ انجام سے بے خبری۔ کیونکہ خالق کل نے آپکو مالک کل بنا دیا۔ انجام دنیا و آخرت بھی آپ کے علم و خبر اور قبضے میں ہے اتنی عظمت و قوت کے باوجود صبر کرنا معجزانہ حلم ہی ہے۔ اور اسی طرح لاتحزن کی نہی بھی وجوبی نہیں بلکہ تسلی قلب مصطفیٰ ہے کہ اے نبی الانبیاء ان کفار کی طعنہ بازیوں پر رنج نہ فرمائیے اس لیے کہ سارے جہان کی خوشیاں آپ کے صدقے۔ آپ کے طفیل آپ ہی کے غلاموں کے لیے ہیں اور ان کے مکر و حیلے اور فریب سے اپنے دل مبارک میں غم یا تنگی نہ ہونے دیں۔ یا شہدائے احد کی جدائی اور ان کی وفات پر رنجیدہ نہ ہوں اور کفار مکہ کا اس

کے مُثلہ کرنے سے بیحرمتی کرنے سے دل تنگ نہ ہوں کیونکہ تاقیامت ہر کفر کا بداخلاقی بے اصولی والا نمونہ یہی ہوتا رہے گا۔ شیطان آخر شیطان ہی ہے۔ کفر خواہ کتنے ہی شاندار روپ اور مہذب شکل و صورت میں آجائے اور اپنی تحریر و تقریر میں خواہ اپنی صفائی اپنے اخلاقیات کے کتنے ہی گُن گاتا رہے مگر تاریخ کے ورقوں پر ہر دور میں ہر کفر کا ایک ہی خاکہ ملتا ہے۔ بربریت۔ سرکشی۔ دغابازی۔ مظلوموں پر دست درازی۔ وعدہ خلافی۔ معاہدہ شکنی۔ یہ آیات گویا اسلام و کفر کا اعلیٰ نمونۂ کردار ہے لہٰذا اے حبیب کریم کردارِ کفر کی اس بدتہذیبی بداخلاقی پر دل تنگی نہ فرمایئے نہ وقتی رنجیدگی کے باعث ایسی قسم فرمایئے جس کو آپ جیسی رحمۃ عالمین ذاتِ مقدس نباہ نہ سکے۔ آپ تو اپنے خون کے پیاسوں کو قبائیں اور طائف کے ظالموں کو دعائیں دیتے رہے آپ نے کسی پر کیا ظلم یا ظلم کا بدلہ لینا ہے۔ زہرِ ظلم تو کفر کے بچھوؤں سے ظاہر ہوتا ہے اور رہے گا اور دنیا دیکھتی رہے گی کہ کفر کیا ہے اور اسلام کا رحمانہ سلوک کیا اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ۔ سابقہ آیات میں حسن اخلاقِ حسنہ حُسن کردار۔ مہذب معاشرے کا درس دیا جا رہا ہے۔ اُن کو اختیار کر کے امّتِ مسلمہ کا صرف دنیوی ہی فائدہ نہیں بلکہ دونوں عالم کے آرام و سکون کا باعث ہے۔ کہ دنیا میں تو تاریخ ساز مہذب قوم کے لقب سے یاد کی جانے والا تمغۂ امتیاز کے حصول کا فائدہ اور آخرت میں متقی کا خطاب پانے کا ذریعہ۔ دنیا میں اللہ کی معنوی معیت کا حصول آخرت میں ولایتِ ابدی کا انعام۔ کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے فضل۔ کرم۔ رحمت نصرت۔ لقا و بقا۔ انعام و اکرام کے ذریعے اُن ہی پیارے محبوب بندوں کے ساتھ ہے جو شریعت کے امر و نہی پر کاربند رہکر تازندگی متقی و پرہیزگار بنے رہے اور زندگی کی ایک آن بھی غفلت میں نہ گزرے اس طرح کہ اگر جاگتے شریعت ہے تو سوتے ہوئے طریقت اگر کھاتے پیتے۔ شریعت ہے تو بھوک پیاس میں طریقت کی جلوہ گری ہو۔ اگر خوشی میں شریعت ہے تو غمی میں طریقت کے آنسو ہوں۔ نہ اِدھر سرکشی نہ اُدھر غفلتی نہ اِدھر ہوس حرص نہ اُدھر فاقہ کشی۔ نہ اِدھر خرمستی نہ اُدھر واویلا۔ جب تقوے کی یہ شانِ خلوص ہو تو بندہ احسان والوں میں شامل ہوتا ہے۔ کہ عمل بندے کا ہوتا ہے حکم رب کا ہوتا ہے طریقہ مصطفیٰ کا ہوتا ہے۔ جب متقی صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِىْ ... اُصَلِّىْ کا مظہرِ اتم بن کر اسی طرح عمل کرے جیسا اُس عمل کا حق ہے تو تب فرمانِ نبی آتا ہے کہ اے بندے اب گمان کر کہ تو رب کو دیکھ رہا ہے اور رب تعالیٰ تجھ کو دیکھتا ہے یہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے۔ اور احسان کا پہلا درجہ یہ ہے کہ بندہ ہر آن یقین کرے رب تعالیٰ مجھ کو دیکھ رہا ہے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ کائناتِ عالم میں اسلام نے ہی ایسا قانونِ اخلاق پیش کیا ہے جس میں نہ افراط ہے نہ تفریط ہر مزاج کی تشفی کے لیے پورے سامان مہیا ہیں اس لیے دین اسلام پر ہی ہر قوم ہر دور میں آسانی سے عمل کر سکتی ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ کفار کسی نسل کسی ملک کسی قسم کے کسی زمانے کے ہوں اِن کی فطرت میں شرارت بغاوت، اور ظلم عہد شکنی بھری ہوتی ہے اس لیے مسلمانوں کو خاص کر مسلمان حکمران و سلاطین کو کبھی ان کے دھوکے میں نہیں آنا چاہیئے۔ یہ فائدہ یمکرون کی تفسیر سے حاصل ہوا تاریخ عالم میں جس دور میں بھی کافروں کی یلغار اور قبضہ ہوا ہے اُس کی بیّن وجہ یہی ہوتی رہی کہ مسلمان سلاطین اُن کی عہد سازی اور عہد شکنی کا شکار ہوتے رہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ مسلمان کے لیے صبر او توکل علی اللہ بہترین سرمایۂ حیات ہے بےصبرا آدمی اپنا ہر طرح نقصان ہی کرتا ہے صبر والا اپنے سوچنے سمجھنے کی قوت کو جمع کر کے کچھ راہِ نجات نکال لیتا ہے۔ بے صبری سے تو عقل بھی مفلوج ہو کر رہ جاتی ہے

احکامُ القرآن

اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر مجرم کو بقدرِ جرم سزا دینی چاہیئے زیادہ تو ہرگز جائز نہیں بعض وقت کم سزا بھی نقصان دہ ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ بمثلِ ما کی اضافتِ شرعیہ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ معافی اور درگزر اچھی عادت ہے لیکن صرف اپنے مجرم کو۔ دینی۔ قومی۔ اخلاقی۔ قانونی مجرم کو معاف کرنا جرم اور گناہ شرعی ہے۔ یہ مسئلہ عُوقبتُم کی قید سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ قسم اُٹھانا یعنی منعقد کرنا ہر وقت ہر ضرورت پر جائز ہے لیکن اگر احد میں پوری کرنے کا ارادہ ہو جائے تو کفارہ دے دینے میں کوئی حرج نہیں یہ مسئلہ اِن آیات کے شانِ نزول سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ شریعتِ اسلامیہ میں مُردے (فوت شدہ) کا مثلہ کرنا حرام تو زندہ کا مُثلہ زیادہ حرام ہے خواہ خود اپنا مثلہ کرے یا کوئی جبراً ظلماً کرے لہٰذا۔ زنخا بننے کے لیے آلۂ تناسل کٹانا یا داڑھی منڈانا۔ یا عورتوں کی چوٹی کٹانا سب مثلے میں شامل ہے اسی طرح چونا۔ راکھ دھول یا ڈرل کرا اپنا چہرہ بگاڑنا بھی مجازاً مُثلہ کی مثل ہے۔ یہ مسئلہ بھی شانِ نزول سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں آیت میں ارشاد ہوا بمثلِ ما۔ یعنی بالکل اسی کی مثل سزا دو بدلہ لو جس قسم کی تم کو ایذا پہنچی اگر مراد مکی زندگی میں کفارِ مکہ کی ایذا رسانی ہے جیسا کہ تفسیر میں ایک قول درج ہوا۔ تو وہ حیلے فریب زبانِ طعن گالی گلوچ۔ اور گستاخیاں تھیں۔ کیا اِس کی مسلمانوں کو اجازت ملی کہ تم بھی موقع ملنے پر گلی محلوں سڑکوں پر کھڑے ہو کر گالیاں دو۔ یہ تو اسلامی اخلاق و تہذیب سے بعید ہے اور اگر مراد میدانِ اُحد کے شہدا کا بدلہ لینا ہے تو محض قتل کا بدلہ تو نہیں ہو سکتا کیونکہ جنگوں میں آخر دو طرف قتل ہوتے ہی ہیں

رہا مسئلہ تو شریعت میں بالکل حرام۔ نبی کریم یا صحابہ کو اس کی اجازت کیوں دی گئی۔

جواب۔ معترض کا اپنے اعتراض میں بالکل اسی کی قید اور ذکر مفہوم آیت کے خلاف ہے۔ یہاں بالکل مثلیت مراد نہیں نہ نوعی نہ صنفی مثلیت بلکہ صرف جنسی اور فردی عددی مثلیت مراد جو پہلی صورت میں شہر بدری ہو سکتی ہے کہ جس طرح تم کو انہوں نے مکہ سے نکال دیا تم کو بھی موقعہ ملے تو ان کے اتنے ہی افراد نکال دینا۔ اور دوسری صورت میں صرف قتل کا بدلہ قتل ہے نہ کہ مثلے کا بدلہ۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں آیت کریمہ میں فرمایا گیا۔ فِیْ ضَیْقٍ۔ نحوی قاعدے سے یہ درست نہیں۔ کیونکہ ضیق بمعنی غمگینی یا ضیق بمعنی تنگی صفت ہے اور صفت موصوف کے اندر ہوتی ہے نہ کہ موصوف صفت کے اندر۔ یہاں یہی معنی بنتا ہے کہ آپ تو موصوف ضیق ہیں۔ **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر نحوی میں اشارۃً بتا دیا گیا یہاں وضاحۃً اس طرح سمجھ لو کہ یہ عبارت مقلوبی ہے۔ اور مقلوبی کرنے کا فائدہ شدت اور کثرت بیان کرنا ہے۔ اس لیے کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ صفت موصوف کے اندر ہوتی ہے نہ کہ برعکس۔ مگر جب صفت زیادہ ہو جاتی ہے تو سارے موصوف پر مثل لباس جاری وساری وطاری ہو جاتی ہے۔ اور موصوف ظاہراً و باطناً اس میں گھر جاتا ہے۔ جیسے خوف یا سردی کی کپکپاہٹ۔ یا بیماری کی زردی اور کمزوری۔ یہی حال تنگی دل اور غم کا ہے۔ کہ اس سے پورا قلب وقالب متاثر ہوتا ہے اسی کو ظاہر کرنے کے لیے مقلوبی عبارت ارشاد ہوئی۔

تیسرا اعتراض۔ عقاب تو برائی پہنچانے کو کہتے ہیں اور برائی ہر وقت ظلم ہے اور ظلم تھوڑا بھی برا ہے تو یہاں اجازت کیوں دی گئی۔ **جواب**۔ اس کا جواب مختصراً تفسیر عالمانہ میں دیا گیا کہ مسبب کا نام سبب کو دیا گیا۔ مگر اتنا اور سمجھ لو کہ ہر تکلیف جنسی ماہیت کے اعتبار سے بری ہی ہے۔ مگر ہر برائی ظلم نہیں وہی برائی ظلم ہے جو مذموم قبیح یا سیئہ ہو جس کی نوعیت سرکشی غداری عہد شکنی یا ابتدائی خلاف قانون ایذا رسانی ہے لیکن قانون وضابطے کے اندر ایذا رسانی ظلم نہیں عین مصلحت ہے۔ حیات انسانی کی عظمت کے لیے ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ ۚ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ راستہ ایک ہی ہے جس پر چل کر منزل تک پہنچنا ہے اور طلب کی منزل بھی ایک ہی ہے۔ مگر چلنے والے سالکین تین قسم کے ۱ صاحب عقل وخرد۔ ۲ صاحب لائق وعظ و نصیحت ۳ صاحب جدل و خصومت طبیعت انسانی بھی تین قسم کی۔ بعض عقوبت کے لائق بعض سہولت کے طالب اور بعض معافی کے خواستگار اے پیشواء امت بننے والو۔ تمہاری روش تعلیم مصطفیٰ کے مطابق ہونی چاہیئے کہ صاحب عقل سے حکمت کی باتیں کرو لائق نصیحت سے

درگزر اور صبر سے کام لو۔ جدل و خصومت والوں سے عتاب و عقاب کا معاملہ کر سکتے ہو مگر برابر کے برابر زیادتی شانِ پیشوائی کے لائق نہیں یہ برابری کا معاملہ بھی درستیِ احوال کے لیے قدرے ضروری ہے ورنہ صبر تو راہِ سلوک کے مسافر کے لیے بہت ہی مفید اور بھلا ہے۔ کیونکہ اس میں نفس پر جبر و قہر ہے اور یہی مقاماتِ سُفلیٰ سے درجاتِ عُلیا کی طرف ترقی کا ذریعہ ہے۔ وادیِ حیرت میں ہر ذات کے ساتھ دو ساتھی لازم ہیں ایک استحکامِ شریعت کا اقتضا۔ دوم سلوکِ طریقت بصیرت۔ عقل مست رہے قلب جاگنے والا ہشیار ہو مزاجِ دماغی کو صبر کے چلے وظیفے میں مشغول رکھو اور قوتِ جہالت و غفلت کو اُن کے کردار کے مطابق عقاب دیتے رہو۔ تاکہ نہ مزاجِ عنصری سستی ہو نہ جہالت میں پختگی۔ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُ فِي ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُونَ۔ اس عالمِ ناسوت میں ہر وقت ہزاروں مسافر بنتے ہیں اور ہزاروں ہی مقیم۔ ہر مسافر کی پانچ چیزیں۔ ترکِ[1] وطن۔ اختیارِ[2] بے وطنی۔ زادِ[3] سفر۔ بستی[4] نکلنا ویرانہ میں جانا۔ آرام[5] سے دوری۔ تکلیفات سے قربی۔ اسی طرح منزلِ شوق کے لیے صبر کا زادِ راہ عفو کی تکلیفاتِ قلبی۔ حلم کی بے وطنی۔ اور انشراحِ دماغ کا ویرانہ۔ اور تقوے کا ترکِ وطن ضروری۔ دنیا کے مسافر اِن حالاتِ خمسہ پر غم نہیں کرتے نہ بددل ہوتے ہیں تو مسافرِ طریقت اور سالکِ معرفت کو بھی یہی حکم ہے کہ غم نہ کر اور نہ اس کٹھن وادی کے مکر و مکروہات پر دل تنگی کر۔ بلکہ خوش قسمتی پر ناز کر۔ کہ تیرا زادِ سفر یعنی سامانِ مسافرت۔ اللہ کی طرف سے عطیۂ خسروانہ ہے۔ اِس صبر باللہ کی حفاظت کر۔ یہ قیمتی ہیرا اور موتی جو ہمہ وقت تیرا ہمدم و مشکل کُشا ساتھی ہے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ صبر کی پانچ قسمیں ہیں۔

ع ۱ صبر للّٰہ ع ۲ صبر فی اللہ ع ۳ صبر مع اللہ ع ۴ صبر عن اللہ ع ۵ صبر باللہ۔ صبر للّٰہ یہ پہلا درجہ ہے اس کا امرِ معروف ایمان اور اسلام ہے اور نہی جزع فزع (شکوہ شکایت) سے بچنا۔ صبر فی اللہ راہِ سلوکِ حق میں ثابت قدمی۔ اور مجاہدۂ نفس ہے۔ صبر مع اللہ قُربِ حضوری اور حجابات کی دوری۔ صبر عن اللہ۔ طورِ تجلیات کا مشاہدۂ انوارِ جلال و جمال کی رویتِ ذوق و شوق۔ ناریات سے مستوری۔ یہ چار قسمیں تو کسباً بھی میسر ہوتی ہیں مگر صبر کا آخری درجہ نہ کسبی ہے نہ سب کو حصول۔ محض عطاءِ الٰہی جو خاص محبوبوں کو صدقۂ محبوب ملتا ہے۔ صبر باللہ۔ مقامِ استقامت اِس کی حقیقت سے خودی قاصر ہے۔ یہاں نہ انا ہے نہ فنا نہ مشاہدہ نہ مقاطعہ بس اتنا ہی ہے کہ آنانکہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ وہاں تو۔ فَأَوْحَىٰ إِلَىٰ عَبْدِهِ مَا أَوْحَىٰ کی ہی بازگشت صدائیں ہیں۔ کس نحلِ ناسوتی کی ہمت ہے جو اُس وحی کو سن سکے اور کس نحل کی جرأت ہے جو اُن راستوں پر اُڑ سکے۔ یہی وہ مقامِ عُلیا ہے جہاں بقا پر صبر کا حکم وَاصْبِرْ ہے اور فنا پر نہی لَا تَحْزَنْ ہے۔ اسی امر و نہی میں بندے کا کمال ہے۔ کیونکہ۔ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِينَ اتَّقَوا وَّالَّذِينَ هُم مُّحْسِنُونَ۔

بیشک اللہ تعالیٰ اُن نفوسِ مُقدّسہ کو اپنے بردۂ جمال میں گھیرے ہوئے ہے جو ہر ماسوا اللہ سے پرہیز کرنے والے ہیں۔ اِن ہی اَرواحِ معطرہ کو یہ مقامِ بلند حاصل ہے جو کثرت میں رہکر بھی وحدت کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ اسی طرف اشارہ ہے حدیث منورہ کا کہ اے بندے تو ایسی عبادت کر گویا تو خدا تعالیٰ کو دیکھ رہا ہے یہی احسانِ عبدیت ہے۔ عارفِ کامل کا رجوع و توبہ اُس کا تقویٰ ہے اور سیرِ ملکوت۔ و احوال و مقامات کا سلوک اُس کا اِحسان ہے۔ اِحسان کی زندگی معیتِ الٰہیہ کی زندگی ہے۔ بندہ خدا کے ساتھ ہو تو عشق ہے اور یہ ہلاکت و فنا ہے۔ یعنی بندہ فانی فی اللہ ہے۔ اور اگر خدا تعالیٰ بندے کے ساتھ ہو تو محبت اور بقا ہے۔ اور بندہ باقی باللہ ہے۔ اے اللہ مجھ کو بھی خزائنِ عرفانی سے کچھ عطا فرما۔ آمین یا ربّ العالمین بجاہِ حبیب رحمۃ اللعالمین۔

سورۃِ نحل کے چند عملیات

جو شخص مجبور مظلوم اور دشمنوں میں گھرا ہو اُس کے لیے عاملین مشائخ کرام فرماتے ہیں کہ وہ خود یا چند قاری حافظ اچھے تلفظ سے ایک ہی محفل میں اِس سورۃ کو ایک سَو آٹھ دفعہ پڑھیں۔ یا کسی عامل سے اس سورۃ کا تعویذ بنوا کر بحفاظت اپنے پاس رکھے تو دشمن اور ظالم مطیع یا پریشان ذلیل و خوار و ہلاک ہو۔ اگر اکیلا پڑھے اور ایک محفل میں نہ پڑھ سکے تو تین دن ایک وقت پڑھ سکتا ہے۔ اور ہر دفعہ پڑھنے کا طریقہ یہ ہوگا کہ اوّل آخر درود تاج ایک دفعہ اور درمیان میں سورۃ تعدادِ معیّنہ سے ہر دفعہ بسم اللہ شریف کے ساتھ پڑھے۔ آج ۱۷ شعبان بروز جمعرات بعد نمازِ ظہر مسجد نیوکیسل برطانیہ ۱۴۰۷ھ تین بجے دوپہر۔ ۱۹۸۷-۴-۱۶ تفسیر نعیمی پارہ ۱۴ مکمل تصنیف ہوا۔

نقشۂ تعویذ یہ ہے ۷۸۶

۱۷۳۳۹۹	۱۷۳۳۹۲	۱۷۳۳۹۷
۱۷۳۳۹۴	۱۷۳۳۹۶	۱۷۳۳۹۸
۱۷۳۳۹۵	۱۷۳۴۰۰	۱۷۳۳۹۳

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ چودھواں ۱۴ (رُبَمَا)

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار		صفحہ
۱	رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا از آیت ۲ تا آیت ۶ تا اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ۔	۳	۱۱	لفظ شیعہ کا لغوی معنیٰ۔	۱۶
۲	سین اور سوف میں فرق۔	۵	۱۲	سنت کا لغوی معنیٰ۔	۱۷
۳	حروف نفی مَا۔ لَا۔ لَنْ۔ لَمْ کا فرق۔	۶	۱۳	نبوت کی تصدیق کے لیے فرشتے نہ آنے کی وجہ۔	″
۴	کفار کس کس وقت تمنا ایمان کریں گے۔	۷	۱۴	قرآن مجید کی تا قیامت حفاظت فرمانے کی وجہ۔	۱۸
۵	جمع کا صیغہ اظہار طاقت کے لیے بھی آ سکتا ہے۔	۸	۱۵	کفار نے صرف فرشتوں کے آنے کا مطالبہ کیوں کیا۔	۱۹
۶	مَا اَهْلَكْنَا۔ فرما کر آٹھ چیزوں کی وضاحت فرمائی گئی۔	۹	۱۶	موت کو بے وقت یا ظالم کہنا حرام ہے۔	۲۰
۷	اسلام سے علیحدہ ہو کر انسان میں پانچ بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔	″	۱۷	ذکر چھ قسم کے ہیں۔	۲۱
۸	کفار تو بہت دفعہ مسلمان ہونے کی تمنا کرتے ہیں مگر کوئی مسلمان کافر ہونے کی تمنا نہیں کرتا۔	۱۰	۱۸	وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا تا شَیْءٍ مَّوْزُوْنٍ از آیت ۱۴ تا آیت ۱۹	۲۲
۹	کفار و مومنین کے احکام میں فرق۔	″	۱۹	سُکِّرَ کے لغوی معنیٰ۔	۲۴
۱۰	لَوْمَا تَاْتِیْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ از آیت ۷ تا سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ ۱۳	۱۲	۲۰	مُدّ کے لغوی معنیٰ۔	۲۵
			۲۱	شَیْءٍ کا لغوی ترجمہ۔	۲۶
			۲۲	آسمانی برجوں کی تعداد اور ناموں کا بیان۔	۲۷
			۲۳	شیاطین اور جنات کو آسمانوں پر جانے سے کب روکا گیا۔	۲۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴	شہاب ثاقب کا بیان۔	۲۹
۲۵	زمین ساکن ہے اور اس کی پیدائش کا بیان	〃
۲۶	دینی کتب اور قرآن مجید کی بوری بھی حرام ہے۔	۳۰
۲۷	جسم انسانی کے صوفیانہ بارہ برج۔	۳۳
۲۸	خرق عادت کی چھ قسمیں۔	۳۴
۲۹	وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ تا عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ از آیت تا آیت	۳۵
۳۰	جمع منتهی الجموع کی پہچان۔	۳۷
۳۱	معیش کا حقیقی معنیٰ۔	۳۹
۳۲	سمت کے اعتبار سے ہواؤں کی قسمیں۔	۴۰
۳۳	وارث ہونے کی شرطیں۔	۴۱
۳۴	تفسیر ابن عباس میں اسرائیلیات شامل کر دی گئی ہیں۔	〃
۳۵	اعلیٰحضرت کے ترجمہ کی شان اور خوبی۔	۴۲
۳۶	نماز میں اول وقت مقررہ پہنچنا اور پہلی صف افضل ہے	〃
۳۷	معدوم کو حقیقتاً شیٔ نہیں کہا جا سکتا۔	۴۳
۳۸	وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ تا صَمَمٍ السّٰجِدِينَ از آیت تا آیت	۴۴
۳۹	عربی لغت میں حرف قد کی قسمیں۔	۴۶
۴۰	ملائکہ کی تعداد تمام مخلوق سے گیارہ گنا زیادہ ہے۔	۴۷

نمبر شمار		صفحہ
۴۱	قیامت کے پانچ نام ہیں	۴۹
۴۲	انسانی پیدائش کی ابتداء	۵۰
۴۳	تمام مخلوق میں جسم اور روح ہے روح کے چھ اور جسم کے چار عناصر ہیں۔	۵۱
۴۴	حضرت مسیح کی زندگی کی قرآنی دلیل۔	۵۲
۴۵	جسم انسانیت میں اٹھارہ خزانے ہیں۔	۵۴
۴۶	تین چیزوں میں عقل و فہم ودیعت امانت رکھی گئی	۵۶
۴۷	روح کی دو قوتیں تین بھید ہیں۔	۵۷
۴۸	قَالَ يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ تا مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ از آیت تا آیت	۵۸
۴۹	ابلیس کو کلیم اللہ نہیں کہا جا سکتا۔	۶۲
۵۰	انسان نار بھی ہے اور نور بھی	〃
۵۱	کتنے شخصوں کو قبل قیامت زندگی ملی۔	۶۴
۵۲	انسانوں کے ایمانی دشمن کون ہیں۔	۶۵
۵۳	قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ تا بِمُخْرَجِينَ از آیت تا آیت	۶۸
۵۴	جہنم کے اوپر نیچے سات طبقے اور سات دروازے ہیں کونسا کافر کس جہنم میں ہوگا	۷۳ 〃
۵۵	جنت میں چار خوشخبریاں سنائی جائیں گی	۷۴
۵۶	جنتی اجسام مومنین میں چار عضو نہیں ہوں گے	〃
۵۷	معصوم کی تعریف۔	۷۵
۵۸	کافر ہمیشہ جہنم میں رہے گا اور قادیانی عقیدہ باطل ہے۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹	سو نیانہ جہنم کے بھی سات دروازے ہیں	۷۶
٦٠	باطنی اعضا اور ان کے عمل۔	۷۷
٦١	نَبِّئْ عِبَادِیْ تا فَبِمَ تُبَشِّرُوْنَ از آیت ۴۹	
٦٢	تا آیت ۵۴	//
٦٣	اسم جنسی جمع نہیں ہو سکتا۔	۸٠
٦۴	بندے سات قسم کے ہیں۔	۸۱
٦۵	ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کی تعداد۔	۸۲
٦٦	کامل ایمان کی تعریف۔	۸۳
٦۷	عقیدے کے دو بازو۔	۸۵
٦۸	قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ تا مِنَ الْغٰبِرِیْنَ از آیت ۵۵ تا آیت ٦٠	۸٦
٦۹	الف لام کی آٹھ قسمیں ہیں۔	۸۸
۷٠	اجسام انبیا علیہم السلام مظہر قدرت الٰہی ہوتے ہیں۔	۹٠
۷۱	اصل اہل بیت بیوی ہوتی ہے	۹۱
۷۲	حضرت لوط کی بیوی۔ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہو سکتی۔	//
۷۳	حضرت لوط حضرت ابراہیم کے بھتیجے ہیں	۹۲
۷۴	ہلاکت قوم لوط کے وقت حضرت لوط اور حضرت ابراہیم کی عمریں۔	//
۷۵	آل کا معنی صرف اولاد نہیں۔ شیعوں کا قول غلط ہے۔	//

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار
۷٦	جلوس نکالنا اظہار عظمت و شان کے لیے ہوتا ہے۔	۹۳
۷۷	فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ تا مُصْبِحِیْنَ از آیت ٦١ تا آیت ٦٦	۹۵
۷۸	حرف لمّا کا استعمال عربی میں تین طرح ہوتا ہے	۹۷
۷۹	لفظ لوط کے لغوی ترجمے۔	
۸٠	مفرد تین قسم کا ہوتا ہے۔	۹۹
۸۱	وادی نیل اور وادی سدوم کا فاصلہ۔	۱٠٠
۸۲	لواطت مثل زنا کے نہیں ہے۔	//
۸۳	فرشتوں کا لڑکوں کی شکل میں آنے کا مقصد کیا تھا۔	۱٠۲
۸۴	جہاں کوئی بزرگ مومن ہو یا مزار ہو وہاں عذاب نہیں آتا۔	//
۸۵	رجال الغیب کے متعلق ایک قول	۱٠۵
۸٦	وَجَآءَ اَهْلُ الْمَدِیْنَةِ تا لِلْمُتَوَسِّمِیْنَ از آیت ٦٧ تا آیت ۷۵۔	۱٠۵
۸۷	حرف لام کی تین حالتیں ہیں	۱٠۸
۸۸	کسی کو نہ پہچاننا۔ علم غیب کی نفی نہیں۔	۱۱٠
۸۹	حضرت لوط علیہ السلام کی دو بیٹیاں تھیں اور اس کی حکمت۔	۱۱۱
۹٠	غیر اللہ کی قسم بولنا مسلمانوں کو حرام ہے۔	۱۱۲
۹۱	قوم لوط کے تین جرم تھے اس لیے ان پر تین قسم کا عذاب آیا۔	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۹۲	مہمان کی عزت سے میزبان کی عزت ہے	۱۱۳
۹۳	ناواقفی میں کوئی بات خلافِ حقیقت کہہ دینا جھوٹ کے درجہ میں نہیں۔	//
۹۴	قومِ لوط (قوم سدوم) پر تین عذاب ۱ چیخ ۲ زلزلہ ۳ پتھراؤ آئے۔	//
۹۵	لواطت میں تعزیری سزا ہے نہ کہ حدِ شرعی	//
۹۶	وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ تا مَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۔ از آیت ۷۶ تا آیت ۸۴	۱۱۵
۹۷	لفظ ایکہ کا لغوی ترجمہ۔	۱۱۸
۹۸	بیت کا معنیٰ۔	۱۱۹
۹۹	اعلیٰحضرت کے ترجمے کی شان۔	۱۲۰
۱۰۰	حضرت لوط اور حضرت شعیب دوسری قوم کی طرف معبوث ہوئے تھے۔	۱۲۱
۱۰۱	قوم لوط کا نام عمالقہ اور قوم شعیب کا نام مدین بنی اسرائیل تھا۔	//
۱۰۲	قوم ایکہ اور قوم مدین کے جرائم۔	//
۱۰۳	ایک نبی کا انکار سب کا ہی انکار ہے۔	//
۱۰۴	صالح علیہ السلام کی اونٹنی میں قدرت کی پانچ نشانیاں تھیں۔	۱۲۲
۱۰۵	پہاڑی غاروں کی خصوصیات۔	//
۱۰۶	عذاب الٰہی سے بڑے بڑے پہاڑ اور قلعہ نہیں بچا سکتے بلکہ نبی کا ہلکا سا دامن بچا لیتا ہے۔	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۷	ابنِ بطوطہ کا سفر آٹھویں صدی ہجری میں ہوا اور انہوں نے قومِ حجر کی بستی کو دیکھا۔	۱۲۲
۱۰۸	دنیا میں ابتدا سے ابتک صرف سات قوموں پر آسمانی عذاب اور ہلاکت آئی۔	//
۱۰۹	بزرگانِ دین کے تبرکات فیض رساں ہیں ان کی حفاظت مسلمانوں کا فرض ہے۔	۱۲۳
۱۱۰	نمازِ تہجد اور نمازِ فجر کی پابندی دافعِ عذاب ہے۔ یہ وقت عذاب کا ہوتا ہے۔	۱۲۴
۱۱۱	وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ تا اَنَا النَّذِيْرُ الْمُبِيْنُ ۔ (از آیت ۸۵ تا آیت ۸۹)	۱۲۵
۱۱۲	لفظ بین کے چھ فائدے۔	۱۲۷
۱۱۳	نون ثقیلہ سے حکم کا وجوب اور نون خفیفہ سے جواز ثابت ہوتا ہے۔	۱۲۹
۱۱۴	سبع مثانی کے متعلق مختلف اقوال۔	
۱۱۵	سورۂ فاتحہ کو آٹھ وجہ سے سبع مثانی کہا گیا ہے۔ سورۂ فاتحہ کے سات نام۔	۱۳۱
۱۱۶	پورے قرآن کریم کو سبع مثانی کہنے کی وجوہ۔	۱۳۲
۱۱۷	قرآن کریم میں سات قسم کے مضامین ہیں۔	//
۱۱۸	قرآن پاک کی بڑی سات سورتوں کے نام	//
۱۱۹	قرآن مجید کی طرف پیٹھ اور پاؤں کرنے	۱۳۳
۱۲۰	حرام ہیں۔	
۱۲۱	سورۂ فاتحہ کے سات حروف۔	۱۳۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۲	قلبِ انسانی ہی اللہ تعالیٰ کا پیغامبرِ صداقت ہے۔	۱۳۵
۱۲۳	مومنین مشاہداتِ غیوب کے لیے نشانِ قدرت جمال ہیں۔	۱۳۶
۱۲۴	دنیا زحمت ہے دینِ الٰہی رحمت ہے	〃
۱۲۵	انسان رب تعالیٰ کی قدرتوں قانونوں اور صفات کا مظہر ہے باقی مخلوق انسان کی وجہ سے۔	۱۳۷
۱۲۶	اللہ تعالیٰ کی سات صفات انسانوں کو ملیں	۱۳۸
۱۲۷	صوفیا کے نزدیک مومن سبعِ مثانی ہے۔	〃
۱۲۸	كَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ تا حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ۔ از آیت ۹۰ تا ۹۹۔	۱۳۹
۱۲۹	مکہ مکرمہ کے پانچ سرداران کفر سخت گستاخ تھے اُن خبیثوں کے نام۔	۱۴۰
۱۳۰	آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بددعا کا اثر۔	۱۴۱
۱۳۱	کفارِ مکہ کتنے طریقوں سے لوگوں کو اسلام سے روکا کرتے تھے۔	۱۴۴
۱۳۲	دنیا میں چار قسم کے کفر ہوتے رہیں۔	〃
۱۳۳	مکہ مکرمہ میں گستاخانِ نبوت کا سرغنہ ولید بن مغیرہ لیکن سب سے بڑا گستاخ اسود بن مطلب بن حارث نجدی تھا۔	۱۴۵
۱۳۴	سزائے بددعائی کا واقعہ۔	۱۴۵
۱۳۵	سجدہ معراجِ مومن ہے اس لیے نماز میں کثرتِ سجود ہے۔	۱۴۶
۱۳۶	سجدے کے فضائل۔ رب تعالیٰ کے چار حکم۔	〃
	گستاخانِ رسول کا بدلہ لینا سنتِ الٰہیہ ہے	۱۴۷
۱۳۷	کامل عبادت کی پہچان۔	〃
۱۳۸	عشقِ الٰہیہ کی تین صوفیانہ نشانیاں۔	۱۴۸
۱۳۹	رب تعالیٰ نے بندوں کو چار چیزیں بدنی بھی عطا فرمائیں۔	۱۴۹
۱۴۰	بندۂ عارف کی چار منزلیں ہیں۔	〃
۱۴۱	یقین کے پانچ درجے ہیں۔	۱۵۰
۱۴۲	سورۂ حجر کے کچھ فضائل و وظائف اور تعویذ	〃
۱۴۳	سورۂ حجر کے چھ رکوع کی مختصر تفسیر اور خلاصہ	〃
۱۴۴	سورۂ نحل ع ۱۶ شروع تفسیر۔	۱۵۷
۱۴۵	اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ تا خَصِيْمٌ مُّبِيْنٌ۔ از آیت ۱ تا آیت ۴	۱۵۸
۱۴۶	سورۂ نحل کی لغوی وضاحت اور تشریح۔	۱۵۹
۱۴۷	باب مفاعلہ میں مبالغے کا فائدہ۔	۱۶۰
	متعدی بیک مفعول اور بدو مفعول کی پہچان	۱۶۲
۱۴۸	حضرت جبریل سردار ملائکہ ہیں۔	۱۶۳
۱۴۹	قرآنِ مجید سے تعلق زندگی ہے اور بے تعلقی موت ہے۔	〃
۱۵۰	قرآنِ پاک میں چار چیزوں کو روح فرمایا گیا ہے۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۱	تین سو تین فرشتوں کے جلوس کے ساتھ نازل ہوئیں۔	۱۶۳
۱۵۲	انبیاء کرام اور ملائکہ کے معصوم ہونے کی وجہ	〃
۱۵۳	کبھی کسی نبی اللہ یا ولی اللہ کی پرستش نہ ہوئی	۱۶۴
۱۵۴	رب تعالیٰ کے معبود ہونے کی چار دلیلیں۔	〃
۱۵۵	ہر مسلمان عالم پر تبلیغ اسلام فرض ہے مگر جاہل پر تبلیغ حرام ہے۔	〃
۱۵۶	انسان میں تمام حیوانات کی صفات موجود ہیں	۱۶۷
۱۵۷	مومن کی گیارہ صفات ہیں	〃
۱۵۸	مومن کی بددعا سے ہر شخص کو بچنا چاہیے	
۱۵۹	معلوماتِ انسانی اور حیوانی میں فرق۔	
۱۶۰	وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ تا لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ از آیت ۵ تا آیت ۹	۱۶۷
۱۶۱	تمام حیوانات انسان کے نفع کے لیے پیدا فرمائے گئے۔	۱۶۸
۱۶۲	اونٹ کو چار وجہ سے نعم کہا جاتا ہے۔	〃
۱۶۳	انعام سے مراد چار قسم کے جانور ہیں۔	〃
۱۶۴	جانوروں میں انسان کے لیے بارہ فائدے پیدا کیے گئے۔	〃
۱۶۵	خون کی تجارت جائز ہے۔	۱۷۳
۱۶۶	حیوانی جسم سے بہت چیزیں بنتی ہیں۔	〃
۱۶۷	مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کا اشارہ کس طرف ہے	۱۷۴
۱۶۸	گھوڑے اور خچر کا کھانا اور گوشت پکانا حرام ہے اس کے قرآن مجید سے دلائل	〃
۱۶۹	جانوروں کی ذاتی کوئی فضیلت و شرافت نہیں اس لیے اس کی پوجا اور تعظیم شرک و حرام ہے	۱۷۵
۱۷۰	احراری جماعت گاندھی کی بکری کی تعظیم کرتے تھے۔	〃
۱۷۱	گھوڑے کی حرمت قرآن مجید کی اس آیت سے ثابت ہے جن ائمہ نے گھوڑے کو حلال مانا ہے وہ غلطی پر ہیں	〃
۱۷۲	انسانی تدابیر۔ خواہشات۔ تخیلات۔ تصورات۔ نیل و لغال و نمیر کی شکل ہیں۔	۱۷۷
۱۷۳	معرفت کی جہاد کیا ہے۔	〃
۱۷۴	هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ تا لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ از آیت ۱۰ تا آیت ۱۳	۱۷۷
۱۷۵	ایک ایک پودے میں انسانوں کے لیے بیسیوں فائدے ہیں۔	۱۸۲
۱۷۶	انسانی حیوانی زندگی کے لیے پانی کے فائدے	〃
۱۷۷	زیتون میں ستر فائدے ہیں۔	〃
۱۷۸	اہل عقل سے مراد اہل ایمان ہیں نہ کہ دنیوی سائنسدان۔	۱۸۳
۱۷۹	مومن و کافر کی مثال۔	۱۸۴
۱۸۰	نباتات میں کھیت سب سے افضل ہیں باغات سے بھی زیادہ مفید ہیں۔	۱۸۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸۱	صوفیا کے نزدیک چاند سورج اور آسمان کون ہے۔	۱۸۶
۱۸۲	قلب مومن کے لیے پانچ صفیں ہیں۔ ہر صف میں قلب کی شان نرالی ہے۔	۱۸۷
۱۸۳	وَهُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ تا لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ از آیت ۱۴ تا آیت ۱۸	۱۸۸
۱۸۴	زمین بالکل ساکن ہے۔ اسی لیے اس پر رہائش ممکن ہے۔	۱۸۹
۱۸۵	آسمانی زمینی اور دریائی علوم مسلمانوں کو حاصل کرنا ضروری ہے	//
۱۸۶	اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے سب سے پہلے نوح علیہ السلام نے آبدوز کشتی (بحری جہاز) بنایا۔	۱۹۳
۱۸۷	لَحْمًا طَرِیًّا کا لغوی معنیٰ۔ مچھلی کو لحم کہنا مجازاً ہے حقیقتاً یہ گوشت اور لحم نہیں۔	//
۱۸۸	سب سے زیادہ ایجادات مسلمانوں نے کیں۔	//
۱۸۹	زمین ایک منجمد ساگن (ٹھیرا ہوا) کرّہ ہے	۱۹۴
۱۹۰	ستاروں سے غیب یا قسمت کا حال معلوم کرنا۔	۱۹۶
۱۹۱	قرآن مجید کی تمام نصیحتیں دو قسم کی ہیں۔	//
۱۹۲	بعض اردو مفسرین نے اَنْ تَمِیْدَ کا ترجمہ کیا ہے بچکولے کھانا۔ یہ جاہلانہ ترجمہ ہے	۱۹۷
۱۹۳	وَاللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ تا لَا یُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِیْنَ از آیت ۱۹ تا آیت ۲۳۔	۲۰۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴	اُخروی نعمت ہدایت کاملہ ہے۔	۲۰۱
۱۵	حرف اَیَّانَ کی حرفی ترکیب۔	۲۰۲
۹۶	اَمْوَاتٌ غَیْرُ اَحْیَآءٍ سے مراد بت ہیں	۲۰۵
۱۹۷	موجودات چار قسم کی ہیں۔ اور کلی قلبی جسدی موت کا فرق۔	۲۰۵ //
۱۹۸	کبھی کسی بزرگ کو معبود نہ کہا گیا نہ پرستش کی گئی۔	۲۰۶
۱۹۹	لغویات اور گستاخیوں کی جڑ تکبر۔ اور تکبر سے بیس خرابیاں پیدا ہوتی ہیں	۲۰۷
۲۰۰	صفات اور صفاتی نام کا شرعی فرق۔	//
۲۰۱	شریعت میں ظاہر و باطن دونوں کا اعتبار ہے نہ کہ فقط باطن کا اور ظاہر غلط ہے تو مجھ مردود ہوگا۔	۲۰۸
۲۰۲	زندگی دو قسم کی ہے۔	//
۲۰۳	مخلوق چار قسم کی ہے	۲۰۹
۲۰۴	موت و حیات کا اصل معنیٰ۔	۲۱۰
۲۰۵	شعور اور علم میں چھ طرح فرق ہے۔	۲۱۰
۲۰۶	تصوف کی بیس منزلیں ہیں اور ہر منزل کا ایک دروازہ۔	۲۱۱ //
۲۰۷	جسم انسانی میں بیس جوڑ ہیں۔	۲۱۲
۲۰۸	تصوف کی تعریف۔	۲۱۳
۲۰۹	مفلس اور مخلص میں چار طرح فرق ہے	۲۱۴
۲۱۰	معرفت الٰہی کے لیے سولہ قدم چلنے پڑتے ہیں	۲۱۵

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۲۱۱	وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّاذَا ا تا مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ از آیت ۲۴ تا آیت ۲۶	۲۱۶
۲۱۲	نمرود کے مینارے کا قصہ۔	۲۲۲
	کفار مکہ پر دو عذاب ہوں گے۔	״
۲۱۳	بُنیان کے معنیٰ میں مختلف اقوال۔	״
۲۱۴	نمرود بن کنعان کے مینارے کا واقعہ۔	״
۲۱۵	گستاخِ نبی کی موت ذلت سے ہوتی ہے	۲۲۳
۲۱۶	علما اور مشائخ کو دگنا ثواب ہوگا۔	۲۲۴
۲۱۷	جلد بازی میں کسی چیز کا انکار کرنا گناہ ہے	״
۲۱۸	جاہل کا تبلیغ کرنا گناہ ہے	״
۲۱۹	صبر تین قسم کا ہے۔	۲۲۶
۲۲۰	ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ تا مَثْوَى الْمُتَكَبِّرِيْنَ از آیت ۲۷ تا آیت ۲۹۔	۲۲۷
۲۲۱	دنیا میں لوگوں کی حالتیں مختلف ہیں مگر قیامت میں کفار کی حالتیں یکساں ہوں گی۔	۲۲۹
۲۲۲	صرف اسماءِ متمکنہ کا اعراب ظاہر ہوتا ہے	۲۳۰
۲۲۳	نون اعرابی تنوین کے قائم مقام ہوتی ہے	۲۳۱
״	بلیٰ اور نعم کا فرق۔	۲۳۲
۲۲۴	کفار کے کلام سے دو مقصد نکلتے ہیں	۲۳۳
۲۲۵	مرنے کے بعد ہر چیز عالم برزخ میں ہوتی ہے اگرچہ بظاہر جسم نظر آتا ہو۔	۲۳۴
۲۲۶	دنیوی عذاب سے اخروی عذاب ختم یا کم نہیں ہوتا۔	۲۳۵
۲۲۷	زندگی میں کسی پر لعنت ڈالنی منع ہے	۲۳۵
	کیونکہ انجام کا پتہ نہیں۔	״
۲۲۸	موت کے وقت کا ایمان معتبر نہیں۔	״
۲۲۹	بندے تین قسم کے ہیں۔	۲۳۷
۲۳۰	خوف کی چھ قسمیں ہیں	۲۳۸
۲۳۱	وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا تا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ از آیت ۳۰ تا آیت ۳۲	۲۳۹
۲۳۲	کافر اور مومن کی موت میں فرق ہے۔	۲۴۰
۲۳۳	خیر مطلق اور خیر مقید کا بیان۔	۲۴۱
۲۳۴	لفظِ کَذٰلِكَ چار حرفوں کا مجموعہ ہے	۲۴۳
״	فوق اور تحت کا فرق۔	״
۲۳۵	علم غیب کے ثبوت میں عجیب نکتہ۔	۲۴۵
۲۳۶	اللہ تعالیٰ اور نبی کریم کے بے مثل ہونے میں فرق۔	״
۲۳۷	خیر اور حسنہ میں فرق۔	״
۲۳۸	متقی کون ہے متقی کے لیے انعامات	۲۴۶
۲۳۹	اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ میں تین قول ہیں	۲۴۷
۲۴۰	مبارک موت اور مبارک زندگی کیا ہے	״
۲۴۱	اللہ تعالیٰ کو جمع غائب یا جمع حاضر کے	۲۴۸
	صیغے سے خطابات یا کلام کرنا گناہ اور مشابہِ شرک ہے۔	۲۴۸
۲۴۲	ہر ملاقات کے وقت سلام کرنا واجب ہے۔	״

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۴۲	سلامٌ علیکم اور السلام علیکم میں فرق۔	۲۴۸
۲۴۳	اصل اہلِ تقویٰ قلبِ مومن ہے۔	۲۴۹
۲۴۴	هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا تا الْبَلٰغُ الْمُبِينُ از آیت ۳۳ تا آیت ۳۵۔	۲۵۰
۲۴۵	حرفِ ھل کی سات خصوصیات ہیں۔	۲۵۲
〃	اعلیٰحضرت کے ترجمے کی شان۔	〃
۲۴۶	لفظِ ھل میں نفی اور سوال دونوں جمع ہیں	۲۵۵
۲۴۷	نقصان دینے والے تین قسم کے ہیں۔	۲۵۶
۲۴۸	قوتِ گناہ پیدا کرنے کی حکمتیں۔	۲۵۸
۲۴۹	رب تعالیٰ کی ہدایت کا آخری دروازہ۔	〃
۲۵۰	بدعقیدگی سے کفر اور بداعمالی سے فقط گناہ لازم آتا ہے۔	۲۵۹
۲۵۱	حرام صرف وہ جس کو اللہ رسول حرام کردیں کسی وہابی دیوبندی کا حرام حرام کہنا بیکار ہے۔	〃 〃
۲۵۲	تفسیر صوفیانہ۔	۲۶۱
۲۵۳	وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ تا مِنْ نّٰصِرِينَ۔ از آیت ۳۶ تا آیت ۳۷۔	۲۶۲
۲۵۴	تعلقات و ربطِ آیات۔	۲۶۳
۲۵۵	شانِ نزول۔	〃
۲۵۶	تفسیر نحوی۔	〃
۲۵۷	عبادت اور عبودیت میں تین طرح فرق۔	۲۶۴
۲۵۸	تفسیر [illegible]	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵۹	طاغوت کے معنیٰ۔	۲۶۷
۲۶۰	بت جانور، درختوں، آسمانو، کواکب، آگ کی پوجا پرستش کب شروع ہوئی۔	〃
۲۶۱	آگ کا پہلا پجاری زرتشت تھا۔ طاغوت کی تعداد میں سو ساٹھ ہیں۔	〃
۲۶۲	دل کے اعمال بھی عبادت ہیں۔	۲۶۸
۲۶۳	اپنے ذاتی علم و عقل پر بھروسہ نہ کرنا چاہیئے۔	۲۶۸
۲۶۴	احکام القرآن۔	۲۶۹
۲۶۵	مسلمانوں کو ہر علم و ہنر سیکھنا فرض ہے	〃
۲۶۶	دینی اور دنیوی حرص اور لالچ کا فرق۔	〃
۲۶۷	اعتراضات۔ جوابات۔	〃
۲۶۸	قابلِ زیارت مسجدیں دنیا میں صرف تین ہیں	۲۷۰
۲۶۹	ہدایت چھ قسم کی ہے۔	〃
۲۷۰	تفسیر صوفیانہ۔	〃
۲۷۱	درویش کا روحانی لباس (فرمودات غوث اعظم)۔	۲۷۱
۲۷۲	وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ تا عَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ از آیت ۳۸ تا آیت ۴۲	۲۷۲
۲۷۳	تعلقات (آیات کے ربط)	۲۷۴
۲۷۴	ہدایت کے حقدار کون ہیں۔	〃
۲۷۵	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔	〃
۲۷۶	[illegible]	[illegible]

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷۷	تفسیر عالمانہ۔ دنیا کے تمام دین تین قسم کے ہیں۔	۲۷۸
۲۷۸	قیامت کے انکار سے تین انکار لازم آتے ہیں۔	۲۷۹
"	قیامت کا آنا ضروری ہے اس کی وجہ۔	"
۲۷۹	مدینہ منورہ شہر جنت ہے۔	۲۸۰
۲۸۰	ہر کافر کو بھی عقلاً زندگی بعد الموت تسلیم ہے۔ فائدے	۲۸۱
۲۸۱	دنیوی انعام و ثواب سے اخروی ثواب کم نہیں ہوتا۔	"
۲۸۲	احکام القرآن۔ مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ افضل ہے۔ اور اس کے قرآنی دلائل۔	۲۸۲
۲۸۳	اعتراضات۔ جوابات۔	"
۲۸۴	خطاب کی تین قسمیں ہیں۔	۲۸۳
۲۸۵	وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ تا لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ از آیت ۴۳ تا آیت ۴۷۔	۲۸۴
	یہاں نصف پارہ مکمل ہوا۔	"
۲۸۶	تعلقات و ربطِ آیات۔	۲۸۵
۲۸۷	علم ربانی کے خزانے سینۂ مصطفیٰ۔	"
۲۸۸	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔	۲۸۸
۲۸۹	اعلیٰحضرت کے ترجمے کی شان۔	۲۸۹
۲۹۰	تفسیر عالمانہ۔ ہمیشہ مرد ہی رسول ہوئے	"
۲۹۱	انبیاء بنی اسرائیل سب سے زیادہ معجزے موسیٰ علیہ السلام کو ملے۔	۲۹۰
۲۹۲	قومِ ثمود کے عذاب کی تین نشانیاں۔	۲۹۲
۲۹۳	طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں۔	"
۲۹۴	فائدے۔ قرآنِ مجید ہمیشہ ظاہر رہے گا۔	"
۲۹۵	عالم کا مرتبہ حافظ و قاری و محدث سے زیادہ ہے۔	"
۲۹۶	احکام القرآن۔ ہر مسلمان پر تقلیدِ ائمہ واجب ہے۔	۲۹۳
۲۹۷	قرآنِ مجید کے مسائل کو دنیوی اغراض سے چھپانا حرام ہے۔	"
۲۹۸	اعتراضات۔ جوابات۔	"
۲۹۹	تفسیر صوفیانہ۔ انسانی جسم میں چار درخت اور نفسِ امارہ میں چار گھن ہیں اور قلب کی تین معرفتیں ۱ پہچان ۲ طلب اور ۳ احترام	۲۹۵
۳۰۰	رب تعالیٰ کے فیصلے تین قسم کے۔	۲۹۶
۳۰۱	ذکر اللہ کے چھ فائدے ہیں اور جسم ایمانی چار ذکر ہیں۔ راہ سلوک میں تیرہ ۱۳ جھاڑیاں ہیں	۲۹۸
۳۰۲	رجال سعید کی پانچ نشانیاں۔	"
۳۰۳	اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا تا فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ۔ از آیت ۴۸ تا آیت ۵۱	۲۹۹
۳۰۴	تعلقات۔ و روابط آیت۔	۳۰۱
۳۰۵	سوائے انسان کے مخلوق میں کوئی مشرک نہیں۔	"

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰۶	تفسیر نحوی۔	۳۰۱
۳۰۷	تفسیر عالمانہ. نباتات جمادات کے سجدے	۳۰۵
۳۰۸	ثواب صرف انسانی اور جناتی عبادت کا ہے	۳۰۶
۳۰۹	سجدے کے معنی اور اسلامی سجدے کا طریقہ	//
۳۱۰	سایہ بھی حیرت انگیز قدرت کی نشانی ہے	۳۰۷
۳۱۱	سائے کی پندرہ صفات ۔	۳۰۸
۳۱۲	فائدے ۔ بندے کو صرف اعمال کا اختیار دیا گیا ہے۔	//
۳۱۳	احکام القرآن انبیا اور ملائکہ علیہم السلام نہی وممنوعات کے مکلف نہیں ۔	۳۰۹
۳۱۴	اعتراضات وجوابات ۔	//
۳۱۵	سجدہ دو قسم کا ہے۔ بعد قیامت جنات کہاں ہوں گے۔ اس میں تین قول ہیں۔	۳۱۰
۳۱۶	خواب کو رویت کہنے کی وجہ نظر اور رویت میں فرق۔	۳۱۳
۳۱۷	تفسیر صوفیانہ ۔ انسان میں گیارہ قوتیں ہیں	//
۳۱۸	بارگاہِ قدس میں انسان کے باطنی سجدے۔	۳۱۴
۳۱۹	وَلَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ تا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ از آیت ۵۲ تا آیت ۵۶ ۔	۳۱۵
۳۲۰	تعلقات ۔ تفسیر نحوی ۔ دین کے چھ معنیٰ	۳۱۷
۳۲۱	اعلحضرت بریلوی کے ترجمے کی شان ۔	۳۱۹
۳۲۲	تفسیر عالمانہ۔ قبضہ کرنے کی قسمیں چار ہیں	۳۲۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۲۳	اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو خالق کہنا مشابہ شرک ہے گناہ ہے ۔	۳۲۱
۳۲۴	تقویٰ. خشیت. خوف اور رعب میں فرق	۳۲۲
۳۲۵	کبھی کوئی مسلمان مندر یا گرجے میں زیادہ بن کر رہ گیا	
۳۲۶	مگر ہندو سکھ عیسائی مزارات پر آتے ہیں	//
۳۲۷	شکر کرنے کے تین طریقے ۔ کفار دنیا میں دو کام کرتے ہیں۔	۳۲۳
۳۲۸	مندروں کے بڑے مادو کے نام چار جانور۔	//
۳۲۹	بتوں کے حصے سات قسم کے بناتے ہیں	۳۲۴
۳۳۰	فائدے دنیا کی ہر چیز کو فنا ہے بجز چند اشیا کے ۔	//
۳۳۱	مندروں۔ گرجوں گوردواروں میں چندہ دینا حرام ہے (احکام القرآن)	۳۲۵
۳۳۲	اعتراضات ۔ جوابات ۔	//
۳۳۳	وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ الْبَنٰتِ تا وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ از آیت ۵۶ تا آیت ۶۰	۳۲۷
۳۳۴	تعلقات ۔ تفسیر نحوی ۔	۳۲۸
۳۳۵	تفسیر عالمانہ ۔ مشرکین کفار اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹیاں تصور کرتے ہیں ۔	۳۳۲
۳۳۶	عرب کے آٹھ علاقہ اور بارہ قبیلے ہیں	//
۳۳۷	مشرکین ملائکہ کو بیٹیاں کیوں کہتے ہیں ۔	۳۳۳
۳۳۸	بیٹی کی ولادت پر بیٹی سے پانچ قسم کے سلوک	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳۹	مثلُ السَّوء اور مثلُ الاعلیٰ کی قسمیں۔	۳۳۴
۳۴۰	فائدے۔ احکام القرآن۔	۳۳۵
۳۴۱	اعتراضات۔ جوابات۔ اعلحضرت کے ترجمے کی شان۔	۳۳۶
۳۴۲	بیٹی کی ولادت پر غم۔ جہیز کی کثرت۔ مہر کی قلت یہ سب کفار کی مائیں ہیں۔	۳۳۷
	تفسیر صوفیانہ۔	//
۳۴۳	دنیوی نعمتیں تین ۳ قسم کی ہیں۔	۳۳۸
۳۴۴	وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ تا عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ از آیت ۶۱ تا آیت ۶۳	۳۴۲
۳۴۵	تعلقات۔ بیٹیوں سے نفرت کرنا کفار کی نشانی ہے۔	۳۴۴
۳۴۶	تفسیر نحوی۔	//
۳۴۷	دابہ کا معنیٰ دریائی دابہ صرف مچھلی ہے	۳۴۵
۳۴۸	مکروہ کا شرعی اصطلاحی معنیٰ۔	۳۴۶
،	افراط اور تفریط کا فرق۔	۳۴۷
۳۴۹	تفسیر عالمانہ۔ زمین پر پہلے جنات آباد تھے	۳۴۸
۳۵۰	سمندری مخلوق زمینی و فضائی مخلوق سے دس گنا زیادہ ہے	۳۴۹
۳۵۱	دابہ کی تعریف۔ مچھلی کی چالیس ۴۰ ہزار قسمیں	//
۳۵۲	سمندری اور خشکی کے حیوانات میں امتیازی نشان۔	۳۵۰
۳۵۳	فائدے دنیا میں کسی گناہ پر پکڑ نہیں ہے	۳۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۵۴	احکام القرآن۔ تقریر کی ۲ دو قسمیں ہیں۔	۳۵۲
۳۵۵	اعتراضات۔ جوابات۔	//
۳۵۶	وَمَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ۔ تا لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ از آیت ۶۴ تا آیت ۶۷	۳۵۴
۳۵۷	تعلقات۔ و ربطِ آیت۔	۳۵۵
۳۵۸	تفسیر نحوی۔	۳۵۶
۳۵۹	تفسیر عالمانہ۔ کفار کے اختلاف کی تین قسمیں	۳۵۹
	۱ اہل عقل ۲ اہل کفر ۳ اہل ایمان سے	//
۳۶۰	قرآن مجید کی بیان کردہ چھ چیزوں کی وضاحت	۳۶۰
	احادیث نے فرمائی۔ قرآن مجید کی تمثیلیں۔	//
۳۶۱	حلال دودھ والے جانور چار ہیں۔	۳۶۱
۳۶۲	جسم حیوانی کے اندرونی اعضا بارہ ۱۲ ہیں	//
۳۶۳	غذا سے مذکر میں چودہ اور مؤنث میں پندرہ چیزیں بنتی ہیں۔	//
	اعضاءِ باطنی کے خصوصی کام۔	//
۳۶۴	دودھ کی تین قوتیں۔	۳۶۲
۳۶۵	جانور کے گوشت کی خصوصیات۔ جانور کی عادات کا اثر اس کے گوشت کھانے والے پر پڑتا ہے۔	//
۳۶۶	دودھ کی پیدائش میں قیامت کی دلیل ہے۔	۳۶۳
۳۶۷	فائدے۔ قرآن مجید میں زندگی کا پورا قانون ہے۔	// ۳۶۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۶۸	قرآن مجید کس کے لیے مفید ہے کس کے لیے نقصان دہ۔	۳۶۴
۳۶۹	احکام القرآن۔ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۳۶۴
۳۷۰	اعتراضات۔ جوابات۔ تفسیر صوفیانہ	۳۶۵
۳۷۱	تاجر اور خریدار دو قسم کے ہیں۔	۳۶۶
۳۷۲	تصوف میں سب سے اونچا مقام فقر کا ہے۔	۳۶۷
۳۷۳	خوش خلقی انیس چیزوں کا نام ہے۔	۳۷۰
۳۷۴	وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ تا اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ۔ از آیت ۶۸ تا آیت ۷۰	۳۷۰
۳۷۵	تعلقات۔ نزول۔ تفسیر نحوی۔	۳۷۲
۳۷۶	قادر اور قدیر میں تین طرح فرق ہے	۳۷۵
۳۷۷	تفسیر عالمانہ۔ نحل کے مختلف نام۔	//
۳۷۸	شہد کی مختلف کھیوں کے مختلف شہد اور مختلف اثرات۔	۳۷۶، //
۳۷۹	وحی کی چودہ قسمیں۔	۳۷۷
۳۸۰	انبیاء اور اولیا کی وحی میں چھ طرح فرق ہے	
۳۸۱	شہد کی مکھی کے کام۔ اور گروہ۔ چھتے میں گیارہ کمرے۔	۳۷۷
۳۸۲	شہد کی مکھی چار قسم کی ہوتی ہے۔ شہد کے رنگ مختلف مگر مزہ اور تاثیر ایک جیسی یہ مکھی راستہ نہیں بھولتی۔	۳۷۸، //، //
۳۸۳	ایک ہی پیٹ میں ایک ہی خوراک سے شہد دم غذا فضلہ اور زہر جمع ہوتا ہے یہ ہے قدرت الہیہ کے کرشمے۔	۳۷۹، ۳۷۹
۳۸۴	انسانی زندگی کے آٹھ حصے۔	//
۳۸۵	دھریوں کی ایک دلیل اور اس کا رد (منہ توڑ جواب)	۳۸۰
۳۸۶	نمائندے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں معزز کون ہے۔	//
۳۸۷	احکام القرآن۔ شہد کی مکھی خود حرام مگر اس کے پیٹ سے نکلا شہد اور موم حلال اور پاک ہے۔	۳۸۱، //
۳۸۸	شہد کس راستے سے نکلتا ہے منہ سے یا پیچھے سے۔	۳۸۲
۳۸۹	اعتراضات۔ جوابات	//
۳۹۰	شہد بہت سی چھوٹی بڑی اور موذی پیچیدہ امراض میں شفا ہے۔ تفسیر صوفیانہ	۳۸۳
۳۹۱	علم اور عقل دو نعمتیں ہیں۔ شریعت اور طریقت کی ارذل عمر۔	۳۸۵، //
۳۹۲	وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ۔ تا۔ وَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ از آیت ۷۱ تا آیت ۷۳	۳۸۶
۳۹۳	تعلقات۔ نزول۔	۳۸۷
۳۹۴	تفسیر نحوی۔ فضل کی تین قسمیں ہیں۔	۳۸۸
۳۹۵	تفسیر عالمانہ۔ اللہ تعالیٰ کی حیران کن تقسیم رزق۔	۳۹۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۹۶	اللہ کی نعمتوں میں سے ایک بیوی بھی ہے۔ بیوی سے خاوند کو تیرہ فائدے ہوتے ہیں۔	۳۹۲
۳۹۷	مذکر۔ مؤنث پیدا ہونے کی طبی ڈاکٹری نشانی بتوں اور اولیاء اللہ سے مانگنے کا فرق۔	۳۹۴
۳۹۸	حبیب اور شریک میں فرق۔ فائدے رب تعالیٰ جس کو چاہے کائنات کا مالک مختار بنا سکتا ہے۔	۳۹۰
۳۹۹	احکام القرآن دنیا میں انسان کا نکاح صرف انسان سے ہو سکتا ہے نیز انسان کی اولاد صرف انسانی بچہ اور حمل ہی ہو سکتا ہے	۳۹۶
۴۰۰	اعتراضات۔ جوابات۔	//
۴۰۱	فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ الۡاَمۡثَالَ تا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۷۶ تا ۷۴	۳۹۷
۴۰۲	تعلقات۔ عبد کسی بھی شان و قوت میں ہو جائے وہ عبد ہی ہے۔ عبدیت سے جدا نہیں ہو سکتا۔	۳۹۹
۴۰۳	تفسیر نحوی۔	۴۰۰
۴۰۴	حمد صرف اللہ تعالیٰ کی ہو سکتی ہے کسی بندے کی نہیں ہو سکتی۔	۴۰۱
۴۰۵	تفسیر عالمانہ فَلَا تَضۡرِبُوۡا لِلّٰہِ کی پانچ تفسیریں۔	۴۰۳
۴۰۶	دنیا کے تمام غلط مذہب اور دین بیہودہ	۴۰۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مدد ہیں۔	
۴۰۷	اللہ تعالیٰ کے لیے تعطیل تنزیہ تجسم۔ تشنّص ہیولہ اثبات و نفی ماننا شرک ہے باطل ادیان کے یہی نظریات ہیں۔	۴۰۵
۴۰۸	ابن تیمیہ اور ڈاکٹر اقبال کے باطل نظریات	//
۴۰۹	قرآن مجید کی دو مثالوں سے کون مراد ہے	۴۰۷
۴۱۰	فائدے۔ احکام القرآن۔ اعتراضات۔ جوابات	۴۰۸
۴۱۱	وَلِلّٰہِ غَیۡبُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ تا لِقَوۡمٍ یُّؤۡمِنُوۡنَ از آیت ۷۷ تا آیت ۷۹	۴۰۹
۴۱۲	تعلقات۔ دنیا میں انسان کو تین نعمتوں کی ہر وقت ضرورت ہے ۱ خوراک ۲ خدمتگار ۳ کام کاج۔	۴۱۱
۴۱۳	تفسیر نحوی۔ غیب کے معنیٰ۔	//
۴۱۴	ہمزہ سوالیہ اور ہمزہ اقراریہ میں فرق۔	۴۱۳
۴۱۵	تفسیر عالمانہ۔	۴۱۴
۴۱۶	غیب کی تعریف مختلف اقوال قرآن مجید میں غیب غیوب اور مغیبات کا ہیچوں جگہ ذکر ہے۔	۴۱۵
۴۱۷	غیب کی سچی صحیح اور جامع مانع تعریف	۴۱۶
۴۱۸	انسان کے اندر پندرہ ۱۵ حواس پیدا فرمائے گئے	//
۴۱۹	جسد انسانی کی سات زمینیں سات آسمان اور عرش اور ان حواس سے حاصل کردہ علوم و مراتب۔	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲۰	کائنات کی ہر چیز میں تین کیفیات ہیں	۴۱۷
۴۲۱	بغیر دلیل علم غیب کا عقیدہ بنانا یا دعویٰ کرنا غلط ہے۔	״
۴۲۲	فائدے۔ باری تعالیٰ کی صنعتیں دو قسم کی ہیں۔	۴۱۸
۴۲۳	احکام القرآن۔ اعتراضات۔ جوابات۔	۴۱۹
۴۲۴	تفسیر صوفیانہ۔	۴۲۱
۴۲۴	اللہ کے دوست کی تین خصلتیں ۱۔ سخاوت ۲۔ شفقت ۳۔ عاجزی۔ صوفیا کی اصلاح۔ روح مثل خاوند جسم مثل بیوی اعضاء باطنی مثل اولاد اعضاء ظاہری مثل خدام و غلام نوکر چاکر۔	۴۲۱ ״
۴۲۵	عارف کا پہلا اور آخری درجہ۔ انسان اور عبد چار چار قسم کے ہیں۔	۴۲۲
۴۲۶	غیوبات مخلوق سات ہیں۔ خود شناسی فضول ہے حق شناسی عبادت ہے۔ حق شناسی کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں	۴۲۴
۴۲۷	خوشامدی ساتھی اور بیوقوف دوست تکبر کا بیج ہیں۔	۴۲۵
۴۲۸	وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِنْ بُيُوتِكُمْ - تا - لَعَلَّكُمْ تُسْلِمُونَ از آیت ۸۰ تا آیت ۸۱	״
۴۲۹	تعلقات۔ و ربط آیات۔	۴۲۶
۴۳۰	تفسیر نحوی۔	۴۲۸
۴۳۱	جمع منتہی الجموع کی تعریف۔	۴۳۰
۴۳۲	تفسیر عالمانہ۔	۴۳۱
۴۳۳	فائدے۔ دنیا کی ہر چیز کمزور ہے اور آخرت کی ہر چیز مضبوط ہے۔ بعض نعمتیں صرف انسانوں کو ملیں۔	۴۳۴
۴۳۴	سب سے زیادہ نعمتیں انسان کو ملیں۔	״
۴۳۵	احکام القرآن۔ تمام حلال جانوروں کے بال اون اور پر۔ اور کھال پاک ہے۔ اعتراضات ۱۰	۴۳۵
۴۳۶	اثاثہ اور متاع میں چار طرح فرق ہے۔	״
۴۳۷	تفسیر صوفیانہ۔	۴۳۶
۴۳۸	مومن کا تقویٰ مثل پہاڑ اور شرعی کردار مثل لباس ہے۔	۴۳۷
۴۳۹	فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ - تا - كَافِرُونَ از آیت ۸۲ تا آیت ۸۳	۴۳۷
۴۴۰	تعلقات۔ و ربط آیات۔	۴۳۸
۴۴۱	شان نزول۔ تفسیر نحوی۔	۴۳۹
	ظرف سب سے بڑا معمول ہے۔	۴۴۰
۴۴۲	تفسیر عالمانہ۔ ہدایت اور کفر اور فسق کے نام۔ حیات کی قسمیں اور حالتیں۔	۴۴۳ ״
۴۴۳	عید میلاد کی خوشی منانے کی وجہ سے ابولہب کا عذاب پیر کے دن ہلکا کر دیا جاتا ہے۔	۴۴۴
۴۴۴	فائدے امتی اپنے نبی علیہ السلام کا ہر حالت میں ہر جگہ محتاج ہے لیکن کوئی نبی کسی امتی کا کبھی محتاج نہیں	۴۴۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۴۵	احکامُ القرآن - اعتراضات - جوابات	۴۴۶
۴۴۶	تفسیر صوفیانہ - جسم و روح کو دو نعمتیں دی گئیں - خود شناسی فضول اور خود پرستی حرام ہے۔	۴۴۷
۴۴۷	وَاَلْقَوْا اِلَى اللّٰهِ يَوْمَئِذٍ تا بُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ از آیت ۸۷ تا آیت ۸۹	۴۴۸
۴۴۸	تعلقات و ربطِ آیت -	۴۴۹
۴۴۹	کافر دو قسم کے ہیں ۱ کافر بنانے والے ۲ کافر بننے والے - شانِ نزول -	۴۵۰
۴۵۰	تفسیر نحوی - بابِ افعال میں ہر مصدر متعدی ہو جاتا ہے۔	۴۵۰
۴۵۱	مصدر کو بمعنیٰ اسم فاعل یا اسم مفعول کہنے سے مبالغہ پیدا ہوتا ہے۔	۴۵۴
۴۵۲	قرآن مجید تمام اقوام کے لیے سچی راہ ہے	۴۵۶
۴۵۳	فائدے - وقت پر کام ہو تو مقبول ہے	//
۴۵۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سب سے پہلے ہونے کی دلیل - احکام القرآن -	//
۴۵۵	جرم سے زیادہ تعزیری سزا دینا منع ہے	۴۵۷
۴۵۶	اعتراضات جوابات -	//
۴۵۷	تبیان کی چودہ ۱۴ قسمیں ہیں -	۴۵۸
۴۵۸	قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے تین طریقے	//
۴۵۹	تفسیر صوفیانہ	//
۴۶۰	اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ تا فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ از آیت ۹۰ تا آیت ۹۲	۴۵۹
۴۶۱	تعلقات - و ربطِ آیات	۴۶۱
۴۶۲	دنیوی چھ چیزیں - تین کرنے والی تین نہ کرنے والی۔	۴۶۲
۴۶۳	تفسیر نحوی -	//
۴۶۴	غزل - غزال - غزالی کا معنیٰ -	۴۶۴
۴۶۵	تمام عدل تمام احسان تمام ایتاء ذات مصطفیٰ میں جمع ہے -	۴۶۶
۴۶۶	احسان محمدی کی چودہ ۱۴ قسمیں اور عدل کی بائیس قسمیں۔	//
۴۶۷	ایتاءِ ذی القربیٰ کی پندرہ قسمیں - تین عادتوں سے منع کیا گیا - فحش - منکر - بغی -	۴۶۷
۴۶۸	فحشا کی نو قسمیں ہیں -	//
۴۶۹	منکر کی نو ۹ اور بغی کی بارہ ۱۲ قسمیں -	۴۶۸
۴۷۰	چودہ نصیحتیں -	//
۴۷۱	فائدے - ہر شرمناک کام بے حیائی ہے -	۴۷۰
۴۷۲	احکامُ القرآن - قسم کی چار ۴ قسمیں -	۴۷۱
۴۷۳	اعتراضات - جوابات -	//
۴۷۴	وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ تا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ از آیت ۹۳ تا آیت ۹۵ -	۴۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۷۵	تعلقات ان آیت میں فرقہ بندی کی حکمت اور قسم توڑنے کی سزا کا ذکر ہے ۔	۴۷۳
	تفسیر نحوی ۔	//
۴۷۶	جَعَلَ کے دس۱۰ معنی ہیں ۔	//
۴۷۷	قرآن مجید کو مخلوق کہنا کفریہ عقیدہ ہے ۔	۴۷۴
۴۷۸	تابع اور متبوع کا دس چیزوں میں متفق ہونا ضروری ہے ۔	//
۴۷۹	تفسیر عالمانہ ۔	۴۷۶
۴۸۰	دہوکہ دہی کے دنیوی اُخروی چھ۶ نقصان ۔	
۴۸۱	اسلام تلوار سے نہیں پھیلا ۔	۴۷۸
۴۸۲	کتنے مقام میں جہاں قسم نبھانا اشد ضروری ہے ۔	۴۷۹
۴۸۳	فائدے ۔ اللہ تعالیٰ کی حکمتیں عقل سے وراء ہیں ۔	//
۴۸۴	احکام القرآن ۔ جھوٹ فریب بہانے ہر حال میں حرام ہے ۔	۴۸۰
۴۸۵	شریعت کے مطابق ہر مال حاصل کرنا حلال ہے ۔	//
۴۸۶	اعتراضات ۔ جوابات	//
۴۸۷	تفسیر صوفیانہ ۔ اہل معرفت کے لیے چھ حکم ۔	۴۸۱
۴۸۸	دنیا کو کمی قلیل فرمانے کی وجہ ۔ دنیا کے ۲ دو قدم ۔	۴۸۲
۴۸۹	شریعت اور طریقت کی زکوٰۃ کا فرق	۴۸۲
۴۹۰	مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ ۔ تا ۔ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ ازآیت ۹۶ تا آیت ۱۰۰	۴۸۳
۴۹۱	تعلقات آیت حلال دولت کو بقا ہے اللہ کا گروہ کون ہے ۔	۴۸۰
۴۹۲	شان نزول ۔ تفسیر نحوی ۔ قرب کی تین قسمیں ۔	//
۴۹۳	جملہ انشائیہ کی دس۱۰ قسمیں ہیں ۔	۴۸۷
۴۹۴	تفسیر عالمانہ ۔ باقی اور فانی اشیاء کی تقسیم	۴۸۹
۴۹۵	باطل اور غلط دینوں کی کتابوں کے نام اور ان کی گمراہی ۔	۴۹۱
۴۹۶	تلاوت سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰه ۔ پڑھنے کا حکم ۔	//
۴۹۷	ایرانی زبان میں ابلیس کا نام ۔	//
۴۹۸	مومن کو دنیا میں صلہ اور آخرت میں جزا ملتی ہے ۔	۴۹۲
۴۹۹	انبیاء کرام علیہم السلام پر کسی شیطان کا داؤ نہیں چل سکتا ۔	//
۵۰۰	عام خطوں تحریروں میں بسم اللہ شریف لکھنی بے ادبی ہے ۷۸۶ لکھنا چاہیئے ۔	۴۹۳
	اعتراضات ۔	//
۵۰۱	وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً ۔ تا ۔ لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۔ ازآیت ۱۰۱ ۔ تا ۔ آیت ۱۰۳	۴۹۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۰۲	تعلقات آیات - شانِ نزول	۴۹۶
۵۰۳	کفار کے چھ عجمی غلام تھے اور ان کے نام تفسیر نحوی -	۴۹۷ //
۵۰۴	قبر کو لحد کہنے کی وجہ اور لحد کے معنی -	۴۹۹
۵۰۵	تفسیر عالمانہ - تنسیخ آیات کی حکمتِ الٰہیہ -	۵۰۰
۵۰۶	تبدیلی آیت سات طرح ہوئی -	۵۰۲
۵۰۷	فائدے - احکام القرآن	//
۵۰۸	تبدیلی احکام - اور اجتہادِ اصولی اب نہیں ہو سکتا نہ اب کسی کا اتنا علم ہے -	۵۰۴
۵۰۹	اعتراضات - نسخ احکام اسلامیہ چار قسم کا ہے -	۵۰۵
۵۱۰	لغت اور لسان میں فرق - تفسیر صوفیانہ -	۵۰۷
۵۱۱	کافر کی زندگی ذلیل ہے اس کی پانچ وجوہ -	۵۰۸
۵۱۲	چھ چیزیں شیطان کا تسلط پیدا کرتی ہیں	۵۰۹
۵۱۳	قلوب اولیاء اللہ کی آیت کیفیات اکیس ہیں -	۵۱۰
۵۱۴	دولتِ معرفت کے تین خزانے ہیں	۵۱۱
۵۱۵	وسیلے چھ قسم کے ہیں -	۵۱۲
۵۱۶	اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ - تا - عَذَابٌ عَظِيْمٌ - از آیت ۱۰۳ تا آیت ۱۰۶	//
۵۱۷	تعلقات و ربطِ آیت -	۵۱۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۱۸	شانِ نزول - تفسیر نحوی	۵۱۴
۵۱۹	اگر جزا جملہ اسمیہ ہو تو فَ جزائیہ لانا واجب ہے -	۵۱۶
۵۲۰	تفسیر عالمانہ -	۵۱۷
۵۲۱	انسان تین قسم کے ہیں -	۵۱۸
۵۲۲	سب سے پہلے شہید کون ہوا اور سب سے پہلے منافق کا نام - پہلے مہاجرین کی تعداد -	//
۵۲۳	سب سے پہلے اسلام ظاہر کرنے والے سات صحابہ کا نام - مجبوری کی چار قسمیں -	۵۱۹
۵۲۴	فائدے - احکام القرآن -	۵۲۰
۵۲۵	اعتراضات - مجبوری اور تقیے کا فرق -	۵۲۱
۵۲۶	تفسیر صوفیانہ - اہل شقاوت اور اہل سعادت کی قسمیں -	۵۲۳
۵۲۷	مردانِ معرفت کے جوہر چار ہیں مسلمان تین چیزوں کو درست بنائے -	۵۲۴
۵۲۸	ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوْا تا لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ از آیت ۱۰۷ تا آیت ۱۱۰	۵۲۵
۵۲۹	تعلقاتِ آیت - شانِ نزول - تفسیر نحوی -	۵۲۶
۵۳۰	دس جگہ اِنَّ مکسورہ اور نو جگہ اَنَّ مفتوحہ ہوتا ہے -	۵۲۷
۵۳۱	تفسیر عالمانہ - مرتد ہونے کی وجوہ -	۵۲۹
۵۳۲	مرتد کی سزا قتل ہے اور اس کی وجہ -	۵۳۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۳۳	اُخروی گھاٹی کی چھ صورتیں ہیں۔	۵۲۱
۵۳۴	کفار نے صحابہ کرام پر آٹھ فتنے برپا کئے۔	〃
۵۳۵	لوگوں کی چھ حالتیں فائدے۔	۵۳۲
۵۳۶	احکام القرآن۔ مہاجرین کا شرعی حکم۔	۵۳۳
۵۳۷	اعتراضات۔ تفسیر صوفیانہ اور ہر صفت کی دو کیفیتیں ہوتی ہیں۔	۵۳۴
۵۳۸	کافر کے لیے ایمان لانے میں چھ رکاوٹیں ہیں۔	۵۳۵
۵۳۹	درسگاہِ روحانیت کے چھ اسباق۔	۵۳۶
۵۴۰	انسان کو پانچ فکریں کرنی چاہئیں۔	〃
۵۴۱	یَوْمَ تَاْتِیْ كُلُّ نَفْسٍ. تا. وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ۔ از آیت ۱۱۱ تا آیت ۱۱۳	۵۳۷
۵۴۲	تعلقاتِ آیت۔ تفسیر نحوی۔	۵۳۹
۵۴۳	تفسیر عالمانہ۔ جہنم کی زنجیریں۔	۵۴۲
۵۴۴	بستی و مکہ مکرمہ کی خصوصیات	۵۴۳
۵۴۵	دعاءِ خلیل اور بددعاءِ حبیب میں فرق۔	۵۴۴
۵۴۶	فائدے۔ بری صحبت گناہ و ناشکری کا وبال۔	۵۴۵
۵۴۷	احکام القرآن۔ اعتراضات۔ انسان دو چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔	۵۴۶
۵۴۸	فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ. تا. عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ از آیت ۱۱۴ تا آیت ۱۱۷	۵۴۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۴۹	تعلقاتِ آیت۔ شانِ نزول۔	۵۵۰
۵۵۰	تفسیر نحوی۔	۵۵۱
۵۵۱	تفسیر عالمانہ۔	۵۵۴
۵۵۲	چار آیت میں حرام چیزوں کا ذکر کیا گیا اور دس چیزیں حرام کی گئیں۔	۵۵۵
۵۵۳	فائدے۔ ایمان اور تقوے کا فرق شکر کی شرعی تعریف۔	۵۵۷
۵۵۴	شکر کی تین قسمیں ہیں بغیر دلیل کے حرام کہنا افترا علی اللہ ہے۔ احکام القرآن۔	۵۵۸
۵۵۵	تین چیزوں پر پکڑ نہیں۔	۵۵۹
	اعتراضات۔ جوابات۔	〃
۵۵۶	تفسیر صوفیانہ۔	۵۶۰
۵۵۷	مولیٰ علی شیر خدا کی ایک دعا۔	۵۶۱
۵۵۸	سب سے بڑا حجاب حُبِّ دُنیا ہے	۵۶۲
۵۵۹	رحم الٰہی کے لیے تین چیزیں ہیں۔ چار چیزوں سے بچو۔ چار قسم کی حرام غذائیں۔	۵۶۳
۵۶۰	وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا. تا. لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ از آیت ۱۱۸۔ تا۔ آیت ۱۱۹	۵۶۵
۵۶۱	تعلقاتِ آیت۔ گھوڑا روایتًا درایتًا حرام ہے۔ تفسیر نحوی۔	۵۶۶
۵۶۲	لفظِ ھُود کے پانچ معنیٰ۔	۵۶۷
۵۶۳	تفسیر عالمانہ۔	۵۶۹

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۶۴	تمام برائیوں کی اصل وجہ جہالت ہے	۵۷۰
۵۶۵	جہالت کے تین ہتھیار ہیں۔	۵۷۱
۵۶۶	فائدے۔ گناہ سے رزق گھٹتا ہے	״
۵۶۷	سابقہ انبیاء کرام آج کسی کے نبی نہیں ہیں۔	״
۵۶۸	احکام القرآن۔ یعنی توبہ کیا ہے؟	۵۷۲
۵۶۹	اعتراضات۔ حرام ہونے کی دو قسمیں	״
۵۷۰	تفسیر صوفیانہ۔ نو چیزوں کی معرفت ضروری ہے اور مومن کی آٹھ نشانیاں۔	۵۷۴
۵۷۱	شریعت اور طریقت کی بدعملی کا فرق۔	۵۷۵
۵۷۲	جہالت کی گیارہ خصلتیں ہیں۔	״
۵۷۳	توبہ کے دو دروازے ہیں۔	״
۵۷۴	توبہ کی چھ قسمیں ہیں۔	۵۷۶
۵۷۵	اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ كَانَ۔ تا۔ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ازآیت ۱۲۰ تا آیت ۱۲۳۔	״
۵۷۶	تعلقاتِ آیات۔ شانِ نزول۔	۵۷۷
۵۷۷	تفسیر نحوی۔ امت کے ساتھ معنیٰ۔	״
۵۷۸	حروفِ ہجا میں پانچ حرف غیر مستقل ہیں۔	۵۷۸
۵۷۹	ملت۔ دین۔ اور مذہب میں فرق۔	۵۸۰
۵۸۰	تفسیر عالمانہ۔	״
۵۸۱	ابراہیم علیہ السلام کی بیس شانیں۔	۵۸۱
۵۸۲	حنیفیت کی دس سنتیں ہیں۔	۵۸۲
۵۸۳	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے حضرت ابراہیم کا نام مبارک تا قیامت روشن و مشہور ہوگیا۔	۵۸۳
۵۸۴	انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی تعداد۔	״
۵۸۵	فائدے۔ احکام القرآن۔	۵۸۴
۵۸۶	داڑھی رکھنا ہر مسلمان کو لازم ہے۔	״
۵۸۷	اعتراضات۔	۵۸۵
۵۸۸	شریعت اور ملت میں چار طرح فرق ہے۔	״
۵۸۹	تفسیر صوفیانہ۔	״
۵۹۰	طریقت کے پنجرے کی بارہ سلاخیں ہیں۔	۵۸۶
۵۹۱	قلبِ عارف کی سات خصلتیں ہیں۔	۵۸۷
۵۹۲	اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ تا هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ازآیت ۱۲۴ تا آیت ۱۲۵۔	۵۸۷
۵۹۳	تعلقاتِ آیات۔	۵۸۸
۵۹۴	تفسیر نحوی۔ سبت کے معنیٰ اور کس قوم کو عبادت کے لیے کونسا دن عطا ہوا	۵۸۹ ״
۵۹۵	تفسیر عالمانہ۔ جمعہ ہی مقدس دن ہے	۵۹۱
۵۹۶	تبلیغ اسلام کا شرعی طریقہ۔	۵۹۳
۵۹۷	دلائل کی تین قسمیں۔	۵۹۴
۵۹۸	فائدے۔ مناظرہ کرنا جائز ہے۔	۵۹۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹۹	احکام القرآن۔ یہودیوں کی اور مسلمانوں کی چھٹی کا فرق۔	۵۹۵
۶۰۰	انبیاء کرام علیہم السلام کی رائے اور مشورہ ماننا بھی اُمت پر ضروری ہے۔	۵۹۶
۶۰۱	اعتراضات جُمعے کی چند خصوصیات۔	؍؍
۶۰۲	بائبل میں اللہ تعالیٰ کی گستاخی کی گئی ہے۔	؍؍
۶۰۳	تفسیر صوفیانہ۔	۵۹۷
۶۰۴	وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا۔ تا۔ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ از آیت ۱۲۶ تا۔ آیت ۱۲۸۔	۵۹۸
۶۰۵	تعلقاتِ آیت۔ ہدایت والوں کی شان اور علامات۔	۵۹۹
۶۰۶	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔	؍؍
۶۰۷	لام ابتدائیہ ہر لفظ پر آجاتا ہے ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے۔	۶۰۰
۶۰۸	کونُوا مصدر کی خصوصیات۔ تفسیر عالمانہ	۶۰۱
۶۰۹	بدلہ لینے۔ اور معاف کرنے میں فرق۔	۶۰۲
۶۱۰	صحابہ کرام کا کوئی عمل بھی بد خلقی نہیں	؍؍
۶۱۱	فائدے۔ احکامُ القرآن۔	۶۰۴
۶۱۲	قانونی اور شرعی مجرم۔ سے درگزر کرنا گناہ ہے۔	۶۰۵
۶۱۳	اعتراضات۔ جوابات	؍؍
۶۱۴	تفسیر صوفیانہ۔ سالکینِ معرفت کی تین قسمیں	۶۰۶
۶۱۵	مسافرِ طریقت کے لیے پانچ ضروری چیزیں۔	؍؍
۶۱۶	صبر کی پانچ قسمیں۔	۶۰۷
۶۱۷	فہرست مضامین۔	۶۰۸
	کل صفحات	۶۳۲

اشتہار

صاحبزادہ اقتدار احمد خان نعیمی کتب خانہ کی مطبوعات

۱ قرآن مجید تفسیر نورالعرفان ۲ تفسیر نعیمی مکمل پندرہ پارے از اول تا پندرہ

۳ جاء الحق ۴ مراٰۃ شرح مشکوٰۃ مکمل آٹھ جلدیں ۵ حضرت حکیم الامت کے تین سفرنامے

۶ اسلامی زندگی ۷ ناول کی طرز پر ردِّ عیسائیت میں عظیم الشان دلچسپ کتاب از بلا

۸ اس کے علاوہ حضرت حکیم الاُمت کی تمام تصانیف نعیمی کتب خانہ گجرات اور نعیمی کتب خانہ لاہور سے حاصل کریں۔ قیمتیں: کتابوں کی قیمتیں معلوم کرنے کے لیے ہر سال کی نئی فہرست منگائیں۔ فہرست مفت بھیجی جاتی ہے

ناشر: صاحبزادہ اقتدار احمد خان

تصنیفات صاحبزادہ مُفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حکیم الامت مُفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۹	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ	فقہ حنفی کا مدلل ترین فتاویٰ (۵ جلد)
خطبات نعیمیہ	جمعہ و عیدین و دیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریات اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور انکی فکری غلطیوں کی نشاندہی
درود تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب
راہ جنت بجواب راہ سنت	سرفراز خاں گکھڑوی کی کتاب "راہ سنت" منہ توڑ جواب
از بلا (اردو، انگریزی)	ردّ عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	...۴۰۰ عربی مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات اعلیٰ مطبوعات	مشہور اور مستند کتابوں میں چند ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کتابت کی غلطیوں، تصحیح کنندگان کی چشم پوشی، بعد کی ملاوٹ یا بعض جگہ خود مولف غلط فہمی کی وجہ سے انتہائی شدید قسم کی غلطیاں ہوگئیں ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس سخت غلط فہمی یا گمراہی پھیلنے کا خدشہ ہے۔

اسم تاریخی

اشرف التفاسیر
۱۳۶۳ھ

تفسیر نعیمی

پارہ پندرھواں (۱۵)

مفسر صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی مالک نعیمی کتب خانہ گجرات

خلف الرشید

حکیم الامت مولانا الحاج المفتی احمد یار خاں بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر: نعیمی کتب خانہ گجرات

مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات۔ پاکستان۔

1Z85

جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد نعیمی محفوظ ہیں

نام کتاب	تفسیر نعیمی پارہ نمبر ۱۵
مفسر	مفتی اقتدار احمد خان صاحب
	خلف الرشید
	حکیم الامت مولانا الحاج مفتی احمد یار خان بدایونی گجراتی رحمۃ اللہ علیہ
تعداد	۱۱۰۰
اشاعت	جنوری 2005ء
ناشر	نعیمی کتب خانہ گجرات
قیمت	

ملنے کے پتے

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7247350-7225085

فیکس:۔042-7238010

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی۔

فون:۔2630411-2212011-2210212-021

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

Green Dome International Ltd.

148-164 Gregory Boulevard, Nottingham. NG7 5JE U.K

Tel:- 0115-911 7222 Fax.- 0115-911 7220

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَعَلٰی جَمِیْعِ الْاَنْبِیَاءِ وَالْمُرْسَلِیْنَ وَالْمَحْبُوْبِیْنَ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔

اما بعد ـــ شکر ہے پروردگارِ عالم کا کہ اُس خالقِ ارض وسما نے اپنی تمام مخلوق میں سے مجھ کو اپنے عظیم صفت قرآن مجید کلام مبین کی وسیع تفسیر لکھنے کی توفیق وسعادت عطا فرمائی۔ اور ابتداءِ آفرینش سے تا ایں دم مجھ کو اور میرے تمام اصولی فروعی خاندان کو عظیم لذتوں سے نوازا۔ ایمانی بہاریں روحانی بحاریں عرفانی فضائیں جسمانی لذتیں عطا فرمائیں۔ سکونِ قلبی کے ساتھ صحتِ جسمانی بھی برقرار فرمائی۔ اور ہر طرح سے پُرسکون ماحول عطا فرمایا۔ اس سے قبل پاکستان گجرات میں اپنے ذاتی کتب خانے کے تعاون سے گیارہویں سیپارے کی ایک چوتھائی اور کچھ زیادہ آیات کی تفسیر کے علاوہ بارہویں سیپارے کی مکمل تفسیر لکھی جو شائع ہو چکی ہے جب بارہویں پارے کی تفسیر مکمل ہو چکی تو آئندہ اس مشکل کام میں ہاتھ ڈالنے کا بالکل ارادہ نہ تھا۔ لیکن عجیب اتفاق ہوا کہ میں پاکستان سے برطانیہ منتقل ہو گیا بلکہ یوں سمجھئے کہ قدرت کی غیبی طاقت نے مجھ کو منتقل کر دیا۔ جب میں گلاسگو کی جامع مسجد الخضری میں دورانِ خطابت پاکستان سے آئے ہوئے بارہویں پارے کی کتابت شدہ تفسیر کی تصحیح کر رہا تھا تو میرے احباب نے اس تفسیر کو بہت عمدہ پا کر مجھ کو مشورہ دیا کہ آئندہ پاروں کی تفسیر کا سلسلہ بھی ضرور ضرور جاری رکھوں ابھی انہی خیالات کی غور و فکر میں تھا کیونکہ وطن سے دور زندگی میں پہلی بار گھر سے باہر قدم رکھا کتب خانہ پاس نہیں۔ مسجد کی لائبریری برائے نام۔ اور وہ بھی صرف اردو انگریزی کتب تھیں۔ ایک ایسی مکمل کتاب لکھنے کی جسارت کرنا جس کو تفسیر قرآن جیسی نازک اور مشکل ترین کی اہمیت حاصل ہو اُس کے لیے وسیع کتب خانہ ایک بڑا مسئلہ ہے میں ابھی ان ہی تفکرات میں غلطاں تھا کہ میرے عظیم بزرگ حاجی محمد حسین میرپوری بہترین لکھائی والے کاغذ دو عدد سیاہی کی دوات لے آئے اور فرمانے لگے کہ لو جناب جو ہمارا کام تھا وہ ہم نے کر دیا۔ میں یہ سب کچھ دیکھ کر حیران بھی ہوا اور مسرور بھی۔ مگر اس اتفاق کو میں نے منجانب اللہ سمجھا۔ اور اسی وقت جہاں بیٹھا تھا مسجد خضری کی نچلی منزل جہاں پانچ وقت نماز ہوتی ہے محراب کے پاس

سولہ جمادی الاخر ۱۴۰۳ھ مطابق یکم اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعہ بعد نمازِ جمعہ قبل نماز عصر اپنے پیارے دوست مہر محمد اقبال گجراتی سے جو اس وقت میرے پاس بیٹھے تھے بسم اللہ شریف کرادی۔ اور آیتِ قرآن مجید کی کتابت شروع کردی ارادہ ایک سیپارے ۱۲ کا تھا مگر حاجی صاحب کے کاغذات اتنے زیادہ نکلے کہ تین پارے تک عربی لکھی گئی اور پھر اوپر اپنا لفظی ترجمہ نیچے اعلحضرت کا ترجمہ یہ سب کام تقریباً چار ماہ میں وہیں لکھا گیا۔ اس کام میں میرا ہاتھ میرے دو دوستوں نے بٹایا ایک محترم ملک غلام نبی صاحب انہوں نے مجھ کو اعلحضرت کا ترجمہ عطا فرمایا۔ اور وقتاً فوقتاً اپنے مفید مشوروں سے نوازا سرزمینِ گلاسگو میں میں اُن کو علمی شخصیت سمجھتا ہوں شاعر بھی ہیں۔ دوسرے ہماری خضریٰ مسجد کے امام حافظ منظور الحق صاحب ملتانی۔ انہوں نے آیت کی تصیح میں کافی وقت دیا۔ ابھی اس کام سے فراغت نہ ہوئی تھی کہ حضرت قبلہ پیرِ طریقت جناب معروف حسین عارف نوشاہی کو میری برطانیہ آمد کا پتہ لگ گیا۔ بس پھر کیا تھا ہزار محبتوں پیغاموں کے ساتھ مجھ کو بریڈفورڈ جمعیت تبلیغ الاسلام کے مرکزی مقام پر دینی خدمات کے لیے بلالیا اور گلاسگو چھوڑنے پر مجبور کیا۔ حسن اتفاق سے مشہور پیر طریقت سید ابوالکمال برق نوشاہی جن کو آج رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہوئے دھچکا سا لگتا ہے۔ وہ بھی بریڈفورڈ ہی میں موجود تھے۔ انہوں نے بھی حکم فرمایا کہ آپ اسی مرکز میں کام کرنے کے لیے برطانیہ بھیجے گئے ہیں۔ اپنے چھوٹے بھائی شہزادۂ نوشاہی پیر معروف صاحب کو فرمایا کہ مفتی اقتدار احمد صاحب کو کسی قیمت پر واپس جانے نہیں دینا میں نے سمجھ لیا کہ یہ تائیدِ غیبی ہے۔ کیونکہ بریڈفورڈ میں قبلہ پیر صاحب کا وسیع کتب خانہ ہے اور مرکزی مسجد میں بھی عربی کتب کا ضروری ذخیرہ موجود ہے۔ اسی دن سے میں نے بریڈفورڈ میں کام شروع کردیا۔ یہاں مجھ کو رب تعالیٰ نے دو معاون عطا فرمادیئے ایک حاجی طالب حسین صوفی قادری نوشاہی اور دوسرے لیاقت حسین نوشاہی اوّل الذکر نے قلم دوات پیمانے اور ضروری اشیا مہیا فرمادیں اور دوسرے دوست نے تفاسیر کثیرہ عربی اردو مہیا فرمادیں۔ یہ ہماری انجمن جمعیت کے جنرل سیکرٹری بھی تھے اور یہ دونوں حضرات مجھ سے دینی کتب درسِ نظامی کو پڑھتے بھی رہے اور تفسیری ضروریات میں مجھ سے تعاون فرماتے رہے۔ مجھ کو بریڈفورڈ لانے میں سب سے زیادہ ہمت میرے عظیم دوست محترم طارق مجاہد صاحب جہلمی نے فرمائی۔ یہ بھی جمعیت کی ذیلی شاخ کے ہیڈ مدرس ہیں۔ میں نے اپنی سابقہ تفسیروں میں اور ان میں وہی طرز اختیار کی جو قبلہ والد محترم حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اختیار فرمائی تھی صرف اتنا فرق کیا کہ ہر شعبۂ تحریر کو علیحدہ کردیا مثلاً تفسیر نحوی کو اور مسائل فقہی کو میں نے احکام القرآن کا نام دے کر علیحدہ کردیا اور ان دونوں حصوں کو میں نے کافی وسیع کردیا جب کہ پہلے یہ دونوں شعبے تفسیر عالمانہ میں ہی شامل تھے اور کچھ مختصر تھے۔ بارھویں سیپارے تک میں نے صرف نحوی تفسیر کو وسعت دے کر علیحدہ کیا تھا لیکن اب ان تین سیپاروں میں

مسائل فقیہہ بھی احکام القرآن کے عنوان سے قطعی علیحدہ کردیئے ہیں۔ نیز میں نے شروع سے ہی اپنی تمام تحریر کو مفسرین کے مخصوص طریقے اور روش سے ہٹ کر فقیہانہ طرز اختیار کی ہے۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ محدثین و مفسرین مثل پنساری کے ہیں اور فقہاء کرام مثل حکیم حاذق کے ہیں۔ جس طرح پنساری کا کام صرف دوائیاں جمع کرنا ہے اور دوائیوں سے دکان کو بھرنا۔ دوائیوں کو چھان پھٹک کر صاف کرنا ہے۔ مگر دوائیوں کی تجویز تخصیص اور اثرات و نتائج کو جاننا حکما اور ڈاکٹروں کا کام ہے۔ اسی طرح محدثین کا کام صرف ہر طرح کی حدیثوں کو جمع کرنا ان کی چھان بین تفتیشِ حال کرکے ضعف و صحت و شہرت و موضوعیت کا پتہ لگانا اور بتانا ہے۔ اور مفسرین کا کام آیتِ قرآنی سے متعلق تمام تفسیری تاویلی تحریفی تعبیری تغییری اقوال نقل کردینا ہے۔ کہ وہ یہ کہتا ہے وہ یہ کہتا ہے وغیرہ۔ مگر یہ کام فقہاءِ کرام کا ہے کہ کس حدیث سے کیا مسائل مستنبط کیا فوائد حاصل اور کس پر کیا دشواریاں لازم آتی ہیں۔ اسی طرح فقیہہ کا کام ہے کہ بتائے اور جانے کہ کونسی تفسیر صحیح ہے کون سی غلط کون سی مشکوک کونسی متروک۔ کیا تاویل ہے کیا تحریف ہے کیا تغییر ہے کیا تعبیری قول ہے اور تاریخی پیوند ہے۔ جس طرح مریض پر فرض ہے کہ پہلے ڈاکٹر حکیم کے پاس جائے اس کے بھیجنے سے پنساری اور میڈیکل سٹور میں آئے اسی طرح عوام پر اشد فرض ہے کہ خود قرآن و حدیث و تفاسیر کو ہاتھ نہ لگائیں بلکہ تمام دینی معلومات کے لیے پہلے فقہاء امت کی بارگاہ میں آئیں وہ بتائیں کہ یہ تاریخ یہ کتاب یہ تفسیر شرحِ حدیث پڑھو تب کسی کتاب تفسیر کو عوام ہاتھ میں لیں۔ ورنہ اس دورِ گمراہی میں ہر طرف ایسی غلط تفسیروں تاویلوں تحریفوں تاریخوں کی کثرت ہے کہ گمراہی ایک قدم پر مل جاتی ہے ایمان ایک ساعت میں صفا نکل جاتا ہے۔ نیز آج عوامی سطح پر فی زمانہ دینی معاملات میں اسقدر سستی کاہلی ہے کہ دین کو بچانے کیلئے اتنی محنت بھی گوارہ نہیں کہ مجلس علما فقہا تک ہی آجائیں اور پھر ان پر مصیبت یہ کہ ان لوگوں کو لبادۂ علمی مل گیا اور وہ لوگ خطابت و فقاہت پر قابض ہوگئے ہیں جن کو صحیح روزمرہ کے انتہائی ضروری اور کارآمد مسائل معلوم نہیں رفقہ اسلامی اور تفتیشِ مسائل تو بڑی دور کی بات ہے۔ اور پھر آج لائبریری سجانا بھی ایک فیشن بنتا جارہا ہے عمدہ کاغذ خوبصورت جلد ستھری لکھائی ہی پسند کا معیار ہے جبکہ اصل چیز مضمون ہے اور مصنف کی نسبتِ علمی و فقہی ہے۔ آج کا عوامی سلسلۂ مطالعہ زیادہ تر ایمانیات و اسلامیات و عقائد حسنہ کے لیے زہر قاتل اور آتشِ سوزاں کی حیثیت رکھتا ہے آج کا دینی تفتیش کا خواہش مند جب اس طرح کی مفسرانہ تفسیروں کا مطالعہ کرتا ہے اور ایسے متضاد نظریوں کا مظاہرہ دیکھتا ہے تو یہ گمراہ ہوجاتا ہے یا بیزار۔ اس وجہ سے یہ تفسیریں اب زیادہ تر مضر ثابت ہو رہی ہیں۔ ان تمام ذہنی خطرات و مصائب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے میں نے اپنی آئندہ تمام تر تصنیفات میں تنقیدی پہلو کو اختیار کیا ہے۔ اور مفسرین کے تمام صحیح اور غلط اقوال درج کرکے صحیح اور غلط کی تفریق اور وجہ بھی ثابت کردی ہے۔ اس لیے اب ان مضامین و تفسیری نکات کو پڑھ کر کم از کم بتدی طالب علم اور تحقیق کا خواہش مند کسی الجھاؤ اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوگا۔ اور کسی نتیجے پر پہنچ سکے گا۔ اس خطرناک حقیقت تلخ تجربے اور نقصان دہ مشاہدے سے انکار نہیں

کیا جا سکتا کہ اپنے پرایوں نے مل کر اسلامی لائبریری کو مختلف متضاد نظریات کی تصنیفات سے اسقدر الجھا دیا ہے کہ نماز روزے کے مسائل سے لے کر عدالتِ اسلامیہ کے بڑے بڑے آئینِ اسلامی تک ایک بھی ایسی تشریح یا تاویل نہیں ملتی جہاں دانشورانِ اسلام ایک اسٹیج پر سر جوڑے دکھائی دیتے ہوں۔ ہر چھوٹے چھوٹے مسئلہ میں زیادہ سے زیادہ اختلاف ملتا ہے۔ دنیوی ماہرین کافی حد تک مختلف مسائل میں متفق ہو جاتے ہیں مگر دین کے اساتذہ میں یہ جرأت اور فراخدلی پیدا نہیں ہوتی اور پھر یہ صرف مسلمانوں میں ہی بدقسمتی پھیلائی گئی ہے۔ یہود و نصاریٰ اکثریت میں متفق دکھائی دیتے ہیں۔ مجھ کو تو اس کی دو وجہ ہی سمجھ آئی ہیں ایک یہ کہ یہ الجھاؤ اپنوں سے زیادہ غیروں نے پیدا کیا۔ اور اپنوں نے اس کو تشہیر کیا۔ یہ نہ سوچا کہ آئندہ زمانوں میں آپ کی ان ہی حرکتوں سے دین کو کھیل سمجھ کر ہر شخص دین میں ٹانگ آزمائی کی کوشش کرے گا۔ اور دین کے معاملے میں خوفِ خدا ختم ہو جائے گا۔ دوسری یہ کہ رب تعالیٰ کی طرف سے دین و دنیا کے اسٹیج تقسیم کئے جا چکے ہیں۔ تو اگر انسان اپنے ہی اسٹیج پر رہ کر کام کرے تو مصلحِ قوم ہو سکتا ہے جب کبھی کوئی انسان اپنا کام اپنی ذمہ داریوں کے علاوہ دوسری چیزوں میں دخل اندازی کرے گا تو خرابی اور تفرقے کا باعث بنے گا مثلاً امام سفیان ثوری تصوف کے امام اور زہد و تقویٰ کے اونچے مقام پر ہیں تو اگر یہ محترم تصوف کے میدان میں اپنے جوہر دکھاتے تو بھلا تھا مگر انہوں اپنے مقام سے ہٹ کر علم و اجتہاد میں دخل اندازی شروع کر دی جو ان کے بس کی بات نہ تھی لہٰذا ایسے غلط قدم اٹھائے کہ بعد والوں کو مصیبت پڑ گئی۔ کتنا ہی بڑا عابد و زاہد کیوں نہ ہو مگر اس کو غیر قانونی بے دلیل اسلام میں دخل اندازی کی اجازت تو نہیں دی جا سکتی اس کے علاوہ مسلمانوں کے حصے ایک اور بہت خطرناک تخریب کاری آ گئی وہ یہ کہ جب کسی شخص صاحبِ قلم مقبول و معتبر اور مشہور شخصیت کو دیکھا جس کی تصنیفات تحریرات و اقوال کو سند کی حد تک مانا جاتا ہو تو شرپسندوں نے اس میں ملاوٹ کر دی یا اپنے باطل دین کی حمایت حاصل کرنے کے لیے اس پاکدامن معطر و منور کتاب میں اپنے گندے عقیدے شامل کر دیئے اور خفیہ چھاپ کر مشہور کر دی جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کتبِ الٰہیہ سے سلوک کیا اور بعد کے تخریب کاروں نے تفسیر ابن عباس میں اسرائیلیات کی ملاوٹ کر دی اور کسی نے غنیۃ الطالبین میں۔ جھوٹی اور غلط باتیں شامل کر دیں۔ اس لیے اہلِ درد اور قوم کے سچے خیر خواہ علما محققین پہ لازم آیا کہ ان کتابوں کے نام ہی کو سند نہ بنائیں یا ان مصنفین کرام کے احترام و عقیدت کی بنا پر اپنی قوتِ فکر سے علیحدہ نہ ہوں بلکہ ہر کتاب کو نہایت تنقیدی نظر سے دیکھتے ہوئے باطل کے جال کو توڑتے ہوئے۔ عوام کے سامنے صحیح مسائل سچے نظریات قرآن و حدیث کی روشنی اور دلائل و مطابقت کرتے ہوئے راستہ صاف کرتے چلے جائیں اب یہ کام موجودہ علما مصنفین محققین کا فرضِ منصبی ہے۔ ان وجوہ کی بنا پر میں نے اپنی تفسیر کا رخ نہایت محنت دلائل اور خوش اسلوبی سے تحقیق و نقاہت کی طرف موڑ دیا۔ تاکہ موجودہ الجھاؤ پریشانی بیزاری سب دور ہو۔

فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

تفسیر نعیمی

پارہ پندرہواں

سُورۃ اسراء (بنی اسرائیل)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

سے نام اللہ جو بخشنے والا ہے رحم والا ہے

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان رحم والا

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ

ہر شئے سے برتر و بالا ہے وہ اللہ جس نے رات والی سیر کرائی کو بندے اپنے صرف ایک رات میں سے

پاکی ہے اُسے جو اپنے بندے کو راتوں رات لے گیا

الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا

مسجد حرام طرف مسجد بہت دور والی

مسجد حرام سے مسجد اقصا تک

الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّہٗ

وہ کہ برکتیں دی ہیں ہم نے اس پاس اُس کے تاکہ زیارت کرائیں ہم اس کو اپنی نشانیوں کی یقیناً وہ

جس کے گرداگرد ہم نے برکت رکھی کہ ہم اُسے اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں بیشک وہ

هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ① وَاٰتَيْنَا مُوْسَى

بندہ ہی بہت زبانوں سے سننے والا ہے اور دی ہم نے حضرت موسیٰ کو

سنتا دیکھتا ہے ۔ اور ہم نے موسیٰ کو کتاب

الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَلَّا

کتاب اور بنایا ہم نے اُن کو سراپا ہدایت لیے بنی اسرائیل کے یہ کہ نہ

عطا فرمائی اور اُسے بنی اسرائیل کے لیے ہدایت کیا کہ

تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا ②ط

بناؤ تم کو مقابل میرے ذمہ دار

میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی سورتِ نحل میں یہودیوں کی بری خصلتوں کا ذکر ہوا کہ انہوں نے توریت کے یومِ سبت کی عزت نہ کی تھی اب یہاں حضرت موسیٰ کو توریت دینے کا ذکر ہوا اور پچھلی سورت میں یہودیوں کا مسجدِ اقصیٰ کو خراب کرنے کا ذکر ہوا یہاں مسجدِ اقصیٰ کی عزت و حرمت کا ذکر ہوا

دوسرا تعلق ۔ پچھلی سورتِ نحل میں صرف جسمانی شفا کے لیے شہد کا ذکر ہوا ۔ اِس سورتِ اسرا میں جسمانی روحانی ۔ ایمانی عرفانی کُلّی شفاء کے لیے قرآن مجید کا ذکر ہوا اِس مناسبت سے سورتِ نحل کے بعد سورت اسراء کا ذکر بہت ضروری ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی سورتِ نحل میں فرمایا گیا تھا سب مخلوق رب کو سجدہ کرتی ہے اور چونکہ عبادتِ بدنی کے ساتھ عبادتِ زبانی بھی ضروری ہے اِس لیے اِس سورتِ اسرا میں فرمایا گیا کہ سب مخلوق رب کی تسبیح پڑھتی ہے ۔ سجدہ عبادتِ بدنی ہے ۔ تسبیح عبادتِ لسانی ہے **چوتھا تعلق** ۔ پچھلی سورت میں بعض کی بعض پر دنیوی فضیلت بذریعہ مال و دولت ذکر ہوئی ۔ اِس سورت میں بعض کی بعض پر دینی فضیلت کا ذکر ہے جس کی نوعیتِ عظمیٰ یعنی فضیلتِ نبوت کا اعلیٰ بیان ہے اور بھی تین چار اشیا وہ ہیں جو اُس سورت میں اجمالاً ذکر ہوئیں اور یہاں کچھ تفصیلاً مذکور ہوئیں ۔

شانِ نزول بہت ہی روایات میں مذکور ہے کہ جب آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سیرِ معراج سے واپس تشریف لائے اور آپ نے اُس کا اعلان فرمایا تو کفارِ مکہ نے بہلے طرح طرح کی باتیں اور آزمائشی مطالبے کیے نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سب مطالبوں کو پورا فرمادیا مگر پھر بھی کفار نہ مانے۔ تب ابتدائی چودہ آیتیں نازل ہوئیں۔ اِس سورت کا نام اسرا ہے کچھ اہل علم لوگوں نے اِس کا نام بنی اسرائیل بتایا ہے۔ ہمارے ایک بزرگ معلم محمد رمضانی کی مرحوم بہت دلائل اور فقہا و مفسرین کے حوالے سے فرماتے تھے کہ یہ نام درست نہیں صحیح نام اسرا ہی ہے۔ واللہ اعلم

تفسیر نحوی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ. سُوْرَةُ الْاَسْرٰى مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشَرَةَ اٰيَةً وَّاِثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا وَّخَمْسُ مِائَةٍ وَّثَلٰثَةٌ وَّثَلٰثِيْنَ كَلِمَاتٍ. وَّثَلٰثَةُ اُلُوْفٍ وَّاَرْبَعُ مِئِيْنَ وَّسِتُّوْنَ حُرُوْفًا

بِ جارّہ اِس سے پہلے فعل اَشرَعُ یا مصدر شروعُ پوشیدہ ہے کیونکہ حروفِ جر ہمیشہ کسی عامل مشتق یا مصدر کے متعلق ہوتے ہیں۔ بِ ملابست یا الصاق کی ہے اسم مفرد جامد بمعنیٰ نام۔ عام ہے صفت خصوصی غیر خصوصی اور عَلَم کو۔ سِمَۃٌ۔ بمعنیٰ نشان یا سُمُوٌّ بمعنیٰ بلندی سے بنا ہے۔ چونکہ واؤ فا کلمہ پر فتحہ ثقیل تھا لہٰذا ہمزہ وصل اُس کے بدلے لے آئے واؤ گر گئی۔ جو ہمزہ فتحہ کی وجہ یا کسرے کی وجہ سے آئے وہ مکسور ہوتی ہے لہٰذا اِسمٌ ہوگیا۔ سُمُوٌّ سے اس طرح تعلیل ہوئی کہ واؤ لام کلمہ پر ضمہ ثقیل تھی لہٰذا واؤ کو گرا دیا تنوین ماقبل میم کو دی اور بدلے میں ہمزہ وصل مکسور اوّل میں لگا دی س کا فتحہ ہٹا کر۔ اللہِ اسم مفرد جامد ذاتی نام پاک ہے خالق تعالیٰ کا۔ مضاف الیہ موصوف ہے۔ الف لام اِسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ رحمٰن۔ اِسم مفرد مشتق مبالغہ بروزنِ فعلان۔ مَلآنْ۔ شَبْعَانْ۔ یہ عربی لفظ ہے رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ قرآن مجید سے پہلے کسی کتاب میں الہامی یا غیر الہامی میں رب تعالیٰ کا یہ نام صفاتی خصوصی نہیں تھا۔ اسی لیے کفار مکہ نے اس نام سے اللہ کو ماننے سے انکار کر دیا تھا۔ بعض نحات نے کہا کہ کفار نے اس لیے انکار کیا تھا کہ یہ لفظ عجمی ہے معرب ہو کر عرب میں آیا۔ در اصل رَخْمٰنْ تھا جس کا ترجمہ ہے بہت نرم طبع۔ حلیم۔ بُردبار۔ مگر پہلا قول صحیح ہے۔ بحالتِ کسرہ ہے پہلی صفت ہے اللہ کی۔ اَلرَّحِیْم۔ الف لام اِسمی۔ صفت مشبہ رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ مکسور ہے کیونکہ صفتِ دوم ہے۔ مرکّب توصیفی مجرور جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ کا۔

سُوْرَۃٌ۔ اسم مفرد جامد آخر کی ۃ وحدت کی بمعنیٰ گھیرنے والا۔ سُوْرُ البَلَدِ سے ماخوذ ہے قرآن مجید کے پورے ایک مضمون کو گھیرنے والی۔ کم از کم تین آیات اور زیادہ سے زیادہ کی حد نہیں۔ مضاف ہے۔ الف لام تعریفی تخصیص کے لیے۔ اَسْرٰی اسم مفرد جامد عَلَم ہے بحالتِ کسرہ مضاف الیہ۔ مرکّب اضافی مبتدا مَکِّیَّۃٌ اسم مفرد نسبتی مؤنث ہے بمعنیٰ مکہ والی۔ خبر مبتدا۔ واؤ سر جملہ۔ ھِیَ۔ ضمیر واحد مؤنث غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے۔

مِائَۃٌ۔ اسم مفرد عددی۔ بمعنیٰ ایک سو۔ اس کی جمع ہے مِئِین یا مِئَات (مِئات) معرب ہوتاہے۔ مضاف ہوکر آئے تو اس کا معدود معرب مضاف الیہ تمیز ہوتا ہے۔ مثلاً مائۃُ رجالٍ۔ سو مرد۔ اگر دیگر عدد سے جُڑے تو مضاف الیہ ہوتا ہے اور واحد جمع بھی آسکتا ہے۔ جیسے خمسۃ مِئین۔ یا ثلثۃ مِائَۃ۔ اس کا تثنیہ مِئتانِ ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِحدیٰ عَشَرَۃَ۔ اسم عدد مرکب امتزاجی ہے۔ مطابق قیاس ہے لہٰذا دونوں اکائی دہائی مؤنث ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ معطوف تابع ہے اِحدا دراصل وَاحِدَۃٌ تھا تخفیف کے لیے اِحدیٰ کیا گیا یہ مرکب عطفی ممیز ہوا آیَۃً اسم مفرد مؤنث بمعنیٰ علامت۔ نشانی۔ مراد ہے قرآن مجید کی عبارت (ایک جملہ) منصوب ہے تمیز ہے ممیز تمیز مل کر معطوف علیہ۔ وَ۔ عاطفہ۔ اِثنا عشر۔ اسم عددی مرکب امتزاجی مذکر ہے۔ اِحدَ عَشَرَ اَحَدَ عَشَر کی طرح یہ بھی مبنی ہوتا ہے محلاً مرفوع ہے کیونکہ مرفوع پر عطف ہے۔ خیال رہے کہ صرف گیارہ سے اُنیس تک عدد مبنی فرع ہوتے ہیں ان ہی کو مرکب امتزاجی کہا جاتا ہے باقی سب اعداد مفرد مرکب وغیرہ معرب ہوتے ہیں۔ ممیز ہے۔ رکوعًا۔ اسم مفرد جامد قرآن مجید کی اس آیت کا نام جس پر صحابہ تراویح میں نماز کا رکوع فرماتے تھے۔ تمیز ہے۔ یہ ممیز تمیز مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ خمسٌ اسم مفرد عدد بمعنیٰ پانچ ممیز مضاف مائۃ اسم مفرد عددی بمعنیٰ سو تمیز مضاف الیہ یہ مرکب اضافی عددی معطوف علیہ وَ عاطفہ۔ ثلثۃ وَ ثلثین۔ اسم عددی مرکب عطفی۔ بمعنیٰ تینتیس ۳۳۔ یہ مؤنث معدود کے لیے اکائی مؤنث اور دہائی مذکر ہوکر آتی ہے یہ اور مذکر کے لیے دونوں مذکر آتے ہیں۔ بحالتِ رفع ہے عطف تابعی کی وجہ سے کلماتٍ۔ اسم جمع مؤنث سالم کلمۃٌ کی بمعنیٰ لفظ۔ لفظ کی آٹھ قسمیں۔ اسم مشتق۔ اسم جامد فعل۔ مصدر۔ مادہ۔ حرف۔ مفرد مرکب۔ لفظِ کلمہ سے حرف نکل گیا۔ باقی سب شامل رہے۔ بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ تمیز مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی عددی معطوف علیہ۔ وَ عاطفہ۔ ثلثۃُ۔ اسم مفرد عدد ممیز مضاف۔ اُلوفٍ۔ تمیز مضاف الیہ۔ جمع ہے اَلف کی بمعنیٰ ہزار مائۃ کی طرح یہ بھی معرب ہوتا ہے تمیز بن کر جمع بھی آسکتا ہے اور واحد بھی ثلثۃُ الفٍ بھی جائز تھا۔ یہ مرکب اضافی عدد معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَربعُ اسم مفرد عدد بمعنیٰ چار مضاف معرب ہے۔ مِئِین۔ جمع مذکر سالم مائۃٌ کی بحالت کسرہ تمیز مضاف الیہ ہے مرکب اضافی عددی معطوف علیہ واؤ عاطفہ سِتُّونَ۔ اسم عدد فرعی۔ بحالت رفع معرب ہے۔ بقاعدۂ نحویہ اسماءِ اعداد بارہ عدد اصولی ہیں۔ ایک سے دس تک۔ اور مِائۃ۔ اور اَلف (سو اور ہزار) یعنی اکائیاں۔ سیکڑہ۔ ہزار اس کے علاوہ باقی سب عدد مفرد ہوں جیسے بیس ۲۰ تیس ۳۰ چالیس ۴۰ وغیرہ یا مرکب ہوں جیسے ثلثۃ عشر فروعی کہلاتے ہیں۔ ستُّونَ۔ معطوف ہے۔ ثلثۃُ اُلوفٍ اپنے سب

عطف سے مل کر ممیز ہوا تمیز - یہ سب ممیز اور عطف کی عبارت مل کر خبر ہوئی مبتدا ھی کی - اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا - عربی میں عدد کو دس طرح پر استعمال کیا جاتا ہے۔

۱ واحد ۲ مثنیہ ۳ جمع ۴ مذکر ۵ مؤنث ۶ مرکب امتزاجی ۷ مرکب عطفی ۸ مرکب اضافی مضاف ہو کر ۹ مرکب اضافی مضاف الیہ ہو کر ۱۰ مفرد - جس کے لیے عدد آئے اُس کو معدود کہتے ہیں یہ ہمیشہ معرب ہوتا ہے لیکن عدد - ایک سے دس اور بیس سے ننانوے اور سو - اور ہزار یہ سب معرب ہوتے ہیں - گیارہ سے اُنیس تک مبنی فرع ہوتے ہیں۔ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا - اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

سُبْحٰنَ - اسم مصدر - سب کا اتفاق ہے کہ یہ بحالت نصب ہے مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا ہمیشہ مضاف ہوتا ہے - اور اس کا مضاف الیہ واحد مذکر اسم ظاہر یا اسم ضمیر ہوتا ہے - یا اسم موصول جیسے یہاں - اس میں مختلف اقوال ہیں کہ یہ بناوٹ میں کیا ہے - ایک قول ہے کہ یہ مصدر سماعی ہے سَبَّحَ فعل پوشیدہ کا - دوسرا قول ہے کہ یہ مصدر قیاسی ہے بروزن فُعلان غُفران - سَبَحَ پوشیدہ فعل کا - تیسرا قول یہ کہ حاصل مصدر جامد ہے چوتھا یہ کہ اسم جامد علم ہے تسبیح کا - بمعنیٰ پاکیزہ - منزّہ - ستھرا - بے عیب ہونا - صفت خصوصی ہے رب تعالیٰ کی - اَلَّذِی اسم موصول واحد مذکر - اَسْرٰی - باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد غائب ھُوَ مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ - مصدر ہے اِسْرَاءٌ - سُرٰی یا سُرْیٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے رات کو سیر کرنا - دونوں حالت میں متعدی ہے - بِ جارہ تعدیہ کی عَبْدِ - اسم مفرد جامد - مبالغہ ہے عابد کا - بمعنیٰ ہر حال میں عجز کے لائق - عَبْدٌ مصدر سے مبالغہ - جھکنا - عاجز ہونا - قابل فرمانبرداری ہونا - مضاف ہے ہٖ - ضمیر مذکر واحد نفسی ہے بمعنیٰ اپنے مرجع اَلَّذِی مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَسْرٰی کا - لَیْلًا - اسم مفرد جامد نکرہ بمعنیٰ تھوڑی رات (رات کا تھوڑا حصہ) - اسم ظرف ہے مفعول فیہ ہے - اَسْرٰی کا - مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے - الف لام اسمی یا عہد خارجی - مَسْجِد - باب ضَرَبَ کا اسم ظرف مکان واحد مذکر سُجُوْدٌ سے بنا ہے - بمعنیٰ شرعی سات اعضا کا زمین پر بیک وقت لگانا - دو قدم کی انگلیوں کے پیٹ زمین سے لگانا - دو گھٹنے دو ہتھیلی ایک چہرہ ناک اور ماتھا - موصوف ہے - الف لام تعریفی - حرام - اسم مصدر ثلاثی - بمعنیٰ احترام کرنا - حرام یہاں اسم جامد ہے بمعنیٰ قابل عزت - یا بہت سی حلال اور جائز چیزوں کو ناجائز و ممنوع کرنے والا صفت ہے مرکب توصیفی مجرور - متعلق دوم ہے اَسْرٰی کا - اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے الف لام اسمی - مسجد اسم مفرد مذکر - اس کی جمع منتہی الجموع مساجد ہے - بمعنیٰ سجدہ کرنے کی جگہ - موصوف ہے - الف لام

توصیفی تخصیصی۔ اَقصٰی۔ باب ضَرَب کا۔ اسم تفضیل واحد مذکر۔ قَصْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ کنارے پر ہونا دور ہونا۔ پُرانی ہونا تینوں معنیٰ میں درست ہے۔ صفت ہے ماقبل کی موصوف ہے مالبعد کا۔ اَلَّذِیْ اسم موصول۔ بَارَکْنَا۔ باب مُفَاعَلَۃٌ فعل ماضی مطلق جمع متکلم کا مخاطِب اللہ تعالیٰ۔ بَرَکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ تھوڑی چیز کا فائدہ زیادہ ہونا۔ زیادتی ہونا۔ خوبصورتی ہونا۔ قابلِ عزت ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اور یہی عُرفِ عام ہے۔ حَوْلَ اسم ظرف مکانی عمومی بمعنیٰ آس پاس معرب مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع مسجد اقصیٰ ہے۔ مفعول فیہ ہے بَارَکْنَا۔ مصدر ہے مُبَارَکٌ یا مُبَارَکَۃٌ بمعنیٰ۔ دو طرفہ برکت۔ ایک طرف لینے اور دوسری طرف دینے کی۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر صفت۔ مرکبّ توصیفی۔ صفت مسجد کی اور وہ مجرور متعلق سوم ہے اَسْرٰی کا۔ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معلول ہوا۔ لام تعلیلیہ ناصبہ۔ نُرِیَ۔ باب افعال کا مضارع بحرف جمع متکلم۔ اس میں نَحْنُ ضمیر پوشیدہ ہے وہ اس کا فاعل مخاطب ہے اِرَادَۃٌ اور اِرْءَاءٌ مصدر بمعنیٰ دکھانا رَاْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا۔ نُرِیَ۔ دراصل تھا نُرْءِیُ۔ بروزنِ نُکْرِمُ۔ تعلیل ہو کر نُرِیَ ہوا منصوب ہے لام کئے سے۔ ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع عَبْدِہٖ ہے۔ منصوب متصل ہے مفعول بہٖ ہے نُرِیَ کا مِنْ جارّہ بعضیت کا یا بیانیہ اٰیٰتِ۔ جمع ہے اٰیَۃٌ کی بمعنیٰ قدرتِ الٰہیہ کے نشانات۔ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نُرِیَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی معلول علت مل کر صلہ ہوا پہلے اَلَّذِیْ کا اور موصول صلہ مضاف الیہ سبحان کا۔ وہ مرکب اضافی مفعول مطلق ہوا اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ ضمیر منصوب اُس کا اسم۔ مرجع یا عبد ہے اور سیاق وسباقِ کلام نیز مقصدِ بیان اسی کو ترجیح دیتا ہے۔ تکلف بھی نہیں کیونکہ مرجع ظاہر موجود ہے علامہ زرقانی امام سبکی اور صاحب روح البیان اور اکثر اہل علم نے اسی مرجع کو پسند فرمایا جیساکہ روح البیان یہی مقام ص۱۳ اور زرقانی سوم ص۱۲۴ پر ہے اور یہاں یہی مرجع جچتا ہے۔ ایک قولِ صحیح میں مرجع ذہنی ہے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل تاکید کے لیے یا حصر کے لیے مبتدا ہے۔ الف لام اسمی سَمِیْعٌ صفت مشبہ سَمْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سننا۔ ترجمہ ہے پہلے سے سننے والا۔ بحالتِ رفع ہے خبر اوّل ہے مبتدا الف لام اسمی بَصِیْرٌ۔ صفت مشبہ بَصَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا دل دماغ اور آنکھ سے۔ صرف آنکھ سے دیکھنا نظر ہے فقط دل سے رویت ہے فقط دماغ سے بصارت ہے اور تینوں سے دیکھنا بصیرت بحالتِ رفع خبر دوم ہے ھُوَ مبتدا کی مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ ہوا۔ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا۔ واؤ سر جملہ۔ اٰتَیْنَا۔ اٰتٰی سے ماضی

مطلق جمع متکلم۔ مخاطِب اللہ تعالیٰ، بمعنیٰ دینا۔ متعدی بدو مفعول۔ مُوسیٰ۔ اسم مقصورہ۔ نام ہے پیغمبر کلیم اللہ علیہ السلام کا، بحالتِ فتحہ مفعول بہ اوّل ہے۔ منصرف ہے تقدیری اعراب سے۔ الف لام عہدی کتاب بمعنیٰ مکتوب مراد توریت ہے۔ مفعول بہ دوم ہے آتینا کا۔ جملہ فعلیہ خبریہ موجبہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ۔ ابتدائیہ جَعَلْنٰہُ۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مقرر کرنا یا پسند کرنا۔ یہاں دونوں معنیٰ مناسب ہیں۔ متعدی بدو مفعول ہی ہوتا ہے۔ یہ کبھی لازم یا متعدی بیک مفعول نہیں ہوسکتا ہاں البتہ کبھی کبھی اس کا مفعول دوم جار مجرور کی شکل میں حرفِ جر تعدیہ کے لیے ہوتا ہے۔ مخاطِب اللہ تعالیٰ ہے۔ ہُ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل مرجع کتاب یا لفظِ موسیٰ ہے مفعول بہ اوّل ھُدًی۔ اسم مصدر جامد (حاصل مصدر) بمعنیٰ رہنمائی۔ رہبری ھُدًی بروزنِ بُشریٰ۔ منصوب ہے مفعول بہ دوم ہے۔ لام حرفِ جر نفع کا۔ بَنِیْ۔ اسم جمع مذکر سالم بحالتِ کسرہ مضاف ہے۔ اس کا واحد اِبْنٌ یا بِنٌ ہے بَنِیْنَ تھا آخر کی نونِ اعرابی اضافت سے گر گئی۔ اسرائیل۔ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی۔ علم ہے حضرتِ یعقوب کا ذاتی نام ہے۔ لفظِ یعقوب صفاتی نام ہے۔ یا دونوں ذاتی ہیں مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر یا متعلق ہے ھُدًی مصدر کا یا جَعَلْنٰہُ کا۔ اَلَّا۔ یہ دو حرف۔ ع۱ اَنْ۔ زائدہ۔ یا تفسیریہ۔ ع۲ لَا۔ یہ لاءِ نہی ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے اَنْ۔ لَا تَتَّخِذُوْا۔ فعل نہی صیغہ جمع مذکر حاضر۔ بابِ افتعال سے ہے مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ بنانا۔ اختیار کرنا۔ من گھڑت عقیدہ پکڑنا۔ یا ہاتھ سے بنانا۔ یہاں بمعنیٰ سمجھنا۔ عقیدہ بنانا ہے۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ مِنْ جارہ زائدہ۔ دُوْنِ۔ اسم مشترک ہے۔ نو معنیٰ ہیں۔

ع۱ سوائے۔ ع۲ علاوہ۔ ع۳ ذلیل۔ ع۴ گھٹیا۔ ع۵ نزدیک ع۶ حفاظت ع۷ نیچے ع۸ مخالف ع۹ مقابل۔ یہاں بمعنیٰ مقابل ہے یا مخالف ہے معرب ہے۔ ظرفِ مکانی کے لیے مستعمل ہوجاتا ہے بمعنیٰ نزدیک یا بمعنیٰ نیچے۔ اِس کی زیادہ تفصیل والد صاحب علیہ الرحمۃ کی تصنیف جاء الحق اوّل اور علم القرآن اور ہماری کتاب فتاوی العطایا جلد دوم میں دیکھو۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔ مضاف الیہ ظاہر اور ضمیر سب ہو سکتے ہیں۔ یٖ ضمیر واحد متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ جس کا مرجع باری تعالیٰ۔ وَکِیْلًا۔ صفت مشبہ معرب نکرہ۔ وَکْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ۔ ذمہ داری دینا۔ ذمہ داری لینا۔ کار ساز۔ نگران نگہبان۔ محافظ۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ مفعول بہ ہے نہی کا۔ لَا تَتَّخِذُوْا جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر۔ یا علیحدہ مکمل ہو گیا۔ تب اَنْ زائدہ ہے۔ یا تفسیر ہوا ماقبل کی تب اَنْ تفسیریہ ہے۔ اَنْ زائدہ کی صورت میں یہاں قُلْنَا لَھُمْ پوشیدہ ماننا پڑے گا تاکہ یہ اُس کا مقولہ ہو جائے اور کلام مکمل ہو۔ ایک قرأت میں

لَا تَتَّخِذُوْا۔ مضارع منفی منصوب ہے تب اَنْ ناصبہ ہے اور لام تعلیلیہ پوشیدہ ہے یعنی لِئَلَّا ہے۔ اور ترکیبًا جملہ فعلیہ منفیہ علّت ہے ماقبل جَعَلْنَا کی۔ مگر مشہور قرأت فعل نہی کی ہے۔

تفسیر عالمانہ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

اس سورت کا نام اسراء ہے۔ بعض نے کہا سُبْحٰن ہے اور بعض نے کہا بنی اسرائیل ہے۔ سُبْحٰن کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ اس سورت کا پہلا لفظ سُبْحٰنَ ہے اس لیے وہی اس کا نام ہے۔ بنی اسرائیل نام کی دلیل چونکہ اس میں لفظ بنی اسرائیل آرہا ہے اس لیے وہی اس کا نام ہے مگر یہ دونوں دلیلیں انتہائی کمزور ہیں۔ کیونکہ سورتِ قرآنی کا نام نہ ابتدائی لفظ کا پابند ہے نہ پہلے رکوع میں یا سورت میں کسی خاص قوم کے نام آجانے کا پابند ہے۔ بلکہ اس سورت میں کسی ایسے لفظ سے اس کا نام رکھا جاتا ہے جو لفظ کسی اور جگہ دوسری سورت میں نہ ہو۔ اس بنیاد اور قانون پر دیکھنے سے صحیح قول یہی ہے کہ اس کا نام اسراء ہے۔ کیونکہ سارے قرآن مجید میں لفظِ سُبْحٰن مختلف سورتوں میں تقریبًا اکتالیس دفعہ آیا۔ اور لفظِ بنی اسرائیل تقریبًا چالیس دفعہ آیا۔ حالانکہ اُن میں سے نام کسی سورت کا نہ سبحان ہے نہ بنی اسرائیل۔ اسریٰ کا ہی ایسا لفظ ہے جو سارے قرآن مجید میں صرف ایک ہی دفعہ اسی سورت میں آیا۔ اس لیے اسی سے اس کا نام ہوا۔ اور سورتوں کے نام چونکہ منجانب اللہ ہیں اس لیے کسی کی اپنی دخل اندازی قبول نہیں ہوگی۔ اور پھر اگر اس لفظِ سبحان کا پہلی آیت میں ہونا اس کے نام بننے کا موجب ہو تو چاہیے کہ سورۃ نحل کا نام بھی۔ سبحان ہو۔ کیونکہ اس کی پہلی آیت میں بھی سُبْحٰنَهٗ ہے۔ بس ثابت ہو گیا کہ ہر سورت کا نام اس کے انوکھے واقعے۔ یا انوکھے حروف یا کسی خصوصی لفظ کی بنا پر ہوگا۔ یہ پابندی نہیں کہ وہ لفظ وغیرہ اس سورت میں کس جگہ ہوں یہ پابندی صرف سیپارے کے نام کے لیے ہے۔ اُس کا پہلا جملہ ناقصہ یا تامہ۔ یا پہلے حرف ہوں۔ سیپاروں کے نام انسانی ساخت ہیں۔ اس سورت کی آیت میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ۔ اس کی ایک سو دس ۱۱۰ آیتیں ہیں یہ جمہور قراء حضرات کا مسلک ہے یہ حضرات آیت ۹۸ اور ۹۹ کو ایک آیت تصور کرتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ اس کی ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔ یہ قراءِ کوفہ کا مسلک ہے۔ ہمارے علاقۂ ہندو پاک و افغان میں جہاں سب کے سب حنفی مسلک ہی رائج ہے دیگر ثلاثہ ائمہ کے مقلد دور دور نہیں ملتے۔ اہلِ کوفہ کا یہ مسلک ہی مشہور ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔ یہ سورت سب مکی مگر چند آیات میں پانچ قول ہیں۔ ۱ امام قتادہ تابعی فرماتے کہ آٹھ آیتیں ۷۳ سے ۸۰ تک مدنی ہیں۔ جو ہجرت کے سفر میں بعد ہجرت نازل ہوئیں۔ دوم یہ

کہ صرف دو آیتیں مدنی ہیں ۷۳ اور ۷۶ سوم یہ کہ چھ آیتیں مدنی ہیں ۶۰ ۔ ۷۳ ۔ ۷۴ ۔ ۷۵ ۔ ۷۶ اور ۸۰ ۔ چہارم یہ کہ مقاتل نے فرمایا۔ سات آیتیں مدنی ہیں ۶۰ ۔ ۷۳ ۔ ۷۴ ۔ ۷۵ ۔ ۷۶ اور ۸۰ اور ۱۰۷ پنجم یہ کہ امام حسن بصری نے فرمایا کہ پانچ آیتیں مدنی ہیں۔ ۲۶ ۔ ۳۲ ۔ ۳۳ ۔ ۵۷ ۔ ۷۸ اِن تمام اقوال کے باوجود صحیح تر یہ ہے کہ ساری سورت مکی ہے مدنی کوئی آیت نہیں ۔ اس سورت میں قراء صحابہ نے بارہ حصہ بنائے ۔ جس کو اصطلاحِ شریعت میں رکوع کہا جاتا ہے یہ نام نماز کے رکوع سے لیا گیا ہے ۔ اس سورت کے مضامین کا خلاصہ اس طرح ہے ۔ پہلا رکوع واقعہ معراج ۔ اور بنی اسرائیل کا تاریخی ذکر ۔ دوسرا رکوع ۔ بندوں کے اعمالِ نیک و بد اور اُس کا نتیجہ تیسرا رکوع حقوق والدین اور حقوقِ حُسنِ معاشرہ چوتھا رکوع ۔ شریعت کے اُمراور ممنوعہ چیزیں پانچواں رکوع حمدِ الٰہی و قدرتِ الٰہیہ کا ذکر چھٹا رکوع ۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی محنتوں اور ابلیس کی مکاریوں کا ذکر ساتواں رکوع آدم علیہ السلام کا سجدہ ۔ ابلیس کا انکار ۔ عظمت و شرافتِ انسانی ۔ آٹھواں رکوع ۔ اَحوالِ قیامت ۔ عبرت ۔ بچاؤ نواں رکوع نفلی عبادات کا ذکر ۔ دسواں رکوع ۔ روحِ انسانی یعنی جان (زندگی) اور روحِ ایمانی یعنی قرآن (مجید) کا ذکر ۔ گیارھواں رکوع میدانِ محشر میں مجرموں کا حلیہ اور فرشتوں کا ذکر بارھواں رکوع ۔ معجزاتِ موسیٰ علیہ السلام ۔ فرعون ۔ بنی اسرائیل توحید و شریعت کا ذکر اِس سورت کی ابتدائی پہلی آیت میں معراج پاک کا ذکر ہے ۔ حدیث پاک و قرآن مجید کی فرمودات سے آقائے دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تیس مرتبہ معراج ثابت ہے ۔ جن میں انتیس ۲۹ معراجیں مناسی یعنی خواب کی ہیں ۔ اور ایک معراج جسمانی ہے ۔ قرآن مجید میں صرف معراجِ جسمانی کا ذکر ہے جو مسجدِ حرم سے یعنی خانہ کعبہ سے شروع ہوئی اور مسجد اقصیٰ پھر لامکان تک ہوئی ۔ پہلی معراج مسجد اقصیٰ تک اُس کی وضاحت اِس جگہ اسی ایک آیت میں اجمالاً ہوئی اقصیٰ سے لامکان تک اِس کا ذکر سورتِ نجم میں ہوا ۔ یہ معراج سن عیسوی اور شمسی تاریخوں کے حساب سے ۶۲۱ ء میں ہوئی ۔ نبوت کے درمیانِ سال یعنی گیارہویں سال کیونکہ ۲۳ کا درمیانی سال ۱۱ ہے درمیان ماہ یعنی رجب ۔ درمیانِ دن یعنی پیر ۔ درمیانی رات یعنی آدھی درمیانہ وقت یعنی چوبیس گھنٹے کا نصف ایک بجے تقریباً درمیانِ قرآن یعنی پندرھویں پارے میں درمیانی امت کے نبی یعنی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری کائنات کا مشاہدہ و معائنہ کرایا گیا ۔ جس کا آدھا ذکر یعنی روئے زمین اور اُس کے نیچے عالمِ برزخ ۔ جہنم تحت الثریٰ کی سیر کا ذکر نصف القرآن یعنی پندرھویں پارے میں فرمایا گیا ۔ اور باقی آدھا یعنی بیت المقدس اور اُس کے اوپر آسمان ۔ بیت المعمور اور لامکان کی حاضری کا ذکر دوسرے نصف کے ستائیسویں سیپارے میں ہوا اور یہ واقعہ چاند کی ستائیس اور چھبیس کی درمیانی

رات ہوا۔ اس تطابق میں بھی عجیب حکمتیں اور اسرارِ الٰہیہ ہیں۔ اس لیے کہ جو درمیان میں ہوتا ہے وہ اوّل بھی ہوتا ہے آخر بھی ظاہر بھی ہوتا ہے باطن بھی۔ سمیع بھی ہوتا ہے بصیر بھی۔ رحمت عالمین بھی ہوتا ہے راحت عاشقین بھی احادیث میں منامی اور جسمانی دونوں معراجوں کا ذکر ہے۔ مگر تذکرہ میں اس طرح فرق ہے کہ منامی معراج خانۂ کعبہ سے شروع ہو کر آسمان پر اُس میں بیت المقدس کا ذکر نہیں۔ جسمانی معراج حضرت اُمِّ ہانی بنت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر سے شروع ہو کر تحت الثریٰ عالمِ برزخ۔ عالمِ دوزخ کا معائنہ فرماتے ہوئے بیت المقدس پھر آسمان ولا مکان۔ دوسرا فرق یہ کہ بقول اکثر علما معراجِ منامی میں سینہ چاک ہونے اور آبِ زمزم یا کوثر سے دھلنے کا واقعہ پیش ہوا نہ کہ معراج جسمانی میں۔ کیونکہ جسمی طور پر تو زمانۂ بچپن میں حضرت حلیمہ کی وادی میں سینۂ فیض گنجینہ کا شق ہونے کا واقعہ ہو چکا۔ بار بار دھونے کا کیا مطلب۔ تیسرا فرق یہ کہ معراجِ منامی میں براق یا رفرف نہیں۔ بلکہ حضرت جبریل نے ہاتھ پکڑا اور آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ (مشکوٰۃ شریف رواہ بخاری ومسلم) معراج جسمانی میں اولاً براق پر سواری ہوئی سدرہ تک پھر رفرف پر سواری ہوئی عرش تک۔ براق چوپایہ جانور ہے اور رفرف تختہ ہے ہوائی جہاز نما یا تختِ سلیمانی کے مشابہ۔ پھر عرش سے لامکان تک پیدل حاضری ہوئی۔ معراج جسمانی میں تین قوتوں کا اظہار ہوا۔

۱ قوتِ بُراق ۲ قوتِ انبیاءِ کرام ۳ قوتِ مصطفیٰ علیہ وعلیہم التحیۃ والثنا۔ براق گھوڑے کے برابر سفید چوپایہ ہے جو صرف انبیاء کرام کے لیے رب نے پیدا فرمائے ہر نبی کا علیحدہ علیحدہ ان کو موت نہیں مثل حور و غلمان کے میدانِ محشر اور جنت یا دنیا میں بھی بعض انبیا کو عطا ہوئے مگر ظاہر نہیں۔ ایک صحیح اور مدلل قول یہ ہے کہ انبیاء کرام کو دنیا میں نہیں ملے بجز آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ وسلم کے اور آپ کو بھی صرف سفرِ معراج کے لیے۔ برقٌ یا بریق سے بنا ہے۔ بمعنیٰ چمکدار سفیدی یا بمعنیٰ تیز رفتاری۔ اِس کی قوت رفتار حدیث پاک میں یہ بیان ہوئی مُنْتَہیٰ نظر اُس کا ایک قدم پڑتا ہے۔ حضرت جبریل قدمِ پاکِ صاحبِ لولاک کو اپنے جبریلی ہونٹوں کے بوسے اور اپنے کافوری پروں کے لمس سے جناب اُمِّ ہانی کے گھر سے بیدار کرتے ہیں کیا شانِ محبوبیت ہے کہ روزانہ ذکرِ الٰہی میں یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ کا مظہرِ اتم ہو کر راتیں جاگ کر گزاری جاتی ہیں اور آج سرِ شام ہی سے استراحت ہے۔ تاکہ کائناتِ دھر اور اقوامِ عالم کو پتہ لگ جائے کہ عبد منتظِر ہوتا ہے اور عبدہٗ منتظَر ہوتا ہے۔ عبد وہ ہے جو معراج کا انتظار کرے اور عبدہٗ وہ ہے کہ معراج اور عرشی مخلوق اُس کا انتظار کرے۔ یہ بھی ظاہر ہوا کہ اس پروگرام الٰہیہ سے نبی کریم بے خبر نہ تھے نہ جانے کتنے زمانوں سے اِس سیاحت کے سمیع وبصیر

تھے۔ اُٹھ کر وضو فرماتے ہیں اور براق پر تشریف لائے براق اپنی اسی برق رفتاری سے روانہ ہو کر جب عالَمِ برزخ سے گذرا تو دیکھا موسیٰ علیہ السلام اپنے مقام میں نماز ادا فرمارہے ہیں۔ باقی انبیاء تو مسجد اقصیٰ میں پہنچ چکے ہوں گے مگر موسیٰ علیہ السلام کچھ لیٹ ہوئے اس میں بھی عظیم مصلحت ہے۔ وہاں سے گزرے تو وادیِ جہنم کے وہ آٹھ قسم کے عذاب دیکھے جن کا حقیقی وجود ابھی بعدِ قیامت ہزاروں یا سینکڑوں سال بعد ہونے والا ہے۔ بتانا یہ مقصود تھا کہ نبوت کی نگاہ بھی بے مثل ہے اور نبی کریم کی بیداری بھی مثلِ خواب کے آنیوالے واقعات کو دیکھ لیتی ہے۔ گویا کہ نبی کی نیند اور خواب حقیقت ہونے میں مثلِ بیداری اور بیداری معدوم کو بھی دیکھنے میں مثل خواب کے ہے۔ وہاں سے ایک ہی قدم اٹھایا تو مسجد اقصیٰ جس کا فاصلہ کعبہ مکرّم سے چالیس منزل اونٹ پر سوا ماہ کا راستہ۔ پیدل دو ماہ۔ گھوڑے پر ایک ماہ۔ نبی کریم براق سے اُترے صرف اعزازاً براق کو باندھ دیا۔ بھاگنے کا خطرہ نہیں تھا۔ جب فرشتوں کے جلوس میں مسجد بیتُ المُقدس میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ تمام سابقین نبیین علیہم السلام والتحیین میں حضرت موسیٰ بھی صفِ اوّل کے اندر موجود جلوہ افروز ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جب رسول پاک محمد کائنات مصطفاءِ رَبِّ ذُوالجلال کی امامتِ مبارکہ میں سب نے نماز ادا فرما کر دعائیں مانگیں تو سب انبیاءِ کرام نے نبیِّ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وداع فرمایا۔ اور بُراقِ برقِ جہانتاب اپنے پورے جوش وخروش اور پوری قوتِ رفتار سے پرواز کرتا ہے اور پہلے ہی قدم میں پہلے ہی آسمان کا دروازہ آجاتا ہے۔ مگر بند ہے اندر فرشتہ محافظِ ناظم الباب (گیٹ کیپر) ڈیوٹی پر کھڑا ہے۔ آخر کیوں؟ صرف اس لیے کہ یہ شاہی دروازہ ہے گزرگاہِ مصطفیٰ ہے۔ اس دروازے سے کوئی نہیں گزر سکتا نہ ملکِ مقرب نہ نبیِّ مرسَل جب سے بنا ہے انتظارِ شہنشاہِ کونین میں بند ہے۔ اور پھر بھی تا قیامت بند۔ مصطفیٰ تیری شوکت پہ لاکھوں سلام۔ آسمان پر لاکھوں دروازے ہوں گے کیونکہ دن رات تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوحُ۔ ملائکہ کے چڑھنے اترنے کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ نہ بندش۔ نہ رکاوٹ۔ ہمہ وقت کھلا ہے اور ہر شخصیت کو آنے جانے گزرنے کی پوری اجازت ہے مگر یہ دروازہ کچھ گفتگو کے بعد آج ہی کھولا گیا۔ پہلا آسمان ہے۔ استقبال کرنے والوں میں وہ آدم علیہ السلام بھی ہیں جو ابھی وداع کر رہے ہیں دوسرے آسمان پر عیسیٰ علیہ السّلام اور یحییٰ علیہ السّلام دونوں آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔ تیسرے آسمان پر یوسف علیہ السّلام چوتھے پر ادریس علیہ السلام پانچویں پر ہارون علیہ السّلام چھٹے پر موسیٰ علیہ السّلام ساتویں پر ابراہیم علیہ السّلام۔ کیا اس سے ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاءِ کرام کی قوتِ رفتار براق سے بھی زیادہ ہے۔ رفتاری طاقت اس لیے بتائی کہ انبیاء امت کے مشکل کشا ہیں اور مشکل کشا کے لیے بروقت پہنچنا اشد ضروری۔ یہاں سے بیت المعمور پہنچ کر ملائکہ کو دتر کی جماعت

کرائی۔ اور اذان دونوں جگہ جبرئیل نے فرمائی۔ یہاں سے سدرہ بیری اور اس کی آج رات کے جشن والی چمک روشنی دیکھتے ہوئے رفرف پر تشریف فرما ہو کر اکیلے ہی عرش تک پہنچے۔ براق سدرہ پر ہی رہا۔ یہاں سے رفرف کو بھی چھوڑ دیا۔ یہاں تک سواری پر معراج ہوئی اس لیے کہ مخلوق سے مخلوق تک اور گھر سے گھر تک آنا ہے۔ یہاں اظہار برتری اور شان مقصود ہے۔ لیکن اصل معراج تو اب شروع ہونے والی ہے۔ کیونکہ معراج مصدر میمی ہے عرج یا عروج کا بمعنی "خود چڑھنا۔ پیدل جانا۔ یہاں مقام عجز ہے راز و نیاز ہے۔ یہ فاصلہ زیادہ ہے صوفیاء کرام صاحب اسرار فرماتے ہیں کہ عرش سے مقام دنیٰ تک ستر ہزار پردے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے طے فرمائے۔ اور ہر پردے کا فاصلہ آسمان و زمین کے برابر۔ اتنا دراز فاصلہ اور رب فرمائے اَسْرٰی۔ ابھی تو نبی کی سیر تفریح ہے۔ کس کی مجال ہے جو طاقت محبوب کا مقابلہ کر سکے۔ کس کی تجلیات سے جبرئیل امین کے پر جلنے لگے۔ یہ معراج مصطفیٰ کا دور ہے۔ سورج کا عروج ہو تو ذرے جلتے ہیں معراج مصطفیٰ ہو تو بال جبرئیل کو خطرہ ہے۔ سب کے راز و نیاز بتا دیئے جب محبوب کی باری آتی ہے تو فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔ آج کی رات نے براق کی صرف طاقت رفتار بتائی۔ انبیاء کرام کی طاقت منہج و استقبال بتائی۔ مگر محبوب کبریا کے چلنے کی طاقت سُبْحٰنَ الَّذِیْۤ اَسْرٰى چڑھنے کی طاقت وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى۔ آنکھوں کی طاقت مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى بولنے اور زبان کی طاقت مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى۔ دل کی طاقت مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ حوصلہ اور ہمت کی طاقت مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ سینے کی طاقت قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ یہ سیر کوئی معمولی سیر نہ تھا کارخانہ قدرت کا نرالہ شاہکار تھا اس لیے واقعہ کے شروع میں فرمایا سُبْحٰنَ الَّذِیْ مفسرین فرماتے ہیں نہایت اہم اور انتہائی حیرت ناک عجیب خوشگوار موقع پر سُبْحٰنَ فرمایا جاتا ہے۔ ہمارے مناظر اعظم قبلہ مولانا محمد عمر اچھروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ دوست گھوڑے پر دولہا بن کر بیٹھے تو دوست کہتے ہیں سبحان اللہ۔ بھائی کو بہنیں۔ بیٹے کو ماں باپ سبحان اللہ کہتے ہیں آج باری ہے مصطفیٰ کے براق پر بیٹھنے کی نہ اس وقت دوست ہیں۔ نہ ماں ہے نہ والد نہ بہنیں رب نے کہا اے پیارے تو براق پر بیٹھ صدائیں ہماری طرف سے آئیں گی سُبْحٰنَ الَّذِیْ۔ فرمایا اَسْرٰی۔ سیر کرائی۔ یا اس لیے کہ اپنی ملکیت میں سفر نہیں ہوتا۔ یا اس لیے کہ سفر میں تھکاوٹ و مشقت ہوتی ہے۔ سیر میں راحت و سکون۔ اس روانگی میں سارے رستے راحت و سکون ہی رہا۔ نہ تھکاوٹ نہ مشقت۔ تھکتا وہ ہے جو کمزور ہو جس کی طاقت کا جبرئیل و میکائیل بھی مقابلہ نہ کر سکیں اس نے کیا تھکنا ہے۔ فرمایا۔ بِعَبْدِهٖ۔ نبی کریم رؤف رحیم کے ہزار لقب اور صفاتی نام ہیں مگر آج نہ رَسُوْلِهٖ نہ حبیبہ نہ مزمل نہ مدثر۔ نہ یٰسٓ نہ طٰهٰ۔ بلکہ بِعَبْدِهٖ۔ اس لیے کہ رسول نبی

وغیرہ قانونی اور عہدے کے نام ہیں وہ دفتر اور دربار میں بولے جاتے ہیں لیکن آج تو اپنے گھر روانگی ہے لہٰذا گھریلو لقب بولا گیا۔ یا اس لیے کہ بندوں کے پاس گئے تو رسول۔ نبی رحمتِ عالمین بن کر گئے۔ آج اپنے رب کے پاس آ رہے ہیں لہٰذا یہی لفظ مناسب یا اس لیے کہ اے کائنات والو تم ہمارے حبیب کو پکارو تو آقا مولیٰ یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہہ کر پکارو۔ ہم پکاریں تو بِعَبْدِہٖ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ دوسرے آسمان تک گئے تو نصاریٰ نے ابن اللہ کہنا شروع کر دیا احمدِ مجتبیٰ تو لوح و قلم سے آگے نکل گئے۔ کہیں یہ دیکھ کر کوئی گمراہ نہ ہو جائے۔ اس لیے فرمایا بِعَبْدِہٖ کہ عروج خواہ کتنا ہی ہوا مگر عبدیت کا تاج پہنے ہی رہے۔ یا اس لیے کہ عبد تو ساری کائنات ہے مگر عبدہٗ صرف محمد مصطفیٰ ہی ہیں فرمایا لَیْلًا۔ اَسْریٰ نے اگرچہ رات کا ذکر کیا تھا مگر مقدار نہ بتائی تھی لَیْلًا اسم نکرہ بول کر بتایا گیا کہ آنا اور جانا سیر مگر رات کا تھوڑا سا حصہ۔ فرمایا گیا مِنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى اس معراج جسمانی میں سیر و سیاحت کے چار حصے ہیں پہلا حرم سے اقصیٰ تک دوسرا اقصیٰ سے سدرہ تک تیسرا سدرہ سے عرش تک چوتھا عرش سے لامکان تک۔ عالمِ برزخ کی معراج اُمتِ مسلمہ کی عبرت کے لیے ہے اسی لیے صرف وہی نظارہ آشکارہ کیا گیا جو عمل و سزا میں مسلمانوں سے متعلق ہے۔ مسجد اقصیٰ تک کفارانِ مکہ کو قائل اور لاجواب کرنے کے لیے سدرہ تک معراج اہلِ شریعت کے لیے عرش تک معراج اہلِ طریقت کے لیے۔ لامکان تک معراج اہلِ اسرار کے لیے۔ دوسری حکمت پہلی معراج یہ بتانے کے لیے نبی کریم کسی سے بے خبر نہیں نہ جنتیوں سے نہ دوزخیوں سے۔ دوسری معراج یہ بتانے کے لیے کہ نبی کریم نبی الانبیاء ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم اجمعین وسلم۔ تیسری معراج یہ بتانے کے لیے کہ تمام ملائکہ بھی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی امت ہیں۔ چوتھی معراج یہ بتانے کے لیے کہ عرش و کرسی نبی کریم کے لیے بنایا گیا۔ اللہ تعالےٰ کو ضرورت نہیں پانچویں معراج حضورِ اقدس کی ذاتی قوت اور یہ بتانے کے لیے جو کچھ نبی کریم نے دیکھا اور جانا کسی آنکھ نے نہ دیکھا نہ جانا۔ بلکہ۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

تیسری حکمت آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی چار حقیقتیں ہیں۔ ۱ حقیقتِ بشریت ۲ حقیقتِ ملکیت ۳ حقیقتِ نورانیت ۴ حقیقتِ حقیت (رسترِیت) آج تکمیل معراج چاروں حقیقتوں کے ظہور سے ہو گی۔ پہلی معراج میں بشریت کا ظہور دوسری میں ملکیت کا تیسری میں۔ نورانیت کا چوتھی میں حقیت و رسترِیت کا۔ چوتھی حکمت پھر نبی کریم کی بشریت بھی بے مثل ہے۔ کیونکہ بشریت اپنے عناصرِ اربعہ

کی وجہ سے چار چیزوں کا حاجتمند غذا - ہوا - آگ مٹی - مگر نبی کو عرصۂ دراز کے لیے اُن راستوں سے وہاں پہنچایا جہاں کوئی چیز نہیں بتادیا کہ ہر بشر اِن اشیا کا محتاج مگر ہمارے حبیب ان سے بھی بے نیاز اِن آیات میں حرم شریف کو مبدا (ابتدا) اور مسجد اقصیٰ کو غایت یعنی انتہا بنایا گیا - چار وجہ سے ایک یہ کہ زمین پر سب سے پہلے وجود مسجد حرام کا اور سب سے پہلے سجود مسجد اقصیٰ کا - یعنی کعبہ سب سے پہلے یہ حرم - اور قبلہ سب سے پہلے وہ اقصیٰ - دوم یہ کہ زمین کا بالکل درمیان - حرم کعبہ - اور کنارے پر مسجد اقصیٰ سوم یہ کہ اس کی حفاظت اللہ کے ذمہ کرم پر اور اُس کی عزت و توقیر بندوں کے ذمہ - چہارم یہ کہ مسجد اقصیٰ کو حضرت آدم نے بنایا چالیس سال کعبہ بنانے کے بعد - اور پھر حضرت سلیمان نے بیت المقدس میں صرف ہیکل پھر حضرت ابراہیم نے بنایا اور مکمل بنایا - معراج کے وقت کعبہ یعنی مسجد حرام بنیادِ ابراہیم ہے جو ابوالانبیاء ہیں اور اقصیٰ بنیادِ آدم ہے جو ابوالبشر ہیں - احادیث سے ثابت ہے کہ صرف تین مسجدوں کی طرف سفر کرنا جائز ہے ۱ مسجد حرام ۲ مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی - اِن ہی مساجد کی نمازوں کا ثواب مقرر فرمایا گیا مسجد حرم کا ثواب ایک لاکھ - مسجد نبوی کا پچاس ہزار مسجد اقصیٰ کا پچاس ہزار - مجھے حیرت ہے اُن تبلیغی وہابیوں پر جو مدینہ منورہ کی حاضری کو بدعت اور شرک کہتے ہیں اور خود ہر مسجد کی طرف بستر اٹھا کر سفر کرتے پھرتے ہیں اور اپنی بنائی ہوئی مسجد کا خود ساختہ ثواب بھی مقرر کر لیا - جو مسجد حرم سے بھی زیادہ ہے (معاذ اللہ) فرمایا گیا بَارَکْنَا حَوْلَهٗ - ہم نے برکت دی اُس کے آس پاس کو - برکت آٹھ قسم کی ہے - چار شریعت کی برکتیں اور چار طریقت کی - ۱ طریقت کی پہلی برکت وجود نبوت کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام اِسی علاقے میں اِردگرد - ولادت و سکونت سے تشریف فرما رہے - دوم یہ کہ قیامِ نبوت کے سبب مرکزِ وحی الہٰی صحف و کتبِ سماوی کا مہبط بھی یہی رہا - سوم یہ - ملائکہ کا مورد ہے - چہارم یہ عبادت گاہِ انسانیت شروع سے یہی بنایا گیا - اور معبدِ نبوت کے لیے اسی مقام کا چناؤ ہوا - شریعت کی برکتیں - اول یہ کہ حلال روزی ہی بندے کو ملے حرام سے بندے کو بچا لیا جائے یہ برکتِ توفیقی ہے دوم یہ کہ فراوانیِ رزق خواہ غذائی صورت میں جیسے غلہ جات یا لذاتی شکل میں جیسے میوہ جات - سوم پیداوارِ کثیر خواہ محنت سے جیسے کھیت کھلیان یا بلا محنت جیسے باغات و چشمات - چہارم - باشندوں کا سکون و اطمینان دولت تھوڑی سکون زیادہ صدقات و خیرات کی طرف خوش دلی سے مائل ہونا - طبیعت بھری پُری ہونا - یہ آٹھوں قسم کی برکتیں وہاں موجود ہیں بلکہ پہلی چار برکتوں کی وجہ سے دوسری برکتیں نصیب ہوئیں - بے برکتی کی چار نشانیاں ہیں - پہلی یہ کہ انسان حرام میں مبتلا ہو جائے یہ قہرِ الٰہی ہے - یعنی اچھی خاصی حلال روزی کے ذرائع موجود ہیں مگر پھر بھی حرام پر را غب - یہ بھی بے برکتی ہے

دوسری یہ کہ ہزاروں نعمتیں دولتیں گھر میں ہیں مگر طبیعت میں غنا نہیں طبیعت سیر نہیں - ہوس منہ پھاڑے کھڑی رہتی ہے - یہ بھی بے برکتی ہے - تیسری کنجوسی پیدا ہو جائے - یہاں تک کہ حق العباد و حق اللہ کی ادائگی سے بھی جان چرائے صدقات و فرائض کی بھی پرواہ نہ کرے - ہر وقت غریبی کا دھڑکا لگا رہے - چوتھی یہ کہ پوری نہ پڑے یعنی آمدنی اچھی خاصی ہو مگر گزارہ مشکل ہو - یہ بھی بے برکتی ہے - فرمایا گیا کہ اس کے آس پاس برکت ہے - یعنی مسجد کی دیواروں کی وجہ سے نہیں بلکہ وجودِ نبوت کی بنا پر -

لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا - تاکہ یعنی یہ سیر یہ بلانا دکھانا علت اور سبب ہے اس بات کا کہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی نشانیاں - برکتیں تو مسجدِ اقصیٰ کے پاس تھیں مگر آیات وہاں نہ تھیں - ورنہ آیات کا ذکر بھی برکتوں کی طرح کیا جاتا یہاں سے تو دیدارِ آیات کی ابتدا ہوتی ہے اگر یہاں مِن تبعیضیہ ہی تسلیم کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ ہم نے اپنے حبیب کو تمام آیات ملاحظہ کرائیں جن میں کچھ دیکھنے سننے سے تعلق رکھتی تھیں - یعنی دکھائی دی جانے والی آیات ان آیتوں کا بعض حصہ تھیں جو اس رات ملاحظہ ہوئیں اور کچھ آیات قلبی مشاہدے سے کچھ لذتِ ذوق سے کھانے چکھنے پینے سے - وغیرہ وغیرہ - آیات دو قسم کی ہیں ۱ آیاتِ خلقیت - وہ تو سارے جہان میں پھیلی ہوئی ہیں ؎

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورق دفتریست معرفتِ کردگار !

ہر پتہ آیتِ خالق ہے - یہ تو ہر دن ہر جگہ ہر ذی عقل دیکھتا سمجھتا ہے - ۲ آیاتِ ذات - معراج کی رات - آیاتِ ذات کی دید کی رات تھی - آیاتِ خالقیت میں تو رات دن - زمان مکان - اِدھر - اُدھر - کی ہزاروں قیدیں ہیں مگر آیات ذات وہاں ہیں - جہاں نہ مکان نہ زمان نہ رات نہ دن - نہ دایاں نہ بایاں نہ کہاں نہ وہاں - نہ جہت نہ سمت - اسی لیے اسریٰ یعنی رات کی سیر کی انتہا مسجد اقصیٰ کو بنا دیا یہ سماں نظارۂ ذات و آیاتِ ذات کا تھا یہ سب کچھ کیوں دکھایا گیا - اس لیے کہ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ بیشک ساری مخلوق میں ہم کو اور ہماری نشاناتِ ذات کو دیکھنے والا وہی سمیع و بصیر ہے - اُس کے علاوہ کس کی مجال ہے جو ہماری نشانیوں کو دیکھے -

موسیٰ ز ہوش رفت بیک پرتوِ جمال
تو عینِ ذات می نگری در تبسمی

روح المعانی نے فرمایا کہ یہاں سمیع بصیر سے مراد ذاتِ پاک مصطفیٰ ہے - صلی اللہ علیہ وسلم کیونکہ ذاتِ باری تعالیٰ تو یہاں جمع متکلم کا مرجع ہے - غائب کی ضمیر کس طرح آسکتی ہے قرآن مجید سے باری تعالیٰ کے

ننانوے ۹۹ صفاتی نام پاک مسلمانوں کو اسماءِ حسنیٰ حمد وثنا کے لیے عطا ہوئے ان میں اکتالیس خصوصی صفات اور اکیاون غیر خصوصی صفات ہیں۔ سمیع وبصیر بھی ان ہی غیر خصوصی صفات میں شامل ہے لہٰذا شرعاً یہ ضمیر نبی پاک صاحبِ لولاک علیہ التحیۃ والصلوٰۃ کی طرف رجوع ہو سکتی ہے روایت میں آتا ہے کہ تقریباً اٹھارہ سال دیدارِ الٰہیہ کے شرف سے مشرف ہوئے تب رب تعالیٰ نے پچاس نمازیں۔ دو دو رکعت فرض عطا فرمائیں جو ہر گھنٹہ بعد باوضو ادا کرنا لازم تھیں۔ اور غسل جنابت سات مرتبہ اور سات دفعہ دھونے سے ناپاک کپڑا پاک کرنا۔ فرض ہوئے۔ یہ شریعت عطا ہوئی اس کے علاوہ کثیر علوم عطا ہوئے فرمایا پیارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ مجھ کو وہ علوم میرے رب نے دیئے کہ کوئی بھی اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ (عن ابن عمر روح البیان) جب واپس تشریف لائے تو پھر سارے انبیاءِ کرام کو شرفِ ملاقات بخشا۔ پانچویں آسمان پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صرف پوچھا اور امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہما وسلم وبارک پر رحم فرمایا اور نبی اکرم سے عرض کیا یہ بہت زیادہ عبادت ہے کم کروائیے میں اپنی امت کو آزما چکا ہوں۔ ان کے کہنے سے محبوبِ کبریا کو بارگاہِ کبریا میں نو مرتبہ حاضری نصیب ہوئی پینتالیس ۴۵ نمازیں کم ہوئیں اور چھ غسل اور چھ غسل معاف ہوئے۔ پانچ نمازیں اور ایک دفعہ غسل اور ایک دفعہ غسل اور ایک ہی دفعہ ناپاک چیز دھونا فرض رہا۔ یہ نو مرتبہ آنا جانا براق و رفرف کے بغیر پہلی مرتبہ کی طرح ہوا۔ پھر آپ براق پر ہی سیدھا خانۂ کعبہ تشریف لے آئے اور آتی دفعہ سدرہ کے قریب ہی بہشت بریں کی چیزیں معائنہ فرمائیں۔ جنت کے در و دیوار پر جو کچھ لکھا ہوا وہ پڑھا۔ اور اپنی امت صالحہ کی جزاءِ اعمال ملاحظہ فرمائیں۔ ایک روایت ہے کہ براق پر سواری فرما کر پہلے بیت المقدس تشریف لائے پھر وہاں سے صرف گزرتے ہوئے حضرتِ ام ہانی کے اسی کمرے میں تشریف لائے جہاں سے جانا ہوا تھا تو ابھی رات کے صرف تین گھنٹے یا تین ساعتیں گزری تھیں۔ صبح کو سب سے پہلے آپ نے حضرت امِ ہانی کو یہ خبر سنائی۔ اور واقعاتِ معراج تفصیل سے بتائے واقعۂ معراج شریعت و طریقت کا لہلہاتا چمن ہے۔ غیب کے خزانے ہیں بلکہ آئندہ زندگی اور تکمیلِ وحی کا پیش خیمہ ہے۔ اور مدنی زندگی کا اشارۂ عظیم ہے چنانچہ ارشاد ہوتا ہے۔ وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَكِیْلًا۔ اے موجودہ اور آئندہ نسلِ انسانی والو نہ اس اسرا اور معراج کا انکار کرنا کہ اسرا کا انکار کفر ہے اور معراج کا انکار گمراہی۔ نہ اس کو محض ایک سیاحت یا قصہ سمجھنا۔ بلکہ یہ تکمیلِ وحی کا شاندار مظاہرہ ہے جس میں تمام کائناتِ ارضی و سماوی کے لیے ایک قانون ایک لائحۂ عمل مرتب کیا گیا۔ اور قانون سازی کا یہ واقعہ پہلا ہی نہیں۔ بلکہ اس سے

پہلے ایک مرتبہ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ ۔ ہم نے حضرتِ موسیٰ کو ایک کتاب دی ۔ ایک بہت بڑے اپنے رسول کو بہت بڑی قوم کے لیے بہت بڑی کتاب دی ۔ تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے رمضان پاک کے ہی مہینہ میں نازل فرمائے ۔ صُحُفِ آدم اور صُحُفِ ابراہیمی یکم رمضان توریت شریف ششم رمضان زبور ہیجم رمضان یا گیارہ رمضان انجیل تیرہ رمضان ۔ قرآن مجید شبِ قدر کو جو رمضان ہی میں ہوتی ہے وہاں بھی اُسریٰ تھا یہاں بھی اُسریٰ وہاں بھی روانگی یہاں بھی روانگی وہاں بھی عطا یہاں بھی عطا ۔ مگر فرق یہ ہے ۔ کہ وہاں کا اُسریٰ بیت المقدس فلسطین سے کوہِ طور تک یہاں کا اُسریٰ مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک ۔ وہاں کی روانگی گھر سے طور تک یہاں کی مسجد سے مسجد تک ۔ بیت اللہ سے بیت اللہ تک سجدۂ رب سے سجدۂ رب تک ۔ وہاں پیدل چلنا تھا یہاں براق پر بیٹھنا تھا ۔ وہاں چالیس روزے تھے یہاں دودھ کے گلاس تھے ۔ وہاں ننگے پاؤں تھے یہاں نعلین پاؤں تھے ۔ وہاں لَنْ تَرَانِیْ تھا یہاں رُؤیۃ تھا ۔ وہاں شریعت و طریقت کی کتاب تھی یہاں عشق و معرفت کی نماز تھی ۔ وہاں حضرتِ موسیٰ کو کلیم بنایا گیا ۔ یہاں محبوب کو سمیع بنایا گیا ۔ علیہما التحیۃ والصلوٰۃ والسلام ۔ کلیم میں ایک قوت کا مظاہرہ سمیع میں تین قوتوں کا ۔

۱ قوتِ سماعت ۔ ۲ قوتِ فہم ۔ ۳ قوتِ علم ۔ پھر یہی نہیں بلکہ ہم نے اپنے موسیٰ کلیم کو طور تک پہنچا کر بنی اسرائیل کے لیے ہدایت دیدی اور حبیب کو لامکان تک پہنچا کر ساری کائنات کی بصیرت دے دی ۔ اُن کی معراج سے ہم نے اُن کو کلیم و ہدایت بنا دیا ۔ اِن کی معراج سے ان کو سمیع و بصیر بنا دیا اُن بنی اسرائیل سے یہ وعدہ لیا گیا تھا کہ اَنْ لَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا ۔ میرے مقابل کسی کو وکیل نہ بنانا ۔ تم سے اے موجودہ اور آئندہ تا قیامت انسانو یہ وعدہ لیا جاتا ہے کہ تم میرے نبی کے مقابل کوئی نبی نہ بنانا ۔ (تفسیر خازن ۔ مدارک ۔ بیان ۔ معانی ۔ کبیر ۔ صادی ۔ جلالین)

فائدے ان آیاتِ طیبات سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہر خوشی یا تعجب کے وقت سبحان اللہ کہا کریں ۔ کہ یہ حمد بھی ہے ۔ شکر بھی اور کثرت سے سبحان اللہ پڑھنا پاکیزگیِ قلب و روح کا باعث ۔ بلکہ ہر موقع پر رب تعالیٰ کا ذکر ہی باعثِ نجات ہے مگر الفاظ کے تعین کا خیال رکھا جائے ۔ مثلاً غم کے اور پریشانی کے وقت اِنَّا لِلّٰہِ ۔ کامیابی کے وقت ماشاء اللہ ۔ آئندہ ارادے کے وقت اِن شاء اللہ ۔ حیرانی کے وقت اللہ اکبر ۔ ابتدا کے لیے بسم اللہ ۔ اور ابتدا کرنے کا حکم دینے کے لیے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ یہ فائدہ ذکرِ معراج کو سُبْحٰنَ الَّذِیْ سے شروع فرمانے سے حاصل ہوا ۔ **دوسرا فائدہ** ۔ بارگاہِ رب العزت میں رات دن

سے افضل ہے - کیونکہ معراج جیسا عجیب تر اور شاندار واقعہ بھی شب کو ہی ہوا - اس لیے مسلمانوں کو چاہیئے کہ زندگی کی راتیں سو کر ضائع نہ کریں۔ **تیسرا فائدہ** - حضرت موسیٰ اور ان کی کتاب صرف بنی اسرائیل کے لیے ہدایت تھے لیکن آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساری کائنات کے لیے تا قیامت ہدایت ہیں۔ یہ فائدہ یہاں هُدًى لِّبَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ اور دوسری جگہ نبی کریم اور قرآن مجید کے لیے هُدًى لِّلنَّاسِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** - محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کے بعد جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے یا کسی کو نبی مانے وہ مطلق کافر ہے - غیر مسلم ہے - کیونکہ حبیب دیکھنے والا گواہ توحید الٰہی آگیا تو اب کسی اور دوسرے گواہ کی ضرورت نہیں - یہ مسئلہ لِنُرِيَهُۥ کی اشارۃ النص سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** - کسی کو حقیقی کارساز مشکل کشا - معبود سمجھ کر ماننا شرک اکبر ہے - ہاں مجازی - یا مظہر یا عارضی مشکل کشا حاجت روا ماننا جائز ہے - یہاں وکیل سے مراد - کارساز - مشکل کشا ہے - اگر یہ مسئلہ کوئی نہ مانے تو سب سے زیادہ نقصان کچہری کے وکیلوں کو ہے - اور بڑے مشرک وہابی ہوں گے جو ان کو وکیل بنا لیتے ہیں رب کے سوا۔ **تیسرا مسئلہ** - مسلمان پر مستحب ہے کہ اپنے ہر کام کی ابتدا بھی مسجد سے کرے انتہا بھی - یعنی سفر پر جائے یا سیاحت یا حج یا برات کہیں بھی نے کر جائے تو مسجد کی حاضری دے اور جہاں جائے پہلے مسجد میں قدم رکھے - پھر دیگر کاموں میں مشغول ہو - یہ مسئلہ - مِنَ الْمَسْجِدِ اور اِلَى الْمَسْجِدِ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** - پہلے اَسْرٰى فرمایا گیا پھر لَيْلًا فرمایا گیا حالانکہ اسراء کے معنی بھی رات کو سیر کرنا ہے جب اَسْرٰى میں ہی رات کا معنی آگیا تو علیحدہ لَيْلًا کیوں فرمایا گیا ؟

جواب :۔ اَسْرٰى میں رات کا معنی تو آگیا تھا مگر رات کی مقدار نہیں آئی تھی حالانکہ اس کا اظہار ضروری تھا۔ اور نہ ہی اَسْرٰى میں رات کی تاکید ہوتی تھی اس لیے لَيْلًا فرمایا گیا - جس سے وہ دو فائدے ملے جو اسراء سے نہ ملتے - **دوسرا اعتراض** - نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیشمار القاب ہیں - رسول نبی رحمت عالمین وغیرہ - وغیرہ جو خصوصی القاب ہیں تو پھر خصوصی القبوں کو چھوڑ کر غیر خصوصی لقب بِعَبْدِهٖ کیوں ارشاد ہوا - ؟

جواب :- اس کی ایک حکمت تو تفسیر عالمانہ میں عرض کر دی گئی یہاں اتنا سمجھ لو کہ عبد ہونا اگرچہ عمومی

صفت ہے مگر عبدُہٗ ہونا اب پیارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہی خصوصی صفت ہے۔ جس طرح شاہی لقب کچھ اور ہوتا ہے اور گھریلو کچھ اور۔ اسی طرح نبی پاک کے اُمّت کے لیے کچھ اسماءِ پاک ہیں اور بارگاہِ سرمدی کے لیئے کچھ اور۔ آج ربِّ ذوالجلال کی مقدس بارگاہ کا شرف حاصل کرنا ہے اس لیے وہاں عبدیت کا لقب ہی زیب دیتا ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے مکّہ مکرّمہ سے بیت المقدس آئے پھر وہاں سے آسمان پر معراج شروع ہوئی یہ کیوں نہ ہوا کہ سیدھا مکّہ مکرمہ سے ہی معراج ہو جاتی۔

جواب:۔ اس میں چند حکمتیں ہیں ایک یہ کہ اُس علاقے میں نبی پاک کے قدم لگولنے تھے تاکہ وہ جگہ بھی قدومِ میمنت سے مشرف ہو جائے۔ وہاں میدانِ محشر قائم ہوگا۔ اور جس جگہ کھڑے ہو کر آقاءِ کُل صلی اللہ علیہ وسلم نے امامت فرمائی تھی وہاں ہی مقامِ محمود ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ دوسری یہ کہ وہ معبد انبیاء ہے تیسری حکمت یہ کہ نبی کی شان ہے مبعوث ہو کر اُمّت کو کلمہ پڑھائیں۔ آج تمام انبیاء کو اُمّت بنانا۔ کلمہ پڑھانا ہے۔ لہٰذا مبعوث ہونے کا بھی تھوڑا سا مظاہرہ ہو جائے کہ وہاں جاکر نماز و کلمہ پڑھائیں۔ تیسری ظاہری حکمت یہ کہ منکر کافروں کو مبہوت حیران اور قائل والا جواب کرنا تھا۔ آسمان کی سیران کو لاجواب نہ کرتی بلکہ کہدیتے کہ ہم نے کونسا آسمان دیکھا ہے جو ہم سچ جھوٹ کی پرکھ کریں۔
چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا بَارَکْنَا حَوْلَہٗ۔ یعنی ہم نے مسجد کے آس پاس برکت دی چاہیئے تھا کہا جاتا فِیْہِ یا بَارَکْنَا علیہ۔ اس میں برکت یا اُس پہ برکت۔
جواب:۔ اس لیے کہ یہاں برکتِ نبوّت مراد ہے یا رزق۔ مزاراتِ انبیاء کرام بھی باہر ہیں۔ باغات و اشجار بھی، اس لیے فرمایا۔ اردگرد۔

تفسیرِ صوفیانہ سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ۔ اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

اُسی ذاتِ قدیم کے لیے نمازِ بندگی اور نیازِ عبدیت ہے جس نے اپنے بندۂ خاص حقیقتِ محمّدیہ کو شبِ وصال کے تھوڑے لمحات میں کعبۂ حرمت سے قلبِ مومن کے اقصیٰ تک پہنچایا جس کے آس پاس ہم نے جمالِ ابدی رحمتِ تامّہ اور عشق و معرفت۔ محبّتِ مصطفوی کے غنچوں سے بیشمار برکتیں دیں۔ تاکہ ہم اپنے محبوب و حبیب۔ طالب و مطلوب کو اپنی وہ نشانیاں دکھائیں جو جسدِ انسانی میں ہم نے ودیعت کی ہیں۔ بیشک ہمارا یہ حبیب کریم خالق و مخلوق کی سننے والا۔ اور مشاہدۂ جمال سے سب کو دیکھنے والا ہے جیسے کہ خالق تعالیٰ اپنے اسی حبیب کی ہر التجا فریاد۔ دعا کو

اور ہر بات کو سننے والا ہے ۔ اور ہمارے نبی کی ہر ادا کو دیکھنے والا ۔ یا حبیب محبوب کی اور محبوب حبیب کی سننے والا اور وہ اس کو یہ اس کو دیکھنے والا ہے ۔ یا نشاناتِ ذاتِ الٰہیہ کو وہی نبی دیکھنے سننے والا ہے جس کو عالم کے ذرّے ذرّے کی دنیائے ناسوت کے تھوڑے زمانے میں زندگیِ دنیوی حیاتِ عملی کے چند لمحات میں سیر کرادی یہ دنیوی زندگی ۔ اُخروی روزِ روشن کے مقابل چھوٹی سی رات ہے ۔ آفتابِ آسمانی کو اسریٰ کرائی جاتی ہے تو وہیں دن نکلتا ہے جہاں جہاں سورج حاضر و ناظر ہو کر اپنی جلوہ گری کرتا ہے ۔ جدھر سے شمسِ آسمانی نے منہ موڑ لیا ادھر رات ہی رات ہے ۔ اسی طرح سراجِ منیر شاہدِ اعظم نورِ عالم تاب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جب کائناتِ قلبی میں شریعتِ کعبہ سے طریقتِ اقصیٰ تک محبتِ حرم سے عشقِ اقصیٰ تک ۔ نواہیِ حرام سے اوامرِ اقصیٰ تک اُسریٰ کرائی گئی تو وہیں وہیں تجلیاتِ انوار کا دن نکل آیا جدھر جدھر شمسُ الضحٰی کا جلوہ ہوا اور اُسی دل میں ایمان و ایقان کا دن روشن ہوا جس میں مصطفیٰ نے جلوہ فرمایا ۔ جب آفتابِ آسمانی نہ ہو تو زمین پر رات ہی ہے اور سورج کا نکلنا گویا رات میں ہی نکلتا ہے ۔ اب یہ سورج کی شان ہے کہ رات کو دن بناتا چلا جائے ۔ قلوبِ انسانی پر رات ہی رات تھی ۔ اور ناریوں کا دور تھا دل جل رہا تھا نور کا ۔ تو اَسریٰ بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا کا مظاہرہ ہوا وَالشَّمۡس کے جلوے نے وَاللَّیۡل کے اندھیروں کی طرف رخ فرمایا اور جس جس دل میں فراق کی راتیں تھیں وہاں وہاں مشاہداتِ یار کا دن چمکاتا گیا ۔ خوش قسمت ہے وہ دل جس نے معرفتِ لاہوتی کی مسجدِ اقصیٰ میں اس آفتابِ ہدایت کی اقتداء کر لی ہم نے اُس کو کیفیاتِ قلبی کی ساری نشانیاں دکھادی ہیں اب وہی ہر پریشان حال کی سننے والا ہے ۔ اور ہر ارادۂ قلبی کو جاننے والا اور پورے قالب کو دیکھنے والا ہے ۔ اِس آفتابِ لدنّی سے ہدایت پانے اور لینے والوں کو بھی ہم ہدایت کا چاند اور رہنمائی کا سورج بنادیتے ہیں ۔ اسی لیے ۔ وَآتَیۡنَا مُوۡسَی الۡکِتٰبَ وَجَعَلۡنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ اَلَّا تَتَّخِذُوۡا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا ۔ اور دی ہم نے وادیِ طور کے بدرُ الدجیٰ موسیٰ کلیم کو شریعتِ ظاہری کی کتاب ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں بخشیشِ الٰہیہ کی تقسیم چار قسم کی ہے

۱ عطاءِ رب ۲ ایتاءِ رب ۳ نحلِ خداوند ۴ تخذیلِ الٰہی ۔ بلا عوض نعمت دینا عطاء ہے قانون یا قانوناً دینا ایتاء ہے ۔ مرتبہ دینا نحل ہے ۔ اور مہربان ہو کر اپنے اَسرار بتانا تخذیل ۔ یہاں آتَیۡنَا فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ شریعت اور قانون دیا ۔ وہ کتاب کیا تھی اہلِ ظاہر فرماتے ہیں وہ توریت تھی اہلِ باطن فرماتے ہیں وہ قلبِ موسیٰ تھا جو انوارِ الٰہیہ کی عظیم کتاب تھی اور جس میں مضامینِ قدرت

کے خوانے تھے اہلِ معرفت فرماتے ہیں کہ تمالب موسیٰ تھا۔ جس کو اللہ نے۔ قومِ بنی اسرائیل کے لیے سراپا ہدایت بنا دیا تھا۔ انسانیت اس وقت تک بھٹکتی رہتی ہے جب تک اُس کو دامنِ نبوت نہیں ملتا۔ اِس دنیاءِ طغیان میں صرف نبوت کا آستانہ ہی مظلوم انسانیت کے لیے آخری اور مضبوط سہارا ہے اِس سے ہٹکر بھٹکنا ہی بھٹکنا ہے جب کوئی خوش قسمت قدم نبی علیہ السلام کے قدموں میں آجاتا ہے تو صوتِ سرمدی سے حکمِ دلنواز نافذ ہوتا ہے کہ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا۔ اب نہ سمجھو تم میرے سوا کسی کو اپنا محافظ۔ ذمہ دار۔ وکیل۔ ہر چیز میرے ہی سپرد کر دو۔ جس کا میں بنجاتا ہوں اُس کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اے سرکش۔ دنیا پرستو۔ ہمارے دامنِ کرم میں آکر تو دیکھو۔ ہمارا دامنِ رحم وکرم عفت و عافیت وہی کتاب علمی اور صحیفۂ بشری ہے جو ہم نے اپنے نبی کو عطا فرمائی اور علم وعقل اور سمجھ وعمل سے اُس تک پہنچنے کے لیے ذاتِ نبی کو ہدایت بنایا۔ موسیٰ کلیم تو صرف بنی اسرائیل کے لیے ہدایتِ الٰہیہ تھے۔ لیکن اے قرآن والو۔ یہ معراج کا راہی ساری کائنات کے لیے ہدایتِ الٰہیہ۔ جو اِس کے قُربِ رحمت میں آگیا میں ربِّ کائنات اُس کا دین دنیا کا محافظ ذمہ دار وکیل۔ وہ کسی کو کیوں وکیل بنائیں۔ کسی کے محتاج کیوں رہیں ہاں جو دروازۂ نبوت کو چھوڑ دے گا وہ بھٹکتا ہی پھرے گا۔ نہ اُس کا کوئی ذِمہ دار نہ وکیل نہ محافظ۔ اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِنُوْرِ صَاحِبِ الْمِعْرَاجِ۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (از تفسیر روح البیان۔ معانی۔ محی الدین عربی۔ مع زیادت)

واقعۂ معراج کے کچھ ضروری مختصر حالات

ہم نے اپنی تفسیر عالمانہ میں بسلسلۂ معراج جو کچھ پیش کیا ہے اس کے علاوہ بھی مختلف کتابوں تاریخوں اور تشریحوں سے پیش کیا جاتا ہے تاکہ مضمون جامع ہو جائے اس حقیقت سے ہرگز انکار نہیں کیا جاسکتا کہ واقعۂ معراج جس طرح اپنی نزاکت لطافت میں قدرتِ الٰہیہ کاملہ کا عظیم حیران کُن شاہکار ہے اسی طرح اس کے ثبوت میں دلائل و براہین بھی روایت و درایت اور راویان و محدثین احادیث و سنن کے علاوہ قرآن کریم نے بھی نہایت وضاحت سے کئی آیت میں بیان فرما دئے۔ اور معراجِ پاک کے ہر ہر پہلو کو اُجاگر فرما دیا۔ چنانچہ معراج کے سیر کی ابتدا اور عروج و انتہا کا ذکر قرآنِ مجید کی ان ہی پارہ ۱۵ کی آیات میں با تفصیل بیان فرمایا۔ اس طرح کہ ارشاد ہوا۔ نبی پاک خود سیر پر نہیں گئے بلکہ اَسْرٰی۔ اللہ نے سیر کرایا۔ لہٰذا کوئی کم عقل۔ خر دماغ۔ بے دین۔ اپنی انسانی قوت و کمزوری پر قیاس کر کے معراج کا انکار نہ کرے۔ اور نہ کوئی یہ سمجھے

کہ ہر انسان معراج کر سکتا ہے۔ نہ کوئی یہ دعویٰ کرے کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہے گردوں نہ کوئی استحالہ واحالہ کا فلسفی مسئلہ کھڑا کرے۔ پھر ثابت فرمایا کہ معراج کی تین منزلیں ہیں جن کے نام بھی تین ہوتے ہیں ۱ پہلی منزل مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ اس کا نام ہے اِسْرا۔ پھر فرمایا۔ لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا ہم اپنے محبوب بندے کو اپنی وہ نشانیاں دکھائیں جو دیکھنے کے لیے ہیں۔ یہ مسجد اقصیٰ سے سدرۃ المنتہیٰ تک ہے اس کا نام معراج ہے۔ پھر فرمایا۔ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ بیشک ہمارا محبوب ابھی اور بہت کچھ سننے والا دیکھنے والا۔ یہ لطیف اشارہ ہے سدرہ سے لامکان اور قرب و دیدارِ الٰہی کا۔ اس کا نام ہے عروج۔ خواجہ نظام الدین اولیا و دیگر اولیاء کاملین نے اِن آیت سے یہی تقسیم ثابت فرمائی۔ (از فوادالفواد ص ۳۰۸) اب جب پیارا محبوب سیرِ معراج کے اصل مقصد و حکمت کو پانے کے لیے اپنے رب تعالیٰ کے فرمان کی سماعت اور دیدار کی بصارت کے لیے قرب کی انتہائی آخری منزل تک پہنچ گیا تو پھر وہاں کیا ہوا اور کس طرح محبوب واپس تشریف لایا۔ اِس کا تذکرہ خود باری تعالیٰ نے سورۃ نجم میں اس شان و بیان و الفاظ و حروف سے ارشاد فرمایا کہ بجز دیدارِ الٰہی اور کوئی دوسری بات ثابت ہو سکتی ہی نہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى قسم ہے ستارے کی جب وہ عروجِ لامکانی سے اُترا۔ یعنی جب وہ قُربِ الٰہی کی بلندیوں پر چڑھا تھا تو وہ عبادتِ کُل کا عید تھا اور جب اُس قربِ مطلوب و مقصود سے فیض یاب ہو کر اترا تو وہ تجلیاتِ الٰہی سے ہدایت کا ستارہ تھا۔ مَاضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى یہ محبوب ہدایتِ کائنات کا ستارہ۔ اگرچہ لامکان کی بلندیوں پر اکیلا ہی تھا مگر اس کے باوجود اے تا قیامت مسلمانوں یہ تمہارے ہمیشہ ساتھ رہنے والے محبوب اُس جگہ نہ راستہ بھولے نہ غلط راہ چلے۔ جس طرح اس جملے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ لامکان پر اکیلے پہنچے۔ ورنہ مَا ضَلَّ کہنا بیکار ہو جاتا جو کسی کے ساتھ بلایا جاتا ہے وہاں مَا ضَلَّ کوئی اہم اور شان نہیں۔ اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا کہ نبی کریم لامکان پر اجنبی نہیں بلکہ جانی پہچانی جگہ اور دیکھے ہوئے راستے ہیں۔ اور یہ بھی ثابت کیا گیا کہ محبوب کے نیچے واپس آنے کی ابتدا سدرہ یا عرش نہیں وہاں تک تو جبریل ساتھ ہیں۔ نبی کریم تو اوراوپر سے تنہا پہنچے۔ پھر وہاں سے واپسی ہوئی جہاں کوئی راستہ بتانے والا ساتھ نہ تھا خود ہی مَا ضَلَّ وَمَا غَوٰى اور وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى تھے۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى۔ یہی محبوب قرب لامکانی میں تو اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ تھے مگر وہاں سے واپس ہوئے تو وحیِ الٰہیہ کے ناطقِ کائنات تھے کہ بات بات۔ لفظ لفظ۔ کلمہ۔ کلمہ۔ ہر ادا ہی پیغامِ ذات کے خزانۂ معرفت کے موتی تھے۔ ایک جملہ بھی اپنا نہ تھا۔ اس لیے کہ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى۔ اُس کے رب خالق مالک

انتہائی سخت قوتوں والے نے خود اُس کو سکھایا۔ وہ رب ذُو مِرَّۃٍ ہے۔ یعنی سب کو عقلیں دانائیاں دینے والا ہے۔ مِرَّۃٍ لغوی ترجمہ رسی کو بل دینا اور سخت مضبوط بنانا۔ اصطلاح میں۔ انسانی دماغ کو عقل سے مضبوط کرنا ہے۔ یعنی جو خالق تعالیٰ کائنات کو عقلیں دینے والا ہے اس نے اپنے نبی کو سکھایا تو کون اندازہ کرسکتا ہے کہ کتنا علم کتنی عقل دی ہوگی۔ فَاسْتَوٰی۔ جب اُس قربِ جمال کے عبد نے اپنے معبود سے تمام کچھ مدرسۂ لامکانی میں پہنچ کر خلوتِ خاص میں سیکھ لیا تو مقامِ دیدار کی اِستویٰ یعنی چلنے کا ارادہ فرمایا۔ اس لامکان کی ہر سمت برابر ہے۔ نہ وہاں دایاں نہ بایاں نہ یہ نہ وہ۔ لمبائی نہ چوڑائی۔ وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى اور وہ بندۂ محبوب۔ عبدہٗ تمام بلندیوں کی اونچی چوٹی پر تھا۔ ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى۔ پھر وہ عبد اپنے معبود سے بہت ہی قریب ہوگیا۔ تو وہ بندہ سجدۂ قرب میں ہوگیا۔ پھر تو اتنا قریب کرلیا گیا کہ معانقۂ تجلّیات کی طرح دو کمانوں کے درمیان یا اس سے قریب کہ گویا صدرِ ذات سے وصل ہوا۔ تب فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى۔ اُس وقت معبود نے اپنے بندے کو جو چاہی انتہائی راز و اسرار کی وحی فرمائی۔ جو کسی کو نہ بتائی۔ اِن آیات میں لفظِ اِستویٰ سے لامکان پر جانا ثابت ہوا کہ استویٰ سَوِیٌّ سے مشتق ہے۔ جس کا معنیٰ ہے تمام اَطراف برابر۔ اور وہ کائنات میں صرف لامکان ہی ہے جو عرش سے اوپر وراءُ الوراء ہے۔ دوسری جگہ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ سے مراد بھی لامکان ہی ہے۔ ثُمَّ دَنَا سے قُربِ ثابت ہوا اور اِلٰى عَبْدِهٖ سے۔ قربِ الٰہی ثابت ہوا نہ کہ قُربِ جبرئیل جیسا کہ بعض بے دینوں نے آیت کو توڑ موڑ کر اپنا مطلب بنایا۔ نبی کریم اللہ کے بندے ہیں نہ کہ جبرئیل کے۔ مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ محبوب بندے نے لامکان میں جو کچھ دیکھا آنکھوں سے۔ دل نے اپنی گہرائیوں سے اُس کی مکمل تصدیق کی تکذیب نہ کی۔ یعنی آنکھوں سے جو کچھ دیکھا وہ نظر کا دھوکہ نہ تھا بلکہ حق دیکھا۔ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى۔ اے قیامت تک کے بے دینو۔ گمراہو۔ گستاخو۔ معتزلیو۔ کیا تم ہمارے محبوب بندے کی رویت اور دیدار کے بارے میں شک کرتے ہوئے جھگڑے کرتے ہو تحریری و تقریری بحث مناظرے کرتے۔ آیات و احادیث کو توڑ مروڑ کر غلط مطلب بناتے ہو۔ یہ خطاب مشرکین مکہ سے نہیں ہے جیسا کہ بعض مفسرینِ کرام کو دھوکہ لگا۔ اس لیے کہ مشرکین رویت میں شک اور جھگڑا نہیں کرتے تھے وہ تو سرے سے معراج کے ہی منکر تھے۔ بلکہ ان کے غلط عقیدے میں تو ہر شخص ہر وقت رب کو دیکھ سکتا تھا۔ اسی لیے بار بار کہتے تھے لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً۔ ہم آپ پر ہرگز ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ کو ظاہر ظہور نہ دیکھ لیں۔ ثابت ہوا کہ اس آیت میں اُن منکرین اور شک کرنے والوں کا ذکر ہے جو معراجِ جسمانی کے تو قائل ہیں مگر

رویت باری کے منکر ہیں۔ یہ آیت پاک اللہ کو دیکھنے کے لیے کتنا بڑا ثبوت ہے۔ جبرئیل کو دیکھنے میں کسی کو شک نہیں۔ اُس کے تو سب قائل۔ ہم بھی کہتے ہیں کہ نبی کریم نے جبرئیل کو ایک دفعہ نہیں ہزاروں دفعہ دیکھا۔ مکے میں مدینے میں غاروں میں صحراؤں میں۔ سفر میں حضر میں بلکہ اسی معراج کی ابتدا سے سدرہ کی انتہا تک دیکھا۔ اور کئی موقعوں پر کئی شکلوں میں دیکھا۔ پوچھو ان احمقوں سے کہ کیا اتنا اہم اور عظیم سفر صرف جبرئیل کے چھ سو پر دیکھنے کے لیے کرایا گیا۔ کیا یہ پر زمین پر نہیں دکھلائے جا سکتے تھے۔ جبرئیل کا دیکھنا تو ایک عام سی بات تھی بلکہ جبرئیل کی سعادت تھی کہ آقا نے اُس غلام کی اصل شکل دیکھ کر اعزاز بخشا۔ جبرئیل تو نہ جلنے کب سے تمنا لیے بیٹھے تھے کہ کاش میرے ہر بال و پر کے اوپر احمدِ مجتبیٰ کی نگاہ پڑ جائے اور میں پسند کر لیا جاؤں۔ بے دینوں نے پیارے نبی کی شان نہ پہچانی۔ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى۔ اور البتہ بیشک اُس عبدِ محبوب نے اپنے معبود کو واپسی کے وقت اترتے ہوئے۔ آخر میں پھر کئی بار دیکھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے قریب کھڑے ہو کر۔ اسی سدرہ کے پاس جنّت الماویٰ بھی ہے۔ اس آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی نمازوں کو کم کرانے کی درخواست کی طرف اشارہ ہے۔ اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسری بار دیدارِ الٰہی کا ثبوت لفظ اُخریٰ بتا رہا ہے کہ جس کو پہلے دیکھا اسی کو دوبارہ دیکھا۔ دیکھنے کی تعداد معین نہیں۔ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى جب جشنِ معراج کی خوشی میں ملائکہ نے اپنے نورانی جسموں لباسوں سے اور مختلف رنگ کے نورانی پرندوں کی روشنیاں بیری پہ چھا گئیں تھیں۔ جیسے بھی چھا گئیں یہ دوسری بار دیدارِ الٰہی اِس جشن کی رونقوں کے درمیان ہوتا رہا اس طرح کہ ملائکہ اپنے آقا نبی کا اور نبی محبوب اپنے خالق تعالیٰ کا نہ جانے کتنا عرصہ دیدار کرتے رہے مقامِ غور ہے کہ رب تعالیٰ نے اُس جگہ اَبدُ الآباد سے بھی پہلے صرف ایک بیری کیوں اُگا دی سب درختوں میں پتوں سے گھنا اور پھیلا ہوا درخت صرف بیری ہی اور پھر اس پر خوبصورت گول مٹول رنگ برنگے بیر بھی پیدا فرما دیئے۔ حالانکہ کھلنے والا اور بیری کا ضرورت مند کوئی نہیں۔ مقصد یہی نظر آتا ہے کہ جشنِ معراج کی سجاوٹ کے لیے سب اہتمام ہے۔ مسلمانوں کو جشنِ میلاد میں گھنے درخت سجانے لگانے کی یہاں سے عادت پڑی ہے۔ اور پھر رب تعالیٰ نے اس سجاوٹ کا کتنے عظیم انداز میں ذکر فرمایا۔ کہ تا قیامت ہر تلاوت میں جشن کی رونقی کا تذکرہ ہوتا ہے۔ اور منکروں کے دل سیاہ ہوتے رہیں اور چہرے مکروہ اور اِن تمام باروں میں عبد نے اپنے معبود کو اس طرح آنکھیں کھول کر دیکھا کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ نہ ہمارے عبد کی آنکھیں چندھیائیں اور نہ حیرت یا خوف سے آنکھیں زیادہ کھلیں۔ بلکہ انتہائی خوشگوار اندازِ محبوبانہ سے اُس نے دیکھا۔ انسانی نظر بہترین طریقے سے دیکھتی ہے۔

ع۱ جب دیکھنے کی تاب نہ ہو تو چندھیا کر دیکھا جاتا ہے۔ جیسے ہم سورج یا تیز روشنی کو دیکھتے ہیں۔ مگر یہ دیکھنا مکمل اور صحیح اور حقیقت کے مطابق نہیں ہوتا اس دیکھنے سے۔ دیکھ لینے کی تصدیق دل نہیں کرتا ع۲ جب دیکھنے والے کو خوف ہو یا حیرت تو وہ آنکھیں پھاڑ کر دیکھتا ہے۔ اس دیکھنے میں بھی چیز کی سمجھ نہیں آتی دماغ و عقل شل ہو جاتی ہے۔ اور دیکھ لینا ثابت نہیں۔ دل تصدیق نہیں کرتا۔ تکذیب کرتا ہے۔ یہاں ان دونوں طرح دیکھنے کی نفی فرمادی گئی۔

ع۳ اور فرمایا گیا کہ ہمارے عبدِ محبوب نے ہم کو ایسا صاف دیکھا عقل و دماغ کی قوت کے ساتھ بصر و نظر سے دیکھا۔ کہ دل نے تصدیق کی تکذیب نہ کی۔ ہم دنیا میں دن رات چلتے پھرتے ہزاروں ایسی چیزیں دیکھتے ہیں کہ آنکھ کچھ دیکھتی ہے دل کہتا ہے ایسا نہیں ہے۔ مثلاً کوئی شخص آگ کی چنگاری تیز گھمائے تو آنکھ دیکھتی ہے کہ آگ کا پورا چکر ہے اور اتنے علاقے میں چاروں طرف آگ کی لکیر ہے مگر دل تکذیب کرتا ہے فرمایا گیا کہ معراج کے دیدار میں ایسا کوئی شعبدہ نہ تھا بلکہ سب کچھ حقیقت تھا۔ اس لیے کہ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰی. عبدِ محبوب نے یقیناً۔ یقیناً اپنے رب کی سب سے بڑی نشانیاں دیکھیں کبریٰ کائنات میں کون ہو سکتا ہے۔ کبریٰ کا تعلق اکبر سے ہے دونوں اسم تفضیل کے صیغے ہیں جب اکبر صرف اور صرف اللہ ہی ہے تو کبریٰ بھی اسی کی ذات کا دیدار ہے اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی ہمارے محبوب نبی نے تو اپنے معبودِ حقیقی سچے خالق مالک اللہ کو دیکھا اور حقیقتِ باری وجودِ الٰہی۔ قوت و طاقتِ خالق تعالیٰ پر یقین بڑھتا چلا گیا۔ کیا تم نے بھی اپنے جھوٹے معبودوں کو کبھی غور سے دیکھا ہے۔ اگر کبھی عقل کی آنکھوں دل کی تصدیق سے دیکھ لیتے تو اپنے ہی ہاتھوں سے ان کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیتے۔ اور سچے معبود کو دیکھتے ہوئے محبوب کی آخری گواہی کے دامن میں آجاتے۔ کتنے صاف اور واضح الفاظ میں رب تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کی اسرا۔ معراج۔ اور عروجِ لامکانی۔ اور رویتِ ذات کا ذکر قرآن مجید میں بیان فرمادیا۔ کہ بغیر کسی گہری شرح و تفسیر کے صرف ترجمے سے ہی تمام ثبوت مہیا ہو جاتے ہیں۔ جن کا انکار کسی ذی عقل کے لیے ممکن نہیں۔ جتنی وضاحت واقعۂ معراج کی قرآن مجید میں بیان ہوئی اتنی کسی اور چیز کی وضاحت نہ ہوئی

معراج کے متعلق اسلامی عقیدوں کا بیان

قرآن کریم کی اسی وضاحت کی بنا پر فقہاء اسلام فرماتے ہیں کہ شب معراج میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ

تک جانا قطعی یقینی ثابت ہے اس کا منکر کافر ہے۔ اس کا ماننا فرض ہے۔ ۲۔ قربِ الٰہی اور عرش سے اوپر لامکان میں جانا آیت کی وضاحت اور اقتضاءُ النص سے ثابت ہے اس لیے ان کا ماننا واجب ہے اس کا منکر گمراہ و گمراہ گر ہے یعنی ضال و مُضل ہے۔ ۳۔ مسجدِ اقصیٰ سے آسمانوں تک جانا قرآن مجید کے اشارۃُ النص سے ثابت ہے اور احادیثِ مشہورہ سے ثابت ہے اس لیے اس کا ماننا لازم ہے اور منکر فاسق ہے ۴۔ امامتِ انبیاء، اور ملاقاتِ انبیاء احادیث کی خبرِ واحد سے ثابت ہے۔ اس لیے اس کا ماننا مستحب ہے اور انکار کرنا حماقت ہے۔

معراج شریف کا ثبوت احادیث و روایات سے

جس طرح معراج پاک کی وضاحت قرآن مجید میں بہت اہتمام اور شان سے نرالے انداز میں بیان فرمائی گئی ہے۔ اسی طرح احادیث اور راویان کی کثرت بھی معراج کو عظیم طریقے سے ثابت فرماتی ہے۔ چنانچہ معظمین صحابہ نے اس کو روایت فرمایا۔

۱۔ فاروق اعظم ۲۔ صدیق اکبر۔ ۳۔ عثمان غنی ۴۔ علی مرتضیٰ ۵۔ عبداللہ ابن مسعود ۶۔ عبداللہ بن زبیر ۷۔ عبداللہ بن عمر ۸۔ عبداللہ بن عباس ۹۔ ابوذر غفاری ۱۰۔ انس بن مالک ۱۱۔ مالک بن صعصعہ ۱۲۔ ابوہریرہ ۱۳۔ ابوسعید خدری ۱۴۔ شداد بن اوس ۱۵۔ ابی بن کعب ۱۶۔ عبدالرحمٰن بن قرظ ۱۷۔ ابوحبۃ ۱۸۔ ابویعلیٰ ۱۹۔ جابر انصاری ۲۰۔ حذیفہ بن یمان ۲۱۔ بُریدہ اسلمی ۲۲۔ ابوایوب انصاری ۲۳۔ ابوامامہ ۲۴۔ سمرہ بن جندب ۲۵۔ ابوالحمراء ۲۶۔ صہیب رومی ۲۷۔ اسامہ بن زید ۲۸۔ ابودرداء ۲۹۔ بلال بن سعد ۳۰۔ ابوسفیان ۳۱۔ حضرت ام ہانی ۳۲۔ حضرت سیدہ کلثوم بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۔ حضرت اسماء بنتِ صدیق اکبر۔

(از تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۲۴)

اس کے علاوہ بھی صحابہ کرام کی کثیر تعداد نے بالتفصیل واقعۂ معراج کو اپنی تصدیق و تائید کے ساتھ روایت فرمایا۔ اس کثرتِ رُواۃ کی بنا پر حقیقتِ معراجِ جسمانی حدِ تواتر کو پہنچ گئی ہے۔ اور تواتر کا انکار بھی کفر ہے۔ اب ہم تمام روایت کا مجموعہ و خلاصہ پیش کرتے ہوئے۔ ایک مکمل حدیث پاک مسلم شریف سے پیش کرتے ہیں۔ چنانچہ مسلم شریف جلد اوّل صفحہ ۹۱ تا صفحہ ۹۶ پر ہے۔ حَدَّثَنَا شَيْبَانُ بْنُ فَرُّوخَ۔ انہوں نے حدیث بیان کی کہ حماد بن مسلمہ نے فرمایا کہ خبر دی ہم کو ثابت البنانی نے وہ حضرت انس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو براق کا گھوڑا دیا گیا۔ جس کا ایک قدم انتہاءِ نظر پر پڑتا ہے (یعنی آسمان تک) اس پر میں سوار ہوا اور بیت المقدس آیا۔ اور براق کو اسی جگہ باندھا جہاں انبیاءِ کرام اپنے گھوڑے باندھا کرتے تھے پھر میں مسجد میں داخل ہوا تو میں نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ پھر مسجد بیت المقدس سے باہر نکلا تو جبرئیل امین نے دو پیالے پیش کئے ایک خمر کا ایک دودھ کا۔ میں نے دودھ کا پیالا اختیار اور پسند کیا۔ تو جبرئیل نے عرض کیا کہ آپ نے اللہ کی فطرتِ پسندیدہ کو پسند کیا۔ پھر جبرئیل امین نے ہمارے ساتھ آسمان پر معراج کی تو جبرئیل نے خصوصی دروازے کو کھٹ کھٹایا دوسری طرف سے پوچھا گیا تو کون ہے جبرئیل نے جواب دیا میں جبرئیل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے فرمایا میرے ساتھ محمد مصطفیٰ ہیں پوچھا گیا کیا آج ان کی آمد ہے فرمایا ہاں اُن کی آج آمد ہے۔ تو دروازہ کھول دیا گیا۔ اچانک دیکھا تو وہاں حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام پہلے ہی موجود ہیں۔ انہوں نے مرحبا فرمایا اور مجھ کو دعا دی پھر ہم نے دوسرے آسمان پر معراج کی اسی طرح خصوصی دروازہ کھٹ کھٹایا اور وہی سوال جواب ہوا فوراً کھلا۔ تو عیسیٰ بن مریم اور یحییٰ بن ذکریا علیہم السلام کو حاضر و ناظر پایا۔ انہوں نے بھی مرحبا فرمایا اور دعا دی۔ پھر تیسرے آسمان پر معراج ہوئی اور اسی طرح کھٹکھٹایا اور سوال جواب ہوا دروازہ کھلا تو یوسف علیہ السلام ملے جن کو تمام جہان کے حسن کا آدھا حسن دیا گیا ہے۔ انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعا دی۔ پھر چوتھے آسمان پر معراج ہوا تو اسی خصوصی دروازے کو سوال و جواب کے بعد فوراً کھولا گیا۔ وہاں حضرت ادریس علیہ السلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے بھی مرحبا کہا اور دعا دی اُن کے بارے ہی رب تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا۔ پھر پانچویں آسمان پر معراج ہوئی تو اُسی طرح دروازہ کھلوایا گیا۔ تو وہاں ابراہیم علیہ السلام ملے وہ بیت المعمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے اس بیت المعمور میں ہر دن ستر ہزار فرشتے حاضری دیتے ہیں ابھی تک دوبارہ کسی کی باری نہیں آئی۔ پھر جبرئیل میرے ساتھ سدرہ تک گئے۔ تو دیکھا کہ سدرہ بیری کے پتے ہاتھی کے کان برابر ہیں اور بیر کا پھل مٹکے کے برابر۔ اور بیری کو ایسی خوبصورتی سے ڈھکا گیا ہے کہ کوئی مخلوق اس کا حسن بیان نہیں کر سکتی۔ پھر اس کے بہت بعد کے واقعات میں اللہ کریم نے مجھ کو وحی بھیجی جو کسی کو نہ بتائی نہ بتائی جا سکتی ہے نہ کسی کو خبر ہے۔ یہ میرے اور اللہ کے بھید ہیں۔ پھر اُس کے بعد مجھ کو پچاس نمازیں فرض دی گئیں دن رات میں۔ پھر جب میں (لامکان سے) اترا تو پھر موسیٰ علیہ السلام ملے اور پوچھا آپ کی اُمت پر کیا فرض کیا گیا۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا یہ بہت زیادہ ہیں آپ واپس جائیے

اور آپ کی امت طاقت نہ رکھے گی۔ میں نے اپنی امت کو آزمالیا ہے۔ میں پھر رب کی بارگاہ میں گیا اور تخفیف کے لیے التجا کی تو رب کریم نے اپنے کرم و لطف سے پانچ کم فرما دیں میں واپس لوٹا تو موسیٰ علیہ السلام نے پھر تخفیف چاہی میں پھر گیا تو اس طرح نو دفعہ کے چکر میں پانچ پانچ ہو کر پینتالیس کم ہوئیں اور رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اے محمد یہ دن رات کی پانچ نمازیں تعداد میں اور ادا میں ہیں لیکن ایک نماز دس نمازوں کے برابر ہے (ثواب میں) لہٰذا ثواب میں پچاس ہی ہیں۔ اور آپ کی امت پر تا قیامت ایک کرم یہ رہے گا جو صرف نیکی کا ارادہ کرے مگر کر نہ سکے تو اس کو ایک ثواب اور جو نیکی ادا بھی کرے تو دس نیکیوں کا ثواب۔ اور جو گناہ کا صرف ارادہ کرے اور باز رہے تو کوئی نہ لکھا جائے گا۔ اور اگر کرلے تو ایک ہی لکھا جائے گا۔ جب یہ خوشخبری لے کر میں پھر واپس آیا تو موسیٰ علیہ السلام ابھی وہیں کھڑے تھے پوچھا کیا ہوا میں نے پانچ نمازوں کا سنایا تو عرض کی کہ پھر واپس جائیے یہ بھی زیادہ ہیں۔ میں نے کہا اے موسیٰ اب مجھ کو باربار تخفیف کراتے جھجک اور شرم آتی ہے مسلم شریف کی یہ مفصل حدیث جس کا ترجمہ لفظاً لفظاً مکمل سنایا گیا معراج جسمانی کے بارے میں ہے اس لیے کہ اس میں نماز پڑھنے کا ذکر ہے اور نماز جسم و روح کے ساتھ ہی ادا ہوتی ہے، اس کے علاوہ بہت سی احادیث میں دوسری روحانی معراجوں کا ذکر ہے ان میں بیت المقدس کا ذکر نہیں۔

معراج کی رات میں کتنے انبیاءِ کرام کی ملاقات ہوئی علیہم الصلوٰۃ والسلام

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ آسمانوں پر آٹھ انبیاءِ کرام نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت و ملاقات فرمائی۔ جس کا ذکر ابھی حدیث پاک میں گزرا۔

۱ آدم علیہ السلام ۲ حضرت عیسیٰ ۳ حضرت یحییٰ ۴ حضرت یوسف ۵ ادریس علیہ السلام ۶ ہارون علیہ السلام ۷ موسیٰ علیہ السلام ۸ حضرت ابراہیم علیہم السلام۔ اور یہاں ان انبیاء نے صرف مرحبا کہا اور دعا دی۔ لیکن اکثر مفسرین محدثین فرماتے ہیں کہ بیت المقدس میں تمام انبیاء تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار علیہم الصلوٰۃ والسلام تشریف لائے نبی کریم کے پیچھے دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ مقتدی و اُمتی بنے۔ پھر چند انبیاءِ کرام نے بطریقہ وعظ تقریر اپنا تعارف پیش فرمایا۔ ۱ سب سے پہلے جبرئیل علیہ السلام نے سرور انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نعتیہ تعارف پیش کیا اور خاتم النبیین کے لقب سے

ذکر کیا ۲ آدم علیہ السلام ۳ نوح علیہ السلام ۴ پھر ابراہیم علیہ السلام۔ ۵ پھر موسیٰ علیہ السلام ۶ پھر داؤد علیہ السلام ۷ پھر سلیمان علیہ السلام۔ ۸ پھر عیسٰی علیہ السلام ۹ یوسف علیہ السلام ۱۰ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ۱۱ پھر دوبارہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں نبی پاک کی نعت بیان فرمائی۔

واقعۂ معراج کی تاریخ

کتب تاریخ کے اعتبار سے معراج شریف ہجرت سے ایک سال قبل ہوئی نبوت کے تیرھویں ہجرت ہے اور گیارہویں سال معراج ہے۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ کی عمر تقریباً چھ سال تھی اور آپ کا نکاح اسی سال دو ماہ بعد شوال کے مہینے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا۔ اور آپ کی رخصتی مدینہ منورہ بعد ہجرت پندرہ سال کی عمر میں ہجرت کے ساتویں سال۔ بعض تاریخ دان لکھتے ہیں کہ ہجرت کے پہلے سال بعمر نو سال ہوئی۔ ہجرت کے وقت آپ کی عمر نویں سال میں تھی۔ معراج شریف ماہِ رجب کی ستائیس تاریخ والی آدھی رات کو ہوئی۔ نبی کریم کی مکی زندگی پاک بعد نبوت تیرا سال ہے اور مدنی حیاتِ طیبہ دس سال ہے۔ امام ابن جوزی اپنی کتاب الوفا ص ۲۲۸ میں حضرت ابن عباس رضی اور اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ رضی کی روایت سے لکھتے ہیں کہ معراج واقعۂ طائف اور وفات خدیجہ کبریٰ رضی کے بعد تبلیغِ نبوت کے گیارہویں سال چھ ماہ بعد یعنی بارہویں سال کے رجب میں ہوئی

قرآن مجید میں تذکرۂ معراج

قرآنِ مجید میں معراج شریف کا ذکر تین جگہ آتا ہے۔ ۱ سورۃ اسریٰ کی پہلی آیت جس کی یہ تفسیر ہم لکھ رہے ہیں ۲ اسی سورۃ اسریٰ (سورۃ بنی اسرائیل) کی آیت ۶۰ کی اس عبارت میں وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِي أَرَيْنَاكَ إِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ ۳ سورۃ نجم کی پہلی بیس آیتیں جن کا ترجمہ ہم نے بھی کچھ پہلی سطور میں پیش کیا۔ ان تینوں مقامات میں خاص طور پر زیادہ زور کسی چیز کے دیکھنے پر بہت دیا گیا ہے۔ اور طرزِ بیانی میں ایسا طریقہ ایسے الفاظ استعمال و بیان فرمائے گئے ہیں کہ مجبوراً ماننا پڑتا ہے کہ سمیع و بصیر نبی عبد محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج کی رات اپنی

آنکھوں سے رب تعالیٰ اللہ جل مجدہٗ کو اس طریقے سے صاف صاف دیکھا کہ دل نے تکذیب نہ کی تصدیق کی اور تصدیق و تکذیب ہمیشہ دوسرے کی کیجاتی ہے۔ نہ کہ اپنی۔ چونکہ قرآن کریم نے دیدارِ الٰہی پر بہت زور دے کر تذکرہ فرمایا ہے۔ اس لیے صحابہ کرام۔ تابعین۔ تبع تابعین۔ مجتہدین۔ فقہا علما۔ صوفیا۔ اولیا۔ کی اکثریت یہی فرماتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے آنکھوں سے رب تعالیٰ کا دیدار کیا۔ ہم انشاء اللہ اگلے سطور میں دلائل سے رویتِ باری کو ثابت کریں گے۔ اس لیے کہ کچھ لوگ رویتِ باری تعالیٰ کے منکر بھی ہیں۔ اور وہ اپنے دلائل میں چند روایتیں پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ رویت سے مراد۔ حضرتِ جبرئیل کو دیکھنا ہے۔ بہر کیف قرآنِ مجید میں اِن تینوں جگہ میں کہیں بھی جبرئیل کا تذکرہ نہیں ملتا۔

معراج کی رات تمام ملائکہ کو اُن کی مخصوص ذمہ داریوں سے چھٹی دی گئی تھی

تفسیر روح المعانی پارہ ۲۷ ص۴۷ پر۔ اور تفسیر دُرِّ منثور جلد ششم ص۱۲۶ پر ہے کہ شبِ معراج فرشتوں نے دیدارِ مصطفیٰ کی تمنا کی تو رب تعالیٰ نے تمام ملائکہ کو سدرہ کے پاس بھیج دیا۔ سب دیدار کرتے تھے اور سبحان اللہ۔ سبحان اللہ کہتے تھے۔ الیواقیت والجواہر ص۳۵ پر علامہ شعرانی سے منقول ہے اسی طرح مدارج النبوت جلد اول میں ہے لامکان پہنچنے کے وقت نبی کریم کو کچھ تنہائی محسوس ہوئی تو صدیق اکبر کی آواز سے مشابہ غیبی آواز آئی کہ یامحمد قف اِنَّ رَبَّکَ یُصَلِّی۔ ترجمہ اے ساری کائنات کے تعریف کئے ہوئے نبی محمد ذرا ٹھہرو بیشک آپ کا رب صلوٰۃ فرماتا ہے۔

اِسْرَاءٌ کا لغوی اور اصطلاحی ترجمہ

منکرینِ معراج اپنے دلائل میں یہ بھی کہتے ہیں کہ مسجدِ حرام سے اَقصیٰ تک جانا خواب میں ہوا۔ اور اِسْرَاءٌ کے معنیٰ ہیں خواب میں سیر کرانا۔ جواب۔ لغوی اعتبار سے یہ دلیل غلط ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں یہ لفظ بہت جگہ استعمال ہوا ہے اور سب جگہ بحالتِ بیداری میں رات کو چلنا مراد ہے۔ ۱ حضرت لوط کو فرمایا گیا فَاَسْرِ بِاَھْلِکَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّیْلِ۔ ترجمہ۔ اے لوط علیہ السلام۔ اپنے خاندان

کورات کے کسی حصے میں نکال کرلے جاؤ ۔ ۲ حضرت موسیٰ کو فرمایا گیا ۔ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ لَیْلًا ۔ ترجمہ ۔ فرعون سے بچا کر میرے تمام بندوں بنی اسرائیل کو رات کو نکال کر لے جاؤ ۔ ان دونوں آیتوں میں اَسْرٰی کا معنی بحالتِ بیداری ہی نکالنا اور جانا ہے ۔ ۳ قاضی عیاض نے شفا شریف میں فرمایا ۔ اِنَّہٗ لَایُقَالُ فِی النَّوْمِ اَسْرٰی ۔ ترجمہ ۔ خواب کے لیئے اَسْرٰی کا لفظ استعمال ہی نہیں کیا جا سکتا ۔ ۴ لفظ سُبْحَانَ الَّذِیْ ۔ انتہائی اہم اور حیران کن واقعے میں بولا جاتا ہے ۔ اور خواب میں کہیں جانا یا آسمانوں پر اڑنا کوئی حیران کن نہیں ۔ جسماً بحالتِ بیداری جانا ہی تعجب ناک ہے ۔ اور عام انسانوں کے لیے محال و ناممکن ۔ ۵ بِعَبْدِہٖ فرمانے سے بھی بحالتِ بیداری جسماً جانا ثابت ہوا کیونکہ عبد جسم و روح دونوں کا نام ہے ۔ خواب کے افعال کو فقط خواب دیکھنا کہا جاتا ہے ۔ نہ کہ حقیقتاً آنا جانا کیونکہ وہ صرف روح کا فعل ہے ۔

معراج کا اعلان

۲۷ ستائیس رجب صبح چاشت کے وقت طلوعِ آفتاب کے ایک گھنٹے بعد تقریباً ۔ حطیم کعبہ میں کھڑے ہو کر نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا ۔ اُس وقت حرمِ کعبہ میں ۲۷ ستائیس سردارانِ مکہ جمع تھے ۔ اُس زمانے میں مکے میں ۲۷ ستائیس قومیں آباد تھیں ۔ اور ہر قوم کا سردار اس وقت وہاں اتفاقاً موجود تھا ۔ اور اِن کے علاوہ ملکِ شام کے ۲۷ ستائیس تاجر بھی تھے جو سفرِ بیت المقدس سے چند دن پہلے مکے میں پہنچے تھے ۔ ابوجہل نے اَزراہِ تمسخر کہا ۔ اے محمد کوئی نئی خبر سناؤ ۔ تو نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پہلے حمدِ الٰہی کی پھر اپنے نبی ہونے کا ذکر کیا ۔ اور پھر گزشتہ رات کا تمام واقعۂ معراج اور سیرِ بیت المقدس کا مختصر لفظوں میں ذکر فرما دیا ۔ تو سب حیران زدہ نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگ پڑے ۔ شامی تاجروں نے اور کچھ اہلِ مکہ نے مسجدِ اقصیٰ کو دیکھا ہوا تھا ۔ انہوں نے بڑھ چڑھ کر سوالات کیئے ۔ باری تعالیٰ نے تمام حجابات اٹھا دیئے نبی کریم کی نظروں کے سامنے مسجدِ اقصیٰ آگئی آپ نے ہر سوال کا ٹھیک ٹھیک جواب دیا ۔ حالانکہ کفار جانتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی بیت المقدس نہیں گئے نہ کبھی مسجدِ اقصیٰ دیکھی ۔ اس لیے سب مزید حیرت میں ڈوب کر لاجواب ہوئے اکثر تو مسلمان ہو گئے ۔ مگر ابوجہل اور سردارانِ مکہ مذاق و تکذیب کرنے لگے ۔

معراجوں کی تعداد

مفسرین و شارحین فرماتے ہیں کہ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونتیس ۳۴ دفعہ معراج اور عروج کی سعادت نصیب ہوئی۔ گیارہ دفعہ خواب میں۔ گیارہ دفعہ نماز میں۔ اور گیارہ دفعہ بحالت بیدار سام بیٹھنے اور چلنے پھرنے میں۔ اِن کا ذکر احادیثِ مختلفہ مشہورہ میں ہے۔ اور ایک دفعہ جسمانی سیر و سیاحت اور روانگی کی معراج بحالتِ بیداری۔ لامکان تک۔ قرآن مجید کی آیت میں تین جگہ فقط اسی معراج کا ذکر ہے۔ اور بیت المقدس میں جانا اِسی معراج کا حصہ ہے۔

شقِ صدر کتنی بار ہوا

اکثر عُلَما محدثین مؤرخین شارحین کا اتفاق اس بات پر ہے کہ آقائے دو عالم احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ اقدس ایک ہی دفعہ بعمر پانچ سال بچپن شریف دادی حلیمہؓ میں چاک کیا گیا علم و حکمت نور و معرفت شفقت و رحمت سے بھر دیا گیا اور نفسِ آمارہ نکال دیا گیا۔ لیکن اس کے علاوہ بھی ایسی روایات ملتی ہیں جن سے معراج کے موقعے پر ابتداءِ معراج میں شقِ صدر اور قلب مبارک آبِ زمزم سے دھونے کا ذکر ملتا ہے انہی روایات کی بنا پر کچھ عُلَما فرماتے ہیں کہ شقِ صدر چار مرتبہ ہوا۔ ع۱ حضرت حلیمہ کی رہائش کے وقت ع۲ مکۂ مکرمہ میں کوہِ صفا کے پیچھے جب آپ کی عمر شریف دسؓ سال تھی ع۳ غارِ حرا کے پاس جب آپ کی عمر شریف بیس سال تھی ع۴ شبِ معراج آدھی رات کو کعبہ معظمہ کے پاس۔ مگر محققین عُلَماء فرماتے ہیں کہ ظاہراً بیداری میں صرف ایک بار پہلی دفعہ ہی شقِ صدر ہوا۔ باقی تین دفعہ خواب میں ہوا۔ اسی لیے بیت المقدس والی معراج کی حدیث پاک میں شقِ صدر کا ذکر نہیں۔ اور خواب والی معراج کی احادیث میں شقِ صدر کا ذکر ملتا ہے۔

معراج پاک میں اللہ کے تحفے

پچاس نمازیں ۵۰۔ دو رکعت فرض۔ ع۲ غسلِ جنابت سات مرتبہ فرض ہوا ع۳ ناپاک کپڑا سات مرتبہ

دھونے سے پاک ہوگا۔ ۴ سورۂ بقرہ کی آخری ۲ آمیں آیتیں۔ ۵ گناہ گار اُمت کی بخشش کا وعدۂ کریمانہ۔ ۶ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت کے تمام علوم ۷ ختم نبوت کا تاج معراج میں ہی پینتالیس نمازیں۔ اور چھ غسل اور چھ غسل معاف ہو گئے۔ شب معراج نبی کریم اللہ تعالیٰ کے مقام صفات سے گزرے۔ تو جس صفت سے آپ گزرتے گئے وہی صفت شانِ عطائی سے آپ کو ملتی رہی شلاً مقامِ کریم رحیم عزیز رؤف سے آپ گزرے تو آپ کو بھی کریم رؤف عزیز بنا دیا گیا اسی قرآن وحدیث میں آپ کو اللہ تعالیٰ کے چوبیس عدد صفاتی نام عطا فرمائے گئے جو اللہ تعالیٰ کے بھی نام ہیں اور نبی پاک کے بھی یہ بھی معراج کا ہی ایک تحفہ ہے۔ اِن ناموں کی فہرست پھر کسی جگہ درج کی جائے گی۔

معراج کرانے کی حکمتیں اور مقصود۔ وجہ

ویسے تو ہزار ہا حکمتیں اور مقاصدِ عظیمہ وجلیلہ ہیں معراج کرانے میں۔ لیکن اصل اور حقیقی حکمت مقصد معراج پر بلانے کا صرف اور صرف دیدارِ الٰہی کرانا تھا اور اپنی ذات کو بے حجاب دکھانا تھا۔ اِس کے علاوہ جنت دوزخ لوح وقلم عرش وکرسی انبیاءِ کرام۔ اور جبریل ومیکائیل کو وملائکہ کو دیکھنا محض ضمنی چیز تھی اس لیے کہ۔ یہ تمام چیزیں اور ملاقاتیں نظارتیں بصارتیں سب کچھ کئی مرتبہ زمین پر بھی حاصل ہو چکیں تھیں۔

۱ چنانچہ بخاری جلدِ اول اور مسلم جلد اول باب صلوٰۃ الکسوف صفحہ ۱۰۲ میں ہے کہ بحالتِ نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت دیکھی بلکہ وہاں کے پھلوں کے گچھے کو پکڑ لیا اور توڑنا چاہا۔ اور جہنم کو دیکھا اور پیچھے کو ہٹے۔ یہ ہی حدیث پاک بخاری شریف جلد اول کتاب الاذان باب رفع الید میں بھی ہے۔ ابو داؤد شریف میں بھی ہے ۲ ایک دفعہ آپ نے جہنم کو دیکھا اور فرمایا وہاں عورتیں زیادہ تھیں۔

۳ ابوداؤد شریف باب قرأۃ فی الکسوف میں رَأَيْتُ فِي جَهَنَّمَ أَخَا بَنِي دَعْدَعٍ سَارِقَ الْحَجِيجِ یعنی جہنم میں اَخادعوغ کو دیکھا جو حاجیوں کی چوری کرتا تھا ۴ بخاری کتاب الجنائز باب مَا يُحَذَّرُ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ فرمایا کہ میں اپنے حوض کوثر کو یہیں سے دیکھ رہا ہوں اور زمین کے خزانوں کی چابیاں مجھ کو دی گئیں ۵ بخاری شریف جلد دوم ۱۰۴۲ باب الفتن۔ ایک دن آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک ٹیلے پر تشریف لے گئے اور فرمایا کیا تم لوگ وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھتا ہوں صحابہ نے عرض کیا نہیں یا رسول اللہ۔ فرمایا میں تمہارے گھروں میں بارش کی طرح فتنے گرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔

۶ ترمذی شریف باب ما جاء فی الغلول ص ۱۹۱ ۔ غزوۂ ذات الرقاع میں ایک شخص مسلمانوں میں سے قتل ہوگیا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں شخص شہید ہوگیا فرمایا نہیں ۔میں اس کو ایک عباء کی خیانت اور چوری کی وجہ سے جہنم میں دیکھ رہا ہوں ۔ ۷ بخاری کتاب الجنائز جلد اول ص ۱۸۲ پر ہے ۔ ایک دفعہ دوپہر کو گھر سے نکلے تو فرمایا میں عالم برزخ میں یہودیوں کے عذاب کی آواز سن رہا ہوں ۸ ام المومنین صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جہنم کو دیکھا جس میں شعلے ایک دوسرے کو کاٹ رہے تھے ۔ اور اس میں عمرو بن عامر کو دیکھا جو اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے ۔ ۹ مشکوٰۃ شریف باب المعجزات میں ہے ۔ اللہ نے تمام زمین کے کناروں کو میرے سامنے کر دیا تو میں نے زمین کے مشرقوں اور مغربوں کو دیکھ لیا ۱۰ زرقانی اور مواہب لدنیہ جلد اول ص ۲۰۱ پر ہے ۔ میں نے تا قیامت ساری کائنات کو اپنی ہتھیلی کی طرح دیکھ لیا ۱۱ بخاری شریف کتاب الاعتصام میں ہے ۔ کہ فرمایا آقا و کل دانائے سبل فخر رسل صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جس طرح آدم علیہ السلام پر اُن کی ساری اولاد تا قیامت ذرّوں کی شکل دکھائی گئی مجھ کو میری ساری امّت اور تا قیامت مومن و کافر دکھا دیئے گئے ۔ ۱۲ مشکوٰۃ شریف باب المساجد میں ۔ آپ نے فرمایا کہ آج میں نماز پڑھ رہا تھا تو رب تعالیٰ کی آواز مجھ کو آئی اور میں نے اللہ کی آواز سنی ۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے محمد کیا تم جانتے ہو کہ ملاءِ اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑتے ہیں عرض کیا نہیں یا ربّ العالمین ۔ تو رب تعالیٰ نے اپنا ہاتھ میرے سینے پر رکھ دیا جس کی ٹھنڈک و لذّت میں نے اپنے سینے کے اندر تک محسوس کی۔ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے وہ سب کچھ میں نے جان لیا ۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا ۔ فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ كَثِيْرًا ۔ غرض کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی زمین پر رہتے آیتِ الٰہیہ کی ہر چیز کو دیکھ لیا ۔ اور یہ عالمِ اعلیٰ و بالا کی ہر چیز تو ابراہیم اور موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام نے دیکھی ۔ لوحِ محفوظ تو اولیاء اللہ نے کئی مرتبہ دیکھا ۔اگر معراج بھی فقط انہی چیزوں جنّت و دوزخ کو دیکھنے کے لیے ہو ۔ تو اتنا اہتمام کر کے بلانے کی ضرورت نہ تھی ۔ ماننا پڑے گا کہ معراج و عروج کا اصل مقصد و حکمت لامکان پر بلا کر دیدارِ الٰہی کرانا تھا ۔ باری تعالیٰ کا دیدار ہی ایسی چیز ہے جس کا نظارہ زمین کے کسی ملاقے پر بحالتِ بیداری نہیں ہو سکتا تھا ۔ باقی تمام اشیاء و ملائکہ کو ہر حالت میں زمین پر ہی دیکھا جا سکتا تھا ۔ بلکہ نبی کریم نے کئی دفعہ دیکھا بھی جیسا کہ ہم نے ابھی ثابت کر دیا ۔ اس لیے صرف اللہ تعالیٰ کو دیکھنے شرفِ زیارت کرنے کے لیے عالمِ لامکان میں تشریف لے گئے ۔ میں پوچھتا ہوں اُن منکرینِ دیدار سے جو رویت میں جبرئیل جبرئیل کی رٹ لگاتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام کو کیا زمین پر کھڑے ہو کر نہیں دیکھا جا سکتا ۔ کونسی آیت میں لکھا ہے کہ زمین

پر جبریل امین کی اصلی شکل کو نہیں دیکھا جا سکتا۔ نیز تفسیر کبیر جلد ہفتم صـ۲۳۲ پر ہے۔ کہ کسی حدیث شریف سے یہ ثابت نہیں کہ سورۃِ والنجم میں جس دیکھنے کا ذکر ہے وہ جبریل علیہ السلام کی شکل دیکھنا ہے۔ مخالفین اور منکرین رویتِ باری تعالیٰ والے لوگوں نے خود ہی اپنے وہم وخیال سے یہ بات بنا ڈالی ہے ہم کہتے ہیں کہ واقعی نبی کریم نے جبریل علیہ السلام کو اصلی شکل میں دیکھا مگر معراج جسمانی کی رات میں نہیں بلکہ دوسرے کسی موقعے پر۔ میری اس بات کو توڑنے کے لیے بھی مخالفین کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

معراج کی دوسری حکمت ۔ رب تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں فرمایا۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَ ترجمہ ہم نے آپ کے ذکر کو بلند فرمایا۔ بلند وہ ہوتا ہے جس سے کوئی اونچا نہ ہو۔ اس لیے عملی کے لیے لامکان پر بلایا۔ اور عرش ولامکان۔ ملائکہ۔ حور وغلمان۔ میں اپنے حبیبِ مکرم کا چرچہ اور تذکرہ وذکر مشہور فرمایا۔

تیسری حکمت ۔ رب تعالیٰ نے حدیث قدسی میں فرمایا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ ترجمہ اے پیارے حبیب نبی اگر تم کو پیدا نہ کرتا تو کائنات میں کچھ پیدا نہ کرتا۔ افلاک جمع ہے فلک کی اور فلک ہر جہان اور ہر طبق اور ہر کرّے کو کہا جاتا ہے لہٰذا وہ تمام افلاک معراج کی شب دکھلائے گئے تاکہ نبی کریم اپنی مملوکہ اشیا کو دیکھ لیں۔

چوتھی حکمت ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساری کائنات اور سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں اس لیے سارے جہانوں کو دیکھنا آپ کے لیے ضروری ہے۔

پانچویں حکمت ۔ سارے ملائکہ وانبیاء کی خصوصیات آپ کو عطا فرمائی گئیں اس کے علاوہ خصوصیات بھی آپ کو دینی تھیں کیونکہ آپ کو سرور کائنات اور سردارِ انبیاء عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام بنایا گیا۔

چھٹی حکمت ۔ تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو اللہ کریم سے کلام کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن فرق ہے۔ انبیاءِ کرام کو دو طرح کلام سنایا گیا۔ ع۱ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا ۔ ترجمہ۔ تمام انسانوں میں سے کسی سے باری تعالیٰ کلام نہیں فرماتا مگر جس بشر سے کلام فرماتا ہے تو صرف وحی کے ذریعے ہی۔ ع۲ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا ۔ یا اپنا فرشتہ بھیج کر۔ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام سے تین طریقے سے کلام فرمایا۔ ع۱ اِلَّا وَحْيًا بھی۔ ع۲ فرشتہ بھیج کر ع۳ اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ ۔ بغیر وحی۔ بغیر فرشتہ۔ بلا واسطہ بغیر رویت کے پردے میں سے صرف آواز سے کلام فرمایا۔ آقائے دو عالم حضورِ اقدس چونکہ حضرت کلیم سے افضل ہیں اس لیے آپ کو تین قسم کے کلام تو زمین پر ہی سنا دیئے۔ چوتھی قسم کا کلام آپ

کو خصوصی طور پر سنانا تھا اُس کے لیے زمین ناکافی تھی اِس لیے لامکان پر بلا کر بلا حجاب کلام سنایا۔

ساتویں حکمت ۔ ذاتِ محمدِ مصطفیٰ کمالاتِ قدرت اور کارخانۂ قطرت کا بے مثل اعلیٰ نمونہ ہیں اور نمونہ سب کو دکھایا جاتا ہے اور جس کو دکھانا مقصود ہو اُس کو اونچی بلندی پر بٹھایا جاتا ہے تاکہ سب دیکھیں۔ اس لیے معراج کی انتہائیوں پر بلایا۔ کہ عرشیو فرشیو لوح و قلم اور سمٰواتِ سبع کے رہنے والو دیکھو میرے محبوب کو جی بھر کے دیکھو۔ کون ہے تم میں سے اُس کی مثل۔

آٹھویں حکمت ۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (الخ) اللہ خریدار۔ مومنین اپنی جانوں مالوں کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچنے والے۔ اور ذاتِ نبی کریم۔ اس خریداری کے وکیلِ اعظم۔ لہٰذا آپ کو پہلے صدیق و فاروق عثمان و علی وغیرہم صحابہ اور مومنینِ تا قیامت کے جان و مال کا سودا مال دکھا دیا گیا۔ پھر معراج میں بلا کر اُس کی قیمت جنّت اور اس کی چیزیں دکھادیں۔

نویں حکمت ۔ حضورِ اقدس صلّی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے شاہد یعنی گواہ ہیں۔ اور آپ کی ذات پر گواہی کو ختم کرنا تھا۔ ختمُ الرسل بنانا تھا۔ اس لیے شبِ معراج میں بلا کر ہر چیز کے علاوہ اپنی ذات کا بھی مشاہدہ و دیدار کرا دیا تاکہ دیکھی ہوئی گواہی ہو جائے۔ اور پھر کسی گواہ یا گواہی کی ضرورت نہ پڑے۔

دسویں حکمت ۔ معراج کے پہلے حصّہ میں براق کی طاقت کا مظاہرہ کرایا گیا۔ مسجدِ حرم سے اقصیٰ تک۔ آسمانوں پر انبیاءِ کرام کی طاقت کا مظاہرہ ہوا کہ انبیاءِ کرام مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھ کر وداع کر کے آسمانوں پر براق سے پہلے پہنچ گئے۔ سِدرہ سے آگے لامکان تک نبیِ مکرّم محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی طاقت کا ثبوت فرمایا گیا۔ کہ انبیاءِ کرام کے علاوہ جبرئیل و میکائیل براق و رَفرف سب پیچھے رہ گئے۔

؎ جبرئیل رُکے تو بُراق تھکے رَفرف بھی اب آگے چل نہ سکے
رب اُدْنُ حبیبی مِنّی کہے تیرے قُربِ خدا کا کیا کہنا

اس کے علاوہ اور بھی لاکھوں حکمتیں ہیں جن کا علم بندوں کو نہیں ہو سکتا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ اللہ تعالیٰ کو لامکان میں دیکھنے کا بیان

دیدار کے ثبوت کے دلائل۔ مخالفین کے دلائل۔ ان کے اعتراضات۔ اور مخالفین کے تمام دلائل اور اعتراضات کے جوابات

پہلی دلیل ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا ۔ ہم نے اپنے بندے کو معراج کا سیر اس لیے

کرایا تاکہ ہم اپنی عظیم نشانیاں اپنے بندۂ محبوب کو دکھائیں تحت الثریٰ سے سدرۃ منتہیٰ تک تو نبی کریم نے زمین پر رہتے ہوئے بھی کئی دفعہ دیکھ لیا تھا۔ معراج میں بلانے کی وجہ صرف وہ نشانیاں دکھانی تھیں جو زمین پر نہیں دیکھی جا سکتی تھیں اور وہ سدرہ سے اوپر تھیں وہ لامکان ہے۔ وہاں کوئی مکان نہیں مکانی اور مخلوقی نشانیاں تو سب سدرہ تک ہی رہ گئیں۔ لازمًا ثابت ہوا کہ وہ دیدارِ الٰہی کی نشانیاں اور آیت ہیں جو دکھائی گئیں۔

دوسری دلیل: اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ۔ بیشک وہ محبوب بندہ ہی وہاں تنہا سمیع سننے والا اور بصیر دیکھنے والا تھا۔ چونکہ اس آیت میں مخاطب جمع متکلم خود باری تعالیٰ ہی ہے لہٰذا غائب کی ضمیر اِنَّهٗ یقینًا عبد کی طرف راجع۔ اور هُوَ کی ضمیر نے حصر پیدا کیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ عبدہٗ وہاں پہنچا جہاں وہ تنہا سمیع و بصیر تھا جب کہ سدرہ تک تو بے شمار سمیع بصیر موجود ہیں۔ حرمِ کعبہ سے بیت المقدس مسجدِ اقصیٰ اور اقصیٰ سے سدرہ تک حصر درست نہیں حصر کے لیے وہ مقام چاہیئے جہاں ایک ہی سمیع و بصیر ہو۔ وہ مقام سدرہ سے آگے لامکان ہے۔ ایسی خلوت میں سمیع نے سنا اور بصیر نے دیکھا کیا سنا کیا دیکھا؟ لازمًا ثابت ہوا کہ اللہ کو دیکھا اور اللہ کی باتیں سنی۔

تیسری دلیل: مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى۔ تمہارے تا قیامت ساتھی نہ غلط ہوئے نہ بھولے نہ بھٹکے۔ مسجد حرم سے سدرہ تک تو ملائکہ اور جبرئیل ساتھ ہیں وہاں تک تو بھولنے کا اندیشہ ہی نہ تھا۔ ہمیشہ اکیلا آدمی بھولتا بھٹکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سدرہ سے آگے جا کر تنہا ہوئے اس لیے شانِ لامکانی کے اظہار کے لیے فرمایا گیا مَا ضَلَّ۔ (النجم) اور پھر لامکان پر جانے کا مقصد بجز دیدارِ الٰہی کچھ نہیں۔ رویتِ باری تعالیٰ کی قرآن مجید سے۔

چوتھی دلیل: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى۔ دل نے نہ جھٹلایا جو ہمارے بندے نے دیکھا۔ تصدیق ہمیشہ دوسرے کی۔ کی جاتی ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ دل دیکھنے والا نہیں بلکہ آنکھوں کے دیکھنے کی تصدیق کرنے والا تھا۔ یہاں دیکھنے والے کو عبد کہا گیا یہ لفظ بتا رہا ہے کہ معبود کو ہی دیکھا۔

پانچویں دلیل: اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى کیا تم لوگ ہمارے اس بندے کے دیکھنے میں شکوک اور اختلاف اور جھگڑے کرتے ہو۔ آج تک کسی نے جبرئیل کے دیکھنے میں کوئی جھگڑا نہیں کیا۔ جھگڑا صرف دیدارِ الٰہی میں ہی کرتے چلے آ رہے ہیں غیر تو غیر خود مسلمان بھی اس لیے یہی دیدار یہاں مراد ہے۔

چھٹی دلیل: وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ اور اِس عبدہٗ نے اترتے ہوئے دوسری دفعہ دیکھا۔ اترنا تو لامکان سے ہوا وہاں تک جبرئیل کی پہنچ نہیں۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ اللہ کو ہی دوبارہ دیکھا۔

ساتویں دلیل :- لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۔ البتہ بیشک عبدِ محبوب نے بہت ہی بڑی رب تعالیٰ کی آیت کو دیکھا۔ لفظِ کبریٰ سے ثابت ہوا کہ اکبر کو دیکھا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ یہاں تک قرآن مجید کے لفظوں سے رویتِ باری کے دلائل پیش کئے گئے جس کا کوئی اور مطلب کرنا آیت کی تحریف کرنا ہے اب احادیث سے دیدارِ الٰہی کو ثابت کیا جاتا ہے۔

آٹھویں دلیل :- ابھی تک ہم نے قرآن مجید سے دلالۃً اِقتضاءً۔ اِشارۃً اللہ کے دیدار مبارک کے دلائل پیش کئے اب حدیث پاک سے عبارۃً دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔ چنانچہ احادیث کی مشہور معتبر کتاب مشکوٰۃ شریف باب المساجد فصل ثانی ص ۶۹ پر ہے۔ عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَائِشٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ رَبِّيْ عَزَّ وَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى (الخ) ترجمہ صحابی پاک حضرت عبدالرحمٰن ابن عائش سے روایت ہے۔ فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ میں نے اپنے رب کریم جَلَّ مجدہٗ کو بہت اچھی صورت میں دیکھا اور اللہ نے فرمایا کہ اے پیارے نبی یہ بتاؤ کہ مَلاِ اعلیٰ کے فرشتے کس بات میں جھگڑا کرتے ہیں (آخر تک) کس طرح صاف لفظوں میں دیدارِ الٰہی کا ثبوت اور ذکر ہے۔

نویں دلیل :- ترمذی شریف جلد دوم ص ۱۶۳ تفسیر سورۂ نجم فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَخْبَرَنَا بَنُوْ هَاشِمٍ فَقَالَ كَعْبٌ اِنَّ اللّٰهَ قَسَّمَ رُؤْيَتَهٗ وَكَلَامَهٗ بَيْنَ مُحَمَّدٍ وَّمُوْسٰى فَكَلَّمَ مُوْسٰى مَرَّتَيْنِ وَرَاٰهُ مُحَمَّدٌ مَرَّتَيْنِ (الخ) ترجمہ۔ ابن عباس۔ بنو ہاشم۔ اور حضرت کعب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام اور اپنی رویت کو تقسیم فرمایا موسیٰ علیہ السلام کو دو مرتبہ کلام سنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ دیدار کرایا۔

دسویں دلیل :- صحابہ کی اکثریت دیدارِ الٰہی کی قائل ہے چنانچہ اکابر صحابہ کی تعداد کو ترمذی دوم کے حاشیہ ص ۱۶۳ پر شمار کیا ہے۔ ۱ ابن عباس ۲ ابوذر غفاری ۳ کعب احبار ۴ حسن بصری تابعی۔ ۵ ابن مسعود ۶ ابوہریرہ ۷ امام حنبل ۸ وَکُلِّ اَصْحَابٖ۔ ۹ حسن اشعری ۱۰ وَجَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ اَنَّهٗ رَاٰهُ وَوَقَفَ بَعْضُ مَشَائِخِنَا وَقَالَ لَيْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ وَاضِحٌ وَلٰكِنَّهٗ جَائِزٌ۔ وَرُؤْيَتُهٗ لِلّٰهِ تَعَالٰى فِي الدُّنْيَا جَائِزٌ یعنی ان ناموں کے علاوہ صحابہ کی بہت بڑی جماعت نے فرمایا کہ نبی پاک نے اللہ کو دیکھا ہے۔ اور ایک شخص مشائخ میں سے خاموش ہے۔ مگر ان کا بھی قول ہے کہ اگرچہ دیدار کے لیے کوئی واضح دلیل تو مجھ کو نہیں ملی مگر دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ہو سکتا ہے۔

گیارہویں دلیل :- مسلم شریف جلد اول ص ۹۹ عَنْ اَبِيْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ رَاَيْتَ رَبَّكَ قَالَ نُوْرٌ اِنِّيْ اَرَاهُ ۔ اس متن حدیث کی تین قرأتیں ہیں ۱ یہی جو ہم نے

لکھی ہے۔ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ۔ ترجمہ حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔ فرمایا۔ وہ نور ہے بیشک میں نے اس کو دیکھا ہے ۲۔ قَالَ نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ۔ فرمایا وہ نورانی ہے میں نے اُس کو دیکھا ہے ۳۔ قَالَ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ اس تیسری قرأت کے ترجمے دو ہیں۔ پہلا ترجمہ۔ فرمایا کہ وہ نور ہے کسی جگہ یا کسی طرح بھی میں نے اس کو دیکھا یعنی جس وقت بھی میں نے اس کو دیکھا وہ نور ہی ہے یعنی جس وقت میں نے اس کو خوب نور ہی پایا۔ دوسرا ترجمہ۔ فرمایا نور ہے میں کس طرح اسکو دیکھ سکتا ہوں۔ مگر یہ ترجمہ ترکیب نحوی کے اعتبار سے اس لیے غلط ہے کہ نور سے پہلے کوئی لفظ پوشیدہ نہیں مانا گیا حالانکہ پوشیدہ ماننا ضروری ہے۔ کہ وہ نور ہے یا وہاں نور ہے۔ اگر لفظ وہ پوشیدہ مانا جائے اور کہا جائے کہ وہ نور ہے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ تو ثابت ہوا کہ نور کو دیکھنا محال نہیں کیونکہ بہت سے نور دیکھے جا سکتے ہیں۔ نیز ساتھ ہی ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی دوسری روایت ہے کہ قَدْ سَاَلْتُهٗ فَقَالَ رَاَیْتُ نُوْرًا۔ جب میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے تو فرمایا کہ میں نے نور دیکھا۔ بہر کیف بہت ہی دلائلِ کثیرہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو خوب اچھی طرح آنکھیں کھول کر دیکھا۔ اب ہم منکرینِ دیدار کے دلائل سوال و جواب کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ منکرین کی دو قسمیں ہیں ۱۔ معراجِ جسمانی کے منکر ۲۔ اور صرف رویتِ باری تعالیٰ کے منکر۔ یہاں دونوں قسموں کے منکروں کے سوالات اور دلائل بیان کیے جائیں گے۔ پہلا اعتراض و سوال۔ جسمانی معراج ناممکن اور محال ہے۔ کسی بشر اور انسان کی طاقت نہیں کہ آسمانوں پر جا سکے۔ جواب۔ آپ کا سوال درست ہے واقعی کوئی عام بشر آسمانوں پر نہیں جا سکتا۔ آپ کی یہی بات معراجِ جسمانی کی دلیل بن گئی۔ اس لیے کہ معراجِ جسمانی معجزہ ہے اور قدرت کی عجیب ترنشانی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اس کی اہمیت کو ثابت کرنے کے لیے سُبْحَانَ الَّذِیْ سے شروع فرمایا۔ معجزہ ہوتا ہی وہی ہے جو عام بشر کی طاقت سے محال ہو۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے فرمایا۔ اَسْرٰی۔ یعنی جانے والا خود نہیں گیا بلکہ اللہ تعالیٰ لے گیا۔ ڈاکٹر اقبال لکھتا ہے۔

سبق ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
کہ عالمِ بشریت کی زد میں ہیں گردوں

کتنا غلط ہے یہ شعر اور کتنا غلط سبق ملا ہے کہ جس واقعے کو باری تعالیٰ بہت حیران کن اور تعجب ناک اہمیت والا قدرت کا کمال بیان فرما رہا ہے۔ اقبال اُس کو عام بشریت کے لیے معمولی اور بہت آسان قرار دیتا ہے۔ معراج۔ انسان کے لیے ناممکن اور محال ہے یہ تو نبی کریم عبدِ محبوب کی خصوصیت ہے۔

اور معجزہ۔ **دوسرا سوال** ۔ اللہ تعالیٰ کو کسی وقت کسی جگہ دیکھنا ناممکن ہے۔ زمین آسمان۔ جنت لامکان۔ قبل قیامت بعد قیامت دیکھنا محال ہے۔ کوئی آنکھ اس کو نہیں دیکھ سکتی کبھی بھی۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (سورت انعام پ آیت ۔) **جواب** ۔ تمام اہلسنت کا ابتداسے آج تک یہ عقیدہ رہا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اپنے دیدار کرانے پر ہر جگہ قادر ہے زمین پر بھی اُس کا دیدار ممکن اور آسمان و لامکان پر بھی۔ جاگتے سوتے بھی۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بحالتِ بیداری صرف لامکان پر ہی دیدار فرمایا۔ اور کسی نبی فرشتے نے کبھی بھی اللہ کا دیدار نہیں کیا۔ مگر ممکن ہے اگرچہ وقوع ثابت نہیں۔ یہ خصوصیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی ثابت۔ چنانچہ۔ سورۃ اعراف آیت ۱۴۳ میں۔ رَبِّ أَرِنِي أَنْظُرْ إِلَيْكَ قَالَ لَنْ تَرَانِي وَلَٰكِنِ انْظُرْ إِلَى الْجَبَلِ فَإِنِ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ فَسَوْفَ تَرَانِي ترجمہ۔ حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے میرے رب مجھ کو اپنا دیدار کرا میں تجھ کو دیکھوں گا۔ فرمایا اے موسیٰ تم دیکھ نہ سکو گے ہاں لیکن تم پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرے رہے تو عنقریب مجھ کو دیکھلو گے۔ اس آیت میں دو جگہ ثابت ہوا کہ اللہ کو دیکھنا محال اور ناممکن نہیں ع۱ اگر ناممکن ہوتا تو حضرت موسیٰ سوال ہی نہ کرتے کیونکہ ناممکن کا سوال کرنا حرام اور حرام کا مرتکب ہونا گناہِ عظیم ہے نبی حرام کام کر ہی نہیں سکتا۔ ع۲ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَسَوْفَ تَرَانِي ۔ عنقریب دیکھ لوگے اگر دیدارِ الٰہی ناممکن ہوتا تو سَوْفَ تَرَانِي نہ فرمایا جاتا۔ یہ تو دنیا اور زمین پر دیدار کے ممکن ہونے کی دلیل ہے۔ قیامت میں بہت سے مومن رب کا دیدار کریں گے۔ چنانچہ سورۃ قیامت آیت ۲۲ و ۲۳ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاظِرَةٌ ۔ اس قیامت کے دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف آنکھوں سے دیکھیں گے۔ معترض کا لَا تُدْرِكُهُ والی آیت سے دلیل پکڑنی غلط ہے۔ حضرت عکرمہ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے اسی دلیل سے اعتراض کیا تھا تو آپ نے جھڑکا اور فرمایا تھا کہ لَا تُدْرِكُهُ سے اللہ کو دیکھنے کا انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ لَا تُدْرِكُهُ کا معنی ہے۔ اللہ کو کسی کی نظر۔ بصر گھیر نہیں سکتی یعنی پورا نہیں دیکھ سکتی۔ تمام منکرین کے پاس رویت کے خلاف بس یہی ایک آیت ہے۔

تیسرا سوال ۔ اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ دیدارِ الٰہی کا انکار کرتی ہیں۔ اور آپ لوگ جانتے ہو تو کیا عائشہ صدیقہ غلط ہیں۔ **جواب** ۔ یہی سوال امام احمد بن حنبل سے ہوا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ عائشہ صدیقہ سے زیادہ معتبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے نبی کریم تو فرمائیں رَأَيْتُ رَبِّي ۔ اور صدیقہ انکار کریں تو عائشہ صدیقہ کی بات کس طرح مانی جا سکتی ہے۔ **چوتھا اعتراض** ۔ مسجدِ اقصیٰ تک جانا بھی خواب میں

ہوا نہ کہ جسمانی ۔ دلیل یہ ہے کہ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں ۔ مَا فَقَدْتُ جَسَدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ ایک دوسری روایت ان لفظوں سے مروی ہے مَا فُقِدَ جَسَدُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْلَۃَ الْمِعْرَاجِ ۔ ترجمہ ۔ ۱ معراج کی رات میں نے نبی کریم کا جسم شریف گم نہ پایا ۲ شب معراج جسم پاک گم نہیں پایا گیا ۔ **جواب** ۔ اکثر محدثین فرماتے ہیں کہ یہ روایت جھوٹ بنائی گئی ہے ۔ بھلا اُمّ المومنین قرآن مجید کی صریح آیتِ اسرا کا کس طرح انکار کر سکتی ہیں ۔ اور عبد کا معنیٰ کس طرح بھول سکتی ہیں ۔ کچھ لوگوں نے یہ جواب دیا کہ یہ روایت تو معراج کی دلیل ہے ۔ اُمّ المومنین کا فرمان یہ ہے کہ شبِ معراج جسدِ مبارک روحِ مبارک سے گم اور جدا نہ ہوا بلکہ جسم وہیں پہنچا جہاں روح پہنچی ۔ خیال رہے کہ عائشہ صدیقہ معراج کی رات ایک قول میں پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں اُن کے نزدیک معراج بعثت کے پانچویں سال ہوئی اور اُسی سال شوال میں آپ کی ولادت ہوئی معراج کے تین ماہ بعد ۔ لیکن مشہور قول میں معراج گیارہویں سال ماہِ رجب میں ۔ اُس وقت عائشہ صدیقہ رضی کی عمر پانچ سال کچھ ماہ تھی ۔ لہٰذا عائشہ صدیقہ یہ کس طرح کہہ سکتی ہیں کہ لیلۃ معراج میں نبی کریم کا جسم مبارک حجرے میں ہی رہا ۔ اس وقت تو نہ حجرہ تھا نہ عائشہ صدیقہ ۔

پانچواں اعتراض ۔ اہلسنت کے پاس دیدارِ باری تعالیٰ کی جتنی روایتیں ہیں اُن سب میں رُؤْیَتُ رَأَیْتُ ۔ رائی کے ہی صیغے آئے ۔ اور رُؤیت کے معنیٰ ہیں خواب میں دیکھنا ۔ ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ خواب میں دیکھا ۔ **جواب** ۔ کتنا غلط اور کم علمی کا اعتراض ہے دیکھو اللہ کے کلام پاک میں ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دیدارِ الٰہی کی تمنا کی ۔ وہاں الفاظ اس طرح ہیں ۔ اَرِنِیْ ۔ لَنْ تَرَانِیْ ۔ فَسَوْفَ تَرَانِیْ ۔ اے اللہ مجھ کو اپنا دیدار کرا ۔ جواب آیا تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکو گے ۔ اگر پہاڑ پر ٹھہرے رہے تو عنقریب مجھ کو دیکھ لوگے ۔ یہاں سب رُؤیت کے ہی صیغے ہیں ۔ کیا یہاں خواب میں ہی دیکھنے کا ذکر ہے ۔ کیا موسیٰ علیہ السلام خواب میں نہیں دیکھ سکتے تھے ۔ جب کہ خواب میں امام اعظم نے رب تعالیٰ کو سو مرتبہ دیکھا تھا ۔ اور پھر اگر یہ معراج خواب ہوتی تو جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حطیم کعبہ میں معراج کا اعلان فرمایا تو ابوجہل اور کفارِ مکہ تعجب کرتے ہوئے تکذیب ۔ ہنسی مذاق ۔ اور گستاخی سے انکار نہ کرتے نہ بیت المقدس کی نشانیاں پوچھتے ۔ نہ نبی کریم ان کو بتاتے ۔ نہ وہ حیران ہوتے خواب میں دیکھ لینا تو کوئی کمال نہیں ۔ **چھٹا اعتراض** ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ۔ معراج میں دیکھنے کی دل نے تصدیق کی ۔ ثابت ہوا کہ یہ قلبی معراج تھی اور قلبی دیکھنا خواب ہوتا ہے ۔ **جواب** ۔ یہ الفاظ ہی معراجِ جسمانی اور رویتِ بیداری اور دیدِ بصارت کی دلیل ہے ۔ اس لیے کہ دل تصدیق کرنے والا ہے اور تصدیق غیر کی ہوتی ہے ۔ خود باری تعالیٰ نے بتا دیا کہ دل نے کیا تصدیق کی ؟

فرمایا کہ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی جو آنکھ نے دیکھا دل نے اسی کی تصدیق کی۔ **ساتواں اعتراض۔** فتح الباری شرح بخاری میں ہے کہ انس بن مالک فرماتے ہیں فَاسْتَیْقَظَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ۔ دوسری روایت میں خود نبی کریم نے فرمایا یَبِیْنَا اَنَا نَائِمٌ۔ ترجمہ ۱؎ حضرت انس نے معراج کا پورا واقعہ سنا کر فرمایا کہ جب نبی کریم بیدار ہوئے تو آپ مسجد حرام میں تھے ۲؎ معراج کے وقت میں سویا ہوا تھا۔ ثابت ہوا معراج خوابی ہوئی نہ کہ جسمانی۔ **جواب۔** ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ معراج چونتیس ۳۴ دفعہ ہوئی۔ معترض کی پیش کردہ یہ روایتیں واقعی معراجِ روحانی اور خواب کا ذکر کرتی ہیں۔ لیکن معراجِ جسمانی حضرت اُمِّ ہانی کے گھر سے ہوئی۔ نیز ان روایتوں میں بیتُ المقدّس جانے کا ذکر نہیں۔ اُمِّ ہانی والی معراج میں بیت المقدس جانے کا ذکر ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کفار نے بہت زیادہ اعتراض سوال اور مذاق کئے تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ اے کائنات والو۔ اِنِّیْ اَرٰی مَالَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَالَا تَسْمَعُوْنَ۔ بیشک میں وہ کچھ دیکھ سکتا ہوں جو تم میں کوئی نہیں دیکھ سکتا اور وہ کچھ سُن سکتا ہوں جو تم میں کوئی نہیں سن سکتا۔

آٹھواں اعتراض۔ عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب کوئی کہتا ہے کہ نبی کریم نے اللہ کو دیکھا تو میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ دیدارِ الٰہی ناممکن ہے۔ **جواب۔** ہم نے ابھی قرآن پاک کی آیت لَنْ تَرٰانِیْ۔ سے ثابت کر دیا کہ دیدارِ الٰہی جائز اور ممکن ہے۔ اُمّ المومنین کا یہ فرمانا کہ میرے رونگٹے اس ذکر سے کھڑے ہو جاتے ہیں یا اس لیے ہے کہ وہ دیکھنے سے مراد اِدراک لے رہی ہیں۔ اور یہ واقعی ناممکن ہے۔ یا اس لیے ہے کہ دیدارِ الٰہی اتنا مشکل ہے کہ موسیٰ علیہ السلام صرف تجلّی دیکھ کر بیہوش ہو گئے۔ اور ہم جیسے ذکر سن کر کانپ جاتے ہیں بال کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یہ تو اُسی کا حوصلہ ہے جس نے دیکھا۔ حضرتِ عائشہ کی یہ اپنی ایک طرزِ بیانی ہے ورنہ اِس سے اِنکار ثابت نہیں ہوتا۔ بعض نے جواب دیا کہ اُمّ المومنین کی مراد زمین پر رہکر دیدارِ الٰہی ناممکن ہے۔ ہاں لامکان پر جاکر درست ہے۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ عقیدہ صرف عائشہ صدیقہ کا اپنا ہے۔ اسی لیے وہ اس عقیدے کے خلاف بات سننا گوارہ نہیں کرتیں اور غصّے یا انتہائی ناگواری سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ورنہ یہ بات کسی اور نے نہ کہی۔ مخالفین اور منکرین کے پاس صرف عائشہ صدیقہ اور عبداللہ بن مسعود کی تین روایتیں ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ چونکہ دونوں قسم کی روایتیں ملتی ہیں رویت کی بھی نہ دیکھنے کی بھی اور دیکھنے والی کثیر ہیں لہٰذا مطابقت کی صورت بنانی زیادہ درست و مناسب ہے۔ اور مطابقت اس طرح ممکن ہے کہ اُمّ المومنین کی روایتیں اس بنا پر ہیں کہ رویتِ الٰہی کا احاطہ کوئی نہیں کر سکتا۔ اور کوئی شخص اپنی مرضی سے اپنی قوتِ اختیار سے نہیں دیکھ سکتا۔ جیسا کہ عام طور پر ہم اپنی مرضی سے ہر چیز کو دیکھ سکتے ہیں۔

لیکن باوجود نحنُ اَقربُ ہونے کے کوئی اپنی مرضی سے اس کو نہیں دیکھ سکتا ہاں جس کو وہ اپنا جمال دکھائے اور دیکھنے کی قوت بخشے۔ ان کے لیے دیدار الٰہی ثابت ہے۔ اگر ہماری بیان کردہ یہ مطابقت پیدا نہ کی جائے تو اُمّ المومنین پر چند الزام پڑتے ہیں۔ ۱ اُمّ المومنین نے قدرتِ الٰہی کا انکار کیا۔ ۲ صریحی آیت کے اقتضا کا انکار کیا ۳ کثیر صحابہ کرام کے اقوال کا انکار کیا۔ ۴ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صریحی فرمان کا انکار کیا۔ ۵ اپنی عمر سے پہلے یا چھوٹی بچپنے عمر کی حقیقت کا بلاوجہ انکار کیا ۶ عائشہ صدیقہ کو لاتدرکہ اور فسوف ترانی کا مطلب معلوم نہ ہو سکا۔ اور علمِ قرآن سے ناواقف رہیں معاذ اللہ۔

معراج کا مہینہ اور تاریخ اور سال

مؤرخین و محدثین کا اس میں اختلاف ہے کہ معراج کب ہوئی۔

۱ مشہور و معتبر یہ ہے کہ بعثت کے گیارہویں سال ماہِ رجب ستائیس تاریخ کو آدھی رات کے وقت معراج شروع ہوئی دنیوی لحاظ سے آسمانوں کے اٹھارہ یا اٹھائیس سال گزار کر اسی رات تشریف لائے اور واپسی سدرۃ المنتہیٰ سے براق پر سیدھا خانۂ کعبہ میں نزول فرمایا۔ ایک قول ہے کہ جنت کو چار دفعہ دیکھا اور دوزخ آٹھ دفعہ دیکھا ۲ ہجرت سے ڈیڑھ سال پہلے معراج ہوئی ۳ پانچ سال پہلے ہوئی ۴ بعثت کے پانچویں سال یعنی ہجرت سے آٹھ سال پہلے۔ ۵ سترہ ربیع الاول میں ہوئی یا نویں تاریخ ۶ گیارہ ربیع الآخر کو ہوئی ۷ ستائیس رمضان شبِ قدر میں ہوئی۔ ۸ ۱۲ شوال کو ہوئی ۹ صحیح یہ ہے کہ پیر کی رات کو ہوئی ۱۰ جمعہ کی رات کو ہوئی (از روح البیان جلد پنجم ص۱۰۶ مَاثَبَتَ مِنَ السُّنَّۃ ۔ ص۱۹۱) تمام عرب و عجم میں شبِ معراج کی فضیلت مشہور ہے۔ اور نبی کریم کے لیے یہ رات شبِ قدر سے افضل ہے۔ دنیا میں ہر جگہ یہ رات نہایت اہتمام سے عبادت و نوافل ذکر و اذکار کے ساتھ منائی جاتی ہے۔ اور مسلمان اس کو عظیم رات سمجھتے ہیں اور ہر جگہ ستائیسویں رجب کی رات ہی منائی جاتی ہے۔ معراج سے واپسی پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے جنگل میں سے گزرے تو تین جگہ پر آپ نے تین قافلے دیکھے۔ ۱ مقام روحا پر بنی دوان کا قافلہ تھا۔ یہاں آپ کو پیاس لگی تو آپ نے براق سے اتر کر اہلِ قافلہ سے پانی طلب فرمایا انہوں نے دیا آپ نے پیا۔ اور آگے روانہ ہوئے۔ اہلِ قافلہ کو اس وقت آپ کی شخصیت سے کچھ ہیبت آئی اس کا ذکر

بائبل عہد نامہ قدیم میں بھی آتا ہے۔ چنانچہ یسیاہ باب ۲۱ آیت ع ۱۴ صفحہ ۶۷۶ پر ہے اے ددانیوں کے قافلو تم عرب کے جنگل میں رات کاٹو گے۔ وہ پیاسے کے پاس پانی لائے۔ پھر مقام بطیحا کے پاس سے گزرا تو قافلے والوں کا ایک اونٹ براق سے بدک کر بھاگا اور اس کی ٹانگ ٹوٹ گئی پھر تیسرا قافلہ مقام تنعیم میں ملا ان کا ایک اونٹ گم ہوگیا تھا غرضکہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک چیز کا نشان بتا دیا جنہوں نے مانا وہ مسلمان ہوگئے نہ ماننے والے پھر بھی کافر ہی رہے۔ روایت میں آتا ہے کہ لامکان پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے باری تعالیٰ کے مقامات کی زیارت فرمائی اور ہر مقام پر اللہ ربُّ العزت نے اپنے محبوب کو اُسی صفت کا حُلّہ عطا فرمایا۔ اور اس صفت کی قدرت و ہمت بھی عطا فرمائی۔ اور اپنے اُن صفاتِ ذاتیہ کے ناموں کو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لقب عطا فرمایا۔ اسی لیے وہ تمام اَلقاب قرآن مجید میں مختلف جگہ پر اللہ تعالیٰ کے لیے ارشاد ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی چنانچہ۔ آسمائے صفاتیہ میں اللہ تعالیٰ کا اسم پاک بھی قویٌّ ہے (پ ۲۸ سورۃ مجادلہ رکوع ع ۳) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام پاک بھی (پ ۳۰ آیت ع ۱۹ سورۃ تکویر) ع ۲ ولیٌّ۔ (اللہ تعالیٰ کے لیے پ ۶ سورہ مائدہ رکوع ۱۲) نبی کریم کے لیے (پ ۶ سورۃ مائدہ ع ۱۲) ع ۳ حقٌّ۔ اللہ کے لیے) پ ۲۳ سورۃ ص ع ۱۳) نبی کریم کے لیے پ ۱۵۔ ع ۶ شہیدٌ اللہ کے لیے پ ۴ سورۃ آلِ عمران رکوع ع ۱ نبی کریم کے لیے پ ۵ سورۃ نساء رکوع ع ۳ ع ۷ ہادی۔ اللہ کے لیے پ ۱۹ سورۃ فرقان رکوع ع ۱ رسول کریم کے لیے پ ۲۵ سورۃ شوریٰ آیت ۵۲۔ ع ۸ نورٌ۔ اللہ کے لیے (پ ۱۸ سورہ نور رکوع ع ۱۱) نبی کریم کے لیے (پ ۶ مائدہ رکوع ع ۷) ع ۹ رحیمٌ اللہ کے لیے (پ ۲ بقرہ رکوع) نبی کریم کے لیے (پ ۱۱ سورہ توبہ رکوع ع ۵)۔ ع ۱۰ رؤفٌ اللہ کے لیے (پ ۲ رکوع ع ۱) نبی کریم کے لیے (پ ۱۱ توبہ رکوع ع ۵) ع ۱۱ اوّلٌ۔ فی الحقیقۃ اللہ کے لیے ع ۱۲ آخرٌ۔ فی الحقیقہ۔ اللہ کے لیے (پ ۲۷ سورۃ حدید رکوع ع ۱۷) یہی دونوں لقب مخلوق میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی۔ ع ۱۳ ظاہرٌ ع ۱۴ باطنٌ حقیقت میں اللہ کے لیے اور باعتبارِ مخلوق کے نبی کریم کے لیے (پ ۲۷ سورۃ حدید رکوع ع ۱۷) ع ۱۵ کریمٌ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ پ ۱۹ سورۃ نمل رکوع ع ۱۸۔ نبی کریم کے لیے پ ۲۹ سورۃ الحاقہ رکوع ع ۶ ع ۱۶ عزیزٌ پ ۲۸ سورۃ مجادلہ رکوع ع ۳ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے پ ۱۱ سورۃ توبہ رکوع ع ۱۷ قریبٌ پ ۲ سورۃ بقرہ رکوع ع ۶ اللہ تعالیٰ کے لیے۔ نبی پاک کے لیے پ ۲۱ سورۃ احزاب آیت ع ۶۔ اس کے علاوہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننانوے نام بھی قرآن مجید میں موجود ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ کے نام پاک بھی ننانوے مرقوم ہے واقعاتِ معراج میں

جو آیت احادیث وارد ہوئی ہیں اُن سے چند فوائد و مسائل حاصل ہوتے ہیں۔ فائدہ اور ثبوت یہ حاصل ہوا کہ آسمانوں کے دروازے ہیں۔ ملائکہ کے لیے علیحدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے علیحدہ خصوصی دروازے علیحدہ ہیں۔ فلاسفہ اور سائنسدانوں کا انکار بیہودہ اور کفریہ ہے۔

مسئلہ ۱ یہ حاصل ہوا کہ اگر کوئی شخص دروازے پر جا کرے اور اندر سے پوچھا جائے کہ کون ہے تو فقط ۔میں۔ کہنا جائز نہیں۔ بلکہ اپنا پورا نام بتایا جائے۔ جیسا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پوچھنے والے فرشتے سے کہا۔ اَنَا جِبْرَائِیْلُ۔ صرف اَنَا نہ فرمایا۔ یہ فائدہ اور یہ مسئلہ حدیث معراج سے حاصل ہوا۔ **مسئلہ**۔ جو شخص اپنی تعریف سن کر اللہ کی حمد کرے اور شکر گزار بندہ اور عاجز بن جائے مغروریت اور فخر پیدا نہ ہو تو اُس کے سامنے اُس کی حقیقی تعریف کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ شب معراج بیت المقدس میں انبیاءِ کرام علیہم السلام نے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف ان کے سامنے فرمائی۔ یہاں تک کہ اظہارِ شکر کے لیے خود اپنی تعریف اور تمام اپنے اوصاف بیان کرنا بھی جائز ہے۔ جیسا کہ انبیاء کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ نے اپنا تعارف فرمایا۔ **مسئلہ**۔ خانۂ کعبہ سے ٹیک لگانا اس کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھنا جائز ہے اسی طرح چلتے پھرتے کعبے معظمہ کی طرف پیٹھ ہو جانا بھی جائز ہے۔ یہ مسئلہ حدیثِ معراج سے مستنبط ہوا کہ ابراہیم خلیلُ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بیت المعمور کی طرف پیٹھ لگائے بیٹھے تھے۔ جس کی خبر ہم کو ہمارے آقا محمد رسولُ اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عطا فرمائی۔ اسی طرح قبر سے ٹیک لگانی بھی جائز ہے۔ کیونکہ بہر حال قبر سے کعبہ معظمہ افضل ہے۔ **چند اعتراض** بھی کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ آیتِ معراج میں فرمایا گیا ثُمَّ دَنَا۔ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے پھر رب تعالیٰ قریب آگیا۔ بخاری اور مسلم شریف نے دَنَا کی ضمیر فاعلی کا مرجع رب تعالیٰ کو ہی قرار دیا شریک ابن نمر کی حدیث میں حالانکہ رب تعالیٰ کا قریب ہونا دور ہونا محال ہے۔ یہ جسم کے خواص ہیں اور اللہ تعالیٰ جسم سے پاک ہے۔ لہٰذا یہ ترجمہ اور شریک بن نمر کی روایت غلط ہے۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ جبرئیل قریب آ گئے۔

جواب۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ دَنیٰ کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ نبی پاک صاحبِ لولاک اور زیادہ قریب ہو گئے۔ یہی معنیٰ ہم نے اپنی تفسیر میں شامل اور اختیار کیا ہے۔ اب تو کوئی اعتراض باقی ہی نہیں رہا دوسرا یہ کہ مسلم بخاری والی حدیث اور معنیٰ مطلب بھی صحیح ہے محال یا نا ممکن نہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جسمانی قُرب اور بُعد سے پاک و منزہ ہے۔ لیکن مجازاً اور رمزاً اللہ تعالیٰ کے لیے قریب آنا دور ہونا۔ اُترنا۔ باتیں فرمانا۔ اللہ کے ہاتھ ہوتا جیسے الفاظ استعمال کرنا جائز ہے اِس کی حقیقت رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ دیکھو قرآن مجید میں رب تعالیٰ

نے فرمایا یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ اور حدیث پاک میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ یَنْزِلُ مِنْ سَمَاءِ الدُّنْیَا۔ اللہ تعالیٰ آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے۔ نیز حدیث پاک میں ہے کہ جو بندہ رب تعالیٰ کی طرف ایک قدم چلتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی طرف دس قدم آتا ہے۔ جو مطلب و معانی ان آیت میں کیا جائے گا وہی ثُمَّ دَنیٰ میں ہو سکتا ہے۔ **تیسرا جواب**۔ یہ کہ حضرت جبرائیل کا قریب ہونا تو کسی طور درست نہیں۔ بلکہ دَنیٰ کی ضمیر کا مرجع جبرئیل امین کی طرف پھیرنا محض جہالت اور ہٹ دھرمی نادانی اور آیت کی تحریف ہے۔ اس لیے کہ یہاں فرمایا گیا ثُمَّ اور لفظِ ثُمَّ سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلے وہ قرب نہ تھا جو اب ہوا۔ حالانکہ جبرائیل تو بیت الحرم سے ہی قریب چلے آرہے ہیں۔ بلکہ سدرہ پر تو جبرئیل دور ہو گئے یہاں سے تو قرب کی نفی ہو رہی ہے اس لیے ماننا پڑے گا کہ یہاں قربِ ربانی ہی مراد ہے خواہ عبد کی طرف سے ہو یا معبود کی طرف سے۔

دوسرا اعتراض۔ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے اتنی دور لامکان پر کیوں بلایا گیا۔ زمین پر ہی دیدار کیوں نہ کرا دیا گیا جس طرح کہ زمین پر ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی دفعہ جنت دوزخ۔ لوح و قلم کو دیکھا۔

جواب۔ اللہ تعالیٰ کے لیے تو سب کچھ ممکن ہے جہاں چاہے اپنا ظہور فرما دے مگر بندے کی آنکھ میں یہ طاقت نہیں کہ بلا حجاب اس کو دیکھ سکے نیز نبی کریم کی ہی یہ شان ہے اور ہمت و طاقت ہے کہ دیدارِ الٰہی کی برداشت کر سکیں۔ آپ کے علاوہ زمین کی کوئی چیز دیدار تو درکنار تجلیات کی جھلک بھی برداشت نہیں کر سکتی۔ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین پر ہی دیدار کرایا جاتا تو نبی پاک تو واقعی دیدارِ الٰہی سے مشرف ہو جاتے مگر باقی مخلوق زمین و زمین والے تباہ و برباد اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتے۔ دیکھو شانِ نبوت کہ جب طور پر تجلّی پڑی تو پہاڑ کے سخت پتھر بھی ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ریزہ ہو کر جل گئے۔ مگر جسم موسیٰ علیہ السلام صرف بیہوش ہوا۔ ثابت ہوا کہ نبی کی طاقت پہاڑوں سے زیادہ ہے۔ دو وجہ سے نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان پر بلا کر دیدار کرایا گیا۔ پہلی یہ کہ تجلیاتِ ذات کی وسعتوں کو زمین آسمان لوح و قلم عرش و کرسی جنت و دوزخ کوئی مقام متحمل و برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لیے سدرہ سے بھی ورا ء الورا لامکان پر دیدار ہوا۔ دوسری وجہ یہ کہ شاید زمین پر رہتے ہوئے بصارتِ مصطفیٰ میں بھی دیدار کی برداشت نہ ہو۔ کیونکہ زمین پر تقاضاءِ بشریت غالب ہوں۔ لہٰذا وہاں بلا کر دیدار کا شرف بخشا جہاں نورانیتِ مصطفیٰ کا غلبہ ہوا بلا تشبیہ یوں سمجھو کہ نصف النہار پر سورج کو صاف آسمان سے کوئی نظر نہیں دیکھ سکتی۔ تو سورج کو دیکھنے کے لیے اس

چوٹی اور اس بلندی پر پہنچ جاؤ جہاں سے صبح کا سورج نظر آتا ہے۔ یا اُس جگہ پہنچ جاؤ جہاں سورج ہلکے بادلوں کے حجاب میں ہو۔ پس سورج کو دیکھنے کے لیے جانب سحر کی چوٹی پر چڑھنا پڑتا ہے اور رب کے دیدار کے لیے لامکان کی وسعتوں تک بلندی پر جانا پڑتا ہے۔ دیدارِ آفتاب کیلئے کسی بادل کا پردہ ہونا چاہیے اور دیدارِ خالق تعالیٰ کے لیے حجابِ نور ہونا چاہیے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں آیتِ پاک میں لیلاً کو نکرہ کیوں فرمایا گیا۔ اَللَّیْلَ مَعَرَّفُ بِاللَّامِ۔ کیوں نہ فرمایا گیا۔ تاکہ لَیْلَ کی عظمت ثابت ہو جاتی۔ **جواب**۔ اس لیے کہ معرفہ فرمانے میں ساری رات مراد ہو جاتی جو خلافِ حقیقت تھی۔ کیونکہ معراج شریف پوری رات نہیں ہوئی تھی بلکہ رات کے تھوڑے سے درمیانی حصے میں ہوئی تھی۔ اس چیز کی وضاحت اور اظہار کے لیے لیلاً نکرہ فرمایا گیا۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مِنْ آیٰتِنَا۔ مِنْ بعضیت کا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سب آیتیں نشانیاں نہیں دکھائی گئیں بلکہ بعض آیتیں دکھائی گئیں۔ لیکن جب ابراہیم علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا تو بتایا گیا کہ ہم نے ابراہیم خلیل اللہ کو مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ سب کے سب دکھا دیئے۔ ثابت ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کا مقام و مرتبہ بہت زیادہ ہے۔ **جواب**۔ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مِنْ تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ مِنْ بیانیہ ہے۔ ہم نے اپنی تفسیر میں اسی قول کو اختیار کیا ہے اس صورت میں کوئی اعتراض نہیں پڑ سکتا۔ **دوسرا جواب**۔ یہ دیا گیا کہ آیٰت سے مراد لامکان کی آیٰت ہیں جو آسمانوں زمین کے ملکوت سے بلند بھی ہیں اور زیادہ بھی بلکہ ملکوتِ آسمانی اور زمینی تو اُن آیٰتِ کبریٰ کے رہ گزر میں پڑے ہیں۔ گویا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو پیارے نبی کریم کی آیٰت کا صرف راستہ دکھایا گیا یعنی اے خلیل اور کلیم ہمارا محبوب جن راستوں سے گزر کر ہماری آیتیں دیکھنے آئے گا تم اُن راستوں کی زیارت کر لو اور اے کلیم جن آیٰت کو ہمارا محبوب مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کی شان سے دیکھے گا تم کو اُن آیٰت کی فقط جھلک دکھائی جاتی ہے۔ معترض نے جن ملکوت کا ذکر کیا ہے وہ میرے آقا نے تو گزرتے گزرتے اُچٹتی نگاہوں سے دیکھ لیے آیٰت تو ابھی بہت بلندیوں پر ہیں **تیسرا جواب**۔ یہ دیا گیا کہ جو ابراہیم علیہ السلام کو دکھایا گیا ان کا نام ملکوت ہے جو محبوب کو دکھایا گیا ان کا نام آیٰت ہے اور ملکوت کی وہ شان نہیں جو آیٰت کی ہے۔ اس لیے کہ ملکوت سے بُعد کا اشارہ ہے اور آیٰت سے قُرب کا اشارہ۔ آیت کا معنیٰ ہے نشان اور نشان ہمیشہ نشان والے کے قریب ہوتا ہے کیونکہ نشان۔ نشان والے کے ملنے کا پتہ ہے ملکوت میں یہ بات نہیں۔ نیز ملکوت کی جغرافیائی نشاندہی کر دی گئی کہ وہ آسمان و زمین کے علاقے میں ہیں اور پتہ لگ گیا کہ اِن ملکوت کو ابراہیم کے علاوہ بھی بہت

سے ملائکہ وانبیاء کرام آتے جاتے دیکھ سکتے ہیں مگر آیات کا جغرافیہ نہ بتایا گیا کہ وہ کہاں ہیں لہٰذا ان کو کوئی کیا دیکھ سکتا ہے بجز عبدِ محبوب کے **چوتھا جواب** یہ کہ ملکوت بھی تمام نہیں بلکہ بعض ہیں۔ اس لیے کہ اضافت چیز میں کمی کو ثابت اور ظاہر کرتی ہے۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کو صرف آسمانوں اور زمین کے ملکوت دکھلائے گئے۔ اس کے علاوہ بھی رب تعالیٰ کے کروڑ ہا ملکوت ہیں **پانچویں جواب** یہ کہ مِنْ تبعیضیہ سے یہ ثابت ہوا کہ بعض آیات وہ ہیں جو صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں ان کے علاوہ ہزار ہاں وہ نشانیاں بھی ہیں جن کو ہمارے محبوب نے سنا۔ چکھا۔ سونگھا۔ اور محسوس فرمایا۔

پانچواں اعتراض۔ یہاں آیتِ پاک میں اَسْریٰ کیوں فرمایا گیا۔ اس آیت سے معراج ثابت کی جاتی ہے۔ اور اسریٰ معراج نہیں ہے۔ **جواب**۔ اَسْریٰ کا لغوی معنیٰ ہم نے تفسیر نحوی میں بیان کردیا ہے یعنی سیر کرانا۔ اور سیر عام ہے ہر طرح اور ہر طرف چلنے کو خواہ زمین پر دائیں بائیں آگے پیچھے جانا ہو یا اوپر کی جانب بشکلِ پرواز یا بشکلِ معراج اس لیے معراج کو اسریٰ کہنا بالکل درست ہے۔ اسی طرح سفر بھی ہر طرف جانے کو کہدیا جاتا ہے۔ سیر اور سفر خواہ ریل۔ موٹر اور گھوڑے اونٹ پر ہو یا ہوائی جہاز پر یا بحری پر۔ لیکن معراج کو رب تعالیٰ نے سیر کہا سفر نہ کہا اس کی چند وجہ اور چند اشارے ہیں۔

۱ سفر غیر کی ملکیت میں ہوتا ہے سیر اپنی ملکیت میں ۲ سفر میں تھکاوٹ ہوتی ہے سیر میں تراوٹ اور سکون ۳ سفر میں منزل پر پہنچنا مقصود ہوتا ہے۔ سیر میں ہر چیز دیکھنا مقصود ہوتا ہے معراج کو سیر فرمانے سے تین چیزیں ثابت ہوئیں ایک یہ کہ ساری کائنات نبی پاک کی ملکیت ہے حضور اقدس کہیں لامکان تک جاکر بھی مسافر نہ بنے۔ شریعت میں اٹھاون میل تک جانے سے بندہ مسافر بن جاتا ہے لیکن اگر کسی کا گھر یا ملکیت رقبہ سَو میل لمبا ہو تو وہ سو میل تک اپنے رقبے میں جانے سے مسافر نہ بنے گا۔ نبی کریم کا دیسے حیاتِ طیبہ میں زمین پر دور دراز جانا اور اس کو سفر کہنا مجازاً اور شرعی مسائل سمجھانے کے لیے تھا۔ یہاں مجاز کا ظہور ہے مگر معراج میں حقیقت کا ظہور ہوا۔ دوم یہ کہ نبی کریم انتہائی قوت والے ہیں کہ اتنی دراز مسافت بھی نبی پاک کے لیے سیر ہی تھا نہ تھکاوٹ نہ نقاہت مثلِ سیر تر و تازہ ہی رہے سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب کچھ دکھا دیا کہ سیر دکھانے کے لیے کرائی جاتی ہے۔

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

سنوا سے اُن کی نسلو جن کو لادا تھا ہم نے ساتھ حضرت نوح کے کہ بیشک وہ نوح تھے

اے اُن کی اولاد جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا بیشک وہ بڑا شکر گزار

عَبْدًا شَكُوْرًا ③ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

بندے ہر وقت شکر کرنے والے اور فیصلہ بھیج دیا ہم نے طرف بنی اسرائیل کے

بندہ تھا اور ہم نے بنی اسرائیل کو

فِى الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِى الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَ

میں کتاب کہ یقیناً تم ضرور فساد ڈالو گے میں زمین دو مرتبہ اور

کتاب میں وحی بھیجی کہ ضرور تم زمین میں دوبارہ فساد مچاؤ گے اور

لَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ④ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا

پکھ دنوں کے لیے بڑے بھی بن بیٹھو گے بہت بڑا بننا۔ تو جب آیا وعدہ پہلا اُن دونوں میں سے

ضرور بڑا غرور کرو گے۔ پھر جب اُن میں پہلی بار کا وعدہ آیا ہم نے تم پر اپنے

بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ

بھیجا ہم نے تم پر اپنے ان عبادت کرنے والوں کو جو سخت جنگ کے ماہر تھے

بندے بھیجے سخت لڑائی والے تو وہ شہروں کے اندر تمہاری تلاش کو

فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ؕ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ⑤

تو چین چین کر پکڑا انہوں نے گھروں کے اندر سے اور تھا وعدہ تقدیر میں پورا کیا ہوا

گھسے اور یہ ایک وعدہ تھا جسے پورا ہونا تھا۔

تعلق

ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ چونکہ بیت المقدس سے یہود و بنی اسرائیل کا خاص لگاؤ تھا اور موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر بہت کرم نوازیاں فرمائیں تھیں اس لیے پچھلی آیتوں میں بیت المقدس اور موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا اور اب اِن آیات میں بنی اسرائیل کے فساد اور سرکشی ناشکری کا ذکر فرمایا گیا ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہوا جو پہلے صاحبِ کتاب نبی تھے اور جنہوں نے کفر فرعونی کے ذِلت آمیز طوفان اور کئی مرتبہ عذابِ الٰہی کی لہروں سے اور دریاءِ نیل کے پانی سے بنی اسرائیل کو بچایا ۔ اور فرعونیوں کو ڈبویا ۔ اب اِن آیات میں ۔ پہلے صاحب شریعت نبی حضرت نوح کا ذکر ہو رہا ہے جن کے ذِریعے رب تعالیٰ نے طوفانِ عظیم کے پانی سے نوعِ انسانی کو بچایا اور تمام کافروں کو ڈبویا ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں بہت اہتمام سے رب تعالیٰ نے اپنے ایک خاص بندے محمد مصطفیٰ آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر جن سے معراج میں کلام فرمایا ۔ اور کلیم اللہ حضرتِ موسیٰ کا ذکر فرمایا جن سے طور پر کلام فرمایا ۔ اب اِن آیات میں اپنے ایک اور نبی حضرتِ نوح کو بھی بندہ کہہ کر مذکور فرمایا جا رہا ہے ۔ جن سے رب کریم نے طوفانِ کشتی میں کلام فرمایا ۔

تفسیر نحوی

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ ۔ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا ۔ وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ ۔ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا ۔

ذُرِّیت ۔ اسم جنسی ۔ جمع کے لیے مستعمل ہے ۔ بمعنیٰ نسل خواہ چھوٹی اولاد ہو یا بڑی ۔ ذرءٌ یا ذررٌ سے بنا ہے بحالتِ نصب ہے یا اس لیے کہ حرفِ ندا پوشیدہ ہے اور یہ منادیٰ مضاف ہے ۔ یا اس لیے کہ مفعول بہ اوّل ہے اَلَّا تَتَّخِذُوا کا اور وَكِيلًا اس کا دوسرا مفعول اگرچہ لفظی عکس ہے مگر معنوی جو بعد میں ہے وہ پہلا ہے ۔ مگر پہلی ترکیب زیادہ قوی ۔ دراصل تھا کُونُوا یا ذُرِّيَّةَ ۔ مَنْ ۔ اِسم موصول مضاف الیہ ہے ذُریت کا ۔ یا دراصل تھا ۔ اِسْمَعُوا يَا ذُرِّيَّةَ ۔ ہم نے اپنے ترجمہ میں اسی کو اختیار کیا ہے ۔ یہ آسان بھی ہے اور تکلفات سے مُبرَّا بھی ۔ حَمَلْنَا ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم متعدی بیک مفعول ۔ حَمْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سوار کرنا ۔ اٹھانا ۔ چڑھانا ۔ لادنا ۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں ۔ مخاطب اللہ تعالیٰ ہے مَعَ ۔ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے ۔ نُوح ۔ اسم معرفہ عَلَمی اسم مفرد جامد نَوْحٌ مصدر ہے بمعنیٰ رونا ۔ آہ وزاری کرنا ۔ عَلَم ہو کر حاصل مصدر ہوا ۔ بعض فرماتے ہیں یہ لفظ حضرت نوح علیہ السلام کا ذاتی نام ہے یا صفت بچپن شریف سے رکھا گیا ۔ بعض نے فرمایا

یہ صفاتی نام ہے آپ دعا میں روتے بہت تھے اس لیے آپ کا نام یہ ہوگیا۔ تو یہ اس قول کے مطابق مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ہے۔ مضاف الیہ ہے مَعَ کا۔ مرکب اضافی ظرف ہے حَمَلْنَا کا۔ یا ظرف ہے کُوْنُوْا پوشیدہ کا یعنی ہوجاؤ تم نوح کے ساتھ عقیدہ عمل اتباع میں۔ لیکن ہماری ترکیب میں مَعَ کا تعلق پوشیدہ سے نہیں۔ حَمَلْنَا اپنے فاعل ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہے ذریّۃ کا یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یا حرف ندا پوشیدہ کا وہ قائم مقام اَدْعُوْ کا ہوکر اِسْمَعُوْا فعل پوشیدہ کا مفعول ہوا اِنَّ حرف مشبہ ۃ۔ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مرجع نوح ہیں منصوب متصل کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا۔ کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم ہے عَبْدًا۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ عبادت کرنے والا موصوف شَکُوْرًا۔ بروزن فَعُوْلٌ اسم مبالغہ ہے بمعنیٰ بہت شکر کرنے والا۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی بھی صفت غیر خصوصی ہے۔ جتنی بھی غیر خصوصی صفات ہیں وہ لفظاً اگرچہ بندے کی طرف بھی نسبت صفاتی ہوجاتی ہیں مگر سینکڑوں فرق ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی جب لفظ شکور صفت باری تعالیٰ ہوگی تو بمعنیٰ بہت شکر قبول کرنے والا۔ بحالت فتحہ ہے صفت تابع ہے۔ یہ مرکب توصیفی خبر کان ہے۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر خبر ہوئی اِنَّ کی۔ وہ جملہ اسمیہ مکمل ہوکر اِسْمَعُوْا پوشیدہ کا مفعول بہ ہوا اور وہ جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ قَضَیْنَا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف قَضٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فیصلہ کرنا۔ اطلاع بھیجنا۔ یہاں دوسرے معنیٰ ہیں اِلٰی حرف انتہاء غایت کے لیے بَنِیْ۔ جمع مذکر سالم ہے بِنٌ (ابن) کی دراصل بَنِیْنَ تھا مضاف ہونے کی بنا پر نون اعرابی گر گیا۔ بحالت کسرۃ الیٰ سے اِسْرَائِیْل اسم غیر منصرف ہے نام عجمی ہے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذاتی نام ہے۔ مضاف الیہ ہے بَنِیْ کا اس لیے مجرور ہے۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق اول ہے۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام عہدی۔ کِتٰب اسم مفرد جامد حاصل مصدر ثلاثی بمعنیٰ مکتوب۔ مراد توریت ہے۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ لام قسمیہ ہے۔ لَتُفْسِدُنَّ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مضارع بمعنیٰ مستقبل باب افعال کا جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے اِفْسَادٌ۔ فساد کرنا۔ گڑبڑ مچانا۔ برائی پھیلانا۔ فَسَدٌ سے بنا ہے فِیْ جارّہ ظرف مکانی کے لیے۔ الف لام عہد خارجی۔ اَرْضٌ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی ہے۔ بمعنیٰ زمین مراد ہے ملاقہ مَرَّتَیْنِ۔ اسم تثنیہ ہے واحد ہے مَرَّۃٌ۔ جمع مؤنث سالم ہے مَرَّاتٌ۔ مَرٌّ سے بنا ہے آخر میں ۃ مصدر کی ہے بعض کے نزدیک ۃ وحدت کی ہے۔ مگر صحیح پہلا قول ہے مَرٌّ لازم ہے مَرَّاۃٌ متعدی ہے بمعنیٰ گزرنا۔ واحد کا معنیٰ ایک دفعہ گزرنا۔ اسم جامد ہوکر واحد تثنیہ جمع ہوا بمعنیٰ مرتبہ۔ بار۔ دفعہ۔

ظرف زمانی ہے۔ لَتُفْسِدُنَّ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ لَتَعْلُنَّ۔ لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ مضارع بمعنیٰ مستقبل۔ دراصل تھا لَتَعْلُوْنَنَّ۔ واؤ جمعیت کی نون ثقیلہ سے گرگئی۔ اور ما قبل کا ضمہ علامتِ جمع ہوا صیغہ جمع مذکر حاضر۔ عُلُوٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ بڑا سمجھنا خود کو۔ بڑا بننا۔ اترانا۔ غرور کرنا۔ بڑی بغاوت کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے۔ عُلُوًّا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے اسی اپنے فعل کے ہم معنیٰ ہے اسی لیے بحالتِ نصب ہے موصوف ہے کبیرًا۔ صفت تاکیدی ہے۔ بروزنِ فعیل مبالغہ ہے بمعنیٰ بہت بڑائی والا۔ ترجمہ بہت بڑائی والا غرور کرنا۔ یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق۔ لَتَعْلُنَّ جملہ فعلیہ ہو کر۔ معطوف ہوا ما قبل کا۔ پورا جملہ عاطفہ مفعول بہ ہوا قَضَيْنَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ مکمل ہوا۔ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا۔ واؤ استینافیہ۔ اِذَا ظرفیہ شرطیہ زمانیہ جَآءَ۔ باب ضرب کا فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب جَيْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا۔ بہرحال متعدی ہے۔ وَعْدُ۔ مرفوع ہے فاعل ہے جَآءَ کا۔ اسم مفرد حاصل مصدر معرب نکرہ تنوین سے مانع مضاف ہونا ہے۔ اُوْلٰى۔ اسم تفضیل مؤنث اِس مذکر اَوَّلُ ہے۔ دراصل تھا۔ اَوْاَلُ۔ اِس کا مادہ مصدر اَوْلٌ ہے بمعنیٰ پہلے ہونا۔ اُولیٰ ہونا وَعْدُ کا صفت مضاف الیہ ہے۔ وَعْدُ کا معنیٰ عہد۔ فیصلہ۔ مقررشدہ قانون یا بات۔ یہاں مراد آخری معنیٰ ہے۔ هُمَا تثنیہ مذکر غائب یا مؤنث غائب مرجع مرتین ہے مجرور ہے مضاف الیہ ہے اُولیٰ کا یہ ذیل مرکب اضافی فاعل ہے جَآءَ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ بَعَثْنَا۔ باب فتح کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ مخاطب اللہ تعالیٰ۔ بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ زندہ کرنا۔ اٹھانا۔ بھیجنا۔ متعدی ہے۔ لازم بھی ہوتا ہے بمعنیٰ جی اُٹھنا۔ زندہ ہونا۔ عَلیٰ جارہ قربِ مکانی کے لیے بمعنیٰ عِنْدَ كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرجع ہے بنی اسرائیل۔ جار مجرور متعلق ہے بَعَثْنَا کا۔ عِبَادًا جمع مکسر کثرت ہے عَبْدٌ کی۔ ایک قرأت میں عَبِيْدًا ہے جمع مکسر قلت۔ عَبْدٌ اسم حاصل مصدر ہے بمعنیٰ عبادت گزار فرماں بردار۔ ماتحت۔ مملوک پہلے معنیٰ میں صرف اللہ کا عبد ہو سکتا ہے۔ دوسرے معنیٰ میں نبی پاک کا عبد ہو سکتا ہے۔ تیسرے معنیٰ میں ہر شخص مومن کافر۔ امیر غریب کا عبد ہو سکتا ہے جیسے پہلے زمانے میں لونڈی غلام ہوتے تھے اسلام نے اِس کو ختم کیا۔ یہاں مراد مخلوق ہے نہ کہ عبادت گزار۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے بَعَثْنَا کا لام ملکیت کا نا ضمیر جمع متکلم کا مرجع باری تعالیٰ عزَّ اسمہٗ ہے۔ جار مجرور متعلق ہے مخصوصٌ اسم مفعول پوشیدہ کا یا معینٌ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی عِبَادًا کی مرکب توصیفی مُبْدَلُ مِنْهُ ہوا۔ اُولِيْ۔ اسم ملکیت ہے۔ جمع جنسی ہے مذکر ہے اِس کا مؤنث ہوتا ہے اُولَاتِ۔ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ بدل تابع

عِبَادًا مفتوح کا۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اسم ظاہر کا۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا واحد ذُوْ ہے۔ مگر امام نحو حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی اس کو غلط قرار دیتے ہیں کیونکہ ذُو کی جمع ذُوُوْ ہے۔ اولی اسم مکبرہ ہے۔ ذُو کے افراد میں شامل ہو کر مضاف ہے بَاْس۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ۔ طاقت۔ قوت۔ دلیری۔ دبدبہ۔ سختی۔ آفت۔ شدید جنگ لڑائی۔ یہاں بمعنیٰ طاقت ہے۔ موصوف ہے شدید۔ اسم صفت مشبہ مبالغہ تاکیدی کے لیے یعنی بہت ہی شدید سخت قوت۔ صفت ہے۔ اس لیے مجرور ہے یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ اُولِیْ کا۔ اور یہ مرکب اضافی بدل ہو کر۔ مفعول بہ ہے بَعَثْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزاءِ اول ہے اِذَا جَآءَ کا۔ فَ جزائیہ جَاسُوْا۔ باب نصر کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب جَوْسٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بلا اجازت داخل ہونا۔ ہمت سے گھسنا۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع عبادًا ہے خِلٰلَ اسم ظرف مکانی۔ مصدر ثلاثی بروزنِ فعالٌ۔ خَلَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بیچ میں ہونا۔ اگر خُلَلٌ سے ہو تو بمعنیٰ دوستی ہے وہ خِلَلٌ جو خُلَلٌ سے بنا ہے وہ جمع خلیل بمعنیٰ دوست کی۔ اسم جامد ہے مضاف ہے۔ الف لام استغراقی ہے دِیَار جمع مکسر کثرت واحد ہے دار بمعنیٰ چار دیواری والا گھر۔ خواہ چار دیواری اینٹوں کی ہو یا کپڑے کی یا پتوں درختوں کی۔ یا مٹی کی اس کی جمع قلت اَدْوَار ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے جَاسُوْا۔ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزاءِ دوم ہے اِذَا جَآءَ کی۔ پہلی جزا کا نام جزاءِ عملی ہے دوسری جزا کا نام جزاءِ انجامی یا جزاءِ عاقبت ہے۔ شرط اپنی دونوں جزاؤں سے مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔ دوسرا جملہ کَانَ۔ فعل ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید تامّہ صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ضمیر ھُوَ ہے جس کا مرجع وَعْدُ ہے وَعْدًا اسم مفرد بمعنیٰ فیصلہ ذُوالحال ہے۔ مَفْعُوْلًا۔ اسم مفعول ہے صیغہ واحد مذکر بمعنیٰ کیا ہوا۔ حال ہے۔ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے۔ ایک ترکیب میں کَانَ ناقصہ ہے۔ ھُوَ مستتر فاعل ہے۔ وَعْدًا خبر ہے۔ یہ جملہ فعلیہ تامّہ یا ناقصہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ؕ اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا ۝ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِیْرًا ۝

اے اُن لوگوں کی تا قیامت اولاد جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا تھا۔ بیشک نوح بہت ہی ہر لمحے ہر گھڑی شکر کرنے والے تھے۔ نوح علیہ السلام تا قیامت ہر انسان کے جدّ اعلیٰ ہیں۔ اور ذُرِّیَّةَ مَنْ فرمانا یَاَیُّهَا النَّاس کے مرتبے اور ہم معنیٰ ہے۔ تا قیامت ہر انسان کو خطاب ہے۔ اس لیے کہ طوفانِ نوحی میں صرف وہی انسان زندہ بچے تھے روئے زمین پر جو کشتیِ نوح میں سوار ہوئے تھے۔ اور آئندہ نسل انسانی حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں ۱ سام ۲ حام ۳ یافث کی ہی اولاد اب تک

ساری دنیا میں پھیلی ہوئی ہے۔ سام کی ساری اولاد میں حضرت ابراہیم اور بعد کے سارے انبیاءِ کرام علیہم السّلام تشریف لائے۔ محققین فرماتے ہیں کہ دنیا میں صرف ایک سَو چالیس ۱۴۰ قومیں ہوئیں اور یہی تاقیامت جاری ہیں۔ حضرت نوح علیہ السّلام کے پانچ بیٹے تھے ایک جوانی میں کنوارہ فوت ہوا۔ ایک طوفان میں غرق ہوا۔ اور تین بیٹے مومن صحابی ہوئے۔ صرف ان کی نسل سے دنیا آباد کی گئی اسی وجہ سے نوح علیہ السّلام کو آدمِ ثانی کہا جاتا ہے۔ کشتی کے باقی سواروں کی نسل نہ چلی۔ دنیا میں تین قومیں بہت زیادہ تعداد میں ہوئیں۔ ع۱ بنی اسرائیل ع۲ بنی اسماعیل موجودہ سید حضرات۔ ع۳ یافث کے پوتے مہران کی اولاد یاجوج و ماجوج۔ حضرتِ نوح علیہ السّلام کیلو تے ایک سَو چالیس ۱۴۰ ہوئے جن کے ناموں پر دنیا کی قومیں بنیں بعد میں اُن کی شاخ در شاخ ہزاروں کی تعداد میں پھیلے اور شعبے اور برادریاں بنتی چلی گئیں۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب فرمایا یہ جا رہا ہے۔ کہ اے تاقیامت کافرو منکرو تم کفر اور ناشکری کیوں کرتے ہو تم سب کے جَدِّ اعلیٰ ابوالبشرِ ثانی حضرت نوح تو ہر وقت قول فعل قلب و نظر عمل کردار سے رب تعالیٰ کا شکر ہی کرتے تھے۔ ایک لقمے پر کہتے تھے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنِیْ وَلَوْ شَآءَ اَجَاعَنِیْ۔ ایک ایک گھونٹ پر فرماتے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ سَقَانِیْ وَلَوْ شَآءَ اَظْمَئَنِیْ۔ جب بھی لباس پہنتے خواہ کیسا ہی تو کہتے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَلْبَسَنِیْ کَسَانِیْ وَلَوْ شَآءَ لَاَعْرَانِیْ تمام تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھ کو کھلایا اگر چاہتا تو بھوکا رکھتا۔ جس نے مجھ کو پلایا اگر چاہتا تو پیاسا رکھتا۔ جس نے مجھے پہنایا اگر چاہتا تو ننگا رکھتا۔ اِس کے علاوہ کردارِ شریعت سے بھی شکر ہی کرتے تم کیوں ان کے راستے پر نہیں چلتے۔ اور ایسے نبی محمد رسول اللہ کی شریعتِ ابدی پر عمل و ایمان نہیں لاتے جس نبی نے ابھی ابھی اپنے اللہ کو دیکھا ہے جس کی شکر گزاری میں نوح علیہ السّلام نے خلوت و جلوت زندگی کے ہر زمانے میں نمازیں پڑھیں۔ بلکہ بعدِ وفات بھی بیتُ المقدس میں ہمارے اس محبوب بندے کے پیچھے نمازِ شکر و اتباع ادا فرمائی اور ہمارا یہ محبوب بندہ جو ابھی ابھی ہماری ذات و صفات اور ہماری کروڑہا نشانیاں اور جنت و دوزخ بلکہ غیبِ ملکوتِ سماوات وَالارض کی تمام پوشیدہ چیزیں دیکھ کر آیا ہے اسی کی زبانی قرآن کی بیانی وہ حقائق واقعاتی سنو جس کا ذکر صدیوں پہلے ہم نے بذریعہ وحی صُحفِ موسیٰ اور توریتِ موسیٰ میں بھیج دیا تھا۔ بنی اسرائیل کی طرف۔

اور کوئی غیب کیا تم سے نہاں ہو بھلا
جب نہ خدا ہی چھپا تم پہ کروڑوں درود

آج موجودہ بائبل کی کتاب ارمیاہ۔ یسعیاہ۔ زبور۔ احبار۔ حزقی ایل کی سطروں میں بھی یہ تمام باتیں لکھی ہوئی

ہیں جن کا ذکر قرآن کریم میں یہاں کیا گیا۔ یہ غیبی اور مکتوبی خبر کتنے کی سرزمین میں ایک اُمّی لقبی شخص کی زبانی سننا اس بات کا عظیم ثبوت ہے کہ یہ قرآن کلام الٰہی ہے۔ اسی لیے جب یہ آیت نازل ہوئیں اور یہود و نصاریٰ نے سنیں تو بہت سے اسرائیلی مسلمان ہو گئے۔ تورات میں لکھا تھا کہ اے بنی اسرائیل تم آنے والے زمانوں میں دو مرتبہ بہت سخت فساد اپنی زمینِ علاقہ میں مچاؤ گے اور ہر طرح بہت سے انبیاء اولیاء کے سمجھانے کے باوجود بہت بڑا غرور تکبر گھمنڈ سرکشی نافرمانی کرو گے اور اس کی سزا میں اللہ کی طرف سے تم پر زمینی عذاب و سزاءِ ذلت آئے گی۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا تھا کہ جب برادرانِ یوسف علیہ السلام نے اپنے آبائی وطن فلسطین کو ہمیشہ کے لیے مکمل طور پر چھوڑ کر علاقۂ مصر میں سلطنت و حکومت کے ذریعے رہائش اختیار کی اور نیکیوں عبادتوں کی وجہ سے ان کو ہزاروں سال تک بہت عزت و نعمت کی حیاتِ طیبہ عطا ہوئی پھر ان میں گمراہی گناہ فسق و فجور بے غیرتی۔ ظلم۔ فرقے بازی اور بدکاری کی بیماریاں پیدا ہوئیں تو ان پر فرعونِ موسوی کو مسلط کیا گیا جس نے تقریباً تین، تسو سال تک بنی اسرائیل کو سخت ذلیل رکھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے جب بنی اسرائیل کو مصر سے نکالا تو حکم خداوندی ہوا کہ جاؤ اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے اپنے آبائی علاقے فلسطین کو بذریعے جہاد قومِ جالوت سے پاک کرو اور فتح کر کے اس میں سے کفر و شرک کو نکال کر شمع توحید اور ہدایتِ نبوت سے بقعۂ نور بنا دو۔ قومِ جالوت بہت دراز قد اور شہزور تھی۔ اس کے پانچ گروہ تھے۔

۱ قوم حطی ۲ فریذی ۳ فلسطی ۴ کنعانی ۵ حموری یبوسی۔ سردارانِ بنی اسرائیل نے کچھ جاسوسی اُن کے حالات کا جائزہ لینے کے لیے بھیجے۔ جنہوں نے واپس آ کر ان کی شہزوری کا تذکرہ کیا تو بنی اسرائیل بزدل ہو گئے اور موسیٰ علیہ کا حکم جہاد ماننے سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ یا موسیٰ اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَاۤ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِیْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَ رَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ۔

(سورہ انعام آیت ۲۶) اے موسیٰ ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ قوم وہاں ہے۔ تم اور تمہارا رب جنگ کرو ہم تو یہیں بیٹھیں گے۔ تب اُن کو مقامِ تیہہ میں چالیس سال تک قید کیا گیا۔ پھر جب چالیس سال بعد منّ و سلویٰ سے اکتا کر انہوں نے سبزیاں اور دالیں مانگیں تو ان کو مصر اور فلسطین میں جانے کی اجازت ملی۔ لیکن امیری اور دولت کھیتی باغات کی فراوانی کی بنا پر قوم بنی اسرائیل پھر سرکشی بے غیرت ظالم نافرمان ہو گئی اور بجائے دیگر کفار مشرکین کو درست اور مومن بنانے کے خود بھی کفار کی طرح مشرک بننے لگے۔ اور مشرک قوم کے مخصوص اور بڑے دیوتا۔ ۱ ایل بت ۲ بعل۔

کی پرستش کرنے ان پر قربانیاں چڑھانے لگے۔ بعل ایک پانچ سروں والا بت تھا جس کی پوجا وہاں کا بادشاہ بک کیا کرتا۔ اسی لیے اس شہر کا نام بعلبک ہے۔ اور جب ان بنی اسرائیل کی ہدایت کے لیے انبیاءِ کرام تشریف لائے تو ان پیاروں محبت کرنے والے انبیاءِ کرام کی انہوں نے سخت مخالفت کی اسی مخالفت کا ذکر یہاں وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (الخ) میں ہو رہا ہے۔ اور دو خصوصی واقعات کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ پہلا واقعہ اور بنی اسرائیل کی سرکشی نافرمانی کا ظہور اس وقت عروج پہنچا جب ان ہی لوگوں نے زمین پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد جو پہلے نبی مبعوث ہوئے حضرت شعیا علیہ السلام ابنِ امضیا کو شہید کیا۔ یہ نبی توریت کی تبلیغ فرماتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں سناتے تھے اور کفار ان بنی اسرائیل کو کفر و گناہ سے باز رہنے کی ہر وقت تلقین فرماتے رہتے تھے ایک دفعہ اسرائیلیوں نے سخت غصے میں آپ پر قاتلانہ حملہ کیا آپ نے ایک درخت کی کھوہ میں پناہ لی درخت قدرتِ الٰہی سے بند ہو گیا۔ دشمنوں نے آرے سے درخت کو کاٹ دیا جس سے آپ شہید ہو گئے کل چار نبی شہید کیے گئے اُن میں یہ پہلے تھے اس قتل اور کفر شرک گناہ کے بدلے ان کو قتلِ عام کی سزا ملی اور یکے بعد دیگرے رومی بادشاہ اد کس انیٹی اسی کو جالوت کہا گیا ہے اور پومپی بادشاہ۔ اور شاہِ روم ٹیٹس نے ایسے سخت حملے کیے کہ بنی اسرائیل کو ادھیڑ کر رکھ دیا یہ تینوں بادشاہ قومِ عمالقہ سے تھے انہوں نے بنی اسرائیل کی حکومت تباہ ملک اور ملکیت ویران لاکھوں اسرائیلی قتل ہوئے اور ہزاروں ذلت کی غلامی میں چلے گئے صدیوں بعد پھر رحمتِ الٰہی نے دستگیری فرمائی اور حضرت طالوت۔ حضرت داؤد اور سلیمان علیہم السلام نے اپنی حکومتیں قائم فرمائیں اور ان کو چین نصیب ہوا حضرت سلیمان کے بعد پھر بنی اسرائیل شرک کفر اور ظلم و گناہ میں مبتلا ہو گئے۔ اور دوسری دفعہ یہ فساد مچایا کہ حضرت ذکریا علیہ السلام اور آرمیاہ علیہ السلام اور یحییٰ علیہ السلام کو شہید کیا۔ ایک روایت ہے کہ عزیر علیہ السلام کو قتل کیا گیا اور آرمیاہ علیہ السلام کو صرف قید کیا گیا اور قید میں ہی فوت ہوئے زخمی بھی کیا گیا (معاذ اللہ) اس قتل کے عذاب میں بخت نصر (بنو کوندر) بابل شہر کا بادشاہ حملہ آور ہوا اور بے انتہا تباہی مچائی یہاں تک کہ ہیکلِ سلیمانی کو بھی بالکل بنیادوں سے اکھیڑ دیا یہ دوسرا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو اٹھاسی سال پہلے ہوا ایک روایت کے مطابق ہے دو سو سال پہلے حضرت طالوت کی بادشاہت ایک ہزار بیس سال پہلے ہوئی اور داؤد علیہ السلام کی حکومت ایک ہزار سال قبل مسیح سلیمان علیہ السلام کی سلطنت نو سو اکسٹھ سال قبل مسیح ہوئی اور پہلا فساد دو ہزار سال قبل مسیح برپا کیا۔ مرتین کی تفسیر میں مفسرین کے چند اقوال اور بھی ہیں مگر صحیح تر یہی قول ہے جو یہاں

ہم نے نقل کردیا۔ فِی الْاَرْضِ سے مراد علاقائی زمین شام۔ یروشلم۔ بیت المقدس اور فلسطین ہے بنی اسرائیل نے جب پہلی مرتبہ اور دوسری مرتبہ انبیاء کرام کو شہید کردیا اور کچھ دنوں تک ان کو کچھ نہ ہوا تو ان کو غرور اور ظلم دیگر اہلِ ایمان پر حد سے بڑھ گیا۔ اسی کا ذکر ہے وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا (الخ) میں فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُولٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِىْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ۔ تو جب بنی اسرائیل کی پہلی بدبختی سرکشی ظلم قتلِ شعیا علیہ السلام کے خمیازے میں عذابِ الٰہی کے وعدے کا وقت آگیا۔ تو زمین ہی کے بندوں کے سخت قوت طاقت اور جابر طبیعت والے لشکر بنی اسرائیل پر مسلط کرکے چڑھا دیئے جنہوں نے ان کے گھروں میں گھس گھس کر ایک ایک کو چن کر نہایت بیدردی سے قتل کیا۔ اس طرح اللہ کے پیارے نبی مظلوم محسن مخلص کے قتل کا بدلہ لیا گیا۔ اور یہ وعدہ ضروری پورا ہونا تھا۔ اس ہلاکت خیز حملوں سے کئی مظلوموں بیچاروں کی جان بچی تھی۔ یہاں عِبَادًا لَّنَآ یعنی ہمارے بندے۔ فرمانے میں دو قول ہیں

۱ وہ بادشاہ اور لشکری مومن تھے دینِ ابراہیمی پر تھے۔ اور حضرت شعیا کی شہادت کی خبر سن کر یہ حملہ کیا تھا۔ ۲ یہ بادشاہ اور لشکر کافر ہی تھا مگر چونکہ یہ حملہ عذابِ الٰہی تھا جو ان کفار کے ہاتھوں آیا اس لیے لغوی اعتبار سے ان کو عِبَادًا لَّنَآ فرمایا گیا۔ کیونکہ اصل میں سب ہی رب کے بندے ہیں۔ یعنی ہمارے حکم کے باندھے ہو کر حملہ آور ہوئے اسی لیے ان لشکروں نے بنی اسرائیل سے نہ کچھ لوٹا اور اور نہ ان کو لونڈی غلام بنایا۔ نہ مالِ غنیمت جمع کیا۔ بلکہ قتل و غارت ہی کیا۔ جو بنی اسرائیل باقی بچ گئے تھے ان کو بیابانوں جنگلوں کی طرف دھکیل دیا۔ یعنی عام بادشاہوں کی طرح ملک گیری لوٹ مار کے لیے حملہ نہ کیا تھا۔ خالی بستیوں کو آگ لگا کر فنا کردیا۔ اس میں چند قول ہیں کہ یہ کون لوگ تھے کون بادشاہ تھا چنانچہ پہلا قول ہے کہ یہ موصل کے بادشاہ سنجاریب اور اس کی فوج تھی یہ مومن تھے ۲ یہ جالوت اور اس کا لشکر تھا۔ اسی کو آگے چل کر کافی زمانے کے بعد طالوت کے لشکر میں موجود جرنیل حضرت داؤد علیہ السلام نے گھمانی میں پتھر رکھ کر مارا اور قتل کیا تھا۔ ۳ یہ نینوی کا لشکر تھا اور یہ بھی کافر تھے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ۔ بزرگوں کی اولاد ہونا تب ہی فائدے مند ہے جب کہ بندے کے اپنے بھی عمل درست ہوں۔ ظالم۔ بدکار اور خاص کر انبیاءِ عظام علیہم السلام کی بارگاہ کا مردود کبھی بھی بزرگ زادگی یا پیغمبر زادگی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ یہ فائدہ۔ وَقَضَيْنَآ اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ فرمانے

سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** - بدعملی کی وجہ سے ظالم بادشاہ مسلط ہوتے ہیں - ظالم و جابر حکام کا تسلّط یا داسِش عمل میں قہر الٰہی ہے - یہ فائدہ - بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا - **تیسرا فائدہ** - اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کا بدلہ خود لیتا ہے - یہ فائدہ عِبَادًا لَّنَا - کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

چوتھا فائدہ - یہ ضروری نہیں کہ کفار قوم پر عذاب آسمان سے ہی آئے - زمین کے بادشاہی اور لشکروں کے حملوں کی شکل میں بھی اللہ کا عذاب آسکتا ہے - لہٰذا جنگِ بدر کو اور اس کے بعد بہت سے غزوات کو کفار پر عذابِ الٰہی کہا جا سکتا ہے - یہ فائدہ جَاءَ وَعْدُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان بادشاہوں کے حملوں اور قتلِ عام کو اپنا وعدہ فرمایا جس طرح کہ آسمانی عذاب کو وعدہ کہا گیا۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں - **پہلا مسئلہ** - شرعی قانون کے مطابق کسی بھی سچی خبر کو قضاء الٰہی یا فیصلہ کہنا جائز ہے - یہ مسئلہ ایک پیش گوئی کو قَضَيْنَا کہنے سے مستنبط ہوا - **دوسرا مسئلہ** - کوئی غیر مسلم کا فر اگر اچھا کام کرے تو اس کو اچھا بندہ کہنا جائز ہے - اور اس کی اچھی خصلتوں کی تعریف توصیف کرنا جائز ہے - یہ مسئلہ عِبَادًا لَّنَا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا - **تیسرا مسئلہ** - مجرم کو پکڑنے کے لیے اس کے گھر پر چھاپہ مارنا یا بلا اجازت گھر میں داخل ہو کر مجرم کو پکڑنا جائز ہے - یہ مسئلہ فَجَاسُوا (الخ) فرمانے اور اس فعل کے مرتکبین کو عِبَادًا لَّنَا - فرمانے سے مستنبط ہوا -

چوتھا مسئلہ - قتل کا بدلہ ہر شریعت میں قصاص ہے اور قصاص قاتل کو قتل کر دینے کا نام ہے اور قصاص جاری کرنا واجب ہے یہ مسئلہ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ - کی تفسیر سے مستنبط ہوا -

پانچواں مسئلہ - تمام سزائیں حدود اور تعزیرات صرف حکومت ہی نافذ کر سکتی ہے خواہ وہ حکومت قائم ہو یا مسلّط ہو کافر ہو یا مسلمان - یہ مسئلہ كَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا سے مستنبط ہوا -

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں - **پہلا اعتراض** - یہاں فرمایا گیا وَقَضَيْنَا - جس کا ترجمہ ہے ہم نے اس بات کا فیصلہ کر دیا کہ بنی اسرائیل دو دفعہ فساد کریں گے تو جب یہ فیصلہ الٰہیہ ہی ہو گیا تو پھر یہ تقدیر کا معاملہ گیا کسی کا کوئی اختیار نہ رہا اُس پر عذاب کیوں آیا -

جواب - یہاں قَضَيْنَا کا معنیٰ فیصلہ کر دینا مراد نہیں بلکہ محض خبر دینا ہے - یعنی ہم نے پیشین گوئی فرمائی

تھی اب چاہیئے تھا کہ یہ بچنے کی کوشش کرتے یا کم از کم اس فساد کو اچھا نہ کہتے۔

دوسرا اعتراض ۔ فساد تو بادشاہوں نے مچایا کہ قتل عام کیا بچوں بوڑھوں عورتوں کی ہلاکت کی۔ مکانوں مسجدوں عبادت گاہوں کو توڑا اکھاڑا۔ اور بعض تاریخوں میں لکھا ہے کہ پہلے حملوں میں توریت کو بھی جلایا۔ تو اس کو بنی اسرائیل کا فساد کیوں قرار دیا گیا۔ وہ تو مظلوم ہوئے۔

جواب ۔ بنی اسرائیل کا فساد یہ تھا کہ انہوں نے انبیاء کرام کو قتل و شہید کیا۔ یہ ہی سب سے بڑا فساد و ظلم تھا۔ بادشاہوں کا حملہ تو اس کی سزا عام تھی۔ بارگاہِ الٰہیہ میں سب سے بڑا فساد اور زمین کی بربادی انبیاء کرام کی گستاخی ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ اِن فساد مچانے والے بنی اسرائیل پر پچھلی قوموں کی طرح آسمانی عذاب کیوں نہ آیا۔ ان کو بادشاہوں کے ذریعے قتل عام سے کیوں ختم کرایا گیا۔

جواب ۔ اس لیے کہ یہ عذاب الٰہیہ قصاص کی شکل میں تھا کیونکہ سب بنی اسرائیل نے اپنی مرضی۔ اور تعاون اور تائید سے اللہ کے نبیوں کو قتل و شہید کیا۔ اگرچہ فعل قتل چند لوگوں نے ہی کیا تھا۔ اور یہ ہی فقہ کا قانون ہے کہ قتل میں جتنے بھی ملوث ہوں گے سب کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اور پہلی قوموں ۔ (عاد و ثمود و قوم لوط) نے اگرچہ کفر تو کیا نافرمانی بھی کی مگر قتل انبیاء اُن سے سرزد نہ ہوا۔ اس لیے ان پر آسمانی عذاب آیا ۔ کسی حکومت اور سلطنت کو ان پر مسلط نہ کیا گیا۔

چوتھا اعتراض ۔ اِن بنی اسرائیل پر دوسر ملکی بادشاہتوں اور حکومتوں کو کیوں چڑھایا گیا۔ خود نیک بنی اسرائیل نے ہی مجرم بنی اسرائیل کو قتل کیوں نہ کر دیا۔ جس طرح کہ بچھڑے کی پرستش سے توبہ کے وقت فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ہوا۔

جواب ۔ اِس کی چند وجہ ہیں ۔ ۱ یہ کہ یہ سزا و عذاب ایک قسم کا قصاص بھی تھا۔ اور قصاص شرعی اعتبار سے صرف مسلط حکومت اور بادشاہ کے حکم سے ہی جاری ہو سکتی ہے۔ دوم یہ کہ یہ بنی اسرائیل قتل کرنے کے باوجود ابھی اپنی نافرمانی تکبر اکڑ اور عُلُوًّا كَبِيْرًا میں تھے۔ وہ کب نیک بنی اسرائیل کے آگے جھکتے۔ جب کہ پہلے اسرائیلی اپنی غلطی پر نادم ہو چکے تھے۔ سوم یہ کہ پہلے بنی اسرائیل بچھڑیوں کی سزا خود موسیٰ علیہ السلام نے جاری فرمائی اور نبی کی ذات پاک سب سے بڑی حکومت اور عدالت ہوتی ہے۔ تو آپ نے خود بنی اسرائیل کے نیک لوگوں کو سزا دینے پر مقرر کر دیا ۔ لیکن یہاں تو بنی اسرائیل انبیاء کرام کے قاتل بنے ہیں اس لیے رب تعالیٰ نے دوسری حکومتوں کو مسلط فرما دیا۔ چہارم یہ کہ وہ جرم صرف مرتد ہونے کا تھا جو حق اللہ ہے مگر یہ جرم قتل کا تھا اور کفر بھی حق اللہ بھی حق العباد بھی ۔ واللہ اعلم۔

اس کی تفسیر صوفیانہ آیت ۸ کے بعد ہے۔

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنٰكُمْ

پھر لوٹا دیا ہم نے تم کو دوسری دفعہ مضبوطی میں پر اُن لوگوں کے اور مدد کی ہم نے تمہاری

پھر ہم نے اُلٹ کر تمہارا حملہ کر دیا اُن پر اور تم کو مالوں اور بیٹوں

بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ﴿٦﴾

مال و دولت اور بیٹوں کے ذریعے اور بنایا ہم نے تم کو بہت خاندان والا

سے مدد دی اور تمہارا جتھا بڑھا دیا

إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ ۖ وقف وَإِنْ

اگر تم نے کوئی نیکی کی ہے تو تم نے بھلائی کی ہے لیے جانوں اپنی کے اور اگر

اگر تم بھلائی کرو گے اپنا بھلا کرو گے اور اگر

أَسَأْتُمْ فَلَهَا ۚ فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ

گناہ کئے تم نے تو اپنی ہی جانوں کے لیے مصیبت ہے تو جب آیا آخری وعدہ

برا کرو گے تو اپنا۔ پھر جب دوسری بار کا وعدہ

لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ

البتہ برا سلوک کریں گے تمہاری ذاتوں سے اور قابض ہو جائیں گے دشمن لوگ تمہاری مسجد

آیا کہ دشمن تمہارا منہ بگاڑ دیں اور مسجد میں داخل ہوں

كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا

بیت المقدس پر جیسے قابض ہوئے تھے پہلے لوگ پہلی مرتبہ اور سب فنا کر دیں گے۔

جیسے پہلی بار داخل ہوئے اور جس چیز پر قابو پائیں تباہ کر کے

تَتْبِيْرًا ⑦

جس پر قابو پائیں گے فنا کرنا
برباد کر دیں

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کے فسادوں اور شرارتوں کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیات میں اُن کی معافی اور اُن پر انبیاءِ کرام کے صدقے انعامات کرنے کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں یہود اسرائیلی کے گناہوں کی بنا پر اُن کو مغلوب اور مقہور کرنے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں بنی اسرائیل کی آئندہ نسلوں کی بنا پر اُن کو کفار پر غالب کرنے اور ہر طرح مضبوط کرنے کا ذکر ہے۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گناہگاروں کے گناہوں کے دنیوی وبال کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں نیکوں کی نیکیوں کا دنیوی فائدے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا۔

ثُمَّ حرفِ عطف مقید یعنی معطوف بنانے والا۔ عطف پچھلے کلام پر۔ رَدَدْنَا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع متکلم رَدٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ پھیرنا۔ لوٹانا۔ رد کرنا۔ مخاطِب اللہ تعالیٰ ہے۔ لام جارہ یعنی جَر دینے والا۔ تعدیہ (مفعولیت) کا کُمْ ضمیر مخاطب جمع مرجع۔ بنی اسرائیل۔ الف لام خصوصیت کا۔ کَرَّةٌ۔ اسم مفرد مصدر۔ مضاعف ثلاثی ہے کَرٌّ سے بنا ہے۔ آخر میں تاءِ مصدریہ ہے۔ بمعنیٰ لوٹنا۔ جب یہ نکرہ ہو تو بمعنیٰ دوبارہ زندہ ہونا آخرت میں جانا ہوگا۔ جب معرّف بلام ہو تو مراد ہے۔ لوٹ کر غلبہ پانا۔ بار بار حملے کرنا۔ اسی سے ہے تکرار کسی بات یا کام کا بار بار کرنا۔ اسی سے ہے کرّار بار بار حملہ کرنا۔ یہاں چونکہ معرفہ الف لام سے ہے اِس لیے بمعنیٰ لوٹ کر غلبہ پانا مراد ہے۔ علیٰ جارّہ فوقیت کا ھِمْ ضمیر مذکر غائب مرجع عِبَادًا۔ واوٗ عاطفہ۔ اَمْدَدْنَا۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے اِس کا مصدر ہے اِمْدَادٌ بمعنیٰ۔ طاقت زیادہ کرنا۔ دراز کرنا تعاون کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ کُمْ ضمیر مفعول بہٖ ہے مرجع بنی اسرائیل۔ بِ جارّہ سببیہ۔ اَمْوَالٍ جمع مکسّر منصرف ہے معطوف علیہ واوٗ عاطفہ بَنِيْنَ جمع مذکر سالم ہے بحالتِ جر ہے۔ معطوف سب عطف مجرور متعلق ہے اَمْدَدْنَا کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ

واؤ عاطفہ جَعَلْنَا - باب فَتَحَ کا ماضی مطلق صیغہ متکلم کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مفعول بہ ہے جَعْلٌ سے بنا ہے متعدی بدو مفعول ہے بمعنیٰ حالت بدلنا - پھیرنا - اَکْثَرَ - اسم تفضیل جمع مذکر کَثْرَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ زیادہ ہونا - بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے - ممیز ہے ماقبل کا نَفِیْرًا اسم جمع ہے مکسر کثرت کے لیے - بروزن بعیر بعرۃ کی جمع اس کا واحد ہے نَفَرٌ بمعنیٰ ایک فرد جیسے عبید جمع ہے عبد کی - یا یہ مصدر ہے بمعنیٰ اسم فاعل یعنی نفیر بمعنیٰ نافر ترجمہ ہے ساتھ جانے والے - یا صفت مشبہ - مصدری معنیٰ ہیں ہمراہ ہونا - کسی کے ساتھ نکلنا - جانا - اگر یہ اسم جامد ہو تو معنیٰ ہے خاندان قبیلہ - گروہ - یہاں مراد قبیلہ کنبہ - تمیز ہے اکثر کی - اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ لِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا - اِنْ حرف شرط - اَحْسَنْتُمْ - باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر حاضر ظاہر خطاب بنی اسرائیل سے ہے اصلاً سب لوگوں کو - اَنْتُمْ مستتر کا مرجع اسرائیلی ہیں مصدر ہے اِحْسَانٌ بمعنیٰ نیکی کرنا حُسْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھلائی کرنا - بہرحال متعدی ہوتا ہے - یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے - اَحْسَنْتُمْ - ماضی مطلق - فعل با فاعل ضمیر مستتر پوشیدہ لام حرف جر ملکیت کا مگر صحیح یہ ہے کہ نفع کا ہے - پہلی صورت میں مطلب یہ ہے کہ جو نیکی کرے وہ ہی اس کا مالک ہے - دوسری صورت کا یہ ہے کہ اُس کو ہی اُس کا نفع ہے - اَنْفُس جمع ہے نَفْسٌ کی - جمع قلت ہے - خیال رہے کہ جمع قلت مکسر وہ ہے جس کے اول ہمزہ ہو - اُس کے چار وزن ہیں - اَفْعُلٌ - اَفْعَالٌ اَفْعِلَۃٌ - ان میں ہمزہ ظاہر ہے - فِعْلَۃٌ ان میں ہمزہ مقدر ہے - جمع مکسر کثرت کے بہت سے سماعی اور قیاسی وزن ہیں - انفس جمع قلت ہے - جمع منتہی الجموع جمع مکسر کی ہوتی ہے خواہ قلت ہو یا کثرت - جمع سالم کی نہیں ہوتی خواہ مذکر ہو خواہ مؤنث - کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے - یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا - شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا - واؤ ابتدائیہ - اِنْ شرطیہ - اَسَاْتُمْ باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر سُوْءٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِسْوَاءٌ اور اِسَاءَۃٌ بمعنیٰ برائی کرنا - یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی اور فَ جزائیہ لام نفع کا یا ملکیت کا ھَا ضمیر واحد غائب کا مرجع نَفْسٌ یا اَنْفُسٌ - ھَا ضمیر دونوں کے لیے مستعمل ہے کیونکہ ظاہرًا غیر ذوی العقول ہے - یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اَسَاْتُمْ کا - بقرینہ اَحْسَنْتُمْ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا - فَ تعقیبیہ اِذَا شرطیہ ظرف زمانی جَآءَ فعل ماضی مطلق باب ضَرَبَ کا جَیْئٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا - زمانہ ماضی ہی کا ذکر ہے وَعْدٌ - اسم حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ فیصلہ - عہد - مقرر شدہ کام -

یہاں ہر معنیٰ درست ہے ۔ مضاف ہے ۔ الف لام عہدی آخرت ۔ اسم فاعل مؤنث ۔ بمعنیٰ پیچھے ہونا آخیر ہونا ۔ مراد قیامت ہے مضاف الیہ ہے ۔ مرکب اضافی فاعل ہے جاءَ ۔ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی لام کے جزائیہ ناصبہ ۔ لِیَسُوْءٗا باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب سَوْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بُرا سلوک بُرا برتاؤ کرنا ۔ برائی پہنچانا ۔ بگاڑنا ۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے ۔ بمعنیٰ مستقبل ہے صرف حکایۃً ۔ اصلاً یہ سب کچھ قصۂ ماضی کا تذکرہ ہے ۔ وُجُوْہَ ۔ اسم جمع مکسر ہے وَجْہٌ کی بمعنے ذات شخصیت ۔ بحالتِ نصب ہے مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرجع اسرائیلی یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا ۔ لِیَسُوْءٗا کا فاعل ھُمْ ضمیر جمع غائب مستتر کا مرجع عِبادًا ہے ایک قرأت میں لِنَسُوْءَ جمع متکلم تب فاعل اللہ تعالیٰ ہے ایک قرأت میں لِیَسُوْءَ واحد مذکر غائب ہے تب فاعل وَعْدٌ ہے یا نفیر ہے یا بعث ہے یعنی بری بیہودہ خاندانی حیثیت یا وہ بعثت واؤ عاطفہ لام کے جزائیہ ناصبہ یَدْخُلُوا ۔ فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر غائب ۔ بابِ نَصَرَ سے ہے دراصل تھا یَدْخُلُوْنَ لام ناصبہ نے نون اعرابی گرادی اور یہ ہی اعراب نصبی ہے ۔ دُخُلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اندر جانا یا اندر آنا ۔ الف لام عہدی یا جنسی ۔ یا استغراقی بحالتِ فتحہ ہے مَسْجِدَ ۔ کیونکہ ظرفِ مکانی ہے ۔ اسم ظرف ہے باب نَصَرَ کا ۔ بمعنیٰ سجدہ گاہ ۔ عبادت کی جگہ ۔ مراد یا گھریلو مسجد ہے یا بیت المقدس یا عام مکمل مسجد ۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر مشبہ بہٖ ہوا ۔ کَمَا ۔ یہ لفظ متصل بسیط ہے دو حرفوں سے ۔ ۱ ک حرفِ تشبیہ ۔ حرفِ جر ہے ۔ کبھی تشبیہ ۔ کبھی تعلیل ۔ کبھی جلد بازی کے لیے ۔ کبھی زائدہ ہوتا ہے ۔ کبھی مثل کے معنیٰ میں تو اُس وقت اس کو اسمی حرف کہا جاتا ہے ۔ یہ تفریق صرف تفسیری ہے علمی نہیں عملی ہر قسم میں جز ہوگا ۔ اور یہ تفریق اکیلے منفرد کے لیے ہے ۔ جب کبھی اِس کے بعد مَا آجائے جیسے دوسرا حرف یہاں مَا ہے ۔ تو وہ مَا ۔ یا کافہ ہوگا جیسے یہاں اِس صورت میں کَ لغو ہوگا یعنی جر دینے والا عمل ختم ہو جائے گا ۔ یا زائدہ یا موصولہ یا مصدریہ ۔ اِن تین صورتوں میں بھی عمل باقی رہتا ہے ۔ اور مَا کو یا مابعد کو کسرہ دیتا ہے یہاں مَا کافہ ہے ۔ اور کما پورا لفظ تشبیہی بن گیا ۔ دَخَلُوْا باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ مستتر اِس کا فاعل کا مرجع عِبادًا یا نفیرًا ہے ۔ دَخْلٌ سے مشتق ہے ۔ ہٗ ۔ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل کا مرجع مسجد ہے مفعول فیہ ہے دَخَلُوْا کا ۔ اَوَّلَ ۔ اسم تفضیل مذکر ہے بمعنیٰ پہلے والا ۔ بہت پہلے والا پہلے معنیٰ کے اعتبار سے اسم تفضیل معنوی ہے ۔ دوسرے معنیٰ میں تفضیل ظاہری ہے مضاف ہے مَرَّۃٍ ۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ ایک بار ۔ مضاف الیہ ترجمۂ اضافت ہے پہلی بار ۔ پہلی دفعہ ۔

یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے دَخَلُوا کا۔ اور جملہ فعلیہ ہو کر مشبّہ۔ دونوں مشبّہ بہ اور مشبّہ جڑ کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ۔ لامِ جزائیہ ناصبہ یُتَبِّرُوا۔ بابِ تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے تَتْبِیْرًا تَبْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ ہلاک کرنا۔ ویران کرنا۔ تباہ و برباد کرنا باب تفعیل میں متعدی بیک مفعول ہوتا ہے مادّہ لازم ہے بمعنیٰ ہلاک وغیرہ ہونا۔ ھُمْ جمع ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع عبادًا یا نفیرًا ہے۔ مَا۔ اسم موصول عَلَوْا۔ بابِ نصر کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب۔ عُلُوٌّ یا عُلیٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ غالب آنا قابو پانا۔ فتح کر لینا۔ یہاں تینوں معنیٰ میں ہے۔ ھُمْ مستتر اس کا فاعل۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا۔ تَتْبِیْرًا۔ مصدر ہے باب تفعیل کا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے یُتَبِّرُوا۔ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ سب عطف مل کر جزا ہوئی اِذَا جَآءَ کی۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا۔ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔

اے بنی اسرائیل پھر تمہارے سنبھل جانے نیک پاک طیب طاہر بن جانے کے بعد ہم نے تمہارے لیے پھر پہلے جیسی عزت۔ عظمت انعامات طاقت بادشاہت۔ سرداری۔ تمہارے پاس لوٹا دی۔ ان ظالم جابر دشمن مخالف قوموں پر۔ اس طرح کہ پہلے خورس بادشاہ نے تمہاری حمایت عزت کرتے ہوئے تم کو تمہارے وطنِ آبائی میں دوبارہ آباد کیا تم کو غلامیت سے آزادی دی۔ زمینوں جاگیروں کا مالک بنایا۔ اور تم نے باغ اور کھیتیاں لگائیں۔ دولت کی فراوانیاں ہوئیں۔ اور بیشمار مال و دولت کے خزانوں سے ہم نے تمہاری امداد فرمائی تم کو نیک پاک طیب طاہر ستھرے حسین۔ جمیل صحت اور طاقت والے بیٹے دیئے۔ اور ہم نے ہی تم کو بہت بڑے بڑے خاندانوں برادریوں اور لشکروں فوجوں۔ لونڈی غلاموں والا بنا دیا۔ اور تم نے سمجھ لیا کہ اگر تم نے اپنی زندگی میں کچھ نیکی بندگی۔ عبادتِ الٰہی کی تھی تو آج اُس کا فائدہ تم کو ہی اتنی عظمتوں فضیلتوں کے ساتھ حاصل ہوا اور یہ نیکیاں اچھائیاں تم نے اپنے لیے ہی کی تھیں۔ اور اگر تم نے پہلے کی طرح پھر برائیاں کیں تو پہلے کی طرح ان بدکاریوں ظلموں کا وبال عذاب ذلت و خواری کی شکل ان ہی جانوں اور نفسوں کے لیے ہے۔ اور اپنی ان ہی جانوں کے لیے مصیبت جمع کرو گے۔ بنی اسرائیل کی ان نیک اعمالیوں کی بنا پر رب تعالیٰ نے پہلے خسرو یعنی خورس بادشاہ کا دل اسرائیلیوں کی محبت میں پھیرا پھر ان کے اپنی برادری قبیلے کا بادشاہ حضرت

طالوت کو بادشاہ بنایا گیا جنہوں نے پے درپے جہاد کر کے قوم جالوت کو ختم کیا پھر طالوت کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام پھر سلیمان علیہ السلام نے بادشاہی فرمائی۔ ان زمانوں میں بنی اسرائیل بہت نیک پاک متقی بنے رہے اور ایمانداری یہاں تک عروج اور فروغ پر پہنچی کہ اولیاء کاملین سے زمین بھر گئی آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہم جیسے لاکھوں اولیاء اللہ ملک فلسطین میں موجود رہے۔ ایمانی غیرت کا یہ حال تھا کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد کسی فلسطینی علاقے میں ایک رومی گورنر انٹی اوکس چہارم نے قربان گاہ موسوی کے مقابل یونانی دیوتا کوہ اولمپس کے دیوتاؤں کے سردار دیوتا زیس کی قربان گاہ بنائی اور اس مندر پر ہر شخص سے جبراً قربانی اور چڑھاوا لیا جاتا۔ بنی اسرائیل پر بھی جبر و قہر کیا جانے لگا تو ایک بوڑھے اسرائیلی نے اس کفریہ حکم سے انکار کرتے ہوئے نہ صرف اپنے ایک بزدل مرتد اسرائیلی کو قتل کیا بلکہ حکم دینے والے شامی کمشنر کو بھی وہیں قتل کر دیا اور اپنے پانچ بہادر مومن بیٹوں۔ جوحن۔ سمن یہوداہ۔ الیعر۔ جونہتان کو لے کر اپنی پہاڑی عبادت گاہ پر رشد و ہدایت کی تعلیم میں مشغول ہو گیا۔ بنی اسرائیل کے لیے یہی وہ مبارک زمانہ تھا جس کے متعلق باری تعالیٰ نے فرمایا وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ۔ اور بیشک میں نے فضیلت دی تم کو تمام جہانوں پر۔ جسمانی فضیلت اس طرح کہ اس دور کے اقوام عالم پر قوت طاقت دولت عزت۔ ثروت۔ نصرت۔ خاندانی کثرت۔ صحت مند آل اولاد کی فراوانی۔ اور روحانی فضیلت یہ کہ توفیقِ عبادت۔ راہ شریعت طریقت معرفت کی آسانی۔ اور ولایت کبریٰ کی باریابی۔ انبیاء کرام کی فرماں برداری اطاعت و اتباع۔ اور نعت خوانی۔ یہی سب سے بڑی انسانی زندگی کی خوش بختی ہے جسے اللہ نصیب کرے فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِیَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِیَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِیُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِیْرًا پھر جب تم بنی اسرائیل بہت دولت مند بن گئے تو تم کو پچھلی غربت و ذلت کا زمانہ بھول گیا۔ اور تم میں غرور تکبر ناشکری بد دیانتی خیانت۔ بے حیائی۔ بدکاری۔ فسق و فجور۔ ظلم و جبر۔ عبادت میں سستی کاہلی۔ بے رغبتی۔ انبیاء کرام کی گستاخی بے ادبی نافرمانی کی بیماریاں پیدا ہو کر کفر و شرک تک پہنچ گئیں اور تم نے پھر اللہ تعالیٰ کے انبیاء کرام حضرت ذکریا اور ان کے بیٹے حضرت یحیٰی کو شہید کیا تو پھر ہمارے عذاب ہماری سزا و پکڑ کا دوسرا وعدہ آ گیا۔ اور بخت نصر مجوسی کافر نے تم پر ایسا سخت حملہ کیا کہ ذلت و خواری سے تمہارے چہرے بگاڑ دیئے۔ اور دشمن کے لشکر تاخت و تاراج کرتے ہوئے تمہاری عبادت گاہ ہیکل سلیمانی بیت المقدس میں اسی طرح بربادی توڑ پھوڑ قتل عام کرتے ہوئے دندناتے داخل ہو گئے جس طرح پہلے زمانوں میں حضرت شعیا علیہ السلام کے قتل و شہید کرنے کے عذاب و سزا میں دشمن تمہاری عبادت گاہوں۔ گھروں بستیوں

میں داخل ہو گئے تھے۔ اور پہلے کی طرح اب پھر دوسری بار دشمن نے جس پر بھی قابو پایا اس کو ہلاک فنا و برباد کر دیا۔ یہ سب کچھ تمہاری بدکاریوں کی وجہ سے ہوتا رہا ہے۔ اسرائیلیات میں اور اسلامی تواریخ میں یہ دوسری بار کی ذلت آمیزی بنی اسرائیل کو تقریبًا دو صدی قبل مسیح پیش آئی اور پھر آج تک بنی اسرائیل دنیا میں ذلیل و خوار ہو رہے ہیں۔ بنی اسرائیل کو سب سے زیادہ دراز مدت حضرت عزیر علیہ السلام نے تبلیغ فرمائی آپ کی عمر شریف تقریبًا چھ سو سال ہوئی ہے اور زندگی پاک کا اکثر حصہ سیاحت اور چل پھر کر تبلیغ میں گزرا یہودیوں نے آپ کو ابنُ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے۔ حضرت عزیر علیہ السلام کی تبلیغ سے بھی۔ بنی اسرائیل نے کچھ زیادہ اثر قبول نہ کیا اور خود ان کو بھی (ایک روایت کے مطابق) اور حضرت ذکریا کو حضرت مریم کے ساتھ ناجائز تہمت لگا کر قتل کر دیا اور ان کے بیٹے یحییٰ کو بھی شہید کیا تب یہ قتل و غارت اور دائمی ذلت کا عذاب آیا جو آج تک قائم ہے۔ جب ہیروڈ اینٹی کی بادشاہت کا زمانہ تھا اس وقت مسیح علیہ السلام مبعوث ہوئے۔ بنی اسرائیل نے ان کی بھی نافرمانیاں کیں حضرت مسیح نے جس طرح اپنے خطبات میں اس وقت کے بدکار اسرائیلیوں کو خطاب فرمایا وہ آج بھی انجیل متی اور دیگر اناجیل میں مرقوم ہے متی باب ۲۲ میں ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو ان کی بدکاریوں پر ان لفظوں سے جھڑک فرمائی۔ اے ریاکار فقیہو۔ اور فریسیو تم پر افسوس اے اندھے راہ بتانے والو اے احمقو۔ اور اندھو۔ اے سانپو۔ اے افعی کے بچو وغیرہ وغیرہ۔ انبیاء کرام کے یہ تمام خطبات ثابت کر رہے ہیں کہ بنی اسرائیل ہر قسم کی برائی سے کس طرح لتھڑے ہوئے تھے اور گستاخی کی رہی سہی کسر انہوں نے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے بدعہدی کر کے پوری کر دی تو آخر ان بے دینیوں کا خمیازہ تو بھگتنا ہی تھا اس لیے کہ اگر کوئی اچھائی کرے تو اپنے فائدے کے لیے کرتا ہے اور کوئی برائی کرے تو اپنے ہی نقصان کرتا ہے۔

فائدے ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ توبہ اور نیکیوں کی وجہ سے دنیا میں بندوں کو نعمتیں برکتیں اور عزتیں ملتی ہیں۔ یہ فائدہ ثُمَّ رَدَدْنَا میں ثُمَّ فرمانے اور اس کے بعد اِنْ اَحْسَنْتُمْ کی پوری آیت فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ بنی اسرائیل نے جب انبیاء کرام کے دامن میں پناہ پکڑی ہر وقت استغفار توبہ کی تب ان پر کرم خداوندی ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ دنیا میں بھی نیکی اور برائی کا بدلہ کسی نہ کسی شکل میں مل جاتا ہے۔ یہ فائدہ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اور فَلَهَا فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا ہر شخص کو برائیوں اور خاص کر

بدعاؤں سے بچنا چاہیئے۔ **تیسرا فائدہ**۔ ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہماری مسجدوں اور عبادت گاہوں اور دینی کتابوں کی بے حرمتی ہوتی ہے۔ جس کا وبال ہم پر ہی پڑتا ہے۔ جیسا کہ بنی اسرائیل کے ساتھ پہلے اور اس دوسرے واقعے میں ہوا۔ یہ فائدہ اور سبق وعبرت وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ شریعت کے ہر امر اور نہی کی فرمانبرداری کریں۔ خاص کر زکوٰۃ ادا کریں اور زنا وغیرہ بدکاری سے بچیں اس لیے کہ زکوٰۃ نہ دینے سے قحط سالی اور بدکاری سے قتل و غارت بڑھتا ہے۔ یہ مسئلہ وَاِنْ اَسَاْتُمْ کے اِشَارَۃُ النَّصِّ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ اولاد اپنے والدین کی ملکیت نہیں ہو سکتے۔ جیسے کہ لونڈی غلام ملکیت ہو جاتے ہیں۔ یہ مسئلہ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ کے عطف فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ معطوف علیہ اپنے معطوف کا غیر ہوتا ہے ثابت ہوا کہ مال۔ اولاد کا غیر ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔
پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ اَحْسَنْتُمْ دو دفعہ فرمایا گیا اور اَسَاْتُمْ ایک دفعہ۔ **جواب**۔ اِس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ کی رحمت زیادہ ہے اور غضب تھوڑا۔ اَحْسَنْتُمْ میں رحمت ہی رحمت ہے اس لیے اظہارِ زیادتی کے لیے دو دفعہ ارشاد ہوا۔ اَسَاْتُمْ میں غضبِ الٰہی مضمر ہے لہٰذا اس کے اظہار کی کمی کے لیے ایک دفعہ فرمایا گیا **دوسرا جواب**۔ یہ کہ اچھائی کو ہر شخص پسند کرتا ہے۔ اِس لیے فرمایا گیا کہ کسی کے لیے اچھائی کرو گے تو تم کو بھی اس کی وجہ سے اچھائی ہی ملے گی۔ لیکن برائی کسی کو بھی پسند نہیں۔ اور نہ ہی برائی کسی اور کو ایصال کی جا سکتی ہے اس لیے فرمایا گیا کہ برائی لوٹ پھیر کر اُسی کی طرف آئے گی جو کرے گا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں۔ اِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا۔ کیوں فرمایا گیا۔ چاہیئے تھا کہ اِنْ اَسَاْتُمْ فَعَلَيْهَا۔ فرمایا جاتا جس طرح کہ ایک آیت میں فرمایا گیا وَمَنْ اَسَاءَ فَعَلَيْهَا۔ **جواب**۔ امام رازی نے اس کے چند جواب دیئے ہیں۔ ۱۔ یہ لام بمعنیٰ علیٰ ہے اور معنیٰ یہی ہیں کہ فعلیہا جیسا کہ وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ۔ اور يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ۔ میں لام بمعنیٰ علیٰ ہے۔ ۲۔ یہاں فَلَهَا اس لیے فرمایا گیا کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے دراصل ہے۔ فَلَهَا رَجَاءٌ بِالرَّحْمَةِ وَبِالتَّوْبَةِ۔ یعنی اگر تم نے برائی اور گناہ کیے تو اس گناہ کے لیے توبہ اور رحمت و استغفار کی امید ہے۔ ۳۔ فَلَهَا فرمانے کا مقصد یہ ہے کہ نیکی تو تقسیم ہو سکتی ہے مگر گناہ اور

برائی صرف خاص اسی جان کے لیے وبال ہے جو کرے۔ اور یہ لام تخصیص کا ہے۔ بمعنی علیٰ نہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تیسرا اعتراض ۔ آپ کی تفسیر نے بتایا کہ اللہ کا یہ دوسرا وعدہ بنی اسرائیل کی ذلت کا تا قیامت جاری ہے۔ حالانکہ دنیا میں یہودی بہت مالدار ہیں اور اب علاقۂ فلسطین میں ان کی حکومت بھی قائم ہو گئی ہے۔

جواب ۔ دولت مندی سے ذلت ختم نہیں ہوتی۔ اور ان کی حکومت کوئی حکومت نہیں یہ تو امریکہ کے قدموں اور سہارے پر فلسطین کے تھوڑے سے حصہ پر کھڑی ہے آج امریکہ خلاف ہو جائے یا ساتھ چھوڑ دے تو چند دن میں ختم ہو جائے امریکہ نے بھی چند عرب حکومتوں کو بیوقوف بنا کر ان کی ریاست بنا ڈالی۔

تفسیر صوفیانہ

ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوحٍ إِنَّهُ كَانَ عَبْدًا شَكُورًا وَقَضَيْنَا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيرًا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ أُولَاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَا أُولِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُوا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا۔

اے جسدِ ناسوتی تو اس نوحِ عقل کی نسل ذریت ہے جس کو ہم نے عقلِ عرفانی کے ساتھ کشتیِ شریعت میں سوار کر کے حکمتِ عملیہ کے طوفانوں میں بھیجا اور منزلِ قرب تک پار لگایا بیشک نوحِ عقل نعمتوں کے استعمال کا بندۂ بارگاہ ہے۔ اور معرفتِ منعم کا شاکر ہے۔ اعضاءِ ظاہری و باطنی کے اسرائیلیات کے لیے لوحِ صدرِ مومن میں ہم نے خبرِ یقینی دیدی تھی کہ یہ اپنی شقاوتِ باطنی سے زمینِ قالب میں دو مرتبہ نزولِ جلال اور عروجِ جمال کے عرصے میں ایک مرتبہ مقامِ نفس میں اس کے امارۂ ابلیسی ہونے کی وجہ سے طلبِ شہوات ولذات میں فسادِ جسمانی مچائیں گے اور نافرمانیِ قلبِ منور اور انوار پر ظلمات کو غالب کر کے قوتِ کمالیہ کو روک کر اور قوتِ فکریہ کو اپنے ناجائز مطالبات میں خرچ کر کے انتہائی غرور و تکبر دکھائیں گے اور دوسری مرتبہ مقامِ قلب میں۔ جب کہ قلبِ نبوت کو فضائل سے زینت دی گئی تھی اور بندۂ مومن کے دل کو نورِ نبوت میں منور کیا گیا تھا اور جسدِ مخلصین کو بہجتِ کمالات سے ظاہر کیا گیا تھا اس وقت نفسانیتِ نفس نے ظہورِ کمالات میں فسادِ شقاوت و بدعملی لگایا اور اپنے قلوب کو تجلیاتِ شہودِ توحید کے فضائل سے حجاب میں رکھا حالانکہ حجاباتِ نوریہ اقویٰ ہیں حجاباتِ ظلمانیہ سے رقیت۔ لطافت میں۔ اور ان قوتوں کا تصور ہی کمالات ہے جن سے واقف ہونا واجب معرفت ہے۔ اور خبر دیدی گئی تھی کہ یہ نفوسِ رذیلہ مقامِ فطرت میں ہیئتِ عقلیہ کی سلطنت و

کمالاتِ انسیہ کے گھمنڈ میں بہت مغرور ہو جائیں گے ۔ پھر جب راندۂ درگاہی کا پہلا وبالِ ذلت آیا۔ تو ہم رب کائنات نے تم پر لے اسرائیلیاتِ نفسانیہ ۔ صفاتِ قلبیہ کے مخلص بندوں اور انوارِ ملکوتیہ کے روحانی لشکر اور آراءِ عقلیہ کے شہ زوروں کو مبعوث کر دیا ۔ جو سلطنتِ قہر کے اُولی بأسٍ شدید ہیں ۔ پھر وہ عملِ ریاضت اور مشقتِ عبادت سے تمہارے گوشۂ خلوت کے شرارت خانوں اور وساوسِ خباثت کے گھروں میں گھس کر تم کو ہلاکتِ حرمانی سے تباہ برباد کر کے رکھ دیں گے ۔ جسم انسانی میں نفس کے پانچ گھر ہیں ۔

۱ ہیئتِ بدنیہ ۲ رذالتِ نفسانیہ ۳ مدرکاتِ حسیہ ۔ ۴ لذتِ بہیمیہ ۵ خواہشاتِ سبعیہ شہوانیہ ۔ غلبۂ قلبی کا یہ وعدہ یقیناً قوتِ کمال سے استعدادِ عقل کی ہمت پر پورا کیا ہوا ہے

ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُمْ بِأَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيْرًا ۔ إِنْ أَحْسَنْتُمْ أَحْسَنْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاءَ وَعْدُ الْآخِرَةِ لِيَسُوْءُوْا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ

اے روحِ انسانی ہم نے پھر تم کو توفیقِ عبادت دے کر تم کو مشاہدات کی قوت دی اور کدورتِ نفسانی پر غلبہ بخشا اور اموالِ معرفت اور علومِ نافعہ کی دولت ۔ حکمتِ عقلیہ و شرعیہ کے کھیتوں باغوں سے اور ہمتِ قلبی کے چمن سے امداد فرمائی ۔ اور فضائلِ خلقیہ کی اولاد ۔ ہیئتِ نورانیہ کے مضبوط ارادوں کے فرزندوں سے تائید و مدد فرمائی اور اے روحِ ملکوتی والو تمہارے لیے ربِّ کائنات نے اخلاقِ حسنہ اور فضائلِ ملکوتی کے گروہ اور جتھے بنائے ۔ یہ تو ہمارے کرم اور بندہ نوازیاں ہیں لیکن ان سے فائدہ حاصل کرنا ۔ اور ان کو اپنے پاس باقی رہنے دینا تمہارے اختیار میں دیا گیا ہے اے روح و قلب اس دنیاءِ ناسوتی میں وقت عمر ۔ صحت ۔ توفیق اللہ تعالیٰ کی عظیم امدادیں ہیں اِس سے فائدہ حاصل کرنا یہ ہے کہ ہر لمحہ نیکی اور اچھائی میں گزارو ۔ اگر تم بھلائی کرو گے کمالاتِ خلقیہ اور آراءِ عقلیہ کو حاصل کر کے ۔ تو اپنی جانوں کے لیے ہی کرو گے ۔ کہ اس کا فائدہ معرفتِ ربانی حصولِ ایمانی قربِ رحمانی انوارِ یزدانی تم کو حاصل ہوتے رہیں گے ۔ اور اگر ۔ تم راہِ سعادت سے ہٹ گئے اور ہیئتِ بدنیہ کی بُری عادتیں ۔ اکتسابِ رذائل کے پیچھے پڑ کر حجاب ظلمات میں پھنس گئے ۔ اور سوءِ علمی کج خلقی میں گرفتار ہوئے تو اِس کی شقاوت اور حرمان نصیبی کا وبال اسی کی نفسِ رذیلہ پر ہے ۔ لیکن بہت سے نفس و نفسیات نے جب اُس راہِ سعادت اور منزلِ عشقِ الٰہیہ کو قبول نہ کیا تو پھر دوسری مرتبہ اُن نفوسِ رذیلہ کے لیے ۔ فَنَاءٍ فِي التَّوْحِيْدِ کا وعدۂ جبر آ گیا ۔ ہم نے پھر اپنے مخصوص و مخلص مقامِ قرب کے حاضر باش انوارِ قدس اور تجلیاتِ جلال اور صفاتِ الٰہیہ والے

قہر کے بادلوں کے لشکر بھیجے۔ اور عظمت و کبریائی کے سلاطین و شہنشاہ مسلط کر دیئے تاکہ تمہارے دیو خواہشات و نفسیات کے چہروں کو عشقِ الٰہی کی آگ سے جلا کر بگاڑ دیں اور تم پر ان کے قہر کی بنا پر کمالات دنیوی کا فقدان ہو جائے اور امیدوں حسرتوں تمناؤں کا خاتمہ۔ یہاں تک کہ تمہاری مسجدِ قلب میں داخل ہو کر تمام کثافتوں۔ شقاوتوں کو برباد کر دیں۔ جس طرح پہلے مقامِ نفس میں قہر و جبر کا حملہ ہوا تھا۔ اور اس کے اثراتِ ابدیہ سے تمہارے علوم و فضائل بدل گئے تھے وَلِيُتَبِّرُوا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا۔ یہ قومیں گوشۂ جسمانی کے کسی حصے کو نہیں چھوڑیں گی بلکہ جس پر ظہورِ کمال۔ قربِ جلال اور فضیلت صفات سے غلبہ پائیں گے۔ اسی کو دیدارِ حیرانگی خاطرِ قلبی میں صفاتِ ربوبیت کے ذریعے وادیِ ہلاکت میں پہنچائیں گے (محی الدین ابن عربی) صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ بدی کا بدلہ لینے کا جذبہ انسان میں بہت جلد پیدا ہو جاتا ہے۔ ہر انسان میں رب تعالیٰ نے دو قوتیں ودیعت فرمائی ہیں ایک قوتِ بھلائی و احسان دوسری قوتِ برائی و گناہ۔ اس جگہ آیتوں میں ان دونوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ۱ اَحْسَنْتُمْ اور ۲ اَسَاْتُمْ۔ اثر نیکی کا زیادہ ہوتا ہے مگر انسانی فطرت بدی کی طرف مائل ہوتی ہے اس لیے اگر کوئی نیکی کرے تو کبھی بھی اس کے بدلہ چکانے کا خیال نہیں آتا آتا بھی ہے تو سالوں بعد مگر کوئی برائی کرے تو دل چاہتا ہے کہ ابھی اس کو مزہ چکھا دو۔ بلکہ چاہت ہوتی ہے کہ دشمن سے انتقام برابری سے نہیں۔ بڑھ چڑھ کر لیا جائے۔ اسی طرح دشمن انسان برے انسان کو نہیں ستاتا۔ مارتا بلکہ شریف انسان کی عزت و عظمت سے حسد کرتے ہوئے اس پر ظلم کرتا ہے۔ ظلم ابتدا ہے۔ انتقام اس کا نتیجہ ہے۔ ظلم ایک تلوار ہے انتقام اس کا زہر ہے۔ تکبر وہ دشمنی ہے جو بغیر کسی انتقام کے پیدا ہوتی ہے۔ اے بندو تین عادتوں سے اپنے آپ کو بچاؤ۔ ظلم۔ تکبر اور انتقام سے۔ جس میں انتقام لینے کی خصلت ہو گی اس کے زخم ہرے رہیں گے۔ بدی کے دو کانٹے ہیں ایک مخالفت۔ اور ۲ غصہ۔ بدی ایک جھاڑی ہے جس کے زہریلے پھل انتقام ہیں۔ دنیا کا ہر پھل کھانے والے کو نقصان پہنچاتا ہے مگر یہ پھل خود درخت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ ان آیات میں تصوف کے یہی راستے سمجھائے جا رہے ہیں۔ جو شخص زیادہ مصائب برداشت کرنے کا حوصلہ رکھتا ہے راہِ معرفت میں وہی اہم شخصیت ہے۔ جو بندہ حق کے سامنے مغلوب ہو گیا وہی بارگاہِ سرمدی کا مطلوب بن گیا۔ مغلوبیت کے پانچ نشان۔

۱ محنت۔ ۲ استقبال ۳ دنیاداری۔ خیال رہے کہ دنیا پرستی حرام ہے دنیاداری میں ایمان طریقۂ انبیاءِ کرام علیہم السلام ہے ۴ خیرات ۵ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ۔ یہی وہ نشانِ خمسہ ہیں جو

اہل معرفت کے حواسِ خمسہ پر جاری ہیں۔ یہ خصائل منزلِ مراد کے سفرِ لاہوتی کو آسان کرنے والے ہیں۔
وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ ۚ وَاِنْ

قریب ہے کہ رب تمہارا رحم فرمائے تم پر اور اگر

قریب ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر

عُدْتُّمْ عُدْنَا ۘ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ وقف لازم

آمادہ ہوئے سرکشی پر تو ہم بھی آمادہ ہوں گے عذاب پر اور بنا رکھی ہے ہم نے دوزخ لیے کافروں کے

تم پھر شرارت کرو تو ہم پھر عذاب کریں گے اور ہم نے جہنم کو کافروں کا

حَصِيْرًا ۝۸ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ

جیل۔ بیشک یہ قرآن ہدایت دیتا ہے اُس کو

قید خانہ بنایا ہے۔ بیشک یہ قرآن وہ راہ دکھاتا ہے

هِيَ اَقْوَمُ وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ

جو سیدھا رہے اور دیتا ہے خوشخبری ان مومنوں کو جو

جو سب سے سیدھی ہے اور خوشی سناتا ہے ایمان والوں کو جو

يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا ۝۹

عمل کرتے ہیں نیک اِس کی کہ بیشک لیے اُن کے بدلہ ہے بہت بڑا۔

اچھے کام کریں کہ اُن کے لیے بڑا ثواب ہے

وَّ اَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا

اور بیشک وہ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر تیار کر رکھا ہے ہم نے

اور یہ کہ جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ہم نے

لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ﴿۱۰﴾ ع

لیے اُن کے عذاب دردناک

اُن کے لیے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر رحم کرنے کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ اے لوگو تم نے اُن کے ذرا نیک ہو جانے پر کتنا بڑا کرم اُن پر کیا۔ اب اِن آیات میں آئندہ پھر رحم و کرم فرمانے کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے بشرطیکہ بندہ بن کر رہیں۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کے توریت کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا تھا۔ اب اِن آیت میں قرآن مجید کو ماننے کا اور اُس کے فائدے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کافروں کو دنیوی سزا یہ ملتی ہے کہ دشمن کے دلوں میں اُن کا اور اُن کی عزت والے مقامات مساجد وغیرہ کا کوئی احترام باقی نہیں رہتا۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ سرکشوں گناہ والوں کی عزت میدانِ محشر میں بھی کچھ نہ ہوگی۔ دنیا و آخرت کی عزت تو صرف غلامانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

تفسیر نحوی عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا۔
عَسٰی۔ فعل مقاربہ صیغہ واحد مذکر غائب۔ اِس کے بارے میں تین باتیں سمجھ لو۔ ایک یہ کہ یہ فعل ہے مگر غیر متصرفہ ہے یعنی اِس کا صرف ماضی مطلق معروف چودہ صیغے ہوتے ہیں بعض کے نزدیک صرف نو صیغے ہوتے ہیں پانچ صیغے۔ جمع غائب۔ تثنیہ مؤنث غائب۔ جمع مؤنث غائب تثنیہ مذکر غائب۔ جمع متکلم۔ نہیں ہوتے مگر یہ غلط ہے شعراءِ عرب کے کلام میں چودہ صیغے وقتاً فوقتاً مستعمل ہے ہاں البتہ قرآن مجید میں صرف عَسٰی اور عَسَیْتُمْ آیا ہے۔ عَسٰی تقریباً اٹھائیس

جگہ اور عَسٰیتُمْ دو جگہ ۔ اس کی باقی ۔ بحثیں یعنی ماضی مطلق مجہول باقی پانچ ماضی مضارع امر نہی اسم فاعل اسم مفعول نہیں ہوتے ۔ اس لیے کہ اس میں رِجاء دو قسم کی پائی جاتی ۔

۱ رجاءِ طمع یعنی خوشی کی امید ۲ رجاءِ اشفاق یعنی خوف کی اُمید ۔ دوم یہ کہ یہ زمانے کے لحاظ سے فعل ہے کیونکہ یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل ہوتا ہے ۔ اور معنیٰ کے اعتبار سے حرف ہے کیونکہ امید ہے اور حرف متصرّف نہیں ہوتا بلکہ یہی نہیں اِس کے علاوہ جتنے بھی انشائیات ہیں (بجز امر نہی عقود) تمنّی ۔ ترجّی ۔ عرض ۔ قسم ندا ۔ تحضیض ۔ سب میں حرفیت پائی جاتی ہے ۔ سوم یہ کہ عَسٰی فعل مقاربہ اپنی حرفیت کی بنا پر ناقص ہے اس لیے فاعل مفعول پر عمل ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ اسم اور خبر پر عمل کرتا ہے یہی حال تمام ناقص فعلوں کا ہے ۔ اسم فاعل کے مشابہ ہوتا ہے اس لیے مرفوع ہوتا ہے خبر مفعول بہ کے مشابہ ہوتی ہے لہٰذا منصوب ہوتی ہے یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل اس لیے ہے کہ ترجّی یعنی امید مستقبل ہی کی ہوتی ہے ۔ رَبُّ ۔ اسم مفرد مذکر معرب ۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ ۔ اِس کا مرجع اسرائیلی ۔ مرکب ۔ اضافی اسم ہے عَسٰی کا ۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ یَرْحَمَ ۔ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر کُمْ ضمیر مفعول بہ ۔ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہوئی عَسٰی کی اور وہ اسم خبر سے مل کر جملہ قُربیہ ناقصہ فعلیہ ہو گیا ۔ واؤ سر جملہ اِنْ شرطیہ عُدْتُّمْ ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع حاضر عَوْدٌ اجوف واوی سے بنا ہے بمعنیٰ لوٹنا ۔ دوبارہ کرنا ۔ پچھلی حالت پر پھرنا ۔ یہاں مراد سابقہ کی مثل سرکشی کرنا ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا ۔ عُدْنَا اسی ماضی کا صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر فاعل ہے پوشیدہ ہے اُس کا مرجع ۔ ذاتِ مجید جَلَّ جلالہٗ ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی ۔ شرط و جزا مل کر شرطیہ ہو گیا ۔ واؤ استینافیہ ہے ۔ ایک قول میں حالیہ ہے اور مابعد حال ہے عُدْنَا کا ۔ جَعَلْنَا ۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مثبت معروف جمع متکلم فاعل نَحْنُ ضمیر متکلم مرجع اللہ تعالیٰ جَعْلٌ سے بنا ہے ۔ جَعْلٌ اپنے سات معنیٰ میں مشترک ہے یہاں تیار کرنا ۔ متعدّی بدو مفعول ہے ۔ جَہَنَّمَ اسم مفرد جامد غیر منصرف عجمی عَلَم ہے ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ اوّل ہے بعض کے نزدیک یہ لفظ منصرف ہے عجمی نہیں عربی ہی ہے ۔ نام ہے دوزخ کا ۔ لام شابہت ملکیت کا یا نفع کا ۔ کافرِیْنَ ۔ جمع مذکر سالم ہے کافر کی بت پرستی کا معنیٰ مراد ہے ۔ حَصِیْرًا ۔ صفت مشبّہ مبالغے کے لیے حَصْرٌ سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ روکنا ۔ قید کرنا ۔ خاص کرنا ۔ یہاں قید کرنا مراد ہے ۔ مبالغے کا ترجمہ ہوا بہت ہی سخت جکڑنے والا قید کرنے والا ۔ قید خانے کو حصیر اسی معنیٰ میں کہتے ہیں ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے جَعَلْنَا کا ۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا ۔ اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَھْدِیْ لِلَّتِیْ

ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَھُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی ۔ الف لام عہدِ خارجی قرآن ۔ بروزنِ فُعلانٌ یا فُعَّالٌ یا قرءٌ بمعنیٰ پڑھنا سے بنا ہے تب الف نون زائدہ ہے یا قرنٌ سے بنا ہے تب نون مادہ کی اصلیہ ہے قرآن نام ذاتی ہے اُس کتاب الٰہی کا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی مشار الیہ ہے ۔ ھٰذا کا دونوں مل کر اسم اِنَّ ہوا یَھْدِیْ باب ضرب کا مضارع واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع قرآن ہے ۔ لامِ جارّہ مفعولیت کا ۔ اَلَّتِیْ اسم موصول مؤنث مراد ہے شریعت چونکہ لفظ شریعت لفظاً مؤنث ہے اس لیے اَلَّتِیْ مؤنث آیا ۔ ھِیَ ضمیر واحد مؤنث غائب مرفوع منفصل مرجع ہے اَلَّتِیْ ۔ اَقْوَمُ ۔ اسم تفضیل مذکر ۔ قَوْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ۔ کھڑا ہونا ۔ سیدھا ہونا ۔ مضبوط ہونا ۔ یہاں آخری معنیٰ مراد ہے یعنی بہت مضبوط ۔ بحالتِ رفع خبر ہے ھِیَ مبتدا کی ۔ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ جار مجرور متعلق ہے یَھْدِیْ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یُبَشِّرُ ۔ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ۔ مصدر ہے تَبْشِیْرٌ ۔ بمعنیٰ خوشخبری سنانا ۔ الف لام استغراقی مُؤْمِنِیْنَ جمع مذکر سالم واحد ہے مومنٌ باب افعال کا اسم فاعل بحالتِ فتحہ ہے ۔ مفعول بہ ہے یُبَشِّرُ کا موصوف ہے مابعد کا ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر یَعْمَلُوْنَ باب فتح کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ ۔ اس سے مراد ہیں مومن لوگ ۔ عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ افعالِ جوارح یعنی اعضاءِ ظاہری سے کام کرنا ۔ خیال رہے کہ اعضاءِ ظاہری کے کاموں کا نام ہوتا ہے عمل ۔ اور اعضاءِ باطنی کے کاموں کا نام ہوتا ہے عقیدہ ۔ جس طرح عمل کی بہت سی قسمیں ہیں اور ہر عضو کے عمل کا علیحدہ نام ہے ۔ مثلاً پاؤں کا عمل چلنا ۔ ہاتھ کے عمل کا نام پکڑنا ۔ کسی کا نام سننا ۔ وغیرہ ۔ اسی طرح عقیدے کی بھی بہت سی قسمیں ہیں ۔ مثلاً یقین دل کا عقیدہ ۔ وہم ۔ گمان ۔ خیال ۔ تصوّر ۔ وغیرہ ۔ یہاں عمل ظاہری مراد ہے خواہ کسی عضو کا ہو ۔ مگر ہو ۔ اَلصّٰلِحٰتِ ۔ الف لام استغراقی صَالِحَات ۔ جمع مؤنث سالم صَالِحَۃٌ کی ۔ اسم فاعل مؤنث ہے ۔ صَلَحٌ سے بنا ہے بمعنیٰ درست ہونا ۔ قابل ہونا ۔ لائق ہونا ۔ نیک اور بھلائی والا ہونا ۔ یہاں مراد نیک اعمال ہیں ۔ بحالتِ فتحہ ہے ۔ کیونکہ مفعول بہ ہے یَعْمَلُوْنَ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مل کر صفت ہوئی مُؤْمِنِیْنَ کی مرکب توصیفی مفعول بہ اوّل ہوا یُبَشِّرُ فعل متعدی بدو مفعول کا اَنَّ حرفِ تحقیق ۔ لام جارّہ نفع کا تشبیہ ملکیتی کے لیے ۔ ھُمْ ۔ ضمیر جمع غائب مجرور متصل مرجع مُؤْمِنِیْنَ ہے جار مجرور متعلق ہے ثابتٌ یا مخصوصٌ پوشیدہ عامل کا ۔ وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر مقدم ہے

اَنَّ کی۔ اَجْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ثواب۔ بدلہ موصوف ہے۔ کَبِیْرًا۔ صفتِ مشبہ۔ کِبَرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بڑا ہونا۔ زیادہ دیر تک رہنا۔ قائم رہنا۔ ترجمہ ہے بہت زیادہ ہونا۔ یہ اللہ کی بھی صفت ہے مگر غیر خصوصی اسی سے متکبر یہ خصوصی صفت ہے باری تعالیٰ کی۔ کسی مخلوق کو نہیں کہہ سکتے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ صفت ہے۔ مرکب توصیفی اسم مؤخر ہے اَنَّ کا۔ وہ جملہ اسمیہ تحقیقیہ ہو کر مفعول بہٖ دوم ہوا یُبَشِّرُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یَہْدِیْ کا اور سب عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی اور جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ اَعْتَدْنَا لَہُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ واؤ عاطفہ ہے اور مابعد کا عطف ہے ماقبل اَنَّ لَہُمْ پر۔ اور آگے اُس کا تعلق یُبَشِّرُ سے ہے۔ بشارت یہاں مومن اور کافر دونوں کو ہے مگر مومن کو بشارت استحسانی حقیقی ہے اور کافر کو بشارت استہزائی مجازی ہے۔ یا دونوں بشارتیں مومن کو ہی ہیں ایک اپنے انعام کی دوم دشمن کی ذلت کی اور مطلب یہ کہ مومنوں کو دو چیزوں کی بشارت ہے۔ اپنی ذات کے لیے اَجرِ کبیر کی اور کفار کے لیے عذابِ الیم کی۔ اِس معنیٰ میں۔ دونوں بشارتیں حقیقی ہیں کیونکہ کافر کو عذاب مومن کے لیے باعثِ سرور ہے۔ اس لیے اَنَّ مفتوحہ آیا کیونکہ درمیان کلام میں آگیا۔ ہمزہ کا فتحہ چونکہ خفیف ہے اس لیے درمیان میں اَنَّ حرفِ تحقیق پر فتحہ ہی آتا ہے۔ ثقیل چیز شروع میں لائی جاتی ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ باب اِفعال کا مضارع منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِیْمَانٌ بمعنیٰ اسلام قبول کرنا۔ ھُمْ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے اَلَّذِیْنَ ب جارہ بمعنیٰ علی الف لام حرفی زائدہ یا اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ۔ آخِرَت اسم فاعل مؤنث مراد قیامت۔ جار مجرور متعلق لَا یُؤْمِنُوْنَ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ اسم ہے اَنَّ کا۔ اَعْتَدْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق۔ جمع متکلم مخاطِب اللہ تعالیٰ مصدر متعدی ہے اِعْتَادٌ۔ بمعنیٰ تیار کرنا۔ عَتَدٌ سے بنا ہے یہ لازم ہے بمعنیٰ تیار ہونا۔ لام جارہ نسبت کا مشابہ ملکیت ھُمْ ضمیر مجرور مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ متعلق ہے اَعْتَدْنَا کا عَذَابًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ اُخروی سزا بدعملی اور بدعقیدگی۔ موصوف ہے اَلِیْمًا۔ صفت مشبہ ہے اَلَمٌ سے مشتق ہے۔ مبالغے کے لیے ہے۔ بمعنیٰ بہت ہی دُکھ تکلیف۔ درد دینے والا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ صفت ہے۔ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے اَعْتَدْنَا کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اَنَّ ہوئی۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اَنَّ لَہُمْ پر۔

تفسیر عالمانہ

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا
اِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ یَہْدِیْ لِلَّتِیْ ھِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ

الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِیْرًا ۔ بہت ہی قریب ہے تمہارا رب کہ رحم کرے تم پر تمہاری اتنی شرارتوں فتنوں فسادوں ظلم و کفر کے باوجود اور تم کو پھر پہلے کی طرح روحانی ایمانی عرفانی دولتوں سے نوازے اور دینوی عزت و وقار قوت و طاقت کے ساتھ ساتھ اپنی دوستی محبت اور ولایتِ عظمٰی کا تمغہ و تاج عطا فرمائے ایک موقعہ سنبھلنے سنورنے کا تم کو اور دیا جاتا ہے سابقہ زمانوں میں تم بنی اسرائیل نے اپنے انبیاءِ کرام کی اتنی گستاخیاں بے ادبیاں کیں ۔ اب زمانہ آگیا ہے محبوبِ عالمین راحتِ عاشقین آفتاب دو عالم محمد رسول اللہ کا ان کی اطاعت سب سے زیادہ قیمتی ہے ۔ اس کے بعد کسی اور دروازے کا امکان ہی نہیں ۔ اب خوش بختی اور بد بختی کا یہی معیار ہے ہم دیکھتے ہیں کہ اس موقعہِ غنیمت سے تم کیا اور کتنا فائدہ اٹھاتے ہو ۔ اب تو دین دنیا کی سب دولتیں عظمتیں عزتیں ولایتیں اسی محبوبِ ازلی ابدی قدیمی کے دامن سے وابستہ ہیں ۔ یہی وہ محبوب ہے جس کی محبوبیت قدیمی ہے ؎

شعر

دونوں عالم کا تمہیں منظور گر آرام ہے
اُن کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے

لیکن اگر تم نے یہاں بھی اپنی بد باطنی سے اور خبثِ ظاہری سے پھر وہی وطیرہ ۔ چال چلن اختیار کیا اور اپنی پرانی باپ دادوں والی عادتوں کی طرف لوٹے اور رحم و کرم کے آخری سہارے کو بھی چھوڑ دیا ۔ منہ موڑ لیا ۔ تو پھر ہم بھی اپنے جبر و قہر سزا و عتاب کے لیے سابقہ طریقوں کو تم پر لوٹیں گے اور ہماری پسندیدہ جماعتیں اچھی اور طاقتور قومیں پھر تم پر غالب اور مسلّط ہو جائیں گی ۔ اور یہ آخری اور تیسری بار والی ذلت تم پر قیامت تک اس طرح جاری رہے گی کہ پھر وہاں سے سیدھا جہنم ہی کا راستہ ہوگا ۔ کافروں کے لیے تو جہنم ہی ہم نے بنائی ہے جو دائمی قید خانہ اور ذلت کا پنجرہ ہے ۔ اے اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور صابیو ۔ ایک وہ وقت تھا جب صُحُفِ آدم و ابراہیم وغیرہم علیہم السّلام مرکزِ ہدایتِ الٰہیہ تھے پھر وہ دور آیا جب توریت پھر زبور پھر انجیل اپنے اپنے وقتوں زمانوں میں سیدھی راہ کی ہدایت کا مرکز رہیں مگر اب تا قیامت بیشک یہ قرآنِ مجید ہی عرش و فرش مشرق مغرب کی تمام اقوام کے لیے دینی دنیوی روحانی مادی ترقی تمدن کے سچے سیدھے مضبوط راستوں پر چلانے کے لیے ہدایت کا ملہ ہے ۔ اب یہ قرآنِ کریم ہی کائناتِ انسانیت کے لیے ازلی ابدی مرشد و رہنما ہے ۔ یہی قرآنِ مقدس انسانوں کی دنیا کو درست کرنے والا اور یہی دین کو رفعتِ لامکانی بخشنے والا ہے یہی ارواح کو جلا بخشنے والا ہے یہی اجسام کو حسن و زینت دینے والا ہے تمہارے

حالات راستے یہی صحیح کرنے والا ہے۔ عزتوں دولتوں کو واپس لوٹانے والا بھی یہی قرآن پاک ہے۔ اور یہی قرآن پاک دین دنیا۔ اول آخر ظاہر باطن ابتدا اور انتہا کی خوشخبری سناتا ہے اہلِ ایمان و عرفان کو جو اس قرآنِ مجید کے مطابق اسی کی شریعت طریقت کے مطابق نیک پاک طیب طاہر منزہ معطر سچے کام کرتے ہیں۔ اتنی عظیم اور پُر بہار خوشخبری کہ اے محنت مشقت ریاضت عبادت کرنے والو بیشک تم جیسے ایمان والوں کے لیے بارگاہِ قدس کے جمال و رحمت میں بہت ہی بڑا اجر و ثواب ہے اور تمہارے معمولی اعمالِ صالحہ کی بڑی قدر و منزلت ہے وَاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا۔ اور یہ بھی خوشخبری ہے کہ بیشک وہ ظاہری باطنی ایمان کے دشمن لوگ جو اُخروی زندگی قیامت اور جزا سزا پر ایمان نہیں لاتے اسی لیے مطمئن ہو کر ہر طرح کا کفر شرک ظلم بدکاری سرکشی تکبر۔ فسق و فجور ہر وقت نہایت دیدہ دلیری سے کرتے رہتے ہیں اُن ہر قسم کے کتابی غیر کتابی یہود و نصاریٰ اور مجوسی۔ بت پرست کفار کے لیے ہم نے بہت ہی درد تکلیف اور مصیبت والا عذاب تیار کر دیا ہے۔ لہٰذا اے ایمان والے پیارے مخلص بندو تم ان کے ظلم و تکبر ایذا رسانی پر کچھ دنوں کے لیے صبر کرو۔ پھر ہمیشہ کے لیے تم کو راحتیں ہیں اور تمہارے ستانے اور کفر شرک کرنے کی بنا پر ہمیشہ کے لیے ان ظالموں کو سزا کا عذاب ہے خیال رہے کہ ان آیت میں پانچ سابقہ واقعات کی طرف اشارہ فرمایا گیا۔

(۱) ہم نے اپنے پیارے نبی کو معراج اور دیدار کرایا اور اپنی تمام نعمتوں سے نوازا لہٰذا اگر تم چاہتے ہو کہ تم پر رحم فرمایا جائے تو ہم عنقریب اس وقت تم پر رحم فرمائیں گے جب تم رحمت عالمین کے دامن میں آ جاؤ۔

(۲) تم بنی اسرائیل نے اپنے سابقہ دولتمندی کے زمانے میں انبیاءِ کرام اور نیک لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا جس کا بدلہ ذلت اور قتل و غارت کی شکل میں ہر دفعہ دیا گیا۔ اب آخری نبی کا زمانہ ہے اگر پھر ایسا کیا جیسا پہلے ظلم و کفر کیا تھا تو پھر اس سے زیادہ تکلیف و عذاب دیئے جاؤ گے۔

(۳) اے بنی اسرائیل تمہاری قوم کے عظیم نبی موسیٰ اور داؤد اور عیسیٰ علیہم السّلام کو آسمانی کتابیں دی گئیں۔ خاص کر حضرت موسیٰ کو توریت دی اس وقت اس میں ہی سب انسانوں کے لیے ہدایت اور نور تھا اور اب سب کے لیے قرآن پاک میں ہدایت ہے۔

(۴) تمہارے ہی جدِ اعلیٰ حضرتِ نوح علیہ السّلام تھے جو بہت شکر گزار تھے۔ اب شکر گزار ہمارے وہ بندے ہیں جو ہمارے محبوب ابدی کے دامن میں آ کر اہل ایمان ہوئے اور اعمالِ صالحہ سے ہر حال

میں شکرِ الٰہی بجالائے۔ اب عبد شکور بننے کا واحد طریقہ یہ ہی ہے کہ ان کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے۔

ع۵ اے بنی اسرائیل اب تم اپنے باپ دادوں کی طرح بری حرکتیں نہ کرنا۔ ورنہ پھر دنیا کی ذلت کے علاوہ آخرت کا عذاب بھی تیار ہے یہ آخری مہلت ہے اب نہ کوئی دوسرا نبی تشریف لائے گا نہ کوئی کتاب نہ شریعت۔ نہ اس کو چھوڑ کر کوئی ہدایت آئے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ بندہ اپنی توبہ کے ذریعے ہی اللہ کی دائمی نعمتوں اور قلبی خوشیوں سے مستفیض ہو سکتا۔ زاری اور عاجزی کی طرف ہی رحم و کرم آتا ہے یہ فائدہ عَسٰی رَبُّكُمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو تمہارے باپ دادوں پر بھی رحم کیا گیا تھا مگر کسی نیک نسبت اور توبہ کے بعد۔ اسی طرح تم پر بھی اسی طریقے کو اپنانے سے رحم ہوگا۔ **دوسرا فائدہ** ۔ نبوت کی گستاخی سب سے بڑا کفر ہے۔ یہ آگ جہانوں کو جلا ڈالتی ہے اللہ تعالیٰ سب کو اس سے بچائے۔ دیکھو یہود و نصاریٰ رب کے حضور بڑے نیک بنتے عبادت کرتے تھے مگر گستاخی رسالت کا دنیوی وبال یہ آیا کہ قتل و ذلیل ہی ہوتے رہے بنی قریظہ قتل کئے گئے۔ بنی نضیر رسوا کر کے شہر بدر کئے گئے یہ فائدہ اِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا۔ فرمانے اور بعد میں اس کے نتیجے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ دنیا کے عذاب آخرت کے عذاب آخرت کے عذاب کے علاوہ ہیں۔ دنیوی عذاب اُخروی عذاب کا جزوی یا کلی بدلہ نہیں ہے۔ اور اللہ کی ہر سزا کو عذاب الٰہی ہی کہا جاتا ہے اگرچہ انسانوں کے ہاتھوں ہی وارد ہو نیز عذاب کوئی بھی کسی طرح کا بھی ہو۔ اس کے بعد پھر مہلتِ ایمانی نہیں ملتی۔ یہ فائدہ بھی عُدْنَا فرمانے اور اس کے بعد جہنم کے ذکر سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ** ۔ ہر مومن کو بقدر طاقت ہر نیکی کرنی چاہیے کیونکہ مومن کو اس کا دنیا میں بھی عزت۔ نیکنامی اور روحانیت کی شکل میں فائدہ ہے اور آخرت میں بھی فائدہ ہے۔ یہ فائدہ اَجْرًا كَبِيْرًا اور يُبَشِّرُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ لفظِ عسٰی اصلاً موضوعاً تو امید کے لیے ہے مگر بہت جگہ یقین کے لیے آجاتا ہے یہاں بھی عسٰی یقین کے لیے اور معنیٰ اس طرح ہے کہ عَسٰی رَبُّكُمْ یقیناً تم پر عنقریب رحم فرمائے گا تمہارا رب تعالیٰ۔ لہٰذا امام اعظم کا مسلک کہ اگر کسی بھی عقد کے انعقاد کی محفل میں ایک شخص کہتا ہے کہ عنقریب ایسا کر دوں گا تو وہ وعدہ اور عہد ہوتا ہے اس طرح وہ منگنی یا وعدے

کی محقل کہلائیں گی ۔ بخلاف حرف تقریبی سَ کے یا سَوف کے کہ ان حرفوں سے وعدہ یا منگنی درست نہیں ۔ اسی طرح اردو میں عسیٰ کا ترجمہ ہوگا عنقریب کردوں گا سا اور سوف یا سین کا ترجمہ ہوا ہوسکتا ہے کہ عنقریب ایسا کروں ۔ محقل معگنی میں سین یا سَوفَ سے منگنی نہیں ہوگی کیونکہ اس میں شک ہے لفظِ عسیٰ بولنے سے ہو جائے گی کیونکہ اس میں یقین ہے ۔

دوسرا مسئلہ ۔ غیر مسلم پڑوسیوں پر صرف انسانی ہمدردی کے تحت رحم دلی سے پیش آنا جائز ہے بشرطیکہ وہ غیر مسلم شر پسند یا متعصب نہ ہو اور مسلمان کی ہمدردی کو کمزوری پر محمول نہ کرے لیکن کفار سے اعتماد کی دوستی حرام ہے ۔ یہ مسئلہ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ (الخ) فرمانے اور اس کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ قانونِ نحویہ کے مطابق وَاَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (الخ) کا عطف ہے اَنَّ لَهُمْ پر اس بنا پر يُبَشِّرُ یعنی خوشخبری کا تعلق اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ سے بھی ہوا حالانکہ یہاں تو عذابِ الیم کا ذکر ہے بھلا عذاب بھی کبھی خوشخبری ہوسکتا ہے ۔

جواب ۔ امام رازیؒ نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ کفار پر عذاب اہلِ ایمان کے لیے خوشخبری ہے نہ کہ خود کفار کے لیے اس لیے کہ ظالم کی ہلاکت کی خبر سے مظلوم و مجبور کو خوشی ہوتی ہے ۔

دوسرا اعتراض ۔ یہ آیت کریمہ بھی اور اس سے پہلی آیت میں بھی دور سے بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کا ذکر چلا آرہا ہے عَسٰی رَبُّكُمْ ۔ اور اَنْ يَّرْحَمَكُمْ اور اِنْ عُدْتُّمْ ۔ میں خطاب بنی اسرائیل سے ہی ہے ۔ تو یہاں لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ ۔ کیوں فرمایا گیا ۔ یہود و نصاریٰ تو آخرت کے منکر نہیں ہیں وہ تو قیامت جنت دوزخ کو مانتے ہیں بلکہ عذابِ قبر کو بھی مانتے ہیں ۔

جواب ۔ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ یہودیوں عیسائیوں کے مختلف فرقے ہیں ان میں اکثر فرقوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت صرف روح پر طاری ہوگی جسم پر نہیں اس لیے یہ منکرینِ قیامت ہوئے دوم یہ کہ آخرت اور قیامت کو ماننا یہ ہے کہ مکمل طور پر ہر چیز کو مانا جائے اپنی مَن مرضی سے قیامت کا نقشہ بنالینا اور تصوراتی قیامت کھڑی کردینا یہ ایمان نہیں ۔ یہودی کہتے ہیں ۔ لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ۔ ہمیں صرف چند دن آگ پہنچے گی ۔ کبھی کہتے ہیں صرف یہودی ہی جنتی ہیں ۔ کبھی کہتے ہیں جنت دوزخ ابھی بنی نہیں بعد میں بنے گی غرض کہ یہودی عیسائی صرف نام سے تو قیامت کو مانتے ہیں حقیقتاً نہیں مانتے ۔ (تفسیر کبیر) سوم یہ کہ نبی کریم

صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب ایمان اور ماننا صرف ایمانِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر موقوف ہے۔ آپ کو چھوڑ کر کوئی ماننا ماننا ہی نہیں۔ نہ کوئی صحیح مان سکتا ہے۔ یہ جواب سب سے بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ ۔ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا ۔ یہ بات یقینی ہے کہ عنقریب اے اجسامِ ناسوتی تم پر تمہارا پروردگار قہر فنا کے بعد بقاءِ حیات کا رحم فرمائے۔ تجلیاتِ صفات محو کرنے کے بعد لذاتِ انوار کا رحم کرے۔ اور فنا کے بعد تمہارے قلب کی بقا ہو۔ اور مقامِ قرب میں تم کو مبعوث فرمائے۔ اور ایسا ثواب بخشے کہ کسی آنکھ نے نہ دیکھا ہو نہ کان نے سنا نہ دل گمان ہی کر سکے۔ لیکن اگر پھر تمہاری اَنانیتِ فنا نے ظہور کیا۔ تو ہم پھر قہرِ فنا اور حجابِ لقا کا۔ اور ضعفِ حیات و ضعفِ ممات کا مزہ چکھا دیں گے۔ اور کوئی بھی تا قیامت پھر بچانے والا نہ ملے گا۔ اور ہم نے ہی طبیعت کے جہنم کو محجوبین کافرینِ انوار کے لیے محرومیوں کا قید خانہ بنایا ہے۔ اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ یَهْدِیْ لِلَّتِیْ هِیَ اَقْوَمُ وَیُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِیْنَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا کَبِیْرًا ۔ بیشک یہ قرآن سالکینِ معرفت کو حقیقت و طریقت روحانیت و وجدانیت کے خفیہ اور شاندار چھوٹے اور مضبوط راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ اور راہِ مراد کے طلبگاروں کو تین طرح تقسیم فرماتا ہے پہلا گروہ سابقین مرشدین کا دوسرا گروہ اصحابِ یمین کا یہ دونوں مبارک گروہ ہیں تیسرا اصحابِ شمال کا یہ بدنصیب اور محجوبینِ انوار ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اللہ کا راستہ رسول اللہ ہیں۔ اقوم سابقین کا گروہ ہے اور یہ قرآن مجید بشارت و خوشخبری دیتا ہے اصحابِ یمین مومنین کو جو مرشدین و سابقین کی تقلید و تائید کے نیک اعمال کرتے رہتے ہیں۔ بیشک جنہوں نے تزکیۂ روح۔ تحلیۂ قلب کے صالح عمل کیئے اور جزم و علم و تحقیق سے اس پر ہمیشگی قائم رکھی ان کے لیے ہی افعال و صفات۔ انوار و تجلیات۔ قربِ لذات کا اجرِ کبیر ہے۔ جبروت و لاہوت قدوس و ملکوت کے جہانوں میں۔ وَّاَنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِیْمًا ۔ اور بلاشک وہ بدنصیب اصحابِ شمال جو مقاماتِ قلب کی آخری منزلِ جمال اور ذلتِ نفس کے آخری منزل قہرِ جلال کو نہیں مانتے نہ پرواہ کرتے ہیں نہ توجہ۔ نہ کثافتِ جسمانیہ ظلماتِ بدنیہ میں عالمِ نور سے محجوب ہیں اور وہمیاتِ طبیعہ میں محبوس ہیں۔ اُن کے لیے سجینِ طبیعت کا عذاب ہے سفلیاتِ دنیا کی زنجیروں میں محبتِ فنا سے مقید ہیں۔ تعلقات اور رشتوں کے طوق گلوں میں پڑے ہوئے ہیں لذتوں شہوتوں کی وجہ سے محرومی کے سانپ اور حرام غذاؤں کے بچھوؤں کے دور میں مبتلا ہیں

یہ عالم دنیا ہی اُن کے لیے عذابِ الیم ہے۔ مومنین صالحین کی نو نشانیاں ہیں۔
ع ۱ وہ اللہ کو پہچانتا ہے ع ۲ وہ نیک و بد کو جانتا ہے ع ۳ اپنے سے بڑے اولی الامر کی اطاعت کرتا ہے۔ ع ۴ والدین کا حق تسلیم کرتا ہو ع ۵ صلہ رحمی کے حقوق محبت سے ادا کرتا ہو ع ۶ غصہ پر قابو ہو ع ۷ صدقہ و خیرات کرتا رہتا ہو۔ ع ۸ گناہوں سے پرہیز اور مصیبتوں میں صبر کرتا ہو۔ ع ۹ ہر وقت ہر حال میں شاکر ہو۔ مظلوم کی بددعا سے ہمیشہ پرہیز کرو کیونکہ وہ بہت جلدی قبول ہوتی ہے مومن کا آخرت مقام عشق ہے اور عشق کی ایک مخصوص خوشبو ہوتی ہے ایمان والے اسی خوشبوءِ یار سے مست رہتے ہیں۔ اہل شمال لوگ دنیا کے پیچھے اپنے قیمتی اوقات برباد کرتے ہیں۔ عبادتِ الٰہیہ سے دور رہتے ہیں دولت کی آلائشوں میں ڈوبے رہتے ہیں۔ عاقبت خراب خدا تعالیٰ سے دور۔ لیکن مومن کی ہر ادا خدا کا پیار لاتی ہے۔ کثرتِ عبادت مومن کی معراج ہے۔ معصیت سے دوری کا اجر کبیر ہے۔ محبت اور رضا عمل صالح ہے۔ عذابِ الیم سے بچنے کا ذریعہ اتباعِ رسول کریم ہے۔ اے راہ طلب کے مسافرو پہلے اپنے آپ کو پہچانو۔ اللہ کے رزق بلا تمثیل انسان کے ارادے کے مشابہ ہے جس طرح ارادے کا اثر پہلے دل پر ہوتا ہے پھر وہ عمل کی صورت میں اعضاء پر تقسیم ہو جاتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے روحانی و جسمانی رزق پہلے عرش پر ظاہر ہوتے ہیں پھر فرش پر تقسیم ہو جاتے ہیں۔ اہل معرفت فرماتے ہیں کہ بندے کا ارادہ مثل روح القدس ہے اسی کی تائید سے بندہ مقامِ صالحین تک جا کر اجرِ کبیر کا رزق پاتا ہے۔ یہی بشارتِ قرآن حکیم ہے۔ اللہ کی حقیقی معرفت صرف انبیاءِ کرام کو ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علوم کا معدن اجسامِ انبیاء ہیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ کی تمام قدرتوں اور قانونوں کا ظہور ان کے ہی لطیف جسم پر ہوتا ہے۔ نافرمان پر بھی اللہ تعالیٰ رحم فرماتا ہے کہ اُس کو مصائبِ دنیا کے حصیر میں جکڑ کر دنیا کو ہی جہنم بنا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ دنیاءِ جسمانی کے تمام کفارِ نفسانی فنا ہو جاتے ہیں اور بندہ نکھر کر کندن بن جاتا ہے۔ ان آیت میں پندرہ چیزوں کا ذکر کیا گیا۔
ع ۱ اللہ کی ربوبیت ع ۲ رحمِ الٰہی۔ ع ۳ بندے کی سرکشی و ظلم ع ۴ اللہ کا قہر ٹوٹنا۔ ع ۵ جہنم۔ ع ۶ کافر۔ ع ۷ حصیر (قید خانہ) ع ۸ قرآن ع ۹ ہدایت ع ۱۰ بشارت ع ۱۱ مومن ع ۱۲ عمل صالح۔ ع ۱۳ اجر کبیر ع ۱۴ آخرت ع ۱۵ عذابِ الیم۔
ع ۱ مومن بندہ اپنے اعمال سے اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرتا ہے ع ۲ عجز سے قابل رحم بنتا ہے۔ ع ۳ سرکشی سے بندہ مردود ہو جاتا ہے ع ۴ غفلت سے قہر ٹوٹتا ہے ع ۵ اور گناہوں سے جہنم بن جاتا ہے ع ۶ ناشکری کفر ہے ع ۷ دنیوی لذات و خواہشات حصیر ہے ع ۸ بندۂ عملی قرآن ہے ع ۹ قلب ہدایت

ہے ۱۰ اتباعِ نبوت بشارت ہے ۱۱ ارادہ مومن ہے ۱۲ ارادہ پورا کر لینا عمل صالح ہے۔ کافر کی نیت وسوسہ ہے مومن کی نیت ارادہ ہے ۱۳ توفیق اجرِ کبیر ہے ۱۴ عشقِ الٰہی مومن کی آخرت ہے ۱۵ عشقِ دنیا بدبخت کافر کی آخرت ہے۔ حجاب محرومی عذاب الیم ہے۔ اے بندے اجسام پر حکومت تیری ہے اور تجھ پر حکومت رب کی ہے اپنی حکومت سے اس کی حکومت کو پہچان سے جب اَجرِ کبیر دینے والا وہی اللہ ہے تو شکر و حمد بھی اسی کی ہونی چاہیئے۔ یہ ہی مقصد ہے۔ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ یَّرْحَمَكُمْ فرمانے کا۔

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَ

اور طلب کر لیتا ہے انسان ناسمجھی سے شر کو جیسے عقلمند کی دعائیں بھلائی کے لیے اور

اور آدمی برائی کی دعا کرتا ہے جیسے بھلائی مانگتا ہے اور

كَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪ وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ

ہے انسان جلد بازی والا۔ اور بنایا ہم نے رات اور دن کو

آدمی بڑا جلد باز ہے اور ہم نے رات و دن کو

اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ

دو نشان قدرت تو کبھی مٹایا ہم نے نشانیوں کو رات کی اور بنا دیا ہم نے اس کو نشانی

دو نشانیاں بنایا تو رات کی نشانی مٹی ہوئی رکھی اور دن کی نشانیاں

النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ

دن کی دکھائی دینے والی تاکہ تلاش کرو تم رزق کو طرف سے رب اپنے کے

دکھانے والی کہ اپنے رب کا فضل تلاش کرو

وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ وَ

اور تاکہ علم بناؤ تم سالوں کی گنتی اور حساب کا اور

اور برسوں کی گنتی اور حساب جانو اور

كُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ وَكُلَّ اِنْسَانٍ

ہر چیز کو جدا کر دیا ہے ہم نے اچھے طریقے سے جدا کرنا۔ اور ہر انسان

ہم نے ہر چیز خوب جدا جدا ظاہر فرما دی۔ اور ہر انسان کی

اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ ۭ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ

چپکا دی ہے ہم نے اُس کے ساتھ اُس کی قسمت میں گردن اُس کی اور نکالیں گے ہم لیے اُس کے دن

قسمت ہم نے اس کے گلے سے لگا دی اور اُس کے لیے قیامت کے دن

الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا ﴿۱۳﴾

قیامت کے ایک نامۂ اعمال کھلا ہوا۔

ایک نوشتہ نکالیں گے جسے کھلا ہوا پائے گا

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں انسانوں کی دو خصلتوں کا ذکر ہوا۔
۱ ایمانی خصلت۔ ۲ کفریہ خصلت۔ اب اِن آیت میں انسان کی مختلف وقتوں میں مختلف خصلتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب اُتار چڑھاؤ اُس کی جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفر و ایمان کے مختلف زمانوں میں غالب اور مغلوب ہونے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں رات و دن کا ذکر فرما کر کفر و ایمان کی تمثیل و تشبیہ بیان فرمائی جا رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفر و ایمان کا ذکر کر کے عجیب حکمتِ الٰہیہ کا پتہ دیا گیا جس سے کفر والے عاجز ہیں۔ اب اِن آیات میں رات و دن کا ذکر

کرکے اِن وقتوں کی شاندار حکمت اور فائدے کا ذکر کیا گیا جس سے رات میں غافل ہونے والے بے خبر ہیں۔ گویا کہ رات مثل کفر کے ہے اور دِن مثل ایمان کے اور رات والے مثل کافروں کے ہیں اور دِن والے مثل مومنوں کے۔ **چوتھا تعلق** ۔ پہلی آیت میں قرآن مجید کا ذکر ہوا جو دینی ایمانی نعمت کے حصول کا ذریعہ ہے اور ظاہر و پوشیدہ محکم و متشابہ دو قسم کی آیات ہیں یہ قرآنِ مجید اپنی ان آیتوں کے سبب سے پوری انسانی زندگی پر حاوی اور غالب ہے اب یہاں اُس زندگی اور زمانے کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو دنیوی نعمتوں کے حصول کا ذریعہ ہے اس میں بھی دو پہلو ہیں۔ پوشیدہ رات اور ظاہر دن بتایا جارہا ہے کہ دین ہو یا دنیا دو ہی چیزیں زندگی پر غالب ہیں۔

شانِ نزول

اس کے شانِ نزول میں دو قول ہیں۔

۱ نضر ابن الحرث کافر نے کہا کہ اے اللہ اگر محمد مصطفیٰ سچے ہیں تو میری گردن توڑ دے دوسرے کافروں نے کہا کہ اگر یہ دین اسلام سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر جلدی نازل فرما جس کا ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کرتے ہیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔

۲ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی سودہ بنت زمعہ کو دیا اور فرمایا کہ اس کی حفاظت کرنا (بقول تفسیر کبیر) یا عائشہ صدیقہ کو دیا (بقول تفسیر مظہری) وہ قیدی بھاگ گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غصے سے فرمایا اے سودہ یا اے عائشہ ۔ خدا تیرے ہاتھ کاٹ دے۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ اور نبی کریم نے رب کی بارگاہ میں عرض کی یا اللہ میری بددعاؤں کو بھی دعا بنا دے مگر پہلا قول درست ہے۔

تفسیر نحوی

وَيَدْعُ الْإِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَاءَهُ بِالْخَيْرِ ۔ وَكَانَ الْإِنْسَانُ عَجُولًا ۔ وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ آيَتَيْنِ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيْلِ وَجَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِتَبْتَغُوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ یَدْعُ ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف اصل میں یَدْعُوْ تھا۔ واؤ پر ضمہ ثقیل تھا واؤ کو ساکن کر دیا جب اِس کو اگلے معرّف باللام سے جوڑا گیا تو یہ واؤ گر گیا کیونکہ دو ساکن جمع نہیں ہو سکتے ۔ یہ خلافِ قیاس حذف ہے ۔ دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ دعا مانگنا ۔ بلانا ۔ مانگنا ۔ مطالبہ کرنا ۔ یہاں طلب و دعا مراد ہے ۔ الف لام جنسی اِنْسَانُ ۔ بمعنیٰ آدمی اسم جنسی مفرد جامد ہے ۔ خیال رہے کہ جامد سے وہ الفاظ مراد ہوتے ہیں جو مشتق نہ ہوں خواہ فعل یا اسم ۔ مصدر اپنے مصدری معنی میں نہ ہو ۔ اِس طرح جامد کی دو قسمیں ہو گئیں ۔

۱ غیر مشتق ۔ ۲ حاصل مصدر ۔ انسان پہلی قسم کا جامد ہے ۔ بحالت رفع ہے فاعل ہے ۔ بَ جارہ

تعدیہ ۔ الف لام عہدِ ذہنی شَرّ اسم جامد مفرد بمعنیٰ برائی ۔ ہر نقصان دہ چیز شر ہے خواہ دینی ہو یا دنیوی خیر کا مقابل یہ جار مجرور متعلق ہے یَدْعُ کا ۔ دُعَاءَ ۔ مصدر مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع انسان ہے مجرور متصل فاعل مضاف الیہ بؔ جارّہ مفعولیت (تعدیہ) کی ۔ الف لام عہدی خَیْر اسم مفرد جامد بمعنیٰ بھلائی ۔ ہر مفید چیز خیر ہے شر کا مقابل ۔ جار مجرور متعلق ہے دُعَاءَ مصدر کا ۔ یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر تشبیہی حال ہوا یَدْعُ کے فاعل انسان کا ۔ تشبیہی اس لیے کہ یہاں کاف جارّہ پوشیدہ ہے دراصل تھا کَدُعَاءِہٖ ۔ واؤ ابتدائیہ کَانَ ۔ فعل ماضی ناقصہ ۔ اَلْاِنْسَانُ اُس کا اسم اسی لیے مرفوع ہے عَجُوْلاً ۔ اسم مبالغہ بروزنِ فعول عجلت سے بنا ہے بمعنیٰ جلدی کرنا ۔ جلد باز ۔ بحالتِ نصب ہے خبر کَانَ افعالِ ناقصہ ہیں چونکہ حرفیت کا ملاپ ہوتا ہے اس لیے یہ ناقص ہوتے ہیں فاعل مفعول پر عمل نہیں کر سکتے اس لیے ان کا فاعل اسم بن جاتا ہے اور ان کا مفعول بہ خبر ہو جاتی ہے ۔ یہ کَانَ اسم خبر سے مل کر فعلیہ ناقصہ جملہ ہو گیا ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ جَعَلْنَا ۔ ماضی مطلق جمع متکلم جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اختیار کرنا ۔ یا مقرر کرنا یا مقدر کرنا ۔ بعض حمقا نے اس کا ترجمہ کیا ہے پیدا کرنا یہ قطعاً غلط ہے ۔ اگر پیدا کرنا معنیٰ ہوتا تو متعدی بدو مفعول نہ ہوتا ۔ الف لام استغراقی لَیْلٌ اسم مفرد جامد اس کی جمع ہوتی ہے لَیَالِیْ یا لَیَایِلْ ۔ شعرا لوگ ضرورتِ شعری کے لیے غیر قیاسی جمع اَلْیَال بھی استعمال کرتے ہیں مؤنث ہے لَیْلَۃٌ ۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے اندھیرا ۔ سیاہی ۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ الف لام استغراقی نَہَار یا اسم جنسی ہے لہٰذا اس کی جمع کوئی نہیں ۔ یا اسم مفرد جامد ہے تو اس کی جمع ہے اَنْہُر یا نُہُر ۔ بمعنیٰ روشن دن ۔ شرعی نہار فجرِ صادق سے غروبِ آفتاب تک اِس کا نصف ضحوۂ کبریٰ ہوتا ہے لغوی نہار طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب اِس کا نصف ۔ نصف النَّہار کہلاتا ہے ۔ معطوف ہے یہ دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہیں جَعَلْنَا کا اٰیَتَیْنِ ۔ اسم تثنیہ بحالتِ نصب مفعول بہ دوم ہے جَعَلْنَا کا ۔ اس کا واحد ہے اٰیَۃٌ بمعنیٰ نشانی مراد ہے نشانِ قدرتِ الٰہیہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ واؤ سرِ جملہ ۔ مَحَوْنَا ۔ ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے باب نَصَرَ سے ہے مَحْوٌ ناقص واوی سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ مٹانا ۔ اثر ختم کرنا ۔ اسی سے ہے ماحی بدعت خلافِ سُنّت کو مٹانے والا ۔ یہ لغوی حقیقی معنیٰ مجازاً بہت طرح مشترک ہے ۔ اٰیَۃَ ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ علامت نشانی ٹکڑا ۔ حصّہ ۔ یہاں بمعنیٰ حصّہ ہے ۔ مضاف ہے ۔ الف لام عہد خارجی یعنی کچھ راتیں ۔ (گرمیوں کی) لَیْل بمعنیٰ رات مضاف الیہ ہے ہماری اس تفسیر سے یہ اضافتِ بیانیہ ہے ایک قول میں یہ اضافتِ حقیقیہ ہے اور مراد چاند سورج ہیں یعنی رات کی آیت چاند اور دن کی آیت سورج مرکّب اضافی مفعول بہ ہے مَحَوْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو گیا ۔

واوٗ۔ سرجملہ۔ جَعَلَ۔ ماضی معروف ثبت۔ جَعلٌ سے مشتق ہے۔ متعدی بدو مفعول ہے۔ آیَۃَ النَّہَارِ مرکب اضافی مفعول بہ اوّل۔ مُبْصِرَۃً۔ بابِ افعال کا اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث مصدر ہے اِبْصَارٌ بمعنیٰ دکھانا۔ بَصَرٌ سے بنا ہے اسی سے ہے بصارت بمعنیٰ آنکھوں سے دیکھنا۔ یہ لازم متعدی ہے یعنی دیکھنے کی قابلیت ہونا۔ ہِیَ ضمیر مؤنث غائب اس کا فاعل جس کا مرجع آیَۃٌ ہے۔ جملہ اسمیہ ہوکر معلول ہوا یا مسبّب۔ لِمْ کَےْ ناصبہ تعلیلیہ تَبْتَغُوْا باب افتعال کا مضارع ثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ دراصل تھا تَبْتَغِوُوْنَ۔ نونِ اعرابی نصب سے گر گئی۔ پہلی واو پر ضمہ ثقیل (بوجھل) تھا ضمہ ماقبل کو دیا دونوں واوٗ ساکن جمع ہوئے پہلا گر گیا کیونکہ اصلی مادے کا تھا۔ دوسرا واوٗ نہیں گر سکتا کیونکہ علامتِ جمع ہے۔ بَغْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سخت کوشش سے تلاش کرنا۔ ڈھونڈنا۔ پسند سے حاصل کرنا۔ یا بَغْیٌ سے مشتق ہے تب دراصل تَبْتَغِیُوْنَ ہوگا اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ فَضْلًا۔ اسم مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے زیادتی۔ کسی چیز کا بڑھنا۔ خواہ مرتبے اور درجہ اور شان میں۔ یا وزن اور حجم اور جسم میں۔ مجازی معنیٰ ہیں۔ مہربانی۔ مال۔ طاقت۔ حسن۔ علم۔ حکومت۔ احسان۔ عقل۔ یہاں مراد حلال رزق (مال)۔ مفعول بہ ہے تَبْتَغُوْا کا مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے۔ رب اسم صفاتی مفرد جامد۔ صفت خصوصی ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں کسی مخلوق کو رب نہیں کہہ سکتے۔ بمعنیٰ پروردگار ہے مضاف ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ مرجع ذہنی مراد انسان ہیں۔ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہوا تَبْتَغُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہوکر علت ہوئی۔ یا مسبّب ہوا۔ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ واوٗ عاطفہ عطف ہے مابعد کا ماقبل علت پر۔ لام کَےْ ناصبہ تعلیلیہ۔ تَعْلَمُوْا۔ بابِ سَمِعَ کا مضارع ثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا۔ واقف ہونا۔ مُطّلع ہونا۔ سمجھنا۔ یہاں مراد سمجھنا اور سیکھنا ہے۔ بعض نحات نے فرمایا کہ یہ دونوں تعلیلی فعل یعنی لِتَبْتَغُوْا اور یہ لِتَعْلَمُوْا۔ امر حاضر معروف ہیں۔ اور حکم دیا جارہا ہے ضرور تلاش کرو اور ضرور سیکھو۔ مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے۔ عَدَدَ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ گنتی۔ شمار۔ مضاف ہے۔ الف لام استغراقی سِنِیْنَ۔ جمع مذکر سالم مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اِس کا واحد ہے سَنَۃٌ بمعنیٰ سال (بارہ ۱۲ مہینے) مرکب اضافی معطوف علیہ واوٗ عاطفہ الف لام عہدی یا زائدہ معرفہ کا حساب۔ اسم مصدر ثلاثی ہے بروزنِ فِعَالٌ۔ بمعنیٰ گنتی کو سمجھنا۔ گنتی کرنے کا طریقہ۔ بعض نے لفظِ حساب کو تاکید اور تکرار بنایا کیونکہ اُن کے نزدیک دونوں کا ترجمہ ہے گننا۔ مگر یہ غلط ہے بلکہ عدد کا ترجمہ گننا ہے۔ اور حساب کا معنیٰ گنتی کرنے کا طریقہ یہ عطف مفعول بہ ہوا تَعْلَمُوْا کا۔

جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا لِتَبْتَغُوْا پر دونوں مل کر علت ہوئی جَعَلْنَا کی۔ معلول علت مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہوگیا۔ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا۔ وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ۔ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰهُ مَنْشُوْرًا واؤ سر جملہ کُلَّ اِسم تاکیدی مضاف ہے شَيْءٍ اسم مفرد جامد معرب نکرہ ہے مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے کُلَّ کا مرکب اضافی مفعول بہ مقدم ہے فَصَّلْنَا باب تفعیل کا۔ ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم۔ مخاطب اللہ تعالیٰ۔ فَصْلٌ سے بنا ہے بمعنی جدا کرنا۔ الگ الگ کرکے بیان کرکے چھان کرنا۔ کھول کر بیان کرنا۔ ظاہر کرنا۔ یہاں ہر معنی بن سکتے ہیں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع تاکیدی ہے کُلَّ شَيْءٍ منصوب متصل۔ اس لیے تابع تاکید ہے۔ یہ تاکید اپنے موکد سے مل کر مفعول بہ ہوا تَفْصِيْلًا۔ مصدر ہے باب تفعیل کا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے۔ فَصَّلْنَا کا۔ مفعول مطلق ہمیشہ تاکید کے لیے آتا ہے صرف اپنے فعل کی۔ اسی لیے اپنے ہی فعل کا مصدر ہوتا ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ کُلَّ اسم تاکیدی مضاف ہے اِنْسَانٍ۔ اسم مفرد جامد معرب نکرہ متمکن۔ مراد ہے آدمی۔ اسم جنسی ہے مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی موکد ہے۔ اَلْزَمْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ مصدر ہے اِلْزَامٌ۔ بمعنی۔ چپکانا۔ لگانا۔ لٹکانا۔ واجب کرنا۔ جما دینا۔ لُزُوْمٌ سے بنا ہے۔ بمعنی یقینی ہونا۔ ضروری ہونا۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مستتر فاعل ہے ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب کیونکہ تاکید ہے اپنے مرجع کُلَّ اِنْسَانٍ کا۔ موکد تاکید جڑ کر مفعول بہ ہوا طٰٓئِرٌ اسم فاعل مذکر طَيْرٌ اجوف یائی سے بنا ہے بمعنی اُڑنا ترجمہ ہے اُڑنے والا۔ مجازاً اعمال کو طائر کہا گیا اس لیے کہ بندہ عامل اس کی طرف تیزی سے مثل اُڑنے کے ہی جاتا ہے یا اس لیے کہ اعمال بارگاہِ ربوبیت میں مثل اڑنے کے جاتے ہیں۔ یہاں مراد اعمال نامہ ہے۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع انسان ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ کی تفسیر یا عطف بیان یا بدل اشتمال ہے۔ میرے نزدیک یہ پہلی ترکیب درست ہے فِيْ جارہ ظرف مکانی کے لیے عُنُقِ اسم مفرد جامد بمعنی گردن مضاف ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ مرجع انسان ہے۔ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے اَلْزَمْنَا کا۔ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ نُخْرِجُ۔ باب اِفعال کا مضارع جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ۔ بمعنی مستقبل خبریہ ہے۔ مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنی نکالنا۔ باہر کرنا۔ خُرُوْجٌ سے بنا ہے۔ لام جارہ تعدی کا ہٗ مجرور متعلق ہے نُخْرِجُ کا یَوْمَ اسم مفرد جامد بمعنی دن۔ زمانہ مدت۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ مضاف ہے۔ الف لام عہدی۔ قِيٰمَت۔ مصدر ہے آخر میں تْ مصدریہ ہے۔ قَوْمٌ سے بنا ہے۔ بمعنی کھڑا ہو۔ قائم ہونا منعقد ہونا۔ مراد میدانِ محشر۔ مرکب اضافی ظرف ہے نُخْرِجُ کا۔ كِتٰبًا مصدر ثلاثی ہے بمعنی مَكْتُوْبًا یعنی لکھا ہوا یہاں اسم جامد ہے یعنی اعمال نامہ موصوف ہے يَلْقٰى باب سمع

کا مضارع مثبت معروف بمعنیٰ مستقبل صیغہ واحد مذکر غائب لَقِیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پالینا۔ ھُوَ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع انسان ہے۔ ہٗ ضمیر منصوب مفعول بہ ہے۔ یَلْقٰی کا۔ مَنْشُوْرًا۔ اسم مفعول نَشْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ کھلا ہوا۔ بکھرا ہوا۔ بحالت نصب ہے حال ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی کِتٰبًا کی مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ نُخْرِجُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ وَکَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَآ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَآ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّکُمْ (قرآن مجید) تو واقعی مضبوط اور اقوم چیز کی ہی ہدایت دیتا ہے مگر یہ انسان ہی اتنا جلد باز اور کمزور ارادے کا مالک ہے کہ خود اپنے لیے ہی کبھی کبھی گھبراہٹ یا پریشانی یا ضد بازی میں اُسی جوش و خروش سے بددعائیں مانگنے لگ جاتا ہے جس جوش و فریاد سے اپنے لیے دعائیں اور خیر کی التجائیں مانگتا ہے۔ حالانکہ اے انسانو غور کرو کہ ہم نے دنیوی زندگی کے لمحات کو بھی ایک جیسا کسی کی مرضی پر نہ رہنے دیا بلکہ پوری زندگی کو دو حصّوں میں تقسیم فرما کر رات اور دن بنا دیا۔ یہ دونوں قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جو بتا رہی ہیں کہ اے جلد بازی سے گھبرانے والے زندگی کی دو۲ حالتیں ہیں راحت کی رات مشقت کا دن یا مصیبتوں کا اندھیرا اور سہولتوں کا سویرا۔ تیری جلد بازیوں سے کچھ تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ پس ہم نے رات کی نشانی کو چھپا اور مٹا ہوا کر دیا۔ تاکہ ان حالات کا بھی انسان عادی ہو جائے اور دن کی نشانی کو ظاہر ظہور روشنی اور بصارت والا بنایا تاکہ تم دینی دنیوی ایمانی روحانی جسمانی ہر طرح اپنے رب تعالیٰ کے فضل حاصل کرتے رہو۔ رات کی فضیلتیں رات میں اور دن کی دن میں۔ اگر یہاں اضافت بیانیہ ہو تو مراد ہے کہ رات خود ہی نشانی اور آیت ہے اسی طرح دن بھی خود ہی نشانی ہے اور اگر اضافت لفظی ہو تو معنیٰ ہوں گے رات کی نشانی یعنی چاند اور دن کی نشانی یعنی سورج چاند تو صرف چمک اور ضیاء ہے لیکن سورج نور ہے۔ چاند کبھی ہلال کبھی بدر کبھی محاق یہ قمر کی تین حالتیں ہیں مَحَوْنَا کی تفسیر میں چند قول ہیں۔ یا مراد ہے رات کی سیاہی یا مراد ہے چاند کا گھٹنا بڑھنا یا مراد ہے لوگوں کا آرام کرنا یا مراد ہے چاند کے جسم میں داغ دھبے یا مراد ہے چاند کی چاندنی کا تھوڑا اور ٹھنڈا ہونا۔ ساری کائنات میں ایک ہی چاند ہے ایک ہی دن ہے ایک ہی سورج ہے اور ایک ہی رات ہے۔ لہٰذا ساری زمین پر طلوع بھی ہے غروب بھی فجر صادق بھی ہے فجر کاذب بھی۔ مغرب بھی ہے عشا بھی

شفق بھی ہے اور فجر کا خیطِ ابیض بھی ہے خیطِ اسود بھی بعض جُہلاءِ دیو بند نے کہا ہے کہ برطانیہ میں بعض موسموں میں وقتِ عشا نہیں ہوتا۔ کچھ بیوقوف کہتے ہیں کہ دنیا کے ایک خِطّے میں چھ مہینے کا دن اور چھ مہینے کی رات ہوتی ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ برطانیہ کے کچھ موسم گرما کے مہینوں میں فجر کی خیط ابیض نہیں ہوتی۔ مگر یہ باتیں سب غلط ہیں۔ کہیں بھی چھ مہینے کا دن رات نہیں ہوتا میں نے خوب تحقیق کرلی ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ گرمیوں کے کچھ دنوں میں شفق غائب نہیں ہوتی یا طلوع سحر کی سفید لکیر نہیں ہوتی۔ بستروں میں لیٹے لیٹے یہ کہدینا تو آسان ہے مگر برطانیہ کے اونچے مکانوں اور سمندر کے کناروں اونچی چٹانوں پر راتیں جاگ کر گزارنے اور صاف موسموں میں تحقیق و تفتیش اور محنتوں سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ دنیا کے ہر دن ہر موسم میں خیطِ ابیض بھی خیطِ اسود بھی شفق کا وجود بھی اور ہر چوبیس ۲۴ گھنٹے میں دن بھی ہے اور رات بھی۔ اگر ایسا زمینِ دنیا کے کسی حصہ میں نہ ہوتا تو وہ قرآنِ مجید جو ساری کائناتِ ارضی و سماوی کے لیے ایک ہی واحد آخری رہنما اور اَقوَم ہے وہ ایک ہی خیطِ ابیض کا ذکر نہ فرماتا بلکہ آبادی کے اُن ملکوں اور اُن خِطّوں کا بھی لحاظ رکھتے ہوئے طلوعِ فجر و شروعِ عشا کا کوئی اور بھی قانون و منع فرما دیتا۔ اور صرف اٰيَةَ الَّيْلِ وَاٰيَةَ النَّهَارِ ہی نہ ہوتیں بلکہ کچھ اور بھی بیان فرمایا جاتا۔ مگر چونکہ انسانی فطرت صرف جذباتی اور جلدبازی کی ہے اس لیے محنتِ شاقّہ سے گھبراتی ہے دین دنیا میں سہولت کی متلاشی ہے کسی معاملے میں ذرا سی دیر لگ جائے یا تکلیف آجائے یا مَنْ مرضی کے خلاف کچھ ہو جائے تو پریشانی۔ گھبراہٹ یا جلدبازی میں اپنے لیے یا اپنے گھر والوں بال بچوں کے لیے یا اپنے مخالف کے لیے بددعاؤں میں مشغول ہو جاتا ہے ذرا بھی انتظار کی زحمت گوارہ نہیں کرتا۔ کہنے لگتا ہے یا اللہ ایسی زندگی سے تو مجھ کو موت ہی دیدے یا گھبرا کر خودکشی کرلیتا ہے۔ یا مخالف کی ہلاکت کی بددعائیں کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح اپنے لیے جلدی جلدی اچھی دعائیں مانگتا ہے اور چاہتا ہے کہ یہ دعائیں جلدی پوری ہو جائیں۔ میرا یہ بھی بن جائے وہ بھی بن جائے میں ہی دنیا میں ہر طرح سب سے اونچا ہو جاؤں۔ مگر یہ سب کچھ اس کی جذباتی اور اس کے لیے نقصان دہ حرکتیں ہیں۔ جلدبازی سے کام نہیں چلے گا دنیوی زندگی تو آیۃُ اللّیل اور آیۃُ النّھار کے تسلسل و حساب سے ہی تقدیرِ الٰہی کے ماتحت گزرے گی اُس کیلئے۔ لہٰذا اُسی کے بھروسے پر اُس کے فضل کے متلاشی بنے رہو اور دن رات کی راحت و محنت کرتے ہوئے فضل و نعمت دین و دنیا کماؤ۔ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِيْ عُنُقِهٖ وَنُخْرِجُ لَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ كِتٰبًا يَّلْقٰىهُ مَنْشُوْرًا

اور بنا کر زمین کے گرد گھومتے ہوئے اسی رات دن سورج ستارے اور چاند کے چکر سے پوری عمر کے سال مہینے دن کی گنتی اور اپنے ہر وقت ہر موسم ہر سفر حضر کا حساب سیکھ لو۔ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کے لیے آسمانوں کو حساب اور گنتی کا عظیم ٹائم ٹیبل نقشہ اوقات اور جنتری بنا دیا کہ چاند سورج ستاروں سے علاوہ کروڑوں فائدوں کے انسانی نظامُ الاوقات کا حساب کتاب بھی انہی سے حاصل کیا جاتا ہے محققین فرماتے ہیں کہ کائناتِ زمین کے تمام اوقات منٹ گھنٹے سیکنڈ سورج کی اس رفتار سے بنائے گئے ہیں جو وہ ہر چوبیس گھنٹے میں مکمل کرتا ہے۔ سورج زمین کے آس پاس پوری گردش میں رات و دن بناتا ہے۔ زمین چونکہ خربوزے کی طرح گول ہے اس لیے جب سورج چلتا ہے تو اس کی روشنی آدھے حصے میں پڑتی ہے۔ اور سورج کی رفتار سیکنڈوں کے طریقے سے بڑھتی ہے۔ اس لیے اہلِ حساب نے زمین پر لکیریں اور خطوط قائم کیے انسان کے جسم کے اعتبار سے اوپر نیچے کی لکیروں کو طول کہا گیا اور دائیں بائیں کو عرض کہا گیا۔ اور ہر خطۂ زمین کو بلد کہا گیا۔ آفتاب کے طلوع کو مشرق اور جس جگہ کھڑا ہونے والا انسان جب سورج کو جس وقت غائب پائے وہ سمت اور وقت مغرب ہوا۔ جس راستے پر سورج کی اوپر کی زمین ہیں وہ جنوب اور سورج کے نیچے حصے کی گزرگاہ شمال کہلایا۔ دائیں بائیں اور اوپر نیچے کی لکیروں سے جو خانے بن گئے ان کو درجہ اور ڈگری کا نام دیا گیا۔ پوری زمین پر اس طرح کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ خانے ڈگری (درجے) بنائے گئے۔ ہر ایک خانہ اتنا بڑا بنایا گیا ہے کہ سورج ایک خانے کو اپنی روشنی اور ہٹتے ہوئے اپنے اندھیرے سے دو سو چالیس ۲۴۰ سیکنڈ میں یعنی چار منٹ میں طے کرتا ہے۔ زمین پر یہ خانے سب پہلے حضرت داؤد علیہ السلام نے بنائے اس علم کو ترقی مامون رشید کے زمانے میں دی گئی اسی زمانے میں گھڑی ایجاد ہوئی اور پہلی گھڑی دھوپ میں رسیوں اور کیلوں سے بنائی گئی اس پہلی گھڑی میں صرف آٹھ گھنٹے دھوپ کے بنائے گئے اور چار نمازوں کا وقت مقرر کیا گیا۔ اور بتایا گیا کہ جب سورج پندرہ خانے اگلے دھوپ سے طے کر لے تو گویا ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس علم اور حساب کے اصطلاحی لفظ تقریباً بارہ ہیں۔

۱ بلد ۲ عرضِ بلد ۳ طولِ بلد ۴ مشرق ۵ مغرب ۶ شمال ۷ جنوب ۸ خطِ استوا یعنی صفر درجہ۔ عرضِ بلد کی لائنوں میں بالکل درمیانی لائن خطِ استوا ہے اس کا اوپر کی جانب بنا ہوا خانہ صفر درجہ ہے۔ اور ان خانوں کو پوری زمین پر چار جگہ بنایا گیا ہے اس ہی صفر درجے پوری زمین چار حصوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اور ہر حصے میں نوے خانے ہیں۔ جن کو نوے ڈگری کہا جاتا ہے۔ پہلا زمینی حصہ سورج کی اور سردی کی آمد۔ تیسرا علاقہ بلاد مغرب ہے یعنی سردی کا موسم۔ چوتھا علاقہ قطبِ جنوبی اس

میں برسات وغیرہ اور پھر آخری خزاں۔ پھر گرمی کا شروع یہ چار سڑکیں سورج کی شاہراہیں ہیں۔ ان اطراف سے ہی جب سورج گزرتا ہے تو مشرق مغرب تبدیل ہوتے ہیں۔ سائنسدانوں کے تین نظریات قطعاً غلط ہیں۔

۱ زمین کا پھرنا اور چکر لگانا قطعاً غلط ہے ۲ کسی جگہ چھ ماہ کا دن چھ ماہ کی رات۔ ۳ کسی جگہ مشرق مغرب نہ ہونا قطعاً غلط ہے اور ناممکن ہے۔ میں نے ہر اعتبار سے بہت تحقیق کی ہے دنیا کا کوئی خطہ ایسا نہیں ہے ۹ ڈگری یا خانہ (درجہ) ۱۰ قطبِ شمالی ۱۱ قطبِ جنوبی ۱۲ خطوط اور لائنیں ان ہی تجربوں مشاہدوں اور محنتوں سے۔ اصطلاحوں کی بنیاد پر نظامُ الاوقات۔ جنتری۔ اور قطب نما بلکہ جغرافیے بنائے گئے یہی ہے لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ زمین کے گول ہونے کی وجہ سے آدھی زمین پر رات رہتی ہے اور آدھی زمین پر دن رہتا ہے۔ اور یہ تبدیلی ہر سیکنڈ ہو رہی ہے۔ اسی لیے زمین کے چاروں حصوں پر ہر چھ گھنٹے بعد لوٹ کر وہی پہلا وقت آ جاتا ہے۔ یعنی یا مشرقی ساعتیں یا مغربی حالات۔ سورج کی اسی رفتار اور زمین کی ان ہی ڈگریو خانوں کے حساب سے دنیا کے ہر شہر کا مقامی اور معیاری مرکزی اور علاقائی وقت بنایا جاتا ہے۔ اور یہ سب خالقِ کائنات کی تعلیم ہے چنانچہ ارشاد ہوا کہ اور دنیا جہان آخرت کی ہر چیز ہم نے بالکل ہر طرح تفصیل سے بیان فرمادی ہے۔ انسان کو صرف معمولی غور و فکر کی ضرورت ہے۔ اگر دنیا کے نظام واوقات کے علوم رب تعالیٰ نہ بیان فرماتا تو انسان کو کبھی ان کا شعور تک نہ ہوتا۔ اور یہ سب علوم انبیاء کی طرف نازل ہوئے اُن سے مسلمانوں نے اُن سے غیر مسلموں نے حاصل کیے سائنسدان تو بیچارے بہت بعد کی پیداوار ہیں۔ اگر مجھ کو رب تعالیٰ نے توفیق عطا کی تو انشاء اللہ تعالیٰ علم توقیت اور نظامِ شمسی و قمری و نجوم پر حضرت حکیم الامت والد محترم علیہ الرحمۃ والرضوان کے تمام اقوال و نظریات جمع کرکے ایک ضخیم و مفصل کتاب تصنیف کروں گا اِس پارے کی تفسیر کی تکمیل کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ۔ دنیا کے علوم انسان کی عقل میں مثل خزانہ و دیعت و امانتِ الٰہیہ ہیں۔ تاکہ دنیوی حساب و اعداد معلوم کر سکے لیکن آخرت کے حساب و کتاب اور معلومات کے لیے ہر انسان کی گردن میں غائبانہ طور پر ایک نامۂ اعمال لٹکا دیئے گئے جس میں ازلی ابدی تقدیر کے علاوہ جو کچھ وہ اپنی زندگی میں کر رہا ہے لکھے جا رہے ہیں اولیاء اللہ کو وہ اعمالنامے نظر بھی آجاتے ہیں۔ اس کو طائر اس لیے کہا گیا کہ اہل عرب پرندوں سے اپنی قسمت کی فال نکالتے تھے اور ان کو اڑا کر تقدیر معلوم کرتے تھے یعنی پرندہ مغرب کو اُڑا تو یہ ہوگا مشرق کو اڑا تو یہ ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اس بنا پر ہر فال کو طائر کہہ دیا گیا۔ اسی محاورے کو یہاں استعمال فرمایا گیا کہ تمہاری قسمت اور تقدیر پرندوں

کے اُڑنے میں نہیں ہے بلکہ ہر انسان کے گلے میں ازل سے تیار شدہ تقدیر اور قسمت کی تحریر ڈال دی گئی ہے اگر تم چاند سورج اور دن رات سے دنیوی حساب و اعداد جمع و تحریر کر لیتے ہو تو اخروی حساب و اعداد بھی تیار ہو رہا ہے اس کی بھی فکر کرو اور زندگی کے رات دن میں اس اعمالنامے کو سنہرا نورانی چمکدار بنالو کیونکہ اس کو ہم قیامت کے دن ظاہر نکال کر سامنے کر دیں گے ۔ یہی وہ نامۂ اعمال ہے جس کو قیامت کے دن ہر انسان و جنات اپنے سامنے کھلا ہوا پائے گا ۔ اے میرے رب ہم مسلمانوں پر وہ وقت تو ہی آسان فرمانے والا ہے ۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ صحیح مسلمان وہی ہے جو خوشی غمی تنگی ترشی ہر حال میں اپنے آپ کو شریعت کے قابو میں رکھے ۔ غصے میں آکر اپنے آپ کو یا کسی مسلمان کو بد دعائیں دینا ٹھیک نہیں نہ ہی مایوس ہونا جائز ہے ۔ مایوسی ہی انسانوں کو بد دعاؤں اور خود کشیوں پر آمادہ کرتی ہے یہ فائدہ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ **دوسرا فائدہ** ۔ تمام کائنات میں مؤثرِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے ۔ یہ موسم وغیرہ اُس کی صفاتِ قدرت کا پرتَو اور مظہر ہیں ۔ یہ فائدہ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّھَارَ کے جمع متکلم سے حاصل ہوا ۔ یعنی رات ۔ دن ۔ گرمی ۔ سردی ۔ بہار ۔ خزاں ۔ اور ان کا آنا جانا گھٹنا بڑھنا زندگی پہ اثر نہیں کرتا بلکہ یہ تو صرف اثر انداز ہیں مؤثرِ حقیقی تو کوئی اور ہی ہے ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ ملائکہ اور اولیاء اللہ انسان کے نامۂ اعمال اور تقدیر و تقسیم اور ازلی قسمت کو جانتے ہیں ۔ یہ فائدہ طَآئِرَہٗ فِیْ عُنُقِہٖ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔ اس لیے کہ گردن والی چیز اسی لیے گردن میں ڈالی جاتی ہے تاکہ کوئی دیکھے ورنہ ڈالنا بیکار ۔ آنکھ والا تو دیکھ لیتا ہے خود اپنی گردن والا اور اندھا نہیں دیکھ سکتا اولیاء اللہ آنکھ والے ہیں ۔ اور ملائکہ تو خود لکھنے والے ہیں اس لیے وہ بھی جانتے ہیں ۔ جب اولیاء اللہ اور فرشتوں کے علم کی یہ شان ہے تو پھر انبیاءِ کرام علیہم السلام کی کیا شان ہوگی ۔

احکامُ القرآن

ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ کسی بھی انسان کے لیے بد دعا کرنی گناہ ہے ۔ ہاں مظلوم کے لیے جائز ہے کہ ظالم کو بد دعا دے ۔ یہ مسئلہ دُعَآءَہٗ بِالْخَیْرِ کی تشبیہ سے مستنبط ہوا یعنی جس طرح خوشی کی حالت میں انسان اپنی مرضی اور اپنے خیالات سے دعائیں کرتا ہے اور دعائیں دیتا ہے اسی طرح اپنی مرضی سے غم کی حالت اور جلد بازی میں بغیر کسی وجہ کے بد دعائیں نہ کرے عام معمولی غم پر

بھی ایسا نہ کرے بلکہ صبر ہی بہتر ہے۔ بہت سختی کی حالت میں اگر بددعا نکل گئی بلا اختیار تو جائز ہے گناہ نہیں۔ **دوسرا مسئلہ۔** مسلمانوں کو کاروبار۔ تجارت کرنا فرض ہیں۔ بیکار بیٹھ رہنا حرام ہے یہ مسئلہ۔ لِتَبۡتَغُوۡا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ۔** نماز پنجگانہ اور تہجد کے نفل پڑھنا مسلمان پر ضروری ہیں کیونکہ جس طرح جسمانی غذائیں حاصل کرنا مسلمان پر لازم ہیں اسی طرح روح کی پرورش بھی فرض ولازم ہے۔ اور نمازیں روحانی غذائیں ہیں اسی لیے پروردگارِ عالم نے فرمایا۔ لِتَبۡتَغُوۡا فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّکُمۡ۔ فضل عام ہے جسمانی اور روحانی غذا کو اسی لیے رات دن میں فضل کی تلاش کا حکم ہے۔ **چوتھا مسئلہ۔** فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ شرعی اعتبار سے رات کے تین حصے ہیں۔ ۱ شام یعنی غروبِ آفتاب سے غروبِ شفق تک۔ ۲ عشا۔ یعنی غروب شفق سے صبح کاذب تک ۳ فجر کاذب۔ یعنی طلوعِ فجر صادق تک۔ اور شرعی دن نو۹ حصے ہیں۔

۱ فجر صادق یعنی سحر ۲ صبح یعنی طلوع آفتاب ۳ وقتِ اشراق۔ جب آفتاب آٹھ ڈگری (درجوں) تک بلند ہو جائے۔ گھڑی سے تقریبًا آدھا گھنٹہ طلوعِ آفتاب کے بعد۔ ۴ چاشت جب سورج ۳۰ درجے (عرض بلد کے خانے) اوپر آجائے ۵ دوپہر (ضحیٰ) سورج کے ۴۵ درجے بلند ہونے کے بعد۔ گھڑی کے تقریبًا تین گھنٹے بعد ۶ دوپہر۔ ضحوۂ کبریٰ۔ فجر صادق سے غروب آفتاب تک کا آدھا۔ ۷ نصف النہار۔ طلوعِ آفتاب سے غروبِ آفتاب تک کا آدھا ۸ ظہر یعنی عصر ۹ مغرب کا وقت۔ تمام زمین پر ہر علاقے میں دن رات کے یہ ہی حصے ہر چوبیس۲۴ گھنٹے میں یقینًا ہوتے ہیں۔ لہٰذا ہر جگہ شفق بھی روزانہ ہوگی اور شفق غائب بھی روزانہ ہوگی مغرب کا وقت بھی روزانہ ہوگا اور عشا کا وقت بھی اسی طرح روزانہ فجر صادق کا خیطِ ابیض ظاہر ہوگا۔ بعض جُہلاءِ دیوبند نے برطانیہ میں مشہور کر رکھا ہے کہ موسم گرما کے تین مہینے مئی جون جولائی میں نہ شفق غائب ہوتی ہے نہ فجر صادق کا دھاگہ سفید ظاہر ہوتا ہے۔ حالانکہ میں نے یہاں ہر مہینہ میں تجربہ کیا ہے۔ ہر دن پورے سال شفق بھی غائب ہوتی ہے اور خیط ابیض بھی نمودار ہوتا ہے۔ دیوبندی حضرات نے بغیر تحقیق و تفتیش یہ مشہور کر دیا ہے کہ ان مہینوں میں عشاء کا وقت شروع ہی نہیں ہوتا لہٰذا مغرب کے ساتھ ہی عشاء پڑھ کر سو جاؤ۔ یہ نری جلدبازی اور جہالت ہے۔ ہماری تحقیق میں یہاں برطانیہ میں شفق کو سرخی کا نام دیا جائے۔ اس لیے کہ امام محمد امام یوسف اور امام شافعی امام مالک کے نزدیک شفق اُس سرخی کا نام ہے جو غروب آفتاب کے بعد آسمان کے مغربی کنارے پر کچھ دیر رہتی ہے پھر سفیدی اور پھر سیاہی پھیلتی ہے۔ ان ائمہ کی دلیل وہ حدیث پاک ہے جو مؤطا امام مالک میں درج

ہے۔ اور مبسوط کبیر میں امام محمد نے اور ہدایہ جلد اوّل میں بھی مذکور ہے۔ عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلشَّفَقُ الْحُمْرَۃُ۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے فرمایا کہ شفق سرخی ہے۔ کتاب الدرایہ نے فرمایا کہ یہ حدیث دارِ قطنی نے اپنی سنن میں تحریر فرمائی۔ اور اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔ بیہقی نے اس کو صحیح کہا ہے۔ ابن عساکر مشہور راوی نے روایت کیا ہے امام اعظم کے نزدیک شفق سفیدی کا نام ہے۔ ان کے دلائل میں **لغت** کے علاوہ احادیث بھی موجود ہیں۔ میں نے برطانیہ میں نہایت دیانتداری اور محنت سے راتیں جاگ کر اندازہ لگایا ہے اور مشاہدہ کیا ہے کہ برطانیہ کی چھوٹی راتوں میں سرخی رات کے ساڑھے گیارہ یا گیارہ بجکر پر غائب ہو جاتی ہے اور رات کے ڈیڑھ بجے کناروں کی سفیدی ختم ہو جاتی ہے۔ اگرچہ سارے آسمان پر غیر معمولی سفیدی پھیلی رہتی ہے۔ اور تقریبًا دو بجکر پر فجر صادق کی سفید لکیر عجب شان سے اس پھیلی ہوئی سفیدی میں ہی نظر آ جاتی ہے۔ لہٰذا ان علاقوں میں صاحبین کے مذہب پر عمل کرتے ہوئے ہم رات گیارہ بیس اور تیئس پر عشا پڑھتے رہے ہیں اسی طرح فجر صادق کے ظہور سے چند منٹ پہلے روزہ بند کرتے رہے ہیں جب کہ ہم پاکستان اور ہندوستان میں امام اعظم کے مسلک پر سفیدی کے غائب ہونے پر عشا شروع کرتے رہیں۔ بہر حال یہ کہنا حماقت ہے کہ کسی موسم میں عشا شروع نہیں ہوتی یا فجر صادق کا دھاگہ نہیں ہوتا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ کافر اپنے لیے یا دوسروں کے لیے بد دعائیں مانگتے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ کسی کو بد دعا دینی کفریہ کام اور گناہ ہے۔ تو پھر انبیاءِ کرام مثلًا نوح علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی اپنی قوم کو ہلاکت کی بد دعا کیوں دی۔

جواب۔ حضرت نوح علیہ السلام کا رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ۔ کہنا بد دعا نہیں تھی بلکہ بارگاہِ الٰہی میں شکایت اور مجرم کو سزا کا مطالبہ تھا جس طرح کوئی بھی مظلوم یا مجبور حاکم عدالت میں مقدمہ کر کے درخواست کرتا ہے کہ فلاں مجرم کو سزا دی جائے۔ یہی نوعیت شکایتِ موسوی کی ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا کسی کو فرمانا کہ تو ایسا ہو گا تو یہ بھی بد دعا نہیں بلکہ پیشگوئی ہے۔ ایک موقعے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو بے اختیاری میں بد دعا دی تھی تو فورًا اس سے رجوع فرما لیا تھا۔ حضرت زینب نے کوفے کے میدان میں یزیدی شیعوں کو کہا تھا کہ تم قیامت تک اسی طرح روتے پیٹتے رہو گے جس کا ظہور آج تک ہو رہا ہے تو یہ بھی بد دعا نہ تھی بلکہ غیبی پیشین گوئی تھی۔ نیز اس آیتِ کریمہ میں

شانِ نزول کے اعتبار سے اپنے آپ کو بد دعا دینا ہے نہ کہ دوسروں کو اور پھر بد دعا کرنا یا بد دعا دینا زیادہ سے زیادہ گناہ ہو سکتا مگر کفر کسی صورت نہیں ہے۔ اگرچہ کفار کا فعل ضرور ہے۔ مگر بعض مسلمان بھی پریشانی میں ایسا کرتے رہتے ہیں خاص کر عورتیں۔ تو ان سب کو یہاں منع کیا گیا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں رات اور دن کو اٰیَتَیْنِ فرمایا گیا لیکن حضرت عیسٰی اور مریم کو ایک آیۃً فرمایا گیا حالانکہ رات اور دن بھی دو چیزیں ہیں اور حضرت عیسٰی اور مریم بھی دو چیزیں ہیں بلکہ حضرت عیسٰی تو اکیلے ہی بہت سی آیتیں ہیں۔ مردے زندہ کئے۔ بچپن میں لوگوں سے گفتگو فرمائی اندھوں کوڑھیوں کو اچھا کیا مٹی سے پرندہ بنایا زندہ کر کے اڑایا۔ اور ایک آیت حضرت مریم ہیں کہ بغیر خاوند حاملہ ہو کر بچہ جنا۔ وغیرہ وغیرہ۔

جواب۔ امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ۔ مردے زندہ کرنا۔ پرندے بنا کر اڑانا۔ یہ حضرت عیسٰی کے معجزات ہیں یہ آیت نہیں وہاں ذکر ہے خود حضرت عیسٰی کے آیت ہونے کا۔ اور خود حضرتِ مریم کے آیت ہونے کا۔ اور وہ ایک ہی چیز ہے یعنی بغیر باپ کے ولادت اور بغیر خاوند کے ولادت اس لیے دونوں حضرات ایک آیت ہی ہوئے بخلاف چاند سورج اور دن رات کے کہ یہ دونوں ہر لحاظ سے دو مختلف ہیں صفت نوعیت جنسیت اور کارکردگی میں علیحدہ علیحدہ ہیں اس لیے یہاں اٰیَتَیْنِ فرمایا گیا۔ جواب دوم یہ ہے کہ وہاں بھی دو آیتوں کا ذکر ہے مگر اختصار کے لیے کچھ عبارت پوشیدہ ہے دراصل ہے وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً وَّابْنَهَا اٰيَةً۔ اس صورت میں اعتراض نہیں پڑتا۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا مُبْصِرَةً۔ یعنی دیکھنے والا۔ تو چاند سورج مبصرۃً کیسے ہوا جب کہ وہ نہیں دیکھ سکتا دیکھنا تو انسان کا عمل و فعل ہے۔

جواب۔ یہاں مُبْصِرَةً کا معنی دیکھنے والا نہیں ہے بلکہ معنیٰ واضح اور روشن و ظاہر ہونے والا ہے جیسا کہ ایک جگہ ارشاد باری ہے نَاقَةً مُبْصِرَةً۔ یعنی قوم ثمود کو ہم نے بیّنۃ اور کھلی واضح نشانی اونٹنی دی۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ۔ حساب میں تو سب عدد وغیرہ شامل ہو گئے تھے پھر عدد کو علیحدہ کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب۔ ہر علم کا کوئی نہ کوئی موضوع ہوتا ہے۔ جیسے طب کا موضوع بدن انسان نحو کا موضوع کلمہ کلام۔ منطق کا موضوع تصوری تصدیقی معلومات۔ علم حساب کا موضوع ہے عدد۔ اور ہمیشہ موضوع

اپنے علم سے جدا ہوتا ہے جز نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہاں عدد کو بطور موضوع بیان کیا گیا اور حساب کو بطور علم۔ صرف حساب کے ذکر کر دینے سے عدد اس میں شامل نہیں ہوتا۔

پانچواں اعتراض۔ تو پھر عدد کو پہلے کیوں ذکر کیا گیا اور حساب کو بعد میں کیوں۔

جواب۔ اس لیے کہ عدد گنتی کو کہتے ہیں اور گنتی ہمیشہ تھوڑوں سے زیادہ کی طرف جاتی ہے۔ تو عدد سے مراد دن ہفتے اور مہینے ہیں اور حساب سے مراد سال اور مدتیں ہیں اور چونکہ دن مہینے پہلے ہیں سال اور مدتیں بعد میں ان ہی سے بنتی ہیں اس لیے عدد کا پہلے ہونا عین درست ہوا۔

چھٹا اعتراض۔ آپ نے کہا دنیا میں کسی جگہ بھی چھ مہینہ کا دن اور رات نہیں ہوتی حالانکہ علامہ شامی نے فرمایا ہے کہ بلغاریہ میں چھ مہینہ کا دن چھ ماہ کی رات ہوتی ہے۔ اسی طرح بہارِ شریعت میں ہے کہ برطانیہ کے بعض علاقوں میں چند ماہ کی چھوٹی راتوں میں وقت عشاء آتا ہی نہیں۔ تو ہم آپ کی بات تسلیم کریں یا علامہ شامی اور صاحب بہارِ شریعت کی۔

جواب۔ اُن بزرگوں کے پاس آپ جیسے لوگوں نے سُنی سُنائی باتوں کا سوال بھیجدیا اور انہوں نے یقین کر کے شرعی مسئلہ بیان فرما دیا۔ تحقیقِ حال نہ انہوں نے کی اور نہ ان کے پاس وسائل تھے نہ ہی اُس زمانے میں وطن سے دور جانے اور آباد ہونے کا اتنا رواج تھا کہ مُلک مُلک اور دنیا بھر کے علاقوں کا پتہ لگتا۔ آج دنیا کے ہر خطّے میں تقریباً ہر جگہ مسلمان آباد ہیں اور ہر شخص کو ٹیلیفون کی سہولت حاصل ہے گھر بیٹھے پوری دنیا کا پتہ لگایا جا سکتا ہے تقریباً دنیا کے ہر ملک میں میرے دوست آباد ہیں میں نے تمام سے رابطہ کیا اور برطانیہ خود آ کر آباد ہوا یہاں کے دن رات صبح شام اوقات و دن سردی گرمی خود دیکھنے کا موقعہ ملا۔ شفق اور فجر صادق کے لیے خود تفتیش کی دنیا کے علاقوں میں بسنے والے احباب سے رابطہ کر کے سویڈن بلغاریہ وغیرہ کی معلومات حاصل کیں مگر کسی نے بھی چشم دید گواہی یا تصدیق نہ کی بلکہ بعض علاقوں کے متعلق یہ ضرور بتایا گیا ہے کہ وہاں چھ چھ ماہ کالے بادلوں کے اندھیرے چھائے رہتے ہیں۔ مگر سورج ضرور طلوع و غروب ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ کم از کم ایک گھنٹے ہی نکلے روزانہ۔ اس لیے سنی سنائی بات کے مقابل تجربے اور مشاہدے کو ترجیح ہونی چاہیے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

تفسیر صوفیانہ وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَیْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا۔ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ فَمَحَوْنَاۤ اٰیَةَ الَّیْلِ وَجَعَلْنَاۤ اٰیَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً لِّتَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِیْنَ وَالْحِسَابَ ۔ اور نفس امارہ کا پیروی کرنے والا امر دِ حریص

قلب و عقل کی راہ سے اُکتا کر اُسی طرح راہِ معرفت سے دوری کی خواہش و چاہت کرتا ہے جس طرح اپنے غلط و بیہودہ راستوں کی تمنا کرتا ہے اور نفس پرست آدمی ازل کا پھٹکارا ہوا جلد بازی کرنے والا ہے حالانکہ ہم نے ظلمتِ بدن کی رات اور نورِ روح کے دن کو مسافرانِ راہِ قُرب کے لیے دو آیتیں اور قدرت کی نشانیاں بنایا ہے تاکہ بندہ اُن کے ذریعہ ان کی معرفت سے معرفتِ ذات حاصل کرلے اور اپنے اندر صفاتِ حمیدہ پیدا کرے۔ اور ہم نے ہی ظلمتِ جسمانی کی رات کو انوارِ قدس سے محو کر دیا اور فساد و فنا میں پہنچایا۔ اور ہم نے ہی انوارِ روح کو ضیاءِ قرآنی افکارِ حدیثی سے اَبدِ باقیہ کا بلیغہ بنا دیا۔ جو اپنے کمالاتِ عبودیت سے منیر ہے تاکہ اے قلب و جگر والے بندو تم اپنے رب کریم کے فضل و حقائق کو رات کی خلوتوں دن کی جلوتوں میں تلاش کرتے پھرو۔ اور اس راہِ سلوک کی منزلِ قرب کے مرتبوں کی گنتی اور مقاماتِ جمال و جلال کی گنتی جان سکو اور اعمال و اخلاق اور احوال کا محاسبہ کر سکو اور حسناتِ ابدیہ کی تعداد سے سیئاتِ رذیلہ و خبیثہ کو مٹا سکو۔ وَكُلَّ شَيْءٍ فَصَّلْنَاهُ تَفْصِيلًا وَكُلَّ إِنسَانٍ أَلْزَمْنَاهُ طَائِرَهُ فِي عُنُقِهِ وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنشُورًا اور قلبِ انسانی میں ہم نے علوم و حکمت انعام و اکرام کی پوری تفصیل ظاہر فرمادی یہ جسمِ فطری قرآن و حدیث کی آماجگاہِ مفصلہ ہے۔ اور ہم نے گردنِ قالب میں سعادت و شقاوت۔ اَسبابِ خیر و شر کے اَعمال نامے جو ذاتِ حوادث سے لازم و ثابت ہیں ہمہ وقت ساتھ لٹکا دیئے ہیں۔ اور نفس و عقل کے لیے قیامتِ صغریٰ کے حجاب و مشاہدہ کے محشر میں قبرِ جسمانی سے ہم ہی ان کو ظاہر کر دیں گے ایسی کتابِ باطن جس میں سعادت و شقاوت کے پیچیدہ و پوشیدہ راز ظاہر ہوں گے (محی الدین ابن عربی) صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ کافر انسان ایک زہریلے کیڑے کی طرح ہے جس میں بد دعاؤں بداَخلاقیوں مایوسیوں کے زہریلے ڈنگ اور کانٹے دار پیر ہیں۔ حسد کینہ۔ ریاکاری۔ حرص۔ مکر۔ فریب۔ عداوت۔ جاہ و حشم کی طلب۔ دنیا کی دوستی۔ جلدبازی یہ اس کے زہر ہیں۔ کافر کا جسم صحبتِ دنیوی کا پورا نمونہ ہے۔ اسی لیئے ہر آدمی دنیا سے جنت یا دوزخ لیکر مرتا ہے۔ مومن کا سینہ جنت ہے۔ فاسق کا سینہ اعراف ہے اور کافر کا سینہ جہنم ہے۔ دنیا کی محبت کافر کا خزانہ ہے اور اللہ رسول کی محبت مومن کا خزانہ ہے دنیوی زندگی جلدبازی اور بد دعاؤں کے لیے نہ بنائی گئی بلکہ یہ دن رات کے چوبیس گھنٹے علومِ الٰہیہ حاصل کرنے کے لیے بنائے گئے ہیں کامیاب زندگی اُس شخص کی ہے جو اپنی تمام زندگی میں تین کام کرے ۱؎ تمام نمازیں جمعہ اور نوافل پڑھے ۲؎ کسبِ حرام سے بچے اور کسبِ حلال سے روزی حاصل کرے ۳؎ دن رات کے کسی حصہ میں علم ضرور حاصل کرے۔ خوش قسمت انسان وہ ہے جس کو گوشۂ تنہائی نصیب ہو۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم۔

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ

پڑھ لے نامۂ اعمال اپنا کافی ہے تو خود ذات اپنی آج - پر اپنے

فرمایا جائے گا کہ اپنا نامہ پڑھ آج تو خود ہی اپنا

حَسِيْبًا ۝۱۴ؕ مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ

حساب لینے والا جس نے ہدایت کو قبول کیا تو فقط ہدایت چاہتا ہے

حساب کرنے کو بہت ہے - جو راہ پر آیا وہ اپنے ہی بھلے کو

لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا ؕ

لیے اپنی ذات کے اور جو گمراہ ہوا تو فقط گمراہی پڑتی ہے اُسی پر

راہ پر آیا اور جو بہکا تو اپنے ہی برے کو بہکا اور کوئی بوجھ

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ؕ وَمَا كُنَّا

اور نہیں بوجھ اُٹھائے گا کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ - اور نہیں تھے ہم

اُٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اُٹھائے گی اور ہم

مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۝۱۵ وَاِذَآ

عذاب دینے والے یہاں تک کہ بھیجتے رہے ہم رسول کو - اور جب

عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیج لیں اور جب

اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا

ارادہ کیا ہم نے اس کا کہ ہلاک کریں ہم کسی بستی کو ایمان کا حکم دیتے ہیں ہم اُس کے سرداروں کو

ہم کسی بستی کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں اُس کے خوشحالوں پر احکام بھیجتے ہیں

فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا

تو وہ نافرمانی کرتے ہیں پس ثابت ہو جاتا ہے اُس پر فیصلہ پھر ہلاک کیا ہم نے

پھر وہ اس میں بے حکمی کرتے ہیں تو اس پر بات پوری ہو جاتی ہے تو ہم اُسے تباہ کر کے

تَدْمِيْرًا ﴿۱۶﴾

تباہ کر کے اُن کو

برباد کر دیتے ہیں

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** - پچھلی آیات میں ہر انسان کے گلے میں اُس کے نامۂ اعمال کی کتاب لٹکانے کا ذکر ہوا تھا اِس آیت میں اُس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ انسان خود پڑھ لے اور حساب اپنا کرے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیتوں میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالٰی نے رات و دن کو پیدا فرمایا جس سے زمانے کی مختلف حالتوں کا پتہ لگتا تھا اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے انسان کی بھی دو حالتیں ہیں ایک گمراہی یعنی رات اور ایک ہدایت یعنی دن یہ ایک شاندار سبق آموز تمثیل ہے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں میدانِ قیامت کی حالت بیان ہوئی تھی کہ ہم نے ہر انسان کے پاس اُس کا نامۂ اعمال بھیجا کہ اُس کو سمجھ لے۔ اب اِن آیات میں عالمِ دنیا کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ ہم نے ہر انسان کے پاس اپنے انبیاءِ کرام بھیجے تاکہ اُن کی بات سمجھ کر اپنے نامۂ اعمال درست کرے۔

شانِ نزول حافظ الحدیث ابن عبدالبر نے حضرتِ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا کہ ایک دفعہ حضرتِ خدیجہ نے بارگاہِ نبوت میں عرض کیا یا رسول اللہ مشرکین کے نابالغ بچوں کا آخرت میں کدھر ٹھکانہ ہوگا جنت یا دوزخ آپ نے پھر یہی سوال کیا تو نبیُّ الانبیاء نے فرمایا اللہ بہتر جانتا ہے۔ تب یہ گیارہ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۱۵ تا آیت ۲۵ جس میں اولاد کا ماں باپ سے دنیا و آخرت کا تعلق بتایا گیا۔ کہ دنیا میں اولاد یہ سلوک کرے کہ ہر طرح ماں باپ کا بوجھ اُٹھائے مگر آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ اُٹھائے گا ایک قول یہ ہے کہ ولید بن مغیرہ کافر سردارِ مکہ نے کہا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خوب نافرمانی اور گستاخی کرو اس کا گناہ مجھ پر آنے دو تب یہ آیت نازل ہوئیں اور فرمایا گیا کہ قیامت میں

کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا یہ سب دنیا میں کہنے کی باتیں ہیں لہٰذا کوئی شخص کسی کے کہنے سے کوئی گناہ یا کفر نہ کرے نہ مطمئن ہو۔ عذاب اس کو بھی لازمی ہو جائے گا جو گناہ کرے گا۔

تفسیر نحوی

اِقْرَاْ كِتَابَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا. مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِىْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا. وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى. اِقْرَاْ۔ باب ضرب امر حاضر معروف واحد حاضر۔ قَرْءٌ بنا ہے بمعنیٰ زبان سے پڑھنا۔ کتاب اسم مصدر ثلاثی۔ بمعنیٰ مکتوب مراد ہے نامۂ اعمال۔ مضاف ہے کَ۔ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مرکب اضافی مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر۔ کَفٰی۔ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر اس میں مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کتاب ہے کَفْیٌ سے بنا ہے ناقص یائی ہے۔ بِ جارہ بمعنیٰ لام جارہ نَفْس اسم تاکیدی جامد بمعنیٰ دن۔ لیکن معرف باللام ہو کر خصوصی ہو گیا بمعنیٰ آج دن۔ بحالت فتحہ ہے ظرف ہے کَفٰی کا۔ علیٰ جارہ استعلائیہ کَ ضمیر مجرور متصل متعلق دوم ہے کَفٰی کا حَسِيْبًا۔ صفت مشبہ۔ حَسْبٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ غور و فکر والا گمان کرنا۔ اصطلاحی معنیٰ ہے کافی ہونا۔ مجازی معنیٰ ہے گروہ میں شامل ہونا صفت مشبہ چونکہ مبالغہ کے لیے ہوتی ہے اس لیے حسیب کا ترجمہ علیحدہ علیحدہ کر کے ہر چیز کو دیکھنا اندازہ لگانا۔ اور خوب زیادہ جانچ پڑتال کرنی اسم فاعل کے معنیٰ میں ہوتی ہے اور اسم مفعول کے معنیٰ میں بھی یہاں دونوں معنیٰ بن سکتے ہیں تمیز ہے کَفٰی کے فاعل کی یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ مَنْ اسم موصول بحالت رفع مبتدا ہے یا شرطیہ ہے اِهْتَدٰى۔ باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف دراصل تھا اِهْتَدَيَ۔ یٰ کا فتحہ ثقیل تھا لہٰذا یٰ کو الف سے بدل دیا۔ مصدر ہے اِهْتِدَاءٌ۔ هَدْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ توفیق ملنا۔ ہدایت پانا۔ اسلام قبول کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع مَنْ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی یا مبتدا ہے فَ جزائیہ یا زائدہ۔ اِنَّمَا۔ حرف کافہ اور حرف تحقیق۔ دونوں متصل ہو کر لفظ حصر ہوا۔ يَهْتَدِىْ۔ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر مستتر فاعل ہے مرجع مَنْ ہے هَدْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ حال ہے۔ لام جارہ نفع کا نَفْسٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ذات ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل ضمیر نفسی ہے ترجبہ ہے اپنے مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے يَهْتَدِىْ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر۔ جزا ہوئی بعض کے نزدیک خبر ہوئی۔ سب مل کر جملہ شرطیہ یا جملہ اسمیہ خبریہ ہوا واؤ عاطفہ۔ یا ابتدائیہ مَنْ موصولہ۔ ضَلَّ۔ باب نَصَرَ یا ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ۔ گمراہ ہونا۔ بے توفیق ہونا۔ سرکش ہونا۔ اس کے اور بھی بہت معنیٰ ہیں مگر یہاں ان ہی معنیٰ میں مناسب ہے۔ هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا یہی موصول صلہ ہوا

موصول صلہ مل کر شرط ہوئی۔ ف جزائیہ۔ اِنَّمَا لفظِ حصر۔ یَضِلُّ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف واحد مذکر غائب زمانہِ حال ھُوَ ضمیر فاعل عَلٰی جارّہ برائے فوقیت ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل مرجع نَفْس ہے۔ جار مجرور متعلق ہے۔ یَضِلُّ کا جملہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ واؤ سرِ جملہ۔ لَا تَزِرُ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی۔ صیغہ واحد مؤنث غائب۔ ھِیَ ضمیر مؤنث مستتر مرجع ہے نَفْسٌ۔ اگرچہ یہ لفظاً مذکر ہے مگر معنیً مؤنث آیا۔ نفس سے مراد ذات اور شخصیت ہے اِس کی تانیث کا اعتبار کیا گیا۔ وَازِرَۃٌ اسم فاعل مؤنث فاعل ہے لَا تَزِرُ کا۔ یہ دونوں فعل فاعل وِزْرٌ مثال واوی سے بنے ہیں۔ بمعنٰی بوجھ یا ذمہ داری۔ یہاں مراد بوجھ ہے اِسی سے ہے وزیر بمعنٰی ذمہ داری لینے والا۔ وِزْرَ۔ اسم مصدر مادہ۔ بمعنٰی بوجھ اُٹھانا یہاں اسم جامد ہے بمعنٰی بوجھ۔ مضاف ہے۔ اُخْرٰی اسم تفضیل مؤنث ہے اٰخَرُ سے بنا ہے۔ یہاں معنٰی ہے دوسرا ہونا بحالتِ کسرہ ہے۔ مضاف الیہ ہے۔ مرکّب اضافی مفعول بہٖ ہے لَا تَزِرُ کا۔ جملہ ہوگیا۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔

واؤ ابتدائیہ مَا كُنَّا فعل ماضی مطلق بمعنٰی ماضی بعید۔ جمع متکلم۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مستتر اس کا اسم۔ مُعَذِّبِيْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب تفعیل سے ہے مصدر ہے تَعْذِيْبٌ عَذْبٌ سے بنا ہے بمعنٰی تکلیف دینا۔ کڑوا ہونا۔ کڑوا کرنا۔ میٹھا ہونا۔ یہاں مراد سزاءِ اُخروی یعنی عذاب دینا ہے۔ معطوف علیہ ہے یہ جمع یا تو مَا كُنَّا کی مناسبت کی وجہ سے ہے یا۔ یہاں مِنْ تبعیضیہ پوشیدہ ہے۔ حَتّٰى حرفِ عطف بمعنٰی اِلٰٓى اَنْ (یہاں تک) نَبْعَثَ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف زمانہِ حال ہے۔ بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنٰی بھیجنا۔ جمع متکلم ہے مخاطب اللہ تعالیٰ ضمیر متکلم مستتر اس کا فاعل ہے۔ رَسُوْلًا۔ اسم مبالغہ بروزنِ فَعُوْلٌ۔ رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنٰی بھیجنا پیغام کے ساتھ اصطلاحِ شریعت میں رسول وہ انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنے ذیوی قوموں کی درستی کے لیے اپنے اُمل قانون کے ساتھ بھیجے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہٖ ہے نَبْعَثَ کا۔ یہ مضارع منصوب ہے حَتّٰی میں پوشیدہ اَنْ ناصبہ کی وجہ سے۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا معطوف علیہ معطوف مل کر خبر ہے مَا كُنَّا کی۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوا۔ واؤ سرِ جملہ اِذَا حرفِ شرط۔ اَرَدْنَا۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم مصدر ہے اِرَادَۃٌ اور اِرْیَادٌ ہے۔ رَیْدٌ مادہ ہے بمعنٰی چاہنا۔ پسند کرنا۔ یہاں پہلے معنٰی میں ہے۔ فاعل ضمیر پوشیدہ ہے۔ اَنْ ناصبہ۔ نُهْلِكَ۔ باب اِفعال کا۔ مضارع مثبت معروف جمع متکلم۔ مصدر اِهْلَاكٌ ہے هَلْكٌ سے بنا ہے بمعنٰی مار ڈالنا۔ فنا کرنا۔ قَرْيَةٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی بستی۔ شہر۔ گاؤں۔ مفعول بہٖ ہے نُهْلِكَ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے اَرَدْنَا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی اَمَرْنَا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم ایک قرأت میں اَمَّرْنَا ہے باب تفعیل کا ماضی مطلق معروف اس کا معنٰی ہے ہم نے امیر بنا دیا حاکم اور بادشاہ بنا کر مسلط کر دیا بستی کے

دولت مندوں کو تو انہوں نے ظلم و کفر و شرک سے بستی میں گناہ پھیلا دیئے غریبوں کو لوٹا اور مارا۔ مُتْرَفِیْ۔ اسم جمع مذکر سالم۔ دراصل تھا مترفین نونِ جمع تذکیری اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ بابِ اِفعال کا اسم مفعول ہے مصدر ہے اِتْرَافٌ۔ تَرَفٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ امیر ہونا۔ خوشحال ہونا۔ عیش پرست ہونا یہاں ہر معنی درست ہے مراد ہے امیر لوگ۔ ھَا ضمیر۔ واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ہے مرجع قَرْیَۃٌ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَمَرْنَا کا جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ فَفَسَقُوْا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ فِسْقٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ گناہگار ہونا نافرمان ہونا فسق کا لغوی ترجمہ ہے نکلنا۔ گناہ کو فسق اس لیے ہی کہتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت سے نکل جاتا ہے۔ ایذا اور تکلیف دینے کو بھی فسق کہا جاتا ہے۔ حدیث پاک میں تین جانوروں کو فاسقات کہا گیا ہے۔ وہاں ایذا ہی مراد ہے فِیْ بمعنیٰ عَنْ مجاوزت ھَا ضمیر کا مرجع اَمْرٌ ہے جار مجرور متعلق ہے فَفَسَقُوْا کا۔ ھُمْ مستتر فاعل کا مرجع مُتْرَفِیْ ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر شرطِ عاطفہ ہوئی۔ فَ جزائیہ۔ حَقَّ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق۔ حَقٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ ثابت ہونا لازم ہونا۔ لائق ہونا۔ ضروری ہونا۔ لازم ہے علیٰ جارہ ھَا ضمیر مجرور مرجع قَرْیَۃٌ ہے۔ الف لام عہدِ ذہنی قَوْلٌ مفرد جامد بمعنیٰ بات۔ فیصلہ۔ قانون۔ حکم۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے فاعل ہے حَقَّ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر جزاء اول ہے۔ فَفَسَقُوْا شرط کی۔ فَ عاطفہ جزائیہ۔ دَمَّرْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ مصدر ہے تَدْمِیْرٌ۔ بمعنیٰ ہلاک کرنا۔ فنا کرنا۔ اکھیڑنا پھینکنا۔ ھَا ضمیر واحد غائب کا مرجع قَرْیَۃٌ ہے مفعول بہ ہے دَمَّرْنَا کا منصوب متصل ہے۔ تَدْمِیْرًا۔ بابِ تفعیل کا مصدر ہے۔ دَمْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہلاک ہونا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعولِ مطلق ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر جزاء دوم ہوئی فَفَسَقُوْا کی جملہ شرطیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا مَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ قیامت کے دن ہر انسان سے اسی کے گلے میں پڑے ہوئے طائر (اعمال نامے) کے بارے میں کہا جائے گا۔ یا خود باری تعالیٰ فرمائے گا اور ہر شخص اس دن اللہ تعالیٰ کی آوازِ مقدس خود اپنے کانوں سے سنے گا جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے۔ یا یہ حکم فرشتوں کی جانب سے ہو گا کہ پڑھ لے اپنا نامۂ اعمال لکھی ہوئی کتاب آج تو خود ہی اپنے دنیوی اعمال نیکی بدی کے حساب اور اندازے لگانے اپنی حیثیت معلوم کرنے کے لیے کافی ہے۔ دنیا میں اگرچہ یہ کتاب ہر شخص کے گلے میں پڑی رہی اور انتہائی قریب رہی مگر یہاں کسی کے لیے اس کی کتاب ظاہر نہیں ہوئی اگرچہ بعض اولیاء اللہ اپنی کرامتِ خداداد سے لوگوں کی یہ کتاب پڑھ لیتے ہیں مگر اپنی کتاب نہیں پڑھ سکتے کیونکہ یہ امتحان گاہ ہے۔ دنیا میں اپنی کتاب نظر نہ آنے کے متعلق مفسرین کرام نے

چار وجہ بیان فرمائی ہیں۔

(۱) یہ کتاب جسم لطیف ہے اور انسان جسم کثیف ہے وہ لطائف کو نہیں دیکھ سکتا۔ جنات بھی اپنے لطائف کو نہیں دیکھ سکتے اس لیے کہ اگرچہ جنات بھی اجسامِ لطیف ہیں مگر عالمِ روحانیت کی لطافت بہت کثیر ہے۔ ہاں جو ولی اللہ ذکرِ الٰہی سے اپنے روحانیت کو مقامِ عروج پر پہنچا دے گا اُس کی لطافت مثل فرشتوں کے ہو گی اُس کو سب کچھ نظر آجاتا ہے یہانتک کہ وہ ملائکہ کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ ایسی ایسے اولیاء اللہ یہ گلے والی کتاب اعمال دیکھ لیتے ہیں۔

(۲) دنیا دارُ العمل ہے اس لیے یہاں وہ اعمال نامہ پوشیدہ کر دیا گیا جو حسابِ آخرت کے لیے ہے۔

(۳) چونکہ یہ اعمال نامہ دنیا کی آخری سانس تک نامکمل ہے مرنے کے بعد جب بندے کے اعمال ختم ہو جائیں گے تب یہ مکمل ہو گا۔ اور حساب ہمیشہ آخر میں ہوتا ہے اِس لیے تکمیل سے پہلے دیکھنا بیکار ہے

(۴) دنیا میں جسمِ انسانی ہر روح پر غالب ہے یہاں روح اندھی ہے جسم کے ماتحت ہے بندہ اپنے اعمال دیکھنا چلنا پھرنا کھانا پینا۔ قوتِ جسمانی سے کر رہا ہے۔ آخرت میں روح جسم پر غالب ہوگی اور ہر کام روح کی طاقت سے ہو گا۔ اس لیے وہاں ہر وہ چیز نظر آجائے گی جو قوت جسم سے نظر نہیں آتی۔ اسی لیے ہر شخص سے فرمایا جائے گا اِقْرَءْ كِتَابَكَ۔ اور یہ حکم سن کر ہر شخص پڑھے گا اگرچہ دنیا میں اَن پڑھ جاہل گنوار ہو۔ جو شخص دنیا میں دین کی ہدایت پالے شریعت۔ نیک اعمال۔ عشقِ الٰہی۔ محبتِ مصطفائی۔ تقویٰ طہارت اور عباداتِ صالحہ کی تو اس نے اپنے ہی لیے ہدایت پائی کہ اس ہدایت اور اعمال کا اس کو ابدی فائدہ ہے اگرچہ اس کے اعمال اور وجود سے ہزاروں کو فائدہ ہے خیال رہے کہ یہ آیتِ پاک ایصال ثواب یا ختم درود کے خلاف نہیں۔ اس لیے کہ ہدایت والا آدمی ہی کسی کو ایصالِ ثواب کر سکتا ہے اور ہدایت والے کو ہی کسی کے ایصال کا ثواب کا فائدہ پہنچ سکتا ہے ورنہ مَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا۔ وہ شخص جو قہرِ الٰہی سے گمراہ ہو گیا تو اُس کی ضد ہٹ دھرمی کی گمراہی کا دبال نقصان مصیبت اسی کے جسم اور روح پر دنیا و آخرت میں پڑے گا دنیا میں اس طرح کہ تمام عبادتیں برباد اعمال نامہ سیاہ گناہ قائم بے اعتمادی بد دیانتی کی ذلت و رسوائی ملتی رہے گی آخرت میں اس طرح کہ نہ اپنے عمل کام آئیں نہ کسی کا ایصالِ ثواب کام آئے گمراہ کے لیے بہت بے بسی بیکسی کا وقت ہے یہانتک کہ اُس دن کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا جو بوجھ اُٹھائے ہوں گے وہ ان کے اپنے ہی گناہوں کا ہو گا۔ اور جو خوش قسمت نیکیوں کے خزانے لیے ہوں گے وہ اعمال ان پر روشنی نور اور ہلکے پھلکے پھولوں کی طرح ہوں گے۔ اولاً تو ہر شخص کو اس کے اعمال کا فائدہ یا نقصان قبر سے ہی شروع ہو جاتا ہے پھر میدانِ محشر میں بھی اپنے اپنے حساب کے مطابق فائدہ اور نقصان ہو گا کہ بدکار کا فر و فاسق اپنے گناہوں کا بوجھ اٹھائے ہوں گے اور نیک لوگ نور کے تاج و تخت پر ہوں

گے۔ اس دن کفار حسرت سے اپنے مومن رشتے داروں کو دیکھیں گے اور تمنا کریں گے کہ کاش یہ کمر توڑ بوجھ ہم سے کوئی اٹھالے یا کم کردے پھر جہنم میں یہی بوجھ اور گناہ بکھر کر مختلف عذابوں اور سانپ بچھو کی شکل میں عذاب دائمی بنا دیئے جائیں گے۔ اور یہ سب عذاب صرف نافرمانیٔ انبیا کی وجہ سے ہیں اس لیے کہ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ ہم اس وقت تک کسی کو عذاب نہیں دیتے جب تک اس کے پاس اپنے کسی نبی محترم کو نہ بھیج دیں وہ نبیِ اکرم ان کو ہر چیز ہر دکھ بیماری۔ عذاب۔ ثواب۔ عبادت۔ گناہ۔ شریعت طریقت معرفت حقیقت۔ حلال حرام۔ شرک و کفر۔ ہدایت و گمراہی۔ ظلم و رحم۔ دیانت و امانت۔ شرم و حیا۔ پاک و پلید غرض کہ ہر اچھائی برائی دینی دنیوی بتاتے ہیں مگر گمراہ اور کفار ہر کام میں ان کی نافرمانی کرتے ہیں اس لیے عذاب کے مستحق ہوتے ہیں۔ محققین فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی ایسی قوم نہیں گزری از اول تا آخر۔ جس کے پاس کوئی نبی محترم نہ آیا ہو۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے دنیا میں اب تک ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی قومیں ہوئی ہیں اور ہر قوم میں ایک نبی اکرم تشریف لایا اسی لیے مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ انبیاء کرام ایک لاکھ چوبیس ہزار ہیں۔ پہلے نبی آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آخری نبی آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم۔ اسی اعتبار سے پوری مسلم قوم تاقیامت ایک ہی قوم ہے۔ وَإِذَا أَرَدْنَا أَنْ نُهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا ۔ اور یہ ہمارا ازلی ابدی قانون ہے کہ جب کوئی بستی والے جبر بدمعاشی فسق و فجور گناہ سرکشی کفر طغیان شرک و بدعت کے عادی ہو جائیں نیک بننے کی طرف بالکل نہ آئیں سمجھ عقل کے باوجود لذتِ گناہ میں عیاش بنے رہیں اس بنا پر ہم اس بستی کی ہلاکت بربادی تباہی کا ارادہ فرمالیں تو وہاں کے سرداروں امیروں کو اپنا حکم اپنے رسولانِ محترم انبیاءِ کرام۔ علما۔ اولیا کے ذریعے پہنچاتے ہیں۔ اس لیے کہ امرا اور سرداروں کا فرمانبردار بن جانا ساری بستی کا تابع فرمان بننا ہے غریب اور مزدور لوگ تو امیروں کے نوکر غلام ماتحت ہوتے ہیں وہ تو وہی کرتے ہیں جو بستی کے امیر سردار کرتے ہیں۔ پھر اگر یہ امرا اپنی عیاشی لذت پرستی کی بنا پر قانونِ الٰہی کی پابندیوں۔ شرعی عبادتوں۔ دینی راستوں کو نماز روزے اور ذکرِ الٰہی کی خلوتوں کو پسند نہ کریں انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اطاعت سے دور نکل جائیں اور اس بستی میں کفر فسق نافرمانی گستاخی کے طوفان مچا دیں تب ہمارا قانونی حق و انصاف کا فیصلہ اس بستی پر نافذ اور جاری ہو جاتا ہے۔ مگر یہ ایک دم فوری نہیں ہوتا بلکہ بہت مہلت اور ڈھیل کے بعد ہوتا ہے اور پھر ایسا ہوتا ہے کہ دَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ آناً فاناً پوری بستی یا پورا محلہ یا پورا گھر یا پورا خاندان تباہ و برباد کر دیا جاتا ہے۔ ہم اس کو فنا کر دیتے ہیں کہ جانور بچے بوڑھے عورتیں مرد سامان دکان سب کچھ ہلاک ہو جاتا ہے کہ بچے کھچے لوگ سوچتے ہی رہ جاتے ہیں کہ ہائے یہ طوفان یہ سیلاب کیوں آیا۔ آگ کیوں لگ گئی طاعون و بیماری کے ذریعے سب کے سب کیوں مر

گئے کسی نامعلوم دشمن نے رات کو سوتے ہوئے سب کو کیوں قتل کر دیا۔ اپنی حقیقی بد حالی بے غیرتی بے حیائی قانونِ الٰہی کی نافرمانی پر نگاہِ عبرت سے غور نہیں کرتے۔ اے میرے رحیم کریم اللہ مجھ کو اور میرے ساتھیوں کو اپنی ہر ہلاکت سے بچالے۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ قیامت میں کوئی بے پڑھا نہ ہوگا دنیا میں اگرچہ کوئی ان پڑھ جاہل ہو یہ فائدہ اِقْرَءْ کے عمومی حکم سے حاصل ہوا نیز تمام انسانوں کی زبان اور لغت قبر و حشر میں عربی ہوگی جنت میں بھی عربی ہی رہے گی مگر جہنمیوں کی زبان بدل جائے گی جہنم میں جا کر۔ **دوسرا فائدہ** ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ دن رات اپنا اور اپنے اعمال کا محاسبہ کرتا رہے انشاء اللہ اس کا حساب قیامت میں آسان ہو گا یہ فائدہ كَفٰى بِنَفْسِكَ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ قیامت میں ایک کی نیکی تو دوسرے کے کام آ سکتی ہے مگر ایک کا گناہ دوسرے کو نہ اٹھانا پڑے گا۔ یہ فائدہ لَا تَزِرُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ گناہ کو وِزر اور نیکی کو ثِقل کہتے ہیں)۔ **چوتھا فائدہ** ۔ صرف رب تعالیٰ کی نافرمانی پر عذاب نہیں آیا کرتا بلکہ انبیاءِ کرام کی گستاخیوں پر عذاب الٰہی آتا ہے یہ فائدہ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔
پانچواں فائدہ ۔ جس بندے کو رب تعالیٰ دینی یا دنیوی سرداری عطا فرمائے اُس کو اپنی زندگی بہت احتیاط سے گزارنی چاہیے۔ خواہ وہ عالم یا پیر ہو یا چوہدری سردار ہو۔ یہ فائدہ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی مسلمان سے یہ کہے کہ تو فلاں گناہ یا کفر شرک کرلے اس کا عذاب مجھ پر ہے۔ اور یہ بھی نہ کہے کہ فلاں کام میں اگر گناہ ہو تو مجھ پر ہو تو کرلے۔ اور اگر کوئی احمق ایسا کہہ بھی دے تو بھی دوسرے شخص کو وہ گناہ یا شبہ گناہ ہرگز اُس کے کہنے سے کرنا نہ چاہیے قیامت میں کرنے والے کو کرنے کا عذاب ضرور ملے گا۔ اور کرانے والے کو گناہ یا کفر کرانے کا عذاب ہوگا اس گناہ کا عذاب حکم دینے والے کو نہ ہوگا اگرچہ دنیا میں اس نے اپنے ذمے یہ عذاب لے لیا ہو۔ یہ مسئلہ لَا تَزِرُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ کفار کے نابالغ فوت شدہ بچے جنت میں جائیں گے۔ یہ مسئلہ بھی لَا تَزِرُ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ بچے بیگناہ ہیں ماں باپ کے کفر کی بنا پر ان کو جہنم میں نہ بھیجا جائے گا۔ والدین کے کفر کا بوجھ بیگناہ بچوں پر نہ ڈالا جائے گا۔ ہاں البتہ حرامی اولاد چار یا سات نسلوں تک جنت میں نہ جائے گی کیونکہ ولادۃً ناپاک ہے ان کے نیک اعمال کا بدلہ اعراف میں دیا جائے گا۔ ان کو بیگناہی کی بنا پر جہنم میں بھی نہ ڈالا جائے گا (جامع صغیر و حاشیہ کنوز الحقائق)

تیسرا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ کا دین شریعتِ نبوت کا نام ہے ۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اعمال و اقوال ہی قانونِ الٰہی اور ان کی تعلیم کا نام صراطِ مستقیم ہے ۔ **چوتھا مسئلہ** ۔ اگر کوئی قتل کر دے اور اُس سے دیت کا مطالبہ کیا جائے تو صرف قاتل کے ذمے ہی دیت واجب ہے قاتل کے وارثوں پر دیت نہ پڑے گی ۔ یہ مسئلہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ الخ سے مستنبط ہوا (حنفی مسلک)

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا عَلَيْكَ حَسِيْبًا ۔ یعنی اے بندے آج تو خود ہی اپنے حساب کے لیے کافی ہے ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ ہم خود ہی حساب کے لیے کافی ہیں ۔ اس فرق کی وجہ کیا ہے ؟ **جواب** ۔ اس آیت میں حساب بمعنیٰ اندازہ لگانا ہے کہ بندہ اپنے اعمال کو دیکھ کر اپنے انجام اور جہنمی یا جنتی ہونے کا خود ہی اعمال نامہ پڑھ کر اندازہ لگائے اور اپنے خلاف خود ہی گواہ بن جائے ۔ اور اُس آیت میں حساب بمعنیٰ فیصلہ کرنا ہے ۔ یعنی اعمال کا سچا فیصلہ صرف رب تعالیٰ ہی فرما سکتا ہے ۔ اور وہی کافی فیصلہ فرما دے گا ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جس میت پر نوحہ کیا جائے اس میت کو عذاب ہوتا ہے ۔ اس نوحے اور رونے پیٹنے کا ۔ مگر یہاں آیتِ پاک نے فرمایا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا ۔ تو فوت شدہ کو بعد میں نوحہ کرنے والوں کے گناہ کا بوجھ اور عذاب قبر میں کیوں ہوتا ہے ۔

جواب ۔ تفسیر کبیر نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اُمُّ المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ یہ روایت بناوٹی ہے نبی کریم کا فرمان نہیں ۔ مگر یہ جواب کمزور ہے اور اُمُّ المومنین رضی اللہ عنہا کی طرف ایسی کمزور بات کی نسبت کرنا غلط ہے صحیح جواب یہ ہے ۔ کہ اس نوحے اور ماتم کوٹنے پیٹنے کا عذاب میت کو ہوگا جو میت کی خواہش اور وصیت کی وجہ سے کیا جائے ۔ اور عذاب اسی وصیت اور خواہش کا ہوتا ہے نہ کہ پیٹنے اور نوحے کا ۔ اس کا عذاب تو پیٹنے والے کو ہی ہے حدیث پاک میں یہ ہے کہ نوحے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے نہ کہ نوحے کا عذاب ۔ یہی حال ہر گناہ کا ہے ۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا کہ کوئی کسی کا بوجھ نہ اٹھائے گا ۔ یعنی کسی کا گناہ دوسرے پر نہ ڈالا جائے گا ۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے ۔ جس کا قرضہ مار لیا یا جس کی غیبت کر کے دنیوی نقصان پہنچایا تو قیامت میں مقروض اور غیبت کرنے والے کی نیکیاں قرض خواہ اور اس مظلوم کو دی جائیں گی جس کی غیبت کی ہو یا ظلم کیا ہو گا اور اگر اس ظالم کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو مظلوم کے گناہ ظالم پر ڈال دیئے جائیں گے لہٰذا بوجھ تو اٹھا لیا اور ڈال دیا گیا یہ آیت کے خلاف ہے ۔ (مسئلۃ الرازی) **جواب** ۔ آیت کا مطلب ہے کہ کوئی اپنے اغنیاء اور دوستی یا رشتے داری یا دنیا

میں گناہ لے لینے کا وعدہ کر لینے کی بنا پر کسی کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ عذاب کے طریقے پر دوسرے کے گناہ ڈال دیئے جائیں گے یہ گویا عذاب اس کے اُس ظلم کا ہے جو اُس نے کیا اور مظلوم پر رحمت کرنے کے لیے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ جس بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں اس کے امیروں کو دین کا حکم دیتے ہیں وہ نافرمانی کرتے ہیں تو ساری بستی کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ کہ گناہ صرف امیروں نے کیا اور ہلاک سب بستی جس میں بچے۔ بیگناہ اور جانور بھی تھے **جواب**۔ اس کے چند جواب ہیں پہلا یہ کہ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ۔ اکثریت کا حکم جاری کر دیا جاتا ہے۔ **دوسرا جواب**۔ یہ کہ نیک لوگوں کو نکال لیا جاتا ہے۔ **سوم** یہ کہ امرنا سے مراد عام حکم ہیں نماز روزہ وغیرہ جو سب امیر غریب پر فرض تھے اس پر امیروں نے بھی عمل نہ کیا اپنی سرداری کے غرور میں اور غریبوں نے عمل نہ کیا امیروں کی ماتحتی کی وجہ سے اور دیکھا دیکھی۔ نہ بچوں کو حلال روزی کھلائی نہ دین سکھایا نیز بچے اور جانور مثل مال کے ہیں ان کی تباہی سے والدین اور مال والوں کو مزید دکھ ہوتا ہے اس لیے سب کو ہلاک کرنا عین مصلحت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِقْرَاْ کِتٰبَکَ کَفٰی بِنَفْسِکَ الْیَوْمَ عَلَیْکَ حَسِیْبًا مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ اے اہلِ ھوالوحِ قلبی پر ضمیر کی تحریروں کو پڑھ لے آج منزلِ قبض وبسط میں اپنے محاسبے کے لیے تو خود کافی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر انسان کے اندر ایک خفیہ خانہ ہے جس کی تاریں عقل کے مخزن تک جاتی ہیں جب انسان کوئی بھی نیک و بد کام کرتا ہے تو اس خانے میں تڑپ اور گرمی پیدا ہوتی ہے اور نیکی پر تادمِ آخرت خوشی محسوس کرتا ہے اور گناہ پر نادم و مغموم ہوتا ہے انسان کا یہ اندر خود سمجھتا ہے کہ میں کس حال میں ہوں اس لیے کہ جس نے رب تعالیٰ کی طرف سے قرب و کشف۔ مراقبے مجاہدے اور سفرِ وادیِ انوار کی ہدایت پائی تو وہ اسی کے مطلب و عقل کے لیے ہے اور جو اپنی خباثتِ نفسی کی بنا پر ظلمات کی وادی میں گمراہ ہوئے اور منزلِ عشق سے دُور کر دیے گئے تو وہ گمراہی شقاوتِ قلبی کثافتِ عقلی کی شکل میں اُسی پر وارد ہے۔ عالمِ ناسوت میں غفلت سُستی۔ کدورت بدی بخیلی کا کوئی بوجھ کسی کا دوسرا کوئی اٹھانے والا نہیں۔ راہِ طلب میں مودت و مشقت کے قدم خود ہی اُٹھانے پڑیں گے۔ اور ہم کسی کو حرمان و حجاب کا عذاب نہیں دیتے جب تک کہ قالبِ عبدیت میں رسولِ عقل اور پیغمبرِ معرفت کو مبعوث نہ فرما دیں اسی لیے ہر عاقل کو اُس کی عقلِ سلیم کے مطابق مدارجِ قرب طے کرائے جاتے ہیں اور بچے۔ دیوانے کو مکلف نہیں بنایا جاتا۔ اور جو اُس کی راہ میں مجذوب و مجنون ہو جائیں ان کو عذاب

ظلمت میں نہیں ڈالا جاتا۔ وَاِذَاۤ اَرَدْنَاۤ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْيَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِيْرًا۔ اور جب بستی جسم کو ترکِ عبادت کی بیماریوں کے ذریعے ہم ہلاک و برباد اور تباہ اور ویران کرنے کا ارادہ فرمالیتے ہیں تو عقل و شعور پر مجاہدوں ریاضتوں کی صعوبتوں کو نازل فرماتے ہیں یا عقل و شعورِ جسمانی کو بے توفیقی کی سلطنت اور امیری دے دیتے ہیں تو وہ اپنے پورے علاقہ جسمانی میں بدعقیدگی کے فسق کرتے ہیں تب اُن پر محرومی و بدبختی کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے۔ پھر ہم اُن کو ابدی غفلت کی ہلاکت سے ہلاک کر دیتے ہیں کہ وہ ظاہرًا اگرچہ زندہ نظر آتا ہے مگر حقیقتًا مردہ ہی ہوتا ہے امام حسنؓ نے فرمایا کہ سب سے بڑا فسق جو سارے جسم کو خراب کرتا ہے وہ دنیوی غصہ ہے۔ غصہ ایک چنگاری ہے جو دل میں سلگتی ہے لہٰذا اے بندے جب غصہ آئے تو ختم کرنے کی کوشش کر بزرگوں نے فرمایا کہ غصہ ختم کرنے کی ترکیب یہ ہے کہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے بیٹھا ہو تو لیٹ جائے یا تکیہ لگائے پھر بھی نہ اُترے تو ہاتھ منہ دھوئے۔ سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ سبز گنبد کا تصور کر کے درود شریف پڑھے لیکن نماز کے علاوہ نماز والا درود شریف پڑھنا منع ہے اس لیے کہ درود شریف وہ پڑھنا چاہیئے جو صلوٰۃ و سلام والا ہو۔ امام نووی نے اپنے فتاویٰ میں لکھا ہے کہ سلام کے بغیر درود شریف پڑھنا منع ہے کیونکہ رب تعالیٰ نے دونوں کا یکدم حکم دیا ہے۔ صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا۔ اور لفظ تَسْلِيْمًا سے سلام کی زیادہ تاکید فرمائی ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِصَلَاةٍ وَّسَلَامٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْۢ بَعْدِ نُوْحٍ ؕ

اور کتنے ہی ہلاک کر دیئے ہم نے اپنے اپنے زمانوں کے لوگوں کو حضرتِ نوح کے بعد

اور ہم نے کتنی ہی سنگتیں نوح کے بعد ہلاک کیں

وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا

اور کافی خبر ہے تیرے رب کو اپنے بندوں کے گناہوں کی درانحالیکہ وہ ہر طرح خبر رکھنے والا

اور تمہارا رب کافی ہے اپنے بندوں کے گناہوں سے خبردار

بَصِيْرًا ﴿۱۷﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا

دیکھنے والا ہے جو چاہتا تھا جلدی اپنی اچھائیوں کا

دیکھنے والا جو یہ جلدی والی چاہے ہم اُسے اِس میں

لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا

بدلہ ہم نے جلدی دے دیا اُس کو اسی دنیا میں جتنا ہم نے چاہا

جلد دے دیں جو چاہیں جسے چاہیں پھر اُس کے لیے

لَهٗ جَهَنَّمَ ۚ يَصْلٰىهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۱۸﴾

لیے جس کے چاہتے ہیں ہم پھر بنا دیا ہم نے لیے اُس کے دوزخ کہ گرے اُس میں برائی کیا ہوا دھکا دیا ہوا

جہنم کر دیں کہ اُس میں جائے مذمت کیا ہوا دھکے کھاتا

وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ

اور جس نے ارادہ کیا آخری بدلے کا اور محنت کی لیے اُس کے مناسب

اور جو آخرت چاہے اُس کی سی کوشش کرے اور ہو

مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ﴿۱۹﴾

حالانکہ وہ مومن رہے تو بھی ہیں وہ کہ ہو گئی محنت اُن کی قدر کی ہوئی

ایمان والا وہ تو انہیں کی کوشش ٹھکانے لگی ! !

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیاتِ کریمہ میں میدانِ محشر کے نامۂ اعمال اور تحریر پڑھنے کا تذکرہ ہوا کہ وہاں ہر شخص کو اپنے اعمال کی تاریخ و تحریر پڑھنی پڑے گی ۔ اِن آیات میں اشارۃً پچھلی اُمتوں کی تاریخی ہلاکتوں کا بیان پڑھنے کا حکم دیا جا رہا ہے **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں ہدایت

کے فائدے اور گمراہی کے نقصان کا ذکر ہوا تھا۔ اب اِن آیات میں جلدبازی کے نقصان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور سمجھایا گیا کہ جلدبازی کا نتیجہ بھی گمراہی ہوتا ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت پاک میں۔ رب تعالیٰ کے ارادے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اچھے بُرے بندوں کے ارادوں کا ذکر ہو رہا ہے

تفسیر نحوی وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِنْ بَعْدِ نُوحٍ ۗ وَكَفَىٰ بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۔ واؤ ابتدائیہ۔ کَمْ اسم مقداری ہے جامد ہے بمعنیٰ کتنا۔ کتنی۔ کتنے۔ اسم جنسی مبنی اصل ہے۔ اس لیے واحد جمع مذکر مؤنث یہ سب کے لیے اِسی طرح سے ہے کمی یاءِ نسبت کے اور کمیّت یاءِ نسبت اور تاءِ مصدریہ کے ساتھ بمعنیٰ مقدار والا۔ مقدار بنانا۔ سوالِ خبری کے لیے آتا ہے (تنبیہی سوال کے لیے) ہمیشہ ممیّز بن کر آتا ہے لیکن تمیز کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی پوشیدہ یہاں بعد میں تمیز پوشیدہ ہے اصل میں تھا کَمْ قَرْيَةً أَهْلَكْنَا ۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر ہے اِهْلَاكٌ ۔ هُلْكٌ سے بنا ہے بمعنیٰ برباد۔ فنا۔ ویران کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ مِن جارہ بیانیہ ہے یا تبعیضیہ۔ الف لام عہدِ خارجی قُرُونِ ۔ جمع مذکر ہے قَرْنٌ واحد کی۔ اِس کی تثنیہ ہے قرنین۔ بہت سے معنیٰ میں مشترک ہے اسم جامد ہے۔ اصلی ترجمہ ہے۔ ملنا۔ جڑنا۔ مجازی معنیٰ ہے۔ زمانہ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خَيْرُ الْقُرُونِ قَرْنِي (الخ) ترجمہ سب زمانوں میں اچھا زمانہ میرا ہے ایک زمانے کی مدت ایک صدی ہوتی ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ غیب جاننے والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن بُسر مازنی کے سر پہ ہاتھ مبارک رکھ کر فرمایا تھا کہ یہ ایک قرن تک زندہ رہے گا تو صحابہ کرام نے ان کی زندگی گننا شروع کر دی جس دن زندگی پوری سَو سال ہوئی تو اسی دن ان کا انتقال ہو گیا۔ قرن کی مدت میں چند اقوال اور بھی ہیں (مظہری) عورت کی مینڈھیاں بالوں کی۔ سینگ جیسا کہ مشہور حدیث پاک میں ہے کہ غیب جاننے والے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالوہاب نجدی اور ابنِ تیمیہ اور ابن قیم وغیرھم وہابیوں کی خبر دیتے ہوئے فرمایا۔ يَخْرُجُ مِنْهُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ ۔ ترجمہ۔ نجد سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔ شارحینِ کرام اِس کی شرح میں فرماتے ہیں کہ مِنْهُ سے مراد تو علاقہ نجد ہے اور يَخْرُجُ میں اسماعیل دہلوی وغیرہ ہندوستانی وہابی بھی شامل ہیں۔ اس لیے کہ اسماعیل دہلوی عبدالوہاب ہی کا شاگرد تھا جو نجد سے پڑھ کر ہندوستان کی طرف نکلا۔ کنارہ۔ یہاں مراد ہے زمانہ۔ یعنی زمانے کے لوگ مِن جارہ زائدہ۔ بَعْدِ ۔ اسم ظرفِ زمانی معرب نکرہ ہے مضاف ہے نُوحٍ ۔ اسم مفرد جامد۔ عَلَم ذاتی یا صفاتی ہے ایک رسولِ مکرم علیہ السلام کا۔ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے۔ أَهْلَكْنَا کا۔ کَمْ ممیز ظاہر تمیز پوشیدہ مل کر مفعول بہٖ مقدم ہوا۔ جملہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ۔ كَفَىٰ ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف۔ كِفَىٌ سے بنا ہے

ناقص یائی ہے ۔ بمعنیٰ ۔ پورا ہونا ۔ کافی ہونا ۔ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل ہے پوشیدہ ہے جس کا مرجع یا خبیرٌ پوشیدہ ہے یا کِفَایَۃٌ ذہنی مرجع ہے ۔ بِ جارّہ تعدیہ کی زائدہ ہے فراء نحوی کہتے ہیں کہ جس فاعل کی مدح یا ذم مقصود ہو اُس پر بِ جارّہ آجاتی ہے اس کی بہت مثالیں ہیں ۔ (تفسیر کبیر) رَبّ اسم جامد بمعنیٰ پروردگار مضاف ہے کَ ضمیر واحد مذکر مرجع ہے ذاتِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق اول ہے تعلق فاعلی ہے ۔ بِ جارّہ تعدیہ کی ذُنُوْبِ جمع مکسر کثرت ہے ذَنْبٌ کی ۔ جامد مشترک ہے بمعنیٰ لغوی پیچھے رہنے والا ۔ اصطلاحی معنیٰ ہے گناہ صغیرہ اور کبیرہ مضاف ہے عِبَادِ جمع مکسر کثرت ہے عبد کی جمع ہے بمعنیٰ بندہ ۔ مخلوق ۔ آدمی ۔ لوگ ۔ یہاں مراد انسانی مخلوق ہے جنات بھی مراد ہیں ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے رَبّ تعالیٰ ۔ مضاف الیہ ہے ۔ یہ دوسری مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق دوم ہے تعلق مفعولی ہے کَفٰی کا خَبِیْرًا صفتِ مشبہ خبرٌ سے بنا ہے بَصِیْرًا صفتِ مشبہ بَصُرٌ سے بنا ہے ۔ دونوں کا ترجمہ ہے بہت طرح ہر وقت خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا ۔ یہ دونوں حال ہیں رَبّ تعالیٰ کے ۔ اس لیے منصوب ہیں ۔ معرب نکرہ ہیں کَفٰی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا ۔ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ مَنْ اسم موصول مذکر خاص ہے عقل والوں کے لیے کَانَ یُرِیْدُ ۔ ماضی استمراری بمعنیٰ مضارع بھی ہو سکتا ہے تب یہ انشائی ہوگا ۔ اگر ماضی اپنے معنیٰ میں ہے تب خبریہ ہوگا ۔ باب اِفعال سے ہے ۔ رَوْدٌ یا رَیْدٌ سے مشتق ہے مصدر ہے اِرَادَۃٌ ۔ اور اِرْیَادٌ ۔ بمعنیٰ چاہنا ۔ پسند کرنا ۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّتِیْ ۔ عَاجِلَۃ ۔ اسم فاعل مؤنث عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلدی کرنا ۔ جلدی ہونا ۔ متعدی بھی مستعمل ہے اور لازم بھی مراد ہے موجود دنیا اور دنیا کی چیزیں ۔ مفعول بہ ہے فعل کا ۔ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی ۔ عَجَّلْنَا ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم مصدر ہے تعجیلٌ اس مصدر میں شدت یا زیادتیٔ فعل پیدا ہوتی ہے ۔ نحنُ ضمیر جمع متکلم فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ لَہٗ جار مجرور متعلق ہے عَجَّلْنَا کا ۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب ۔ مرجع ہے عاجلۃ یعنی دنیا ۔ جار مجرور متعلق دوم ہے عَجَّلْنَا کا ۔ مَا موصول نَشَآءُ ۔ ضَرَبَ کا مضارع معروف ہے شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چاہنا پسند کرنا ۔ لام جارّہ نفع کا مَنْ اسم موصول نُرِیْدُ ۔ باب اِفعال کا مضارع معروف جمع متکلم ۔ نحنُ ضمیر متصل اس کا فاعل فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر موصول ۔ پھر یہ مجرور متعلق ہے نَشَآءُ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے عَجَّلْنَا کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ۔ ثُمَّ عاطفہ جَعَلْنَا ۔ باب فَتَحَ کا ماضی متکلم جمع ۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مقرر کرنا ۔ لامِ جارّہ مفعولیت کا یا ملکیتِ تشبیہی کے لیے ۔ ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع مَنْ ہے ۔ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا ظاہرًا جَہَنَّمَ ۔ اسم مفرد غیر منصرف عجمی عَلَم ہے (نام ہے) دوزخ کے ایک حصہ کا یا پوری دوزخ کا

مفعول بہ دوم ہے جب کہ معنوی اور حکمی مفعولِ اول ہے لَہٗ جو ظاہرًا متعلق ہے یَصْلٰی باب سَمِعَ کا مضارع معروف واحد غائب صَلْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ داخل ہونا ۔ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی ۔ لغوی ترجمہ ہے آگ میں بھونا ۔ یا بُھننا ۔ مجازی ترجمہ ۔ ہلاکت میں پڑنا یا ڈالنا ۔ دھوکہ دینا ۔ خوشامد کرنا ۔ تپانا ۔ اگر یہ لازم ہے تو اس میں پوشیدہ ضمیر ھُوَ کا مرجع مَنْ ہے ۔ اگر متعدی ہے بمعنیٰ برا ہونا یا برا کرنا ذلیل ۔ خوار ۔ رُسوا ہونا ۔ یا کرنا ۔ لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی بحالتِ نصب ہے حال ہے یَصْلٰی کی ھُوَ ضمیر کا ۔ مَدْحُوْرًا باب نَصَرَ کا اسم مفعول واحد مذکر دَحْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہانکنا ۔ تیز بھگانا ۔ دھکے دینا ۔ لازم بھی ہوتا ہے بمعنیٰ دھکے کھاتے ہوئے جانا ۔ متعدی بھی ہوتا ہے بمعنیٰ دھکے دیتے ہوئے لے جانا ۔ حالِ دوم ہے ھُوَ ضمیر مستتر کا ۔ اگر ھُوَ کا مرجع مَنْ ہے ۔ تو دونوں حال کا ترجمہ ذلیل ہوتے ہوئے دھکے کھاتے ہوئے اور اگر مرجع اللہ تعالیٰ ہے تو معنیٰ ہے ذلیل کرکے دھکے دے کر ۔ یَصْلٰی ۔ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے لَہٗ کی ہٗ ضمیر کا ۔ جَعَلْنَا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ۔ سب عطف مل کر جزا ۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا ۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصولہ شرطیہ بمعنیٰ جو بھی ۔ یا جس کسی نے اَرَادَ ۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب ۔ مصدر ہے اِرَادَةٌ ۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مَنْ ہے ۔ الف لام عہدی ہے آخرت ۔ اسم فاعل مؤنث ہے مگر یہاں اسم جامد ہے کیونکہ نام ہے میدان محشر کا ۔ یا عالم جنت کا اور اسی قول کو ترجیح ہے ۔ مفعول بہ ہے اَرَادَ ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ۔ وَسَعٰى ۔ واؤ عاطفہ سَعٰى ۔ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد غائب ۔ سَعْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ۔ لپک کر چلنا ۔ دوڑنا ۔ کوشش کرنا ۔ کمانا ۔ یہاں بمعنیٰ کوشش ہے ۔ ھُوَ ۔ ضمیر مستتر فاعل ہے مرجع مَنْ لام جارہ تخصیص کے لیے ھَا ضمیر واحد غائب مرجع آخرت سَعْیَ ۔ اسم مصدر ہے بمعنیٰ کوشش کرنا مضاف ہے ھَا ضمیر کا مرجع آخرت ہے مرکب اضافی یا مفعول مطلق ہے یا مفعول بہ ۔ اس دوسری صورت میں سَعْیَ حاصل مصدر ہے بمعنیٰ عمل ۔ اور ترجمہ ہے کوشش کی اس کے عمل کی ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ اَرَادَ کا وہ جملہ ہو کر شرط ہوئی صلہ موصول مل کر ۔ واؤ حالیہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ مرجع مَنْ ہے ۔ مُؤْمِنٌ ۔ اسم فاعل واحد مذکر ۔ باب افعال سے ہے مصدر ہے اِیْمَانٌ ۔ بمعنیٰ متقی مسلمان ۔ اَمْنٌ سے بنا ہے ۔ بحالتِ رفع ہے خبر ہے مبتدا خبر اسمیہ انشائیہ ہو کر حال ہوا اَرَادَ کے فاعل ھُوَ ضمیر کا ۔ یہ سب جملہ فعلیہ شرط ہوئی ۔ فَ جزائیہ ۔ اُولٰٓئِكَ ۔ اسم اشارہ بعیدی جمع مذکر کے لیے ہے ۔ یہ لفظ بسیط ہے دو اسم جڑ کر بنا ہے ۔ ۱ اُولَآءِ ۔ ۲ كَ ضمیر ۔ اُولَاء علیحدہ ہو یا اس سے پہلے ھَا تنبیہی لگا ہو تو اشارہ قریبی کے لیے ہوتا ہے اگر ضمیر حاضر مذکر یا مؤنث تثنیہ یا جمع لگی ہو تو بعید کے لیے ہوتا ۔ اور ضمیر یہاں بے معنیٰ

ہوتی ہے صرف مخاطب ذہنی کی بنا پر لگائی جاتی اور چونکہ ذہنی مخاطب دور ہوتا ہے اس لیے یہ اشارہ بعیدی ہے۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ سَعْیُ اسم مصدر بمعنی کوشش کرنا یا حاصل مصدر بمعنیٰ عمل۔ مضاف ہے۔ ھُم ضمیر جمع غائب مرجع ہے مَنْ۔ جو عمومیت کے معنیٰ میں ہے اس لیے ھُمْ جمع آئی مجرور ہے مضاف الیہ ہے متصل ہے کیونکہ سَعْیُ مضاف سے (اپنے عامل سے) جڑی ہے مرکب اضافی اسم ہے کَانَ کا۔ مشکورًا۔ اسم مفعول۔ باب نَصَرَ کا۔ واحد مذکر۔ شُکْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ قدر کرنا۔ عزت کرنا۔ احسان مند ہونا۔ شکریہ ادا کرنا۔ اظہارِ نعمت کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَ کی۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مشار الیہ ہوا۔ اور جزا ہوئی شرط پھر یہ جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ اور اے کفار مکہ کیا تم اس چیز کا ہوش نہیں کرتے اور عبرت کا خوف نہیں کرتے کہ ہم نے نوح کے بعد کتنے ہی زمانوں کی بستیاں اور بستیوں کی قومیں ہلاک کر دیں اس طرح کہ نام و نشان بھی مٹ گیا۔ خیال رہے کہ آج تک آسمانی عذاب سے مکمل طور پر چھ قومیں ہلاک ہوئیں مختلف زمانوں میں۔

۱ قومِ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ۲ قومِ ثمود ۳ قومِ عاد ۴ قومِ ھود ۵ قومِ لوط ۶ قومِ فرعون
باری تعالیٰ ہر وقت ہر جگہ ہر شخص کے ہر ظاہری ہر باطنی اچھے اور برے عمل سے ہر طرح مکمل طور پر خبر بھی رکھنے والا ہے اور دیکھنے والا یاد رکھنے والا بھی کافی ہے جو منافق یا کوئی بھی دنیا پرست اپنی اچھائیوں بھلائیوں اور انسانی ہمدردیوں عبادتوں۔ ریاضتوں مشقتوں جہادوں کی شمولیت وغیرہ اعمالِ خیر سے موجودہ دنیا میں ہی بدلہ اور اجر کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو ہم ایسے بیوقوف کم عقل نادانوں میں سے جس کو چاہتے ہیں دنیا میں ہی جو چاہتے ہیں دیدیتے ہیں۔ اس طرح کہ کسی باطل انسان کو عزت کسی کو شہرت کسی کو لیڈری۔ سرداری۔ کسی کو عیش و آرام اور غفلت کسی کو دنیا کی واہ واہ اور نعرے بازی۔ کسی کو دنیوی کامیابیاں اور چھوٹے موٹے گروہ اور جماعتیں اور حمایتی چاپلوسی مل جاتے ہیں۔ اور ان کی دینی دنیوی خدمات کا یہیں دنیا میں حساب برابر کر دیا جاتا ہے۔ پھر مرنے کے بعد قبر سے ہی ہم نے ایسے بدنصیب کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے۔ اس طرح کہ دنیا میں کتنا ہی بزرگ اور رہنما شمار ہوتا ہو یا سردارِ قوم اور ہر دلعزیز بنا پھرتا ہو مگر مرتے ہی نا فاتحہ نہ درود نہ ذکر نہ تذکرہ نہ قبر پر رونقیں نہ عرس۔ دھول اڑ جاتی ہے بھولا بسرا نسیًا منسیًا ہو جاتا ہے۔ اس کے بیہودہ خود غرضی اور ارادوں کی طرح اس کی خدمات بھی فنا اور برباد بلکہ نقصان دہ ہو جاتی ہیں اور وہی

زندگی میں تعریفیں کرنے والے اور اس کے دروازے سے کھانے والے دنیوی دوست اس کی تمام اچھائیوں کو اس کی خود غرضی اور مطلب پرستی پر محمول کرتے ہیں۔ یہ تو مرے بعد جہنمی ہونے کی نشانیاں ہیں۔ لیکن آخرت میں۔ یَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ گرے گا اس جہنم میں فرشتوں اور اہل ایمان کی زبانوں سے برائیں اور لعنت ملامت سنتا ہوا۔ یہی اچھے کام جو دنیا کے لیے اس نے کئے تھے وہی قیامت اور میدانِ محشر میں اس کے لیے برائی ظلم اور لعنت ملامت و عذاب کا سبب ہو جائیں گے وبال بن جائیں گے اسی بنا پر مَدْحُوْرًا۔ اللہ کی رحمت۔ شفقت۔ معافی۔ شفاعت۔ محبت۔ مغفرت نصرت۔ جنت سے دور۔ دُرکارہ پھٹکارہ ہوا ہوگا۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ اور جس بندے میں تین خصلتیں ہوں۔ پہلی یہ کہ دینی دنیوی ہر چھوٹے بڑے کام میں فقط آخرت کا ارادہ کرے۔ کسی طرح کسی وقت بھی دنیا طلبی شہرت۔ عزت۔ دولت کا ارادہ نہ ہو ہر عمل سے اللہ رسول کی محبت کی طلب ہو۔ کافر اور غیر مسلم سے بھی اگر حسن سلوک کرے تو اس لیے کہ آقا رسول اللہ کا حکم ہے۔ اور اگر کوئی غیر مسلم ہندو سکھ مرزائی عیسائی وغیرہ تم سے اچھائی کرے تو اس کا اچھا بدلہ کرو۔ اور اگر کوئی غیر مسلم پوچھے بھی کہ تم یہ سلوک اور انسانی ہمدردی ہم سے کیوں کرتے ہو تو صرف یہی کہے کہ ہم کو ہمارے نبی آقا۔ اور ہمارے مذہب اسلام۔ قرآن کا یہی حکم ہے۔ غرض کہ ہر اچھائی بھلائی اور نیکی خیر خواہی۔ شادی بیاہ۔ خوشی۔ غمی۔ تجارت امارت۔ سلطنت وزارت اور دینی دنیوی رسم و رواج سے فقط آخرت کا ارادہ طلب ہو۔ دوسری خصلت یہ کہ اللہ تعالیٰ اور رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت کے لیے شریعت کے راستے پر اپنی انتہائی کوشش اور لگن سے ہمہ تن مشغول ہو جائے اپنی دولت عزت قوت عقل فکر غور و تدبر۔ علم اور مرتبہ سب اسلام کے لیے خرچ کر ڈالے۔ اگر گھر گھر اور بستی بستی تبلیغیں کرنے کا شوق ہے تو پہلے دینی علم پڑھنے حاصل کرنے میں انتہائی محنت مشقت کرے۔ اس لیے کہ جاہل آدمی کی تبلیغ شیطنیت ہے۔ اسلام قرآن کے لیے سخت محنت عبادت ریاضت مشقت کرے۔ اگر دنیا کا طالب حصولِ دنیا میں عقل و محنت سے ایک قدم دوڑتا ہے تو یہ آخرت کے لیے گیارہ قدم دوڑے ہر وقت دل میں آخرت کی فکر ہو۔ اپنی ہر چیز لباس۔ خوراک۔ رہائش اور تمام ضروریاتِ زندگی پر سیرتِ مصطفیٰ اور صورتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا نقشہ بنائے۔ کوشش کرے کہ حیاتِ دنیوی کا ہر لمحہ شریعتِ اسلامیہ کے چمن کی سدا بہاری میں رہے۔ اور اپنے آپ کو پوری زندگی پابند شریعت کر دے۔ تیسری خصلت یہ کہ۔ قلب و جگر شعور و دماغ میں ایمان کی مضبوط جڑیں تمام اعمال و افعال سے پہلے ہی قائم ہو جائیں اس کی عبادت ریاضت کی کوششیں اعمال صالحہ کے ارادے

اور راہِ سعادت کی طرف دوڑ اس حال میں ہو کہ وہ بندہ پہلے سچا پکا مخلص مومن بن چکا ہو۔ تب یہ لوگ اُس مقامِ قبولیت پر ہوں گے کہ ایسے خوش بختوں کی ہر کوشش پر نیکی۔ عبادت بلکہ کھانا پینا سونا جاگنا۔ تجارت و امارت دینی دنیوی کام بارگاہِ الٰہیہ میں قابلِ قدر۔ عزت و تکریم کے لائق اور باعثِ ثواب ذریعۂ محبتِ خداوندی ہوں گے۔ اے میرے اللہ کریم مجھ کو اس سعادت کا حصہ دار بنا۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ سب سے زیادہ بدبخت وہ شخص ہے جو انبیاءِ کرام اولیاء اللہ اور اُن کے علما کا دشمن ہو اس لیے۔ کہ ان کی بات رب تعالیٰ کی بات ہوتی ہے اور ان کی مخالفت باعثِ ہلاکت ہوتی ہے جتنی سابقہ قومیں ہلاک ہوئیں وہ اسی وجہ سے ہوئیں کفارِ مکہ اور تا قیامت گستاخانِ انبیاءِ کرام و اولیاء کو اسی چیز سے ڈرایا جا رہا ہے۔ یہ فائدہ کَمْ اَهْلَكْنَا کی تاریخی تفسیر سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ اولیاء اللہ اور انبیاءِ کرام کو لوح و قلم اور لوگوں کے اعمال کا علم ہوتا ہے۔ اور فرشتوں کا لکھنا انہیں پیارے بندوں کو بتانے سکھانے اور پڑھانے کے لیے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ بلا واسطہ سب کچھ جانتا ہے یہ فائدہ۔ وَكَفٰى بِرَبِّكَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ دنیا میں رہ کر دنیا کے لیے کام کرنا گناہ ہے اگرچہ عبادت ہو۔ اور آخرت کے لیے کام کرنا نیکی ہے اگرچہ تجارت ہو یہ فائدہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ۔ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ صرف زبان سے مسلمان بنا اور خود کو شکر گزار اور نیک سمجھنا فضول اور بیہودہ ہے۔ نیک مسلمان بننے کے لیے اللہ کے راہ میں محنت اور کوشش کرنی پڑتی ہے اور سختی جھیلنی پڑتی ہے۔ یہ فائدہ۔ وَسَعٰى (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو دنیوی کاروبار کے لیے ہر وقت ہر ملک میں حرام حلال کی معلومات اور تحقیق و تفتیش اشد ضروری بلکہ فرضِ اسلامی ہے اگر شریعت کا خیال رکھے بغیر کوئی تجارت کی جائے گی تو وہ دنیا پرستی اور ارادۂ عاجلہ کے زمرے میں شمار ہوگی مسلمان کے لیے ایسی تجارت ممنوع ہے۔ اگرچہ حرام کام نہ ہو۔ اسلام میں سزا و جزا کا تعلق نیت پر ہے۔ یہ مسئلہ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ تمام اعمال کا دار و مدار ایمان پر ہے ایمان کے بغیر کوئی ارادہ کوئی سعی محنت مشقت ریاضت عبادت قبول نہیں یہ مسئلہ وَهُوَ مُؤْمِنٌ میں واؤ حالیہ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ دینی کاموں میں محنت مشقت کرنی فرض ہے صرف قلبی ارادہ اور آرام طلبی کافی نہیں۔ آرام دہ طریقے سے عبادت کرنے کا وہ ثواب نہیں جو محنت اور زیادہ خرچ

کر کے عبادت کرنے کا ہے۔ لہٰذا بلا وجہ اور بلا عذر بیٹھ کر نفلی عبادت اگرچہ جائز ہے مگر زیادہ ثواب کھڑے ہو کر ہی ہے اسی طرح حج قربانی خیرات و صدقات میں زیادہ خرچ کرنے والے کو زیادہ ثواب ملے گا۔ اور دین کے راستے میں خرچ کرنا اسراف نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ وَسَعٰى لَهَا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو اپنی نیکیوں اچھائیوں سے دنیا طلبی کا ارادہ کرے ہم اُس کو دنیا دے دیتے ہیں پھر آخرت میں مذموم مدحور ہو کر جہنم میں گرے گا۔ اِس سے ثابت ہوا کہ جو شخص اس دنیا میں ترکِ دنیا اور زاہد بن کر رہے گا وہ تو دائمی جہنم سے بچے گا لیکن جس نے مال دولت حکومت سلطنت جمع کرنے کا ارادہ کیا وہ دائمی جہنمی ہے۔ حالانکہ بہت سے مسلمان اور نیک لوگ بھی اپنی تجارت وغیرہ سے حصولِ دولت اور دنیا طلبی کرتے ہیں اسی لیے مسلمانوں میں بھی بڑے بڑے دولت مند اور سلاطین گزرے ہیں۔ اور ان کو نیک اور جنتی لوگوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کی کیا وجہ۔؟

جواب ۔ اس کے تین جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ دنیا طلبی کا اِس طرح ہمہ وقتی پختہ اور مضبوط ارادہ ہو کہ آخرت کا یقین ہی مٹ جائے۔ قیامت پر ایمان ہی نہ ہو جیسے کفار اور منافقین یہاں اسی قسم کے ارادے کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس لیے يَصْلٰهَا اور مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا بالکل درست ہے۔ دوم یہ کہ يَصْلٰهَا سے مراد دائمی جہنم نہیں بلکہ اس کے برے ارادے اور برے ارادے کے ذریعے حرام و بدکاری کی طلب کا جو گناہ ہے اس کے بدلے کی عارضی جہنم پھر باقی نیکیوں کی وجہ سے ایمان کی بنا پر جنت کا داخلہ ہو جائے گا۔ مسلمان اگرچہ کتنا ہی لالچی اور طالبِ دنیا بن جائے پھر بھی آخرت کے لیے بہت کچھ کر لیتا ہے۔ سوم یہ کہ دنیا صرف خدا تعالیٰ سے غافل ہونے کا نام ہے۔ یعنی دنیا کی طلب میں اللہ تعالیٰ اور اُس کی سزا جزا کو بالکل ہی بھول جائے حرام و حلال کی پرواہ نہ کرے نہ کسی وقت آخرت کی تیاری میں گزارے ایسا غافل شخص جو بھی ہو اپنا ایمان برباد کر لیتا ہے۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا عَجَّلْنَا لَهٗ۔ یعنی جو بھی دنیا طلبی کا ارادہ کرے ہم اس کو دنیا دیدیتے ہیں۔ حالانکہ دیکھا گیا ہے بہت سے لوگوں کو طلب کے باوجود کچھ نہیں ملتا زندگی بھر باوجود محنت مشقت کرنے کے نہایت عقل و فکر سے کاروبار کرنیکے ننگے بھوکے اور غریب ہی رہتے ہیں تو پھر اس آیت کا معنی کیا ہے۔؟

جواب ۔ اس اعتراض کا جواب تو آیت کے اندر ہی موجود ہے۔ کہ فرمایا گیا۔ مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ یعنی یہ ضروری نہیں کہ ہر ایک کو ہی دیں لِمَنْ نُّرِيْدُ۔ جس کو ہم دنیا چاہتے ہیں دیدیتے ہیں۔ اگرچہ ہر دنیا پرست

ہی راتوں رات امیر کبیر بننا چاہتا ہے۔ لِمَنْ نُّرِیْدُ میں لفظِ مَنْ موصولہ۔ بَدَلُ الْبَعْضِ ہے اور عَجَّلْنَا لَهٗ میں ہٗ ضمیر مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے اِس کا مرجع مَنْ كَانَ کا مَنْ ہے۔ اور ترکیبی ترجمہ اِس طرح ہے کہ وہ تمام لوگ جو اپنے نیک اَعمال سے عَاجِلَہ یعنی دنیا طلبی کا ارادہ کرتے ہیں اِن میں سے جن بعض کو ہم دینے کا ارادہ کرلیں تو جو ہم چاہتے ہیں عَجَّلْنَا اُس کو موجودہ دنیا میں ہی دے دیتے ہیں پھر انہی بعض کے لیے جہنم بنا دیتے ہیں۔ اب اس ترکیبی جواب سے معترض کا سارا خدشہ ختم ہوگیا۔ اور بات واضح ہوگئی کہ دنیا پرست کوئی دنیا میں پوری مَن مانی نہیں کرنے دی جاتی بلکہ کسی کو بالکل مایوسی کسی کو تھوڑا کسی کو زیادہ دے کر یہیں کا یہیں معاملہ ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور آخرت میں ان کے لیے کچھ بھی نہیں

تیسرا اعتراض ۔ ایمان اللہ کی مخلوق نہیں بلکہ بندے کا اپنا پیدا کردہ ہے اس لیے جس طرح اللہ تعالیٰ کے دینے پر ہم بندے اُس کا شکر کرتے ہیں اسی طرح بندے کے ایمان لانے پر اللہ بھی محض اپنے کرم سے بندے کا شکریہ ادا کرتا ہے۔ چنانچہ یہاں فرمایا گیا۔ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ مَشْكُوْرًا۔ کا معنیٰ ہے شکریہ ادا کیا ہوا۔ یعنی اللہ کی طرف سے شکریہ ادا کیا جاتا ہے (معتزلی خارجی)

جواب ۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ یہ اعتراض انتہائی جاہلانہ اور کفریہ ہے۔ ایمان اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق و پیدائش ہو ہی اللہ ایمان کو بندے کے قلب میں پیدا کرتا ہے۔ مَشْكُوْرًا کا معنیٰ شکر گزاری نہیں بلکہ قابلِ احترام اور قابلِ قدر باعثِ ثواب ہے۔ اور وہ بھی ایمان نہیں بلکہ سَعْيُهُمْ کا یہ درجہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَّكَفٰى بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ جَهَنَّمَ يَصْلٰهَا مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ اے روحِ کائنات رحمتِ عالمیان تجھے معلوم ہے کہ نوحِ قلب کے ظہورِ وجود کے بعد قالبِ انسانی کے کتنے ہی وارداتِ دنیوی اور جاریاتِ نفسانی کو ہم نے فنا کر دیا۔ اور تیرا پروردگارِ عالَم اپنے تمام بندگانِ ناسوتی ولاہوتی کے تمام اَفعالِ نیک و بد اور اَسرارِ مخفیہ سے وَنَقَائِصِ خَفِیہ وظہوریہ سے کافی و وافی ہر طرح خبر رکھنے والا ہے۔ راہِ سلوک میں جو شخص بھی بے سلوکی اور نا خلفی کرتا ہے۔ عجلتِ شیطانی سے۔ صرف ظاہری طلب کرتا ہے۔ اور اسی عالَم کے لیے سب کچھ ریاضت کرتا ہے۔ ہم اُس کے لیے جس کو ہم اپنے دروازۂ انوار سے دور کرنا چاہتے ہیں جتنا ہم ارادہ کرتے ہیں۔ جلدی اِسی عالَمِ فنا میں عزت و مرتبت عطا فرما دیتے ہیں۔ مقامِ قُدس میں اُس کا پھر کوئی حصہ باقی نہیں رہتا۔ اس عالَمِ فنا کے بعد فراقِ نار کی اَبدی جہنم میں اس کو پورا ٹھکانے لگا دیتے ہیں۔ فنائے ابدی کے ذلیل اور بُرے راستوں میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ اور اس کے ہر کام سے شیطانیت

ہی ظاہر و غالب ہوتی ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ ظاہری مکر و فریب دنیا کے لیے جُبّہ و دستار کا لبادہ ہے جس میں علماءِ سوء طالبانِ خیراتِ دنیا مُبتلا ہے اور باطنی مکر و فریب گودڑی اور تسبیح و مرقّع ہے۔ وہ حماقتیں ہیں اور یہ ملامتیں ہیں اور دونوں ہی جہنم کا راستہ ہیں ظاہر کی مدحتیں باطن کی مذمتیں ہیں اور ظاہر کی دعوتیں باطن میں مَدْحُوْرًا ہیں۔ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ اور جو بندۂ مخلص اپنی تزکیۂ قوتِ روح اور سلامتیٔ فطرت کے وسیلے آخرتِ دائمی کا ہی ارادہ کرے۔ اور اصلِ ایمان کو مضبوط کر کے عملِ صالح کی شرطوں پر نیتِ خیر سے قائم رہا اپنی آخری سانس تک اس کی اس مجوبانہ اداؤں کوششوں کو شکرِ محبت آفرین شفقت کی نظر سے دیکھا اور قبول کیا جائے گا۔ اس لیے کہ طلبِ حقیقی اور ارادۂ خلوص وریاضتِ صافیہ استعدادِ مطلوب ومقصود کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ اور یہ قانونِ فطرت ہے کہ جب مطلوب کی رہنمائی کرنے والی اِستعداد اور قوت مل جاتی ہے۔ تو پھر بالفعل حاصل ہونا کچھ مشکل نہیں ہوتا۔ اور انعام مقبولیت وثوابِ محبوبیت کا غیب سے مشاہدے میں آنا مقدّر ہے۔ اور اس انعام مشاہدے کے لیے سعی پیہم حق ہے۔ بندے کا کام کوششِ طلب ہے جب بندۂ سالک پُرخُلوص کوشش میں ہمہ تن لگ جاتا ہے تو پھر اس کا حق بن جاتا ہے کہ اس کی کوشش مقامِ شکر تک پہنچے۔ یہاں سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا۔ اِسی اظہارِ حق کے لیے فرمایا گیا۔ مگر شرطِ اوّل وہی ایمانِ غیبی ویقینی ہے۔ اس ایمانِ سِرّی کے بغیر کوششِ طلب ہو ہی نہیں سکتی۔ بندہ جب اپنے قلب وقالب کو سلوکِ جبروتی کی منزل پر چلاتا ہے تو اس میں بِالْقُوَّہ اِستعداد کی بے شمار صلاحیتیں اور صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔ اور یہ صلاحیتیں بلا امتیاز اور بلا خصوصیت کے پیدا ہوتی ہیں۔ لیکن بندے کے لیے یہ مقام انتہائی نازک اور کٹھن ہوتا ہے اگر بندے کی یہ سب محنتیں دنیوی جاہ ومرتبت کے لیے ہوں تو بھی محنت ضائع نہیں جاتی اُس کے آئینۂ دل کی اِس پیدا شدہ جِلا میں دنیا کی ہر چیز جھلملا جاتی ہے۔ اور شیطانی شعاعیں جادوئی قوتیں ابلیسی مکاشفات حاصل ہو جاتے ہیں۔ اور وہ انسان ان فضاؤں کے نیچے نیچے بہت کچھ حاصل کر لیتا ہے۔ لیکن جب بندہ یہ سب محنتیں مشاہداتِ جمالِ کبریا کے لیے کرتا ہے تو اُس کا قلب اَنوارِ الٰہیہ کی تجلیات سے معطّر ومنوّر ہو کر ولایتِ الٰہیہ کا وارث بن جاتا ہے۔ نشان وعلامت دونوں کے یہ ہیں کہ اگر بندہ نقشۂ نبوت اور اللہ تعالیٰ کے امر ونہی کے عین مطابق بنتا ہے تو سمجھ لو اس کی سعی مَشْكُوْرًا ہے اور اگر نفس پرستی دنیا طلبی شریعت کی مخالفت ہے تو سمجھ لو کہ یہ جبہ ودستار مَذْمُوْمًا مَّدْحُوْرًا ہے (معاذ اللہ)

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ؕ

ہرایک کو ہم مدد دیتے ہیں ۔ یہ جہان و وجہان ۔ سے بخشش رب آپ کے

ہم سب کو مدد دیتے ہیں اُن کو بھی اور اِن کو بھی تمہارے رب کی عطا سے

وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ﴿۲۰﴾ اُنْظُرْ

اور نہیں ہے بخشش آپ کے رب کی سے روکی ہوئی ۔ دیکھو

اور تمہارے رب کی عطا پر روک نہیں ۔ دیکھو ہم نے

كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ وَ

کس طرح بلندی دی ہم نے بعض کو اُن کے ۔ پر بعض اور

اُن میں ایک کو ایک پر کیسی بڑائی دی اور

لَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ﴿۲۱﴾

البتہ وہ جہان ۔ بہت بڑا ہے کئی طریقوں سے اور بہت بڑا بلندی میں بھی

بیشک آخرت درجوں میں سب سے بڑی اور فضل میں سب سے اعلیٰ ہے

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ

نہ بنا اے کافر اللہ کے ساتھ ساتھ دوسرا ورنہ قیامت میں بیٹھ رہے گا

اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھیرا کہ تو بیٹھ رہے گا

ع ۲۱ ۲ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ﴿۲۲﴾ ع وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا

برائی کیا ہوا ذلیل کیا ہوا ۔ اور فیصلہ فرمادیا رب نے آپ کے کہ نہ

مذمت کیا جاتا بیکس ۔ اور تمہارے رب نے حکم فرمایا کہ اُس کے سوا کسی کو

تَعۡبُدُوۡۤا اِلَّاۤ اِیَّاہُ وَبِالۡوَالِدَیۡنِ اِحۡسَانًا

عبادت کرو تم مگر اسی کی اور ماں باپ سے احسان

نہ پوجو اور ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو

اِمَّا یَبۡلُغَنَّ عِنۡدَکَ الۡکِبَرَ اَحَدُہُمَاۤ اَوۡ

یا تو پہنچ جائیں موجودگی میں تیری بڑھاپے کو ایک اُن میں سے یا

اگر تیرے سامنے ان میں ایک یا دونوں بڑھاپے کو

کِلٰہُمَا فَلَا تَقُلۡ لَّہُمَاۤ اُفٍّ وَّلَا تَنۡہَرۡہُمَا

وہ دونوں تو نہ بات کر اُن دونوں سے سخت اور نہ جھڑک اُن کو

پہنچ جائیں تو اُن سے ہوں نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا

وَقُلۡ لَّہُمَا قَوۡلًا کَرِیۡمًا ﴿۲۳﴾

اور بات کر اُن دونوں سے ایسی بات جو بہت ادب اور تعظیم کی ہو

اور اُن سے تعظیم کی بات کہنا

تعلق

اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں مختلف بندوں کے مختلف ارادوں کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیتوں میں ہر شخص کو اُس کے ارادے کے مطابق ملنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں دنیوی مختلف حالتوں کا ذکر ہوا تھا اب اِن آیات میں دنیوی مختلف درجوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں نیک لوگوں کی کوشش محنت اور محبت کا ذکر ہوا کہ نیک بندوں کو کس چیز سے الفت ہے۔ اب اِن آیات میں نیکیوں کی دو قسموں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ایک نیکی حقوق اللہ یعنی عبادتِ الٰہی ہے اور یہی مقدم ہے۔ اور دوسری قسم حقوق العباد ہے جس میں سب سے زیادہ تقدم تعظیم و توقیر والدین کی ہے **چوتھا تعلق** ۔ آیت ۱۳ میں فرمایا گیا کہ ہر شخص کے گلے میں اُس کا نامۂ اعمال بشکل طائر لٹکا ہوا ہے

دنیا میں نظر نہیں آتا قیامت میں وہ منشور یعنی ہر شخص کو نظر آنے والا ہوگا۔ اب ان آیتوں میں دنیا کے مختلف مزاج و عادات و خصائل کے لوگوں کا ذکر کیا گیا تاکہ ان خصائل کے ذریعے اُن کے اچھے برے (طائر) اعمال نامے کا دنیا میں ہی کچھ نہ کچھ نشان و پتہ چل جائے اس لیے دو قسم کے انسانوں کا ذکر فرمایا گیا۔

۱ طالب دنیا ۲ طالب مولیٰ تعالیٰ و آخرت۔

تفسیر نحوی

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۔ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۔

كُلًّا ۔ اسم تاکیدی۔ نکرہ معرب لفظاً واحد ہے معنیً جمع ہوتا ہے اسی لیے اس کا موکد جمع بھی ہوتا ہے واحد بھی کبھی معرف باللام بھی ہوتا ہے مگر قرآن مجید میں معرّف نہیں ہے۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے مگر مضاف الیہ محذوف منوی بھی ہوتا ہے۔ جیسے یہاں کہ دراصل تھا كُلُّهُمْ۔ کُل چار طرح مستعمل ہے ۱ کُل انفرادی بمعنیٰ ہر ایک یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ ۲ کُل فردی بمعنیٰ ایک پورا ۳ کُل مجموعی بمعنیٰ سب ۴ کُل اجتماعی بمعنیٰ تمام اکھٹے۔ نُمِدُّ۔ باب افعال کا مضارع معروف جمع متکلم مصدر ہے اِمْدَادٌ مَدٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ قوت دینا۔ ہاتھ بٹانا۔ تعاون کرنا۔ ساتھ دینا۔ دراصل تھا نُمْدِدُ۔ بروزن نُكْرِمُ مخاطِب اللہ تعالیٰ۔ هٰٓؤُلَآءِ۔ اسم مبنی مفرد معنیً جمع ہے اسم اشارہ قریبی کے لیے دو لفظوں سے جُڑ کر بنا ہے۔ ۱ ھا حرفِ تنبیہ ۲ اُولاء اسم اشارہ قریبی۔ بحالت فتحہ ہے معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ هٰٓؤُلَآءِ بدل کُل ہے كُلًّا کا پھر سب معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ نُمِدُّ کا مِنْ جارّہ سببیہ عَطَآءِ اسم مصدر ثلاثی بمعنیٰ دینا۔ مضاف ہے رَبِّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ پروردگار۔ متکلم کے بعد غائب سے تذکرہ اظہارِ ربوبیت اور بلا معاوضہ عطا کو بیان کرنا ہے۔ كَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ دوہری (ڈبل) مرکّب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ نُمِدُّ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ۔ مَا كَانَ ماضی مطلق منفی ناقصہ عَطَآءُ رَبِّكَ۔ ڈبل مرکّب اضافی اسم ہے مَحْظُوْرًا اسم مفعول صیغہ واحد مذکر۔ باب نَصَرَ سے ہے حَظْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ روکنا۔ منع کرنا پنجرہ بنانا باڑا یا باڑھ بنانا۔ اس معنیٰ سے متعدّی ہے یہاں بمعنیٰ روکنا ہے متعدّی ہے ترجمہ روکا ہوا۔ لازم بھی ہوتا ہے تب بمعنیٰ پھنسنا ہے۔ خبر ہے مَا كَانَ کی۔ وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مکمل ہوا۔ اُنْظُرْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا عام مسلمان یا عام انسان۔ كَيْفَ۔ اسم مبنی مبہم غیر متمکّن ہے۔ بحالت فتحہ محلی حکمی ہے کیونکہ اپنے مابعد

مظروف سے مل کر ظرف مجازی ہے اُنْظُرْ کا۔ کیف دو قسم کا ہوتا ہے ۱ شرطیہ بمعنیٰ جیسے یا جس طرح
۲ استفہامیہ بمعنیٰ کیسے یا کس طرح۔ یہاں کیف سوالیہ ہے۔ اگر اُنْظُرْ میں خطاب کا مرجع پہلا ہو تو
یہ سوال اظہارِ شان اور تعجب کے لیے ہے اگر مرجع مسلمان ہو تو سوال تنبیہ کے لیے۔ اگر مرجع عام
مسلمان ہو تو یہ استفہام (سوال) توبیخ کے لیے بہر صورت حقیقتاً سوال یعنی پوچھنا مراد نہیں۔ فَضَّلْنَا
بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم۔ مصدر ہے تفضیلٌ۔ بمعنیٰ بزرگی دینا۔ متعدی
ہے فَضْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بزرگ ہونا لازم ہے۔ نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اِس کا فاعل ہے جس کا مرجع
اللہ تعالیٰ ہے۔ بَعْضٌ۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ کوئی۔ کسی۔ کچھ۔ اَصْلاً نکرہ غیر معین ہوتا ہے اگر مضاف
ہو تو بالتبع معرفہ ہوتا اکثر واحد کے لیے ہوتا ہے۔ مگر زیادتی بھی قلیل طور پر ہو جاتی ہے۔ نوٹ
کُلٌّ کا مقابل ہے۔ یہاں بمعنیٰ کچھ لوگ ہے۔ مضاف ہے ہُمْ ضمیر جمع غائب مضاف ہے۔ مرکب اضافی
مفعول بہ ہے فَضَّلْنَا کا علیٰ جارّہ استعلائیہ۔ بَعْضٍ مجرور متعلق ہے فَضَّلْنَا کا جملہ فعلیہ ہو کر مظروف ہوا
ظرف مظروف مل کر۔ ظرفِ مجازی ہوا اُنْظُرْ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ لام مفتوحہ
ابتدائیہ تاکیدیہ یا لامِ کَہٗ بمعنیٰ یقیناً۔ الف لام عہدی آخِرَۃ بمعنیٰ اگلا جہان (عالمِ بہشت) مبتدا
ہے۔ اَکْبَرُ اسم تفضیل واحد مذکر کِبْرٌ یا کَبُرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بڑا ہونا ہر مقابل سے ہر اعتبار سے ہر وقت
اللہ تعالیٰ کی بھی صفت غیر خصوصی ہے۔ ترجمہ ہے ہر لحاظ سے بہت بڑائی والا۔ ممیز ہے۔ دَرَجٰتٍ
جمع مؤنث سالم ہے درجہ کی بمعنیٰ مرتبہ بلندی۔ مقامِ بزرگی۔ اونچائی۔ یہاں مراد مرتبہ ہے۔ اِس کے اعراب
میں دو قول ہیں۔

۱ بحالت کسرہ تمیز مضاف الیہ ہے اکبر ممیز مضاف کی ۲ بحالتِ فتحہ ہے تمیز ہے اور اکبر صرف
ممیز ہے۔ اضافت نہیں جیسے اگلی عبارت میں اَکْبَرُ میں دونوں جگہ تنوین سے مانع غیر منصرف ہونا ہے کیونکہ
وزنِ فعل اور وصف ہے۔ یہ ممیز تمیز معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ۔ اَکْبَرُ ممیز تفضیلاً۔ بابِ تفعیل کا مصدر
ہے بمعنیٰ بزرگی۔ بڑائی دینا۔ بحالتِ نصب ہے تمیز ہے ممیز تمیز مل کر معطوف ہوا۔ اور دونوں مل کر
خبر مبتدا ہوا پھر سب جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہو۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ۔ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا۔ وَ
قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۔ لَا تَجْعَلْ ۔ بابِ فتح کا فعل
نہی حاضر معروف واحد حاضر اَنْتَ اِس کا فاعل مرجع ہے کافر۔ مَعَ۔ اسم ظرف مکانی ہمیشہ مضاف ہوتا
ہے مضاف الیہ۔ مرکب اضافی ظرف ہوا لَا تَجْعَلْ کا اِلٰهًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ معبود موصوف ہے
اٰخَرَ اسم تفضیل واحد مذکر بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ تابع (صفت) اِلٰهًا کی۔ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہے

لَا تَجْعَلْ کا۔ مفعول بہ اوّل مع اللہ ہے حکمًا مفعول بہ ہے ظاہرًا مفعول فیہ (ظرف) فَ تعقیبیہ ابتدائیہ۔ تَقْعُدَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف۔ منصوب ہے فَ کی وجہ وہ ف جزائیہ ہے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ لَا تَجْعَلْ سے پہلے اِنْ شرطیہ پوشیدہ ہے۔ معنوی شرط ہے فَ بمعنی ورنہ ہے۔ اَنْتَ اس میں فاعل ضمیر ہے مَذْمُوْمًا مَخْذُوْلًا دونوں اَنْتَ کے حال ہیں۔ مَذْمُوْمًا اسم مفعول واحد مذکر۔ ذَمٌّ سے بنا ہے مضاعف ثلاثی ہے۔ بمعنی برائی کرنا۔ برائی پہنچانا۔ مَخْذُوْلًا اسم مفعول خَذْلٌ سے بنا ہے بمعنی ذلیل کرنا۔ جملہ فعلیہ ہو کر حکمًا جزا ہوئی شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔ واؤ ابتدائیہ قَضٰی باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد غائب کا صیغہ قَضٰیٌ سے بنا ہے بمعنی حکم کرنا۔ لفظ قَضٰی قرآن مجید کی مختلف آیت میں چھ طرح مستعمل ہے۔

عا حکم فرمانا جیسے یہی آیت ع۲ عہد اور وعدہ کرنا۔ جیسے اِذْ قَضَیْنَا اِلٰی مُوْسَی الْاَمْرَ۔ ع۳ فارغ ہونا جیسے اِذَا قَضَیْتُمْ مَّنَاسِکَکُمْ ع۴ فیصلہ کرنا۔ جیسے فَاقْضِ مَا اَنْتَ قَاضٍ ع۵ پیدا کرنا جیسے فَقَضٰهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ع۶ ارادہ کرنا جیسے۔ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا۔ اور ایک قول میں یہاں بمعنی فیصلہ کرنا ہے رَبُّکَ۔ یہاں کَ ضمیر کا مرجع یا کافر ہیں یا عام مسلمان۔ یا یہ جملہ علیحدہ ہے اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ مرکب اضافی فاعل قَضٰی کا۔ اَلَّا۔ دراصل ہے۔ اَنْ لَا۔ اَنْ حرف ناصبہ لَا تَعْبُدُوْا باب نَصَرَ کا نہی حاضر معروف اِلَّا حرف استثنا متصل ہے یا منقطع مفرغ اس لیے کہ اس کا مستثنٰی منہ۔ اَحَدًا محذوف ہے دراصل تھا اَلَّا تَعْبُدُوْا اَحَدًا اِلَّا اِیَّاہُ متصل اس لیے کہ اَحَدًا اور اِیَّاہُ نسبت عبادت میں شامل ہیں منقطع اس لیے کہ اَحَدًا سے مراد جھوٹا معبود ہے اور اِیَّاہُ کا مرجع اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے اور جمہور نے اتصال کیا۔ زیادہ صحیح یہی ہے۔ سب مستثنٰی مفعول ہے۔ لَا تَعْبُدُوْا جملہ فعلیہ ہو کر مفعول ہے قَضٰی کا۔ لیکن پہلے معطوف علیہ واؤ عاطفہ بِالْوَالِدَیْنِ کی الف لام استغراقی وَالِدَیْنِ تثنیہ ہے والد کی مراد ہے حقیقی ماں باپ بحالت کسرہ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق فعل محذوف ہے اَحْسِنُوْا کے اِحْسَانًا۔ باب افعال کا مصدر ہے بمعنی بھلائی کرنا۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے۔ فعل پوشیدہ اپنے فاعل متعلق اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَلَّا کا۔ اِیَّاہُ میں۔ اِیَّا حرف زائد ہے حصر کے لیے اور ہُ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل۔ صرف مشابہتِ اتصال کے لیے اِیَّا لایا گیا۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ کِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا۔ اِمَّا۔ یہ دو لفظ ہیں ع۱ اِنْ شرطیہ ع۲ مَا زائدہ تاکیدیہ۔ یَبْلُغَنَّ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مثبت معروف بانون ثقیلہ۔ مَا تاکیدیہ کی وجہ سے لام تاکید نہیں آیا۔ بعض نحات کے نزدیک مَا تاکیدیہ کے بعد نون تاکید کا آنا واجب ہے بعض کے نزدیک جائز۔ (تفسیر معانی) بُلُوْغٌ سے بنا ہے بمعنی پہنچنا۔ عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہوتا ہے۔ کَ ضمیر مخاطبہ کا مرجع عام انسان یا مسلمان مرکب اضافی ظرف ہے

الف لام جنسی۔ کِبَرَ۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی عمر کا بڑا ہونا۔ مراد ہے انتہائی بڑھاپا۔ بحالتِ فتحہ ہے مفعول فیہ ہے۔ اَحَدُ۔ اسم عددی ہے پہلا عدد ہے بمعنی ایک۔ ھُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ اَحَدُ کا۔ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے۔ کِلَا۔ اسم تاکید مفرد لفظی ہے اور تثنیہ معنوی۔ اِس کا مونث کِلتا ہے ہمیشہ مضاف ہوتا ہے جب مضاف الیہ اسم ظاہر ہو تو تینوں اِعراب۔ رفع۔ نصب۔ جر میں کِلا الف کے ساتھ ہی ہوتا ہے۔ جب مضاف الیہ ضمیر ہو تو بحالتِ رفع کِلا ہو گا۔ اور بحالتِ جر و فتحہ کِلَیْ ہوتا ہے۔ یہاں مرفوع کیونکہ احدُ کا تابع ہے ھُمَا مضاف الیہ دو نو ھُمَا کا مرجع وَالِدَیْنِ ہے۔ مرکب اضافی معطوف ہے اَحَدُ پر۔ دونوں مل کر فاعل ہے یَبْلُغَنَّ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ۔ لَا تَقُلْ باب نَصَرَ کا فعل نہیں معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع عام انسان مخاطب۔ قَوْلٌ اجوف واوی سے بنا ہے۔ لام جارّہ تعدیہ کا۔ ھُمَا ضمیر تثنیہ مرجع ہے وَالِدَیْنِ۔ جار مجرور متعلق لَا تَقُلْ کا۔ اُفٍّ۔ اسم صوتی ہے۔ آواز والی پھونک کا نام کیفیت ہے۔ کان کی میل جو کھجلی پیدا کرے اور اَلتَّف ناخن کی میل کو کہتے ہیں اُف مجازاً ہر اُس آواز کو کہتے ہیں جو کان میں سنائی دے کر تکلیف پیدا کرے یا رنج۔ یا غم۔ یا گھٹن۔ یا افسردگی۔ افسوس پیدا کرے۔ ایک قول اکثم مبنی اصل ہے ہمیشہ اسی وزن پر رہتا ہے اور ایک قول میں کبھی اُفٌّ بھی ہوتا۔ ایک قول میں اُفِّیْ سے تعلیل ہوا ہے لفظ اُف میں سات قرأتیں ہیں ۱ اُفّ ۲ اِف ۳ اُفِّ ۴ اُفَّ ۵ اُفٌّ ۶ اُفِّیْ ۷ اُفّہٗ۔ یہاں مراد معمولی نفرت کا اظہار ہے۔ محلاً منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ لَا تَنْھَرْ۔ باب فَتَحَ کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے ھُمَا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یا اُف پر۔ لیکن زیادہ صحیح یہ ہے کہ عطف لَا تَقُلْ پر ہے۔ واؤ عاطفہ قُلْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ فاعل لام جارّہ تعدیہ کا ھُمَا ضمیر غائب کا مرجع وَالِدَیْنِ۔ جار مجرور متعلق ہے قُلْ کا۔ قَوْلًا اسم مصدر۔ جامد (حاصل مصدر) بمعنی بات۔ کلام موصوف۔ کَرِیْمًا۔ صفت مشبہ۔ بمعنی اسم فاعل کَرُمَ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے۔ کرم والا۔ محبت والا۔ اَخلاقِ حسنہ والا۔ منصوب ہے۔ کیونکہ صفت ہے۔ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ مفعول مطلق نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ وہ مصدر ہے اور مصدر موصوف نہیں ہو سکتا۔ قُلْ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَا تَقُلْ پر۔ سب عطف جملہ عاطفہ انشائیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا ۔ اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا ۔ لَا تَجْعَلْ

مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۔ کائناتِ عالم میں جتنی بھی انسانی غیر انسانی مسلم غیر مسلم ۔ کافر مومن طالب دنیا طالبِ مولیٰ شاکر غافل اچھی بری مخلوق ہے اُن سب کو ہم حیاتِ دنیا میں ہر طرح سے عیش و آرام کی تندرستی و صحت شفاء و علاج کی پوری مدد دیتے ہیں خواہ یہ ہمارے قرب عبادت میں آنے والے نیک بندے ہوں یا وہ ہماری محبت و عبادت سے دور ہٹنے والے دنیا میں پھنسنے والے بھٹکنے والے ہوں ۔ اے حبیبِ کریم صلی اللہ عَلَیْکَ وَسَلَّمْ آپ کے ہی رب تعالیٰ کی عطاؤں کے یہ وسیع و عریض دستر خوان زمانے میں بچھے ہوئے ہیں ۔ فرماں بردار اور نافرمان کو ملتا ہی رہے گا ۔ آپ کے رب کی یہ عطائیں آپ کی محبت اور رحمتِ عالمینی کی وجہ سے ہیں تا قیامت کسی پر یہ نعمتوں دولتوں آل اولاد عزت عظمت فضیلت امیری شان و شوکت تندرستی کے انعامات بند نہیں ۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں دنیا میں ہر طرح کی نعمت ہر انسان کو مکمل اَزلِ دُھُوْر سے مل رہی ہے اس کی وجہ صرف پیارے نبی کی رحمتِ عالمینی ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ ہر موقعے پر اپنی ربوبیت کی نسبت رَبُّکَ فرما کر اپنے حبیب کی طرف فرما دیتا ہے ۔ ہر عطا کی کوئی وجہ ہوتی ہے ۔ اگر رازقِ کائنات کے رزق ملنے کا سبب اور علت خود مرزوق ہی ہو تو کوئی بندہ بھی رزق کا مستحق نہ بن سکے نہ نیک نہ بد نہ اچھا نہ برا ۔ کیونکہ کسی بھی نیک کی نیکی اس درجے کی نہیں ہو سکتی کہ رب تعالیٰ کی کسی ایک نعمت کا ہی حقدار بن سکے چہ جائے کہ کسی کافر کو نعمتیں ملیں یہ تو اس کریم رحیم مولیٰ تعالیٰ کی عظیم شفقت و محبت ہے کہ سب سے پہلے اپنے رحمۃ عالمین نبی مکرم کو پیدا فرما دیا تاکہ اُن کی محبت کائناتِ مخلوقیہ کو تمام نعمتیں ملنے کا ذریعہ بن جائے اللہ کی دنیوی نعمتیں اللہ کی جانب سے اپنے حبیب کے قدموں کی بکھیر ہے لہٰذا ہر شخص لے اور کھائے پیئے موج اڑائے کوئی محظور و ممنوع اور روکا ہوا نہیں اور اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ نے ہماری ان عطاؤں کا اندازہ لگانا ہے تو ذرا اپنی بے مثل آنکھوں سے تا قیامت لوگوں کو اُنْظُرْ (نگاہیں اٹھا کر دیکھیے) نظارہ فرمایئے کہ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۔ کس طریقے سے ہم نے اِس دنیا جہان میں تمام انسانوں میں بلا امتیازِ مذہب اور بلا تفریقِ حق و باطل بعض بہت سوں کو بعض بہت سوں پر دنیوی اور بلا امتیاز خصوصی دینی فضیلت دی ۔ دنیوی اس طرح کہ کسی کو امیر حاکم وزیر بادشاہ تاجر ۔ صنعت کار بنا دیا اور کسی کو غریب محکوم رعایا مزدور بنا دیا ۔ اس انتخاب میں انسانی کوشش عقل اور تجربہ محنت ناکام ہے اس لیے کہ

بنا داں آنچناں روزی رساند

کہ دانا اندراں حیراں بماند محققین !

فرماتے ہیں کہ اُنْظُرْ میں صرف آقاءِ دو عالم حضور اقدس محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی خطاب ہے اس لیے

کہ آنکھوں کی نظر اور بینائی سے دیکھنے کا حکم ہے اور اہلِ فضیلت تو دنیا میں مختلف مقامات پر بکھرے پڑے ہیں تو بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس انسان کی طاقت ہے جو اپنی آنکھوں کی نظر سے اہلِ جہان کے تمام فضیلت والوں کو دیکھ سکے یہ تو رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہوں کو ہی طاقت بخشی ہے کہ اپنی نگاہوں سے آگے پیچھے اوّلین و آخرین کو دیکھ سکتے ہیں اور موجود و مفقود اور معدوم کو بھی دیکھ لیتے ہیں اسی لیے اُنْظُرْ فرمایا گیا ورنہ لفظِ اُنْظُرْ کہنا بیکار ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ تا قیامت مسلمانوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا ۔ اسی معنی میں تمام مسلمان نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حاضر و ناظر مانتے ہیں اللہ تعالیٰ نے یہاں اُنْظُرْ فرما کر اس عقیدے کو درست قرار دیا۔ دنیا میں انسانی فضیلت سات طرح سے حاصل ہوتی ہے۔

۱ عقل و خرد کے ذریعے عام طور پر ۲ پڑھنے پڑھانے اور نوکری ملازمت سے ۳ فن کاری اور کارسازی کاریگری سے ۴ وراثت سے ۵ خاندانی مدارج اور بڑائی سے ۶ تجارت سے۔ ۷ محض عطاءِ ربانی بغیر کسی ظاہری وسیلے۔ یہ دنیا مرکزِ عقلیات ہے اس لیے ہر عقل والا اپنی دنیوی فضیلت جائز اور ناجائز حلال و حرام طریقے سے بڑھا سکتا ہے یہاں تک کہ ایک ظالم کافر بھی دنیوی اعتبار سے ایک انتہائی متقی بندے نیک انسان سے زیادہ دنیوی فضیلت حاصل کر لیتا ہے یہ سب کچھ ہوتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہے مگر ذرائع مختلف اسی فضیلتِ دنیوی کا یہاں ذکر ہو رہا ہے۔ اور البتہ آخرت قبر حشر نشر جنّت درجوں میں دنیا سے کئی کروڑ درجے بڑی ہے اور عزت و شرافت کی فضیلت میں بھی بہت ہی بڑی ہے۔ خیال و گمان سے بھی وَرا۔ اے انسان زندگیٔ دنیوی کو دنیا کی دوڑ دھوپ میں برباد کرنے والے اگر اُخروی درجوں اور ابدی فضیلتوں کو حاصل کرنا چاہتا ہے۔ تو۔ لَا تَجْعَلْ ۔ اپنے عقیدے اپنے عمل اپنے کردار اپنے خیالات و ہمیات اور اپنی عبادت اپنی چال ڈھال گفتار غرض کہ کسی حالت کسی صورت میں بھی اللہ کے سوا کسی اور کو معبود نہ سمجھ۔ ایسی پاکیزہ زندگی بنا کہ ہر ہر عمل ہر ہر بات سے توحیدِ الٰہی کے پھول کِھلتے رہیں۔ فَتَقْعُدَ ۔ ورنہ۔ یعنی اگر تو نے اپنی کسی حالت سے توحیدِ باری کے خلاف اظہار کیا اور کسی بھی طریقے سے کسی غیرِ خدا کو معبودیت کا درجہ دیا تو دنیا جہان کی بدبختیوں برائیوں کے ساتھ دنیا اور قبر حشر میں پڑا رہ جائے گا۔ اس طرح کہ ہر مومن اور ہر فرشتے کی طرف سے تجھ کو برائی پہنچیگی بھی اور اللہ کے دردناک عذاب کی وجہ سے مَخْذُوْلًا یعنی ذلیل بیٹھا رہ جائے گا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لَا تَجْعَلْ میں خطاب نبی کریم کو ہے مگر نسبت عام لوگوں کی طرف ہے۔ تو ترجمہ اس طرح ہے کہ اے نبی نہ بننے دو تم اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود ورنہ اپنے مقصد میں بُرے بن کر بیٹھے رہو گے اور ناکام ہو کر

کفار کی نگاہ میں محتدول ہو جاؤ گے۔ یعنی ہمہ تن گوش ہوش فکر کے ذریعے شرک سے لوگوں کو بچاتے رہو۔ وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۭ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ اَوْ كِلٰـهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۔ اور اے پیارے نبی آپ کے رب تعالیٰ نے اپنے انبیاءِ کرام اور کُتُب و صُحُف کے ذریعے ساری کائناتِ عالم کو حکم دے دیا ہے کہ اے مخلوق مت عبادت کرو تم مگر اسی اللہ خالق تعالیٰ کی۔ اس لیے کہ معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو اور تمام کائنات کو جسم اور روح کو پیدا کرنے والا ہو۔ خیال رہے کہ کسی کو ذاتی مالک اور ذاتی قوت طاقت والا سمجھ کر اس کی انتہائی تعظیم کے طریقے پر اس کے حکم کو ماننا اُس کو سجدہ کرنا عبادت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سوا چونکہ نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی ذاتی کُلی مالک نہ کسی کی طاقت قوت ذاتی ہے اس لیے کسی کی عبادت جائز نہیں۔ دنیا میں منہ اور عقیدے سے توحید ماننے والے تو بہت ہیں مگر عبادت میں توحید قائم رکھنا صرف مسلمانوں کا ہی عمل ہے۔ دنیا کے ہندو سکھ۔ عیسائی۔ یہودی وَغیرھُم سب ہی کہتے ہیں کہ ہم اللہ واحد کو مانتے ہیں مگر عبادت میں شرک کرتے ہیں۔ یہاں رب تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مقبول بندہ وہی ہے جو اپنی عبادت و عمل اور گفت و شنید کو بھی شرک سے بچائے اور اللہ کی ربوبیت کی صدق دل سے تعظیم کرے۔ یہاں تک کہ جس جس شخص سے ربوبیتِ الٰہی کا ظہور ہو اُس کو بھی معظم و مکرم تسلیم کرے۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور پرورش مخلوقیت بہت وسیلوں سے ظاہر ہوتی ہے جن میں سب سے پہلا وسیلہ اور ذریعہ والدین ہیں جس سے ہر انسان و حیوان کو واسطہ لازمی ہے۔ اسی لیے باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی عبادت کے حکم کے بعد فوراً فرمایا وَبِالْوَالِدَيْنِ۔ اے انسان اگر تو اللہ کی صحیح عبادت اور فرماں برداری کرنا چاہتا ہے تو اُس کے اولین حکموں میں سے والدین کے ساتھ اچھا سلوک اور احسان کرنا ہے خاص کر اُس وقت جب کہ تیری موجودگی میں اِن دونوں والدین میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے اور بڑی محتاجی کمزوری کو پہنچ جائیں تو اے بندے اپنی جوانی میں مست ہونے والے تیرا فرض یہ ہے کہ ان دونوں میں سے کسی کو کسی وقت کسی حالت کسی بات میں اُف بھی نہ کہنا لفظِ اُف عربی زبان میں اظہارِ نفرت کے وقت بولا جاتا ہے اور اپنے جسم و جگر سے خاک دھول جھاڑنے کے لیے بھی پھونک کی آواز تقریبًا اسی قسم کی نکالی جاتی ہے مقصدِ کلام یہ ہے کہ ہلکا سا نفرت والا لفظ بھی مت بول۔ اور دوسری یہ بات ذہن نشین رکھ لے کہ اگر بڑھاپے میں وہ تجھ کو برا بھلا کہیں یا تیری مرضی کے خلاف کوئی کام کریں یا اپنی نادانی سے کوئی کام بگاڑ دیں تو تو نے ان کو ہرگز جھڑکنا نہیں نہ چیخنا دھاڑنا اور جوانی کا زور دکھانا۔ نہ ان کو اپنے سے جدا کرنا نہ جدا ہونا نہ بے یار و مددگار چھوڑنا۔ بلکہ عاجز

ذلیل مسکین خادم نوکر بن کر اُن کی ساری زندگی خدمت کرنا ہے اور خود اُن کی خدمت اپنے ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ان کو نوکروں اور دوسروں کے رحم و کرم پر مت ڈالنا اور تیسری بات یہ کہ ہر موقعے پر ان سے بہت محبت ادب تہذیب سے کرم و لطف والی باتیں کرنی ہیں اور اپنے عمل کردار گفتار۔ خدمت۔ شیریں بیانی سے ان کو ہنسانا کھلانا اور خوش رکھنا ہے۔ اسلام کی یہ ایسی پاکیزہ اور حُسنِ معاشرہ کی شاندار تعلیم ہے جس نے چمنِ اسلام میں بادِ بہاری چلا دی۔ کسی مذہب اور معاشرے میں اس اہتمام سے حقوق العباد کی آبیاری نہیں کی گئی۔ آج دنیا کی حکومتیں بوڑھے والدین اور اپاہج لوگوں کی پرورش کے لیے پریشان ہیں۔ اولاد کو والدین کے حقوق و خدمت کا پتہ ہی نہیں۔ والدین کو اپنے بچوں بیٹوں پوتوں میں رہنے کی حسرت و تمنا ہی رہتی ہے عبادت اور توحید باری تعالیٰ کا تعلق والدین کے ساتھ احسان سے چار طرح ہے اس لیے رب تعالیٰ نے یہاں اپنی عبادت کے بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا شدت سے ذکر فرمایا اور دوسری آیت میں اپنے شکر کے ساتھ والدین کے شکر کا ذکر فرمایا۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ۔ پہلی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ رب ہے اور والدین مربی ہیں دوم یہ کہ رب تعالیٰ کی ربوبیت کا پہلا مظہر والدین ہیں سوم یہ کہ عالم ارواح سے صرف اللہ کا تعلق ہے اس کے بعد والدین کا تعلق ہے کہ ان کے ذریعے ہی روح منتقل ہوئی چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی خالقیت و ربوبیت میں واحد و یکتا اور والدین اپنی تربیت میں واحد یکتا بے مثل ہیں اسلام کا انسانیت پر یہ کتنا بڑا احسان ہے کہ اِدھر قرآنِ مجید نے بار بار صلہ رحمی قرابتداری اور والدین سے محبت و سلوک کا حکم دیا ہے اور اُدھر آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیثِ طیبات میں ہر طرح والدین کی خدمت اور اس کے اجر و ثواب کا پُرزور لفظوں میں ذکر فرمایا۔ جیسا کہ بخاری۔ مسلم۔ صحاح ستہ۔ اور مسند امام اعظم و دیگر کتب احادیث میں بیشمار احادیث وارد ہیں۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دین دنیا کی سب نعمتیں رب کی طرف سے ملتی ہیں۔ بندے کا کوئی زور نہیں۔ بندے کا اختیار صرف اچھے برے طریقے اختیار کر لینے میں ہے۔ زہر کھائے یا تریاق۔ حرام لے یا حلال۔ شیطان کی مانے یا ایمان کی یہ فائدہ عَطَاءُ رَبِّكَ (الخ) اور كَيْفَ فَضَّلْنَا (الخ) سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ جس طرح دنیا میں لوگ دنیوی اعتبار سے مختلف ہیں اگرچہ کاروبار ایک ہی قسم کے ہیں اسی طرح آخرت میں ہر نیک کے مختلف مدارج ہوں گے اگرچہ عبادات ایک ہی قسم کی ہیں۔ یہ فائدہ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (الخ) اور اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ۔ کی جمع سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ عمل میں حقوق اللہ مقدم ہیں

حقوق العباد مؤخر ہیں ۔ لیکن معانی میں حقوق العباد مقدم یہ فائدہ اَلَّا تَعْبُدُوْا کو وَبِالْوَالِدَيْنِ پر مقدم کرنے اور احادیث میں حقوق العباد کی اہمیت بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ رب تعالیٰ کی عبادت وَالِدَیْن اور تمام مخلوق کی اطاعت پر غالب ہے لہٰذا اگر فرض یا واجب نماز پڑھ رہا ہو اور والدہ یا والد آواز دیں تو نماز نہ توڑے بلکہ پوری کرے اور سلام پھیر کر جائے اور بات سنے اور اگر کہیں دور کام کے لیے بھیجنا چاہتے ہوں تو ان سے عرض کرے کہ بقیہ نماز پوری کر کے جاؤں گا پھر سنتِ مؤکدہ پڑھ کر پہلے والدین کا کام کرے پھر نفل پڑھے ۔ اگر نفل پڑھ رہا ہو اور والدہ آواز دے تو نماز نفل توڑ کر والدہ کی بات سنے لیکن والد کی آواز دو رکعت نفل پوری کر کے سلام پھیر دے اور سنے اطاعت کرے یہی حکم سنتِ غیر مؤکدہ کی چار رکعت کا ہے ۔ یہ مسئلہ تَعْبُدُوْا کو مقدم کرنے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ وَالِدَیْن کافر ہوں تب بھی اُن سے اچھا سلوک اور خدمت گاری کرے ۔ اسلام نے مذہبی تعصب اور انسانی نفرت کو ختم فرمایا ہے اتنی فراخدلی کسی مذہب نے نہیں دکھائی ۔ یہ مسئلہ وَبِالْوَالِدَيْنِ کے اطلاق سے مستنبط ہوا۔

تیسرا مسئلہ۔ فرماں برداری کی تین قسمیں ہیں ۔

۱ عبادت ۲ اِتباع ۳ اِطاعت عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی ۔ اِتباع صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور اطاعت ہر بزرگ و حاکم کی جائز ہے ۔ یہ مسئلہ اِلَّآ اِيَّاهُ کے حصر سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ وَالِدَیْن کی خدمت تین قسم کی ہے ۱ مستحب ۲ ضروری ہر حال میں ۳ واجب ۔ اگر والدین صحت مند جوان اور دولت مند ہوں تو ان کی جسمانی اور مالی خدمت مستحب ہے ۔ اگر بیمار یا بوڑھے یا غریب ہوں تو ان کی جسمانی اور مالی خدمت واجب ہے ۔ لیکن اطاعت اور فرمانبرداری بہر حال ضروری ہے اگرچہ وَالِدَیْن کافر ہوں ہاں خلافِ عقل اور خلافِ دین اور نقصان دہ امر میں اطاعت منع ہے ۔ یہ مسئلہ اِحسانًا کا پہلے ذکر فرما کر پھر اِمَّا يَبْلُغَنَّ ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **پانچواں مسئلہ**۔ والدین کو نام لے کر پکارنا یا ان کو تو تڑاکر کے بولنا جو اہلِ زبان کی تہذیب کے خلاف ہو یا غصیلے انداز میں بات کرنا اگرچہ عادتًا ہی ایسا لہجہ بنائے سب حرام ہے غرض کہ اپنی لغوی زبان کے لہجے رواج کے شریفانہ مہذبانہ اور ادب و احترام کے خلاف بات جیب کہ والدین کی دل آزاری ہونا جائز ہے ۔ یہ مسئلہ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ الخ سے مستنبط ہوا۔ **چھٹا مسئلہ**۔ وَالِدَیْن میں سے کسی کو بھی اپنے کاروبار۔ گھربار کی دیکھ بھال کے لیے ملازم اور نوکر نہ رکھے اگرچہ وَالِدَیْن خواہش کریں ۔ ہاں اگر ان کی دیکھ بھال ضروری ہو تو دست بستہ ان

سے عرض کرے اور گھر بار کاروبار کا مالک سمجھے۔ کوئی چیز توڑ پھوڑ بھی دیں تو بیٹے کو بھی باز پرس کا کوئی حق نہیں۔ بیٹے کو ہر وقت چاہیئے کہ جو چیز والدین پسند کرتے ہوں وہ کام اور وہ چیزیں آنی کثرت سے اپنے وَالِدَین کو دے کہ وَالدین خوشیوں اور پھولوں میں خود کو محسوس کریں۔ یہ مسئلہ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا۔ آپ کے رب کی عطا کسی بھی انسان سے بند نہیں۔ حالانکہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی آدمی خزانوں میں بھرپور دست ہے اور کوئی ننگا بھوکا غریب ہے۔

جواب ۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ کسی کا رزق اُس کے گناہوں نافرمانیوں اور کفریات کی بنا پر بند نہیں کیا جاتا اور اس دنیا میں نیکیوں اور اللہ کی رضا کی بنا پر کسی کو دنیوی عزت دولت نہیں دی جاتی۔ رہا یہ کہ کوئی غریب ہے کوئی امیر تو اس کی بڑی وجہ تو ازلی تقدیر ہے جو عین حکمتِ الٰہیہ ہے۔ اور چھوٹی چھوٹی وجہیں اپنی غفلتیں بے عقلیوں ناتجربہ کاریوں کی بنا پر بیشمار ہیں۔ اور پھر امیری غریبی تو دولت میں ہے لیکن اس کے علاوہ اعضاءِ ظاہری باطنی اور چاند سورج ہوا پانی کی نعمتیں تو کافر مومن پر یکساں ہیں کسی پر کوئی بند نہیں۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہ کیا بات ہے کہ کفارِ و فساق پر دنیوی رزق بند نہیں مگر توفیق و ہدایت کثرتِ ظلم و کفر و فسق کی بنا پر بند ہو جاتی ہے۔

جواب ۔ اس کی تین وجہ ہیں ۱ اس لیے کہ رزق بند کرنے سے موت واقع ہوتی ہے اور موت سے زندگی و مہلتِ ایمان ختم ہو جاتی ہے تو کل قیامت میں کفار اپنے کفر و شرک پر یہ عذر رکھ سکتے ہیں کہ ہم تو مر گئے تھے اس لیے ایمان کیسے قبول کرتے اگر زندہ رہتے تو مومن بن جاتے اس لیے ان کو مکمل ہر طرح کا رزق دیا گیا تاکہ لمبی عمریں پائیں اور مہلت حاصل کر لیں ۲ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ حلیم ہے اور مار ڈالنا گناہوں کی وجہ سے رزق بند کر لینا یہ سزا ہے اور جلدی سزا شانِ حلیمی کے خلاف ہے نیز یہ دنیا جہان دارِ سزا نہیں ہے ۳ سوم یہ کہ رزق بند کرنا بخیلوں کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ ربّ عالمین ہے بخیلی سے پاک ہے۔ نیز رزق دینا عدل ہے اور عدلِ الٰہی عام ہے۔ ہدایت و توفیق فضل ہے اور فضل کے لیے بندے کا طالب بننا چاہیئے۔ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں آیت میں عِنْدَكَ کیوں فرمایا گیا یعنی تیرے پاس بوڑھے ہوں۔ **جواب** ۔ یہ بتانے کے لیے کہ وَالدین اور بیٹے کے درمیان یہ قانون اس وقت ہیں جب کہ بیٹا جوان امیر صحت مند زندہ موجود ہو اور وَالدین بوڑھے

غریب محتاج ہوں اور ان کا اس بیٹے کے علاوہ کوئی کفیل نہ ہو۔ لیکن اگر یا تو بیٹا ہی خدمت کے لائق نہ ہو یا والدین کسی اور کی کفالت میں ہوں اور اس بیٹے کے حاجت مند نہ ہوں تب یہ قانون بیٹے پر جاری نہیں اور اپنے والدین کی خدمت نہ کر کے گناہگار نہ ہوگا ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۲۷ کے بعد ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ

اور جھکا دے لیے اُن دونوں کے نرمی کے بازو رحم کے لیے

اور اُن کے لیے عاجزی کا بازو بچھا نرم دلی سے

وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِي صَغِيرًا ﴿۲۴﴾

اور دعاؤں میں عرض کرتا رہ اے میرے رب رحمت میں لے ان دونوں کو جیسا کہ تربیت کی ان دونوں نے میری بچپن میں

اور عرض کر اے میرے رب تو ان دونوں پر رحم کر جیسا کہ ان دونوں نے مجھے چھٹپن میں پالا

رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۚ إِنْ تَكُونُوا

رب تمہارا زیادہ جاننے والا ہے اُس کو جو ہیں دلوں تمہارے ہے اگر تم

تمہارا رب خوب جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہے اگر تم

صٰلِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ﴿۲۵﴾

اچھے بنے رہے تو بیشک وہ توبہ کرنے والوں کو بہت بخشنے والا ہے۔

لائق ہوئے تو بیشک وہ توبہ کرنے والوں کو بخشنے والا ہے

وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ

اور دے تو برادری والوں کو اُس کا حق اور مسکین اور راستے کے

اور رشتے داروں کو ان کا حق دے اور مسکین اور مسافر کو

السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا ﴿٢٦﴾ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ

حاجتمند کو بھی اور نہ فضول خرچی کر بے فائدہ کرنا ۔ بیشک فضول خرچی

اور فضول نہ اڑا ۔ بیشک اڑانے والے

كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ ۖ وَكَانَ الشَّيْطَانُ

والے ہیں بھائی شیطانوں کے اور ہے شیطان

شیطانوں کے بھائی ہیں اور شیطان

لِرَبِّهِ كَفُورًا ﴿٢٧﴾

رب اپنے کا بہت بڑا ناشکرا

اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں حقوق العباد کے ضمن والدین کی عظمت وعزت کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اُس کی دو نوعیتیں تھیں ۱ قولی ۲ عملی اور قلبی ۔ اس لیے پہلے قولی عظمت کا ذکر فرمایا گیا کیونکہ یہ مقدم ہے اور اب عملی عزت کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیتوں میں دو حکم ارشاد فرمائے گئے تھے جن پر عمل کرنا ہر بندے اور خاص کر مومنوں کے لیے بہت ہی ضروری تھا۔ اب اِن آیات میں اُن حکموں کو عملی طور پر ماننے کے فائدے مندنتیجے کا ذکر ہو رہا ہے **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں حقوق العباد کے پہلے درجہ کے اہم حق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا تھا ۔ اب اِن آیات میں حقوق العباد کی دوسری اور تیسری قسم کا ذکر ہے۔

شانِ نزول ۔ روایتوں میں ہے کہ مسکین صحابہ جو بعد میں مدنی زندگی میں اصحاب صفہ کہلائے آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی حاجات بیان کرتے تھے اور آقا صلی اللہ علیہ وسلم اُن کی حاجت روائی مشکل کشائی فرماتے رہتے تھے ۔ جن میں حضراتِ بلال و صہیب ۔ سالم و خباب ۔ مہیع رضی اللہ عنہم وغیرہ شامل تھے ۔ ایک دفعہ آقاءِ کائنات سب کچھ بانٹ کر فارغ ہی ہوئے تھے کہ یہ حضرات مانگنے کے لیے

حاضر ہوئے نبی کریم نے منع فرمایا تب یہ تین آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۲۶ تا ۲۸ جس میں دینے
والوں کو دینے کا طریقہ بتایا گیا اور لینے والوں کو خرچ کرنے کا طریقہ بتایا گیا کہ فضول خرچی منع ہے یہ مکی زندگی
پاک کا واقعہ ہے مدینے پاک میں کبھی ایسی ممانعت فرمانا ثابت نہیں۔

تفسیر نحوی

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔
رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ ۔ واؤ سر جملہ۔ اِخْفِضْ۔ باب ضرب کا امر حاضر معروف
واحد مذکر صیغہ خَفْضٌ سے بنا ہے بمعنی۔ نیچے کرنا۔ جھکانا۔ کسرہ (جر) کا اعراب لگانا۔ بچھانا۔ سایہ کرنا۔
یہاں علین مناسب جھکانا ہے جس میں تقریباً باقی معنی بھی آجاتے ہیں۔ اَنْتَ ضمیر فاعل مستتر ہے۔ لام جارہ
نفع کا ھُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مجرور متصل ہے مرجع وَالِدَیْن ہے۔ جار مجرور متعلق ہے۔ جَنَاحَ۔ اسم مفرد
جامد۔ جیم کے فتحہ سے اس کا تثنیہ جَنَاحَیْن ہے اور جمع ہے اَجْنِحَہ کی بمعنی پر (پرندہ کا) بازو یا ہاتھ انسان کا
کروٹ۔ پہلو ہر چیز کا۔ یہاں مراد ہاتھ ہے مگر استعارہ دل سے ہے یا طبیعت و اخلاق مراد ہے۔
الف لام عہدِ خارجی ذُلّ۔ اصلاً مصدر ہے مگر یہاں حاصل مصدر جامد ہے۔ مصدری ترجمہ ہے۔ ذلیل ہونا۔
عاجز ہونا۔ نرم ہونا یہاں مراد نرم ہونا ہے۔ اسی سے ہے ذَلُولٌ۔ جامد کا ترجمہ ہے عاجزی۔ نرمی۔ ذلت
خواری یہاں عاجزی نرمی کے معنی میں ہے۔ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مفعول بہ ہے مِن جارہ
سببیہ۔ یا بیانیہ یا بمعنی بِ جارہ۔ الف لام عہدِ خارجی۔ رَحْمَۃ۔ اسم مفرد جامد بمعنی محبت۔ شفقت۔ پرورش
تربیت۔ ادب۔ یہاں بمعنی ادب اور محبت ہے رحمت کا اصلی اور لغوی ترجمہ ہے محبت۔ مجازی معنی
مہربانی۔ بھلائی وغیرہ اور منقولی ترجمہ اوپر بیان ہوئے۔ رحمتِ عالمین کا معنی تمام جہانوں کی تربیت۔
جار مجرور متعلق دوم ہے۔ اِخْفِضْ کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل۔ واؤ سر جملہ۔ قُلْ۔ باب نصر کا امر حاضر معروف واحد
مخاطب عام مسلمان ہے۔ اَنْتَ مستتر اس کا فاعل ہے فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبِّ اصلاً یَا رَبِّیْ ہے۔
یا ندائیہ پوشیدہ یاءِ متکلم کو اختصار کے لیے حذف کر دیا۔ مگر ترکیباً موجود ہیں۔ اس طرح کہ یا حرف ندا
قائم مقام اَدْعُوا رَبِّ مضاف اس کا مضاف الیہ ضمیر واحد متکلم محذوف منوی مرکب اضافی منادیٰ مفعول بہ
اَدْعُوا معنوی کا (اَدْعُوْ۔ مضارع معروف واحد متکلم ہے) جملہ فعلیہ ندائیہ ہو کر ندا ہوئی۔ اِرْحَمْ۔ باب فتح
کا امر حاضر معروف۔ اَنْتَ مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ ھُمَا ضمیر تثنیہ مؤنث غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے
اِرْحَمْ کا۔ مرجع وَالِدَیْن ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ ہوا کما۔ دو لفظ ۱ کاف تشبیہی ۲ ما کافہ۔ اب کما پورا
تشبیہ کے لیے ہے۔ رَبَّیَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ تثنیہ مذکر غائب۔ مصدر ہے تَرْبِیْبٌ اور
تَرْبِیَۃٌ رَبٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی پرورش کرنا۔ نون وقایہ۔ یٰ ضمیر متکلم واحد منصوب ہے

کیونکہ مفعول بہ ہے رَبَّیَا کا ۔ صَغِیْرًا ۔ صفت مشبہ مبالغہ کے لیے ۔ صِغَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بچہ ہونا ۔ چھوٹا ہونا ۔ مبالغہ میں اگر ترجمہ ہوا بہت ہی بچہ ہونا ۔ بہت ہی بچپن ۔ بحالت نصب ہے مفعول فیہ ہے یا حال یاءِ متکلم مفعول بہ کا ۔ جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ بہ ہوا ۔ اور پھر دونوں مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا اور جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ رَبُّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا کُمْ ضمیر جمع حاضر ۔ یہ نئی عبارت ہے اس لیے یہاں طرزِ تکلم بدل گیا ۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ۔ اَعْلَمُ واسم تفضیل مذکر ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے اس کا فاعل ہے بِ جارّہ مفعولیت (تعدیہ) کا مَا موصولہ فِی جارّہ ظرفیہ مکانیہ نُفُوْس ۔ جمع ہے نَفْسٌ کی بمعنیٰ دِل ۔ باطنی چیز ۔ لغوی ترجمہ ہے خُفیہ ۔ مجازًا ہر باطنی اور غیر محسوس چیز کو نفس کہہ دیتے ۔ مشترک مجازی ہے آٹھ معنیٰ میں ۔ سانس گھونٹ ۔ دِل ۔ باطنی فراست یا سرکشی ۔ شخصیت ۔ خفیہ عورت کا خون (نفاس) ۔ عقل وغیرہ ۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور ہو کر موجودٌ پوشیدہ کا متعلق ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا کی ۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔

اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا ۔ اِنْ شرطیہ ۔ تَكُوْنُوْا فعل مضارع مثبت معروف ناقصہ مجزوم ہے اِنْ سے لہٰذا نونِ اعرابی آخر سے گر گئی ۔ اس کا مجہول نہیں ہوتا ۔ صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے ۔ صٰلِحِیْنَ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر واحد ہے صَالِحٌ صُلْحٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نیکیاں کرنا ۔ اچھے کام کرنا ۔ بحالت فتحہ ہے خبر ہے ناقصہ کی اور وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی ۔ فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ ۔ کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ ہے ھُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم ہے ۔ لام جارّہ نفع کا ۔ اَوَّابِیْنَ ۔ اسم مبالغہ ۔ جمع مذکر سالم واحد ہے اَوَّابٌ ۔ اَوْبٌ مہموز الفا اور اجوف واوی سے بنا ہے ۔ بمعنیٰ رجوع کرنے والا ۔ فریاد کرنے والا ۔ معافی مانگنے والا ۔ مبالغے میں ترجمہ ہو گا ۔ بہت ہی ہر وقت ہر حال ہر کام میں اللہ رسول کی مدد چاہنے والا ۔ خفیہ اور تنہائی میں مغفرت مانگنے والا ۔ محبتِ الٰہی کے ساتھ شریعت وطریقت پر چلنے والا کثرت سے نفل پڑھنے والا ۔ احادیث میں چاشت کے نوافل کو بھی صلوٰۃ اَوَّابین کہا گیا ہے اور بعد مغرب قبل عشا نوافل کو بھی صلوٰۃ اَوَّابین کہا گیا ہے ۔ مجرور ہے متعلق کَانَ ناقصہ کا غَفُوْرًا اسم مبالغہ غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بخشنا ۔ مٹانا ۔ چھپانا ۔ ترجمہ ہے بہت ہی بخشنے والا ۔ خبر ہے کَانَ کی اور وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی ۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ اٰتِ ۔ باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر ۔ اَنْتَ مستتر فاعل ہے ۔ ذَا اسم مکبّرہ ملکیت کے لیے بمعنیٰ قرابت دار ۔ رشتے دار ۔ برادری ۔

لفظاً واحد ہے مگر معنیً جمع ہے۔ مجرور ہے مضاف الیہ ہے ذَا کا۔ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے۔ حَقَّہٗ۔ مرکب اضافی حَقَّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حصہ۔ قابلیت۔ استحقاق (مستحق ہونا) ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ہے قُربیٰ۔ مفعول بہ دوم ہے لفظِ معرفہ کیا گیا دو وجہ سے ایک یہ کہ حصہ صرف اہل قرابت کا ہوتا ہے نہ کہ مساکین وغیرہ کا دوم یہ کہ اس میں ضمیر ہے جس کا مرجع صرف قُربیٰ ہے۔ اوّل میں نہیں آسکتا ضمیر کی وجہ سے اور آخر میں نہیں آسکتا باقی معطوف کی وجہ سے۔ تاکہ حقیقت (حصہ داری) میں وہ شامل نہ ہو جائیں واؤ عاطفہ۔ الف لام جنسی مِسْکِین۔ اسم مفرد جامد نکرہ۔ مصدر میمی سے حاصل مصدر ہے سَکَنٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ ٹھیر جانا۔ ترجمہ کمزوری کی وجہ سے ٹھیر جانے والا۔ دنیوی کاروبار میں نہ شامل ہو سکے۔ مراد ہے انتہائی غریب نادار۔ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ اِبْنَ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بیٹا۔ مضاف ہے۔ الف لام جنسی سَبِیْل اسم مبالغہ سَبْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ بہت کھلا راستہ مراد ہے راہِ سفر۔ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی کا ترجمہ ہے راستے کا بیٹا۔ مراد ہے مسافر معطوف ہے ماقبل پر۔ سب عطف ذَالْقُرْبیٰ سے مل کر مفعول بہ ہے۔ آتِ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا واؤ سرِ جملہ۔ لَا تُبَذِّرْ۔ باب تفعیل کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع عام مسلمان۔ مصدر ہے تَبْذِیْرٌ۔ بَذْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھینکنا۔ ضائع کرنا۔ بلا سوچے سمجھے خرچ کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے تَبْذِیْرًا مصدر مفعول مطلق ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ الف لام اسمی بمعنیٰ۔ اَلَّذِیْنَ۔ مُبَذِّرِیْنَ باب تفعیل کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر بمعنیٰ فضول خرچی کرنے والے مفتوح ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے۔ کَانُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ناقصہ ہے۔ ھُمْ مستتر اس کا اسم ہے اِخْوَانَ۔ اَخٌ کی جمع ہے بمعنیٰ ہم مثل۔ یہ لغوی معنیٰ ہے۔ مجازی اور اصطلاحی معنیٰ کثیر ہیں۔ نطفے میں ہم مثل سگا بھائی۔ قرابت میں ہم مثل رشتے دار کام میں عادت میں۔ عمل میں۔ یہاں مراد عادت میں ہم مثل ہونا۔ الف لام استغراقی شَیٰطِیْن۔ جمع مکسر قلت یا کثرت شَیْطَانٌ کی بمعنیٰ سرکش گروہ مضاف الیہ ہے اِخْوَانَ کا۔ مرکب اضافی خبر ہے کَانُوْا کی وہ فعلیہ ناقصہ جملہ ہو کر خبر ہوئی اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ کَانَ فعل ناقصہ صیغہ واحد مذکر ماضی مطلق مثبت الف لام عہدی شَیْطٰنُ۔ شَطْنٌ سے یا شَیْطٌ سے بنا ہے یا شَطْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ ۱۔ دور ہونا ۲۔ ہلاک ہونا ۳۔ سرکش ہونا۔ مراد ہے ابلیس۔ لام جارہ تعدیہ کا رَبِّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ پالنے والا۔ مبالغہ ہے ہٖ ضمیر کا مرجع شیطٰن ہے۔ مجرور متصل مضاف الیہ ہے ربّ کا۔ مرکب اضافی مجرور متعلق کَانَ کا شَیْطٰنُ اس کا اسم ہے کَفُوْرًا۔ اسم مبالغہ کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت ہی ناشکرا یا بہت بڑا کافر۔ منصوب نکرہ ہے۔ خبر ہے کَانَ کی۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ بقاعدۂ نحو۔ کَانَ تین قسم کا ہے۔ ۱۔ کَانَ ناقصہ یہ اصلی ہے۔ ناقصہ

اس لیے کہ خبر کے بغیر مکمل نہیں ہوتا ۔ ۲ کَانَ تامہ جب خبر کے بغیر پورا ہو جائے ۔ ۳ کَانَ زائدہ۔ جس کی ضرورت نہ ہو صرف خوبصورتیِ کلام کے لیے لایا جائے۔

تفسیر عالمانہ

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُل رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۝ رَّبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِن تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا ۝

اور اے بندۂ مومن اپنے بوڑھے کمزور عمر رسیدہ والدین کے لیے اپنی تمام عاجزی نرمی محبت الفت مسکینی کے عقل فکر سوچ سمجھ عزت دولت والے بازو اور پر سایہ فگن کر دے یعنی اپنی عقل فکر دولت وغیرہ سب کچھ اپنے والدین کی خدمت میں لگا دے اور اگر ہو سکے تو اپنے بیوی بچوں کو بھی ان کی خدمت گاری میں مشغول کر دے اور ہر وقت اسی فکر میں رہے کہ والدین کس طرح راضی رہیں گے اور اس خدمت گزاری میں کبھی دل پر اکتاہٹ ۔ تھکاوٹ ۔ غفلت نفرت ۔ کسل مندی بھی مت لانا ۔ بلکہ مِنَ الرَّحْمَةِ نہایت رحم دلی سے ساری عمر ایک جیسا خوش دلی سے سلوک رکھنا اور اپنی سعادت ۔ خوش بختی سمجھنا کہ رب تعالیٰ نے جنت اور اللہ رسول کی رضا حاصل کرنے کا موقعہ عطا فرمایا ہے ۔ اس وقت کو غنیمت سمجھنا ۔ باری تعالیٰ نے یہاں بیٹے کی خدمت گزاری کے لیے جَنَاحَ الذُّلِّ تین وجہ سے فرمایا ۔ ایک یہ کہ جَنَاح عربی محاورے اور لغت میں پرندے کے اُن پروں کو کہتے ہیں جن سے وہ اڑتا ہے جب وہ اڑتا ہے تو اُن کو کھول لیتا ہے اُن میں ہر قسم کی ہوائیں فضائیں بھر جاتی ہیں ۔ اور وہ بہت مضبوط ہو جاتے ہیں سارے جسم کی طاقت ان بازوؤں اور پروں میں ہوتی ہے ان کے ذریعے وہ ہزار ہا بلندیوں پر پہنچ جاتا ہے اور جب وہ پرندہ نیچے زمین وغیرہ پر بیٹھتا ہے تو اپنے ان ہی بازوؤں کو سکیڑ کر عاجز مسکین بن جاتا ہے ۔ اشارہ فرمایا جا رہا کہ اے انسان تو اپنی عقل فکر عزت کے ذریعے کتنا ہی اونچا پرواز کر جائے بادشاہ وزیر رئیس بن جائے مگر والدین کے لیے ایسی عاجزی کر کہ سرداری کی ٹوپی بادشاہی کا تاج اُن کے قدموں میں رکھ دے دوم یہ کہ پرندہ جب اپنے انڈوں بچوں کی حفاظت کرتا ہے تو اُن پر اپنے پر پھیلا دیتا ہے ۔ اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا ۔ اے بندے تو بھی اپنے اُن والدین کے لیے ایسا ہی ہو جن کو تیری حفاظت کی اب ضرورت ہے ۔ سوم یہ کہ جس طرح پرندہ تمام کام اپنے پروں کی قوت سے انجام دیتا ہے اسی طرح انسان اپنے بازوؤں سے ہی سب کچھ کماتا ہے تو جس کی طرف بازو بچھا دیئے گویا سب کچھ اسی کو دے دیا تو اشارۃً بتایا گیا کہ تو اے فرزند سب کچھ اپنے والدین کا سمجھ جَنَاحَ الذُّلِّ کی اضافت ۔ ایسی ہے جیسی حاتم جُودٍ ۔ یعنی سبب کی اضافت مسبب کی طرف ۔ کہا جاتا ہے فلاں تو سخاوت کا حاتم ہے جَنَاحَ الذُّلِّ کا ترجمہ ہوا عاجزی کے پر ۔ جب پرندہ اڑتا ہے تو اس کو طیران

کہا جاتا ہے اور اُس کے نیچے آنے کو خفضان کہا جاتا ہے۔ عربی محاورے میں قلبی محبت اور عاجزانہ خدمت کو پر بچھانا کہا جاتا ہے اُسی محاورے کا یہاں لحاظ رکھا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ وَالِدَین کی خدمت فرض ہے کسی پر احسان نہیں۔ اسی لیے کوئی اولاد کبھی بھی یہ نہ سمجھے کہ ہم نے وَالِدَین کی خدمت کر کے ان کا حقِ والدیت اتار دیا خواہ کسی طرح اور کتنی ہی خدمت کرے خواہ سعادت مندی کی انتہا کر دے اور پیٹھ پر بٹھا کر سات حج کرا دے بلکہ ہر وقت یہ ہی خیال کرے کہ میری ساری عمر کی خدمت بھی وَالِدَین کے لیے کافی نہیں لہٰذا۔ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا ۔ اے میرے رب کریم رحمٰن ورحیم۔ تیری ہی ذاتِ پاک سب کو کفایت فرمانے والی ہے میں اپنی خدمت گزاری سے ان وَالِدَین کی محتاجی کمزوری کو دور نہیں کر سکتا۔ تو میرے ان دونوں وَالِدَین پر ایسا ہی ان کی اس آخری عمر میں رحم وکرم اور ربوبیت فرما جس طرح اِن دونوں نے میری پہلی عمر میں میری تربیت اور پرورش فرمائی کہ میری خوراک میری صحت میری تندرستی میری رہائش میرے لباس میری تہذیب میرے تمدن میری تعلیم میرے حسنِ اخلاق اور میرے ہر قسم کے آرام عیش وخوشی کا پورا پورا خیال رکھا۔ انہوں نے اپنی زندگی اپنے عیش و آرام میری خوشیوں میری مسکراہٹوں پر قربان کر دی تھیں۔ اے میرے اچھے اللہ میں ان کو کیا دے سکتا ہوں تو ہی میرا اور ان کا سچا رب اور حقیقی مربی ہے۔ تو ہی ان کو دنیا جہان کی خوشیاں عطا فرما۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ اس دعا سے دعاءِ بخشش مراد ہے مگر یہ درست نہیں اس لیے کہ یہاں ارْحَمْهُمَا کو رَبَّيَانِي سے تشبیہ دی جا رہی ہے یعنی جس طرح وَالِدَین نے میرے بچپن اور بلوغت سے پہلے پہلے میری دنیوی مشکلات کو حل کیا اور مجھے بیماریوں درد و تکالیف سے حتی المقدور بچانے کی کوشش کی اور بچایا اے اللہ آج تیری بارگاہِ مقدس میں میری التجا اور فریاد ہے کہ اسی طرح ان کی بھی اس دنیوی بڑھاپے کی تکالیف کو دور فرما اور بیماریوں سے بچا اور دنیوی رحم کی دعا ہر کافر ومومن وَالِدَین کے لیے شرعاً مطلقاً جائز ہے کیونکہ دنیوی رحم وکرم کی دعا ہر شخص کیلئے مانگنا جائز ہے۔ کافر ہو یا مسلمان۔ لیکن اُخروی رحم یعنی بخشش کی دعا کافر والدین اور دیگر کفار کیلیے مانگنی جائز نہیں جیسا کہ قرآن پاک کی دوسری آیت سے ثابت ہے۔ اسی لیے اُن بعض مفسرین کو یہاں بہت قیدیں لگانی پڑیں کسی نے فرمایا یہ آیت منسوخ ہے کسی نے فرمایا یہ آیت مخصوص ہے۔ کسی نے فرمایا آیت مقید ہے اور کافر کے لیے رحم سے مراد اس کو ہدایت ملنا ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ آیت نہ مخصوص ہے نہ منسوخ ہے نہ مقید۔ مفسرین کے اقوال غلط اور كَمَا رَبَّيَانِي کے تشبیہی جملے کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ آیت مطلق ہے اور رحم سے دنیوی رحم مراد ہے جس کی دعا ہر مومن کافر کے لیے جائز ہے۔ لیکن یہ ظاہری خدمت اطاعت اور گڑگڑا کر دعائیں بھی کسی یقینی قبولیت کی نشانی نہیں بن سکتیں اس لیے کہ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ

تمہارا پروردگار جلّ مجدہٗ۔ تم میں سے ہر ایک کی اندرونی قلبی کیفیت کو بخوبی اور سب سے زیادہ جاننے والا ہے کہ کون خوش دلی سعادت مندی اُلفت محبت سے والدین کی خدمت گزاری کرتا ہے اور کون تنگ دلی نفرت حقارت سے رو پیٹ کر والدین کی دیکھ بھال کرتا ہے یا کون اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کرتا ہے اور کون صرف دنیا کی مُنہ دکھلائی کی بنا پر کرتا ہے یا کون والدین کی فرمانبرداری اطاعت خدمت کرتا ہے اور کون نافرمانی ظلم و تشدد کرتا ہے اور والدین سے دور ہو جاتا ہے جیسا کرو گے قیامت میں اس کا خمیازہ ویسا ہی پاؤ گے بلکہ دنیا میں بھی اکثر کھرے آدمی کو اُس کی اولاد کی طرف سے ویسا ہی بدلہ مل جاتا ہے۔ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا ۔ اگر تم لوگ اپنی صحت دولت جوانی قوت طاقت عزت کے زمانے میں بھی اپنے والدین اور تمام اہل حقوق لواحقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق نیک لائق فائق اور درست ٹھیک ٹھیک بندوں کی طرح زندگی بھر چلتے رہے اور اپنی کسی حرکت یا بد خلقی سے معاشرے کو خراب نہ کیا تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ اُن تمام لوگوں کو بخشنے والا ہے جو بارگاہِ الٰہیہ میں انکساری ندامت سے اپنے بڑے چھوٹے گناہوں کی معافی مانگیں اور سچی نیت سے توبہ کریں۔ وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ۭ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا اے بندۂ مومن۔ اللہ کی طرف سے صحت جوانی دولت کی نعمتیں پانے والے تیرے ذمے صرف والدین کے حقوق ہی نہیں۔ والدین کے لیے تو تجھ پر خدمت اور حقوق کی ادائیگی اور طرح کی دلجوئی فرض ہے۔ لیکن اِس کے علاوہ اپنے تمام اہل وراثت قرابت والوں اور صلہ رحمی کے مستحق رشتے داروں۔ اور قریبی پڑوس میں رہنے والے غیر برادری کے مسکینوں اور اجنبی پریشان حال مسافروں کو بھی وہ چیز ضرور دے جو اُن کے حالات کے مطابق اُس وقت اُن کا حق بنتا ہے بس فقط یہی تیرے مال دولت کے خرچ کرنے کے مقام ہیں رب تعالیٰ نے مسلمان کو صرف اسی لیے دولت اور سرمایہ دیا ہے تاکہ وہ اس کو اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے اُن راستوں پر خرچ کرے اُن جگہوں اور لوگوں پر خرچ کرنا ہی حق خرچ کرنا ہے پھر حق خرچ کرنا ہے اللہ کے دین کی عزت عظمت اور زیبائش اور زیب و زینت رونق عبادت کے لیے خرچ کرنا بھی حق ہے ان کے علاوہ دنیا پرستی۔ غلط رسم و رواج اور دکھلاوے اور نام نمود کے لیے دولت لٹانی ناجائز اور ناحق خرچ کرنا ہے۔ اسی سے منع کیا جا رہا ہے کہ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ خبردار اے مسلمان تو اپنی دولت کو بری جگہ۔ دین کے خلاف باطل طریقے سے مت خرچ کر۔ کیونکہ غلط خرچ کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔ کفر شرک بدعت اور اللہ رسول کی ناپسندیدہ جگہ شیطانی تماشوں میں خرچ کرنا اور اہل حق کو نہ دینا شیطانی ہی کام ہیں۔ ابلیس ہی بندے

کو وسوسہ دیتا ہے کہ رشوت ۔ سُود جوئے اور تماشوں میں دولت لٹاؤ ۔ اور ابلیس اپنے رب تعالیٰ کا بڑا ہی بہت ہی ناشکرا ہے ۔ اسی طرح جو اس کے وسوسوں کی پیروی کرے گا وہ بھی اسی ہی جیسا اس کا بھائی ہے ۔ سب سے بڑی رب تعالیٰ کی ناشکری یہ ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے اعضاء صحت تندرستی جوانی ۔ دولت ۔ عزت ۔ طاقت وقوت کو اللہ کے خلاف اور باطل جگہ خرچ کیا جائے ۔ انسان دنیا میں اپنا مال و دولت چودہ طریقوں سے استعمال کرتا ہے ۔

(۱) تنفیق ۔ یعنی زکوٰۃ ۔ عشر ۔ قربانی حج صدقہ وخیرات ۔ والدین اور اہل قرابت پر خرچ جن کا رب تعالیٰ نے قرآن وحدیث میں حکم دیا ہے ۔ بس یہی طریقہ حق ہے باقی تیرہ طریقے باطل ہیں جن کو باری تعالیٰ نے مختلف آیت وحدیث میں منع ۔ حرام اور ناپسند فرمایا ہے ۔

(۲) تکنیز ۔ یعنی مال کی زکوٰۃ عشر اور فطرہ وغیرہ نہ دینا ۔

(۳) تسریف ۔ ضرورت سے زیادہ خرچ کرنا ۔

(۴) تفریط ۔ ضرورت سے کم خرچ کرنا ۔

(۵) غلو ۔ بے تحاشہ خرچ کرنا ۔ یعنی لٹانا برباد کرنا ۔

(۶) تعییر ۔ کسی کی دیکھا دیکھی دنیا سازی کے لیے خرچ کرنا ۔

(۷) توازن ۔ جتنا لینا اتنا دینا ۔

(۸) تبخیل ۔ نہ کھانا نہ کھانے دینا ۔

(۹) تغلیل یعنی کھانا دوسروں کا حق نہ دینا ۔

(۱۰) تبسیط ۔ ہر ایک کو دینا حقدار کو بھی ناحق کو بھی یعنی اچھے برے راستے پر خرچ کرنا ۔

(۱۱) تمسیک ۔ کڑھ کڑھ کر اور تنگ دلی سے خرچ کرنا ۔ حقدار کو ستا ستا کر دینا ۔

(۱۲) تحسیر ۔ خوشی سے خرچ نہ کرنا ۔ مجبوراً ۔ اور مارے باندھے کے خرچ کرنا ۔

(۱۳) توسیط ۔ درمیانی روش سے خرچ کرنا ۔

(۱۴) تبذیر ۔ باطل راستے میں خوشی دلی سے خرچ کرنا ۔ خیال رہے کہ اللہ کے راستے میں بے تحاشہ خرچ کرنا اور سب مال لٹانا بھی حق ہے ۔

لطیفہ ۔ کسی شخص نے جشن عید میلادُ النبی میں بہت مال خرچ کیا جھنڈیاں اور چراغاں کیا اور غریبوں کو روپیہ کپڑے اور کھانا بانٹا ۔ تو ایک وہابی صاحب نے کہا ۔ لَاخَیْرَ فِی الْاِسْرَافِ ۔ فضول خرچی میں کوئی نیکی اور بھلائی نہیں ۔ بزرگوں نے جواب دیا ۔ لَااِسْرَافَ فِی الْخَیْرِ ۔ بھلائی اور نیکی میں فضول خرچی ہوتی نہیں

سکتی۔ سبحان اللہ کیا پیارا جواب ہے اور اس آیت کی جامع مانع مختصر تفسیر۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ والدین کی وہ پرورش جو انہوں نے اولاد کی بچپن میں کی وہ الفت محبت شفقت۔ قلبی توجہ اور محنت مشقت میں اُس پرورش سے کہیں زیادہ اور مشکل اور سچی لگن والی ہے جو بیٹا اپنی جوانی اور دولت سے والدین کی کرتا ہے۔ یہ فائدہ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا۔ دعائیہ حکم سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ والدین اور اولاد کی تربیت میں چار طرح فرق ہے ایک یہ کہ والدین اپنی قدرتی محبت کی بنا پر اولاد کو پالتے ہیں مگر اولاد بناوٹی محبت سے۔ یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچوں کو پالتے ہیں اپنے والدین کو نہیں پالتے۔ دوم یہ کہ والدین کی تربیت کا حق ادا نہیں ہو سکتا کہ وہ پیٹ اور نطفے اور لوتھڑے اور طفلگی سے شروع ہے۔ اولاد کی تربیت کا بدلا دیا جا سکتا ہے سوم یہ کہ والدین بچے کی زندگی اور بقا کی نیت اور دعاؤں سے پرورش کرتے ہیں والدین کے سامنے اولاد کی اگلی زندگی ہوتی ہے۔ مگر اولاد اپنے بوڑھے والدین کی موت کی نیت سے خدمت کرتی ہے بلکہ بعض اوقات موت کی دعائیں مانگتی ہے۔ والدین کبھی اولاد کے لیے موت کی دعا نہیں مانگتے بلکہ آخری سانس تک زندگی چاہتے ہیں۔ چہارم یہ کہ والدین کو پرورش کا حکم دینے کی ضرورت نہیں اولاد کو دینے کی ضرورت ہے اسی لیے ان آیت میں بار بار سخت تاکید وَوَعِید سے حکم دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ۔** سادات کی مالی خدمت کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے کیونکہ وہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد ہیں یہ فائدہ۔ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ (الخ) کی آیت کے مطلق ہونے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ دنیا میں ہر مسلمان کے ایمانی اہلِ قرابت صرف سید حضرات ہی ہیں **تیسرا فائدہ۔** اگر اولاد کے دل میں ادب و احترام اپنے والدین کا پورا پورا ہو اور خدمت گزاری کا شوق بھی ہو مگر کسی سخت مجبوری کی وجہ سے خدمت نہ کر سکیں تو گنہگار نہ ہوں گے یہ فائدہ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ۔** اللہ تعالیٰ نے جس کو بھی مال دولت دی ہے وہ اس کے اکیلے کے لیے نہیں دی بلکہ ہر امیر انسان پر بیشمار حقوق ہیں گویا کہ امیر آدمی کو رب تعالیٰ نے غربا اور اہل حقوق کا بینک بنایا ہے

احکام القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دنیوی امور اور بیماری محتاجی کے لیے کافر والدین کے لیے رحم کی دعا مانگنی جائز ہے۔ لیکن کفار کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا مانگنی قطعاً ناجائز اور گناہ کبیرہ ہے یہ مسئلہ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں وضاحت کر دی گئی ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ۔

دوسرا مسئلہ - جو لوگ نئے مسلمان بنے ہوں اور اُن کے وَالِدَین کافر ہوں زندہ یا فوت ہو چکے ہوں۔ وہ نو مسلم مرد یا عورت اپنی نماز میں۔ التحیات میں تشہد کے بعد۔ رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ۔ والی دعا قطعًا نہ پڑھیں۔ بلکہ ایسے نو مسلموں کو یہ دعا سکھائی ہی نہ جائے۔ اس لیے کہ اس میں وَالِدَین کی مغفرت کی دعا شامل ہے۔ جو کافر وَالِدَین کے لیے مانگنی حرام ہے غالبًا صحابہ کرام سے اسی لیے یہ دعا نماز میں ثابت نہیں ہے یہ مسئلہ بھی۔ رَبِّ ارْحَمْهُمَا - وَ الٰی - آیت سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** - کافر زندہ موجود وَالِدَین کے لیے یہ دعا مانگنی جائز ہے کہ یا اللہ تو والدین کو اس زندگی میں ہی اسلام کی سچی ہدایت و توفیق عطا فرما۔ کیونکہ یہ دعا دنیوی زندگی اور ایمانی روحانی صحت کے لیے ہے لہٰذا یہ بھی خدمت گزاری میں شامل ہے اور یہی حجت یہی ہے **چوتھا مسئلہ**۔ مسلمان والدین کے فوت ہونے کے بعد بھی ان کو ہر طرح کا آرام پہنچانا ہر مسلمان اولاد کا فرض ہے۔ لہٰذا قبر پر بعد دفن اذان دینا۔ اور کبھی کبھی یا ہر جمعہ کو والدین کے قبور پر تا عمر جانا فاتحہ پڑھنا۔ ان کا تیجہ۔ دسواں۔ چالیسواں کرانا۔ اور اپنے نیک اعمال کر کے ان کو قبر و حشر کی خوشیاں دینی اور ثواب بخشنا یہ سب کچھ بھی خدمت گزاری میں شامل ہے۔ غرض کہ جس چیز سے ان کو فائدہ پہنچے دنیا اور قبر حشر میں وہ کام کرنا اولاد پر لازم و ضروری ہیں۔ یہاں تک کہ وَالِدَین کے دوستوں سہیلیوں سے بھی اچھا سلوک کرے۔ یہ مسئلہ وَاخْفِضْ لَهُمَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔

پانچواں مسئلہ۔ موجودہ زمانے کے گداگروں کو کچھ دینا ناجائز ہے یہ لوگ جھوٹے مسافر بن جاتے ہیں۔ اسی لیے بزرگ فرماتے ہیں جو شخص اپنی جس حاجت کا ذکر کرے تو دینے والے کو چاہیے کہ یا اپنے کسی ذریعے سے وہ حاجت پوری کر دے پیسے نہ دے تاکہ جھوٹے لوگ ناجائز فائدہ اٹھا کر گداگری کی لعنت میں نہ پڑے رہیں۔ یہ مسئلہ حَقَّهٗ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض - یہاں فرمایا گیا جَنَاحَ الذُّلِّ - جَنَاحْ - ایک مضبوط ظاہری عضو کا نام ہے اور ذُلّ بمعنیٰ عاجزی ہے اور عاجزی انکسار اور لاغری قلبی صفت کا نام ہے۔ اعضاءِ ظاہری و اندرونی (باطنی) جسم کے ہوتے ہیں نہ کہ صفات کے تو پھر یہاں جَنَاحَ الذُّلِّ کیوں فرمایا گیا؟

جواب - امام رازی نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ یہ اضافتِ حقیقیہ نہیں ہے جس سے نسبت واقعی ثابت ہو بلکہ اضافتِ صفائیہ ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں بہادری کا شیر ہے اور فلاں حسن کا خزانہ ہے یا سخاوت کا حاتم ہے یہی یہاں مقصود ہے اور جَنَاحُ الذُّلّ کے حکم دینے کا سبب یہ ہے کہ عاجزی مثل پروں کے عام پھیلی ہوئی ہونی چاہیئے۔ دوم یہ کہ یہ تخیلی اشارہ ہے اور استعارۃً لفظِ جناح ذُلّ کے لیے استعمال فرمایا گیا۔ جیسے کہ قوتِ الٰہیہ اور تائیدِ الٰہیہ کے لیے یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ۔ فرمایا گیا۔ یا توجہ

ربوبیت کے لیے یَنْظُرُ اللہ فرمایا گیا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ آنکھ ہاتھ وغیرہ سے پاک ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ رَبَّیَانِیْ صَغِیْرًا۔ اے اللہ ان پر ایسا رحم فرما جس طرح انہوں نے مجھ پر بچپن میں پرورش کا رحم فرمایا۔ والدین نے اولاد پر کیا رحم کیا اپنی لذت شہوت کے لیے صحبت کی اور ہزار مصیبتوں تکلیفوں۔ بیماریوں کے لیے ایک معصوم جان کو دنیا میں لے آئے۔ اور اگر وہ بچہ بڑا بن گیا تو جہنم کا مستحق ٹھیرا۔ یہ والدین کا احسان نہیں یہ تو ظلم ہے۔ (عام بد دماغ جوان لوگ)

جواب۔ والدین نے تو احسان ہی کیا ہے کہ دنیا کی رونقوں دولتوں اور ایمانی عرفانی بہاروں میں اولاد کو لائے پھر اولاد کی خاطر ہزار ہا رنج غم تکلیفیں برداشت کیں پھولوں کی طرح بچوں کو رکھا اچھی صحبت اچھی تعلیم کی کوشش کی ہر طرح ہنر سکھایا پیسہ لٹایا۔ اب آگے بیماری تکلیفیں اس کی قسمت جنتی یا دوزخی بننا تو والدین کی تربیت کے بعد۔ بلوغت میں جاکر اولاد کی اپنی مرضی پر منحصر ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا. اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَلَلْاٰخِرَةُ اَكْبَرُ دَرَجٰتٍ وَّاَكْبَرُ تَفْضِيْلًا۔

ہماری ہی بارگاہ سرمدی سے ہر اپنے پرائے دوست دشمن۔ فرماں بردار نافرمان کو اور ہر ادھر ادھر کے طالب دنیا و طالب آخرت کو امداد ملتی ہے اے قلب محبوب یہ سب تیرے رب سبحانہ وتعالیٰ کی عطاء فیضانی ہے۔ اس بازارِ دنیا میں تیرے رب کے تمام ظاہر و باطن خزانے کھلے اور بکھرے ہوئے ہیں کسی پر کوئی روک رکاوٹ نہیں اپنے اپنے نصیب کا ہر شخص پا رہا ہے۔ اور مَا کَانَ۔ نہیں ہے تیرے رب کا انعامات کسی سے بھی روکے ہوئے۔ اس دارِ فنا میں کوئی طالب دنیا ہے کوئی طالب آخرت۔ کوئی طالب عقبیٰ۔ کوئی طالب مولیٰ ہے۔ کوئی طالب حرام ہے کوئی طالب حلال۔ کوئی طالب خلوص ہے کوئی مبتلاءِ ریاکاری۔ کسی کو عشق الٰہی کسی کو محبت تباہی۔ کسی کی دوڑ دارِ بقا کی طرف کسی کی دارِ فنا کی طرف۔ ہر شخص کو اس کی چاہت و خوشی کا حصہ مل جاتا ہے۔ اس کی عطا میں ہر طلبگار کا حصہ میسر ہے۔ اسی قانونِ ازلی کے مطابق کسی کو اعلیٰ کسی کو ادنیٰ کسی کو عزت کسی کو ذلت۔ کسی کو مقبولیت کسی کو محرومیت۔ کسی کو مسعودیت کسی کو مقہوریت۔ کسی کو مجنونیت کسی کو مجذوبیت۔ کسی کو محبوبیت کسی کو مجبوریت۔ حیاتِ دنیا میں طالب مولیٰ محمود بن جاتا ہے اور طالب دنیا مردود بن جاتا ہے۔ راہ طلب کا مخلص مرحوم ہوتا ہے اور منزلِ شوق کا مفتر مذموم ہوتا ہے۔ راہِ معرفت کو دنیا طلبی کے لیے اختیار کرنے والا مخذول ہو جاتا ہے۔ اے اسرارِ مخفیہ کے شناسا قلب محبوب دیکھو ہم نے عالم ناسوت میں فنا و بقا کی کیسی کیسی فضیلتیں دی ہیں بعض کو بعض پر۔ کہ کوئی مغبون ہے کوئی منصور کوئی ممنونیت کی فضیلت پا گیا اور کسی نے مامونیت کی۔ اے ظاہر

پرستو۔ باطل کی طرف دوڑنے والو منزلِ مراد کی آخرت انوار و مشاہدات کے درجوں میں کہیں زیادہ بڑی ہے اور فضیلتِ قُرب عظمتِ محبوبیت میں بہت ہی بڑی ہے۔ اے معرفتِ الٰہیہ کے مشاہدات پر ایمان لانے والو ہر وقت ذکر خفی و ذکرِ جلی۔ لسانی و سِرّی اور سِرُّ الاسرار کے ذکر سے اپنے رب تعالیٰ کی عطاؤں کی طرف راغب ہو جاؤ تاکہ تم ولایتِ کُبریٰ کی آخری منزل تک پہنچنے میں کامیابی و کامرانی پاؤ اور بس اللہ کی طرف ہی دوڑو۔ اور اللہ کی طرف دوڑنا یہ ہے کہ اُس کے محبوب نبی اللہ کی عطاؤں کے تقسیم کرنے والے سیّد الکونین کے آستانۂ عرشیہ کی طرف آجاؤ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں کو ہر وقت نظرِ حکمت سے دیکھنے والا ہے ان کی طلب اور ارادوں کو پورا فرمانے والا ہے۔ کس کو کیا دینا ہے یہ اُسی کی حکمت و عطا ہے۔ اے اللہ کے بندو اس عالمِ فنا کے امتحان میں معتوب و مقبول سب ہی موجود ہیں تم اُن سے دوستی نہ لگاؤ کہ جن پر اللہ نے دنیا دے کر غضب کیا اور وہ بدنصیب منزلِ عشقِ الٰہیہ کی آخرت سے اس طرح مایوس اور غافل ہو گئے جس طرح کافر اسرارِ طریقت خلوتِ مشاہدہ کے اہلِ حضورِ قلبی سے ناواقف ہو گئے اے منزلِ معرفت کی طرف چلنے والے مسافرو اور ہم قدم ساتھیو تم لذّۃِ دنیا اور دنیا والوں کی طرف نہ دیکھو اُن کی طلب جیسی طلب نہ کرو اس لیے کہ دنیا مردار ہے اور اُس کے طالب آوارہ کُتّے ہیں۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ۔ اے راہِ آخرت کے مسافر اس حیاتِ دنیا میں تیرے لیے ہزاروں مصیبتیں حاجتیں ضرورتیں مشکلیں موجود ہیں کامل ایمان اور سچی توحید یہ ہے کہ تیرا یقین اس بات پر مضبوط ہو کہ تیری ہر چیز اللہ رَبُّ العزّت معبودِ حقیقی کے قبضے میں ہے تیری تقدیر ازل سے لکھی گئی ہے۔ تقدیر سے کسی کو مفر نہیں اور اس سے زیادہ کسی کا مقرر نہیں۔ لہٰذا اللہ کے ساتھ کسی اور چیز کو بھی اپنی حاجات کا اِلٰہ رازق خالق دیوتا دیوی۔ اپنی عبادت و سجدہ ریزی کا مستحق و لائق نہ سمجھ۔ اللہ کی منشا کے بغیر حکمِ الٰہی کے مقابل کوئی بھی تیرا نفع یا نقصان حاجت روائی مشکل کشائی نہیں کر سکتا۔ اللہ کے خلاف کسی کو حاجت روا مشکل کشا رزق دینے والا سمجھنا کفار کا طریقہ ہے۔ دنیا کے تمام سچے مشکل کشائی حاجت روائی کرنے والے انبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام اور اولیاءِ عظام و دیگر دنیا والے انسانی ہمدردی والے سب اللہ ہی کی مرضی سے اور اُس کی عطا کے وسیلے بن کر لوگوں حاجتمندوں عاجزوں مسکینوں کی مشکل کشائی کرتے ہیں وہ اگرچہ عارضی مشکل کشا ہیں مگر حقیقی دائمی مشکل کشا اللہ ہی ہے اس لیے شریعت طریقت معرفتِ حقیقت کا ظاہری باطنی اِلٰہ وہی اللہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے۔ اگر مقامِ عرفانی میں کسی کو بھی معبودیت کے لائق ذرّہ بھر یا ایک ساعتِ قلیل کے لیے سمجھ لیا۔ فَتَقْعُدَ۔ مقامِ حیرت میں بیٹھا رہ جائے گا۔ شرکِ معرفت اور کفرِ خفی کا مذموم ہو کر اور ظلماتِ حجاب کا مخذول و ذلیل ہو کر۔ اس میدان کا موحّد و شہسوار

صرف وہی حق پرست ہے جو لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا ھُوَ اور لَا مَسْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ پر بلکہ اہلِ معرفت کی آخری منزل توحید لَا مُوْجُوْدَ اِلَّا ھُوَ۔ اور پہلی منزل لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا ھُوَ ہوتی ہے۔ جو طالب مراد اس راستے سے ہٹا وہ عُرفا کے نزدیک مذموم مخذول ہوا۔ وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا اور اے قلب محبوب تیرے روح وجسم اور ظاہر و باطن کے پالنے والے اللہ العٰلمین نے تا قیامت اہلِ سلوک کے لیے حکمِ ازلی جاری اور قائم فرمادیا ہے کہ اے عقل و دماغ۔ روح و مزاج۔ نفس و ضمیر اعضاء باطنی حیاتِ ناسوتی کے زمانے میں ہر سر و خفی میں خلوت و جلوت میں کسی کی عبادت نہ کرو مگر اسی ہی رَبُّ الْاَرْوَاح کی اور عالمِ ارواح سے عالمِ اجسام تک اسی سے تعلق جوڑو۔ اس کی محبت عبادتِ ایمانی ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو معبود اور منزلِ سفر کا مقصود و مطلوب نہ سمجھو کوئی دیوی دیوتا نہ محبت کرتا ہے نہ کرسکتا ہے۔ نہ کسی کی محبت کام آسکتی ہے بس اسی ربِّ کائنات کی محبت ازلی ابدی فائدہ دینے والی ہے۔ اے مسافرِ راہِ ازل اس رازِ مخفی کے اشارے پر غور فرما کہ حیاتِ لاہُوتی میں سب سے زیادہ محبت والے وہ دو ہستیاں جو عالمِ روح سے تجھ کو عالمِ جسمی میں لانے کا وسیلہ بنے ان کی محبت و شفقت اور پرورش۔ ربوبیت و شفقتِ الٰہیہ کا نمونہ و نشان ہے مگر مرورِ زمانہ سے ایک وقت آتا ہے کہ ان کی محبت بھی محتاجی میں تبدیل ہو جاتی ہے اور اولاد کی ساری امیدیں والدین سے ٹوٹ جاتی ہیں اور کہنا پڑتا ہے کہ اے وَالِدَیْن سے پلنے اور پرورش پانے والی اولاد اب تو اپنے وَالِدَیْن کو پال۔ احسان کر جب کہ ایک یا دونوں عمرِ فنا کو پہنچیں۔ کائنات میں سب سے زیادہ محبت وَالِدَیْن کی ہے جب وہ ہی ختم ہو گئی تو یہ جھوٹے بُت اور دیوی دیوتا کب کسی کی مدد کرسکتے ہیں۔ بس رب تعالیٰ ہی ہے جس کی محبت ازلی قدیم ہے اس لیے اسی کو اِلٰہ مانو (محی الدین ابن عربی) صوفیا و عُرفا فرماتے ہیں کہ بندے کی روح مثلِ والدہ ہے اور جسم مثلِ والد ہے۔ اور عقل۔ دماغ شعور۔ فکر۔ تخیل۔ ضمیر۔ نفس۔ قلب مثلِ اولاد ہے۔ قبلِ بلوغت اولاد کا بچپنہ ہے بعدِ بلوغت والدین کا بڑھاپا جسم کو شریعت پر چلانا والد کی خدمت گزاری ہے اور روح کو راہِ معرفت پر لانا گویا والدہ کی خدمت گزاری ہے۔ اے بندۂ مومن اپنے رب کا حکم قضٰی اپنے عقل دماغ کو سنا کہ حیاتِ دنیوی کو غنیمت شمار کر اپنے روح کو تذکیۂ روحانی ریاضتِ عرفانی سے پاک و طاہر کر دے اور اعمالِ شریعت سے عبادتِ حقیقت سے جسم کو مزین کرکے دونوں پر احسان کردے دنیا کی عیاشیوں نے دونوں کو بوڑھا کر دیا گناہوں اور صحبت سے بچا۔ گناہِ صغیرہ کا اُف بھی نہ کر اور گناہِ کبیرہ شرک و کفر کی جھڑکیوں تکلیفوں مصیبتوں ناراضیوں میں نہ ڈال۔ اور اللہ رسول کے پیارے کلمات انوار و مشاہدات کے

نعمات اور قربِ الٰہی کی بشارت سے قولاً کریمًا بول۔ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا۔ رَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَا فِي نُفُوسِكُمْ إِنْ تَكُونُوا صَالِحِينَ فَإِنَّهُ كَانَ لِلْأَوَّابِينَ غَفُورًا۔ اے عقل و قلب کی اولاد اپنے روح و جسم کے لیے عبادت کے نوریا منت و مشقت کے سرور اور مشاہدات سے تذکیۂ نفس کے پر پھیلاؤ رحمۃ عالمین کی اتباعِ حسنہ سے۔ اور اپنے ربِّ سبحانہ وتعالیٰ سے ہر ساعت و ہر حالت میں اپنے جسم و روح دونوں کے لیے لسانِ صدق و بیان عجز سے عرض کرتا رہ کہ اے کائناتِ سرمدی و عالمین فناؤ بقا کے رب کریم میرے جسم و روح پر قرب انوار کا رحم فرما۔ جس طرح اِن دونوں نے اپنے گہوارۂ عاطفت میں مجھ کو راہ سلوک کی پرورش عطا کی اور قوتِ عصمت و طاقتِ تفکر اور تدبیرِ فہم تخیّل اسرارِ معرفت کی منزل پر لگایا۔ اے اولادِ عقلی و اَبناءِ فہمی بناتِ ذکری تمہارا پرورشِ روحانی فرمانے والا رب تمہارے اسرارِ و ارادوں کو بہت جاننے والا ہے جو تمہاری روح کی گہرائیوں۔ نفس و ضمیر کی پنہائیوں میں چھپنے والے ہیں اے قالب و قلب۔ روح و عقل نفس و ضمیر اگر تم سب راہِ مراقبہ کے خلوت نشین اور اصلاحِ اعمال کے پردہ نشین ہو گئے تو بیشک یقیناً وہ رحیم و کریم میدانِ معرفت اور منزلِ شوق۔ وادیِ عشق کے پُرخلوص اَوّابین کو مشاہداتِ جمال کے پردوں میں اَبدی شفقت سے ڈھکنے والا ہے۔ اور حجاباتِ ظلمت کو توڑنے والا ہے۔ دنیاءِ ناسوت کا شہنشاہ وہ ہے جو زمین پر قابض ہو لیکن عالمِ لاہوت وَ علاقۂ جبروت کا بادشاہ وہ ہے جو عقل و قلب پر قابض ہو۔ اے بندو تمہارا سفر عالم اَرواح سے شروع ہو چکا ہے اے صالحینِ معرفت اللہ کے لیے اللہ میں مائل اور مشغول ہو جاؤ۔ اس لیے کہ بیشک اللہ ذاتِ وَحدہٗ لاشریک ہی مومن کا مقصود ہے۔ اے عارفین سالکین آخرت میں فکر و ذکر کرو کیونکہ قربِ جمال کی آخری منزل ہی مدارج کی بلندی ارادوں کی ترقی ہے۔ اہلِ حکمت فرماتے ہیں کہ دنیا کا طالب جاہل ہے اور آخرت کا طالب عاقل ہے اور مولیٰ کا طالب کامل ہے۔ دنیا کا طالب مردود ہے عقبیٰ کا طالب محمود ہے۔ وَآتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ وَالْمِسْكِينَ وَابْنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيرًا۔ إِنَّ الْمُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيْطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا۔ اے اَعمالِ صالحہ کے دولت والو اور مغفرت کے خزانے والو۔ اپنے اَعضاءِ ظاہری کے رشتے و قرابت کا حقِ خلقت و پیدائش ادا کرو۔ اور وادیِ طلب کے مسکین قوموں کو حقِ مسافرت پورا دو۔ دنیا میں اپنے قوموں کو راہ سعادت کی طرف خوب چلاؤ یہی اُن کا حق ہے اور تمہارے ارادے و ہم و خیالات وادیِ حیرت کے مسافر ہیں اِن کی نیّت نیک ان کا حق ہے وہ ان کو پہنچاؤ۔ اور اپنی کسی چیز کو بھی ناحق اور حق سے دور استعمال نہ کرو۔ ایک آن بھی غفلت کا گزرنا تبذیر ہے۔ بیشک اپنے اوقاتِ قیمہ کو بری

صحبتوں ۔ بدراہوں ۔ غفلتوں سُستیوں حماقتوں گناہوں میں گزارنے والے مُبذِّرینِ طریقت ہیں اور ایسے بدخصلت و بدنصیب شیطانِ نفس کے ساتھی اور قرابتِ اَعمال کے بھائی ہیں ۔ روح و بدن قلب و عقل کا شریعت و طریقت اور منزلِ مقصودِ حیات دنیوی کو چھوڑنا ہی شیطانیت ہے اور اور اللہ کی ہزار ہا نعمتیں قوتیں مہلتیں برتنے والا شیطان اور نفس خبیث اپنے رب کا ہر وقت کھلا ناشکرا ہے ۔ علماءِ شریعت کے نزدیک گناہ ناشکری ہے لیکن علماءِ معرفت کے مشرب میں ہر وہ کام ناشکری اور کُفرانِ نعمت ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں نہ ہو ۔ اگرچہ عبادتِ ظاہری ہو یا وادیِ معرفت کی راہ نوردی ہو ۔ وہ وظیفہ خوانی تسبیح رانی چلّہ کشی جو نقشِ قدمِ مصطفیٰ عَلَیْہِ التَّحِیَّۃُ وَالثَّنَا سے ہٹ کر یا مخالف ہو وہ سب وِرد وظائف جبّہ و دستار پیری مریدی ناشکریِ ابلیس میں شمار ہے دنیا طلبی ناشکری ہے ۔ دین کی طلب شکرِ خداوندی ہے ۔ اصل شکر نبیِّ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اتباع اور اطاعت کا نام ہے ۔ اس لیے کہ دنیا کا طالب دنیا کا مغرور ہے عقبیٰ کا چاہنے والا مسرور اور طالبِ مولیٰ دونوں جہان میں منصور ہے ۔ دنیا کا طالب ہالک اور فنا ہے عقبیٰ کا طالب سالک اور بقا ہے لیکن مولیٰ کا طالب مالکِ بحر و بر ہے ۔ دنیا کا طالب ذلیل ہے ۔ عقبیٰ کا طالب جلیل صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ مولیٰ تعالیٰ کا طالب خلیلِ بارگاہ ہے ۔ اے میرے اللہ مجھ کو بھی اپنا اور اپنے حبیب کا سچا طالب بنا ۔

وَاِمَّا تُعۡرِضَنَّ عَنۡهُمُ ابۡتِغَآءَ رَحۡمَةٍ مِّنۡ

اور اگر بے توجہ ہو تو کسی دن اُن حاجتمندوں سے ملنے کی امید میں رحمت کی دولت طرف سے

اور اگر تو اُن سے منہ پھیرے اپنے رب کی رحمت کے انتظار

رَّبِّكَ تَرۡجُوۡهَا فَقُلۡ لَّهُمۡ قَوۡلًا مَّيۡسُوۡرًا ﴿۲۸﴾

رب اپنے کے آس لگائی تو نے جس کی تو کہہ اُن سے ایسی بات جو بہت نرم ہو ۔

میں جس کی تجھے امید ہے تو اُن سے آسان بات کہہ

وَلَا تَجۡعَلۡ يَدَكَ مَغۡلُولَةً اِلٰى عُنُقِكَ

اور نہ بنا تو دینے والے ہاتھ کو اپنے بندھا ہوا طرف گردن کے اپنے کنجوسی سے اور نہ

اور اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا نہ رکھو اور

وَلَا تَبۡسُطۡهَا كُلَّ الۡبَسۡطِ فَتَقۡعُدَ مَلُوۡمًا

کھولدیے تو اُس کو تمام کھولن کر بیٹھ رہے تو ملامت کیا ہوا

نہ پورا کھولدے کہ تو بیٹھ رہے ملامت کیا ہوا

مَّحۡسُوۡرًا ﴿۲۹﴾ اِنَّ رَبَّكَ يَبۡسُطُ الرِّزۡقَ لِمَنۡ

تنگی دیا ہوا ۔ بیشک رب تیرا کھولتا ہے رزق کو لیے جس کے

تھکا ہوا بیشک تمہارا رب جسے چاہے رزق کشادہ دیتا

يَّشَآءُ وَيَقۡدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيۡرًاۢ

چاہے اور اندازے سے دیتا ہے بیشک وہ ہے سے بندوں اپنے پورا خبر والا

اور کستا ہے ۔ بیشک وہ اپنے بندوں کو خوب جانتا

ع ۳ ۴ ۲ بَصِيۡرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقۡتُلُوۡۤا اَوۡلَادَكُمۡ خَشۡيَةَ

سمجھنے والا اور نہ قتل کرو تم اولاد کو اپنی خوف سے

دیکھتا ہے اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے ڈر سے

اِمۡلَاقٍ ؕ نَحۡنُ نَرۡزُقُهُمۡ وَاِيَّاكُمۡ ؕ اِنَّ

غریب ہونے کے ۔ ہم رزق دیتے ہیں اُن کو اور تم کو ۔ بیشک

ہم اُنہیں بھی روزی دیں گے اور تمہیں بھی ۔ بیشک

قَتۡلَهُمۡ كَانَ خِطۡاً كَبِيۡرًا ﴿۳۱﴾

قتل	اُن	کا	ہے	جرم	بہت	بڑا -
اُن	کا	قتل	بڑی	خطا	ہے -	

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیتوں میں حقوق والوں کو اُن کے حق دینے کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں اُن دینے والوں کا ذکر ہے جو کسی وقت عارضی طور پر دینے سے تنگ دست ہو جائیں۔
دوسرا تعلق - پچھلی آیت میں فضول خرچی کرنے والوں اور دنیوی حلال دولت برباد کرنے کی برائی کا ذکر ہوا - اب اِن آیات میں - مسلمان کو خرچ کرنے کا صحیح طریقہ بیان کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیات میں دینے والے امیروں اور لینے والے مسکینوں مسافروں کا ذکر ہوا تھا - اب اِن آیتوں میں فرمایا جا رہا ہے کہ امیر غریب بنانے والا رب تعالیٰ ہے - لہٰذا کسی کو حقیر سمجھ کر مغرور نہ بنو۔
شانِ نزول - خزائن العرفان میں ہے کہ ایک مومنہ صحابیہ کے سامنے ایک یہودیہ نے حضرتِ موسیٰ کی سخاوت کا بہت تذکرہ کیا اُن صحابیہ نے فرمایا کہ ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم اُن سے بھی زیادہ سخی ہیں اور اُس کو سمجھانے کے لیے اپنے بیٹے کو نبی کریم کی خدمت میں بھیجا کہ کچھ عطا فرماؤ اِتفاق سے اُس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ بھی نہ تھا مگر آپ نے اپنی قمیص ہی اتار دی وہ لے گیا یہودیہ تو بہت حیران ہوئی مگر نبی کریم گھر میں ہی نماز تک جلوہ افروز رہے صحابہ کو پتہ چلا تو ایک صحابی نے اپنی چادر خدمتِ اقدس میں پیش کی تب یہ دو آیتیں ۲۹ - ۳۰ نازل ہوئیں۔
ایک قول یہ ہے کہ اصحابِ صُفّہ حضراتِ بلال خبیب - یاسر - ابوہریرہ صہیب رضی اللہ عنہم اپنی حاجات آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کرتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی مشکلیں حاجتیں حل فرمایا کرتے تھے کبھی کبھی خانۂ مقدس میں کچھ نہ ہوتا تھا تو آپ خاموشی اختیار فرماتے تھے جس سے صحابہ کرام کو اندازہ ہو جاتا اور وہ اپنے سوال پر نادم ہو کر لوٹتے تھے - تب ایک مرتبہ یہ آیت نازل ہوئیں کہ آپ خاموشی نہ فرمایا کریں بلکہ اپنی دلربا گفتگو سے نوازا کریں آپ کی نظرِ محبت اور محبت و تسلی والی باتیں بھی کروڑوں نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے - اور بھی اقوال مذکور ہیں - وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

تفسیر نحوی

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا ۔

واؤ استینافیہ ۔ اِمَّا ۔ اصل میں ۔ اِنْ شرطیہ اور ما تاکیدیہ ہے ۔ تُعْرِضَنَّ ۔ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر با نون ثقیلہ لام تاکید اول میں ما تاکیدیہ کی وجہ سے نہیں آیا ۔ ما تاکیدیہ جملہ کو انشائیہ بناتا ہے اور لام تاکیدیہ جملہ کو خبریہ مستقبل بناتا ہے ۔ یہاں شرطیہ کی وجہ انشائیہ ہونا لازم ہے لہٰذا ما تاکیدیہ کا آنا ہی ضروری تھا ۔ مصدر ہے اِعْرَاضٌ بمعنی سامنے نہ آنا ۔ یعنی منہ پھیرنا بے توجہ ہونا ۔ کنی کترانا ۔ غفلت برتنا ۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے عُرْضٌ سے بنا ہے بمعنی سامنے لانا لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی اور بقاعدۂ نحو متعدی کیا جائے تو نفی کی مشابہت پیدا ہو جاتی ہے ۔ یہاں بھی ایسی ہی کیفیت ہے کہ سامنے لانے کو جب باب افعال میں لایا گیا تو معنی ہو گیا کہ دوسرے نے رخ پھیر لیا ۔ عَنْ جارہ مجاوزتِ زوالی کے لیے هُمْ ضمیر جمع غائب مرجع ہے قربی وغیرہ ۔ اِبْتِغَآءَ ۔ باب افتعال کا مصدر ہے بمعنی چاہنا ۔ تلاش کرنا ۔ ڈھونڈنا انتظار اور امید کے ساتھ کوشش کرنا ۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں ۔ بَغْیٌ سے بنا ہے ۔ مصدر مضاف رَحْمَةٍ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی مہربانی احسان نعمتِ الٰہی ۔ رزقِ حلال ۔ بحالتِ جر ہے مفعول مضاف الیہ ہے اور موصوف مابعد کا مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے رَبِّ بمعنی پروردگار کَ ضمیر واحد حاضر مضاف الیہ ۔ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق اِبْتِغَآءَ کا تَرْجُوْ ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر ۔ زمانۂ حال ہے رَجْوٌ یا رَجَاءٌ سے بنا ہے ۔ بمعنی امید کرنا ۔ تَرْجُوُ تھا ۔ واؤ پر ضمہ بوجھل (ثقیل) ہوا ساکن کر دیا ۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے هَا ضمیر مفعول بہ ہے مراد رَحْمَةٍ ۔ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی ۔ اِبْتِغَآءَ مصدر اپنے سب معمولات سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول لہٗ ہوا تُعْرِضَنَّ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ۔ فَ جزائیہ ۔ قُلْ باب نَصَرَ امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل لام جارہ تعدیہ کا هُمْ ضمیر کا مرجع مساکین وغیرہ جار مجرور متعلق ہے قُلْ کا ۔ قَوْلًا اسم مصدر اجوف واوی موصوف ہے ۔ مَّيْسُوْرًا ۔ اسم مفعول واحد مذکر باب ضرب سے ہے ۔ یُسْرٌ سے بنا ہے بمعنی آسان کرنا ۔ نرم ہونا ۔ نرمی کرنا ۔ ترجمہ ہے نرم اور آسان بات ۔ صفت ہے ۔ فراخ دلی بھی معنی ہے عُسْرٌ کا مقابل ۔ یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے قُلْ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا اور شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا ۔ واؤ سر جملہ ۔ لَا تَجْعَلْ فعل نہی واحد مذکر حاضر جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی ڈالنا ۔ يَدَ ۔ اسم مفرد جامد بمعنی ہاتھ ۔ حقیقی لغوی ترجمہ ہے طاقت ۔ قبضہ ۔ حمایت ۔ مجازاً مناسبت کی وجہ سے ہاتھ کو یَدْ کہا جاتا ہے دو کو یَدَیْنِ جمع کو اَیْدِیْ ۔

یہاں مراد ہاتھ ہے مضاف ہے کَ ضمیر حاضر مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے مَغْلُوْلَۃً۔ اسم مفعول صیغہ واحد مؤنث۔ غَلٌّ سے بنا ہے لغوی ترجمہ بندھنا۔ باندھنا۔ غُوْلٌ ہتھکڑی کو اور گلے کے طوق کو انہی معنیٰ میں کہتے ہیں ہِیَ ضمیر مستتر فاعل ہے اصطلاحًا اور مناسبتًا کنجوس کو بھی کہدیتے یہاں ترجمہ لغوی ہے اور مراد کنجوسی ہے۔ اِلٰی جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے عُنُق۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ گردن۔ مضاف ہے کَ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے مغلولۃً۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَدَ کا یا اَنْتَ مستتر کا۔ اگر ترجمہ ہو کنجوس تو اَنْتَ کا حال ہے اگر مصدری ترجمہ ہے (بندھا ہوا) تو یَدَ کا حال ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائیہ۔ لَا تَبْسُطْ۔ باب نَصَرَ کا فعل نہی واحد حاضر اَنْتَ مستتر فاعل بَسْطٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ کھولنا۔ پھیلانا۔ لمبا کرنا۔ ہاتھ ڈالنا۔ ہاتھ پکڑنا۔ ہاتھ بھیجنا۔ بہت دینا۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے ھَا ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ہے ہاتھ۔ کُلَّ اسم تاکیدی مضاف ہے الف لام عہدی بَسْطِ مصدر کھولنا کے معنیٰ میں مضاف الیہ ہے مرکب اضافی حال ہے یا تاکید ہے لَا تَبْسُطْ کی یا اَنْتَ کا حال ہے۔ جملہ فعلیہ ہوگیا۔ فَ تعقیبیہ جزائیہ۔ تَقْعُدَ مضارع معروف مثبت صیغہ واحد مذکر حاضر باب نَصَرَ سے ہے بحالتِ فتحہ ہے فَ جزائیہ کی وجہ سے کیونکہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے (جامی) مَلُوْمًا۔ اسم مفعول لَوْمٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ ملامت کرنا۔ طعنہ دینا بحالتِ نصب ہے حالِ اوّل ہے اَنْتَ ضمیر حاضر مستتر کا جو فاعل ہے تَقْعُدَ کا مَحْسُوْرًا۔ اسم مفعول واحد مذکر حَسْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ حیران ہونا۔ سوکھنا۔ حسرت کرنا۔ تھک جانا۔ پریشان ہونا۔ گم شدہ چیز پر افسوس کرنا۔ یہاں حسرت کے معنیٰ ہیں۔ حالِ دوم ہے۔ تَقْعُدَ کے فاعل کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہوگیا۔ اِنَّ رَبَّکَ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ۔ اِنَّهٗ کَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًاۢ بَصِیْرًا۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَةَ اِمْلَاقٍ۔ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِیَّاکُمْ۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ کَانَ خِطْاً کَبِیْرًا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ رَبَّکَ مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے۔ یَبْسُطُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے رَبَّکَ۔ الف لام استغراقی یا جنسی۔ رزق بمعنیٰ مال و دولت سامانِ زندگی۔ مفعول بہ ہے۔ لام جارّہ نفع کا مَنْ موصولہ یَشَآءُ۔ باب فَتَحَ کا مضارع معروف واحد مذکر غائب شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چاہنا۔ ھُوَ ضمیر فاعل۔ فعل با فاعل فعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور جار مجرور متعلق ہے یَبْسُطُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ یَقْدِرُ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ قَدْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ طاقت رکھنا۔ تقدیر بنانا اندازہ کرنا۔ اندازہ رکھنا تنگی پیدا کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہیں مگر آخری معنیٰ زیادہ مناسب ہیں۔ فعل با فاعل جملہ ہو کر معطوف ہوا۔

پھر سب مل کر خبر اِنَّ ہو کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ اِنَّ حرفِ مُشبّہ ہٗ ضمیر اسم ہے اِنَّ کا منصوب متصل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر اس کا اسم بِ جارّہ مفعولیت (تعدیہ) کا عِبَادِ جمع مکسّر کثرت۔ عَبْد کی بمعنیٰ مخلوق۔ ہٖ ضمیر واحد غائب مجرور متصل۔ اس لیے کہ مضاف الیہ اور اپنے عامل مضاف سے جڑی ہوئی ہے مرکّب اضافی مجرور ہو کر متعلّق ہے کَانَ کی۔ خَبِیْرًا۔ صفت مشبّہ مبالغہ خُبْرٌ سے ترجمہ ہے ہر وقت ہر شخص ہر مخلوق کی خبر رکھنے والا ہر حالت کی۔ بحالتِ نصب ہے خبر اوّل ہے بصیرًا بَصْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا۔ سمجھنا۔ ترجمہ ہے۔ ہر حال کو ہر شخص کے ہر وقت دیکھنا جاننا۔ خبر دوم ہے کَانَ کی جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہوئی اِنَّ کی۔ واؤ سرِ جملہ۔ لَا تَقْتُلُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا قَتْلٌ سے فعل نہی حاضر معروف بمعنیٰ جان سے مارنا اَنْتُمْ ضمیر جمع پوشیدہ فاعل ہے خطاب عام کو ہے۔ اَوْلَادَ۔ جمع مکسّر کثرت وَلَدٌ کا بمعنیٰ اپنے بیٹے بیٹیاں۔ نسل۔ ذریّت۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ مرکّب اضافی مفعول بہ اوّل ہے۔ خَشْیَۃَ۔ اسم مصدر حاصل مصدر۔ بمعنیٰ تعظیم اور دبدبہ کا خوف۔ مضاف ہے۔ اِمْلَاقٍ۔ بابِ اِفعال کا مصدر ہے۔ مَلْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غریب ہونا۔ تنگدست ہونا۔ مضاف الیہ ہے مرکّب اضافی مفعول بہ دوم ہے لَا تَقْتُلُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے نَرْزُقُ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف رِزْقٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ روزی دینا۔ دنیوی زندگی کا سامان دینا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے نَرْزُقُ کا مرجع ہے اولاد معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِیَّاکُمْ۔ اِیَّا حرفِ زائد صرف ضمیر متصل سے جڑنے کے لیے ہے کیونکہ ضمیر متصل علیحدہ نہیں آسکتی اور عطف کی واؤ عاطفہ کے فاصلے کی بنا پر عامل سے جڑ بھی نہیں سکتی۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل جمع مذکر۔ مرجع ہے صاحبِ اولاد لوگ معطوف ہے ھُمْ پر۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہوئے نَرْزُقُ کا جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ قَتْلَ۔ اسم مصدر مادہ بمعنیٰ جان سے مار ڈالنا۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع غائب مضاف الیہ ہے مرجع اولاد ہے مرکّب اضافی اسم اِنَّ۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا اسم جس کا مرجع قتل ہے خِطْأ۔ اسم مفرد جامد۔ حاصل مصدر ہے بمعنیٰ غلطی۔ لغزش۔ موصوف ہے کَبِیْرًا۔ صفتِ مشبّہ۔ ترجمہ بہت بڑا۔ صفت ہے خِطْاً کا۔ اس توصیف سے خِطْاً کا ترجمہ ہوگیا سخت بڑا گناہ لفظِ خِطْاً میں تین قرأتیں اور بھی ہیں۔ ۱ خِطَاً ۲ خَطَاً ۳ خَطْاً۔ معنیٰ سب ایک ہیں یعنی جان بوجھ کر گناہ کرنا۔ غلطی کرنا۔ اگر اس کو بابِ اِفعال میں لایا جائے تو معنیٰ ہوتا ہے اَخْطَاً یعنی بھول چوک سے غلطی کرنا۔ برادرانِ یوسف علیہ السلام نے کہا تھا اِنَّا کُنَّا خَاطِئِیْنَ۔ یعنی ہم نے جان بوجھ کر سمجھتے ہوئے غلط کام کیا تھا۔ یہ مرکّب توصیفی خبر کَانَ

ہے وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا

اور اے بندۂ مومن وَالِدَین کی خدمت تو ہر حال میں تجھ پر لازم ہے امیر ہے تو مال سے اگر غریب ہے تو اپنی خدمتِ جسمانی کام کاج اٹھانا بٹھانا کھانا کھلانا ۔ اُن کے لیے محنت مزدوری کرنا ضروری ہے ۔ لیکن دیگر قرابتدار اور یتیم مسکین مسافر اگر اپنی حاجتیں ضرورتیں لے کر تیرے پاس آئیں اور تو خود غریب مفلس ہو ان کی وقتی ضرورت کی چیزیں تیرے پاس نہ ہوں ۔ اور شرمندگی سے تو اُن سے اِعراض کرتا ہو ۔ اپنا بھرم رکھتے ہوئے اپنی غربت بھی نہ ظاہر کرنا چاہتا ہو اور اپنی رب تعالیٰ کی اُس رحمت برکت نعمت دولت کے چاہنے اور ملنے کے انتظار میں آس و امید لگائے ہوئے ہو جو پہلے کبھی تیرے پاس تھی اور تو سخاوتیں بخششیں خیرات و صدقات میں مشہور تھا ۔ اور اسی شہرت کی بنا پر دور و نزدیک سے سائلین تیرے پاس آتے ہیں تو اب تنگ دلی افسوس اور شرمندگی سے اپنی غربت کا اظہار مت کر ۔ بلکہ کُل لَھُمۡ ۔ ایسے سائلین اور حاجتمندوں سے بہت ہی محبت شفقت پیار اور دلجوئی سے میٹھی نرم اور حوصلہ افزائی کی گفتگو اور باتیں فرما ۔ یا آئندہ کے لیے رب تعالیٰ کے بھروسے پر وعدہ فرما دے تاکہ تیری تسلّی آمیز میٹھی باتوں سے اس پریشان حال کی دلجوئی ہو ۔ اور جب تجھ کو اللہ تعالیٰ نعمتوں دولتوں سے امیر اور رئیس بنا دے اور تجھ کو زکوٰۃ صدقات خیرات کے علاوہ اہلِ حق کے وہ حقوق دینے پڑیں جو رب تعالیٰ نے ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے تو لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً ۔ نہ کنجوسی بخیلی سے اپنے ہاتھوں کو اپنے گلے کا طوق بنا کر دولت پر اور حقوقُ العِباد پر قبضہ جما لے اور نہ اسراف و تبذیر سے ہاتھ کو اتنا کھول دے کہ ہر اچھی بری ۔ تماشوں ۔ عیاشیوں میں یا بلا سوچے سمجھے ہر جھوٹے سچے کو دیتا لٹاتا اور خون پسینے کی حلال دولت برباد کرتا پھرے اور پھر خالی ہاتھ جھاڑ کر دنیا والوں کے سامنے نادِم ۔ شرمندہ محتاج ہو کر لوگوں کی ملامتیں طعنے بازیاں بُری بھلی باتیں سننے کے لیے سب کے سامنے پڑا رہ جائے ۔ اور مَحْسُوْر تنگدست مفلس شل تھکے ماندے کے بیٹھا غیروں کا منہ تکتا رہ جائے اور حیاتِ دنیوی کے کمال و زوال کے سفر میں پیچھے رہ جائے منزلِ عروج و ترقی تک نہ پہنچ سکے ۔ کامیاب بندہ تو وہ ہے کہ جب ہماری دولت کو خرچ کرنے لگتا ہے تو نہ اسراف کرتا ہے نہ تبذیر ۔ نہ اِقْتَرَا کرتا ہے نہ بخیلی ۔ وہ اپنی دنیا سازی میں بھی اللہ رسول کی بتائی ہوئی سچی پیاری اور بہترین تعلیم کے ذریعے اقوامِ عالم کے سامنے ہر اعتبار سے معاشرے میں با عزت و وقار سے قوّام ہوتا ہے ۔ خیال رہے کہ لفظ قعود جس سے یہ تَقْعُدَ فعل مشتق

جولے سے مجازاً سات معنیٰ میں مستعمل ہے۔ نادم اور تھکا ہونا۔ گھبرانا۔ پیچھے رہ جانا۔ محتاج ہونا۔ کسی غیر کا آسرا لینا۔ غریب ہو جانا۔ یہاں ان ہی معنیٰ میں آیا ہے اگرچہ چلتا پھرتا ہو۔ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ۭ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۔ اے پیارے نبی ہم نے اپنے بندوں کو آپ کے اُمتیوں کو اپنے قرآنِ مجید اور آپ کے عمل و فرمان کردار و سیرت کے ذریعے تا قیامت زندگی اور باعزت وقت گزارنے کے بہترین مضبوط شاندار باوقار طریقے بتادیئے ہم نے ہی دنیا میں کچھ بندوں کو دینے والا اور کچھ بندوں کو حالات یا فطرت یا عادت کے لحاظ سے لینے والا بنایا۔ لیکن کوئی شخص بھی خواہ وہ کتنا ہی امیر ہو اور سخی داتا ہو یا کتنا ہی غریب محتاج فقیر ہو نہ کسی کو دے دے کر دولت مند بنا سکتا ہے نہ کسی سے مانگ مانگ کر چھین کر لوٹ کر اُس کو غریب بنا سکتا ہے۔ اسی لیے کہ بیشک آپ کا ربّ اپنے بندوں میں سے جس کا چاہتا ہے رزق بے حساب بے شمار کشادہ فرما دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے بے حد تنگ رزق فرما دیتا ہے اور یہ رب تعالیٰ کی بخیلی یا غفلت نہیں جیسا کہ ڈاکٹر اقبال نے گمراہی کا عقیدہ بنالیا۔ لکھتا ہے ؎

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

اور ایک رباعی میں لکھتا ہے۔

مریدِ فاقہ مستے گفت با شیخ
کہ یزداں را زِ حالِ ما خبر نیست
بہ ما نزدیک تر از شہ رگِ ماست
ولیکن از شکم نزدیک تر نیست

از پیام مشرق۔ اس کا ترجمہ حکیم ذوقی الہ آبادی نے اس طرح کیا ہے۔ مرید فاقہ کش بولا کہ اے شیخ۔ خدا کو کچھ ہماری کب خبر ہے۔ وہ شہ رگ سے تو ہے نزدیک مانا۔ مگر وہ پیٹ سے تو دور تر ہے (معاذ اللہ) کتنا گستاخانہ نظریہ ہے اور اس آیت کریمہ کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ بخیلی کنجوسی۔ غفلت اور بے خبری جیسے تمام عیوب سے پاک ہے۔ کیونکہ بیشک وہ رب تعالیٰ ازل سے ابد تک اپنے تمام بندوں کے ہر حال ہر کیفیت ہر مصلحت سے خبر رکھنے والا ہے اور ہر بندے کی ہر حکمت کو جاننے والا دیکھنے والا ہے۔ اے نبی حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ اپنے رب تعالیٰ کو جانتے پہچانتے ہیں۔ رب وہ ہے جو اپنے

مربوب کو عالم ارواح - والدہ کے پیٹ بچپن جوانی بڑھاپے قبر حشر اور ابدالاباد تک ہر طرح پالنا جانتا ہے مربوب کی تمام مہمات حاجات ضرورت کو ہر نوعیت کیفیت سے جانتا ہے کس کو کیا اور کتنا دینا ہے اور کون دولت حکومت عزت سنبھال اور برداشت کر سکتا ہے کون نہیں کر سکتا - کس کے لیے کیا مفید اور کیا نقصان دہ ہے - کون علم کا مستحق کون جہالت کے قابل کس کو کیا بنایا جائے تو نظام دنیا قائم رہ سکتا ہے ان تمام حکمتوں کو وہی اللہ تعالیٰ جانتا ہے لہٰذا اے بندو یہ عقیدہ پختہ بنالو کہ دنیا میں لوگوں کے امیری غریبی سے مختلف حالات بخیلی کی وجہ سے نہیں بلکہ مصلحتِ انسانیت کی رعایت و تنظامت کی وجہ سے ہے - اور جب یہ عقیدہ بنالیا تو ہمارا یہ حکم بھی سن لو کہ - وَلَا تَقْتُلُوا - اے والدین اگر بڑھاپے میں تمہاری خواہش و حاجت ہے کہ تمہاری اولاد تم کو عزت و محبت سے پالے تو تم پر بھی یہ فرض ہے کہ اپنی اولاد کو ولادت کے بعد بچپن نابالغی اور قریب بلوغت کسی طریقے سے بھی قتل نہ کرو - نہ بے پرواہی کر کے نہ بھوکا رکھ کر نہ جان سے مار کر نہ زندہ گاڑھ کر نہ در بدر پھرا کر نہ نفرت کر کے بیٹے ہوں یا بیٹیاں سب رب کی عطا ہے غریب ہو جانے کے خوف سے نہ کوئی کسی کو غریب کر سکتا ہے نہ امیر - بلکہ ہم ہی رزق دیتے رہے ہیں شروع سے اور دیتے رہیں گے اُن کو بھی اور تم کو بھی بیشک اولاد کا قتل تو بہت ہی عظیم بڑا سخت برا ناقابلِ معافی گناہ ہے - خیال رہے کہ اولاد نام ہے روح اور جسم والے زندہ بچے کا جس کی ابتدا والدہ کے پیٹ میں حمل میں جان پڑنے کے بعد ہوتی ہے اہل عرب اور آج بھی بہت سے جہالت میں پھنسے ہوئے قبیلے بلکہ بہت سے پڑھے لکھے لوگ لڑکیوں سے سخت نفرت کرتے ہیں اور طرح طرح کی ایذائیں تکلیفیں دے کر ان کو مارنے یا تاعمر ذلیل رکھنے کی حرکتیں اور کوششیں کرتے ہیں زندہ دفن کر دینا یا شیر خوار بچی کو جنگل اور کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دینا ایک ہی قسم کی حرکت ہے - ایسی ظالمانہ حرکتوں کی دو ہی وجہ ہوتی ہیں یا یہ کہ والدین کو اس لیے غریب ہو جانے کا خوف ہوتا ہے کہ بیٹی کو جہیز کہاں سے دیں گے - عرب قبیلے اکثر خانہ بدوش ہوتے ہیں وہ لڑکوں بیٹوں کو اس خیال سے پال لیتے ہیں کہ یہ جوان ہو کر سفر حضر یا چوری ڈکیتی مار کٹائی لوٹ مار لڑائی جھگڑے میں ہمارا ساتھ دے گا لیکن لڑکی کو ہم کہاں کہاں اٹھائے پھریں کھلائیں پلائیں اور بڑی ہونے پر دوسروں کے حوالے کر دیں - یا شرم و غیرت کی وجہ سے لڑکیوں کو مار ڈالتے ہیں کہ اگر ہمارے دشمن کا بس چلے گا تو وہ ہماری جوان لڑکیوں کو اٹھالے جائیں گے - یا ہم کو دامادی کا طعنہ سننا پڑے گا - موجودہ دور میں بھی بہت سے علاقوں اور قبیلوں میں یہ جاہلانہ خیالات موجود ہیں - ان آیات میں ان دونوں قسم کے خیالات اور اُن خیالات کی بنا پر ظلم و قتل سے منع فرمایا گیا - کہ اگر تم نے غریبی کے خوف سے اولاد کو

کو قتل کیا تو گویا تم نے اللہ تعالیٰ پر بدگمانی کی جو سراسر کفر ہے۔ اور اگر تم نے بیٹوں کی غیرت کی وجہ سے قتلِ بنات کیا تو تم نے جہان میں تخریب کاری کی جو سراسر ظلم ہے پہلی صورت اس لیے حرام ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کے خلاف ہے۔ دوسری صورت کا قتل اس لیے حرام ہے کہ شفقت و مروت کے خلاف ہے۔ بیٹی کو ہمیشہ سے کمزوری کی نشانی سمجھا گیا حالانکہ بیٹیاں اللہ کریم کی رحمت ہوتی ہیں۔ یہ اسلام کا کتنا بڑا عظیم احسان ہے انسانیت پر کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے عالم نسوانیت کی شان و مرتبہ بیان فرما کر ان کے تمام حقوق کی تا قیامت حفاظت فرما دی۔ لہٰذا عورتوں کو بھی چاہیئے کہ اسلام کا احسان مانیں اور انسانیت ہی کے جامے میں رہیں اور اپنے جائز مقام پر ہی ٹھہری رہیں۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے

پہلا فائدہ ۔ بال بچوں والے آدمی کو اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کا خیال رکھنا زیادہ ضروری ہے تاکہ حقوق العباد صحیح طرح سے ادا ہوتے رہیں خیرات و صدقات کا حکم ان ضروریات کے بعد ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جن کے دین میں صرف شریعت ہی تھی وہ اپنی ضروریات کو پورا کر کے بچا ہوا مال خیرات کرتے تھے لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ شریعت معرفت و حقیقت کے رسولِ کریم تھے وہ ضرورت کی چیز بھی مانگنے والے کو دیتے تھے۔ حضرت آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک اُس صحابیہ کے مانگنے پر وہ قمیص بھی اُتار کر دیدی تھی جو آپ کے جسم پر تھی اس کے علاوہ کوئی کُرتہ آپ کے پاس نہ تھا اور مجبور ہو کر گھر میں تشریف فرما رہے تھے یہاں تک کہ نماز کے وقت ایک صحابی نے اپنی چادر حاضرِ بارگاہ کی تو آپ اوڑھ کر مسجد میں نماز کے لیے تشریف لائے یہ صحابیہ بنتِ انصاری تھیں جن کی ایک یہودیہ عورت سے سخاوتِ موسوی پر بات ہو رہی تھی اور یہودیہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت دیکھ کر حیران ہو گئی تھی یہ سخاوت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام فنافی الرسول حضرات کے لیے جائز ہے جس طرح کہ صدیق اکبرؓ سے تمام مال خیرات کرنا ثابت ہے۔ لیکن دیگر اہلِ شریعت حضرات و عوام کے لیے منع ہے یہ فائدہ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً ۔(الخ) کے شرعی وجوبی حکم سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کی کسی بات اور طریقے پر اعتراض تو درکنار بدگمانی بھی نہ کرنی چاہیئے ورنہ کفر کا اندیشہ ہے یہ فائدہ خَبِيْرًا بَصِيْرًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ قانونِ شریعت میں سب اولاد حقوق پرورش میں برابر ہے۔ کوئی ماں باپ کسی اولاد کی وجہ سے غریب نہیں ہو سکتے یہ فائدہ خَبِيْرًا بَصِيْرًا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ کسی بھی سائل اور مانگنے والے کو جھڑکنا منع ہے اگرچہ وہ پیشہ ور بھکاری ہی ہو۔ نرمی سے سمجھانا چاہیئے۔ یہ مسئلہ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا (الخ) سے مستنبط ہوا

دوسرا مسئلہ ۔ تمام اولاد کو پرورش میں برابر درجہ دینا واجب ہے دنیوی کسی کی کسی پر کوئی فضیلت نہیں۔ میراث میں جو بیٹے کو دوگنا حصہ ملتا ہے وہ اس لیے کہ بیٹے پر والدین کی اور بہت اہلِ قرابت کی مالی خدمت فرض ہے اُس کے بدلے اور تعاون کی وجہ سے زیادہ وراثت ملی نہ کہ فضیلت کی بنا پر۔ بااس لیے کہ بیٹے نے باپ کے بعد خود اپنے والد کی جگہ اور لوازمات سنبھالتے ہوئے اپنے پیروں پر کھڑا ہونا ہے۔ یہ اہم ذمہ داریاں بیٹی پر لازم نہیں۔

تیسرا مسئلہ ۔ برتھ کنٹرول یا عزل کرنا۔ یا نطفہ ضائع کرنا۔ یا حمل کا بے جان لوتھڑا عَلَقہ اور مُضغہ گرانا یا کسی مجبوری کی بنا پر عورت یا مرد آپس کی مرضی اور مشورے سے حمل نہ ٹھیرنے کی منصوبہ بندی نس بندی کرالیں تو یہ بالکل جائز ہے عزل کی صورت میں احادیث پاک سے اس کا جائز ہونا ثابت ہے جب کہ خشیتِ اِملاق یا شرم و ندامتِ جاہلانہ کی بنا پر نہ ہو بلکہ کسی خطرناک بیماری وغیرہ کی وجہ سے ہو۔ یہ مسئلہ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ نطفہ یا حمل۔ علقہ اور مضغہ (لوتھڑا) وغیرہ اولاد نہیں ہے اور نہ ہی بے جان حمل کو گرانا۔ قتل ہے ہاں البتہ جب حمل میں مکمل جان پڑ جائے تب وہ اولاد ہے۔ اور اُس کو پیٹ سے مار کر نکلوانا قتل ہے۔ اسی طرح بعد ولادت کسی طرح سے ہلاک کرنا بھی قتل اولاد ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ۔ رزق دینے میں پہلے اولاد کا ذکر کیا پھر والدین کا۔ لیکن سورۃِ انعام آیت ۱۵۲ میں فرمایا گیا نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ۔ وہاں والدین کا ذکر پہلے ہے اولاد کا بعد میں اس کی کیا وجہ۔؟

جواب ۔ یہاں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو فی الواقعہ امیر ہیں لیکن ان کو غریب ہونے کا خطرہ ہے اگر اولاد کو پالیں گے تو غریب ہو جائیں گے اس لیے پہلے اولاد کے رزق کا ذکر ہوا کہ تم بے فکر رہو تمہارا رزق نہ گھٹے گا۔ خواہ کتنی ہی اولاد تمہاری پرورش میں ہو جائے ہم ہی اُن کو رزق دیں گے ان کی قسمت اُن کے ساتھ ہوگی۔ اور یہ رزق جو تمہارے پاس ہے وہ بھی درحقیقت ہم نے ہی تم کو دیا ہے تمہاری کیا حیثیت ہے کہ دولت لے سکو۔ اور وہاں اس آیت میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو غریب ہیں اور موجودہ غربت

کی وجہ سے فکر مند ہیں۔ ان کو آئندہ کی فکر مٹانے کے لیے تسلی دی جا رہی ہے کہ اولاد ہونے کی صورت میں ہم تم کو بھی رزق دیں گے اور ان کو بھی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ فرمایا گیا یعنی غریبی کا خطرہ اندیشہ۔ اور وہاں مِنْ إِمْلَاقٍ فرمایا گیا۔ یعنی موجودہ غریبی لہٰذا فرق واضح ہے۔

دوسرا اعتراض ۔ اسلام نے گداگری سے منع فرمایا ہے تو پھر یہاں منگتوں کے ساتھ حوصلہ افزا اور میٹھی گفتگو اور دینے کا وعدہ کیوں ذکر فرمایا۔

جواب ۔ یہاں پیشہ ور اور بد خصلت موٹے مسٹنڈے غیر مستحق گداگروں کا ذکر نہیں بلکہ مستحق لاغر محتاج حقیقی سچے مفلس معذور مسافر اور حقدار لوگوں کا تذکرہ ہے۔ لہٰذا اعتراض کوئی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَإِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَاءَ رَحْمَةٍ مِّن رَّبِّكَ تَرْجُوهَا فَقُل لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُورًا ۔ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُولَةً إِلَىٰ عُنُقِكَ وَلَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُومًا مَّحْسُورًا ۔ بندۂ عارف کے لیے منزلیں دو ہی ہیں۔ اول منزل معرفتِ الٰہیہ دوم منزلِ قربِ الٰہیہ۔ ان منزلوں پر پہنچنے کے لیے دو ہی مرکبِ سفر ہیں پہلا مرکبِ سفر شریعت ہے دوسرا مرکب طریقت ہے۔ دو ہی زادِ سفر ہیں تقویٰ اور تزکیہ۔ مسافرِ میدانِ مشاہدات کے لیے دو صراطِ مستقیم اور شاہراہِ اعظم ہیں۔ قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ۔ اے منزلِ شوق کے مسافر اگر کبھی عبادت و ریاضت کی نعمتیں اعمالِ صالحہ کی دولتیں۔ تقوے اور تزکیے کا زادِ سفر۔ اپنے اعضاءِ رئیسہ و جوارحِ ظاہری کو نہ دے سکے اور مشاہداتِ انوار کی طلب اور چاہت میں مراقبۂ خلوت میں حجابات اٹھنے کی امید میں بیٹھا ہوا اداءِ حقوقِ جسمانی سے اعراض کرتا ہو۔ تو اِن کو ذکرِ لسانی تلاوتِ قرآنی نغماتِ ایمانی کے نرم و دلگداز اقوال سے محظوظ فرما۔ اس راہ میں ایک جیسی ریاضت و مشقت کا تسلسل اور استقامت قائم رکھ نہ اتنا ترکِ دنیا ہو کہ گردنِ افلاس پر ہاتھ بندھ جائیں نہ اتنی مشغولیت ہو کہ مقصدِ حیات سے دور اعمالِ اصلیہ سے مفرور ہو کر اہلِ طریقت کے مسافروں کی نظرِ بصیرت میں ملوم ہو جائے اور منزلِ مراد پر پہنچانے والے خوش بخت عارفین کی بارگاہوں میں محسور ہو جائے۔ ے

بندۂ راہ مسافر تھک نہ جانا میں
لذتِ صحرا نوردی دوریِ منزل میں ہے

إِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ وَيَقْدِرُ ۚ إِنَّهُ كَانَ بِعِبَادِهِ خَبِيرًا بَصِيرًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ إِمْلَاقٍ ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ ۚ إِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْئًا كَبِيرًا ۔ بیشک تیرا رب پالنے والا ہی روح و جسم کا رزق جس کے لیے چاہتا ہے کشادہ فرما دیتا ہے اور اندازے کے اندر اندر کرتا ہے۔ مشاہدے مکاشفے۔

انوار و تجلیات شریعت و طریقت اور راہِ سعادت کی توفیق کا رزق اور حق ذکر سے روحانی غذائیں عبادت کی شیرینیں سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں۔ بیشک وہ غافلین و عارفین جاہلین و عاقلین بندوں کو اچھی طرح۔ بصیر۔ دیکھنے والا ہے اور ہر حال و عمل کی خبر رکھنے والا ہے۔ اے راہِ معرفت میں خلوت و تنہائی کے قدم رکھنے والو اپنی شہوت و لذت کی خواہشاتِ اولاد کو قطع و برید کر کے قتل نہ کرو بحرِ مکاشفہ میں خلل پڑنے کے خوف سے۔ ہم نیکبختی اور درستی کا رزق ان کو بھی دیں گے اور تم کو بھی بیشک صوفی و عارف بننے کے لیے ان جسمانی قوتوں کو ضائع کرنا۔ بیکار کرنا اور آلۂ تناسل وغیرہ کو کٹا دینا۔ صرف خیالات و عبادات کو درست کرنے کی نیت سے۔ بہت بڑی غلطی گناہِ کبیرہ اور بے فائدہ کام ہے۔ اللہ کی رضا سب سے بڑی دولت ہے جو انسان اپنے کو بہتر سمجھتا ہے وہ اپنی عبادت کو برباد کرتا ہے اس لیے کہ خود کو بہتر سمجھنا جہالت ہے اور جہالت سے بڑھ کر کوئی گناہ نہیں غرور کا سبب بھی یہی ہے۔ آدمی چار قسم کی باتیں کرتا ہے۔

۱ نقصان کی ۲ فضول ۳ مفید ۴ بیکار۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ انسان کے گناہ اُس کی زبان میں پوشیدہ ہیں اور سب سے زیادہ نیکیاں خاموشی میں ہیں۔ آدمی میں جتنی زیادہ شہوت ہو گی اور وہ اُس کو جس قدر زیادہ مغلوب کرے گا اتنا ہی اس کو ثواب ملے گا۔ اور سلوک کی منزلیں آسان ہوتی جائیں گی۔ انسان پر سب سے زیادہ غلبہ شہوت کا ہوتا ہے۔ ثواب اُس کو ہوتا ہے جو اللہ کے لیے شہوت اور گناہ چھوڑے۔ اللہ کا سب سے اچھا رزق دانائی ہے اور دانائی و عقلمندی یہ ہے کہ انسان میں قوتِ علم سب سے زیادہ ہو تاکہ انسان خود ہی نیکی بدی میں فرق کر سکے۔ دانا وہ ہے جو اپنی شہوانی قوت سے گھبرا کر اس کو فنا نہ کرے بلکہ درست کرے۔

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَ

اور نہ قریب جاؤ تم زنا کے بیشک وہ ہے بہت بڑی بے غیرتی اور

اور بدکاری کے پاس نہ جاؤ بیشک وہ بے حیائی ہے اور

سَآءَ سَبِيۡلًا ﴿۳۲﴾ وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ

بُرا طریقہ ۔ اور نہ قتل کرو تم کسی اُس جان کو کہ

بہت ہی بری راہ اور کوئی جان جس کی

حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ‌ؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا

حرام کیا اللہ نے جس کو مگر قانونی حق سے۔ اور وہ جو قتل کیا گیا ظلم سے

حرمت اللہ نے رکھی ہے ناحق نہ مارو اور جو ناحق مارا جائے

فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفْ

تو بیشک بنایا ہم نے پیلے اُس کے وارث کے قانونی حق پس نہ زیادتی چاہیے وہ

تو بیشک ہم نے اُس کے وارث کو قابو دیا ہے تو وہ قتل میں حد سے

فِّى الۡقَتۡلِ‌ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ﴿۳۳﴾ وَلَا

وارث۔ میں قاتل کے قتل ۔ کیونکہ ہوا وہ والی مدد دیا ہوا ۔ اور نہ

نہ بڑھے ضرور اُس کی مدد ہوتی ہے ۔ اور یتیم کے

تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ

قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اُس طریقے سے جو

مال کے پاس نہ جاؤ مگر اُس راہ سے جو سب سے

اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ‌ وَاَوۡفُوۡا

بہت درستی کرنے والی ہو۔ یہاں تک کہ پہنچ جائے یتیم سمجھداری کو اپنی اور پورا کرو تم

بھلی ہے یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور عہد

بِالۡعَهۡدِ ۚ اِنَّ الۡعَهۡدَ كَانَ مَسۡـُٔوۡلًا ﴿۳۴﴾

وعدے	کیونکہ	وعدہ	ہوگا	قیامت	میں	پوچھا	ہوا۔
پورا کرو	بیشک	عہد	سے	سوال	ہونا ہے		

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیت میں غربت کے خوف سے اپنی حلال اولاد کو مارنے سے روکنے کا حکم دیا جارہا تھا۔ اب اِن آیات میں اُس بے غیرتی کے گناہ سے بچنے کا حکم دیا جارہا ہے جس گناہ سے اولاد حلالی نہیں رہتی حرامی ہو جاتی ہے۔ اور ساری عمر لوگوں کی زبان سے اُس کو ذلت کے زخم کھانے پڑتے ہیں جس کی وجہ سے معاشرے میں وہ حرامی بچہ اپنے بڑھاپے تک بے موت کے قتل ہوتا رہتا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ناحق اور ظلماً قتل سے روکا گیا تھا۔ اب اِن آیات میں شرعی مجرم کو شرعی جرم کی شرعی پابندیوں سے مار ڈالنے کی اجازت کا ذکر فرمایا جارہا ہے **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہر شخص کو اللہ تعالیٰ رزق دیتا ہے۔ اب اِن آیات میں بتایا جارہا ہے کہ کسی کے رزق کو خاص کر یتیم کے رزق کو نہ کھاؤ۔

شانِ نزول - روایتِ مشہورہ میں ہے کہ کفارِ عرب غربت اور شرم کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ مگر زنا وغیرہ سے شرم نہ کرتے تھے۔ ان کو اِن دونوں کاموں سے روکنے کے لیے دس آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۳۱ تا ۴۰ جس میں قتلِ اولاد۔ زنا۔ قتلِ عام۔ مقتول کے ورثا کی زیادتی اور یتیم ہو جانے والوں کے مال کھانے۔ وعدوں کو پورا نہ کرنے آنکھ دل زبان کان وغیرہ اعضا کی سرکشیوں سے روکا گیا۔ گویا دس آیتوں میں دس کاموں سے روکا گیا۔

تفسیر نحوی وَلَا تَقۡرَبُوا الزِّنٰۤى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ؕ وَسَآءَ سَبِيۡلًا وَلَا تَقۡتُلُوا النَّفۡسَ الَّتِىۡ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالۡحَـقِّ ؕ وَمَنۡ قُتِلَ مَظۡلُوۡمًا فَقَدۡ جَعَلۡنَا لِـوَلِيِّهٖ سُلۡطٰنًا فَلَا يُسۡرِفْ فِّى الۡقَتۡلِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ مَنۡصُوۡرًا ۔ واؤ سرجملہ۔ لَا تَقۡرَبُوۡا - باب نصر کا فعل نہی صیغہ جمع مذکر حاضر اَنۡتُمۡ اس کا فاعل مرجع عام مسلمان یہ نہی کسی خاص گروہ کے لیے نہیں بلکہ تا قیامت ہر انسان کے لیے ہے اسی طرح اکثر اوامر ونواہی اگرچہ واحد حاضر ہی کا صیغہ ہو جن بد نصیبوں نے بعض نواہی واحد حاضر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو بنایا وہ گمراہ ہیں۔ الف لام جنسی ہے زِنٰی۔ زَنٰی سے بنا ہے

ایک قول اسم مقصور کا ہے اور ایک قول میں باب مفاعلۃ کا دوسرا مصدر ہے بروزنِ قتالٌ دراصل تھا زنائٌ۔ کیونکہ بدکاری دونوں طرف سے ہوتی ہے بمعنیٰ غیر منکوحہ عورت سے قبل میں بدکاری کرنا۔ ترکیب نحوی میں مفعول بہ ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ ضمیر اس کا اسم کَانَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اسم ہے جس کا مرجع زنیٰ ہے فَاحِشَۃً اسم فاعل مؤنث مگر یہاں جامد ہے۔ چونکہ نکرہ مفرد ہے بمعنیٰ سخت برائی۔ بے غیرتی۔ بدخصلت ہے۔ اگر معرّف باللام ہو تو اکثر زنی ہی مراد ہوتا ہے۔ مگر یہاں معرف نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ لفظِ زنا پہلے آگیا۔ بحالتِ نصب ہے خبرِ کَانَ ہے وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ سَآءَ فعل ذم بمعنیٰ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر اس میں مستتر ہے وہ مخصوص بالذم ممیز ہے سَبِیْلًا۔ اسم صفت مشبّہ یا مصدر ہے بحالتِ نصب ہے تمیز ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ سب عطف مل کر خبر ہوئی اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ ہو گیا واؤ ابتدائیہ۔

لَا تَقْتُلُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل نہی صیغہ جمع مذکر حاضر قَتْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جان سے مار ڈالنا۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل۔ الف لام جنسی۔ نَفْسَ اسم مفرد جامد۔ بمعنیٰ انسان۔ اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث لفظِ نفس چونکہ لفظاً مؤنث ہے اس لیے اَلَّتِیْ مؤنث آیا۔ حَرَّمَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مصدر ہے تحریمٌ بمعنیٰ سخت ناجائز ممنوع حُرْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ روکنا ٹوکنا۔ منع کرنا۔ منع ہونا۔ اللّٰہُ اس کا فاعل۔ اِلَّا حرفِ استثنا بمعنیٰ لٰکِنْ لغو ہے عملاً صرف استدراک کے لیے۔ بَ جارّہ سببیہ الف لام عہدِ خارجی حَقِّ اسم مفرد جامد مشترک ہے بہت معنیٰ میں یہاں مراد استحقاق ہے یعنی وہ کسی جرم کی بنا پر قانوناً قتل کے قابل ہو قتل کا مستحق ہو۔ مجرور ہے بَ سے متعلق ہے حَرَّمَ کا مطلب ہے کہ حرام فرمایا اللہ نے لیکن اس مجرم کا قتل حق کی وجہ سے حرام نہ کیا۔ یا متعلق لَا تَقْتُلُوْا کا تو یہ اِلَّا استثنا متصل ہے۔ نَفْس مستثنیٰ منہ ہے۔ اور بعد اِلَّا اُقْتُلُوْا پوشیدہ ہے۔ اور اُس کا متعلق ہو کر پھر استثنائی تعلق ہے لَا تَقْتُلُوْا سے۔ واؤ ابتدائیہ۔ مَنْ اسم موصول شرطیہ۔ قُتِلَ۔ فعل ماضی مطلق مجہول ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل کا مرجع ہے مَنْ۔ مَظْلُوْمًا۔ اسم مفعول واحد مذکر ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ناحق۔ بحالتِ نصب ہے نائب فاعل کا۔ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ قَدْ جَعَلْنَا ماضی قریب جمع متکلم جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مقرر کرنا۔ قانون سازی کرنا۔ لام جارّہ نفع کا وَلِیِّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ وارث۔ قریبی رشتے دار۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے مَنْ۔ مضاف الیہ ولی کا مرکب اضافی مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا سُلْطٰنًا۔ بروزنِ فُعْلَانٌ اسم مبالغہ ہے الف نون زائد ہیں منصرف ہے کیونکہ ایک ہی سبب ہے عَلَمِیَّت موجود نہیں بمعنیٰ قانون۔ اسی لفظ کو اُس بادشاہ کے لیے بولتے ہیں جو بہت اچھا منصف اور قانون ساز ہو۔

مشترک ہے کثیر معنیٰ میں مفعول بہٖ قَدْ جَعَلْنَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوا۔
فَ حرفِ زائد تعلیلیہ یا فقط تحسینیہ۔ لَا یُسْرِفْ۔ بابِ اِفعال کا فعل نہی واحد غائب ھُوَ ضمیر واحد مذکر
غائب مرجع ہے نکرہ عمومی ذہنی بمعنیٰ کوئی۔ مصدر ہے اِسراف سَرْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حد سے بڑھنا۔
قانون توڑنا۔ فضول خرچی کرنا۔ یہاں پہلے دو معنیٰ مناسب ہیں۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام استغراقی
قَتْلِ مصدر ہے بمعنیٰ قتل کرنا ہے بمعنیٰ مار ڈالنا۔ جار مجرور متعلق ہے لَا یُسْرِفْ کے وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔
یا علت ہے قَدْ جَعَلْنَا کی اور یہ اُس کا معلول۔ وہ مل کر جملہ تعلیلیہ ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ کا ضمیر واحد مذکر مرجع
ہے مظلوماً اسم اِنَّ ہے کَانَ ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اِس کا اسم۔ مَنْصُوْرًا اسم مفعول واحد مذکر۔ بمعنیٰ مدد کیا ہوا
خبر ہے کَانَ کی۔ وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔

وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا

واؤ سر جملہ۔ لَا تَقْرَبُوْا۔ فعل نہی قُرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قریب جانا۔ نزدیک ہونا بہر حال متعدی ہوتا ہے
اَنْتُمْ مستتر فاعل ہے۔ مَالَ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ لغوی جھکاؤ۔ مَیْلٌ سے بنا ہے جھکنا۔ ٹیڑھا ہونا۔ محبت
کرنا۔ اسی سے ہے مَائِل۔ مراد ہے دولت۔ یا ہر قیمتی چیز مال ہے۔ خواہ تھوڑی قیمت ہو یا زیادہ۔
اِس کی پوری تحقیق ہمارے فتاویٰ العطایا جلد اوّل اور کتبِ فقہ میں مرقوم ہے۔ دولت کو مال یا اس
لیے کہا جاتا ہے کہ ہر انسان اِس کی طرف جھکتا ہے۔ یا لینے کے لیے یا دینے کے لیے۔ اور محبت بھی
کرتا ہے۔ یا اس لیے کہ دولتِ دنیا میں فطرتاً میلان یعنی زوال اور فنا ہے۔ یا اس لیے کہ دولت دُنیا
ہمہ وقت اِدھر اُدھر جھکتی رہتی ہے۔ مضاف ہے۔ الف لام جنسی یَتِیْم۔ صفتِ مشبّہ مبالغے کے لیے
لغوی ترجمہ ہے اکیلا۔ مجازی معنیٰ ہیں سُست عاجز۔ کمزور۔ یُتْمٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ اکیلا ہونا۔
سُست ہونا وغیرہ۔ اصطلاح میں باپ کے فوت ہونے کے بعد نابالغ اولاد کو یتیم کہا جاتا ہے۔ وہی
یہاں مراد ہے موتیوں میں یتیم وہ ہے جو سیپی میں علیحدہ ہوا اکیلا ہو اس کو دُرِّ یتیم کہا جاتا ہے جانور کا
چھوٹا بچہ وہ یتیم ہوتا ہے جس کی شیر خوارگی میں ماں مر جائے۔ مضاف الیہ ہے مرکّب اضافی مفعول بہٖ
ہے لَا تَقْرَبُوْا کا۔ اِلَّا۔ حرفِ استثنا مفرّغ۔ کیونکہ مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ دونوں محذوف ہیں۔ دراصل
اس طرح عبارت تھی۔ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ بِحَالٍ اِلَّا بِحَالِ الَّتِيْ (الخ) یہ حذف فصاحتِ لسانی کی بنا پر
ہے۔ اَلَّتِیْ اسم موصول مؤنث اس لیے کہ حال محذوف سے مراد خصلت ہے (طریقہ) ھِیَ ضمیر مبتدا
مرفوع منفصل واحد مؤنث اس لیے کہ صلہ ہے اَلَّتِیْ مؤنث کا اَحْسَنُ اسم تفضیل مذکر بمعنیٰ بہت ہی اچھا یہ
مذکر اس لیے ہے کہ قوتِ عمل اور زیادتی کی کثرت کا اظہار مقصود ہے۔ بحالتِ رفع خبر مبتدا ہے۔

جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہے پوشیدہ اِقْرَبُوْا امر کے وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ حَتّٰی حرفِ عطف بمعنیٰ اِلٰی اَنْ غایت استثنا کے لیے یعنی اچھے طریقے قریب جانے کی بھی حد اور مدت ہے یَبْلُغَ فعل مضارع باب نَصَرَ کا۔ صیغہ واحد مذکر غائب بحالتِ فتحہ ہے حتّٰی کے پوشیدہ اَنْ ناصبہ کی وجہ سے۔ بُلُوْغٌ سے بنا ہے۔ پہنچنا ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع یتیم ہے اَشُدَّ باب نَصَرَ کے مادۂ شَدَدٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ یہ لفظ انتہائی دشوار ہے ترکیبًا بھی اِشْتِقَاقًا اور کمیت میں بھی۔ ترکیبًا اس طرح کہ صحیح فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ یہ مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ ہے یا حال۔ ہم نے مفعول بہ بنایا ہے۔ اِشْتِقَاقًا اس لیے کہ علماءِ نحات کے اس کے بارے میں پانچ قول ہیں۔

ع۱ لفظاً اور معناً واحد ہے۔ ع۲ یہ جمع ہے لفظاً بھی اور معناً بھی مگر اس کا واحد نہیں ہوتا۔ جیسے ابابیل۔ مذاکیر۔ کہ جمع تو ہیں مگر واحد و تثنیہ نہیں خیال رہے کہ تثنیہ خاص ہے واحد سے جس لفظ کا واحد ہوتا ہے اسی کا تثنیہ ہوتا ہے ع۳ یہ جمع ہے اور اس کا واحد شَدٌّ ہے۔ اَصْلاً ہے اَشْدُدٌ جیسے کَلْبٌ جمع اَکْلُبٌ ع۴ یہ جمع شِدٌّ کی ہے ع۵ یہ جمع ہے شِدَّۃٌ۔ جیسے نِعْمَۃٌ کی جمع اَنْعُمٌ۔ ہم نے اسی کو تسلیم کیا۔ کمیت میں اس طرح کہ کتنی عمر کو اَشُدٌّ کہا جاتا ہے اس میں سات قول ہیں۔

ع۱ امامِ اعظم کے نزدیک چھبیس ۲۵ سال سے چالیس ۴۰ سال تک ع۲ بلوغت کی ابتدا تقریبًا بارہ ۱۲ یا چودہ ۱۴ سال ع۳ اٹھارہ ۱۸ سال۔ ع۴ تیس ۳۰ سال تک ع۵ پینتیس ۳۵ سال ع۶ چالیس سے شروع ہوتی ہے ع۷ باسٹھ ۶۲ سال۔ یہ لفظ معنیٰ میں مختلف فیہ ہے۔

ع۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے۔ زورِ جوانی۔ ع۲ بعض کے نزدیک معنیٰ ہے نوجوانی۔ ع۳ قوتِ عقل ع۴ تمیزداری کا ملکہ۔ ع۵ شعور ع۶ فراستِ طبعی۔ ع۷ شرافت۔ غرض کہ یہ لفظ علم نحو میں متشابہات سے ہے۔ یَبْلُغَ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ ہٗ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع یتیم ہے۔ اِلَّا معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مستثنیٰ ہوا۔ لَا تَقْرَبُوْا کا اور وہ جملہ فعلیہ استثنائیہ ہو گیا۔ واؤ سرِجملہ۔ اَوْفُوْا۔ باب اِفعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر (پوشیدہ) اس کا مصدر ہے اِیْفَاءٌ بمعنیٰ پورا کرنا۔ وَفْیٌ لفیف مفروق سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پورا ہونا۔ بِ جارہ تعدیہ کی الف لام استغراقی عہد خارجی اسم مفرد جامد بمعنیٰ وعدہ۔ جار مجرور متعلق ہے اَوْفُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق اَلْعَھْدَ اس کا اسم۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ مستتر اس کا اسم لہٰذا مرفوع ہے۔ مَسْئُوْلًا۔ اسم مفعول ہے باب فَتَحَ کا صیغہ واحد مذکر۔ سُؤْلٌ سے بنا ہے مہموز العین ہے۔ ترجمہ ہے پوچھا ہوا۔ زمانۂ مستقبل ہے کَانَ کی خبر ہے اس لیے منصوب ہے۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہوئی اِنَّ کی اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۔ اور اے حیاتِ دنیا میں عزت و آبرو آل اولاد گھربار اور معاشرے میں اونچا شریفانہ مقام و مرتبہ چاہنے والو ۔ والدین اور اولاد کے سابقہ بیان کردہ حقوق والے حکم کے بعد یہ حکم اور قانونِ الٰہیہ بھی تسلیم کرو کہ زنیٰ کے قریب بھی نہ جاؤ بیشک وہ زنا اور اُس کے اَسباب اور ابتدائی ذریعے انسان کو مرد و عورت کو ذلیل اور بے حیا بے غیرت بنانے والا ہے ۔ اور دنیا و آخرت ۔ موت و حیات قبر و حشر میں بُرا راستہ ہے ۔ اس طرح کہ چند منٹ کی لذتِ شہوانیہ شیطانیہ کے لیے ہزارہا خرابیاں اور برائیاں پیدا کر دیتا ہے ۔

۱ نسب خراب ۲ اولاد حرامی ۳ فتاوی بحر الرائق جلد ہشتم ص ۲۳۳ پر ہے حرامی اولاد کی چار نسل تک جنت میں نہیں جا سکتی اگر نیک ہو تو اعراف میں رکھا جائے گا ۴ وراثت تباہ ۵ قومیت برباد ۶ اولاد میں بے غیرتی ۷ بزدلی ۸ بے باکی بے حیائی گستاخی ۹ بہت قسم کی خطرناک بیماریاں زناکاری سے پیدا ہوتی ہیں ۱۰ نحوست ۱۱ حرامی اولاد کبھی ولی اللہ نہیں بن سکتی ۔ ۱۲ حرامی کی امامت جائز نہیں ۱۳ علم کا نور نہیں ملتا ۱۴ عورت کی عظمت تباہ ۱۵ زانی مزنیہ اور ان کی ناجائز اولاد کے چہرے کا نور و رونق نہیں ہوتی ۱۶ والدہ ہونے کا مقدس رشتہ ذلیل ہو جاتا ہے ۱۷ بیٹی ہونے کی پاکیزہ عظمت برباد ۱۸ مقدس عورت ۔ بازاری چیز بن جاتی ہے ۔ ۱۹ سیرت و اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں ۲۰ کردار و عمل کا حسن برباد ۲۱ صحت ختم ۲۲ پدری شفقت سے محرومی ۲۳ معاشرے میں کبھی عزت نہیں ہو سکتی ۲۴ قدرتی ذلت و رسوائی حاصل ہوتی ہے ۔ ۲۵ زناکاری سے علاقے میں فتنہ و فساد بربادی بڑھتی ہے قتل عام ہوتا ہے ۲۶ حق زوجیت برباد ہو جاتا ہے ۲۷ الفتِ زوجیت کی ٹھنڈی بہار اُجڑ جاتی ہے ۲۷ کسی کی ماں بہن ۔ بیٹی کے مقدس رشتے کو ذلیل کر دیا جاتا ہے ۔ ۲۸ گھربار اور گھرستی امور خانہ داری پاکیزہ ماحول برباد ہو جاتا ہے ۲۹ جانور اور انسان کا فرق مٹ جاتا ہے ۳۰ قبر کی تنگی ۳۱ مرتے وقت کلمہ نصیب نہیں ہوتا ۳۲ حدیث پاک میں ہے کہ تین کام کرتے وقت ایمان قلب و قالب سے نکل جاتا ہے ۔ شرابؔ نوشی ۔ چوری ڈکیتی ۳ اور زنا کے وقت ۳۳ آخرت میں ذلت کا عذاب ۳۴ زنا مقصدِ حیات کے خلاف ہے ۔ اور صرف شہوت رانی ہے ۔ نکاح سے پوری زندگی جسمانی و روحانی قائم ہے ۳۵ حدیث پاک میں ہے کہ حکومتِ اسلامیہ کو تین اشخص کا خون کرنا جائز ہے ۔ شادی شدہ زانی ۔ بذریعے رجم ۔ مرتد اور قاتل ۔ جس بدکاری سے اتنی خرابیاں

پیدا ہوں وہی ہے سَآءَ سَبِیْلًا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اصل زنا مرد و عورت کی فرج داخلی کا نام ہے۔ لیکن حکمی زنا دیگر اعضا کا بھی ہے مثلاً آنکھ کا زنا شہوت سے دیکھنا۔ ہاتھ کا زنا لمس (جسم کا چھونا) منہ کا زنا شہوت سے چومنا۔ اسی طرح کان ناک دل دماغ پیروں کا بھی زنا ہے۔ زنا کے اسباب نو ہیں۔ ع۱ بے پردہ عورتوں کا اجنبی لوگوں میں چلنا پھرنا ع۲ اجنبی سے خلوت میں بیٹھنا ملنا جلنا۔ اسلام میں پوری عورت پردہ ہے یعنی پورا جسم۔ چہرہ اور بال۔ لٹکے ہوئے بال بھی پردہ ہیں غرض کہ ہر وہ حصہ جس کو دیکھ کر شہوت پیدا ہوتی ہے اُس کا پردہ کرنا عورت پر فرض ہے ع۳ بھڑکیلا فیشنی لباس پہن کر اجنبی کے سامنے آنا۔ چومنے چاٹنے اور بوس وکنار کا رواج ڈالنا۔ ع۴ مخلوط تعلیم ع۵ فلم اور ڈرامے اور تصویریں دیکھنا ع۶ گانے ناچ اور طبلے سارنگی سننا ع۷ چُست لباس پہننا ع۸ سرخی پوڈر لگا کر عام محفلوں میں آنا ع۹ دکانوں میں کاروبار عورتوں کے ہاتھ میں دینا جب کہ غیر مرد بھی گاہک ہوں۔ شریعت میں اجنبی ہر وہ شخص ہے جس سے نکاح جائز ہو۔ میں کہتا ہوں کہ اب وہ خطرناک زمانہ ہے کہ بہن بیٹی کو بھائی اور باپ سے بھی دور رہنا چاہیئے اور ایک مکان میں تنہائی باپ بیٹی کی بھی منع ہے (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ) زنا بھی چونکہ مثل قتل نسل و خاندان کی تباہی ہے اس لیے قتل اولاد کے بعد حرام ہونے کے بعد زنا کی حرمت کا ذکر فرمایا گیا۔ ا۔ اے بندو عام مسلمانوں کو بھی قتل نہ کرو اور اُن غیر مسلموں کو بھی قتل نہ کرو جن کا قتل اسلام نے منع فرمایا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِیْ۔ میں خود اپنی جان بھی شامل ہے اور آیت سے خود کُشی کی حرمت بھی ثابت ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں معاشرے کا سب سے بڑا جرم قتل کرنا ہے۔ اسی لیے اس کی سزا قاتل کا قتل ہے۔ اس کی پانچ وجہ ہیں۔

ع۱ انسانیت اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اس لیے اس کی روح اور جسم کی حفاظت ہر شخص پر فرض ہے یہاں تک کہ ملائکہ اور جنات پر بھی۔ ع۲ انسان عبادت کے لیے پیدا کیا گیا لہٰذا اس کو عبادت کی مہلت ملنی چاہیئے۔ گنہگار اور کافر کو بھی مہلت ضروری ہے کہ کسی وقت بھی وہ سچی توبہ کرے قتل یا خود کُشی اس مہلت کو ختم کرنا ہے اس لیے عظیم ظلم ہے ع۳ قتل سے زمین میں فساد۔ غداری اور بغاوت جنم لیتی ہے حکومت کی خلاف ورزی کی عادت اور رواج پیدا ہوتا ہے یہ سب چیزیں تو حرام ہیں اس لیے اِن کا موجب اور سببِ اکبر قتل بھی حرام ہوا ع۴ قتل سے بہت نقصان۔ کئی خاندانوں کا ہے۔ قاتل۔ اور مقتول کا۔ دینی اور دنیوی بھی اور قتل سے روحانی نقصان بھی ہے کیونکہ انسانی جسم خزائنِ الٰہیہ کا مخزن ہے۔ عقل۔ علم۔ حفظ۔ تجربات و مشاہدات اس میں خزانے ہیں ایک قتل سے اتنے نقصان ہوئے اور نقصان کرنا حرام ہے لہٰذا قتل حرام ہوا۔ ع۵ قتل سے اُسکی پوری نسل کو ختم کر دیا جاتا ہے

جو مرد یا عورت کے نطفوں میں پوشیدہ ہے۔ لہٰذا۔ حَرَّمَ اللّٰہُ۔ اللہ کریم حکیم و خبیر نے اس کو ازل سے ابد تک ہر دین ہر شریعت میں حرام فرمادیا بلکہ لادین لوگوں کی عقلوں کو بھی اللہ نے بتادیا کہ یہ فعلاً تًا اور قانونًا منع ہے۔ ہاں اَلبتہ جن لوگوں نے ایسے جرم کرلیے جن کی بنا پر وہ مجرم لوگ آئندہ بھی دنیا میں فسادہی کا باعث بنیں گے تو ان کو دنیا سے ختم کرنا حق اور جائز بلکہ لازم و فرض ہے۔ حدیث پاک اور قرآن مجید کی دیگر آیات سے پانچ قسم کے انسانوں کا قتل کردینا واجب ثابت ہے۔ مگر یہ قتل کا جائز ہونا عارضی جرم کی وجہ سے ہے اس لیے اس کا ثبوت ضروری۔ اور مکمل ثبوت تو صرف حکومتِ وقت کی ذمے داری ہے اس لیے یہ قتل کی سزا بھی حکومت ہی دے سکتی ہے۔

پہلا شخص جس کا قتل حکومت پر واجب ہے۔ قاتل۔ اس کا قتل کردینا اس لیے واجب ہے تاکہ یہ نہ پھر آئندہ کسی کو قتل کرے۔ قتل میں نفسیاتی لذت ہے۔ ایک دفعہ کوئی کسی کو قتل کردے تو پھر اس کا دل قتل کرنے کو چاہتا رہتا ہے اگر قاتل آزاد چھوڑ دیا جائے تو کئی بیگناہوں کو قتل کرتا ہے بلکہ پیشوَر اور اُجرتی کرائے کا قاتل بن جاتا ہے جس کا تجربہ ہے۔ جلادوں کی مدت ملازمت جب پوری ہوجاتی ہے تو حکومت اس کو نوکری سے علیحدہ سبکدوش کرکے جلد ہی کسی نہ کسی بہانے سے مروادیتی ہے۔ اور اسی لیے ہم نے قصائیوں کو دیکھا ہے کہ اگر وہ کبھی اپنا کام ذبح کرنے کا چھوڑ بھی دیں تب بھی کسی نہ کسی جانور کو ذبح کرتے ہی رہتے ہیں۔ میدانِ محشر میں اور جنت میں صرف وہی شہید دنیا میں دوبارہ آنے کا ارادہ اور خواہش کرے گا جس نے میدانِ جنگ میں کفار کو قتل کیا ہوگا زخم کھائے اور لگائے ہوں گے۔ اس لیے قاتل کو قتل کرنا پہلا فرض۔

دوسرا شخص مرتد۔ اس کو قتل کرنا بھی واجب ہے اس لیے کہ جب یہ اسلام سے منکر ہوا اور دوسرے دین میں گیا تو یہ شیطانی تخریب کار اور اللہ سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والا بن گیا یہ تجربہ ہے کہ کفر میں جاکر انسان تربیتِ شیطانی کی بنا پر بہت چُست و چالاک ہوجاتا ہے جس مسلمان نے کبھی اسلامی زندگی میں مسجد کی جھاڑو بھی نہ دی ہو وہ غلط فرقوں اور کفر میں جاکر بہت بڑا چمچہ بن جاتا ہے مرتد سے صرف ایک نقصان نہیں بلکہ معاشرے کی بہت سی خرابیاں ہیں اِس کے وجود سے۔ اس کی دیکھا دیکھی اور خفیہ کفر سازی سے بہت لوگوں کا ایمان برباد ہوسکتا ہے بدیں وجہ قرآن و حدیث میں بہت جگہ واضح طور پر مرتد کی سزا قتل بیان فرمائی گئی۔

تیسرا شخص۔ شادی شدہ زنا کار۔ اس کو سنگسار کرکے قتل کرنا واجب ہے اس لیے کہ جائز اور صحیح طریقہ اختیار کرنے کے بعد اور تمام جائز طریقوں سے گزر کر پھر گندی اور ملعون زندگی کا راستہ پکڑا۔

اور اپنے منحوس فعل قبیح سے معاشرے میں وہ برائیاں پیدا کیں جو زنا سے لازمًا پیدا ہوتی ہیں
اَخلاقی طور پر اس کا جرم اس زانی سے زیادہ ہے جو غیر شادی شدہ ہو۔ اسی لیے سزاؤں میں فرق ہے
نیز غیر شادی شدہ کی اصلاح تو نکاح کے ذریعے ہو سکتی ہے مگر شادی شدہ زانی اور مزنیہ عورت کی اصلاح
تقریبًا ناممکن۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ زنا اور بھیک مانگنے کی عادت نہیں جاتی۔ زانی مرد کو اپنی بیوی کی طرف
رغبت نہیں رہتی اسی طرح زانیہ عورت کو اپنے خاوند کی چاہت نہیں رہتی ایک زناکار عورت سے
سارے محلے کی بچیاں تباہ و برباد ہو سکتی ہیں۔ ان ہی وجوہ سے ایسے زناکار مرد و عورت کا قتل و سنگسار
کر دینا ہی درست ہے۔ رجم زانی کے مکمل دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا میں دیکھئے۔

چوتھا شخص۔ غدار۔ یہ شخص فتنہ پرور ہوتا ہے اور مذہب حکومت عوام۔ اور امن و سلامتی
کا دشمن فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ کا برپا کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کا قتل جہان کا امن ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ
نے اس کا قتل بھی حکومت کے لیے جائز فرمایا۔

پانچواں شخص باغی۔ اس کی دو قسمیں ہیں ۱ حق پر ہونے والا ۲ غلطی پر ہونے والا۔
غلطی پر ہونے والے باغی کو مہلت دے کر قتل کرنا جب کہ اس سے کفار کی جاسوسی اور اسلامی
نظریات و اشاعت و ترویج میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہو جیسا کہ صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے عملی کردار سے ثابت ہے
کہ آپ نے مانعینِ زکوٰۃ کے باغیوں اور جھوٹے نبی مسیلمہ کذّاب کے مرتدوں کو قتل کیا۔ اِلَّا بِالْحَقِّ میں یہ
پانچ قسم کے لوگ شامل ہیں جن کے خون اور قتل اس آیت نے جائز و حلال فرمائے اس کے علاوہ
امام شافعی اور دیگر ائمہ بھی بعض قتلوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ مثلًا۔ لوطی کا فعل کرنے والا۔ اور وہ جادوگر
جو اپنے جادو کے ذریعہ لوگوں کو مار دیتا ہو۔ اور جانوروں کے ذریعے کسی کو قتل کرا دیا۔ یا بوجھ اٹھوا کر مروا
دیا۔ امام شافعی فرماتے ہیں ان سب صورتوں میں بھی قتلِ مجرم واجب اور حلال ہے۔ لیکن امام اعظم فرماتے
ہیں واجب نہیں (تفسیر کبیر) اور چونکہ ظلمًا قتل کی صورت میں مقتول مظلوم ہے۔ اس لیے قانونِ الٰہیہ
ہے کہ جو شخص بھی مظلوم ہو کر قتل کیا جائے۔ امیر ہو یا غریب۔ کالا ہو یا گورا فاسق ہو یا نیک۔ مسلمان رعایا
ہو یا ذمّی کافر۔ حاکم ہو یا محکوم۔ مالک ہو یا نوکر۔ آقا ہو یا کسی کا غلام۔ اِس کے والی وارث کے لیے ہم
نے دعویٰ کرنے کی قوّت طاقت اور سلطنت و اختیار۔ وہ حق شرعی دیا ہے کہ چاہے تو قصاص لے
لے کر حکومت سے کہے کہ میں نے قتل کا بدلہ قتل ہی لینا ہے تاکہ قاتل کی طرف سے باقیوں کی جان کا
خطرہ ٹل جائے یا قاتل اور اُس کے لواحقین کی اِلتجا اور سچی معافی آئندہ کے لیے ابدی توبہ۔ پُر خلوص صلح محبت
کے وعدے لینے کے بعد مقتول کی شرعی دیت مانگ لے یعنی خون کی قیمت (خون بہا)۔ اسے قاتل ان کلمفوں

مصیبتوں فسادوں عذابوں سے بہتر ہے کہ تو اپنے ذہن دماغ عقل فکر اور عملی اقدام کو اس قتل جیسے ظالمانہ کام میں مسروف ہی نہ کر۔ یہ تفسیر ایک قول کے مطابق اور لاتُسرف کی قرئت کی صورت میں ہے لیکن قرءۃ مشہورہ کی صورت میں یہ حکم فرمایا جارہا ہے کہ مقتول کا والی وارث اگر قاتل کا قصاص اور قتل ہی مانگتا ہو دیت پر صلح نہ کرے تو وارث اور اس کے کہنے سے کوئی حاکم کوئی جلاد قتل میں کسی قسم کی زیادتی و اِسراف نہیں کر سکتا۔ نہ اس طرح کہ ایک قاتل کے بجائے دو یا تین کا قتل کرے۔ نہ اس طرح کہ قاتل کے بجائے دوسرے کا قتل چاہے یا کرے جس طرح زمانۂ جاہلیت میں امیر غریب کے مقتول میں فرق کرنے کے لیے ایسے ظالمانہ فیصلے ہوتے تھے۔ نہ اس طرح اِسراف کرے کہ قاتل کو قتل کرنے کے بعد پھر اس کے جسم پر غصہ نکالے اور اُس کو مثلہ کرے ناک کان کاٹے۔ خبردار اللہ تعالیٰ کے کسی قانون کی کوئی شخص کبھی ذرہ بھر خلاف ورزی نہ کرے۔ یہ اس رب کریم کی کیا کم مہربانی ہے کہ تمہارے خون اور جان کو مکرم و مشرف بنا دیا کہ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ بیشک وہ مقتول آخرت میں اور اُس کا والی وارث دنیا میں ہر طریقے سے مدد کیا ہوا بنا دیا گیا۔ کہ قاتل کی ہر جگہ ہر قانون میں ذلت و رسوائی ہو رہی ہے اور مقتول اور اُس کا وارث دنیا میں و آخرت میں قابلِ امداد۔ رحم اور ہمدردی کے لائق شرافت و فضیلت کا پیکر سمجھا جارہا ہے۔ لہٰذا وُرثا کو بھی چاہیے کہ اس عزت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں نہ قاتل اور اس کے وارثوں پر کسی قسم کی زیادتی کریں شرعی فیصلہ پورا ہو جانے کے بعد اور مقتول کے یا کسی کے بھی یتیم پر ظلم نہ کریں۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا اور۔ اے وہ لوگو جب تمہارے پاس امانتاً کسی یتیم کا مال رکھا جائے یا تم کسی یتیم کے منتظم امور بنو تو ہرگز ہرگز کسی یتیم کے مال کے قریب بھی مت جانا۔ کتنی ہی تم کو محتاجی غریبی آ جائے خواہ وراثت کا حصہ ہو یا دیت کا یا امداد کا اِس امانت میں خیانت قطعاً مت کرنا۔ ہاں مگر ایسے طریقے سے جس میں یتیم کے لیے بہت اچھے فائدے اور مال کی زیادتی کا ذریعہ ہو۔ یہ حفاظت اور مالی ترقی کی ذمے داری تم وارثوں قرابتداروں اور ذمہ داروں پر اُس وقت تک ہے یہاں تک کہ وہ یتیم بچہ اپنی لیاقت قابلیت سمجھداری اور عقلمندی والی عمر کو پہنچ جائے خواہ عقل بلوغت سے خود بخود آ جائے یا علم فہم اور کاروباری تجربے سے آئے۔ بارگاہِ الٰہیہ میں سب سے زیادہ اہمیت بقاءِ انسانیت کی ہے قتل و زنا کی حرمت۔ والدین کو اولاد کی تربیت کی فرضیت سب اسی بقاء و نسل انسانی کے لیے ہے۔ اپنی اولاد کی تربیت تو جانور بھی کر لیتے ہیں مگر غیر کی اولاد و نسل کی پرورش کی ذمہ داری صرف مسلمانوں پر رب تعالیٰ نے فرض فرمائی ہے اُس ذمے میں سب سے اوّل یتیم کے مال کی حفاظت ہے اس لیے کہ مال و دولت سے جان و جسم

کی حفاظت ہے اور عالمِ انسانیت میں سب سے زیادہ کمزور محتاج ضعیف اور قابلِ رحم اور لائقِ پرورش مستحقِ شفقت ہے۔ کیونکہ چھوٹا اور نازک بچہ بھی ہے اور پدری سائے کے نہ ہونے کی بنا پر بے آسرا بھی ہے۔ اِسی سبب سے قرآنِ مجید میں بہت جگہ یتیم کے مال کی حفاظت اور اہمیت کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ احادیثِ مبارکہ میں بھی کثیر مرتبہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے قول و کردار عمل و فرمان سے یتیم کی حفاظت اور تربیت کا حکم فرمایا بلکہ یتیموں کو پال کر اُن کی سچی اور صحیح سرپرستی فرما کر قیامت تک کے لیے عملی نمونہ پیش فرمایا۔ اے بندو اپنے عہد کو بہت ہی شدت سے پورا کرو۔ بیشک قیامت کے دن دیگر اعمال کے ساتھ وعدوں کا بھی حساب کتاب ہوگا۔ اور عہد کے بارے میں یا خود عہد کو مجسّم کرکے اُس سے پوچھا جائے گا کہ تجھ کو دنیا میں کس نے پورا کیا اور کس نے توڑا۔ یا عہد کرنے والوں کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ تم نے عہد کر کے کیوں توڑا۔ اور عہد کیوں کیا تھا۔ عہد کی گیارہ ۱۱ قسمیں ہیں۔

۱ اللہ تعالیٰ سے عہد۔ توحید و عبادت و اُس کے انبیاء کی اِتباع و اطاعت کا اور عالمِ ارواح کا قَالُوْا بَلٰی والا عہد اور توبہ و منّت ۲ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عہد شریعت و طریقت معرفت و حقیقت پر عمل کرنے اور صحابہ کرام کی اطاعت و عزت کرنے کا ۳ عام دنیوی لوگوں سے دن رات دینی دنیوی وعدے کرنے ۴ فردِ واحد سے عہد ۵ جماعت و گروہ سے عہد ۶ حکومت سے حلف نامہ اور عہد ۷ حاکم سے عہد ۸ محکوم سے عہد ۹ گھریلو اور اَزدواجی تعلقات کے لیے بیوی سے عہد ۱۰ والدین سے عہد ۱۱ اولاد اور اہلِ قرابت سے عہد۔ ان تمام کا پورا کرنا بحکمِ قرآنی فرض اور واجب ہے۔ اس آیت کے اطلاق سے تمام عہد اس میں شامل ہو گئے۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ وعدہ اور عہد۔ انسانی زندگی کے لیے ایک بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔ زندگی کا پورا محورِ ایفاءِ عہد کے بل بوتے پر چل رہا ہے۔ خالق و مخلوق کے درمیان پورا نظامِ کائنات وعدوں کی وفاداری کا نام ہے اسی طرح عہد شکنی یا وعدے سے غفلت اور بے پرواہی برتنا پوری کائناتِ عالَم کا فساد ہے۔ وعدہ پورا کرنا ایک عظیم عبادت ہے جس میں حقوقُ اللہ بھی ہیں اور حقوقُ العِباد بھی۔ بلکہ اصل ایمان وعدہ وفائی ہے اور اصلِ کفر عہد شکنی اور وعدہ خلافی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے عہد۱ کا نام عقیدۂ ایمان ہے۔ نبی پاک سے عہد۲ عمل و حُسنِ کردار ہے۔ حکومت سے عہد۳ کا نام میثاق ہے۔ حاکم سے عہد۴ اطاعت ہے۔ محکوم و رعایا سے عہد۵ کا نام عدل ہے۔ رشتے داروں سے عہد۶ صلہ رحمی ہے۔ والدین سے عہد۷ احسان و خدمت ہے اولاد سے عہد۸ شفقت ہے عوام سے عہد۹ عقود ہیں۔ مثلاً خرید و فروخت شرکت۔ منگنی نکاح قسم یمین صلح۔ اقرار۔ جماعت سے عہد۱۰ پابندیٔ منشور ہے۔ فردِ واحد سے عہد۱۱ کا نام معاملہ ہے (از تفسیر کبیر۔ خازن

مظہری۔ مدارک۔ تفسیر فتح القدیر۔ صفوۃ التفاسیر۔ جلالین۔ سید قطب)

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ زنا قتل سے بھی بدتر گناہ ہے کیونکہ قتل میں ایک جرم ہے اور زانی بیک وقت تین جرم کر رہا ہے ۱ گناہ کبیرہ ۲ بے حیائی پھیلانا ۳ نسل انسانی کو خراب کرنا نیز قتل صرف ہاتھ سے ہوتا ہے اور زنا پورے جسم سے۔ اسی لیے قتل کی سزا قتل یا دیت یا والی وارث کی طرف سے معافی ہے لیکن زنا کی سزا سارے جسم کو سنگسار کرنا ہے۔ اس کی معافی کوئی نہیں دے سکتا۔ یہ فائدہ لَا تَقْرَبُوا (الخ) کو لَا تَقْتُلُوا۔ سے پہلے ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ قصاص حَقُّ العبد ہے۔ والی وارث چاہے تو معاف کر سکتا ہے۔ اگرچہ دعویٰ عدالت میں چل رہا ہو۔ لیکن وہ جرائم جو حَقُّ الْعَبْد بھی ہوں اور حقُّ اللہ بھی یا جو صرف حق اللہ ہوں ان کو کوئی معاف نہیں کر سکتا نہ عوام نہ عدالت نہ حاکم نہ بادشاہ۔ ہاں البتہ وہ جرائم جو حق العبد بھی ہوں حَقُّ اللہ بھی وہ عدالت میں دعوے سے پہلے حق والا بندہ معاف کر سکتا ہے جیسے چوری ڈکیتی مگر زنا۔ حَقُّ العبد نہیں اس لیے کسی وقت کوئی معاف نہیں کر سکتا نہ عدالت سے پہلے نہ بعد۔ قتل صرف حق العبد ہے۔ یہ فائدہ۔ لِوَلِیِّهٖ سُلْطَانًا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ قصاص یعنی خون کے بدلے خون لینے کی صورت میں مقتول کے وارثین کی طرف سے حاکمِ وقت قاتل کو قتل کرنے کے لیے کوئی بھی طریقہ اختیار کر سکتا خواہ پھانسی یا تلوار سے یا بندوق سے یا بجلی سے یا اونچی جگہ سے گرا کر۔ فقط اتنا خیال رکھا جائے گا کہ قاتل فوراً مر جائے تڑپ اور سسک کر جان نہ نکلے۔ یہ ضروری نہیں کہ وہی طریقہ اختیار کیا جائے جو قاتل نے مقتول کے قتل کرنے میں استعمال کیا تھا۔ یہ فائدہ فَلَا يُسْرِفْ فِّی الْقَتْلِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ بہتر اور سنت یہ ہے کہ قاتل کو تلوار ہی سے قتل کیا جائے امام شوکانی نے تفسیر فتح القدیر میں فرمایا قتل کے بارے میں یہ پہلی آیت ہے جو مکے شریف میں نازل ہوئی اور اہلِ عرب کے جاہلانہ قصاص سے مسلمانوں کو بچایا اور منع فرمایا گیا۔ اس آیت نے امیر غریب کے قصاص کا فرق مٹا دیا سب کا ایک جیسا صرف قاتل کے قتل سے قصاص مقرر ہوا۔

چوتھا فائدہ۔ یتیم صرف نابالغی کے زمانے تک ہے۔ بعض فقہاء نے فرمایا کہ عقلمندی آنے تک یتیمی قائم رہتی ہے یعنی جب تک یتیم بچہ عقلمند نہ ہو جائے اور اپنے مال دولت کو سنبھالنے کے قابل نہ ہو جائے اُس وقت تک اس کو یتیم کہا جائے گا لہٰذا یتیم دیوانہ خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے یتیم ہی مانا جائے گا جب تک علاج سے درست نہ ہو جائے ہاں اگر بالغ ہونے کے بعد دیوانہ یا نیم دیوانہ ہوا ہے تو اس کو یتیم نہ کہا جائے گا۔ یہ فائدہ حَتّٰی يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔ سے حاصل ہوا۔

صحیح تندرست بالغ اولاد کو یتیم نہیں کہا جائے گا۔ خواہ والد کے مرنے کے وقت ہی وہ بالغ ہو یا بعد میں بالغ ہوا ہو۔ ان احکام میں لڑکا اور لڑکی برابر ہیں۔ حَتّٰی یَبْلُغَ کا حکم عام ہے ہر اولاد یتیم کے لیے

پانچواں فائدہ۔ اسلام میں صرف صحیح اور جائز عہد کا احترام ہے ناجائز وعدے کا توڑنا ہی ضروری ہے بلکہ ناجائز وعدہ کرنا ہی گناہ ہے۔ یہ فائدہ۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ۔ کے امر وجوبی سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ رب تعالیٰ ناجائز اور حرام کام کا کبھی حکم نہیں دے سکتا۔

احکام القرآن

ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ جس طرح مسلمان پر بیگناہ اور بغیر جرم کسی مسلمان کا خون کرنا جان سے مارنا حرام ہے اسی طرح وہ غیر مسلم ذمی کافر جو مسلمانوں کی حکومت اور پناہ میں رہتے ہیں ان کا بلا جرم قتل مسلمانوں پر حرام ہے۔ یہی امام اعظمؒ کا مسلک ہے۔ یہ مسئلہ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا (الخ) سے مستنبط ہوا امام شافعی علیہ الرحمۃ کا مسلک ہے کہ ذمی کو قتل کرنے سے مسلمان کا نہ قصاص ہے نہ دیت ہے اس لیے کہ ذمی مشرک ہے اور مشرک کا خون حلال ہے لیکن امام اعظم کی دلیل یہ آیت ہے کہ قُتِلَ مَظْلُوْمًا میں ہر وہ شخص داخل ہے جو مسلمانوں کی حفاظت میں ہو اور قانوناً بیگناہ و بیجرم (از تفسیر کبیر) امام شافعی کی دلیل صرف قیاسی ہے اس لیے کمزور ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ حضرت امیر معاویہؓ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ باغیانہ لڑائیوں میں حق پر تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے مولیٰ علی شیرِ خدا سے اس وقت عرض کیا تھا کہ حضرت معاویہ اس لڑائی میں حق پر ہیں آپ لڑائی چھوڑ دیں اور اُن کا مطالبہ مان لیں ورنہ سارے علاقے پر معاویہؓ بن سفیانؓ کا قبضہ ہو جائے گا اور حضرت امام حسن بن علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے فرمایا کہ اللہ کی قسم میں نے حضرت معاویہ کی مدد کی۔ یہاں تک کہ اپنی خلافت بھی امیر معاویہ کو دے دی اور اپنے والد کے لشکر کی مدد نہ کی اور دونوں بزرگوں نے اس آیت سے استنباط کیا۔ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ حضرت علی شہید کر دیئے گئے اور امام حسن کے بعد بہت جلدی سارے علاقے پر امیر معاویہؓ کی سلطنت اور خلافت قائم ہو گئی۔ کیونکہ حضرت معاویہ کا مطالبہ خونِ عثمانِ غنی کا قصاص لینا ہے۔ آپ ہی حضرت ذوالنورین کے والی وارث تھے۔ اس لیے آپ کا مطالبہ جائز اور بغاوت حق بجانب تھی، اسی لیے امام حسنؓ اور ابن عباس نے حضرت علی کو سمجھایا تھا مگر اُس پر عمل نہ کیا گیا (از تفسیر کبیر) مگر میں کہتا ہوں کہ امیر معاویہ کی یہ جنگیں اور دیگر لڑائیاں کرانا اور دو طرفہ مسلمانوں کا اتنا خون کرانا سخت غلط تھا۔ مطالبے کے لیئے اور شکل بھی اختیار کی جا سکتی تھی۔ بغاوت اسی لیے اسلام نے منع فرمائی ہے کہ اس سے مطالبے پورے نہیں ہوتے بلکہ حکومت کے لیے اُلجھاؤ اور پریشانیاں

پیدا ہو جاتی ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر وہ چیز جو کسی گناہ کا سبب بن جائے وہ بھی شریعت میں حرام ہے لہٰذا بے پردگی۔ عورتوں کی کھلے عام فیشن پرستی۔ ناچ گانا۔ ڈھول باجہ سب اِس لیے ہی حرام ہوئے ہیں کہ زنا کے اسباب ہیں۔ عورت کا مکمل پردہ اور چہرہ ڈھکنا۔ راستے میں نگاہیں نیچی کرنا سب اس لیے ہی فرض ہوئے ہیں کہ کسی طرح انسان زنا سے بچے۔ یہ مسئلہ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی زنا کے قُرب سے بھی روک دیا گیا چہ جائیکہ فعل زنا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ حربی کافر کو قتل کرنا شرعاً حلال ہے قتل والا گناہ لازم نہ آئے گا نہ شرعی قصاص اور دیت واجب ہو۔ یہ مسئلہ اِلَّا بِالْحَقِّ کے استثنا سے مستنبط ہوا۔ ہاں معاہد اور حلیف اور ذمّی کو قتل کرنا بلا جرم حرام ہے۔

پانچواں مسئلہ۔ مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل کرنے سے پہلے اور بعد میں مُثلہ کرنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ سے مستنبط ہوا جیسا کہ تفسیر میں بتا دیا گیا۔ **چھٹا مسئلہ**۔ یتیم کے مال کو صحیح ایمان داری سے تجارت میں لگانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ سے مستنبط ہوا۔ اِسی طرح صرف حفاظت کے لیے کسی محفوظ ادارے میں جمع کرانا جائز ہے۔ جب کہ خُرد بُرد کا اندیشہ نہ ہو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى (الخ) اتنی لمبی عبارت کیوں ارشاد ہوئی فقط لَا تَزْنُوْا۔ کہہ دینا کافی تھا یا اگر مزید وضاحت مطلوب تھی تو لَا تَزْنُوا الزِّنٰى۔ فرمایا جاتا۔ **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں زنا کے نقصانات و اسباب کے ضمن میں دیا جا چکا ہے۔ کہ صرف زنا سے بچنا ہی ضروری نہیں بلکہ زنا کے تمام اَسباب و ذرائع سے بچنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ اسباب زنا اگرچہ زنا نہیں مگر قربِ زنا ہے۔ **حکایت**۔ اعلٰحضرت احمد رضا خان مجدّدِ ملّت نے چھوٹی سی بچپنے کی عمر میں ایک کنجری (رنڈی طائفہ) کو دیکھ کر کُرتے سے اپنی آنکھیں ڈھک لی تھیں تو کنجری (ناچنے اور مُجرا کرانے والی) نے دیکھ کر ہنس کر کہا کہ واہ میاں صاحبزادے نیچے سے ستر کو کھول دیا اور اوپر سے آنکھیں بند کر لیں۔ تو آپ نے اپنی توتلی زبان بچپن کی زبان میں فرمایا کہ آنکھیں سبب ہیں بُرائی کا۔ جب آنکھ دیکھتی ہے تو دِل مائل ہوتا ہے اور جب دل مائل ہوتا ہے تو ستر راغب ہوتا ہے یہ کلام اِس آیت کی تفسیر ہے (سبحانَ اللہ) اس لیے فرمایا گیا لَا تَقْرَبُوْا۔ یعنی اَسبابِ گناہ کو ہی بند کر دو۔

دوسرا اعتراض۔ احادیث پاک اور قرآنِ مجید کی دوسری آیات سے ثابت ہے کہ سب سے بڑا جرم قتل ہے کفر و شرک کے بعد اَكْبَرُ الْكَبَائِرِ۔ گناہ و جرم قتل ناحق ہے۔ تو یہاں پہلے زنا سے منع کیا گیا

بعد میں قتل سے منع فرمایا گیا۔ اس کی کیا وجہ؟ چاہیے تھا کہ پہلے لَا تَقْتُلُوْا ۔ فرمایا جاتا پھر لَا تَقْرَبُوا۔ ہوتا۔ **جواب** ۔ یہاں جرم کی حیثیت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ خلقتِ انسانی کی کیفیت اور اہمیت کی طرف اشارہ مقصود ہے ۔ ولادت سے انسان وجود میں آتا ہے اور قتل کے ذریعے وجود سے خارج ہوتا ہے ۔ زنا کر کے زانی اور زانیہ نے وجودِ انسانی کو ہی خراب کر دیا اور وجودِ انسانی کا تقدس پامال کر دیا۔ اس لیے زنا سے رکنے کا پہلے حکم دیا گیا۔ قتل سے رکنے کا بعد میں کیونکہ وہ وجود میں آنے کے بعد کیا جاتا ہے وجودِ انسانی کے تقدس و طہارت پر قتل کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

تیسرا اعتراض ۔ عام لغت و احادیث میں مردِ بدکار کو تو صرف زانی کہا جاتا ہے لیکن بدکار عورت کو زانیہ بھی کہا جاتا ہے اور مزنیہ بھی اس کی کیا وجہ؟

جواب ۔ زانی اور زانیہ وہ ہے جو خوشی برضاؤ رغبت زنا کرے اور کروائے مگر مزنیہ وہ ہے جس سے جبراً زنا کیا جائے ۔ مرد سے چونکہ جبراً زنا کیا ہی نہیں جا سکتا نہ کروایا جا سکتا ہے اس لیے اس کو مزنی نہیں کہا جاتا وہ صرف بہر صورت زانی ہی ہو گا اس لیے کہ بغیر رضا جبر کرنے سے اس کا آلۂ تناسل آمادہ ہی نہ ہو گا۔ اور اگر ابتداءً اس پر کسی عورت نے جبر کیا بھی اور کسی طرح سے اس کا آلۂ تناسل آمادہ ہو گیا تو بس وہی اس کی رغبت و رضا ہے اب خواہ عورت اس پر بیٹھے یا مرد عورت پر بیٹھے ۔ اسی لیے قرآن مجید نے زنا کی سزا بیان فرماتے ہوئے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِي کہا نہ کہ المزنیۃ ۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۔ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۔ اے مسافرِ راہِ معرفت اپنے اعضاءِ ظاہری آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں کو دنیا کی لذات و شہوات سے اتنا دور کر دو کہ خیالات کے قریب بھی مت جاؤ اہلِ تصوف کے نزدیک دنیا کی لذتیں نسلِ اعمالِ صالحہ کو ختم کرنے والی ہیں اس لیے وہ زناءِ خفیہ ہے ۔ اور بیشک وہ بدخصلتی کا فحش ہے ۔ اور ظلمت کا برا راستہ ہے ۔ بندے کے اعمالِ اخروی اس کی مثل اولاد ہیں کیونکہ یہی مقصدِ حیات ہیں فاسق و بدکار کفار مشرکین نامحرم عورتیں ہیں ان کی صحبت مثلِ حرام کاری ہے ۔ اور قلبِ روشن کی خواہشات مراقبات کا گلا نہ گھونٹو ۔ محبتِ اولیا صحبتِ صلحا ۔ قربتِ اصدقا ۔ اور بیعتِ مرشدین کا خاتمہ اور قتلِ فنا ترکِ موالات نہ کرو یہ ربّ کائنات اللہ سبحانہ نے حرام کر دیا ۔ ہاں اِلَّا بِالْحَقِّ ۔ جو چیزیں راہِ حق میں رکاوٹ بنیں ان سے دور ہونا ان کے مکر و فریب کو قتلِ فنا کر کے واصل باللہ اور منزلِ بقا میں پہنچنا لازم ہے ۔ قلبِ منور کی جو خواہشِ ایمانی بھی ظلم نفسانی جفاءِ شیطانی کی وجہ سے ختم کی جائے گی تو بیشک ہم نے

قلبِ ایمانی وَلیِ جسمانی کو سُلطانِ قالب بنادیا ہے۔ اِس کو اختیارِ تسلّط وسلطانی ہے کہ خواہشاتِ نفس اور قاتلِ ایمانیات کو قتل وفنا کر ڈالے لیکن مجاہدات کی تلوار سے نفس کو مثلہ نہ کرے۔ بیشک مومن کا دل دنیا آخرت قبر وحشر میں تائیدِ غیبی سے مدد کیا ہوا ہے۔ اے محنت کرنے والی عقل دنیا کے لیے اتنی محنت کر جتنا دنیا میں رہنا ہے لَا تُسْرِفْ۔ زیادہ نہ کر۔ آخرت کے لیے اتنی محنت کر جتنا وہاں رہنا ہے لَا تُسْرِفْ۔ کمی نہ کر۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اُتنی عبادت کر جتنا تو اس کا محتاج ہے بہت افضل ہے وہ بندہ جس کو مشاہداتِ انوار کا ایک لمحہ ہی مل جائے۔ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ۔ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ عالمِ جسمانیات میں قلبِ مسعود یتیم ہے قلب کی خواہشات اُس کی دولتِ ایمانی اور مالِ عرفانی ہے۔ عقل ودماغ اُسی یتیم کا وارث ومحافظ ومشیر ہے۔ اے عقل دولتِ قلبی کو دنیا میں ضائع اور خرچ نہ کر۔ ہاں راہِ سعادت دانش معرفت اور حکمت کاملہ شریعت وطریقت میں لگانے کے لیے دولتِ قلب کو اُس وقت تک خرچ کرسکتا ہے جب تک کہ قلبِ منوری اپنی راہِ معرفت کو تہہ کرکے مقامِ بقا تک نہ پہنچ جائے اے عقل وشعور۔ اور قلبِ مُنوّر اپنے راہِ عرفانی کے وعدوں کو جلدی پورا کر بیشک منزلِ قُرب میں مجاہدات وعبادات کے وعدوں کی پوچھ گچھ ضرور ہونی ہے۔ بندے کی دو قسمیں ہیں ایک بندۂ حق دوم بندۂ حقیقت۔ بندۂ حق وہ ہے جو اللہ کی رضا کی پناہ پکڑلے اس کی ناراضگی کے غضب سے اور ازل وابد کے وعدے پورے کرے۔ اسی لیے وہ افضل بندہ ہے۔ جو بندہ قرآن وحدیث کا تبّع نہ ہو اس کی پیروی اور بیعت حرام ہے کیونکہ وہ یتیم معرفت کا مال کھانے والا ہے اور وعدوں کی خلاف ورزی کرنے والا۔ انسانیت صورت میں ہے لیکن عبدیت سیرت میں ہے قلبِ مومن خدا تعالیٰ کے بھیدوں کا مَعدَن ومَخزن ہے اور یہی یتیم قلب کی دولت ہے۔ اللہ کے وعدے کی مخالفت غفلت ہے اور مولیٰ تعالیٰ سے غافل ہونا جہنّم میں جلنے سے سخت تر ہے۔ معرفت کا پہلا سبق فنا ہونا ہے۔ کیونکہ فنائیت کے بغیر بقا حاصل نہیں ہوسکتی۔

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا

اور پورا کرو تم ناپ تول کو جب بھی ناپو تم - ترازو اٹھاؤ تم

اور ناپو تو پورا ناپو اور برابر ترازو

بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ؕ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ

انصاف سے سیدھی - وہ تجارت اچھی ہے اور

سے تولو یہ بہتر ہے اور

اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٣٥﴾ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ

بہت درست ابتدا والی - اور نہ معلومات لیتا پھر اس کی کہ نہیں ہے لیے تیرے

اس کا انجام اچھا اور اس بات کے پیچھے نہ پڑ جس کا

بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ

جس کا جاننا ضروری بیقیناً سننا اور آنکھوں دیکھنا اور دلی ارادے

تمہیں علم نہیں بیشک کان اور آنکھ اور دل

كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ﴿٣٦﴾ وَلَا

یہ تمام ہو گا ان کا پورا حساب کتاب - اور نہ

ان سب سے سوال ہونا ہے - اور زمین میں

تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا ۚ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ

چل میں زمین انتہائی مغرور ہو کر بیشک تو ہرگز نہ چیر سکے گا

اتراتا نہ چل - بیشک ہرگز زمین نہ چیر

الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿٣٧﴾ كُلُّ

زمین کو اور ہرگز نہ پہنچ سکے گا تو پہاڑوں کے برابر بلندی میں تمام

ڈالے گا اور ہرگز بلندی میں پہاڑوں کو نہ پہنچے گا - یہ جو

ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾

وہ کام کہ تھے گناہ اُس کے۔ پاس رب کے تیرے بہت ناپسندیدہ

یہ جو گذرا ان میں کی بُری بات تیرے رب کو ناپسند ہے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیت کریمہ میں عہد کے پورا کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ناپ تول کے پورا کرنے کا ذکر ہے۔ عہد پورا کرنا قولی امانت داری ہے اور ناپ تول پورا کرنا مالی امانت داری ہے

دوسرا تعلق - پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ وعدے کے بارے کل قیامت میں سوال ہوگا یہ زبان کا حساب کتاب تھا اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کان آنکھ اور دل کا بھی حساب کتاب ہوگا لہٰذا ان چاروں کو درست رکھو۔

تیسرا تعلق - پچھلی آیت میں تین قسم کے ظالموں اور تین قسم کے مظلوموں کا ذکر ہوا یعنی زانی۔ قاتل ۔ اور یتیم کا مال کھانے والا ۔ اور مزنیہ ۔ مقتول ۔ یتیم ۔ ظلم کی بنیاد چونکہ غرور و تکبر ہے اس لیے اب ان آیت میں غرور سے بچنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ۔ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ۔ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۔ وَ ۔ ابتدائیہ ۔ اَوْفُوْا ۔ بابِ افعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر ایفاءٌ مصدر وَفیٌ سے بنا ہے واؤ کو ی سے بدل دیا ۔ بمعنی پورا کرنا ۔ الف لام جنسی کَيْلٌ مادہ مصدر اجوف یائی ہے بمعنی ناپنا ۔ برتن سے ۔ مفعول بہ ہے اَوْفُوْا فعل فاعل اور مفعول سے مجرور کر جزاء مقدم ہوئی ۔ اِذَا حرفِ شرط ظرف زمانی کِلْتُمْ باب سَمِعَ یا ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع حاضر ۔ کَيْلٌ سے بنا ہے بمعنی ناپنا ۔ برتن میں چیز ڈال کر ۔ اَنْتُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط مؤخر ہوئی ۔ واؤ عاطفہ ۔ عطف ہے اَوْفُوْا پر ۔ زِنُوْا ۔ بابِ ضَرَبَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر وَزْنٌ سے مشتق ہے بمعنی تولنا ترازو سے ۔ بِ جارہ ۔ سببیہ ۔ الف لام جنسی قِسْطَاس یا قُسْطَاس یا قِصْطَاس ۔ مشہور پہلا ہے ۔ لفظ رومی ہے یا عبرانی یا سُریانی بمعنی ترازو ۔ الف لام اسمی لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے اور دو لفظوں سے مرکب ہے ۱ قِسْط ۔ بمعنی عدل انصاف ۲ طاس بمعنی ترازو کے پلے۔

مرکب ہونے کے بعد ایک حذف ہو گئی۔ اب اس کا معنیٰ ہے۔ میزان عدل انصاف کی ترازو۔ جنہوں نے اس کو عجمی مانا ہے وہ اس کو مفرد لفظ کہتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ عجمی لفظ جب عربی میں مستعمل ہو تو۔ اس کو معرّف باللام بھی کر دیا جاتا ہے اور اعراب سے بھی معرب کیا جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَرَسُوْلُہٗ۔ مُسْتَقِیْم۔ باب اِسْتِفْعَال کا اسم فاعل صیغہ واحد مذکر۔ مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ اور اِسْتِقَامَۃٌ بمعنیٰ درست۔ صحیح۔ مضبوط۔ سیدھا رکھنا یا رہنا اسم فاعل کا ترجمہ ہے۔ سیدھی ہونے والی یا ہونے والی۔ صفت ہے، قسطاس کی مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے زِنُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف مل کر جزا ہوئی شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوئی۔ ذٰلِكَ۔ اسم اشارہ بعیدی یہ تین لفظوں کا مجموعہ ہے ۱ ذا اسم اشارہ ۲ لام بعیدی ۳ كَ ضمیر خطابی لغو۔ صرف اظہار خطاب کے لیے تاکہ پتہ لگے کہ کسی کو بتایا جا رہا ہے۔ مشار الیہ ماقبل ناپ تول کا اسلامی قانون۔ محلاً مرفوع ہے مبتدا ہے۔ مبہم مبنی ہے۔ خَيْرٌ۔ مادہ مصدر اجوف یائی بمعنیٰ اچھا ہونا۔ مفید ہونا۔ بھلا ہونا۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَحْسَنُ اسم تفضیل واحد مذکر حُسْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت خوبصورت۔ شاندار۔ خیر مقابل ہے شر کا۔ اور حسن مقابل قبیح کا۔ ممیز تَاْوِيْلًا۔ باب تفعیل کا مصدر ہے اَوَّلٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پہلے جیسے ہونا۔ یعنی جس طرح اچھائی اور دیانتداری۔ نیکی کی تھی تو انجام بھی اسی پہلے جیسے اچھا ہی ملا۔ منصوب نکرہ معرب ہے کیونکہ تمیز ہے اَحْسَنُ کی۔ ممیز تمیز مل کر معطوف ہوا خیر پر۔ دونوں جڑ کر خبر بنے مبتدا اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ لَا تَقْفُ۔ باب نَصَرَ کا فعل نہی حاضر معروف۔ صیغہ واحد مذکر حاضر۔ قَفْوٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ پیچھے جانا۔ پیچھے پڑنا۔ پیچھے لگنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے اسی سے ہے کوہ قاف یعنی زمین کا آخری پچھلا پہاڑ۔ اور اسی سے شعروں کا قافیہ یعنی ہر شعر میں ردیف کے پیچھے آنے والا لفظ دراصل مضارع تھا۔ تَقْفُوْ۔ لا نہی سے جزم ہوا تو لام کلمہ واؤ گر گئی اور ضمہ علامت واؤ ماقبل پر آ گیا۔ اَنْتَ مستتر اس کا فاعل ہے۔ مَا اسم موصول مبہم مبنی ہے۔ یا معرب غیر متمکن ہے۔ لَيْسَ فعل ناقصہ منفی ماضی مطلق مگر یہاں تامہ ہے۔ لام جارہ متعدی کا۔ كَ ضمیر مخاطب۔ مرجع عام مسلمان جار مجرور متعلق اول سے بہ بِ جارہ تعدیہ کی ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ذہنی۔ عِلْمٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سمجھ۔ قوّتِ فہم۔ فاعل ہے۔ لَيْسَ کا۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہٖ ہوا لَا تَقْفُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ الف لام استغراقی سَمْعٌ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنیٰ کان کا وہ پردہ جس کو باری تعالیٰ جل مجدہٗ خالق قدیر نے سننے کے لیے بنایا بے نظیر نہیں آتا بہت نازک ہے۔ اس کی غیبی حقیقت سے عقلِ انسانی عاجز ہے۔ کل کو جز کا نام دیا گیا ہے۔ یعنی کان کا وہ پردہ جو

قوت سننے کی رکھتا ہے ۔ مراد کان ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ الف لام استغراقی بَصَرَ مفرد جامد بمعنیٰ آنکھ کی باطنی روشنی مراد ہے آنکھ ۔ واؤ عاطفہ ۔ الف لام استغراقی فُؤَادُ بمعنیٰ دِل ۔ تمام عطف اسم اِنَّ ہے کُلُّ اسم تاکیدی مضاف ہے اُولٰٓئِکَ ۔ اسم اشارہ بعیدی ۔ جمع ۔ ترجمہ ہے وہ تمام ۔ اس کا مشار الیہ ماقبل اسم اِنَّ ۔ مضاف الیہ ہے ۔ مرکب اضافی مل کر مبتدا ہوا ۔ کَانَ ماضی مطلق ناقصہ ۔ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم جس کا مرجع اسم اِنَّ کا ماقبل دِل اور کان آنکھ والانسان ہے عَنْ جارّہ بمعنیٰ بٖ جارّہ تعدیہ کی یا سببیہ ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر ۔ مرجع کان آنکھ دِل وغیرہ ۔ مَسْئُوْلًا ۔ باب فَتَحَ کا اسم مفعول واحد مذکر سُؤَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پوچھنا ۔ محاسبہ کرنا (جواب طلبی کرنا) ۔ خبر ہے کَانَ ناقصہ کی ۔ یہ سب جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی ۔ عَنْہُ جار مجرور متعلق کَانَ کا ۔ اور مطلب یہ ہے کہ ۔ آنکھ والے کان والے ۔ دل والے سے اس کے کان ۔ آنکھ دِل کے بارے میں پوچھا جائے گا ۔ کہ تو نے دنیا میں ان کو کس طرح استعمال کیا ۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّکَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۔ کُلُّ ذٰلِکَ کَانَ سَیِّئُہٗ عِنْدَ رَبِّکَ مَکْرُوْھًا ۔ وَاؤ لَا تَمْشِ ۔ فعل نہی حاضر معروف صیغہ واحد مذکر ۔ مخاطب اَنْتَ ضمیر مستتر کا مرجع ہر مغرور انسان یہ تمام آیت ۔ قانونیہ ہیں ۔ اس لیئے خاص مخاطب نہیں ہوتا ۔ مَشْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چلنا خواہ پیدل یا سواری پر ۔ فِیْ جارّہ بمعنیٰ عَلٰی جارّہ فوقانیہ ۔ الف لام جنسی ارض اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنیٰ زمین ۔ مَرَحًا ۔ مصدر میمی ہے رَحْوٌ سے بنا ہے مگر ایک قول میں مَرَحٌ مادّہ ہے اور میم اصلی ہے ۔ بمعنیٰ لغوی اپنی ذات پر خوش ہونا ۔ اصطلاحی ترجمہ ہے مغرور ہونا ۔ اکڑنا ۔ بڑا بنتا ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے اَنْتَ مستتر فاعل کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق کَ ضمیر مخاطب اِسم اِنَّ ۔ لَنْ تَخْرِقَ ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع نفی تاکید بِلَنْ بمعنیٰ مستقبل واحد مذکر حاضر کا صیغہ خَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چیرنا ۔ پھاڑنا ۔ بگاڑنا ۔ گھڑ لینا ۔ جھوٹ بولنا ۔ تہہ کرنا ۔ زمین کو تہہ کرنا مسافت یا سیاحت سے ۔ یہاں مراد چیرنا ہے ۔ الف لام جنسی ارض بمعنیٰ زمین مفعول بہٖ ہے ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَنْ تَبْلُغَ ۔ بابِ نَصَرَ کا نفی تاکید بلَنْ مستقبل بُلُوْغٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پہنچنا ۔ الف لام جنسی جبال جمع مکسر کثرت ہے جَبَلٌ کی بمعنیٰ پہاڑ ۔ بحالتِ نصب ہے ظرف ہے یا مفعول بہٖ طُوْلًا ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ لمبا ہونا ۔ نکرہ معرب متمکن ہے ۔ مفعول فیہ لَنْ تَبْلُغَ کا یا تمیز ہے جبال کی یا حال ہے اَنْتَ پوشیدہ فاعل کا ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ سب عطف مل کر خبر اِنَّ اور وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ کُلُّ اسم تاکیدی مضاف ہے ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی مضاف الیہ ہے کُلُّ نکرہ ۔ ہے ذٰلِکَ مبنی مبہم ہے ۔ محلًا مجرور

ہے۔ مرکب اضافی مبتدا۔ کَانَ فعل ماضی مطلق بمعنیٰ بعید۔ صیغہ واحد مذکر غائب ناقصہ سَیِّئُہٗ صفتِ مشبّہ۔ سُوْءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ برائی۔ گناہ کبیرہ۔ نقصان وہ اس کا مقابل ہے حَسَنَۃٌ۔ مؤنث لفظی ہے سَیِّئَۃٌ۔ جمع مؤنث سالم ہے سَیِّئَاتٌ۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے سابقہ قانونِ ممنوعہ۔ مرکب اضافی اسم کَانَ۔ عِنْدَ اسم ظرفِ مکان۔ معرب اسم متمکن ہے بمعنیٰ پاس۔ نزدیک قریب۔ مضاف رَبِّکَ مضاف الیہ ہے۔ یہ دوہری (ڈبل) مرکب اضافی ظرف ہے کَانَ کا مَکْرُوْهًا اسم مفعول واحد مذکر۔ باب نَصَرَ کا کُرْهٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ سخت ناپسند۔ قبیح اور مکروہ دونوں کا ترجمہ ہے ناپسندیدہ۔ مگر تین طرح فرق ہے۔

۱۔ مکروہ شرعی ناپسند قبیح طبعی ناپسند ۲۔ مکروہ باطنی ناپسند ظاہرًا اچھا لگتا ہو۔ قبیح ظاہری ناپسند۔ ذاتًا برا صفاتًا بھی برا ۳۔ مکروہ جس کو کرنے والا قانونی مجرم ہو۔ قبیح جس کو کرنے والا اخلاقی مجرم ہو بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبرِ کَانَ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا۔ اعلیٰحضرت مجدد ملت کے ترجمہ میں کَانَ بمعنیٰ ماضی قریب ہے اور یہ عین صواب ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا۔ اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ کی بارگاہِ عالیہ سے تمام بندگانِ خدا کو بہت سے نظامی قانونی معاشرتی اصلاحی حکموں کے ضمن میں وعدوں کو پورا کرنے کا بھی حکم دیا گیا۔ اِس لیے کہ وعدہ ایک عظیم امانت ہے۔ لہٰذا جتنی چیزیں بھی دنیا میں امانت ہیں وہ سب ہی بہت اہم ہیں ایک تاجر جب تجارت کی دکان کھولتا ہے تو اس کی دکان میں سودوں کی شکل میں قوم کی امانتیں ہوتی ہیں۔ حکم فرمایا جارہا ہے کہ اگر تم نے ہمارے ایفاءِ وعدے والا حکم مان لیا ہے تو پھر اپنے ہی دینی دینوی بھلے کی خاطر یہ حکم اور قانون بھی مانو کہ جہاں کہیں بھی ہو اپنے مسلمانوں میں یا غیر مسلموں میں۔ وطن میں یا پردیس میں مالکِ تجارت کی حیثیت سے ہو یا ملازم کی حیثیت سے جب ناپنے والے سودے اور اشیاء بیچو تو ذرّہ ذرّہ ماشہ رتی ناپ پورا کرو۔ وزن والے سامان کی تجارت خرید و فروخت کرو تو سیدھی سچی مکمل درست عدل والی ترازو سے وزن کرو۔ وہ ناپ تول کا پورا کرنا ہر انسان کے لیے دنیا میں فائدہ مند ہے اس طرح کہ اِس سے عزت۔ اعتماد بھروسہ وقار۔ دیانت امانت میں اضافہ ہوگا اور تجارت میں فروغ یعنی زیادتی ترقی۔ اس لیے کہ جب تمہاری ناپ تول

اور صاف ستھرا حساب کتاب لین دین کھرا سودا ۔ بچنا علاقے ۔ بستی ۔ شہر ۔ ملک میں مشہور ہو کر دنیا والوں کے منہ میں تذکرہ بنے گا ۔ تو ہر شخص تملب وجگر سے تمہارا ہی خریدار بننے کی کوشش کرے گا یہ وہ نفع ہے جو ہر محنتی ایماندار دیانت والا ۔ تاجر مسلم غیر مسلم حاصل کر سکتا ہے لیکن اے مسلمانو قرآن واسلام تو یہ تم کو حکم دے رہا ہے کہ تم یہ اخلاق کردار اختیار کرو اس لیے کہ صرف تمہارے لیے اس میں دوہرا فائدہ ہے دنیا میں مالی منفعت اور آخرت میں اَحۡسَنُ تَاۡوِیۡلًا ۔ بہت ہی اچھا نتیجہ ۔ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ایمان دار اور مسلمان تاجر دکاندار قیامت اور جنت میں صدیقین اور شہداء اور انبیاء کرام کے ساتھ ہوں گے ۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کی غلامی میں جگہ پائیں گے ۔ یہ اُن تاجروں ۔ بیوپاریوں اور دکانداروں کی شان ہوگی جو اللہ تعالیٰ کے خوف اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور حکم سے فقط اپنی ذاتی دیانت داری کی بنا پر اچھے کاروبار ستھری خالص کھری اشیاء کو صحیح اور پورے ناپ تول سے فروخت کریں اور ناجائز منافع ۔ ذخیرہ اندوزی ۔ ملاوٹ شدہ چیزیں اور قسمیں کھا کھا کر بیچنے ۔ چند دن کے جھوٹے عارضی اور تھوڑے سے فائدے کے لیے اپنی دائمی ذلت اُخروی تباہی سے بچیں ۔ لیکن جب لوگ اللہ تعالیٰ کے اس فرمانِ عالی پر کان نہ دھریں تو حکومتِ وقت کا فرض ہے کہ اس قانونِ الٰہیہ پر جبراً عمل کرائے ۔ اور بار بار لوگوں کے کاروبار ناپ تول کے آلات باٹ ۔ گز میٹر پیمانے دیکھتا رہنے کا قانون بنائے بلکہ اگر ضروری ہو تو اس ظلم کو ختم کرنے کے لیے حکومت خود چیزیں فروخت کرے اور اشیا کی قیمتیں ۔ پیمانے بنا کر تاجروں کو دے خلاف ورزی کرنے پر سخت عبرت ناک جسمانی سزا مقرر کرے یا اس کو تجارت سے ہٹا دے پھر جو لوگ حکومت کے خوف سے صحیح سامان اور پوری ناپ تول کریں گے ان کو دنیوی فوائد تو شاید حاصل ہو جائیں مگر اُخروی فائدہ اور انجامِ خیر میسر نہ ہو سکے گا ۔ اور اے بندۂ مومن سچی بندگی اور حق پرستی یہی ہے کہ لَا تَقۡفُ مَا لَیۡسَ لَکَ بِہٖ عِلۡمٌ ۔ نہ پیچھے لگ اُس چیز کے اور نہ دخل اندازی کر اُس بات میں جس کا تجھ کو پتہ تک نہیں نہ تیرے علم میں وہ ہے ۔ بے علمی کے پیچھے لگنا آٹھ طرح سے ہوتا ہے ۔

۱ کوئی مسئلہ کسی شخص یا کسی عالم کو معلوم نہیں اور وہ صرف شرمندگی مٹانے کے لیے اپنے اندازے یا ظن وگمان خیال وہم سے مسئلہ بتا دے یا غلط بات کر دے اور سننے والے اُس کی عالمانہ شکل وصورت کی طرف دیکھ کر یقین اور عمل کر لیں ۔ یہ بہت سخت گناہ ہے قیامت میں ایسے خطیبوں اماموں کو سخت عذاب کا سامنا ہے ۔ آج کل یہ عام بیماری ہے بے علم نام نہاد مولویوں کو اپنے جُبّہ ودستار بچانے کے لیے ایسے بہت سے بیہودہ کام کرنے پڑتے

ہیں۔ ع۲ بغیر کچھ دیکھے سنے چند پیسوں کی لالچ میں کسی کے خلاف اور کسی کے حق میں گواہی دینا۔
جیساکہ عام طور پر کچہریوں میں کرائے پر گواہ بن جاتے ہیں ع۳ یا کسی کی دشمنی میں یا کسی کے رعب
خوف اور دباؤ میں آکر جھوٹی گواہی دینا۔ ع۴ کسی پاکدامن نیک محسنہ عورت کو کسی برائی کی تہمت
لگانا ع۵ کسی کی جھوٹی غیبت کرنا۔ اگرچہ سچی غیبت بھی حرام ہے ع۶ کسی کی جھوٹی چغلی یا جھوٹی
شکایت کرنا ع۷ کسی صحیح اور سچے مسئلے کی صرف ضد ہٹ دھرمی اور اپنی بات رکھنے کے لیے
مخالفت کرنا۔ یا کسی حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنا بلا دلیل اور بلا قیاس شرعی جس طرح کہ دیوبندی
اور وہابی حضرات کی روش ہے ع۸ اپنی رائے سے اپنی من مرضی اور پسند سے قرآن مجید کی تفسیر
اور حدیث پاک کی شرح کرنا۔ یہ سب گمراہی کی عادتیں ہیں جس طرح کافر مشرک کفر شرک پر صرف اس
لیے اڑے رہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کے نقش قدم پر ہی چلنا ہے نہ کوئی سمجھ نہ کوئی
علم۔ ان سب باتوں سے ان آیت میں رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو روکا ہے چونکہ ان عیوب اور تخریب کاریوں
میں انسان کان آنکھ اور دل سے ملوث ہوتا ہے اس لیے باری تعالیٰ نے بہت وضاحت سے
انجام بتا دیا کہ بیشک کان اور آنکھ اور دل یہ تمام اعضا کل قیامت میں اپنے تمام اعمال افعال کے
بارے میں پورے پورے حساب کتاب کے وقت پوچھے جائیں گے۔ اس طرح کہ بندے سے پوچھا
جائے گا کہ تو نے اپنے ان اعضا کو دنیا میں کس جگہ کہاں استعمال کیا۔ اور ان اعضا کے ذریعے جو ہماری
ہی عطا کردہ نعمتیں تھیں۔ کفر شرک فسق و فجور۔ ظلم۔ غیبت چغلی۔ اور کسی مظلوم کا نقصان کیوں کیا اور اپنے
سننے بولنے۔ دیکھنے۔ سوچنے۔ سمجھنے کے ذریعے دنیا زمین میں گمراہی اور فساد کیوں مچایا اور اس طرح
بھی کہا تھا پھر کان آنکھ اور دل سے براہ راست پوچھا جائے گا کہ تم سے دنیا میں تمہاری روح اور
قوت باطنی نے اچھے کام لیے یا برے۔ اور جو اعمال زبان بتا رہی ہے کیا تم نے وہ کام کیے تھے۔ اے
کان کیا تو نے قرآن و حدیث کے امر و نہی شریعت و طریقت کے قانون سنے تھے اور اے آنکھ کیا تو نے
اللہ کے قرآن و حدیث کو دیکھا تھا اور اے دل کیا تو نے اسلام کو سمجھنے کی طرف اپنی قوت طاقت خرچ
کی تھی۔ اے بندے آج ہی اس سخت کڑے امتحان کے بارے میں سوچ لے اور عاجز مسکین بندہ
بن جا۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا۔ كُلُّ
ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا اور اے بندے مت چل زمین کے اوپر تکبر غرور اکڑ اور عظمت
فخر اور کبریائی کے گھمنڈ سے تو کبھی بھی ہرگز اپنے پیر پٹخنے اور زمین پر زور سے رکھنے سے زمین میں سوراخ
تک نہیں ڈال سکتا نہ زمین کو چیر سکتا ہے اور نہ ہرگز تو کبھی قدموں کو چلنے کے لیے اٹھاتے وقت پہاڑوں

کی بلندی تک پہنچ سکتا ہے۔ اے مغرور بندے تو سوچ تو سہی تیرے نیچے بھی جماد یعنی زمین ہے اور تیرے اوپر بھی بلند جمادات ہیں اور تو دونوں کے آگے ہی عاجز ہے پھر تکبر کس شوخی اور بلبوتے پر دکھا رہا ہے۔ انسان کی پوری زندگی کی صرف پانچ حالتیں ہیں۔

۱ پہلی حالت لیٹنا۔ پیدا ہوتا ہے تو صرف لیٹ سکتا ہے۔ دوسری حالت بیٹھنا۔ ذرا سی قوت آتی ہے تو بیٹھنے لگتا ہے۔ تیسری حالت کھڑا ہونا۔ ذرا زیادہ قوت آئی تو کھڑا ہونے لگتا ہے۔ چوتھی حالت چلنا۔ جب رب تعالیٰ نے بندے کو پوری قوت دی تو چلنے اور بھاگنے لگتا ہے انسان کی آخری حالت بھی لیٹنا ہے۔ انسان کی پہلی تین حالتوں میں تو تکبر غرور ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح پانچویں حالت بھاگنا اس میں بھی تکبر کا اظہار نہیں۔ آدمی اپنی تمام زندگی کو ان ہی پانچ حالتوں میں گزار دیتا ہے خواہ کسی مرتبے اور مقام کا ہو۔ لیٹنے۔ سونے بیٹھنے کھڑے ہونے بھاگنے میں مغروریت نہیں ہو سکتی۔ غرور و تکبر کا اظہار صرف چلنے میں کیا جا سکتا ہے اس لیے فرمایا گیا۔ لَا تَمْشِ فِي الْأَرْضِ مَرَحًا۔ چلنے میں دو حالتیں ہوتی ہیں ۱ قدم اٹھانا ۲ قدم رکھنا۔ غرور و تکبر کی بھی دو ہی حرکتیں ہیں ۱ نیچوں پر ظلم کرنا اپنے آپ کو ان سے اعلیٰ سمجھنا۔ اور اونچوں کی برابری کا دعویٰ کرنا اور بلاوجہ خود کو بڑا سمجھنا حالانکہ انسان ان دونوں میں سے کسی مقام پر بھی اپنی خودی سے نہیں پہنچ سکتا نہ نیچوں سے اونچا خود ہو سکتا ہے نہ اونچوں کے برابر خود ہو سکتا تو پھر غرور کے خیالات میں بیہودہ کیوں اکڑا پھرتا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ تو بندہ ہے بندہ بن کر چل تو مٹی اور پتھر کے درمیان محصور ہے تو کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا اللہ کے بندے اپنے چلنے پھرنے میں مَرَحًا نہیں ہوتے بلکہ يَمْشُونَ عَلَى الْأَرْضِ هَوْنًا ہوتے ہیں یعنی عاجز و مسکین اور بندگی کرنے والے۔ اس لیے کہ كُلُّ ذَالِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ اس طرح کے تمام کام جو ان میں سے بُرے ہیں تیرے رب کے نزدیک بہت ہی ناپسند ہیں۔ وہ اللہ تیرا خالق مالک ہے تیرے کام اور تیری پسندیدہ چیزیں تو اپنے رازق مالک کے پسند کے مطابق ہونے چاہئیں نہ کہ ابلیس و شیطان اور نفس امارہ کے مطابق۔ تو کیسا بندہ ہے کہ حقِ بندگی و طریقۂ زندگی کو بھولا ہوا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے بندے کو دو قسم کے علم کی روشنی سے نوازا ہے ایک علم حواس کی روشنی اور دوم علم فؤاد کی روشنی۔ علم فواد کی روشنی دو قسم کی ہے بدیہی اور کسبی بندے کو چاہیے کہ دنیوی زندگی میں ان روشنیوں کو جائز طریقے سے استعمال کر کے قبر حشر کی روشنی حاصل کرے نہ کہ جہنم کی یہ فائدہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ اعضاء ظاہری اور قلبی اعمال یعنی افعال و عقائد پر پکڑ ہے مگر قلبی خیالات اور وسواس پر پکڑ نہیں ۔ یہ فائدہ ۔ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا سے حاصل ہوا ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ جب تک ممکن ہو اپنے اعضا سے دینی دنیوی اچھے ہی کام کریں اور عقلی قلبی خیالات اور عقائد کا بھی آقا و کائنات کے عشق و محبت کے پیمانے اور ترازو ۔ میں محاسبہ کرتے رہیں اس لیے ضروری ہے کہ بری محفلوں مجلسوں سے بچیں تاکہ دل دماغ کا رجحان غلط نہ ہونے پائے ۔ یہ فائدہ ۔ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ **چوتھا فائدہ** ۔ چلنے میں ہر مسلمان کو چاہیے کہ بہت ہی احتیاط کرے جس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشِ قدم کو مکمل اختیار کرے انشاء اللہ تعالیٰ عاجزی ۔ مسکینیٔ طبع ۔ نرمی انکساری ۔ تواضع ۔ وقار ساری دولتیں مل جائیں گی ۔ یہ فائدہ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ ۔ کے وجوبی حکم سے حاصل ہوا ۔ ؎

تیرے کرم سے اے کریم کون سی شی ملی نہیں
جھولی ہی میری تنگ ہے تیرے یہاں کمی نہیں

پانچواں فائدہ ۔ شیخی اور غرور میں کبھی کوئی نفع و فائدہ نہیں بلکہ ہزارہا نقصان ہیں ۔ غرور کا سر ہمیشہ نیچا ہی رہتا ہے ۔ باغ پھل پھول اور بیلیں ہمیشہ عاجز زمین میں لگتے ہیں نہ کہ مغرور و سرکشی آگ و طوفان میں یہ فائدہ اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ پورا ناپنا تولنا فرض ہے لیکن کچھ نیچا تول دینا مستحب ہے ۔ حدیث پاک میں ہے زِنْ وَارْجِحْ ۔ دیتے وقت کچھ نیچا تول کر دے مگر لیتے وقت پورا تولنا فرض اشد ہے ۔ اس میں برکت ہوتی ہے یہ مسئلہ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ کے حکم شدید سے مستنبط ہوا ۔
دوسرا مسئلہ ۔ بغیر علم فتویٰ دینا مسئلہ بتانا یا اخبار و رسائل سے دیکھ کر وعظ کر دینا سخت گناہ و جرم ہے ۔ یہ مسئلہ لَا تَقْفُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر اس چیز پر بیٹھنا منع ہے جس سے تکبر اور غرور یا رعونت فرعونیت پیدا ہو لہٰذا شیر چیتے کی کھال پر بیٹھنا ۔ یا ریشم کا لباس پہننا حرام ہے کیونکہ تکبر و سرکشی پیدا ہوتی ہے ۔ یہ مسئلہ لَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اور اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ **چوتھا مسئلہ** ۔ بری چیزوں اور بلاوجہ اپنی یا کسی کی شرمگاہ کو دیکھنا ناجائز ہے یہ مسئلہ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ ۔ سے مستنبط ہوا ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ قیاس کرنا گناہ ہے کیونکہ قیاس ظن اور وہم وخیال سے پیدا ہوتا ہے اور قرآن مجید میں اس کی ممانعت ہے چنانچہ ارشاد ہے لَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یعنی جب تک علم نہ ہو کوئی شخص ظن وگمان سے کوئی مسئلہ نہیں بتا سکتا اگر بتائے گا تو گناہگار ۔ اور مسئلہ ناقابل قبول ہوگا ۔ علم صرف قرآن و حدیث سے حاصل ہوتا ہے ۔ شریعت علم یقین کا نام ہے نہ کہ وہمیات کا (وہابی غیر مقلد)

جواب ۔ اولاً تو قیاس اور ظن سے علم ہی حاصل ہوتا ہے چنانچہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۔ جب تمہارے پاس مہاجر عورتیں آئیں تو ان کے ایمان کا امتحان لے لیا کرو پورا اللہ کے پاس علم ہے ان کے ایمان کا ثابت ہوا کہ مسلمانوں کو ظن کرنے کا حکم دیا گیا اور ظن پر عمل کرنا جائز قرار دیا گیا پورے علم کو رب تعالیٰ نے اپنے ہی پاس نسبت فرمایا۔ کیونکہ امتحان سے ظن ثابت ہوتا ہے اور ظن سے علم ہوا۔ یعنی تم ظن اور امتحان سے ان کے ایمان کا علم حاصل کر لو اگرچہ زیادہ اور پورا علم اللہ کو ہے ۔ لیکن اگر ظن سے علم اور یقین حاصل نہ بھی ہو تب بھی ظن کرنا اور ظن وقیاس سے مسائل بنانا اور اُن پر عمل کرنا بالکل جائز ہے علم فقہ اور فقہ پر فتویٰ دینا بھی جائز ہوا۔ دیکھو جنگل میں مسافر اپنے ظن اور اجتہاد سے ہی قبلہ معلوم کرتا ہے اور اس کے اِس ظن پر عمل کرنا اُس کے لیے فرض ہے ۔ ظن سے ہٹ کر صحیح سمت پر بھی نماز پڑھے گا تو نہ ہوگی ۔ یہ آیت کریمہ ظن اور قیاس کی نفی نہیں کرتی بلکہ جہالت اور لاعلمی نادانی کی نفی کرتی ہے ۔ قیاس کے متعلق تو احادیث میں بھی کثیر ثبوت موجود ہیں اس کے لیے ہماری کتاب جاء الحق دیکھو۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ كَانَ سَيِّئُهٗ ۔ سَیِّئَہٗ کو مضاف کیوں کیا گیا جب کہ سَیِّئَۃً مفرد کہنا زیادہ درست تھا۔ جب کہ ایک شاذ قرأت بھی اسی طرح ہے۔

جواب ۔ اِن آیت میں رب تعالیٰ نے کچھ کرنے کا حکم فرمایا اور کچھ کاموں سے منع فرمایا۔ اب ناپسندیدگی کا ذکر ہے لہٰذا اضافت کر کے یہ بتایا جا رہا ہے کہ سب کام بُرے نہیں بلکہ اُن کے بعض صرف وہ کام بُرے ہیں جن سے منع کیا جا رہا ہے ۔ جنہوں نے کہا ہے کہ یہ سَیِّئَۃً مفرد ہے ۔ وہ کہتے ہیں کہ اس آیت کا تعلق پچھلے تمام حکموں سے نہیں بلکہ صرف لَا تَقْفُ سے ہے ۔

تیسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا سَیِّئُہٗ، پھر فرمایا مَکْرُوْهًا ۔ حالانکہ دونوں کا معنیٰ ایک ہے۔

جواب ۔ اِس کے جواب دو طرح دیئے گئے ہیں ۔ ایک یہ کہ لفظ مکروہ تاکید کے لیے ہے دوم یہ کہ یہ عبارت تقدیم وتاخیر والی ہے یعنی جو سیئہ ہے وہ مکروہ ہے اور جو مکروہ ہے وہ سَیِّئَہ ہے ۔ نیز سیئہ اور

مکروہ کا ترجمہ ومعانی ایک نہیں بلکہ سیئۃ کا ترجمہ ہے گناہ اور مکروہ کا ترجمہ ہے ناپسندیدہ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاَوْفُوا الْكَیْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ ذٰلِكَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا۔ وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓىٕكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ۔ قالبِ انسانی میں حقوقِ اعضائی اشیاءِ معرفت ہیں اور ضمیر وعقل اُس کے پیمانے ہیں ۔شعورِ قلبی میزانِ عمل ہے ۔اے انوار ومشاہدات کے بازار میں مریدانِ خریداران کو حقوقِ جسمانی کے سودے بیچنے والو۔ زندگی کے ہر لمحے ہر دِن میں پیمانۂ ذکر کو بِلا ریاؤ نمود ہر ایک خریدارانِ بیعت کو پورا حصۂ معرفت عطا کرو جب بھی خلافتِ بیعت کا پیمانہ اُٹھاؤ اور میزانِ مُرشدی کو استحقاقِ مستقیم کی ترازو سے صحیح وزن فرماؤ ۔تاکہ اَماناتِ قُربِ لاہُوتی غیر مستحق کو نہ پہنچا دیں۔ راہِ منزل کے مسافرانِ طریقت کے لیے یہ اچھا زادِ راہ ہے اور مقبول ذیشان انجام بالخیر ہے ۔اے مریدِ باصفا اِن راہوں میں اتباعِ پیشوا کو لازم پکڑ ۔بے علمی جہالت سے خواہشات اور تو نگیِ دنیا کے پیچھے نہ پھر۔راہِ معرفت کے میدان میں سب سے زیادہ کان آنکھ اور دل کو مراقبۂ خلوت میں مشغول رکھ ۔بیشک کان اور آنکھ دل پورا حساب دینے والے ہیں اے مسافرِ وادیِ حیرت تجھ سے اِن سب اَعضا کے بارے میں سوال ہوگا منزلِ محبوب کو پانا کچھ آسان نہیں ہے ؎

کس نہ دانست کہ منزل گہہِ محبوب کجا است

ایں قدر ہست کہ بانگِ جرس می آید

اس دریاءِ ناپید اکنار کی منزل کا کسی تیراک وشناور کو علم نہیں ہے ۔بس ایک صوتِ سرمدی ہے جو عُشاق کے کانوں میں نغماتِ معرفت کا رس گھول رہی ہے لہٰذا اے طالبِ صادق اپنے کانوں کو اُدھر ہی لگائے رکھ اپنی آنکھوں کو جلوۂ محبوب کے انتظارِ پُر کیف میں بچھائے رکھ اور دل کو اُدھر ہی متوجہ رکھ ہر عشق کا دعویدار مقامِ قُربِ جمالِ جلالِ یار کا مسئول ہے ۔تو خوش ہو کہ تجھ کو صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ بہرہ گونگا اندھا نہیں کیا گیا بلکہ تیرے کان آنکھ دل دماغ کو کسی انتظار کی لذت سے روشناس فرمایا لہٰذا خلوت کا مراقبہ کر کیونکہ گوشہ نشینی سے ایمان سلامت اور دل آسودہ رہتا ہے ۔ وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَیِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا۔

اور اے راہِ معرفت کی وادیِ زمین اور اَرضِ جسمانی کی سیر کرنے والے ۔زمینِ معرفت علاقۂ مشاہدات میں ریاکاری کی اکڑ سے مت چل بیشک تو فقط اپنی عبادت مشقت اور مجاہدات سے اَسرارِ الٰہیہ کی زمینِ مخفی کو پھاڑ کر ظلمات کے پردے نہیں ہٹا سکتا اور نہ ہی تو مقامِ قُرب کے پہاڑوں تک بلند ہو سکتا ہے۔

یہ تمام خیالاتِ متکبّرانہ اور اعمالِ خودی۔ تیرے قلب وقالب جسم وجان کے رب تعالیٰ کے بارگاہِ قدس
میں ناپسندیدہ اور دوری و محرومی کا سبب ہے۔ اس راہ میں عاجز و صابر بن اس لیے کہ تکلیف پر
شکایت نہ کرتے ہوئے صبر کرنا بندگی کی بہترین علامت ہے بلکہ اپنے حصۂ انوار سے دوسروں کی میزبانی فرما
کیونکہ مہمان نوازی نوافل غروری سے بہتر ہے۔ اگر غرور زمین کا اندھیرا ہے عاجزی انکساری زمین کا
نور چمک و چاندنی ہے۔ تو زمین کا اندھیرا نہ بن زمین کی روشنی اور چاندنی بن جا۔ اولیا مرقیا سے زمین کو
وہی زینت ہے جو ستاروں سے آسمان کو ہے عاشق کی آہیں پہاڑوں کا نکھار ہیں۔ قلب مومن فتوحات
کا مرکز ہے دماغ فصاحت کا ضمیر صدق کا مرکز۔ بصر مشاہدات انوارِ غیوب کا مرکز ہے اور سمع فتوحِ رحمانی
کا اعضاءِ ظاہری ان مرکزوں سے خیراتِ ایمانی و عرفانی۔ شریعت طریقت حقیقت انوار و تجلیات
اعمال وافعال سعادت وسخاوت کے سودے خریدنے والے ہیں مگر ان کے راستوں میں نفسانی ڈاکو
شیطانی قزاق بیٹھے ہیں۔ مرشدِ رحمانی کا کام اور ذمے داری ہے کہ مرید خلص کو دارِ فنا کے جنگلات
غاروں خاروں سے نکال کر دارِ بقا تک لیجائے اور چمن محبوب سے وابستہ کر دے۔ وہاں ہر چیز کی
پوچھ گچھ اور حساب وکتاب ہو جائے گا۔ اَللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ۭ

وہ قانون اُس سے ہیں جو وحی کی طرف آپ کے۔ رب نے آپ کے۔ سے بہت مناسبت

یہ اُن وحیوں میں سے ہے جو تمہارے رب نے تمہاری طرف بھیجی حکمت کی باتیں

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ

اور اے بندے نہ بناؤ ساتھ اللہ کے معبود دوسرا کہ ڈالا جائے تو میں

اور اے سننے والے اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھیرا کہ تو جہنم

جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝۳۹ اَفَاَصْفٰىكُمْ

دوزخ ملامت کیا ہوا دھکے دیا ہوا۔ کیا پس چن دیئے

میں پھینکا جائے گا طعنہ پاتا دھکے کھاتا کیا تمہارے رب نے

رَبُّكُم بِالْبَنِينَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلَائِكَةِ

رب نے تمہارے تم کو سب بیٹے اور بنالیا فرشتوں کو

تم کو بیٹے چن دیئے اور اپنے لیے فرشتوں سے

إِنَاثًا ۚ إِنَّكُمْ لَتَقُولُونَ قَوْلًا عَظِيمًا ﴿۴۰﴾ ع

بیٹیاں بیشک تم البتہ بولتے ہو بڑی کرخت بات۔

بیٹیاں بنائیں۔ بیشک تم بڑا بول بولتے ہو

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِي هَٰذَا الْقُرْآنِ لِيَذَّكَّرُوا

اور البتہ بیشک ہر طرح بیان کیا ہم نے ۔ میں اس قرآن تاکہ نصیحت پکڑیں

اور بیشک ہم نے اس قرآن میں طرح طرح سے بیان فرمایا کہ وہ سمجھیں

وَمَا يَزِيدُهُمْ إِلَّا نُفُورًا ﴿۴۱﴾ قُل لَّوْ كَانَ

حالانکہ نہ زیادہ ہوئی اُن کو مگر نفرت ۔ فرماؤ تم اگر ہوتا

اور اس سے انہیں نہیں بڑھتی مگر نفرت تم فرماؤ اگر اُس کے ساتھ

مَعَهُ آلِهَةٌ كَمَا يَقُولُونَ إِذًا لَّابْتَغَوْا إِلَىٰ

اُس کے ساتھ کوئی معبود جیساکہ کہتے پھرتے ہیں تب تو وہ البتہ تلاش کر لیتے طرف

اور خدا ہوتے جیساکہ یہ بکتے ہیں جب تو وہ عرش کے

ذِي الْعَرْشِ سَبِيلًا ﴿۴۲﴾

عرش والے کے کوئی راستہ

مالک کی طرف کوئی راہ ڈھونڈ نکالتے

تعلق ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیتوں میں انسان کے معاشرے اور آخرت کو سنوارنے کے متعلق کچھ نصیحتیں بیان فرمائی گئیں تھیں اب اِن آیات میں اُن نصیحتوں کی عظمت اور شان بیان فرمائی جا رہی ہے کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی ہے۔
دوسرا تعلق - پچھلی آیت میں انسان کا انسان کے ساتھ جو غرور ہو سکتا ہے اُس کا ذکر کیا گیا تھا۔ اب اِن آیت میں۔ بدبخت انسان جو رب تعالیٰ کے ساتھ غرور کر سکتا ہے اُس کا تذکرہ ہے کہ یا کسی غیر کو خدا بنالے یا خود خدائی کا دعویٰ کر بیٹھے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بری باتوں کو ناپسند فرماتا ہے۔ اب اِن آیت میں اُن کی نشان دہی کی جا رہی ہے۔ یعنی کفریہ عقائد کفریہ اقوال اور کفریہ طبیعت۔

شانِ نزول - ایک دفعہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی شاندار تقریر مبارک میں مخلوق الٰہیہ کی تسبیح تہلیل اور نبی پاک پر صلوٰۃ وسلام کا ذکر فرمایا۔ تب یہ تائیدی طور پر سات آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۱۳۹ تا ۱۴۵ ایک روایت میں ہے کہ جب تَبَّتْ یَدَا نازل ہوئی تو نبی پاک کی کا فرہ چچی ابولہب کی بیوی ساریہ ایک پتھر لے کر آئی نبی پاک اور صدیق اکبر خانۂ کعبہ کے پاس تشریف فرما تھے وہ آکر بولی اے ابوبکر تمہارے نبی کہاں ہیں میں اُن کو پتھر مارنے آئی ہوں انہوں نے میری ذلت کی ہے۔ اور پھر چلی گئی۔ صدیق اکبر نے حیران ہوکر عرض کیا یا رسول اللہ اس نے آپ کو نہیں دیکھا فرمایا میرے درمیان فرشتے نے پردہ کر دیا تھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَیْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بحالتِ رفع مبتدا ہے مِنْ جارہ بیانیہ یا تبعیضیہ مَا موصولہ اَوْحٰی۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب مصدر ہے اِیحاءٌ وَحْیٌ سے بنا ہے بمعنی پیغامِ الٰہی بالواسطہ یا بلاواسطہ مراد ہے قرآن مجید اور احادیث پاک اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے كَ ضمیر حاضر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا عام مسلمان۔ رَبُّ اسم مفرد جامد صفاتی نام اللہ کا كَ ضمیر حاضر مضاف الیہ مرکب اضافی فاعل ہے اَوْحٰی کا۔ مِنْ جارہ بمعنی مع الف لام استغراقی حِكْمَةٌ اسم مصدر آخر میں تاءِ مصدریہ۔ بمعنی معرفت پانا۔ عقلمند ہونا۔ جامد ہے بمعنی عقل۔ سمجھ۔ علم فہم۔ مجرور ہے۔ جار مجرور متعلق دوم ہے اَوْحٰی کا۔ اور مِمَّا جار مجرور متعلق مقدم سوم ہے۔ جملہ فعلیہ ہوکر

خبر ہے مبتدا کی اور وہ جملہ اسمیہ ہوگیا ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ لَا تَجْعَلْ ۔ باب فَتَحَ کا فعل نہی ۔ واحد مذکر حاضر
جَعْلٌ سے بنا ہے ۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر حاضر مذکر مرجع ہے عام انسان ۔ اور یہ جملہ ما قبل
کلام سے بالکل علیحدہ ہے ۔ مَعَ اسم ظرف مضاف ہے اَللّٰہِ مضاف الیہ ۔ مرکب اضافی ظرف مکانی
ہوا لَا تَجْعَلْ کا اِلٰهًا اسم مفرد نکرہ متمکن معرب موصوف ہے آخَرَ اسم تفضیل مذکر ہے ۔ اُخْرٌ سے بنا ہے
بمعنیٰ بہت پیچھے والا مراد ہے دوسرا ۔ مفتوح ہے صفت ہے اِلٰهًا کی ۔ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے
لَا تَجْعَلْ کا ۔ فَ حرفِ ما قبت ۔ تُلْقٰی ۔ باب اِفعال کا مضارع مستقبل مجہول صیغہ واحد مذکر حاضر
اَنْتَ ضمیر پوشیدہ نائب فاعل فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ جَهَنَّمَ اسم مفرد عجمی فارسی سے عربی میں مستعمل ہوا ۔
غیر منصرف ہے کیونکہ عَلَم ہے جہنم پورے دوزخ کا یا کسی طبقے کا ۔ ایک قول میں سُریانی لفظ ہے متغیر
ہوکر آیا ہے جَهْنَامٌ سے ۔ بحالتِ کسرہ ہے فِیْ سے جار مجرور متعلق ہے تُلْقٰی ۔ اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ
لَقْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھینکنا ڈالنا ۔ گرنا ۔ گرانا ۔ مادہ لازم ہے اِفعال نے متعدی بنایا مَلُوْمًا اسم مفعول ہے
باب نَصَرَ کا لَوْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ طعنہ دیا ہوا ۔ ملامت کیا گیا ۔ ذلیل رُسوا ۔ بحالتِ نصب ہے
حالِ اوّل اَنْتَ نائب فاعل کا ۔ مَدْحُوْرًا ۔ اسم مفعول باب نَصَرَ کا واحد مذکر کا صیغہ دَحْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ
دھکے دینا ۔ حال دوم اَنْتَ ذوالحال کا ۔ تُلْقٰی سب سے مل کر جملہ خبریہ ہوگیا ۔ اَ ہمزہ سوالیہ توبیخی یا اِنکاری
فَ تحسینیہ زائدہ ۔ اَصْفٰی ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف مصدر ہے اِصْفَاءٌ صَفْوٌ یا صَفْیٌ
سے بنا ہے دراصل تھا اَصْفَوَ واؤ کو الف سے بدلا گیا بمعنیٰ چن لینا ۔ برگزیدہ کرنا ۔ پسند کی چھانٹ کرنا ۔
کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے ۔ رَبُّ بمعنیٰ پروردگار ۔ مضاف کُمْ مضاف الیہ ان
دونوں کُمْ ضمیر کا مرجع وہ کفار ہیں جو کہتے تھے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں (معاذ اللہ) یہ مرکب اضافی
فاعل ہے بِ جارہ ۔ الف لام اسمی بَنِیْنَ ۔ جمع مذکر سالم ہے اِبْنٌ کی بحالتِ جر ہے بِ سے
جار مجرور متعلق ہے اَصْفٰی کا وہ جملہ فعلیہ ہوا واؤ سر جملہ ۔ اِتَّخَذَ ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت
معروف ۔ دراصل تھا ۔ اِئْتَخَذَ ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے مہموز الفا ۔ بمعنیٰ لینا ۔ بنانا ۔ پکڑنا ۔ پیدا کرنا ۔ گھڑ لینا
یہاں پیدا کرنے کے معنیٰ میں ہے ۔ مصدر ہے اِتِّخَاذٌ ۔ هُوَ ضمیر مستتر ۔ فاعل ہے جس کا مرجع اَللّٰہُ ہے
مِنْ جارہ تعدیہ کا ۔ الف لام استغراقی مَلٰٓئِكَةِ جمع مکسر ہے مَلَكٌ کی بمعنیٰ فرشتہ ۔ جار مجرور متعلق ہے ۔
اِتَّخَذَ کا اِنَاثًا ۔ جمع مکسر ہے اُنْثٰی کا ۔ بمعنیٰ عورتیں ۔ یعنی لڑکیاں بیٹیاں ۔ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ کا ۔ وہ
جملہ فعلیہ ہوگیا ۔ ایک ترکیب میں اِنَاثًا مفعول بہ اوّل ہے اور مفعولِ دوم اَوْلَادًا ہے جو پوشیدہ ہے
اس ترکیب میں اِتَّخَذَ بمعنیٰ جَعَلَ ہوگا نہ کہ خَلَقَ ۔ کیونکہ خَلَقَ کبھی بھی متعدی بدو مفعول نہیں ہوسکتا

اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ کُمْ اِس کا اسم ۔ لام کے مفتوحہ تَقُوْلُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع
حال مثبت معروف اَنْتُمْ ضمیر فاعل قَوْلًا مصدر موصوف عَظِيْمًا صفت مشبہ بمعنیٰ بہت بڑی بہت سخت ۔
بڑا بول ۔ حد سے گزری ہوئی بات ۔ صفت ہے ۔ مرکب توصیفی یا مفعول بہ یا مفعول مطلق جملہ فعلیہ ہو کر خبر
اِنَّ ۔ اور وہ جملہ اسمیہ ۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا ۔ وَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۔ قُلْ
لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِي الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۔ واؤ ۔ ابتدائیہ ۔ لام کے زائدہ
تاکیدیہ ۔ قَدْ صَرَّفْنَا ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم مخاطِب اللہ تعالیٰ ۔ تصریفٌ مصدر ہے صَرْفٌ
سے بنا ہے لغوی معنیٰ ہے پھیرنا اصطلاحی معنیٰ ہے پھیر پھیر کر سمجھانا بیان کرنا مثالیں دے کر بتانا
کھول کر وضاحت سے ظاہر کرنا ۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے فِیْ جارہ ظرفِ مکانی هٰذَا اسم اشارہ
قریبی ۔ الف لام زائدہ قرآن بروزنِ فُعلانٌ یا فُعَالٌ ۔ قَرْنٌ یا قَرْءٌ کا اسم مبالغہ ہے بمعنیٰ بہت ملانے والا
اسم فاعل کے معنیٰ میں یا بہت پڑھا ہوا اسم مفعول کے معنیٰ میں ۔ عَلَم ذاتی ہے آخری کتاب الٰہی کا ۔
مجرور مشار الیہ ہے اسم اشارہ و مشار الیہ متعلق ہے صَرَّفْنَا کا ۔ لام کے تعلیلیہ يَذَّكَّرُوْا ۔ يَتَذَكَّرُوْنَ
تھا باب تفعّل کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب تَ کا ذال میں ادغام کر دیا تَ کو
ذال بنا کر مخرج ہم شکل ہونے کی بنا پر ۔ آخر سے نون اعرابی بحالتِ فتحہ گر گئی لام کے میں اَنْ ناصبہ
پوشیدہ اِس کا فاعل ہے مراد کفارِ مکہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی صَرَّفْنَا کی یعنی مفعول لہٗ ہوا ۔ واؤ حالیہ
مَا يَزِيْدُ ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بما غیر قیاسی ۔ کیونکہ اشارۃً کیفیۃً ماضی کو بیان کرتا ہے ۔
صیغہ واحد غائب زِيْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بڑھنا ۔ زیادہ ہونا ۔ هُمْ ضمیر موجودہ مفعول فیہ یا بہ ۔ اِلَّا
حرفِ استثنا مفرّغ کیونکہ مستثنیٰ مِنْهُ شَيْءٌ فاعل مَا يَزِيْدُ کا پوشیدہ ہے (محذوف) نُفُوْرًا
اسم مبالغہ نَفْرٌ سے بنا ہے ۔ نَفْرَتٌ مصدر ہے ۔ بمعنیٰ بیزار ہونا ۔ منہ پھیرنا ۔ دور بھاگنا ۔ نہ ماننا
یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے ۔ بحالتِ نصب مستثنا ہے ۔ مَا يَزِيْدُ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا ۔
قَدْ صَرَّفْنَا ۔ کا اِس کا مفعول بہ اَمْثِلَةً وَقَصَصًا پوشیدہ ہے ۔ صَرَّفْنَا متعدّی بیک مفعول ہوتا ہے ۔
سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا ۔ قُلْ ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ
فاعل جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ لَوْ حرفِ شرط کَانَ تامّہ
مَعَ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ
متصل ہے کیونکہ اپنے عامل مضاف مَعَ سے جڑی ہے ۔ مرکب اضافی ظرف ہوا کَانَ کا اٰلِهَةٌ ۔ جمع
مکسّر ہے اِلٰہٌ کی ۔ آخر میں تَ وحدتِ جنسی کے لیے ہے نکرہ ہے ۔ لہٰذا یہ ترجمہ بھی درست ہے

معبودوں کا ایک گروہ ۔ جھتم ۔ برائے توبیخ ۔ جیسا کہ ہم نے ترجمہ کیا ہے ۔ وہ وحدتِ جنسی ہے نہ کہ فردی ۔ اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں لفظی جمع ہے ۔ بحالتِ رفع ہے فاعل ہے کَانَ کا ۔ یہ جملہ فعلیہ تامہ مشبہ ہوا ۔ کَمَا ۔ حرفِ تشبیہ ۔ یَقُوْلُوْنَ ۔ بابِ نَصَرَ کا ۔ صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر فاعل جس کا مرجع ہے کفارِ مکہ ۔ یہ مضارع استمراری ہے ۔ کیونکہ کثرتِ اقوال مراد ہے فعل یا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ بہ ہوا دونوں مل کر شرط ہوئی ۔ اِذًا مفاجاتیہ بمعنی اچانک ۔ یہاں برائے جزا ہے ۔ اصلاً یہ اِذْ ہوتا ہے یہاں اتصالِ مابعد کی وجہ سے حرکت دی گئی ۔ ایک قول میں یہ حرفِ جزا ہے فَ جزائیہ کے قائم مقام اصلاً تھا اِذَنْ ۔ نون کو الف سے بدل دیا گیا خفت کے لیے ۔ لام کئے ناصبہ اِبْتَغَوْا ۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مثبت معروف اِبْتَغَیُوْا تھا ی پر ضمہ ثقیل تھا لہٰذا یٰ اور ضمہ کو گرا دیا ۔ مصدر ہے اِبْتِغَاءٌ ۔ بمعنی تلاش کرنا ۔ کوشش کرنا چاہنا ۔ پسند کرنا ۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع اٰلِھَۃٌ ہے ۔ اِلٰی جارہ انتہا غایت کے لیے ذِیْ اسم مکبرہ بحالتِ جر ہے اس لیے ذِیْ ۔ یٰ کے ساتھ ہوا ۔ بقاعدۂ نحو تمام اسماءِ مکبرہ کا اعراب حروفِ علت سے ہوتا ہے بموافقتِ اعرابِ حرکت ۔ مضاف ہے ۔ الف لام عہدِ ذہنی عَرْشِ اسم مفرد جامد ۔ بمعنی تختِ شاہی ۔ مراد ہے عرشِ اعظم ۔ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اِبْتَغَوْا کا ۔ سَبِیْلًا ۔ اسم مفرد مبالغہ صفت مشبہ بمعنی کھلا راستہ مفعول بہ ہے ۔ اِبْتَغَوْا کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا ۔ وہ جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا ۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِیْنَ وَ اتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا ۔ اے ہمارے بندے وہ تمام احکام امر و نہی جو بھی پچھلی چند آیات میں سنائے گئے ان ہی قرآنی قوانین میں سے ہیں جو تیرے ربِ حکیم نے تیری طرف ایک عظیم الشان معرفتِ الٰہیہ کی حکمت سے وحی فرمائے ۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے یہاں آیت ۲۲ سے آیت ۳۹ تک بائیس حکم نازل فرمائے یہ نور حکمت سے بھرے ہوئے احکام جن میں گیارہ امر ہیں یعنی کرنے والے اور گیارہ ہی نہی ہیں یعنی نہ کرنے والے ۔ ابتدا میں بھی شرک اور کفر کی ممانعت ہے اور آخری حکم بھی شرک اور کفر سے ممانعت توحیدِ باری تعالیٰ کا اقراری و ایمانی حکم ہے ترتیب اس طرح ارشاد ہوئی ۔ ۱ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۔ اس حکم کی آیت قرآنِ مجید میں چار جگہ اور بھی ہیں ۲ وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِیَّاهُ ۔ اس مضمون کی آیت آٹھ جگہ اور ہیں ۳ وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا ۔ اس حکم کو آٹھ جگہ اس کے

علاوہ بھی بیان فرمایا گیا ع۴ فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ ۔ ع۵ وَلَا تَنْهَرْهُمَا ع۶ وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا
ع۷ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ ع۸ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا ع۹ وَآتِ ذَا الْقُرْبٰى
یہ امر مسلمانوں کو قرآن مجید میں پانچ جگہ اس کے علاوہ اور بھی دیا گیا ہے ع۱۰ وَالْمِسْكِيْنَ مسلمانوں کو مساکین
کی خدمت کرنے کا قرآن مجید میں اٹھارہ جگہ حکم دیا گیا ہے ع۱۱ وَابْنَ السَّبِيْلِ مسافر کی امداد کا قرآن پاک کی
مختلف آیات و الفاظ میں آٹھ جگہ حکم فرمایا گیا ع۱۲ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ۔ اس حکم کو قرآن پاک نے تین دفعہ
مختلف جگہ ارشاد فرمایا ع۱۳ فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا ع۱۴ وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً
ع۱۵ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ ۔ یہ حکمت ممانعت قرآن پاک میں دو مرتبہ ارشاد ہوا ع۱۶ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ
الَّتِيْ یہ حکم ممانعت بھی دو جگہ ارشاد ہوا ۔ ع۱۷ فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ ۔ اسراف کی برائی اور ممانعت میں
مختلف طریقوں کی بیس آیت مختلف سورتوں میں ارشاد ہوئیں ع۱۸ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۔ یہ حکم قرآن کریم
میں سترہ بار نازل ہوا ع۱۹ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ ۔ یہ حکم چھ دفعہ ارشاد ہوا ع۲۰ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ
یہ حکم تین بار اس کے علاوہ ارشاد ہوا ع۲۱ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ یہ حکم مختلف آیتوں اور لفظوں
میں چھ جگہ ارشاد ہوئے ع۲۲ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ۔ یہ حکم ممانعت تین جگہ ارشاد ہوا ۔ کیا شان
ہے ان گیارہ گیارہ حکموں کی کہ رب تعالیٰ نے معراج کی سورت میں بارہویں والے شب اسریٰ کے دولہا کے
صدقے میں انسان اور مسلمان کی اخلاقی زندگی کی بائیس معراجوں کی نعمتیں بکھیر دیں ۔ یہی امر و نہی کی گیارہ
منزلیں مومن صادق کی معراج ملکوتی اور عروج لاہوتی ہیں اے بندے یہی تیرے ابدی روشن مستقبل کے
بائیس زمانے ہیں ان میں تو نے اپنے اخلاق حسنہ کے قدموں سے چل کر توحید عرش اور لامکان وحدت کے قرب
میں جانا ہے یہ بائیس احکام مقام عبدیت کا بیت المقدس ہے اور حرم حکمت کے بائیس دروازے
ہیں ۔ یہ گیارہ امر شریعت کا سدرۃ المنتہیٰ ہے اور گیارہ ممنوعات معبود حقیقی ۔ اور الٰہ واحد کا لامکان ہے ۔
لہٰذا وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ ۔ آخر میں پھر حکم دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کے ساتھ کسی دوسرے
شخص یا وجود یا جسم کو معبود نہ سمجھنا ۔ تیری ساری ایمانیات ۔ عبادات احکامات ۔ ممنوعات ۔ عملیات
فکریات ۔ تدبرات ۔ عقلیات ۔ اداء حقوق و خدمات ۔ امانات دیانات ۔ رفتار حیات سب کچھ
اسی توحید کے پردوں میں ہونا چاہیے ۔ تیرے ہر عمل قول ذکر فکر سے پہلے اصل توحید باری تعالیٰ تیرے
دل میں قائم ہو اور تیرے ہر کردار اقوال کے آخر بھی وحدانیت کے پھول مہکتے ہوں توحید ایمانی سے باہر
ہو کر کوئی عمل و اخلاق قبول اور پسند نہ ہوگا بلکہ تو اپنے سارے اعمال و اخلاق نرم قلبیوں انسانی ہمدردیوں
عبادات کی مشقتوں کے ساتھ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ ۔ پس پھینک دیا جائے گا ہر طرف سے لعنت ملامت

کیا ہوا۔ اور ہر نعمت رحمت۔ عزت۔ حرمت۔ نصرت۔ عظمت سے دور بھگایا ہوا۔ دھکے دے کر ہٹایا ہوا۔ جو بدبخت انسان توحیدِ الٰہی اور رسالتِ مصطفائی سے دور ہوئے وہ دنیا میں مذموم یعنی قابلِ نفرت گندے پلید ہیں ہر طرح سے بُرے اور قبر میں۔ ملُوم۔ یعنی لعنت ملامت اور جھڑک کے لائق۔ اور محشر میں مخذول یعنی بیکس بے بس بیچارے کمزور محتاج لاغر بے یار و مددگار۔ اور جہنم میں مدحور۔ یعنی ہر خیر سے دور دنیا میں دو قسم کے بندے ہیں ایک آستانۂ نبوت اور بارگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر اور دوسرا اُس آستانۂ مقدس سے دور۔ جو عاجز و حاضر ہے وہ مومن ہے جو بھٹکا ہوا وہ کافر ہے۔ کافر مذموم ہے مومن مبرور۔ کافر ملوم ہے مومن مقبول۔ کافر مخذول ہے مومن مضبوط۔ کافر مدحور ہے مومن مغفور۔ مذموم وہ جس کے کام کو بُرا کہا جائے۔ مبرور جس کے کام کو اچھا کہا جائے۔ ملوم وہ ہے کہ جس کو جھڑکا جائے تو نے کیوں ایسا نقصان دہ اور اپنے لیے بُرا کام کیا۔ مقبول وہ ہے جس کے ہر کام کو کہا جائے کہ بہت اچھا اور فائدہ مند کیا۔ مخذول وہ ہے جو کام کر کے نڈھال و کمزور ہو جائے مضبوط وہ ہے جو کام کر کے تر و تازہ ہو جائے مدحور وہ ہے جس کے کام پر اس کو ذلیل کر کے دھکے دیئے جائیں مغفور وہ ہے جس کے کام پر اس کو رحمت و عزت کی چادروں میں چھپایا جائے یہ احکام توریت میں بھی موجود تھے اور تمام انبیاء علیہم السلام نے ہر دین و ملت میں اس کی بااہتمام تبلیغ و ترویج فرمائی۔ یہ سب احکام محکم جاری ساری ہیں تا قیامت نہ اس میں نسخ ہے نہ تبدیلی نہ بُطلان۔ والدین ہونا والدہ ہونا بیٹا بیٹی اولاد ہونا یہ سب انسان کی صفات ہیں کیونکہ انسان ہی پرورش پانے اور پرورش لینے کا محتاج ہے۔ خالق تعالیٰ ان تمام چیزوں سے پاک اور سُبحان ہے مگر کفار نے قسم قسم کے مختلف بیہودہ عقیدے بنا لیے کسی کو خدا کا بیٹا کسی نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا شروع کر دیا چونکہ فرشتے لوگوں کی نگاہوں سے مثل پردہ نشین عورتوں کے چھپے رہتے ہیں اسلیئے ان کو بیٹی کا لقب دیا گیا۔ اے کم عقل بیہودہ عقیدے والو کیا یہ سمجھے بیٹھے ہو کر تمہارے لیے تمہارے ربّ تمہاری مرضی خوشی چاہت پسند کے مطابق بیٹے چن سکتے ہیں جو طاقت و قوت ہمت و جوانمردی والے ہیں جن سے تمہاری عزت و عظمت میں اضافہ ہو۔ اور اپنے لیے ربّ نے فرشتوں کو بیٹیاں بنا ڈالا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کا کسی چیز کو شریک سمجھنا بہت بڑی سرکشی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ خالق مالک کیلیے اولاد ماننا خاص کر کمزور ترین صنف نازک بیٹیاں تسلیم کرنا نہایت بڑی جہالت ہے اس لیے کہ جس کی اولاد ہوتی ہے اس کا جسم ہوتا ہے جس کا جسم ہوتا ہے وہ اجزاء سے مرکب ہوتا۔ اور جو مرکب ہوتا ہے وہ قدیم نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ رب تعالیٰ کو یہ کفار بھی قدیم مانتے ہیں۔ اس لیے فرمایا گیا اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِیْمًا۔ اے کفارِ مکہ اور دیگر تا قیامت ان کے ہم مذہب کافرو بیشک تم بہت بڑی جہالت اور بیوقوفی کی باتیں کرتے ہو۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا۔

اور البتہ بیشک ہم نے بہت وضاحت سے کھول کھول کر مختلف لفظوں طریقوں بیانوں سے ظاہر کیا سمجھا دیا اس قرآنِ مجید میں۔ توحید ورسالت۔ نبوت۔ وعدہ۔ وعید۔ نذارت بشارت۔ قصص۔ عبرت۔ حکمت عبادت۔ مثالیں۔ صفات۔ عادات۔ دنیا۔ آخرت۔ معاشرت۔ قہر۔ عذاب۔ کفر۔ ایمان۔ اسلام۔ فنا۔ بقا۔ عمل۔ جزا۔ ارضیات۔ فلکیات۔ خالقیت۔ مخلوقیت۔ عبدیت۔ معبودیت۔ کمال۔ زوال۔ علم۔ جہالت۔ نور۔ ظلمت۔ دانائی۔ نشاناتِ حماقت۔ تحت الثرٰی۔ عرشِ علٰی۔ حق۔ باطل۔ ظاہر و باطن۔ ربوبیت مربوبیت۔ رازقیت مرزوقیت۔ یہ تمام حکمتیں فطرتیں قرآن کریم میں ہم نے ہی اس لیے بیان فرمادیں تاکہ دنیا والے اِس قرآنِ مجید سے ایمان وعرفان کی نصیحتیں قبول کریں۔ چرچے اور تذکرے کریں۔ اپنی زندگی کے ہر معاملے میں تعلیم قرآن کو ہی مشعلِ راہ بنائیں اور اِس قرآنی روشنی سے دل ودماغ کو چمکائیں اور ایسی شان والی ازلی ابدی نعمت ملنے پر جہان بھر میں خوشیاں منائیں مگر اِن کفار کے قلبوں گندے دماغوں میں نہ زیادہ ہوئی مگر نفرت کی گندگی ہی۔ اسی لیے اس قرآن مجید کو کبھی جادو کہا۔ کبھی کہانت۔ کبھی حیلہ کہا۔ کبھی شعر وشاعری۔ کبھی افسانہ کہا۔ کبھی اَساطِیرُ اَوّلین۔ کبھی باطل کہا۔ کبھی قصے کہانیاں۔ حالانکہ چاہیے تھا کہ یہ قرآن مجید سے خضوع خشوع۔ خشیت وخوف ایمان وایقان حاصل کرتے۔ مگر ان بدنصیبوں نے قرآن اور صاحبِ قرآن جیسے معجزوں کو چھوڑ کر۔ چاند سورج ستاروں۔ پتھروں۔ درختوں۔ جانوروں لکڑیوں۔ دھاتوں۔ مورتیوں۔ آگ ناگ دھول مٹی کو معبود بنالیا۔ اے پیارے نبی حبیبِ محترم تجھ پہ کروڑوں درود اور لاکھوں سلام ہوں ذرا اِن سے فرماکہ اگر اُس اللہ کی معبودیت کے ساتھ کسی اور کی معبودیت بھی واقعتاً ہوتی۔ جیسے کہ یہ کافر کہتے پھرتے اور عقیدے بنائے پھرتے ہیں۔ تب تو وہ دیگر معبود اُس عرش والے معبود کے ساتھ جنگ وجدال مقابلہ مقاتلہ کرنے کے لیے کوئی راستہ۔ کوئی ذریعہ۔ کوئی حیلہ بہانہ تلاش کرتے جس طرح بادشاہ لوگ دوسرے بادشاہوں پر حملہ کرتے ہیں یا چھوٹے چھوٹے بادشاہ کسی بڑے بادشاہ پر مل کر حملہ کرتے ہیں اور بڑے بادشاہ پر غلبہ پانے کا ارادہ کرتے ہیں یا جیسے کہ یہ کافر کہتے ہیں کہ ہم اِن بتوں کے وسیلے سے اُس بڑے عرش والے معبود کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰهِ زُلْفٰی فرمایا جارہا ہے کہ اے کافرو منکرو اگر تمہارے یہ بت وغیرہ ذرہ بھر بھی معبود ہوتے تو ان دونوں کاموں طریقوں میں کوئی کام ضرور ہوتا مگر نہ تو کبھی حملے کا راستہ بنا۔ نہ ہی یہ کوئی قربِ الٰہی حاصل کرسکا نہ ان میں سے کوئی عرش تک آسکا تو پھر تم ان کی شرکیہ اور بناوٹی عبادت کرکے اللہ کا قرب کس طرح حاصل کرسکتے ہو جب کہ یہ جھوٹے معبود ہی قرب نہ حاصل کرسکے۔ تو اے کم عقلو بھٹکتے پھرنے والو آج ہی اُس حبیب کریم رؤف ورحیم کے دامنِ رحمت میں آجاؤ۔ جو ہمارے عرش اور لامکانی قرب تک راستہ بنا گیا"

ہے صلی اللہ علیہ وسلم۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ حکمت ہر اس علم کو کہا جاتا ہے جو انسان کی عقل اور سمجھ میں آجائے اور جو سمجھ میں نہ آسکے وہ قدرت ہے۔ بندے کو چاہیئے کہ اپنے دل دماغ کو تعلیمِ نبوت کے نور کے ذریعے پاک صاف اور چمکدار بنائے تاکہ وہاں اللہ کی طرف سے حکمت کی شعاعیں آئیں۔ یہ فائدہ مِنَ الْحِكْمَةِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ گندے دل اور بے علمی کے زنگ آلودہ دماغ میں حکمت کے پیسے نہیں آسکتے۔ **دوسرا فائدہ۔** مومن دنیا و آخرت میں مذموم۔ ملوم۔ مخذول۔ مدحور نہ ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اس لیے کہ مومن آستانۂ مصطفیٰ سے توحید کی دولت کو اپنے قلب و جگر کی جھولی میں لے لیتا ہے۔ یہ فائدہ فَتَلْقٰى کی ف جزائیہ سببیہ سے حاصل ہوا۔ دھکے اور ذلتیں کمزوریاں اور ملامتیں صرف مشرکوں کے لیے ہیں۔ **تیسرا فائدہ۔** قرآن کریم ہر مزاج کے مطابق احکام بیان فرماتا ہے تاکہ کسی پر سختی دشواری اور بوجھ نہ ہو۔ اس لیے قرآنِ کریم تا ابد عالمگیری قوت قانون رکھتا ہے یہ فائدہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے دربارگاہ میں سب اولاد یکساں درجہ رکھتی ہے کوئی اعلیٰ وادنیٰ نہیں۔ لڑکی ہو یا لڑکا۔ بیٹی ہو یا بیٹا۔ بیٹی کو ذلیل حقیر یا ادنیٰ سمجھنا گناہ ہے اور کفار کا طریقہ جس کی رب تعالیٰ نے ان آیات میں تمثیلاً مذمت فرمائی۔

دوسرا مسئلہ۔ قرآن مجید کے کسی حکم سے منہ پھیرنا یا اعتراض کرنا یا۔ کسی حکم پر منہ برا کرنا یا عمل میں سستی غفلت کرتے ہوئے آنکھیں چرانا یا کسی حکم پر شکوہ شکایت کرنا۔ اور دل میں تنگی پیدا کرنا۔ سب گناہِ عظیم ہے اور طریقۂ کفار ہے یہ مسئلہ اِلَّا نُفُوْرًا ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اسی سورت کی آیت ۲۲ میں فرمایا گیا۔ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا۔ اور آیت ۳۹ میں فرمایا گیا۔ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِیْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ دونوں آیتوں کا حکم ممانعت ایک جیسا ہے مگر انجام میں وہاں مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا اور یہاں مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا۔ اس اختلاف کی کیا وجہ۔؟

جواب۔ وہاں دنیا کے حالات اور شرکیہ بدعملی کا دنیوی نتیجہ مذکور ہوا۔ لیکن یہاں اُخروی سزا کا ذکر ہے

دوسرا اعتراض ۔ اَفَاَصْفٰکُمْ کے تفسیری اشارے سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار بیٹیوں کو سخت بری اور ذلیل چیز سمجھتے ہیں ۔ لیکن دیکھا گیا ہے کہ ہندو اپنی تمام مورتیوں کو عورت اور مؤنث کا ہی نام دیتے ہیں اور اُن کا احترام کرتے ہیں ۔ جیسے کالی دیوی ۔ گنگا ۔ جمنا ۔ پاربتی پیپل والی ۔ وغیرہ اس مشاہدے سے تو ثابت ہوتا ہے کہ کفار لوگ مؤنث کا احترام کرتے ہیں ۔

جواب ۔ اس کے دو جواب ۔ اوّلاً یہ کہ یہ آیت کفار مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو لڑکیوں سے بمقابلہ بیٹے کے نفرت کرتے تھے ۔ اور دنیا میں بہت سے کفار اب بھی یہ حرکت کرتے ہیں ۔ مگر کفار کے نظریات مختلف ہیں کسی کا کچھ عقیدہ کسی کا کچھ ۔ دوم یہ کہ یہاں صرف بیٹی کا ذکر ہے ہر عورت کا ذکر نہیں ۔ آج بھی صرف اپنے گھر بیٹی پیدا ہونے پر افسوس کرتے ہیں ۔ کسی کی بیٹی یا ماں بہن ۔ بیوی سے نفرت نہیں بلکہ عزت و محبت کی جاتی ہے ۔ رہا کفار کا دیوی ۔ اور گنگا جمنا کو مؤنث سمجھنا وہ عورت ہونے کی بنا پر نہیں بلکہ ان میں روحانی قوت مانتے ہیں اور اس روح اور قوت کو مؤنث سمجھتے ہیں ۔ اسی طرح بہت سے شاعر ہندی میں غزل لکھتے ہیں تو اپنے آپ کو مؤنث بناتے ہیں وہاں بھی اپنی روح مراد ہوتی ہے ۔ اور لفظ روح کو ہندی ۔ اُردو میں مؤنث ہی لکھا ۔ بولا جاتا ہے مثلاً ۔ ع ۔ میں تیری بھکارن ہوں تیرے در پہ رہوں گی ۔ واللہ اعلم بالصواب ۔

(تفسیر کبیر ۔ خازن ۔ مدارک مظہری ۔ تفسیر فتح القدیر ۔
صفوۃ التفاسیر ۔ سید قطب ۔ خزائن العرفان ۔ جلالین ۔)

تفسیر صوفیانہ

ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰۤى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ ؕ وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۔ اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰۤئِكَةِ اِنَاثًا ؕ اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ۔ چمنِ معرفت کے یہ وہ الہامات اور پیغاماتِ اسرار ہیں جو اے قلبِ مشکور تیرے ربِّ مطلوب اور معبودِ مقصود نے تیری طرف القا فرمائے شعورِ یزدانی کی حکمتِ مکاشفات سے لہٰذا اے دلِ مزکیٰ خواہشاتِ الٰہیہ کے علاوہ کسی کو بھی اپنی التجاؤں فریادوں دعاؤں اور تڑپتی جبینوں مچلتی اداؤں کا مسجود و معبود نہ بنا ۔ ورنہ محرومیت کے نارِ فراق کے جہنم راہ سلوک کے سفر میں ناکامی نامرادی کے دوزخ میں ہمراہیوں کی ملامت و لعنت کا ملوما اور اہلِ منزل کے خوش نصیبوں کے دھکوں دُرکاروں کا مدحورا بنا پڑا رہے گا ۔ اے وادیِ طلب منزلِ شوق میں پیچھے رہ جانے والو بدنصیبو بیوقوفو کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہاری غفلت و کسلت کے باوجود انعاماتِ انوار دولتِ سرمدی کے ابناءِ بقا تمہارے لیے چن لیے گئے اور تمہارے رب نے تمہارے ہی لیے سب کچھ منتخب کر ڈالا ہے ۔ اور

کیا اس ربّ کائنات نے ملائکہ اسرارِ غیبی کو حجاباتِ ضعف و ظلمات کا پردہ نشین بنایا ہے۔ اے نفوسِ رذیلہ بیشک تم زبانِ حال سے مقالاتِ سرکشی اور فتنۂ شیطانی کے بول بولتے ہو۔ بدبخت اور مغضوب ہے وہ شخص جو بُرا کر کے اچھا سمجھے۔ اور اپنے کانٹوں کو پھول گمان کرے بدزبانی کو حُسنِ مقالی تصوّر کرے۔ انسان میں دو بشری قوّتیں ہیں۔ ۱ قوّتِ غضب ۲ قوّتِ شہوت۔ عارف وہ ہے کہ اس کی قوّت غضب شریعت اور عقل کے ماتحت ہو یہی قوّت غضب کی خوبی ہے اور اُس کی قوّت شہوت عدلِ ایمانی کے ماتحت ہو۔ یہی اس کی خوبی ہے ہر انسان میں جانوروں کی خصلتیں پیدا کی گئی ہیں ۱ غصہ کُتّے کی خصلت ہے ۲ مکاری لومڑی کی مثل ہے ۳ ایذا بچھو کی مثل ہے۔ ۴ نقصان دہی کوے کی خصلت ۵ شہوت مثل گدھے گھوڑے کے ۶ کینہ مثل اونٹ کے۔ نفسِ انسانی گھوڑا ہے اور عقل مثل کُتا ہے یہ گھوڑا اور کُتا جب تک فرماں بردار نہ ہو اسرارِ معرفت کا شکاری نہیں ہو سکتا۔ بلکہ ہلاک کر دے گا۔ یہی حال شہوت اور غصّے کا ہے غفلت اور غضب کا ہے شہوت کی زیادتی بھی اور کمی بھی بُری ہے۔ شہوت کی زیادتی سے چار نقصان ۱ حرص ۲ حسد ۳ نجاست ۴ بے غیرتی۔ شہوت کی کمی سے بھی چار نقصان ۱ غفلت ۲ سُستی ۳ نامردی ۴ اکتاہٹ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا وَمَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا. قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗۤ اٰلِهَةٌ كَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا. اور البتہ بیشک ہم نے اپنے اس محبوبِ ازلی کے سینۂ قرآنِ منوّر میں حکمت معرفت بلاغت و فصاحت انوار و تجلیات مکاشفات مشاہدات کے بیانِ ایمانی اور قانونِ ایقانی کے مختلف کیفیاتِ اسرار سے پھیر پھیر کر بیان فرمائے تاکہ اہلِ طلب خزائنِ معرفت اور نصیحتِ ازلیہ عبدیہ کے خزانوں سے اپنی جھولیاں بھر لیں مگر بدنصیب شقاوت کی عادتِ نفسانی و خصلتِ شیطانی سے اہل اللہ کی نفرت ہی پیدا ہوئی۔ اے محبوب سرّی تو فرما کہ اگر عاشقینِ طریقت کے لیے کوئی اور دوسرا بھی معبود و مسجودِ خلائق ہوتا جیسا کہ اہل نفس طغیان و سرکشی سے کہتے ہیں۔ تو وہ معبودانِ باطل بھی محبوبِ حقیقت بن کر معبودِ عرشی سینۂ مصطفیٰ قلبِ مجتبیٰ تک سیرِ معراج کا راستہ بنا لیتے۔ مگر نفس پرستوں نے فقط دنیا و سفلیہ کی طرف راستہ بنایا اور حیاتِ دنیا کو ہی مطمحِ مقصود بنالیا۔ اور جو آدمی اپنے کو فقط دنیا کا بنالے وہ بدبخت ہے آخرت کو یاد کرنے والا نیک بخت ہے لیکن دونوں کو پورا کرنے والا کامل ہے کیونکہ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا کے خزانے اتباعِ سنّتِ محبوب کی دولتیں حاصل کرنے والا ہے۔ تعلیمِ مصطفیٰ سے ہی معرفت کی منزلیں طے ہو سکتی ہیں۔ راہِ طلب میں صدقۂ جسمانی دینا پڑتا ہے اور جو حرام جسم سے صدقہ دیتا ہے وہ ایسا ہے جیسے کہ ناپاک کپڑے کو گندے پانی سے پاک کیا جائے۔ جو آدمی حرام غذائیں کھاتا ہے حرام لباس پہنتا ہے

تو اُس کو اعضاءِ باطنی اور اعضاءِ ظاہر بددعائیں دیتے ہیں ۔ اے بندو ہم نے اپنے محبوب کے دہانِ قرآنی سے ہر حکم اور طریقت و معرفت کے سارے راستے ۔ صَرَّفْنَا ۔ تفصیل و تصریف سے بیان کر دیئے ہیں ۔ ہر راستے کا حرام و حلال جائز و ناجائز سمجھا دیا ہے اب جو اپنی حیاتِ دنیا کو حرام بنائے گا اور اعضاءِ باطنی کو غذاءِ حرام اور اعضاءِ ظاہری کو حرام سے ملبوس کرے گا وہی بحرِ ظلمات کے آتش میں ابدی ہو گا ۔ جو آدمی حلال چیزیں غذائیں حاصل کرے گا اُس کو اس کے ظاہری باطنی اعضاء دعائیں دیتے ہیں ۔ حلال کی تین قسمیں ہیں ۔

۱ حلال طیب ۲ حلال غیر طیب ۳ حلال اکمل حرام کی بھی تین قسمیں ۔ ۱ حرام پلید ۲ حرام پاک ۳ حرام خبیث حلال مال کو حرام بنانے کے بھی تین طریقے ہیں ایک یہ کہ شریعت کے خلاف باہمی رضا مندی سے لین دین جیسے سودی کاروبار ۲ مال والے کی بلا رضا مندی مال لینا جیسے چوری ڈکیتی وغیرہ ۔ سوم یہ کہ کسی کو دھوکہ فریب سے راضی کر لینا اور مال لے لینا جیسے یتیم اور بیوہ کو ورغلا کر ان کی دولت وراثت لینا ۔

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا

پاک ہے وہ اللہ اور بلندی والا ہے اُس سے جو وہ کہتے ہیں برتری

اُسے پاکی اور برتری اُن کی باتوں سے بڑی برتری

كَبِيْرًا ﴿٤٣﴾ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ

بہت بڑی ۔ کہ تسبیح پڑھتے ہیں اس کے لیے کُل ساتوں آسمان اور

اُس کی ۔ پاکی بولتے ہیں ساتوں آسمان اور

الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ

پوری زمین اور جو کچھ اُن میں ہے ۔ اور نہیں کوئی چیز

زمین اور جو کوئی اُن میں ہیں اور کوئی چیز نہیں

إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهِ وَلَٰكِن لَّا تَفْقَهُونَ

مگر تسبیح پڑھتی ہے اُس کی حمد کی اور لیکن تم نہیں سمجھتے ہو

جو اُسے سراہتی ہوئی اُسکی پاکی نہ بولے ہاں تم اُن کی

تَسْبِيحَهُمْ ۗ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا ﴿۴۴﴾

اُن کی تسبیح کو۔ شان یہی ہے کہ ہے وہ حلم والا تمہاری گستاخیوں پر بخشنے والا توبہ والوں کو

تسبیح نہیں سمجھتے بیشک وہ حلم والا بخشنے والا ہے

وَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ

اور جب بھی تم نے تلاوت کی قرآن مجید کی بنا دیا ہم نے درمیان آپ کے اور درمیان

اور اے محبوب تم نے قرآن پڑھا ہم نے تم پر اُن میں کہ

الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ حِجَابًا

اُن لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے پر آخرت کے پردہ

آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایک چھپا ہوا پردہ

مَّسْتُورًا ﴿۴۵﴾ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً

چھپا ہوا۔ اور بنا دیا ہم نے پر دلوں کے اُن کے موٹے پردے

کر دیا۔ اور ہم نے اُن کے دلوں پر غلاف ڈال دیئے

أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِذَا

اس سے کہ سمجھیں اُس قرآن کو اور کانوں میں اُن کے سخت بہرا پن ہے ۔ اور جب بھی

کہ اِس کو نہ سمجھیں اور اُن کے کانوں میں ٹینٹ اور جب

ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِي الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا

ذکر پاک کیا تم نے رب کا اپنے میں قرآن - توحید اُس کی پھر گئے وہ

تم قرآن میں اپنے اکیلے رب کی یاد کرتے ہو وہ پیٹھ

عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا ﴿۴۶﴾

پر پیٹھوں کے اپنی نفرت کرتے ہوئے۔

پھیر کر بھاگتے ہیں نفرت کرتے

تعلق اِن آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیتِ کریمہ میں کافروں کے ایک بہت ہی بڑے اور احمقانہ عقیدے کے ساتھ اُن کی اِس قسم کی باتوں کو سخت بدتمیزی کی بات فرمایا گیا تھا کہ دیکھو کافر اپنی زبانوں کو کہاں استعمال کر رہے ہیں۔ اب اِن آیاتِ کریمہ میں باری تعالیٰ اپنی شان بیان فرماتے ہوئے دیگر تمام آسمان زمین کی مخلوق کی زبان زبانی تسبیح کا ذکر فرما رہا ہے کہ دیکھو اس تمام مخلوق کی زبان کیسی اچھی جگہ استعمال ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ قرآن مجید تو سمجھنے نصیحت حاصل کرنے کے لیے نازل ہوا ہے مگر ان کافروں کو اس قرآنِ مجید سے اور زیادہ نفرت ہونے لگتی ہے۔ اب اُس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ اُن کے دلوں پر بہت موٹا پردہ ہے **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں قرآنِ مجید نہ سمجھنے کا ذکر ہوا تھا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں کیسے سمجھتے اِن کی فہم انسانی میں تو مخلوق آسمانی و زمینی کی تسبیح نہیں آسکتی۔

تفسیر نحوی سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۔ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ۔ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا ۔ سُبْحٰن - مصدر ہے بروزنِ فُعلان سَبَحَ سے بنا ہے بمعنیٰ پاکیزگی بیان کرنا - تسبیح پڑھنا - حمد کرنا - مضاف ہے - ہٗ - ضمیر واحد غائب مجرور متصل مرجع اللہ تعالیٰ ہے مرکبِ اضافی مفعول مطلق ہے پوشیدہ فعل سَبَّحْتُ کا - واؤ سرجملہ تَعَالٰى - باب تَفَاعُل کا ماضی مطلق مثبت معروف عُلُوٌّ سے بنا ہے تَعَالُوٌ مصدر ہے بمعنیٰ بلند ہونا - صیغہ واحد مذکر غائب عَنْ جار مَا ذاتِ زوالی کے لیے مَا موصولہ يَقُوْلُوْنَ - باب نَصَرَ کا مضارع معروف جمع مذکر هُمْ ضمیر مستتر

فاعل جس کا مرجع ہے کفارِ مکہ۔ عُلُوًّا مصدر موصوف کبیرًا صفت مشبہ مبالغہ ترجمہ ہے بہت بڑائی والا صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے تعالیٰ کا یَقُوْلُوْنَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے تعالیٰ کا وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا تُسَبِّحُ۔ باب تفعیل کا مضارع معروف صیغہ واحد مؤنث غائب مصدر ہے تسبیحٌ۔ بمعنی حمد و ثنا کہنی۔ لام جارہ مفعولیت کا۔ ہٗ۔ ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ۔ الف لام استغراقی۔ سَمٰوٰتُ جمع مؤنث سالم سَمَاءٌ کا یہ مؤنث لفظی ت تانیث مقدرہ ہے موصوف ہے الف لام تعیینی سَبْعُ اسم عددی ہے بمعنی سات صفت ہے۔ مرکب توصیفی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی اَرْضُ اسم مفرد مؤنث بمعنی زمین۔ واؤ عاطفہ مَنْ موصولہ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی هِنَّ۔ ضمیر جمع مؤنث غائب مجرور متصل متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا سب معطوف مل کر فاعل ہوا تُسَبِّحُ کا اور وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

واؤ ابتدائیہ۔ اِنْ نافیہ۔ مِنْ بیانیہ شَیْءٌ اسم مفرد جامد بمعنی چیز نکرہ عمومی ہے یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجودٌ کا۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل کیونکہ وجودِ شی ہی سے مستثنیٰ ہے۔ یُسَبِّحُ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع ہے شَیْءٌ بِ جارہ ملابست کی یا معیت کی۔ حَمْد حاصل مصدر ہے بمعنی اثنا۔ شکر۔ تعریف۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ ہے حَمْد کا۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے یُسَبِّحُ کا جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ۔ سب مل کر جملہ فعلیہ استثنائیہ ہو گیا۔ واؤ عاطفہ لغو۔ لٰکِنْ حرفِ استدراکیہ عطف کا۔ لَا تَفْقَهُوْنَ باب فَتَحَ کا مضارع منفی بلَا۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ فِقْہٌ سے بنا ہے۔ بمعنی مشاہدہ کرنا۔ غائب یا مجہول تک پہنچنا۔ سمجھنا۔ شعور ہونا۔ یہاں ہر معنی درست ہے۔ اَنْتُمْ اس کا فاعل تَسْبِیْحٌ مصدر ہے باب تفعیل کا مضاف ہے هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرجع ہے اَشْیَاءِ ذہنی۔ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ فعل فاعل متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یُسَبِّحُ کا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ہٗ اسم مرجع اللہ تعالیٰ۔ کَانَ فعل ناقصہ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم مرجع اللہ تعالیٰ۔ حَلِیْمًا۔ صفتِ مشبہ حِلْمٌ سے بنا ہے بمعنی وِقار اور بُردباری کرنا۔ ڈھیل دینا۔ نرمی کرنا اللہ تعالیٰ کی صفات اور اسماءِ الٰہیہ میں سے ہے بحالتِ نصب ہے غَفُوْرًا۔ صیغہ مبالغہ بمعنی اسم فاعل یعنی بخشنے والا۔ منصوب ہے۔ یہ دونوں خبریں ہیں کَانَ کی۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا

واؤ [illegible] اِذَا حرفِ شرط۔ قَرَاْتَ فعل ماضی صیغہ واحد مذکر حاضر۔ تَ ضمیر فاعل ہے مرجع۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم الْقُرْاٰنَ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی جَعَلْنَا۔ جمع متکلم ماضی جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی کر دینا

ڈالنا۔ رکھنا۔ بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے کَ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی معطوف علیہ بَیْنَ مضاف الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ مضارع منفی بلا باب افعال سے ہے اِیْمَانٌ مصدر سے بمعنی اسلام لانا۔ ماننا۔ تسلیم کرنا۔ بِ جارہ بمعنی علیٰ فوقانیہ اَلْاٰخِرَۃِ بمعنی قیامت۔ جار مجرور متعلق لَا یُؤْمِنُوْنَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مضاف الیہ ہے بَیْنَ کا پھر معطوف ہو کر سب عطف ظرف ہوا جَعَلْنَا کا۔ حِجَابًا اسم مفرد جامد جمع حُجُبٌ ہے موصوف ہے مَسْتُوْرًا۔ اسم مفعول ہے سَتْرٌ سے بنا ہے بروزن مرطوب بمعنی چھپنا۔ صفت ہے مرکب توصیفی مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوا۔ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ؕ وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۔ واؤ سر جملہ جَعَلْنَا فعل ماضی جمع متکلم اللہ تعالیٰ مخاطب جَعْلٌ متعدی بدو مفعول ہے۔ بمعنی ڈالنا۔ عَلٰی جارہ فوقیت کا۔ قُلُوْبِ جمع مکسر منصرف ہے واحد قَلْبٌ بمعنی دل۔ لغوی ترجمہ حرکت کرنا۔ پھر جانا۔ بدل جانا۔ اسی مناسبت سے دل کا نام رکھا گیا۔ مضاف ہے هِمْ ضمیر جمع مذکر غائب بمعنی اُن کفار کے دلوں پر۔ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا اَكِنَّةً۔ اسم جمع مکسر کثرت۔ واحد ہے كِنَانٌ۔ جامد ہے بمعنی غلاف۔ موصوف ہے یا ذوالحال ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ يَفْقَهُوْ۔ باب فتح کا مضارع مثبت معروف مگر معنوی منفی ہے۔ یعنی نہ سمجھیں۔ فِقْهٌ سے بنا ہے بمعنی حواس خمسہ سے کسی چیز کا مشاہدہ کرنا۔ هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع کفار مکہ۔ ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت یا حال ہوئی مرکب توصیفی یا ذوالحال مل کر مفعول بہ دوم ہوا جَعَلْنَا کا واؤ عاطفہ عطف ہے عَلٰی قُلُوْبِ پر۔ فِیْ جارہ اٰذَانِ جمع ہے اُذُنٌ کی جامد ہے بمعنی کان هِمْ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی معطوف ہے مجرور ہو کر عَلٰی پر اور وہ سب مل کر متعلق مفعولیت ہوا جَعَلْنَا کا مفعول اوّل کے درجے میں۔ وَقْرًا۔ اسم مفرد جامد بہت معنیٰ میں مشترک ہے۔ یہاں بمعنی ڈاٹ ہے۔ بحالت نصب ہے معطوف ہے اَكِنَّةً کا۔ واؤ سر جملہ۔ اِذَا حرف شرط ظرف زمانی۔ ذَكَرْتَ۔ باب نصر کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ اس کا فاعل رَبَّكَ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ذَكَرْتَ کا۔ یہ ذِكْرٌ سے بنا ہے بمعنی یاد کرنا۔ حمد و ثنا کرنا۔ آیاتِ حمد کی تلاوت کرنا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام تخصیصی اسمی۔ قرآن اسم ذاتی ہے آخری کتاب اللہ کا۔ جار مجرور متعلق ہے ذَكَرْتَ کا وَحْدَ۔ مصدر مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول مضاف الیہ اسم عددی ہے بمعنی ایک ہونا۔ اکیلا لاشریک ہونا۔ مرکب حال رَبَّ کا یا تمیز ہے ذَكَرْتَ کی۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ وَلَّوْا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر تَوَلِّیٌ اور تَوْلِیَۃٌ ہے بمعنی منہ پھیرنا۔ پیچھے مڑنا۔ نفرت کر جانا۔ پیٹھ دکھانا۔ وَلْیٌ یا وَلُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی لغوی

سامنے ہونا - علیٰ جارہ بمعنیٰ اِلیٰ - اَدْبار جمع ہے دُبر کی بمعنیٰ پیٹھ - ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرجع کفارِ مکہ
مضاف الیہ ہے اَدبار کا - مرکب اِضافی مجرور متعلق وَلّوۡا کا - نُفُوْراً بروزنِ فُعُول اسم مبالغہ اسم مفعول کے
معنیٰ میں ہے یا بروزنِ شہود اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے نَفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ - نفرت کرنا - بدکنا -
دور بھاگنا - بحالتِ نصب ہے نکرہ معرب متمکن ہے - حال ہے وَلَّوۡ کے فاعل کا - وَلَّوْا اپنے تمام
معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا -

تفسیر عالمانہ

سُبۡحٰنَہٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوۡلُوۡنَ عُلُوًّا کَبِیۡرًا ۔ تُسَبِّحُ لَہُ السَّمٰوٰتُ السَّبۡعُ وَالۡاَرۡضُ وَمَنۡ فِیۡہِنَّ وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمۡدِہٖ وَلٰکِنۡ لَّا تَفۡقَہُوۡنَ تَسۡبِیۡحَہُمۡ ۔ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیۡمًا غَفُوۡرًا ۔ کفار و مشرکین جو کچھ بھی اپنی مذہبی بدعقیدگی کی بنا پر اللہ کے متعلق بیہودہ باتیں
کہتے ہیں اللہ رب تعالیٰ اِن تمام چیزوں سے پاک منزّہ ہے اپنی ذات میں بھی پاک ہے اور اپنی صفات
میں بھی پاک بے عیب ہے جس طرح اُس کی ذات قدیم ہے اسی طرح اُس کی تمام صفات بھی قدیم ہیں -
کائناتِ عالمین کی عقل و شعور سے بھی بہت عُلُوًّ عالیٰ مرتبت خیال و گمان سے وَرَاءُ الْوَرا -
جہت و مکان سے سمتِ اربعہ سے کَبِیْرًا - بہت ہی بلندیوں والا ہے - نہ وہاں کمزوری ہے نہ محتاجی
نہ اُس کی ذات و صفات میں کبھی فنا نہ کمی بیشی کفّارِ اللہ تعالیٰ سُبْحَانَہٗ وَعَلیٰ کے بارے میں چار باتیں کہتے ہیں
ع۱ اللہ واحد معبود نہیں بہت سے دیوی دیوتا اور بُت مورتیں بھی معبود ہیں - ع۲ اللہ نے اپنی
بیٹیاں بنائی ہیں اللہ اُن کا والد ہے - ع۳ فلاں یا فلاں اللہ کا بیٹا ہے ع۴ اللہ خود تو قدیم ہے مگر
اُس کی صفات قدیم نہیں - اِس آیتِ کریمہ میں چار لفظوں سے ان چاروں کفریہ باتوں کا جواب دیا گیا -
ع۱ سُبْحٰنَہٗ - وہی اکیلا پوری کائنات کا معبود ہے اس لیے کہ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے جو ہر
عیب سے پاک ہو - اور یہ شان کسی کی بھی نہیں سوائے اللہ کے اس لیے وہی فقط معبود ہے - ع۲
تعالیٰ - ہر چیز کا مالک اور قابض ہے - لڑکیاں بیٹیاں اولاد وارث ہوتی ہے اور ان پر باپ کی ملکیت
نہیں ہو سکتی - نیز بیٹیاں جنی جاتی ہیں - پیدا نہیں کی جائیں - اولاد جننے میں والد اپنی بیوی کا محتاج ہے -
لیکن اللہ تمام مخلوق کا خالق ہے اور محتاجیوں سے تعالیٰ ہے یعنی مبرّا منزّہ اور پاک ہے ع۳ عُلُوًّا -
ہمیشہ غالب اور قوت والا ہے کبھی بوڑھا اور کمزور ہونے والا نہیں - والد کو اس لیے بیٹوں کی ضرورت
ہے کہ چند دن بعد اُس نے بوڑھا ہونا ہے اس کی تمام صفاتِ کمالیہ نے ختم ہونا ہے ع۴ کَبِیْرًا -
جس طرح اس کی ذات قدیم ہے اسی طرح تمام صفات خالقیت مالکیت رازقیت اور کلامِ الٰہی سب
اَزلی اَبدی اور قدیم ہے - یہی وجہ ہے کہ یُسَبِّحُ لَہٗ تمام آسمان ساتوں کے سات اور پوری زمین اور اُس کا

ذرّہ ذرّہ ڈھیلا ڈھیلا۔ اور جو بھی ذَوِی الْعُقُوْل مخلوق آسمانوں زمین میں ہے۔ فرشتے۔ جنات اور انسان مسلمان اپنی زبانِ قال اور الفاظ سے بھی اور اپنی بناوٹ شکل وصورت مضبوطی خوبصورتی کی زبانِ حال سے بھی اپنے خالق تعالیٰ کی ہر وقت تسبیح اور صنّاعی کے منہ بولتے گیت گاتے ہیں۔ کافر بھی اگرچہ مُنہ سے حمد وشکر وعبادت کی تسبیح نہ کہے مگر اس کا جسمانی وجود۔ عقل ودماغ قلب وقالب کی ہر ادا ہر طرح صنعتِ الٰہیہ کے اعترافی زبان اور مخفی الحان سے تسبیح بیان کر رہی ہے۔ کیونکہ بندے کی مفعولیت ہی کسی فاعلیت کا اقرار ہے۔ بندے کی ذات وصفات کی فنا۔ اپنے بنانے والے کی ذات وصفات کے بقا کا اعتراف ہے۔ اور۔ بس فقط یہی تین قسم کی مخلوق ہی جن کو تم ذوی العقول کہتے ہو سمجھتے ہو تسبیح نہیں پڑھتی بلکہ عالمین کی ہر ہر چیز ہی اُس ربّ کائنات خالقِ سمٰوات کی حمد بھری تسبیحیں پڑھتی ہے۔ جمادات ہوں یا حیوانات۔ لکڑی پتھر ہو۔ یا دھات نباتات۔ آگ پانی ہو یا ہوائیں فضائیں۔ ہرے درخت اُگے ہوئے ہوں یا لکڑی کے خشک ستون۔ سب اپنی اپنی لغت زبان و الفاظ میں بلند آواز سے اللہ کی تسبیح ہر وقت پڑھ رہی ہیں۔ اور لیکن اے انسانو تمہاری عقل فہم تمہارا علم ادراک دماغ ومزاج اتنا ناقص ہے کہ تم اپنی آنکھوں کانوں شعوروں کے باوجود ان کی تسبیح بولنے کو نہ سن سکتے ہو نہ دیکھ سکتے ہو اور اگر محض سن بھی لو تو معنیٰ مطلب کو سمجھ نہیں سکتے۔ یہ دروازوں کی چرچراہٹ چھتوں کڑیوں کی کڑکڑاہٹ ہواؤں کی کھڑکھڑاہٹ پانی کی سرسراہٹ۔ جڑی بوٹیوں گھاس پتوں کی پھڑپھڑاہٹ بادلوں کی گڑگڑاہٹ۔ پہاڑوں میں پتھروں چٹانوں کی دھڑدھڑاہٹ جنگل میں درندوں کا غرانا۔ چراگاہوں میں چرندوں کا ڈکرانا۔ فضاؤں میں پرندوں کا چہچہانا تالابوں جوہڑوں میں مینڈکوں کا ٹرانا۔ سب اُسی معبودِ حقیقی ربّ کائنات اللہ سُبحانہٗ وتعالیٰ کی تسبیح و حمد کے ترانے ہیں۔ اے عام لوگو تم اس کو نہ سنتے ہو نہ توجہ دیتے ہو نہ سن کر سمجھ سکتے ہو۔ تم تو اپنے انسانوں کی بولیاں نہیں سمجھ پاتے۔ اپنی مادری زبان کے علاوہ ایک ایک بولی لغت زبان۔ سیکھنے لکھنے پڑھنے بولنے میں کتنا وقت کتنی محنت کرنی پڑتی ہے۔ ساری زندگی صَرف کر ڈالنے سے بمشکل چند بولیاں سیکھی جاسکتی ہیں وہ بھی تب جب کہ ذہن اچھا اور شوق سچا ارادہ پکا ہو۔ ہاں البتہ اللہ کے خاص اور نیک بندے جن کو اللہ نے علم لدنی عطا فرمایا ہے وہ ہر مخلوق کی تسبیح وتہلیل حمد وثنا کے بولوں کو سن اور سمجھ لیتے ہیں۔ ان کو معلوم ہو جاتا ہے کہ درخت کا ہر پتہ پتہ۔ پکے ہوئے کھانے کا ہر ٹکڑا۔ بہتے پانی کی ہر لہر مٹی کا ہر ڈھیلا جانوروں کی ہر بولی۔ تسبیح رب تعالیٰ اور حمدِ الٰہی ہے۔ وہ تو خشک ستونِ حنانہ کی عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں رونے سسکیاں بھرنے کو بھی سن لیتے ہیں۔ چڑیوں کی چوں چناہٹ اونٹوں ہرنوں کی فریادیں

لغتِ عربی میں تو نہ تھیں ان کی اپنی بولی میں تھیں مگر جاننے سمجھنے والوں نے جان لیں۔ ان خاص اہل ایمان لوگوں کو علم ہے کہ جب پتہ درخت سے گر جائے شاخ اور گھاس خشک ہو جائے پانی بہنے سے بند ہو جائے ٹھیر جائے۔ مٹی کا ڈھیلا گیلا ہو جائے پرندوں کا چہچہانا رک جائے پرندے ڈکرانا چھوڑ دیں نیا کپڑا نیا لباس تسبیح بولتا ہے جب تک میلا نہ ہو۔ کنکر پتھر جب اپنی جگہ سے اٹھا لیا جائے تو ان کی تسبیح خوانی اُس وقت ختم ہو جاتی ہے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تو مکّے پاک کی ایک پہاڑی پتھر کے اس صلوٰۃ وسلام کو بھی سمجھ و سُن لیتے ہیں جو آتے جاتے اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کو کیا کرتا تھا۔ یہ کفار اگر اللہ کی تسبیح و تہلیل حمد و شکر سے دور کفریات ولغویات سے قریب ہونے کے باوجود اللہ کے رزق زندگی تندرستی دینوی جاہ و مرتبہ پا رہے ہیں اور کائنات عالم کی اس زبانِ حال کی تسبیح خوانی پر توجّہ نہیں دیتے تو یہ اُن کو ایک عارضی ڈھیل ہے اس لیے کہ بیشک وہ ربّ عالمین حلیم ہے مہلت دینے والا ہے اور جو خوش نصیب بندہ اِس حلم اور مہلت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے سچی توبہ کے دروازے پر آجائے تو ربّ کائنات اسّی سالہ کفریات کو بھی بخشنے والا ہے۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۔ اے نبیِ مکرّم یہ سُفہاءِ کفّار ہماری بِن دیکھی ذات وصفات کی حقیقتِ باطنی کو کس طرح مانیں گے جب کہ تم جیسے محبوب نبی اور ہمارے قرآن جیسے معجزہ کلام کو دیکھتے ہوئے نہیں مانتے بلکہ سننا سمجھنا گوارہ نہیں کرتے کبھی مذاق اڑاتے ہیں کبھی تالیاں بجاتے ہیں کبھی شور مچاتے ہیں۔ اور کبھی سخت ضد میں آکر قرآن خوانی کے وقت آپ کو اور سننے والے صحابہ کرام کو ایذائیں دینے کی کوشش کرتے ہیں سا اسی لیے بہت دفعہ جب کبھی آپ نے قرآنِ مجید پڑھا تو ہم نے آپ کے درمیان اور اُن کفار کے درمیان اور مشرکین کے درمیان جو خبیث آخرت پر ایمان نہیں لاتے ایسا پردہ قائم فرما دیا جو خود بھی انکی نظروں آنکھوں۔ بصیرتوں سے چھپا ہوتا ہے اور آپ کو بھی چھپانے والا ہے یا اس طرح کہ آپ کا جسم مبارک ہی اس شان کا لطیف ہو گیا کہ ان کی نظرِ کثافت آپ کو دیکھ نہ سکی اور آپ کی لطافتِ جسمانی کو ہی فروغ دے کر پردہ بنا دیا۔ یا اس طرح کہ اپنے نورانی قدرت کا پردہ کھڑا کر دیا۔ اور یا اس طرح کہ کسی فرشتے کو درمیان میں مقرر کر دیا جو اُن کی باطنی بینائی کو بند کر دے کہ دنیا کی ظاہری نگاہ تو قائم رہے مگر جسم مصطفےٰ دیکھنے والی بینائی معدوم ہو جائے۔ تینوں قول درست ہیں۔ اور یہی نہیں بلکہ کبھی کبھی ان کافروں کے دلوں کو بھی ظلمات کے ایسے پردوں میں ہم نے لپیٹ دیا کہ وہ باوجود عربی اہل زبان ہونے کے باطنی معانی

معارف تو درکنار ظاہری قرآنی الفاظ کا بھی مطلب نہیں سمجھ سکتے۔ اور پھر کبھی بعض موقعوں پر ایسا بھی ہوا کہ ان کے کانوں میں ہم نے انتہائی سخت قسم کی اپنی قدرت کی ڈاٹ ٹھونکوی کہ وہ آپ کو ظاہر دیکھتے ہوئے بھی آپ کی قرآن خوانی اور بلند آواز کی تلاوت کو نہیں سن سکتے یہاں تک کہ نضر بن کنانہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج کی محفل میں نبی کریم کے صرف ہونٹ ہلتے تو دیکھے میرے کان کچھ سن نہیں سکے اس پر دیگر کفار نے بھی ایسا ہی کچھ کہا (تفسیر کبیر) قرآن مجید میں پردے کے لیے چھ الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔

۱۔ اَکِنَّۃٌ ۲۔ حِجَابٌ ۳۔ غِشَاوَۃٌ ۴۔ مَسْتُوْرٌ ۵۔ غُلُفٌ ۶۔ غِطَاءٌ۔

ان سب میں فرق یہ ہے۔ اَکِنَّۃٌ وہ پردہ ہے جو تہہ در تہہ کسی چیز کے آس پاس لپیٹ دیا جائے تاکہ اُس چیز میں کوئی چیز نہ جا سکے۔ حجاب وہ پردہ ہے جو کسی کے سامنے اس طرح پھیلا دیا جائے کسی شخص پر اس طرح ڈال دیا جائے کہ وہ شخص تو سب کو دیکھے مگر اس کو کوئی نہ دیکھے۔ جس کو اردو میں چلمن کہتے ہیں۔ غِشَاوَۃٌ وہ پردہ ہے جو اُس پر ڈالا جائے۔ جس کو نہ دکھانا اور نابینا کرنا مقصود ہو۔ مَسْتُوْرٌ۔ وہ پردہ ہے جو نظر نہ آئے۔ غُلُفٌ۔ وہ پردہ ہے جو کسی قیمتی اور محترم چیز پر ڈالا جائے تاکہ اس پر کسی خراب اور ناپسندیدہ چیز کا اثر اور غبار نہ پڑے۔ غِطَاءٌ۔ وہ پردہ ہے جو ایسا مضبوط اور موٹا ہو کہ دو طرفہ کسی کو کچھ نظر نہ آئے جن کے درمیان ہو وہ کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھ سکے۔ قرآن مجید میں مختلف بیانات و مضامین ہیں جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مجالس پاک میں مختلف وقتوں میں بیان فرماتے ان محفلوں میں کفار بھی بیٹھتے تھے بلکہ ان کو بلایا جاتا تھا۔ وہ کفار کبھی کچھ آیات سن کر پریشان ہو جاتے کبھی قرآنی فصاحت بلاغت سے حیران ہو جاتے اور کبھی پیارے نبی آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم قرآنی آیات میں اپنے معبود کریم جَلَّ مَجْدُہٗ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی کی توحید بہت جھوم جھوم کر تلاوت فرماتے اس وقت آپ پر اور تمام صحابہ کرام پر عجیب پُر کیف وجدانی کیفیت طاری ہوتی اس وقت جو کفار کا حال ہوتا یہاں اگلی آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ اے پیارے محبوبِ ازلی ابدی جب تم اپنے رب کریم کا قرآنی آیات کی تلاوت میں ذکر کرتے ہو کہ وہ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے اس کے سوا کوئی عبادت و سجدوں کے لائق نہیں بس اُس کی پوجا پرستش کی جائے وہی خالق مالک رازق ہے۔ تو یہ کفار کچھ دیر تو سنتے اور کُڑھتے رہتے ہیں کہ ہمارے بتوں کا ذکر کیوں نہیں کرتے۔ پھر نفرت کرتے بُڑ بُڑاتے پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ ہر چیز ہر وقت حالتی اپنی زبان اور بولی سے اللہ کی تسبیح پڑھتی ہے۔ اور اصل تسبیح زبانِ قال کی ہے۔ سوائے کافر جن اور انسانوں کے۔ جانوروں میں گدھا اور کتا تسبیح نہیں پڑھتا (از تفسیر فتح القدیر صـ۲۳۲) بعض نے کہا کہ گرگٹ کبھی تسبیح نہیں پڑھتا غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ گدھا شیطان کو دیکھ کر بولتا ہے اُس کے علاوہ بالکل کسی وقت نہیں بولتا اور کُتّے کی خِلقت میں شیطان ابلیس کا تھوک شامل ہے اور گرگٹ دشمنِ انبیاءِ کرام ہے اسی لیے اس کے مارنے کا حکم ہے۔ یہ فائدہ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ (الخ) فرمانے اور مِنْ تبعیضیہ سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ ۔ عام انسان تو جمادات حیوانات نباتات کی بولیاں نہیں سمجھتے مگر حیوانات جمادات نباتات انسان کی بولیاں سمجھتے ہیں۔ زمین ہمارے اعمال کو جانتی ہے بہت سے جانور قیامت میں ہمارے خلاف گواہی دیں گے۔ فاروق اعظم کے حکم پر زمین نے بڑھیا کا تیل نکال دیا۔ دریا نیل جاری ہوگیا۔ یہ فائدہ لَا تَفْقَهُوْنَ ۔ جمع مذکر حاضر فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی صرف تمہارے انسانوں کے سمجھنے کی نفی ہے۔

تیسرا فائدہ ۔ تمام وظائف میں درود شریف کی طرح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ پڑھنا سب سے زیادہ اعلیٰ وظیفہ ہے یہ فائدہ سُبْحٰنَهٗ تُسَبِّحُ لَهٗ اور اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔ روایت میں ہے کہ تمام حیوانات جمادات نباتات کا ذکرُ اللہ یہی تسبیح ہے۔ اسی ہی کے وِرد سے اِن کو رزق ملتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ اُسی جانور کو شکاری شکار کرتے ہیں جو اپنی یہ تسبیح بھول جائے اور ترک کردے خواہ مچھلیاں ہوں یا ہوائی پرندے یا جنگلی جانور۔

(از تفسیر کبیر ۔ خازن مدارک مظہری)

چوتھا فائدہ ۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سات کا عدد بہت پیارا اور متبرک ہے۔ اسی لیے سات آسمان زمینیں سات ستارے سات سمندر ۔ سعی اور طواف کے چکر سات جمروں کی رمی میں سات کنکر ۔ تلاوتِ قرآنِ مجید کی منزلیں سات ۔ قرأتیں سات جنت اور جہنم کے دروازے سات۔ جنت کے دربان سات اور سات ہی جہنم کے چوکیدار انسان کے چہرے آنکھ و کان کے سوراخ سات سجدے کے اعضا سات ۔ جنت اور جہنم کے نام سات اور ان دونوں کے طبقے سات اصحاب کہف سات ۔ جیل یوسفی کی مدت سات سال ایوب علیہ السلام کی بیماری کی سات سال حضرت عائشہ کا نکاح بعمر سات سال ۔ شہید کی قسمیں سات ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں سات چیزوں کی قسم فرمائی۔

(واللہ اعلم بالصواب)

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کسی جانور کے چہرے اور منہ پر لکڑی یا ڈنڈا وغیرہ مارنا جائز نہیں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہی فرمان ہے (از تفسیر مظہری حاشیہ) امام اعظم کا یہی مسلک ہے اس لیے کہ ہر جانور اپنے منہ سے رب تعالیٰ کی تسبیح پڑھتا ہے یہ مسئلہ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ جب بھی رب تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو اُس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر و تذکرہ ضرور کرنا چاہیئے۔ ضروری اور لازم ہے۔ دیکھو رب تعالیٰ نے یہاں اِن آیت میں پہلے اپنا ذکر فرمایا۔ سُبْحٰنَهٗ سے۔ حَلِيْمًا غَفُوْرًا تک پھر ساتھ ہی اپنے پیارے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا۔ وَاِذَا قَرَاْتَ سے رَجُلًا مَّسْحُوْرًا یہ مسئلہ آیت کی اس ترتیب سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان کو تقویٰ اختیار کرنا فرض ہے خاص کر علما واعظین اور مفسرین حضرات کے لیے اس لیے کہ تقوے اور پاکیزگی کے بغیر قرآن مجید سمجھ نہیں آتا۔ یہ مسئلہ وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کفار دنیا کی ہر چیز سمجھتے سنتے دیکھتے تھے مگر قرآن کریم نہیں سمجھ پاتے تھے اس لیے کہ کفر شرک اور گناہوں کی ٹاٹیں اور پردے پڑ گئے تھے اے میرے کریم رحیم مولیٰ مجھ کو بھی کامل و اکمل متقی بنا دے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اللہ کے ذکر کے ساتھ کسی اور کا ذکر کرنا غلط ہے۔ اور اسی طرح کی خواہش کرنا طریقہِ کفار ہے۔ دیکھو یہاں فرمایا گیا کہ جب نبی اللہ فقط اللہ کا ذکر کرتے ہیں تو کافر لوگ پیٹھ پھیر کر بھاگ جاتے ہیں کیونکہ اُن کی خواہش ہوتی ہے کہ اُن کے بتوں کا دیوی دیوتا کا بھی ذکر کیا جائے۔ یہی تفسیر لفظِ وَحْدَهٗ کی ہے۔ لہٰذا سُنی لوگوں کا ہر وعظ و تقریر میں اللہ کے ذکر کے ساتھ نبیوں ولیوں کا ذکر لے بیٹھنا سخت گناہ ہے اسی طرح عوام سُنیوں کی یہ خواہش بھی گناہ ہے۔ صرف اللہ کا ذکر کرنا چاہیئے اس کے ساتھ کسی نبی ولی پیر فقیر کا ذکر جائز نہیں (وہابی دیوبندی)

جواب۔ کفار کی خواہش بتوں اور اپنے جھوٹے معبودوں کے ذکر کی اور توحید کی مخالفت کی تھی۔ جس کا یہاں تردیدی ذکر ہے۔ لیکن اہلسنت علما اور عوام اُس ذکر کی خواہش اور وعظ کرتے ہیں۔ جن کا ذکر رب تعالیٰ نے بہت ہی محبت سے قرآن مجید میں کئی جگہ فرمایا۔ بلکہ اذان تکبیر کلمہ طیب کلمہ شہادت۔ التحیات میں اپنے نام کے ساتھ رکھا۔ قرآن مجید میں آصف بن برخیا کا ذکر سلیمان علیہ السلام کی سلطنتِ عظیم اور تخت سلیمانی اور ہواؤں کا تابع فرمان ہونے کا ذکر کیا بتا رہا ہے؟ یہی کہ اللہ سُبْحٰنَهٗ و تعالیٰ

کو اپنے ذکر کے ساتھ ان محبوبوں کا ذکر پیارا ہے۔ لہٰذا اہلسنت کی خواہش تو عین اللہ کی خواہش کے مطابق ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا عُلُوًّا كَبِيرًا۔ عُلُوًّا۔ کے معنیٰ بھی بڑا اور کبیر کے معنیٰ بھی بڑا تو پھر دو لفظ بلاوجہ کیوں استعمال کیے گئے؟

جواب۔ اس لیے کہ بعض کفار اللہ کی ذات میں شرک کرتے ہیں اور بعض کفار صفات میں۔ اور بعض کفار دونوں میں سب کی تردید فرمانے کے لیے دو لفظ استعمال کیے گئے عُلُوًّا سے ذات کی بلندی اور بڑائی۔ کبیرًا سے صفات کی بڑائی مراد ہے (تفسیر کبیر) لہٰذا بلاوجہ نہیں بعض نے کہا کہ عُلُوًّا سے ظاہر بلندی اور بے عیب ہونا مراد ہے اور کَبِيرًا سے باطنی کبریائی مراد ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو بھی زمین میں ہیں وہ سب اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں حالانکہ کفار تسبیح نہیں پڑھتے۔ اور اگر جوابًا کہا جائے کہ یہاں مجازی تسبیح مراد ہے تو پھر لَا تَفْقَهُونَ۔ والی بات غلط ہو جاتی ہے۔ کیونکہ زبانِ حال والی تسبیح تو سب سمجھتے ہیں اور اگر کہا جائے دونوں تسبیحیں مراد ہیں تو یہ ایک لفظ تسبیح سے دونوں مختلف معنیٰ کس طرح مراد لیے جا سکتے ہیں۔

جواب۔ ہم نے تفسیر عالمانہ میں اس کا مکمل وضاحت سے جوابًا حل پیش کر دیا ہے۔ تسبیح کا معنیٰ ہے کہ ہر چیز اپنی شان کے لائق تسبیح کرتی ہے کوئی قال سے کوئی حال سے کوئی زبان سے کوئی جان سے کوئی عمل سے۔ اور خواص ہر تسبیح کو سمجھتے ہیں عوام مومن صرف حال کی زبان کو سمجھتے ہیں اور کفار کسی تسبیح کو نہیں سمجھتے۔ نہ قال کی نہ حال کی کیونکہ ان پر ظاہری باطنی پردے پڑے ہیں

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا حِجَابًا مَّسْتُورًا۔ یہ مناسب نہیں لگتا چاہیے تھا کہ کہا جاتا حجابًا ساترًا

جواب۔ مستورًا ہی نہایت مناسب ہے تین وجہ سے ۱ ساتر اُسے کہتے ہیں خود ظاہر ہو کر دوسرے کو چھپا لے مگر مستورًا وہ ہے جو خود بھی پوشیدہ ہو اور دوسرے کو بھی چھپا دے اور یہ حجاب دنیا کے آنکھوں سے واقعی پوشیدہ ہیں ۲ مستور بروزنِ مرطوب ہے یعنی ذُوستر۔ اور اس میں ساتر کے معنیٰ بھی آ گئے ۳ یہ مستور بمعنیٰ ساتر ہے اور عربی میں کئی دفعہ مفعول بمعنیٰ فاعل ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا۔ تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا پاک ہے وہ ربِ جلیل اُن تمام بدگمانیوں سے جو کفار و منکرین غافلین اور اہلِ شقاوت اپنے وہم و گمان خیالات و تصورات سے کرتے ہیں اور بلند و بالا ہے وہ معبودِ خلیل اُن تمام

تصدیقات وصفات سے جو محبوبین مومنین طالبین عاشقین ذکر و فکر۔ شکر و صبر۔ فہم و نظر سے زیادہ مناجات دعاؤں التجاؤں میں زبانِ صدق سے عرض فرماتے ہیں اُن تمام سے جو بھی کہتے ہیں۔ ازل سے عُلُوًّا ہے ابد تک کبیرًا ہے۔ بلندیٔ قرب کے لطائف روحانیت کے ساتوں آسمان اُسی کی دیمومیتِ کمالِ علوّ اور تاثیر و ایجاد کی تسبیحیں پڑھتے ہیں اور زمینِ عبدیت علاوہ جسمیت اُسی کی ربوبیت دوام و ثباتِ خلاقیت رزاقیت کی تسبیحیں پڑھتی ہے اور جو کچھ بھی عالم لاہوت و ناسوت میں ہے اُسی کی تربیتِ قدیمی شفقتِ رحیمی قبولیتِ عبادات اور ثواب طاعات کے گیت الاپتے ہیں لیکن اے انسانو تم ہزارہا فصاحت و بلاغت علم و عقل کے باوجود اہلِ درد کی عابدینِ سحر کی تسبیحوں کو نہیں سمجھ سکتے بیشک وہ واجب الوجود اپنے علم و قدرت میں بندے کی لاعلمی بے فکری نارغبتی پر حلم فرمانے والا ہے اور اقرارِ لغزش تسلیم ترکِ تسبیح کرنے والے تائبین کی مغفرت و بخشش فرمانے والا ہے۔ اے توبہ کر کے بخشش اور مغفرت کو چاہنے والے آ اور صدق دل سے آستانۂ معبود و مطلوب پر دامن طلب پھیلا دے اے بندے اہلِ دنیا کے باغات و مکانات پر نگاہ مت ڈال۔ کائنات کے تسبیح پڑھنے والوں کے ٹھکانوں پر پہنچنے اور سمجھنے کی فکر کر۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَكَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ وَّجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ یَّفْقَهُوْهُ وَفِیْۤ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤی اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۔ اور اے محبوب جب تم اپنے قلب مزکی کی گہرائیوں اور عشقِ الٰہی کی پہنائیوں سے تلاوتِ قرآن فرماتے ہو تو تمہارے درمیان اور تا قیامت اہل نفس و ہوا کے درمیان برزخِ کبریٰ کے مخفی حجابات ہم نے قائم فرما دیئے وہ اہلِ شقاوت جو تمنائے وصل کے آخری صبح دھور پر یقین استقامت نہیں رکھتے اس لیے کہ قوتِ روحانیت کے ادراک اور فہم میں اُن کی نظریں تمام اور کمزور ہیں اور اسرارِ جسمانیات پر اُن کی ہمتیں انتہائی پست ہیں اُن پر جہالت کے پردے اندھاپے و نابینائی کور چشمی کے حجاب ظلمات پڑے ہیں۔ اور اُن کے دلوں کو موٹے اندھیروں کا غلاف ہم نے لپیٹ دیا اور اُن کے باطنی کانوں کو فنا کی مہر لگا دی تاکہ بدنی کثافتوں میں لتھڑے رہیں اور قاریٔ یزدانی کی آوازِ عرشی کو نہ سمجھ سکیں اور اے لسانِ عرشِ لامکانی جب بھی تو نے مشاہداتِ قرآن میں توحیدِ الٰہی کا تذکرہ فرمایا تو سب نفوسِ شیطانیہ شقاوتِ ازلیہ کی طبیعتِ نافرہ سے دور ہٹ گئے اور قلبِ غیبی کی صراطِ اسرار سے پیٹھ پھیر گئے۔ تلاوتِ قرآن مجید کے چار مدارجِ روحانی ہیں۔

۱ پرہیزگار کی تلاوت ۲ صالحین کی تلاوت ۳ صدیقین کی تلاوت ۴ نبیّیں کی تلاوت۔

عیدِ مومن ذکرِ الٰہی ہے اور ذکرِ الٰہی کے لیے زبانِ مصطفیٰ ہے۔ یہی عید سب سے بڑا تحفۂ ابدیہ ہے۔

عید عجیب چیز ہے۔ عید کے دن چھ کام ہوئے جنت بنائی بیت مجتبیٰ جنت میں بنایا گیا عید کے دن ہی اس جنتی عید گھر میں درخت طوبیٰ لگایا گیا۔ سدرۃ المنتہیٰ عید کے دن پیدا کیا گیا۔ زمین پر پہلی بار مدینہ منورہ میں مقام روضہ کی زیارت کرنے جبریل عید کے دن آئے۔ حضرت آدم علیہ السلام پر پہلی وحی عید کے دن نازل ہوئی۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ

ہم سب کچھ جاننے والے ہیں اُس کو کہ کیوں سُن رہے ہیں وہ اس کو جب کہ

ہم خوب جانتے ہیں جس لیے وہ سنتے ہیں جب

يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ

کان لگاتے ہیں طرف آپ کی اور جب وہ سب خفیہ مشورے کرتے ہیں جب کہ ظاہر

تمہاری طرف کان لگاتے ہیں اور جب آپس میں مشورہ کرتے ہیں جب کہ ظالم

الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۴۷﴾

ظالم کہتے ہیں منافقوں کو کہ نہیں اتباع کی تم نے مگر اُس مرد کی طرف جو جادو کیا گیا ہوا ہے

کہتے ہیں تم پیچھے نہیں چلے مگر ایک ایسے مرد کے جس پر جادو ہوا

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا

دیکھ لو اے محبوب کیسے بنائے انہوں نے لیے آپ کے بھونڈے لفظ تو یہ سب گمراہ ہوگئے تو قیامت میں نہ

دیکھو انہوں نے تمہیں کیسی تشبیہیں دیں تو گمراہ ہوئے کہ راہ

يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۴۸﴾ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا

پائیں گے یہ ایمان کا راستہ اور بولے کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں

نہیں پا سکتے اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں

وَرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ﴿۴۹﴾

اور چورا کیا ہوا ہم	یقینا البتہ	اٹھائے ہوئے ہوں گے	نئی پیدائش	میں
اور ریزہ ریزہ	ہو جائیں گے کیا	سچ مچ	نئے	بن کر اُٹھیں گے

تعلق ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافروں کے نہ سمجھے نہ سننے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیت میں رب تعالیٰ کے ہر بات ہر ایک بات سننے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ان پر ایسے پردے ہیں جو ان کو نظر نہیں آتے۔ اب ان آیت میں اُس کے ایک دنیوی زندگی کے نقصان کا ذکر ہو رہا ہے کہ راستہ نہیں پاتے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں مخلوقِ الٰہیہ کی خفیہ تسبیح و عبادت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں کفار کی خفیہ سازشی گناہوں اور کفریات کا ذکر ہو رہا ہے۔

شانِ نزول۔ مشرکین مکہ نے نبی کریم اور صحابہ کو بہت ایذائیں دیں یہاں تک کہ فاروق اعظم جیسے غصہ والے صحابہ برداشت نہ کر سکے اور نبی پاک سے اجازت مانگنے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے کہ یا رسول اللہ ہم کو اجازت دو تاکہ ہم ان کفار کو ذرا مزہ چکھا دیں۔ تب یہ چھ آیات نازل ہوئیں از آیت ۴۸ تا ۵۳ اور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی صبر کرو ان جیسی بدکلامی بھی نہ کرو۔ ابھی وقت نہیں آیا ایک قول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی شیر خدا سے فرمایا کہ دعوت منعقد کرو اور مکے کے تمام سردارانِ قریش کو دعوت میں بلاؤ۔ چنانچہ علی مرتضیٰ نے دعوت کی اور جب سب سرداران کفر آ گئے تو آپ نے محفل کا آغاز تلاوتِ قرآن کریم سے فرمائی۔ کفار پہلے تو سنتے رہے پھر سرگوشیں کرنے لگے اور مذاق و دل لگی کرنے لگے۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں (تفسیر کبیر) بعض نے کہا کہ عتبہ کافر نے کفار کی دعوت کی تھی اور حضور نبی کریم خود وہاں پہنچ کر قرآن مجید سنانے لگ گئے تھے۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ مگر یہ صحیح نہیں۔

تفسیر نحوی نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖٓ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰٓى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ نَحْنُ۔ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل۔ مبتدا ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل واحد مذکر۔ بِ جارہ تعدیہ کی۔ مَا موصولہ۔ يَسْتَمِعُوْنَ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ مستتر فاعل ہے۔ بِ جارہ بمعنیٰ مِنْ جارہ۔ ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع مَا موصولہ۔ اِذْ اسم ظرفیہ

زمانیہ۔ یَسْتَمِعُوْنَ مضارع مثبت مصدر ہے اِسْتِمَاعٌ۔ سَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی سننا۔ کان لگا کر سننا۔ غور سے سننا۔ اِلَیْ انتہائیہ لکَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ جار مجرور متعلق ہے یَسْتَمِعُوْنَ کا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اِذْ ظرفیہ ھُمْ ضمیر مبتدا نَجْوٰی اسم حاصل مصدر۔ بمعنی اسم فاعل یعنی خفیہ آہستہ باتیں کرنے والا۔ اسم جنسی ہے اس لیے جمع کیلئے ہے اسی سے مناجات یعنی آہستہ آہستہ دعا مانگنا اسی سے ہے نجات۔ یعنی خاموشی سے کسی جگہ سے یا کسی بندے سے دور ہو جانا بچ جانا۔ یہاں مراد ہے سرگوشی کرنا۔ بحالتِ رفع ہے تقدیری اعراب ہے کیونکہ اسم مقصورہ ہے۔ خبر ہے ھُمْ ضمیر کی۔ مبتدا خبر مل کر ذوالحال ہوا یا موصوف یا عطف بیان سے معطوف علیہ۔ اِذْ ظرفیہ زمانیہ۔ یَقُوْلُ۔ فعل مضارع۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ الف لام اسمی ظّٰلِمُوْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے یَقُوْلُ کا۔ بقاعدۂ نحوی فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد کا صیغہ ہوتا ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنْ حرفِ نافیہ تَتَّبِعُوْنَ۔ باب افتعال کا مضارع حال جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے اِتِّبَاعٌ۔ بمعنی پیروی کرنا۔ نقشِ قدم پر چلنا۔ اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر فاعل۔ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اس کا مفعول بہ مستثنیٰ کے قرینے سے پوشیدہ ہے دراصل اِنْ تَتَّبِعُوْنَ رَجُلًا ہے یہ پوشیدہ مفعول بہ مستثنیٰ منہ ہے۔ اِلَّا حرف استثنا متصل مفرغ رَجُلًا اسم مفرد جامد۔ بمعنی مرد۔ لغوی ترجمہ ہے قوت والا پاؤں والا پیدل چلنے والا۔ اسی مناسبت سے انسانی مذکر کو رَجُلًا کہا جاتا ہے اس کی جمع مکسر ہے رِجَالًا۔ موصوف ہے مَسْحُوْرًا۔ اسم مفعول واحد مذکر۔ بابِ نَصَرَ۔ سِحْرٌ سے بنا ہے بمعنی جادو کرنا۔ ویران کرنا۔ عاشق بنانا۔ صبح کرنا۔ کھانا خراب ہونا۔ بھوک پیاس لگنا۔ اسی لیے بھوکے کو مَسْحُوْرًا اور صبح کو سحر اور آخری رات کے کھانے کو سحری کہا جاتا ہے یہاں بمعنی جادو کرنا وہی معنی اصل ہیں۔ ترجمہ ہے جادو کیا ہوا نکرہ ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ صفت ہے رَجُلًا کی۔ مرکب توصیفی مستثنا ہوا۔ مستثنیٰ منہ اس سے مل کر مفعول بہ ہوا۔ تَتَّبِعُوْنَ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا۔ وہ سب مل کر معطوف ہوا بیانیہ یا حال یا صفت۔ وہ معطوف ہوا اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ۔ کا معطوف علیہ معطوف مل کر ظرف ہوا پہلے فعل یَسْتَمِعُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق اَعْلَمُ کا پھر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ اُنْظُرْ کَیْفَ ضَرَبُوْا لَکَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا۔ اُنْظُرْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم۔ نَظَرٌ سے بنا ہے۔ بمعنی آنکھ سے دیکھنا غور کرنا۔ خیال کرنا۔ یہاں خیال کرنا مراد ہے۔ کَیْفَ۔ اسم مبنی غیر متمکن۔ مُبْہَمٌ۔ ہمیشہ ظرف مجازی ہوتا ہے۔ کبھی شرطیہ ہوتا ہے کبھی سوالیہ یہ سوالیہ ہے سوالِ تعجب کے لیے قائم مقام مفعول مطلق۔ ظرفِ مقدم

ہے ضَرَبُوا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ضَرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بیان کرنا۔ لگانا۔ مارنا یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں ھُم ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع کفارِ مکہ۔ لام جارہ نسبت کا کَ ضمیر مبنی ہے مرجع نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ متعلق ہے ضَرَبُوا کا۔ الف لام عہدی اَمْثَال جمع مکسر ہے مَثَل اسم تشبیہی ہے یہاں اِلزامات اور اتہامات کو مَثَل کہا گیا مجازاً حقیقتِ لغویات بیان کرنے کے لیے کہ کفار کی تمام لغویات صرف مَثَل ہی ہے حقیقت کچھ نہیں بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے ضَرَبُوا کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہوا اُنْظُرْ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ فَ تعقیبیہ یا تحسینیہ یا زائدہ ضَلُّوا۔ باب نَصَرَ کا۔ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ھُم ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ۔ گمراہ ہونا۔ حیران کھڑا ہونا وارفتہ ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ فَ حرفِ عطف برائے تعقیب اور واؤ حالیہ کے معنیٰ میں ہے۔ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ۔ باب استفعال کا مضارع معروف منفی ھُم مستتر فاعل ہے مرجع کفارِ مکہ مصدر ہے اِسْتِطْیَاعٌ۔ یا اِسْتِطَاعَۃٌ طَوْعٌ یا طَیْعٌ۔ سے بنا ہے بمعنیٰ۔ طاقت رکھنا۔ قوّت پانا۔ پسند سے کوئی کام کرنا۔ توفیق پانا چار قوتوں کے مجموعے کا نام استطاعت ہے۔

ع۱ قوّتِ فاعلی یعنی کرنے والے کی قوّت ع۲ قوّتِ مفعولی۔ کہ جس کو بنانا یا کرنا چاہتا ہے اس کی صنعت و تصوّر حاصل ہو ع۳ قوّتِ مادّی۔ یعنی جس خام مال سے بنانا چاہتا ہے وہ حاصل ہو۔ مثلاً اینٹ مٹی ریت سیمنٹ وغیرہ (مٹیریل (MATERIAL)) ع۴ قوّتِ سببی یعنی آلات جن کے ذریعے کام کیا جائے۔ جیسے کاتب کے لیے قلم۔ سَبِیْلًا۔ اسم مفرد جامد ہے یا مصدر ہے بروزنِ تکمیل یا صفتِ مشبہ ہے بروزنِ حریم۔ اس کی جمع ہے سُبُلٌ۔ اسم جنسی ہے لفظاً مذکر مگر مؤنث کے لیے بھی مستعمل ہے بمعنیٰ بڑا راستہ۔ بحالتِ نصب ہے نکرہ معرب ہے۔ مفعول بہ ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر تحقیقی حال ہوا۔ ضَلُّوْا کے فاعل کا۔ استطاعتِ سبیل میں قوّت فاعلی بندہ ہے قوّتِ مفعولی اسلام ہے قوّتِ مادّی شریعت ہے۔ قوّتِ سببی اصولِ شریعت یعنی قرآن مجید حدیث پاک اور فقہ اور قیاس ہے۔

وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا واؤ سرِ جملہ۔ قَالُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ھُم ضمیر فاعل مرجع کفار ہے۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ءَ ہمزہ استفہام انکاری کے لیے ہے اِذَا ظرفیہ بھی ہو سکتا ہے شرطیہ بھی۔ مگر ہماری یہاں ترکیب میں اِذَا شرطیہ ہے كُنَّا فعل ماضی مطلق ناقصہ صیغہ جمع متکلم۔ مثبت ہے۔ نَحْنُ ضمیر متکلم مستتر اسم ہے۔ عِظَامًا۔ اسم حاصل مصدر جامد ہے یا مصدر ہے بمعنیٰ ہڈی ہونا۔ ہڈی رہ جانا۔ یا اسم جمع مکسر بروزنِ رِجَالٌ۔ بمعنیٰ ہڈیاں۔ عَظْمٌ سے بنا ہے لغوی

ترجمہ ہے مضبوط ہونا۔ سخت ہونا عَظْم۔ اَعْظَم۔ تعظیم۔ معظم سب اِسی کے مشتقات ہیں۔ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ رُفَاتًا۔ اسم مفرد صیغہ مبالغہ ہے بروزنِ رُکَابٌ مُرَادٌ۔ لُعَابٌ وغیرہ۔ رَفَتٌ سے بنا ہے لازم ہے۔ بمعنی ریزہ ریزہ ہونا پرانا ہوکر۔ معطوف ہے۔ دونوں مل کر خبر ہے کُنَّا کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہوکر شرط ہوئی اَ ہمزہ سوال انکاری جزائیہ کے لیے اِنَّا دراصل ہے اِنَّ نَا اِنَّ حرفِ تحقیق نَا ضمیر جمع متکلم۔ متصل منصوب اسم ہے اِنَّ کا۔ لام کَیْ مفتوحہ۔ مَبْعُوْثُوْنَ اسم مفعول صیغہ جمع مذکر ہے بابِ فَتَحَ بَعْثٌ سے بنا ہے نَحْنُ اِس میں پوشیدہ اِس کا فاعل۔ خَلْقًا مصدر بمعنی مخلوق ہے۔ موصوف ہے جَدِیْدًا۔ بروزنِ فعیل صفت مشبہ بمعنی بہت ہی نیا۔ مبالغہ کے لیے ہے۔ جَدٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کاٹنا چھانٹنا۔ اسی معنی سے ہے مجددِ۔ اور تجدید۔ صفتِ نکرہ ہے خَلْقًا موصوف نکرہ ہے۔ مرکب توصیفی حال ہے مَبْعُوْثُوْنَ کے فاعل نَحْنُ مستتر کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی۔ وہ جملہ اسمیہ انشائیہ ہوکر جزا ہوئی شرط جزا مل کر مقولہ ہوا قول کا۔ اور وہ جملہ قولی ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ یَسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ یَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ ہم ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں کہ یہ کفارِ مکہ کیوں اور کس طریقے یا کس حال و کیفیت سے اس قرآنِ مجید کی تلاوت سنتے رہیں جب بھی کبھی آپ کے قریب آپ کی محفل پاک مجلسِ مبارک میں بیٹھ کر آپ کی طرف نہایت خاموشی انہماک اور ظاہرًا مخلصانہ توجہ سے کان لگائے سنتے نظر آتے ہیں احادیث میں ہے کہ کفار مکہ چار طریقوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محفلوں میں آیا کرتے تھے۔

۱ پڑھے لکھے اور سردار قسم کے لوگ بہت احتیاط اور خاموشی سے بیٹھا کرتے ۲ اور اپنے غلاموں نوکروں کو کبھی کبھی شور و غل مچانے کے لیے بھیج دیا کرتے تھے ۳ کبھی کبھی نوجوانوں کو غریب مسلمانوں کی ایذار سانی کے لیے بھیجدیا کرتے ۴ اور کبھی کسی شخص کو باہر سے مہمان بلا کر مناظرے کے لیے محفل میں لے آیا کرتے تھے۔ قرآن مجید میں مختلف جگہ کفار کی اِن بیہودہ حرکتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ باہر کے مہمان اور مناظر تو اکثر آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے چند ارشاداتِ عالیہ مقدسہ سنتے ہی سو جان و دل سے فداء قربان ہوکر مسلمان ہو جایا کرتے تھے جس سے ابوجہل اور اُس کے ساتھی بہت شرمندہ اور عائب و خاسر ہوتے۔ پھر وہ کچھ عرصے تک ظاہرًا اچھے دبے بن کر آتے اور قرآن کریم کی تلاوت اور تفسیر اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریر مبارک سنتے لیکن باطن اور خفیہ طور پر اپنے ساتھیوں اور ہمراہیوں

سے وہیں محفل میں ہی یا محفل برخاست ہونے پر باہر جا کر آہستہ آہستہ ایک دوسرے سے مذاق اڑاتے اور قرآن پاک کے خلاف بُرے بھلے الفاظ کہتے۔ اللہ کریم اسی طرف اشارہ فرماتے ہوئے فرماتا ہے اے پیارے نبی ہم اُس وقت بھی ان کو جانتے ہیں جب یہ خفیہ اور آہستہ سرگوشی میں بکواسیات کرتے جاتے ہیں۔ جس وقت یہ خُبَثَاءِ کفر گستاخانِ نبوت دنیا و آخرت میں اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے۔ غریب مسکین مسلمانوں سے اُن کو ورغلانے کے لیے کہتے ہیں اے نادان کم عقل مسلمانو تم تو نرے ایک ایسے شخص کی پیروی کر رہے ہو جس پر شدید جادو کیا گیا ہوا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ مَسْحُوْر بمعنی ساحر ہے۔ یعنی یہ شخص جس کو تم نبی اور مُرْسَل رسول کہہ رہے ہو وہ نبی رسول نہیں بلکہ جادو جانا ہوا ہے اور جادو کرنے والا ہے۔ تم پر اس نے جادو کر دیا ہے۔ (معاذ اللہ) کفار کبھی تو یہ باتیں چپکے چپکے محض محفل میں ہی نو مسلموں سے کرتے تھے یا محفل کے بعد باہر نکل کر۔ یا یہ باتیں ان لوگوں سے کرتے تھے جو زبانِ پاک کی تلاوت اور تقریر سن کر متاثر نظر آتے تھے۔ اور یا آپس میں کافر یہ باتیں کرتے تھے۔ بہر حال کہنے والے ظالم کافر ہی ہوتے تھے مگر سننے والے افراد میں تین مذکورہ بالا قول ہیں۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔ اے پیارے محبوب نبی تمام کائنات کے لیے رحمۃ و کرم کرنے والے ہر اپنے پرائے کا بھلا چاہنے والے سب کے ایمان لانے پر حریص و خواہشمند۔ گستاخیاں سن کر دعائیں دینے والے خون کے پیاسوں کو قبائیں دینے والے تا قیامت ہر مخلوق پر جود و فیض فرمانے والے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذرا غور تو فرمایئے کہ کفار و گستاخ تم جیسے رؤف و رحیم ہستیِ پاکباز کے لیے کیسی کیسی بُری نازیبا۔ اور جھوٹی مثالیں بیان کرنے لگ پڑے۔ کہ ابوجہل نے کہا یہ نبی مجنون ہے۔ ابولہب نے کہا یہ کاہن ہے حُوَیطب ابن عبدُ العزیٰ نے کہا یہ شاعر ہے اُمیّہ ابن خلف نے کہا یہ ساحر ہے (جادوگر ہے) عتبہ نے کہا یہ مَسْحُور ہے۔ نضر نے کہا اس پر جنات اور شیطان کا سایہ ہے۔ حارث نے کہا یہ مخدوع ہے یعنی دھوکا کھایا ہوا۔ اس کو فلاں عجمی لوہار پڑھاتا ہے۔ اور دھوکا دیتا ہے غلط باتیں سکھا کر۔ پھر کسی نے کہا یہ ہم جیسا بشر ہے۔ کسی نے کہا اللہ کے دربار میں اس کی کچھ قدر و عزت نہیں۔ کوئی بولا۔ اس کو بڑے بھائی سے زیادہ مت سمجھو۔ کسی نے کہا اس کو تو پیٹھ پیچھے کی خبر نہیں۔ کسی نے کہا۔ اگر اس کا خیال نماز میں آجائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اور اگر گدھے بیل کا خیال آجائے تو نہیں ٹوٹتی۔ کوئی گستاخ بولا کہ شیطان کا علم اِس کے علم سے زیادہ ہے۔ کسی نے کہا یہ نبی کسی کا نفع نقصان نہیں کر سکتا کہیں سے منمناتی آواز آئی کہ یہ نبی غیب نہیں جانتا۔ کوئی منمنایا کہ ہم اس کو نور نہیں مانتے۔ کسی کے اندر سے ابلیس بولا کہ یہ

نبی حاضر و ناظر نہیں ہے۔ اَلتَّحِیَّات کا سلام بدلدو یَا نَبِیُّ سَلَامٌ عَلَیْكَ۔ نہ پڑھو یہ بدعت ہے۔ ایک بولا کہ شیطان تو حاضر و ناظر ہو سکتا ہے لیکن نبی حاضر و ناظر نہیں ہو سکتا۔ کسی نے اس نبی کی دشمنی میں گستاخی کی جھوٹی خوابیں بنا ڈالیں۔ کسی نے اپنی تحریفات میں لکھ دیا کہ اس نبی کا علم ایک بشر سے زیادہ نہیں ہے (معاذ اللہ معاذ اللہ معاذ اللہ) غرض کہ ابوجہل کی ذریت میں سے کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ سب کا منہ توڑ جواب اے روح کائنات جانِ عالمین تمہارے ربِّ جبار قہار نے یہ دیا کہ۔ فَضَلُّوا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا۔ پس یہ سب تا قیامت جتنے بھی بیہودہ جہلا اور گستاخ ہیں اور ہوں گے بہت دور کے گمراہ ہیں۔ اور کچھ بھی کریں حج روزہ نماز۔ لمبے سجدے کعبے کا طواف اور غلافِ کعبہ میں چھپ چھپ کر روئیں مدرسے بنائیں کتابیں پڑھائیں تبلیغیں سنائیں۔ گرم پتھروں پر ماتھے رگڑ کر مہرابیں بنائیں۔ اور کسی شکل میں آجائیں۔ لمبی داڑھیاں رکھ کر سر منڈا کر مونچھوں پر اُسترا پھرا کر لمبے کُرتے۔ گھٹنوں تک پاجامہ پہن کر ٹکے اور پگڑیاں باندھ کر لائیں چوڑی اور سینے پر ہاتھ باندھ کر۔ گڑگڑاتے دعائیں مانگتے روتے دھوتے رہیں فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا۔ اللہ تعالیٰ کی قبولیت۔ محبوبیت۔ معرفت و قرب۔ شریعت و طریقت روحانیت پاکیزگی طہارت دین کی سمجھ۔ قرآن کریم کی فہم۔ حدیث پاک کی فراست۔ مسائل کی فقاہت۔ انوارِ الٰہیہ کی دولت و مشاہدے کا راستہ کبھی بھی ہرگز ہرگز نہیں پا سکتے۔ اگرچہ کتنی ہی محنت کریں۔ اس لیے کہ اے پیارے نبی تمہارے گستاخ ہیں جب تمہارے نہیں تو ہمارے نہیں۔ ہم نے تو آپ کو یہ ساری شانیں۔ طاقتیں۔ قوتیں۔ عزتیں۔ دولتیں۔ ملکیتیں اور اپنے خزانوں کی چابیاں دی ہیں۔ مگر یہ ہر چیز کا ہی انکار کر رہے ہیں ؎

یہ حبیب پیارا تو عمر بھر کرے فیض و جُود ہی سر بسر!
ارے تجھ کو کھائے تپِ سقر تیرے دل میں کس سے بخار ہے

اور ابوجہل وغیرہ اپنی ان گستاخیوں کا استدلال یہ پیش کرتے ہیں کہ۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا۔ اور ان سب قسم کے گمراہوں نے اپنے اپنے مختلف لفظوں میں بات ایک ہی کہی کہ کیا جب ہم سب مر کر قبر کی مٹی میں مل جائیں گے اور ہماری صرف ہڈیاں رہ جائیں گی گوشت پوست دل دماغ سب کچھ مٹی اور کیڑے کھا جائیں گے۔ اور زمانہ گزرنے کے ساتھ ہماری ہڈیاں بھی کمزور اور بھُربھُری خستہ ہو کر ٹوٹ پھوٹ کر ریزہ ریزہ ہو جائیں گی یا اتنی کمزور نازک کہ ہاتھ لگانے سے ٹوٹیں۔ تو کیا ایسی یقینی حالت ہو جانے کے بعد بھی ہم سب پھر بھلا اٹھائے جا سکتے ہیں نئی زندگی کے ساتھ۔ اسی طرح کے نئے خوبصورت جسم کے ساتھ نئی پیدائش میں کیسی عجیب پاگل پنے کی باتیں ہیں۔ اور جو

شخص ایسی مجنونانہ غلط اور جھوٹی باتیں کہہ کر آخرت اور قیامت اور حشر نشر حساب وکتاب سزا وجزاء جنّت و دوزخ پر ایمان لانے کا حکم دے اس کو ہم اور ہمارے جیسے عقلمند دانشور پڑھے لکھے لوگ مجنون اور دیوانہ۔ عقل پھرا نہ کہیں تو اور کیا کہیں۔ اور ایسے مجنون کو ہم نبی کیسے مان لیں اور پھر ہمیں حیرانگی تعجب عرب وعجم کے اُن لوگوں پر ہے جن کو ہم کل تک بڑا ذی عقل فہم وفراست والا سمجھتے تھے وہ بھی بے عقل بن کر اس پر ایمان لاتے چلے جارہے ہیں اور ایسے الٹی الٹی باتیں کرنے والے شخص نبی بننے والے کو حاضر وناظر۔ مختارِ کل۔ مشکل کُشا۔ حاجت روا۔ رحمۃ عالمین راحۃ عاشقین۔ اور نہ جانے کیا کیا مانتے چلے جارہے ہیں اور اس نبی کی زبانی قرآن وحدیث کی لسانی باتیں سن سن کر کہہ رہے ہیں کہ قبر میں نئی زندگی ہے۔ قبر والے سنتے بولتے اور عطا کرتے ہیں۔ اور اُلٹا ہم کو قرآن سنا سنا کر کہہ رہے ہیں کہ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ کہ قبر والوں کی امداد وعطا سے مایوس ہونا کفار کا کام ہے خود آمَنَ السُّفَهَآءُ۔ لیکن ہم کو بیوقوف کہہ رہے ہیں ہم تو ان نو مسلموں کو سمجھا سمجھا کر عاجز آگئے ہیں ہم نے تو اپنی تقریروں جلسوں کتابوں تحریروں مدرسوں تدریسوں اور حکومتوں اور سخت قانون کے ذریعے زور لگا کر دیکھ لیا۔ روپیٹ کر سمجھایا۔ نبی کے آستانے سے روکا۔ ذکر وصلوٰۃ وسلام سے مگر یہ مانتے ہی نہیں اپنی ہر غلط بات ہی ہر غلط عقیدہ ہی قرآن وحدیث سے دکھا دیتے ہیں۔ یہی باتیں ہیں جن کی بنا پر ہم اس نبی کو مجنون (معاذ اللہ) اور اس کے عاشقوں عقیدتمندوں کو سفہاء (بیوقوف بمعنی) کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں زیادہ اہمیت سے چار باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔

ع ۱ توحیدِ باری تعالیٰ ع ۲ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور آقاءِ کائنات صَلَّی اللہُ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت اور شانِ اعلیٰ کا ذکر۔ ع ۳ مسئلۂ تقدیر ع ۴ قیامت حشر ونشر اور قبر وحشر کی نئی زندگی۔ کفارِ ان چاروں کے منکر ہیں۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ تا قیامت جو بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی طرح بھی گستاخی کرے وہ ظالم اور گمراہ اور اللہ کے راستے سے دور ہے یہ فائدہ اَلظّٰلِمُوْنَ اور مَسْحُوْرًا فرمانے سے حاصل ہوا جب کہ مسحورًا کی ایک تفسیر کی جائے بمعنی کھانے پینے والا ہم جیسا بشر۔

دوسرا فائدہ۔ نبی کریم کی بارگاہِ ربّ العزت میں وہ شان ہے کہ رب تعالیٰ اپنے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کو گستاخیوں کا خود جواب دیتا ہے۔ دیکھو کفار نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کاہن شاعر مسحور وغیرہ کہا تو رب تعالیٰ نے ان سب کفار کو ظالم اور گمراہ فرمایا یہ فائدہ فَضَلُّوْا (الخ)

فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت وبدقسمت بدنصیب شخص وہ ہے جو گستاخِ نبوت ہو۔ ہر دشمن کی اُخروی نجات ممکن ہے۔ مگر نبی کریم کے ذاتی دشمن کی دنیوی اُخروی قبر وحشر کی نجات قطعًا ممکن نہیں۔ یہ فائدہ اور عبرت کا سبق۔ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ سَبِيلًا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور یہ بات تجربے اور مشاہدے میں ہے کہ گستاخ نبوت ورسالت کو مرتے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا نصیب نہیں ہوتا۔ بلکہ صورتیں شکلیں مسخ ہو جاتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ ہم کو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم چاند وسورج سے زیادہ حسین پھولوں سے زیادہ خوبصورت مسکراہٹوں والے سراجِ منیر کا نعت خوان سدا بہار غلام بنا دے۔

احکامُ القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ مذاق دل لگی اور کھیل تماشے کے لیے یا نفسانی خواہشات کے لیے قرآنِ کریم پڑھنا یا نعت خوانی کرنا یا محض تماشے کے لیے وعظ تقریر کی محفلوں میں جانا گناہِ عظیم اور طریقۂ کفار ہے۔ حضرت حکیم الامت والدِ محترم فرمایا کرتے تھے کہ قوالی اور ڈھول باجے کے ساتھ نعت خوانی یا قرآن خوانی کی حرمت اِس آیت سے مستنبط۔ یہ مسئلہ نَحْنُ أَعْلَمُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دیگر آیت کے علاوہ اس آیت سے بھی ثابت ہوا کہ موجودہ قوالی حرام ہے۔ حرمتِ قوالی کے مکمل دلائل اور بیان ہمارے فتاوی العطایا جلد دوم میں مطالعہ فرمائیے۔

دوسرا مسئلہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے گھٹیا اور ہلکے عام قسم کے لفظ استعمال کرنا حرام اور گناہ ہے۔ صرف رسول کہنا۔ یا اپنے جیسا بشر کہنا بھی گناہ اور ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ ضَرَبُوا لَكَ الْأَمْثَالَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ قرآن و حدیث کا مسئلہ۔ انکار کی نیت سے پوچھنا یا پہلے غلط بات پر عمل شروع کر دینا پھر صرف دل لگی کے لیے مسئلہ پوچھنا یہ سخت حرام ہے یہ مسئلہ قَالُوا ءَإِذَا كُنَّا عِظَامًا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ تحقیقِ حال کے لیے مسئلہ جائز بلکہ ضروری ہے مگر بلا علم مسئلے کا انکار کرنا اور جھگڑنے بحث انکار ضد ہٹ دھرمی کے لیے مسئلہ پوچھنا یا کسی مسئلے پر اعتراض کرنا طریقۂ کفار ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسْحُورًا ۔ مسحور آدمی کی اِتباع کرتے ہو۔ یہ بات کفار خفیہ طریقے سے آپس میں کرتے تھے۔ اور وہ کافر ہی ہوتے تھے جیسا کہ إِذْ هُمْ نَجْوَىٰ ۔ سے ثابت ہے۔ حالانکہ کفار تو نبی کریم کی اِتباع نہیں کرتے تھے پھر یہ کیوں فرمایا گیا؟

جواب - اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں واضح کر دیا گیا - اِس کے بارے میں چند قول ہیں کہ یہ کفار کس سے گفتگو کرتے تھے - ایک قول یہ ہے کہ آپس میں یہ گفتگو کرتے تھے لیکن اس طرح کہ اگر تم اِس نبی کی اتباع کروگے تو گویا تم ایک مسحور آدمی کی پیروی کروگے تَتَّبِعُوْنَ ۔ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے اِن تمام اقوال سے اعتراض ختم ہو جاتا ہے - **دوسرا اعتراض** - یہاں فرمایا گیا - اُنْظُرْ - اے نبی تم دیکھو یہ آپ کے لیے کس طرح غلط مثالیں بناتے ہیں - چاہیئے تھا کہ نبی کریم اللہ کے حضور شکایت عرض کرتے کہ یا اللہ یہ کیسے کیسے ناذیبا الفاظ میرے لیے بناتے ہیں - مگر ایسا نہیں - یہ شکایت اللہ نے کیوں فرمائی شکایت تو چھوٹا بڑے کے سامنے کرتا ہے نہ کہ اس کا اُلٹ -

جواب - یہ شکایت نہیں بلکہ اظہارِ ناراضگی ہے - اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شکایت عرض نہ کرنا آپ کا صبر حلم اور تحمل ہے اور بروں کی ایسی باتیں برداشت کرنا ہی بزرگوں کی عادت کریمہ ہے - اور رب تعالیٰ کا اظہارِ ناراضگی فرمانا - محبوب کریم کی شان و عزت بتاتا ہے -

تیسرا اعتراض - یہاں بھی اور دیگر بہت سی آیات میں بھی قیامت پر ایمان لانے کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے - آخر کیوں - قیامت پر ایمان لانا کیوں ضروری ہے قیامت تو ایک واقعہ ہے جو یقیناً اپنے وقت پر ہو ہی جانا ہے ہزاروں واقعات یقیناً ہو ہی جاتے ہیں بلکہ ہر واقعہ ہی رب تعالیٰ کے پروگرام ازلی کے تحت ہو رہا ہے مگر ان پر ایمان لانا ضروری نہیں تو قیامت پر کیوں ضروری ہے؟ کیا یہ کافی نہیں کہ اللہ رسول پر ایمان ہو بندہ نماز پڑھے روزہ رکھے تمام اسلامی احکام صحیح طریقے سے ادا کرے اور جب قیامت آجائے تو سزا اور جزا مل جائے اگر ایک شخص سچا پکا متقی نیک با عمل ہو تو صرف قیامت پر ایمان لانے سے اس کے یہ اچھے عمل اور اللہ رسول پر ایمان بیکار کیوں گیا -

جواب - مفسرین نے اس کے بہت سے جواب دیئے ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان کو دو زندگیاں ملی ہیں ۱ دنیوی ۲ اُخروی - اور جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح اُس کی تمام صفات پر ایمان لانا بھی ضروری ہے - باری تعالیٰ کی کچھ صفات کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے اور کچھ کا تعلق اُخروی زندگی سے مثلاً صفتِ عدل - صفتِ سزا دینا - اور جزا دینے کی عذاب ثواب دینے کی صفت - وغیرہ وغیرہ - تو قیامت پر ایمان لانے سے صرف اسی واقعہ کو مان لینا مراد نہیں بلکہ جو کچھ قیامت میں ہونا ہے اور باری تعالیٰ کی جس جس صفت سے ہونا ہے ان تمام کا ماننا ایمان بالقیامت ہے - نیز محبتِ الٰہی سے تو کوئی کوئی ایمان لاتا - ڈر اور خوف سے بہت لوگ ایمان لاتے ہیں - نیز صرف عشق اور محبت الٰہی ہی ایمان و اعمال کے لیے کافی نہیں خوف الٰہی بھی ایمان کا ایک حصہ ہے - اور قیامت

پر ایمان خوفِ الٰہی کا ایک ذریعہ ہے اِس لیے ایمان بالقیامت کا اہتمام سے ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖۤ اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ وَاِذْ هُمْ نَجْوٰۤى اِذْ يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔

کشمکشِ نفسانی کے اُس وقت کو ہم ہی خوب جانتے ہیں جب اے قلبِ عرشی یہ نفوسِ امارہ تیری طرف متوجہ ہوتے ہیں اور خواہشِ قلبی کو سنتے ہیں اور جب خلوتِ شیطانی سے قلبِ مسعود کے خلاف خفیہ وسوسے ڈالتے ہیں اور عقل و شعور کو قلبِ منور کے حکموں اور ارادوں سے روکتے ہیں جب بدبختی اور شقاوت کا ظلم کرنے والے کہتے ہیں کہ اے دل کے کہنے پر چلنے والو عقل و شعور اعضاءِ باطنی اور سمع و بصر ہاتھ و پاؤں تم تو فقط ایک سحر لاہوتی میں سحر زدہ شخصیت کے پیچھے لگے ہو۔ اے زمینِ جسمانی کے مسافر اس سفرِ ناسوتی میں نفسِ امارہ تیرا دشمن ہے اور عقلِ دماغی دوست ہے بندۂ عارف کو ایسے دشمن سے ایک بار مگر ایسے دوست سے ہزار بار ڈرنا چاہیئے کیونکہ دوست کی دشمنی سخت خطرناک ہے۔ دل ایک بچہ ہے جو دیکھتا ہے وہی مانگ لیتا ہے۔ دشمن مچھر سے بھی چھوٹا ہو تو اس کو ہاتھی سمجھنا چاہیئے۔ اے نفسِ حریص خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق اور بتائے ہوئے صراطِ مستقیم پر راضی ہو۔ ورنہ اللہ کے ملک سے باہر نکل جا اور عبادت کر ورنہ اس کا رزق چھوڑ دے اور دوسرے مالک کو تلاش کرلے جو زیادہ دیتا ہو۔ اے نفس تلب سے خوش رہ اور ہمدردی کر ورنہ زبان اور تعلق بند کردے۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔ وَقَالُوْۤا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۔ غور تو فرما کر اس عالمِ بذیت میں نفس و شیطان نے دل اور دل والوں کے لیے کیسی کیسی برائی کثافت اور ظلمتِ ہجران کی مثالیں بنا ڈالیں ہیں۔ پس راہِ معرفت اور منزلِ قرب سے یہ اہلِ نفوس ہی بھٹکے ہوئے ہیں یہ ازل کے بدنصیب وصلِ یار کی گھڑیاں کبھی نہیں پاسکتے۔ آستانۂ محبوب عرشِ لامکانی کی معراج تک کبھی راہ پانے کی طاقت نہیں حاصل کرسکتے۔ یہی وہ وادیِ فنا کی ظلمتوں والے ہیں جو اہلِ بقا اور حیاتِ ابدی عرفانی کے منکر ہیں۔ انہوں نے ہی کہا کہ کیا جب ہم قبورِ فنا میں ہجر کی موت سے محرومی کی ہڈیاں کمزوری کی خاک و دھول ہوجائیں تو کیا ہم کو منزلِ عتاب و عقاب سزاؤ جزا کی دوسری زندگی ملے گی فنا کے بعد بقا نصیب ہوگی یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ قساوتِ عقلی کے پانچ نشان ہیں۔

۱ توبہ کے ارادے سے گناہ کرلینا ۲ علم سیکھ کر عمل نہ کرنا ۳ عمل میں خلوص نہ ہونا ۴ کھا کر بھی شکرِ الٰہی اور شکریۂ میزبانی نہ کرنا ۵ قبروں پر جاکر عبرت نہ پکڑنا۔ نفسِ امارہ اپنے دو نشان اور مثالیں جسم و جان کو دیتا ہے یہی بدترین خصائل ہیں ۱ امیروں سے کنجوسی ۲ غریبوں اور فقیروں سے تکبر ہونا۔

۳ عورتوں کی بے شرمی ۴ بڑھاپے میں دنیا کی محبت ۵ جوانی میں سستی ۶ حکمرانوں کا ظلم
۷ مجاہدین کی بزدلی ۸ زاہدین کی خوش پسندی ۹ عابدوں کی ریاکاری ۱۰ علماء کی لالچ۔ یہ خصلتیں
بندے کو دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کرنے والی ہیں۔ اے صوفی با صفا ان خصلتوں سے بچ تاکہ نفس تجھ کو
ہلاک نہ کر دے۔

قُلْ كُونُوا حِجَارَةً أَوْ حَدِيدًا ﴿٥٠﴾ أَوْ خَلْقًا مِّمَّا

تم فرماؤ اے نبی کہ تم شدید پتھر ہو جاؤ یا قوی لوہا یا کوئی ایسی مخلوق ہو جاؤ جو

تم فرماؤ کہ پتھر یا لوہا ہو جاؤ۔ یا اور کوئی مخلوق جو تمہارے

يَكْبُرُ فِي صُدُورِكُمْ ۚ فَسَيَقُولُونَ مَن يُعِيدُنَا ۖ

تمہارے دل گردے میں بڑی لگتی ہو۔ تو عنقریب کہتے پھریں گے کہ کون ذات ہم کو دوبارہ پیدائش میں لوٹا سکیگا

خیال میں بڑی ہو تو اب کہیں گے ہمیں کون پھر پیدا کرے گا

قُلِ الَّذِي فَطَرَكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُونَ

تم جواباً فرماؤ کہ وہی ذات جس نے تم کو پہلی دفعہ بنا ڈالا تھا تو آپ کی طرف دیکھتے ہوئے

تم فرماؤ وہی جس نے تمہیں پہلی بار پیدا کیا تو اب تمہاری طرف مسخرگی سے

إِلَيْكَ رُءُوسَهُمْ وَيَقُولُونَ مَتَىٰ هُوَ ۖ قُلْ

سر ماریں گے اور کہیں گے کہ اچھا کب ہوگا یہ۔ تم فرماؤ

سر ہلا کر کہیں گے یہ کب ہے۔ تم فرماؤ شاید

عَسَىٰ أَن يَكُونَ قَرِيبًا ﴿٥١﴾ يَوْمَ يَدْعُوكُمْ

بس عنقریب ہی ہوگا جس دن تم سب کو وہ اللہ بلالے گا

نزدیک ہی ہو جس دن وہ تمہیں بلائے گا تو

منزل ۵

فَتَسْتَجِيبُونَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّونَ اِنْ لَّبِثْتُمْ

پھر تم اُس کی حمدیں گڑگڑاتے ہوئے حاضری بھرو گے اور وہم کرو گے کہ ہم تو دنیا میں

تم اس کی حمد کرتے چلے آؤ گے اور سمجھو گے کہ نہ

اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٥٢﴾ ع

بہت ہی تھوڑا ٹھیرے تھے

رہے تھے مگر تھوڑا

تعلّق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں رب نے فرمایا کہ اللہ ہر شخص کی ہر بات سننے والا جاننے والا ہے ۔ اب اس آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر یہ بہت زیادہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے والے کفار ایسی مخلوق بن جائیں جو بالکل باتیں نہیں کر سکتے مثلاً لوہا پتھر وغیرہ جمادات تب بھی اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے اور بدل کر نئی مخلوق پہلے جیسی بنا سکتا ہے۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کفار ہدایت کا راستہ نہیں پا سکتے اب اس آیت میں اُس کی ایک وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ اپنی شیطانی عقل کے ہی پیچھے لگے ہوئے ہیں اور عقلی سوالات ہی کرتے رہتے اور کرتے رہیں گے اور جو صرف سوالات کا شوقین ہو وہ نرا مندی مغرور اور جاہل ہوتا ہے اور مغرور ۔ رمندی جاہل ہدایت کی راہ نہیں پا سکتا۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفار کی خفیہ سازشی گناہوں اور کفریات کا ذکر ہوا ۔ اب اس آیت میں کفار کی ظاہر ظہور علانیہ ایمانیات اور حمد کا ذکر ہو رہا ہے جو وہ قیامت میں کریں گے لیکن وہاں کا ایمان اور حمد و اقرار فائدے مند نہ ہوگا ۔ یعنی دنیا کا کفر نقصان دِہ اور آخرت کا ایمان لانا اور حمد کرنا نقصان دہ ہے ۔ پہلی آیت میں ایک نقصان دہ چیز کا ذکر ہوا ۔ یہاں دوسری نقصان دہ چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے ۔

تفسیر نحوی قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۔ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِیْ صُدُوْرِكُمْ ۔ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۔ قُلِ الَّذِیْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ ۔ ۔ قُلْ فعل امر ہے باب نَصَرَ سے واحد حاضر کا صیغہ ہے قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یہ فعل فاعل

جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ کُونُوا۔ فعل اَمر معروف شرطیہ یا فرضیہ یہ کان بمعنیٰ صَارَ ہے یعنی پھیر دیئے جاؤ اور معنیٰ ہیں اگر تم ایسا ہو جاؤ تو بھی یا فرضِ محال تم ایسا ہو جاؤ تو بھی وہ تم کو دوبارہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ یہ کَوْنٌ سے مشتق ہے فعل ناقص ہے صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ حِجَارَۃٌ۔ یہ مصدر ثلاثی ہے بروزنِ تِجَارَۃٌ۔ زِرَاعَۃٌ۔ فِعَالَۃٌ۔ اس کا مادہ اشتقاق میں تین قول ہیں۔

۱۔ یہ حَجْرٌ ہے بمعنیٰ حرام ہونا۔ اس کی جمع ہے حُجُورٌ۔ ۲۔ حَجْرٌ بمعنیٰ روکنا منع کرنا۔ سخت شدت والا ہونا۔ اس معنیٰ میں اسم مشتق ہو تو جمع ہے اَحْجَارٌ۔ یہاں یہی معنیٰ زیادہ درست ہیں ۳۔ حُجْرٌ۔ بمعنیٰ دور کرنا نقصان پہنچانا۔ اس کا مشتق ہو تو جمع حُجُرَات۔ یہاں مراد ہے پتھر ہونا۔ یہ لفظ یہاں مشتق حاصل مصدر ہے اسی سے ہے حُجْرَہ بمعنیٰ سب سے علیحدہ خلوت میں چلے جانا۔ حِجَارَۃً زبر اور نصب کی حالت میں ہے کیونکہ خبر ہے کُونُوا کی۔ اَوْ۔ حرفِ عطف اختیار یہ حَدِیْدًا۔ اسم مشتق ہے بروزنِ لَحِیمٌ شَہِیمٌ۔ حَدٌّ مضاف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت ہونا شدت و قوت والا ہونا۔ لوہے کو اسی معنیٰ میں حدید کہتے ہیں کہ وہ ساری دھاتوں میں بھاری وزنی اور سخت ہوتا ہے۔ حدبندی کو بمعنیٰ حَدّ اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہاں سخت ممانعت ہوتی ہے۔ یہاں بمعنیٰ لوہا ہے اسم واحد ہے اور اب جامد ہے اس کی جمع کبھی حِدَاد بھی آتی ہے اور اَحِدَّہ بھی حدائد بھی۔ بحالتِ نصب ہے بوجہ عطف اَوْ مالِلۃٍ خَلْقًا۔ اسم مصدر بمعنیٰ اسم مفعول یعنی مخلوق خَلْقٌ سے بنا ہے۔ بحالت نصب ہے معطوف ہے حِجَارَۃٌ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر خبر ہوگی کُونُوا کی۔ مِمَّا۔ دراصل ہے مِنْ۔ مَا۔ حرف جر اور مَا موصولہ یہ متعلق مقدم ہیں یَکْبُرُ فعل مضارع معروف کا۔ یہ کِبْرٌ سے بنا ہے واحد غائب کا صیغہ ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع ہے مَا موصولہ یہ بابِ نَصَرَ سے ہے فِیْ حرفِ جر بمعنیٰ ظرفیت صُدُوْرٌ اسم جمع مکسر ثلاثی ہے اس کا واحد ہے صَدْرٌ اسم جامد ہے لیکن مصدر بھی استعمال ہوتا ہے اور اس کے پورے مشتقات ہوتے ہیں بمعنیٰ صادر ہونا نکلنا اور کسی چیز کا بَن ٹھن کر باہر آنا۔ جب یہ جامد ہو تو اس کا ترجمہ ہے سینہ۔ لیکن مراد سینے کے اندرونی خصوصی اعضاء بھی لیے جاتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اندرونی باطنی اعضا کے افعال مراد ہوتے ہیں۔ یہاں یا تو اندرونی اعضا دل گردہ دماغ بذاتِ خود مراد ہیں جس کو محاورۃً قوتِ باطنی کے لیے بول دیا جاتا ہے۔ یہی ترجمہ ہم نے اختیار کیا ہے اور یا مراد دل دماغ کے افعال ہیں یعنی خیالات و تصورات اعلیٰ حضرت نے ترجمہ میں یہی معنیٰ اختیار فرمائے ہیں۔ لفظِ صُدُور بحالتِ جر ہے اور مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے یَکْبُرُ کا فَسَیَقُوْلُوْنَ فَ تعقیبیہ سابقہ قول اور مقولہ کے بعد اگلا کلام ہونا مراد ہے۔ سین حرفِ تقریب یَقُوْلُوْنَ۔ فعل مضارع مثبت معروف بمعنیٰ مستقبل قَوْلٌ سے مشتق ہے۔ ھُمْ ضمیر جمع غائب پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع کفارِ مکہ ہیں۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَنْ اسم موصولہ سوالیہ۔ بمعنیٰ کون۔ یُعِیْدُ۔ بابِ افعال کا مضارع معروف صیغہ واحد

غائب اس کا مصدر ہے اِعَادَةٌ ۔ بمعنیٰ لوٹانا ۔ اِس کا مادہ اشتقاق ہے عَوْدٌ بمعنیٰ لوٹنا ۔ استقبالیہ معنیٰ میں ہے ۔ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مَنْ موصولہ ۔ نَا ۔ ضمیر جمع متکلم متصل منصوب ہے مفعول بہ ہے یُعِیْدُ کا یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ کا ۔ صلہ موصول مل کر سوال ہوا ۔ قُلْ ۔ فعل امر حاضر اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے ۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ اَلَّذِیْ ۔ اسم موصول مذکر اَسمائے کنایات میں سے مبہمات والا ہے ہمیشہ مبنی ہوتا ہے ۔ فَطَرَ ۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف بصیغہ واحد مذکر اس کا فاعل ھُوَ مستتر جس کا مرجع اَلَّذِیْ ہے ۔ فِطْرٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنیٰ ابتدا سے بغیر کسی نمونے اور نقشے اور نقل کے کسی چیز کو ہر طرح ظاہر و باطن سے پیدا کرنا ۔ یہ کام کائنات میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا اس لیے وہی صرف فاطر ہو سکتا ہے ۔ پیدائشی عادت کو فطرت اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کسی شئی کو نیست سے ہست کرنا ۔ اس کو فطرت کہتے ہیں کُمْ ضمیر بارز منصوب متصل فَطَرَ کا مفعول بہ ہے ۔ اَوَّلَ ۔ اسم تفضیل ہے اَوْلٌ یا وَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت پہلے ہونا مضاف ہے ۔ بحالت نصب ہے کیونکہ ظرفِ زمانی ہے فَطَرَ کا ۔ مَرَّةٍ اسم جامد ہے بمعنیٰ پہلی مرتبہ ۔ بحالت کسرہ ہے مَرَّةٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے مُرٌّ ہوا اور نام سے بمعنیٰ گزرنا اس کے آخر تاء وحدت لگا دی ترجمہ ہوا ایک گزرنا ۔ یعنی ایک دفعہ گزرنا پھر یہ لفظ صرف دفعہ مرتبہ اور بار کے لیے اسم جامد کے لیے اسم جامد ہو کر ہر چیز اور ہر کام کے لیے مستعمل ہو گیا ۔ اس لیے اس کا تثنیہ بھی بنایا گیا مَرَّتَیْنِ اور جمع بھی بنایا گیا مَرَّاتٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ ف حرفِ تعقیب بمعنیٰ ثُمَّ ۔ یعنی پھر کبھی ۔ سین حرفِ تقریب بمعنیٰ عنقریب ۔ یہ سب حروف عامل نہیں ہیں یُنْغِضُوْنَ باب افعال کا مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِنْغَاضٌ ۔ بمعنیٰ ہلانا ۔ ہلاتے رہنا ۔ نَغْضٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہلنا ۔ ہلتا رہنا ۔ لازم ہے ۔ افعال میں آ کر متعدی ہوا ۔ یہاں مراد ہے اِثبات میں سر ہلانا اِلیٰ جارہ کَ ضمیر مذکر حاضر مجرور متصل مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ رُءُوْسَ اسم جامد جمع مکسر ہے اس کی واحد ہے رَأْسٌ بمعنیٰ سَر ۔ کھوپڑی ۔ منہ چہرہ ۔ گردن تک پورا حصہ مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع غائب مضاف الیہ مرجع ہے کفار مکہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہوا یُنْغِضُوْنَ کا عاطفہ یہ عطف ہے یُنْغِضُوْنَ پر اور سب جملے مل کر جوابیہ جملہ ہوا قُلْ کے مقولے کا ۔ يَقُوْلُوْنَ فعل مضارع مستقبل ۔ یا بمعنیٰ حال یعنی اور کہتے ہیں ۔ مَتٰی اسم ظرفیہ سوالیہ بمعنیٰ کب ۔ یہاں فعل یَكُوْنُ تامہ پوشیدہ ہے ۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر ظاہر ہے ۔ مَتٰی اُس کا ظرفِ مقدم ہے ۔ یَكُوْنُ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر مقولہ ہوا قول اپنے مقولہ سے مل کر جملہ قولیہ ہوا ۔ قُلْ عَسٰۤی اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا ۔ یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا ۔ قُلْ فعل امر با فاعل مضمر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ عَسٰی فعل مقاربہ صرف ماضی مطلق کی گردان ہوتی ہے اگلی عبارت قریبًا تک اِس کا اسم ہے ۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ یَكُوْنَ ۔ فعل مضارع مثبت ناقصہ بمعنیٰ مستقبل یعنی ہو گا ۔ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے ۔

قریبًا۔ اسم صفت مشبہ اس کی خبر ہے قرب سے بنا ہے۔ بروزن فعیل۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر اسم ہوا عسٰی وہ جملہ فعلیہ مقاربہ ہوکر مقولہ ہوا۔ یَوْمَ۔ اسم ظرف زمانی جامد ہے۔ بمعنٰی مطلقًا دن۔ اگر اس کو الف لام لگا کر اَلْیَوْم کیا جائے تو معنٰی ہوتا ہے۔ آج۔ یہاں یہ مضاف ہے اور اگلا جملہ فعلیہ اس کا مضاف الیہ اس لیے اب معنٰی ہوا۔ اُس دن۔ یعنی بلانے کے دن۔ یَدْعُوْ۔ فعل مضارع مستقبل صیغہ واحد مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنٰی بلانا۔ اسی سے ہے دعوت۔ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے کُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر مضاف الیہ مرکب اضافی ظرف ہے یکون کا۔ فَ تعقیبیہ اپنے ہی معنٰی میں ہے۔ تَسْتَجِیْبُوْنَ باب افتعال کا مضارع معروف مثبت جمع مذکر حاضر کا صیغہ اس کا مصدر اِسْتِجَابَۃٌ اور اِسْتِجْوَابٌ بمعنٰی قبول کرنا اور بات ماننا مادہ ہے جَوْبٌ اجوف واوی بمعنٰی جواب دینا تُم اس کا پوشیدہ فاعل مرجع ہے کفار قیامت میں حاضر ہونے والے ب۔ حرف جر زائدہ ہے یا حالیہ حَمْدِ مصدر مضاف ہ ضمیر مفعول مضاف الیہ مرکب اضافی جار مجرور ہوکر متعلق ہے۔ تَسْتَجِیْبُوْنَ کا۔ واؤ عاطفہ تَظُنُّوْنَ۔ فعل مضارع مستقبل ظَنٌّ سے مشتق ہے باب نصر سے ہے۔ تُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ ظنٌّ کے معنٰی ہیں۔ وہم۔ گمان کرنا۔ سب سے ناقص گمان وہم ہوتا ہے اور سب سے کامل گمان یقین ہوتا ہے۔ اِنْ نافیہ۔ لَبِثْتُمْ فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر لُبْثٌ سے مشتق ہے بمعنٰی ٹھہرنا۔ رکنا۔ رہنا۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر مُستثنٰی منہ ہوا۔ اِلَّا۔ حرف استثنا متصل۔ قَلِیْلًا صفت مشبہ ہے۔ بروزن فعیل قِلٌّ مضاعف۔ ثلاثی سے مشتق ہے بمعنٰی۔ تھوڑا ہونا۔ بحالت نصب ہے مستثنٰی ہے اس نے سابقہ نفی کو توڑا۔ مستثنٰی منہ اپنے مستثنٰی سے مل کر جملہ استثنائیہ ہوکر مفعول بہ ہوا تَظُنُّوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا۔ سب عطف مل کر جملہ فعلیہ معطوفہ ہوکر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۙ اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا ۭ قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۚ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ۔ اے پیارے محبوب نبی فرما دیجئے کہ ہو جاؤ تم یا بن جاؤ تم۔ یہ امر الزامی نہیں بلکہ تعجیزی ہے یعنی فرض محال اگر تم خود کو پتھر کا بنا لو یا لوہے کا۔ یا یہ امر تخییری ہے۔ یعنی اگر تم لوہے کی طرح وزنی قوت والی دھات بنا دیئے جاؤ جن کا روح اور جان سے کوئی تعلق ہی نہیں ہوتا۔ بوسیدہ پرانی بھربھری ہڈیوں میں پھر بھی روح رہی ہوتی ہے اور وہ ہڈیاں روح کے ذریعے ہی پلتی بڑھتی ہیں مگر لوہا پتھر تو جان و روح سے قطعًا دور ہے غیر نامی جسم ہے۔ یا ایسی مخلوق۔ بن جاؤ جو عقل انسانی اور نظر جسمانی میں بہت بڑی لگتی ہے مثلًا پہاڑ۔ چٹان۔ آسمان زمین اور سمجھو کہ شاید ہماری شدت یا قوت یا بڑائی۔ اور پھیلاؤ کی وجہ سے ہم پر کوئی ہاتھ نہیں ڈال سکتا اور ہم کو پھر دوبارہ انسانیت میں نہیں لا سکتا۔ اور اسی خیال باطل کی بنا پر کہیں گے کہ کون ہم کو پہلی حالت زندگی حیات انسانی

کی طرف لوٹا سکتا ہے یا کون لوٹائے گا۔ یہ تعجب اور سوال انسانی عقل کی کمزوری کی علامت کے سبب ہوتا ہے ورنہ تھوڑے سے تدبر سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ پہلی پیدائش اور خلقت زیادہ دشوار محسوس ہوتی ہے دوسری بار سے۔ انسان کی پہلی تخلیق نطفے کے ایک خوردبینی کیڑے سے ہوئی جو عام نظر سے دیکھا بھی نہیں جا سکتا۔ یہی نطفہ ناچیز بڑھتے بڑھتے ایک دراز قد جسیم شہیم انسان کی شکل بنا دیا جاتا ہے۔ لہٰذا اے نبی ان کم عقل کفار کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے ارشاد فرمائیے کہ وہی ذاتِ باری تعالیٰ جل سُبْحَانَہٗ جس نے تم کو پہلے بالکل ہی نیست سے ہست کر دیا عدم سے وجودِ ہستی میں پیدا فرما دیا۔ جس خالق تعالیٰ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا جب کچھ بھی نہ تھے۔ اب تو مرنے کے بعد بھی تمہارے جسم کا بہت سا حصہ موجود ہے۔ بوسیدہ ہڈیاں خاک کا بنا ہوا جسم۔ اس کے ریزے ذرے یا جلی ہوئی راکھ اب تو فکری طور پر بھی کچھ مشکل نہیں لگتا۔ ان دلائل فطرت کو سن کر فَسَيُنْغِضُوْنَ پس عنقریب سر ہلائیں گے۔ اثبات میں اوپر نیچے لاجواب اور پھیکی شرمندگی کے ساتھ یا دائیں بائیں نفی میں مذاق اور انکار کرتے ہوئے محض ڈھٹائی سے ورنہ ان دلائل کا جواب آج تک کسی کافر کے پاس نہیں ہے۔ یہ سر ہلانا آپ کی طرف دیکھتے ہوئے ہے کہ اچھا یہ بتاؤ کہ وہ ہمارا زندہ ہونا کب ہوگا۔ انسانی فطرت ہے کہ وہ ہر ممکن و ناممکن چیز کو اپنے معیارِ قدرت سے سوچتا ہے۔ جس کو خود کر سکے سمجھتا ہے کہ بس فقط اتنا ہی دوسرے کر سکتے ہیں اور جس کو خود نہ کر سکے سمجھتا ہے اس کو کوئی نہیں کر سکتا۔ اسی بدخیالی نے کفر و شرک پیدا کیا اور اسی نے گستاخیِ نبوت اور مخالفتِ ولایت کی بدعقیدگی و گمراہی پیدا کی اسی معیار سے معجزات۔ کرامات و قدرتِ الٰہیہ کا انکار ہوتا رہا۔ اسی بدگمانی کو انسانی ذہنوں سے مٹانے کے لیے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام کو مظہرِ صفاتِ الٰہیہ بنایا اور اولیاء اللہ کو مظہرِ معجزاتِ انبیاء بنایا علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ ہر باطل فرقہ اور منکرینِ شانِ نبوت و ولایت موجود قدرتیں کرامتیں دیکھ کر عبرت و ایمان نہیں لاتے بلکہ اپنی نفسانی شیطانی خواہشات کے پیشِ نظر ہر اگلی بات اور ہر نئی سے نئی چیز کا مطالبہ کرتے ہیں اسی فطری کمزوری کی بنا پر کہتے ہیں مَتٰى هُوَ۔ جلدی بتائیے یہ عجیب بات اور قدرتوں حیرتوں کا نظارہ کب ہوگا۔ ہم بھی تو دیکھیں۔ قُلْ۔ اے محبوب فرما دیجئے۔ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِيْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَتَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا وقت بہت ہی قریب آ چکا ہو اور پھر یہ ایمان لانے کا وقت اعمالِ صالحہ کرنے کا زمانہ اور یہ موجودہ زندگی کے لمحات اور عملی زندگی کا موقعہ نہ مل سکے گا اُس زندگی کی جلدی نہ مچاؤ وہ تو آنی ہی ہے پہلے اِس زندگی کو تو سنوار لو آج حمدِ الٰہی اتباعِ مصطفائی کے نغمے گا لو تا کہ دوسری زندگی کے لیے مفید ہو سکیں ورنہ جس دن وہ رب تعالیٰ تم کو اپنے حضور قبروں سے اٹھا کر بلائے گا اور تمہاری راکھ خاک مٹی اور بوسیدہ ہڈیوں ذروں۔ ریزوں کو دوبارہ اسی طرح اسی شکل اسی جسم اسی رنگ ڈھنگ کا لباسِ بشری پہنا کر اسی

کھال گوشت اور قد کاٹھ کی انسانیت دے کر مقام حشر کی طرف بھگائے گا دوسرے نفخۂ صور کے وقت۔ اسرافیل کی آواز کے ذریعے فَتَسْتَجِيبُونَ ۔ تو تم سب مومن کافر نیک وبد نئے پرانے زبانِ حال اور زبانِ قال سے اُس خالق مالک رازق جبیب وجلیل کی حمد پڑھتے ہوئے اُس کے بُلاوے کو جارونا چار قبول کرو گے مومن تو اس لیے کہ موجودہ زندگی میں ہی ہر وقت اُن کی عادت نماز صلوٰۃ کلمہ کلام تسبیح و تہلیل وِرد وظائف حمد ونعت و ماؤ مناجات پڑھنے کی تھی اُن کے تو رگ رگ اور دل دماغ میں اللہ رسول کا ذکر سمایا ہوا تھا اُس دن قبروں سے اُٹھتے ہی وہی پرانی عادت غنچوں اور کلیوں کی طرح اُن سے پھوٹ پڑے گی اور اُن کا اس اندازِ حمد ونعت سے میدانِ محشر کی طرف جانا جلوسِ عید میلاد کا نقشہ پیش کرے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ لیکن کفار۔ منافقین۔ گستاخین فاسقین کی حمد یا تو زبانِ حال سے ہوگی کہ وہ اُس دِن حسرت سے ہر چیز کا اقرار کر لینے کو تڑپتے مچلتے ہوں گے اور یا ان کی وہ روحانی ونورانی جبلّت جو ہر انسان کے اندر امانتِ الٰہیہ ہے اور دنیا میں زندگی بھر کفار نے اپنے کفر کے اندھیرے گھٹا ٹوپ پردوں میں اُس کو چھپائے رکھا اُس دن نئے جسم میں خود بخود غالب آجائے گی اور کفار کی زبان سے بھی حمد و تسبیح سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ کے لفظوں میں ادا ہوتی رہے گی اور یا اس دن اپنے کفر کی حالتِ زار۔ مومنوں کی شان۔ اللہ کے تمام وعدوں کی سچائی انبیاء کرام علیہم السلام کی خبروں کی حقانیت دیکھ کر روتے گڑگڑاتے ہوئے حمدِ باری تعالیٰ کریں گے مگر یہ کوئی حمد بھی اُس دن ان کو مفید نہ ہوگی بلکہ مزید نقصان دِہ ہوگی کہ فرشتوں کی لعنت ملامت کا باعث بنے گی۔ اے سرکشو، اور اُخروی زندگی کے منکرو دنیا کی عیش وعشرت میں پھنسنے والو اور لمبی زندگی چاہنے والو آج تم دنیا کو بہت کچھ زیادہ دراز سمجھ رہے ہو مگر اُس دن يَظُنُّونَ گمان کرو گے مدتِ قیامت کی درازی دیکھ کر یا عذاب اور تکلیف دیکھ کر یا جہنم کی ابدی زندگی کی خبر سن کر کہ ہائے اے ہمارے کافر ساتھیو ہم تم عیش وستی کی غفلت والی دنیا میں نہیں ٹھیرے تھے مگر بہت ہی تھوڑا۔ ہم کتنے احمق بیوقوف اور بدقسمت تھے کہ اسی عارضی فانی اور تھوڑی سی زندگی پر ہی مر مٹے تھے۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ۔ اگرچہ ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے مگر روح اور جان حقیقی طور پر حیوانات میں پائی جاتی ہے اور مجازی زندگی جسم نامی میں ہوتی ہے لیکن جمادات پتھر لوہے میں کوئی زندگی نہیں نہ حقیقی نہ مجازی یہ فائدہ كُونُوا حِجَارَةً الخ فرمانے سے حاصل ہوا کہ عدمِ زندگی کے لیے لوہے پتھر کا ذکر کیا گیا۔

دوسرا فائدہ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ غفلت کی زندگی چھوڑ کر حمد و تسبیح عبادت اور ذکر الٰہی کی زندگی اختیار کریں۔ کیونکہ قبروں سے اُٹھ کر سب سے پہلے یہ حمد و ذکر ہی کام آئے گا۔ کفار جب اپنے خالق کو بھول گئے تو اپنے لوٹانے

والے کے بھی منکر ہو گئے۔ اور تین سوالات کرتے رہے۔
۱۔ کون زندہ کرے گا ۲۔ کیسے زندہ کرے گا۔ ۳۔ کب زندہ کرے گا۔ یہاں تینوں کا جواب دیا گیا۔ یہ فائدہ بِحَمْدِہٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ حمدِ الٰہی سب سے بابرکت عبادت ہے کہ آخرت میں سب عبادتیں ختم ہو جائیں گی مگر رب تعالیٰ کی حمد وہاں بھی ہوگی لیکن وہاں تشریعی یا فرض واجب کوئی کام نہ ہوگا بلکہ لذت اور غذا کے مثل ہوگا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر صیغہء امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا بلکہ فقہ حنفی کے مطابق اصولِ فقہ کے بیان کردہ امر کے سولہ معنےٰ درست ہیں۔ دیکھو یہاں۔ کُوْنُوْا۔ صیغہء امر ہے لیکن نہ وجوبی ہے نہ تکلیفی بلکہ تعجیزی یا تخبیری ہے لہٰذا امام شافعی کا فرمان درست ہوا کہ امر صرف وجوبی اور الزامی ہی ہوتا ہے یہ مسئلہ کُوْنُوْا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ لفظِ عسیٰ خبر کے لیے بھی آتا ہے اور شک کے لیے بھی لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے اقرار میں یا طلاق۔ اور نکاح۔ خرید و فروخت میں یا کسی وعدے میں عسیٰ کا لفظ استعمال کرے تو حنفی مسلک میں وہ اقرار اور انعقاد یا وعدہ نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ قُلْ عسیٰ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اُردو میں عسیٰ کا ترجمہ ہے شاید اور عنقریب۔

تیسرا مسئلہ۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وآلہٖ وبارک کو قیامت کا پورا پورا علم ہے کہ کب اور کیسے ہوگی اور بہت سی احادیث سے بالوضاحت ثابت ہے۔ یہاں عسیٰ فرمانا عام بندوں کے اعتبار سے ہے یہ مسئلہ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ اور تَظُنُّوْنَ۔ کے جملہ خبریہ سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا جو بدبخت یہ کہے کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کا علم نہیں ہے وہ گمراہ اور فاسق گنہگار ہے اور گستاخ ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِہٖ وہ حمد کو قبول کریں گے۔ حالانکہ پہلے یَدْعُوْکُمْ میں بلانے کا ذکر ہے تو چاہیے تھا بحمدہٖ نہ ہوتا بلکہ بِدَعْوَتِہٖ یا بِاَمْرِہٖ۔ ہوتا۔

جواب۔ یہاں بؔ جارّہ مفعولیت کی نہیں بلکہ بمعنےٰ ساتھ ہے یعنی وہ حمد کے ساتھ امر کو قبول کریں گے حمد کرتے عاجز ہوتے گڑگڑاتے ہوئے ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا بِحَمْدِہٖ کا معنےٰ ہی بِاَمْرِہٖ ہے سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اہل قبور سروں سے مٹی جھاڑتے اور سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ پڑھتے اٹھیں گے۔ بعض کہتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ پڑھتے اٹھیں گے (مسئلۃ الرازی)

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا۔ قیامت قریب ہی ہے۔ چودہ ۱۴۰۰ سو سال تو گزر چکے ہیں اس

فرمان کو۔ ابھی تک تو آثار بھی نہیں آئے تو قریب کیسے ہوا اور یہ فرمان کیونکر ٹھیک ہوا؟

جواب۔ یہ اعتراض اوّلاً امام رازی کے زمانے کیا گیا اس وقت چھ سو سال گزرے تھے اب بھی حالانکہ بدستور یہ اعتراض قائم ہے کوئی بھی کر سکتا ہے اس لیے ہم نے اپنے زمانے سنہ ہجری لکھ کر اعتراض قائم کیا۔ اس کا جواب امام رازی نے یہ فرمایا کہ قریب ہونا دنیا کی پوری مدت کے اعتبار سے ہے نبی کریم کے زمانے میں دنیا کی زیادہ مدت جو حضرت آدم سے شروع ہوئی ہزاروں سال گزر چکی تھوڑی باقی ہے اس لیے قریبًا کہنا بالکل درست ہے۔ دوسرا جواب یہ ہو سکتا ہے مقصد قیام دنیا پورا ہو چکا ہے یعنی نبوت کا سلسلہ اب تو صرف قیامت کا ہی انتظار ہے جس میں اس سلسلے کا نتیجہ ظاہر ہونا ہے۔ یعنی قریبًا ہے انتظار میں بجز اس کے اب کسی اور کا انتظار نہیں رہا۔

تیسرا اعتراض۔ حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا کے بعد اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ کیوں فرمایا گیا بے حیات اور نا قابلِ زندگی ہونا تو حجر و حدید فرمانے سے ہی معلوم ہو گیا تھا۔

جواب۔ کفار کی ناقص عقل بعض اوقات بعض پتھروں میں زندگی مان لیتے ہیں اور ان کو دیوی۔ دیوتا بت مورتی اور مہاراج کہنے لگ جاتے ہیں اس لیے فرمایا گیا کہ ان کے علاوہ جس کو تمہارے دل دماغ بے جان اور انتہائی ناقابلِ حیات سمجھتے ہیں فرض کرو۔ وہ مخلوق وہ چیز تم بن جاؤ تب بھی رب تعالیٰ خالق سُبْحَانَهٗ تم کو پہلی حالت کی طرح پیدا کر سکتا ہے یا تم بذات خود موت ہی بن جاؤ جو زندگی کی ضد ہے تب بھی تم کو تبدیل کر کے زندگی بنا سکتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَسَيُنْغِضُوْنَ اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هُوَ۔ اے قلبِ محبوب اپنے اعضاءِ باطنی اور قوتِ نفسانیہ کو خبردار فرما دے کہ بیشک غفلت کی شدت میں مثل پتھر ہو جاؤ یا گناہ اور نافرمانی کی قوت میں لوہا بن جاؤ یا مکاریِ اعمال کا کوئی بڑا حیلہ فساد۔ شرارت کا پہاڑ کھڑا کر دو جو تمہاری نظر میں بہت کچھ ہو۔ پھر مغروریت دماغی سے کہتے پھرو کہ کون ہماری ذلتوں شرارتوں کو ختم کر کے تذکیۂ روحانی اور قلبِ نورانی کے میدانِ محشر اور مقامِ حساب کتاب میں قیامت صغریٰ برپا کر سکتا ہے۔ اے انوارِ باطنی قلبِ مُذکّیٰ تو ہی فرما اور زبانِ فطرت سے کلماتِ الٰہیہ سے تو ہی بتا کہ وہ ذاتِ وحدت جس نے تم کو عالمِ امر میں انوار کے جھمگھٹوں میں پہلی مرتبہ تاجِ وجود خلعتِ پیدائش۔ فنائیت سے بقاءِ ہست بخشا۔ تو میدانِ قلبیہ کی طرف اپنی توجہ باطنی کرتے ہوئے اے قلبِ فطرت قلمِ قدرت یہ نفوسِ رذیلہ تیری طرف اپنے دماغی خیالات عقلی تصورات کو جھکاتے ہوئے کہیں گے کہ یہ خیالات و گمانات کی نوری تبدیلی کب ہو گی۔ گناہ مثل پتھر ہے اور کفر مثل لوہا ہے لیکن صحبتِ بد يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ ہے تمام

اشرار پر بادی ہے۔ انسان پر تعجب ہے کہ اپنی خواہشات پر بیشمار خرچ کرتا ہے اور اللہ کی راہ میں ایک درہم ایک روپیہ خیرات کرنے سے غریبی کا رونا روتا ہے اور قتل لوہے پتھر کے بخیل ہو جاتا ہے۔ امام شعرانی فرماتے ہیں کہ لوگوں سے کم ملو تاکہ دو طرفہ پردہ قائم رہے کثرتِ ملاقات سے نظروں میں حقیر ہو جاتا ہے۔ تین چیزیں مثل سانپ بچھو اور موذی ہیں۔

ع ۱ بُرے دوست ۲ دنیوی دولت ۳ دنیا پرستی۔ اِن کا تعویذ شریعت کا راستہ ہے اور راہِ طریقتؒ معرفت وہ زندگی ہے جو غفلت کی موت کے بعد ہے۔ جو شریعت کے تعویذ کو اور طریقت کے وظیفے کو مضبوطی سے سنبھال کر پاس رکھے گا وہ موذیاتِ نفسانی سے بچا رہے گا۔ اے غافل تو اپنے بھائی کی میت پر روتا ہے جو زندہ نہیں ہو سکتا۔ اور اپنے مردہ دل پر نہیں روتا جو تیرے رونے سے ہی زندہ ہو جائے گا اپنی آرزوؤں کو دل کی دل میں ہی مار ڈال۔ دل کو ان کے اندر مست مار۔ کہ دنیا پر ہی مر مٹے۔ دنیا بہت جلدی فنا ہونے والی ہے۔ قُلْ عَسٰۤى اَنْ یَّكُوْنَ قَرِیْبًا یَوْمَ یَدْعُوْكُمْ فَتَسْتَجِیْبُوْنَ بِحَمْدِهٖ وَ تَظُنُّوْنَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا اے نقارہ مرمدیہ آواز دے رہے نفوسِ ابلیسیہ کو کہ بہت ہی جلدی ہے کہ تمہاری آخرت قریب ہو جائے وہ مشاہدۂ ازلیہ قدیمیہ کا روشن یوم مراد ہے جب کہ بلانے والا منزلِ مقصودِ ذاتی کی طرف بلائے گا۔ تو تم سب اہلِ نفس و عقل ہوا و ہوس ذکرِ سرّی کی حمدیں پڑھتے چلے آؤ گے اور یقینِ کامل سے گمانِ باطنی کرو گے کہ دنیا بعیش و مستی میں صرف تھوڑی ہی مدت ٹھہرے رہے اس لیے کہ بے ادبی گستاخی باطل کے شور کی مثل ہے اور احترام قلب دشکر حق کا زور ہے۔ اور یہ اصل حقیقت ہے کہ جس میں ادب نہیں اس میں سب بیماریاں ہیں۔ اے بندے عشق انتقام اور کینے بدلے کو بھول جا کیونکہ یہ زخم باطنی کو ہرا رکھنے والا ہے۔ سب کی آخرت ایک دن آنے والی ہے۔ انتقام کو منتقم حقیقی ازلی ابدی قدیم کی طرف چھوڑ دے۔ اور بندۂ صابر بن جا کہ یہی کامیابی ہے۔

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ

اور اے نبی تم فرما دو میرے بندوں کو کہ وہ سب بولا کریں وہ کلام جو بہت خوبصورت اچھا ہو۔ کیونکہ

اور میرے بندوں سے فرماؤ وہ بات کہیں جو سب سے اچھی ہو بیشک

الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ بَيْنَهُمْ ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ

شیطان ہی اُن کے درمیان جھگڑے کراتا ہے بیشک شیطان

شیطان ان کے آپس میں فساد ڈال دیتا ہے بیشک شیطان

لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿۵۳﴾ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ۭ

انسان کا کھلا دشمن ہے ۔ تمہارا رب ہی سب سے زیادہ

آدمی کا کھلا دشمن ہے ۔ تمہارا رب تمہیں خوب جانتا

اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ يَّشَاْ يُعَذِّبْكُمْ ۭ وَمَآ

تم کو جاننے والا ہے اگر وہ چاہے تو تم پر ہمیشہ رحم ہی کرے اور اگر چاہے تو تم کو سزائیں دے ۔ اور اے نبی

ہے وہ چاہے تو تم پر رحم کرے چاہے تو تمہیں عذاب کرے اور

اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۵۴﴾ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ

ہم نے آپ کو ان پر ذمہ داری نہیں دی ۔ اور آپ کا رب ہی اُن تمام کو پوری

ہم نے تم کو ان پر کڑوڑا بنا کر نہ بھیجا اور تمہارا رب خوب جانتا ہے

بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا

طرح جاننے والا ہے جو تمام آسمانوں و زمین میں ہیں ۔ اور البتہ بیشک ہم نے ہی کچھ

جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں اور بیشک ہم نے نبیوں میں

بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰي بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿۵۵﴾

انبیاءِ کرام کو کچھ انبیاءِ عظام پر فضیلت بخشی اور ہم نے ہی داؤد کو زبور عطا کی

ایک کو ایک پر بڑائی دی اور داؤد کو زبور عطا فرمائی

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے پیارے حبیب نبی۔ کافروں سے فرمائیے۔ اب یہاں فرمایا جارہا ہے کہ اے پیارے نبی مومنوں اور ہمارے مخلص پیارے بندوں سے فرمائیے۔ اُمت دو ہی قسم کی ہوتی ہے۔
۱ اُمتِ دعوت جس میں تمام دنیا کے انسان تاقیامت داخل ہیں ۲ اُمتِ اجابت اُس میں صرف اہل ایمان داخل ہوگئے۔ پچھلی آیت میں امت کی ایک قسم کا ذکر ہوا اب یہاں اُمت کی دوسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے۔ تاکہ معلوم ہوجائے کہ اُمت دو قسم کی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں کافروں کی بری اور کفریہ باتوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں مسلمانوں کو اچھی ایمان والی باتیں کرنے اور بری کافروں گستاخوں بے ادبوں جیسی باتیں کرنے سے منع فرمایا جارہا ہے کہ وہ کافروں کا وطیرہ تھا اور یہ ایمان والوں کا شیوہ ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بڑی چھوٹی مخلوق کے ابتداء فرمانے کا ذکر ہوا تھا اور بتایا گیا تھا کہ باری تعالےٰ سب کو دوبارہ بھی پیدا فرماسکتا ہے۔ اب ان آیت میں بتایا جارہا ہے کہ خالق تعالیٰ اپنی تمام مخلوق کو ہر وقت ہر حالت میں جانتا ہے خواہ زمین میں موجود اور مرمٹ چکی ہوں یا آسمانوں فضاؤں میں اڑتی بکھرتی پھریں یا عرش کرسی پر موجود ہوں۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیت میں قرآن مجید کی شریعت کا ذکر ہوا۔ یہاں زبور شریف کی طریقت اور مناجات کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔
شانِ نزول۔ تفسیر خزائن العرفان میں صدر الافاضل مراد آبادی علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ کفارِ مکہ جب قحط شدید میں مبتلا ہوئے اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کتے بلے اور مردار تک کھاگئے۔ تو نبی کریم رؤف و رحیم کو مشکل کشا حاجت روا جانتے مانتے ہوئے فریاد لائے اور آپ سے قحط دور کرنے کی التجائیں کیں تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ از آیت ۵۶ تا آیت ۵۷ جن میں بتایا کہ مصیبت کے وقت اللہ رسول کے پاس آتے ہو اور اللہ رسول کو پکارتے ہو لیکن آسانی کے وقت بتوں کو پوجتے اور ان سے مانگتے ہو۔ اے کافرو کم عقلو۔ اسی رب تعالیٰ کو حقیقی واحد معبود مانو۔ جس کے حضور مصیبتوں میں فریاد لاتے ہو۔ ایک قول یہ ہے کہ کفار مکہ غریب مسلمانوں کو گالیاں دیا کرتے تھے تو ایک دفعہ غریب مسلمانوں نے بارگاہ نبوت میں شکایت کی اور جواباً اسی قسم کی باتیں کرنے کی اجازت مانگی تب یہ آیت کریمہ ۵۳ نازل ہوئی جمہور علماء فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے آیت سیف سے جس طرح ہم نے اپنے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں آیات منسوخ کی پوری فہرست میں اس کو شامل کیا ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ منسوخ نہیں کیونکہ یہ صرف گفتگو کا حکم ہے جو تا قیامت جاری ہے۔ اور جو آگے وجہ بیان ہو رہی ہے وہ بھی اسی کی تائید کر رہی ہے جب شیطان تاقیامت فسادی تو قولِ حسن کا حکم بھی تاقیامت جاری۔

تفسیر نحوی

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ

واؤ سرجملہ قُلْ فعل امر حاضر اَنْتَ ضمیر حاضر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ لام جارہ تعدیہ کا۔ عِبَادْ جمع ہے عبد کی لغوی ترجمہ عبادت کرنے والا صیغہ مبالغہ حاصل مصدر جامد اصطلاحی ترجمہ ہے ہر قسم کا بندہ۔ فرماں بردار یا نافرمان۔ یہاں مراد ہے مومن مسلمان تا قیامت۔ یْ۔ ضمیر متکلم واحد جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ جل شانہٗ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قُلْ کا جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اگلا جملہ اس کا مقولہ ہے۔ یَقُوْلُوْا۔ فعل مضارع مثبت معروف بمعنیٰ امر غائب صیغہ جمع مذکر غائب۔ لام امر پوشیدہ ہے اس لیے آخر سے نون اعرابی گر گئی۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس میں فاعل ہے اَلَّتِیْ اسم موصول مؤنث کیونکہ اس کا موصوف قول ہے جو غیر ذوی العقول سے ہے۔ ھِیَ ضمیر واحد مؤنث غائب مرفوع مبتدا ہے اَحْسَنُ اسم تفضیل مذکر واحد حُسْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اچھا ہونا پیاری باتیں کرنا۔ با اخلاق ہونا بحالت رفع ہے خبر مبتدا ہے جملہ خبریہ یا انشائیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَقُوْلُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہوا قُلْ کا یا مقولہ ہوا۔ اور جملہ فعلیہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرف تحقیق الف لام استغراقی۔ شیطان سے مراد سارے چھوٹے بڑے شیطان ہیں یَنْزَغُ۔ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف بمعنیٰ حال واحد مذکر غائب نَزْغٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے فسادی ہونا وسوسہ ڈالنا بَیْنَ اسم ظرف اسم متمکن مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی ظرف ہوا یَنْزَغُ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی اِنَّ کی اَلشَّیْطٰنَ بحالت نصب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے مفرد اور جامد ہے۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل الف لام عہدی ہے۔ لفظ شیطان اسم صفاتی ہے ابلیس کا شَطَنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مغرور۔ سرکش۔ غدار۔ باغی۔ یا شَیْطٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہلاک ہونا یا تَشَلُّطٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلایا ہوا ہونا۔ دور ہٹایا ہوا ہونا۔ بحالت نصب ہے اسم اِنَّ ہے۔ كَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر مستتر اس میں ہے مرجع شیطٰن ہے۔ لام جارہ الف لام جنسی۔ اِنْسَانِ مجرور ہے۔ مراد ہے ہر آدمی عورت و مرد، بچہ جوان بوڑھا نیک و بد۔ نبی ولی عالم جاہل جار مجرور متعلق ہے كَانَ کا۔ عَدُوًّا اسم مفرد جامد بمعنیٰ دشمن مرسرف ہے مُبِیْنًا۔ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر ہے صفت ہے اس کا مصدر ہے اِبَانَۃٌ بمعنیٰ صاف بیان کرنا۔ ظاہر ظہور کھلا دشمن یہ مرکب توصیفی خبر ہے كَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا رَبُّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ پروردگار مضاف ہے۔ كُمْ ضمیر جمع حاضر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا ہوا۔ اَعْلَمُ۔ عِلْمٌ سے مشتق ہے۔ اسم تفضیل مذکر ہے بمعنیٰ بہت ہی جاننے والا۔ بْ جارہ تعدیہ کی كُمْ ضمیر مجرور متصل متعلق ہے اَعْلَمُ کا یہ جملہ اسمیہ بن کر خبر مبتدا ہوئی اور جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ اِنْ حرف شرط۔ یَشَاءُ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع

صیغہ واحد مذکر غائب۔ شَیٌٔ سے مشتق ہے بمعنی چاہنا۔ پسند کرنا ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع ہے رَبُّ یہ جملہ فعلیہ شرط ہوگیا۔ یَرْحَمْ۔ مضارع مثبت معروف رَحِمَ سے بنا ہے۔ بمعنی ہر طرح کی نگاہداشت کرنا۔ کُمْ ضمیر۔ مفعول بہٖ یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی سب مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا پھر معطوف علیہ ہوا اَوْ حرف عطف تردیدی۔ اِنْ۔ حرف شرط۔ یَشَأْ۔ فعل مضارع جملہ فعلیہ باب ضَرَبَ کا مضارع مجزوم اس میں پوشیدہ ضمیر ھُوَ اس کا فاعل ہے مرجع رب تعالیٰ یُعَذِّبْ۔ باب تفعیل کا مضارع۔ مجزوم ہے جزا ہونے کی وجہ سے۔ یہ شرط جزا مل کر معطوف ہوا معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول فیہ ہوا اَعْلَمُ کا۔ یعنی رب تعالیٰ تم کو اس بات میں بہت جاننے والا ہے کہ چاہے تو رحم کرے چاہے تو عذاب کرے۔ اَعْلَمُ اپنے اسم اور متعلق اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر بنتا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا اَرْسَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا۔ واؤ مرسلہ مَا اَرْسَلْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف صیغہ جمع متکلم مخاطب فاعل اللہ تعالیٰ ہے رُسُلٌ سے بنا ہے اِرْسَالٌ مصدر ہے متعدی ہے بمعنی بھیجنا۔ كَ ضمیر واحد حاضر مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے۔ عَلَيْهِمْ جار مجرور متعلق ہے مَا اَرْسَلْنَا کا۔ ہِمْ کا مرجع انسان ذہنی استغراقی۔ وَكِيلًا۔ بروزنِ فعیلًا صفت مشبہ۔ بمعنی ذمہ دار جواب دہ۔ اردو میں اس کو کروڑا کہتے ہیں۔ لفظ وکیل عام ہے بہت معنی میں جس میں ایک معنی یہ ہے۔ جواب دہ یعنی کروڑا۔ صرف یہی معنی یہاں مراد ہے اس معنی میں نہ ہم اللہ تعالیٰ کو وکیل کہہ سکتے ہیں نہ رسول پاک کو۔ بحالتِ نصب ہے۔ حال ہے كَ وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ واؤ مر جملہ۔ رَبُّ اسم جامد بمعنی پالنے والا۔ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے اس لیے کسی اور کو کہنا جائز نہیں ہے۔ بحالت رفع۔ ہے مبتدا مضاف ہے اس لیے تنوین (دو پیش) نہیں آسکتے كَ ضمیر مخاطبہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر۔ بحالتِ رفع خبر ہے رَبُّكَ مبتدا کی۔ بِ جارہ تعدیہ کی مفعول بہٖ کے درجے میں مابعد اسم کو کردیتی ہے مَنْ موصولہ فِيْ جارہ السَّمٰوٰتِ اسم جامد جمع جنسی اس کا واحد ہے سَمَآءٌ بمعنی آسمان یا بلندیاں یا فضائیں۔ یا فلکیات۔ واؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام ظاہر باطن زمین۔ اَرْضٌ اسم جامد مؤنث لفظی اس میں تاءِ تانیث پوشیدہ ہے دراصل ہے اَرْضَةٌ۔ معطوف ہے سماوات پر بسبب عطف مجرور ہے فِيْ جارہ سے متعلق دوم ہے اَعْلَمُ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر اور مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ قَدْ فَضَّلْنَا فعل ماضی قریب مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مخاطب فاعل باری تعالیٰ جَلَّ شَانُهٗ۔ بَعْضَ اسم جامد مفرد بمعنی چند یا کوئی۔ کسی یا کچھ لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے بعض نحات کہتے ہیں کہ حکماً جمع قلت ہے تین سے دس تک کے لیے مستعمل ہے مگر صحیح قول یہ ہے کہ جماعت کے یا جسم کے آدھے سے کم حصے کو کہتے ہیں۔

اسی سے ہے لَعُوْحَنَّ بمعنٰی مجبر بحالت نصب مفعول بہ ہے قَدْ فَضَّلْنَا کا ۔ تنوین دو زبر اس سے مانع اضافت ہے اَلنَّبِیِّیْنَ ۔ الف لام استغراقی بمعنٰی اتمام ۔ نَبِیِّیْن اسم جمع مذکر سالم کثرت اس کا واحد ہے نبی نَبَأٌ سے مشتق ہے بمعنٰی غیب کی خبر دینا ۔ اصطلاحًا اسم جامد ہے یعنی اللہ تعالٰی کا پیغام لانے والے بے مثل انسان یہ خصوصی عطائی صفت ہے کسی غیر نبی کو نبی کہنا کفر ہے علٰی جارہ بَعْضٍ اس کا مجرور متعلق ہے قَدْ فَضَّلْنَا کا ۔ یہ سب فعل فاعل مفعول بہ ۔ متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا ۔ واؤ سر جملہ آتَیْنَا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل رب تعالٰی ۔ اَتْیٌ سے بنا ہے ۔ بمعنٰی دینا ۔ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے ۔ دَاوٗدَ ۔ اسم مفرد جامد غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اور علم ہے ۔ عبرانی لفظ ہے عبرانی میں اس کا ترجمہ تھا ۔ عجز اور مسکینیت کرنے والا ۔ نرم و گداز طبیعت والا ۔ یہ نام ہے دوسرے صاحب کتاب نبی مرسل پیغمبر علیہ السلام کا ۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ اول ہے آتَیْنَا کا ۔ زَبُوْرًا ۔ اسم جامد عبرانی لفظ ہے یا بروزن فعول عربی لفظ ہے بمعنٰی مفعول مزبور اس کی تین قرأتیں ہیں ۔ ۱ زبور یہی مشہور ہے ۲ زُبور خفیہ ہے ۳ زِبور کسرے سے یعنی لکھی ہوئی کتاب ۔ عبرانی یا سریانی لغت میں نازل ہوئی تھی اس کا ترجمہ ہے کھجور کے پتے ۔ لمبی پتھر کی سلیں ۔ کثرت استعمال سے چمڑے ۔ پتھر ۔ یا درخت کی چھال پر لکھی عبارت کو زبور کہا جاتا رہا ۔ یہاں مراد ہے کلام الٰہی کی دوسری مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہ کتاب جو قدرتی موٹی جھلی پر لکھی ہوئی نازل ہوئی تھی ۔ بحالت نصب ہے ۔ کیونکہ مفعول بہ دوم ہے آتَیْنَا کا ۔ آتَیْنَا اپنے فعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا ۔

تفسیر عالمانہ

وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ ؕ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ

اس آیت کی دو طرح تفسیریں کی گئی ہیں ایک یہ کہ پیارے حبیب نبی میرے مخلص محبوب اہل ایمان بندوں کو فرما دیجئے کہ کفار کی گستاخانہ باتیں کڑوی کسیلی ذلت آمیز گفتگو گالی گلوچ سَبّ و شَتْم سن کر نہ غم زدہ ہوں نہ طیش میں آکر جوابًا بُری اور غلیظ باتیں کریں نہ گالی کا جواب گالی سے دیں بلکہ نہایت پاکیزہ ستھری بااخلاق میٹھی ایمانی باتیں کفار اور دشمنوں سے کریں اس کی تین وجہ ہیں ایک یہ کہ کفار گندے تو ان کی گفتگو بھی گندی غلیظ بری جو شخص جیسا ہوتا ہے ویسی ہی اُس کی گفتگو ہوتی ہے جو اندر بھرا ہوتا ہے وہی اس کے اندر سے نکلتا ہے ۔

تا مرد سخن نہ گفتہ باشد ۔۔۔ عیب و ہنرش نہفتہ باشد

جو بات کسی سے کرو اچھی ہو بھلی ہو کڑوی نہ ہو کھٹی نہ ہو مصری کی ڈلی ہو ۔

لیکن مومنوں کی شان یہ ہے کہ سینے میں قرآن مجید ہے دل میں صاحب قرآن ہے صلی اللہ علیہ وسلم زبان پر

تلاوتِ قرآن اور دماغ میں حدیث و تفسیر ہے اس لیے گفتگو بھی چمنِ مصطفیٰ کے پھولوں جیسی ہونی چاہیے دوسری وجہ یہ کہ سخت گفتگو سے شیطان آپس میں نفرت اور دشمنی ڈالتا ہے کہ دوریاں اور دوئیاں زیادہ بڑھتی ہیں محبت والفت کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تیسری وجہ یہ کہ اے مسلمان تو برائے وصل کردن آمدی۔ نے برائے فصل کردن آمدی۔ تم تو بچھڑوں کو ملانے ۔ بگڑوں کو بنانے روتوں کو ہنسانے ۔ اور کفر و طغیان سے جہنم میں گرنے والوں کو تعلیمِ محمد مصطفیٰ اور اخلاقِ احمدِ مجتبیٰ کے ذریعے کافر کو مومن بنا کر بچانے والے ہو۔ شرکیات و فسقیات سے ہٹا کر شرعی عبادات میں پہنچانے والے تم نے کائناتِ عالم پر چھا کر اپنے عمل و کردار۔ اقوال و کلام سے کفرستان کو اسلامستان بنانا ہے ۔ صرف شیطان ہی تمہارا کھلا کھلا دشمن ہے جو تمہارے اس راہِ سعادت میں رکاوٹیں پیدا کرتا ہے ۔ اس کی دشمنی تم سے پرانی قدیمی چلی آرہی ہے ایسی دشمنی کہ دنیا میں ہر برائی پر وسوسہ دینے والا ساتھی آگے پیچھے دائیں بائیں سے تمہارے قریب آنے والا ہمراہی لیکن قیامت میں ہر مقام پر تم سے بیزار و باغی اے مسلمانو پیارے محبوب کے صحابیو مخلصو عابدو۔ زاہدو۔ ہمارے عشق میں آہِ سحر گاہی کرنے والو نہ گھبراؤ۔ تمہارا رب تعالیٰ تم کو تمہارے حالات کو مصائب و آلام کو تم سے زیادہ جاننے والا ہے یہ اُس کی حکمت ہے کہ اگر چاہے اور جب تک چاہے ان کفار کی تکلیفوں سے تم کو بچا کر تم پر رحم فرمائے ۔ یا چاہے تو کائناتِ عالم کو بلال و یاسر۔ بوذر و سلمان کی ثابت قدمی عشقِ الٰہی اُلفتِ محمدی کی صداقت و امانت دکھلانے کے لیے کفارِ مکہ و طائف کے ہاتھوں ایذاؤں تکلیفوں کا عذاب دے ۔ یا توفیقِ ذکر و شکر صبر و رضا کا تمہارے دلوں پر رحم کرے اور کفار کی سُبّ و شتم بری باتوں سے تمہارے جسموں پر عذاب کرے ۔ یا زبانِ مصطفیٰ سے نغمۂ توحید سنا کر تمہاری روح و دماغ پر رحم فرمائے یا چاہے تو دشمن کفر و نفاق کی برائیاں فریب کاریاں طعنے بازیاں سنا کر تمہارے قلب و عقل کو جسمانی عذاب دے ۔

دوسری تفسیر ۔ اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فرما دیجئے میرے گمراہ اور بھٹکے ہوئے اُن بندوں سے جو ابھی کفر شرک کی گندگی میں پڑے ہوئے ہیں کہ انسان بنو اور وہ باتیں کیا کرو جو عقل و فہم ۔ تہذیب و تمیز۔ ایمان عرفان ۔ دین و دنیا کے نزدیک اچھی ہوں کفر کو چھوڑ کر ایمان کی ضلالت کو چھوڑ کر ہدایت کی ۔ بتوں کو چھوڑ کر اللہ معبود سبحانہٗ و تعالیٰ کی۔ شیطان کو چھوڑ کر رحمٰن کی انکارِ قیامت کو چھوڑ کر اقرارِ قیامت قبر و حشر کی فنا و موت کی چھوڑ کر اگلی زندگی کی اس جہان کی عیاشیاں چھوڑ کر اگلے جہان کے دائمی عیش کی باتیں کیا کرو ۔ یہ نہ کہو کہ پھر ہم کو کوئی زندہ نہیں کر سکتا ۔ بلکہ قولِ حسن اسی بات پر ایمان لانا ہے کہ جو خالق تعالیٰ پہلے پیدا کر سکتا ہے وہ دوبارہ بھی بنا سکتا ہے پیدا کرنے سے بنانا زیادہ آسان ہے ۔ یہ شرک کفر اور غلیظ باتیں گالی گلوچ ظلم و تشدد شیطان ہی ان کافروں کے درمیان ڈالتا ہے ۔ اور نفرتوں کے فساد مچاتا ہے ۔ بیشک ابلیس و شیطان تمہارا کھلا کا ہر ظہور

پرانا دشمن ہے کچھ عقلمند بنو اور جلدی دامنِ نبوّت میں قرآن و حدیث کے قلعے میں آگر اس ازلی دشمن سے بچو یہ شیطان صرف تمہارا ہی نہیں بلکہ ہر انسان کا دشمن ہے کہ کفّار کو جہنّم میں پہنچانا چاہتا ہے اور مسلمانوں کو مصیبت میں پھنسانا چاہتا ہے ۔ اے کافرو ۔ اللہ تعالیٰ کو کسی آن غافل نہ سمجھو تمہارا رب تم کو تم سے بھی زیادہ جاننے والا ہے تمہاری ہر ہر حرکت کو جانتا ہے اور تم پر اس کا پورا قابو ہے ۔ چاہے تو تم کو ایمان دے کر تم پر دائمی رحم فرمائے یا چاہے تو تمہاری سختی و قلب کی بنا پر تم کو کفر پر ہی مرنے مٹنے دے اور قبر و حشر میں عذاب دے ۔ مفسّرین کے نزدیک یہ پہلی تفسیر قوی و مناسب ہے ۔ اس لیے کہ قرآن مجید کی کچھ اپنی اصطلاحات ہیں ان میں ہی لفظِ عِبَادِی ۔ عِبَادُنَا اور عِبَادُ اللہ یہ سب اس قسم کے خطابات اصطلاحاتِ قرآنیہ میں صرف مسلمانوں کے لیے ہی بولے جاتے ہیں کفّار کے لیے لفظ کفّار یا لفظِ انسان سے خطاب ہوتا ہے واللہُ اَعلم بِالصّواب ۔ جنہوں نے دوسری تفسیر فرمائی وہ کہتے ہیں کہ ساری کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امّتِ دعوت ہے جن میں کفّار بھی داخل ہیں اس لیے کفّار کو عِبَادِی کہا گیا یا عِبَادِی بمعنیٰ مملوک بندے ہیں ۔
وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۔ اور اے ہمارے محبوب نبی ساری کائنات کے مالک و مختار رسولِ مکرّم ازلی ابدی کتاب قرآنِ مجید کے مُرسِل ہم نے تم کو ان لوگوں پر اِن کے اعمال اَفعال اَقوال کردار پر کسی قسم کا آپ کو جواب دہ بنا کر نہیں بھیجا ۔ اور آپ کا رب تعالیٰ تو اُن تمام کو ہر وقت ہر حال میں شروع سے ہی بہت جاننے والا ہے جو لوگ بھی آسمانوں کی بلندیوں اور زمین کی گہرائیوں میں جہاں کہیں بھی ہیں کہ کب کس نے کیا کیا اُس کے اس کرنے کی جزا سزا کیا ہے ۔ اور اس نے یہ کیوں کیا یہ آپ سے نہیں پوچھا جائے گا ۔ کسی شخص کو کیا درجہ مرتبہ عزّت و شان دینی ہے یہ بھی رب تعالیٰ ہی بہتر اور خوب جانتا ہے مشرکین کہتے ہیں کہ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آمنہ رض کے یتیم کو رسول بنا دیا جائے اور بلالؓ و صہیب کو یاسر و عمار کو اللہ کا پیارا ولی اللہ اور جنّت کے قابل بنا دیا جائے اور ہم سردار آئی عزّت دولت عظمت شان و شوکت اور خوبصورت اللہ کے مردود اور جہنّمی بن جائیں ۔ اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ اس راز کو بھی آپ کا رب ہی جاننے والا ہے کہ کس کو اپنا نبی رسول، محبوب بنانا ہے اور کون اُس کے ولی بننے کے قابل کون پیارے بننے کے لائق ہیں کس کا انجام کیا ہو گا کون جنّتی ہے کون دوزخی یہود ی کہتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السّلام کے بعد کوئی نبی رسول نہیں آیا اور سب سے زیادہ افضل صرف حضرتِ موسیٰ ہیں حالانکہ البتہ بیشک ہم نے کچھ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو کچھ دوسرے انبیاءِ کرام علیہمُ السّلام پر کئی کئی درجے فضیلت دی کہ کسی کو صَفِیُّ اللہ ۔ کسی کو نَجِیُّ اللہ ۔ کسی کو خلیلُ اللہ کسی کو سلطان کسی کو بادشاہ ۔ کسی کو صرف شریعت کسی کو صرف طریقت اور پھر کسی کو روحُ اللہ بنایا

جو تھے آسمان پر بلایا۔ اور کسی کو محبوبِ ازلی ابدی سردارِ مرسلین بنا کر عرش و کرسی لوح و قلم بلکہ لامکان تک بلا کر صاف ظاہر ظہور جاگتے دیکھتے مَازَاغَ الْبَصَرُ کی قوت سے اپنا دیدار کرایا۔ اور اے پیارے حبیب یہ یہودی اور اُن سے سُن کر یہ مشرکین مکہ آپ کی نبوت اور کتاب قرآن مجید کا اس دلیل کے ذریعے انکار کس طرح کر سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ کے بعد کوئی کتاب اللہ کی طرف سے نہیں آئی حالانکہ ہم نے حضرت موسیٰ کے بہت عرصے بعد اپنے داؤد کو بہت بڑی ایک سَو پچاس سورتوں والی کتاب زبور عطا فرمائی۔ یہ ہمارا قانون ہے کہ کتاب اور صحیفہ اور اپنا ظاہری کلام صرف انبیاءِ کرام کو دیتے ہیں پس ثابت ہو گیا کہ داؤد علیہ السلام نبی بھی تھے اور ان پر تورات کے بعد کتاب زبور بھی نازل ہوئی تھی اور یہ یہودی حضرت داؤد کی نبوت بھی مانتے ہیں اور زبور کتاب کو بھی تو پھر آپ کی نبوت اور کتاب کا کس طرح انکار کر سکتے جب کہ زبور میں صرف حمدِ الٰہی اور دعائیں تھیں اور نعت مصطفیٰ بشارتِ احمد مجتبیٰ تھی۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام بار بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارتیں لوگوں کو سناتے تھے۔ اس بات کو یہودی آج بھی جانتے سمجھتے ہیں زبور میں کوئی شرعی قانون حلال و حرام عبادت و ریاضت کی فرضیت مذکور نہ تھی۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ یہ آیت قُلْ لِعِبَادِ لفظوں میں اگرچہ مختصر ہے مگر شریعت و طریقت کی جامع ہے عبادات عقائد اور معاملات کے تقریباً تمام احکام اس میں موجود ہیں اس کی وضاحت احادیث میں ہے یہ بلاغتِ قرآنی کی شاندار نشانی ہے۔ **دوسرا فائدہ** ۔ قرآن مجید کی تلاوت کلمہ طیبہ کا ورد اور تلقین ذکر الٰہی کی کثرت دنیوی زندگی کا سب سے اچھا عمل ہے یہ فائدہ ہِیَ اَحْسَنُ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ حضورِ اقدس آقائے کائنات کفار کے ذمے دار نہیں اور نہ ہی کفار کے کفر کے بارے میں کل بروزِ قیامت آپ سے سوال ہوگا جیسے کہ دنیا میں استادوں یا کسی کارخانے کے اعلیٰ افسروں سے شاگردوں اور مزدوروں کی کارکردگی کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔ محشر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔ لیکن اہلِ ایمان سے آپ کا تعلق واسطہ بھی ہوگا اور آپ اپنی ذمہ داری سے گنہگاروں کی شفاعت بھی کرائیں گے۔ یہ فائدہ وَكِيلًا فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں انتہائی ادب و احترام والے کلمات و اقوال بولنے چاہئیں جو لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے جیسا بشر کہتے اور لکھتے ہیں یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخیاں کرتے ہیں یا آپ کے نور ہونے کا انکار کرتے ہیں نعت خوانی

سے روکتے صلوٰۃ وسلام کو ٹوکتے ہیں وہ مثل کفار حرام کام کرتے ہیں اور جہنمی ہیں۔ یہ مسئلہ یَقُوْلُوا الَّتِیْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ۔ چغلی کھانا اور چغلخوری کرنا سخت حرام کام اور شیطانی کام ہے۔ یہ مسئلہ یَنْزَغُ بَيْنَهُمْ سے مستنبط ہوا کہ دیکھو شیطان اِدھر اُدھر سے غصہ دلا کر گالی گلوچ بدکلامی کرا کر آپس میں لڑائی اور نفرت کدورت پیدا کرتا ہے۔ بالکل یہی کردار چغلخور کرتا ہے۔

تیسرا مسئلہ۔ کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں کہ مرنے سے پہلے کسی کافر یا گنا ہگار کو دوزخی کہے یا اپنے آپ کو یا کسی کو یقینی جنتی کہے۔ یہ مسئلہ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ انجام کار کا کسی کو علم نہیں۔ کیا معلوم جو آج کافر یا گنا ہگار ہے وہ مرنے سے پہلے مسلمان اور متقی ہو جائے۔ اسی طرح کسی کا نام لے کر لعنت کرنی بھی اسی وجہ سے منع ہے ہاں البتہ عام لفظوں سے کہہ سکتے ہیں کہ جو کفر کرے گا وہ جہنمی ہوگا یعنی جو کفر پر مرے گا۔

چوتھا مسئلہ۔ آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز ہے کہ دنیوی زندگی میں ہی جس کو چاہیں جنت کی یقینی بشارت دیں اور فرمائیں کہ فلاں شخص جنتی ہے۔ جیسا کہ حضرت سراقہ کو ان کے زمانۂ کفر میں جنت کی بشارت دیدی اور اسی طرح عشرہ مبشرہ کو جنتی فرمایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو چاہیں دنیا میں ہی جہنمی فرما دیں جیسا کہ اُبَیّ ابن خلف اور عُقبہ۔ عُتَیبہ اور ابی لہب کی بیوی کو زبانِ نبوت نے جہنمی کہہ دیا۔ یہ مسئلہ قُلْ لِّعِبَادِیْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ یَقُوْلُوا کی نسبت صرف عبادی کی طرف ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اَحْسَنُ سے مراد یہ بھی ہے کہ کفار کو جہنمی نہ کہو۔ نیز اس لیے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہر شخص کے انجام سے خبردار ہیں بلکہ اللہ کی تقدیر پر اختیار بخشے گئے ہیں تقدیر بدل سکتے ہیں جنت دے سکتے ہیں پوچھو حضرت ربیعہ سے دوزخ سے بچا سکتے ہیں پوچھو ابوطالب سے۔ جہنم میں پھینک بھی سکتے ہیں۔ دیکھو انجام کلمہ گو منافقین کا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَلَقَدْ فَضَّلْنَا۔ ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی۔ اور مسلم بخاری کی احادیث میں ہے کہ نَهَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ التَّفْضِيْلِ بَيْنَ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ ان دونوں میں مطابقت کیونکر ہو؟

جواب۔ اس آیت میں حقیقتِ حال کا ذکر ہے کہ خالق تعالیٰ نے خود ہی انبیاءِ کرام کو جو فضیلت بخشی ہے بس وہی حق اور واقعی ہے اسی کا چرچہ کرو بیان کرو۔ اور حدیث پاک میں خود ساختہ اور بناوٹی اور غلط فضیلتوں

کا ذکر کیا گیا ہے جیسا کہ یہودیوں نے موسیٰ علیہ السلام عزیر علیہ السلام کے لیے آخری نبی آخری کتاب اور سب سے افضل نبوت اور ابنیت کی جھوٹی اور کفریہ باتیں کیں اور عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کے لیے بہت غلط قسم کی فضیلتیں بنا ڈالیں یا معنیٰ یہ ہے کہ یہ فضیلتیں اللہ کی عطا اور بخشش ہے تم اُس کو ذاتی تعصب اور دنیوی وجاہتوں کے لیے استعمال نہ کرو نہ جھگڑے اور تفریق کا باعث بناؤ۔ قرآن مجید میں بھی اِس چیز کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ ۔ یہی حال اولیاءُ اللہ اور ان کی شان و کرامات کا ہے۔ کہ وہاں بھی کوئی بندہ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہہ سکتا ورنہ گمراہی کا اندیشہ ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں اِن آیت میں فضیلت کا ذکر کرنے کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر خصوصیت سے کیوں فرمایا گیا؟

جواب۔ اس کی دو وجہ ہیں ایک یہ کہ یہودی اور یہودیوں سے سن کر مشرکینِ مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے اور دلیل میں یہ کہتے تھے کہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد نہ کوئی نبی تشریف لایا اور نہ کوئی آسمان سے اللہ نے کتاب نازل فرمائی لہٰذا قرآن مجید کتاب اللہ کی طرف سے نہیں اور محمد پاک رسول اللہ نہیں (معاذ اللہ) حالانکہ یہی یہودی آج تک حضرت داؤد علیہ السلام کو نبی بھی مانتے چلے آرہے اور زبور کو کتاب اللہ بھی مانتے ہیں۔

بخلاف حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کے کہ یہودی نہ حضرتِ عیسیٰ کو نبی مانتے ہیں نہ انجیل کو کتاب اللہ تسلیم کرتے ہیں اسی لیے اِن کے پولوس یہودی نے عیسائی مذہب کو خراب کرنے کے لیے اپنے آپ کو عیسائی بنایا جھوٹی خوابیں گھڑ کر شریعت کی مخالفت کی مسیح کو ابنُ اللہ جیسا کفریہ عقیدہ جاری کیا اور بری طرح سچی صحیح عیسائیت کو بگاڑا آج وہی غلط عیسائیت عیسائیوں میں جاری ہے کہ پولوس نے بدعمل اور دہریہ بنا دیا۔ اس لیے یہاں داؤد علیہ السلام کا خصوصیت سے ذکر کرکے یہودی دلیل کو توڑا گیا اور مسیح و انجیل کا ذکر نہ کیا گیا۔ اس کا پورا باحوالہ بیان ہماری کتاب اسلامی ناول میں مطالعہ فرماؤ۔ دوم یہ کہ حضرت داؤد علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے بیک وقت اور بیک زمانہ بہت سی خصوصی فضیلتیں عطا کیں جو حضرت موسیٰ کو نہ ملیں۔ ۱ رسالت۔ ۲ نبوت ۳ مرسلیت ۴ زبور ۵ بادشاہت ۶ علم کتاب ۷ علم جفر ۸ علم رمل ۹ حکمت و طبابت ۱۰ حضرت آدم کے بعد زمین پر خلافت ۱۱ علم خطابت ۱۲ علم قضا اس لیے یہودی کے دعوے کو توڑا گیا۔

تیسرا اعتراض۔ تو پھر صرف کتاب زبور کا کیوں ذکر کیا گیا باقی خصوصیات کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا۔

جواب۔ اس لیے کہ یہودی اِن خصوصیات کو مانتے تھے وہ صرف کتاب اُترنے کے منکر تھے یا اس لیے

کہ دیگر خصوصیات دنیوی تھیں لیکن کتاب دینی خصوصیت ہے اور فضیلت دینی شان والی ہوتی ہے نہ کہ دنیوی۔

چوتھا اعتراض۔ یہ کیا وجہ ہے کہ یہاں زَبُوۡرًا نکرہ ہے مگر اس سے پہلے ایک آیت وَلَقَدۡ كَتَبۡنَا فِی الزَّبُوۡرِ میں معرفہ ہے۔

جواب۔ اس لیے کہ یہاں زبور دینے کا ذکر ہے اور دینے میں کلیت ہوتی ہے یعنی ہم نے پوری زبور دی۔ یہ کلیت اور ملکیت نکرے سے ثابت ہوتی ہے کیونکہ نکرہ عام ہوتا ہے۔ اور وہاں دوسری آیت میں خاص بات یعنی ذکر مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا ذکر ہے اور لکھنا بعضیت کو چاہتا ہے کیونکہ کوئی ایک بات تھوڑی جگہ میں لکھی جاتی ہے نہ کہ ساری کتاب میں اس لیے فی ظرفیہ بولا گیا ظرفیت بھی بعضیت کو چاہتی ہے۔ لہٰذا الزبور معرفہ فرمانا بہت درست ہے کیونکہ معرفہ کی تخصیص میں بعضیت ہے۔ واللہ اعلم بالصواب اس کی تفسیر انشاء اللہ آیت ۱۰۶ کے بعد ہے۔

قُلِ ادۡعُوا الَّذِیۡنَ زَعَمۡتُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَلَا

فرما دو اب پکارو جن کو تم نے معبود سمجھا اس اللہ کے علاوہ یہ کچھ

تم فرماؤ پکارو انہیں جن کو اللہ کے سوا گمان کرتے ہو تو وہ

یَمۡلِكُوۡنَ كَشۡفَ الضُّرِّ عَنۡكُمۡ وَلَا تَحۡوِیۡلًا (۵۶)

بھی ملکیت نہیں رکھتے مصیبت دور کرنے کی تم سے اور پھیرنے کی

اختیار نہیں رکھتے تم سے تکلیف دور کرنے اور نہ پھیر دینے کا

اُولٰٓئِكَ الَّذِیۡنَ یَدۡعُوۡنَ یَبۡتَغُوۡنَ اِلٰی رَبِّهِمُ

یہی لوگ جن کو کفار پوجتے ہیں یہ تو اپنے رب کی طرف قرب کا وسیلہ

وہ مقبول بندے جنہیں یہ کافر پوجتے ہیں وہ تو آپ ہی اپنے رب کی طرف

الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ

ڈھونڈتے ہیں کہ کون زیادہ مقرب بنتا ہے۔ اور ہر وقت اس اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں

وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے

وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ؕ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ

اور بیگ لوگ اس کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ بیشک تمہارے رب کا عذاب

اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں بیشک تمہارے رب کا عذاب

مَحْذُوْرًا ﴿۵۷﴾ وَاِنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اِلَّا نَحْنُ

خطرناک ہے۔ اور نہیں ہے کوئی اہل بستی مگر ہم

ڈر کی چیز ہے۔ اور کوئی بستی نہیں مگر یہ کہ ہم

مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ یَوْمِ الْقِیٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا

ہلاک کرنے والے ہیں اس کو قیامت کے دن سے پہلے ایک دفعہ یا ہم اس کو عذاب کرنے والے ہیں

اسے روز قیامت سے پہلے نیست کردیں گے یا اسے سخت

عَذَابًا شَدِیْدًا ؕ كَانَ ذٰلِكَ فِی الْكِتٰبِ

انتہائی سخت عذاب - وہ فیصلہ کتاب میں

عذاب دیں گے - یہ کتاب میں

مَسْطُوْرًا ﴿۵۸﴾

لکھا ہوا ہے

لکھا ہوا ہے

تعلق

ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے میرے حبیب میرے بندوں کو فرما دیجئے کہ شیطان سے بچو۔ شیطانی لوگوں سے دور ہو جاؤ۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کفار سے فرمایئے کہ اپنے شیطانوں کو پکار کر دیکھ لو وہ تمہاری ذرہ بھی مدد نہیں کر سکتے۔
دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ کر سکتا ہے سب پر ہر طرح کی قدرت والا ہے وہ جس پر چاہے رحم کرے۔ معاف کرے یا سزا دے۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار کے جھوٹے معبودان باطل بُت وغیرہ کچھ بھی نہیں کر سکتے۔ کسی کو نفع نقصان نہیں دے سکتے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں یہودیوں کی اُن دو باتوں کی تردید فرمائی گئی تھی جو وہ کہتے پھرتے تھے کہ ۱ اللہ نے توریت کے بعد کوئی کتاب نہ اتاری تردید میں فرمایا گیا کہ توریت کے بعد داؤد علیہ السلام کو زبور دی گئی ۲ یہودی کہتے تھے کہ سب نبی ایک درجہ کے ہیں صرف موسیٰ علیہ السلام سب سے زیادہ ہیں۔ تردید میں ذکر کیا گیا کہ غلط ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر درجوں فضیلت دی اب ان آیات میں یہودیوں کی تیسری بات کا تردیدی جواب دیا جا رہا ہے کہ جو وہ کہتے پھرتے کہ فلاں ابن اللہ ہے فلاں اللہ کا بیٹا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ تو اللہ کے پیارے مقبول بندے تھے مگر ان کے متعلق ان کا یہ عقیدہ ان کا اپنا اپنی جانوں پر ظلم ہے۔

شان نزول۔ بخاری شریف نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی کہ عرب کی ایک جماعت کچھ صحرائی جنات کی پوجا کرتی تھی وہ مخصوص جنات مسلمان ہو گئے۔ مگر یہ کفار اپنی اسی لاعلمی میں ان کو پوجتے رہے تب یہ ایک آیت ۵۷ نازل ہوئی جس میں ان کو شرم دلائی جا رہی ہے کہ وہ جنات تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی غلامی میں آکر خود ہی قرب الٰہی کے لیے وسیلہ ڈھونڈ رہے ہیں اے کم عقلو نادانو تم کس کو پوج رہے ہو۔ تب وہ کفار شرمندہ خائب و خاسر ہوئے اور کچھ اُن میں سے مسلمان ہو گئے۔

تفسیر نحوی

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ قُلْ فعل امر حاضر اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ قول ہوا۔ اُدْعُوْا باب نَصَرَ کا امر حاضر صیغہ جمع دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بلانا۔ پکارنا۔ عبادت کرنا۔ پوجنا یہاں ہر معنیٰ درست ہے اس میں اَنْتُمْ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول مبہمات اسموں میں سے

ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اُدْعُوْا کا ۔ جمع مذکر ہے مبنی اصل ہوتا ہے ۔ زَعَمْتُمْ ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ اس کا فاعل مرجع کفار ہے ۔ زَعْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ باطل دعوے کرنا ۔ وہم گمان کرنا ۔ بتانا سمجھنا ۔ مِنْ حرفِ جر زائدہ دُوْنَ اسم مفرد جامد معرب ہوتا ہے بہت معنیٰ میں مشترک ہے ۔ ایک معنیٰ ہے مقابل بھی یہاں مراد ہے اس کا مضاف الیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے زَعَمْتُمْ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا اُدْعُوْا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ۔ فَ حرف عطف لَا یَمْلِكُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف منفی بلا صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ کَشْفَ اسم مصدر مضاف بمعنیٰ کھولنا دور کرنا ۔ پردہ ہٹنا ۔ اسی سے ہے مکاشفہ ایک روحانی مقام کا نام ہے اَلضُّرَّ ۔ الف لام عہدِ خارجی ضُرَّ اسم جامد مفرد مفعول مضاف الیہ ۔ بمعنیٰ تکلیف تنگی مصیبت ۔ کشف کا یہاں معنیٰ ہے دور کرنا ۔ عَنْ جارہ مجاوزت زوال کے لیے یعنی علیحدہ کر کے ختم کرنا ۔ کُمْ ضمیر مجرور متصل یہ جار مجرور متعلق ہے کَشْفَ مصدر مضاف کے یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا وَ حرفِ عطف جمع کے لیے لَا حرفِ عطف مناسبت اور تعیّن کے لیے ۔ تَحْوِیْلًا ۔ باب تفعیل کا مصدر ہے حَوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھیرنا ۔ لوٹانا ۔ روک لینا ۔ بحالتِ نصب ہے ۔ معطوف ہے کَشْفَ کا ۔ سب عطف مل کر مفعول بہ ہے لَا یَمْلِكُوْنَ کا بعض نے فرمایا لَا تَحْوِیْلًا کا عطف لَا یَمْلِكُوْنَ پر ہے اور یہاں ایک لَا یَمْلِكُوْنَ اور پوشیدہ ہے مگر یہ تکلفات ہیں ۔ جہاں تک ہو سکے پوشیدگیوں سے بچنا چاہیے ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر اُدْعُوْا پر عطف ہوا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا ۔ اُولٰٓئِكَ ۔ اسم موصول جمع یَدْعُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکارنا ۔ بلانا ۔ پوجنا ۔ فعل حال ہے ۔ ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع تا قیامت تمام مشرکین کفار ہیں ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے وَاقِعٌ پوشیدہ اسم فاعل کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے اُولٰٓئِكَ کی یہ موصوف مل کر مبتدا ہوا ۔ یَبْتَغُوْنَ ۔ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب کا صیغہ اِبْتِغَاءٌ مصدر ہے بمعنیٰ تلاش کرنا ۔ بَغْوٌ یا بَغْیٌ سے بنا ہے اسی سے ہے بغاوت بمعنیٰ مخالفت تلاش کرنا ۔ اِلٰی جارہ ۔ رَبِّ ۔ اسم مفرد جامد مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مضاف الیہ ۔ اس کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور مل کر متعلق ہے یَبْتَغُوْنَ کا اَلْوَسِیْلَةَ الف لام عہد ذہنی ۔ وَسِیْلَةَ اسم مفرد جامد یا صفت مشبہ مؤنث بروزنِ فَعِیْلَةٌ وَسْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کسی چیز کا ذریعہ بننا ۔ کسی کا ساتھی بننا ۔ سبب یا علت بننا ۔ سہارا پکڑنا ۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ پچھلے فعل کا مفعول بہ ہے ۔ ترکیبًا اگلے لفظ کا موصوف ہے اَیُّ اسم استفہامی مذکر بمعنیٰ کون مضاف ہے معرب ہوتا ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا ہے ۔

اَقْرَبُ۔ اسم تفضیل مذکر قربٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نزدیک ہونا بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر ہے اَیُّھُمْ کی مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر صفت ہوئی وسیلۃ کی موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا۔ یَبْتَغُوْنَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ حالیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ۔ عاطفہ۔ یَرْجُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف مثبت جمع مذکر غائب رَجْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ امید کرنا۔ آرزو و خواہش کرنا۔ ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ یعنی مقبول بندے۔ رحمت بمعنیٰ حمایت کرنا بخشش و توجہ کرنا۔ ہٗ ضمیر غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہوا یَرْجُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ حالیہ معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ یَخَافُوْنَ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف ھُمْ پوشیدہ فاعل عذاب اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا دنیوی یا اُخروی اللہ کی طرف سے ہٗ ضمیر کا مَرْجَعْ اللہ تعالیٰ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَخَافُوْنَ کا دو جملہ فعلیہ معطوف ہوا سب عطف مل کر معطوف ہوا یَبْتَغُوْنَ کا یہ سب عطف مل کر خبر ہوئی اُولٰٓئِکَ مبتدا کی۔ وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا اِنَّ حرف تحقیق عذاب اسم جامد بمعنیٰ اللہ کی طرف سے سزا۔ مضاف ہے رب اسم جامد بمعنیٰ مالک اور پالنے والا مضاف ہے کَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی اسم اِنَّ ہے۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب اس میں پوشیدہ ہے اس کا مرجع عَذَابَ ہے مَحْذُوْرًا۔ اسم مفعول باب نَصَرَ کا۔ صیغہ واحد مذکر حذرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈرنا۔ بچنا۔ احتیار کرنا۔ خوفناک ہونا۔ خطرناک ہونا۔ قابلِ احتیاط ہونا۔ بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَ کی۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔

وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا۔ واؤ سر جملہ ہمیشہ اس کے بعد نئی عبارت نیا کلام شروع ہوتا ہے۔ اِنْ حرف نفی شرطیہ۔ ہمیشہ استثنا سے پہلے آتا ہے۔ مِنْ حرف جر بیانیہ تبعیضیہ۔ قَرْیَۃٍ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنیٰ بستی۔ اس کی تنوین یعنی دو زیر تنکیری ہیں ترجمہ ہے تمام بستیوں میں سے کوئی بستی بھی نہیں۔ اِلَّا۔ مگر۔ حرفِ استثنا مفرغ۔ کیونکہ اس کا مستثنیٰ ظاہر نہیں ہے پوشیدہ ہے دراصل تھا اِلَّا قَرْیَۃً نَحْنُ بعض نے کہا مستثنیٰ مفرغ نہیں ہے کیونکہ ھَا ضمیر قریۃٌ کی جگہ مستثنیٰ موجود ہے نَحْنُ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مُھْلِکُوْا باب افعال کا اسم فاعل اس کا مصدر ہے اِہْلَاکٌ۔ ہَلْکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مرنا۔ مصیبت میں پڑنا۔ فنا ہونا۔ ذلیل و تباہ حال ہونا۔ یہ لازم ہے افعال میں اگر متعدی ہوا بمعنیٰ فنا کرنا صیغہ جمع مذکر۔ دراصل تھا مُھْلِکُوْنَ۔ یہ مضاف ہے ھَا ضمیر کا۔ اس لیے نونِ اعرابی گر گئی اور الفِ فاصلہ صرف خشو اور بھراؤ کے لیے لگا دیا جو نون کے قائم مقام ہے۔ ھَا مجرور متصل مفعول مضاف الیہ ہے۔ قَبْلَ اسم ظرفِ زمانیہ بحالتِ نصب ہے معرب ہے

مضاف ہے یوم اسم زمانی بمعنیٰ دن ۔ عام وقت مراد ہے یعنی زمانہ مضاف الیہ ہے اس لیے مجرور ہے مضاف ہے اَلْقِیٰمَةِ ۔ اسم مصدر ہے آخر میں تاءِ مصدریہ ہے ۔ لفظی ترجمہ کھڑا ہونا یا کھڑا کرنا۔ اصطلاحًا مرنے کے بعد اُٹھنے کے وقت اور پورے حساب کتاب کے زمانے کو قیامت کہتے ہیں ۔ مضاف الیہ ہے دُبل مرکب اضافی ظرف ہوا مُهْلِكُوْ کا۔ یہ اسم فاعل جمع مذکر مضاف اپنے پوشیدہ ضمیر نَحْنُ جمع متکلم فاعل ھَا مفعول مضاف الیہ اور ظرف سے مل کر معطوف علیہ ہوا۔ اَوْ عاطفہ اختیاریہ۔ مُعَذِّبُوْا باب تفعیل کا اسم فاعل جمع مذکر مضاف ہے نون اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے ھَا ضمیر کا مرجع قریۃ مفعول مضاف الیہ ہے ۔ عَذَابًا موصوف شَدِیْدًا ۔ بمعنیٰ ہمیشہ بہت سخت رہنے والا۔ صفت ہے مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے مُعَذِّبُوْا کا۔ سب مل کر معطوف ہوا مُهْلِكُوْ پر۔ سب عطف مل کر خبر ہوئی نَحْنُ بتدا کی وہ سب جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مستثنیٰ ہوا ۔ مستثنیٰ منہ اپنے استثنا و مستثنیٰ سے مل کر جملہ استثنائیہ ہوگیا ۔ کَانَ ۔ فعل ماضی ناقصہ ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لیے بحالتِ رفع اسم ہے کَانَ کا یہ ہمیشہ مبنی ہے اِس کا مشار الیہ غائب ذہنی ہے یعنی فیصلہِ ربانی تقدیری حکم فِیْ جارۃ ظرفیہ الف لام عہد ذہنی کتاب سے مراد ہے لوحِ محفوظ اسم صفت مشبّہ ہے بمعنیٰ مکتوب یعنی لکھی ہوئی عبارت اصطلاحًا اُس جگہ کو بھی کہہ دیتے ہیں جس پر کچھ لکھا گیا ہو ۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے ۔ مَسْطُوْرًا ۔ باب نَصَرَ کا اسم مفعول سَطْرٌ سے ۔ بنا ہے بمعنیٰ لائن بنانا خواہ جانداروں کی یا درختوں کی یا حرفوں لفظوں کی یہاں یہی آخری معنیٰ مراد ہیں ۔ اصطلاحی ترجمہ ضابطہ رابطہ ذمہ داری اور سلیقہ پیدا کرنا اٹل ہونا ۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَ کی ۔ اس کا نائب فاعل ھُوَ ضمیر مستتر ہے اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہوئی کَانَ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا اے پیارے نبی ۔ اِن قحط زدہ مردے کتے بلے لاشیں کھانے والے روتے بلکتے اُن کفار سے فرما دیجئے جو کہتے ہیں کہ ہم چونکہ اللہ کی عبادت کما حقہٗ نہیں کر سکتے اس لیے ہم اللہ کے مقرب اور شریک بتوں کی یا جنات کی یا فرشتوں کی یا عیسیٰ علیہ السلام و مریم و عزیر علیہ السلام کی یا کچھ خاص نیک بندوں کی عبادت کرتے ہیں یہ رب کے شریک ہیں ان کے ذریعے ہم کو بھی قربِ الٰہی نصیب ہوگا ۔ اور ہمارے یہ معبود ہمکو ہر طرح کی مصیبت سے بچالیتے ہیں ۔ آپ اِن کے اس عقیدے اور دعوے کے جواب میں آپ اِن سے فرمایئے کہ اب قحط کی مصیبت میں میرے

آستانہ رحمت اور نبوت کے دروازے نبی کی چوکھٹ پر فریاد رسی کے لیے کیوں آئے بوان ہی کو پکارو جن کے متعلق تم نے خود ساختہ جھوٹے وہم اور باطل خیالات بے گمان بنائے اختیار و پسند کر لیے کہ یہ ہی ہمارے معبود ہیں اللہ کے علاوہ تفسیر کبیر۔ مدارک خازن۔ صفوۃ التفاسیر۔ تفسیر فتح القدیر وغیرہ میں لکھا ہے کہ شروع سے تا قیامت نو۹ طرح کے کفر و کفار ہوئے اور ہوں گے۔

۱ سب سے پہلے تصویروں اور فوٹوؤں کو پوجنے اور اُن کی عزت کرنے والے گھروں مندروں عبادت خانوں میں لگانے سجانے والے۔ یہ قوم حضرت نوح علیہ السّلام کے زمانے میں پیدا ہوئی۔ تصویروں کی پوری تاریخی تفصیلی بیان ہم نے اپنے فتاویٰ اُلعطایا جلد اوّل میں کی ہے۔

۲ پتھر مٹی لوہے پیتل کی مورتیوں کو پوجنے اور ان کے سامنے باقاعدہ سجدہ کرنے والے کفار یہ قوم ثمود میں ہوا۔

۳ انسانوں کے سامنے بادشاہوں اور بزرگوں کے لیے سجدہ کرنے والے یہ فرعونِ مصر کی ایجاد ہے۔ نمرودؔ نے صرف دعوئے خدائی کیا مگر اپنے آپ کو سجدہ نہیں کرایا فرعون نے دونوں کام کرائے۔

۴ جانوروں کی پرستش یہ بنی اسرائیل کی گمراہ قوم سامریہ کی ایجاد ہے۔

۵ صرف عقیدے و زبان سے کسی کو معبود یا الٰہ کہنا یا خدا سمجھنا یا ابن اللہ ماننا یہ یہودیوں اور عیسائیوں کی ایجاد ہے کہ یہودیوں نے حضرت عُزیر علیہ السّلام کو اور عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ کا بیٹا اور شریک مانا عقیدے اور زبان سے عملی عبادت نہیں کی۔

۶ فرشتوں کے خیالی تصور کر کے ان کو خدا کی بیٹیاں کہنا اور ان کو شریک اور الٰہ سمجھتے ہوئے ان کی عبادت اور سجدے کرنا۔ یہ کفارِ عرب کی ایجاد ہے۔

۷ جنات کی عبادت کرنا اور اُن کو غیبی معبود سمجھنا۔ یہ کفارِ مکہ کا طریقہ تھا۔

۸ ان ہی جنات کے خیالی بُت بنا کر پوجنا یہ ہندوستان کے کفار کا طریقہ ہے۔

۹ درختوں کو پوجنا یہ بھی ہندوؤں کا طریقہ ہے اِس آیتِ کریمہ میں کفارِ مکہ سے خطاب ہے اور زَعَمْتُمْ سے بُت اور جنات مراد ہیں۔ اگلی آیت میں تا قیامت ہر طرح کے کافر مشرک مراد ہیں۔ فرمانا یہ ہے کہ جن بتوں اور جنات کو تم معبود سمجھتے ہو وہ تو تمہاری اس قحط کی مصیبت اور دوسری کسی بھی مصیبت و تکلیف کو ذرہ بھر دور نہیں کر سکتے اور نہ تکلیف پھیر کر تمہارے دشمنوں کو دے سکتے ہیں۔ اس کا بڑا ثبوت تو یہی ہے کہ تم خود اب اس پریشانی میں اپنے بتوں مندروں کو چھوڑ کر انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام کے آستانوں پر آ گئے۔ دوسرا ثبوت یہ ہے کہ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ

رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا یعنی وہ جنات جن کو یہ کفارِ مکہ اور کچھ دیگر کافر لوگ ابھی تک پوجتے ہیں اور جن کو یہ کافر اپنا معبود اور حاجت روا مشکل کشا ۔ مضبوط اور طاقت و قوت کا سرچشمہ سمجھے ہوئے ہیں اب وہی ہمارے پیارے نبی کی ذاتِ اقدس اور ہماری توحید و وحدانیت پر سچا ایمان لاکر اپنے رب تعالیٰ کی قربِ رحمت و بخشش کی طرف وسیلے تلاش کر رہے ہیں کہ مسلمان ہوکر آستانۂ نبی پر پہنچ کر اطاعتِ مصطفیٰ عشقِ مجتبیٰ کے خزانے لے کر کون اِن پاکیزہ لوگوں میں زیادہ مقربِ بارگاہ بنتا ہے ۔ اور اے وہ لوگو جو ہمارے محبوب انبیاء اور فرشتے علیہم السلام کو اور ملائکہ کو اندھی عقیدت و محبت میں ۔ دل سے محبت عمل سے مخالفت ظاہراً دوستی حقیقتاً دشمنی کرتے ہوئے ان کو معبود و ابنُ اللہ بنا بیٹھے یہ سب انبیاءِ کرام اور فرشتے تو اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کبھی ابنیت و شرکت کا دعویٰ نہیں کرتے بلکہ ہر وقت اپنے رب تعالیٰ کی رحمت کے ہی امیدوار ہیں ۔ اور یہ نیک لوگ بزرگ اولیاء اللہ جن کو یہ کفار اپنی جہالت سے معبود سمجھ رہے ہیں یہ تو وہ مخلص بندے ہیں ۔ جو ہر وقت اپنے رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتے رہتے ہیں اپنے لیے یا اپنی غافل گنہگار قوم کے لیے ۔ بیشک اے محبوب آپ کے رب کا عذاب ہر قوم ہر امت ہر نافرمان بدکار کے لیے انتہائی خطرناک ہے اور اچھے لوگوں کے لیے بچنے کے لائق ہے ۔ اس آیتِ کریمہ میں مختلف عقیدے والے تمام کفار کے خود بنائے اور سمجھے ہوئے باطل معبودوں کا ذکر ہے ۔ کہ وہ جنات جن کو پوجتے ہیں وہ تو مسلمان ہو گئے ہیں ۔ اور فرشتے و انبیاء کرام اپنے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ہی شروع سے امیدوار ہیں ۔ اور بزرگ نیک اولیاء اللہ جن کی خیالی تصویریں فوٹو بنا کر تم نے پرستش شروع کر دی وہ اللہ کے عذاب سے ڈرتے رہتے تھے ۔ اور سچے امتی پکے مومن کی شان ہی یہ ہے کہ عبادت و ریاضت اور ذکرِ الٰہی کرنے کے باوجود ساری زندگی امید اور خوفِ عذاب بھی رکھیں ۔ لیکن گروہِ معصومین یعنی انبیاءِ کرام اور ملائکہ کو صرف اُمیدِ رحمت ہوتی ہے ۔ خوفِ عذاب سے مطمئن ہوتے ہیں ۔ جہاں کہیں انبیاءِ کرام کے خوف کا ذکر آتا ہے وہاں ہیبتِ الٰہی کا خوف مراد ہوتا ہے نہ کہ خوفِ عذاب ۔ بخلاف کفار کے کہ ان کو نہ امیدِ رحمت ہوتی ہے نہ خوفِ عذاب نہ ہیبتِ الٰہی ۔ یہی وجہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ اگر عذاب کی خبر سچی ہے تو ہماری بستیاں تباہ و ہلاک کیوں نہیں ہو جاتیں ۔ ان کے ہی جواب میں فرمایا جا رہا ہے کہ مت جلدی کرو تم تو فقط ایک دو بستی کا ذکر کر رہے ہو مگر قانونِ فطرت و قدرت یہ ہے کہ وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا كَانَ ذٰلِكَ فِى الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا اور روئے کائنات پر زمین و آسمان کی کوئی بھی ایسی بستی یعنی اہلِ بستی ۔ نہیں ہے جس کو ہم قیامت کے دن سے پہلے ایک دفعہ ہلاک نہ فرمادیں اس طرح کہ صورِ اسرافیل ۔ سے اوّلاً سب کو نیک و بد انسانوں جنوں اور فرشتوں کو موت

وفات دے کر مارڈالیں یا تا قیامت ہونے والے ہر قسم کے کفار کو ظاہراً زمین پر اور باطناً قبر میں اور بوقت موت ایسا عذاب دیں جو شدید تر ہے۔ یہ فیصلۂ تقدیر اٹل ہے۔ لوح محفوظ یا قرآن مجید میں جگہ جگہ یا کتاب توریت اور انجیل میں یا زبانِ نبوت کی کتاب الٰہیہ میں لکھا جا چکا ہے۔ خیال رہے کہ دنیا میں تقریباً چالیس علاقے ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس سے لے کر قیامت تک عالم وجود میں رہیں گے۔ اور قیامت سے پہلے مختلف طریقوں سے وہاں کے باشندوں کو وہ ہلاکت پہنچے گی۔ جس کا یہاں ذکر اجمالی فرمایا گیا ہے چنانچہ تفسیر ضحاک میں ہے۔

(۱) مکہ مکرمہ سب سے پہلے یہ بستی والے ہلاک ہوں گے حبشے کی فوج سے۔ (۲) پھر آخر میں مدینہ منورہ کے باشندے ہلاک ہوں گے بھوک اور قحط سے۔ (۳) پھر بصرہ غرق سے (۴) کوفہ ترکیوں کے لشکر سے (۵) تمام پہاڑ ہلاک و تباہ ہوں گے آسمانی بجلی زمینی زلزلوں سے (۶) خراسان مارکٹائی خانہ جنگی سے (۷) بلخ آندھیوں سے (۸) بدخشاں اس کو کچھ قومیں ویران کر دیں گی۔ (۹) علاقۂ ترمذ۔ اس کو طاعون سے ہلاک کیا جائے گا۔ (۱۰) صغانیاں (۱۱) ونجردیہ دونوں علاقے غیر قومیں قتل کر دیں گے (۱۲) سمرقند پر بنو قنطور کا غلبہ ہوگا اور تمام باشندوں کو قتل کر دیں گے (۱۳) علاقہ شاش (یعنی پشاور مردان وغیرہ (۱۴) اسبیجات (۱۵) خوارزم (۱۶) بخارئی یہ چاروں علاقے بھوک و قحط سے ہلاک ہوں گے (۱۷) مرد کا علاقہ یہاں کے لوگ اپنے علما اور نیکوں کو ہلاک کریں گے پھر خود بھی مختلف بیماریوں سے ہلاک ہوں گے (۱۸) ہرات یہ سانپ بچھو اور کیڑے کوڑوں سے ہلاک ہوں گے۔ (۱۹) نیشاپور بارشوں کے سیلاب اور بجلیوں کے گرنے سے ہلاک ہوں گے (۲۰) علاقہ رَی ان پر یروشلم اور طبریہ کی قومیں غالب ہوں گی۔ (۲۱) آرمینیہ (۲۲) آذربیجان (۲۳) افغان ان تینوں بستیوں کو قوم سنابک کے گھوڑے اور لشکر ہلاک کریں گے (۲۴) ہمدان کو قوم دیلم (۲۵) اور دیلم کو آندھیاں طوفان (۲۶) حلوان ان کو رات کو سوتے میں بندر اور خنزیر بنا دیا جائے گا (۲۷) مصر کو ذلیل کی بیماریاں ہوں گی وہ اس سے ہلاک ہوں گے (۲۸) دمشق (۲۹) افریقہ (۳۰) رملان تین بستیوں کو بھی وبا سے ہلاکت ہوگی (۳۱) سجستان ان کو تیز آندھی سے ہلاک کیا جائے گا (۳۲) کرمان (۳۳) اصبہان (۳۴) فارس ان کو چیخ چنگاڑ سے ہلاک کیا جائے گا کہ اولاً ان کے دل پھٹ جائیں گے (۳۵) فرنگی ان کو سیلاب سے ہلاکت ہوگی (۳۶) سپین (سپین) (۳۷) روس (۳۸) جرمن۔ زمین کے پوشیدہ خزانوں سے غالباً بارودی چیزیں اٹیم بم وغیرہ مراد ہے (۳۹) اور ہندوستان (۴۰) یمن آسمانی ٹکڑی اور زمینی ظالم بادشاہوں سے ہلاک ہوں گے اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا ہر چیز کو فنا ہے۔ بقا صرف اللہ رسول کو ہے۔ **فائدے**۔ ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تک جانے کیلئے وسیلہ پکڑنا لازم ہے اور وسیلہ پکڑنے والا ہی اصل مومن ایمان عرفان شریعت طریقت

معرفت اور توحید والا ہے وسیلے کا انکار اور وسیلے سے بچنا کفر اور شرک کی نشانی ہے یہ فائدہ۔ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو باری تعالیٰ نے اپنے سچے اہل ایمان لوگوں کی نشانی یہی بتائی کہ وہ قربِ الٰہی کے لیے وسیلہ پکڑتے ہیں۔

دوسرا فائدہ۔ بہت سے کفار نے جن کو الٰہ یا ابنُ اللہ کہنا شروع کر دیا اور یا جھوٹا معبود بنا لیا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے قرب و رضا کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے اور اختیار کرتے ہیں جس طرح مومن جنات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا دنیا اور قیامت میں وسیلہ پکڑیں گے۔ یہ فائدہ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ (الخ) کی تفسیر اور شانِ نزول سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ خوف اور امید دونوں چیزوں کا نام کامل ایمان ہے انبیاءِ کرام اور ملائکہ عظام کو یہ دونوں چیزیں حاصل ہیں بلکہ بدرجۂ اتم ہیں۔ اگرچہ نوعیتِ خوف مختلف ہے۔ انبیاءِ کرام کو خوفِ عذاب نہیں ہوتا بلکہ خوفِ ہیبتِ الٰہی ہوتا ہے۔ اسی طرح ملائکہ کو خوفِ قرب و ہیبت ہوتا ہے۔ یہ فائدہ۔ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کوئی شخص کسی شخص کو کفر یا شرک یا گناہ فسق و فجور کرنے کی اجازت یا حکم نہیں دے سکتا۔ کسی بھی برائی کا حکم دینا شریعتِ اسلامیہ میں سخت ترین جرم ہے بلکہ بعض فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جس شرعی برائی کا کوئی اچھا سمجھتے ہوئے حکم دے وہ اسی زمرے میں شمار ہوگا مثلاً کفر کو اچھا سمجھ کر کسی کو کفر کرنے کا حکم دے تو حکم دینے والا کافر ہو جائے گا۔ اسی طرح گناہِ کبیرہ یا صغیرہ کا حال ہے۔ لیکن توبیخ جھڑک یا لعن طعن کرنے کے لیے کفر کرنے کا حکم دے تو گناہ اور شرعی جرم نہیں۔ یہی امام اعظم فرماتے ہیں اور اس کا استنباط اس آیت قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ (الخ) سے فرماتے ہیں کہ یہ امر ایجابی نہیں بلکہ توبیخی ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ دین دنیا کے ہر معاملے میں وسیلہ ڈھونڈنا اور اختیار کرنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے اور عملِ آخرت کے لیے ضروری ہے سوائے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے باقی انبیا اولیاء ملائکہ علما صلحا نے وسیلہ پکڑا۔ اور سب سے پہلا وسیلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہے جو قربِ الٰہی کا آخری مقام ہے۔ ہاں البتہ من حیث الدرجات وسیلے کی کیفیت نوعیت اور وجہ مختلف ہے۔ یہ مسئلہ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

تیسرا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنا ہر نیک و بد پر فرض و واجب ہے کہ اس سے ایمان کی تکمیل ہے اور

خوفِ الٰہی بھی عبادتِ الٰہیہ ہے انبیاءِ کرام کو خوفِ ہیبت ہوتا ہے ملائکہ کو خوفِ صمدیت کیونکہ رب تعالےٰ ہر شے سے بے نیاز ہے اولیاء اللہ کو خوفِ قہاری نیک لوگوں کو خوفِ جباری فاسقین کو خوفِ ہلاکت کافرین کو خوفِ عذاب مجرمین کو خوفِ سزا ہونا چاہیئے۔ یہ مسئلہ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں لَا يَسْتَطِيعُونَ كَشْفَ الضُّرِّ کے بعد وَلَا تَحْوِيلًا ۔ کہنے کی ضرورت نہیں تھی اس لیے کہ کشف کا معنیٰ ہے دور کرنا مٹانا۔ اور تحویل کا معنیٰ ہے ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا۔ تو جب کشف ہی کی طاقت کی نفی ہو گئی تو تَحْوِيلًا کی نفی خود بخود ہو گئی لِهٰذَا لَا تَحْوِيلًا کہنے کی ضرورت نہ تھی (محمد رازی)

جواب ۔ ضرورت تھی اس لیے کہ کشف کے معنیٰ تو ہیں صرف دور کرنا مٹانا۔ مگر تحویل کے یہ معنیٰ بھی ہیں کہ اسی مصیبت کو آرام اور اسی کڑوے کو میٹھا بنا دینا۔ نہ مٹانا نہ دور کرنا۔ جیسے کہ کچھ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کنواں کھاری اور کڑوا ہے دعا فرمائیے ہمارے لیے کوئی میٹھا کنواں نکل آئے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لعاب دہن ڈال کر اسی کو میٹھا کر دیا یہ ہے تحویلا (محمد رازی) تو آیت میں معنیٰ یہ ہیں کہ بُت اور دیوی دیوتا نہ تو مصیبت دور کر سکتے ہیں اور نہ مصیبت کو راحت بنا سکتے ہیں۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ کافر جن کو پوجتے ہیں وہ مصیبت دور کرنے کی طاقت نہیں رکھتے حالانکہ کفار تو فرشتوں کو بھی پوجتے ہیں اور وہ نفع نقصان دیتے ہیں تو پھر ہر کافر کے لیے لَا يَمْلِكُونَ ۔ کیونکر درست ہوا۔ اور کیا دلیل ہے کہ فرشتے اور وہ نبی جن کو کافر پوجتے ہیں وہ مدد نہیں کرتے اگر یہ کہا جائے کہ کفار فرشتوں سے فریادیں کرتے ہیں مگر کوئی فرشتہ ان کی بات قبول نہیں کرتا جس سے ثابت ہوا کہ لَا يَمْلِكُونَ ہیں تو ہم کہتے ہیں کہ اس طرح تو مسلمانوں کی بہت دعائیں اللہ بھی قبول نہیں کرتا تو کیا وہ بھی لَا يَمْلِكُونَ ۔ میں شامل ہے (آریہ) ۔

جواب ۔ اس آیت میں لَا يَمْلِكُونَ ۔ سے مراد فرشتے یا انبیاء اولیاء نہیں نہ یہ بزرگ ہستیاں اس میں شامل جن مفسرین نے اس آیت میں انبیاءِ کرام اور فرشتوں کو شامل مانا ہے وہ غلطی پر ہیں اس لیے کہ کسی دور میں انبیاءِ کرام یا فرشتوں کی پرستش نہیں ہوئی انبیاءِ کرام کو ابن اللہ اور ملائکہ کو بنت اللہ ضرور کہا گیا مگر ان کی پوجا آج تک کسی نے نہ کی پوجا صرف بتوں کی اور درختوں جانوروں کی ہوتی ہے یا فرعون نے خود اپنی زندگی میں اپنے آپ کو خدا کہا کر سجدے کرائے مرے بعد اس کو بھی کسی نے سجدہ نہ کیا۔ نہ کسی کافر نے کبھی کسی قبر کو پوجا۔ اسی لیے قبر کی عزت جائز ہے اور بت تصویر فوٹو اور مخصوص درختوں کی آگ کی عزت حرام ہے۔ اسی طرح چاند سورج

ستاروں کی عزت حرام ہے۔

تیسرا اعتراض - یہاں فرمایا گیا قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ - اُدْعُوا امر ہے - اور حکم دیا گیا کہ بتوں کو پوجو - حالانکہ بت پرستی کفر ہے تو کفر کا حکم کیوں دیا گیا امر تو وجوب کے لیے آتا ہے -

جواب - اس کا جواب ہم نے بہیں احکام القرآن میں دے دیا کہ یہ حکم طعن اور جھڑک کے لیے ہے نہ کہ وجوب کے لیے ہر امر وجوب کے لیے نہیں ہوتا - مطلب یہ ہے کہ جاؤ اب کس منہ سے مصیبت میں اللہ کے دروازے پر آئے ہو -

---

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ کَذَّبَ

اور نہیں روکا ہم کو اس سے کہ بھیج دیں ہم معجزات کو مگر اس چیز نے کہ جھٹلایا

اور ہم ایسی نشانیاں بھیجنے سے یونہی باز رہے کہ انہیں

بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً

ان کو پہلوں نے - کہ دی ہم نے ثمود کو قدرتی اونٹنی نظر آتی ہوئی

اگلوں نے جھٹلایا - اور ہم نے ثمود کو ناقہ دیا آنکھیں کھولنے کو

فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۵۹

تو انہوں نے ظلم کیا اس پر - اور نہیں بھیجتے ہم آیتوں کو مگر خوف کے لیے

تو انہوں نے اس پر ظلم کیا - اور ہم ایسی نشانیاں نہیں بھیجتے مگر ڈرانے کو

وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا

اور یاد کیجئے جب ہم نے کہا آپ کو کہ بیشک آپ کا رب گھیرے ہے لوگوں کو - اور نہیں

اور جب ہم نے تم سے فرمایا کہ سب لوگ تمہارے رب کے قابو میں ہیں - اور

جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

کیا ہم نے اس دیدار کو جو دکھایا ہم نے آپ کو مگر آزمائش لوگوں کے لیے

ہم نے نہ کیا وہ دکھاوا جو تمہیں دکھایا تھا مگر لوگوں کی آزمائش

وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ط وَنُخَوِّفُهُمْ

اور اس درخت کو بھی فتنہ بنایا جس کو لعنت کی گئی مذکور ہے قرآن میں اور ڈراتے رہتے ہیں ہم ان کفار کو

کو اور وہ پیڑ جس پر قرآن میں لعنت ہے

فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ؏ (٦٠)

تو نہیں زیادہ ہوئی ان ہیں مگر بھاری سرکشی ۔

اور ہم انہیں ڈراتے ہیں تو انہیں نہیں بڑھتی مگر بڑی سرکشی

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں داؤد علیہ السلام کو کلام الٰہی میں سے ایک پوری کتاب عطا فرمانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اپنے انبیاء و رُسُل کو دیگر آیاتِ قدرت عطا فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ گویا کہ طریقہ تبلیغ کے مختلف ذریعے ہونے کے ساتھ ساتھ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی مختلف فضیلتوں کا بھی ثبوت دیا جا رہا ہے کہ ہم نے کسی کو کلامِ الٰہی دیا تاکہ اس سے ہدایت دی جائے اور کسی نبی اکرم کو اونٹنی کا معجزہ دیا تاکہ قوم یہ معجزات دیکھ کر قدرتِ الٰہی دیکھے اور ہدایت پائے۔

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ نیک بندے وسیلہ اختیار کرتے ہیں بلا وسیلہ رب تک پہنچنے کی بے فائدہ کوشش نہیں کرتے۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کون رب تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ بن سکتے ہیں اور کون نہیں بن سکتے یعنی اللہ تعالیٰ کی نشانیاں پانے والے معجزات حاصل کرنے والے ہی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا وسیلہ ہیں۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ نیک لوگ ان وسیلوں کو تلاش کرتے ہیں جو سب سے زیادہ اللہ کے قریب ہو۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ معراج کے دولہا حبیب کریم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ہم نے معراج کرا کے دنیا والوں کو یہ بھی بتایا ہے کہ قربِ الٰہی کے سب سے اعلیٰ و افضل وسیلۂ عظمیٰ اور

مُقرَّب اِلَی اللہ محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ہی ہیں۔ سب انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین ان ہی کے وسیلے سے مقرب ہوئے۔

شانِ نزول۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ مشرکین مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مطالبہ کیا تھا کہ صفا مروہ پہاڑ کو سونا بنادیں اور دوسرے پہاڑوں کو سرزمین مکہ سے ہٹا دیں۔ تو رب تعالیٰ نے دو آیتیں ۵۸ تا ۵۹ نازل فرمائیں۔

تفسیر نحوی وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا ۔ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ۔ واؤ سر جملہ۔ مَا مَنَعَ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق منفی معروف مَنْعٌ سے بنا ہے صیغہ واحد مذکر غائب متعدی بدو مفعول ہے بمعنیٰ روکنا۔ منع کرنا باز رکھنا علیحدہ کرنا۔ اس میں نَا ضمیر جمع متکلم ہے منصوب متصل مفعول بہ اول ہے ایک قول میں مَنَعَنَا جمع متکلم ہے اعلیٰحضرت کا ترجمہ اسی قول پر ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ نُرْسِلُ۔ باب افعال کا مضارع مثبت معروف اس میں پوشیدہ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم۔ رَسْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بھیجنا پہنچانا۔ اس کا مصدر ہے اِرسالٌ۔ ب زائدہ ہے یا ملابست کی الف لام عہدی یا اسمی ہے آیٰت جمع ہے آیۃٌ کی بمعنیٰ نشانِ قدرت یہ مجرور جار متعلق ہے نُرْسِلُ کا فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ دوم ہوا مَا مَنَعَ کا۔ اِلَّا حرفِ استثنا مفرّغ یا منقطع اَنْ حرفِ تشبیہ لغو یہاں ہٗ ضمیر شان پوشیدہ ہے۔ کَذَّبَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف مصدر ہے تَکْذِیْبٌ کِذْبٌ۔ سے بنا ہے بمعنیٰ جھٹلانا۔ یا کسی کو جھوٹا کہنا۔ بِ جارہ تعدیہ کی ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع ہے آیٰت یہ جار مجرور متعلق ہے کَذَّبَ کا۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْنَ۔ اَوَّلُوْنَ اسم تفضیل جمع مذکر اَوَّلٌ یا وَوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پہلے ہونا بحالتِ رفع ہے فاعل ہے کَذَّبَ کا مراد ہے پہلی قومیں یعنی کافر اُمتیں یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مستثنیٰ اور فاعل ہوا مَا مَنَعَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اٰتَیْنَا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مصدر ہے اِیْتَاءٌ بمعنیٰ دینا اَتْیٌ سے بنا ہے فعل با فاعل ہے۔ ثَمُوْدَ مفرد جامد غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی و عَلَم ہے۔ ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام کی نسل و اولاد کا نام ہے یا یہ اسم مفرد مشتق عربی ہے۔ ثَمَدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بارش کے چھوٹے چھوٹے تالاب۔ لفظِ ثمود بروزنِ فَعُوْل۔ قومِ صالح کا منقولی نام ہے اور ترکیب نحوی میں اٰتَیْنَا کا مفعول بہ اول ہے۔ اَلنَّاقَةَ میں الف لام عہدِ خارجی ہے۔ نَاقَةٌ اسم مفرد جامد مؤنث بمعنیٰ اونٹنی مفعول بہ دوم ہے۔ مُبْصِرَةً باب افعال کا اسم فاعل ہے اس کا مصدر ہے اِبْصَارٌ واحد مؤنث کا صیغہ ہے بَصَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دیکھنا یا بَصِرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ سوچنا سمجھنا غور کرنا اسی سے ہے بَصِیْرَت مفعول لہٗ ہے اٰتَیْنَا کا

ہو جملہ فعلیہ ہو گیا فَ حرفِ تعقیب یعنی بعد میں کرنے والا کہ یہ کام بعد میں ہوا۔ ظَلَمُوْا۔ فعل ماضی مطلق ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان کرنا۔ بِ جارّہ علیٰ کے معنیٰ میں ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اِس کا مرجع نَاقَۃٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ظَلَمُوْا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ سے جملہ مَا نُرْسِلُ۔ باب افعال کا مضارع منفی معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ بمعنیٰ بھیجنا۔ بِ جارّہ تعدیہ کی یا زائدہ ہے الف لام عہدِ ذہنی آیات جمع آیَۃٌ کی بمعنیٰ نشاناتِ الٰہیہ جار مجرور متعلق ہے مَا نُرْسِلُ کا۔ اِلَّا حرفِ استثنا لغو مابعد کے ادراک کے لیے یا وضاحت کے لیے تَخْوِیْفًا باب تفعیل کا مصدر ہے خَوْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈرانا متعدی ہے۔ لیکن خوفٌ مصدر لازم ہے بمعنیٰ ڈرنا۔ مفعول لَہٗ ہے مَا نُرْسِلُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سے جملہ استینافیہ اِذْ حرفِ ظرفیہ زمانی کے لیے اس کے پہلے یا بعد میں اُذْکُرْ یا اُذْکُرُوْا جمع کا صیغہ پوشیدہ ہوتا ہے قُلْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم یہاں نَحْنُ پوشیدہ ہے اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ لَکَ جار مجرور متعلق ہے قُلْنَا کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل رَبَّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ اسم فاعل یعنی پالنے والا۔ اسم صفاتی خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کا کَ ضمیر واحد مذکر کا مرجع یا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم یا عام انسان۔ یہ مرکب اضافی اسم ہوا اِنَّ کا اَحَاطَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اپنے ہی معنیٰ میں ہے اور گزشتہ حقیقت کی خبر دی جا رہی ہے۔ ایک دوسرے قول میں یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے اور خبر ہے آئندہ کی یقینی خبر بتانے کے لیے ماضی بول دیا جاتا ہے ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر اِحَاطَۃٌ۔ اور اِحْوَاطٌ۔ حَوْطٌ یا حِیْطٌ سے بنا ہے اسی سے ہے حِیْطَانٌ۔ بمعنیٰ گھیرنا۔ حیطان وہ باغ جس کے آس پاس چار دیواری ہو۔ خالی چار دیواری کو احاطہ کہا جاتا ہے۔ علم تو قیت کے دائرے کا نام محیط ہوتا ہے۔ بِ جارّہ تعدیہ کی۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ اتمام۔ ناس اسم مفرد جامد بمعنیٰ انسان لفظاً واحد ہے معنیٰ جمع اس میں تغیرِ لفظی نہیں ہوتا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اَحَاطَ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ اور وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مقولہ ہوا مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْیَا الَّتِیْٓ اَرَیْنٰکَ اِلَّا فِتْنَۃً لِّلنَّاسِ۔ وَالشَّجَرَۃَ الْمَلْعُوْنَۃَ فِی الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُھُمْ فَمَا یَزِیْدُھُمْ اِلَّا طُغْیَانًا کَبِیْرًا۔ واؤ سے جملہ۔ مَا جَعَلْنَا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ باب فَتَحَ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بنانا۔ تبدیل کرنا پھیرنا۔ اَلرُّؤْیَا۔ الف لام عہد ذہنی رُؤیا اسم مفرد جامد بمعنیٰ خواب۔ رَاْیٌ مصدر مہموز العین اور ناقص یائی سے بنا ہے۔ یا لفظِ رُؤیا اسم تفضیل مؤنث ہے بروزن فُعْلیٰ۔ اسی مصدر سے ہے رُؤْیَتٌ۔ لغوی ترجمہ ہے جاگتے میں دیکھنا۔ اُچٹتی نگاہ سے دیکھنا۔ پورا مشاہدہ کرنا۔ نگاہ بھر کر دیکھنا۔ آنا فانا دیکھنا۔ خواب میں دیکھنے کو رُؤیا اسی لیے کہہ دیا جاتا ہے کہ

کہ وہ بھی غیر اختیاری اور اچانک ہوتا ہے۔ عام اصطلاح میں رات میں دیکھنے کو رویت کہا جاتا ہے جو جاگتے میں دیکھا جائے۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں مراد معراج کی رات لامکان پر اللہ تعالیٰ کا دیدار کرنا ہے بنظرِ جسمانی لفظِ رُؤیا اگرچہ مؤنث ہے مگر لفظ مؤنث ہونے کی صورت میں مذکر کے لیے مستعمل ہے۔ اَرَیْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم فاعل ضمیر مستتر کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے۔ رُؤیۃٌ سے مشتق ہے کَ ضمیر واحد حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے اَرَیْنَا۔ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اِلَّا حرفِ استثنا مفرغ۔ متصل ہے جَعْلٌ سے۔ مستثنیٰ منہ مطلق ہے یہاں بھی ایک جَعَلْنَا پوشیدہ ہے اصل میں ہے اِلَّا جَعَلْنَا فِتْنَةً۔ لفظِ فتنہ۔ اسم مشتق ہے فَتْنٌ سے مشتق ہے۔ یہ مؤنث لفظی ہے۔ لغوی ترجمہ ہے سونے کو آگ میں بہت زیادہ تپانا پگھلانا اصطلاحاً یہ آٹھ معنیٰ میں مشترک ہے۔

۱ آزمائش میں ڈالنا ۲ آفت مصیبت ۳ لڑائی نوبت ۴ عذر کرنا یا عذر چاہنا ۵ دکھ تکلیف عذاب ۶ خرابی ۷ کسی چیز میں مبتلا ہونا ۸ کسی کو کسی پر مسلّط کرنا اسم متمکن ہے بحالتِ نصب ہے یہاں آزمائش کے معنیٰ میں ہے مفعول بہ ہے پوشیدہ جَعَلْنَا کا۔ لام جارہ نَاسٌ۔ اسم مفرد جامد جنسی ہے ظاہراً مراد کفارِ مکہ ہیں۔ یا عام انسان تا قیامت مراد ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق پوشیدہ جَعَلْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا واؤ عاطفہ یہ عطف ہے رُؤیا پر۔ یہاں مستثنیٰ منہ معطوف علیہ معطوف کے درمیان میں ہے الف لام عہد ذہنی یا خارجی ہے شَجَرَةٌ۔ اسم مفرد جامد واحد مذکر ہے آخر میں ۃ وحدت کی ہے نہ کہ تانیث کی۔ شَجَرٌ بھی ہوتا ہے اور کبھی آخر میں تاءِ تانیث بھی لگائی جاتی ہے تب اس کی جمع شَجَرٰتٌ ہوتی ہے شَجَرٌ مذکر لفظی جمع اَشْجَارٌ ہے۔ جمع کے وقت تاءِ وحدت گرا دی جاتی ہے۔ مُعرَب ہے بحالتِ نصب ہے لغوی ترجمہ ہے۔ جھگڑنا اُلجھنا۔ اختلاف ہونا۔ اصطلاحی ترجمہ شاخیں ہونا یعنی پودے درخت نباتات جڑی بوٹیاں یہ سب شجر ہی کہلاتے ہیں یہاں مراد پودہ ہے نسل انسانی جسمانی و روحانی کو شجرۂ حسب نسب و سلسلہ اسی شاخ در شاخ ہونے کے بنا پر کہتے ہیں۔ ترکیب میں موصوف ہے۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ اَلْمَلْعُوْنَةَ۔ اسم مفعول باب فَتَحَ سے واحد مؤنث لَعْنٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ذلیل کرنا۔ قابلِ رحم نہ سمجھنا۔ رحمت و محبت سے دور کرنا۔ نقصان دہ یا تکلیف دہ ہونا اس میں ھِیَ ضمیر مؤنث واحد پوشیدہ نائب فاعل ہے جس کا مرجع شَجَرَةَ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الف لام عہدِ خارجی قُرآن۔ بروزنِ فُعلان صفت مشبہ ہے نام ہے اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کا یہ جار و مجرور متعلق ہے ملعونۃ کا وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر صفت ہے شَجَرَةَ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے رویا پر اور مفعول بہ ہے مَا جَعَلْنَا فعل فاعل صلہ موصول مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سرِ جملہ نُخَوِّفُ باب تفعیل مضارع حال ہے یا مستقبل استمراری خوفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈراتے رہتے ہیں یا ڈراتے رہیں گے اس کا مصدر ہے

تخویفٌ بمعنی ڈرانا۔ یا خبر دار کرنا اس میں فاعل نحنُ جمع متکلم کی ضمیر ہے ان کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع کفار ہیں یا عام یا کفارِ مکہ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ کیونکہ نُخَوِّفُ سے پہلے اِذَا شرطیہ پوشیدہ ہے یعنی جب بھی ہم ڈراتے ہیں ف جزائیہ مَا یَزِیْدُ۔ مَا نافیہ۔ یَزِیْدُ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف زَیْدٌ سے مشتق ہے بمعنی بڑھنا۔ ھُمْ ضمیر مفعول فیہ یعنی ان میں مرجع وہی کفار ہیں۔ یہ فعل اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر فاعل اور ھُمْ مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ ھُوَ ضمیر کا مرجع ذہن ہے شَیْئٌ یعنی کچھ بھی۔ اِلَّا حرفِ استثنا۔ طُغْیَانًا اسم صفت مشبہ بمعنی بہت سرکشی اور فساد مچانا یہاں اسم جامد یعنی فساد طَغْیٌ سے بنا ہے۔ موصوف ہے کَبِیْرًا صفتِ مشبہ کِبْرٌ سے بنا ہے بمعنی بہت بڑا۔ صفت تابع ہے طُغْیَانًا کا یہ مرکب توصیفی مستثنیٰ ہو کر سب جملہ استثنائیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ۔ وَاٰتَیْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰیٰتِ اِلَّا تَخْوِیْفًا. وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ

اور اے پیارے محبوب نبی ان جنم کے کم عقلوں سے یہ بھی فرما دیجئے کہ نہیں روکا ہم کو کسی نے اس بات سے کہ تمہارے نئے نئے مطالبوں کی آیتیں معجزے اور نشانیاں ہم زمین پر بھیجیں۔ مگر اس بات نے کہ ان ہی جیسی ہماری آیتوں اور قدرت کی نشانیوں کو تمہارے پہلے باپ دادوں نے جھٹلا دیا حالانکہ انہوں نے بھی اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام سے اسی طرح قسمیں کھا کھا کر ایمان لانے کے وعدے کئے تھے وہی مطالبے اور وعدے تم کر رہے ہو۔ اس کے علاوہ ہر بات میں تم موجودہ کافر بھی اپنے انہی باپ دادوں کے مقلد بنے رہتے ہو اور مطالبات پورے ہو جانے کی صورت میں تم نے بالکل اسی طرح ان معجزات و آیات کو جادو جادو کہہ کر جھٹلانا وعدۂ ایمانی سے پھر جانا ہے تو حنابطۂ الٰہیہ قدیمہ کے مطابق پہلے کفار کی طرح تم کو بھی آسمانی غیبی عذاب سے ہلاک کرنا لازمی ہے مگر ہم اپنے حبیب کریم کے صدقے میں تم کو ہلاک نہیں بلکہ غور و فکر کی مہلت دینا چاہتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ تم میں سے اکثر مسلمان ہو جائیں گے اور بہت سوں کی نسلیں مومن مسلمان صحابی بن جائیں گی اس لیے ہلاک نہیں کیا جائے گا۔ کفارِ مکہ نے تو اب نئے دو مطالبے کئے ہیں ایک یہ کہ مکے کے پہاڑ سونے کے بن جائیں ۔ اور اگر یہ نہیں ہوتا تو ان کو دور ہٹا دیا جائے تاکہ کھلی میدانی زمینوں میں ہم اہلِ مکہ کھیتی باڑی اور باغات لگا سکیں اگر ایسا ہو گیا تو ہم نبی پر ایمان لے آئیں گے۔ حالانکہ ابھی کچھ زمانہ پہلے ان کے قریبی علاقہ میں قوم ثمود کو ان کے مطالبے پر اونٹنی کا عظیم معجزہ ظاہر ظہور ہم نے دیا تھا تو ان لوگوں نے ایمان لانے کا وعدہ توڑ کر اپنے نبی مکرم صالح علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری

چھوڑ کر اسی اونٹنی پر سخت ظلم کیا اور اس کے ذریعے اپنے آپ پر دائمی عذاب کا ظلم کر لیا کہ اس کو ہلاک کر کے نبی مکرم کا انکار اور اللہ تعالیٰ کا کفر کر کے پھر جو اُن کا دنیوی انجام ہوا اس سے کوئی بھی بے خبر نہیں۔ تاریخوں کتابوں کے علاوہ یہ خود کفارِ مکہ بھی آتے جاتے سفرو حضر میں ٹھہرنے رکنے قیام و روانگی میں اُس اُجڑی بستی کو یہ سنتے دیکھتے ہی رہتے ہیں۔ اور بھی ایسے بہت سے عبرتناک انجام بدکار قوموں کے گزر چکے ہیں مگر وہ اُن سے دور ہوئے ہیں جانتے اُن کو بھی ہیں انجام ان کا بھی اپنے بڑے بوڑھوں سے سنتے رہتے ہیں مگر پھر بھی اسی تمسخر مذاق بازی ہنسی دل لگی سے فضول و بیہودہ مطالبے کر رہے ہیں تو کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انبیاءِ کرام کے معجزات۔ قدرتِ الٰہیہ کی نشانیاں ایسے ہی بیکار کھیل تماشے اور شعبدہ بازی کے لیے آجاتی ہیں کہ جب چاہا مطالبہ کر دیا اور جب چاہا کفر و انکار کر دیا۔ نہیں ایسا ہرگز نہیں بلکہ وَمَا نُرْسِلُ (الخ) نہیں بھیجتے ہم اپنے کسی نشانِ قدرت۔ آیت۔ معجزے اور انبیاءِ کرام کو مگر انتہائی خطرناک جہنم اور اُس کے دائمی عذاب سے ڈرانے کے لیے۔ عبرت دلانے اور غور و فکر کی مہلت دینے کے لیے انجام بتانے اور اہلِ عقل کو مومن بنانے کے لیے۔ اے پیارے محبوب نبی اب یہ کفار اپنے مطالبے منظور نہ ہونے کی صورت میں اور آپ کی طرف صاف صاف جواب سننے کے بعد آپ کو زیادہ ستانے کے لیے مذاق و تمسخر اڑائیں گے منصوبے بنائیں گے مگر آپ بالکل فکر مند نہ ہونا ہم نے تو پہلے ہی آپ کو کہدیا ہے۔ (یا ازل میں یا عالمِ ارواح میں یا دنیوی ابتدائی زندگی میں) آپ کو یاد ہی ہے کہ اِنَّ رَبَّكَ۔ بیشک آپ کا رب تعالیٰ۔ ذاتاً۔ علماً۔ قدرتاً۔ قوتاً حکمتاً تمام انسانوں کو ہر طرف سے مکمل طور پر گھیرے ہوئے ہے یا آئندہ جنگِ بدر۔ فتح مکہ وغیرہ میں مسلمانوں سے اِن کا گھیراؤ فرما دے گا اور یہ کافر خود تباہ و برباد ہو جائیں گے۔ آپ اپنے کریم رحیم قادر و قیوم رب کی رحمت و حمایت۔ نصرت و کرامات میں مزے سے کھل کر بلا جھجک بے دھڑک حسبِ سابق و مطابقِ دستور۔ ہر اُس بات کلام اور وحی و قانون۔ عذاب و بشارت کی تبلیغ۔ باطل کی تکذیب فرماتے رہیئے جس کے لیے آپ کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ سب دشمن دوست رب تعالیٰ کے قابو میں ہیں کوئی آپ کا ذرہ نقصان نہیں کر سکتا۔ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وَنُخَوِّفُهُمْ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا۔ یہ کفار آئے دن نئے نئے مطالبے اور صداقتِ نبوت پر بار بار اپنی مرضی کے معجزات مانگتے ہی چلے جا رہے ہیں حالانکہ چلتے پھرتے ان لوگوں نے ہمارے نبی کے ہزاروں ہی معجزے دیکھ لیے چاند چرتا پتھروں کو کلمہ پڑھتا۔ خود ان کے بتوں کی گواہیِ صداقت جلی کھجوروں کو اگتا بے گٹھلی کے درخت بنتا۔ جسم کو بے سایہ اور بادلوں کو ان پر سایہ کرتا دیکھ لیا یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے بہت بڑی آزمائش کے معجزے تھے اس کے بعد اے پیارے محبوب نبی ہم

نے تمہارے اُس شب معراج کے ساری کائنات عرش و فرش لوح و قلم مکان لامکان بلکہ دیدارِ اللہ رحمٰن کو دیکھنے کو اور جنت کو ملاحظہ فرمانے اور اسی معراج میں جہنم کو دیکھنے اور اس میں درخت زقوم کو اُن مکے کے لوگوں کے لیے ایک بڑی کٹھن اور آزمائش ہی بنایا ابھی پتہ لگ جاتا ہے کہ نبی پاک کے معجزے پر یہ نئے معجزے کا مطالبہ کرنے والے اور ایمان کا وعدہ کرنے والے۔ ایمان لاتے ہیں یا نہیں اور کتنے مسلمان ان کے جھانسے میں آکر معراج سے اور جہنم میں درختِ زقوم ہونے سے منکر ہو کر یا سرِ تسلیم نہ خم کرتے ہوئے مرتد ہو جاتے ہیں یا ثابت قدم رہتے ہیں۔ اِسی سے اندازہ ہو جائے گا ان کے اگلے وعدوں کا۔ ابتداءِ کفر سے ایسا ہی ہوتا چلا آیا ہے کہ جب کبھی ہم ان کو عذاب و کفر سے اور جہنم دائمی سے اپنے انبیاءِ کرام اُن کے معجزات اپنی قہر و غضب یا مطالبوں کی نشانیاں بھیج کر سمجھاتے رہے مگر ان ازلی بدبختوں کی سرکشی ہی بڑھتی رہی۔ اس آیتِ کریمہ میں مفسّرین کے رویا۔ اور فتنہ و شجرِ ملعونہ کے بارے میں مختلف قول ہیں۔

۱ رویا سے مراد شبِ معراج کا تمام دیدار اور آنکھوں دیکھا حال مراد ہے۔ اور یہی درست ہے چنانچہ محدث عبد الرزاق اور سعید بن منصور۔ امام احمد حنبل۔ بخاری شریف ترمذی۔ نسائی۔ ابن جریر۔ ابن منذر۔ ابن ابی حاتم۔ طبرانی۔ مستدرک حاکم۔ ابن مردویہ۔ بیہقی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے یہ ہی بیان فرمایا ہے نیز واقعۂ معراج ہی کفارِ مکہ کے لیے اور بعض نو مسلموں کے لیے ایک آزمائشی معجزہ اور عظیم فتنہ تھا کہ ابو جہل وغیرہ نے ہنسی مذاق اڑا کر مزید کفر کمایا اور نو مسلم منافقین نے سوالات و دہمیات سے ارتداد بنایا (مرتد ہو گئے)

۲ بعض نے کہا۔ رویا سے مراد خواب کی معراج ہے مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ خواب کی معراج فتنہ و آزمائش نہیں ہو سکتی۔ ۳ بعض نے فرمایا کہ رویا سے مراد لَقَدْ صَدَقَ اللّٰهُ رَسُوْلَهُ الرُّءْيَا۔ والی خوابِ فتح مکہ مراد ہے لیکن یہ اس لیے غلط ہے کہ اُس وقت تو سب اہلِ مکہ مسلمان ہو گئے تھے فتنہ کب ہوا ۴ بعض نے کہا یہ وہ خواب ہے جو بدر کے ہلاک شدگان کفار کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ فلاں یہاں قتل ہوگا فلاں یہاں۔ مگر یہ بھی کسی کے لیے آزمائش نہ تھی۔ نیز یہ واقعۂ بدر ہجرت کے بعد کا ہے اور رویا ہجرت سے پہلے ہوا کیونکہ یہ سورت مکی ہے ۵ بعض نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مروان بن حکم کی اولاد کو خواب میں دیکھا تھا کہ وہ منبرِ نبوی پر بندروں کی شکل میں ناچ رہے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس خواب سے رنج ہوا تھا۔ مگر یہ خواب بھی ابو جہل کفارِ مکہ کے لیے آزمائش نہیں ہو سکتی۔ نیز یہاں معجزوں اور آیتوں کا ذکر ہے۔ اور کفار کی نظر میں کوئی خواب معجزہ نہیں ہو سکتی۔ فتنہ کے بارے میں بھی چند اقوال ہیں۔

۱ فتنہ سے مراد آزمائش ہے ۲ فتنہ سے مراد نبی کریم کو رنج و تکلیف پہنچنا ہے۔

۳ فتنہ سے مراد۔ جنگِ بدر ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ شجرِ ملعونہ سے مراد بعض نے کہا تھوہر کا درخت

ہے جو جہنم میں بھی موجود اور اُگتا ہے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ جہنم میں زقوم (تھوہڑ) کا درخت ہے جو کفار کی خوراک ہوگی تو ابوجہل کافر وغیرہ تکذیب کرتے ہوئے کہنے لگے کہ یہ نبی عجیب ہیں کبھی کہتے کہ جہنم میں دنیا سے ستر گنا تیز بھڑکتی آگ ہے جو پتھروں کو جلا دے گی اور ساتھ ہی یہ کہتے ہیں کہ وہاں درخت ہیں۔ بھلا آگ میں بھی کبھی درخت اُگ سکتا ہے۔ اس جاہل کو یہ پتہ نہیں تھا آگ جبکہ پرانی ہو جائے تو اس میں اون والے بڑے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں جن کو عربی اور ترکی میں سمندل کہتے ہیں۔ اور شتر مرغ انگارے کھا جاتا ہے لوہے کے سرخ گرم ٹکڑے کھا جاتا ہے۔ آج ہماری آنکھوں نے ایسے شیشے کے برتن دیکھ لیے جو آگ میں نہ پھٹے نہ پگھلیں۔ اسی قسم کے شیشے سے جاپان نے کپڑے تیار کر لیے جو آگ میں نہیں جلتے۔ سمندل کی اون سے ترک میں اب بھی تولیے بنائے جاتے ہیں جو آگ میں نہیں جلتے۔ تو جب سمندل اور اُس کی اون کے تولیے۔ شتر مرغ اور جاپانی شیشے کے کپڑے نہیں جلتے تو اگر زقوم کا درخت بھی نہ جلے تو کیوں حیرانی اور فتنہ بنے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دستر خوان سے ہاتھ مبارک پونچھ لیے تو وہ بھی تنور کی بھڑکتی آگ میں نہ جلتا تھا۔ نیز جہنم کا صرف ایک ہی طبقہ تو نہیں وہاں تو زمہریر بھی ہے ہر جگہ آگ ہی نہیں دوسرے عذاب بھی ہیں۔ تھوہڑ کا درخت دوسری جگہ بھی ہو سکتا ہے۔ اور پھر یہ تو قدرتِ الٰہی ہے کہ جو آگ پتھر کو جلا دے وہ کفار کے جسم کو صرف عذاب دے جلائے نہیں۔ کبھی ابوجہل وغیرہ کفار کہتے کہ زقوم تو اچھی چیز ہے ایک لغت میں مکھن اور کھجور کو ملانے کا نام زقوم ہے ابوجہل کہتا کہ اے میرے ساتھیو تم مسلمانوں کے کہنے سے مت ڈرو زقوم تو بڑی اچھی چیز ہے۔ ۲ بعض نے کہا شجرِ ملعونہ سے مراد شیطان ہے ۳ بعض نے کہا شجرِ ملعون سے مراد بنی امیہ ہیں۔ ملعونہ کہنے میں چند قول ہیں۔

۱ یہ اس لیے ہے کہ اس کو ملعون کافر کھایا کریں گے ۲ اس لیے ملعون ہے کہ بہت بدمزہ اور نقصان دہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز اور ہر جڑی بوٹی میں کسی نہ کسی بیماری کی شفا ہے مگر زقوم (تھوہڑ) میں کوئی شفا نہیں بیماریاں ہیں۔ اور اہلِ عرب ہر بدمزہ اور نقصان دہ کھانے کو ملعون کہہ دیتے ہیں یہاں عربی محاورے کے اعتبار سے ملعونہ فرمایا گیا ۳ بعض نے کہا یہ شیطانی شکل کی طرح بدصورت ہے اس لیے ملعون کہا گیا۔ ۴ بعض نے کہا کہ چونکہ یہ اصل میں دوزخ کا پودا ہے اور دوزخ و دوزخ کی ہر چیز اللہ کی رحمت سے دور ہے اس لیے یہ ملعونہ ہے۔ لعنت کے لغوی معنیٰ ہیں رحمت سے دور۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ ایمان لانے یا بیعت کرنے کے لیے کسی بھی قسم کی شرط یا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے ایمان کو عقیدت سے قبول کرنا چاہیے اور پیر مرشد کو شریعت کی حقیقت کی ترازو سے بیعت کے لیے پسند کرنا

چاہیے یہ فائدہ وَمَا مَنَعَنَا اَنْ نُّرْسِلَ الخ فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ - دین اسلام شریعت طریقت قرآن پاک حدیث مبارکہ میں سے کسی چیز کی بے ادبی گستاخی یا بعہالت سے انکار ظلم عظیم ہے جو اس پاکیزہ چیز پر بھی ہے اور ظالم کے خود اپنے اوپر بھی یہ فائدہ فَظَلَمُوْا بِهَا - فرمانے اور اس کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس حرکت سے بچنا چاہیے اور موجودہ زمانے کے گستاخ ٹولے سے دور رہنا چاہیے۔ **تیسرا فائدہ** - آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان تک معراج جسمانی ہوئی اور آپ نے تمام غیوب کائنات کو اپنی جاگتی آنکھوں سے دیکھا یہ فائدہ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ کی تفسیری روایات و عقائد و اقوال سے حاصل ہوا۔ آج کل کے جو گستاخ معراج جسمانی کا انکار کرتے ہیں اور رویۃ کا معنی خواب کرتے ہیں وہ قرآن و حدیث سے جاہل اور ان کی بات غلط ناقابل قبول ہے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ - اللہ کو ماننے کے لیے یا اس کی عبادت نماز روزہ تقویٰ پرہیزگاری کے لیے کوئی شرط لگانی کہ اگر ہماری یہ ضرورت پوری ہوگی تب ہم نمازی بنیں گے یا ہم کو یہ نظر آئے تب ہم اس کو مانیں گے یہ حرام ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان عقیدہ اور اس کی عبادت فرضیہ نفلیہ واجبہ پر عمل تو ہر انسان - مسلمان پر ویسے ہی لازم و ضروری ہے شرطیں اور قیدیں لگانا کیسے جائز ہو سکتا ہے اس کی نعمتیں استعمال کرتے وقت بلا روک ٹوک شرط قید کے دھڑا دھڑ ہر وقت لگے رہتے ہیں کوئی شرط نہیں لگاتے - یہ مسئلہ وَمَا مَنَعَنَا الخ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

دوسرا مسئلہ - ہر مسلمان پر اولیاء اللہ کا ادب کرنا فرض ہے اولیاء اللہ کی بے ادبی دین اسلام بلکہ رب تعالیٰ کی بے ادبی ہے اس لیے کہ اولیاء کاملین زمین پر اللہ کی نشانیاں اور آیتیں ہیں - یہ مسئلہ فَظَلَمُوْا بِهَا سے مستنبط ہوا کہ اونٹنی کی بے ادبی کو شرعی جرم لائق عذاب فرمایا گیا یہ حضرت صالح علیہ السلام کا معجزہ تھی۔ بلکہ تا قیامت اولیاء اللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں نیز گستاخ بے ادب آدمی کبھی ولی اللہ نہیں ہو سکتا اگرچہ پڑھ پڑھ کر علامہ اور عامل و زاہد عابد بنا پھرے۔

تیسرا مسئلہ - ایذا دینے والی چیزوں کو ملعون کہنا جائز ہے - اسی طرح کفار کی مخصوص اشیا کو ملعون کہنا بھی جائز ہے اگرچہ وہ نباتات جمادات یا حیوانات ہوں احادیث میں بچھو اور موذیات پر لعنت فرمائی گئی ہے یہ مسئلہ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض - یہاں فرمایا گیا کہ ہم کو آیات بھیجنے سے صرف اس چیز نے منع کیا۔

اللہ تعالیٰ منع کئے جانے سے پاک ہے تو یہاں کیوں فرمایا گیا مَا مَنَعَ ۔

جواب ۔ یہاں مَنَعَ بمعنیٰ ترک ہے یعنی ہم نے آیتیں بھیجنا اس لیے چھوڑ دیا کہ کفار نے تکذیب کی اور ہلاکت کا عذاب آگیا ۔ **دوسرا اعتراض** ۔ جو آیتیں اور قدرت کی نشانیاں کفار نے مانگی تھیں یعنی پہاڑوں کا سونا بننا یا ہٹ جانا وہ تو پہلے کبھی آئی ہی نہیں تو پھر اُن کی تکذیب کب ہوئی کس نے کی ۔

جواب ۔ یہاں جنس نشانی اور آیتوں کے آنے کا ذکر ہے وحدتِ نوعی مراد نہیں ۔ کسی بھی آیت و معجزے کا انکار عذاب کا سبب ہوتا ہے ۔ معجزے اگرچہ مختلف ہوتے رہے مگر ان کا آیت ہونا اور نزول من اللہ ہونا ایک ہی ہے **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا اور وہ درخت جس پر قرآن مجید میں لعنت کی گئی ۔ حالانکہ لعنت تو کسی آیت میں مذکور نہیں تو پھر مَلْعُوْنَةَ فِی الْقُرْاٰنِ ۔ کیوں فرمایا گیا ؟ (محمد رازی)

جواب ۔ اس کے پانچ جواب ہیں ۔

پہلا یہ کہ لفظ ملعون کا تعلق قرآن سے نہیں بلکہ یہاں لفظ مذکور پوشیدہ ہے اور ترجمہ ہے کہ درختِ ملعونہ مذکور ہے قرآن میں یہ جواب ہم نے ترجمے میں بھی دیا ہے ۔

دوئم یہ کہ ملعون سے مراد کافر ہیں نہ کہ درخت ۔

سوم یہ کہ ملعون سے مراد مذموم ہے اور قرآن مجید میں دوسری جگہ اس درخت کو طعام اثیم اور ایک آیت میں اس درخت کو رؤسِ شیٰطین فرمایا گیا ۔ چہارم یہ کہ ملعون سے مراد نقصان دہ ہے اور اس کے نقصان کا ذکر قرآن پاک میں ہے پنجم یہ کہ ملعون سے مراد اس کی ملعون جگہ ہے یعنی جہنم مراد ہے ۔ اور اس کا ذکر قرآن میں اس طرح ہے اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِیْ اَصْلِ الْجَحِیْمِ واللہ ورسولہ اعلم ۔

تفسیر صوفیانہ وَقُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ یَّشَاْ یَرْحَمْكُمْ اَوْ اِنْ یَّشَاْ یُعَذِّبْكُمْ ۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ عَلَیْهِمْ وَكِیْلًا ۔ اور اے پیارے محبوب عرش و فرش کے نبیِ مختار میرے عشق میں مخمور اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ۔ کا وعدہ یاد رکھنے والے میرے عبادتِ ظاہری و باطنی کرنے والے مخلص و مسکین عاجز بندوں سے اپنی زبانِ حکمت کے لفظوں سے فرما دیجئے کہ ہر حال و ہر سانس میں ذکرِ الٰہی کے حسین ترین نغمے بولتے رہیں کیونکہ وادیِ حیرت میں ہر طرف سے بھٹکانے والا شیطان اِن اعضاءِ ظاہری و باطنی میں خلاف و نفاق کے کانٹے ڈالتا ہے بیشک شیطانِ نفس ۔ انسانِ معرفت کا کھلا دشمن ہے اے راہِ قرب میں چلنے والے مسافرو تمہارا مقصودِ کائنات پروردگار تم کو بہت جاننے والا ہے اگر چاہے تو مقامِ مشاہدہ میں توفیق کے پردوں سے اگر تم پر ابدی رحم فرمائے یا اگر اختیار

فرمائے تو ریاضتوں مشقتوں میں ڈال کر وادیِ حیرت میں تم پر دوریِ منزل کا عذاب حجاب ڈال دے اور یا اگر چاہے تو دامنِ محبوب میں بسا کر حفاظتِ دائمی کا رحم فرمائے۔ چاہے تو دور و محجوب رکھ کر نارِ عشق کا عذاب دے اور اے محبوب ہم نے تم کو دریاءِ انوار سے دور ہونے والوں کا جوابدہ نہ بنا کر بھیجا۔ بندوں کے چار عمل ریاضت و مشقت اور خوبصورت حسن ہیں۔

۱ غصے میں خطا بخشنا ۲ مفلسی میں سخاوت کرنا ۳ خلوت میں پاک دامن رہنا ۴ امید اور خوف کے بغیر سچی بات کہنا۔ بارہ۱۲ چیزیں بے مثال ہیں۔

۱ اللہ تعالیٰ کا رحم ۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت ۳ خدا تعالیٰ کا عذاب ۴ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمت ۵ رب تعالیٰ کی بخشش و غفاریت ۶ نبیِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت و شاریت ۷ علما کی عقل ۸ فضلا کی حکمت ۹ صوفیا کی عبادت ۱۰ حکام کی عدالت ۱۱ مجاہدین کی شجاعت ۱۲ اہلِ کرم کی سخاوت۔ عبادی کے پیارے لقب والوں کی چھ نشانیاں ہیں۔

۱ جلدی مسجد میں آنا ۲ جلدی توبہ کرنا ۳ جلدی قرض ادا کرنا ۴ بیٹی کی شادی جلدی کرنا ۵ مہمان کی اچھی میزبانی کرنا ۶ میت کی جلدی تجہیز و تکفین و تدفین کرنا۔ یہی وہ اعمال ہیں جن سے دنیا کا نظام و قیام و بہار قائم ہے اہلِ طریقت کے نزدیک سچا بندہ وہ ہے جس کا ایمان ہو کر وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ وَّاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا۔ اور اے بندۂ مخلص تیرا رب کریم سمٰواتِ فطرت اور زمینِ قدرت سمٰواتِ عقلیات اور زمینِ نکریات۔ سمٰواتِ اعمال اور زمینِ اعتقاد۔ سمٰواتِ مکاشفات اور زمینِ حجابات۔ سمٰواتِ انوار اور زمینِ اسرار میں جو کچھ ہے اُن سب کو ہر طرح ہر وقت بخوبی جانتا ہے۔ اور البتہ بیشک اپنی اس حکمت و قدرت و علم سے ہم نے فضیلت بخشی علم و عرفان غیوب و اسرار کے خزائنِ الٰہیہ کے وارثین محبوبین غیب کی خبریں دینے والے بعض انبیاء کو بعض پر اپنے لامکانِ قدس میں مشاہداتِ ذات سے۔ اور ہم نے حمد و نعت کی زبورِ عشق کلیب داؤد کو عطا فرمادی۔

(روح البیان) عشق نار ہے محبت نور ہے جن کو نورانی ہاتھوں سے نورانی کاغذ پر تحریر فرمایا گیا عشق پاک کرنے والی آگ ہے اور محبت پاکیزگی کا نام ہے بندوں میں افضل وہی ہے جو اپنے نفس کو مار کے اور خود تکلیف اُٹھا کر دوسروں کو آرام پہنچائے گرتے ہوؤں کو بچائے اور گرے ہوؤں کو اٹھائے بے بسوں کی امداد اور بیکسوں کی شفقت کرے یہ اخلاقی فرائض ہیں۔ غیر مسلموں سے بھی حسنِ سلوک کرو صرف اس لیے کہ رسول اللہ کا فرمان اور حکم ہے غیر مسلموں کو بتاؤ کہ ہمارے آقا نبی کا یہ ہی حکم ہے۔ فضیلت سرمدی ابدی پا لینے کی صرف یہی راہِ مصطفیٰ ہے۔

شعر۔

میندار سعدی کہ راہ صفا
تواں یافت جز در پئے مصطفٰی

اے داؤدِ قلب زبورِ عشق کی تلاوت فرما۔ کیونکہ جب کوئی دل خدا تعالٰی کی یاد میں لگ جاتا ہے تو اُس کو عشقِ حقیقی مل جاتا ہے جو کسی عشقِ مجازی کو اُبھرنے نہیں دیتا۔ سارے غموں کا علاج یادِ الٰہی ہے اس سے زیادہ مجرب کوئی چیز نہیں۔ یادِ الٰہی تعلیمِ مصطفٰی کا نام ہے۔ اور تعلیمِ مصطفٰی حدیث و قرآن ہے فرمانِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہٹ کر دونوں جہان کا حرمان ہی حرمان ہے۔ قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۔ اے قلبِ مسعود نفس و نفسانیت کو بتا دے کہ جن خواہشوں شہوتوں رشتوں برادریوں رسموں باطل رواجوں۔ اور دنیوی ساز و سامان کو تم نے اللہ کے مقابل گمان کر لیا اور اُس کے صراطِ مستقیم راہِ شریعت و طریقت کے علاوہ ٹیڑھی راہوں کو سچا اور مضبوط راستہ سمجھ لیا۔ یہ تو ظلماتِ حجاب کو کھولنے کی ہمت و طاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ منبسط کو کشف میں۔ قبض کو شرح میں ظلمات کو انوار میں کثافت کو سعادت میں شقاوت کو شرافت میں بدلنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور نہ ہی راہِ عشق کے مصائب کو پھیر دینے کے مالک و مختار ہیں راہ کٹھن ہے منزل دور ہے امانتِ الٰہیہ کا بوجھ بھاری ہے۔ راہ مار بہت ہیں۔ بیابانِ سلوک کا سونا جنگل رات اندھیری چھائی بدلی کالی ہے۔

شعر۔

شبِ تاریک بیمِ موج گرداب چنیں حائل
کجا دانند حالِ ما سبکسارانِ ساحلہا

اے نادان مسافرو اس دنیوی عیش و عشرت کے متوالو آنکھیں کھولو ہوش سنبھالو جن کمزوروں کو تم نے سہارا سمجھا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ۔ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔ یہ جن کو تم بحرِ ظلمات کے گرداب بلا میں تیراک ملاح سمجھ کر غرقابیِ دنیوی کے وقت بلاتے پکارتے فریادیں کرتے ہو اور جس برادری و گروہ اور عوامی طاقتوں پر ناز کرتے ہو یہ تو خود اتنے کمزور بے بس لاغر بے آسرا ہیں کہ موت کی نزع قبر کے اندھیرے منکر نکیر کے حساب اور عذابِ گور سے بچنے کے لیے تبسمِ محبوبِ ازلی کی نورانی کرنوں۔ زلفِ حبیب اور ابروئے مصطفٰی کی جنبشِ تائید کے وسیلے تلاش کرتے پھرتے ہیں۔ کہ کون اُن میں سے منزلِ معرفتِ الٰہیہ کے زیادہ قریب ہونے والا۔ اور مشاہدۂ جمال کی رحمت کی بھیک کے امیدوار بنتے ہیں۔ اور غفلتِ اعمال غلطیِ افکار سستیِ کردار نقصِ عبادت قلتِ ریاضت کمیِ ذکر۔ گناہِ فکر کے عذابِ دوریِ منزل سے ڈرتے کانپتے ہیں۔ اے گمشدگانِ راہِ سعادت کے کم بختو بیشک تمہارے رب کا عذابِ محرومی مسافرانِ ناسوتی کے لیے خطرناک اور بندگانِ

لاہوتی کے لیے ڈرنے کی چیز ہے۔ اہلِ معرفت وہ ہے جو پہلے حقوقُ العباد یعنی اپنے قلب و قالب کے حقوقِ خفی وجلی پورے کرے اور کعبۂ دل کا حصار و طواف کرے اس سے پہلے ظاہری حج کے لیے جانا بھی گناہ اور ظلم ہے۔ صوفی وہ ہے جو شیطان اور اُس کے دوستوں سے بچے۔ شیطان کے پانچ دوست ہیں ۱ حریصِ دنیا ۲ بخیلِ دولت ۳ بددل ۴ سخت دل ۵ جلد باز۔

(از غوثِ اعظم جیلانی) شیطان کے چھ دشمن ہیں۔

۱ بے طمع عالم ۲ بے ریا زاہد ۳ محبت کی عبادت ۴ اللہ کے لیے دوستی کرنے والے ۵ اللہ کے لیے دشمنی کرنے والے ۶ حلال روزی کھانے والے۔ بھرا پیٹ ابلیس کا اکھاڑا ہے اور فاقے والا پیٹ ابلیس کا قید خانہ ہے۔ روزے دار پیٹ اہلِ طریقت کا چمن ہے اور ابلیس کی نفرت گاہ (از خواجہ حسن بصری) اے غافلو تم بھی ڈرو۔ اے عابدو تم بھی خوف کرو۔ اے زاہدو تم فکر کرو وَاِنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا ۔ كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ مَسْطُوْرًا ۔

اور کائناتِ تجلیات میں کوئی بھی ایسی بستیٔ مسافرانِ طریقت نہیں ہے مگر اس کے رہنے والے گوشہ نشینِ دل کی تنہائیوں میں خلوت نشینوں کو قُربِ جمال کی قیامت اٹھنے کے دن سے پہلے بحرِ عشق کے گرداب کرب و بلا میں فَنَا فِي الذَّات۔ کے مقام پر خودی و بیخودی کی ہلاکت ہم دینے والے ہیں۔ یا شقاوتِ نفسانی کو محرومی و بُعدِ رحمت۔ اور حجابِ ظُلمات کا عذابِ شدید و غلیظ پہنچانے والے ہیں یہ فیصلۂ سرمدیہ کتابِ معرفت کے اوراقِ دھریہ میں لکھا جا چکا ہے اور تقدیرِ ازلی کے تمام ارادے لکھے جا چکے ہیں۔ سعید و شقی۔ عزیز و غبی۔ بخیل و غنی۔ شفیق و رمی سب کو میدانِ عمل میں پہنچا دیا گیا ہے مُهْلِكِيْنِ طریقت اہلِ عقل ہیں۔ معذّبینِ شقاوت نادان ہیں۔ اور نادان بیوقوف کے پانچ نشان ہیں۔

۱ جاہل کو دوست بنانا ۲ عقل والوں سے نفرت کرنا ۳ عورت کو راز دار بنانا ۴ دوسروں کی دنیوی اور اُخروی کمائی پر ناز کرنا ۵ نالائق اور بے تمیز کو اختیار دینا۔ اے عقل والو میدانِ معرفت میں کانوں کو استعمال کرو تاکہ صوتِ سرمدی اور نغماتِ عرشی کو سُن سکو۔ آنکھیں کھولو تاکہ مشاہداتِ انوار سے بہرہ مند ہو۔ قدموں کو بڑھاؤ ہاتھوں کو پھیلاؤ مگر زبان کو بند رکھو۔ تاکہ محرومی و نامحرمی سے اَمن میں رہو۔ زبان نقطہ چین ہے۔ نقطہ چینی آسان مگر اصلاحِ نفس اور تزکیۂ روح مشکل ہے۔ عقلمند وہ ہے جو دنیا سے کنارہ کرے اس سے پہلے کہ دنیا اُس سے کنارہ کرے۔ اور حاضریٔ بارگاہِ الٰہیہ سے پہلے خوشنودیٔ مولا و رضاءِ ذات حاصل کرے۔ طالبِ صادق کو چاہیئے کہ مرشد کے حرم سرا اور خلوت خانۂ محبوب کے لائق بن جائے اچھی بیوی وہ ہے جو نامحرم کو نہ دیکھے اچھا مرید وہ ہے جو جلوۂ پیر کے سوا کسی کو نہ دیکھے اچھی بیوی کو نامحرم نہیں

دیکھ سکتا اچھے مرید کو شیطان نہیں پکڑ سکتا۔ اچھی بیوی اپنے گھر کی محافظ اچھا مرید اپنے قالب کا محافظ اچھی بیوی وہ جس کی اولاد کثرت سے ہو اچھا مرید وہ جس کے مراقبات مکاشفات و مشاہدات زیادہ ہوں۔ وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ؕ وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ مُبْصِرَةً فَظَلَمُوْا بِهَا ؕ وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ طبیعتِ انسانی حیاتِ دنیوی میں کائناتِ دھر پر چھ قسم کی ہے۔

۱ طبیعتِ ایمانی ۲ طبیعتِ عرفانی ۳ طبیعتِ وجدانی ۴ طبیعتِ نفسانی ۵ طبیعتِ طغیانی ۶ طبیعتِ شیطانی۔ طبیعتِ ایمانی والے شکمِ مادر میں ایمان کی دولت سے مزین ہوتے ہیں۔ طبیعتِ عرفانی والے راہِ سعادت کے شہ سوار شروع دن سے ہوتے ہیں طبیعتِ وجدانی والوں کو صرف ایک جھلک کی ضرورت ہوتی ہے ازلی خوش بختی سے منزل پا لیتے ہیں۔ لیکن طبیعتِ نفسانی والے تشکک و شبہات کے کانٹوں جھاڑیوں میں پھنسے ہوتے ہیں اور طرح طرح کے مطالبے کرتے ہیں اور بیابانِ طریقت میں قدم تو رکھتے ہیں مگر قدم قدم پر شعبدوں کی تمنا کرتے ہیں۔ طبیعتِ طغیانی میں انکار اور تکذیب کی عادت بد ہوتی ہے۔ طبیعتِ شیطانی آیت و نشاناتِ قدرت کو ہٹانے۔ مٹانے اور ختم کرنے کی خواہش میں لگی رہتی ہے۔ اسی لیے یہ تینوں خصلتیں مشاہداتِ یار کے جلووں سے محروم تمنا رہتی ہیں اُن پر منزلِ انوار تک پہنچنے کے دروازے بند کر دیئے جاتے۔ ان کی محنت رائیگاں اور دل پُر ارمان ہی رہ جاتے ہیں ایسے راہ نوردوں کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ اور نہیں چھوڑا ہم نے آیتِ قدرت و عبرت کے بھیجنے کو مگر صرف اس لیے کہ نفوسِ رذیلہ کے پہلے اہلِ شقاوت نے وادیِ حیرت میں قدومِ طلب کے انکارِ خفی سے تکذیبِ طبعی کر کے اپنی ہلاکتِ فنا کا سبب بنایا۔ اور ہم نے ثمودِ امارہ کو شریعت کے پانی پینے والا طریقت و معرفت کے لبنِ خالص دینے والا ناقۂ قرآن دیا تو اُن خباثت کے باطن والوں نے بد اعمالی اور کورچشمی کا اُس پر ظلم کیا اس کی وجہ سے اپنی جانوں پر لعنتِ ابدیہ کا ظلم کمایا اور۔ وادیِ عرفان کے یہ نشاناتِ اسرار۔ بیانات رموز تو فقط اس لیے ہم بھیجتے ہیں تاکہ راہ نوردانِ سلوک ڈر ڈر کر قدم رکھیں۔ خوفِ ہیبتِ الٰہی ہی مسافرانِ راہِ طلب کا زادِ راہ ہے۔ وَاِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ ؕ وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ ؕ وَنُخَوِّفُهُمْ ۙ فَمَا يَزِيْدُهُمْ اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا ۔ اور اے قلبِ محبوب یاد کر جب ہم نے تجھ کو عالمِ ازل میں فرمایا کہ بیشک تیرے ربِ کائنات نے تجھ کو نفس و نفوس۔ شرّ و فطور سے بچا کر اپنے انوار کے جھرمٹ میں گھیر لیا ہے اور اغیارِ باطن کے فتنہ و فساد سے محفوظ کر لیا ہے اور نظارۂ عرش کے وہ دیدار جو ہم نے قلب کو عطا فرمائے اور وہ تجلیات

مخصوصہ جو لامکانِ مشاہدہ میں نظرِ جسمانی سے دکھائیں اُس کو امتحان گاہِ ناسوتی کے اہلِ باطل ظاہرین کو یا باطنی انسانوں کے لیے صرف فتنہ اور آزمائش ہی بنایا۔ اور آرائشِ دنیا۔ خواہشاتِ نفسانیہ طبعِ رذیلہ سلسلۂ شیطانیہ کے شجرِ ملعونہ جس کو سینۂ انسانیت میں اُگایا اور قرآن روح میں ذکر فرمایا۔ وہ بھی ایک آزمائش اور فتنۂ راہ سلوک ہے۔ اور ہم غرورِ علمیت تکبرِ فکریت سے مسافرانِ راہ طلب کو ڈراتے رہتے ہیں۔ مگر اہلِ شقاوت کی نفسانی سرکشی ہی زیادہ ہوتی ہے اس لیے کہ ازلی بدبخت کبھی بھی منزلِ مراد نہیں پا سکتا۔ اگر غرور وفریب علم ہوتا تو اس کے سنیافتہ سب سے زیادہ ہوتے۔ انسان ہی سب سے زیادہ قانونِ الٰہی کو توڑنے والا ہے۔ اہلِ دل فرماتے ہیں کہ دنیا و تصوّف میں عورت شجرِ ملعونہ ہے جو معرفت والوں کے لیے فتنہ ہے۔ شراب، خمر اور عورتِ دنیا مرد کو بیوقوف بناتی ہے۔ حسین اور نیک عورت اللہ کی صنعت کا نمونہ ہے زمین کی عزت ہے فرشتوں کی زیارت گاہ ہے اور فطرت کی عجیب چیز ہے اور قدرت کی آیت ہے نُدرت کا خزانہ ہے۔ اے عالمِ کمال میں آنے کے خواہش مند لوگو تجربہ کرتے رہو کیونکہ عمل و فکر کا تجربہ ہی پہلا مرشد اور بہترین استاد ہے لیکن اس کی اُجرت کثیر ہے۔ ساری زندگی کے اَعمالِ حسنہ اس کے تجرباتِ فلاح کا نچوڑ ہے۔ اے بندۂ خدا جو کچھ عبادت اللہ کے لیے کرے گا وہ اخلاص ہے جو عبادت مخلوق میں ناموری کے لیے کرو گے وہ ریا ہے جس بندے میں محبت غالب ہوگی اس میں درد و حُزن زیادہ تر ہوگا۔ اہلِ معرفت غُربت کے طالب ہوتے ہیں کیونکہ اسلام غریبوں سے ہی شروع ہوا اور قریبِ قیامت غُربا میں ہی رہ جائے گا۔ مومن کا ایمان ہے کہ اللہ قلب و قالب سے قریب فہم و فکر سے باہر ہے نیک اَعمال ایمان کو روشن کرتے ہیں اور نیک عقیدے ایمان کو زیادہ کرتے ہیں۔ بُرے اعمال ایمان کو گدلا کرتے ہیں اور بُرے عقیدے ایمان کو کم کرتے رہتے ہیں۔ بُرا وہ ہے جس کو اپنے اَعمال پر اور اپنے مقام پر فخر و غرور ہو۔ اور اپنے کام اچھے لگیں توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ بندوں کے حقوق حُسنِ اخلاق سے ادا کر کے بھی معذرت و معافی طلب کی جائے۔ کیونکہ دولت دے کر احسان نہیں بنتا بلکہ بلا قصور و کوتاہی معافی مانگنا احسان بنتا ہے۔ اس لیے کہ اپنی چیز دینے سے احسان ہے۔ دولت رب تعالیٰ کی امانت ہے اور معذرت معافی و عاجزی اپنی چیز ہے۔ اے انسان اہل و عیال تیری رعایہ ہیں تجھ سے اُن کے بارے میں سوال ہوگا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ

اور جب کہا ہم نے تمام فرشتوں کو فوراً آدم کو عزت کا سجدہ کرو

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو

فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ

تو سب نے سجدہ کیا سوائے ابلیس کے۔ اُس نے کہا کیا میں اُس شخص کو سجدہ کروں

تو ان سب نے سجدہ کیا سوا ابلیس کے۔ بولا کیا میں اسے سجدہ کروں

لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ (۶۱) قَالَ اَرَءَيْتَكَ

جس کو تو نے مٹی جیسے گھٹیا چیز سے پیدا کیا ہے - پھر بولا اے اللہ ذرا غور تو کر کہ

جسے تو نے مٹی سے بنایا بولا دیکھ تو

هٰذَا الَّذِىْ كَرَّمْتَ عَلَىَّ ز لَئِنْ اَخَّرْتَنِ

یہ وہ شخص ہے جس کو تو نے فضیلت و عزت دی مجھ پر البتہ اگر تو آخر

جو یہ تو نے مجھ سے معزز رکھا اگر تو نے مجھے قیامت

اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ

قیامت کے دن تک مجھ کو باقی رکھے تو البتہ ضرور اس کی اولاد کو ور غلاتا پھروں گا میں

تک مہلت دی تو ضرور میں اس کی اولاد کو پیس ڈالوں گا

اِلَّا قَلِيْلًا (۶۲) قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ

سوائے تھوڑوں کے - فرمایا جا مہلت ہے۔ تو جو ان میں سے تیری

مگر تھوڑا - فرمایا دور ہو - تو ان میں جو تیری پیروی

مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً

پیروی کرے گا تو بیشک تم سب کی پوری سزا

کرے گا تو بیشک سب کا بدلہ جہنم ہے

مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾

جہنم ہو گی

بھرپور سزا

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** - پچھلی آیت پاک میں معراج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہوا تھا جو کافر انسانوں کے لیے ایک سخت عجیب آزمائش تھی اب ان آیت میں سجدۂ آدم علیہ السلام کا ذکر ہے جو سب سے بڑے ازلی کافر ابلیس وشیطان کے لیے آزمائش تھی۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیت میں ایک انسانی آزمائش کا ذکر تھا اب ان آیت میں اس چیز کا ذکر ہے کہ جو اس امتحان وآزمائش میں ناکام رہے گا وہ جہنم میں جائے گا۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں جہنمیوں کی خوراک شجرِ ملعونہ کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں خوراک کھانے والے جہنمیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

شانِ نزول - جب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم معراجِ پاک سے واپس تشریف لائے اور رب تعالیٰ کی اجازت سے معراج پاک کا اعلان فرمایا تو کفار نے مذاق اُڑایا اور تین نو مسلم منافق مرتد ہو گئے اور دل لگی مذاق سے بیت المقدس کا نقشہ پوچھنے لگے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب تعالیٰ کے کرم سے سب کچھ بتا دیا تو کفار آپ کو جادوگر کہنے لگے اس پر یہ گیارہ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۶۰ تا آیت ۷۰

تفسیر نحوی وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ۔ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۔ قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ واؤ سرجملہ - اِذْ - اسم ظرفِ زمانی ہے کبھی یہ حرف بھی ہوتا ہے اس وقت یہ مفاجات یعنی اچانک کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ اِذْ کے بعد ہمیشہ کوئی امر پوشیدہ ہوتا ہے یہاں اُذْکُرْ فعل امر واحد مذکر حاضر پوشیدہ اور معنیٰ ہے کہ اے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم

آپ اُس وقت کو یاد کرو اِذْ جب کہ۔ قُلْنَا۔ فرمایا تھا ہم نے۔ یہ فعل ماضی مطلق ہے قَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کہنا فرمانا۔ نَا ضمیر جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ۔ لام جارّہ تعدیہ یعنی متعدی اور مفعول بہ بنانے والا۔ لِلْمَلٰٓئِکَةِ۔ جمع مکسّر کثرت ہے۔ اس کی واحد ہے مَلَکٌ۔ لام جارّہ کے بعد الف لام استغراقی ہے بمعنیٰ تمام فرشتے اُسْجُدُوْا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر سَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زمین سے لگ جانا۔ زمین پر گر جانا۔ پیشانی لگانا یہاں یہ آخری معنیٰ مراد ہیں۔ لام جارّہ سمتیت کا بمعنیٰ اِلیٰ (طرف) یا بمعنیٰ مفعولیت یعنی آدم علیہ السلام کو۔ آدَمَ۔ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عَلَم اور عجمی ہے یہ جار و مجرور متعلق ہے اُسْجُدُوْا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْنَا جملہ فعلیہ قول کا۔ قول مقولہ مل کر شرط ہوئی۔ فَ۔ حرفِ جزا۔ سَجَدُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب اس میں پوشیدہ ہے فاعل ہے مرجع ہے مَلٰٓئِکَة۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل ہے یا منقطع ہے۔ اِبْلِیْس۔ یہ اسم مفرد جامد ہے۔ ایک قول میں یہ مشتق ہے بَلَسٌ سے بمعنیٰ حیران ہونا۔ غمگین اور مایوس ہونا۔ پھندا ڈالنا۔ پھنسانا۔ نام ہے شیطان کا بروزنِ اِفْعِیْلٌ اِکْلِیْلٌ۔ چونکہ یہ عجمی عَلَم کی وجہ سے غیر منصرف ہے اس لیے یہ جامد ہے۔ اگر یہ مشتق ہے تو عجمی نہیں بلکہ عربی لفظ ہے پہلا قول صحیح ہے کیونکہ سب نحوی عُلما اس کو غیر منصرف مانتے ہیں۔ یہ مستثنیٰ متصل ہوا مگر زیادہ صحیح یہ ہے کہ منقطع ہے اس لیے کہ ابلیس اصلاً ملٰئکہ میں سے نہیں ہے یہ تو جِنّات سے ہے۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ہوئی پھر شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ماضی قَوْلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع ابلیس ہے یعنی ابلیس نے کہا۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ قولیہ خبریہ قول ہوا۔ أَ ہمزہ سوالیہ انکاری أَسْجُدُ مضارع معروف واحد متکلم سَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ماتھا لگانا۔ یہاں مراد ہے زمین سے لگ جانا عبادت کے لیے یا تعظیم کے لیے اس کا فاعل اَنَا ضمیر مستتر ہے جس کا مرجع ابلیس ہے۔ لام حرفِ جر۔ یا بمعنیٰ اِلیٰ جارّہ یا بمعنیٰ مفعولیت یعنی آدم کی طرف یا آدم کو۔ مَنْ موصولہ مجرور ہے مراد ہے آدَمَ نام ذاتی ہے اللہ کے پہلے نبی اور پہلے انسان کا۔ خَلَقْتَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ خَلْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیدا کرنا یہ ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا۔ طِیْنًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ مٹی نکرہ معرب متمکن ہے ایک ترکیب میں حال ہے خَلَقْتَ کے مقدر مفعول بہ کا۔ یعنی پیدا کیا تو نے درآنحالیکہ مٹی سے۔ جس کو مٹی بنایا تو نے۔ مرجع مَنْ ہے۔ دوسری ترکیب میں یہاں مِنْ جارّہ پوشیدہ ہے یعنی مٹی سے پیدا کیا تو نے تیسری ترکیب میں طِیْنًا تمیز ہے اسی مَنْ مفعول بہ کی یا تمیز ہے خَلَقْتَ کی۔ تمیز نے کیفیت کے اِبہام کو دور کیا۔ خَلَقْتَ فعل اپنے فاعل اور تمیز سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ کا وہ صلہ موصول مجرور متعلق ہوا أَسْجُدُ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو

کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا۔ قَالَ یہ دوسرا کلام ہے۔ قَالَ کا فاعل بھی ابلیس ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ۔ ہمزہ سوالِ ایجابی یعنی ایسا ہونا چاہیئے۔ رَءَیْتَ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ فاعل مرجع اللہ تعالیٰ رَءْیٌ سے بنا ہے۔ ہفت اقسام میں سے مہموز العین اور ناقص یائی ہے جب رَاٰی کے مشتقات پر ہمزہ سوالیہ آئے تو بمعنیٰ دیکھنا اس کے علاوہ غور کرنا۔ رائے دینا۔ مشورہ دینا۔ سمجھانا۔ متعدی بیک مفعول بھی ہوتا ہے اور بدو مفعول بھی یہاں بدو مفعول ہے كَ۔ ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ اپنے عامل سے جڑی ہے اور پہلا مفعول ہے اَرَءَیْتَ کا۔ اِس کو مفعول بہ نفسی کہتے ہیں یعنی سمجھا تو اپنے آپ کو یا اپنے دل سے مشورہ ہے یا بمعنیٰ خود ہی سوچ۔ غور کر۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر مراد ہے حضرت آدم۔ کَرَّمْتَ۔ تَکْرِیْمٌ باب تَفْعِیْلٌ سے بنا ہے ماضی مطلق واحد مذکر حاضر مرجع اللہ تعالیٰ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے بمعنیٰ عزت والا کرنا۔ عزت والا بنانا۔ کَرَمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عزت والا ہونا یہ لازم ہے باب تفعیل نے متعدی بنایا۔ عَلَیَّ۔ دو لفظ ہیں۔

۱۔ علیٰ جارہ فوقیت کا ۲۔ یَ ضمیر واحد متکلم مرجع ابلیس۔ یعنی مجھ پر۔ یہ جار مجرور متعلق ہے، کَرَّمْتَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا۔ موصول صلہ مشار الیہ ہے ھٰذَا کا اور یہ سب مفعول بہ دوم ہوا سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ انشائیہ اور خبریہ بن کر مکمل ہوا بعض نحات کے نزدیک كَ ضمیر صرف اَنْتَ پوشیدہ کی تاکید کے لیے ہے اور اَرَءَیْتَ کا مفعول اول ھُوَ ضمیر مستتر ہے مفعول دوم ھٰذَا ہے واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ لام قسمیہ۔ اِنْ حرفِ شرط اَخَّرْتَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اُخُوْرٌ سے مشتق ہے پیچھے آنا۔ پیچھے ہونا لازم ہے باب تفعیل میں متعدی بیک مفعول ہوا یعنی آخر تک کرنا۔ مراد ہے لمبی زندگی تا قیامت ملنا۔ نِ۔ دراصل ہے نِیْ۔ نون حرفِ وقایہ۔ بمعنیٰ بچانے والا۔ اس نون نے اَخَّرْتَ کی تَ کا نصب بچایا۔ اگر یہ نون نہ ہوتی تو اَخَّرْیْ ہو جاتا۔ اور یہ غلط ہوتا۔ یْ۔ ضمیر واحد متکلم مرجع ہے خود ابلیس یعنی اگر مجھ کو لمبی عمر تا قیامت آخر تک دی تو نے۔ تُ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ اِلیٰ جارہ انتہاءِ غایت کے لیے یَوْمِ۔ اسم ظرفِ زمانی بمعنیٰ دن مطلق وقت۔ یعنی زمانہ۔ اَلْقِیٰمَتِ۔ الف لام عہدِ خارجی۔ قیامت مصدر ہے مگر یہاں حاصل مصدر اسم مفرد جامد بمعنیٰ میدانِ محشر۔ یوم مضاف قیامت مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور جار مجرور متعلق ہے اَخَّرْتَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوئی۔ لامِ کُ حرف جواب قسم کا۔ اَحْتَنِکَنَّ باب افتعال کا مضارع مستقبل بانون تاکید ثقیلہ واحد متکلم اس کا فاعل پوشیدہ اَنَا ضمیر ہے جس کا مرجع ابلیس ہے۔ مصدر ہے اِحْتِنَاکٌ حِنْكٌ۔ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پیسنا۔ رگڑنا۔ مٹانا۔ دھکا دے کر بری طرح گرانا ہانکنا یا لگام دے کر کھینچتے پھرنا مراد ہے ورغلانا۔ انتہائی غصے میں بولا جاتا ہے۔ ذُرِّیَّتَ۔ اسم مفرد جامد نسلی بمعنیٰ

ذُرّہ ۔ نطفہ ۔ اور اولاد مراد ہے انسانی نسل آئندہ تا قیامت آنے والی چھوٹی چیونٹی کو بھی ذرّت اسی معنی میں کہتے ہیں ۔ یہ مرکب اضافی مستثنیٰ منہ ہوا ۔ اِلَّا حرف استثنا متصل ۔ قَلِیْلًا اسم صفت مشبہ بروزن فعیلاً بمعنی بہت ہی تھوڑے نصب ہے مستثنیٰ ہے سب مل کر مفعول بہٖ ہوا لَاَحْتَنِکَنَّ ۔ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جواب قسم ہوا ۔ قسم جواب قسم مل کر جملہ قسمیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل مرجع اللہ تعالیٰ فعل فاعل مل کر قول ہوا ۔ اِذْهَبْ ۔ باب فتح ۔ واحد مذکر حاضر اَنْتَ مستتر فاعل مرجع ابلیس ذَهَبٌ سے مشتق ہے بمعنی جانا ۔ نکلنا ۔ بھاگنا ۔ یہ امر توبیخی یا تذلیلی ہے ۔ ترجمہ ہے دور دفع ہو جا ۔ توبیخ اور تذلیل کے یہی معنی ہوتے ہیں ۔ یہ فعل فاعل مل کر مقولہ اول ہوا ۔ فَ حرف تاکید ابتدائیہ مَنْ اسم موصول تَبِعَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب تَبعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے چلنا ۔ نقش قدم لینا پیروی کرنا ۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع ہے مَنْ ۔ مراد ہے عام انسان تا قیامت لفظاً واحد ہے معنیً وباطناً جمع ہے ۔ کَ ۔ ضمیر منصوب متصل واحد حاضر مرجع ہے ابلیس مفعول بہٖ ہے تَبِعَ کا مِنْ جارہ تبعیضیہ ۔ ھُمْ ۔ ضمیر جمع مذکر کا مرجع معنوی وباطنی مَنْ ہے کیونکہ یہاں مَنْ کی عمومیت مراد ہے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تَبِعَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا ۔ مَنْ موصولہ شرطیہ کی وجہ سے فَ ۔ حرف جزا اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کیونکہ فعل جیسا عمل کرتا ہے ۔ جَهَنَّمَ اسم مفرد جامد ۔ عجمی غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے ایک جہان کا نام ہے ۔ مفتوح بوجہ اسم اِنَّ جزاء اسم مفرد جامد حاصل مصدر ہے بمعنی بدلہ مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ ہے مجرور متصل مرجع مخاطب ابلیس اور اس کے فرماں بردار یہ مرکب اضافی ۔ ترکیباً یا یہ موصوف جَزَآءٌ کا ۔ پہلی ترکیب میں یہ مرکب بھی بحالت نصب ہے اعراب حکائی سے اگرچہ صرف لفظ جَزَآءُ مرفوع ہے بوجہ اِنَّ کی خبر ہونے کے ۔ جَزَآءً موصوف مَّوْفُوْرًا اسم مفعول وَفْرٌ سے مشتق ہے ۔ بمعنی بھرنا ۔ پورا کرنا ۔ پورا ہونا ۔ لازم بھی ہوتا ہے بمعنی پورا ہونا کبھی متعدی ہوتا ہے بمعنی پورا کرنا اسی سے ہے وَفْرَہ وہ بال جو کانوں تک آجائیں بحالت نصب ہے صفت ہے جَزَآءً کی یہ مرکب یا حال ہے یا تمیز ہے ۔ بعض نحویوں کے نزدیک یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے اور جَزَآءُ مصدر مضاف ہے کُمْ مفعول مضاف الیہ (تفسیر جمل) بہر کیف یہ سب مل کر خبر اِنَّ اور اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ جزا ہوئی مَنْ تَبِعَ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ دوم اور پھر سب قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا

اور اے پیارے نبی اور تا قیامت آنے والے تمام مومن مسلمانو اس چیز کو یاد رکھیئے کہ کفارِ زمانہ کی یہ طغیان اور نبی پاک سے حسد مسلمانوں سے دوری اور تکبر قرآن وحدیث سے بغاوت اسلام سے نفرت کفر وشرک سے محبت اور دلچسپی اس لیے ہے کہ پہلے ابتداءِ دنیا بِہ انسانیت میں جب ہم نے فرشتوں سے کہا تھا کہ تم سب ایک دم مل کر ہمارے پہلے نبی خلیفۃُ الارض حضرتِ آدم کو سجدہ کرو ۔ تو سب فرشتوں نے اسی وقت حضرتِ آدم کو زمین پر گر کر سجدہ کیا تھا ۔ سوائے ابلیس شیطان کے کہ اُس نے کہا تھا ءَ اَسْجُدُ ۔ کیا میں اِس شخص کو سجدہ کروں جس کو تو نے ایک حقیر چیز مٹی سے پیدا کیا ۔ اے ربِ کائنات تو خود غور فرما کہ کیا یہی وہ گھٹیا مٹی کا مجسمہ ہے جس کو تو نے مجھ جیسی عالم کامل عبادت گزار زاہدِ بحر وبر شخصیت پر فضیلت دی اور مجھ سے زیادہ اِس کو عزت والا اکرم بنا دیا ۔ اچھا خیر اب میری اِس سے تا قیامت دشمنی ہے ۔ اور وہ دشمنی دوستی کے روپ میں اس طرح ظاہر ہوتی رہے گی کہ البتہ اگر اے ربِ کائنات تو نے مجھ کو آخرِ دنیا کے وقت قیامت کے دن تک لمبی زندگی دے کر مؤخر کیا تو البتہ یقیناً ضرور میں اِس کی آئندہ نسلی ذریت اور اولاد بیٹے بیٹیوں کو کفر شرک بدعت گناہ فسق اور گستاخی بے ادبی کی ہواؤں خزاؤں طوفانوں کے ذریعے جڑوں سے اکھیڑ کر رکھ دوں گا ۔ اس طرح کہ یہ انسان اپنے اصلی مقام سے ہٹے اور کٹے درخت کی مثل اپنے مقصدِ پیدائش ایمان عرفان قرآن ۔ عبادت ریاضت ولایت ۔ خلافت سے دور بے پھل کے پودے کے مشابہ بیکاری ذلت وخواری کے مقام پر جا گرے گا ۔ اور میں بدبختی کی چکی میں اُس کو پیس کر رکھ دوں گا سوائے تھوڑے لوگوں کے جو اپنی خوش نصیبی سے اور فضلِ ربِ کریم سے میرے قابو اور پُر فریب جال میں نہ آسکیں گے ۔ تا قیامت یہ سب کفار وکفریات اور برائیاں خرابیاں نیکوں سے حسد بغض تکبر غرور شیطان کے اسی قولی کاروائی کے مطابق ہے ۔ اور اے محبوبِ کریم یہ صرف آپ کے ساتھ یا آپ کے صحابہ ومومنین کے ساتھ ہی نہیں ہو رہا ۔ یہ تو حضرتِ آدم کی ذات سے حسد تکبر شروع کر رکھا ہے آپ مغموم ومتفکر نہ ہوں ۔ مفسرین کرام کے اَقوالِ مختلفہ کے مطابق صحیح تر یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کو یہ سجدہ تحیۃ اور عزت افزائی کا تھا ۔ آدم علیہ السلام کو قبلہ نہیں بنایا گیا تھا اس لیے کہ پورے قرآن مجید میں اس سجدۂ آدم کا سات سورتوں میں تذکرہ فرمایا گیا ہے ۔ ۱ سورۃ بقرہ آیت پ۱ ۳۴ ۔ دوم سورۃِ اعراف آیت پ۸ ۱۱ سوم سورۃِ پ۱۴ الحجر آیت ۳۱ چہارم سورۃ اسرای پ۱۵ یہی آیت ۶۱ پنجم سورۃ کہف پ۱۵ آیت ۵۰ ششم سورۃ پ۱۶ طٰہٰ آیت ۱۱۷ ہفتم سورۃ صٓ آیت پ۲۳ ۷۲ ۔ ان تمام مقامات پر لِاٰدَم ہے ۔ اِلَی آدم نہیں ۔ یعنی حضرت آدم کو سجدہ ہوا تھا نہ کہ آدم کی طرف ۔ دیکھو کعبے کی مسجدِ حرم میں کعبے کو قبلہ بنایا گیا تو اِلی مسجد الحرام کا حکم ہوا ۔ نیز آسمانی زمینی عرشی فرشی تمام فرشتوں نے بیک دم زمین پر پیشانی رکھ کر سجدہ کیا ۔

ابلیس پہلے نیک اور مقبولِ بارگاہ اور مثلِ ملائکہ عابد و زاہد تھا۔ صرف حسد و تکبر کی وجہ سے سجدۂ آدم سے منکر ہو کر کافر ہوا یہ سجدہ حضرت آدم کو مکمل زندہ فرمانے کے بعد جنتی تخت پر بٹھا کر ہوا۔ یہاں ابلیس کی تین حرکتیں بیان ہوئیں ایک عمل کہ فرمایا گیا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ۔ یعنی ابلیس شیطان نے سجدے کا عمل نہ کیا۔ دوم یہ قول کہ ءَاَسْجُدُ کیا میں آدم کو سجدہ کروں سوم یہ قول کہ اَرَءَیْتَكَ ۔ تو غور فرما کہ تو نے مجھ پر اس کو کیوں فضیلت دی جب کہ اس کی اصل مٹی گھٹیا ہے اور میری اصل یعنی آگ اعلیٰ ہے اور ہمیشہ ادنیٰ کو اعلیٰ کے سامنے جھکایا جاتا ہے نہ کہ اس کا اُلٹ ۔ یہ سوچ بھی ابلیس کی اپنی تھی ورنہ اللہ نے نہیں فرمایا تھا کہ مٹی آگ سے حقیر ہے یا کبھی آگ کی فضیلت بیان کی گئی ہو نہ نار کی فضیلت و شرافت کہیں ثابت وظاہر ابلیس کے تکبر نے ہی اس کو آگ کا افضل ہونا سمجھایا اور ہر متکبر کا یہی حال ہے کہ وہ اپنی ہر چیز کو خود بخود دوسروں سے افضل سمجھنے لگتا ہے۔ یہ تو مٹی اور نار کا مقابلہ سمجھ لیا اس لیے اس نے اپنی نسبت سے آگ کو اچھا کہدیا ورنہ ہو سکتا ہے اُس کے دل میں یہ بھی ہو کہ آگ نور سے بھی افضل ہے اور میں ابلیس ملائکہ سے بھی افضل ہوں۔ اِن ہی وجوہ سے اس کی اِس قسم کی کسی بات کو ذرہ برابر کوئی اہمیت نہیں دی بلکہ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۔ رب تعالیٰ نے فرمایا جا دور ہو تجھے آخرِ دنیا تک مہلت ہے اور کھلا اختیار ہے اپنی ذلیل اور ملعون زندگی میں جو چاہے کر اپنی جسمانی قوتوں ناری طاقتوں عقلی وسوسوں جھوٹ فریب سے ورغلانے انسانے پھسلانے سے جو چاہتا ہے کرتا پھر لیکن تو اور تیرے سارے پیروکار اتنا سوچ لیں کہ جو بھی قیامت تک تیری پیروی اتباع کرے گا تو تم سب کی جزا سزا اور پورا پورا بدلہ جہنم ہی ہو گی اور وہ تم کو پورا دیا جائے گا نہ بدلے میں بذاتِ خود کسی لحاظ سے کمی یا کمزوری ہو گی ۔ نہ پورا ملنے میں کمی یا دیری ہو گی۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ ملائکہ کا سجدہ آدم علیہ السلام ہی کو سجدہ تھا آدم علیہ السلام قبلہ نہ بنائے گئے تھے۔ ورنہ شیطان کو اعتراض نہ ہوتا اس لیے کہ اس سے پہلے تمام ملائکہ اور ابلیس اپنے قبلہ بیت المعمور کی طرف سجدہ کرتے تھے اگر حضرت آدم بھی قبلہ ہی بنائے گئے ہوتے تو عارضی تبدیلیٔ قبلہ ہوتی جو ابلیس کے لیے قابلِ اعتراض بات نہ تھی اعتراض تو مسجودِ آدم ہونے پر تھا۔ یہ فائدہ لِاٰدَمَ فرمانے سے حاصل ہوا نیز اگر آدم علیہ السلام قبلہ ہوتے تو اِلیٰ آدم ہوتا لِاٰدَمَ نہ ہوتا۔

دوسرا فائدہ ۔ آگ کسی حیثیت میں بھی مٹی سے افضل نہیں ہے نہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا کوئی حکم یا بیان نازل ہوا ہے یہ ابلیس کی اپنی متکبرانہ سوچ ہے کہ اس نے آگ کو مٹی سے افضل سمجھا یہ فائدہ

خلقتَ طِيْنًا کے قول سے اور اس کے تفسیری بیان سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ ۔ دنیا میں کسی شخص کو کسی چیز کا انعام مل جانا یا کسی کی کوئی خواہش یا جائز ناجائز دعا قبول ہو جانا اس شخص مقبولیت کی نشانی نہیں ہے نہ ہی کسی کو اسی بات سے اپنے متعلق دھوکہ کھانا چاہیئے کہ میں بڑا مقبول ہوں یہ فائدہ قَالَ اذْهَبْ (الخ) فرمانے حاصل ہوا۔ دیکھو ابلیس نے لمبی عمر کی دعا مانگی تو اس کی یہ دعا فوراً قبول ہوئی اور بلکہ مزید اس کو ہر جگہ حاضر ناظر ہونے کی قوت وسوسے ڈالنے کے طریقے معلومات کثیر بھی مل گئے۔ حالانکہ ابلیس کی مردودیت تو مشہورِ عالم ہے۔

احکام القرآن

ان آیتِ مبارکہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ حلال اور جائز فرمادے وہ اس وقت جائز و حلال ہی ہے جب تک کہ خود باری تعالیٰ حکم تبدیل نہ فرمائے خواہ وہ حکم عارضی اور وقتی ہو یا دائمی اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس کو حلال فرمادیں وہ حلال ہی ہے نبی کریم کا حلال فرمانا بھی اللہ ہی کا حلال فرمانا ہے۔ دیکھو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دارالحرب میں کافر حربی سے سود لینا جائز قرار دیا تو وہ تاقیامت جائز ہی رہے گا کوئی مولوی مُلا پیر صوفی یا مجتہد امام اس کو حرام نہیں کرسکتا۔ یہ مسئلہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۔ سے مستنبط ہوا

دوسرا مسئلہ ۔ شریعتِ الٰہیہ میں سجدے تین قسم کے ہیں ۱ سجدۂ عبادت ۔ یہ سجدہ اللہ کے سوا کسی کو کرنا کفر ہے کبھی کسی نبی علیہ السلام کے زمانے میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کے لیے جائز نہیں ہوا جو شخص کسی چیز یا کسی شخص کو سجدۂ عبادت کرے گا وہ فوراً مشرک کافر ہوگا اگرچہ ایک آن کے لیے کرے۔

۲ سجدۂ تحیۃ اور عزت یہ سجدہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کرنا حرام ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر تاقیامت ہر شریعت میں حرام ہی رہا۔ ہاں جس کو اللہ تعالیٰ بذاتِ خود حکم دے کر یا انبیاء کرام کے ذریعے وحی سے جائز فرمادے تو وہ ہی فقط جائز ہوگا۔ جیسے یہ حضرت آدم علیہ السلام کا سجدہ یا جانوروں کا سجدہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یا جیسے کہ ایک جنگلی بندر کا سجدہ اعلیٰ حضرت بریلوی کو جب کہ خود اعلیٰحضرت ایک مرتبہ تلاوت فرمارہے تھے اپنے مکان کی چھت پر (از ملفوظات)

۳ سجدۂ تعبیری کسی نبی علیہ السلام کی کسی خواب کی تعبیر پوری کرنے کے لیے سجدہ کرنا۔ جیسے کہ والدین اور برادرانِ یوسف کا سجدہ کرنا یوسف علیہ السلام کو یہ سجدہ نہ عبادت کا تھا نہ تحیۃ کا بلکہ تعبیرِ خواب کو پورا کرنا تھا جس کی وضاحت خود یوسف علیہ السلام نے فرمادی کہ فرمایا ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ ۔ یعنی اے تاقیامت لوگو یہ سجدہ عبادت یا تحیہ وعزت و تعظیم نہیں بلکہ فقط تعبیر خواب اور وہ بھی اس لیے کہ نبی کی خواب وحیِ الٰہی

ہوتی ہے ۔ اس پر عمل ضروری ہے یہ مسئلہ فَسَجَدُوْٓا (الخ) سے مستنبط ہوا۔

تیسرا مسئلہ ۔ جس چیز کو اللہ تعالیٰ خاص بندے کے لیے عارضی طور پر حلال فرمادے اس پر کسی کو قیاس کرنا حرام ہے ۔ یہ مسئلہ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اور لِاٰدَمَ کی قیود فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ لہٰذا چونکہ حضرت آدم کو سجدہ کرنا صرف ایک مخصوص وقت کے لیے جائز ہوا تھا وہ بھی صرف فرشتوں کے لیے اس سجدے پر آئندہ کسی وقت قیاس نہیں کیا جا سکتا ۔ اب فرشتے حضرت آدم کو اپنی مرضی سے سجدہ کر سکتے ہیں نہ کوئی انسان حضرت آدم کو یا ان کی قبر کو سجدہ کر سکتا اب سب کے لیے وہ سجدہ حرام ہے خود حضرتِ آدم کے لیے بھی جائز نہ تھا کہ اپنے آپ کو فرشتوں یا انسانوں سے سجدہ کراتے نہ اس کی کوئی مثال ملتی ہے ۔ اسی طرح حضرت یوسف کا سجدہ بھی عارضی اور وقتی تھا اس کے بعد حضرت یعقوب و برادران کو جائز نہ رہا کہ پھر کبھی حضرت یوسف کو سجدہ کریں نہ کبھی یوسف علیہ السلام نے مطالبہ کیا نہ ان گیارہ بھائیوں اور والدین کے علاوہ کبھی کسی دوسرے شخص نے حضرت یوسف کو سجدہ کیا نہ کبھی کسی اور نبی نے اپنے زمانے میں اپنے کسی اُمتی سے سجدہ تحیۃ کروایا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ تمام شریعتوں میں سجدۂ تحیۃ و تعظیمی حرام رہا ہے ۔ اس لیے ان دو مخصوص اور انتہائی عارضی وقتی سجدوں پر قیاس کرکے اب کسی پیر فقیر یا قبر کو سجدہ کرنا حرام قطعی ہے اور کرنے کرانے والا مردود و گمراہ ہے ۔ یہ حکم تو کسی مسلمان کو سجدہ کرنے کا ہے لیکن اگر کسی مسلمان سیاسی لیڈر وغیرہ نے سیاست میں اگر یا کسی بیمار پریشان نے محتاجی یا عقیدت محبت میں اگر خود یا کسی کے کہنے سے بت کو سجدہ کر دیا خواہ تحیۃ کا ہو یا محبت کا یا سیاست کا اگرچہ عبادت کا نہ ہو تب بھی وہ کرنے والا کافر ہو جائے گا ۔ اسی طرح اگر کسی مسلمان نے خواب میں دیکھا کہ میں کسی بزرگ یا قبر کو سجدہ کر رہا ہوں یا کوئی مجھ کو کر رہا ہے تو تعبیری طور پر اس خواب کو عمل میں لانا حرام ہے کیونکہ یہ نبی کی خواب نہیں ہے ۔

چوتھا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سجدۂ آدم کا حکم تحیۃ و تعظیم و عزت افزائی کے لیے فرمایا تھا ۔ ورنہ سجدۂ عبادت کا حکم دینا اللہ کے لیے بھی محال بالذات اس لیے کہ سجدۂ عبادت معبود سمجھ کر ہوتا ہے ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ سجدۂ آدم کا حکم صرف ملائکہ کو دیا گیا تھا ابلیس ملائکہ میں سے نہیں تو سجدے کا حکم اس پر کب آیا ۔ اور انکارِ سجدہ سے یہ کیوں مجرم و کافر ہوا ؟

جواب ۔ باعتبار ذاتی خِلقت اور پیدائشی لحاظ کے ابلیس واقعی فرشتہ نہیں ہے کہ فرشتے نور سے اور ابلیس نار سے پیدا کئے گئے مگر صفات و مقام کے اعتبار سے ابلیس اُس وقت قوت طاقت اعمال

افعال عبادات اور صحبت معیت و درجات کی بنا پر فرشتہ بنا دیا گیا تھا اس لیے سجدے کے حکم میں شامل تھا۔

دوسرا اعتراض ۔ ابلیس کو اتنی طاقت اتنی معلومات اور انسانوں کو وسوسہ ڈالنے کی ہمت اور اتنی لمبی عمر کیوں دی گئی جب کہ اس سے نقصان ہی ہو رہا ہے ؟

جواب ۔ بندوں کو عبرت دلانے اور کھرے کھوٹے کا امتحان کرانے کے لیے دنیا امتحان گاہ ہے یہاں بندے کو ناکام کرانے والے بھی ہیں اور کامیابی دینے والے بھی اور اچھے برے اعمال میں بندے کو اختیار بھی دیا گیا ہے ۔

تیسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ شیطان نے کہا۔ میں سب انسانوں کو گمراہ کروں گا اِلَّا قَلِيْلًا ۔ سوائے تھوڑے انسانوں کے ۔ ابلیس کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ آئندہ پیدا ہونے والی نسل آج جن کا نشان وجود بھی نہیں ان میں سے کچھ تھوڑوں کو میں گمراہ نہ کر سکوں گا ۔ یہ مطلب تو ہو نہیں ہو سکتا کہ شیطان ازراہ ہمدردی یا ترس بعض کو خود ہی چھوڑ دے نہ ورغلائے اس کی مراد تو یہی تھی کہ میں تو سب کو ہی ورغلاؤں گا مگر کچھ لوگ گمراہ نہ ہو سکیں گے ۔ تو یہ اس کو کیسے معلوم ہوا ؟ (تفسیر کبیر)

جواب ۔ ابلیس کو تین طریقے سے معلوم ہو گیا تھا ۔

۱ جب فرشتوں نے کہا فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ ۔ یعنی اے اللہ تو اس مخلوق کو بنائے گا جن میں کچھ فسادی اور خون ریز ہوں گے اس سے ابلیس نے اندازہ لگایا تھا کہ کچھ نیک بھی رہیں گے ۔ ۲ ابلیس نے زمین کی مختلف التاثیر مٹی سے اندازہ لگایا تھا کہ اچھی بری ۔ بنجر ۔ سرسبز مٹی سے پیدا ہونے والے آدمی کا مزاج بھی ایک جیسا نہیں ہو سکتا ۔ ۳ بعض نے کہا کہ شیطان کو غیبی طاقت بھی دی گئی ہے جیسا کہ دیوبندی حضرات کہتے ہیں کہ شیطان کا علم قرآن سے ثابت ہے مگر نبی کا علم ثابت نہیں (صراط مستقیم) معاذ اللہ ۔

چوتھا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ ۔ فرمانا چاہیے تھا جَزَآءُكَ وَجَزَآؤُهُمْ ۔

جواب ۔ یہ بتانے کے لیے کہ اے ابلیس تجھ کو تیرے گناہوں کا بھی عذاب ہو گا اور ان تمام کفار و فساق کے گناہوں کا بھی جو تیرے کہنے پر چل کر برے بنیں گے اور ان کو صرف اپنے اپنے گناہ کا عذاب ہو گا ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا قَالَ اَرَءَيْتَكَ هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ اور اے عالم ناسوت میں رہنے والو یاد کرو اپنی اس شان و عزت کو جب کہ ہم نے اپنے مدبرات امر عالم جسمانیت کے فرشتوں کو حکم کہا تھا کہ سب ایک دم روح کائنات کے حضور سجدے میں گر جاؤ تو سب گر گئے سجدے میں سوائے نفس امارہ ابلیس اندرونی کے ۔ اس نے کہا

کیا میں اُس روح کے آگے سر تسلیم خم کردوں جس کو تو نے طین جسدی سے متعلق کردیا ہے اے خالقِ عالم جسمانیات مجھ کو بتا کہ اس کمزور ہوائی روح کو مجھ نفس امارہ پر کس وجہ سے تو نے افضلیت بخشی۔ البتہ اگر عالمِ رنگ و بو میں تو نے مجھ کو پھلنے پھولنے زندہ رہنے کا موقعہ بخشا تو میں اسی روح کے تمام پودوں کو وادیِ ظلمات میں تباہ و برباد کردوں گا۔ مگر علاقۂ قلبی کے تھوڑے سے حصے کو میں بھی تباہ و برباد نہ کر سکوں گا۔ قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ۔ فرمایا جا قہر کی وادیوں میں بھٹکتا پھر۔ تو اے نفسِ امارہ ہم شکلِ ابلیس اے شیطانِ باطنی اعضاءِ ظاہری و باطنی میں جس نے بھی تیری اتباع کی اور اس دنیا میں تیرے پیچھے لگا تو بیشک یقیناً تم پورے قالب کی ایک ساتھ جزا و سزا محرومیت قرب کی جہنم ہے اور یہ پوری مکمل سزاءِ نفرت ہے۔ اس لیے کہ دنیا مومن کے لیے مسافر خانہ ہے زاہد کے لیے پُل اور راہِ گزر ہے۔ فاسق کے لیے عشرت کدہ ہے۔ کافر کے لیے وطن ہے اپنی اپنی سمجھ میں جس نے بھی دنیا کو جیسا سمجھا تو دنیا اس کی ویسی ہی ہو گی یہ دنیا تو تجارت کے لیے بنائی گئی ہے مومن آخرت کی حلال تجارتیں کرلیتا ہے بدکار۔ کفر شرک فسق غفلت لعنت زحمت کے شیطانی سودے جمع کرلیتا ہے۔ دنیا کی غمی لازمی ہے اور خوشی عارضی ہے اپنے آپ کو عقلمند اور دانا نہ سمجھو بلکہ یہ اندازہ لگاتے رہو کہ تم میں نادانیاں کیا ہیں اور انسان اپنی نادانی سے اور ابلیس کی پیروی سے پانچ چیزوں کی تلاش میں غلطی کرتا ہے۔

۱ دولت مندی وامیری اور غنا کو مال میں ڈھونڈتا ہے حالانکہ وہ قناعت میں ہے۔

۲ راحت و سکون کو دولت میں ڈھونڈتا ہے حالانکہ وہ اطمینانِ قلبی میں ہے۔

۳ اطمینانِ قلبی کو دنیوی باتوں کھیلوں تماشوں میں ڈھونڈتا ہے حالانکہ وہ ذکرِ الٰہی میں ہے۔

۴ لذت کو نعمتوں میں ڈھونڈتا ہے حالانکہ وہ تندرستی میں ہے۔

۵ رزق کو زمین پر تلاش کرتا ہے حالانکہ وہ آسمانی تقدیر میں ہے۔

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ

اور پھسلا دے	تو جس پر طاقت	پالے	اُن	میں	سے	
اور	ڈگا	دے	اُن میں سے	جس پر	قدرت	پائے

بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ

اپنی خفیہ آواز کے ذریعے اور چڑھالا تو اپنے سواروں کو

اپنی آواز سے اور اُن پر لام باندھلا اپنے سواروں

وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ

اور اپنے پیدلوں کو اور شریک ہو جا لوگوں کے مالوں

اور اپنے پیادوں کا اور اُن کا ساجھی ہو مالوں

وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ

اور اولاد میں اور ان سے خوب جھوٹے وعدے کرتا رہ اور نہیں ہیں

اور بچوں میں اور اُنہیں وعدہ دے اور شیطان اُن ہیں

الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ

شیطان کے سب وعدے مگر دھوکہ۔ بیشک اے ابلیس میرے خالص

وعدہ نہیں دیتا مگر فریب سے۔ بیشک جو میرے بندے ہیں اُن پر

لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ۭ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾

بندوں پر تیری کوئی طاقت غالب نہیں آسکتی۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے لیے کافی محافظ ہے

تیرا کچھ قابو نہیں اور تیرا رب کافی ہے کام بنانے کو

رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ

اے بندو تمہارا رب وہ ہے جو دوڑاتا ہے تمہارے لیے کشتیوں جہازوں کو سمندر میں

تمہارا رب وہ ہے کہ تمہارے لیے دریا میں کشتی رواں کرتا ہے کہ

لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ

تاکہ تم تلاش کرو اس اللہ کے فضل ورزق کو بیشک وہ اللہ تم پر ہمیشہ ہی

تم اُس کا فضل تلاش کرو بیشک وہ تم پر

رَحِيْمًا ﴿٦٦﴾

بہت زیادہ رحم کرنے والا ہے

مہربان ہے

تعلق ان آیت مطہرات کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں شیطان کی اُن باتوں کا ذکر ہوا جو اُس نے رب تعالیٰ سے کیں۔ اب یہاں اُن باتوں کا ذکر ہے جو رب تعالیٰ نے ابلیس سے فرمائیں۔ گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہیں **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں شیطان کا لمبی عمر مانگنے اور لوگوں کو گمراہ کرنے کا ذکر تھا اب اِن آیت میں اس کو اختیار دیئے جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں شیطانی بندوں اور اُن کے آخری ٹھکانوں کا ذکر ہوا۔ اِن آیت میں اللہ کے نیک بندوں کا ذکر اور اُن پر رب تعالیٰ کے رحم وکرم کا ذکر ہو رہا ہے۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسانوں کی گمراہی۔ اور گناہوں خطاؤں کے اصل مرکز مَنْبَعْ یعنی شیطان اور اُس کی جِبلّی خصلتوں کا ذکر ہوا تھا۔ اَب اِن آیت میں نیک بندوں کے اچھے کاموں نیکیوں کی توفیق اور اصل مرکز اور کفایت و فضلِ ربّانی کا ذکر ہو رہا ہے اور رب تعالیٰ کی دنیوی قابلِ بھروسا انعامات و توکل وکرم نوازیوں کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَ شَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ ۚ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۔
واؤ سرِ حلہ (ابتدائیہ) اِسْتَفْزِزْ۔ فعل امر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب مرجع ہے ابلیس باب استفعال سے ہے اِسْتَفْزَزٌ۔ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ گرانا۔ پھسلانا۔ گھبرانا۔ ورغلانا مَنْ موصول بحالتِ نصب ہے بوجہ مفعولیت اِسْتَطَعْتَ۔ باب استفعال کا ماضی مطلق ثبت معروف اس کا مصدر ہے اِسْتِطْوَاعٌ یا اِسْتِطَاعَةٌ طَوْعٌ۔ سے بنا ہے بمعنیٰ طاقت پانا۔ اختیار پانا۔ موقع میسر آنا۔

اس میں بھی اَنْتَ پوشیدہ فاعل مخاطب ہے جس کا مرجع ابلیس ہے۔ مَنِ۔ جارہ تبعیضیہ ھُمْ۔ ضمیر کا مَن ہے چونکہ مَن معنوی جمع جنسی عمومی ہے اسی لیے اس کا مرجع ھُمْ ضمیر جمع غائب ہوا یہ جار مجرور متعلق اول ہے اِنِ اسْتَطَعْتَ کا۔ بِ۔ جارہ سببیہ۔ صَوْتِ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ آواز۔ مراد ہے ورغلانا یا داؤ فریب دینا مضاف ہے۔ کَ۔ ضمیر واحد حاضر مجرور متصل مرجع ابلیس ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے اِسْتَطَعْتَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَن کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا اِسْتَفْزِزْ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ اَجْلِبْ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر۔ اِجْلَابٌ مصدر ہے جَلْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شور مچا کر پریشان کرنا۔ ہانکنا۔ کھینچنا۔ جمع کر کے لیجانا۔ اصلاً جانوروں کے لیے مستعمل ہے۔ منقول اصطلاحی ہیں بُرے آدمیوں اور مجرموں کو لے جانے کے لیے بھی بول دیا جاتا ہے یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ علیٰ جارہ فوقیت کا یا بمعنیٰ عِنْدَ ھِمْ ضمیر جمع کا مرجع مَن سابقہ موصولہ ہے مراد عام انسان یہ جار مجرور متعلق اول ہے اَجْلِبْ کا۔ بِ۔ حرف جر متعدی اور مفعولیت کا بمعنیٰ کو۔ خَیْلِ۔ اسم مفرد جامد جنسی ہے اسی لیے جمع مراد ہے۔ لغوی ترجمہ ہے گھوڑے مگر مراد ہے سوار۔ مضاف ہے۔ کَ۔ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر حاضر نفسی بمعنیٰ اپنے۔ واؤ عاطفہ رَجِلِ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے رَاجِلٌ بمعنیٰ پیدل چلنے والا مضاف ہے۔ کَ۔ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہوا بِخَیْلِکَ۔ معطوف علیہ اپنے اس معطوف سے مل کر متعلق دوم ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا۔ وَ۔ سر جملہ۔ شَارِکْ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ابلیس۔ ھُمْ۔ ضمیر منصوب متصل مفعول فیہ۔ فِیْ۔ حرف جر ظرفِ مجازی کے لیے الف لام استغراقی۔ اَمْوَالِ۔ جمع مکسر ہے اس کا واحد مال ہے لغوی ترجمہ ہے جس کی طرف طبیعت جھکے دل راغب مائل ہو اصطلاحی ترجمہ ہر وہ چیز جو نفع دے وہ مال۔ عرفِ عام میں دولت روپیہ سونا چاندی سانڈ سامان کو مال کہتے۔ شریعت اسلامیہ میں مال کی گیارہ قسمیں ہیں۔

۱ حلال ۲ حرام ۳ محفوظ ۴ معصوم ۵ محرتم ۶ قیمتی ۷ ثمن ۸ مبیع ۹ نفع والا ۱۰ نقصان والا ۱۱ نصاب۔

یہاں مراد حرام و ناجائز مال ہے۔ الف لام استغراقی یا عہدی ہے واؤ عاطفہ۔ الف لام عہدی۔ اَوْلَادِ۔ اسم جمع مکسر کثرت اس کا واحد ہے وَلَدٌ۔ بمعنیٰ اولاد مذکر مؤنث۔ نسل۔ بچے۔ سب عطف مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے شَارِکْ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ عِدْ۔ باب ضَرَبَ کا امر حاضر واحد مذکر وَعْدٌ مثال واوی سے بنا ہے بمعنیٰ وعدہ دینا۔ متعدی ہے اَنْتَ فاعل کا مرجع ابلیس ہے ھُمْ۔ ضمیر منصوب

متصل کا مرجع مَنْ ہے سابقہ ۔ یہ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ یہ چاروں امر ۱ اِسْتَفْزِزْ ۲ اَجْلِبْ ۳ شَارِكْ ۴ عِدْ تو بیخی یا تذلیلی ہیں وجوبی یا استحبابی نہیں ۔ واوٗ ۔ سر جملہ ۔ یَعِدُ ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف منفی واحد مذکر غائب ھُمْ ۔ ضمیر مفعول بہ کا مرجع مَنْ سابقہ ہے ۔ اَلشَّیْطٰنُ الف لام عہدِ خارجی ۔ شَیْطٰن اسم مفرد مشتق یا جامد ہے ابلیس کا صفاتی نام ہے بحالت رفع فاعل ہے یَعِدُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا ۔ اِلَّا ۔ حرفِ استثنا مفرغ متصل غُرُوْرًا ۔ اسم مبالغہ ہے یا مصدر ہے ۔ بروزنِ قبول فعول مشکور ۔ غَرٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ دھوکہ کھانے والا ۔ دینے والا ۔ ڈرانے والا ۔ لالچ دینے والا ۔ یہ سب استثنا مل کر جملہ استثنائیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ سُلْطٰنٌ وَکَفٰی بِرَبِّكَ وَكِیْلًا ۔ رَبُّكُمُ الَّذِیْ یُزْجِیْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِی الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِیْمًا ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ۔ عِبَادُ جمع ہے عَبْدٌ کی جمع کثرت ہے ۔ بمعنیٰ متقی مومن مسلمان مضاف ہے عَبْد کا معنیٰ عبادت کرنے والا کسی کو معبود سمجھ کر اس کو حاکم بالذات سمجھ کر حکم ماننا عبادت کہلاتی ہے عَبْدٌ مصدر سے مشتق ہے ۔ عِبَادُ مضاف ہے ۔ یْ ضمیر واحد متکلم مجرور متصل مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی اسم ہے اِنَّ حرفِ مشبہ کا ۔ لَیْسَ ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق ۔ اس کا صرف ماضی مطلق ہے اس کا صرف ماضی مطلق ہی پوری گردان سے ہوتا ہے ۔ لام حرفِ جر مفعولیت اور تعدیہ کا ۔ كَ ۔ ضمیر واحد حاضر مرجع ابلیس مجرور متصل ہے جار مجرور متعلق ہے ثابتًا پوشیدہ اسم فاعل سے عَلَیْھِمْ دوسرا جار مجرور متعلق دوم ہے ثابتًا پوشیدہ کا یہ ثابتًا اپنے ھُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر خبر مقدم ہوئی لَیْسَ کی سُلْطٰنٌ ۔ اسم حاصل مصدر ، پندرہ معنیٰ میں مشترک ہے یہاں مراد طاقت ہے سَلْطٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غلبہ پانا مسلط ہونا ۔ بحالت رفع ہے مؤخر اسم ہے لَیْسَ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر اِنَّ ہوا ۔ وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ وَ ۔ سر جملہ ۔ کَفٰی ۔ باب ضَرَبَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف کَفْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے یہ ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے بمعنیٰ پورا ہونا ضروریات کلی کا ذمہ دار ہونا ۔ یہاں ھُمْ ضمیر منصوب منفصل مستتر ہے دراصل تھا کَفَاھُمْ مرجع عِبَاد ہے مفعول بہ ہے ۔ بِرَبِّكَ ۔ بِ جارہ زائدہ لغو ہے ۔ رَبِّ بمعنیٰ پروردگار مضاف ہے كَ ۔ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع اس میں تین قول ہیں ۔
۱ ابلیس مخاطب ہے ۲ عام انسان مراد ہے ۳ یہ علیحدہ کلام ہے اور خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے کَفٰی کا ۔ وَكِیْلًا ۔ بروزنِ فعیل وَكْلٌ سے مشتق ہے صفتِ مشبہ ہے بمعنیٰ بہت محافظ ۔ ذمے دار ہر چیز کی سپرداری لینے والا مبالغے کے لیے منصوب

ہے تمیز ہے گُمْ کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ رَبُّ اسم مفرد جامد بمعنٰی پالنے والا کُمْ ضمیر کا مرجع عام انسان یہ مرکب اضافی بتدا ہے اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر واحد یُزْجِیْ۔ باب افعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اِزْجَاءٌ۔ زَجْیٌ۔ ناقص یائی سے بنا ہے بمعنٰی چلانا۔ نرمی سے کام کرنا۔ حقیر اور پست ہونا۔ آسانی سے ہونا۔ یہاں پہلے معنٰی مراد ہیں لَکُمْ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر جمع کا مرجع عام تمام انسان ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے یُزْجِیْ کا اَلْفُلْكَ۔ الف لام استغراقی یا جنسی۔ فُلْكٌ۔ اسم جنسی ہے اس کی جمع اور واحد ایک ہی شکل پر ہوتی ہے۔ اہلِ عرب فرق کرنے کے لیے کہہ دیتے ہیں فُلْكٌ واحد بروزنِ قُفْلٌ یعنی ایک تالا۔ اور فُلُكٌ جمع بروزنِ اُسُدٌ۔ یعنی بہت سے شیر۔ یہاں جنسی جمع مراد ہے یعنی سب کشتیاں۔ مفعول بہ ہے یُزْجِیْ کا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ اَلْبَحْرِ الف لام جنسی بَحْرٌ اسم مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے گہری جگہ۔ اصطلاحًا۔ پانی کے قدرتی ذخیرے کو کہتے ہیں۔ یہاں مراد ہے سمندر یا دریا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یُزْجِیْ کا۔ لام کَیْ۔ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے تَبْتَغُوْا۔ باب افتعال کا مضارع مثبت معروف تعلیلی اَنْ ناصبہ پوشیدہ کی وجہ سے نونِ اعرابی گر گیا۔ دراصل تھا تَبْتَغُوْنَ۔ اس کا مصدر ہے اِبْتِغَاءٌ بَغْیٌ۔ سے بنا ہے بمعنٰی ڈھونڈنا۔ تلاش کرنا۔ چاہنا۔ پسند کرنا۔ ناقص یائی ہے کُمْ ضمیر جمع حاضر مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ یا زائدہ یا بیانیہ یا تعدیہ کا ہے فَضْلِ اسم مفرد جامد مضاف ہے۔ بمعنٰی زیادتی ہونا۔ بڑھنا بلا وجہ مفت کوئی چیز دینا۔ کرم کرنا۔ رحم کرنا مجازی ترجمہ پا لینا حاصل کر لینا۔ اسی سے ہے فضول یعنی ضرورت سے زائد۔ ہماری اردو اصطلاح میں فضول بمعنٰی باطل ہے مگر عربی میں ایسا نہیں ہے۔ اِسی سے ہے فضیلت یعنی عزت دینا۔ یہاں مراد نعمت ہے۔ ہٖ۔ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ رب تعالیٰ۔ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے لِتَبْتَغُوْا۔ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوا۔ اور تمام جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوا۔ یُزْجِیْ۔ جملہ ہو کر معلول تھا۔ اپنی علت سے مل کر صلہ۔ اَلَّذِیْ موصول اپنے صلہ سے مل کر خبر بتدا۔ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ ہٗ ضمیر اس کا اسم۔ اس کا مرجع رَبُّکُمْ ہے۔ کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ ھُوَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا اسم ہے مرجع رَبُّکُمْ۔ بِ جارہ یا بمعنٰی لام جارہ نفعیہ یا بمعنٰی علیٰ اِستعلائیہ۔ یعنی تمہارے نفع کے لیے یا تم پر۔ یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ ناقص کا۔ رَحِیْمًا۔ اسم صفت مشبہ۔ بمعنٰی بہت زیادہ ہر وقت ہر ایک پر کرم کرنے والا ترس فرمانے والا۔ منصوب ہے کیونکہ خبر ہے کَانَ کی۔ کَانَ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر۔ خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ۔

اور اے ابلیس اپنے انجام کو سوچتے سمجھتے ہوئے آج ہی سے اپنے کام میں جُٹ جا اور اولادِ آدم میں سے جس کو پھسلانے کی طاقت رکھتا ہے اس کو جس طرح بھی پھسلا سکے گرا سکے اس کو مقامِ عبدیت سے گرانے کی کوشش کر کے دیکھ لے اپنے اچھے بُرے سریلے بے سُرے ۔ وہمیات و نظریات وسوسے سازو سامان گھنگرو باجے ڈھول و قوالی طبلے سارنگی کی آواز سے اور چڑھا کرلے آ ان آنے والی نسلِ انسانی پر اپنے تیز مضبوط شیطانی گھوڑ سوار لشکروں کو اور ہر انسان کے ساتھ رہنے والے پیدل چھوٹے چھوٹے شیطانوں کو یا دیگر جنات شیطنی کے تیز رفتار ہر جگہ حاضر موجود ہو جانے والے لشکروں کو اور بدخصلت مکار فریبی بدمعاش اپنے انسانی ساتھیوں کو یا خود ہی ہر روپ میں ہر شکل میں ان کے پاس آجا ۔ اور اپنا زور فریب ورغلانے بھٹکانے میں لگا کر دیکھ لے ۔ کبھی جُبّہ و دستار میں کبھی شیخ نجدی کی صورت میں ۔ کبھی مولویانہ وعظ و تقریر میں کبھی تسبیح و مرقع کے دلق و گدڑی کے بھیس میں ۔ کبھی ناچ رنگ کی نغمہ و سرود کی محفلیں سجا کر کبھی مدارس و مساجد خنزار بنا کر کبھی پیر کبھی فقیر کبھی صوفی کبھی رند کبھی شاعر کبھی جاہل کبھی غمخوار بن کر کبھی مکار بن کر کبھی گستاخیِ نبوت کے آوازے لگاتا ہوا کبھی بے ادبی ولایت کی پٹیّیں پڑھاتا ہوا کبھی ظاہر شکل میں آکر کبھی دل میں وسوسے ڈال کر غرض کہ ہر طرح سے زور و کوشش لگا کر بندوں کو بھٹکا کر دیکھ لے کوئی حسرت دل میں نہ چھوڑنا یہی نہیں بلکہ ان کے مالوں تجارتوں میں بھی شریک ہو کر دیکھ لے کہ چوری ڈکیتی سود ۔ رشوت ۔ ملاوٹ ۔ ذخیرہ اندوزی ظلم و تعدی چور بازاری فاسد تجارتیں لوٹ کھسوٹ گرہ کٹی ہر قسم کی حرام کمائی بھی سکھا دے اور حرام راستوں پر خرچ کرنے پر بھی اُکسا اور غلا ۔ اور تجارتوں میں اس طرح پھنسا دے کہ نماز روزہ عبادت ریاضت وظیفہ ذکرِ الٰہی شب بیداری آہِ سحرگاہی فکرِ آخرت یادِ موت جمعہ و عیدین سب چھوٹ جائے ہائے دولت ہائے گاہک ہائے دکان ہی رہ جائے غرض کہ اس طرح شیطان لوگوں کے مال و دولت میں شریک بن جائے کہ معلوم ہو کہ ابلیس ہی بڑا حصہ دار ہے محنت انسان کرے طریقہ شیطان کا اپنائے ملکیت انسان کی رہے مگر خرچ شیطان کرے ۔ دولتِ انسانی کا اصل مقصد یعنی سرمایۂ آخرت زکوٰۃ صدقات خیرات گیارہویں شریف بارہویں شریف ختم درود محفلِ میلاد جلوس و جشنِ عید میلاد پر شرک و بدعت کے فتوے لگا کر بند کرا دے لیکن کھیل تماشے کنجر بازی حرام رسموں شادی بیاہ بیٹیوں کے ناجائز جہیز میں خوب دولت لُٹوائے برباد کرائے اور اسلام کے عظیم حکم حقِ مہر کے لیے کم سے کم کا وسوسہ ڈالے اور اے ابلیس لوگوں کے مال میں ایسا شریک ہو جا کہ ان کی عقلوں پر

گمراہی کے پتھر رکھ دے اور ان کی اولاد میں بھی شریک ہوکر دیکھ لے اس طرح کہ اولاً ابلیس شیطان انسان کے ذہن میں ہوسِ زر پیدا کرتا ہے اور انسان لالچی رشوت جُوا سود حرام خوری کا عادی بن جاتا ہے پھر شیطان کسی کو رشوت و سود خور و جواری ظالم بنا دیتا ہے اور کسی کو سود و رشوت دہندہ اور جوئے میں ہارا ہوا مظلوم بنا دیتا ہے اور باوجود قرآن و حدیث انبیاء اولیاء علما اور نیک لوگوں کے منع کرنے کے یہ ظالم و مظلوم اپنی اپنی مرضی و خوشی سے بنتے ہی چلے جاتے رہیں یہاں تک کہ ان میں درندگی اور حیوانیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ناجائز خوراک کا اثر و نفسِ امّارہ کے غلبے کی بنا پر ہوتا ہے۔ مرد و عورت میں شیطانی شہوت بڑھ جاتی ہے کنوارے مرد و عورت نکاح و شادی کا انتظار و اہتمام اور ترغیب نہیں کرتے اور خاوند بیوی ایک دوسرے پر اکتفا نہیں کرتے چاروں طرف سے زنا۔ حرام کاری کا بازار گرم ہو جاتا ہے اولاد حرامی پیدا ہوتی ہے جن کو شیطان اپنے پھندے میں پھنسا کر کے پہلے انبیاءِ علیہم السلام کا گستاخ بے ادب بناتا ہے پھر قرآن حدیث اسلام شریعت کا منکر و منحرف اور عبادات سے غافل و منکر کر کے کسی کو گمراہ کسی کو مرتد کسی کو کافر کسی کو فاسق و فاجر گناہگار بنا دیتا ہے اور اس طرح ابلیس انسانی اولاد میں شریک بن جاتا ہے اس وقت دنیا میں جتنے بھی گستاخِ نبوت انبیاءِ کرام کو اپنے جیسا سمجھنے والے انبیا کی شان و معجزات نہ ماننے والے ان کی قدرت و علم کے منکر ہیں وہ سب اسی قسم کی ناجائز اور ابلیس کی مشترکہ اولاد ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ خاوند بیوی نے صحبت سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھی تو شیطان وطی میں شریک ہو کر اپنا بھی نطفہ ڈال دیتا ہے جس سے اولاد سرکش مغرور والدین کو مارنے ستانے اور نافرمانی کرنے والی ہوتی ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اولاد سب درست و حلالی ہے مگر ابلیس ان میں سے بعض کو بری صحبتوں میں بٹھا کر شرابی بے نمازی فاسق فاجر۔ بدعقیدہ اور کافر بنا دیتا ہے یہ ابلیس کے شریک ہونے کے مختلف جال ہیں مگر پہلے مالوں کو خراب کرتا ہے اس لیے یہاں اموال کا ذکر پہلے ہوا اور پھر ارشادِ باری ہوا کہ اے ابلیس جا تجھ کو ڈھیل ہے کہ تو جس طرح چاہے اولادِ آدم سے جھوٹے اور غلط وعدے کر لے اپنی سچائی کے دوسروں کی تکذیب کے دنیا کی زندگی کے ہمیشہ باقی رہنے کے قبر حشر حساب کتاب جنت دوزخ کے نہ ہونے کے وعدے یا اس طرح کہ اے لوگو خود بھی اور اپنی اولاد کو بھی دینا۔ تجارت کاروبار سکول و کالج میں مشغول رکھو عزت ملے گی دولت پاؤ گے افسری و حکومت ملے گی۔ لیکن مسجد مدرسہ خانقاہ علما صوفیا۔ اولیاء اللہ اور احادیث و فقہ و اسلامیات اور اسلامی لباس تہذیب سے دور ہو جاؤ ورنہ بے عزت ذلیل خوار و غریب ہو جاؤ مسجد کے لوٹے اور دو رکعت کے مفلس امام بن جاؤ گے یہ ہی ابلیس اور ابلیسی لوگوں کے وعدے ہیں دنیا پرستوں کو وقتی طور پر تو بڑے

اچھے اور سریلی شیطانی آوازوالے پسندیدہ لگتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۔ شیطان کے سب وعدے نرے دھوکہ ہی رہیں کہ جو اُس نے عزت ملنے کے راستے بتلائے سفر کرائے پیسے خرچ کرائے وہ دنیا وآخرت کی ذلتیں خواریاں وعذاب تھے اور جس کو ابلیس نے ذلت وغربت کا نام دیا وہ ہی دائمی ابدی قبر وحشر بلکہ رہتی دنیا میں بھی احترام وشان وعزت تھی۔ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا۔ اے ابلیس تو کتنے حیلے بہانے شرکت فریب جھوٹے وعدوں کا جال بچھا دے لشکر دوڑا دے پیدل چلا دے مگر میرے مخلص بندوں عابدوں زاہدوں عاشقوں عالموں ولیوں اور راتوں کو اُٹھ کر میری یاد میں رونے والوں صبح کو آہیں بھرنے والوں ظہر وعصر میں یاد کرنے والوں مغرب وعشا میں فریاد کرنے والوں ذکر کی محفلوں میں تڑپنے پھڑکنے والوں اور ساری زندگی میرے محبوب نبی کے دامن میں سمٹ جانے والوں پر تیری کوئی طاقت قوت ہمت ورسم ورغلاہٹ حیلہ بہانہ وعدہ وعید کبھی بھی مسلط نہیں ہوسکتا۔ اور تیرا رب جس کو تو باوجود نافرمانی کے اپنا رب تسلیم کرتا ہے وہ رب تعالیٰ اپنے تمام مخلص بندوں کو ہر وقت ہر حال میں کافی وکیل ہے تجھ سے اور تیرے لشکروں حیلوں فریبوں شرکتوں سے بچانے والا توفیقِ عبادت وسعادت دینے والا تیرے ہزاروں سالوں کی محنتوں کو ہمارا ایک اشارہ ہی مٹانے والا کافی ہے ہم اپنے بندوں کو اپنی حفاظت وعصمت میں رکھتے ہیں ان کے اپنے نفس وذات کے سپرد نہیں چھوڑتے اور پھر تجھ کو اختیار دینے کے باوجود ہم نے تجھ کو یہ اختیار نہیں دیا کہ تو ہمارے کسی بھی بندے کو جبرًا ہاتھ پکڑ کر اٹھا کر گمراہی میں لے جائے ایسا تسلط تیرا کسی بندے پر نہیں ہوسکتا خواہ بندہ نیک ہو یا بد جائز ہو یا ناجائز بلکہ تُو تو عام کھلے بندوں کے سامنے بھی نہیں آسکتا۔ صرف باطنی ذہنیت میں وسوسہ ڈال سکتا ہے اب یہ بندے کی کمبختی ہے کہ تیرے پیچھے تیرے کہنے پر چل پڑے۔ اے بندو اب تم بھی ذرا غور کرو کہ۔ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ تمہارا رب وہ ہے جو تمہاری ہزار نافرمانیوں کے باوجود تمہاری تجارت تمہاری سیر وسیاحت مال برداری کے لیے سمندروں میں چھوٹی بڑی دستی اور مشینی ہر قسم کی کشتیاں تیزی سے دوڑائیں اور طوفانی ہواؤں سے ہر موسم میں تم کو بچاتا ہوا پانی کو پست ونرم کرتا ہوا بڑے بھاری جہاز چلا دیئے صرف اس لیے تاکہ اس کے فضل حلال طیب مال ودولت اور خوراک حاصل کرتے رہو۔ بیشک وہ رب تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں کو نظر انداز کرتا ہوا تم پر بہت ہی رحم فرمانے والا ہے تم کو چاہیئے کہ اپنے ہی دنیوی اُخروی فوائد کثیرہ کے لیے شیطان سے بچتے رہو رحمٰن کے بندے بنتے رہو۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔
پہلا فائدہ ۔ ابلیس باوجود بہت طاقتور جن ہونے کے اور آگ سے پیدا ہونے کی بنا پر پھر بھی کسی انسان کو جبراً پکڑ کر گمراہ یا بے دین اور اپنا متبع نہیں بنا سکتا نہ پیار محبت سے کسی کو بہلا پھسلا سکتا ہے نہ اپنی جناتی طاقت یا شکل وصورت سے کسی انسان کو ڈرا کر دھمکا کر اپنے پیچھے چلا سکتا ہے صرف خفیہ آواز سے ورغلانے کی اجازت ملی ہے یہ فائدہ بِصَوْتِكَ فرمانے سے حاصل ہوا۔
دوسرا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص نیک بندوں پر شیطان کی کوئی طاقت کام نہیں آتی اس لیے کہ سچے بندے اولیاء اللہ تمام کے تمام رب تعالیٰ کی حفاظت میں محفوظ ہوتے ہیں اور دامن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ان کی حفاظت فرمائی جاتی ہے بلکہ بہت سے بزرگان دین تو ابلیس سے زیادہ طاقت والے ہیں ایسے بہت سے واقعات حکایات وروایات موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے نیک بندوں نے ابلیس کو قید کر دیا۔ گرفتار کرکے پکڑ کے باندھ دیا اور ابلیس میں اپنے آپ کو چھڑانے کی طاقت نہیں ہوئی نہ کھلنے کی پھر ان بزرگوں نے خود ہی شیطان کو کھولا تو وہ آزاد ہوا ۔ یہ فائدہ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔
تیسرا فائدہ ۔ کوئی شخص بھی اللہ تعالیٰ کی توفیق کے بغیر نیک پاک متقی اور شیطان سے بچا ہوا نہیں ہو سکتا ۔ نہ کسی کو اس کے اعمال صالحہ بچا سکتے ہیں نہ علم نہ عمل نہ ذات نہ صفات اس لیے ہر وقت مسلمانوں کو رب تعالیٰ سے توفیق خیر کی دعا مانگتے رہنا چاہیے ۔ یہ فائدہ رَبِّكَ وَكِيْلًا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب کریم سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہم کو اپنے نفسوں کے سپرد نہ کیا بلکہ اپنی وکالت وحفاظت کو ہمارے لیے کافی بنایا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔
پہلا مسئلہ ۔ اگرچہ ان آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ شیطان ابلیس ہر انسان کو بچپن سے جوانی اور بڑھاپے بلکہ موت تک ورغلاتا ہے اور انسان نہ اس کو دیکھتا ہے نہ اس سے بچ سکتا ہے مگر جو مسلمان بھی اس کی فرمانبرداری کرتے ہوئے شرعی جرم اور ترک عبادت کرے گا وہ مجرم قابل سزا نا سق گنا ہگار ضرور ہوگا ۔ یہ مسئلہ بِصَوْتِكَ (الخ) سے مستنبط ہوا اس لیے کہ انسان شیطان کے ہاتھوں بے بس نہیں ہے ابلیس صرف اپنی مخفی آواز سے ہی بہکا سکتا ہے زبردستی کسی پر نہیں کر سکتا ۔ معافی صرف بے بس اور مجبور انسان کو ہو سکتی ہے۔

دُوسرا مسئلہ۔ حلال تجارت کرنا ہر مسلمان پر فرض و لازم ہے یہاں تک کہ سمندر کی مشقتوں میں سفر کر کے بھی روزی کماؤ کاروبار و تجارتیں کرو یہ مسئلہ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِہٖ سے مستنبط ہوا۔ مِنْ فَضْلِہٖ سے مراد حلال روزی ہے نہ کہ حرام تجارتیں۔

تیسرا مسئلہ۔ مسلمان پر لازم ہے کہ محنت خود کرے اور بھروسہ اللہ کی رحمت پر کرے جو لوگ تجارتی محنتیں نہیں کرتے وہ بھی گناہگار ہیں اور جو لوگ اللہ کے رحم و کرم پر بھروسہ نہیں کرتے اور توجہ نہیں دیتے وہ بھی گناہگار و گمراہ ہیں۔ یہ مسئلہ لِتَبْتَغُوْا کے امر لزومی اور مِنْ فَضْلِہٖ اور اُس کے بعد بِکُمْ رَحِیْمًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ کیا ابلیس اپنے کانوں سے اللہ کی یہ باتیں سن رہا تھا اور جواب دے رہا تھا۔ یا نہیں اگر اپنے کانوں سے سن رہا تھا تو کیا اُس کو بھی کلیم اللہ کہا جا سکتا ہے اور اگر اپنے کانوں سے نہیں سن رہا تھا تو کیا اس کو معلوم تھا کہ اللہ کی طرف سے باتیں ہو رہی ہیں یا یہ بھی پتہ نہیں تھا۔ اگر معلوم تھا تو اُس نے اتنی باتوں اور انکار کی جرأت و ہمت کیسے کی اور اگر یہ علم نہیں تھا تو پھر ابلیس نے اَرَءَیْتَکَ میں کس کو خطاب کیا۔

جواب۔ کچھ مفسرین نے فرمایا کہ غیبی ہاتف کی ایک طرف سے آواز آرہی تھی اور ابلیس اس طرف منہ کر کے جواب دے رہا تھا مگر اللہ کی آواز نہ تھی نہ اس کو کلیم اللہ کہا جا سکتا ہے۔ کلیم اللہ تو خصوصی طور پر صرف موسیٰ علیہ السلام ہی ہیں جیسے کہ اللہ کو دیکھنے والے صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کسی بھی نبی اور فرشتے کو کلیم اللہ نہیں کہا جا سکتا مگر نبی کریم تو جامع کمالات مخلوق ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ گفتگو جبرئیل امین نے وحی کے انداز میں پیغام رسانی کے طریقے پر ابلیس سے کی کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے اور ابلیس نے بذات خود رب تعالیٰ کو خطاب عرض کیا۔ واللہ اعلم بالصواب۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ یعنی میرے بندوں پر تیرا قابو نہیں ہے۔ حضرت آدم کو جنت سے نکلوا دیا۔ بڑے بڑے اولیاء اللہ کو اپنے مرتبے سے گرا دیتا ہے اور قابو کس طرح ہوتا ہے ؟ (معترض)

جواب۔ سُلْطَانٌ کے معنی یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ابلیس کسی پر زبردستی نہیں کر سکتا نہ سامنے آکر کسی کو ڈرا دھمکا سکتا ہے اور یہ بھی کئے گئے ہیں کہ ابلیس کسی کا ایمان نہیں چھین سکتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو جھوٹی قسمیں کھا کر دھوکہ دیا تھا وہاں تو دو غلانہ بھی ثابت نہیں۔ نیز کسی ولی اللہ کو بھکانا تو یہ تمھاڈالا

لیکن یہاں اکثریت کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ وَاَجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان آٹھ قسم کے ہیں۔

۱ اہلِ نار ۲ اہلِ ظلمت ۳ اہلِ بصارت ۴ اہلِ بصیرت ۵ اہلِ نفس ۶ اہلِ عقل۔ ۷ اہلِ قلب ۸ اہلِ انوار۔ اور ابلیس کے جال بھی آٹھ قسم کے ہیں۔

۱ صوتِ باطنی ۲ خیلِ صحبتِ بد ۳ رجلِ یارانِ بد ۴ اموالِ دنیا ۵ اولادِ ناجائز ۶ جھوٹے وعدے ۷ حرصِ دنیا ۸ شہوت ابلیس کی کتاب اور تلاوت فحش گانے اور شاعری و شعر ابلیس کے پیغامبر کاہن و جادوگر۔ ابلیس کی غذائیں بغیر ذکر اللہ بسم اللہ کے کھانے اور حرام روزیاں۔ ابلیس کا پانی شراب اور نشہ والی چیزیں ابلیس کے ٹھکانے شراب خانے اور ناچ گھر تماشہ گاہیں۔ ابلیس کی محفلیں بازار۔ ابلیس کی خفیہ پولیس عورتیں ابلیس کی آواز طبلہ سارنگی۔ ان ہی جالوں سے پکڑتا ہے اسی تمام ابلیسی قوتوں کا یہاں ذکر ہے کہ اے ابلیس پھسلا دے تو جس اہلِ نار و اہلِ ظلمت کو اُن انسانوں میں اپنی استطاعت سے اپنی فقط آواز کے ذریعے کہ یہ بدنصیب انسان فقط معمولی آواز پر مر مٹیں گے لیکن اہلِ بصارت پر اپنے اَموالِ دنیا اور شہوتوں کے سوار لشکروں سے حملہ کر۔ اور اہلِ بصیرت کو اپنے پیدل بُری محفلوں اور بُرے دوستوں کے جھگھڑے سے قابو کر اور اہلِ نفس کو مالِ دنیا سے اور ناجائز اولاد سے خراب کر اہلِ عقل کو جھوٹے وعدوں سے گمراہ کر اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ بیشک میرے اہلِ قلب اور اہلِ اَنوار بندوں پر تیرے کسی جال کا زور نہیں چل سکتا۔ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا۔ اس لیے کہ سالکانِ راہِ طریقت کا محافظ خود مشاہد جمال ربّ ذوالجلال مقامِ معرفت کے سفرِ عشق میں کافی ہے۔ رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا۔ تمہارا قربِ معرفت اور مقصودِ سلوک کا رب وہی ہے جو تمہاری کشتیٔ اعمال کو بحرِ معرفت اور سمندرِ مشاہدات میں چلاتا ہے تاکہ تم اے مسافرانِ عشق و مستی اپنے اس رب تعالیٰ کے قربِ جمال لذتِ مشاہدات کے فضل وادیٔ نور میں تلاش کرو۔ وہ خالق بحر و بر تم جیسے عاشقانِ مست و الست پر ازلِ قدیم سے رحم فرمانے والا ہے۔

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ

اور جب کبھی پہنچا تم کو طوفانی شدید خوف سمندر میں تو

اور جب تمہیں دریا میں مصیبت پہنچتی ہے تو اس کے سوا ۔

مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ ۚ فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ اِلَى

وہ سب بھول گئے جن کو تم اللہ کے علاوہ پوجتے ہو ۔ پھر جب وہ اللہ بچا کرلے آیا تم کو

جنہیں پوجتے ہیں سب گم ہو جاتے ہیں پھر جب وہ تمہیں

الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿٦٧﴾

خشکی کی طرف تو فوراً اللہ سے پھر گئے تم اور دنیا میں انسان کتنا ناشکرا ہو گیا ہے

خشکی کی طرف نجات دیتا ہے تو منہ پھیر لیتے ہیں اور انسان بڑا ناشکرا ہے

اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ

کیا تم خشکی میں مطمئن ہو بیٹھے ہو اس سے کہ دھنسا دے تم کو اللہ خشکی کے کسی حصے کے ساتھ ہی

کیا تم اس سے نڈر ہوئے کہ وہ خشکی ہی کا کوئی کنارہ تمہارے ساتھ دھنسا دے

اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا

یا بھیجے تم پر پتھروں والی آندھی پھر نہ پاؤ تم

یا تم پر پتھراؤ بھیجے پھر اپنا کوئی حمایتی

لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿٦٨﴾ ۙ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ

اپنے لیے کوئی مددگار ۔ یا تم مطمئن ہو بیٹھے ہو اس سے کہ

نہ پاؤ ۔ یا اس سے نڈر ہوئے کہ تمہیں دوبارہ

فِيهِ تَارَةً أُخْرَىٰ فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ

اللہ تم کو پھر لوٹا دے سمندری سفر میں دوبارہ پھر بھیجے تم پر کشتی توڑنے والا

دریا میں لے جائے پھر تم پر جہاز توڑنے والی آندھی

قَاصِفًا مِّنَ الرِّيحِ فَيُغْرِقَكُم بِمَا كَفَرْتُمْ

طوفان ہوا کا تو ڈبو دے تم کو اس وجہ سے کہ کفر کیا تم نے

بھیجے تو تم کو تمہارے کفر کے سبب ڈبو دے

ثُمَّ لَا تَجِدُوا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهِ تَبِيعًا ﴿٦٩﴾

پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے ہمارے مقابل کوئی بازپرس کرنے والا مددگار

پھر اپنے لیے کوئی ایسا نہ پاؤ کہ اُس پر ہمارا پیچھا کرے

تعلق ان آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی اُن خاص کرم نوازیوں کا ذکر ہوا جو بندوں پر دریائی سمندری سفر کے دوران ہوتا ہے بے یار و مددگار مصیبت پڑنے پر ہوتی ہیں اور طوفانوں سے بچاکر سمندری نعمتیں اور تجارتیں دے کر پار لگا کر ہوتی ہیں ۔اب ان آیت میں کافروں کا اپنے معبودوں کو چھوڑ کر ان طوفانی طغیانی مصیبتوں میں مسلمانوں کے سچے معبود کی بارگاہ میں رونے فریاد کرنے کا ذکر ہے۔

دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیتِ کریمہ میں ابلیس کی دھوکے بازیوں پُرفریب و عدوں کا ذکر ہوا کہ شیطان کے تمام وعدے محض پُرفتور ہیں اب اِن آیتِ پاک میں کفّار کی چالبازیوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کی بھی سب حرکتیں پُرکفور ہیں ۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں دریا سے نجات پانے کے بعد ان ناشکروں کے پھر کفر میں جاتے مبتلا ہونے کا ذکر ہوا ۔اب یہاں ان کی اس دھوکے بازی کا پردہ چاک کیا جارہا ہے کہ رب تعالیٰ تمہاری ان فریب کاریوں سے غافل نہیں ہے جو اللہ تعالیٰ تم کو دریا سے بچا رہا ہے وہ خشکی میں بھی تم کو ہلاک کرسکتا ہے یہ دھوکے بازی اور وقتی فریادیں دعائیں تم کو اُس کے عذاب سے نہیں بچا

کشتیں سمندر کے طوفانوں سے بچا لینا اور دنیوی نعمتیں دے دینا سفر کو آسان کر دینا یہ فقط اس کی دنیوی قانونی نظام کی رحیمیت کریمیت ہے۔

تفسیر نحوی

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِى الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا. اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا. واؤ سرجملہ اِذَا حرفِ شرط ظرف زمانی کے لیے۔ مَسَّ۔ باب نصر کا ماضی واحد مذکر غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی چھو جانا۔ لگ جانا۔ پہنچنا متعدی ہے کُمْ۔ ضمیر مفعول بہ ہے مرجع ہے سب انسان الف لام عہد خارجی ضُرٌّ اسم مفرد جامد بمعنی مصیبت تکلیف ضرر۔ نقصان بحالت رفع فاعل ہے مَسَّ کا۔ فِیْ۔ جارہ ظرف مکانی کے لیے اَلْبَحْرُ بمعنی دریا۔ سمندر کو بھی کہدیتے ہیں یہاں مراد سمندر ہے کیونکہ طوفانی مشکلات زیادہ تر سمندر میں ہی آتی ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے مَسَّ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ استمراریہ ہوکر شرط ہوا۔ ضَلَّ۔ باب نصر کا ماضی مطلق ضَلٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بہت سے معنی میں مشترک ہے یہاں مراد ہے دور ہونا یا گم ہونا علیحدہ ہونا یا بھول جانا۔ مَنْ اسم موصول مذکر واحد۔ تَدْعُوْنَ۔ باب نصر سے مضارع مثبت معروف اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع کفار ہے دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنی پوجنا۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا مَنْ کا۔ یہ دونوں مل کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنا یا متصل ہے یا منقطع اگر معبود کے لفظ کا خیال ہو تو متصل ہے اگر اللہ کی غیریت کا لحاظ ہو تو منقطع۔ اِيَّا۔ حرفِ فیصل زائدہ ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ ہے منصوب ہے کیونکہ مستثنیٰ ہے اِلَّا سے مَنْ مستثنیٰ منہ اپنے اس مستثنا سے مل کر فاعل ہوا ضَلَّ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزا ہوئی مَسَّ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ فَ بمعنی ثُمَّ تراخیہ لغو ہے یعنی اپنے اصل مقصد عطف کے لیے نہیں ہے۔ لَمَّا۔ حرفِ شرط ظرفیہ زمانیہ۔ نَجّٰى۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق اس کا مصدر ہے تَنْجِيْئٌ اور تَنْجِيَةٌ۔ نَجْوٌ سے بنا ہے بمعنی بچانا علیحدہ کرنا یا علیحدہ ہونا اسی سے ہے مُنَاجَاتٌ یعنی گوشہ نشینی۔ كُمْ۔ ضمیر مفعول بہ۔ اِلٰى جارہ انتہاء غایت کے لیے الف لام جنسی۔ بَرٌّ۔ اسم مفرد جامد بمعنی خشکی یعنی سطح زمین یہ جار مجرور متعلق ہے نَجّٰى کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی اَعْرَضْتُمْ۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِعْرَاضٌ بمعنی منہ پھیرنا علیحدہ اور جدا ہونا۔ اَنْتُمْ ضمیر اس میں مستتر اس کا فاعل ہے عَرْضٌ سے بنا ہے بمعنی مقابل آنا سامنے آنا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہوگیا۔ واؤ۔ ابتدائیہ بیانِ کیفیت کے لیے۔ كَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ۔ الف لام جنسی یا استغراقی اِنْسَانٌ اسم مفرد جامد جنسی بمعنی آدمی كَانَ کا

اسم ہے اس لیے مرفوع ہے کَفُوْرًا بروزنِ فَعُوْلٌ شَکُوْرًا اسم مبالغہ ہے کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت ناشکری کرنے والا بحالتِ نصب کَانَ کی خبر یہ جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہوکر مکمل ہوگیا۔ اَ ہمزہ استفہام توبیخی یا انکاری ف۔ حرفِ زائدہ ابتدائیہ۔ اَمِنْتُمْ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مطمئن ہونا۔ اس میں اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ ہے فاعل ہے۔ اَنْ ناصبہ۔ یَّخْسِفَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف بحالتِ فتحہ ہے اَنْ کی وجہ سے خَسْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زمین میں دھنسنا یہاں متعدی ہے یعنی دھنسانا بَ جارہ متعدی کرنے والا کُمْ ضمیر مجرور متعلق ہے یَّخْسِفَ کا جَانِبَ اسم فاعل ہے باب ضَرَبَ کا واحد مذکر جَنْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ایک طرف ہونا یا کرنا۔ کروٹ بدلنا۔ مضاف ہے۔ الف لام جنسی بَرِّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ خشکی مراد ہے سطح زمین یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے یَّخْسِفَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا اَوْ حرف عطف تردیدی یا تخییری۔ یُرْسِلَ باب اِفعال کا مضارع معروف اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ رُسُلٌ سے بنا ہے یہ مادہ و مصدر ہر دو متعدی ہوتے ہیں بمعنیٰ بھیجنا چلانا یہاں مراد ہے برسانا۔ عَلٰی جارہ فوقیت مکانی کے لیے کُمْ مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے یُرْسِلَ کا۔ حَاصِبًا باب فَتَحَ کا اسم فاعل مذکر حَصْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پتھروں کی بارش بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یُرْسِلَ کا۔ یہ سب مل کر معطوف ہوا یَّخْسِفَ کا وہ سب مل کر پھر معطوف علیہ ہوا۔ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی یعنی دیر کے لیے لَا تَجِدُوْا باب ضَرَبَ کا مضارع منفی بحالتِ نصب یَّخْسِفَ کے تابع۔ عطفی ہونے کی وجہ سے اسی نصب کی وجہ سے نون اعرابی گر گئی دراصل تھا لَا تَجِدُوْنَ وَجْدٌ سے مشتق بمعنیٰ پانا موجود کرنا حاصل کرنا۔ متعدی ہے صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع مخاطبہ کفار ہیں لام جارہ نفع کا کُمْ مجرور متعلق ہے لَا تَجِدُوْا کا یہ ضمیر نفسی ہے بمعنیٰ اپنے وَکِیْلًا اسم مشتق ہے صفت مشبہ ہے وَکْلٌ مثال واوی سے بنا ہے۔ ذمہ دار۔ جوابدہ۔ بچانے والا۔ تمام ضروریات پوری کرنے والا یہاں ہر معنیٰ درست ہے لَا تَجِدُوْا کا مفعول بہ ہے وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا۔ سب معطوف مل کر مفعول بہ ہوا اَمِنْتُمْ کا اور وہ جملہ فعلیہ ہوگیا۔ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا۔

اَمْ۔ حرفِ عطف سوالیہ اَمِنْتُمْ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع مذکر اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع کفار ہیں اَنْ حرفِ ناصبہ یُّعِیْدَ باب افعال کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب بحالتِ نصب ہے اَنْ کی وجہ سے اس کا مصدر ہے اِعْوَادٌ اور اِعَادَةٌ۔ عَوْدٌ اجوف واوی سے بنا ہے بمعنیٰ لوٹنا باب افعال نے اس کو متعدی بیک مفعول بنایا بمعنیٰ لوٹانا۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع اللہ تعالیٰ

ہے۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ ہے۔ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ۔ ہٖ۔ ضمیر واحد مذکّر غائب اس کا مرجع بحر سمندر دریا مجرور جار متعلق ہے یُعِیْدَ کا۔ تَارَۃً اسم ظرف استمراری نکرہ معرب اسم متمکّن موصوف ہے اُخْرٰی اسم تفضیل مؤنث بمعنیٰ دوسری ہونے والی۔ آخر میں آنے والی۔ پیچھے والی یہاں معنیٰ ہے دوسری دفعہ۔ اُخْرٌ سے مشتق ہے یہ صفت ہے۔ مرکّب توصیفی ظرف ہے یُعِیْدَ کا ایک قول میں تَارَۃً اُخْرٰی ممیّز تمیز ہے۔ بعض نے کہا یہ دونوں حال ذوالحال ہیں۔ تَارَۃً ذوالحال ہے بہرکیف اُخْرٰی مفتوح ہے۔ یُعِیْدَ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ۔ عاطفہ تعقیبیہ یُرْسِلَ۔ باب افعال کا مضارع مُثبت معروف اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ۔ رَسْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا متعدّی بیک مفعول ہے بحالتِ فتحہ کیونکہ عطف تابع ہے اَنْ یُّعِیْدَ پر۔ عَلٰی جارّہ فوقیت کا کُمْ ضمیر مجرور متّصل یہ جار مجرور متعلق ہے یُرْسِلَ کا۔ اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر ہے مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ قَاصِفًا۔ اسم فاعل ہے باب ضَرَبَ میں ہو تو متعدّی باب سَمِعَ میں لازم ہوتا ہے یہاں باب سَمِعَ ہے قَصْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ (لازم) ٹوٹنا۔ چنگھاڑنا۔ گرجنا اور بمعنیٰ متعدّی توڑنے کے قریب ہونا یا توڑنا۔ بعض نے کہا یہ متعدّی ہے باب ضَرَبَ سے ہے مِنْ حرفِ جر بیانیہ الف لام عہدی۔ رِیْحِ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ہوا۔ مجرور متعلق ہے قَاصِفًا کا ھُوَ۔ ضمیر پوشیدہ قَاصِفًا کا فاعل اس کا مرجع نفسی رِیْح ہے یعنی ہواؤں میں ایک توڑنے والی ہوا۔ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے یُرْسِلَ وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ یُغْرِقَ باب افعال کا مضارع صیغہ واحد مذکّر غائب اِن آیات میں پانچ صیغے ارشاد ہیں۔

۱ یَخْسِفَ ۲ یُرْسِلَ ۳ یُعِیْدَ ۴ فَیُرْسِلَ ۵ یُغْرِقَ پہلے چار صیغوں میں دو قرأتیں ہیں ۱ صیغہ واحد غائب آیاہ کی مناسبت سے دوم صیغہ جمع متکلّم نَخْسِفَ نُعِیْدَ وغیرہ کُمْ ضمیر کے خطاب کے اعتبار سے۔ لیکن اس یُغْرِقَ صیغے میں تین قرأتیں ہیں۔

۱ یُغْرِقَ ۲ نُغْرِقَ ۳ تُغْرِقَ۔ اس صورت میں تُغْرِقَ کا فاعل قَاصِفًا ہوگا جب کہ پہلی دونوں قرأتوں میں فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ اس کا مصدر ہے اِغْرَاقٌ۔ غَرْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈوبنا۔ لازم ہے اغراق متعدّی ہے بمعنیٰ ڈبونا۔ اس میں ھُوَ واحد مذکّر غائب کی ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع یا قَاصِفًا ہے یا اللہ تعالیٰ۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ۔ بِ حرفِ جر سببیہ مَا اسم موصول مراد ہیں کفریات۔ کَفَرْتُمْ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مُثبت معروف جمع مذکّر حاضر یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مجرور متعلق ہے یُغْرِقَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ پھر مابعد عبارت کا معطوف علیہ ہوا۔ ثُمَّ۔ حرفِ عطف تعقیب تراخی کے لیے۔ لَا تَجِدُوْا باب ضَرَبَ کا مضارع منفی معروف صیغہ جمع مذکّر حاضر مراد ہیں

کُفّار۔ بحالت فتحہ ہے یُعِیْدَ پر عطف کی وجہ سے۔ نون اعرابی گر گئی۔ اصل میں لَاتَجِدُوْنَ تھا لَکُمْ۔ لام جارہ نفع کا یعنی پھر نہ پاؤ تم اپنے نفع کے لیے۔ یہ متعلق اوّل ہے لَاتَجِدُوْا۔ علیٰ جارہ مقابلہ اور غلبے کے لیے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے بِ جارہ تعدیہ کا۔ ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع ایک پوشیدہ تَبِیْعًا ہے اور وہ پوشیدہ ہے اس تبیعًا ظاہر کی وجہ سے۔ عبارت اس طرح تھی ثُمَّ لَاتَجِدُوْ تَبِیْعًا۔ اب یہ ذہنی مرجع ہے۔ یہ موجودہ تَبِیْعًا اسم مشتق صفت مشبہ اسم فاعل تَابِعٌ کے معنیٰ میں ترجمہ ہے پیچھے آنے والا۔ پیچھے لگنے والا۔ پیچھے پڑنے والا۔ مجازی ترجمہ ہے مددگار۔ یا مدعی یہ موجودہ تَبِیْعًا۔ مفعول لہٗ ہے یا حال ہے بہٖ کی ضمیر کا۔ بہٖ جار و مجرور۔ ع۱ یا متعلق ہے لَاتَجِدُوْا کا ع۲ یا متعلق مقدم ہے تبیعًا کا۔ ع۳ یا متعلق ہے ایک پوشیدہ فعل یُقَابِلُ کا۔ مگر پہلی ترکیب آسان ہے۔ اور پہلی ترکیب کا ترجمہ اس طرح ہے کہ۔ پھر نہ پاؤ تم اپنے لیے ہمارے مقابل کسی مددگار کو مدد کرنے والا (مدد کرنے کے لیے) یا (مدد کرنے کی حالت میں) لَاتَجِدُوْا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ سب معطوف بہ ہے اَفَاَمِنْتُمْ کا وہ جملہ فعلیہ سوالیہ انشائیہ توبیخیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا مَسَّکُمُ الضُّرُّ فِی الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ فَلَمَّا نَجّٰکُمْ اِلَی الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ یَّخْسِفَ بِکُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ یُرْسِلَ عَلَیْکُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَاتَجِدُوْا لَکُمْ وَکِیْلًا۔ اور اے بتوں کو پوجنے والو اہلِ شرک کافرو۔ کیا تم کو اپنی یہ بات یہ عادت یاد نہیں ہے کہ جب تم کو سمندری بحری سفر کے دوران نقصان دِہ طوفان پہنچے اور شدید خوف تو وہ سب بُت اور تمہاری مورتیں اور جھوٹے معبود تمہاری یادوں تمہارے ذہنوں اور بناوٹی عقیدوں سے گم ہو جاتے ہیں جن جن کو تم پوجتے پرستش کرتے ہو۔ ایک وہی ربِّ کائنات سچا حقیقی معبود اللہ ہی تم کو یاد رہ جاتا ہے اُسی سے بچنے کی فریادیں ہلاکت کے ڈوبنے سے پناہیں مانگتے ہوئے اس وقت اُسی کو پکارتے ہو خالص اسی کا نام جپتے ہو۔ اسی کے نام کی مالائیں اور تسبیحیں پھیرنے لگتے ہو۔ اسی کے آگے روتے گڑگڑاتے ہو۔ اس مصیبت اور ہلاکت خیز گرداب بلا میں کوئی دیوی دیوتا شیطان یا جنات یاد نہیں آتا کیونکہ تمہارا عقل و شعور ہر وقت ہر حقیقت کو سمجھتا ہے ہر انسان کی فطری ذہنیت جبلی ضمیر جانتی ہے کہ بلاؤں طوفانوں سے فقط اسی کی ذاتِ وحدہٗ لاشریک بچا سکتی ہے ایسے نازک موقعوں پر کسی بھی بُت مورتی تصویر۔ دیوی دیوتا سے فریاد یا کسی کو ابن اللہ غیر اللہ سمجھ کر پکارنا نفع اور فائدہ نہیں دے سکتا اب تو صرف اور صرف اَللہ و اہلُ اللہ کا نام اور وسیلہ ہی کام آسکتا ہے ایسے حالات میں یہ سچا عقیدہ تمہارا کتنا پختہ ہو جاتا ہے۔ لیکن جب اسی رحیم و کریم خالق

کائنات تبلّ و گُملانے تم کو ان طوفانوں سے نجات دی اور بچالیا خشکی کی طرف اور ہزار ہا سہولتوں، نعمتوں تندرستیوں کے ساتھ تم کو تمہارے گھروں وطنوں راحتوں آراموں بال بچوں میں پہنچا دیا تو پھر تم ایک دم سب کرم نوازیاں مہربانیاں اور اپنی حیرانیاں طوفانوں کی پریشانیاں بھول کر فوراً اس کریم رحیم وحدہٗ لاشریک خالق معبود کو اور اس کی یاد کو چھوڑ کر اسی کفر وکُفران شرک وطُغیان میں بتلا ہو گئے اور ابلیس کے دھوکے فریب میں آکر اپنی اولاد اپنے مال میں شیطانوں اور دیوتاؤں دیویوں بتوں کو حصّہ دار شریک سمجھنے لگ پڑے کہ کسی کا نام عبدالعزّیٰ اور عبدالحارث عبدالمناط۔ بنتُ اللّات عبدِ شمس عبدِ دار بنتِ خناس رکھ دیا اور کبھی اپنے مال میں مندوں مورتیوں کا حصہ نکال دیا کہ یہ کالی دیوی کا اور یہ پیپل والی کا اور کسی نے حیوانوں میں دیوتاؤں کو شریک حصّے دار سمجھا کہ یہ بحیرہ ہے یہ جانور سائبہ ہے یہ گائے وصیلہ ہے یہ بیل حام ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انسان دنیا کی آرام وراحتوں میں پڑ کر بہت ہی ناشکرا بے فکرا اور احسان فراموش ہو گیا ہے کہ کافر کفر کرکے فاسق گناہ کرکے نالائق عبادات میں سستیاں غفلتیں کرکے۔ کتنی ناشکری اور بے انصافی ہے کہ اپنے خالق مالک رب تعالیٰ کی ہزار ہا نعمتیں صحتیں لے کر اس کے رحم وکرم سے فائدے پاکر اس کو ایک نہ کیا اور مصیبت میں ہائے اللہ ہائے اللہ پکارا۔ ظاہراً تو یہ آیت کفارِ مکہ اور ان کے سمندری سفروں کا حال بیان فرما رہی ہے مگر حقیقت میں تا قیامت کفار کی اسی قسم کی حالت آگے اور سفر وحضر میں اکثر ایسا ہی کچھ ہو رہا ہے۔ اور اسی بری عادت سے بچانے کے لیے دنیا پرست غافل مسلمانوں کو بھی متنبہ اور خبردار کیا جا رہا ہے اس طرح کی بے انصافیاں ناشکریاں کفرانِ نعمت آخر کیوں ہوتا ہے۔ اس کی وجہ اگلی آیت میں فرمائی گئی کہ اَفَاَمِنْتُمْ اے کفارِ زمانہ طوفانوں سمندری لہروں اور پانی کے عذاب سے بچ کر کیا تم بے خطر بے خوف نڈر اور مطمئن ہو بیٹھے ہو کہ جس اللہ نے سمندر کے طوفان کو ہٹا کر تم کو بچا کر پار لگا کر تم پر رحم فرمایا اب خشکی میں اس ذاتِ قادر وقیوم سے منہ پھیر کر کفر وشرک میں بتلا ہو کر اُس کے عذاب سے بچ جاؤ گے! کیا تم نہیں جانتے کہ خشکی تری بحر وبر اس کے نزدیک برابر ہے چاہے تو خشکی میں زمین۔ وطن بلکہ گھر میں مع تمہارے ساز وسامان تم کو زمین کی جانب اسی جگہ دھنسا دے جیسے کہ قارون کو دھنسا دیا یا پتھر اڑانے اور برسانے والی آندھی بھیج کر تم کو پتھروں سے سنگسار کرکے دفنا دے جیسے کہ قومِ لوط کو کیا۔ پھر تم اپنے مندروں گرجوں گردواروں کنیسوں بُت خانوں میں کوئی بھی دیوی دیوتا۔ گائے پیپل بندر چوہا۔ راج مہاراج اپنے بچانے والا فتحے دار حمایتی۔ دوست ساتھی وکیل چیخ وپکار کے باوجود بھی نہ پاسکو۔ زمین پر مرہی نہ سہی۔ یہ سمندری سفر کوئی ایک دفعہ ہی تھوڑا ہے آئندہ بھی تو تم نے سمندری سفر کرنے میں

اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا۔ یا کیا مطمئن ہو چکے ہو تم کہ وہی اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب تمہاری تجارتی کاروباری ضروریات کے تحت تم کو پھر اُسی سمندر اور بحری سفر میں دوسری مرتبہ لوٹائے۔ تو کسی بھی موسم میں تم پر ہواؤں کا سخت طوفان کشتیاں جہاز توڑنے والا یا ٹوٹ ٹوٹ کر رُک رُک کر چلنے والا۔ سنبھلنے کا موقعہ نہ دینے والا بھیج دے تو وہ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ باری جَلَّ جَلَالُهٗ تم سب کو چند لمحوں میں وہیں غرق فرما دے تمہارے کُفر۔ ناشکری۔ بُت پرستی۔ شرک سرکشی کی سزا دنیوی کے سبب سے پھر لے کا فرو یہ بھی سوچ لو کہ اتنے ہزاروں بتوں کے پوجنے سفر و حضر کا علیحدہ خدا بنانے اور ہر موسم ہر رزق کا علیحدہ دیوی دیوتا سمجھنے کے باوجود اس سمندری طوفانی غرقابی کی شکل میں تم اپنے لیے ہمارے مقابل اس سزا کی باز پرس اور تحقیق و تفتیش کرنے والا بدلہ لینے والا یا حامی مددگار بھی نہ پا سکو۔ ان چیزوں کا اندازہ لگاؤ اور پھر بُت پرستی کی جرأت کرو۔ خیال رہے کہ دنیوی زندگی میں انسان کا تعلق دنیا سے فقط تین طرح سے۔

۱ زمین سے ۲ سمندر سے ۳ ہواؤں سے۔ لوگ سب سے زیادہ محفوظ جگہ اپنے لیے زمین کو سمجھتے ہیں۔ زندگی کا سہارا ہوا کو۔ اور سب سے خطرناک جگہ دریا سمندر کو پہلے بھی اور اب بھی اکثر و بیشتر سمندری سفر درپیش آتا ہی رہتا ہے اور طوفان بھی آتے ہی رہتے ہیں۔ وہی انسان جو زمین پر ہزار طرح کے ظلم کفر شرک گناہ اور بُت پرستیاں کرتا رہتا ہے اور ذرا بھی اپنے معبودِ حقیقی سچے اللہ جبار و قہار سے اور اس کے عذاب سے نہیں ڈرتا اپنے گھر بار وطن خاندان اور علاقۂ زمین پر اپنے آپ کو بہت محفوظ سمجھتا ہے جب دریاؤں سمندروں کا سفر کرتا ہے تو ایسا عاجز مسکین غمناک ڈرناک بن جاتا ہے کہ ہر لمحے اللہ کو یاد کرتا ہے پکارتا ہے اور یہی حال اکثر دیگر بیماریوں مصیبتوں جنگلوں اور زمین پر مبتلا ہوتے وقت ہو جاتا ہے کہ سب دیوی دیوتاؤں کو بھول کر اللہ کی یاد کرتا ہے اور فریادیں کرتا ہے کہ اوپر والے سُن لے مندروں کو چھوڑ کر آستانوں مزاروں پر حاضری دیتا ہے۔ اور جب مصیبت ٹل جاتی ہے تو وہی شرک کفر گناہ فسق غفلت بھول۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اے سمندر سے ڈرنے والو اللہ سے ڈرو اُس کے عذاب سے تم کو سوائے اُس کے اور کوئی نہیں بچا سکتا وہ چاہے تو زمین پر عاصف یعنی آندھی بھیج کر تم کو ہلاک کر دے چاہے تو خاسف بھیج کر تم کو زمین میں دھنسا دے چاہے تو حاصب یعنی پتھراؤ کر کے دبا دے چاہے تو پھر سمندر میں ہی پہنچا کر قاصف یعنی جہاز توڑ کر طوفان سے ڈبو دے اور پہلی نافرمان قوموں پر اس قسم کے عذاب آتے بھی رہے ہیں چنانچہ قومِ نوح کو قاصف سے

قومِ ثمود کو عاصف سے۔ قوم لوط کو حاصب سے قارون کو خاسف سے ہلاک کیا گیا۔ اور اس وقت کسی کافر کو کہیں سے بچا لینے والا وکیل و تبیع نہ مل سکا تو تم کو کہاں سے ملے گا۔ لہٰذا اے لوگو ہر حال میں ہر جگہ ہر وقت میں بس اُسی کے سچے عاجز مخلص مسلمان بنے رہو۔

فائدے

ان آیت مبارکہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ دنیا میں انسانوں پر مختلف وقتوں میں پانچ قسم کی تکلیفیں اور ہلاکتیں آتی رہیں گی خاص کر قریب قیامت ۱ حاصب ۲ عاصف ۳ قاصف ۴ غارق ۵ خاسف۔ مسلمانوں کو گناہوں کی کثرت سے اور کفار کو کثرتِ ظلم شرک کی بنا پر۔ یہ آیتیں مسلمانوں کے لیے بھی عبرت ہیں۔

دوسرا فائدہ۔ انسان کی تمام زندگی حضر ہو یا سفر بحری ہو یا بری۔ آبادی ہو یا جنگل۔ اپنوں میں رہائش ہو یا غیروں میں سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہو رہا ہے انسان کی تدابیر پروگرام منصوبے صرف ظاہری ہیں باطن میں سب قدرت کے شاہکار ہیں۔ اس لیے ہر وقت اس کی یاد میں رہنا مسلمان پر فرض و لازم ہے یہ فائدہ اَنْ یُّعِیْدَکُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی سچی شکر گزاری صرف نیک متقی مومن مسلمان ہونا ہے دامنِ مصطفیٰ میں آکر عملی زندگی گزارنے کا نام حیاتِ شکور ہے۔ اس سے ہٹ کر سب انسان کفورًا ہیں یہ فائدہ۔ وَکَانَ الْاِنْسَانُ کَفُوْرًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ کسی لفظ کسی بات یا کسی عمل سے وقتی طور پر کسی کو دھوکہ دینا کسی بھی مقصد کے لیے مسلمان پر حرام ہے اور کفار کا طریقہ خواہ سننے اور دیکھنے والے کو دھوکہ لگے نہ لگے مرتکب و متکلم گناہگار ہو جائے گا یہ مسئلہ وَاِذَا مَسَّکُمُ اور فَلَمَّا نَجّٰکُمْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کفار سمندر میں گھر کر صرف دھوکہ دہی کے لیے اللہ سے فریادیں کرتے ہیں دل میں اس وقت بھی ان کے بت ہی بھرے ہوتے ہیں۔ لہٰذا کالا خضاب لگانا حرام ہے کہ وہ بھی اپنی جوانی کا دھوکہ دینے کے لیے لگایا جاتا ہے۔ اور جس نے کالا خضاب لگایا ہو اس کے پیچھے نماز ہرگز جائز نہیں کیونکہ وہ فاسق ہے کچھ لوگ اس کے جواز کے قائل اُنکی تین دلیلیں ہیں اوّلاً یہ کہ امام حسن رضی اللہ عنہ و حسین رضی اللہ عنہ نے لگایا اُس کا جواب یہ ہے کہ صرف ایک دفعہ لگانا ثابت ہے وہ بھی میدانِ جنگ میں دشمن کفار کو جوانی دکھانے کے لیے اور یہ دھوکا جائز ہے دوم یہ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نیا نکاح کرنے کے لیے کالا خضاب لگا لینا چاہیے

اس کا جواب یہ ہے کہ حضرت عمر فاروق نے ایک دفعہ ازراہ مذاق ایک بوڑھے میاں سے فرمایا تھا جو نکاح کا ارادہ رکھتے تھے۔ کہ پھر تم کو کالا خضاب لگا لینا چاہیئے۔ سوم یہ کہ حضرت اعلیٰ پیر مہر علی شاہ صاحب جواز کے قائل تھے اس کا جواب یہ ہے کہ ان کی کسی تصنیف میں یہ جواز موجود نہیں ہے۔ ایک رسالہ مجالہ یا دو رسالہ جس کے مصنف مولانا محمد غازی گزرے ہیں وہ صفت پر کچھ کمزور سے قیاسی دلائل جواز میں پیش کرتے ہیں۔ اور اپنی اس کتاب و رسالہ کو مصدقہ حضرت پیر مہر علی شاہ علیہ الرحمۃ بتاتے ہیں مگر یہ کوئی جواز کی نسبت کرنے کا ثبوت نہیں ہے جب کہ ممانعت وحرمت میں استنباطی آیت کے علاوہ صاف صاف لفظوں میں بہت سی احادیث مبارکہ موجود ہیں۔

دوسرا مسئلہ۔ ہر وہ کام جو خدا تعالیٰ سے بندے کو دور۔ علیحدہ یا غافل کر دے وہ کفر یا گناہ ہے۔ لیکن جو کام خدا تعالیٰ کی یاد کو قائم کر دے وہ بالکل جائز ہیں۔ اس لیے کہ جب بندہ یہ نعرہ لگاتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی نسبت و نیت قلب میں راسخ ہوتی ہے یہاں تک کہ ہندؤں سکھوں کے دل میں بھی مزارات پر حاضری کے وقت یہی خیال ہوتا ہے کہ ہم اللہ والوں کے پاس حاضر ہیں میں نے خود بدایوں کی چھوٹی سرکار بڑی سرکار کے مزار شریف پر ہندوؤں آریوں کو گڑ گڑاتے دیکھا کہ ہے بزرگو تم بھگوان کے بندے ہو ہماری فریاد سنو وغیرہ وغیرہ یہ مسئلہ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِیَّاہُ۔ سے مستنبط ہوا کہ کافر بتوں کو خود معبود سمجھ کر پکارتا ہے اور مسلمان اولیاء اللہ کو بندہ سمجھ کر پکارتا ہے اس لیے مومن مسلمان کا یہ کام وسیلہ بن جاتا ہے اور وسیلہ جائز ہے آج کوئی حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ کہہ کر پکارے تو کافر ہوگا لیکن اللہ کا بندہ اور نبی سمجھ کر فریاد کرے تو بالکل جائز ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں تین چار قسم کے عذاب نازل فرمانے کا امکان مذکور ہوا مگر ایک آیت میں فرمایا گیا مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کسی پر عذاب نازل نہ فرمائے گا۔ ان دونوں آیت سے امکان کذب کا مسئلہ ثابت ہوتا ہے (دیوبندی وہابی)

جواب۔ اِن آیت میں عذاب کا ذکر نہیں ان مصیبتوں کی حالت و کیفیت ہونے کی صورت کے امکان کا تذکرہ ہے جو مسلمان پر بھی وارد ہو سکتی ہے اور کافر پر بھی۔ بہت سوں پر بھی اور ایک پر بھی اجتماعاً بھی انفراداً بھی اور ایسا اکثر ہوتا بھی رہتا ہے کئی کشتیاں جہاز ڈوب جاتے ہیں تو یہ ہلاکت عذاب الٰہی نہیں ہوتا۔ بِمَا كَفَرْتُمْ کا معنیٰ بھی یہ ہے کہ یہ کفر ناشکری یا دھوکہ دہی کے معنیٰ میں ہے۔ یا مطلب ہے کہ تمہارے کفر کی بنا پر اس آفت سے دوبارہ نہ بچایا جائے گا۔ اگر یہ دھنسانا ڈوبانا اور آندھی سے ہلاکت

عذابِ الٰہی ہوتا تو پہلے کیوں بچالیا گیا حالانکہ عقیدۃً اس وقت بھی کافر ہی تھے اگرچہ اللہ سے فریاد کر رہے تھے۔ اور مَاکَانَ اللّٰہُ (الخ) میں حسبِ سابق اجتماعی ہلاکتِ کفار والا عذاب مراد ہے۔ لہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہ رہا امکانِ کذب جیسا باطل اور شیطانی نظریہ وعقیدۂ کفریہ ثابت نہ ہوا۔

دوسرا اعتراض۔ کسی بھی حالت حیثیت میں اللہ کے سوا کسی کو یاد نہیں کرنا چاہیئے ہر وقت سفر وحضر میں بس اللہ کو ہی یاد کرنا چاہیئے یہ بریلوی لوگ جو یا رسول اللہ یا غوثِ اعظم کہتے پکارتے رہتے ہیں یہ سخت گناہ اور گمراہی ہے یہ آیت ان ہی لوگوں کے لیے اور اس کام کو برا فرمانے کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ (وہابی دیوبندی)

جواب۔ یہ بات سب سے بڑی غلطی اور جہالت کی ہے کہ بتوں کی آیت انبیاءِ کرام کے لیے اور کافروں کی آیت مسلمانوں کے لیے بنادینا یہ ان لوگوں کی پرانی عادت ہے۔ اگر یہ آیتیں بریلویوں کے لیے نازل ہوئی ہیں تو پھر ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ کرام بریلوی ہی تھے ورنہ بتایا جائے کون مسلمان ایسا تھا جو سمندری سفر میں تو خدا کو یاد کرتا اور خشکی پر یا گھروں وطنوں میں اَعْرَضْتُمْ کا مصداق ہوتا اور اللہ کو چھوڑ دیتا۔ یہ آیت صرف بتوں اور کفار کے لیے نازل ہوئی ہیں۔ صحابہ کرام تو سفر وحضر میں یا رسولَ اللہ کی فریادیں کیا کرتے تھے ان آیت کے نزول کے بعد بھی اُن کا یہی عمل رہا۔ کیا تم لوگ صحابہ کرام سے زیادہ قرآن کریم کو سمجھتے ہو۔؟

تفسیر صوفیانہ

وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فِي الْبَحْرِ ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ فَلَمَّا نَجّٰكُمْ اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا اے بحرِ گناہ کے طوفانوں سمندرِ ظلم کی لہروں میں پھنس جانے والے بدنصیبو ذرا سوچو کہ جب کبھی کلفتِ غم۔ مصیبتِ ناسوتی اور کثافتِ تجلی کی آفت تم کو پہنچی تو اُس پریشانی کی گھڑی میں سوائے پروردگار رحیم وکریم کے کس کا ذکر تمہارے دلوں کا چین بنا کس کے محبوب نبی کی نعت خوانی تمہاری تڑپتی روح کا سہارا ہوئی۔ اُس وقت سب عیش وعشرت حرص وہوس۔ لذت ودولت۔ رشتے داریاں برادریاں۔ راہ ورسم سب کچھ بھول گئے کچھ یاد نہ آیا کوئی مدد کو نہ پہنچا کسی بھی طرف سے اطمینان نہ ملا ہمارے ہی ذکر اور یاد نے تم کو ظلماتِ شیطانی کی غرقابی سے بچایا۔ پھر جب اُس قدرتِ ازلی نے تم کو گناہ کی دلدل سے بچا کر وادیٔ معرفت کی خشکی پر پہنچایا تو تم اے بے انصافی کرنے والو اپنے اُس رحیم کریم مولیٰ تعالیٰ سے منہ پھیر گئے۔ اور بیابانِ غفلت میں بھٹکنے والا انسان کتنا ناشکرا ہے۔ کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے کہ وہ قادر وقیوم انوارِ جلال کا رب تمہاری وادیٔ حیرت

میں ہی تم کو دبا دے اور تمہاری آرزو میں بھی تمہارے ساتھ دفن ہو جائیں یا کہ بھیجے تم پر قہر محرومی کے پتھر برسانے والی ایسی کالی آندھی کہ اپنے لیے کسی کو بھی راہِ ہدایت مشاہدات کا مرشد و محافظ نہ پا سکو۔ اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ یُّعِیْدَكُمْ فِیْهِ تَارَةً اُخْرٰى فَیُرْسِلَ عَلَیْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّیْحِ فَیُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَیْنَا بِهٖ تَبِیْعًا۔ اے کفر غفلت والو کیا تم اس بات سے بخوف ہو بیٹھے ہو کہ وہی جبار قہار تم کو پھر دوبارہ تم سے نعمت مراد چھین کر نامرادی کے سمندر میں لوٹا دے اور تم پر عقل دماغ ٹھکانے لگانے والی ہوا و خواہشات کا طوفان بھیج دے تو تم کو غفلت کے پانی میں تمہاری نفسانیت کی وجہ سے ڈبو دے اور تمہاری کوئی ظاہری باطنی قوت مقابلہ نہ کر سکے اور کوئی ہاتھ۔ خیرات تم کو نہ اٹھا سکے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہاتھ چار قسم کے ہیں۔

۱ اللہ کا ہاتھ عطا کا ہے ۲ تقسیم کا ہاتھ مصطفیٰ کا ہے ۳ دینے والا ہاتھ اہل اللہ کا ہے ۴ لینے والا ہاتھ اہلِ ہوس کا ہے محنت اور شوق مومن کے بازو ہیں اپنی ہستی کو قائم رکھنے کے لیے جد و جہد کرنا فرض ہے عقل و صبر دو پیر ہیں۔ تقدیر روح ہے۔ انسان کی پانچ عادتیں ہیں۔

۱ کھانے کی لت یہ حیوانیت ہے۔ ۲ فیشن کی لت یہ نسوانیت ہے ۳ کھیل کی لت یہ طفلیت ہے ۴ غفلت کی لت یہ مردیت ہے کہ مردہ غافل ہی ہوتا ہے ۵ عبادت کی لت یہ صوفیت ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی

اور البتہ بیشک ابدی عزت والا بنایا ہم نے بنی آدم کو اور بحفاظت غالب کیا ہم نے ان کو

اور بیشک ہم نے اولاد آدم کو عزت دی اور ان کو خشکی و تری

الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ

روئے زمین اور سمندر پر - اور ہر طرح برتنے کو پاک رزق دیئے ہم نے

میں سوار کیا اور ان کو ستھری چیزیں روزی دیں

وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا

اور جسمانی خوبصورتی و کمال سے فضیلت دی ہم نے اس تمام مخلوق پر جس کو پیدا کیا ہم نے

اور ان کو اپنی بہت مخلوق سے افضل

تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ ع يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ

مکمل فضیلت دینا۔ لہٰذا یاد کرو اس دن کو جب بلائیں گے ہم ہر انسان کو

کیا ۔ جس دن ہم ہر جماعت کو اس کے امام کے ساتھ

بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ

اس کے پیشوا کے ساتھ پھر جو اپنا اعمالنامہ سیدھے ہاتھ میں دیئے جائیں گے

بلائیں گے تو جو اپنا نامہ داہنیں ہاتھ میں دیا گیا

فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ

وہ تو اپنی تحریر کو خوب خوب پڑھیں گے اور ذرہ بھر ظلم نہ

یہ لوگ اپنا نامہ پڑھیں گے اور تاگے بھر ان کا حق نہ دبایا

فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ

کئے جائیں گے ۔ اور جو اس دنیا میں اندھا رہا تو وہ

جائے گا ۔ اور جو اس زندگی میں اندھا ہوا وہ

فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا ﴿۷۲﴾

آخرت میں بھی سخت اندھا اور بہت گمراہی کے راستے میں رہے گا

آخرت میں اندھا ہے اور بھی زیادہ گمراہ

تعلق

اِن آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیت میں انسان کی سفری حضری حالات کا ذکر ہوا اچھی بھی بُری بھی اور رب تعالیٰ کی قدرتوں کریمیوں کا تذکرہ تھا۔ اَب اِن آیتوں میں اُن کرم نوازیوں کی وجہ اور انعاماتِ کثیرہ کا خلاصہ بیان ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق پچھلی آیت میں انسانوں پر کچھ بحری بری نجات و انعامات کا ذکر ہوا تھا اب اِن آیات میں کچھ کرامات کا ذکر ہو رہا ہے جو بصورتِ نفسیت ہے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں کفار کے اُن پیشواؤں رہنماؤں کا ذکر ہوا جن کو وہ اپنا معبود سمجھتے تھے مگر مصیبت کے وقت انکو بھول جاتے تھے اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت میں ہر انسان کو اُس کے جھوٹے سچے پیشوا کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ اور حساب کے لیے بلایا جائے گا۔

شانِ نزول - قبیلہ بنی ثقیف کا ایک وفد بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ اگر آپ ہماری چار باتیں مان لیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے ورنہ نہیں ایک یہ کہ نماز میں سجدہ رکوع ختم دوم یہ کہ ہم اپنے بتوں کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں گے سوم یہ کہ مسلمان ہونے کے بعد ایک سال تک ہم اپنے بتوں کے چڑھاوے کھالیں۔ یہ وعدہ ہے کہ خود کچھ نہ چڑھائیں گے۔ چہارم یہ کہ ہمیں آپ کوئی بہت بڑا اعزاز دیں تاکہ ہم دوسری قوموں پر فخر کرسکیں اور دوسرے اہل عرب شکایت کریں تو آپ اُن سے یہ کہیں کہ رب کا حکم اسی طرح ہے۔ یہ باتیں سن کر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غصہ آیا اور فرمایا وہ نمازیں عبادتیں ہی نہیں جن میں رکوع سجدہ نہ ہو اور بتوں کو نہ توڑنا تمہاری مرضی پر ہے وہ تو ہم خود بھی توڑ سکتے ہیں لیکن بتوں کے چڑھاوے جاری رکھنا اور اُن کو کھانا حرام ہے۔ ابھی آپ نے چوتھی بات کا جواب نہ دیا تھا کہ یہ پانچ آیتیں نازل ہوئیں۔ از آیت ۷۰ تا ۷۵ (از کتاب اسباب النزول امام سیوطیؒ)

تفسیر نحوی

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ واؤ سر جملہ لام کے تاکیدیہ یا قسمیہ کرمنا باب تفعیل کا ماضی معلق صیغہ جمع متکلم اِس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے مادہ کرمٌ ہے اور مصدر تکریمٌ ہے بمعنیٰ عزت دینا۔ قابلِ عزت بنانا۔ بنی جمع مذکر سالم ہے دراصل ہے بنین آخری نونِ جمع اضافت کی وجہ سے گر گئی اس کا واحد ہے اِبنٌ۔ ابنٌ اول کی ہمزہ عارضی ہے صرف ثلاثی بنانے کے لیے۔ آدم۔ یہ نام ہے دنیا

کے پہلے انسان نبی علیہ السلام کا یہ لفظ عربی ہے اَدَمٌ سے مشتق ہے اسم تفضیل ہے بمعنیٰ مٹی والا۔ مٹی کے رنگ والا۔ بنی آدم کا ترجمہ ہوا آدم کے بیٹے۔ مفعول بہ ہے کَرَّمْنَا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ حَمَلْنَا باب ضَرَبَ ماضی مطلق جمع متکلم فعل با فاعل ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ ہے حَمْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لادنا۔ اٹھانا بوجھ بنانا سوار کرانا فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے۔ الف لام جنسی۔ بَرٌّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ خشکی جنگل۔ چٹیل میدان سطح زمین بحر کا مقابل یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے واؤ عاطفہ الف لام جنسی۔ بحر اسم مفرد جامد بمعنیٰ سمندر یہ سب عبارت عطف مجرور اور متعلق ہے حَمَلْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ رَزَقْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ۔ ھُمْ مفعول بہ۔ مِنْ تبعیضیہ یا بیانیہ ہے۔ الف لام استغراقی طَیِّبٰت جمع مؤنث سالم ہے طَیِّبٌ بمعنیٰ پاکیزہ حلال۔ جار مجرور متعلق ہے رَزَقْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ فَضَّلْنَا موصولہ خَلَقْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق فاعل اللہ تعالیٰ۔ خَلْقٌ سے بنا ہے معنیٰ پیدا کرنا ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے فَضَّلْنَا کا۔ تَفْضِیْلًا باب تفعیل کا مصدر ہے۔ بحالت نصب ہے کیونکہ معلق ہے فَضَّلْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مکمل ہوا۔ یوم اسم ظرف زمانی۔ بمعنیٰ دن۔ وقت۔ زمانہ۔ پہلا معنیٰ حقیقی یعنی لغوی ہے۔ دوسرے دو معنیٰ مجازی ہیں بحالت فتحہ ہے کیونکہ ظرف مقدم ہے۔ نَدْعُوْا۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم دَعْوٌ سے بنا ہے مستقبل ہے بمعنیٰ بلانا۔ پکارنا۔ کُلَّ اسم تاکیدی موجبہ کلیہ کے لیے ہے مضاف ہے۔ اُنَاسٍ جمع مکسر ہے اس کا واحد نَاسٌ ہے یا اِنْسٌ بمعنیٰ آدمی انسان مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے نَدْعُوْا کا۔ بِ جارہ بمعنیٰ مَعَ (ساتھ) اِمَامٌ اسم مصدر ہے۔ بروزن فِعَالٌ۔ اَمٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے یہاں اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی چاہا ہوا۔ ارادہ کیا ہوا۔ مانا ہوا۔ جس کی اقتدا کی جائے۔ ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرجع ہے۔ بنی آدم۔ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے نَدْعُوْا کا فعل اپنے فاعل۔ ظرف مقدم اور مفعول بہ۔ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ استقبالیہ ہوکر مکمل ہوا۔ فَمَنْ اُوْتِیَ کِتَابَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۔ فَ تعقیبیہ درمیان کلام کے لیے مَنْ موصولہ اُوْتِیَ باب افعال کا ماضی مطلق مجہول اِیْتَاءٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ بمعنیٰ دینا۔ ھُوَ ضمیر مستتر نائب فاعل جس کا مرجع مَنْ ہے۔ کتاب صفت مشبہ بروزن فِعَالٌ بمعنیٰ مکتوب اسم مفعول ترجمہ ہے لکھا ہوا مراد ہے اعمال نامہ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع مَنْ ہے یہ ضمیر نفسی کہلاتی ہے یعنی اپنا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اُوْتِیَ کا۔ بِ جارہ بمعنیٰ فِیْ۔ یَمِیْنٌ اسم مفرد مشتق صفت مشبہ

بروزنِ فعیل کریم یُمنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ طاقت والا - برکت والا ہونا یہاں اسم جامد ہے نام ہے داہنے اور سیدھے ہاتھ کا - مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر نفسی مضاف الیہ مرجع ہے مَنْ - ترجمہ ہے اپنے سیدھے ہاتھ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے اُوْتِیَ سب مل کر جملہ ہوکر مَنْ کا صلہ ہوکر شرط ہوا - ف جزائیہ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ جمع ہے - یہ مبتدا ہے اس کا مشارالیہ مَنْ سابقہ عمومی جمع ہے یَقْرَءُوْنَ - باب فَتَحَ کا فعل مضارع مستقبل معروف صیغہ جمع مذکر - قرءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پڑھنا حفظاً یا دیکھ کر یہاں پڑھنا مراد ہے ھُمْ ضمیر جمع اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے کتابھُمْ مرکب اضافی اس کا مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا واؤ حرفِ عطف - لَا یُظْلَمُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع مجہول مستقبل جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر مستتر نائب فاعل اس کا مرجع اولٰئِكَ ہے - فَتِیْلًا - بروزنِ فعیلًا اسم مشتق ہے مشتق ہے مبالغے کے لیے - خیال رہے کہ مشتق اسم میں زیادتی کا معنیٰ پیدا کرنا مبالغہ ہے - یہ فَتْلٌ سے مشتق ہے چھوٹا ہونا - حقیر ہونا - تھوڑا ہونا - یہاں مراد ہے تھوڑا ہونا - لغوی معنیٰ کی نسبت سے دھاگے اور ڈورے کو فتیلہ کہا جاتا ہے - چراغ کی بتی اور کھجور کی گٹھلی کے دھاگے کو بھی فتیل کہا جاتا ہے - بحالت نصب ہے یا اس لیے کہ مفعول بہ ہے لَا یُظْلَمُوْنَ کا یا تمیز ہے ظلم کی یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا یَقْرَءُوْنَ کے مکمل جملے کا - سب عطف جزا ہوئی - شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا - وَمَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی وَاَضَلُّ سَبِیْلًا - واؤ استینافیہ مَنْ موصولہ شرطیہ کَانَ فعل ماضی مطلق تامہ - صحیح یہ ہے کہ ناقصہ ہے ھُوَ پوشیدہ ضمیر اسم ہے اس کا مرجع مَنْ ہے - فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ هٰذِهٖ - قریبی اسم اشارہ - دو لفظوں سے مجرور کر متصلہ بسیط ہے - ۱ ھَا - حرفِ تنبیہ ۲ ذِهٖ اسم اشارہ - ھَا - نے قربت پیدا کی اس کا مشارالیہ مخفی ذہنی ہے - یعنی یہ دنیوی زندگی یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ کا اَعْمٰی عَمًی سے بنا ہے اسم تفضیل مذکر ہے بمعنیٰ پورا اندھا اسم مقصور ہے لہٰذا تقدیری اعراب فتحہ ہے - کَانَ کی خبر ہے - کَانَ اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر شرط ہوئی - فَ جزائیہ - ھُوَ - ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع ہے مَنْ موصولہ - فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ - الف لام عہدی - آخرۃِ اسم مشتق مگر جامد ہے مراد قیامت خیال رہے کہ جب کسی مشتق کو کسی مخصوص چیز کا نام رکھ دیا جائے تو وہ جامد بن جاتا ہے - یعنی میدانِ قیامت یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ پوشیدہ کا اَعْمٰی - اسی پوشیدہ کَانَ کی خبر ہے - یہ کَانَ کی خبر ہے - یہ کَانَ اپنے اسم ھُوَ ضمیر اور متعلق وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر معطوف علیہ واؤ حرفِ عطف اَضَلُّ اسم تفضیل - ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے دراصل تھا ضَلَلٌ اور اَضْلَلُ - بہت معنیٰ میں مشترک ہے - یہ تمیز ہے سَبِیْلًا - بروزنِ فعیل مبالغے کا صیغہ ہے سُبُلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت کھلا اور ٹیڑھا میڑھا راستہ - تمیز ہے

اس لیے منصوب ہے۔ یہ ممیز تمیز مل کر معطوف ہوا اعمیٰ پر سب عطف مل کر مبتدا کی خبر ہوئی جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا یَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ۔ اور اے توحید و نبوت کے منکر کافرو ہمارے اس دائمی احسان عظیم کو یاد کرو کہ البتہ بیشک ہم نے بلا امتیاز تمام اولادِ آدم کو اپنی بارگاہِ صمدیت کے لائق بن جانے کی توفیق اور سہولتیں دے کر دینی ایمانی لحاظ سے بہت ہی کثیر کرم کیا اور کائنات میں سب مخلوقِ زمینی و آسمانی سے زیادہ مکرّم اور عزت دار بنایا۔ اس طرح کہ ابتدائی ۱ تخلیق میں ۲ جسمانی تفضیل میں۔ ۳ روحانی تعلیم میں۔ ۴ مدارجِ دنیا کی تشریف میں۔ اور اعمالِ صالحہ کے ذریعہ قبر حشر قیامت کی تکریم میں اولادِ آدم علیہ السّلام کو سب سے زیادہ اعلیٰ وارفع بنایا۔ یہ پانچوں انعامات کسی مخلوق میں سے سوائے انسان کے کسی کو نہ ملے محققین فرماتے ہیں کہ دینی اعتبار سے بنی آدم کو تکریم والا اور مکرّم بنایا ہے کہ کائنات میں فقط انسان کو رب تعالیٰ نے خاص اپنے دستِ قدرت سے بنایا اور خَلَقْتُ بِیَدَیَّ کا لباس عظمت پہنایا۔ دوسری تمام مخلوق کو کُنْ کہہ کر پیدا فرمایا اور کُنْ فَیَكُوْنُ کا نغمہ سنایا ۲ نبوت سے ابتدا فرمائی کہ حضرتِ آدم کو ہمارا جدِ امجد منتخب فرمایا ۳ انسانوں میں اپنے خاص ذی قوت واختیار بندے انبیاءِ کرام مبعوث فرمائے ۴ اپنے محبوب کو بنی آدم میں ہی مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے مبعوث فرمایا ۵ پھر کسی کو صفی نجی و خلیل و ذبیح و کلیم و مسیح بنایا اور کسی کو ولی غوث و قطب ابدال اوتاد بنایا ۶ اپنا کلام صحائف تورات و زبور انجیل و قرآن مجید عطا فرمایا ۸ حج و زکوٰۃ و زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم کی دولتیں ۹ اور شریعت طریقت معرفت حقیقت روحانیت ایمانیت کے خزانے جمع فرمائے ۱۰ تقویٰ طہارت پاکیزگی صدقہ و خیرات کے اعمالِ صالحہ بتائے ۱۱ عشق و محبت مراقبہ مشاہدہ کی لذتیں عطا فرمائیں ۱۲ قبر حشر پلصراط جنت و دیدارِ نورانی کی نعمتیں فرمائیں۔ ۱۳ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا کا مقام عطا فرمایا ۱۴ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ کا انعام عطا فرمایا ۱۵ دنیا میں سعادت کا راستہ دکھایا ۱۶ آخرت میں عظمت کا تاج پہنایا اسی لیے وَلَقَدْ كَرَّمْنَا فرمایا۔ اور دنیا کے اعتبار سے انسان کو صاحبِ تشریف اور اشرف المخلوقات بنایا۔ کہ فرمایا وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ اور ہم نے ہی تمام انسانوں کو بلا استحقاق تمام زمینوں ہواؤں خشک و تر موسموں بہار و خزاں کے زمانوں سفر و حضر کے دنوں میں اور دریاؤں سمندروں کے طوفانوں۔ سکونوں لہروں بحروں میں ہر طرح کا غلبہ عطا فرمایا تاکہ ہاتھی اونٹ گھوڑے خچر پر سواری کر سکے سونا چاندی

ہیرے جواہرات - تیل و پٹرول پر مالداری کر سکے پرندوں چرندوں اور جنگلی درندوں کیڑے مکوڑوں پر قابو و قوت پا سکے - اور کشتی جہاز آبدوزوں سے سیر و سفر کا لطف اٹھا سکے وَرَزَقْنٰهُمْ - اور ہم نے ہی انسان کو زمین و آسمان بحر و بر کے ہر گوشے سے اچھے سے اچھا ہر قسم کا مزے اور لذت کا ہر قسم کے فائدے اور صحت و شفا کا رزق عطا فرمایا کہ کچھ بنا کر کھائے کچھ پکا کر کھائے کچھ کچا ہی رگڑ جائے - کچھ کھانے کچھ برتنے اور کچھ زینت و خوبصورتی اور سجانے کے لیے - اتنے وسیع انعامات کسی اور مخلوق کو نہیں ملے - فرشتے تو کھاتے ہی کچھ نہیں - جنات کھانے میں معمولی چیزیں ہڈیاں کو لے غلیظ و گندی اشیا استعمال میں لائیں - نباتات صرف پانی اور کھاد کی قوت پائیں حیوانات میں بعض صرف گوشت دخون - بعض صرف گھاس پھوس سبزیاں کھا سکتے ہیں پرندے دانے کھاتے ہیں مگر انسان گوشت خور بھی ہے سبزی خور بھی دانہ خور بھی - غرض کہ انسان ہی وہ مخلوق ہے کہ کائنات کے سارے رزق اس کے لیے ہیں - اور پھر ہر لذت میں اپنی پسند بنا لیتا ہے میٹھا ہو یا پھیکا کڑوا ہو یا کسیلا - نمکین ہو یا مرچوں والا - بکسا ہو کھٹا - اور پھر ہر حالت میں کھا لیتا ہے - گرم ہو یا ٹھنڈا - برف ہو یا اُبلتا - ہر چیز ہر مزہ ہر کیفیت ہر حالت ہر طریقہ انسان کے لیے مِنَ الطَّیِّبٰتِ ہے تمباکو سے لے کر پان تک نسوار سے لے کر چونے کتھے تک گھاس پات سے سبزی چھلکوں تک دانوں بیجوں سے جڑوں بوٹیوں تک کونسی چیز ہے جو انسان نے چھوڑی ہے - پاک ہے پروردگار جس نے اپنے بندوں کو رزق بھی عطا فرمایا اور کھانے کی قوت و طاقت ہمت و طریقہ سلیقہ بھی عطا فرمایا وَفَضَّلْنٰهُمْ - اور ہم نے ہی بنی آدم کو دنیا میں اپنی تمام مخلوق پر فضیلت دی - ایسی افضیلت جو بدنی جسمانی عقلی قلبی فکری فطری ہر اعتبار سے تفضیلاً یعنی جامع مانع اَحْسَن و اَکمل ہے موجوداتِ عالم میں چار قسم کی اشیاء کے نام ہیں -

۱ ازلی ابدی قدیم یہ شانِ یکتائی - وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ اِلٰهُ الْعٰلَمِيْنَ کی ہے ۲ لا ازلی ولا ابدی جیسے زمین آسمان چاند سورج ستارے اور زمینی چیزیں حیوانات وغیرہ ۳ ازلی ہو ابدی نہ ہو یہ محال و نا ممکن ہے صرف نام ہی ہے ۴ ازلی نہیں - ابدی ہے - یہ انسان کی صفت و شان - اسی بنا پر تمام زمینی مخلوق پر اس کو فضیلت ہے فضیلتِ انسانی کی دو قسمیں ہیں -

۱ نفسِ انسانی کی فضیلت اور ۲ بدنِ انسانی کی فضیلت - فضیلتِ نفسی کا نام تشریف اور اشرافیت ہے اسی فضیلت کی وجہ سے انسان اشرفُ المخلوقات ہوا یہ فضیلت سوائے انسان کے کسی کو نہ ملی نہ جمادات نباتات فلکیات کو نہ فرشتوں جنوں حیوانات کو اس فضیلت کی دو نوعیتیں ہیں ایک باطنی ایک ظاہری - باطنی کی ابتدا عقل سے ہوتی ہے - کہ دماغِ انسانی سے عقل - عقل سے فکر - فکر سے تدبّر - تدبّر سے نطق - نطق

سے علم۔ علم سے فہم۔ فہم سے فراست۔ فراست سے صنعت سے مدارج کہ کوئی علوم شریعت سے عالم فاضل مجتہد محدث مفکر مفسر بن گیا کوئی علوم روحانی سے غوث و قطب ابدال واوتاد بن گیا۔ کوئی علوم دنیوی سے عقلیاتِ دنیا کا ماہر ڈاکٹر حکیم فلاسفر منطقی فلسفی تجربہ کار سائنسدان بن گیا پھر کسی کو نبوت رسالت مرسلیت عطا ہوئی کسی کو وَلِیٌّ مِّنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰہِ۔ بنادیا گیا۔ انسان کے سوا نہ کسی کو یہ باطنی عقل وعلم کے جوہر ملے نہ ظاہری بادشاہت وزارت امارت ملی۔ حیاتِ دنیوی کے تمام ظاہری مرتبے عہدے یہ ظاہری فضیلت ہے۔ یہ تمام فضیلتیں نفسِ انسانی کو ملیں جن کی وجہ سے بنی آدم تمام نفوسِ عالمین میں اَشرف و اَعلیٰ ہوگیا۔ اسی طرح بدنِ انسانی پر بھی اللہ تعالیٰ کی بیشمار فضیلتیں وارد ہیں۔ انسان کو چھ قوتیں خصوصی شانِ امتیازی سے عطا فرمائی گئیں۔

۱ قوتِ تولید ۲ قوت ماقلہ مدرکہ ۳ قوتِ حرکت ۴ قوت حساسیت ۵ نشوونما۔ ۶ قوتِ اغتذا یعنی غذا بنانا تیار کرنا۔ جسمِ انسانی بھی عجیب حُسن وکمال مرقع ہے۔ اعضا ایسے نفیس کہ دوسری مخلوق جنات وغیرہ بھی اس پر عاشق ہوجاتے ہیں۔ سر سے پاؤں تک ہر عضو بے مثل ہے ہر ایک کا حسن تناسب تَعَامُل قوت وطاقت علیحدہ اور انوکھی نرالی ہے۔ پورا سر عظیم خزانوں سے بھرا ہوا ہے عقل۔ ذہن دماغ۔ سماعت بصارت گویائی قوتِ حافظہ۔ زبان کی شیریں بیانی تکلم ترنم۔ پھر چہرے کا حسن۔ ہاتھ بھی قدرت کا عجیب شاہکار ہیں حضرت حکیم الامت فرماتے تھے کہ انسانی ہاتھ اور اُس کی بناوٹ حیران کن عطیۂ ربِ کریم ہے۔ کہ یہی ہاتھ پنکھا بھی ہے چمٹا بھی۔ ہتھوڑا بھی۔ زنبور بھی۔ قلم بھی۔ چاقو چھری اور قینچی بھی خنجر بھی بھالا بھی۔ چھانواں اور کھڑ کھنا بھی۔ جھاڑو بھی۔ کرین بھی۔ کنگھی بھی۔ گدی بھی اور دوسروں کو بچوں بیماروں کو اٹھا کر لے جانے والی سواری بھی۔ چمچہ اور کفگیر بھی پانی کا پیالہ بھی کہ سب جانور منہ لگا کر کھائیں پئیں مگر بنی آدم ہاتھ سے کھائے پیئے تاکہ یہ سر صرف اللہ کے سجدوں میں جھکے اس کے سوا کسی کے لیے نیچا نہ ہو یہ غذا تک نہ گرے غذا اُس تک پہنچے۔ اسی لیے ہاتھوں کے بغیر منہ لگا کر پانی وغیرہ پینا مکروہ ہے۔ یہ جانوروں کی خصلت ہے جانور کی ہر عادت سے انسان کو بچا کر فضیلت دی گئی۔ اس کے علاوہ ہر چیز میں حُسن رکھا گیا ہے مرد کی داڑھی حُسن ہے اور عورت کے دراز بالوں میں حسن درازیٔ قد میں حسن ہے صرف چِٹّے رنگ میں ہی حُسن نہیں نقش ونگار میں بھی حُسن ہے۔ بنی آدم کو یہ سب فضیلتیں ظاہری باطنی خوبیاں ہم نے ہی عطا کی ہیں اب ان کو جہنم کی ابدی آگ سے بچانا اے آدمیو تمہارا کام ہے اور اس کے لیے یاد رکھو اُس دن کو جب بلائیں گے ہم ہر انسان کو اپنی بارگاہ میں دنیوی اعمال کے حساب وکتاب کے لیے اُس کے پیشوا اور مقتدا۔ قائد کے نام سے یا اُس کے ساتھ کہ وہ دنیا میں

پیشوا رہنما بننے والا بھی ساتھ ہی ہوگا۔ خواہ کافر ہو یا مومن مرشد ہو یا گمراہ نیک ہو یا بد۔ امام کے بارے میں مفسرین کرام کے سات اقوال ہیں ایک یہ کہ امام سے وہ شخص مراد ہے جس کے پیچھے لوگ چلے۔ دوم یہ کہ انبیاء کرام مراد ہیں۔ سوم یہ کہ وہ مذہبی کتاب مراد ہے جس کو دنیا میں مانا۔ چہارم یہ کہ عقیدۂ قلبی مراد ہے پنجم یہ کہ اعمال مراد ہیں چھٹا قول یہ کہ امام سے مراد اُمّ ہے یعنی والدہ کے نام سے پکارا جائے گا۔ مثلاً حضرت فاطمہ زہرا کی اولاد۔ وغیرہ وغیرہ ہفتم یہ کہ اخلاق و عادات مراد ہیں مثلاً اے شہید و۔ اے سخیو۔ اے کنجوسو۔ اے عادلو وغیرہ۔ اور اس بلائے جانے سے پہلے فَمَنْ اُوْتِیَ كِتٰبَهٗ بِیَمِیْنِهٖ فَاُولٰٓىٕكَ یَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَ لَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا۔ وَمَنْ كَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔

پس جو آدمی اپنا نامۂ اعمال اپنے سیدھے ہاتھ میں دیئے گئے یا اللہ کی طرف سے حکم آیا یا ملائکہ نے کہا کہ اس کو سیدھے ہاتھ میں پکڑ دیا خود بخود سیدھی طرف سے اس ہاتھ میں آگیا۔ روایات و اقوال میں مذکور ہے کہ کوئی شخص ہاتھوں کو تبدیلی کرنے پر قادر نہ ہوسکے گا جس ہاتھ میں ابتداءً آگیا بس سارا وقت اسی میں رہے گا۔ تو یہ خوش قسمت لوگ خوش ہو ہو کر اپنے اعمالنامے کو زور زور سے پڑھیں گے تاکہ دوسرے لوگ بھی سن لیں اور میدانِ محشر میں کوئی بھی اچھے یا برے کسی قسم کے لوگ معمولی دھاگے کے برابر بھی اعمال میں اور اس کی جزا میں کمی زیادتی سے ظلم نہ کئے جائیں گے یعنی نہ اعمال میں الٹ پھیر ہوگا کہ کسی کی گناہ نیکیاں کسی دوسرے کی کتاب میں ڈال دیئے جائیں نہ ثواب و سزا میں ہیرا پھیری ہوسکے گی۔ اور جو بد قسمت اس حیاتِ دنیا میں۔ ضد۔ جہالت ہٹ دھرمی۔ تعصب سے ہوش گوش عقل ضمیر دل دماغ کا اندھا بنا رہا حالانکہ اس کو بینائی کی آنکھیں روشن عقل زندہ ضمیر جاگتا دل سمجھتا دماغ دیا گیا ہے تو ایسا ناکارۂ خلائق واقعی قیامت میں آنکھوں کا اندھا ہوگا اور چیخے چلاّ ئیگا روئے پیٹے گا کہ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا اے اللہ دنیا میں تو درست آنکھوں سے دیکھنے والا تھا میں محشر میں کیوں مجھ کو اندھا کردیا تو نے۔ اور یہ ایسا اندھا پا ہوگا کہ اَضَلُّ سَبِیْلًا۔ ہر راستے میں بہت سخت بھٹکنے والا۔ دنیا کا اندھا تو پھر کچھ لکڑی لاٹھی کے سہارے عقل و شعور سے کام لے کر کسی نہ کسی طرح اپنی منزل پر پہنچ جاتا ہے۔ مگر محشر کا اندھا گرتا پڑتا اور بھٹکتا ہی پھرے گا۔ کیونکہ وہاں کفار کی عقل و شعور نہ ہوگی نہ کوئی لکڑی لاٹھی کا سہارا اور غضب کی بھیڑ اور سب ہی اندھے اندھا دھند دھکم پیل ہوگی۔ بعض نے کہا کہ یہ آنکھوں کا اندھا پن نہ ہوگا بلکہ سخت اندھیرے کا اندھا پن ہوگا جو بعد میں ختم ہو جائے گا اور نامۂ اعمال پڑھ سکے گا اور شرمندگی سے چھپائے گا۔ ایک قول ہے کہ وہاں محرومی کا اندھا ہوگا کہ اس کو انوار و انعامات و دیدارِ الٰہی سے دور رکھا جائے گا۔ مگر پہلا قول صحیح ہے رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْۤ سے ثابت ہے۔ آنکھوں

کا ہی اندھا ہوگا اگرچہ بعد میں قدرتِ الٰہی سے ٹھیک ہو جائے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو تمام کائناتِ مخلوقات پر افضل کرنے کے لیے بارہ نعمتوں سے نوازا۔

ع ۱ اپنے محبوب نبی محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی آدم میں مبعوث فرمایا ع ۲ ابوالبشر حضرتِ آدم کو اپنے ہاتھ سے پیدا فرمایا ع ۳ معاش و معاد یعنی دنیا و آخرت کے حاصل کرنے کی تدبیر تعلیم فرمائی۔ ع ۴ چہرہ اور اس کا حسن عطا فرمایا ع ۵ مردوں کو داڑھی عورت کو زلفیں عطا کیں ع ۶ اپنے سے غیر پر مسلط ہونے سلطنت اور حکومت کرنے کا طریقہ سکھایا یعنی بادشاہ وزیر حاکم بننے کا سلیقہ سکھایا۔ ع ۷ عقل کی دولت ملی ع ۸ خوبصورت قد کی لمبائی ملی ع ۹ کھانے کی لذتیں ملیں ع ۱۰ ہاتھ سے کھانے کی قوت ملی ع ۱۱ بات چیت کر کے اپنا مدعٰی بیان کرنے کا آداب سکھایا گیا ع ۱۲ نبوت اور کلامِ الٰہی کے ذریعے ہر طرح کا علم و ہدایت ملی ۔ یہ فائدہ ان آیت میں چار باتیں ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔

ع ۱ كَرَّمْنَا ع ۲ حَمَلْنَا ع ۳ وَرَزَقْنَا ع ۴ فَضَّلْنَا ۔

دوسرا فائدہ ۔ دنیا میں ضرور ضرور کسی ولی اللہ کی بیعت کر لینی چاہیے تاکہ قیامت میں اس ولی اللہ کی جماعت میں اس مرید کو اٹھایا جائے ۔ حدیث پاک میں آتا ہے جو شخص بغیر بیعت کے فوت ہو گیا وہ جاہلیت یعنی شیطان کی موت مرا۔ (از مشکوٰۃ شریف ص ۳۲۰ باب الامارت فصل ثانی) اس سے بھی ثابت ہوا کہ بغیر مرشد والا شخص شیطان کے ساتھ بلایا جائے ۔ یہ فائدہ يَوْمَ نَدْعُوْا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ قیامت میں کوئی شخص بے پڑھا نہ ہو گا ۔ اور ہر شخص کی زبان عربی ہو گی اگرچہ دنیا میں ان پڑھ ہو ۔ بلکہ قبر میں ہی زبان عربی ہو جاتی ہے ۔ خواہ مومن ہو یا کافر ۔ یہ فائدہ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند مسائلِ فقہ مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ زمین یا نہر دریا ہینڈ پمپ ٹوٹیں ٹیوب ویل کی نالی سے منہ لگا کر پانی پینا مکروہ تحریمی ہے اسی طرح زمین سے منہ لگا کر کھانا بھی گناہ ہے کیونکہ یہ جانوروں حیوانوں کا طریقہ ہے اور جانوروں کا کوئی طریقہ اختیار کرنا مسلمان اور انسان کو نا جائز ہے لہٰذا کھڑے ہو کر کھانا پینا ۔ یا جانوروں کی طرح کھڑے کھڑے پیشاب کرنا بھی بلا مجبوری حرام شرعی ہے یہ مسائل فَضَّلْنٰهُمْ (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوئے ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جانوروں پر فضیلت دی ہے لہٰذا اس کی خلاف ورزی

حرام ہے۔ اور منہ سے زمین پر سے کچھ کھانا پینا یا کھڑے کھڑے یہ سب جانوروں کے طریقے ہیں۔

دوسرا مسئلہ ۔ مرد کو داڑھی اور عورت کو بال کٹانے یا منڈانے حرام ہیں۔ یہ مسئلہ بھی کَرَّمْنَا (الخ) اور فَضَّلْنَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ خوبصورتی سے بھی انسان کو نضیلت دی گئی اور داڑھی بطریقہ سنت اور عورت کی زلفیں لمبے بال یہ خوبصورتی و زینت ہے۔

تیسرا مسئلہ ۔ بحیثیت انسانیت تمام بنی آدم تمام مخلوق سے اشرف ہیں جن حیوان فرشتوں سے لیکن بحیثیت اعمال بہت سے انسان جانوروں سے بھی بدتر ہیں جیسے کفار اور بدکار فساق۔ و بدعقیدہ لوگ۔ اور بحیثیت قرب الٰہی و مدارج انبیاء کرام تمام مخلوق سے افضل و مکرم و مقرب ہیں۔ اولیاء اخص الخاص چار فرشتوں کے سوا باقی تمام فرشتوں سے افضل ہیں عام نیک مسلمان عام ملٰئکہ سے افضل۔ یہ مسئلہ وَلَقَدْ کَرَّمْنَا (الخ) فرمانے اور دیگر آیات و احادیث سے مستنبط ہوتا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کیے جاتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا فَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ ۔ یعنی انسان بنی آدم بہت سی مخلوق سے افضل ہے سب سے افضل نہیں۔ حالانکہ دوسری آیت دیگر احادیث اور تفاسیر سے ثابت ہے کہ انسان تمام مخلوق سے افضل ہے بنی اسرائیل کو فرمایا گیا فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ تمام جہانوں سے افضل کیا۔ تمام جہانوں میں ساری مخلوق شامل ہے۔

جواب ۔ تفسیر خازن نے فرمایا یہاں کثیر سے مراد کل ہے۔ امام رازی نے فرمایا۔ کثیر بول کر فرشتوں کو علیحدہ کیا گیا کیونکہ عام انسان میں تو کفار و فساق بھی ہیں لہٰذا عام انسان فرشتوں سے افضل نہیں بعض نے جواب دیا کہ افضلیت سے مراد اشرفیت نہیں بلکہ اکرمیت ہے۔ اور اکرمیت و مکرم ہونے میں سب بنی آدم سب مخلوق سے افضل نہیں بلکہ انسان کے علاوہ بہت سے جنات۔ اصحاب کہف کا کتا خر عیسٰی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بہت سے انسانوں سے افضل ہے۔

دوسرا اعتراض ۔ یہ کیوں فرمایا کہ اعمالنامہ صرف داہیں ہاتھ میں پکڑنے والے پڑھیں گے حالانکہ دیگر آیات واحادیث سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار بھی اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے۔

جواب ۔ تفسیر خازن نے فرمایا پڑھنے سے مراد بلند آواز سے پڑھنا اور خوشی خوشی بار بار پڑھنا اور دوسروں کو سنانا ہے۔ کفار ایک بار تو پڑھیں گے مگر بالکل آہستہ یا صرف آنکھوں سے اور پھر اپنا اعمالنامہ چھپاتے پھریں گے شرمندگی اور غم سے۔ گویا نہ پڑھنے کی مثل یا مراد ہے سنانا یا مراد ہے زبان سے پڑھنا۔ اور دیگر آیات میں پڑھنے سے مراد ہے دیکھنا سمجھنا۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ اصحابِ یمین والوں پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ حالانکہ ظلم تو کسی پر بھی نہ ہو گا نہ مومن پر نہ کافر پر نہ اصحاب یمین پر نہ اصحاب شمال پر۔

جواب۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں ۱ ایک وہ جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں واضح کر دیا کہ لَا یُظْلَمُوْنَ کا تعلق صرف اصحابِ یمین سے نہیں بلکہ تمام بنی آدم سے ہے۔ ۲ دوم یہ کہ یہاں اعتقاد کا ذکر ہے کیونکہ صرف اصحاب یمین کا اعتقاد ہے کہ اُن پر ظلم نہیں کیا جائے گا اگرچہ کفار پر ظلم نہیں ہوگا اور اعملِ کفریہ کی ہی سزا ہوگی مگر کفار سمجھیں گے کہ ہم پر ظلم ہوا ہے ان کا عقیدہ بد ہوگا۔ سوم یہ کہ یہاں لَا یُظْلَمُوْنَ کا تعلق اس لیے اصحاب یمین سے کیا کہ اس کا فائدہ اصحابِ یمین کو ہوگا نہ کہ کفار کو۔ دیکھو عدل و انصاف اچھی چیز ہے مگر ظالم کو اس سے نقصان ہے مظلوم کو فائدہ۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰي كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا۔ يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ اور البتہ بیشک ہم نے بنی آدم پر انبیاءِ کرام بھیج کر بہت کرم کیا کیونکہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے وسیلے سے کائناتِ انسانیت کو زبانِ معرفت کا نطق شریعت کی باتیں طریقت کی عقلیں اور معرفتِ عالمِ انوار کی تمیز و تہذیب سکھائی اور حدیث و قرآن کے بحر و بر میں ہم نے اسرارِ یزدانی کی کشتیوں سے ان کو سفر کرایا اور معاشِ کرامات اور پروازِ لاہوتی ان کے لیے آسان کر دیا۔ اور سیرِ ملکوتیت ہم نے لذتِ روحانیت کا طیب و ابدی رزق عطا کیا اور ملاءِ اعلیٰ و تحت الثریٰ کی کثیر با مخلوق سے ہم نے انسان کو فضیلت بخشی۔ اور مقامِ غوثیت۔ قطبیت ولایتِ صغریٰ و کبریٰ محبوبیت۔ مقبولیت کی امامت بخشی۔ در منزلِ طلب میں نوازشیں تیار فرمائیں۔ قربِ جبروتی کے دن مسافرانِ راہ نوردکو اُن کے مرشدانِ سلوک کے امام کے ساتھ ہم بلائیں گے اور حقیقتِ معرفت سے نوازیں گے۔ تمام کی محبتوں سے اور محبتِ بنی آدم ہے۔ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝ وَمَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔ پس خوش قسمت ہے وہ بندۂ منزلِ شوق جو اپنے عقلِ سلیم کے سیدھے ہاتھ میں پروانۂ قرب دیا گیا ہے اِن ہی کو قوتِ خداداد ہے کہ وہ اُس میدانِ ظلمت میں کتابِ معرفت کو پڑھنے اور سمجھنے کی قوت رکھتے ہیں۔ اور کمال و اخلاق کے اعتبار سے وہ ذرہ برابر ظلم نہ کیے جائیں گے۔ میدانِ طلب میں صرف وہی اپنی کتابِ انوار پڑھ سکتے ہیں جن کی آنکھوں میں سعادتِ الٰہیہ کی روشنی اور توفیقِ معرفت کی چمک ہو لیکن جن کی آنکھوں میں نفسانیت کا ناسور اور عقلوں میں خود غرضی کا سور ہو وہ لاہوت و ناسوت ہر میدان میں بے نور و بے شعور ہیں۔ بلکہ جو

عالم ناسوت دنیا میں حق و حقانیت سے اندھے بنے رہے وہ عالم لاہوت آخرت میں زیادہ گمراہ اور منزلِ مراد سے دور ہوں گے کیونکہ دنیا و کسب و سفر ہیں تو سعادت و فلاح کی توفیق ملنے کی امید تھی مگر گمشتگانِ قلب و عقل ہو جانے کے بعد پھر فتح باب سعادت کی نہ امید ہے نہ فائدہ۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ

اور حالت یہ ہے کہ کفار مکہ نے قریبی ارادہ کر لیا تھا کہ آزمائش میں ڈال دیں وہ تم کو اس قرآن سے جو

اور وہ تو قریب تھا کہ تمہیں کچھ لغزش دیتے ہماری

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ ق

ہم نے تمہاری طرف وحی کیا تاکہ تم کوئی ایسی بات لگا دیتے ہماری طرف جو وحی کے علاوہ ہو

وحی سے جو ہم نے تم کو بھیجی کہ تم ہماری طرف کچھ اور نسبت کر دو

وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ﴿۷۳﴾ وَلَوْلَآ اَنْ

اور اس وقت وہ کفار تو عارضی تم کو دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم نے

اور ایسا ہوتا تو وہ تم کو اپنا گہرا دوست بنا لیتے۔ اور اگر ہم

ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا

تم کو مضبوط نہ بنایا ہوتا تو البتہ بیشک قریب ہوتا کہ تم ان کی طرف تھوڑا سا مائل

تمہیں ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ تم اُن کی طرف

قَلِيْلًا ﴿۷۴﴾ قلا اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ

ہو جاتے تب ہم البتہ مزہ چکھا دیتے تم کو زندگی کی سختیوں کا

تھوڑا سا جھکتے اور ایسا ہوتا تو ہم تم کو دونی عمر اور

وَضِعۡفَ الۡمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيۡنَا

اور وفات کی سختیوں کا پھر تم نہ پاتے اپنے لیے ہمارے سامنے

دو چند موت کا مزہ دیتے پھر تم ہمارے مقابل اپنا کوئی

نَصِيۡرًا ﴿۷۵﴾ وَاِنۡ كَادُوۡا لَيَسۡتَفِزُّوۡنَكَ

کوئی سہارا - اور حالت یہ ہے کہ قریبی ارادہ کر لیا تھا اُن کفار نے

مددگار نہ پاتے - اور بیشک قریب تھا کہ وہ تمہیں اس زمین سے

مِنَ الۡاَرۡضِ لِيُخۡرِجُوۡكَ مِنۡهَا وَاِذًا

کہ پریشان کردیں تم کو علاقہ سے تاکہ نکال سکیں وہ تم کو اس وطن سے

ڈگا دیں کہ تمہیں اس سے باہر کردیں اور ایسا ہوتا تو

لَّا يَلۡبَثُوۡنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيۡلًا ﴿۷۶﴾

اور تب تو وہ بھی نہ ٹھیرتے آپ کے بعد مگر تھوڑے دن ہی

وہ تمہارے پیچھے نہ ٹھیرتے مگر تھوڑا

تعلق

ان آیت پاک کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق - پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مصیبت کے وقت یہ کافر لوگ کس طرح اللہ تعالیٰ کے حضور میں روتے گڑگڑاتے اور فریادیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر طرح فریادوں کو سنتا آرام و سکون دیتا مصیبت سے بچالیتا ہے۔ اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ فریبی کافر ہمارے محبوب نبی کے دربار میں آکر بھی بری طرح اپنی فریادیں التجائیں آرزوئیں کرتے رہتے ہیں تاکہ رؤف و رحیم نبی پاک کا دل پسیج جائے اور ان کی فریبانہ التجاؤں پر سفارش فرمادیں مگر ہم اپنے محبوب نبی کو آگاہ فرمادیتے ہیں۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ اللہ کریم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ کفار خود ہی دھوکہ فریب کی چالیں چل کر اپنے پر دنیا و آخرت میں ظلم کر

رہے ہیں۔

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیتوں میں بتایا گیا کہ جو دنیا میں قلبی و روحانی اندھا ہے وہ آخرت میں بھی اندھا ہی ہوگا۔ اب ان آیتوں میں بتایا گیا ہے کہ جو شخص ان اندھوں کے کہنے سے ان کے راستوں پر چلے گا اس کو بھی زندگی و موت میں مصیبتیں ہی پڑیں گی اور دھکے کھاتا بھٹکے گا۔

شانِ نزول ۔ ایک مرتبہ کفارِ مکہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ چونکہ آپ ہمارے دین اور بتوں کو برا کہتے ہیں اس لیے آپ ہمارا مکہ چھوڑ دیں اور خفیہ تدابیر بھی نکالنے کی بنائیں۔ تب یہ تو آیتیں از آیت ۷۶ تا آیت ۸۴ نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ ۖۗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا ۝ وَلَوْلَاۤ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَیْهِمْ شَیْـًٔا قَلِیْلًا ۝ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَیْنَا نَصِیْرًا

واؤ سر جملہ اِن شرطیہ کَادُوْا فعل مقاربہ ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھم ضمیر پوشیدہ اس کا اسم جس کا مرجع کفارِ مکہ کَادُوْا تامہ ہے کیونکہ قرب کے معنیٰ میں ہے لہٰذا خبر کی ضرورت نہیں۔ اسم یہاں فاعل کے درجہ میں ہے یہ سب فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام کے جزائیہ یَفْتِنُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع غائب۔ فتن سے بنا ہے بمعنیٰ فساد ڈالنا۔ آزمائش کرنا۔ یا آزمائش میں ڈالنا۔ سرکشی یا بغاوت پھیلانا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر مستتر فاعل ہے۔ مرجع کفارِ مکہ۔ کَ۔ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعولبہ۔ مرجع نبی کریم کی ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ عَنْ جارہ مجاوزت زوالی کے لیے یا بَ کے معنیٰ میں ہے۔ اَلَّذِیْ موصول مذکر۔ اَوْحَیْنَا باب اِفعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس میں نَحْنُ پوشیدہ ضمیر فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ اِلیٰ جارہ انتہاءِ غایت کے لیے کَ ضمیر واحد حاضر کا مرجع نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحَیْنَا کا۔ یہ فعل بابِ افعال سے ہے مصدر اِیْحَاءٌ۔ وَحْیٌ مادہ ہے۔ وحی کا لغوی حقیقی معنیٰ ہے اللہ کا کلام کسی نبی کے پاس آنا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْ کا۔ وہ مجرور جار مل کر متعلق ہے یَفْتِنُوْنَ کا۔ لام مکسورہ تعلیلیہ نصب دینے والا۔ تَفْتَرِیَ۔ باب افتعال کا مضارع حال معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل اِفْتِرَاءٌ مصدر۔ فَرْیٌ ناقص یائی سے بنا ہے۔ اس کے چار معنیٰ غیبت کرنا۔ الزام لگا دینا۔ تہمت لگانا۔ خود ساختہ چیز کو کسی کی طرف منسوب کرنا۔ یہاں یہی معنیٰ ہیں۔ علیٰ جارہ استعلائیہ علت ہوئی یَفْتِنُوْنَ کی معلول علت مل کر جزا۔ اور اِن کَادُوْا۔ شرط اپنی جزا سے مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ اِذًا اسم ظرف مکانی یا زمانی یہاں زمانی لام کے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا

ہے۔ اِتَّخَذُوْا۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مثبت معروف ماضی تمنائی کے ہم شکل۔ ھُمْ ضمیر اس میں مستتر جس کا مرجع کفار ہیں کَ ضمیر اس کا مفعول بہٖ اوّل اور خلیلاً اس کا مفعول بہٖ دوم ہے اسم مشتق صفت مشبہ بروزنِ فعیل خُلَلٌ خِلَّۃٌ یا خِلٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ مُحِب۔ گہرا دوست۔ لَاتَّخَذُوا اسباب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ بعض نے کہا یہ دوسری ترکیب میں ہے کہ واؤ عاطفہ ہے اور اِذًا ظرف ومظروف کا عطف یَفْتِنُوْنَ۔ پر۔ لَوْ۔ حرفِ شرط زمانۂ ماضی کے لیے ہوتا ہے جب کہ اِنْ شرطیہ مستقبل کے لیے ہوتا ہے۔ لَوْ۔ کا استعمال شرط کے علاوہ پانچ طرح ہے۔

۱ کثرت سے قلت۔ یا سختی سے نرمی یا بڑے سے چھوٹے کام کی طرف تنزّل کے لیے۔ ۲ آمادہ کرنے کے لیے ترجمہ ہوتا ہے۔ کیوں نہیں ۳ تمنائی کے لیے ۴ اِنْ مصدریہ کے معنیٰ میں ۵ واؤ وصلیہ کے معنیٰ میں ہوتا ہے اگرچہ۔ لَا حرفِ نفی یہاں یَکُوْنُ فعل پوشیدہ ہے۔ دراصل ہے لَوْ لَا یَکُوْنُ اَنْ۔ ناصبہ مصدریہ ثَبَّتْنَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ۔ کَ۔ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہٖ ہے مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مصدر تَثْبِیْتٌ۔ اور مادہ ثَبْتٌ بمعنیٰ قائم کرنا قائم رکھنا مضبوط کرنا۔ طاقت بخشنا۔ جرأت وہمت دینا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی۔ لام جزائیہ جواب شرط کے لیے (سببیہ) قد حرفِ تحقیق۔ کِدْتَّ فعل مقاربہ ماضی بعید کے معنیٰ میں۔ مجدد بریلوی علیہ الرحمۃ کا ترجمہ اسی طرف راغب ہے اور اسی میں شانِ محاورہ ہے۔ دوسرے قول میں قَدْکِدْتَّ ایک ہی فعل ماضی قریب ہے واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ تَرْکَنُ بابِ فَتَحَ کا مضارع واحد مذکر حاضر مگر خلافِ قیاس ہے کیونکہ بابِ فتح میں حرفِ حلقی ہونا شرط وقانون ہے۔ اَنْتَ ضمیر یہاں بھی پوشیدہ فاعل ہے اور مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ مادہ رُکُنٌ ہے بمعنیٰ جھکنا۔ نرم ہونا۔ رعایت کرنا۔ سہارا دینا۔ اِلیٰ جارہ انتہا کے لیے ھِمْ مجرور متعلق ہے تَرْکَنُ کا۔ مرجع کفار ہے شَیْئًا اسم مفرد بمعنیٰ چیز تنوین تنکیری یعنی تھوڑی معمولی قَلِیْلًا۔ بروزن فعیل صفت مشبہ ہے قَلَّ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت تھوڑا سا۔ صفت ہے شَیْئًا کی مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے تَرْکَنُ کا۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر مفعول بہٖ ہے کِدْتَّ کا۔ ایک قول میں فعل مقاربہ ناقصہ ہوتا ہے لہٰذا اَنْتَ اسم ہے اور تَرْکَنُ کا جملہ خبر ہے اور یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر جزا ہوئی۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ اِذًا۔ حرفِ جزا اصل اِذَنْ تھا کثرتِ استعمال کی وجہ سے نون تنوین سے بدلا گیا اس کا جملہ شرطیہ مقدر ہے۔ اصلاً اس طرح ہے اِنْ تَفْتَرِیْ عَلَیْنَا اِذًا۔ یعنی اگر افترا کرتے تم چکھاتے ہم یہ شرط سابقہ قرینے کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ لامِ کے تاکید کے لیے ہے اَذَقْنَا بابِ اِفعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ مادہ ذَوْقٌ اجوف واوی ہے لازم ہے بابِ اِفعال نے متعدی بدو مفعول کیا بمعنیٰ چکھانا۔ اس کا

مصدر اَذَاقَۃٌ اور اِذْوَاقٌ ہوتا ہے۔ یہاں معنیٰ ہے تھوڑے زمانے تک کوئی حالت طاری کرنا۔ کَ ضمیر کا مرجع نبی کریم ہیں صلی اللہ علیہ وسلم یہ مذکرہ محال بالخیر یعنی فرضِ محال کا ہے۔ ضِعْفَ مفرد جامد بمعنیٰ دُگنا ہونا ضعیف ہونا۔ حاصل مصدر ہے۔ اصل لغوی معنیٰ ہے دگنا ہونا۔ تکلیف دگنی ہو تو تکلیف پانے والا کمزور ضعیف ہوتا ہے تو یہ مجازی وسببی معنیٰ ہوئے گویا کہ سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا۔ اعلیٰحضرت نے لغوی ترجمہ مراد لیا ہے ہم نے مجازی ترجمہ کر کے نتیجۂ عمل کا اشارہ کیا ہے۔ ضِعْفَ بحالت نصب ہے مفعول بہ دوم ہے اَذَقْنَا کا۔ مضاف ہے۔ الف لام عہدی حیات اسم مصدر ثلاثی ح ی ت مصدریہ حَیٰوۃٌ سے بنا ہے۔ حقیقی یعنی لغوی ترجمہ ہے تڑپ۔ پھڑک۔ حرکت۔ اضطراب۔ مجازاً معنیٰ ہے زندگی۔ یہی اصطلاحی معنیٰ ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ ضِعْفَ مضاف الف لام عہدی۔ مَمَاتِ۔ مصدر میمی ہے پہلی میم مصدریہ دوسری میم مادّے کی دراصل تھا مَمْوَتٌ ماقبل کے فتحہ کی وجہ سے واؤ کو الف سے بدلا گیا لغوی ترجمہ ہے پگھلنا۔ پھرنا۔ منتقل ہونا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے روح کا جسم سے جدا ہونا۔ یہ مرکب اضافی معطوف ہے سب عطف مل کر مفعول بہ دوم ہوا اَذَقْنَا کا وہ سب جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ ثُمَّ حرفِ عطف تعقیب کے لیے۔ لَا تَجِدُ۔ بابِ ضرب کا مضارع منفی بلاَ مستقبل واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر کا مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے مراد فرضِ محالی ہے۔ وَجْدٌ مثال واوی سے بنا ہے بمعنیٰ پانا حاصل کرنا۔ لام حرفِ جر نفع کا۔ کَ ضمیر حاضر مذکر نفسی ترجمہ ہے اپنے لیے۔ عَلٰی جارّہ۔ مقابلے کے معنیٰ میں۔ نَا۔ ضمیر مجرور متصل جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ مجرور جار متعلق ہے لَا تَجِدُ کا نَصِیْرًا۔ صفتِ مشبہ مبالغے کے لیے نَصْرٌ سے مشتق ہے یہ مادّہ ایک قول سے بابِ کَرُمَ میں بھی گردان ہو جاتا ہے۔ لیکن چونکہ دو نوں بابوں ۱؎ اوّل ۲؎ پنجم کا مضارع ہم وزن ہے اور اسم فاعل وصفت مشبہ مضارع سے ہی بنتا ہے لہٰذا نَصَرَ سے نَاصِرٌ اور نَصِیْرٌ دونوں بن جاتے ہیں۔ ترجمہ ہے ہمیشہ ہر حال ہر شخص کی بہت مدد کرنے والا چھڑا سکنے اور بچا سکنے والا نکرہ معرب ہے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے لَا تَجِدُ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر جزا ہوئی شرطِ مقدر کی سب مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ وَاِنْ کَادُوْا لَیَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِیُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا یَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِیْلًا۔ واؤ ابتدائیہ اِنْ شرطیہ۔ زمانۂ مستقبل کے لیے ہوتا ہے یعنی آئندہ زمانے میں اگر شرط پائی گئی تو جزا پائی جائے گی بخلاف لَوْ شرطیہ کے کہ وہ زمانۂ ماضی کی شرط کے لیے ہوتا ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو ویسا ہوتا۔ کَادُوْا فعل مقاربہ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب لغتِ عربی میں پانچ فعل مقاربہ ہوتے ہیں۔

۱؎ عَسٰی ۲؎ کَادَ ۳؎ کَرُبَ ۴؎ اَوْشَكَ ۵؎ طَفِقَ سب ہی اسم کو رفع خبر کو نصب دینے کا عمل کرتے

ہیں اور سب ہی خبر کو اسم کے قریب کرنے والے ہوتے ہیں مگر کیفیاتِ قرب مختلف ہوتی ہیں چنانچہ عسیٰ میں قُرب کی امید۔ کَادَ میں قُرب کا یقین ۔ طَفِقَ میں قُرب کا حصول ۔ کَرُبَ میں قُرب کا شروع ابتدا ۔ اَوْشَکَ میں قُرب کی تیزی و جلدی ہوتی ہے ۔ اکثر سب ناقصہ ہوتے ہیں جب کہ ان کا اسم و خبر مرکب اضافی کے درجہ میں ہوتا ہو ۔ لیکن جب اُن کی خبر مفعول بہ کے درجے میں ہوں تو یہ تامّہ ہوتے ہیں ۔ عسیٰ غیر متصرف ہے اس کی صرف ماضی مطلق کے پورے صیغے ہوتے ہیں باقی افعال کے ماضی مضارع امر نہی اسم فاعل اسم مفعول کی بھی گردانیں ہوتی ہیں ۔ جب یہ سب تامّہ ہوں گے تو عَسٰی بمعنیٰ قَرُبَ ۔ کَادَ بمعنیٰ ثَبَتَ ۔ طَفِقَ بمعنیٰ اَخَذَ ۔ کَرُبَ بمعنیٰ دَنٰی ۔ اَوْشَکَ بمعنیٰ اَسْرَعَ ہوتا ہے یہاں کَادُوْا ناقصہ ہے ۔ ھُمْ پوشیدہ اس کا اسم ہے ۔ لام مفتوحہ ابتدائیہ ۔ یَسْتَفِزُّوْنَ باب استفعال کا مضارع مثبت معروف مراد زمانۂ ماضی ہے صیغہ جمع مذکر ۔ اس کا مصدر ہے اِسْتَفْزَازٌ فَزُّ ۔ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے مادہ لازم ہے بمعنیٰ پھسلنا مصدر متعدی ہے بمعنیٰ پھسلانا قدم اکھاڑنا گھبرا دینا ۔ بھگانا ۔ ڈرانا ۔ یہاں ہر معنیٰ بن سکتا ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع کفارِ مکہ ۔ کَ ۔ ضمیر مفعول بہ ۔ مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے اَلْاَرْضِ اسم مفرد معرفہ بمعنیٰ مکہ شریف یا پورا عرب ملا قریا صرف حجازِ مقدس یہ جار مجرور متعلق ہے یَسْتَفِزُّوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہوئی کَادُوْا کی وہ اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ مقاربہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی ۔ یا علت ہوئی ایک قول ۔ لام کَیْ جزائیہ ۔ یُخْرِجُوْ ۔ باب افعال کا مضارع مجزوم ہے لام جزا سے اس لیے نونِ اعرابی آخر سے گر گئی ۔ خُرُوْجٌ مادہ بمعنیٰ نکلنا ۔ اِخْرَاجٌ مصدر بمعنیٰ نکالنا ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے مرجع اس کا کفارِ مکہ ۔ کَ ۔ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منصوب متصل مفعول بہ ہے ۔ مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے ۔ ھَا ۔ ضمیر واحد مؤنث غائب ۔ مرجع وہی علاقۂ مکہ یا پورا عرب یا حجاز یہ جار مجرور متعلق ہے لِیُخْرِجُوْا کا ۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ۔ اِنْ کَادُوْا ۔ شرط جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ دوسری ترکیب میں جزائیہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِذًا حرف جزا ۔ لَا یَلْبَثُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی جمع مذکر ھُمْ مستتر فاعل مرجع کفارِ مکہ لُبْثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ٹھیرنا ۔ موجود رہنا ۔ لازم ہے ۔ خِلَافَ اسم حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ بعد یا پیچھے ظرفِ زمانی مضاف ہے کَ ضمیر اس کا مضاف الیہ ان تمام جگہ حاضر مذکر کی ضمیروں کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۔ اِلَّا حرفِ استثنیٰ مفرغ متصل کیونکہ لُبْث کی مدت کا استثنا ہے ۔ قَلِیْلًا ۔ قَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے ۔ اسم صفت مشبہ ہے ۔ اسی سے قِلَّتٌ ۔ بمعنیٰ تھوڑا ہونا ۔ کم ہونا ۔ یَلْبَثُوْنَ کا مستثنیٰ ہے ۔ یہ فعل اپنے فاعل اور ظرف خِلٰفَکَ اور مستثنیٰ سے مل کر معطوف ہوا لِیُخْرِجُوْا ۔ کا سب عطف جزا ہوئی کَادُوْا کی ۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِیْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِیَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ ۖ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا ۔ اور اے ہمارے محبوب و معصوم نبی بیشک یہ کفارِ مکہ ابو جہل ابن ہشام امیہ بن خلف اور ان کے ساتھی سردارانِ حجاز اپنے حیلوں بہانوں فریبکاریوں جھوٹی التجاؤں فریادوں اور قسم قسم کی لالچ دینے ۔ ایمان لانے کے غلط وعدوں ۔ نیز بے جا دھمکیوں کے ذریعے کتنے قریب ہو گئے تھے کہ آپ کی نرم دلی رحمتِ عالمینی اور زیادہ سے زیادہ لوگوں کے مومن بن جانے کی حرص و خواہش سے ناجائز فائدہ اٹھا کر آپ کو فتنوں اور آزمائشوں میں ڈال دیتے ۔ اس کلام الٰہی اور قرآنِ مجید سے ہٹا کر جو ہم نے آپ کی طرف وحی فرمایا اور آپ کے قلب مبارک پر نازل فرمایا ۔ اُن کفار کی یہ کتنی زبردست اور انوکھی شرارت تھی اور خبیثانہ حرکت کہ آپ اُن کے کہنے اور ایمان کے لالچ میں آکر ہم پر ایسی بات لگا دو جو وحی الٰہی سے بالکل غیر اور جدا و مخالف ہو اور تب وہ چند لوگ آپ کو بہت اچھا گہرا دوست بنا لیتے ۔ تفاسیر میں ہے کہ ایک مرتبہ سردارانِ مکہ جن میں ابو جہل ابنِ ہشام اُمیہ ابنِ خلف پیش پیش تھے بارگاہِ نبوی میں آکر بولے کہ اگر ہماری سات باتیں مانی جائیں تو ہم سچے دل سے ایمان لے آئیں گے ۔ ایک یہ کہ ہمیں وہ نماز دی جائے جس میں سجدہ رکوع نہ ہو صرف قیام و اَلتحیات ہو تاکہ ہم کو جھکنا نہ پڑے ۔ دوم یہ کہ ہم اپنے بُت اپنے ہاتھ سے نہ توڑیں ۔ سوم یہ کہ ہم اپنے بتوں کے چڑھاوے ایک سال تک لے سکیں ۔ چہارم یہ کہ ہم کو اسلام میں ایسی امتیازی حیثیت اور شان دی جائے جو کسی اور دوسرے عرب یا غیر عرب کو نہ ملے ۔ پنجم یہ کہ جب ہم آیا کریں تو سب غریب مسلمانوں کو ہٹا دیا جایا کرے ۔ ششم یہ کہ آپ جس طرح حجرِ اسود کو ہاتھ لگاتے ہیں اس طرح صرف ایک مرتبہ ہمارے کسی بُت کو ہاتھ لگا دیں ۔ ساتویں یہ کہ اگر کوئی شخص آپ پر اعتراض کرے کہ آپ نے یہ اعزاز اور شان اِن چند لوگوں کو دی ہے وہ کسی دوسرے اہلِ عرب کو کیوں نہیں دی تو آپ کہدیں کہ اللہ تعالیٰ کا حکم اسی طرح نازل ہوا ہے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے چار مطالبوں کی سختی سے تردید فرمائی پانچویں پر آپ خاموش ہو گئے کافر سمجھے شاید آپ نے یہ منظور فرما لیا ہے چھٹے اور ساتویں پر آپ اُٹھ کر چلے گئے فاروق اعظم نے ان کفار کو بہت برا بھلا کہا اور جھڑکا جس پر انہوں نے اپنی دوستی کا وعدہ اور بیشمار دولت دینے کی لالچ دی یہاں تک کہ اپنی خوبصورت لڑکیاں بھی نکاح میں پیش کرنے کی پیش کش کی لیکن آقاءِ دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کچھ ٹھکرا دیا ۔ اور کفار کی اس قسم کی حرکتیں کئی دفعہ ہوئیں ۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ تم اگر چاند و سورج بھی مجھ کو لاکر دیدو تب بھی تمہاری کوئی بات نہیں مانی جائے گی اِن آیات میں اسی کا ذکر ہے کہ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ

كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًاۙ اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا۔

اے محبوب نبی اگر ہم نے ازل سے ہی تم کو معصوم نہ بنایا ہوتا اور قوتِ گناہ وخطا تم سے سلب کر کے تم کو مضبوط وثابت نہ کر دیا ہوتا۔ اور تم عام دنیا داروں کی طرح دنیا کے حریص وخواہشمند ہوتے۔ تو البتہ بیشک تم کفار کی لالچ اور فریب کاری میں آکر تھوڑا بہت ان کی طرف مائل ہو جاتے اس لیے کہ ان کی فریب کاری مکاری ہی اس انداز کی تھی کہ بڑے بڑے رہنما۔ لیڈر قائد اور قوم کا بیڑا اٹھانے والے بک جاتے ہیں۔ اور جھوٹے دعویدار پھسل جاتے ہیں یہ تو سچے انبیاءِ کرام کی ہی شان ہے اور مرسلینِ برحق کی ہی پہچان ہے کہ ان کو رب تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش سے ہی معصوم بنا دیا ہوتا ہے اور معصوم کسی قسم کا گناہ کر ہی نہیں سکتا۔ معصوم سے گناہ محال اور ناممکن ہے تفسیر قرطبی۔ تفسیر فتح القدیر۔ تفسیر خازن اور صفوۃ التفاسیر میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا فرمان منقول ہے کہ معصوم ہونے کی وجہ سے آپ کا کفار کی بات کی طرف مائل ہونا محال ہے۔ چنانچہ فرمان ہے وَلَوْ حَرْفُ اِمْتِنَاعٍ لِوُجُوْدٍ اَنْ اِمْتَنَعَ الرُّكُوْنُ اِلَيْهِمْ لِعِصْمَتِهٖ تَعَالٰى (لو) یعنی لَوْلَا کا حرف امتناعِ وجود کو بتا رہا ہے کہ عصمت کی وجہ سے اُن کی طرف ذرا سا بھی مائل ہونا ممتنع اور محال تھا۔ کفار کی یہ چالیں اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ان سے بچ جانا۔ اور ہر پیشکش کو باِ استحقار سے ٹھکرا دینا ہی آپ کی سچی نبوت اور محبوب رسالت پر دلیل ہے اگر ایسا نہ ہوتا۔ اور اے محبوب تم میں کسی قسم کی ذرا سی کمزوری ہوتی تو تم کفار کی چالوں میں آکر کچھ مائل ہو جاتے۔ تو وقتی طور پر کچھ دنوں کے لیے یہ کافر تمہارے دوست تو بن جاتے اور خوش ہوتے پھرتے۔ لیکن پھر دنیا دیکھتی کہ ہم تم کو کس طرح دنیوی زندگی کی سختیاں اور موت کے بعد قبر حشر کی سختیاں دوسروں سے دگنی چکھاتے پھر تم اپنے اِن دنیوی نئے نویلے دوستوں میں سے ہمارے مقابل کسی کو بھی اپنا مددگار اور سہارا نہ پاتے۔ مگر ایسا تو نہ ہوا۔ نہ تم ان کی طرف جھکے نہ وہ تمہارے دوست بنے بلکہ ہم ہی تمہارے ازلی ابدی فرشی عرشی مکی مدنی عربی عجمی سفری حضری زمینی آسمانی ہر دور ہر زمانے میں ایسے ناصر ونصیر خالق وخلیل ہوئے کہ اپنے دوست کو عرش ولامکان پر بلا کر سب دکھا دیا اور دیدیا۔ اور دن بدن ضعف الحیوۃ کے کرم انعام اور ذکر بلندی ہی ملی۔ ان تمام باتوں سے کیا ثابت ہوا ؟ یہی کہ اے محبوب اب دنیا میں کائنات عالم کے لیے تم ہی رسول ہو تم ہی نبی ہو تم ہی مرسل اب صرف تمہاری شریعت تمہارا قانون تمہاری چمک تمہارا نور۔ تمہاری دمک تمہارا ہی ظہور بلکہ خالق کے بندے خلق کے آقا تمہیں تو ہو۔ اس سچے معبود کے تم ہی سچے اور کامل بندے ہو۔ اللہ ہی کی دوستی سچی اور پکی ہے دنیا کی کیا دوستیاں کیا رشتے داریاں۔ برادریاں۔ دنیا کی قوموں کا تو یہ حال ہے کہ وَاِنْ كَادُوْا

لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا اور اے پیارے محبوب نبی آپ کی اس قوم اہلِ مکہ جس کے لیے آپ نے ہمیشہ رحمت کی دعائیں ہی فرمائیں انہوں نے آپ کی مخالفت اور دشمنی میں اتنی سخت نیتیں بنا لیں ہیں اور اپنے ارادوں میں اسکے قریب ہیں کہ آپ کو اتنا پریشان کریں اور سختیاں تنگیاں پیدا کریں اس علاقہ سرزمینِ مکہ میں تاکہ موقع پاکر آپ کو اس وطن کی سرزمین سے نکالدیں۔ یہ شعبِ ابی طالب کے شرارت انگیز منصوبے غرباء مومنین پر ظلم وستم۔ اسلام وقرآن کی گستاخیاں وغیرہ عبادتِ الٰہیہ پر پابندیاں سب اسی استفزاز میں داخل تھیں لیکن اتنی قوتوں طاقتوں سرداریوں شرارتوں خباثتوں کے باوجود آپ کو نکال نہ سکے۔ اور اگر یہ ظاہر ظہور آپ کو نکالدیتے۔ جیسا کہ پہلی کافر قومیں اپنے بعض انبیا علیہ السلام کے ساتھ یہ سلوک کر چکی ہیں تب تو یہ کفار مکہ بھی اس علاقے میں باعزت اور سہولت عیش ومستی کی زندگی گزارنے کیلئے چند گھڑیوں کچھ ساعتوں سے زیادہ نہ ٹھہرتے اور پچھلی امتوں کی طرح ان کو ہلاک کر دیا جاتا۔ یہ آیتِ کریمہ تفاسیر کے مطابق کفار مکہ کے ذکر میں ہے کہ سردارانِ مکہ نے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو شہر مکہ سے نکالنے کی بہت کوشش حیلے بہانے۔ ستانا۔ ورغلانا ہر طرح رکاوٹیں ڈالنا شروع کیں مگر ان کی مکاریاں نہ چل سکی اور نہ نکال سکے۔ بعد میں رب تعالیٰ کے حکم سے ہجرت فرمائی۔ اس لیے عذاب الٰہی سے ہلاکت نہ ہوئی۔ ایک قول ہے کہ ہجرت اگرچہ رب تعالیٰ کے حکم سے ہی ہوئی مگر سبب کفار کی یہ شرارتیں اور ظلم وستم ہی تھا۔ اس لیے لَّا يَلْبَثُوْنَ ۔ کا ظہور جنگِ بدر اور فتحِ مکہ پر ہوا۔ لیکن حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ساری سورۃ بنی اسرائیل یعنی یہ سورۃ اسرٰی مکی ہے مگر یہ آیت اِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مدنی ہے اور یہودِ مدینہ کا ذکر ہے کہ انھوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو مدینۂ پاک سے نکل جانیکی بہت باتیں شرارتیں وعدہ شکنیں کرتے ہوئے کہا کہ اگر تم سچے نبی ہو تو انبیاء کرام کا علاقہ تو ملکِ شام اور فلسطین ہے تم وہاں جاؤ کبھی کہا کہ تم رومیوں سے ڈرتے ہوئے نہیں جاتے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی گستاخیوں کا جواب دیتے ہوئے جنگِ تبوک کا اہتمام فرمایا اور رومیوں پر مسلمانوں کا اتنا خوف طاری ہوا کہ بغیر جنگ ہی علاقہ شام وتبوک فتح ہوگیا۔ تبوک کا واقعہ سورۃ توبہ میں گزر چکا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب (تفسیر کبیر۔ مدارک۔ خازن۔ جمل مظہری)

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ: کفار کی ہر چیز غیر یقینی اور عارضی ہے اعتباری مطلب پرستی سیاست بازی ابن الوقتی ہے کسی بھی مسلمان سے یہ پُرخلوص نہیں ہو سکتے یہ فائدہ وَ اِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِیْلًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ: تمام انبیاء کرام معصوم ہوتے ہیں۔ اور معصوم گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے گناہ کر سکتے ہی نہیں، یہ فائدہ لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ اب جو شخص یہ کہے کہ (معاذ اللہ) انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ وہ جاہل گمراہ ہے۔ تیسرا فائدہ: جو شخص بندۂ مومن مخلص بن کر اللہ کے راستے پر چل پڑے اللہ تعالیٰ اس کو دشمنوں کے شر سے بچاتا ہے۔ یہ فائدہ ان آیت کی تفسیر ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حاصل ہوا کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان آیت میں امتِ تاقیامت کے علما مشائخ کو خطاب ہے کہ وہ دشمن کفار کے نرغے سے بچتے رہیں۔

احکامُ القرآن اِن آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ: کفار کی کسی لالچ یا فریب کاری میں آکر ان کی بات ان کے مطالبے ماننے یا ان کو اپنا لیڈر۔ قومی ہیرو بناتے ہوئے ان کی تعظیم کرنا سخت گناہ اور نقصان دہ ہے اس لیے کہ کفار خواہ کسی لباس میں آئیں کیسا ہی منہ بنائیں، مسلمانوں کے لیے سراسر فتنہ ہیں۔ یہ مسئلہ اِنْ كَادُوْا لَیَفْتِنُوْنَكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اس کا تجربہ دیوبندیوں وہابیوں کے احراری ٹولے کی ان حرکتوں حماقتوں سے ہوا جو پاکستان کی آزادی و تقسیم کے وقت انہوں نے گاندھی جیسے مکار انسان کا ساتھ دے کر اور حمایت کر کے کہیں اور محسنِ قوم قائد اعظم کی مخالفت کرتے رہے۔ ہند و پاک کے مسلمانوں کو آج معلوم ہو رہا ہے کہ پاکستان بننا کتنا ضروری تھا اور پیر جماعت علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ و دیگر علماءِ بریلویہ نے قائد اعظم کو کامیاب کرا کے کتنا عظیم کام کیا۔ دوسرا مسئلہ: جو شخص کسی گناہ کو اچھی طرح جانتا سمجھتا ہو۔ وہ اگر گناہ کرے تو اس کی سزا اور عذاب اور گناہ کا درجہ اس سے زیادہ ہے جو نادان یا لاعلم ہو۔ اگرچہ گناہ کرنے سے گنا ہگار ہر سمجھدار نا سمجھ ہو جاتا ہے۔ اس لیے علما اور خواص حضرات کو برائیوں سے زیادہ بچنا چاہیے کیونکہ حرام و حلال کو مکمل سمجھتے ہیں یہ مسئلہ ضِعْفَ الْحَیٰوةِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا تیسرا مسئلہ: دینی مسائل چھپانا یا کسی کی رعایت کرتے ہوئے مسئلہ بتاتے ہوئے خاموشی اختیار کرنا یا نرم اور دبی دبی بات کرنا۔ یہ بھی اِفترا میں شامل ہے اور حرام قطعی ہے۔ یہ مسئلہ لِتَفْتَرِیَ عَلَیْنَا غَیْرَهٗ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ کفار نے یہی مطالبے کئے تھے کہ ہم نماز ایسی پڑھینگے اور ایک سال تک بتوں کے چڑھاوے کھائیں گے اور اپنے ہاتھ سے بت نہ توڑینگے۔ ان باتوں پر خاموشی اختیار کر لینے کو افترا میں شمار کیا گیا یعنی اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے

ان مطالبوں کی سختی سے تردید نہ فرماتے تو یہ افترا ہوتا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ۔ کہ اگر اللہ آپ کو ثابت قدم نہ رکھتا تو آپ کفار کی طرف مائل ہو جاتے۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء کرام گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں۔ (ایک بیوقوف بدعقل مولوی) جواب: معترض کی بات کا معنی ہے کہ انبیاء کرام اپنی مرضی سے گناہ کر سکتے ہیں اور اپنی مرضی سے بچ سکتے ہیں اور بچتے ہیں۔ حالانکہ یہ آیت پاک لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ (الخ) بتا رہی ہے کہ وہ انبیاء کرام اپنی مرضی سے گناہ کر سکتے ہی نہیں کیونکہ ثَبَّتْنٰكَ ہم نے ان کو گناہوں سے بہت دور اور ثابت قدم کر دیا ہے گناہ کی طرف ان کے قدم اُٹھ سکتے ہی نہیں اور کسطرح کیا ہے! اسی عصمت کے ذریعے عصمت نے گناہ کا مادہ ہی ختم کر دیا۔ یہاں لَوْلَآ سے ناممکن کی طرف ہی اشارہ ہے۔ دوسرا اعتراض حدیث میں ہے جس نے کوئی بُرا کام ایجاد کیا اُس کو اپنے گناہ کا عذاب اور بوجھ بھی اٹھانا پڑے گا اور تا قیامت جتنے لوگ بھی اس بُرے کام پر عمل کرینگے اُن کا بوجھ بھی اس حساب سے تو عذاب کئی گنا ہو جاتا ہے۔ مگر یہاں فرمایا ضِعْفَ الْحَيٰوةِ دُوگنا۔ تو یہ کس حساب سے فرمایا گیا۔ جواب حدیث پاک میں جرم کی بالکل بعینہٖ ایک نوعیت کا ذکر ہے لیکن یہاں جرم کی ایک نوعیت نہیں۔ ایک طرف صرف جرم کی رضا مندی ہے اور دوسری طرف جرم کا ارتکاب ہے۔ تیسرا اعتراض۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو معصوم ہیں اور معصوم گناہ کرنے پر قادر ہی نہیں ہوتا تو پھر یہاں لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا۔ فرما کر اندیشہ کیوں بیان کیا گیا جواب اس کا جواب لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ میں دیدیا گیا کہ جرم صرف مائل ہونے کا ہوتا ہے نہ کہ عزم و ارادے کا۔ عصمت صرف عزم و ارادے سے مانع ہے نہ کہ کسی معمولی لغزش کے میلان سے لغزش اور لغزش کے میلان میں بھی بڑا فرق ہے گناہ تو بڑی دور کی چیز ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ عَنِ الَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهٗ وَاِذًا لَّاتَّخَذُوْكَ خَلِيْلًا۔ وَلَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا۔

ہر بدنِ انسانی میں اَماناتِ الٰہیہ عقل ضمیر کی روشنیاں موجود ہیں اور قلب امانت دار ہے نفس و نفسانیات دشمن ازلی بھی بدن کی تخریب کاری میں ہمہ وقت مشغول ہے الہامتِ اَسرار کے پیغامات وہ احکام ہیں جن کی ہدایات پر قلب کی سارے جسم پر حکومت ہے بندۂ مومن کی ہر وقت قبر کے کنارے تک نفس و شیطان سے عظیم جنگ چھڑی ہوئی ہے۔ سمجھایا جا رہا ہے کہ اے مومنِ اکمل یہ نفوسِ اَمارہ تجھے ہمارے مکاشفات سے ہٹانے کے لیے قریب ہی ہیں کہ تجھ کو فتنے میں مبتلا کر دیں اور تو نار کو نور سمجھ کر ہم پر کچھ زیادتی یا کمی کا اِفترا مشاہدات و اَسرار تصور کرے اگر مسافرِ طریقت خواہشات دنیا کی ان دلگداز یوں عقل رُبائیوں میں لمحہ بھر کے لیے اُلجھ جائے تو اہلِ نفس کا دوست اور اَسرار یدنی اس کے گہرے خلیل و رفیق بن جاتے ہیں اے بندۂ مومن اس ناسوتِ ظلم و مکر میں

اگر ہم تجھ کو راہِ معرفت میں مضبوط قدم نہ رکھیں تو یقیناً تو اپنی رقتِ قلبی کی بنا پر تھوڑا بہت پرورشِ نفس پر مائل ہو جاتا
اِذًا لَّاَذَقْنٰكَ ضِعْفَ الْحَيٰوةِ وَضِعْفَ الْمَمَاتِ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيْرًا وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ
مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلٰفَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ۔
مومن و محبوب کی سزا و محنت یہ ہے کہ وادیِ حیرت میں نارِ فراق کا عذاب ہم چکھاتے ہیں حیاتِ عشق اور فناءِ خواہشات کی موت میں پھر اس سزاِ قبض و بسط سے چھڑانے والا تجھ کو ہم سے زیادہ قریب کوئی نہ مل سکیگا۔ اور بے شک خواہشاتِ نفسانیات کے قریب ہے کہ اپنی بداعمالیوں کی بدولت اے قلبِ مسعود تجھ کو زمینِ عجز اور بقعۂ مکاشفات و مرکزِ عبادات سے دور نکال دیں۔ حالانکہ کیفیاتِ قلبی کے بغیر نفوسِ اجسامیہ بھی لذاتِ بدنی میں قائم نہیں رہ سکتے مگر حیاتِ ناسوتی کے چند دن صوفیا فرماتے ہیں کہ چونکہ مقامِ محبوبیت تمام مقامات سے بلند و بالا ہے اس لیے اس کی تمام ادائیں کیفیتیں سب سے زیادہ اعلیٰ ہیں محبوب کی خطائیں معاف نہیں کی جاتیں معافی میں غیریت ہے عتاب و سرزنش میں اپنائیت ہے۔ عذاب سات قسم کا ہے (۱) عذابِ عبرت (۲) عذابِ ہلاکت (۳) عذابِ مہلت (۴) عذابِ شفقت (۵) عذابِ محبت (۶) عذابِ عتاب (۷) عذابِ عشق۔ طالبِ صادق کے لیے عذابِ عشق ہی ضعف الحیاۃ اور ضعف الممات ہے۔ یہی وہ سزا ہے جس کے لیے کوئی نصیر نہیں۔ جس دل میں نارِ عشق نہیں وہ دل ویران ہے۔ فراقِ یار کی تڑپ اور غمِ معشوق دل کی رونقیں ہیں خوش نصیب ہیں وہ دل جن کو ضعف الحیاۃ اور ضعف الممات کی لذتیں چکھائی جاتی ہیں۔ وصالِ یار چہ خواہی خیالِ یار طلب۔

سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ

طریقہ ہمارے تمام رسولوں میں جو ہم نے تم سے پہلے

دستور ان کا جو ہم نے تم سے پہلے رسول بھیجے

رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ﴿۷۷﴾ ع

بھیجے ایک ہی جاری رہا اور تم ہمارے کسی طریقے میں تبدیلی نہ پاؤ گے۔

اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے۔

أَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ إِلٰى

قائم کر دیجئے نماز کو سورج ڈھلنے کی وجہ سے

نماز قائم رکھو سورج ڈھلنے سے رات کی اندھیری

غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ إِنَّ قُرْاٰنَ

رات کے گہرا ہونے تک اور فجر کی تلاوت کو بے شک فجر کی تلاوت

تک اور صبح کا قرآن بے شک صبح

الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾ وَمِنَ الَّيْلِ

مشاہدہ کی ہوئی ہے ۔ اور رات کے کسی

کے قرآن میں فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کچھ حصے میں

فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰى أَنْ

حصہ میں جاگ کر اس نماز کو قائم کرو یہ خاص تمہارے لیے زائد ہے

تہجد کرو یہ خاص تمہارے لیے زیادہ ہے قریب ہے کہ

يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿۷۹﴾ وَ

عنقریب بے جائے گا تم کو تمہارا رب حمد کئے ہوئے مقام پر اور

نہیں تمہارا رب ایسی جگہ کھڑا کرے جہاں سب تمہاری حمد کریں۔

قُلْ رَّبِّ أَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ

پڑھتے رہو کہ اے میرے رب داخل فرما دے تو مجھ کو سچائی کے اندر اور

اور یوں عرض کرو کہ اے میرے رب مجھے سچی طرح داخل کر

اَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّ اجْعَلْ لِّیْ

نکال لے جا تو مجھ کو سچائی کے راستے سے اور بنا دے تو میرے لیے
اور سچی طرح باہر لے جا اور مجھے اپنی طرف سے

مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿۸۰﴾

اپنے پاس سے قوت مددگار
مددگار غلبہ دے

تعلق ان آیت پاک کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں تین چیزیں مذکور ہوئیں ۱۔ کافروں کی مکر آمیز گفتگو اور ناجائز مطالبے ۲۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی رحیمی کریمی والی نرم طبیعت کی بنا پر کفار کے چاپلوسی اور ایمان لانے کے فریبی وعدوں پر مائل ہونے کا اندیشہ ۳۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے محبوب نبی کو محفوظ رکھنا۔ اب ان آیت میں سابقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات طیبات کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ ان کی زندگیوں زمانوں میں بھی یہ کٹھن لمحات آتے ہی رہے اور رب تعالیٰ اُن کی حفاظت فرماتا رہا۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی حفاظت اور عزت افزائی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیتوں میں اس کے شکر کرنے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے کہ اے محبوب نبی نماز پڑھے اس لیے کہ شکر کا سب سے اعلیٰ و عمدہ طریقہ نماز پڑھنا ہے۔ نماز کے بغیر شکر نا ممکن ہے۔ تیسرا تعلق، پچھلی آیت طیبات ہیں۔ زندگی اور موت کے مختلف حصوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں شکر کے مختلف وقتوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کا تعلق زندگی کے ہر موڑ سے ہے۔ کہ جب بندے کی نئی کروٹ بدلے تو اُس کی ابتدا نماز جیسے ذکر الٰہی سے ہو۔

تفسیر نحوی سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا اس لفظ سُنَّةَ میں تین قول ہیں اور ترکیب میں بھی اس کے ترجمہ میں چار قول ہیں۔ ۱۔ یہ مصدر ہے اور آخر میں ت مصدریہ ہے مادہ سُنَنٌ مضاعف ثلاثی ہے ۲۔ یہ مصدر نہیں بلکہ مادہ ہے اور ت اصلیہ ہے درمیانی نون عین کلمہ مشدد ہے مبالغہ مصدری کے لیے ت لام کلمہ بروزن فُعَّلٌ۔ ز رُکَّعٌ ۳۔ یہ اسم جامد ہے نہ مادہ مصدر بلکہ حاصل مصدر ہے ۱۔ یہ مفتوح ہے اس لیے کہ مفعول مطلق ہے سَنَّ فعل پوشیدہ کا یہی امام رازی کا قول ہے ۲۔ یہ مفعول بہ ہے اُنْظُرْ

فعل پوشیدہ کا مـ۳ یہاں حرف جر کاف حذف کیا گیا ہے در اصل تھا کَسُنَّۃِ مَنْ ۔ جب حرف جر کو حذف کیا تو بقاعدۂ نحویہ فتحہ آیا اس لیئے کہ جار مجرور اصلاً مفعول بہ ہوتے ہیں حرف جر صرف تاکید کے لیے آتا ہے لہذا جب حذف ہو جائے تو لفظ اپنی اصلیت کی طرف لوٹ آتا ہے اور منصوب ہو جاتا ہے اس کا معنیٰ وزن جمہ ہے وا عادت وا قانون رہ راستہ را طریقہ ۔ اگر اس کو جامد مانا جائے تو اس کی جمع سُنَن ہوتی ہے ۔ مذکر و مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے مضاف ہے مَنْ موصولہ مضاف الیہ ہے اس کا مرجع رُسُل ہے یا اللہ تعالیٰ ہے قَدْ اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی قریب ۔ اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ مادّہ ہے رُسُلٌ بمعنی بھیجنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے جمع متکلم قَبْل اسم ظرف زمانی مضاف ہے بمعنیٰ پہلے ہو چکنا مکانی بھی ہوتا ہے بمعنی آگے ہونا گ ضمیر حاضر مرجع ہے ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اگر اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہو تو ضمہ پر ہی مبنی رہتا ہے جب ظاہر اضافت ہو تو یہ معرب ہوتا ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے مِنْ ۔ جارہ بعضیت کا ہے یا بیانیہ ہے ۔ رُسُل جمع مکسر ہے رسول کی ۔ نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے قَدْ اَرْسَلْنَا کا یہ فعل فاعل ظرف اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا ۔ اور موصول صلہ مضاف الیہ سُنَّۃَ کا وہ مفعول مطلق ہوا فعل پوشیدہ کا ۔ واؤ سر جملہ ۔ لَا تَجِدُ ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل منفی بلا اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم وَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پانا لام جارہ بمعنی فی طریقہ سُنَّتِ اسم مفرد جامد ہے یا مصدر نا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَا تَجِدُ کا تَحْوِیْلًا ۔ باب تفعیل کا مصدر بمعنیٰ پھرنا ، بدلنا ۔ اس پاس ہونا مفعول بہ ہے لَا تَجِد سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ۔ اَقِمْ باب افعال کا امر حاضر معروف اَنْتَ مستتر فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم امر قانونی ہے نہ کہ تخصیصی اسی لیے سب مسلمانوں کو شامل ہے تا قیامت اس کا مصدر اِقوامٌ اور اقامۃٌ مادّہ قومٌ ہے بمعنی قائم کرنا پورا کرنا طریقۃً ادا کرنا ھکرا کرنا الف لام استغراقی یا جنسی صَلٰوۃٌ ۔ اسم جامد حاصل مصدر بمعنیٰ نماز صَلْوٌ ناقص وادی سے بنا ہے ۔ لغوی ترجمہ ہے ہلنا اوپر نیچے ہونا ۔ مجازی ترجمہ ہے ہونٹ اور زبان ہلانا یعنی پڑھنا ۔ ازل میں سب سے پہلے درود شریف کا نام صلوٰۃ رکھا گیا پھر منقول شرعی ہیں نمازِ مشہور کو صلوٰۃ کہا گیا ۔ یہاں یہی مراد ہے نکالاتِ فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے لام جارہ بمعنیٰ مِنْ ۔ حرف مِنْ خود آسکتا نہیں اس لیے کہ لام نے علتِ وقت بتائی ۔ دُلُوک بروزنِ فُعُوْل مصدر ثلاثی ہے دَلَکَ سے بنا ہے بمعنی ڈھلنا تین قسم کا ہے را وقتِ ظہر جب کہ سورج وقتِ زوال نصف النہار نیچ آسمان سے نیچے ہو رہا ۲ وقتِ آخری عصر سورج کا مدار شفق غروب کی حدود میں آنا ۳ سورج کا شفق سے نیچے جانا یعنی غروب ہو جانا یہاں دُلُوک اپنے تینوں معنیٰ کے ساتھ ہے اس لیے کہ لام بمعنیٰ مِنْ سے ابتداءِ غایت ہوئی اور اِلٰی جارہ سے پوری انتہا ہوئی ۔ یہ مصدر مضاف ہے الف لام عہد خارجی شمس اسم مفرد مؤنث لفظی ہے کیونکہ اس کی تصغیر شُمَیْسَۃٌ ہوتی ہے جامد ہے فاعل مضاف الیہ ہے یہ جار مجرور پہلا متعلق ہے اَقِمْ کا ۔ اِلٰی انتہاءِ غایت کے لیے ۔ غَسَق مصدر مادہ ہے

بمعنی گہرا تیز سخت اندھیرا مراد ہے عشاء کا وقت چونکہ غایت مغیا کا غیر ہے لہٰذا اُولوک کی انتہا تیز اندھیری ہوئی غسق اس میں داخل نہیں۔ الف لام استغراقی لَیل اسم جامد بمعنی رات غروب آفتاب کے بعد کا وقت یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے اَقِمِ کا واؤ عاطفہ عطف ہے صلوٰۃ پر قرآن اسم مفرد مشتق قَرْءٌ سے بنا ہے بمعنی نماز یہاں نماز کو قرآن کہنے کی وجہ یہ ہے کہ نماز فجر میں سب نمازوں سے زیادہ تلاوت ہونی چاہیے اسی لیے نماز فجر کی رکعات کو کم رکھا گیا ہے۔ نیز اس نماز تلاوتِ قرآنِ مجید ہے۔ اَلْفَجْر۔ اسم مفرد معرفہ جامد بمعنی وقتِ سحر لغوی ترجمہ ہے چرنا ظاہر ہونا۔ علانیہ کرنا۔ یہ مرکب ہیں اضافی معطوف ہے صلوٰۃ کا اور سب عطف مفعول بہ ہے اَقِم کا یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوگیا اِنَّ حرفِ تحقیق قرآن بمعنی تلاوت یا وقتِ نماز فجر یا نماز فجر مراد ہے۔ مضاف ہے اَلْفَجْر۔ الف لام۔ دونوں جگہ استغراقی ہے مضاف الیہ ہے مرکبِ اضافی اسم اِنَّ۔ کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر مستتر اس کا اسم مرجع قرآن الفجر ہے مَشْهُوْدًا اسم مفعول واحد مذکر شُهُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی موجود ہونا حاضر ہونا۔ بحالتِ نصب ہے خبر کَانَ یہ فعلیہ ناقصہ جملہ ہوکر خبر اِنَّ۔ سب ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا۔ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا
واؤ۔ ابتدائیہ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ اَلَّيْل۔ اسم مفرد معرفہ جامد اسم زمانی ہے ترجمہ ہے رات یہ جار مجرور متعلق مقدم۔ فَ حرفِ زائدہ تحسینیہ تَهَجَّدْ۔ باب تفعّل کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ اس کا مخاطب فاعل مرجع ہے ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم اس کا مصدر ہے تَهَجُّدٌ ھُجُوْدٌ سے بنا ہے بمعنی کچھ نیند کرنا۔ باب تفعّل میں آکر سلبیت پیدا ہوئی یعنی ترک نیند مراد ہے جاگنا۔ جس طرح اِثْمٌ کے معنی ہیں گناہ کرنا اور تَاَثُّم کے معنی ہیں نیک ہونا۔ ترکِ گناہ، باب تفعّل میں ایسا ثبوت ہوتا ہے جس میں اصلاً نفی ہوتی ہے۔ بِ جارہ بمعنی فی ہٖ کا مرجع لَیل یا بِ بمعنی مع اور ہٖ کا مرجع قرآن ہے نَافِلَةً مصدر ہے بروزن عَافِيَة نَفْلٌ سے بنا ہے بمعنی زیادہ ہونا۔ زیادہ کرنا۔ علاوہ ہونا منقول شرعی میں نفلی نماز کو کہتے ہیں مفعول لہٗ ہے لام حرفِ جر تخصیص کے لیے۔ کَ ضمیر کا مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ جار مجرور متعلق سوم ہے تَهَجَّدْ، کا وہ سب ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگا۔ عَسٰى فعل ماضی مطلق متقارب بمعنی قریب اُمید کے لیے ہوتا ہے یہاں اُمید حصول اور محبوبیت کے لیے ہے نہ کہ امیدِ خوف کے لیے ھُوَ۔ پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ يَبْعَثَ باب فَتَحَ کا مضارع مستقبل کیونکہ یہ جملہ خبر ہے عَسٰى کی اور اَنْ کے ساتھ ہے کَ۔ ضمیر مفعول بہ منصوب متصل۔ رَبُّكَ یہ مرکب اضافی فاعل ہے يَبْعَثَ کا۔ بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنی لے جانا بھیجنا، مَقَامًا۔ اسم ظرف زمانی قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنی کھڑا ہونا قَوْمٌ سے کھڑے ہونے کی جگہ۔ مَقَامًا موصوف مَحْمُوْدًا اسم مفعول واحد مذکر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے يَبْعَثَ کا یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے عَسٰى کی۔ عَسٰى اپنے اسم خبر سے ملکر جملہ تقریبیہ ہوگیا واؤ۔ سرِ جملہ قُلْ۔ فعل امر قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنی کہنا اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم

بعض نے فرمایا یہ امر قانونی ہے تاقیامت ہر مسلمان کو یہ دعا مانگنے کا حکم استحبابی ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ۔ اسم منادیٰ مضاف ہے اس کا مضاف الیہ یاء متکلم محذوف منوی ہے دراصل تھا یَا رَبِّیْ یہ مرکب اضافی ذہنی مفعول بہ ہوا اُدْعُوْا پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر ندا ہوا۔ اگلی ساری عبارت جوابِ ندا ہے اَدْخِلْ بابِ افعال کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ اِدْخَالٌ مصدر ہے بمعنیٰ داخل کرنا اندر لے جانا۔ نون وقایہ۔ یٔ مفعول بہ ضمیر متکلم ہے مُدْخَلَ۔ اسم مصدر میمی دُخُوْلٌ سے بنا ہے مضاف ہے صِدْقٍ اسم حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ سچائی۔ اچھائی یہ مرکب اضافی یا مفعول مطلق ہے اَدْخِلْ کا یا مفعول فیہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ اَخْرِجْ فعل امر بابِ افعال مصدر ہے اِخْرَاجٌ۔ خُرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نکالنا علیحدہ کرنا۔ باہر لے جانا۔ اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ، نون وقایہ یعنی امر کو بچانیوالی یٔ ضمیر واحد متکلم اس کا مفعول بہ، مُخْرَجَ۔ مصدر میمی مضاف ہے صِدْقٍ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول مطلق ہوا اَخْرِجْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر آگے معطوف علیہ ہوا۔ واؤ۔ عاطفہ۔ اِجْعَلْ۔ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر معروف۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ۔ لام جارہ متعدی کا جب یہ لام ضمیر واحد متکلم یا ظاہر اسم پر ہو تو مجرور ہوتا ہے (زیر والا)، باقی ضمائر پر مفتوح ہوتا ہے۔ یٔ ضمیر واحد متکلم جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ ابتدا کے لیے۔ لَدُنْ۔ اسم مفرد جامد ظرفِ مکانی بمعنیٰ پاس، قریب مبنی غیر متمکن ہے کبھی ظرفِ زمانی بھی ہوتا ہے بمعنیٰ ابتدائی وقت مگر شاذ و نادر۔ مضاف ہے کَ۔ مضاف الیہ مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اِجْعَلْ کا عربی میں لفظ لَدُنْ سات طرح مستعمل ہے ۱۔ لَدُنْ۔ یہی مشہور ہے، ۲۔ لَدُ، ۳۔ لَدَیْ، ۴۔ لَدُ، ۵۔ لَدُوْنَہٗ، ۶۔ لَدَانَہٗ، ۷۔ لِدُنْ۔ سُلْطَانًا بروزنِ فُعْلَانٌ سَلْطٌ سے بنا ہے یا یہ حاصل مصدر ہے بمعنیٰ قوت۔ طاقت دلیری۔ اگر صیغہ مبالغہ ہو تو معنیٰ ہے طاقت دینے والا۔ یا مراد ہے تائید غیبی یا اپنا قلب یا فرشتہ یا حمایتِ الٰہیہ موصوف ہے۔ نَصِیْرًا۔ اسم صفت مشبہ۔ نَصْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مدد کرنا۔ یعنی ہر حال میں مدد کرنیوالا صفت ہے یہ مرکبِ توصیفی مفعول بہ ہے اِجْعَلْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف ملکر جوابِ ندا اور دونوں ملکر مقولہ ہوا قول کا۔

تفسیر عالمانہ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا اے پیارے حبیب کریم ہمارا طریقہ تو ابتدا سے وہی طریقہ ہے ان تمام انبیاء کرام کے لیے جن کو ہم نے آپ سے پہلے اپنے رسولوں میں سے ان کی اپنی اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کبھی بھی کسی قوم کے لیے بھی آپ ہمارے کسی طریقے کو تبدیل ہوتا نہ پاؤ گے اس لیے کہ کوئی بھی حادث کسی معین صفت اور معین وقت سے خود بخود خاص نہیں ہو سکتی ورنہ لازم آئیگا کہ یہ چیز شروع سے ہی ایسی ہو۔ اور نہ ممتاز ہو اپنے ہم مثل سے بلکہ ہر مخصوص کو کوئی خاص کرنیوالا خاص کرتا

ہے اور وہ اللہ تعالٰی ہے۔ وہی اُس چیز کے حصول کا اس وقت میں ارادہ فرماتا ہے۔ پھر قدرتِ الٰہیہ اس چیز کو اس وقت میں حاصل کرنے سے متعلق ہوتی ہے اور رب تعالٰی کا علم اس چیز اور اُس کے حصول اور وقت سے متعلق ومحیط ہے۔ یہی تینوں صفات الٰہیہ ۱ مختص ہونا ۲ قدرت ہونا ۳ علم ہونا مؤثر ہیں کسی حادث کو خاص کرنے میں اگر حادث کسی دوسری چیز کا محتاج ہو حصولِ خصوصیت میں تو وہ شی کسی تیسری کا محتاج ہو گی اس طرح یا تسلسل لازم آئے گا یا دَور اور دونوں ہی محال وناممکن ہیں۔ اور اگر اس کو قدیم مان لیا جائے کہ شروع سے ہی ایسا ہی ہے تو پھر اشیاء کا تغیر تبدل ناممکن ہوگا کیونکہ قدیم ہونا وجود ہے اور تغیرُ تبدُّل ہونا عدم ہے اور جب ان صفاتِ موثرہ کا متغیر ہونا اس تخصیص میں محال ہوا تو پھر اُن چیزوں کا اور اس دستور وطریقوں کا متغیر اور تبدیل ہونا بھی محال ہوا۔ لِهٰذَا اَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا۔ فرمانا عین درست ہوا۔ اور جب ہمارا یہ قانون نافذ ہوتا چلا آرہا ہے کہ جس قوم نے بھی اپنے مُرسَل ومبعوث نبی کو شہید اور قتل کیا یا اپنے علاقے سے ان کو نکالا تو تھوڑے ہی عرصے بعد اُس قومِ کفار کو بھی وہاں رہتے بستے نہ دیا گیا یا ہلاک کر دیا گیا عذابِ آسمانی سے یا کسی جنگ سے قتل کروا دیا گیا یا کسی وبا اور بیماری کے سبب وہاں سے نکال دیا گیا۔ یا اُسی نبی علیہ السلام کے امتیوں کو اُن ظالم کفار پر غلبہ دیا گیا۔ لہٰذا اے آخری تاجدارِ نبوت آپ بھی ان کفارِ مکہ کی دھمکیوں شرارتوں سے پریشان نہ ہوئیے اور نہ کسی صحابہ کو پریشان ہونے دیجیے۔ بلکہ بنہایت اطمینان سے اپنی امت تا قیامت میں اُن تمام پانچ نمازوں کو قائم فرما دیجیے جو آپ کو معراجِ لامکاں میں دیدارِ الٰہیہ کے تحفہ میں عطا فرمائیں گئیں ان میں سے چار نمازیں سورج کے دوپہر ڈھلنے سے رات کے گہرا اندھیرا ہوتے تک کہ جب سورج نصف النہار سے نیچے ہو تو فوراً ظہر کی نماز جس کی بارہ ۱۲ رکعتیں ہیں چار سنّتِ مؤکدہ چار فرض اور دو سنتِ مؤکدہ اور دو نفل۔ پھر زیادہ نیچے ڈھلے تو عصر کی نماز جس کی آٹھ رکعتیں ہیں چار سنّتِ غیر مؤکدہ۔ اور چار فرض۔ پھر جب بالکل ڈھل جائے یعنی غروب ہو جائے تو مغرب کی نماز جس کی سات رکعتیں ہیں۔ تین فرض۔ دو سنتِ مؤکدہ دو نفل پھر جب سورج کے نشانات یعنی سرخ اور سفید شفق بھی غائب ہو جائے اور رات کا ہر طرف اندھیرا پھیل جائے تو عشا کی نماز جس کی سترہ رکعتیں ہیں۔ چار سنتِ غیر مؤکدہ چار فرض دو سنتِ موکدہ دو نفل تین وتر دو نفل اور فجر کی نماز میں بھی خوب تلاوت قرآن کو قائم وجاری فرما دیجیے۔ جس کی چار رکعتیں ہیں دو سنت مؤکدہ ضروریہ دو فرض۔ بے شک نمازِ فجر کی تلاوتِ قرآنی ہمارے خاص مشاہدے میں ہے اور کثرتِ ملائکہ کی حاضری کا وقت ہے۔ اُمُّ المومنین عائشہ صدیقہ سے کسی نے پوچھا کہ فجر کی رکعتیں کم کیوں رکھی گئیں تو آپ نے فرمایا کہ زیادہ تلاوتِ قرآن کے لیے۔ محققین فرماتے ہیں کہ جس طرح صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم فجر کے وقت دنیا میں تشریف لائے اسی طرح لوحِ محفوظ سے پہلے آسمان پر شبِ قدر میں اور پہلے آسمان سے تھوڑا تھوڑا نازل ہونے کی ابتدا کے وقت زمین کی طرف۔ غارِ حرا میں بھی پہلی سورت اِقْرَاْ فجر کے وقت ہی نازل ہوئی۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ دو لوگ

کا معنیٰ غروب ہے۔ اور اس آیت سے صرف تین نمازیں مغرب عشاء اور فجر ثابت ہوتی ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ دُلوک اپنے لغوی معنیٰ کے اعتبار سے دونوں کو شامل ہے کیونکہ دُلوک کا لغوی ترجمہ ہے مائل ہونا۔ زائل ہونا۔ اور زوال کی ابتدا ظہر ہے۔ وسط عصر ہے اور انتہا مغرب ہے۔ نیز کثیر احادیث میں اور بہت اقوالِ صحابہؓ و تابعینؒ سے دُلوک کا معنیٰ دوپہری کا ڈھلنا کیا گیا ہے امام اعظمؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔ اس لیے صحیح یہی ہے کہ دلوک سے سورج کا زوال مراد لیا جائے تاکہ اس میں سب زوال شامل ہو کر تین نمازیں ثابت ہوں۔ صرف غروب مراد لینے سے یہ مقصد حاصل نہ ہوگا اور لغت و احادیث کی مخالفت بھی کرنی پڑے گی۔ ہمارے فلاسفہ نے فرمایا کہ آسمان کے تمام کُرّے گیند کی طرح گول ہیں مگر زمین انڈے کی طرح گول ہے اور شمالاً جنوباً پانی پر پڑی ہوئی ہے یعنی اس کا طول یعنی لمبائی ہے مغرب مشرق میں اس کا عرض یعنی چوڑائی ہے جانب شمال پہاڑوں کی وجہ سے انڈے کی طرح موٹی اور بڑی ہے جانبِ جنوب چھوٹی ہے پوری زمین کو چار حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے نیچے کے دو حصے پانی میں اوپر کا ایک حصہ آبادی دوسرا حصہ غیر آباد جنگلات اور ریگستان آبادی کے حصے کا نام ربع شمالی یا رُبعِ مسکون ہے۔ زمین کو سات علاقوں میں تقسیم کیا گیا ہے جس کو اقالیم سبعہ کہا جاتا ہے۔ جزیرے اُن کے علاوہ ہیں۔ خیال رہے کہ سات ہی آسمان سات ہی ستارے اور سات ہی اقالیم ہیں۔ سات ستاروں کا زمین پر راج ہے زمین ہر وقت ان کے شاہی دوروں کے گھیرے میں ہے ان میں سب سے تیز رفتار سورج ہے اور سب سے سُست رفتار چاند ہے سورج کی رفتار سے زمین کے اوقات منٹ گھنٹے سیکنڈ اور رات و دن بنتے ہیں چاند کی رفتار سے زمین کی تاریخیں ہفتے مہینے سال بنتے ہیں اسلام میں عبادتیں بھی دو قسم کی ہیں ۱ وقتی جیسے نماز ۲ تاریخی جیسے روزہ زکوٰۃ حج، قربانی فطرانہ تاریخی عبادات کا تعلق چاند سے ہے اور وقتی عبادات کا تعلق سورج سے۔ سورج کی رفتار سے سب وقت بنتے ہیں بلکہ صبح شام دوپہر وغیرہ یہ سب سورج کی رفتار کے نام ہیں۔ سورج کی رفتار کو سمجھنے اور یاد رکھنے کے لیے فلاسفہ قدیم نے پوری زمین پر کچھ فرضی لکیریں اور خطوط کھینچ دیے ہیں۔ چوبیس خطوط شمالاً جنوباً یعنی دائیں بائیں ان کو طولِ بلد کہا جاتا ہے۔ اور چوبیس لکیریں مشرق و مغرب میں ان کو عرضِ بلد کہا جاتا ہے دو طرفہ لکیروں سے تمام زمین پر تین سو ساٹھ خانے بن جاتے ہیں ہر سمت کی درمیانی لکیر والائن کا نام خطِ استوا ہے اسی کو صفر درجہ عرض بلد اور صفر درجہ طول بلد کہا جاتا ہے اس کو چھوڑ کر اگلی لائن سے ایک دو تین نمبر شروع ہوتے ہیں۔ اسی خطِ استوا سے کرۂ ارض دو حصوں میں تقسیم ہوتا ہے طولاً بھی ۱ طولِ بلد مشرقی ۲ طول بلد مغربی۔ اسی طرح عرضِ بلد کے بھی دو حصے ہیں ۱ عرضِ بلد شمالی ۲ عرض بلد جنوبی۔ اور ہر حصے میں نوّے خانے ہیں۔ طولِ بلد کے ایک سو اسی خانے اور عرض بلد کے ایک سو اسی خانے اس طرح کل تین سو ساٹھ خانے بن جاتے ہیں۔ ان خانوں کا نام ہے درجہ اور ڈگری۔ جب سورج طلوع ہوتا ہے تو پہلے اس کی دھوپ زمین پر بلند ہوتی جاتی ہے مشرقی جانب سے

پھر ڈھلتی جاتی ہے یعنی ایک جگہ سے غائب ہو کر دوسرے اقلیم میں طلوع ہو جاتا ہے۔ آفتاب اپنی رفتار میں ایک درجہ کو چار منٹ میں طے کرتا ہے یعنی چار منٹ میں ایک درجہ دھوپ سے بھر جاتا ہے اور پندرہ درجے ایک ایک گھنٹے میں اس طرح تین گھنٹے میں سورج ۴۵ ڈگری بلند یا نازل ہوتا ہے ڈیڑھ گھنٹے میں ساڑھے ۲۲ ڈگری سورج چلتا ہے اور چھ گھنٹے میں نوے ڈگری بارہ گھنٹے میں ایک سو اسی درجہ اور چوبیس گھنٹے میں پوری زمین کے تین سو ساٹھ درجوں کا چکر مکمل ہو جاتا ہے۔ اس طرح سورج کی رفتار تین سو ساٹھ حصوں میں تقسیم ہو گئی ہر رفتار کا نام اس طرح ہے ۱ رابعہ ۲ ثالثہ ۳ ثانیہ اسی کو انگلش میں سیکنڈ کہتے ہیں ۴ دقیقہ یعنی منٹ۔ ۵ ساعت یعنی گھنٹہ ۶ ہر ڈیڑھ گھنٹے کے بعد یہ نام ہوتے ہیں سحر ۷ صبح ۸ اشراق ۹ چاشت (عربی میں غدا) ۱۰ ضحوۂ صغریٰ ۱۱ ضحوۂ کبریٰ ۱۲ نصف النہار ۱۳ زوال ۱۴ دلوک ۱۵ دلوک ظہر ۱۶۔ دلوک عصر ۱۷ دلوک غرب ۱۸ شفق احمر ۱۹ شفق ابیض ۲۰ غسق ظلمت اسی کو غسق لیل کہا جاتا ہے ۲۱ فجر کاذب۔ ڈیڑھ گھنٹے کے حساب سے یہ سولہ حالتیں ہوئیں۔ پھر تین گھنٹے کی رفتار سے سورج کے آٹھ نام ہوئے ۲۲ طلوع آفتاب ۲۳ غزالۃ (المعجم لغتِ عربی اردو) ۲۴ ذکاء ۲۵ ضیاء ۲۶ شمیسۃ ۲۷ عین سمائی ۲۸ عقیر ۲۹ غارب پھر چھ گھنٹے کی رفتار کے بعد سورج کے چار نام ہیں ۳۰ صبح ۳۱ دوپہر ۳۲ شام ۳۳ رات۔ پھر سورج کے آدھے چکر کا نام ہے لیل ۳۴ دوسرے آدھے چکر کا نام ہے یوم ۳۵ مثلِ اول یعنی زوال کے سایہ کے علاوہ ہر چیز کا سایہ اس کے برابر ہو ۳۶ مثلِ ثانی زوال کے سائے کے علاوہ ہر چیز کا سایہ دگنا ہو۔ ۳۷ سورج کے پورے چکر کا نام ہے نہار۔ اس طرح رفتارِ آفتاب کے سینتیس نام ہو گئے۔ علماء کرام نے سورج کی رفتار کو بیس حصوں میں تقسیم کیا ہے ہر حصہ اٹھارہ درجے کا جس کا وقت ایک گھنٹہ ۱۲ منٹ یا سوا گھنٹہ سورج غروب کے بعد اٹھارہ درجہ نیچے چلا جائے تو عشاء شروع ہوتی ہے اور شفق غائب۔ اور سورج جب طلوع سے اٹھارہ درجے نیچا ہو تو صبح صادق ہوتی ہے۔ اور ہمیشہ ہر موسم میں جب سورج اٹھارہ درجے سے پہلے ہو تو صبح کاذب کی سفید لکیر بنتی ہے یعنی طلوع آفتاب سے تیئیس درجہ نیچا ہو تب علماءِ توقیت کے نزدیک نہار کی سات قسمیں ہیں اول نہارِ شرعی غروب آفتاب سے غروبِ آفتاب تک اسی کو چاند کی تاریخ کہا جاتا ہے فلاسفہ اسلامیہ شمسی تاریخ بھی غروب آفتاب سے شروع مانتے ہیں نہ کہ بارہ بجے آدھی رات سے۔ دوم نہارِ عرفی طلوعِ آفتاب سے غروب آفتاب تک سوم نہار نجومی دوپہر نصف النہار تک چہارم نہارِ سائنسی نصف اللیل بارہ بجے رات سے بارہ بجے تک رات بجے پنجم: نہارِ حقیقی۔ فجر صادق سے غروب آفتاب تک۔ ششم نہار کوکبی۔ غروب کواکب تک۔ ہفتم۔ نہارِ وسطی۔ دن کے نوافل جائز ہونے کا وقت یعنی اشراق سے فرائض عصر پڑھنے تک واللّٰہ اعلم بالصواب۔ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔

اور اے پیارے حبیب رات کے کچھ حصے میں ضرور جاگ اٹھو اس نمازِ عشق و معرفت کی وجہ سے جو معراج
کی رات بیت المعمور سدرۃ المنتہٰی کے پاس خاص آپ کے لیے عطا ہوئی اور حیاتِ طیبہ مبارکہ میں آپ پر ایک
زائد فرض ہوئی معراج کی بلند مقامی عطا فرماتے کے علاوہ عنقریب آپ کا رب تعالیٰ آپ کو محبوبیت اور محمودیت
کے اعلیٰ مقام پر مبعوث اور قائم فرمائے گا۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی قبر میں بھی حشر میں بھی۔ دنیا میں اس طرح کہ ابھی
تو یہ کفارِ مکہ بعض خبیث نفسوں کے اُکسانے بھڑکانے ورغلانے کی وجہ سے آپ کے دشمن اور گستاخ بنے ہوئے
ہیں مگر بہت جلدی ایسا ہونیوالا ہے کہ قلوبِ عالمین اور اَرواحِ کائنات میں آپ کی مدحت سرائی ہوگی دنیا کے
ہر شجر و حجر سے آپ کی شان و رفعت کے نغمے بلند ہوں گے آپ کی محمودیت کا وہ اونچا مقام ہوگا کہ روح کی
گہرائیوں عشق کی پنہائیوں سے تا قیامت آپ کی نعت خوانی ہوتی رہے گی۔ عرش و فرش کے اہلِ ایمان آپ
کی محبت میں وارفتہ و سرشار ہوں گے یہی نہیں بلکہ جس شجر و حجر شہر و بیابان مُلک و ملکوت کو آپ سے نسبت ہو
جائے گی قیامت تک اس کے بھی قصیدے پڑھے جائیں گے اہلِ دنیا اپنی حکومت و امارت وزارت و بادشاہت
کے بل بوتے پر اَجسام و املاک پر تو قبضہ جما سکتے ہیں لیکن قلبی محمود محبوب نہیں بن سکتے۔ چنگیز و ہلاکو جیسے لوگ
ہلاکت کے شہسوار تو بن سکتے ہیں لیکن قلبی محبت و عشق کا مرکز نہیں بن سکتے یہ مقامِ محمود تو صرف اللہ ہی کی عطا ہے
قبر میں دیدار کی جلوہ ریزی امتحانِ انسانیت کی کامیابی کے لیے کسی کی اَبروئے چشم کی منتظری ہوتی ہے۔ اور
میدانِ محشر میں تو مقام محمود کی شان ہی نرالی ہوگی کہ جب تڑپتی پھڑکتی انسانیت دیکھے گی مانگی کہ مسیح و صفی
خلیل و نجی سبھی سے کہیں کہیں نہ بنی ☆ یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے۔ احادیث میں بہت
سی شاندار و مشہور و متواتر ارشاداتِ نبوت ہیں جن سے شفاعتِ کبریٰ کا ذکر و ثبوت ملتا ہے۔ عرش کے پیچھے
سجدہ ریزی شفاعت اور جنت کا دروازہ آپ کے لیے کھلنا۔ صدرِ محشر بنایا جانا۔ حساب و کتاب کو جلدی
ختم فرما کر محفلِ نعت خوانی کا انعقاد ہونا۔ اس سے بڑھ کر مقام محمود کسکو نصیب ہو سکتا ہے یہی مقام محمود ہے
دنیا کی سلطنت قلبوں کی محبوبیت عرش و لامکان کی سعودیت تا قیامت قرآن و حدیث کی حکومت و مقبولیت
قبر کی جلوہ و دیدار محشر کی تخت نشینی ہر طرف مقامِ محمود کی بکھیر ہے۔ نمازِ تہجد کے بارے میں علماء کے تین
قول ہیں۔ اول یہ کہ نمازِ تہجد نبی کریم پر تا حیاتِ ظاہری فرض تھی اور امت پر نفل و مستحب ہے۔ یہی قول زیادہ
صحیح اور مستند و راجح ہے۔ دوم یہ کہ پہلے پہل یہ نماز آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی پھر نفل کر دی
گئی۔ سوم یہ کہ نمازِ تہجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر شروع سے نفل تھی مگر نفلِ موکدہ ہر قول پر اپنے اپنے دلائل
ہیں۔ جن کا کچھ ذکر آئندہ سوال و جواب میں کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ
وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِیْرًا۔ اے حبیب مکرم یہ

کفارِ مکہ آپ کو شہر مکہ سے نکالنے کی کتنی ہی کوشش کرلیں مگر نکال نہیں سکتے اِنکا ہر حیلہ ہر منصوبہ ناکام ہی رہے گا ہاں جب اللہ چاہے گا تو آپ کو یہاں سے نکال کر کسی بھی مقام محمود پر بھیجدے گا۔ لہٰذا آپ ہر وقت اپنے رب کریم کی بارگاہ میں یہی عرض کرتے رہے کہ اے میرے رب میرے پالنے والے داخِل فرما مجھ کو نُصرت۔ عزت، عظمت۔ دولت کرامت کی صداقت والے مُدخل میں ہر طرح کی سچائی سے داخل کرنا سچائی اور صدق وصفا والے شہر طیّب میں اور نکال دے مجھ کو اس شہر سے قوت ہمت جرأت کی صداقتیں عطا فرما کر سچائی اور مضبوطی کا نکالنا۔ اور اپنے پاس سے مجھ کو عطا فرما دائمی طاقت روشن دلیل مضبوط سلطنت ظاہری عدالت باطنی حکومت دینی بادشاہت قرآنی ریاست جو تا قیامت نصیر ہو مُمِد و معاوِن ہو شریعت کے جاری کرنے میں شرک کے روکنے میں کفر کے مغلوب کرنے میں حدوُد اللہ کے قائم کرنے دین کے جاری کرنے میں۔ چونکہ یہ قوتیں بجُز پروردگارِ عالم کوئی بھی نہیں دے سکتا اس لیے ہر وقت ہر مسلمان کو حکم ہے کہ اپنے رب تعالیٰ سے مانگتا رہے۔ مُدخل صدق اور مُخرج صدق میں مفسّرین کرام کے دس قول ہیں۔ ایک یہ کہ مجھ کو مدینہ منورہ میں داخل فرما اور مکہ مکرمہ سے نکال۔ دوم یہ کہ مجھ کو مکہ مکرمہ میں قوت کے ساتھ داخل فرما اور یہاں سے امن کے ساتھ نکال سوم یہ کہ مجھ کو دین کی آسانیوں میں داخل فرما اور دنیا کی اُلجھنوں فکروں مصیبتوں سے نکال۔ چہارم یہ کہ مجھ کو جنت کے مقامِ محمود میں داخل فرما اور دنیا کے مقامِ کرب وبلا سے باسہولتِ دینی نکال۔ پنجم یہ کہ مجھ کو بعد وفات قبر میں رحمت وبرکت سے داخِل فرما اور بروزِ قیامت کرامت اور رضا کے ساتھ نکال۔ ششم یہ کہ قلب و دماغ عقل و مزاج کی اطاعتوں میں داخل رہنے دے اور نفس و نفاس کی ممنوعات و شرارتوں سے نکالا رہنے دے۔ ہفتم یہ کہ قُربِ ہدایت میں داخل فرما دوریِ حجاب سے نکال دے ہشتم یہ کہ مجھ کو اپنی عبادت میں ذکر و فکر خلوص سے داخل فرما۔ اور پوری ادائگی کے بعد شاکر و مشکور بنا کر شکر کی صداقت کے ساتھ نکال۔ نہم یہ کہ مجھ کو احکامِ الٰہیہ کی کٹھن ذمے داریوں میں ہمت ولگن شوق و ذوق کی صداقت و صدق سے داخل فرما اور تکمیل و تعمیل کی سُرخروئی کے ساتھ صدقِ معاملہ میں نکال۔ دہم یہ کہ اے میرے کریم واکرم رب مجھ کو توحید و تمجید تقدیس تنزیہہ تحلیل و تکبیر کے بحروں اور انوار کی لہروں میں داخل فرما اور ضیائے معرفت کے دلائل کے ساتھ وہاں سے خارج فرما اور جو بھی جس طرف سے جس طرح سے میرے مُدخلِ سعادت مخرجِ عبادت و ریاضت کی مخالفت کرے تو تُو میرے لیے اپنے پاس سے ہی قوت وطاقت والا مددگار مہیا فرما دے۔ تقویت و حجت کا سلطان اور قہر و قدرت کا نصیر عطا فرما۔ (تفسیر مظہری۔ کبیر و خازن مدارک تفسیر فتح القدیر صفوۃ التفاسیر) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: اللہ تعالیٰ کی تمام سنتیں قانون اور طریقے صرف انبیاء کرام کی وجہ سے دنیا میں نازل ہوئے ہیں یہاں تک کہ صفاتِ باری تعالیٰ کا ظہور

بھی اجسامِ انبیا علیہم السلام پر ہوتا ہے گویا کہ ساری دنیا زمین و آسمان باری تعالیٰ جل سبحانہ نے شان و عظمتِ انبیا علیہم السلام کے لیے ہی بنائی ہے یہ فائدہ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا (الخ) فرما کر اپنے تمام قوانین و سنن کی نسبت مرسلینِ عظام کی طرف کرنے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ شفاعت برحق ہے اور اس کا منکر گمراہ ہے۔ میدانِ محشر میں سب سے پہلے ذنوبِ کبائر کی شفاعت کا دروازہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھولا جائے گا۔ اُس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام پھر اولیاء اللہ پھر علما حفاظ قرآء علی الترتیب شفاعت فرمائیں گے۔ پانچ گمراہ فرقوں نے شفاعت کا انکار کیا (۱) خارجیوں نے (۲) معتزلہ نے (۳) نجدیوں وہابیوں نے (۴) نیچریوں نے (۵) چکڑالوی منکرِ حدیث نے۔ لیکن شفاعت بالکل درست عقیدہ ہے قرآن مجید کی تقریباً گیارہ(۱۱) آیتوں اور تقریباً چالیس(۴۰) حدیثوں سے ثابت ہے۔ یہ فائدہ۔ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ:۔ اللہ تعالیٰ کے قانون کو دوسرا کوئی شخص نہیں بدل سکتا ہاں البتہ رب تعالیٰ خود بدل سکتا ہے حضرت ابراہیم کو آگ نے اور حضرت اسماعیل کو چھری نے نہ جلایا نہ ذبح کیا۔ یہ تبدیلی سنت و قانون خود مولیٰ تعالیٰ کی اپنی قدرت سے ہوئی یہ فائدہ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ نیک لوگوں کے ساتھ رہنا اور ان کے ساتھ مل کر نیکی عبادت کرنا زیادہ مفید اور باعث ثواب ہے یہ فائدہ كَانَ مَشْهُوْدًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ فرشتوں کی کثرت اور مشاہدہ کا اہتمام سے ذکر فرمایا۔ یہی کیفیت دیگر نیک بندوں کی کثرت سے ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ عبادت کا فرض اور لازم و واجب ہونا محبوبیت مقبولیت کی نشانی ہے۔ جتنا بڑا کوئی زیادہ محبوب ہوگا اتنا ہی بڑا اس پر فرض عائد ہوگا۔ دیکھو پہلی امتوں پر ایک ایک نماز فرض تھی امتِ آدم پر فجر امتِ ابراہیمی پر اور داؤدی پر ظہر امتِ یونس اور اُمتِ سلیمان پر عصر اُمتِ یعقوب اور اُمتِ عیسٰی پر مغرب۔ اُمتِ موسیٰ علیہم السلام پر عشا اُمتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچوں نمازیں اور خاص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد بھی اس لیے فرمایا گیا۔ نَافِلَةً لَّكَ اور کسی پر آٹھویں دن لیکن امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر دن میں پانچ اور نوافل اسکے علاوہ اسلیے کہ عبادت الٰہیہ روحانی غذا اور قرب و معرفت کا وسیلۂ عظمیٰ ہے۔ یہ مسئلہ نَافِلَةً لَّكَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ تہجد کی نماز نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی۔ امت پر نفل مؤکدہ علی الکفایہ ہے کہ اگر محلے میں ایک بھی روزانہ پڑھ لیگا تو سب کو دینی دنیوی فائدے ہیں اور اگر کوئی بھی نہ پڑھے گا تو سب محبت الٰہیہ سے محروم رہیں گے۔ یہ مسئلہ بھی نَافِلَةً لَّكَ۔ سے مستنبط ہوا اصطلاحِ فقہا میں سنتِ مؤکدہ اور نفل مؤکدہ میں فرق یہ ہے کہ تارکِ سنتِ مؤکدہ گناہگار ہوتا ہے اور تارکِ نفل مؤکدہ محروم ہوتا ہے۔ تیسرا مسئلہ عشاء کی نمازِ فرض و سنت دو رکعت پڑھ کر سونے والا جب بھی رات کے کسی حصے میں جاگے تو اس کے لیے تہجد کے نوافل

جائز ہوں گے اور درست ہوں گے۔ بغیر عشا پڑھے یا عشا کی نماز پڑھ کر نہ سویا تو تہجد درست نہ ہوگی۔ اسی طرح دن میں کسی وقت سو کر اٹھنے سے بھی تہجد نہیں ہوتی یہ مسئلہ وَمِنَ الَّیْلِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ چوتھا مسئلہ سورج چکر لگاتا ہے نہ کہ زمین سائنسدان کا عقیدہ باطل و غلط ہے یہ مسئلہ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ سورج کو ڈھلنے والا اقرار دیا گیا نہ کہ زمین کو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا۔ یعنی اللہ کی کسی عادت کسی قانون میں تم تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ یہ معنی نہیں ہے کہ کوئی دوسرا تبدیلی نہیں کر سکتا بلکہ منشا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود بھی تبدیلی نہیں فرماتا۔ حالانکہ تاریخ انسانیت میں بہت دفعہ اصل قانون سے تبدیلی کر دی گئی اس کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سنتِ الٰہیہ کے خلاف ہوئی اور تبدیلی پائی گئی۔ اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ تو پھر لَا تَجِدُ سے مراد کیا ہے؟ **جواب**: اس کے تین جواب ہیں ایک یہ سُنَّتَنَا میں کی اضافت بتا رہی ہے کہ ہر سُنَّۃ کا یہاں ذکر نہیں بلکہ صرف اللہ کی ان سنتوں کا ذکر ہے جس کا تعلق انبیاء کرام کی ذات سے خصوصی طور پر ہو۔ مثلاً انبیاء کرام علیہم السلام کو ماننے تعظیم و ثنا کرنے والوں کا اجر و ثواب و مقبولیت محبوبیت اور ان کو ستانے گستاخی کرنے نہ ماننے والوں کا کفر عذاب دُنیوی اُخروی اس میں کبھی کوئی تبدیلی اور عکس نہ ہوگا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مخلوق میں کوئی تبدیلی نہیں کر سکتا نہ کوئی فرشتہ نہ بادشاہ نہ دیوی دیوتا جیسے کہ کفار کا باطل عقیدہ ہے۔ ہاں البتہ اگر خود باری تعالیٰ کسی سنت میں تبدیلی فرما دے تو یہ اس کی قدرت ہے وہ قادر قیوم ہے حضرت مسیح کی ولادت اسی قدرت کی نشانی اور اظہار ہے۔ تیسرا جواب: یہ ہے کہ سب کام قانون اور قدیمی پروگرام کے تحت ہو رہے ہیں اور ساری کائنات کے پروگرام ازلِ قدیم میں بن چکے ہیں۔ اس میں کبھی کوئی تحویل و تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ کسی کو کیا ہونا ہے کس طرح پیدا ہونا مرنا جینا ہے سب کچھ لکھا جا چکا ہے سنت الٰہیہ مقرر ہو چکی ہے۔ مگر اس کو ہر شخص نہیں جانتا اور جو جانتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی ساری سنتوں کا پتہ ہے جس کو بتا دیا گیا ہے کہ کب کہاں کس کے ساتھ کیا ہونا ہے جو دیکھ رہا ہے کہ اللہ کی سنتوں میں ماضی حال مستقبل کا کیا کچھ لکھا ہے اُسی سے خطاب ہے کہ لَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا۔ اے محبوب تم ہماری ان ازلی قدیمی سنتوں میں کبھی کوئی اُلٹ پھیر اور تبدیلی نہ پاؤ گے جیسا تم عالمِ اسرار میں لکھا دیکھ چکے ہو ویسا ہی ہوتا رہے گا۔ یہ خطاب ما و شما سے نہیں ہم اپنی لاعلمی نادانی سے جس کو تبدیلی سمجھ جاتے ہیں وہ در اصل تبدیلی نہیں بلکہ ازلی قدیمی بنا ہوا قانون و سنت ہی ہے۔ بھلا جس کو شاہی بنے ہوئے قانون کا پتہ ہی نہیں کہ گرمی سردی بہار خزاں میں اوقاتِ کار و کیفیتِ کارکردگی کورٹ کچہری کی نوعیت کیا ہے وہ تو ہر نئے موسم کو تبدیلی ہی سمجھے گا مگر دربار شاہی کا عملہ جانتا ہے کہ تبدیلی نہیں بلکہ شروع سے مرتب پروگرام کا اجرا ہے۔ دربارِ الٰہیہ کے سب سے بڑے اہلِ کار تو آقائے کائنات

ہیں صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لیے صرف اُن ہی سے خطاب ہے لَاتَجْعَلْ۔ **دوسرا اعتراض**۔ بہت سی تفسیروں میں لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر تہجد کی نماز بھی فرض تھی اور اسی آیت سے دلیل لی جاتی ہے حالانکہ یہاں ارشاد ہے نَافِلَةً لَّكَ ۔ اگر یہ نماز فرض ہوتی تو لکَ نہ ہوتا عَلَيْكَ ہوتا کیونکہ فرض اور واجب ذمہ پر لازم ہوتی ہے اس کے لیے علیٰ لایا جاتا جیسے عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ اور كُتِبَ عَلَيْكُمْ وغیرہ لکَ بتارہا ہے کہ فرض نہیں بلکہ نفل ہیں اور لفظ نَافِلَةً اپنے اصطلاحی معنیٰ میں ہے نہ کہ لغوی معنیٰ میں۔ (تفسیر مظہری) **جواب** اس آیت میں تہجد کی فرضیت نہیں بتائی گئی بلکہ فرضیت کی خصوصیت۔ کہ یہ فرض صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے اور خصوصیت بتانے کے لیے لام ہی آتا ہے۔ تہجد کی فرضیت فقہاءِ کرام کے نزدیک قُمِ اللَّيْلَ سے ثابت ہے۔ نیز بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ تہجد فرض تھی۔ اور اس فرض کی منسوخی کہیں ثابت نہیں۔ جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلے تہجد فرض تھی بعد میں فرضیت منسوخ ہوگئی اور نفل کردی گئی ان کے پاس قرآن وحدیث کی کوئی صراحتاً یا اشارۃً دلیل نہیں ہے صرف زبانی عقیدہ ہے نیز اگر یہاں نافلۃً کا اصطلاحی معنیٰ مراد ہوتا تو پھر پڑھنے کا حکم بھی نہ ہوتا لکَ کی خصوصیت بھی نہ ہوتی اس لیے کہ نوافل کا حکم نہیں دیا جاتا اور یہ نماز نفل تو سب امت کے لیے ہے پھر خصوصیت کیوں اور نفل تو اشراق وچاشت کے بھی ہیں اس کا ذکر کیوں نہیں ہوا۔ **تیسرا اعتراض**۔ اگر تہجد کی نماز فرض ہوتی تو اس کی رکعتیں معین ہوتیں جس طرح کہ دوسری فرض اور واجب نماز کی رکعتیں مقرر ہیں۔ لیکن تہجد کی نماز کی رکعات میں کوئی تعداد مقرر نہیں کوئی کہتا ہے۔ دو رکعات۔ کوئی کہتا ہے چار۔ کوئی کہتا ہے آٹھ۔ کوئی بارہ۔ ثابت ہوا نفل نماز ہی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی نفل تھی۔ **جواب**: فقہاءِ کرام کا دو یا چار فرمانا امت کے لیے ہے۔ آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اس کی تعداد آٹھ رکعت معین تھی اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ آٹھ رکعت ہی نمازِ تہجد ادا فرمائی۔ اور نمازِ تہجد کے بعد وتر تین رکعت ادا فرماتے تھے۔ جیسا کہ اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہؓ اور دیگر اُمہات المؤمنینؓ کی متعدد روایات سے ثابت ہے۔ بعض علماء نے جواب دیا ہے کہ اس نماز میں مطلقاً نماز فرض تھی خواہ دو رکعت پڑھتے یا زیادہ تعدادِ رکعات فرض نہ تھی۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے صرف قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيْلًا۔ فرما کر قیام فرض کیا۔ اَوْ زِدْ عَلَيْهِ سے تعداد کا اختیار دیا گیا۔ یہ بھی خصوصی شان ہے کہ تعداد کا اختیار دیا گیا۔ بلکہ بزرگانِ دین تو فرماتے ہیں کہ ہر فرض نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تعیینِ تعدادِ رکعات کا اختیار عطا فرمایا گیا تھا اور ہر فرض کی رکعات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود مقرر فرمائیں کم وبیشی کا بھی تا عمر اختیار تھا اب امت کم وبیشی نہیں کرسکتی۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ **چوتھا اعتراض**۔ حدیث پاک میں حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک قیام لیل کی درازی کی وجہ سے سوج گئے تھے میں نے عرض کیا یا رسول آپ اتنی مشقت کیوں فرماتے ہیں آپ تو گناہوں سے

پاک و معصوم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کیا میں عبداً شکورا یعنی شکر گذار بندہ نہ بنوں اس سے ثابت ہوا کہ تہجد فرض نہ تھی نفل تھی صرف عبد شکور بننے کے لیے ادا فرمائی جاتی تھی (تفسیر مظہری) جواب۔ اس حدیث پاک میں ہی اس کا جواب موجود ہے۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کا سوال درازیِ قیام اور مشقت کا ہے نہ کہ اصل نماز کا۔ اصل نماز جلدی بھی پڑھی جا سکتی ہے اور دیر تک بھی کوئی شخص چاہے تو کسی رکعت میں سورۃ بقرہ شروع کر دے اور چاہے تو سورہ کوثر پڑھ کر مختصر کرتے۔ اور پاؤں مبارک پر ورم کا آجانا درازیِ قیام سے تھا نہ کہ اصل نماز سے۔ اور ہمارا کہنا ہے کہ نماز فرض تھی نہ کہ مشقت اور درازیِ قیام۔ اس لیے یہ ثابت نہ ہوا کہ تہجد نفل تھی۔ پانچواں اعتراض: جب رب تعالیٰ نے فرما دیا کہ اے نبی ہم آپ کو مقام محمود پر مبعوث کریں گے تو پھر نبی کریم نے اذان کے بعد دعا میں مقام محمود پر مبعوث ہونے کی تا قیامت ہر امتی سے دعا کیوں کروائی۔ جواب۔ اُمت کو ثواب دلانے کے لیے اور مقام محمود کا چرچا کرانے کے لیے اس سے یہ مسئلہ بھی ثابت ہوا کہ ہر اذان کے بعد دعا مانگنی ضروری ہے اگرچہ خطبۂ جمعہ کی اذان کے دوران زبان پر پابندی ہے انگوٹھے چوم سکتا ہے اور خطبے میں زبان پر بھی پابندی ہے اور ہاتھ ہلانے پر بھی وہاں نہ انگوٹھے چومے نہ زبان سے کچھ پڑھے مگر اذان کے بعد خطبے سے پہلے مقتدی پر کوئی پابندی نہیں۔ اسلئے دعاءِ اذان ضرور پڑھے۔

تفسیر صوفیانہ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا۔ ازلِ قدیم سے ہماری صفتِ خلاقی ہر نفسی و قلب کے لیے یہی مقرر و معین ہوئی اور عادۃً بالقوہ اسی طرح قائم رہی اور عالم فنا و بقا میں اے محبوب سالکین تو ہماری اس سنت عمومیہ و خصوصیہ میں کوئی بھی کبھی کسی کی طرح کی تبدیلی یا تغییری حوائلِ ظاہری و باطنی سے محسوس تک نہ کرے گا۔ لہٰذا اپنے معبود کے حضور سنت عبدیت اور صفتِ عجز پوری حیات و موت میں یہی ہے کہ روحانیت و اسرار کی پانچ نمازیں قائم کرتا رہ ۱۔ نمازِ مواصلت مقام خفا میں ۲۔ نمازِ مشاہدہ مقامِ روح میں ۳۔ نمازِ مناجات مقامِ سِرّیت میں ۴۔ نمازِ حضور و شہود مقام قلب میں ۵۔ نماز عجز و انکسار مقام نفس میں۔ پہلی نماز آفتابِ انانیت اور خودی کے زوال کے بعد اکڑ و غرور کے فنا سے کیونکہ قیام نفس میں نماز پوری نہیں ہو سکتی زوالِ انانیت سے وجودِ عبدیت کا ظہور و حدوث ہے۔ دوسری نماز حجاب مخلوق اور ترک ظلماتِ کثیفہ سے جمع خواہشات سے پہلے تفریق ماسوا اللہ کرکے تیسری نماز۔ آرزوؤں کے جمع ہو جانے کے بعد تفریق و جدائی عالم بقا میں چوتھی نمازِ لیل نفسانی کے سخت گہرا ہونے کی صورت میں پانچویں نماز قلبِ مسعود کی فجر صادق اور صبح الہامی کے وقت۔ پس پہلی نماز لطیف ہے دوسری نماز افضل ہے تیسری نماز اشرف ہے چوتھی نماز مشاہدۂ یار ہے پانچویں نماز لقاءِ وصلِ محبوب ہے

پہلی نماز ظہر و ظہور قلب ہے دوسری عصرِ اسرار ہے عشق قہار ہے تیسری مغرب نفوسِ امارہ و ترک لذات ہے
مگر اس کا وقت تھوڑا ہے چوتھی عشاءِ اسرار اور تذکیۂ ارواح ہے اسی میں شیطان کی تدبیر ہے باطن کی تنویر ہے قلب
کی تطہیر ہے۔ پانچویں نماز تجلیاتِ انوار کی فجر مکاشفات ہے۔ اسی میں عبد و معبود کا قرآن ہے۔ صفاتِ روح و انوار
قلب کا نزول و اجتماع ہے۔ خصائلِ نفس کا ذہاب و زوال ہے۔ اسی میں ثبات و اطمینان ہے۔ اے مسافر
راہ طلب جب حملۂ ابلیسی و نفسانی کا خطرہ ہو تو یہ نمازیں قائم کر پہلی نمازِ عقل دوسری نمازِ روح تیسری نمازِ نفس چوتھی
نمازِ بدنی پانچویں نمازِ قلب۔ عشقِ الٰہی کے غسل اور محبتِ مصطفٰی کے وضو سے ان کو ادا کرنیکے بعد وَمِنَ الَّيْلِ
فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۔ عَسٰۤى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۔ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ مُدْخَلَ
صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِيْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ۔ اور شبِ نفسانی کے کچھ
حصہ۔ معیشۂ مخصوصہ میں تعلقِ دنیا کی نیند سے بیدار ہو کر اے قلبِ منور۔ عرشِ وصل کی نمازِ تہجد بھی ادا فرما۔ یہ اعضاء
ظاہری ہاتھ پاؤں کان و آنکھ۔ کام و دہن عقل و مزاج کی نماز نہیں بلکہ نَافِلَةً لَّكَ خاص تیرے لیے عطیہ کریمانہ
ہے۔ اس لیے کہ تو ہی قالبِ مقبول اور جسمِ عبدیت کا سلطان ہے۔ اسی بدنِ انسانی میں مقامِ نفس کی علامت ہے
اور اس مقام کو نمازِ عجز صلاۃِ اسرار۔ عباداتِ مخصوصہ کو زیادہ ضرورت ہے۔ باقی اعضاءِ ظاہری و باطنی کے
مقامِ علیا ہیں۔ قلب کی سجدہ ریزی سے نفس کی ہلاکت و فنا ہے۔ سالکانِ معرفت کے لیے یہی نمازِ معراجِ وصل
ہے۔ مقبولین کی راتیں اسی نماز میں گزر جاتی ہیں۔ تطویعِ نفوس اور تقویتِ قلوب یہیں سے میسر ہوتی ہے۔ اسی
میں لا مکانِ استقامت ہے۔ اے ربِ کائنات کے ذکر و خیال میں مست و مشغول رہنے والے مرشدِ سالکین
قریب ہے کہ تیرا رب تعالیٰ تجھ کو دروازۂ مصطفٰی کے مقامِ محمود تک پہنچا دے وہ آستانہ جو ساری کائنات
کے لیے تعریف و ثنا والا ہے وہ عرش گاہِ فرشیاں اور قبلہ گاہِ عرشیاں ہے۔ ہر بندہ مخلص کے لیے ختمِ
ولایت کا مقام محمود صوفیا فرماتے ہیں کہ لا مکان تو احمد مجتبیٰ کے لیے مقامِ محمود ہے اور دروازۂ مصطفٰی امتِ
اجابت کے لیے مقامِ محمود ہے کہ یہیں سے ولایت کبریٰ کی خیراتیں تقسیم ہوتی ہیں یہی خیرِ خلقہٖ ہے یہی
نورِ عرش ہے یعنی زینتِ فرش ہے۔ یہ آستانۂ محبوب ہی آنیوالے بھکاریوں کے لیے مُدْخَلَ صِدْقٍ ہے
اور قاسمِ نعمتِ خزانۂ معرفت کی جھولیاں بھر کر جانیوالوں کے لیے مُخْرَجَ صِدْقٍ ہے۔ اے قلب
ندکی اپنے ہر قیام و رکوع سجدہ و قعود میں عرض کرتا رہ کہ اے میرے رب مطلوب و مقصود داخل فرما مجھ کو بارگاہ
وحدتِ ازلی میں عین حسن و رضا کے مُدْخَلَ صدق و صفا میں کہ نہ ظہورِ انا و خودی کا طغیان ہو اور نہ توجہ الیٰ غیر کی بری
نظر ہو نہ موجودِ غیر اللہ کا تصور ہو نہ دوئی کا خطرۂ نفس ہو قلعۂ توحید میں داخل فرما۔ اور منزل مراد سے لوٹنے
کے وقت مجھ کو وحدتِ عشق سے کثرتِ اخلاص کی طرف نکال لے وجودِ حقانی کی طرف حسن و رضا کے مُخْرَج میں بغیر

نفس اور اس کی صفات کی طرف مائل ہونے کے اور بغیر گمراہی کے ہدایت الٰہیہ و توفیق ربانیہ کے بعد۔ اور بنا دے میرے لیے اپنے قرب جمال سے ثابت قدمی اور راہ سلوک میں قوت و طاقت کی دلیل مضبوط۔ سلطان شریعت اور نصیر طریقت تاکہ فنا کے بعد بھی مقام بقا کی محمودیت حاصل کرسکوں (محی الدین ابن عربی)

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ؕ اِنَّ

اور فرما دیجئے حق آگیا اور باطل دب گیا۔ بے شک

اور فرماؤ کہ حق آیا اور باطل مٹ گیا۔ بے شک

الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿۸۱﴾ وَنُنَزِّلُ مِنَ

باطل کو دبنا ہی تھا اور ہم نازل فرما رہے ہیں اس

باطل کو مٹنا ہی تھا اور ہم قرآن میں اتارتے ہیں

الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ

قرآن کو جو ہر بیماری کے لیے شفا اور ہر صحت کے لیے رحمت ہے

وہ چیز جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور

لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ۙ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا

تا قیامت مومنوں کے لیے اور یہ قرآن ظالموں کا

رحمت ہے اور اس سے ظالموں کو نقصان ہی

خَسَارًا ﴿۸۲﴾ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ

نقصان ہی بڑھائے گا۔ اور جب بھی انعام کیا ہم نے انسان پر

بڑھتا ہے اور جب ہم آدمی پر احسان کرتے ہیں

أَعْرَضَ وَنَا بِجَانِبِهِ ۚ وَإِذَا مَسَّهُ

تو اللہ سے علیحدگی کرلی اور بیجائی سے ایک طرف ہٹ گیا اور جب پہنچی اس

منہ پھیر لیتا ہے اور اپنی طرف دور ہٹ جاتا ہے اور جب اسے برائی

الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا ﴿٨٣﴾ قُلْ كُلٌّ يَعْمَلُ عَلَىٰ

کو مصیبت تو ہوگیا مایوس۔ فرمادیجئے ہر انسان عمل کرتا رہے گا۔ اپنی

پہنچے تو ناامید ہو جاتا ہے تم فرماؤ سب اپنے کینڈے پر

شَاكِلَتِهِ ۖ فَرَبُّكُمْ أَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ

ہی بپید الشئی عادت کے مطابق۔ پس آپ کا رب ہی اس حقیقت کو جانتا ہے کہ کون

کام کرتے ہیں تو تمہارا رب خوب جانتا ہے کون

أَهْدَىٰ سَبِيلًا ﴿٨٤﴾ ع

ع ۹

زیادہ ہدایت والے راستے پر ہے۔

زیادہ راہ پر ہے۔

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت کریمہ میں نماز قرآن تہجد اور نوافل کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی شان اور سچے لقب کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان عبادات اور قرآن و صاحبِ قرآن کو حق ہونے کا لقب و نام دیا گیا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اپنے حبیبِ کریم نبیِّ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ عبادات کرنے کا حکم ہوا کہ اے نبی مکرم آپ یہ یہ عبادات ادا فرمایئے۔ اب ان آیت میں اس حکم کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ عبادات حق ہی تب بنیں جب پیارے رسولِ معظم نے ادا فرمائیں اگر یہ کام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ادا نہ فرماتے تو یہ کام امت کے لیے حق اور لازم نہ ہوتے تیسرا تعلق پچھلی

آیت میں اُن اعمال کا ذکر ہوا جو اللہ رسول کی مرضی کے مطابق ہیں۔ اب ان آیت میں کفار کے اُن اعمال کا ذکر ہو رہا ہے جو وہ اپنی مرضی یا اپنے باپ دادوں کی مرضی سے کرتے ہیں جس کا مزہ عنقریب وہ دنیا و آخرت میں چکھ لینگے

تفسیر نحوی

وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّ رَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا واؤ ابتدائیہ۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ جَآءَ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب جَیْئٌ سے بنا ہے بمعنی آنا باب ضَرَبَ سے ہے۔ الف لام عہد ذہنی یا خارجی حَقٌّ اسم مفرد جامد آٹھ معنی میں مشترک ہے یہاں مراد ہیں دین اسلام یا قانون الٰہی یا نبی کریم یا شریعت۔ حق کا لغوی ترجمہ ہے ہمیشہ موجود رہنے والا قائم اور مضبوط مٹنے اور فنا نہ ہونے والا۔ باطل کا مقابل۔ ترکیب میں فاعل ہے جَآءَ کا یہ جملہ فعلیہ خبر ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ زَهَقَ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق مثبت معروف الف لام عہدی۔ بَاطِلُ اسم فاعل باب نَصَرَ کا۔ بُطْلٌ سے بنا ہے بمعنی کمزور جھوٹا۔ عارضی۔ بیکار۔ گمراہی بے دینی۔ کفر۔ یہاں یہ سب معنی بن سکتے ہیں۔ لغوی ترجمہ ہے علامت ہونا۔ اسی سے ہے بُطْلِ حُرِّیَّت یعنی آزادی کی علامت یہ فاعل ہے زَهَقَ کا وہ زُهُوْقٌ سے بنا ہے بمعنی پگھلنا۔ پھسلنا۔ مٹنا بھاگنا۔ ناکارہ ہونا۔ فنا ہونا جان نکل جانا مرجانا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر عطف ہو کر مقولہ ہوا اَوّل کا۔ اِنَّ۔ حرف مشبہ بالفعل یہ مقولہ دوم ہے یا علیحدہ جملہ ہے الْبَاطِلَ - الف - لام - عہد خارجی۔ بَاطِلَ بحالت فتحہ ہے اسم اِنَّ ہے كَانَ ناقصہ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ زَهُوْقًا۔ بر وزن فعول اسم مبالغہ بمعنی بہت جلدی مٹنے والا بھاگنے والا قابل فنا كَانَ فعل ناقصہ کی خبر ہے۔ یہ سب جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ یا خبریہ ہو کر خبر اِنَّ ہے وہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ یا مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ یعنی ابتدائیہ استینافیہ نُنَزِّلُ باب تفعیل کا مضارع بمعنی حال جمع متکلم مثبت معروف۔ اس کا مصدر ہے تَنْزِیْلٌ - نَزْلٌ - سے بنا ہے۔ تنزیل متعدی ہے بمعنی نازل کرنا اتارنا نَزُوْلٌ لازم ہے بمعنی اُترنا۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم اس کا فاعل ہے۔ مِنْ حرف جر بیانیہ سببیہ ہے۔ یا زائدہ یا بمعنی فی ظرفیہ ہے الْقُرْاٰنِ اسم معرف باللام۔ مراد ہے موجودہ کلام الٰہی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نُنَزِّلُ کا۔ مَا۔ موصولہ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ شِفَآءٌ اسم حاصل مصدر بمعنی نتیجہ کامیاب علاج یعنی بیماری سے اچھا ہونا۔ بیماری کو علاج سے ختم کرنا۔ مقابل ہے سِقَامٌ بمعنی بیماری کے۔ اسکی جمع ہے اَشْفِیَۃٌ - معطوف علیہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ رَحْمَةٌ اسم حاصل مصدر جامد۔ آخر میں ۃ مصدریہ ہے۔ بمعنی رحم۔ کرم فائدہ۔ سہولت۔ حفاظت۔ یہ معطوف ہے لام جارہ نفع کا۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ مُؤْمِنِیْنَ۔

اسم جمع مذکر سالم۔ واحد ہے مُؤمِنٌ بمعنیٰ ایمان والے۔ بحالت کسرہ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے نُنَزِّلُ کا
یا متعلق ہے رحمۃ مصدر کا نُنَزِّلُ فعل سب ملکر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ پسر جملہ۔ اگلی عبارت علیحدہ جملہ ہے لَا یَزِیْدُ
بَابِ ضَرَبَ کا مضارع معروف منفی یا حال کا زمانہ ہے یا مستقبل کا زِیدٌ یا زُوُدٌ سے بنا ہے ھُوَ پوشیدہ
اس کا فاعل ہے جس کا مرجع شَیٌٔ ذہنیہ ہے بمعنیٰ کچھ بھی نہیں۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ ظَالِمِیْنَ۔ جمع مذکر
سالم ہے واحد ظالمٌ اسم فاعل ہے ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان کرنا یہاں نقصان نفسی مراد ہے یعنی کفر
کرنا شرک کرنا مفعول بہ ہے لَا یَزِیْدُ کا۔ اس لیے مفتوح ہے۔ اِلَّا۔ حرف استثنا مفرغ متصل ہے
خَسَارًا۔ مصدر ثلاثی ہے خُسْرٌ سے بنا ہے بمعنی گھاٹا ہونا نقصان پڑ جانا۔ اس کی تین قسمیں ہیں ۱ خَسَارٌ بمعنی
بالکل تباہی بربادی ہو جانا کچھ نہ بچنا ۲ خُسْرٌ بمعنیٰ عزت خراب ہونا ۳ خُسْرَانٌ بمعنیٰ نفع نہ ملنا راس المال
یعنی لگایا ہوا مال واپس مل جانا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں کہ مال نفع عزت سب ختم ہو جائے مراد ہے اُخروی
تباہی بربادی بحالت نصب ہے کیونکہ مستثنیٰ ہے اِلَّا سے لَا یَزِیْدُ کے فاعل سے استثنا ہوا ہے
یہ سب ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ
الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا۔ واؤ پسر جملہ اِذَا حرفِ شرط ظرف زمانی اَنْعَمْنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق صیغہ
جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِنْعَامٌ نِعَمٌ اور نِعْمَتٌ اس کا مادہ اشتقاق ہے بمعنیٰ
نعمت اور رزق دینا مالدار کرنا علیٰ حرفِ جر استعلائیہ مراد ہے نازل کرنا۔ الف لام عہدی یا جنسی اگر عہدی
ہو تو مراد ہے کافر غافل فاسق انسان اگر جنسی ہو تو مراد ہے عام انسان۔ انسان اسم جنسی ہے بمعنیٰ آدمی
یہ جار مجرور متعلق ہے اَنْعَمْنَا کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ اَعْرَضَ باب افعال کا ماضی مطلق ہُوَ
پوشیدہ اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ نَاٰ۔ بابِ نَفَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف
صیغہ واحد مذکر غائب نَوْیٌ یا نَئْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ منہ موڑنا ایک طرف ہٹنا احسان نہ ماننا یا یہ باب فَتَحَ سے
متعدی ایک مفعول ہوتا ہے۔ یہاں یہ اگلا جار مجرور مفعول بہ کے درجہ میں ہے خیال رہے کہ مفعول بہ بشکل
جار مجرور تین قسم کا ہے ۱ بَ جارّہ سے جب کہ فاعل کا کام مفعول بہ کے لیے ہو ۲ عَنْ جارّہ سے جب کہ
فاعل کے کام کو مفعول بہ سے ہٹایا اور دور کیا جاتا ہو۔ ۳ مِنَ سے جب کہ فاعل کا فعل مفعول بہ کا ہی فعل ہو۔
قرأت سبعہ کے اصول کے مطابق ساتوں قرأتیں یہاں سے علیحدہ ہیں۔ چنانچہ پہلی اور جمہور کی مشہور قرأت
ہے نَاٰیٔ ۲ نَاءَ ۳ نَاءَ ۴ نَاءِ ۵ نَایَ ۶ نَایِٔ ۔ سورۃ حٰمٓ سجدہ میں بھی اسی طرح
مختلف اقوال ہیں ب جارّہ متعدی کرنے والی۔ جَانِبِ اسم فاعل جَنْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کروٹ بدلنا
اپنے پہلو علیحدہ کرنا دوسری طرف ہونا۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع انسان مضاف الیہ مجرور

متصل ہے۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَسَّ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اور سب عطف جزا ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا۔ وَاِذَا میں جملہ اِذَا شرطیہ مَسَّ۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ چھو جانا۔ تھوڑا سا لگنا مراد ہے بہت تھوڑی چیز۔ ہُ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ہے اَلْاِنْسَانَ۔ الف لام عہد خارجی شَرُّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ برائی تکلیف مصیبت خیر کا مقابل بحالت رفع فاعل ہے مَسَّ کا یہ فعل اپنے مفعول بہ مقدم اور فاعل مؤخر سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا اسم یَؤُسًا بروزن فَعُوْلٌ اسم مبالغہ یَئِسٌ سے بنا ہے بمعنی ناامید ہونا، مبالغ کا معنیٰ ہے بے انتہا ناامید یعنی مایوس ہونے والا بحالت نصب ہے خبر ہے کَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا۔ قُلْ فعل امر معروف اس میں پوشیدہ اَنْتَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا کُلٌّ۔ اسم تاکیدی مفرد مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے مراد اَلْاِنسان۔ یَعْمَلُ بابِ سَمِعَ کا مضارع بزمانۂ حالیہ مثبت معروف عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ظاہری اعضا کے کام اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع کُلٌّ ہے عَلٰی جارہ استعلائیہ۔ شَاکِلَتِہٖ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث اس کا مذکر ہے شَاکِلٌ شکل سے بنا ہے بمعنی شکل و صورت بنانا۔ ہم شکل ہونا طریقہ ڈھنگ ہونا۔ عادت۔ اور چہرہ بنانا یہاں مراد ہے پیدائشی عادت یعنی فطرتی طور طریقہ۔ جبلی عادت اور لفظِ فطرت چونکہ مؤنث ہے اس لیے شَاکِلَۃٌ مؤنث آیا۔ ہٖ ضمیر کا مرجع کُلٌّ ہے یا اَلْاِنْسَان ہے شَاکِلَتِہٖ۔ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَعْمَلُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ یا خبریہ ہو کر خبر ہے مبتدا کُلٌّ کی وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ۔ عاطفہ رَبُّكُمْ۔ مرکبِ اضافی مبتدا۔ اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر واحد اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع رَبٌّ ہے۔ بِ جارّہ تعدیہ یعنی مفعول بنانے والی عِلْمٌ سے مشتق ہے اور بِ جارہ کی وجہ سے متعدی بیک مفعول ہے۔ مَنْ موصولہ۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل کیونکہ مبتدا ہے اس کا مرجع مَنْ موصولہ ہے۔ اَھْدٰی۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم تفضیل مذکر ھُدًی سے بنا ہے بمعنیٰ ہدایت پانے والا۔ لازم ہے۔ منزل پانا۔ منزل تک پہنچنا۔ منزل کا راستہ مل جانا توفیق پالینا سب معنیٰ بن سکتے ہیں، ترجمہ ہے سب سے زیادہ نیکیوں والا۔ اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع مَنْ ہے سَبِيْلًا، اسم مفرد نکرہ صفت مشبہ بمعنیٰ کھلا راستہ مراد ہے دین اسلام شریعت طریقت۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی پاک۔ بحالتِ نصب ہے اس لیے کہ اَھْدٰی کا مفعول بہ ہے یہ جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر مبتدا ھُوَ کی خبر وہ جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا وہ مجرور ہو کر بائے تعدیہ سے مفعول بہ کا درجہ پا کر متعلق ہے اَعْلَمُ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے

رَبُّکُمْ مبتدا کی۔ وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف کُلٌّ پر سب عطف ملکر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ قول مقولہ ملکر جملہ قولیہ ہو گیا

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تفسیر عالمانہ وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا اور اے پیارے محبوب آخری نبی ساری کائنات کو سنا دیجئے کہ اب قیامت تک کے لیے پوری دنیا پر ہر طرح کی پوری قوتوں طاقتوں عظموں اور پورے اختیارات کے ساتھ حق آگیا۔ حق کے بارے میں مفسرین کے چند قول ہیں ۱ اس سے مراد ذاتِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۲ اسلام مراد ہے ۳ قرآن مجید مراد ہے ۴ توحیدِ باری تعالیٰ ۵ قانونِ الٰہی۔ مگر میں کہتا ہوں کہ سب ہی مراد ہیں اس لیے کہ۔ نور آیا نور لایا نور پر نورانی رات۔ جب محبتِ الٰہی کے خزانوں کی چابیاں لے کر محمد رسول اللہ تشریف لے آئے تو سب کچھ ہی آگیا۔ اور جب ہر طرح کا نورِ حق آگیا تو زَهَقَ الْبَاطِلُ کفر شرک گمراہی ظلم کا باطل غلبہ شور فساد دبدبہ رعب ہلاک ہو گیا۔ اور ہزار حیلوں بہانوں ہوشربا سامانیوں کے باوجود مٹ گیا۔ بے شک یقیناً ہر چیز کے باطل کو مٹنا ہی ہوتا ہے اس لیے کہ باطل میں صرف وقتی شور ہوتا ہے مگر حق میں ابدی زور ہوتا ہے۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے یہ نعرہ یہ فرمانِ ذی وقار اس وقت لگوایا گیا جب کہ آپ شہر مکہ میں مقیم تھے ابھی ہجرت کا حکم نہیں ملا تھا۔ مسلمانوں کی بے سروسامانی غربت اور ظلم وستم کی داستان کھلی تھی آئے دن مسلمانوں اور بانیِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو نکالنے کی سازشیں ہو رہی تھیں باطل کا شور وغوغا عروج پر تھا۔ ظاہراً مسلمانوں کے لیے بڑی سختی۔ کمزوری۔ مجبوری۔ بے بسی۔ بیکسی کا وقت تھا۔ ایسے وقت میں اس ظالمانہ کفر کی گھٹاؤں میں بجلی کا کوندا ہوتا ہے اور کوہِ صفا کی چوٹی سے ایک دُرِّ یتیم کمال جرأت و ہمت سے کافرانِ دنیا کو للکارتا ہوا کہتا ہے۔ اے دنیا کے باطل پرستو۔ نمرود وفرعون کے جانشینو۔ شداد وہامان کے ہم نشینو۔ قیصر وکسریٰ کی سلطنت والو۔ دارا وسکندر کے تخت والو۔ ظلم وستم کے حاشیہ بردارو جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا یہ کیسی آواز تھی یہ کیا نعرہ تھا۔ یہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی۔ عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی۔ اس صوتِ لاہوتی سے اہلِ دانش نے جان لیا کہ یہ وہی حق ہے جس کی آمد سے بیت اللہ مجرے کو جھکا اور ہبت تھرتھرا کر گر گیا کسی کے محل کے کنگرے گر گئے کسی کا ہزار سالہ آتش کدہ بجھ گیا کیونکہ یہ سب باطل تھا اور باطل کا انجام مٹنا ہی ہے۔ اسی آواز اور اعلان کو سن کر کوئی جہالت سے ابھرا۔ کوئی شرارت سے اکڑا کسی نے تمسخر اڑایا۔ کسی نے غریب مسلمانوں کو اور ستایا کہ کہاں ہے تمہارا حق جس سے ہمارا باطل مٹے گا۔ لیکن اہلِ حقیقت نے چند سالوں کے بعد دیکھ لیا کہ مکہ کے وہی مجبور مظلوم مہاجر مسلمان اپنے آقا کے ساتھ فاتحانہ حیثیت سے مکے میں داخل ہو رہے ہیں اس شان سے کہ اک ماہ مدن گورا سا بدن نیچی نظریں گل کی خبریں۔ بار

مبارک میں چھڑی ہے اور زبان پر یہی کلمات طیبات ہیں کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا کعبہ کی دیواروں پر اندر اور باہر تین سو ساٹھ بت ہیں۔ کچھ لکڑی لوہے اور تانبے کے جو مضبوط کیلوں سے ٹھکے ہوئے کچھ مٹی کے پکائے ہوئے اور کچھ پتھر کے تراشے ہوئے کعبے کی دیواروں سے جوڑے اور لٹکائے گئے تھے لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چھڑی لگتی ہے اور زبان سے یہ کلمات ادا ہوتے ہیں تو سب بت اوندھے منہ باری باری گرتے چلے جاتے ہیں کچھ بت رنگ سے تصویریں ہیں ان کو فاروق اعظم اور دیگر صحابہ پانی سے دھو ڈالتے ہیں۔ گرے پڑے بتوں کو تڑوا کر سڑک پر ڈلوا دیا جاتا ہے۔ لیکن جو بت حضرت ابراہیم حضرت عیسیٰ و مریم کے نام پر بنائے گئے تھے ان کو تڑوا کر دفن کروا دیا جاتا ہے نام اور نسبت کی وجہ سے۔ (از بخاری مسلم اور کتب تفاسیر) مفسرین فرماتے ہیں کہ باطل سے مراد کفر نہیں بلکہ کفر کا رعب دبدبہ چرچہ اور شور و طغیانی ہے۔ حق کے آنے سے وہ باطل اور اس کا اندھیرا مٹ گیا۔ اور اے پیارے نبی ہم اس حق کی تائید اور حمایت کے لیے نازل فرما رہے ہیں اس پورے قرآن مجید کو اس کے ایک ایک لفظ ایک ایک حرف ایک نقطے۔ زیر زبر پیش اور شد و مد کو تا قیامت ہر مومن کے لیے شفا بھی اور رحمت بھی۔ اس طرح کہ یہ قرآن پاک اور اس کی آیتیں دم اور تعویذ کے طریقے پر جسمانی بیماروں کے لیے شفا ہے اور تندرستوں کے لیے عزت و عظمت دینے والی رحمت ہے۔ یہ قرآن کریم کفر شرک گناہ فسق گمراہی سے ہٹانے بچانے والی شفا ہے اور اولیاء اللہ کی محفلوں آقائے کائنات کے آستانے اور قرب الٰہی کے مقام تک پہنچانے والی رحمت ہے۔ گناہوں کو مٹانے والی شفاء ہے عبادت کرانے والی رحمت ہر قسم کے ظاہری باطنی روحانی جسمانی میل کچیل دور کرنے والی شفا ہے اور قلب و قالب عقل و دماغ۔ فہم و فراست۔ بصارت و بصیرت کو روشن اور پاکیزہ کرنے والی رحمت ہے۔ غرضکہ اللہ رسول کو ماننے والوں ادب احترام اور عشق و محبت عقیدت و الفت۔ اتباع و اطاعت کرنے والوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور یہی قرآن مجید کافرین فاسقین ملعونین مغضوبین مغرورین متکبرین حاسدین غافلین منکرین مشرکین ظالمین کے لیے نرا نقصان ہی کرنے والا ہے یہ بد نصیب اس چشمۂ نور و ہدایت سے فائدہ نہیں لے سکتے جتنی ان کی سرکشی گستاخی بے ادبی اور انکار و اصرار بڑھتا جاتا ہے۔ اتنا ہی لَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ اِلَّا خَسَارًا۔ نقصان و عذاب ہی بڑھتا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں نے اللہ رسول اور اسلام و قرآن کا جہالت سے انکار کیا کچھ لوگوں نے سب کچھ جانتے ہوئے محض شرارت سے انکار کیا۔ جہالت والے باطل ہیں کہ مٹ جائیں گے اور شرارت والے ظالم ہیں کہ ذلت و خسارے کی چکی میں پڑے پستے اور ذلیل ہوتے رہیں گے۔ قرآن کریم کے ایک نقطے کا بھی انکار کیا تو اتنا ہی کفر ہے جتنا سارے قرآن مجید کا انکار۔ اور کفر ہی اصل خسارا ہے جب کافر آیتوں کا انکار گستاخی کرتا چلا جاتا ہے تو اس کا کفر یہ خسارا اور نقصان بڑھتا جاتا ہے۔ اور ظالموں کی یہ تمام نقصان دہ حرکتیں خسارہ آمیز بھول گیاں اس لیے ہیں کہ۔ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوْسًا۔ قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ

عَلٰی شَاکِلَتِہٖ، فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ ھُوَ اَھْدٰی سَبِیْلًا۔ اور جب بھی کبھی ہم نے کسی طرح کا بھی کافر غافل فاسق بدکار انسان پر انعام فرمایا۔ صحت تندرستی عزت خوب صورتی دولت آل اولاد اونچے خاندان قوت طاقت کا تو اُس نے غرور تکبر شیخی اکڑ پھکڑ کرتے ہوئے رشتے داروں غریب خاندان والوں حاجت مندوں ضرورت والوں حق داروں سے اعراض کرنے منہ موڑنے کے علاوہ اپنے دینے والے پالنے والے سچے معبود خالق و مالک رب سے بھی چہرہ پھیر لیا نہ سجدہ نہ رکوع نہ شکر نہ ذکر نہ احسان مندی نہ عبادت نہ ریاضت نہ اتباع نہ اطاعت سمجھتا ہے شاید یہ سب کچھ اس کی اپنی ہنرمندی عقل مندی محنت مشقت سے ملا ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوا کرتا تو عقل والے اور محنت کش امیر ترین اور دولت والے ہوتے اور امیر آدمی اپنی دولت سے صحت خوبصورتی خرید لیا کرتے مگر سب جانتے ہیں کہ بناداں آنچناں روزی رساند کہ دانا اندراں حیراں بماند۔ کفار و فساق اس حقیقت پر غور نہیں کرتے اور حسد و غرور کی آگ میں جلتے رہتے ہیں اور جب قہر کی لاٹھی چلتی ہے اور زمانے کا شر مصیبت تکلیف بیماری ذِلّت کمزوری۔ وَبا، اَموات پہنچتے ہیں تو ساری اکڑ غرور مٹ جاتی ہے اور انتہائی خستہ حال ناامید مایوس ہو کر رہ جاتا ہے۔ ہمارے دروازے پر بھی نہیں گرتا نہ دعائیں نہ فریادیں نہ التجائیں نہ ہماری یاد نہ ہم سے فریاد۔ نہ آہِ سحر گاہی نہ رات کی گویائی اے پیارے نبی فرما دیجئے ہر جن و انسان کو تا قیامت اَعمال و افعال کرنے کا اختیار دیا گیا ہے اس لیے ہر شخص اپنی اپنی دنیوی زندگی میں اپنی نیت اپنی نامیت اپنی جانب اپنی جبلت اپنے طریقے اپنے چلنے اپنے مذہب اپنے عقیدے اپنی طبیعت اپنی کیفیت اپنی محفلِ صحبت اپنی ہدایت اپنی کیفیت مزاج کے مطابق سعادت و شقاوت کے اَعمال کردار کرتا چلا جا رہا ہے کوئی بھی اپنی پیدائشی عادت اور تقدیر و قسمت سے ہٹ نہیں سکتا۔ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم سے کوئی کہے کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹ گیا تو مان لو اور اگر کوئی کہے کہ فلاں بندہ اپنی عادت سے بدل گیا تو نہ مانو (خازن مظہری) دنیا میں تو ہر انسان بدتر سے بدتر بھی ہو وہ اپنے آپ کو اچھا ہی کہتا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ فَرَبُّکُمْ اَعْلَمُ۔ پس تمہارا رب تعالیٰ ہی جانتا ہے ہر شخص کو کہ کون ہیں اس دنیا میں اور کہاں ہیں وہ جو نہایت صاف پاکیزہ اللہ کی ہدایت والے بہت زیادہ ٹھیک راستے ہر دن رات زندگی کی ہر گھڑی میں چل رہے ہیں۔ علماء فرماتے ہیں کہ حیاتِ دُنیوی میں رنگ و نسل و عادت کے اعتبار سے انسان دس قسم کے ہیں ۱ گندمی ۲ سرخ ۳ سفید ۴ گورا ۵ کالا ۶ پیلا ۷ خوش طبع ۸ غمگین مزاج ۹ طیب ۱۰ خبیث۔ اتنی قسمیں ہی زمین کی تاثیر میں ہیں اور ان ہی تاثیروں سے انسان کی خصلتیں ہیں اور ان ہی خصلتوں سے اَعمال نامۂ انسانی ہے۔

فائدے ان آیتِ مبارکہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ، ساری کائنات تمام انبیاء و مرسلین و ملائکہ مقربین سے اونچا مقامِ محبوبیت و مقبولیت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ہے۔

یہ فائدہ جَآءَ الْحَقُّ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ جل سبحانہٗ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق فرمایا۔ یہاں حق سے مراد نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات ہی ہے۔ اسلوبِ قرآنی کے مطابق قرآن مجید کے لیے نزولُ وتنزیل کا لفظ استعمال ہوتا ہے اور جاءَ وغیرہ کا لفظ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بولا جاتا ہے نبی پاک صاحب لولاک عرشیوں فرشیوں سب کے لیے اللہ کی طرف سے حق بن کر تشریف لائے **دوسرا فائدہ** اللہ کی بعض چیزوں میں دنیوی فائدہ ہیں بعض میں دینی۔ بعض میں جسمانی بعض میں روحانی مگر قرآن مجید میں ہر قسم کی شفائیں اور فائدے موجود ہیں۔ یہ فائدہ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہ قرآن مجید اور اس کی ہر ہر آیت ولفظ بلکہ حروفِ متفرقہ بھی جسمانی شفا اور روحانی رحمت ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ آرام میں رب کو بھول جانا اور مصیبت آنے پر مایوس ہو جانا رونا پیٹنا اور بکواسیات کرنا کفار کی نشانی ہے۔ مسلمانوں کو اس سے بچنا چاہیئے۔ یہ فائدہ کَانَ يَـُٔوْسًا کی پوری آیت فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ قرآن مجید کی آیت سے تعویذ لکھنا۔ آیتیں پڑھ کر دم کرنا اور سیپاروں کے ورقے کھول کر بزرگوں کے بتائے ہوئے طریقوں کے مطابق شگون لینا بالکل جائز ہے۔ اور وہابیوں دیوبندیوں کا اس کو شرک وبدعت کہنا جہالت ہے۔ بلکہ اب تو وہ خود بھی دم درود کرنے کرانے لگ پڑے ہیں اور ان کو شفا نظر آنے لگ گئی ہے۔ یہ مسئلہ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ (الخ) کے فرمان اور اطلاق سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ جن چیزوں پر قرآن مجید پڑھ دیا جائے ان چیزوں کو استعمال کرنا کھانا پینا شریعت میں بالکل جائز ہے۔ جو لوگ اس کو ناجائز کہتے ہیں وہ ظالم ہیں اور نقصان میں ہیں یہ مسئلہ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ فرماتے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اور اللہ تعالیٰ کی چیزوں انعاموں نیک لوگوں کی دعاؤں اولیاء اللہ کی برکتوں اور انبیاء کرام علیہم السلام کی حاجت روائیوں آقاء کل صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا سے مایوس ہونا گناہ اور حرام ہے یہ مسئلہ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا سے مستنبط ہوا۔ یہاں تک کہ اہل قبور صاحب مزارات کی امداد سے مایوس ہونے کو بھی رب تعالیٰ نے سورۂ ممتحنہ آیت ۱۳ میں مغضوب علیہم اور بدکار لوگوں کی نشانی بتائی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـُٔوْسًا ۔ یعنی جب انسان کو برائی اور مصیبت پہنچتی ہے تو بالکل نا امید ہو جاتا ہے۔ لیکن سورۂ حٰمٓ سجدہ کی آیت ۵۱ میں ہے۔ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ فَذُوْ دُعَآءٍ عَرِيْضٍ یعنی اور جب انسان کو برائی ومصیبت پہنچتی ہے تو لمبی چوڑی بڑی بڑی دعائیں مانگنے لگتا ہے۔ ایک ہی انسان کی حالت وعادت بیان کرتے ہوئے یہ مختلف بیان کیوں

اور دونوں کی برائی فرمائی گئی حالانکہ دعائیں مانگنا تو اچھی بات ہے کہ ارشادِ نبوی ہے اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ۔ اس کی وجہ اور مطابقت کیا ہے؟ جواب اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں دعا نہ مانگنے کا ذکر ہے اور وہاں صرف مصیبت میں دعا مانگنے اور اللہ رسول کو یاد کرنے کا ذکر اور راحت و آرام میں اللہ کو بھول جانے کا ذکر ہے اور یہ دونوں کام برے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ مختلف ذکر مختلف لوگوں کی حالتوں و عادتوں کے اعتبار سے ہے یعنی کچھ کفار جو خدا تعالیٰ کو مانتے ہیں تو مایوس ہو کر بس دعائیں مانگنے لگتے ہیں جب مصیبت دور ہو گئی تو پھر اپنے بتوں کے پاس اور کچھ کفار جو خدا کو مانتے ہی نہیں دھریہ لوگ وہ دعا کس سے مانگیں کس منہ سے مانگیں۔ اس آیت میں پہلے کفار کا ذکر ہے یہاں دھریہ کفار کا ذکر ہے سوم یہ کہ دو مختلف کیفیتوں اور مختلف مصیبتوں کا ذکر ہے جب کم مصیبت ہوتی ہے تو دعائیں نہیں مانگتے اسی کا یہاں ذکر ہے۔ شدتِ مصائب میں دعائیں مانگتے ہیں اُس کیفیت کا وہاں ذکر ہے (از تفسیر فتح القدیر امام شوکانی) دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔ یعنی یہ قرآن مجید صرف مومنین کے لیے شفا اور رحمت ہے حالانکہ بہت سے غیر مسلموں کو تعویذات عملیات دم درود سے شفا مل جاتی ہے۔ تو پھر یہ خصوصی قید کیوں لگائی گئی۔ جواب۔ اس کے دو جواب۔ پہلا یہ کہ شفا مطلق ہے اور رحمۃ میں خصوصی قید ہے یعنی یہ قرآن شفا تو سب کے لیے ہے مگر رحمت صرف مومنوں کے لیے اس لیے کہ شفاء کا تعلق دنیا سے ہے اور رحمت کا تعلق آخرت سے۔ جواب دوم یہ کہ دونوں کا تعلق مومنوں سے ہے مگر یہاں مراد روحانی شفا ہے یا مطلب یہ ہے کہ اس کے پڑھنے سننے سے دل پر قدرتی اثر ہوتا ہے جس سے سب کو ایسی شفا اور رحمت ہوتی ہے کہ کفر و شرک کی بیماریاں دور ہو جاتی ہیں اور کفار مومن بن جاتے ہیں تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ۔ یعنی جب انسان پر انعام کیا جائے تو وہ اللہ سے غافل ہو جاتا ہے۔ حالانکہ بہت سے انسان دولت میں بھی اللہ کریم کو بہت ہر وقت یاد کرتے ہیں زکوٰۃ فطرات صدقات دیتے ہیں۔ جواب۔ چونکہ پہلے کفار کا ہی ذکر دور سے چلا آ رہا ہے اسلیے یہاں انسان سے مراد کفار ہی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ إِلَّا خَسَارًا محبوبِ عرش مکانی عالمِ اجسام میں اعلان فرما دے کہ واجبِ حقانی ذات لامکانی کی طرف سے وجود ثابت کا ایسا حق آ گیا کہ جس میں نہ کبھی تغیر ہے نہ کبھی تبدل ہے اور اس آفتابِ عالم تاب کے آنے سے وجودِ بشری امکانی کو زوال آ گیا کیونکہ بے شک وجود بشری کا باطلِ قابلِ فنا اور لائقِ تغیر ہی ہوتا ہے اس لیے کہ جس پر ازل میں فنا کا لبادہ پڑ گیا وہ ہی فنا ہوتا رہیگا

اور جس پر ازلِ تقدیری میں بقا کا سہرا باندھا گیا وہ ہر طاقت و قوت و ثبات میں باقی رہنے والا ہے اس کی روح و جسم ظاہر و باطن کو بقا ہے حیوٰۃِ دنیوی کے چند دن تو ہم فاسدہ اور خیالاتِ باطلہ کے حجاب ہم نے ڈال دیے تھے جن کو اب نورِ لامکانی محبوبِ عرشی کے آنے سے کھول دیا گیا۔ اور تا ابد نازل کرتے رہینگے ہم کلامِ سرمدی کی آیتوں کو ظہورِ صفاتِ اولیاء اللہ کے حساب سے مفصل کو مجمل کرکے ظاہر کو باطن کر کے کیونکہ یہ آیتیں مردانِ راہ کے امراضِ غیبی جہالتِ عقلی اور شک نفاق۔ اندھا پن حسد۔ بغض کھوٹ کی بیماریوں سے شفاء ہیں۔ اور یہی کلام و قرآن آیتِ فرقان اہلِ معرفت کے لیے کمال و فضل احکام و معارف کی رحمتیں اور قربِ منزل کی راحتیں ہیں۔ لیکن یہی وہ آیت جو اہلِ سعادت کے لیے شفاء و رحمت ہیں بد خصلت کے لیے حجاب و ظلمت انکار و عناد ریاء نفاق شک و جہالت کے نقصان اور زیادہ بڑھانے والے ہیں۔

سالکانِ طریقت کے لیے وادیِ حیرت میں یہ قرآن مجید ہی طبیب و رہنما ہے وَاِذَاۤ اَنۡعَمۡنَا عَلَى الۡاِنۡسَانِ اَعۡرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ‌ۚ وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَـــُٔوۡسًا‏ قُلۡ كُلٌّ يَّعۡمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖؕ فَرَبُّكُمۡ اَعۡلَمُ بِمَنۡ هُوَ اَهۡدٰى سَبِيۡلًا اور جب بھی ہم نے انسان پر ظاہری عبادات کی توفیق اور باطنی مکاشفات کا انعام فرمایا تو اُس نے قرب و لقا کے راستے سے منہ پھیرا حالانکہ یہ مقامِ شکر تھا۔ اور بدن و نفس کو خواہشات و لذات کا آرام پہنچایا۔ اور جب وادیِ حیرت کا شر اور بیابانِ ظلمات کی مصیبتیں خود اپنی بدعملیوں غفلتوں کی بنا پر اس کو لگتی ہیں تو عقل موڑ دل توڑ کر مایوس ہو جاتا ہے حالانکہ یہ مقامِ صبر ہے۔ انسان کو دو عبادتوں کے لیے پیدا کیا گیا ہے یا شکر کے لیے یا صبر کے لیے جو لوگ یہ عبادتیں کرتے ہیں وہ راہِ معرفت اور وادیِ رضا کے مخلص ہیں اور ازلی خوش بخت ہیں ان کی نگاہیں قادر و قیوم کی خوشنودی پر لگی ہوئی ہیں لیکن ناشکری کا اعراض اور بے صبری کی مایوسی کرنے والے ازلی فطری بد بخت قدرتِ قدیر سے پرے ہیں ہیں۔ ہر بندہ اپنی جبلتِ فطری پر میدانِ عمل میں چلنے والا ہے۔ تین ہی مقام ہیں تین ہی فطرتیں اور تین ہی قسم کے بندے ہیں ۱۔ مقامِ قلب اس پر شاکرین ہیں ۲۔ مقامِ فکر اس پر صابرین ہیں ۳۔ مقامِ نفس اس پر مایوسین خاسرین بد باطن ہیں پس تمہارا ربِ خبیر خالقِ علیم ہی بہتر جانتا ہے کہ کون شاکرین میں سے بننے والا ہے کون صابرین میں سے کون خاسرین میں سے بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ نفوسِ ناطقہ بشریہ ماہیہ انسانیت سے مختلف ہے اور اعمال کا مختلف ہونا جوہر و ماہیت کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے اور یہی درست ہے اسی کا یہاں بیان ہے کہ یہ قرآن مثلِ سورج ہے کہ کسی کے لیے شفاء ہے کسی کے لیے رحمت ہے اور کسی کے لیے خسارا و نقصان ہر بندہ اپنے جوہرِ جبلّی کے مطابق سعادت و شقاوت کا راستہ اپنے لیے پسند کر لیتا ہے۔ بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ نفوس ناطقہ بشریہ ماہیت جوہری کے مساوی اور

برابر و مطابق ہے اور اعمال و کردار کا اختلاف، مزاج انسانی کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے۔ جس طرح سورج کہیں خار کہیں گل اگاتا ہے کسی کو چکنا کسی کو کھردرا کسی کو سفید کسی کو کالا سیاہ کردیتا ہے اسی طرح قرآن مجید کی عالم تاب شعاعیں جب ارواحِ عالم پر پڑتی ہیں تو ہر روح اپنی استعدادِ فطری اور توفیقِ جبلّی کے مطابق اپنے اندر شعاعوں کو جذب کرتی ہے ان ہی قرآنی شعاعوں سے کوئی غوث و قطب سلیم الفطرت بن جاتا ہے کوئی رذیل خبیس ذلیل و قبیح ظاہر ہو جاتا ہے۔ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ

اور پوچھتے ہیں آپ سے جسمانی جان کے بارے میں فرما دو یہ

اور تم سے روح کو پوچھتے ہیں تم فرماؤ روح میرے رب کے

اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا

میرے رب کا بھید ہے اور نہیں دیے گئے تم عوام علم میں سے مگر

حکم سے ایک چیز ہے اور تمہیں علم نہ ملا مگر

قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ

بہت ہی تھوڑا۔ اور البتہ اگر ہم چاہیں تو لے جائیں اس قرآن کو

تھوڑا۔ اور اگر ہم چاہتے تو یہ وحی جو ہم نے تمہاری طرف کی اسے

اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا

جو وحی بھیجی ہم نے آپ کی طرف پھر تم نہ پاسکو اپنے لیے ہم پر غالب

لے جاتے پھر تم کوئی نہ پاتے کہ تمہارے لیے ہمارے حضور اس پر

وَكِيلًا ﴿٨٦﴾ إِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ إِنَّ فَضْلَهُ

کوئی وکیل۔ لیکن رحمت ہے آپ کے رب کی طرف سے بے شک اس کا فضل

وکالت کرتا مگر تمہارے رب کی رحمت بے شک تم پر

كَانَ عَلَيْكَ كَبِيرًا ﴿٨٧﴾ قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ

آپ پر تو بہت ہی بڑا ہے۔ فرما دو البتہ اگر سب انسان جنات

اس کا بڑا فضل ہے تم فرماؤ اگر آدمی اور جن سب

الْإِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ أَن يَأْتُوا بِمِثْلِ هَٰذَا

جمع ہو جائیں اس پر کہ لے آئیں اس قرآن کی مثل

اس بات پر متفق ہو جائیں کہ اس قرآن کی مانند لے آئیں

الْقُرْآنِ لَا يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ

تھوڑا سا تو کبھی نہ لا سکینگے اس کی مثل اگرچہ ان کے

تو اس کا مثل نہ لا سکینگے اگرچہ ان میں

لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ﴿٨٨﴾

بعض بعض کے ہر طرح مددگار ہو جائیں۔

ایک دوسرے کا مددگار ہو۔

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے مختلف اعمال کا تذکرہ ہوا جس سے اُن کی کم علمی کا
ثبوت ہوا تھا اب ان آیت میں کفار کے سوالات کا تذکرہ ہے جس میں اُن کی ظاہر ظہور کم علمی کو ثابت

کیا گیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں قرآن مجید کے نزول اور اس کے فائدوں کا ذکر ہوا جو خاص رب تعالیٰ کا عطیہ کریمانہ ہے۔ اب ان آیات میں قرآن مجید جیسے انعام ابدی کا لوگوں سے چھین لیا جانے کا تذکرہ اور قدرت کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں قرآن مجید کے بے مثل فوائد کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں قرآن مجید کی بے مثل طاقت و قوت اور اس کے معجزہ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کائنات میں کوئی بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

شانِ نزول امام بخاریؒ نے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت کیا کہ کفارِ مکہ کے پاس کچھ یہودیوں نے آ کر کہا کہ تم ان نبی سے روح کے بارے میں سوال کرو کہ روح کیا چیز ہے۔ کفارِ مکہ سوال کرنے کے لیے چل پڑے تو راستے میں یہودیوں نے دوسرا سوال بتایا کہ اگر وہ اس کا جواب نہ دے سکیں تو کہنا کہ ایسی کتاب جس کو تم قرآن کہتے ہو ہم بھی بنا سکتے ہیں۔ جب ان خُبثا نے بارگاہ مُقدّس میں یہ باتیں کہیں تب یہ چار آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۸۵ تا آیت ۸۸ بعض روایت میں ہے کہ کفارِ مکہ نے خود یہود مدینہ سے جا کر کہا تھا کہ ہم کو کوئی ایسے سوالات بتاؤ جو ہم اِن نبی سے پوچھیں اور وہ جواب نہ دے سکیں تو یہودیوں نے کہا تم اُن سے تین سوال کرو۔ ایک یہ کہ اصحابِ کہف کون تھے۔ اصحاب کہف کتنے تھے۔ دوم یہ کہ ذوالقرنین کون تھے کہاں رہتے تھے سوم یہ کہ روح کیا ہے۔ جب قریش مکہ نے یہ سوال کیا تو آپ نے پہلے پہلے دو سوالوں کا مکمل جواب وضاحت سے فرمایا اور تیسرے پر فرمایا کہ تم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم۔ ابن اسحاقؒ اور ابن جریرؒ نے عکرمہؓ کے واسطے سے حضرت ابن عباسؓ سے بھی اسی طرح روایت کیا (از تفسیر خزائن۔ و باب النقول سیوطیؒ)

تفسیر نحوی وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا۔ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَيْنَا وَكِيْلًا۔

واؤ ابتدائیہ یَسْـَٔلُوْنَ باب فَتَحَ۔ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب سُئِلَ سے بنا ہے مہموز العین ہے اس لیے کہ ہمزہ حرفِ حلقی ہے لہٰذا بابِ فَتَحَ میں آ گیا بمعنیٰ پوچھنا زمانہ حال ہے عَنْ جارہ تجاوزِ وصولی کے لیے الف لام جنسی ہے رُوح اسم مفرد جامد دس معنیٰ میں مشترک ہے ۱ جان۔ ۲ امر (حکم)، ۳ سانس ۴ وحی۔ ۵ رحمت ۶ راز ۷ (بھید) ۸ حضرت جبریل کا لقب ۹ قرآن مجید کا صفاتی نام ۱۰ حضرت عیسیٰ کا صفاتی نام۔ کیونکہ اپنی پھونک سے مردوں کو زندہ فرمایا کرتے تھے یہ آپ کا اُس وقت معجزہ تھا جب قریبِ قیامت اتریں گے تو اپنی پھونک سے زندہ کفار کو مردہ کریں گے (ہلاک کریں گے) اُس وقت آپ کی یہ کرامت ہو گی اِنْ شَآءَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ ۱۱ غیبی فیضانِ الٰہیہ۔ یہاں مراد جان جسمانی ہے یہ جار مجرور متعلق ہے

یَسْئَلُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ قل امر حوالی ہے اَنْتَ فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا الف لام عہدی رُوح بمعنی جسمانی جان جسم و جان کے تعلق کا نام زندگی ہے۔ بحالتِ رفع مبتدا ہے مِنْ جارّہ بیانیہ اَمْر اسم مفرد جامد بمعنی حکم یا شان قوت قانون مجرور ہے مضاف ہے رَبّ، در اصل ہے رَبِّیْ بمعنی میرے رب یہ اضافت تخصیصی ہے نحویوں کے نزدیک اضافت سات قسم کی ہے۔ اضافتِ بیانیہ اضافتِ تبیینیہ اضافتِ لامیہ۔ اضافۃ ملکیۃ، اضافت ایجادی اضافتِ تعلیلی اضافتِ توصیفی یہاں اضافت تخصیصی ہے ایک قول میں ایجادی ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے موجودٌ یا مُحدثٌ پوشیدہ اسم مفعول کا وہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا اور مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر مقولہ ہوا قول کا اور دونوں ملکر جملہ قولیہ ہوگیا واؤ ابتدائیہ مَا اُوْتِیْتُمْ باب افعال کا ماضی مطلق منفی مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ نائب فاعل مرجع ہے عام انسان یا تمام کفار یا یہ موجودہ سوال کرنیوالے کفار۔ اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ بمعنی دینا متعدی ہے۔ مادہ ہے اَتْیٌ بمعنی پانا۔ آنا۔ مِنْ جارہ بعضیت کا الف لام جنسی اِلَّا حرفِ استثنا مفرغ متصل ہے قَلِیْلًا بروزنِ فعیل صفتِ مشبہ ہے قَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی تھوڑا ہونا مستثنیٰ ہے علم کا اور چونکہ اِلَّا کے بعد ہے اس لیے بحالتِ نصب ہے یہ تمام استثنا مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور متعلق ہے مَا اُوْتِیْتُمْ کا یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوگیا واؤ اگر عاطفہ ہو تو یہ جملہ معطوف ہوگا مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ کے جملے پر اور معطوف علیہ معطوف دونوں ملکر مقولہ ہوگا قُل کا۔ اور وَلَئِنْ شِئْنَا علیحدہ عبارت ہے۔ واؤ سر جملہ لام ابتدائیہ مفتوحہ تاکیدیہ ہے بعض کے نزدیک قسمیہ ہے اِنْ حرفِ شرط یہ ہمیشہ مستقبل کے لیے آتا ہے شِئْنَا باب ضرب کا ماضی مطلق جمع متکلم مخاطِب اللہ تعالیٰ جمع ہونا صرف وضاحتِ کلام کے لیے اللہ تعالیٰ کے لیے جمع غائب یا جمع حاضر کا صیغہ استعمال کرنا شرکِ خفی اور گناہِ عظیم و بے ادبی ہے کیونکہ توحید کے خلاف ہے از تفسیر جمل دوم ص۴۸۷ وہابیوں کی یہ عام عادت ہے پھر بھی کہتے ہیں ہم توحیدئے ہیں۔ یہاں ماضی بمعنی مستقبل ہے شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا یہ عبارت جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی لَنَذْهَبَنَّ۔ لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل جمع متکلم ذَهَبٌ بنا ہے لازم ہے بمعنی جانا تاکید کے دونوں حرفوں نے اس کو متعدی بنا دیا بمعنی کسی کو لیجانا بِ جارہ تعدیہ کی اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر اَوْحَیْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل مخاطب باری تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِیْحَاءٌ وَحْیٌ۔ سے بنا ہے بمعنی اللہ تعالیٰ کا کسی شخص پر اپنا کلام پیغام نازل کرنا اِلٰی جارّہ انتہاءِ غایت کے لیے، کَ ضمیر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحَیْنَا کا وہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا وہ جار مجرور متعلق ہے لَنَذْهَبَنَّ کا وہ جملہ ہوکر معطوف علیہ ہوا۔ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لیے لَا تَجِدُ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی بلا زمانہ مستقبل وَجْدٌ مثال واوی سے بنا ہے اَنْتَ ضمیر اس میں

پوشیدہ جس کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم لام جارہ نفع کا کَ ضمیر مجرور متصل متعلق ہے لَاتَجِدُ کا بَ جارہ مفعولیت کا ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مرجع لَنَذْهَبَنَّ کا فعل وعمل ہے یعنی لے جانا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے لَاتَجِدُ کا عَلٰی جارہ تقابل کا بمعنی سامنے مقابل نزدیک نَا ضمیر جمع متکلم مرجع مخاطب اللہ تعالیٰ جار مجرور متعلق سوم ہے ۔ وَكِیلًا صفت مشبہ وَکَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ذمے دار سفارشی ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے لَاتَجِدُ فعل اپنے فاعل تینوں متعلقوں مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا سب مطف ملکر جزا ہوئی شِئْنَا کی شرط و جزا ملکر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا ۔ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا قُلْ لَّىٕنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰۤى اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا.

اِلَّا حرفِ استثنا منقطع ہے لفظاً کیونکہ مستثنیٰ منہ وَکِیلًا ہے ۔ اور رحمۃً مستثنیٰ ہے جو لفظاً ومعنیٰ وکیلا کا غیر ہے لیکن ضمناً اور منشاءً میں وکالت میں رحمت داخل ہے لہٰذا باطناً مستثنیٰ متصل ہے ۔ رَحْمَۃً مصدر ہے ثلاثی آخر میں مصدر یہ ہے مِنْ جارہ ابتدا کے لیے بمعنیٰ طرف سے رَبِّكَ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے ثَابِتَۃً پوشیدہ اسم فاعل واحد مؤنث کا جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی رحمۃ کی یہ مرکّب توصیفی مستثنیٰ ہوا وَکِیلًا کا اِنَّ حرف تحقیق فَضْلَ اسم مفرد حاصل مصدر لغوی ترجمہ ہے زیادتی فراوانی کسی چیز کی دن بدن بڑھوتری ۔ منقول شرعی میں اس کا ترجمہ ہے بلا استحقاق کسی کو دینا اللہ تعالیٰ کی ہر عطا ہر ایک پر اس کا فضل ہی ہے اچھی چیز کی زیادتی فضل ہے بری چیز کا حصول اور زیادتی فضول ہے فضل کی مثال علم عزت دولت وغیرہ فضول کی مثال بیماری غربت وغیرہ ہٗ ضمیر مضاف الیہ مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکبِ اضافی اِنَّ کا اسم ہے ۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ عَلٰی جارہ فوقیت کا کَ ضمیر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ کا هُوَ پوشیدہ ضمیر اسم ہے کَانَ کا اس کا مرجع فَضْلَ ہے ۔ کَبِیْرًا اسم صفت مشبہ صیغہ مبالغہ ہے بمعنیٰ بہت ہی بڑا ۔ ہر حال میں بڑا بحالتِ نصب ہے کیونکہ کَانَ کی خبر ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی وہ اسم خبر سے ملکر جملہ ہو کر مکمل ہوا ۔ قُلْ فعل امر حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فعل یا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قَولُ ہوا ۔ لَامِ لَىٕنْ مفتوحہ تاکید کے لیے ہے یا زائدہ ہے ۔ یا معناً قسمیہ ہے ۔ اِنْ شرطیہ ہمیشہ ہر فعل کو بمعنیٰ مستقبل کر دیتا ہے اِجْتَمَعَتِ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب بمعنیٰ مستقبل بوجہ اِنْ شرطیہ اس کا مصدر ہے اِجْتِمَاعٌ بمعنیٰ ایک ساتھ ہونا اکٹھے ہونا لام استغراقی بمعنیٰ تمام انسان اسم مفرد جنسی واؤ عاطفہ الف لام استغراقی جِنٌّ ۔ اسم مفرد جنسی لغوی ترجمہ چھپی ہوئی پردہ ڈالا ہوا اسی سے ہے جنون مجنون جَنَّتٌ جِنَانٌ وغیرہ مراد ہے جنّات کی مخلوق عطف ہے انس پر سب عطف ہے فاعل ہے اِجْتَمَعَتْ کا بقاعدۂ نحو یہ جب فاعل جنسی ۔ جماعت ہو یا مؤنث لفظی ہو یا ۔ جمع مکسر مذکر ہو تو فعل صیغہ مؤنث آتا ہے

عَلٰی جارہ بمعنیٰ لام جارہ تعلیلیہ اَنْ ناصبہ مصدریہ یَاْتُوْا باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف بحالتِ فتحہ ہے اَنْ کی وجہ سے لہٰذا آخری نونِ اعرابی گر گئی دراصل تھا یَاْتُوْنَ اور الف آخر میں تفخیم کے لیے لایا گیا۔ بِ جارہ تعدیہ کی بِمِثْلِ اسم مفرد تساوی تشبیہی مضاف ہے ہٰذا اسم اشارہ قریبی اَلْقُرْاٰنِ۔ الف لام عہد خارجی قرآن بروزنِ فُعلان بمبالغہ کا صیغہ ہے بمعنیٰ بہت پڑھا ہوا پڑھا جانے والا ازل سے تا ابد قبر حشر اور جنت میں بھی نام ہے اللہ تعالیٰ کے آخری کلام کا مشار الیہ ہے ہٰذا کا یہ دونوں مل کر مضاف الیہ ہے مِثْلِ کا مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے یَاْتُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مجرور ہوا جار مجرور متعلق ہے اجْتَمَعَتْ کا اور وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی لَا یَاْتُوْنَ مضارع منفی معروف زمانہ مستقبل صیغہ جمع مذکر غائب بِ جارہ متعدی کی بِمِثْلِہٖ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے فعل کا۔ واؤ وصلیہ بمعنیٰ اگرچہ بزمانہ حال میں آتی ہے یعنی لَا یَاْتُوْنَ کے فاعل ہُمْ ضمیر مستتر کا حال ہے۔ لَوْ شرطیہ وصلیہ جزا کی تاکید کے لیے۔ کَانَ ناقصہ بَعْضُ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کوئی کچھ جُز۔ حصہ کُل کا مقابل یعنی کوئی غیر معین شخص مضاف ہے ہُمْ ضمیر بارز (ظاہر) مضاف الیہ مرجع ہے تمام انسان اور جنات یہ مرکب اضافی کَانَ کا اسم ہے۔ لام جارہ متعدی بنانے والا اور اپنے مجرور کو مفعول بہ کے درجہ میں کر دیتا ہے بَعْضٍ مجرور متعلق مقدم ہے ظَہِیْرًا کا۔ یہ صفت مشبہ ظَہْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیٹھ لگانا پشت پناہی کرنا مراد ہے خوب مدد کرنے والا ہر طرح تعاون کرنے اور تعاون کی قدرت رکھنے والا بحالتِ نصب ہے اس میں ہُوَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع بَعْضُ ہے۔ صفت مشبہ عامل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر کَانَ ناقصہ کی خبر ہوئی کَانَ جملہ ناقصہ ہو کر حال ہے لَا یَاْتُوْنَ کے فاعل کا وہ جملہ فعلیہ جزا ہے اجْتَمَعَتِ کی شرط و جزا مقولہ ہوا قُلْ کا وہ جملہ فعلیہ قولیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ | وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْۤ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا اور اے پیارے محبوب نبی یہ کفار کہ یہودیوں سے پوچھ کر آپ سے سوال کرتے ہیں جسمانی جان کے بارے میں کہ اس کی حقیقت ماہیت کیا ہے۔ قدیم ہے یا حادث۔ فانی ہے یا باقی، لطیف ہے یا کثیف۔ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ جوہر ہے یا عرض۔ بسیط ہے یا مجرد مرکب ہے یا مفرد۔ مادہ ہے یا نفس۔ صفت ہے یا فعل سبط ہے یا شئی۔ تابعِ جسم ہے یا متبوعِ جسم۔ اے نبی ان کو ان کی عقلی استعداد کے مطابق پورا یہ جواب فرماؤ کہ روح اور یہ جسمانی جان میرے رب کا بھید اور راز وارانہ فعل اور مخفی مخلوق ہے جس کی حقیقت کو تم عام لوگ نہیں سمجھ سکتے اور تم اللہ کی طرف سے بہت ہی کم صرف دنیوی علم دیئے گئے ہو۔ مخلوقِ الٰہی کی حقیقت کو نہیں پا سکتے بہت سی مخلوق جن فرشتہ ہوا۔ یہاں تک کہ پھول کی خوشبو

چیزوں کا رنگ مزے کی لذت صرف محسوس کی جاسکتی ہے نہ اس کی حقیقت سمجھ آتی ہے نہ اس کے لیے الفاظ ہی ملتے ہیں، جو غیر کو سمجھائے جاسکیں کوئی نہیں بتا سکتا کہ خوشبو کیا ہے کیوں ہے۔ بغیر دیکھے ہرا دکھائے ہرا پیلا رنگ کس طرح سمجھایا جاسکتا ہے۔ بغیر چکھائے میٹھا کڑوا کس طرح بیان کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح روح کی ماہیت کون سمجھ سکتا ہے عام بندے تو خود اپنی جسمانی حقیقت کو نہیں سمجھ سکتے کہ گوشت پوست ہڈی کیا ہے کس طرح بن گئی بڑی بڑی عقلیں تو گھاس پھوس بھوسے تنکے کی حقیقت کو نہیں جان سکے۔ یہ سب میرے رب تعالیٰ کے غیب اور اسرار ہیں۔ اور جب یہ دانشور ہماری مخلوق کو نہیں سمجھ سکتے تو ہمارے کلام قرآن و آیات کی حقیقت کو کیا سمجھیں یہ اپنی کم عقلی نادانی کم فہمی [illegible] دعاوی سے بکتے چلے جارہے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں نبی نے خود بنالیا ہے۔ حالانکہ البتہ اگر یہ سب کلام جو ہم نے آپ کی طرف وحی کردیا ہے آپ کی عقل و دماغ سینے اور کاغذات سے اٹھالئے جائیں۔ الفاظ و آیت کو مہو کردیں، تو پھر تم کو ساری کائنات میں اس جیسا کلام نہیں ملسکتا اور نہ تم ساری دنیا جہان میں ملک و ملکوت میں کوئی ایسا وکیل اپنے لئے پاسکو گے جو ہمارے مقابل اس جیسے کلام کا ایک لفظ بھی بنادے۔ اگر یہ اے نبی تمہارا بنایا ہوا ہوتا تو تم پھر بنا کر دکھا دیتے اور وحی کے انتظار اور ایفاءِ وعدہ میں کبھی پریشان نہ ہوا کرتے۔ اور پھر اگر یہ کلام تم بھی بنا سکتے تو حدیث کی عبارتیں قرآن جیسی ہوتیں۔ مگر ایک نقطہ کی ہی تبدیلی سے فوراً پتہ لگ جاتا ہے یہ حدیث ہے یہ قرآن ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چار چیزوں کو روح فرمایا ہے ۱۔ قرآن مجید کو۔ ارشاد ہوا۔ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (سورۃ شوریٰ ۴۲ آیت نمبر ۵۲) ۲۔ جبرئیل علیہ السلام کو نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ سورہ شعراء ۲۶ آیت نمبر ۱۹۳ سوم عیسیٰ علیہ السلام کو وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ سورۃ النساء آیت ۱۷۱ چہارم بدنی جان کو۔ یہی آیت ۸۵ یہاں روح سے کیا مراد اس کے بارے میں علماءِ اسلام کے آٹھ قول ہیں۔ بعض نے کہا۔ جبرئیل مراد ہیں۔ کسی ۲ نے کہا قرآن مجید کسی ۳ نے کہا روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار منہ ہیں (تفسیر کبیر خازن) کسی ۴ نے کہا۔ روح ایک علیحدہ مخلوق ہے جو ہر فرشتے کے ساتھ نازل ہوتا ہے شکلِ انسانی ہے جسم لطیف ہے فرشتوں کو بھی نظر نہیں آتا۔ کسی ۵ نے کہا روح سے مراد مسفوح خون ہے۔ کسی ۶ نے کہا یہ نور ہے کسی ۷ نے کہا مراد علم ہے جو طیب اور باقی ہے۔ کسی ۸ نے کہا روح سے مراد نفس ہے۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ مراد جان ہے اور جان اَمرِ ربی ہے۔ قرآن مجید میں لفظِ امر ایک سو چونسٹھ ۱۶۴ دفعہ بیس ۲۰ معنی میں مختلف جگہ مختلف آیات میں استعمال ہوا ہے۔ ۱۔ امر کا معنی حکم بھی قانون بھی فیصلہ بھی۔ راز بھی۔ معاملہ بھی۔ واقعہ بھی حصّہ۔ حکومت۔ غلبہ۔ دین۔ ارادہ۔ رضا۔ عذاب۔ بات۔ اعمال۔ تدبیر۔ طریقہ عادت۔ فعل۔ چیز ذاتی۔ یہاں امر کا معنی ہے رازِ الٰہی یعنی خفیہ بھید۔ فلاسفۂ متقدمین نے انسانیت، آدمیت بدن، جسم، وجود، روح، نفس کی حقیقت کے بارے میں مختلف نظریات پیش کئے ہیں کسی نے کہا آدمیت

جسم کا نام ہے انسانیت قلب کا نام ہے روح خون کا نام ہے جسم ظاہر کا نام ہے۔ اور نفس مادّے کا نام ہے وجود بقا کا نام موت فنا کا نام ہے۔ سب اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان مجموعہ ہے روح جسم اور نفس کا جسم حیوانی میں چار خزانے ہیں (۱) شعور (۲) تحت الشعور (۳) احساس (۴) تصورات۔ جسم مادہ ہے اس میں یہ خزانے اس طرح ہیں جس طرح پھول کہ نفس اس میں عرق کی مثل ہے اور شعور مثل خوشبو ہے تحت الشعور پھول کو کھلانے والی قوت ہے۔ اور احساس اثراتِ دھر کو قبول کرنے والی قوت۔ جس طرح پھول کی نشوونما کے مختلف مدارج ہیں تصورات بھی بدن میں مختلف مدارج کا نام ہے۔ دنیا میں مخلوق چار قسم کی ہے (۱) جمادات (۲) نباتات (۳) حیوانات (۴) انسانات۔ حیوان انسان آٹھ صفات میں مشترک ہیں سردی۔ گرمی۔ وزن۔ حصولِ غذا۔ بڑھنا۔ مرنا۔ جینا۔ قوتِ تولید۔ نباتات میں دو صفات ہیں حصول غذا کہ وہ ہوا پانی اور کھاد سے غذا حاصل کرتے ہیں (۲) نشوونما۔ گویا قوتِ غاذیہ۔ قوتِ نامیہ۔ قوت مولدہ یہ نفس ہے۔ جمادات میں یہ تینوں قوتیں نہیں ہیں۔ نباتات میں قوت حرکت و احساس نہیں ہے۔ یہ قوت حرکت و احساس حیوانات میں ہے دنیا کی آخری مخلوق انسان ہے۔ اس میں عقل فہم فکر ادراک کی خصوصی قوتیں ہیں۔ ان قوتوں کا نام نفس ناطقہ ہے اس سے انسان کلیات و نظریات و ضوابط بناتا ہے۔ نباتات۔ حیوانات۔ انسانات میں نفس موجود ہے۔ اس طرح نفس کی تین قسمیں ہو گئیں۔ نفس نباتاتی۔ نفس حیوانی، نفس ناطقہ۔ انسان حیوان۔ نباتات۔ جمادات میں مشترک چیز مادہ ہے۔ مادہ وہ ہے جس میں طول۔ عرض۔ عمق سطح خط۔ نقطہ اور تبدل تغیر ہو۔ وجود کی چار قسمیں ہیں۔ وجود مادی وجودِ غیر مادی۔ وجودِ مرکب۔ وجود مجرد۔ وجود مجرد کی دو قسمیں ہیں۔ مجرد عقلی۔ مجرد برزخی۔ جاگتے میں مجرد عقلی نظر آتی ہیں اور خواب میں مجرد برزخی دکھائی دیتی ہیں۔ وجود مجردِ عقلی عناصر اربعہ آگ ہوا پانی مٹی سے مرکب ہوتا ہے یہ ترکیب ہی مادہ ہے۔ لیکن وجود مجرد برزخی میں مادہ نہیں ہے۔ مگر مادہ مثالیہ ہوتا ہے اسی لئے خواب کی اشیاء میں طول و عرض نظر آتے ہیں۔ مجرد کی دو قسمیں ہیں (۱) محتاجِ مادہ۔ اسی کو روح کہا جاتا ہے (۲) غیر محتاج مادہ جیسے وجود باری تعالیٰ۔ مجرد محتاج مادے کی پیدائش کے بعد ظہور میں آتا ہے اور کس طرح آتا ہے یہ اَمْرِ رَبِّیْ ہے۔ یہی مجرد مادے کو چلاتا ہے۔ بڑھاتا ہے مدارج کی تکمیل تک لے جاتا ہے۔ جب تک مجرد اور مادہ جڑے رہتے ہیں تو انسانیت۔ حیوانیت کی بقا رہتی ہے اور یہی زندگی و حیاتِ دنیوی کہلاتی ہے۔ جب دونوں جدا ہو جائیں تو حیوانیت انسانیت ختم ہو جاتی ہے۔ روح کو بقا مل جاتی ہے بدن کو فنا۔ اس بدن کا نام ہی آدمیت ہے۔ یہ تمام نظریات روح و جسم کی تعریف ہے حقیقت کو اللہ اور اللہ والے جانتے ہیں اَمْرِ رَبِّیْ کہہ دینا اسی بات کی نشاندہی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روح کی حقیقت و ماہیت کو مکمل طور پر جانتے ہیں یہ اَمْرِ رَبِّیْ۔ فرمانا۔ اُن کفار کے ہر سوال کا مختصر و مکمل جواب ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی کو

کائنات کے سب علوم بخشے کائنات کو یہ بتانے سمجھانے کے لیے کہ۔ اِلَّا رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ اِنَّ فَضۡلَهٗ كَانَ عَلَيۡكَ كَبِيۡرًا ۔ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا اے حبیب رب کریمؐ دنیا والے نہ ہماری قوت کو سمجھتے ہیں نہ ہمارے نبی محمد رسول اللہ کی علمی قوت کو جانتے ہیں اپنے تھوڑے سے علم پر اکڑے پھرتے ہیں حالانکہ انبیا اولیا علما کے علم کے مقابل ان کی حیثیت کیا ہے اِن کا علم تو ان کی اپنی بیماری غم فکر کُند ذہنی بچپنہ بڑھاپا فنا ڈر برباد ختم وسثیانا س کر دیتا ہے۔ اللہ تو اس پر بھی قادر ہے کہ کائنات میں سب مخلوق سے زیادہ علم والے اپنے محبوب نبی کا دائمی ابدی رُم تی علم بھی اُن کے دل دماغ شعور وعقل بلکہ اُن کے کاغذوں سے ختم فرما دے اور پھر اے محبوب تم علم اور قرآن واپس لانے کے لیے کوئی بھی ذریعہ سبب اور سہارا نہ لاسکو نہ پاسکو مگر پھر تمہارے رب کی طرف سے ہی رحمتہ وکیل بن کر آجائے اور پھر تمام علوم کا خزانہ حسب سابق تم کو واپس مل جائے۔ بعض نے فرمایا یہ اِلَّا مستثنی منقطع کے لیے ہے تب یہ ترجمہ ہوگا کہ لیکن آپ کے رب تعالٰی کی طرف سے رحمت ہے جو آپ کا علم اور قرآن مجید آپ کے دل دماغ سے کاغذ و تحریر سے حافظوں کے سینے سے اولیا کے قلبوں سے عالموں کی عقلوں سے قرآن وعلم اٹھایا نہیں جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بے شک اُس اللہ کا فضل آپ پر ابتداءِ مخلوق سے آج تک اور تا قیامت ابدالآباد ہمیشہ ہی بہت بڑا رہا ہے کہ سب سے پہلے نبی تم کو بنایا سارے خزانوں کی چابیاں دیں قاسم رزقِ الٰہی کائنات کی ہر حاضر و غائب موجود معدوم ،غیب وشہادت چیز کا علم بخشا ہمیشہ تک ذکر بلند کیا۔ نبوت کا دروازہ بند ہوتا ہے تو تم پر اور شفاعت و جنت کا دروازہ کھلتا ہے تو تمہارے لیے دنیا میں عرش ولامکان تمہارے لیے قیامت میں مقامِ محمود بھی تمہارے لیے غرضکہ زمین وزماں تمہارے لیے مکین ومکاں تمہارے لیے چنیں وچناں تمہارے لیے دو جہاں تمہارے لیے۔ اور پھر ایسا قرآن تمہارے لیے کہ اس کی مثل کوئی چھوٹی سی آیت بھی نہ بنا سکے نہ انسانوں میں کوئی عجمی عربی فلسفی منطقی، فصیح وبلیغ شاعر و ماہر نہ کوئی یہودی عیسائی نہ مکے کا کافر نہ مدینے کا اہلِ کتاب نہ یمامہ کا مسیلمہ کذاب نہ قادیان کا خبیث انسان نہ کوئی فرشتہ اس جیسا کلام بنا سکے نہ کوئی نبی اس جیسا بنا سکے۔ اور نہ وہ جنات بنا سکیں جن کو یہ کافر اپنا معبود سمجھتے ہیں۔ اے پیارے نبی یہ لوگ کبھی کفارِ قریش کبھی یہودِ مدینہ منہ سے تو کہتے رہتے ہیں کہ ہم اس قرآن جیسا کلام بنا سکتے ہیں۔ آپ فرماؤ کہ البتہ اگر سارے انسان اور سارے جنات جمع ہو جائیں اس کوشش ادرارادے پر کہ اِس قرآنِ پاک کی مثل ومشابہ فصاحت وبلاغت بناوٹ ولگاوٹ میں چھوٹی سی عبارت ہی بنا لائیں تو قیامت تک نہ بنا سکینگے نہ دکھا سکینگے۔ اگرچہ ہر طرح کا پورا زور لگا کر ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ، اللہ تعالیٰ کی بہت سی مخلوق ایسی ہے جس کی حقیقت کو انسان آج تک بلکہ تا قیامت نہیں سمجھ سکتا اگرچہ عقل و دانش کی کتنی ہی ترقیاں کر جائے۔ ان ہی اشیا میں روحِ انسانی اور اولیا اللہ کی کرامت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ذات بابرکات ہیں۔ لیکن انبیاء کرام کو ان اشیاء غیبیہ کا بھی علم ہوتا ہے یہ فائدہ قُلِ الرُّوْحُ کے بعد مَآ اُوْتِیْتُمْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ، اللہ تعالیٰ کی کسی کتاب صحیفے اور تورات و زبور و انجیل اور خاصکر عالم کائنات میں موجودہ قرآن مجید کی شل کوئی انسان جنات اور فرشتہ کلام کا ایک فقرہ بھی نہیں بنا سکتا۔ یہاں تک کہ انبیاء علیہم السّلام کو بھی یہ قدرت نہیں دی گئی۔ یہ فائدہ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ جن کا لغوی ترجمہ ہے پوشیدہ مخلوق اور فرشتے بھی ہم سے پوشیدہ ہیں اس لیے وہ بھی جنات سے مراد لئے گئے ہیں۔ پہلے دور میں مسیلمہ کذاب نے اور اس دَور میں مرزا غلام قادیانی نے حقیقت وحی کے نام سے ایک کتاب لکھی اور بعض عربی عبارتوں کو معاذ اللہ خدا کی وحی قرار دیا جس کو ہمارے بعض مفسرین محققین نے اَغلاط کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔ ایسی بیہودہ اور نحو، صَرف اور لغت کے اعتبار سے غلطیوں والی ہیں کہ عربی کا چھوٹا سا طالب علم بھی ان کی بیخ کنی کر سکتا ہے ہم یہاں اُن بیہودہ عبارتوں کو اپنی پاکیزہ کتاب میں لکھنا نہیں چاہتے۔ تیسرا فائدہ۔ اے مسلمانو موقعہ غنیمت جان لو اس پیارے قرآن مجید کو جلدی جلدی اپنے قلب و جگر سے لگا لو خوب تلاش کرو نہ معلوم یہ کس وقت تم سے چھین لیا جائے لَنَذْهَبَنَّ کی خبر سنا دی گئی ہے۔ قریب بہ قیامت اس کتے اٹھایا جاتا ہے کہ حافظوں کے سینے سے عالموں کے دماغوں عوام کی فہم سے تحریری قرآن مجید کے ورقوں سے یکا یک غائب کر دیا جائے گا جیسا کہ احادیث میں وارد ہے

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شریعت میں بہت سی چیزیں ایسی ہیں جن کے متعلق بحث مباحثہ یا چھان بین کرید اور سوال جواب کرنے منع ہیں۔ ان میں سے تقدیر کا مسئلہ قدیم و حادث کا تذکرہ اور روح کے متعلق گفتگو کرنا ہے۔ یہ مسئلہ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ (الخ) کے اس پورے بیان سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ، قانون شریعت کے مطابق جنس انسان دیگر تمام مخلوق سے افضل ہے یہاں تک کہ جنات سے افضل اور جن سے مطلقاً پوشیدہ مخلوق مراد ہو تو ملائکہ سے افضلیت ثابت ہو جاتی ہے یہ مسئلہ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ میں اِنْسُ کو جِنّ پر مقدم فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ قرآن مجید مخلوق ہے اس لیے کہ حادث ہے اور حادث اس لیے کہ متغیر ہے۔ یہاں ارشاد باری ہوا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ۔ ترجمہ۔ یعنی اگر ہم چاہیں تو اس قرآن کو ہم مٹا ہی دیں۔ اور جو ختم ہو جائے وہ حادث ہے (معتزلی) جواب۔ یہ اعتراض صرف اس صورت میں پڑتا

ہے جب کہ لَنَذْهَبَنَّ ۔ کا ترجمہ غلط کیا جائے ۔ جیسے کہ معترض نے مٹا دینا غلط ترجمہ کیا۔ حالانکہ یہ ترجمہ نہیں ہے لَنَذْهَبَنَّ ذَهْبٌ ۔ سے بنا ہے اور ذَهْبٌ کا معنی ہے لے جانا۔ کسی کا آنا جانا اس کو متغیر نہیں کرتا (تفسیر کبیر) دوسرا جواب یہ ہے کہ لَنَذْهَبَنَّ ۔ میں بھی الفاظِ قرآن مراد ہیں اور الفاظِ قرآن واقعی حادث ہیں۔ دوسرا اعتراض یہاں کیوں فرمایا گیا لَنَذْهَبَنَّ ۔ کہ ہم قرآن مجید کو ختم کر دیں۔ قرآن مجید تو کلام الٰہی ہے۔ اور کلام متکلم کی صفت ہوتی ہے اور صفت موصوف کی شکل ہوتی ہے موصوف قدیم تو صفت بھی قدیم اور قدیم ختم نہیں ہو سکتا پھر ختم ہونے کے کیا معنی؟ جواب ذَهْبٌ کے معنی یہاں مٹانا نہیں بلکہ اسکا مطلب منتقل کرنا ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا اس جواب سے نُزُولٌ اور ذَهْبٌ کا فرق بھی معلوم ہو گیا کہ نزول میں کلام پہلی جگہ سے ختم نہ ہوا وہاں بھی رہا۔ ذہب میں پہلی جگہ سے ختم کرنا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي وَمَا اُوتِيتُم مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيلًا ۔ وَلَئِن شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا اِلَّا رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهُ كَانَ عَلَيْكَ اہل نفوس عالم ناسوت میں رہنے والے روح انوار کے بارے میں سوال کرتے ہیں فرما دیجئے کہ وہ اسرار غیبی کی مخلوق ہے اور تم عالم کثیف والے بدنیات و مادیات ظواہر کا تھوڑا علم دیئے گئے ہو۔ تمہارا علم حس و محسوس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ علوم اسرار کو جاننے کے لیے غذا و کثیفہ و طعامِ لذیذہ کو ترک کرنا پڑتا ہے۔ ریاضتیں اور مجاہدے کرنے والے مردان طلب جب اپنے جسموں کو بھوکا رکھ کر نفسانیت پر ذکر کی دو دھاری تلوار چلاتے ہیں تو ان کے اعضاء روحانیہ طاقت والے ہو جاتے ہیں اور ان کے اسرار معارفِ الٰہیہ سے چمک جاتے ہیں اور قلوبِ باطن پر لطائف کے الہامات نازل ہوتے ہیں۔ اے منزلِ عشق کے مسافر اگر ہم چاہیں تو ان تمام اسرارِ الہامی اور پیغاماتِ سرمدی کو تجھ سے چھین لیں اس لیے کہ جب بندہ کھانے پینے اور شہوات بدنیہ میں مشغول ہو جاتا ہے تو نطق و عقل اور فہم و معرفت سے محروم ہو جاتا ہے کیونکہ نفس بدن کا غیر ہے پھر اے طالب ناقص تو ہمارے مقابل کوئی بھی مددگار نہ پا سکے گا سوائے ہماری رحمت کے۔ یہ تو تیرے رب کا تجھ پر بڑا فضل ہے کہ جسم نحیف پر اپنے انوار کا پرتو ڈال دیا اور امرِ رب کو بدنِ بہیمیت میں مقید فرمایا ورنہ کسی کی مجال نہ تھی کہ ایسا کر سکے اور دوبارہ دے سکے قُل لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنسُ وَالْجِنُّ عَلَىٰ اَن يَاْتُوا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيرًا ۔ اے محبوبِ کائنات کہ اگر تمام انسان و جنات بھی عالم ظاہر میں جمع ہو جائیں اور اللہ تعالیٰ سے کلامِ اسرارِ روحی انوار لینے کی التجائیں فریادیں تمنائیں آرزوئیں کریں تو پھر بھی امانتِ الٰہیہ والے ابدی کلام کو عرش سے فرش تک لوح سے قلب تک لا نہ سکیں نہ اس کی شکل بنا سکیں نہ اٹھا سکیں اگرچہ ان کے بعض بعض کے قوت بازو بن جائیں۔ اے محبوبِ کل دائرہ عالم کے قطبِ اول۔ رب تعالیٰ نے فقط تم کو ہی اتنی طاقت و قوت ہمت و جرأت بخشی ہے کہ قرآن مجید جیسے کلام الٰہی اور رب تعالیٰ کی شریعت طریقت معرفت حقیقت اسرار انوار تجلیات و مشاہدات اور قربِ جلال کے خزانے اپنے قلب کے مخزنِ لاہوتی سینۂ جبروتی میں جمع فرمائے یہ امانتیں کوئی دوسرا اٹھا سکتا ہی نہیں۔ ہمارے امرِ روحانی کی کو ہمارا محبوب ہی جانتا ہے سینۂ محبوب سے ہی انوار کی خیراتیں بٹتی ہیں۔ وادیِ معرفت کا راہ نما اور مسافرانِ طریقت کا خبیر اکمل ہی رحمۃ ربک ہے۔ اس کا علم کثیر ہے اس کے اخلاق عظیم ہیں اس پر رب تعالیٰ کا فضل کبیر ہے اس کی قوتِ تقسیم شہیر ہے اس لیے کہ رب تعالیٰ اس کا وکیل ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ

اور البتہ بیشک ہم نے پھیر پھیر کر بیان کردیں اس قران میں

اور بیشک ہم نے لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی

مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰٓى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا

تمام مثالیں پھر بھی اکثر کفار نے ایمان سے انکار ہی کیا سوائے

مثل طرح طرح بیان فرمائی تو اکثر آدمیوں نے نہ مانا مگر

كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى

ناشکری کے ۔ اور کہا انہوں نے ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے یہاں تک کہ

ناشکری کرنا اور بولے کہ ہم تم پر ہرگز ایمان لائیں گے یہاں تک کہ

تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾ اَوْ

جاری کر دو تم ہمارے لیے زمین سے بڑا چشمہ ۔ یا

تم ہمارے لیے زمین سے کوئی چشمہ بہا دو ۔ یا

تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ

تمہارے لیے کوئی باغ ہو کھجور کا اور انگور کا

تمہارے لیے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو

فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ

تو جاری ہوں نہریں اس کے بیچ میں خوب جاری ہونا ۔ یا

پھر تم اس کے اندر بہتی نہریں رواں کرو ۔ یا

تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا

گرادو تم آسمان کو جیسے کہ تم کو یقین ہے۔ ہم پر ٹکڑے کر کے

تم ہم پر آسمان گرادو جیسا تم نے کہا ہے ٹکڑے ٹکڑے

اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰۤـئِكَةِ قَبِيۡلًا ۝۹۲

یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کرو

یا اللہ اور فرشتوں کو ضامن لے آؤ

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں قرآن مجید کی تین طرح شان اور بیثلیت بیان ہوئی ۱ وہ شفاء ہے ۲ وہ رحمت ہے ۳ اس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا اب ان آیت میں قرآن مجید کی چوتھی شان بیان ہو رہی ہے کہ اس کی تمام تمثیلیں مثالیں بھی بے مثل ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پر رب تعالیٰ کے کروڑ ہا انعامات اور بڑے بڑے فضل کا ذکر ہوا اور سب سے بڑے انعام ابدی قرآن مجید کا ذکر ہوا یہ سب دنیوی دولتوں سے عظیم تر اور اصل سرمایہ ہے اب ان آیت میں کفار کے بیہودہ دنیوی چیزوں کے مطالبات کا تذکرہ ہے جس سے کفار کی گھٹیا ذہنیت کا پتہ چلا کہ ان کے نزدیک ان دائمی باقی دولت قرآنی کی قدر نہیں جو ہم نے اپنے حبیب کو دی باغوں وغیرہ کو نبوت کا ثبوت سمجھتے ہیں۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے تین ثبوت پیش کئے گئے ۱ ساری کائنات کا علم کم رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا علم کم نہیں ۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر جو رب تعالیٰ کا فضل ہے وہ کائنات میں سب سے بڑا ہے ۳ جو کلام الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا وہ ہمیشہ دنیا میں غالب وموجود اور امت کے پاس رہے گا۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کفار مکہ اتنے بڑے باقی ودائمی ثبوت کے ہوتے ہوئے پھر بھی دنیوی دولت کے فانی ثبوت مانگ رہے ہیں۔

شانِ نزول ابن جریر نے بواسطہ ابن اسحاق مصری عن عکرمہ عن ابن عباس روایت کیا کہ ایک دفعہ مکہ کے پندرہ بڑے سرداروں نے جن کے نام حسب ذیل ہیں۔ ۱ عتبہ ۲ شیبہ۔ ۳ ابوسفیان ۴ ابوجہل ۵ عقبہ بن ابو امیہ۔ ۶ عبدالدار۔ ۷ البختری۔ ۸ اسود بن مطلب۔ ۹ ربیعہ بن اسود

۱۰ ولید بن مغیرہ۔ ۱۱ ابن خلف۔ ۱۲ عاص بن وائل۔ ۱۳ ابن حجاج ۱۴ منبیہ۔ ۱۵ ابولہب۔ نے بارگاہ رسالت میں آکر کہا کہ تم نے ہم کو بہت ذلیل و رسوا کر دیا اگر تم کو دولت کی ضرورت ہے تو ہم سے لو اور اپنی تبلیغ چھوڑ دو۔ اور اگر تم واقعی سچے ہو تو ہمارے مطالبے پورے کرو۔ تب یہ دس آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۸۹ تا آیت ۹۸۔ جن میں اُن کے مطالبوں کا تردیدی ذکر ہوا۔

تفسیری نحوی

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰىٓ اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا۔ واؤ سرجملہ لام تاکید قد صَرَّفْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر ہے تَصْرِیْفٌ بمعنیٰ پھیرنا۔ گردان کرنا پھرانا۔ متعدی ہے یعنی طرح طرح سے بیان کرنا وضاحت کرنا۔ صَرْفٌ مادہ ہے بمعنیٰ پھرنا واضح ہونا لازم ہے۔ لام جارہ نفع کا الف لام استغراقی یا عہدی نَاسِ اسم مفرد جامد جنسی جمع ہے بمعنیٰ انسان آدمی یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے۔ فِی جارہ ظرفیہ مکانیہ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی الف لام عہدی۔ قرآن معرفہ مشار الیہ۔ اشارہ و مشار الیہ مل کر مجرور متعلق دوم مِنْ جارہ بیانیہ۔ کُلِّ اسم تاکیدی مضاف ہے مَثَلٍ اسم تشبیہی مضاف الیہ سے مرکّب اضافی مجرور متعلق سوم ہوا صَرَّفْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ ابتداءِ کلام کے لیے اَبٰی باب ضرب کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اَبْیٌ۔ مہموز الفا اور ناقص یائی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ سختی۔ گستاخی اور نفرت سے انکار کرنا۔ اَکْثَرُ اسم تفضیل مذکر بمعنیٰ بہت زیادہ مضاف ہے اَلنَّاسِ مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی فاعل ہے اِلَّا حرف استثنا خلافِ قیاس مفرغ اس لیے کہ اَبٰی بھی فعل مثبت اور کُفُوْرًا بھی مثبت و توہی لہٰذا اَبٰی کو معنًا نفی کے درجہ میں مان کر استثنا کیا گیا ہے کُفُوْرًا بروزن فعول صیغہ مبالغہ ہے کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ناشکری کرنا۔ کفرانِ نعمت مطلب ہے نہ ماننا کسی چیز کو مگر کفر کو یہ کُفُوْرًا مستثنیٰ ہے شَیْئًا پوشیدہ کا وہ مفعول بہ ہے اَبٰی کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سرجملہ قَالُوْا فعل ماضی ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے مرجع ہے اَلنَّاسِ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ لَنْ نُّؤْمِنَ مضارع مستقبل نفی تاکید بلن جمع متکلم باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ماننا مراد ہے دین اسلام قبول کرنا۔ لام جارہ بمعنیٰ عَلٰی جارہ کَ ضمیر حاضر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم جار مجرور متعلق ہے لَنْ نُّؤْمِنَ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا حَتّٰی عاطفہ بمعنیٰ اِلَّا ہے یا اِلٰی ہے۔ تَفْجُرَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر فَجْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چیرنا حَتّٰی میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اس لیے مضارع منصوب ہے اس میں اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ لام جارہ نفع کا نَا ضمیر جمع متکلم مرجع اَلنَّاسِ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کا اَلْاَرْضِ معرّف باللام یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یَنْۢبُوْعًا اسم مفرد مشتق صفتِ مشبّہ

بروزن یَفْعُوْلٌ یَعْقُوْبٌ یَعْسُوْبٌ یَعْبُوْبٌ۔ نَبْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پانی رِسنا چشمہ پھوٹنا۔ جاری ہونا۔ مراد ہے چشمہ اس کی جمع مکسّر ہے یَنَابِیْع۔ باب فَتَحَ سے۔ یَنْبُعُ مضارع سے معدول ہوا۔ مفعول بہ ہے تَفْجُرَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا اور معطوف ہے لَنْ نُّؤْمِنَ کے جملے پر اور پھر عطف ہے اگلی عبارت پر اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا۔ اَوْ حرف تخییری تَكُوْنَ ماضی مطلق فعل تامّہ منصوب ہے تَفْجُرَ پر عطف کی وجہ سے صیغہ واحد مؤنث غائب لام نَفَعَ۔ کَ ضمیر مجرور متصل واحد حاضر یہ جار مجرور متعلق ہے تَكُوْنَ کا جَنَّةٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ چار دیواری والا محفوظ پھلوں کا باغ بحالت رفع فاعل ہے تَكُوْنَ کا۔ مِنْ جارہ اضافت کا اس کو نحوی لوگ اضافتِ مِنیّہ کہتے ہیں۔ نَخِيْل صفت مشبّہ نَخْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کھجور کے بہت سے گھنے درخت یا بہت کھجوروں والا درخت۔ نَخْلٌ کا لغوی معنیٰ ہے کھجور۔ ایک درخت کو نَخْلَةٌ کہتے ہیں نخل کی جمع ہے نخلات اور نَخْلَةٌ کی جمع ہے نَخِيْلٌ واؤ عاطفہ عِنَب اسم مفرد جامد بمعنیٰ انگور جمع ہے اَعْنَاب انگور کی بیل کے لیے بھی یہی لفظ ہے یہاں جنسی جمع ہے مراد ہے بیلیں۔ یہ سب عطف مجرور متعلق ہے تَكُوْنَ کا یہ فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ تامّہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ۔ حرفِ عطف تعقیبیہ۔ تُفَجِّرَ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف متعدی ہے اَنْتَ ضمیر فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم الف لام عہد خارجی یا جنسی۔ اَنْهٰرَ جمع مکسّر ہے نَهْرٌ کی بمعنیٰ صاف پانی کی بڑی نالی قدرتی یا بناوٹی بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ خِلَالَ اسم مصدر بروزنِ فِعَال خَلَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بیچ میں ہونا گڑبڑ و فساد ہونا۔ اصلیت کے خلاف ہونا۔ مضاف ہے هَا ضمیر کا مرجع جَنَّةٌ ہے مرکّب مفعول فیہ تَفْجِيْرًا باب تفعیل کا مصدر بمعنیٰ پھاڑنا۔ چیرنا کھودنا جاری کرنا یہاں آخری معنیٰ مراد ہیں مصدر متعدی ہے فَجْرٌ مادہ لازم ہے بمعنیٰ ظاہر ہونا روشن ہونا۔ یہ مسبّب ہے اس کا سبب ذاتی کام ہے یعنی نہر بنانا کھودنا وغیرہ بحالتِ نصب ہے مفعول مطلق تُفَجِّرَ کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر اگلی عبارت پر عطف ہوا۔ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا۔ اَوْ حرفِ عطف اختیاری ہمیشہ دو کلموں یا دو جملوں کے بیچ میں آتا ہے تُسْقِطَ باب افعال کا مضارع بزمانہ مستقبل اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا مصدر ہے اِسْقَاطٌ بحالتِ فتحہ ہے ماقبل کے عطف تابع ہونے کی بنا پر سَقْطٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گرانا۔ ڈھانا۔ نیچے کرنا۔ اِسْقَاطٌ متعدی ہے اور اس کا مادہ سَقْطٌ لازم ہے بمعنیٰ گرنا نیچے آنا۔ اَلسَّمَآءُ اسم مفرد معرّف باللام مراد ہے آسمانِ دنیا۔ یہ نیلا آسمان اسم خبر ہے كَمَا۔ حرفِ تشبیہ متصلہ ہے دو لفظوں سے ۱ کاف تمثیلی حرفِ جر ۲ مَا موصولہ۔ زَعَمْتَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر باب فَتَحَ سے بنا ہے۔ اَنْتَ مستتر ضمیر فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فعل با فاعل

جملہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مجرور متعلق ہے تُسْقِطَ کا۔ عَلیٰ جارہ فوقیت کا نَا جمع متکلم کی ضمیر مجرور متصل جار مجرور متعلق دوم تُسْقِطَ کا۔ نَا ضمیر کا مرجع اَلنَّاسِ ہے کِسَفًا۔ عدل تکراری ہے۔ کِسْفَۃٌ کا معنیٰ ٹکڑے ٹکڑے ہونا جیسے کہ لفظ مَثْلَثَ اور مَثْنیٰ وغیرہ عدل تکراری ہیں ثلاثٌ ثلاثٌ اور اثنیٰ اثنیٰ کی۔ کِسَفًا کے مجازی معنیٰ ہیں ۱ پھاڑنا ۲ پھٹنا ۳ کسی پردے کے پیچھے چھپانا۔ چھپنا ۴ ٹکڑے کرنا ۵ ٹکڑے ہونا چونکہ یہ مادہ اور اس کے تمام مشتقات لازم بھی ہوتے ہیں اور متعدی بھی اس لیے حسب موقعہ قرینے کے اعتبار سے ترجمہ کیا جاتا ہے۔ اسی سے کسوف یعنی سورج گرہن لگنا۔ یہ لفظ قرآن مجید میں پانچ جگہ آیا ہے اس جگہ اور سورۃ روم آیت ۴۸ میں کِسَفًا ہے باقی جگہ کِسْفًا ہے مفتوح سین ہو تو جمع ہے یہاں جمع ہی ہے سین مجزوم ہو تو واحد ہے جیسے سِدْرَۃٌ اور سِدَرٌ بمعنیٰ ایک بیری اور بہت سی بیریاں۔ بحالت نصب ہے حال ہے کَمَا کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر اگلی عبارت کا معطوف علیہ ہوا۔ اَوْ حرف عطف تردیدی تخییری تَاتِیَ باب ضرب کا مضارع مثبت معروف بزمانۂ مستقبل صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ بِ جارہ تعدیہ کی بمعنیٰ کو اللّٰہِ۔ اسم ذاتی عَلَم ہے حق تعالیٰ کا معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی یا عہد ذہنی بمعنیٰ چند یا تمام۔ یا جنسی جمع ہے بمعنیٰ کوئی بھی کتنے ہی مَلٰئِکَۃِ اسم جمع مکسر ہے واحد ہے مَلَکٌ بمعنیٰ فرشتے بحالتِ کسرہ ہے معطوف ہے اللہ پر یہ عطف مل کر مجرور ہوا جار مجرور مل کر متعلق ہے تَاتِیَ کا۔ قَبِیْلًا۔ اسم مصدر ہے بروزنِ رحیق۔ رجیل یا یہ صفت مشبہ ہے بروزنِ کریم۔ قَبْلٌ یا قَبُوْلٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے پہلے ہونا۔ ایک طرف ہونا۔ پشت پناہ ہونا۔ منقول اصطلاحی میں ترجمہ ہوا برادری۔ خاندان۔ گروہ۔ ٹولہ۔ رشتے دار۔ بحالتِ نصب ہے یا اس لیے کہ باللہ کا حال ہے یا تفسیری مفعول بہ ہے یا مَلٰئِکَۃِ کا بدل الکل ہے یا بدل الاشتمال ہے تَاتِیَ کا معنیٰ ہے لاؤ تم فرشتوں یعنی اللہ کے پورے خاندان کو۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا ماقبل کا اور معطوف علیہ اگلی عبارت اَوْ یَکُوْنَ کا۔ یہ تمام افعالِ مضارع ۱ تَفْجُرَ ۲ فَتُفَجِّرَ۔ ۳ تُسْقِطَ ۴ تَاتِیَ۔ ۵ اور اگلی آیت میں اَوْ یَکُوْنَ۔ حَتّٰی کے اَنْ پوشیدہ سے منصوب ہوئے پہلا فعل تَفْجُرَ معطوف علیہ متبوع ہے باقی چار فعل تابع عطفی ہیں۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ فَاَبٰۤى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا ۝ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ۔ اے حبیب کریم آپ کے لیے ہماری رحمت ہر طرح ہر آن وکیل محافظ ہے اور آپ ساری کائنات کے لیے رحمت اور وکیل و محافظ آپ پر بھی ہمارا فضل ہے اور آپ کے صدقے وطفیل سے تمام مخلوق پر بھی ہمارا فضل و رحمت ہے اولیا علما اور تمام مسلمانوں پر اس طرح کہ یہ قرآن

تا قیامت موجود رہے گا اور کفار پر رحمت اس طرح کہ ہم نے اس قرآن کریم میں منکر دل کافروں کو نہایت اچھے نرم دلگداز انداز میں سمجھانے سنانے کے لیے ہزاروں نصیحتیں لذتیں شفائیں کرامتیں عزتیں بھی بیان فرمائیں اور البتہ بیشک ہم نے باربار پھیر پھیر کر مختلف انداز میں بیان کر دیا اس قرآن مجید میں شریعت ۔ طریقت ۔ عبرت ۔ احکام ۔ وعدے ۔ وعیدیں ۔ مثالیں ۔ ترغیب ۔ ترہیب ۔ امر ۔ نہی ۔ قصے ۔ کہاوتیں جنت ۔ دوزخ ۔ نار ۔ نور ۔ قیامت ۔ براہین ۔ حجۃ ۔ دلالت ۔ عبادت ۔ معجزات ۔ پچھلے مطالبات اور نافرمانوں کا انجام ۔ فرماں برداروں کا ثواب ۔ نفس و شیطان کی دشمنی ۔ بری صحبت کی خرابیاں نیک لوگوں کی محفلوں کے فائدے دلائل اور واضح آیت ۔ قرآن مجید میں سب کچھ کھول کھول کر ذکر کر دیا ۔ سابقہ قوموں کے آسمانی اور غیبی عذاب اور اجڑی بستیوں کا تذکرہ بار بار صرف اس لیے کیا گیا ہے تاکہ یہ منکر بھی مومن بن جائیں ۔ تو بجائے عبرت پکڑنے درست ہونے بندہ بننے کے اکثر لوگوں کثرت عوام زیادہ تر کفار نے اسلام قرآن اور اللہ رسول پر ایمان لانے سے انکار ہی کیا ۔ ہاں البتہ نافرمانی ناشکری حق سے فرار سچائی سے انکار خوب ڈٹ کر کیا ۔ اور بار بار مکے کے سرداروں نے مل کر جتھے بنا بنا کر یہی کہا کہ اے نبی ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک تم یا تو ہمارے مشورے مانو یا ہماری پیشکش قبول کرو یا ہمارے مطالبات پورے کرو ۔ کیونکہ تم نے اور تمہاری تبلیغ نے ہماری قوم میں مصیبت ڈال دی ہے گھر گھر جھگڑے کھڑے کر دیئے سکون یک جہتی ۔ قومی اتحاد ۔ رشتے داری کے بندھن ۔ بھائی چارہ برادر سازی ۔ خاندان بازی ملاپ اتفاق سب ہی ختم کر دیئے ۔ عجیب تفرقے بازی ڈال دیئے اے محمد ہم تم سے بہت دکھی ہیں اب ہمارا مشورہ یہ ہے کہ تم ہمارے بتوں کو جھوٹا اور باطل ۔ ہمارے دین کو خراب اور ہمارے باپ دادا کو اور بڑوں ۔ بزرگوں کو بیوقوف کہنا چھوڑ دو ۔ اور ہماری پیشکش یہ ہے ۔ کہ تم اپنی اس تبلیغ اور نصیحتوں سے چاہتے کیا ہو ؟ اگر تم دولت چاہتے تو ہم سب مل کر تم کو اتنی دولت دیتے ہیں کہ سب سے زیادہ امیر ہو جاؤ گے ۔ اور اگر تم بادشاہ بننا چاہتے ہو تو ہم تم کو اپنا بادشاہ بنا لیتے ہیں ۔ اگر تم کو کوئی ذہنی دماغی مرض بیماری لاحق ہے تو ہم اپنے خرچ پر تمہارا علاج کراتے ہیں تمہیں اچھی خوراک دیتے ہیں ۔ اگر ہماری یہ پیشکش قبول نہیں تو پھر ہمارے یہ دس مطالبے پورے کرو تو ہم آپ پر سچے دل سے ایمان لے آئیں گے ۔ ایک یہ کہ مکے کے چھوٹے بڑے پہاڑ پہاڑیاں دور ہٹا دو تاکہ شام و عراق کی طرح ہم کو کھلی زمین ملے ۔ دوم یہ کہ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا یہاں تک کہ اس زمین مکہ میں جگہ جگہ ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے نکال دو ۔ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۔ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۔ سوم یہ کہ اگر ہمارے لیے نہیں تو نہ سہی کم از کم اپنے لیے

ہی ایسا کر دو کہ تمہارے لیے ایک بہت وسیع کھلا چار دیواری میں چھپا ہوا محفوظ خوبصورت باغ ہو کھجوروں کا۔ اور انگوروں کا۔ پھر ان باغوں کے بیچ بیچ درمیان درمیان میں چھوٹی چھوٹی خوبصورت نہریں ٹھنڈے میٹھے پانی کی بہت ساری ہر طرف سے جاری ہو جائیں تاکہ ہم جب آپ پر ایمان لے آئیں تو ہم کو آپ کے پاس آتے ہوئے شرم نہ آئے ہم شاندار باغوں اور نہروں میں آکر بیٹھا کریں۔ ہم کو آپ کی یہ چٹائیاں گھاس پھوس پر بیٹھنا۔ غریبوں غلاموں یتیموں کے ساتھ بیٹھنا فاقے کرنا ستو اور باسی روٹیاں کھانا پیوند لگے پرانے کپڑے پہننا قطعاً پسند نہیں۔ یہی چیزیں ہم کو ایمان لانے سے روکتی ہیں۔ آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی یہ باتیں سن کر فرمایا کہ تمہارے یہ مطالبے دنیا کی زندگی میں حاصل کرنے کی خواہش کرنی بالکل کم عقلی ہے۔ اگر تم کو یہ چیزیں یہ شان و شوکت پسند ہیں تو پھر عارضی فانی چند روزہ کیوں مانگتے ہو۔ میں تو یہی کہتا چلا آرہا ہوں کہ کلمہ پڑھ کر مومن مسلمان اور اللہ کے پیارے بن جاؤ میرے رب کریم جل سبحانہ نے یہ سب چیزیں کئی ہزار درجے اچھی خوبصورت مضبوط و محفوظ بنا رکھی ہیں جو دائمی اور ابدی ہیں۔ تمہاری یہ باتیں اور مطالبے تو ان نادان بچوں کی طرح ہیں جو اپنے مضبوط گھروں کمروں کو آرام دہ بستروں کو چھوڑ کر لکڑی کے ٹکڑوں کے ریت اور مٹی کے گھروندے بنانے اور پسند کرنے لگ جائے اور دوپہر کی گرمی میں اپنے بدصورت اور کمزور گھروندوں کو ہی بناتا سنوارتا اور چاہتا پسند کرتا رہے۔ نادان بچوں کی باتیں ماننے کے قابل نہیں ہوتیں۔ کیا تم نے اپنے بڑوں اپنے پہلوں کا انجام نہ دیکھا سنا کہ جب ان کے اسی جیسے مطالبے مانے گئے اور انہوں نے پھر کفر کیا تو پوری قوم اور بستی کو عذاب آسمانی سے تباہ و برباد کر دیا گیا۔ میں رحمۃ عالمین ہوں ایسا نہیں کر سکتا اور ایسے مطالبات نہیں مان سکتا۔ اور اپنی قوم کو عذاب آسمانی سے تباہ نہیں کرا سکتا۔ میں بشیر و نذیر ہوں میرا کام اور میری خواہش یہی ہے کہ تم سب مومن مسلمان ہو کر اللہ کے پیارے بن جاؤ اور آخرت قبر حشر کے عذاب سے بچ جاؤ۔ اس انکار پر۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی عاتکہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے عبداللہ بن ابو امیہ نے کہا کہ اچھا اگر آپ یہ نہیں مانتے تو یہ کریں کہ آپ اکثر کہتے رہتے ہیں کہ اِنْ نَّشَاْ نَخْسِفْ بِهِمُ الْاَرْضَ اَوْ نُسْقِطْ عَلَيْهِمْ كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ (سبا آیت ۹) اور یہی آپ کا گمان ہے تو پھر آپ ہم پر آسمان کا ٹکڑا ہی گرا دیں۔ آپ نے فرمایا تمہارا یہ مطالبہ بھی ضدی بچوں اور نادانوں کی طرح ہے بھلا کوئی بھی ذی عقل اپنی ہلاکت چاہتا ہے؟ تم بلاشبہ ایسے مطالبے کرتے رہے مگر میں ایسی ہلاکت بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ میں اس دھرتی میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا۔ نہ میں اس بارے میں اپنے رب سے کچھ عرض کر سکتا ہوں یہ اس کی مرضی ہے کہ تم کو کسی طریقے سے ہلاک کر دے یا باقی رکھے آسمان کے ٹکڑے گرائے یا زمین میں دھنسائے میں تو ہر آن تمہاری عافیت ہی چاہوں گا۔ کفار نے جواباً کہا کہ اچھا پھر ہمارا

پانچواں مطالبہ یہ ہے کہ آپ اللہ کو ہمارے سامنے لے آئیں چھٹا مطالبہ یہ کہ بہت سے فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آئیں جو آپ کی تصدیق کریں اور ہم کو بتائیں کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ مفسرین کرام نے لفظِ قبیلاً کے چار معنی بیان فرمائے ۱ ضامن اور کفیل ۲ فوج لشکر قبیلا ۳ مقابل ۴ سامنے۔ یہ پانچ مطالبے جن کا ذکر از آیت ۹۰ تا آیت ۹۲ ہوا چونکہ انتہائی بیہودہ لغو اور گستاخانہ تھے اس لیے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم افسردہ اور ناراض ہو کر محفل سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تب ان گستاخوں نے اٹھتے اٹھتے باقی چار مطالبے کیے جن کا ذکر اگلی آیت ۹۳ میں آ رہا ہے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ نزولِ قرآن کریم کا اصل مقصد اصلاحِ انسانیت ہے اس لیے انسانی زندگی کے تمام نشیب و فراز اتار چڑھاؤ کو قرآن مجید میں مختلف مثالوں سے سمجھا دیا گیا ہے قرآن پاک کے غیوبات و مخفی اشارے مثلِ روح ہیں اور روح امرِ ربی ہے قرآن مجید کے ظاہر قوانین مثل جسم ہیں اور جسم شریعت ربانی ہے یہ فائدہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔

ع
ظاہرِ قرآں چوں شخص آدمی است
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفی است

دوسرا فائدہ۔ مسلمانوں کو چاہیئے عجیب چیزیں دیکھنے اور دلچسپی لینے کی عادت نہ ڈالیں۔ ایسی عادت والے اکثر گمراہ اور کافر ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید نے شروع زمانوں سے زمانۂ اسلام تک ہر دور میں کفار کی یہی عادت بیان فرمائی ہے۔ یہ فائدہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ سب سے بڑا اور نقصان دہ عیب اللہ تعالیٰ خالق مالک رازق کی ناشکری کرنا ہے۔ کفر فسق نافرمانی۔ غفلت۔ عبادت کی لاپرواہی سب کچھ ناشکری کی ہی مختلف شکلیں ہیں۔ یہ فائدہ اِلَّا كُفُوْرًا۔ سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ اولیاء اللہ سے کرامات کا مطالبہ کرنا جائز ہے اور بعض موقعوں پر حرام ہے۔ پیرو مرشد پکڑنے کے لیے صرف شریعت پر مکمل پابندی اور تقویٰ طہارت دیکھنا چاہیئے۔ اس لیے کہ عام آدمی کرامت معجزے۔ قدرت اور ساحر شعبدے جادوگری میں فرق نہیں کر سکتا۔ اور گمراہ ہو جاتا ہے احادیث میں ہے کہ دجال بہت شعبدے دکھائے گا اور خدائی کا دعویٰ کرے گا۔ اور اپنے شعبدوں کو قدرت اور خدائی طاقت کا نام دے گا۔ جن لوگوں کو تماشے اور عجیب و غریب چیزیں دیکھنے کا شوق ہو گا یا جو اس سے کچھ دکھانے کا مطالبہ کریں گے وہ اس کے شعبدے دیکھ کر گمراہ و کافر ہو جائیں گے۔ یہ مسئلہ بھی وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ

سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ کسی مسلمان کو کبھی اس فکر میں نہیں رہنا چاہیے کہ مجھ کو دعاؤں تعویذوں اور غیب سے رزق و روزیاں اور دولتیں ملتی جائیں۔ بلکہ مقصدِ تخلیقِ کائنات یہ ہے کہ انسان خود عقل دماغ ہاتھ پیر کی محنت مشقت سوچ و فکر استعمال کرے۔ ہاتھ پیر توڑ کر غافل و سست کسلمند ہو کر بیٹھ رہنا شرعاً گناہ ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ حَتّٰی تَفْجُرَ (الخ) کے کفاری مطالبوں کی تردید اور برائی کرنے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کسی کے لیے یا اپنے لیے بددعا کرنا شرعاً حرام ہے اگرچہ کتنی ہی پریشانیاں لاحق ہوں۔ یہ مسئلہ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ (الخ) کے کفریہ مطالبے کی تردید سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ قرآن مجید کے ہوتے ہوئے ہم کو کسی اور کتاب اور حدیثوں کی ضرورت نہیں ہے قرآن مجید خود فرماتا ہے وَلَقَدْ صَرَّفْنَا۔ ہم نے اس قرآن میں ہر قسم کی مثال بیان فرما دی (چکڑالوی پرویزی منکرین حدیث) **جواب**۔ یہاں کفار کے لیے مثالوں کے تذکرے کا ذکر ہے اور مثالیں عبرت کے لیے ہوتی ہیں کفر چھڑانے کے لیے مگر مسلمان ہو جانے کے بعد احکام اور قوانین اور اس پر عمل کی ضرورت ہوتی ہے اگر تم لوگ واقعی اپنے کفر پر مُقِر و مُصِر ہو تو تب تو تم کو احادیث مبارکہ کی ضرورت نہیں ہے اور نہ مسلمانوں کو تمہاری ضرورت لیکن مسلمانوں کو اسلام پر عمل کرنے کے لیے ہر دم ہر زمانے میں احادیث پر عمل کی اشد ضرورت ہے۔ بغیر احادیث کے قرآن کریم کی ایک آیت پر بھی عمل ممکن نہیں ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ کفار نے جب معجزات کا مطالبہ کیا تھا تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے کسی مطالبے کو کیوں پورا نہیں کیا۔ یا تو آپ عاجز تھے اور یا آپ تنگدل اور کنجوس تھے کہ ایک چیز ہوتے ہوئے بھی نہ دی جائے یہ اچھی عادت نہیں (آریہ ہندو) **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ معجزہ صرف نبوت کے ثبوت و صداقت کے لیے ہوتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ فرمایا اور قرآن مجید جیسے عظیم و ابدی معجزے نے آپ کی نبوت کو بہت شاندار طریقوں سے ثابت کر دیا۔ اب مطالبوں کی ضرورت نہ تھی پھر بھی مطالبے کرنے درست نہیں بلکہ مذاق بازی تھی **جواب**۔ دوم یہ کہ نا اہلوں نالائقوں کو ان کے حسب مطالبہ دینا برا ہے۔ والدین اپنے نالائق بیٹوں کو نہیں دیتے اور اس نہ دینے سے عجز یا کنجوسی ثابت نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض وارد ہو گا۔ نیز انبیاءِ کرام کے تمام معجزات اجازتِ باری کے پابند ہوتے ہیں۔ منشاءِ باری تعالیٰ وہاں باغات اور نہروں کے حق میں نہیں تھی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ (الخ) یعنی کفار نے یہ کہا یہ کہا وغیرہ وغیرہ بہت سی کفار کی باتیں نقل کی گئی ہیں۔ اور اب ان ہی باتوں کو قرآن مجید کا حصہ بنا دیا گیا ہے تو اگر آج کفار یہ کہیں کہ انسانی باتوں کو ہی آیت قرآنی بنایا گیا تو یہ انسانی کلام ہی ہوا اور پہلے کفار کا یہ کہنا درست ہوا کہ ہم بھی اس جیسا کلام بنا سکتے ہیں تو اس کا کیا جواب ہے ظاہری الفاظ اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں کچھ فرق بھی نظر نہیں آتا۔ جواب۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے یہ جواب فرمایا کہ فرق کا پتہ اتنی چھوٹی سی عبارت میں نہیں لگ سکتا اس لیے رب تعالیٰ نے دس سورتیں یا ایک سورت پوری

پورے قرآن کی مثل بنانے کا چیلنج فرمایا ہے۔ لیکن ہم یہ کہتے ہیں کہ اس تھوڑی سی عبارت میں بھی ہزار ہا فرق ہیں۔ اولاً تو یہ کہ باتیں اگرچہ کفار کی ہیں مگر قرآن مجید نے اپنی طرز میں اپنے الفاظ و حروف سے نقل فرمائیں۔ ثانیاً یہ کہ جس جگہ ان باتوں کو شامل و داخل فرمایا گیا یہ بھی بے مثل فصاحت ہے اس طرح کا سیاق و سباق بھی عام آدمی بلکہ پوری انسانیت کو میسر نہیں آسکتا۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔ فَاَبٰى اَكْثَرُ النَّاسِ اِلَّا كُفُوْرًا۔ وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا اور البتہ بیشک اس قرآن قلب میں ہم نے پوری کائناتِ انسانیت کے لیے قرب و بُعد۔ جلال و جمال قہر و جبر۔ نور و ظلمت۔ صبر و شکر۔ سفر و حضر۔ عذاب و رحمت قبولیت و مردودیت۔ عناد و غنا۔ قبض و بسط۔ بقاؤ فنا۔ وصال و لقا۔ خطاؤ صواب۔ جزاؤ ثواب۔ عطاؤ سخا۔ جود و کرم۔ احکام و قوانین۔ مشاہدہ و مراقبہ۔ بشارت و نذارت دین و دنیا۔ امانت و دیانت۔ ظاہر و باطن۔ حق و باطل۔ شریعت و طریقت۔ حقیقت و معرفت۔ امر و اسرار۔ تدبیر و تقدیر۔ لاہوت و ناسوت کی تمام مثالیں پھیر پھیر کر بیان فرمادیں۔ اس طرح کہ حقائقِ قرآن انبیاء و مرسلین کے لیے لطائفِ قرآن اولیاء اللہ کے لیے اشاراتِ قرآن خواص کے لیے عبارتِ قرآن عوام کے لیے معانیِ قرآن علماء کے لیے الفاظِ قرآن حفاظ و قرا کے لیے۔ بشارتِ قرآن مومنین کے لیے رحمتِ قرآن مخلصین کے لیے سوزِ قرآن عاشقین کے لیے لذتِ قرآن محبوبین کے لیے۔ ہدایتِ قرآن طالبین کے لیے سعادتِ قرآن متقین کے لیے عبرتِ قرآن ناسقین کے لیے۔ نذارتِ قرآن کافرین کے لیے۔ اس دنیاء دون کے خصائلِ رذیلہ والے اکثر اہلِ نفس نے معجزات و کرامات کے اس بے بہا خزانۂ بے مثل کو ماننے اور فائدہ حاصل کرنے کے بجائے اپنی بدقسمتی سے ہر تذکیۂ نفس اور مراقبۂ روح سے انکار ہی کیا۔ عالمِ ناسوت کی ہر نعمت کو کھایا مگر شکرِ منعم ادا نہ کیا۔ ہر حال میں کفر و فسق منافقت و مخالفت۔ غفلت و سستی۔ ابلیسیت و نفسانیت کے طریقہ پر کفران و ناشکری ہی کرتے رہے اور قوتِ روحانیہ سے منہ موڑ کر قوتِ نفسانیہ کے طالب بنے رہے اور کہا انہوں نے کہ اے مرشدِ قلب خزانۂ معرفت کے دعویدار ہم ہرگز تجھ پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ زمینِ قالب میں خواہشاتِ نفسانیہ کے چشمے جاری نہ کردے یا تیرے لیے راحتِ دنیا عیش و فروانی کے باغات تماشہ گاہِ عالم میں شہوات کے نخیل و عنب ہوں جس سے بدن کو عیاشی ملے اور میدانِ طلب میں سامانِ دنیا کی بہتی ہوئی مزین نہریں نہ جاری ہوں ہم کو نہ کسبِ کمال کی حاجت رہے نہ ترقی و اقبال کی ضرورت پڑے نہ ہم کو عبادت کی محنت کرنی پڑے نہ ریاضت کی مشقت اٹھانی پڑے نہ خلوتِ لیل میں جاگنا پڑے نہ جلوتِ یوم میں چلنا پڑے۔ جہانِ رنگ و بو کی پوری عیاشیاں ہم کو مہیا فرما دے اس کے بغیر تیرے فرمانِ لاہوتی پیغامِ جبروتی اور دعوتِ قدوسی کی ہم اطاعت نہ کریں

گے۔ اے قلبِ جاں گداز تیری فطرتِ سلیمہ نے بدنِ انسانی میں منافرت کے بیج مخالفت کے دودرا ہے اور مفارقت کے کانٹے پھیلا دیئے ہیں تیرے پیغامات سے ہماری عیش و عیاشی۔ عشرت و فحاشی سب کچھ ختم ہو کر رہ گئی ہے آخر تو چاہتا کیا ہے؟

شعر

از حیاتِ تو وجودم پاش پاش

از وجودِ تو عیاتم زار۔ زار!

اَوۡ تُسۡقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمۡتَ عَلَيۡنَا كِسَفًا اَوۡ تَاۡتِىَ بِاللّٰهِ وَالۡمَلٰٓئِكَةِ قَبِيۡلًا۔ یا آسمانِ قہر جلال سے ہم پر نامرادی کے ٹکڑے فنا کے طوفانِ ہلاکت گرا دے جیسا کہ نافرمانوں کی سزا قبض و بسط میں تیرا گمان ہے۔ یا نظارۂ ذاتِ انوار کا مولیٰ تعالیٰ اور عالمِ عرفان کے مقرب مدبراتِ امر فرشتے۔ ارادۂ اسرار کے ملائکہ وادیٔ حیرت میں ہمارے چشمِ تصورات میں بالمشافہ سامنے آجائیں۔ اپنے اس خالقِ ارضیات اور ملائکۂ الہامات کو ہمارے سامنے لے آ۔ یہی وہ مطالباتِ نفسِ امارہ ہیں جو ہر ساعتِ مدو جزر میں باطنِ انسانیت سے اٹھتے رہتے ہیں۔ اور مقامِ بشریت کو قربِ جلال کی منزل تک نہیں پہنچنے دیتے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بندۂ فقیر کو سگِ نفسانی کے ذلیل و ماتحت کرنے کے لیے کتے کی دس خصلتیں اختیار کرنی پڑتی ہیں۔ ۱ بھوکا رہتا ہے ۲ تھوڑی پر قناعت کرتا ہے ۳ رات کو کم کھاتا ہے ۴ جب مرتا ہے تو کوئی میراث نہیں چھوڑتا ۵ ادنیٰ اور گھٹیا جگہ پر راضی ہو جاتا ہے ۶ اس کی جگہ پر کوئی مالبعق غالب ہو تو برضا و رغبت چھوڑ دیتا ہے اور دوسری جگہ جا بیٹھتا ہے ۷ اس کو ماریں پھر ٹکڑا ڈالیں تو عاجزی اور پیار سے آجاتا ہے ۸ اس کا کوئی مقبوضہ مکان نہیں ہوتا ۹ بھوکا ہو کر صابر رہتا ہے ۱۰ کسی مکان سے چلا جائے تو پھر اس کی طرف توجہ نہیں کرتا نہ خواہش۔

بندے دس قسم کے ہیں ۱ صابرین۔ ۲ متوکلین ۳ محبین ۴ زاہدین ۵ صادقین ۶ واصلین ۷ عاشقین ۸ خاشعین ۹ مساکین ۱۰ راہبین۔ بے غم دل ایسا گھر ہے جو ویرانی سے بگڑ جائے۔ غم دل کی آبادی اور درستی ہے۔ سب سے زیادہ شر پر بگڑا ہوا عالم ہے۔ اور سب سے زیادہ فسادی ریاکار نام نمود کا نعرے باز پیر ہے۔ اور سب سے زیادہ نقصان دہ فاسق و بیوقوف مشیر ہے اور سب سے زیادہ ذلیل و خراب حاسد فقیر ہے۔ ترکِ دنیا گھر بار چھوڑنا نہیں بلکہ حسد۔ بغض۔ کینہ۔ عداوت۔ غصہ چھوڑنا ہے حسد سے ہی پہلا گناہ ہوا۔ اور حسد سے ہی زمین پر پہلا قتلِ انسانی ہوا۔ فضول و بیہودہ مطالبے محرومی کی علامت ہے اور ترکِ مطالبہ محبوبیت کی نشانی ہے۔

أَوْ يَكُونَ لَكَ بَيْتٌ مِّن زُخْرُفٍ أَوْ تَرْقَىٰ

یا ہو آپ کے لیے ایک گھر سونے سے سجا ہوا یا آپ آسمانوں پر

یا تمہارے لیے طلائی گھر ہو یا تم آسمان پر

فِي السَّمَاءِ وَلَن نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتَّىٰ

چڑھ جائیں اور صرف آپ کے آسمان پر چڑھ جانے سے ہی ہم ہرگز ایمان

چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے چڑھ جانے پر بھی ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک

تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتَابًا نَّقْرَؤُهُ ۗ قُلْ سُبْحَانَ

نہیں لائیں گے یہاں تک کہ اتار کر لاؤ ہم پر

ہم پر ایک کتاب نہ اتارو جو ہم پڑھیں تم فرماؤ پاکی ہے

رَبِّي هَلْ كُنتُ إِلَّا بَشَرًا رَّسُولًا ﴿٩٣﴾ ع وَمَا

ایسے خط جو ہم پڑھ سکیں فرما دیجئے۔ اے نبی میرا رب

میرے رب کو میں کون ہوں مگر ایک آدمی اللہ کا بھیجا ہوا۔ اور کس

مَنَعَ النَّاسَ أَن يُؤْمِنُوا إِذْ جَاءَهُمُ

روکا لوگوں کو ایمان لانے سے باوجود اس کے کہ آ گئی ہدایت ان کے پاس مگر

بات نے لوگوں کو ایمان لانے سے روکا جب ان کے پاس

الْهُدَىٰ إِلَّا أَن قَالُوا أَبَعَثَ اللَّهُ بَشَرًا

اس بات نے کہ بولے کافر کیا بھیجا اللہ ان کے پاس بشر کو۔

اللہ کی طرف سے ہدایت آ گئی مگر اس بدعقیدگی نے کہ بولے کافر کیا بھیجا اللہ نے ایک بشر کو رسول

رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْأَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ

رسول بناکر بھیجا تم فرماؤ اگر ہوتے زمین میں فرشتے

بنا کر بھیجا تم فرماؤ اگر زمین میں فرشتے ہوتے

يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ

اطمینان سے رہتے بستے تو البتہ نازل کر دیتے ہم

چین سے چلتے تو ان پر ہم رسول

السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ﴿۹۵﴾

ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر

بھی فرشتہ اتارتے

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق: پچھلی آیت میں کفار مکہ کی طرف سے ثبوت نبوت کے لیے کچھ دنیوی چیزوں کا مطالبہ کیا گیا تھا اب ان آیت میں اُن ہی کفار کے کچھ دوسرے مطالبات کا ذکر ہے گویا کہ یہ آیت اُن پہلی آیت کا تتمہ ہیں۔ دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کے اپنی ذہنیت سے یہ سمجھنے کا ذکر ہوا کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ اب ان آیت میں کفار کی اس ذہنیت کے توڑا جا رہا ہے اور خود زبان نبوت سے سمجھایا گیا کہ نبی ہوتا ہی بشر ہے اور یہ بشریت بھی بے مثل ہے کہ بشر ہو کر بھی مظہر صفات الہیہ ہوتا ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیت میں کفار کے اس کہنے کا ذکر ہوا کہ تم فرشتوں کو ضامن و گواہ بنا کر ہمارے پاس لاؤ وہ آپ کی نبوت کی گواہی دیں تو ہم مانیں گے اب ان آیت میں ان کو تسلی بخش جواب دیا جا رہا ہے کہ اگر تم لوگ فرشتے ہوتے تو تم لوگوں کے لیے نبی بھی فرشتے کو بنایا جاتا۔

تفسیر نحوی اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ اَوْ عاطفہ يَكُوْنَ فعل مضارع تامہ واحد مذکر غائب لام جارہ كَ ضمیر متصل یہ جار مجرور متعلق ہے يَكُوْنَ کے بَيْتٌ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے رات گزارنا منقول اصطلاحی ترجمہ ہے کمرہ یا گھر کیونکہ وہاں رات گزاری جاتی ہے بحالت رفع ہے

فاعل ہے یکُوْن کا مِنْ جارہ اضافتِ بیانیہ کے لیئے زُخْرُفٍ اسم مفرد جامد لغت میں ہر ظاہری خوب صورت چیز کو زُخْرُف کہا جاتا ہے خواہ باطن میں بری ہو یا اچھی۔ سونے کو بھی زُخْرُف کہہ دیا جاتا ہے اور مُلمّع اشیاء کو بھی سچی بات کو بھی اور فریبانہ باتوں کو بھی اس لیئے کہ سونا اور سچی بات ظاہر باطن میں خوب صورت اور اچھی ہوتی ہے ملمع اور چمکدار چیزیں اور مکاری فریبی باتیں صرف ظاہراً اچھی ہوتی ہیں باطن میں بری۔ مِنْ زُخْرُفٍ مجرور متعلق دوم ہے یکُوْن کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا اَوْ عاطفہ تَرْقیٰ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف واحد حاضر اَنْتَ اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع ذات پاک صلّی اللہ علیہ وسلم "رُقِیٌّ" ناقص یائی سے بنا ہے بمعنی اوپر چڑھنا عربی لغت میں کسی چیز کے اوپر چڑھنے کے لیئے آٹھ لفظ مستعمل ہیں مگر سب میں چڑھنے کی نوعیت کیفیت مختلف ہے ۱ چنانچہ کسی چیز سے بلند ہونے کے لیئے رَفَعٌ ہے ۲ اور کسی چیز پر سوار ہونے بیٹھنے کے لیے رَکِبَ ہے ۳ کسی چیز تک پہنچنے کے لیئے چڑھنا عروج ہے ۴ اپنے آپ کو ظاہر کرنے کے لیئے چڑھنا طلوع ہے ۵ کسی چیز پر غالب آنے کے لیئے اس پر چڑھنا حملہ ہے ۶ کہیں سے گزرنے کے لیے چڑھنا وَسْعٌ ہے (از لغات معجم) ۷ سیڑھی پر چڑھنا صعود ہے ۸ اور حیران کُن طریقے سے چڑھنا رُقِیٌّ ہے۔ اسی لیے جادو منتر کو بھی اسی معنی میں "رُقیۃ" کہتے ہیں فِیْ جارہ ظرفیہ ہے یا بمعنی عَلیٰ ہے اَلسَّمَاءِ معرّف بالّلام عہدی اسم مفرد جامد مراد ہے پہلا آسمان جو سب کو نظر آتا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے تَرْقیٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا واؤ حالیہ یا عاطفہ لَنْ نُّؤْمِنَ نفی تاکید بَلَن فعل مستقبل متکلم باب افعال سے ہے مصدر ہے اِیْمَانٌ نَحْنُ جمع متکلم کی ضمیر اس کا فاعل مستتر ہے جس کا مرجع اَلنَّاس ہے لام جارہ بمعنی مفعول بہ بنانے والا یا بمعنی اَعلیٰ رُقِیِّ اسم مصدر مادہ بمعنی چڑھنا مضاف ہے کَ ضمیر مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے لَنْ نُّؤْمِنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ حَتّٰی عاطفہ تُنَزِّلَ باب تفعیل مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر اس کا مصدر ہے تَنْزِیْل بمعنی اتارنا مادہ ہے نُزُولٌ بمعنی اترنا عَلیٰ جارہ بمعنی عِنْدَ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل یہ جار مجرور متعلق ہے تُنَزِّلَ کا کِتٰبًا اسم مفرد جامد بمعنی مکتوب لکھی ہوئی موصوف ہے نَقْرَؤُ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم قِرْءٌ سے بنا ہے بمعنی پڑھنا ترجمہ ہے ہم پڑھ لیں یا ہم پڑھ سکیں ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے کِتٰبًا یہ مفعول بہ ہے نَقْرَؤُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے کِتٰبًا کی ایک ترکیب میں کِتٰبًا موصوف نہیں بلکہ یہ جملہ حال ہے عَلَیْنَا کی نَا ضمیر کا مگر پہلی ترکیب زیادہ درست ہے کِتٰبًا مرکب توصیفی مفعول بہ ہے تُنَزِّلَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَنْ نُّؤْمِنَ کے جملے پر لَنْ نُّؤْمِنَ مضارع مفتوح ہے حرف لَنْ کی وجہ سے اور تُنَزِّلَ مفتوح ہے حَتّٰی عاطفہ کے اَنْ ناصبہ پوشیدہ کی وجہ سے یہ سب عطف مل کر جملہ معطوفہ کمل ہوا قُلْ فعل امر اَنْتَ ضمیر حاضر اس میں پوشیدہ فرمان ہے رب تعالیٰ کا اور حکم ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ سُبْحَانَ۔ اسم مصدر ہے بروزن فُعْلَانَ

مضاف ہے رَبِّیْ مرکب اضافی بیاءِ متکلم بمعنیٰ میرا رب مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول مطلق ہے سُبْحٰنَ
فعل پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تعجبیہ ہوگیا۔ ھَلْ۔ حرف منفی سوال منشاءِ ثبوتی کے لیے کُنْتُ فعل ناقصہ ماضی
مطلق واحد متکلم اس میں اَنَا ضمیر واحد متکلم کی پوشیدہ ہے اس کا اسم ہے۔ اِلَّا استثنا لغو کیونکہ اس سے استثنا
پیدا نہیں کیا۔ بلکہ نفی کو توڑ کر حصر پیدا کیا۔ بَشَرًا اسم مفرد جامد، بحالت نصب ہے کیونکہ حال مقدم ہے۔
رَسُوْلًا۔ اسم مفرد جامد ذو الحال مؤخر ہے بعض کے نزدیک یہ دونوں اپنی جگہ موصوف صفت ہیں نہ کہ مقدم مؤخر
بحالت فتحہ خبر ہے کُنْتُ کی جملہ فعلیہ ہو کر بیان تعجب ہوا تعجب اور بیان تعجب کے لیے دونوں مل کر مقولہ ہوا قُل
کا پھر یہ سب مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰۤى اِلَّاۤ اَنْ
قَالُوْۤا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ واؤ سر جملہ مَا مَنَعَ باب فتح ماضی مطلق منفی واحد مذکر غائب ھُوَ اس میں
مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ذہنی ہے شَیْءٌ بمعنیٰ کسی بھی چیز نے منع نہیں کیا۔ اَلنَّاسَ اسم مفرد لفظی معرفہ جامد
جنسی ہے مراد ہے تمام کافر لوگ ہر قسم کے انسان کے لیے بولا جاتا ہے بچہ ہو یا جوان یا بوڑھا، عاقل بالغ دیوانہ
عورت مرد یہاں مراد بالغ انسان ہیں ذی عقل آدمی۔ بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے مَنَعَ کا یہ فعل متعدی بدو مفعول
ہوتا ہے مَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ روکنا ہٹانا۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ ہے۔ یُؤْمِنُوْا فعل مضارع باب افعال سے بحالت
فتحہ ہے اَنْ کی وجہ سے اس لیے آخر سے نون اعرابی گر گئی دراصل تھا یُؤْمِنُوْنَ آخر کا الف تفخیم کے لیے لگایا جاتا ہے۔
اس میں ھُمْ ضمیر جمع غائب مستتر ہے اس کا فاعل ہے مرجع کفار مکہ یعنی اَلنَّاسَ مصدر ہے اِیْمَان بمعنیٰ اسلام قبول
کرنا یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ مفعول بہ دوم ہوا مَا مَنَعَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا۔ اِذْ حرف شرط بعض نے کہا
اِذْ ظرفیت کے لیے ہے لہٰذا اگر یہ ظرفیہ ہے تو مَا مَنَعَ کا جملہ ابھی مکمل نہیں یہ اگلی عبارت اس کا ظرف ہوگی۔ اور
اگر اِذْ شرطیہ ہے تو وہ جملہ جزاء مقدم ہوا جَآءَ فعل ماضی مطلق باب ضرب سے مَجِیْءٌ سے مشتق ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع
اَلنَّاسَ ہے۔ بحالت نصب ہے یا اس لیے کہ مفعول معہ ہے یعنی اُن کے ساتھ آنے یا اس لیے مفعول لہ ہے
بمعنیٰ انکے لیے یا ظرف ہے بمعنیٰ ان کے پاس۔ بعض نے کہا یہاں عِنْدَھُمْ تھا بمعنیٰ ان کے پاس اَلْھُدٰى۔ اسم
معرفہ مصدر قیاسی ہے بمعنیٰ راستہ ملنا۔ منزل پانا۔ توفیق ملنا۔ یہاں اسم جامد ہے بمعنیٰ ہدایت مراد ہے ذات پاک
صَلَّی اللّٰہُ علیہ وآلہ وسلم بعینہٖ ہے۔ یا اسم مقصور ہے بحالت رفع ہے تقدیری اعراب فاعل ہے جَآءَ کا وہ جملہ
فعلیہ انشائیہ یا خبریہ ہو کر شرط مؤخر ہے یا ظرف ہے۔ زیادہ صحیح ظرفیت ہے اِلَّا حرف استثنا مفرغ کیونکہ اس
کا مستثنیٰ مِنْہُ شَیْءٌ ظاہر موجود نہیں ہے۔ اس لیے مفرغ ہے۔ یہ اَنْ ناصبہ نہیں بلکہ مخففہ ہے دراصل ہے
اَنَّ۔ بعض نے کہا یہ اَنْ ناصبہ ہے اور ترجمہ ہے یہ کہ قَالُوْا فعل ماضی جمع غائب ھُمْ پوشیدہ فاعل مرجع ہے اَلنَّاسَ
یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اَ ہمزہ سوال انکاری کے لیے بمعنیٰ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ بَعَثَ فعل ماضی

مطلق مثبت باب فَتَحَ سے بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنی بہت اہم کام کے لیے کسی کو کہیں بھیجنا۔ اللہ اسم مفرد مرفوع ہے فاعل ہے بَعَثَ کا۔ بَشَرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی ظاہری اور کھلی کھال والا بغیر بال والی کھال یہ انسان اور آدمی کا خصوصی اور صفاتی نام ہے کوئی جانور اس طرح کھلی اور ظاہر کھال والا نہیں ہوتا بجز انسان بھینس کبھی ابتداءً بالوں سے ڈھکی ہوتی ہے۔ منصوب ہے مفعول بہ اول ہے بَعَثَ کا۔ یہ بَشْرٌ سے بنا ہے بمعنی خوشی والا۔ اس لیے کہ صرف آدمی کی کھال پر ہی خوشی غمی اور خوف کا اثر آتا ہے۔ یہ دونوں صرف انسان کی خصوصی صفات ہیں اس لیے صرف اس کو ہی بشر کہا جاسکتا ہے۔ رَسُوْلًا بروزن فَعُول اسم مفرد صفت مشبہ بمعنی قاصد پیغام لانے والا۔ شریعت میں وہ مرد انسان جس کو رب تعالیٰ نے اپنی صفات کا مظہر بنا کر اپنے قانون کی کلی اختیار کے ساتھ نافذ کرنے کے لیے پوری قوتیں طاقتیں اختیار معجزات اور کتاب یا شریعت دے کر زمین پر بھیجا ہو یہ مفعول بہ دوم ہے بَعَثَ کا بعض نے کہا یہ دونوں بَشَرًا رَّسُوْلًا حال ذوالحال ہیں۔ بعض نے کہا موصوف صفت ہیں۔ بعض نے کہا بدلُ الکل اور مُبدَلُ منہ ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے بَعَثَ فعل فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر مستثنیٰ ہوا شَیْءٌ پوشیدہ کا پھر تائیہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۔ قُلْ فعل با فاعل قول ہوا۔ اس میں امر خطابی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ لَوْ حرف شرط بیانِ ماضی کے لیے کَانَ تامہ فِی جارہ ظرفیہ مکانیہ اَلْاَرْضِ اسم مفرد معرفہ بمعنی زمین یہ جار مجرور مل کر متعلق تقدیمی ہے مَلٰٓئِكَةٌ فاعل ہے کَانَ تامہ کا متعلق کی تقدیم عَلَی الْفَاعِل سے حصر تاکیدی کا فائدہ ہوا یہ موصوف ہے يَمْشُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع بمعنی ماضی تمنائی شرطی نہ کہ حقیقی مَشْیٌ ناقص یائی سے بنا ہے ترجمہ ہے چلنا صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر جمع غائب پوشیدہ فاعل ہے اس کا مرجع ملائکہ مُطْمَئِنِّيْنَ باب افعال یا اِفْعِلَّال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اطمینان اِطْمِئْنَانٌ یا اِطْمِیْنَانٌ طَمْنٌ سے بنا ہے بمعنی قلبی سکون چین پانا اپنے ہر حال میں مگن رہنا محفوظ ہونا۔ خود کو محفوظ کرنا۔ خود کو محفوظ سمجھنا عام زندگی گزارنا۔ یہاں یہ آخری معنی مراد ہیں بحالت فتحہ يَمْشُوْنَ کے فاعل ھُمْ مستتر کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صفت ہوئی مَلٰٓئِكَةٌ کی یہ مرکب توصیفی کَانَ کا فاعل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام کے جزائیہ نَزَّلْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم نَحْنُ مستتر ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ فاعل ہے۔ عَلٰی جارہ بمعنی فِی ظرفیہ مکانیہ یا بمعنی عِنْدَ ظرفیہ مکانیہ ھِمْ ضمیر مجرور متصل مرجع مَلٰٓئِكَةٌ ہے مِنْ جارہ ابتداء کے لیے مکانیہ بمعنی طرف سے الف لام عہد خارجی سَمَآء اسم جامد واحد ہے مراد دنیا کا یہ پہلا آسمان یہ جار مجرور متعلق ہے دوم نَزَّلْنَا کا مَلَكًا حامد واحد ہے اس کی جمع ہے مَلٰٓئِكَةٌ یہ مفعول بہ اول ہے۔ رَسُوْلًا۔ بروزن فَعُول اسم مشتق مبالغہ ہے اسم مفعول کے معنی میں ہے یعنی بھیجا ہوا رسول بنایا ہوا یہ مفعول بہ دوم ہے۔

نُنَزِّلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ؕ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔

اے نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہمارا ساتواں مطالبہ یہ ہے کہ یا ہو جائے بن جائے تمہارے لیے ایک بہت خوب صورت آراستہ پیراستہ ہر طرح سے سجا سجایا سونے سے بنا ہوا گھر محل نما مکان بادشاہوں جیسی رہائش گاہ عیش و آرام والا دولت خانہ۔ اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو پھر ہمارا آٹھواں مطالبہ یہ ہے کہ یا تم اپنے جادو منتر کے زور اور بل بوتے پر آسمانوں میں ہمارے سامنے چڑھو اگرچہ تم نے ابھی چند دن پہلے اپنی معراج کا ذکر کیا مگر ہم اس کو نہیں مانتے ہمارے سامنے چڑھو۔ پھر کچھ سوچ کر عبداللہ بن اَبُوامیہ نے کہا کہ اگر تم آسمانوں پر چڑھ بھی گئے جیسا کہ تمہاری سابقہ گفتگو اور معراج کے دعوے سے اندازہ ہوتا ہے مگر ہم پھر بھی ایمان تم پر نہیں لائیں گے اور تمہارے اس چڑھنے کو جادو کا کھیل ہی سمجھیں گے منتر جنتر کا گمان اور شعبدہ ہی سمجھیں گے۔ یہاں تک کہ وہاں سے اپنے اللہ کے پاس سے ہم سب موجودہ سردارانِ مکہ پر ہر ایک کے نام بنام لکھی ہوئی تحریر کتاب کی شکل کا مضمون اتار کر لاؤ جس پر ہم میں سے ہر ایک کا نام فلاں بن فلاں کر کے لکھا ہو اور اس میں آپ کی تصدیق لکھی ہو کہ یہ ہمارا نبی ہے اور ہمارا دسواں مطالبہ یہ ہے کہ وہ کتاب ہم پڑھ بھی سکیں آسان زبان میں لکھی ہو۔ ہم کو کسی سے ترجمہ کرانے کی حاجت نہ پڑے۔ کفارِ مکہ اس قسم کے مطالبے کئی دفعہ کر چکے تھے اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی دفعہ ہر طرح سمجھا چکے تھے کہ اے کم عقلو تم ایسے فضول اور لایعنی مطالبے نہ کرو اور اپنے ایمان کو اس طرح بے ہودہ بے معنیٰ لغو مطالبات پر معلق مت کرو۔ تم جو مطالبے اپنے نئے نئے لفظوں میں کر رہے ہو اگر ذرا حق فہمی سے غور کرو تو وہ تقریباً سب چیزیں معجزات کی شکل میں تم دیکھ چکے ہو۔ تم نے دنیا کے فانی باغ مانگے حالانکہ میں تم کو آخرت کے ابدی باغات کی بشارت دے چکا ہوں تم نے مکے کے پہاڑوں سے چشمے جاری ہونے کا مطالبہ کیا مگر تم میرے ہاتھ کی انگلیوں سے چشمے جاری ہوتے دیکھ چکے ہو۔ تم نے کہا آسمان ٹکڑے ہو جائے مگر تم نے تو میرے معجزے سے چاند ٹکڑے ہوتا دیکھا ہے تم نے کہا کہ فرشتے آ کر میری تصدیق اور نبوت کی گواہی دیں مگر تم تو کنکروں پتھروں کھجوروں کی گٹھلیوں سے میرے کلمے سن چکے ہو۔ تم نے کہا کہ آسمان پر چڑھ جاؤ مگر میری معراج آسمانی و لامکانی کی گواہی تو بیت المقدس کے در و دیوار دے چکے ہیں۔ تم نے کہا کہ ہمارے پاس کتاب لے کر آؤ مگر میں تو ایسی کتاب لے کر آیا جو اللہ تعالیٰ کا ابدی ازلی قدیمی کلام ہے اور تاابد میرا معجزہ ہے۔ تم نے کہا وہ ہم پڑھ سکتے ہوں۔ اے کم عقلو میری لائی ہوئی کتاب تو وہ ہے جس کا نام ہی قرآن ہے تم ہی کیا تا قیامت ہر ملک ہر جگہ دلبشر عربی و

بھی عرش و فرش پر اس کی تلاوت و قرأت سے مزین و منور و معطر ہوتے رہیں گے۔ اس کے باوجود لوٹ پھیر کر وہی مطالبے مخلصانہ روش نہیں بلکہ احمقانہ سازش ہے یہاں رب تعالیٰ نے اِن کے اِن ہی مطالبوں کا ذکر فرما کر ایک تسلی بخش مکمل جواب آخری کا ذکر فرمایا کہ اے محبوب نبی ان کفار سے فرمادیجئے میرا رب تعالیٰ پاک ہے قادر و قیوم ہے تمہارے یہ سارے مطالبے آنِ واحد میں پورے کر سکتا ہے تم نے کہا وہ ہمارے سامنے آئے اے کورچشموں وہ اللہ تو تمہاری شہ رگ سے زیادہ قریب ہے وہ آنے جانے سے پاک و سبحان ہے۔ تمہاری باقی خواہشیں مطالبے مجھ سے کیوں ہیں۔ یہ کام تو خالق مالک معبود ہی کر سکتا ہے میں نے کب کہا ہے کہ میں معبود ہوں میں نے کب دعویٰ کیا ہے کہ میں قادرِ مطلق ہوں کسی کے کانوں نے اس چالیس سالہ مکی زندگی میں میرا یہ دعویٰ سنا کہ کائنات کی زمین و آسمان کا مؤثرِ حقیقی اور قوتِ ذاتی کا مالک ہوں۔ میرا تو شروع دن سے یہی کہنا ہے کہ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا میں صرف ایک بشر ہوں میری صفت بشریت ہے اور تمام کائناتِ جن و بشر کے لیے ہدایت کا رسول ہوں تمہاری عقلوں پر تعجب ہے کہ جو مطالبے تم کو اپنے خود ساختہ معبودوں سے کرنے چاہیئے وہ مجھ سے کرتے ہو۔ اپنے پیروں سے مسل مسل کر مٹی گوندھتے ہو ہاتھوں سے بت بنا کر آگ میں پکا کر خود ہی اس کو معبود بنا کر پوجنے لگ جاتے ہو۔ ان سے کوئی مطالبہ نہیں ان کو معبود سمجھنے پر کوئی شرط نہیں۔ اور نبی کی نبوت ماننے کے لیے ایسے سخت اور بے ہودہ مطالبے حالانکہ تمہارے یہ جھوٹے معبود تو اپنے منہ سے مکھی نہیں اڑا سکتے جبکہ میں نے چاند توڑ دیئے سورج موڑ دیئے تمہارے یہ بت تو کسی کو قطرہ نہیں دے سکتے مگر میں نے بادل برسا دیئے یہ مطالبے نبوت کی صداقت کی دلیل نہیں نبوت کی صداقت دیکھنی ہے تو میرے پیغام میں دیکھو۔ میری سچائی میری انسانی صفات و اَخلاق و عادات و کردار سے معلوم کرو۔ کفر کی ہمیشہ سے یہ بد خصلتی اور گندہ ذہنی رہی کہ اس نے نبوت میں معبودیت کو تلاش کیا اور نبی سے معبودیت کے مطالبے کئے اور ہمیشہ محبت و عداوت دونوں لباسوں میں نبوت اور بشریت کو جدا سمجھا یہ اپنی جگہ درست ہے کہ نبی کو بشر کہہ کر پکارنا یا عام بشر کا درجہ دینا گستاخی اور حرام ہے مگر اس سے یہ کب لازم آیا کہ نبی کی انسانیتِ کاملہ کا ہی انکار کر دیا جائے کفر کی اسی بد عقیدگی کی وجہ سے

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ فِى الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا۔

اور اے نبی مکرم کافر لوگوں کو ایمان لانے سے حق کو قبول کرنے سے سچائی اور صداقت پاکیزگی کے راستے پر چلنے سے توحید الٰہی کے ماننے سے صرف اسی بات نے روکے رکھا کہ ان کی نادانی نے دل و زبان سے ہمیشہ یہی کہا کہ کیا اللہ نے ایک انسانی بشر کو اپنا رسول بنا کر مبعوث کر دیا اب بھی یہی کہتے ہیں جبکہ اُن کے پاس محمد رسول اللہ

جیسی ہدایتِ آخری آگئی اور قرآن پاک جیسی کتاب پہنچ گئی۔ کفار کو بشر کے نبی ہونے پر حیرانی اور تعجب ہے مگر لکڑی پتھر کو خدا اور خالق مالک معبود بنانے پر تعجب نہیں۔ یہی وہ بدعقیدگی ہے جس نے انسان کو محبت میں بھی اندھا کر دیا اور عداوت میں بھی کہ اکثریتِ کفر نے تو انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو مانا ہی نہیں اور اگر مانا بھی تو ابن اللہ کہہ کر یا عیسیٰ اللہ یا اللہ کی جز کہہ کر اور کفارِ زمانہ آج تک یہی سمجھتے چلے آرہے ہیں کہ معبودیت تو بیل اور گائے بندر میں بھی حلول کر گئی ہے مگر نبوت صرف کسی فرشتے کو ہی مل سکتی ہے اے پیارے آخری نبی تم فرماؤ کہ نبی کے آنے کا مقصد اس چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ انبیاء کرام تو اپنی جنس اپنی اصل و نسل اور اپنی قوم میں ہی تشریف لائیں اس لیے کہ دنیا میں انسانی خرابیوں اخلاقی بے ہودگیوں زندگی کی ظاہر باطنی بدتہذیبیوں کو دور کرنے کے لیے انبیاء کرام کو بھیجا جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے رسول کا کام صرف پیامِ الٰہی پہنچانا ہی نہیں نبی صرف قاصد اور ایلچی نہیں ہوتا بلکہ وہ مختارِ کل بادشاہ ہوتا ہے۔ انہوں نے اپنی عملی قومی زندگی کا نمونہ اقوامِ عالم کے سامنے پیش کر کے پوری انسانیت کو سنوارنا ہوتا ہے۔ انبیاء کرام اپنی جنسی قوم کے لیے نمونہ ءالٰہیہ ہوتے ہیں انسانی ضروریات کو ایک انسان ہی سمجھ سکتا ہے انسان ہی جان سکتا ہے کہ دن رات عبادت و ریاضت۔ تجارت و سخاوت۔ تہذیب و تمدن گھر بار۔ آل اولاد خاندان برادری کے سچے اقوالِ شرعی قوانینِ الٰہی فرامین کیا ہیں۔ اس کو عملی طور پر قوم کے سامنے کس طرح پیش کرنا ہے۔ عمل و عادات کا یہ اسوۂ حسنہ کوئی فرشتہ یا جن یا کوئی بھی مخلوق ہرگز پیش نہیں کر سکتی۔ شریعت طریقت حقیقت معرفت محبت و الفت۔ نرمی و لطافت اُنس و پیار اَخلاقِ حمیدہ خصائلِ شریفہ کے خزانے اور معاشرے کی پوری سمجھ بوجھ تو انسان کے قلبِ نبوت میں ہی جمع ہو سکتے ہیں۔ پوری کائناتِ انسانیت کے لازمی تقاضوں کو صرف نبی انسان اور بشر رسول ہی سمجھ سکتا ہے وہی کاملِ زندگی کے ساتھ پوری قوم کی اصلاح کا بوجھ اٹھا سکتا ہے۔ یہ فرض داری نہ فرشتہ پوری کر سکے نہ کوئی جنات۔ ہاں اگر زمین پر فرشتے رہتے بستے ہوتے اور ان کا اطمینان سے چلنا پھرنا اٹھنا بیٹھنا اور پوری زندگی گزارنا صرف زمین پر ہوتا۔ آسمانوں پر نہ جا سکتے تو ہم البتہ ان پر آسمان سے کسی فرشتے کو ہی رسول بنا کر نازل فرما دیتے جو ان میں اسی طرح مستقل طور پر رہائش رکھتا۔ مگر وہ صرف فرشتوں کا ہی ہادی ہوتا۔ کسی دوسری مخلوق کو ہدایت بالکل نہ دے سکتا۔ یہ تو ہمارے انسانی انبیاء عظام کی شان ہے کہ وہ عرشیوں فرشیوں جنات و ملائکہ کے ہادی و رسول بننے کی ہمت و طاقت رکھتے ہیں جو امانت الٰہیہ کائناتِ ارض و فلک میں کوئی نہ اٹھا سکا وہ ان انسانوں نے اٹھالی اور پھر ذاتِ مصطفیٰ تو سب سے ہی اعلیٰ و ارفع ہے وہ اللہ کی ہدایت کاملہ اور ساری مخلوق کے ابدی نبی ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ انبیاء کرام اللہ کے نور بھی ہیں بشر بھی انسان بھی آدمی بھی پوری اور ہر طرح کی کاملیت ان میں موجود ہوتی ہے اسلئے یہ حضرات مقدسات

تمام کائنات کے نبی اور ہادی ہو سکتے ہیں اور تمام جنّات فرشتوں اور انسانوں کی ضروریات پوری کر سکتے ہیں۔ لیکن کوئی فرشتہ یا جن انسانوں کا نبی اور ہادی نہیں بن سکتا۔ اس لئے کہ انبیاء کرام امت کو زندگی کے ہر شعبے میں ہر لحاظ سے سنوارنے آتے ہیں اور انسانی زندگی کے اتنے موڑ اور اتنے پہلو اور لوازمات ہیں جن کو فرشتے یا جنّات درست نہیں کر سکتے نہ قولاً نہ عملاً۔ اسی لیے نبی کا انسان ہونا شرط ہے۔ یہ فائدہ اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت فرمانے اور قُلْ لَّوْ كَانَ کے ارشادِ باری تعالیٰ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی ذاتی طاقت و قوت و اختیار نہیں ہے۔ لیکن انبیاء کرام کے پاس عطائی اعتبار سے قوت و طاقت و اختیار بے حد و بے مثال ہے یہ فائدہ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ بَشَرًا کہنے سے ذاتی کمالات و قدرتوں کا انکار مقصود ہے اور رَّسُوْلًا کہنے سے عطائی قدرتوں طاقتوں اور اختیارات کا اظہار مقصود ہے یعنی تم عوام لوگ فقط بشر ہو اس لیے تمہارے پاس ان معجزات کی نہ ذاتی طاقت ہے نہ عطائی لیکن میں چونکہ اللہ تعالیٰ کا رسول بھی ہوں اس لیے عطائی قوتوں طاقتوں کا مالک ہوں۔ مگر عطا کرنے والے خالق تعالیٰ کی مرضی و اجازت کے بغیر تمہارا کوئی مطالبہ پورا نہیں کر سکتا ہاں اگر اس کی اجازت ہوگی تو میں تمہارے مطالبے پورے کر سکتا ہوں اگر صالح علیہ السلام پہاڑ سے اونٹنی نکال سکتے ہیں تو میں پہاڑوں کو ہٹا سکتا ہوں اگر موسیٰ علیہ السلام لاٹھی مار کر ایک چھوٹے پتھر کی چٹان سے بارہ چشمے نکال سکتے ہیں تو میں ان پہاڑوں سے نہریں جاری کر سکتا ہوں یہ کوئی ایسا مشکل کام نہیں جس کے آگے اور جس کے لیے نبوّت و رسالت عاجز ہو جائے۔ تیسرا فائدہ چونکہ دنیا میں دو قسم کے انسان بستے ہیں اس لیے باری تعالیٰ نے اپنے انبیاء کرام کو دو قسم کی شانیں عطا فرمائیں کچھ انسان کافر ہیں۔ اور کچھ انسان مومن ہیں جس نے انبیاء کرام کی بشریت کو دیکھا وہ کافر ہوا لیکن جس نے انبیاء کرام علیہم السلام کی رسالت کو دیکھا وہ مومن ہو گئے یہ فائدہ بھی بَشَرًا رَّسُوْلًا فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ دنیوی زندگی تعلیم نبوت اور دینِ اسلام۔ شریعتِ قرآن کے خلاف گزارنا حرام ہے یہ مسئلہ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ فرمایا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام زمین پر عملی اور قولی تبلیغ سے انسانی زندگی سنوارنے کے لیے آتے ہیں اگر زمین پر فرشتے رہائشی ہوتے تو انبیاء بھی فرشتے ہی ہوتے۔ ثابت ہوا کہ نبوّت کے خلاف زندگی شیطانی ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ مسلمان مرد یا عورت کو سونے چاندی کی کسی برتنے والی چیز کا استعمال کرنا قطعاً حرام ہے عورت کو صرف سونے چاندی کا زیور جائز ہے اور مرد کو صرف چار ماشے چاندی کی ایک نگینے والی انگوٹھی جائز ہے۔ اس کے علاوہ لوٹا گلاس برتن کا[illegible]ن لباس اور گھر میں سونے کی دیوار غسل خانے۔ اور

بیت الخلاء کے قدمچے وغیرہ گھر کا فرش سب کچھ بنانا بنوانا برتنا ایسے ہی سونے چاندی کے گھروں میں رہنا شریعت میں حرام ہے یہ مسئلہ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اگر یہ عیاشیاں مسلمانوں کو جائز ہوتیں تو باری تعالیٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کو ضرور عطا فرماتا آج کل جو عربی شہزادے برطانیہ وغیرہ ملکوں میں اپنے سونے کے گھر بنوا رہے ہیں وہ سب حرام کام ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ اگر فرشتے زمین پر رہتے تو ہم رسول بھی فرشتہ بھیجتے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر فرشتے نہیں رہتے حالانکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین پر بہت فرشتے رہتے ہیں۔ ہر آدمی کے ساتھ باسٹھ فرشتے ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ مدبرات امر ملائکہ کروڑوں کی تعداد میں زمین پر ہی رہتے ہیں۔ تو یہ مطابقت کیونکر ہو **جواب**۔ رہنے سے مراد مطمئنین ہو کر رہنا ہے یعنی گھر بار کوچہ و بازار، بیوی بچے بنا کر رہائشی طریقے پر رہنا۔ احادیث میں فرشتوں کی رہائش کا ذکر نہیں صرف آنے جانے اور ساتھ ہونے کا ذکر ہے برائے حفاظت انسان **دوسرا اعتراض**۔ کفار مکہ نے اپنے مطالبات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کئے تھے یا اللہ تعالیٰ سے یعنی کفار کو نبی کریم کی نبوت میں شک تھا یا اللہ کی قدرت و طاقت میں اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت میں شک تھا اور یہی درست ہے جیسا کہ ظاہر ہے تو پھر رب تعالیٰ نے سُبْحَانَ رَبِّیْ کا اعلان بزبان نبوت کرا کر اپنا ذکر اور اپنی سبّوحیت سبحانیت پاکیزگی کا ذکر کیوں فرمایا۔ **جواب**۔ کفار کو دونوں میں شک اور دونوں کا انکار تھا دونوں کی گستاخی کی تھی کہ کہا تھا اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰہِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ قَبِیْلًا اسی گستاخی کا جواب سُبْحَانَ رَبِّیْ سے دیا گیا۔ اس کی مزید وضاحت تفسیر عالمانہ میں دیکھئے۔

تفسیر صوفیانہ اَوْ یَکُوْنَ لَکَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰی فِی السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّکَ حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا کِتٰبًا نَّقْرَؤُہٗ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ ھَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا اے قلب جسمانی اگر ہمارے پہلے مطالبے مقبول نہیں ہو سکتے تو اپنے لیے ہم سب سے دور ایک خلوت خانہ نور و سرور علیحدہ بنا لے یا لطائف اسرار کے آسمانوں پر چڑھ جا اور صداقت مکاشفہ کی کتاب تقدیر لے کر آ تاکہ ہم چشم عقل سے اس کو پڑھیں کہہ دے کہ میرا رب ورود جسمانی سے پاک ہے میں تو صرف انوار الہامات کا تجلی گاہ اور مرکز تجلیات کا عرش ہوں۔ اسلام رب تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے حق میں کامل زین و جامع و مانع پیام رحمت ہے انسانیت کی تمام ذہنی عقلی اخلاقی معاشرتی جسمانی روحانی انفرادی اجتماعی فطری جبلّی ضرورتوں کا کفیل ہے اور ہر شعبۂ حیات میں ترقی کا ضامن ہے معرفت الٰہیہ کا پہلا سبق یہ عقیدہ ہے کہ دین الٰہی کسی قسم کی ترمیم و تغیر و تخفیف و اضافہ سے پاک ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَھُمُ الْھُدٰٓی اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ

اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۔ بدباطن لوگوں کو اس ہدایتِ کاملہ کے آجانے کے بعد صرف اس شرارتِ نفسانی نے ایمان لانے سے روکا کہ عشقِ الٰہی اور مشاہداتِ جمال اور ذاتِ وحدتِ الٰہ العٰلمین اپنی تجلیات والہامات اسرار کا مرکز و خزانہ جسم خاکی کو کس طرح بنا سکتا ہے۔ حالانکہ عشق ایک آگ ہے اور آگ کا ٹھکانہ و گہوارہ خاک ہی ہے۔ عشقِ الٰہی کی آگ عاشقوں کے سینے میں جلتی رہتی ہے۔ اہل ذوق فرماتے ہیں۔ عشق کی آگ ماسوا اللہ کو جلا ڈالتی ہے اور جس نے درگاہِ الٰہی پر اپنی جان و آبرو عشق کی بھٹی میں ڈال دی اس کو دنیا و آخرت کی آگ نہیں جلا سکتی۔ تصوف کا دوسرا سبق معرفتِ تعلیمِ قرآن و حدیث ہے کیونکہ علم کے انوارِ مشاہدہ اور ملائکہ و مقربین کی خلوت گاہیں یہیں سے مکاشفہ ہوتی ہیں علمِ لدنی سے وارثین علماء پیدا ہوتے ہیں اور علماءِ ربانیین ہی جانشینِ نبوت ہیں۔ یہی بندگانِ اسرارِ کتابِ الٰہی کا رشتہ مضبوط تھامنے والے اور محبوبِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی منزلِ مقصود و مطلوب کی راہ اختیار کرنے والے ہیں یہی اہلِ ضمیر طبقۂ احباب اور محفلِ اسرار کے مستحقین ہیں یہی صوفیا و فقہا کا طبقہ، نور سے ان ہی کے قلوبِ روشن میں انبیاء کی جلوہ گری ہے۔

قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا ۔ اے محبوبِ قلوبِ مطمئنہ عالمِ قالب کے ناسوتیوں میں اعلان فرما کہ اگر زمینِ بدنی میں رموزِ ذاتی و آسمان اسرار کے فرشتے اور مخلوقِ لطائف کی رہائش ہوتی تو قلبِ قالب بھی عالمِ امر کا رسول بنایا جاتا۔ مگر یہاں مادیات میں انسان بستے ہیں ان کے اجسامِ کثیفہ کو ہی لطیفہ و معرفت بنانے کے لیے انبیاءِ بارگاہِ قدس کو مبعوث کیا جاتا ہے۔ نفسِ امارہ کے کانٹوں کو مٹانے کے لیے نبوت کے سولہ سبق یاد کرتے پڑھتے ہیں۔ ۱ نظر الی اللہ ۲ لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا ہُوَ ۳ ماسوا اللہ سے کوئی واسطہ و رابطہ نہ رکھے ۴ قناعت کا پیشہ اختیار کرے ۵ قلیل کو کثیر پر ترجیح دے ۶ دنیوی ساز و سامان صرف ضرورت کا رکھے ۷ تونگری کی چاہت نہ ہو تنگدستی میں خوش باش رہے ۸ سیری سے نفرت بھوک سے رغبت ہو ۹ افراطِ زر سے بے رغبتی قلتِ مال سے محبت ہو ۱۰ رفعت و عزت سے دور عجز و انکسار کے قریب رہے ۱۱ صرف اللہ اور اس کے دوستوں سے حسنِ ظن رکھے ۱۲ تمام اسبابِ خلائق سے قطع تعلق کرے ۱۳ مخالفتِ نفس کے مجاہدے میں مشغول رہے کیونکہ قرآن مجید میں نفس کو امارہ اور حدیث میں نفس کو دشمن کہا گیا ہے ۱۴ قضاءِ الٰہی پر راضی رہے ۱۵ بلاءِ الٰہی پر صابر رہے ۱۶ عبادت میں خلوصِ نیت سے پیش قدمی کرے۔

قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًۢا بَيْنِىْ وَبَيْنَكُمْ ؕ اِنَّهٗ

فرما دیجئے کافی ہے مدد اللہ کی گواہی کے لیے میرے درمیان اور تمہارے درمیان بیشک وہ

تم فرماؤ اللہ بس ہے گواہ میرے تمہارے درمیان بے شک وہ

كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ﴿۹۶﴾ وَمَنْ يَّهْدِ

ہے اپنے بندوں کی پوری خبر رکھنے والا اور دیکھنے والا۔ اور وہ شخص جس کو

اپنے بندوں کو جانتا دیکھتا ہے اور جسے اللہ راہ دے

اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ

اللہ ہدایت دے تو وہی ہدایت والا ہے اور جس کو وہ گمراہ کر دے تو ہرگز تم نہیں

وہی راہ پر ہے اور جسے گمراہ کرے تو ان کے لیے اس کے مقابل کوئی

لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ ؕ وَنَحْشُرُهُمْ

پاؤ گے ان کے لیے مدد کرنے والے اُس کے مقابل اور محشر میں لائیں گے ہم

حمایت والے نہ پاؤ گے اور ہم انہیں قیامت کے دن

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا

ان کو قیامت کے دن ان کے چہروں کے بل اندھا اور گونگا

ان کے منہ کے بل اٹھائیں گے اندھے اور گونگے اور

وَّصُمًّا ؕ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ كُلَّمَا خَبَتْ

اور بہرا کر کے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب کبھی بجھنے لگے گی

بہرے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جب کبھی بجھنے پر آئے گی

النصف

زِدْنٰهُمْ سَعِیْرًا ﴿۹۷﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ

زیادہ کر دیں گے ہم اُن کفار کے لیے شعلوں کو ۔ وہ جہنم ان کا بدلہ ہے اس وجہ سے کہ

ہم اسے اور بھڑکا دیں گے ۔ یہ ان کی سزا ہے اس پر کہ انہوں نے

كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا وَ قَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا

کفر کیا انہوں نے ہماری آیتوں کا اور کہا انہوں نے کہ کیا جب ہو جائیں گے ہم ہڈیاں

ہماری آیتوں سے انکار کیا اور بولے کیا جب ہم ہڈیاں

وَّ رُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِیْدًا ﴿۹۸﴾

اور ریزہ ریزہ تو کیا واقعی ہم البتہ اٹھائے جائیں گے نئی پیدائش میں

اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا سچ مچ ہم نئے بن کر اٹھائے جائیں گے

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے ۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفارِ مکہ کی بہت سی لغویات بے ہودہ مطالبات کا ذکر ہوا آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طرح کھلنے تبلیغ فرمانے کا تذکرہ ہوا لیکن کفار نے نہ مانا ان آیتِ پاک میں کفارِ مکہ کے ایمان نہ لانے سے رنجیدہ ہونے والے پیارے حبیب کی دلجوئی و تسلی تشفی کرتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ گستاخ آپ کی نبوت طاقت اختیار معجزات نور ہوتے اور علمِ غیوب کو نہیں مانتے تو نہ مانیں آپ کو سب طاقتیں دینے والا آپ کا رب تعالیٰ کافی ہے وہ ہر وقت آپ کے پاس ہے ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفار کی ان گستاخانہ باتوں کا ذکر ہوا جو وہ انبیاءِ کرام کو محض بشر سمجھ کر کرتے رہتے تھے ۔ اب ان آیت پاک میں ان کی اس گستاخی کی سزاءِ اخروی کا تذکرہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنی آنکھوں ، کانوں اور زبانوں سے انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کو صرف بشر ہی دیکھتے سمجھتے سنتے اور کہتے رہے لہٰذا قیامت میں ان کی یہ تینوں نعمتیں مٹا دی جائیں گی ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت مبارکات میں کفار کے پاس بار بار ہدایت کے تشریف لانے اور کفار کے بار بار انکار و نفرت و ضد بازی کا ذکر ہوا اب ان آیت میں اس کی سزاءِ اخروی کا ذکر ہے کہ جہنم کی آگ ان پر بار بار بھڑکائی جائے گی ۔

تفسیر نحوی قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِیْدًۢا بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِیْرًۢا بَصِیْرًا وَ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ

وَمَنۡ یُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِیَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ ۔ قُلۡ فعل امر قَوۡلٌ سے بنا ہے قول کے تین معنی ہوتے ہیں ۱ بولنا ۲ کہنا ۳ بتانا۔ پہلے دو لازم ہیں آخری معنی متعدی ہے۔ اَنۡتَ پوشیدہ فاعل یہ فعل با فاعل قول ہوا۔ کَفٰی ماضی مطلق کَفْیٌ سے بنا ہے۔ باب ضَرَبَ سے ب جارہ بمعنی اِلٰی یعنی طرف سے اَللّٰہِ اسم مفرد جامد عَلَم ذاتی ہے خالق تعالیٰ کا تمیز ہے شَهِیۡدًا صفت مشبہ شُهُوۡدٌ سے بنا ہے بمعنی حاضر ہونا گواہ ہونا ہر طرح مشاہدہ و ملاحظہ کرنا ممیز ہے تمیز ممیز مل کر مجرور متعلق ہے کفٰی کا دوسری ترکیب میں ب جارہ زائدہ فاعل پر داخل ہوئی لغو ہے معنی میں عمل میں فاعل کے درجہ میں متعلق ہے کفٰی کا فاعل ہُوَ پوشیدہ ہے اس کا مرجع ذہنی ہے عَوۡنٌ یا مددٌ یہ پہلی ترکیب ہی درست ہے بَیۡنَ اسم ظرف مکانی معرب ہوتا ہے یاء متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے بَیۡنَکُمۡ مرکب اضافی معطوف ہے سب عطف مل کر کفٰی کا ظرف ہے کفٰی جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ یا اگلی پوری عبارت علیحدہ جملہ ہے۔ اِنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے مرجع اللہ تعالیٰ کَانَ ماضی مطلق ناقصہ بِ جارہ تعدیہ کا عباد جمع مکسر ہے عَبۡدٌ کی بمعنی مخلوق مضاف ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ مجرور متصل مرجع ہے اللہ تعالیٰ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے کَانَ کا خَبِیۡرًا صفت مشبہ خُبۡرٌ سے بنا ہے معنی جاننا پہچاننا ترجمہ ہے ہر چیز کی ہر حالت کا ہر وقت پتہ رکھنا بحالت نصب خبر اول ہے کَانَ کی بَصِیۡرًا صفت مشبہ بَصَرٌ سے بنا ہے اسی سے ہے بصیرت۔ ترجمہ ہے ہر چیز کو ہر وقت ہر حالت میں ظاہر و باطن اور حقیقت سے دیکھنا ہر حال کی خبر رکھنا بحالت نصب ہے خبر دوم ہے یا یہ موصوف صفت ہو کر ایک ہی خبر ہے یہ دونوں مبالغہ کی بنا پر صفات خصوصیہ میں سے ہیں۔ اس معنی میں کوئی بندہ خبیر بصیر نہیں ہو سکتا کَانَ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم۔ واؤ مرجملہ یا عاطفہ۔ پہلی صورت میں یہ علیحدہ جملہ ہے اور عطف کی صورت میں یہ عطف ہے کفٰی پر یا اِنَّہٗ پر مَنۡ موصولہ شرطیہ مراد ہے عباد مَنۡ اسم لفظاً تو واحد ہے مگر کبھی استعمال جمع عمومی کے لیے ہو جاتا ہے جیسے یہاں یَهۡدِیۡ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف بحالت جزم ہے مَنۡ شرطیہ کی وجہ سے اَللّٰہُ اس کا فاعل ہے یہ اصل میں تھا یَهۡدِیۡ آخر سے یٰ لام کلمہ جزم کی وجہ سے گر گیا یَهۡدِ رہ گیا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ ہُوَ ضمیر مرفوع منفصل مرجع ہے مَنۡ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیۡ مُهۡتَدِیۡ باب افتعال کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِهۡتِدَاءٌ هُدًی سے بنا ہے آخر سے لام کلمہ یٰ گر گیا کیونکہ جزا ہے۔ یہ قانون ہے کہ اگر شرط مجزوم تو جزاء مجزوم ہوتی ہے۔ بحالت رفع ہے خبر ہُوَ مبتدا ہے اسم فاعل ہُوَ ضمیر فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو گیا اور وہ جزا ہے مَنۡ یَهۡدِ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ عاطفہ مَنۡ موصولہ یُّضۡلِلۡ باب افعال کا مضارع مجزوم بوجہ مَنۡ شرطیہ مصدر ہے اِضۡلَالٌ بمعنی گمراہ کرنا کھلا چھوڑ دینا۔ توفیق نہ ملنا ہدایت کا مقابل ضَلَالٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے ہُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ لَنۡ تَجِدَ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل نفی تاکید بلن واحد مذکر حاضر۔ اَنۡتَ

مستتر فاعل ہے مرجع عام انسان یا ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لام جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر جمع غائب مرجع کفار
مکہ یا عام کفار تا قیامت یہ جار مجرور متعلق ہے لَنْ تَجِدَ کا وَجُوْدٌ سے بنا ہے بمعنی پانا حاصل کرنا۔ اَوْلِیَاءَ جمع مکسر ہے وَلِیٌّ
کی اسم جامد ہے چار معنی میں مشترک ہے ۱؎ مددگار یہاں اسی معنی میں ۲؎ وارث ۳؎ ناظم منتظم ۴؎ محافظ۔ بحالت
فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے تنوین سے مانع دو قول ہیں ۱؎ غیر منصرف جمع منتہی الجموع ہے ۲؎ اضافت معنوی
باطنی ہے مضاف الیہ پوشیدہ منوی ہے مِنْ جارہ معناً زائدہ ہے دُوْنِ اسم مفرد جامد سالم معنی میں مشترک
ہے یہاں بمعنی مقابل ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی متعلق دوم ہے لَنْ تَجِدَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ
ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر عطف ہوا مَنْ یَّهْدِ پر یہ سب عطف مل کر مقولہ سوم ہوا۔ اور پھر سب مل کر جملہ
قولیہ ہو گیا۔ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا ۭ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا ذٰلِكَ جَزَاۗؤُهُمْ
بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا۔ واؤ ابتدائیہ نَحْشُرُ باب نصر کا مضارع مثبت معروف
حَشْرٌ سے بنا ہے بمعنی جمع کرنا سمیٹنا ھُمْ ضمیر جمع مفعول بہ اس کا مرجع ناس ہے یا عام کفار یَوْمَ اسم ظرف زمانی مراد
عام وقت قریب قیامت الف لام عہد خارجی یا ذہنی قیامت اسم حاصل مصدر یہ مراد ہے میدان محشر یا مضاف الیہ
ہے یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے۔ عَلٰی جارہ اپنے معنی میں ہے یا بمعنی مِنْ جارہ ابتدائیہ یا بمعنی مَعَ پہلا قول زیادہ
مناسب ہے وُجُوْہِ جمع مکسر ہے وَجْہٌ کی بمعنی چہرہ ھِمْ ضمیر جمع غائب مجرور متصل مرجع ہے کفار مضاف الیہ یہ مرکب اضافی
مجرور ہو کر متعلق ہے مَاشِیْنَ پوشیدہ اسم فاعل جمع کا بمعنی چلنے والے یا چلتے ہوئے۔ عُمْیًا اسم مفرد جامد بمعنی اندھا
یا یہ مصدر ہے بمعنی اندھا ہونا واؤ عاطفہ بُکْمًا مصدر ہے بمعنی بہرا ہونا سننا سننے کی قابلیت ہی نہ ہونا واؤ عاطفہ صُمًّا
مصدر ہے بمعنی گونگا ہونا نہ بول سکنا عطف مل کر حال ہے مَاشِیْنَ مقدرہ کے فاعل مقدرہ کا وہ اپنے فاعل
متعلق اور حال سے مل کر پھر جملہ اسمیہ ہو کر ھُمْ ضمیر ظاہر کا حال ہوا وہ نَحْشُرُ کا مفعول بہ ہو کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ مَاْوٰی اسم ظرف
صیغہ واحد مذکر اَوْیٌ سے بنا ہے مہموز الفاء اور لفیف مقرون۔ ترجمہ ہے پناہ لینا ٹھکانہ بنانا جگہ پکڑنا۔ یہاں ظرفیت
کا معنی ہے ٹھکانا۔ سہارا۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے مرجع ہے کفار تا قیامت یہ مرکب اضافی مبتدا ہے
جَهَنَّمُ۔ اسم مفرد جامد عجمی متغیر ہے بمعنی پوری دوزخ (علاقہ) موصوف ہے یا ذوالحال اگلی عبارت کا کُلَّمَا اسم متصلہ مرکبہ
یہ دو لفظ ہیں ۱؎ کُلّ تاکید یہ اسم ہے ۲؎ مَا تکیریہ کُلَّمَا ہمیشہ ظرف زمانی ہوتا ہے اس لیے دائمی مفتوح ہوتا ہے
اکثر ماضی پر آتا ہے خَبَتْ باب نصر یا ضرب کا ماضی مطلق مؤنث خَبْوٌ ناقص واوی سے بنا ہے بمعنی بجھنا ہلکا پڑنا
کمزور ہونا یہاں پہلے معنی میں ہے کُلَّمَا میں شرطیت کے معنی بھی ہیں اور ظرفیت زمانی کے معنی بھی خَبَتْ کا فاعل
ھِیَ ضمیر مستتر جس کا مرجع جہنم ہے یہ جملہ فعلیہ خبریہ شرط ہوئی زِدْنَا باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم
فاعل متکلم اللہ تعالیٰ زَیْدٌ مادہ متعدی سے بنا ہے بمعنی زیادہ کرنا کبھی لازم بھی ہوتا ہے بمعنی زیادہ ہونا بڑھنا بڑھانا۔

ھُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل مفعول زِدْ سے زِدْنَا کا مرجع کفار سَعِیْرًا بالغہ صفت مشبّہ سَعْرٌ سے بنا ہے بمعنی بھڑکنا۔ دہکنا۔ لازم ہے سعیر بمعنی مسعور یعنی بھڑکی ہوئی مراد ہے آگ۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے خَبَتْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزاء شرط و جزا مل کر صفت ہے جہنم کی یا حال ہے اس کا وہ خبر مبتدا ہو کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ ماقبل عبارت کا پورا مضمون ہے بحالت رفع مبتدا ہے جَزَآءُ بروزن فَعَالٌ مصدر ثلاثی ہے جامد مصدر بمعنی بدلہ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ کا مرجع کفار یہ مرکب اضافی سبب ہوا بِ جارّہ سببیہ اَنَّ حرف مشبّہ ھُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم ہے۔ کَفَرُوْا باب نصر کا ماضی مطلق کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنی شرک و بت پرستی اور توحید و رسالت کا انکار کرنا بِ جارّہ تعدیہ کا آیٰتٌ جمع مکسر ہے اس کا واحد آیَتٌ ہے بمعنی نشانی قدرت مراد قرآن مجید اور معجزات انبیاء کرام مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے کَفَرُوْا کا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَالُوْا فعل ماضی صیغہ جمع غائب بمعنی کہا انہوں نے ھُمْ پوشیدہ۔ اس کا فاعل فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ ءَ ہمزہ سوال انکاری کے لئے ہے ترجمہ ہے یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اِذَا ظرفیہ شرطیہ کُنَّا فعل ناقص صیغہ جمع متکلم نَحْنُ اس میں مستتر ضمیر متکلم جمع فاعل ہے مرجع منکرین قیامت کفار ہیں عِظَامًا۔ اسم جمع مکسر واحد ہے عَظْمٌ بمعنی ہڈی یا مصدر ہے بروزن نَجَاحٌ یعنی ہڈی ہو جانا۔ یا صیغہ مبالغہ ہے بروزن خِضَابٌ شرابٌ بمعنی نری ہڈی رہ جانا معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ رُفَاتًا۔ عدل ہے رُفَتٌ سے بروزن ثُلٰثَ ثُلٰثَ ثُلُثٌ ثُلُثٌ سے معدول ترجمہ ہے تین تین ہونا۔ اسی طرح رُفَتٌ کا ترجمہ ہے ریزہ۔ رُفَاتًا کا ترجمہ ہے ریزہ ریزہ یا یہ مصدر ہے بروزن قُمَاشًا بمعنی راکھ ہونا بوسیدہ بھربھری ہڈی ہونا۔ معطوف ہے سب معطوف مل کر کَانَ کی خبر ہے وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی۔ ءَ ہمزہ سوال تعجب کے لئے جواب شرط یعنی جزاء شرط ہے۔ اِنَّا۔ دو لفظ ہیں ۱۔ اِنَّ حرف مشبّہ ۲۔ نَا ضمیر جمع متکلم اسم ہے اِنَّ کا۔ لام کے براے تاکید اِنَّ تحقیقیہ مَبْعُوْثُوْنَ باب فتح کا اسم مفعول جمع مذکر بَعْثٌ سے مشتق ہے بمعنی اٹھایا جانا یہ ہمیشہ مادہ مصدر متعدی ہوتا ہے۔ خَلْقًا۔ اسم حاصل مصدر بمعنی پیدائش بحالت نصب ہے یا مفعول فیہ مبعوثون کا یہ حال ہے۔ مَبْعُوْثُوْنَ کے نائب فاعل نَحْنُ ضمیر پوشیدہ کا۔ یا یہ مادہ مصدر ہے بمعنی پیدا ہونا یا پیدا کیا جانا۔ مفعول مطلق ہے پوشیدہ نُخْلَقُ ماضی مجہول کا ترجمہ ہے ہم پیدا کئے جائیں گے پیدا کیا جانا۔ مگر پہلی ترکیب زیادہ آسان ہے یہ موصوف جَدِیْدًا صفت ہے۔ جَدَّدٌ سے مشتق ہے بمعنی نیا ہونا یہ مرکب توصیفی حال ہے یا مفعول فیہ مَبْعُوْثُوْنَ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ جملہ اسمیہ ہو کر جزاء شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ | قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ

وَمَنۡ يُّضۡلِلۡ فَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ اَوۡلِيَآءَ مِنۡ دُوۡنِهٖ . فرمادیجئے اے محبوب نبی سب جہانوں میں ہر وقت اللہ کی طرف سے مدد و تائید گواہی کے لیے کافی و شافی و وافی ہے میرے درمیان اور تمہارے درمیان اس طرح کہ میری سچی نبوت اور تمہاری احمقانہ تکذیب۔ میرے معجزے اور تمہارا نہ ماننا۔ میری حقانیت اور تمہارا بُطلان میری مکمل تبلیغ اور تمہاری طرف سے ہر بات کی تردید۔ میری نرمی اور تمہاری سختی میری طرف سے محبت کا سلوک اور تمہاری طرف سے گستاخانہ رویّہ میری طرف سے دعوتِ ایمان و اسلام اور تمہاری طرف سے نئے نئے فضول مطالبے میری طرف سے پُرخلوص اور ابدی فوائد والی نجات۔ اور تمہاری طرف سے عذاب کی جلد بازی۔ میرا یہ کہنا ہے کہ کفر و شرک سے زمین میں فساد نہ مچاؤ اور تمہارا یہ کہنا ہے کہ آسمان کو بھی ٹکڑے کر کے گرا دو۔ میری طرف سے جنت کے سچے وعدے اور تمہاری طرف سے ایمان لانے کے جھوٹے قول و اقرار۔ تمہارے ان سارے مطالبوں اور ان پر ایمان لانے کو موقوف و مشروط کرنے کی ساری حقیقت کو اور خفیہ مشوروں کو آنکھ کے اشاروں دل کے ارادوں کو میرا رب خوب جانتا ہے۔ میرے اور تمہارے درمیان میرا خالق مالک رازق معبود اللہ سبحانہ و تعالیٰ کافی گواہ شاہد اور ہر آن مشاہدہ فرمانے والا ہے بے شک وہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام بندوں۔ انبیاء اولیا مومن و مخلص نیک و بد کافر و مشرک۔ خیر خواہ بدخواہ۔ اچھے اور سچے مجھ سے۔ ہر آن ہر گھڑی ہر طرح مکمل خبیر بھی ہے بصیر بھی ہے مجھ کو تمہارے ایمان کی خواہش اور حرص محض انسانی ہمدردی کی بنا پر ضرور ہے مگر مجھ کو حاجت نہیں نہ ہی تمہارے ایمان سے مجھ کو ذاتی فائدہ نہ ہی تمہاری تائید سے میری کوئی خصوصی تصدیق ہو گی مجھ کو تو میرے رب کریم کی تصدیق و تائید ہی کافی ہے اس نے مجھ کو معجزات دیئے مجھ کو اپنا پیارا کلام قرآن مجید عطا فرمایا۔ مجھ کو نبوت رسالت مرسلیت اور محبوبیت سے نوازا اسی نے مجھ کو رحمتِ عالمین راحتِ عاشقین مختارِ کل حاجت روا مشکلکشا بنایا۔ اس نے مجھ کو صحابہ جیسے پُرخلوص جاں نثار غریب و مسکین ساتھی بخشے یہ سب ہدایتیں میرے رب کی ہیں اور جس کو وہ اللہ ہدایت دیتا ہے بس وہی دنیا جہان قبر و حشر کی ہدایت پانے والا ہے۔ تاقیامت دنیا میں جو بھی ہدایت۔ راست بازی اور نجاتِ اُخروی کا طالب بنے گا اس کو رب تعالیٰ ضرور ہدایت دیتا ہے اپنا پیارا بناتا ہے۔ اور جو شخص دنیوی زندگی میں برائیوں۔ بدبختیوں کا خواہش مند ہو کر صداقت سے نفرت، حماقت سے اُلفت، عزت سے نفرت ذلت سے الفت سچ سے نفرت جھوٹ سے الفت نجات سے نفرت عذاب سے الفت۔ علماء سے نفرت ظلم سے الفت۔ آخرت سے نفرت دنیا سے الفت اسلام سے نفرت کفر سے الفت۔ توحید سے نفرت شرک سے الفت۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے نفرت۔ شیطینِ بدنام سے الفت۔ دیانت سے نفرت۔ بددیانتی سے الفت۔ صلح سے نفرت فسادات سے الفت۔ ہدایت سے نفرت ضلالت و گمراہی سے الفت تو پھر ایسے بدنصیب شخص کو اللہ ہدایت کی طرف مجبور نہیں کرتا بلکہ اس کے لیئے گمراہی کے راستے کھول

دیتا ہے اور گمراہی کی اندھیری دلدلوں میں بھٹکا دیتا ہے اور جس کو اللہ گمراہ فرمادے پھر اس کے لیے اے انسان تو کسی وقت بھی کہیں سے بھی کسی قسم کا بھی مددگار حاجت روا مشکل کشا ڈھونڈے سے بھی نہ پاسکے گا۔ نہ برادری خاندان کے والی وارث اس کی آخروی مدد کرسکیں نہ اولیاء اللہ اس کی گمراہی دور کریں نہ علماء اُس کو عذاب سے بچاسکیں نہ انبیاء کرام اِس کو ہدایت دے سکیں۔ بھلا کس کی طاقت ہے کہ مِنْ دُوْنِہٖ۔ اللہ کے مقابل اس کو ہدایت دے سکے۔ جو خود گمراہ ہوا اُس کی ہدایت کی ہر طرف سے امید کی جاسکتی ہے مگر جس کو اللہ جَلَّ جلالہٗ گمراہ کر دے اس کو پھر کوئی ہدایت کا راہ نہیں دے سکتا۔ بعض اردو مفسرین نے یہاں دُون کے معنی سوا کئے ہیں یعنی اللہ کے سوا۔ یہ ترجمہ ٹھیک نہیں ہے۔ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ عَلَىٰ وُجُوهِهِمْ عُمْيًا وَبُكْمًا وَصُمًّا مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنَاهُمْ سَعِيرًا۔ ذَٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا وَقَالُوا أَإِذَا كُنَّا عِظَامًا وَرُفَاتًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ خَلْقًا جَدِيدًا
اور یہ کفار دنیا چونکہ اپنے طور طریقوں عادتوں خصلتوں، غفلتوں اور کھانے پینے سونے جاگنے میں جانوروں حیوانوں کی طرح ہی زندگی گزارتے رہے اس لیئے ہم ان تمام کفار کو میدانِ محشر میں قیامت کے دن جانوروں کی طرح ہی لاکر جمع کردیں گے کہ دل کے اندھے زبانِ فہم کے گونگے اور عقل کے بہرے کر دیئے جائیں گے ان کا ابدی دائمی رہائشی مستقل پورا پکا ٹھکانہ جہنم ہی ہے اور وہاں بھی چین نہ پاسکیں گے بلکہ جب کبھی ان کفار و مشرکین کے جسموں کو جلا جلا کر جہنم کے شعلے ہلکے اور ماند پڑنے لگا کریں گے اور ان کے اجسام راکھ کا ڈھانچہ بن جایا کریں گے تو پھر ان کو اسی ڈھانچہ کے نئے جسم بنا دیا جایا کرے گا اور ہم بار بار ان نئے پیدا شدہ جسموں کے ایندھن سے جہنم کے شعلوں کو زیادہ کرتے رہیں گے۔ مفسرین کرام نے کفار کے اوندھے منہ ہونے کے بارے میں پانچ قول فرمائے۔ ایکؔ یہ کہ جب قبریں پھٹیں گی تو کفار قبروں سے میدانِ محشر کی طرف الٹے چلتے ہوئے ایسے دوڑیں گے جس طرح بندر ہاتھوں سے چلتا ہوا تماشہ دکھاتا ہے۔ اسی طرح فقہاء کرام نے فرمایا ہے کہ مسلمانوں کو الٹا چلنا ناجائز ہے کہ ٹانگیں اوپر ہوں اور ہاتھوں کو پیر بنا کر چلا جائے کیونکہ یہ کفار کی اُخروی سزا ہے۔ دوؔم یہ کہ قبروں سے تو سیدھے چلتے آئیں گے میدانِ محشر میں پہنچ کر اس طرح بندروں کی طرح چلیں گے سوؔم یہ کہ چوپایوں کی طرح چاروں ہاتھوں پیروں سے چلیں گے۔ چہارؔم یہ کہ سر ہی پیر کی شکل ہوگا اور سر سے چلیں گے اچھل اچھل کر جیسے بچے ایک پیر سے چلتے ہیں۔ پنجمؔ یہ کہ فرشتے ٹانگوں سے پکڑ کر میدانِ محشر میں گھسیٹتے ہوئے لائیں گے پھر حساب کتاب کے بعد میدانِ محشر سے جہنم میں اسی طرح لے جائیں گے ایک حدیث پاک میں ہے حضرت انس فرماتے ہیں کہ کسی نے عرض کیا یا رسول اللہ منہ کے بل کس طرح چل سکتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو اللہ تعالٰی نے دنیا میں پیروں کے بل چلا سکتا ہے وہ وہاں چہروں کے بل چلانے پر قادر ہے۔ دوسری حدیث جو ابو داؤد، ترمذی، ابن جریر، مسند احمد، نسائی حاکم نے روایت کی حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت

ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشادِ پاک فرمایا کہ قیامت میں لوگ تین طریقے سے چل کر محشر میں آئیں گے ۱ سوار ہو کر ۲ پیدل قدموں اور پیروں سے ۳ چہروں کے بل۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ اس طرح اوندھے چلنے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کفار دنیوی زندگی میں ہر وقت دنیا میں پھیلے رہتے تھے اور زمین کی مٹی پتھر لکڑی لوہے کو ہی بت بنا کر پوجا کرتے تھے اسی زمین کے آگے منہ سہارا گرا کرتے تھے اس لیے محشر میں بھی ان کا یہ شوق اچھی طرح پورا کیا جائے گا۔ اندھے گونگے، بہرے ہونے کے متعلق بھی مفسرین کے پانچ قول ہیں۔ ۱ پہلے پہلے سب کافر میدانِ محشر میں اندھے گونگے ہوں گے مگر حساب کتاب کے وقت ان کو آنکھ زبان کان دے دیئے جائیں گے ۲ کچھ کافر اندھے بہرے ہوں گے کچھ ٹھیک ہوں گے۔ ۳ صرف انبیاء اولیاء انوارِ الٰہی اور دیدارِ ذات نہ دیکھ سکیں گے باقی چیزیں دیکھیں گے کلامِ رحمت اور نبی کریم کی نعت خوانی نہ سن سکیں گے۔ اس لیے بہرے ہوں گے۔ اللہ سے کلام نہ کر سکیں گے نہ کوئی دلیلِ معافی دے سکیں گے ۴ جہنم میں پہلے درست ہوں گے اللہ تعالیٰ سے پانچ باتیں عرض کریں گے پھر ابدی دائمی ان کو اندھا گونگا بہرا کر دیا جائے گا ۵ بعض نے فرمایا کہ کفارِ دنیا کی شل دل کے اندھے عقل کے بہرے اور سمجھ و فہم کے گونگے ہوں گے۔ اور اے پیارے نبی یہ خصوصی سزائیں عذاب اور ذلتیں کفار کو اس لیے ہوں گی کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا کھلم کھلا محض جہالت سے کفر و انکار کیا۔ اور ہمیشہ یہی کہتے رہے کہ کیا جب ہم ادھڑی ہڈیاں اور بھربھری خاک ہو جائیں گے۔ پھر دوبارہ نئی مخلوق بن کر اٹھائے جائیں گے کیسی عجیب غلط بات ہے۔

(نَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِكَ الْكُفْرِیَاتِ)

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ کفر اگرچہ سب ایک ہی باطل دین ہے اور جہنم میں سب کی رہائش بھی دائمی ہے مگر نوعیتِ عذاب اور ذلتِ محشر مختلف ہے۔ جو کافر منکرین قیامت ہیں ان کا عذاب اوندھے منہ چلنا اور اندھے منہ پھرنا اور اندھے گونگے بہرے ہونا ہے دوسرے کفار کا یہ عذاب نہیں جیسے اہل کتاب یہود و نصاریٰ وغیرہ یہ فائدہ باتکرم کی یادبیہ فرمانے سے حاصل ہوا جس میں عذاب کی وجہ بتائی گئی۔ دوسرا فائدہ قرآن مجید میں باری تعالیٰ عزاسمہ نے اپنا صفاتی نام بھی شہید ذکر فرمایا اور اپنے پیارے نبی محمد مصطفیٰ کا صفاتی نام بھی شہید مذکور فرمایا۔ رب تعالیٰ اس معنیٰ میں شہید ہے کہ اس نے اپنے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کی گواہی زمین و آسمان کی ہر چیز سے دلوائی بے جان لکڑیوں پتھروں اور جانوروں سے کلمہ پڑھوایا چاند و سورج بادل سے اطاعت کروائی تا قیامت اولیاء علماء کا پیدا ہونا۔ یہ سب رب تعالیٰ کی ہی ایسی مضبوط گواہی ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کافی ہے۔ چند مٹھی بھر کافر اگر گواہی نہ دیں تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیا نقصان ہے۔ تیسرا فائدہ باری تعالیٰ کی جہنم آج

بھی قائم ہے اور مسلسل بھڑک رہی ہے۔ نہ اس میں کبھی کمی آتی ہے نہ اس کو کبھی زیادہ کرنا پڑتا ہے لیکن قیامت کے بعد اس میں کمی اور زیادتی یہ خاص قدرتی بحکم الٰہی ہوتی رہے گی صرف اس لیے تاکہ کفار کی تکلیف اور عذاب میں زیادتی ہو۔ کیونکہ جب آگ ہلکی پڑنے لگے گی تو ان کی تکلیف بھی کچھ کم ہوجایا کرے گی اور ختم ہوجانے کی امید بھی پیدا ہوگی پھر بھڑک اٹھنے پہ جسمانی تکلیف کے علاوہ آس ٹوٹنے سے تکلیف زیادہ ہوگی۔ یہ فائدہ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ کی غیر خصوصی صفات والے اسماءِ پاک اللہ تعالیٰ کے علاوہ مخلوق کے لیے بھی استعمال کرنے اور انسانی شخصیات کے ذاتی یا صفاتی نام رکھنے بھی جائز ہیں۔ یہ مسئلہ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ باری تعالیٰ کا صفاتی نام یہاں شہید فرمایا گیا۔ جبکہ سورۃ ۱۶ النحل کی آیت ۸۹ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید فرمایا گیا۔ وَجِئْنَا بِكَ شَهِيْدًا عَلٰى هٰۤؤُلَآءِ۔ ہیں صفات خصوصیہ والے اسماءِ پاک کے الفاظ کسی دوسرے کے لیے استعمال کرنے قطعاً ناجائز ہیں چنانچہ کسی کو یا رحمٰن وغیرہ کہنا یا نام رکھنا منع و ناجائز ہے۔ نہ انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے کہہ سکتے ہیں نہ کسی اور کے لیے۔ ہاں البتہ رحیم کریم داتا سخی وغیرہ انبیاء اولیاء علماء کو کہا جاسکتا ہے **دوسرا مسئلہ**۔ عالم برزخ اور قبر میں صرف کفار اور منافق کے اجسام و ابدان عظام و رفات ہوں گے لیکن اولیاء اللہ کے اجسام تا قیامت اسی طرح سلامت باکرامت رہتے ہیں یہ مسئلہ اِذَا كُنَّا عِظَامًا (الخ) کے صیغۂ جمع متکلم سے مستنبط ہوا۔ اور اس کے علاوہ احادیث کثیرہ سے اس کا ثبوت بھی ہے اور بہت موقعوں پر چشم دید مشاہدہ بھی ہے۔ لہٰذا انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق عظام و رفات ہونے کا عقیدہ بنانا انتہائی حرام اور سخت گستاخی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاسکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ کفار محشر میں اندھے گونگے اور بہرے ہوں گے حالانکہ دوسری آیت میں ہے کہ کفار اپنا نامۂ اعمال پڑھیں گے اور میدان محشر میں اور جہنم میں فریادیں کریں گے روئیں چیخیں پکاریں گے اپنے لیڈروں رہنماؤں کو برا بھلا کہیں گے اور ان کی بے رخی و علیحدگی کی باتیں سنیں گے فرشتوں کی جھڑکیں سنیں گے۔ ان آیت میں مطابقت کیونکر ہو؟ **جواب**۔ مفسرین کرام نے اس کے مختلف جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ کچھ کفار اندھے بہرے گونگے ہوں گے کچھ ٹھیک ہوں گے دوم یہ کہ پہلے پہلے اندھے بہرے ہوں گے پھر ٹھیک کر دیئے جائیں گے سوم یہ کہ اندھے اس طرح ہوں گے کہ نیک لوگوں کو نہ دیکھ سکیں گے نہ فرشتوں کو جس طرح آج ہم فرشتوں جنات کو نہیں دیکھ سکتے بہرے اس طرح کہ خوشخبری نہ سنیں گے گونگے اس طرح کہ زبانوں پر مہر ہوگی ہاتھ پیر خلاف گواہی دیں گے۔ چہارم یہ کہ دل کے اندھے بہرے گونگے جیسے کہ دنیا میں ہیں۔ مگر پہلا جواب درست ہے کہ وہ حقیقتاً اندھے بہرے ہوں گے

اور دنیا کی قلبی کیفیت ان کے اعضاء پر حقیقتاً طاری ہوگی۔ اسی لیے اوندھے منہ بھی ہوں گے کہ دنیا میں ان کے دل دنیا کی طرف جھکے تھے قیامت میں منہ اور سارے اعضاء پر یہ کیفیت طاری ہوگی (العیاذ باللہ) دوسرا اعتراض بیان فرمایا گیا۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ یعنی جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت دے تو بس وہی ہدایت پاتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہادی نہیں لیکن ابھی پہلے آیت ۹۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہوا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى۔ ان کے پاس ہدایت آگئی جس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا قرآن مجید بھی ہدایت دیتے ہیں۔ ان میں مطابقت کیسے ہے۔ **جواب**۔ یہاں ہدایت دینے کا ذکر ہے وہاں صرف ہدایت کا۔ جس طرح ہادی اور ہدایت میں لفظی اور صیغے بحث و اشتقاق کا فرق ہے اسی طرح عمل دخل کا بھی فرق ہے ہدایت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتی ہے مگر اس ہدایت کا ہادی رب تعالیٰ ہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًاۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًاۢ بَصِيْرًا۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا۔

فرمادے اے راہِ حقیقت کے پیشوا کہ میرے حق و صداقت پیغامات و امامت وحی و احکامات کی سچائی کے لیے میرے اختلاف و اقرار دعوٰی تردید، ایمان و کفر، نور و ظلمت کے درمیان خالق تعالیٰ علیم و خبیر کافی و وافی کامل و اکمل گواہ ہے بے شک وہ ہی رب قدیر اپنے تمام بندوں رات کی تنہائیوں میں عبادت کرنے والے اور منزل شوق کی طرف بڑھنے والے مسافران حقیقت اور نام نمود والے بدخصلت سب سے باخبر اور حقیقتِ حال کو دیکھنے والا ہے۔ وہی ہدایات یافتہ منزلِ مشاہدۂ جمال ہے جس کو خود رب تعالیٰ توفیقِ ہدایت عطا فرمائے اور جن کو وادیٔ حیرت کے ظلمات میں گمراہی دے دے ان کو ہدایت توفیق کا کوئی مددگار نہیں۔ جنگلاتِ نامرادی میں ان کو معرفت سے اندھے گونگے بہرے کرکے ہم جمع کریں گے۔ كُلَّمَا خَبَتْ زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا۔ ویرانۂ ظلمات میں جب بھی نارِ فراق اُن پر کم ہونے لگے گی تو قہر و جلال کے ایندھن سے اس کو زیادہ بھڑکا دیں گے اور قربِ منزل کی سب امیدیں توڑ دی جائیں گی ایسے ریاکاروں کی مغز فرعونی والی عبادتیں ریاضتیں سجدہ ریزیاں سب بے قدری سے برباد کردی جائیں گی یہی ان کا بدلہ ہے۔ عالمِ ناسوت کے مغرورین و متکبرین اسی جزا کے مستحق ہیں اس وجہ سے کہ بے شک یہ بدخصال وادیٔ طلب میں سفر ریاضت کرتے ہوئے ہماری قدرت کی نشانیوں انبیاء اولیاء مجذوبین فقراء صوفیا علماء کی گستاخیاں انکارِ شان کفر کرامات کرتے رہے اور کبھی اسباب کا شکر نہ ادا کیا کہ ان کے ہی طفیل رب تعالیٰ نے اپنی نعمتیں ظاہری و باطنی تم پر پوری فرمائیں اور دو قسم کے علم دیئے ظاہری جس کا تعلق زبان و حواس سے ہے اس کا نام شریعت ہے ۲، علم طریقت۔ شریعت کی تکمیل کا نام طریقت ہے کیونکہ طہارت عبادت نماز روزہ زکوٰۃ حج وغیرہ جب ان کا اثر

ظاہر سے گزر کر باطن کے قلب و روح پر محیط ہو جائے تو اس کو علم باطن یعنی طریقت کہتے ہیں شریعت میں اعمال ہیں۔ طریقت میں مقامات مگر قلب کے اندھوں نے ان مقامات کا انکار ہی کیا۔ وَقَالُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۔ اور کہا کہ مقام قلب کی رفعتوں میں جب خواہشات لذاتِ نفسیات اور اجسامِ عقل کا گوشت پوست فنا ہو کر ہڈی و خاک ہو جائے گا اور مقاماتِ تصدیق۔ اخلاص۔ صبر۔ توکل۔ تقویٰ۔ محبت شوق۔ مجاہدہ قیامِ لیل صیامِ دھر کی مصیبتوں سے مجذوبین مراد اموات نفوس سے وادیٔ فنا میں ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا منزلِ قرب میں پھر مشاہدۂ انوار سے نئی پیدائشِ خواہشات و لذآت کی حیاتِ بقا سے اٹھائے جائیں گے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر ان منکرینِ طریقت و حقیقت نے یہ نا جانا کہ دنیا میں ہر چیز کا ایک ظاہر ہے ایک باطن۔ ہماری آیت کا بھی ایک ظاہر و باطن ہے اسی ظاہر اسی باطن کا نام قرآن و حدیث شریعت۔ طریقت۔ مجذوبیت سالکیت۔ عبدیت و محبوبیت۔ جسمانیت روحانیت۔ مخلوقیت۔ مبعوثیت ہے ظاہر کا وجود پہلی خلقت ہے باطن کا وجود دوسری بعثت ہے ظاہر کی پوشیدگی موت سالک و مجذوب ہے اور باطن کا ظہور خلقاً جدیداً ہے دونوں کے اپنے اپنے مقام و مدارج۔ ہر ایک کا انکار کفر اشرار ہے۔

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ

کیا نہیں دیکھا ان کفار نے کہ بے شک وہ اللہ جس نے پیدا کیا آسمانوں

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور

وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ

اور زمین کو قادر ہے اس پر کہ دوبارہ پیدا کر دے ان کے پہلے جیسے جسم

زمین بنائے ان لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے۔

وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ ؕ فَاَبَى

اور بنا دی ہے اس اللہ نے ان کے لیے ایک ایسی مدت کہ نہیں ہے شک اس میں۔ پھر بھی ظالموں نے

اور اس نے ان لوگوں کے لیے ایک میعاد ٹھہرا رکھی ہے جس میں کچھ شبہ نہیں تو ظالم

الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ﴿٩٩﴾ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ

ہر چیز کا انکار ہی کیا صرف ناشکری کرنے کے لیے فرما دیجئے اگر تم

نہیں مانتے بے ناشکری کئے۔ تم فرماؤ اگر تم لوگ

تَمْلِكُوْنَ خَزَآىِٕنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ

مالک ہو جاؤ میرے رب کی رحمت کے سب خزانوں کے تب تو تم سب کچھ ہی روکے چھپائے رکھو

میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہوتے تو انہیں بھی روک رکھتے

خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ﴿١٠٠﴾ ع

خرچ ہو جاتے کے ڈر سے اور انسان تو فطرۃً ہی کنجوس ہے

اس ڈر سے کہ خرچ نہ ہو جائیں اور آدمی بڑا کنجوس ہے۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ

اور البتہ بے شک دیں ہم نے موسےٰ کو نو نشانیاں کھلی کھلی

اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں۔

فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ

تو پوچھو بنی اسرائیل سے جب وہ موسیٰ آئے تھے ان میں

تو بنی اسرائیل سے پوچھو جب وہ ان کے پاس آیا

فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى

پس کہا تھا ان کو فرعون نے بے شک میں البتہ خیال کرتا ہو تم کو اے موسیٰ

تو اس سے فرعون نے کہا اے موسیٰ میرے خیال میں تو تم پر

مَسْحُوْرًا (۱۰۱)

جادو گر

جادو ہوا

تعلّق ان آیتِ پاک کا پچھلی آیت سے چند طرح ربط و تعلّق ہے ۔ پہلا تعلّق پچھلی آیت میں کفّار کے اندھا، بہرا گونگا ہونے کا ذکر ہوا تھا جس میں ان کی اُخروی انتہائی بری حالت کا ذکر ہوا اب ان کی دنیوی حالت کا ذکر ہے کہ وہ جسم اور عقل کی آنکھوں سے دیکھ سکتے اور سمجھتے ہیں کہ آسمان و زمین کا خالق صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو سکتا ہے مگر دل کی آنکھیں یہاں بھی اندھی ہیں ۔ دوسرا تعلّق ۔ پچھلی آیت میں کفّار کی حیرت و انکار کا ذکر ہوا تھا کہ ان لوگوں نے اپنی بد عقلی کی وجہ سے اخروی پیدائش کا انکار کیا تھا قدرتِ الٰہیہ کو نہ مانا اَب ان آیت میں ان کی اس حیرت کو ختم کرتے ہوئے قدرت کی نشانی اور دلیل کو بیان کیا جا رہا ہے ۔ تیسرا تعلّق ۔ پچھلی آیت میں کفّار کے مطالبے اور نئی نئی بے ہودگیوں گستاخیوں کا ذکر ہوا تھا کہ وہ کفّار آقاِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے دل پسند معجزات و نشانات کا مطالبہ کر رہے ہیں حالانکہ ہدایت و گمراہی ان معجزات سے وابستہ نہیں بلکہ اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہے اَب ان آیت میں کفّار کے ان مطالبات کو نہ ماننے کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون و فرعونیوں کو کتنے ہی معجزے دکھائے مگر وہ سب ان کو جادو گری ہی کہتے رہے ۔

تفسیر نحوی اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۔ اَ ہمزہ ۔ سوالِ عبرت کے لیے ۔ سوال آٹھ قسم کا ہوتا ہے ۔ سوال اقراری ۔ سوال انکاری ۔ سوالِ استفہامی ۔ سوالِ طلب ۔ سوال تعجب ۔ سوال ممانعت ۔ سوالِ تفسیری ۔ سوالِ عبرت لَمْ یَرَوْا بابِ سَمِعَ یا فَتَحَ ۔ کا فعل مضارع نفی جحد بلم صیغہ جمع مذکّر غائب مادہ رَاْیٌ ہے بمعنی دیکھنا اس کا عین کلمہ حرفِ حلقی ہے یعنی ہمزہ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع کفّار ہیں اَنَّ حرفِ تحقیق ۔ اَللّٰه موصوف اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکّر خَلَقَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکّر غائب ھُوَ مستتر فاعل جس کا مرجع اَللّٰه ہے الف لام استغراقی عددی بمعنیٰ تمام آسمان سَمٰوٰتِ جمع مؤنّث سالم واحد ہے سَمَاءٌ ۔ روادِ عاطفہ الف لام استغراقی فردی بمعنیٰ پوری کُل ۔ مؤنّث لفظی ہے مؤنّث وہ ہوتا ہے جس میں مؤنّث کی نشانی ظاہر یا پوشیدہ ہو مگر اس کا مذکّر کوئی نہ ہو اسی طرح مذکّر لفظی وہ ہے جس میں علامتِ تانیث نہ ہو اور اس کا مؤنّث نہ ہو تمام نباتات

جمادات صرف لفظاً مذکر یا مؤنث ہوتے ہیں حقیقی تانیث یا تذکیر صرف حیوانات کا خاصہ یعنی انسان جانور اور جنات۔ ملائکہ کو بھی لفظی مذکر کہا جاتا ہے یہ سب عطف مل کر مفعول بہ ہے خَلَقَ کا خَلْقٌ سے بنا ہے ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے نہ لازم ہو سکتا ہے نہ متعدی بدو مفعول یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر صفت ہے اَللّٰہَ موصوف کی یہ مرکب توصیفی خبر اَنَّ قَادِرٌ اسم فاعل باب ضَرَبَ کا صیغہ واحد مذکر قَدْرٌ اور مَقْدِرَتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ طاقت والا ہونا غلبہ والا ہونا۔ کارگر ہونا۔ قابو میں کر سکنا۔ بنا سکنا یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے۔ اعلیٰ حضرت نے یہی آخری معنی اختیار فرمائے علیٰ اجارہ فوقیت کا اَنْ ناصبہ مصدریہ یَخْلُقَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف اَنْ ناصبہ نے نصب دیا ہُوَ پوشیدہ فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ مِثْلَ۔ اسم تساوی یا تشبیہ یعنی برابر یا مشابہ ہم شکل ہم رنگ مضاف ہے ھُمْ ضمیر جمع۔ مضاف الیہ یہ اضافت بیانیہ ہے مرکب اضافی مفعول بہ یَخْلُقَ جملہ فعلیہ ہو کر مجرور متعلق ہوا قَادِرٌ کا وہ پوشیدہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر یہ ہو کر اَنَّ کی خبر اور وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا اَلَمْ يَرَوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ جَعَلَ باب فتحہ کا ماضی مطلق واحد مذکر جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مقرر کرنا۔ بنانا۔ متعدی بدو مفعول ہے لَھُمْ۔ جار مجرور متعلق ہے جَعَلَ لیکن باطن اور حقیقت میں مفعول بہ اول ہے لام جارہ نے مفعول بہ کا درجہ دیا۔ اَجَلًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ مدت موصوف ہے لَا حرفِ نفی جنس بعض کے نزدیک اسم نفی جنس ہے کیونکہ عامل فعلی ہے مگر یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ حرف بھی ہر طرح کا عامل ہو سکتا ہے۔ رَیْبَ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ شک یہ اسم ہوتا ہے حاصل مصدر بمعنیٰ شک۔ اسم ہے لاءِ نفی کا فِیْہِ۔ جار مجرور متعلق پوشیدہ موجودٌ اسم مفعول کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی۔ لَا۔ اپنے اسم و خبر سے مل کر شبہ جملہ ہو کر صفت ہوئی۔ اَجَلًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہوا جَعَلَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَ۔ حرفِ تعقیب کلامی نہ کہ حقیقی واقعی یعنی۔ اَبٰی۔ باب سَمِعَ یا ضَرَبَ کا ماضی مطلق اَبْیٌ سے یا اِبَاءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ انکار کرنا الف لام عہدی ظّٰلِمُوْنَ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان کرنا اپنا یا کسی کا بحالت رفع ہے فاعل ہے اَبٰی کا یہ متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول بہ شَیْئًا پوشیدہ ہے بمعنیٰ کچھ۔ اِلَّا حرفِ استثنا مفرّغ متصل اس کا مستثنیٰ منہ پوشیدہ شَیْئًا ہے۔ کُفُوْرًا صفت مشبہ بمعنیٰ بہت ناشکرا ہر وقت ہر حالت میں ناشکری کرنے والا منصوب ہے کیونکہ مستثنیٰ ہے اِلَّا سے جو اِلَّا سے مستثنیٰ ہو وہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ یہ سب استثنا مل کر مفعول بہ ہے اَبٰی کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا۔ قُلْ۔ فعل امر خطاب ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ لَوْ حرف شرط یہاں کُنْتُمْ فعل ماضی ناقصہ جمع مذکر حاضر پوشیدہ۔ کیونکہ لَوْ کے بعد فعل ہونا ضروری ہے یہ ضمیر پر نہیں آتا اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر مرفوع منفصل مرجع کفار عام یا کفارِ مکہ اسم ہے کُنْتُمْ مستتر کا اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ فعل کا قائم مقام اور ثانی

ہے دراصل تھا کُنْتُمْ ۔ تَمْلِكُوْنَ ۔ فعل مضارع مثبت جمع مذکر حاضر مِلْكٌ سے بنا ہے۔ بمعنی مالک ہونا قابض ہونا۔ خَزَآئِنَ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے خَزِينَة۔ وہ مال سونا چاندی ناقابل فنا جو چھپا کر جمع کی جائے یا دفن کردہ دولت مضاف ہے رَحْمَتِ اسم مفرد جامد بمعنی نرم دل۔ شفقت۔ لطف۔ مہربانی۔ احسان نعمت یہاں آخری معنی مراد ہیں یہ مضاف ہے رَبِّ۔ اسم مفرد جامد مضاف ہے یٓ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ سب اضافت جڑ کر مفعول بہٖ ہے تَمْلِكُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے كُنْتُمْ پوشیدہ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی۔ إِذًا اسم برائے جواب شرط (یعنی جزا کے لیے بمعنی تب تو) لام کَے تحقیقی تاکیدی اَمْسَكْتُمْ باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِمْسَاكٌ یہ متعدی ہے کیونکہ باب افعال ہمیشہ متعدی ہوتا ہے ترجمہ ہے روک لینا۔ مادہ مَسْكٌ بمعنی رکنا یہ لازم ہے اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ یہ فعل اَمْسَكْتُمْ اگرچہ باب اور لفظ کے اعتبار سے ظاہرًا متعدی ہے مگر معنًا لازم ہے یعنی کنجوس ہونا بخیل ہونا۔ ترجمہ ہے۔ یقینًا کنجوس ہو جاتے تم یہ ماضی بیانِ مستقبل کے لیے ہے۔ خَشْيَةَ۔ اسم مصدر ہے آخر میں مصدر کی تَ ہے یہاں حاصل مصدر ہے بمعنی خوف۔ ڈر فکر اندیشہ مضاف ہے۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْ اِنْفَاق باب افعال کا مصدر ہے لفظًا متعدی ہے بمعنی خرچ کر دینا۔ ضائع کرنا مٹانا نہ رہنے دینا یہاں سب معنی ہیں معنًا یہ لازم ہے مضاف الیہ ہے اس لیے مجرور ہے یہ مرکب اضافی اگر اِنْفَاق کی لفظی متعدی کا لحاظ رکھا جائے تو مفعول لہٗ ہے اگر معنوی لازم کا لحاظ کیا جائے تو حال ہے اَمْسَكْتُمْ کے فاعل کا جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی لَوْ اَنْتُمْ کی یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مقولہ اوّل ہوا واؤ عاطفہ کَانَ ناقصہ الف لام جنسی یا عہدی۔ اِنْسَانُ اسم مفرد جنسی جامد بمعنی آدمی اسم ہے کَانَ کا قَتُوْرًا اسم صفت مشبہ قَتْرٌ سے بنا ہے بمعنی کنجوس۔ مراد ہے وہ بخیل جو نہ خود کھائے نہ غیروں کو کھلائے بلکہ بال بچوں تک کو ترسائے نہ دلائے بس لینے کی ہوس پائے۔ مقابل ہے اسراف کا مُسْرِفُ وہ انسان جو فضول و بیجا خرچ کرے دولت برباد کرے قتور بھی حرام مسرف بھی حرام بخیل بھی عربی لفظ ہے اس کا معنی ہے کہ خود تو خوب اچھا کھائے پیئے پہنے لیکن کسی بھی حقدار کو نہ دے نہ خیرات کرے۔ لفظ قَتُوْرًا کَانَ کی خبر ہے انسان سے مراد یا کفار ہیں یا فطری انسان کَانَ اپنی اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قُلْ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۔ واؤ عاطفہ جملہ لام تحقیقی یا تاکیدی ابتدائیہ مفتوحہ ہے قَدْ اٰتَيْنَا باب افعال کا ماضی قریب ہے جمع متکلم فاعل کلام اللہ تعالیٰ ہے اِيْتٌ سے بنا ہے بمعنی دینا موسیٰ۔ اسم مفرد جامد مقصور علم معرب معرّف ہے تینوں حالتوں میں تقدیری اعراب ہوتا ہے یہاں نصب ہے مفعول بہٖ ہے اٰتَيْنَا کا تِسْعَ اسم عددی معرب مضاف ممیز ہے۔ اٰيٰتٍ جمع مؤنث سالم آیت کی مراد ہے معجزات یعنی ہر وہ عجیب حیران کن عاجز کر دینے والا کام یا چیز جو کسی نبی علیہ السلام کے ذریعے ظاہر ہوا گرچہ

عذابِ الٰہی ہو آیت موصوف ہے۔ بَیِّنٰتٍ جمع مؤنث سالم بَیِّنَۃٌ کی یا جمع مکسر ہے بَیِّنٌ کی جو اصل مصدر ہے۔ مبالغہ کے لیے ترجمہ ہے بہت ہی ظاہر۔ کھلا۔ واضح۔ صاف۔ یہ صفت ہے آیٰت کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ اور مرکب اضافی تِسْعَ ممیز اور مرکب توصیفی تمیز مضاف الیہ پھر یہ مفعول بہ دوم ہوا اٰتَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا فَ تعقیبیہ اِسْئَلْ باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف اَنْتَ ضمیر فاعل مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ بَنِیْ۔ جمع مذکر سالم ہے بَنِیْنَ نون جمع اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گئی بَنِیْ رہ گیا۔ اس کا واحد ہے ابن۔ اسرائیل غیر منصرف اسم ہے دو سبب ایک عُجمی دوم عَلَم ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کا۔ بنی اسرائیل کا ترجمہ ہوا اسرائیل کے بیٹے۔ اولاد۔ نسل۔ اب ایک قبیلے کا نام ہے۔ یہ عبرانی لفظ ہے بَنِیْ عربی لفظ ہے بحالتِ فتحہ ہے مفعول اول ہے اِسْئَلْ کا اِذْ۔ اسم ظرف زمانی بمعنی جب جَآءَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر اس کا فاعل مرجع موسیٰ علیہ السلام جِیْ ءٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ لازم ہے ھُمْ ظاہر ضمیر کا مرجع بنی اسرائیل میں مفتوح یا اِس لیے کہ مفعول معہ ہے یعنی ان کے ساتھ یا اس لیے کہ مفعول فیہ ہے یعنی اُن میں جَآءَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ظرفیہ ہو کر شرط مجازی ہوئی فَ جزائیہ یا سببیہ قَالَ فعل لازم جارّہ تعدیہ کا ہٗ ضمیر مجرور متصل مرجع حضرت موسیٰ فِرْعَوْنُ غیر منصرف عُجمی اَعْلَم ہے عبرانی لفظ ہے لقب ہوتا تھا بادشاہوں کا فاعل ہے قَالَ کا۔ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا اِنَّ حرف تحقیق۔ یْ ضمیر واحد متکلم مرجع فرعون اسم ہے اِنَّ کا اس لیے مفتوح متصل ہے لَامِ کُنّے برائے تاکید تحقیق اَظُنُّ باب نَصَرَ کا مضارع معروف واحد متکلم اَنَا ضمیر اس میں پوشیدہ ہے فاعل متکلم ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے۔ ذوالحال ہے مَسْحُوْرًا اسم مفعول صیغہ واحد مذکر بمعنی جادو کیا ہوا سِحْرٌ سے بنا ہے یہ حال ہے کَ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ ہوا۔ ایک قول میں اَظُنُّ ظَنٌّ سے بنا ہے اور ظَنٌّ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اس لیے یہ حال نہیں بلکہ دوسرا مفعول بہ ہے اور کَ پہلا مفعول بہ ہے۔ ظَنٌّ مضاعف ثلاثی ہے بمعنی گمان یا خیال کرنا محسوس کرنا سمجھنا ظن اور فہم اور خیال میں فرق یہ ہے کہ بے یقینی کی سمجھ ظن ہے یقینی کی سمجھ فہم ہے اور بین بین خیال ہے جب ظن بمعنی علم ہو تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے اور مسحورًا حال ہو گا۔ یہ ذوالحال حال منادیٰ ہوا۔ ندا منادیٰ مل کر جواب ندا مقدم اَظُنُّ سے مل کر خبر اِنَّ۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا وہ جملہ قولیہ ہو کر جزا ہوا شرط و جزا مل کر مفعول بہ دوم ہوا اِسْئَلْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ یَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَیْبَ فِیْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۔ کیا ان دنیا بھر کے منکرین قیامت کفار نے دن رات چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے اپنی اس حیاتِ دنیوی کے سفر و حضر میں دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے آسمان اور آسمان کی چیزوں زمین اور زمین کی چیزوں کی طرف نظر دوڑاتے ہوئے یہ نہیں دیکھا سمجھا جانا اور محسوس کیا کہ بے شک

فقط اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس نے ابتداء سے ہی بغیر کسی نمونے کے محض اپنی قدرت کے سازوسامان سے اتنے بڑے بڑے آسمانوں اور اتنی بڑی کھلی زمین کو پیدا فرما دیا۔ یقیناً وہی اللہ ہر طرح کی قدرت و قوت ہمیشہ ہمیشہ رکھنے والا ہے اس معمولی بات پر بھی کہ ان کافرین منکرین کو مرتے ریزہ ریزہ ہونے ہڈی اور خاک ہو جانے رہ جانے کے بعد پھر دوبارہ اپنی قدرت کاملہ سے پیدا فرما دے پہلے بھی تو اسی خالق تعالیٰ نے ان کے جسم بدن ہڈی گوشت پوست اسی مٹی سے پیدا فرمائے تھے۔ مفسرین یہاں قادرٌ کے دو معنی بیان فرماتے ہیں ایک یہ کہ وہ قادر ہے اسی کو دوبارہ بنانے پر اور دوم یہ کہ وہ قادر ہے نئی مخلوق پیدا کرنے پر اس بات کی حقیقت اور اندرونی بھید کو وہی جل سبحانہٗ جانتا ہے کہ اس کھال ہڈی اور لحمیات کو کس طرح مٹی سے پیدا کیا۔ مٹی نے یہ شکل کس طرح اختیار کر لی انسان تو ایک گھاس تنکے کی اصلی حقیقت کو نہیں جانتا جب خالق تعالیٰ نے بالکل ہی مٹی سے انسان کا ہر طرح مکمل جسم پیدا فرما دیا تو دوبارہ فقط ہڈیوں پر گوشت چڑھا دینا تو اس سے زیادہ آسان ہے اور بکھری ہڈیوں راکھ کے ڈھانچے اور ٹوٹے ریزوں کو جوڑنا تو سہل تر ہے۔ اس گھروندے کو دوبارہ مرمت کر کے اس میں اسی پہلی روح کو داخل کر دینا اللہ کے نزدیک کیا مشکل ہے۔ اور جس طرح رب نے ہر چیز کے آتے جانے بننے بگڑنے۔ نئے پرانے۔ بقا۔ فنا ہو جانے کے لیئے ازل سے ہی ایک وقت اور مدت مقرر و متعین فرما دی ہے اسی طرح ان کفار و منکرین کے لیے بھی ہر موت و حیات قبر و حشر قیامت و محشر کی اٹل مدت و میعاد رب تعالیٰ نے بنا ڈالی ہے۔ اور دن رات لوگوں کے مرنے جینے سے ان کو بھی اس بات کا قلبی اندازہ ہے کہ مولیٰ تعالیٰ کے اس پروگرام میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے۔ لیکن ان اندھوں، احساسوں عقلوں سمجھوں اور دید و شنید کے باوجود ان اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے کفار و فساق اور دنیا میں مست غافلوں نے ہر بات ہر چیز ہر حقیقت و اصلیت کا انکار ہی کیا۔ اور ہر نعمت سہولت کا کفران و ناشکری ہی کی۔ بس ان کے تو ہر نبی سے یہی مطالبے یہی لالچیں حرص و خواہشات ہوتی رہیں کہ ہم کو یہ مل جائے وہ مل جائے۔ یہاں باغات ہوں، یہاں نہریں ہوں ایسے کھیت ہوں ایسے کھلے میدان ہوں موجودہ اتنی کثیر نعمتوں کا شکر ایک بھی نہیں ناشکری بدخصلتی حد سے زیادہ مطالبے عقل کے بھی خلاف چاہتے ہیں سب کچھ ان کے ہی قبضے میں ہو جائے۔ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ ۭ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۔ فرما دیجئے اے پیارے نبی ان بے ہودہ اور لالچ بھرے مطالبے کرنے والوں سے کہ اگر تم ہی فرضِ محال میرے رب کی رحمت کے خزانوں کے مالک بن گئے ہوتے تب تو تم لوگ اپنی جبلی عادت فطری خصلت اور پیدائشی محتاجی کی وجہ سے ہر چیز روک کر رکھ لیتے نہ کھاتے نہ کھلاتے نہ دیتے نہ دلاتے اس ڈر خوف سے کہ ہائے کہیں یہ خزانے ختم نہ ہو جائیں اور اگر کبھی کسی کو دیتے بھی تو ہزار نخروں سے اور یا اس کی تجارت ہی بنا لیتے خوب مہنگا کر کے دوگنے چوگنے بھاؤ سے بیچتے کہ بے چارے غریب خرید ہی نہ سکتے یا اس

دینے میں بھی اپنے پرائے کا سلسلہ شروع ہوجاتا۔ یا اپنے نام و نمود مدحت و ثنا اور دکھلاوے ریا کے لیے خرچ کرتے اور دیتے ۔غرضیکہ ہر طرح کی کنجوسی سے اللہ کے رزق اور بندوں کی حاجتوں ضرورتوں میں قسم قسم کی رکاوٹیں کھڑی کرتے اور انسان ہے نہایت کنجوس بخیل ممسک ۔مفسرین نے فرمایا انسان سے مراد عام تا قیامت انسان ہیں بعض نے فرمایا عام کافر مراد ہیں اس لیے کہ کافر عام طور پر کنجوس ہی ہوجاتے ہیں ۔بعض نے کہا انسان سے مراد یہاں یہی سرداران مکہ ہیں کہ وہ حاجیوں اور زیارت کعبہ کے مسافروں سے لینے کے ہی عادی تھے دینے میں انتہائی کنجوس تھے اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ جو لینے کا عادی ہو وہ دینے سے تنگ دل ہوتا ہے ۔گداگروں کو اور ہندو مہاجنوں کو دیکھو لوکر جمع کرکر کے مرجائیں گے گل گل کر کھائیں گے نہ کھلائیں گے ۔اسی لیے اسلام نے گداگری کو حرام قرار دیا اور زکوٰۃ، فطرانہ قربانی حج صدقات خیرات عطیات نان نفقہ گیارھویں بارھویں تیجہ چہلم وغیرہ ختمات کو جاری فرمایا تاکہ مسلمان کو کنجوسی کی بیماری نہ لگے اور دینے دلانے کی عادت پڑی رہے ۔جو لوگ گیارھویں شریف وغیرہ ختم و صدقات اور ہر قسم کے عطیات کو بلا دلیل حرام حرام کی رٹ لگاتے پھرتے ہیں وہ دراصل ہندو ماحول کے پروردہ ہونے کی بنا پر ہندو ذہنیت ہی رکھتے ہیں اور اسی طرح اللہ کے رزق کی خیرات میں رکاوٹیں ڈالتے ہیں جس کا ذکر یہاں فرمایا گیا ۔یہ میرے رب کی کریمانہ فیاضی ہے کہ جس نے اپنے آسمانوں کو خزانوں کا ڈپو اور مستودع و مخزن بنا دیا اور اپنی زمین کو مخلوقات کا دستر خوان بنا دیا کہ دوست دشمن کافر مومن انسان حیوان سب کھائیں برتیں فیض پائیں اور بانٹنے والے نبی کو تمام خزانوں کی چابیاں دینے سے پہلے ہی رحمۃ للعالمین بنا دیا اب نہ خالق کی عطائیں کچھ رکاوٹ نہ مالک کی تقسیم میں ہر شخص کائنات کو ضرورت سے زیادہ ہی مفت مل رہا ہے لیکن یہ بدنصیب کفار لالچی اب بھی مطالبے کئے جا رہے ہیں ،اور جھوٹے ایمان کے وعدے کرکے دھوکہ دینا چاہتے ہیں ۔ان سے پہلوں کے اتنے مطالبے اور آرزوئیں پوری کی گئیں وہ کب بندہ بنے ۔ان موجودہ بھی یہودیوں عیسائیوں کو معلوم ہے کہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ فَسْئَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّىْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ۔ اور البتہ بے شک اس سے پہلے ہم فرعون مصر کو بندہ بنانے قوم فرعون قبطیوں کو سمجھانے اور بنی اسرائیل کو ایمان پر قائم رکھنے کے لیے اپنے پیارے کلیم موسیٰ علیہ السلام کو بہت بڑی بڑی عجائبات قدرت کی نو نشانیاں نو معجزات اور نو ہی شریعت کے احکام قانون عطا فرمائے ۔ اے ایمان کے خواہش مند یا اے نئے نئے معجزات کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مطالبہ کرنے والے ذرہ بنی اسرائیل قوم موسیٰ علیہ السلام ان موجودہ یہود و نصاریٰ سے پوچھ کر معلومات تو کر جب موسیٰ ان فرعون و فرعونیوں کے پاس بھرے دربار شاہی میں آئے اور فرعون کو نہایت شانت وقار اور نڈر ہو کر فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کا اولو العزم نبی رسول و مرسل ہوں صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہوں اے فرعون تیرا عقیدہ شرک تیرا دین کفر، تیرا

دعوئے خدائی وادعاء معبودی اور لوگوں سے اپنے آپ کو اپنے بتوں کو سجدے کرانا سب کچھ غلط اور تیری حکومت ختم ہونے والی ہے تو کہا ان کو فرعون نے اے موسیٰ تجھ کو کیا ہوگیا ہے تو ہمارے پاس پلا بڑھا جوان ہوا پھر ہمارے ایک آدمی کو مار کر دور کہیں بھاگ گیا وہاں لوگوں کی بکریاں چراتا رہا۔ شاہی آرام چھوڑ کر وہاں گاؤں میں روکھی سوکھی کھاتا رہا اور اب آکر ایسی بہکی بہکی باتیں کر رہا ہے یقیناً تجھ پر کسی نے جادو کر دیا ہے تو مسحور ہو چکا ہے۔ اچھا اگر تو نبی ہے تو کوئی معجزہ دکھا موسیٰ علیہ السلام نے عصا اور ید بیضا کا عجب معجزہ دکھایا تو بولا تو ضرور کہیں سے یہ جادو کے کھیل سیکھ کر آیا ہے اور تو مسحور یعنی جادو سیکھا ہوا ہے اور ساحر ہے۔ مفسرین نے مسحور کے معنیٰ میں دو قول بیان فرمائے ہیں ۱ لفظ مسحور اپنے اسم مفعول کے معنیٰ میں ہے یعنی ان پر کسی نے جادو کر دیا ہے ۲ مسحور بمعنی ساحر یعنی اس نے اپنا سیکھا ہوا جادو ہم پر کر دیا۔ جیسے کہ مشئوم بمعنی شوم اور نحوست والا اور میمون بمعنی یمن و برکت والا۔ دونوں معنیٰ کے اعتبار سے مقصود ہے کہ اے موسیٰ تم مسحور ہو اقوال میں اور تم ساحر ہو افعال میں فَسْئَلْ میں چار قول ہیں۔ ایک یہ کہ اے نبی تم پوچھو دوم یہ کہ اے موسیٰ تم پوچھو۔ اس معنیٰ میں یہ امر پچھلے زمانے کی حکایت ہوگا سوم یہ کہ اے مکے کے رہنے والے منکر تو پوچھ۔ چہارم یہ کہ یہ فعل امر نہیں بلکہ فَسَئَلَ ماضی ہے اور معنی یہ ہے کہ جب ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نشانیاں دیں تو انہوں نے وہاں مصر میں جا کر بنی اسرائیل سے ان کا حال احوال اور آئندہ کا ارادہ پوچھا واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ (تفسیر کبیر۔ خازن۔ مدارک مظہری فتح القدیر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ کی طرف سے نو نشانیاں ملیں اور نو ہی معجزے ملے اور نو ہی شرعی احکام ملے اور نو ہی بنی اسرائیل کو سہولتیں اور انعام ملے۔ اس میں مفسرین کرام کا اختلاف ہے کہ یہاں آیت سے کیا مراد ہے بعض نے فرمایا کہ نشانات قدرت مراد ہیں۔ ۱ زبان کی لکنت دور ہونا ۲ آسمانی طوفان ۳ ٹڈیوں کا عذاب ۴ جوؤں کا عذاب ۵ خون کا عذاب ۶ مینڈک کا عذاب ۷ ایک گھونسے تھپڑ سے قبطی کا مرجانا ۸ طور پر کلیم اللہ ہونا ۹ دریا میں راستہ بن جانا۔ بعض نے کہا کہ آیت سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے ہیں۔ پہلا عصا کا سانپ بن جانا دوسرا ید بیضا تیسرا بد دعا سے رزق اور پھلوں کا کم ہو جانا چوتھا ایک کافر خاوند بیوی کا ہم بستری کرتے ہوئے اور ایک گستاخ عورت کا روٹی پکاتے ہوئے پتھر بن جانا پانچواں طور پر ستر بنی اسرائیل کا مرنے کے بعد زندہ ہونا چھٹا فرعون پر رعب چھا جانا ساتواں جادوگروں کا مومن بن جانا آٹھواں پتھر سے چشمے جاری ہونا نواں آپ کی پیشگوئی اور غیبی خبر دینے سے قحط آجانا۔ لیکن ابوداؤد نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، مستدرک حاکم نے حسن صحیح حدیث روایت فرمائی کہ صفوان بن عسال نے فرمایا ایک یہودی نے دوسرے یہودی سے کہا چلو اس نبی کے پاس کچھ باتیں پوچھیں تو دوسرے نے کہا کہ تم اس کو نبی نہ کہو ورنہ ان کی نظر میں چار آنکھیں ہوں گی (معاذ اللہ) خیر دونوں حاضر بارگاہ ہوئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ کی نو آیتیں کیا تھیں تو نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم نے جواب فرمایا کہ اول شرک نہ کرو دوم چوری نہ کرو سوم زنا نہ کرو چہارم ناحق ظلماً قتل نہ کرو پنجم جادو نہ کرو ششم سود نہ کھاؤ ہفتم کسی پاکدامن عورت کو تہمت نہ لگاؤ ہشتم جنگ کے دن بزدلی سے پیٹھ دکھا کر نہ بھاگو نہم کسی بے گناہ مظلوم کو ظالم حاکم کے پاس سزا اور قتل کے لیے مت لے جاؤ۔ اور دسواں حکم صرف یہودیوں کے لیے کہ تم ہفتے کی عزت کرو اور اس دن کوئی دنیوی کام نہ کرو۔ یہ سن کر دونوں یہودیوں نے آپ کے ہاتھ اور پاؤں چومے اور کہا کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ تعالٰی کے سچے نبی ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ پھر تم ایمان کیوں نہیں لاتے تو دونوں نے عرض کیا کہ ہم کو اپنی قوم کا ڈر ہے وہ ہم کو قتل نہ کردیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ آیت سے مراد وہ نو انعام اور نعمتیں ہیں جو فرعون کے غرق ہونے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی برکت و طفیل سے بنی اسرائیل کو ملے اول مقام طیہ میں پہاڑوں کا سایہ ثانی بادلوں کا جمع رکھ کر ٹھنڈک پیدا کرنا ثالث من و سلویٰ اترنا رابع کپڑے میلے نہ ہونا۔ خامس بدن میلے اور پلید نہ ہونا سادس گرمی سردی کا موسم نہ آنا ایک جیسا موسم رہنا۔ سابع ہر قبیلے کا چشمہ علیحدہ ہونا۔ ثامن گائے کے ٹکڑے سے مقتول کا زندہ ہو کر قاتل کا پتہ دینا تاسع سارے جہانوں پر فضیلت پانا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ یہ بات مشاہدات عالم میں سے ہے کہ جس نے بھی معجزہ طلب کیا وہ ہدایت نہ پاسکا اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے مطالبے پورے کرنے کی اجازت الٰہی نہ ملی۔ یہ فائدہ فَاَبٰی الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** ہر چیز قانون فطرت کے قبضے میں ہے اور ہر چیز کا ایک وقت مقرر ہے لہٰذا مسلمانوں کو کسی چیز میں جلدی نہیں کرنی چاہیے۔ جلد بازی کفار اور شیطانی لوگوں کا کام ہے۔ یہ فائدہ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** رب تعالٰی کی ہر وہ قدرت جو کسی نبی علیہ السلام کے زمانے میں ان کی قوم پر نازل ہو وہ اُن نبی علیہ السلام کا معجزہ ہے خواہ وہ کسی کے لیے فائدہ مند ہو یا نقصان وہ عجیب اشیا میں سے ہو یا عذاب آسمانی یا ناگہانی آفت۔ لہٰذا تا قیامت۔ ساری دنیا کے اندر جو بھی قدرتی چیز ظاہر ہوگی وہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہوں گی یہ فائدہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍ (الخ) سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ ان نو چیزوں میں کچھ وہ عذاب تھے جو فرعونیوں کو عبرت دلانے کے لیے آئے اور کچھ وہ جو ہلاک کرنے کے لیے بلاواسطہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئے مگر سب کو آیت موسٰی میں شمار فرمایا گیا۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ سیلاب نوحی اور طوفان لوطی نوح علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کا معجزہ تھا اسی لیے ہم کہہ سکتے کہ موجودہ دور میں نئی ایجادات اور قدرتی ذخائر کا اخراج وغیرہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ ہیں۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: بزرگوں کے ہاتھ پاؤں منہ لگا کر چومنے بالکل جائز ہیں یہ مسئلہ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى (الخ) کی تفسیر و شان نزول سے مستنبط ہوا کیونکہ تمام مفسرین

فرماتے ہیں کہ جب دو یہودیوں نے آپ سے نو آیت کے بارے میں استفساری سوال کیا اور آپ نے پوری نو آیتیں گن کر بتادیں تو دونوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ بھی چومے اور پاؤں بھی اور آقاءِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے منع بھی نہ فرمایا۔ اگر ناجائز ہوتا جس طرح کہ وہابی غلط بیانی کرتے ہیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سختی سے منع فرمادیتے دوسرا مسئلہ: انبیاءِ کرام سے معجزات طلب کرنا گناہ ہے۔ کفار کا طریقہ ہے۔ البتہ جھوٹے مدعی سے معجزے طلب کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ جھوٹے کو کامل جھوٹا سمجھتے ہوئے اس کو ذلیل اور شرمندہ کرنے کے لیے مطالبہ کرنا جائز ہے بشرطیکہ اپنے دین پر اتنا کامل بھروسہ ہو کہ اگر وہ جھوٹا کوئی جادو یا شعبدہ بھی دکھادے تو یہ مذبذب یا مائل نہ ہو جائے جیسا کہ حضرتِ اعلیٰ پیر ... شاہ صاحب قبلہ نے مرزا قادیانی سے طلب کر کے اس کو ذلیل کیا اوّلاً تو مشاہدہ ہے کہ جھوٹے مدعی نبوت سے کوئی شعبدہ وغیرہ بھی سرزد نہیں ہوسکتا۔ اگرچہ بہت محنت سے سیکھ کر آئے دوم صورت یہ کہ اس کو ذرا سا سچا یا غالباً سچا سمجھ کر معجزہ کا مطالبہ کرنا۔ پہلی صورت تاقیامت جائز ہے۔ مگر دوسری صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف سے پہلے جائز تھی لیکن تشریف آوری کے بعد قطعاً حرام ہے اس لیئے کہ پہلے تو سچے انبیاء ہر جگہ ہر قوم میں آسکتے تھے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے نبوت بند ہوگئی اب کوئی مدعی ہو تو وہ جھوٹا اور خبیث ہی ہوگا۔ تیسرا مسئلہ۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اگر رب تعالیٰ دولت دے تو اللہ کی راہ میں ختم درود میں عید میلاد، گیارہویں، بارہویں میں خوب خرچ کریں خاص کر زکوٰۃ فطرانہ قربانی خوب زبردست پابندی سے ادا کریں کیونکہ یہ دولت کنجوسی کے لیے نہیں دی جاتی بلکہ اس میں تو ہزاروں انسانوں کے حقوق شامل ہوتے ہیں، امیر آدمی تو مثل بینک اکاؤنٹنٹ کے صرف اپنی تنخواہ کا حق دار ہے یہ مسئلہ قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ کے وعیدی الفاظ اور رحمۃ رَبِّیْ والی عبارت کے ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیئے جاسکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَوْ اَنْتُمْ نحوی قوانین کے مطابق یہ درست معلوم نہیں ہوتا کیونکہ حرف لَوْ ہمیشہ فعل سے خاص ہوتا ہے اسم پر نہیں آسکتا۔ اس لیے کہ لَوْ نفی تعلیقی پیدا کرتا ہے یعنی اگر یہ ہے تو وہ ہے یہ نہیں تو وہ نہیں اور نفی ہمیشہ صفات کی ہوتی ہے نہ کہ ذات کی اسم کا تعلق ذات سے ہوتا ہے وہ ذات پر دلالت کرتا فعل کا تعلق ہے آثار۔ احوال اور صفات سے فعل ان پر دلالت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ لَوْ فعل پر داخل ہوسکتا ہے اسم پر نہیں اب یا تو یہ قانون نحوی غلط ہے یا یہ عبارت (مرزائی) جواب۔ نہ قانون نحوی غلط ہے نہ یہ عبارت بلکہ تمہاری عقل و فہم غلط ہے خیال رہے کہ حرف لَوْ اسم مشتق اور عامل پر داخل نہیں ہوتا یہاں اَنْتُمْ اسم تو ہے مگر نہ یہاں عامل رہا ہے کیونکہ عامل صرف اسم مشتق ہی ہوتا ہے۔ بلکہ تَمْلِكُوْنَ کا معمول فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع پوشیدہ ہے اور مبتدا ہے۔ یا یہاں ایک فعل پوشیدہ ہے تو گویا لَوْ فعل پر ہی داخل ہوا ہے۔ اَنْتُمْ صرف حصر کے لیئے مقدم ہوا۔ دوسرا اعتراض یہاں ہے کہ فرعون نے حضرت موسیٰ کو مسحور یعنی جادو شدہ کہا جس سے ثابت ہوا کہ فرعون کو یہ معجزات دیکھ کر جادو کا گمان ہوا حقیقتِ حال کا پتہ نہ لگا تو پھر موسیٰ نے لَقَدْ عَلِمْتَ کیوں فرمایا، جواب۔ یہی بتانے کے لیے کہ اے فرعون تیرا مجھ کو مسحور یا ساحر کہنا۔ یہ تیری ہٹ دھرمی اور ضد و عناد ہے ورنہ حقیقت کو تو جان چکا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔ (ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۱۰۵ کے بعد ہوگی انشاء اللہ)

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ

فرمایا موسیٰ نے بے شک تو نے جان ہی لیا ہے کہ نہیں نازل کرسکتا کوئی ان قدرتوں کو سوائے آسمانوں

کہا یقیناً تو خوب جانتا ہے کہ انہیں نہ اتارا مگر آسمانوں اور

السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ ۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ

زمینوں کے رب کے عقلیں کھولنے والی نشانیاں اور یقیناً میں سچا گمان کرتا ہوں تجھ کو

زمین کے مالک نے دل کی آنکھیں کھولنے والیاں اور میرے گمان میں تو

یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا ﴿۱۰۲﴾ فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ

اے فرعون لعنت و ہلاکت میں پڑا ہوا۔ تو ارادہ کر لیا فرعون نے کہ نکال ڈالے ان قوم موسیٰ کو

اے فرعون تُو ضرور ہلاک ہونے والا ہے۔ تو اس نے چاہا کہ ان کو زمین سے

مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ

روئے زمین سے۔ پس ہم نے اسی کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو

نکال دے۔ تو ہم نے اُسے اور اس کے ساتھیوں سب کو

جَمِیْعًا ﴿۱۰۳﴾ لا وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ

ڈبو دیا۔ اور کہا ہم نے اس غرق کے بعد بنی اسرائیل کو کہ

ڈبو دیا۔ اور اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے فرمایا

اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ

اب ایمان داری سے رہو تم اس علاقے میں پھر جب آئے گا آخرت کا وعدہ

اس زمین میں بسو پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا۔

جِئۡنَا بِکُمۡ لَفِیۡفًا ﴿۱۰۴﴾ وَ بِالۡحَقِّ اَنۡزَلۡنٰہُ وَ

لائیں گے ہم تم سب کو اکٹھا محشر میں اور حفاظت و صداقت سے نازل کیا ہم نے اس قرآن کو اور

ہم تم سب کو گھال میں لے آئیں گے اور ہم نے قرآن کو حق ہی کے ساتھ

بِالۡحَقِّ نَزَلَ ؕ وَ مَاۤ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا مُبَشِّرًا

صداقت و حفاظت سے ہی اترتا رہا ہے اور نہیں بھیجا ہم نے آپکو مگر با اختیار بشارتیں دینے والا

اتارا اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا ...... مگر خوشی

وقف لازم

وَّ نَذِیۡرًا ﴿۱۰۵﴾ۘ

اور ڈر سنانے والا بنا کر۔

اور ڈر سناتا۔

تعلق ان آیتِ کریم کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت پاک میں حضرت موسٰی کا فرعون کے پاس جانے اور اس کو چند معجزات دکھلانے اور فرعون کا کفریہ گستاخانہ باتیں کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیت میں حضرت موسٰی کا وہ کلام درج ہوا جو آپ نے فرعون کے بھرے دربار میں نہایت دلیری قوت طاقت اور بہادری سے فرعون کے سامنے تبلیغی طور پر ذکر کیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت پاک میں فرعون کی دینوی حکومت کی وجہ سے شانِ نبوت کی گستاخی کا ذکر ہوا کہ چند روزہ دولت حکومت کے نشے اکڑ غرور میں کتنے گستاخ ہو جاتے ہیں۔ اب ان آیت پاک میں گستاخیوں کی دینوی سزا کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرعون کو کیسی عبرت ناک سزا ہوئی۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اس سرکش انسان کا ذکر ہوا تھا جو خدا تعالٰی کا منکر بلکہ خود خدا بنا ہوا تھا اب ان آیات میں ان سرکش بنی اسرائیل کا ذکر ہوا جو ہر بات میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے منکر ہو کر علیحدہ اپنا خدا معبود بچھڑا بنا بیٹھے۔

شانِ نزول بعض مؤرخین نے فرمایا کہ جب مشرکینِ مکہ کے مطالبات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم نہ فرمائے اور رد فرما دئے تو یہودیوں نے ان مشرکین سے کہا کہ اگر ہماری یہ باتیں مانی جاتیں تو ہم یقیناً ایمان لے آتے تب یہ چھ آیتیں از آیت ۹۹ تا آیت ۱۰۴ نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا کہ حضرت موسٰی کے معجزات دیکھ کر بھی ان

پر تم لوگ ایمان نہ لائے اور بچھڑے کو خدا بنا بیٹھے تو اب کیا لاتے۔

تفسیر نحوی

قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع حضرت موسیٰ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا لام تاکید یہ قَدْ عَلِمْتَ ماضی قریب مثبت معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل مرجع فرعون مَآ اَنْزَلَ ماضی مطلق منفی معروف باب افعال سے نُزُوْلٌ مادہ معنیٰ اترنا لازم ہے مصدر اِنْزَالٌ معنیٰ ہے اتارنا متعدی بیک مفعول ہو گیا۔ اِفعال ان مصادر سے ہے جن کو متعدی بنانا پڑتا ہے لیکن عَلِمْتَ وغیرہ وہ مصادر ہیں جو خود بخود اصلاً ہی متعدی بیک مفعول ہیں تقریباً کل تینیس ۳۳ مصدر ہیں جو اصل متعدی ہوتے ہیں۔ مَآ اَنْزَلَ کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع ذہنی مَنْ موصولہ عمومیہ ہے بمعنیٰ کسی نے مستثنیٰ منہ ہے هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ جمع ہے مذکر مونث سب کے لئے بولا جاتا ہے اس کا مشار الیہ تسع آیات ہے یہ اسم مفعول ہے مَآ اَنْزَلَ کا اِلَّا حرف استثنا مفرغ رَبُّ اسم مفرد صفاتی نام ہے باری تعالیٰ جل مجدہٗ کا مضاف السَّمٰوٰتِ تمام آسمان۔ جمع مونث سالم ہے سَمَآءٌ کی واؤ عاطفہ الْاَرْضِ اسم جامد بمعنیٰ تمام روئے زمین معطوف ہے یہ دونوں عطف مل کر مضاف الیہ مرکب اضافی مستثنیٰ ہے تمام استثنا مل کر فاعل ہوا مَآ اَنْزَلَ کا۔ بَصَآئِرَ اسم جمع منتہی الجموع واحد ہے بَصِیْرَۃٌ بمعنیٰ عقل کی روشنی مفتوح ہے کیونکہ مفعول لہٗ ہے مَآ اَنْزَلَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مفعول بہ ہوا قَدْ عَلِمْتَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ واؤ سر جملہ اِنِّیْ دراصل ہے اِنَّ ی۔ اِنَّ حرف تحقیق یْ ضمیر واحد متکلم اس کا اسم۔ لام لَ برائے تحقیق و تاکید۔ اَظُنُّ صیغہ واحد متکلم باب نَصَرَ سے ہے ظَنٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ خیال کرنا گمان کرنا مضارع حال ہے كَ ضمیر کا مرجع فرعون منصوب متصل مفعول بہ اَظُنُّ کا اور ذو الحال ہے مَثْبُوْرًا کا۔ یٰفِرْعَوْنُ جملہ ندائیہ بیچ میں آیا حصر تاکیدی کے لئے اصل میں یہ پہلے تھا اور عبارت اس طرح تھی یٰفِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ مَثْبُوْرًا ...... اسم مفعول ثُبُوْرٌ سے بنا ہے لغوی معنیٰ ہے روکنا۔ روکا جانا مجازی معنیٰ ہلاک کرنا ہلاک ہونا یہاں معنیٰ ہیں ہلاک کیا جانا بر باد ہونا سببی معنیٰ ہے بے عقل ہونا۔ اصطلاحی معنیٰ ہیں نیکی سے یا کسی اچھے کام سے روکا جانا اہل لغت فرماتے ہیں کہ اللہ کی توفیق سے روکا جانا ثُبُوْرٌ ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعامات سے روکا جانا لَعْنٌ و لَعْنَتٌ ہے مَثْبُوْرًا بحالت نصب ہے حال ہے۔ كَ ضمیر کا وہ دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اَظُنُّ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ ندا۔ یٰ حرف ندا قائم مقام اَدْعُوْ کے اَدْعُوْ فعل مضارع پوشیدہ اَنَا ضمیر متکلم فاعل فِرْعَوْنُ منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس لئے ضمہ پر مبنی ہے حقیقی اعراب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اَدْعُوْ پوشیدہ کا۔ منادیٰ جب مضاف نہ ہو۔ ظاہر نہ منوی تو ضمہ پر مبنی ہوتا ہے اگرچہ اسم متمکن معرب ہو۔ اَدْعُوْا اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ندا ہوا اور اپنے جواب سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قول دونوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔

فَ تعقیبیہ اَرَادَ باب افعال کا ماضی مطلق ھُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے مرجع فرعون اَنْ ناصبہ یَسْتَفِزَّ باب استفعال سے مضارع معروف اس کا مصدر ہے اِسْتِفْزَازٌ فَزٌّ مضاعف ثلاثی ہے بنا ہے چار معنی میں مشترک ہے بلا بھگانا۔ اکھاڑنا۔ حقیر کر کے ذلت سے دھکا دینا۔ غلبہ پانا۔ قدم اکھیڑنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر مستتر فاعل ہے مرجع فرعون ھُمْ ضمیر مفعول بہ کا مرجع بنی اسرائیل ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ ابتداء غایت کے لئے اَلْاَرْضِ بمعنی اپنا علاقہ سلطنت یعنی ملک مصر۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَسْتَفِزَّ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مفعول بہ ہے اَرَادَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَ حرف تعقیب یہاں بمعنی ثُمَّ ہے برائے تراخی اَغْرَقْنَا۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق معروف۔ جمع متکلم فعل بافاعل اِغْرَاقٌ مصدر بمعنی ڈبو کر ہلاک کرنا غرقٌ مادہ بمعنی ڈوبنا ہٗ ضمیر بارز کا مرجع فرعون یہ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ مَنْ موصولہ اسم عمومی جنسی مراد ہیں تمام فرعونی مَعَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد بارز مضاف الیہ مرجع فرعون یہ مرکب اضافی صلہ ہے موصول صلہ ذوالحال۔ جَمِیْعًا۔ اسم مصدر ہے یا صفت مشبہ ہے بمعنی تمام ہونا مراد ہے سب کے سب تمام عملہ بحالت نصب ہے حال ہے۔ مَنْ مع کا۔ یہ دونوں مل کر معطوف سب عطف مل کر مفعول بہ ہوا اَغْرَقْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا

واؤ دوسرے جملہ قُلْنَا فعل ماضی صیغہ جمع متکلم۔ فاعل اللہ۔ یہ فعل بافاعل ہو کر جملہ قولیہ کا قول ہوا مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ۔ بَعْدِ اسم ظرف زمانی مضاف ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے اِغْرَاقٌ مجرد متصل کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور جار مجرور مل کر متعلق اوّل ہے قُلْنَا کا۔ لام متعدی کا۔ بَنِیْ دراصل تھا بَنِیْنَ جمع مذکر سالم بحالت کسرہ نون اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گئی اسرائیل عجمی علم ہے اس لئے غیر منصرف۔ بحالت کسرہ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے غیر منصرف کو بحالت کسرہ نصب ہوتا ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے قُلْنَا کا یہ فعل فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ قول ہوا۔ اُسْكُنُوْا باب نَصَرَ کا امر حاضر جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع پوشیدہ اس کا فاعل مرجع بنی اسرائیل سَكُنٌ سے مشتق ہے بمعنی رہائش رکھنا۔ وطن بنانا۔ سکون سے رہنا۔ الف لام عہد خارجی اَرْضٌ بمعنی زمین مراد ہے علاقہ مصر۔ مفتوح ہے کیونکہ مفعول فیہ ہے اُسْكُنُوْا کا۔ وہ فعل فاعل مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ اِذَا حرفِ شرط ظرفیہ زمانیہ جَآءَ۔ فعل ماضی بمعنی مستقبل ماضی کو اظہار یقین کے لئے لایا گیا گویا آ ہی گیا۔ وَعْدُ۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی فیصلہ۔ عہد وقت۔ میعاد۔ مدت۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے مضاف ہے۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ آخِرَةِ۔ اسم فاعل مؤنث یہ مرکب فاعل ہے جَآءَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر یا خبریہ ہو کر شرط ہوئی۔ جِئْنَا باب ضَرَبَ کا ماضی صیغہ جمع متکلم بَ جارہ تعدیہ کی کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متعلق ہے جِئْنَا کا اس ترکیب سے لَفِیْفًا کا ترجمہ ہے کہ گھرے ہوئے ۔ لپٹے ہوئے پلٹے ہو گئے اس

معنی میں یہ لازم ہے۔ اگر لَفِيفًا حال ہو جِئْنَا کے فاعل کا تو ترجمہ ہوگا ہم گھیر کر لپیٹ کر ہانک کر لائیں گے اس معنی میں یہ لَفِيفًا متعدی ہے۔ یہ سب مل کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر معطوف ہے اُسْكُنُوا کا۔ یہ سب عطف مل کر مقولہ ہوا۔ قُلْنَا اپنے مقولہ سے مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ ب جارہ بمعنی مَعَ۔ الف لام استغراقی یا عہد ذہنی حَقٌّ اسم مفرد۔ آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ یہاں معنی ہیں سچا مکمل قانونِ الٰہیہ۔ اَنْزَلْنَا باب افعال کا جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ وہ ضمیر مفعول بہ مرجع ذہنی قرآن مجید بالحق جار مجرور متعلق مقدم ہے اَنْزَلْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ دوسرے جملہ بِ حرف جار بمعنی مَعَ ظرفیہ مکانیہ یعنی حق کے ساتھ اَلْحَقِّ اسم مفرد جامد بمعنی مضبوطی سچائی یہ جار مجرور نَزَلَ کا متعلق مقدم ہے نَزَلَ باب نَصَرَ کا ماضی ہے هُوَ مستتر اس کا فاعل مرجع ذہنی قرآن مجید نُزُولٌ سے بنا ہے لازم ہے بمعنی اترنا۔ یہ سب مل کر علیحدہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ دوسرے جملہ۔ مَا اَرْسَلْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق منفی جمع متکلم۔ فاعل مخاطِب اللہ تعالیٰ کَ ضمیر مخاطبہ کا مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ہے۔ اِلَّا حرفِ استثنا مفرغ اس لئے کہ مستثنیٰ منہ صفتاً اور حالاً پوشیدہ ہے مُبَشِّرًا باب تفعیل کا اسم فاعل ہے اس کا مصدر ہے تَبْشِيْرٌ ترجمہ ہے خوشی کی خبر سنانا جس سے چہرے کی کھال پر رونق آجائے سرور کے نشانات کھال پر ظاہر ہوں کھال کا سکڑنا چکنا اصطلاح میں مسکراہٹ ہوتی ہے۔ ہنسنے کو اسی معنی میں کھلکھلانا کہتے ہیں مادہ ہے بَشَرٌ یا بُشْرٌ یہ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ نَذِيرًا اسم صفت مشبہ نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرانا حقیقتاً دائمی متعدی ہوتا ہے۔ معطوف ہے سب عطف مل کر مستثنیٰ ہوا۔ پوشیدہ مستثنیٰ منہ کا دونوں مل کر مفعول لہٗ ہوا فعل کا یا حال ہوا کَ ضمیر کا اور وہ ذوالحال دونوں مفعول بہ ہوگئے۔ اَرْسَلْنَا کا یہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ هٰۤؤُلَاۤءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَاۤئِرَۚ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا فَاَرَادَ اَنْ یَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِیْعًا

فرمایا ہمارے کلیم موسیٰ نے کہ اے فرعون زبان سے اگرچہ تو نے میری دینی شرعی مذہبی باتوں کو سن کر مجھ کو مسحور اور جادو زدہ کہدیا اور میرے قوت شوکت ہیبت والے معجزات دیکھ کر مجھکو ساحر جادوگر کہدیا مگر اتنی بہت سی قدرت الٰہیہ کی حیران کن آیتیں دیکھ کر پے در پے مصیبت کے ناگہانی عذاب دیکھ کر تیری عقل دماغ اور دل نے سمجھ لیا اور دل کی گہرائیوں سے تو نے جان لیا کہ یہ مصیبتیں اور یک دم پورے ماحول ہر شخص اور تمام ملاقے پر چھا جانے والے عذاب جادو نہیں ہو سکتے۔ ان آیتوں نشانیوں اور عذابوں کو آسمانوں اور زمین کے رب جَلَّ سبحانہٗ کے سوا کوئی نہیں اتار سکتا یہ امتحانی اور عبرت دلانے والے عذاب ذی عقل کی عقل اور آنکھوں والوں کی نگاہِ عبرت و حسرت کھول دینے کے لئے کافی ہے۔ مگر تو نے حسد۔ ضد۔ عناد۔ جہالت۔ سرکشی۔ غرور۔ تکبر۔ حب دنیا کی وجہ سے ابھی تک انکار و کفر کی راہ ہی پکڑی ہوئی ہے۔ اس لئے بے شک میں مکمل سچا و پکا غالب یقینی گمان کرتا ہوں تجھ کو اے فرعون

تو بہت جلد ہی ہلاک اور لعنتی۔ بھلائی سے محروم ہونے والا ہے تیری خیر نظر نہیں آتی تیرا اخیر ہونے والا ہے۔ تیری یہ جبلّی شرارتی خصلتیں مصروف ممنوع عادتیں۔ ظلم و ہلاکت کے منصوبے۔ ناقص العقل فیصلے معجزات کی بے ادبی توحید سے انکار رسالت کی گستاخی۔ شر اور اہل شر کی حوصلہ مندی یہ سب حرکتیں تیرے مثبور ہونے کا یقین دلاتی ہیں۔ تیرا گمان میرے مسحور ہونے کا تو صرف زبانی ہے ورنہ تیرا ڈرا ہوا دل سہما ہوا بدن مرعوب عقل، اڑا ہوا رنگ۔ دہشت زدہ چہرہ میرے مسحور ہونے کا قائل نہیں تیری یہ وہمی گمانی بات کچی ہے مگر تیری ہلاکت کے متعلق میرا گمان درست ہے کس کی عقل عصا کے معجزے ید بیضا کی قدرت دیکھ کر پھر ہر قبطی گھر میں پانی سالن میں دودھ گھی روٹی میں خون ہی خون دیکھ کر اس کو کسی جادوگر کا کھیل تماشا کہہ سکتی ہے۔ پھر لاکھوں گھروں بازاروں دکانوں بستروں صندوقوں کپڑوں میں مینڈک ہی مینڈک دیکھ کر ابکائیاں لے رہا ہو کہ ہر قبطی کے بدن میں جوئیں ہی جوئیں بھر جائیں اور گرتی بھیریں ہر چیز میں جوئیں ہی نظر آئیں کاٹیں خون چوسیں ابھی اس سے نجات ملی ہو کہ تمام کھیتی باڑی اور دودھ گوشت کے جانور اور گھوڑے گدھے خچر مرنے شروع ہو گئے ابھی ان کا صفایا ہوا ہی تھا کہ بددعاء موسوی کی لگی ہوئی ناگہانی قدرتی آگ جدھر جدھر سے پھیلتی گزرتی گئی وہاں کی ہر شئی جان و بے جان کو راکھ کرتی چلی گئی۔ اس مصیبت سے امن آیا تو ٹڈی مکڑی کا ایسا بھرپور حملہ ہوا کہ سارے کھیت باغات پھول وپھل کو چاٹ کر فنا کر دیا۔ یہ عذاب گزرا تو بڑے بوڑھے قبطیوں نے کسی اندرونی بیماری سے دھڑا دھڑ مرنا شروع کر دیا اور اس سے بھی زیادہ آناً فاناً ہلاک ہو گئے۔ جتنے کہ فرعون نے ظلم سے اسرائیل کے نومولود بچے قتل کرائے۔ کیا ان ملک پر چھا جانے والی آیاتِ قدرت کو کوئی جادو کہہ سکتا ہے۔ لَقَدْ عَلِمْتَ اے فرعون تو جان گیا ہے کہ یہ جادو نہیں بلکہ یہ آیات ظاہرہ معجزات قاہرہ ہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ عَلِمْتُ ہے یعنی حضرت موسیٰ نے کہا کہ میں نے جان لیا یہ قول کسائی نحوی کا ہے اور منسوب ہے مولیٰ علی کی طرف مگر حضرت ابن عباس فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ سے ثابت یہی ہوتا ہے کہ یہاں عَلِمْتَ ہے یعنی اے فرعون تو نے دل سے جان لیا۔ ان تمام حالات آلام و مصائب کو دیکھ کر اسی ہزار جادوگروں سے مقابلہ کرا کر اور ہر طرح شکست کھا کر فرعون نے آخر کار یہی ارادہ کیا کہ تمام بنی اسرائیل۔ موسیٰ علیہ السلام اور ان کی پوری قوم کو روئے زمین سے نیست و نابود کر دیں تو اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا ہم نے خود ہی اس کو اور اس کے تمام ساتھیوں کو بحر قلزم میں عجیب کرشمہ قدرت سے غرق کر دیا۔ یہاں تک کہ روئے زمین پر ایک بھی قبطی اور فرعونی نہیں بچا سب ہلاک ہو گئے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ يَسْتَفِزَّ کا معنیٰ ہے مصر سے نکال دینے کا ارادہ مگر یہ درست نہیں اس لئے کہ نکلنا اور ہجرت کر جانا تو وہ خود بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السلام چاہتے ہی تھے فرعون اور فرعونی بنی اسرائیل کو نکلنے نہیں دیتے تھے اسی لئے موسیٰ علیہ السلام کے حکم سے تمام بنی اسرائیل چھپکر راتوں رات نکلے تھے اور صبح کو فرعون نے دوبارہ پکڑنے گرفتار کر کے واپس لانے کے لئے پیچھا کیا اور سب ڈوب گئے اس لئے۔ صحیح

تفسیر یہی ہے کہ فرعون نے روئے زمین سے ہی ختم کرنے نکال دینے کا ارادہ کر لیا یعنی قتل کرنا۔ وَ قُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِیْفًا۔ وَ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَ بِالْحَقِّ نَزَلَ۔ وَ مَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا۔ فرعون نے اپنی چند روزہ فانی زندگی میں کیا کچھ ظلم خرمستیاں نہ اٹھائیں اس نے حضرت موسیٰ کی گستاخی انکارِ نبوت کرتے ہوئے کیا کیا مطالبے کئے موسیٰ علیہ السلام نے سب پورے کر دیئے اس پر جب بھی کوئی مصیبت کوئی آفت چلی تو حضرت موسیٰ کی دعاؤں سے ہی ٹلی مگر یہ تمام قدرتیں آیتیں معجزے دیکھنے کے باوجود اے کفارِ مکہ بالکل تمہاری طرح ضد ہٹ دھرمی حسد عناد پر قائم رہا تو انجام یہ ہوا کہ ان سب کو ہلاک کرنے کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی نیک پاک مومن متقی فرماں بردار امت بنی اسرائیل کو کہا کہ اے ہجرت کر جانے والو ظلم سے گھبرا کر اپنا دین بچا کر اپنے گھروں کو چھوڑ کر چلے جانے والو جاؤ۔ واپس اپنے انہی گھروں علاقوں اور شہر میں سکون و عافیت کی زندگی گزارو۔ رہو بسو حکومت و شہنشاہی کرو۔ تقوے طہارت نبی کی اتباع اور اللہ کی عبادت میں ہر لمحہ مشغول رہو اور حفاظتِ الٰہیہ میں عیش و آرام کی زندگی گزارو۔ تم اللہ کے دین قانون مسائل احکام کی پابندی و حفاظت کرو تو مولیٰ تعالیٰ تمہارے جان مال عزت و آبرو کی حفاظت فرمائے گا۔ اے کفارِ مکہ تم بھی اپنی کفریہ حرکتوں سے یہی کچھ نقشۂ اعمال بناتے چلے جا رہے ہو تو پھر یاد رکھو کہ موسیٰ و فرعون کا یہ واقعہ اسی لئے سنایا گیا ہے کہ ہم بھی پھر وہی تاریخ دُہرا دیں گے تم کو مغلوب و مقہور کر کے اسی مکے پر مہاجر و انصار پیارے نبی کے فرمانبردار اور اپنے حبیب محمد رسول اللہ کی تا قیامت سلطنت و حکومت قائم فرما دیں گے۔ پھر جب آخرت کا وعدہ آئے گا۔ تو تم سب کے پورے حساب و کتاب سزا و جزا کو جاری کرنے کے لئے تم سب لوگوں کو ہم قبروں سے میدانِ قیامت میں اکٹھا ایک گروہ کی شکل میں لائیں گے وہاں لا کر پھر وَامْتَازُوا الْیَوْمَ اَیُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ۔ کا آوازِ تفارت سنایا جائے گا تو تم سب نیک و بد۔ مومن کافر۔ فاسق و فاجر علیحدہ علیحدہ کر دیئے جاؤ گے۔ وعدہ آخرت کے بارے میں یہاں مفسرین کے تین قول ہیں ایک یہی جو ہم نے بیان کیا دوم یہ کہ بنی اسرائیل پر بخت نصر وغیرہ بادشاہ افواج کا حملہ تباہ بربادی کے بعد بنی اسرائیل کو اللہ کی مدد پہنچی مراد ہے سوم یہ کہ وعدۂ آخرت سے مراد نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت کا زمانۂ حیات ہے اور بنی اسرائیل کا مسلمان ہو جانا اور نہ ہونے والے یہود و نصاریٰ کا ہلاک ہونا مراد مگر پہلا ہی قول درست ہے۔ لَفِیْفًا میں بعض نے کہا کہ لوگوں کا ایک ساتھ چلنا مراد نہیں بلکہ ٹوٹے اعضا خاک بنے بکھرے اجسام کا جمع ہو کر جڑ کر دوبارہ انسان بن جانا مراد ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ اے کفارِ مکہ نئے نئے فضول مطالبے کرنے والو کیا تم اس معجزے اور قدرتِ الٰہیہ کے حیران کُن عجیب شاہکار کی قدر نہیں کرتے کہ ساری کائنات عربی و عجمی کے لئے ہم نے اپنی رحمت برکت قدرت اور حق کے

ساتھ نازل فرمادیا اس قرآنِ ازلی قدیمی کو یکجائی، درستی، حفاظت۔ ہدایت کار والا عرش سے اتارا آسمان دنیا پر جبرئیل کو دیا اور جبرئیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو دیا اس طرح یہ قرآن حق ہاتھوں میں ہی اترتا رہا۔ حق تعالیٰ کا حق قرآن حق کے ساتھ۔ کائنات مخلوق کی سب سے بڑی حق ذات محمد رسول اللہ کے پاس نازل ہوا۔ اس لئے یہ باقی رہنے والا حق ہے۔ حق انداز سے اترا عزت وحرمت اس کا حق ہے۔ یہ ہر فنا اور تغیر تبدل جوڑ توڑ ملاوٹ بناوٹ سے محفوظ ہے اس لئے اسی سے ہدایت لینا حق ہے۔ حق ہی مادہ حق، ہی غایت حق ہی قوام ہے حق ہی اہتمام ہے۔ یہ قرآن مجید حق اصل ثابت ہے جو پوری کائنات کے ناموسِ وجود میں موجود ہے جس سے ہستی وجود قائم ہے۔ لِهٰذَا اَدَاهُنِ مصطفیٰ میں آ کر اس قرآن مجید پر ایمان لاؤ۔ اے پیارے نبی آپ کی صداقتِ حقّانیت کی اس سے بڑی اور کیا نشانی ہو گی کہ ہم نے آپ کو صرف اسی لئے فرشِ انسانیت پر بھیجا کہ آپ ہماری طرف سے پورے اختیار دیکر بھیجے گئے ہیں کہ جس کو چاہو آخرت کے خوف وڈر کی نذارت دو آپ بااختیا مبشر ونذیر ہو۔ آپ کی بشارت ونذارت کبھی رد نہیں ہو سکتی۔ آپ کی خوش خبری رب تعالیٰ کی خوش خبری ہے اور آپ کی پکڑ رب کی ہی پکڑ ہے۔ یہ ربیعہ کی جنت۔ سراقہ کے کنگن عشرہ مبشرہ کے ابدی انعامات اسی کا ثبوت ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ** ۔ اب تا قیامت کائنات عالم میں صرف قرآن مجید اور ذات ونام پاک مصطفیٰ ہی اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا حق ہے اس لئے کہ حق وہ ہوتا ہے جو زائل اور ختم نہ ہو سکے اور قرآن مجید کی ہر چیز بعینہٖ موجود ہے اس کے بیان کردہ دلائل توحید۔ صفات جلال تقریر نبوت انبیاء عظام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام۔ اثباتِ حشر ونشر۔ قیامت شریعت سب کچھ باقی۔ نقص و تحریف سے پاک۔ جاہلین ومعاندین کی شرارتوں دست درازیوں سے محفوظ اس لئے قرآن ہی حق ہے **دوسرا فائدہ** ۔ بِالْحَقِّ کو مقدم فرمانے سے حصر کا فائدہ حاصل ہوا۔ یعنی قرآن مجید کو صرف حق اور حقانیت اور اظہار حق کے مقصد کے لئے ہی اتارا گیا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ آقاءِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طور پر بااختیار شہنشاہ کائنات بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ جس کو جو چاہیں دنیا آخرت کی نعمتیں دیں جس کو چاہیں نہ دیں۔ جس کو دے دیں اس سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ جس کو پکڑ لیں اس کو کوئی چھڑا نہیں سکتا جس کو دوزخ سے چھڑا لیں پھر اس کو کوئی پکڑ نہیں سکتا۔ یہ فائدہ اِلَّا مُبَشِّرًا۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے مُبشّر ہیں۔

احکامُ القرآن ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** ۔ فقہاءِ کرام متفقہ طور پر فرماتے ہیں کہ ایمان نام ہے اس بات کا کہ دل سے اللہ رسول اور تمام ایمانیات

کی تصدیق کی جائے اور زبان سے ان تمام کی صداقت کا اقرار کیا جائے یہ مسئلہ بہت سی احادیث کے علاوہ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا اَنْزَلَ (الخ) سے بھی مستنبط ہوتا ہے۔ اس طرح کہ فرعون دل میں موسیٰ علیہ السلام کو سچا نبی مان چکا تھا جس کا اظہار حضرت موسیٰ نے لَقَدْ عَلِمْتَ کہہ کر فرمایا۔ مگر اس کو مومن نہیں فرمایا بلکہ مَثْبُوْرًا فرمایا۔ اس لئے کہ زبان سے اقراری نہ تھا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ انبیاءِ کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام غیبِ عطائی جانتے ہیں۔ یہ مسئلہ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اس لئے کہ یہاں ظن بمعنی یقین ہے اور آپ نے یہ ہلاکتِ فرعون اور ایمان کی توفیق نہ ملنے کی خبر کافی عرصہ پہلے نہایت کامل ظن اور یقین کے ساتھ سنا دی جو حرف بحرف صحیح ہوئی۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان پر لازم اور واجب ہے کہ بروں کی صحبت سے دور ہٹے اور نیک لوگوں کی مجلس اختیار کرے۔ یہ مسئلہ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ وہ قبطی جو مومن ہو چکے تھے اور فرعون سے ہٹ کر ظاہر ظہورِ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے ان کو غرق ہونے سے بچا لیا گیا جو فرعون کے ساتھ ہی رہے وہ سب غرق ہو گئے اگرچہ یہ غرقابی اور موت صرف کفار کے لئے عذاب بنی۔ اہل ایمان کے لئے یہ صرف موت اور ڈوبنا ہی رہا مگر برے کی سنگیت نے مصیبت تو ڈال دی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ احادیث میں آتا ہے کہ عذاب والی قوم کی بستی میں رہنا ممنوع اور ناجائز ہے۔ مگر یہاں فرمایا گیا کہ وَقُلْنَا مِنْ بَعْدِهٖ لِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ ہم نے فرمایا کہ جاؤ واپس اسی بستی، فرعون میں جا کر رہو آباد ہو جاؤ۔ یہ تعارض کیوں ہے اور صحیح مسئلہ کیا۔ حالانکہ مصر میں طوفانی ہوا۔ مینڈک۔ جوں۔ مکڑیوں اور خون کا عذاب آیا۔ پھر دریا میں غرقابی و ہلاکت کا عذاب آیا۔
جواب۔ اس کے دو جواب ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ان بستیوں میں نہ رہنے کا حکم صرف ہماری شریعت اسلامیہ میں ہے۔ پہلی شریعتوں میں یہ حکم نہ تھا۔ مگر یہ جواب کمزور اور مشاہدے کے خلاف ہے۔ پہلی امتوں کا بھی ہلاک شدہ بستیوں میں آباد ہونا ثابت نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ حدیث پاک میں ان بستیوں سے روکا گیا ہے جن کے اندر ہی کفار کو عذاب دے کر ہلاک کیا گیا تھا۔ یہاں یہ بات نہیں کیونکہ مکڑی مینڈک کا عذاب ہلاکت کے لئے نہ تھا عبرت اور بچنے سنبھلنے مومن بننے کے لئے تھا اور دریا کا عذاب بستی سے باہر نکال کر دیا گیا اور سیلاب نوحی بھی بستی کا عذاب نہ تھا بلکہ پوری روئے زمین کا تھا اور وہ بھی کفار کو وہاں سے بہا کر دور لے گیا تھا۔ اس بستی نوح میں کوئی کافر نہ مرا **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا۔ تم سب کو اکٹھے کر کے لائیں گے لیکن احادیث میں ہے کہ کوئی سوار ہو کر کوئی پیدل کوئی منہ کے بل کوئی آہستہ میدانِ محشر میں جمع ہو گا۔ نیز یہ تو ظاہر ہے کہ سب اپنی اپنی قبروں سے اٹھیں گے اور قبریں کوئی مغرب میں تو کوئی مشرق میں کوئی ہزاروں میل دور کوئی قریب تو پھر یہ لَفِيْفًا کہنا کیونکر درست ہوا۔ **جواب**۔ اہل لغت نے اس اعتراض کے چند جواب دیئے ہیں جن میں سب سے بہتر اور مضبوط پہلا جواب ہے لفیفًا کا وہی معنی لیا جائے تو اعتراض پڑتا ہی نہیں **پہلا جواب**

اہل لغت نے لَفِیْفًا کے چند معنی کئے ہیں۔ ۱۔ سب کو کھال میں لائیں گے یعنی نئے جسم بنا کر بغیر لباس ننگے ہی میدانِ محشر میں لائیں گے کیونکہ لفیف لفّ اور لفافہ سے بنا ہے بمعنی کھال کا غلاف اور لفافہ۔ ۲۔ جمع ہونا میدانِ محشر میں ہے نہ کہ آنے کے راستوں میں۔ ۳۔ جمع کر کے لانے کا تعلق وقت اور زمانے سے ہے نہ کہ جگہ اور مقام سے یعنی بیک وقت سب کو ہم لائیں گے اٹھائیں گے نہ کہ بیک جگہ سے۔ پہلا جواب درست ہے اعلٰی حضرت کا ترجمہ بھی یہ ہے۔ اس ترجمے کی صورت میں کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ **تیسرا اعتراض**۔ اگر یہاں لفیفًا کے معنٰی درست ہیں جیسا کہ بہت سے مفسرین اور مترجمین نے فرمایا ہے تو پھر یہ اسی سورت کی آیت ۹۹ کے خلاف ہو جاتا ہے اس لئے کہ وہاں ارشاد ہے قَادِرٌ عَلٰۤى اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔ یعنی رب تعالٰی ان بندوں کی مثل اور مشابہ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف کھال ہی نہیں بلکہ میدانِ محشر میں ہڈی گوشت پوست رنگ شکل صورت قد لمبائی چوڑائی سب میں نئی پیدائش ہوگی۔ نیز یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اصل نہ ہوگا بلکہ مثل مشابہ مخلوق ہوگی۔ یہاں کفار کہہ سکتے ہیں کہ وہ خالق تعالٰی اصل بنانے پر قادر نہیں مثل بنانے پر قادر ہے (معاذاللہ) لیکن ہم الفیفًا کے ترجمے سے ثابت ہو رہا ہے کہ صرف کھال نئی ہوگی باقی جسم ہڈی گوشت وغیرہ سب کچھ پہلا اور اصلی ہوگا۔ اس کی مطابقت کیونکر ہو سکتی ہے۔ **جواب**۔ لفیفًا کا ترجمہ کھال کرنے کے باوجود آپ کا اعتراض غلط ہے اس لئے کہ یہاں لفیفًا سے کھال کا غلاف۔ لفافہ اور لباس مراد ہے۔ یعنی ننگے بدن ہوں گے کھال لباس ہوگا۔ اس کا تعلق پیدا کرنے سے نہیں۔ نیز اس آیت میں معترض نے غور نہیں کیا۔ وہاں فرمایا گیا اَنْ یَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ۔ یعنی ہر شخص کی اپنی مثل یہ اضافت بیانیہ بتا رہی ہے کہ ہر شخص کی ذات وہی اصل ہوگی لیکن وہ عرضیات ان عرضیات کے مثل پیدا کئے جائیں گے۔ اصل سے مراد روح اور مادہ بدنِ انسانی ہے جس کو انسان کا بیج کہا جاتا ہے۔ ان دونوں کو کبھی فنا نہیں نہ قبر میں نہ پانی آگ و ہوا میں مادہ انسانیت نہ ریزہ ہو نہ بوسیدہ نہ جلے نہ گلے اور عرضیات سے مراد رنگ شکل لمبائی چوڑائی اور حجم ہے۔ نیز مثل کے معنٰی صرف مشابہ ہی نہیں بلکہ مشابہ اور مطابق دونوں ہیں۔ میدانِ محشر میں سب نیک و بد کافر مومن ان اجسام کے مطابق ہوں گے جو دنیا میں ان کے رنگ ڈھنگ شکل وقد تھے تاکہ پہچان اور گواہی تسلیم ہو سکے۔ پھر جنت میں خوب صورتی سے جنتیوں کے اور جہنم میں بد صورتی سے جہنمیوں کے قد بڑھ جائیں گے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ حضرت موسٰی نے فرعون سے فرمایا۔ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ ترجمہ یعنی اے فرعون میں گمان کرتا ہوں کہ تو مشہور و مردود ملعون ہے۔ موسٰی علیہ السلام تو اس کی ہلاکت کو جانتے تھے اور علم سے یقین حاصل ہوتا ہے تو آپ نے اَظُنُّ شک اور وہم کا صیغہ کیوں استعمال فرمایا۔ آپ کو فرمانا چاہئے تھا۔ اَتَیَقَّنُ میں یقین سے جانتا ہوں کہ تو ہلاک کیا جائے گا۔ **جواب**۔ دو وجہ سے یہاں اَظُنُّ فرمایا گیا اَتَیَقَّنُ نہ کہا گیا۔ اولاً اس لئے کہ ظن کا معنٰی یقین بھی ہوتا ہے۔ جیسے ایک جگہ ارشاد باری تعالٰی ہے یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔

یعنی مومن بندے یقین رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب تعالٰی سے ملنے والے ہیں۔ دوم اس لئے کہ ظن یعنی گمان غالب ہے اور چونکہ حضرت موسٰی کی گفتگو فرعون کو ڈرانے اور بندہ بنانے کے لئے تھی اس لئے یقین کا لفظ نہ بولا گیا تاکہ اس کو مایوسی کا بہانہ یا حق سے راہ فرار کا موقعہ نہ ملے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ **وظیفہ** ۔ تفسیر خازن اور دیگر بہت سی تفاسیر نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ محمد بن سماک مشہور بزرگ ولی اللہ سخت بیمار ہوئے تو ایک مرید آپ کا قارورہ ایک عیسائی طبیب کو دکھانے بغرض علاج لے کر جا رہا تھا راستے میں ایک بہت وجیہہ خوب صورت بزرگ ملے اور فرمایا کہاں جاتے ہو۔ مرید نے واقعہ عرض کیا تو بزرگ نے کہا کہ اللہ کے دوست کا علاج اللہ کے دشمن سے کرانا چاہتے ہو۔ اس کو پھینکو اور واپس جا کر ان سے کہو کہ تکلیف کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر چند بار پڑھو۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ۔ امام محمد بن سماک نے ایسا ہی کیا تو فوراً شفا ہو گئی۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون بزرگ تھے آپ نے فرمایا وہ حضرت خضر نبی علیہ السلام تھے اس وقت سے اب تک یہ بہت مجرب ہے کہ تقریباً گیارہ مرتبہ تکلیف کی جگہ پر ہاتھ رکھ کر یہ آیت پاک پڑھی جائے تو شفا ہوتی ہے۔ مگر ہر وظیفے کے لئے تقوے اور پاک بازی کی شرط لازمی ہے۔ گندے بدکار انسان کو آیتِ قرآنیہ سے شفا نہیں ملتی۔

تفسیر صوفیانہ اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ قَادِرٌ عَلٰۤی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا ۔

واردات عرضیات کی قیامت صغرٰی کے منکروں نے کیا یہ نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ وہ ہے کہ جس نے مزاج آدمیت میں۔ عقل فہم ادراک علم تمیز شعور معرفت کے سات آسمان روحانیت پیدا فرمائے اور عجز عبادت انکسار ریاضت فکر تدبر اور ایمانیات وعقائد کی سات زمینیں پیدا فرما دیں۔ وہ خالق ومولٰی قادر ہے کہ عالم اجسام کے فنا کے بعد عالم امر میں دوبارہ ان کی مثل کو اسی طرح پیدا فرما دے اور اس رب قدیر نے ان تمام عالم ناسوت والوں کے لئے وارداتِ بقا۔ قبض وبسط حضوریِ بارگاہ قہر وجبر لطف وجمال کی ایسی مدتیں معین فرما دی ہیں کہ ان میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ مگر قالبِ انسانیت کے طبائع رذیلہ اور ظالمینِ خبیثہ نے ہر نعمتِ اسرار ومشاہدۂ ابرار کا کفر وکفران ہی کیا۔ اگر بندۂ طالب تا حیاتِ دنیوی قرآن وحدیث کا متبع کامل ہو جائے اور شعبۂ زندگی کے ہر لمحے میں عالمِ قرآن پاک اور معلوماتِ حدیث مبارکہ کے مطابق عمل کرے تو باری تعالٰی عَزَّ اِسْمُهٗ عقلِ آسمانی میں علم وعرفان کے ایسے ستارے ایسی روشنیاں اور قلبِ مطمئنہ میں ایسے شمس وقمر پیدا فرمانے چمکانے جگمگانے پر قادر ہے جو اس سے پہلے عالمِ دہر میں کسی کو میسر نہ تھے اور یہ کواکبِ علیہ اسی زمینِ جسمانیت کو نور و رونق بخشتے رہیں گے جس کے لئے پیدا کئے گئے اور نفوس انسانیت میں تزکیہ اور قلوب عارفین میں جلا پیدا کرتے رہیں گے۔ بندہ جب کثرتِ معاصی شہوات۔ لذات۔ حُبّ جاہ ومراتب۔ حرص طمع۔ ریا کاری۔ خود پسندی میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اعضاءِ

باطنیہ کے تین حصوں پر زنگ و میل وسیاہی جم جاتی ہے۔ جب محبت الٰہیہ کی بارش سے انوارِ قدس کا نزول ہوتا ہے تو یہ تمام کدورتیں کثافتیں دھل جاتی ہیں اور اسرارِ غیب منکشف ہونے لگتے ہیں۔ ایسے عارفین مسعودین کی زبانیں حق عالیہ کی ترجمانی کرنے لگتی ہیں۔ اے سالکین راہ معرفت اللہ جل سبحانہ سے ڈرتے رہو اور امید بھی قوی رکھو۔

قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّیْۤ اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ خَشْیَةَ الْاِنْفَاقِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا ۔

فرمادیجئے کہ اے نفس وابلیس کے بند ولیئم السطبع اعل ہوا کے فرزندو اگر میرا رب کے اسرار کے خزائن رحمت پر تم قابض ومالک ہو جاؤ تو ظلماتِ اشرار میں امساکِ خباثت سے تمام حواس قالب کو محروم کر ڈالو اور اندیشہ وفطرتی عادت جبلی کی بنا پر برکت وفضیلت سے منکر ہو کر خزائنِ الٰہیہ کے ختم ہو جانے کے ڈر سے روک کر رکھ لو۔ اس لئے کہ نفس خناس کے راستے پر چلنے والے انسان ازلی بدبخت ممسک وبخیل ہیں ہر ایک کو خیر وخیرات سے روکنے والے اسی لئے صوفیا فرماتے ہیں کہ نالائقِ فطری اور احمقِ جبلی کو معرفتِ اسرار اور شریعتِ ابرار کا علم نہ پڑھاؤ نہ وادی عشق ومراقبہ میں اس کو داخلِ مریدی بناؤ کہ کہیں جبہ ودستار رکھنے سے دنیا پرستی خواہشات ولذات کی کاسہ لیسی نہ کرتا پھرے صحبتِ پاکِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے رب تعالیٰ نے جن صحابہ کرام کو چن لیا تھا وہ عرش وفرش کے سب مکینوں سے افضل تھے شرافت وافضلیت کے سب خزانے ان کے ہی دامن میں ڈال دیئے گئے تھے۔ صحابیت نبوی سے بڑھکر رحمت کا خزانہ کیا ہو سکتا ہے۔ اسی خزانے سے زہد۔ تقویٰ توکل عبادت صبر و رضا کے موتی ان کو بلا مشقت حاصل ہو گئے اسمِ صحابی سے بلند ورفیع کوئی اور نام نہیں ولایت کے تمام درجے صحابی کے ایک قدم میں طے ہو جاتے ہیں نہ ان کو مجاہدے کی ضرورت نہ مراقبے کی نہ خلوت کے چلوں کی نہ ترک جلالی وجمالی کی ضرورت بارگاہِ رسالت میں بیٹھنا ہی ان کی چلہ کشی اور چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھنا ہی ان کے لئے تمام مشاہدات کی منزلوں کو طے کر کے مقامِ غوثیت قطبیت کو عبور کر جانا ہے جس کو صحابیت کے لقب سے نواز دیا گیا اس کو کسی اور لقب کی ضرورت نہیں ہے صدیقیت وفاروقیت عثمانیت وحیدریت ہی بارگاہ ذوالجلال کے وہ خزانے ہیں جن کی خیراتیں آج تک کونین میں بٹ رہی ہیں ان ہی آیتِ قدرت میں سے وَلَقَدْ

اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰمُوْسٰی مَسْحُوْرًا

اور البتہ بے شک ہم نے موسیٰ قلب کو عالمِ بسط وکشاد کی نو نشانیاں عطا فرمائیں۔ اے عالم جسمانیت عقل مادیات قلب موسیٰ کی باقیں آیتیں حواسِ باطنیہ کی اسرائیلیات سے پوچھے کہ جب کبھی قلبِ مذکیٰ فرعونِ خناس کو بارگاہِ قدس میں عجز وانکسار سے جھکانے کے لئے فرعونِ باطنی کی طرف آیات الٰہیہ معجزاتِ اسرار کیر متوجہ ہوا تو فرعون نفس نے تکبر وغرور سے یہی جواب دیا کہ بے شک اے قالبِ دھر میں عجیب وغریب تجلیاں وارد کرنے والے موسیٰ قلب میں اور میرے تمام قوائے باطنیہ تجھ کو فضول ومسحور سمجھتے ہیں تیری پند ونصائح

ترقی یافتہ دور میں جب عالم انسانیت رفعتِ مادیات کے اونچے مدارج پر پہنچ گئی ہے پرانے سجدوں عبادتوں میں جھکانا اور لگانا اور خدا و مذہب کی بات منوانا بوسیدہ اور پرانی باتیں ہیں اس زمانے میں ایسی باتیں ایک سحر زدہ ہی کر سکتا ہے ؂ نفس ما ہم کمتراز فرعون نیست ہولیک اورا عون ما را عون نیست یعنی ہمارا فرعون نفس امّارہ ہے فرق صرف یہ ہے کہ اس کے پاس قوت بادشاہی تھی ہمارے پاس بادشاہی نہیں ہے فرعونِ نفس کے چار وزیر ہیں۔ کذب بیانی کا ہامان۔ قارونِ حسد۔ فریب ومکرِ سامری اور ذبح فرزند ضمیر کے درباری قبطی صوفیاء فرماتے ہیں کہ ان کو ہلاک کرنے کے لئے قلب روشن کی چار قوتوں کی حفاظت ضروری ہے۔ صدیق کی صدیقیت یعنی الہام وفراستِ روحانی ۲ فاروق کی فاروقیت یعنی ترک شہوات واجتنابِ شبہات اور تمسک بالحق۔ عثمان غنی کی غنائیت یعنی استقامت فی الدین دلِ اور تمکینِ شہادت اور مولیٰ علی کی حیدریت یعنی وجاہت وتصوف کی فقیری علم لدنی کی دولتِ عارفانہ۔ یہ علم لدنی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم وارشاد سے حضرت خضر نبی علیہ السلام نے عالم ظاہر میں۔ حضرت علی کو پڑھایا اور مولیٰ علی شیر خدا نے عالم باطن میں اویس قرنی کو پڑھایا۔ علم لدنی سے مکالمۂ الٰہی کی سعادت نصیبِ درویشان ہوتی ہے۔ مگر اس نیک بختی کے لئے لباس فقرِ حیدری لازم ہے۔ لباسِ حیدری یہ ہے کہ اے مسافر راہ معرفت تو برقعۂ شریعت اوڑھ لے کہ تیری ذات سب سے چھپ کر ذاتِ حق میں مشغول ہو جائے اور صفات ذات میں مصروف ہو جائے ہوائے نفس سے دور ہو جائے۔ تشفی کا کرتہ پہن لے تاکہ اپنے سے بدتر قلوب کی تشفی کر کے ان کا دامن مراد بھرنے کے لئے اپنے دامن میں خزینۂ رحمت جمع کر سکے علم اسرار و فہم لدنی کی قبا زیب تن کر لے تاکہ تمام علموں سے بے نیاز ہو جائے۔ اس قبا لدنی میں چار جیبیں ہیں۔ ۱ رزقِ مقسوم کی جیب ۲ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جیب ۳ موت کی جیب ۴ معلوماتِ الٰہیہ کی جیب۔ یہ جیبیں ہر وقت بندے کی قباء عبدیت میں لگی ہوئی ہیں۔ مگر صرف عارف کی نگاہیں ان میں معقول رہتی ہیں۔ شخصِ مجہول ان سے غافل و بے خبر ہے اس لئے یہ بیوقوف طلب رزق میں سرگرداں حقوق سے بے پرواہ موت سے بے خبر۔ خوفِ خدا شرم نبی سے بیگانہ۔ دن لہو میں کھونا تجھے اور رات بھر سونا تجھے۔ خوفِ خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں۔ قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ۔ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّكَ یٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا موسیٰ روح قلب نے فرعونِ نفسِ باطنی سے فرمایا کہ ظاہری منافقت کو چھوڑ دے جو تو نے باطنی حواس سے جان لیا ہے دربارِ ضمیر و ہوش میں اسی کو ظاہر کر جو اَلبتّہ بے شک تو نے مشاہداتِ انوار۔ آیتِ کمالات کر جان لیا ہے کہ تمام وارداتِ قلبیہ عُسرتِ نفسانیہ یُسرتِ عقلیہ عصاءِ شریعت۔ بیضاءِ طریقت یہ سب کیفیاتِ اسرارِ خفیہ جلیہ۔ نہیں اتارے مگر ایک وحدہٗ لاشریک آسمانِ رفعتِ کردار اور زمینِ عجز نیاز کے رب قدیر نے۔

بصیرتِ عقلیہ سلیمہ کے لئے عبرت اخروی بناکر۔ اور اے قالبِ انسانی کے باطنی فرعونِ نفس اس تکبر و سرکشی کی بنا پر تیری ہلاکتِ عبرت خیز کا مجھ کو یقینِ کامل ہے۔ اے بندہ معرفت اقدامِ سلوک سے پہلے فرعونِ نفس سے علیحدہ ہو کر ظاہر و باطن کو ایک جیسا کرے ظاہر سے مراد اظہارِ معلومات ہیں اور باطن سے مراد نیت و ارادے ہیں۔ ان میں سے ایک کا وجود دوسرے کے بغیر ہے۔ ظاہر بغیر امتزاجِ باطن منافق ہے اور ظاہر کی شمولیت کے بغیر باطن زندقہ و بے دینی ہے۔ شریعت ظاہر ہے۔ طریقت باطن ہے۔ شریعت بغیر طریقت ناقص ہے اور طریقت بغیر شریعت ہوس ہے۔ قلبِ مومن مرشدِ کلیم ہے اور مرشد کی صحبت و محفل زندیق کو صدیق بنانے والی ہے علمِ حقیقت صدیقِ باطنی ہے اور علمِ شریعت فاروقِ باطنی ہے۔ علمِ حقیقت کے لئے بھی تین کتابیں ہیں۔ پہلی کتاب علمِ ذاتِ حق یعنی اثباتِ توحید اور نفیِ تشبیہ و تشریک و اشراک دوسری کتاب علمِ صفات تیسری کتاب علمِ افعال و حکمت۔ علمِ شریعت کے لئے بھی تین کتابیں ہیں پہلی قرآن مجید دوسری حدیث پاک تیسری اجماعِ امت یہ سب قلبِ محبوب کے دامن میں ہیں ان ہی سے عقلت و نفرت کرتے ہوئے۔ فَاَرَادَ اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ مِّنَ الْاَرْضِ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا۔ پس ارادہ کیا فرعونِ باطنی ابلیس نے کہ ختم کر دے اپنی بداعمالیوں سے اور اپنی حسد بغض کینہ عداوت دشمنی منافقت مخالفت کی پھونکوں سے بجھا دے علومِ معرفت شریعت و طریقت کی شمعوں کو زمینِ جسمانیت کے باطن سے۔ لیکن ہم نے نفس و نفسانیت کو حرص و خواہشات کو قالبِ اولیاء اللہ کے علاقہ مصرِ مشاہدات سے نکال کر بحرِ عصیان کے قعرِ مذلت میں غرق کر دیا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سینۂ اولیاء اللہ میں تین علم روشن ہوتے ہیں پہلا علم مِنَ اللّٰہ دوسرا علم مع اللہ تیسرا علم باللہ۔ علم من اللہ علمِ عبدیت ہے یعنی فرائض واجبات اور احکامِ الٰہیہ کی معرفت۔ علم مع اللہ۔ علم مقامات و درجات و مشاہدات ہے اسی سے مقامات و مدارجِ اولیاء اللہ اور فضائلِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ یہ دونوں علم کسبی ہیں۔ درس و تدریس چلہ کشی مراقبہ مجاہدہ سے حصولِ مکاشفہ ہو جاتے ہیں۔ علم باللہ۔ معرفتِ معبودیت ہے یہ علم کسی بھی کسب و ریاضت سے حاصل نہیں ہو سکتا۔ یہ علم اولاً انبیاء کرام علیہم السلام کو بلاوسیلہ بارگاہِ قدس سے بعطاءِ الٰہی حاصل ہوا پھر آستانۂ نبوت سے جلیل القدر صاحبِ مراتب اولیاء اللہ کو ملائکہ مقربین مدبراتِ امر کو مرحمت ہوا۔ علمِ معرفت بغیر علمِ شریعت قبول نہیں اور عملِ شریعت بغیر معرفت مکمل نہیں۔ جس کو علمِ معرفت نہ ملا وہ موتِ جہالت کا مردہ ہے اور جس کو علمِ شریعت نہ ملا وہ نادانی و حمایت کا مریض ہے یہ علوم اہل معرفت کے لئے اشد لازم ہیں۔ یہ علوم مراقبہ مجاہدہ سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس لئے حواسِ ظاہری و باطنی کو سجود و مراقبہ کے لئے خواہشات و لذات کے فتنوں کو غرق کر کے خلوت خانۂ یار سے مٹا دیا۔ وَقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا۔ اور فرمایا ہم نے غرقابی

نفسیات کے بعد اسرائیلیاتِ حواسِ جسمانیہ کو کہ عالمِ روحانیت کی بستی و مکاشفات میں حصولِ علوم و مراتب میں واپس جاکر مراقبات و مجاہدات کی سکونتِ خلوت اختیار کرو۔ پھر جب صبحِ انجام کی آخرت نمودار ہوگی تو تم جمع کر لائیں گے تم تمام حواسِ ظاہری و باطنی کو ایک آستانۂ انتقام و انعام پر اور چھانٹ کردی جائے گی عبادت کے اہلِ صفا اور خباثت کے اہلِ جفا میں نفس کی غلاظت والوں میں اور قلب کی سعادت والوں میں عقل کی فراست والوں میں شعور کی حماقت والوں میں۔ اے بندو اگر بروزِ مشاہدہ جمالِ دیدار اور قربِ حق کے طالب ہو تو فقر و سکینیت اختیار کرو کیونکہ میدانِ محشر میں سب سے پہلے اَوْلِیَائِیْ تَحْتَ رِدَائِیْ اور اَحِبَّائِیْ قُرْبِ لِقَائِیْ۔ کا ہی نعرہ بلند ہوگا۔ فقر اور سکینیت ہی سے مقامِ تصوف حاصل ہوتا ہے اور صوفی وہ ہے جس کا قلب صفائِ باطن سے مزین ہوا اور کدورت کی گندگی سے خالی اور پاکیزہ ہو۔ جس کو محبت صاف و پاک کردے وہ صافی ہے اور جس کو محبوب صاف کرے وہ صوفی ہے۔ صوفیِ صادق کی نشانی یہ ہے کہ وہ اپنے نفس سے فانی ہو کر ذاتِ حق میں زندہ و باقی ہو جائے اور مادیت سے گزر کر حقیقتِ اصلیہ تک رسائی حاصل کر چکا ہو دنیاء مادیات و عقلیات ہیں وہ عوام سے پوشیدہ و پیچھے نظر آتے ہیں مگر بروزِ قیامت صوفیاء صادقین صفِ اول میں ہوں گے۔ وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ ۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا۔ اور دنیا و آخرت میں قلوبِ عارفین پر ہم نے ہی اس کلامِ ازلی ابدی کو امانت ذات و صفات بنا کر اپنے ابدی محبوبِ حق کے ساتھ نازل کیا اور صاحبِ مراقبہ و مجاہدہ پر راہِ منزل میں رفعتِ لاہوتی سے ابدی ثابت و حق رہنے کے لئے ہی نازل ہوتا رہا ہے اور اے کائناتِ ابدیہ وادیِ بقا کے حق ہم نے ارض و سما میں تجھ کو صرف بشارتیں اور نذارتیں سنانے کے لئے بھیجا ہے۔ انوار و اسرار کی بشارتیں ظلمات و اشرار کی نذارتیں۔ اہلِ دل کے لئے خوش خبری سنانے والا اور اہلِ نفس کو ڈر سنانے والا۔ صوفیاء باطن کو بقا کی بشارت دینے والا اور متصوفِ ظاہر کو فنا کا خوف دلانے اہل اللہ کے لئے مبشر ہے اہلِ شیطان کے لئے نذیر ہے۔ وصل کی بشارت ہے فراق کی نذارت ہے۔ راہِ عشق اور وادیِ سلوک میں بندے تین ۳ قسم کے ہیں ۱ متصوف جو دنیا طلبی کے لئے صوفیانہ لباس جبہ و دستار۔ فقر کی گدڑی پہن لے یہ بدبخت اہل اللہ کی نظر میں مکھی کی طرح حقیر ہوتا ہے اور دوسروں کے لئے بھیڑیا ۲ مردِ صافی جو جذبۂ عشق سے منزلِ طلب اور وادیِ حیرت میں قدم رکھ دے اور خود کو خود صاف کرے ۳ صوفی وہ مردِ عارف جو حجاباتِ ظلمات سے پار نکل کر منزلِ کشف و مشاہدہ پر پہنچ جائے۔ صوفی صاحبِ وصول ہوتا ہے وہ بِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ۔ کے مقامِ فضل و کرم و انعام پر ہوتا ہے۔ صافی صاحبِ اصول ہوتا ہے کہ اصل صحیح پر قائم رہ کر احوالِ طریقت میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ مقامِ وَبِالْحَقِّ نَزَلَ پر فائز ہوتا ہے اور اور متصوف فضول ہوتا ہے کہ اس کی قسمت میں حقیقت سے مجوبی اور معانی سے محرومی ہوتی ہے۔

حضرت ذوالنون مصری فرماتے ہیں کہ صوفی جب گفتار میں آتا ہے تو اس کی زبان حق کی ترجمان ہوتی ہے اور جب خاموشیِ کردار میں آتا ہے تو اس کے اعضاء عالمین زبانِ حال سے قَطْعِ مَا سِوَی اللّٰہ کی شہادت دیتے ہیں۔

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى

اور آپ کو ہم نے قرآن دیا۔ جس کو مختلف احکام بنایا ہم نے اس کو تاکہ تم تلاوت کرو لوگوں پر۔

اور قرآن ہم نے جدا جدا کر کے اتارا کہ تم اسے لوگوں پر ٹھہر ٹھہر کر پڑھو

مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ

اس کو آہستہ اور نازل کیا ہم نے اس کو اتار کر۔ آپ فرمایئے تم لوگ اس پر ایمان لاؤ

اور ہم نے اسے بتدریج رہ رہ کر اتارا تم لوگ اس پر ایمان لاؤ

اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ

یا نہ لاؤ بے شک وہ لوگ جو اس نزولِ قرآن سے پہلے ہی

یا نہ لاؤ بے شک وہ جنہیں اس کے اترنے سے پہلے

قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

علم دیئے گئے وہی جب تلاوت کی جاتی ہے تو گرتے چلے جاتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل

علم ملا جب ان پر پڑھا جاتا ہے ٹھوڑی کے بل سجدے میں

سُجَّدًا ﴿۱۰۷﴾ وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنْ كَانَ

سجدہ کرنے کے لئے۔ اور سجدوں میں کہتے ہیں کہ ہمارے رب کو پاکیزگیاں ہیں بے شک ہے

گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں پاکی ہے ہمارے رب کو بے شک ہمارے رب

وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا ﴿۱۰۸﴾ وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ

ہمارے رب کا وعدہ البتہ پورا کیا ہوا۔ اور گرتے جاتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل

کا وعدہ پورا ہونا تھا۔ اور ٹھوڑی کے بل گرتے ہیں

يَبْكُوْنَ وَيَزِيْدُهُمْ خُشُوْعًا ﴿۱۰۹﴾ السجدة

السجدۃ ۴

اور روتے جاتے ہیں اور یہ تلاوت سننا زیادہ کردیتا ان کو عاجزی اور محبت الٰہیہ میں

روتے ہوئے اور یہ قرآن ان کے دل کا جھکاؤ بڑھاتا ہے۔

تعلق ان آیتِ کریمہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے معجزات۔ فرعون سے مکالمے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں قرآن مجید کا ذکر شان اور معجزہ ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عالَمِ ارواح بلکہ اس سے بھی پہلے قرآن مجید کو جانتے سمجھتے اور پڑھتے تھے الف لام میم سے والنَّاس تک کی پوری ترتیب سے بھی مکمل واقف تھے کہ دیکھو ہم نے تو اپنے کلام قرآن مجید کو علیحدہ علیحدہ نازل کیا مگر ہمارے حبیب نبی مکرّم نے از اول تا آخر پورے قرآن مجید کو ترتیب آسمانی کے مطابق حرف بحرف جمع فرما دیا یہ آپ کا ایک معجزہ ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بارگاہ میں بنی اسرائیل کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا تھا ان آیت میں اہلِ عرب اور کفارِ مکہ کی نافرمانیوں کا ذکر ہوا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت پاک میں اس قبطی قوم کا ذکر ہوا۔ جو فرعون کو سجدہ کرتے تھے اب اِن آیت مطہرات میں ان اہل ایمان مسلمانوں کا ذکر ہو رہا ہے جو صرف رب تعالیٰ کو اپنے معبود سبحانہٗ وتعالیٰ کو سچے مخلصانہ سجدے کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا ۔ واؤ برجملہ قرآن قَرَنٌ سے مشتق ہے صیغہ مبالغہ ہے بر وزنِ فعلان بمعنیٰ بہت زیادہ ملانے والا یا قَرءٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بہت زیادہ پڑھا جانے والا بحالتِ نصب ہے کیونکہ یہاں پوشیدہ فعل ہے اور مفعول بہ اول پوشیدہ ہے۔ دراصل ہے وَاٰتَيْنَاكَ اور عطف ہے پہلے فعل وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى پر۔ یہ قرآنًا اس کا مفعول بہ دوم ہے اس قرینے سے یہاں فعل مقدر مانا گیا نیز بقاعدہ نحو یہ شروع میں کبھی مفتوح منصوب اور مجرور لفظ نہیں آسکتے۔ فَرَقْنَا۔ باب نصر کا

ماضی مطلق جمع متکلم فرقٌ سے مشتق ہے بمعنی مختلف ہونا یا کرنا جدا جدا کرنا۔ مراد ہے تھوڑی تھوڑی آیتیں اور احکام نازل کیا جانا۔ ایک قرأت میں ہے فَرَّقْنَا۔ باب تفعیل سے بمعنی مختلف زمانوں اور اوقات میں اتارنا۔ اعلیٰ حضرت نے دوسرے معنیٰ اختیار فرمائے بمعنی جدا کرنا۔ ہم نے پہلے معنی اختیار کئے یعنی مختلف احکام اتارے۔ ضمیر جمع متکلم مستتر اس کا فاعل ضمیر واحد غائب مفعول بہ فَرَقْنٰہُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معلول ہوا۔ لام کے تعلیلیہ اس میں اَنْ پوشیدہ ہوتا ہے تَقْرَاَہٗ۔ باب فَتَحَ کا مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر قرأت سے بنا ہے بمعنی پڑھنا تلاوت کرنا تلاوت اور قرأت میں فرق یہ ہے کہ تلاوت میں سنانا مقصود نہیں ہوتا اور قرأت میں سنانا مقصود کبھی ہوتا اور قرأت میں سننا مقصود ہوتا ہے اس کے فاعل اَنْتَ ضمیر مستتر کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے عَلٰی جارّہ بمعنی عند یعنی لوگوں کے پاس یا علیٰ بمعنی لام تعدیہ یعنی لوگوں کو۔ اَلنَّاس اسم مفرد جنسی معرّف باللام۔ مراد ہے موجودہ عربی عجمی امّتِ دعوت و اجابت عَلٰی جارّہ بمعنی حرفِ عَنْ جارّہ زوالیہ کسی چیز کو ختم کرنے کے لئے یہاں معنیٰ ہے جلدی نہ کرو مُکْثٍ۔ مصدر مادہ ہے بمعنی ٹھہرنا انتظار کرنا آہستہ ہونا یا رہنا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے تقرءُ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علّت ہے فَرَقْنٰہُ کی علّت معلول مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ نَزَّلْنٰہُ باب تفعیل کا ماضی مطلق۔ جمع متکلم ہٗ اس کا مفعول بہٖ مرجع قرآن مجید اس کا مصدر ہے۔ تنزیلٌ بمعنی اتارنا۔ تنزیلاً منصوب ہے کیونکہ مفعولِ مطلق ہے یہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف سب عطف ملکر پھر عطف ہے فَرَقْنٰہُ پر وہ سب عطف مل کر صفت ہے قرآنًا کی یہ مرکّب توصیفی فعل پوشیدہ کا مفعول بہٖ دوم ہوا سب جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ قُلْ امر اپنے فاعل اَنْتَ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ آمِنُوْا بابِ افعال کا امر حاضر جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع کفارِ مکہ۔ اس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ۔ اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنی ماننا قبول کرنا تصدیق کرنا۔ مومن بننا دینِ اسلام قبول کرنا یہاں مراد ہے مسلمان ہونا۔ بِ جارہ بمعنی علیٰ یعنی اس پر ہٖ ضمیر کا مرجع قرآن مجید یہ جار مجرور متعلق ہے آمِنُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَوْ۔ عاطفہ اختیار یہ۔ لَا تُؤْمِنُوْا فعل نہی معرّف باللام صیغہ جمع مذکّر حاضر بابِ افعال سے ہے یہ فعل با فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا یہ سب عطف مل کر مفعول۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ۔ یہ سب عبارت یا قُلْ کی علّت ہے اور فرمان رب تعالیٰ کا تسلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تب یہ علت معلول نہ ہوگا بلکہ علیحدہ جملہ ہوگا یا یہ عبارت علت ہے (امنوا بہ اولا تومنوا کی تو یہ بھی مقولہ ہوا قل کا اور یہی ترکیب صحیح ہے یعنی نبی پاک کا فرمان ہے۔ الذین اسم موصول جمع اُوْتُوْا باب افعال کا ماضی مطلق۔ مجہول اِیْتَاءٌ مصدر ہے بمعنی دیا جانا ہُمْ پوشیدہ ضمیر غائب فائل الف لام عہد خارجی علم اسم مفرد مصدر بمعنی معلوم معلومات مفعول بہٖ ہے مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ زائدہ کا معنٰی ہے کہ نہ اپنے اصلی معنیٰ میں نہ کسی دوسرے حرف کے معنیٰ مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد غائب مضاف الیہ ہے مرجع زمانۂ نبوّت۔ یا نزولِ قرآن کریم کا زمانہ۔ یہ مرکّب اضافی مجرور متعلق ہے اُوْتُوْا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ اِنَّ کا اسم۔ اِذَا ظرفِ زمانی شرطیہ یُتْلٰی۔ باب ضرب

کا مضارع۔ اس کا نائب فاعل ھُوَ پوشیدہ جس کا مرجع قرآن مجید عَلٰی جارہ بمعنی عند۔ ھِمْ ضمیر مجرور متعلق ہے یُتْلٰی کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط ہوئی۔ یَخِرُّوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت۔ جمع غائب خَرٌّ تشدید ہو کر خَرٌّ سے بنا ہے بمعنی زمین سے لگنا۔ گرنا جھکنا۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ لام جارہ بمعنی مِنْ انتہاء غایت کے لئے یا بمعنی عَلٰی فوقیت کا اَذْقَانِ جمع مکسّر ہے ذَقَنٌ کی بمعنی تھوڑی۔ مراد ہے چہرہ سُجَّدًا صفت مشبّہ بمعنی اسم مفعول یعنی بہت سجدہ کرتے ہوئے بحالت نصب کیونکہ حال ہے یَخِرُّوْنَ کے فاعل ھُمْ ضمیر پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ہوئی اِذَا یُتْلٰی کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَیَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ اِنْ کَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُوْلًا۔ وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ یَبْکُوْنَ وَیَزِیْدُھُمْ خُشُوْعًا۔

واؤ عاطفہ عطف ہے یَخِرُّوْنَ پر یَقُوْلُوْنَ فعل مضارع حال ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ سُبْحٰنَ اسم مصدر بر وزنِ فُعْلَان مضاف ہے رَبِّنَا۔ یہ مرکب اضافی بمعنی ہمارے رب کی شان مضاف الیہ ہے سُبْحٰنَ کا یہ مرکب اضافی مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ سَبَّحْتُ یا سَبَّحْنَا ماضی مطلق کا صیغہ جمع متکلم۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ اِنْ۔ حرف مشبّہ تحقیقیہ یہاں مخفف ہے۔ در اصل تھا اِنَّہٗ اب یہ عملاً لغو ہے یعنی بیکار مگر معنًا صحیح ہے کَانَ فعل ناقصہ۔ وَعْدُ۔ مضاف۔ رَبِّنَا۔ مرکب اضافی ترجمہ ہے ہمارے رب کا وعدہ یہ مضاف الیہ ہے وہ سب اضافت مل کر کَانَ کا اسم ہے۔ لام تاکید یہ مَفْعُوْلًا اسم مفعول صیغہ واحد مذکر بمعنی کیا ہوا۔ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے فعل مصدر مادہ بنیادی سے بنا ہے۔ کَانَ کی خبر ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر علّت ہوئی۔ معلول علّت مل کر مقولہ ہوا یَقُوْلُوْنَ کا یہ جملہ قولیہ ہو کر معطوف ہے پہلے یَخِرُّوْنَ پر یہ عطف معطوف مل کر جزا ہو گی اِذَا یُتْلٰی کی۔ واؤ۔ ابتدائیہ۔ یَخِرُّوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع جمع مذکر غائب خَرٌّ سے مشتق ہے بمعنی جلدی سے نیچے گرنا دوبارہ یَخِرُّوْنَ اس لئے ہے کہ پہلا یَخِرُّوْنَ بیانِ وجودِ سجدہ کے لئے اور یہ دوسرا یَخِرُّوْنَ کیفیتِ سجدہ کے لئے کہ خشوع اور بکا کے ساتھ سجدہ کرتے ہیں۔ لِلْاَذْقَانِ۔ جار مجرور متعلق ہے یَخِرُّوْنَ کا ذَقَنٌ کا لغوی ترجمہ ہے ملنا جڑنا مجازًا دو ہڈیوں کے جوڑ کو کہا جاتا ہے اصطلاحًا نیچے ہونٹ کی ہڈی اور جبڑے کو ذقن کہا جاتا ہے جہاں داڑھی کے بال اگتے ہیں مراد ہے پورا چہرہ یعنی جز بول کر کل مراد ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یَخِرُّوْنَ کا یَبْکُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع بُکیٰ ناقص یائی سے بنا ہے متعدی ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے یَخِرُّوْنَ کے فاعل کا یہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ یَزِیْدُ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف واحد مذکر زَیْدٌ سے بنا ہے متعدی ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے خَرٌّ یا سجدہ یا قرآن کریم ھُمْ ضمیر بارز مرجع ہے اَلَّذِیْنَ منصوب متصل مفعول فیہ خُشُوْعًا اسم حاصل مصدر۔ بمعنی

عاجزی ہیبت الٰہیہ۔ خوفِ محبت مفعول بہ ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ مفعول فیہ ہے اور ھُمْ مفعول بہ ہے۔ پہلا ترجمہ ہے یہ جھکنا بڑھاتا ہے ان میں خشوع کو۔ دوسرا ترجمہ ہے یہ جھکنا یا سجدہ بڑھاتا ہے انکو خشوع میں۔ یہ سارا جملہ فعلیہ خبر یہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا۔ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ اور ہر کافر عجیب احمقانہ نظریات سے قرآن مجید کی حقانیت اور کلام الٰہی ہونے کا انکار کرتے ہوئے اعتراض اور سوال کرتا پھر رہا ہے کہ قرآن مجید ایک دم کیوں نہیں نازل ہوا جس طرح کہ یہودیوں کی توریت عبرانی میں زبرجد کی تختیوں پر لکھی ہوئی نازل ہوئی۔ زبور سریانی میں قدرتی کاغذ پر لکھی ہوئی اور پوری انجیل حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو حفظ ہو کر نازل ہوئی یہ اعتراض یہودی۔ عیسائی اور کفارِ مکہ وغیرہم سب کر رہے ہیں کہ یہ قرآن تھوڑا تھوڑا آیت آیت سورۃ سورۃ بنا بنا کر سنائی جا رہی ہے اور سوچ سوچ کر بنائی جا رہی اور ایک حکم کے صحیح نہ بیٹھنے پر اس کو منسوخ کر کے پھر سوچ کر دوسرا حکم دیا جا رہا ہے جب کچھ دن بعد وہ بھی غلط محسوس ہوتا ہے تو پھر تیسرا حکم آجاتا ہے۔ بھلا اس طرح خدا تعالٰی کا کلام ہو سکتا ہے ؟ یہ یقیناً محمد صاحب کا اپنا کلام ہے ورنہ یہ کئی کئی دن کی سوچ و فکر اور تھوڑی تھوڑی باتیں عبارتیں آخر کیوں۔! یہ اعتراض صرف اس بیوقوفی کی بنا پر کیا جا رہا ہے کہ ان کفار اہل کتاب کی نہ تو اپنی پچھلی تاریخ پر نظر ہے اور نہ ہی انسان کی روزمرہ ضروریات اور حاجت و مشکلات پر نظر ہے نہ ہی انسانی کیفیت و حالات کے مختلف ہونے کی سوچ ہے اور نہ ہی پچھلے سابقہ انبیاء کرام اور ہمارے اس پیارے محبوب نبی ﷺ کائنات کی شان میں فرق کا پتہ ہے۔ تاریخی لحاظ سے ان کو پتہ ہونا چاہیے کہ ہم نے تمام ایک سو چودہ صحیفے بھی بذریعہ الہام اور وحی تھوڑے تھوڑے کر کے ہی نازل کئے یہ یہود و نصارٰی ان صحیفوں کو اللہ کا کلام مانتے ہیں تو قرآن مجید کو اس طریقۂ نزول کے مشترک ہونے کے باوجود کلام الٰہی مانتے ہوئے کیا تکلیف ہے ؟ نیز سابقہ انبیاءِ کرام اور ان کی کتابیں ایک تھوڑی سی مخصوص قوم معین مدت تھوڑے وقت تک چھوٹے سے علاقے کے لئے تشریف لاتے رہے مگر یہ نبی اور یہ قرآن تو بیک وقت ساری دنیا کی قوموں کے لئے تشریف فرما ہوئے یہ نبی رحمۃ عالمین ہیں اور یہ قرآن ھُدًى لِّلنَّاسِ ہے ان تمام وجوہ سے عین مصلحت اور حکمت و فوائد کثیرہ و حاجات عدیدہ و ضروریات مدیدہ کے مطابق۔ قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ الخ قرآن کریم کو ہم نے تھوڑا تھوڑا۔ دنوں ہفتوں مہینوں کے وقفے وقفے سے بھیجا اور یہ تھوڑا تھوڑا بھیجنے کا طریقہ صرف نزول ارضی پر امت کے لئے اس لئے ہوا ہے کہ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ ۔ تاکہ اے پیارے رحمۃ عالمین آپ تا قیامت ذی عقل انسانوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر کر متفرق احکام سے پڑھو اور ضرورتِ شرعیہ و حاجت انسانیہ کے مطابق ان کو پیغام الٰہی سناتے رہو اور خاص انسانی سہولت کے لئے

حفظ۔ فہم۔ عمل۔ پڑھنے یاد کرنے کی آسانی کے لئے نَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا۔ ہم نے اس قرآن مجید کو تھوڑا تھوڑا نازل فرمایا ورنہ پہلے زمانوں میں ہمارا یہ قدیمی کلام مختلف مقامات پر پورا پورا ہی اترتا رہا۔ اس طرح کہ سب سے پہلے عالم انوار کے مقام اسرار میں سینۂ محمد مصطفیٰ پر علم القرآن کا پورا نزولِ باطنی ہوا۔ پھر یہ پورا قرآن مجید قلب مصطفیٰ سے بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ۔ پر پورا اسی موجودہ ترتیب سے پھر لیلۃ القدر میں۔ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ۔ کی خبر و بشارت کے مطابق فلکِ اعلیٰ سے فلکِ اسفل آسمانِ دنیا کی طرف نازل ہوا پھر آسمانِ دنیا سے لسانِ جبرئیل میں مکمل قرآن مجید نازل ہوا۔ پھر وہاں سے تھوڑا تھوڑا حسب موقعہ بذریعہ جبرئیل حکم الٰہی کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ بشریت اور قلب سے زبان پر اور زبان پاک سے صحابہ کرام کے دل دماغ اور فہم و زبان میں محفوظ ہوتا رہا پھر زبانِ صحابہ سے کاغذ وغیرہ پر جمع ہوتا رہا۔

قرآن مجید کے تشریف لانے کے تین مرحلے ہوئے نمبر ۱ نزولِ قرآن نمبر ۲ حفظ قرآن نمبر ۳ جمع قرآن۔ نزول قرآن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک اور حفظ قرآن صحابہ تک اور جمع قرآن موجودہ کاغذی شکل تک۔ کائنات انسانیت میں کون اندازہ لگا سکتا ہے کہ کتنی مخلوق اس قرآن مجید پر ایمان لا چکی ہے۔ ہمارے پیارے محبوب نے تو اب اظہار فرمایا ہے کہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ۔ میں ازل الانوار میں مدتوں پہلے اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی تخلیق سے پہلے اپنی مٹی اور پانی کی صورت میں تھے۔ کسی کو کیا خبر کہ اس ذیشانِ نبیِ محترم کی رسول اول و آخر کی باطن کے زمانہ اولین میں کتنی امت تھی جو اس قرآن پر ایمان لا چکی تھی۔ اے اول و آخر کے قرآن والے اور ظاہر و باطن کی امت والے نبی تم فرما دو کہ اے مکے کے چند کافرو تمہاری حیثیت ہی کیا ہے اور تمہاری حیثیت کی قدر ہی کیا ہے اور تمہاری قدر کی وقعت ہی کیا ہے اور تمہاری وقعت کی پرواہ ہی کس کو ہے تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ۔ کچھ فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے ایمان سے کچھ بڑھے گا نہیں اور تمہارے کفر سے اس قرآن پاک کا کچھ گھٹتا نہیں۔ اس قرآن مجید پر ایمان لانے والے کروڑوں عرشی فرشی ارضی سماوی سابقین کے علاوہ اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ بے شک وہ نیک طبع پاک خصلت اچھی فطرت ستھری جبلت والے سچے اہلِ کتاب بھی ہیں جو اس تنزیلِ قرآن سے پہلے ہی توریت و زبور اور انجیل کا علم دے گئے اور اس ہی علم سابقہ کے ذریعہ اس آخری نبیِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقانیت اور قرآن مجید کی صداقت کا پتہ دے گئے۔ ان کے ایمان کی پختگی مضبوطی شرافت کیسی شاندار ہے اور خلوص و عجز کی کیسی پاکیزہ شکل ہے کہ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ جب ان کے سامنے قرآن مجید کی کسی بھی سورت کی تلاوت کی جائے اور کوئی بھی تلاوت کرے یا خود کریں تو اپنی ٹھوڑیوں اور چہروں کے بل اپنے اللہ کو سجدہ کرنے کے لئے زمین پر جھکتے ہی چلے جاتے ہیں اور اپنی کسی بھی شان۔ آن عزت و عظمت شوکت و سرداری ٹوپی پگڑی جبہ و دستار داڑھی اور مونچھ کی پرواہ کئے

بغیر اپنے پورے جسم کے ساتوں اعضاء (دو پیروں دو گھٹنوں دو ہاتھوں اور ایک چہرہ کے ناک ماتھے) کو سجدہ کا نقشہ بناتے ہوئے خاک دھول لگ جانے کا خیال کئے بغیر زمین پر لگاتے اور لگاتے ہی چلے جاتے ہیں وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا ۔ وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا ۔ (۱۰۹،۱۰۸ سجدہ) اور اپنے سجدوں میں پڑے پڑے عرض کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے رب جَلَّ وَعَلَا کو ہر اس عیب کمزوری سے پاکیزگی ہے جو یہ دنیا کے کفار مشرکین لادین اور دہریہ لوگ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدعقیدگی سے کہتے رہتے ہیں۔ ہمارا پروردگار عالم وعدہ خلافی کے عیب سے بھی پاک ہے ہم کو اپنے رب تعالیٰ کے دنیا و آخرت حشر نشر جنت دوزخ سزا و جزا کے تمام وعدوں پر پورا یقین ہے۔ بے شک ہمارے رب کریم کے کُل وعدے البتہ سچے کئے ہوئے ہیں اور جب یہ سابقہ کتب کے علم والے علماء اہل کتاب ہمارا قرآن ہمارا کلام ہمارے محبوب نبی کی زبان سے سنتے ہیں پھر تو قلب و جگر عقل و دماغ کی سوز و گداز والی کیفیت ہی جدا ہو جاتی ہے پھر ان کے سجدوں کی لذّت ہی کچھ اور ہو جاتی ہے کہ چہروں کے بل گرتے جاتے ہیں اور مستی و عشقِ الٰہی محبت جمالِ مصطفائی میں روتے جاتے ہیں اور زبان مصطفیٰ کی تلاوت ان کے عاشقانہ مستانہ خشوع خضوع عاجزی نرمی ہیبتِ الٰہی خوفِ کبریائی دل کے سوز و گداز کو اور زیادہ بڑھا دیتی ہے۔ یہ بات ان کو توریت و انجیل کی تلاوت میں نہ ملتی تھی اس لئے کہ وہاں کلامِ الٰہی تو تھا مگر زبانِ مصطفیٰ نہ تھی۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سات علماءِ اہلِ کتاب تھے جو صحابی مومن بنے ان کا ہی یہاں ذکر فرمایا گیا ۱۔ نجاشی شاہِ حبشہ ۲۔ سلمان فارسی ۳۔ کعب احبار ۴۔ زہیر بن عمر بن نفیل ۵۔ عبداللہ بن سلام ۔ ۶۔ ابوذر غفاری ۷۔ ورقہ بن نوفل (از تفسیر خازن مدارک ۔ مظہری تفسیر فتح القدیر ۔ صفوۃ التفاسیر) کچھ مفسرین فرماتے ہیں قرآن مجید کی وحی پانچ پانچ آیتیں ہو کر نازل ہوئی اور اس کی دلیل میں بیہقی فی شعب الایمان کی یہ روایت بیان فرماتے ہیں۔ عَنْ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ أَنَّهُ قَالَ تَعَلَّمُوا الْقُرْآنَ خَمْسَ آيَاتٍ فَإِنَّ جِبْرَئِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ كَانَ يَنْزِلُ بِهِ خَمْسًا خَمْسًا۔ ترجمہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ اپنی نمازوں میں کم از کم پانچ آیت ایک رکعت میں تلاوت کیا کرو۔ یا ایک محفل میں تلاوت کرو یا سبق وغیرہ پڑھو پڑھاؤ تو پانچ آیت پڑھنا بہتر ہے۔ کیونکہ جبرئیل علیہ السلام قرآن مجید کی پانچ پانچ آیت لے کر نازل ہوتے تھے لیکن یہ بات اکثریہ تو ہو سکتی ہے مگر کلیہ نہیں اس لئے کہ اسبابُ النزول للسیوطی میں بہت جگہ لکھا ہے کہ فلاں موقعہ پر ایک آیت نازل ہوئی فلاں واقعے پر تین آیات نازل ہوئیں۔ آخری آیت وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا والی آیت بیکدم سات نازل ہوئی تھیں از آیت ۲۷۵ تا آیت ۲۸۱ اس طرح تفسیر خازن اور تفسیر ظلال القرآن صفحہ ۲۴۹ سید قطب نے فرمایا کہ سورۂ نور میں ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شانِ پاکدامنی میں دس آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۱۱ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْكِ

عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ تا آیت ۲۱ لیکن تفسیر خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ اٹھارہ آیت بیکوقت نازل ہوئیں اس لئے یہ روایت ونسبت کچھ متردد مترتیب معلوم ہوتی ہے واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب۔ خیال رہے کہ پورا قرآن اسی موجودہ ترتیب سے چار دفعہ منتقل ہوا جیسے کہ ہم نے اوپر بتایا یعنی پہلی مرتبہ سینۂ مصطفےٰ پر پھر ۲ لوح محفوظ پر پھر ۳ لوح محفوظ سے آسمان زمین پر پھر ۴ بعثتِ نبوی کے بعد آسمان دنیا سے جبرئیل علیہ السلام کو ملا۔ یہ چاروں منتقلیاں قرآن مجید کی اسی ترتیب سے ہوئیں۔ اس ترتیب کو ترتیبِ قرآن بھی کہتے ہیں اور ترتیبِ تلاوت بھی کہتے ہیں۔ یعنی پہلی سورت الحمد شریف دوسری بقرہ وغیرہ وغیرہ آخری سورہ والناس مگر یہاں فَرَقْنٰهُ میں جس ترتیب سے تھوڑا تھوڑا اتارنے کا ذکر ہے۔ اس کی نوعیت اس کے علاوہ ہے۔ چنانچہ علماء اسباب النزول فرماتے ہیں کہ سب سے پہلی آیت اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ۔ نازل ہوئی اور آخری آیت آیت ربٰو کی بیکدم سات آیتیں نازل ہوئیں ان میں آیت ۲۸۱ سورۂ بقرہ شریف۔ وَاتَّقُوْا یَوْمًا سے وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ تک سورتوں میں پہلی سورت اِقْرَاْ۔ آخری سورت اِذَا جَآءَ۔ اسی طرح الاتقان اور تفسیر امام شوکانی صفحہ ۲۹ جلد اول میں ہے اور نازل ہونے کے لحاظ سے تمام قرآن مجید کی ترتیب اس طرح مندرجہ ذیل ہے۔ ہجرت سے پہلے نازل ہونے والی آیتوں سورتوں کو مکی کہا جاتا ہے اور ہجرت کے بعد نازل ہونے والی آیتوں سورتوں کو مدنی کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی تمام سورتوں کی ترتیب نزول کا نقشہ اور سورتوں کے نمبروار اسماء پاک

مکی سورتوں کے نام	ع۱ سورۂ علق	۲ سورۂ قلم	ع۳ سورۂ مزمل	ع۴ سورۂ مدثر	ع۵ سورۂ فاتحہ	ع۶ سورۂ لہب	ع۷ سورۂ تکویر	ع۸ سورۂ اعلیٰ	ع۹ سورۂ واللیل
ع۱۰ سورۂ فجر	ع۱۱ سورۂ والضحیٰ	ع۱۲ سورۂ الم نشرح	ع۱۳ سورۂ عصر	ع۱۴ سورۂ والعٰدیٰت	ع۱۵ سورۂ کوثر	ع۱۶ سورۂ التکاثر	ع۱۷ سورۂ ماعون	ع۱۸ سورۂ کافرون	ع۱۹ سورۂ فیل
ع۲۰ سورۂ فلق	ع۲۱ سورۂ ناس	ع۲۲ سورۂ اخلاص	ع۲۳ سورۂ نجم	ع۲۴ سورۂ عبس	ع۲۵ سورۂ قدر	ع۲۶ سورۂ شمس	ع۲۷ سورۂ بروج	ع۲۸ سورۂ والتین	
ع۲۹ سورۂ قریش	ع۳۰ سورۂ قارعہ	ع۳۱ سورۂ قیامت	ع۳۲ سورۂ ھمزہ	ع۳۳ سورۂ مرسلٰت	ع۳۴ سورۂ قٓ	ع۳۵ سورۂ بلد	ع۳۶ سورۂ طارق	ع۳۷ سورۂ قمر	
ع۳۸ سورۂ صٓ	ع۳۹ سورۂ اعراف	ع۴۰ سورۂ جن	ع۴۱ سورۂ یٰسین	ع۴۲ سورۂ فرقان	ع۴۳ سورۂ فاطر	ع۴۴ سورۂ مریم	ع۴۵ سورۂ طٰہٰ	ع۴۶ سورۂ واقعہ	
ع۴۷ سورۂ شعرٰی	ع۴۸ سورۂ نمل	ع۴۹ سورۂ قصص	ع۵۰ سورۂ اسرٰی	ع۵۱ سورۂ یونس	ع۵۲ سورۂ ھود	ع۵۳ سورۂ یوسف	ع۵۴ سورۂ حجر	ع۵۵ سورۂ انعام	

ع۵۶ سورۃ نحل	ع۵۷ سورۃ لقمان	ع۵۸ سورۃ سبا	ع۵۹ سورۃ زمر	ع۶۰ سورۃ مومن	ع۶۱ سورۃ حٰم سجدہ	ع۶۲ سورۃ شوریٰ	ع۶۳ سورۃ زخرف	ع۶۴ سورۃ دخان
ع۶۵ سورۃ جاثیہ	ع۶۶ سورۃ احقاف	ع۶۷ سورۃ ذاریات	ع۶۸ سورۃ غاشیہ	ع۶۹ سورۃ کہف	ع۷۰ سورۃ صافات	ع۷۱ سورۃ نوح	ع۷۲ سورۃ ابراہیم	ع۷۳ سورۃ انبیا
ع۷۴ سورۃ مومنون	ع۷۵ سورۃ سجدہ	ع۷۶ سورۃ طور	ع۷۷ سورۃ ملک	ع۷۸ سورۃ حاقہ	ع۷۹ سورۃ معارج	ع۸۰ سورۃ نبا	ع۸۱ سورۃ نازعات	ع۸۲ سورۃ انفطار
ع۸۳ سورۃ انشقاق	ع۸۴ سورۃ روم	ع۸۵ سورۃ عنکبوت	ع۸۶ سورۃ مطففین	مدنی سورتوں کے نام	ع۸۷ سورۃ بقرہ ۱	ع۸۸ سورۃ انفال ۲	ع۸۹ سورۃ آلِ عمران ۳	ع۹۰ سورۃ احزاب ۴
ع۹۱ سورۃ ممتحنہ ۵	ع۹۲ سورۃ نساء ۶	ع۹۳ سورۃ زلزال ۷	ع۹۴ سورۃ حدید ۸	ع۹۵ سورۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۹	ع۹۶ سورۃ رعد ۱۰	ع۹۷ سورۃ رحمٰن جل جلالہ ۱۱	ع۹۸ سورۃ دہر ۱۲	ع۹۹ سورۃ طلاق ۱۳
ع۱۰۰ سورۃ بینہ ۱۴	ع۱۰۱ سورۃ حشر ۱۵	ع۱۰۲ سورۃ نور ۱۶	ع۱۰۳ سورۃ حج ۱۷	ع۱۰۴ سورۃ منافقون ۱۸	ع۱۰۵ سورۃ مجادلہ ۱۹	ع۱۰۶ سورۃ حجرات ۲۰	ع۱۰۷ سورۃ تحریم ۲۱	ع۱۰۸ سورۃ تغابن ۲۲
ع۱۰۹ سورۃ صف ۲۳	ع۱۱۰ سورۃ جمعہ ۲۴	ع۱۱۱ سورۃ فتح ۲۵	ع۱۱۲ سورۃ مائدہ ۲۶	ع۱۱۳ سورۃ توبہ ۲۷	ع۱۱۴ سورۃ نصر ۲۸			

اس مندرجہ بالا ترتیب سے تیئس ۲۳ سالہ دورِ نبوت میں یہ قرآن مجید نازل ہوا یعنی تیرہ ۱۳ سال مکہ مکرمہ اور دس ۱۰ سال مبارکہ بعد ہجرت مدینہ طیبہ میں وحی نازل ہوئی۔ اگرچہ بعض مفسرین نے اٹھارہ ۱۸ سال یا بیس سال نزول کی مدت لکھی ہے اسی آیت کی تفسیر میں مگر یہ مدت غلط ہے احادیثِ مبارکہ سے تیئس ۲۳ سال حیاتِ طیبہ کی مدّت ثابت ہے۔

فائدے ان آیتِ کریم سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ نفلی عبادات میں سب سے بہتر اور بڑی عبادت قرآن مجید کی تلاوت ہے یہ سمجھنے میں آئے یا نہ آئے ترجمہ معلوم ہو یا نہ معلوم ہو ہر مسلمان بچے بوڑھے جوان عورت و مرد۔ ماؤں بہنوں بچیوں کو ہر روز اپنے اپنے گھروں میں کرنا چاہیئے۔ اس کے دینی، دنیوی ظاہری باطنی بہت سے فائدے ہیں۔ یہاں تک کہ پڑھنے والے کے علاوہ سننے والوں کو بھی اس عبادت کا پہنچ جاتا ہے کہ اس کی آواز سے سوز و گداز اور عشقِ الٰہی کی لذّت اور عاجزی انکساری خشوع و خضوع کے علاوہ ایمان کو جلا اور تذکیۂ نفس روح کو روشنی قلب کو ہدایت دماغ کو تازگی ملتی ہے۔ مسلمانوں کے علاوہ کفار بھی مستفیض ہوتے دیکھے

گئے ہیں۔ یہ فائدہ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ اور اِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ بشرطیکہ مسلمان لوگ تلاوت کے تمام آداب طریقوں اور قرآن مجید کی ضروری باتوں کا خیال رکھیں۔ ان ضروریات کی پابندی سے دینوی اخروی فائدے اور ثواب لیکن پابندیوں کو نظر انداز کردینے سے دینوی نقصان اور اخروی عذاب کا اندیشہ ہے ہمارا سب سے پہلے یہ ضروری ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم کسی بڑے عالم دین سے حاصل کی جائے تاکہ وہ علم تجوید کے مطابق پہلے دن سے حروف کی صحیح ادائیگی سکھاتا ہوا تعلیم دے جید علماءِ کرام علم تجوید کے امام ہوتے ہیں اگر ایسا استاد دستیاب نہ ہوسکے تو کسی اچھے مضبوط قاری سے قرآن مجید پڑھا جائے اور پوری محنت وشوق سے غلطیاں ختم کرنی چاہئیں اس میں کسی کو شرم نہیں کرنی چاہئے۔ غلط قرآن مجید پڑھنا دین دنیا کی ذلت کا باعث ہے۔ اساتذہ کو چاہئیے کہ اوّلاً حروف پڑھنے کی مشق کرائے خاصکر الف۔ ع۔ ح۔ ہ ق ک ض کی ادائیگی بہت محنت سے شاگردوں کو پڑھائے تاکہ ہر حرف علیحدہ علیحدہ مخرج اور آواز سے اہلِ عرب کی مثل ادا ہوسکے۔ حرف ض میں وہابی لوگ اپنی جہالت اور ضد کی بنا پر سخت غلطی کرتے اور اس حرف کو اردو لہجے میں پڑھاتے ہیں ان کی دیکھا دیکھی بعض سُنّی قاری بھی جاہلانہ طریقہ اختیار کرلیتے ہیں حالانکہ عربی لہجہ اس کے خلاف ہے۔ اہلِ عرب ض کو دال کے آواز میں پُر کرکے بولتے ہیں نوکِ زبان کو گول کرکے۔ اس کے پورے دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد اوّل میں مطالعہ فرمائیے۔ دوسؔم یہ کہ تلاوت کرتے وقت چھ[٦] چیزوں کا خیال رکھنا بہت ضروری ہے جن میں کچھ کام فرض ہیں کچھ واجب اور کچھ مستحب علماءِ کرام نے اُن کے لیے عربی الفاظ وضع فرمائے ہیں ہر مسلمان کو یہ الفاظ یاد رکھنے اور روزمرہ اُن پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۱ توقیر۔ یعنی ہر مسلمان پر فرض ہے کہ قرآنِ مجید کی تلاوت باوضو پاک لباس نہایت ادب خشوع خضوع وقار پاک جگہ جہاں کسی جاندار کی تصویر فوٹو نہ ہو۔ بیٹھ کر کرے دورانِ تلاوت کرتے یہ توقیر فرض ہے بات بالکل نہ کرے۔ اگر مجبوراً کرنی پڑجائے تو دوبارہ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ بِسْمِ اللّٰهِ۔ سے شروع کرے اور آگے پڑھے۔ بعض جاہل پیروں اور خبیث خطیبوں نے جاندار فوٹو موجودہ دور میں وڈیو۔ کیمرہ کی تصویروں کو تحریراً و تقریراً جائز کہنا شروع کردیا ہے یہ سب جہنم کا راستہ ہے۔ دنیا کی عیاشیوں میں پڑکر کب تک رسول پاک سے مقابلہ کریں گے۔ ۲ ترتیل۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ نہایت اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر لفظ پورا بناکر زیر زبر تشدید کا خیال کرکے تلاوت کرے ۳ تبیین۔ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ تلاوت کرتے وقت ہر حرف پورا اور صاف منہ سے ادا کرے اگرچہ تیز پڑھے ۴ ترسیل۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ حرفوں لفظوں کو ہموار کرکے پڑھے ۵ تحسین۔ ہر مسلمان کو مستحب ہے کہ قرأتِ سبعہ کے مطابق عربی لہجہ اور طریقے سے تلاوت کرنے اور سیکھنے کی کوشش کرے ۶ تجوید۔ قرآن مجید کے تمام لفظوں حرفوں کو ہموار کرکے مخرج کے مطابق صفات کے

ساتھ ادا کرنا چاہیئے۔ یہ کوشش کرنا بہتر ہے۔ استاد کو چاہیئے کہ ہر چھوٹے بڑے شاگرد کو اس طریقے سے
قرآن مجید پڑھانا شروع کرے۔ بعض چیزیں وہ ہیں جو تلاوت میں حرام یا مکروہ تحریمی یا مکروہ تنزیہی ہیں۔ ایسی غلطیوں
سے ہر مسلمان کو بچنا چاہیئے اُن کے لیے بھی علماءِ کرام نے تقریباً چودہ عربی الفاظ وضع فرمائے ہیں۔ ان لفظوں کو
حفظ کرنا ہر مسلمان کو ضروری ہے ۱ ترعید۔ تلاوت کرتے وقت راگ اور نغمہ بازی کرنا حرام ہے یعنی مراثیوں
کی طرح سُریں اور طرزیں لگا کر قرآنِ مجید کو گانا۔ ۲ تعجیل۔ اس طرح جلد بازی سے تلاوت کرنا کہ صحیح طریقے زیر۔ زبر۔
شد۔ مد۔ ضمہ۔ وغیرہ حروف پورے ادا نہ ہوں توڑ موڑ کر لفظ نکلیں۔ یہ بھی حرام ہے۔ ۳ تطنین۔ جان بوجھ
کر گنگنی آواز سے پڑھنا۔ یہ بھی حرام ہے۔ ۴ تہمیز۔ حرفوں لفظوں کو جھٹکا دے دے کر تلاوت کرنا۔ یہ
بھی حرام ہے۔ ۷ ترقیص۔ علم تجوید کے بغیر لفظوں کو نچا نچا کر پڑھنا یہ بھی حرام ہے ۸ عنعنہ۔ عین کو
ہمزہ کی طرح ق کو ک کی طرح۔ ض کو ظ یا ذال یا ز کی طرح پڑھنا۔ ح کو ہ کی طرح یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اگر جان کر پڑھے
تو حرام ہے ایسے شخص کے پیچھے نماز جائز نہیں۔ ۹ رکزہ۔ بلا وجہ اور بلا ضرورت۔ حروف کو ادغام اور
تشدید سے پڑھنا۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ۱۰ تعویق۔ بلا وجہ لفظوں کے درمیان وقف کرنا۔ اور عبارت کو توڑنا۔
چھوٹے چھوٹے سانس لینا۔ یہ مکروہ تحریمی ہے۔ ۱۱ ذبر۔ پہلا لفظ پورا مکمل کیے بغیر دوسرا پڑھ دینا۔ مکروہ
تحریمی ہے۔ ۱۲ تنفیش۔ اِعراب و حرکات پورا ادا نہ کرنا۔ یہ مکروہ تنزیہی ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں
اعراب و حرکات یعنی زبر زیر پیش بہت اہم اور ضروری ہیں کیونکہ یہ حرفوں کی مثل ہیں۔ ان ہی سے فاعل مفعول
مجرور بنتے ہیں۔ ۱۳ تطویل۔ حرکات اور مَد کو حد سے زیادہ کھینچنا۔ یہ مکروہ تنزیہی ہے ۱۴ تمضیغ۔
حرفوں لفظوں کو چبا چبا کر پڑھنا۔ یہ بھی مکروہ تنزیہی ہے۔ لیکن اگر جان کر ایسا کیا گیا تو حرام ہے بلکہ جتنی بھی مکروہ
تحریمی و تنزیہی والی غلطیاں ہیں اگر کوئی جان کر ایسا کرے گا تو حرام ہے بلکہ کفر کا اندیشہ ہے۔ اس لیے کہ یہ
گویا قرآن مجید سے مذاق ہے۔ تلاوت میں تیسری ضروری چیز۔ قرآن مجید کے انیس ۱۹ رموز بہت احتیاط سے
یاد کرنے اور ان پر سختی سے عمل کرنا چاہیئے ۱ (آیت) ۲ ط ۳ ج ۴ ز ۵ ص ۶ صلے ۷ ق ۸ صل
۹ قف۔ یہ وقف کی علامت ہے وقف کی چھ ۶ قسمیں ہیں اوّل ۱ وقف النبی صَلَّی اللہُ علیہ وسلم دوم ۲ وقفِ جبریل
علیہ السلام سوم ۳ وقفِ منزل۔ چہارم ۴ وقفِ غفران پنجم ۵ وقفِ اختلافی ان تمام کی رموز ۱۰ ۃ ہے ششم ۶ وقف لازم
اس کی رمز ۱۱ م ہے ۱۲ س ۱۳ سکتہ ۱۴ لا ۱۵ ک ۱۶ مع۔ یہ معانقہ کی رمز و نشانی ہے جس جگہ لفظِ ناقص
(جو اپنا مطلب خود نہیں دیتا) وہ ہو تو اس کو عبارت میں دو طرفہ جوڑنے کو معانقہ کہا جاتا ہے۔ لفظ ناقص وہ
ہوتا ہے کہ اگر اس کو علیحدہ لکھا یا بولا جائے تو اس کا کوئی مطلب نہ نکلے۔ جیسے تمام جار مجرور فیہ۔ فِی الْجَنّٰتِ
وغیرہ اور اسم موصول۔ اور مُبہمات۔ معانقہ سارے قرآن مجید میں چونتیس ۳۴ جگہ ہے اٹھارہ عدد علماءِ قرأت کے متاخرین

کے نزدیک اور سولہ ۱۶ عدد متقدمین کے نزدیک ۔ معانقے کی علامت حاشیہ پر مع ہوتی ہے اور اندر اس جگہ عبادت میں ۱۷ ∴ ہوتی ہے ۱۸ ٥ ۔ یہ رمز ہے اس بات کی کہ حرف کو زیادہ لمبا نہیں کرنا اگر یہ نہ ہوتا تو لفظ کو بہت دراز کر کے پڑھا جاتا یہ قرآن مجید میں کل بائیس ۲۲ جگہ ہے ۱۹ ع یہ علامت ہر رکوع کے اختتام کی ہے ۔ تمام قرآن مجید میں ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتیں ہیں ۔ تیس ۳۰ پارے ہیں اس کو عربی میں جُز کہتے ہیں ۔ ہر پارے کے چار ۴ حصے کئے گئے ہیں یہ حصے حروف کی گنتی کے حساب سے کئے گئے ہیں عربی میں ان حصوں کے نام ہیں ۔ رُبع ۔ نصف ۔ ثلاثۃ ۔ تتمۃ ۔ ہر سپارے میں پہلا لفظ اس پارے کا نام ہے یہ نام یاد کرنے چاہئیں ۔ حفاظ کی تلاوت کے لیے پورے قرآن مجید کو سات ۷ دنوں کی مطابقت میں سات منزلوں پر تقسیم کیا گیا ہے ۔ پہلی ۱ منزل سورۂ فاتحہ سے شروع دوسری ۲ منزل مائدہ سورۃ ۵ سے شروع تیسری ۳ منزل یونس سورۃ ۱۰ سے شروع چوتھی ۴ منزل سورۂ اسریٰ ۱۷ سے شروع پانچویں ۵ منزل شعراء ۲۶ سے شروع چھٹی ۶ منزل سورۃ والصّٰفّٰت ۳۷ سے شروع ساتویں ۷ منزل سورت قمر ۵۴ سے شروع اور وَالنَّاس پر ختم ۔ قرآن مجید کے رموز عبارت کے لفظوں پر اور آیت کے اختتام پر لکھے ہوتے ہیں ۔ لیکن کچھ نشانیاں حاشیہ پر صفحات کے باہر باہر بھی لکھی ہوتی ہیں وہ کل پندرہ ۱۵ ہیں ۔ ۱ ع ۔ یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ تلاوت کا ایک رکوع ختم ہوگیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یا عثمان غنی یا فاروق اعظم نے تراویح کی رکعت میں اتنا قرآن مجید پڑھ کر رکوع فرمایا تھا ۔ اوپر کا نمبر سورۃ کے رکوع کا ہے نیچے کا نمبر سپارے کے رکوع کا ہے بیچ کا نمبر یہ بتاتا ہے کہ اس سابقہ رکوع میں اتنی آیتیں گزریں ۲ ربع ۳ نصف ۴ ثلاثۃ ۵ مع ۔ معانقے کی علامت ۶ وقف النبی ۷ وقف جبریل ۸ وقفِ منزل ۹ وقفِ غفران ۱۰ وقفِ اختلافی ۔ ۱۱ وقفِ لازم ۱۲ سجدہ ۔ یہ نشانی ہے کہ اندر اسی سطر کی آیت پر سجدۂ تلاوت واجب ہوگا ۔ ۱۳ ہر صفحہ کے اوپر دائیں جانب پارے کا نام و نمبر ہوتا ہے ۱۴ اور بائیں جانب سورۃ کا نام و نمبر لکھا ہوتا ہے ۔ ۱۵ اور صفحہ کے نیچے منزل کا نمبر لکھا ہوتا ہے ۔ قرآن مجید پڑھنے کی رفتاریں علماءِ تجوید و قرأت کے نزدیک تین ۳ قسم کی ہیں اوّل ترتیل ۔ یہ سب سے بہتر ہے اسی کا قرآنِ مجید میں کئی جگہ حکم فرمایا گیا ہے ۔ جس طرح محفلوں میں قاری اور علماء کرام پڑھتے ہیں دوسری تدویر ۔ درمیانی رفتار تیسری حدر بہت تیز پڑھنا جس طرح تراویح میں پڑھا جاتا ہے ۔ اگر بہت اچھی طرح سے قرأت و تجوید کے ساتھ قرآن پڑھنا جانتا ہو تو اس کو تینوں طرح پڑھنا جائز ہے لیکن اگر غلطی کا احتمال ہو یا سننے والے کو یَعْلَمُوْنَ تَعْلَمُوْنَ کے سوا کچھ سمجھ نہ آسکے تو ایسے شخص کو حدر پڑھنا گناہ ہے لیکن حدر پڑھنے کی صحیح حالت میں بھی تمام رموز کی پوری پابندی کرنا لازم ہے ۔ خواہ پڑھنے والا قاری ہو یا حافظ عالم یا غیر عالم (عوام) بعض لوگ حدر میں ط یعنی وقف مطلق کی پرواہ نہیں کرتے یہ

ان کی غلطی ہے۔ حدیث و قرآن سے ثابت ہے کہ قرآن مجید سات قرأتوں سے تلاوت کرنا جائز ہے۔ اور جبرئیل امین نے سات اداؤں سے نازل کیا۔ اسی لیے سات اصولی ائمۂ قرأت مشہور ہیں ع۱ امام عاصم اور ان کے راوی ابو حفص ہیں۔ آج کل موجودہ قرآن کریم ان کی قرأت و روایت والا مشہور ہے ع۲ امام قنبل کوفی ع۳ امام حمزہ مصری ع۴ کسائی بصری ع۵ امام نافع مکی ع۶ امام ابو عمر مدنی ع۷ امام ابن کثیر۔ شاذ قراء کے اسماء۔ ع۱ ابو محمد ع۲ امام خلاد ع۳ امام ابو شعیب ع۴ ابن کثیر ع۵ امام ابو بکر۔ غرض کہ یہ وہ ضروری باتیں ہیں جو تکمیل تعلیم قرآن کریم کے لیے ہر مسلمان کو سیکھنا یاد کرنا اور عمل کرنا اشد ضروری و لازم ہیں۔

دوسرا فائدہ۔ آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاوت سے قرآن مجید میں سوز و گداز پیدا ہوا۔ انجیل و توریت و زبور میں یہ بات نہ تھی گویا کہ زبان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹری قرآن کا چارج ہیں۔ یہ فائدہ۔ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ ۔ کو دوبارہ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ قرآن مجید کا تھوڑا تھوڑا ہو کر اترنا عام مسلمانوں اور عام امت دعوت و اجابت کے لیے ہے نہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے نبی کریم تو پورے قرآن مجید اس کے معانی۔ الفاظ قانون و ہدایت سے اس وقت بھی واقف اکمل تھے جب کہ ابھی حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھی قرآن مجید کا علم نہ تھا یہ فائدہ۔ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ ۔ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ سجدۂ تلاوت کھڑے ہو کر کرنا بہتر ہے۔ اگرچہ بیٹھ کر کرنا بھی جائز ہے۔ یہ مسئلہ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ يَخِرُّوْنَ ۔ کا معنی ہے زمین کی طرف گرنا۔ اور گرنا مکمل تب پایا جاتا ہے جب کھڑے ہو کر گرے۔ بیٹھ کر سجدۂ تلاوت کر لینے سے يَخِرُّوْنَ ۔ کا پورا اظہار و ظہور نہیں ہوتا۔ دوسرا مسئلہ۔ علم قرأت اور علم تجوید نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ادائیگی کا نام ہے۔ لہٰذا تجوید و قرأت کے قواعد اصولیہ و فروعیہ میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری اتباع کرنی چاہیے۔ وہ قرأتیں شاذ و متروک ہیں جو ذرہ بھر بھی طریقۂ مصطفیٰ سے ہٹ گئیں اپنی عقل سے نئے نئے قاعدے گھڑنا ہرگز جائز نہیں۔ یہ مسئلہ لِتَقْرَاَهٗ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرأت فرمانے کا حکم ہے۔

تیسرا مسئلہ۔ سجدۂ تلاوت کرنا واجب ہے اور امام اعظم کا مسلک اس بارے میں زیادہ مضبوط و درست ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ (الخ) سے مستنبط ہوا اس لیے کہ اذا ظرفیہ شرطیہ عموم و تکرار کو چاہتا ہے اور معنی یہ ہوا کہ جب بھی سجدے کی آیت ان پر تلاوت کی جاتی ہیں تو سجدہ کرتے ہیں۔ کبھی بے پرواہی نہیں کرتے۔ اور یہ حکم اسی چیز کا تقاضہ کرتا ہے کہ یہ سجدہ کرنا لازم سمجھتے ہیں اور جو لازم ہو وہی واجب ہوتی ہے۔ اور چونکہ یہ دلیل اقتضاء النص سے حاصل ہوئی اس لیے ظنی ہوئی اور استدلال ظنیہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اسی طرح

کتبِ اُصول فقہ میں لکھا ہے۔

سجدۂ تلاوت کے مسائل۔

ہم نے اپنے فتاویٰ جلد دوم میں سجدۂ تلاوت کے بہت سے مسائل لکھ دیئے ہیں۔ یہاں چند مسائل مزید بیان کئے جاتے ہیں ۱۔ تلاوت کے سجدوں کی تعداد میں چار قول ہیں اوّل یہ کہ سجدۂ تلاوت پندرہ ۱۵ ہیں۔ یہ قول سُفیان ثوری وغیرہ کا ہے مراۃ شرح مشکوٰۃ نے فرمایا کہ امام مالک کا مسلک بھی یہی ہے۔ مگر دیگر کُتبِ فقہ میں ایسا نہیں ہے۔ ان حضرات کے نزدیک پندرہ ۱۵ سجدے اس طرح بنتے ہیں کہ سورۂ حج میں دو۲ سجدے اور سورۃ صٓ میں ایک سجدہ اور قصارِ مفصّل یعنی سورۂ نجم۔ اِنشقاق۔ اِقرأ کے تین سجدے بھی درست ہیں۔ دوسرا۲ قول یہ ہے کہ تلاوت کے سجدے چودہ ہیں۔ مگر اس طرح کہ سورۂ حج میں دو سجدے ہیں اور سورۂ صٓ میں کوئی سجدہ نہیں ہے۔ یہ مسلک امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا ہے۔ تیسرا۳ قول۔ یہ ہے کہ تلاوت کے سجدے صرف گیارہ ۱۱ ہیں۔ اس طرح کہ سورۂ حج میں فقط ایک پہلا سجدہ ہے اور قصارِ مفصّل کی تینوں مندرجہ سورتوں میں کوئی سجدہ نہیں ہے یہ مسلک امام مالک علیہ الرحمۃ کا ہے۔ مگر یہ تینوں مسلک درست نہیں ہیں اور جن روایت سے ان بزرگوں نے استدلال کیا ہے وہ محدثین کے نزدیک اتنی مضبوط نہیں۔ چوتھا۴ قول۔ یہ کہ تلاوت کے سجدے چودہ ۱۴ ہیں۔ لیکن اس طرح کہ سورۂ حج میں ایک سجدہ پہلی آیت والا اور قصارِ مفصّل کی تینوں سورتوں میں سجدہ ہے یہ امامِ اعظم کا مسلک ہے اور تین۳ وجہ سے بہت درست اور مضبوط دلائل سے ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ متعدد احادیث سے سورۂ حج کا پہلی آیت والا سجدہ اور سورۃ صٓ کا سجدہ ثابت ہے ہم نے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں تفصیل سے ذکر کر دیا ہے۔ دوم۲ یہ کہ قرآن مجید کے بیانِ اسلوب سے اور طرزِ بیان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ حج کا دوسرا سجدہ تلاوت کا نہیں بلکہ وہاں نماز پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ اس لیے کہ یہاں رکوع سجدے اور عبادت مکمل کرنے کا تذکرہ ہے چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا (سورۂ حج آیت ۷۷) اس کے علاوہ جہاں جہاں سجدۂ تلاوت ہیں وہاں صرف سجدے کا ذکر ہے سوم۳ یہ کہ مصحفِ عثمانی یعنی حضرتِ عثمان غنی کے لکھے ہوئے قرآنِ مجید میں صرف اِن ہی چودہ ۱۴ جگہ سجدۂ تلاوت لکھا ہوا ہے جن آیات میں امامِ اعظم سجدۂ تلاوت کو واجب مانتے ہیں۔ نہ معلوم امام شافعی اور امام حنبل نے سورۂ حج کی اس آیت ۷۷ کو سجدے کی آیت کیوں مان لیا۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں مصحفِ عثمانی کے مطابق صرف چودہ ۱۴ سجدے ہیں دیگر ائمہ ثلاثہ کے پاس اس دلیلِ عثمانی کا جواب نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ سجدۂ تلاوت کے حکم میں دو۲ قول ہیں۔ پہلا۱ قول یہ کہ تمام سجدے تلاوت والے

اور سننے والے پر واجب ہیں یہ امام اعظم کا مسلک ہے اس کے مضبوط دلائل ہمارے فتاویٰ میں دیکھئے۔ دوسرا قول یہ کہ تلاوت کے سجدے سنّت ہیں۔ یہ دیگر ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے مگر دلائل صرف قیاسی ہیں اس لیے کمزور ہیں۔ سجودِ تلاوت کے واجب ہونے کے اسباب تین ہیں۔ ۱ تلاوت کرنا اگرچہ خود نہ سن سکے مثلاً بہرہ ہو یا بہت ہی آہستہ پڑھتا ہو۔ ۲ سننا یعنی قریب بیٹھا ہوا انسان عربی لفظوں میں آیت سنے اور اس کو یہ پتہ ہو کہ قرآنِ مجید کے الفاظ پڑھ رہا ہے۔ اگرچہ متوجّہ ہوکر نہ سنے سجدہ واجب ہو جائے گا لیکن بہرے انسان پر واجب نہ ہوگا۔ ۳ یہ کہ مقتدی ہو۔ تو اگرچہ نہ سنے مثلاً ظہر عصر کی نماز ہو یا بہرہ ہو یا سجدہ کی آیت تلاوت کرنے کے بعد فوراً ملا ہو۔ اور آیت نہ سنی ہو مگر نیت باندھتے ہی سجدہ واجب ہو گیا اور امام کے ساتھ سجدہ میں چلا جائے، سجدۂ تلاوت بالکل اسی طرح نہایت احتیاط سے باطریقۂ احسن سات اعضاء پر کرنا واجب ہے جس طرح نماز کے سجدے۔ کہ سجدے میں پیروں کی انگلیاں کعبہ رخ دبا کر رکھے ۲ گھٹنے دو ہاتھ اور ناک ماتھا جما کر زمین سے لگائے ایک بھی غلطی ہوگئی تو سجدہ نہ ہوگا۔ اور باغسل باوضو لباس جگہ پاک کعبہ کی سمت منہ کر کے کھڑے ہوکر سجدے میں جائے یا بیٹھ کر دونوں جائز ہے مگر کھڑے ہوکر زیادہ بہتر ہے۔ سجدۂ تلاوت اپنے ادا کے اعتبار سے ۲ قسم کا ہے۔ اوّل اداءِ معجّل۔ دوّم ادارِ مُوسّع۔ اگر نماز میں سجدے کی آیت تلاوت کی تو فوراً سجدہ کرنا لازم ہے امام کو بھی مقتدی کو بھی اور اگر منفرد ہے تو اس کو بھی نماز کے بعد قضا نہیں ہو سکتا تارک گنہگار ہوگا توبہ سے معافی کی قوی اُمید ہے۔ اسی کو سجدہ معجّل کہتے ہیں۔ نماز کے باہر تلاوت کی گئی تو سجدۂ موسّع ہے کچھ دیر ٹھہر کر بھی ادا جائز ہے۔ جب ادا کرے گا ادا ہی ہوگا قضا نہ ہوگا۔ مسئلہ۔ تلاوتِ قرآنِ مجید سب سے بہتر نماز میں ہے جتنا بھی پڑھا جا سکے نوافل میں پڑھے اور فرائض کی امامت میں مقتدیوں کا خیال رکھنا لازم ہے بغیر تراویح یا شبینے کے عام جماعت میں آیتِ سجدہ نماز کے اندر تلاوت نہ کرے تاکہ مقتدیوں کو مشقت نہ ہو۔ منفرد کو اختیارِ خوشنودی ہے۔ مسئلہ دیکھ کر پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے حفظ تلاوت کرنے سے۔ مسئلہ۔ اگر نماز میں سجدے کی آیت تلاوت کی تو سجدے میں صرف سجدے ہی کی تسبیح پڑھے کوئی دوسری دعا نہیں پڑھ سکتا۔ سجدے کی آیت سجدے میں پڑھے لیکن نماز کے علاوہ سجدے کی آیت تلاوت کی تو سجدے میں تسبیح کے بعد دوسری دعائیں پڑھ سکتا ہے مگر صرف عربی لغت والفاظ میں اور دینی دعائیں نیز سجدے میں اگر سجدے کی آیت تلاوت کی خواہ اسی سجدے والی یا کوئی دوسری سجدے والی تو دوبارہ سجدہ پڑ جائے گا یہی حکم نماز میں اس طرح کرنے کا ہے کیونکہ سجدے سے محفل بدل جاتی ہے مسئلہ۔ سجدوں کی تعداد ۲ طریقوں سے بڑھتی ہے یا آیت بدل جائے یا محفل اور جگہ بدل جائے۔ مثلاً ایک ہی آیت چل پھر تلاوت کر رہا ہے تو جتنی دفعہ پڑھے گا اتنی بار سجدے کرنے واجب ہیں۔ لیکن اگر ایک آیت ایک ہی جگہ بیٹھ کر ۱۰ دس دفعہ پڑھتا ہے تب بھی سجدہ ایک ہی واجب ہوگا۔ اور اگر ایک جگہ بیٹھ کر تین مختلف سجدوں کی

آیتیں تلاوت کرتا ہے تو تین ہی سجدے پڑیں گے۔ باقی مسائل کتب فقہ میں مطالعہ فرمایئے۔

قرآن مجید کے تمام سجدوں کی آیتیں۔ وجوبِ سجدہ کے الفاظ آیت پارہ اور سورۃ نمبر اور عربی لفظ کا ترجمہ

سجدہ ۱ پ ۹ سورۃ ۷ اعراف آیت ۲۰۶ متفقہ مکی

وَلَہٗ یَسْجُدُوْنَ۔ — اور اسی اللہ کو سب فرشتے سجدہ کرتے ہیں۔

سجدہ ۲ پ ۱۳ سورۃ ۱۳ رعد آیت ۲۰۶ ۔ متفقہ مکی

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ — اور اللہ کے لیے ہی وہ سجدہ کرتے ہیں جو آسمانوں اور زمین میں ہیں۔

سجدہ ۳ پ ۱۴ سورۃ ۱۶ نحل آیت ۵۰ متفقہ مکی

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ۔ — اور اللہ کے لیے ہی سجدہ کرتی ہیں وہ سب چیزیں جو آسمانوں اور جو زمین میں ہیں۔

سجدہ ۴ پ ۱۵ سورۃ ۱۷ اسریٰ آیت ۱۰۹ متفقہ مکی

وَیَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ۔ — اور گر پڑتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل۔

سجدہ ۵ پ ۱۶ سورۃ ۱۹ مریم آیت ۵۸ متفقہ مکی

خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُکِیًّا۔ — گر پڑتے تھے سجدہ کرتے اور روتے ہوئے۔

سجدہ ۶ پ ۱۷ سورۃ ۲۲ حج آیت ۱۸ متفقہ مدنی

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ — کیا تم نے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ کو ہی سجدہ کرتے ہیں وہ تمام جو آسمانوں میں اور وہ جو زمین میں۔

سجدہ ۷ پ ۱۸ سورۃ ۲۵ فرقان آیت ۶۰ متفقہ مکی

وَاِذَا قِیْلَ لَھُمُ اسْجُدُوْا لِلرَّحْمٰنِ۔ — اور جب اُن سے کہا جائے رحمٰن کو سجدہ کرو۔

سجدہ ۸ پ ۱۹ سورۃ ۲۷ نمل آیت ۲۶ متفقہ مکی

اَلَّا یَسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ یُخْرِجُ الْخَبْءَ — کیوں نہیں سجدہ کرتے اللہ کو جو نکالتا ہے چھپی چیزوں کو

سجدہ ۹ پ ۲۱ سورۃ ۳۲ سجدہ آیت ۱۵ متفقہ مکی

اِذَا ذُکِّرُوْا بِھَا خَرُّوْا سُجَّدًا۔ — جب وہ آیتیں انہیں یاد دلائی جاتی ہیں سجدے میں گر جاتے ہیں۔

سجدہ ۱۰ پ ۲۳ سورۃ ۳۸ صٓ آیت ۲۴ ۔ ۲۵ امام اعظم و مالک مکی

(۱) وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ ۔ — اور جھکتے ہوئے سجدے میں گر پڑا ۔

(۲) حُسْنَ مَاٰبٍ ۔ — قرب اور اچھا ٹھکانہ ہے ۔

سجدہ ۱۱ پ ۲۴ سورۃ ۴۱ حٰم سجدہ آیت ۳۷ ۔ ۳۸ امام اعظم کی ائمہ ثلاثہ

۳۷ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ ۔ — اور اللہ کو سجدہ کرو جس نے انہیں پیدا کیا ۔

۳۸ وَهُمْ لَا یَسْـَٔمُوْنَ ۔ — اور وہ اکتاتے نہیں ۔

سجدہ ۱۲ پ ۲۷ سورۃ ۵۳ نجم آیت ۶۲ مختلفہ مکی

فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۔ — تو اللہ کے لیے سجدہ کرو اور عبادت کرو تم ۔

سجدہ ۱۳ پ ۳۰ سورۃ ۸۴ انشقاق آیت ۲۱ مختلفہ مکی

وَاِذَا قُرِئَ عَلَیْهِمُ الْقُرْاٰنُ لَا یَسْجُدُوْنَ ۔ — اور جب قرآن پڑھا جائے ان کے سامنے سجدہ نہیں کرتے ۔

سجدہ ۱۴ پ ۳۰ سورۃ ۹۶ اقرأ آیت ۱۹ مختلفہ مکی

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۔ — اور سجدہ کرو اور ہم سے قریب ہو جاؤ ۔

سجدہ شافعی پ ۱۷ سورۃ ۲۲ حج آیت ۷۷ مختلفہ مدنی

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ ۔ — اے ایمان والو رکوع کرو تم اور سجدہ کرو تم اور عبادت کرو تم اپنے رب کی ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کیے جا سکتے ہیں ۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں اس آیت میں دو دفعہ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ کیوں فرمایا گیا ؟ **جواب** ۔ دو وجہ سے ۔ یا اس لیے کہ یہاں دو فعلوں کا اظہار فرمایا گیا پہلا سجدۂ تلاوت کا اور دوسری مرتبہ سجدے میں گرنا اظہارِ شکر کے لیے یعنی کبھی جب تلاوت سنتے ہیں تو تلاوت کا سجدہ کرتے ہیں اور کبھی جب کوئی اور آیت سنتے ہیں تو سجدۂ شکر کرتے ہیں ۔ اور یا اس لیے کہ یہاں دو کیفیت کا ذکر ہے کہ کبھی جب سجدہ کرتے ہیں تو ان کی کیفیت و حالت صرف سجدہ ریزی کی ہوتی ہے اور کبھی جب سجدہ کرتے ہیں تو انتہائی سوز و گداز خشوع و خضوع سے کرتے ہیں ۔ یا مطلب یہ ہے کہ جب قرآنِ مجید کسی اور کی زبان سے سنتے ہیں یا خود تلاوت کرتے ہیں تو سجدہ کی آیت پر سجدۂ تلاوت کرتے ہیں اور لیکن جب بھی تلاوت ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے سنتے ہیں تو ان کی حالت بہت ہی عشقِ الٰہی اور سوز و گدازی کی ہو جاتی ہے جس کی

وجہ سے دردِ قرآن سے روتے ہیں اور زبانِ مصطفیٰ کی تلاوت سے اُن کا خشوع اور قلب کی روشنی روح کا تذکیہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا۔ فرما دو کہ اے کفار تم چاہو تو اس قرآن پر ایمان لاؤ اور چاہو تو ایمان نہ لاؤ۔ گویا کفر کی اجازت دی جا رہی ہے۔ کفر کی اجازت دینا یا مرضی پر چھوڑنا تو بہت بری بات ہے۔ پھر یہاں ایسا کیوں فرمایا گیا ۔؟ **جواب**۔ معترض نے آیت کا ترجمہ ذرا سا غلط کر کے خود بخود اعتراض قائم کر لیا ورنہ یہاں اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں اس لیے کہ یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اے پیارے حبیب آپ جتنی محبت پیار نرم دلی رحمۃ عالمینی کا مظاہرہ فرماتے جا رہے ہیں یہ بدبخت کفار اتنے ہی نخرے میں اینٹھتے چلے جا رہے ہیں یہ جانے اپنے آپ کو کیا سمجھ رہے ہیں۔ آپ کی نرمی سے یہ غلط تاثر لے رہے ہیں لہٰذا اے پیارے نبی ان سے فرما دو کہ تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تمہارے اِس طریقے اِس طرز سے اسلام قرآن اور دینِ مصطفیٰ پر اچھا برا کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔ یہ طرزِ بیانی اجازت نہیں بلکہ سخت ترین جھڑک ہے۔ اور آیت کے ترجمہ میں چاہو کا لفظ دونوں جگہ بڑھانا غلط ہے الفاظِ قرآنی میں کوئی ایسا لفظ نہیں ہے جس کا ترجمہ چاہو کیا جا سکے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ جس کا ترجمہ ہے سجدے میں گرتے ہیں ٹھوڑیوں کے بل۔ یہ تو صحیح نہیں ہے اس لیے کہ سجدے میں تو ماتھے اور ناک کو زمین پر لگایا جاتا ہے اور چہرے کے بل گرا۔ یا جھکا جاتا ہے تو یہاں یا تو یہ فرمانا چاہیے تھا کہ چہرے کے بل ہوتے ہیں یا ماتھے کے بل یا ناک کے بل۔ ٹھوڑی کا تو سجدے سے کوئی تعلق نہیں۔

جواب۔ اس کا جواب چند طرح دیا گیا ہے اوّل یہ کہ یہاں اہلِ عرب کے محاورے کو مدِ نظر رکھا گیا۔ اہلِ عرب چہرے یا ماتھے کے بل گرنے کو ذقن کے بل گرنا ہی کہتے ہیں۔ اور ماتھے کے بل گرنے کا لفظ بھی اردو میں ایک اصطلاحی محاورہ ہی ہے تو یہ ایک اپنا اپنا محاورہ ہے مقصد سب کا وہی ایک ہے۔ دوم یہ کہ ذقن اس ہڈی کا نام ہے جس کو اردو میں جبڑا کہا جاتا ہے اور وہ سارے چہرے پر پھیلی ہوتی ہے اس لیے اذقان کا ترجمہ چہرے کے بل کہنا بھی درست ہے۔ سوم یہ کہ داڑھی اور ذقن شروع زمانوں سے آج تک بہت عزت شان اور بڑائی کی نشانی سمجھی گئی ہے جس طرح ہندوؤں میں مونچھ کو بڑا نشان بنایا گیا۔ شرفا میں داڑھی کو نشانِ عظمت و سرداری قرار دیا گیا ہے۔ تو یہاں فرمان کا مقصد یہ ہے کہ اپنی بڑائی سرداری و شان و شوکت کے نشان کو اللہ کے حضور خاک و دھول اور زمین میں ملاتے ہوئے سجدے کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِیْلًا قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖۤ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖۤ اِذَا یُتْلٰى عَلَیْهِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا۔ اور اس قرآن اعظم کو ہم نے ہی یا اس قرآن ہی کو ہم نے جسم انسانی کی مکمل کائنات

پر نازل فرمادیا کہ ظاہر پر قرآن کی شریعت باطن پر قرآن کریم کی طریقت دل پر معرفت دماغ پر حقیقت کی تھوڑی تھوڑی آیتیں نازل کر دیں کہیں نور کہیں نار کہیں پھول کہیں خار کہیں جباریت کہیں قہاریت تاکہ اے محبوب روح تو دنیاءِ انسانیت کے ناسوتوں کو ان کی استعدادِ حصول کے مطابق آہستہ آہستہ زبانِ لطیف سے عالم اسرار کا پورا بیان پڑھ کر سنا دے ہم نے اس قانون سرمدی اور کتابِ لاہوتی کو بہت ہی مناسبت سے وجودِ ملکوتیہ قدسیہ پر نازل کیا۔ اے محبوب روح تو عالم وجود کے نفوسِ مغرورہ کو سنادے کہ اے قلوب کی مہروں اور بندھنوں والو تمہارے وجود راہِ سلوک میں معدوم ہیں بارگاہِ قدس میں ان کا کوئی مقام نہیں۔ تم شکوک وغرور کی وادیوں کے بھٹکتے کوڑے ہو۔ تم کتابِ مقدس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ تم ہدایت کی راہ نہیں پا سکتے۔ بیشک راہِ عشق ومستی کا سفر ان ہی محبوب ومقبول ہستیوں کا حصۂ مقدر ہے جن کو عالم بقا میں پہلے سے ہی علم منور ومعطر کا خزانہ مل چکا ان کی نشانی یہ ہے کہ ان پر جب بھی عالم بقا کی کتاب انوار تلاوت کی جائے تو سجدۂ ابدیہ کلیہ کرتے ہوئے اپنے وجودِ ذات کو عجز کی فنا میں گراتے چلے جاتے ہیں ان کے وجود کا ہی عالم بقا میں اعتبار ہے کیوں کہ ان کا جسم محبوبِ بارگاہ ہو گیا ہے ہماری اس کتاب ہدایت پر انہی جیسے کروڑہا ازل العبد سے ایمان لا چکے ہیں۔ وَيَقُولُونَ سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنْ كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا لَمَفْعُولًا وَيَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ يَبْكُونَ وَيَزِيدُهُمْ خُشُوعًا۔ یہی علماء روحانیہ وجودِ نورانیہ اپنی فنا وعجز ومحتاجی۔ کمزوری کا اقرار کرتے ہوئے اور حقیقت حقانیہ کی معرفت حاصل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہر عیب سے پاک ہے ہمارا پروردگار عالم بیشک اس کے تمام ازلی ابدی معرفت وحقیقت کے وعدے اولیا اصفیا کے ساتھ سچے اور پورے کئے ہوئے ہیں۔ اور عشق ومعرفت۔ نورِ استعداد توفیقِ مطابقت کے خزانوں کے بوجھ سے ان کے وجود دائماً ان دہلیزِ مطلوب پر جھکے ہوئے ہیں۔ یہی وہ مسعودینِ فطری وجبلی ہیں جو ہمیشہ ہر حال وکیف میں عشقِ وفراق میں انکسار وعبدیت کے آنسوؤں سے روتے رہتے ہیں اور محبوبِ روح کی تلاوتِ سہانی قرأت بھینی کی خوشبوئیں ان کے قلوبِ معبد کو نور وخوشبو سے اور زیادہ منور ومعطر کرتی ہیں جس کی لذتِ روحانیہ ان کے دل کے خشوع دماغ کے خضوع کو اور زیادہ کرتی ہیں (محی الدین ابن عربی) صوفیا فرماتے ہیں کہ انسان میں رب تعالیٰ جل سبحانہٗ نے تمام مخلوق کی صفات پیدا کی ہیں۔ سونا۔ کھانا۔ پینا اور جماع یہ جانوروں کی عادات ہیں۔ لڑنا مارنا مرنا یہ درندوں کی عادات ہیں۔ عیاری۔ مکاری شرارت کرنا اور پھیلانا شیطان کی عادات ہیں۔ عبادات۔ ریاضت تقویٰ فرشتوں کی عادات ہیں۔ عاجزی انکساری۔ برداشت زمین کی عادت ہے عطا وسخا آسمان کی عادت ہے نور دینا چمکانا سورج کی عادت ہے نور ومعرفت حاصل کرنا چاند تاروں کی عادت ہے اٹل ہو جانا پہاڑوں کی عادت ہے۔ حسد وبغض عداوت جنات کی عادت ہے۔ ان مجموعۂ خصائل اور انسانی مختلف حالات کیفیات کی

بنا پر ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ (الخ)

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَيًّا مَّا

فرما دو کہ اللہ کا نام لے کر دعا مانگو یا رحمٰن کہہ کر جس طرح بھی

تم فرماؤ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر جو کہہ کر

تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ۚ وَلَا تَجْهَرْ

دعا مانگو پس اس کے بہت پاکیزہ دذو معنیٰ نام ہیں۔ اور نہ چیخ کر

پکارو سب اسی کے اچھے نام ہیں۔ اور اپنی نماز نہ

بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ

پڑھو اپنی نماز میں اور نہ بہت آہستہ پڑھو نماز میں۔ اور تلاش کرتے رہو

بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ

ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿۱۱۰﴾ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ

اس کے درمیان راستہ۔ اور فرماؤ کہ سب حمدیں اس اللہ کی ہیں جس نے اپنے

بیں راستہ چاہو۔ اور یوں کہو سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے لیے

يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِى

لیے اولاد نہ بنائی اور پوری کائنات، ملک میں اس کا کوئی

کچھ اختیار نہ فرمایا اور بادشاہی میں کوئی اس کا

الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ

شریک نہیں اور نہ اس کو کبھی کمزوری ہو جو کسی مددگار کی ضرورت پڑے اور

شریک نہیں اور کمزوری سے کوئی اُس کا حمایتی نہیں اور

ع ۱۲ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ع ﴿۱۱۱﴾

تم اسی اللہ کی تکبیریں پڑھتے رہو ہردم تکبیر

اُس کی بڑائی بولنے کو تکبیر کہو

تعلق اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں قرآن مجید کو آیت آیت کر کے مختلف زمانوں میں مختلف قانون و عبادات نازل فرمانے کا ذکر ہوا اَب اِن آیت میں اللہ تعالیٰ کے مختلف ناموں سے مختلف دعائیں مانگنے کا ذکر و حکم فرمایا جا رہا ہے۔ **دُوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں مسلمانوں کے سجدوں اور خشوع کا ذکر فرمایا گیا تھا اب اِن آیتِ پاک میں خشوع کو باقی رکھنے کا طریقہ بتایا و سکھایا جا رہا ہے کہ وَلَا تَجْهَرْ (الخ)

تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں ایمان والوں کے عاجزانہ سجدہ کرنے کا ذکر ہوا تھا اَب اِن آیت میں مسلمانوں کو زبانی و قولی ایسی عبادت و حمدِ الٰہی کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے جس سے سارے کفریات کی تردید ہوتی چلی جائے گویا کہ بدنی عبادت کے بعد قولی عبادت کا ذکر ہے۔

شانِ نزول مورخ اسلام محدث حضرت ابن مردویہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ایک رات حطیمِ کعبہ میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت دراز سجدہ فرمایا اور اپنے اس سجدے میں کچھ بلند آواز سے کبھی یا اللہ کا ورد فرماتے کبھی یا رحمٰن کا۔ جب آپ سجدے سے فارغ ہوئے تو ابو جہل اور اُس کے ساتھیوں نے اعتراضًا باتیں کیں کہ دیکھو یہ محمد ہم کو تو زیادہ معبودوں کو سجدہ کرنے سے منع کرتے ہیں اور خود سجدے میں دو معبودوں کا نام لیتے ہیں کبھی اللہ کو پوجتے ہیں کبھی رحمٰن کو۔ تب یہ سات آخری آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۱۰۵ تا آیت ۱۱۱۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اِس سورۃ اسریٰ کے تمام شانِ نزول۔ خزائن العرفان اور اسبابُ النزول امام جلال الدین سیوطی سے نقل کئے گئے ہیں اسباب نزول و تعدادِ آیت ربطِ آیت کے مطابق ہیں۔ اسی مطابقت سے بیان کئے گئے ہیں۔

تفسیر نحوی

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۔ قُلْ ۔ فعل امر حاضر معروف واحد حاضر کا صیغہ اَنْتَ ضمیر فاعل مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ قول ہوا ۔ اُدْعُوْا ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر جمع مذکر اَنْتُمْ ضمیر جمع پوشیدہ خطاب ہے تا قیامت سب مسلمانوں کو اور جواب کفار معترضین کو دیا جا رہا ہے دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنی بلانا پکارنا دعا مانگنا پوچھنا یہاں پہلے معنیٰ بھی ہو سکتے ہیں اور آخری معنیٰ مانگنا بھی ۔ اَللّٰهَ اسم مفتوح مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا اَوْ حرفِ عطف اختیاری ۔ اُدْعُوْا ۔ دَعْوٌ سے مشتق ہے امر جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل الف لام زائدہ معرفہ کا ۔ رَحْمٰن ۔ اسم مفرد صفاتی نام ہے اللہ کا اس کے اشتقاق میں چار قول ہیں ۱ یہ عبرانی لفظ ہے جامد ہے اسی لیے اہل عرب اس لفظ سے شناسا اور واقف نہ تھے اور قرآن مجید کے علاوہ یہ لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے مروج نہ تھا ۔ ۲ یہ لفظ عربی اسم جامد ہے مگر اہل عرب اس کی نسبت الی اللہ سے اور اللہ کا نام ہونے سے واقف نہ تھے اگرچہ معنیٰ سے واقف تھے اسی لیے ابوجہل وغیرہ معترض ہوئے ۳ یہ عربی لفظ ہے اسم مشتق ہے نہ کہ جامد ۔ رَحْمٌ سے بنا ہے الف نون زائدتان ہے مگر چونکہ عَلَم نہیں بلکہ وصف ہے اس لیے غیر منصرف نہیں اسم معرب متمکن منصرف نکرہ ہے ۴ یہ لفظ عربی ہے مشتق مبالغہ ہے الف نون مبالغہ کا ہے ۔ بروزنِ شعبان ۔ شبعان ۔ نَدمان ۔ اسی لیے اس کا تثنیہ جمع نہیں ہے بقاعدۂ نحویہ کسی بھی لفظِ مبالغہ کا جمع تثنیہ نہیں ہوتا اگرچہ صفت مشبّہ برائے مبالغہ ہو ۔ عرب میں اللہ کے نام کے لیے یہ لفظ رائج نہ تھا ۔ البتہ اشتقاق و معانی جانتے تھے ۔ یہ لفظ یہاں مفعول بہ ہے بحالتِ فتحہ ہے اُدْعُوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر مقولۂ اول ہوا ۔ اَيًّا ۔ اسم شرط یا حرفِ شرط ۔ ما موصولہ زائدہ ۔ اسم شرطیہ ہے اَيًّا کے بعد یہ دوسرا حرفِ شرط تاکیدِ شرط کے لیے ہے اب دونوں جڑ کر ایک ہو کر مضاف ہیں مضاف الیہ پوشیدہ کا ۔ اَيًّا کی تنوین عوضی ہے ۔ مضاف الیہ کے عوض میں آئی یہاں اِسْمَيْنِ پوشیدہ ہے ترجمہ ہے دونوں ناموں کے ساتھ جس سے بھی ۔ اَيًّا مَّا نے جزم کا عمل دیا تَدْعُوْا کو اس لیے اس کی نونِ اعرابی گر گئی دراصل ہے تَدْعُوْنَ ۔ یہ مضارع مستقبل ہے ۔ اور اَيًّا مَّا مفعول بھی ہے ۔ کیونکہ مفعول بہ مقدم ہے اسی تَدْعُوْا کا ۔ نحو میں صرف یہ ہی وہ واحد لفظ ہے جو بیک وقت ایک ہی چیز کا عامل بھی ہے معمول بھی ۔ اَنْتُمْ اس میں ضمیر مستتر ہے ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ۔ فَ ۔ جزائیہ ہے ۔ یا زائدہ اور اگلی عبارت علیحدہ جملہ ہے شرط کی جزا پوشیدہ فعل فَيَجُوْزُ ہے لام جارّہ ہٗ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا الف لام عہدی اَسْمَآءُ ۔ جمع مکسر ہے اِسْمٌ کی وَسْمٌ یا سُمُوٌّ سے متغیر ہے بمعنی نام موصوف ہے الف لام بمعنی اَلَّذِیْ حُسْنٰی ۔ اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر صیغہ اَحْسَنُ ہے حُسْنٌ سے بنا ہے

بمعنی انہایت پاکیزہ خوبصورت۔ شاندار ہونا۔ صاحب وصف لائق توصیف اسم بامسمیٰ ہونا۔ صفت ہے اَسْمَاء کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے پوشیدہ ثابتٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر جزا۔ اَیًّامَّا۔ شرط و جزا مل کر مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ لَا تَجْهَرْ باب نَصَرَ کا یا فَتَحَ کا فعل نہی معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ مستتر فاعل ہے مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر خطاب تاقیامت سب مسلمانوں کو ہے کیونکہ یہ نہی قانونی ہے نہ کہ خطابی تخصیصی انبیاء کرام چونکہ معصوم ہوتے ہیں اس لیے اُن کو نہی تخصیصی وجوبی یا لزومی نہیں ہوتی بِ جارہ تعدیہ کی صَلَاتِ اسم مفرد حاصل مصدر آخر میں ۃ مصدریہ ہے بمعنی نماز مراد ہے قرئت اور تکبیریں تسبیح و تحمید و سلام آخری۔ چونکہ یہی اکثریت نماز ہے اس لیے کل بول کر جز۔ مراد لیا گیا لَا تَجْهَرْ جَهْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ضرورت سے زیادہ اونچا بولنا یا پڑھنا جو چیخنے کے مشابہ ہو جائے۔ کَ۔ ضمیر ظاہر کا مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم مراد تاقیامت مسلمان ہیں۔ بِصَلَاتِکَ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے لَا تَجْهَرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتداءِ کلام۔ لَا تُخَافِتْ باب مُفَاعَلَةٌ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر اس کا مصدر مُخَافَتَةٌ ہے خَفْتٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بہت آہستہ بولنا۔ بِ جارہ تعدیہ کی ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع ہے صلاۃ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا تُخَافِتْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ اِبْتَغِ۔ باب اِفْتِعَال کا امر حاضر معروف واحد حاضر۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل یہ بھی امر قانونی سب کے لیے اس کا مصدر ہے اِبْتِغَاءٌ بَغْوٌ سے بنا ہے بمعنی تلاش کرنا پسند کرنا۔ بَیْنَ اسم ظرف مکانی معرب متمکن ہے ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ پورا سابق کلام دونوں نہی ہیں۔ سَبِيلًا اسم مبالغہ مفعول بہ اور بَیْنَ ذٰلِكَ اضافی ظرف ہے اِبْتَغِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔

واؤ ابتدائیہ قُلْ فعل امر باب نَصَرَ قول اجوف واوی سے بنا ہے بمعنی کہو انت اس کا فاعل پوشیدہ مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم الف لام استغراقی بمعنی تمام۔ ہر قسم کی۔ ہر ایک کی۔ ہر چیز کی۔ حمد۔ اسم مفرد جامد بمعنی تعریف اچھائی افضلیت۔ مراد ہے وہ ذاتی اچھائی جو خصوصی ہو۔ اس لیے اصطلاحاً صرف اللہ تعالیٰ کی حمد ہی سکتی ہے بحالت رفع مبتدا ہے۔ لام جارہ ملکیت کا اللہ مجرور۔ موصوف اَلَّذِیْ اسم موصول۔ لَمْ یَتَّخِذْ باب افتعال کا فعل مستقبل مضارع بمعنی ماضی نفی جحد بلم فاعل کے جان بوجھ کر نہ کرنے کا ذکر ہوتا ہے مصدر اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ مہموز الفا سے بنا ہے۔ بمعنی لینا۔ بنانا۔ پکڑنا۔ اختیار کرنا۔ پسند کرنا یہاں مراد اختیار کرنا ہے۔ ھُوَ مستتر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ وَلَدًا اسم مفرد جامد بمعنی اولاد بچہ۔ بیٹا منصوب ہے مفعول بہ ہے لَمْ یَتَّخِذْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ لَمْ یَكُنْ فعل تامہ مضارع مستقبل نفی جحد بلم لام جارہ تعدیہ کی ہٗ ضمیر مجرور متصل مرجع اللہ تعالیٰ شَرِیْكٌ اسم صفت مشبہ بمعنی حصے دار مد مقابل برابر مرتبے والا۔ شِرْكٌ مصدر مادہ سے بنا ہے مرفوع ہے فاعل

ہے۔ فِیْ جارہ ظرفِ مکانی کے لیے الف لام استغراقی مُلْکِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سلطنت حکومت علاقہ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ لَمْ یَکُنْ اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لَمْ یَکُنْ فعل تامہ مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی لَہٗ جار مجرور متعلق اول۔ وَلِیٌّ اسم مفرد جامد حاصل مصدر جامد اسکا اشتقاق بھی وَلِیَ سے بمعنیٰ مددگار۔ والی۔ وارث بحالتِ رفع ہے فاعل ہے۔ مِنْ جارہ الف لام عہدِ خارجی۔ ذُلّ اسم مفرد مبالغہ مصدر مادہ۔ بمعنیٰ جسمانی کمزوری خواہ بیماری کی وجہ سے ہو یا بڑھاپے کی وجہ سے یا اپنی سرکشی۔ غرور۔ جہالت کی وجہ سے رُسوائی بےعزتی کی کمزوری ہو۔ جو کمزوری غیر کی طرف سے آئے اُس کو ذِلّ کہتے ہیں مثلاً جبرو قہر و دباؤ ڈالا جائے۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ لَمْ یَکُنْ فعل اپنے فاعل وَلِیٌّ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مقولہ ہو کر جملہ قولیہ ہوگیا واؤ عاطفہ کبِّر۔ باب تفعیل کا امر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ کا مرجع ذاتِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا مصدر ہے تکبیر کِبَرٌ سے بنا ہے مصدر متعدی ہے مادہ لازم ہے ترجمہ ہے بڑائی بیان کرنا حقیقتاً بڑا ہونا۔ تَکْبِیْرًا اسم مصدر مفعول مطلق ہے کبّر کا اس لیے منصوب ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔

فرما دیجئے اے پیارے حبیب۔ اے منکرو لفظی جھگڑوں میں نہ پڑو ایک ہی ذات وحدہٗ لاشریک سچا معبود ہے جس کی بیشمار صفات کی وجہ سے بیشمار نام ہیں توجّہ ذات کی طرف کرو اُس کے ہر نام میں اس کی شان کی جھلک ہے خواہ یا اللہ کہہ کر اس کو پکارو اس سے دعائیں التجائیں فریادیں کرو کہ یہ ہی علم ذاتی ہے اسم اعظم ہے اور تمام صفاتِ کمالیہ کا جامع ہے۔ لغت۔ بناوٹ تغیّر تبدّل تعبیر تقریر۔ تفسیر۔ جامعیت۔ کاملیت جامدیت غرضکہ ہر لحاظ سے یہ لفظ اتنا عجیب تر ہے کہ بڑے بڑے مفسّرین نحویین۔ منطقی۔ فلسفی علما۔ فضلا۔ حیرت اندر حیرت اندر حیرت اندر حیرانی میں کسی نے کہا یہ اَلَہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ متحیّر کرنا ۲ کسی نے کہا اَلَہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ سکون دینا ۳ کسی نے کہا یہ اَلْوَلَہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ عقل گم ہو جانا ۴ کسی نے کہا یہ لاہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ بلند ہونا یہ امام رازی کا قول ہے ۵ کسی نے کہا یہ لاہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ مخفی ہونا۔ ۶ کسی نے کہا یہ اَلِہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ راغب کرنا ۷ کسی نے کہا یہ اَلَہٗ سے بنا ہے بمعنیٰ عطا کرنا۔ مگر یہ سب اپنے انداز سے ہی ہے حقیقت کسی کو خبر نہیں۔ آنرا کہ خبر شد خبرش باز نہ آمد۔ نہ اس کو مشتق ہی کہا جا سکتا ہے نہ جامد نہ عربی نہ عجمی نہ عبرانی نہ یونانی نہ سریانی نہ تورانی نہ ہندی نہ چندی جس دماغ نے بھی جس طرح کی چھان بین کی عقل دوڑانے کی کوشش شروع کی وہی ماؤف و مدفون ہو کر رہ گیا لہٰذا اُس بے مثل ذات کو چاہو تو

اُس کے اِسی بے مثل نام سے پکارو یہ ذات تاملیت میں کامل ہے اور اُس کے نامِ مقدس کا یہ لفظ اسمیت میں کامل ہے۔ یہی جمال ہے یہی جلال ہے یہی قہر ہے یہی مہر ہے۔ اور چاہو تو اپنی بے بسی کمزوری ضعیفی بندگی کا اور اُس کے طلبِ رحمت کا اظہار کرتے ہوئے اس کے صفتِ رحم وکرم وجمال والے نامِ پاک سے یا رحمٰن یا رحمٰن کہہ کر اس کو پکارو۔ اُس کی رحمت بہر حال تمہارے دامنِ التجا میں آجائے اِس کے علاوہ اُس کے کروڑہا نام اور بھی ہیں کہ ہر نام اُس کی صفات کو ظاہر کر رہا ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ کا ذاتی نام فقط ایک اللہ ہے مگر صفاتی نام بے حدو بیشمار ہیں۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ جس کی جتنی صفتیں ہوں اتنے ہی صفاتی نام ہوتے ہیں۔ صفتیں بڑھتی جاتی ہیں تو صفاتی نام بھی بڑھتے جاتے ہیں دنیا میں بڑے سے بڑا انسان بھی زیادہ سے زیادہ چار چھ صفاتی نام کی قابلیت پیدا کر کے دنیا سے چلا جاتا ہے۔ مگر کائنات میں خالق تعالیٰ اور مخلوق میں نبیٔ اعلیٰ ہی ایسی شان کے مالک ہیں کہ ان دونوں ذاتوں کے صفاتی نام کی گنتی طاقتِ انسانی سے ممکن نہیں بلکہ مزید یہ کہ محبوبیتِ مصطفیٰ تو دیکھو کہ رب تعالیٰ نے اپنے مشہور اسماءِ صفاتیہ میں بہت سے غیر خصوصی صفات کے حامل نام اپنے محبوب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیئے جن میں سے چوبیس نام تو قرآن مجید ہی میں مذکور ہیں۔ اس طرح کہ اگر ایک آیت میں وہی لفظ اللہ تعالیٰ کا نام بنتا ہے تو کسی دوسری آیت میں ظاہراً یا اشارۃً لفظاً یا عبارتاً وہی لفظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام بن جاتا ہے۔ مثلاً ۱ قوِیٌّ۔

۲ وَلِیٌّ ۳ جَوَادٌ ۴ حافظٌ ۵ حقٌ ۶ حکیمٌ ۷ سَمِیعٌ ۸ بصیرٌ ۹ شکورٌ ۱۰ شہیدٌ ۱۱ رشیدٌ

۱۲ ناصرٌ ۱۳ مالکٌ ۱۴ ھادیٌ ۱۵ نورٌ ۱۶ رحیمٌ ۱۷ رؤفٌ ۱۸ اَوَّلٌ ۱۹ آخرٌ ۲۰ ظاہرٌ ۲۱ باطنٌ ۲۲ کریمٌ

۲۳ عزیزٌ ۲۴ قریبٌ۔ اِس کے علاوہ اور بھی بہت سے اسماءِ پاک ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بھی ہیں نبی پاک کے بھی اور جن سے اللہ تعالیٰ کو بھی پکار سکتے ہیں اور پیارے آقا کو بھی صلی اللہ علیہ وسلم مگر یہاں فرقِ عظیم یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی یہ ذاتی دائمی قدیمی ازلی ابدی صفات ہیں اور حبیبِ پاک صاحبِ لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صفات اللہ تعالیٰ کی عطا اور بخشش ہیں۔ دعا مانگنا عبادت بھی ہے اطاعت بھی اظہارِ عجز و نیاز بھی لہٰذا جب رب تعالیٰ سے دعا مانگی جائے گی تو فقط اسی کے اسما کو بولا اور پکارا جائے گا۔ اَیًّامَّا۔ جو بھی نام لے ذاتی یا صفاتی وہ ہی پیارا ہے مگر اتنا خیال رہے کہ بوقتِ دعا رب کے نام کے ساتھ کسی اور کا نام مت لو مثلاً۔ یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم وغیرہ کثیر ناموں سے دعا مانگنا ٹھیک ہے۔ لیکن یا اللہ یا رسول۔ یا غوث۔ یا اللہ یا پیر فقیر کہنا قطعاً ناجائز ہے اس کی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ سے مانگنا عبادت ہے اور عبادت میں کسی کو شریک کرنا گناہ ہے۔ ہاں البتہ صرف یا رسول اللہ کہنا۔ یا غوث پاک المدد۔ یا کسی بھی ولی اللہ سے کچھ مانگنا اور ان کو پکارنا ہو تو صرف اس بزرگ کا ہی نام لیا جائے۔ مثلاً یا رسول اللہِ اُنظر حالنا۔ وغیرہ کہنا شرعاً بالکل جائز ہے کیونکہ یہ پکارنا عبادت نہیں بلکہ اظہارِ عجز ہے۔ اسی مثلے

اور شرعی قانون کی بنا پر ڈاکٹر حکیم حاکم پولیس فوج وغیرہ کو پکارنا بھی جائز ہوا کیونکہ عبادت نہیں بلکہ اطاعت و ضرورت ہے دوسرے یہ کہ فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اس ذاتِ بے مثل کے بیشمار نام حسنیٰ ہیں۔ یعنی صفاتِ کمالیہ میں واقعۃً حقیقۃً بے مثل ہیں اور اسم بامسمّٰی ہیں۔ چنانچہ ننانوے نام تو وہ ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی انسانوں کو ملے اور ایک ہزار دریائی مخلوق کو ایک ہزار سمندری مخلوق کو ایک ہزار جنگلی مخلوق کو ایک ہزار ہوائی مخلوق کو پھر زمینی حشرات کو اتنے ہی ہر آسمان کو ہزار ہزار اسماءِ الٰہیہ کا عطیہ ملا۔ اور ہر ہر فرد اپنے ہی اسمِ الٰہی کے ساتھ عبادتِ الٰہیہ و فریاد و التجا میں مشغول ہے اور یہ سب نام پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی تمام مخلوق کو ملے کیونکہ آپ ہی ابتداء آفرینش سے سب مخلوق کے نبی بنائے گئے اس لیے آپ کی باطنی بعثت خلقتِ آدم علیہ السلام سے پہلے کی گئی کہ رہنمائی پہلے ہی ضروری تھی۔ اسما کو حسنیٰ کی قید سے اس لیے مزّین و مقیّد فرمایا گیا کہ دنیا والوں نے اللہ تعالیٰ کے خود ساختہ نام بھی بہت سے رکھ لیے ہیں وہ سب غیر حسنیٰ ہیں کیونکہ بے معنیٰ لا یعنی اور بارگاہِ خداوندی میں ناقابلِ قبول ان ناموں سے اگر کوئی شخص دعا مانگے تو دعا رائگاں جائے گی اور دعا والا گناہگار ناپسندیدہ۔ جیسا کہ آریوں نے پرمیشور۔ ہندوؤں نے بھگوان انگریزوں نے گاڈ۔ آتش پرستوں نے یزداں۔ سورج پرستوں نے ہنگری اپنے اپنے پاس سے بنا لیے اور کہتے ہیں کہ یہ بڑے معبود یعنی اللہ کے لیے نام ہیں۔ اسماءِ حسنیٰ صرف وہ نام ہیں جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے ادا ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مخلوق کو بتلائے سکھائے سمجھائے اُن ہی ناموں کے وسیلے سے اُس کی بارگاہ میں نماز۔ دعا۔ تلاوت۔ قرأت۔ التجا فریاد غرضیکہ ہر طرح کی حاضری کے آداب یہ ہیں کہ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ اور نہ چیخ کر بولو اپنی نماز یا دعا میں یا تلاوت و تکبیرات میں تاکہ نہ تم کو مشقت پڑے نہ خشوع خضوع میں فرق آئے نہ تمہارا وقار مجروح ہو اور نہ منکرین کو کسی طرح کا اعتراض یا مذاق کا موقع بے موقع ملے نہ کوئی بیمار تمہاری وجہ سے تنگی میں آئے۔ لیکن نہ ہی بہت آہستہ کہ مقتدیوں کو بھی سنائی نہ دے اور تمہاری دعا میں شامل نہ ہو سکیں کہ بروقت آمین نہ کہہ سکیں نہ تلاوت سن سکیں نہ تکبیریں اور اُن کی نمازیں غلط۔ دعا میں حق تلفی ہوتی رہے۔ اتنی آہستہ آواز مت رکھو۔ کیونکہ امام ضامن ہوتا ہے مقتدیوں کو پورے حقوقِ نماز دینے پر۔ جہری نمازوں میں تلاوت کا سننا۔ اور دعا کے مفہوم کو سمجھنا۔ الفاظ کو سننا اور آمین کہہ کر تائیدِ دعا میں شامل ہونا مقتدیوں کا حقِ عبدیت ہے اور ایسا ہونا چاہیے کہ۔ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا۔ ان دونوں قسم کی آوازوں میں افراط و تفریط کو چھوڑ کر۔ درمیانی آواز کا طریقہ اختیار کرو جو بہت ہی پُر وقار نرم اور خوش کن خوش ادا ہو۔ یہ تینوں صیغے نہی اور امر۔ خصوصی حکم اور قانون نہیں بلکہ تاقیامت ہر امام اور مسلمان کے لیے ایک ابدی قانون کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس میں تینی جہری نمازیں مغرب۔ عشا۔ فجر۔ ذکر اذکار

تلاوت ۔ قرأت اور دعائیں شامل ہیں اور یہ حکم وجوبی ہے کہ اس پورے قانون پر عمل کرنا ہر طرح لازم و مفید ہے باعثِ ثواب نہ کرنا گناہ ۔ اے پیارے نبی جس ذاتِ واحد وصمد کی اتنی صفات ہوں اور ہر صفت کے اتنے نام ہوں وہی لائقِ حمد وستائش ہے ۔ لہٰذا وَقُلْ ۔ اور آپ اپنے ہی دہنِ مبارک زبانِ پاک سے فرمادیجئے ۔ کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا ۔ فرمادیجئے تمام تعریفیں اچھائیاں شانیں حقیقی مجازی ذکری فکری اقراری تصدیقی ۔ استحقاقی ۔ بدیعی ۔ خلقی ۔ سب اُسی اللہ جَلَّ مجدُہٗ کے لیے ہیں خواہ ذات سے نسبت ہو یا صفات سے یا مظہرِ صفات سے لفظِ قُلْ کہنے میں اشارۂ الٰہیہ ہے کہ حمد بھی صرف وہ ہے جس کا طریقہ آقائے کائنات نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیں سکھائیں سمجھائیں کہ یہ حمد ہے یا جس طریقے سے محبوب نبی خود حمد فرمائیں وہی حمد مقبول ہے ۔ اس کو چھوڑ کر جو طریقہ بھی اختیار کیا جائے وہ حمد نہ بنے گا بلکہ گستاخی ہوگا ۔ مثلاً اللہ کو باپ کہہ دینا یا بندے کو بیٹا کہہ دینا جیسا کہ یہود و نصاریٰ نے کیا یا علی کرم اللہ وجہہٗ کو رب کہہ دینا جیسا کہ تبرائی شیعہ اور روافض نے کیا اور اسی کو اللہ کی اچھائی و حمد سمجھا حالانکہ یہ سب عقیدے ہی گستاخی و کفر ہے اُس سبحانہٗ وتعالیٰ نے کسی کو متبنّٰی بھی نہ بنایا یعنی منہ بولا بیٹا ، سگا بیٹا ہونا تو ناممکن و محال اور بہت دور کی بات ہے ۔ یہ عقیدہ ہر طرح سے گستاخی اور کفر ہے اس لیے کہ یہی شرک عظیم ہے ۔ رب تعالیٰ ہر چیز کا مالک اس کے مُلک و مِلک میں کوئی بھی شریک نہیں اولاد بیٹا یا بیٹی ملکیت میں شریک اور وارث ہوتے ہیں تو جس دین کی بنیاد ہی شرک ہو اُس میں حمدِ الٰہی کس طرح ہو سکتی ہے ۔ یہ اعزاز تو صرف اسلام کو ہی حاصل ہے کہ ہر طرح سے ایسی حمد سکھائی جو منقّا مصفّا شرک سے پاک ہمہ صفت موصوف ۔ حمد شان کا مظہر اور شان صفات کا مظہر اور صفات اسما کا مظہر اور اسما القاب کا مظہر اور القاب حکومت و سلطنت کا مظہر اور سلطنت ملکیت کا مظہر اور ملکیت دوام کا مظہر دوام قوّت کا مظہر ۔ قوّت توحید کا مظہر اسی لیے ارشاد ہوا وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ ۔ اس کی بادشاہت اُس کی حکومتِ تامّہ کلیہ میں اس کا کوئی شریک نہیں ۔ اسی لیے جو دین بُت پرستی کا حکم دے وہ بھی حمدِ باری تعالیٰ نہیں کر سکتا ۔ ایک قُلْ فرما کر سارے غلط دینوں کی غلط حمدوں کی نشاندہی فرمادی فقط وہی حمد حمد ہے جو محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ سے حاصل ہو ۔ اور وہ حمد نبوی یہی ہے کہ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ ۔ کوئی اس کا بچہ نہیں کوئی اس کا شریک نہیں اور جب اللہ تعالےٰ ہر شَے کا خالق تو خالق ہر شَے کا مالک اور مالک کی اولاد نہیں بن سکتی کیونکہ اولادیت ملکیت کے خلاف ہے جب اولاد نہیں تو وارث نہیں جب وارث نہیں تو شریک نہیں ۔ سچی حمد یہ ہی ہے کہ اُس ذاتِ سبحان کی کوئی اولاد نہیں جو وارث کہلا سکے اور کوئی شریک نہیں جو دعویٰ جما سکے تو سب طاقتیں اُسی کی ہوئیں لہٰذا

اس کو کسی مددگار کی ضرورت نہیں جو کمزوری کا انتظار کرے اور اپنی خدمات پیش کرنے کا منتظر ہو۔ یہ ہے وہ حمد جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اقوامِ عالم کے سامنے پیش کی۔ نیز اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ اگر حمدِ الٰہی دیکھنی ہو اور سچی حقیقی حمد سیکھنی ہو تو احادیثِ پاک کو دیکھتے رہو اور نعتِ مصطفیٰ دیکھنی و سیکھنی ہو تو قرآنِ مجید پڑھتے رہو حمد کی ہزارہا قسمیں نوعیتیں کیفیتیں اور طریقۂ ادائیں مگر سب سے زیادہ عظیم جامع مانع ہے وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۔ اے پیارے نبی عرشیوں کو حمدِ الٰہی سکھانے سنانے والے محبوب۔ حمد کی خبر دو اور تکبیر کا عمل دو اور خود اللہ کی بڑائی بولو اسی طرح تکبیر فرمانا جس طرح ہم نے سکھایا رب تعالیٰ کی کبریائی اس شان سے بیان فرماؤ کہ نماز میں خارج نماز میں بلکہ اٹھتے بیٹھتے سفر حضر جنگ و امن میں بیان کرو تاکہ تا قیامت سارے جہانوں۔ زمانوں کو پتہ لگ جائے کہ اس طرح رب کی حمد کی جاتی ہے۔ یہ وہ حمد ہے وہ ثنا ہے جس میں کوئی بھی شامل نہیں ہو سکتا نہ ذاتی نہ عطائی نہ اپنا نہ پرایا۔ تکبیر کی شان صرف مولیٰ تعالیٰ ہی کے لیے ہے دنیا میں بادشاہت وزارت امارت حاکمیت مالکیت کا منصب تو کسی غیر کو بھی مل جاتا ہے اور دیا جا سکتا ہے مگر شانِ کبریائی اور سب سے بڑا ہونے کا دعویدار کوئی نہیں۔ یہ حمد بھی ہے تنزیہہ بھی ہے۔ جلال کا متقاضی بھی ہیبت و رعب کو ظاہر کرنے والا بھی جب بندہ تکبیرِ الٰہیہ کا ورد کرتا ہے تو دل کی گہرائیوں میں کائناتِ مخلوق کے عجز کا حقیقی احساس ہوتا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کو صرف اُن ناموں سے پکارنا چاہیے جو قرآنِ مجید یا حدیثِ پاک میں بیان فرمائے گئے وہ نام ہر صفت کا معنیٰ و مظہر ہے غیر مسلموں کے ایجاد کردہ خود ساختہ نام کسی دعا یا ذکرِ الٰہی میں نہیں لینا چاہیے یہ جو بعض جاہل فیشن زدہ مسلمان اکثر او مائی گاڈ او مائی گاڈ کہتے رہتے ہیں شرعاً مکروہ ہے اچھا نہیں ہے اسی طرح جو نام ہندوؤں وغیرہ نے بنا لیے وہ بے معنیٰ ہیں خود ہندوؤں کو بھی اس کا معنیٰ معلوم نہیں۔ پربھو رام۔ پرمیشور۔ نہ کسی لغت سے اس کا معنیٰ ظاہر لہٰذا لایعنی ہیں **دوسرا فائدہ**۔ کائنات میں مخلوق بیشمار ان کی ضروریات و حاجتیں بیشمار اور حاجتیں پوری فرمانے والا مشکل کشا صرف اللہ تعالیٰ اس لیے رب کریم کی صفات بیشمار اور ان صفات کے نام بیشمار تاکہ ہر حاجت میں محتاج بندہ اپنے اللہ کو اسی نام سے یاد فریاد کرے اور پکارے جس میں حاجت کا اظہار ہو۔ اسی لیے علماءِ کرام قبولیتِ دعا کی شرطوں میں سے ایک شرط یہ بھی فرماتے ہیں کہ دعا کے مطابق اسمِ الٰہی ورد کیا جائے اس کے لیے ضروری ہے کہ مسلمانوں بچوں جوانوں بوڑھوں عورتوں بچیوں کو اللہ تعالیٰ کے نام کم از کم ننانوے تو ضرور ہی یاد ہونے چاہئیں یہ فائدہ اَسْمَاءُ الْحُسْنٰی کو جمع فرمانے اور قُلِ ادْعُوْا (الخ) سے حاصل ہوا۔ صوفیاء عاملین بزرگ فرماتے ہیں کہ مسلمان کے

نام کے عدد کے برابر عدد والا نام اللہ تعالیٰ کا دونوں عددوں کے برابر اگر ورد کیا جائے تو وہ اس نام والے کا اسم اعظم ہے جس کے ورد سے ہزارہا مشکلیں حل ہو جائیں گی انشاء اللہ تعالیٰ بشرطیکہ تقویٰ اختیار کیا جائے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام بھی بیشمار ہیں اس لیے کہ رب تعالیٰ تمام مخلوق کا معطیِ نعمت ورزق اور نبی کریم محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم عام مخلوق کے قاسمِ نعمت ہیں اس لیے آپ کے در کے بھکاری بہت ہیں لہٰذا آپ کے صفاتی نام بہت ہیں اسی لیے تمام مخلوق سے پہلے آپ کو نبی بنایا گیا اتنے نام کسی اور نبی مرسل کو عطا نہ ہوئے علیہم الصّلوٰۃ والسّلام۔ **تیسرا فائدہ**۔ ضرورت سے زیادہ بلند آواز کی تلاوت۔ تکبیرات دعا اور وعظ تقریر کرنا بُرا ہے۔ نہ منہ سے اس طرح زور لگایا جائے کہ چیخنے دھاڑنے کے مشابہ ہو اور نہ لاؤڈ سپیکر وغیرہ سے کیونکہ منہ کے زور سے اپنے آپ کو تکلیف ہے اور لاؤڈ سپیکر وغیرہ سے دوسروں کو دور دور کے لوگوں کو تکلیف ہے اور خاص کر بیماروں کو یہ فائدہ وَلَا تَجْهَرْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اس آیت میں ہر قسم کے جہر کی ممانعت ہے اولاً تو مسئلہ صحیح یہ ہی ہے لاؤڈ سپیکر مسجد میں نماز کے لیے نہ لگایا جائے اور ضرورت کے لیے مکبّرین کھڑے کئے جائیں لیکن اگر مکبّرین کھڑے کرنا بھی ناممکن ہوں جیسے حرمین شریفین کی مسجدیں یا برطانیہ کی تین تین منزلہ بند مسجدیں تو پھر انتہائی مجبوری میں بقدرِ ضرورت لگانا درست ہے ضرورت سے بڑھنے نہ پائے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ دعا مانگنا شریعت اسلامیہ میں عبادت ہے اس لیے دعا صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے کسی بھی نام سے مانگی جائے دعا میں کسی نبی ولی پیر فقیر بزرگ کا نام لینا منع ہے اسی لیے نماز کی نیت میں بھی اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام لینا منع ہے خاص کر جو بعض لوگ سنتوں میں متابعہ رسول اللہ کہتے ہیں قطعاً غلط ہے۔ بہارِ شریعت یا بحر الرائق نے اس کو جائز لکھا ہے وہ غلطی پر ہیں احادیث میں کسی صحابی تابعی وغیرہم سے ثابت نہیں نہ ہی ائمہ اربعہ سے۔ جہاں تک اتباع رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے وہ تو فرض و نفل اور واجب میں بھی ہے۔ پھر یہ تخصیص کرنا قوم کو گمراہ کرنا ہے۔ ہاں البتہ وسیلہ کے طریقے سے بطفیلِ فلاں یا بوسیلہِ فلاں یا بحقِ فلاں کہنا جائز ہے یہ مسئلہ قُلِ ادْعُوا۔ کی آیت سے مستنبط ہوا۔ یہ فقط دعا کا حکم ہے۔ لیکن کسی سے کچھ مانگنا یہ سمجھ کر کہ اللہ نے اسے دینے والا بنایا ہے تو یہ طلب انبیاء اولیاء سے بالکل جائز ہے فقہاءِ کرام نے طلب اور دعا میں چھ طرح فرق بتائے ہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ نماز کی تکبیر تحریم یعنی پہلی تکبیر فرض ہے۔ کیونکہ نماز کے طریقہِ ادا کے ذکر کے بعد کبّرہُ تکبیرًا فرمایا گیا جس سے نماز کے ابتدا کرنے کا طریقہ ظاہر ہوا اور کبّر امر ہے۔ امر کے شمولہ معنیٰ میں پہلا اور حقیقی اصلی معنیٰ لزوم و فرضیت ہیں۔

باقی معنیٰ مجازی ہیں۔ جو ضرورتاً اور کسی ثبوت سے مستعمل ہوتے ہیں۔ بغیر ثبوت اور قرینے کے حقیقی معنیٰ ہی مراد ہوتے ہیں اس لیے یہاں کبّر کے اصلی معنیٰ یعنی فرضیت مراد ہے۔ نماز کی ابتدا کی وجہ سے تحریمہ ثابت ہوئی۔ جس سے استنباط ہوا کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے۔ یہ استنباط کبّرہ کے امر اور اشارۃ النص سے ثابت ہے۔

تیسرا مسئلہ۔ چونکہ انبیاءِ کرام معصوم ہوتے ہیں اور معصوم گناہ پر یا حکم عدولی پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ گناہ کر سکتا ہی نہیں اس لیے۔ نہی وجوبی انبیاءِ کرام کو نہیں ہوتی۔ لَا تَجْهَرْ یا اس جیسی جتنی بھی ممانعتیں اور نہی کے صیغے قرآن مجید میں مذکور ہیں وہ ظاہراً اگرچہ واحد مذکّر حاضر ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً وہ ممانعت تا قیامت مسلمانوں کو ہے اور یہ نہی قانون کے لیے ہے نہ کہ تخصیص کے لیے واحد کا صیغہ صرف اس لیے استعمال کیا جاتا ہے تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کو اس طرح کر کے سکھائیں۔ کیونکہ اللہ کا قانون انبیاءِ کرام کے قول و فعل و عملی طریقے کا نام ہے۔ بغیر انبیاءِ کرام اور تعلیمِ نبوت کے بغیر اللہ کا قانون جاری ہو سکتا ہی نہیں۔ یہ مسئلہ لَا تَجْهَرْ (۱) کی نہی سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ اہلسنت کہتے ہیں کہ ہر خیر و شر کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس عقیدے سے ظلم اور فسق کا خالق بھی اللہ ہوا اور اس آیت میں ہے کہ اُس کے ناموں سے اُس کو پکارو تو کیا یا ظالم یا فاسق بھی اُس کو کہہ سکتے ہیں (معتزلی) **جواب**۔ ہرگز نہیں۔ کیونکہ ظالم ظلم کے خالق کو نہیں کہتے اور فاسق فسق کے خالق کو نہیں کہتے بلکہ فاعل کا نام ظالم ہے اور فاعلِ فسق کا نام فاسق ہے باری تعالیٰ خالقِ ظلم اور خالقِ فسق ہے نہ کہ فاعل ظلم و فسق وغیرہ وغیرہ کیا تمہاری سب کی عقلوں نے فاعل اور خالق کا فرق نہ جانا۔ فاعلِ ظلم و فسق تو بندہ ہے۔ ہاں البتہ اللہ تعالیٰ کو یا خالق ظلم یا خالق فسق بلکہ یا خالقِ کفر کہا جا سکتا ہے مگر ادب و احترام کے خلاف ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ کو خالقِ شیطان خالقِ ابلیس خالقِ گدھا کہنا حرام ہے۔ حالانکہ بات یہی ہے۔ اسی لیے فقہا تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کو اُس نام سے بھی نہ پکارو جو عام انسانوں کے لیے پکارتے ہو اگرچہ وہ لوگوں کے لیے اچھے اور ادب والے ہی ہوں۔ مثلاً اللہ میاں۔ اللہ بادشاہ۔ اللہ صاحب حضرت صاحب۔ یا جمع غائب یا جمع حاضر کا صیغہ اللہ کے لیے نہ بولو یہ بے ادبی ہے اور وہابیانہ طریقہ ہے

دوسرا اعتراض۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی حمد کا ذکر ہے وہاں کسی نعمت کا تذکرہ ہے یعنی کسی نعمت کو حمد کی وجہ و علت بنائی گئی مثلاً۔ ۱ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ یہاں ربوبیت اور پرورش کو علت بنایا گیا۔ ۲ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْۤ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔ یہاں غم دور کرنے پر حمد ۳ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ هَدٰىنَا ہدایت دینے پر حمد ۴ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ زمین و آسمان کے پیدا کرنے پر حمد وغیرہ مگر

یہاں فرمایا گیا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا ۔ یعنی اولاد نہ ہونے پر حمد شریک نہ ہونے پر حمد ولی نہ ہونے پر حمد ۔ اِس کی کیا وجہ ہے یہاں حمد کو کی : انعام یا نعمت سے کیوں نہیں جوڑا ؟ **جواب** ۔ یہاں بھی حمد کو نعمت سے جوڑا ہے اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی بیوی بچہ اولاد ۔ والی وارث یا شریک نہیں ۔ اس میں مخلوق کا فائدہ ہے کہ اگر بیوی بچے اور خاندان ہوتا اندازہ لگاؤ کہ اب تک کتنا بڑا کنبہ قبیلہ بن چکا ہوتا اور ان کی کتنی کتنی ملکیت وضروریات ہوتیں اور پھر تم بندوں کے لیے کیا بچتا ۔ اگر کوئی شریک ملکیت ہوتا تو وہ دینے میں رکاوٹ بنتا اور تم کو اس کے سامنے بھی رونا گڑگڑانا پڑتا پھر بھی اس پر اثر ہوتا یا نہ ہوتا مگر تم بھوکوں مرتے جان سے جاتے اور اگر اس کو کمزوری یا بڑھاپا ہوتا تو بھی مصیبت تمہاری آجاتی کہ کمزوری وضعیفی عطاء رزق میں دیری یا رکاوٹ بنتی اور اگر کوئی اُس کے بڑھاپے یا کمزوری میں مددگار اور سہارے والا ولی ہوتا تو بھی تم کو کچھ فائدہ نہ تھا کہ وہ والی وارث اس کو سنبھالتا یا تم کو رزق دیتا پھرتا ۔ اے کافرو ظالمو بدنصیبو ۔ اُس ذات جل مجدہٗ کی ہر ہر شان میں فائدے تمہارے ہیں مگر پھر بھی اس کا شریک واولاد ماننے پر ضد وجہالت سے اڑے ہوئے ہو ۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ ۔ اس کا کوئی ولی نہیں ۔ لیکن دوسری آیت میں فرمایا گیا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ بیشک اللہ کے ولی ہیں ۔ یہ تضاد بیانی کیوں ہے ۔ (آریہ ہندو) **جواب** ۔ اس کا جواب تو آیت پاک میں ہی دے دیا گیا کہ فرمایا گیا لَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ ۔ یعنی اس کے لیے ایسے مددگار کی ضرورت نہیں جو کمزوری والوں کے لیے سہارے کے طور پر ہوتا ہے ۔ لہٰذا دونوں آیتیں اپنی اپنی جگہ درست ہیں اُس آیت میں اولیاء اللہ سے مراد لوگوں کے لیے مددگار اور اللہ کے مقرر کردہ اور یہاں نفی ہے اللہ کی مدد کرنے والے ولی کی یعنی بڑھاپے کا ساتھی یہ محال بالذات ہے ۔ اِس کی مثال ایسی سمجھو جیسے بادشاہ کہتا ہے کہ ہمارے افسران ، ہمارے حکام ۔ تو اُس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہمارے وہ ملازم جو اے لوگو تمہارے افسر اور تمہارے حاکم مددگار ہیں یا جیسے سکول و مدرسے کا بانی و مہتمم طلباء سے کہتا ہے کہ ہمارے اساتذہ تو مقصد یہ ہوتا ہے کہ اسے پڑھنے کے لیے جمع اور داخل ہونے والو شاگردو یہ اساتذہ مقرر کردہ ہمارے ہیں ۔ استاد تمہارے ہیں ۔ اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰهِ کا معنیٰ و مقصد بھی یہ ہے کہ پیارے ہمارے ہیں مددگار تمہارے ہیں ۔ **چوتھا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی اس آیت کی تفسیر میں مفسرین فرما... کہ لوگوں کے مقرر کردہ الفاظ سے اللہ تعالیٰ کا نام نہیں رکھنا چاہیئے نہ ایسے نام سے اللہ کو پکارنا چاہیئے بلکہ صرف قرآن و حدیث کے نام ہی اللہ تعالیٰ کے نام ہیں لہٰذا جس طرح انگریزوں نے گاڈ ہندوؤں نے بھگوان نام رکھ لیا ۔ فارسیوں نے خدا ۔ اور خداوند ۔ اور پروردگار نام رکھ لیا ۔ تو گاڈ اور بھگوان کہنا درست نہیں اسی طرح پروردگار اور خدا کہنا بھی درست نہیں ہونا چاہیئے ۔ **جواب** ۔ لفظ خدا اور پروردگار ۔ یہ علیحدہ کوئی نام نہیں ۔ بلکہ ترجمہ

ہے دونا ہونگا۔ لفظِ مالک کا ترجمہ ہے خدا۔ و خداوند۔ اور لفظ رب کا ترجمہ ہے پروردگار یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم اردو میں کہدیں اللہ پالنے والا ہے۔ یا اے پالنے والے تو جس طرح کسی بھی نام کا ترجمہ کر کے دعا مانگنی اور اُس کو پکارنا جائز اسی طرح اللہ تعالٰی کو خدا تعالٰی اور پروردگار کہنا جائز ہے بخلاف گاڈ اور بھگوان کے نہ تو یہ لفظ کسی نام کا ترجمہ ہیں نہ ان کا اپنا ہی کوئی معنٰی مقصد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ؕ اَیًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی ۚ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَیْنَ ذٰلِكَ سَبِیْلًا۔ فرما دیجئے اے خزانۂ معرفت کے مالکِ خود مختار محبوب خواہشِ انوار والے بندوں کو کہ خزانۂ قدرت کی دو ہی چابیاں ہیں اسم اللہ یا اسم الرحمٰن وہ ذات سے ہے تو یہ صفات سے ہے وہ معنٰی ہے تو یہ صورت وہ شریعت کی دو دھاری تلوار ہے تو یہ معرفت کے رافت و راحت کا مرہم ہے وہ جلال ہے یہ جمال ہے وہ فنا کی وادی یہ بقا کا تمغہ۔ وہ عشق کی آگ یہ محبت و شفقت کا گلزار۔ وہ اسم اعظم یہ صفتِ اعظم وہ آسمانِ معرفت میں ستارے چمکانے والا یہ زمینِ عجز میں پھول کھلانے والا۔ اَوْ۔ ما ظرف حرفِ اختیاری ہے جس نے صاحبِ اسرار کو قابلِ اختیار بنا دیا کہ یا اُس کی شفقت کو لے لو یا اس کی محبت کو یا اُس کی ریاضت کو لے لو یا اِس کی عبادت کو یا اُس کا شکر لے لو یا اِس کا رزق۔ یا اُس کا قرب لے لو یا اِس کا قرب وہ بعید ہے یہ قریب ہے وہ اِنِّیْۤ اَنَا اللّٰهُ۔ کی وحدتِ ذات ہے یہ نَحْنُ اَقْرَبُ کی جامع صفات ہے اس کے ذریعے اپنے ظاہر کی گندگی کھرچ ڈالو اور اِس سے باطن میں معرفت کا ٹھنڈا پانی بھر لو۔ اِن دونوں کے باطن میں احسانوں کے معدن بھرے ہیں جن کے کروڑہا اسماءِ حسنٰی ہیں اور سب ہی دینے والے ہیں۔ تو اے عشقِ الٰہی کے مستانو اپنے کریم سے خوب مانگو۔ مگر وَلَا تَجْهَرْ نہ ریاکرو نہ دکھلاوا نہ غرور۔ نہ شکل سے نہ عبادت و ریاضت سے نہ جبّہ و دستار سے تاکہ نہ ریاکار صوفی بنو نہ مغرور عالم واعظ وَلَا تُخَافِتْ۔ اور نہ اتنے مخفی کہ اقوامِ ظاہر میں ملعون و ملامتی ہو جاؤ۔ بلکہ حیاتِ ناسوتی کی کشتی کو ایسے درمیانے راستے پر چلاؤ کہ عبادتِ جسمانی و مالی کا کوئی فرض چھپا نہ رہے اور کوئی نفلی عبادت و ریاضت ظاہر نہ ہونے پائے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جو شخص فرضوں کو چھپائے وہ مردود ہے اور جو نفلوں کو دکھلائے وہ مغرور ہے کیونکہ دونوں کو برباد کرنے والا ہے وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۔ اے ربِ محمود کی حمد کرنے والے محمد اپنی زبانِ جاہد سے فرما دو کہ وہی اللہ جلّ شانہٗ ساری حمدوں کا حمید ہے کیونکہ فرش و عرش کا جو بندہ بھی اللہ تعالٰی کی جس شان کو بھی بیان کرے وہ حمد ہی ہے یا جو اچھائی خوبی بندے سے خود بخود ظاہر ہو وہ حمدِ باری تعالٰی ہی ہے۔ اور نہیں ہے اُس ربِ قدیر کا کوئی بیٹا بیٹی نہ بیوی نہ والی نہ وارث نہ شریک

بلکہ سب کے سب بندے ہی بندے ہیں لہذا اُس کی حمد ہی حمد ہے اے قَالُوْا بَلٰی کے اقرار و عہد کو پورا کرنے کی خواہش والو۔ ہمارے مختار و محبوب نبی محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کے طریقہ مبارکہ کے مطابق۔ کَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا۔ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے سفر حضر دین دنیا۔ نماز و نیاز ظاہر و باطن جلوت و خلوت اَلْفاظ و اَنْفاس سِرُّ الاسرار مراقبہ مشاہدہ غرض کہ ہمہ وقت ایسی تکبیر بیان کرو کہ تمہاری ہر ادا سے تمہارا فقر اُس کی غنا تمہارا عجز اُس کی طاقت۔ تمہاری ذلت اُس کی قوت تمہاری ادنیت اِس کی کبریت تمہارا تنزل اُس کا تکبر۔ تمہاری عبدیت اُس کی معبودیت۔ تمہاری کثرت و تکثیر اُس کی وحدت و توحید۔ تمہارا شکر اُس کا احسان تمہارا عرفان اِس کا غفران آشکارہ ہوتا چلا جائے اور پھر بحرِ معرفت کی ایسی موجیں اٹھیں کہ ادھر تمہاری دعا ہو اُدھر اُس کی عطا ہو اِدھر توبہ اُدھر بخشش اِدھر عبدیت اُدھر قبولیت ہو اِدھر قدم اٹھے اُدھر منزل آجائے اِدھر یا اللہ یا رحمٰن سے فریادیں ہوں اُدھر یا عبدی کی ندائیں ہوں۔ جب قرب حضوری کا یہ ایقان ہو تو بندہ مشکورِ معرفت بنتا ہے اور وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ۔ سے ہٹ کر وَلِیٌّ مِّنْ اَوْلِیَاءِ اللّٰهِ کا مقام حاصل کر لیتا ہے۔ اے میرے کریم رحیم یا اللہ یا رحمٰن میرے قلب پر بھی اپنے معرفت و قرب کے دروازے کھول دے اور مجھ کو اور میری اولاد کو اپنے مقبول و مسعود بندوں میں شامل فرما

سُوْرۃ اَسریٰ کے مسائل فوائد عملیات و تعویذ اور اَسْمَاءِ حُسنیٰ کی تعداد۔ اور ان کے ابجدی عدد۔ اَسْمَاءِ نبوی کی تعداد و اَبجدی عدد۔

عاملین کاملین اور مشائخ فرماتے ہیں کہ سورۃِ اسریٰ بہت ہی مشکلات حاجت روائی کے لیے مجرب ہے۔ خاص کر تقوے طہارت اور متقی بنانے کے لیے اِس سورت سے فیض لینے کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی مشکل پیش آئے تو باوضو باادب نہایت خشوع خضوع سے خوشبو اور تازہ خوشبودار پھول پاس رکھ کر قبلہ رُخ بیٹھ کر سات دن تک بعد نمازِ عشا روزانہ سات مرتبہ یہ سورت بہت صحیح طریقے سے پڑھے قطعاً زیر زبر کی غلطی نہ ہو۔ اوّل آخر ایک ایک دفعہ درود تاج اور ایک ایک مرتبہ درود شریف خضری کا ورد کرے سات دن کے بعد اسی جگہ بیٹھ کر خالص دودھ سوا سیر اور خالص گیہوں کے آٹے کا ایک پراٹھا پکا کر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی فاتحہ شریف دلوائے اور یہ چیزیں کسی نیک متقی سید کو کھلائے انشاء اللہ تعالیٰ پہلے ہی ہفتے مشکل حل ہوگی۔ اگر خدانخواستہ نہ حل ہو تو سات ہفتے اسی طرح کرے اور ہر آخری ہفتے فاتحہ دلوانا ہے اگر دوسرے یا تیسرے ہفتے کام ہو بھی جائے تب بھی سات ہفتے چلّہ مکمل کرے۔ اگر پہلے ہفتے کام ہو جائے تو پھر دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اگر نہ ہوا اور پھر کرنا پڑے تو پورا چلّہ کرنا پڑے گا

۲ اگر کوئی بچہ یا بچی کند ذہن ہو یا توتلی زبان ہو اور عمر زیادہ ہو جائے درست نہ ہوتی ہو تو کسی کاغذ پر یہ پوری سورت مشک عرق گلاب اور زعفران یا بامر مجبوری زردہ پیلا رنگ کی دوات بنا کر لکڑی کے قلم سے ایک بار لکھے اور اُس کو کسی مسجد کے کوئیں یا نلکے کے پانی سے گھول کر وہی پانی اکیس دن صبح نہار منہ تین چمچی پانی بچے کو پلائے اور وہ تعویذ اسی طرح پانی اور برتن میں پڑا رہے اکیسویں دن وہ کاغذ جلا کر اُس کی راکھ بھی بچے کو چٹا دے یہ سورت لکھنے والا جتنا متقی زیادہ ہوگا اتنا ہی اثر جلدی ہوگا ۳ اگر کوئی شخص دشمنوں حاسدوں میں گھرا ہو تو وہ اس سورت پاک کا تعویذ اپنے مرشد یا کسی عامل بزرگ سے لکھوا کر عرق گلاب یا مشک۔ اور زعفران یا زردہ رنگ سے لکھوا کر اپنے پاس رکھے۔ بشرطیکہ تعویذ لکھنے والا عملیات اور تعویذ لکھنا جانتا ہو صرف نقل کر دینا درست نہیں عامل آدمی باوضو بعد نمازِ ظہر یا بوقتِ تہجد لکھے انشاء اللہ تعالیٰ حاسدوں کی زبان بندی ہوگی۔ اس کے کل عدد بحساب ابجد کے حروف پوری سورت کے ۱۱۱ آیات کے ہر حرف کے اعداد ۳۸۶۱۳ ہیں ہر قسم کے تعویذ لکھنے کے لیے مشائخ کرام یہ شرط فرماتے ہیں کہ کاغذ بالکل سادہ اور سفید ہو پنسل کی لکیر بھی پہلے نہ لگی ہو۔

تعویذ کا زائچہ اور نقشہ یہ ہے

۷۸۶

۹۶۵۳	۹۶۵۶	۹۶۵۹	۹۶۴۵
۹۶۵۸	۹۶۴۶	۹۶۵۲	۹۶۵۷
۹۶۴۷	۹۶۶۱	۹۶۵۴	۹۶۵۱
۹۶۵۵	۹۶۵۰	۹۶۴۸	۹۶۶۰

سورۃ اسرٰی کے پڑھنے اور تلاوت کی فضیلتیں :

سورۃ اُسریٰ یعنی معراج شریف کی سورت کی روزانہ ایک مرتبہ باوضو باادب آداب پڑھنے کی بہت فضیلتیں اور مشاہدات و تجربات منقول ہیں۔ چنانچہ عملیات کی مشہور و معتبر کتاب نافع الخلائق اور شمع شبستان رضا۔ میں ایک روایت منقول ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو صحیح عقیدے والا نیک متقی مسلمان روزانہ ایک دفعہ اس سورت کی تلاوت کرے گا بغرضِ ثواب تو اس کو قبر میں جنت کی جیسی سہانی روشنی اور پل صراط سے گزرنے کے لیے سواری مثلِ براق اور جنت میں جنت کا قنطار یعنی مالِ کثیر دیا جائے گا۔ جس کی حقیقت کو اللہ رسول ہی بہتر جانتے ہیں ۲ اگر قیدی نمازی روزانہ دس مرتبہ کسی نماز کے بعد باوضو بیٹھ کر بغرضِ ثواب تلاوت کرے چالیس دن تک تو انشاء اللہ تعالیٰ باعزت بری اور رہا ہو اوّل آخر درود شریف خضری گیارہ دفعہ پڑھے اگر پہلے رہا ہو جائے تب بھی گھر آ کر چلہ پورا کرے

ورنہ دوبارہ گرفتار ہونے کا اندیشہ ہے۔ سورۃ اسریٰ کی آخری تین آیتوں کی تلاوت کرنے والا دنیا و آخرت میں بہت ہی خوش نصیب ہے۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت معاذ جہنیؓ سے راوی کہ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ جو شخص ان آخری آیت کو ہمیشہ ہر نماز کے بعد تلاوت کرے تو دین و دنیا میں اُس کی شان بلند ہو۔ خواہ ایک مرتبہ تلاوت کرے یا تین مرتبہ مگر زیادتی میں زیادہ فائدہ ہے۔ اسی طرح ننانوے۹۹ اسماءِ ذات جلّ مجدہٗ کی بھی احادیث پاک میں بہت فضیلت اور مشکل کشائی بیان ہوئی ہے صوفیاء کرام عاملین فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ صبح بعد نمازِ فجر ایک دفعہ حرفِ یا ندائیہ کے ساتھ ننانوے۹۹ نام باری تعالیٰ ورد کرے گا اوّل آخر درود شریف اکیس۲۱ دفعہ اور بعد نمازِ عشا ننانوے۹۹ نام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم با وضو باآداب کے ساتھ یعنی قبلہ رخ یا مسجد نبوی کی طرف رخ کرکے سبز گنبد کا تصور کرکے اول آخر درود شریف اکیس دفعہ دوران میں بات نہیں کرنی روزانہ اسی طرح کرے بات کرلینے سے اثر و ثواب سب ختم ہو جاتا ہے۔ جلوت میں وظیفہ کرنا زیادہ بہتر ہے تاکہ بات چیت گفتگو کا خطرہ ہی نہ رہے ترمذی شریف نے بروایت حضرت ابو ہریرہؓ فرمان آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث نقل فرمائی جس میں ننانوے۹۹ نام پاک باری تعالیٰ یکساں ورد فرمائے۔ ہم مندرجہ ذیل سطور میں وہ سب اسماءِ حسنیٰ مع اُن کے عدد بحساب ابجد اپنی اس تفسیر کو مزین معطر کرنے کے لیے درج کرتے ہیں۔ اسی طرح ترمذی شریف نے ایک اور حدیث پاک نقل فرمائی جس میں پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی ذات کے لیے فرمایا اِنَّ لِیْ اَسْمَاءً یعنی میرے لیے رب کریم نے بے شمار نام معین فرمائے اسی روایت میں پانچ نام آپ نے ذکر فرمائے۔ قرآن مجید اور احادیث مبارکہ میں جو اسماءِ ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ملتے ہیں اُن کی تعداد بھی ننانوے۹۹ بنتی ہے۔ ہم اپنی اس تفسیر کو مکمل اور منور کرنے کی غرض سے اِن اسماء پاک کو بھی درج کرتے ہیں عددی نمبروں کے ساتھ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کو حفظ کرلیں تاکہ بوقتِ مصیبت حاجت روائی مشکل کشائی کے لیے پڑھے جاسکیں۔ عاملین صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ان میں ہر نام ہی اسم اعظم ہے جو مسلمان اپنے نام کے عدد کے برابر اسم باری تعالیٰ اور اسم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ڈھونڈ کر دُگنا عدد کے برابر روزانہ پڑھے گا تو وہ ہی اُس کا اسم اعظم بن جائے گا۔ صبح کو باری تعالیٰ کا اسم اعظم اور رات کو سونے سے پہلے باوضو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم پاک ڈبل تعداد سے پڑھے اوّل آخر درود شریف صبح بھی شام بھی گیارہ۱۱ دفعہ ضرور پڑھے بصد احترام و ادب خوشبو لگا کر تصور پکا کر تو انشاءاللہ تعالیٰ جس مشکل کے لیے پڑھے گا چند دن میں وہ حل ہو جائے گی۔ مگر یہ ورد تا عمر اسی وقت اور اسی تعداد سے پڑھنا پڑے گا۔ یعنی بعد نماز فجر اور شام کو رات کی نماز عشا کے بعد جب بھی عشا پڑھے ادب و احترام اشد لازم ہے یہ ورد صرف مسلمانوں کے لیے اجازت ہے غیر مسلم کو اجازت نہیں ہے اگر کوئی عامل مسلمان اس کی اجازت کسی غیر مسلم کو دے گا تو اس کا اپنا عمل بھی برباد ہو جائے گا غیر مسلم کو کسی آیت

یاحدیث یااسم پاک کی اجازت دینا ایسا ہی ہے جیسے ان پاک چیزوں کو گندگی میں پھینک دینا (معاذاللہ) ہاں سخت مصیبت میں کسی اسم یاآیت کا عددی تعویذ بناکر دے سکتے ہیں اُس پر کوئی حرف لکھنا جائز نہیں غرض کہ اللہ رسول کی چیزوں کی جتنی بھی تعظیم و توقیر کی جائے اتنا ہی اچھا ہے تاکہ خاطر خواہ فائدہ حاصل ہو انشاء اللہ تعالیٰ۔ اللہ تعالیٰ کے نام سے اپنے نام کے عدد برابر کرلیے جائیں تو اسمِ اعظم بنتا ہے اور اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم پاک سے عدد برابر کیے جائیں تو ہر شخص کا اسمِ رحمت بنتا ہے۔

۱ اللّٰہ جل جلالہٗ ۶۶	۲ رحمٰن جل جلالہٗ ۲۹۸	۳ رحیم جل جلالہٗ ۲۵۸	۴ مَلِکٌ ۹۰	۵ قدوسٌ ۱۷۰	۶ سلامٌ ۱۳۱	۷ مومنٌ ۱۳۶	۸ مہیمنٌ ۱۴۵
۹ عزیزٌ ۹۴	۱۰ جبّارٌ ۲۰۶	۱۱ مُتکبّرٌ ۶۶۲	۱۲ خالقٌ ۷۳۱	۱۳ باریٌ ۲۱۳	۱۴ مُصوّرٌ ۳۳۶	۱۵ غفّارٌ ۱۲۸۱	۱۶ قہّارٌ ۳۰۶
۱۷ عزیزٌ ۹۴	۱۸ رزّاقٌ ۳۰۸	۱۹ فتّاحٌ ۴۸۹	۲۰ علیمٌ ۱۵۰	۲۱ قابضٌ ۹۰۳	۲۲ باسِطٌ ۷۲	۲۳ رافعٌ ۳۵۱	۲۴ خافِضٌ ۱۴۸۱
۲۵ مُعِزٌّ ۱۱۷	۲۶ مُذِلٌّ ۷۷۰	۲۷ سَمیعٌ ۱۸۰	۲۸ بَصیرٌ ۱۵۰	۲۹ عدلٌ ۱۰۴	۳۰ لطیفٌ ۱۲۹	۳۱ خبیرٌ ۸۱۲	۳۲ رقیبٌ ۳۱۲
۳۳ مجیبٌ ۵۵	۳۴ واسعٌ ۱۳۷	۳۵ حَکَمٌ ۶۸	۳۶ وَدودٌ ۲۰	۳۷ عظیمٌ ۱۰۲۰	۳۸ غفورٌ ۱۲۸۶	۳۹ شکورٌ ۵۲۶	۴۰ علیٌّ ۱۱۰
۴۱ کبیرٌ ۲۳۲	۴۲ حفیظٌ ۹۹۸	۴۳ مقیتٌ ۵۵۰	۴۴ شہیدٌ ۳۱۹	۴۵ حَمِیدٌ ۶۲	۴۶ مُحصِیٌ ۱۴۸	۴۷ مبدیٌ ۵۶	۴۸ معیدٌ ۱۲۴
۴۹ مُحییٌ ۶۸	۵۰ ممیتٌ ۴۹۰	۵۱ حسیبٌ ۸۰	۵۲ جلیلٌ ۷۳	۵۳ قوِیٌّ ۱۱۶	۵۴ حقٌّ ۱۰۸	۵۵ کریمٌ ۲۷۰	۵۶ وکیلٌ ۶۶
۵۷ مجید ۵۷	۵۸ متینٌ ۴۹۰	۵۹ ولِیٌّ ۴۶	۶۰ باعِثٌ ۵۷۳	۶۱ حَیٌّ ۱۸	۶۲ صَمَدٌ ۱۳۴	۶۳ قیّومٌ ۱۵۶	۶۴ قادِرٌ ۳۰۵
۶۵ واجدٌ ۱۴	۶۶ مُقتدِرٌ ۷۴۴	۶۷ ماجدٌ ۴۸	۶۸ مقدِّمٌ ۱۸۴	۶۹ احکمُ الحاکمین ۲۲۹	۷۰ محتسبٌ ۵۱۲	۷۱ کافِیٌ ۱۱۱	۷۲ وافِیٌ ۹۷
۷۳ عادلٌ جل جلالہٗ ۱۰۵	۷۴ متعالِی جل جلالہٗ ۱۹	۷۵ حکیمٌ جل جلالہٗ ۷۸	۷۶ اَحَدٌ جل جلالہٗ ۱۳	۷۷ اوّلٌ جل جلالہٗ ۳۷	۷۸ آخرٌ جل جلالہٗ ۸۰۱	۷۹ ظاہرٌ جل جلالہٗ ۱۱۰۶	۸۰ باطِنٌ جل جلالہٗ ۶۲

۸۱ والیٌ ۴۷	۸۲ واحدٌ جلّ جلالہٗ ۱۹	۸۳ برٌّ ۲۰۲	۸۴ مؤخّرٌ ۸۴۶	۸۵ توّابٌ ۴۰۹	۸۶ ذوالجلال ۸۰۱	۸۷ والاکرام ۲۹۹	۸۸ ربٌّ ۲۰۲
۸۹ مقسطٌ ۲۰۹	۹۰ جامعٌ ۱۱۴	۹۱ غنیٌّ ۱۰۶۰	۹۲ بدیعٌ ۸۶	۹۳ ہادیٌ ۲۰	۹۴ دیّانٌ ۶۵	۹۵ کبیرٌ ۲۳۲	۹۶ ھُوَ جلّ جلالہٗ ۱۱
۹۷ اِلٰہٌ ۳۶	۹۸ مالکٌ ۹۱	۹۹ اکبرُ ۲۲۳	۱۰۰ مَلِیکٌ ۱۰۰	۱۰۰ اسماء حسنیٰ جو احادیث مطہرات میں آئے	۱ دافعٌ	۲ دلیلٌ ۷۴	۳ دائمٌ جلّ جلالہٗ ۴۵۰
۴ شافیٌ ۳۹۱	۵ حلیمٌ ۸۸	۶ حنّانٌ ۱۰۹	۷ منّانٌ ۱۴۱	۸ سریعٌ ۳۴۰	۹ سبّوحٌ ۷۶	۱۰ قدیرٌ جلّ جلالہٗ ۳۱۴	۱۱ مسبّب الاسباب جلّ جلالہٗ ۲۰۱
۱۲ حافظٌ ۹۸۹	۱۳ ستّارٌ ۶۶۱	۱۴ مانعٌ ۱۶۱	۱۵ ثابتٌ ۹۰۳	۱۶ مبینٌ ۱۰۲	۱۷ قائمٌ ۱۴۱	۱۸ مخفیٌّ ۸۳۰	۱۹ سلطان ۱۵۰
۲۰ شاہدٌ ۳۱۰	۲۱ اعلیٰ ۱۱۱	۲۲ وحیدٌ ۳۰	۲۳ عالمٌ ۱۴۱	۲۴ حاکمٌ ۶۹	۲۵ معینٌ ۱۷۰	۲۶ محمودٌ ۹۸	۲۷ مغنیٌ جلّ جلالہٗ ۱۱۰۰
۱ محمدٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۹۲	۲ احمدٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۳	۳ حامدٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۳	۴ محمودٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۹۸	۵ قاسمٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۱	۶ عاقبٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱۳	۷ فاتحٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۸۹	۸ خاتمٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۴۱
۹ حاشرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۰۹	۱۰ ماحٍ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۹	۱۱ داعٍ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۵	۱۲ سراجٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۶۳	۱۳ رشیدٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱۴	۱۴ منیرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۰	۱۵ بشیرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱۲	۱۶ نذیرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۹۶۰
۱۷ ہادٍ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰	۱۸ مہدیٌّ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۹	۱۹ رسولٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۹۶	۲۰ نبیٌّ صلی اللہ علیہ وسلم ۶۲	۲۱ طٰہٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴	۲۲ یٰسٓ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۰	۲۳ مزمّلٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۷	۲۴ مدثّرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۴۴
۲۵ شفیعٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۶۰	۲۶ خلیلٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۰	۲۷ حبیبٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۲	۲۸ کلیمٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۰	۲۹ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۲۹	۳۰ مرتضیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۵۰	۳۱ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۵۵	۳۲ مختارٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۴۱
۳۳ ناصرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۴۱	۳۴ منصورٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۸۶	۳۵ قائمٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۲	۳۶ حافظٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۹۸۹	۳۷ شہیدٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۹	۳۸ عادلٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۵	۳۹ حکیمٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۷۸	۴۰ نورٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵۶
۴۱ حجّۃٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۴۱۱	۴۲ برہانٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵۸	۴۳ ابطحیٌّ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰	۴۴ مؤمنٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳۶	۴۵ مطیعٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۹	۴۶ مذکّرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۹۲۰	۴۷ واعظٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۹۷۷	۴۸ امینٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۱
۴۹ صادقٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹۵	۵۰ مصدّقٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳۴	۵۱ ناطقٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶۰	۵۲ صاحبٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۹۰	۵۳ شاہدٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۰	۵۴ مبشّرٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۴۲	۵۵ انیسٌ صلی اللہ علیہ وسلم ۱۲۱	۵۶ سخیٌّ صلی اللہ علیہ وسلم ۶۷۰

۵۷ متوکل صلی اللہ علیہ وسلم ۲۹۶	۵۸ صابر صلی اللہ علیہ وسلم ۲۹۳	۵۹ شاکر صلی اللہ علیہ وسلم ۵۲۰	۶۰ عزیز صلی اللہ علیہ وسلم ۹۴	۶۱ حریص صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۸	۶۲ رؤف صلی اللہ علیہ وسلم ۲۸۶	۶۳ رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵۸	۶۴ غنی صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۶۰
۶۵ جواد صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳	۶۶ فتاح صلی اللہ علیہ وسلم ۸۹۴	۶۷ عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۳۰	۶۸ طیب صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱	۶۹ طاہر صلی اللہ علیہ وسلم ۲۱۵	۷۰ مطہر صلی اللہ علیہ وسلم ۲۵۴	۷۱ نصیح صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸۸	۷۲ سید صلی اللہ علیہ وسلم ۴۷
۷۳ امام صلی اللہ علیہ وسلم ۸۴	۷۴ بار صلی اللہ علیہ وسلم ۲۰۳	۷۵ شاف صلی اللہ علیہ وسلم ۳۸۱	۷۶ متوسط صلی اللہ علیہ وسلم ۵۱۴	۷۷ سابق صلی اللہ علیہ وسلم ۱۶۳	۷۸ اول صلی اللہ علیہ وسلم ۳۷	۷۹ آخر صلی اللہ علیہ وسلم ۸۰۱	۸۰ ظاہر صلی اللہ علیہ وسلم ۵۲۶
۸۱ باطن صلی اللہ علیہ وسلم ۶۲	۸۲ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم ۶۴۸	۸۳ حق صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۸	۸۴ محلل صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۸	۸۵ محرم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۸۸	۸۶ ناہ صلی اللہ علیہ وسلم ۵۶	۸۷ آمر صلی اللہ علیہ وسلم ۲۳۱	۸۸ شکور صلی اللہ علیہ وسلم ۵۲۶
۸۹ توب صلی اللہ علیہ وسلم ۳۱۲	۹۰ منیب صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۴	۹۱ طس صلی اللہ علیہ وسلم ۲۹	۹۲ حم صلی اللہ علیہ وسلم ۴۸	۹۳ حبیب صلی اللہ علیہ وسلم ۸۰	۹۴ اولی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۷	۹۵ مرسل صلی اللہ علیہ وسلم ۳۳۰	۹۶ سمیع صلی اللہ علیہ وسلم ۱۸۰
۹۷ بصیر صلی اللہ علیہ وسلم ۳۰۲	۹۸ ولی صلی اللہ علیہ وسلم ۴۶	۹۹ عظیم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۲۰	۱۰۰ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۱۱	۱۰۱ مالک صلی اللہ علیہ وسلم ۹۱	۱۰۲ کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۲۷۰	۱۰۳ عدل صلی اللہ علیہ وسلم ۱۰۴	۱۰۴ ناظر صلی اللہ علیہ وسلم ۱۱۵۰

اعلیٰ حضرت مجدد ملت بریلوی اور دیگر اکابر عالمین اور صاحب تعویذات و اوراد فرماتے ہیں۔

۱۔ کہ یہ تمام اسماء باری تعالیٰ اور اسماء آقا نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم اسم اعظم اور اسم رحمت بنا کر پڑھنا ہو یا تمام اسماء پاک کا وظیفہ کرنا ہو ہر دو صورت میں۔ یا کے حرف ندا سے پڑھنا چاہیئے۔ یہاں اگرچہ یا نہیں لکھا مگر پڑھنے والے کو چاہیئے کہ یا اللہ یا رحیم یا رحمٰن یا مالک یا قدوس وغیرہ پڑھے۔ اسی طرح حبیب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسماء پاک کا ذکر اور ورد کرے تو یا محمد یا احمد یا حامد وغیرہ پڑھے۔ صرف اللہ رحمٰن رحیم نہ پڑھے نہ اس طرح کہے محمد احمد حامد۔ ۲۔ جب یا کے ساتھ یہ اسم پڑھے جائیں گے تو آخر میں ایک پیش پڑھا جائے۔ دو پیش درست نہیں۔ مثلاً یا محمدٌ کہنا درست نہیں۔ یا محمدُ وغیرہ پڑھنا چاہیئے۔ ۳۔ بہتر تو یہ کہ ہر نام الٰہی کے ساتھ جل جلالہٗ اور نام نبوی کے ساتھ صلی اللہ علیہ وسلم کہا جائے اگر یہ نہ کر سکو تو اول نام اور آخر نام میں ضرور یہ کہنا چاہیئے کہ یہ ہی ادب ہے اور ادب میں ہی حصول مقصد ہے۔

اللہ جل سُبحانہٗ وتعالیٰ کے وہ اسماء پاک جو قرآن مجید کی مختلف سورتوں آیتوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

سورۃ ۱ فاتحہ ۱ اللہ آیت ۱، ۲ رب آیت ۱، ۳ رحمٰن آیت ۲، ۴ رحیم آیت ۲، ۵ مالک آیت ۳ | سورۃ ۲ بقرہ | ۶ محیط آیت ۱۹، ۷ قدیر آیت ۲۰، ۸ علیم آیت ۲۹، ۹ حکیم آیت ۳۲، ۱۰ تواب آیت ۳۷، ۱۱ بصیر آیت ۹۶، ۱۲ واسع آیت ۱۱۵، ۱۳ بدیع آیت ۱۱۷، ۱۴ رؤف آیت ۱۴۳

ع۱۵ شاکرٌ ع۱۶ اللہُ ع۱۷ واحدٌ ع۱۸ غفورٌ ع۱۹ حکیمٌ ع۲۰ سمیعٌ ع۲۱ عزیزٌ ع۲۲ حیٌّ
ع۲۳ قیّومٌ ع۲۴ علیٌّ ع۲۵ عظیمٌ ع۲۶ ولیٌّ ع۲۷ غنیٌّ ع۲۸ حمیدٌ ع۲۹ ترب ع۳۰ سریعٌ
ع۳۱ خبیرٌ ع۳۲ ذوفضلٍ | سورۃ ع۳ آل عمران | ع۳۳ وھّابٌ ع۳۴ شھیدٌ ع۳۵ وکیلٌ
| سورۃ ع۴ نساء | ع۳۶ رقیبٌ ع۳۷ حسیبٌ ع۳۸ نصیرٌ ع۳۹ مقیتٌ ع۴۰ عفوٌّ۔
| سورۃ ع۵ المائدۃ | ع۴۱ علّامٌ | سورۃ ع۶ الانعام | ع۴۲ فاطرٌ ع۴۳ قادرٌ ع۴۴ قاھرٌ
ع۴۵ لطیفٌ ع۴۶ اَعلَمُ | سورۃ ع۸ الانفال | ع۴۷ نعم المولیٰ ع۴۸ نعم النصیر | سورۃ ع۹ توبہ
ع۴۹ بریٌّ | سورۃ ع۱۱ ھود | ع۵۰ احکمُ ع۵۱ حفیظٌ ع۵۲ مجیبٌ ع۵۳ قویٌّ ع۵۴ مجیدٌ ع۵۵
ودودٌ ع۵۶ فعّال | سورۃ ع۱۲ یوسف | ع۵۷ المستعان | سورۃ ع۱۳ الرعد | ع۵۸ قائمٌ
ع۵۹ عالمُ الغیب ع۶۰ الکبیرُ ع۶۱ المتعالُ ع۶۲ خالقٌ | سورۃ ع۱۴ ابراھیم | ع۶۳ ذوانتقام۔
| سورۃ ع۱۵ الحجر | ع۶۴ خلّاق | سورۃ ع۱۶ النحل | ع۶۵ رؤفٌ | سورۃ ع۱۸ کہف | ع۶۶
ذوالرّحمۃ | سورۃ ع۲۰ طٰہٰ | ع۶۷ غفّارٌ | سورۃ ع۲۱ الانبیاء | ع۶۸ ارحمُ | سورۃ ع۲۲ الحج |
ع۶۹ الحقُّ | سورۃ ع۲۳ مومنون | ع۷۰ احسنُ ع۷۱ مَلِکٌ | سورۃ ع۲۴ النور | ع۷۲ مبینٌ
ع۷۳ نورٌ | سورۃ ع۳۰ الروم | ع۷۴ محیٌ | سورۃ ع۳۳ احزاب | ع۷۵ مُبدیٌ | سورۃ ع۳۵ فاطر |
ع۷۶ شکورٌ | سورۃ ع۳۹ الزمر | ع۷۷ قھّارٌ ع۷۸ غفّارٌ | سورۃ ع۴۰ المؤمن | ع۷۹ غافرٌ
ع۸۰ قابلٌ ع۸۱ شدیدٌ ع۸۲ ذوالطول ع۸۳ رفیعٌ | سورۃ ع۴۱ حٰمٓ سجدہ | ع۸۴ ذومغفرۃٍ
ع۸۵ ذوعقابٍ | سورۃ ع۵۱ الذّٰریٰت | ع۸۶ رزّاق ع۸۷ ذُوالقوّۃِ ع۸۸ متین | سورۃ ع۵۲ الطور |
ع۸۹ برٌّ | سورۃ ع۵۳ النجم | ع۹۰ شدیدُ القوٰی ع۹۱ واسعٌ | سورۃ ع۵۴ قمر | ع۹۲ مقتدرٌ
ع۹۳ ملیکٌ | سورۃ ع۵۵ رحمٰن | ع۹۴ ذوالجلال والاکرام | سورۃ ع۵۷ الحدید | ع۹۵ اوّلٌ ع۹۶
آخرٌ ع۹۷ ظاھرٌ ع۹۸ باطنٌ | سورۃ ع۵۹ الحشر | ع۹۹ مَلِکٌ ع۱۰۰ قدّوسٌ ع۱۰۱ سلامٌ ع۱۰۲ مومنٌ
ع۱۰۳ مھیمنٌ ع۱۰۴ جبّارٌ ع۱۰۵ متکبّرٌ ع۱۰۶ بارئٌ ع۱۰۷ مصوّرٌ | سورۃ ع۶۴ التغابن | ع۱۰۸ شکورٌ
سورۃ ع۸۲ انفطار ع۱۰۹ کریمٌ | سورۃ ع۸۵ البروج | ع۱۱۰ ذوالعرش | سورۃ ع۹۶ العلق (اقرء) |
ع۱۱۱ اکرمُ سورۃ ع۱۱۲ الاخلاص ع۱۱۲ احدٌ ع۱۱۳ الصّمدُ۔

آقائے کائنات حضورِ اقدس محمّد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے وہ اسماءِ
مبارکہ جو قرآنِ مجید کی مختلف سورتوں آیتوں میں لکھے ہوئے ہیں۔

| سورۃ ع۲ بقرہ | ع۱ رسولٌ آیت ع۱۰۱۔ ع۲ بشیرٌ ع۳ نذیرٌ ع۴ شھیدٌ ع۵ مُرسلٌ

سورۃ ۳ آل عمران ع۲۶ نبی ع۷ مصدقٌ ع۹ حق ع۹ حبل اللہ ع۱۰ نعمت اللہ ع۱۱ محمد

سورۃ ۴ النساء ع۱۲ محسنٌ ع۱۳ برہانٌ سورۃ ۵ مائدہ ع۳ نورٌ ع۱۵ ولیٌّ

سورۃ ۶ انعام ع۱۶ اوّل سورۃ ۷ اعراف ع۱۷ اُمّیٌّ ع۱۸ صاحبٌ سورۃ ۹ توبہ

ع۱۹ عزیزٌ ع۲۰ حریصٌ ع۲۱ رؤفٌ ع۲۲ رحیمٌ سورۃ ۱۱ ہود ع۲۳ شاہدٌ ۔

سورۃ ۱۷ اسرٰی ع۲۴ عبدہٗ ع۲۵ مُبَشِّرٌ سورۃ ۲۰ طٰہٰ ع۲۶ طٰہٰ سورۃ ۲۱ انبیا

ع۲۷ رحمۃ للعٰلمین سورۃ ۲۵ فرقان ع۲۸ خبیرٌ سورۃ ۲۷ نمل ع۲۹ طٰسٓ سورۃ ۳۰ روم

ع۳۰ حنیفٌ سورۃ ۳۳ احزاب ع۳۱ اَولٰی ع۳۲ خاتمٌ ع۳۳ داعیٌ ع۳۴ سراجٌ ع۳۵ منیرٌ

سورۃ ۳۶ یٰسٓ ع۳۶ یٰسٓ سورۃ ۳۸ صٓ ع۳۷ منذرٌ سورۃ ۴۱ سجدہ ع۳۸ عربیٌّ

سورۃ ۶۱ کہف ع۳۹ احمد سورۃ ۷۳ مزّمّلٌ ع۴۰ مزّمّلٌ سورۃ ۷۴ مدثرٌ ع۴۱ مدّثّرٌ

سورۃ ۹۳ والضحٰی ع۴۲ یتیمٌ ۔

سورۃ کہف شریف کا مختصر تعارف اور ہر رکوع کا مختصر مضمون ۔ تعدادِ حروف والفاظ و شانِ نزول ۔

اس سورۃ پاک کا نام مبارک سورۃِ کہف ہے ۔ اس لیے کہ اس میں تین اہم واقعات میں سے بڑا تفصیلی واقعہ اصحابِ کہف کا ہے ۔ اس میں دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام دو نبیوں کی عظیم الشان ملاقات کا ہے ۔ اس میں تیسرا اہم واقعہ حضرت ذُو القرنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے ۔ یہ سورۃ مبارکہ مین درمیانِ قرآنِ مجید واقع ہے اور الفاظِ قرآنِ پاک کے حساب سے اسی میں ایک لفظ وَلْيَتَلَطَّفْ آیت ۱۹ میں بالکل نصف پر ہے اور حرفِ ت بالکل قرآنِ مجید کا درمیانی حرف ہے ۔ اس سورت کے یہ تین بڑے واقعاتِ حیاتِ اسلامیہ کی تین بنیادی اور ضروری چیزوں کو پیش فرمارہے ہیں ۔ پہلا واقعہ اصحابِ کہف میں شریعت پاک کے مسائل ہیں دوسرا واقعہ حضرتِ خضر و حضرتِ موسیٰ علیہما السلام ۔ میں ۔ طریقت اور تصوف کے مسائل ہیں ۔ تیسرا واقعہ ۔ حضرت ذوالقرنین میں ۔ دنیا کو چلانے اور اسلامی طرزِ سلطنت رعایہ پروری عدل وانصاف تعزیرات انسدادِ ظلم و بربریت کے پورے اصول وضوابط ملتے ہیں نیز اس ترتیب واقعات سے اس طرف بھی اشارہ فرمایا جاتا ہے کہ مسلمانوں کے لیے پہلے شریعت ہے پھر طریقت اور پھر دنیا کو اسلامی طریقے پر بنانا اور چلانا ہے ۔ اور حیاتِ کائناتِ انسانیت کی خلقت کا مقصد بھی ان ہی تین چیزوں پر مشتمل ہے گویا یہ سورتِ پاک درسِ زندگی کی تکمیل ہے ۔ اور اس میں ایک بااخلاق زندگی کے تمام قواعد مل جاتے ہیں ۔ یہ سورتِ مبارکہ ترتیب تلاوت کے حساب سے اٹھارہویں ۱۸ ہے اور ترتیب نزول کے اعتبار سے اُنہترویں ۶۹ ہے ۔ یہ سورت ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اس لیے یہ سورت مکی ہے ۔ اس سورۃ کا نزول بعثتِ نبوی کے نویں ۹ سال ہوا ۔ اس کے حروف چھ ہزار تین سو ساٹھ ۶۳۶۰ ہیں ۔ اور الفاظ و کلمات

ایک ہزار پانچ سو تہتر ہیں۔ اس کی آیتیں ایک سو دس ہیں۔ اور اس کے رکوع بارہ ہیں۔ اور ہر رکوع کا مختصر مضمون اس طرح ہے کہ پہلے رکوع میں۔ ابتداءِ کلام میں ۱ حمد باری تعالیٰ ۲ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتِ عبدیت ۳ قرآنِ مجید کی شان کہ اس میں کوئی کمی خامی یا ٹیڑھ اور کجی نہیں یہ قیم ہے اہل ایمان کو اجرِ حسن کی بشارت دیتا ہے۔ یہود و نصاریٰ کو ان کے بد مذہب اور ابنیت کے غلط عقیدے پر عذاب آخرت کا خوف دلایا گیا ہے۔ دنیا کی زینت ساز و سامان آل اولاد سب کچھ انسان کی آزمائش ہے اور امتحانِ الٰہی آیت ۹ سے آیت ۲۶ تک اصحابِ کہف کا ذکر ہے۔ رکوع ۲ میں۔ اصحابِ کہف کی شان تعداد۔ واقعہ اور غار کے پاس مسجد بنانے کا ذکر اور اصحابِ کہف کے کتے کا ذکر ہے۔ رکوع ۳ اصحابِ کہف کے غار میں ٹھیرنے کی مدت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک یا پہلے سو کر اٹھنے کی مدت کا بیان رکوع ۴ میں آیت ۲۶ سے آگے تلاوتِ قرآن کریم کا ذکر۔ قرآن مجید کو کوئی بدل نہیں سکتا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو صبر کرنے کی تلقین۔ صحابہ کرام کے ساتھ رہنے کا ذکر۔ دنیوی مال و دولت اور دنیا والوں سے بے رغبتی کا ذکر۔ توفیقِ الٰہی نہ ملنے والے بد قسمت بدبخت لوگوں کا ذکر۔ اہلِ دوزخ کے عذابوں کا ذکر۔ اہلِ جنت کے انعاموں کا ذکر۔

رکوع ۵ میں بنی اسرائیل کے دو مردوں کی عبرت و نصیحت دلانے والی کہانی۔ ایک امیر مغرور دولت مند اور اپنے کھیت و باغات پر اترانے اکڑنے والا مشرک و کافر۔ دوسرا غریب نیک متقی نیک سیرت صابر و شاکر عابد و زاہد نیکی کا راستہ بتلانے سمجھانے والا۔ اور دونوں کے اخروی و دنیوی اچھے برے انجام کا ذکر۔ اللہ تعالےٰ کی سلطنت کا ایک زبردست سلوک۔ رکوع ۶ میں حیاتِ دنیوی کی مثال۔ کھیت کھلیان سے بے ثباتی دنیا کی تمثیل۔ دولت اور اولاد صرف چند روزہ دنیوی زینت ہیں اور آخر سب کو فنا ہے۔ بقاءِ ابدی صرف مقبولِ بارگاہ بندوں اور ان کے اعمالِ صالحہ کو ہے۔ قیامت اور مجرمین اور اعمال ناموں کا ذکر۔ رکوع ۷ میں حضرتِ آدم علیہ السلام کے سجدۂ ملائکہ کا ذکر اور ابلیس کا انکار اس کی وجہ یہ کہ وہ جنات اور ناری مخلوق میں سے ہے تمام انسانوں کو حکم ہے کہ ابلیس شیطان اور ابلیسی لوگوں کو دوست نہ بناؤ۔ قیامت میں کفار اپنے شرکا اور گمراہ کرنے والوں کو پکاریں گے مگر وہ جواب نہ دیں گے۔ رکوع ۸ میں ہے کہ قرآن مجید میں ہر قسم کی مثالیں دے کر سمجھایا گیا ہے مگر کفار محض ضد اور جہالت سے نہیں مانتے۔ ہدایت کے آنے کے بعد بھی کفر کی طرف جاتے ہیں۔ انسان جھگڑالو ہے۔ سب انبیاءِ کرام علیہم السلام بشیر و نذیر بن کر آئے۔ کفار حق کو مٹانا چاہتے ہیں۔ کلامِ الٰہی اور انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مذاق اور گستاخی کرتے ہیں۔ کفار سے درگزر کرنے کا ذکر۔ عذابِ آسمانی سے اجڑی ہوئی بستیوں کا ذکر و بیان رکوع ۹ میں حضرتِ موسیٰ۔ اور آپ کے خادم جوان حضرت یوشع کا ذکر۔ حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کا واقعۂ ملاقات از آیت ۶۰ تا آیت ۸۲۔ مکمل دو رکوع ۹ اور ۱۰ میں۔

رکوع ۱۱ میں حضرت ذوالقرنین کا ذکر از آیت ۸۳ تا آیت ۹۹ میں۔ جہنم کفار کے لیے مہمان خانہ ہے برے ناقص اور بیکار عمل والوں کا ذکر۔ کفار کے سب اعمال برباد ہیں۔ جنت اہل ایمان کے لیے مہمان خانہ ہے اگر سارے سمندر اور دریا سیاہی بن جائیں تب بھی رب تعالیٰ کے کلمات لکھے نہیں جا سکتے۔ فرما دو اے پیارے محبوب نبی تمام کائنات انسانیت تا قیامت کو کہ میں تم سب کی مثل بشر ہوں۔ مجھ میں تم تمام کی کل صفات بشریت موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے ملنے کی خواہش کرنے والوں کو قرب باریابی کے حصول کے لیے اچھے اعمال عبادات ریاضات مجاہدات مراقبات کرنے اور شرک کفر فسق سے توبہ اور کی نفرت کرنے کی تلقین اور نصیحت۔ وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہُ الْکَرِیْمُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ ہم نے اپنی تمام تفسیر کے ہر سپارے اور آیتوں سورتوں میں مندرجہ ذیل کتب سے استفادہ کیا ہے۔

ع۱ تفسیر کبیر امام رازی ع۲ تفسیر خازن ع۳ مدارک ع۴ ابن کثیر ع۵ ابن عباس ع۶ روح المعانی۔
ع۷ روح البیان ع۸ مظہری ع۹ تفسیر فتح القدیر امام شوکانی ع۱۰ تفسیر محی الدین ابن عربی ع۱۱ عرائس البیان۔
ع۱۲ خزائن العرفان ع۱۳ کنز الایمان ع۱۴ بخاری ع۱۵ مسلم ع۱۶ ابو داؤد ع۱۷ ترمذی ع۱۸ نسائی۔
ع۱۹ ابن ماجہ ع۲۰ مرقات شرح مشکوۃ ع۲۱ مرات شرح مشکوۃ ع۲۲ ہدایہ اولین آخرین ع۲۳ فتاویٰ شامی
ع۲۴ فتاویٰ فتح القدیر ع۲۵ بحر الرائق ع۲۶ لغات القرآن ع۲۷ شرح جامی ع۲۸ کافیہ ع۲۹ نور الانوار۔
ع۳۰ توضیح والتلویح۔

چند معلومات قرآنیہ۔ قرآن مجید کے کل رکوع ۵۴۰۔ کل الفاظ چھیاسی ہزار چار سو تیس [۸۶۴۳۰] کل حروف کی تعداد دو لاکھ اکیس ہزار دو سو پینسٹھ [۲۲۱۲۶۵]۔ کل زبریں۔ ترپن ہزار دو سو بیالیس [۵۳۲۴۲]۔ کل زیریں۔ انتالیس ہزار پانچسو بیاسی [۳۹۵۸۲]۔ کل پیش۔ آٹھ ہزار آٹھ سو چار۔ نقطے۔ ایک ہزار سات سو چھتر۔ مد۔ ایک ہزار سات سو اکہتر [۱۷۷۱]۔ تشدید۔ بارہ سو باون [۱۲۵۲] کل۔ اول سورہ کی بسم اللہ شریف۔ ایک سو تیرہ [۱۱۳]۔ آیت بسم اللہ شریف۔ ایک عدد۔ قرآن مجید میں کل۔ الف کی تعداد ۴۸۸۷۲ - ب - ۱۱۴۲۸ - ت - ۱۲۹۹ - ث - ۱۲۷۶ - قرآن مجید میں کل جیم کی تعداد - ۳۲۷۳ - ح - ۹۷۳ - خ - ۲۴۱۶ - دال - ۵۶۴۲ - ذال - ۴۶۹۷ - ر - ۱۱۷۹۳ - ز - ۱۵۹ - س - ۵۸۹۱ - ش - ۲۲۵۳ - ص - ۲۰۱۳ - ض - ۱۲۰۷ - ط - ۱۲۷۴ - ظ - ۸۴۲ - ع - ۹۲۲۰۰ - غ - ۲۲۰۸ - ف - ۸۴۹۹ - ق - ۶۸۱۳ - ک - ۹۵۲۲ - ل - ۳۴۳۲ - م - ۲۶۵۳۵ - ن - ۲۶۵۶۰ - و - ۲۵۵۳۶ - ہ - ۱۹۰۷۰ - لا - ۳۷۲۰ - ء - ۴۱۱۵ - ی - ۲۵۹۱۹ - یہ سب حروف قرآنیہ کی تعداد ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو بخشنے والا رحم فرمانیوالا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہِ

ہر شکر فقط اُس اللہ کے لیے ہے جس نے اپنے بندے پر

سب خوبیاں اللہ کو جس نے اپنے بندے پر کتاب

الۡکِتٰبَ وَ لَمۡ یَجۡعَلۡ لَّہٗ عِوَجًا ؕ ﴿۱﴾ قَیِّمًا

کتاب اتاری اور نہ بنایا اس کے لیے کوئی الجھاؤ ۔ عدل بیان کرنے والی

اتاری اور اس میں اصلاً کجی نہ رکھی ۔ عدل والی کتاب

لِّیُنۡذِرَ بَاۡسًا شَدِیۡدًا مِّنۡ لَّدُنۡہُ وَ

تاکہ ڈرائے وہ کتاب سخت مصیبتوں سے اپنے ذریعے سے اور

کہ اللہ کے سخت عذاب سے ڈرائے اور ایمان والوں کو جو

یُبَشِّرَ الۡمُؤۡمِنِیۡنَ الَّذِیۡنَ یَعۡمَلُوۡنَ

خوشخبری دے ان مومنوں کو جو نیک کام کرتے ہیں

نیک کام کریں بشارت دے کہ ان کے لیے اچھا ثواب ہے

الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَہُمۡ اَجۡرًا حَسَنًا ﴿۲﴾ ۙ

کہ ان کے لیے بہت ہی اچھا اجر ہے

جس میں ہمیشہ رہیں گے ۔ اور ان کو ڈرائے جو

مَّاكِثِينَ فِيهِ أَبَدًا ۝٣ وَيُنذِرَ الَّذِينَ

اس اجر میں ہمیشہ رہیں گے - اور خوف دلائے اُن کافروں کو

کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنا کوئی بچہ بنایا - اس بارے میں

قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا ۝٤ مَّا لَهُم بِهِ

جنہوں نے کہا کہ اللہ نے اپنی اولاد بنائی ہے - نہیں ہے اِنْ کو اِس

نہ وہ کچھ علم رکھتے ہیں نہ اُن کے باپ دادا

مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ ۚ كَبُرَتْ كَلِمَةً

برے عقیدے کا کچھ علم اور نہ اُن کے باپ دادوں کو کتنی سخت بات ہے

کتنا بڑا بول ہے کہ اُن کے منہ سے

تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ ۚ إِن يَقُولُونَ إِلَّا

جو وہ اپنے مونہوں سے نکال دیتے ہیں - نہیں بولتے وہ مگر

نکلتا ہے - نرا جھوٹ کہہ

كَذِبًا ۝٥

بڑا جھوٹ

رہے ہیں

تعلق ان آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی سورۃ کی ابتدا بھی تسبیحِ الٰہی اور عبدیتِ مصطفائی سے ہوئی تھی اور انتہا بھی حمد و عبدیت سے ہوئی تھی۔ اس سورۂ کہف کی ابتدا عبدیتِ مصطفائی اور حمدِ الٰہی سے ہوئی اور اس کی انتہا بشریتِ مصطفائی اور وحدانیتِ الٰہی سے ہوئی اس لیے اُس سورۃ اسریٰ کے بعد سورۂ کہف

نہایت مناسب ہے۔ تاکہ پتہ لگے کہ ایمان دو ہی چیزوں کا نام ہے ۱ توحید ۲ عبدیت اور عمل کے دو ہی راستے ہیں ۱ قربِ الٰہی کی معراج اور عبدیتِ مصطفائی کے غارِ خلوت۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی سورۃ میں معراج کا ذکر ہوا جو اس لحاظ سے بہت ہی عجیب تر تھا کہ ایک رات کی سیر میں اٹھارہ سال گزر گئے اور جس پر گزرے اس کو سب معلوم لیکن جنہوں نے سنا وہ بالکل بے خبر بے عقل ہونے کی وجہ سے منکر ہو گئے۔ اب اس سورۂ کہف میں اصحابِ کہف کا وہ حیرت انگیز واقعہ بیان ہوا کہ ایک دن کی نیند میں تین سو سال گزر گئے اور جن پر گزرے ان کو کچھ خبر نہ ہوئی لیکن جنہوں نے سنا ان کو مدت کا پورا علم ہو گیا اور پھر یہود و نصاریٰ کے تاریخ دانوں نے اوراقِ تاریخ میں تحریر و مشہور کر دیا۔ منکرینِ معراج نے جب یہ واقعہ اور مخالفین کی تائیدی سند کو سنا تو معراج کی حقیقت بھی تسلیم کرنی پڑی۔ تو گویا کہ پچھلی سورت میں معراج ہونے کا دعویٰ تھا اس سورۃ میں معراج کی شاندار دلیل پیش کی گئی۔ لہٰذا اس سورۂ اسریٰ کے بعد اس سورۂ کہف کا ہونا نہایت مناسب ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی سورۃ میں بھی آیت ۶۱ سجدۂ آدم کا ذکر ہوا اور اس سورۂ کہف میں بھی مگر وہاں سورۃ اسریٰ میں خلقتِ آدم علیہ السّلام کا بیان ہوا کہ ابلیس نے خود کہا کہ یہ آدم مٹی سے بنے ہیں اور اس سورۂ کہف میں خلقتِ ابلیس کا پتہ لگا کہ رب نے فرمایا یہ جن ہے اور نار سے بنا ہے اس میں اس سجدے کی حکمت کا اشارہ ملتا ہے کہ مٹی میں عجز ہے نار میں تکبر ہے اور قانونِ فطرت ہے کہ جو عاجز بنے اس کو بلندی و شان بخشی جاتی ہے جو بڑا بنے اس کو گرایا جاتا ہے اور جو اپنی بڑائی کا غرور کرے اس کو پھٹکارا جاتا ہے۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی سورۂ اسریٰ میں کفار کی ایمان سے دوری کی ایک وجہ بیان ہوئی کہ انبیاءِ کرام کو اپنے جیسا بشر سمجھتے رہے اب اس سورۂ کہف میں کفارِ مکہ کے ایمان نہ لانے کی دوسری وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ ان کا پرانہ طریقہ اور باپ دادوں کی رسم ہے۔ **پانچواں تعلق**۔ پچھلی سورت میں بھی آخرت کے وعدے کا ذکر تھا اور اس سورۃ میں بھی مگر وہاں فرمایا گیا تھا کہ ہمارا وعدہ سب کو ایک جگہ لپیٹ کر لائے گا۔ لَفِيْفًا۔ کر کے۔ اور یہاں فرمایا گیا دَكًّا۔ یعنی آیت ۹۸ علیحدہ جدا اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے۔ گویا کہ سورۂ اسریٰ میں میدانِ محشر کے اندر آنے کی آخری حالت کا ذکر ہوا اور اس سورۂ کہف میں میدانِ محشر کی طرف آنے کی پہلی حالت کا ذکر ہے۔ **چھٹا تعلق**۔ پچھلی سورۃ میں حضرتِ موسیٰ کو توریت دینے کا ذکر ہوا جس کے متعلق یہودیوں کا گمان تھا کہ توریت میں تمام علوم ہیں اس کے ہوتے ہوئے کسی اور کتاب زبور انجیل اور قرآن مجید وغیرہ کی ضرورت نہیں اب اس سورۃ میں حضرت موسیٰ و خضر اللہ تعالیٰ کے دو نبیوں علیہما السّلام کا ذکر اور واقعہ بیان ہو رہا ہے۔ یہودیوں کا باطل گمان توڑ کر ثابت فرمایا جا رہا ہے کہ توریت اور حضرت موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پاس تمام علوم نہیں ہیں بلکہ ہزاروں علم ایسے ہیں جو حضرت موسیٰ کو نہ دیئے گئے نہ وہ

توریت میں ہیں۔

شانِ نزول ۔ یہ سورۃ کہف ایک دم سب کی سب مکہ مکرمہ میں اتری اس کی کوئی آیت مدنی نہیں ہے اس کو لے کر ستر ہزار فرشتے آئے جبرئیل آمین کے ساتھ۔ اور پوری سورت کا یکدم نازل ہونا کفارِ مکہ کے بہت سے مختلف جواب دینے کی وجہ سے ہوا۔

تفسیر نحوی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۔ سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاَحَدَ عَشَرَ اٰيٰتٍ وَّاِثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا ۔ ب جارہ اِسم۔ اسم مفرد جامد مضاف ہے اَللّٰہ۔ اسم جامد عَلَم ذاتی ہے موصوف الف لام اسمی رحمٰن صفتِ اوّل ۔ الرحیم صفتِ دوم یہ سب مرکب توصیفی مضاف الیہ ہوا اسم کا وہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَشرَعُ یا ثَابِتٌ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ سُوْرَةٌ۔ اسم مفرد جامد متغیر ہے سورُ البلد سے بمعنی گھیرنے والا۔ مراد ہے جامع مانع ۔ قرآن مجید کے ایک پورے مضمون پورا واقعہ یا قصہ اور مقصد قصہ یا پورا قانون گھیرنے اور بیان کرنے والی عبارت کو اصلاح میں سورت کہا جاتا ہے ۔ اَلْكَهْف ۔ الف لام جنسی ہے یا عہد خارجی ۔ کہف اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے کہوف ۔ بمعنی چھوٹی پہاڑی ۔ پناہ گاہ ۔ کمرہ یا گھر نما غار یا ہر غار مراد ہے ۔ یہ لفظ اس سورۃ کا نام ہے کیونکہ اس میں اصحاب کہف کا اجمالی واقعہ ذکر ہے یہ مضاف الیہ ہے سُوْرَةٌ کا مرکب اضافی بتدا ہے ۔ مَكِّيَّةٌ ۔ یہ تین لفظ کا مجموعہ ہے مکہ ۔ ی نسبتی ۔ اور تاءِ وحدت ۔ مکی بھی پڑھا جاتا ہے مذکر کے لیے ۔ چونکہ لفظ سُوْرَةٌ مؤنث ہے اس لیے یہاں مَكِّيَّةٌ ہے ایک قول میں یہ مؤنث کی ت ہے ۔ واؤ ابتدائیہ ۔ ھِیَ ۔ ضمیر واحد غائب مرجع ہے سورۃ یعنی وہ سورۃ ۔ مِائَةٌ اسم عددی معرب نکرہ بمعنی ایک سَو واؤ عاطفہ اَحَدَ بمعنی ایک عَشَرَ بمعنی دس مرکب بنائی ہے بمعنی گیارہ یہ دونوں اکائی دہائی مبنی فرع ہے ۔ معطوف ہے مِائَةٌ کا سب عطف مل کر ممیز مضاف ہوا ۔ اٰیٰت جمع مؤنث سالم تمیز مضاف الیہ ہے اس کا واحد اٰیَةٌ ہے بمعنی مضمون کا ایک جز ۔ یہ معطوف علیہ ہے ۔ واؤ عاطفہ ۔ اِثْنَا بمعنی دو عَشَرَ بمعنی دس یہ دونوں مرکب بنائی ہے بمعنی بارہ ۔ اسم عددی ہے اِثْنَا معرب ہے ۔ دراصل تھا اثنانِ تثنیہ کی ۔ نونِ اعرابی آخر سے گر گئی اضافتِ بیانیہ کی وجہ سے یہ مضاف ہے عَشَرَ مبنی بر فتحہ ہے ۔ یہ سب ممیز ہے ۔ رُكُوْعًا ۔ اسم مفرد بحالتِ نصب ہے کیونکہ تمیز ہے رکوع بروزنِ فعول بمعنی جھکنا ۔ ٹیڑھا ہونا ۔ یہ سب ممیز تمیز مل کر معطوف اور سب عطف مل کر خبر ہے بتدا ھِیَ کی ۔ بتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۔ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ۔ الف لام استغراقی حَمْدُ حاصل مصدر بتدا لام جارہ ملکیت اَللّٰہ مجرور موصوف ہے

اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر اَنْزَلَ۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق معروف ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ عَلٰی۔ اِستعلائیہ عَبْدِہٖ اسم مفرد جامد عبادت گزار۔ ہٖ۔ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَنْزَلَ کا۔ الف لام عہد خارجی کتاب اسم مفعو بمعنیٰ مکتوب بحالت فتحہ ہے مفعول بہٖ ہے اَنْزَلَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ لَمْ یَجْعَلْ فعل مستقبل بمعنیٰ ماضی نفی حجد بلم۔ ھُوَ۔ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ لام جارہ بمعنیٰ فی۔ ہٖ۔ ضمیر مجرور کا مرجع کتاب ہے۔ عِوَجًا۔ اسم نکرہ جامد بمعنیٰ ٹیڑھ۔ خرابی۔ مستقیم کا مقابل اس کی دو لغتیں ہیں ۱ عِوَج عین کے کسرے سے بمعنیٰ باطنی قلبی عقلی ٹیڑھ جس کو بصیرت سے دیکھا جاتا ہے ۲ عَوَج عین کے فتحہ سے بمعنیٰ ظاہری۔ جسمانی ٹیڑھ جس کو آنکھ کی بصارت سے دیکھا جاسکے۔ بحالت فتحہ ہے بوجہ مفعول بہٖ۔ قَیِّمًا صفتِ مشبہ قَوْمٌ یا قِیَمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ درست کرنا۔ سیدھا کرنا۔ کھڑا کرنا۔ صفت کا ترجمہ ہوا بہت درست کرنے والا حال ہے لَہٗ کی ضمیر کا۔ لِیُنْذِرَ۔ لام تعلیلیہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ یُنْذِرَ فعل مضارع معروف باب اِفعال ھُوَ۔ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے یُنْذِرَ کا مرجع ہے کتاب۔ یُنْذِرُ کا مصدر ہے اِنْذَارٌ بمعنیٰ ڈرانا۔ آئندہ کسی آنے والے عذاب وغیرہ سے خَوْفٌ کا معنیٰ ہے موجودہ چیز سے ڈرنا۔ بَاسًا۔ اسم مفرد جامد نکرہ معرب ہے بمعنیٰ تنگی۔ تکلیف مصیبت۔ یہاں مراد ہے عذاب الٰہی۔ شَدِیْدًا۔ صفتِ مشبہ بمعنیٰ بہت سخت صفت ہے بَاسًا کی۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے۔ مِنْ حرف جر ابتداء کلام کے لیے لَدُنْ اسم مفرد ظرفیہ مکانیہ بمعنیٰ قریب۔ ہٗ۔ ضمیر واحد غائب کا مرجع اَللہ۔ یہ مرکب اضافی مِنْ سے مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ کا موجودًا اسم مفعول اپنے ھُوَ پوشیدہ نائب فاعل اور متعلق سے مل کر صفتِ دوم ہے بَاسًا کی۔ ایک قول میں مِنْ لَدُنْہُ متعلق ہے لِیُنْذِرَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا وَاوٗ۔ عاطفہ یُبَشِّرَ۔ باب تفعیل کا مضارع معروف اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بِشْرٌ یا بُشْرٌ یا بَشْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خوشخبری دینا یا سنانا۔ اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔ الف لام اِستغراقی۔ مُؤْمِنِیْنَ جمع مذکر بحالتِ فتحہ ہے موصوف ہے اَلَّذِیْنَ کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول یہ مابعد تمام عبارتِ صلہ سے مل کر صفت ہے مُؤْمِنِیْنَ کی۔ یَعْمَلُوْنَ فعل مضارع معروف جمع غائب عَمَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اعضاءِ ظاہری سے کام کرنا۔ اَلصّٰلِحٰتِ۔ الف لام عہدی صَالِحٰتِ صَالِحَۃٌ کی جمع مؤنث سالم ہے بمعنیٰ اچھا کام نیکیاں۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے یَعْمَلُوْنَ کا اَنَّ۔ حرفِ مُشَبَّہَ بالفعل لام جارہ ہُمْ کا ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور۔ یہ مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول کا۔ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ۔ اَجْرًا اسم جامد نکرہ معرب بمعنیٰ بدلہ مراد ہے جنت موصوف ہے۔ حَسَنًا۔ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ اچھا۔ خوبصورت۔ فائدے مند۔ یہ صفت ہے اجرًا کی مرکب توصیفی

اَنَّ کا اسم ہے ۔ مَاکِثِیْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر مُکْثٌ سے بنا ہے بمعنی ٹھیرنا ۔ رہائش رکھنا ۔ فِی جارہ ظرفیہ ہٖ ۔ ضمیر کا مرجع اَجْرًا ۔ اَبَدًا ۔ اسم ظرف جامد نکرہ معرب ظرف ہے اور متعلق ہے مَاکِثِیْنَ کا ۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ھُمْ کا ۔ وَیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا ۔ مَا لَھُمْ بِہٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِھِمْ کَبُرَتْ کَلِمَۃً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاھِھِمْ اِنْ یَّقُوْلُوْنَ اِلَّا کَذِبًا واوٗ عاطفہ ۔ عطف ہے مابعد عبارت کا ماقبل لِیُنْذِرَ پر یُنْذِرَ ۔ باب افعال مضارع منصوب ہے عطف تابعی کی وجہ سے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر قَالُوْا ۔ فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب ۔ ھُمْ ۔ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے اُس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ اِتَّخَذَ ۔ باب اِفْتِعَال کا ماضی مطلق ثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِتِّخَاذٌ ہے ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا ۔ لینا ۔ پکڑنا ۔ یہاں سب معنے مناسب ہیں اللّٰہُ ۔ اسم اعظم نام ہے ذاتِ باری تعالیٰ کا ۔ بحالتِ رفع فاعل ہے ۔ وَلَدًا ۔ اسم مفرد نکرہ منصوب ہے ۔ بمعنی بچہ ۔ بیٹا ۔ اولاد اس کی جمع ہے ۔ مفعول بہٖ ہے ۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا ۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا ۔ مَا نافیہ مشبہ بلَیْسَ ۔ لام جارہ تعدیہ کا ۔ ھُمْ ۔ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ثَبَتَ پوشیدہ کا ۔ بِہٖ ۔ بْ جارہ تعدیہ کی ۔ ہٖ ۔ ضمیر کا مرجع وَلَدًا ہے یا اِتِّخَاذ عقیدہ بھی ہے اور قول بھی ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ بمعنی کوئی ۔ کچھ بھی ۔ عِلْمٍ ۔ اسم مفرد نکرہ جامد ۔ یہ جار مجرور متعلق سوم ہے ثَبَتَ فعل پوشیدہ کا ۔ سب مل کر جملہ فعلیہ منفیہ ہو گیا ۔ واوٗ ۔ عاطفہ ۔ عطف ہے مابعد کا ماقبل لَھُمْ پر لا مشبہ بلَیْسَ ۔ لام ۔ جارہ تعدیہ یعنی مفعول بہ بنانے کا ۔ آبَاءٌ جمع مکسر ہے اس کا واحد اَبٌ ہے ۔ بمعنی باپ دادے ۔ ھِمْ ۔ ضمیر مضاف یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر اسی ثَبَتَ پوشیدہ سے متعلق لَھُمْ پر عطف ہو کر ۔ ایک قول میں نیا ثَبَتَ پوشیدہ ہے ۔ یہی صحیح ہے وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر لا مشبہ بلَیْسَ کی ۔ اور پہلا جملہ خبر ہے مَا نافیہ کی ۔ دونوں جگہ عِلْمٌ پوشیدہ ہے وہ اِنَّ کا اسم بن رہا ہے ۔ یہ سب اپنے اپنے جملے بن گئے کَبُرَتْ ۔ باب کَرُمَ کا ماضی ہے کِبَرٌ سے بنا ہے بمعنی بڑا ہونا ۔ سخت ہونا ۔ اس میں پوشیدہ ھِیَ ضمیر فاعل ہے مُمَیَّز ہے اس سے مراد ہے قول کَلِمَۃً ۔ اسم مفرد مذکر وحدت کی بحالتِ نصب ہے کیونکہ تمیز ہے ۔ پچھلے ھِیَ پوشیدہ کا اور موصوف ہے اگلی عبارت کا ۔ تَخْرُجُ ۔ مضارع معروف مؤنث ۔ ھِیَ اس میں مستتر اس کا فاعل ہے اس کا مرجع کَلِمَۃً ہے ۔ مِنْ جارہ ابتدائیہ ۔ اَفْوَاہ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے فُوْہٌ ۔ دراصل تھا فُمٌ ثقل کی بنا پر میم کو واوٗ سے بدلا اور تفخیم کے لیے آخر میں ہٖ لگا دی مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع غائب اس کا مضاف الیہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَخْرُجُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صفت بنی کلمۃ کی کبرت فعل سب سے مل کر مکمل ہوا ۔ اِنْ نافیہ یَقُوْلُوْنَ ۔ مضارع معروف جمع غائب مذکر قولٌ سے مشتق ہے

عم پوشیدہ اِس کا فاعل ہے یہاں شیئاً پوشیدہ ہے بمعنیٰ کچھ یہ مقولہ اور مستثنیٰ منہ ہے اِلّا حرفِ استثنا مفرغ کیونکہ مستثنیٰ منہٗ ظاہر موجود نہیں۔ کَذِبًا۔ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ جھوٹ بناوٹ یہ مستثنیٰ ہے سب استثنا مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰي عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا۔ تمام تعریفیں حمد ہوں یا ثنا۔ تسبیح ہو یا تقدیس۔ ابدی ازلی۔ قدیمی۔ حدثی۔ استمراری۔ استقراری۔ باقی۔ عارضی سب اُسی اللہ جلَّ شانُہٗ کے لیے ہیں جس نے عظیم کرم رحمت شفقت انعام اعلام احسان فرماتے ہوئے اس معراج پر چڑھنے والے عَبْدِہٖ اپنے ایسے عظیم بندے پر نیچے اُتار کر نازل فرمائی ایک قدیمی کتاب۔ وہ بندہ جس کی شان عرش فرش لامکان پر عَبْدِہٖ ہے وہ عبد جس کی عبدیت اَوجِ کمال پر ہے جس کی عبدیت کے لیے کسی جہت سمت مکان و زمان وقت و ساعات مسجد و مدرسہ خانقاہ مزارات کی قید نہیں جس کی عبدیت نے ساری زمین کو مسجد اور ساری شریعت کو عالمگیر مصلیٰ بنا دیا۔ ایسے بندے پر وہ عظیم کلام نازل فرمایا جو ازلِ قدیم سے کتابِ ملکوتی و قانونِ جبروتی ہے اور صفاتِ ذاتیہ میں لکھی ہوئی ہے اور نہیں پسند کی گئی اس کتاب کے لیے مخلوقیت نہ ڈالی اُس کے لیے ذرہ سی بھی ٹیڑھ نہ اُس میں کمزوری ہے نہ اُلجھاؤ نہ نقص نہ غلط بیانی نہ فصاحت و بلاغت کے خلاف نہ حروف و اعراب میں کمی نہ الفاظ و معانی میں فرق حضرت ابنِ عباس نے فرمایا کہ عِوَج کا معنیٰ ہے مخلوق۔ اعلیٰ مقامِ عبدیت یہ ہے کہ فِیْ ذاتہٖ عالم ہو اور لِغَیْرِہٖ معلّم ہو۔ معراج عبدیت کی شان ہے کہ عبد بلندی پر پہنچا اور نزولِ کتاب نورانیت کی شان ہے۔ معراج میں آیٰت کی رویت ہے نزولِ کتاب میں آیٰت کی عطا ہے۔ وہ کتاب جس میں ہر عوج کی نفی ہے اور جب عِوَج کی نفی ہو تو قَیِّم کا اثبات ہوتا ہے یہ کتاب اَزل سے اَبد تک سات آسمانوں سات زمینوں میں سات طرح قیّم ہے ۱ اس طرح کہ یہ مستقیم ہے ۲ یہ معتدل ہے ۳ نہ اس میں افراط ہے کہ بندوں کو مشقت پڑ جائے ۴ نہ تفریط ہے کہ اُس کے ہوتے پھر کسی دوسری کتاب و کلام کی ضرورت پڑے ۵ نہ اس کے الفاظ میں خلل ہے ۶ پہلی آسمانی کتب کا یہ خلاصہ کاملہ ہے تمام کتبِ سابقہ پر غالب و شاہد ہے ۷ تمام بندگانِ الٰہیہ کا دین دُنیا قبر حشر میں کفیل ہے۔ کائناتِ عالم میں اس لیے نزول فرمایا تاکہ تمام کفارِ عالم کو ڈرائے اُس عذابِ شدید سے جو اُس رب تعالیٰ جلّ وعُلیٰ کے پاس ہے۔ جس سے کوئی نافرمان بچ نہیں سکتا۔ اِس کتاب میں عوج نہیں اس لیے یہ کامل فی ذاتہٖ ہے اور یہ کتاب قیّم ہے اِس لیے مکمل لغیرہ ہے۔ اور جس کی یہ شان ہو اسی کا کام ہے کہ ڈرائے کفار کو عذاب دائمی ابدی سے وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ

اور خوشخبری سنائے اُن ایمان والوں کو جو ایمان کے ساتھ ساتھ دین دنیا کے اچھے با اَخلاق اَعلیٰ کردار عمل بھی کرے۔ اِس بات کی خوشخبری کہ اَنَّ لَهُمْ۔ بیشک اُن کے لیے حَسِین و جمیل اجر ہے اُن کے ایمان کے بدلے اور مَّاكِثِينَ فِيهِ اس اپنے اَجرِ حسن میں ہمیشہ ہی رہنے والے ہیں اپنے اَعمال کے بدلے یہ قرآن مجید سب کے لیے نعمت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بھی اس طرح کہ اِس نے کلام کے ذریعے اَسرار۔ اِحکام۔ توحید۔ تنزیہہ۔ صفاتِ جلال واِکرام۔ احوالِ ملائکہ۔ اَخبارِ اَنبیا کا علم عطا فرمایا۔ قضا و قدر۔ عالَمِ سفلی۔ عالَمِ علوی۔ عالَمِ آخرت کا تعلق دنیا سے عالَمِ روحانیت کا اِرتباط عالَمِ جسمانیت سے کشفِ لاہوتِ قدس کا علم عالَمِ ملکوت۔ سیرِ جبروت صفاتِ الٰہیہ کے تمام علوم اسی قرآن سے حاصل ہوئے یہ قرآن تمام انسانوں کے لیے بھی نعمت ہے اس لیے کہ اسی کے ذریعے شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت۔ عبادت۔ ثواب۔ عذاب۔ گناہ نیکی۔ عقاب۔ عتاب وعدہ وعید۔ تکلیف و ترخیص۔ عبرت۔ نصرت خوف۔ خشیت۔ قصص و تمثیلات کا ہم سب بندوں کو پتہ لگا۔ اس لیے تمام پر اُس اللہ کی حمد و ثنا واجب ہے۔ حمد۔ مدح۔ تعریف۔ ثنا میں یہ فرق ہے۔ ذاتی اختیاری فعل پر اچھا کہنا حمد ہے چونکہ ذاتی اختیاری فعل صرف رب تعالیٰ کا ہے اس لیے تمام حمدیں صرف اسی کی ہیں۔ عطائی فعل پر تعریف کرنا مدح۔ کسی نعمت کی عطا پر اچھا کہنا ثنا ہے۔ کسی کی پہچان کرانا تعریف ہے۔ وَيُنذِرَ الَّذِينَ قَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا۔ مَا لَهُم بِهِ مِنْ عِلْمٍ وَلَا لِآبَائِهِمْ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ إِن يَقُولُونَ إِلَّا كَذِبًا۔ اور یہ قرآن مجید اُن سخت ترین کافروں کو خصوصی طور پر عذابِ شدید سے ڈراتا خوف دلاتا ہے جنہوں نے اپنے قول عقیدے مسلک مذہب تحریر و تقریر سے یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ نے اولاد بیٹا بیٹی پیدا کر لی۔ حالانکہ یہ عقیدہ اتنی بڑی جہالت ہے کہ نہیں ہے اُن کافروں مشرکوں کے لیے اِس عقیدے اس قول میں ذرا بھی علمیت اور اسی طرح اِن کے اُن باپ دادوں آباؤ اَجداد کو بھی علم سے کوئی تعلق نہیں جنہوں نے یہ کفریہ عقیدہ بنایا تھا۔ خیال رہے کہ یہ عقیدے پہلے پہل پولُس یہودی نے جھوٹا عیسائی بن کر بنایا۔ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہ مسیح کو اللہ کا اکلوتا بیٹا کہا پھر یہودیوں نے اس کے مقابل حضرت عزیز کو اللہ کا بیٹا کہا۔ پھر کفارِ مکہ نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہنا شروع کیا۔ (از تفسیر کبیر۔ خازن۔ مظہری) یہ عقیدہ سب سے زیادہ اور بڑا کفر شرک اس لیے ہے کہ اولاد کی شرکت وراثت سب سے زیادہ مضبوط ہوتی ہے اور اولاد والا سب سے زیادہ بزدل اور کمزور ہوتا ہے۔ اولاد والے کو اپنی اولاد کی محتاجی کا خیال ضرور ہوتا ہے اور اولاد پر بھروسہ کا سہارا رہتا ہے۔ دوسری شرکتیں ختم کی جا سکتی ہیں مگر اولاد کی شرکت اور وراثت کو باپ ختم نہیں کر سکتا۔ یہاں باپ مجبور تر ہوتا ہے۔ اسی لیے کَبُرَتْ كَلِمَةً

سب سے زیادہ بڑا شرک ہو گیا یہ عقیدہ ایسی بات کے اعتبار سے ہے جو نکلی ہے اُن کے موہنوں زبانوں سے ۔ یہ اقوال جو اُنہوں نے بولے ہیں صرف جھوٹ ہی ہیں ۔ سچائی کا ذرّہ بھی نہیں ہے ہر وہ چیز جو حقیقت کے خلاف ہو واقع کے مطابق نہ ہو ۔ اُس کو کذب اور جھوٹ کہا جاتا ہے ۔ اگرچہ بولنے والا اپنے اِس قول کو واقع کے مطابق ہی سمجھتا ہو ۔ اور اگر بولنے والا بھی اس کو واقع اور حقیقت کے خلاف سمجھتا ہو تو وہ کذبِ اکبر ہے ۔ یہی یہاں مراد ہے یعنی اہلِ عقل کفار کی عقلیں اپنے باطن میں اس کو جھوٹ ہی سمجھتی ہیں

فائدے

اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ۔

پہلا فائدہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے عبد ہیں اور تمام مخلوق بھی بندے ۔ مگر فرق یہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے عبدِ مطلق ہیں اور باقی تمام عبدِ مقیّد ہیں ۔ عبدِ مطلق کسی کا محتاج نہیں ہوتا سوائے اللہ تعالیٰ کے ۔ لیکن عبدِ مقیّد عبدِ مطلق کا محتاج ہوتا ہے یہ فائدہ عَبۡدِہٖ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ اس لیے کہ عبدِ مطلق عبدِ حقیقی ہوتا ہے اور عبدِ حقیقی عبدِ کامل بن کر محبوبیت کے مقام پر قائم ہو جاتا ہے ۔ محبوب کو کسی غیر کا محتاج نہیں چھوڑا جاتا ۔ **دوسرا فائدہ** ۔ جزا کے لیے جنت میں داخل ہو کر کوئی نہ نکلے گا نہ نکالا جائے گا ۔ یہاں اسی داخلے کا ذکر ہے ۔ بغیر جزا کے داخل ہونے کے بعد نکلنا ہو گا ۔ جیسے حضرتِ آدم کا داخلہ اور شبِ معراج میں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا داخلہ ۔ **تیسرا فائدہ** ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن مجید کا نازل فرما دینا ۔ رب تعالیٰ کی شانِ کمال ہے اس لیے یہ نزول رب تعالیٰ کے معرفت کی بڑی نشانی ہے ۔ یہ فائدہ ۔ لِلّٰہِ الَّذِیۡ کے تعارفی جملے سے حاصل ہوا ۔ **چوتھا فائدہ** ۔ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عظیم نعمت ہے اور اللہ تعالیٰ کا انعام ہے کیونکہ اس قرآن مجید کو تا قیامت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ بنایا گیا ۔ جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور تمام شانیں ثابت ہوتی رہیں گی ۔ یہ فائدہ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡکِتٰبَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔

احکامُ القرآن

اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔

پہلا مسئلہ ۔ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے صرف احادیث کو دیکھنا ضروری شرط ہے ۔ لہٰذا وہی قیاس اور فقہ قابلِ قبول ہے جو احادیث کے منشا کے مطابق ہو ۔ اِس وجہ سے امام اعظمؒ کا فقہ ہی اسلام کی اعلیٰ سند ہے کیونکہ امام اعظمؒ کے تمام مسائل اور قواعدِ فقہ ۔ احادیث کے مطابق ہیں ۔ دیگر ائمہ کے بہت سے مسائل ذاتی قیاس پر مبنی ہیں جن پر عمل کرنا منشاءِ احادیث کے خلاف بنتا ہے ۔ یہ مسئلہ اَنۡزَلَ عَلٰی عَبۡدِہٖ فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ سب سے بڑا کفر اور شرک اللہ کے لیے اولاد کا عقیدہ بنانا ہے ۔ اور یہ سب کفروں کی جڑ ہے یہ مسئلہ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا (الخ) کو خصوصیت سے

الگ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کسی بات کے جھوٹا ہونے کے لیے یہ شرط نہیں کہ بولنے والا بھی اپنے عقیدے اپنے خیال وگمان میں اِس کو جھوٹا ہی سمجھے۔ بلکہ اُس کا عقیدہ اِس قول کی سچائی پر کتنا ہی پختہ کیوں نہ جما ہو مگر جو حقیقتِ واقعی کے خلاف ہو وہ کذب اور جھوٹ ہے یہ مسئلہ اِلَّا كَذِبًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ جب معراج میں باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کو اوپر بلایا تو فرمایا سُبْحَانَ الَّذِیْ اور جب قرآنِ مجید کو نیچے بھیجا تو فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟

جواب۔ لفظِ سُبْحَان قدرت کے عظیم شاہکار پر تعجب دلانے کے لیے بولا جاتا ہے اور لفظ اَلْحَمْدُ شکر کرانے کے لیے بولا جاتا ہے تو چونکہ معراج پر حیران کُن تعجب ہونا چاہیے اس لیے سُبْحَانَ فرمایا گیا اور چونکہ قرآن مجید جیسی نعمت کا نزول ہونا اور پھر عَلٰی عَبْدِہٖ ہونا کروڑہا شکروں کو واجب کرنے والا ہے اس لیے یہاں اَلْحَمْدُ ارشاد ہوا۔ نیز مقامِ تسبیح مُبْتَدَا ہے اور مقامِ حمد مُنْتَہٰی ہے اس لیے پہلے سُبْحَانَ فرمایا پھر اَلْحَمْدُ شان وکمالاتِ مصطفیٰ کا پہلا درجہ معراجِ لامکانی ہے اور آخری درجہ نزولِ قرآنی ہے گویا کہ معراج سے شروع ہو کر نزول تک بلندیِ درجات ہے اس لیے وہاں پہلی آیت سُبْحَانَ الَّذِیْ اور یہاں پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ وہاں شانِ عظمت سے تعارُف اور یہاں شانِ عطا سے تعارُف۔

دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے عِوَج کی نفی کی گئی پھر قیّم ہونے کا اِثبات کیا گیا۔ حالانکہ وجود پہلے ہوتا ہے پھر اُس کے نقائص کی نفی کی جا سکتی ہے؟ **جواب**۔ آپ کا یہ قاعدہ ثبوتِ ذات کے لیے ہے۔ لیکن یہاں صفات کا بیان ہے عِوَج بھی صفات سے ہے اور قیّم ہونا بھی۔ اس لیے آپ کی بیان کردہ ترتیب ضروری نہیں۔ اور عِوَج کی نفی پہلے اور قیّم کا اِثبات بعد میں کرنے کی وجہ یہ ہے کہ عِوَج کا تعلق قرآن کریم کی اپنی ذات سے ہے۔ اور قَیِّم کا تعلق غیر کو درست کرنے سے ہے۔ اِس لیے اپنے کمال کا ذکر پہلے ہونا ضروری ہے کہ جو خود کامل ہوگا وہی دوسرے کو مکمل کر سکتا ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ قرآنِ مجید کے اِنذار یعنی ڈرانے کا ذِکر پہلے فرمایا گیا اور بِشارت کا ذکر بعد میں ہوا۔

جواب۔ اِس لیے کہ اِنذار میں تکلیف اور عذاب سے بچانا ہے اور بِشارت میں نعمت کی عطا ہے۔ اور مصیبتوں سے بچانا پہلے ہی ہونا چاہیے۔ تاکہ نعمتوں کی صحیح لذت آئے بیمار کو تو میٹھی چیز بھی کڑوی لگتی ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ اَجْرًا حَسَنًا کے بعد مَاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا کیوں فرمایا گیا؟ اَجْرًا حَسَنًا کہنا ہی کافی تھا۔ **جواب**۔ چونکہ بندوں کے کام دو ہیں ۱ ایمان ۲ عبادات واَعمالِ صالحہ کرنا۔ اس لیے دو بدلے

عطا فرمائے ۱۔ ایمان کا بدلہ اَجْرًا حَسَنًا ۲۔ اور اعمال کا بدلہ مَاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا نیز یہ مومنین کی قدر و عزت افزائی ہے کہ چند ساعتوں کے اعمال پر ابد الآباد کا اجر۔ بعض نے فرمایا کہ اعمال کا بدلہ اَجْرًا حَسَنًا ہے اور ایمان کا بدلہ مَاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا ہے کیونکہ اعمال منقطع ہو جاتے ہیں مگر ایمان ابد الآباد تک ہے تو اس کا بدلہ بھی ابد الآباد تک ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ قَيِّمًا لِّيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا۔ تمام حمدیں اس باری تعالیٰ جل مجدہٗ کے لیے جس نے اپنے کمالاتِ الٰہیہ اور صفاتِ جمالیہ و جلالیہ کے اظہار کے لیے حامدیت محمودیت کی کتاب انوارِ ذاتِ محمدیت کے مقامِ عبدیت پر نازل فرمائی اور اپنے بندے کی صفاتِ احمدیت میں کوئی کمی و کجی نہ بنائی اسی لیے مشاہدۂ ذات کے وقت اس کی نگاہیں قیّم اور مستقیم اور سیدھی قائم رہیں تاکہ ڈرائے یہ سینۂ مصطفیٰ کی کتاب وادیٔ طلب میں چلنے والے ہر نیک و بد کو کہ اے متقیو ذاتِ احد غیور ہے اور گناہگارو وہ وحدہٗ لاشریک غفور ہے۔ مسافرانِ وادیٔ حیرت کو قہرِ فراق کے باسِ شدید سے ڈرائے اپنے قربِ جلال میں سے قہر دو قسم کا ہے ایک وہ جو ظاہر و باطن میں قہر ہے جو نافرمان محجوبین کا حصہ ہے۔ دوم وہ جو ظاہر میں قہر ہے باطن میں لطف و مہربانی ہے۔ یہ قہر خاص ہے محبوبین و عاشقین کے لیے اور خوشی کی خبریں سنائے اُن اہلِ ایمان تسلیم و رضا کے بندوں کو جو وادیٔ حیرت میں خیریتِ بقا کا عمل کرتے ہیں۔ بیشک ان کے لیے قربِ جمال میں باقیاتِ خیرات کا اجرِ حسن ہے۔ یہ خوش نصیب آغوشِ جنّت کے اجر و ثواب میں ہمیشہ کی لذت پانے والے ہیں۔ بیشک انذار و بشیر ہی انسانوں کو بندہ بنانے والی ہے۔ وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ وَّلَا لِاٰبَآئِهِمْ۔ كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا۔ تاکہ خوف دلائے اُن قہر کے ظالموں کو جنہوں نے یہ گمان کر لیا کہ معبودِ حقیقی نے بقا و فنا غضب و شہوت شجاعۃ و عفوت کی اولاد بنالی۔ نہیں ہے اُن ظلمت والوں کے قالبِ باطن میں انوارِ قدس کا علم اور نہ ہی ان کے آباءِ نفس و شیطان کو حقیقتِ اسرار کا علم ہے۔ عقل و شعور پر بوجھ پڑے گا ان کلماتِ تخریب کا جو ادا ہو گئے ان کے خواہشاتِ ذمیمہ اخلاقِ رذیلہ کے مونہوں سے۔ یہ سب وارداتِ نفسانیہ وجدانِ ذوقیہ صرف لذائذِ کذب سے ہی صادر ہو رہے ہیں۔ اس لیے کہ اولاد والد کی مثل ہوتی ہے لیکن جہالت علم کے ظلمت نور کے۔ فنا بقا کے۔ تصورِ عقلی وجدانِ حقیقی کے۔ ہم مثل نہیں ہوتے۔ صرف صوفیا ہی اس راز کو جانتے ہیں اور ان میں فرق محسوس کرتے ہیں۔ جنید بغدادی علیہ الرحمۃ نے فرمایا تصوّف وہ قلبی صفت ہے جس میں بندے کو

قیمت بنایا گیا۔ بندہ آئینۂ مورتی ہے اُس میں نظارہ اِقامتِ حق کا ہے اہل نفوس نے تثلیث سمجھ کر اولاد کہہ دیا مگر شعورِ قلبی نے نفس کی تکذیب فرمادی ابو الحسن نوری علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ صوفی وہ ہی ہو سکتا ہے جس کی روح خیالاتِ نفس اور عقیدۂ شیطانیہ کی آلائشوں سے پاک ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو قربِ بارگاہ میں صفِ اوّل کی بشارت ہے۔ صوفی وہ ہے جو نہ خود کسی چیز کا مالک بنے اور نہ اُس کی ملکیت کا کوئی اور دعویدار ہو۔ اے بندۂ رضا قلب کو مخالفتِ حق کی کدورت سے پاک کر دے۔ اہلِ ہوا دنیا وَمَا فِیہَا کو دیکھ کر اولادیت کا دعوئے کذب کرتے ہیں۔ مگر صوفی وہ ہے جو آسمانوں زمین میں کسی غیر اللہ کو دیکھتے ہی نہیں۔ وَاللہُ وَرَسُولُہٗ اَعلَم۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ

تو شاید کہیں تم ہلاک کرنے والے ہو اپنی جان کو اُن کے کرتوں کی بنا پر

تو کہیں تم اپنی جان پر کھیل جاؤ گے اُن کے پیچھے

اِنْ لَّمْ یُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِیْثِ اَسَفًا ⑥

اگر وہ نہ ایمان لائیں اس وحی کے الفاظ پر۔ غم میں

اگر وہ اس بات پر ایمان نہ لائیں۔ غم سے۔

اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِیْنَةً لَّهَا

بیشک بنایا ہم نے زمین کی تمام چیزوں کو زمین کی زینت

بیشک ہم نے زمین کا سنگھار کیا جو کچھ اُس پر ہے

لِنَبْلُوَهُمْ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ⑦ وَ اِنَّا

تاکہ ہم امتحان بنائیں اُن کا کہ کون ہے زیادہ اچھا عمل میں اور بیشک

کہ انہیں آزمائیں اُن میں کس کے کام بہتر ہیں۔ اور بیشک

لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ﴿۸﴾

ہم یقیناً کردینے والے ہیں ان تمام باغ بہار کو جو اس زمین رنگ و بو پر ہے ایک دن بنجر خشک

جو کچھ اس پر ہے ایک دن ہم اسے پٹ پر میدان کو چھوڑیں گے

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ

کیا تم نے فقط اسی واقعہ اصحاب کہف اور قصۂ رقیم کو ہماری نشانیوں

کیا تمہیں معلوم ہوا کہ پہاڑ کی کھوہ اور جنگل کے کنارے والے

كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ﴿۹﴾ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ

میں عجیب جانا۔ تو ذرا یاد کرو اس وقت کو جب پناہ پکڑی چند نوجوانوں نے

ہماری ایک عجیب نشانی تھے جب ان جوانوں نے غار میں

اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ

بڑے غار کی طرف تو کہا انہوں نے اے ہمارے رب عطا فرما ہم کو اپنے پاس سے

پناہ لی پھر بولے اے ہمارے رب ہمیں اپنے پاس سے رحمت

رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ﴿۱۰﴾

رحمۃ اور تیار فرما ہمارے لیے ہمارے معاملے میں دائمی ہدایت

دے اور ہمارے کام میں ہمارے لیے راہ یابی کے سامان کر۔

فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ

تو ہم نے ان کے کانوں پر گہری نیند کے ٹھاٹ لگا دیئے

تو ہم نے اس غار میں ان کے کانوں پر گنتی کے

سِنِيْنَ عَدَدًا ⑪

گنتی کے	سینکڑوں سال
کئی	برس تھپکا

تعلق اِن آیاتِ پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے ۔
پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے کفار سے خطاب فرماتے ہوئے اپنی حمد ۔ قرآن مجید کی شان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ عبدیت و محبوبیت بیان فرمائی اَب اِن آیات میں رب تعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتے ہوئے کفارِ مکہ کی کفر یہ سرکشی و ذلالت کا ذکر فرمایا ۔ **دوسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں اوپر آسمان کی طرف سے قرآن مجید نازل فرمانے کا ذکر ہوا جو باطنی ایمان اور روح کی زینت ہے اب اِن آیت میں نیچے زمین کی طرف سے رزق نکالنے پیدا فرمانے کا ذکر ہے جو جسمانی اور ظاہری زینت ہے گویا کہ پہلے عشق والوں کی سمجھ کا زیور اُترا اب عقل والوں کی سمجھ کا زیور بنانے کا ذکر ہوا ۔ **تیسرا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں آخرت کی ابدی زندگی اور ہمیشہ ٹھہرنے کا ذکر ہوا جس کو کفار اپنے کم عقل ۔ نفسانی تعجب کی بنا پر نہ مانتے تھے اَب اِن آیت میں غار میں ہزاروں سال اصحاب کہف کے ٹھہرنے کا ذکر ہے جس کو تاریخی حقائق کی بنا پر مجبوراً ماننا پڑتا ہے تاکہ ثابت ہو کہ یہ واقعہ اُخروی قبر و حشر کی ابدی زندگی کی ادنیٰ سی تشبیہ و دلیل ہے ۔

شانِ نزول ۔ امام ابن جریر نے بواسطہ ابنِ اسحاق حضرت عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا کہ ایک دفعہ چند یہودی راھب چند سردارانِ مکہ کے ساتھ مل کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے یہ کہتے ہوئے کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے دو تین ایسے سوال کریں گے کہ وہ لاجواب ہو جائیں گے (معاذ اللہ) اور آکر پہلا سوال کیا کہ روح کسے کہتے ہیں ۔ اس پر سورۃ اسریٰ کی آیت اتری تھیں جس میں فرمایا گیا تھا کہ روح کی حقیقت کو تم کم علم لوگ نہیں سمجھ سکتے یہودی تو خاموش ہو کر چلے گئے مگر کفارِ مکہ نے چاہا کہ کچھ اور سوال کئے جائیں تو انہوں ایک وفد یہود مدینہ کی طرف بھیجا تاکہ ایسے مشکل سوالات پوچھ لائیں جن کا جواب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ بن پڑے ۔ یہودیوں نے اُن کو دو سوال بتلائے ایک یہ کہ پوچھو کہ اصحاب کہف کون اور کتنے تھے دوم یہ کہ ذوالقرنین کون تھے اُن کا واقعہ کس طرح ہے ۔ اگر نبی ہوں گے تو بتا دیں گے ورنہ نہیں ۔ کفارِ مکہ نے یہ دونوں سوال بارگاہِ اقدس میں آکر کئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کل بتاؤں گا مگر

اِنْ شَاءَ اللہ کہنا یاد نہ رہا۔ اس لیے پندرہ دن تک وحی نہ آئی نہ آپ کو بتانے کی اجازت ملی۔ کفارِ مکہ روز آتے کہ جواب دو مگر نبی کریم انتظارِ وحی کی وجہ سے نہ بتاتے اور خاموش رہتے کفار کو گستاخی کا موقعہ ملتا۔ کبھی کہتے ہمارے آتے ہی ان غریب اور جاہل غلاموں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کرو اور وحی کے بند ہونے کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غمگینی پریشانی دیکھ کر کہتے کہ ہم ایسے شخص پر ایمان نہیں لائیں گے۔ کبھی کہتے کہ یہودیوں کے پاس آپ سے زیادہ علم ہے انہوں نے ہی یہ سوال ہم کو بتائے جنہوں نے آپ کو پریشان کر دیا ہے۔ تب ان تمام باتوں کا جواب دینے کے لیے یہ پوری سورۃ ایکدم نازل ہوئی جس میں اول و آخر دو واقعے تو ان کے سوال پر ہیں اور تیسرا درمیانی واقعہ حضرت موسیٰ و خضر کا ہے جو ان کی کم علمی اور تھوڑی سی معلومات پر مغرور ہونے کی حالت و عادت کو توڑنے کے لیے نازل ہوا۔ کہ اے اصحابِ کہف و ذوالقرنین کے واقعے پوچھ کر نبوت کا امتحان لینے والو تم تو حضرت موسیٰ و خضر کے واقعے کو نہیں جانتے۔ (روح المعانی خزائن۔ بیانِ لُبابُ العقول للسیوطی) چونکہ یہ سورت ایک دم سب نازل ہوئی اس لیے اس کا شانِ نزول صرف یہ ایک ہی ہے۔

تفسیر نحوی فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔

فَ حرفِ استفسار۔ لَعَلَّ حرفِ ترجی ہے یا حرفِ مشبہ بالفعل بمعنیٰ نہی ہے شفقت کے لیے یا استفہام کے لیے ہے۔ كَ۔ ضمیر واحد حاضر اسم ہے لَعَلَّ کا۔ اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ بَاخِعٌ۔ باب فَتَحَ کا اسم فاعل بَخْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ غم میں مبتلا ہونا یا کرنا۔ اپنے آپ کو گھٹنا۔ رنج میں فوت ہو جانا۔ ہلاکت کے قریب ہو جانا۔ چونکہ اسم فاعل کے صیغے ضمیروں سے آزاد اور مطلق ہوتے ہیں اس لیے جیسا کلام ویسا ہی اس کا فاعل ہوتا ہے چنانچہ یہاں کلام خطابی ہے اس لیے یہاں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ نَفْسَ اسم مفرد جامد اسم تاکیدِ ذاتی مضاف ہے كَ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے بَاخِعٌ کا۔ عَلٰی جارہ فوقیت کے معنیٰ میں۔ آثار جمع مکسر ہے اَثَرٌ کا بمعنیٰ نشانِ قدم یا مطلقاً علامت۔ مجازاً حالت و کیفیت کو بھی کہتے ہیں۔ کیونکہ حالت اور کیفیت حیوانی یا انسانی رغبت کی نشانی ہوتی ہے آثارِ ھِمْ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے بَاخِعٌ کا۔ اِنْ۔ شرطیہ۔ لَمْ يُؤْمِنُوْا۔ فعل نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق بابِ افعال سے ہے ایمان مصدر ہے بمعنیٰ اسلام قبول کرنا۔ بِ جارہ عَلٰی کے معنیٰ میں۔ ھٰذَا۔ اسم اشارہ قریبی الف لام عہدِ خارجی حَدِيْثِ صفت مشبہ حَدَثٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نیا ہونا۔ منقولِ اصطلاحی میں بات مراد ہے۔ شریعت میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مبارک کو حدیث کہا جاتا ہے۔ لیکن یہاں

مراد اسلام کی تمام باتیں یعنی قانون ہے یہ مشار الیہ ہے ھٰذَا کا یہ دونوں مجرور ہوکر متعلق ہیں لَمْ یُؤْمِنُوْا کے وہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط موخر ہے اَسَفًا ۔ حاصل مصدر جامد بمعنیٰ افسوس کرتے ہوئے ۔ یہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ بَاخِعٌ کا مفعول فیہ وہ سب جملہ اسمیہ انشائیہ ہوکر جزاء مقدم ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا جزا کے تقدم نے حصر کا فائدہ دیا اِنَّا ۔ دراصل اِنَّ نَا ہے نَا ضمیر جمع متکلم اسم ہے اِنَّ کا ۔ جَعَلْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم بابِ فتح جَعَلْنَا جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بنانا ۔ مَا موصولہ ۔ علیٰ جارہ فوقیت کا ۔ اَلْاَرْض بمعنیٰ تمام زمین یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدًا ۔ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ اوّل ہے ۔ زِیْنَۃً اسم مفرد جامد ۔ ت تانیث کی ترجمہ ہے خوبصورتی ۔ زینت تین قسم کی ہوتی ہے ۔

۱ زینتِ نفسی جیسے علم اور اچھے عقیدے ۲ زینت بدنی جیسے اچھے اعمال کردار اور طاقت و قوت ۔ ۳ زینتِ خارجی ۔ جیسے خوبصورتی وہی یہاں مراد ہے ۔ بحالتِ نصب مفعول بہ دوم ہے ۔ لام جارہ نفع کا ۔ ھَا ۔ ضمیر مجرور اس کا مرجع ہے اَرْض جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معلول ہوا ۔ لِنَبْلُوَ ۔ لام مکسورہ تعلیلیہ نَبْلُوَ صیغہ جمع متکلم فعل مضارع مستقبل فاعل مخاطب باری تعالیٰ ۔ بَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آزمانا امتحان لینا ۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے اس کا مرجع عام انسان ۔ اَیُّ ۔ اسم تنکیری مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی بتدا ہے ۔ اَحْسَنُ ۔ اسم تفضیل واحد مذکر ممیز ہے ۔ عَمَلًا ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ اعمال مراد ہے نیکیاں یعنی آخرت کے لحاظ سے اچھے کام ۔ منصوب کیونکہ تمیز ہے یہ ممیز تمیز خبر بتدا ہے ۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مفعول فیہ ہے نَبْلُوَ کا ۔ ایک قول میں ہے ھُمْ ضمیر کا ۔ ایک قول میں سبب ہے نَبْلُوَ کا ۔ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَیْھَا صَعِیْدًا جُرُزًا ۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ کَانُوْا مِنْ اٰیٰتِنَا عَجَبًا اِذْ اَوَی الْفِتْیَۃُ اِلَی الْکَھْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً وَّھَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا ۔ واؤ سر جملہ اِنَّ حرفِ تحقیق نَا ضمیر جمع متکلم اِنَّ کا اسم ہے ۔ لام کے مفتوحہ برائے تاکید جَاعِلُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر جَعْلٌ سے بنا ہے ۔ یہ مشترک ہوتا ہے چھ معنیٰ میں ۱ بنانا ۲ پھیر دینا ۔ ۳ بدل دینا ۴ ایجاد کرنا ۔ ۵ درجہ دینا ۶ تبدیل کرنا ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے مَا موصولہ علیٰ جارہ اپنے استعلائی معنیٰ میں ہے ۔ ھَا ۔ ضمیر کا مرجع اَرْض ہے یہ جار مجرور پوشیدہ ثَابِتٌ کے متعلق ہوکر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا مَا کا ۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ اوّل ہوا جَاعِلُوْنَ کا ۔ صَعِیْدًا اسم جامد بمعنیٰ صاف و خالص مٹی ۔ راکھ ۔ خاک ۔ یہ موصوف ہے ۔ جُرُزًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ غبار دھول ۔ یہ صفت ہے صَعِیْدًا کی یہ مرکب توصیفی جَاعِلُوْنَ کا مفعول دوم ہے ۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر اِنَّ کی خبر ہوگئی اَمْ حرفِ سوال بمعنیٰ کیا یہاں پر یہ سوالِ ایجابی ہے یا سوالِ تفکر ہے یا انکاری ہے بعض نے کہا یہ اقراری ہے مگر اکثر نے انکاری

مانا ہے حَسِبْتَ۔ ماضی ہے باب حَسِبَ کا حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گمان یا خیال کرنا۔ یا معلول ہونا۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع عام انسان ہے۔ اَنَّ۔ حرفِ تحقیق اَصْحٰب جمع ہے صاحِب کی بمعنیٰ۔ والا۔ ساتھی۔ مالک۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ مضاف ہے۔ الف لام عہدِ خارجی۔ کَہْفٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ غار واؤ عاطفہ الف لام عہدی رَقِیْم۔ اس میں نحویوں کے تین قول ہیں ۱ یہ صفت مشبہ ہے رَقْمٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مرقوم یعنی لکھا ہوا۔ کھُدی ہوئی لکھائی کو رقم کہا جاتا ہے مراد ہے پتھر یا لکڑی یا دھات پر لکھی ہوئی عبارت ۲ یہ رِقْمَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ علاقہ یا بستی کا گزرگاہ۔ وادی۔ جنگل۔ گلی۔ سڑک بستی میں ہوتی ہیں اس لیے پوری بستی کو رقیم کہا جاتا ہے ۳ یہ اصحاب کہف کے کتے کا نام ہے۔ لیکن ترجیح دوسرے قول کو ہے۔ معطوف ہے سب عَطْف مل کر مضاف الیہ اور یہ مرکب اضافی اسم اَنَّ ہے۔ کَانُوْا فعل ناقصہ ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے مرجع اَصحابِ کہف۔ مِنْ تبعیضیہ اٰیٰت مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ کا مرجع باری تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے کَانُوْا کا عَجَبًا۔ حاصل مصدر منصوب ہے کیونکہ خبر ہے کَانُوْا کی یہ سب جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر خبر ہوئی اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ ہوکر مفعول بہ ہے حَسِبْتَ کا۔ اِذْ۔ ظرفِ زمانی اَوٰی باب ضَرَبَ کا ماضی واحد غائب الف لام عہدی فِتْیَۃٌ جمع مکسّر ہے اس کا واحد فَتًی ہے بمعنیٰ جوان لوگ فاعل ہے اَوٰی کا اِلَی الْکَھْفِ متعلق ہے اَوٰی یہ جملہ فعلیہ شرط ہے۔ فَ جزائیہ قَالُوْا فعل جمع قَوْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ باتیں کرنا۔ بولنا۔ کہنا۔ عرض کرنا۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ رَبَّنَا۔ مرکب اضافی منادیٰ ہے بمعنیٰ اے ہمارے رب حرفِ ندا یَا۔ پوشیدہ قائم مقام نَدْعُوْ یعنی ہم دعا مانگتے ہیں اپنے رب سے ندا و منادیٰ مجازاً جملہ فعلیہ ہوگیا۔ اٰتِ باب اِفعال کا امر حاضر واحد۔ نَا۔ ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ۔ مِنْ جارہ ابتدا کے لیے بمعنیٰ طرف لَدُنْ۔ اسم ظرف تقریبی مکانی بمعنیٰ پاس۔ مضاف ہے کَ۔ ضمیر اس کا مضاف الیہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ رَحْمَۃٌ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنیٰ ۱ نعمت ۲ مفید چیز ۳ انعام۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اٰتِ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ۔ عاطفہ ھَیِّئْ باب تفعیل کا امر حاضر اس کا مصدر ہے تَھْیِئَۃٌ۔ ھَیْئٌ لفیف مقرون سے بنا ہے بمعنیٰ تیار کرنا۔ لَنَا لام جارہ علت کا یا نفع کا بمعنیٰ ہمارے لیے ہماری وجہ سے یہ جار مجرور متعلق اول ہے ھَیِّئْ کا۔ مِنْ تبعیضیہ۔ اَمْرِ۔ اسم جامد بمعنیٰ۔ ۱ معاملہ ۲ حالت ۳ کیفیت مضاف ہے نَا۔ ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق دوم۔ رَشَدًا۔ حاصل مصدر بمعنیٰ ہدایت۔ توفیق۔ یہ مفعول بہ ہے ھَیِّئْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف اور سب عطف مل کر جوابِ ندا۔ یہ دونوں مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر ظرف ہوا حَسِبْتَ

کا وہ جملہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا ف۔ تعقیبیہ۔ ضَرَبْنَا۔ باب ضرب کا ماضی جمع متکلم ضَرْبٌ سے بنا ہے چھ معنیٰ مشترک ہے۔ مارنا۔ بیان۔ ڈالدینا۔ لگانا۔ تھپکنا۔ دبانا۔ یہاں آخری دو معنیٰ مناسب ہیں۔ اعلیحضرت نے تھپکنا ترجمہ اختیار فرما کر آیت کی تین طرح تفسیر فرمادی۔ ۱ ضرب کا لغوی ترجمہ۔ ۲ کیفیتِ ضرب ۳ مقصدِ ضرب۔ کیونکہ تھپکنا سلانے کے لیے ہوتا ہے اور یہی مقصدِ کلامِ الٰہی ہے اگر اس کو الہامی ترجمہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ یہ آیت متشابہات میں سے ہے ہم نے نیند کا ترجمہ اسی ترجمے کی اِتباع میں کیا ہے کیونکہ نیند کا لفظ آیت میں نہیں ہے۔ علیٰ جارّہ فوقیت کے لیے۔ آذان جمع مکسر ہے اُذُنٌ کی بمعنیٰ کان۔ ھم ضمیر کا مرجع اصحابِ کہف۔ یہ مرکب مجرور ہو کر متعلقِ اول ہے ضَرَبْنَا کا فی جارّہ ظرفِ مکانی کے لیے۔ الف لام عہدی کہف اسم جامد بمعنیٰ غار لغت میں بمعنیٰ جائے پناہ۔ سِنِیْنَ۔ اسم جمع سالِم مذکر اس کا واحد ہے سَنٌ بمعنیٰ سال مفتوح ہے ظرف ہے یا مفعول فیہ ہے۔ عَدَدًا اسم جامد بمعنیٰ چند۔ گنتی۔ تعداد۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ تمیز ہے سِنِیْنَ کی۔ ضَرَبْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا ‎اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ۔

تو کیا اے پیارے محبوب تم اپنے آپ کو ان ضدی جاہل کفار کے ایمان لانے کی حرص و خواہش میں غمزدہ رہ رہ کر ہلاک یا کمزور اور مرجھالو گے اگر یہ محض اپنی کم عقلیوں عناد بازیوں کی وجہ سے قرآن مجید کے ان لفظوں پر ایمان نہیں لاتے تو آپ کیوں افسوس کرتے ہوا فسوس کرنا۔ اور کیوں غم افسوس میں ہلکان ہو رہے ہو۔ ویسے تو ہر اہلِ حق ہی خواہش رکھتا ہے کہ اہلِ دنیا راہ حق پر آجائیں تاکہ سب کے قلوبِ معطر اور ارواحِ منوّر سے معاشرہ پاکیزہ ہو جائے۔ لیکن انبیاءِ کرام خاص طور پر قلب و جگر کی گہرائیوں سے یہ تمنا رکھتے ہیں اور جب اہلِ باطل اس راہِ سعادت اور طریقِ نجات سے عناد و فساد کرتے ہوئے رُخ موڑ جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کہ ان کے قلوب پر غم واندوہ اور قوم کی بیوقوفیوں سے کتنے دکھ پہنچتے ہیں خاص کر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ عالمین ہیں۔ قوم کا غرقِ مذلّت ہونا تو برداشت ہی نہیں کر سکتے۔ حرا کے سجدے۔ قیام میں پاؤں کے وَرَم صبح کی دعائیں اور خلوت کے آنسو۔ اُمّتی اُمّتی کی فریادیں سب کچھ یہی غم و اندوہ کے نقشے ہیں۔ فرمایا یہی جا رہا ہے کہ اے پیارے نبی ان کا لھو و لعب کھیل کود اور باوجود ہر طرح کا سخت سے سخت شرک کفر بلکہ اللہ کے لیے اولاد ماننے کی بدترین بدعقیدگی کے باوجود دنیا کی ہر طرح سے زینت حاصل کر لینا یہ کوئی اُن کی خوش بختی کی علامت نہیں بلکہ بیشک زمین پر جو کچھ بھی ہم نے اس زمین کے ظاہر و باطن میں

زینت اور حسین و مفید چیزیں پیدا کردیں ہیں وہ سب نباتات جمادات حیوانات ۔ باغات ۔ زراعات سونا چاندی جواہرات معادن ۔ شریعت کی بہاریں طریقت کی لذتیں ۔ علماء اولیا کا وجود ۔ اس لیے بنایا گیا ہے تاکہ ہم آزمائش کریں اور لوگوں پر ظاہر کریں کہ ان میں کون سب سے زیادہ خوبصورت اور اچھے پاکیزہ عمل کرتا ہے جو اچھے عمل کر کے عقیل فہیم بنتا ہے عبادت میں شوق محبت اور سرعت دکھاتا ہے اور محارم سے بچنے دور رہنے کی تاحیات ہمت دکھاتا ہے ۔ کیونکہ دین کے لیے ترکِ لذت و آرام ۔ گھر بار زہد و ریاضت ہی حُسنِ عمل ہے ۔ باقی رہیں یہ دنیا کی زینت و دولت ۔ تو یہ سب عارضی قابلِ فنا ہیں ۔ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا ۔ اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا ۔ یہ زینتِ دنیا جس میں مشغول ہو کر غافل انسان آخرت برباد کر بیٹھتا ہے اور اہلُ اللہ کو اپنے خلاف سمجھ کر ان کا دشمن بن جاتا ہے اِس دنیوی رنگ و بُو کا اپنا حال یہ ہے کہ بیشک اَلْبَتَّہ ہم بہت جلدی اِس تمام حُسن و ادا چُنین چُناں باغ و بہار گلشن و چمن کھیت و کھلیان کو خشک بنجر چٹیل میدان بنا دینے والے ہیں یا اس طرح کہ قریبِ قیامت سب کچھ ختم کر دیا جائے گا یا اس طرح کہ ہر موسم بہار کے بعد خزاں آتی رہے گی یا کبھی جو علاقہ سر سبز باغوں سے ڈھکا رہتا تھا بدل کر ریگستان بنجر بنایا گیا ۔ اِس طرح کی ہزاروں عبرت سامانیاں قرطاسِ دھر میں پھیلی پڑی ہیں سارے دنیا میں پھنسے ہوئے غافل انسان اور دنیا کے لیے اللہ رسول کو چھوڑنے والے بدنصیب ۔ کیا تو نے یہ گمان کر لیا کہ بیشک اَصحاب کہف اور اُن کی بستی رقیم کا واقعہ ہی بس فقط ہماری نشانیوں میں عجیب تر ہیں ۔ بس اسی کو عجیب و غریب انوکھا سمجھ لیا ۔ آسمان و زمین ۔ شمس و قمر ۔ آب و ہوا ۔ بہار و خزاں موت و حیات کیا یہ سب ہماری قدرت کاملہ کی عجیب سے عجیب تر نشانیاں نہیں ہیں ؟ یہ واقعہ قصہ گوئی کی دلچسپی کے لیے تو نہیں سنایا جا رہا یہ تو دنیا پرستوں کے لیے عبرت کا بڑا سامان ہے ۱ قریشِ مکہ نے نبی علیہ السّلام سے اصحابِ کہف کا واقعہ تو پوچھا مگر یہ غور نہ کیا کس طرح پہلوں میں چند اللہ والوں نے اپنے اللہ کے لیے بُت پرستی شرک کفر سے بچنے کے لیے گھر بار آرام و آسائش اور سب زینتِ دنیا سے منہ موڑ لیا ۲ تم نے معراجِ مصطفیٰ کا انکار کیا کہ بھلا کس طرح ہو سکتا ہے کہ اٹھارہ سال ایک رات میں گزر جائیں ۔ لیکن یہاں تین سو سال گزر گئے اور سونے والوں پر ایک رات ہی گزری ان کے کپڑے ان کے جسم اسی طرح سلامت اور جوان رہے جبکہ زمانے کی کئی نسلیں بوڑھی ہوتی چلی گئیں ۳ کیا منکرین قیامت اس واقعے کے بعد بھی قیامت کا انکار کر سکتے ہیں اور کیا اُس قادر قیوم کی قدرتوں کا ذرا بھی انکار کیا جا سکتا ہے جو تین سو سال بعد اصحاب کہف کو سلامتی سے جگا سکتا ہے وہ قیامت قائم کرنے کیلیے مردوں کو بھی بلا سکتا ہے ۴ کیا کوئی صحبت نبی کا اثر نہ ہوا اگر ایک جانور کتے نے اصحاب کہف کی صحبت کا پاکیزہ اثر لے لیا ۵ یہ واقعہ جس کو تم بہت دلچسپی اور افسانہ کہانی کے رنگ میں سننا چاہتے ہو یہ

عبرت گاہِ عالم ہے اُن لوگوں نے اپنی زندگی رضاءِ الٰہیہ میں مصروف کردی اور فانی دنیا سے بے رغبتی کی مگر تم ذلیل دنیا کے لیے اللہ کو چھوڑتے ہو ع۶ دین کے لیے تن من دھن عزت آبرو کی قربانی دینی اَھلُ اللہ کا مقصدِ حیات ہے ع۷ یہ واقعہ اعلان کر رہا ہے کہ جو اللہ کے لیے اپنی دنیا تباہ و برباد کر دیتا ہے باری تعالیٰ اُس کو غار و صحرا میں بھی محفوظ رکھتا ہے۔ ذرا عشقِ ایمانی اور عقلِ عرفانی کے کانوں سے سنو۔ اِذْ اَوَی الْفِتْیَةُ اِلَی الْکَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَا اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَیِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا فَضَرَبْنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمْ فِی الْکَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا۔ جب ایک سرکش ظالم زمین پر شرک وکفر کا فساد مچانے والے بادشاہ سے اپنا ایمان بچا کر بناہ لی چند جوانوں نے اپنے شہر کے قریبی پہاڑ کے ایک بڑے قابلِ رہائش غار کی طرف تو انتہائی پریشانی گھبراہٹ کی حالت میں سب سہاروں کو توڑ کر ہر آرائش دنیوی سے منہ موڑ کر اللہ ہی سے فریاد والتجا کرتے ہوئے سب نے اپنی دعا میں نہایت عجز وانکسار سے عرض کیا کہ اے ہمارے رب کریم عطا فرما تو ہم کو بالکل ہی اپنے قریب اپنی بارگاہِ صمدیت سے رحمت والی ہدایت معرفت صبر۔ رزق۔ اَمن۔ مغفرت۔ اور مضبوط پناہ اور تیار فرما ہمارے لیے۔ ہمارے تمام معاملات۔ دین دنیا۔ زندگی۔ موت۔ قبر حشر۔ ابتدا۔ انتہا۔ عقبیٰ۔ آخرت میں رشد وہدایت کی روشنی۔ تو اُن کی مخلصانہ دعا قبول فرماتے ہوئے ہم نے ان کو گہری نیند سلانے کے لیے ان کے کانوں پر خاموشی کے پردے ڈال دیے تاکہ وہ کوئی آواز نہ سُن سکیں۔ صرف ایک دو سال نہیں بلکہ اتنے سال جو شمار میں سینکڑوں میں اہلِ لغت کے نزدیک رقیم کے چار معنی کیے گئے ہیں ع۱ اصحاب کہف کے شہر کا نام تھا ع۲ پورے علاقے کا نام تھا ع۳ پہاڑ کا نام تھا یا اس غار کا نام تھا ع۴ رقیم بمعنی مرقوم ہے وہ لکڑی یا پتھر یا سلور کی تختی تھی جس پر اُن اصحاب کے نام اور مختصر حالات لکھے تھے کہ یہ شہر چھوڑ کر کب اور کیوں غار میں آئے۔ کہف اُس پہاڑی کھوہ کو کہتے ہیں جو بہت بڑی قابلِ رہائش جگہ ہو اور لفظِ غار اُس چھوٹے پہاڑی سوراخ کو کہتے ہیں جس میں فقط ایک دو آدمی بیٹھ سکیں۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوری تبلیغ فرمادی اور ذمے داری سے زیادہ محبت وشفقت سے تبلیغ فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بندوں پر عظیم ترین مہربان اور لوگوں کی جان ومال ایمان کے سچے خیر خواہ ہیں یہ فائدہ لَعَلَّكَ بَاخِعٌ۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** باری تعالیٰ سب سے زیادہ کرم و مہربانی فرمانے والا ہے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم پر۔ کہ کوئی بھی کسی پر اتنی شفقت نہیں کر سکتا کہ اپنے حبیب کا ہر لمحہ خیال ہے۔ یہ فائدہ بھی لَعَلَّكَ بَاخِعٌ۔ کی پوری

آیت فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** ۔ کراماتِ اولیاء اللہ برحق ہیں۔ بلکہ سونے کی حالت میں بھی اظہارِ کرامت ہوتا ہے۔ اصحابِ کہف جو اولیاء بنی اسرائیل ہیں اس کا اتنے عرصے بلکہ اب تک سویا رہنا یہ اُن کی کرامت ہے نیز اولیاء اللہ کے جسم کو مٹی نہیں کھا سکتی یہ فائدہ فَضَرَبْنَا عَلٰٓی اٰذَانِهِمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ ۔ رب تعالیٰ نے کوئی چیز بھی بیکار پیدا نہیں فرمائی اگرچہ وہ چیز بری ہو۔ مگر اُس کا پیدا کرنا برا نہیں۔ یہ مسئلہ مَا عَلَى الْاَرْضِ (الخ) سے مستنبط ہوا لہٰذا کسی چیز کو برا کہنا گناہ ہے۔ **دوسرا مسئلہ** ۔ مسلمان مرد و عورت کو زینت اختیار کرنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ زِیْنَةً لَّهَا۔ سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے دنیا کی اشیا کو زینت فرمایا۔ ہاں البتہ زینت میں تفریق ضروری ہے کہ مرد کی زینت جداگانہ۔ عورت کی جداگانہ اسی طرح پہننے اور اوڑھنے کی زینت جداگانہ برتنے کی جداگانہ۔ ان میں اُلٹ پھیر کرنا حرام ہے۔ نہ مرد کی زینت عورت کرے نہ عورت کی مرد۔ اسی طرح سونے چاندی کے برتن حرام اور لوہے پیتل کا زیور حرام۔ **تیسرا مسئلہ** ۔ ہر مومن مرد عورت پر اپنی اپنی قسمے داری سے فرض ہے کہ وہ حرام و حلال کی تحقیق کرے۔ یہ مسئلہ اَیُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

ان آیت میں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو کچھ زمین پر ہے وہ زینت ہے۔ تو کیا سانپ بچھو۔ کافر شیطان وغیرہ سب زینت ہیں۔ اور زینت تو اچھی ہوتی ہے تو یہ کیا سب اچھی چیزیں ہیں۔ آریہ ہندو۔ **جواب** ۔ معترض نے زینت کی تعریف نہ جانی اس لیے یہ اعتراض کیا۔ زینت کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جس سے کسی دوسرے کو کسی طرح کا فائدہ پہنچے وہ زینت ہے۔ اس لحاظ سے سانپ بچھو میں ہزار طرح کا فائدہ ہے جن کو بہت سے ڈاکٹر وید سنیاسی وغیرہ تجربہ کار لوگ خوب سمجھتے ہیں اسی طرح مسلمانوں کی بہت سی عبادتیں کفار کی وجہ سے قائم ہیں اور بہت سے ثواب شیطان کی وجہ سے مسلمانوں کو مل جاتے ہیں۔ اس کی تفصیل بہت لمبی ہے نیز شانِ قدرت بھی اظہار ہے۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا لِنَبْلُوَهُمْ۔ تاکہ ہم آزمائش کریں کہ کون اچھے عمل کرتا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے کے عمل سے پہلے اللہ کو پتہ نہیں ہوتا کہ بندے نے کیا کرنا ہے کیونکہ امتحان اسی معلومات کے لیے لیا جاتا ہے (معتزلی اور بلوغۃ الحیران کنئی) **جواب** ۔ خیال رہے کہ گزشتہ زمانے میں ایک فرقہ معتزلی پیدا ہوا تھا ان کے دیگر بہت سے باطل نظریوں کے علاوہ یہ بد عقیدہ بھی تھا کہ معاذ اللہ رب تعالیٰ

کو بندے کے اعمال کا پہلے پتہ نہیں ہوتا جب بندہ کر لیتا ہے تو پتہ لگتا ہے۔ اپنے اس باطل نظریے کو بچانے کے لیے وہ اس طرح کی آیتیں ڈھونڈتے رہتے تھے ان کے کچھ نظریات دیوبندیوں نے قبول کئے جن میں سے کچھ واں بچھروی دیوبندیوں نے اس کفریہ عقیدے کی بھی تائید کر دی۔ مگر بحمدہ تعالیٰ اہلسنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک سب کچھ جانتا ہے۔ یہ امتحان وغیرہ لینا بندے کی رغبت اور تیاریِ عمل کو درست کرنے کے لیے ہے اسی طرح دنیا بھر میں جو امتحانات ہوتے رہتے ہیں وہ یا طالب علم کو چوکنا کرنے کے لیے ہوتے ہیں یا لوگوں کو بتانے کے لیے ممتحن سو فی صد بھی جانتا ہو کہ امتحان دینے والے نے یہ کہنا یہ کرنا ہے تب بھی امتحان لیا جاتا ہے امتحان لینے میں ممتحن کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ لہٰذا لِنَبْلُوَ کہنے سے تقاضائے علمی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح جہاں جن آیت میں لِنَعْلَمَ ارشاد ہوا ہے وہاں بھی لِنَبْلُوَا کے محاورے میں استعمال ہوتا ہے اور عِلم بمعنیٰ امتحان ہے۔

تفسیر صوفیانہ فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا۔ اِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْاَرْضِ زِيْنَةً لَّهَا لِنَبْلُوَهُمْ اَيُّهُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا۔ وَاِنَّا لَجٰعِلُوْنَ مَا عَلَيْهَا صَعِيْدًا جُرُزًا۔ اے قلبِ مسعود تو نے ذکرِ الٰہی کے ورد اذکار سے نفس و نفسانیت کو آشنا کر دیا تو کیا تو وادیِ حیرت میں اپنے آپ کو ہلاک کرنے والا ہے اِسی سوز و غم رحمت شفقت کی بنا پر نفوسِ امارہ کو راہِ سعادت پر لانے کے ارادے میں اگر وہ اسرارِ باطن کی باتوں کو نہیں سمجھ سکتے نہیں مانتے تو افسوس میں پژمردہ نہ ہو۔ بیشک ہم نے زمینِ فطرت پر دینی و دنیوی اعمالِ حسین کے خودرو بیج بکھیر دیئے ہیں تاکہ ہم آزمائش کریں کہ کون حیاتِ دنیوی میں عرفانِ قرب کے اچھے بیج چنتا ہے اور چمنِ قالب میں پھول کھلاتا ہے۔ اور یہ سب کچھ رونق و نُدرت فطرت و قدرت کے مشاہدے عارضی وقت کے لیے ہیں بیشک ہم اِن تمام چیزوں کو جو زمینِ فطرت پر چمنِ بہاری پھیلا ہوا ہے بہت جلدی تمام آرزوؤں خواہشوں کو فنا کی وادی بنانے والے ہیں اے دنیا پرستو آج جو سبز پوش سرخ پوش یا زرد۔ و رنگین لباس میں ملبوسِ فاخرہ پھرتے ہیں اور طرح طرح سے خلافِ شریعت حرکتیں کرتے ہیں اور اپنی بداعمالی کو اچھائی تصور کرتے ہیں وہ ازلی بدنصیب ہیں فسق کی خوشنمائیوں میں گھیرے ہوئے ہیں اُن ہی کی آزمائشوں اور بلاؤں امتحانوں کے لیے یہ زینتِ عارضی سجائی گئی ہے۔ وادیِ رنگ و بُو کی ہر چیز کو جنگلاتِ ظلمات میں ہم ہی تبدیل کرنے والے ہیں۔ اے نمود و نمائش کے پیچھے چلنے والو اپنی ناسوتی زندگی کو برباد نہ کرو۔

اَمْ حَسِبْتَ اَنَّ اَصْحٰبَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيْمِ كَانُوْا مِنْ اٰيٰتِنَا عَجَبًا۔ اِذْ اَوَى الْفِتْيَةُ اِلَى الْكَهْفِ فَقَالُوْا رَبَّنَآ اٰتِنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً وَّهَيِّئْ لَنَا مِنْ اَمْرِنَا رَشَدًا۔ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِى الْكَهْفِ سِنِيْنَ عَدَدًا۔

اے فناء و بقاء موت و حیات ترقی و تنزل کا مشاہدہ کرنے والے کیا تو نے تصوّرِ قلبی سے یہ گمان کر لیا کہ بیشک کہفِ بدن کے سابقوؔن ۔ مفردوؔن ۔ مقربوؔن ۔ محبوبوؔن ۔ مخصوصوؔن ۔ متعارفوؔن ۔ متحابوؔن ہماری سب سے زیادہ عجیب و حیران کُن نشانیوں میں سے ہیں ۔جب سے نوجوانانِ اصحابِ روحؔ ۔ عقلؔ ۔ قلبؔ شعورِ عملؔ ۔ قوّتِ قدسیؔہ ۔ سرِ باطنیؔ ۔ خفاءِ لازمہ نے غارِ جسمانی میں پناہ پکڑی ہے تو سب نے اوّل روزِ الست سے ہی بارگاہِ خالقِ تعالیٰ میں عرض کیا اے ہمارے الطافِ قالب کے مالک و مولیٰ عطا فرما ہم کو اپنے قُرب سے اسماءِ حُسنیٰ کی خزائنِ رحمت اور تیار فرما دے ہمارے لیے ہمارے مقامات میں عالَمِ علویّہ کی مفارقت اور عالمِ سفلیہ سے علیحدگی تاکہ کمالِ نعمت مہیّا ہو جائے اور رشد و ہدایت کی استقامت سلوکِ طریقت میں جنابِ قدسی کی توجّہ اسبابِ علمیہ و عملیہ تک حاصل ہوا ہے خالقِ ارضِ جسمانی و آسمانِ روحانی ہم تجھ سے طلب کرتے ہیں اتصالِ بدنی اور آلاتِ کمال اسبابِ توفیق تو ہم نے عالمِ ناسوتی کی طرف سے ان کو غفلتِ عقل و نفس میں گہری اور معرفت کی میٹھی نیند غارِ بدنی میں سلا دیا اور ان کے کانوں میں اپنی صوتِ سرمدی کے پردے ٹھونس دیئے تاکہ دنیا کی طرف سے کوئی نہ آواز اُن کو جگا سکے نہ بُلا سکے اُتنے سالوں تک جب تک کہ اصلاحِ بدن کی تدبیریں اور دنیا تو سِ نفس خنّاسؔ وادیِ فنا میں نہیں پہنچتا۔ جو لوگ دعوتِ حق کے مدّعی ہیں اُن کو دلیلِ بقا بھی پیش کرنی چاہیئے اور دلیلِ بقا سُنّتِ مصطفیٰ کی پابندی ہے لیکن جو لوگ ترکِ فریضہ ہی کر چکے ہیں وہ تہِ افسوس کے گمراہ ہیں کیونکہ شریعت بندے کا فعل ہے اور وراثتِ خداوندی حفظ و عصمتِ الٰہی کا نام راہِ معرفت کی حقیقت ہے ۔لہٰذا شریعت کا ثبوت بلا وجہِ طریقت محال ہے ۔طالبانِ منزلِ عشق کے کانوں پر جب تک کہ ماسوی اللہ سے دوری کا پردہ نہ آجائے اُس وقت تک اُن کے قدم وادیِ شوق میں قائم نہیں رہ سکتے ۔

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ

بہت عرصے بعد پھر	اٹھایا ہم نے	تاکہ ہم علم کا مشاہدہ کریں		کہ	دونوں		
پھر ہم نے	انہیں	جگایا کہ دیکھیں	دو گروہوں	میں	کون	ان کے	

اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ﴿۱۲﴾ ع نَحْنُ نَقُصُّ ع ۱۴ ۱۲

جماعتوں میں کون اس کو زیادہ صحیح گنتے ہیں جتنی مدت وہ سوئے رہے بیان کرتے ہیں ہم

ٹھیرنے کی مدت زیادہ ٹھیک بتاتا ہے ہم ان کا ٹھیک ٹھیک

عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ۭ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ

آپ کے سامنے ان کا سچا واقعہ بیشک وہ چند جوان تھے۔ جو

حال تمہیں سنائیں وہ کچھ جوان تھے کہ اپنے

اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ﴿۱۳﴾ قف صلے وَّ

اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کے لیے ہدایت کی روشنی زیادہ کردی۔ اور

رب پر ایمان لائے اور ہم نے اُن کو ہدایت بڑھائی۔ اور

رَبَطْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا

ہم نے اُن کے دلوں پر مضبوطی باندھی۔ جب کھڑے ہوئے تو بولے

ہم نے اُن کی ڈھارس بندھائی جب کھڑے ہوکر بولے کہ

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۟

ہمارا رب تو وہی ہے جو پالنے والا ہے آسمانوں زمینوں کو ہرگز نہیں عبادت

ہمارا رب وہ ہے جو آسمان اور زمین کا رب ہے ہم اُس کے سوا کسی کو معبود نہ بنائیں گے

مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ﴿۱۴﴾

کریں گے اس کے سوا کسی معبود کی ورنہ تو ہم بیہودہ بکواس کہنے والے ثابت ہوں گے

نہ پوجیں گے ایسا ہو تو ضرور ہم نے حد سے گذری ہوئی بات کہی

هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ

یہ ہے ہماری نادان قوم جنہوں نے بنالیے اس اللہ کے مقابل ڈھیر سارے بناوٹی معبود

یہ جو ہماری قوم ہے اس نے اللہ کے سوا خدا بنا رکھے ہیں

لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ ؕ

کیوں نہیں لاتے یہ اپنے کفریہ عقیدے پر کوئی کھلی دلیل

کیوں نہیں لاتے اُن پر کوئی روشن سند۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ

پس کون شخص زیادہ ظالم ہے اُس سے جس نے افترا اللہ پر جھوٹے دین

تو اُس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پر

كَذِبًا ؕ ⑮

مذہب کا باندھا

جھوٹ باندھے

تعلق اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلّق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیت میں آقاءِ دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ ظاہر فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں کے ایمان لانے سے کتنی محبّت ہے اور کفّار کے کفر سے کتنی غمگینی ہے اب اِن آیت میں حضرتِ عیسٰی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی اُمّت کے چند مسلمانوں کا ذکر ہے کہ اُن کو اپنے ایمان سے کتنی محبّت تھی جس کی بنا پر وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر ایمان کو بچا کر لے آئے۔ **دوسرا تعلق** - پچھلی آیت میں زمین کی نعمتوں اور زینت والی اشیاء کا ذکر ہوا کہ وہ سب انسانوں کی آزمائش کے لیے ہیں۔ اب اِن آیت میں چند اُن اصحاب کا ذکر ہو رہا ہے جو ہر طرح کی آزمائش میں صحیح ثابت قدم رہے اور اللہ تعالیٰ

کے پیارے بندے بن گئے۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں رب تعالیٰ نے فرمایا کہ اصحاب کہف کو بہت سالوں تک سلایا گیا۔ اب ان آیات میں اصحاب کہف کے جاگنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا. نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی. ثُمَّ حرف تراخی بَعَثْنَا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنی اٹھانا۔ جگانا۔ بھیجنا۔ کسی کام کے لیے۔ یہاں مراد ہے جگانا۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع ہے اصحاب کہف مفعول بہ ہے بَعَثْنَا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ لام کے کو نَعْلَمَ مضارع جمع متکلم بمعنی مستقبل مفتوح ہے لام کئی کی وجہ سے۔ کیونکہ اس لام میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اَیُّ اسم سوالیہ تنکیری مضاف ہے الف لام عہدی حِزْبَیْنِ - حِزْبٌ کا تثنیہ ہے بمعنی گروہ ٹولہ۔ جماعت۔ بحالت کسرہ ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی اسم ہے پوشیدہ اَنْ یَکُوْنَ کا اَحْصٰی اسم تفضیل مذکر حَصْیٌ ناقص یائی سے بنا ہے بمعنی گنتی کرنا لام جارہ تعدیہ کا مَا موصولہ لَبِثُوْا۔ باب سَمِعَ ماضی مطلق معروف لَبْثٌ سے بنا ہے بمعنی ٹھیرنا۔ رہنا۔ ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے اَمَدًا حاصل مصدر بمعنی مدت۔ زمانہ۔ وقت دن۔ بحالت نصب ہے ظرف ہے لَبِثُوْا کا۔ یا مفعول بہ ہے اَحْصٰی کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اَحْصٰی کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی یَکُوْنَ پوشیدہ کی وہ جملہ ناقصہ ہو کر مفعول بہ ہے نَعْلَمَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی بَعَثْنَا کی یہ علت معلول معطوف ہے سابقہ عبارت پر ثُمَّ عاطفہ کی وجہ سے نَحْنُ ضمیر جمع متکلم منفصل مرفوع مبتدا ہے۔ نَقُصُّ باب نَصَرَ کا مضارع معروف جمع متکلم فاعل مخاطب اللہ تعالیٰ قَصَصٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی کھول کر بیان کرنا۔ علی جارہ بمعنی عِنْدَ مضاف ہے كَ ضمیر حاضر مضاف الیہ ہے۔ نَبَاٌ اسم مفرد جامد بمعنی غیبی خبر۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع اصحاب کہف یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ بِ حرف جر بمعنی مَعَ الف لام اسمی حَقٌّ - اسم مفرد جامد بمعنی سچ - واقعی حقیقت۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نَقُصُّ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے نَحْنُ مبتدا کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرف تحقیق ھُمْ ضمیر اس کا اسم ہے فِتْیَةٌ - فَتًی کی جمع مکسر ہے ترجمہ ہے جوان آدمی طاقت و قوت والے لوگ بحالت رفع ہے کیونکہ اِنَّ کی خبر ہے اگلی عبارت کا موصوف ہے اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع اصحاب کہف بِ جارہ۔ رَبٌّ اسم مفرد جامد بمعنی پالنے والا ھُمْ ضمیر نفسی بمعنی اپنے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اٰمَنُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ زِدْنَا - باب ضَرَبَ کا ماضی متکلم زَیْدٌ سے بنا ہے بمعنی بڑھانا۔ زیادہ کرنا۔ فاعل مخاطب اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر کا مرجع اصحاب کہف منصوب متصل کیونکہ مفعول فیہ ہے زِدْنَا کا۔ ھُدًی۔ حاصل مصدر بمعنی منزل مقصود کی راہ نمائی

یا اعمالِ خیر کی توفیق ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے زِدْنَا کا ۔ یا اس کا عکس ہے کہ یہ مفعول فیہ ہے اور ھُمْ ضمیر مفعول بہ یعنی زیادہ کیا ہم نے اُن میں ہدایت کو یا اُن کو ہدایت میں ۔ زِدْنَا پورا جملہ ہو کر معطوف ہوا اٰمَنُوْا پر وہ سب عطف مل کر صفت ہوئی فِتْیَۃٌ کی یہ مرکب توصیفی اِنَّ کی خبر ہوئی وہ جملہ اسمیہ ہو کر نَبَاَھُمْ کی صفت ہے ۔ یا علیحدہ ہی جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہو گیا ۔ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَآ اِذًا شَطَطًا ۔ واؤ سر جملہ رَبَطْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم مخاطب اللہ تعالیٰ ہے رَبْطٌ سے مشتق ہے ۔ ترجمہ ہے گھبراہٹ ۔ دُور کرنا ۔ باندھنا ۔ متحرک چیز کو ساکن کرنا یہاں پہلے معنی میں ہے علیٰ جارہ فوقیت کا ۔ قُلُوْب ۔ جمع مکسر منصرف ہے قَلْبٌ کی مراد ہے دل ھِمْ ضمیر مضاف الیہ مرجع ہے اصحاب کہف ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے رَبَطْنَا کا ۔ اِذْ ۔ کے بارے میں دو قول ہیں ۔ ایک یہ کہ یہ ظرفِ زمانی کے لیے ہے مابعد کی تمام عبارت رَبَطْنَا کا ظرف ہے ترجمہ ہے جب اِس کو ترجیح ہے ۔ دوم یہ کہ یہ ظرفِ تعلیلی ہے اور مابعد سب عبارت رَبَطْنَا کا مسبب ترجمہ ہے کیونکہ ۔ اِذْ میں شرط کے معنی ہمیشہ ہوتے ہیں ۔ قَامُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنی کھڑا ہونا ۔ اس میں پوشیدہ ضمیر ھُمْ اس کا فاعل ہے مرجع اصحابِ کہف ۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ف جزائیہ ۔ قَالُوْا فعل ماضی جمع ۔ ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ۔ یہ جملہ فعلیہ قول ہوا ۔ رَبُّ اسم مبالغہ صفاتی نام ہے ۔ نَا ۔ ضمیر جمع متکلم اس کا مضاف الیہ مرجع اصحابِ کہف یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ۔ رَبُّ مضاف اَلسَّمٰوٰت ۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام سمٰوات جمع مؤنث سالم اس کی واحد ہے سَمَاءٌ بمعنی تمام آسمان واؤ عاطفہ الف لام استغراقی ۔ اَرْضٌ اسم مؤنث لفظی تاء مؤنث مقدر ہے اس کی تصغیر اُرَیْضَۃٌ ہوتی ہے بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ معطوف ہے سب عطف مل کر مضاف الیہ ہے رَبُّ کا یہ مرکب اضافی خبر ہے رَبُّنَا مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر موصوف ہو گیا ۔ لَنْ نَّدْعُوَا ۔ فعل نفی تاکید بلن صیغہ جمع متکلم اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ ہے اس کا مرجع اصحابِ کہف ہے دَعْوٌ سے بنا ہے لغوی معنی ہے پکارنا عبادت کرنا ۔ مِنْ حرفِ جر زائدہ ہے یعنی ابتدا کے لیے نہیں ہے صرف عمل کے لیے ہے دُوْنِ اسم مفرد جامد ۔ بہت معنی میں مشترک ہے ۔ یہاں مراد ہے سِوَا ۔ ہٖ ضمیر مجرور متصل اس کا مرجع ہے رَبُّنَا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق لَنْ نَّدْعُوَا کا اِلٰهًا ۔ اسم مفرد مذکر جامد بروزنِ فِعَالًا یا یہ اسم مشتق ہے مبالغے کے لیے بمعنی بہت ہی حیران کرنے والا عاجزی دینے والا عاجز کرنے والا مصدر ثلاثی سے متغیر ہے اَلَہٌ یا وَلَہٌ سے بنا ہے منقول عرفی میں معبود کو کہا جاتا ہے اِلٰہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے لَنْ نَّدْعُوَ کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی اور رَبُّنَا پورا جملہ موصوف مرکب توصیفی مقولۂ اوّل ہوا ۔ لَقَدْ قُلْنَا ۔ لام کئے شرطیہ ۔ قَدْ قُلْنَا ۔ ماضی قریب جمع متکلم فاعل اصحابِ کہف فعل با فاعل

جملہ فعلیہ ہو کر شرط مقدم ہوئی۔ اِذًا۔ اسم ظرف ہے یا حرفِ ظرف ہے بمعنی اِنْ شرطیہ۔ شَطَطًا۔ اسم حاصل مصدر مضاعف ثلاثی ہے بمعنی بے عقل ہونا۔ کم عقل ہونا۔ نالائق بات یا بیہودہ کام کرنا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے قُلْنَا پوشیدہ کا۔ یہ جملہ فعلیہ قولیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر مقولہ دوم ہوا۔ هٰٓؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً ؕ لَوْلَا يَاْتُوْنَ عَلَيْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَيِّنٍ ؕ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ جمع کے لیے ہوتا ہے مبہمات مبنیہ سے ہوتا ہے بحالتِ رفع ہے مبتدا ہے قَوْمُ مضاف نَا۔ ضمیر متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے اتَّخَذُوْا۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب اَخْذٌ سے بنا ہے اس کا مصدر اِتِّخَاذٌ ہے بمعنی بنانا۔ پسند کرنا۔ اختیار کرنا اس میں ھُمْ ضمیر مستتر ہے اس کا فاعل مرجع قَوْمُنَا۔ مِنْ زائدہ ہے۔ دُوْنِ۔ اسم مفرد جامد بمعنی سوا۔ علاوہ مقابل۔ اٰلِهَةً۔ اسم جمع مکسر منصرف ہے اس کا واحد ہے اِلٰہٌ۔ بحالتِ نصب ہے اِتَّخَذُوْا کا مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوا قَوْمُنَا کا۔ مرکب توصیفی هٰٓؤُلَآءِ مبتدا کی خبر یہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا۔ لَوْلَا حرفِ سوالِ اقراری ایجابی کے لیے ہے یَاْتُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع بمعنی حال صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ مستتر اس کا فاعل ہے۔ اَتْیٌ۔ مہموز و ناقص مادہ۔ بمعنی۔ آنا۔ لانا۔ یہاں مراد لانا ہے متعدی ہے عَلٰی جارہ فوقیت مطابقی تائیدی کے لیے ھِمْ ضمیر جمع نفسی بمعنی اپنے۔ بِ جارہ تعدیہ کا۔ سُلْطٰنٍ۔ اسم مفرد مبالغہ بمعنی بہت مضبوط یہاں مراد ہے سچی کی مضبوط دلیل یہ موصوف ہے۔ بَيِّنٍ۔ اسم حاصل مصدر ترجمہ ہے ظاہر کھلی ہوئی یہ صفت ہے مرکب توصیفی مجرور ہو کر۔ متعلق ہے یَاْتُوْنَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ چہارم ہوا ف ابتدائیہ علیحدہ قول ہے ببیّنہ لغو ہے۔ مَنْ۔ اسم موصول مذکر ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے۔ اَظْلَمُ اسم تفضیل مذکر ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنی نقصان کرنا۔ ہر حال میں متعدی ہوتا ہے مِمَّنْ۔ مِنْ جارہ زائدہ ہے یا بعضیت کا۔ مَنْ۔ اسم موصول۔ اِفْتَرٰی۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر ھُوَ۔ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مَنْ ہے۔ عَلٰی جارہ بمعنی اِلٰی انتہائیہ۔ اللّٰہِ۔ مجرور متعلق ہے اِفْتَرٰی کا۔ كَذِبًا۔ اسم مبالغہ كِذْبٌ سے بنا ہے بمعنی بہت سخت جھوٹ۔ بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اِفْتَرٰی کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مِمَّنْ کا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اَظْلَمُ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا فَمَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر مقولہ پنجم ہوا۔ تمام قَالُوْا اپنے سب مقولوں سے مل کر جملہ کلامیہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَيُّ الْحِزْبَيْنِ اَحْصٰى لِمَا لَبِثُوْٓا اَمَدًا ۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ۔ پھر ہمارا کرم ہوا کہ اتنی دراز مدت گہری غفلت کی نیند

سلانے کے بعد اُن تمام کو اُسی طرح ہشاش بشاش خوش و خرّم صحت مند تندرست حالت میں ہم نے ان کو جگا دیا۔ جس طرح کوئی اپنی طبعی آٹھ گھنٹے کی نیند پوری کر کے اُٹھتا ہے۔ حالانکہ اگر کوئی آٹھ گھنٹے سے زیادہ نیند کر کے جاگے تو خوش و خرّم اور ہشاش بشاش نہیں ہوتا بلکہ کسلمند مُرجھایا۔ کملایا سُست الوجود پژمردہ ہوتا ہے۔ بَعَثْ کا معنیٰ ہے پوری صحت توانائی عقل فکر علم ہوش و حواس کے ساتھ کسی کو بھیجنا یا اٹھانا اسی معنیٰ میں یہ لفظِ بعثت انبیاء کے لیے بولا گیا ہے اور اسی معنیٰ میں قبروں سے اٹھنے کے لیے اِرشاد ہوا۔ ہم نے اَصحابِ کہف کو اس لیے اِس شان سے اٹھایا تاکہ ہم اپنے علم مشاہدہ سے اِن کا امتحان لیں آزمائش کریں کہ اِن دونوں گروہوں میں سے کون زیادہ اچھی اور سچی صحیح اُس مدت کو اپنے حساب عقل و فکر سے شُمار کرتا ہے جس مدّت تک وہ اِس غار کے اندر بحالتِ نیند ٹھیرے رہے۔ مفسّرین کرام کے حزبین یعنی دو گروہوں کے بارے میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اصحابِ کہف آپس میں۔ دو گروہ بن گئے کہ جب جاگے اور ایک دوسرے سے سلام دعا ہوئی تو پہلا کلام یہی ہوا کہ ہم کتنی دیر سوئے تو ایک دو ساتھیوں نے سورج دیکھا اور سوچا کہ جب سونے لگے تھے تو وقت مغرب تھا اور اب طلوعِ آفتاب ہو رہا ہے تو سب نے کہا کہ شاید ایک رات ہی گزری کچھ حضرات نے اپنے آپ کو دیکھا تو بال بہت دراز ناخن بہت بہت لمبے تو اندازہ لگایا کہ ایک رات میں ایسا نہیں ہو سکتا مگر خاموش رہے کچھ صحیح مدت نہ بتا سکے دوم یہ کہ یہ دو گروہ شاہی تاریخ دان اور اصحاب کہف کے ہو گئے کہ شاہی مورخین و موجودہ اہل کار حکومت نے اصحاب کہف کے سکے درہم دینار دیکھ کر اور ان کی زبانی گفتگو سن کر کچھ اندازہ لگایا۔ اور خود اصحابِ کہف نے اپنے ٹھیرنے سونے کی مدّت کا کچھ اندازہ لگایا۔ مفسّرین کا تیسرا قول یہ ہے کہ یہ دو گروہ اُس وقت اہلِ بستی کے آپس میں ہو گئے تھے جس میں بوڑھے جوان اپنی اپنی سوچ و فکر کے مطابق مختلف گنتی بتا رہے تھے۔ مگر صحیح مدت کوئی نہ بتا سکا۔ اِن اقوال میں پہلا قول زیادہ درست ہے۔ آگے ارشادِ باری تعالیٰ ہے اے پیارے نبی اصحابِ کہف کے بارے میں۔ موجودہ یہود و نصاریٰ اور دنیا کے مختلف مذاہب والوں کے بڑے بڑے عجیب اور مختلف نظریات ہیں۔ وہ سب غلط اور جھوٹے بناوٹی ہیں۔ ہم تمہارے سامنے اپنی اِس وحی کے ذریعہ اُن اصحابِ کہف کی سب خبریں بالکل درست حقیقت کے مطابق حق و سچ۔ بیان کرتے ہیں۔ کہ بیشک اے پیارے نبی آپ کے زمانے سے کچھ صدیاں پہلے وہ اَصحابِ کہف چند خوش بخت اعلیٰ خاندان کے نوجوان تھے جو سچے قلب و جگر کی محبت سے اپنے رب پر ایمان لائے۔ اور آپ اپنے رب تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے اتنے اچھے اعمال و عبادات ریاضات اور حسنِ عقیدت سے حسنِ معاشرہ کیا کہ ہم نے اِن کے طلب شوق کی بنا پر اُن کے قُربِ معرفت کی ہدایت بارگاہِ قُدس میں اور بڑھا دی۔ جس سے روح کی تازگی عبادت و ذکرِ لسان کی لذّت عقل کی قوّت اور قلب کی ہمّت جگر کا حوصلہ اتنا زیادہ ہو گیا کہ باطل کا خوف ظالم کا ڈر جان

کا خطرہ ہی اُن کو نہ رہا۔ وَرَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اور سخت مضبوطی کی ڈھارس باندھی ہم نے اُن کے دلوں پر۔ اسی خداداد اور عطیۂ ربِ جلال کی جُرأت کے بھروسے اور سہارے اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَوْ لَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا۔ جب اُس وقت کے جابر ظالم سرکش فسادی نے اِن ہمارے پیارے مخلص دلیر بندوں کو پکڑوا کر اپنے دربارِ شاہی میں بلوایا اور اِن سے اس ظالم نے کہا کہ تم اِن بُتوں کو سجدہ کرو اِن بُتوں پر جانور کی قربانی دو۔ اور اگر نہیں کرتے تو قتل کئے جاؤ گے۔ یہ سُن کر وہ سب کمال رعب اور بہادری سے کھڑے ہو گئے۔ اور بھرے دربار میں جہاں چاروں طرف جلاّدوں کی ننگی تلواریں کھنچی کھڑی تھیں۔ کئی اہل ایمان کی لاشیں نیچے پڑی تھیں۔ ہر دل پر جلالِ شاہی کا رُعب بیٹھا ہوا تھا۔ ماحول پر ہیبت دربار میں سنّاٹا چھایا ہوا تھا کسی کو سفارش و لب کشائی کی مجال نہ تھی ایسے سماں میں عشقِ الٰہی کے مستانوں کی آوازِ بلند گونجتی ہے سب کی ترجمانی و نمائندگی کرتے ہوئے اِن میں سب سے بڑے ساتھی مکشلینا نے کہا اے دعوتِ کفر و شرک دینے والے بادشاہ اور اپنی شاہی قوت کے بلبوتے پر مظلوم غریب نہتے حق پرستوں کا خون بہانے والے جابر و ظالم ہم کبھی بھی تیری دعوتِ شرک کو قبول نہیں کر سکتے کیونکہ ہمارا رب خالق مالک رازق رحیم و کریم معبود وہی اللہ جلّ سبحانہٗ ہے جو ان تمام بڑے عظیم آسمانوں کا رب ہے اور تمام روئے زمین کو اور اُس کی ہر چیز کو پالنے والا ہے۔ کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ ہم اپنے اُس پیارے رب کے آستانے کو چھوڑ دیں۔

ے جس کے عشق میں رٹے مرغِ سحر — جس کا نام ہے مرہمِ زخمِ جگر
اُس نام پہ سب کی جان فدا — سُبحان اللہ سُبحان اللہ

(حکیم الامت بدایونی)

اے بادشاہ تو بیشک ہم کو قتل کرا دے یا اپنے ظالمانہ دستور کے مطابق روئی میں لپیٹ کر آگ میں جلوا دے۔ لَنْ نَّدْعُوَا ہم ہرگز ہرگز اپنے اُس رب کے مقابل کسی باطل جھوٹے بناوٹی معبود کو نہیں پوج سکتے نہ اُس کو معبود کہہ کر پکار سکتے ہیں۔ نہ اپنے سچے معبود کے آستانۂ مقدس کو چھوڑ کر کسی بُت۔ مورتی مندر سے فریاد و التجا کر سکتے ہم سب یہ کہتے ہیں کہ کبھی ایسا نہ کہیں گے۔ اس لیے کہ ہمیں یقین ہے کہ البتہ بیشک اگر ذرّہ لفظ بھی ہم نے اپنے منہ سے اِس قسم کا کفریہ شرکیہ نکالا تو یقیناً ہم بہت ہی غلط۔ لغو۔ بیہودہ بدتہذیبی کی یاوہ گوئی اور جھوٹ بکواس کرنے والے ہوں گے۔ اہلِ لغت نے جو ترجمہ شَطَطًا کا کیا ہے اُس کا اُردو ترجمہ یہی بنتا ہے ۱؎ جھوٹ بکواس ۲؎ یاوہ گوئی اے بادشاہ تیری مار دھاڑ قتل و غارت کی تو ہم کو بالکل ذرّہ برابر پرواہ و پریشانی نہیں ہم تو اپنی قوم کی گمراہی و کفر نوازی شرک سازی سے حیران و پریشان ہیں

کہ یہ ہماری بیوقوف قوم جنہوں نے اُس خالق تعالیٰ مالکِ ارض و سما کے مقابل کتنے بہت ڈھیر سارے جھوٹے معبود اپنے ہاتھوں سے بنا ڈالے۔ اگر ان میں ذرا بھی اپنے بدعقیدے کفریہ دین کے لیے سچائی ہے تو کیوں جلدی سے یہ مضبوط کھلی کھلی دلیل پیش نہیں کر دیتے۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جھوٹے اور باطل دین والے ہیں اور جھوٹے لوگوں کے پاس دلیل کہاں ہو سکتی ہے لہٰذا یاد رکھو کہ کائنات میں اس سے زیادہ بڑا ظالم کوئی نہیں ہو سکتا جو اپنے خالق مالک اللہ تعالیٰ پر جھوٹ اور غلط بات افتریٰ بنائے۔ اس لیے کہ ایسا ظلم تو اگلی پچھلی نسلوں کو تباہ کرنے والا اور جہنم میں ڈالنے والا ہے۔

اَصحابِ کہف کے حالات و کیفیات و حسب و نسب

ویسے تو حضرتِ نوح علیہ السلام سے لیکر آج تک کسی بھی کفریہ عقل نے نبوت کو تسلیم نہیں کیا اور طرح طرح سے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو پریشان کرنے ستانے اُن کے مقصدِ بعثت کو ناکام کرنے کی بلکہ بذاتِ خود انبیا علیہم السلام کو شہید کرنے کی بھی کوششیں اور حرکتیں کی گئیں۔ مگر حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے دین آپ کی کتاب مقدس انجیل شریف کے ساتھ تو اپنے پرائے دشمنوں نے دشمنی اور مخالفت کی انتہا کر دی زمین پر موجودگی میں یہودیوں قبطیوں نے مل کر ستایا۔ اور بجز چند حواریوں کے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ لیکن رفعتِ آسمانی کے بعد بھی دشمن چین سے نہ بیٹھا بلکہ ہر طرف سے دینِ مسیحی کو مٹانے کی کوشش کی مگر حضرتِ مسیح کی پرخلوص حقانیت ہی تھی کہ آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد کافی عرصے تک آپ کا دین بنی اسرائیل میں خوب جاری رہا مگر ان زمانوں میں بھی دشمن کی یلغار بند نہ ہوئی کبھی شام و فلسطین کے یہودی اٹھ کھڑے ہوتے کبھی روم قبطی نبطی و رومی بادشاہوں کے حملے دینِ مسیح کو مٹانے کے درپے ہوتے رہے سب کسر پولوس یہودی نے پوری کر دی جس نے ایک خاص سازش کے تحت عیسائی دین اختیار کیا اور مسیح علیہ السلام کے سچے دین کو بیخ و بن سے اکھاڑ دیا۔ اور میٹھی چھری لے کر مسیح کی تمام تعلیم کو کاٹتا چلا گیا۔ سب سے بڑی اور بُری اس نے یہ حرکت کی کہ تبلیغ کے جس دروازے کو حضرت مسیح نے بار بار بڑی سختی سے بند کیا تھا۔ اور غیر اقوام کو دینِ مسیح میں داخل ہونے سے اپنے اِن الفاظ کی شدتِ کلام کے ذریعہ کہ میں صرف بنی اسرائیل کی بھیڑوں کو بچانے کے لیے آیا ہوں۔ روکا تھا۔ ۱؎ اس بند دروازے کو پولوس نے صرف کھولا ہی نہیں بلکہ توڑ دیا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج دنیا میں غیر قومیں تو اپنے آپ کو عیسائی کہتی ہیں مگر مسیح کی اپنی قوم بنی اسرائیل ایک بھی عیسائی نہیں بلکہ عیسائیت سے ان کو نفرت ہے پولوس کی یہ سازش کامیاب ہوئی وہ یہی چاہتا تھا کہ کوئی اسرائیلی عیسائی نہ بنے۔ اور پولوس نے خود کو عیسائیت کا ہمدرد بنا کر غیر قوموں کو جو دینِ مسیح دیا وہ سچے دینِ مسیح سے بالکل جداگانہ ہے۔ اور حضرتِ مسیح کی تعلیم سے بالکل مخالف۔ ۲؎ پولوس نے ختنہ بند کرایا آج کوئی عیسائی ختنہ نہیں کرتا ۳؎ پولوس کی ہی سازشانہ تبلیغ سے شریعت

کو عیسائیوں کی زبان سے لعنت کہلوایا گیا۔ ۴ یسوع مسیح کو اللہ کا بیٹا بنا دیا گیا جو سراسر سب سے بڑا کفر و شرک ہے ۵ کفارہ کا مسئلہ بنایا گیا۔ اور آسمانوں پر زندہ مسیح کو بلاوجہ مصلوب مان لیا گیا پولوس کی یہ سازشیں بھی کامیاب ہوئی آج موجودہ عیسائیت کی بے عمل زندگی چرچوں گرجوں سے نفرت گناہوں سے محبت فحاشی بدکاری پر دلیری اسی سازش کا نتیجہ ہے آج کا عیسائی بظاہر یسوع مسیح کا ہمدرد اور محبت کرنے والا ہے مگر حقیقت میں مخالف اور دشمن۔ تحقیر کرنے والا۔ بھلا یہ کہاں کی محبت اور سچائی ہے کہ ایک روتے پیٹتے چھپتے چھپاتے۔ اِیْلِیْ اِیْلِیْ لَمَا شَبَقْتَنِیْ۔ کرتے ڈرتے ڈراتے سہمے ہوئے انسان کو پکڑ پکڑا کر جبراً قہراً سولی پر چڑھا دیا جائے اور پھر کہنا شروع کر دیا جائے کہ یہ اپنی خوشی سے صلیب پر مرا ہے اور سب گناہگاروں کا کفارہ بنا ہے۔ اس طرح تو پکڑ کر کسی کو بھی سولی دی جا سکتی ہے۔ یہ وہ سازشیں تھیں جن کے ذریعے پولس نے باطنی طور پر دینِ مسیح کو تباہ و برباد کر دیا۔ آج نہ کہیں سچا مسیحی نظر آتا ہے نہ کہیں سچا دینِ مسیحی۔ یہاں تک ہی نہیں بلکہ پولوس اور اُس کی پوری ٹیم نے اپنی جھوٹی خوابوں کے ذریعے دینِ مسیحی اسرائیل سے نکال کر غیر قوموں کو اس طرح کا دین دیا اور جو سچے بنی اسرائیل تھے ان کو قبطیوں کے مشرک بُت پرست بادشاہوں کے ذریعے یا مرتد کرایا گیا یا قتلِ عام۔ یہی کچھ اصحابِ کہف اور اُن کی قوم بنی اسرائیل سے ہوا۔ چنانچہ قومِ قبط کا دقیانوس بادشاہ بعض نے اُس کو دقیانوس یا دقیوس بھی لکھا ہے انگریزی میں اس کو بگاڑ کر ڈیسیس لکھا ہے۔ علاقہ روما پر فتوحات کیں تراان فتوحات و لشکر کشی سے اِس کا اوّلین مقصد اس علاقے کے اسرائیلی اور غیر اسرائیلی عیسائیوں کو زندگی یا عیسائی مذہب سے ختم کرنا تھا۔ دقیانوس کی حکومت رومی علاقے پر ۲۵۰ء عیسوی میں قائم ہوئی۔ از انسائیکلوپیڈیا۔ و مختلف تفاسیر اگرچہ ایسے خطرناک حالات میں دینِ مسیح کے پھیلنے پنپنے بلکہ باقی رہنے کے امکانات نہ تھے مگر قدرت نے حق کا ایک علیحدہ ہی مزاج بنایا ہے یہ کفر کی بیابانوں میں اُگتا ہے۔ مخالفت کے طوفانوں میں پنپتا ہے اور دشمنی کے شعلوں میں پھلتا پھولتا ہے۔ اور پھر بن پانی بھی تر رہتا ہے مرجھایا نہیں کرتا۔ حضرت مسیح نے اپنے چند حواریوں کے سینوں میں توحید و رسالت کی جو شمع روشن فرمادی تھی وہ ان کے آسمان پر تشریف لیجانے کے بعد بھی روشن ہی رہی۔ اور کسی کے جبر و استبداد کے طوفان اُس کو بجھا نہ سکے اور یہ روشنی اکنافِ عالم و اطرافِ علاقہ میں پھیلتی ہی چلی گئی جس سے باطل کو تشویش ہوئی ادھر لوگ پروانہ وار دامنِ تعلیمِ مسیح میں فوج در فوج بن کر عیسائیت قبول کرتے رہے اور اِدھر باطل ہتھیار بند ہو کر موج در موج یلغار کرتا رہا۔ اِدھر ایمان کی محفلیں سجتیں تو اُدھر سے قتل و غارت کا بازار گرم ہو جاتا۔ ہوتے ہوتے سن ڈیڑھ سو عیسوی میں دقیانوس نے دینِ مسیح کے خلاف سر اٹھایا اور مخلصین مومنین عاجزین عابدین راہبین کو ابتلاء

مصائب کے لیے لشکر سجایا۔ اگرچہ پہلے رومی بادشاہوں نے بھی اہلِ ایمان کو بیحد و بیشمار دکھ پہنچائے۔ مگر یہ پہلا رومی بادشاہ تھا جس نے دشمنی کی انتہا کر دی اور دینِ عیسائیت کو بیخ و بن سے اکھیڑ پھینکنے کا تہیّا کر لیا۔ یہ سال میں دو مرتبہ اپنے پورے ملک کا دورہ کرتا اس کا ملک شام فلسطین اور روم کے دو سو شہروں پر پھیلا ہوا تھا۔ اس دورے کا واحد مقصد یہی ہوتا کہ لوگوں کو عیسائیت سے مرتد کرا کر بُت پرست بنا دیا جائے۔ اس مقصد کے لیے اس نے مختلف شہروں میں بڑے چھوٹے مندر بنا دیئے تھے اور ان میں مختلف نام کی دیوی دیوتا بُت مورتیں رکھوا دیں تھیں ہر شہر کے تمام اہلِ ایمان چھوٹے بڑے جوان بوڑھے عورت و مرد عیسائیوں کو پکڑوا کر بلاتا اور دو ہی شرطیں ہوتیں یا بتوں کو سجدہ کر دان پر قربانی کا خون بہاؤ اور اپنا دین چھوڑ کر بُت پرست بن جاؤ۔ اور یا قید و بند بلکہ قتل و ہلاکت کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اِس تحریک میں ہزاروں قتل و قید ہوئے سینکڑوں مرتد ہوئے۔ اسی بادشاہ کے علاقۂ سلطنت میں سرحدِ عرب سے تقریبًا ستر میل دور ملکِ روم کی سرحدوں کے اندر بحیرۂ عرب کے کنارے پر ایک بہت بڑی بندرگاہ تھی اس شہر کا نام پہلے اُفسوس تھا پھر بگڑ کر اُفیسس ہوا۔ اس شہر میں ہی دقیانوس نے ملک کا سب سے بڑا مندر بنوایا تھا۔ جس میں ایک مورتی رکھی جس کا نام ڈیانا یا ڈائنا دیوی تھا۔ بعض نے لکھا ہے کہ آرٹیمس دیوتا بھی اسی میں رکھا گیا۔ اُس پر قربانی چڑھاوے نذرانے پیش کئے جاتے جب دقیانوس اس شہر میں آیا تو حسبِ دستور سب عیسائیوں کو بلایا۔ یہ شہر بنی اسرائیل عیسائیوں کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ اور بہت پختہ قسم کے مذہبی لوگ تھے ان کو دقیانوس کی تمام کفریہ حرکتوں شرک سازیوں مخالفین کے قتل و غارت کا پتہ تھا۔ مگر سنتے تھے اور اللہ سے صبر و ہمت کی دعائیں مانگتے تھے۔ یہاں تک کہ یہ بلا خود ان پر بھی آن پہنچی کچھ کمزور دل مرتد ہو گئے کچھ قید کیے گئے۔ نوجوانوں کو قسم قسم کی اذیتیں دے کر قتل کیا گیا۔ ان ہی گرفتار ہو کر لائے جانے والوں میں کچھ نوجوان جو اسرائیلی شاہی خاندانوں کی اولاد میں سے تھے۔ یکے بعد دیگرے ان کو بھی پکڑ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا۔ بادشاہ نے اِن سے بھی یہی کہا کہ یا تم ان بتوں کو سجدہ کرو اِن کے سامنے جانور کی قربانی پیش کرو اور ان کو ہمیشہ کے لیے اپنا معبود سمجھ لو۔ عیسائیت کا دین چھوڑ دو۔ یا تم کو قتل کر دیا جائے گا۔ یہ سب بہت جوان خوبصورت صحت مند کڑیل لمبے قد۔ اور چوڑے سینے والے تھے اور اس کے ساتھ بہت متقی تھے انہوں نے بہت دلیری سے بھرے دربار میں کہا کہ ہم جھوٹے بتوں کی پوجا نہیں کر سکتے بیشک ہمارا رب سچا معبود وہی ذات اقدس ہے جو آسمانوں اور زمین کو پالنے والا ہے اس پر دقیانوس نے کہا کہ اے جوانو مجھ کو تمہاری خوبصورت جوانی کم عمری پر ترس آتا ہے نہیں تو میں تمہاری گستاخی بیباکی کی سزا ابھی اسی وقت تم کو دے دیتا کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ تمہارے سامنے یہ کتنے قتل ہوئے پڑے ہیں۔ اچھا میں تم کو کل

تک مہلت دیتا ہوں تم اپنی جوانیوں پر ترس کھاؤ اور خوب سوچ سمجھ لو۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے دربار برخاست کیا اور دوسرے شہر چلا گیا (از تفسیر خازن)

بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ان جوانوں نے خود مہلت مانگی۔ مگر یہ غلط ہے۔ اگر یہ خود مہلت مانگتے تو دوسرے دن دربار میں ضرور حاضر ہو جاتے کیونکہ مومن نہ بزدل ہوتا ہے نہ بدعہد۔ اور پھر یہ اکٹھے پیش نہ ہوئے تھے بلکہ اس سے پہلے یہ ایک دوسرے کے اچھی طرح واقف بھی نہ تھے۔ اس لیے کہ جب یہ پریشان ہو کر نکلے تو وہ دوپہر کا وقت تھا۔ اور ہر ایک اکیلا تھا یہ اسی پریشانی کے عالم باہر ویرانے میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا ہوا تھا کہ دوسرا ساتھی آگیا نہ پہلے کو پتہ تھا کہ دوسرا آنے والا مومن ہے نہ دوسرے کو پہلے کی حالت کا پتہ تھا ایک دوسرے سے اپنے آپ کو چھپانے لگے یہاں تک کہ آٹھ جوان اسی درخت کے نیچے آکر بیٹھ گئے پہلے تو سب نے اپنے آپ کو چھپایا کہ کہیں یہ شاہی جاسوس ہی نہ ہو مگر چونکہ سب کی پریشانی ایک ہی جیسی تھی لہٰذا بات چھپی نہ رہ سکی اور سب ایک دوسرے کو جان کر محرمِ راز بن گئے۔ اور سب نے یہی ارادہ کیا کہ چلو کسی غار میں چھپ جاتے ہیں پھر جب اس بادشاہ کا چند دن بعد دورہ ختم ہو جائے گا اور یہ چلا جائے گا تو ہم نکل آئیں گے۔ یہ کہہ کر سب آٹھوں ساتھی شہر سے تین میل دور بنجلوس نامی پہاڑ کے پاس آگئے راستے میں ان کو ایک دھوبی یا چرواہا ملا وہ بھی مومن تھا اور بادشاہ سے چھپتا پھرتا تھا اس کو ابھی بادشاہ نے نہیں بلایا تھا۔ اُسنے جب ان کو حال سنایا تو اس نے عرض کیا مجھ کو بھی ساتھ لے لو لہٰذا۔ اب یہ نو ساتھی ہو گئے جب وہ چلے تو دھوبی کا کتا بھی ساتھ ہو لیا سب نے خوف کیا کہ یہ بھونکے گا تو ہم ظاہر ہو جائیں گے اور پکڑے جائیں گے کتے کو خدا نے زبان بخشی اُس نے وعدہ کیا کہ میں نہ بھونکوں گا۔ اب یہ دس افراد ہو گئے۔ اُن کے اسماء پاک اِس طرح ہیں۔ ۱ مکسلمینا۔ یہ سب میں بڑے ہیں ۲ مخشلمینا۔ ۳ تملیخا یہ ان کے خزانچی بنائے گئے ۴ مرطونس ۵ کشطونش ۶ بیرونس ۷ دیموس ۸ بسطیوس ۹ فالوس یہ دھوبی ہیں۔ ۱۰ اُن کا کتا۔ جس کا نام قطمیر ہے۔ مفسرین کے اس میں اختلاف ہیں کہ ان کے پاس ان کی دولت درہم دینار کہاں سے آئے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ غار میں جانے سے پہلے اپنے گھروں کو گئے اور ماں باپ کی بہت دولت اٹھائی کچھ بازار میں غریبوں کو بانٹی اور تھوڑی سی اپنے پاس رکھی جو سب نے تملیخا کے پاس جمع کرا دی مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ اگرچہ یہ سب غیر شادی شدہ تھے مگر یہ دولت ان کے والدین کی تھی بغیر اجازت کس طرح لے سکتے تھے پھر وہ سب گھبرائے پریشان تھے ان کو بازاروں میں بانٹنے کی فرصت کہاں تھی اور کون کس کا انتظار کرتا۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر ایک کی جیب میں تھوڑے بہت درہم دینار تھے

جیسا کہ ہوا کرتا ہے وہی سب نے تملیخا کے پاس جمع کرادی۔ جب غار میں پہنچے عصر سے مغرب تک اپنی عبادت ذکرِ الٰہی اور دعاؤں میں مشغول رہے جب ذکرِ الٰہی سے ذرا سکون ملا تو لیٹ گئے اور لیٹتے ہی سب کو نیند آگئی۔ دوسرے دن بادشاہ نے دربار لگایا تو ان کے بارے میں اہل دربار سے پوچھا اور پکڑ کر لانے کے لیے لوگوں کو بھیجا مگر سارے شہر میں ڈھونڈنے چھاپے مارنے کے باوجود کہیں سراغ نہ ملا۔ والدین کو پکڑ کر بلوالیا کہ بتاؤ تمہارے بیٹے کہاں ہیں ورنہ تم کو قتل کر دیا جائے گا سب نے کہا کہ اے بادشاہ ہم تو پہلے ہی اپنا دین چھوڑ کر تیرے دین پر آچکے ہیں اگر ہم اپنے بیٹوں کو چھپا کر بچانا چاہتے تو ہم بھی مرتد کیوں ہوتے۔ اسی دوران کسی نے مخبری کی کل میں نے ان کو پہاڑ کی طرف جاتے دیکھا ہے ان کے ساتھ ایک کتا بھی تھا بادشاہ اپنے سب درباریوں کے ساتھ گھوڑوں پر بیٹھ کر فوراً اُس غار کے پاس پہنچے دیکھا تو سب سو رہے ہیں بادشاہ کو بہت غصہ آیا اور حکم دیا کہ اچھا ان کو اسی طرح سونے دو اور غار کا منہ مضبوط پتھروں کی دیوار سے بند کر دو مستریوں نے فوراً پتھروں کی دیوار بنا دی بادشاہ نے کہا کہ اب یہ غار میں ہی مریں گے یہ ہی ان کی قبر ہے۔ اس کے بعد سب واپس چلے گئے اہلِ دربار میں دو آدمی خُفیہ مومن تھے انہوں نے ایک سِلور کی تختی پر اصحابِ کہف کی تعداد نام حسب نسب اور شہر سے نکلنے کی وجہ دقیانوس کا ظلم اور مذہب پر جابرانہ رویہ۔ اور اصحابِ کہف کا غار میں چھپنا ان کا غار دیوار سے بند کیا جانا پورا واقعہ تفصیل سے لکھ کر محل شاہی کے خزانے میں چھپا دیا۔ تقریباً ایک سال بعد دقیانوس سنِ عیسوی ایک سو باون ۱۵۲ء میں صرف تین سال حکومت کر کے مرگیا۔ یہی باطل کا مختصر انجام ہے یہ فرمایا گیا۔ لِلْبَاطِلِ جَوْلَةٌ وَّلِلْحَقِّ غَلْبَةٌ۔ باطل کا شور ہوتا ہے۔ اور حق کا زور ہوتا ہے۔ صرف تین سالہ حکومت میں تقریباً اسی ہزار عیسائیوں کو قتل کرایا پھر زمانوں پر زمانے گزرتے رہے اور بادشاہتیں بدلتی رہیں۔ یہاں تک کہ تین سو سال گزر گئے۔ جن دو آدمیوں نے اصحابِ کہف کے حالات لکھ کر شاہی خزانے میں رکھے ان میں ایک کا نام بیدروس تھا اور ایک کا نام روناس تھا۔ بعد میں کبھی کسی بادشاہ نے اپنے خزانے سے اس تختی کی نقل کروا کر اُس پہاڑ پر غار کے قریب لگوادی اس پہاڑ کا نام ینجلوس تھا جو بگڑ کر منخلوس اور مخلوس بھی لکھا گیا ہے۔

سنِ عیسوی چار سو آٹھ ۴۰۸ء میں روم پر عیسائی ایمانی حکومت قائم ہوئی۔ مومن بادشاہ کا نام بیدروس یا ایک قول میں تھیوڈیشس تھا۔ اُس وقت کچھ بنی اسرائیل عیسائی تھے اور کچھ بُت پرست منکرینِ قیامت بادشاہ اہلِ درد تھا اپنی کافر رعایہ کے کفر پر پریشان رہتا تھا کہ کاش سب مومن بن جائیں۔ راتوں کو رو رو کر اپنے اللہ سے دعائیں عرض کرتا کہ یا مولیٰ کوئی اپنی قدرت سے ایسی نشانی دکھا جس سے ان منکرینِ قیامت کا قیامت و حساب قیامت پر ایمان ہو جائے۔ اس وقت ملک کا دار الخلافہ یہی شہر افسوس تھا اور نہ معلوم کس نسبت سے

اس علاقے کو بھی رقیم یا۔ بطرا یا پیٹرا کہا جاتا تھا۔ غالباً سن عیسوی چار سو پچاس تھا۔ ایک چرواہا جس کا نام اولیاس لکھا گیا ہے وہ وہاں اپنی بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اُس کے دل میں خیال آیا کہ اگر پہاڑ کا یہ غار جو کسی نے پتہ نہیں کب اور کیوں بند کر دیا ہے میں کھول کر اپنی بکریوں کے لیے سردی گرمی اور بارشوں سے بچنے کے لیے استعمال کروں تو بہت آرام ہو جائے یہ سوچ کر اس نے ساری دیوار ڈھادی اور سب پتھر ایک طرف رکھ دئے کچھ تھوڑی بہت دروازے پر صفائی بھی کر دی جب وہ یہ سب کام چند گھنٹوں میں کر کے فارغ ہو کر اندر گیا تو اسے تین آدمیوں اور ایک کتے کو پڑے لیٹے دیکھا تو خوف و ڈر سے گھبرا کر بھاگا اور پیچھے مڑ کر بھی نہ دیکھا ابھی وہ کسی کو بتلانے بھی نہ پایا تھا کہ دوسرے دن صبح ہی بعد طلوع آفتاب تمام اصحاب کہف جاگ پڑے نہایت پرسکون تازہ منہ سب باہر نکلے اور ایک دوسرے سے پوچھنے لگے کہ ہم کتنا سوئے کچھ ساتھیوں نے سورج دیکھ کر کہا کہ ایک رات ہی سوئے ہیں اور کچھ نے کہا نہیں کچھ زیادہ ہی وقت معلوم ہوتا ہے مگر تین سو سال تو ان کے وہم و گمان میں نہ تھا۔ دروازے پر پڑے ہوئے پتھر دیکھ کر کچھ تشویش ہوئی مگر زیادہ اہمیت نہ دی گئی اب چونکہ جاگ پڑے تھے اس لیے بتقاضاءِ بشری بھوک بھی لگی تو سب کی صلاح مشورے سے اپنے خزانچی تملیخا کو کچھ نصیحتیں سمجھا کر کھانا لانے کے لیے شہر بھیجا راستے اور جنگل میں تو فرق محسوس نہ ہوا مگر جب تملیخا شہر کے قریب دقیانوس اور اس کے جاسوس سپاہیوں کا خیال کرتے ہوئے ڈرتے چھپتے پہنچے تو دیکھا کہ دروازۂ شہر پر دینِ عیسائیت کی اچھی اچھی باتیں لکھی ہوئی ہیں بڑے حیران ہوئے اور خیال کیا شاید میں کسی غلط شہر میں آگیا ہوں یہ سوچ کر باہر باہر ہی دوسرے دروازے پر پہنچے مگر وہاں بھی ایمانی باتیں لکھی تھیں پھر سخت حیرانی میں حضرت تملیخا شہر کے اندر گئے وہاں بھی ہر طرف عیسیٰ علیہ السّلام کے چرچے ربّ مسیح کی قسمیں۔ حیرت و تعجب میں پڑ گئے کہ یا اللہ میں سو رہا ہوں یا جاگ رہا ہوں میں یہ کیا دیکھ رہا ہوں کل اسی شہر و بازار میں حضرتِ عیسیٰ کا نام لینا گناہ قابلِ سزا جرم تھا آج ایک رات گزرنے سے کیا پلٹا کھا گیا پھر سوچا یہ ہمارا شہر افسوس نہیں ہے مجھ کو غلطی سے راستہ بھول گیا۔ لہٰذا ایک جوان سے پوچھا کہ اس شہر کا نام کیا ہے اس نے کہا کہ اس کا نام اُفسُوس ہے۔ بڑے حیران ہو کر بیٹھے کہ نام تو ٹھیک ہے خیر کافی دیر بعد کھڑے ہوئے اور ایک نان بائی کی دکان پر چلے اس نان بائی کا نام قسطنیوس تھا۔ اس سے کھانا خریدا اور اپنا سکہ دیا۔ یہ سکہ دیکھ کر دکاندار حیران ہوا اُس نے ساتھی کو دکھایا لوگ جمع ہو گئے اور کہنے لگے اس کو ضرور ہی کوئی دفینہ کا خزانہ ملا ہے۔ تملیخا نے فرمایا بھئی مجھ کو کوئی خزانہ نہیں ملا میں تو کل ہی اس شہر سے گیا ہوں یہ میرے پاس اسی شہر کے درہم ہیں۔ کچھ لوگوں نے کہا یہ مجنون ہے اسے چھوڑ دو کچھ بہت بوڑھوں نے کہا یہ سکہ آج سے کئی صدیاں پہلے کا ہے۔ لیکن یہ شخص تو جوان ہے اور کہتا ہے کہ میں اسی شہر کا ہوں اور یہ دینار اسی شہر کا ہے یا تو یہ پاگل ہے یا خزانہ چھپانے کے لیے باتیں بنا رہا ہے۔ اس لیے اِس کو پکڑ کر

حاکم شہر کے پاس لے چلو۔ لہٰذا سب لوگ بشکل جلوس پکڑتے دھکیلتے ہنستے مذاق اڑاتے اور حیران ہوتے تملیخا کو عدالت میں لے گئے۔ وہاں دو حاکم تھے جن کا نام آریوش طنطیوس تھا۔ اِن دونوں افسرانِ شہر نے لوگوں کی ساری باتیں سنیں تو تملیخا سے متوجہ ہو کر کہا کہ اے نوجوان تو ہم سے کچھ مت چھپا اور جھوٹ بیانی نہ کرنا بلکہ جو معاملہ ہے وہ بالکل صاف سچ سنا دے۔ حضرت تملیخا نے فرمایا کہ یہ لوگ تو مجھ کو پاگل سمجھ رہے ہیں لیکن میں خود حیران ہوں کہ ایک رات ہی تو گزری ہے جب دقیانوس بادشاہ نے ہم کو کہا کہ یا تم بت پرستی کرو اور عیسائی مذہب چھوڑ دو یا تم قتل کر دیئے جاؤ گے اور پھر خود ہی اس نے ہمیں سوچنے کے لیے ایک دن کی مہلت دی اور ہم سب بھاگ کر آٹھ ساتھی غار ینجلوس میں چھپ گئے راستے میں ایک ساتھی اور اُس کا کتا ہم کو اور مل گیا۔ ہم سب نے پہلے۔ غار میں چھپ کر عبادت کی پھر سو گئے اور صبح ہم اٹھ کر جاگے مجھ کو انہوں نے کھانا لینے کے لیے بھیجا ہے وہ میرا انتظار کر رہے ہیں فلاں محلے میں ہمارا گھر ہے اور یہ نام ہمارے والدین کا ہے۔ وہی یہ درہم ہیں جو کل ہم یہاں سے لے کر گئے تھے اب جو میں دروازہ دیوار شہر اور لوگوں کی تبدیلیٔ مذہب کی باتیں دیکھ سن رہا ہوں اس نے میری عقل کو گم کر دیا ہے۔ باتیں سن کر سب لوگ انتہائی حیرت زدہ ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے اور کہنے لگے کہ دقیانوس نام کا بادشاہ تو ہم نے کبھی سنا ہی نہیں اور نہ ہی تمہارے والدین کے نام کا کوئی آدمی شہر میں ہے۔ البتہ تمہارے محلہ اور گھر کا نقشہ جو تم نے سمجھایا وہ ٹھیک ہے۔ دونوں افسروں نے کہا کہ لوگو سنو معلوم ہوتا ہے اس جوان کی صورت میں رب تعالیٰ نے ہم کو اپنی قدرت کی کوئی نشانی دکھائی ہے۔ چلو سب بادشاہ کو سب کچھ بتائیں اور اس جوان کو بھی لے چلو۔ پھر سب لوگ مع افسران اور تملیخا دربارِ شاہی میں وہاں پہنچے وہاں موجود بادشاہ بیدروس نے پوری داستان سنی اور حیرت زدہ ہو کر سربسجود ہو گیا۔ اپنے عمر رسیدہ درباریوں سے پوچھا کہ تم بتاؤ یہ کیا معاملہ ہے تو ناظمِ خزانہ وہ سلور دھات کی تختی لے آئے جس پر لکھا تھا کہ فلاں سال فلاں زمانے میں یہاں دقیانوس کی حکومت ہوئی اور اس کے ظلم سے جان و ایمان بچا کر چند نوجوان غارِ کہف میں چھپ گئے تھے جن کا دروازہ دقیانوس نے پتھروں سے بند کروا دیا تھا۔ ان غار والوں کے نام یہ تھے جنہیں ایک تملیخا بھی تھا۔ بادشاہ نے اللہ کریم کو سجدہ کیا جس نے قیامت کے ثبوت میں ایک روشن دلیل عطا فرمائی سارے شہر میں اس بات کا آناً فاناً چرچہ ہو گیا ہر شخص تملیخا کو دیکھنے کے لیے دوڑا چلا آتا۔ پھر بادشاہ سب کو لے کر غار پر پہنچا۔ جب باقی ساتھیوں نے ایک جمِ غفیر کو اپنی طرف دور سے آتے دیکھا تو گھبرا گئے اور سمجھے کہ شاید دقیانوس کے سپاہیوں نے تملیخا کو پکڑ لیا ہے اور اُس کے بتانے پر اب ہم کو یہ لشکر پکڑنے آیا ہے۔ سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور کہا کہ یارو اب تمہارے ایمان اور جان

کے امتحان کا وقت ہے۔ ایمان بچانا اور قتل ہونے سے نہ ڈرنا۔ یہ کہہ کر سب ذکرِ الٰہی کرنے لگ گئے یہاں تک کہ لشکر اور بادشاہ سمیت سب لوگ غار کے پاس پہنچ گئے سب واقعہ سنایا گیا تو وہ بھی سب حیران ہو گئے سب نے بادشاہ سے مصافحہ معانقہ کیا اور دعائیں دیں اور ان کے سب سے بڑے مکشلمینا نے فرمایا کہ اب ہم کو ہمارے اسی حال میں رہنے دو۔ جس رب کریم نے ہم کو اتنے سال باصحت و تندرستی قائم و سلامت رکھا وہ ہی پروردگارِ عالم ہمارا آئندہ بھی کفیل و کارساز اور محافظ ہے اب ہم تمہارے ساتھ شہری زندگی نہیں گزاریں گے۔ بادشاہ اور کچھ خاص درباری اور افسران غار کے اندر بھی ان کے ساتھ گئے اِدھر اُدھر کا جائزہ لیا۔ غار والوں نے اُن سے کہا کہ اب آپ ہم سے کوئی تعلق نہ رکھیں اور ہم غار میں رہتے ہیں آپ اسی طرح پھر غار کو بند کر دیں جس طرح آپ کے کہنے کے مطابق پہلے بند تھا۔ پھر سب لوگ باہر نکل آئے اور اُسی وقت انہی پتھروں سے مضبوط دیوار بنا کر غار کا منہ بند کر دیا گیا۔ ایک قول ہے کہ جب وہ لوگ غار کے اندر پہنچے تو اُسی وقت سب کے سامنے اللہ تعالیٰ نے ان پر دوبارہ نیند قائم فرما دی اور سب اسی جگہ لیٹ کر سو گئے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ نو تابوت سونے کے بنائے جائیں اور اُس میں ان کے اجسام کو رکھا جائے لہٰذا چند دنوں میں سونے کے نو بکس بنوائے گئے اور ان میں ہر ایک کو رکھا گیا۔ تو یہ اصحابِ کہف بادشاہ کو خواب میں ملے اور فرمایا کہ اے بادشاہ ہم کو سونے کے بکس میں بند رکھو ہم سونے چاندی میں پیدا نہیں ہوئے ہیں اسی مٹی میں لیٹنا چاہتے ہیں۔ تب بادشاہ نے لکڑی کے نو بکس بنوائے اور ان میں اُن کے اجسام کو بند کیا سونے کے بکس اٹھوا لیے۔ مگر یہ سب باتیں غلط ہیں نہ سونے کے بنوائے گئے نہ لکڑی کے بلکہ وہ اسی وقت سب سے جدا ہو کر غار کے اندھیرے میں چلے گئے تھے اور وہاں اسی وقت اُن پر حسبِ سابق نیند غالب ہو گئی تھی۔ بادشاہ کے حکم سے لوگوں نے اُسی وقت دیوار چُن دی تھی یہ بادشاہ چونکہ سچے ایمان والا اور باادب روشن ضمیر تھا اس لیے اُس نے کہا کہ یہ واقعہ اور اصحابِ کہف کا ظہور ہمارے لیے قدرتِ الٰہی کا عجیب کرشمہ اور ہدایت ایمانی کی نعمت ہے۔ اور منکرین قیامت کے لیے ثبوتِ قیامت پر ایک شاندار مضبوط دلیل ہے۔ اس حیرت انگیز واقعہ کو دیکھ کر کوئی عقل و خرد والا تو ہرگز قیامت کا انکار نہیں کر سکتا کوئی جاہل بدبخت بدفطرت ہی ضد و عناد سے قیامت کا انکار کرے گا۔ تھوڑا سا تفکّر و تدبّر کرنے سے بات دماغ میں آجاتی ہے کہ جو رب تعالیٰ تین سو سال تک سلا کر اچھی تندرستی عقل و فہم یادداشت کے ساتھ جگا سکتا ہے اور بغیر کچھ کھائے پیے زندہ رکھ سکتا ہے وہ قیامت میں بھی اٹھا سکتا ہے۔ اس لیے ایسی نعمتِ الٰہیہ اور نشانِ قدرتِ باری تعالیٰ کی یادگار منانی چاہیے۔ اور اس جگہ یادگار کے طور پر کوئی عمارت بنائی جائے تاکہ

یاد تازہ رہے۔ اس بات کو سن کر سب خوش ہوئے اور اپنے اپنے مشورے میں کسی نے کہا یہاں کوئی ھیکل بنا دیا جائے کسی نے کہا یہاں کوئی مینار بنا دیا جائے۔ کسی نے کہا صخرہ کسی نے کہا گنبد۔ لیکن نیک اور متقی بزرگ لوگوں نے کہا کہ یہاں مسجد بنائی جائے۔ یہ مشورہ بادشاہ کو بھی پسند آیا۔ اور وہاں مسجد بنا دی گئی۔ مسجد بنانے والا معمار یا جس نے پہلے پہل مسجد کا مشورہ دیا اُس کا نام خیرم تھا۔ اور بادشاہ کے ہی حکم سے وہاں غار کے دروازے پر وہ تختی نہایت مضبوطی سے جڑ دی۔ پھر نیک بزرگ لوگوں اور بادشاہ و رعایا سب نے مل کر کئی سال تک وہاں انہی ظاہر ہونے کے دنوں کی تاریخوں کے مطابق ہر سال عرس منایا۔ اور عبادت اور شکرِ باری تعالیٰ کے لیے جمع ہوتے میلہ بناتے اپنے رب کریم کے حضور نمازیں سجدے اور ہر طرح سے شکر کرتے۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اب بھی اصحابِ کہف کی اس مسجد میں عرس فاتحہ نیاز منائی جاتی ہے اور اب مسلمان مناتے ہیں۔ اس نیک دل بادشاہ کی حکومت اس علاقۂ روما پر تقریباً اکسٹھ سال رہی یعنی ۴۰۸ء سے ۴۵۹ء تک بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ ۴۵۰ء تک رہی واللہ اَعلَمُ بِالصَّواب واقعۂ اَصحابِ کہف کے مندرجہ ذیل امور میں کچھ تاریخی اختلاف پائے جاتے ہیں ع ۱ اصحابِ کہف کی تعداد اس اختلاف کا ذکر خود قرآن مجید میں بھی بتایا کہ یہ یہود و نصاریٰ اور کفارِ تاریخ دان گنتی میں اختلاف کرتے ہیں مگر اَحادیث و روایات کی روشنی میں اَب صحیح تعداد ظاہر ہو چکی ہے اور یہی ہم نے لکھی ہے ع ۲ کہ کتنی مدت بعد سو کر جاگے تھے۔ ایک قول میں ایک سَو سال بعد ایک قول میں دو سَو سال بعد۔ ایک قول میں ڈیڑھ صدی بعد۔ قرآن مجید میں شمسی اعتبار سے تین سَو سال قمری اعتبار سے تین سَو نو سال۔ اختلاف کرنے والے مفسرین نے قرآن مجید کے اس ارشاد کو باری تعالیٰ کی خبر نہیں مانا بلکہ پچھلی آیت کے اختلافی اقوال میں شمار کیا ہے کہ یہ بھی لوگوں کا قول اور اندازہ ہے کہ تین سَو سال سوئے رہے اور وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ کو مدت میں دوسرا قول سمجھا۔ یعنی کسی نے کہا ثلاثۃ مائۃ تین سَو سال سوئے۔ اور کسی نے نو سال اور زیادہ بڑھا دیے کہ تین سَو نو سال سوئے۔ وَازْدَادُوْا کی ضمیر کو اختلافی لوگوں کی طرف پھیرا۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے اور اکثر کا فرمان ہے کہ رب تعالیٰ نے یہ مدت بیان فرمائی ہے۔ جیسا کہ ہم بھی اِن آیت کی تفسیر بیان کریں گے۔ انشاء اللہ تعالیٰ ع ۳ یہ اختلاف کہ کون سے علاقے میں یہ واقعہ پیش آیا روم میں یا فلسطین یا شام میں۔ صحیح تر یہ ہے کہ روم میں یہ شہر ہے مگر شام کی سرحد کے قریب ع ۴ اختلاف یہ کہ تین سو سال بعد سو کر اٹھ کر جب دوبارہ لیٹے تو پھر اُن پر نیند ڈالی گئی یا بیہوشی یا موت۔ ہماری تحقیق کے مطابق ان پر بیہوشی کی مثل نیند ڈالی گئی ہے اور اب تک بلکہ تا قیامت اسی طرح اَصحابِ کہف بھی اور اُن کا کتا بھی بیہوشی جیسی نیند میں پڑے سو رہے ہیں۔ وہ نہ اپنی مرضی سے اُٹھ سکتے ہیں نہ ان کو کوئی جگا سکتا ہے ہاں اَلبتہ

آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعثت کے دوران وہاں غار میں تشریف لیجا کر غالباً سفرِ معراج کی شب اصحابِ کہف کو جگا کر اپنا کلمہ پڑھا کر اُمّتِ مسلمہ میں داخل فرمایا تھا۔ پھر آخری بار وہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے وقت جاگیں گے اور حضرت مسیح علیہ السلام کے ساتھ ہوں گے پھر اُن کی وفات ہوگی اور کافی دن زندہ رہ کر اُن کی اور ان کے کتے کی طبعی موت واقع ہوگی۔ یہ تھے مفسّرینؒ۔ راویانؒ۔ مورخینؒ کے صحیح صحیح اقوال جن کو ہم نے ایک جگہ جمع کر دیا ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ اصحاب کہف سچے اور صحیح عیسائی دین پر تھے اور اُس وقت دینِ مسیحی منسوخ نہ ہوا تھا۔ اور جب تک کوئی دین بارگاہِ الٰہی سے منسوخ نہ ہو اُس وقت تک رب تعالیٰ کی ساری نعمتیں برکتیں رحمتیں ہدایتیں اس دین اور اس کے ماننے والوں پر نازل ہوتی رہتی ہیں۔ اور نیز اُس وقت تک اُس دین کو اختیار کرنا مقبولیتِ بارگاہِ الٰہی ہونے کی اعلیٰ دلیل ہے اور یہ کہ اسلام سے پہلے کسی دین نے کسی پہلے یا اس کی شریعت کو منسوخ نہیں کیا آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب دین بدستور قائم رہے جو شخص جس دین کو چاہتا اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کا پیارا بن کر صاحبِ ہدایت ہوتا تھا۔ اِسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ایک ایک وقت اور ایک ایک زمانہ میں کئی کئی انبیاءِ کرام اپنے اپنے علاقوں اپنی اپنی قوم میں مبعوث ہوتے تھے لیکن دینِ اسلام کے آنے سے باقی سب پچھلے دین منسوخ ہو گئے۔ اب جو بھی اپنے آپ کو عیسائی۔ یا۔ یہودی۔ یا۔ صابئی وغیرہ بنائے گا وہ مردودِ بارگاہ و مردودِ رسالت ہوگا یہ فائدہ آمَنُوا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنَاهُمْ هُدًى (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ صرف سچے دین پر رہ کر انسان وَلِیُّ اللہ متقی مومن اور عابد و زاہد اور صاحبِ کرامات ہو سکتا ہے جھوٹے یا منسوخ دین پر رہ کر کوئی کتنی ہی عبادت ریاضت کرے مگر ولی اللہ اور صاحبِ کرامت نہیں ہو سکتا یہ فائدہ بھی۔ زِدْنَاهُمْ هُدًى فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ کرامات کا عطیہ الٰہیہ بھی ہدایت کی ایک نوعیت ہے۔ اصحاب کہف سے مندرجہ ذیل کرامت کا ظہور ہوا: ۱ تین سو سال سوتے رہنا اور اتنی دراز نیند کے باوجود صحت تندرستی برقرار رہنا ۲ اتنی مدت نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ ۳ اتنی مدت زمین کی مٹی پر جسم پڑے رہے نہ کپڑے گلے سڑے نہ اجسام کو کچھ نقصان پہنچا۔ ۴ بال اور ناخن تو کچھ بڑھے مگر عمر نہ بڑھی ۵ جوانی برقرار رہی ۶ سورج کا بچ کر نکلنا دھوپ نہ پڑنی ۷ ہزاروں مرتبہ بارش برسی اور ہر رُخ سے برسی ہوگی مگر غار کے اندر پانی کا ایک قطرہ بھی نہ آیا۔ حالانکہ غار اوپر سے کھلا ہے جس سے روشنی اور ہوا برابر آ رہی ہے ۸ غار کی طرف جاتے ہوئے راستے میں کتے کا کلام کرنا کہ میں نہ بھونکوں گا۔ **تیسرا فائدہ**۔ دنیوی زندگی میں صحبت کا بہت اثر ہوتا ہے اور

یادِ الٰہی ذکر و عبادت۔ ریاضت تقویٰ طہارت سے بندے میں ہمت قوت۔ طاقت۔ بے خوفی۔ دلیری جرأت۔ اطمینان خوشی اور صحت تندرستی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف گناہوں سے بزدلی۔ کمزوری خوف وڈر غم فکر۔ بے اطمینانی اور قسم قسم کی بیماریاں پیدا ہوتی ہیں یہ فائدہ۔ زِدۡنٰهُمۡ هُدًى کے بعد وَّ رَبَطۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اِذۡ قَامُوۡا فَقَالُوۡا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ وَلیُ اللہ سے کرامت کا صادر ہونا یا ظہور ہونا برحق ہے اِس کا منکر گمراہ اور معتزلی ہے۔ یہ مسئلہ ثُمَّ بَعَثۡنٰهُمۡ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ کرامات کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ کرامت ولی اللہ کے قبضہ و اختیار میں ہوتی ہے جب ضرورت پڑے تو اللہ تعالیٰ سے اجازت لے کر ولی اللہ خود ہی اس کرامت کو ظاہر کر سکتا ہے دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ خود اپنی قدرتوں کو بندے پر ظاہر فرمائے۔ اصحابِ کہف کا دلیری سے ہمکلام ہونا۔ اور اپنے کُتّے سے بات کرنی اور کُتّے کی بات سمجھنی یہ پہلی قسم کی کرامت ہے اور باقی مندرجہ بالا کرامت دوسری قسم کی ہیں۔ کافر سے کسی قسم کی کرامت ظاہر نہیں ہو سکتی البتہ شعبدے جادو۔ ٹونے دکھا سکتا ہے جس کو اصطلاحِ شریعت میں اِستدراج کہا جاتا ہے مگر اِستدراج بھی خود دکھا سکتا ہے۔ کافر کے وجود سے خود بخود کچھ صادر نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مسئلہ۔ کسی بھی غیر اللہ کی عبادت کرنا کسی نوعیت کیفیت طرز اور طریقے کی قطعًا حرام ہے۔ اور کرنے والا فورًا کافر اور مرتد ہو جاتا ہے۔ لیکن غیر اللہ کو پکارنا جائز ہے اس کا ثبوت بہت سی آیات واحادیث میں موجود ہے۔ یہ مسئلہ۔ لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ مِنۡ دُوۡنِهٖ (الخ) سے مستنبط ہوا کیونکہ یہاں لَنۡ نَّدۡعُوَا۟ کا معنیٰ ہے عبادت کرنا۔ خیال رہے کہ کسی کو معبود سمجھ کر پکارنا عبادت ہے اور چونکہ عبادتِ غیر اللہ کفر ہے لہٰذا کسی انسان یا بتوں کو معبود سمجھ کر پکارنا کفر ہوگا۔ ویسے حاجت و ضرورت کے موقع پر اللہ کا انعام یافتہ بندہ سمجھ کر پکارنا۔ اُس سے مانگنا بالکل جائز ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ ہر دین میں تقیہ کرنا برا اور حرام سمجھا جاتا رہا۔ اللہ کو بھی تقیہ اور مکر و فریب دھوکہ دے کر بچنا۔ ناپسند ہے خصوصًا جب کہ اُس کے تقیہ یعنی جھوٹ فریب سے دوسروں پر بھی بُرا اثر پڑنے اور دوسروں کے ایمان خراب ہونے کا اندیشہ ہو۔ یہ مسئلہ فَقَالُوۡا رَبُّنَا (الخ) سے مستنبط ہوا کہ دیکھو آتی مصیبت اور قتل و غارت دیکھ کر بھی اُصحابِ کہف نے کس دلیری سے اپنے سچے دین کا برملا اظہار کیا اور کافر بادشاہ کی بھرے دربار میں تکذیب کر کے ذلت کی۔ اور رب تعالیٰ نے اِس عمل کی شان و تعریف بیان کی۔ اگر تقیہ اچھا ہوتا تو اصحابِ کہف تقیہ کر کے جان بچا لیتے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ (۴) یعنی اللہ فرماتا ہے کہ تاکہ ہم جان لیں کہ کون گروہ صحیح مدت بیان کرتا ہے۔ تو کیا اللہ پہلے نہیں جانتا؟ **جواب۔** اس کے تین جواب ہیں ۱۔ لِنَعْلَمَ کا فعل لِنَبْلُوَ کے معنیٰ میں ہے اور لِنَبْلُوَ یعنی امتحان ممتحن کی بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ طالب علم کی رغبت۔ شوق۔ لگن اور سمجھداری کے لیے ہوتا ہے ۲۔ علم دو قسم کا ہوتا ہے پہلا علم معلوماتی جو فعل سے پہلے ہوتا دوم علم مشاہدہ یہ فعل ہو جانے کے بعد ہوتا ہے یہاں لِنَعْلَمَ سے علم مشاہدہ مراد ہے نہ کہ علم حقیقی معلوماتی۔ ۳۔ لِنَعْلَمَ کا معنیٰ جاننا نہیں بلکہ بتانا ہے۔ یعنی تاکہ ہم بتائیں دوسروں کو علم دیں۔ یہ تینوں جواب اپنی اپنی جگہ درست ہیں اور اعتراض ختم کر دیتے ہیں۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا ثُمَّ اَیْقَظْنَا۔ یعنی پھر ہم نے جگایا۔ بَعْثٌ کا معنیٰ ہوتا ہے بھیجنا۔ اصحاب کہف کو بھیجا تو کہیں نہیں گیا تھا۔ **جواب۔** بَعْثٌ کا ترجمہ ہے اپنے کام کے لیے کسی کو تیار کرنا۔ اور تیار کر کے کسی جگہ بھیجنا خواہ وہ جگہ دور ہو یا قریب ہو یا گھر میں ہی ہو۔ اسی معنیٰ میں انبیا کی بعثت ہے اور اسی معنیٰ میں اہل قبور کی میدانِ محشر کی طرف بعثت کیونکہ انبیاءِ کرام قانونِ الٰہی کی تبلیغ و ترسیل کے لیے تیار کیے جاتے ہیں اور اہلِ قبور کو محشر کے حساب کتاب کے لیے اٹھایا تیار کیا جائے گا اور یہ دونوں ہی رب تعالیٰ کی طرف سے فرض و لازم کیے گئے۔ اسی طرح اصحاب کہف کو تا قیامت منکرینِ قیامت کی ہدایت کے لیے اٹھایا جگایا اور شہر اُفسوس میں بھیجا گیا۔ بظاہر تملیخا کو کھانا لانے کے لیے ساتھیوں نے بھیجا تھا۔ مگر وہ کام تو کچھ بھی نہ ہوا سب کھانا دانا چھپنا چھپانا دھرے کا دھرا رہ گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کا لائحہ اور منشور ہی پورا ہوا لہٰذا بَعَثْنَا فرمانا عین درست ہوا تاکہ صرف جاگنے کا ہی پتہ نہ لگے بلکہ جاگنے کے مقصد کا بھی پتہ لگ جائے۔ یہی فرق ہے خلق اور بعث میں۔

تفسیر صوفیانہ

ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ اَیُّ الْحِزْبَیْنِ اَحْصٰی لِمَا لَبِثُوْۤا اَمَدًا ۔ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَیْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ اِنَّهُمْ فِتْیَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَ زِدْنٰهُمْ هُدًی وَّ رَبَطْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اِذْ قَامُوْا فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ اس بدنِ انسانی پر کتنی ہی صدیاں بیت گئیں قبض و بسط کے کتنے ہی انقلاب آئے اور لطائفِ انوار کی خلوت گاہِ غار میں کتنے موسم گزر گئے پھر تکمیلِ انسانیت کے بعد مبعوث کیا ہم نے ان صفاتِ باطنیہ کو نشانِ قدرت بنا کر تاکہ مظاہرِ فطرت کے اپنے علوم ظاہر کر دیں ہم کہ حق و باطل اور عرفانی و شیطانی میں کونسا گروہ لطائفِ منازل کی

لُبث کو مقیاسِ فہم سے صحیح معلوم کرتا ہے اے قلبِ مسعود ہم ہی اِلہاماتِ عرشی سے تجھ پر منکشف فرماتے ہیں روح و قلب ضمیر و شعور کی خبریں حقِ عرفانی اور صداقتِ صمدانی کے ساتھ۔ بیشک یہ حواسِ باطنی اپنے خالق تعالیٰ پر علم یقین بکاشفۂ فطین۔ استدلالِ ذہین سے ایمان لے آئے تو علم الیقین کے بعد عین الیقین کی ہدایت ہم نے اُن کے لیے اور زیادہ فرمادی۔ جس سے توفیقِ مشاہدہ اور زیادہ ہو گئی اور مجاہداتِ فکر پر صبر کرنے کے لیے شجاعتِ ایمانی سے اُن کے قلوب کو انتہائی مضبوط کیا تاکہ منزلِ طلب کے سفر میں محاربتِ شیطانی اور مخالفتِ نفس پر پوری ہمت و جرأت دکھا سکیں اور مالوفاتِ جسمانیہ لذاتِ حسیہ کے مقابل آ سکیں جب اِن تمام قوتِ روحانیہ کے مقامِ عرفانی پر باطل معنوں کے سامنے قیامِ لیل میں کھڑے ہو گئے تو پکارا رب وہی وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے جو آسمانِ انوار اور زمینِ اسرار کا رب ہے۔ شریعت و طریقت دو گروہ ہیں اِن کا آپس میں ایسا ہی تعلق ہے جیسا روح و جسم کا۔ جب تک قلب زندہ ہے دونوں متصل ہیں جب روحِ شریعت جسمِ طریقت سے نکل گئی تو قلب مردہ ہو گیا اس لیے لَنْ نَّدْعُوَا مِنْ دُوْنِہٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا۔ هٰۤؤُلَآءِ قَوْمُنَا اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً۔ لَوْلَا یَاْتُوْنَ عَلَیْهِمْ بِسُلْطٰنٍۭ بَیِّنٍ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا۔ ہم اِخلاصِ روح کی قوتیں کبھی بھی ہرگز خواہشات کی جھوٹی معبودیت اور صنمِ جسمانی کو نہیں پوجیں گے یہ بات انہوں نے جبّارِ نفسِ امّارہ کے سامنے کمال جرأت سے کہدی البتہ اگر ایک بات بھی اَقوالِ باطلی سے کہدیا تو یقیناً اُس وقت ہم دِل کی ہلاکت والی موت مرجائیں گے۔ یہ ہمارے قُوَّۂ ظاہری ہاتھ پاؤں کان آنکھ وغیرہ اور اَعضاءِ باطنی نفس و عقل ذمیمہ جنہوں نے دقیانوسِ خواہشات نمرودِ مطلب اور فرعونِ مراد کو اپنا دل پسند خود ہی معبود بنا لیا۔ کیوں نہیں برہانِ لمی یا دلیلِ انی پیش کرتے اُن کے وجودِ محال پر۔ وادیِ ناسوتی میں اُس سے زیادہ کون ظلمت والا ہے جو فسادِ تقلید اور عقیدۂ تبکیت کی تاثیر وُجود کا اِفترا اور جھوٹ لگالے اپنے رحیم و کریم معبودِ حقیقی خالقِ ازلی پر۔ اے بندے تیرے اَعمال کی اہمیت اُسی وقت تک ہے جب تک کہ شہرِ طریقت میں خلوتِ اَعمالِ شریعت کے اصحابِ کہف جلوہ گر ہیں اور جب تک شریعت۔ طریقت معرفت۔ حقیقت۔ عبادت۔ ریاضت۔ مجاہدات کے ساتھ آپس میں موجود و متفق ہیں اور دقیانوسِ نفس کے ریا۔ نمود۔ نمائش۔ منافقت کے لشکری و جاسوس شہرِ عقلیات میں موجود ہیں۔ جنگ و جدال ظالم و مظلوم۔ قاہر و مقہور۔ جابر و مجبور آشکارا ہیں ورنہ۔ تصوّف شریعت کے بغیر منافقت ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جو لوگ ہماری کہفِ عشق میں جدّوجہد کرتے ہیں انہیں ہم اپنی راہیں ضرور دکھائیں گے۔ اسی مجاہدۂ رقیم کا نام کہفِ شریعت ہے اور جو ہدایت اِس غارِ عمل میں بڑھائی جاتی ہے وہی

طریقت ہے۔ شریعت کا حاصل معصہ احکام ظاہر کی تعمیل ہے اور حقیقت کا خلاصہ اَحوالِ باطن کا اپنے
اوپر جاری وطاری کرنا ہے شریعت آمَنُوْا بِرَبِّهِمْ کا اختیاری فعل ہے۔ اور حقیقت زِدْنٰهُمْ هُدًى کا
عطیۂ الٰہیہ ہے اس لیے بندے کو کسی بھی عمل کو فوائد کی بنیاد پر نہیں اباحت کی بنیاد پر اختیار کرنا چاہیے
کیونکہ تلاشِ فوائد میں۔ عوام اور دنیا پرست مصروف ہوتے ہیں لیکن جوازِ عمل علماء کے لیے اور اباحتِ عمل
صوفیا کے لیے ہے۔

ے
عاشقاں راچہ کار با تحقیق
ہر کجا نام اوست قربانیم
(محی الدین ابن عربی)

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا

اور اب جب کہ تم علیحدہ ہو ہی گئے ہو (قدرت الٰہی کے سبب اُن کے جھوٹے معبودوں سے جن کی وہ عبادت کرتے ہیں

اور جب تم اُن سے اور جو کچھ وہ اللہ کے سوا پوجتے ہیں سب سے الگ

اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ

اللہ کے سوا۔ تو چلو کسی پہاڑ کی بڑی غار میں پناہ پکڑ لیتے ہیں۔ یقین کامل رکھو کہ پھیلائے گا تمہارے لیے تمہارا رب

ہو جاؤ تو غار میں پناہ لو تمہارا رب تمہارے لیے اپنی رحمت پھیلا دے گا

مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ

اپنی ہر رحمت اور تیار فرما دے گا تمہارے لیے تمہارے سب معاملات

اور تمہارے کام میں آسانی کے سامان

مِّرْفَقًا ﴿۱۶﴾ وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ

میں نرمیاں۔ — اور تم دیکھو گے ، سورج کو وہاں کہ جب طلوع ہوا تو

بنا دے گا۔ اور اے محبوب تم سورج کو دیکھو گے کہ جب نکلتا ہے

تَزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ

جھک گیا ذرا سا نیچے اُن کے غار سے دائیں والی جانب اور

تو ان کے غار سے داہنی طرف بچ جاتا ہے اور

اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ

جب بھی ڈھلنے لگا تو اُن سے ذرا سا رستہ ہٹ گیا شمال والی جانب

جب ڈوبتا ہے تو ان سے بائیں طرف کترا جاتا ہے

وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ

حالانکہ وہ غار کے آنگن میں پڑے سو رہے ہیں وہ اللہ کی بڑی نشان قدرت

حالانکہ وہ اس غار کے کھلے میدان میں ہیں۔ یہ اللہ کی نشانیوں سے ہے

اللّٰهِ ؕ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ ۚ وَمَنْ

سے ہیں جس کو ہدایت عطا فرماتا ہے اللہ۔ بس وہی ہدایت والا ہے اور جس کو

بعد جسے اللہ راہ دے تو وہی راہ پر ہے اور جسے

ع ۲ ۵ ۱۴ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا ﴿۱۷﴾

گمراہ کرتا ہے تو تم ہرگز اس کے لیے کوئی مددگار راہنما نہ پاؤ گے

گمراہ کرے تو ہرگز اس کا کوئی حمایتی راہ دکھانے والا نہ پاؤ گے

تعلق ان آیت مبارکہ کا پچھلی آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذرا تفصیل سے اصحاب کہف کا ذکر کیا گیا اور آخری واقعہ پہلے مذکور ہوا اصلیت سمجھانے کے لیے اب ان آیت میں اُس تفصیل کا بقیہ کچھ واقعہ ذکر کیا جا رہا ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں رب کریم جَلَّ مَجْدُہٗ نے اُن نعمتوں کا ذکر فرمایا جس کی بنا پر اَصحابِ کہف میں ایمانی قوت جرأت پیدا ہو گئی تھی اب اِن آیت میں اُس خدا داد پیدا شدہ قوت و دلیری سے اپنے ایمان اور جان کی حفاظت کرنے اور خود کو بچانے کے سچے ہدایت یافتہ طریقے پر عمل کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اَصحابِ کہف کا اپنا ایمان بچا کر اور دلیرانہ تبلیغ فرما کر نکل بھاگنے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں رب تعالیٰ کا ان کی جان و جسم کو غار میں تا قیامت بچانے محفوظ رکھنے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۔ واؤ سر جملہ۔ اِذَا۔ شرطیہ ظرفِ زمانی کیلئے اِعْتَزَلْتُمُوْهُمْ باب اِفتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب عَزْلٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِعْتِزَالٌ بمعنیٰ دور ہونا اسی سے ہے عَزَازِیْلُ اور مُعْتَزِلَہٗ شیطان اور ایک فرقے کا نام جو سب سے پہلے خواجہ حسن بصری کے زمانے میں اسلام سے ہٹا اس کی کچھ تاریخی اور مسلکی تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد سوم ابھی غیر مطبوعہ زیرِ تصنیف میں دیکھئے۔ خاندانی منصوبہ بندی کو عربی میں عزل کہا جاتا ہے تُمُوْ کی واؤ وصل فعلی کے لیے ہے دراصل تھا اِعْتَزَلْتُمْ هُمْ ضمیر متصلہ سے فعل کو جوڑنے کے لیے واؤ لگا دی گئی ورنہ ثقل اور بوجھ ہوتا۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع کفارِ ملاقہ ہیں یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ۔ عاطفہ۔ مَا۔ موصولہ۔ يَعْبُدُوْنَ۔ فعل مضارع باب نَصَرَ عُبُوْدٌ سے بنا ہے اِس کا صرف ایک ہی معنیٰ ہے عبادت کرنا۔ ھُمْ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع ہے کفارِ الاحرف استثنا لغو بمعنیٰ سوا۔ علاوہ۔ ترجمہ ہے اللہ کے سوا۔ معنوی اور حکمی اضافت ہے۔ اللہ مستثنیٰ مضاف الیہ ہے دونوں مل کر مفعول بہٖ ہوئے يَعْبُدُوْنَ کا ایک قول میں اِلَّا لغو نہیں بلکہ متصل ایک قول میں منقطع ہے۔ نیز ایک قول میں مَا موصولہ نہیں بلکہ نافیہ ہے اور یہ جملہ علیحدہ معترضہ ہے اور ایک قول میں ما مصدریہ ہے مگر آسان اور زیادہ صحیح ہماری ترکیب ہے منشاءِ کلام اسی طرف راغب۔ يَعْبُدُوْنَ۔ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اور مَا کا موصول صلہ مل کر عطف ہے ھُمْ پر سب عطف مفعول بہٖ ہے وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ۔ جزائیہ اَوٗا باب اِفعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر اَوْيٌ۔ سے بنا ہے بمعنیٰ چھپ کر پناہ پکڑنا ٹھکانہ بنانا۔ اس کا مصدر ہے اِيْوَاءٌ۔ لام کلمہ یٔ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا۔ اَوٗا۔ دراصل اَوِيُوْا تھا یٔ پر ضمہ ثقیل تھا تو ماقبل کو دے دیا دو ساکن جمع ہوئے تو پہلے ساکن یٔ کو گرا دیا۔ اِلیٰ جارہ انتہا کے لیے الف لام عہدی كَهْفِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ غار اس کی جمع ہے کُهُوْفٌ یہ مجرور متعلق ہے فَاْوٗا کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ يَنْشُرْ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع نَشْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ۔

۱ پھیلانا ۲ وسیع کرنا ۳ بچھانا ۴ ڈالنا ۵ ہوا دینا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ لَکُمْ جارہ نفع کا کُمْ ضمیر مجرور متصل متعلق یَنْشُرْ کا۔ رَبُّ مضاف کُمْ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی فاعل ہے یَنْشُرْ کا۔ مِنْ تبعیضیہ۔ رَحْمَتِ اسم مفرد جامد ثلاثی مصدر رَحِمَ سے ہے حاصل مصدر بمعنی نعمت مضاف ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے اللہ تعالیٰ ضمیر نفسی ہے بمعنی اپنی یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یَنْشُرْ کا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا وَاوْ عاطفہ یُہَیِّئْ۔ باب تفعیل کا مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ ھَیْءٌ۔ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے۔ تَھْیِئَۃٌ۔ اور تَھْیِیْئٌ اور تَھْیِیَۃٌ۔ بمعنی ۱ آسانی پیدا کرنا۔ ۲ مہیا کرنا ۳ تیار کرنا۔ بنانا یُہَیِّئْ اور یَنْشُرْ دونوں مضارع مستقبل اور مجزوم ہیں فَاْوٗا کی فَ جزائیہ کی وجہ سے یہ تمام عبارت فَاْوٗا کا معطوف ہے۔ لَکُمْ۔ جار مجرور متعلق ہے یُہَیِّئْ کا مِنْ۔ جارہ ابتدائیہ بمعنی طرف سے یا تبعیضیہ بمعنی کچھ یا ظرفیہ بمعنی فی۔ اَمْرِ۔ اسم مفرد جامد جنسی جمع ہے بمعنی کوئی بھی چیز۔ یا بمعنی معاملات ضروریات مضاف ہے کُمْ ضمیر مخاطب حاضر مرجع نفسی یعنی اصحاب کہف یہاں تمام حاضر ضمائر کا مرجع یہی ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم یُہَیِّئْ کا۔ مِرْفَقًا۔ اسم مصدر میمی رِفْقٌ سے ہے۔ بمعنی۔ نرمی۔ آسانی سے نفع حاصل کرنا۔ اس کی تین قرأتیں ہیں ۱ مِرْفَقًا یہی مشہور ہے ۲ مَرْفِقًا ۳ مَرْفَقًا۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یُہَیِّئْ کا یہ سب مل کر آخری مقولہ ہم ہوا۔ قَالُوْا کا۔ وَتَرَی الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ کَہْفِہِمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُہُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَہُمْ فِیْ فَجْوَۃٍ مِّنْہُ وَاوْ ابتدائیہ۔ تَرَی۔ باب سَمِعَ کا مضارع بمعنی مستقبل صیغہ واحد حاضر رَاْیٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے دیکھنا اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ اَلشَّمْسَ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی اس کی تصغیر ہے شُمَیْسَۃٌ مراد ہے آسمانی سورج اس کی جمع مکسّر ہے شُمُوْسٌ دھوپ کو عربی میں شُمَیْسَۃٌ کہا جاتا ہے بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے تَرَی کا۔ اِذَا۔ ظرفِ زمانی کے لیے۔ طَلَعَتْ باب فَتَحَ کا ماضی مؤنث۔ ھِیَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع شَمْسَ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ تَزٰوَرُ باب تَفَاعُلٌ کا مضارع صیغہ واحد مؤنث غائب۔ زَوْرٌ اجوف واوی سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے زیارت و ملاقات کرنا۔ آمنے سامنے ہونا۔ سینے سے سینہ ملانا۔ مگر جب اس کے بعد عَنْ جارہ آ جائے تو معنی ہوتا ہے سینہ موڑنا۔ اور تَفَاعُلٌ کی دو طرفہ تعدی ختم ہو جاتی ہے اور ایک کا منہ پھیرنا مراد ہوتا ہے۔ یہاں یہ ہی معنی ہیں کیونکہ مابعد عَنْ ہے۔ یہ حرفِ جر تجاوز زوالی کے لیے ہے یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے دور ہونا زائل و ختم ہونا۔ کَہْفِ مضاف۔ کہف وہ پہاڑی غار جو قدرتی یا بناوٹی ہو اور اس میں رہائش رکھی جا سکے اور گھری طرح بڑی ہو۔ ہِمْ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق

ہے تَزٰوَرُ کا ۔ تَزٰوَرُ دراصل تَتَزٰوَرُ ہے ۔ ایک ت مصدریہ تخفیف کے لیے گرادی گئی ۔ ذَاتَ اسم مکبرہ مؤنث جس کی تصغیر نہ ہو سکے وہ مکبرہ ہوتا ہے ترجمہ ہے والا ۔ طرف ۔ جانب ۔ اس کی جمع ہے ذوات اس کا مذکر ہے ذُوْ ۔ چونکہ شمس مؤنث لفظی ہے اس لیے ذات مؤنث ہے مضاف ہے الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ ۔ یَمِیْنُ اسم جامد بمعنیٰ داہنی ۔ سیدھی ۔ برکت والا ۔ اچھائی والا درستی والا ۔ مضبوطی والا ۔ سیدھے ہاتھ کو مضبوطی کی وجہ سے یمین کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے سیدھے ہاتھ والی اور داہنی جانب ۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف مکانی ہے تَزٰوَرُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوا طَلَعَتْ کا ۔ شرط و جزا مل کر معطوف علیہ ہوا ۔ واؤ عاطفہ اِذَا شرطیہ ظرفیہ ۔ غَرَبَتْ ۔ باب نصر کا ماضی مطلق واحد مؤنث ۔ غَرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چھپنا اسی سے ہے غریب آدمی مسافر کر اس کی حالت بھی پوشیدہ ہوتی ہے ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع شمس ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ۔ تَقْرِضُ ۔ باب ضَرَبَ مضارع مثبت ھِیَ ضمیر مؤنث اس کا فاعل مرجع شمس ہے ۔ قَرْضٌ سے بنا ہے مراد ہے راستہ کاٹنا ۔ راستہ بدلنا ۔ ادھار کو قرض اسی لیے کہتے ہیں کہ اس سے مال دولت کٹ جاتی ہے ۔ ملاقات و دوستی بھی کٹ جاتی ہے ۔ قینچی کو مقراض اسی کاٹنے کے معنیٰ میں کہتے ہیں ھُمْ ضمیر منصوب متصل کا مرجع اصحاب کہف مفعول بہ ہے ترجمہ ہے کہ سورج ان کو کاٹ کر نکل جاتا ہے اردو محاورے میں کہتے ہیں کتراتا ۔ راستہ موڑنا ۔ ذَاتَ مضاف الف لام اسمی شِمَالِ اسم جامد واحد ہے اس کی جمع شمائل ۔ اَشْمُلٌ ۔ شُمُلٌ ۔ ترجمہ ہے بائیں جانب مضاف الیہ ہے یہ مرکب ظرف ہے تَقْرِضُ کا ۔ واؤ ۔ حالیہ ھُمْ ضمیر مبتدا فِیْ حرف جر ظرفِ مکانی کے لیے فَجْوَۃٍ اسم جامد مؤنث لفظی بمعنیٰ ۔ ۱ کھلی جگہ ۲ آنگن ۳ صحن ۔ موصوف ہے مِنْ جارہ بیانیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل مرجع ہے کہف یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٍ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت فَجْوَۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور جار مجرور متعلق ہے نَائِمُوْنَ ۔ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی ۔ یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے تَقْرِضُ کا یہ جملہ شرطیہ ہو کر عطف ہے طَلَعَتْ کا سب عطف مل کر ظرف ہوا تَرٰی کا ۔ اور وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا

ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ مَنْ یَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِیًّا مُّرْشِدًا ۔

ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لیے اس کا مشار الیہ ماقبل اصحاب کہف کا پورا واقعہ ۔ یہ مبتدا ہے ۔ مِنْ ۔ بعضیت کا ۔ آیات جمع ہے آیَتٌ کی بمعنیٰ نشانی ۔ مضاف ہے اللّٰہِ ۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر مَوْجُوْدٌ ۔ یا یَکُوْنُ تامہ کا متعلق ہے وہ جملہ ہو کر ذٰلِكَ کی خبر ہے ۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ مَنْ ۔ موصول شرطیہ ۔ یَہْدِ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف اسم مَنْ نے جزم دیا لہٰذا آخر سے

لام کلمہ حرفِ علت ی گر گئی۔ دراصل تھا یَھْدِیْ۔ ھُدٰیٌ سے بنا ہے بمعنٰی۔ نیکی اور ایمان کی توفیق دینا۔ منزلِ مقصود تک پہنچانا۔ یا راستہ دکھانا۔ یہاں مراد ہے توفیق دے کر منزل تک پہنچانا۔ اَللّٰہُ اِس کا فاعل ہے اس لیے مرفوع ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی فَ جزائیہ۔ ھُوَ۔ ضمیر مبتدا ہے۔ الف لام اسمی بمعنٰی اَلَّذِیْ۔ مُھْتَدِ دراصل مُھْتَدِیٌ ہے اسم فاعل ہے باب افتعال کا اس کا مصدر ہے اِھْتِدَا ءٌ ھُدٰیٌ ناقص یائی سے بنا فَ جزائیہ نے اِس کو جزم دیا اس لیے آخر سے لام کلمہ حرفِ علت ی گر گیا اس میں ھُوَ ضمیر پوشیدہ۔ یہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا ہوئی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ جزا ہوئی شرط و جزا معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ مَنْ اسم موصول شرطیہ۔ یُضْلِلْ۔ باب اِفعال کا مضارع بحالتِ جزم۔ مَنْ موصولہ کی وجہ سے اس کا مصدر ہے اِضلالٌ بمعنٰی بھٹکنے دینا۔ غلط راہ سے نہ روکنا۔ ۳ توفیق ایمان و خیر نہ ملنا۔ اِس کا فاعل پوشیدہ ھُوَ ضمیر ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی فَ جزائیہ۔ لَنْ تَجِدَ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع نفی تاکید بلَن بمعنٰی مستقبل وَجْدٌ سے بنا ہے بمعنٰی پانا۔ دیکھنا۔ لام حرفِ جر نفع کا۔ ہُ ضمیر غائب کا مرجع مَنْ ہے۔ لَہٗ متعلق ہے لَنْ تَجِدَ کا۔ وَلِیًّا اسم مفرد جامد بمعنٰی مددگار موصوف ہے مُرْشِدًا۔ باب اِفعال کا اسم فاعل۔ رُشْدٌ سے بنا ہے بمعنٰی صحیح راہ دکھانا چلانا۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لَنْ تَجِدَ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر جزا۔ شرط و جزا جملہ شرطیہ عاطفہ ہوا۔ سب عطف مل کر جملہ عاطفہ ہوگیا یا یہ جملہ شرطیہ علیحدہ اور پہلا مَنْ یَّھْدِ۔ علیحدہ شرطیہ جملہ ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْھُمْ وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ فَاْوٗٓا اِلَی الْکَھْفِ یَنْشُرْ لَکُمْ رَبُّکُمْ مِّنْ رَّحْمَتِہٖ وَیُھَیِّئْ لَکُمْ مِّنْ اَمْرِکُمْ مِّرْفَقًا

اور بادشاہ دقیانوس کے پاس سے مہلت پاکر دربار سے نکلے تو سب نے ایک دوسرے سے کہا یا سب میں بڑے والے جوان مکسلمینا نے سب سے کہا کہ اے میرے ساتھیو جب ہم کو اللہ رب العزت کے کرم و فضل سے بغیر ہمارے مانگے مہلت مل گئی ہے اور دقیانوس کے منہ سے مولیٰ تعالیٰ نے مہلت کے الفاظ خود بخود نکلوا دیئے ہیں جب کہ وہ ظالم و جابر ہٹ دھرم کبھی کسی کو مہلت دیا ہی نہیں کرتا یہ ہم پر ربِ کائنات کا خصوصی رحم و کرم ہے کہ اُس نے ہماری جان اور ہمارا ایمان دونوں بچا لیے۔ اور جب ہم جسمانی طور پر بچ کر علیحدہ اِس جنگل میں نکل کر اُن سب مشرکوں کافروں بُت پرستوں سے جدا اور دور ہوگئے ہیں جنہوں نے اللہ سچے معبود کے سوا دوسرے جھوٹے معبودوں کو پوجا۔ اور غیر اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ تو اب شہر اور گھروں رشتے داروں اپنی دنیا کی رونقوں دولتوں میں جانے کی ضرورت نہیں۔ یہاں لفظِ مَا میں مفسرین کے تین قول ہیں اور لفظِ اِلَّا میں دو قول ہیں۔ اس لیئے یہاں اِس آیت

عبارت کے تفسیری ترجمے بھی چند طرح ہوتے ہیں ۱ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ اور جب تم علیحدہ ہو گئے ہو ان کفار اور اُن بتوں سے جن کو یہ لوگ پوجتے ہیں اللہ کو پوجنے کے علاوہ۔ اس تفسیری ترجمے میں مَا موصولہ اور اِلَّا کا تعلق یَعْبُدُوْنَ سے ہے اور استثنا لغو ہے یعنی ۔ کہ کبھی پوجتے ہیں اور بتوں کو بھی۔ ۲ اور جب علیحدہ ہو گئے اُن کفار سے اور اُن کے عبادت کرنے سے اللہ کے غیر کی۔ اس صورت میں مَا مصدریہ ہے اور اِلَّا مُنْقَطِع۔ کے لیے ہے یعنی بتوں کی عبادت کرتے ہیں اللہ کی عبادت بالکل نہیں کرتے ۳ تفسیری ترجمہ اس طرح ہے کہ اور جب تم علیحدہ ہو ہی گئے ہو اُن کفار سے تو آؤ اس پہاڑ کے کسی غار میں پناہ پکڑ لو چھپ جاؤ۔ اور اپنے اللہ کی رضا کے لیے۔ دین پاک کی حفاظت کے لیے کسی کی قوم۔ رشتے برادری وطن ملک کی پرواہ نہ کرو۔ بس دن رات صبح تمام اپنی گزر اوقات کھانے پینے اور زندگی کے ہر لمحے میں اپنے رب کریم پر بھروسہ کرو۔ پھیلا دے گا وسیع سے وسیع تر فرما دے گا تمہارے لیے تمہارا رب تعالیٰ پالنے والا۔ کروڑہا نعمتوں کے ذریعے تم کو ہم سب کو ساری مخلوق کو پرورش فرمانے والا اپنی رحمت کو۔ یا وسیع فرما دے گا تمہارے لیے تمہارا رب نعمتوں کو اپنی رحمت سے۔ اور مہیا کر دے گا تمہاری سہولتوں کے لیے تمہارے تمام امور اور معاملات میں ایسی عیاں آسانیاں کہ تم کو اپنی زندگی میں کوئی پریشانی اُلجھن اور غم خوف نہ ہو گا اور زندگی گزرنے کا پتہ بھی نہ چلے گا۔ اس تفسیر میں وَمَا یَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ علیحدہ جملہ معترضہ ہے۔ مَا نافیہ۔ اِلَّا حرف استثنا متصل ہے اور ترجمہ یہ ہے کہ۔ نہیں عبادت کرتے تھے یہ اصحاب کہف مگر اپنے اللہ کی وَتَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَاِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ۔ اور اے حبیب کریم محبوب۔ نبی جب کبھی آپ کا اُن اصحاب کہف کے پاس غار میں جانا ہو گا تو آپ دیکھیں گے سورج کو کہ جب وہ طلوع ہوا تو ان کے غار سے نیچے مائل ہو کر نکل جاتا ہے سیدھی اور داہنی والی جانب سے اور جب غروب ہونے کی طرف سورج ڈھلا تو بھی ان سے راستہ کاٹ دیتا ہے اور کترا کر نکل جاتا ہے۔ بائیں سمت والی طرف سے حالانکہ غار کی بناوٹ غار کے منہ۔ اور دھانے کے اعتبار سے کوئی رکاوٹ کوئی آڑ کوئی بندش نہیں وہ سب کے سب اس غار کے بالکل کھلے کشادہ آنگن میں پڑے سو رہے ہیں۔ اور سورج کا راستہ بھی سردی گرمی کا وہی ہے۔ مگر سورج کا ایک دم عین غار کے منہ پر آ کر نیچے کو ہو جانا اور غروبی زوالی راستے میں ایک دم ذرا سا اونچا ہو جانا اُس وقت سے ہی اللہ کی عظیم کریمانہ نشانیاں ہیں جب سے یہ اصحاب کہف غار میں آئے۔ مفسرین نے اس بات میں اختلاف کیا ہے کہ سورج کی یہ رفتار اور اس طرح غار کے کھلے منہ سے بچنا نکلنا کیوں ہے۔

لیکن اس اختلافی اقوال کو بیان کرنے سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ آخر کیا بات ہے کہ قرآن مجید کی آیت میں کیوں اختلاف ڈال دیا گیا۔ یہی آیت نہیں بلکہ پورے قصۂ اصحاب کہف میں شدید اختلاف بلکہ پورے قرآنِ کریم کی تمام آیت میں اور احادیث و روایات میں اِن ہمارے مفسروں مفکروں شارحین نے اختلافاتِ مسائل کی بھرمار کر دی ہے۔ جہاں قرآن مجید کی عبادات میں ہی الفاظِ مشترکہ شامل ہوں وہاں نظری فکری اختلاف ہو جانا تو کچھ بعید نہیں البتہ جو آیت بالکل واضح اور صاف ہیں وہاں اِن مفسروں کا اندھا دھند اختلاف کر جانا حیران کن ہے اور اغیار کے سامنے مضحکہ خیزی کو پیش کرنا اور غیر مسلموں کو زبان درازی کرنے کا موقعہ دینا ہے۔ اور پھر بعض اقوال تو ایسے جاہلانہ ہیں کہ ان کو تفسیر کہتے نقل کرتے شرم آتی ہے اور اس کے باوجود سب تفاسیر میں آج تک نقل ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ میرے مطالعے کے مطابق اِن اختلافات کی مندرجہ ذیل پانچ وجہ ہیں۔

ع۱ یہ کہ جن کو رب تعالیٰ نے عقلِ سلیم عطا فرمائی ہے وہ خلوصِ نیت اور گہرے تدبر سے احادیث و فرامینِ نبوی و سیاقتِ کلام کے مطابق تفسیر کرتے ہیں اور وہی سچی اور منشاءِ الٰہی کے مطابق تفسیر ہوتی ہے ع۲ کچھ لوگ اپنے غلط مذہب اور بدعقیدگی کو بچانے کے لیے قرآن کریم کی آیتوں کو بے عقلی سے توڑ موڑ کر تفسیر بنا دیتے ہیں اور اپنی بدعقیدگی کو ختم نہیں کرتے غالباً ایسے ہی لوگوں کے لیے کہا گیا ہے کہ خود بدلتے نہیں تفسیر بدل دیتے ہیں ع۳ کچھ لوگ اپنی علمی نام و نمود کے لیے اُلٹی سیدھی باتیں کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں ہماری یہ تفسیر خدمتِ قرآن ہے ع۴ کچھ لوگ نادانی کم عقلی کے باوجود مفسرِ قرآن بن بیٹھتے ہیں۔ ع۵ کچھ لوگوں نے اپنی رائے کو ہی تفسیر قرآن کا درجہ دے دیا۔ یہ وہ نادانیاں اور گمراہیاں ہیں جو سرزد ہوتی رہیں۔ اللہ ہی سچی توفیق عطا فرمائے تو انسان گمراہی سے بچ سکتا ہے۔ وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ وَلِيًّا مُّرْشِدًا اور وہ خوش نصیب انسان جس کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے علم فکر عقل تدبّر فہم شعور ایمان اخلاص ادب انکسار عاجزی محبت عشق و معرفت کی سچی اور پوری توفیق و ہدایت عطا فرمائی ہے بس وُہی ہدایت والا ہے اور ہر فعل قول عمل تحریر تقریر تصنیف تالیف تفسیر اور اللہ تعالیٰ کی آیت کو صحیح سمجھنے والا ہے اور پہچانتا ہے کہ رب تعالیٰ نے کہاں کہاں اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر فرمائیں۔ اور ہدایت والے ہی اصحابِ کہف کی طرح ایمان و یقین کی سیدھی راہ چلتے رہیں اور وہ ظالم بدنصیب جس کو اللہ عقل و علم فکر و شعور تدبر و تفکر کی روشنی سے گمراہ کر دے تو اے پیارے نبی آپ سارے جہان میں اُس کیلئے کہیں بھی شریعت کا مددگار ولی اور روحانیت و عقل کا راہنما توفیق کا مرشد نہ پاؤ گے سمجھ بوجھ تحریر و تقریر۔ قلم و زبان میں مثلِ دقیانوس اور اُس کی قوم کے بھٹکتے ہی پھرتے رہیں گے۔ اسی بے توفیقی کی بنا پر کسی نے لکھا کہ

چونکہ غار کا منہ جانب شمال ہے اس لیے دھوپ اندر غار میں نہیں جاتی ع ۲ کسی نے لکھا کہ چونکہ جانب جنوب ہے اس لیے دھوپ غار میں نہیں جاتی (تفسیر حسینی) کسی نے لکھا کہ غار کا دھانہ قطب شمالی کی طرف ہے اس لیے دھوپ اندر نہیں جاتی اور اُس سمت بنات النعش کے سات ستارے طلوع ہوتے ہیں جن میں چار کو بنات کہا جاتا ہے اور تین ستاروں کو نعش کہا جاتا ہے یعنی کہکشاں کی لمبائی کی شمالی اختتام پر۔ غرضیکہ ان میں کوئی بھی اللہ کی نشانیِ قدرت ماننے کو تیار نہیں۔ دیگر اردو خوان مفسرین تو در کنار علامہ بیضاوی جیسے عقلمند مفسر بھی اس بیہودہ بات پر آتنا اڑے اور ستاروں کے چکر میں ایسا پھنسے کہ خود اپنا موقف ہی بھول گئے ان اللہ کے بندوں نے صاف الفاظ پر بھی غور نہ کیا۔ جب کہ تَّزٰوَرُ الشَّمْسُ اور تزاور۔ تَقْرِضُ۔ ذاتِ یمین۔ ذاتِ شمال۔ اور فِی فَجْوَةٍ مِّنْهُ۔ کی عظیم وضاحت کے علاوہ صاف ارشاد ہے کہ ذٰلِكَ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ۔ اے کائنات والو یہ تا قیامت غار کے منہ کی سمت پر پہنچ کر سورج کا ایک دم اِدھر اُدھر ہو جانا باری تعالیٰ کی آیتِ قدرت میں سے ہیں کسی نے لکھا کہ اصحابِ کہف غار کے اندھیروں میں غائب ہیں دور کہیں اندر تک۔ ایک آزاد خیال مفسر صاحب کو جوش آیا تو لکھ گئے کہ رقود کے معنیٰ تو ہیں سونا اور سوئے ہوئے۔ مگر اصحاب کہف مرے پڑے ہیں گویا کہ ہر طرح قرآن مجید کی مخالفت ہی کرنی ہے خواہ اپنی عقل ماری جائے۔ اور پھر انانیت یہ کہ جو بھی اٹھتا ہے یہ ہی کہتا ہے کہ پہلے سب مفسر غلط ہیں بس میری تفسیر ہی صحیح ہے۔ ثابت ہو گیا کہ مَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ۔ وہی ہدایت والا ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے اور جس کو وہ گمراہ فرما دے اُس کا جبہ و دستار عالمانہ لباس اُس کا ظاہری باطنی ولی مرشد نہیں بن سکتا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔

پہلا فائدہ۔ باری تعالیٰ کی بارگاہ میں اولیاء اللہ کی بہت شان ہے باری تعالیٰ اپنے اولیا کی خاطر اپنا نظام قانونی تبدیل فرما دیتا ہے یہ فائدہ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ۔ کراماتِ اولیا زمین پر جاری ہوتی ہیں اور آسمانوں پر بھی۔ جب کہ جادو وغیرہ صرف زمین پر چل سکتے ہیں یہ فائدہ تزاور الشمس فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ سورج دھوپ اندھیرا۔ اجالا سب ہی اللہ کی نعمتیں ہیں اور اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ سب ہی مفید ہیں۔ اصحاب کہف کی زندگی۔ اجسام۔ لباس بچانے کے لیے رب تعالیٰ نے سورج کو حکم دے دیا کہ بچ کر ذات الشمال اور ذات الیمین نکل جائے غار کے اندر اپنی دھوپ نہ جانے دے حضرتِ عباس فرماتے ہیں کہ اگر دھوپ اندر چلی جاتی تو جسم جل جاتے اور اگر ہوا اندر نہ جاتی تو جسم زمین کی نمی سے گل جاتے اور اگر کروٹیں نہ بدلی جاتیں تو

ابدان پھٹ جاتے۔ اور اصحابِ کہف بالکل آسمان کے سامنے لیٹے ہوئے ہیں یہ فائدہ وَ ہُمْ فِیْ فَجْوَۃٍ مِّنْهُ اور مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ۔ فرمانے اور واؤ حالیہ سے حاصل ہوا۔ اس غار کی بناوٹ اس طرح ہے کہ اس کا بڑا دروازہ جانب شمال سے اور وہی آنے جانے کا ہے اُسی کو پتھروں کی دیوار سے بند کیا گیا ہے۔ غار بہت بڑا ہے اس میں اس طرح آنگن بھی بن گیا ہے کچھ جگہ اوپر جانب چھت سے کھلی ہوئی ہے لیکن قدرتِ الٰہی سے نہ بارش اندر آتی ہے نہ دھوپ مگر ہوا اور روشنی بخوبی آتی ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ - زمین بالکل ساکت و جامد اپنے ایک مقام پر رکھی ہوئی ہے نہ چلتی ہے نہ پھرتی ہے نہ گھومتی ہے۔ چاند سورج اور ستارے چلتے پھرتے سیارہ ہیں۔ یہ مسئلہ تَزٰوَرُ اور تَقْرِضُهُمْ کی پوری آیت سے مستنبط ہوا۔ باری تعالیٰ کے ارشادِ مقدس سے صاف ثابت ہو رہا ہے کہ سورج اِدھر اُدھر پھر رہا ہے نہ کہ زمین۔ اس طرح کی وضاحتی۔ اشارتی اور اقتضائی آیات تقریباً قرآن مجید میں چودہ جگہ ارشاد ہوئی ہیں جن کے مضبوط دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین ساکن ہے۔ لہٰذا سائنسدان اور موجودہ چند دیوبندی وہابی حضرات کا یہ عقیدہ غلط اور قرآن مجید کے خلاف ہے کہ معاذ اللہ استغفر اللہ۔ زمین پھرتی چکر لگاتی ہے۔ **دوسرا مسئلہ** - دین بچانے کے لیے کافر و ظالم جابر بادشاہ کی مخالفت بلکہ بغاوت کی شکل مخالفت بھی کرنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ باری تعالیٰ نے اصحاب کہف کے اس طرح شاہی ملکی مخالفت کی بھی اچھائی بیان فرمائی کیونکہ یہ سب دین و ایمان کے لیے تھا۔ گویا جس کی جو ہمت اور وسائل ہوں اس کے حساب سے وہ حکومت کی مخالفت کر سکتا ہے اس بغاوت و مخالفت سے گناہ لازم نہیں آئے گا اور یہ اقدام اُولِی الْاَمْرِ۔ کی اطاعت کے خلاف شرعاً نہ ہوگا۔ **تیسرا مسئلہ** - اسلام میں رہبانیت حرام ہے لیکن صرف عبادت کے لیے گھر بار چھوڑنا بال بچوں۔ اور کار و بار تجارت سے منہ موڑنا منع ہے۔ ہاں البتہ دین بچانے کے لیے ترکِ دنیا کر کے جنگلات یا پہاڑی غاروں کی طرف ہجرت کر جانا بالکل جائز ہے۔ دیکھو اصحاب کہف نے دین کو ایک ظالم و جابر سے بچانے کے لیے رہبانیت پسند فرمائی۔ قرآن مجید نے اس فعل کی شان و اچھائی تاقیامت ظاہر کی یہ مسئلہ فَاْوٗا اِلَى الْكَهْفِ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض - یہاں فرمایا گیا وَهُمْ فِیْ فَجْوَةٍ۔ یعنی اصحاب کہف کھلی جگہ میں لیٹے پڑے ہیں اور تفاسیر اور دوسری آیت سے ثابت ہے کہ بادشاہ دقیانوس نے بھی غار کا دروازہ بند کروا دیا تھا جس سے

وہ نکل نہیں سکتے تھے اور آیت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ دوسرے مومن بادشاہ بیدروس نے بھی اچھی طرح وہی دروازہ پتھروں کی دیوار سے بند کروا دیا تھا اور وہاں مسجد بنوا دی تھی تو یہ مطابقت کس طرح ہو۔ **جواب**۔ اس کا جواب ہم نے تفسیر میں دے دیا ہے کہ جو پتھروں سے بند کیا گیا وہ دروازہ نیچے سطح زمین کی طرف تھا۔ اور فَجْوَۃٍ سے مراد اوپر چھت کا بڑا سوراخ ہے۔ جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ بنات النعش کے بالمقابل ہے۔ رہا وہاں سے نکل نہ سکنا تو اس کی کبھی نوبت ہی نہ آئی۔ بہرحال اعتراض غلط ہے۔ مطابقت موجود ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ جس کو اللہ گمراہ کرے تم اس کے لیے کوئی مرشد نہیں پاؤ گے تو لازم آیا کہ جس کو رب تعالیٰ ہدایت دے اس کے لیے مرشد ہیں حالانکہ جب رب تعالیٰ نے ہدایت عطا فرما دی تو اب مرشد کی کیا ضرورت ہے۔ **جواب**۔ مرشد مثلِ چراغ ہے اگر کسی چیز کی تلاش ہو اور چراغ کے ذریعے یا کسی ذریعے سے اندھیرے میں مل جائے تو پھر اس کو دیکھنے کے لیے چراغ کی ہر وقت ضرورت ہے۔ ہدایت وہ راستہ ہے جس کا پتہ لگنا بندوں کو ضروری ہے اللہ تعالیٰ نے وہ راستہ اپنے پیارے بندوں کو دے دیا بتا دیا دکھا دیا اب اس پر ٹھیک ٹھیک درست طریقے سے ثابت قدم چلنا بندے کا کام ہے اور چلانا اور چلنے کا طریقہ بتانا سمجھانا مرشد کا کام۔ لہٰذا ہدایت پانے والے بندوں کو ہی مرشد کی ضرورت ہے۔ جس کے پاس دولت ہوتی ہے اسی کو محافظ کی شدت سے ضرورت ہوتی ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ فَاْوٗۤا اِلَى الْكَهْفِ يَنْشُرْ لَكُمْ رَبُّكُمْ مِّنْ رَّحْمَتِهٖ وَيُهَيِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا۔

اور اے نفوسِ قدسیہ کے اصحابِ عظمت جب تم نفسِ امارہ اور اس کی قوتوں سے علیحدہ ہی ہو گئے ہو اور نفوسِ رذیلہ کی ان مرادوں خواہشوں سے بھی جن کی اہلِ نفوس اللہ خالق و مالک سے منہ موڑ کر جھوٹی عبادت کرتے ہیں۔ تو پھر اب تم سب اے عشقِ الٰہی کے متانو جسمانیت نور کے بڑے گہرے غار میں خلوتِ سریہ کی پناہ پکڑ لو۔ آلاتِ بدنیہ کے استعمال سے علوم و اعمال کی تکمیل کے لیے اور دنیا و ما فیہا کی ہر چیز سے منہ موڑ کر بارگاہِ نیاز میں مثلِ مردہ عاجز و لاغر ہو کر گر پڑو حرکاتِ نفسانیہ عاداتِ بہیمیہ اور خصلتِ سبعیہ ترک کر دو تو بکھیر دے گا پھیلا دے گا تمہارے لیے تمہارا ربِ جلیل اپنی رحمۃ سے علم و معرفت کی حیاتِ حقیقیہ اور تیار فرما دے گا تمہارے لیے تمہارے دنیوی امور کو ظہورِ فضائلِ اشرفیت سے اور دینی معاملات کو انوارِ تجلیات کے طلوع سے تاکہ لذت پاؤ تم مشاہدات کی اور نفع حاصل کرو تم کمالات کا۔ اور اپنے بدنوں سے خروجِ شہوات کے فنا کی رفعت و نصرت پاؤ یہی سچی کامیابی ہے لیکن عاشقوں کی محفل میں بیٹھ کر اپنے آپ کو درست رکھنا بہت مشکل ہے اور درست سمجھنا بہت بڑا کذب اور دھوکا کھانا ہے۔ آفاتِ دنیا سے

پہچ دہی سکتا ہے جس نے صحیح اعتزال کیا۔ وَتَرَى الشَّمْسَ إِذَا طَلَعَتْ تَزَاوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِينِ وَإِذَا غَرَبَتْ تَقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَهُمْ فِي فَجْوَةٍ مِنْهُ ۔ ذَالِكَ مِنْ آيَاتِ اللّٰهِ ۔ اے وادیٔ طلب کو طے کرنے والے مسافرِ مخلص جب کہفِ سعادت کے خلوت نشینوں کو دیکھے تو آفتابِ روح کو عروجِ لامکانی میں اجسامِ جبلی سے دور ہٹتا اور جہتِ بدنیہ کی طرف مائل ہوتے محسوس کرے اور جب مُجتبہِ اخلاص میں غروب ہوتا ہو تو اعمالِ ابرار سے عالمِ قُدس کی جانب جھکتا ہوگا۔ حالانکہ بندگانِ مخلص فضائل و حسنات اور طاعات و سیرتِ ابرار کے میدانِ حقیقت کے کشادہ مکانوں میں جلوہ ریز ہیں۔ اور جب شمسِ روح حجابِ جسمانی میں غروب ہونے لگے اور ظلماتِ شمال میں چھپنے لگے تو سیئات و شرور سے ہٹ جاتا ہے اس لیے کہ سالکِ راہِ طریقت جب تک کہ مقامِ تمکین تک نہ پہنچے اُس پر حرکاتِ نفس یمین و شمال سے غالب رہتی ہیں۔ شمسِ روحانی کا کثافتِ بدنی سے مائل اور علیحدہ ہونا ہی خالقِ تعالیٰ کی عظیم آیتِ قدرت میں سے ہیں۔ یہی وہ مقامِ مقبولیت ہے جب بندہ مرید سے مُراد بن جاتا ہے۔ بدعملی سے بہتر ہے کہ گہری نیند سو جائے اور بُری صحبتوں سے بچنے کے لیے تنہائی کے غار بہتر ہیں سماعِ لغویات سے بہتر ہے کہ ضَرَبْنَا عَلَى آذَانِهِمْ کا مصداق بن جائے۔ مَنْ يَهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُضْلِلْ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ وَلِيًّا مُرْشِدًا مولیٰ تعالیٰ ہی جس بندۂ خوش نصیب کو مقامِ مشاہدہ کے وصل کی ہدایت عطا فرمائے تو اصل ازلی میں وہی ہدایتِ تمکین والا ہے اور جس بدنصیب کو انوارِ ذات سے حجاب میں رکھے اور وادیٔ حیرت میں گمراہ کر دے تو اسے قلبِ مخلص تو اس کے لیے کسی بھی لطیفۂ معرفت کو مددگارِ منزلِ لاہوتی اور قربِ حقیقتِ احوال کا مرشدِ راہ نما نہ پائے گا۔ گمراہ کی تیرہ[۱۳] نشانیاں ہیں[۱] برائی کو اچھا سمجھنا۔ فسق[۲] و فجور کو تقویٰ اور لہو[۳] و لعب کو زہد خیال کرنا۔ حرص[۴] و طمع کو حکمت سمجھنا۔ شریعت[۵] کو بیکار شمار کرنا۔ اور دین[۶] سے بے پرواہی برتنا۔ احکامِ[۷] الٰہی کی ہیبت نہ ہونا۔ غفلتوں[۸] شہوتوں پر فخر کرنا۔ دل[۹] سخت ہونا عقل[۱۰] دنیا میں تیز ہونا۔ عبادات[۱۱] کو کم سے کم کرتے چلے جانے۔ ہر جگہ[۱۲] آرام طلبی ڈھونڈنا۔ ادب[۱۳] کا ختم ہو جانا۔ (از محی الدین عربی و کتابِ تصوف)

وَتَحْسَبُهُمْ أَيْقَاظًا وَهُمْ رُقُودٌ ۖ وَنُقَلِّبُهُمْ

اور تم گمان کرو گے ان کو کہ جاگ رہے ہیں حالانکہ سخت گہری نیند سو رہے ہیں اور ہم ان کو بدلتے ہیں

اور تم انہیں جاگتا سمجھو اور وہ سوتے ہیں اور ہم ان کی

وَّ كَلْبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۖ

دائیں والی کروٹ اور بائیں والی کروٹ اور ان کا کتا

داہنی بائیں کروٹیں بدلتے ہیں اور ان کا کتا

بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ؕ لَوِ اطَّلَعْتَ

پھیلانے والا ہے اپنے بازو دروازے کے قریب - اگر تم لگ ان کے

اپنی کلائیاں پھیلائے ہوئے ہے غار کی چوکھٹ پر اے سننے والے اگر تو انہیں

عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ

قریب جاؤ تو گھبرا کر الٹے پاؤں اُن سے بھاگو اور البتہ سینے تک بھر جاؤ

جھانک کر دیکھے تو اُن سے پیٹھ پھیر کر بھاگے اور

مِنْهُمْ رُعْبًا ﴿١٨﴾

تم اُن سے سخت رعب میں

ان سے ہیبت میں بھر جائے

تعلق ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔

پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اصحاب کہف کو آسمانی تکالیف سے بچانے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں اُن کو زمینی تکلیفوں سے بچانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں برے اور گمراہ اور بُری صحبتوں میں بیٹھ کر برے بن جانے والے انسانوں کا ذکر ہوا کہ ایسے بد بخت لوگوں کا کوئی مددگار۔ والی و مرشد نہیں ہوتا۔ اب ان آیت میں اچھے لوگوں کے ساتھ رہنے والے اور اچھی صحبت کا نفع اٹھانے والے جانوروں اور حیوانوں کا ذکر ہو رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ کو چھوڑ دینے والے گمراہ لوگوں سے تو جانور زیادہ اچھے ہیں جو نیک لوگوں کے ذریعے فائدے اٹھا لیتے ہیں۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اصحاب کہف کی پیاری گفتگو اور بہت محبت و ایمان والی نرم میٹھی باتوں کا ذکر

ہوا۔ اب اِن آیات میں اُن کی ہیبت ناک شخصیت اور خداداد رُعب کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ. واؤ سر جملہ تَحْسَبُ باب حَسِبَ کا مضارع بمعنیٰ استقبال واحد مذکر حاضر حُسْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خیال کرنا۔ گمان کرنا۔ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے ھُمْ ضمیر غائب مفعول بہ اول ہے اس کا مرجع اصحاب کہف اَنْتَ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے تَحْسَبُ کا جس کا مرجع عام مخاطب انسان جو وہاں تا قیامت جائے۔ بعض نادانوں احمقوں نے اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھا مگر یہ غلط ہے۔ اَيْقَاظًا۔ جمع مکسر منصرف جامد ہے اس کا واحد يَقُظٌ ہے مبالغے کا صیغہ بروزنِ عَدْلٌ صفتِ مشبہ يَقْظٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ خوب باہوش وحواس جاگنے والا۔ سونے کے بعد آنکھیں کھولنے والا۔ واؤ حالیہ سابقہ کی نفی کے لیے آتا ہے ھُمْ ضمیر مبتدا مرجع ہے اصحاب کہف رُقُوْدٌ جمع مکسر ہے رَاقِدٌ کی رُقُدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گہری نیند سوتا۔ یہ مبتدا کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے تَحْسَبُهُمْ میں ھُمْ مفعول بہ کا اَيْقَاظًا مفعول دوم ہے جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ نُقَلِّبُ باب تفعیل کا مضارع معروف جمع متکلم فاعل نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اُس کا مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے تَقْلِيْبٌ قَلْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اَدَلْنَا بَدَلْنَا۔ ذات اسم مکبر مؤنث ہے اس کا مذکر ذُوْ ہے ذَاتٌ کی جمع ذَوَاتٌ اور ذُوْ کی جمع ذَوُوْا ہے بمعنیٰ والی ترجمہ ہے یمین والی شمال والی جانبٌ۔ کروٹ۔ سمتٌ۔ طرفٌ۔ مضاف ہے۔ الف لام اِسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ يَمِيْنَ يُمْنٌ بنا ہے بمعنیٰ داہنی مضاف الیہ ہے مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ ذات الشمال معطوف دونوں مل کر ظرف ہوا نُقَلِّبُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ کلب اسم مفرد جامد بمعنیٰ کتا۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع اصحاب کہف دونوں مضاف ومضاف الیہ مبتدا باسطٌ باب نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر بَسْطٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بچھانا۔ پھیلانا۔ ذِرَاعَيْ تثنیہ ہے ذِرَاعٌ کا نون تثنیہ اضافت نے گرادی ذَرْعٌ سے مشتق ہے ذِرَاعٌ حاصل مصدر ہے بروزنِ فِعَالٌ بمعنیٰ کہنی تک ہاتھ۔ کلائی۔ ذَرْعٌ کا معنیٰ ہے گز اور گز سے ناپنا۔ چونکہ عربی میں کلائی کے برابر ڈیڑھ فٹ کا گز ہوتا ہے اور اکثر اہل عرب کپڑے کو کلائی سے ہی ناپتے تھے اور اب بھی عرب وعجم ہند و پاک کے بہت علاقوں میں ہاتھ کی کلائی سے ہی ناپا جاتا ہے اس لیے کلائی کا نام ذِرَاعٌ رکھ دیا گیا۔ ہر شخص کی کلائی اُس کی آٹھ انگلی کے برابر ہوتی ہے۔ ہمارے مروجہ گز سے آدھا۔ بڑے مرد کی ستابہ انگلی ایک گرہ کے برابر ہوتی ہے۔ ہمارا گز سولہ انگلی یعنی سولہ گرہ کے برابر ہوتا ہے۔ اور میٹر اٹھارہ انگلی (اٹھارہ گرہ کے) برابر ہوتا ہے۔ کلائی تو کہنی سے ہتھیلی تک ہوتی ہے مگر ذِرَاع کہنی سے درمیانی انگلی کے پورے اور آخری کنارے تک ہوتی ہے۔ بعض نے کہا کہ درمیانی

انگلی کے برابر گرہ ہوتی ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ ہٖ۔ ضمیر مضاف الیہ مرجع ہے کَلْبٌ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے بَاسِطٌ کا۔ بِ جارہ بمعنی علیٰ یا بمعنی فی ظرفیہ مکانیہ۔ وَصِیْدِ۔ اسم مفرد جامد بمعنی چوکھٹ۔ دہلیز۔ یہاں مراد ہے غار کا آخری کنارہ غار کا منہ۔ وَصْدٌ سے بنا ہے۔ بمعنی بند کرنا۔ حد بندی کرنا۔ چوکھٹ کو وصید اسی لیے کہا جاتا کہ وہ گھر یا کمرے کی حد بندی کرتی ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے بَاسِطٌ کا۔ وہ سب جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہوئی مبتدا کی دونوں مل کر پھر جملہ اسمیہ ہوکر مکمل ہوا۔ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَیْهِمْ لَوَلَّیْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔ لَوْ۔ شرطیہ اِطَّلَعْتَ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق۔ اَنْتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے عام وہاں جانے والا انسان۔ اس کا مصدر ہے اِطِّلَاعٌ۔ دراصل ہے۔ اِطْتِلَاعٌ۔ باب کی ت کو ط بنا دیا ف کلمہ ط کے ہم مخرج ہونے کی وجہ سے۔ طُلُوْعٌ سے بنا ہے پھر دونوں ط کو مشدد و مدغم کر کے ایک کر دیا۔ ترجمہ ہے۔ ۱؎ ظاہر کرنا ۲؎ پتہ لگانا ۳؎ واقف ہونا۔ علیٰ جارہ۔ فوقیت کا ھُمْ کا مرجع اصحاب کہف یہ جار مجرور متعلق ہے اِطَّلَعْتَ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر شرط ہوئی۔ لام کے۔ خبر کے لیے۔ وَلَّیْتَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر حاضر وَلِیٌّ سے بنا ہے وَلِیٌّ کا لغوی ترجمہ ہے۔ مدد کرنا سامنے آکر باب تفعیل میں آکر ترجمہ ہوا منہ پھیر لینا۔ مِنْ۔ بمعنی عَنْ۔ ھُمْ مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے وَلَّیْتَ کا۔ فِرَارًا مصدر ثلاثی حال ہے وَلَّیْتَ کے فاعل کا ترجمہ ہے بھاگتے ہوئے۔ فَرٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ۔ لام کے۔ جزائیہ۔ مُلِئْتَ۔ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق مجہول صیغہ واحد مذکر مَلْئٌ سے بنا ہے بمعنی بھرنا۔ مِنْ بیانیہ۔ ھُمْ۔ مجرور دونوں مل کر متعلق ہے مُلِئْتَ کا۔ رُعْبًا۔ حاصل مصدر ہے بمعنی دہشت ناک یہ تمیز ہے مُلِئْتَ کے نائب فاعل اَنْتَ پوشیدہ کی یا مفعول فیہ ہے یا مفعول بہ دوم ہے مُلِئْتَ کا۔ اور مفعول اوّل اَنْتَ نائب فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا سب عطف مل کر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَتَحْسَبُهُمْ اَیْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْیَمِیْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ۔ اور اے تا قیامت آنے والی نسلوں اور موجودہ انسانوں میں سے ان آیات اور واقعاتِ اصحاب کہف کو سننے والے اگر تو کبھی اُن کے غار تک پہنچ جائے اور پہاڑ پر چڑھ کر کسی طرح اوپر سے جھانک کر ان کو دیکھے تو فوراً یہ خیال کرے گا کہ وہ جاگ رہے ہیں کیونکہ تو دیکھے گا کہ آنکھیں کھلی ہیں سانسیں چل رہی ہیں۔ بعض نے کہا کہ پلک بھی جھپکتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہائی گہری نیند سو رہے ہیں۔ اہل لغت کے نزدیک نَوْمٌ اور رُقُوْدٌ میں فرق یہ ہے کہ نوم عام ہے ابتدائی۔ انتہائی۔ درمیانی۔ تھوڑی۔ بہت کچی۔ پکی نیند کو۔ لیکن رُقُوْدٌ سخت گہری نیند کو کہتے ہیں جو

بیہوشی یا مدہوشی یا پختہ خمار کی مثل ہوتی ہے جس نیند سے کوئی شوروغل بھی نہیں اٹھا سکتا نہ کچھ گھنٹوں بعد وہ پوری ہوتی ہے۔ بلکہ ایسی نیند میں انسان خود کروٹ بھی نہیں بدل سکتا اس لیے وَنُقَلِّبُهُمْ اور ہم پروردگارِ عالم اُن کو دائیں والی جانب اور بائیں والی جانب پوری کروٹ بدل کراتے ہیں۔ یا اس طرح کہ باری تعالیٰ کے قُدرت کے ہاتھ اُن کو اَدَل بَدَل فرماتے ہیں یا کوئی فرشتہ یہ ڈیوٹی انجام دیتا ہے یا عام سونے والوں کی طرح خود ہی کروٹ لیتے ہیں۔ اور کروٹ بدلنا اس لیے ہے تاکہ سونے والے زندہ انسانوں کا قانونِ صحت ان پر جاری رہے ورنہ قادر و قیوم تو اُن کو اور ان کے جسموں لباسوں کو بغیر کروٹ بھی مٹی اور موسم کی تبدیلیوں سے محفوظ رکھنے پر مکمل قادرِ مطلق ہے۔ بعض جُہلاء نے رُقُوْدٌ کا معنیٰ موت کیا ہے حالانکہ کسی عربی لغت میں یہ معنیٰ انہیں لکھے ہر لغت و تفسیر میں رُقُوْدٌ کا ترجمہ نَوم ہی لکھا ہے۔ ایک جاہل انسان نے کروٹ بدلنے کا مطلب یہ کیا ہے کہ اُن کے مُردہ جسموں کو ہوا اِدھر اُدھر کرتی ہے مگر یہ سب جاہلانہ باتیں ہیں رب سچا رب کا کلام سچا۔ وہ بالکل سونے والوں کی طرح کروٹ بدلائے جاتے رہیں۔ جب ضرورت پڑتی ہے۔ کسی روایت میں کروٹ بدلنے کی دن تاریخ مقرر نہیں بتائی گئی مگر مفسرین اپنی طرف سے بغیر کسی دلیل کے چند قول نقل کرتے ہیں۔ ۱ ہر سال میں دو دفعہ چھ ماہ بعد ۲ ایک سال میں ایک ہی دفعہ یوم عاشورہ کے دن ۳ یا یہ کروٹ تین سال بعد ہوتی ہے ۴ چوتھا قول ہے کہ نو سال بعد ہوتی ہے۔ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ اور اُن کا کتا۔ کتوں کی طرح اپنی اگلی ٹانگیں کلائیاں پھیلائے غار کے دروازے کے قریب بیٹھا سو رہا ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کی بھی دائیں بائیں تھوڑی تھوڑی کروٹیں بدلی جاتیں ہیں اسی وقت جب اَصحابِ کہف کی بدلی جاتی ہیں۔ یہ کتا یا اِن کا اپنا شکاری تھا یا کسی مومن چرواہے کا تھا یا دھوبی کا جب اِس کا مالک بھی اَصحابِ کہف کے ساتھ ہو لیا اپنے ایمان کی خاطر تو مالِک کی وجہ سے کتا بھی ساتھ چل پڑا سب نے کنکر پتھر مار کر بھگانا چاہا تو رب کی قدرت سے کتے نے کلام کیا اور کہا کہ مجھ کو نیک بندوں سے محبت ہے میں تمہاری حفاظت کروں گا تمہیں دکھ تکلیف نہ دوں گا نہ بھونکوں گا۔ تب انہوں نے اس کو ساتھ لے لیا۔ بعض نے کہا یہ جنگل کا شیر تھا مگر اس کو کلب کہا گیا اس کی وفاداری کی وجہ سے یا محاورۃً شیر کو کلب کہدیا جاتا ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبہ ابن لہب کے لیے کتے کے حملے کی بددعا فرمائی تو اُس کو شیر نے پھاڑ کھایا تھا۔ (از تفسیر کبیر رازی) کتے کے پانچ نام تفاسیر میں مشہور ہیں ۱ قطمیر ۲ زبان ۳ تقوز ۴ ثوری ۵ صہبانیہ۔ کتے کا رنگ پیلا۔ کالا اور سفید دھبوں کا ہے روایت ہے کہ چار جانور جنت میں جائیں گے۔ ۱ اصحابِ کہف کا کتا ۲ صالح علیہ السلام کی ناقہ۔

۳ بلعام کا گدھا۔ ۴ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا براق۔ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔ اگر تو کبھی ان پر ظاہر ہو کر ان کو ایک نظر دیکھ لے تو ان سے ڈر کر دور بھاگے اور باوجود بڑے طاقتور بہادر ہونے کے تیرا دل گردہ سینہ ان کے خداداد قدرتی رعب سے بھر جائے یا ان کی ہیبت ناک شکل کے رعب سے کہ لمبے بال بڑے بڑے ناخن کھلی اور گھورتی محسوس ہوتی آنکھیں اور غار کا ہلکا اندھیرا۔ ان چیزوں نے ماحول کو پر دہشت بنا دیا ہے مگر پہلا قول درست کہ یہ رعب اللہ کی دہشت ہے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔

پہلا فائدہ۔ حیاتِ دنیوی میں اچھی بری صحبت میں بہت اثر ہوتا ہے اچھی سنگت کا اور بری صحبت کا نقصان ضرور ہوتا ہے دیکھو اصحاب کہف کی صحبت کی وجہ سے ناپاک پلید کتے کو کتنا شرف حاصل ہوا کہ غار میں تا قیامت اولیاء اللہ کا ساتھ اور جو انعامات کرامات اصحاب کہف پر جاری ہیں وہی کتے پر۔ قرآن مجید میں ذکر آیا۔ جنت میں ہمیشگی کی رہائش نصیب ہو گئی۔ یہ فائدہ وَكَلْبُهُمْ فرمانے اور اس کی تفسیری واقع سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ۔** جو انسان مومن مخلص متقی ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ایسا رعب عطا ہوتا ہے کہ جس کا مقابلہ کوئی انسان نہیں کر سکتا بلکہ سب درندے جنات حیوانات اس سے ڈرتے تابعداری کرتے ہیں

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ (حضرت سعدی)

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ شکار یا حفاظت کی ضرورت کے لیے کتا رکھنا پالنا جائز ہے بشرطیکہ مسلمان اپنے جسم۔ لباس گھر برتن۔ جگہ۔ بستر کو خاص احتیاط سے کتے کی پلیدی سے بچا سکیں لیکن بلا ضرورت شوقیہ کتا رکھنا گناہ ہے یہ مسئلہ وَكَلْبُهُمْ کی تفسیر سے مستنبط ہوا کہ اصحاب کہف کے پاس شکار کے لیے کتا پلا ہوا تھا یا ان کے ساتھی مومن چرواہے کے پاس حفاظت کا کتا تھا اور رب تعالیٰ نے اس کا خصوصیت سے ذکر فرمایا۔ نیز احادیث میں صراحتاً بھی اس کا جواز ثابت ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ جس چیز سے مشائخ کرام علماء عظام اپنے مریدوں یا مسلمانوں کو منع فرمائیں اس سے ہٹ جانا واجب و لازم ہے۔ ورنہ گناہ کے علاوہ نقصان ہونے کا بھی اندیشہ ہے یہ مسئلہ۔ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا۔ اور مِنْهُمْ رُعْبًا۔ کی اشارۃ النص کی ممانعت سے مستنبط ہوا۔ روایت ہے کہ حضرت

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب روم فتح کیا اور شہر افسوس یعنی طرطوس میں قیام کیا تو اصحاب کہف کو دیکھنے کے شوق میں پانچ آدمیوں کو غار کی طرف بھیجا جب کہ حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ آیت سنا کر منع بھی فرمایا جب وہ لوگ ابھی غار کے منہ کے پاس پہنچے ہی تھے ابھی اوپر سے جھانکنے ہی لگے تھے کہ ایک دم قدرتی سخت گرم ہوا نے ان کو وہیں جلا کر خاک سیاہ کر کے ہلاک کر دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ یہ آیت دراصل وہاں جانے کی ممانعت فرما رہی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا تَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا. تم گمان کرو گے کہ وہ جاگ رہے ہیں سوال یہ ہے کہ دیکھنے والا کیوں گمان کرے گا کہ جاگتے ہیں۔ کیا وہ بیٹھے بیٹھے یا کھڑے کھڑے یا سجدے رکوع میں پڑے پڑے سو رہے ہیں؟۔ **جواب۔** نہیں بلکہ لیٹے ہوئے ہیں کبھی سیدھے کبھی دائیں کبھی بائیں کروٹ سے۔ اور یہ لیٹنا تو نُقَلِّبُهُمْ سے ثابت ہو رہا ہے لیکن ان کے جاگنے کا دھوکہ گمان اس لیے لگ سکتا ہے کہ ان کی آنکھیں پوری مکمل کھلی ہوئی ہیں اور کھلی اس لیے ہوئی ہیں کہ اندھیرے کی گہری نیند میں اکثر آنکھیں کھل جاتی ہیں جس کا بہت دفعہ مشاہدہ ہے نیز نیند کا تعلق آنکھوں کے کھلنے بند ہونے سے نہیں بلکہ وہ تو پتلیاں اندر ہو جانے سے آتی ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا بِالْوَصِيْدِ۔ وصید کا معنیٰ لغت میں چوکھٹ ہے یا دروازہ حالانکہ اس غار کا نہ دروازہ لگا ہے نہ اس کی کوئی چوکھٹ ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب۔** لفظِ وصید کی لغوی تشریح ہم نے تفسیر نحوی میں عرض کر دی ہے۔ یہاں وصید اپنے لغوی ترجمے میں ہے۔ چوکھٹ اس کا اصطلاحی منقولی ترجمہ ہے۔ وہ یہاں مراد نہیں۔ یہاں مراد ہے غار کے اندر داخلی اندر ہونے والے بڑے سوراخ کے قریب۔ ان آیت کی تفسیرِ صوفیانہ آیت ۱۹ کے بعد ہے۔

وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ

اور اسی طرح صحت مندی کے ساتھ اٹھایا ہم نے ان کو	تاکہ	پوچھیں	وہ	آپس	میں
اور یونہی ہم نے ان کو جگایا کہ آپس میں ایک دوسرے	سے	احوال	پوچھیں		

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۖ قَالُوْا لَبِثْنَا

تو کہا ایک کہنے والے نے کتنا ٹھیرے تم ۔ بولے ٹھیرے ہم

ان میں ایک کہنے والا بولا تم یہاں کتنی دیر رہے بولے ایک

يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۚ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ فَابْعَثُوْٓا

ایک پورا دن یا تھوڑا دن ۔ کچھ ساتھی بولے تمہارا رب زیادہ جاننے والا ہے کہ کتنا ٹھیرے تم بس اب بھیجو تم

دن رہے یا دن سے کم دوسرے بولے تمہارا رب خوب جانتا ہے جتنا تم ٹھیرے تو اپنے میں

اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ

اپنے میں سے کسی کو اپنی اس علۂ کرنسی چاندی کے ساتھ اپنے شہر کی طرف

ایک کو یہ چاندی لے کر شہر میں بھیجو

فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ

پس جانے والے کو چاہیئے کہ غور کرے اُن دکانداروں میں کون بہت صاف ستھرا ہے کھانے میں تو فوراً

پھر وہ غور کرے کہ وہاں کونسا کھانا زیادہ ستھرا ہے کہ تمہارے لیے

بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَلْيَتَلَطَّفْ وَلَا يُشْعِرَنَّ

وہی کھانا ان پیسوں سے تمہارے لیے خرید لائے ۔ اور نرمی اختیار کرے اور تمہاری معلومات

اس میں سے کھانے کو لائے اور ہرگز کسی کو تمہاری

بِكُمْ اَحَدًا ⑲

کسی کو نہ دے

اطلاع نہ دے

نصف القرآن بعدد الحروف الى حرف التاء من كلمة وليتلطف

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اصحاب کہف کی گہری نیند کا ذکر تھا اب یہاں اُن کو جگانے کا ذکر ہے اور بتایا گیا کہ یہ اُن کی دونوں حالتیں ہماری طرف سے تھیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ لوگوں کا تا قیامت ان کے بارے میں کیا گمان ہوتا رہے گا۔ اب یہ بتایا جا رہا ہے کہ جب وہ جاگے تو ان کا خود اپنے متعلق اپنی حالت اور اپنے بارے کیا گمان ہوا تھا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں نیک بندوں کے قدرتی رعب اور خداداد ہیبت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں اللہ کے نیک بندوں کے اَخلاقِ حسنہ کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ؕ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِيْنَةِ۔ واو سر جملہ کذٰلک پورا لفظ اسم اشارہ بعیدی یہ چار حرفوں کا مجموعہ ہے ۱ ک حرف جر تشبیہی ۲ ذا۔ اشارہ بمعنی اُس ۳ لام حرفِ جر لغو ۴ کَ ضمیر خطابی بلا مرجع (لغو) یہاں کذٰلک میں ہمیشہ پہلے دو حرف کَ اور ذا عامل بن کر آتے ہیں باقی دو لغو ہوتے ہیں۔ یہ سب مجموعہ کاف جارہ سے مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے بَعَثْنَا کا۔ یہ فعل ماضی باب فَتَحَ کا فاعل خطابی اللہ تعالیٰ ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع اصحاب کہف مفعول بہ ہے بَعْثٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے کسی کو کہیں سے کہیں بھیجنا یہاں مراد نیند سے جگانا اور جگا کر اٹھانا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ لِيَتَسَآءَلُوْا۔ لام کے تعلیلیہ بمعنی تاکہ یا یہ لام عاقبہ کا ہے بمعنی تب لِيَتَسَآءَلُوْا باب تَفَاعُل کا مضارع مثبت معروف سُؤَالٌ سے مشتق ہے بمعنی پوچھنا۔ سوال کرنا۔ باب تَفَاعُل میں ترجمہ ہوا ایک دوسرے سے پوچھنا۔ بَيْنَ اسم ظرفِ مکانی متمکن ہے کبھی مکسور کبھی مفتوح ہوتا رہتا ہے ضمہ کا اعراب شاذ ہوتا ہے۔ ھُمْ۔ ضمیر نفسی بمعنی آپس میں یا اپنے درمیان یہ مضاف اور مضاف الیہ ہے بحالتِ نصب ہے یا ظرف ہے یا مفعول فیہ ہے لِيَتَسَآءَلُوْا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی بَعَثْنَا کی وہ سب مل کر جملہ تعلیلیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل واحد مذکر۔ قَآئِلٌ اسم فاعل واحد مذکر اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مِنْھُمْ جار مجرور قَآئِلٌ کا متعلق ہے ان آیت میں تمام جگہ ھُمْ سے مراد اصحاب کہف ہیں۔ كَمْ اسم ظرف مقداری زمانی سوالیہ ہے بمعنی کتنی مدت۔ مبنی مہملات سے مفتوح ہے۔ ظرف مقدم ہے۔ لَبِثْتُمْ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع مذکر لَبْثٌ سے بنا ہے بمعنی ٹھیرنا یہ جملہ فعلیہ سوالیہ ہو کر مقولہ ہوا قال کا یہ قول مقولہ مل کر سوال ہوا۔ قَالُوْا فعل ماضی ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَبِثْنَا فعل ماضی جمع متکلم فاعل متکلم اصحاب کہف يَوْمًا۔ اسم مفرد تنکیری زمانی

اِس پر تنوین عوضی ہے جو وَاحِدًا پوشیدہ کے بدلے میں آئی۔ بمعنیٰ پورا ایک دن بحالتِ نصب ہے کیونکہ یَوْمًا اپنے مابعد سب عبارت سے مل کر ظرف ہے۔ اَوْ۔ عاطفہ تردیدی اختیاری بَعْضَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کچھ۔ حصّہ۔ جزء۔ کوئی سا ٹکڑا۔ یہاں بمعنیٰ کچھ ہے مفتوح ہے عطف تابع کی وجہ سے مضاف ہے یَوْم مضاف الیہ مرکّب اضافی معطوف ہوا یہ سب عطف مل کر ظرفِ زمانی ہوا لَبِثْنَا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ قَالُوْا کا یہ قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر جواب ہوا کَمْ لَبِثْتُمْ کا سب مل کر جملہ استفہامیہ ہو گیا۔ قَالُوْا۔ فعل جمع هُمْ ضمیر مستتر فاعل فعل فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا رَبُّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ۔ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی بتدا ہوا۔ اَعْلَمُ۔ اسم تفضیل واحد مذکر عِلْمٌ سے بنا ہے۔ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل بِ جارّہ تعدیہ کا اسمیہ ہو کر مقولہ ہو کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ حرفِ زائدہ ابتدائیہ بمعنیٰ اَب۔ اِبْعَثُوْا۔ باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر بَعْثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بھیجنا اس میں اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے اَحَدَ۔ اسم مفرد عددی تنکیری بمعنیٰ کسی کو۔ ایک کو مضاف ہے کُمْ ضمیر مجرور متّصل مضاف الیہ ہے ضمیر نفسی ہے ترجمہ ہے اپنے میں سے ایک کو یہ مرکّب اضافی مفعول بہ ہے بِ جارّہ بمعنیٰ مَعْ۔ وَرِق۔ اسم مفرد جامد لغوی معنیٰ ہے باریک چیز اسی معنیٰ میں درخت کے پتّوں کو ورق کہا جاتا ہے اس کی جمع مکسّر ہے اَوْرَاق۔ اصطلاح میں ہر ڈھلی ہوئی پگھلا کر بنائی ہوئی دھات سونا چاندی وغیرہ کو ورق کہدیا جاتا ہے خواہ کوٹ کر باریک کیا گیا ہو جیسے چاندی ورق یا حکومت کی کرنسی۔ یہاں حکومت کا سکّہ ہی مراد ہے۔ پہلے زمانوں میں سونے چاندی کے سکّے بنائے جاتے تھے۔ اس لیے یہاں ترجمہ ہو گا چاندی کے سکّے۔ یہ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی مشارٌ الیہ مقدّم هٰذِهٖ اسم اشارہ قریبی دونوں مل کر مجرور ہو کر متعلق اوّل ہے فَابْعَثُوْا کا۔ اِلٰی جارّہ انتہائیہ الف لام عہد خارجی۔ مَدِیْنَةِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ شہر مذکور مخصوص اُن کی قریبی بستی یہ جار مجرور متعلق دوم ہے فَابْعَثُوْا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ۔

فَ۔ عاطفہ تعقیبیہ یا حالیہ لِيَنْظُرْ باب نَصَرَ کا امر غائب معروف هُوَ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اَحَدَكُمْ نَظْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنکھ سے بغور دیکھنا۔ اَيُّ۔ اسم سوالیہ معرب ہے مضاف ہے هَا ضمیر کا مرجع مَدِیْنَةِ ہے۔ مجرور متّصل مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی بتدا اَزْكٰى اسم تفضیل مذکر واحد زَكٰوةٌ سے بنا ہے بمعنیٰ صاف ستھرا پاکیزہ اور حلال طیّب ہونا۔ هُوَ۔ ضمیر اس میں مستتر اس کا فاعل ہے مرجع ہے اَيُّهَا۔ طَعَامًا اسم مبالغہ بروزنِ کَرَامًا۔ قوامًا بمعنیٰ خوب اچھی طرح مکمل پکی ہوئی غذا۔ کھانا تیار شدہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ تمیز ہے ممیز هُوَ مستتر اور تمیز مل کر فاعل ہوا اَزْكٰى کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر اَيُّهَا بتدا کی خبر دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا فَلْيَنْظُرْ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ یعنی اچھی طرح دیکھنے کے

بعد۔ لیاتِ باب ضَرَبَ کا امر غائب معروف اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ لانا۔ یہاں متعدی ہے دوسرے معنی میں۔ کُمْ۔ ضمیر منصوب متصل مفعول لہٗ لیات کا۔ بِ جارہ تعدیہ کی رِزْقٍ اسم مفرد جامد بمعنی نفع بخش چیز مراد ہے حلال کھانا یہ جار مجرور متعلق ہے فَلْیَاتِ کا۔ مِنْ جارہ بدلیت و عوض کے معنی میں (اس کے بدلے) ہٗ۔ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع وَرِق یہ جار مجرور متعلق دوم ہے فَلْیَاتِ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَلْیَنْظُرْ کا وہ سب عطف مل کر معطوف ہوا فَابْعَثُوْا کا وہ جملہ معطوفہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَلْیَتَلَطَّفْ وَلَا یُشْعِرَنَّ بِکُمْ اَحَدًا۔ واؤ۔ عاطفہ۔ خیال رہے کہ پہلے دو جگہ فَ تعقیبیہ بمعنی واؤ عاطفہ آیا تھا فَلْیَنْظُرْ فَلْیَاتِ اس لیے کہ وہاں غور کرکے خریدنے کے لیے تعقیب اور جمعیت دونوں کی ضرورت تھی کہ غور کرکے جاتے جاتے دیکھے بھی پھر خریدے۔ لیکن یہاں تعقیبیہ کی ضرورت نہیں اس لیے واؤ آیا لِیَتَلَطَّفْ۔ باب تَفَعُّلٌ کا امر غائب لُطْفٌ سے بنا ہے بمعنی مہربانی کرنا۔ نرمی اختیار کرنا مقصد ہے اپنے کام سے غرض رکھے سیدھا جائے جلدی واپس آئے۔ حالات کا جائزہ نہ لے نہ چیزوں کے بھاؤ طے کرنے میں جھگڑا کرے۔ اس لفظ پر قرآن مجید لفظاً یا حرفاً نصف ہوتا ہے ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ لَا یُشْعِرَنَّ باب افعال کا فعل نہی معروف بانون ثقیلہ صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِشْعَارٌ بمعنی بتانا شَعْرٌ سے بنا ہے بمعنی سمجھ لینا اسی سے ہے شعور بمعنی ظاہر کرنا ھُوَ۔ مستتر اس کا فاعل ہے مرجع وہی اَحَدُکُمْ۔ بِ جارہ بمعنی فِیْ ظرفیہ ترجمہ ہے بارے میں کُمْ ضمیر مرجع مخاطب اصحاب کہف یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُشْعِرَنَّ کا اَحَدًا اسم عددی نکرہ غیر معین بمعنی کسی کو منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر جملہ عاطفہ ہو کر مکمل ہوا۔ دوسری ترکیب یہ جملہ عاطفہ حال ہے اَحَدُکُمْ ذوالحال یہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے فَابْعَثُوْا کا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ

وَکَذٰلِکَ بَعَثْنٰھُمْ لِیَتَسَآءَلُوْا بَیْنَھُمْ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْھُمْ کَمْ لَبِثْتُمْ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ قَالُوْا رَبُّکُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ۔

اور اے دنیا والو جس طرح ہم نے اصحاب کہف پر اپنی رحمت برکت اور فضل سے پہلے دنوں میں بہت سے انعام کیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی صحبت بابرکت کے فیض سے ۱ ایمان عطا فرمایا۔ ۲ توفیق عبادت عطا فرمائی ۳ جسمانی صحت۔ تندرستی۔ خوبصورتی عطا فرمائی ۴ بھرپور جوانی میں اپنی یاد اور ذکر الٰہی سے روح کی پاکیزگی عطا فرمائی ۵ ہمت و قوت عطا فرمائی ۶ ظالم و جابر کافر و دشمن بادشاہ کے سامنے کلمۂ حق بولنے کی دلیری عطا فرمائی ۷ ظالم بادشاہ سے جان۔ ایمان۔ عزت و آبرو بچائی۔

۸ اچھے مومن مخلص ایمان والے ساتھی جمع فرمائے ۹ چھپنے کو بہترین غار دیا۔ ۱۰ زیادہ ہدایت عطا فرمائی ۱۱ دلوں کو مضبوط و مطمئن کیا ۱۲ بے فکری کی میٹھی گہری نیند سلایا ۱۳ بارش اور سورج سے بچایا ۱۴ بغیر کچھ کھائے پیئے زندگی۔ صحت۔ تندرستی ہوش و حواس درست باقی رکھے۔ ۱۵ کروٹیں بدلوائیں ۱۶ جوانی کو قائم رکھا ۱۷ غار میں روشنی اور ہوا پہنچتے رہے۔ اس طرح کی بیشمار نعمتیں دیں۔

كَذٰلِكَ اُسی طرح ہم نے یہ فضل بھی کیا کہ بَعَثْنٰهُمْ ان کو اپنے دین کے لیے قیامت کے ثبوت کی بڑی دلیل بنانے کے لیے چن لیا اور لاکھوں کروڑوں انسانوں میں سے اپنی بارگاہ کے لیے اُن کو منتخب کرکے نہایت علم و ایقان کے ساتھ مبعوث فرمایا اور ہم نے جگا کر اٹھایا۔ تاکہ اپنے آپ کو اپنی حالت کیفیت کو زمین و آسمان کو سورج اور اس کے اُتار چڑھاؤ اور وقت کو صبح اور شام کو دیکھ کر آپس میں ایک دوسرے سے پوچھیں اور قدرتِ الٰہی کے عجیب حیرت میں ڈالنے والے کرشمے دیکھیں اور اُس وقت کے منکرینِ قیامت اُن کی اس دراز مدت سے قیامت کی بعثت اور حشر نشر پر ایمان لائیں لہٰذا جاگنے کے فوراً بعد سب سے پہلے قَالَ قَآئِلٌ۔ ان سب ساتھیوں میں سے ایک سب سے بڑے اور امیر جماعت مکسلمینا نے فرمایا کہ یہ تو بتاؤ کہ ہم تم اِس غار کے اندر نیند میں کتنا سوئے ہوں گے۔ اور ہماری کتنی نمازیں قضا ہوئی ہوں گی ہم تم نے کتنی دیر سے ذکرِ الٰہی اور اپنے رب کریم کو یاد نہیں کیا۔ بھلا اپنا اپنا اندازہ بتاؤ کہ تم کتنا ٹھیرے تو کچھ ساتھیوں نے آسمان کے سورج کو دیکھ کر اندازہ لگاتے ہوئے اپنے قیاس و اجتہاد سے کہا تقریباً ایک دن یا ایک دن سے بھی کم۔ یہ اندازہ اس لیے ہوا کہ جب وہ غار میں داخل ہوئے تھے تو عصر کا وقت اور ذکر و عبادت کے بعد جب سونے کے لیے لیٹے تھے تو مغرب کا وقت تھا اب جب وہ جاگے تو پھر اشراق کا وقت تھا اور سورج چڑھ رہا تھا انھوں نے یہی سمجھا کہ بس ایک رات اور دن کا تین پہر ہی گزرا ہے۔ دوسرے چند ساتھیوں نے کہا عجیب سا ہی لگ رہا ہے کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ ہم کتنا ٹھیرے رہیں تمہارا رب پروردگارِ عالم ہی زیادہ بہتر جاننے والا ہے اس صحیح صحیح پوری مدت کو۔ جتنا تم اس غار میں ٹھیرے۔ یہ بات انھوں نے اس لیے کی کہ سورج کو دیکھتے ہوئے اور اپنی صحت ہشاش بشاش تازہ دم ہونے کو دیکھتے ہوئے تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ زیادہ نہیں سوئے مگر اپنے لمبے بال بڑھے ہوئے ناخن دیکھ کر معلوم ہوتا تھا بہت ہی لمبی مدت سوئے رہے اس لیے حیران ہو کر بولے کہ اللہ ہی بہتر جاننے والا ہے کہ ہم تم سب لوگ یہاں کتنا ٹھیرے۔ لیکن اب اسی بحث تمحیث اور سوچ و فکر میں وقت ضائع کرنا درست نہیں بلکہ اب اگلے وقت اگلی منزل کا سوچو مگر پہلے کھانے پینے کا انتظام کرو۔ فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖٓ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَآ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ

پس بھیجو تم اپنے میں سے کسی بھی خریداری کے واقف اور تجربہ کار شخص کو اپنے ان موجود چاندی کے کچھ درہم دے کر اسی اپنے شہر افسوس کی طرف جس کو آج کل طرطوس کہا ہے وہ شخص وہاں شہر میں پہنچ کر تین باتوں کا ضرور ضرور خیال رکھے۔ پہلی بات یہ کہ کھانا خریدنے سے پہلے اپنی پرانی معلومات کے مطابق یہ غور کرے کہ کون سا دکاندار زیادہ پاکیزہ ہے کھانا بنانے پکانے میں یعنی حلال ذبیحہ ہو کسی مجوسی یا بت پرست کافر کا ذبیحہ نہ ۲ کوئی کھانا یا جانور حرام نہ پکایا ہوا ہو ۳ کسی سے جبراً یا ظلماً یا چوری سے غصب کیا ہوا جانور یا غلہ روٹی والا کھانا نہ ہو ۴ پکانے والا گندہ غلیظ بے احتیاط نہ ہو ۵ مزیدار خوشبودار اَلطَّیِّبْ روح و قلب کو تازگی دینے والا ہو ۶ کسی حرام چیز کی ملاوٹ نہ ہو نمک مرچ مصالحہ سب اشیا حلال طریقے سے لے کر کھانے میں ڈالی ہوں ۷ اور اگر ان تمام خوبیوں کے ساتھ سستا بھی ہو تو بہت بہتر ہے تاکہ تھوڑی قیمت میں بہت زیادہ کھانا مل جائے اور ہم سب کو پورا ہو جائے۔ بہت زیادہ قیمتی کھانا خریدنے کی ضرورت نہیں بس پاکیزگی کا بہت خیال رکھنا ہے۔ اور ان تمام خوبیوں کو حاصل کرنے کے لیے فقط ایک یہ چیز ہی کافی ہے کہ دکاندار اَزْکٰی یعنی مومن متقی مخلص ایمان دار ہو۔ اگر خوش قسمتی سے ایسا دکاندار اور ان خوبیوں والا ستھرا کھانا کہیں نظر آ جائے تو فَلْيَأْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ ۔ چاہیے کہ تم سب کے لیے وہ رزق خوراک غذا ان درہموں سے خرید کر لے آئے۔ دوسری بات یہ کہ وَلْيَتَلَطَّفْ ۔ ہر کام ۔ کلام ۔ خریداری ۔ اور آنے جانے میں بہت نرمی ۔ جلدی ۔ اور نرم رویہ رکھنا ۔ کسی سے زیادہ پوچھ گچھ سوال جواب ۔ بھاؤ بنانے کے لیے بحث مباحثہ نہیں کرنا ۔ ہر حال میں لطافت کو برقرار رکھنا ہے بہت سوچ سمجھ کر بات کرنی ہے اور مختصر بھی ۔ غرضکہ ہر طرح اپنے کو چھپا کر بات کرنی ہے اور خاص کر اس لیے بھی کہ تمہارے بال لمبے ہیں تم کو لوگ کچھ زیادہ ہی توجہ سے دیکھیں گے مگر تم سیدھے آنا سیدھے جانا ۔ اگر لوگوں کی باتوں سے بادشاہ دقیانوس اور اس کی پولیس کا رویہ اور ہم سب کے لیے ان کا آئندہ لائحہ خود ہی چلتے چلتے معلوم ہو جائے تو ٹھیک ورنہ کسی سے خود نہ کریدنا ۔ تیسری بات یہ خیال رکھنا کہ وَلَا يُشْعِرَنَّ بِكُمْ أَحَدًا اور وہ جانے والا حتی الامکان یہ ہی کوشش کرے کہ تمہارے متعلق کسی کو کچھ نہ بتلائے اگرچہ ہر طرف ہماری تلاش کا شور مچا ہو ۔ یہ تھیں وہ تدبیریں جو دولت ایمان کی سچی محبت کو بچانے اور عشق الٰہی کی امانت کی حفاظت کرنے کے لیے ان بزرگوں نے اختیار فرمائیں أَزْكَىٰ طَعَامًا اور وَلْيَتَلَطَّفْ میں جتنے اقوال ہم نے نقل کیے ہیں وہ مختلف تفاسیر کے بیان کردہ احتمالات ہیں جن کو ہم نے یکجا کر دیا ہے ۔ فائدے ۔ ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ دین و دنیا کے ہر معاملے میں لطافت اور نرم رویہ اللہ کی بڑی نعمت ہے ۔

باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ اس کا اہتمام سے ذکر فرمایا اور یہ ایسی مستحب عبادت ہے کہ ہر دین میں جاری اور پسندرہی یہ فائدہ وَلْيَتَلَطَّفْ فرمانے سے حاصل ہوا بعض بزرگوں نے فرمایا کہ قرآن مجید میں دو چیزیں ہیں ۱ شریعت اور ۲ طریقت۔ اور وَلْيَتَلَطَّفْ کا لفظ بالکل درمیانِ قرآن میں ارشاد ہوا ہے اس سے اشارہ یہ ملتا ہے کہ لطافتِ ایمانی اور شیریں زبانی کا تعلق شریعت وطریقت انبیاء کرام علماء وصوفیا۔ عوام وخواص سب سے ہے اور ہر مسلمان کے لیے نرمی ولطافت اچھے اخلاق وعادات ضروری اور لازم واجب ہیں۔ **دوسرا فائدہ**۔ ایمان واسلام میں نام ونمود بری چیز ہے۔ اپنی کسی چیز کا دکھلاوا ریاکاری منع ہے مسلمان کو چاہیئے کہ جتنا ہو سکے اپنی شخصیت اور اپنی عبادت ریاضت کو چھپائے ہاں البتہ شریعت کی فرضی عبادات کو ظاہر کر سکتا ہے بلکہ فرضی کاموں کے لیے خلوت کے غاروں سے نکل کر باہر میدان جنگلات اور بستیوں میں آنا ضروری ہے لیکن اس کے لیے کم سے کم وقت اور کم سے کم اظہار حس کے بغیر چارہ نہ ہو شرط ہے۔ یہ فائدہ۔ فَابْعَثُوا أَحَدَكُمْ اور وَلَا يُشْعِرَنَّ فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ**۔ اپنے ساتھ دنیا کی دولت رکھنی جائز ہے تَوَكُّلْ عَلَى اللّٰهِ کے خلاف نہیں لیکن زیادہ اور ضرورت سے بڑھ کر نہیں۔ صرف اتنی رکھ سکتا ہے جس کی اپنے افراد اور اپنے اوقات ضروریات کے حساب سے حاجت پڑ سکتی ہو۔ یہ فائدہ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اسی طرح توکل علی النبیؐ اور تَوَكُّلْ عَلَى الْاَوْلِيَا بھی بہرکیف توکل علی اللّٰہ کے خلاف نہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔

پہلا مسئلہ۔ ہر دین ہر شریعت اور ہر مذہب ہر قانون میں دینی دنیوی مسائل کے حل کرنے کے لیے اجتہاد کرنا یا قیاس لگانا جائز ہے اگرچہ وہ اجتہاد وقیاس صحیح ہو جائے یا غلط بنے بہرحال ناجائز نہیں۔ ہاں البتہ یہ ہر مجتہد کے لیے ضروری ہے کہ اپنے اجتہاد وقیاس کو آخری اور یقینی فیصلہ قرار نہ دے بلکہ اصل حقیقت اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرے یہ مسئلہ قَالُوا لَبِثْنَا يَوْمًا اور قَالُوا رَبُّكُمْ أَعْلَمُ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان پر حرام اور گندی غذا وخوراک سے بچنا اور حلال پاک طیب غذا کو حاصل کرنا اور تلاش کرنا فرض ہے اگرچہ کتنے عرصے کا بھوکا پیاسا ہو حرام اور گندی خوراک میں ہرگز منہ نہ ملائے نہ حرص وہوس یا خواہش کرے خود بھی بچے اور اپنے ساتھیوں آل اولاد بال بچوں مریدوں مقتدیوں کو بھی بچائے۔ یہ مسئلہ أَزْكٰى طَعَامًا کے پورے ارشاد اور اس کے تمام تفسیری اقوال سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں جو اقوال اچھائی کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں وہ کسی شخص کسی زمانے کے ہوں اب وہ مسلمانوں کو عمل کرنے کے لیے سنائے جارہے ہیں۔ اسی طرح جن چیزوں اور

باتوں کی قرآن پاک میں مذمت فرمائی جارہی ہے خواہ کسی زمانے کا قصہ اور واقعہ ہو اب مسلمانوں کو ان سے بچنے کی در پردہ تلقین ہو رہی ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ دینی دنیوی ہر کام کی فلاح۔ بہبود اور صحیح و درست ہونے کے لیے اتحاد و اتفاق ضروری ہے اور اتحاد کے لیے ایک امام۔ راہنما۔ رئیس قوم اور امیر جماعت کا ہونا شرط ہے اور تمام قوم کو اس کی اقتدا۔ تابع داری۔ اطاعت واجب و لازم ہے۔ باری تعالیٰ نے مجتہدین۔ فقہا۔ علما۔ مشائخ۔ صوفیا۔ اور پیران کرام کو اسی لیے پیدا فرمایا تاکہ اللہ رسول کے قرآن و حدیث پر عمل کرنے کے لیے تقلید و اطاعتِ مجتہدین و علما و مشائخ کی جائے۔ یہ مسئلہ قَالَ قَائِلٌ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔

پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لِيَتَسَآءَلُوْا۔ یہ لامِ اول ابتدائیہ تعلیلیہ ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ اصحابِ کہف کو یہ سارا واقعہ یا کم از کم سونے کے بعد بَعَثْنٰهُمْ کا عمل صرف اس لیے ہوا کہ آپس میں نیند کی مدت کے بارے میں تحقیق کرتے رہیں۔ حالانکہ یہ کوئی خاص مفید مقصد نظر نہیں آتا۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہ قول متفقہ نہیں ہے کہ یہاں لام تعلیلیہ ہی ہے بلکہ ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ لامِ عاقبت ہے یعنی بعدیت کے لیے اور ترجمہ اس طرح ہے کہ ہم نے ان کو اٹھایا تب وہ بیدار ہو کر آپس میں پوچھنے لگے۔ لہٰذا اب وہ بیتیہ والا اعتراض نہیں پڑتا۔ اور جنہوں نے لام تعلیلیہ مانا ہے وہ بھی درست ہے اور اصحابِ کہف کا پورا واقعہ یا یہ اٹھانا جگانا اگر اسی پوچھ گچھ کے لیے ہو تب بھی درست ہے کیونکہ یہ پوچھنا۔ اور پھر اتنی دراز مدت سونا یہ سب اللہ کی قدرتوں کی نشانی ہیں اور رب تعالیٰ کی قدرتوں کا جاننا ان پر یقین کرنا ایمان کی زیادتی کا باعث ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَابْعَثُوْٓا اَحَدَكُمْ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا وَاحِدَكُمْ اس لیے کہ اَحَدْ عدد ہے اور وَاحِدْ عدد والی شخصیت ہے اور بھیجا شخصیت کو جاتا ہے نہ کہ عدد کو۔ **جواب**۔ یہ غلط ہے کہ اَحَدْ صرف عدد ہے۔ بلکہ عدد ہر جگہ مستقل ہے۔ دیکھو فرمایا گیا قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ یہاں اَحَدَكُمْ فرمانا ہی عین صحیح ہے۔ تین وجہ سے ایک یہ کہ عربی محاورے میں اَحَدْ عوام کے لیے مستعمل ہوتا ہے اور واحِد خواص کے لیے یعنی کسی رئیس قوم کا ذکر ہو تو وَاحِدُكُمْ بولا جاتا ہے یعنی تم میں سے مخصوص یکتا۔ لفظِ اَحَدْ ہر شخص کے لیے ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ احد شخصیت کے لیے ہوتا ہے اور واحد شخصیت کے نمبر و ترتیب کے لیے اس طرح کہ اَحَدْ کا ترجمہ ہے ایک اور وَاحِدْ کا ترجمہ ہے پہلا۔ سوم یہ کہ اَحَدْ نکرہ ہے اور واحد میں فردیت ہے۔ یعنی احد کا ترجمہ ہے کسی کو اور واحد کا ترجمہ کسی کو نہیں بلکہ واحد کا ترجمہ ہے ایک کو لہٰذا اَحَدَكُمْ فرمانا ہر لحاظ سے بہتر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا وَّهُمْ رُقُوْدٌ ۔ وَّنُقَلِّبُهُمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَذَاتَ الشِّمَالِ ۔ وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيْدِ ۔ لَوِ اطَّلَعْتَ عَلَيْهِمْ لَوَلَّيْتَ مِنْهُمْ فِرَارًا وَّلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا ۔ اے عالَمِ ظاہر کے لوگو تم عالَمِ اَنوار کے کہف خلوت کے نشینوں کو ان کے دنیوی احساسات اور حرکاتِ ارادیہ سے اپنے میں ہی چلنے پھرنے کھانے پینے رہنے سہنے سے یہ گمان کروگے کہ وہ عالَمِ بیداری و ہُشیاریِ ناسوتی میں ہیں مگر ایسا نہیں ہے وہ سِرِّ الٰہیہ کی غار میں دُنیا کی ہر چیز سے بے خبر ہر لذّت و خواہش سے غافل لگتا ہوگا جیسا کہ دیکھ رہے ہیں حقیقت میں وہ سب سے بے رُخ ہیں ہم ہی خیرِ آخرت والی کروٹ یمین اور قلب فضیلت والی کروٹ شمال بدلتے رہتے ہیں اپنے ان سب پیاروں کی ہر حالت کے ہم ہی نگہبان ہیں اور اُن کا نفسِ اَمّارہ کلبِ کہف ہے جو وصیدِ جسمانیہ میں ترکِ شہوانیہ کے بازو اور قوّتِ غضبیہ کے پاؤں پھیلائے اِتّباعِ ایمانی کے خلوص میں پڑا ہوا ہے اگر تم اِن محبوبین مجرّدین مُستانِ صورت اَلَست کے حقائقِ قلبیہ اور ودیعتِ نورانیہ پر مطلع ہو جاؤ تو اعتقادِ اجنبیت اور اُن کے احوال سے غفلت کی وجہ سے خوف وجاہت کی بنا پر بھاگ پڑو اور بھر جائے تمہارا سینہ اُن کی ریاضاتِ کمالات اَسرار و اَحوال کے خداداد رعب سے اے مرید باصفا اس دنیاءِ مکروفسوں میں اپنے آپ کو زیادہ آشکارا مت کر یہاں نام نہاد صوفیوں کی اخلاقی پستی حد سے گزر گئی ہے عبادات و اطاعت انہماک کی بجائے ان سے بے پرواہی و غفلت شروع ہے شریعت کی پیروی کی بجائے اُس کی خلاف ورزی باعثِ فخر سمجھی جاتی ہے تزکیہءِ روح اور قلب کی پاکیزگی کی طرف کوئی توجہ نہیں مولویوں پیروں پر نفسانیت غالب اپنے فوٹوؤں کی بُت سازی اور بُت فروشی میں مشغول اِن عادی فسق و فجور کے باوجود دعویٔ رُوحانیت کا ہے جب پیر ایسے آئی اہلیسیت ہو تو مرید کا حال کیا ہوگا۔ کسی نے بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ راہِ تصوّف کا سامان سفر کیا ہے ؟ فرمایا بھوکا پیٹ۔ ننگا بدن شریعت کا لبادہ ۔ توکّل کا رزق ۔ ترکِ شہوات ۔ طلبِ لذّات ذکر فکر کی سواری وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ لِيَتَسَآءَلُوْا بَيْنَهُمْ ۔ قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۔ قَالُوْا رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثْتُمْ ۔ اور جس طرح عالمِ قدس سے ہم نے سینہءِ فیض گنجینہ میں انوارِ مشاہدہ کی بعثتِ حقیقیہ فرمائی اِسی طرح اَسرارِ کہف سے اٹھایا ہم نے ان کو اَحیاءِ معنوی میں دل کی زندگی دے کر تاکہ آپس میں اَمانتِ الٰہیہ کے بارے میں سوالات اور پوچھ گچھ و تفتیش کریں کہا ایک کہنے والے قلبِ عظیم نے کہ حقائقِ مکنونہ کی نیند میں کتنے لمحاتِ فکر و ذکر گزارے تم نے ۔ عقل و شعور نے سمجھا کہ مشاہداتِ تجلّیات کا ایک ہی یوم گزرا یا شمسِ معرفت کا بعض دن ۔ مگر محققینِ روشن ضمیر نے صورتِ تدبیر سے کہا کہ تمہارے لطائفِ اَسرارِ بدنیہ

کو پرورش فرمانے والا ہی تمہاری خلوتِ عشق و محبت کی سچی مدّت کو زیادہ جاننے والا ہے اور وہی مولیٰ تعالیٰ اہلِ باطنی کی کیفیات سے پورا واقف ہے۔ صوفی وہ ہے جس میں حسنؒ بصری کا تقویٰ بایزیدؒ کا مجاہدہ۔ جنیدؒ بغدادی کی ریاضت۔ غوثِ اعظم بغدادیؒ کی ترکِ دنیا۔ خواجہ چشتی اجمیریؒ کی چلہ کشی و خلوت نشینی۔ شہنشاہِ نقشبندؒ کا توکل و صبر شاہِ سہروردؒ کا ہیام دھر و قیام لیل ہو شریعت کے سات اصحابِ کہف ہیں جن کی سات ہی خلوتیں ہیں۔ جب بندہ ذکرِ الٰہی اور درودِ مصطفائی میں اپنی دعائیں بھول جائے تو رب تعالیٰ اپنے قُرب کی کروٹیں خود بخود تبدیل کراتا ہے۔ اے بندۂ مومن شہرِ افسوس سے دور بھاگ کیونکہ اِن کا لباس لالچ ہے اُن کی غذا شہوت ہے اور اُن کا رہائشی مکان تحت خانۂ خواہشات ہے۔ لیکن مخلصین کی غذا موت ہے لباس کفن ہے مسکن قبر ہے۔ خیریتِ معرفت یہ ہے کہ رات ہو تو دن کا پتہ نہ لگے نہ خیال آئے اور دن ہو تو رات کا ہوش نہ رہے۔ رات ہونے تک دن خیریت سے گزرتے رہیں اور دن ہونے تک شبِ وصل خیریت سے ہو اور مستانِ الٰہیہ کو نہ دن کا حساب یاد ہو نہ رات کا اہلِ دنیا کی خیریت یہ ہے کہ بیماری پریشانی نہ ہو مگر اہلِ معرفت کی خیریت یہ ہے کہ اُن وقتوں میں فسق و فجور معاصی نافرمانی کا صدور و ارتکاب نہ ہو اور اللہ رسول کے ذکر سے زبان تر رہے۔ فَابْعَثُوْۤا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖۤ اِلَى الْمَدِیْنَةِ فَلْیَنْظُرْ اَیُّهَاۤ اَزْكٰى طَعَامًا فَلْیَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ وَ لْیَتَلَطَّفْ وَ لَا یُشْعِرَنَّ بِكُمْ اَحَدًا۔ اے معرفت نگر کے ہمراہیو اس بستیٔ رنگ و بو کے بازارِ جمالیات میں اپنے میں سے صرف ایک خازنِ علومِ اولین کو اِن دراہم ورقِ اعمال کے ساتھ بھیجو پھر وہ خازنِ معرفت فکر کسب اور نظرِ تدبیر سے دیکھے کہ کس کے پاس حقائقِ ذھیۂ اور علومِ حقیقیہ کے اچھے کھانے اور شریعتِ ظاہری کے اچھے لذات والے طعام ہیں بس چاہیئے کہ وہ لائے ہم سب مسافرانِ وادیٔ عشق کے لیے معارفِ الٰہیہ کے رزق اس لیے کہ صحتِ ایمانی اور تربیتِ ایقانی اس کے بغیر ممکن نہیں۔ اور چاہیئے کہ مسافرِ طلب خازنِ دولتِ عفّت۔ فضول و لغویات جدل و خلاف سے تاعمرِ فانی بچتا رہے اور اختیارِ طعام میں لُطفِ ذہنی نرمیٔ قلبی۔ سیرتِ طبعی خصائلِ حمیدہ کی مہربانیوں کو استعمال کرے اور کمالِ مجلسی اعمالِ شرعی کو ظاہر کرے۔ لیکن تمہارے اسرارِ احوال۔ دین و اعمال۔ کمال و صفات کسی بھی اہلِ ظاہر محجوبِ ازلی۔ عالمِ سفلیات کے رہائشی اور منکرِ طبیعت کو قطعاً نہ بتلائے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر قالبِ انسانی میں قوتِ روحانیہ باطنی اصحابِ کہف ہیں اور اُن کی فکر بیداری بَعَثْنٰهُمْ ہے قوائے روحانیہ محلِ اجتماع مدینۂ اصحاب ہے قوتِ نفسانیہ و طبیعہ اہلِ بازار ہیں اَزْكٰى طَعَامًا عقل ہے اَدْنیٰ طعاماً وہم خیال اور حواس ہیں۔ علمِ نظری رزق ہے۔ وسواسِ شیطانیہ بِكُمْ اَحَدًا ہے۔ مردانِ الٰہی کی عبادت ریاضت وَلْیَتَلَطَّفْ ہے۔ اِتباعِ سنّتِ نبوی سے باہر یا خلاف کوئی بھی عمل کیا جائے تو باطل ہے خواہ وہ کتنا ہی اچھا محسوس ہوتا ہو۔

حضرتِ جنید بغدادی نے فرمایا کہ جو شخص کلامِ الٰہی کا حافظ نہیں اور احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عالم نہیں اُس کی تقلید درست نہیں بلکہ غلط و ناجائز ہے۔ دنیا میں سب سے کمزور وہ شخص ہے جو اپنی خواہشوں کے ضبط و ترک پر قدرت و ہمت نہ رکھتا ہو۔ اور سب سے زیادہ طاقتور وہ ہے جس کی خواہشات اُس کے قابو میں ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کی نشانی و علامت یہ ہے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق کی حد تک محبت کی جائے اور محبتِ مصطفیٰ کی علامت یہ ہے ان کی ہر چیز کا ادب احترام اور ان کی سنتوں سے پیار کیا جائے۔ اور ان کی راہ پر چلا جائے۔ اس راہ سے دوری معرفت سے دوری ہے

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ

بیشک وہ اگر غالب آ گئے تم پر سنگسار کر دیں گے تم کو یا

بیشک اگر وہ تمہیں جان لیں گے تو تمہیں پتھراؤ کریں گے یا

اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا

لوٹا دیں گے تم کو اسی اپنے دین پر اور ہرگز تم کبھی بھی کامیاب نہ

اپنے دین میں پھیر لیں گے اور ایسا ہوا تو تمہارا کبھی

اِذًا اَبَدًا ﴿۲۰﴾ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ

ہو سکو گے ۔ اور اسی طرح مشہور کر دیا ہم نے اُن پر

بھلا نہ ہوگا ۔ اور اسی طرح ہم نے ان کی اطلاع کر دی کہ

لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ

تاکہ سب جان لیں کہ بیشک اللہ کا وعدہ اٹل ہے اور بیشک

لوگ جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور قیامت

السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيهَا ۚ إِذْ يَتَنَازَعُونَ

قیامت اس میں ذرہ بھر شک نہیں ہے۔ یاد کیجئے اُس وقت کو جب وہ بحث کرتے تھے

میں کچھ شبہ نہیں - جب وہ لوگ ان کے معاملے میں باہم

بَيْنَهُمْ أَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوا عَلَيْهِمْ

ان کے بارے میں تو کچھ لوگوں نے کہا کوئی عمارت بنا ڈالو ان کے

جھگڑنے لگے تو بولے ان کے غار پر عمارت

بُنْيَانًا ۖ رَبُّهُمْ أَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِينَ

دروازے پر ان کا رب زیادہ جاننے والا ہے ان کے اگلے معاملے کو۔ کہا اُن لوگوں نے

بناؤ۔ ان کا رب انہیں خوب جانتا ہے - وہ بولے جو

غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِم

جو اپنے ارادے پر غالب رہے کہ البتہ ضرور ان کے پاس شاندار

اس کام میں غالب رہے تھے، قسم ہے کہ ہم تو ان پر

مَّسْجِدًا ﴿۲۱﴾

مسجد بنائیں گے

مسجد بنائیں گے

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔
پہلا تعلق - پچھلی آیت میں نیک بندوں کی ایک نشانی کا ذکر ہوا کہ وہ ہمیشہ ہر حالت میں اپنے اخلاقی پہلو کو بچائے رکھتے ہیں اب ان آیتوں میں نیک بندوں کی دوسری نشانی کا ذکر ہوا کہ وہ اپنی عزت آبرو اور ایمان کی حفاظت بھی ضروری فرض سمجھتے ہیں۔

دوسرا تعلق - پچھلی آیت میں اصحاب کہف کا اپنے کو چھپانے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں رب تعالیٰ کی عظیم حکمت قدرت کا ذکر ہو رہا ہے کہ کس طریقے سے ان کو ظاہر فرما دیا گیا۔ **تیسرا تعلق** - پچھلی آیت میں اس چیز کا ذکر فرمایا گیا کہ اصحاب کہف کا واقعہ اور اصل مدت قیام خود اصحاب کہف سے مخفی رہا۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ لوگوں پر بھی انکا معاملہ ظاہر و آشکارا نہ ہوا۔ اصل حقیقت ابھی تک چھپی ہوئی ہے۔

تفسیر نحوی

اِنَّهُمْ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ يَرْجُمُوْكُمْ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فِيْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا۔ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَيْبَ فِيْهَا۔ اِنَّ حرف تحقیق "ہم" ضمیر منصوب متصل مرجع ہے شہر والے کفار یہ اِنَّ کا اسم ہے اِنْ حرف شرط یَظْهَرُوْا باب فتح کا مضارع مثبت ظُهُوْرٌ سے بنا ہے معنی اطلاع پانا۔ علیٰ جارہ فوقیت کا غلبہ پانا۔ کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرجع اصحاب کہف جار مجرور متعلق ہے یَظْهَرُوْا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ یَرْجُمُوْا باب نصر کا مضارع مستقبل بحالت جزم ہے اِنْ شرطیہ نے یہاں دونوں فعلوں کو جزم دیا در اصل یَظْهَرُوْنَ اور یَرْجُمُوْنَ تھے آخری نون اعرابی جزم سے گر گئی ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے کفار شہر۔ رَجْمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے پتھروں سے سنگسار کر کے بھگانا یا مار ڈالنا یا سزا دینا۔ کُمْ۔ ضمیر یَرْجُمُوْا کا مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَوْ۔ عاطفہ اختیاریہ یُعِيْدُوْا باب افعال کا فعل مضارع جمع غائب مصدر ہے اِعَادَةٌ۔ اِعَادَةٌ بمعنی لوٹانا متعدی ہے۔ عَوْدٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹنا لازم ہے۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ ہے۔ فِیْ جارہ ظرفیہ باطنی قلبی کیلئے ہے مِلَّتِ۔ اسم حاصل مصدر آخر کی ت مصدریہ ہے مَلٌّ یا مُلُوْءٌ سے بنا ہے بمعنی بھرنا یا نقش ہونا چونکہ ہر دین۔ دین والے کے دل میں بھرا اور نقش ہوتا ہے اس لیے دین کو ملت کہا گیا۔ اسی سے ہے ملال یعنی قلبی رنج اور املا یعنی لکھا ہوا۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع کفار ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُعِيْدُوْا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَرْجُمُوْا پر عطف تابعی کی وجہ سے یُعِيْدُوْا بھی مجزوم ہے در اصل تھا یُعِيْدُوْنَ نون اعرابی آخر سے جزم کی وجہ سے گر گیا۔ یہ دونوں عطف ملکر جزا ہوئی یَظْهَرُوْا کی وہ جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَاوْ۔ عاطفہ۔ فعل نفی تاکید بلن مستقبل باب افعال سے ہے مصدر ہے اِفْلَاحٌ بمعنی مقصد پانا متعدی ہے۔ فَلَحٌ سے بنا ہے معنی کامیاب ہونا لازم ہے اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اصحاب کہف یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدم ہوئی۔ اِذًا شرطیہ اَبَدًا اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی کبھی بھی منفی جملے میں اور بمعنی ہمیشہ مثبت جملے میں۔ یہ ظرف زمانی ہوتا ہے۔ بحالت نصب ہے کیونکہ تُعِيْدُوْا فعل پوشیدہ شرطیہ کا ظرف ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط مؤخر ہوئی ایک قول میں اَبَدًا ظرف ہے لَنْ تُفْلِحُوْٓا۔ کا یہ آسان ترکیب ہے۔ بہر حال شرط و جزا مل کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر جزا ہوئی اِنْ يَّظْهَرُوْا۔ کی وہ جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر جزا اِنَّ۔ وہ اپنے اسم خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاوْ۔ مرحلہ كَذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی تشبیہی اس مشار الیہ ہمیشہ ماقبل ہوتا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اَعْثَرْنَا کا یہ باب افعال کا ماضی مثبت صیغہ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ مصدر ہے اِعْثَارٌ۔ بمعنی مشہور کرنا، اطلاع دینا۔ عَثْرٌ سے بنا ہے بمعنی مشہور ہونا۔ مصدر متعدی ہے اور

مادہ لازم ہے۔ علٰی جارہ معنی پر ہُمْ ضمیر کا مرجع تاقیامت دنیا والے۔ یا صرف شہر والے یہ جار مجرور متعلق ہے اَعْثَرْنَا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ لام کئے۔ تعلیلیہ یَعْلَمُوْا۔ مضارع مفتوح ہے لام کی وجہ سے۔ عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا ھُمْ ضمیر مقدر اس کا فاعل ہے مرجع تاقیامت لوگ یا اہل شہر۔ اَنَّ حرف تحقیق وَعْدَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی فیصلہ قانون۔ مضاف ہے۔ اللہ۔ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی اسم ہے۔ اَنَّ کا حَقٌّ اسم مفرد جامد بمعنی سچا۔ باقی۔ مضبوط۔ خبر اَنَّ ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واو عاطفہ اَنَّ حرف تحقیق الف لام عہدی۔ ساعۃ۔ اسم جامد مؤنث لفظی بمعنی قیامت اسم اَنَّ لَا نفی جنس رَیْبَ۔ اسم مفرد جامد مبنی مفتوح۔ بمعنی شک اسم ہے لا کا فی جارہ ظرفیہ مجازیہ نہ زمانیت نہ مکانیت۔ ضمیر مؤنث غائب کا مرجع ساعۃ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر ضمیر ہے لا نفی جنس کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ۔ پھر وہ جملہ ہو کر معطوف ہوا دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ لِیَعْلَمُوْا کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی معلول علت مل کر جملہ تعلیلیہ مکمل ہوا۔ اِذْ یَتَنَازَعُوْنَ بَیْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَیْهِمْ بُنْیَانًا۔ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ اِذْ ظرفیہ۔ یہاں اس کی ترکیب میں تین قول ہیں ایک یہ اَعْثَرْنَا کا ظرف زمانی ہے یعنی اَعْثَرْنَا کے وقت تنازع ہوا دوسرے یہ لِیَعْلَمُوْا۔ کا ظرف مفعولیت ہے۔ یعنی تاکہ دنیا والے تنازع کے وقت کو جان لیں تیسرے یہاں اُذْكُرْ پوشیدہ ہے یہ اس کا ظرف مفعولیت ہے یعنی اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم یاد کرو اس وقت کو جب یہ تنازع ہوا تھا۔ (جلالین۔ جمل) یَتَنَازَعُوْنَ باب تفاعل کا مضارع ہے۔ اس کا مصدر ہے تَنَازُعٌ نَزْعٌ سے بنا ہے معنی جھگڑا۔ بحث۔ اختلاف رائے۔ تفاعل سے دو طرف مباحثہ وجھگڑے کا معنی ہوا۔ بَیْنَ۔ ظرفیہ مطلقہ کیلئے ہے یہاں ظرفیہ قولی کیلئے ہے ھُمْ سے مراد وہ شہر کے لوگ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ اَمْرٌ اسم مفرد جامد بمعنی معاملہ ھُمْ ضمیر کا مرجع اصحاب کہف یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ دوم ہے فَ جزائیہ۔ یہ پہلا جملہ شرط ہوا۔ قَالُوا فعل ھُمْ پوشیدہ ضمیر فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ قول ہوا۔ اِبْنُوْا باب نصر کا امر حاضر معروف دراصل تھا۔ اِبْنِیُوْا بروزن اُنْصُرُوْا بِنَیٌ سے بنا ہے بمعنی بنیاد رکھنی عمارت بنانی علٰی جارہ فوقیت کا یا بمعنی عِنْدَ۔ یعنی اُن پر مجازاً۔ یا ان کے پاس حقیقتاً۔ مرجع اصحاب کہف یہ جار مجرور متعلق ہے۔ بُنْیَانًا بروزن فُعْلَانٌ بِنَیٌ سے بنا ہے بحالت نصب یا مفعول مطلق ہے یا مفعول بہ ہے اِبْنُوْا کا تب یہ حال مصدر ہے بمعنی مکان۔ کمرہ۔ مزار۔ خانقاہ۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ رَبُّ اسم صفاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ۔ ھُمْ ضمیر کا مرجع اصحاب کہف یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر ھُوَ اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع رَبُّ ہے فاعل ہے اَعْلَمُ کا۔ بِ جارہ تعدیہ کی ھِمْ مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے رَبُّهُمْ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم سب مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا۔ قَالَ الَّذِیْنَ غَلَبُوْا عَلٰۤی اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا۔ قَالَ اسم موصول جمع اس کا فاعل ہے قاعدہ نحو یہ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ صیغہ واحد غائب آتا ہے غَلَبُوْا باب نصر کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب غَلَبٌ سے بنا ہے بمعنی کسی چیز پر غلبہ پانا خواہ علمی یا زبانی یا قانونی یا۔ مالی یا جسمانی یا روحانی یا افرادی۔ یا سلطانی یا حکمرانی یا احترامی یا بزرگی یہاں مراد ہے دلائل کا غلبہ یا افرادی قوت کا یا بادشاہی دبدبہ کا۔ علٰی جارہ فوقیت کا اَمْرِ اسم مفرد بمعنی بات حکم فیصلے دلائل۔ معاملہ۔ ھِمْ ضمیر کا مرجع الَّذِیْنَ

اَمْرِہِمْ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے غَلَبُوْا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ موصول کا وہ اپنے صلے سے مل کر فاعل ہوا قَالَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَنَتَّخِذَنَّ فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل معروف جمع متکلم نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ باب افتعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ، اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی تیار کرنا۔ بنانا۔ علی جارہ بمعنی عِنْدَ ہُمْ ضمیر ظاہر کا مرجع اصحاب کہف یہ جار مجرور متعلق ہے لَنَتَّخِذَنَّ کا مسجد اسم ظرف واحد مذکر بابِ نصر سے ہے سجدٌ سے مشتق بمعنی سجدہ کرنا مراد ہے۔ عبادت گاہ کیونکہ سجدہ ہر شریعت کی عبادت میں موجود رہا ہر دین میں۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے لَنَتَّخِذَنَّ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّہُمْ اِنْ یَّظْہَرُوْا عَلَیْکُمْ یَرْجُمُوْکُمْ اَوْ یُعِیْدُوْکُمْ فِیْ مِلَّتِہِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا وَکَذٰلِکَ اَعْثَرْنَا عَلَیْہِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰہِ حَقٌّ وَّ اَنَّ السَّاعَۃَ لَا رَیْبَ فِیْہَا۔ اے مخلص ساتھیوں یہ تمام احتیاطی تدابیر صرف اس لیے ہیں تاکہ ہم جس طرح اُن کفار سے چھپ کر آئے تھے اب بھی چھپے رہیں۔ اور یہاں غار میں بیٹھ کر یا کسی دوسرے شہر کی طرف ہجرت کر کے ہم اچھے وقتوں کا انتظار کریں۔ اگر ہمارے شہر جانے والے ساتھی سے ذرا سی بھی بھول چوک ہو گئی تو ہم یقیناً ظاہر ہو جائیں گے اور تم جانتے ہی ہو کہ کل دقیانوس نے صرف ایک دن کی مہلت اس لیے دی تھی کہ ہم سوچ سمجھ لیں اور لوگوں کے انجام سے عبرت پکڑ لیں۔ آج ہمارے نہ پہنچنے پر وہ ظالم کتنا غضب ناک ہو گا۔ اس نے اپنے ساتھیوں سپاہیوں جاسوسوں لشکریوں کو ہمارے ڈھونڈنے تلاش کرنے میں کہاں تک نہ دوڑایا ہو گا۔ کیا کچھ نہ کیا ہو گا۔ ان خطرناک حالات میں اور ہمارے لیے انتہائی نازک لمحات میں اگر بیشک وہ تم پر ظاہر و غالب آ جائیں اور تم ان سے چھپے نہ رہ سکو تو وہ جابر سفاک اپنے بادشاہ کے حکم سے تم کو پتھروں سے رجم سنگسار کر کے قتل و ہلاک کر دیں گے۔ تواریخ میں لکھا ہے کہ دقیانوس سے پہلے روم پر آٹھ بادشاہتیں بنطیلوں اور قبطیوں کی مسلط رہیں اور سب نے ہی یہود و نصاریٰ کے سچے صحیح ایمان والے بنی اسرائیل پر طرح طرح کے ظلم کئے مگر دقیانوس ظلم کرنے میں اور دین مسیحی کے مٹانے بت پرستی کی اشاعت کرنے اور بنی اسرائیل کا قتل و غارت اور تباہی مچانے میں سب سے بڑھ گیا تھا۔ اس کی سزائیں چار قسم کی تھیں۔ ۱؎ جو شخص بت پرستی نہ کرتا تو اس کو قید کراتا اور دن رات کوڑے لگواتا یہ سلسلہ ایک دن اور دو رات رہتا اول تو کوڑے کھانے والا اسی سزا سے مر جاتا اگر نہ مرتا تو پھر ۲؎ اس کو مشرک بننے پر آمادہ کیا جاتا پھر بھی اگر وہ نیک اور مضبوط دل مومن مرتد ہونے پر آمادہ نہ ہوتا تو اس کو قتل کر دیا جاتا۔ اور ۳؎ اگر بادشاہ کسی وجہ سے کسی شخص کو مہلت دیتا تو دوسرے دن پھر بلایا پکڑوایا جاتا اور پھر مشرک ہونے پر آمادہ کیا جاتا ہے اگر مہلت کے بعد انکار کرتا تو اس کے گرد روئی لپیٹ کر سب کے سامنے آگ لگا دی جاتی۔ اور ۴؎ اگر کوئی مہلت پا کر بھاگ جاتا اور پھر پکڑا جاتا تو اس کو پتھر مار مار کر مار دیا جاتا۔ ایسے مجرموں کی کوئی سفارش وغیرہ کوئی نہ کر سکتا۔ اسی سزا کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ تم کو رجم کر دیں گے۔ اور اگر رجم نہ کریں تو اس سے بھی زیادہ یہ بات خطرناک ہو گی کہ یا تم کو اپنے اسی کفریہ دین میں پھر لوٹا کر لے جائیں گے جس میں تم پہلے

پھنسے ہوئے تھے اور رب تعالیٰ نے تم کو اپنے کمال وفضل سے اس بُرے گندے پلید شرک وگمراہی والے عقیدوں اور اعمال سے بچالیا ہے اور نیک لوگوں کی صحبت وتدبیت نے تمہاری قسمت جگادی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یُعِیْدُوْا سے مُعِیْدُوْا مراد یہ ہے کہ تم شروع سے بچپن سے ہی خانداقی طور پر مومن ہو اب اگر تم پکڑے گئے تو ذلیل کرکے تم کو جبراً دین بدلنے کو کہینگے اور ہو سکتا ہے کہ خدا نہ کرے تم ان سے کوئی ڈر کر مرتد ہو جائے اگر ایسا غضب ہو گیا تو پھر یاد رکھنا کہ تم ہرگز ہرگز کبھی بھی کسی طرح کامیاب نہ ہو سکو گے نہ دنیا میں نہ قبر وحشر وآخرت میں۔ دنیا میں تو اس طرح کہ اپنے اصل ایمان میں ذلیل وخوار ورسوا ہو جاؤگے اللہ کی طرف سے لعنت پھٹکار کے مستحق ہو جاؤ گے۔ آئندہ نسلیں تمہاری گندی تاریخی سوانح لکھیں گی اور خود یہی مشرک بنوانے والا بادشاہ اور اس کا عملہ درباری وغیرہ بھی تم پر دل سے کبھی اعتماد نہیں کریں گے۔ ہمیشہ تاحیات تمہاری کڑوی نگرانی ہوتی رہے گی کبھی عزت کی نوکری ملازمت بھی نہ ملے گی اگر تم پکے کافر ہو بھی گئے تو بھی تم کو دھوکے باز سمجھا جائے گا جب تک کہ ان کو یقین نہ آجائے اور آخرت کی ناکامی یہ کہ جہنم کا دائمی عذاب ہو گا۔ ان تمام نصیحتوں کو سنکر حضرت تملیخا شہر کی طرف چل پڑتے ہیں اور ہزار بچنے کے باوجود پھر بھی ظاہر ہو جاتے ہیں ساری تدبیریں ناکام ہو جاتی ہیں اس لیے کہ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا اور اس طرح جیسا ہم نے اپنے پروگرام کے تحت ان کو شہر سے نکالا غار میں چھپایا سلایا تھا اب ہم نے اپنے منشا اپنے ارادے سے ان سب اصحاب کہف کو ان شہر والوں پر ظاہر کر دیا۔ اس لیے تاکہ لِيَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ عقل وخرد اور اس واقعہ کہف کے تجربہ ومشاہدے سے یہ بستی والے منکرین قیامت جان لیں اور ان کے علاوہ تاقیامت قرآن مجید کے ذریعے سنکر تمام کفار جان لیں۔ یا عین الیقین سے یہ خود اصحاب کہف جان لیں اور ان کا ایمان مزید مضبوط ہو جائے۔ اس بات سے کہ بیشک اللہ کا وعدہ قبر۔ حشر۔ نشر قیامت اور دوسری ابدی زندگی والا بالکل سچا اور حقیقت یقینیہ ہے اور اس بات کو بھی جان لیں کہ حساب وکتاب۔ جزا وسزا۔ حق وباطل کے فیصلے کی ساعت کے برپا اور قائم ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا ۚ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ ۚ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰٓى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا یاد کیجیے اس وقت کو اے نبی جب شہر افسوس کے لوگ آپس میں بحث مباحثہ کر رہے تھے غار پر جا کر ان اصحاب کہف کے بارے میں کہ اب ان کیلئے خاص کر نزدیک کیا کیا جائے جس سے ان اللہ کی قدرتی نشانیوں کو کوئی نقصان نہ ہو نہ ان کے پاس قریب کوئی جا سکے نہ جانور۔ درندہ نہ انسان۔ جب پہلے ان کو رب تعالیٰ نے اتنی دراز مدت سلایا تو اب نہ جانے کتنی مدت سوئیں اس لیے کوئی اچھا انتظام کیا جائے۔ تو کہا کچھ لوگوں نے کہ اس غار کے دروازے کو پہلے کی طرح پتھروں کی مضبوط دیوار سے بند کر کے دیوار کے ساتھ کوئی مکان یا ہیکل یا کوئی مینارہ بنادو۔ کیونکہ آئندہ وہ کتنا اس غار میں ٹھہریں گے ان کا رب ہی ان کے بارے میں سب سے زیادہ جاننے والا ہے۔ لیکن کہا ان لوگوں نے جو اپنی سوچ سمجھ فکر اور رائے میں بہتری مضبوطی اچھائی کے اعتبار سے غالب رہے تھے کہ البتہ بیشک ہم تو ضرور یہاں مسجد بنائینگے ان کے بالکل قریب۔ تاکہ دین۔ دنیوی ہر لحاظ سے ہر ایک کو تادیر فائدے پہنچتے

رہیں۔ اس سجدے اصحاب کہف کو ظاہری فائدہ یہ کہ دروازہ مضبوطی سے بند رہے گا۔ اور غار پوشیدہ ہو جائے گا اوپر دور کوئی پہاڑ کی بہت بلندی پہ جا کر اوپر والے سوراخ سے جھانکے تو یہ علیحدہ بات ہے البتہ یہ رگ والا راستہ تو حفاظت سے بند ہو جائے گا۔ نیز جب کوئی یہاں عبادت کریگا تو اس کی عبادت سے ان کو روحانی فائدہ ہوگا۔ ہم کو یہ فائدہ ہوگا کہ تاریخوں میں ہمارا نام روشن ہوگا اور تا قیامت آئندہ نسلیں ہم کو مومن ہی شمار کرینگے اور ایمان و عبادت سے ہمارا تعارف ہوگا یہ بڑی خوش قسمتی کی بات ہے۔ نیز ہم یہاں عبادت کیا کرینگے اور ہر سال یہاں عبادت الہی کے لیے میلے لگا یا عرس سجایا کرینگے اور مولیٰ تعالیٰ کے اس نشان قدرت کے شکریئے میں یاد منایا کرینگے تاکہ بعد والے منکرین قیامت کو ہمارے اس عمل کردار سے حلاوتِ ایمانی نصیب ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ان نیک بندوں کے قرب کی برکت سے ہم موجودہ و آئندہ سب لوگوں کی عبادت و دعائیں بارگاہِ رب العزت میں قبولیت کے قریب ہو جائینگی۔ اور شانِ اولیاء کے منکروں کے خلاف یہ ہمارا عمل مضبوط دلیل بن جائے گا۔ غلامانِ اولیاء اللہ اس دلیل سے گستاخوں منکروں کا منہ توڑ و دندان شکن جواب دے سکا کرینگے۔ مفسرین کرام اور سیاح مؤرخین فرماتے ہیں کہ آج تک وہاں خانقاہ نما سجد بنی ہے اور یہود و نصاریٰ اور مسلمان سب تنظیم سے حاضری دیتے ہیں۔ یہاں لفظ اِذْ کے تعلق اور يَتَنَازَعُوْنَ اور قَالُوا ابْنُوا کے قائل اور رَبُّهُمْ اَعْلَمُ کے متکلم اور غَلَبُوْا کے فاعل میں مفسرین کرام کے مندرجہ ذیل چند اختلافی اقوال ہیں جن کی وجہ سے اس آیت کی تفسیر بھی چند طرح ہے ۱۔ پہلا قول۔ یہ کہ اِذْ ظرف ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کا اور تَنَازُعْ سے مراد ان لوگوں کا مباحثہ ہے جو غار کے پاس آئے اصحاب کہف کی زیارت کی اور تنازع اس بات پر ہوا کہ یہاں کیا بنایا جائے انہی لوگوں نے کہا لَنَتَّخِذَنَّ اَعْلَمُ اور غَلَبُوْا کا فاعل بادشاہ اور اس کے درباری ہیں یہی قول درست ہے اسی قول پر ہم نے تفسیر کی ہے۔ دوسرا قول۔ یہ کہ اِذْ ظرف ہے اَعْثَرْنَا کا۔ یعنی ہم نے اصحاب کہف کو اس وقت مشہور کر دیا جب کہ شہر افسوس میں لوگوں میں مذہبی بحث مباحثہ مناظرے مجادلے ہو رہے تھے کہ قیامت ہوگی یا نہیں اور اگر ہوگی تو اس طرح روح اور جسم دونوں جمع کئے جائینگے یا فقط روحوں کو قیامت کے بارے میں لوگوں کے تین عقیدے تھے ۱۔ مومن کہتے تھے کہ قیامت یقیناً قائم ہوگی اور محشر میں ہم اس طرح جسم و روح کے ساتھ اٹھائے اور جمع کئے جائیں گے ۲۔ قیامت بالکل نہیں ہوگی ۳۔ صرف روحوں کو جمع کیا جائیگا۔ جسم گل سڑ کر فنا ہو جائیگا وہ دوبارہ نہیں بن سکتے یہ دونوں قول کفار کے تھے۔ رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ۔ یہ خود رب کا فرمان و کلام ہے یہ جملہ معترضہ ہے غَلَبُوْا کا فاعل اصحاب کہف کے برادری والے ہیں مگر یہ قطعاً غلط ہے اسی لیے کہ جب شہر کی حالت ہی یہ تھی کہ۔ نئی فضا تھی نئی ہوائیں نئے تھے انسان نئے عقیدے۔ دینِ مذہب تھا آشنائی وہی پرانے تھے۔ رکھ رکھاؤ بھلا ایسے حالات اور تین دراز مدت جس میں صدیاں بیت گئیں اصحاب کہف کے رشتے دار کہاں سے آتے۔ اِذْ ظرف ہے لِيَعْلَمُوْا۔ کا اور ترجمہ ہے تاکہ اب موجودہ لوگ اس وقت کے لوگوں کی

باتیں اور بحث مباحثہ جانتے ہیں غَلَبُوْا سے مراد شہر کے امیر لوگ ہیں یا متقی نیک لوگ۔ **فائدے** ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ کوئی شخص کتنا ہی پیر فقیر عالم زاہد عابد ہو پھر بھی اپنی ذات اپنے علم عبادت عقل فہم و فراست پر بھروسہ نہ کرے ہر وقت بُری کتابوں بُری محفلوں بُرے لوگوں سے ڈرتا گھبراتا رہے اور اپنے آپ کو اپنے دین کی حفاظت کی غرض سے بچاتا چھپاتا رہے۔ اللہ پر ہی ہر دم بھروسہ کرے اس کی ہمیشہ پناہ پکڑے۔ یہ فائدہ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ بزرگوں عالموں اور مشائخ کرام کی تمام باتیں عملیات بلکہ کھانا پینا اور روزی کمانا بھی عین حکمت باری تعالیٰ کے مطابق اور منشاء الٰہیہ سے ہوتے ہیں۔ اور اس سے ہزاروں کو ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ جہاں اولیاء اللہ کے مزارات ہوں وہاں قرب و جوار میں دعائیں نمازیں عبادتیں زیادہ قبول ہوتی ہیں اور ان کا ثواب بڑھ جاتا ہے اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں خانہ کعبہ کے پاس نماز پڑھنے کا ثواب زیادہ ہے اور مسجدِ نبوی شریف میں نماز پڑھنے کا نور زیادہ ہے۔ یہ فائدہ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **احکام القرآن** ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ جب اپنے ایمان کو خطرہ ہو تو ایمان بچانے کے لیے اپنے آپ کو لوگوں سے چھپا لینا جائز ہے اور اگر ہجرت کی طاقت ہو تو ہجرت بھی کرنا فرض یا واجب ہے یہ مسئلہ اِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ سے مستنبط ہوا **دوسرا مسئلہ**۔ مزارات یا اولیاء اللہ کے قریب ان کی زندگی یا بعد وفات مسجد یا خانقاہ یا مدرسہ اس نیت سے بنانا کہ یہاں قبولیت۔ برکت۔ رحمت زیادہ ہے بالکل جائز اور صحیح ہے تجربے مشاہدے کے عین مطابق ہے۔ اس زمانے کے بعض بدبخت جاہل لوگ اس جائز کام کو حرام حرام کہتے پھرتے ہیں وہ غلط ہیں کچھ لوگ اس حدیث کو دلیل بناتے ہیں کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعنت کرے اللہ یہود پر کہ انہوں نے قبروں کو مسجد بنا لیا۔ لہٰذا قریب والی مسجد بھی اس حدیث مبارکہ سے بھی جائز ہی ثابت ہوتی ہیں۔ یہ مسئلہ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا فرمان باری تعالیٰ سے مستنبط ہوا اس طرح کہ باری تعالیٰ نے بہت اچھائی کے طریقے سے اُن پرانے زمانے کے اہل ایمان کا عمل قرآن مجید میں ذکر فرمایا اور ان کی زبان و لغت کے لفظ کا ترجمہ مسجد جیسے عظمت والے لفظ سے فرمایا جس سے ثابت ہو گیا کہ اُن کا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو پسند تھا۔ اس لیے اب اگر مسلمان بنائیں تو بھی پسندیدہ ہے **تیسرا مسئلہ**۔ اولیاء اللہ کی زیارت کیلئے چل کر جانا سفر کرنا بالکل جائز ہے اور رب تعالیٰ کا پسندیدہ عمل مقبولِ بارگاہ فعل۔ یہ مسئلہ اَعْثَرْنَا سے مستنبط ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اصحاب کہف کو اس لیے بھی ظاہر فرمایا کہ لوگ جا کر ان کی زیارت کریں **چوتھا مسئلہ**۔ مرتد ہونے کو اتنا بُرا سمجھنا چاہیے جتنا کہ رجم وغیرہ سے ہلاک ہونے کو بلکہ اس سے بھی زیادہ بُرا یہ مسئلہ اَوْ يُعِيْدُوْكُمْ کے ساتھ وَلَنْ تُفْلِحُوْۤا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ اسلام میں مرتد ہونا دو قسم کا ہے ایک یہ کہ کوئی نو مسلم اپنے پرانے دین میں لوٹ جائے دوسرے یہ کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب آبائی دین ایمان چھوڑ دے یہ تقسیم يُعِيْدُوْكُمْ کے دو

معنیٰ سے ثابت ہوئی **اعتراضات** ۔ یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا یعنی اگر تم بادشاہ کے جبر سے اپنا ایمان چھوڑو تو کبھی ہرگز فلاحِ دارین نہیں پاسکو گے۔ جس سے ثابت ہوا کہ مجبوری میں بھی کلمہ کفر منہ سے نہ نکالنا چاہیئے۔ حالانکہ احادیث اور دیگر آیت میں جان بچانے کے لیے کفر بول دینا جائز قرار دیا گیا ہے۔ یہ تضاد کیوں ہے؟ جواب اس کے دو جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ یہ حکم شریعت اسلام میں ہے پہلے ادیان میں یہ سہولت نہ تھی۔ اس لیے حدیث پاک میں ارشادِ مقدس ہے کہ رُفِعَ عَنْ اُمَّتِیْ عَنِ الْاِضْطِرَارِ میری اُمّت سے مجبوری کی حالت کا کفر معاف کر دیا۔ لفظ اُمّتی سے ثابت ہوا کہ پہلی شریعتوں میں حکم نہ تھا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ مجبوری کی حالت یہ ہے کہ کفار کسی مومن کو پکڑیں کلمہ کفر کہنے پر مجبور کریں اور کفر کہلوا کر پھر چھوڑ دیں مومن آزاد ہو کر پھر توبہ استغفار پڑھ لے۔ لیکن اصحابِ کہف جس کسی اندیشے کا ذکر رہے ہیں وہ یا تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے تم لوگ جبر قہر دھمکی سے گھبرا کر خوف و ڈر سے کہیں پکے اور صحیح کافر بن سکتے ہو۔ اور دونوں کام اضطراری حکم سے علیحدہ ہیں۔

دوسرا اعتراض ۔ یہاں فرمایا گیا۔ عَلَیْهِمْ مَّسْجِدًا یعنی ہم ان کے اوپر مسجد بنائینگے یہ اسطرح ہوا جس طرح قبر پر بنانا۔ تو چونکہ قبر پر مسجد بنانا حرام ہے اس لیے یہاں بھی یہ کام حرام ہی ہوا اور اللہ تعالیٰ نے برائی کے طور پر ذکر فرمایا۔ نہ کہ اچھائی کے طریقے پر لہٰذا اس سے مزارات کی ساجد کا جواز نہیں مستنبط ہوتا۔ جواب۔ یہاں عَلَیْهِمْ کے معنیٰ ان کے اوپر نہیں کیونکہ اصحاب کہف کے اوپر تو مسجد بنانا ناممکن ہے وہ غار کے اندر سو رہے ہیں یہ مسجد یقیناً باہر دروازے کے پاس ہے پس علی بمعنیٰ عند کرنا پڑیگا اور حدیثِ پاک میں قبور کے لیے علی کہیں نہیں آیا۔ اگر کہیں ہو بھی تو وہ علی بمعنیٰ الیٰ کرنا پڑیگا۔ کیونکہ علی کا اپنا معنیٰ ہے بالکل اوپر۔ اور قبر کے بالکل اوپر مسجد بنانا جائز ہے۔ جب کہ قبور پر چھت ڈالکر بنائی جائے احادیث سے ثابت ہے کہ خانہ کعبہ کی مسجد حرام کے نیچے بہت انبیاء کرام کی قبور ہیں محاورۃً ایسے موقعوں علی اپنے معنیٰ میں نہیں ہوتا عام بولا جاتا ہے میں ان کے گھر پر گیا تو یہی مقصد ہوتا ہے کہ میں گھر کے پاس گیا لہٰذا اعتراض بیہودہ ہے اور جواز مستنبط ہے

تفسیر صوفیانہ اِنَّهُمْ اِنْ یَّظْهَرُوْا عَلَیْكُمْ یَرْجُمُوْكُمْ اَوْ یُعِیْدُوْكُمْ فِیْ مِلَّتِهِمْ وَلَنْ تُفْلِحُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَعْثَرْنَا عَلَیْهِمْ لِیَعْلَمُوْٓا اَنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّاَنَّ السَّاعَةَ لَا رَیْبَ فِیْهَا ۔ ورنہ بیشک اگر نفوسِ بدنیہ جسمانیہ عقل و شعور پر غالب آگئے تو غضب غصہ شہوت کے پتھروں سے اور طلب لذت کی مار سے ہلاک کر دیں گے اور اے قلب تیرے اعمال دیکھال کر قتل کر دینگے یا غلبہ شیطانی میلانِ خواہشات مبتلاء وہم میں ۔عبادتِ لغویات کے دین میں تم سب کو پھیر دینگے۔ پھر دوبارہ کبھی بھی انعاماتِ ربانیہ کے حصول میں تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ اور جس طرح ہم اپنے ولیوں کے قلب و جگر کو اولاً آلائشِ دنیوی سے دور کر کے آغوشِ فطرت کے غارِ ذکر و فکر میں میٹھی اور تنہائی کی مستانوی نیند عطا کرتے ہیں اسی طرح انکو میدانِ مجاہدہ میں ہمّتِ مردانگی

دے کر اٹھاتے جگاتے ہیں اور اس طرح اَعْثَرْنَا عَلَيْهِمْ۔ طالبین ہدایت کیلئے باوجود ہزار طریقوں سے خود کو چھپانے کے ہم ظاہر و مشہور کر دیتے ہیں تاکہ عوام و اغیار ان پیاروں کی صحبت و ہدایت کے فیض سے جان لیں کہ بیشک رب تعالیٰ کے تمام وعدے عالم جسمانیات سے کئے گئے قبض و بسط مکاشفہ مشاہدہ اور جزاء مجاہدہ و سزاء غفلت برحق ہے۔ اور قرب جمال و قہر جلال و بُعدِ انکار کی ساعتیں قیامتیں یقینی ہیں ان میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ قحط الرجال کا زمانہ ہے نہ اب کہف خلوت نظر آتا ہے نہ اصحاب مخلصین ملتے ہیں وہ لوگ ہی نہیں ملتے جن کی راہ چلنے اور جن کی سیرت اختیار کرنے کے لائق ہے۔ وادی طلب اور مدینہ اخلاص میں سناٹا چھایا ہوا ہے۔

اِذْ يَتَنَازَعُوْنَ بَيْنَهُمْ اَمْرَهُمْ فَقَالُوا ابْنُوْا عَلَيْهِمْ بُنْيَانًا رَبُّهُمْ اَعْلَمُ بِهِمْ قَالَ الَّذِيْنَ غَلَبُوْا عَلٰى اَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا اس وقت کو یاد کرو جب سافرانِ وادی طلب۔ مریدین صادقین روح و جسم۔ فناء و بقا۔ موت و حیات کی واردات و کیفیات کے اصحابِ غار کے بارے میں زبانِ احوال سے مباحثہ کرتے تھے۔ یہاں تک کہ کچھ اہل ظاہر نے کہا کہ کہفِ خلوت والوں پر عقل و شعور کی دیواریں عمارتیں بنیادیں کھڑی کر دی جائیں۔ کیونکہ آئندہ ان کی واردات و کیفیات و حالات اور ذکرِ خفی و جلی کو ان کا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اور ان کا رب کریم ہی ان کی شانِ معرفت کو جاننے والا ہے کہ یہ کب تک مقام فنا فی اللہ اور استغراق باللہ میں باقی ہیں۔ لیکن غلبہ عشقِ الٰہی والوں نے فرمایا کہ قرب مشاہدہ منزلِ مکاشفہ والوں کے پاس البتہ بیشک ضرور ہم مجاہدۂ طریقت اور غارِ نیاز اور عبادتِ بے نیاز اور سجود ناز کی سجدیں بنائینگے۔ ذکر و فکر کے میلے بجائینگے مشاہدے مکاشفے کے عرس منائینگے۔ اے بندو آؤ اور اپنے دل کی مسجد بجاؤ زہد و تقوے کی بساط نہ الٹاؤ۔ جس نے اپنے احوال سے صفاتِ بد کو دور کر دیا اور خصائل حمیدہ پر قائم ہو گیا وہ ہی نفی و اثبات کی بانی والا ہے۔ شریعت اور طریقت ایک پرندے کے دو بازو اور گاڑی کے دو پہیے ہیں کیونکہ شریعت التزام عبودیت کا حکم ہے اور طریقت مشاہدۂ ربوبیت کا نام ہے۔ پس جس شریعت کو حقیقت و طریقت کی تائید حاصل نہیں وہ غیر مقبول ہے اور جو طریقت و حقیقت شریعت کی پابند نہیں وہ لاحاصل و فضول بلکہ گمراہی ہے تصوف کی ساری بنیاد اسی پہ ہے کہ آداب شریعت کی پابندی سے حرام اور مشتبہ چیزوں سے ہاتھ کھینچا جائے۔ ناجائز اوہام و خیالات سے اوقات اور حواس کو آلودہ نہ کیا جائے اور غفلتوں سے بچکر اللہ تعالیٰ کی یاد میں وقت گزاری کی جائے۔ ترکِ شہوات کے مجاہدے میں ہمیشہ مشغول رہنا چاہیئے یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ خواہشات کی پابندی بھی کرتا رہے اور راہِ سلوک کی مسافرت میں روح کی پاکیزگی کی بھی تمنا لئے پھرے یہ ہی ابلیسی ذہنیت اور بدترین پستی ہے کہ جن کو اللہ کیلئے چھوڑ دیا ہو اُس کی جانب پھر رجوع کرے (ازابن عربی) غرضکہ طالبِ معرفت کو ان امور کی سخت پابندی لازم ہے اور بڑی احتیاط کی ضرورت ہے شعر۔ توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے

یہ بندہ ہزاروں سے خفا میرے لئے تھا

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ج

عنقریب کہیں گے وہ تین ہیں ان کا چوتھا کتا ہے

اب کہیں گے کہ وہ تین ہیں چوتھا اُن کا کتا

وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ

اور کچھ لوگ کہیں گے پانچ ہیں اُن میں چھٹا اُن کا کتا ہے

اور کچھ کہیں گے کہ پانچ ہیں چھٹا اُن کا کتا ہے

رَجْمًا بِالْغَيْبِ ج وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّ

اندھا دھند بائیں پھینک رہے ہیں اور کچھ لوگ کہتے پھرتے ہیں کہ سات ہیں اور

دیکھے الاؤ تکا بات اور کچھ کہینگے سات ہیں اور

ثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ط قُل رَّبِّيٓ أَعْلَمُ بِعِدَّتِهِم

اُن میں آٹھواں کتا ہے تم فرما دو میرا رب ہی اُنکی صحیح تعداد کو خوب جاننے والا ہے

آٹھواں اُن کا کتا۔ تم فرماؤ میرا رب اُن کی گنتی خوب جانتا ہے

مَّا يَعْلَمُهُمْ إِلَّا قَلِيلٌ ۵ قف فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ

نہیں جانتے یہ لوگ اُن اصحاب کو۔ مگر کچھ لوگ۔ تو اے نبی آپ نہ بحث کریں ان لوگوں سے انکے بارے

انھیں نہیں جانتے مگر تھوڑے تو اُن کے بارے میں بحث نہ کرو

إِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا ص وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِم

میں مگر اتنی گفتگو جو آپ پر ظاہر ہوئی اور نہ پوچھنا تم اُن کے بارے میں

مگر اتنی ہی بحث جو ظاہر ہو چکی اور ان کے بارے میں کسی کتابی

مِّنۡهُمۡ اَحَدًا ﴿۲۲﴾ ع وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ ٣ع٥ ١٥

ان میں سے کسی سے۔ اور ایسا بھی کبھی نہ فرمانا کسی چیز کے بارے میں کہ یقیناً

سے کچھ نہ پوچھو اور ہرگز کسی بات کو نہ کہنا کہ

فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا ﴿۲۳﴾ لا اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ ؗ وَ

اُس کو کرنے والا ہوں کل آئندہ مگر انشاءاللہ فرمالیا کرو اور

میں کل یہ کردوں گا مگر یہ کہ اللہ چاہے اور

اذۡكُرۡ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيۡتَ وَقُلۡ عَسٰٓى

یاد کرو فوراً اپنے رب کو جب تم کچھ بھول جاؤ اور فرماؤ کہ عنقریب ہو گا

اپنے رب کی یاد کر جب تو بھول جائے اور یوں کہہ کر قریب ہے

اَنۡ يَّهۡدِيَنِ رَبِّىۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ

ایسا کہ مجھ کو میرا رب درست بات سمجھادے جو زیادہ قریب ہوگا اسی تمہاری گنتی سے

کہ میرا رب مجھے اس سے نزدیک تر راستی کی

هٰذَا رَشَدًا ﴿۲۴﴾

سچی حقیقت میں

راہ دکھائے

تعلق

ان آیت مبارکہ کا پچھلی آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں اصحاب کہف کے متعلق ان لوگوں کے اختلاف کا ذکر ہوا تھا جو لوگ اُن کو دیکھنے والے تھے۔ اب ان آیت میں اصحاب کہف سے متعلق ہی اُن لوگوں کے اختلاف کا ذکر ہو رہا ہے جو بعد میں پیدا ہوئے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت

میں بتایا گیا تھا کہ رب تعالیٰ نے اصحاب کہف کے متعلق سب لوگوں کو بتا دیا اور کہف والوں کو ظاہر فرما دیا اس میں ایک حکمت تھی۔ اب ان آیتوں میں بتایا گیا کہ بعد والی نسلوں سے ان اصحاب کو چھپایا گیا۔ اس میں دوسری حکمت کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں باری تعالیٰ کے اُس علم کا ذکر ہوا جو اس وقت کے لوگوں نے اقرار کیا تھا کہ اُن کی حقیقت یا اُن کی آئندہ زندگی کو اللہ ہی جانتا ہے۔ اب ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ کے اُس علم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو اپنے حبیب کی زبانی بتایا گیا کہ اُن کی اصل گنتی رب تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

تفسیر نحوی

سَيَقُولُونَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۚ وَيَقُولُونَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ ۚ وَيَقُولُونَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ ۔ سین حرف تقریبی۔ اس کو حرف تنفیس اور حرف توسیع بھی کہتے ہیں۔ اس لیے کہ یہ ہمیشہ مضارع پر داخل ہوتا ہے۔ اور نہ عامل ہوتا ہے نہ معمول بلکہ جزء کی طرح ہو جاتا ہے اس لیے نام ہوا تنفیس۔ مضارع سے حال کے معنی ختم کر کے مستقبل کے لیے مقرر کر دیتا ہے اس لیے نام ہوا توسیع کیونکہ زمانۂ حال چھوٹا اور تنگ ہوتا ہے مستقبل کا زمانہ بہت وسیع ہوتا ہے۔ نیز یہ حرف مستقبل کو قریب بتاتا ہے۔ یعنی عنقریب اس لیے نام ہوا تقریبی۔ يَقُولُونَ۔ باب نصر کا مضارع مثبت معروف جمع غائب ہم ضمیر اس میں پوشیدہ جس کا مرجع زمانۂ نبوی عرب کے یہود و نصاریٰ ہیں۔ فاعل ہے يَقُولُونَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا "ثَلٰثَةٌ"۔ اسم مفرد عددی ہے مونث لفظی ہے۔ مذکر معدود کے لیے آتا ہے خلاف قیاس معرب ہے۔ موصوف ہے ما بعد کا یعنی تین۔ رابع اسم فاعل کے وزن پر اگر نمبر عددی بن گیا یعنی چوتھا اس کا عدد ہے۔ اَرْبَعٌ معرب منصرف متمکن۔ یعنی چار۔ مضاف ہے ہُمْ ضمیر جمع کا مرجع اصحاب کہف مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا۔ کَلْبٌ اسم مفرد جامد یعنی کتا۔ ہُمْ ضمیر مضاف الیہ۔ مرکب اضافی خبر ہے جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے "ثَلٰثَةٌ" کی بعض نے کہا۔ یہ آپس میں حال ذو الحال ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں یہ غلط ہے اس لیے کہ "ثَلٰثَةٌ" سے پہلے ہُمْ ضمیر مبتدا پوشیدہ ہے۔ اور "ثَلٰثَةٌ" سب سے مل کر اُس کی خبر ہے۔ حالانکہ حال یا فاعل کا ہوتا ہے یا مفعول بہٖ کا۔ اور ان دونوں کے لیے عامل مشتق کی ضرورت ہے یا کم از کم مصدر مضاف ہو۔ ہُمْ ضمیر میں یہ بات نہیں۔ یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا۔ واو سے جملہ يَقُولُونَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ "خَمْسَةٌ" اسم عدد یعنی پانچ خلاف قیاس مذکر کے لیے مونث آتا ہے۔ موصوف ہے۔ سادِسٌ "سِتَّةٌ" کا نمبر عددی ہے۔ دراصل تھا۔ سَاتِتٌ یا دراصل سِتَّةٌ کو سِدْسٌ کیا گیا۔ اس کو سَادِسٌ بنایا گیا۔ ایک قول میں "سِتَّةٌ" عربی ہے اور "سُدُسٌ" حبشی زبان کا لفظ ہے۔ مگر پہلا قول راجح ہے کیونکہ "سِتَّةٌ" کا نمبر عددی یعنی "سَاتِتٌ" کبھی مستعمل نہ ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ سادِسٌ یا سدس یا "سادت" سب "سِتَّةٌ" سے ہی متغیر ہیں یعنی چھٹا۔ مضاف ہے ہُمْ مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا "كَلْبُهُمْ" مرکب اضافی خبر ہے۔ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی "خَمْسَةٌ" کی مرکب توصیفی خبر ہے۔ پوشیدہ ضمیر ہُمْ مبتدا کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا اور

جملہ قولیہ ہوگیا وجاً اسم مصدر ہے مفعول مطلق ہے یَرْجُمُوا فعل مضارع مستقبل کا جو پوشیدہ ہے رجم "کا معنی پتھر پھینکنا۔ پھینکنے کے لیے عربی لغت میں پانچ لفظ ہیں ۱۔ نشان پر کسی چیز کو پھینکنا۔ قذف۔ ۲۔ بے نشان بلا سوچے بے علمی سے پھینکے چلے جانا۔ رجم "۳۔ نیچے کو پھینکنا بغیر نشان کے نقطہ۔ خواہ ہاتھ خواہ منہ سے جیسے گٹھلی پھینکنا۔ ۴۔ نشانہ بازی سے تیر یا تلوار پھینکنا۔ رَمیٌ ۵۔ ٹکرانے اور بکھیرنے کے لیے پھینکنا نَبذٌ چونکہ پتھر اپنے بوجھل اور سخت ہونے کی بنا پر نشانے پر نہیں پھینکا جا سکتا۔ پتھر پھینکنے کو رجم کہا جاتا۔ کسی شخص کی سنگساری میں بھی نشانہ کا اہتمام نہیں کیا جاتا اندھا دھند مارا جاتا ہے اس لیے محاورتاً۔ اندھا دھند بات کر دینے کو بھی رجم کہا جاتا ہے یعنی حقیقت سے ناواقف ہو مگر بات کہنے سے زر کئے۔ بَ جارہ بمعنی علیٰ۔ یا بمعنی فِی جارہ الف لام عہدی غیب اسم مصدر جامد یعنی حاصل مصدر بمعنی چھپنا۔ چھپی چیز بے علمی۔ یہاں آخری معنی میں ہے جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ یرجمو کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا واؤ حرف جار یقولون۔ فعل مضارع ہُم پوشیدہ ضمیر فاعل فعل فاعل مکر جملہ فعلیہ قول ہوا۔ سَبْعَۃٌ اسم مفرد عددی معرب بمعنی سات خبر ہے مبتدا پوشیدہ ہُم ضمیر وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ ثَامِنُ ثمانیہ کا نمبر ہے بر وزن فاعل ہے۔ بمعنی آٹھواں مضاف ہے ہُم ضمیر مضاف الیہ دونوں مبتدا۔ کَلْبُہُمْ اُس کی خبر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف سب علت مکر مقولہ ہوا۔ قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِہِمْ مَّا یَعْلَمُہُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ ۔ فَلَا تُمَارِ فِیْہِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاہِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِیْہِمْ مِّنْہُمْ اَحَدًا ۔ قُلْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف اس میں خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اَنْتَ مستتر فاعل فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ربِّ اسم فعال جامد بمعنی پالنے والا مراد ہے اللہ تعالیٰ صفاتی نام پاک اکثر اضافت کے ساتھ ہی مستعمل ہوتے ہیں مگر ذاتی نام اضافت سے نہیں لائے جاتے۔ مثلاً اللہ کُم نہیں کہا جاتا۔ ی باء متکلم مجرور متصل ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر۔ ھُوَ۔ پوشیدہ ضمیر واحد غائب کا مرجع رب تعالیٰ ہے فاعل ہے۔ بِ جارہ عِدَّتِ اسم مصدر یا اسم مصدر جامد (حاصل) آخر کی تَ مصدریہ ہے۔ بمعنی گنتی تعداد مضاف ہے ہِمْ ضمیر مضاف الیہ مرجع اصحاب کہف مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق اَعْلَمُ کا لیکن اَوَّلاً یہ مرکب موصوف ہے۔ مَا۔ موصولہ لیکن صحیح یہ ہے کہ مَا نافیہ ہے۔ موصولہ مان کر ترکیب بہت مشکل ہو جاتی ہے جس میں خواہ مخواہ تکلفات کرنے پڑھتے ہیں۔ یَعْلَمُ۔ مضارع منفی ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع نکرہ غیر معین۔ یعنی کوئی۔ مستثنیٰ منہ ہے ہُمْ ضمیر موجود اس کا مفعول بہ ہے اصحاب کہف اِلَّا۔ حرف استثنا متصل مفرغ قلیل۔ بر وزن فعیل صفت مشبہ قَلَّ سے بنا ہے بمعنی تھوڑا ہونا۔ ترجمہ ہے بہت تھوڑے بحالت رفع ہے مستثنیٰ ہے لا یَعْلَمُ کے فاعل ھُوَ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی عِدَّتِ کی وہ متعلق اَعْلَمُ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی پھر یہ مقولہ ہوا۔ ایک قول میں مَا یَعْلَمُ علیحدہ جملہ ہے۔ فَ حرف ابتدا یا تعلیلیہ بمعنی لہٰذا۔ لَا تُمَارِ۔ باب مفاعلۃ کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر مصدر ہے مُمَارَاۃٌ در اصل تھا تُمَارِیُ

ی کو الف سے بدلا۔ مِرَاءٌ سے بنا ہے بمعنی بحث کرنا۔ مکالمہ یعنی دو شخصوں کا بات چیت کرنا تین قسم کا ہے اگر علم میں دونوں برابر ہوں تو مناظرہ چھوٹے بڑے ہوں تو مباحثہ۔ دونوں بے علم ہوں تو مجادلہ۔ فِیۡ جارہ ظرف مجازی کے لیے ھُمۡ مجرور متعلق ہے نہی کا اِلَّا حرف استثنا متصل مِرَاءً مصدر ہے موصوف ہے ظَاہِرًا۔ اسم فاعل ظُہُوۡرٌ سے بنا ہے بمعنی معلوم شئی صفت ہے۔ مرکب توصیفی مستثنٰی ہے لَا تُمَارِ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ لَا تَسۡتَفۡتِ باب استفعال کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنۡتَ مستتر فاعل ہے۔ لَا تُمَارِ اور لَا تَسۡتَفۡتِ دونوں جگہ خطاب عام مسلمان سے ہے یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اس کا مصدر ہے استفتاء فتویٰ سے بنا ہے بمعنی جہان بین کرنا۔ قانون معلوم کرنا۔ فیصلہ چاہنا یہاں پہلے معنی مراد ہیں۔ فِیۡ جارہ ظرفیہ ھُمۡ مجرور متعلق ہے فعل نہی کا اس ھُمۡ کا مرجع اصحاب کہف ہیں۔ مِنۡ بیانیہ ھُمۡ ضمیر کا مرجع کفار یہود و نصاریٰ اَحَدًا اسم مفرد عددی نکرہ و غیر معین بمعنی کسی سے بحالت نصب یا اس لیے کہ تمیز ہے ھُمۡ کی یا اس لیے کہ مفعول بہ ہے فعل نہی کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَایۡءٍ اِنِّیۡ فَاعِلٌ ذٰلِکَ غَدًا۔ اِلَّاۤ اَنۡ یَّشَآءَ اللّٰہُ۔ وَاذۡکُرۡ رَّبَّکَ اِذَا نَسِیۡتَ۔ وَقُلۡ عَسٰۤی اَنۡ یَّہۡدِیَنِ رَبِّیۡ لِاَقۡرَبَ مِنۡ ہٰذَا رَشَدًا۔ واؤ ہر جملہ۔ لَا تَقُوۡلَنَّ باب نصر کا فعل نہی با نون ثقیلہ صیغہ واحد مذکر حاضر۔ قول اجوف واوی سے بنا ہے اَنۡتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے۔ ان تمام جگہ نہی اپنے خطاب اور شان نزول کے اعتبار سے اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے مگر درحقیقت تا قیامت قانون سازی ممانعت ہر مسلمان کے لیے ہے لام جارہ شَیۡءٍ مجرور متعلق ہے نہی کا جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل فی العمل۔ نِیۡ ضمیر واحد متکلم اسم ہے اِنَّ کا۔ فَاعِلٌ اسم فاعل ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم اس میں پوشیدہ ہے وہ اس کا فاعل ہے ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی مفعول بہ ہے۔ فاعل کا۔ اس کا مشار الیہ ذہنی غیر معین ہے غَدًا اسم ظرف زمانی مفعول فیہ ہے فَاعِلٌ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ۔ اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ اِلَّا حرف استثنا مفرغ متصل اَنۡ حرف ناصبہ یَشَآءُ باب فتح کا مضارع مستقبل بحالت فتحہ اَنۡ کی وجہ سے اللّٰہُ بحالت رفع اس کا فاعل ہے۔ جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا فاعل کا۔ واؤ مرتبہ۔ اُذۡکُرۡ۔ باب نصر کا امر ذِکۡرٌ سے بنا ہے اَنۡتَ اس کا فاعل مستتر ہے۔ رَبَّکَ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِذَا ظرفیت زمانی کے لیے بمعنی جس وقت نَسِیۡتَ۔ باب سمع کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر نسیٰ سے بنا ہے۔ بمعنی بھولنا۔ متعدی ہوتا ہے یہاں متعدی نہیں ہے۔ اَنۡتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا اُذۡکُرۡ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ قُلۡ فعل امر حاضر صیغہ واحد مذکر اَنۡتَ اس کا فاعل جس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ عَسٰی فعل ماضی مطلق مقاربہ صیغہ واحد مذکر۔ زمانہ مستقبل قریب کے لیے آتا ہے۔ اَنۡ حرف ناصبہ یَہۡدِیَ۔ باب ضرب کا مضارع مثبت معروف بحالت فتحہ اَنۡ کی وجہ سے نِ نون وقایہ ہے اور اس کے زیر یاء متکلم کی نشانی جو تخفیف کے لیے حذف کر دی گئی دراصل تھا یَہۡدِیَنِیۡ۔ یا ضمیر واحد متکلم محذوفہ مفعول بہ ہے یَہۡدِیۡ کا۔ رَبِّیۡ مرکب اضافی فاعل ہے یَہۡدِیَ کا ہدیٰ سے بنا ہے بمعنی توفیق دینا۔ لام جارہ اَقۡرَبَ اسم تفضیل مذکر ضمیر

مستتر اس کا فاعل ہے من جارہ تقابلی ھذا اسم اشارہ و قریبی، مشار الیہ سابقہ واقعہ کہف رشدًا۔ اسم مصدر یعنی اسم فاعل رشدًا یعنی ہدایت دینے والا۔ بحالت منصب ہے یا تمیز ہے اقرب کی یا مفعول بہ ہے یھدین کا یا مفعول فیہ ہے اقرب کا۔ یا مفعول مطلق ہے یھدین کا ھدیٰ اور رشد کا معنی ایک ہیں اگرچہ لفظی تغیر ہے۔ اقرب جملہ اسمیہ ہو کر مجرور متعلق ہے یھدین کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر عسیٰ کا فاعل ہوا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا۔

تفسیر عالمانہ

سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًا بِالْغَيْبِ اے محبوب کریم یہ آپ سے اصحاب کہف کے بارے میں آج سوالات کرنے والے اصحاب کہف کا پورا واقعہ سن کر کل اُن کی تعداد کے بارے میں اختلاف کرتے ہوئے کہتے پھریں گے کہ اصحاب کہف تین ہیں اُن کا چوتھا کتا ہے اور کوئی فرقہ کہتا پھرے گا کہ وہ پانچ ہیں اُن کا چھٹا اُن کا کتا ہے۔ یہ سب ہی اصل حقیقت سے ناواقف ہیں یہ تعداد نہ انہوں نے کسی سے سنی نہ کہیں پڑھی بس آج ابھی ابھی اپنی علمیت بگھارنے کے لیے ویسے ہی اندھیرے میں غائبانہ اندھا دھند تیر چلا رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ شاید ہمارے محبوب پر ان کی علمی معلومات کی دھاک بیٹھ جائے یہ دیوانے یہ نہیں جانتے کہ ہمارے محبوب نبی کائنات کے ذرے ذرے سے پہلے ہی خبردار اور واقف ہیں۔

وَيَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ۔ فَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ اِلَّا مِرَآءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ مِّنْهُمْ اَحَدًا۔ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَايْءٍ اِنِّيْ فَاعِلٌ ذٰلِكَ غَدًا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ۔ اور کچھ یہ بھی کہیں گے کہ وہ اصحاب کہف سات آدمی ہیں اور آٹھواں اُن میں اُن کا کتا ہے۔ لیکن اے نبی کریم آپ ان سب سے صرف یہ فرما دو کہ میرا رب تعالیٰ ہی اُن کی تعداد کو ٹھیک ٹھیک پورا صحیح جاننے والا ہے۔ اب اس زمانے میں بہت تھوڑے لوگ ہیں جو اُن کی تعداد کو بالکل صحیح جانتے ہیں یہاں مفسرین کے چند اختلافی قول ہیں۔ ایک قول یہ کہ یہاں تین جگہ فرمایا گیا یقولون۔ پہلا قول نجران کے یعقوبیہ عیسائی فرقے کا قول ہے کہ انہوں نے کہا اصحاب کہف تین ہیں چوتھا کتا ہے۔ لیکن نجران کے نسطوری عیسائیوں نے کہا پانچ ہیں چھٹا کتا ہے۔ یہ دونوں قول غلط ہیں کیونکہ ان کو رب تعالیٰ نے رجماً بالغیب فرمایا۔ تیسرا یقولون مسلمانوں کا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُن کر فرمایا کہ سات ہیں اور آٹھواں کتا ہے۔ یہ تفسیر امام رازی اور دیگر چند مفسرین کی ہے اور ان کی دلیل یہ ہے کہ اس قول کو رب نے رجماً بالغیب میں شامل نہیں فرمایا لہٰذا یہ قول صحیح ہے اور مسلمانوں کا ہے۔ مگر دیگر بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ ان تینوں کے بعد فرمایا گیا قُلْ رَّبِّيْٓ اَعْلَمُ۔ فرما دیجئے اے نبی محترم کہ میرا رب ہی زیادہ جاننے والا ہے اُن کی تعداد کو۔ اس قُلْ سے ثابت ہوا کہ تینوں تعدادیں صحیح نہیں ہیں نہ تین کی گنتی نہ پانچ کی نہ سات کی دوسری دلیل یہ کہ مسلمانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر ہی کچھ کہنا تھا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابھی

اس وحی سے پہلے کبھی کسی کے سامنے اصحاب کہف کا ذکر کیا ہی نہیں ان آیت کے نزول کے وقت کسی مسلمان کو پتہ ہی نہیں پھر جب کبھی کتنے عرصہ کے بعد نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم خود صحیح تعداد ارشاد فرمائیں گے تب مسلمانوں کو صحیح علم ہوگا۔ لیکن سَیَقُوْلُوْنَ کی سین بتا رہی ہے کہ ابھی ابھی کہیں گے اور اگلے دونوں وَیَقُوْلُوْنَ کی واؤ عاطفہ بتا رہی ہے کہ سین کا تعلق تینوں سے ہے یعنی تینوں فرقے عنقریب کہیں گے اور تعداد میں دُو۔ دُو کی زیادتی کرتے جائیں گے۔ تین۔ پانچ۔ سات۔ تیسری دلیل۔ یہاں ارشاد ہوا مَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ۔ یعنی صرف تھوڑے لوگ صحیح صحیح تعداد جانتے ہیں۔ یہ فعل حال ہے جس سے قلیل کا علم ثابت ہو رہا ہے حالانکہ مسلمانوں کو آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی بتایا ہی نہیں یہ قلیل مسلمان نہیں ہو سکتے ہاں البتہ بعد میں اگر کوئی صحابی ان قلیل میں شامل ہو جائیں تو ٹھیک ہے جیسا کہ مولیٰ علی اور عبداللہ بن عباس نے فرمایا کہ ہم قلیل میں شامل ہوں ان دلائل سے ثابت ہوا کہ تینوں یَقُوْلُوْنَ غیر مسلموں کے قول ہیں اور تینوں گنتیوں کو صحیح نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ آقاء دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بغیر اہتمام چند صحابہ کو کسی محفل میں یا تنہائی میں بتا دیا ہو۔ مگر انہوں نے آگے وضاحت سے نہیں فرمایا یہی وجہ ہے کہ اصحاب کہف کی تعداد نام اور حالات زندگی میں آج تک اختلاف چلا آتا ہے۔ چنانچہ ایک قول ہے کہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اصحاب کہف چھ ہیں اور یہ سب دقیانوس کے وزیر تھے تین داہنی طرف کھڑے ہونے والے جن کے نام ۱۔ مکسلمینا ۲۔ مجلیخا ۳۔ مشلینیا تین وزیر بائیں طرف کے تھے جن کے نام ۱۔ مرنوش ۲۔ دبرنوش ۳۔ شاذنوش تھے۔ ایک قول ہے کہ صرف مکشلمینا وزیر تھے ایک قول ہے کہ کوئی بھی وزیر نہ تھا بلکہ بادشاہ نے جب اس شہر کا دورہ کیا تو ان کو بھی دربار میں بلوا کر دعوتِ شرک دی اور مجبور کیا۔ یہ تو ان کے حالات میں اختلاف چلا آرہا ہے لیکن ان کے ناموں میں بھی آج تک بہت اختلاف چلا آرہا ہے چنانچہ تفسیر خازن نے اُن کے نام اس طرح لکھے ۱۔ مکشلمینا۔ ۲۔ یملیخا ۳۔ مرطونس ۴۔ بینونس ۵۔ ساریونس ۶۔ ذرنوانس ۷۔ کشفیططنونس تفسیر مدارک میں اس طرح ہیں۔ مکشلمینا ۲۔ تملیخا ۳۔ مرنوش ۴۔ بطیوش ۵۔ دیونس ۶۔ کشطونس ۷۔ شاذنوش۔ تفسیر معالم التنزیل میں اصحاب کہف کی تعداد آٹھ عدد لکھی ہے آٹھویں ساتھی کا نام قالوس لکھا ہے۔ غرضیکہ کسی نے تین کسی نے پانچ کسی نے سات کسی نے آٹھ لکھی ہے۔ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ یہ واقعہ کب ہوا کسی نے فرمایا یہ اصحاب کہف موسیٰ علیہ السلام کی وفات شریف کے بعد آپ کی امت میں ہوئے کسی نے فرمایا یہ عیسیٰ علیہ السلام کی رفعتِ آسمانی سے ڈیڑھ سو سال بعد ہوا ان اختلافات کی بنا پر یقینی آخری بات کیا کہی جا سکتی ہے۔ بس فیصلہ یہی ہے کہ رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ۔ میرا رب قدیر ہی صحیح گنتی جانتا ہے۔ ہمیں تا قیامت فقط یہی حکم ہے کہ فَلَا تُمَارِ فِیْهِمْ۔ پس نہ جھگڑا کرو تم ان کے بارے میں نہ بحث نہ مباحثہ نہ مجادلہ نہ مناظرہ و مکالمہ مگر حقیقی۔ ضروری اور اصل مقصد کی چیزوں میں مباحثہ اور پوچھ گچھ کر سکتے ہو۔ تعداد یا نام معلوم ہونا اصل مقصود نہیں بلکہ اصل مدعا تو ان کی ایمانی جرأت عرفانی ہمت۔ جابر کے سامنے حق گوئی اور تقویٰ طہارت

عبادت ریاضت ہے اے لوگو اس میں غور وفکر کرو عبرت پکڑو اُس کا تذکرہ چرچہ کرو اور اُن جیسے بننے بنانے کی کوشش کرو۔ اور اصحاب کہف کے بارے میں ان جاہل ناواقف بیوقوف کم عقل یہودیوں عیسائیوں پادریوں راہبوں سے فتوے نہ مانگو ان میں سے کسی سے کچھ نہ پوچھو۔ یہ بیچارے اپنے دین سے بے خبر ہیں کسی کی کیا خبر دیں گے۔ ہاں البتہ ایک نصیحت ایک فائدے مند قانون یاد رکھو اور تاقیامت ہر مسلمان اس پر عمل کرے۔ وہ یہ کہ جب بھی دینی دنیوی کوئی بھی کام کرنے لگو تو قطعاً کبھی فقط یہ نہ کہو کہ میں کل ضرور ایسا کروں گا ویسا کروں گا۔ بلکہ اپنے ارادے نیت اور قول کے ساتھ یہ کہہ لیا کرو کہ انشاء اللہ تعالیٰ میں کل آئندہ ایسا کروں گا۔ یا فلاں کام یا بات کلام ایسا کروں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ یعنی ہر مسلمان تاقیامت اپنے ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی مشیّت کا استثناء ذکر کر لیا کرے اس کے چار فائدے ہیں۔ ایک یہ کہ کائنات کی ہر چیز اللہ کریم جل مجدہٗ کے حکم پر مجبور و مقبوض ہے بندوں کے پاس کتنے ہی علم ارادے اور اسباب مہیا ہوں لیکن رب تعالیٰ کا ارادہ سب پر غالب ہے۔ دوم یہ کہ بندے کبھی کبھی غلط کام کا ارادہ و منصوبہ عادتاً باندھ لیتے ہیں جس کے کرنے سے شدید نقصان کا اندیشہ ہو سکتا ہے لیکن جب بندہ اپنے کام میں رب تعالیٰ کی مشیّت کو شامل کرے تو وہ کام یا تو مفید ہی ہو جاتا ہے اور اس کے سارے نقصانات قدرتاً ختم ہو جاتے ہیں یا وہ کام اللہ کی طرف سے ہونے ہی نہیں دیا جاتا اور بندہ اس کے کرم سے بہت سی مصیبتوں سے بچ جاتا ہے۔ سوم یہ کہ جب بندہ اپنے قول و فعل میں انشاء اللہ تعالیٰ کہے تو اُس پر وعدے کا بوجھ باقی نہیں رہتا چہارم یہ کہ مشیّت الٰہیہ کی شمولیت کی وجہ سے کام میں برکت و مضبوطی پیدا ہو جاتی ہے اور بندہ ذی وقار ہوتا ہے۔ یہ وہ قانونی شرعی حکم ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام اولیاء اللہ علماء اسلام اور دیگر تمام عامۃ المسلمین والمسلمات پر یکساں لازم ہے۔ ان آیات کے شانِ نزول سے بھی یہ ہی ثابت ہو رہا ہے۔ کہ جب کفارِ مکہ نے نضر بن حارث اور عقبہ بن ابی معیط دو آدمیوں کو یہودِ مدینہ کے پاس کچھ مشکل سوالات نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی آزمائش کرتے ہوئے پوچھنے کے لیے بھیجا اور وہ دونوں یہودیوں سے تین سوال پوچھ کر واپس لوٹے اور تمام بڑے بڑے کافروں نے جمع ہو کر بارگاہِ نبوت میں آکر پوچھا تو پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے روح کے متعلق اسی وقت شافی وکافی جواب دے دیا مگر اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق فرمایا کہ کل جواب دوں گا مگر آپ انشاء اللہ تعالیٰ فرمانا بھول گئے تب ایک قول میں تین دن ایک قول میں پندرہ دن ایک میں چالیس دن تک وحی نہ آئی کفار بہت خوش ہوئے مذاق اڑاتے اور وعدہ خلافی کا الزام دیتے تب پوری سورت کے نزول میں یہ آیت بھی نازل ہوئی جس میں آئندہ کے لیے یہ نصیحت فرمائی گئی اور ساتھ ہی رب تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کو یہ تعلیم فرمائی کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰٓى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا۔ اے پیارے محبوب نبی آپ جب بھی کبھی کوئی چیز بھول جائیں انشاء اللہ کہنا یا کوئی

دینی دنیوی کام یا کوئی وعدہ ۔ معاہدہ یا نماز تو جب بھی یاد آئے فوراً استغفار تسبیح ۔ تہلیل ۔ انا للہ وغیرہ افسوس غم اور اللہ سے بخشش مانگنے والے الفاظ ورد زبان فرماکر اپنے رب تعالیٰ کو ہی یاد کیا کریں وہی اس جیسی تمام پریشانیوں میں آپ کا امداد فرمانیوالا سہارا ہے اور اس غم و افسوس پر آپ کو دگنا تگنا ثواب دینے والا ہے اے نبی اکرم یہ حکم آپ کے توسط سے آپ کی تمام امت کے لیے تا قیامت ہے ۔ رب ہے یہ بدنصیب کافر جو آپ کی بھول کی وجہ سے اتنے عرصہ وحی بند ہوتے آپ کی وعدہ ایفائی نہ کرنے پر طرح طرح کی باتیں قسم قسم کے مذاق کر رہے ہیں اُن کو اب یہ پوری وحی اور اصحاب کہف کا صحیح مکمل واقعہ سنا کر فرما دیجئے کہ یہ واقعہ اور تمہارے تین سوالات تو اتنے زیادہ اہم اور مشکل ہی نہیں تھے ۔ مجھ کو تو میرا رب عنقریب ایسے ایسے علوم ۔ معلومات ۔ آسمان و زمین اور کائنات لامکانی کے غیوب کی ہدایت عطا فرمائے گا جو ان تمہارے سوالوں کے علم اور جاننے سے بھی کہیں زیادہ نور اور روشنی والی ہیں اور میری نبوت اور رسالت پر رُشد و ہدایت کی روشن دلیل ہیں ۔ مفسرین کرام ارشاد فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو علوم اولین و آخرین اور غیوب مرسلین عطا فرماکر عالم ماکان و مایکون بنا دیا ۔ یہاں تک کہ تا قیامت حشر نشر جنت برزخ دوزخ اور ابدالآباد تک کوئی بھی چھوٹی بڑی چیز عالم موجود و معدوم میں ایسی نہیں جو محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ کو معلوم نہ ہو ۔ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ و قاسم رزقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہ و اصحابہ و بارک وسلم ۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے وسیلے سے مسلمان اولیاء اللہ کو اصحاب کہف وغیرہ کے غیبی پوشیدہ علم رب تعالیٰ نے ایسے عطا فرمائے ہیں جو پہلی امتوں اور اُن کے بعد والے غیر مسلموں میں کسی کو نہ ملے یہ فائدہ مَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِيْلٌ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ دوسرا فائدہ ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو کائنات کے سارے علم دیئے گئے اور ان کے اظہار و عطا کی بھی اجازت دی یہ فائدہ قُلْ عَسٰی (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔ تیسرا فائدہ ۔ کائنات میں انبیاء کرام کی وہ شان خصوصی ہے کہ باری تعالیٰ ہر چیز کا ہر علم خود اپنے پیارے انبیاء علیہم السلام کو پڑھاتا ہے ۔ یہ فائدہ اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا ۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔ پہلا مسئلہ ۔ جاہل لوگوں سے بحث مباحثہ مناظرہ مجادلہ کرنا کسی مسئلہ میں بھی جائز نہیں خاص کر دینی مسائل میں تو سخت منع ہے ۔ علماء عظام اور پاکیزہ اخلاق والوں کے منصب و مرتبے کے خلاف ہے ۔ یہ مسئلہ وَلَا تُمَارِ فِيْهِمْ (الخ) سے مستنبط ہوا ۔ دوسرا مسئلہ ۔ امام اعظم کے نزدیک کلام کے فوراً بعد اُسی محفل میں ان شاء اللہ کہنا چاہیئے اور اگر اسی محفل میں ان شاء اللہ تعالیٰ کہا تب ان شاء اللہ کا استثناء صحیح ہوا اور اس تعلیقی شرط کا حکم نافذ ہوگا ۔ اگر کسی نے محفل ختم کرنے کے بعد ان شاء اللہ کہا تو اُس کا حکم جاری نہ ہوگا ۔ یہ مسئلہ اِلَّا اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ کو بالکل اِنِّیْ فَاعِلٌ (الخ) غدًا سے متصل کرکے ارشاد فرمانے سے مستنبط

ہوا امام شافعی فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے سال بعد بھی انشاء اللہ کہہ دیا تو بھی اُس کا حکم جاری ہو جائے گا۔ ان کی ایک دلیل وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ ہے کہ بھولنے پر جب بھی یاد آجائے کہلو دوسری دلیل یہ کہ حاکم نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ جب پندرہ دن بعد یہ آیت اتریں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انشاء اللہ تعالیٰ مگر یہ دونوں دلیلیں کمزور ہیں پہلی اس لیے کہ وَاذْكُرْ سے مراد انشاء اللہ کہنا نہیں بلکہ بھول کی معافی اللہ کے ذکر استغفار تسبیح تہلیل وغیرہ سے طلب کرنی مراد ہے دوسری دلیل اس لیے کمزور ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تھا۔ اور وعدہ پورا کر دینے کے بعد انشاء اللہ کہنا بیکار ہے۔ کوئی امام بھی اس کا قائل نہیں بلکہ بعد از وقت ایسا کہنا ایک لطیفہ اور مذاق ہی ہے نیز یہ روایت کسی معتبر کتب سے ثابت نہیں تفسیر مظہری میں ہے کہ عامۃ الفقہا اس روایت کے خلاف ہیں۔ **تیسرا مسئلہ۔** اگر کوئی شخص کسی چیز کو منعقد کرے اور ساتھ ہی انشاء اللہ کہہ دے تو چیز درست واقع اور منعقد نہیں ہوتی مثلاً طلاق نکاح قسم اور بیع وغیرہ کوئی بھی معاہدہ۔ یہ مسئلہ وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ مرف کل کرنے والے وعدے پر انشاء اللہ کہنا واجب ہے نہ کہ منعقدہ پر۔ انشاء اللہ کہنے سے ذمے داری ختم ہو جاتی ہے۔ حالانکہ انعقاد ذمے داری قبول کرنے کا نام ہے۔ انشاء اللہ کے متعلق امام اعظم کی ایک علمی گفتگو خلیفہ منصور عباسی کے دربار میں بہت مشہور ہے۔ **چوتھا مسئلہ۔** جہلاء سے فتویٰ لینا ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ وَلَا تَسْتَفْتِ فِيْهِمْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض۔** پہلے فرمایا گیا سَيَقُوْلُوْنَ سین کے ساتھ پھر دو دفعہ فرمایا گیا وَيَقُوْلُوْنَ بغیر سین کے اس کی کیا وجہ؟ **جواب۔** سین کا تعلق تینوں سے ہے لیکن ایجاز اور اختصار کے لیے صرف ایک دفعہ پہلے کہنا کافی ہے۔ واؤ عاطفہ نے سین کا تعلق دونوں سے جوڑ دیا اس لیے بار بار لکھنا یا بولنا ضروری نہیں اور فصاحت کے خلاف ہے اس لیے یہ عبارت ہر اعتبار سے کافی وافی شافی ہے۔ **دوسرا اعتراض۔** اِلَّاۤ اَنْ يَّشَاۤءَ اللّٰهُ کی تفسیر سے فقہاء کرامؒ دو مسئلہ بیان کرتے ہیں ۱۔ اگر کوئی قرضہ دار یہ قسم لے کہ اللہ کی قسم میں کل قرضہ ادا کر دوں گا انشاء اللہ تعالیٰ اور وہ کل نہ ادا کرے یا نہ کر سکے تو حانث نہیں ہوگا قسم کا کفارہ نہ پڑے گا۔ ۲۔ دوم اگر کوئی خاوند بیوی سے کہے کہ تجھ کو طلاق ہے انشاء اللہ تو طلاق نہیں پڑے گی مگر یہ دونوں مسئلے غلط ہیں اس لیے کہ ان کی بنیاد اس بات پر ہے کہ ادائیگی اور طلاق کو مشیت پر معلق کیا ہے اور مشیتِ الٰہیہ غیبی چیز ہے اس کا پتہ نہیں چل سکتا لہٰذا کلام لغو ہے یہ بنیاد اور وجہ بھی غلط ہے کیونکہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رب کی مشیت کا پتہ لگ جاتا ہے۔ قرض کے ادا کرنے میں اللہ کی رضا ہے اور طلاق دینے کی دو صورتیں اگر طلاق ناگزیر ہو تو مشیت ثابت اگر طلاق دینا ظلم ہو تو مشیت ثابت نہیں اور دونوں کے حالات سے اندازہ ہو جاتا ہے تو مشیت کا پتہ بھی لگ جاتا ہے۔ **جواب۔** مشیتِ الٰہیہ ہمارے اندازوں کے پیمانے میں نہیں تولی جا سکتی

یہ ضروری نہیں کہ ہمارے نزدیک جو ضروری اور غیر ضروری ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی ضروری اور غیر ضروری ہو۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں تین قول نقل کئے گئے ۱۔ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۲۔ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ یہاں واؤ نہ لکھی گئی ۳۔ وَثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ یہاں واؤ ارشاد ہوئی اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ مفسرین نے اس کے چھ جواب دیئے ہیں مگر سب میں بہتر جواب یہ ہے کہ عربی محاورے و رواج میں سَبْعَةٌ کا عدد آخری مانا گیا ہے۔ جس طرح عجم میں عَشَرَہ آخری عدد ہے تو چونکہ یہاں پہلے سَبْعَةٌ ہے اس لیے بعد میں واؤ ابتدائیہ آگئی تاکہ یہاں سے کلام نیا بن جائے۔ باری تعالیٰ کے نزدیک سات کا عدد بہت اہم و محترم ہے کہ سات آسمان وَّمِنَ الْاَرْضِ مِثْلَهُنَّ کے فرمان سے سات زمینیں سات ایام سات جنت سات جہنم اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کی سات آیتیں قرآن کریم سات منزلیں سات قرأتیں وغیرہ وغیرہ۔ ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۲۷ کے بعد ہوگی (ان شاء اللہ تعالیٰ)

وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَ

اور سوئے رہے وہ اپنے بڑے غار میں تین سو سال اور

اور وہ اپنے غار میں سو برس ٹھہرے

ازْدَادُوْا تِسْعًا ﴿۲۵﴾ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ

ایک حساب میں نو سال زیادہ کئے انہوں نے فرما دیجئے اللہ ہی زیادہ یقینی جاننے والا ہے اس مذکورہ مدت کو جتنا وہ ٹھہرے اُس کے

نو اوپر تم فرماؤ اللہ خوب جانتا ہے وہ جتنا ٹھہرے اسی کے لیے ہیں

غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ ؕ

پاس ہے آسمانوں اور زمین کے غیب کا سب علم کس شان عظمت کا ہے وہ دیکھنے والا اور کس قوت کا ہے وہ سننے والا

آسمانوں اور زمینوں کے سب غیب وہ کیا ہی دیکھتا اور کیا ہی سنتا ہے

مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ ۫ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ

قسم ہے اس کی ان اصحاب کہف کیلئے اس ذات وحدہٗ لاشریک کے بغیر کوئی بھی ولی مددگار نہیں ہے اور نہیں شریک فرماتا وہ

اُس کے سوا ان کا کوئی والی نہیں اور وہ اپنے حکم میں

حُکْمِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ

اپنے فیصلوں میں کسی کو اور آپ بس اسی کو تلاوت فرمایئے منکرین کو سنایئے جو آپ کی طرف وحی کی گئی ہے آپکے

کسی کو شریک نہیں کرتا اور تلاوت کرو جو تمہارے رب کی کتاب

كِتَابِ رَبِّكَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ

رب کی کتاب سے تا قیامت کوئی بھی اُس کے کلموں کو بدل نہیں سکتا اور ہرگز نہیں پاسکو گے تم

تمہیں وحی ہوئی۔ اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور ہرگز تم اس کے

مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾

اُس کے بغیر کوئی بھی بچنے کی جگہ

سوا پناہ نہ پاؤ گے

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق لوگوں کے اختلاف کا ذکر ہوا تھا اب ان آیت میں اصحاب کہف کے ظاہر ہونے کا ذکر ہے جو پہلی بار سو کر اُٹھنے اور غار میں جاگنے پر ہوا اور اس سونے کی مدت بیان فرمائی جا رہی ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا تھا کہ اُن کی صحیح گنتی اللہ ہی جانتا ہے۔ اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اُن کی نیند کی صحیح مدت بھی رب تعالیٰ ہی جانتا ہے نہ تعداد میں بحث مباحثہ مجادلہ مکالمہ کرو نہ سونے جاگنے کی مدت میں بحث مناظرہ کرو۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں اصحاب کہف کا مختصر ذکر فرمایا گیا تھا۔ اب ان آیت میں اُس قصہ کے مقصدِ اصلی یعنی توحید و رسالت پر ایمان لانے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ۔ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔

واؤ ابتدائیہ۔ لَبِثُوْا۔ باب سَمِعَ یا حَسِبَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع غائب لُبْثٌ سے مشتق ہے بمعنی ٹھیرنا رہائش کرنا کسی کام میں تاخیر کرنا ھُم مستتر اس کا فاعل مرجع اصحاب کہف فی جارہ ظرفیت کا نیہ کے لیئے کہف اسم مفرد جامد بمعنی بڑا غار

جم ضمیر نفسی یعنی اپنے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ ثَلٰثَ اسم عددی مفرد یعنی تین اضافت بیانیہ سے ہے
معرب مضاف ہے مِائَۃٍ اسم عددی مفرد یعنی سَو یہ معرب بکرہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ممیز ہے سِنِیْنَ اسم جمع مذکر
سالم اس کا واحد ہے سَنَۃٌ یا سَنَۃٌ یعنی ایک سال (۱۲ بارہ ماہ) مفتوح ہے بوجہ تمیز ممیز تمیز مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ازدادوا
باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف دراصل تھا اِزْتَیَدُوْا پہلی ی کو الف بنایا کیونکہ ماقبل مفتوح الف کو چاہتا ہے
پھر ت کو ہم مخرج دال بنایا مگر دال کو ت نہیں بنایا جاسکتا کیونکہ دال اصلی ہے حرف علت نہیں ت باب افتعال
کی وصلی ہے۔ اس کا مصدر ہے۔ اِزْدِیَادٌ۔ اِزْدِیَادٌ۔ اِزْتِیَادٌ اصلاً ہے۔ زَیْدٌ سے بنا ہے یعنی زیادہ ہونا مادہ لازم ہے
باب افتعال میں اگر متعدی ہوا یعنی زیادہ کرنا۔ پانا گزارنا۔ یہاں پر معنیٰ مناسب ہے ھُمْ اس میں پوشیدہ اس کا
فاعل ہے مرجع اصحاب کہف۔ اسم مفرد عدد نکرہ معرب یعنی نو عدد منصوب ہے بوجہ مفعول ازدادوا کا وہ جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف ہوا سب علت مل کر مفعول فیہ ہے لَبِثُوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ قُلْ۔ امر حاضر۔ قول
سے مشتق ہے اَنْتَ مستتر اس کا فاعل خطابی مرجع ذات پاک صلی اللہ علیہ وسلم یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اللہ
مبتدا اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر ھُوَ مستتر اس کا فاعل مرجع اللہ بِ جارہ تعدیہ۔ مَا اسم موصول لَبِثُوْا ماضی جمع مذکر لَبِثَ سے بنا ہے
ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اصحاب کہف یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہوا اَعْلَمُ کا وہ جملہ اسمیہ
ہو کر خبر ہے مبتدا اللہ کی وہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ لام جارہ ہٗ ضمیر واحد مذکر
مجرور اس کا مرجع اللہ ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا۔ غیب اسم مفرد حاصل مصدر یعنی علم غیب
غیب وہ چیزیں ہیں جن کو حواسِ انسانیہ ظاہری و باطنی سے نہ جانا جائے مضاف ہے اَلسَّمٰوٰتِ اسم معرف باللام معطوف
علیہ واؤ عاطفہ الْاَرْضِ۔ معطوف۔ دونوں ملکر مضاف الیہ غَیْبُ کا یہ مرکب اضافی فاعل ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا۔ یہ جملہ
اسمیہ ہو کر مکمل ہوا بعض نے فرمایا یہ مقولہ دوم ہے قُلْ کا اَبْصِرْ اور اَسْمِعْ۔ کی ترکیب و معانی میں نحویوں کے چار قول ہیں۔
۱ یہ دونوں فعل تعجب ہیں دراصل تھا مَا اَبْصَرَہٗ وَمَا اَسْمَعَہٗ یہ بِ قسمیہ ہے۔ یا زائدہ۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ترجمہ ہے۔
کیا ہی دیکھتا ہے۔ وہ اللہ اسی کی قسم ہے اور کیا ہی سنتا ہے اکثر مفسرین اور تفسیر جلالین اور اعلیٰ حضرت نے یہی
قول اختیار فرمایا ہم نے اسی قول پر ترجمہ کیا ہے۔ ۲ یہ دونوں فعل تعجب ہیں۔ بِ جارہ زائدہ بیانیہ ہے۔ ہٖ ضمیر فاعل
کے درجہ میں ہے۔ دراصل تھا مَا اَبْصَرَہٗ وَمَا اَسْمَعَہٗ ترجمہ ہے۔ کیا ہی بصیرت والا ہے وہ اللہ اور کیا ہی سماعت والا ہے۔
وہ اللہ ۳ یہ دونوں امر حاضر معروف واحد مذکر بِ جارہ ہٖ ضمیر مفعولیت کی جس کا مرجع ہے ہدایت یا واقعات یا قصے
ترجمہ ہے دیکھو ہدایت کو اور سُن واقعات کو ۴ یہ دونوں فعل ماضی مطلق باب افعل سے واحد مذکر غائب بِ جارہ مفعولیت
کی مرجع واقعہ و قصے ہدایت اور فاعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ترجمہ ہے اللہ نے اپنے نبی حبیب کو
سارے واقعات اُس وقت دکھا دیئے جب وہ ہو رہے تھے اور اب سنا دیئے (تفسیر جمل) نیز اگر ان کو فعل تعجب بنا کر

ترجمہ کیا جائے تو یہ تعجب مجازی ہے بندوں کے اعتبار سے یعنی کائنات کی تمثیلیں نبی کریم کی بصیرت و سماعت پر حیران ہیں۔ اور ترکیب میں یہ قُل کا مفعول سوم ہے یا دونوں علیحدہ علیحدہ جملے ہیں۔ مَا نافیہ یہاں ثبت فعل ماضی پوشیدہ ہے لام جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر کا مرجع تمام مخلوق آسمان و زمین کی یہ جار مجرور متعلق اول ہے ثبت کا مِن زائدہ ہے دُونِ اسم معرب بمعنی مقابل ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ مضاف و مضاف الیہ مجرور ہو کر متعلق دوم ہے۔ مِن جارہ تنکیریہ ولیّ۔ اسم مفرد جامد بمعنی مددگار محافظ یہ جار مجرور متعلق سوم ہے ثبت کا سب مل کر جملہ فعلیہ منفیہ ہو گیا مکمل۔ واؤ حرف جملہ لَا یُشْرِکُ باب افعال کا مضارع منفی ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ فی جارہ ظرفیۃ باطنی مجازی کے لیے حکم اسم مفرد جامد بمعنی قانون فیصلہ ارادہ ہٖ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُشْرِکُ کا احدًا۔ اسم عدد تنکیری عمومی غیر معین بمعنی کسی بحالت نصب مفعول بہ ہے لَا یُشْرِکُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہو گیا ایک قرأت میں لَا تُشْرِک فعل نہی حاضر معروف ہے اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر مستتر ہے۔ جس کا مرجع عام مسلمان ہے۔ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ کِتَابِ رَبِّکَ ۚ لَا مُبَدِّلَ لِکَلِمٰتِہٖ ۚ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ۔ واؤ ابتدائیہ اُتْلُ باب نصر کا امر حاضر معروف اَنْتَ ضمیر واحد مرجع عام انسان مسلمان یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ تَلْوٌ سے بنا ہے ناقص واوی ہے بمعنی زبان سے پڑھنا تلاوت کرنا۔ مَا موصولہ اُوْحِیَ باب افعال کا ماضی مجہول اس میں ھُوَ ضمیر پوشیدہ نائب فاعل مرجع مَا ہے اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے۔ کَ۔ ضمیر واحد حاضر کا مرجع وَاتْلُ کا فاعل ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے اُوْحِیَ کا مِن ابتدائیہ یا تبعیضیہ کا کتاب اسم جامد کلام الٰہی کا صفاتی نام ہے بمعنی المکتوب اسم مفعول کے درجہ میں بروزن فِعَالٌ مضاف ہے۔ رَبِّ مضاف کَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے۔ کتاب کا یہ سب مجرور ہو کر متعلق دوم ہے اُوْحِیَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے اُتْلُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا لَا۔ حرفِ نفی جنس اَحَدٌ پوشیدہ۔ اس کا اسم مُبَدِّلَ۔ بابِ تفعیل کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَبْدِیْلٌ۔ بَدْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی متغیر کرنا۔ مٹا دینا۔ دوسرا لے آنا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ بابِ تفعیل میں آکر شدّت پیدا ہوئی یعنی کوئی مخلوق کسی وقت کسی بھی لفظ حرف حرکت کو بدل نہیں سکتا۔ لام جارہ مفعولیت کا کلمات جمع مؤنث سالم ہے اس کا واحد کلامٌ ہے یا کلمۃٌ مراد الفاظِ قرآن ہیں۔ ہٖ ضمیر کا مرجع کتاب ہے ایک قول میں اللہ تعالیٰ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مُبَدِّل کا جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَا کی ایک قول میں یہ اسم ہے اور اس کے بعد اَحَدٌ پوشیدہ اس کی خبر ہے ایک قول میں لِکَلِمٰتِہٖ اضافیہ لامیہ ہے مضاف الیہ ہے مُبَدِّلَ کا لا نفی اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا لَن تَجِدَ نفی تاکید بلن فعل مستقبل وَجْدٌ مثال واوی سے بنا ہے بمعنی پانا۔ حاصل کرنا۔ تیسیر ہونا متعدی بھی ہوتا ہے لازم بھی باب ضرب سے ہے۔ مِنْ۔ جارہ زائدہ ہے دُوْنِ معنی مقابل یہ لفظ آٹھ معنی میں مشترک ہوتا ہے۔ ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے

لَنْ تَجِدَ کا۔ مُلْتَحَدًا۔ بابِ افتعال اسم مفعول یا اسم ظرف ہے اسی باب کا۔ اس کا مصدر ہے اِلْتِحَادٌ اس کا مادہ ہے۔ لَحْدٌ معنی چھپنا یا چھپانا۔ اصطلاح میں پناہ پکڑنا۔ کسی کی حمایت میں آنا۔ لحد میں (قبر میں) ڈالنا۔ کسی طرف جھکنا۔ مڑنا۔ پھرنا۔ لوٹ جانا۔ مُلحِد ہونا (بے دین ہو جانا) کسی کو کنکھیوں سے دیکھنا حفاظت میں آنا کسی طرف مائل ہونا یہاں پہلے لغوی معنی مراد ہیں۔ یعنی پناہ و جائے چھپنا۔ یا یہ مصدر میمی ہے۔ بحالتِ نصب ہے یا ظرف ہے لَنْ تَجِدَ کا۔ یا مفعول بہ ہے۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَلَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا۔ لَهٗ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ۔ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔

اے پیارے نبی جب ہم نے اصحاب کہف کو غار میں سلا دیا۔ تو وہ سب اپنے اسی بڑے غار میں سوئے رہے پورے تین سو سال یہودیوں عیسائیوں کے شمسی حساب سے اور اہل عرب کے قمری حساب سے اُن اصحاب کہف نے نو سال اور زیادہ پائے۔ اے حبیب مکرم یہ حقیقی سچی وہ مدت ہے جو پہلے سو کر اٹھنے کے وقت پوری ہوئی لیکن دوبارہ سونے کی مدت تو اس کی زیادہ چھان بین تفتیش کی ضرورت نہیں بلکہ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جاننے والا ہے اب تک کی اس مدت کو جب سے وہ دوبارہ سوئے ہوئے ہیں (از تفسیر فتح القدیر) بعض نے فرمایا کہ قُلْ کا تعلق اسی پہلی مدت سے ہے اور آیت کا تفسیری ترجمہ اس طرح ہے۔ اور اصحاب کہف اپنے غار میں تین سو نو سال ٹھہرے قمری سال کے حساب سے۔ یہ برحق مدت ہے لہٰذا علی الاعلان فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ جاننے والا ہے اس بیان کردہ مدت کو جتنا وہ ٹھہرے۔ اسی کے لیے ہے آسمانوں اور زمین کے تمام غیب و پوشیدہ کا علم کیا ہی عظیم تر ہے اکبر و کبیر ہے وہ اللہ ہر خفی جلی۔ صغیر و کبیر۔ اصغر و اکبر بلند و پست۔ غیب و حاضر۔ موجود و معدوم۔ ظاہر و باطن کو دیکھنے والا۔ اور کیا ہی قادر و قدیر ہے وہ اللہ ہر اونچی نیچی۔ دور و نزدیک جہری و سری فریاد و التجا دعا و آرزو۔ آواز و الفاظ کو سننے والا۔ نہیں ہے مظلوموں بیکسوں۔ بے بسوں فریادیوں یتیموں خلوت نشینوں امن غاروں میں سونے والوں کا کوئی بھی اس رب تعالیٰ کے سوا کوئی مددگار کارساز محافظ۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اللہ جَلَّ سُبْحَانَهٗ اپنے کسی بھی حکم ارادے مشیّت اور آسمانوں زمینوں کے فیصلوں میں کسی جن فرشتے انسان دیوی دیوتا کو شریک نہیں کرتا۔ نہ اس کا کوئی شریک ساجھی اور برابر کا بن سکتا ہے معاملہ آسمانوں کا ہو یا زمین کا غاروں کا ہو یا صحراؤں کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا یا اصحاب کہف کا خضر علیہ السلام ہو یا ذوالقرنین کا بنی اسرائیل کے دو امیر و غریب نیک و بد بھائیوں کا ہو یا کفارِ مکہ کا۔ اس رب کے فیصلے اس کی اپنی ہی مرضی و مشیّت پر موقوف ہیں۔ اکثر مفسرین تو اسی مسلک پر ہیں کہ وَلَبِثُوْا الخ، پورا قول اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اور صحیح سچی حقی واقعی مدت کا بیان و اظہار ہے لیکن

بعض مفسرین اس غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے کہ یہ بھی لوگوں کا اسی طرح اختلافی قول ہے۔ جس طرح اصحاب کہف کی تعداد میں پہلے تین قول مذکور ہوئے۔ ان لوگوں کی دلیل قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا کا فرمان ہے مگر یہ دلیل درست نہیں اولاً اس لیے کہ ابھی اس کی آیت ۲۲ میں اصحاب کہف کی تیسری اختلافی تعداد والی بات کا ذکر فرما کر بھی قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ فرمایا گیا حالانکہ تیسری تعداد کو ان ہی مفسرین نے صحیح تسلیم کیا ہے ثابت ہوا کہ صحیح قول کے بعد بھی قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ (الخ) آسکتا ہے۔ پس اسی طرح یہاں بھی قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ سے یہ استدلال صحیح نہیں۔ دوم اس لیے کہ قُلِ اللّٰهُ (الخ) وَازْدَادُوْا کی تاکید و تائید ہے نہ کہ خلاف جن اکثر مفسرین نے فرمایا کہ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ رب تعالیٰ کا خبریہ کلام ہے اور یہ مدت صحیح و سچی ہے اُن کی پہلی دلیل یہ ہے کہ۔ اختلافی اقوال فَلَا تُمَارِ (الخ) پر ختم ہو گئے۔ اگلی عبارت و آیت میں اختلافات کا ذکر نہیں۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر وَلَبِثُوْا بھی لوگوں کی غلط بات ہوتی تو یہاں پہلے اختلاف کی طرح دو یا تین مرتبہ وَیَقُوْلُوْنَ فرما کر مختلف قول ذکر کیے جاتے۔ تیسری دلیل یہ کہ تاریخی و تفسیری اعتبار سے آج تک کسی یہودی یا عیسائی وغیرہم نے یہ تین سو ۳۰۰ سال کی مدت نہ بیان کی نہ کسی کتاب میں لکھی۔ نہ کسی مفسرؒ نے ذکر کی۔ حالانکہ تعدادی اختلاف میں بتایا گیا ہے کہ کس نے اصحاب کہف کی تعداد تین بتائی کس نے پانچ اور کس نے سات بیان کی جیسا کہ ہم اوپر تفسیری حوالے سے بیان کر چکے ہیں چوتھی دلیل یہ کہ جب آقا کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے یہود و نصاریٰ کے سامنے تلاوت فرمائیں تو نجران کے عیسائیوں نے کہا کہ تین سو سال تو صحیح ہیں مگر وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ یعنی نو سال کی زیادتی سمجھ نہیں آئی جس سے ثابت ہوا کہ یہ قول خود رب تعالیٰ کا ہے نصاریٰ نے اس کی تائید کی نہ کہ بیان پانچویں دلیل یہ کہ مدت بحث میں اب کچھ عیسائی پادریوں نے اختلاف کیا ہے۔ جن میں سے ایک بشپ جس میں سردج شاہی ہے دوسرا لارڈ ولیم میور ہے تیسرا ایڈورڈ گبن ہے۔ لیکن انہوں نے بھی قرآن مجید کی بیان کردہ مدت سے اختلاف کیا اور کسی نے دو سو سال بیان کی کسی نے ایک سو اناسی ۱۷۹ سال اُن لوگوں کا کہیں تذکرہ نہیں جنہوں نے تین سو یا تین سو نو سال بیان کیے ان تمام دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ فرمان خود باری تعالیٰ کا ہے اور حتمی یقینی مدت ہے نہ کہ لوگوں کی اختلافی اور جس ہیں وغیرہ کی بیان کردہ مدت سب جھوٹی ہے۔ ہمارے جن اردو خواں مفسرین نے قرآن مجید کی اس بیان کردہ مدت کے ہوتے ہوئے پھر بھی دو سو ۲۰۰ سال یا ڈیڑھ سو ۱۵۰ سال کی رٹ لگائی ہے وہ بیچارے عقل کے کورے اور گمراہ ہیں۔ وَازْدَادُوْا تِسْعًا کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ چونکہ یہ سوالات اصحابِ کہف وغیرہم کے بارے میں کرنے والے یہود و نصاریٰ اور یہودیوں عیسائیوں سے پوچھ کر بارگاہِ نبوت میں اٹھانے اور ادا کرنے والے اہل عرب مکی تھے اور شروع زمانوں سے یہودی عیسائی اہل فارس اور عجمی لوگ شمسی حساب سے اپنے سال مہینے بناتے ہیں لیکن اہلِ عرب ہمیشہ قمری حساب سے سال مہینے بناتے چلے آرہے ہیں اس لیے یہاں دونوں کے حساب کا ذکر فرما دیا گیا تاکہ اصحاب کہف کی مدت قیام و نوم کا دونوں کو پتہ لگ جائے دونوں کی تسلی ہو جائے۔ تو تین سو ۳۰۰ سال یہود و نصاریٰ کے شمسی حساب سے بنتے ہیں۔

اسی لیے نجران کے عیسائیوں نے اس کی تصدیق کردی اور نو سال اوپر قمری حساب سے بنتے ہیں امام علم الاوقات
حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کا حساب اس طرح درست نکالا ہے کہ قمری سال کے ایام تین ۳۵۴
سو چون بنتے ہیں۔ اس لیے کہ قمری چھ ماہ انتیس ۲۹ دن کے ہوتے ہیں اور چھ ماہ تیس ۳۰ دن کے ہوتے ہیں اس ترتیب سے
کہ ایک مہینہ تیس کا ایک انتیس کا اس طرح سال پورا ہوتا ہے۔ آج کل مشہور اور رائج شمسی سال جنوری فروری اس
کے تین سو پینسٹھ دن ہوتے ہیں اس طرح کہ اس کے بارہ ماہ میں ایک ماہ فروری اٹھائیس دن کا اور چار ماہ ۴ ۱ اپریل
۲۔ جون ۳ ستمبر ۴ نومبر تیس ۳۰ دن کے اور سات مہینے ۱ جنوری ۲ مارچ ۳ مئی ۴ جولائی ۵ اگست ۶ اکتوبر
۷ دسمبر اکتیس ۳۱ دن کے۔ اس حساب سے قمری سال شمسی سال سے گیارہ دن کم ہوتا ہے اور ایک صدی میں
شمسی تو پورے سو سال بنے لیکن قمری حساب سے ایک صدی اور گیارہ سو دن بنے اور گیارہ سو دن کے
تین سال تین ماہ اور سولہ دن بنے (۲۹ و ۳۰ کے مہینوں سے)۔ اس گنتی سے شمسی پوری تین صدیوں کے قمری تین
صدیاں نو سال دس مہینے اٹھارہ دن بنتے ہیں۔ اور اس میں لیپ کے ہر سال میں چار دن ایک صدی میں پچیس ۲۵ دن
یا چوبیس ۲۴ دن کے حساب سے بہتر دن ۷۲ صدی میں دن یعنی دو مہینے گیارہ دن اور نکالو باقی تین سو نو سال آٹھ مہینے گیارہ
دن باقی رہ جاتے ہیں۔ چونکہ دسواں سال پورا نہیں اس لیے لہٰذا اصطلاحاً اور قانوناً نو سال ہی کہا جائے گا۔ مہینوں
دنوں ہفتوں کی زیادتی کو شمار نہیں کیا جاتا۔ اس لیے وَازْدَادُوْا تِسْعًا فرمانا بالکل درست ہے بعض مفسرین نے
اس ہماری بیان کردہ آٹھ ماہ کی زیادتی کی بنا پر فرمایا کہ چونکہ حساب میں نو سال سے زیادہ دن بنتے ہیں اس لیے یہ فرمان
رب تعالیٰ کا نہیں ہو سکتا ہم یہ کہتے ہیں کہ اگرچہ حساب میں نو سال سے زیادہ بنے مگر رواج میں تو ان کو نو سال
ہی کہا جائے گا۔ ہاں اگر نو سال اور بارہ مہینے پورے ہو جاتے تو وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ کہنا غلط ہوتا۔ اور یہ
رواج تو ہمارے معاشرے میں بھی عام مرسّم و مروج ہے کہ اگر کسی کی عمر نو سال پانچ ماہ ہو تو اس کو نو سال ہی گنے
جاتے ہیں۔ دیکھو علماء علم نجوم حساب میں ایک شمسی سال ۳۶۵ دن ۵ گھنٹے ۴۸ منٹ ۴۶ سیکنڈ ہوتے ہیں مگر
کہا یہی جاتا ہے کہ سال کے تین سو پینسٹھ دن ہیں اس طرح یہاں وَازْدَادُوْا تِسْعًا۔ میں ہے۔ لہٰذا اعتراض
غلط خدشہ بیکار نیز یہ حساب تو آج کل کے مروّجہ جنوری فروری والے شمسی سال سے کئے گئے ہیں اس کے علاوہ
بھی شمسی مہینے مختلف زمانوں میں مختلف قوموں کے اندر مروّج رہے۔ جیسے کہ اہل فارس میں سن جلالی کے شمسی مہینے
۱ پہلا مہینہ اردی بہشت ۲ دوم آذر ماہ ۳ فوردین ماہ وغیرہ (از دیباچہ گلستان ص۱۰) اور پنجاب میں بکرمی
سن کے شمسی مہینے ۱ چیت ۳۲ دن ۲ بیساکھ ۳۱ دن ۳ جیٹھ ۳۱ دن ۴ ہاڑ (اساڑھ) ۳۲ دن ۵ ساون
۳۱ دن ۶ بھادوں ۳۱ دن ۷ اسوج (اسّیں)، ۳۰ دن ۸ کاتک ۳۰ دن ۹ مگھر ۳۰ دن ۱۰ پوس (پوہ)
۲۹ دن ۱۱ ماس (ماہ)، ۳۰ دن ۱۲ پھاگن ۳۰ دن ان مہینوں کا سال تین سو چھیاسٹھ ۳۶۶ دن کا بنتا ہے اس حساب سے

قمری سال تیرہ دن زیادہ بنتا ہے اور اس کی صدی میں قمری ایک سو تین سال دس ماہ دو دن اور تین صدی میں تین سو گیارہ سال چھ ماہ چھ دن بنتے ہیں۔ معلوم اُس وقت کے یہود و نصاریٰ میں کونسا شمسی سال مروّج تھا۔ جب یہ سورتِ کہف اور یہ آیت نازل ہوئیں ہوسکتا ہے کہ اُس وقت کے شمسی قمری میں پورے نو سال کا فرق ہوجاتا ہو۔ اگر یہ بات ہو تو وَازْدَادُوْا تِسْعًا کہنا بالکل ہی درست ہے۔ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا۔ اور یہ دنیا والے اپنی تاریخوں کتابوں اندازوں تخمینوں وہموں۔ خیالوں۔ گمانوں۔ بناوٹی عقیدوں سے جو چاہیں واقعاتِ عالم قصصِ بلدان۔ حکایات۔ انسان کے بارے میں کہتے پھریں مگر اے پیارے نبی آپ اور آپ کی اُمت تاقیامت ہر واقع قصے اور تذکرے اور سچے حقیقی علم و معلومات کے لیے صرف اسی قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کریں اور ہر اپنے پرائے کو سنایا کریں جو دی فرمائی گئی ہے۔ آپ کی طرف آپ کے رب کی کتاب سے فقط یہی کتاب کائناتِ عالمین میں ایسی ہی مضبوط محقق مدقق مکمل۔ مجمل۔ منزل ہے۔ کہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ دنیا جہان۔ زمین و آسمان میں کوئی مخلوق جن انسان فرشتہ اس کے کلموں۔ لفظوں۔ حرفوں۔ بلکہ زیر۔ زبر کو بھی بدل نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ اس کے تمام قصے واقع۔ تذبر و تبشیر و تمثیل و قوانین۔ مسائل و احکام تاقیامت بالکل ایک ہی صورت میں قائم و دائم ہیں۔ یہی رب تعالیٰ کی رحمت برکت کرم فضل۔ سچائی۔ مضبوطی قوت و ہمت حفاظت کا بڑا دروازہ ہے اور پھر اُس دروازے سے ہٹ کر بچ کر دور ہو کر کوئی جا کہاں سکتا ہے۔ اس کے بغیر تو آپ کسی کے لیے کوئی ٹھکانہ۔ پناہ گاہ پا سکتے ہی نہیں۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ جو چیز اللہ تعالیٰ بیان فرمادے بس وہی سچی اور حق بات ہے اس کے علاوہ اپنی بات نکالنی یا کسی دوسرے کی بات کو معتبر سمجھ لینا گمراہی ہے۔ یہ فائدہ وَلَبِثُوْا فِیْ كَهْفِهِمْ (الخ)، کے بعد قُلِ اللّٰهُ کے تائیدی جملے ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جو لوگ مسلمان ہو کر یہ کہتے ہیں کہ اصحاب کہف اپنے غار میں دو سو سال یا ڈیڑھ سو سال یا ایک سو اٹھتر سال سو کر اٹھے اور قرآن مجید کی اس مدت مذکورہ کو اختلافِ مفسرین کی آڑ لیکر اختلافی قول قرار دیتے ہوئے ماننے پر تیار نہیں وہ گمراہ ہیں۔ کیونکہ انہوں نے اصحابِ کہف کی نیند کے لیے جس مدت کو پسند کیا اُس کے صحیح اور سچا ہونے کی کونسی دلیل و تحقیق ہے۔ آج کل کی اردو اور فیشنی تفسیروں میں اس طرح کی غلطیاں عام دیکھنے میں ملتی ہیں مولیٰ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو سچی سمجھ عقل و فہم۔ عطا فرمائے۔ اے میرے رب رحیم و کریم میرے قلم کی تو ہی حفاظت فرمانے والا ہے اِس کی بھی تیرے سوا کوئی جائے پناہ نہیں ہے۔ دوسرا فائدہ۔ قرآن مجید کی تلاوت کرنا عبادت اور باعثِ اجر و ثواب ہے۔ اگرچہ سمجھ نہ آئے۔ یہ فائدہ وَاتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ (الخ)، کے عمومی تاقیامت حکم سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ قرآن مجید یا پہلی آسمانی کتابوں کو کوئی انسان بدل نہیں سکتا۔ ہاں اللہ تعالیٰ خود اپنی کتابوں کو

بدل بھی سکتا ہے منسوخ بھی کر سکتا ہے اور اپنے کلمات کو روئے زمین سے اٹھا اور چھپا بھی سکتا ہے جیسا کہ توریت و زبور و انجیل کو رب تعالیٰ نے مکمل طور پر دنیا سے اٹھا لیا یہاں تک کہ ان کی زبانیں اور لغوی الفاظ بھی دنیا سے ختم کر دیئے گئے اور قریب قیامت قرآن مجید کو بھی اللہ تعالیٰ زمین سے اٹھا لے گا یہ فائدہ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ سورۂ کہف کی دو خصوصی شانیں وہ ہیں جو کسی دوسری سورت میں نہیں ایک یہ اس سورۃ میں مکمل و مفصل طور پر تین قصے ذکر فرمائے گئے۔ ۱ اصحاب کہف کا قصہ ۲ خضر علیہ السلام کا واقعہ ۳ حضرت ذوالقرنین اور سدّ سکندری یاجوج و ماجوج کا واقعہ۔ دوسری خصوصیت یہ کہ اس سورۃ کہف کے بعد کسی سورۃ میں کوئی خصوصی و مکمل ایسا واقعہ مذکور نہ ہوا جو پہلے سیپاروں سورتوں میں مذکور نہ ہو چکا ہو یہ فائدہ وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اور مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ فرمانے اور پوری سورۃ کے طرزِ بیانی سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ مسلمانوں کو جس طرح اسلامی قمری سال اور چاند کے مہینوں سے اپنے دن رات ماہ و سال سبوع و ایام کا حساب لگانا جائز و ضروری ہے اس طرح شمسی مہینوں سے بھی حساب بنانا اور شمسی تاریخوں کے مطابق کام کرنا جائز ہیں یہ مسئلہ وَازْدَادُوْا تِسْعًا فرمانے مستنبط ہوا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں شمسی حساب بھی بیان فرما دیا اور قمری حساب بھی اس لیے محرم صفر سے حساب کرنا اور نظام الاوقات مرتب کرنا بھی جائز بلکہ لازم و ضروری و اجب ہے اور جنوری فروری بھی استعمال کرنا اور اس کی تواریخ سے نقشہ اوقات مقرر کرنا جائز ہے ہمارے بعض عمر رسیدہ علما جو جنوری فروری استعمال کرنے کو برا سمجھتے ہیں وہ ٹھیک نہیں۔ خیال رہے کہ دنیا میں قمری مہینے صرف محرم۔ صفر۔ ربیع الاول۔ ربیع الآخر جمادی الاول۔ جمادی الآخر۔ رجب۔ شعبان۔ رمضان۔ شوال۔ ذوالقعدہ۔ ذی الحج۔ ہیں۔ اور ان کو صرف اہل عرب نے استعمال فرمایا اور یہ نام ابراہیم علیہ السلام یا حضرت اسماعیل علیہ السلام نے دنیاء عرب میں جاری فرمائے اور حضرت آدم علیہ السلام جنت سے یہ نام لے کر آئے۔ عرب کی طرف سے ہی یہ نام اسلام نے اپنی تاریخ اور سن ہجری بنانے کے لیے منتخب فرمائے اللہ کی بارگاہ میں بھی یہ نام مقبول ہیں۔ دیگر قوموں نے شروع سے آج تک صرف شمسی رفتار پر اپنے مہینے بنائے اِس وقت دنیا میں تین قسم کے سن مشہور ہیں ۱ سنِ عیسوی ۲ سنِ جلالی فارسی میں ۳ سن بکرمی پنجاب میں یہ تینوں شمسی ہیں اور ان کے مہینوں کے نام بادشاہوں کے منتخب کردہ ہیں سنِ عیسوی جو یورپ اور یورپ کے تسلط والے علاقوں میں رائج یہ نام مختلف بادشاہوں کے نام رکھے گئے اس کی تفصیل ہمارے فتویٰ العطایا میں دیکھئے سنِ جلالی جلال الدین سلجوقی بادشاہ نے جاری کئے۔ اور سنِ بکرمی بکرماجیت راجہ ہندو نے جاری کئے یہ مہینے موسموں کے نام پر بنائے گئے اس میں سال کے دن سب سے زیادہ ہوتے ہیں یعنی ۳۶۷ دن خیال رہے کہ مسلمانوں کو شمسی قمری دونوں حساب کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کی کچھ عبادتیں تاریخی ہیں جن کا تعلق چاند

سے ہے مثلاً عید الفطر۔ حج بقر عید۔ فرضی روزے زکوٰۃ۔ محفلِ میلاد۔ شب معراج۔ لیلۃ القدر۔ شب برائت وغیرہ کے نوافل اور نفلی روزے۔ کچھ عبادتیں وقتی ہیں۔ جن کا تعلق سورج سے ہے مثلاً فرض۔ واجب نمازیں۔ سنت نفل وغیرہ نفلی فرضی روزے کی ادائیگی یوم عرفہ کا قیام اور دیگر تمام تاریخی عبادتوں کی ادائیگی۔ دوسرا مسئلہ۔ اگر کوئی شخص عربی زبان میں اس طرح قسم کھائے کہ واللہ لا البث ھذا الدار یا اردو میں اس طرح کہے کہ اللہ کی قسم میں اس گھر میں نہیں ٹھیروں گا اور وہ ایک دفعہ سوتے ہوئے اس گھر میں لایا جائے یا نیند میں چلنے کا عادی سوتے میں چل کر اس گھر میں آجائے تو مسلکِ حنفی میں وہ حانث ہو جائے گا اور اس کی قسم ٹوٹ کر ختم ہو جائے گی اور قسم دائمی نہ ہو گی۔ لیکن اس پر کفارہ اس لیے نہ پڑے گا کہ وہ اپنے اختیار میں نہیں۔ دائمی اس لیے نہیں کہ قسم والے نے دوامی لفظ کوئی نہیں بولا اگر پھر وہ جاگنے میں چلا جائے تو حانث نہ ہو گا کیونکہ قسم پہلے ہی ختم ہو گئی ہے۔ یہ مسئلہ لَبِثُوْا فِیْ کَهْفِهِمْ دائغ، فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے اصحاب کہف کے سونے کو لُبث فرمایا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ قرآن مجید کی تلاوت نماز میں تو فرض فرمائی گئی ہے لیکن نماز کے علاوہ ہر مسلمان مرد اور عورت پر لازم اور واجب ہے۔ اس لیے اگر کوئی خاص مجبوری یا ممانعت شرعیہ نہ ہو تو ہر دن جتنی بھی ہو سکے قرآن مجید کی تلاوت ضرور کرے اگر سب اہل خانہ نے تلاوت ترک کر دی تو سب گناہ گار ہوں گے یہ مسئلہ وَاتْلُ مَا اُوْحِیَ دائغ، اُمر کے فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ صیغۂ امر اپنے اصل معنیٰ میں وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں۔ کہ حافظ لوگ یا تیز پڑھنے والے چالیس دن میں قرآن مجید ختم کیا کریں۔ لیکن آہستہ پڑھنے والا اپنے وقت اور اختیار سے جتنا چاہے پڑھ لیا کرے۔ **چوتھا مسئلہ**۔ قرآن مجید کو صحیح صحیح بالکل درست پڑھنا واجب ہے۔ اگر پڑھنے میں ایک غلطی بھی ہو گی تو گناہ اور نقصان ہو گا۔ یہ مسئلہ مَا اُوْحِیَ اِلَیْكَ اور لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ کی اقتضاء النص سے مستنبط ہوا۔ یعنی ان ہی لفظوں حرفوں کلموں کو تلاوت کرو جو وحی ہوئے ہیں۔ اس میں زیر زبر پیش شد مد اور ادائیگی حروف کی بھی تبدیلی نہ کرو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ۔ سنین جمع فرمایا گیا چاہیے تھا کہ سَنَةٍ فرمایا جاتا۔ کیونکہ نحوی قاعدے کے مطابق مِائَةٍ کی وحدت کا لحاظ رکھتے ہوئے ہمیشہ واحد اسم لایا جاتا ہے۔ **جواب**۔ اس کے تین جواب مفسرین نے ارشاد فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ لفظ سنین تمیز ہے ثَلٰثَ مِائَةٍ کی اس لیے جمع لانا ضروری ہے۔ دوم یہ کہ ثلٰث مائۃ کے ابہام کی وجہ سے سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ تین سو کیا ہیں۔ دن۔ یا ہفتے یا مہینے۔ تو اس کا جواب دیا گیا کہ دن مہینے ہفتے نہیں بلکہ سنین یعنی سال اس لیے یہاں لفظ سنین کا تعلق ثلٰثہ مائۃ سے نہیں بلکہ اس پوشیدہ سوال کا جواب ہے۔ سوم یہ کہ پہلے اجمالی طریقے سے فرمایا گیا۔ فَضَرَبْنَا عَلٰٓى اٰذَانِهِمْ فِی الْكَهْفِ سِنِیْنَ عَدَدًا۔ یہاں چونکہ اُسی اجمال کی تفصیل مقصود ہے

اس لیے یہاں بھی سِنِیْنَ فرمانا بہت ضروری تھا۔ اور بتایا یہی گیا کہ ہم نے تین سو سال تک فَضَرَبْنَا عَلٰۤی اٰذَانِهِمْ ان کے کانوں پر تھپکی لگائی اور سلایا اور نیند کے بعد اٹھے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَازْدَادُوْا تِسْعًا اتنی لمبی عبارت کیوں بولی گئی اس طرح کہہ دیا جاتا ثَلٰثَمِائَةٍ وَّتِسْعَ سِنِیْنَ۔ یعنی تین سو نو سال غار میں ٹھیرے رہے۔

جواب۔ تِسْعَ سِنِیْنَ کہنے میں وہ مقصد حاصل نہ ہوتا جو یہاں بتانا مقصود ہے اس لیے کہ اصحابِ کہف کے ٹھیرنے کی مدت تو ایک ہی ہے مگر حساب دو قسم کا ہے۔ اور وہ لوگ جن کو یہ سب واقعہ سنایا بتایا جا رہا ہے وہ بھی دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ یہود و نصاریٰ کا جو شمسی حساب پر چلتے ہیں۔ دوسرا گروہ کفارِ عرب کا جو قمری حساب پر چلتے ہیں۔ دونوں کو ان کے اپنے اپنے حساب سے سمجھانا تھا تاکہ صحیح بات ہر ایک کا ذہن قبول کرلے اسی وجہ سے دو حساب فرمائے گئے ایک حساب تین سو سال دوسرا حساب تین سو کے اوپر نو سال اور زائد۔ پہلے سال شمسیہ ہیں یہود و نصاریٰ کے نقشۂ اوقات کے مطابق دوسرے زائد سال قمری ہیں۔ اہلِ عرب کے حساب کے مطابق۔ اگر ساتھ ہی تِسْعَ سِنِیْنَ فرما دیا جاتا تو صرف عربی مدت ظاہر ہوتی۔ اور مخالف گروہ کا ذہن قبول نہ کرتا۔ **تیسرا اعتراض**۔ آپ لوگ کہتے ہیں کہ آیت منسوخ بھی ہوتی رہی ہیں اور آیت سے آیت اور حدیث سے آیت منسوخ ہو سکتی ہے یہ سخت غلط ہے قرآن مجید کے خلاف ہے قرآن پاک نے صاف فرما دیا۔ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ یعنی اس کی آیتیں تبدیل نہیں ہو سکتیں۔ (چکڑالوی منکرِ حدیث)

جواب۔ معترض کا اعتراض محض جذباتی ہے۔ آیت مبارکہ کے الفاظ میں غور نہیں کیا گیا۔ آیت کے الفاظ ہیں۔ لَا مُبَدِّلَ یہاں دو باتیں قابلِ غور ہیں ایک یہ کہ تبدیلی کیا ہے دوم یہ کہ لَا مُبَدِّلَ فرما کر کس کی نفی کی جا رہی ہے۔ اولاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ تنسیخ اور تبدیلی میں بہت فرق ہے۔ تبدیلی کا معنیٰ ہے ختم کرنا ہٹانا بدلنا۔ آگے پیچھے کرنا بے موقعہ کر دینا۔ اور تنسیخ کا معنیٰ ہے کسی قانون اور حکم کی آخری مدت بیان کرنا یعنی یہ حکم یہ قانون بس اب تک کے لیے تھا یہ خبر آیت سے بھی دی جا سکتی ہے اور حدیث سے بھی یہی معنیٰ ہے حدیث سے آیت کے منسوخ ہونے کا نسخ سات قسم کا ہے لفظوں کا منسوخ ہونا معنیٰ کا منسوخ ہونا۔ دونوں کا منسوخ ہونا آیت کا آیت سے منسوخ ہونا آیت کا حدیث سے منسوخ ہونا حدیث کا آیت سے منسوخ ہونا۔ حدیث کا حدیث سے منسوخ ہونا آیتِ قرآنیہ سے ہر قسم کا نسخ جائز اور واقع ہے لیکن حدیث سے صرف معنیٰ کا نسخ ہوتا ہے۔ یہاں تبدیلی کا ذکر ہے نہ کہ نسخ کا لہٰذا نسخ پر اعتراض کرنا نادانی ہے دوم فرمایا کہ کوئی مخلوق میں سے تبدیل کرنے والا نہیں یعنی قرآنِ مجید مخلوق کی دست بُرد سے محفوظ کیا ہوا ہے۔ خود باری تعالیٰ ہر طرح کی تبدیلی پر قادر و قیوم ہے لہٰذا اعتراض ختم ہو گیا۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ (الخ) یعنی صرف کتاب اللہ کو ہی مدِ نظر رکھو تمام مسائل اس کی واضح عبارتوں سے حاصل کرو۔ ثابت ہوا کہ قیاس کرنا اور قیاسی مسئلے جاری کرنا غلط ہے (وہابی غیر مقلد) جواب کیا عجیب اعتراض ہے یعنی جس چیز کے خود مرتکب ہو رہے ہیں۔ اسی کا اعتراض کر رہے ہیں۔ تمام قیاس عقلی دلائل کا نام ہے اور یہ کہنا کہ اُتْلُ مَاۤ اُوْحِیَ سے یہ ثابت ہو رہا

ہے یہ بھی معترض کی عقلی بات ہی ہے مگر چونکہ اونہ ہی نقل ہے اس لیے ثبوت بھی او ندھا ہی کیا جارہا ہے حقیقت یہ ہے کہ اِنْقُلْ مَا اُوْحِیَ سے ہرگز یہ بات ثابت نہیں ہوتی بلکہ قیاس اور تلاوت کا تو دور کا بھی واسطہ و تعلق نہیں ہے۔

پانچواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا مُبَدِّلَ (الخ) دوسری آیت میں ہے۔ بَدَّلْنَا اٰیَةً مَّكَانَ اٰیَةٍ یعنی ایک جگہ فرمایا کوئی تبدیلی کرنے والا نہیں۔ اور اس دوسری آیت میں فرمایا کہ ہم تبدیلی کرنے والے ہیں۔ یہ تعارض کیوں ہے؟

جواب۔ یہ تعارض نہیں بلکہ فاعل کی تقسیم ہے۔ اس طرح کہ مخلوق میں لَا مُبَدِّلَ ہے لیکن خود اللہ تعالیٰ کے لیے بَدَّلْنَا ہے۔ وہ مالک و مختار رب یعنی اختیار والا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ لَا مُبَدِّلَ کا معنیٰ ہے دوسرا قرآن لانے والا کوئی نہ اس میں تغیر کرنے والا کوئی ہے۔ اور بَدَّلْنَا کا معنیٰ ہے کہ ہم اپنے احکام کی آیتیں منسوخ کرتے رہتے ہیں گویا کہ تغیر کی نفی ہے۔ اور تنسیخ کا ثبوت ہے۔ ناسخ و منسوخ کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا میں دیکھیے۔

چھٹا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا یُشْرِكُ فِیْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا۔ اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا جس سے ثابت ہوا کہ کسی کو حاکم بنانا منع ہے کسی کا حکم ماننا گناہ ہے لیکن دوسری آیت میں ہے۔ فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ۔ (الخ) یعنی حاکم اور فیصلہ کرنے والے بناؤ۔ یہ تعارض کیوں؟ **جواب۔** اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مجازی اور حقیقی کا بیان ہے کہ لَا یُشْرِكُ (الخ) میں حقیقی حاکم۔ حکم اور فیصلے کا ذکر ہے۔ اور فَابْعَثُوْا حَكَمًا میں مجازی حکم کا ذکر ہے دوم یہ کہ لَا یُشْرِكُ میں رب تعالیٰ کے اپنے قانونی اور قدرتی ازلی ابدی فیصلوں کا ذکر ہے اور فَابْعَثُوْا میں دنیوی جھگڑوں فیصلوں کا ذکر ہے کہ دنیا کے لوگ رب کے قانون کے مطابق فیصلہ کریں۔

ساتواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا جس سے ثابت ہوا کہ کسی بھی مصیبت میں اللہ کے سوا کوئی بچانے والا نہیں۔ لیکن دوسری آیت میں ہے کہ حضرت عیسیٰ نے فرمایا اُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ (الخ) میں اندھوں کوڑھیوں کو اچھا اور تندرست کرتا ہوں۔ یہ تعارض کیوں ہے؟ **جواب۔** یہاں اللہ کے مقابلے کا ذکر ہے اور وہاں رب تعالیٰ کے اذن اور اجازت سے امداد کرنے اور بچانے کا ذکر ہے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں درست ہیں کوئی تعارض نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ دیوی دیوتا بت اور اور مورتیں جھوٹے معبود کچھ نہیں کر سکتے۔ لیکن انبیاء عظام علیہم السلام اور ان کی غلامی کا صدقہ اولیاء اللہ سب کچھ کر سکتے ہیں بچا سکتے ہیں پناہ دے سکتے ہیں ان دونوں آیتوں سے حق و باطل میں فرق کر دیا گیا۔

تفسیر صوفیانہ سَیَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ وَیَقُوْلُوْنَ خَمْسَةٌ سَادِسُهُمْ كَلْبُهُمْ رَجْمًۢا بِالْغَیْبِ وَیَقُوْلُوْنَ سَبْعَةٌ وَّثَامِنُهُمْ كَلْبُهُمْ قُلْ رَّبِّیْۤ اَعْلَمُ بِعِدَّتِهِمْ مَّا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا قَلِیْلٌ۔

عن قریب کہیں گے وادیِ ظلماتِ خواہشات میں بھٹکنے والے کہ قالبِ خلوت کے کہفِ لذت میں صرف تین ہی

لطائف ہیں۔ ۱ نظر ۲ عمل ۳ اور فکر۔ قواءِ روحانیہ کا اُن میں چوتھا لطیفہ نفس مغلوب ہے۔ اور کچھ اہل ظاہر وادی حیرت میں جب ذرا قریب منزل ہوں گے تو کہیں گے کہ قواءِ روحانیہ کے لطائفِ اَسرارِ خلوت پانچ ہیں ۱ حسِ مشترک ۲ تخیل ۳ فکر ۴ نظر ۵ عمل اور چھٹا اُن کا لبِ نفس ہے۔ یہ ہیں اہلِ ہوا و ہوس کے تصوراتِ باطل اور یقین سے خالی ظن و گمان۔ اور کچھ خیالاتِ باطنی والے کہیں گے کہ لطائفِ جسمانیہ سات ہیں ۱ نظری ۲ فکری ۳ علمی ۴ عقلی ۵ ذکر ۶ شکر ۷ اور حاکمِ ناسوت کا محافظ چہروا یا حسِ مشترک۔ اور آٹھواں لطیفہ و سری نفس مغلوب کا کتا ہے۔ یہ سب اَقوال وادیِ طلب کے مسافرانِ بے منزل ہیں۔ فریاد رسے اے قلب مسعود کہ ان اسرار باطنی کو میرا رب خالق و مولیٰ ہی سب سے زیادہ جاننے والا ہے صحراءِ معرفت اور بیابانِ عشق کے ان خلوت نشینوں کو تھوڑے ہی لوگ جاننے والے ہیں جن کو رب تعالیٰ نے حقیقت و صداقت کے خزانے بخشے ہیں اسی علم کا نام جزب و سلوک ہے اے طالبِ مولیٰ عہدِ اَلَسْتُ کو یاد رکھ اور پورا نباہ طریقت میں عہد کو توڑنا ایسا ہی برا ہے جس طرح شریعت میں مرتد ہونا مخلص وہ ہے جو ایک دفعہ اپنے رب سے عہد بنائے تو پھر نہ توڑے۔ طالب حق کو چاہیئے کہ اصحاب کہف کا راستہ اختیار کر کے ویرانۂ معرفت کے غاروں میں جا چھپے اور دامانِ آرزو کو بہت نہ پھیلائے صرف حلال سے غرض رکھے۔ اپنے مستقبل کا خیال بالکل چھوڑ دے اہلِ دنیا کی صحبتوں سے طالب کو بالکل بچنا چاہیئے۔ دقیانوسِ باطل کا قربِ قتلِ روحانی کا زہریلا تیغ ہے۔ اگر تو تقربِ الٰہی چاہتا ہے تو اپنے مال دنیوی اور خزانۂ اعمال کو اپنے قلبی خزانچی کے سپرد کر دے اور اپنے سے دور کر دے تلاشِ الٰہی میں یا محبتِ خلائق سے اپنے دل کو بالکل خالی اور دور کر دے فقط اللہ کا خوف تقویٰ اور اطاعت کو اپنے اوپر لازم کرے۔

فَلَا تُمَارِ فِيهِمْ إِلَّا مِرَاءً ظَاهِرًا وَّلَا تَسْتَفْتِ فِيهِمْ مِّنْهُمْ أَحَدًا ۔ وَلَا تَقُولَنَّ لِشَيْءٍ إِنِّي فَاعِلٌ ذَٰلِكَ غَدًا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ ۔

اے طالبِ مقبلی راہِ طلب کے مجاہدے مکاشفے میدانِ لہو و لعب نہیں ہیں اَقوالِ باطنی اور واردات لطائف کے واقعات میں اہل ریا سے بحث و مکالمہ نہ فرما۔ مگر صرف اتنا ہی ظاہر کر جو کاسۂ قلب جذبات سے خود چھلک جائے یہ تو فقط مطاہر ربانی ہیں ان لطائف کے قبض و بسط میں نادانوں کم عقلوں سے تحقیق و تفتیش کے فتوے طلب نہ کر اس وادیِ خار دار میں اپنی قوتِ عقلی کے گھوڑے نہ دوڑا اپنے ہر فعل کو مشیتِ ایزدی کے سپرد کر دے اس طرح کہ کبھی بھی مستقبلِ صبح ڈھولا در بقاءِ ذات کے کل کے متعلق نہ کہہ کہ میں اپنے نفس و حواس سے یہ کر دوں گا تمام حاجتیں بس اللہ کے سپرد کر دے اُسی سے طلب کرتا رہ۔ دروازۂ محبوب پر دامنِ عجز پھیلا دے کیونکہ یہی مشیتِ الٰہی کا مرکزِ اجماعی ہے یہی توحید کلی ہے اللہ کے سوا کسی پر اعتماد نہ رکھ۔ اپنے پر بھی کل کا بھروسہ نہ کر شریعت میں تین پہر کے بعد کل ہوتی ہے مگر اصطلاح صوفیا میں ہر دوسری آن اور ساعت حیاتِ مقصود

کی کل ہے۔ اس کل کا سورج توحید باری تعالیٰ ہے اور اُس کل کا چاند نورِ رسالت و نبوت۔ اے بندۂ اخلاص اسی چاند سورج کی روشنی کو لازم پکڑ۔ اسی سے رازِ انشاء اللہ قلبِ مومن پر آشکارا ہوتا ہے۔ ہر مومن کے لیے ہر حال میں تین چیزیں لازم و ضروری ہیں۔ ۱ حکم الٰہی کی تعمیل۔ ۲ ممنوعاتِ شریعت سے ہر حال و کیفیت میں دور رہے۔ ۳ یہ کہ قضاءِ الٰہی پر راضی۔ تصوف کا پہلا قدم یہ ہے کہ ان تینوں سے خالی نہ رہے۔ اور یہ سب سنتِ نبوی کی پیروی میں میسر ہوتا ہے۔ تصوف کا دوسرا قدم اطاعت و فرماں برداری ہے۔ اے طالب اصحاب کہف کے کتے کی مثل راہِ اطاعت میں اپنی عادتوں کو بھول جا۔ آستانۂ وحدت پر خاموش گزارہ بس اُسی کی مشیّتِ عمل کا انتظار کر وہاں پلید کو بھی تقاملتی ہے۔ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ اِذَا نَسِيْتَ وَقُلْ عَسٰۤى اَنْ يَّهْدِيَنِ رَبِّيْ لِاَقْرَبَ مِنْ هٰذَا رَشَدًا ۔ اے وادیِ معرفت کے مسافرِ شوق و اُلفت رجوع اِلی اللہ کے قدم اٹھانے سے پہلے حضورِ قلبی کی زبانِ سپاس سے اپنے پالنے والے مقصود و مطلوب رب کریم کا ذکر انتہائی عشق و حُبِّ باطن سے کرتا رہ۔ جب تو ظہورِ نفسِ امّارہ اور اُس کی صفاتِ رذیلہ و خصائلِ ذمیمہ میں مبتلاء جبر و قہر ہو کر غفلت میں یادِ الٰہی کو بھول جائے اور رقابِ ناسوتی میں نفس و نفسانیات کے سامنے اعلانِ عبودیت فرما دے کہ بہت جلد مجھ کو میرا ربّ قدیر نسبتِ اعمال اور شہودِ ذاتی اور صفاتِ حجاب سے بعید اخلاص کی ہدایت عطا فرمائیگا جو استقامت و تمکین میں قرب و رشد کے بہت زیادہ قریب ہوگا۔ یہی لطائفِ اسرار کا سچا علم ہے۔ راز ابن عربی ذکرِ الٰہی کے پانچ سبق ہیں ۱ اللہ کو ہر عیب و نقص سے پاک سمجھنا ۲ اُس پر کسی انسانی و مخلوق کی عادت و خصلت کی تہمت نہ لگا دیہ سب سے بڑا شرک ہے۔ ۳ اُس کے دین کو سچا سمجھنا ۴ اُس کے بارے کسی شک میں نہ پڑنا۔ عبادت پر جمے اور قائم رہنا۔ وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا ۔ قُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ ۔ اور یہ لطائفِ اسرار قرب معرفت کی پیلی ازل کی مدت اپنے کہفِ جسامی میں شمسِ توحید کی تین صدیاں اور قمر نبوت کے نو سال زیادہ لذّتِ مشاہدہ میں مقیم رہے۔ اے قلبِ محمود ظاہر فرما دے کہ خلوتِ مراقبہ کی دوسری ابدی مدت کو اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جاننے والا ہے۔ اُسی اللہ قادر و قیّوم کے لیے آسمانِ عقلیات اور زمینِ فکریات کی خلوت غیب کا پورا علم ہے منازل خلوت کے مجذوبین و سالکین کو ظاہر و باطن نیتوں ارادوں سے بس وہی ہر آن دیکھنے والا ہے۔ اور خلوص و ریا کے ذکر و اذکار وِرد و وظائف کو وہی شانِ قدرت سے سننے والا ہے۔ اِن مسافرانِ طلب کے لیے توفیقِ اسباب۔ تیسیرِ احوال تعبیرِ اقوال میں اُس کے بغیر کوئی مددگار نہیں۔ راز ابن عربی، بندۂ وادیِ معرفت کی لغزشوں کو تاہیوں گناہوں سے جلدی توبہ کر غفلت نہ کر وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖۤ اَحَدًا ۔ اور وہ وَحْدَهٗ لَا شریک اپنے مراقبے مجاہدے۔ مکاشفے مشاہدے عطاء و بقا کے فیصلوں میں کسی کو شریک

نہیں بنایا۔ اُس کا حبیب تو ہے شریک کوئی نہیں (ابن عربی) اس لیے اے قرب منزل کے خواہش مند وکیفیات اجسام وارواح میں توحید وشرک کا تفرقہ نہ ڈالو۔ استغفار تقصیرات اور رجوع الی اللہ کو اپنے اوپر بوجھ نہ سمجھو۔ دنیا دار نہ بنو بلکہ پہلے رب تعالیٰ کی ولایت وامانت کے آستانۂ بے نیاز پر جبین نیاز کو سجدۂ عشق وعجز میں رگڑ دو۔ لیکن دنیا دار ہر مشکل میں پہلے اپنی ذات پر پھر مخلوق پر بھروسہ کرتا ہے جب یہاں مشکل کشائی نہ ہو تو پھر رجوع الی اللہ کرتا ہے۔

وَاتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا .... اے عرشِ لامکانی کے محبوب لوحِ ازل کی کتاب ربانی سے عقلِ فرقانی کے وہ الہامات واردات قوامِ روحانی مزاج طغیانی نفس لایعنی کے سامنے زبانِ رحمانی سے تلاوت فرما جو تیری طرف وحی کی گئی ہے۔ لوحِ قلب سے اُس رب تعالیٰ کے کلمات مدارج کوئی بھی بدل نہیں سکتا۔ اصولِ دین ـ رموزِ عشق۔ توحید وعدل۔ سعادت وشقاوت جس کے نصیب میں جو لکھ دیا گیا کوئی بھی بجز اُسی کے مٹا نہیں سکتا اے دل تو اُس کے بغیر اُس کے مقابل تمام کائنات دہر میں کہیں بھی منزلِ قرب کا دروازہ مراد نہ پا سکیگا (از محی الدین ابن عربی) اہل تعویذات وظائف فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف کے ناموں کی تلاوت اور تعویذ اور اس کے چلہ کشی سے سولہ مصیبتوں سے حفاظت ہوتی ہے ۱ حرق ۲ غرق ۳ سرق ۴ جنات ۵ نظر بد ۶ بے برکتی ۷ بحران ۸ بے اطمینانی ۹ مرگی ۱۰ دیوانگی ۱۱ مقدمے بازی ۱۲ بدعقیدگی ۱۳ حرام مال وخوراک سے بچنے کے لیے ۱۴ حفاظت ایمان واعمال کے لیے ۱۵ تسخیر حکام وقلبی ہمت کے لیے ۱۶ کسی بھی سلسلہ روحانیہ کا فیض نہ کھلتا ہو تو اس کا اکتالیس دن کا چلہ کرے۔ یہ تعویذ لکھنے اور مریضوں ضرورت مندوں کو دینے کے لیے پہلے یہی چلہ بطور زکوٰۃ کرنا پڑتا ہے چلے کا طریقہ یہ ہے کہ اکتالیس دن سخت خلوت تنہائی میں بیٹھ کر جہاں کسی چیز کی آواز تک نہ آئے ہر روز چالیس تعویذ لکھے اور ایک دفعہ ہر تعویذ سے ان اسموں کو ان کی عددی تعداد کے مطابق پڑھے تعویذ کے ہر دوسرے خانے میں ناموں کے عدد ہیں۔ اور ہر دن چھٹانک چھٹانک آٹھ قلوں کا حلوہ بنا کر سات تک سید درویشوں اور ایک کتے کو بعد نماز عصر کھلائے اور بعد مغرب عشاء تک ہر روز یہ چلہ کرے پھر روزانہ خلوت سے نکل کر اپنا ہر کام کر سکتا ہے۔ تعویذ جمع کرتا رہے چلے کے بعد چالیس دن کے تعویذ آٹے کی گولیاں بنا کر مچھلیوں کو کھلا دے اور آخری دن کے تعویذ پاس رکھ لے اور ضرورت مندوں کو دے پھر ہر روز تین تعویذ لکھا کرے لیکن اگر تعویذ دینے کے لیے نہیں لکھے تھے صرف روحانیت کے لیے چلہ تھا تو پھر آئندہ نہ لکھے بیماروں کو کاغذ اور پلیٹ پر لکھ کر پینے کے لیے دیتے ہیں دیگر ضروریات کے لیے لگانے یا باندھنے چاہییں تعویذ لکھتے میں خانوں کی ترتیب کا بہت خیال رہے۔ غلط نہ ہو جائے کونے والے نمبر نہ لکھے یہ صرف ترتیب سمجھانے کے لیے لکھے گئے ہیں۔

۹۲		۷۸۶	۹۲
۸ ۴۴۵	۱۱ دیوس	۱۳ ۸۷	۱ مکسلینا
۱۲ بطیوس	۲ ۲۵۱	۷ کشطوتس	۱۴ ۱۲۰
۳ تملیخا	۱۶ ۳۵۹	۹ بیرونس	۶ ۳۶۵
۱۰ ۳۲۸	۵ مرطونس	۴ ۶۹۱	۱۵ قطمیر

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ

اور روک رکھے اپنے آپکو ان لوگوں کے ساتھ جو دعائیں مانگتے ہیں اپنے رب سے

اور اپنی جان اُنسے مانوس رکھو جو صبح شام اپنے رب کو

بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا

صبح اور عشا میں پسند کرتے ہیں اس اللہ کی ہی ذات کو اور نہ

پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے۔ اور تمہاری آنکھیں اُنہیں

تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ

ہٹاؤ تم اپنی نگاہیں ان پیارے بندوں سے بھلا کب ارادہ کر سکتے ہو تم دنیوی زندگی کی

چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں کیا تم دنیا کی زندگی کا

الدُّنْيَا ۚ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ

زینت کا اور نہ پیچھے پڑو تم اسکو اچھا بتائیے جس کے دل پر پردے ڈالدئے ہم نے

سنگھار چاہو گے اور اُس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے

ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۲۸

اپنے ذکر سے اور اُس نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور اس کے بُرے کام حد سے بڑھ گئے

غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش کے پیچھے چلا۔ اور اُس کا کام حد سے گزر گیا

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ قف فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ

اور فرما دو کہ تمہارے رب کی طرف سے ہر چیز حق ہی ہے تو جو چاہے ایمان لے آئے

اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے تو جو چاہے ایمان لائے

وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ لا اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ

اور جو چاہے کفر پر رہے بے شک ہم نے تیار کی ہوئی ہے ظالموں کے لیے

اور جو چاہے کفر کرے بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ

نَارًا لا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ط وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا

ایسی آگ کہ گویا یقیناً گھیر ہی لیا ہے ان کو اُس کی دیواروں نے اور اگر پیاس کی فریاد کریں

تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی اور اگر پانی کے لیے فریاد کریں

يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ ط بِئْسَ

تو پلائے جائیں گے ایسا کھولتا پانی پگھلے تانبے کی مثل جو بھون ڈالے گا ان کے چہروں کو برا ہے

تو ان کی فریاد رسی ہوگی اس پانی سے کہ چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے کہ ان کے منہ بھون دیگا کیا ہی برا

الشَّرَابُ ط وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۲۹

پینا اور نفرت والی رہائش گاہ

پینا ہے اور دوزخ کیا ہی بری ٹھہرنے کی جگہ

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے مطالبے کے مطابق اصحاب کہف کا واقعہ بیان ہوا اب ان آیت میں اسی واقعہ کو دیر سے بیان کرنیکا سبب ذکر فرمایا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں فرمایا گیا کہ ان کفار کو تلاوت سنا دیجئے تاکہ وہ آپ کے متبع اور مسلمان ہو جائیں اب ان آیتوں میں حکم دیا جارہا ہے کہ اے مسلمان کسی بات میں کافر کی اطاعت اور فرماں برداری مت کر۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ کفار کا کوئی مددگار نہیں جو رب کا مقابلہ کرکے اُن کو عذاب سے بچائے اب ان آیت میں اُن کی اُن حالتوں اور عذابوں کا ذکر ہو رہا ہے جن میں کفار کو شدت سے مدد گار کی ضرورت پڑے گی۔

تفسیر نحوی وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ ۚ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۔

واؤ سرجملہ اِصبِر۔ باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف واحد مذکر خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے اَنتَ ضمیر واحد مذکر حاضر اس میں پوشیدہ ہے اس کا فاعل ہے صَبرٌ سے بنا ہے کبھی متعدی ہوتا ہے۔ بمعنی روکنا۔ رُکنا لازم ہے۔ یہ یہاں متعدی بیک مفعول ہے۔ نفس لفظ مشترک ہے یہاں بمعنی خود یعنی اپنا آپ مضاف ہے کَ ضمیر مخاطب مذکر مرجع ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مضاف الیہ ہے۔ مرکبّ اضافی مفعول بہ ہے مع اسم ظرف مکانی مضاف ہے۔ الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ کالت جر ہے کیونکہ مضاف الیہ مع کا مگر کر مظاہر نہیں کیونکہ مبنی ہے یَدعُونَ۔ فعل مضارع بمعنی حال ہے باب نصر ھُم ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع الذین ہے۔ ربّ۔ اسم مفرد جامد پروردگار۔ مضاف ہے ھُم ضمیر جمع نفسی ہے بمعنی اپنے مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یدعون کا۔ بِ جارہ بمعنی فِی ظرفیہ زمانیہ۔ الف لام استغراقی غدٰوۃ اسم مفرد مونث لفظی ہے بمعنی آنے والی فجر۔ اس کا مذکر لفظی ہے غُدُوٌّ بمعنی آنے والا کل پورا دن غداۃ فجر صادق سے نماز فجر کے آخری وقت تک کو کہا جاتا ہے یعنی سورج کے طلوع سے پہلے۔ غدوٌ وقت چاشت کو کہا جاتا ہے یعنی آنے والے کل یں طلوع آفتاب سے شروع ہو کر تقریباً دو گھنٹے تک۔ یہ شرع کا فرق ہے غُدُوٌّ و غداۃٌ میں۔ واؤ عاطفہ الف لام استغراقی عَشِیّ اسم مفرد جامد بمعنی رات عشاء کا وقت یعنی ایک تہائی رات کا پہلا حصہ جس کی ابتدا غروب آفتاب سے شروع ہوتی ہے۔ معطوف ہے۔ دونوں مل کر مجرور متعلق ہیں یَدعُونَ کا۔ یُرِیدُونَ باب افعال کا مضارع مثبت معروف مصدر ہے اِرادۃٌ اِرادا۔ رَوۡدٌ یا رَیدٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا۔ مراد لینا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے ھُم ضمیر مستتر فاعل ہے اس کا مرجع الذین ہے وَجْهَ۔ اسم مفرد جامد ہے لغوی معنی ہے چہرہ۔ اصطلاحاً مشترک ہے پانچ معنی میں ۱۔ ذات شخصیت ۲۔ سخت ۳۔ خوشی۔ رضا۔ ۴۔ صبح ۵۔ چہرہ یہاں بمعنی ذات یا رضا و خوشنودی ہے۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد غائب مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ یُرِیدُونَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا یَدعُونَ

کے فاعلِ ھُم مستتر کا۔ وہ سب مِلکر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مضاف الیہ ہوا مَعَ کا یہ مرکب اضافی ظرف ہوا اصْبِر کا پھر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ۔ لَا تَعْدُ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر عَدْوٌ ناقص وادی سے بنا ہے بمعنیٰ بے توجہی کرنا۔ منہ پھیرنا دور ہٹ کر رہنا۔ حد سے بڑھنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مراد ہیں۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ہے جس کا مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور یہ نہی ممانعتِ عمدیا نہ کریانہ ہے نہ کہ وجوبی تردی خیال رہے کہ کسی نبی پر کبھی بھی نہی وجوبی وارد نہیں ہوتی۔ کیونکہ وہ معصوم ہوتے ہیں۔ وہ ممانعتِ تردمی پر قادر نہیں ہوتے تردمی نہی کا فعل گناہ کبیرہ ہوتا ہے عَیْنَاً اس کی قرأت اور ترکیب میں تین قول ہیں۔ ۱۔ تَعْدُ مذکر ہے عَیْنَیْکَ منصوب ہے عین کا بمعنیٰ آنکھ بحالتِ رفع مجازی ہے کیونکہ عین سے مراد عین جسمانی ہے۔ تَعْدُ متعدّی ہے اور عَیْنَا مفعول بہٖ منصوب ہے اسی لیے متعدی بمعنی جارحہ ہے ۲۔ لَا تَعْدُ۔ واحد مؤنث غائب ہے عَیْنَا اس کا فاعل ہے اور متعدّی نہیں بلکہ لازم ہے اور تثنیہ کے بجائے صیغہ واحد اس لیے آیا کہ دونوں آنکھوں کا فعل بیک وقت ایک ہی ہوتا ہے فعل ایک ہے اگرچہ فاعل دو ہیں۔ ۳۔ یہ عَیْنَانِ نہیں بلکہ عَیْنَیْ ہے بحالتِ فتحہ مضاف ہے اس لیے نونِ تثنیہ گر گئی۔ کَ۔ ضمیر واحد مذکر حاضر مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے تُرِیْدُ۔ یا یہ سب جملہ حال ہے لَا تَعْدُ کے فاعل اَنْتَ کا۔ یا یہ علیحدہ جملہ ہے۔ بابِ افعال کا فعل مضارع مصدر ہے اِرَادَۃٌ۔ اِرْوَادًا یا اِزْیَادًا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل۔ اگر علیحدہ جملہ ہے تو یہ سوال انکاری یا عبارت قرضی یا تعجبی ہے اور اس سے پہلے حرفِ سوال حل یا ہمزہ استفہام یا حرفِ اَیا پوشیدہ ہے زِیْنَۃَ اسم مفرد جامد بمعنی آرائش مالداری۔ دنیا برتنے کی خواہش مضاف ہے حَیٰوۃَ الدُّنْیَا مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یُرِیْدُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْیَكْفُرْ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا واؤ ابتدائیہ۔ لَا تُطِعْ۔ بابِ افعال کا فعل نہی حاضر معروف اَنْتَ مستتر فاعل ہے مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہے اس کا مصدر ہے۔ اِطَاعَۃٌ اِطْیَاعٌ۔ طَیْعٌ یا طَوْعٌ۔ سے بنا ہے بمعنیٰ اطاعت کرنا اچھا کرنا۔ (خوبصورت بنانا)۔ بات ماننا۔ حکم ماننا سچ سمجھ لینا یہاں پہلے دو یا آخری معنیٰ مناسب ہیں۔ مَنْ اسم موصول ذوی العقول کے لیے ہے اَغْفَلْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ نَحْنُ ضمیر متکلم اس میں پوشیدہ ہے جس کا مرجع رب تعالیٰ اِغْفَالٌ مصدر ہے غَفَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ چھپانا۔ غافل کرنا۔ پردہ ڈالنا توفیق نہ دینا۔ بابِ افعال میں متعدّی ہے قَلْب اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ دل مضاف ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ مرجع مَنْ ہے۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے عَنْ جارہ بُعد زوالی کے لیے ذکر اسم مصدر یا حاصل مصدر بمعنیٰ ذکر کرنا یا یاد کرنا۔ مضاف ہے۔ نَا ضمیر نفس بمعنیٰ اپنے جمع متکلم ہے مضاف الیہ اس لیے مجرور ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَغْفَلْنَا کا واؤ عاطفہ یا حالیہ اِتَّبَعَ۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقشِ قدم پر چلنا پیروی کرنا بلا سوچے بات ماننا ھُوَ اس میں

پوشیدہ ہے جس کا مرجع مَن ہے۔ ھَوَا۔ اسم مفرد جامد بمعنی خواہش بری۔ بری چاہت۔ یعنی نفس امارہ کی پسند ہ۔ ضمیر کا مرجع مَن ضمیر نفسی بمعنی اپنے مرکب اضافی مفعول بہ ہوا۔ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کان فعل ناقصہ واحد مذکر ماضی مطلق اُمْرٌ اسم مفرد جامد بمعنی اَعمال اَفعال کام معاملہ یہاں ہر معنی مناسب ہے فُرُطًا اسم مبالغہ فرطٌ سے بنا ہے۔ بمعنی بلا سوچے آگے بڑھنا۔ حد سے گزرنا۔ بہت زیادہ ظلم کرنا پیش قدمی کرنا اپنے سے پہلے اپنا سامان بھیجنا۔ یہاں بمعنی حد سے گزر جاتا ہے۔ خبر ہے کَانَ کی۔ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر معطوف ہوا سب عطف مل کر حال ہوا مَن کا۔ موصول صلہ اور حال مل کر مفعول بہ ہوا لَا تُطِعْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ مرجملہ قُلْ۔ فعل امر حاضر معروف خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ الف لام عہد خارجی حق اسم مفرد لغوی ترجمہ ہے سچ سچائی۔ منقول شرعی جو باطل کا مقابل مراد ہے دین اسلام۔ یا سچائی مِنْ ابتداء غایت کے لیے رَبِّ مضاف کُمْ ضمیر جمع حاضر مضاف الیہ مرکب مجرور متعلق ہے ثابتٌ یا کائنٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہوئی حق مبتدا کی۔ وہ جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ ف عاطفہ تعقیبیہ مَن موصولہ شرطیہ بمعنی اِن شرطیہ شَاءَ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا پسند کرنا۔ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ اسی سے ہے مشیت بمعنی چاہت یہ اختیار تو بخشی ہے یعنی جبر کی وجہ جبر نہ کر مباحی۔ ھُوَ پوشیدہ فاعل ہے مرجع مَن ہے جملہ فعلیہ ہوکر شرط۔ ف جزائیہ لام تحقیقی مفتوحہ یُؤْمِنْ باب افعال کا مضارع معروف مسند ہے۔ ایمانٌ سے بمعنی اسلام قبول کرنا جملہ فعلیہ ہوکر جزا شرط و جزا مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَن موصولہ شرطیہ شَاءَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر شرط اِنْ۔ جزائیہ یَکْفُرْ۔ باب نصر کا مضارع معروف ھُوَ ضمیر فاعل مرجع مَن ہے۔ جملہ فعلیہ ہوکر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوکر معطوف دونوں عطف مل کر معطوف ہوا الحق جملہ اسمیہ کا۔ وہ سب مل کر مقولہ ہوا قول کا اِنَّا حرفِ تحقیق ضمیر جمع متکلم اسم ہے مرجع اللہ تعالیٰ اَعْتَدْنَا در اصل ہے۔ اعْدَدْنَا حروف صحیحہ میں اکثر عین کلمہ اور حروف علت میں اکثر لام کلمہ بدلا جاتا ہے۔ عَدَدٌ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ اس کا مصدر ہے اِعْتَادٌ اِعْدَادٌ تھا۔ پہلی دال کو ت کر دیا تاکہ ثقل دور ہو۔ بمعنی گنتا۔ گنتی کرنا چونکہ صحیح گنتی اشیاء کی وہی جانتا ہے جو تیار کرے لہٰذا منقول عرفی میں بمعنی تیار کرنا ہے بمعنی قابل شمار آگ لام جارہ نفع کا ظَالِمٌ کی مراد کفار ہیں جار مجرور متعلق ہے اَعْتَدْنَا کا نَارًا اسم مفرد جامد نکرہ معرب بمعنی آگ موصوف ہے۔ اَحَاطَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق اس کا مصدر ہے اِحَاطَۃٌ اِحْوَاطٌ حَوْطٌ سے بنا ہے بمعنی گھیرنا۔ بِ جارہ تعدیہ کی ھِمْ ضمیر مجرور متعلق ہے اَحَاطَ کا سُرَادِقٌ اسم مفرد جامد عربی ہے۔ اس کی جمع سُرَادِقَاتٌ مؤنث سالم کی ہی آتی ہے۔ کیونکہ غیر ذوی العقول اکثر مؤنث کے درجہ میں ہیں۔ بمعنی چار دیواری۔ حاجی چار دیواری کو کہا جاتا ہے۔ جیسے کپڑے کی قناتیں یا پودوں کی باڑ۔ آگ دوزخ کی اگرچہ دائمی ہے مگر نرمی کی بنا پر سرادق کہا گیا نہ کہ جدار (مضبوط دیوار) بعض نے کہا یہ فارسی سے معرب ہے اصل میں تھا۔ سَرِطَاق یا سَرَاپردہ یا سَرْدَر

مگر درست نہیں ورنہ اس کی عربی جمع نہ ہوتی۔ بعض نے کہا سرادق جمع ہے اس کی واحد سردق ہے مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ مرجع نارًا۔ مرکب اضافی فاعل ہے اَحَاطَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی نارًا کی مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ اَعْتَدْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ۔ پھر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا۔ واؤ سے جملہ اِنْ شرطیہ يَسْتَغِيْثُوْا باب استفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب دراصل يَسْتَغِيْثُوْنَ تھا اِنْ شرطیہ نے جزم دیا تو نون اعرابی گر گئی۔ مصدر ہے اِسْتِغَاثَةٌ، اِسْتِغَاثَةً غَيْثٌ سے بنا ہے بمعنی پانی مانگنا وہ بادل جس میں بہت پانی ہوتا ہے اُس کا نام غیث ہے غَوْثٌ مادہ سے بھی یہ باب بنتا ہے تب معنی ہوتا ہے مدد مانگنا ھُمْ مستتر فاعل ہے مرجع ظَالِمِیْنَ ہے جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا يُغَاثُوْا باب افعال کا مضارع مجہول صیغہ جمع غائب غَيْثٌ سے بنا ہے۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ نائب فاعل ہے ب جارہ بمعنی مِنْ جارہ تبعیضیہ ہے یا زائدہ مَآءٍ اسم مفرد جامد بمعنی پانی جار مجرور متعلق ہے يُغَاثُوْا کا۔ کَ جارہ تشبیہی الف لام جنسی مُهْل مصدر ہے۔ بمعنی اسم فاعل۔ لغوی ترجمہ آہستہ ہونا۔ یا آنا یا چلنا اسی سے ہے مہلت بمعنی ڈھیل ملنا اصطلاح میں ہر اُس پتلی چیز کو مُہل کہا جاتا ہے جو آہستہ بہے مثلاً گاڑھا خون پیپ پگھلی ہوئی دھات یہاں مراد پگھلا تانبہ ہے کہ یہ جلدی پگھل جاتا ہے موصوف ہے يَشْوِى باب ضَرَبَ کا مضارع شَوْيٌ لفیف مقرون سے بنا ہے بمعنی بھوننا۔ جھلسنا۔ مستقبل ہے الف لام جنسی یا عہدی وُجُوْہ جمع کثرت ہے وَجْہٌ کی بمعنی چہرہ مفعول بہ ہے۔ ھُوَ پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع مَا ہے جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی مُہل کی مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے يُغَاثُوْا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا بِئْسَ فعل ذم ھُوَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع مَآء ہے۔ الف لام عہدی شَراب مصدر ثلاثی بمعنی پینا مخصوص بالذم سب مل کر جملہ فعلیہ مذمومہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائیہ سَآءَتْ فعل ذم مؤنث ہے ھِیَ مستتر فاعل ہے مرجع نارًا جو لفظی مؤنث ہے مُرْتَفَقًا مصدر میمی بمعنی ظرف مکانی رِفْقٌ سے بنا ہے بمعنی آرام کرنا نرم جگہ ہونا ٹھیرنا رہائش رکھنا۔ یہاں آخری معنی مراد ہیں ظرف اور مخصوص بالذم سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا ایک قول میں باب افتعال کا اسم مفعول ہے مصدر ہے اِرْتِفَاقٌ ترجمہ ہے نرم کی ہوئی جگہ۔ اس لیے اسم ظرف کے لیے استعمال ہو جاتا ہے مقابل ہے۔ مُرْتَفَقًا کے بمعنی مُرْتَفَعًا نیچی جگہ اور مُرْتَفَعًا اونچی رہائشی جگہ۔

تفسیر عالمانہ

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔

اور اے حبیب مکرم آپ اپنے آپ کو تمام عمر پوری حیاتِ طیبہ ہر محفل ہر مجلس ہر گھڑی دن رات صبح شام ان ہی لوگوں پیارے مخلصوں مسکینوں فقیروں غریبوں سیدھے سادھے عاجزوں کے ساتھ رکھئے جو نہایت خلوص التجاؤ فریاد سے اپنے رب تعالیٰ کی عبادت خشوع و خضوع کے ساتھ صبح سے شام تک فجر سے عشا تک پانچوں وقتوں میں سحر کو جاگ کر رات کو سونے سے پہلے غرضکہ ہر وقت ہر سانس ہر کام ہر کروٹ ہی ذکر الٰہی کرتے ہیں۔

ساری دنیا سے منہ موڑ کر بس اپنے مولیٰ تعالیٰ کی ذات ہی کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اُس کو چاہتے اسی کے طلب گار ہیں۔ اور اُن کفار سے دور ہی رہئے جو مختلف وفد بن کر آپ کے پاس آتے ہیں اور آپ کو اپنے ایمان لانے کے لیے طرح طرح قسم قسم کی شرطیں لگاتے ہیں۔ کبھی عُیَیْنَہ بن حصن اور اُس کے نوکروں چاکروں ماتحتوں قبیلے والوں کا وفد آرہا ہے۔ کبھی قبیلہ بنی مضر کے سردار چلے آرہے ہیں۔ کبھی اُمیَّہ بن خلف اپنے ساتھیوں کو لیے آرہا ہے۔ اور اپنی دولت کے نشے امیری کے غرور اور سرداری کے فخر میں میرے نیک پاک مخلص بندوں سے نفرت کرتے ہوئے یہی قیدیں لگاتے ہیں۔ کہ یا رسول اللہ ہم اور ہماری وجہ سے ہمارا قبیلہ آپ پر تب ایمان لائیں گے جب آپ اپنے پاس سے اپنی مجلس و محفل سے ان غریب فقیر پھٹے کپڑے ٹوٹے جوتے غریب صورت والے مسلمانوں کو بلال و یاسر کو، خبیب، وصہیب، کو سلمان فارسی و عبداللہ بن مسعود کو اور سات سو اصحاب صُفّہ کو ہٹا دو۔ یا کم از کم ہمارے ہوتے ہوئے ان کو اپنے پاس نہ آنے دو۔ ان کی محفل الگ لگاؤ ہماری مجلس الگ سجاؤ ہم کو ان کے ساتھ بیٹھتے ہوئے شرم اور ہماری سرداری کو فرق آتا ہے۔ ان کے کپڑوں اور ان کی بوسیدہ حالتوں سے ہم کو گھن آتی ہے۔ بس یہی ایک رکاوٹ ہے جو ہم آپ کی نبوّت رسالت صداقت امانت دیانت پر ابھی تک ایمان نہ لاسکے۔ اے محبوب ان مکاروں کی باتوں میں مت آنا اور اپنی رحمت وعافیت۔ راحت لذت والی نگاہوں کو ان پاکیزہ باطن پُر اخلاص ظاہر والوں سے مت ہٹانا کیونکہ آپ کی یہ عشق و معرفت والی نظریں ہی تو ان مسکینوں کی کل کائنات ہے آپ کی محفلیں ہی تو ان کی زندگی ہے آپ کی جدائی ان کی ہلاکت و مصیبت ہے آپ کا دیدار ان کی جنّت ہے یہ کفار ہزار فیشنوں۔ زرق برق قیمتی کپڑوں کے ساتھ آپ کے پاس شاید یہ خیال و گمان وہم تصوّر کر کے آتے ہیں کہ غالباً آپ بھی دنیوی زندگی کی زینت فیشن خوبصورتیاں چاہتے پسند کرتے ہو۔ بعض مفسرین نے فرمایا عُیَیْنَہ بن بدر یا ابن حصن اور اُس کے ساتھی کئی دفعہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوتے تو کہتے کہ ہمارا دل تو چاہتا ہے۔ کہ ہم آپ پر ایمان لے آئیں اور ہمارے ایمان لانے سے ہماری قوم بھی آپ پر ایمان لے آئے گی جس سے آپ کو بھی فائدہ ہوگا کہ آپ کے ساتھی بڑھیں گے۔ مگر یہ جو آپ کے پاس فقیر اور بدبودار لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جن کے کپڑوں سے پسینے وغیرہ سے بدبو پھوٹ رہی ہے کیا آپ کو یہ بدبو پریشان نہیں کرتی ہم کو تو برداشت سے باہر ہو رہی ہے یہ مفسرین لکھتے ہیں کہ سلمان فارسی وغیرہ کے کپڑوں وغیرہ سے بدبو آتی تھی۔ جس سے کافر اپنی نفرت کا اظہار کرتے تھے تب یہ آیت اتری حالانکہ یہ قطعاً غلط ہے اور صحابہ کرام کی توہین محفلِ نبوی کی گستاخی ہے۔ صحابہؓ کرام کے کپڑوں سے کبھی بدبو نہیں آئی۔ نہ بارگاہِ نبوت میں بدبو ہو سکتی ہے ایسی بیہودہ باتوں سے غیر مسلموں کے سامنے اسلام کا غلط نقشہ پیش کرنا ہے۔ اسلام نے جتنی صفائی اور پاکیزگی طہارت کا اور خوشبو کا حکم دیا ہے اتنی صفائی کسی نے نہ بتائی۔ قیامت تک ہر مسلمان پر پانچ وقت وضو فرض ہر جمعہ کو غسل اور اچھی خوشبو ہر سنّت

ہے۔ یہاں تک کہ کچا لہسن کچا پیاز بدبودار تمبا کو بھی استعمال کر کے مسجد میں آنا حرام کر دیا گیا ہے۔ بے غسل ناپاک انسان مسجد اور نیک محافل میں نہیں بیٹھ سکتا ایسی تعلیم دے کر پھر بارگاہِ نبوّت جیسی مقدّس جگہ جہاں ملائکہ سلامی کو حاضر ہوں بدبودار مانگر کوئی کس طرح آسکتا تھا۔ نیز بدبو سے نفرت انسانی فطرت ہے یہ کوئی عذر یا تکبر کی بات نہیں۔ اگر کفار نے فقط یہی عذر رکھا تھا۔ تو یہ عذر معقول تھا غلط نہ تھا۔ اس کے باوجود اگر رب تعالیٰ صحابہ کی اس بدبو کی حمایت فرمائے تو گویا رب تعالیٰ کو بدبو پسند ہے۔ یہ ایک اعتراض پڑ سکتا ہے۔ معلوم مفسرین نے یہ تفسیر کہاں سے نکال لی جبکہ آج بھی ذکر الہٰی اور کثرت سے درود شریف پڑھنے والے کے جسم سے قدرتی خوشبو نکلتی ہے میرا اپنا تجربہ ہے کہ حبیب اِدم کا مراقبہ کرنے سے جسم میں خوشبو پیدا ہوتی ہے۔ یہ بات روایتاً درایتاً عقلاً نقلاً غلط ہے کہ صحابہ کرام کبھی بدبودار پسینے میں مسجد اور بارگاہ مقدس کی حاضری دیتے ہوں احادیث میں صرف ذکر ہے۔ کہ کفار مکہ فقراء صحابہ کرام کی محض غربت کی بنا پر ان کے ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے اور اپنے ہوتے ہوئے ان غریب صحابہ عظام کو اٹھا دینے کا مطالبہ کرتے تھے اور اپنے قبیلے والوں کے ایمان کی شرط لگاتے تھے۔ اس لیے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو حَرِیۡصٌ عَلَیۡکُمۡ اور رحمتِ عالم کی بنا پر غرباءِ صحابہؓ کے ساتھ رہنے ان سے محبت کرنے کی تلقین فرمائی جارہی ہے۔ تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں کفار کے جھوٹے وعدوں کی طرف ذرا سا بھی میلان نہ ہو اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی دلجوئی ہو۔ اس لیے سورۃ کہف اور سورۃ انعام اور سورۃ عبس میں اس قسم کی آیتیں نازل ہوئیں۔ خیال رہے کہ نزول کے اعتبار سے آیت کی تین قسمیں ہیں۔ ۱ شانِ نزول کسی موقعے پر کسی آیت کا نازل ہو جانا ۲ مقام نزول کسی جگہ سفر و حضر وغیرہ میں کسی آیت کا نازل ہونا ۳ وجہ نزول کسی کے لیے کسی آیت کا نازل ہونا اس صورت میں ضروری نہیں کہ واقعہ اسی وقت ہوا ہو۔ جیسا کہ یہاں ان آیت کا نزول کہ کفار کا مطالبہ کبھی کسی وقت اور کئی دفعہ ہوا مگر آیت سورۃ کہف میں یکدم بہت سی نازل ہوگئیں۔ اور فرمایا گیا۔ وَلَا تُطِعۡ مَنۡ اَغۡفَلۡنَا قَلۡبَهٗ عَنۡ ذِکۡرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰهُ وَکَانَ اَمۡرُهٗ فُرُطًا۔ وَقُلِ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّکُمۡ۔ فَمَنۡ شَآءَ فَلۡیُؤۡمِنۡ وَّمَنۡ شَآءَ فَلۡیَکۡفُرۡ۔

اے پیارے حبیب اہل ایمان کے تاقیامت قلبوں کے سہارا بنی آپ ایسے متکبرانہ مطالبے کرنے والے کسی بھی ایسے بدنصیب کا مطالبہ کبھی کسی حالت میں نہ مانئے جس کے قلبِ ملعونہ مذمومہ کے لیے ہم نے دنیوی لذتوں دولتوں شہوتوں تماشوں کی غفلتوں کا دروازہ کھلا دیا اور وہ غفلتِ دنیا میں ایسا پڑ گیا کہ اس کا دل ذکر حق سے خالی حرص و ہوس سے بریز ہو گیا اپنے اللہ خالق و مالک سے ہٹ گیا اور مخلوق کی زیب و زینت میں دل و جان سے مشغول ہو گیا اس لیے ہمارے اطمینان و تسکین والے ذکر سے ایسا غفلت میں سمایا کہ زندگی کے ہر لمحے میں اپنی نفسانی خواہشات کی ہی اُس نے پیروی کی۔ اور اس کے سارے کام ہی دینی دنیوی اُخروی عملی فعلی قلبی

عقلی سب گے سب اِفراطِ گناہ اور تفریطِ ظلمات وکفریات والے ہو گئے۔ اس طرح کہ اچھائیوں میں سب سے پیچھے رہ گیا اور برائیوں میں حد سے گزر گیا۔ عمر ضائع عمل معطل زندگی ندامت۔ دولت کی فضول خرچی۔ باطل کا ساتھی حق کا مخالف حد سے تجاوز ایمان کا تارک سچائی سے دور کذب میں مقدّم ایسا غلط آدمی کبھی بھی ہمیشہ ہماری توفیق تائید۔ حمایت اعانت اور حفاظت وقبولیت سے محروم ہی رہنے والا ہے۔ اس کا ہر وعدہ ہر کلام مکروفریب پر مبنی ہوتا ہے اگر اب بھی یہ کہے کہ میں اور میرا قبیلہ ایمان لانا چاہتے ہیں تو آپ یہ اور فرما دیجیے کہ یہ اسلام قرآن شریعت طریقت نبوت رسالت یہ سب حق مضبوط۔ مربوط محکم و مستحکم تمہارے سچے حقیقی معبود پالنے والے پروردگار کی طرف سے ہے یہ کوئی میری ذاتی چیزیں نہیں۔ نہ تمہارے اور تمہارے قبیلے کے ایمان میں میرا کوئی دنیوی نفع ہے۔ نہ کوئی باری تعالیٰ کا فائدہ ہے۔ ایمان لانے میں تمہارا ہی فائدہ نہ لانے میں تم کو ہی نقصان ہے لہٰذا اب بات واضح ہے راستے کھلے ہیں جو چاہے ایمان لائے اور اہلِ ایمان کے راستے پر چل پڑے بیہودہ مطالبے اور نخرے بازی نہ کرے غرور سرکشی مٹا کر ان ہی غریبوں اور فقیروں اللہ کے پیاروں میں شامل ہو جائے۔ اور جو چاہے تو شیطان و ابلیس کے راستے چل کر کفر کرتا رہے نور سے ہٹ کر ظلمتوں میں بھٹکتا پھرے۔ کیونکہ ذکر اللہ نور ہے ذکرِ غیر ظلمت ہے۔ ایمان کو چھوڑ کر کفر پہ جانا حق سے اعراض اور ظلمت سے پیار ہے جس کا جو دل چاہے اختیار کرے۔ ہاں البتہ اتنا یاد رکھے کہ۔ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا ۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِى الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ ۔ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۔

بے شک ہم نے مکمل تیار کر دی ہوئی ہے تمام اور ہر قسم کے چھوٹے بڑے ظاہر و باطن ظالموں کے لیے بہت بڑی آگ جس کی دیواروں نے یا جس کے دھوؤں نے دنیا و آخرت قبر و جہنّم میں ان سب کافرین ظالمین کو ابھی سے گھیرا ہوا ہے۔ دنیا میں اس طرح کہ وہ کفار اپنے ہر حملت اُسی جہنمی آگ کی طرف اپنی رضا و خوشی سے دوڑتے چلے جا رہے ہیں انبیاء علیہم السلام کے پکارنے بچانے بلانے اور اس آگ سے ہٹانے سمجھانے کے باوجود یہ ظالم اُس سے قریب سے قریب تر ہوتے چلے جا رہے ہیں گویا کہ وہ آگ اپنی کسی کشش کے ذریعے ان کو گھیرے میں لے کر اپنی جگہ کی طرف کھینچے لیے چلی جا رہی ہے۔ آخرت و میدانِ محشر میں اس طرح کہ یہ ظالم اُس کی تپش کی بنا پر اپنے ہی پسینوں میں ڈوبے پڑے ہوں گے۔ قبر میں اس طرح کہ مرتے ہی جہنّم کی کھڑکی کھل جائے گی۔ اور جہنّم میں اس طرح کہ چاروں طرف خود آگ کی موٹی دیواریں یا آگ کے دھوئیں کی دیواریں قائم ہوں گی اور موٹائی اتنی بڑی ہوگی کہ حدیث پاک کے مطابق چالیس سال تک کوئی پیدل چلتا رہے تو بھی عبور نہ کر سکے۔ اس کے علاوہ جہنّم میں ان ظالموں کی ذلت یہ ہوگی کہ بارش یا بارش جیسا ٹھنڈا پانی مانگیں گے۔ یا پینے کے لیے یا اپنے جسموں پر ٹھنڈے چھینٹے ڈالنے یا نہانے کے لیے۔ تین قول ہیں۔ تو جبراً پانی پلائے جائیں گے وہ ظالم یا ہاتھوں میں ایسے پانی کے قارورے

پکڑائے جائیں گے جو پگھلی ہوئی دھات کی طرح سخت گرم۔ اور تیل کے گندے تلچھٹ کی طرح گھنونا اور بول و براز پیپ جیسا انتہائی سخت بدبودار ہوگا۔ منہ کے قریب کرتے ہی چہروں کو جلا کر رکھ دے گا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شدتِ تپش سے رخساروں اور جبڑوں کا گوشت ٹوٹ کر گر جائے گا بِئْسَ الشَّرَابُ کتنا برا گھے گا وہ پینا یا کتنا کڑوا کسیلا ہوگا۔ وہ پانی اور کیسی بری و کرخت ہے وہ جہنم کی رہائش گاہ (اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہ)

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہو رہے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ جب تک کہ انسان کا ارادہ اور اسباب متباینہ ہوں اُس وقت تک اعمال و افعال صادر نہیں ہو سکتے اور محال ہیں۔ یہ فائدہ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ کسی کے ایمان یا کفر سے نہ اللہ تعالیٰ کو کچھ فائدہ و نقصان ہے نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کچھ فائدہ و نقصان ہے بندے کا اپنا ہی فائدہ اور نقصان ہے یہ فائدہ فَمَنْ شَآءَ[4] سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ جہنم اور اس کی آگ پیدا ہو چکی ہے جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ وہ ابھی پیدا ہوگی وہ بدعقیدہ گی ہے یہ فائدہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا فعل ماضی فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مکمل طریقے سے تا قیامت ہر مقدس و مطہر و معطر مقام پر حاضر و ناظر ہیں اس کا منکر گمراہ ہے یہ مسئلہ (اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ الخ) سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ یہاں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تا قیامت غریب مسکین مسلمانوں سے نگاہیں نہ پھیرنے کا حکم ہو رہا ہے۔ اگرچہ ظاہرًا ھُمْ ضمیر کا مرجع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ مگر حقیقتاً اس میں تمام مسلمان شامل ہیں جیسا کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ تمام احکام میں ہے آج بھی امیر لوگ غریب مسلمانوں اور نیک لوگوں سے نفرت کرتے ہیں لہٰذا ہم غریبوں کو بھی نگاہِ مصطفیٰ کی اُسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت ہے جتنی کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ضرورت تھی۔ کیونکہ ہم زیادہ محتاج و گناہ گار ہیں۔ دوسرا مسئلہ۔ محض غربت کی وجہ سے کسی مسلمان کو حقیر سمجھنا حرام ہے۔ کفار کا طریقہ اور اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہونے کی علامت ہے یہ مسئلہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ اہلِ دنیا اور اُمراء اور دنیا میں ہمہ تن و ہمہ وقت مصروف و مشغول رہنے والوں کو اچھا سمجھنا ان کو قسمت والا سمجھنا۔ کامیاب و ترقی یافتہ شمار کرنا اور اُن پر رشک کرنا حسرت سے ان کو دیکھنا حرام ہے یہ مسئلہ تُرِیْدُ زِیْنَةَ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا اور وَلَا تُطِعْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا چاہے کوئی ایمان لائے چاہے کوئی کفر کرے۔ یعنی دونوں ٹھیک ہیں کفر کا اختیار دینا تو برا ہے پھر یہ کیوں فرمایا گیا۔

جواب۔ امام رازی نے فرمایا کہ مولیٰ علی مشکل کشا رضی اللہ عنہ نے اس کا یہ جواب دیا کہ یہ اختیار نہیں بلکہ جھڑک تہدید اور وعید

ہے **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ حیوٰۃ دنیا کی زینت اختیار کرنا برا ہے اور دوسری جگہ ارشاد ہوا خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ عِنْدَ کُلِّ مَسْجِدٍ زینت دنیا اختیار کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے اس لیے کہ دنیا میں جو بھی زینت کی جائے گی وہ دنیا کی زینت ہو گی پس یہ تعارض کیوں ہے؟ **جواب**۔ دنیا میں زینت اور چیز ہے۔ دنیا کی زینت دوسری چیز ہے۔ دنیا کی زینت یعنی فیشن بناؤ سنگھار دکھلاوے اور غرور و بڑائی کے لیے کرنا حرام ہے اسی کا یہاں ذکر ہے۔ اس میں انسان حرام و حلال کی پرواہ نہیں کرتا اور آخرت۔ عبادت۔ ریاضت سے غافل ہو جاتا ہے لیکن دنیا میں زینت چار قسم کی ہے ۱۔ ایمانی خوبصورتی پاکیزگی طہارت ۲۔ روحانی خوبصورتی تذکیۂ نفس ۳۔ پوراثر کی صاف پاک لباس سر سے پیر تک مہذب لباس پہننا ۴۔ اخلاق و عادات کی خوبصورتی یعنی عجز و انکسار خشوع و خضوع نرمیٔ دل لطافت اختیار کرنا خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ میں اسی زینت کا ذکر ہے نہ کہ دنیوی فیشن پرستی کا اسی خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ کے حکم سے فقہاء کرام ثابت فرماتے ہیں کہ ننگے سر نماز پڑھنا مکروہ تحریمی ہے اور نماز ناجائز ہوتی ہے۔ سر ڈھک کر نماز پڑھنا لازم۔ گویا کہ ننگے سر رہنا پھرنا زینت حیوٰۃ دنیا ہے اور سر ڈھک کر مہذب انسانوں کی طرح چلنا پھرنا۔ نماز پڑھنا یہ خُذُوْا زِیْنَتَکُمْ ہے۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فقرا صحابہؓ کو اپنی محفل سے مت ہٹایئے۔ یہ حکم درست نہیں اس لیے کہ فقرا کو ہٹانے سے ان کی تھوڑی دیر کے لیے فیض محفل سے محرومی ہے یہ کم نقصان ہے لیکن نہ ہٹانے سے اتنے لوگوں کی ایمان سے محرومی اور کفر پر قائم رہنا بڑا نقصان ہے اور اَہم ہے۔ محفل سے غربا کو کچھ دیر کے لیے ہٹانا مُہِم ہے اور ہمیشہ اَہم کو ترجیح دی جاتی ہے۔ **جواب**۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ صحابہ کو تھوڑی دیر کے لیے محرومی ہو گی مگر یہ محرومی ہی زیادہ اَہم ہے نہ کہ مہم اس لیے کہ کفار کا اپنے ایمان کے لیے یہ شرط لگانا متکبرانہ منافقت ہے۔ یہ ایمان پُرخلوص نہیں اور ہمیشہ پُرخلوص ایمان اَہم ہوتا ہے نہ کہ منافقانہ۔ پُرخلوص ایمان صحابہ کرام سے محبت سکھاتا ہے۔ اور منافقت صحابہ کرامؓ سے نفرت سکھاتی ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۳۲ کے بعد ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا

بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے یقیناً ہم نہیں

بے شک جو ایمان لائے اور نیک کام کیے ہم اُن کے نیک ضائع

نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا (۳۰) اُولٰٓئِکَ لَہُمْ

برباد کرتے اُن کے ثواب کو جو خوبصورت عمل کرے۔ یہی وہ ہیں جن کے لیے

نہیں کرتے جن کے کام اچھے ہوں ان کے لیے بسنے کے

جَنّٰتُ عَدۡنٍ تَجۡرِیۡ مِنۡ تَحۡتِہِمُ الۡاَنۡہٰرُ

ہمیشہ رہنے والی جنتیں ہیں جاری ہیں اُن غیبی باغوں کے نیچے نہریں

باغ ہیں اُن کے نیچے ندیاں بہیں

یُحَلَّوۡنَ فِیۡہَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَہَبٍ وَّ یَلۡبَسُوۡنَ

اہل جنت زیور پہنائے جائیں گے اُن جنتوں میں سونے کے کنگنوں کا اور پہنا کریں گے

وہ اُس میں سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے اور سبز

ثِیَابًا خُضۡرًا مِّنۡ سُنۡدُسٍ وَّ اِسۡتَبۡرَقٍ

وہ لوگ سبز ریشم باریک اور موٹا تکیے لگا کر

کپڑے کریب اور قنادیز کے پہنیں گے وہاں تختوں

مُّتَّکِـِٕیۡنَ فِیۡہَا عَلَی الۡاَرَآئِکِ ؕ نِعۡمَ الثَّوَابُ ؕ

بیٹھنے والے ہونگے اُن غیبی باغوں میں قیمتی شاندار مسہریوں پر اچھا ہے ثواب

پر تکیہ لگائے کیا ہی اچھا ثواب اور جنت کیسا ہی

وَ حَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا ﴿۳۱﴾ ع وَ اضۡرِبۡ لَہُمۡ مَّثَلًا ع ۴ ۹ ۱۴

اور شاندار ہے آرام گاہ اے نبی کریم بیان فرمایئے ان کفار کی عبرت کیلئے دو مردوں کی

اچھی آرام کی جگہ ۔ اور ان کے سامنے دو مردوں کا حال بیان

رَّجُلَیۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِہِمَا جَنَّتَیۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ

مثال عطا کئے ہم نے ان میں سے ایک کو دو باغ انگوروں کے

کرو کہ ان میں ایک کو ہم نے انگوروں کے دو باغ دیئے

وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۝۳۲

اور ان دونوں میں آس پاس کھجوروں کے درخت لگا دیئے اور اگا دی ہم نے ان دونوں کے درمیان درمیان اچھی کھیتی

اور ان کو کھجوروں سے ڈھانپ لیا اور اُن کے بیچ بیچ میں کھیتی رکھی

تعلق ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار اور نافرمانوں کا ذکر ہوا تھا اب ان آیت میں سیدھے سادے اور نیک مخلص فرماں بردار بندوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں جہنم کے عذابوں سزاؤں کا ذکر ہوا اب ان آیت میں جنت کی نعمتوں انعاموں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں موجودہ نافرمانوں ناشکروں کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں ایک شاندار تمثیل بیان فرما کر اچھے اور بُرے اعمال اور اُن کے انجام کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا۔
اِنَّ حرفِ تحقیق اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق ھُمْ پوشیدہ ضمیر فاعل۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق ھُمْ اس کا فاعل دونوں جگہ ھُمْ کا مرجع اَلَّذِيْنَ ہے۔ الف لام عہدی یا اسمی بمعنی اَلَّذِيْنَ صَالِحَات اسم جمع مؤنث سالم واحد ہے صالحۃٌ یا صَلُحَ یا اَصْلَحَہٗ۔ بمعنی نیکی جو اللہ کے نزدیک اچھی ہو بحالت فتحہ ہے مفعول بہ ہے عَمِلُوْا کا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر اِنَّ کا اسم ہوا۔ اِنَّا۔ یہ دو لفظ ہیں را اِنَّ حرفِ تحقیق نَا ضمیر جمع متکلم اِنَّ کا اسم ہے۔ لَا نُضِيْعُ۔ مضارع منفی جمع متکلم دونوں ضمیروں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے باب اِفعال ہے اس کا مصدر ہے اِضَاعَۃٌ۔ اِضَاعَۃٌ ضَيْعٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ضائع کرنا برباد کرنا مٹا دینا (بدلہ نہ دینا)، برباد ہونا قابلِ بدلہ نہ رہنا۔ اِفعال میں اگر متعدی ہوا مادہ لازم ہے۔ اَجْرَ اسم مفرد معنی ثواب بدلہ۔ مضاف ہے۔ مَنْ موصولہ اَحْسَنَ اسم تفضیل مذکر واحد ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل عَمَلًا۔ اسم مصدر متعدی مفعول فیہ یعنی عمل کرنے میں اَحْسَنَ سب سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا وہ سب مضاف الیہ ہے اَجْرَ کا مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَا نُضِيْعُ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر علیحدہ جملہ ہو کر مکمل ہوا۔ بعض نے کہا کہ یہ پہلے اِنَّ کی خبر ہے تب اِنَّ مکسورہ اس لیے آیا کہ قائم مقام خبر ہو نیکا بنا پر گویا شروع کلام میں آیا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ يَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ۔

اسم اشارہ بعید کا سابقہ آیت کا پورا مضمون اس کا مشار الیہ ہے۔ مبنی اصل بحالتِ رفع ہے بوجہ مبتدا لام

جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہی مشار الیہ ہے اُولٰٓئِکَ کا ۔ جار مجرور ہو کر متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ اسم مفعول کا جَنّٰتُ جمع مکسر ہے جنت کی بمعنی پوشیدہ باغ چار دیواری یا پہاڑوں میں پوشیدہ باغ کو جنت کہا جاتا ہے ۔ اسی سے ہے جنات جن جُنُوْنٌ مجنون کیونکہ یہ بھی پوشیدہ مخلوق اور پوشیدہ عقل والا ہو جاتا ہے رحم میں پوشیدہ بچے کو جَنِیْن اسی معنٰی میں کہتے ہیں یہاں جنت سے مراد بہشت لامکانی ہے بحالتِ رفع نائب فاعل ہے عدنٍ اسم مصدر بمعنٰی اسم فاعل یہ بحالتِ جر ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے جنت کا ۔ ترجمہ ہے ہمیشہ ٹھہرنے والی قائم دائم رہنے والی ایک قول میں عدنٍ کا معنٰی درمیانی جنت یہ اضافت توصیفی ہے یا اسم ظرف کے معنٰی میں ہے یعنی ٹھہرنے کی جنت رہنے بسنے کے لائق قابلِ رہائش اعلیٰحضرت کا ترجمہ اضافت کا ہے اور ہمارا ترجمہ صفیت کا ہے یہ مرکب اضافی موصوف اگلا جملہ صفت ہے ۔ تَجْرِیْ مضارع واحد مونث باب ضرب یا جَرْی کا سے مشتق ہے بمعنٰی بہنا پانی کا چلنا اہل لغت کے نزدیک لفظِ نہر اُس بڑی نالی کی جگہ کو بھی کہتے ہیں جو کھود کر بنائی گئی ہو اور اُس میں بہتے پانی کو بھی اور اُس خشک نالی کو بھی اس لیے تجری کا فاعل انہار ہونا بالکل درست ہے کہ یا نہر سے پانی مراد ہے یا جگہ اور سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا مِنْ جارہ ابتدائیہ یا بیانیہ تحت اسم ظرف مکانی بمعنٰی نیچے یہ مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع مضاف الیہ کا مرجع جنتی لوگ تحت کا مقصد ہے پیروں کے قریب زمین پر الف لام عہدی انہار جمع مکسر ہے نہرٌ کی بمعنٰی چھوٹا نالہ جس کو تراش خراش کر بنایا جائے تَجْرِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے جنت کی یُحَلَّوْنَ باب تفعیل کا مضارع مجہول ۔ ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ نائب فاعل مرجع اَلَّذِیْنَ ۔ فِیْ جارہ ظرف مکانی ھَا ۔ ضمیر مونث کا مرجع جنّٰت ہے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اوّل یُحَلَّوْنَ کا مِنْ جارہ تبعیضیہ کا اَسَاوِرَ جمع منتہی الجموع مکسر ہے غیر منصرف بحالت کسرہ ہے ۔ اسی لیے فتحہ آیا اس کا واحد ہے اَسْوِرَۃٌ بمعنٰی زیور مِنْ حرف جر زائدہ بیانیہ اضافت منیہ کے لیے ذَہَبٍ اسم مفرد جامد بمعنٰی سونا دھات اس کی جمع مکسر اَذْھَابٌ ۔ ذُھُوْبٌ ۔ ذُھْبٌ ۔ ذَھَبٌ بمعنٰی جانا سے بنا ہے سونے کو ذھب اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ جنت سے نکالا گیا ہے اور جنت میں پھر لے جایا جائے گا یا اس لیے کہ یہ اصل دولت ہے اور دولت کسی کے پاس نہیں ٹھہرتی جاتی آتی رہتی ہے ۔ یعنی آنے جانے والی چیز ترکیب میں یا یہ مضاف الیہ ہے اور مِنْ لغو ہے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مصنوعٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر اَسَاوِرَ کی صفت ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے یُحَلَّوْنَ کا ۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ یَلْبَسُوْنَ باب فتح کا مضارع معروف لُبْسٌ سے بنا ہے بمعنٰی کپڑے پہننا ھم مستتر فاعل ہے ثِیَابًا ۔ ثَوْبٌ کی جمع مکسر بمعنٰی بنا ہوا کپڑا خُضْرًا یہ صفت ہے ثیابًا موصوف کی ترجمہ ہے سبز رنگ یہ مرکب توصیفی اضافتِ منیہ سے مضاف ہے مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ سُنْدُسٍ اسم مفرد جامد عربی لفظ ہے بعض نے کہا کہ یہ اردو یا ہندی سے معرّب ہے مگر یہ غلط ہے ۔ اردو میری مادری زبان ہے مگر ہم کو اردو لغت میں یہ لفظ کہیں نظر نہیں آیا ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ سندس کا معنٰی ہے باریک ریشم اس کا کرتہ قمیض ہوتا ہے ۔ واوٗ

عاطفہ اِسْتَبْرَقٍ اسم جامد بمعنی موٹا ریشم جس کا پیجامہ شلوار بنائی جاتی ہے۔ یہ دونوں معطوف علیہ معطوف ہیں۔ دونوں مل کر مجرور ہوئے اور متعلق ہوا خُضْرًا کے وہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے ثِیَابًا خُضْرًا کی۔ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے یَلْبَسُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یُحَلَّوْنَ کا یہ سب عطف مل کر حال ہے لَهُمْ کا هُمْ ذوالحال اور حال دونوں مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا۔ مُتَّكِـِٕیْنَ باب افتعال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِتِّكَاءٌ دراصل تھا اِوْتِكَاءٌ۔ وَكَیٌ سے بنا ہے تقیف مفروق ہے یا تَكِیٌ سے ہے۔ واؤ کو ت کیا اور دونوں ت کو ادغام کر دیا آخر سے لام کلمہ ی کو ہمزہ بنا دیا اس میں هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ مرجع اُولٰٓئِكَ۔ عَلٰی حرفِ جر فوقیت کے لیے الف لام عہد ذہنی اَلْاَرَآئِكِ جمع مکسر ہے اَرِیْكَةٌ بمعنی شاہی پلنگ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ مُتَّكِـِٕیْنَ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر دوسرا حال ہے لَهُمْ کا۔ هُمْ اپنے دونوں حال سے مل کر سب مَوْجُوْدٌ کا جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اُولٰٓئِكَ مبتدا کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔

نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَیْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَیْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّ جَعَلْنَا بَیْنَهُمَا زَرْعًا ۔ نعم فعل غیر متصرف صرف دو صیغے ہوتے ہیں پہلا نِعْمَ واحد مذکر دوسرا نِعْمَتْ واحد مؤنث کم استعمال ہوتا ہے۔ نعم بمعنی حقیقت ہیں اچھا بئس کا مقابل بمعنی حقیقت میں بُرا دوسرا فعل مدح حَبَّ ہے بمعنی محبت والوں کے لیے اچھا یعنی پیار کی نظر میں اچھا حقیقت خواہ کیسی ہو۔ مقابل ہے دوسرا فعل ذم سَآءَ کے بمعنی نفرت کیا ہوا حقیقت میں خواہ قابل نفرت نہ ہی ہو یا سب کے لیے نفرت نہ ہو۔ یعنی نعم وہ جو سب کے لیے اچھا ہو بئس وہ جو سب کے لیے بُرا ہو۔ الثَّوَابُ اسم مفرد معرف باللام لغوی ترجمہ ہے بار بار ہونا ثوب کپڑے کو بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ اس پر دھاگہ تانا اور پیٹا کی طرف سے بار بار آتا ہے اصطلاح میں ثواب بمعنی اجر ہے یہاں بمعنی اُخروی انعام مرفوع ہے کیونکہ نعم کا مخصوص بالمدح ہے۔ هُوَ پوشیدہ نعم کا فاعل ہے۔ اس کا مرجع جَنّٰتُ عَدْنٍ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مدحیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ حَسُنَتْ باب کَرُمَ کا ماضی مطلق معروف واحد مؤنث ھی ضمیر مؤنث مستتر اس کا فاعل مرجع جَنّٰتُ عَدْنٍ مُرْتَفَقًا اسم ظرف یا اسم مفعول ہے باب افتعال کا رِفْقٌ سے بنا ہے بمعنی نرم تکیہ گاہ یا مصدر میمی ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ ظرف مکانی ہے حَسُنَتْ کا یا تمیز ہے ھی مستتر کی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ اضرب۔ باب ضَرَبَ کا امر حاضر واحد مذکر ضَرْبٌ سے بنا ہے بمعنی مارنا۔ بیان کرنا یہاں یہ ہی معنی ہیں۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم لام جارہ نفع کا یا بیانیہ ھُمْ کا مرجع کفارِ مکہ یہ جار مجرور متعلق ہے اضرب کا۔ مَثَلًا اسم جامد بمعنی کہاوت قصہ۔ یا تشبیہی واقعہ۔ عبرت دلانے کے لیے کچھ سنانا مثلاً کہلاتا ہے۔ بعض جہلا نے اس کو محض تمثیل کہا ہے یہ غلط ہے۔ کلامِ الٰہی کی شان کے خلاف ہے۔ بحالتِ نصب ہے بوجہ پہلا مفعول بہ رَّجُلَیْنِ اسم تثنیہ بمعنی دو مرد بحالتِ فتحہ کیونکہ مفعول بہ دوم ہے۔ موصوف ہے۔ جَعَلْنَا پورا جملہ اس کی صفت ہے جَعَلْنَا باب فتح کا ماضی مطلق نَحْنُ جمع متکلم کی ضمیر مستتر کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی عطا کرنا۔ لام جارہ نفع کا اَحَدِ مضاف ھُمَا ضمیر تثنیہ

غائب مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا جَنَّتَيْنِ جَنَّۃٌ کا تثنیہ بمعنی دو باغ منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا۔ مِنْ جارہ بیانیہ اعناب اسم جمع مکسر ہے عِنَبٌ کی بمعنی انگور یہ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ حَفَفْنَا باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم نَحْنُ ضمیر پوشیدہ کا فاعل اللہ تعالیٰ هُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع جَنَّتَيْنِ منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے حَفَفْنَا کا۔ یہ حَفَفَ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی چاروں طرف سے گھیر لینا۔ ب جارہ سببیہ نَخْلٍ اسم مفرد لفظی واحد مگر جنسی جمع بمعنی کھجوروں کے درخت یہ جار مجرور متعلق ہے حَفَفْنَا کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ جَعَلْنَا۔ فعل ماضی جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ۔ بَيْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے هُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع جَنَّتَيْنِ یہ مضاف الیہ ہے بَيْنَ کا دونوں مل کر ظرف ہوا جَعَلْنَا کا۔ زَرْعًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی کھیتی مفعول بہ ہے۔ جَعَلْنَا جَعْلٌ کا مصدر آٹھ معنی میں مشترک ہے یہاں بمعنی اُگانا ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا حَفَفْنَا کا وہ سب عطف مل کر معطوف ہوا پہلے جَعَلْنَا کا۔ وہ سب عطف مل کر صفت ہوئی رَجُلَيْنِ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہے۔ اِضْرِبْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہو۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِيْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا ۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ يُحَلَّوْنَ فِيْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّاِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ

بے شک یہی فقراء غرباء علماء صوفیاء اہل ایمان جنہوں نے زندگی کے ہر شعبے ہر موڑ ہر لمحے میں امانت و دیانت عبادت ریاضت صداقت شجاعت حسنِ اخلاق کے اچھے اعمال ہی کئے اور جن کو یہ بدبخت دنیا کے پجاری ہر وقت اپنے طعنوں نفرتوں۔ قلبی کدورتوں بغض حسد کا نشانہ بنائے پھرتے ہیں مسجدوں مدرسوں خانقاہوں کا طعنہ دیتے رہتے ہیں بے شک ہم کبھی بھی اپنے ایسے پیارے مخلص جفاکش جاں سوز جگر دوز بندے کا اجر و ثواب ضائع نہیں کرتے جس نے ہمیشہ ہی ہماری رضا خوشنودی کے لیے نہایت خلوص و عشق سے موت تک اچھے کام کئے ہماری بارگاہ کے لائق ایسے اُن سب بندوں کے لیے جنہوں نے دنیا اور دنیا کی زیب و زینت دولت ثروت۔ تجارت۔ لگاوٹ عیش و عشرت سے منہ موڑ کر دین کو ہی حاصل کرنے میں اپنے پیارے آقا نبی مکرم کی ہی آغوشِ شریعت میں حیاتِ دنیوی بسر کر دی۔ آخرت میں ایسی جنتیں ہیں۔ جو ہمیشہ ابدالآباد تک قائم رہنے والی ہیں خوبصورتی حسن و نکھار کا یہ عالم ہے کہ اُن اہلِ جنت کے قدموں تلے ہر جگہ ہر راستے میں بہت قسم کی نہریں دور رو یہ جاری ہیں۔ اور اہلِ جنت کی دائمی عزت کی یہ شان ہے کہ وہ جنت میں بادشاہوں کی طرح سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے ایسی جنتی سونے سے کہ اگر وہ جنت سے دنیا کی طرف صرف نظر آ جائے تو سورج کی روشنی اس طرح ماند پڑ جائے جس طرح سورج کے سامنے چاند ستاروں اور چراغوں کی روشنی

پھیکی پڑ جاتی ہے۔ آج یہ دنیادار اپنے قیمتی ناخرہ فیشنی لباس پہن کر ہمارے بندوں کے پھٹے پرانے بوسیدہ غریبانہ سادگی والے اونچی شلواروں پجاموں تہبندوں کے شرعی لباسوں کا نفرت انگیز تمسخر اڑاتے ہیں۔ حالانکہ اس سادہ شریعت کے لباس کے ثواب میں کل جنت کے اندر ایسے عظیم الشان خوبصورت جنتی ریشم کے کپڑے پہنیں گے جن کا رنگ سارے رنگوں سے اعلیٰ اللہ رسول کا پسندیدہ دہرا ہوگا۔ کبھی سندس کریب کا باریک ریشم شنیل اور کبھی استبرق ریشم کا ملائم موٹا مخمل ہوگا۔ یا کرتہ قمیض سندس کی ہوگی اور اس کے اوپر جبہ دستار استبرق کی ہوگی۔ یا قمیض سندس کی باریک ریشمی اور شلوار پجامہ استبرق کا تین تفسیری قول ہیں۔ یہ کفار و فساق جن غریب علما و صوفیا اور نیک مسلمانوں کے پاس اور ساتھ بیٹھنا پسند نہیں کرتے کل جنت میں یہ اہل ایمان و تقویٰ حُلّۂ عروسی کے سنہری چھپر کھٹ کے تختوں پر نہایت شاہانہ شان و شوکت سے تکیہ لگا کر بیٹھا کریں گے۔ نِعۡمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتۡ مُرۡتَفَقًا۔ کئی گنا اور کئی درجے اونچا اعلیٰ مفید اچھا بدلہ ہے دنیوی اچھے اعمال اور نیکیوں سے اس لیے کہ دنیا کی عمر تھوڑی بندے کے لیے نیک اعمال کا وقت کم آدھا وقت سونے کھانے پینے کمانے میں اور آدھا وقت عبادت اور اچھے اعمال میں۔ لیکن اس کا ثواب ہمیشہ اور مسلسل کتنا کرم ہے رب تعالیٰ کا یہ ان فقراء مومنین کی شان ہوگی جن سے آمرا نفرت نخوت کرتے ہیں روایتوں میں ہے کہ فقرا جنت میں امیروں سے پچاس ہزار سال پہلے جائیں گے اور حسین و جمیل ہے وہ نرم تکیہ گاہ۔ احادیث میں آتا ہے کہ یہ سنہری تخت اتنے بڑے ہونگے کہ ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اگر کوئی دنیوی رفتار سے چلے تو چالیس سال میں پہنچے۔ (از تفسیر فتح القدیر) قرآن مجید میں جنتیوں کو کنگن پہنائے جانے کا ذکر تین جگہ ہے۔ ۱۔ یہاں سورۃ کہف آیت ۳۱ میں کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ ۲۔ وَحُلُّوۡۤا اَسَاوِرَ مِنۡ فِضَّةٍ چاندی کے کنگن پہنائے جائیں گے سورۃ دھر آیت ۲۱ (۲۹) ۳۔ وَّلُؤۡلُؤًا وَّلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ۔ موتیوں کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ سورۃ حج ۲۲ آیت ۲۳ یہ کنگن قیمت اور خوبصورتی میں دنیا کے تمام زیوروں سے بڑھ چڑھ کر ہیں حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ یہ کنگن زیادہ بھاری نہ ہونگے اور اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ اس کو بنا رہا ہے جب سے جنت بنی ہے اور قیامت تک بناتا رہے گا (از تفسیر مظہری)

وَاضۡرِبۡ لَهُمۡ مَّثَلًا رَّجُلَيۡنِ جَعَلۡنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيۡنِ مِنۡ اَعۡنَابٍ وَّحَفَفۡنٰهُمَا بِنَخۡلٍ وَّجَعَلۡنَا بَيۡنَهُمَا زَرۡعًا۔ .... اور اے حبیب مکرم ان مغرور بدمست ناکارہ کفار و فساق اور تا قیامت غافل دنیا پرست انسانوں کے لیے اصحاب کہف کی ایمان افروز عبرت آموز کہانی سنانے کے بعد ان بنی اسرائیل کے دو مردوں کی مثال بیان فرما دیجئے جن میں سے ایک کے لیے ہم نے دو محفوظ باغ عرب کے قیمتی پھل انگور کے اچھے سرسبز و شاداب بنا دیئے اور مزید کرم

یہ کہ ہم نے اُن دونوں باغوں کے چاروں طرف کھجوروں کے لیے مضبوط کثیر پھلدار درخت بھی اُگا دیئے اور ان دونوں باغوں کی پوری زمین کے ایک ایک اِنچ کو بہترین مفید۔ زرخیز۔ قوی۔ قیمتی بناتے ہوئے ان دونوں کے درمیان ہر موسم کی شاندار کھیتیاں اُگا دیں جس طرح باری تعالیٰ جَلَّ جَلَالُہٗ کے علاوہ کوئی ایسی قدرت والا نہیں جو باغ و کھیت اُگا سکے سب طاقتیں میرے اللہ کریم جَلَّ وَعَلٰی کی ہی ہیں اِسی طرح اللہ تعالیٰ کے حکم و اجازت والے اجمالی واقعات کو تفصیل و وضاحت سے مکمل کھول کر صرف پیارے نبی محمد مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی صداقت و سچائی کے ساتھ بیان فرما سکتے ہیں لہٰذا جو تفصیل احادیث و فرمودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف ہو اُس کو کبھی یقین و اعتماد سے نہیں مانا جا سکتا۔ اسی قسم کے لغو بیہودہ اور جھوٹے واقعات اسرائیلیات و بائبل وغیرہ میں بکثرت درج ہیں۔ جغرافیائی تحقیقی سفر و حضر کی مشاہداتی صداقت فقط احادیث سے ہی میسر ہے چنانچہ اس تمثیل کی تفصیل صحابہ کرام سے اس طرح منقول ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عبداللہ بن مبارک رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ عطا خراسانی روایت کرتے ہیں کہ فلسطین کے مشرقی علاقے جیرو میں کسی بنی اسرائیلی شاہی خاندان کے دو سگے بھائی تھے ایک مومن متقی جس کا نام یہوذا تھا مگر حضرت امام مقاتل نے فرمایا اُس کا نام تلیخا تھا۔ دوسرا بھائی مغرور متکبر اکڑباز اس وجہ سے کافر مشرک تھا اُس کا نام بقول ابن عباس قطروس اور بقول وہب بن منبہ قطفر تھا دونوں کو والد کے فوت ہونے کے بعد اُس کی آٹھ ہزار سونے کے دینار میراث سے چار۔ چار ہزار دینار اشرفی ملے۔ کافر شخص نے تو ان دیناروں اشرفیوں سے ایک ہزار میں دو باغ ایک ہزار میں بہت بڑا گھر اور ایک ہزار میں کسی خوبصورت عورت سے نکاح کر لیا۔ ایک ہزار میں لونڈی غلام اور بہت سا زیب و زینت کا ساز و سامان خرید لیا اس کافر بھائی نے تو یہ عیش عشرت شروع کر دی اور اپنی خوب دولت بڑھائی لیکن مومن متقی آدمی نے دن رات خوب ذکرِ الٰہی اور عبادت کی اور اپنے چار ہزار اشرفی دیناروں کو اس طرح اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا کہ ایک ہزار لے کر عرض کیا اے میرے رب مولیٰ تعالیٰ میں ایک ہزار میں تجھ سے جنّت کی زمین خریدتا ہوں یہ کہہ کر ایک ہزار اشرفی صدقہ کر دیا پھر عرض کیا اے میرے رب میں ایک گھر جنّت میں خریدنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر دوسرا ہزار دینار بھی صدقہ کر دیا۔ پھر عرض کیا اے میرے رب میں جنّت میں ہی شادی کرنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر تیسرا ہزار بھی خیرات کر دیا پھر عرض کیا کہ اے میرے رب مجھ کو یہاں نوکروں چاکروں لونڈی غلاموں والی عیش و عشرت کی زندگی نہیں چاہیے میں تجھ سے جنّت میں غلام و نوکر خریدتا ہوں یہ کہہ کر چوتھا ہزار بھی صدقہ کر دیا اس طرح وہ کافر دنیادار تو امیر سے امیر ترین ہوتا چلا گیا۔ اور یہ مومن مخلص غریب سے غریب تر اُس کا شمار مقبورین و معتوبین میں ہو گیا اس کا شمار عابدین زاہدین صابرین میں ہو گیا۔ اور پھر دونوں کا جو

انجام دنیوی و اخروی ہوا اس کا ذکر اگلی آیت میں ہو رہا ہے یہ تھا سچا واقعہ چونکہ اس واقعے کی مشابہت ہے عیینہ بن حصن مغرور کافر اور سلمان فارسی مخلص مسکین غریب مومن صحابی کے حالات سے اس لیے سنائے جانے کا حکم ربانی نازل ہوا۔ اس کے متعلق چار قول اور بھی ہیں پہلا یہ کہ یہ صرف تمثیلی کہاوت ہے۔ کوئی حقیقی اور وجودی واقعہ نہیں ہے اور اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ بیان فرمایئے ان مغرور کفار کے لیے کسی دو آدمیوں کی تمثیل کہ اگر ہم فرضاً ان میں ایک کو دو باغ دیدیں ایسے ایسے بہترین۔ وغیرہ وغیرہ مگر یہ قول دو وجہ سے قطعاً غلط ہے ایک یہ کہ کلام الٰہی کی یہ روش حقیقت واقعہ کا اظہار فرما رہی ہے۔ دوم یہ کہ رب تعالیٰ کا اس طرح ماضی کے صیغوں سے بیان فرمانا صرف تمثیل نہیں ہوسکتی یہ کلامِ الٰہی کی شان کے خلاف اور معیوب ہے۔ نیز مثلاً کہنے سے تمثیلاً اور فرضی بات نہیں ہوسکتی۔ ورنہ مثل عیسٰی (الخ) پر بھی اعتراض پڑیگا حالانکہ وہ یقینی حقیقت ہے۔ دوسرا قول یہ کہ یہ دونوں شخص قبیلے بنی مخزوم کے تھے مومن بھائی کا نام ابو سلمہ عبداللہ بن عبدالاسود بن عبدیا لیل یہ اُمّ المومنین اُمِّ سلمہؓ کا پہلا خاوند تھا۔ اور اس کا فر بھائی کا نام اسود بن عبدالاسود بن عبدیا لیل تھا۔ تیسرا قول یہ کہ یہ دونوں بھائی لوہار تھے ایک نے مال کما کر دنیا بنالی اور کفر میں چلا گیا دوسرے نے اپنی اس کمائی کو راہِ الٰہی میں خرچ کیا اور اولیاء اللہ میں شمار ہوا۔ چوتھا قول یہ کہ ان کا نام وہ نہیں جو اوپر بیان ہوا بلکہ کافر کا نام خرطوس یا قطفیر تھا اور مومن کا نام یہودا تھا۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ جتنے بھی واقعات عالم گذشتہ زمانوں میں ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن کا مکمل و مفصل علم اپنے پیارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمایا ہے۔ یہ فائدہ واضرب (الخ) کے اجمالی ذکر اور احادیث مبارکہ کے تفصیلی تذکرے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا کے سارے رنگوں میں باری تعالیٰ کی بارگاہ میں سبز رنگ زیادہ پسند ہے اور بارگاہِ الٰہیہ میں اس لیے پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے۔ یہ فائدہ ثیاباً خضراً (الخ)، اور ہرے رنگ کی فضیلت اور پسندیدگی والی احادیث سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ اصل رنگ جن کے اپنے ذاتی نام ہیں وہ گیارہ عدد ہیں۔ (۱) مادی یعنی سفید رنگ۔ (۲) سبز (۳) سرخ (۴) نیلا (۵) پیلا (۶) کالا (۷) اُودا (۸) آسمانی (۹) مٹیالا (۱۰) گلابی (۱۱) سبیٹی۔ اصل بنیادی رنگ صرف پہلے چھ ہیں۔ ان میں زیادتی کمی ہو کر کائناتِ عالم رنگ دریوں کل ساٹھ قسمیں بن جاتی ہیں جن کے نام ہر زبان میں چیزوں کے ناموں پر رکھ لیے گئے ہیں۔ مثلاً عنابی فیروزی وغیرہ۔ قدرت کی طرف سے ان رنگوں کا انسانی زندگی پر ظاہر و باطن صحت و بیماری کے لحاظ سے بہت گہرا اثر ہے سفید رنگ انسان کے ظاہری جسم پر اور ہرا رنگ باطنی صحت بینائی فرحت تندرستی پر اچھا اثر ڈالتا ہے دیگر رنگ بعض حالات میں بڑے اثرات بھی پیدا کرتے ہیں۔ رنگوں کے ذریعے ہمارے

قدیم اطباء علاج بھی کرتے رہے ہیں جن میں نیلا رنگ زیادہ موثر ثابت ہوا ہے اس کی تفصیل حکمت کی کتابوں میں موجود ہے۔ روحانی طور پر بھی مراقبے مکاشفے عبادت و ریاضت میں رنگوں کا بڑا دخل ہے صوفیا خلوت و اندھیرے کو ترجیح دیتے ہیں الغرض کہ کائنات کی ہر چیز فرشی و عرشی کو رب تعالیٰ نے رنگ دار ہی پیدا کیا ہے تیسرا فائدہ۔ مومن جو نیکی دنیا میں کرے وہ اگر خود ہی دنیا میں برباد کر کے نہ جائے تو باری تعالیٰ اُس کی نیکی برباد نہیں فرماتا یہ فائدہ لَا نُضِيعُ اَجْرَ مَنْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ بندے کا عمل اللہ رسول کی گستاخی اور بے ادبی سے اور بے باکی سے بہت جلد برباد ہو جاتا ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی دیگر آیت میں ہے۔

احکام القرآن

اِن آیت مبارکہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ مردوں کو دنیا میں سونے چاندی اور موتیوں یا کسی بھی دھات کا زیور پہننا حرام ہے کیونکہ زینتِ محضہ ہے جو صرف عورتوں کو جائز ہے مردوں کو حرام یہ مسئلہ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ کی قید سے مستنبط ہوا زیور مسلمان مردوں کے لیے صرف جنت سے خاص ہے۔ عورتوں کو بھی دنیا میں صرف سونے چاندی کی دھاتوں کا زیور جائز ہے باقی دھاتوں کا زیور عورتوں کو بھی حرام ہے۔ اس کی تفصیل اور دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔ دوسرا مسئلہ اسلام میں اگرچہ بعض رنگ پسندیدہ ہیں جیسے سبز اور سفید مگر دینی مذہبی طور پر کسی رنگ کا صرف رنگ ہونے کی حیثیت سے احترام کرنا حرام ہے۔ صرف ان رنگوں کا ادب کرنا فرض ہے جو رنگ کسی مقدس مقام پر لگ گئے جیسے غلافِ کعبہ اور سبز گنبد وغیرہ یہ ادب بھی بالواسطہ ہے ذریعہ بالواسطہ یہ مسئلہ وَيَلْبَسُوْنَ ثِيَابًا خُضْرًا (الخ) سے مستنبط ہوا اس لیے کہ لباس میں پاجامہ شلوار تہبند بھی شامل ہوتا ہے اور پاجامہ وغیرہ بنانا ادب نہیں ہے ہم متبرک کپڑے سے پاجامہ نہیں بنا سکتے۔ لیکن سبز یا کالے رنگ کی شلوار وغیرہ بنا سکتے ہیں جیسا کہ قرآنِ کریم کی اس آیت پاک سے ثابت ہو رہا ہے ہم سبز گھاس پر اور کالی سڑک پر چلتے ہیں بعض نقشبندی لوگ کالے اور ہرے رنگ کا جوتا نہیں پہنتے اس لیے کہ غلافِ کعبہ اور کعبے شریف کے پتھر کالے ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گنبد پاک سبز ہے مگر یہ ان لوگوں کی جہالت و حماقت ہے میں کہتا ہوں کہ حبشی کا نچلا پورا دھڑ کالا ہے۔ بال پیروں پر کالے ہی ہوتے بھینس کا پورا جسم ٹانگیں وغیرہ سب کالی ہندو لوگ رنگوں کی پوجا اور ادب کرتے ہیں بعض ہندو قوس قزح یعنی دھنک کو دیوتا کہتے ہیں بسنتی رنگ کا ادب کرتے ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو اِن ہندوانہ مشرکانہ رسموں سے قطعاً شدت سے بچنا چاہیے تیسرا مسئلہ۔ قیاس کرنا شریعت کے مسائل میں بالکل جائز ہے۔ غیر مقلد وہابی جو آج کل خود کو اہلِ حدیث کہتے ہیں وہ قیاس کے مخالف ہیں اگرچہ خود کر لیتے ہیں جیسے طلاقِ معلّق کا مسئلہ غیر مقلد بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں۔ حالانکہ صراحتاً حدیث و قرآن میں اس کی کوئی دلیل نہیں۔ مجبوراً قیاس کرنا پڑتا ہے۔ مگر منہ سے کہتے پھرتے ہیں کہ قیاس ناجائز ہے یہ ان لوگوں کی حماقت و جہالت ہے۔ کیونکہ قیاسِ مجتہدین بالکل جائز

ہے بے شمار دلائل کے علاوہ یہ مسئلہ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ ۔ سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ موجودہ کافروں اور ان کے انجام کو پہلے والے ان دو مردوں پر قیاس کرو عبرت پکڑو اگر وہ علت جس کی وجہ سے ان پر ذلت آئی تم میں بھی ہوئی تو تم پر بھی ذلت اور عذاب آجائے گا۔ اور اسی کا نام قیاس ہے۔ قیاس و اجتہاد کے جواز پر دلائل ہماری مشہور زمانہ کتاب جاء الحق میں دیکھئے۔ چوتھا مسئلہ ۔ علماء کرام کو وعظ و تقریر میں مسئلہ سمجھانے کے لیے مناسبت والی مثالیں دینا جائز ہیں۔ یہ مسئلہ بھی وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا الخ ، سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا یعنی ایک آدمی کو ان میں سے دو باغ ہم نے دیئے جس سے ثابت ہوا کہ بلا معاوضہ مفت ہی باغ ملے کیونکہ کیونکہ رب تعالیٰ کی عطا بلا معاوضہ ہی ہوتی ہے مگر تفاسیر میں ہے کہ اس کافر بھائی نے وہ باغ ہزار دینار کے خریدے تھے تو پھر یہ جَعَلْنَا کیونکہ درست ہوا۔ یا تفسیری قول کو غلط کہنا پڑے گا۔ جواب ۔ اس کے تین جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ رب تعالیٰ کے قانونِ میراثی سے اس کو مفت میراث ملی جس سے اس نے بلا محنت مشقت باغ خرید لیا تو گویا مفت ہی ملا۔ دوم۔ یہ کہ یہاں جَعَلْنَا کا معنی عطا کرنا اور دینا نہیں بلکہ اگانا بڑھانا مراد ہے۔ سوم۔ یہ کہ اگرچہ بندے اپنی محنت سے کھیت باغ وغیرہ یا دولت و چیزیں حاصل کرتے ہیں۔ مگر وہ بھی اللہ کی ہی عطا ہوتی ہیں۔ اس کی دی ہوئی عقل دماغ سے اور سورج دھوپ ہوا پانی کی مدد سے بندے چیزوں کے مالک بن جاتے ہیں۔ جس کو وہ نہیں دیتا وہ لاکھ عقل عقل علم و فہم و فراست کے باوجود بھی غریب و کنگال ہی رہتا ہے لہٰذا آیت و تفسیر دونوں درست ہیں کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔

دوسرا اعتراض۔ احادیث میں آتا ہے کہ مسلمان مردوں کو سونے کا زیور پہننا حرام ہے ایک انگوٹھی بھی سونے کی نہیں پہن سکتے مگر یہاں قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ سونے کے کنگن پہنائے جائیں گے۔ یہ حرام کام جنت میں کیوں کیا جائے گا۔ جواب ۔ مفسرین نے اس کے چار جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ حرام اور حلال ہونا شریعت پاک کا مسئلہ ہے۔ اور شریعت کے احکام صرف دنیوی زندگی کے لیے ہیں۔ بہت سی وہ زینتیں جو مسلمانوں کو دنیا میں حرام و ممنوع ہیں وہ جنت میں جائز ہونگی۔ دوم یہ کہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو خود اپنی مرضی اور پسند سے زیور پہننا حرام ہے اگر اللہ تعالیٰ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کسی مسلمان کو زیور پہنائیں تو اس مسلمان کے لیے وہ زیور دنیا میں بھی حلال و جائز ہے اس لیے کہ رب تعالیٰ مالک شریعت ہے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم مختار شریعت ہیں دیکھو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سراقہ کو کسریٰ کے کنگن پیشگی پہنا دیئے تو وہ کنگن اُن کے لیے دنیا میں جائز ہو گئے اس طرح جنت میں کنگن سونے چاندی کے مومن خود نہ پہنینگے بلکہ اللہ کی طرف سے پہنائے جائیں گے حضرت سراقہ اپنے کنگن پہنے ہوئے دفن کئے گئے میدان محشر میں وہ یہی کنگن پہنے ہونگے جیسا کہ روایتوں میں آتا ہے۔

تیسرا جواب ۔ یہ کہ جنت میں اس لیے کنگن پہنائے جائیں گے کہ اہلِ ایمان جنتی بادشاہ ہیں تو جس طرح دنیا میں کافر

بادشاہ سونے کے کنگن پہنا کرتے ہیں اور اس میں اپنی شان سمجھتے ہیں اس طرح اہلِ جنت کو شاہانہ عزت دینے کے لیے رب تعالیٰ کے حکم سے فرشتے کنگن پہنائیں گے اس لیے یہ جائز کئے گئے۔ چوتھا جواب یہ کہ مسلمان مردوں پر دنیا کا سونا چاندی حرام ہے نہ کہ آخرت کا۔ جیسے کہ آخرت کا ریشم اور جنت کی چوتھی نہر کا شراب حلال ہے۔ جنت میں چار نہریں ہوں گی۔ ۱۔ دودھ کی ۲۔ شہد کی ۳۔ پانی کی ۴۔ خمر و شراب کی حالانکہ دنیا میں ریشم اور شراب حرام ہے۔ (از تفسیر کبیر امام رازی) **تیسرا اعتراض**۔ جنت میں کیا عورتوں کو بھی کنگن پہنائے جائیں گے یا کہ نہیں جواب۔ پہنائے جائیں گے اس لیے کہ اُولٰئِکَ اسم اشارہ عام ہے مذکر مونث کے لیے نیز اگرچہ قرآن مجید میں تمام احکام کے صیغے جمع مذکر کے لیے ہی ارشاد فرمائے جاتے ہیں مگر مراد عورت و مرد دونوں ہوتے ہیں۔ جیسے کہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وغیرہ۔

چوتھا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یُحَلَّوْنَ۔ فعل مجہول ارشاد ہوا یعنی کوئی پہنائے گا۔ اور یَلْبَسُوْنَ فعل معروف ارشاد ہوا یعنی خود پہنیں گے۔ دونوں جگہ ایک جیسے فعل کیوں نہ آئے۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ جواب فرمایا کہ یُحَلَّوْنَ کے فعل مجہول سے یہ اشارہ منقصود ہے کہ یہ زیور یہ کنگن کسی عبادت و عمل کی جزا نہیں ہوں گے بلکہ محض رب تعالیٰ کی نعمت کرم و فضل ہوگی اور یَلْبَسُوْنَ کا فعل معروف یہ اشارہ کر رہا ہے کہ وہ اپنے اعمال جزا میں یہ خوبصورت لباس پہنیں گے۔ دوم یہ کہ۔ لباس کپڑے میں۔ جس میں ضرورت اور زینت دونوں میں ضرورت تو ستر ڈھانکنا ہے لیکن زینت اس کی خوبصورتی ہے ضرورت میں پردے کی ضرورت ہے اس لیے فرمایا گیا کہ لباس وہ خود پہنا کریں گے تاکہ پردہ قائم رہے۔ لیکن زیور محض زینت ہے جیسے کہ دولہا دلہن کو زیور۔ ہار۔ پھول۔ سہرا۔ دوسرے لوگ دوست احباب عورتیں سہیلیاں پہناتی ہیں۔ لیکن کپڑے۔ جوڑے۔ دولہا۔ دلہن خود ہی پردے میں جا کر پہنتے ہیں نیز کپڑے دوسرے لوگ پہنائیں تو عیب اور شرم کی بات ہے۔ اور ہار خود پہنے تو شرم کی بات ہے عزت یہی ہے کہ دوسرے لوگ ہار پھول پہنائیں۔ اس طرح اگر کوئی جیت جائے یا کسی کام میں کامیاب ہو جائے تو جیتنے والے کو کسی بڑے آدمی کے ہاتھ سے انعام دلوایا جاتا ہے ہار پہنایا جاتا ہے صرف عزت افزائی کے لیے۔ حالانکہ وہ خود بھی ہار پھول زیور پہن سکتا ہے یہی عزت افزائی جنت میں ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

تفسیر صوفیانہ وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ وَلَا تَعْدُ عَيْنٰكَ عَنْهُمْ تُرِيْدُ زِيْنَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

اے مرشدِ منزل معرفت اپنے کمال وصفات اخلاق و عادات ذات والا صفات۔ ارشاد ہدایات کو ابدی استقامت و تمکین کے ساتھ اُن مسافرانِ راہِ طلب فقراء و مجردین غرباء متوکلین کے ساتھ ہی وابستہ و منسلک رکھئے جو ہر صبح وصال اور ہر شامِ فراق میں اپنے ربِّ جلیل کو ہی پکارتے ہیں۔ غداۃِ سحری کو نم عشق و درد محبت کی آہیں بھرتے ہیں۔ عشاءِ ہجر میں وصل کی فریادیں کرتے ہیں تیرے دامن کی ٹھنڈی فضاؤں آستانہ الیہ کو تلاش کرتے ہیں۔

وصل وقربِ ذات اور مشاہدۂ انوار کے سوا کسی غیر اللہ کو دنیا و آخرت کو نہیں چاہتے۔ بس اپنے رب کو ہی اخلاص قلبی سے چاہتے ہیں۔ تیری ذات کا وصل مظہرِ صفاتِ جلال ہے اور اے مرشدِ واصلان رہبر کاملان تیری رحمت کی آنکھیں ان مجذوبینِ حقیقت اور سالکینِ طریقت سے نہ ہٹیں۔ بھلا کبھی پسند کر سکتا ہے تو التفاتِ غیر اللہ سے حیاتِ ناسوتی فنا و صفائی کی زینتِ وقتی عارضی کو۔ راہِ طریقت آتنا گنجان خاردار اور پیچ در پیچ ہے کہ طالبانِ منزل کے لیے ہر وقت مرشدِ کامل ہادیِ برحق کا ساتھ رہنا ضروری ہے۔ اس راستے میں کبھی آہ وزاری کے نیچے ہیں۔ کبھی مایوسیوں کے اندھیرے ہیں کبھی خشوع وخضوع کا میدانِ وسیع ہے اور کبھی مشیتِ الٰہی کی پرپیچ صمدیت کی گھاٹیاں بے نیازی کی چوٹیاں ہیں۔ وسواس کے کانٹے بھی وحیات کے پتھر بھی۔ وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا۔ وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ وادیِ ظلمات کے مکر وفسوں سے اپنے دامنِ زر دار قواءِ گفتار کو علیحدہ رکھئے اور اے قالبِ بدنی کے مرشدِ برحق ان خیالاتِ نفسانیہ کی بات نہ مان جن کو ہم نے اپنے ذکرِ سری یا دِخفی توفیقِ باطن سے غفلتِ ابلیسی میں ابدی گمراہی کے لیے چھوڑ دیا اور اُس نے اپنی ہی خواہشاتِ رذیلہ صفاتِ ذمیمہ کی پیروی کی اور سرشتِ شیطانی میں اُس کی حرکاتِ خبیثہ حدودِ طریقت سے آگے گزر گئیں ایسے بدنصیب کورِ باطن نقصانِ عظیم حرمانِ مبین میں ہیں اور کہہ دے اے جسمِ ویران، قالب وقلب حواس ونفوس بے شک یہ منزلِ انوارِ تجلیاتِ ابرار تمہارے رب کی طرف سے حق وصادق ہیں پس جو چاہے وادیِ انوار کا مومنِ تسلیم ورضا بن جائے اور جو چاہے غارِ ظلمت کا کافرِ محروم بن جائے۔ اے بندۂ معرفت دنیا کی ہر چیز ٹھکرا دے کیونکہ تمام اَسباب ظاہری بے حقیقت ہیں ان سے انقطاع وصل الی اللہ کا ذریعہ ہے۔ اوصافِ بشری ہوا وہوس، خواہش وآرزو وغیرہ اس سے رخصت ہو جاتے ہیں جو لَا تَلْجَعْ کا مظہرِ اَتَم بن جاتا ہے۔ یہ اوصاف قلبِ غافل کی کیفیات ہیں جب بندہ ان سے علیحدہ ہوتا ہے تو روح مجرّد بن کر روحانی قوت پاتا ہے تب صفائیِ باطن اور نورانیتِ قلب حاصل ہوتی ہے۔ عقل آزاد وہ ہے جو اتباعِ شہوات ہوا وہوس کی پابندی میں جکڑا ہو۔ یہی وہ وارداتِ ابلیسیہ ہیں جن میں ہر طرح کی افراط وتفریط ہے۔ حتیٰ یہ ہے کہ ہر فعل کا فاعل ذاتِ حق میں نظر آئے اور یہ شہودی یقین کے مراتبِ علیا تک پہنچے اگر یہاں تک رسائی نہ ہو تو مردودِ ازلی ہے چاہے تو اگر تو کیفیاتِ اولیاءُ اللہ کو مانے یا کفرِ باطنی شرکِ خفی کرکے انکار کر دے۔ اس کا اپنا ہی نقصان ہے۔

اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا۔ وَاِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِی الْوُجُوْهَ۔ بِئْسَ الشَّرَابُ وَسَآءَتْ مُرْتَفَقًا۔

بے شک ہم نے محجوبینِ انوار محرومینِ اسرار۔ ظالمینِ اشرار کے لیے فراق کی آگ بدنصیبی کی جلن تیار کر دی ہے گھیر لیا ہے اُن کو گناہوں کے سرادقِ مادیات کی دیواروں اور عقلِ شیطانی کے دھوئیں نے چاروں طرف سے اگر کبھی

وہ شربتِ دیدارِ الٰہی عشقِ انوار کی بارش روحِ ملکوتی کی پیاسِ ایمانی کو بجھانے کے لیے ضمیرِ لاہوتی کی زبانِ فکری سے طلب بھی کریں تو ان کو کردارِ نفسانیہ کے تعفن وگندی ذہینت کا ہی پانی میّرآئے گا نورِ معرفت کی ٹھنڈی بوندوں کی بجائے نارِ باطن کا جلتا بھنتا شعلہ بارخباثتِ شیطانیہ وسواسِ ابلیسیہ کا گندا پانی تفکراتِ دنیا کے الجھاؤ کا شربت شہوات کے گھونٹ پلائے جائیں گے جس سے غیرت وعزت کے منہ جلکر سیاہ ہو جائیں گے۔ ازلی برا ہے وہ ذِلّت کا پانی اور ابدی خراب ہے وہ شیطانی ٹھکانے کی رہائش دنیاءِ ناسوتی میں کچھ بندے عادین ہیں کچھ بندے ظالمین ہیں عادین وہ ہیں جو یقینِ کامل سے سمجھتے ہیں کہ راحت وسکون ہر خیر وتحر۔ سود وزیاں۔ قبض وبسط۔ کشاکش۔ وبندش عزت وذلت۔ غربت ودولت۔ عسرت ویسرت موت وحیات۔ فنا وبقا سب کچھ قادرِ مطلق کی قدرت کا ایک ظہور ہے یہ یقین ہی راہِ معرفت کو آسان کرنے والا ہے لیکن ظالمین عالمِ مادیات میں ان کے عِلَل واسباب تلاش کرتے ہیں اور اپنے قالبِ ظلمت میں شرکِ خفی اور کفرِ جلی کے سُرادقِ نار اور آتشِ مذلت کے دھوئیں کھڑے کرتے چلے جاتے ہیں یہی نقصانِ عظیم ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اِنَّا لَا نُضِیْعُ اَجْرَ مَنْ اَحْسَنَ عَمَلًا۔ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ بے شک عالمِ امکان کے وہ خوش قسمت جو عقل وقلب زبان ودھن سے توحیدِ ذاتی وصفاتی پر ایمان لے آئے اور سینۂ اسرار کے تمام محبوب کو تسلیم کر لیا اور مقصودِ حیاتِ جسمانی وخلقتِ روحانی وبعثتِ عرفانی کے سارے کام انہوں نے اچھے ہی کئے اور مقامِ استقامت میں قائم رہے تو یہ ہمارا قانونِ ازلی قدیمی ہے کہ بے شک ہم ان مخلصین صادقین سعودین محبوبین کا رفعتِ مدارج اور بلندیِ مراتب والا اجرِ عرفانی ختم کرتے ہیں۔ نہ ختم کرتے ہیں جنہوں نے فقط ہماری محبت ورضا جوئی کے لیے صبر وشکر وبرداشت کے خوبصورت وپاکیزہ عمل کئے۔ یہی وہ مقبولِ بارگاہِ صمدیت ہیں جن کے لیے انوارِ اسرار مشاہدۂ قربِ محبتِ تجلیات۔ دیدار۔ کلام کی آٹھوں جنتیں ہیں جو ہمیشہ قائم رہنے والی ہیں۔ ان کے دامنِ جنت کے نیچے اطمینان لذتِ ایمان۔ بسِ عرفان آبِ ایقان کی چار نہریں جاری ہیں۔ راہِ طلب میں وہی سچے وصادق رہتے ہیں۔ اور معرفتِ کامل میں منتہی ہو جاتے ہیں۔ جن کے حواس کا مرجع ہر شے میں دیدارِ لذتِ احدیت ہوتا ہے ایسے ہی لوگوں کو اجرِ عظیم کہ اسرارِ قدرت روشن ہونے لگتے ہیں وہ خالق کے کانوں سے سنتا ہے اسی کی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ اور حمد وثنا۔ شکر ودعا کے اَحْسَنَ عَمَلًا میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اے مخلصو تقویٰ اور اطاعت کے اعمالِ صالحہ اختیار کرو۔ احکامِ شریعت کی پابندی کرو منہ اور پیٹ کو خباثتِ نفس سے پاک رکھو۔ عقل میں جوانمردی قلب میں کشادہ روئی سینے میں گداز رکھو۔ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّ یَلْبَسُوْنَ ثِیَابًا خُضْرًا مِّنْ سُنْدُسٍ وَّ اِسْتَبْرَقٍ مُّتَّكِـِٕیْنَ فِیْهَا عَلَى الْاَرَآئِكِ نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا۔ وہ اُن قربِ جمال کی جنتوں میں توحیدِ ذات کے زیور صفاتِ رسالت کے کنگن انوارِ قدس کے سونے سے بنے ہوئے

پہنائے جائیں گے اور رحمانی تجلیات کے ریشم سے الطافِ احوال و کیفیات و واردات کے سندس اور اخلاق و اعمال و کمالات کے دبیز رضا و مغفرت کے استبرق سے بنے ہوئے لباس پہنیں گے اور ولایت و محبوبیت۔ غوثیت و قطبیت کے جلاء سرور کے ارائک اور اسماءِ پاک کے تختوں پر اعتمادِ ابدی کا تکیہ لگائیں گے۔ خوشنودیِ الٰہی کا اعلیٰ و اکمل ثواب اور آغوش محبوبیت کی حسین جمیل رہائش گاہ صوفیاء کے زیور ہیں جو شے عطا کرنے کے قابل ہے وہ دینا باعث مسرت ہے۔ ایذا اسی سے باز رہے۔ آثارِ خلق مصائبِ عوام کا تحمل کرے۔ آدابِ درویشی نگاہ میں رکھے بزرگوں کی بزرگی کو قائم رکھے۔ برابر والوں سے حسنِ معاشرت رکھے اور چھوٹوں کو نصیحت کرتا رہے اپنے رفیقوں سے جنگ لڑائی جھگڑا نہ کرے سخاوت و ایثار کی عادت ڈالے بخل و ذخیرہ اندوزی سے بچے ان صفات سے بندہ عارف کامل بنجاتا ہے سعیِ قدم کے جاجن عمل آخرت کے کنگن عجز کا تکیہ سماعتِ حق کے بُندے خوشبوءِ قرآن کے بلاخ شریعت کا سندس طریقت کا استبرق اور رضاءِ الٰہی کا حجلہ عروسی عشقِ ذات کے تخت عارفین کی متاعِ کائنات ہے فقیر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنی جیسی شخصیت کا محتاج نہ رہے۔ اور اللہ کے مقربین کو اپنے جیسا نہ سمجھے اھلُ اللّٰہ سے طلب میں شرم نہ کرے

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِاَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ اَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ۔ اے مرشدِ طالباں وھادیِ مریداں وادیِ حیرت کے ان دو راہ نوردوں کی کہانی بستیِ بدنی کے تمام حواس ظاہری و باطنی کو سنا کر اُن دونوں میں سے ایک کے لیے امیدوں اور تمناؤں کے ہم نے دو باغ حیات دنیوی کی زمین میں قفل و قلب نفس و دماغ کی چار دیواری میں بنا دیے اور گھیر دیا ہم نے اُن دونوں کو زینتوں فیشنوں کی خوبصورت کھجوروں سے اور اُن دونوں باغوں کے بیچ میں عالم رنگ و بو کے بیجوں سے اعمال دنیا کی کھیتیاں بنادیں بندۂ عاشق کی نو خصلتیں ہوتی ہیں ۱ سخاوت حضرت خلیل کی ۲ رضا حضرت اسحٰق کی طرح ۳ صبر حضرت ذبیح اسماعیل علیہ السلام کی طرح ۴ برداشت حضرت ایوب علیہ السلام کی مثل ۵ مناجات و فریاد حضرت ذکریا کی مثل ۶ غربت و مسافرت حضرت یحییٰ کی طرح ۷ خرقہ پوشی حضرت موسیٰ کی مثل ۸ ترک دنیا حضرت عیسیٰ کی طرح ۹ عطا و فقیری آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین و بارک وسلم کی مثل دنیوی لذات و خواہشات سے دور اور مشاھدۂ جمال سے قریب کرنے والی چیزیں یہ ہیں کہ بندہ ممنوعاتِ شرعی سے احتراز کرے اور تسلیم و رضا کا پیکر بنجائے توکل تیرے باغ ہیں۔ فرائض تیرے میٹھے انگور ہیں۔ مجاھداتِ خلوت تیرے باغوں کی چار دیواری ہے سنت نبوی اور اعمال نفلیہ اونچی لمبی کھجوریں ہیں۔ درود و ظائف تلاوت و تسبیح۔ تہلیل تمجید حمد و ثنا سر زمین طریقت کی کھیتیاں ہیں۔ مقام سنت پہلے ہے نوافل بعد میں اور فرائض درمیان میں جو شخص سنت نبوی کو چھوڑ کر فرائض میں مشغول ہوتا ہے۔ وہ مردودِ بارگاہ ہے۔ اسی لیے بچپن سے بڑھاپے تک ہر عبادت میں سنتیں اول ہیں۔ فرائض بلوغت کے بعد شروع ہوتے ہیں مگر سنتِ نبوی کی آغوش محبت پیدا ہوتے ہی تربیتِ ایمانی و عرفانی فرماتی ہے۔ شریعت کا شرک بت پرستی

ہے مگر طریقت کا شرک غیر اللہ کی طلب اور خواہش نفس کی پیروی ہے۔ ان سے بچنا ہی توحید و رسالت پر ایمان لانا ہے۔ یہ نعمتیں اور قربِ الہٰی کی سعادتیں فقط آستانۂ مصطفیٰ سے ملتی ہیں صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہٖ وسلم۔

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ

دونوں باغ بھر کر اپنے پھل لائے اور کسی بھی درخت پودے نے ذرا کمی نہ

دونوں باغ اپنے پھل لائے اور اس میں کچھ کمی نہ دی

شَيْـًٔا وَّ فَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا ﴿۳۳﴾ وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ

کی اور ہم نے ان دونوں باغوں میں نہریں جاری فرمائی ہوئی تھیں اور اس آدمی کے پاس بے شمار پھل غلہ ہو گیا

اور دونوں کے بیچ میں ہم نے نہر بہائی اور وہ پھل رکھتا تھا

فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ

تب [illegible] اپنے بھائی سے کہا اور وہ اس سے متکبرانہ باتیں اس سے کرتا رہتا تھا کہ میں تجھ سے کہیں زیادہ مالدار ہوں

تو اپنے ساتھی سے بولا اور وہ اس سے [illegible] کرتا تھا میں تجھ سے مال میں زیادہ ہوں

مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا ﴿۳۴﴾ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَ

اور فرماں بردار غلاموں کی کثرت سے علاقے میں بہت عزت والا ہوں اور داخل ہوا وہ اپنے ایک باغ میں

آدمیوں کا زیادہ زور رکھتا ہوں اپنے باغ میں گیا اور

هُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ

حالانکہ وہ ان فخریہ باتوں سے اپنے آپ کا نقصان ہی کر رہا تھا اور باغ کو دور سے دیکھ کر بولا میں خیال بھی نہیں کر سکتا کہ

اپنی جان پر ظلم کرتا ہوا بولا مجھے گمان نہیں کہ یہ

هٰذِهٖۤ اَبَدًا ﴿۳۵﴾ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً ۙ وَّ

یہ دنیوی باغات کبھی بھی فنا ہوں اور میں کبھی نہیں مان سکتا کہ قیامت قائم ہو۔ اور

کبھی فنا ہو اور میں گمان نہیں کرتا کہ قیامت قائم ہو۔ اور

لَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّیْ لَاَجِدَنَّ خَیْرًا

البتہ اگر میں اپنے رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو البتہ میں ہی حق دار ہوں گا پاؤں

اگر میں اپنے رب کی طرف پھر گیا بھی تو ضرور اس باغ سے

مِّنْهَا مُنْقَلَبًا ﴿۳۶﴾

وہاں بھی اس عیش سے زیادہ اچھا بدلہ

بہتر پلٹنے کی جگہ پاؤں گا

تعلق ان آیات مبارکہ کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بنی اسرائیل کے دو آدمیوں کی ایک حکایت بیان ہوئی اب اس حکایت کا بقیہ عبرت انگیز حصہ بیان ہو رہا ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں اُخروی نعمتوں کا ذکر ہوا جو یقیناً نیک لوگوں کو ملنے والی ہیں۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم دنیا میں بھی اپنے انعامات دیتے ہیں بشرطیکہ انسان بندے بن جائیں **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیاتِ مبارکہ میں اُن نعمتوں کا ذکر ہوا تھا۔ جو دائمی بھی ہیں اور بغیر محنت کے ملے گی اب ان آیت میں اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو عارضی ہیں اور انسان کی عقل محنت و کسب کا اس میں دخل ہے مگر پھر بھی رب تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے۔

تفسیر نحوی كِلْتَا الْجَنَّتَیْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَیْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ یُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔ **كِلْتَا** اسم تاکیدی تثنیہ مؤنث کے لیے اس کا واحد مذکر کُلٌّ ہے۔ اور تثنیہ مذکر کِلَا ہے یہ ہمیشہ اپنے مؤکد کی طرف مضاف ہو کر آتا ہے۔ اگر مضاف الیہ اسم ظاہر ہو جیسے

یہاں تو تینوں حالتوں میں تقدیری اعراب ہوتا ہے لیکن اگر مضاف الیہ اسم ضمیر ہو تو بحالت ضم الف سے کِلَاکِلْتَا
اور بحالت فتحہ وکسرہ کِلَیْ وکِلْتَیْ یٰ سے ہوتا ہے اور تقدیری اعراب ہو تو ہر حالت میں کِلَا کِلْتَا ہی رہتا ہے۔ یہ
صرف معنیً تثنیہ ہوتا ہے لفظاً واحد ہے اس لیے اس کے آخر نون تثنیہ نہیں آتا۔ اَلْجَنَّتَیْنِ اسم تثنیہ معرف باللام اس
کا واحد ہے جنت مضاف الیہ ہے کِلْتَا کا یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اٰتَتْ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث
غائب ھِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع کِلْتَا ہے چونکہ کِلْتَا لفظاً واحد ہے اس لیے اس کی ضمیر اور صیغہ واحد مؤنث
ہی آیا اور چونکہ معنیً تثنیہ ہے اس لیے تثنیہ کا مضاف اور تاکید بن گیا اس کا مصدر اِیْتَاءٌ ہے مادہ اَتْیٌ لازم
بمعنی آنا۔ اِیْتَاءٌ متعدی بمعنی لانا ہے مقام میں سے مہموز الفا اور ناقص یائی۔ اُکُلَ۔ اسم حاصل مصدر بمعنی خوراک
ایک غذا مراد ہے پھل۔ ھَا ضمیر واحد مجرور متصل مرجع کِلْتَا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اٰتَتْ جملہ فعلیہ ہو کر
معطوف علیہ واؤ عاطفہ ایک قول میں واؤ حالیہ اور مابعد جملہ حال ہے اٰتَتْ کے فاعل کا لَمْ تَظْلِمْ فعل نفی جحد بلم مستقبل بمعنی
ماضی مطلق واحد مؤنث بابِ ضَرَبَ سے ہے ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنی نقصان کرنا کم کرنا ہمیشہ ہر باب میں متعدی ہوتا
ہے۔ ھِیَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع کِلْتَا ہے۔ مِنْ جارہ بیانیہ یا تبعیضیہ۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مرجع ہے
اُکُل یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ تَظْلِمْ کا شَیْئًا اسم مفرد معرب نکرہ بمعنی کچھ۔ کوئی۔ شَیْءٌ کا ترجمہ ہوتا ہے چیز اور اس پر
تنوین تنکیری ہو تو معنیٰ ہوگا کوئی بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے یہ لَمْ تَظْلِمْ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یا حال
ہوا اٰتَتْ کے فاعل کا۔ سب مل کر خبر ہے مبتدا کِلْتَا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہو گیا۔ واؤ۔ جملہ فَجَّرْنَا بابِ تفعیل
کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم خِلٰلَ۔ اسم مفرد جامد ظرف مکانی بمعنی درمیان۔ ہُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع کِلْتَا
اَلْجَنَّتَیْنِ ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے نَھَرًا اسم مفرد جامد منصوب مفعول بہ فَجَّرْنَا کا۔ اس کا مصدر ہے
تَفْجِیْرٌ فَجْرٌ سے بنا ہے بمعنی چیرنا۔ کھولنا۔ کھودنا۔ پھاڑنا۔ یہاں بمعنی جاری کرنا ہے۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا
واؤ ابتدائیہ کَانَ فعل تامہ۔ لام۔ جارہ ملکیت کا ہ ضمیر کا مرجع اَحَدُھُمَا یعنی ایک مرد امیر دولت مند باغوں والا۔ یہ جار مجرور
متعلق ہے کَانَ کا۔ ثَمَرٌ۔ اسم مفرد بمعنی پھل فروٹ اس کی جمع مکسر ہے اَثْمَار۔ یا ثَمَرَات یا ثُمُر یہ دونوں جمع سالم
ہیں لغوی ترجمہ ہے نتیجہ آخری چیز چونکہ درخت کی آخری چیز اس کا پھل ہوتا ہے اس لیے اس کو ثمرات کہا گیا
یہ جمع جنسی ہے مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے کَانَ تامہ کا یہ جملہ فعلیہ مکمل ہوا اس کی گیارہ شکلیں ہیں ۱ ثَمْرٌ ۲ ثَمَرَۃٌ
۳ ثَمْرٌ ۴ ثُمْرٌ ۵ ثُمُرٌ ۶ ثُمُوْرٌ ۷ ثِمَارٌ ۸ ثِمَارَۃٌ ۹ ثُمُرٌ ۱۰ ثُمْرٌ ۱۱ اَثْمَارٌ۔ فَ حرفِ ابتدا یا تعلیلیہ۔ قَالَ فعل
ماضی واحد مذکر ھُوَ قَالَ فعل میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع وہی باغوں والا لام جارہ مفعولیت کا صاحب
اسم فاعل ہے باب فتح کا صُحْبٌ سے مشتق ہے بمعنی ساتھی ساتھ رہنے والا یہاں اسم جامد ہے یعنی دوست
یا قریبی۔ پڑوسی۔ ہ ضمیر نفسی بمعنی اپنے مرجع وہی باغوں والا۔ یہ مضاف و مضاف الیہ مجرور ہو کر متعلق ہے قَالَ کا

واو حالیہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ یُحَاوِرُ باب مفاعلۃ کا مضارع مثبت واحد غائب اس کا مصدر ہے مُحَاوَرَۃٌ حَوْرٌ سے بنا ہے بمعنی آپس میں باتیں کرنا۔ محاورے استعمال کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے۔ مرجع ہے۔ پہلا ساتھی باغ والا۔ ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے اس کا مرجع ہے صاحب یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی ھُوَ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا قَالَ کے مستتر فاعل کا وہ سب مل کر قول ہوا۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مبتدا ہے۔ اَکْثَرُ اسم تفضیل مذکر اَنَا ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مَالًا اسم مفرد جامد تنوین تنکیری بمعنی دولت مفعول فیہ ہے۔ اَکْثَرُ کا یا تمیز ہے اَنَا ضمیر مستتر کی۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَعَزُّ اسم تفضیل مذکر بمعنی بہت عزت والا اَعَزُّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ نَفَرًا اسم مفرد جامد معنیً جمع جنسی ہے بمعنی ایک قبیلہ۔ برادری۔ خاندان تمیز ہے اَعَزُّ کے پوشیدہ فاعل اَنَا ضمیر متکلم کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر اَنَا مبتدا کی خبر ہے سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ جملہ قولیہ مکمل ہوا وَ دَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ دَخَلَ باب نصر کا ماضی ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل جَنَّتَہٗ مرکب اضافی بمعنی اپنا باغ۔ مفعول فیہ ہے دَخَلَ کا ترجمہ ہے اپنے باغ میں۔ واو حالیہ۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ ظَالِمٌ اسم فاعل مذکر۔ ھُوَ۔ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا۔ لام حرف جر بمعنی علیٰ جارہ نَفْسِ اسم مفرد جامد بمعنی ذات بمعنی اپنے آپ۔ ہٖ ضمیر واحد غائب نفسی مرجع وہی امیر آدمی یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے ظَالِمٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ مبتدا خبر حال ہے دَخَلَ کے فاعل پوشیدہ ھُوَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ قَالَ مَا اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۙ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا قَالَ فعل ماضی اس میں ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا اَظُنُّ باب نصر کا مضارع منفی واحد متکلم ظَنَّ افعال قلوب میں سے ہے ہمیشہ دو مفعول کو چاہتا ہے مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گمان کرنا۔ یا عقل سے یقین کرنا۔ لیکن قلبی یقین کے لیے یُقِیْنُ تَیَقَّنُ آتا ہے۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم پوشیدہ اس کا فاعل ہے اَنْ حرف ناصبہ۔ تَبِيْدَ۔ باب ضرب کا مضارع مثبت معروف واحد مونث غائب۔ بَيْدٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ برباد۔ ویران ہو جانا۔ جنگل بیابان بنجانا۔ اجڑ جانا یہاں ہر معنی مناسب ہے اسی سے ہے بَیْدَاءُ بمعنی صحرا۔ هٰذِهٖ اسم اشارہ قریبی ترجمہ ہے۔ یہ اس کا مشار الیہ ہے جَنَّتَيْنِ یعنی اس کے باغ بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے تَبِيْدَ کا اسماء مبہمات میں سے ہے مبنی اصل ہے۔ اَبَدًا اسم مفرد جامد ظرفِ زمانی بمعنی کبھی بھی ہمیشہ آئندہ کے لیے ہوتا ہے۔ جب ماضی کے لیے ہو تو ترجمہ ہوتا ہے ہمیشہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ ظرف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ مفعول بہٖ دوم ہے۔ تَبِيْدَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے مَا اَظُنُّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے۔ واو عاطفہ۔ مَا اَظُنُّ فعل اسی میں اس کا فاعل اَنَا ضمیر متکلم الف لام عہدِ خارجی ساعۃ اسم مفرد مونث نفلی بمعنی قیامت میدانِ محشر بحالتِ فتحہ مفعول بہٖ اول ہے قَآئِمَةً اسم فاعل واحد مونث ھِیَ اس میں پوشیدہ ضمیر

اس کا فاعل ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ دوم ہے۔ مَآ اَظُنُّ ثانی کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سابقہ مَآ اَظُنُّ کا اور معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا۔ واوٗ عاطفہ۔ لام کے تحقیقیہ اِنْ حرف شرط رُدِدْتُّ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول صیغہ واحد متکلم رَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنیٰ لوٹانا۔ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ انا ضمیر مستتر اس میں اس کا نائب فاعل۔ اِلٰی جارہ انتہائے غایت کے لیے۔ رَبِّیْ۔ مرکب اضافی بمعنیٰ اپنے رب کی طرف یہ جار مجرور متعلق ہے رُدِدْتُّ کا یہ جملہ فعلیہ مجہولیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لَاَجِدَنَّ۔ فعل لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ مستقبل معروف واحد متکلم باب ضَرَبَ وَجْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پانا حاصل کرنا متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ انا ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے ان تمام جگہ انا ضمیر کا مرجع بھی وہی باغ والا امیر آدمی ہے خیرًا اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل بمعنیٰ اچھائی والا۔ زیادہ ہونے والا۔ مِنْ جارۃ تقابلی یعنی اس کے مقابل ھَا ضمیر واحد مؤنث جَنَّتَیْنِ اس کا مرجع ہے۔ یہ جار و مجرور متعلق ہے خیرًا کا۔ اس کی ترکیب میں چار قول ہیں ۱ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر موصوف ہے۔ ۲ تمیز ۳ ذوالحال ۴ صفتِ مقدم اگلی عبارت کا۔ مُنْقَلَبًا۔ باب انفعال کا اسم مفعول اس کا مصدر ہے اِنْقِلَابٌ قَلْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پلٹنا۔ یہ اسم مفعول ظرف مکانی کے معنیٰ میں ہے یعنی پلٹنے کی جگہ مراد ہے بدلہ۔ بحالتِ نصب ہے ۱ یا صفت ہے خیرًا کی ۲ یا تمیز ۳ یا حال ۴ موصوف مؤخر ہے۔ یہ سب مل کر مفعول بہ ہے لَاَجِدَنَّ کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہوئی لَئِنْ رُّدِدْتُّ کی شرط و جزا مل کر معطوف ہوا مَآ اَظُنُّ کا۔ سب عالمت مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْـًٔا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔

دونوں ہی باغ جو بالکل قریب قریب اور دونوں ہی بہترین پھلوں یعنی انگوروں کے تھے وہ دونوں ہر سال اپنے پھلوں کو کھانے کے لائق پیداوار کرتے تھے اور کسی سال بھی یہ دونوں باغ خصوصی طور پر پھلوں کی پیداوار میں سے کچھ بھی کمی نہ کرتے تھے۔ حالانکہ دنیا کے دوسرے باغات اور پھلدار درخت ایک سال زیادہ پھل دیتے ہیں اور دوسرے سال کم پھل دیتے ہیں۔ اور یہ باغ اس اعتبار سے بھی بہت مفید تھے کہ اس کے دونوں پھل انگور اور کھجور تھے اور کھجور و انگور دنیا کے تمام پھلوں میں اعلیٰ و قیمتی ہوتے ہیں اس لیے کہ یہ فروٹ بھی ہیں۔ غذا بھی ہیں دوا بھی۔ تر بھی خشک بھی سال بھر مفید نقصان کم اور اس کے باغات میں محنت کم ہوتی ہے ان دونوں باغوں کا رقبہ بہت بڑا تھا اس لیے ہم نے اپنی قدرتِ کریمی سے ان دونوں باغوں کے درمیان ایک بہت خوبصورت ٹھنڈے میٹھے پانی کی ایک نہر جاری فرمادی تھی یا وہ نہر شروع سے قدرتی وہاں جاری تھی اور اس شخص نے اتنا حصہ زمین کا خرید کر اس میں انگوروں کا باغ لگادیا تھا۔ اور آس پاس کھجوریں اگادی تھیں چاردیواری کی شکل میں۔ یا اس نے خود ہی کسی قریبی دریا سے نہر اپنی اس زمین میں نکالی تھی اور اس میں رب تعالیٰ نے دریا کا پانی جاری فرمادیا تھا کہ

نہ دریا خشک ہوتا تھا نہ یہ نہر کوئی بھی طریقہ ہو بہر حال فجرنا کی نسبت الٰہیہ بالکل درست ہے کیونکہ سب قدرتیں اسی رب تعالیٰ کا انعام و نعمت ہیں۔ اس نہر سے تین فائدے تھے ۱۔ پانی قریب اور کثیر تھا ۲۔ باغ کی خوبصورتی تھی ۳۔ نہر سے یہ باغ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا تھا۔ اسی لیے اس کو جنتین بھی فرمایا گیا اور دخل جنتہ واحد بھی فرمایا گیا وَ كَانَ لَهٗ ثَمَرٌ اس جملے کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ پہلی تفسیر۔ اور تھا اس شخص کا اور بھی بہت سا مال دولت سونا چاندی جانور مکانات وغیرہ دوسری تفسیر اور یہ اس باغات کے سارے پھل اسی شخص اکیلے کے تھے کوئی دوسرا ان باغوں کی پیداوار میں اس کا شریک ساجھی نہ تھا ان دونوں تفسیروں میں لَهٗ کی ہ ضمیر کا مرجع وہ شخص ہے۔ تیسری تفسیر اور تھی ان باغوں کی پیداوار بہت زیادہ پھل یعنی ان کے پھل ہر سال بھی اُگتے تھے اور ہوتے بھی بہت زیادہ تھے ہر درخت لدا پھندا ہوتا تھا اس تفسیر میں ہ کا مرجع اٰتَتْ کا فاعل اور رھا کا مرجع جنتین ہے چونکہ معنی باغ ایک ہی تھا اس لیے ہ ضمیر واحد آئی جیسے اٰتَتْ واحد صیغہ آیا جب کہ مراد دونوں باغ ہیں۔ جب اس باغ نے پھل کثرت سے اتر تے تو یہ شخص باغ والا جس کا نام قرطوس تھا اپنے ساتھی بھائی سے کہتا اور وہ اکثر اسی قسم کی متکبرانہ مغرورانہ احمقانہ باتیں اپنے اس غریب فقیر بھائی سے کرتا ہی رہتا تھا کہ اے غریب فقیر محتاج بھائی میں تجھ سے مال و دولت میں کتنے ہی درجوں زیادہ ہوں۔ اور آل اولاد بیٹوں پوتوں غلام نوکر چاکر خدام میں کتنی زبردست عزت والا ہوں جب یہ سب میرے ساتھ نفرا در گروہ جھم بنا کر چلتے ہیں تو شہر بازار علاقے اور برادری معاشرے میں تجھ سے کہیں زیادہ میری عزت ہوتی ہے۔ تیرے پاس سوائے پھٹے لباس کی نا زوں مسجد کے ٹوٹے لوٹوں سے بار بار وضو کرنے اور لمبے سجدے کر کے ماتھے پر کالے محراب ڈالنے کے ہی ہے کیا۔ یہی وہ طعنہ بازیاں جن کا ذکر قرآن مجید میں یہاں اس کافر کی زبانی نقل فرمایا گیا۔ ڈاکٹر اقبال علما فقہا ادبیا اور عوام مسلمانوں کو ملا و صوفی کہہ کر دیتا ہے اور اس کی دیکھا دیکھی عام اُمرا دنیا پرست بھی اللہ تعالیٰ ہی سب کو ہی ہدایت دینے والا ہے۔ والی اللہ المشتکی۔ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَاۤ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖۤ اَبَدًا ۔ وَّمَاۤ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّيْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا اور ایک دفعہ وہ مالدار باغوں والا شخص اپنے اسی بڑے وسیع اور دو حصوں والے باغ میں اپنے اس غریب ساتھی کو لے کر داخل ہوا۔ اسی حالت کفر میں کہ وہ اپنی ہی جان پر اس کفر و طغیان ناشکری تکبر کا ظلم کرنے والا تھا۔ کہا اس قرطوس نامی شخص نے نہایت احمقانہ غرور اور خیالی وہم و گمان سے کہ میں کبھی یقین و تصور بھی نہیں کر سکتا کہ یہ میرے باغات کھیت کھلیان رہتی دنیا تک کبھی فنا ہوں یا کم از کم میری زندگی میں کبھی برباد ہوں یہ سدا ایسے ہی پر بہار سرسبز و شاداب رہیں گے تم لوگوں کا یہ خیال خام ہے کہ یہ جہان ختم ہو گا ہر شے فنا ہو جائے گی قیامت قائم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے پاس سب کو حاضر ہو کر حساب اعمال دینا پڑے گا سزا و جزا بھی ہو گی یہ سب بناوٹی باتیں ہیں کبھی کچھ

نہ ہوگا۔ اور میں تو بالکل بھی یقینی نہیں رکھتا کہ کبھی قیامت قائم و برپا ہو۔ اور سنو۔ البتہ اگر فرضاً ایسا کچھ ہوا بھی اور اپنے کسی رب کی طرف لوٹایا بھی گیا تو یقیناً وہاں بھی اپنے اس قسم کے حقوق اس سے بھی اچھے پاؤں گا ان باغوں اور مال و دولت کے بدلے میں اس لیے کہ جس طرح یہاں میرے استحقاق کی وجہ سے یہ عیش و انعام مجھ کو نصیب ہوا ہے اگر میری مرضی کے بغیر میری یہ ملکتیں یہاں اس جہان سے ختم و فناو ہلاک کر کے اٹھا دی گئیں تو لازماً اس کا بدلہ اس سے اچھی شکل میں مجھ کو دینا پڑے گا اور میں لینے اور مطالبہ کرنے کا مستحق و حقدار ہوں گا۔ یہ تھیں وہ باتیں اور باطل عقیدے جو اس کافر نے ظاہر کیے۔ آج ہر کافر بلکہ اکثر غافل فاسق دُنیادار دولت پرست حیوٰۃِ دنیوی کا پجاری یہی جھوٹے عقیدے بنائے پھر رہے ہیں یہ حرام کمائیاں اور ہر قسم کا ظلم اسی بنا پر ہو رہے ہیں۔ بلکہ مقولے بنائے ہوئے ہیں کہ اے جہان مٹھا اگلا کسی ڈِٹھا اسی قسم کے شعر بنائے جاتے ہیں کہ یہ جہاں یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بولکر اڑجائیں گے شریعت و حقیقت کے لحاظ سے یہ اقوال و عقائد سب لغویات و کفریات ہیں حالانکہ کہنے والے نے یہ شعر شانِ مصطفٰے اجمنِ شریعت بہارِ قرآن تازگیِ اسلام کے لیے اس طرح فرمایا تھا۔

شعر۔ یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں بلبلیں۔ اپنی اپنی بولیاں سب بولکر اڑجائینگی۔ بلبلوں سے مراد متقدمین علما فقہا محدثین اولیا صوفیا جیسے ثناخوانِ مصطفٰے ہیں کہ اپنے اپنے وقتوں میں سب نے ہی ہمارے آقا صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلّم کی ثنا کی اور دنیا سے چلے گئے اور ثنا خوانی آج بھی اور تاقیامت بھی اسی طرح ہوتی رہے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ جو انسان کفر یا فسق ناشکری غرور یا تکبر کرتا ہے تو وہ اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ ان بری حرکتوں سے خود اس کا نقصان ہے نہ کہ کسی اور دوسرے کا یہ فائدہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ الفاظ کا دارومدار قلبی عقلی نیت پر ہے دیکھو رب تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کرنا اچھا کام ہے مگر تکبر و غرور اور اپنی بڑائی و شان و شوکت کے لیے یا دوسروں کو ذلیل کرنے سمجھنے کے لیے اپنی دولت و امیری و صاحبِ اولاد ہونے کا چرچہ کرنا کفر و ظلم ہے یہ فائدہ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا دالخ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیوی ہوں یا اخروی برے اعمال کر کے اچھے بدلے کی اُمید رکھنا طریقۂ کفار ہے۔ یہ فائدہ وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ دالخ سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اردو کی اصطلاح میں اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کو انعام کہنا جائز نہیں اس لیے کہ انعام ہماری اصطلاح میں کامیاب شخص کو دیا جاتا ہے اور کامیاب آدمی اس انعام کا مستحق و حقدار ہوتا ہے۔ حالانکہ کوئی بندہ

اللہ تعالیٰ کی کسی نعمت کا حقدار کسی بھی عمل کی وجہ سے نہیں بن سکتا۔ بندوں کو جو بھی نعمتیں رب تعالیٰ کی طرف سے مل رہی ہیں وہ رب کریم کا فضل و کرم و عطیہ ہے نہ کہ استحقاق۔ کسی نعمت کو اپنا حق سمجھنا طریقۂ کفر و گناہ ہے یہ مسئلہ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا (الخ) کے ذکرو بیان سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ قانون شریعت کے مطابق پیداوار اور پھل اسی کو کہا جاتا ہے جو باخیریت مکمل پختہ اور صحیح قابلِ استعمال ہو کر درخت یا کھیتی سے اتر آئے اور اُس وقت اس پیداوار کی تجارت قیمت خرید و فروخت شرعاً جائز ہے۔ جب تک پیداوار پختہ و قابلِ استعمال نہ ہو۔ اس وقت تک نہ اس کو مال کہا جائے گا نہ شرعاً اس کی تجارت و قیمت وصول کرنا جائز ہے ایسی بیع ترامنع ہے۔ یہی مذہب امام اعظم کا ہے۔ یہ مسئلہ اٰتَتْ اُكُلَهَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے باغ کی پیداوار کو اُکل فرمایا یعنی اصل پیداوار مال اس وقت ہو گا جب کہ وہ اُکل یعنی کھانے استعمال کرنے کے لائق ہو جائے کچے بور اور ناپختہ حالت میں جھڑ جانے کے خطرے سے باہر ہو جائے۔ تیسرا مسئلہ۔ جس کی زمین میں درخت ہوں ان درختوں کا مالک زمین والا ہوتا ہے اگرچہ زمین کو خریدتے وقت درختوں کا نام خریداری میں شامل نہ کیا ہو اور ان درختوں کے پھل پھول پتے شاخیں اور لکڑی اسی زمین خریدنے والے کی ملکیت ہوں گے یہ مسئلہ وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ (الخ) کی ایک تفسیر عالمانہ سے مستنبط ہوا۔ یہ حکم کھیتی کا نہیں ہے۔ زمین کی خریداری میں کھیتی شامل نہیں ہوگی اس لیے کہ جب اس شخص نے وہ باغ والی زمین اور کھیتی خریدی ہو گی تو درخت کافی زمانہ پہلے ہی لگے ہوں گے یقیناً۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَمَا اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً جس سے ثابت ہوا کہ یہ شخص اُن کفار میں سے تھا جو منکرِ قیامت ہیں۔ لیکن پھر فرمایا گیا کہ اس نے کہا وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ۔ (الخ)، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ قیامت جنت اور جزا سزا کو مانتا تھا یہ تعارض کیسا ہے۔ **جواب**۔ اس کا مختصر جواب ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا ہے کہ وہ حقیقتاً قیامت کا قائل نہ تھا یہ کلام اُس نے فرضاً یعنی فرضِ محال کے طریقے پر بولا ہے اور نسبت کی ہے اپنے مومن ساتھی کی طرف کہ تو جو قیامت قیامت ہر وقت کرتا رہتا ہے۔ اگر ایسا ہو بھی تب بھی میں ہی وہاں تجھ سے افضل و اعلیٰ و اعزّ و اکثر ہوؤں گا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ کافر نے کہا مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا یعنی میں گمان نہیں کرتا کہ یہ باغات کبھی ہلاک ہوں۔ حالانکہ وہ تو قیامت کے نہ ہونے کا یقین کرتا تھا پھر گمان و وہم کا لفظ کیوں ارشاد فرمایا گیا۔ **جواب**۔ اس کا جواب تفسیر کبیر نے یہ دیا ہے کہ قولِ قیامت کا انکار نہیں نہ وہ قیامت تک ان درختوں کے رہنے کا قائل تھا بلکہ یہاں اپنے استحقاق کا ذکر کرتے ہوئے یا اپنی محنت حفاظت چوکیداری کا تذکرہ کر رہا ہے کہ چونکہ یہ سب کچھ میری اپنی عقل اور محنت حفاظت سے مجھ کو ملا ہے نہ کہ اللہ کی طرف سے لہٰذا یہ چیزیں میری عقل

و محنت سے ہی قائم و بہار آور سرسبز و شاداب ہیں اور میری ساری زندگی میرے ساتھ رہے گی اس کو کوئی ہلاک نہیں کرسکتا پھر مجھے تمہارے اللہ سے ڈرنے اور اس کا شکریہ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں قیامت ہی کا انکار ہے مگر ظن بمعنی یقین ہے اور وہ اپنی حماقت سے یہ کہہ رہا ہے کہ یہ باغ تاقیامت رہے گا حالانکہ سمجھ دار کفار بھی جانتے ہیں کہ درختوں کی اتنی عمر نہیں ہوتی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا جَنَّتَیْنِ یعنی دو باغ پھر فرمایا گیا دَخَلَ جَنَّتَهٗ۔ جس سے ثابت ہوا کہ ایک باغ ہی تھا۔ اس کی کیا وجہ؟

جواب۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ علاقہ اور زمین ایک ہی تھی جس پر باغ تھا۔ اس کے اعتبار سے جَنَّتَهٗ واحد فرمایا گیا۔ لیکن بیچ میں نہر سے وہ باغ آدھا دو حصوں میں تقسیم ہو گیا تھا اور اس کی حفاظت پانی کی باری دیکھ بھال کے اعتبار سے دو باغ سمجھے اور گنے جاتے تھے اس لحاظ سے جَنَّتَیْنِ فرمایا گیا یعنی جَنَّتَیْنِ فرما کر اس کے تقسیم کی طرف اشارہ ہے اور جَنَّتَهٗ فرما کر اس کا محلِ وقوع و علاقہ بتایا گیا ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ اگرچہ اس کے دو باغ تھے مگر دخول تو ایک وقت میں ایک ہی باغ میں ہو سکتا ہے۔ لہٰذا جَنَّتَیْنِ میں ملکیت کا ذکر ہے اور جَنَّتَهٗ فرمانے میں دخول کا۔ اکثر مفسرین نے یہ بھی جواب دیا ہے کہ جَنَّتَیْنِ فرما کر دنیا کی ملکیت کا ذکر کیا گیا اور جَنَّتَهٗ فرما کر آخرت کے بدلے کی نفی فرمائی گئی کہ بس اس کا یہ دنیا میں ایک باغ ہے جس پر اتنا غرور ہے آخرت میں جو باغ مسلمانوں کو ملیں گے اس سے یہ محروم ہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِّنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا وَّكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا۔ اس عالم ناسوت میں کافر نفس کے خواہشات اور دولتِ دنیوی کے دو باغ ہیں ایک انگورِ شہوانی اور انگورِ شہوت ہے اور دوسرا حبِ دنیا کا ہے۔ یہ دونوں باغ ثمراتِ جہالت اور ماکولاتِ حماقت کے پورے پورے پھل دے کر غفلتِ مستی سے شاداب ہوئے اعمالِ خبیثہ کی کھیتیاں بھی خوب تر و تازہ ہو کر ابھریں۔ اعضاءِ بشریہ کی نہرِ عملیات سے خوب سیرابی ہوئی۔ نفسِ پُر غرور کو کسی سرکشی کی کمی نہ رہی حواسِ خمسہ کی ہر ہر شاخ سے قسم قسم کی شہوتوں کے پھل پیدا ہوئے تو کہا نفس کفر نے اپنے قریبی جسم کے ساتھی قلبِ مسکین سے حالانکہ اکثر ہی یہ نفسِ لعین خیالات و وساوس کے پُر فریب جملے اور تصوراتِ باطلہ کے وسوسے اس قلبِ قریبی پر ڈالتا ہی رہتا ہے۔ کہ میں قالبِ حیوانی کا لشکر کش تجھ جیسے ناکارہ و مسکین قلب سے میلانِ طبعی کی دولت اور حبِ دنیا کے مال میں کہیں زیادہ ہوں اور علاقۂ نفسانیہ میں اوصافِ مذمومہ کے اجتماعِ کثیر سے شوکتِ ظاہری میں تجھ سے کہیں زیادہ مشہور و معروف ہوں یہ شور و شغف یہ موج و طرب یہ سیاست و امارت یہ فتنۂ ہوش رُبائی سب میرے ہی دم سے ہے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ارشاد پاک ہے کہ وساوسِ شیطانی اور خیالاتِ نفسانی

سے اس دنیا میں وہی محفوظ رہ سکتا ہے جس نے بہت اہتمام اور فکر سے میری سنّت کو زندہ کیا۔ وہ دنیا کی جنتوں سے اور باغوں بہاروں سے اگرچہ محروم رہے مگر ابدی جنتِ اُخروی سے بہرہ ور ہو گا۔ اس لیے کہ طریقۂ مصطفےٰ کو زندہ کرنا اپنانا اور قوم و برادری و اہلِ خانہ میں جاری و نافذ کرنا۔ محبتِ نبی اکرم کی نشانی ہے اور یہ نشانی ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ اس جہانِ فانی میں ایک مسلمان کے لیے لذّت کے پھل سوائے الفاظِ قرآن اور تلاوتِ فرقان کے کیا ہو سکتے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں وہی لوگ ہدایت کی نہروں سے چمنِ اعمال کی کھیتیوں کو سیراب کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرتے ہیں۔ اے حق پرستو اللہ کی دعوت کو قبول کرو۔ اپنے باطن سے اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو قبول کرو اپنے ظاہر سے اس لیے کہ حیاتِ نفوس اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور قلوب کی حیات مشاہدۂ غیب سے ہے۔ یعنی گناہ کے ارتکاب میں اللہ رسول سے شرم کی جائے۔ باری تعالیٰ کی طرف سے بندوں کو تمام دعوتیں رسول اللہ کی زبان سے حاصل ہو رہی ہیں اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب بڑھنا ہی اللہ تعالیٰ کی دعوت کو قبول کرنا ہے۔ بس یوں سمجھو کہ آستانۂ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم دعوت خانۂ الٰہیہ ہے۔ اس لیے اتباعِ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم محبتِ الٰہی کی علامت ہے۔ وَدَخَلَ جَنَّتَهٗ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ قَالَ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا ۙ وَّمَآ اَظُنُّ السَّاعَةَ قَآئِمَةً وَّلَئِنْ رُّدِدْتُّ اِلٰى رَبِّىْ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا اور نفس کفر و کفران اپنے خواہشاتِ شہوانیہ کے باغِ میلانی میں جب بھی کبھی داخل ہوتا ہے تو وہ اپنی ہی قوتِ نفسانیہ پر ظلم انکار کرتا ہے کیونکہ اُس کی ہر سوچ ہر فکر ہی باعث نقصان ہی کی ہے۔ یہ تو آخرت سنوارنے کے لیے بنائی گئی۔ مگر نفسِ امارہ کے بندے بدکار دنیا کو خواہش پرستی میں خرچ کر کے ظلم کثیر کر لیتے ہیں۔ اور وسواسِ ابلیس سے بہک کر کہتے ہیں کہ ہم تصوّر بھی نہیں کرتے کہ یہ عیش و عشرت۔ لذّت و طرب کے باغات کبھی بھی فنا و ہلاک ہو سکیں۔ قلب عرب کے ڈرا دے محض کہ یہ سامانی ہے۔ اور قلعۂ ابدان کی مضبوط چار دیواری پر کبھی بھی قیامت بربادی قائم نہیں ہو سکتی۔ اس کا گمان بھی نہیں کر سکتے اور کبھی بھی تنگیِ حساب کی قبر میں جانا نہیں ہو سکتا۔ اور البتہ اگر فرضاً قالبِ ظاہری کو فنا و تغیّر و تبدّل ہوا بھی تو اپنے خالق اور مالک رب کی طرف سے انہی لذتوں خواہشوں کے شہوانی باغ اس سے بھی کثیر پائیں گے۔ اے قلب بے عقل تو جن حرکات کو غرور دھوکہ سمجھ رہا ہے وہ تو بڑائی اور تکبر کا مقامِ اعلیٰ ہے یہ انقلاب ہستی بھی نفس و نفسانیت کے لیے بہتر ہی ہو گی۔ دنیا کافر کے لیے جنت ہے مگر مومن کے لیے اُجاڑ بیابان مومن کا چمن سدا بہاری تو فقط سنتِ مصطفےٰ کی پابندیاں ہیں۔ جو لوگ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و طریقوں سے عشق لگاتا ہے اور پوری عقل و خرد و زندگی اسی فکر میں گزارتا ہے وہی باغوں والا ہے اور حقیقی گلشن اسی کا کھلا ہوا ہے۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے قالبِ جسدی کے ساتھی نفس کی خباثتوں سے دامنِ عباداتِ سرکار میں پناہ لیتے

ہیں اور مقام تصوّف کو حاصل کر کے صوفی و مسکین بنتے ہیں۔ اور جو بد نصیب و بد بخت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا بیٹھے ہیں نہ شرم نبی ہے نہ خوف خدا ہے۔ وَهُوَ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ وہ ہی شخص اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہے۔ عارفین فرماتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں کہ اسی قسم کی بد خصلتیں صرف کافر کی ہوں ہر غافل دنیا اور دنیوی تجارتوں کاروباروں میں مبتلا اور پھنسا ہوا بھی عقیدے سے نہ سہی مگر عمل سے یہ ہی سمجھتا ہے کہ مَآ اَظُنُّ اَنْ تَبِيْدَ هٰذِهٖٓ اَبَدًا یہ تجارت دکانداری ہمیشہ رہے گی۔ ان ہی اَفعالِ بد اور اَشغالِ غفلت کو مقصد زندگی سمجھتا ہے۔ دنیا پرست اپنے تمام کام دنیا سے بیتا ہے۔ مگر عارف باللہ اپنے اعمال اللہ تعالیٰ سے حاصل کرتا ہے۔ اور اُن ہی اعمال کے ساتھ بارگاہ قدس میں پیش ہوتا ہے اور وَلَئِنْ رُّدِدْتُّ کا یقین کامل عارف کو ہی ہوتا ہے اے بندے اگر تو لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا کا طالب حقیقی ہے تو پھر اُن کا دامن تھام لے جن کا محمد نام ہے۔ اور اگر تو کسی کو حدود شریعت سے باہر۔ حقیقت سے جاہل طریقت سے غیر متوجّہ نمازوں سے دور پاتا ہے کہ وہ قرآن مجید کی تلاوت سے سر و در روزوں سے مسحور نہیں ہوتا مقامات مکروہ و حرام سے گھبراتا نہیں تو اُس کا ساتھ چھوڑ دے اس کے باطل دعوے اور ظاہری سج دھج پر نظر نہ ڈال غافل کے دل میں چار دعوے ہوتے ہیں پہلا یہ کہ یہ حالات کبھی ختم نہ ہونگے دوم یہ کہ حساب کا دن کبھی نہ ہوگا سوم یہ کہ میری شان ہر جگہ قائم ہے چہارم یہ کہ میں ہر جگہ بھلائی ہی پاؤں گا۔ یہ بدگمانیاں ہی پھر اُس کو رسوا اور ذلیل کرتی ہیں۔

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ

کہا اس کو اُس کے غریب ساتھی نے اور وہ اکثر اس سے گفتگو کرتا رہتا تھا کیا تو ۔ نے

اس کے ساتھی نے اس سے اُلٹ پھیر کرتے ہوئے جواب دیا کیا تو اُس کے ساتھ کفر کرتا ہے

بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

اُس ذات کریم کا کفر کر دیا جس نے تجھ کو پیدا کیا ابتداءً مٹی سے پھر نطفے سے پھر

جس نے تجھے مٹی سے بنایا پھر نتھرے پانی کی بوند سے پھیر تجھے

سَوّٰىكَ رَجُلًا ﴿۳۷﴾ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ

خوبصورت مرد بنایا۔ لیکن ہم کہا ہیں وہی اللہ ہی تو ہے جو ابدی پالنے والا ہے اور میں

ٹھیک مرد کیا لیکن میں تو یہی کہتا ہوں کہ وہ اللہ ہی میرا رب ہے اور میں کسی کو اپنے رب کا

بِرَبِّيْۤ اَحَدًا ﴿۳۸﴾ وَلَوْلَاۤ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ

نہیں شریک بناتا اپنے رب کا کسی کو اور تو نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب تو اپنے باغوں میں داخل ہوا تو کہتا

شریک نہیں کرتا ہوں اور کیوں نہ ہوا کہ جب تو اپنے باغ میں گیا تو کہا ہوتا

مَا شَآءَ اللّٰهُ ۙ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ ۚ اِنْ تَرَنِ اَنَا

ماشاء اللہ نہیں ہے قوت مگر اللہ کی اگر تو نے مجھ کو اپنے سے

جو چاہے اللہ ہمیں کچھ زور نہیں مگر اللہ کی مدد کا اگر تو مجھے اپنے سے

اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۳۹﴾

کم دیکھا مال اور اولاد میں

مال اولاد میں کم دیکھتا ہے

تعلق ان آیتِ پاک کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ایک کہانی کا ذکر ہوا تھا جس میں نیک و بد دو آدمیوں کا ذکر تھا اب ان آیت میں ان کی آپس کی گفتگو کا بیان ہے جس سے شکر گزاری اور ناشکری ظاہر ہوئی۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں امیروں کی عادتوں دنیا پرست دولت مندوں کی خود پسندی ناشکری اکڑ بازی متکبرانہ باتوں اور برے اعمال کا ذکر ہوا اب ان آیت پاک میں انسانوں کو سچے اور صحیح طریقے اور کامیابی کے راستے سمجھائے جارہے ہیں۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں دنیاداروں کا فانی دنیا پر بھروسہ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں بقاءِ زندگی اور ابدی حیاتِ طیبہ کے اصول سمجھائے جارہے ہیں۔

تفسیر نحوی

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗۤ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۔ لٰكِنَّا۠

هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَاۤ اُشْرِكُ بِرَبِّيْۤ اَحَدًا قَالَ فعل ماضی ۔ لام جارہ متعدی بنانے والا ۔ ہ ضمیر کا مرجع باغوں والا یہ جار مجرور مفعول بہ کے درجے میں ہے ترجمہ ہے اُس کو متعلق ہے ۔ قَالَ کا صَاحِبُهٗ یعنی اُس کے ساتھی نے یہ مرکب اضافی فاعل ہے قَالَ کا واؤ هُوَ مبتدا بجا اور ۔ باب مُفَاعَلَةٌ کا مضارع مثبت معروف هُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے ۔ صاحِبُ ہ ضمیر منصوب متصل واحد غائب اس کا مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر هُوَ کی خبر دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے قَالَ کے فاعل هُوَ مستتر کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ أ ہمزہ سوال انکاری کے لیے اظہار نفرت کے لیے ۔ كَفَرْتَ فعل ماضی مطلق اَنْتَ ضمیر مذکر حاضر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب كُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی کفر کرنا ۔ شرک کرنا ۔ ناشکری کرنا ۔ منکر ہونا یہاں پہلے معنی مناسب ہیں ۔ ب جارہ تعدیہ کی اَلَّذِیْ ۔ اسم موصول واحد مذکر مراد ہے باری تعالیٰ ۔ خَلَقَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق هُوَ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اَلَّذِیْ ۔ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر اس کا مرجع وہ ہی باغ والا منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے خَلَقَ کا خَلْقٌ ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے ۔ مِنْ حرفِ جر سببیہ اضافت بنیہ کے لیے ۔ تُرَابٍ اسم مفرد جامد بمعنی عام مٹی خاک دھول ۔ یہ جار مجرور معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ تراخی یعنی دیری کے لیے مِنْ حرفِ الصاقی سببیہ نُّطْفَةٍ اسم مفرد جامد بمعنی مادہ منویہ یہ جار مجرور معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ سَوّٰی باب تفعیل کا ماضی مطلق سَوِیٌّ ناقص یائی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے ۔ تَسْوِيَةٌ بمعنی برابر کرنا ۔ درست کرنا ۔ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل میز ہے ۔ رَجُلًا ۔ اسم مفرد جامد بمعنی مرد حالت نصب ہے کیونکہ تمیز ہے ۔ یہ میز تمیز مل کر مفعول بہ ہے سَوّٰی فعل کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے كَفَرْتَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ اوّل ہوا قَالَ کا ۔ لٰكِنَّا ۔ دو لفظ ہیں لٰكِنْ حرفِ مشبہ بالفعل استدراک کے لیے یعنی غلط بات کے بعد صحیح بتانے کے لیے نَا ضمیر جمع متکلم ایک قول ہے کرنا در اصل اَنَا تھا ضمیر واحد متکلم ہمزہ کو نون سے بدل کر دونوں نون میں ادغام کر دیا گیا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ یہ اسم ہے لٰكِنَّ کا اس کی خبر میں دو قول ہیں ایک یہاں اَقُوْلُ جملہ فعلیہ قولیہ پوشیدہ ہے یہ جملہ خبر ہے لٰكِنَّ کی دوسرے یہاں لَسْنَا بِشَيْءٍ جملہ فعلیہ ناقصہ پوشیدہ ہے یعنی ہم کیا چیز ہیں ۔ ہماری حیثیت ہی کیا ہے ہم تو کچھ بھی نہیں ۔ لٰكِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا ۔ هُوَ ۔ ضمیر مبتدا ۔ اللّٰهُ مفسر ہے هُوَ کا یہ دونوں مفسَّر مفسِّر مل کر مبتدا ہوا ۔ رَبِّيْ بمعنی میرا رب یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَاۤ اُشْرِكُ ۔ باب افعال کا فعل حال منفی اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع صَاحِبُ ۔ ب جارہ تعدیہ کی رَبِّيْ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَاۤ اُشْرِكُ فعل کا اَحَدًا اسم عددی معرب نکرہ ہے بمعنی ایک تنوین تنکیری سے ترجمہ ہو گیا ۔ کسی بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے لَاۤ اُشْرِكُ کا

یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے سب معطف مل کر مقولہ دوم ہوا قَالَ کا۔ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا۔ واؤ ابتدائیہ۔ لَوْلَآ۔ حرفِ تحضیض۔ تین طرح مستعمل ہے یہ برائے توبیخ یعنی جھڑک۔ نصیحت دینے برائی سے روکنے کے لیے۔ غلطی پر آگاہ کرنے کے لیے یہ جب ہے کہ ماضی مطلق حاضر کے صیغوں پر داخل ہو۔ ۲ جب ماضی مطلق غائب کے صیغوں پر داخل ہو تو تعجب کے لیے ہے ۳ اور جب مضارع پر داخل ہو تو ترغیب کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں توبیخ اور جھڑک کے لیے ہے اِذْ ظرفِ زمانی کے لیے ہے دَخَلْتَ۔ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر اس میں حاضر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ مرجع وہی دولت مند آدمی جنت اسم مفرد جامد یعنی چار دیواری میں پوشیدہ خوبصورت باغ۔ کَ۔ ضمیر مخاطبہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے دَخَلْتَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر ظرفِ مقدم ہے۔ قُلْتَ کا۔ قُلْتَ فعل ماضی واحد مذکر اَنْتَ مستتر اس کا فاعل۔ مَا موصول۔ شَآءَ فعل ماضی شَیْئٌ سے مشتق ہے یعنی چاہنا اللّٰہ۔ اسم مفرد جامد اسم ذاتی ہے خالق سُبْحَانَہٗ وتعالیٰ کا۔ مرفوع ہے شَآءَ کا فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر ھٰذَا پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے وہ جملہ اسمیہ ہو کر قُلْتَ کا مقولہ اوّل ہوا۔ لَا نفی جنس کا قُوَّۃَ اسم مفرد جامد مونث لفظی لَا کا اسم ہے اِلَّا حرف استثنا متصل مفرّغ۔ ایک قول میں غیر مفرّغ ہے۔ بِاللّٰہِ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا ثَابِتٌ پوشیدہ پورا استثنا مل کر خبر ہے لَا نفی جنس کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہے قُلْتَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جزا مقدم اِنْ حرفِ شرط تَرَ۔ باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر مستتر فاعل ہے جس کا مرجع باغ والا۔ رَآی سے بنا ہے مہموز العین اور ناقص یائی یعنی دیکھنا یہ متعدی بدو مفعول ہے۔ نِ۔ دراصل تھا۔ نِیْ۔ نون وقایہ، یْ۔ ضمیر واحد متکلم۔ یعنی مجھ کو۔ اَنَا۔ ضمیر واحد متکلم منصوب منفصل یہ دوبارہ آگئی صرف ضمیر متصل یْ کی تاکید کے لیے۔ یہ دونوں تاکید و موکد مل کر پہلا مفعول ہے ہوا تَرَ کا۔ اَقَلَّ۔ اسم تفضیل مذکر قِلَّۃٌ مصدر ثلاثی سے بنا ہے یعنی کمی۔ تھوڑا ہونا۔ اسی سے قَلِیْلٌ ترجمہ ہے کمی والا بجالتِ فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے تَرَ کا مِنْكَ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تَرَ کا مَالًا۔ اسم مفرد جامد یعنی دولت دنیا۔ واؤ عاطفہ وَلَدًا۔ اسم جامد لفظاً واحد ہے۔ معنیً جنسی جمع ہے یعنی اولاد۔ مذکر مونث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ یہ دونوں عطف مل کر تمیز ہے اَقَلَّ کا یا مفعول فیہ ہے تَرَ کا یہ سب مل کر شرط موخر ہوئی شرط و جزا مل کر مقولہ سوم ہوا قَالَ لَهٗ کا۔ قَالَ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا ۝ لٰكِنَّا۠ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۝ اپنے متکبر اور مغرور بھائی قطروس کی ساری باتیں سن کر اور اس کے

سرسبز و شاداب باغ پھل کھیتیاں دیکھ کر کہا اُس کو اس کے غریب فقیر مومن مخلص مسکین عقل و علم والے ساتھی اور سگے بھائی نے جس کے پاس نہ باغات تھے نہ کھیتیاں نہ جاہ و حشم نہ نوکر چاکر نہ لونڈی غلام نہ بیوی نہ بچے نہ جوان بیٹوں کا معاون گروہ نہ سونا چاندی نہ گھوڑے جوڑے نہ دنیوی دولت نہ عیش و آرام۔ نہ برادری معاشرے کی دنیوی عزت و عظمت مگر ایمان و اعمال کی دولت صبر و شکر کی راحت نور عرفانی کی عظمت عقل و بصیرت کی نعمت سے بریز اور جام عشقِ الٰہی سے بھرپور تھا ایمانی تمکنت روحانی دلیری سے مزیّن اور وہ صاحب دل اسی بنا پر بلا خوف و خطر نڈر بلا جھجک ہو کر اُس کی احمقانہ مغرورانہ باتوں کو ٹھکراتے اور جھٹلاتے ہوئے نہایت مہذّب انداز میں اُس سے اکثر اوقات مکالمہ مناظرہ بحث مباحثہ اور سمجھانا بجھاتا اور راہ راست کی طرف بلاتا ہی رہتا تھا کہ کیا تو نے اتنی صحت تندرستی جوانی خوبصورتی اور عقل دماغ مضبوط اعضا ہاتھ پیر پاتے کے باوجود اپنے اُس رحیم کریم مالک خالق رازق اللہ معبود کا کفر و انکار کر دیا جس ذات بابرکات نے تجھ کو اور تجھ جیسے تمام آدمیوں کو اور تیری اگلی پچھلی اصل و نسل کو مٹی سے پیدا کیا اس طرح کہ مٹی سے دانہ۔ دانے سے پودا پودے سے غذا۔ غذا سے خوراک۔ خوراک سے عرق۔ عرق سے خون۔ خون سے بلغم۔ بلغم سے مرد کے ریڑھ و پشت میں اور عورت کے سینے میں نطفہ۔ پھر نطفے سے تجھ کو نیست سے ہست۔ عدم سے وجود۔ فنا سے بقا۔ باطن سے ظاہر عالم ارواح سے عالم اجسام میں کتنی ہی عظمتوں عزتوں دولتوں خوبصورتیوں کے ساتھ پیدا فرما دیا اور اس طرح بھی کہ زمین سے مٹی مٹی سے حضرت آدم اور آدم علیہ السّلام سے اُن کی نسل اولاد اور بیوی بچے پھر اُن سے نسلِ آدمیت پھر آدمیت سے تیرا پردادا۔ پھر اُس سے تیرا دادا اور دادے سے تیرا باپ والد۔ اس میں تیرا نطفہ۔ پھر نطفے سے تیرا لوتھڑا۔ اور لوتھڑے سے تیرا مکمل جسم اور جسم میں ظاہری باطنی اعضاء و حواس۔ پھر تیری والدہ کے بطن سے تجھ کو پرورش فرما کر پھر تیری ولادت و پیدائش فرمائی پھر تجھ کو بچپن طفلگی شیر خوارگی نابالغی کمزوری بے بسی بے کسی محتاجی بے عقلی ناسمجھی کی تمام کٹھن منزلوں سے گزار کر۔ قد کاٹھ۔ جوانی۔ طاقت۔ قوت۔ ہنر و فکر کی نعمتوں کے ساتھ برابر فرماتے ہوئے عالی شان مضبوط مرد بنایا۔ نہ عورت بنایا نہ خسرا۔ نہ جانور بنایا نہ نباتات۔ نہ جمادات۔ نہ گونگا۔ لنگڑا۔ بیمار اپاہج۔ یہ تو اُس ذاتِ باری تعالیٰ کے افعالِ رحیمانہ و انعامِ کریمانہ تجھ پر ہوتے رہے۔ مگر اے میرے ساتھی تو نے کیا کیا؟ اپنی زندگی صحت تندرستی جوانی۔ اور اپنے دن رات صبح شام سے کیا حاصل کیا۔ تو نے تو کفر ناشکری غرور و تکبّر ریاکاری ہی کے اعمال کئے۔ تو نے قیامت و حشر و نشر سزا و جزا کا انکار کیا یہ بھی شرک کرنا ہے اس لیے کہ تو نے قیامت برپا کرنے سے اللہ تعالیٰ کو عاجز سمجھا اور حالانکہ عاجزی مخلوق کی صفت ہے تو نے اللہ کو مخلوق کے برابر جانا یہ شرک ہے۔ اور تو نے سمجھا کہ یہ دولت باغات وغیرہ تیری محنت مشقّت۔ ہنر مندی عقل و فکر تدبیر و تدبّر اور حفاظت و چوکیداری اور تیری سیاست و چالاکی اور دانائی و بینائی سے تجھ کو حاصل

ہوئے گویا کہ تیرے خیال میں تو ہی ان چیزوں کو پیدا کرنے والا ہے یہ گمان بھی تیرا شرک ہے۔ اور پھر تو اپنی زندگی اور زندگی کے یہ قیمتی لمحات۔ سانسیں دن رات کی غفلت اور بے جان مٹی پتھر لکڑی لوہے کی مورتی اور بت پرستی میں خرچ کر رہا ہے تیرے یہ سب عقیدے و اعمال شرک ہی شرک ہے اور یہی تیرا کفر و کفران ہے تو نے یہ شرک کفر آوارگی۔ آزاد خیالی غرور و تکبر بداعمالی غفلت شرارت صرف اس لیے اختیار کر لی ہے کہ تو یہ گمان کر بیٹھا ہے کہ نہ قیامت قائم ہوگی نہ سزا جزا ہوگی کوئی پوچھنے پکڑنے والا نہیں ہے بس زندگی دنیوی ساز و سامان بدمستی و خرمستی کے لیے ہے۔ یہ تو تیرے باطل گمان اور بدبختی بدنصیبی بدقسمتی ہے۔ لیکن میں تیری طرح بدعقیدہ و بدنصیب نہیں ہوں بلکہ میں تو بحمدہٖ تعالیٰ مومن موحّد اور اس بات پر کامل یقین و ایمان لانے والا ہوں کہ ھُوَ اللّٰہُ رَبِّی وہ اللہ کریم تبارک و تعالیٰ جلّ سبحانہٗ ہی میرا سچا معبود میرا رب عزّ شانہٗ اور ہر آن مجھ کو پالنے پرورش فرمانے والا ہے وہی غفور رحیم رزّاق و رازق ہے جس نے مجھ کو اور میرے اگلوں پچھلوں کو ہر نعمت سے پالا۔ ازل حادث میں عالم ارواح میں بطنِ مادر میں بچپن جوانی اور آئندہ بڑھاپے و ضعیفی میں قبر و حشر میں۔ دنیا و آخرت میں وہ اللہ تعالیٰ ہی تو فقط میرا رب ہے۔ اور میں تو کبھی بھی اپنے ایسے عظمتوں قدرتوں محبتوں والے رب جلّ شانہٗ کا کسی کو ہرگز ہرگز قطعاً ایک ساعت کے لیے کسی قسم کا کسی چیز میں شریک نہیں بناتا۔ نہ بنا سکتا ہوں نہ میری عقل و فکر سوچ دماغ ہوش و حواس اس بیہودہ بے دینی کی اجازت دیتے ہیں۔ وہ تو کوئی بہت ہی بدعقل کم دماغ ہوتا ہے جو اُس خالق کائنات کا شرک کرتا ہے۔ تو اپنی نفسانی خباثت کی بنا پر اگرچہ یہ بات نہیں مانتا مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ میرا اللہ تیرا بھی رب ہے میرا بھی رب ہے اور ساری کائنات کا رب ہے۔ اس نے تجھ کو ظاہری مجھ کو باطنی۔ تجھ کو جسمانی مجھ کو روحانی تجھ کو فانی مجھ کو باقی تجھ کو ناری مجھ کو نوری۔ تجھ کو دنیوی مجھ کو اُخروی تجھ کو ساز و سامان مجھ کو نور ایمان تجھ کو اس جہان مجھ کو اُس جہان کی نعمتیں دولتیں عزتیں قوتیں شانیں عطا فرمائیں اور یہ سب چیزیں تیرا امتحان ہیں اور میرا عرفان ہیں۔ تجھ کو تو یہ نعمتیں پا کر اور دیکھ کر اُس کی بارگاہ اقدس میں شکر کے سجدے کرنے چاہیے تھے۔ لہٰذا

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا۔

اور ایسا کیوں نہ ہوا۔ یا تو نے ایسا کیوں نہ کیا کہ جب تو کبھی بھی داخل ہوتا یا اب جب کہ میرے ساتھ تو داخل ہوا تھا اپنے اس باغ و بہار کھیت کھلیان اور پھل سبزیوں خوشبوؤں میں اور چار دیواری کے گھر بار میں اور ان کو دیکھ کر تیرے تصورات میں اپنی ساری دولت عزت آل اولاد نوکر چاکر لونڈی غلام اور شان و شوکت پھر گئی تھی تو اُس وقت تو بجائے تکبر غرور نخوت۔ نعرت۔ الاپنا اور شیخی خوری یا چھچھوری باتیں اکڑ کل کھری طعنوں کے۔ تو کہتا اور شکر کرتے ہوئے نیچی نگاہیں کر کے یہ کلمات ادا کرتا کہ یہ جو کچھ بھی میرے پاس میری ملکیت و قبضے میں ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ کا چاہا ہوا ہے اُسی کا فضل اُسی کی عطا

اسی کا کرم اور اسی کی بخشش ہے میری عقل فکر محنت مشقت حفاظت رفاقت۔ تدبیر و سیاست چالاکی و دانائی کا اس میں کچھ دخل عمل نہیں ہے۔ جو مولیٰ تعالیٰ چاہتا ہے وہ ہو جاتا ہے اور جو نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتا۔ جس کو چاہتا ہے بلا استحقاق عطا فرما دیتا ہے اور ڈھیروں عطا کرتا ہے۔ جس کو چاہتا ہے کچھ بھی نہیں دیتا چاہے تو بے ہنر بے عقل کو بلا محنت لاکھوں میں بٹھا دے اور چاہے تو ہزار ہنر والے کو خاک پر لٹا دے جب چاہے دیدے جب چاہے لے لے۔ اس کو کوئی روکنے ٹوکنے۔ امر و نہی کرنے والا نہیں ہے۔ مخلوق میں کسی کے پاس کوئی قوت طاقت نہیں ہے سب طاقتیں قوتیں میرے اللہ کو ہیں یہ تمام نصیحتیں حقیقتیں سن کر دیکھ کر سمجھ کر بھی اگر تو اب بھی مجھ کو جو بھی کچھ میں ہوں اپنے سے یہ سمجھتا اور دیکھتا جانتا ہے کہ میں تجھ سے بہت کم اور حقیر ہوں ظاہری دنیوی مال و دولت اور بیٹوں آل و اولاد میں تو یہ تیری آتنی تنگ نظری کی سوچ ہے مجھ کو نہ غم ہے نہ فکر نہ افسوس نہ پریشانی نہ تنگ دلی۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ کافر اور بد عقیدہ لوگوں سے مناظرہ مکالمہ بحث مباحثہ کرنا اچھا ہے اور کار ثواب ہے۔ بشرطیکہ اپنا علم پہلے مضبوط کر لیا جائے اگرچہ کافر بد عقیدہ اس مکالمے سے درست ہو یا نہ ہو۔ یہ فائدہ وَهُوَ يُحَاوِرُهُ الخ، فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ انسان و حیوانات سب مٹی سے پیدا ہوئے ہیں اگرچہ ظاہراً گوشت پوست ہڈی ہے۔ اسی لیے انسان مر کر مٹی بن جاتا ہے۔ جو مخلوق مٹی سے پیدا نہیں ہوئی وہ مر کر مٹی نہیں بنتی۔ گوشت ہڈی وغیرہ یہ مٹی ہی کی شکل ہے۔ جیسے پتھر لوہا دھات لکڑی بھی مٹی کی ہی ایک شکل ہے۔ یہ فائدہ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیا کی کسی بھی چیز کو بری نظر لگ جانا بالکل برحق ہے۔ ہر چیز کو نظر لگ جاتی ہے خواہ انسان ہو یا جانور حیوانات یا نباتات جمادات۔ اور پھر یہ ضروری نہیں کہ غیر کی نظر ہی لگے بلکہ اپنے پرائے دوست دشمن یہاں تک کہ اپنی چیزوں اپنے جسم کو خود اپنی بھی نظر لگ جاتی ہے۔ اس لیے نظر اتارنے کے ... ور ... مانیں کرنی بالکل جائز و ضروری ہیں۔ یہ فائدہ۔ قُلْتَ مَا شَاءَ اللَّهُ الخ، سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ قیامت حشر نشر قبر کی زندگی کا اور اسلام کے دیگر عقائد حقہ کا انکار کرنا اس لیے بھی کفر ہے کہ حقیقتاً رب تعالیٰ ہی کا انکار ہے۔ یہ مسئلہ اَكَفَرْتَ بِالَّذِي الخ، سے مستنبط ہوا۔ ایک تفسیر کے مطابق یہ بنی اسرائیلی بھائی اللہ کا منکر نہ تھا بلکہ قیامت کا منکر اور قیام قیامت میں شک کرنے والا تھا۔ اس کو اللہ تعالیٰ کا انکار و کفر قرار دیا گیا۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر مومن کو اپنے ایمان کا بلکہ فرضی عبادات کا بھی اعلان کرنا چاہیے۔ ایمان و فرضی عبادتوں کا چھپانا سخت گناہ ہے۔ یہ مساجد اذانیں جمعہ و عیدین و حج پر روانگی کی محافل سب اعلان ہی کی صورتیں ہیں

اور بالکل درست و ضروری ہیں یہ مسئلہ لٰکِنَّا ھُوَاللّٰہُ رَبِّیْ را نغ، فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ جب کوئی مسلمان اپنی کسی چیز کو دیکھ کر خوشی و مسرت محسوس کرے یا کسی چیز کو خوشی سے دیکھے یا کسی سے بیان کرے تو اس کو کلمات طیبات پڑھنے واجب ہیں۔ مَا شَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ تاکہ اُس کے ذہن میں تکبر و غرور پیدا نہ ہو اور شکر کی عادت و عبادت پیدا ہو۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو شخص اپنی کسی چیز کو یہ دیکھ کر پڑھے گا تو اس کی اس چیز کو کبھی نقصان نہ ہوگا۔ یا اُس کے ذریعے و سبب سے اس شخص کا نقصان نہ ہوگا یہ مسئلہ وَلَوْ لَآ اِذْ دَخَلْتَ۔ را نغ، سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ مومن بھائی جس کا نام یہوذا یا بلیخا تھا اس نے کہا۔ وَلَآ اُشْرِکُ بِرَبِّیْٓ اَحَدًا۔ یہاں شرک کا کیوں ذکر کیا کیونکہ کافر ساتھی بھی مشرک نہ تھا شرک تو اس نے بھی کوئی نہ کیا تھا۔ **جواب**۔ مفسرین نے اس کے جواب میں فرمایا ہے کہ کافر اور امیر ساتھی کا یہ کہنا اور سمجھنا کہ یہ میری دولت باغ بغیچہ سب کچھ میری اپنی قوت ہمت سیاست اور دانائی چالاکی کی بنا پر ہے نہ کہ رب تعالیٰ کی عطا سے۔ یہ بھی شرک ہے۔ نیز اس کا قیامت کا انکار اور یہ کہنا کہ یہ کھیت کھلیان کبھی ہلاک نہ ہوں گے یہ اللہ کو عاجز ماننے کے درجہ میں ہے لہٰذا عام بندوں کے ساتھ رب کو بھی عجز میں شریک کرنا ہے اس لیے یہ عقیدہ اور گمان شرک ہوا۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وہ بت پرست تھا۔ لہٰذا اس کے سامنے اپنے شرک کی نفی کرنا بالکل درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنْ تَرَنِ اَنَا جب کہ تَرَنِ۔ میں بھی نِ جو دراصل نِی تھا ضمیر واحد متکلم متصلی یاءِ متکلم آگئی تھی تو پھر۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم منفصل کیوں لائی گئی **جواب**۔ اس کا جواب اَسْئلۃ الرازی میں یہ دیا گیا ہے کہ یہ دوسری ضمیر حصر یا تاکید کے لیے لائی گئی ہے۔ جس کا ترجمہ ہے۔ مجھ کو ہی یا مجھ کو بھی اس لیے یہ دوبارہ لانا ناملین مفید اور درست ہے اس کی اور آیت میں بھی بہت مثالیں موجود ہیں۔ مثلاً اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ ترجمہ۔ بے شک میں ہی تیرا رب ہوں یا مثلاً اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰہُ۔ وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں ثُمَّ سَوّٰىکَ رَجُلًا۔ فرمانے کے بعد لٰکِنَّا کیوں فرمایا گیا حرفِ لٰکِنَّ اور لٰکِنْ تو حرفِ استدراک ہے۔ جو غلطی کے بعد درستی کے لیے آتا ہے۔ یا پہلے کی نفی اور بعد والے کے ثبوت کے لیے یا اُس کے اُلٹ کے لیے سَوّٰىکَ رَجُلًا سے لٰکِنَّا کا تعلق کچھ سمجھ نہیں آتا۔ **جواب**۔ یہاں لٰکِنَّا کا تعلق سَوّٰىکَ رَجُلًا سے نہیں ہے بلکہ اس پورے جملے کے شروع کلام اَکَفَرْتَ بِالَّذِیْ سے ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ تو نے تو اُس خالقِ کائنات کا کفر کیا مگر میں نے ایسا نہیں کیا میں ایسا کافر نہیں ہوں تو غلط ہے میں صحیح ہوں تیری بات قابل نفی ہے۔ میری بات لائق ثبات ہے۔

...

تفسیر صوفیانہ

قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَكَفَرْتَ بِالَّذِيْ خَلَقَكَ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ سَوّٰىكَ رَجُلًا لٰكِنَّا۟ هُوَ اللّٰهُ رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا ۔ عالم کیفیات میں قلب مزکّی نے اپنے قربِ جسمانی کے ساتھی سے کہا حالانکہ قلب فطرت اپنی روشن ضمیری کی باتیں مقامِ رفعت کی نصیحتیں نفسِ خبیثہ کو سناتا ہی رہتا ہے اور قالبِ ناسوتی کو راہِ سعادت کی ہدایت بتاتا ہی رہتا ہے کہ اے نفسِ سرکش تو اپنی زبانِ حالیہ اور لسانِ خفیہ سے اُس ذاتِ وحدت کا کفر و انکار کرتا ہے جس نے تجھ کو عالمِ اسفل کی تراب عجز اور مٹی مسکین سے پیدا کیا۔ تجھ کو قربِ محبت کے رحم میں پالا اور قالب جسمانی میں نطفۂ برتر بنایا پھر تجھ کو قوتِ افکار طاقتِ احساس کی نعمتوں سے برابر کی شخصیتِ بالائی عطا کی۔ مجھ سے زیادہ تیری ماننے والے دنیا میں اور علاقہ جسمانیہ میں موجود ہیں۔ عیش و طرب کا مال غافل کرنے والی دولتیں تیرے پاس زیادہ ہیں ذریتِ ابلیسیہ کے اہل کار تیری نفری میں شامل۔ لیکن میں قلبِ فردیت اکیلا ہی حقائق انوار مشاہدات اسرار پر یقینِ کامل اور ایمانِ مکمل کا مومن ہوں عینِ یقینی سے تسلیم کر لینے والا ہوں کہ خالقِ عالمِ لاہوت و جبروت ہی فقط میرا رب قدرتوں قوتوں والا ہے اور کسی بھی ناسوتی۔ باطل چیز کو اپنے رب کریم جل مجدہٗ کا شریکِ خفی و جلی ظاہری و باطنی بنانے والے نہیں۔ عارفین فرماتے ہیں کہ ہر صبح تمام اعضاء ظاہری زبان سے بصد حسرت عرض کرتے ہیں کہ اے زبان تو درست رہنا تاکہ ہماری خیریت رہے۔ غلطی تو کرتی ہے سزا ہم کو ملتی ہے۔ زبانیں چھ قسم کی ہیں۔ ۱؎ زبانِ وحی۔ ۲؎ زبانِ الہامی ۳؎ زبانِ حال ۴؎ زبانِ قال ۵؎ زبانِ حق ۶؎ زبانِ باطل۔ آج کل بہت سے لوگ ترکِ اعمال کے قائل ہیں یہ بڑی بے باکی ہے۔ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ کمال چار چیزوں سے پیدا ہوتا ہے ۱؎ کم کھانا ۲؎ کم بولنا ۳؎ کم سونا ۴؎ لوگوں سے کم ملنا جلنا۔ ترکِ دنیا یہ نہیں کہ بندہ لباس اتار کر لنگوٹ باندھے یا شہر بستی علاقہ چھوڑ کر جنگلوں ویرانوں میں چلا جائے یہ رہبانیت ہے جس سے احادیثِ مبارکہ میں منع فرمایا گیا ہے۔ بلکہ ترکِ دنیا رہو مصطفیٰ کا نام ہے خوب کھاؤ پیو۔ پہنو اوڑھو۔ جوڑو مگر تمہاری ہر چیز پر ہر طریقے پر نشانِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہو۔ اے بندے کام تیرا ہو اُس پر چھاپہ مصطفیٰ کا ہو۔ یعنی دنیا کی کسی چیز میں دل نہ لگاؤ کماؤ مگر تمام حقوق پر خرچ کرو۔ ظاہر کی نماز جہتِ کعبہ ہے مگر باطن کی نماز جہتِ رُخِ مصطفیٰ ہے سجدہ کرنا ہے تو یوں کر کہ ہو سجدے میں جھکا رخ خدا کے سامنے دل مصطفیٰ کے سامنے پڑے تصوف کا نقشہ محبتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سچی محبت ہے تو پیروی کا ہے جب پیروی ہے تو بدعمل سے دوری ہے۔ جب بدعملی نہیں تو سیاہیِ قلب نہیں ہے۔ اور جب قلب منور ہو تو بندے کو عالمِ عرفانی سے سَوّٰىكَ رَجُلًا کا خطاب ابدی لقب دائمی عطا ہوتا ہے۔ وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَكَ قُلْتَ مَا شَآءَ اللّٰهُ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ

اِنْ تَرَنِ اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّ وَلَدًا ۔ لہٰذا اے بندۂ نفس

تو اس دنیا کے باغ و بہار میں اگر ہر چیز کو طبیعتِ غافلانہ سے بُھلا بیٹھا ہے ہزار ہا عبرت سامانیوں کے مشاہدۂ ظاہری کے باوجود تو بندۂ ارادت کیوں نہیں بنتا اور ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ جب کبھی بھی تو خواہشاتِ حواس کے چمنِ طبیعت میں اور استعدادِ اعمال کے باغوں میں قدمِ ارادہ سے داخل ہو تو زبانِ نیاز اور کلماتِ ذکر و فکر سے یہی کہتا کہ یہ سب بحر و بر پستی و بلندی جنبش و بسط خیر و شر استعداد و توفیق اشرار و انوار وہی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے چاہا۔ سب اُسی مولیٰ تعالیٰ کا حکم ہے۔ بجز اُس پروردگار کے نہ کسی کا حکم ہے نہ قوت نہ طاقت نہ سلطنت نہ بادشاہت تمام قالب وجسم۔ اَبدان و اَرواح میں اُسی ربِ کریم کا اختیار و انفراد ہے یہ سب اُسی کے نام کی بہاریں اُسی کے انعامات کی قطاریں ہیں۔ اے نفسِ کافرہ اگر تو مجھ قلبِ مسکین کو دولتِ ناسوتی اور اولادِ ظلمات میں اپنے سے کمتر سمجھتا ہے تو یہ خیالاتِ فانیہ اور وہمیاتِ عارضیہ اور تصوراتِ باطلہ ہیں۔ انسان کا نفس اپنی تدابیر و تراکیب میں کتنا ہی اونچائی پر پہنچ جائے مگر ریت کے ڈھیر سے زیادہ نہیں۔ اصل دولت معرفتِ الٰہیہ اور خوفِ خدا ہے معرفتِ ربّانی کی صورتِ اصلیہ صرف یہ ہے کہ بندہ اپنی خودی کو اس حسنِ مطلق میں فنا کر دے۔ اس بارگاہِ قدس تک رسائی کا راستہ صرف یہ ہے کہ اپنی بے بسی و عجز کا اظہار کیا جائے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ خوفِ الٰہی کی نشانی یہ ہے کہ ہر شر سے بچے بلکہ اپنے آپ سے بھی ڈرے کیونکہ سب سے بڑا فسادی اور مغرور سرکش خود اس کے اندر چھپا بیٹھا ہے۔ اس کو اپنی ظاہری کیفیات اور تکمیلِ خواہشات پر بڑا ناز ہے۔ بندے کو چاہئے کہ ہمیشہ نفس کے اس مغرور خواہشات کو توڑتا چھوڑتا، مروڑتا رہے۔ اور بارگاہِ سرمدی میں عجز و زاری سے مناجات کرتا رہے کہ اے مولیٰ تعالیٰ مجھ کو اپنی محبت کا ذرہ ہی عطا فرما دے تیری نعمت و رحمت سے آج تک کوئی محروم نہیں رہا اور تیرے فضل سے کوئی مایوس نہیں ہوتا۔ تیری بندگی کا باغ اور تیرے درد کا داغ میرے لیے کافی ہے عارفین صادقین فرماتے ہیں کہ جو دل اس کے دردِ عشق سے لطف لینے والا نہیں وہ نالائق ہے کسی خوشی کے قابل نہیں ہے۔ یہ قالب کا سینہ رحمتِ عالمین کا مقامِ انوار ہے وہ رحمتِ عالمین ہم سب کا بادشاہِ ابدی ہے ہم سب سے متصل ہے وہ لاکھوں پردوں میں ہے پھر بھی عالم کے ذرے ذرے میں آشکارہ ہے اُس کا وجود نور و ظلمت سے قبل ہے۔ کائنات مخلوق میں کسی کی مجال نہیں کہ وہ اس سے شبیت یا ہمسری کا دعویٰ کرے۔ وہ تو سب میں ہے سب اُس سے ہے بندۂ نفس ہی اس سے دور ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ تو لآ۔ صدائے قلب ہے اَز دَخَلْتَ دنیا و مافیہا ہے جَنَّتَكَ خواہشاتِ انسانیہ ہے وَقُلْتَ دعوتِ فکر ہے اور تیاریِ آخرت۔ مَاشَاءَ اللّٰهُ۔ توفیقِ سعادت ہے اور استعدادِ اعمال لَاقُوَّةَ۔ عجز اور ضعفِ مخلوقی ہے کہ یہاں ہی سب زور لوٹ کر نیست و نابود ہو جاتے ہیں اِلَّا بِاللّٰهِ قوتِ حقیقیہ کا سرچشمہ ہے اِنْ تَرَنِ گمانِ نفسِ خبیث ہے اَنَا اَقَلَّ مِنْكَ غرورِ دنیوی ہے مَالًا حواسِ شہوانیہ ہیں۔ وَّوَلَدًا قوتِ فانیہ ہے اِسی کے بل بوتے

پر نفسِ آمارہ اور ابلیسِ مذموم کا ساتھ ہے۔ اور قلب و عقل کی مخالفت کی بنیاد یہی رہی ہے۔ لیکن قلب مسعود کو بچانے والا رب العٰلمین ہے۔

فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ خَيْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ

میرے رب کی قدرت سے قریب ہے کہ لائے میرے لیے تیری جنت سے اچھی جنت اور

تو قریب ہے کہ میرا رب مجھے تیرے باغ سے اچھا دے اور

يُرْسِلَ عَلَيْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ

تیری اس جنتِ فانی پر بھیجدے تھوڑا سا عذاب آسمان کی طرف سے تو صبح کو تو

تیرے باغ پر آسمان سے بجلیاں اتارے تو وہ چٹ پر

صَعِيْدًا زَلَقًا ﴿٤٠﴾ اَوْ يُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ

اس کو ویران مٹی پائے۔ یا اس کا تمام پانی مٹ جائے تو اس کو بیابا

میدان ہو کر رہ جائے یا اُس کا پانی زمین میں دھنس جائے پھر تو

تَسْتَطِيْعَ لَهٗ طَلَبًا ﴿٤١﴾ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ

کرنیکی طاقت ہی نہ پائے اور تباہ کر دیا گیا اُس کی تمام پیداوار کو تو صبح کو

اُسے ہرگز تلاش نہ کر سکے اور اس کے پھل گھیر لیے گئے۔

يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ

اپنی ہتھیلیاں رگڑتا تھا اُس دولت و محنت پر جو اس باغ میں لگائی تھی اور وہ سب پیداوار اوندھی

تو اپنے ہاتھ ملتا رہ گیا اُس لاگت پر جو اس باغ میں خرچ کی تھی اور وہ اپنی ٹٹو ل

عَلٰی عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ

اکھڑی پڑی تھی اور وہ کہتا تھا ہائے کاش میں شریک نہ بناتا

پر گرا ہوا تھا اور کہہ رہا ہے اے کاش میں نے اپنے رب کا کسی کو

بِرَبِّیْۤ اَحَدًا (۴۲) وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ

اپنے رب کا کسی کو اس کا کوئی قبیلہ بھی نہ تھا جو ان حالات میں اس کی مدد کرتے

شریک نہ کیا ہوتا اور اس کے پاس کوئی جماعت نہ تھی کہ اللہ کے سامنے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا (۴۳)ؕ

اللہ کے مقابل اور نہ تھا وہ خود اپنی مدد کرنے کے قابل

اس کی مدد کرتی نہ وہ بدلہ لینے کے قابل تھا

تعلق اِن آیت مبارکہ کا پچھلی آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسانی خلقت کی بے ثبات حقیقت بیان فرمائی گئی تھی اب اِن آیت میں دنیوی چیزوں کی بے ثبات حقیقت بیان فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت پاک میں غلط اور کفریہ عادتوں سے روکا گیا تھا۔ اب ان آیتوں میں غلط باتوں کے نتیجے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت مبارکہ میں نیک لوگوں کی ایک نشانی بیان ہوئی کہ دنیوی اعتبار سے وہ اکثر غریب مسکین ہوتے ہیں۔ اب ان کی دوسری نشانی ان آیتوں میں بیان فرمائی جارہی ہے کہ نیک لوگ باوجود کثیر تکالیف و مصیبتوں کے پھر بھی توکل علی اللہ کا اعلیٰ نمونہ ہوتے ہیں۔

تفسیر نحوی فَعَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا۔ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا۔ فَ تعقیبیہ عسیٰ فعل مقاربہ واحد مذکر غائب ماضی بمعنی مستقبل ربی مرکب اضافی بمعنی میرا رب بحالت رفع ہے فاعل ہے عسیٰ کا اَنْ ناصبہ یُؤْتِیَ باب افعال کا مضارع معروف مثبت اِیتاءٌ مصدر ہے اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی دینا۔ نِ۔ دراصل نی ہے۔ نِ نون وقایہ یعنی اعراب کو بچانے والی۔ یٰ ضمیر متکلم

پوشیدہ کی گئی سہولت و تخفیف کیلئے یُؤْتِیَ، متعدی بدو مفعول ہے۔ اَنْ ناصبہ سے مفتوح ہے۔ اس کا مفعول بہ اوّل ہی پوشیدہ نِیْ ہے اور مفعول دوم خَیْرًا ہے۔ مِنْ جارہ تفاضل کا لغو ہے۔ جنت اسم مفرد جامد جنسی بمعنی رہائشی باغ ت ضمیر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے خیرًا مصدر کی یہ سب شبہ جملہ ہو کر مفعول دوم ہے یُؤْتِیَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ یُرْسِلَ۔ باب افعال کا مضارع معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے رَبِّیْ مصدر ہے ارسال رُسُلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی بھیجنا۔ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے علی جارہ فوقیت کا ھَا ضمیر کا مرجع جنت ہے۔ یُرْسِلَ کا متعلق ہے حُسْبَانًا بروزن فُعْلَانٌ غُفْرَانٌ بُطْلَانٌ مصدر ہے بمعنی اندازہ لگانا حسبٌ سے بنا ہے الف نون زائد وصل کا ہے اسی سے ہے حسابٌ ایک قول میں اسم جامد جنسی ہے بمعنی اندازہ۔ اس صورت میں یہ حاصل مصدر ہوا۔ یہاں مراد ہے اندازے کا عذاب یعنی جو صرف باغ کو جلانے تباہ کرنے کے لیے کافی ہو۔ اس ہی اعتبار سے یہ بہت جامع مانع لفظ ہے ایک قول میں یہ جمع ہے حساب کی یا حُسْبَانَۃٌ کی مفتوح ہے بوجہ مفعول بہ یُرْسِلَ کا مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے بمعنی طرف سے۔ اَلسَّمَاءِ۔ الف لام عہدی سماء اسم مفرد جامد بمعنی بلندی یا آسمان یہ جار مجرور متعلق ہے یُرْسِلَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ ف سببیہ تُصْبِحَ باب افعال سے فعل ناقصہ مضارع واحد مؤنث غائب یا واحد مذکر حاضر اس لیے اس میں یا ھِیَ مؤنث غائب کی ضمیر ہے یا اَنْتَ ضمیر حاضر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ اِصْبَاحٌ اس کا مصدر ہے۔ صُبْحٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے صبح کو ہونا یا فقط ہونا فجر صادق سے پہلے کا وقت صبح کاذب ہے اس سے پہلے۔ بل فجر صادق کے بعد طلوع آفتاب تک سحر۔ طلوع آفتاب سے ڈیڑھ گھنٹہ یعنی بائیس ڈگری تک صبح ہوتی ہے پھر دوپہر شروع شریعت میں دوپہر کے تین حصے ہوتے ہیں (۱) اشراق (۲) چاشت (۳) نصف النہار۔ اگر ھِیَ ضمیر پوشیدہ ہو تو مرجع باغ ہے اگر اَنْتَ پوشیدہ ہو تو مرجع باغ والا ہے۔ پہلی صورت میں اگلی عبارت صَعِیْدًا زَلَقًا ھِیَ مستتر کا حال ہو کر خبر ہے فعل ناقصہ تُصْبِحَ کا دوسری صورت میں خبر مفعول بہ کے درجہ میں ہے صَعِیْدًا۔ بروزن بعیدًا، قریبًا مصدر صُعُوْدٌ سے بنا ہے بمعنی صاف زمین، چٹیل میدان۔ پکی کھنکتی ہوئی مٹی کہ نہ سبزہ رہے نہ بوٹی کے موصوف ہے زَلَقًا حاصل مصدر بنجر زمین۔ پھسلنی جگہ۔ ویران اُجاڑ۔ صفت ہے صَعِیْدًا کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے تُصْبِحَ ناقصہ کی وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوا۔ معطوف علیہ اَوْ حرف عطف تخییری یُصْبِحَ فعل مضارع ناقصہ۔ مَاءُ اسم مفرد جامد ترجمہ ہے پانی ھَا ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع جنت یہ مرکب اضافی اسم ہے۔ یُصْبِحَ ناقصہ کا وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ یُصْبِحَ کا۔ غَوْرًا۔ اجوف واوی مصدر ثلاثی ہے بمعنی غائر اسم فاعل ترجمہ ہے۔ چھپنے والا ناپید ہونے والا گہرے والا اسی سے ہے غور و فکر یعنی پریشان خیالات بکھرے حالات مراد ہے زمین میں دھنسا زمین کا پانی چوس لینا یہاں ہر معنی درست ہے کیونکہ پانی بادل سے بھی آتا ہے اور سمندر کے اندر سے بھی۔ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ دوڑ

طرف نیچے اوپر سے پانی رک جائے۔ ایک قرأت میں ذاغور ہے ذااضافت غور مضاف الیہ بمعنی دھنسنے والا ہر صورت مفتوح ہے بوجہ خبر ہونے کے۔ یہاں یُصْبِحَ بمعنی صار ہے یعنی اس طرح تبدیلی ہو جائے۔ یہ فعل ناقصہ اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ لَنْ تَسْتَطِیْعَ فعل نفی تاکید بلَنْ معروف مستقبل باب استفعال مصدر ہے اِسْتِطَاعٌ۔ اِسْتِطْوَاعٌ تعلیل ہو کر یا اِسْتِطَاقَۃٌ ہے۔ بمعنی طاقت طوعٌ سے بنا ہے اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر اس میں پوشیدہ ہے۔ مرجع ہے باغ والا طَوْعٌ کے معنی ہمت طاقت خوشی اپسندیدگی۔ حرف جار لام ہٗ ضمیر کا مرجع ماءٌ طَلَبًا اسم مصدر بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے۔ بمعنی تلاش کرنا یہ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا یُصْبِحَ کا یہ دونوں عطف مکر معطوف ہوا تُصْبِحَ کا وہ سب مل کر یُرْسِلَ پر عطف ہو کر معطوف ہوا یُؤْتِیَ کا یہ سب عطف مل کر مفعول بہ ہوا عسیٰ کا یہ فعل مقاربہ اپنے فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ تقریبیہ ہو کر مکمل ہوا وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِہٖ۔ اور جملہ اُحِیْطَ باب افعال کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب حَیْطٌ سے بنا ہے بمعنی گھیرنا۔ مٹانا چھپانا۔ غائب کر دینا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ ہمیشہ متعدّی ہوتا ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا نائب فاعل ہے۔ جس کا مرجع باغ کے درخت بیلیں کھیتی وغیرہ سرسبزی پھل یعنی کل پیدا وار یہ غائب جارہ ثمر۔ اسم مفرد جامد بمعنی پھل پیداوار اصل مقصود۔ نتیجہ۔ ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع باغ والا مغرور کافر یہ مرکب مجرور متعلق ہے اُحِیْطَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ یہاں چار فعل ۱۔ یُؤْتِیَنِ ۲۔ یُرْسِلَ ۳۔ تُصْبِحَ۔ ۴۔ اَوْ یُصْبِحَ یہ چاروں اَنْ ناصبہ کی وجہ سے منصوب ہیں

فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا۔ وَ لَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ یَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا

فَ تعقیبیہ اَصْبَحَ باب افعال کا فعل ناقص ماضی صُبْحٌ سے بنا ہے بمعنی صبح کو ہونا۔ یا مطلقاً ہو جانا۔ یا صبح پانا۔ اس کا اسم ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے یُقَلِّبُ۔ باب تفعیل کا مضارع مثبت اس کا مصدر ہے تقلیب متعدّی ہے قلبٌ سے مشتق ہے یہ لازم ہے بمعنی متعدّی پھیرنا گرنا۔ ملنا۔ بمعنی لانا پھرنا۔ بدلنا۔ لوٹنا یہاں مراد ہے رگڑنا کفِ افسوس ملنا۔ اس میں پوشیدہ ضمیر ھُوَ اس کا فاعل ہے مرجع ہے باغ والا کَفَّیْ۔ اسم تثنیہ اس کا واحد کَفٌّ ہے بمعنی ہاتھ کی ہتھیلی دراصل تھا کَفَّیْنِ نون اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گئی مضاف ہے۔ ہٖ ضمیر کا مرجع باغ والا ہٖ ضمیر مجرور متصل نفسی ہے بمعنی اپنی۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یُقَلِّبُ کا عَلٰی جارہ اپنے معنی میں ہے یا بمعنی بِ سببیہ ما موصولہ اَنْفَقَ باب افعال کا ماضی مطلق مصدر ہے اِنْفَاقٌ بمعنی خرچ کرنا۔ نفقٌ سے بنا ہے۔ بمعنی خرچ ہونا۔ اس کا فاعل ھُوَ مستتر جس کا مرجع ہی باغ والا ہے فِیْ ظرفیہ مکانیہ ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع وہ باغ کی ساری زمین یہ جار مجرور متعلق ہے اَنْفَقَ کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے یُقَلِّبُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی اَصْبَحَ کی۔ اَصْبَحَ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ابتدائیہ ھِیَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مؤنث

اس کا مرجع ہے جنت یا جنت کی پیداوار کھیتی درخت بیلیں۔ یہ مبتدا ہے خَاوِیَۃٌ اسم فاعل واحد مؤنث خویٌ سے بنا ہے بمعنی ویران ہونا۔ کھوکھلا ہو کر درخت کا گر جانا ہیَ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ عَلٰی جارّہ فوقیت کا عُرُوْش جمع کثرت ہے عرش کی بمعنی بلندی، آخری چوٹی۔ اصطلاح میں تخت کو عرش کہتے ہیں۔ سطح اور اوپر کا حصہ بھی عرش کہلاتا ہے بمعنی ہرا۔ مضاف ہے۔ ھَا ضمیر کا مرجع اُس کی جنت کے درخت۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ خَاوِیَۃٌ کا ترجمہ ہے اپنے اونچے سِروں کے بل اوندھے گرنے پڑنے والے خَاوِیَۃٌ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر بنتا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ۔ یَقُوْلُ۔ فعل مضارع ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ یَا حرف ندا درمیان قریب و بعید ہر منادیٰ کے لیے مستعمل ہے۔ حرف ندا پانچ حروف ہیں آ، اَیَا، ھَیَا، اَیْ، ہمزہ مفتوحہ۔ ۱ مگر حرف یَا زیادہ استعمال ہوتا ہے اس کی چار خصوصیات ہیں۔ اول یہ کہ یہ ہر دور و نزدیک کے لیے آتا ہے دوم یہ کہ یہ محذوف بھی ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ یہ نُدبہ یعنی رونے کے لیے بھی آجاتا ہے شلاً یا زیداہ۔ ہائے زید۔ چہارم یہ کہ یہ ہر لفظ اسم۔ فعل حرف سب پر آجاتا ہے۔ مگر جب حرف پر آتا ہے تو غم افسوس و تنبیہ کے لیے آتا ہے نہ کہ ندا کے لیے۔ یہاں حرف مشبہ لَیْتَ پر داخل ہوا ہے اس لیے ندا کے لیے نہیں بلکہ افسوس و تنبیہ کے لیے ہے۔ بعض نے کہا کہ فعل پر بھی تنبیہ کے لیے آتا ہے نہ کہ ندا کے لیے۔ نِیْ۔ نون وقایہ۔ یْ ضمیر واحد متکلم۔ مرجع ہے باغ والا منصوب متصل اسم ہے لَیْتَ کا۔ لَمْ اُشْرِکْ باب افعال کا فعل مستقبل نفی جحد بلم بمعنی ماضی تمنائی۔ شِرْکٌ سے مشتق ہے۔ اِشْرَاکٌ مصدر ہے بمعنی کفر و بت پرستی کرنا۔ توحید یا قانون الٰہیہ کا انکار کرنا۔ بِ حرف جر تعدیہ کی رب اسم مفرد جامد صفاتی نام ہے اللہ تعالیٰ کا۔ مضاف ہے۔ یْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ اُشْرِکْ کا۔ اَحَدًا۔ اسم عددی معرب نکرہ ہے غیر معین کے لیے بمعنی کسی کو یہ مفعول بہ ہے لَمْ اُشْرِکْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی لَیْتَ کی وہ اپنے اسم نی اور خبر لَمْ اُشْرِکْ کے جملے سے مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا یَقُوْلُ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ خبریہ ہو گیا واؤ سر جملہ لَمْ تَکُنْ۔ فعل مضارع نفی جحد بلم صیغہ واحد مؤنث غائب بمعنی ماضی بعید فعل ناقصہ ہے ایک قول میں تامہ ہے۔ لَہٗ۔ لام مفعولیۃ کا ہٗ ضمیر مجرور متصل مرجع ہے باغ والا یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ تَکُنْ کا فِئَۃٌ اسم لفظاً واحد ہے معناً جمع بمعنی گروہ، جتھہ برادری۔ پارٹی بحالت رفع ہے اسم ہے فعل ناقصہ لَمْ تَکُنْ کا اگلا جملہ خبر ہے لَمْ تَکُنْ کی اور اگر فعل تامہ ہو تو فِئَۃٌ موصوف اگلی عبارت صفت ہے اور مرکب توصیفی فاعل ہوا فعل تامہ لَمْ تَکُنْ کا۔ یہ ترکیب آسان ہے یَنْصُرُوْنَ۔ مضارع مثبت معروف نَصْرٌ سے بنا ہے بمعنی مدد کرنا اس میں پوشیدہ ھُمْ ضمیر جمع اس کا فاعل مرجع بلحاظ معنیٰ فِئَۃٌ ہے۔ ہٗ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے۔ اس کا مرجع ہے باغ والا۔ حرف مِنْ زائدہ ہے۔ دُوْنِ اسم مفرد جامد بمعنی مقابل مفرد سے مراد واحد ہے جو تثنیہ جمع نہ

ہو۔ مضاف ہے اللہ مضاف الیہ۔ یہ مرکب مجرور متعلق ہے یَنۡصُرُوۡنَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے "فِئَةٌ" کی اور یہ مرکب توصیفی فاعل ہوا لَمۡ تَکُنۡ تامہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ پہلی ترکیب میں "فِئَةٌ" اسم ہے لَمۡ تَکُنۡ ناقصہ کا اور یَنۡصُرُوۡنَ کا جملہ خبر ہے۔ واؤ سرجلہ۔ مَاکَانَ فعل منفی ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم مُنۡتَصِرًا۔ باب افتعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِنۡتِصَارٌ اَنۡصَرٌ سے بنا ہے بمعنی مدد کرنا باب افتعال میں آ کر ترجمہ ہوا اپنی مدد آپ کرنا مراد ہے مضبوط ہونا طاقت والا ہونا غالب ہونا یہاں مراد ہے اپنی طاقت سے اپنی مدد کرنا یعنی بدلہ لینا انتقام لینا۔ یہ خبر ہے مَاکَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ منفیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ فَعَسٰی رَبِّیۡۤ اَنۡ یُّؤۡتِیَنِ خَیۡرًا مِّنۡ جَنَّتِکَ وَ یُرۡسِلَ عَلَیۡہَا حُسۡبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصۡبِحَ صَعِیۡدًا زَلَقًا۔ اَوۡ یُصۡبِحَ مَآؤُہَا غَوۡرًا فَلَنۡ تَسۡتَطِیۡعَ لَہٗ طَلَبًا۔

مجھ کو نہ تیری امیری عیش و عشرت مال و دولت لونڈی غلام باغ و بغیچہ کا حسد و رشک ہے نہ اپنی غریبی فقیری اور بے اولادی کا غم یا پریشانی ہے کیونکہ یہ دنیوی دولت آنی جانی چیز ہے تجھ سے پہلے یہ باغات کس کے پاس تھے اور نہ جانے کل کس کے پاس ہونگے نہ امیری سدا کی شان ہے نہ غریبی سدا کی لگی ہوئی مجھے تو اپنے رب کریم سے بہت خیر و بھلائی کی امیدیں ہیں۔ ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ عنقریب ساری کائنات کا مالک میرا رب جلیل دنیا میں ہی مجھ کو بھی ایسے باغات کھیت کھلیان رزق و غذا پھول و پھل اپنے کرم و فضل عنایت و مہربانی سے عطا فرما دے جو تیرے ان باغات بغیچوں سے کئی درجے خیر اور بھلائیوں اچھائیوں خوبصورتیوں والا ہو اور میں یہ نعمتیں دولتیں پا کر مزید اس کی بارگاہ میں شکر کے سجدے کروں۔ اور یہ بھی اُس کی غفاری اور رحیمیت سے امید ہے کہ آخرت میں مجھ کو قیامت کے حساب میں کامیاب فرما کر جنتِ اعلیٰ میں ایسے ابدی سرسبز باغات عطا فرمائے جو تیرے اس باغ سے بے حساب درجوں خیر و بھلا ہو۔ اور اُس کی قدرتِ تمہاری سے یہ بھی کیا مشکل ہے۔ کہ تیرے اس غرور تکبر۔ عیاشی فحاشی نافرمانی کفر شرک ناشکری بے فکری آزاد خیالی کی وجہ سے دن یا رات کے کسی بھی حصے میں آسمانی عذاب ان تیرے باغوں کھیتوں پر تیری بدقسمتی کی تقدیر ازلی کے حصے و حساب کا بجلی کا شعلہ بھیج دے جو اوپر آسمان کی طرف سے ہو۔ تو یہ سب پھول و پھل باغ و ثمر تیری غفلت کے صبح میں جل جلا کر خاک سیاہ ہو جائیں اور ان باغوں کی زمین کھیتیاں ناقابل کاشت خشک بنجر زمین چٹیل میدان بن کر رہ جائے۔ اور پھر زمین سے یہ آفت اٹھے کہ ان ہی صبح کے لمحاتِ عذاب میں۔ ان باغات کھلیان کو سیراب کرنے تر و تازہ رکھنے والا نہر و دریا کا پانی زمین میں دھنس کر ایسا جذب و غائب ہو جائے کہ ہزار محنتوں مشقتوں کھدائیوں گہرائیوں کے باوجود نہ تو اس اپنی باغ میں موجودہ نہر سے پانی ڈھونڈ کر نکال سکے اور نہ کسی دور دراز دریا کوئیں سے طلب کر کے لا سکے یا منگا سکے اور تیرا یہ علاقہ سب جلتا بھنتا پیا سا رہ جائے۔ لہٰذا میری ایمانی

خرفاتی باتوں کو عبرت کے کانوں سے سن کر مان لے اور آج ہی رب کریم کی ذات اقدس جلّ مجدہٗ پر صدق قلبی و اقرار لسانی سے ایمان لے آ۔ اور سجدۂ شکر میں گر جا۔ اور اس دولت دنیا کے فنا سے پہلے تو منزل لقا کی طرف گامزن ہو جا۔ مگر اُس مغرور کی عقل و ہوش والی آنکھیں ابھی خواب خرگوشی سے نہ کھلیں یہاں تک کہ چند عرصے کے بعد۔ تقدیر ازلی کا نوشتہ آ گیا۔ وَاُحِيْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيْهِ عَلٰى مَآ اَنْفَقَ فِيْهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَيَقُوْلُ يٰلَيْتَنِيْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّيْٓ اَحَدًا۔

اور ناگہانی غیبی ایسا عذاب آیا کہ چاروں طرف سے اُس کے پھلوں باغوں پھولوں کھجور کے درختوں شاخوں پتوں ٹہنیوں انگور کی بیلوں اور بیلوں کی پھیلاؤ والی اونچی ٹٹیوں۔ ڈنڈوں کھمبوں۔ ستونوں کھیتیوں کھلیانوں مکان اور چھتوں اور دیواروں کو اس کی لپیٹ میں لے گیا اور شدّت سے گھیر لیا گیا اُس کی تمام پیداوار کو اور یہ سب کچھ آناً فاناً ہو گیا۔ بس عذابِ آتشی آسمانی بجلی کا ایک جھونکا ہی چلا یا گیا۔ پھر جب صبح کو وہ مغرور دولت کے نشے میں مست و مغرور عجز و شکر سے نور حق و صداقت سے دور اپنے اسی باغ کھیت کھلیان کی طرف ایسے ہی سیر کرتا ہوا آیا۔ تو اپنے اس تمام گلشنی سرمائے کا یہ حشر و انجام دیکھ کر ششدر رو دم بخود رہ گیا اور غم و افسوس رنج و ملال حیرانی و پریشانی سے اپنے دونوں ہاتھ ملنے لگا۔ ہتھیلی پر ہتھیلی رگڑنے لگا۔ باغ و کھیت کی مالیت کے علاوہ اُس سرمایہ کاری اور روپیہ پیسہ محنت مزدوری دیکھ بھال پر غم و صدمہ کرتے ہوئے جو اتنے عرصے اور دن رات اُس باغ و کھیت میں اُس نے خود اپنے پلّے سے خرچ کیا تھا۔ حالانکہ وہ تمام باغ اور اس کے درخت پتے شاخیں بیل بوٹے سب قدرتی آگ سے جھلس جھلسا کر ٹنڈ منڈ ہو کر جڑوں سے اُکھڑ کر اپنے سروں کے بل گرے پڑے تھے۔ اس طرح کہ چھتیں دیواروں پر دیواریں اور بیچ بیچ میں انگور کی بیلوں کو اٹھانے چڑھانے پھیلانے کے لیے لگائے ہوئے ڈنڈے ستون اور ٹیکیں ٹٹیاں زمین پر اور اُس پاس کے جلے ہوئے کھجور کے تنا و درخت اُن پر گرے پڑے تھے۔ اور آگ نے زمین کو بھی جھلسا کر ایسا چٹیل بنجر بنا دیا تھا کہ اب وہاں کافی زمانہ کچھ اُگنے کی اُمید بھی نہ رہی تھی یہ حیران کن تباہی بربادی دیکھ کر اب اسے یاد آیا کہ میرا غریب مومن بھائی مجھ کو اسی دن سے ڈرایا سمجھایا بجھایا بتایا کرتا تھا۔ ذاتِ بے نیاز اور قہرِ قہّار کا خوف دلایا کرتا تھا۔ آنکھوں سے یہ تباہی دیکھتا دل میں وہ باتیں یاد کرتا۔ کفِ افسوس ملتا اور زبان سے یہ کہتا تھا کہ ہائے افسوس مجھ پر کاش میں اپنے عقیدے اپنے وطیرے اپنے اعمال کردار باطل خیالات کفریہ افکار جھوٹے نظریات کے ذریعے کسی بھی چیز کو اپنے رب کا شریک نہ بناتا نہ سمجھتا۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا

اور اب جب کہ اس کی اپنی بری حرکتوں کفر سازیوں ظلم اور طعنہ بازیوں کی وجہ سے یہ تباہی پھر گئی اور مومن مخلص بھائی کو ستانے کا خمیازہ بھگت لیا تو کوئی بھی اس کی برادری آل اولاد نوکر چاکر خدّام لونڈی غلام اور

دوستوں میں سے اس کی مدد کو نہ پہنچا۔ نہ ہی کوئی وہ گروہ۔ جتھہ۔ جماعت جن پر اس کو فخر اور ناز ہوا کرتا تھا آج وہ بیٹے بھی سامنے مقابلے اور بچانے میں نہ آئے جن کا بڑے غرور سے نام لیا کرتا تھا۔ غرضکہ ان ناگہانی مصیبتوں تکلیفوں بربادیوں میں اُس کے پاس یار و مددگاریں کوئی بھی ایسی جماعت یا نفری نہ ہوئی جو اللہ کے مقابل اس کی مدد کرتے اور نہ وہ بڑا عقل مند بننے والا خود ہی اس لائق ہوا کہ اپنی مدد آپ کرتے ہوئے اس عذابِ آسمانی کو روکتا۔ مقابلہ کرتا اور ٹالویتا اپنے باغ کھیت ونہری پانی کو بچالیتا۔ اس کی ساری عقل سیاست چالاکی۔ دولت۔ ہمت، قوت، دھری کی دھری رہ گئی **فائدے**۔ ان آیتِ کریمہ سے چند سبق اور مسلمانوں کی عبرت کے فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ رسول کی بارگاہ میں اکڑ پھکڑ سیاست چالاکی فریب کاری کام نہیں دیتی وہاں تو عجز کے سجدے۔ انکساری کی دعائیں مسکینیت کی فریادیں گڑگڑا کر رونے ہی سے کام بنتا ہے۔ شعر۔ نہ بات بنائے بندی اے نہ عقل چلائے بنتی ہے ٭ او مجبو یاں دیا مجبو با گل تیرے بنایاں بندی اے۔ یہ فائدہ وَلَمْ تَكُنْ لَهُ فِئَةٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ مومن نورِ معرفت سے دیکھتا اور سنتا سمجھتا ہے یہ فائدہ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو جو کچھ اُس مومنِ مخلص نبی اسرائیلی ولی اللہ ساتھی نے کہا تھا کچھ دنوں کے بعد اس کے باغ و املاک پر ویسی ہی ناگہانی آفت عذابِ عبرت کی شکل آگئی۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ شعر۔ لوحِ محفوظ است پیشِ اولیا ٭ تا بہ بینند ز ابتدا تا انتہا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیا کی کسی بھی آفتِ ناگہانی اور قدرتی مصیبتوں بیماریوں وباؤں کے لیے یہ نہیں کہنا چاہیے کہ ہم اس کا مقابلہ کریں گے اور مقابلہ کرکے اس آفت کو روک دیں گے۔ بلکہ رب تعالیٰ کے حضور عجز کے سجدے دعائیں سابقہ گناہوں کی توبہ آئندہ گناہوں سے بچنے کے وعدے کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے ہی فریاد کرنا چاہیے کہ وہی اپنی کریمی رحیمی سے اس مصیبت کو دور فرما دے اس کی بارگاہ میں کم عقل نادان بچوں کی طرح مچل مچل جاؤ۔ چند سال پیشتر پاکستان میں ہلاکت خیز طوفان آیا تو اُس وقت کے حاکمِ اعلیٰ نے کہا کہ ہم اس سیلاب کا مقابلہ کریں گے اور پھر ایک دن کہا کہ میرا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ میری کرسی بڑی مضبوط ہے اس فرعونی کلمات کے چند دن بعد ہی لوگوں نے دیکھا کہ قہرِ الٰہی نے زمین پر اکڑنے والے کو تخت سے جیل میں اور جیل سے دار پر پہنچا دیا۔ یہ فائدہ مَا كَانَ مُنْتَصِرًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **احکامُ القرآن**: ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ شریعت میں سب سے بڑا گناہ ناشکری ہے کہ اس سے خاندانوں علاقوں بلکہ ملکوں سلطنتوں کی ہلاکت ہو جاتی ہے اور اس سے غربت و ذلت پھیلتی ہے۔ اور شکر گزاری سب سے بڑی عبادت ہے بلکہ تمام عبادتیں شکر گزاری ہی کے لیے لازم کی گئی ہیں اور سچی شکر گزاری کا طریقہ عبادتِ الٰہیہ ہے۔ شکر گزاری سے نعمت و عزت بڑھتی ہے غربت دور ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ لَٰكِنَّا هُوَ اللَّهُ رَبِّي (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ توبہ کرنا سب سے اچھی اور پسندیدہ عادت و عبادت ہے اور سچی توبہ کا نشان ندامت ہے یہ مسئلہ وَيَقُولُ يَا لَيْتَنِي (الخ) سے مستنبط ہوا۔ توبہ سے گناہ اور فسق بلکہ سب بڑے کفر و شرک معاف ہو جاتے ہیں۔

تیسرا مسئلہ۔ دنیوی ہلاکت اور دنیا کی چیزوں کی بربادی دیکھ کر توبہ کرنا جائز اور مفید ہے۔ اس ہلاکت سے توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا۔ حضرت حکیم الامت نعیمی بدایونی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ اس کافر شخص کی اس ندامتی الفاظ کے ادا کرنے سے توبہ قبول ہو گئی تھی۔ یہ مسئلہ بھی وَیَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا، توبہ کا دروازہ صرف اپنی ہلاکت اور موت دیکھنے سے بند ہوتا ہے۔ چوتھا مسئلہ۔ نیز توبہ کی قبولیت کی نشانی یہ نہیں ہے کہ دنیا کی مال و دولت دوبارہ مل جائے یا وہی واپس مل جائے جو ہلاک ہوئی۔ دولت کا واپس ملنا قبولیت کی نشانی نہیں ہے یہ مسئلہ وَلَمْ تَکُنْ لَّهٗ فِئَةٌ (الخ) اور فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَاُحِیْطَ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ باغ وغیرہ کی ہلاکت اس کے شرک کفر کی نحوست کی بنا پر ہوئی حالانکہ دنیوی دولت کی بربادی تو مسلمانوں اور اولیاء اللہ کو بھی پہنچتی رہی جواب۔ دنیوی مصائب کی وجوہ و اسباب مختلف ہوتے ہیں، یہاں اس کافر کے باغ وغیرہ کی ہلاکت بھی اس کے شرک کفر کی وجہ سے نہ ہوئی تھی بلکہ اس کے غرور و تکبر اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کو اپنے سے گھٹیا سمجھنے کی وجہ سے اور یہ بربادی عبرت کے لیے تھی کہ اس نے ساری عمر دنیا کمانے میں خرچ کر دی۔ دوسرا اعتراض۔ جب کافر نے کہدیا کہ یٰلَیْتَنِیْ (الخ) تو چاہیے تھا کہ اس کی توبہ قبول ہو جاتی اور اس کو یہ دولت واپس مل جاتی مگر اس کی توبہ قبول کیوں نہ ہوئی؟ جواب اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ توبہ قبول ہو گئی تھی مگر دولت واپس نہ ملی کیونکہ اسی دولت نے اس کو خراب و متکبر و سرکش کیا تھا۔ یہ دولت اس کے لیے مضر تھی۔ ہو سکتا ہے کہ ناجائز طریقے سے حاصل ہوئی ہو کیونکہ ناجائز دولت ہی انسان کے لیے باعثِ نقصانِ اُخروی ہے لیکن اس دولت واپس نہ ملنے سے یہ سمجھنا کہ توبہ قبول نہ ہوئی تھی یہ غلط ہے اس لیے کہ دولت کا ملنا توبہ کی قبولیت یا محبتِ الٰہی کی نشانی نہیں۔ دوسرا جواب۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے یہ دیا کہ یہ سچی توبہ نہ تھی کیونکہ یہ باغ اجڑنے سے اور غریب ہونے کے غم و پریشانی سے تھی نہ کہ اللہ کے خوف یا محبت سے۔ نیز بعض نے کہا کہ اس نے توبہ کی ہی نہ تھی نہ ایمان لایا نہ عبادت میں جھکا ثابت صرف افسوس و ندامت کا اظہار کیا تھا۔ اور اس طرح کہنے سے مومن نہیں بن سکتا۔ مومن بننے کے لیے باقاعدہ اصول کے مطابق دینِ نبوت اختیار کرنا پڑتا ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ یعنی اللہ کے سوا اس کا کوئی مددگار نہ آیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ اس کا مددگار رہا حالانکہ وہ کافر تھا اور کافر کا مددگار اللہ کیونکر ہو سکتا ہے؟ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ دُوْنِ بمعنی سوا یا غیر نہیں بلکہ یہاں دُوْن بمعنی مقابل ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں دنیوی مدد کا ذکر نہ کہ! نزدن کا دنیا میں تو رب تعالیٰ کفار کی بھی رزق دولت امیری عزت وغیرہ سے مدد فرما رہا ہے۔ کفار کی جو مدد اللہ کی طرف سے ناممکن ہے وہ اخروی مدد ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فَعَسٰی رَبِّیْۤ اَنْ یُّؤْتِیَنِ خَیْرًا مِّنْ جَنَّتِكَ وَ یُرْسِلَ عَلَیْهَا حُسْبَانًا مِّنَ السَّمَآءِ فَتُصْبِحَ صَعِیْدًا زَلَقًا۔ اَوْ یُصْبِحَ مَآؤُهَا غَوْرًا فَلَنْ تَسْتَطِیْعَ لَهٗ طَلَبًا۔ صبح دھور کی بہت ہی قریب ساعت بسط وکشادمیں زمانۂ ازل میں میرا رب کارساز تیرے باغات حسن وجمال رعنائی وشادابی سے کئی درجہ اچھا خوبصورت مفید جنت عمل وعرفان مجھ کو عطا فرمائے ۔ اور تیرے ان باغات حرص وہوس ،غرور وتُرد ر۔ شہوت وشیرت پر آسمانِ امتحانی سے قہر وجلال کا عذاب محاسبہ بھیج دے ۔ تو یہ سب تیری رعونت ونخوت ۔ سرکشی وفریب کاری ۔ دجل ومکر کے کھیت اور شہوت وبے حمیت کے باغ و جنان ۔ موت فنا کے صعیدِ نفی ہوکر صحراءِ گناہ کے خس وخاشاک ہوجائیں ۔ یا حسرت کے آنسو حماقت کے پانی اور آبِ زندگانی ۔ آبرو کا مارِ تقدیر ۔ عزتِ نفس کا دریا ۔ جوانمردی کی نہریں ۔ سب کچھ ایسا غائب وفنا ہوجائے کہ ہزار جتن محنت ومشقت کے باوجود پھر دوبارہ وہ عزت وآبرو کی پُر بہار مقام رفعت علاقہ قالب میں ،تجھ کو نصیب نہ ہو سکے ۔ اور طلب وکسب عمل وتلاش بقا میں تو طاقتِ ایمانی قوتِ عرفانی نہ پاسکے ۔ اے نفسِ سرگرداں تو دنیا کے کمال وجمال میں مست ومدہوش ہے ۔ تجھے کیا خبر نہیں کہ انسان بندہ ہے اور بندے کا کمال بندگی میں کمال پیدا کرنا ہے ۔ مقبولیت اور برگزیدگی کا دعویٰ آسان ہے لیکن عبودیت تامہ کی دلیل لانی مشکل ۔ عَسٰی رَبِّیْ کا نعرہ وہی لگا سکتا ہے جس نے زبانِ باطن سے صفائی صدور کا اظہار کیا ہو جب کبھی انسانِ عالم میں ریاء کا ظہور ہوا ہے تو اُس کی تمام دیانت وعبادت کی محنت ومشقت کو یکدم برباد کردیا گیا ۔ وَ اُحِیْطَ بِثَمَرِهٖ فَاَصْبَحَ یُقَلِّبُ كَفَّیْهِ عَلٰى مَاۤ اَنْفَقَ فِیْهَا وَ هِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ لَمْ اُشْرِكْ بِرَبِّیْۤ اَحَدًا ۔ اور راتچھائیوں کے پھلوں کو برقِ جلال اور ارادۂ صمدیت کے فنا کی آتشِ غضب ناک سے خاکستر کردیا گیا ۔ پھر اس وقت نفس ونفوس فکر وغرور تدبّر ونفور کفِ غم فراق ہی ملتے رہجاتے ہیں ۔ کہ ہائے افسوس اس دنیا کی اُلجھنوں کے کھیت وکھلیان میں کتنا کچھ خرچ کردیا ۔ عمرِ گراں مایہ ۔ اوقاتِ عزیز کار سرمایہ صحت کی پونجی عقل کی محنت ودماغی مشقت گھر کا خزانہ حسنِ استعداد سانسوں کے انمول موتی اعضاءِ ظاہری کے تمام شاہکار اسی اُدھیڑبن میں ہی تو خرچ کردیئے مگر ہاتھ کیا آیا ؟ حرف رسوائی کی یہ راکھ وملی ۔ اور تمام لمبی اُمیدیں فیشن کی دیویاں اپنی جڑوں سے اکھڑ کر گر پڑیں بس فقط یہی دنیوی زندگی ہے اور یہی اس کی بے ثباتی ہے جس میں عقل کا اندھا انسان مست ولایعقل ہے لیکن مصیبت کے ایک جھٹکے اور موت کے ذرا سے کھٹکے سے چیخ پڑتا ہے ۔ وَ یَقُوْلُ یٰلَیْتَنِیْ اور پکار اٹھتا ہے کہ ہائے کاش میں اِس عالمِ ناسوت میں اپنی کسی بھی خواہشاتِ حرص وہوس اندیشۂ فکر زمن ۔ غرورِ دولت وجوانی کو اپنے اللہ قادر قیّوم کا شریکِ باطنی وظاہری نہ بناتا ۔ اور عالمِ فانی سے قطع نظر کرکے خداء جہان آفرین کی طرف بہ کمال یکسوئی توجّہ قلبی سے خلوتِ معرفت میں بیٹھتا ۔ کیونکہ مخلوق سے دل لگانا ہی طبیعت میں پراگندگی وانتشار کا باعث وسبب

ہوتا ہے۔ وَلَمْ تَكُنْ لَّهٗ فِئَةٌ يَّنْصُرُوْنَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا اور اس بیکسی و بے بسی کی حالت میں یہ دنیا کے تمام رشتے ناطے قرابت داریاں اور جن کی خاطر انسان ہزار قسم کے بُرے بھلے حرام حلال کام کر جاتا ہے کوئی بھی مدد نہیں کر سکتا۔ اے بندۂ نفس خوابِ غفلت سے جاگ مشاہدۂ جمال کی طرف دوڑ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی تیری بھلائی نہیں چاہتا۔ اِس وادیِ ظلمت کی ہر چیز مطلب پرست ہے۔ خود تجھ میں بھی اتنی طاقت و بساط نہیں کہ اپنی تقدیرِ ازلی کو بدل سکے۔

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ ؕ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّ

ان قدرتوں سے ظاہر ہوا کہ سب بادشاہت سچے اللہ کی ہے وہی ہے اچھا ثواب دینے میں اور

یہاں کھلتا ہے کہ اختیار سچے اللہ کا ہے اس کا ثواب سب سے بہتر اور

خَيْرٌ عُقْبًا ﴿۴۴﴾ؑ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ ع ۵ ۱۷

اچھی عاقبت بنانے والا اور بیان فرمایئے ان غافلوں کے لیے دنیوی

اسے ماننے کا انجام سب سے بھلا اور اُن کے سامنے زندگانیٔ دنیا کی کہاوت

الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ

زندگی کی مثال جیسے کہ پانی نازل کیا ہم نے جس کو آسمان کی طرف سے

بیان کرو جیسے ایک پانی ہم نے آسمان سے اتارا تو اُس کے سبب زمین کا سبزہ

بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ

تو گھنی اُگیں اُس کے ذریعے کھیت کی سبزیاں پھر اچانک صبح کو سب پیداوار خشک خراب ہوگئی ہوائیں

گھنا ہو کر نکلا کہ سوکھی گھاس ہو گیا جسے ہوائیں

الرِّیٰحُ ؕ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ مُّقۡتَدِرًا ﴿۴۵﴾

اڑاتی پھریں اور اللہ ہی ہے ہر چیز پر قبضہ فرمانے والا

اڑا ئیں اور اللہ ہر چیز پر قابو والا ہے

اَلۡمَالُ وَ الۡبَنُوۡنَ زِیۡنَۃُ الۡحَیٰوۃِ الدُّنۡیَا ۚ وَ

تمام مال اور بیٹے یہ سب دنیوی زندگی کے نخرے ہیں اور

مال اور بیٹے یہ جیتی دنیا کا سنگھار ہے اور

الۡبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیۡرٌ عِنۡدَ رَبِّکَ ثَوَابًا

ابدی باقی رہنے والے تو نیک اعمال ہی اچھے ہیں تمہارے رب کے پاس ثواب کے اعتبار سے

باقی رہنے والی اچھی باتیں اُن کا ثواب تمہارے رب کے یہاں بہتر

وَّ خَیۡرٌ اَمَلًا ﴿۴۶﴾

اور اچھے ہیں امید کے لائق

اور وہ امید میں سب سے بھلی

تعلق اِن آیتِ کریمہ کو پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہزاروں برس کا دنیوی ساز و سامان آنِ واحد میں تباہ ہو جاتا ہے خواہ کتنا ہی مضبوط ہو اَب اِن آیت میں فرمایا گیا کہ یہ سب رب تعالیٰ کی شانِ صمدی ہیں۔ بقا صرف اللہ رسول کے نام کو ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ناشکری کا انجام بتایا گیا۔ اَب اِن آیت میں شکر گزاری اور اچھائی بھلائی کا نتیجہ بیان کیا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں تمام مخلوق کی کمزوری بتائی گئی۔ اَب اِن آیتِ پاک میں باری تعالیٰ کی قوت و قدرت کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا ۔ هُنَالِكَ ظرف مطلق ہے یعنی قریبی بعیدی مکانی زمانی چاروں طرح استعمال ہو جاتا ہے یہاں ظرفِ مجازی قریبی مراد ہے کہ ان قدرتوں سے یہ کھلتا ہے۔ ایک قول میں هُنَالِكَ مبتدا۔ اور اگلی عبارت پوشیدہ ثابتٌ یا ثبت سے جملہ بن کر خبر ہے اس کی اسی ترکیب کو اعلیٰ حضرت نے یہاں ترجمے میں اور حضرت حکیم الامت نے اپنے تفسیری حاشیے میں پسند فرمایا اس دوسری ترکیب کے مطابق۔ هُنَالِكَ پوشیدہ ثابتٌ کا ظرفِ مقدم ہے بعض نے کہا کہ مقامی ہے۔ خیال رہے کہ مقدم وہ ہوتا ہے جو اپنا مقام چھوڑ کر پہلے آجائے اور مؤخر وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ چھوڑ کر بعد میں ہو۔ مقامی وہ ہوتا ہے جو اپنی جگہ مقام پر ہی رہے۔ الف لام عہد ذہنی۔ وَلَايَةُ۔ اسم مصدر ثلاثی آخر میں ۃ مصدریہ ہے۔ بروزن فَعَالَةٌ ایک قول وَلَايَةُ واؤ کے زبر سے ہے جس کا معنیٰ ہے مدد و دوستی جمہور قرأت میں زیر سے ہے۔ وَلِيٌّ سے بنا ہے۔ بھیئت مفروق ہے۔ ترجمہ ہے۔ حکومت۔ طاقت۔ قدرت۔ اختیار۔ اس کے مصدری معنیٰ ہیں حکومت کرنا۔ یہ مصدر عامل ہے اگلی عبارت کا۔ لام جارہ ملکیت کا یہ موصوف ہے۔ الف لام عہدی۔ حَقّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ معبود دائمی۔ سچا۔ بحالتِ کسرہ کیونکہ صفت ہے اللّٰہ کی۔ ایک قرأت میں اَلْحَقُّ۔ رفع سے ہے اور خبر ہے وَلَايَةُ کی پوری ترکیب اس طرح۔ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ عامل مصدر۔ لِلّٰهِ اس کا متعلق یہ شبہ جملہ ہو کر مبتدا اَلْحَقُّ اس کی خبر یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر پھر خبر ہوئی هُنَالِكَ مبتدا کی وہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ هُوَ۔ مبتدا کا مرجع ہے اللّٰہ تعالیٰ خَيْرٌ اسم حاصل مصدر جامد ترجمہ ہے اچھا فائدہ مند۔ کریم۔ رحیم۔ بہتر ہے۔ ثَوَابًا اسم مصدر بروزن فَعَالٌ ثَوَامٌ بمعنیٰ لوٹانا۔ بدلہ دینا۔ بحالتِ فتحہ تمییز ہے ممیز تمییز مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ خَيْرٌ ممیز عُقْبًا اسم مصدر بمعنیٰ نتیجہ دینا۔ انجام اچھا بنانا۔ بعد میں ہونا۔ منصوب ہے تمییز ہے ممیز تمییز مل کر معطوف ہوا سب عطف مل کر خبر مبتدا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ نیا جملہ۔ اِضْرِبْ فعل امر حاضر معروف اَنْتَ اس میں پوشیدہ فاعل ہے۔ مرجع ذاتِ اقدس صلی اللّٰہ علیہ وسلم لام جارہ نفع کا یا بمعنیٰ عِنْدَ یعنی اُن کے سامنے یا اُن کے پاس یا اُن کے لیے هُمْ ضمیر کا مرجع ہے کفار یا عام انسان جار مجرور متعلق ہے اِضْرِبْ کا۔ یہ ضَرْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مارنا نشان ڈالنا جسم پر یا کاغذ پر یا دل پر۔ اسی لیے بیان کرنے کے لیے بھی ضرب مستعمل ہے۔ مَثَل۔ اسم تشبیہی جامد ہے بمعنیٰ کہانی۔ کہاوت۔ حکایت۔ مثال واقعہ۔ الف لام۔ استغراقی یا جنسی ہے حَیٰوۃ۔ اسم جامد بمعنیٰ زندگی موصوف ہے الدُّنْيَا۔ الف لام استغراقی دنیا اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے اَدْنٰی دُنُوٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ حقیر ہونا۔ ذلیل یا گھٹیا ہونا۔ قریب ہونا۔ یہ صفت ہے حیٰوۃ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ مَثَل کا اور وہ مرکب اضافی مفعول بہٖ

ہے اِضْرِبْ کا کاف جارہ مَا ءٍ اسم مفرد جامد بمعنی پانی موصوف ہے اَنْزَلْنٰہُ۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل رب تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِنْزَالٌ بمعنی اُتارنا۔ نُزُوْلٌ سے بنا ہے بمعنی اُترنا مادہ لازم ہے باب افعال میں متعدی ہوا۔ ہُ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ اَنْزَلْنَا کا مرجع ہے ماء مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے بمعنی طرف سے الف لام عہد ذہنی یا استغراقی سَمَاءِ اسم مفرد جامد بمعنی آسمان بلندی یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنْزَلْنٰہُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ اِخْتَلَطَ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِخْتِلَاطٌ ترجمہ ہے ایک دوسرے میں گھس جانا۔ گتھا ہوا ہونا۔ گھنا ہونا۔ خَلْطٌ سے بنا ہے۔ بِ سببیہ ضمیر کا مرجع ماء ہے نَبَاتُ اسم جمع مکسر بروزن بنات اس کا واحد ہے۔ نبت بمعنی پودے۔ کھیتی۔ سبزی گھاس۔ باغ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ مضاف ہے الف لام استغراقی ارض اسم جامد بمعنی تمام زمین یا تمام کھیت باغ قابل کاشت زمین پہلے معنی ہوں تو الف لام استغراقی دوسرے کسی معنی میں ہو تو عہدی ہے۔ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی فاعل ہے اِخْتَلَطَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ اَصْبَحَ باب افعال کا ماضی مطلق معروف ناقصہ بمعنی صار یعنی بدل کر کچھ اور بن جانا۔ ھَشِیْمًا اسم صفت مشبہ مبالغہ کے لیے۔ ھَشْمٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کسی جڑی ہوئی چیز کو کاٹ کر جدا کرنا کسی ثابت چیز کا ریزہ ریزہ ہونا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پردادا ہاشم کا نام ہاشم اس لیے رکھا گیا کہ ان کے ساتھ ایک چھوٹا جسم کا لڑکا پیٹھ سے جڑا ہوا تھا جس کا نام اُمیّہ رکھا گیا۔ اس کو تلوار سے کاٹ کر جدا کیا گیا اس خیال سے کہ ہاشم زندہ بچ جائے اور وہ کمزور تو تھوڑا سا بچہ چاہیں مر جائے یا زندہ رہے مگر قدرتِ خدا سے دونوں زندہ رہے۔ اور دونوں صاحب اولاد ہوئے مگر امام حسین کی کربلا تک دونوں کی نسلوں میں بھی تلوار ہی چلتی رہی ایک قول میں آپ کو ہاشم اس لیے کہا جاتا تھا کہ آپ ہر سال حاجیوں کیلئے روٹی کے سوکھے ٹکڑے کرکے گوشت کے ٹکڑوں میں ثرید پکا کر کھلایا کرتے تھے اصطلاح میں ھَشِم کا معنی بہت ہی سوکھی شاخ خشک درخت اور اس کے پتے جو تیز ہواؤں سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ہواؤں سے اڑتے پھریں یہ موصوف ہے تَذْرُوْ باب نصر کا مضارع مثبت معروف ذَرْوٌ سے بنا ہے۔ بمعنی اُچھالنا پھینکنا اڑانا واحد مذکر کا مرجع ہے نَبَاتُ منصوب ہے مفعول بہ ہے۔ الف لام جنسی رِیٰح اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے۔ رِیْحٌ بحالتِ رفع فاعل تَذْرُوْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے ھَشِیْمًا کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے فعل ناقصہ اَصْبَحَ کی اس کا اسم ھُوَ ضمیر پوشیدہ ہے اس کا مرجع نَبَاتُ الْاَرْضِ جنسی معرب ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا۔ فَاخْتَلَطَ کا وہ سب مل کر معطوف ہوا اَنْزَلْنٰہُ کا یہ تمام عطف جملے مل کر صفت ہے ماءٍ کی۔ یہ دونوں موصوف صفت مجرور ہوئے جار مجرور متعلق ہے اِضْرِبْ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ جملہ کَانَ فعل تامہ اَللّٰہُ اس کا فاعل عَلٰی حرفِ جار اپنے ہی فوقیت کے معنی میں

کُلِّ اسم تاکیدی موجبہ کلیہ کا سُور مضاف ہے شَیْئٍ اسم مفرد جامد بمعنی پسندیدہ اور چاہی ہوئی چیز۔ یا بات۔ کام فیصلہ یا یہ مصدر بمعنی اسم مفعول بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے کَانَ تامہ کا مُقْتَدِرًا باب افتعال کا اسم فاعل اقتدار مصدر ہے قَدْرٌ مادہ ہے صیغہ واحد مذکر ہے ترجمہ ہے قبضے میں لینا۔ قابو پانا۔ قابو کرنا۔ قدرت وطاقت والا ہونا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے اَللّٰہُ ذوالحال کا ایک قول میں یہ کَانَ فعل ناقصہ ہے۔ اَللّٰہُ اس کا اسم ہے جار مجرور اس کا متعلق ہے۔ مُقْتَدِرًا۔ خبرِ کَانَ ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا۔

الف لام استغراقی مال اسم مفرد۔ مَوْلٌ یا مَیْلٌ سے مشتق ہے۔ یہ اسم مبالغہ ہے بروزنِ حالٌ قَالٌ۔ دالٌ یعنی بہت محبت میلان اور مائل کرنے والی چیز۔ دولت کو اسی لیے عربی میں مال کہتے ہیں کہ ہر ایک کا دل اُس کی طرف مائل ہوتا ہے۔ اُخروی دولت کو ثواب کہا جاتا ہے۔ دولت کو مال اس لیے بھی کہا جاتا ہے یہ خود بھی کسی کے پاس ہمیشہ نہیں ٹھہرتی کبھی کسی کی طرف مائل ہوتی جھکتی ہے کبھی کسی کی طرف۔ دولت ہی غریب کو امیر کی غلامی نوکری۔ ماتحتی۔ فرمانبرداری میں جھکا دیتی ہے غرضکہ مال کے تین معنی ہیں۔ (۱) اپنی طرف جھکانے والا (۲) غیر کی طرف جھکانے مائل کرنے والا (۳) خود کبھی کدھر کبھی کدھر جھکنے مائل ہونے والا۔ یہ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ الف لام اسمی بَنُوْنَ اسم جمع مذکر سالم ہے۔ ابن کی بمعنی بیٹا۔ بیٹے۔ بحالتِ رفع معطوف ہے اَلْمَالُ کا۔ دونوں مل کر مبتدا ہوئے۔ زِیْنَةُ اسم مفرد جامد مؤنث ہے۔ یا حاصل مصدر ہے اور آخر کی ت مصدریہ ہے بمعنی۔ فیشن سجاوٹ۔ سنگھار۔ لذت۔ غرور یا نخرہ پیدا کرنے والی چیز۔ یہ مضاف ہے۔ اَلْحَیٰوةِ موصوف اَلدُّنْیَا صفت دونوں مکسور ہیں۔ مضاف الیہ ہیں یہ مرکب اضافی خبر ہے اَلْمَالُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ ربط جملہ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ باقیات جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے باقِیَةٌ بَقِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی باقی رہنے والی۔ ہمیشہ مفید۔ موصوف ہے۔ الصالحات جمع مؤنث سالم ہے صَالِحَةٌ کی صَلُحَ سے بنا ہے بمعنی درست ہوتا پائیدار مضبوط۔ بچے۔ مفید۔ مراد ہے نیکیاں یہ صفت ہے۔ باقیات کی یہ مرکب توصیفی مبتدا ہے خَیْرٌ اسم مصدر عامل ہے بمعنی اچھا بہتر عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی معرب مضاف ہے رَبِّكَ مرکب اضافی بمعنی تیرے رب کے پاس ثَوَابًا اسم مصدر جامد ہے بمعنی اجر بدلا لوٹ پھیر کر دینا۔ ثَوْبٌ سے بنا ہے کپڑے کو ثوب اسی لیے کہتے ہیں کہ اس میں لوٹ پھیر کر دھاگا ہوتا ہے۔ بحالتِ نصب ہے مفعول فیہ ہے یہ دوہری مرکب اضافی ظرف ہے۔ خَیْرٌ کا یہ جملہ بن کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یہ دوسرا خَیْرًا مصدر عامل معرب ہے۔ اَمَلًا اسم مفرد جامد بمعنی اُمید اس کی جمع ہے آمَالٌ مفعول فیہ ہے۔ خَیْرٌ کا اس لیے منصوب ہے۔ یہ جملہ شبہ ہو کر معطوف ہے۔ دونوں مل کر خبر ہے۔ باقیات مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا ۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اے لوگو یہاں دنیا کے ان تجربوں مشاہدوں آسمانی خدائیوں حالات کے بننے بگڑنے ۔ اونچ نیچ ترقی و تنزل اتار چڑھاؤ سے ہر ذی عقل و خرد صاحب بصیرت کے لیے بخوبی ثابت ہو گیا کہ کائنات موجودات کی پوری ولایت حکومت سلطنت قبضہ ملکیت دائمی قدیمی اور ہر ایک کی مدد تائید نصرت اسی ذات حق جل سبحانہ ، کے لیے ہے ۔ دنیا میں حالات عالم کے تغیر و تبدل سے اور آخرت کے سزا و جزا سے غرضکہ ہر ہر جہان میں اللہ تعالیٰ کی دوستی ہی خیر ہے ۔ ثواب دینے قائم اور باقی رہنے کے اعتبار سے بھی اور اچھے بہترین شاندار دائمی ابدی مفید باعزت جنتوں باغوں اللہ کی محبتوں والے انجام کے اعتبار سے بھی ۔ کفار و مشرکین کی یہ سب دولت ثروت عیش و عشرت اسی عارضی فانی دنیا میں ہے اور بیان فرما دیجئے اے پیارے حبیب اس دنیوی زندگی کی مثال ان عرب کے سرداروں دولت مند مغرور ہوں سرکشوں اور غریبوں پر ظلم کرنے والوں کے سامنے ذرا کھول کر بیان فرما دیجئے ۔ یہ دنیا اور اس کی خوشحالیاں آخر کیا ہیں ان کی حیثیت کیا ہے ۔ فقط اتنا ہی تو ہے کہ جیسے ہم نے آسمان کی طرف سے بارش کا موسلا دھار یا ہلکی پھوار پانی برسا دیا تو جھوم جھوم کر ہری بھری گھنی سرسبز و شاداب لہلہاتی زمین کی کھیتیاں جڑی بوٹیاں اس بارش کی وجہ سے ہر طرف بھر کر اگ پڑیں اور قسم قسم کی غذائیں خوراکیں پھول و پھل سے زمین کا کونہ کونہ باغ و بہار خوش پھلیاں بن گیا ۔ اہل نظر جدھر دیکھتے ہیں تو تا حد نگاہ اگر ایک طرف پھولوں کلیوں غنچوں کا حسن و جمال ہے تو دوسری طرف دانوں غذاؤں غلوں اور پھلوں کا فیضان و کمال ہے اگر چمن بہاری میں خوشبوؤں کی مشام جاں فزائی ہے تو نخلستانوں میں لذت کام و دہانی ہے ۔ غافل دنیا پرست اسی چند ساعتوں کی چاندنی اور دو گھڑی کی دھوپ میں مست و مغرور ہو کر موسم خزاں کے لو آمیز تھپیڑوں اور شعلہ بار طوفانوں کو بھول جاتا ہے حالانکہ ہرے بھرے جھومتے کھیتوں پھولوں کلیوں غنچوں پر جب یہ تنزل و اختتام آتا ہے ۔ تو فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ ۔ ہو جاتی ہیں یہی خوش منظر و خوشنما جڑی بوٹیاں ۔ مرجھائی ہوئی زرد خشک ٹوٹی پھوٹی گھاس پھوس بھوسے کی طرح کوڑا کچرا ۔ اور ایسا بے قدرا حقیر ہلکا پھلکا بیکار بے قیمت کر اڑاتی پھرتی ہیں اس کو ادھر ادھر کی ہوائیں ۔ دنیوی زندگی بھی بالکل اسی جیسی ہے کہ جب نکھرتی ہے ۔ تو بچپنے کی کلکاریاں بھولی بھالی مسکراہٹیں اور محبتوں کے دامن کا خزانہ ہوتا ہے ۔ اور جب پروان چڑھتی ہے تو جوانی کا جوش دلبری حسن و جمال کی رعنائی اور سرمستیوں کی الھڑ ادائیں ہوتی ہیں لیکن پھر آخر بڑھاپے کا انجام اخیر آہی پہنچتا ہے بہر کیف جہان بھر یا جہان والے سرسبزیاں ہوں یا حسن و جوانی رنگ برنگے پھول و کلیاں ہوں یا ہوش

زبانغمہ خوانی یا کوئی رنگ ہو کوئی راگ ہو کوئی سوز ہو کوئی ساز ہو کوئی بزم ہو کوئی ناز ہو۔ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ مُّقْتَدِرًا اور ہر چیز پر ہر وقت ہر حالت میں بس فقط اللہ تعالیٰ ہی تمام قبضے اور قدرتیں رکھنے والا ہے اُس کی قدرت سے کوئی باہر یا بے قابو نہیں ہو سکتا۔ چیزیں عارضی ہیں قدرت کامل ہے۔ جو وقت مقرر کر رکھا ہے۔ جونہی پورا ہوتا ہے کچھ باقی نہیں رہتا تو پھر اے انسان اکڑ غرور کس بات پر اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَةُ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا۔ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ اَمَلًا۔ دنیا کے مال و دولت بھی اور حسب اولاد پر فخر کیا جاتا ہے وہ بیٹے بھی صرف دنیوی زندگی میں ہی خوشیوں خوبصورتیوں کی زینت ہے اس طرح کہ دولت اور ہر قسم کے مال کی فقط دنیا میں ضرورت ہے حاجتیں محتاجیاں کمزوریاں ضعیفیں جن میں مالی و دولت اور جوان بیٹوں کی والدین کو ضرورت پڑتی ہے وہ صرف دنیا میں ہی ہیں حیاتِ دنیوی میں انسان ہزار طرح کا محتاج بیمار لاعز و اپاہج ہوتا رہتا ہے۔ اس لیے یہاں ان کی ضرورت ہے۔ موت کے بعد آنکھیں بند ہوتے ہی ان میں سے کسی چیز کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اور نہ ہی تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد یہ چیزیں خود بھی باقی رہنے والی ہیں بلکہ ہر چیز اپنے اپنے وقت پر فنا اور ختم ہونے والی ہے۔ اور سدا باقی رہنے والی چیزیں بس نیک اعمال ہی ہیں۔ جو تمہارے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں تمہارے لیے بہت ہی خیر و برکت اور بھلائی کے فائدے والے ہیں اور جس قسم کی بھی تمہاری امیدیں آرزوئیں تمنائیں ہو سکتی ہیں اور جن کے سدا قائم رہنے ہمیشہ فائدے مند ہونے کی امید رکھی جا سکتی ہے تو وہ یہی تمہارے نیک اعمال حُسنِ اخلاق اچھے کردار ہی ہیں احادیث مختلفہ کی روشنی میں باقیات صالحات کے بارے میں مفسرین کے چند اقوال ہیں ۱۔ باقیات صالحات سے مراد تیسرا کلمہ اور اس کا ورد و وظیفہ کرنا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ۲۔ پانچ وقت کی نمازیں ۳۔ رب تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنا ۴۔ اللہ رسول کی اطاعت والا ہر کام باقیاتِ صالحات ہے ۵۔ صدقہ جاریہ ۶۔ عشقِ الٰہی اور محبتِ مصطفائی۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ ان آیت کی تمثیل سے یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ دیکھو زمین ایک ہے پانی بھی ایک طرزِ پیداوار بھی ایک مگر پھول پھل نباتات ایک جیسے نہیں یہی حال حیاتِ دنیا کا ہے کہ زندگی اور اس کا طرزِ بود باش ایک جیسا سانسیں اور لمحات و ساعات بھی یکساں مگر سب کے پھل یعنی اعمال ایک جیسے نہیں قدرت کی فیاضی سب کی رکھوالی کرتی ہے مگر کسی نے اپنے اچھے اعمال و کردار بنائے کسی نے برے۔ کسی نے ناقص کسی نے کڑوے کسیلے۔ کسی نے بالکل بیکار۔ اسی مثال سے دنیوی خوش بختی اور اُخروی عذاب و ثواب کا نتیجہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ کسان کھیت میں بہت محنت مشقت اور خرچا کر کے کاشت کرتا ہے تو اس کا مقصد کوئی بھوسہ پتے شاخیں گھاس پھوس

نہیں ہوتا۔ جب فصل پک کر تیار ہو جاتی ہے تو کسان کی زیادہ چاہت ومحبت دانوں سے ہوتی ہے کیونکہ اسی میں حقیقی نفع ہے باقی چیزوں کو تم پھینک دیتے ہو۔ ہر شخص کو نفع والی چیز پیاری لگتی ہے تو سمجھ لو کہ باری تعالیٰ اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نفع والا بندہ پیارا ہے۔ کردار واعمال بندے کے پھول وپھل ہیں۔ قیامت میں اچھے پھل ہی باقیات صالحات ہیں۔ جس طرح ہم دانوں کو محفوظ کر لیتے ہیں اور تنوں بھوسوں کو جلا دیتے ہیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے بھی برے لوگوں کے لیے ایک چولھا آخرت میں تیار کر رکھا ہے۔ اُس کا نام دوزخ ہے۔ یہ فائدہ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ (الخ)، فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا کی کسی بھی چیز پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔ کیا معلوم کس وقت کیا ہو جائے ہر شخص کو ہر وقت دنیا کے ہوائی راہ سے بچنا اور اپنے اللہ سے ڈرنا چاہیے ایمانی عاجزی ہی مومن کی اصل دولت ہے یہ فائدہ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ مومن کو چاہیے کہ اپنی پوری دنیا کو دین بنالے۔ ہر شخص دنیا کو پسند تو کرتا ہے مگر اس کو ہمیشہ اپنے ساتھ باقی رکھنا کوئی کوئی جانتا ہے۔ یہ طریقہ صرف درسگاہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہی سکھایا جاتا ہے۔ پوچھو عثمانِ غنی اور دیگر صحابہ کرام سے رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ یہ فائدہ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ (الخ)، فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان باپ پر فرض ہے کہ اپنی اولاد کو دین ایمان کا راستہ بتائے اور برے لوگوں بری عادتوں سے بچائے بچپن اور نابالغی میں ہی سجدوں میں لائے۔ مولیٰ تعالیٰ توفیق دے۔ یہ مسئلہ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ (الخ)، سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ زمین کی خود رو گھاس اور درختوں کے سوکھے پتے جو درخت سے جھڑ کر خود گر پڑے وہ کسی کی ملکیت نہیں جنگلی یا شہری گھاس کو جو بھی کاٹ لے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ اس طرح گرے پڑے پتے وغیرہ جو بھی جمع کرے گا وہ اس کا مالک ہو جائے گا۔ امام اعظم کا یہی مسلک ہے۔ یہ مسئلہ تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ سے مستنبط ہوا یعنی حقیر و بے قیمت بے ملکیت ہیں۔ اسی لیے ہوائیں ان کو اڑاتی پھرتی ہیں کوئی ان کو نہ پکڑتا ہے نہ سنبھالتا ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ دنیا کی ہر دولت مال ہے اس طرح ہر نفع دینے والی چیز بھی مال ہے اگرچہ وہ ناجائز طریقے سے ہی حاصل کیا گیا ہو۔ اس پر مالیت کے تمام احکام شرعی جاری اور نافذ کئے جائیں گے اس کے چور کے ہاتھ بھی کٹیں گے وغیرہ وغیرہ ہاں البتہ ناجائز طریقے اور حرام راستے سے حاصل کئے ہوئے مال کا مالک وہ شخص نہ بنے گا جس نے حاصل کیا ہو۔ یہ مسئلہ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ (الخ)، سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ نے مطلقاً طور پر ہر قسم کی دنیوی چیزوں اور کفار کی دولت کو بھی مال ہی فرمایا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مَثَلُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دنیا بری ہے اور دنیا کی زندگی بھی بری ہے۔ حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ دنیا کی زندگی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے یہ تقابل کیوں ہے۔ **جواب**۔ دنیوی زندگی جب تک کہ صرف دنیا کے لیے رہے وہ بری ہے اسی کا یہاں ذکر ہے۔ لیکن جب اسی زندگی میں دین شامل کر لیا جائے بلکہ پوری زندگی کو دین بنا لیا جائے تو وہ باقیات صالحات ہے اور اللہ کی نعمت ہے اسی کا احادیث میں ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا هُنَالِكَ جس کا معنیٰ ہے وہاں یعنی قیامت میں اللہ کی ولایت حکومت و نصرت ثابت ہے نحاتِ بصرہ کے نزدیک هُنَالِكَ دور کے لیے آتا ہے۔ جب کہ دیگر نحویوں کے نزدیک دور و نزدیک ہر دو کے لیے مستعمل ہے سوال یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کی ولایت دنیا میں قائم نہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ دنیا میں بھی اللہ ہی کی ولایت ہر جگہ قائم ہے۔ ہر شخص کی عزت ذلت امیری غریبی بیماری تندرستی اسی رب کریم کے قبضہ و اختیار میں ہے تو پھر یہاں هُنَالِكَ کیونکہ فرمایا گیا۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ هُنَالِكَ قریبی معنیٰ میں بھی استعمال کیا جاتا ہے بصریوں کا قول کمزور ہے۔ لہٰذا یہاں هُنَالِكَ سے دنیوی ولایت کا تذکرہ ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ دنیا میں چونکہ مجازی ولایتیں اور حکومتیں بھی موجود ہیں مگر آخرت میں کسی کی بھی مجازی یا عطائی بادشاہت نہیں ہوگی نہ کوئی دعویدار اس لیے وہاں کا ہی ذکر کیا گیا۔ لیکن پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے ہم نے اسی معنی میں تفسیر کی ہے تمام مفسرین بھی یہی تفسیر فرماتے ہیں وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا۔ ترجمہ وہ اللہ سب سے اچھا ثواب دینے والا ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ بھی کوئی ثواب دیتا ہے مگر وہ اتنا زیادہ اچھا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اُس سے زیادہ اچھا ثواب دیتا ہے۔ حالانکہ ثواب دینا تو صرف اللہ کا کام ہے۔ **جواب**۔ اس کے تین جواب ہیں۔ محمد بن ابو بکر رازی نے یہ جواب دیا کہ یہ فرضی ثواب کا ذکر ہے کہ اگر فرضاً کوئی ثواب دے سکتا ہوتا۔ تو بھی اللہ ہی کا ثواب سب سے زیادہ اچھا ہوتا۔ دوسرا جواب یہ کہ ثواب کا معنیٰ ہے بدلہ اور ہر دنیوی کام کا بدلہ دنیا والوں کی طرف سے ملتا رہتا ہے مگر وہ فانی ہے وہی کام اگر اللہ تعالیٰ کے لیے کیا جائے تو وہ اعلیٰ و افضل دائمی اور باقی ہے۔ اور جو باقی ہو وہ سب سے اچھا ہے لہٰذا اے بندو تم اللہ کے لیے ہی فقط کام کیا کرو کیونکہ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ خیر کے معنیٰ زیادہ اچھا نہیں ہیں۔ بلکہ خیر معنیٰ مفید یا بھلا یا فقط اچھا کیونکہ اسم تفضیل نہیں ہے اور زیادتی کے معنیٰ اسم تفضیل میں ہوتے ہیں۔ مگر دوسرا جواب زیادہ مضبوط ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ۔ مال کا ذکر پہلے کیوں فرمایا گیا جبکہ بنون خود مال بھی ہیں۔ اور مال کا ذریعہ نیز بیٹوں سے ہزار ہا دیگر فائدے ہیں بیٹوں پر مال قربان کر دیا

جاتا ہے ذکر بیٹوں کو مال پر۔ جواب۔ تفسیر روح المعانی نے اس کی چار وجہ بیان کی ہیں ۱۔ مال و دولت سے ظاہری باطنی زینت ہے بیٹوں سے صرف باطنی ۲۔ مال و دولت آتے ہی زینت بن جاتا ہے بیٹے بالغ بلکہ جوان صحت مند ہو کر زینت بنتے ہیں۔ ۳۔ مال تھوڑا ہو۔ یا زیادہ زینت بن جاتا ہے لیکن بیٹے زیادہ ہوں۔ تو زینت بنتے ہیں۔ اسی لیے مال واحد فرمایا گیا اور بَنُوْنَ جمع ۴۔ مال ہر حال میں مفید ہوتا ہے مگر بیٹے کبھی نافرمان بھی ہوتے ہیں یا بیمار اپاہج بھی بلکہ اگر مال نہ ہو تو یہی اولاد بیٹے بیٹیاں بوجھ بن جاتے ہیں۔ اس لیے مال کا ذکر پہلے کرنا مفید و درست ہے۔ پانچواں اعتراض۔ یہاں مال اور بیٹوں کا تو ذکر کیا گیا مگر غلاموں کا ذکر نہیں کیا گیا جبکہ نزولِ قرآن کے وقت غلام بھی موجود تھے۔ اور بیٹوں کی نسبت زیادہ فرماں بردار بن کر چلتے تھے۔ جواب۔ پانچ وجہ سے اوّلاً اس لیے کہ مال میں ہر قسم کا مال شامل ہے غلام بھی مال ہی ہوتے ہیں۔ دوم اس لیے کہ قرآن مجید تا قیامت ہے اور لونڈی غلام اب نہیں اسلام نے بہت اچھے طریقوں سے اس چیز کو آہستہ آہستہ روئے زمین سے ختم کر ڈالا۔ سوم یہ کہ غلام عارضی چیز ہے کبھی کسی کے پاس مگر بیٹے ابتداء سے انتہا تک اپنے ہی پاس رہتے ہیں۔ چہارم یہ کہ مال اور غلام صرف اُمرا کو میسر ہیں لیکن بیٹے غریب سے غریب تر کو بھی میسر۔ پنجم یہ کہ غلام میں فرماں برداری تو ہوتی ہے۔ مگر محبت قلبی نہیں ہوتی لیکن بیٹوں میں دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ هُوَ خَيْرٌ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ عُقْبًا۔ وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ اَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْاَرْضِ فَاَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقْتَدِرًا اے راہِ طلب میں چلنے کا ارادہ اور قصد با نیت کرنے والو تم دیکھو گے کہ یہیں اس عالمِ رنگ و بو میں ہر ہر قدم پر ہر ہر ذرّے میں سلطنتِ الٰہیہ اپنے جلوے قائم فرمانے والی ہے اور باری تعالیٰ کے لیے ہی قوتِ ازلی ابدی کی ولایتِ حقہ ہے۔ قلوبِ صدق وصفا کے واسطے اللہ کی طرف ولایت عقلاً ثابت و قائم فرما دی گئی ہے۔ مریدین مشاہدۂ جمال کو وہی مولیٰ تعالیٰ لذتِ انوار کا اچھا بدلہ دینے والا ہے اور انجامِ دائمی کو بہتر فرمانے والا ہے۔ وہی سب کا بادشاہ قدیم ہے اپنی شانِ وحدت میں یکتا ہے۔ ہزار ہا وادیٔ حیرت کے سالکینِ معرفت اسی غم میں پریشان ہیں کہ نہ اُس تک رسائی ہے اور نہ اُس سے صبر کر کے بیٹھ جانا ممکن ہے۔ کوئی شاہینِ عقل اس کے کمال کو آج تک پہنچی ہے اور نہ پہنچ سکتی ہے۔ بجز رحمۃ عالمین صلّی اللہ علیہ وسلم کے کوئی آنکھ اس رب عالمین کے جمالِ ذات سے مشرف نہ ہو سکی۔ طالب کو رحمتِ الٰہی سے کبھی مایوس نہیں ہونا چاہیے اس لیے کہ دنیا آماجگاہِ تمثیلات ہے اسے قلبِ منوّر ان شعور و صدور کے لیے ان کی معرفتِ یقینیہ کے لیے حیاتِ دنیوی اور عالمِ بے ثبات کی زندگی کی مثال عطا فرما۔ اور کائناتِ عارضی کا تمثیلی نقشہ بیان کر دے جیسے کہ وادیٔ متقیات و حواس میں ہم نے آسمانِ جلال کی طرف سے انوار کا پانی نازل فرمایا تو تلِ اجسام کی جڑی بوٹیاں مالامال

کی کھیتیوں میں بھر کر نکلیں اور اہلِ دنیا نے اپنے اَفعالِ دنیوی و اَفکارِ غروری ہنر مندی و سیاست بندی پر کامیابی کا غرور و ناز کیا تو وہ سارے اَعمال و کردار اَعضاءِ باطنی کے ارادے اور خواہش ظاہری کے کردار خشک ہو کر مرجھا گئے برباد ہو گئے قہر و غضب کی گرم ہواؤں نے ان کو فنا و تباہ کر دیا اس طرح کہ ویرانۂ ظلمات میں اُڑائے پھرتی ہیں۔ اور ذاتِ بے نیاز ہی ہر شئی پر قبضۂ و طاقت کا مالک ہے وہ ربِّ قدیر ہر جگہ موجود ہے اور ظاہر و باطن ہر حال میں نگراں ہے ماسوا حق جو کچھ بھی ہے سب زوال پذیر ہے۔ تمام امیدیں لمبی تمنائیں لغو اور بیہودہ ہیں۔ کائنات کی ساری جلوہ آرائیاں اُسی جمیلِ مطلق کا پرتو ہیں۔ دنیا میں اگر کوئی دانا یا اہلِ خرد ہے تو اُسی کے انوار کی جھلک ہے اور اگر کوئی بینا ہے تو اُسی کے عکس کی تجلّی ہے۔ بندہ جب لطافت میں ہوتا ہے۔ تو خیر مقبا ہوتا ہے اور خصائلِ رذیلہ کی کثافت میں اگر تنزّل و انحطاط کی بختی فنا میں آجاتا ہے۔ پس بندہ جس طرف بھی اپنی توجّہ فکر و شغل قائم کرے وہی رنگ اس پر چھا جاتا ہے۔ یہی اثرِ صحبت کہلاتا ہے۔ اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا ان دونوں کیفیات کو بتانے کے لیے ارشادِ ربانی ہے کہ اے بندۂ طالبِ جمالِ انوار یہ مالِ دنیا اور اولادِ نطفہ فقط ظاہرِ دنیا کی عارضی فانی خوبصورتی ہے جس کی کشفتیں عیاں ہیں۔ اور ابدی رہنے والی۔ صالحاتِ کمالیہ اعمالِ جالیہ محبتِ مخلصی معرفتِ کاملہ اُنس باللہ۔ اِخلاص للہ ایمان علی توحید اللہ و رسالت فنا فی اللہ نیتِ صادقہ بارگاہِ جلال و جمال میں بس تیرے رب کی رضا میں یہی افعالِ خیر ہیں۔ ان ہی کا بدلہ وادیِ مشاہدہ میں تجلیاتِ انوار کا ثواب ہے اور یہی عمل اچھی امیدوں کے لائق ہیں۔ اگر سچا بندہ بننا چاہتا ہے تو محمدِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیری و درویشی اختیار کر۔ توحید صرف صوفیا کی اصطلاح ہے اور توحید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ہر چیز سے قطع تعلق کر لیا جائے۔ حتٰی اپنی طلب ارادہ علم اور معرفت فہم و ذکا سب پر توجّہ الیہ کو شامل کرے یہاں تک کہ اپنے لباس خوراک اور مکان و رہائش کی طرف بھی متوجّہ نہ ہو۔ جو لوگ اپنے آپ کو موحّد کہتے ہیں اور ہر وقت توحید توحید کی رٹ لگاتے ہیں اور پھر اپنی دنیا سازی کی فکر میں لگے رہتے ہیں کاروبار تجارت مکانات و تعمیرات میں مشغول رہتے ہیں اُن کا اپنے آپ کو موحّد کہنا کذب بیانی اور تلبیسِ ابلیس ہے شیطان اور ابلیس بھی خود کو موحّد اور توحید والا سمجھتا ہے مگر اس نے اپنی توحید کی اصطلاح علیحدہ ہی بنائی ہوئی ہے۔ ایسی توحید کو ماننے والا ایک فرقہ بھی آج کل ہمارے زمانے میں موجود ہے جس کو فرقہ توحیدیہ کہتے ہیں۔ ان کی توحید کا کام گستاخیِ نبوّت و ولایت ہے طالبانِ معرفت کو اس فرقۂ توحید اور اُن کے عقائدِ گمراہی سے بچنا چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّ فِرَقِ الْبَاطِلَه۔

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً

اور جس وقت ہم پھسلائینگے پہاڑوں کو اور تم آنکھوں دیکھو گے پوری زمین کھلی میدان

اور جس دن ہم پہاڑوں کو چلائینگے اور تم زمین کو صاف کھلی ہوئی دیکھو گے

وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ﴿٤٧﴾

اور ہم تمام کو جمع کریں گے تو کسی کو نہیں چھوڑیں گے اُن میں سے

اور ہم انہیں اٹھائینگے تو ان میں سے کسی کو نہ چھوڑیں گے

وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا

اور تمام پیش کئے جائینگے آپ کے رب کے حضور صفیں بناکر البتہ بے شک تم آؤ گے سب لوگ

اور سب تمہارے رب کے حضور پرا باندھے پیش ہوں گے بے شک تم ہمارے پاس

كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍۭ ؗ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ

ہمارے پاس اُسی شکل وصورت وجسمانیت میں جیساکہ ہم نے انکو پہلی مرتبہ پیدائش دی تھی بلکہ تم نے تو یہ وہم کیا تھاکہ ہرگز

ویسے ہی آئے جیسا ہم نے تمہیں پہلی بار بنایا تھا بلکہ تمہارا گمان تھا کہ ہم ہرگز

نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ﴿٤٨﴾ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى

ہم نہ بنائینگے تمہارے لیے کبھی کوئی وعدے کا دن اور رکھدی جائینگی سب کی کتاب تو سب

تمہارے لیے کوئی وعدے کا وقت نہ رکھینگے اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تم

الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ

مجرم ڈرتے ڈرتے اُس کو دیکھیں گے جو اس میں ہے اور کہیں گے

مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہونگے اور کہیں گے

يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً

ہائے ہماری ہلاکت کیسی ہے یہ کتاب کہ نہیں چھوڑا کسی چھوٹے یا بڑے نے

ہائے خرابی ہماری اس نوشتے کو کیا ہوا نہ اُس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا

وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا

کو مگر لکھ ڈالا ہے اس کتاب نے اُن سب کو اور پایا انہوں نے وہ سب

نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو۔ اور اپنا سب کیا انہوں نے سامنے

حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ﴿۴۹﴾ ع ع ۱۸

موجود جو عمل کئے تھے انہوں نے اور آپ کا رب کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا

پایا اور تمہارا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا

تعلق ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں بے ثباتی دنیا کی ایک اور مثال بیان فرمائی گئی تھی۔ اب اِن آیتوں میں فہم انسانی کے نزدیک جو سب سے مضبوط چیز ہے۔ اُس کی انتہائی کمزوری ظاہر فرمائی جارہی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں مال و اولاد کو زینت دنیوی فرمایا گیا تھا۔ جس سے ثابت ہوا تھا کہ یہ سب چیزیں خواہ کتنی ہی شاندار اور کثرت سے ہوں پھر بھی صرف دنیا کی چند روزہ زندگی تک ہیں اب فرمایا جارہا ہے کہ آخرت میں یہ سب بیکار ثابت ہو نگے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اعمالِ صالحہ کا فائدہ اور بقا کا ذکر ہوا اب ان آیتوں میں بروز محشر اعمال نامہ دیکھنے کا ذکر ہے جو اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ کس کو بقا ہے کس کو فنا۔ **چوتھا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ثواب اور عاقبت کا ذکر ہوا جن سے سوال پیدا ہوتا تھا کہ وہ کب ملے گا تو ان آیت میں فرمایا گیا۔ یَوْمَ نُسَیِّرُ یہ اس دن ملے گا جب یہ کام ہو گا۔

تفسیر نحوی وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً ۙ وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا ۚ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا ؕ لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ۢ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۔ واؤ پر جملہ یہاں اُذکُرْ فعل امر پوشیدہ ہے یعنی یاد کیجئے اے نبی یا ذَکِّرْ پوشیدہ ہے۔ یعنی یاد دلا یئے ایک قول ہے کہ واؤ عاطفہ ہے اور عطف ہے سابقہ خیر پر داخل تھا و خیر یوم۔

لفظِ یَوْمَ۔ اسم مفرد جامد ظرفِ زمانی نکرہ معین بمعنی دن۔ وقت۔ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ ظرفِ مقدم ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا موصوف ہے
اگلی عبارت صفت ہے نُسَیِّرُ۔ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم ایک قرأت میں یُسَیِّرُ واحد مذکر غائب ہے بہرصورت
فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور ضمیر فاعل اسی میں موجود ہے۔ سَیْرٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے تَسْیِیْرٌ بمعنی پھسلانا سیر کرانا۔ چلانا۔ سَیْرٌ کا
معنی لازم ہے خود چلنا۔ سیر کرنا تُسَیِّرُ الْجِبَالَ کی قرأت میں چار قول ہیں ۱ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ یہ ہی مشہور و جمہور ہے ۲ یُسَیِّرُ الْجِبَالَ ۳ تُسَیِّرُ الْجِبَالُ
۴ تُسَیَّرُ الْجِبَالُ جِبَالٌ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد جَبَلٌ ہے بمعنی پہاڑ مراد ہیں تمام پہاڑ بحالِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے نُسَیِّرُ کا یہ سب
جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَرَی فعل مضارع واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اَلْاَرْضَ
اس کا مفعول بہ۔ مراد ہے تمام زمین بَارِزَۃً۔ باب نصر کا اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث بُرُوْزٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے کھل جانا۔ ظاہر ہونا
چٹیل میدان ہونا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے اَلْاَرْضَ ذوالحال کا۔ دونوں مفعول بہ ہیں تری کا نُسَیِّرُ اور تَرَی دونوں مستقبل ہیں ایک
قول میں بَارِزَۃً علیحدہ مفعولِ دوم ہے تری کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ حَشَرْنَا۔ باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم
حَشْرٌ سے بنا ہے بمعنی اکٹھا کرنا ھُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے حَشَرْنَا کا یہ ماضی بمعنی مستقبل ہے کیونکہ اس سے پہلے اِذَا شرطیہ
پوشیدہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ لَمْ نُغَادِرْ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ مضارع بمعنی ماضی مطلق۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ھُمْ ضمیر مجرور
متصل جمع غائب مرجع ہے تمام انسان یہ جار و مجرور متعلق ہے لَمْ نُغَادِرْ کا۔ یہ غَدْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنی چھوڑنا۔ یہاں منفی مستقبل کا
معنی کیا جائے گا یعنی نہیں چھوڑیں گے۔ لغوی ترجمہ ہے پتھریلی جگہ جس جگہ پتھر جم جاتے ہیں وہاں کچھ نہیں اُگتا۔ اور پتھر اپنی جگہ
نہیں چھوڑتے نہ کچھ اُگنے دیتے ہیں حالانکہ یہ زمین کی اصلیت کے خلاف ہے۔ اسی لیے ہر اس کام کو غَدَر اور ہر اس شخص کو غدار
کہا جاتا ہے جو اپنی اصلیت کو اور حق کو چھوڑ دے۔ اچھائی و اصلاح کے ساتھ نہ رہے یا اپنی جگہ اپنے مرتبے اپنے وطن میں نہ رہے
یا نہ رہنے دیا جائے۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ اَحَدًا مفعول بہ ہے لَمْ نُغَادِرْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی وَحَشَرْنَا کی دونوں
مل کر فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ عُرِضُوْا باب ضرب کا ماضی مطلق مجہول۔ عَرْضٌ سے مشتق ہے بمعنی سامنے آنا
پیش ہونا حاضر موجود ہونا یہاں یہ چاروں فعل ۱ نُسَیِّرُ ۲ حَشَرْنَا ۳ تَرَی ۴ لَمْ نُغَادِرْ۔ بمعنی مستقبل ہیں لیکن ماضی یا بمعنی ماضی آنا
اظہار یقین کے لیے ہے۔ یعنی گویا کہ ایسا ہو ہی گیا۔ عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ ظرفیہ رَبِّکَ مرکب اضافی بمعنی اے نبی کریم آپ کا رب یہ جار مجرور
متعلق ہے عُرِضُوْا کا صَفًّا۔ اسم جامد مصدر حال ہے عُرِضُوْا کے نائب فاعل ھُمْ مستتر ضمیر جمع کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
ہے وَحَشَرْنَا پر وہ معطوف ہے تری پر وہ معطوف ہے نُسَیِّرُ پر سب مل کر صفت ہوئی یوم کی وہ ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا
سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ لام تاکیدی قَدْ جِئْتُمُوْنَا۔ ماضی قریب جمع مذکر در اصل تھا قَدْ جِئْتُمْ آخر میں واؤ اتصالیہ لگائی نَا ضمیر
جمع متکلم متصل سے جوڑنے کے لیے نَا ضمیر سے پہلے عِنْدَ پوشیدہ ہے۔ ترجمہ ہے ہمارے پاس ایک قول میں نَا ضمیر خود ظرف ہے
اور ترجمہ ہے ہم میں آئے تم یعنی ہمارے پاس یہ محاورہ ہے۔ کَمَا۔ کاف جارہ مَا موصولہ زائدہ خَلَقْنَا باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم
فاعل ہے باری تعالیٰ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ خَلْقٌ ہمیشہ مصدر متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اَوَّلَ اسم تفضیل مذکر اَوَّلٌ سے

مشتق ہے بمعنی پہلے ہونا۔ مضاف ہے۔ مَرَّةٍ اسم تکراری مضاف الیہ آخر یں تک وحدت کی ہے ترجمہ ہے پہلی مرتبہ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے خَلَقْنَا کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ خیال رہے کہ فعل کا متعدی بیک مفعول یا بدو یا بسہ ہونا صرف مفعول بہ سے ہوتا ہے کسی دوسرے مفعول فیہ وغیرہ سے نہیں ہوتا۔ بل۔ حرف عطف استدراک کے لیے استدراک وہ ہے جس سے ماقبل کی نفی اور مابعد کا ثبوت ہوتا ہے زَعَمْتُمْ ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مخاطب کفار ہیں۔ اَلَّنْ دراصل ہے۔ اَنْ مخففہ نون اور لام کا مخرج قریب ہونے کی وجہ سے نون کو لام میں ادغام کر دیا گیا یہ اَنْ۔ اَنَّ مشددہ حرف مشبہ ہے جب یہ مخفف ہو جائے تو عامل نہیں رہتا لغو ہو جاتا ہے مگر معنیٰ دیتا ہے۔ لَنْ نَّجْعَلَ باب فَتَحَ کا فعل نفی جحد بلن جَعْلٌ سے سے بنا ہے بمعنی اٹھانا۔ بنانا۔ زندہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ مناسب ہے نَحْنُ مستتر ضمیر جمع اس کا فاعل۔ لام جارہ نفع کا کُمْ ضمیر کا مرجع کفار تا قیامت۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَنْ نَّجْعَلَ کا مَوْعِدًا اسم ظرف ترجمہ ہے۔ وعدے کا دن۔ وقت۔ زمانہ۔ یا مصدر میمی حاصل مصدر ہے بمعنی وعدہ یہ مفعول بہ ہے لَنْ نَّجْعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر زَعَمْتُمْ کا مفعول بہ ہوا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا قَدْ خَلَقْنَا پر سب عطف مل کر صلہ ہوا کَمَا کا وہ موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے۔ قَدْ جِئْتُمُوْنَا کا یہ جملہ سب سے مل کر مکمل ہوا۔

وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّاۤ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ؕ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔

واؤ مرتبہ۔ وُضِعَ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق مجہول الف لام عہدی کتاب اسم مفرد مصدر ثلاثی بروزن قِتَالٌ بمعنی اسم مفعول یعنی مکتوب لکھی ہوئی مراد ہے اعمال نامہ بحالت رفع ہے کیونکہ نائب فاعل ہے وُضِعَ کا۔ اِذَا شرطیہ یہاں پوشیدہ ہے اس لیے یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ تَرٰی فعل مضارع معروف واحد حاضر رُؤْیَۃٌ سے مشتق ہے مہموز العین اور ناقص یائی ہے ترجمہ ہے دیکھنا بغور اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ اُس کا مرجع ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُجْرِمِیْنَ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے مُجْرِمٌ ترجمہ ہے۔ جرم کرنے والا مفعول بہ ہے تَرٰی کا اس لیے منصوب ہے مُشْفِقِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر سالم واحد ہے مُشْفِقٌ منصوب ہے کیونکہ حال ہے مُجْرِمِیْنَ کا۔ یہ دونوں باب افعال کے اسم فاعل جمع مذکر ہیں دونوں کے مصدر ہیں۔ اِجْرَامٌ اور اِشْفَاقٌ یہ شَفَقٌ سے بنا ہے۔ بمعنی ڈرنا۔ دل کا نرم ہونا۔ دل پر اثر ہونا۔ محبت کو شفقت دل کی نرمی کی وجہ سے کہا جاتا ہے یعنی ترس آنا۔ مِمَّا۔ دو لفظ ہیں۔ مِنْ حرف جر بیانیہ ہے مَا اسم موصول۔ فِیْ۔ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے ہے۔ ہٖ ضمیر کا مرجع کتاب یہ جار مجرور متعلق ہے مَکْتُوْبٌ اسم مفعول پوشیدہ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے مُشْفِقِیْنَ کا یہ جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر حال ہوا اَلْمُجْرِمِیْنَ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ ہے تَرٰی کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ یَقُوْلُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مستقبل جمع مذکر غائب قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے ھُمْ ضمیر پوشیدہ کا مرجع کفار ہیں یہ فاعل ہے فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ قول ہوا یٰوَیْلَتَنَا تین لفظ ہیں یَا یا حرف ندا مگر یہاں چونکہ ویل پر آیا ہے اس لیے ندا اور پکارنے بلانے کے لیے نہیں بلکہ تنبیہ تعجب۔ افسوس غم کے لیے ہے۔ فَدَائِیہ ہو

تو ترجمہ ہوتا ہے ہائے مگر یہاں ترجمہ ہے مارے اور اگر یا ندبہ کے لیے ہو تو اُس کا ترجمہ ہوتا ہے۔ ہائے یہاں ندبہ یعنی رونے کے لیے بھی ہو سکتا ہے جیسے حدیث پاک میں اَلفاظِ اقدس ہیں یَارَاسَاہُ ہائے میرے سر کے درد یا ہیرے سر کے درد عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو دیکھ کر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔ وَیْلَۃٌ اسم مصدر ہے آخر کی تَ مصدریہ ہے بمعنی ہلاک ہونا۔ حاصل مصدر بھی ہو سکتا ہے بمعنی ہلاکت۔ یہ بربادی یہ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع کفار تا قیامت مضاف الیہ ہے وَیْلَتَنَا کا یہ مرکب اضافی مندوب ہے۔ مَا۔ اسم استفہامیہ موصولہ بمعنی کیا۔ خیال رہے کہ مَنْ اور مَا یہ دونوں اسم موصولہ خبریہ بھی ہوتے ہیں سوالیہ بھی جب خبریہ ہوں تو ترجمہ ہو گا وہ شخص جو وہ چیز جو اور جب سوالیہ ہوں تو ترجمہ ہوتا ہے کون اور کیا۔ لِ۔ لام جارہ برائے کیفیت ھٰذَا اسم اشارہ قریبی بمعنی یہ اور اس۔ الف لام عہدی کتاب بمعنی مکتوب مراد ہے اعمال نامہ یہ مشار الیہ ہے ھٰذَا کا دونوں مل کر موصوف ہوا۔ لَایُغَادِرُ۔ باب مفاعلہ کا مضارع منفی بمعنی حال اس کا مصدر ہے مُغَادَرَۃٌ غَدْرٌ سے بنا ہے بمعنی چھوڑنا۔ ھُوَ مستتر اس کا فاعل جس کا مرجع ہے کتاب صَغِیْرَۃً۔ اسم صفت مشبہ واحد مونث لفظی مبالغہ کے لیے بہت ہی چھوٹی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ جمع کے لیے۔ لَا حرفِ عطف لَایُغَادِرُ کی تاکید کے لیے کَبِیْرَۃً صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بمعنی بہت بڑی۔ بڑی سے بڑی۔ یہ معطوف ہے صَغِیْرَۃً پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَایُغَادِرُ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل اَحْصٰی فعل ماضی مطلق واحد غائب باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِحْصَاءٌ حَصٰی سے بنا ہے بمعنی گننا اور نمبروار ترتیب سے لکھنا۔ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے کتاب۔ ھَا ضمیر واحد مونث منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ہے صغیرۃ پورا عطف یہ جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا لَایُغَادِرُ کا دونوں مل کر صفت ہوئی ھٰذَا الْکِتٰبِ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہے لام جارہ مجرور سے مل کر متعلق ہے کَانَ فعل پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ تامہ ہو کر صلہ ہے مَا موصولہ کا دونوں مل کر جوابِ نِدا۔ سب مل کر مقولہ ہوا یَقُوْلُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہو گیا۔ واؤ سرجملہ۔ وَجَدُوْا۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل۔ وَجْدٌ مثال واوی سے بنا ہے بمعنی پانا۔ ھُمْ اس کا فاعل مَا موصولہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی جمع غائب ھُمْ فاعل پوشیدہ مرجع تمام کفار عَمَلٌ سے مشتق بمعنی اعضاءِ ظاہری ہاتھ پاؤں وغیرہ سے کام کرنا مراد ہیں اُخروی کام یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مفعول بہ ہوا وَجَدُوْا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر ذوالحال ہوا۔ حَاضِرًا باب نَصَرَ کا اسم فاعل مذکر حضورٌ سے بنا ہے بمعنی موجود ہونا۔ سامنے آجانا۔ مخاطب ہونا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے وَجَدُوْا کے مصدری معنیٰ کا۔ وَجَدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ ایک قول میں حَاضِرًا مَا کا حال ہے۔ یہ درست ہے واؤ سرجملہ۔ لَایَظْلِمُ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی بالفعل حال ہے۔ ایک قول میں مستقبل ہے ظُلْمٌ سے بنا ہے بمعنی نقصان کرنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے رَبُّکَ مرکب اضافی فاعل ہے اَحَدًا اسم عددی نکرہ غیر معین بمعنی کسی کو کوئی مفعول بہ ہے لَا یَظْلِمُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا

تفسیر عالمانہ

وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَۃً وَّحَشَرْنٰھُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْھُمْ اَحَدًا وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا

اور اے پیارے محبوب نبی المرسلین ان بدمست بدنصیب مغرور اور دنیا کی فانی زندگی میں مشغول و مسرور ہو کر آخرت قیامت سزا و جزا اور باقیاتِ صالحات کو بھولنے نہ سمجھنے نہ جاننے نہ ماننے والے کفار و بدکردار کو وہ دن یاد کرائیے کہ تمہارے بداعمال کا عذاب اور نیک مخلص بندوں عاجزوں مسکینوں ایمان والوں کے اعمال صالحات کا باقیات دائمی بننا اور خیرٌ اَمَلاً یعنی اچھا انجام ہونا اسدن ہوگا جس دن ہم زمین کے تمام چھوٹے بڑے اونچے نیچے دور و نزدیک پہاڑوں کو معمولی ہلکے روئی کے گالوں بادل کے ٹکڑوں کی طرح اوپر فضاؤں ہواؤں میں بکھیر کر پھیلائیں اور چلائیں گے یہی وہ پہاڑ جن کو تم اپنی دنیا کا بہت مضبوط اور اٹل حصہ سمجھتے ہو ہماری قدرت و طاقت کے سامنے بادلوں کے دھوئیں سے بھی کم حیثیت رکھتے ہیں دنیا کی دوسری چیزوں کی کھیت کھلیان باغ و جنان کی تو حیثیت ہی معمولی ہے تمام اشیا عمارات و جمادات و نباتات کو ایسا فنا و برباد کر دیا جائے گا کہ اے پیارے نبی ازلی حادث اور عالم ارواح سے ہمارے سارے جہانوں کو دیکھنے والے حاضر و ناظر محبوب اس دن تم دیکھو گے اس پوری زمین کو صاف چٹیل کھلا ہموار برابر میدان بلا روک ٹوک ظاہر اور ہر چیز درخت و عمارت گھر بار پہاڑ و چٹان پتھریلی اینٹ و کنکریٹ سے خالی۔ ایک قول ہے کہ یہاں مراد ہے زمین کا اپنے اندر کے تمام معدنیات اور قبر کے مردوں کو باہر نکال کر خالی ہو جانا۔ یعنی دیکھو گے تم اس دن اس پوری زمین کو ظاہر و باطن سے خالی۔ یہ سب کچھ اس طرح ہوگا کہ پہلے شدید زلزلہ آئے گا جس سے زمین کی ہر ظاہر چیز گر پڑیگی اور پہاڑ اولاً اپنی جگہ سے اکھڑ کے بادل کی طرح اڑیں گے پھر زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ریزہ ہو جائیں گے۔ اسی زلزلے سے عمارتیں درخت بھی گر کر زمین کے گڑھوں میں سما جائیں گے اور زمین کے سارے کان معدن دفینے تیل پیٹرول گیس وغیرہ باہر نکل پڑیں گے۔ پھر قبرستانوں کے مردے بھی زندہ ہو کر نکل پڑیں گے یہ سب اس لیے ہوا ہے اور تمام زمین کو خالی میدان اس لیے بنایا ہے وَحَشَرْنٰهُمْ اور ہم نے ان تمام فوت شدہ اور مردہ انسانوں جنوں کو وہاں حساب کتاب سزا و جزا کے لیے جمع کیا ہے۔ تو ہم زمین والے لوگوں میں سے کسی بھی نیک و بد فاسق و صالح مومن و کافر کو میدانِ محشر میں لائے بغیر کسی بھی دوسری جگہ کسی بھی حالت و کیفیت میں نہ چھوڑیں گے۔ اور ان تمام انسانوں جنوں کی حالت اس طرح ہوگی کہ حاضر بارگاہ کئے جائیں گے اپنے رب کے حضور صفیں بنا کر تاکہ ادب و احترام کے علاوہ کوئی کسی سے چھپ نہ سکے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یا تو ایک ہی صف ہوگی تمام انسانوں جنوں کی یا بہت سی صفیں بنا کر پیشی ہوگی جیسا کہ حدیث پاک میں ہے تمام انسانوں کی اور راستوں کی ایک سو دس صفیں ہونگی جن میں امتِ مسلمہ کی اَسّی صفیں ہونگی اور باقی تمام نیک بد لوگوں کی چالیس صفیں ہونگی۔ اور یا تمام لوگ ایک ایک صف کی صورت میں حاضر بارگاہِ الٰہیہ میں ہونگے۔ کفار کی صفیں علیحدہ ہوں گی مومنوں کی علیحدہ یہ ایک سو دس صفیں صرف اہل ایمان کی ہونگی۔ اور اسی صفوں کی حالت میں یا پہلے رب تعالیٰ کی طرف سے ندا فرمائی جائے گی کہ اے منکرینِ قیامت لوگو۔ البتہ بے شک بلاشبہ تم ہماری بارگاہ میں آج اسی طرح آگئے یا انہیں جیسے کہ ہم نے تم کو پہلی مرتبہ ماؤں کے پیٹ سے ننگے سر ننگے بدن اور بے ختنہ پیدا کیا تھا نہ طاقت تھی نہ دولت نہ عزت

نہ حشت۔ بلکہ آج بھی وہ دن ہے جس کے بارے میں تم نے اپنی ضد جہالت ہٹ دھرمی اور تکبر و انکار کرتے ہوئے ہمارے انبیاء اولیاء علماء کو جھٹلاتے ہوئے شیطانی ابلیسی ورغلاہٹ اور وسوسوں میں پھنس کر باطل گمان کیا تھا کہ ہم ہرگز نہیں بنا سکتے یا نہیں بنائیں گے تمہارے لیے اور تمہارے ظلم کفر شرک سرکشی کا حساب کتاب لینے اور سزا جزا عذاب دینے کے لیے کوئی وعدے کا دن یا وعدے کی جگہ۔ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۭ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۔ اُس دن میدانِ محشر میں کتاب رکھ دی گئی۔ یا اس طرح کہ جب حکمِ ربانی سن کر فرشتے بندوں کو صفیں صفیں بنا کر بارگاہِ ربانی میں لانے لگیں گے اور ہر شخص اپنی اپنی صفوں میں پنجوں کے بل کھڑا ہو جائے گا تو قدرتی ہوا کے ذریعے ہر ایک کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں آجائے گا یا فرشتے خود بانٹیں گے۔ کفار کا اعمال نامہ بائیں الٹے ہاتھ میں کیونکہ اس میں صرف کفر ہی لکھا ہوگا اس لیے گندے وحقیر ہاتھ میں دیا جائے گا۔ مومن کا اعمالنامہ اس کے دائیں اور سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا۔ اگرچہ مومن گناہ گار ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ ایسی مضبوط تقسیم ہوگی کہ کوئی بھی ہاتھ کو تبدیل نہ کر سکے گا۔ یا اس طرح کتاب رکھی جائے گی کہ میزان قیامت میں ایک بڑا سا پرچہ رکھا ہوگا اس طریقے سے صف میں کھڑے ہر شخص کے سامنے اسی کا اعمال نامہ ہوگا اور وہ بخوبی پڑھ لیگا۔ یا اس طرح کہ اعمال نامے کی یہ کتاب کھلی ہوئی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہوگی اور ہر شخص وہاں جا کر پڑھے گا۔ اے پیارے نبی ان مغرور اکڑ باز دل شکروں مجرموں کو آپ اُس دن دیکھیں گے لرزتے کانپتے ڈرتے ہوئے اپنے اُن بدعملوں کی وجہ سے جو اس اعمال نامے کی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں اور کہتے چیختے پکارتے ہوں گے ہائے ہماری ہلاکت بربادی تباہی کمبختی بدنصیبی کیا عجیب حال ہے اس اعمالنامے اور اس کی تحریر و لکھائی کا کہ دنیا میں جو جو کام ہم نے معمولی سے معمولی سمجھا ایسے ہی چلتے پھرتے بے پرواہی میں واہی تباہی کر دیئے فلاں فلاں وقت اور فلاں فلاں عمر اور دنوں میں وہ بھی نہیں چھوڑے اس میں لکھے ہیں اور نہ ہی ہمارے فلاں فلاں دنوں کے بڑے بڑے گناہ و کفریات ہی چھوڑے مگر اُن سب کو گنتی میں شامل کر لیا ہے اس کتاب نے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ واقعی جو چھوٹا بڑا اچھا یا برا دینی یا دنیوی انہوں نے دنیا میں کسی حالت کسی وقت کوئی عمل کیا تھا وہ اس دن اعمالنامے میں لکھا ہوا یقیناً پا لیا۔ اور یہ ذرے ذرے کی لکھائی کیوں ہے؟ صرف اس لیے کہ آپ کا رب تعالیٰ کسی پر بھی کسی زمانے کسی حالت میں بھی ظلم نہیں کرتا۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**۔ ہمارے آقا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کلی علم غیب بھی رکھتے ہیں اور پورے قرآن مجید کو نزول قرآن سے پہلے بھی جانتے ہیں۔ یہ فائدہ وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْاَرْضَ اور وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا اور اَوَّلَ مَرَّةٍ اور وَوُضِعَ الْكِتٰبُ کے اجمالی ذکر فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ ان تمام حالات و کیفیات کی تفصیل آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی بیان فرمائی جو احادیثِ مبارکہ میں درج ہے مفسرین عظام بھی اس قسم کی تفصیل احادیث ہی سے دیکھ کر بیان کرتے ہیں۔ بلکہ بہت دفعہ تو پیارے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نزولِ وحی سے پہلے ہی قیامت وحشر ونشر و علامتِ قیامت کی تفصیل بیان فرمادی یہ کام وہی کر سکتا ہے جس کو رب تعالیٰ نے تمام چیزوں کا غیبی علم عطا فرمایا ہو۔ **دوسرا فائدہ**۔ کفار کے بھی تمام اچھے برے کام نامۂ اعمال میں لکھے جاتے ہیں اگرچہ وہ کام نیکی اور قابلِ ثواب نہیں ہوتے کیونکہ ثواب پانے کے لیے مومن ہونا شرط ہے۔ قیامت میں کافر کے اچھے کام ان کے مظلوم مومنوں کو دے دیئے جائیں گے ان کو دکھا کر یا بہت سوں کا بدلہ دنیا میں ہی دولت عزت اور عیش آرام کی شکل میں دے دیا جائے گا۔ یہ فائدہ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً سے حاصل ہوا۔ ورنہ وہ سوالاً کہہ سکتے تھے کہ ہمارا فلاں کام نہیں لکھا گیا بعض علما فرماتے ہیں کہ کافر کے صرف کفر و گناہ ہی لکھے جاتے ہیں وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

تیسرا فائدہ۔ قیامت میں ہر شخص پڑھا جاتا ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں بے پڑھا ہو اور پھر عربی اور میدان محشر والی لکھائی اور فرشتوں کا رسم الخط پڑھ سکے گا۔ کفار بھی اور مومنین بھی اور ہر شخص دنیا میں کئے ہوئے عمل ان کے اوقات حالات۔ کیفیات کو یاد رکھے ہونگے یہ فائدہ وَيَقُولُونَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کہ اعمالنامہ پڑھتے ہی ان کو دنیا کی زندگی اور اپنے کرتوت وکردار یاد آجائیں گے۔ اور سب لمحات ان کی آنکھوں کے سامنے پھر جائیں گے تب یہ کہیں گے۔ یوقت ولادت یہ نہیں ہوتا۔ **چوتھا فائدہ**۔ قیامت میں سب ہی حاضر بارگاہ ہونگے مومن بھی کافر بھی نیک بھی بد بھی۔ اولیا علما اور انبیاء کرام علیہم السلام بھی لیکن نوعیتِ حاضری میں فرق ہے کہ مومن جزا کے لیے مجرم سزا کے لیے اولیا علما صرف شفاعت کے لیے اور انبیاءِ عظام علیہم السلام گواہی کے لیے بھی اور شفاعت کیلئے بھی یہ فائدہ وَيَقُولُونَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریم سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ دنیوی زندگی میں اگرچہ کفار شرعی احکام عبادات و ممنوعات حرام و حلال کے مکلف نہیں اور شراب جوئے وغیرہ پر ان کو شرعی عدالت حد یا تعزیری سزا نہیں دے سکتی مگر عند اللہ یہ جرم کر کے وہ قیامت میں سزا ضرور پائیں گے اور نماز چھوڑنے شراب پینے کی سزاء اخروی ان کو ملے گی اور بوقت حساب کتاب ان سے پوچھا جائے گا کہ تم نے ایمان لاکر نمازیں کیوں نہ پڑھیں شراب کیوں نہ چھوڑا۔ مگر یہ جرم پر ایمان لانے کا ذکر ضرور ہوگا۔ کیونکہ اصل ایمان ہی ہے۔ یہ مسئلہ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ اچھی اور پاکیزہ چیزیں اور کھانا پینا سیدھے اور دائیں ہاتھ سے کیا کریں لیکن برے گندے گھناؤنے کام اور گھناونی چیزیں پکڑنا الٹے یعنی بائیں ہاتھ سے کیا کریں۔ حدیث پاک سے ثابت ہے کہ اچھے کاموں کے لیے مکمل دایاں طرف استعمال کرنا اور دائیں طرف سے شروع کرنا چاہیئے یہاں تک کہ آنکھوں کا سرمہ سر کی کنگھی پاؤں کا پیجامہ ہاتھ کی قمیص اور مسجد یا گھر میں داخل ہونے کا پاؤں بھی پہلے دایاں ہو پھر بایاں یہ مسئلہ وُضِعَ الْكِتٰبُ کی تفسیر و احادیث سے مستنبط ہوا کہ کفار کا کفر پُر گندہ اعمالنامہ اُن کے گندے اور الٹے ہاتھ میں دیا جائے گا مومن کے سیدھے ہاتھ میں کیونکہ اس میں مومن کی

تلاوتیں عبادتیں تسبیح و تہلیل درود وظیفے درود شریف صلوٰۃ وسلام نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی اور گیارھویں بارھویں شریف کے ختم لکھے ہونگے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان کو صغیرہ گناہ سے بھی اسی طرح بچنا اور نفرت کرنا چاہیئے جس طرح کبیرہ گناہ سے کیونکہ یہ بھی عذاب کا باعث یا گناہ کی عادت کا ذریعہ بن سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ۔ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً ۔ دالخ) سے مستنبط ہوا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ صغیرہ گناہ وہ ہے جو نیکیوں کے ثواب کو کم کر دے اور کبیرہ گناہ وہ ہے جو نیکیوں کے ثواب کو ختم کر دے۔ مثلاً غیر عورت کا بوسہ معانقہ وغیرہ اور عشقیہ بات چیت ناجائز خط و کتابت یہ صغیرہ گناہ ہیں اور بدفعلی زنا اغلام وغیرہ کبیرہ گناہ ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا نُسَيِّرُ یہ فعل مضارع مستقبل ہے اور پھر فرمایا گیا حَشَرْنَا یہ ماضی ہے پھر فرمایا گیا فَلَمْ نُغَادِرْ یہ نفی لَمْ ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ **جواب** یا اس لیے کہ حشر پہلے ہے بعد میں نُسَيِّرُ الْجِبَالَ ہے حشر کے کاموں میں سے ہی پہاڑوں کا ختم کرنا ہے اور نُسَيِّرُ کے اعتبار سے حشر ماضی ہے اس لیے حَشَرْنَا کو ماضی فرما کر اولیت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اور یا اس لیے حَشَرْنَا پر ایمان اور عقیدے کا دارومدار ہے کیونکہ کفار اسی حشر و قیامت کے ہی منکر ہیں ذکر شدہ کی اس وجہ سے نُسَيِّرُ الْجِبَالَ کو مستقبل کے صیغے فرما کر حقیقی وقت کی طرف توجہ دلائی گئی اور حَشَرْنَا کو ماضی فرما کر یہ بتایا گیا کہ قیامت اور حشر ایک یقینی چیز ہے کہ گویا ہو ہی گیا۔ رہا صیغہ فَلَمْ نُغَادِرْ تو یہ ماضی ہی کے معنی میں ہوتا ہے لہٰذا اس کا تعلق بھی حَشَرْنَا کے عقیدہ سے ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ یعنی تم کو ہم نے ویسے ہی میدان محشر میں جمع کیا ہے۔ جس طرح پہلی مرتبہ تم کو ہم نے پیدا کیا تھا یہ مشابہت تو درست معلوم نہیں ہوتی اس لیے کہ پہلی پیدائش ماں کے پیٹ سے چھوٹا سا کمزور جسم بے عقل و شعور شیر خوارگی کے ساتھ ولادت ہوتی ہے مگر قیامت میں یہ کچھ نہ ہو گا۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ شابہت میں کل تمثیل و مماثلت کی ضرورت نہیں ہوتی جزئی مماثلت بھی کافی ہے یہاں بھی وہ ہی جزئی مماثلت موجود ہے جس کی کفار نفی کرتے تھے مشابہت فقط اس چیز میں دی جا رہی ہے کہ دیکھو تمہارا وہی جسم جس کے زندہ ہو کر اٹھنے کے تم منکر تھے ہم نے اٹھا دیا نیز تم کو اپنے جسم اپنی دولت اپنی اولاد نوکر چاکر لونڈی غلام پر بڑا ناز و غرور تھا۔ اور گمان تھا کہ یہ ہمیشہ ہمارے پاس رہیں گے اگر اگلا جہاں ہوا بھی تو وہاں بھی ہم کو یہ بلکہ اس سے بھی اچھا عیش عشرت ملے گا ان کو فرمایا جائے گا کہ تمہارے سب گمان باطل تھے آج ہم نے تم کو پہلی پیدائش کی طرح ننگ دھڑنگ بے ختنہ ذلیل حقیر کمزور بے عقل غریب کر کے پھر میدان محشر میں جمع کر دیا۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ ہم سب کو قبروں سے نکالکر میدان محشر میں جمع کر دیں گے اور تم زمین کو خالی دیکھو گے۔ حالانکہ لاکھوں بلکہ کروڑوں مردے جلائے جاتے ہیں جیسے کہ آج کل بھی ہندو سکھ اور بعض انگریز اپنے مردوں کو جلاتے ہیں تو پھر حَشَرْنَا اور تَرَى الْاَرْضَ بَارِزَةً میں یہ مردے کیونکر شامل ہوئے۔ **جواب**۔ تمام مردے اور فوت شدہ انسان زمین کے اندر ہی ہیں خواہ قبر میں مدفون ہوں یا خاک کی شکل میں ہڈیوں اور مینوں یا راکھ کی شکل میں جہاں جہاں جو پڑا ہوا ہے وہیں سے اپنے پہلی شکل و صورت جسم و جسم میں منتقل

ہو کر محشر میں لایا جائے گا لہٰذا فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ فرمانا بالکل درست ہے **چوتھا اعتراض** ۔ رب تعالیٰ کا تو کوئی کام بھی ظلم نہیں ہے خواہ وہ کسی بے گناہ کو جہنم میں ڈال دے ۔ اس کو ظلم نہیں کہا جا سکتا کیونکہ اللہ ہر چیز کا مالک ہے مالک اپنی مملوک سے اور خالق اپنی مخلوق سے جو چاہے کرے توڑے یا پھوڑے ہم اپنی مملوکہ اشیا گھر بار یا جانور کو ذبح کر کے جو چاہیں کریں توڑیں پھوڑیں جلائیں پکائیں ۔ ہاں جان اور روح ہماری ملکیت نہیں اس لیے زندہ جانور اور انسان لونڈی غلام کو روحانی ایذا نہیں دے سکتے ہاتھ پاؤں نہیں کاٹ سکتے کہ یہ روح پر ظلم ہے ۔ اللہ تعالیٰ روح اور جان کا بھی مالک ہے اس کا تو کوئی عمل بھی ظلم نہیں ہو سکتا خواہ روح کو تکلیف ہو یا جسم کو تو پھر لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۔ کیونکر فرمایا گیا ؟

جواب ۔ اس کو ظلم فرمانا بندوں کی نسبت سے ہے کہ اگر بندہ یا کوئی حاکم حکومت یہ کام کرے تو وہ ظلم کہلائے یا کوئی شخص اپنی نادانی سے جس کو ظلم کہے رب تعالیٰ بندوں کے ساتھ وہ سلوک نہ فرمائے گا ۔ اسی لیے قیامت میں بندوں کے تین قیام ہوں گے پہلا میدانِ محشر میں جمع ہونے کا اس میں آپس میں بحث مباحثہ جھگڑا ہو گا ۔ کفار ایک دوسرے سے جھگڑا کریں گے اور الزام لگائیں گے کہ تم نے ہم کو گمراہ کیا یہ گویا اپنا حساب خود کرتے ہوئے اپنے کو مجرم سمجھ لیں گے دوسرا قیام برے انجام پر روتے دھونے اور ندامت کا ہو گا ۔ یہ بھی گویا اپنا محاسبہ ہے تیسرا قیام اپنے اپنے نامۂ اعمال پڑھنے کے لیے ہے اس میں وہ اپنا حساب خود ہی سمجھ لیں گے پھر کہیں جا کر بارگاہِ ربوبیت میں حساب شروع ہو گا ۔ اسی تمام کاروائی کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے ۔ لَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا ۔ میں ۔ **پانچواں اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً ۔ اور دوسری جگہ ارشادِ باری ہے ۔ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ یعنی اگر تم گناہِ کبیرہ سے بچے رہو تو صغیرہ معاف ہو جائے گا ۔ جب صغیرہ معاف ہو گئے تو پھر اعمالنامے میں لکھے کیوں گئے ؟ **جواب** ۔ یہ آیت کفار کے لیے ہے وہ آیت مومنوں کے لیے ۔

واللہ و رسولہ اعلم ۔ ان آیت کی تفسیر صوفیانہ آیت ۵۲ کے بعد ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور جب فرمایا ہم نے ہر فرشتے کو کہ سجدہ کرو تم سب آدم کو تو سب نے فوراً سجدہ کر دیا

اور یاد کرو جب ہم نے فرشتوں کو فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ

بجز ابلیس کے چونکہ وہ جنات سے تھا اس لیے نافرمان ہوا وہ اپنے

سوا ابلیس کے ۔ قوم جن سے تھا تو اپنے رب کے

رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ

رب کے حکم سے کیا تم اس کو اور اس کی نسل کو میرے مقابل مددگار

حکم سے نکل گیا بھلا کیا اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا دوست

دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ

سمجھتے ہو حالانکہ وہ سب تو تمہارے سخت دشمن ہیں برا ہے ظالموں کا

بناتے ہو اور وہ تمہارے دشمن ہیں ظالموں کو کیا ہی برا

بَدَلًا ۝۵۰ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَ

بدلا میں نے آسمانوں اور زمین اور خود ان کی اپنی پیدائش کے وقت انھیں پاس

بدلہ ملا نہ میں نے آسمانوں اور زمین کے بناتے وقت انھیں سامنے

الْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ ۠ وَمَا كُنْتُ

نہ بٹھایا تھا اور نہ میں گمراہ کرنے والوں کو

بٹھا لیا تھا نہ خود ان کے بناتے وقت اور نہ میری شان

مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۝۵۱ وَيَوْمَ يَقُوْلُ

کچھ طاقتور بنانے والا ہوں۔ اور اس قیامت کے دن رب فرمائے گا

کہ گمراہ کرنے والوں کو بازو بناؤں اور جس دن فرمائے گا کہ

نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ

پکارو اپنے معتقد ہوئے میرے شریکوں کو جن کو تم نے گمان کیا تو وہ ان بتوں کو پکاریں گے

پکارو میرے شریکوں کو جو تم گمان کرتے تھے تو انھیں پکاریں گے

فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ﴿۵۲﴾

تو وہ بت وغیرہ بالکل نہ جواب دیں گے اُن کو اور بنادی ہے ہم نے اُن کے درمیان ہلاکت کی آڑ

وہ انھیں جواب نہ دیں گے اور ہم ان کے درمیان ایک ہلاکت کا میدان کردیں گے

تعلق اس آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں دنیا کی انتہا کا نقشہ کھینچا گیا تھا اب ان آیت میں دنیا کی ابتدا کا ذکر فرمایا اور چونکہ اب بندوں کا تعلق انتہا سے ہے اس لیے اُس کا پہلے ذکر کیا گیا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت پاک میں بارگاہ الٰہیہ کی حاضری اور تمام انسانوں کے پیش ہونے کا ذکر تھا جو آخرت کا نقشہ ہے اب ان آیتوں میں تمام فرشتوں کا اوّل اور پہلے انسان حضرت آدم علیہ السلام کو سجدے کے لیے ان کی بارگاہ میں پیش ہونے کا ذکر ہے جو محض کرم پروردگار ہے اسی کرم نے انسانیت کو سب مخلوق میں سرفراز کیا۔ **تیسرا تعلق**۔ دنیا میں ذی عقل مخلوق تین قسم کی ہے۔ ۱ ملٰئکہ ۲ جنات ۳ انسان پچھلی آیت میں بُرے انسانوں کی سرکشی کا ذکر ہوا اب ان آیت میں ملٰئکہ کی فرمانبرداری جنات کی سرکشی مذکور ہوئی۔ **چوتھا تعلق**۔ انسان کو خراب کرنے والی دو چیزیں ہیں ۱ مال اولاد ۲ شیطان پچھلی آیت میں پہلی چیز کا ذکر ہوا اور اِن آیت میں دوسری چیز کا۔

تفسیر نحوی وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ؕ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ؕ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا۔ واؤ بر جملہ اِذْ ظرفیہ اس سے پہلے اُذْکُرْ فعل امر پوشیدہ ہوتا ہے اور یہاں اُذکر میں خطاب ہمارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ قُلْنَا باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم نحن پوشیدہ ضمیر کا مرجع باری تعالیٰ لام جارہ مَلٰئِکَۃِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے مَلَک بمعنی فرشتہ یہ مجرور متعلق ہے قُلْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ اُسْجُدُوْا باب نصر کا امر حاضر جمع مذکر حاضر انتم ضمیر اس میں مستتر جس کا مرجع مَلٰئِکَۃِ سُجُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی زمین کے ساتھ لگ جانا۔ جھک جانا۔ خیال رہے کہ عربی گرامر میں چھ صیغے ایسے ہیں جن کے آخر میں نون اعرابی کا قائم مقام الف تقیہ لگایا جاتا ہے۔ یعنی جگہ بھرنے کے لیے ۱ امر حاضر معروف جمع مذکر ۲ ماضی مطلق جمع مذکر غائب ۳ مضارع منصوب جمع مذکر غائب ۴ مضارع منصوب جمع مذکر حاضر ۵ مضارع مجزوم جمع مذکر غائب ۶ مضارع مجزوم جمع مذکر حاضر۔ لِاٰدَمَ۔ لام جارہ تعدیہ کا آدم اسم مفرد جامد غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی علم ہے یہ نام مقدس ہے پہلے نبی علیہ السلام اور پہلے انسان کا انہی کی نسبت سے انسان کو آدمی کہا جاتا ہے اُدْمٌ سے مشتق ہے بمعنی مٹی والا۔ ادم کا معنی مٹی ہے۔ ان کا لقب صفی اللہ اور خلیفۃ الارض ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اُسْجُدُوْا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا۔ دونوں مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو کر شرط ہوا۔ فَ جزائیہ سَجَدُوْا باب نصر کا ماضی مطلق

جمع غائب ھُم پوشیدہ واس کا فاعل مرجع ملٰئکہ ہے مُستثنٰی منہٗ ۔ اِلَّا حرف استثنا منقطع اس لیے کہ اس کا مستثنٰی ابلیس فرشتوں کی نسل میں سے نہیں ہے ۔ یہ جنس جنات میں سے ہے ۔ ابلیس اسم مفرد جامد منصرف ہے اگرچہ عجمی اور علم ہے مگر چونکہ عربی میں مستعمل نہیں کسی نے آج تک اپنا نام ابلیس نہیں رکھا اس لیے غیر منصرف ہونے کی یہ شرط نہیں پائی گئی لہٰذا غیر منصرف نہیں ۔ ایک قول میں غیر منصرف ہے ۔ ایک قول میں یہ عجمی نہیں بلکہ عربی لفظ ہے بروزن اِفْعِیْلٌ اِبْرِیق ۔ اِبلاس سے مشتق ہے ۔ صفت مشبہ ہے بمعنیٰ مکار ۔ دھوکے باز ۔ پریشان ہونے والا ۔ متحیر ۔ منقوب ہے کیونکہ مستثنٰی ہے ھُم ضمیر مستثنٰی منہ کا سَجَدُوا ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہو گیا کَانَ فعل تامہ بمعنٰی ماضی بعید اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر اس کا فاعل مرجع ابلیس مِنَ ۔ جارہ تبعیضہ ۔ الف لام جنسی اصلاً یا نسلاً جنسیت بیان کرنے کے لیے ہوتا ہے ۔ جن ۔ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے چھپا ہونا ۔ اسی سے ہے جنون ۔ عقل کا پوشیدہ یا گم ہو جانا حمل کو جنین کہا جاتا ہے کیونکہ وہ رحم میں چھپا ہوتا ہے پوشیدہ باغ کو جنت کہا جاتا ہے اصطلاح میں ایک بڑی مخلوق کو کہتے جو عالم دنیا میں فرشتوں کے بعد سب سے پہلے پیدا کی گئی اس مخلوق کی تعداد ساری زمینی مخلوق سے زیادہ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ۔ کَانَ کا ف عاطفہ سببیہ فَسَقَ باب نصر کا ماضی مطلق معروف فسق سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے باہر نکلنا گناہ گار اور نافرمان کو فاسق اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اللہ کی اطاعت و قانون سے باہر نکل جاتا ہے ۔ ھُوَ ضمیر پوشیدہ واس کا فاعل ہے مرجع ابلیس عَنْ جارہ مجاوزت زوالی کے لیے ہے یعنی کسی سے دور ہونا اور مجاوزت وصلی کا معنٰی یہ ہے کہ ایک سے دور ہو کر کسی دوسرے کی طرف ہو جانا ۔ اَمْرِ ۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی حکم ۔ فرمان ۔ فیصلہ ۔ یہ مضاف ہے رب اسم جامد صفاتی نام ہے اللہ تعالیٰ کا مضاف ہے ہ ضمیر کا مرجع ابلیس ہے ضمیر نفسی بمعنٰی اپنے یہ دوہری اضافت مجرور ہو کر متعلق ہے ۔ فَسَقَ کا ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا کَانَ کے پوشیدہ ضمیر ھُوَ فاعل کا ۔ کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا ۔ اَ ۔ ہمزہ سوالِ انکاری اور سوالِ تعجب کے لیے یعنی کبھی ایسا نہیں ہونا چاہیے ۔ فَ تعقیبیہ تَتَّخِذُوْنَ باب افتعال کا مضارع اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنٰی بنانا ۔ پکڑنا ۔ لینا اختیار و پسند کرنا اَنتُم ضمیر اس میں مستتر فاعل ہے مرجع کفار ۔ ہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے ۔ عطف ہے واؤ عاطفہ ذُرِّیَّت اسم مفرد جامد بمعنٰی نسل اولاد مضاف ہے ہ ضمیر مضاف الیہ ان دونوں ہ ضمیروں کا مرجع ابلیس ہے ۔ یہ مرکب اضافی معطوف ہے سب عطف مل کر مفعول بہ اول ہوا ۔ اَوْلِیَآءَ وَلِیٌّ کی جمع مکسر ہے بمعنٰی دوست مفعول بہ دوم ہے ۔ مِنْ بیانیہ اسم مفرد جامد بمعنٰی مقابل مضاف ہے ۔ ی ضمیر متکلم اس کا مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَتَّخِذُوْنَ کا ۔ ہ مفعول بہ اول کا پورا عطف ذوالحال ہے واؤ حالیہ ۔ ھُم ضمیر جمع کا مرجع ابلیس اور اس کی ذریت لام حرفِ جر تعدیہ کا کُم ضمیر جمع حاضر کا مرجع عام انسان یہ جار مجرور متعلق ہے کَائِنُوْنَ پوشیدہ اسم فاعل ناقصہ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا عَدُوٌّ اسم مفرد جامد خبر ہے یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر پھر خبر ہے ھُم ضمیر کی وہ اسمیہ ہو کر حال ہے تَتَّخِذُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا بِئْسَ فعل ذم ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل یہ ظّٰلِمِیْنَ ۔ لام جارہ ظّٰلِمِیْنَ جمع ظَالِمٌ کی مراد کفار یہ جار مجرور متعلق ہے بِئْسَ کا بدلاً مخصوص بالذم سب مل کر جملہ فعلیہ مذمومہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا ۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا ۔ وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا۔ مَا اَشْهَدْتُّ ماضی مطلق منفی واحد متکلم۔ مرجع مخاطب اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِشْہادٌ ترجمہ ہے حاضر کرنا پاس بلانا ھُمْ ضمیر جمع غائب منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے اس کا مرجع ابلیس اور اُس کی ذریت یا تمام کفار خَلْقُ مصدر مضاف عامل ہے۔ الف لام استغراقی سمٰوات۔ جمع مؤنث سالم اس کا واحد سَمَاءٌ ہے واؤ عاطفہ۔ الف لام استغراقی اَرض کا ترجمہ ہے زمین معطوف سب عطف مل کر مفعول مضاف الیہ خَلْقَ مصدر مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول فیہ ہوا اور معطوف علیہ ہے اگلی عبارت کا واؤ عاطفہ لا عطف تاکیدی کے لیے خَلْقَ مصدر مضاف اَنْفُس جمع ہے نفس کی بمعنیٰ ذات روح و جسم۔ اسم تاکیدی یا بمعنیٰ خود۔ مضاف ہے ھِم ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول مضاف الیہ ہے خَلْقَ کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف سب عطف مفعول فیہ مَا اَشْهَدْتُّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ مَا کُنْتُ فعل منفی ناقصہ واحد متکلم اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا اسم مُتَّخِذَ۔ اسم فاعل واحد مذکر متکلم اَنَا ضمیر اس میں مستتر اس کا فاعل الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْنَ۔ مُضِلِّیْنَ اسم فاعل جمع مذکر غیر عاقل بحالت نصب ہے مفعول بہٖ اوّل ہے مُتَّخِذَ کا اس کا واحد ہے مُضِلٌّ ضَلٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا باب افعال سے ہے مصدر ہے اِضْلَالٌ بمعنیٰ گمراہ کرنا عَضُدًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ بازو ہاتھ کندھے تک مراد ہے۔ مددگار۔ بحالتِ نصب ہے مفعول دوم ہے۔ یہ اگرچہ واحد ہے مگر پورے جسم میں سب سے زیادہ مضبوط اور پورے جسم کا مددگار ہوتا ہے اس لیے یہاں بھی مُضِلِّیْنَ جمع کے لیے واحد آیا انسان سب کام دست و بازو سے ہی انجام دیتا ہے محاورۃً بھی مددگار کو بازو کہا جاتا ہے عَضُدًا کی آٹھ قرأتیں ہیں ۱۔ عَضُدًا یہ مشہور ہے ۲۔ عُضُدًا ۳۔ عَضَدًا ۴۔ عِضَدًا ۵۔ عُضْدًا ۶۔ عَضْدًا ۷۔ عِضْدًا مُتَّخِذًا اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَاکُنْتُ کی وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا مکمل واؤ سرِجملہ یَوْمَ۔ اسم ظرف زمانی بمعنیٰ دن وقت ظرفِ مقدّم ہے یَقُوْلُ مضارع مثبت ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ یَقُوْلُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ قول ہوا۔ نَادُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا امر حاضر معروف جمع مذکر اَنْتُم اس میں ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام کفار دراصل ہے نَادِیُوْا۔ یٰ پر ضمّہ بوجھل تھا ما قبل کو دیا دو ساکن ہوئے اس لیے یٰ گرگئی اس کا مصدر ہے مُنَادَیَۃٌ۔ مُنَادَاۃٌ نِدَاءٌ سے بنا ہے اسی سے ہے نِدَاءٌ اسی سے ہے منادیٰ ترجمہ ہے پکارنا۔ بلانا شُرَکَاءُ جمع مکسر ہے شَرِیْکٌ کی بمعنیٰ حصہ دار ساجھی۔ برادری مضاف ہے۔ یٰ ضمیر متکلم مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر زَعَمْتُمْ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق معروف زَعْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دل میں وہم کا عقیدہ۔ بٹھالینا زُعْمٌ بھی پڑھا جاتا ہے اس میں اَنْتُمْ ضمیر فاعل ہے مرجع تمام کفار۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر صفت ہوئی یہ شُرَکَائی مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے نَادُوْا کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَ تعقیبیہ۔ یعنی اگلے کلام کی بعدیت بتانے والی دَعَوْا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ مستتر ضمیر اس کا فاعل دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلانا ھُمْ منصوب متصل کا مرجع شرکاء ہے اور دَعَوْا ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے یہاں دَعَوْا سے پہلے اِذَا شرطیہ پوشیدہ ہے ترجمہ ہے جب کفار یا جب بھی

کفار پکاریں گے اپنے شریکوں کو تو یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ف جزائیہ لَمْ یَسْتَجِیْبُوْا باب استفعال کا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق اس کا مصدر ہے اِسْتِجَابَۃٌ اِسْتِجَابًا بمعنی قبول کرنا۔ جواب دینا۔ دعوت ماننا۔ مراد ہے مدد کے لیے آجانا یا مدد کرنا۔ لام حرف جر نفع کا۔ ہُمْ ضمیر مجرور مرجع ہے پکارنے والے کفار۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نفی جحد بلم کے جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ جَعَلْنَا۔ باب فتح کا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا یا ڈالنا بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے ہُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے مَّوْبِقًا۔ باب ضَرَبَ کا اسم ظرف بروزن مسجداً یہ وزن قیاس مع الفارق ہے کیونکہ سجدہ باب نصر سے ہے اور اس کا ظرف مَفْعَلٌ کے وزن پر ہوتا ہے نہ کہ مَفْعِلٌ اسی لیے بعض نحات بصرہ نے کہا کہ سجدہ کا مادہ باب ضرب میں بھی آجاتا ہے جیسا کہ مَسْجِدٌ کا وزن باب ضرب میں بھی آجاتا ہے چنانچہ سجدہ کا اسم ظرف مسجد بھی ہوتا ہے اور مسجد بھی واللہ تعالیٰ اعلم۔ وَبْقٌ سے مشتق ہے بمعنی میدان بنانا۔ وادی بنانا مَوْبِقًا کا ترجمہ ہے۔ ویران بیابان جگہ ہلاک کرنے کی جگہ مراد ہے وادی جہنم ایک قول میں یہ مصدر میمی ہے بمعنی ہلاک کرنا ہلاکت یا آڑ بنانا رکاوٹ رکھ دینا جیل میں ڈال دینا پہلے قول سے یہ مفعول بہ ہے دوسرے قول سے مفعول لہٗ ہے یعنی ہلاک کرنے کے لیے جَعَلْنَا سب سے مل کر فعلیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ کَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ اَفَتَتَّخِذُوْنَہٗ وَذُرِّیَّتَہٗٓ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ وَھُمْ لَکُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِیْنَ بَدَلًا۔ اور اے پیارے نبی یاد کیجئے اس زمانے اس وقت کو یا ان دنیوی شیطانی دلدلوں لہو و لعب میں پھنسے ہوئے مشغول و معروف کفار و سرداران عرب کو یاد کرایئے بتایئے سمجھایئے کہ اے اشرف مخلوقات انسانو تمہاری افضلیت کا ایک وہ وقت جب کہا تھا ہم نے اپنے تمام معصوم فرماں بردار ہزاروں سال کے عابد و زاہد آسمانی زمینی عرشی فرشی فرشتوں سے کہ تم سب زمین پر گر کر پیشانی لگا کر سجدہ کرو ہمارے اولوالعزم رسول نبی ابوالبشر تمام نسلِ انسانی کے جدِ اعلیٰ ساری زمین کے خلیفہ نائب حکمران حضرت آدم کو۔ تو تمام فرشتوں نے یک دم گول صفیں بنا کر ایک وقت میں آدم کو سجدہ کیا مگر ابلیس شیطان عزازیل نے سجدہ نہ کیا۔ اور حضرت آدم کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا رہا اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے اس سجدے سے صرف اس لیے انکار و غرور تکبر کیا کہ وہ نسلِ جنات میں سے تھا اور اس کو اپنے جن اور ناری مخلوق ہونے پر ناز تھا۔ اس لیے وہ اپنے خالق و مالک ربِّ قدیر کے عظمت والے حکم سے فسق و انکار کرتے ہوئے نکل گیا اور علیحدہ ہوتے ہوئے ازلی ابدی نافرمان ہو گیا۔ یہ تھا اس ابلیس لعین کا تمہارے ساتھ ابتدائی معاملہ اور پہلا حسد و بغض اور اب تک کی آئندہ زندگی میں بھی اس کا جو عناد و کدورت تمام نسل انسانی سے ہے وہ قرآن و حدیث سابقہ کتب آسمانی صحف یزدانی اور انبیا اولیا علما کی زبانی ہر شخص کو معلوم ہو ہی چکا ہے۔ پروردگارِ عالم تو عالم الغیب والشہادہ ہے وہ ازل قدیم سے ہر بدبخت و بدنصیب نادان کو جانتا ہی ہے لیکن اہل عقل و ہوش روشن ضمیر

لوگوں کو حیرانگی و تعجب و افسوس ہے کہ اتنے سمجھانے بتانے کے باوجود اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ کیا پھر بھی تم اسی مکار ملعون فریبی شیطان اور اس کی ذریت آل اولاد چیلے شاگرد فرمانبردار چھوٹے چھوٹے شیطانوں کو اپنا قلبی دوست گہرا ساتھی معاون مددگار اور سچا خیر خواہ ہی بنانے اور سمجھتے ہو اس طرح کہ اس کی ہر بات مانتے ہر مرضی پوری کرتے ہر ورغلانے میں آتے اور ہر وسوسے میں ڈھلتے چلے جاتے ہو۔ میرے مقابلے اور میرے نبیوں ولیوں کی مخالفت میں میرے پیغام میرے احکام امر و نہی شریعت طریقت حقیقت کو چھوڑتے ہو اور شیطان کے فتنہ و فساد۔ لغویات و لہویات میں مشغول ہوتے ہو۔ حالانکہ باری تعالیٰ جل مجدہ تمہارا سچا خالق و مالک رحیم و کریم فضل و انعام دینے والا تہذیب و اخلاق سکھانے والا اسلام و سلامتی کا راستہ چلانے والا جنت عطا فرمانے والا جہنم سے بچانے والا دائمی عذاب و تکلیف سے ہٹا کر ابدی راحت و آرام بخشنے والا دین و دنیا کی عزتیں دینے اور دنیوی اُخروی ذلتوں سے بچانے والا ہر چیز کا مالک و قابض وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ اور وہ سب شیطان ابلیس اور اس کی ساری ذریت تمہارے اور تمہاری ساری انسانیت اصل و نسل کے گہرے اندرونی سازشی فریبی بدترین دشمن ہیں خیر خواہی کے بھیس میں بدخواہ ہیں۔ اور تم کو اپنے وسوسوں کے ذریعے عبادت سے ہٹا کر گناہوں میں عزت سے ہٹا کر ذلت میں ہدایت سے ہٹا کر گمراہی میں فائدوں سے ہٹا کر نقصان میں ابدی راحتوں سے ہٹا کر تکلیفوں میں علم کی روشنی سے ہٹا کر جہالت کے اندھیروں میں اصلاح حال سے ہٹا کر فتنہ و فساد میں محبتِ ایمانی سے ہٹا کر نفرتِ شیطانی میں جنت سے ہٹا کر جہنم میں ڈالنے پہنچانے والے ہیں۔ جن ظالموں نے اللہ رحمٰن کی باتیں نصیحتیں نعمتیں چھوڑ کر عمر اور زندگی کے آخری لمحات تک شیطان ہی کی مانی اسی کے باطل راستے پر چلے بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ان ظالموں کو ان کی بدقسمتی سے کیسا برا بدلا مل گیا شیطان نے جو وعدے کیے خوشخبریاں سنائیں سب جھوٹی ہوئیں نہ دنیا کا بھلا ہوا نہ آخرت کا جس دنیا کی لالچ میں اُخروی نعمتوں سے منہ موڑا بہت سوں کو وہ دنیوی عزت دولت کبھی نہ ملی اور جس کو ملی بھی تو آخر فنا و برباد ہو گئی اور دنیا سے خالی ہاتھ ناکام و نامراد اپنی قبر و حشر کے دائمی عذاب میں چلے گئے اے پیارے رسولِ معظم ان کفارِ مکہ کو یہ بتاؤ کہ جن بتوں شیطانوں پنڈتوں پادریوں راہبوں کو تم اپنا جھوٹا معبود سچا خیر خواہ اور گناہ بخشنے کا مالک و مختار بنائے اور سمجھے ہوئے ہو۔ مَاۤ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا. وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ان میں سے کسی کو میں کبھی بھی کسی بھی چیز کے پیدا کرتے وقت نہ آسمانوں کے اور نہ زمین کے بناتے پیدا کرتے وقت نہ ہی خود ان کو پیدا کرنے کے وقت میں نے اپنے پاس مشورے یا یا کسی مدد کے لیے بلایا نہ حاضر کیا۔ نہ کسی چھوٹے کو پیدا کرتے وقت بڑے کو بلایا نہ جیسے غلام ماتحت کو پیدا کرنے بنانے کیلئے کسی امیر، آقا۔ یا سردار کو قریب بلایا۔ نہ ان سے کسی قسم کی استعانت لی بلکہ یہ تو بے چارے خود نیست و نابود اور بے دست و پا۔ بے عقل و ہوش بے وجود و بے نشان تھے پھر یہ تمہارا بدعقیدہ کیسے بن گیا کہ یہ اللہ کے شریک ہیں اور تمہاری عبادت و پرستش کے مستحق اور آئندہ بھی جب کہ پیدا ہو کر نیست و نابودی سے وجود و ہستی میں آ چکے ہیں اور میری تمام نعمتوں راحتوں کو

بھلا کر گمراہ ہو چکے ہیں میں کسی وقت بھی گمراہ ہونے و گمراہ کرنے والے ظالموں کو اپنا معاون دست و بازو۔ مددگار تو درکنار ولی اور دوست بھی بنانے والا نہیں لہٰذا ان کی تمام امیدیں سب عقیدے سارے نظریات بالکل لغو و باطل بیکار ہیں اور بہت جلد وہ دن آنے والا ہے کہ جس دن فرمائے گا پروردگارِ عالم اُن تمام تا قیامت کفار و مشرکین ابلیس کے پیرو کاروں دولت پرستوں دنیا کی فانی عزت پر ناز کرنے والوں سے کہ آج پکارو دیکھو اور بلا لو اس میدان محشر قیامت جہنم کے عذاب تکلیف و مصائب سے بچانے چھڑانے نجات دلانے کے لیے میرے ان بناوٹی شریکوں جھوٹے معبودوں جنوں انسانوں شیطانوں کو جن کو تم نے دنیا میں بہت کچھ سمجھ رکھا تھا اور ہر کام ہر چیز ہر قوت و طاقت میں اللہ کا شریک سمجھتے تھے اور ان بتوں پنڈتوں پادریوں سے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں بڑی بڑی امیدیں وابستہ کرتے رہے یہ اعلان الٰہی بلا واسطہ یا ملائکہ کی زبانی سن کر سب کفار یک آواز یا وقفے وقفے سے اپنے اپنے اُن رہنماؤں معبودوں گروؤں کو مدد کے لیے پکاریں گے جو قریب ہی کھڑے ان کو نظر آتے ہوں گے۔ لیکن وہ دہشت و خوف کی وجہ سے یا آج بروز قیامت اپنی بے بسی بیکسی یا شرمندگی ۔ ندامت یا اپنے پیروں کاروں تبعین سے نفرت کی وجہ سے کچھ جواب یعنی مدد نہ دے سکیں گے نہ پکارنے والے ان کے قریب جا سکیں گے نہ وہ گمراہ کرنے والے اپنے ان فریادیوں کے پاس آ سکیں گے بس دور سے انتہائی حسرت و یاس سے ایک دوسرے کو تکیں گے۔ اور پھر کافی انتظار کے بعد ہم اُن کے درمیان جہنم کی آگ کی دیوار سے آڑ بنا دیں گے جس کے بعد وہ ایک دوسرے کو دیکھ بھی نہ سکیں گے اللہ اکبر کیا مصیبت کی گھڑی ہو گی۔ اے میرے رب کریم تیرا کروڑ احسان ہے کہ تو نے مجھ کو میری اولاد میرے شاگردوں میرے سنگی ساتھیوں (مریدوں) کو اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں شامل فرمایا۔ اے اچھے مہربان اللہ قیامت تک ہمارا ایمان اور محبت مصطفیٰ قائم فرما نا شیطان سے بچانا ان آیات کی تفسیر میں مفسرین کرام کے کچھ مختلف اقوال حسب ذیل ہیں۔ ملئکہ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا زمینی آسمانی لوح و قلم اور عرش و کرسی والے تمام نے رُسُلِ ملائکہ نے بھی اور سب سے پہلے سجدے میں جبرئیل علیہ السلام گئے دوسرا قول یہ کہ مدبراتِ امور یعنی دنیا کے کاموں میں معین کردہ فرشتے سجدے کے حکم میں شامل نہ تھے باقی تمام نے سجدہ کیا مگر یہ قول غلط ہے تیسرا قول یہ کہ صرف زمینی فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا گیا اور صرف انہوں نے ہی سجدہ کیا یہ قول بھی غلط ہے۔ پہلا قول درست و مدلل ہے اُسْجُدُوا میں چار قول ہیں (۱) سجدہ احترام و تحیۃ اور مبارک بادی کا تحفہ تھا جو خلیفۃ الارض ہونے اور آدم علیہ السلام کے استاذِ فرشتگان ہونے کی بنا پر کیا گیا۔ یہ ہی قول درست و مدلل ہے (۲) حضرت آدم اس سجدے کا قبلہ تھے مگر یہ قول غلط ہے ورنہ یہاں اِلیٰ اٰدَمَ ہوتا نہ کہ لِاٰدَمَ اور شیطان بھی انکار نہ کرتا کیونکہ جب المعمور کو قبلہ بنانا درست تسلیم تھا تو آدم کو قبلہ بنا لینا کیونکر برا لگتا (۳) یہ سجدہ تمام فرشتوں نے صفیں بنا کر ایک دم کیا۔ یہ قول درست و مدلل ہے (۴) فرداً فرداً یا جماعت جماعت اگر سجدہ کیا۔ یہ قول غلط ہے کیونکہ دوسری آیت میں ارشاد ہے۔ فَسَجَدَ الْمَلٰٓئِكَةُ كُلُّهُمْ اَجْمَعُوْنَ۔ ابلیس کا ذاتی نام عزازیل ہے۔ ابلیس صفاتی نام اور شیطان عمومی نام ہے۔ ابلیس کی نسل کے بارے

میں چھ قول ہیں اوّل یہ کہ جنات کی نسل سے ہے یہ قول درست و مدلل ہے دوم یہ کہ اصل میں فرشتہ ہے مگر اس لیے جن کہا گیا کہ پوشیدہ رہتا ہے سوم یہ کہ پہلے فرشتہ تھا پھر نافرمانی کے بعد مسخ کر کے جنات میں سے بنا دیا گیا چہارم یہ کہ یہ پہلے جنان یعنی جنت کا خازن تھا اس لیے اس کو جن کہا گیا پنجم یہ کہ جب فرشتوں نے بحکم الٰہی جنات کی سرکشی و فساد کی بنا پر ان کو قتل کر کے سب کو روئے زمین میں بالکل ختم کر دیا تو یہ ابلیس اس وقت چھوٹا بچہ تھا یہ آسمانوں یا جنت میں جا چھپا جب حکم قتال ختم ہو گیا تو یہ فرشتوں میں شامل ہو کر عبادت الٰہی کرتا رہا فرشتوں کے ساتھ ہی پلتا بڑھتا رہا ششم یہ کہ اس قتال ملکہ سے نسل جنات ختم ہو گئی اس کے بعد عزازیل سے نسل جنات پیدا ہوئی اب جو دنیا میں جنات ہیں وہ سب ابلیس کی نسل و ذریت ہیں خواہ نیک خواہ بد لہٰذا یہ ابلیس اب ابوالجن ہے جس طرح نوح علیہ السلام ابوالبشر ثانی ہیں مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ کی ھُم ضمیر میں پانچ قول ہیں۔ اوّل یہ کہ ھُم کا مرجع جھوٹے معبود ہے ثانی یہ کہ اس کا مرجع شیطان اور ذریت ہے ثالث یہ کہ مرجع کفار مکہ ہیں۔ رابع یہ کہ ھُم ضمیر کا مرجع وہ جنات اور فرشتے اور انبیاء عظام ہیں جن کو کفار اپنا معبود اللہ کی بیٹیاں اور ابن اللہ کہتے ہیں خامس یہ کہ ھُم کا مرجع ہر انسان و جنات فرشتے اور تمام مخلوق ہے یعنی کسی کو بھی نہیں بلایا۔ نسل شیطانی کی ولادت کے بارے میں چار قول ہیں (۱) ابلیس کی بیوی ہے (۲) بیوی نہیں ہے یہ خود ہی خاوند ہے خود ہی بیوی ہے اس کی دم اس کا آلۂ تناسل ہے اور اس کی دبر اس کی فرج بھی ہے۔ یہ دوسرا قول درست ہے پہلا قول غلط ہے۔ (۳) اس کی ایک ران مذکر ہے اور دوسری ران مونث ہے دونوں کو شہوت سے رگڑتا ہے تو اس وقت نسل پیدا ہو جاتی ہے (۴) ابلیس انڈے دیتا ہے نر بچے۔ اور جہاں چاہے انڈے دے کر بھاگ جاتا ہے بعد میں ان انڈوں سے بچے نکل کر جنات بن جاتے ہیں اور دنیا میں پھیل جاتے ہیں مگر وہ علیحدہ علیحدہ مذکر و مونث ہوتے ہیں۔ عَضُدًا میں دو قول ہیں (۱) اس کا ترجمہ ہے دست و بازو (۲) اس کا ترجمہ ہے معاون مشیر۔ مددگار۔ یہ معنی صحیح ہے لیکن پہلا معنی مجازاً صحیح ہے حقیقتاً غلط ہے۔ فَلَمْ يَسْتَجِيبُوا کی وجہ میں چار قول ہیں جواب نہ دینے سے سب کے نزدیک ہے مدد نہ کرنا پہلا قول یا یہ کہ جواب نہ دیں گے نفرت کرتے ہوئے یا یہ کہ جواب نہ دیں گے دہشت و خوف کی وجہ سے یا یہ کہ جواب نہ دیں گے کیونکہ خود گرفتار ہوں گے یا یہ کہ جواب نہ دیں گے۔ شرمندگی و ندامت کی وجہ سے موبقا کی مراد میں پانچ قول ہیں۔ (۱) دوری (۲) ہلاکت (۳) آڑ (۴) جہنم کا ایک طبقہ (۵) جہنم کی ایک نہر جس میں خون اور پیپ ہو گا بَيْنَهُمْ کی ھُم ضمیر میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس ھُم کا مرجع جھوٹے خود ساختہ معبود ہیں خواہ بت یا بعض فرشتے بعض نبی (۲) اس کا مرجع شیطان اور ذریت ہے۔ تیسرا یہ کہ اس کا مرجع کفار ہیں وَمَا كُنْتُ میں دو قول ہیں اول یہ کہ یہ صیغہ واحد متکلم ہے اور مراد اللہ تعالیٰ دوم یہ کہ یہ صیغہ واحد مذکر حاضر ہے اور مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم واللّٰہ اعلم بالصواب (از تفسیر فتح القدیر روح المعانی کبیر۔ خازن۔ مدارک۔ مظہری۔ تفسیر ظلال القرآن۔

فائدے :۔ ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ احسان ماننے اور شکریہ

ادا کرنے کا تقاضہ یہ ہے کہ جس رب تعالیٰ نے ہم بندوں کی خاطر اور عزت افزائی کے لیے ہمارے مخالف حاسد اور دشمن ابلیس اور اُس کی ذریت کو اُس جنت سے نکالا مردود و ملعون کیا جو جنت ہمارے لیے بنائی ہے اور ہماری وجہ سے اُس کو اپنا دشمن قرار دیا ہم بندوں پر بھی لازم ہے کہ ہم بھی شیطان کے دشمن بن جائیں اور ہر بات ہر کام ہر عمل ہر عقیدے میں ابلیس و ذریت کی مخالفت کریں اور شیطان کو اللہ کے گھر یعنی قلبِ مومن سے نکال دیں یہ انصاف اور وفا نہیں کہ کھائیں رب تعالیٰ کا اور دوستی و فرماں برداری کریں اس کے دشمن کی جب کہ وہ دشمن بھی ہماری وجہ سے ہوا ہو یہ فائدہ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّیَّتَهٗۤ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ آسمان و زمین کے کاموں میں رب تعالیٰ کا معاون کوئی نہیں وہ باری تعالیٰ جلَّ مجدہٗ اس چیز سے پاک اور بلند و بالا ہے۔ ہاں البتہ بطور فرماں برداری اور اظہارِ محبوبیت یا انسانوں کی آسانی کے لیے دنیا و آخرت کے بہت سے کام فرشتوں اور انبیاء کرام اولیاء عظام علماء اسلام کے سپرد کر دیئے گئے ہیں یہ اُس کی اپنے مقرب بندوں پر کرم نوازی ہے۔ ورنہ اس ذات بابرکات کو کسی بھی شخص کی قطعاً کوئی حاجت نہیں ہے۔ نیز آسمانوں اور زمین عرش و کرسی لوح و قلم جنت دوزخ اتنی اتنی بڑی اشیاء کے پیدا کرنے اور بنانے میں تو ان مقربین اور مدبرات امر کا بھی کوئی کسی طرح کا دخل نہیں ان محبوبین کے سپرد بھی جو کام کئے گئے ہیں وہ تمام کائنات مخلوقات پیدا کرنے کے بعد کئے گئے اور ان بڑی بڑی اشیاء کے مقابل معمولی کام ہیں مثلاً بادلوں کا چلانا ہواؤں کا پھرانا۔ قبض اور نفاذ روح وغیرہ یہ فائدہ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّیْنَ عَضُدًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ یہاں عضدًا کی نفی ہوئی نہ کہ مدبرًا کی اور آسمان و زمین اور اپنی انسانیت کی خلقت کے وقت معاون بنانے کی نفی ہوئی نہ کہ محبوبوں کو تدبیر و تبلیغ کی ڈیوٹی دینے کی۔ **تیسرا فائدہ**۔ ولی اور اولیاء دو قسم کے ہیں ایک قسم اولیاء اللہ کی ہے دوسری قسم اولیاء من دون اللہ کی ہے۔ اولیاء اللہ سے دوستی لگانی اُن سے امیدیں وابستہ کرنی ان کے آستانوں بارگاہوں میں جانا کہ رب تعالیٰ نے اجازت دی ہے ان سے مانگنا بھی درست ہے اس میں رب تعالیٰ کی خوشنودی ہے جو اولیاء اللہ سے تعلق نہ جوڑے ان سے نہ مانگے بلکہ جو اہل قبور سے مایوس ہو جائے اس کی قرآن مجید میں برائی آئی ہے لیکن اولیاء من دون اللہ سے دور ہونا ان سے نفرت کرنا عین ایمان ہے۔ یہ فائدہ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہر مسلمان کو یہ فرق خیال رکھنا چاہیے تاکہ قرآن کریم کی سچی تعلیم حاصل ہو **چوتھا فائدہ**۔ عثمان بن ابو العاص رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ بے شک شیطان مجھے نماز اور تلاوت میں وسوسے بہت ڈالتا ہے اس کا کیا علاج ہے تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اس شیطان کا نام خنزب ہے جب تم ایسا کبھی وسوسہ محسوس کرو تو اعوذ باللہ (پورا) پڑھ کر تین دفعہ تھتکار دیا کرو بائیں طرف۔ فرماتے ہیں۔ میں نے ایسا ہی کیا تو پھر مجھے وسوسے نہ آئے از تفسیر خازن یہی آیت جلد سوم صفحہ ۱۰۱ مسلمانوں کے لیے یہ عمل بہت مفید ہے۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ ہمارے کچھ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ پچھلی شریعتوں میں تعظیمی سجدہ غیر اللہ کو جائز تھا صرف ہماری شریعت اسلامیہ میں سجدۂ تعظیمی حرام ہوا ہے مگر یہ بات غلط ہے بلکہ سابقہ شریعتوں میں بھی سجدۂ تعظیمی حرام ہی تھا اس لیے کہ بجز دو خصوصی واقعات کے کبھی کسی نبی ولی بزرگ نے بھی کسی آدمی کو سجدۂ تعظیمی کیا نہ اپنے آپ کو کسی سے کرایا کہیں بھی کسی جگہ لکھا ہوا نہیں ملتا نہ احادیث مبارکہ میں نہ سابقہ کتب آسمانیہ میں اگر پہلی امتوں شریعتوں میں غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی جائز ہوتا تو پھر عام رواج ثابت ہوتا اور ہر امتی اپنے اپنے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو سجدہ کرتا یا پچھلے لوگ اپنے بزرگوں ولیوں کو سجدۂ تعظیمی کرتے۔ یہ دو خصوصی واقعے بھی اس لیے جائز ہوئے کہ رب تعالیٰ نے خود اس سجدے کا حکم دیا پہلا سجدہ فرشتوں سے کرایا گیا۔ صاف صاف حکم عطا فرما کر دوسرا سجدہ یوسف علیہ السّلام کو کرایا گیا ان کے والدین اور بھائیوں سے خواب میں بتا کر نبی علیہ السّلام کی خواب وحیِ الٰہی ہوتی ہے اگر ان سجدوں کا حکم رب تعالیٰ کی طرف سے نہ ہوتا تو یہ بھی جائز نہ ہوتے یہ مسئلہ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ بعض فقہا فرماتے ہیں۔ کہ فرشتوں اور جانوروں کو جائز ہے کہ وہ بزرگوں کو سجدۂ تعظیمی کریں مگر انسانوں کو کبھی بھی جائز نہیں ہوا۔ یوسف علیہ السلام کے لیے سجدہ تعظیمی نہ تھا بلکہ پیار و شفقت کا سجدہ تھا کیونکہ والدین اور بڑے بھائی سجدہ کر رہے ہیں اگر تعظیمی سجدہ ہوتا تو یوسف علیہ السلام اپنے والدین کو کرتے۔ بہرکیف سجدہ تعظیمی ہر شریعت میں حرام ہی رہا۔ مسلمانوں میں بعض خبیث لوگ اس کے جواز کے قائل ہیں وہ غلط و گمراہ ہیں واللہ و رسولہ اعلم بالصواب۔ **دوسرا مسئلہ**۔ قانون شریعت کے مطابق سجدہ کا معنیٰ ہے جسم کا زمین سے لگ جانا۔ جن لوگوں نے سجدہ بمعنیٰ جھکنا کیا ہے وہ بیوقوف ہیں انسان کا مکمل سجدہ سات اعضا کا زمین سے لگنا ہے یعنی دو پیروں کا قدم (یعنی پیٹ والی سمت) اس طرح پانچوں انگلیوں یا کم از کم انگوٹھوں کا پیٹ زمین سے لگا ہو اور دونوں پیروں کی انگلیاں کعبہ رخ ہوں اگر ایک بھی پیر غلط ہوا تو سجدہ نہ ہوگا دونوں پیروں کی انگلیاں کعبے کی طرف مڑی ہوں نہ کھڑی ہوں نہ الٹی ہوں اور دونوں گھٹنے دونوں ہاتھ اس طرح کہ چہرے کے پاس کانوں کے قریب اور ایک چہرہ جس میں ناک اور پیشانی دونوں زمین پر لگیں نہ پیشانی اٹھی رہے نہ ناک۔ یہ مسئلہ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا کی تفسیر و احادیث سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ کفار سے دینی اور ملکی سیاسی مدد و تعاون لینا ناجائز ہے اسی طرح کلیدی اسامیوں پر کفار کو ملازم رکھنا ان کو اونچی افسری پر نوکریاں دینا شرعاً حرام ہے۔ یہ مسئلہ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا سے مستنبط ہوا۔ یہاں تک کہ کسی بھی دینی و سیاسی اہم مسئلے میں کفار سے مشورہ لینا بھی منع ہے ہاں البتہ سیاسی دوستی جائز ہے اور پیشکش قبول کرنا جائز ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاسکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہ واذ قلنا والی آیت تقریباً پانچ دفعہ قرآن مجید میں مذکور ہوئی ۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۳۴ میں دوم سورۃ اعراف ۸ آیت ۱۱

میں سوم سورۃ اسریٰ نمبر ۱۵ آیت نمبر ۶۱ میں چہارم سورۃ کہف یہی آیت نمبر ۵۰ پنجم سورۃ نمبر ۲۰ طٰہٰ آیت نمبر ۱۱۶ میں بھی اسی طرح اور بھی کئی آیتیں ہیں جو قرآن مجید میں بار بار آتی ہیں یہ بات فصاحت و بلاغت کے خلاف ہے ایسا کیوں ہے؟ **جواب**۔ معترض کا یہاں بلاغت و فصاحت کا انکار کرنا اور آیت کے بار بار آنے کو بلاغت کے خلاف سمجھنا اس کی نادانی کم عقلی ہے ورنہ علم کلام و علم معانی کے حساب سے بلاغت و فصاحت کی گیارہ قسمیں ہیں وہ سب سورۃ کہف کی ان آیات میں موجود ہیں۔ ۱ طباق ۲ مقابلہ بدیعہ ۳ تشبیہ ظاہری ۴ تشبیہ تمثیلی ۵ مبالغہ مصدریہ ۶ کنایہ فعلیہ ۷ انکار تعجب ۸ استعارہ تبعیہ ۹ استعارہ تمثیلیہ ۱۰ الطلب خاص بعد العام ۱۱ مجاز مرسل۔ اگر آیت قرآنیہ میں فصاحت بلاغت نہ ہوتی تو کفار عرب پیچ پڑتے جن کو قرآن مجید کی طرف سے زبردست چیلنج کا سامنا تھا۔ رہا آیات کا بہت دفعہ بار بار آنا تو فصاحت کے خلاف ہرگز نہیں در اصل منشاء قرآن کریم اپنی طرز بیانی میں فصاحت و بلاغت کی کوئی ادبی لفاظی مقصود نہیں نہ اساتذۂ فلاسفہ کی طرح فقط لفظی معنوی خوشنمائی کو ظاہر کرنا ہے بلکہ مقصد قرآن مجید وعظ و اصلاح ہے۔ لہٰذا جن آیت میں نصیحت و اصلاح معاشرہ کے جتنے پہلو نکلتے ہوں اتنی ہی دفعہ مناسب حال و بیان مقامات پر وہ آیت پاک نازل فرمادی جاتی ہیں۔ چنانچہ اس آیت کا ذکر سورۃ بقرہ میں اس لیے کیا گیا کہ حضرت آدمؑ نبی خلیفۃ اللہ اور علمی مقابلہ میں تمام فرشتوں کے استاد ثابت ہونے کی وجہ سے اس سجدۂ تعظیمی کے مستحق ٹھیرے پھر اسی آیت کو سورۃ اسریٰ میں نازل فرما کر یہ بتایا گیا کہ شیطان نے مردود و ملعون ہو کر آئندہ تا قیامت عداوت انسانی میں کیا کیا منصوبے اور ارادے بنائے پھر اسی آیت کو سورۃ کہف میں ذکر فرما کر ابلیس کی اصل نسل بتائی جو اس کی ایک وجہ انکار بھی ہوئی اور ثابت کیا گیا کہ صحبت بد کے علاوہ اصل و نسل کا بھی دل و دماغ اور طبیعت و عادت پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ پھر اسی آیت کو سورۃ طٰہٰ میں نازل کر کے شیطان سے بچنے کے طریقے اور حکم سنائے گئے۔ اس لیے ان آیت کا بار بار آنا عین حکمت ہے یہی مفادات و دیگر بہت سی آیت کے بار بار ذکر میں ہے **دوسرا اعتراض**۔ کچھ تفاسیر میں ہے کہ ذریت سے مراد صرف تبعین جنات و انسان ہیں اور کچھ تفاسیر میں ہے کہ شیطان کی اولاد پیدا ہوتی ہے وہ ذریت ہے کونسی بات درست ہے؟ **جواب**۔ دونوں تفسیریں صحیح ہیں قرآن و حدیث سے ثابت ہیں قرآن مجید میں ہے۔ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ اور احادیث مبارکہ میں ولادت ابلیسی کا ذکر ملتا ہے بلکہ مولودات ابلیس کا نام بنام تذکرہ ہے لکھا ہے کہ مختلف شیطانی کاموں پر ابلیس کی مختلف اولاد مقرر ہے جو دن رات اپنا اپنا کام کر رہے ہیں ان کے نام حسب ذیل ہے۔ ۱ لاقیس ۲ ولہان ۳ زبیور ۴ اعور ۵ مطوس ۶ داسم ۷ وہان ۸ خنزب ۹ وبتر۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ حرف اَلّا سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابلیس فرشتہ ہے لیکن كَانَ مِنَ الْجِنِّ سے ثابت ہو رہا ہے کہ وہ فرشتہ نہیں جنی ہے یہ تضاد کیوں ہے؟ **جواب**۔ اِلّا مستثنیٰ منقطع کے لیے ہے اور ابلیس حقیقتاً جنات میں سے ہے نہ کہ فرشتہ بعض نے جواب یہ دیا ہے کہ یہاں لفظ ابلیس پوشیدہ ہے دراصل تھا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ وَاِبْلِيْسَ اسْجُدُوْا ۔ (رازی)۔ واللہ اعلم۔

چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِیْ یعنی شیطان کو دوست کیوں بناتے ہو دوستی تو محبت اور الفت پیار سے ہوتی ہے حالانکہ شیطان سے تو کوئی بھی محبت نہیں کرتا سب برا ہی کہتے ہیں خواہ کافر سے پوچھ کر دیکھ لو یا فاسق فاجر گناہگار سے تو یہ کیوں فرمایا گیا؟ **جواب۔** اس لیے کہ منہ سے تو بُرا کہتے ہو مگر کہنا اُسی کا مانتے ہو فرمانبرداری اُسی کی کرتے ہو بخوشی اس کے وسوسوں اور ورغلانے جھوٹے وعدوں میں آجاتے ہو۔ اور اصل دوستی یہی فرماں برداری ہے۔ **پانچواں اعتراض۔** یہاں فرمایا شُرَکَآئِیَ اور سورۃ نحل آیت میں فرمایا گیا شُرَکَآئِہِمْ اس کی کیا وجہ۔ **جواب۔** شُرَکَآئِیَ میں نسبت بتائی گئی ہے اور شُرَکَآئِہِمْ میں عقیدت بتائی گئی یعنی عقیدت ان کی ہے نسبت میری ہے جس سے ان کو شریک سمجھ لیا گیا۔ لہٰذا دونوں آیتوں کی طرز بیانی بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَیَوْمَ نُسَیِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَی الْاَرْضَ بَارِزَۃً وَّحَشَرْنٰہُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْہُمْ اَحَدًا۔ وَعُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا کَمَا خَلَقْنٰکُمْ اَوَّلَ مَرَّۃٍ بَلْ زَعَمْتُمْ اَلَّنْ نَّجْعَلَ لَکُمْ مَّوْعِدًا۔ اور اے سالکینِ وادیِ بے ثباتی اُس روزِ مکاناتِ کو یاد رکھو جس دن خیالاتِ فرعونیت کے جبال اور غلبۂ طاغوتی کے پہاڑ اعضاءِ عمل و فکر کی چٹانیں عالم فنا میں ضعفِ ظاہری سے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائیں گے اور ہم خالقِ قبض و بسط اُن تمام مضبوطیوں کو ھَبَآءً مَّنْثُوْرًا بنا کر اُڑا دیں گے۔ اور زمینِ بدنی کی تمام قوتوں عظیم عزتوں کو میدانِ فطرت میں ظاہر ظہور پھینک دیا جائے گا۔ دنیوی وجاہتوں عزتوں وزارتوں امارتوں شانوں شوکتوں کی اس وقت تک قدر و حفاظت ہے جب تک بندے پر مشاہدۂ ذات کی قیامت اور تجلیاتِ انوار کا محشر قائم نہیں ہوتا۔ لیکن جب سالکِ راہِ خدا پر خواہشات کی موت طاری ہوتی ہے تو نہ وزارتوں امارتوں بادشاہتوں کے پہاڑ قائم اور قدر و قیمت پاتے ہیں اور نہ ہی زمینِ حسن و جوانی کی حفاظت اور شکل و صورت نہ ترکیب اعضائی کی ضرورت رہتی ہے سب کچھ بصارتِ حقیقت میں ہیچ ہوتی ہے اور بندے کے اپنے پاس کوئی حقیقت نہیں رہتی سب کچھ ہماری بارگاہِ قدس اور مقامِ بقا میں جمع ہو جاتا ہے۔ جسمانیتِ فنا میں ہم کچھ نہیں چھوڑتے اور میدانِ کاشفہ میں سب طالبینِ مقاصد ایسی قطاروں میں ہونگے کہ کوئی کسی سے پوشیدہ احوال ظاہری و کیفیاتِ بزی میں خفیہ و پوشیدہ نہ رہے گا اور ایسا برہنہ حواس ہو گا جیسا ہم نے عالمِ اَسرار سے پہلے ظاہر فرمایا۔ اے مکر و فساد کے بندو کیا تم نے مزاجِ فطور سے یہ وسوسہ قبول کیا کہ مسافرانِ طلب کے لیے کوئی منزلِ قیام بسط و قبض اور مقامِ محاسبہ و مقاطعہ نہ بنائی اور فطرتِ اولیٰ کے مطابق عاجز و منقطع نہ ہونگے۔ عارفین کے لیے منزلِ طلب کی یہی فنا اور فنا الفنا ہے سالک کا وقت ذکرِ الٰہی میں مشغول اور قلب تعلقاتِ دنیوی سے منقطع ہی اس کا حَشَرْنٰہُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ اور عُرِضُوْا عَلٰی رَبِّکَ صَفًّا ہے۔

وَوُضِعَ الْکِتٰبُ فَتَرَی الْمُجْرِمِیْنَ مُشْفِقِیْنَ مِمَّا فِیْہِ وَیَقُوْلُوْنَ یٰوَیْلَتَنَا مَالِ ہٰذَا الْکِتٰبِ لَا یُغَادِرُ صَغِیْرَۃً وَّلَا کَبِیْرَۃً اِلَّآ اَحْصٰہَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا یَظْلِمُ رَبُّکَ اَحَدًا۔

اور اس عالم رنگ و بو میں کتاب عبادت ریاضت زہد ۔ تقویٰ اطاعت ۔ محبت ۔ شوق عشق الٰہی غلامی مصطفائی ۔ اور معاصی مکتوبات تالاب نفوس باطنی کے مطابق بشکل اعمال محشر ظلمات میں رکھ دی گئی ہے ۔ تو مجرمین عقل و نفس اس وقت نگاہ عبرت بصیرت حسرت سے میدان محرومی میں دیکھیں گے وادی حیرت میں حیرانی قلب اور خوف نفوس خبیثہ سے ڈرتے ہوئے اُن اعمال سیہ افعال تباہ کی وجہ سے جو اعضاء باطنی کے ذریعہ انہوں نے بھیجا کہ ہائے ہمارے عقائد باطلہ اعمال فاسدہ حرکات معاصی صغیرہ و کبیرہ کی اس کتاب مکتوب کا کیا حال ہے کہ سب کچھ ہی الواح نفوس فلکیہ میں موجود ہے خیالات ذھنیہ کے صغیرہ اور تفکرات و تدبیرات وساوس ابلیسہ کے کبیرہ میں سے کسی کو بھی نہ بھلایا مگر لوح بینہ کی کتاب میں لکھ لیا وادی ظلمت میں نفوس خبیثہ و نفوس قدسیہ نے جو بھی کچھ عمل باطنی میں کیا ہوگا وہ پائیں گے تیرا امر بی معرفت رحمٰن طریقت مختار حقیقت کسی پر ظلم محرومی نہیں کرتا ۔ بندہ نفس خود ہی اپنی جان عزیز پر کبر قہر میں گر کر ظلم شقاوت کر لیتا ہے ۔ انسان پر نفس ملعونہ کی خواہش جس وقت ہو اسی وقت نیت مع اللہ کو ملحوظ طبیعت رکھنا لازم ہے ۔ جتنی جتنی علائق رذیلہ کی بیڑیاں پار استقامت سے کٹتی جائیں گی مجاھدوں اور ریاضتوں میں لطف آنے لگے گا ۔ اور مجاہدات میں جوں جوں لذت آتی جائے گی انسان اس میں نسبت مع اللہ کی تربیت کے حصول میں طبعاً زیادہ مصروف ہوتا جائے گا ۔ اہل تجربہ فرماتے ہیں کہ طریقت و معرفت کا پورا راستہ اتباع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ہی طے ہو سکتا ہے ۔ لہٰذا اے مسافر طریقت کے شاہسوار اگر صحیح بندۂ مراد بننا چاہتا ہے تو محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی فقیری اور درویشی کو اختیار کر کیونکہ ٹھنڈا میٹھا ۔ خالص صاف شفاف پانی وہیں ملتا ہے جہاں سے چشمۂ آب پھوٹتا ہے ۔ جن خوش بختوں کو عشق محمدی کا ذرۂ نایاب اور جوہر تابدار سے حصہ مل گیا ایسے لوگوں کے جسم ارض مخلوق ہیں مگر ان کے قلوب آسمان معرفت ہیں ان کی شکل خاکی ہے لیکن روح عرشی ہے ان کے اجسام پر طریقت کا لباس ہے اور ماتھے پہ انوار کا سہرا اور اسرار کا زیور ہے ۔ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ ۔ اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا ۔ اور جب فرمایا ہم نے افکار صالحہ کے ملکہ مقربین سے کہ سجدہ کرو تم سب قلب آدم کو اُس کی اطاعت قبول کر کے تو تمام اعضاء رئیسہ کے مدبرات متفکرات قلب مسعود کی بارگاہ اشرفیت میں سجدۂ تسلیم و رضا کرتے ہوئے جھک گئے ۔ سوائے ابلیس نفس کے ۔ کَانَ مِنَ الْجِنِّ وہ قوائے بذیرہ اور قوت جسدیہ جو بیشۂ آدمیت میں مادیات و خواہشات کے پردوں میں پوشیدہ ہے قوۃ عقلیہ ملکہ عالم اجسام میں اطاعت قلب سجدۂ عقل ہے قوت وھمیہ اور تخیلات فاسدہ ابلیس باطنی ہے جو ادراک معانی سے محجوب ہے اس لیے فَفَسَقَ عظمت قلب منور کی تعظیم اور عقل سلیم کی شان رفعت اور انوار تجلیات و خلافت مشتقیہ الٰہیہ کو ماننے سے انکار کر دیا کیونکہ نور وحدت سے دور اور انوار قلوب سے محجوب تھا ۔ اے مسافران وادی معرفت اور طالبان قرب تجلیات

کیا تم خلوت و مراقبہ کی حالت امر و نہی و اثبات و نفی میں نفس امارۂ ابلیسیت اور وسواس ذریت کو اپنا مددگار معاون سمجھنے والے ہو۔ اپنے رب کریم کے مقابل اور یہ تمام نفوس رذیلہ اور خصائل باطلہ اور تمناء فضولیہ تمہارے کھلے کھلے دشمن ہیں۔ راہِ شر و فساد۔ وادیِ فسق و فجور کی مسافرت ظالمین شہوات کا برا بدلہ ہے یہ عیش و شہوت چند دن کی لذت فانیہ ہے مگر ابدی ذلت و رسوائی کے گھٹا ٹوپ اندھیرے۔ اس سجدۂ اولو العزم کا سبب اور علت غائی تعظیم علم الٰہیہ ہے علم و ھدایت کا پہلا مرکز ذات رسول اللہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہے آپنے علم و ھدایت کا فیض بلا واسطہ عین حق اور چشمۂ الٰہیہ سے حاصل کیا۔ اسی لیے آپ کا ظاہر و باطن سرتاپا ہر ہر ادا علم و ھدایت ہی ہے آپ کے دینی عمل و احکام تو عین شریعت و چشمۂ معرفت ہیں ہی مگر آپ کے دنیوی مشورے بھی ہر مسلمان کے لیے فرض و لازم ہیں اگرچہ خود آقاءِ رحمت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دنیوی مشوروں کو بندوں پہ لازم نہ فرمائیں کیونکہ آپ کا قلب نور علم کا بحرِ بیکنار ہے اسی بحر کی ایک نہر نفس قدس کی طرف پہنچی اور دوسری نہر اعضاء باطنی کی طرف اور تیسری نہر جوارح ظاہری کی طرف اور چوتھی نہر روح مقدس کی طرف یہ چار طریقت و معرفت کی نہریں ہیں۔ پانچویں نہر عقل معلیٰ کی طرف چھٹی نہر فہم معطر کی طرف ساتویں نہر۔ اعضاء ذکاوت لسانیہ کی طرف آٹھویں نہر فصاحت بیانیہ کی طرف یہ چار نہریں تربیت و قانون کی ہیں۔ مَآ اَشْهَدْتُّهُمْ خَلْقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَا خَلْقَ اَنْفُسِهِمْ وَمَا كُنْتُ مُتَّخِذَ الْمُضِلِّيْنَ عَضُدًا وَيَوْمَ يَقُوْلُ نَادُوْا شُرَكَآءِيَ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ فَدَعَوْهُمْ فَلَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهُمْ وَجَعَلْنَا بَيْنَهُمْ مَّوْبِقًا ۔ خلقت اسرار الٰهیہ اور دقائق موّدہ کے وقت آسمان اور زمین عجائبات کی پیدائش کے وقت مرتبی کائنات و خلائق فلکیات نے ان میں سے کسی کو کسی بھی تعاون ظاہری و باطنی روحانی سری میں حاضر نہیں کیا تھا اور نہ ہی خود اُن کی صفات حوادث کی خلقت ولادت کے وقت اور میں خصائل رذیلہ کو سعادت روحانیہ کا ساتھی بنانے والا نہیں۔ اور ربط و کشاد کا کیا ہی وہ سخت و اہم مصائب و آلام کا دن ہے جس دن فرمائے گا ھاتف غیبی اے اعضاء ظاہری و حواس باطنی کے سرکشو میدان محاسبہ میں پکارو اُن نفس و نفسیات کو جن کو تم نے دنیاء ناسوت میں قوتوں کا سرچشمہ گمان کیا تھا تو سب کا فریق ظلمات اپنی زبان احوال و کیفیات سے پکاریں گے اُن قوائے خفیہ کو تو وہ کچھ جواب نہ دے سکیں گے اور ہم نے سعید و شقی نیک و بد حلیم و خبیث کے درمیان لذات و شہوات کی آڑ بنا دی ہے سعید اور حلیم مظہر مصطفیٰ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہر الٰہی اور قرآن اخلاق مصطفیٰ ہے سیدۂ عارفین اُم المومنین صدیقہ رضی اللہ عنہا تعلیم مصطفیٰ کا پورا نقشہ کلیہ ہیں۔ عارفین فرماتے ہیں کہ اخلاق نبوی کی اکیس شمعیں فروزاں ہیں (۱) سخاوت (۲) الفت (۳) نصیحت (۴) شفقت (۵) اختیاری کمی (۶) خواہشات کی فنا (۷) معافی اور درگزر (۸) احسان (۹) جلال شریعت جمال طریقت (۱۰) تواضع (۱۱) صداقت (۱۲) دنیا اور اہل دنیا سے ناامیدی (۱۳) پڑوسی کا خیال (۱۴) سائل پر بخشش و کرم (۱۵) کسی کے احسان کا اچھا بدلہ (۱۶) امانت داری (۱۷) صلہ رحمی۔ مہمان نوازی (۱۹) حیاداری (۲۰) ادائے حقوق (۲۱) تقویٰ طہارت سونیا

فرماتے ہیں کہ تواضع کی تین نشانیاں ہیں ۱؎ اپنی ہر چیز کو کمتر سمجھنا ۲؎ ایمان کی رغبت کے لیے لوگوں کی تعظیم کرنا ۔
۳؎ ہر ایک کی نصیحت اور حق کو ماننا یا جھک کر سننا خود پسندی عاجزی کی دشمن ہے اس سے تکبر و غرور پیدا ہوتا ہے
اور غرور حواسِ حقیقیہ سے ناواقفی کی علامت ہے ۔ اس قسم کی جہالت سے بدبختی انسانیت کا ظہور ہوتا ہے یہی خصائل
وَجَعَلْنَا بَيْنَهُم مَّوْبِقًا کی یہی تعبیر ہے ۔

وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا

اور قیامت جب دیکھا مجرموں نے آگ کو تو گمان کیا کہ بے شک وہ خود ہیں گرنے والے بیچ اسکے اندر

اور مجرم دوزخ کو دیکھیں گے تو یقین کریں گے کہ انھیں اس میں گرنا ہے

ع ۱۹ وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا (٥٣) وَلَقَدْ صَرَّفْنَا

اور کہیں نہ پایا انہوں نے اس آگ سے بھاگنے کا راستہ اور البتہ بے شک ہم نے

اور پھر اس سے پھرنے کی کوئی جگہ نہ پائیں گے اور بے شک ہم نے

فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ

آج دنیا میں ہی پھیر پھیر کر سنا دی ہیں اس قرآن میں تمام انسانوں کے لیے ہر طرح کی مثالیں اور ہے

لوگوں کے لیے اس قرآن میں ہر قسم کی مثل طرح طرح بیان فرمائی اور آدمی

الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا (٥٤) وَمَا مَنَعَ النَّاسَ

فطرۃً انسان ہر چیز سے زیادہ جھگڑالو اور نہیں منع کیا لوگوں کو

ہر چیز سے بڑھ کر جھگڑالو ہے اور آدمیوں کو کس چیز نے اس سے روکا

اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا

ایمان لانے سے جب کہ آگئی ان کے پاس ہدایت اور بخشش مانگنے سے ۔

کہ ایمان لاتے جب ہدایت اُن کے پاس آئی اور اپنے رب سے معافی

رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ

اپنے رب کی مگر اس حماقت سے کہ آئے ان کے پاس پہلوں کی عادت یا

مانگتے مگر یہ کہ اُن پر اگلوں کا دستور آئے یا اُن پر

يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ﴿۵۵﴾

آئے ان کے پاس عذاب ہر طرف سے

قسم قسم کا عذاب آئے

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں قیامت کے اُس وقت کا نقشہ پیش کیا گیا تھا۔ جب حساب و کتاب ہوگا اب ان آیت میں وہ نقشہ پیش کیا جا رہا ہے جب کفار اپنے ٹھکانے جہنم کو دیکھیں گے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں جنات و ابلیس کی سرکشی مذکور ہوئی۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ انسان سب سے زیادہ مغرور سرکشی اور جھگڑالو ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیتوں میں اُن دو شخصوں کا ذکر ہوا جو عام انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں پہلا شیطان اور دوم کفار اور بے دین گروہ۔ پنڈت پادری وغیرہ اب ان آیت میں تیسری گمراہ کرنے والی چیز کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اپنے باپ دادا کے طریقے کو لیتے ہیں خود اپنی عقل سے اچھائی برائی نہیں سوچتے۔

تفسیر نحوی وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ۔ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا ۔ واؤ بر جملہ۔ رَاٰی فعل باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل رائی سے بنا ہے ترجمہ ہے دیکھنا بغیر غور کئے اچٹتی نظر سے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْنَ مُجْرِمُوْنَ۔ جمع ہے مُجْرِمٌ کی مراد ہے۔ کفر کرنے والے ہر قانون شکنی کرنے والے کو مجرم کہا جاتا ہے بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے الف لام عہد ذہنی نار اسم مفرد جامد معرف باللّام بمعنی آگ مراد ہے پوری جہنم مفعول بہ ہے رَاٰی کا اس لیے منصوب ہے یہ جملہ فعلیہ شرطیہ ہوا کیونکہ پہلے اِذَا پوشیدہ ہے فَ جزائیہ ظَنُّوْا باب نصر کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب ظَنٌّ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے گمان کرنا۔ شک کی ایک قسم ہے مجازاً کبھی کبھی یقین کے لیے بھی مستعمل ہے یہاں دونوں طرح مراد ہو سکتی ہے۔ ھُمْ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے جس کا مرجع مُجْرِمُوْنَ ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ھُمْ ضمیر اسم ہے اَنَّ کا مُوَاقِعُوْا باب مُفَاعَلَةٌ کا اسم

فاعل جمع مذکر وقوعٌ سے بنا ہے بمعنی گرنا یقین ہونا یہاں پہلے معنی میں ہے اس کا مصدر ہے مُوَاقَعَۃٌ اور وِقَاعٌ۔ ھُمْ اس میں مستتر اس کا فاعل ہے ھَا۔ ضمیر واحد مؤنث جس کا مرجع نار ہے یہ مفعول فیہ ہے مُوَاقِعُوْ کا یہاں مواقعوا اکما مضاف بھی بنتا ہے ھَا ضمیر کا اس لیے نون اعرابی گر گئی دراصل تھا مُوَاقِعُوْنَ۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ لَمْ یَجِدُوْا باب ضَرَبَ کا مضارع نفی جحد بلم جمع غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مُجْرِمُوْنَ۔ قانون نحو ہے کہ اگر فاعل ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ واحد غائب یا حاضر صیغہ ہوتا ہے۔ لیکن اگر فاعل پوشیدہ ضمیر ہو تو فعل جمع ہوتا ہے۔ جیسے یہاں عَنْ حرف جر مجاوزت زوالیہ کی نفی کے لیے ھَا ضمیر مجرور کا مرجع اَلنَّارُ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ یَجِدُوْا کا مَصْرِفًا باب ضرب کا اسم ظرف مکانی صَرْفٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا۔ مصرفًا۔ پھر جانا بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے لَمْ یَجِدُوْا کا ایک قول میں ظرف زمانی ہے اور ایک قول مصدر میں ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب مل کر خبر اِنَّ وہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے ظَنُّوْا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط کی جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا۔ واؤ سر جملہ لام کئے برائے تحقیق یا تاکید قَدْ صَرَّفْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق نَحْنُ ضمیر جمع متکلم اس کا پوشیدہ فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر تَصْرِیْفٌ صَرْفٌ سے بنا ہے بمعنی پھیرنا طرح طرح سے بیان کرنا فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی القرآن۔ نام مبارک مولیٰ تعالیٰ کے آخری کلام کا۔ یہ ھٰذَا کا مشار الیہ ہے دونوں مل کر مجرور متعلق ہیں۔ صَرَّفْنَا کا لام جارہ نفع کا۔ الف لام استغراقی یا عہدی نَاس اسم مفرد جامد معنًی جمع ہے بمعنی انسان اگر الف لام استغراقی ہو تو سب انسان ہر قسم کے مراد ہیں اور اگر عہدی ہو تو صرف مسلمان مراد ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ پہلا متعلق مفعول فیہ کے درجے میں دوسرا متعلق مفعول لہٗ کے درجے میں ہے مِنْ جارہ بیانیہ کُلٌّ اسم تاکیدی بمعنی تمام۔ ہر ایک یہ مضاف ہے مَثَلٌ اسم تشبیہی بمعنی کہاوت مثال۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق سوم قَدْ صَرَّفْنَا کا مفعول بہ کے درجے میں یہ سب مل کر جملہ ہو گیا مکمل۔ واؤ سر جملہ کَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق الف لام استغراقی بمعنی تمام یا جنسی یعنی نسل اصل انسان بمعنی آدمی مذکر اور مؤنث سب بحالت رفع ہے کیونکہ اسم ہے کَانَ کا۔ اَکْثَرَ اسم تفضیل مذکر کَثْرَۃٌ سے مشتق ہے بمعنی زیادہ ہونا۔ مضاف ہے شَیْءٍ اسم مفرد جامد بمعنی چیز مراد ہے مخلوق مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے کَانَ کی جَدَلًا اسم مصدر ہے بمعنی جھگڑا کرنا یا حاصل مصدر ہے یعنی جھگڑا فساد۔ یا یہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے ترجمہ ہے بہت جھگڑا کرنے والا یعنی جھگڑالو۔ بحالت نصب ہے تمیز ہے اَکْثَرَ شَیْءٍ کی یا اَلْاِنْسَانُ کی کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مکمل ہوا۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا۔ واؤ سر جملہ مَا مَنَعَ باب فتح ماضی مطلق منفی ھُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے اس کا مرجع ذہنی شَیْءٌ ہے یعنی نہیں منع کیا کسی چیز نے اَلنَّاسَ اسم جامد لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہٖ اول ہے اَنْ حرف ناصبہ یُؤْمِنُوْا باب افعال کا مضارع مثبت معروف منصوب ہے اس لیے آخر کی نون اعرابی گر گئی دراصل تھا یُؤْمِنُوْنَ ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل اِذْ ظرفیہ جار فعل ماضی

ھُم اسم یفعول معہٗ یا مفعول لہٗ، الہُدٰی معرفہ باللام مراد ہے اسلام بحالتِ رفع ہے کیونکہ فاعل ہے جاءَ کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر ظرف ہے یُؤْمِنُوا کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ واؤ حرف عطف وَیَسْتَغْفِرُوْا باب استفعال کا مضارع جمع مذکر غائب ھُم مستتر اس کا فاعل مرجع ہے النَّاسُ رَبَّھُم مرکب اضافی مفعول بہٖ یَسْتَغْفِرُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ہوا سب عطف مل کر مفعول بہٖ دوم ہوا مَا مَنَعَ کا شَیْءٌ پوشیدہ مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّآ حرفِ استثنا متصل اَنْ ناصبہ تَاْتِیَ باب ضرب کا مضارع واحد مؤنث اَتٰی سے بنا ہے ترجمہ ہے آنا، منصوب ہے اَنْ ناصبہ سے ھُم ضمیر جمع مذکر غائب مفعول فیہ سُنَّةُ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی اس کی جمع ہے سُنَن بمعنٰی طریقہ۔ رواج۔ عادت۔ فطرت چناؤ پسندیدہ یہ لفظ بہت معنٰی میں مشترک ہے یہاں مراد ہے طریقہ یہ مضاف ہے۔ الف لام اسمی بمعنٰی اَلَّذِیْنَ اَوَّلِیْنَ اسم تفضیل جمع مذکر اس کا واحد مذکر ہے اَوَّلُ اور واحد مؤنث اُوْلٰی ہے بمعنٰی بہت پہلے والا یا بمعنٰی گزشتہ یہاں دوسرے معنٰی میں ہے مکسور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے تَاْتِیَ کا وہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ اَوْ۔ حرف عطف۔ اختیاری۔ یَاْتِیَ باب ضرب کا مضارع واحد غائب ھُم ضمیر موجودہ منصوب متصل اس کا مفعول فیہ اَلْعَذَابُ الف لام عہد ذہنی۔ عذاب اسم مصدر ثلاثی اس کا مادہ ہے عذبٌ ترجمہ ہے سزا دینا۔ یہاں حاصل مصدر ہے بمعنٰی سزا۔ اصطلاح میں اخروی مصیبت اور آسمانی آفت کو عذاب کہا جاتا ہے یہاں پہلے اصطلاحی معنٰی مراد ہیں۔ یہ فاعل ہے یَاْتِیَ کا۔ قُبُلًا۔ جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے قَبِیْلٌ۔ بمعنٰی قسم قسم۔ طرح۔ طرح ایک قرأت میں قُبُلًا۔ بٗ کے جزم سے ہے ترجمہ ہے۔ مقابل مقابلہ عوض یا بمعنٰی ظاہر ظہور بحالتِ نصب ہے یا حال ہے یا تمیز ہے عذاب کی۔ یہ دونوں مل کر فاعل بنے یَاْتِیَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا اَنْ تَاْتِیَ کا سب عطف مل کر مستثنیٰ ہوا مَا مَنَعَ میں پوشیدہ شَیْءٌ کا۔ مَا مَنَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّھُمْ مُّوَاقِعُوْھَا وَلَمْ یَجِدُوْا عَنْھَا مَصْرِفًا۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ ھٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ کُلِّ مَثَلٍ وَکَانَ الْاِنْسَانُ اَکْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا۔ اور اے حبیب کریم وہ دن وہ وقت وہ ساعت بھی ان کفارِ مکہ کو زبانی اور تا قیامت کافروں کو بالفاظِ قرآنی یاد کرایئے اور اپنے علومِ غیبیہ سے ان حالات و کیفیات کا نقشہ کھینچ کر بتایئے سمجھایئے کہ جب دنیا کی زندگی کے عیش و آرام مال و دولت کے غرور شیطانی عادت و جبلت کا تکبر بیہودہ خصلتوں کی سرکشی کرنے والے فاسق و فاجر کافر و مشرک مجرم اور غریب فقیر مسلمانوں عاجز و مسکین نیک بندوں سے نفرت کرنے والے ناجائز ستانے والے ظالم اور اپنے ایمان لانے کے لیے طرح طرح کے بہانے اور قسم قسم کے فضول مطالبے اور مخلص مسلمانوں کو بارگاہِ نبوت سے ہٹانے دور کرنے کرانے کے حیلے کرنے والے حاسد دیکھیں گے جہنم کی آگ دہکتی بھڑکتی آتش اور دنیا کی آگ سے ستر گناہ زیادہ تیز گرم شعلوں کو یا خود

جہنم کو بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں نار سے مراد جہنم کا پورا علاقہ ہے اور نار بھی دوزخ کے ناموں میں سے ایک نام ہے جیسے کہ لفظ جہنم اور لفظ دوزخ علیحدہ علیحدہ پورے علاقے کے نام ہیں۔ نار بھی اس کا صفاتی نام ہے۔ اور چونکہ جہنم کا عام اور عمومی عذاب آگ سے ہی ہے اس لیے یہ نام پورے علاقے کو بھی دے دیا گیا ہے اور ایک سخت آتشی عذاب والے طبقۂ جہنم کا بھی یہ نام ہے بہر حال دنیا میں ہر طرح کے جرم کرنے والے شفاعت و سفارش بخشش و مغفرت سے محروم مجرم لوگ حساب و کتاب کے دوران ہی یا حساب و کتاب کے بعد میدانِ محشر کے کنارے پل صراط کے قریب کھڑے ہو کر چالیس سال کے فاصلے کے راستے کی دوری سے دیکھیں گے۔ چالیس سال کا فاصلہ اس طرح کہ اگر دنیوی پیدل سفر کیا جائے تو انسان وہاں تک چالیس سال میں پہنچے بشرطیکہ مسلسل ہر وقت چلتا رہے اور یہ دیکھنا اور قرآن مجید کی یہ آئندہ وقت کی خبر دینا اتنا یقینی ہے کہ گویا انہوں نے دیکھ ہی لیا۔ تو سب کے سب اپنے طور پر بغیر کسی سے پوچھے یا اظہار کرنے کے یقین کریں گے۔ یا اپنا سابقہ ایمان مہ اور اس کا حساب و کتاب اور اپنی حالت و کیفیت میدان محشر کی رسوائی ذلّت لعن طعن فرشتوں کی جھڑکیاں ٹھوکریں بے بسی بے کسی بے یار و مددگار نہ شفیع نہ کوئی سفارشی دیکھتے ہوئے اندازہ لگاتے ہوئے یہ غالب گمان کریں گے کہ بے شک وہ سب اس میں ضرور ضرور ابھی یا کچھ دیر بعد نہایت سختی انتہائی بےعزتی کے ساتھ گرنے والے ہیں۔ اور وہ کفار اہل جہنم اپنے ارد گرد کا ماحول فرشتوں کا گھیراؤ دیکھ کر سمجھ جائیں گے کہ نہیں پا سکتے وہ اس جہنم سے یا اس میں گرنے سے کسی طرف کو لوٹنے مڑنے پھرنے بھاگنے کا راستہ۔ ایک تفسیر میں فرمایا گیا کہ وَلَمْ يَجِدُوا کا تعلق جہنم میں جانے کے بعد سے ہے یعنی جہنم میں گرنے یا گرائے جانے کے بعد جب اپنے چاروں طرف دور دور آگ ہی آگ اور دہشت ناک عذاب ہی عذاب دیکھیں گے اور کہیں کالے رنگ کے سانپ اژدھے بڑے بڑے خچروں کے برابر نظر آتے ہوں گے تب خوف زدہ ہو کر اندازہ کریں گے کہ اب یہاں سے بھاگنے کا کوئی راستہ نہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وَلَمْ يَجِدُوا عَنْهَا مَصْرِفًا کا تعلق کفار اور جہنمیوں کی اپنی سوچ فکر اور اندازے یا گمان خیال و یقینی بات سے نہیں بلکہ یہ خبر ہے اور علیحدہ جملہ ہے کہ جہنم میں جانے کے بعد پھر وہ کسی طرف بھاگنے کی جگہ راستہ ٹھکانہ یا اَبَدًا آبادًا تک کبھی بھی جہنم سے پھر جانے لوٹنے کا وقت نہ پائیں گے حالانکہ ہمیشہ اور ہر لمحہ یہی آرزو کرتے ہی رہیں گے کہ کاش ہم کو یہاں سے پھر نا باہر نکلنا کبھی تو نصیب ہو دنیا کی طرح نہ ہوگا کہ چند دن کے بعد اس مصیبت بیماری تکلیف کی عادت پڑ جاتی ہے اور اس میں مبتلا انسان عادی ہو جاتا ہے تو شفا ہونے مصیبت ٹلنے کی دعا یا آرزو و التجا بھی نہیں کرتا اور صبر و برداشت کر جاتا ہے عذاب جہنم میں ایسا نہ ہوگا وہاں تو ہر روز نئی تکلیف زیادہ ہوگا مگر کسی کو مفرّ نہ ملے گا۔ لہٰذا آج دنیا میں ہی اپنے ہر شرک بے دینی بد دیانتی ظلم و ستم گناہ و فسق سے ہٹ کر ایمان ایقان دیانت امانت اور اچھائیوں خوبیوں نیکیوں اور اسلام کی ابدی سلامتیوں کی طرف لوٹ آؤ سب یہی ایک تمہارا مصرف اور پھر آنے کا راستہ دصراطِ مستقیم ہے اور البتہ

بے شک اسی ایمانی بارگاہ کی طرف پھیر لانے کے لیے ہم نے اس قرآن مجید میں تمام نسل انسانی کے اچھے برُے نیک و بد بڑے چھوٹے امیر غریب آقا و غلام شاہ و گدا۔ وزیر و رعایہ سب کو سمجھانے بتانے کے واسطے ان مصیبتوں کی گھڑیاں حساب و کتاب کے لمحات حشر کی دہشت قیامت کی ہیبت قبر کی وحشت عذاب کی کلفت ثواب کی اُلفت عتاب کی نفرت خطا کی شفقت جنت کی جزا جہنم کی سزا کفریات کی فنا ایمانیات کی بقا نور کی بقا۔ نار کی سیاحسرت و بے کسی مایوسی اور بے بسی کے آنے سے پہلے ہی لوٹ لوٹ کر بار بار ہزار ہا طریقوں سے دنیاو آخرت۔ باغات و ثمرات کھیت کھلیان بنجر و سرسبز۔ بارش و بادل پانی و ہوا۔ چمن و گلزار۔ خزاں و بہار کی مثالیں اور ہر قسم کی تشبیہ اور تمثیلیں آدمیوں کے لیے کھول کھول کر بیان فرمادی ہیں لیکن انسان ہے کہ ہر چیز میں ہی جھگڑا مناظرہ مجادلہ مکالمہ بحث تمحیث کرتا ہی چلا جاتا ہے نہ اچھائی سوچتا ہے نہ برائی نہ نفع نہ نقصان نہ دین نہ دنیا نہ یہ غور کرتا ہے کہ ہم نے اپنے نبیوں کی زبانی امتحانِ قیامت سے پہلے ہی قیامت قبر و حشر کا پورا نقشہ امتحان کے سارے پرچے تمام سوالات کس شفقتِ کریمانہ محبتِ رحیمانہ سے ظاہر فرمادیئے کچھ پوشیدگی نہ رکھی۔ تاکہ بندوں کو کامیابیِ امتحان کی تیاری میں کچھ دشواری نہ آئے۔

دنیا کے امتحان گاہوں میں ایسی کوئی مثال نہ ملے گی کون رحمٰن و رحیم ہے جو تم سے اتنا پیار کرے گا تفسیر کبیر میں امام فخرالدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی آیت کی شرح میں ایک حدیث پاک نقل فرمائی کہ قیامت میں تین سوال ہونگے اے بندے ہم نے تجھ کو دنیوی زندگی کی عمر دی تو نے کہاں گذاری تجھ کو دولت دی تو نے کہاں خرچ کی تجھ کو علم و عقل دی تو نے اس پر کہا اور کتنا عمل کیا۔ بس ان تین کے جواب سوچلو۔ مگر انسان بجائے ہوش و گوش کرنے کی اَكْثَرَ شَيْءٍ جَدَلًا۔ اکثر چیزوں میں لڑائی جھگڑا مخالفت فتنہ و فساد اور لڑنے مرنے پر تیار رہتا ہے اور پھر یہ دنیا پرستوں کا جھگڑا فساد کس سے ہے۔ دنیا کی دانشوریوں وکیلوں ڈاکٹروں حکیموں فلسفیوں سائنسدانوں مستریوں ترخانوں لوہاروں جولاہوں تیلیوں کسانوں سے نہیں ان کی تو ہر کچی جھوٹی بات منہ سر لپیٹ کر آنکھیں جھکا کر عقل بند کر کے مان لیتے ہیں بلکہ جھگڑا مقابلہ انکار اور مخالفت تو صرف ہمارے دین اسلام کے علما اولیا اور انبیاء کرام علیہم السلام سے ہے ان کی ہر بات ہر مسئلے سے ٹکراؤ کیا جاتا ہے یہاں اگر ہر جاہل آدمی دنیا زمانے کا عالم بن جاتا ہے حالانکہ ان بارگاہوں کی بات ماننا ہی تو اصلی عقل ہے

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَيَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۔ اور پھر ان کفار کو کسی رکاوٹ کسی بھی اُلجھن نے اس بات سے نہ روکا نہ منع کیا کہ وہ دینِ اسلام اور قرآنِ کریم شریعت و قانونِ الٰہیہ پر ایمان لائیں جب کہ ان کے پاس سراپا کامل و اکمل ھادی برحق مکمل ہدایت ہمارے نبی محمد مصطفےٰ احمدِ مجتبیٰ عالمین کی رحمت تشریف لے آئے جن کے دامن میں ہمارا پورا قانون و حکمت ہے اور اس بات سے بھی ان کو کسی دینی و دنیوی اُلجھن رکاوٹ نے نہ منع کیا کہ وہ ایمان لانے کے بعد انتہائی عاجزی انکساری اخلاص و عقیدت محبت سے اپنے تمام سابقہ کفریات گناہوں ظلم و ستم و سرکشی فتنہ پروری فساد بازی غرور و تکبر

سے استغفار کرتے رب تعالیٰ کے حضور گڑگڑاتے سجدہ ریز ہو کر غفور رحیم سے معافیاں مانگتے مگر انہوں نے اپنی پرانی عادت ضد ہٹ دھرمی حسد جہالت کی بنا پر یہی چاہا کہ اُن کے پاس سابقہ مردود مغضوب اُمتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کے طریقے اور سنتِ الٰہیہ کے مطابق آسمانی ہلاکت آجائے یا آئے ان کے پاس اچانک ظاہر ظہور اور قسم قسم کا تبیلے تبیلے کا عذاب دنیوی مصیبتیں بیماریاں قحط و بائیں جیسا کہ بعض کافر کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر محمد سچے ہیں تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے۔ کفار کا یہ کتنا احمقانہ شیوہ رہا ہے کہ ہمیشہ طلب حق کی جگہ جدل و نزاع اور پہلے سرکشوں کے واقعات سے عبرت لینے کی بجائے ہنسی مذاق اور تمسخر ہی کیا یہی ثبوت ہے اسبات کا کہ ان کی عقل ماری ہوئی ہے اور حواس معطل و شعور اندھا ہے اور ان کو تبلیغ بیکار ہے ان آیت کی تفسیر میں مفسرین کے کچھ مختلف اقوال حسب ذیل ہیں۔ ظَنُّوْٓا میں تین قول ہیں ۱ؔ وہ یقین کریں گے۔ ۲ؔ وہ گمان کریں گے۔ ۳ؔ خیال دوڑائیں گے۔ انسان کے بارے میں چار قول ہیں ۱ؔ یہاں انسان سے مراد تا قیامت ہر انسان ہے اور اس کی دلیل میں تمام مفسرین نے ایک روایت پیش کی کہ ایک دفعہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم رات کے وقت مولا علی شیر خدا اور فاطمۃ الزہرا خاتون جنت رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لائے تو آپ نے ان کو سوتے ہوئے پایا تو فرمایا کہ کیا تم رات کو نماز نہیں پڑھتے مولا علیؓ نے ایک دم عرض کیا کہ سب کے دل رب تعالیٰ کے قبضے میں ہیں جب وہ ہم کو اٹھاتا ہے تو ہم اٹھ پڑتے ہیں۔ یہ سن کر آقا صلی اللہ علیہ وسلم لوٹ پڑے اور کوئی جواب نہ دیا لیکن حضرت علی فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا نبی کریم آقاءِ کُل فرما رہے تھے اور اپنی ران مبارک پر ہاتھ افسوس سے مارتے تھے کہ انسان بہت جھگڑالو ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اس آیت میں انسان سے تمام انسان مراد ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب ۲ؔ انسان سے نضر بن حارث مراد ہے ۳ؔ اُبَیِّ بن خلف مراد ہے جو ایک دفعہ بوسیدہ راکھ بنی ہوئی ہڈی لے کر آیا اور اس کو انگلیوں سے مسل کر کہتا رہا کہ کیا اس کو دوبارہ زندہ کرنے پر اللہ قادر ہے۔ ۴ؔ انسان سے مراد ابن زبعری کافر ہے قُبُلًا میں پانچ قرأتیں ہیں۔ ۱ؔ قُبُلًا ۲ؔ قِبَلًا ۳ؔ قَبِيلًا ۴ؔ قَبْلًا ۵ؔ قُبَيْلًا۔ اور ترجمہ سب کا وہی ہے جو ہم نے اوپر تفسیر میں بیان کیا (از تفسیر فتح القدیر، کبیر، معانی، خازن، مدارک مظہری، صاوی صفوۃ التفاسیر ظلال القرآن)

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ کے کلامِ مقدس میں جہاں کہیں بھی واقعات مستقبل کی جگہ مضارع کا صیغہ ارشاد فرمایا گیا وہاں یقین کا فائدہ حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ دَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ اور ظَنُّوْٓا وغیرہ صیغے ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا کہ قیامت اور واقعات و کیفیاتِ قیامت مستقبل ہے مگر یقین کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال فرمایا گیا کہ گویا ایسا ہو ہی گیا مجرموں نے دیکھ ہی لیا یقین کر ہی لیا۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیا جہاں میں کامیاب وہی ہو سکتا ہے جو ضد اور جھگڑا بازی ترک کر کے اولیا علما کی بات ماننے کی عادت بنا لے جو انسان دلائل اور کھانے سے نہ مانے تو پھر وہ سزا ہی کے لائق

ہے یہ فائدہ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ انسان اپنی نادانیوں کم عقلیوں میں کئی دفعہ اتنا بڑھ جاتا ہے کہ اپنی ہلاکت و عذاب بھی مانگنے لگتا ہے۔ یہ تو باری تعالیٰ جلّ سبحانہٗ کا اپنے محبوب سید المرسلین کے طفیل کرم ہے کہ بندوں پر عذاب نازل نہیں فرماتا اس لیے اس کے حمد و نعت میں ہمیشہ شاغل رہنا چاہئے یہ فائدہ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن

اس آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ کسی بھی مسلمان کو جائز نہیں کہ مستقبل میں کسی کام کے لیے ماضی کا صیغہ استعمال کرے یا بولے اس لیے کہ یہ جھوٹ بن جاتا ہے یا سابقہ کا اقرار بن جاتا ہے اگر کسی شخص نے کورٹ۔ کچہری یا کسی جج قاضی عدالت کے سامنے مستقبل کا وعدہ ماضی کے صیغے سے کیا تو وہ اقرار یا جھوٹ ہوگا اور اس پر اس اقرار کا پورا کرنا واجب ہو جائے گا ہاں البتہ حال کی بات کو ماضی کے صیغے سے بولنا جائز ہے۔ جیسے کہ طَلَّقْتُ بِعْتُ شَرَیْتُ میں نے طلاق دی۔ میں نے بیچا خریدا وغیرہ کیونکہ یہ انعقاد ہے۔ یہ مسئلہ وَرَاَی الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ۔ (الخ) کو ماضی فرمانے سے مستنبط ہوا اللہ تعالیٰ کے کام تو سب یقینی ہیں۔ مگر بندے کا کوئی مستقبل یقینی نہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ دینی مسائل میں مجادلہ کرنا ہر ایک شخص کو ناجائز ہے۔ اور مناظرہ کرنا علماءِ حق کو علماءِ باطل سے جائز ہے اور مکالمہ عوام کو علماء سے جائز ہے۔ علمی بحث علماءِ حق کی علماءِ حق سے جائز ہے۔ لیکن جہلا اور علماءِ باطل سے بحث کرنا علما کو بھی ناجائز ہے اور عوام کو بھی اس طرح دینی مسائل پر عمل نہ کرنے کے لیے بہانے بازیاں اور چرب زبانیاں کرنا بھی ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا سے مستنبط ہوا گفتگو کرنے کے چار ہی طریقے ہیں جن کا حکم فقہاء کرام نے بیان فرما دیا۔ ۱۔ مجادلہ ۲۔ مناظرہ ۳۔ مکالمہ ۴۔ مباحثہ **تیسرا مسئلہ**۔ عوام یا جہلا کو کوئی بات سمجھانے کے لیے مثال یا تمثیل دینی جائز ہے اگرچہ اس میں واقعیت نہ ہو۔ جیسے کہ بہادر کو شیر سے اور چالاک کو لومڑی سے تشبیہ یا تمثیل دی جاتی ہے کسی مسئلہ کو سمجھانے کے لیے انبیاء کرام کی تمثیل کے لیے شکاری کی مثال دنیا بھی جائز ہے یا چراغ اور بادل سے تشبیہ بھی جائز ہے ہاں گھٹیا مثال بزرگوں کے لیے ناجائز اور گستاخی ہے بے ادبی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ مجرم جہنم کو دیکھیں گے اور وہاں پھر جانے کا اور لوٹنے کا راستہ یا جگہ نہ پائیں گے حالانکہ مجرم تو فاسق و فاجر مسلمان بھی ہیں وہ بھی جہنم کو دیکھیں گے لیکن شفاعت سفارش اور اللہ کی غفاریت بخشش سے وہ مصرف پائیں گے۔ تو پھر تمام قسم کے مجرموں کے لیے یہ کیوں فرمایا کہ وہ جہنم سے بچنے نکلنے کا کبھی بھی کوئی مَصْرِف نہ پائیں گے **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں مُجْرِمُوْنَ سے مراد صرف کفار ہیں نہ کہ فاسق گناہ گار مسلمان۔ دوم یہ کہ مَصْرِف کا معنیٰ ہے خود بھاگ جانا اور یہ کسی کے لیے بھی ممکن نہیں ہوگا نہ کفار کے لیے نہ فساق کے لیے

دوسرا اعتراض ۔ یہاں وَ مَا مَنَعَ النَّاسَ کی پوری آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ ایمان نہ لانا عذاب اترنے کے مطالبہ کی وجہ سے ہے اور اِلَّا فرمانے سے ثابت ہو رہا ہے کہ مطالبۂ عذاب ان کے کفر اور ایمان نہ لانے کی وجہ سے ہے۔ یعنی کفر مطالبے کی وجہ سے اور مطالبہ کفر کی وجہ سے تو اس سے دَوْر لازم آتا ہے اور یہ محال ہے (منطقی فلسفی)

جواب ۔ تفسیر روح المعانی نے اس کا جواب اس طرح دیا ہے کہ یہاں مطالبۂ عذاب وجہِ کفر نہیں کفر تو پہلے موجود ہے بلکہ مطالبے کا سبب کفار کا حسد بغض عناد و عداوت ہے ۔ ایمان نہ لانا بھی عداوت کی وجہ سے ہے نہ کہ مطالبے کی وجہ سے بہذا دَوْر لازم نہیں آیا۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَمَا مَنَعَ النَّاسَ ۔ (الخ) پھر فرمایا گیا۔ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمْ (الخ) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کفارِ مکہ کو ایمان لانے سے صرف سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ یعنی عذاب کے مطالبے نے منع کیا اور روکا ہے ۔ حالانکہ ایمان نہ لانا پہلے ہے اور مطالبہ بعد میں تو جو چیز بعد میں ہو وہ پہلی موجودہ چیز کی مانع کیسے بن جائیگی ۔ بعد والی چیز تو مانع نہیں بن سکتی ۔ **جواب** ۔ اس کا جواب بھی تفسیر روح المعانی نے ایک تو یہ دیا کہ مطالبۂ عذاب نے ایمان لانے سے روکا منع کیا ہے اور ایمان لانا پہلے نہیں ہے ۔ پہلے صرف کفر ہے ۔ لیکن اس کا دوسرا جواب یہ دیا کہ مطالبۂ عذاب فقط اور صرف زبانی تھا ۔ حقیقی اور قلبی نہ تھا ۔ کیونکہ کوئی بھی ذرا سی عقل والا بھی حقیقتاً ہلاکت اور تکلیف کی خواہش کبھی نہیں کرتا کفار کا یہ کہنا کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ ۔ ترجمہ ۔ اے اللہ یہ جو محمد مصطفےٰ بیان کرتے ہیں یا اسلام اور قرآن اگر تیرے پاس سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسا دے ۔ یہ مطالبۂ عذاب نہ تھا بلکہ دل سے وہ مذاق اور تکذیب و جھٹلانا تھا ۔ اگر دل سے ہوتا اور عذاب کو برحق سمجھتے ہوتے تو بچنے کی دعا کرتے یا توفیقِ ایمان طلب کرتے ۔ واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔

تفسیر صوفیانہ وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ فَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ مُّوَاقِعُوْهَا وَلَمْ يَجِدُوْا عَنْهَا مَصْرِفًا ۔ اور قیامتِ بسط و کشاد کے قیامِ محاسبہ میں مجرمینِ طریقت آتشِ فراق کو دیکھیں گے تو گمانِ باطنی اور یقینِ نفسانی سے جان لیں گے کہ وہ اس نامرادی کے گڑھے میں ضرور گرنے والے ہیں ۔ اور اس سختی ظلمات سے بچنے کا راہِ فرار اور قہرِ جلال سے پھر جانے کا راستہ نہ پاسکیں گے دنیا میں سات ہلاکتیں اور سات راہِ نجات ہیں ۱ بخیلی ۲ خواہش پرستی ۳ خود پسندی ۔ جند ۴ تکبر غرور ۵ خوشامد ۶ ریا ۷ نفاق ۔ ۱ خلوت و جلوت میں رب کریم سے ڈرنا ۲ خوشی و غمی و غصہ میں اپنے آپ کو شریعت کی لائن میں قابو رکھنا ۳ مفلسی و تونگری میں اعتدال و کفایت شعاری ۴ ترکِ بحث مباحثہ ۵ امن ۶ اپنے عقیدے پر مضبوطی و تصلّب ۷ توکل و قناعت طالبِ راہِ طریقت کے لیے یہ چودہ اسرار و اعمالِ قلبی و ذہنی کی منزلیں ہیں ۔ جہنم سے بھاگنے اور بچنے کا مصرف صرف قرآن مجید ہے اور قرآن مجید صرف اُن خوش بختوں کے لیے نعمت اصلیہ ہے جس کا دل اللہ تعالیٰ کی حضوری

قرب میں ہو اور ایک لمحہ کے لیے اس سے غافل نہ رہے۔ قرآن پاک کے لیے فہم ضروری ہے اور فہم کے لیے عقل عقل کے لیے علم اور علم کے لیے عمل اور عمل باطنی و ظاہری میں سب سے بڑا ادب و احترام ہے۔

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا

اور البتہ بے شک یقینِ رویت اور دیدارِ بصیرت کی حقیقت ہے کہ ہم نے اس قرآنِ قلبی اور فرقانِ صدوری اور کتاب مخزنِ اسرار میں مسافرانِ راہِ طلب کے لیے ہر قسم کی جلال و جمال قبض و بسط۔ ترقی و تنزل سرور و عزور مجرمین و مکرمین کی تمام شالیں بیان فرما دیں اور یہ انسان مظہر اسماء مختلفہ ہے۔ صغیری کے باوجود کبیری یا کبر میں جانے والا ہے ہر قدم پر جھگڑا اور جدل کرنے والا ہے۔ سب سے بڑا جاہل اور جدل و سرکشی فتنہ و فساد کرنے والا وہ شخص ہے جس نے اپنے دماغ میں عقل اور عقل میں علم اور علم میں عمل پیدا نہیں کیا۔ علم فرض بھی ہے اور فضیلت بھی دینی اور قلبی علم کا حصول علم فرض ہے اور زائد علم فضیلتِ عارفین ہے۔ اعمالِ باطنی کی دو قسم ہیں ۱۔ اعمال نفس اس کی نو شقیں ہیں۔ مجادلہ مباحثہ۔ مناظرہ بحث تمحیث۔ چرب زبانی حاضر جوابی۔ مہارت فنون یا وہ گوئی عارفین کے نزدیک یہی لوگ اکثر شیء جدلا ہیں اگرچہ ظاہری علوم کثیرہ کے ماہر ہوں ۲۔ اعمالِ قلب۔ یہ اعمال۔ افعال جسمانیہ و کردار یدیہ سے بالکل مختلف ہوتے ہیں قلوب کے اعمال اپنی لطافت و صداقت میں علم و روحانیت کی ہم شکل ہوتے ہیں۔ ان کی چھ شقیں ہیں۔ نیت۔ صوت ضمیر۔ کیفیتِ روحانی۔ واردات قلبیہ۔ مناجاتِ سریہ مکالمات الہامیہ انہی اعمال کا عامل عارف و صوفی ہے۔ وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ یُّؤْمِنُوْۤا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰى وَیَسْتَغْفِرُوْا رَبَّهُمْ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمْ سُنَّةُ الْاَوَّلِیْنَ اَوْ یَاْتِیَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا ۔ اور ان بحر ظلمت میں ڈوبے اور گھرے ہوئے انسانوں اور وادیِ عبرت میدانِ سفاہت میں پھنسے ہوئے لوگوں کو کس چیز نے مشاہدۂ جمال پر ایمان لانے سے منع کیا جب کہ نورِ وحدت کی آشکارا ہدایت قربِ ذاتِ جبروت کی منزل آگہی اور مقامِ شوق اور خلوتِ عشق میں اپنے رب رحیم و کریم سے ہزار الفتوں کے ساتھ بارگاہِ قیومی میں توبہ و استغفار کرتے مگر یہ نفسِ رذیلہ و عادات خبیثہ اور خصلتِ جبلیہ یہی چاہتی ہے کہ ان کے پاس بھی مجرمین اور مقہورینِ اولین کی سزاو نامرادی نازل ہو۔ یا ان کے پاس درد و فراق کا عذابِ ظاہری آجائے صوفیا فرماتے ہیں کہ تصوف و معرفت کا پہلا سبق محاسبہ اعمال ہے اور مقاطع فوری ہے کیونکہ محاسبہ سے صبر کی ولادت صبر سے توکل کی عادت اور توکل سے ایمان ملتا ہے اور ایمان سے استغفار اور استغفار سے توبہ نصیب ہوتی ہے مولیٰ علی نے فرمایا محاسبہ وہ ترازو ہے جو ہر مومن کو راہِ طریقت میں عطا ہوتی ہے اے راہِ فنا کے مسافرو۔ تم رب تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو منزلِ آخرت کی بڑی پیشی کے لیے تیار اور آراستہ کر لو جب تم اس دن پیش ہو گے تو کوئی پوشیدہ بات تم سے چھپی نہ رہے گی۔ محاسبہ ۲۔ ضبط ۳۔ نسق ۴۔ نظم اور پابندی یہ پانچ سواریاں ہیں جو راہ طلب

کے صحراؤں بیابانوں میں چلنے کے لیے ضروری ہیں۔ جو کوئی اپنے محاسن و عیوب کو صدق و اخلاص کے ترازو میں نہ تولے وہ کاملین کے مقام و مدارج تک نہیں پہنچ سکتا۔ ایسے بدبخت پر سنتِ اوّلین کا عذاب دوری اور ہلاکتِ محرومی کا نزول یقینی ہے۔ اور ان مغرورین کی آخری منزل عذابِ قُبُلًا ہے بے صبر انسان ایمان کی کنڈی اور استغفار کا دروازہ نہیں کھٹکھٹا سکتا۔ صبر کے پانچ مرتبے ہیں پہلا تکمیل فرائض دوم حرام سے پرہیز سوم مفلسی میں قناعتِ قلبی چہارم۔ صدمے اور غم میں عبادت پنجم تکالیف کو چھپانا۔ شکوہ یا اظہار نہ کرنا۔ صبر مومن کے لیے معزز ترین مقام ہے۔ یہی توبہ کا دروازہ ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَ

اور نہیں بھیجتے ہم انبیا کو مگر جنت کی خوشخبری کا مبشر۔ اور

اور ہم رسولوں کو نہیں بھیجتے مگر خوشی اور

مُنْذِرِيْنَ ۚ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

جہنم کا ڈر سنانے والا اور جھگڑے ڈھونڈتے رہتے ہیں کافر

ڈر سنانے والے اور جو کافر ہیں وہ باطل کے ساتھ جھگڑتے ہیں

بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا

ہر بُرے طریقے سے کہ کسی طرح غلط کر دیں اپنے جھگڑے کے ذریعے حق کو اور بنا لیا

کہ اُس سے حق کو مٹا دیں اور انہوں نے میری آیتوں

اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ﴿٥٦﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ

انہوں نے میری آیتوں کو اور اُن تمام خبروں کو جن کے لیے وہ ڈرائے گئے مذاق اور کون زیادہ ظالم ہے

کی اور جو ڈرانہیں سنائے گئے تھے ان کی ہنسی بنا لی۔ اور اُس سے بڑھ کر ظالم

مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَ

اُس سے جو یاد دلایا گیا اپنے رب کی آیتیں تو اُس نے اُن سے منہ پھیر لیا اور

کون جسے اُس کے رب کی آیتیں یاد دلائی جائیں تو وہ اُن سے منہ پھیرے اور

نَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ ؕ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى

بھول بیٹھا اُس کو جو آگے بھیجا اُس کے ہاتھوں نے بے شک بنایا ہم نے اُنکے

اُس کے ہاتھ جو آگے بھیج چکے اسے بھول جائے ہم نے ان کے دلوں پر

قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْۤ اٰذَانِهِمْ

دلوں پر سخت آڑ کا بندھن اس بات کا کہ نہ سمجھیں اس حق کو اور ان کے کانوں میں ملٹی

غلاف کر دیئے ہیں کہ قرآن نہ سمجھیں اور ان کے کانوں میں

وَقْرًا ؕ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ

بہرہ پن ہے اگرچہ آپ بلاتے رہو ان کو ہدایت کی طرف تو بھی ہر گز

گرانی اور اگر تم انھیں ہدایت کی طرف بلاؤ تو جب بھی ہر گز

يَّهْتَدُوْۤا اِذًا اَبَدًا ﴿۵۷﴾

ہدایت نہ پائیں گے وہ کبھی بھی ہمیشہ ہمیشہ تک

کبھی راہ نہ پائیں گے

تعلق ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ انسان بہت سرکش اور جھگڑالو ہے اب ان آیت میں اُس کے جھگڑے کا ذکر ہو رہا ہے کہ کافر لوگ باطل کے ذریعے حق سے بحث مباحثہ اور جھگڑا کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید

میں ہر طرح کی مثالیں بیان فرمائیں اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کفار قرآنِ مجید کو نہیں سمجھتے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ میدانِ قیامت میں کفار اور گمراہوں کا کوئی بچنے کا راستہ نہیں ہوگا۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ بچنے کا راستہ دنیا میں ہی بنا کر جانا پڑے گا اور وہ ایک ہی راستہ ہے جو دامنِ نبوت ہے آنے سے دکھائی دے گا لہٰذا آج دنیا میں ہی انبیاءِ مبشرین و منذرین اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مان لو۔

تفسیر نحوی

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْا اٰيٰتِيْ وَمَا اُنْذِرُوْا هُزُوًا. وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدَاهُ واؤ ہر جملہ نُرْسِلُ مضارع منفی بنایا جملہ خبریہ نافیہ ہے کیونکہ سب انبیاء و مرسلین اس آیت سے پہلے ہی مبعوث ہو چکے۔ رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنی بھیجنا ہر صورت متعدی ہوتا ہے یہ بابِ افعال سے ہے اس کا مصدر ہے ارسالٌ خیال رہے کہ باب افعال میں آ جائے تو تاکید اور عمدیت پیدا کرتا ہے بمعنی جان بوجھ کر ابنیا کیا۔ المرسلین باب افعال کا اسم مفعول جمع مذکر اس کا واحد ہے مرسل ترجمہ ہے مُرسَلٌ کا بھیجا ہوا۔ مراد ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلّا حرفِ استثنیٰ متصل کیونکہ مستثنیٰ منہ اِرسالٌ یا مرسلین موجود ہے۔ مرسلین ہی مبشرین ہیں۔ یہ باب تفعیل کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے تبشیرٌ اس کا مادہ ہے بِشرٌ اسی سے ہے بِشارتٌ بمعنی خوشخبری سنانا اچھی خبر دینا یہ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مُنذِرین باب افعال کا ماضی مطلق کے معنی میں اسم فاعل جمع مذکر مادہ نَذرٌ بمعنی ڈرنا اور مصدر ہے اِنذارٌ بمعنی ڈرانا بحالتِ فتحہ معطوف ہے مبشرین کا دونوں مل کر مستثنیٰ سب مل کر جملہ فعلیہ استثنائیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ یُجادِلُ بابِ مُفاعلۃٌ کا مضارع مثبت معروف واحدِ مذکر غائب مصدر ہے مجادلۃٌ جدلٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے آپس میں جھگڑا کرنا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالتِ رفع ہے کیونکہ اگلے موصول سے مل کر فاعل ہے یجادل کا۔ کَفَرُوا ماضی جمع مذکر کُفرٌ سے بنا ہے ھُم ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے الّذین۔ بِ جارّہ سببیہ الف لام عہدی باطل اسم فاعل باب نَصَرَ سے ہے حق کا مقابل بمعنی غلط۔ بُرا۔ ناجائز۔ ناحق۔ ان سب معنوں میں کفر اور فسق کو باطل کہا گیا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے کَفَرُوا کا لام جاوہ حرفِ تعلیل ترجمہ ہے تاکہ اور اس لیے کہ یُدحِضُوا بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف دَحضٌ سے مشتق ہے مصدر ہے اِدحاضٌ۔ دَحضٌ لازم کا معنی ہے پھسلنا۔ ھٹنا۔ ڈھلنا۔ زائل ہونا اس کا مصدر ہے اِدحاضٌ بمعنی پھسلانا۔ ڈھانا۔ زائل کرنا ہٹانا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ بِ جارّہ سببیہ۔ ہ ضمیر کا مرجع ہے باطل۔ الف لام عہدِ ذہنی۔ حق۔ اسم مفرد جامد بمعنی درست سچا صحیح۔ ٹھیک قوت و بقا والا مراد ہے اسلام قرآن شریعت۔ بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے یُدحِضُوا کا۔ یہ اس کا متعلق۔ ھُم مستتر اس کا فاعل مرجع الّذین یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوا یُجادِل کا معلول و علت مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو گیا واؤ ہر جملہ اتَّخَذُوا۔ باب افتعال کا ماضی مطلق جمع غائب مصدر ہے اِتّخاذٌ اَخذٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے لینا بنانا۔ ھُم۔ ضمیر

اس کا فاعل اٰیٰتِ مرکب اضافی ترجمہ ہے میری نشانیاں میری آیتیں معطوف علیہ ہے واؤ حرف عطف ما موصولہ اُنْذِرُوْا باب افعال کا ماضی مطلق مجہول ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا نائب فاعل مرجع مَا ہے یہاں مَا موصولہ جنسی جمع ہے اس لیے ضمیر اور فعل جمع لایا گیا مَا سے مراد ہے قبر حشر جہنم کے عذاب۔ یہ فعل و نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا اٰیٰتِیْ کا دونوں مل کر مفعول بہ اوّل ہوا ھُزُوًا۔ اسم حاصل مصدر جامد ترجمہ ہے۔ مذاق۔ ہنسی انکار۔ بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے اِتَّخَذُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مکمل ہوا۔ واؤ بر جملہ اَظْلَمُ اسم تفضیل مذکر مِنْ حرف جر تبعیضیہ مَنْ موصولہ ذُکِّرَ باب تفعیل کا ماضی مجہول اس کا مصدر ہے تذکیر بمعنی یاد کرانا۔ یاد دلانا ھُوَ پوشیدہ اس کا نائب فاعل اس کا مرجع مَنْ ہے ب۔ جارہ تعدیہ کی اٰیٰت جمع ہے آیت کا ترجمہ ہے نشانی اور قدرت مضاف ہے۔ رب اسم صفاتی مضاف ہے ہ ضمیر کا مرجع مَنْ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور متعلق ہے ذُکِّرَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اَظْلَمُ کا ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع مَنْ سابقہ سب مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوا۔ ایک قول میں مَنْ ذُکِّرَ شرط ہے ایک قول میں فَ عاطفہ تعقیبیہ ہے۔ نہ کہ جزائیہ واللہ اعلم فَ جزائیہ اَعْرَضَ باب افعال کا ماضی مطلق عَرَضَ سے مشتق مصدر ہے اِعْرَاضٌ بمعنی منہ پھیرنا۔ علیحدہ ہونا۔ بے توجہ ہونا۔ دور ہونا۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل عَنْ حرف جر تجاوزت یعنی علیحدگی کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع آیت ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَعْرَضَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ نَسِیَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق نَسْیٌ۔ ناقص یائی سے

جسے مشتق ہے یعنی بھولنا نامی اسے ہے نِسْیَانٌ بمعنی بھولنے کی بیماری ایک قول میں ہے کہ اسی سے بنا ہے انسان بمعنی اسم تفضیل یعنی بہت بھولنے والا ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ اَظْلَمُ یا مَنْ ذُکِّرَ۔ ما اسم موصول قَدَّمَتْ فعل ماضی صیغہ واحد مؤنث قَدَّمَ سے مشتق ہے مصدر ہے تَقْدِیْمٌ ترجمہ ہے آگے بھیجنا۔ آگے بڑھنا۔ آگے ہونا یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یَدَا اسم تثنیہ اس کا واحد ہے یَدٌ۔ دراصل تھا یَدَانِ۔ نون تثنیہ اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گئی ہ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ ہے ضمیر نفسی ہے یعنی اپنے دونوں یا غیر نفسی یعنی اس کے دونوں ہاتھ یہ مرکب اضافی فاعل ہے قَدَّمَتْ کا یہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مفعول بہ ہوا نَسِیَ کا وہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ سب عطف مل کر جزا ہوا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ فعلیہ مکمل ہوا۔ اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۭ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا۔ اِنَّ حرف تحقیق۔ نَا۔ ضمیر جمع متکلم منصوب متصل جَعَلْنَا باب فتح کا ماضی مطلق جمع متکلم جَعْلٌ سے بنا ہے یعنی بنانا۔ لگانا۔ یہاں مراد ہے ڈالنا عَلٰی حرف جر فوقیت کے لیے قُلُوْب جمع مکسر ہے قَلْبٌ کی ھُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل مرجع ہے الَّذِیْنَ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ جَعَلْنَا کا اَكِنَّةً اسم جمع مکسر ہے اَكْنَانٌ یا كِنٌّ کی یا اَكُنٌّ۔ کی تین قول ہیں بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا۔ اَنْ حرف ناصب يَفْقَهُوْا باب فَتَحَ کا مذکر غائب مضارع۔ دراصل تھا يَفْقَهُوْنَ نون اعرابی نصب کی وجہ سے

گر گئی۔ فِقْہٌ سے بنا ہے بمعنی قلبی سمجھ۔ خیال رہے کہ عربی میں سمجھنے کے معنی میں چھ مصدر مستعمل ہیں ۱۔ فِقْہٌ ۲۔ فہم ۳۔ فِرْسٌ ۴۔ ذَکَوٌ ۵۔ درکٌ ۶۔ حسبٌ دل سے سمجھنا فِقْہٌ ہے۔ دماغ سے سمجھنا فہم ہے۔ غیب و الہام سے سمجھنا۔ فِرْسٌ ہے روحانیت کی قوت سے سمجھنا ذَکَوٌ ہے۔ عقل سے گہرائی تک سمجھنا درکٌ ہے۔ گمان و خیال و وہم سے سمجھنا حسبٌ ہے اَن ناصبہ ہے یہاں تعلیلیت پیدا کر دی بمعنی کیوں کیسے۔ اور سوال انکاری ہونے کی وجہ سے ترجمہ ہو گیا۔ بھلا کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ یعنی کبھی نہیں سمجھ سکتے۔ اس میں ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن و حدیث ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ واؤ حالیہ۔ فِیْ حرفِ جر ظرفیت کے لیے آذَانٌ جمع مکسر منصوب ترجمہ ہے جسمانی کان۔ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ کا یہ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر کَانَ ناقصہ پوشیدہ کا اسم ہوا۔ وَقْرًا۔ اسم مفرد جامد ترجمہ ہے۔ ڈاٹ۔ بہرا پن۔ بحالت نصب خبر ہے کَانَ پوشیدہ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر حال ہوا اَیَفْقَھُوْا کے فاعل مستتر ھُمْ کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علتِ سابقہ وَ جَعَلْنَا کا کلیۃً مفعول مؤخر ہے۔ سب مل کر جملہ تعلیلیہ ہو گیا۔ بعض نحویوں نے دوسری ترکیب اختیار کی کہ اَن یَّفْقَھُوْا جملہ فعلیہ مفعول لَہٗ ہے۔ جَعَلْنَا کا اور واؤ عاطفہ ہے فِیْٓ اٰذَانِھِمْ معطوف ہے۔ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ پر اور وَقْرًا معطوف ہے اَکِنَّۃً پر۔ ایک واؤ دونوں جگہ مفید ہے۔ واؤ سر جملہ۔ اِنْ حرفِ شرط تَدْعُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف یعنی مستقبل۔ اصل میں تھا تَدْعُوْا۔ اِنْ شرطیہ کی وجہ سے مجزوم ہوا تو واؤ لام کلمہ گر گیا مانت۔ ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ دَعْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے دعوت دینا بلانا ھُمْ ضمیر ظاہر مفعول بہ ہے اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے اِلٰی حرف انتہائیہ۔ الف لام عہدی۔ ھُدٰی۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی راستہ یا منزل مقصود۔ یا راستہ بتانے والا یا منزل تک پہنچانے والا مراد ہے اللہ کا دین۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تَدْعُ کا یہ سب جملہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ فعل مستقبل نفی تاکید بِلَن باب افتعال سے ہے۔ مصدر ہے اِھْتِدَاءٌ بمعنی ھدایت دینا۔ ھُدٰیٌ سے بنا ہے بمعنی ہدایت پانا۔ اِذًا اسم ظرفیہ زمانیہ منصوب ہے کیونکہ ظرف ہے اَبَدًا اسم نکرہ مفرد ظرفی ترجمہ ہے ہمیشہ عام زمانہ یا عام مدت نکرہ ہے۔ منصوب ہے مفعول فیہ ہے لَنْ یَّھْتَدُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہوئی اِن تَدْعُ کی دونوں مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰیٰتِیْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا ۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ اور نہیں بھیجتے ہم اپنے کسی بھی رسول مرسل صاحبِ کتاب شریعت صاحبِ تبلیغ انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی کسی قوم فرد یا جماعت قبیلے خاندان یا کسی علاقے کی طرف مگر صرف ان کی دو ہی ذمہ داریاں ہیں ایک یہ کہ جو جو فرد یا جماعت و گروہ ایمان لا کر اللہ رسول دین و قانون کو مان کر عمل و عبادت نیکی و

اچھائی اختیار کرکے۔ حسن معاملہ واعمالِ صالحہ میں پابند و کار بند ہو کر دامنِ نبوت میں آجائے نبی کی غلامی واتباع اختیار کرے تو اس کو دنیا و آخرت ابتدا و انتہا قبر و حشر کی ابدی دائمی عزت و فضل رحمت و کرم۔ انعام و اکرام اور رب تعالیٰ کی محبت و رضا کی خوشخبری و بشارت سنانے والے ہیں۔ اور جو بدقسمت بارگاہِ نبوت سے دور اہلِ حق سے نفور دنیوی فانی عزت عارضی دولت مادی عیش و عشرت میں مغرور اور دنیا سازی و باطل پرستی میں مصروف ہما رہے نہ حق سنے نہ اہل حق کی مانے نہ شانِ رسالت و نبوت کو جانے نہ اپنے خالق مالک رازق معبود و مسجود کو پہچانے۔ ایسے بدنصیب جاہل و نافرمان مغضوب و گمراہ کو عذاب و عتاب حساب و کتاب۔ قہر و حشر۔ قیامت و جہنم کی مصیبتوں تکلیفوں اور ہمیشہ ہمیشہ کی ذلتوں سے ڈرانے والے ہیں۔ انبیاء کرام کی فقط یہی ذمہ داری ہے کوئی مومن بن جائے تو اسی کا فائدہ ہے اور جو گمراہ رہے تو اسی کا نقصان ہے انبیاء کرام کا کچھ نقصان نہیں نہ کسی کے گمراہ و بدکار رہنے پر اُن انبیاء علیہم السلام کچھ مواخذہ یا پوچھ گچھ ہوگی اور یہ کافر یہ مشرک و گمراہ اس چیز سے غافل یا لاعلم نہیں یہ باتیں یہ احکام و قانون ان کو کئی دفعہ سمجھائی گئی ہیں۔ ہر نبی نے اپنے اپنے زمانۂ مقدسہ میں اپنی اپنی قوم کو بتائی ہے۔ توریت۔ زبور، انجیل اور قرآن مجید میں بار بار سنائی گئی ہیں۔ مگر پھر بھی يُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ ہر کام ہر عمل ہر مسئلے ہر خیر خواہی اور راہ و رہنمائی میں وہ لوگ جھگڑا فتنہ فساد بحث مناظرہ۔ مار دھاڑ۔ لڑائی مخالفت اور انکار ہی کرتے رہے اور کرتے رہتے ہیں جو ازلی کافر جہنم کے مشرک عقل کے شاطر فکر کے ناقص ہیں۔ اپنی بیہودہ بے تمیز باتوں اور فضول و باطل مطالبات کے ذریعہ۔ تاکہ پریشان کر دیں پھسلا دیں۔ مغلوب اور کمزور کر دیں حق کو اپنے ان مجادلوں جھگڑوں فریب کاریوں مکاریوں سے اور نو مسلم مسافروں کو ایمان لانے سے روک دیں متنفر کر دیں۔ اور حق دین سے لوٹا کر پھر اپنے باطل و کفر میں لے جائیں۔ کیسے کیسے عیارانہ طریقے اور چلے ہتھکنڈے ہیں جو یہ کافر لوگ ہمیشہ سے دین مذہب قانون الٰہی اور اسلام قرآن کے خلاف انبیاء مرسلین کی مخالفت اور تا قیامت علماء اولیاء کی مزاحمت میں کرتے چلے آرہے ہیں صرف اس لیے تاکہ حق کو دنیا سے مٹا دیں۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے شروع سے ہی میری سابقہ و موجودہ آیتوں نشانیوں۔ قدرتوں فطرتوں۔ انبیاء کرام کے معجزوں کو اور اُن تمام عذابوں بلاؤں مصیبتوں آسمانی ناگہانی ہلاکتوں بربادیوں قبر کی زندگی حشر کے حساب و کتاب جہنم کی آگ اور جن چیزوں سے وہ ڈرائے گئے اُن سب کا مذاق ہی اڑایا۔ اور میرے مخلص بندوں کا تمسخر ہی بنایا اور ہر سچی و برحق خبر کو بناوٹی ہی سمجھا یہ ان کی اپنی بدنصیبی بدبختی ہے۔ حالانکہ۔ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا۔ اُس شخص سے بڑھ کر اپنے آپ یا اپنے خاندان یا معاشرے یا آئندہ اپنی نسل پر زیادہ ظلم کرنے والا کون ہو سکتا ہے جس کے سامنے اُس کے رب کریم رازق خالق مالک مُربّی و محسن کی آیتیں تلاوت کی جائیں پڑھ پڑھ کر سنائی و بتائی جائیں سمجھائی اور یاد دلائی جائیں مگر وہ ایسا خود سر۔ خود غرض بے وفا ضدی ہو جائے اور احسان فراموشی کرے کہ تمام حقوق اور آرام و سکون نعمت و عزت اور اللہ تعالیٰ کے بلا معاوضہ و بلا استحقاق سب عطیے بخششیں بھول کر اُن سب آیتوں حکموں قانونوں

عبادتوں فرمانوں سے بلا سوچے سمجھے غور و فکر کیے بے عقلی نادانی سے منہ موڑے۔ دور ہٹ جائے اعراض کرے۔ اور اپنے وہ تمام کفر شرک بداعمالیاں فتنہ سازیاں بدکرداریاں ستم و ظلم برائیاں بھول جائے پرواہ بھی نہ کرے جو اس کے سب ہاتھ پیر اعضاء دل دماغ آگے نامۂ اعمال میں بھیج چکے لکھا چکے ہیں۔ لیکن یہ سب کفر نوازیاں۔ سرکشی و شیطانیاں اللہ تعالیٰ اور حق سے دوریاں ایمان لانے سے بہانے اور مجبوریاں کیوں ہیں؟ صرف اس لیے ہیں کہ ان کی گستاخی نبوت بے ادبی رسالت کی سزا ہیں اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ۔ وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا ۔ بے شک ہم نے ہی ڈال دیا۔ ان سب گستاخوں اور تاقیامت اپنے حبیب مکرم کے بے ادبوں راندۂ درگاہوں کے دلوں پر اندھیروں اور سیاہیوں کے غلاف اس طریقے سے ترکیب سے کہ سمجھ ہی نہ سکیں اس راہ ہدایت اور ذریعۂ نجات کے اسباب اور وسیلۂ ترقیات کو اور فقط یہی نہیں بلکہ ہم نے ان کے کانوں میں غفلت و سفاہت ضلالت و کدورت کی سخت ڈاٹ اور بندھن بھر دیا ہے تاکہ وہ اتنے سخت بہرے ہو جائیں اور ایسے بدقسمت بن جائیں کہ اگر تم ان کو ہزار مرتبہ بھی ہدایت کی طرف بلاؤ تب بھی وہ کبھی ہرگز اچھی مفید خوش کن بات اور ہدایت نہ لے سکیں گے۔ مرتے دم تک پوری دنیوی زندگی میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کسی چیز کو بند کرنے کے چھ مختلف طریقے ہیں (۱) اغطیہ یعنی کسی چیز کے سامنے پردہ لٹکا دیا جائے تاکہ وہ سامنے والی چیز یا راستے کو نہ دیکھ سکے نگاہ رک کر بند ہو جائے (۲) غلف۔ وہ پردہ غلاف کی شکل میں اس پر لپیٹ دیا جائے۔ (۳) اکِنّہ۔ وہ غلاف اس چیز پر بہت سختی سے کس دیا جائے (۴) ختم۔ اس کسے ہوئے غلاف کو کسی مضبوط دھاگے یا رسی سے سی دیا جائے یا گوند وغیرہ سے چپکا دیا جائے کہ پھر کھل نہ سکے (۵) وقر۔ کسی برتن کی شکل والی چیز میں کسی سخت چیز کی ڈاٹ یا کوئی چیز جم جانے والی پگھلا کر ڈال دی جائے جس سے اس برتن وغیرہ کی رگ رگ کونہ کونے میں وہ پگھلی ہوئی دھات گوند سلیش وغیرہ دھنس کر سخت جم جائے اور اس چیز کی رگ رگ وپے بند ہو جائے (۶) غشاوۃ۔ کسی پر سخت موٹا پردہ فقط ڈال دیا جائے قرآن مجید کی مختلف آیات میں کفار کے قلب و عقل آنکھ کان پر ان چھ چیزوں کا ذکر ملتا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ چیزیں ہر طرح سے مکمل سختی سے کافروں کو باندھے ہوئے ہیں اس لیے انبیاء کرام کے سمجھانے سے وہ ہدایت نہیں لے سکتے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی شان بے نیازی کے مظہر ہیں۔ رب تعالیٰ نے تمام انبیاء کو اس چیز سے بے پرواہ کر دیا ہے کہ دنیا میں کوئی ایمان لائے یا نہ لائے۔ اگر سارا جہان بھی گمراہ رہے تو ان اولوالعزم ہستیوں کا کچھ نہیں بگڑتا اس کے باوجود اگر وہ حضرات کسی کی ضلالت و بے راہی پر غم و افسوس فرمائیں تو یہ ان کی کمال شفقت اور بندوں سے پیار ہے یہ فائدہ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ ۔ الخ، فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ دنیا پرستوں کی ہر بات ہی باطل ہے۔ اگرچہ کتنی ہی سوچ

فکر اور فعل سے کریں یہ فائدہ وَیُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ان کی ہر بات کو جھگڑا اور جدال قرار دیا گیا۔ **تیسرا فائدہ**۔ اپنے گزشتہ گناہوں خطاؤں غلطیوں کو بھول جانا یہ کفار اور مردودوں کا طریقہ ہے اس لیے کہ کفار گناہ کی فکر و پرواہ نہیں کرتے نہ کفریات سے ڈرتے ہیں مسلمانوں کو ان طریقوں سے بچنا چاہیے۔ یہ فائدہ وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدَاہُ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ شریعتِ مطہرہ میں مزاح کرنا جائز ہے جس کو ہماری اصطلاح میں لطیفوں والی دل خوش کن گفتگو کہتے ہیں۔ اس سے سب حاضرین خوش تو ہوتے ہیں مگر کسی کا دل دکھتا نہیں۔ لیکن مذاق بازی حرام اور ناجائز ہے۔ جس سے کسی کو دکھ پہنچے اور کچھ لوگ ہنسی اڑائیں یہ حرام ہے خاص کر بزرگوں کے ساتھ مذاق تو سخت نقصان دہ حرام ہے اور انبیاء کرام یا ان کی کسی بھی نسبت والی چیز کا مذاق اڑانا تو بدترین کفر ہے اسی لیے بعض فقہا تو احتیاطاً گدھے کو بھی مذاق سے نہیں دیکھتے اور کدو شریف کا ادب کرتے ہیں۔ اس کو برتن میں رکھ کر چھیلتے بناتے دھوتے ہیں اور دھوون کا پانی گندی جگہ نہیں پھینکتے اس لیے کہ گدھا حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی سواری ہے اور کدو شریف محبوبِ پاک صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ السلام کو پسند تھا یہ سب عشق کی ادائیں ہیں۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا بِحَلَاوَتِ عِشْقِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم۔ یہ مسئلہ وَاتَّخَذُوْا اٰیٰتِیْ وَمَا اُنْذِرُوْا ھُزُوًا۔ سے مستنبط ہوا۔ بڑا نازک مقام ہے ڈرنا ہی بہتر ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ مسلمانوں کو واجب ہے کہ اپنی نیکیوں کو بھلا دیں یعنی نہ کسی سے تذکرہ کرتے پھریں نہ ان کو اہمیت دیں لیکن اپنے چھوٹے چھوٹے گناہ بھی یاد رکھیں اور معافی مانگتے آئندہ بچنے کی دعا اور موجودہ نہ کرنے کا شکرِ الٰہی بجالاتے رہیں تاکہ عجز و انکسار اور بندگی کی عادت بنی رہے یہ مسئلہ وَنَسِیَ مَا قَدَّمَتْ یَدَاہُ فرمانے اور کفار کی خصلتِ بد بیان کرنے سے مستنبط ہوا۔ کہ گناہ کر کے لاپرواہ ہونا بھول جانا طریقۂ کفار ہے۔ جو مسلمانوں کے لیے اپنانا حرام ہے۔ ہاں البتہ دوسروں کی نیکیاں اور احسان یاد رکھنے جائز بلکہ لازم ہیں کہ یہ شکر ہی کی ایک شکل ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ علماء اسلام اولیاء اللہ اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر بات ہر مسئلہ حق ہے اس کی تائید و اتباع اور اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے یہ مسئلہ کَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِیُدْحِضُوْا بِہِ الْحَقَّ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا یُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُجَادِلُ بابِ مُفَاعَلَۃٌ۔ کا مضارع ہے باب مُفَاعَلَۃ کی خاصیت ہے مشارکت دو طرفہ کام، جس سے ثابت ہوا کہ انبیاء نے بھی کفار سے جھگڑا کیا حالانکہ یہاں جدال کی برائی فرمائی جا رہی ہے تو انبیاء نے بھی یہ غلط کیا؟
جواب۔ اس کے چار طرح جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ ہاں دونوں نے جھگڑا کیا مگر ایسا ہی جیسا کہ پولیس اور چور ڈاکو کا مقابلہ یا اس طرح کہ کفار نے انکار کے پہلے جھگڑا کیا انبیاء نے اس کا جواب دیا اور دو طرفہ گفتگو کو مجادلہ قرار دیا گیا۔

دوم یہ کہ کفار مجادے کی ابتدا کرتے تھے تاکہ انبیاء کرام بھی ہم سے بحث کریں اور ایک ہنگامہ شور وغل مچے۔ سوم یہ کہ باب مفاعلہ صرف دو طرفہ مشارکت کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ یہ دعا اور یک طرفہ فعل کے لیے بھی اکثر ہوتا ہے جیسے کہ عَاقَبْتُ اللِّصَّ۔ میں نے چور کو سزا دی یا جیسے عَافَاکَ اللّٰهُ مِنَ الْمَرَضِ تجھ کو اللہ تعالیٰ بیماری سے شفا دے یہاں تو مشارکت کفر ہو جائے گی لہٰذا یُجَادِلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ یہاں بھی ایک طرفہ جھگڑا مراد ہے یہ جواب سب سے بہتر ہے۔ چہارم یہ کہ۔ کفار نے آپس میں جھگڑا کیا اور دین الٰہی کا مذاق و تمسخر ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر بنایا۔ لہٰذا یہاں جھگڑے میں انبیاء کرام علیہم السلام کی مشارکت مراد و شامل نہیں۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا کہ کفار کے دلوں پر غلاف ہے اور کانوں میں ڈاٹ ہے اس لیے وہ ایمان نہیں لاتے اور یہ غلاف اور ڈاٹ اللہ تعالیٰ نے خود لگائی۔ تو پھر اب کفار کا کیا قصور اور وہ کیوں مجرم ہوئے اُن پر عتاب و عذاب کیوں ہوگا۔ **جواب**۔ ان کا قصور یہ ہے کہ وہ پہلے گستاخ نبی بنے۔ اس گستاخی کی سزا میں اُن پر غلافِ اکنہ اور وقر ڈالا گیا۔ گویا کہ ان کی گستاخی اس غلاف اور پردے کا سبب بنی لہٰذا وہ مجرم اور لائق عذاب و عتاب ہوئے۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ یعنی انبیاء عظام دنیا میں صرف بشارت دینے ڈرانے اور مسئلے بتلانے کے لیے آتے ہیں ان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا۔ اور ان کا علم بھی ایک بشر سے زیادہ نہیں ہوتا۔ اہل سنت کا یہ عقیدہ غلط ہے کہ ان کو علم غیب اور اختیار و سلطنت کی طاقت ہوتی ہے (از تفہیم سورۃ اسریٰ دیوبندی وہابی) **جواب**۔ یہاں انبیاء کرام کے اختیار قوت سلطنت علم غیب کی نفی نہیں ہے اور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ انبیاء کرام صرف مسئلے بتانے آتے ہیں۔ بلکہ یہ ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء کرام کسی کو جبراً پکڑ پکڑ کر کسی کو مجبوراً اور زبردستی مومن بنانے کے لیے نہیں آتے نہ تلوار سے اسلام اور دین پھیلاتے ہیں وہ تو اخلاق و محبت شفقت سے بشارت و نذارت سنا کر دین حق کی طرف مائل کرتے ہیں اس سے یہود و نصاریٰ کا وہ الزام بھی دور ہو گیا کہ معاذ اللہ اسلام تلوار سے پھیلا۔ **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ۔ اَظْلَمُ اسم تفضیل ہے جس کا معنی ہے کہ اس سے زیادہ کوئی نہیں اگر ایک شخص بھی اس سے زیادہ ہو جائے تو یہ سب سے زیادہ نہ رہے گا۔ حالانکہ قرآن مجید میں تقریباً سولہ جگہ مختلف لوگوں کو اَظْلَمُ فرمایا گیا تو سب اظلم کس طرح ہو سکتے ہیں۔ صرف ایک اظلم ہو سکتا ہے باقی دوسرے ظالم نیز ان سولہ آیات میں ہر جگہ ہی استفہام انکاری ہے جس کا معنی ہے کہ یہی سب سے بڑا ظالم ہے۔ **جواب**۔ قرآن مجید میں سولہ جگہ چار قسم کے لوگوں کو اَظْلَمُ فرمایا ۱۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ یعنی وہ ہی سب سے زیادہ ظالم ہے جو مسجدوں میں ذکر الٰہی سے روکے آیت ۱۱۴ سورۃ بقرہ ۲۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ۔ جو اللہ پر جھوٹ کا افتریٰ باندھے وہ ہی سب سے بڑا ظالم ہے سورۃ انعام آیت ۲۱۔ ۳۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ کَتَمَ شَهَادَةً۔ جو کسی کی گواہی چھپا لے وہ ہی سب سے زیادہ ظالم ہے۔ ۴۔ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ۔ سورۂ کہف یہی آیت ۵۷۔ ظلم کا معنیٰ ہے حق تلفی اور حق چار قسم کے ہوتے ہیں ۱۔ حق تعالیٰ ۲۔ حق العبد ۳۔ حق النفس ۴۔ حقِ معاشرہ۔ تو ان مختلف آیات میں چار قسم کے حق تلفی کرنے والوں کا ذکر ہوا۔ کہ حق اللہ میں سب سے

بڑا ظالم وہ ہے جو افترا باندھے اور حق العبد میں سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو گواہی چھپائے اور حق النفس میں سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو دین سے اعراض کرے ۔ حق معاشرہ میں سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو مسجدوں سے روکے۔ تو یہ ایک دوسرے سے بڑے نہیں بلکہ اپنی اپنی نوعیت میں علیحدہ علیحدہ بڑے ظالم ہیں۔ اس لیے چاروں کا اَظلم ہونا درست ہے بعض نے یہ جواب دیا کہ فعلِ ظلم چار ہیں مگر شخصیت ایک ہی ہے یعنی یہ کافر لوگ اس لیے بھی اَظلم ہیں۔ اس لیے بھی۔ اس لیے اور اس لیے بھی اور اس لیے بھی۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ. وَيُجَادِلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِالْبَاطِلِ لِيُدْحِضُوْا بِهِ الْحَقَّ وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَمَآ اُنْذِرُوْا هُزُوًا وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَنَسِيَ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اور ہم عالمِ قالبِ بشریت میں اپنے الہاماتِ نبیہ اور وارداتِ اَسرار کو صرف قلوبِ عارفین اور سینۂ عاشقین کی خوشخبریوں بشارتوں کے لیے اور نفوسِ رذیلہ عاداتِ کثیفہ و حواسِ خبیثہ کو ڈرانے کے لیے ہی نازل فرماتے ہیں لیکن زمینِ ظلمت میں کافرانِ نفوسِ اَمّارہ اپنے وساوسِ باطلہ کے ذریعے فسادِ نیات و فتنۂ مقصودات کا جھگڑا و مجادلہ اور کفرانِ حقیقت و بطلانِ طریقت ہی کرتے ہیں تاکہ عالمِ اَسرار کی حقیقتِ واقعی کو کیفیاتِ قلب میں سے ختم کر دیں۔ اور چشمۂ حق کو بند کر دیں ان ہی باطنی قوتوں نے معرفت کی آیت اور قلبِ مزکی کی کرامت کو اور قہر جلال کی آوازوں کو مذاق و بیکار سمجھا اور فکرِ طاغوتی سے بے توجہی کی اور وادیِ حیرت میں سب سے زیادہ ظلمتوں اور گھٹا ٹوپ اندھیروں والا وہی نفس سرکش ہے جس کے سامنے تمام انوار۔ اَسرارِ الہامات کرامات اَشراف کا مظاہرہ و مذاکرہ ہوا مگر سب کچھ جانتے بوجھتے پھر بھی اس حوادثِ جسمانیہ اور قوتِ ایمانیہ سے اعراض ہی کیا اور اپنے تمام وساوسِ ضلالت اَعمالِ شر و فساد کو بھلا دیا جو اس کے حواسِ باطنی کے ہاتھوں نے اور قوتِ لامسہ نے وادیِ ظلمت و حیرت میں آگے بھیجا آیتِ ذکر و فکر میں سب سے بڑی آیت نمازِ خلوص ہے اور غافلین بدکردار اسی کا سب سے زیادہ مذاق و مذاق کرتے ہیں اس کا ترک ہی آیتِ الٰہیہ کا مذاق اڑانا ہے اهلِ شریعت کے نزدیک نماز کے چار شعبے ہیں ۱۔ سجدِ محراب میں جسم کی حاضری ۲۔ رخِ کعبہ میں ہوش و حواس بجا لانا ۳۔ خشوعِ قلب ۴۔ خضوعِ ارکان۔ دل کی توجہ خشوع ہے اور اعضا کی درستی خضوع ہے۔ صوفیا کی نماز یہ ہے کہ سجدہ کرنا ہے یوں کر کر ہو سجدے میں جھکا۔ سر خدا کے سامنے دل مصطفیٰ کے سامنے لیکن عارفین فرماتے ہیں کہ نمازِ زاہداں سجدہ سجود ہے۔ نمازِ عاشقاں ترکِ وجود ہے حضورِ قلب سے حجاب اٹھتے ہیں ہوش و حواس بجا لانے سے عتاب دور ہوتا ہے۔ سمتِ کعبہ سے دروازے کھلتے ہیں اور خضوعِ ارکان سے ثواب ملتا ہے۔ صوفیانہ نماز کا طریقہ یہ ہے کہ حکمِ الٰہی سے قیام خوفِ الٰہی سے رکوع۔ قربِ الٰہی سے سجدہ جلال سے تکبیر۔ ذوق سے تلاوت تواضع سے تشہد۔ اور نیت صدقہ سے سلام ہو۔

اِنَّا جَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْٓ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا. وَاِنْ تَدْعُهُمْ اِلَى الْهُدٰى فَلَنْ يَّهْتَدُوْٓا اِذًا اَبَدًا

بے شک ہم نے ایسے ہی اہل فساد کے آماجگاہِ شیطانیہ کے مردہ دلوں پر محرومیِ ابدی کے پردے اور نامرادی کی اُڑ و بندش بنا دی ہے نہ یہ مشاہدۂ انوار کو چشمِ حق بینی سے دیکھ سکیں اور نہ یہ اسرارِ الٰہیہ کو سمجھ سکیں اور ایسے ہی نفوسِ خبیثہ کے باطنی کانوں میں قہر و غضب کی ڈاٹ لگ چکی ہے جس کی وجہ سے وہ صوتِ سرمدی اور آوازِ عرشی کو کبھی بھی نہیں سن سکتے۔ تو ایسے باطن کے اندھے۔ ظاہر کے بہرے حقیقتِ مشاہدہ کے ناواقف ہر گز منزلِ قرب و راہِ جمال۔ مرادِ انوار کی ہدایتِ ایصال الی المطلوب کبھی بھی ازلِ حادث سے ابدِ دھریت تک نہیں پا سکتے۔ جب بندہ ترکِ عبادت کرتا ہے تو اس کے قلب پر غفلت کے پردے پڑ جاتے ہیں اور جہالت و نا سمجھیوں کے غاروں میں پھنس جاتا ہے۔ اور اس کے کانوں میں فسق و فجور کی کثافتیں غلاظتیں بھر جاتی ہیں۔ ان دونوں رکاوٹوں کو دور کرنے کے لیے توبۂ صادقہ ضروری ہے۔ پھر توبہ کی دو قسمیں ہیں پہلی توبۂ انابت یعنی اللہ سے ڈرو کیونکہ وہ تم پر قادر ہے۔ دوسری توبۂ استجابت۔ یعنی اللہ سے شرماؤ حیا کرو کیونکہ وہ تمہارے قریب ہے تمہارا رازق و مربی محافظ و نگہبان ہے۔ توبۂ عارفین وجود ہستی کو معدوم سمجھنا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کے دل میں یہی توبہ جاگزین ہو جائے۔ توبہ سے پرہیزگاری اور پرہیزگاری سے تقویٰ تقوے سے دین اور دینِ مستقیم سے جہاد اور عبادت سے طلبِ ذات اور طلبِ ذات سے راہِ معرفت اور راہِ معرفت سے منزلِ قرب میسر آتی ہے۔ ولایتِ کاملہ کی یہی ہدایتِ اوّلی و آخری ہے۔

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۭ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ

اور آپ کا رب قدیم کا بخشنے والا ہے رحمت کو بھیجنے والا اگر وہ رب جلدی پکڑتا

اور تمہارا رب بخشنے والا مہر والا ہے اگر وہ انہیں ان کے کئے پر پکڑتا

بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۭ بَلْ لَّهُمْ

ان نافرمانوں کو اس بداعمال کے بدلے جو انہوں نے دنیا میں کی تو جلدی ڈالتا ان کیلئے عذاب مگر جلدی نہیں بلکہ انکیلئے

تو جلد ان پر عذاب بھیجتا بلکہ ان کے لیے وعدے کا وقت ہے جس کے سامنے کوئی پناہ نہ پائیں گے

مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا ﴿۵۸﴾

وعدے کی ساعت ہے کہ ہرگز اس کے سوا بچنے کی جگہ نہ پائیں گے

اور یہ بستیاں ہم نے تباہ کر دیں جب

وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا

اور یہ بہت سی بستیاں ہم نے ان کو اس وقت ہلاک کر دیا جبکہ انہوں نے اپنی جانوں پر اور دوسروں پر ظلم اور رہنا دیا تھا ہم نے

انہوں نے ظلم کیا اور ہم نے

لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ﴿٥٩﴾ ع وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ

اُن کی دنیوی ہلاکت کا ایک مقرر وقت اور یاد کیجئے اُس وقت کو جب کہا تھا موسیٰ نے اپنے ساتھی سے

ان کی بربادی کا ایک وعدہ کر رکھا تھا اور یاد کرو جب موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا

لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ

نہ رکوں گا میں آئندہ ایک سفر میں یہاں تک کہ پہنچ جاؤں میں دو سمندروں کے ملنے کی جگہ یا پھر چلتا رہوں گا میں گزارتا رہوں گا میں

میں باز نہ رہوں گا جب تک وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملے ہیں یا قرنوں

حُقُبًا ﴿٦٠﴾ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا

کئی زمانے پھر جب وہ پہنچ گئے ان دونوں سمندروں کے درمیان جمع ہونے کے مقام پر تو دونوں بھول گئے اپنی بھنی ہوئی مچھلی کو

چلا جاؤں پھر جب وہ دونوں ان دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے اپنی مچھلی بھول گئے

فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا ﴿٦١﴾

حالانکہ بنا گئی تھی مچھلی اپنا راستہ سمندر میں چوڑا سوراخ چھوڑتی ہوئی

اور اُس نے سمندر میں اپنی راہ لی سرنگ بناتی

تعلق ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** ۔ پچھلی آیت میں کفار کے چار عیب اور اُس کی دو وجہیں بیان ہوئی تھیں۔ ۱۔ پہلا عیب جھگڑا بازی ۲۔ دوسرا عیب مذاق بازی ۳۔ تیسرا عیب حق سے علیحدگی ۴۔ چوتھا اپنے اعمال، کرتوت بھول جانا۔ اس کی ایک وجہ دلوں پر غلاف ہونا اور دوسری وجہ کانوں میں

ڈانٹ ہونا بیان ہوا تھا۔ اب اِن آیت میں رب تعالیٰ کی چار کرم نوازیاں ذکر ہوئیں جن کی بنا پر کفار اتنے ظلم و سرکشی کے باوجود بچتے چلے آ رہے ہیں ۱۔ غفاریت ۲۔ رحیمیت ۳۔ مہلت ۴۔ وعدہ مقررہ۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انبیاء کرام و مرسلین عظام کے مبعوث فرمانے کے دو مقصد بیان ہوئے تھے اب اِن آیت میں تیسرا مقصد بیان ہو رہا ہے۔ کہ جس طرح بشارت اور نذارت بعثتِ نبوت کا مقصد ہے اسی طرح علم کی عطا بھی انبیاء کرام کے ساتھ مخصوص ہے دوسرں کو اُن کے وسیلے و ذریعے سے علم ملتا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ایک ایسی بھول کا ذکر تھا جو دنیا و آخرت میں سراسر نقصان کا ہی باعث ہے اب اِن آیت میں ایک اور بھول کا ذکر ہو رہا ہے جو عین حکمتِ الٰہی ہے اور نہایت مفید تھی۔

تفسیر نحوی وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ۔ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ۔ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۔ وَتِلْكَ الْقُرٰى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۔ واؤ ابتدائیہ رَبُّكَ۔ مرکب اضافی ترجمہ ہے آپ کا رب مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ غَفُوْر بروزنِ فعول اسم مبالغہ ہے غَفْرٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بہت ہی بخشنے والا صفت غیر خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی موصوف ہے ذُو اسم مکبرہ۔ خیال رہے کہ اسم مکبرہ وہ ہوتا ہے جس کی کسی زبان میں بھی تصغیر نہ ہو سکے یہ عربی میں کل چھ مادہ ہیں۔ ہر زبان میں ہوتے ہیں۔ یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اَلرَّحْمَةُ اس کا مضاف الیہ الف لام استغراقی۔ رَحْمَةٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کرم احسان۔ یہ مرکب اضافی صفت ہے۔ غفور کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے۔ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر مکمل ہوا لَوْ حرفِ شرط۔ يُؤَاخِذُ۔ باب مُفَاعَلَةٌ کا مضارع مثبت بمعنیٰ ماضی تمنائی شرطی اس کا مصدر ہے۔ مُؤَاخَذَةٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکڑنا۔ لینا۔ گرفت کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع اللہ تعالیٰ (رَبُّكَ) ہے ھُمْ مفعول بہٖ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ سابقہ۔ بِ حرف جر سببیہ مَا موصولہ۔ كَسَبُوْا باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر كَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ۔ کمانا۔ حاصل کرنا۔ ھُمْ اس میں مستتر فاعل ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے يُؤَاخِذُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی لام گئے جزائیہ عَجَّلَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مصدر ہے تعجیلٌ عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلدی کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع رَبُّكَ ہے لام جارہ بمعنیٰ اعلیٰ فوقیت کا ھُمْ مجرور متعلق ہے عَجَّلَ کا العذاب اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا منصوب ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے عَجَّلَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ بَلْ حرفِ عطف اس کے تین نام ہیں ۱۔ حرفِ اِضراب ۲۔ حرفِ تدارک ۳۔ حرفِ اِصلاح یہ ماقبل کی نفی کر کے مابعد کو ثابت کرتا ہے۔ یعنی غلط کو صحیح کرتا ہے اگر متکلم کی خود اپنی غلطی ہو تو نام ہے تدارک اگر غلطی غیر کی ہو اور متکلم بیان کرے تو نام ہے اِصلاح اور اگر غلطی نہ ہو صرف نفیِ ماقبل مقصود ہو تو نام ہے اضراب۔ یہاں اِضراب ہی ہے لام جارہ نفع کا ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے ثَبَتَ کو جگہ۔ اسم ظرف زمانی واحد مذکر کا یہ باب ضَرَبَ سے مشتق ہے۔ مصدر ہے وَعْدٌ۔ ترجمہ ہے عہد۔ اِقرار۔ فیصلہ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر

موصوف ہوا۔ لَنْ یَّجِدُوْا باب ضَرَبَ کا فعل مستقبل نفی تاکید بلن صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ مستتر اس کا فاعل وَجَدٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے پالینا۔ حاصل کرنا۔ مِنْ جارّہ بیانیہ دُوْنِ اسم جامد بمعنیٰ سوا، مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع موعِدٌ ہے یہ مرکب اضافی ہو کر متعلق ہے لَنْ یَّجِدُوْا کا مَوْئِلًا باب فتح کا اسم ظرف ہے مذکر ہے۔ وَاْلٌ مہموز العین اور مثال واوی سے مشتق ہے بعض نے کہا اَوْلٌ سے بنا ہے وَاْلٌ کا معنیٰ ہے پناہ پکڑنا۔ راستہ نکالنا۔ راہ دیکھنا۔ ڈھونڈنا۔ آگے بڑھنا یہاں مراد ہے پناہ گاہ۔ بچنے کی جگہ۔ اَوْلٌ کا ترجمہ ہے پریشان ہو کر ایک طرف ہونا۔ یہ مفعول بہ ہے لَنْ یَّجِدُوْا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی مَوْعِدٌ کی یہ سب مرکب توصیفی معطوف ہے عَجَّلَ پر۔ سب عطف مل کر جزا ہوئی تو یؤاخذ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا واؤ ابتدائیہ تِلْكَ اسم اشارہ قریبی۔ الف لام استغراقی قُرٰی بروزن رُحیٰ جمع تکسیر ہے قَرْیَۃٌ کی بمعنیٰ بستی آبادی علاقہ مکانات دیواروں کو بھی کہا جاتا ہے اور مظروف یعنی رہنے بسنے والے لوگ بھی مراد ہوتے ہیں۔ یہاں ظرف مظروف سب ہی مراد ہیں۔ اس عبارت کی تین ترکیبیں کی گئی ہیں ۱۔ تِلْكَ مبتدا اَلْقُرٰی اور اس کا مابعد مَّوْعِدًا تک اُس کی خبر ۲۔ تِلْكَ اسم اشارہ قُرٰی اشار الیہ دونوں مل کر مبتدا اور اگلی عبارت آخر تک خبر مبتدا ۳۔ تِلْكَ اسم اشارہ مبتدا ہے اَلْقُرٰی اُس کی خبر ہے۔ اور اگلی عبارت تمام اُس کا حال ہے۔ لیکن پہلی ترکیب آسان ہے۔ اَھْلَكْنَا باب افعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم نَحْنُ ضمیر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِھْلَاكٌ متعدی ہو گیا ترجمہ ہے فنا۔ برباد۔ تباہ کرنا۔ ھَلَكٌ مادہ لازم ہے بمعنیٰ فنا۔ برباد۔ تباہ ہونا ھُمْ ظاہر ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ اَھْلَكْنَا کا۔ اس کا مرجع ہے۔ سب بستی والے اور بستی بھی لَمَّا ظرف زمانی ظَلَمُوْا باب سمع کا ماضی مطلق صیغہ جمع غائب ظُلْمٌ سے مشتق ہے۔ یعنی نقصان کرنا مراد ہے اللہ رسول کی نافرمانی کفر۔ شرک۔ فسق۔ ھُمْ مستتر ضمیر اس کا فاعل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ظرف ہوا اَھْلَكْنَا کا۔ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ جَعَلْنَا۔ فعل ماضی جمع متکلم ترجمہ ہے مقرر کر دیا ہم نے۔ جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مقرر کرنا۔ فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ لام جارّہ تقدیریہ یعنی مفعول بہ کے درجے میں کرنے والا مَھْلِكِ اسم مصدر میمی ترجمہ برباد و ہلاک کرنا مضاف ہے ھِمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے جَعَلْنَا کا مَوْعِدًا اسم ظرف زمانی صیغہ واحد مذکر ترجمہ ہے وعدے اور فیصلے کا وقت بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ سب عطف مل کر صفت ہوئی قُرٰی کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے تِلْكَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰهُ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا۔ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا۔

واؤ برجملہ اِذْ اسم ظرفیہ زمانیہ اس سے پہلے ہمیشہ کوئی فعل پوشیدہ ہوتا ہے یہاں اُذْكُرْ پوشیدہ ہے ترجمہ ہے۔ یاد کیجئے اسے پیارے نبی اس وقت اور واقع کو جب قَالَ فعل ماضی قَوْلٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے کہنا۔ بولنا ادب سکھانے کے لیے ہوگا فرمایا موسیٰ۔ لفظ موسیٰ اسم ذاتی ہے کلیم اللہ کا۔ یہ اسم مقصورہ ہے اس کا تمام اعراب تقدیری ہوتا

ہے۔ یہاں تقدیری رفع ہے کیونکہ فاعل ہے قَالَ کا۔ لام جارہ مفعولیت و تعدیت کا فتیٰ۔ اسم مفرد جامد۔ ترجمہ ہے۔ جوان یا ساتھی۔ معاون ہٗ۔ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل مرجع ہے حضرت موسیٰ۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے قَالَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَآ اَبْرَحُ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع معروف منفی ناقصہ صیغہ واحد متکلم بَرْحٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ باز رہنا۔ ٹل جانا۔ ہٹنا۔ رُکنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ مرجع حضرت موسیٰ اور اس کی خبر سیرًا یا سفرًا پوشیدہ مصدر جامد ہے ترجمہ ہے نہیں رکوں گا میں سفر یا سیر سے۔ حَتّٰی حرفِ علت انتہا کے لیے اس کی مُغَیَّا یعنی اختتام ہمیشہ غایت میں داخل ہوتی ہے۔ اور حَتّٰی فقط مضارع پر داخل ہوتا ہے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ پوشیدہ اس لیے ہوتا ہے تاکہ صرف نصب دے معنیٰ مصدری نہ کرے۔ حَتّٰی تین معنیٰ کیلئے مستعمل ہوتا ہے ۱۔ اِلٰی اَنْ یعنی یہاں تک کہ ۲۔ اِلَّا اَنْ۔ یعنی سوائے اس کے ۳۔ لام کے یعنی تاکہ۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ یہ حرفِ جر بھی ہوتا ہے مگر وہ فعل پر داخل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کوئی فعل بھی مجرور نہیں ہو سکتا۔ اَبْلُغَ۔ باب نصر کا مضارع مثبت واحد متکلم مفتوح ہے حَتّٰی کی وجہ سے۔ بُلُوْغٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے پہنچنا۔ اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے حضرت موسیٰ مَجْمَعَ اسم ظرفِ مکانی باب فتح سے ہے جَمْعٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ جمع ہونے کی جگہ۔ مضاف ہے۔ الف لام عہدِ خارجی۔ بَحْرَیْنِ۔ اسم تثنیہ واحد ہے بَحْرٌ بمعنیٰ دریا۔ بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے اَبْلُغَ کا۔ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے۔ اَوْ۔ عاطفہ اختیاری یا تردیدی اَمْضِیَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد متکلم مُضِیٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ گزرنا۔ فاعل ضمیر اَنَا کا مرجع موسیٰ ہیں حُقُبًا۔ اسم مفرد جامد ترجمہ ہے دراز مدت اس کی جمع احقاب۔ منصوب ہے کیونکہ مفعول فیہ ہے اَمْضِیَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا۔ اَبْلُغَ پر وہ معطوف ہوا لَآ اَبْرَحُ پر۔ سب مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مظروف ہوا۔ اِذْ کا دونوں اسم ظرف و مظروف مل کر ظرف ہوا پوشیدہ اُذْكُرْ امر حاضر کا۔ اَنْتَ اس کا پوشیدہ فاعل سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ فَ تعقیبیہ۔ بمعنیٰ ثُمَّ۔ ترجمہ ہے پھر لَمَّا۔ دو حرف ہیں ۱۔ لام ابتدائیہ ۲۔ مَا ظرفیہ دونوں کا ترجمہ ہے جب کہ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ ظرفِ مقدم اور شرط بنانے والا ہے ظرفیتِ زمانی کے لیے ہے بَلَغَا۔ بابِ نصر کا ماضی مطلق۔ اس کا فاعل هُمَا ضمیر پوشیدہ مرجع ہے فتیٰ اور موسیٰ علیہ السلام۔ مَجْمَعَ۔ اسم ظرف مکانی مضاف ہے۔ بَیْنِ اسم ظرف مکانی ترجمہ ہے درمیان۔ مضاف ہے هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے مرجع ہے بَحْرَیْنِ سب اضافت جڑ کر مفعول فیہ ہے بَلَغَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی نَسِیَا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق تثنیہ مذکر غائب هُمَا پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے حضرت موسیٰ اور رفیق ساتھی علیہما السلام نَسْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے ترجمہ ہے بھولنا۔ حُوْتَ اسم مفرد جامد ترجمہ ہے مچھلی اس کی جمع ہے حِیْتَانٌ۔ اور اس کا تثنیہ حُوْتَیْنِ مُهْمَلَتَانِ ہے۔ مضاف ہے۔ هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر ضمیر نفسی ہے ترجمہ ہے اپنی مچھلی مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ذو الحال ہے۔ فَ تعقیبیہ بمعنیٰ واؤ حالیہ تعقیبی حال یعنی بعد کے حالت والی ہے اس لیے واؤ حالیہ نہ آئی۔ اِتَّخَذَ باب افتعال کا ماضی مطلق اَخْذٌ سے

بنا ہے بمعنی لینا۔ بنانا۔ پکڑنا۔ اختیار کرنا مہموز الفاء ہے۔ دراصل تھا اِئْتَخَذَ دوسری ہمزہ کو تَ بنایا اور دونوں کا اِدغام کر دیا۔ اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اس میں ھُوَ ضمیر واحد مذکر پوشیدہ جس کا مرجع حُوْتَ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حُوْتَ لفظاً مذکر ہے اور تَ مادے کی ہے نہ کہ تانیث کی مگر بعض نحات نے کہا یہ مؤنث لفظی ہے اور مؤنث لفظی کے لیے مذکر فعل آسکتا ہے جیسے کہ طَلَعَ الشَّمْسُ۔ سَبِیْلَ اسم صفت مشبہ بر وزنِ کثیر قلیل ترجمہ ہے بہت کھلا راستہ دور سے نظر آنے والا۔ ہٗ۔ ضمیر واحد مذکر مرجع ہے حُوْتَ مجرور متصل ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے ضمیر نفسی ہے ترجمہ ہے اپنا۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فِی جارّہ ظرفیہ مکانیہ۔ الف لام عہدِ خارجی۔ بَحْر بحرین کا واحد ہے۔ ترجمہ ہے دریا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اِتَّخَذَ کا۔ سَرَبًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی لمبا سوراخ اس کی جمع ہے اَسْرَابٌ۔ ریت کی لمبی اور چوڑی لکیر کو بھی سراب کہا جاتا ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے ذوالحال حُوْتَ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے نَسِیَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی بَلَغَا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ ؕ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْىِٕلًا۔

وَتِلْكَ الْقُرٰۤى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا۔ اور اے پیارے محبوب نبی المرسلین ہم سب کچھ جانتے ہیں کہ یہ سب سے بڑے ظالم لوگ اور ہر قسم کا ظلم کرنے والے ہر ایک کو ستانے والے دکھ دینے والے کافر لوگ باوجود ہر قسم کا فتنہ فساد سرکشی عیاشی کرنے کے پھر بھی دندناتے پھر رہے ہیں ان شکروں ستم گروں کا نتیجہ بد کرداری کیوں اچانک ظاہر نہیں ہو جاتا آخر کیوں ان کے لیے دولتیں امیریاں سرداریاں ہیں ان کو ستم کرنے کی سہولتیں کیوں مل رہی ہیں۔ اور اہل ایمان مخلص بندوں کو مصائب و تکالیف غربت و عاجزی کمزوری کیوں ہے! اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس حیاتِ دنیوی کے لمحات میں ہر شخص کو کچھ مہلت اور کچھ مدت دی گئی ہے وہ بھی فقط اس لیے کہ آپ کا رب تعالیٰ ہر شخص پر بہت ہی غفاریت اور بخششیں فرمانے والا ہے اور رحمٰن و رحیم ہے رحمتوں عطاؤں والا ہے۔ لیکن یہ اپنا اپنا مقدر ہے کہ کسی کو غفاریت و رحم کا حصہ اسی دنیا میں دیکر معاملہ ختم کر دیا جاتا ہے اور وہ اس ہی دنیا میں پوری آزادی سے عیش و عشرت کر کے خالی ہاتھ چلا جاتا ہے۔ اور کسی نصیب ور کو اس دنیا میں دلِ فنا کی وادیوں جنگلوں میں آزاد پھرنے نہیں دیا جاتا اس دنیا میں مہلت اور ڈھیل رحیمیت و غفاری پردہ پوشی درگزری کا ہی قانون و ظہور ہے اگر ان بدبختوں ظالموں کے کردار و اعمال کو ہی دیکھا جاتا اور ربِّ ذوالجلال اپنے قہر و جلال کا اظہار فرماتے ہوئے ان کو اپنی پکڑ میں لیتا اور ان کے دن رات صبح شام آتے جاتے چلتے پھرتے کمائے ہوئے کسب اور بد اعمالیوں کی بنا پر اسی دنیا میں ان کا فیصلہ مقصود ہوتا تو البتہ ان کے لیے عذاب و عتاب کو بہت ہی جلدی بغیر مہلت دئے ہوئے فوراً نازل کر دیتا۔ بلکہ ایسا نہیں ہے۔ رحمت کا تقاضہ یہ نہیں ہے۔ منشاء قدرت ایک خاص وقت تک سب کو معافی و رجوع الی اللہ کی مہلت دینا ہے

اس مہلت و درگزر کے لیے ایک وعدے کا دن اور وقت مقرر کر دیا گیا ہے۔ اس وعدے نے تمام کائنات انسانیت کے لیے اچھے برے نیک و بد مومن و کافر مغرور و مرور، مخلص و مجرم، عابد و غافل سب کے لیے آخر کار یقیناً آنا ہے۔ اور جب وہ آگیا تو پھر یہ تمام ظلم کرنے والے اس وعدے کے علاوہ بچنے نجات پانے کا کوئی بھی راستہ نہیں پائیں گے وہ وعدے کا دن تو کسی کے لیے ٹل نہیں سکتا۔ البتہ عذاب سے بچنے کا ایک ملجا و ماویٰ ہے اور وہ صرف اللہ کریم مولا عظیم کی بارگاہ ہے اس بارگاہ کے علاوہ یہ لوگ کوئی بھی نجات کا دروازہ نہیں پائیں گے۔ اگرچہ موجودہ دنیا کی حالت ایسی ہی ہے کہ بدکاروں بدمعاشوں سرکشوں کے لیے خوشی و راحت عیش و آرام دولت و ثروت نظر آتی ہے۔ مخلصوں عابدوں زاہدوں کے لیے ہر ظاہری محرومی معلوم ہوتی ہے۔ مگر یہ اصل حقیقت اور دائمی ابدی چیز نہیں ان حالات کو دیکھ کر کسی خوش فہمی یا مایوسی کا اپنے ذہن اور اپنے طور پر کوئی فیصلہ نہ کر لو۔ لمحاتِ دنیوی کے فیصلے تمہاری عقل و فکر نہیں کر سکتی کیونکہ یہاں ظاہر کچھ ہے باطن کچھ اور رہا ہے۔ کیا ان آج کے موجودہ ظالموں کافروں منکروں نافرمانوں گمراہوں نے اپنی سیاحت اپنے سفر اپنی تاریخ گذشتہ میں نہیں پڑھا سنا کہ ہم نے ان چار پانچ بہت بڑی بڑی قبیلوں برادریوں جتھوں طاقتوں قوتوں دو نتوں والی قوموں (۱ قومِ نوح ۲ قومِ ایک ۳ قومِ عاد ۴ قومِ ثمود ۵ قومِ لوط) اور بستیوں کو برباد اور ہلاک و فنا کر کے رکھ دیا۔ لیکن ایک دم نہیں بغیر مہلت اور مدت و ڈھیل و درگزر کے نہیں سمجھانے بتانے توبہ اور رجوع کی طرف بلانے رغبت و محبت دینے کے بغیر نہیں۔ لَمَّا ظَلَمُوْا۔ اس وقت جب کہ انہوں نے حقوق اللہ حقوق العبد، حقوقِ نفس، حقوقِ معاشرہ۔ میں ہر طرح کا ظلم، حق تلفی۔ انبیاء کرام کو ستانا، مخلص اہل ایمان کو رلانا جی بھر کے کر لیا اور بس سمجھ لو کہ ہم نے ان کفارِ مکہ کے لیے بھی ان کی فنا۔ ہلاکت اور بربادی۔ اور تباہی کے لیے اور ذلت آمیز رسوائی کے لیے ایک وعدے کا وقت ازلِ قدیم سے بنایا مقرر و معین کیا ہوا ہے۔ وہ دنیا میں تو جنگ بدر کا دن ہے اور عالم برزخ میں قبر کی مدت اور آخرت میں قیامت کی گھڑی ہے۔ حالانکہ بظاہر وہ پچھلی ہلاک شدہ قومیں بھی ان سردارانِ کفر کی طرح دولت و ناز و نعم۔ اور غرور و جاہت میں مست و عیاش تھیں بلکہ ان سے بھی زیادہ مگر دنیا والے ظاہر بین نہیں جانتے کہ ان ظواہر کے اندر باطن اور پوشیدہ کیا ہے ان سنہرے سمندروں میں کتنے موتی اور کتنے مگرمچھ ہیں۔ کس کے لیے موتی ہیں کس کے لیے مگرمچھ دنیا کیا ہے اور دنیا کا عیش کیا چیز ہے۔ کیا یہاں کی امیری و دولت کامیابی ہے اور کیا یہاں کی مجبوری و غربت محرومی ہے اس کا فیصلہ ظاہر کو دیکھنے والا نہیں کر سکتا۔ اس کا فیصلہ تو تب ہی ہوگا جب موت کے بعد باطن کے راز آشکارا ہوں گے ظاہر والوں کی طرف سے باطن والوں پر اس وقت تک ہی اعتراض سوال اور طعن و مطعونی ہے جب تک کہ کوئی باطن کے راز جاننے اور بتانے والا نہیں ملتا اے ہمارے اسرارِ باطن اور غیوب کلی کو جاننے والے ازلی ابدی محبوب نبی۔ ذرا ان عقل کے اندھوں فکر کے نابیناؤں کو ظاہر و باطن کا معاملہ سمجھانے کے لیے موسیٰ و خضر کا یہ واقعہ بھی سنا دو جبکہ خود یہ یہود و نصاریٰ کے ہی کہنے اکسانے پر ان کفارِ مکہ

نے امتحاناً آپ سے چند واقعے سننے کا مطالبہ کیا تھا۔ اور ذرا دنیا بھر کے تاقیامت اُن یہودیوں کو بھی یہ واقعہ سنا دو جو کہتے پھرتے ہیں کہ ہمارے موسیٰ تمام انبیاء سے بڑے اور ہر طرح کے علم و فضیلت والے تھے اور اے سید المرسلین تم سے بھی زیادہ حضرت موسیٰ کو افضل کہتے ہیں کہ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِىَ حُقُبًا. فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِى الْبَحْرِ سَرَبًا۔

اے میرے راز دار اسرار اور واقعات غیبیہ کی میری اجازت سے لوگوں کو سچی سچی خبریں سنانے اور بتانے والے ابدی نبی۔ یہ کلیم و خضر کا واقعہ کچھ قرآن مجید کی ان آیت کے ذریعے اور کچھ تفصیل اپنے عطائی علم غیب کی احادیث کے ذریعے ان کو یاد کرائیے کہ عَنْ اُبَىِّ بْنِ كَعْبٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ مُوْسٰى قَامَ خَطِيْبًا فِىْ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ فَسُئِلَ اَىُّ النَّاسِ اَعْلَمُ فَقَالَ اَنَا. فَعَتَبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ اِذْ لَمْ يَرُدَّ الْعِلْمَ اِلَيْهِ فَاَوْحَى اللّٰهُ اِلَيْهِ اِنَّ لِىْ عَبْدًا بِمَجْمَعِ الْبَحْرَيْنِ هُوَ اَعْلَمُ مِنْكَ قَالَ مُوْسٰى يَا رَبِّ فَكَيْفَ لِىْ بِهٖ قَالَ تَاْخُذُ مَعَكَ حُوْتًا فَتَجْعَلُهٗ فِىْ مِكْتَلٍ فَحَيْثُمَا فَقَدْتَّ الْحُوْتَ فَهُوَ ثَمَّ فَاَخَذَ حُوْتًا فَجَعَلَهٗ فِىْ مِكْتَلٍ ثُمَّ انْطَلَقَ وَانْطَلَقَ مَعَهٗ فَتَاهُ يُوْشَعُ بْنُ نُوْنٍ...... (الخ)

از بخاری شریف جلد دوم تفسیر سورۃ کہف صفحہ ۶۸۸ و مسلم شریف جلد دوم باب فضائل خضر علیہ السلام صفحہ ۲۶۹۔ ترجمہ: اُبَیِّ ابنِ کعب سے روایت ہے کہ انہوں نے خود آقائے کائنات صلی اللہ علیہ السلام کو فرماتے ہوئے سنا۔ آپ ایک دفعہ ارشاد فرماتے تھے کہ بے شک موسیٰ علیہ السلام ایک مرتبہ بہت ہی شاندار و لگواز فصیح و بلیغ خطبہ کھڑے ہو کر ارشاد فرما رہے تھے تب آپ سے پوچھا گیا کہ دنیا میں کون شخص اس وقت سب سے بڑا عالم ہے آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں تو رب تعالیٰ نے عتاب اور منع فرمایا اس اَنَا کہنے پر کہ کیوں نہیں تم نے جواب دیتے وقت اس بات کے جاننے کو اللہ کی طرف لوٹایا یعنی یہ کیوں نہیں کہا کہ اَللّٰهُ اَعْلَمُ اللہ بہتر جانتا ہے کہ دنیا میں اس وقت سب سے بڑا عالم کونسا انسان ہے۔ ایک دم اَنَا کیوں کہہ دیا۔ اور پھر وحی فرمائی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف کہ بے شک میرا ایک بندہ مجمع البحرین کے پاس رہتا ہے جو تم سے زیادہ عالم ہے۔ عرض کیا موسیٰ علیہ السلام نے کہ میرے رب کیسے ہو سکتی ہے میری ملاقات اس سے فرمایا اگر تم جانا چاہتے تو ایک ثابت مچھلی بھون کر تل کر اپنے ناشتے کے لائق بنا کر بطور زادِ راہ اپنے ساتھ رکھ لو اپنے ناشتہ دان میں۔ پس جہاں کہیں مچھلی تم سے گم ہو جائے تو سمجھ لو کر دیں اِنکارِ بالشّی مُنتام ہے تو حضرت موسیٰ نے ایک مچھلی کا ناشتہ تیار کر کے اس کو اپنے مکتل یعنی ناشتے دان میں رکھا اور سفر پر چل پڑے اور آپ کے ساتھ آپ کے ایک ساتھی یوشع بن نون علیہ السلام بھی تھے اور پھر اے نبی اُس وقت کو بھی یاد کیجئے جب موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اپنے اسی ہم سفر ساتھی خادم اور شاگرد سے۔ راستے میں یا چلنے سے پہلے۔ لیکن ان کو مچھلی کے گم ہو جانے اور وہیں پر منزل مقصود ہونے کا ذکر

نہ بتایا تھا۔ اپنا سامان اور یہ کھانے کا ناشتہ دان (مکمل جس میں تقریباً پندرہ صاع آج کل کے سات سیر چیز آجاتی تھی)، یہ حضرت یوشع کے سپرد کر دیا۔ اور فرمایا کہ یہ سفر بہت دراز بھی ہو سکتا ہے تم گھبرانا پریشان نہ ہونا میں جس چیز اور جس شخصیت کی تلاش میں نکلا ہوں وہ میرے نزدیک اتنی ضروری اور متبرک و قابل قدر ہے کہ اس کے لیے بڑے سے بڑا اور مشکل سے مشکل سفر بھی کیا جا سکتا ہے اسی لیے میں یہ ارادہ لے کر نکلا ہوں کہ لَآ اَبْرَحُ حَتّٰٓى اَبْلُغَ۔ میں اس کی تلاش میں چلتا ہی سفر کرتا ہی رہوں گا۔ کسی تھکاوٹ کسی رکاوٹ سے نہ رکوں گا نہ بغیر مقصد اور مراد حاصل کئے بغیر مڑوں گا یہاں تک کہ مجمع بحرین یعنی دو دریاؤں یا دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پہنچ جاؤں یا پھر اس مجمع بحرین کی جگہ تلاش کرتے کرتے برسوں چلتا رہوں۔ ایک سال دو سال چند سال ستر سال یا اسی سال یا پھر لمبے زمانے تک حُقُبًا کے بارے میں یہی چھ قول مفسرین کے منقول ہیں۔ اور مراد یہی ہے کہ اس چیز کی تلاش میں چلتا ہی رہوں گا اور مصر میں یا مقام تیہ میں واپس اس وقت تک لوٹنا نہ ہوگا جب تک وہ شخصیت اور اپنا مدعا اور حاجت حاصل نہ ہو جائے یہ سفر مصر سے شروع ہوا اور مقام تیہ سے نکل کر دوبارہ مصر میں بنی اسرائیل کے آباد ہونے کے بعد کا واقعہ ہے۔ ایک قول ہے کہ مقام تیہ سے ہی یہ سفر شروع ہوا۔ پھر جب دونوں بزرگ تین دن یا چار دن تک سفر کرتے اور ٹھیرتے ٹھیراتے سُستاتے آرام کرتے ان دونوں دریاؤں دریائے روم اور دریائے فارس کے ملنے کی جگہ پہنچے اور دور کنارے بیابان جنگل کی سڑک و رہگزر پر ایک صخرہ یعنی پتھر کی چھوٹی سی چٹان پر بہتے پانی کے قریب آرام کرنے کے لیے ٹھیرے یہاں دو دریاؤں کی وجہ سے پانی کا پاٹ بہت چوڑا تھا دریائے فارس مغربی جانب سے آرہا ہے اور اس کا پانی سفید ہے۔ دریائے روم مشرقی جانب سے بہتی آتی ہے اور اس کا پانی سرخی مائل ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سو کر کچھ دیر آرام فرمایا حضرت یوشع بیٹھے جاگتے رہے یا کچھ چہل قدمی اور سے پانی سے وضو وغیرہ فرمایا۔ ابھی وہ اسی کام میں مشغول تھے۔ کہ دیکھا آپ کی وہ تلی ہوئی مچھلی جو آپ کے تھیلے سفری زنبیل میں پڑی تھی اور اس میں سے کچھ کھائی بھی گئی تھی وہ تڑپی پھڑکی اور زندہ ہو کر مچھلیوں کی طرح اچھلتی کودتی پانی میں غوطہ لگا گئی۔ حضرت موسیٰ کو اس بات کا پتہ تھا کہ ایسا کسی جگہ ہوگا مگر آپ کے ساتھی کو اس طرح ہونے کا بالکل پتہ نہ تھا آپ تھوڑا بہت حیران ضرور ہوئے مگر اس وقت جگا کر حضرت موسیٰ کو بتانے کی ضرورت محسوس نہ کی۔ نہ ہی ناشتے کے بھاگ جانے کی اور ختم ہو جانے کی کچھ پرواہ یا پریشانی ہوئی۔ خیال کیا کہ جب موسیٰ علیہ السلام خود ہی بیدار ہوں گے تو بتا دوں گا کہ ایسا ہو گیا ہے۔ لیکن جب کافی دیر بعد حضرت موسیٰ بیدار ہوئے تو نَسِيَا حُوتَهُمَا دونوں بزرگ ہی مچھلی کو بھول گئے۔ نہ حضرت موسیٰ نے مچھلی کے متعلق پوچھا نہ گذشتہ منزلوں پر ٹھیرنے اور کھانا مانگنے کی طرح کھانا اور ناشتہ لانے کے لیے فرمایا۔ نہ ہی آپ کے ساتھی حضرت یوشع نے خود ہی بتایا۔ ذہن سے ہی یہ بات اُتر گئی ایک قول ہے کہ مجمع بحرین کے پاس پہنچتے وقت بھی یہ حضرات پاک مچھلی کا خیال بھولے ہوئے تھے کیونکہ نہ تو اس وقت ان کو بھوک ہی لگ رہی تھی اور نہ ہی یہ اندیشہ گزرا کہ شاید یہ ہی جگہ مجمع

بحرین ہے۔ بس وہ مسلسل سفر کی دھن میں تھے اور زنبیل کا منہ کھلا تھا فَلَمَّا بَلَغَ میں اس طرف اشارہ ہے کہ جس وقت وہاں پہنچے اس وقت ہی مچھلی بھولے ہوئے تھے اسی بھول وبے پرواہی سے فَاتَّخَذَ سَبِيلَهُ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا پس بنالیا اس آدھا گز لمبی اور ایک بالشت چوڑی پکی بھنی کچھ کھائی ہوئی مچھلی نے قدرتِ الٰہی سے زندہ ہوکر اس جگہ قریب میں موجود دریا کے پانی میں سرنگ اور سوراخ وغار نارا ستہ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ سوراخ ختم نہیں ہوا بلکہ اس طرح پانی یا تو برت کی شکل میں فوراً جمتا چلا گیا اور یا ویسے ہی ہٹا ہوا رہا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ یہ سب وہ اقوال ہیں جن پر مفسرین کی اکثریت اور تقریباً بہت سوں کا اتفاق ہے لیکن مندرجہ ذیل سطور میں کچھ اختلافی وانفرادی اقوال بھی درج کئے جاتے ہیں۔

مَوْعِدًا میں تین قول ہیں ۱ے یہ مصدر ہے بمعنی وعدہ ۲ے یہ ظرفِ مکان ہے بمعنی وعدہ کی جگہ ۳ے یہ ظرفِ زمان ہے بمعنی وعدے کا وقت اور یہی قول درست ہے۔ مَوْئِلًا۔ میں دو قول ہیں ۱ے ٹھکانہ ۲ے نجات کی جگہ۔ اور دونوں مناسب ہیں۔ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ میں۔ تین قول ہیں ۱ے موسیٰ سے مراد موسیٰ کلیم اللہ صاحب توراۃ بنی اسرائیل کے مرسل نبی ہیں اور یہی قول بالکل درست احادیث کے مطابق ہے۔ ۲ے یہ موسیٰ کلیم اللہ نہیں بلکہ یوسف علیہ السلام کے پوتے موسیٰ بن میشا بن یوسف ہیں۔ اور یہ انبیا میں پہلے موسیٰ نامی نبی گزرے ہیں۔ ۳ے یہ موسیٰ نبی نہیں بلکہ موسیٰ بن افرائیم بن یوسف علیہ السلام ولی اللہ تھے اور دنیا میں یہ دوسرے موسیٰ نامی شخص تھے فَتَىٰ میں چھ قول ہیں۔ ۱ے یہ موسیٰ علیہ السلام کے غلام تھے اور غلام کو عربی میں فتا اور لونڈی کو فتات کہا جاتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں استحبابی حکم آیا ہے کہ لونڈی غلام کو عبدی وامتی نہ کہا کرو۔ بلکہ فتائی اور فتاتی کہا کرو ۲ے یہ آپ کے نوجوان خادم تھے۔ اور نوجوان بہادر کو عربی میں فتیٰ کہا جاتا ہے جیسے کہ لَا فَتَىٰ إِلَّا عَلِيٌّ لَا سَيْفَ إِلَّا ذُو الْفِقَارِ۔ ۳ے یہ موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے۔ ۴ے یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھانجے یعنی بہن کے بیٹے تھے۔ ۵ے یہ حضرت یوشع نبی علیہ السلام کے بھائی تھے۔ مگر ان کا اپنا نام مذکور نہ ہوا ۶ے یہ خود یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف نبی اللہ تھے۔ اور یوسف علیہ السلام تک اصولِ شجرہ نسب میں اور بھی نام آتے ہیں مگر مذکور نہیں۔ تقریباً حضرت یوسف تک چار واسطے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یہ بنی اسرائیل کے نبی بنائے گئے اور اٹھائیس برس بنی اسرائیل میں شانِ نبوت سے حیات رہے۔ اس سفر کے وقت آپ کی عمر تقریباً بیاسی سال تھی مگر صحت جوانوں جیسی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام سے گیارہ سال چھوٹے تھے۔ ملک شام میں سب سے پہلے آپ نے ہی نبوی حکومت قائم فرمائی شام کی جنگوں کے دوران ان کی دعا سے تقریباً تین دن سورج عصر کے مقام اور وقت پر ٹھیرا رہا یہاں تک کہ تمام ملک شام فتح ہوگیا یہ لشکر موسوی کے سپہ سالار بھی رہے جب بنی اسرائیل نے جہاد سے انکار کیا تو آپ نے ہی سب سے پہلے حضرت موسیٰ کی دعوتِ جہاد پر لبیک کہا اور تمام بنی اسرائیل کو آمادۂ جہاد کیا ان پر ہی تابوتِ سکینہ نازل ہوا تھا۔ جس میں عصاءِ موسوی حضرت ہارون کا کرتہ

حضرت یوسفؑ کی قمیض مَنّ وسلویٰ کا مرتبان تھا ان کا ذکر بائبل کی کتاب گنتی باب ۲۷ آیت ۱۹ ۲۰ اور استثنا باب ۳۴ آیت ۹ میں بھی آیا ہے۔ آپ کی عمر شریف ایک سو دس سال اور حضرت موسیٰؑ کی عمر شریف ایک سو اکیس سال ہوئی آپ کا مزار شریف ملک شام کے شہر حارس میں ہے۔ قرآن مجید میں حضرت یوشع کا ذکر صرف اسی جگہ آیا ہے وہ بھی فقط لفظ فتیٰ سے لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر تقریباً ایک سو انتیس دفعہ آیا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا شجرہ نسب اس طرح ہے ۱ موسیٰ علیہ السلام بن عمران بن قہات بن لاوی بن یعقوب علیہ السلام بن اسحاق علیہ السلام بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اس شجرۂ نسب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت یوشع یقیناً حضرت موسیٰ کے بھانجے تھے۔ غلام والا قول غلط ہے۔ کیونکہ حضرت یعقوب پر دونوں کا نسب مل جاتا ہے۔ مجمع البحرین میں سات قول ہیں ۱۔ یہ دو دریا بحر روم اور بحر فارس ہیں۔ یہ اکثریت کا قول ہے ۲۔ بحر قلزم اور بحر ازرق ہے۔ ۳۔ بحرین سے مراد علم کے دو دریا ہیں یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہما السلام ۴۔ بحر الکرؔ اور بحر الرّسؔ ہے ۵۔ یہ جگہ افریقہ کے جنوبی ساحل پر ہے ۶۔ یہ جگہ طنجہ کے علاقہ میں ہے یہ مقام آرمینیہ کے ساحل پر ہے ۷۔ بحر قلزم کی ہی دو شاخیں ہیں۔ اور جہاں جاکر یہ ملتی ہیں یہ وہ جگہ ہے حُقُبًا میں چھ قول ہیں ۱۔ اس سے مراد بہت دراز غیر معین مدت ۲۔ ایک سال ۳۔ دو سال ۴۔ چند سال ۵۔ ستر سال ۶۔ اسّی سال اس کی قرأت میں تین قول ہیں ۱۔ حُقْبًا ۲۔ حُقُبًا ۳۔ حِقَبًا۔ فَاتَّخَذَ میں تین قول ہیں۔ ۱۔ جس جگہ حضرت موسیٰ ٹھیرے وہاں آب حیات کا چشمہ ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر اس کو زندہ پی لے تو قیامت تک زندہ رہتا ہے اور اگر کسی مردے کے جسم سے تھوڑا سا وہ پانی لگ جائے تو وہ مردہ زندہ ہوجاتا ہے۔ ۲۔ اگر وہاں کی ہوا لگ جائے تب وہ زندہ ہوجاتا ہے ۳۔ اگر وہاں کی موسمی ٹھنڈک لگ جائے تب زندہ ہوجاتا ہے جب حضرت موسیٰ وہاں سو گئے تو حضرت یوشع نے وضو کیا اور اس کا چھینٹا مچھلی کو لگ گیا تھا۔ اس لیے زندہ ہوگئی تھی ۲۔ پانی نہیں لگا تھا نہ وضو کرنا ثابت نہ حدیث میں اس کا ذکر کیونکہ وضو کرنا تو اتفاقی امر ہے لیکن اس پختہ مچھلی کے زندہ ہونے کی خبر تو پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دے دی تھی لہٰذا پانی لگنے والی بات غلط ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جب وہاں کی ہوا اور ٹھنڈک مچھلی کو پہنچی تب وہ زندہ ہوکر پانی میں گئی وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ (تفسیر کبیر معانی خازن۔ مدارک مظہری۔ ظلال القرآن صفوۃ التفاسیر۔ تفسیر فتح القدیر۔ اسلامی انسائیکلوپیڈیا از محمود قاسم)۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوسکتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** تکبر اور اپنی بڑائی سمجھنے سے عجز انکساری اور طلب علم کے لیے اپنے سے چھوٹے کے پاس بھی چلے جانے میں شرم نہ کرنا ہزار درجے بہتر ہے یہ فائدہ لَآ اَبْرَحُ (راحج) سے حاصل ہوا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام اتنے بڑے نبی کثیر علم بہترین عمل اونچے منصب شرافت و فضیلت تامہ کے باوجود خود پیدل چل کر ایک نبی علیہ السلام کے پاس علم سیکھنے بلا جھجک چلے جاتے ہیں یہ سبق ہے ان اُمَرا کے لیے جو اپنی دولت کے تکبر میں غریب اور نیک مخلص مسلمانوں کو نفرت و حقارت

سے دیکھتے ہیں اور علم و عمل سیکھنے کے لیے ان کے پاس آنے میں اپنی کسرِ شان سمجھتے ہیں۔ یہ واقعہ کفارِ مکہ کو بھی ان ہی وجہوں سے سنایا جا رہا ہے کہ وہ بھی غریب صحابہ سے نفرت اپنی فانی دولت کی بنا پر کرتے تھے اور علم و ایمان کی دولت سے دور رہتے تھے۔ **دوسرا فائدہ**۔ تفسیر کبیر نے فرمایا کہ یہودیوں نے کفارِ مکہ سے کہا کہ تم محمد صاحب سے اصحابِ کہف اور ذوالقرنین کا واقعہ پوچھو اگر وہ سچے نبی ہیں تو ضرور بتا دیں گے کیونکہ نبی سب کچھ جانتا ہے جیسا کہ ہمارے موسیٰ علیہ السلام سب کچھ جانتے ہیں۔ تو ان کی اس بات کو غلط کرنے کے لیے یہ واقعہ سنایا گیا کہ یہ ضروری نہیں کہ تمام انبیاء کرام تمام علوم جانتے ہوں نہ ہر بات کے جاننے پر نبوت کی صداقت موقوف ہے یہ ہو سکتا ہے کہ بعض علوم ایک نبی کو نہ بتائے گئے ہوں۔ اور وہ دوسرے نبی کے پاس ہوں۔ ہمارے محبوب نے اگرچہ تمہارے سب مطالبے والے قصے سنا دیئے مگر تمہارا یہ کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام تمام علوم جانتے ہیں یہ غلط ہے اس لیے کہ ان کے ساتھ ایسا واقعہ گزر چکا ہے یہ سن لو تو گویا اس واقعے کو سنانا یہودیوں کو جھٹلانا ہے۔ مگر یہ بات کمزور ہے کیونکہ یہ واقعہ یہودیوں کی کتب میں منقول یا مکتوب نہیں نہ ہی وہ اس کو مانتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ انبیاء کرام کے تمام علوم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ مگر حصولِ علم کا شوق بہت عظمت اور شرافت و فضیلت والی چیز ہے یہ فائدہ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ حصولِ علم کے لیے عشق اور لگن و محبت کی ضرورت ہے اور جب یہ چیزیں ہوں تو محنت خود بخود ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ۔ سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن

اِن آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ امام نووی شارح مسلم نے جلد دوم کے صفحہ ۲۷۰ پر حضرتِ خضر و حضرت موسیٰ کے اس واقعے سے مندرجہ ذیل مسائل مستنبط فرمائے ہیں ۱۔ سفر میں زادِ راہ کھانا پینا اور سامان سفر ساتھ رکھنا جائز ہے توکل علی اللہ کے خلاف نہیں۔ یہ مسئلہ نَسِيَا حُوْتَهُمَا کے پورے پس منظر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ عالم اور شیخ مرشد کا احترام کرنا اور اس کی بات پر اعتراض نہ کرنا واجب ہے یہ مسئلہ بھی اس واقعے کی اگلی عبارت اور احادیثِ مطہرات کے فرمودات تفصیلیہ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ضرورت کے وقت کھانا مانگنا جائز ہے اور اچھی اچھی چیزیں کھانا پینا جائز ہیں۔ یہ مسئلہ حضرت یوشع سے دورانِ سفر مچھلی مانگنے اور ناشتے کے لیے مچھلی رکھنے سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ نبی علیہ السلام کو جائز ہے کہ کسی نبی کو فتیٰ یا خادم کے لفظ سے خطاب کریں یا اس سے خدمت لیں کسی دوسرے شخص کو جائز نہیں کہ کسی طرح کا بھی کوئی ہلکا لفظ انبیاء کے لیے استعمال کرے ورنہ کفر کا اندیشہ ہے یہ مسئلہ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا نَسِيَا حُوْتَهُمَا یعنی وہ دونوں اپنی مچھلی بھول گئے حالانکہ بھولے تو صرف اُن کے ساتھی حضرت یوشع تھے۔ تو یہ صیغہ تثنیہ کیوں آیا یہاں تو جنسی کثرت بھی مراد نہیں لی جا سکتی کیونکہ جنسیت کے لیے یا فقط واحد کا صیغہ ہوتا ہے یا جمع

کا تثنیہ بہر حال درست نہیں۔ **جواب**۔ نَسِیَا تثنیہ فرمانا بالکل درست ہے واقعی مچھلی کو دونوں حضرات بھول گئے تھے۔ وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ تو کھانا اور مچھلی مانگنا بھول گئے جیسا کہ پہلے ہر منزل پر مانگتے تھے اور حضرت یوشع مچھلی کا آنکھوں دیکھا حال بتانا بھول گئے۔ مگر زیادہ اصل بھول حضرت یوشع کی ہی تھی۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوتَهُمَا۔ یعنی یہ دونوں جب مجمع بحرین پر پہنچے تو اس وقت اپنی مچھلی بھول گئے۔ حالانکہ بھول تو فَلَمَّا جَاوَزَا کے بعد ہے۔ **جواب**۔ اس کا دو طرح جواب دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ واقعی بھولے تو اسی وقت جب موسیٰ علیہ السلام جاگے اور آگے چل پڑے بلکہ دو دن تک آگے سفر کرتے رہے اور کسی نے مچھلی کا ذکر نہ کیا نہ حضرت یوشع کو واقعہ مشاہدہ بتانا یاد آیا۔ مگر چونکہ یہ سب کچھ بھول وغیرہ پہنچنے کے بعد ہی ہوا۔ لہٰذا فَلَمَّا بَلَغَا کہنا بالکل درست ہوا۔ یعنی بھول کا تعلق پہنچنے کے بعد سے ہے نہ کہ پہلے سے۔ نیز یہ اعتراض تب پڑتا تھا۔ جب فرمایا جاتا کہ پہنچتے ہی بھول گئے دوم یہ کہ نَسِیَا کا معنی یہ نہیں ہے۔ کہ بھول گئے بلکہ یہ معنیٰ ہے کہ بھولے ہوئے تھے۔ اور بھولے رہے۔ مگر پہلا جواب درست ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ آخر عجیب بات حضرت یوشع کیوں بھول گئے۔ ایسی اچانک حیران کن بات اور واقعہ مشاہدہ تو بھولا نہیں جا سکتا۔ اور پھر دو دن متواتر بھولنا تو اور بھی اچنبھا ہے۔ **جواب**۔ تلی اور کچھ تھوڑی سی کھائی ہوئی مچھلی کا اس طرح زندہ ہو کر دریا میں کود جانا میرے اور آپ کے لیے تو واقعی عجیب تر واقعہ ہے جس سے آنکھیں پھٹی رہ جائیں اور ہو سکتا ہے ساری عمر ہی نہ بھولے مگر حضرت یوشع نبی اور انبیاء کرام کے لیے ایسے واقعات زیادہ تعجب خیز نہیں ہوتے وہ تو دن رات اس سے بھی بڑی بڑی مولیٰ تعالیٰ کی قدرتیں دیکھتے رہتے ہیں۔ اور خود ان کے اپنے معجزات بھی تو کم عجیب نہیں ہوتے اس لیے یہ باتیں ان کے لیے روز مرہ کے عام شاہدے ہیں لہٰذا بھول جانا کوئی اچنبھا حیرت ناک نہیں۔ **اعتراض چہارم**۔ اس کی کیا وجہ ہے۔ کہ بخشش اور مغفرت کو مبالغہ کے صیغے غفور سے ذکر فرمایا اور ذُوالرَّحْمَة بغیر مبالغے کے ارشاد فرمایا۔ **جواب**۔ اس کے دو طرح جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ ذوالرحمۃ بھی مبالغے اور کثرت و زیادتی کا ہی مرکب ہے لفظِ ذُو نے کثرت پیدا کر دی۔ دوم یہ کہ غفور اس لیے مبالغے سے فرمایا کہ تکلیف مصیبت وغیرہ کو دور کرنا غفاریت ہے اور عیش و آرام پہنچانا ضروریات مہیا کر دینا رحمت ہے۔ اور عیش و آرام کے بغیر گزارہ ہو سکتا ہے مگر تکلیف دور کئے بغیر گزارہ نہیں ہو سکتا اور غفاریت کی زیادہ اور پہلے ضرورت ہے ہے لہٰذا اس کا مبالغہ ہے۔ **پانچواں اعتراض**۔ اِذْ قَالَ مُوسٰی میں ایک قول ہے کہ یہ موسیٰ بن عمران بن لاوی بن یعقوب صاحب تورات کلیم اللہ تھے۔ اور ایک قول کعب احبار کی طرف منسوب شدہ یہ بھی ہے کہ یہ موسیٰ کلیم اللہ نہ تھے بلکہ ایک ان سے پہلے موسیٰ گزرے ہیں جن کا نام موسیٰ بن میشا بن افرائیم بن یوسف تھا۔ ان دونوں باتوں میں سے کون سی بات درست ہے۔ **جواب**۔ کعب احبار کی بات غلط ہے۔ کعبؓ احبار دراصل پہلے یہودی راہب اور عالم تھے انہی کی کتابیں پڑھی پڑھائی تھیں۔ یہودی لوگ اس بات کا انکار کرتے ہیں کہ ہمارے موسیٰ خضر کے پاس نہیں گئے

یہ کوئی دوسرے موسیٰ تھے اس لیے کعبؓ احبار نے یہ کہہ دیا مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ بات تین وجہ سے غلط ہے ایک اس لیے کہ بجز موسیٰ کلیم اللہ کے آپ سے پہلے کوئی نبی بھی موسیٰ نامی نہیں ہوئے نہ وَلِیُ اللہ گزرے۔ نہ تواریخ میں کہیں اس کا ثبوت ہے۔ یہ بھی یہود کی بناوٹوں میں سے ایک اپنی تخیلاتی بناوٹ ہے صرف واقع سے منکر ہونے کے لیے دوسری وجہ یہ کہ قرآن مجید میں ہر جگہ ان ہی موسیٰ کلیم اللہ بن عمران کا ہی تذکرہ ہے تو اب اگر یہ کوئی اور موسیٰ ہوتے تو یقیناً ایسی عبارت ساتھ ہوتی جس سے فرق و امتیاز ظاہر ہوتا۔ بلا امتیاز ذکر فرما دینا صاف بتا رہا ہے کہ یہ وہی موسیٰ کلیم اللہ ہیں جن کا ذکر کئی جگہ پہلے بھی قرآن مجید میں آچکا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ مسلم شریف جلد دوم صـ۲۶۹ پر ہے کہ سعید بن جبیرؓ نے حضرت عبد اللہ بن عباس سے کہا کہ کعب احبار کی بیوی کے بیٹے اور کعب احبار کے سوتیلے بیٹے نوفل بکالی کہتے ہیں یہ موسیٰ وہ کلیم اللہ نہیں کوئی دوسرے ہیں۔ تو حضرت ابن عباسؓ نے جواب دیا۔ کَذَبَ عَدُوُّ اللّٰہِ۔ اللہ کا دشمن جھوٹ بولتا ہے میں نے خود اُبی بن کعب سے سنا انہوں نے آقا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ السَّلام سے سنا کہ وہی کلیم اللہ تھے۔ **چھٹا اعتراض** حضرت موسیٰ نے اتنا کہہ کر کہ میں ہی سب سے بڑا عالم ہوں بڑی غلطی کی یہ شانِ نبوّت کے خلاف ہے۔ **جواب** ۔ یہ غلطی یا غلط بیانی نہ تھی بلکہ آپ کی بھول تھی کیونکہ آپ حضرت خضر سے اس وقت واقف نہ تھے۔ لاعلم تھے ورنہ شریعت اور علومِ ظاہری کے اعتبار سے واقعی اُس وقت تمام مخلوق میں آپ ہی سب سے بڑے عالم تھے یہ ایسی ہی بھول تھی جیسے کوئی آئندہ کام کے لیے انشاء اللہ کہنا بھول جائے۔

تفسیر صوفیانہ

وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا ۔ وَتِلْكَ الْقُرٰٓى اَهْلَكْنٰهُمْ لَمَّا ظَلَمُوْا وَجَعَلْنَا لِمَهْلِكِهِمْ مَّوْعِدًا ۔ اور اے قلبِ منوّر تیرا رب خلوتِ مراقبہ توفیقِ مکاشفہ استعدادِ جوارح خیالاتِ پاکیزہ کی سعادت بخشنے والا غفور و کریم ہے۔ اَزلِ قدیم سے رحمت کی صفت والا ہے۔ جس طرح یہ نفس و شیاطین خنّاس اور قواءِ باطنیہ علاقہ جسمانیہ میں ابلیسیت کے فتنے مچا رہے ہیں اور سرکشی سے قلب و روحانیت کی تکذیب کر رہے ہیں اور اپنی عارضی آزادی سے دھوکا کھائے ہوئے اپنی قوّتِ فانیہ پر گھمنڈ کیے ہوئے ہیں اور زمینِ قالب میں دندناتے پھر رہے ہیں۔ اگر خالقِ تعالیٰ مالک و مولیٰ باری عَزَّ اِسْمُہٗ ان کو اسی دنیا دار العمل میں بطشِ شدید سے پکڑتا اور گرفت فرمانا چاہتا تو عذابِ تیرہ روی اور سزاءِ ناکامی سے جلدی ان کو وادیٔ گمنامی میں روپوش کر دیتا لیکن وہ قادر و قابض اس عالمِ دار العمل میں ایسی جلدی نہیں فرماتا یہ امتحان گاہِ قلب و عقل ہے یہاں جزا نہیں بلکہ ان مفترینِ خبیثہ کے لیے میدانِ شہود کا ایک زمانۂ وعدہ ہے اس وادیٔ ظلمت سے بچنے کا کوئی پناہ گاہِ عافیت اور آرام گاہِ جلوت اس جلوہ رحیِ ملکوتی کے سوا کہیں نہیں پا سکتے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ عالمِ امکان کے قالبِ بدنیہ میں ظلمت کی پانچ بستیاں ہیں (۱) بستیٔ نفس (۲) بستیٔ نفلِ طغیانی (۳) بستیٔ اشر (۴) بستیٔ ابلیس (۵) بستیٔ خنّاس۔ جب ان کے ظلم و فساد علاقۂ

اجسام پر ہر طرف سے مسلط ہو جاتے ہیں تو ہلاکت تذلیل اور رسوائی نامرادی ان پر نازل کر دی جاتی ہے اور فیصلۂ ازلی کے مطابق ان کی قوتوں کی ہلاکت کا ایک وقت اور وعدہ بنا دیا ہے اور پیغاماتِ خفیہ میں سب کو آگاہ کر دیا گیا ہے غفاریتِ ربانی پانے والے بندے تین قسم کے ہیں۔ اوّل فقیر جو حق کے سوا کسی اور چیز کی طلب یا پرواہ نہ کرے فنا کا تارکِ بقا کا طالب ہو۔ دوم صوفی وہ جو زاہد و فقیر سے بلند ارادوں والا ہو اس کی ابتدا علم ہے اس کی حالتِ وسط پرہیز اور آخرتِ انجام بخشش ہے صوفی وہ جو کدورت سے صاف اور ذکر و شوق و مستی سے معمور ہو۔ سوم عارف وہ جو کردار میں بلند و بالا ہو۔ اور صرف رب تعالیٰ کو جانے پہچانے۔ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا. فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَیْنِهِمَا نَسِیَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِیْلَهٗ فِی الْبَحْرِ سَرَبًا۔ یہ زمانۂ بقاءِ جسمانیت ذاتی بڑائی بولنے کا وقت نہیں۔ کیونکہ یاد کرو اس وقت کو جب دنیاءِ تقدیر کے مصرِ اَغیار میں قلبِ موسیٰ نے نفسِ مطمئنہ کے فتیٰ اور جوان و دلیر سے فرمایا۔ تعلقِ بدنی کے وقت میں علیحدہ اور دور نہیں رہوں گا میں سفرِ ملکوتی اور سیرِ لاہوتی سے یہاں تک کہ پہنچ جاؤں ۱ روح و جسم کے مجمعِ بحرین کے پاس۔ جہاں ایک میٹھا دریاءِ شریعت ہے اور ایک کڑوا دریاءِ صورتِ انسانیت ہے تو جب قلب و نفسِ مطمئنہ جمعیتِ مزاجِ اربعہ عناصر میں پہنچے تو حوتِ روح کو بھول گئے۔ اور بدنِ کثیف کی حوتِ روح عشقِ الٰہیہ کی آگ سے بھنی ہوئی ابدی زندگی پا کر قلب جسم اور نفسِ لوّامہ سے جدا ہو کر دریاءِ معرفت میں ڈوب گئی اور صراطِ روح کے اس بحری راستے میں حیاتِ ابدی کے نشانِ حقیقت کے لیے خلوت کا سرنگ اور غار بن گیا۔ راہِ طریقت کے نوجوان وہ ہیں جو چار اصول پر کاربند ہوں۔ ۱ جو خدا تعالیٰ دے وہی قبول کرے یعنی حلال روزی ۲ اگر نہ دے تو راضی برضا رہے ۳ قہر مہر محبوبیت مغضوبیت غم و خوشی میں رب کریم کو ہی یاد کرے۔ ۴ جب صداءِ الٰہی اور باری تعالیٰ کی پکار آئے تو تعمیلِ حکم کے لیے پوری قوت و ہمت سے چل پڑے اور اس وقت کسی طرف متوجہ نہ ہو۔ راہِ حق اور منزلِ قربِ جمال پر اس کو نسیانِ امانتِ ربوبیت نہ ہو۔ مسافرانِ راہِ طلب کی چار ذمہ داریاں ۱ اپنے سر اور سر کے دماغ کی عقل کی حفاظت کرے تاکہ بحرِ انوار و بحرِ اَسرار میں گم اور جدا نہ ہو جائے ۲ اپنے شکم اور شکم کے اندر کی چیزوں کی دیکھ بھال کرے کہیں نارِ ظلمات سے سب کچھ خاکستر نہ ہو جائے ۳ سفرِ ناسوتی کی موت و حیات اور مصائب و آلام کو بھی یاد رکھے تاکہ فنا کو بقا نصیب ہو۔ ۴ اخروی زندگی کو جسمانیت اور شبابِ ابدی سے مزین کرے اور دنیوی زیب و زینت ترک کر دے۔ جو بندہ یہ ذمہ داریاں جوش و خوت اور جوانمردی سے پوری کرتا ہے۔ وہ غیرتِ الٰہیہ اور مقامِ حیا پر فائز ہوتا ہے اور وہ حق دار ہے اس بات کا کہ اس کو راہِ طریقت کی منازلِ مشاہدۂ انوار میں ساتھ رکھا جائے۔ کیونکہ عشق کے انداز نرالے دیکھے اس کو چھٹی نہ ملی جس نے سبق یاد کیا۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِیْنَةِ فَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ

پس جبکہ اس جگہ سے آگے بڑھ گئے دونوں تو کہا موسیٰ نے اپنے ساتھی کو لاؤ ہمارے لیے ہمارا ناشتہ البتہ بے شک

پھر جب وہاں سے گزر گئے موسیٰ نے خادم سے کہا ہمارا صبح کا کھانا لاؤ بے شک

لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ﴿۶۲﴾ قَالَ

پہنچے ہم اپنے اس سفر سے بہت تھکاوٹ مشقت کو۔ عرض کیا

ہمیں اپنے اس سفر میں بڑی مشقت کا سامنا ہوا بولا

اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَاۤ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ

ساتھی نے کیا آپ غور کریں گے کہ جب ہم ستاتے تھے اُس چٹان کے قریب تو میں

بھلا دیکھئے تو جب ہم نے اس چٹان کے قریب جگہ لی تھی تو بے شک میں

نَسِيْتُ الْحُوْتَ ؗ وَمَاۤ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ

بتانا ہی بھول گیا اُس مچھلی کے بارے میں اور نہیں بھلایا مجھ کو اُسکے بارے میں کسی چیز نے سوائے ابلیس کے

مچھلی کو بھول گیا اور مجھے شیطان ہی نے بھلا دیا

اَنْ اَذْكُرَهٗ ۚ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ ۖ

یہ کہ تذکرہ کروں میں اس کا حالانکہ بنا لیا تھا اُس تلی اور بکی ہوئی مچھلی نے سمندر میں اپنا راستہ

کہ اس کا ذکر کروں اور اس نے سمندر میں اپنی راہ لی

عَجَبًا ﴿۶۳﴾ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا

کیسا تعجب ہے فرمایا موسیٰ نے وہی تو منزل تھی جسکو ہم تلاش کر رہے تھے تو فوراً دونوں لوٹ پڑے

اچنبا ہے۔ موسیٰ نے کہا یہی تو ہم چاہتے تھے تو پیچھے پلٹے

عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ﴿۶۴﴾ فَوَجَدَا عَبْدًا

اپنے اپنے نشان قدم پر راستہ پوچھتے تباتے ہوئے تب موجود پایا ان دونوں نے

اپنے قدموں کے نشان دیکھتے تو ہمارے بندوں میں سے

مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ

وہاں ایسا بندہ ہمارے بندوں میں سے کر دی ہم نے جس کو رحمت اپنے پاس سے اور

ایک بندہ پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت دی اور

عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ﴿۶۵﴾

سکھایا ہم نے خود اپنے پاس سے اس کو بہت بڑا علم

اسے اپنا علم لدنی عطا کیا

تعلق ان آیتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں تین انبیاء کرام کا ایک عظیم شان والا واقعہ شروع ہوا جو کسی خاص اظہارِ حکمت الٰہیہ کے لیے ہے اب ان آیت میں اسی واقعہ کی تفصیلی حالات کا ذکر ہو رہا ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ رب تعالیٰ بندوں سے کیا سلوک فرماتا ہے اب ان آیت میں اُسی واقعے کے اندر یہ بتایا جارہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام رب تعالیٰ کے بندوں سے کیا سلوک فرماتے ہیں **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک سفر کے یقینی ارادے کا ذکر ہوا تھا اب ان آیت میں اُسی سفر کے آغاز کا ذکر ہے جس میں تاقیامت انسانیت و عبدیت کے لیے بہت سی شرطیں و نصیحتیں ہیں۔

تفسیر نحوی فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا۔ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰىنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۔ فَ زائدہ لَمَّا۔ یہ حرف چار طرح مستعمل ہے ۱ شرطیہ ہو کر ۲ نافیہ ۳ ظرفیہ ۴ استثنائیہ۔ یہ دو حرف ہیں۔ ۱ لام ابتداء ۲ ما بمعنی مادام ناقصہ فعل اس کی بناوٹ و اصلیت میں اور بھی اقوالِ نحات ہیں۔ یہاں لَمَّا شرطیہ ہے جَاوَزَا باب مفاعلۃ کا ماضی مطلق مثبت معروف تثنیہ مذکر غائب

اس کا مصدر ہے مُجَاوَزَتٌ جُوْزٌ سے بنا ہے۔ یعنی آگے بڑھنا ھُمَا ضمیر تثنیہ فاعل ہے مرجع حضرت موسیٰ اور فتیٰ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ شرط ہوئی قَالَ فعل ماضی ھُوَ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع موسیٰ علیہ السلام لام جارہ تعدیہ کا فتیٰ اسم مفرد جامد بمعنی جوان مرد مضاف ہے۔ ہُ ضمیر ظاہر کا۔ مرجع موسیٰ علیہ السلام مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے قَالَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ آتِ باب افعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ یا اِیْتَاءٌ مادہ ہے۔ اِیْتٌ یا اَتْیٌ۔ اِفعال میں اگر آخر کا لام کلمہ ی ہمزہ بن گیا۔ اِفعال میں اگر متعدی ہوا بہر حال متعدی ہے ترجمہ ہے۔ دینا لینا۔ اِفعال میں اگر ترجمہ ہو گیا لانا اَنْتَ ضمیر مستتر اس کا فاعل ہے یعنی۔ لا تو۔ مرجع ہے۔ فتیٰ۔ نَا۔ ضمیر جمع متکلم بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ یا مفعول لہٗ۔ یعنی ہم کو دے یا ہمارے لیے لا۔ غَدَا اسم مفرد جامد بمعنی صبح کا کھانا۔ یعنی ناشتہ۔ یا تو اُس وقت صبح ہی تھا۔ یا مقصد ہے کہ جو صبح کے وقت کھانا چاہیئے تھا وہ اب لاؤ۔ یا مراد ہے تھوڑا کھانا مثل ناشتے کے خیال رہے کہ عربی میں کھانوں کے چھ نام ہیں ۱۔ سحور یا سحری جو فجر سے پہلے روزے دار کھاتے ہیں ۲۔ غدا۔ جو طلوع فجر سے چاشت یعنی سورج کے طلوع کے دو گھنٹے بعد تک کسی وقت کھایا جائے۔ اسی کو ناشتہ کہتے ہیں۔ ۳۔ ظہریہ۔ اور ظہرانہ جو دوپہر کو کھایا جائے ۴۔ عصرانہ جو سہ پہر کو کھایا جائے ۵۔ عشا اور عشائیہ۔ جو بعد غروب سے رات کے دو گھنٹے تک کسی وقت کھایا جائے۔ ۶۔ افطار۔ جو روزے دار روزہ ختم کرنے کے لیے مغرب کو کھاتے ہیں۔ غَدَاءَنَا مرکب اضافی یہ مفعول بہ دوم ہے آتِ کا۔ ترجمہ ہے ہمارا ناشتہ۔ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہٗ اوّل ہوا۔ ایک قول پر مفعول ہے۔ مَا بعد کا۔ لام تحقیقی بمعنی البتہ قَدْ یقیناً۔ باب سَمِعَ کا ماضی قریب جمع متکلم۔ لَقِیَ ناقص یائی سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے لگنا۔ ملنا۔ حاصل ہونا۔ پہنچنا۔ یہاں آخری معنی میں ہے۔ یعنی ہم مصیبت میں پہنچے اسی سے ہے۔ ملاقات کرنا۔ سامنا ہونا۔ مقابلہ ہونا۔ مِنْ جارہ سببیہ۔ سَفَرِ۔ اسم حاصل مصدر بمعنی وطن سے نکلنا۔ چلنا۔ مضاف ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مشار الیہ مقدم ہے۔ جر کے لیے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی یہ سب اسم اشارہ اپنے مشار الیہ مقدم سے مل کر مجرور متعلق ہے لَقِیْنَا کا۔ نَصَبًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی باہر والی یا اِدھر اُدھر کی مصیبت خیال رہے کہ نَصَبٌ عَصَبٌ دونوں لفظ مصیبت کے لیے ہیں۔ مگر نصبٌ بیرونی مصیبت اور عصبٌ اندرونی جسمانی مصیبت کو کہتے ہیں۔ لغت میں ہر بلند اور بذات خود قائم چیز کو نصب کہا جاتا ہے۔ اسی معنی میں زبر کو نصب اور بُت کو نصب کہا جاتا ہے یہاں نصبًا مفعول بہ دوم ہے قَدْ لَقِیْنَا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ملت ہوئی آتِ کی یا مقولہٗ دوم ہے۔ قَالَ کا۔ قول مقول مل کر جملہ قولیہ ہو کر جزا ہوئی لَمَّا جَاوَزَا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ مکمل ہوا قَالَ فعل ھُوَ مستتر فاعل مرجع فتیٰ ہے جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ۔ ہمزہ سوال اِستفساری کے لیے رَئَیْتَ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر حاضر رُؤْیَۃٌ سے بمعنی دیکھنا۔ رائے اور مشورہ۔ دکھانا سمجھانا۔ اَنْتَ پوشیدہ ضمیر فاعل ہے مرجع موسیٰ علیہ السلام۔ اِذْ۔ حرف ظرفیت زمانیہ کلمہ شرط بنانے کے لیے آیا ہے۔ اَوَیْنَا۔

باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع متکلم ۔ اَوْیٌ سے بنا ہے بمعنی آسرا پکڑنا ۔ آسرا لینا ۔ ٹیک لگانا ۔ پناہ پکڑنا ۔ یہ مادہ مہموز الفا اجوف واوی ناقص یائی یعنی لفیف مقرون اِلٰی جارّہ انتہا رغایت کے لیے ۔ الف لام عہدِ خارجی صَخْرَۃ اسم مفرد جامد یعنی پتھر کی چٹان فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ تحقیق یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل کیونکہ اِنَّ کا اسم ہے ۔ اِنِّی دراصل اِنَّنِیْ تھا ۔ یْ کی وجہ سے نون کو زیر ہوا نَسِیْتُ ۔ بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد متکلم نَسْیٌ ناقص یائی سے بنا ہے بمعنی بھولنا ۔ متعدی ہے ۔ الف لام عہدی حُوْتَ اسم مفرد جامد بمعنی ایک مچھلی بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے نَسِیْتُ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ مَا اَنْسٰی ۔ بابِ افعال سے ماضی مطلق منفی اس کا مصدر ہے اِنْسَاءٌ ترجمہ ہے بھلانا خیال رہے کہ بھولنا متعدی نفسی و ذاتی یک مفعول ہے اور بھلانا متعدی با بغیر یہ مفعول ہے ۔ نون وقایہ ۔ یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہ اوّل ہے ۔ ہٗ ضمیر واحد غائب مرجع حُوْتَ مفعول بہ دوم ہے ۔ اَنْسٰی کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر جس کا مرجع ذہنی نکرہ غیر معین یعنی شئی بمعنی کوئی کسی ۔ اِلَّا حرفِ استثنا متصل الف لام زائدہ ۔ یا عہدِ خارجی شَیْطٰنُ ۔ اسم مفرد جامد صفاتی نام ہے ابلیس کا یہ مستثنیٰ ہے مستثنیٰ ھُوَ کا منہ کا ۔ اَنْ ۔ ناصبہ اَذْکُرَ مضارع باب نَصَرَ مفتوح ہے اَنْ کی وجہ سے اس کا فاعل اَنَا ضمیر مستتر متکلم مراد ہے فتیٰ ۔ ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے مچھلی ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر ذوالحال واؤ حالیہ اِتَّخَذَ باب افتعال کا ماضی مطلق اَخْذٌ سے مشتق ہے مصدر ہے اِتِّخَاذٌ بمعنی بنانا ۔ پکڑنا ۔ لینا ۔ اختیار کرنا سَبِیْلَ بمعنی کھلا راستہ مضاف ہے ہٗ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ فِیْ جارّہ ظرفیہ مکانیہ الف لام عہدِ خارجی بحر اسم مفرد جامد ترجمہ ہے دریا سمندر یہ جار مجرور متعلق ہے اِتَّخَذَ کا عَجَبًا ۔ اسم مصدر ہے بحالتِ فتحہ ہے یا یہ پوشیدہ فعل عَجِبْتُ کا مفعول مطلق ہے ۔ اور علیحدہ جملہ فعلیہ حال ہے اَذْکُرَ کے فاعل اَنَا ضمیر کا اور یا یہ مصدر خود حال ہے اِتَّخَذَ کے فاعل ھُوَ پوشیدہ کا پہلی ترکیب میں ترجمہ ہے ۔ کہ میں مچھلی کا ذکر کرنا بھول گیا ۔ اس حال میں کہ تعجب کیا میں نے تعجب کرنا دوسری ترکیب میں یہ ترجمہ ہوگا کہ بنا لیا مچھلی نے دریا میں اپنا راستہ تعجب اور حیرانی کی حالت میں ڈالتے ہوئے ۔ اِتَّخَذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال ہوا اَذْکُرَ کے فاعل کا ذوالحال مل کر مفعول سوم ہوا اَنْسٰی کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا نَسِیْتُ کا ۔ سب عطف مل کر اِنِّیْ کی خبر ہوئی یہ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جزا ہوئی اِذْ اَوَیْنَا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ظرف ہوا اَرَءَیْتَ کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا ۔ قَالَ ذٰلِکَ مَا کُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا قَالَ ماضی قَوْلٌ سے مشتق ہے ۔ ھُوَ مستتر فاعل ہے مرجع حضرت موسیٰ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعید کا ترجمہ ہے وہ بحالت رفع کیونکہ مبتدا ہے ۔ مَا اسم موصول ۔ کُنَّا نَبْغِ ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی استمراری جمع متکلم برائے تثنیہ مذکر خیال رہے کہ متکلم کے دو صیغے چھ صیغوں کے لیے مستعمل ہوتے ہیں ۱۔ واحد متکلم مذکر ۲۔ واحد متکلم مؤنث ۳۔ جمع متکلم تثنیہ مذکر ۴۔ جمع متکلم تثنیہ مؤنث ۵۔ جمع متکلم جمع مذکر ۶۔ جمع متکلم جمع مؤنث بَغْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے تلاش کرنا چاہنا ۔ ہمیشہ

متعدی ہوتا ہے دراصل تھا کُنَّا نَبْغِیْ۔ مَا موصولہ نے جزم دیا اس لیے آخر کی ی لام کلمہ گر گیا نَحْنُ ضمیر جمع متکلم برائے تثنیہ فاعل ہے مرجع حضرت موسیٰ اور فتیٰ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبر ہے ذَالِكَ مبتدا کی۔ یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا فَ تعقیبیہ بلا تراخی۔ بمعنیٰ فوری جلدی۔ اِرْتَدَّا باب افتعال کا ماضی مطلق تثنیہ مذکر رَدٌّ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِرْتِدَادٌ ترجمہ ہے پھر جانا لوٹ پڑنا۔ یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں ھُمَا ضمیر تثنیہ مستتر اس کا فاعل ہے مرجع حضرت موسیٰ اور فتیٰ۔ عَلٰی حرف جر اپنے ہی فوقیت کے معنیٰ میں۔ اٰثَارِ۔ اَثَرٌ کی جمع مکسر ہے ترجمہ ہے۔ نشان۔ یہاں مراد ہے نشانِ قدم۔ نقشِ قدم۔ یہ مضاف ہے ھُمَا ضمیر تثنیہ مذکر مرجع حضرت موسیٰ اور فتیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ اِرْتَدَّا کا۔ قَصَصًا اسم مصدر مضاعف ثلاثی۔ ترجمہ ہے بات چیت کرنا۔ پوچھ گچھ کرنا۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے۔ اِرْتَدَّا کے فاعل پوشیدہ ھُمَا کا۔ اِرْتَدَّا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا فَ تعقیبیہ۔ وَجَدَا۔ باب ضَرَبَ کا تثنیہ مذکر غائب فعل ماضی مطلق وَجْدٌ مثال واوی سے مشتق ہے ترجمہ ہے۔ موجود پانا ھُمَا تثنیہ مذکر غائب مرجع ہے حضرتِ موسیٰ اور اُن کا نوجوان ساتھی یہ آخری ذکر ہے فتیٰ کا اس کے بعد پورے واقعے میں ان کا کوئی ذکر نہیں۔ عَبْدًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ بندگی کرنے والا عبادت گزار بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے وَجَدَا کا مِنْ جارّہ تبعیضیہ عِبَادِ جمع مکسر ہے عَبْدٌ کی مضاف ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ مراد ہے واحد اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ وَجَدَا کا عَبْدًا موصوف ہے اٰتَیْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اَتْیٌ سے مشتق ہے۔ اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ ترجمہ ہے دینا عطا کرنا۔ ہٗ ضمیر کا مرجع عبدًا ہے منصوب متصل مفعول بہ اوّل ہے۔ رَحْمَۃً اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے نعمت واحسان۔ اصطلاح میں بمعنیٰ نبوت وعلم۔ ہے منصوب ہے مفعول بہ دوم ہے اٰتَیْنَا کا مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے عِنْدِ۔ اسم ظرف مکانی بمعنیٰ پاس۔ قریب۔ مضاف ہے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اٰتَیْنَا کا۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ عَلَّمْنَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ اس کا مصدر ہے تعلیمٌ علمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے پڑھانا۔ سکھانا۔ علم دینا۔ ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب متصل کا مرجع عَبْدًا ہے مفعول بہ ہے عَلَّمْنَا فعل کا مِنْ جارّہ ابتدائیہ غایت کے لیے لَدُنْ اسم غیر متمکن ظرفیت مکانی و زمانی دونوں کے لیے ہوتا ہے جب ظرفِ مکانی ہو تو ترجمہ ہوگا۔ طرف۔ جانب۔ پاس۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ مِنْ جارّہ کی وجہ سے ترجمہ ہو گیا طرف سے۔ پاس سے اور جب یہ ظرف زمانی کے لیے ہو تو ترجمہ ہے وقت۔ مدّت۔ زمانہ۔ اس سے پہلے ہمیشہ مِنْ ہوتا ہے۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اکثر ضمیر کی طرف کبھی اسم ظاہر کی طرف کبھی اس کی نون آخر سے گر جاتی ہے۔ اس کو چار طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱ لَدُنْ ۲ لَدِنْ ۳ لَدٗ۔ جبکہ نون گر جائے۔ ۴ لَدَنْ۔ نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ عَلَّمْنَا فعل کا عِلْمًا اس کا مفعول بہ دوم ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر صفت ہوئی عبدًا کی۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہوا وَجَدَا کا سب مل کر جملہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا. قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۔ پھر جب حضرت موسیٰ اس مقام مجمع بحرین میں سو کر بیدار ہوئے تو اُس وقت یا کچھ دیر بعد اپنے ساتھی کے ساتھ اُسی مردِ خدا کی ملاقات کے شوقِ علمی میں آگے چل پڑے اور یہ دوپہر کا ڈھلتا یعنی نمازِ ظہر کا تقریباً وقت تھا۔ ایک قول میں عصر کا وقت تھا۔ اور مسلسل یہ آدھا دن اور ساری رات اور پھر دوسرے دن اشراق کے یا چاشت کے وقت تک چلتے رہے پھر ایک جگہ تھک کر بیٹھے اور فرمایا اپنے ساتھی نوجوان حضرت یوشع بن نون علیہ السلام سے کہ لاؤ اب صبح کا وقت ہے ناشتہ کر لیں ہمارا ناشتہ نکالو۔ اور آپ کا یہ کھانا اور ناشتہ وہی چند روٹیاں اور مچھلی تھی۔ غَدَآءَنَا وقت کے لحاظ سے فرمایا۔ یعنی وہ کھانا غذاء نہ تھا بلکہ وہ وقت غداء تھا۔ ناشتے کا وقت پہلے گذشتہ دن کے اعتبار سے دوسرے دن صبح ہوتا ہے اور آئندہ کل کو عربی میں بھی غداً کہتے ہیں۔ اور غذا کی ابتدا صبح سے ہوتی ہے۔ اس لیے سفر کی انتہا بھی بیان فرما دی کہ ہم کل اور آج صبح تک برابر چلتے اور سفر کرتے ہی رہے ہیں کہیں بھی تو نہیں ٹھیرے اس لیے لَقَدْ لَقِيْنَا۔ البتہ بے شک ہم دونوں کو اپنے اس بھاگ دوڑ اور تیز چلنے والے سفر کی وجہ سے بہت تھکاوٹ مشقت اور تکلیف و کمزوری ضعف نقاہت بے آرامی پہنچی ہے اور اب بھوک بھی محسوس ہو رہی ہے۔ ایک قول میں سَفَرِنَا ھٰذَا سے مکمل پورا یہ بیان کردہ دو حصوں والا سفر مراد ہے جو مصر سے شروع ہوا۔ اور مجمع بحرین تک اور مجمع بحرین سے شروع ہوا تو آگے یہاں تک۔ بعض نے فرمایا کہ نہیں بلکہ صرف یہ اب ڈیڑھ دن والا مسلسل سفر جو جَاوَزَا سے شروع ہو کر یہاں پورا ہوا۔ یہی مراد ہے مگر ھٰذَا کا اسمِ اشارہ قریبی دونوں کے لیے مناسب مراد ثابت فرما دیتا ہے۔ اس لیے پہلا قول زیادہ مناسب ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ مصر سے بحرین تک چار دن سفر کیا گیا اور بحرین سے یہاں تک ڈیڑھ دن میں سفر ہوا۔ مگر اس وقت رات میں سفر نہ کیا گیا صرف دن دن میں چلنا رات کو کہیں ٹھیر جانا اور بحرین کا اگلا یہ سفر رات میں بھی رہا ایک قول ہے کہ مصر سے بحرین تک سفر چالیس دن میں ہوا۔ اور یہ ڈیڑھ دن اس کے علاوہ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ بہر کیف جب آپ نے حضرت یوشعؑ سے فرمایا کہ کھانا لاؤ تو فوراً تمام گذشتہ بھولا ہوا واقعہ مشاہدہ یاد آیا۔ اور۔ قَالَ اَرَءَيْتَ۔ معذرت خواہی کے انداز میں اس خدمت گزار شاگرد نے کہا۔ اگر آپ ذرا غور فرمائیں اور ناراضگی نہ فرماتے ہوئے دیکھئے کہ جب ہم اس چٹان کے پاس کچھ دیر آرام کرنے کے لیے ٹھیرے اور رکے تھے جہاں کل آپ سوئے بھی تھے اور میں جاگ رہا تھا تو آپ کے سو جانے کے کچھ ہی دیر بعد میں نے دیکھا کہ وہ مچھلی جو ہم ناشتے ہی کے لیے روٹیوں کے ساتھ تل کر بھون کر لائے تھے جس کا پیٹ چاک کر کے ساری آنتیں وغیرہ نکال دی گئی تھیں وہ مچھلی تھیلے میں زندہ ہو کر تڑپی پھڑکی اور اچھلتی کودتی پانی میں چلی گئی تھی میں اس وقت چاہا کہ آپ کو جگا کر یہ دکھاؤں اور بتاؤں مگر آپ کی سفری

تھکاوٹ کا خیال کر کے جگانا مناسب نہ سمجھا اور سوچا کہ جب خود ہی جاگیں گے تو اپنے اس مشاھدے کا ذکر کر دونگا۔ لیکن جب آپ بیدار ہوئے فَاِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوْتَ پس بے شک میں اس مچھلی اور اس کے واقع اور اپنے مشاھدے سے آنکھوں دیکھا حال آپ کو بتانا بالکل ہی بھول گیا اور ایسا بھولا کہ دن اور گزشتہ رات اور آج ابھی تک بھولا ہی رہا۔ نہ معلوم کن وہموں خیالوں اور وسوسوں میں پھنسا رہا کہ بالکل خیال تک نہیں آیا اور میں سچ اور صحیح کہتا ہوں کہ وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ۔ نہیں بھلایا اور خیالات میں پھنسایا مجھ کو مگر ابلیس شیطان نے اور اس لیے بھلایا کہ کہیں میں یہ بات آپ کو اُسی وقت نہ بتادوں۔ آپ کے سامنے ذکر نہ کر دوں۔ ایسے پریشان کرنے والے کام وہی خبیث کرتا رہتا ہے۔ ہوا یہ تھا۔ کہ مچھلی جو باوجود مردہ اور پکی ہوئی ہونے کہ اس نے زندہ ہو کر اپنا راستہ اُسی قریبی دریا میں بنا لیا اختیار کر لیا تھا۔ جس کے کنارے اور نیلے میں روٹیوں میں لپٹی ہوئی چٹان کے تپھر پر رکھی ہوئی تھی۔ کیسی عجیب بات ہے۔ اور پھر تعجب ہے کہ مجھ کو بتانا ہی بھول گیا۔ بعض نے فرمایا کہ پچھلی منزلوں میں اس میں سے کچھ گوشت کھایا بھی گیا تھا۔ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ علامہ دمیری صاحب حیات الحیوان صفحہ ۳۱ پر فرمایا کہ ابو حامد اندلسی کہتے ہیں کہ علاقہ سبتہ کے ساحلی سمندر میں ایک مچھلی پائی جاتی ہے۔ جس کا آدھا سر ایک آنکھ اور ایک جانب کچھ جگہ سے اس کا کانٹا نظر آتا ہے اُس پر صرف کھال ہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں یہ اسی مچھلی کی نسل سے ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام تل کر زادِ سفر بنا کر لائے تھے۔ اور قدرتِ الٰہی سے زندہ ہو کر اسی مجمع بحرین کے چشمے پر غائب ہوئی تھی وہاں کے لوگ اس کو تبرک سمجھتے ہوئے تحفے کے طور پر ہدیہ دیتے ہیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ بات سنی تو خوش ہوئے اور قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۔ فرمایا اے دوست یہی تو وہ جگہ تھی جو ہم چاہتے تھے۔ ہمارا سارا سفر اِسی جگہ کی تلاش میں تھا وہیں ہماری مطلوبہ ہستی وشخصیت ہے۔ اب موسیٰ علیہ السلام شوقِ علم میں اتنے خوش ہیں کہ نہ تھکاوٹ رہی نہ بھوک نہ پیاس نہ پچھلی سفر کی اور اتنا پیدل چلنے کی تکلیفیں یاد رہیں نہ تھوڑا آرام کر لینے کا خیال آیا نہ کچھ کھایا نہ پیا فَارْتَدَّا عَلٰٓی اٰثَارِهِمَا قَصَصًا پس فوراً دونوں ہی اپنا یہ تھوڑا بہت سفری سامان اٹھا کر واپس اپنے پچھلے پیروں قدموں کے نشانات پر لوٹ پڑے مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنے ساتھی یوشع علیہ السلام کو اپنے اس سفر کی مکمل روئداد اور مقصود مطلوب نہیں بتایا تھا نہ یہ بتایا تھا۔ کہ اس سفر کا مقصد کیا ہے کسی سے ملنا ہے کیا لینا ہے۔ بس اتنا فرمایا تھا کہ ہم نے مجمع بحرین تک جانا ہے اور بہر حال پہنچنا ہے نہ یہ بتایا تھا کہ اس علاقۂ بحرین کی نشانی مچھلی کا زندہ ہو کر بھاگ جانا یا گم ہو جانا ہے۔ بلکہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ پتہ نہ تھا۔ کہ مچھلی اس طرح زندہ ہو کر گم ہو گی آپ یہی غالباً سمجھتے تھے کہ بس قدرتی گم جائے گی۔ اسی لیے اس ثابت مچھلی کو خوب نمک وغیرہ لگا کر پیٹ چاک کر کے سب کچھ اندر سے نکال پھینک کر اچھی طرح صاف کر کے پوری ثابت مچھلی مع سر آنکھوں کے بھون لی اور راستے میں دو

تین جگہ اس میں سے کھاتے بھی رہے۔ اگر موسیٰ علیہ السلام یہ سب تفصیل بتا دیتے یا کم از کم مجمع بحرین کی یہ نشانی سنا دیتے تو حضرت یوشع کو تعجب ہوتا نہ یہ بھول ہوتی نہ اتنا سفر مزید دراز ہوتا۔ اور یہ نہ بتانا یا تو اس لیے تھا کہ یہ بات راز ہی رہے تو بہتر ہے یا اس کی اس لیے ضرورت نہ سمجھی کہ میں تو ساتھ ہی ہوں جب ایسا ہوگا تو خود ہی پتہ لگ جائے گا۔ بہرکیف جب دونوں بزرگ واپس اسی جگہ پہنچے تو تھوڑی سی تلاش کے بعد وَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا۔ دونوں نے پالیا وہیں، کہیں صخرہ کے پاس ہی ہمارے بندوں میں سے ایک خاص عظیم الشان بندے کو۔ احادیث مطہرات میں آتا ہے کہ یہ خضر تھے۔ تفاسیر و تواریخ میں ان کے مختصر حالات اس طرح ہیں کہ ان کا نام بَلیَا ہے۔ شجرہ نسب اس طرح ہے۔ بلیا بن ملکان بن فالغ بن عابر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔ (از تفسیر روح المعانی پ۱۵ ص ۳۱۹ تاریخ طبری جلد اول ص ۳۶۵ کامل ابن اثیر جلد اول ص ۳۲۶ مروج الذہب جلد دوم ص ۱۲۵ بدایہ جلد اول ص ۳۲۶ اخبار النفر ص ۲۰) آپ کے والد ملکان فارسی النسل تھے۔ اور فارس کے بادشاہ تھے۔ لیکن بادشاہت ترک فرما کر عابدانہ زاہدانہ زندگی بسر کی تھی ایک قول میں ہے کہ بادشاہ و سلطان ہی رہے مگر طبیعت فقیرانہ تھی۔ جیسے کہ ہمارے بادشاہ محمود غزنوی اور سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ آپ کی والدہ کا نام اَلْہا تھا۔ وہ رومی نسل کی تھیں۔ آپ اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے۔ آپ کی ولادت ایک غار میں ہوئی۔ جو علاقہ روم میں واقع تھا۔ والد اور والدہ علیحدہ رہتے تھے والد بادشاہ ان کی جوانی تک اپنے اس بچے سے بے خبر تھے۔ ایک دوسرے شخص نے ان کو اپنا متبنیٰ بنا کر بکری کے دودھ سے پالا تھا۔ جب ان کے علم و فضل کی شہرت ہوئی تو بادشاہ ملکان بن فالغ نے ان کو صحف ابراہیم لکھنے پر ملازم رکھا۔ کچھ دن یہ ملازم رہے پھر اپنی عبادت و زہد و خلوت نشینی کی طبیعت سے ملازمت چھوڑ کر کہیں فرار ہوگئے آپ کے جانے کے بعد بادشاہ کو کسی ذریعے سے پتہ لگا کہ یہ بلیا ان کا ہی بیٹا تھا۔ اس تاریخ سے پتہ لگتا ہے۔ کہ خضر علیہ السلام کا زمانہ ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہے یا اسی زمانے میں ہے۔ حضرت الیاس علیہ السلام آپ کے سگے بھائی ہیں۔ اس تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ یہ دونوں نبی علیہما السلام بنی اسرائیل نہیں بلکہ فارسی النسل ہیں جنہوں نے حضرت الیاس یا خضر کو اسرائیلی کہا ہے۔ وہ غلط ہے۔ حضرت الیاس عمر میں خضر علیہ السلام سے پانچ سال چھوٹے ہیں۔ آپ کی والدہ اپنے زمانے کی ولیہ کاملہ تھیں۔ شاہی محل چھوڑ کر غاروں میں زندگی بسر کی۔ حضرت خضر اور الیاس یہ دو بیٹے ہی کل اولاد ہوئی اور دونوں نبی بھی ہیں۔ رسول بھی۔ الیاس علیہ السلام اور ان کی نبوت کا ذکر قرآن مجید میں بھی دو جگہ آیا ہے۔ مگر خضر علیہ السلام کا ذکر صرف اسی ایک جگہ ہے اور آپ کی نبوت و رسالت ان ہی آیت سے دلالۃً و اشارۃً ثابت ہے کہ اٰتَیْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وہ خضر ہمارے ان ایک لاکھ چوبیس ہزار خاص بندوں میں شامل ہے جس کو ہم نے اپنے دربارِ خاص اور قربِ تام سے رحمتِ عظیم یعنی نبوت عطا فرمائی وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا۔ اور اسی بندۂ خاص کو ہم نے اپنے بڑے بڑے علم اسرار و غیوب بلا کسی واسطے کے خود اپنے درسِ قدرت اور تعلیمِ فطرت سے سکھائے

یہاں رحمۃ سے تمام مفسرین کے نزدیک نبوت مراد ہے۔ اور علوم غیبیہ کی بلاواسطہ عطا سے رسالت مراد ہے۔ کیونکہ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ رب تعالیٰ اپنا علم غیب خصوصی صرف برگزیدہ اور چنے ہوئے رسولوں کو ہی عطا فرماتا ہے۔ آپ کا لقب خضر ہے۔ اس کی وجہ احادیث مبارکہ میں اس طرح ہے کہ آپ جس سوکھی خشک گھاس پر قدم رکھ دیں یا بیٹھ جائیں تو وہ فوراً ہری بھری تر و تازہ ہو جاتی ہے۔ یا جس بنجر زمین پر چل پڑیں تو وہاں سبزی ہریالی خود بخود پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زمین مردہ زندہ ہو کر آئندہ سبزی کاشت کے قابل ہو جاتی ہے آپ کی کنیت ابوالعباس ہے۔ (از بخاری شریف، ترمذی شریف، مسند احمد حنبل) آپ اُن چارؑ انبیاء میں شامل ہیں۔ جن کو باری تعالیٰ نے قربِ قیامت تک لمبی زندگی عطا فرمائی ان چار میں سب سے پہلے آپ ہیں۔ پھر آپ کے بھائی الیاس علیہ السّلام۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے بہت زمانہ بعد ادریس علیہ السّلام پھر عیسیٰ علیہ السّلام ان چاروں میں وفات بھی سب سے پہلے حضر علیہ السلام کی ہوگی۔ آپ کو دجّال شہید کرے گا۔ اور پھر زندہ کرے گا۔ آپ اُس کی تکذیب فرمائیں گے تو وہ پھر آپکو پکڑنے اور مارنے کی کوشش کرے گا مگر پھر پکڑ یا قتل نہ کر سکے گا۔ (از زہرۃ النضر فی حالِ الخضر لابن حجر عسقلانی) حضرت خضر جب کچھ دنوں کے بعد اپنے والد کو مل گئے اور وہیں والد کے پاس رہنے لگے۔ تو آپ کی شادی نکاح کے بارے میں آپ سے پوچھا گیا تو آپ نے انکار کیا۔ پھر سب اہلِ قرابت کے اصرار پر ہاں کہہ دی آپ کا نکاح ایک کنواری لڑکی سے ہوا آپ نے اس کو بھی اپنا روحانی علم پڑھایا مگر سال بھر تک اس سے صحبت نہ کی پھر وعدہ لے کر کے کہ تو نے میرا راز اور میری حقیقت و علم ہر ایک سے چھپانا ہے۔ کسی کو میرے متعلق کچھ نہیں بتانا۔ اُس کو طلاق دے دی اس نے دوسری جگہ نکاح کر لیا جب گھر والوں کو اس کا پتہ لگا۔ تو آپ کی دوسری شادی ایک بیوہ ثیبہ عورت سے کی گئی اس کو بھی اپنا روحانی علم پڑھایا اور وہی وعدہ لیا۔ مگر اس نے وعدہ توڑ دیا۔ اور کسی کو بتا دیا تو آپ اس کو چھوڑ کر روپوش ہو گئے۔ پھر کسی کو نظر نہ آئے پہلی بیوی کے دوسرے خاوند سے اولاد دو بیٹے ہوئی۔ اس کی اور اس کے دونوں بیٹوں اور خاوند کی قبر سے خوشبو آتی ہے۔ شبِ معراج میں آقائے کائنات صلّی اللّٰہ علیہ وسلم نے وہ خوشبو سونگھی اور جبرئیل امین نے یہ واقعۂ نکاح وغیرہ سنایا۔ (از ابن ماجہ جلدِ دوم ص۱۳۳۶ حدیث نمبر ۴۰۳۰ تفسیر روح المعانی پ۱۵ یہی آیت ص۳۱۹) پہلی بیوی زوجہ فرعون کی اصل سے تھی۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے متعلق جو تقسیم الٰہیہ روایت و معتدلات و فرمودات و منقولات اور احادیث سے ثابت ہے وہ کچھ اس طرح ہے۔ کہ تمام انبیاء علیہم الصّلوٰت والسلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ ان میں سے تین سو تیرہ رسول یعنی علیحدہ شریعت و قانونِ باری تعالیٰ کے ساتھ مبعوث کئے گئے وہ انبیاءِ کرام ہیں علیحدہ قانون کی بنا پر ان کو رسول کہا جاتا ہے ان تین سو تیرہ رسولوں میں چار مُرسَل ہیں مُرسَل وہ ہوتا ہے جو صاحبِ کتاب آسمانی ہو۔ لیکن چونکہ حیات دنیوی میں کائناتِ اِنس و جن کے جسم اور روح دونوں کی اصلاح ضروری ہے۔ اس لیے رسالت میں پھر تقسیم فرمائی گئی اصلاحِ قلب و جسم کے لیے اور اصلاحِ روح و باطن کے لیے کثرتِ اجسام

کی بنا پر شریعت کے نبی بہت زیادہ ہوئے لیکن باطنی روحانی اصلاح کی ترقی کرنے والے تھوڑے اس لیے روحانی انبیا بھی تعداد میں تھوڑے ہوئے۔ اس تعداد قلت میں روحانی تعلیم دینے والے صرف چار انبیا اور رسول ہوئے اور ایک کتاب الٰہی۔ اصلاحِ جسمانی کے لیے رب تعالیٰ نے جو قانون نازل فرمایا اس کو شریعت کہتے ہیں۔ اور اصلاحِ روحانی باطنی کے لیے جو قانون نازل ہوا اس کا نام طریقت و معرفت ہے۔ تو گویا تمام انبیاءِ کرام میں صرف چار نبی طریقت و روحانیت کے نبی و رسول ہیں چونکہ یہ چاروں باطنی انبیا ہیں۔ اس لیے ان کے تمام حالاتِ زندگی اصلیت عوام سے مخفی ہے۔ اسی لیے ان کے متعلق بہت ہی مختلف اقوال ہیں۔ اور ہر ایک کے دلائل حتمی نہیں بلکہ اشارۃً کنایۃً دلالۃً ہر قول کو ثابت کیا جاتا ہے۔ پہلے روحانیت اور معرفت کے نبی حضرت خضر۔ ایک قول ہے کہ حضرت ادریس پہلے نبی ہیں جو نوح علیہ السلام سے بھی پہلے ہوئے۔ واللّٰہ اَعلم دوسرے نبی حضرت الیاس آخری روحانی نبی حضرت عیسیٰ علیہم السلام ان چار میں تین رسول اور ایک مُرسَل حضرت مسیح ہر ایک کا روحانی قانون اور طریقت علیحدہ ہوئی۔ رب تعالیٰ نے چار کتابیں نازل فرمائیں پہلی توریت یہ صرف شرعی قانون کی کتاب تھی۔ اسی لیے یہ تمام انبیاءِ ظاہری کے لیے تھی۔ کسی نبی یا رسول یا کتاب نے اُس کو منسوخ نہ کیا۔ عیسیٰ علیہ السلام تک۔ دوسری کتاب زبور یہ قانونِ عبادت و ریاضت ورد و وظائف دعاؤں کے قانونِ ظاہری عملی کی کتاب تھی۔ اس لیے یہ بھی جاری رہی اور انجیل سے منسوخ نہ ہوئی۔ یہ منسوخی اس لیے نہ ہوئی کہ جو چیز توریت میں تھی زبور میں نہ تھی جو زبور میں تھی۔ وہ توریت و انجیل میں نہ تھی۔ اور جو چیز انجیل میں تھی۔ وہ توریت و زبور میں نہ تھی۔ توریت و زبور دونوں قانون ظاہری کی کتابیں تھیں۔ تیسری کتاب انجیل یہ صرف علومِ باطنی روحانی طریقت و تصوّف کی کتاب تھی۔ ان چاروں انبیاءِ عظام کی کوئی ظاہری امت بھی نہ ہوئی پہلے تین انبیاءِ کرام کی امتیں تو بالکل ہی ثابت نہیں مگر حضرت مسیح علیہما السلام کی امت بھی صرف چند نفوس پر مشتمل ہوئی۔ ان کی روحانی ڈیوٹی اور ذمہ داریوں کی بنا پر ان چاروں کی عمریں تاقربِ قیامت عطا فرمائی گئیں یہی حکمت ہے۔ ان کی لمبی عمروں میں نیز چونکہ روحانیت کا دشمن ابلیس بھی تاقیامت لمبی عمر والا ہے۔ اسی لیے اس کو توڑنے مروڑنے اور مسلمانوں کو اس سے بچانے کے لیے ان چاروں کو بھی لمبی عمریں عطا ہوئیں۔ نیز شیطان کے پاس باطنی اور پوشیدہ طاقت ہے اُس سے بچاؤ کے لیے اُن کو رب تعالیٰ نے اُس سے بھی زیادہ طاقتیں قوتیں اختیار و رفتار عطا فرمائی ہے۔ یہ سب مولیٰ تعالیٰ کے اَسرار و حکمتیں ہیں۔ کسی کو انکار و اعتراض و چون و چرا کی مجال نہیں۔ اُسی نے باطل پیدا کیا اسی نے باطل کے مقابل حق پیدا فرمایا۔ مگر ان انبیاءِ کرام کے حالات و مقامات اور ذمے داریاں سب مختلف ہیں۔ حضرت خضر دریاؤں پر مقرر حضرت الیاس خشکی و صحراؤں میں متعین حضرت ادریس جنت یا پانچویں یا ساتویں آسمان میں حضرت عیسیٰ علیہم السلام چوتھے آسمان میں۔ یہ تو سید المرسلین سرکارِ اَبد ہی کی شان ہے کہ آپ اور آپ کا قرآن مجید شریعت طریقت حقیقت معرفت ظاہری باطنی روحانی جسمانی ہر طرح کی اصلاح و ہدایت کا جامع ہے اسی لیے آپ ہی فقط سب سابقہ کے ناسخ ہوئے اور آخری نبی

ان آیت کی تفسیر ہیں۔

مفسرین کے مختلف اقوال

فَلَمَّا جَاوَزَا۔ میں پانچ قول ہیں ۱ ظہر تک سوئے یعنی قیلولہ فرمایا پھر تیسرے پہر کو آگے سفر شروع فرمایا ۲ عصر تک سوئے بعد عصر چلے ۳ پوری رات اور آدھا دن سفر کیا۔ ۴ اس سے پہلے کا سفر چار دن ہوا تھا۔ اور یہی قول زیادہ مناسب و درست ہے۔ ۵ پہلا سفر مصر سے مجمع تک چالیس دن تک ہوا۔ صَخْرَۃ میں تین قول ہیں ۱ یہ پتھر کی چٹان ہے۔ اور یہی قول لغوی اعتبار سے درست ہے ۲ یہ ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے اور عام راستے سے ذرا ہٹ کر اسی لیے نشانِ قدم کی احتیاط رکھنی پڑی۔ ۳ یہ عام راستے پر ہی ایک عام سی جگہ ہے اور مسافر یہاں درختوں اور پانی کی وجہ سے ٹھیرتے ہیں۔ عجبًا میں چار قول ہیں۔ ۱ مچھلی کا زندہ ہونا تعجب والی چیز ہے۔ ۲ میرا بھول جانا تعجب ہے۔ ۳ اے حضرت موسیٰ آپ کو یہ سن کر تعجب ہوگا۔ ۴ میرے نہ بتانے پر آپ کو تعجب تو ہو رہا ہے فَوَجَدَا میں چار قول ہیں ۱ خضر وہیں صخرہ کے پاس ہی چادر اوڑھ کر لیٹے ہوئے سر پیر چادر سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ۲ وہیں صخرہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے ۳ صخرہ کے پاس پہنچ کر پھر کچھ اندر جنگل میں جانا پڑا اور چل پھر کر تلاش کیا ۴ آپ پانی پر مصلے بچھائے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے۔ نمبر دوم قول صحیح ہے۔ عبدًا میں پانچ قول ہیں ۱ یہ خضر علیہ السّلام تھے۔ اور یہی قول درست ہے۔ کیونکہ احادیثِ مبارکہ میں صراحۃً لفظِ خضر موجود ہے ۲ وہ حضرت الیاس تھے۔ ۳ وہ کوئی فرشتہ تھا۔ ۴ وہ حضرتِ یسع تھے معتزلیوں کا امام جبائی کہتا ہے کہ خضر بہر حال نہ تھے۔ یہی منکرِ حدیث کہتے ہیں۔ ۵ یہ عبد خضر علیہ السلام ہی تھے۔ مگر ان کا اپنا نام یسع ہے۔ خضر علیہ السّلام کو خضر کہنے میں چھ قول ہیں ۱ جب آپ کہیں بیٹھتے یا قدم رکھتے ہیں۔ تو وہاں سوکھی گھاس اگی ہوئی ہری ہو جاتی ہے اور احادیثِ پاک کے الفاظ میں فَرْوَہ کا معنیٰ ہی خشک گھاس ہے۔ ۲ جب آپ کہیں قدم رکھتے ہیں۔ تو خشک بنجر زمین میں سبزی اگ پڑتی ہے۔ اور فَرْوَہ کا معنیٰ ہے خشک زمین ۳ جہاں آپ رہتے ہیں۔ وہاں آبِ حیات کا چشمہ ہے۔ صرف وہیں پر آپ کے قدم کا یہ اثر ہے ہر جگہ نہیں۔ ۴ آپ سبز لباس پہنتے ہیں۔ اس لیے آپ کو خضر کہا جانے لگا ۵ آپ بہت خوبصورت اور تازہ چمک دار رنگت والے ہیں۔ اس لیے آپ کو خضر کہا جاتا ہے ۶ جہاں بھی آپ نماز پڑھیں تو وہاں اتنی دیر تک سبز نور پھیل جاتا ہے۔ رَحْمَۃً مِّنْ عِنْدِنَا میں گیارہ قول ہیں ۱ رحمت سے مراد نبوّت اور وحیِ الٰہی ہے ۲ رحمت سے مراد ولایت اور الہامات ہیں ۳ رحمت سے مراد لمبی عمر ہے ۴ رحمت سے مراد صحت تندرستی اور پوری عمر کی جوانی ہے ۵ رحمت سے توفیقِ عبادت حلال رزق کسی کا محتاج نہ ہونا۔ ۶ کبھی بیمار نہ ہونا۔ خلوت ۷ میسر ہونا ذکرِ الٰہی میں ہمیشہ مشغول رہنا اور سب کی حاجتیں ۸ پوری کرنا تمام ۹ زمین کے پانی پر بادشاہت ہونا مراد ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ عَلَّمْنٰہُ میں پانچ قول ہیں ۱ اللہ تعالیٰ

نے بلا واسطہ بلا محنت تمام علومِ غیبیہ سکھا دیئے ۔ ۳ اللہ تعالیٰ نے بالواسطہ علم سکھایا۔ ۲ فرشتے کے ذریعے وحی یا الہام سے سکھایا۔ ۳ کسی اور ولی اللہ کے ذریعے سکھایا۔ ۵ علم لدنی سکھانے پڑھانے اور تعلیم دینے کا معنٰی ہے کہ آپ کو رسول بنایا گیا اور یہی قول درست ہے۔ قرآن مجید سے استدلال ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم بالصواب

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ تفسیر روح المعانی کہ جب کوئی بندہ خالصۃً اللہ کے لیے کسی کام میں نکلتا ہے تو مولیٰ تعالیٰ اس کی تکالیف کو راحت و سکون میں بدل دیتا ہے اس کو وہ تکلیف محسوس بھی نہیں ہوتی لیکن جب بندے کا وہ کام اللہ کے لیے نہیں رہتا تو پھر وہ مصائب اپنی شکل میں نمودار ہوتے ہیں۔ اور محسوس ہونے لگتے ہیں اگرچہ بندے کے عمل و فعل کی یہ تبدیلی بلا ارادہ ہی کیوں نہ ہو اور بندہ اب تک اپنے اس فعل کو عبادت ہی سمجھ رہا ہو۔ یہ فائدہ هٰذَا نَصَبًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کو مصر سے بحرین تک دراز سفر میں وہ تکلیف محسوس نہ ہوئی جو اس تھوڑے سفر میں ہوئی۔ **دوسرا فائدہ**۔ طلب علم کے لیے تکلیف اٹھانا۔ اور تکلیف کی پرواہ نہ کرنا اور تکالیف و مصائب کے باوجود ہمت و کوشش جاری رکھنا سُنّتِ انبیاءِ کرام علیہم السلام سے ہے ہر مسلمان کو ایسا ہی عزم و ہمت قائم رکھنا دکھلانا چاہیئے یہ فائدہ فَلَمَّا جَاوَزَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ دیکھو حضرت موسیٰؑ اور ان کے ساتھی کا مصر سے سفر کرنا اور بے سرو سامانی راستے کی تکالیف کا بھی کچھ غم فکر پریشانی نہ کرنا۔ صرف اللہ کے علم کو ہی حاصل کرنا تھا۔ کوئی دنیوی مفاد مقصود نہ تھا اس بات سے آج کل کے تبلیغی وہابیوں کو سبق حاصل کرنا چاہیئے کہ جاہل جاہل بیوقوف ان پڑھ قسم کے لوگ تبلیغ کی ذمّہ داریوں کو اپنے گندے اور ناپاک بستروں میں باندھے پھرتے ہیں حالانکہ ان کو چاہیئے کہ پہلے طلبِ علم کے لیے گھروں سے نکلیں۔ **تیسرا فائدہ**۔ کائنات میں کوئی شخص بھی انبیاءِ کرام کے علم کا مقابلہ یا موازنہ نہیں کر سکتا خواہ وہ ولی ہو یا عالم غوث و قطب ہو یا محدّث مفسر یا کوئی فلسفی منطقی سائنسدان یا کوئی فرشتہ جِنّات کروڑوں بشر اپنا علم لے آئیں تب بھی علمِ نبوت کے سامنے قطرہ ناچیز ہے یہ فائدہ عَلَّمْنٰهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ جب ایک بڑے استاد کا شاگرد مدرسے کے چھوٹے استادوں سے علم میں بڑھ جاتا ہے تو جو اللہ تعالیٰ کا بلا واسطہ شاگرد ہو اس کے علم کی کیا شان ہوگی۔ اور کون اس کے علم کو سمجھ سکتا ہے۔

اَحکامُ القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند مسائلِ فقہ مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ قانونِ شریعت کے مطابق لفظ غداء طلوع سورج سے شروع ہو کر وقت چاشت تک کا نام ہے نہ پورے دن کو غداء کہتے ہیں نہ طلوع آفتاب سے قبل کو نہ فجر صادق کو نہ رات کے بارہ بجے کے بعد کو نہ غروب آفتاب کے بعد کو تاریخ بدل جانا علیحدہ بات ہے لیکن غداء ایک خاص چند گھنٹوں کچھ ساعتوں کو کہتے ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص کسی چیز کے کرنے کا وعدہ یا نہ کرنے کی قسم کھا لے تو شریعت میں اسی وقت میں قسم توڑنے سے حانث ہوگا نہ اگلے

پہلے نہ اس کے بعد یہ مسئلہ آتِنَا غَدَآءَنَا سے مستنبط ہوا۔ ہاں البتہ اگر یوم الغد کا لفظ بولتا ہے تو پورا دوسرا دن مراد ہوگا اور رات شامل نہ ہوگی۔ **دوسرا مسئلہ**۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اپنی عبادت نماز روزہ۔ وضو۔ غسل ورد و وظائف اور سفر حج وغیرہ میں اور عمل و نیت میں بہت ہی احتیاط کرے یادداشت اور بھول چوک کا خاص خیال رکھے یعنی ہر عبادت میں چوکس رہے۔ بے توجہی۔ اور بے خیالی نہ ہونے دے۔ ورنہ عبادت کا ثواب لذت اور دورانِ عمل رحمتِ الٰہی کے بند ہونے کا خدشہ ہے۔ انسان بے شعوری میں اپنے بہت سے نقصان کر لیتا ہے۔ یہ مسئلہ مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ہیں هٰذَا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام کے تفصیلِ سفر نہ بتانے اور یوشع علیہ السلام کی ذرا سی بھول سے اتنا لمبا مزید بے فائدہ سفر بھی کرنا پڑا اور وہ تکلیف بھی اٹھانی پڑی جو پہلے سفر میں نہ محسوس ہوئی اور جو رحم و کرم بحالتِ سفر پہلے ہوا تھا۔ وہ اب نہ ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ قانون شریعت کے مطابق کوئی بھی عمل ہو دینی یا دنیوی سفر کا یا حضر کا۔ اس کی شدت اس کی تکالیف و مصائب کو بیان کرنا یا کسی کے سامنے اظہار کرنا جائز ہے شکوہ یا شکایت نہیں یہ مسئلہ لَقَدْ لَقِيْنَا الخ، فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اگر یہ اظہار ممنوع ہوتا تو شانِ نبوت کے کبھی لائق نہ تھا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اللہ تعالیٰ بری چیزوں کا خالق نہیں ہے دیکھو نسیان بری چیز ہے اس لیے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی نے یہ کہا کہ مجھ کو شیطان نے بھلا دیا اگر بھول اور نسیان وغیرہ کا خالق اللہ تعالیٰ ہوتا تو وہ یہاں کہتے وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا اللّٰهُ (از فرقہ جبریہ اور معتزلہ) **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں۔ پہلا جواب اِلزامی۔ کہ کیا پھر تم ابلیس کو بھی خالق مانو گے اور شرک کرو گے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہاں مادۂ نسیان کی تخلیق مراد نہیں بلکہ ورودِ نسیان مراد ہے نسیان کا مادہ رب تعالیٰ نے انسان کے اندر پیدا فرمایا۔ لیکن نسیان کا وارد ہونا بہت وجہ سے ہو سکتا ہے ۱ شیطان ابلیس کی طرف سے بھی ۲ اپنی ذہنی دماغی کمزوری کی وجہ سے بھی ۳ اور کسی بھی شخص یا ماحول یا بیماری اور تفکرات کی طرف سے بھی۔ **دوسرا اعتراض**۔ موسیٰ علیہ السلام نے سفر کی ذرا سی تھکاوٹ محسوس کر کے فوراً شکوہ شکایت کر دی کہ لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ہم کو اپنے اس سفر میں بڑی تکلیف پہنچی۔ یہ کہنا تو بڑی کمزور قلبی اور بزدلی ہے (معاذ اللہ) دیکھو حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے نارِ نمرود میں جاتے وقت یوسف علیہ السلام نے جیل میں ایوب علیہ السلام نے سخت ترین لمبی بیماری میں صحابہ کرام نے جہادوں میں۔ امام حسین نے میدان کربلا میں قطعاً کسی تکلیف کا اظہار نہیں فرمایا نہ کوئی شکوہ نہ شکایت۔ یہاں آخر ایسا کیوں ہے؟

جواب۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں پہلا یہ کہ یہ کلام شکوہ یا شکایت نہیں۔ اظہار تعجب ہے کہ ہم نے پہلے اتنا لمبا سفر کیا تو ہم کو کوئی تکلیف تھکاوٹ کمزوری اور چلنے میں بوجھ محسوس نہ ہوا۔ اب اس تھوڑے چلنے سے

اتنی کمزوری تھکاوٹ بے شک ہم کو ہوئی لیکن آخر کیوں اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ جواب شاندار ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہ اظہار تکلیف اپنے لیے نہ تھا بلکہ ساتھی سے اظہار اور دلجوئی کرنا تھی۔ کہ بڑی مشقت اٹھائی تم نے یہ گویا مشفقانہ احسان مندی کا تشکر اور اظہار ہے۔ اور یہ عام مشفق بزرگوں کا طریقہ کریمانہ ہوتا ہے۔ لیکن لَقَدْ لَقِيْنَا جمع بولنا یا تو وضاحت کلام کے لیے ہے اور یا اس شکوہ شکایت کی معیوبی کو اپنی طرف منسوب کرنا بزرگوں کے طریقۂ عمدہ کی بنا پر ہے کہ حکم ہے کہ بری باتوں اور گناہوں کو کسی دوسرے کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیئے یعنی اگرچہ متکلم میں وہ بات نہ ہو مگر کہنا یہی چاہیئے کہ ہم نے یہ غلطی کی وغیرہ وغیرہ تیسرا جواب یہ کہ یہ سفر اگرچہ عبادت تھا۔ اور عبادت میں تکلیف کا اظہار اچھا نہیں ہوتا مگر وہ فرضی عبادت کا حکم ہے یہ عبادت نفلی تھی اس میں تکلیف کا اظہار جائز ہوتا ہے۔ جیسا کہ احکام القرآن میں فقدے استنباطاً ثابت ہوا۔ رہا یہ کہ انبیاءِ کرام اور صحابہ کا اظہارِ تکلیف نہ فرمانا تو وہ اس لیے تھا کہ خلیل اللہ کے لیے نارِ نمرود اور ایوب علیہ السلام کے لیے بیماری اور امام حسینؓ کے لیے کربلا ایک امتحان آزمائش اور مدارج و ترقی کا ذریعہ تھے۔ یوسف علیہ السلام کی جیل آپ کی تبلیغ گاہ تھی۔ صحابہ کرام کے جہاد ان کی فرضی عبادت تھی لہٰذا اُن کو اظہارِ تکلیف شرعاً جائز نہ تھا مگر یہاں ان میں سے کوئی بات نہیں یہ سفر نہ فرضی عبادت نہ امتحان نہ آزمائش نہ ترقیِ مدارج کا ذریعہ نہ تبلیغ گاہ۔ جواب چہارم یہ کہ یہ کلام فرمانا اظہارِ شکایت نہیں بلکہ سفر کے لمبا ہونے اور ابھی مدعا حاصل نہ ہونے کا افسوس ہے۔ اور یہ بات فطری ہے کہ جب مدعا حاصل نہ ہوتا ہو تو انسان کو تھوڑا کام بھی بوجھل اور بھاری و تھکاوٹ محسوس ہوتا ہے۔ اور جب اچانک مقصود و مطلوب اور مدعا مل جائے تو ساری تھکاوٹ یکدم دور ہو جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام یہ مچھلی کے گم ہونے کی بات سنتے ہی پلٹ پڑے اور پھر اسی وقت نہایت پھرتی چستی سے دودن کا دوبارہ سفر شروع فرما دیا نہ تھکاوٹ رہی نہ تکلیف۔

تیسرا اعتراض۔ یہاں ان آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت خضر علیہ السّلام موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ عالم ہیں۔ بخاری مسلم اور ترمذی شریف کی احادیث میں بھی یہی الفاظ ہیں کہ جب کلیم اللہ سے سوال ہوا اور اپنے جواباً فرمایا کہ اَنَا اَعْلَمُ میں اس وقت روئے زمین پر بڑا عالم ہوں تو اللہ تعالیٰ نے تنبیہاً فرمایا کہ تم سے بھی بڑا اور زیادہ عالم ہمارا ایک بندہ ہے۔ وہاں حدیث پاک میں اَعْلَمُ مِنْكَ کے الفاظ ہیں۔ اور جو زیادہ عالم ہوتا ہے۔ وہ افضل ہوتا ہے اب اگر خضر علیہ السّلام بنی اسرائیل ہیں تو وہ سب اسرائیلی اُمتِ موسیٰ تھے اُس وقت اور امتی نبی سے کبھی بھی افضل و اعلیٰ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر آپ غیر بنی اسرائیل ہیں تو بھی آپ افضل نہیں ہو سکتے کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ اے بنی اسرائیل میں نے تم کو تمام جہانوں پر فضیلت دی۔ تو پھر اب ان آیت اور احادیثِ پاک کے الفاظ کا مطلب کیا ہے؟

جواب۔ یہ بات تو ہم نے آپ کے شجرۂ نسب سے پہلے ثابت کر دی ہے کہ آپ بنی اسرائیل میں سے نہیں ہیں بلکہ

آپ تو بنی اسرائیل کے جدِ اعلیٰ وَ بانیِ نسل حضرت یعقوب سے بھی پہلے حضرت ابراہیم کے زمانے یا کچھ بعد میں پیدا ہوئے۔ لیکن دوسرا فضیلتوں والا سوال تو اس لیے غلط ہے کہ خضر علیہ السلام نبی ہیں اور کوئی بھی غیر نبی کسی بھی شان و فضیلت کا ہو جائے نبی سے افضل نہیں ہو سکتا فضیلتوں میں اپنے زمانے کے غیر انبیاء سے فضیلت مراد ہے یہ اعتراض ان بیوقوف لوگوں پر پڑتا ہے جو حضرت خضر کو نبی نہیں مانتے ولی اللہ یا عالم کہتے ہیں۔ اب رہا یہ سوال کہ حضرت خضر موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں یا برابر ہیں یا حضرت موسیٰ افضل ہیں۔ تو اس میں صحیح اور با دلائل عقیدہ یہی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام اپنے مرسل اور صاحبِ کتاب ہونے کی وجہ سے حضرت خضر سے افضل ہیں۔ لیکن علم میں تو وہ دونوں کا علم علیحدہ علیحدہ ہے خود خضر علیہ السلام نے بوقت ملاقات فرمایا تھا کہ اے موسیٰ جو رب کریم نے تم کو علم دیا ہے اس کو میں نہیں جانتا اور جو مجھ کو علم دیا ہے اس کو تم نہیں جانتے۔ اس گفتگو سے ثابت ہو رہا ہے کہ علمیت میں دونوں بزرگ برابر ہیں مگر علم کی قسم علیحدہ علیحدہ ہے ایک کے پاس صرف شریعت کا ظاہری علم ہے اور دوسرے بزرگ کے پاس طریقت کا باطنی علم۔ حضرت خضر نبی اور رسول تو ہیں مگر مرسل نہیں ہیں۔ اس لیے مقامِ افضلیت موسیٰ علیہ السلام کی زیادہ ہے۔

چوتھا اعتراض۔ کوئی کہتا ہے حضرت خضر فقط نبی ہیں کوئی کہتا ہے رسول بھی ہیں۔ کوئی کہتا ہے نہ نبی ہیں نہ رسول صرف وَلِیُّ اللہ ہیں۔ کوئی کہتا ہے صرف عالم ہیں۔ کوئی کہتا ہے فرشتہ ہیں۔ اور یہ سارے اقوال مسلمانوں کی کتابوں اور تفسیروں میں ملتے ہیں یہ کیا مصیبت ہے کہ ایک شخصیت ہے۔ اور اتنے اختلاف اب کوئی کیا فیصلہ کر سکتا ہے اور پھر ہر شخص دعویدار ہے۔ کہ میرا قول درست ہے۔ **جواب۔** معترض اپنی شکایت میں حق بجانب ہے۔ واقعی تفاسیر میں بہت ہی اختلافی اقوال موجود ہیں۔ جس کی اصلیت و حقیقت کا ایک عام آدمی فیصلہ نہیں کر سکتا یہ مسلمانوں کی کتنی بڑی بد قسمتی ہے کہ اس قوم میں ایسے ایسے جاہل اور ابلیس صفت اہل قلم پیدا ہو گئے ہیں کہ جن کا مقصد ہی امت میں نظریاتی مفاسد کا تفرقہ ڈالنا ہے۔ اور جن کے قلم کی خباثتوں نے اسلام کے ہر مسئلے میں اقوال و اختلافات کا کثیر اُلجھاؤ پیدا کر دیا۔ ان کی جہالتوں نے نہ قرآن کو چھوڑا نہ حدیث کو نہ تفسیر کو چھوڑا نہ تاریخ کو ہر چھوٹے بڑے مسائل میں جاہلانہ اختلافات کی اتنی بھرمار ہے کہ خدا کی پناہ۔ ہماری اکثر نئی پرانی تفاسیر میں سوائے قَالَ بَعْضُ قِیْلَ فلاں فِیْہِ کَذَا اور اس نے یہ کہا کے علاوہ اور ہے ہی کیا آج ہم اپنی تفسیریں غیر مسلموں کو نہیں دکھا سکتے جب کہ ان تفسیروں کو پڑھ کر خود ہمارا دل بیزار ہو جاتا ہے۔ اور تعجب اور افسوس کا ہے کہ ایک آیت و حدیث میں سو سو قول تو نقل کر دیئے اور ہر جاہل و بے عقل کا بیہودہ قول تو ٹھونس دیا مگر با دلائل سچ اور جھوٹ حق و باطل صحیح و غلط کی چھانٹ و نشان دہی نہ کی گویا کہ ان کو صرف غلط افکار اور باطل کی پرچار کرنا ہی مقصود ہے اسی چیز نے مسلمانوں میں فرقہ بازی پیدا کی یہ بات کسی دوسرے مذہب میں نہیں آج ہم جن یہود و نصاریٰ پر طعن کرتے ہیں اور اس طعن پر بڑا فخر کرتے ہیں۔ کہ یہودیوں کی تالمود۔ بائبل انجیل وغیرہ کئی دفعہ بدل گئی۔ وہ لوگ اگر جھوٹی تبدیلی کرتے بھی ہیں تو کوئی الگ الگ

اپنی اپنی ڈفلی لے کر نہیں بیٹھ جاتا بلکہ مل کر متفقہ طور پر تبدیلی کرتے ہیں یہ تو رب تعالیٰ کا بڑا کرم ہے کہ اس نے قرآن مجید کی حفاظت کا خود ذمہ لیا ہے۔ ورنہ ہمارے یہ قلم کار اللہ تعالیٰ کے اس کلام کو بھی معاف نہ کرتے۔ کس کس مسئلے میں آپ یہ شکایت کریں گے۔ تمام مسائلِ اسلامیہ میں ان باطل لوگوں نے یہی کچھ کیا ہے۔ اور پھر طرفہ یہ کہ اولاً تو اکثر اقوال میں کوئی دلیل نہیں صرف حق مسائل کو غلط اور ان کے مضبوط دلائل کو ضعیف کہہ دینے تک ہی اکتفا کی گئی ہے۔ اور اگر بعض مسائل میں کچھ الٹی سیدھی معقولی قیاسی استدلالی دلیلیں دی بھی ہیں۔ تو اتنی بھونڈی اور بیہودہ کہ اصل مسئلے کا حلیہ ہی بگاڑ دیں۔ یہی کچھ ان جہلاءِ باطلین نے واقعات خضر علیہ السلام میں کیا ہے۔ ہم نے خضر علیہ السلام کے بارے میں اکابرا ہلسنت کا مضبوط عقیدہ و نظریہ و مسلک اپنی تفسیر عالمانہ میں بیان کر دیا ہے کہ تمام علما فقہا اور صوفیا کا متفقہ مذہب ہے۔ کہ حضرت خضر علیہ السلام۔ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور رسول ہیں۔ حضرت ابراہیم کے زمانے میں آپ کی ولادت ہوئی اور قرب قیامت تک آپ کو لمبی عمر اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی کچھ مخالفین کہتے ہیں کہ حضرت خضر نبی یا رسول نہیں تھے اور کہتے ہیں۔ کہ آپ ولی اللہ تھے۔ یا کہتے ہیں کہ فقط ایک عالم تھے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ نبی تھے مگر رسول نہ تھے ان لوگوں کے پاس اپنے اس باطل نظریے کی کوئی بھی کسی قسم کی دلیل نہیں صرف مخالفانہ عقل درازیاں ہیں حالانکہ یہ عقیدے کا مسئلہ ہے اس کی نظریہ بندی میں بہت غور و تفکر سمجھ بوجھ اور تدبّر کی ضرورت ہے۔ بحمدہ تعالیٰ ہمارے پاس حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت اور رسالت کے ثبوت میں قرآن مجید سے مندرجہ ذیل باتیں دلائل ہیں۔

پہلی دلیل۔ یہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ آتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ تمام مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہاں رحمت سے مراد نبوت ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں اکثر مقامات پر رحمت سے نبوت ہی مراد لی گئی ہے۔ جیسے کہ مثلاً سورۂ زخرف آیت ۳۲ میں ارشاد ربانی ہے۔ اَهُمْ يَقْسِمُوْنَ رَحْمَتَ رَبِّكَ۔ یعنی جب کفار نے کہا کہ قرآن کسی بڑے سردار پر اترنا چاہیے تھا۔ اس دُرِّ یتیم پر کیوں اترا تو جواباً رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کیا یہ کفار آپ کے رب کی نبوتوں کو بانٹتے ہیں جو ایسی شرطیں لگاتے ہیں۔ اور مثلاً جیسے کہ سورۂ قصص آیت ۸۶ میں ارشاد باری ہے۔ وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ ترجمہ۔ اور آپ کو یہ امید نہیں تھی کہ آپ کی طرف یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر نبوت ملنے کی آپ کو امید تھی۔ ان تمام مقام میں رحمت سے مراد نبوت ہی ہے۔ (از امام رازی تفسیر کبیر)۔

دوسری دلیل۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ارشاد فرمایا قَالَ هَلْ اَتَّبِعُكَ اَنْ تُعَلِّمَنِ۔ ترجمہ۔ کیا میں تمہاری اتباع کروں اور ساتھ رہوں تاکہ تم مجھ کو یہ علم سکھا دو۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت خضر نبی ہیں کیونکہ نبی صرف نبی کی ہی اتباع کر سکتا ہے اس لیے کہ انبیاء کرام کے پاس وحیِ الٰہی ہوتی ہے۔

تیسری دلیل۔ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا۔ كَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ کس طرح صبر کرکو

تم اس شریعت کی اور اس قانون کی باتوں پر جس کی حقیقت کا تم کو پتہ نہیں اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ وَلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا یعنی میں تمہارے کسی کام یا کسی بات کی نافرمانی یا مخالفت نہ کروں گا موسیٰ علیہ السلام کا یہ وعدہ صرف اس لیے تھا۔ کہ یہ جو کچھ مجھ کو سکھائیں گے وہ یقیناً وحی الٰہی ہو گی کیونکہ یہ نبی ہیں۔ کبھی کسی غیر نبی سے پیشگی اس طرح کا وعدہ کرنا جائز نہیں موسیٰ علیہ السلام کا یہ وعدہ دراصل حضرت خضر کی نبوت کا اظہار ہے۔

چوتھی دلیل ۔ حضرت خضر نے فرمایا۔ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ یعنی یہ جو کچھ میں نے کیا اپنی مرضی اور اپنے قلبی ارادے سے نہ کیا بلکہ اللہ کی وحی سے کیا اور وحی صرف انبیاء کرام ہی پر نازل ہوتی ہے۔ اگر آپ ولی اللہ ہوتے تو آپ پر الہامات آتے مگر الہامات ظنی ہوتے ہیں۔ اُن پر یقین نہیں کیا جا سکتا۔ خود صاحب الہام ولی اللہ کو بھی اپنے الہام پر یقین نہیں ہوتا۔ اسی لیے وہ اپنے الہامات پہلے قرآن و حدیث اور شریعت کے مطابق بنانے غور کرتے ہیں۔ اگر شریعت کے مطابق ہو تب اُس پر عمل کرتے ہیں۔ ورنہ رد کر دیتے ہیں۔ جو بغیر سوچے سمجھے اپنے الہام پر عمل کرے وہ گمراہ ہو کر ولایت سے گر جاتا ہے۔ دیکھو غوث پاک نے نور دیکھا اور الہام سنا مگر شریعت کے خلاف سمجھ کر لاحول پڑھا اور رد کر دیا۔ ابلیس حاضر ہو کر بولا اے عبدالقادر تم بچ گئے لیکن ستر اولیاء اللہ اسی الہام سے مردود و گمراہ ہو کر ولایت سے گر گئے۔ شیطان ابلیس انبیاء کرام کے پاس ایسا کوئی الہام لے کر جا سکتا ہی نہیں۔ خضر علیہ السلام کا اتنے بڑے بڑے کام کرنا کشتی اکھیڑنا بچہ قتل کر دینا وحی کے بغیر نہیں ہو سکتے آج کوئی ولی غوث قطب ایسا نہیں کر سکتا نہ کوئی سابقہ اولیاء اللہ میں اس کی مثال ملتی ہے انبیاء کرام علیہم السلام تو خواب دیکھ کر بھی بیٹے کے گلے پر چھری چلا سکتے ہیں ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام نبی ہی ہیں یہ کام ہی بتا رہے کہ آپ کو نبوت دی گئی ہے جو آپ کی نبوت کا انکار کرے اس کے کفر کا اندیشہ ہے۔

پانچویں دلیل ۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو پہچان کر کہا کہ تم بنی اسرائیل کے موسیٰ ہو تم کو توریت ملی کلیم اللہ ہونے کا شرف حاصل ہوا جو علم تمہارے پاس ہے وہ مجھ کو نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اے خضر تم نے مجھ کو کیسے پہچان لیا۔ حضرت خضر نے فرمایا کہ جس اللہ نے تم کو میرے متعلق بتایا اسی نے مجھ کو تمہارے متعلق بتا دیا۔ یعنی تم کو اللہ تعالیٰ نے وحی سے بتایا تو مجھ کو بھی اُسی نے وحی سے ہی بتایا اس طرز تکلم سے اپنی وحی کا اظہار ہے کہ اے موسیٰ علیہ السلام تم کو بھی رب کی طرف سے وحی آتی ہے اور مجھ کو بھی اور تم نبی ہو تو میں بھی نبی ہوں۔ اس موازنے سے نبوت کا ثبوت ملتا ہے۔ ان مضبوط دلائل قرآنیہ سے حضرت خضر کی نبوت ثابت ہوتی ہے۔ لیکن قرآن مجید کی ان ہی آیت سے آپ کی رسالت بھی ثابت ہو رہی۔ چنانچہ۔

چھٹی دلیل ۔ باری تعالیٰ نے فرمایا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۔ ترجمہ۔ اور خود ہم نے خضر کو علم لدنی یعنی قُربِ خاص کی تعلیم دی۔ علمِ لدنی علوم غیبیہ کو کہتے ہیں امام غزالی نے علمِ لدنی کے بارے میں مستقل ایک کتاب

لکھی۔ ہے جس کا نام ہے۔ اثباتِ علومِ لُدنیّہ اور اللہ تعالیٰ اپنے علومِ غیبیہ صرف اپنے رسولوں کو عطا فرماتا ہے چنانچہ دوسری آیت میں ارشاد ہے عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ ترجمہ۔ وہ اللہ ہر غیب کو جاننے والا ہے پس نہیں ظاہر فرماتا اپنے غیب پر کسی کو مگر اسی کو جس کو چن لے رسول بنا کر۔ سورۂ جن آیت ۲۶ اس اوپر والی آیت میں لَدُنَّا کی نسبتِ الٰہیہ سے ثابت ہو رہا ہے۔ کہ بلا واسطہ علم سکھایا گیا اور بلا واسطہ رب تعالیٰ سے علم حاصل کرنا انبیاءِ کرام اور رسولانِ عظام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کا خاصّہ ہے۔ اولیاء اللہ کو جو علم لدنی حاصل ہوتا ہے وہ آستانۂ نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔ ہر ولی اللہ اپنے اپنے نبی علیہ السلام کے دروازے سے علم لدنی پاتا ہے۔ خواہ شکمِ مادر میں یا بعد ولادت میں وغیرہ۔ یا کئی سال ان دلائل سے ثابت ہو گیا کہ خضر علیہ السلام نبی بھی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے علمِ طریقت و روحانیت کے رسول بھی یہ دلائل ہم کو تفسیر کبیر تفسیر روح المعانی وغیرہ سے حاصل ہوئے ہیں نے بہت سی کتابیں دیکھیں مگر منکرینِ نبوتِ خضر کی ایک بھی دلیل نہ ملی بجز اس کے کہ ہم اُن کو نبی نہیں مانتے۔ یا یہ کہ نبوت والی دلیلیں ضعیف ہیں کمزور ہیں۔ مگر وجہ کمزوری کا بھی بیان نہیں کر سکے یہ تو ان سے گفتگو تھی جو خضر علیہ السّلام کی نبوت کے منکر ہیں۔ لیکن بعض لوگ حضرت خضر کی لمبی عمر کے بھی منکر ہیں۔ البتہ ان کے پاس کچھ دلائل ہیں مگر وہ بھی زیادہ تر عقلی اور الزامی دلیلیں کہ اگر حضرتِ خضر کی تا قیامت لمبی عمر ہے۔ تو نبی پاک صلی اللہ علیہ والسلام کی زیارت کیوں نہ کی مسلمان ہو کر اُمّتِ مصطفےٰ میں کیوں نہ شامل ہوئے آپ کے پیچھے نمازیں اور جمعہ کیوں نہ پڑھے جہادوں میں کیوں شریک نہ ہوئے۔ بس اسی طرح کے لایعنی بیہودہ سوالیہ دلائل ہیں۔ بہرکیف ہم پہلے اپنے دلائل پیش کرتے ہیں۔ پھر ان کے دلائل اور ساتھ ہی ان کے دلائل کا جواب پیش کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

خضر علیہ السلام کی عمرِ دراز کے دلائل :

پہلی دلیل۔ تفسیر روح المعانی پ ۱۵ ص ۳۲۲ پر ہے۔ اَخْرَجَهُ الْحَاكِمُ فِی الْمُسْتَدْرَكِ عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَاجْتَمَعَ الصَّحَابَةُ دَخَلَ رَجُلٌ اَشْهَبُ اللِّحْیَةِ جَسِیْمٌ صَبِیْحٌ فَتَخَطّٰی رِقَابَهُمْ فَبَكٰی (الخ) فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ وَعَلِیٌّ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا هٰذَا الْخَضِرُ عَلَیْهِ السَّلَامُ ترجمہ۔ مستدرک حاکم نے حضرت جابرؓ سے روایت کیا کہ جب آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا وصال پاک ہوا۔ اور تمام صحابہ ایک جگہ جمع ہوئے تو ایک شخص نہایت چمکدار پھیلی ہوئی داڑھی شریف والے پیارے جسم و حسن اور نمکین صباحت والے تشریف لائے سارے صحابہ کی گردنیں جھک گئیں۔ وہ صاحب روئے اور صحابہ کرامؓ سے کچھ غمزدہ گفتگو فرمائی۔ پھر تشریف لے گئے۔ صدیق اکبرؓ

اور علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔ اس حدیث پاک سے یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ کی عمر اتنی لمبی تھی کہ ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اب تک زندہ تھے۔ جو تقریباً تین ہزار سال بنتا ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ آپ نبی ہیں ورنہ صحابہ کرامؓ کی گردنیں ان کے احترام میں کیوں جھکتیں صحابہ کرامؓ تو دنیا کے تمام ولیوں غوثوں قطبوں سے افضل ہیں۔ نیز صحابہ کرامؓ کا اور آج تک تمام بزرگوں کا ان کو علیہ السلام کہنا بھی ان کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ انبیا اور ملائکہ معصومین کے سوا کسی غیر نبی کو علیہ السلام کہنا منع اور شرعاً ناجائز وگناہ۔ دوسری دلیل۔ احادیث و اقوالِ تواریخ و مشاہدات ملاقات و مصافحات کے کثیر دلائل کے علاوہ خود قرآن مجید کی یہ آیت اور یہ واقعہ بھی بہت واضح طریقے سے حضرت خضر علیہ السلام کی لمبی عمر کو ثابت فرما رہا ہے ۱ رب تعالیٰ کا خضر علیہ السلام کی مجمع بحرین کے پاس رہائش بنانا وہاں ٹھہرانا ۲ وہاں پر آب حیات کا چشمہ پیدا فرمانا ۳ موسیٰ علیہ السلام کو ملاقات کے لیے مجمع بحرین کے پاس بھیجنا ورنہ کہیں اور بھی ملاقات کرائی جا سکتی تھی خضر علیہ السلام تو چلتے پھرتے سیاحت فرمانے والے آدمی ہیں وہ کوئی مجمع بحرین کے پاس سدا کے گوشہ نشین اور معتکف نہیں ہیں۔ ۴ مجمع بحرین اور ملاقات خضرؑ کے لیے مچھلی کو نشان بنانا اس کو بھنوانا تلوانا۔ ناشتے کے لیے رکھوانا اور کھانے سے ممانعت نہ فرمانا۔ راستے میں ان حضرات کا تھوڑا کھانا اور مچھلی کے گم ہونے زندہ ہو کر بھاگ جانے کی نشانی قرار دینا یہ سب کچھ کیا ثابت کرتا ہے انسان ضد بازی اور مخالفت کے جنون میں اگر عقل سے ہی اندھا ہو جائے اور تدبر و تفکر سے ہی ہاتھ دھو بیٹھے تو کیا کہا جا سکتا ہے ورنہ حقیقت ہے کہ جس جگہ تھوڑی دیر رہنے سے مردہ اور تلی ہوئی کھائی ہوئی بغیر کانٹوں ادھیڑیوں والی مچھلی زندہ ہو کر پانی میں چلی جائے تو وہاں رہنے والے کی زندگی کی کیا شان ہو گی اور جس شخص کے قدموں سے خشک گھاس اور خشک مردہ زمین کو زندگی مل جائے اس کی اپنی حیات کی درازی کیوں بے مثل ہو گی۔ تیسری دلیل۔ ابن حجر عسقلانی کی کتاب الزہر النضر فی حال الخضر ص ۹۵ پر ابن عدی کامل جرجانی سے روایت ہے ایک دفعہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی مسجد میں تشریف فرما تھے۔ کہ ایک کونے سے کسی دعا مانگنے والے کی آواز سنی تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی دعا میں دوسروں کو بھی شامل کر لو اُن صاحب نے دعا کو حکم کے مطابق اُسی طرح شروع فرما دیا۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انس بن مالک کو فرمایا کہ اے انس اُن صاحب کے پاس جا کر کہو کہ تم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میرے لیے بھی استغفار مانگو حضرت انسؓ نے جا کر کہا تو اُن صاحب نے کہا کہ کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت انسؓ کو فرمایا کہ کہہ دو ہاں حضرت انس نے کہا۔ ہاں میں نبی پاک کا قاصد ہوں اُن صاحب نے فرمایا کہ تم خدمتِ اقدس میں واپس جا کر عرض کرو کہ وہ صاحب عرض کرتے ہیں کہ اللہ نے آپ کو تمام انبیا پر فضیلت بخشی ہے جس طرح ماہ رمضان کو تمام مہینوں پر اور آپ کی امت کو تمام امتوں پر فضیلت بخشی ہے جس طرح یوم جمعہ کو تمام دنوں پر

حضرت انسؓ فرماتے ہیں اچانک پتہ لگا کہ وہ خضر علیہ السلام تھے۔ اس دلیل سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام بارگاہ اقدس میں حاضری دیتے اور آپ کی ثناخوانی فرماتے رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت انس کو بھیجنا اور خود نہ جانا نہ ان کو اپنے قریب بلانا صرف حضرت انس کو بتانا تھا ورنہ حضور اقدس خود جانتے تھے۔ کہ یہ خضر ہیں چوتھی دلیل۔ حضرت انسؓ کی دوسری اسی قسم کی روایت کو عاصم بن سلیمان نے روایت کیا جس میں ہے کہ حضرت خضر نے انس بن مالک سے فرمایا کہ میں زیادہ حق دار ہوں کہ نبی پاک کی خدمت میں حاضری دوں مگر تم میرا اسلام نبی پاک سے عرض کرنا۔ اس وقت بھی خضر علیہ السلام نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی فرمائی۔ پانچویں دلیل۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں۔ فَلَمَّا وَلَّيْتُ سَمِعْتُهُ يَقُوْلُ. اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّتِ الْمُرْشَدَةِ الْمَرْحُوْمَةِ الْمَتُوْبِ عَلَيْهَا. ترجمہ جب واپس پھرا تو خضر علیہ السلام نے یہ دعا مانگی اے اللہ مجھ کو بھی اس ہدایت والی مرحومہ امت میں شامل فرما۔ چھٹی دلیل۔ الزہر النفر لابن حجر کے صفحہ ۲۲ پر ہے۔ عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَلْتَقِيْ الْخَضِرُ وَاِلْيَاسُ فِيْ كُلِّ عَامٍ فِي الْمَوْسَمِ فَيَحْلِقُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا رَأْسَ صَاحِبِهٖ وَيَتَفَرَّقَانِ عَنْ هٰؤُلَاءِ الْكَلِمَاتِ۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا يَسُوْقُ الْخَيْرَ اِلَّا اللّٰهُ۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ (رَوَاهُ الدَّارَقُطْنِيُّ فِي الْاَفْرَادِ) ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت خضر اور الیاس ہر سال حج میں دونوں ملاقات کرتے ہیں۔ اور ایک دوسرے کی حجامت بناتے ہیں۔ اور خضر علیہ السلام یہ کلمات پڑھ کر وداع ہوتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا يَسُوْقُ الْخَيْرَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اور حضرت الیاس بوقت وداع یہ کہتے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ مَا شَاءَ اللّٰهُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ اس حدیث پاک کو دارقطنی نے روایت فرمایا ابن عباس فرماتے ہیں جو بندہ یہ کلمات صبح شام ایک دفعہ پڑھے گا وہ ڈوبنے آگ لگنے اور چوری سے محفوظ رہے گا۔ ساتویں دلیل۔ الزہر النفر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔ عَنْ عَلِيٍّ قَالَ يَجْتَمِعُ فِيْ كُلِّ يَوْمِ عَرَفَةَ جِبْرَئِيْلُ وَمِيْكَائِيْلُ وَاِسْرَافِيْلُ وَالْخَضِرُ۔ (الخ) ترجمہ مولیٰ علیؓ نے فرمایا کہ ہر سال میدان عرفات میں جبریل میکائیل و اسرافیل اور حضرت خضر علیہم السلام جمع ہوتے ہیں۔ آٹھویں دلیل۔ عَنْ عَبْدِ الْعَزِيْزِ بْنِ رَوَّادٍ قَالَ يَجْتَمِعُ الْخَضِرُ وَاِلْيَاسُ بَيْتَ الْمُقَدَّسِ فِيْ شَهْرِ رَمَضَانَ مِنْ اَوَّلِهٖ اِلٰى آخِرِهٖ۔ ترجمہ۔ عبد العزیز بن رواد سے روایت ہے کہ ہر ماہ رمضان میں پورا مہینہ حضرت خضر و الیاس بیت المقدس میں رہتے ہیں۔ نویں دلیل۔ عَنْ مَكْحُوْلٍ عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم غَزْوَةَ تَبُوْكٍ (الخ) ترجمہ پوری حدیث پاک کا۔ امام مکحول روایت کرتے ہیں واثلہ بن اسقع سے انہوں نے فرمایا کہ ہم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ تبوک کے موقع پر ساتھ تھے یہاں تک کہ ہم علاقہ جزام میں پہنچے اور ہم کو سخت پیاس لگی۔ ہم وہاں ایک تالاب کے پاس پہنچے جب ایک تہائی رات ہوئی تو ہم نے کچھ دور سے کسی صاحب کی آواز سنی جو دعا

مانگ رہے تھے کہ مولی تعالیٰ مجھ کو اُمتِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بنا دے جو مغفور مستجاب اور مبارک ہے۔
یہ آواز سن کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے حذیفہ اور اے انس تم دونوں اس گھاٹی میں جاؤ اور دیکھو یہ کس کی آواز ہے۔ جب ہم دونوں وہاں گئے تو دیکھا کہ ایک بزرگ نہایت اونچے لمبے سفید لباس اور سفید ہی جسم و چہرہ ہم نے ان کو سلام عرض کیا تو انہوں نے مرحبا کہہ کر پوچھا کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد ہو ہم نے کہا۔ ہاں۔ مگر آپ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا میں الیاس نبی ہوں شکرِ اسلام دیکھنے آیا ہوں
دسویں دلیل۔ قَالَ ابْنُ شَاهِيْنٍ فِيْ كِتَابِ الْجَنَائِزِ عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ۔ ابن شاہین نے کتاب الجنائز میں روایت نقل فرمائی۔ کہ فاروقِ اعظم ایک نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے تھے کہ کسی پیچھے کہنے والے نے آواز دی کہ اللہ تم پر رحم فرمائے نماز میں جلدی نہ کرنا تھوڑا انتظار کر لینا تو فاروق اعظم نے انتظار فرمایا یہاں تک کہ وہ صاحب صف میں شامل ہو گئے۔ فاروق اعظم نے تکبیر پڑھ کر نماز پڑھا دی۔ نماز کے بعد اُن شامل ہونے والے صاحب نے یہ دعا پڑھی۔ اِنْ تُعَذِّبْهُ فَقَدْ عَصَاكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهٗ فَاِنَّهٗ فَقِيْرٌ اِلٰى رَحْمَتِكَ۔
تو فاروقِ اعظم اور تمام موجودہ صحابہ کرام نے ان صاحب کی طرف دیکھا۔ (الخ)، پھر کچھ دفن کے وقت انہوں نے دعائیں پڑھیں فاروقِ اعظم نے لوگوں سے فرمایا کہ ان صاحب کو میرے پاس لاؤ ہم ان سے کچھ بات کریں۔
لوگ ان کی طرف دوڑے تو وہ ان کے نشانِ قدم کے سوا کچھ نہ پا سکے اور گز گز بھر فاصلے پر نشاناتِ قدم تھے۔
حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کی قسم یہ وہی خضر تھے۔ جن کا ذکر نبی پاک نے ہم سے بیان فرمایا تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم
گیارہویں دلیل۔ امام حسن بصریؒ سے روایت ہے کہ مجھ سے ایک اہلِ سنت شخص تقدیر کے کسی مسئلے میں بحث کر رہا تھا۔ تو اخیر میں دونوں اس پر راضی ہوئے کہ ہماری اس بحث اور محفل کے دوران جو شخص پہلے تشریف لائے گا ہم اس کو اپنی بحث کا حکم اور قاضی بنائیں گے۔ اچانک تھوڑی دیر بعد ایک اعرابی گاؤں والے معلوم ہوتے تھے وہ آ گئے لمبی عبا پہنے ہوئے یا کندھے پر رکھے ہوئے۔ یہ کاتب کا شک ہے۔ ہم نے ان سے عرض کیا کہ آپ ہمارے حکم اور قاضی بن جائیں فلاں مسئلے میں وہ بیٹھ گئے انہوں نے ہم سے فرمایا تم بھی بیٹھ جاؤ ہم بھی بیٹھ گئے کچھ گفتگو ہوئی اور تشریف لے گئے خواجہ حسن بصری نے فرمایا کہ یہ خضر تھے۔ (از زہر النضر ص ۱۲۹)
بارہویں دلیل۔ اَخْرَجَهٗ اَبُوْ نُعَيْمٍ فِي الْحِلْيَةِ فِيْ تَرْجَمَةِ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ۔ وَقَالَ اِبْرَاهِيْمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُفْيَانَ الرَّاوِيْ عَنْ مُسْلِمٍ عَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ۔ فِيْ قِصَّةِ الَّذِيْ يَقْتُلُهُ الدَّجَّالُ يُقَالُ اِنَّ هٰذَا الرَّجُلَ هُوَ الْخَضِرُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۳۰
مسلم شریف ص ۱۸ ۔ ص ۷ ۔ ص ۴۲ ۔ ترجمہ۔ ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ جس شخص کو شہید کرنے کا ذکر حدیث پاک میں آتا ہے وہ شخص خضر علیہ السلام ہوں گے۔ تیرہویں دلیل۔ امام اسحاق بن ابراہیم ختلی نے اپنی کتاب الترماح میں لکھا ہے روایت ہے۔ داؤد بن یحییٰ سے کہ عروس شام عسقلان کا ایک شخص بیت المقدس میں ٹھیرا ہوا تھا۔

اس نے مجھے سنایا کہ میں ایک دفعہ اردن کے صحرا میں سفر کر رہا تھا۔ کہ ایک شخص کو کھڑے ہوئے نماز پڑھتے دیکھا اُن پر بادل نے سایہ کیا ہوا تھا۔ میرے دل میں قدرتی خیال گزرا کہ یہ حضرت الیاس نبی ہیں۔ میں اُن کے قریب آیا اور سلام کیا انہوں نے نماز سے فارغ ہو کر میرے سلام کا جواب عطا فرمایا میں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت فرمائے آپ کون ہیں۔ انہوں نے میری بات کا جواب نہیں دیا تو میں نے یہی بات پھر کی تو انہوں نے فرمایا کہ میں الیاس نبی ہوں تو میں بہت مرعوب ہو گیا میں نے ان سے کچھ دعائیں پوچھیں پھر میں نے عرض کیا کہ اب بھی آپ کے پاس وحی آتی ہے۔ فرمایا جب سے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے ہیں کسی پر وحی نہیں آتی۔ میں پہلے اپنی قوم اہل بعلبک کی طرف مبعوث کیا گیا تھا۔ میں نے عرض کیا۔ کوئی اور بھی نبی اب تک حیات ہیں۔ فرمایا چار نبی ہیں۔ میں اور خضرؑ زمین میں اور ادریسؑ و عیسیٰؑ آسمان میں ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کیا آپ کی ملاقات حضرت خضر سے ہوتی ہے فرمایا ہاں ہر سال عرفات میں حج کے دن میں نے عرض کیا دنیا میں ابدال کتنے ہوتے ہیں۔ فرمایا ساٹھ۔ (از زُہرانضر ص۱۲۳) امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ نے اپنی کتاب مسئلۃ الخضر میں پانچ اشعار لکھے ہیں۔ جس کا چوتھا شعر اس طرح ہے۔

خِضْرٌ وَّ اِلْیَاسٌ بِاَرْضٍ مِثْلُ مَا عیسیٰ وَاِدْرِیْسُ بَقُوْ بِسَمَاءٍ

(از زہرانضر لابن حجر ص۳۳)۔

چودھویں دلیل۔ رَوٰی دَاؤُدُ بْنُ مِهْرَانَ حَدَّثَنِیْ شَیْخٌ عَنْ حَبِیْبِ اَبِیْ مُحَمَّدٍ اَنَّهٗ رَاٰی رَجُلًا فَقَالَ لَهٗ مَنْ اَنْتَ قَالَ اَنَا الْخَضِرُ

پندرھویں دلیل۔ جَعْفَرِ الصَّادِقِ اَنَّهٗ كَانَ مَعَ اَبِیْهِ فَجَآءَهٗ رَجُلٌ فَسَاَلَهٗ عَنْ مَسَائِلَ قَالَ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَرُدَّ الرَّجُلَ فَلَمْ اَجِدْهُ فَقَالَ ذَاكَ خَضِرٌ۔ ترجمہ۔ امام جعفر صادق سے روایت ہے کہ بے شک وہ اپنے والد کے ساتھ تھے۔ کہ ایک صاحب تشریف لائے میرے والد نے ان سے کچھ مسائل پوچھے جب وہ چلے گئے تو والد نے فرمایا کہ ان کو واپس بلاؤ جب میں باہر گیا تو ان کو نہ پایا۔ والد نے فرمایا یہ خضر تھے۔

سولھویں دلیل۔ خلیفہ ابو جعفر منصور سے انہوں نے طواف کرتے ہوئے ایک شخص کو یہ دعا پڑھتے سنا کہ یا اللہ میں شکایت کرتا ہوں تیری بارگاہ میں بغاوت اور فساد کے ظہور کی۔ اس شخص کو خلیفہ نے بلایا تو انہوں نے خلیفہ کو کچھ نصیحتیں فرمائیں پھر وہ وہاں سے چلے گئے تو خلیفہ نے لوگوں سے کہا کہ ان کو پھر بلاؤ۔ لوگوں نے بہت تلاش کیا مگر نہ پایا تو خلیفہ منصور نے فرمایا یہ خضر تھے۔ ستارھویں دلیل۔ کرز بن وبرہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میرا بھائی شام سے میرے لیے تحفہ لایا میں نے اس سے پوچھا تجھ کو یہ ھدیہ کس نے دیا ہے اس نے کہا ابراہیم تیمی نے۔ میں نے کہا اس کو کسے دیا تو بھائی نے کہا کہ مجھ سے ابراہیم تیمی نے کہا کہ میں فنائے کعبہ میں بیٹھا ہوا تھا تو ایک صاحب میرے پاس تشریف لائے انہوں نے فرمایا میں خضر ہوں اور مجھ کو یہ دعائیں

یاد کرائیں۔ یہ میں تم کو ہدیہ دے رہا ہوں۔ اٹھارہویں دلیل۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز نے فرمایا کہ میں نے خضر علیہ السلام کی زیارت کی تھی۔ انیسویں دلیل۔ عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدِ الْحَرِیْرِیِّ سَمِعْتُ اَبَا اِسْحَاقَ الْمَرْسَتَانِیْ۔ ترجمہ پوری روایت۔ ابو محمد حریری کہتے ہیں کہ میں نے ابو اسحاق مرستانی سے سنا۔ وہ فرماتے تھے کہ میں نے خضر علیہ السلام کو دیکھا ہے۔ انہوں نے مجھ کو دس دعائیں سکھائیں۔ بیسویں دلیل۔ محدث ابن عساکر نے روایت کیا سند صحیح سے کہ امام ابو زرعہ نے فرمایا کہ جب میں جوان ہوا تو ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی جن کی داڑھی مبارک مہندی لگی ہوئی تھی مجھے فرمایا کہ امیروں کے دروازہ پر مت جایا کر۔ پھر جب میں بہت بوڑھا ہوا۔ تب دوبارہ انہیں بزرگ کی ملاقات ہوئی تو مجھ کو فرمایا کہ میں نے تجھ کو منع نہیں کیا تھا۔ اُمراء کے دروازوں سے۔ راوی نے کہا پھر وہ دوسری طرف متوجہ ہو گئے اور میری نظروں سے اچانک غائب ہو گئے۔ گویا کہ زمین میں چلے گئے۔ میرا پکا خیال ہے کہ وہ بے شک خضر تھے۔ اکیسویں دلیل۔ عبدالمغیث بن زہیر حربی حنبلی نے روایت فرمایا اپنی کتاب اخبارِ خضر میں عَنْ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ قَالَ کُنْتُ بِبَیْتِ الْمَقْدِسِ فَرَاَیْتُ الْخَضِرَ وَ اِلْیَاسَ۔ ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا میں بیت المقدس میں تھا۔ تو میں نے حضرت خضر اور الیاس علیہما السلام کو دیکھا وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ یہ دلائل علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب زہر النضر فی حال الخضر سے منقول ہیں۔ تفسیر روح المعانی سے بھی نقل ہیں۔ دلیل ۲۲ آیت ۶۶ کے پہلے فائدے میں ہے۔

منکرین حیاتِ خضر کے دلائل :

دلیل اوّل۔ ابھی تک کی گفتگو میں ہم نے قرآن و حدیث فقہ و تفسیر واقعات و تاریخ مشاہدات و تجاریہ کے مضبوط دلائل سے خضر علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور تا قربِ قیامت آپ کی لمبی عمر ثابت کر دی اور واضح کر دیا کہ تمام مسلمان اکابر و اصاغر علماء و صوفیا مجتہدین مقلدین۔ صحابہ و تابعین۔ تبع تابعین و بعدہم مسلمین کا یہ ہی عقیدہ ہے مگر مسلمانوں کی بدنصیبی اور فرقہ بازی اس دن سے شروع ہوئی جس دن تیس صفر بروز منگل ۶۶۱ھ نجد کے ایک گاؤں حرّان میں تقی الدین ابن تیمیہ پیدا ہوئے اس نے ہی فقط خضر علیہ السلام کی حیاتِ دراز کا انکار کیا۔ فقط یہی نہیں بلکہ بے شمار بدعتیں اور اختلافات اسلامی مسائل و عقائد میں پیدا کئے بلکہ ہر مسئلے کو ہی بیہودہ اور جاہلانہ اختلافات سے الجھایا اور خراب کیا۔ اس کا جنم و پرورش معتزلی ماحول میں ہوا یہ اُمّتِ مسلمہ کی تخریب کاری اسی کا اثرِ بد تھا۔ اس کی چیدہ بدعتیں اور باطل نظریہ مندرجہ ذیل ہیں جو اُن کی کتابوں سے ظاہر ہے ۱ اللہ تعالیٰ کا جسم ہے۔ اور آسمان سے اسی طرح اترتا چڑھتا ہے جس طرح میں منبر سے ۲ عرش کی کرسی اللہ نے اپنے بیٹھنے کے لیے بنائی ہے۔ اور جب وہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو کرسی چوں چوں کرتی ہے ۳ ایک مجلس کی تین طلاقیں ایک

ہی ہوتی ہے۔ ۵ غائبانہ جنازہ کا انہی نے غلط رواج دیا۔ ۶ مزارات پر فاتحہ خوانی کو قبر پرستی قرار دیا۔ ۷ صحابہ کرامؓ کی غلطیاں نکالا کرتا تھا۔ ۸ درود شریف کا انکار کرتا تھا وغیرہ وغیرہ ۹ اپنے آپکو مجدد مجتہد اور شیخ الاسلام کہتا تھا ۱۰ حنبلی مذہب کا مقلد ہونے کا دعویدار تھا۔ تمام علما فضلا یہاں تک کہ خود حنبلی علما فقہا بھی اس کو گمراہ ملحد اور مجنون کہتے تھے جیسا کہ سفرنامہ شیخ فقیہ شرف الدین ابو عبداللہ ابن بطوطہ کے صہ۹ پر اور تفسیر صاوی جلد اول صہ۹۵ پر ہے لیکن جہلا احمقانے اس وقت سے لے کر آج تک کثرت سے اس کا ساتھ دیا۔ ایسی اندھی عقیدت اس کے ساتھ لگائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا وہ ادب و احترام نہیں جو ابن تیمیہ کا ان کے دلوں میں ہے میں نے ان حنبلی کی کتابوں میں خود لکھا دیکھا کہ آقا، کائنات صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ کا ذکر کرنا ہو تو فقط قَالَ الرَّسُوْلُ قَالَ عُمَرُ۔ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ، قَالَ عَلِیٌّ وغیرہ نہ ادب نہ احترام۔ بس اتنا ہی کہ رسول نے کہا۔ عمرؓ نے کہا ابو بکرؓ نے وغیرہ لیکن جب ابن تیمیہ کا ذکر کرنا ہو تو قَالَ شَیْخُ الْاِسْلَام۔ قَالَ اِمَام۔ رحمۃ اللہ۔ رضی اللہ۔ وغیرہ یہی وہ ابلیسی تعلیم ہے۔ جو ان سب کو آج برباد ہے۔ ہم نے ابن تیمیہ کی کتابوں سے ڈھونڈ کر کچھ دلائل جمع کئے جو مندرجہ ذیل ہیں۔ ۱ منکرین اپنی تمام دلیلوں کی قوت اور بے ساختگی کا اندازہ اور کمزوری محسوس کر کے کہتے ہیں۔ وَاَقْوَی الْاَدِلَّةِ عَلٰی عَدَمِ بِقَائِهٖ عَدَمُ مَجِیْئِهٖ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم (از زہر النضر فی حال الخضر لابن حجر) ترجمہ۔ ہماری سب سے بڑی اور قوی دلیل خضر علیہ السلام کی لمبی زندگی کے خلاف یہ ہے کہ خضر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں نہیں آئے۔ جواب۔ گویا کہ باقی دلیلیں خود مخالف کی اپنی نظر میں اقوی نہیں۔ اور جو اقوی ہے اس کا حال یہ ہے کہ اولاً تو اس کو دلیل کہنا ہی حماقت و جہالت ہے کیونکہ دلیل تین قسم کی ہوتی ۱ دلیل استدلالی ۲ دلیل قولی ۳ دلیل قیاسی۔ مگر یہاں نہ استدلال ہے نہ قیاس نہ کسی کا قول بلکہ یہ اصل میں الزامی اعتراض ہے کہ اگر لمبی عمر ہوتی تو پھر نبی پاک کی بارگاہ میں کیوں نہ حاضر ہوئے۔ تو اس کا جواب تفسیر صاوی نے یہ دیا کہ وَقَدْ اجْتَمَعَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَاَخَذَ عَنْهُ فَهُوَ صَحَابِیٌّ۔ یعنی یہ کہنا کہ حضرت خضر علیہ السلام آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر نہ ہوئے غلط ہے۔ بلکہ آپ حاضر ہوئے اور دین اسلام حاصل کیا پس وہ خضر علیہ السلام نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔ (از تفسیر صاوی جلد سوم صہ۱۹) اور تفسیر روح المعانی نے پارہ ۱۵ کی آیت صہ۳۲۳ پر لکھا۔ اِنَّ الْخِضْرَ عَلَیْهِ السَّلَام کَانَ یَاْتِیْهِ وَیَتَعَلَّمُ مِنْهُ صلی اللہ علیہ وسلم لٰکِنْ عَلٰی وَجْهِ الْخَفَاءِ (الخ) ترجمہ۔ حضرت خضر علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اکثر آیا کرتے تھے۔ اور آپ سے دین اسلام سیکھا کرتے تھے لیکن خفیہ طریقے سے کیونکہ اللہ کا حکم علانیہ آنے کا نہ تھا۔ الزامی جواب یہ ہے کہ اگر خضر علیہ السلام کا آنا ظاہراً ثابت نہیں تو اویس قرنی اور نجاشی اور الیاس علیہ السلام کا آنا کب ثابت ہے کیا اس بنا پر اویس قرنی اور نجاشی کے وجود کا انکار کر دو گے اور الیاس علیہ السلام کی لمبی زندگی

میں سب کا اتفاق ہے (از تفسیر معانی صفحہ ۳۲۷)۔ مخالف کی دلیل دوم۔ ابن حجر کی اسی کتاب کے صفحہ ۹۶ پر ہے۔ کسی نے امام بخاری سے پوچھا خضر علیہ السلام کی زندگی کے بارے میں تو فرمایا کہ وہ زندہ نہیں ہیں۔ اور دلیل پکڑی اس حدیث سے کہ اِنَّ عَلٰی رَاْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ لَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ مِمَّنْ ھُوَ عَلَیْھَا اَحَدٌ۔

ترجمہ۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص آج زمین پر موجود ہے وہ سو سال بعد زندہ نہ رہے گا۔ مخالفین نے اس دلیل پر خوب بغلیں بجائیں بڑے خوش ہوئے کہ بہت عمدہ دلیل ہے جواب۔ ہم نے اپنے مسلک میں اور پر جتنی بھی دلیلیں پیش کی ہیں۔ وہ سب مخالفین کی کتب سے نقل کی ہیں ظاہر ہے کہ مخالف جب مخالف کی دلیل نقل کرتا ہے تو اس کو توڑنے کے لیے ہی نقل کرتا ہے مگر ہم کو تعجب اور خوشی ہے کہ ہماری ایک دلیل کا بھی جواب نہ دے سکے بس یہی کہہ کر جان چھڑائی کہ یہ ضعیف ہے یہ متروک ہے یہ موضوع ہے مگر ہم بحمدہ تعالیٰ یہ کمزوری کا راستہ اختیار نہ کریں گے۔ ان کی اس عمدہ دلیل کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر یہ روایت عام ہے تمام انسانوں کے لیے تو پھر وہ بچے جو اُس دن پیدا ہوئے ساری دنیا میں کیا وہ بھی سو سال کی عمر نہیں پا سکے اور کیا یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ انسان سو سال کی زندگی نہیں پا سکتا۔ حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ نیز حضرت الیاس کی اور دجال۔ یاجوج و ماجوج کی تا قیامت لمبی زندگی کے سب قائل ہیں۔ حالانکہ یہ سب ہی انسان ہیں۔ اور اُس دن جس دن یہ فرمان نبوی ارشاد ہوا یہ موجود تھے۔ یہ کیوں فوت نہ ہوئے۔ پھر اس حدیث سے مخالفین نے کم از کم حضرت خضر کی زندگی کو ابراہیم علیہ السلام سے لے کر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم تک تقریباً تین ہزار سال لمبی تو تسلیم کر لی۔ اب صرف اتنا ہی انکار رہا کہ زمانۂ نبوی سے آج تک کی حیات کی نفی ہو گئی۔ امام بخاری صرف محدث تھا ہیں ان کی فقیہانہ تفکر و تدبیر اس لائق نہیں کہ اس کو عمدہ کہا جائے یہ استدلال بہت غلط کمزور ہے تحقیقی جواب یہ ہے کہ اس حدیث پاک میں صرف صحابہ کرامؓ کی زندگی و حیات طیبات کا تذکرہ ہے کہ دور صحابہ صرف سو سال تک ہے۔ اس سے خضر علیہ السلام کی زندگی کا انکار قطعاً ثابت نہیں ہوتا۔ مخالفین کی تیسری دلیل۔ زہر النضر صفحہ ۱۶۵ پر ہے ابن ابو الفضل مرسی کہتا ہے کہ خضر فوت ہو گئے ہیں۔ اگر زندہ ہوتے تو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے۔ جواب۔ عجیب احمقانہ دلیل ہے نہ یہ ذکر کہ کب فوت ہوئے کہاں فوت ہوئے۔ قبر کہاں ہے رہا یہ کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں نہ آنا تو وہ ہم نے پہلے ثابت کر دیا کہ حاضری ہوئی ہے ایک دفعہ نہیں کئی دفعہ کَانَ یَجْتَمِعُ اور کَانَ یَلْتَقِیْ۔ ماضی استمراری ہے جس سے بار بار آنے کا ثبوت ہے۔ مگر آپ جیسوں کو نظر نہیں آ سکتے۔ چوتھی دلیل۔ ابراہیم حربی کہتے ہیں کہ خضر فوت ہو گئے اور بس اسی بات کہنے پر ابن منادی نے یقین کر لیا اپنا ایمان قائم کر لیا۔ جواب۔ کیسی عجیب دلیل ہے۔ نہ کوئی ثبوت نہ استدلال پانچویں دلیل۔ وہی بات کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ نے فرمایا۔ اَرَاَیْتُکُمْ لَیْلَتَکُمْ ھٰذِہٖ وَقَالَ عَلٰی رَاْسِ مِائَۃِ سَنَۃٍ لَا یَبْقٰی عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ اَحَدٌ۔

جواب ۔ اس کا جواب دے دیا گیا۔ چھٹی دلیل ۔ ابن جوزی نے کہا ۔ قَالَ سُئِلَ بَعْضُ اَصْحَابِنَا عَنِ الْخَضِرِ هَلْ مَاتَ قَالَ نَعَم
ترجمہ ۔ کسی شخص سے پوچھا کہ کیا خضر فوت ہو گئے اس نے کہا ہاں ۔ جواب ۔ اب آپ بتایئے کہ ان بیہودہ باتوں کا کیا جواب دیا جا سکتا ہے ۔ ساتویں دلیل ۔ ابن جوزی نے استدلال کیا کہ اگر یہ خضر ہی موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی تھے تو ان کا قد موسیٰ علیہ السلام کے برابر ہونا چاہیئے تھا ۔ حالانکہ جن لوگوں نے خضر علیہ السلام کو دیکھنے کا دعویٰ کیا تھا ۔ انہوں نے قد کا کوئی ذکر نہیں کیا ۔ جواب ۔ پہلے آپ موسیٰ علیہ السلام کے قد کا تو ثبوت پیش کرو کہ وہ کتنا تھا ۔ جب کہیں موسیٰ علیہ السلام کے قد کا ہی ذکر نہیں تو خضر علیہ السلام کے قد پر بحث کیوں اور پھر قد کے لمبا یا چھوٹا ہونے سے موت و حیات کا کیا تعلق ۔ حضرت آدم علیہ السلام کے قد کا ذکر احادیث میں ملتا ہے ۔ اور ساتھ ہی فرمایا گیا تھا ۔ کہ پھر دوسرے لوگوں کے قد چھوٹے ہوتے گئے ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام انبیاء کرام کو دیکھا بھی اور ذکر بھی فرمایا مگر کسی کے قد کا ذکر نہ کیا تو تم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دیکھنے کا بھی انکار کر دو گے ۔ اور اپنے ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے ۔ ایسا استدلال اور ایسی عقل و سوچ فکر تم کو ہی مبارک ہو ۔ آٹھویں دلیل ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر ان کا گزارہ نہ ہوتا ۔ اس سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام فوت ہو گئے کیونکہ اگر وہ زندہ ہوتے تو ضرور اتباع میں آتے ۔ نویں دلیل ۔ اللہ نے تمام انبیاء سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد و نصرت پر عہد لیا ۔ جس میں حضرت خضر بھی شامل ہیں ۔ تو اگر حضرت خضر زندہ ہوتے تو جہادوں میں شامل ہوتے ۔ جواب ۔ ان دونوں دلیلوں کا جواب تو پہلے دے دیا گیا ۔ مگر اتنا اور سمجھ لو کہ اگر مدد کا عہد جہادوں میں شامل ہونے سے پورا ہوتا ہے تو پھر دیگر انبیاء علیہم السلام کب شامل ہوئے اور یہ اعتراض تو الیاس علیہ السلام پر بھی پڑ جاتا ہے ۔ اگر تم کہو کہ ان تمام انبیاء کو تو زندگی میں مدد کرنے کا موقعہ ہی نہیں دیا ۔ تو پھر ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تو ان کی کم زندگی کو جانتا تھا ۔ رب نے وعدہ ہی کیوں لیا جو پورا نہ ہو سکے ۔ تحقیقی جواب یہ ہے ۔ نصرت اور مدد سے مراد جہادوں میں شامل ہونا نہیں بلکہ ایمان لانا اور اپنی اپنی امتوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان بتانا ہے ۔ ایمان تو شب معراج میں ہوا جس میں حضرت خضر بھی شامل تھے ۔ اور امتوں کو سب نے میلاد النبی پڑھ کر شانِ مصطفےٰ بتائی ۔ حضرت خضر و الیاس تو آج تک یہ مدد کر رہے ہیں نیز تفسیر روح المعانی پارہ ۱۵ ص ۳۲۴ پر ہے کہ خضر علیہ السلام کئی دفعہ جہاد میں شامل ہوئے اور ظاہراً اس طرح ہوئے کہ ایک مجاہد کا گھوڑا راستے میں مر گیا تو آپ نے زندہ فرما کر اس کو جہاد میں بھیجا پھر اس شخص نے آپ کو جہاد میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کون ہیں تو آپ نے فرمایا میں خضر ہوں ۔ دسویں دلیل ۔ زہر النضر لابن حجر کے ص ۹۲ پر ہے کہ ابو الحسین بن منادی کہتے ہیں میں نے کسی شخص سے اس بات میں بحث کی کہ لوگ کہتے

ہیں کہ خضر زندہ ہیں اور وہ لوگ بڑی بڑی سندیں اور حدیثیں پیش کرتے ہیں۔ اس شخص نے جواب دیا کہ وہ سب حدیثیں واھیات ہیں اور سب سندیں غلط ہیں کوئی بھروسے والی نہیں ثقہ نہیں۔ جواب۔ بتایئے یہ دلائل ہیں ان کا کیا جواب دیا جاسکتا ہے۔ انسان منہ پھٹ اور گستاخ ہو جائے تو اس کا کیا جواب۔ احادیث مبارکہ کو واھیات کہنا کیا ایمان والوں کی بات ہوسکتی ہے؟ **گیارھویں دلیل۔** اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا۔ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ۔ ترجمہ۔ ہم نے تم سے پہلے کسی بشر کو لمبی عمر نہیں دی۔ اس سے ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام حیات نہیں ہیں۔ **جواب۔** اگر یہی ترجمہ منشا۔ اور استدلال مان لیا جائے جو اس آیت پاک کا تم نے اپنی ناقص عقل سے کیا ہے۔ تو پھر آیت پر اعتراض پڑجاتا ہے۔ کیونکہ آیت تو کہہ رہی ہے کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کو لمبی عمر نہ دی مگر حقیقت اس کے برعکس ہے کہ ستر کروڑ یاجوج ماجوج کو اور دجّال کو لمبی عمر تا قیامت ملی اس میں کسی کا اختلاف نہیں حالانکہ یہ سب بشر ہی ہیں۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام بھی بشر ہی ہیں وہ اگرچہ آسمان پر ہیں لیکن اسی حیات ظاہری سے زندہ ہیں مخالفت میں ایک دم اندھے بن جانا اور آگے پیچھے دائیں بائیں نہ دیکھنا کہاں کی عقل ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے۔ کہ خلود کا معنٰی لمبی عمر نہیں بلکہ ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہے اور آیت کا ترجمہ ہے۔ کہ ہم نے آپ سے پہلے کسی بشر کا ہمیشہ ہمیشہ رہنا اس دنیا میں مقرر دعدہ نہ بنایا۔ کیونکہ دنیا ہی ہمیشہ نہیں تو پھر خلودِ دنیا کیسے ہوسکتا ہے۔ میں موجودہ وہابیوں سے نہیں بلکہ خود ابن تیمیہ سے پوچھتا ہوں کہ مَا اَجْهَلَكَ عَنْ لِسَانٍ كَوَّمَكَ تجھ کو تیری قوی زبان سے کتنے جاہل کر دیا۔ **بارھویں دلیل۔ اور تیرھویں دلیل۔** میں وہی لوٹ پھیر کر باتیں کہ اگر زندہ ہیں نبی کریم کی خدمت میں حاضر کیوں نہ ہوئے آپ کے ساتھ ہجرت کیوں نہ کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمادیا۔ کہ سو سال بعد کوئی زندہ نہ رہے گا۔ حالانکہ یہ دلیلیں نہیں بلکہ بچگانہ احمقانہ معترضانہ سوال نہیں۔ **چودھویں دلیل۔** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کی رات میں فرمایا تھا۔ کہ اے مولیٰ اگر آج ان تین سو تیرہ مسلمانوں کو شکست ہو گئی۔ اور یہ ہلاک ہو گئے تو پھر تیری عبادت کرنے والا زمین میں کوئی نہ رہے گا۔ ثابت ہوا کہ خضر علیہ السلام زندہ نہیں ہیں اگر وہ زندہ ہوتے تو وہ عبادت کرنے والے موجود تھے اور نہ ہی خضر علیہ السلام ان تین سو تیرہ میں شامل کیونکہ یہ صرف صحابہ ہی تھے ان کے نام و قبیلے مشہور ہیں اس دلیل پر ان کو بڑا ناز ہے۔ **جواب۔** الزامی جواب تو یہ ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شریک نہ تھے۔ مدینہ منورہ میں عورتیں بچے بوڑھے۔ بہت موجود تھے۔ نیز زمین پر مومن جنات موجود تھے وہ سب عبادت کرنے والے موجود ہی رہتے پھر یہ فرمان نبوی کہاں تک درست ہے کہ اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ لَا تُعْبَدْ فِي الْاَرْضِ۔ تمہارے بیہودہ فاسد استدلال و مطلب سے تو غیر مسلموں اور منکرین حدیث کو اس حدیث پاک پر اعتراض کرنے کا موقعہ مل جائے گا۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہاں عبادت سے مراد صرف نماز روزہ رکوع و سجود نہیں۔ بلکہ دنیاوی کائنات

پر سلطنت اسلامیہ کے ذریعہ قانونِ الٰہیہ کا جاری کرنا ہے اور قرآنِ مجید کے نظام کو نافذ کرنا۔ اس بات سے حیاتِ خضر کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ یہ عبادت افراد سے نہیں بلکہ پوری صحابہؓ اور مضبوط جماعت سے قائم ہو سکتی ہے یہ دلیلیں نعلوم کتنے نبوّت کی دشمنی میں ان کو سکھادیں جو ایک معمولی جھٹکے سے ٹوٹ گئیں۔ پندرہویں دلیل۔ اگر خضر علیہ السلام کی زندگی تا قیامت مان لی جائے اور یہ بات درست ہو تو یہ حیران کُن واقعہ ہوگا۔ لہٰذا اس کا قرآن مجید میں ہونا ضروری تھا۔ مگر یہ قرآن مجید ہے۔ دکھاؤ کہاں ہے۔ اس میں کہ خضر علیہ السلام تا قیامت زندہ ہیں۔ جواب۔ آپ دکھائیں کہ دجال اور یاجوج ماجوج عیسیٰ علیہ السّلام کی لمبی زندگی بھی حیران کُن واقعہ ہے۔ تو قرآنِ مجید میں کہاں لکھا ہے۔ نادان دوستو یاد رکھو کہ ہر حیران کُن واقعے کا قرآنِ مجید میں ہونا ضروری نہیں۔ دیکھو سانپ کی عمر ہزار دو ہزار بلکہ تین ہزار سال تک بھی ہوتی ہے۔ کوّے کی عمر سو سال یا اس سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ (از حیات الحیوان) جبرائیل و میکائیل اور دیگر ملٰئکہ کی عمریں لاکھوں سال ہیں۔ مگر کسی عمر کا ذکر قرآن مجید میں نہیں تو کیا یہ سب باتیں غلط ہیں۔ اگر ان کی لمبی عمریں تم بھی مانتے ہو تو یہ ہے قرآن مجید دکھاؤ کہاں ان کی عمریں لکھی ہیں۔ سولھویں دلیل۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں حضرت خضر چونکہ نبی ہیں لہٰذا وہ بھی بعد میں نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ان کی لمبی زندگی والا عقیدہ غلط ہے۔ جواب۔ حضرت عیسیٰ والیاس و ادریس بھی نبی ہیں اور ان کی لمبی زندگی تم بھی مانتے ہو۔ تو پھر لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کا جواب کیا دو گے حقیقت یہ ہے کہ تم لوگوں نے قرآن مجید اور حدیث پاک کو آج تک سمجھا ہی نہیں حدیث و قرآن کو سمجھنے کے لیے عقل و شعور چاہیئے۔ اس حدیث پاک کا صحیح مطلب یہ ہے کہ آقا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نیا نبی شکم مادر سے پیدا نہ ہوگا۔ نہ اب کسی سابقہ نبی پر وحی آئے گی اگرچہ وہ تا قیامت زندہ اور اسی زمین پر چلتے پھرتے رہیں۔ نہ کسی سابقہ نبی کی اب امت ہوگی نہ ان کو اپنے دین کی تبلیغ کی اجازت بلکہ ان انبیاء کرام کی تا قرب قیامت زندگی تو اس حدیث پاک لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ کی تائید۔ توثیق ہی عملاً ثابت کر رہی ہے۔ کیونکہ موجودگی نے ثابت کر دیا کہ دیکھو موجود ہیں۔ مگر نہ انکا قانون نہ اُن کی امت نہ ان کی تبلیغ نہ ہر ایک کو نظر آئیں نہ ہر ایک کے پاس جائیں نہ اب ان پر نزولِ وحی اگر یہ انبیاء نہ ہوتے تو کوئی کہہ سکتا تھا۔ کہ اگر پچھلے انبیاء میں سے کوئی زندہ ہوتا تو اس کی وہی شانِ نبوّت ہوتی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھی۔ باری تعالیٰ نے اُس نبی کو دراز عمر عطا فرمائی جس کے پاس موسیٰ علیہ السلام جیسے اولو العزم صاحبِ کتاب وعظیم شریعت والے مرسل نبی کچھ سیکھنے جا رہے ہیں۔ آج وہ نبی ہمارے آقا نبی الانبیاء سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت کچھ سیکھنے آ رہے ہیں۔ اور اپنے آقا محمد مصطفےٰ کی امت کے غوث و قطب کو پہلانے پڑھاتے اور تعلیم مصطفےٰ کا درس دینے پر مقرر ہیں۔ یہاں تفسیر مظہری نے گیارہویں صدی کے مجدد حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک مکاشفہ نقل فرمایا ہے جو اپنے مراقبے کے

دوران حضرت خضر علیہ السلام کی زیارتِ کشفی سے مشرف ہو کر بیان فرمایا مگر میں اس کو تسلیم اس لیے نہیں کرتا کہ کشفی اور مراقباتی الہامات سب ظنی ہوتے ہیں۔ اس پر کوئی عقیدہ مرتب نہیں کیا جا سکتا ہاں البتہ ایسے مراقبے مکاشفے کسی حتمی یقینی دلیل کی تائید میں پیش کئے جا سکتے ہیں۔ خود بذاتہ یہ کچھ حقیقت نہیں رکھتے بلکہ غلط بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے مکاشفوں پر دین و عقائد کی بنیاد رکھنی یا ان مکاشفوں پر دینی فیصلے یا فتوے جاری کرنے ہزارہا فتنوں کا دروازہ کھولنا ہے۔ اشرف علی تھانوی نے ان ہی جیسے مکاشفوں کی پشت پناہی لے کر سینکڑوں جھوٹی خوابیں بنا ڈالیں بہر حال جہاں تک دلائل کا تعلق ہے ہم نے مضبوط دلائل قرآن و حدیث سے حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت رسالت اور لمبی عمر پر ثبوت پیش کر دئے اور مخالفین کی تمام ناقص دلیلوں کا مدلل جواب دے دیا بحمدہٖ تعالیٰ اب کسی تیمیائی کو بولنے کی جرأت نہ ہو گی ہاں البتہ ہم نے مخالف کی سخت زبانی اور گستاخ لفظی کا کوئی جواب نہیں دیا مثلاً انہوں نے اپنے مخالف کو جاہل بیہودہ۔ واہیات۔ مفتری۔ کاذب اور مغفلین تک کہا ہے۔ اور ابن حجر اپنی اسی زہر النضر کے ص ۹۳ پر یہاں تک غصہ دکھا گئے کہ خضر علیہ السلام کی زیارت کو شیطان کا دیکھنا قرار دے گئے مگر ہم ان باتوں کا کیا جواب دے سکتے ہیں۔ اس کا جواب تو بروزِ قیامت ہو گا۔ اور لینے والا خود دے لیگا۔ نیز یہ بات ضرور خیال رکھنا چاہیئے کہ لمبی زندگی کا انکار اتنا خطرناک نہیں جتنا حضرت خضر نبی علیہ السلام کی نبوت کا انکار ہے۔ رسالت کا انکار بھی اتنا سخت نہیں ہے۔ پس جو جہلا واعظین اور قوالی نما پیر حضرت خضر کی نبوت کا انکار کر کے آپ کو نبیوں کی صف میں بٹھاتے ہیں اور پھر ادھر موسیٰ کلیم اللہ کی گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور ادھر اپنے دو کوڑی کے جاہل پیر کو خضر علیہ السلام سے اونچا مقام دینے کی شیطانی کوشش کرتے ہوئے خود کو اور اپنے موجود پیر کو جہنمی بنانے کی جہالت کرتے ہیں۔ ان کو جلدی توبہ اور عبرت پکڑنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توبہ اور ہدایت کی توفیق دینے والا ہے۔ وہی کارساز حاجت رَوا مشکل کشا ہے۔ اس وقت دنیا میں تقریباً سترہ ۱۷ کتابیں حضرت خضر علیہ السلام کی حالات و واقعات و سوانح حیات کے متعلق مشہور و مطبوع ہیں۔ جن میں چھ کتب موافقین کی چھ مخالفین کی اور پانچ بین بین ہیں۔ ۱ جزءٌ فی اخبار الخضر زہیر حنبل بغدادی۔ ۲ ارشادِ اہل الاخلاص ابو الخیر احمد تزدینی ۳ جزءٌ فی حیات الخضر۔ عبد اللہ بن اسعد یافعی۔ ۴ جزءٌ فی الخضر قاضی علیم الدین لباطلی۔ ۵ رسالہ فی الخضر۔ جلال الدین سیوطی ۶ قولُ الاوّل علیٰ حیوٰۃ الخضر نوح بن مصطفےٰ حنفی۔ یہ سب حیوٰۃ خضر کو ماننے والے ہیں۔ ۷ زہر النضر فی حال الخضر لابن حجر ۸ جزءٌ فی اخبار الخضر جعفر بن منادی بغدادی ۹ عجالہ منتظر عبد الرحمٰن ابن جوزی ۱۰ مجلد فی موت الخضر ابن جوزی ۱۱ رسالہ فی الخضر احمد بن تیمیہ حرانی ۱۲ جزءٌ فی وفات الخضر ابن نقاش۔ یہ سب مخالفین کی کتب ہیں۔ ۱۳ القول المنتقر۔ عبد الرحمٰن احدل ۱۴ کشف الخدر۔ ملا علی قاری ہروی ۱۵ القول المقبول۔ علی بن غنیمی ۱۶ مختصرہ۔ ابن جوزی ۱۷ الروض النضر ابو الفضل عراقی۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔ ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آیت ۸۲ کے بعد ہو گی انشاء اللّٰہ تعالیٰ۔

قَالَ لَهٗ مُوْسٰی هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤی اَنْ

فرمایا حضرت موسیٰ نے کیا میں تمہارے ساتھ پیچھے رہ سکتا ہوں اس بنا پر کہ تم مجھ کو سکھادو اس علم میں سے جو تم سکھائے گئے ہو باطنی معرفت

اس سے موسیٰ نے کہا کیا میں تمہارے ساتھ رہوں اس شرط پر

تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ﴿۶۶﴾ قَالَ اِنَّكَ

سے فرمایا بے شک تم ہرگز ہمت نہ کر سکو گے میرے ساتھ صبر کر بھی کیسے سکتے ہو اور صبر کر بھی کیسے سکتے

کہ تم مجھے سکھا دو گے وہ نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی

لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا ﴿۶۷﴾ وَكَیْفَ

ہو اُس پر کہ تمہارے قلبی معلومات کا

کہا آپ میرے ساتھ ہرگز نہ ٹھیر سکیں گے اور اس

تَصْبِرُ عَلٰی مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا ﴿۶۸﴾

جس پر کوئی گھیرا نہیں ہے فرمایا عنقریب

بات پر کیونکہ صبر کریں گے جسے آپ کا علم محیط نہیں

قَالَ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَاۤ

پاؤ گے تم مجھ کو اگر چاہا اللہ نے قابو پانے والا اور نہ

کہا عنقریب اللہ چاہے تو تم مجھ کو صابر پاؤ گے

اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا ﴿۶۹﴾ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا

مخالفت کروں گا میں تمہارے کسی حکم میں۔ فرمایا اچھا ٹھیک ہے لیکن اگر میرے پیچھے چلنا چاہتے ہو

اور میں تمہارے کسی حکم کا خلاف نہ کروں گا۔ کہا تو اگر آپ

تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَکَ

تو مجھ سے کسی چیز کے بارے میں سوال نہ کرنا جب تک کہ

میرے ساتھ رہتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کو نہ پوچھنا جب تک

مِنْهُ ذِكْرًا ۝۷۰

ع ۹ ۱۱ ۲۱

میں خود تمہارے لیے بیان نہ کردوں

میں خود اس کا ذکر نہ کروں

تعلق ان آیات مبارکہ کا پچھلی آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں سفر کی مشکلات وحالات کے آغاز کا ذکر ہوا تھا۔ اب منزل مقصود پر پہنچنے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ سفر دو قسم کا ہوتا ہے ایک سفر منزل ایصال الی المطلوب دوسرا سفر دیدار۔ پچھلی آیت میں سفر کی پہلی قسم کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں سفر کی دوسری قسم کی اجازت اور ابتدا کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ان مشکلات کا ذکر ہوا جس کو دنیوی لحاظ سے برداشت کیا جا سکتا ہے اب ان رموز واسرار کی شرعی مشکلات کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ جن کو صاحب شریعت کے لیے برداشت کرنا خاصا مشکل ہوتا ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا. قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا. وَكَیْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔

قَالَ ماضی مطلق موسیٰ اسم ظاہر اس کا فاعل لام تعدیہ ہ ضمیر مجرور متصل مرجع عبداً متعلق ہے قال کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا هَلْ سوال ایجابی کے لیے بمعنی ایسا ہونا چاہیے اَتَّبِعُ باب افتعال کا مضارع بمعنی فعل حال واحد متکلم هَلْ سوالیہ نے اس خبر کو انشاء بنا دیا مصدر ہے۔ اِتِّبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے۔ بمعنی پیچھے ساتھ ساتھ چلنا فرمان ماننا پیروی کرنا نقش قدم پر چلنا ہمراہی اختیار کرنا یہاں آخری معنی میں ہے انا ضمیر متکلم مستتر فاعل ہے۔ مرجع حضرت موسیٰ ہیں۔ ضمیر واحد مذکر حاضر مخاطبہ منصوب ہے۔ مفعول بہ ہے مرجع وہی عبداً۔ عَلٰی جارہ حالیہ اَنْ حرف ناصبہ مصدریہ تُعَلِّمَ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف بمعنی حال اَنْ ناصبہ کی وجہ سے مفتوح ہے ایک قول میں بمعنی مستقبل ہے اس کا مصدر ہے تعلیم "علم" سے بنا ہے بمعنی سکھانا پڑھانا علم دینا نون وقایہ ی محذوف ہے۔ ضمیر واحد متکلم مفعول بہ تخفیف کے لیے محذوف منوی ہوئی مِنْ جارہ بعضیت کا مَا موصولہ عُلِّمْتَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد حاضر اس کا ترجمہ

سکھایا گیا تو۔ رُشْدًا اسم حاصل مصدر جامد بمعنی ہدایت۔ خیال رہے کہ شرعی اور ظاہری رہنمائی ہدایت ہے۔ اور
طریقت کی باطنی رہنمائی رشد ہے۔ اس لیے دینی استاد ہادی ہوتا ہے اور باطنی پیر طریقت مرشد ہوتا ہے یہ بحالت
نصب ہے یا مفعول بہ ہے یا مفعول فیہ یا حال ہے۔ عُلِّمْتَ کے نائب فاعل پوشیدہ اَنْتَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا
مَا کا موصول صلہ مجرور ہوا مِمَّا کی مِنْ سے یہ متعلق ہے تُعَلِّمَنِ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مجرور مصدر معنوی کا ہو کر متعلق ہے اَتَّبِعُ کا وہ
جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا سب قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا۔ یہ دوسرا قَالَ فعل اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ
ہے اس کا مرجع عبدًا ہے۔ فعل فاعل مل کر قول ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ۔ كَ ضمیر بارز حاضر منصوب متصل اس کا اسم لَنْ
تَسْتَطِيْعَ فعل نفی تاکید بلن مستقبل باب استفعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِسْتِطْوَاعٌ یا اِسْتِطْيَاعٌ بمعنی طاقت رکھنا
ہمت رکھنا۔ ہمت پانا۔ طَوْعٌ اجوف واوی یا طَيْعٌ اجوف یائی سے بنا ہے۔ مَعِيَ۔ اسم ظرف مکانی بمعنی ساتھ مضاف ہے
یٓ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی حکمًا ظرف زمانی بھی ہو سکتا ہے۔ مگر حقیقتًا مکانی ہی ہے صبرًا اسم مصدر ہے
بمعنی رکنا اصطلاحی ترجمہ ہے۔ برداشت کرنا۔ مفعول بہ ہے واؤ حالیہ۔ كَيْفَ۔ اسم ظرف مجازی۔ شرطیہ بھی ہو سکتا ہے
سوالیہ بھی لیکن یہاں سوالیہ ہے۔ اسم غیر متمکن مبہم بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ ظرفِ مقدّم ہے۔ اگلے فعل اپنے عامل کا۔ مگر کسرے
و ضمہ کی حالت میں بھی اسی حالتِ زبر میں رہتا ہے۔ اس لیے کہ غیر متمکن ہے۔ تَصْبِرُ باب ضرب کا مضارع معروف
صبر سے مشتق ہے معنیٰ برداشت کرنا علیٰ فوقیت کا مَا موصولہ۔ لَمْ تُحِطْ نفی جحد بلم مضارع بمعنیٰ ماضی مطلق باب
افعال سے ہے اصل میں تھا۔ تُحِيْطُ لَمْ نے آخر کو جزم دیا آخری حرف ساکن اجتماع ساکنین کی وجہ سے یٓ گر گئی اس کا
مصدر ہے اِحَاطَةٌ حَيْطٌ سے مشتق ہے بمعنی گھیرنا سمیٹنا۔ اس میں اَنْتَ ضمیر فاعل پوشیدہ ہے جس کا مرجع ہے۔
موسیٰ علیہ السلام بٖ جارہ تعدیہ کی ہٖ ضمیر کا مرجع رُشْدًا ہے یا مَا کا موصولہ کا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لَمْ تُحِطْ کا خُبْرًا
بروزن فُعْلًا بمعنی ہر طرح کی خبر مفعول فیہ تُحِطْ ان سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا اور صلہ ہوا مَا موصولہ کا موصول
صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے تَصْبِرُ کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر حال ہوا نفی یمن کے فاعل مستتر اَنْتَ کا وہ جملہ فعلیہ
ہو کر خبر اِنَّ وہ جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ قَالَ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ
صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ اَمْرًا۔ قَالَ ماضی مطلق ھُوَ مستتر فاعل مرجع حضرت موسیٰ۔ فعل با فاعل قول ہوا۔ س۔ حرف تقریب
ہمیشہ مضارع پر آتا ہے اور مضارع کو مستقبل کے لیے خاص کر دیتا ہے تَجِدُ باب ضرب کا مضارع بمعنی مستقبل
واحد حاضر وَجْدٌ سے بنا ہے بمعنی پانا۔ نون وقایہ۔ یٓ ضمیر واحد متکلم مفعول بہ ہے۔ مرجع موسیٰ علیہ السلام
ذوالحال ہے۔ صَابِرًا باب نصر کا اسم فاعل بحالتِ نصب ہے۔ حال ہے نِیْ کا۔ سَتَجِدُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر جزاء مقدّم ہوئی۔ اِنْ شرطیہ شَآءَ فعل ماضی اَللّٰهُ اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ انشائیہ شرط مؤخر ہوئی واؤ عاطفہ لَآ اَعْصِيْ
باب ضرب کا مضارع منفی معروف واحد متکلم اَنَا ضمیر پوشیدہ فاعل ہے اس کا مرجع موسیٰ علیہ السلام عَصْیٌ سے

بنا ہے بمعنی نافرمان ہونا یا خلاف ہونا۔ بات نہ ماننا یا کسی کے عمل کو برا سمجھنا یہاں ہر معنی درست ہے۔ لام جارّہ تعدیہ کا۔ ک ضمیر مخاطب سے مراد وہی عبداً ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لَا اَعْصِیْ کا۔ امرًا اسم مفرد جامد نکرہ غیر معین مراد ہے۔ تمام کام یعنی کسی بھی کام میں نافرمانی نہ کروں گا۔ مفعول ہے۔ لَا اَعْصِیْ کا وہ جملہ فعل انشائیہ ہو کر معطوف ہے۔ سَتَجِدُ کا وہ جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر مقولہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْئَلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا قال۔ فعل با فاعل مرجع عبداً جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ف اجابیہ ترجمہ ہے۔ اچھا ٹھیک ہے۔ لیکن۔ اگر۔ اِنْ حرف شرط اِتَّبَعْتَ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق صیغہ واحد حاضر۔ اس کا مصدر ہے۔ اِتِّبَاعٌ "تَبِعَ" سے بنا ہے یعنی کسی کی پیروی میں ماتحت ہو کر ساتھ ساتھ چلنا۔ نون وقایہ۔ ی۔ ضمیر واحد متکلم مرجع حضرت موسیٰ۔ مفعول بہ ہے اِتَّبَعْتَ کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ۔ جزائیہ۔ لَا تَسْئَلْ۔ فعل نہی مذکر حاضر باب فتح سے سُئِلَ سے مشتق ہے یعنی پوچھنا۔ سوال کرنا۔ نون وقایہ ی۔ ضمیر مفعول بہ عَنْ حرف جر بمعنی فِیْ جارّہ ترجمہ ہے بارے میں چونکہ یہاں مجاوزت زوالی اور ظرفیت دونوں ضروری ہیں۔ لہٰذا فِیْ نہ لایا گیا بلکہ عَنْ بمعنی فِیْ لایا گیا تاکہ دونوں مقصد حاصل ہو جائیں شَیْءٍ اسم نکرہ عمومی تنوین تنکیری یعنی کوئی چیز کسی چیز یہ جار مجرور متعلق ہے لَا تَسْئَلْ کا۔ وہ جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ ہوا۔ حَتّٰی حرف علت بمعنی اِلٰۤی اَنْ انتہاءِ غایت کے لیے۔ اُحْدِثَ باب افعال کا مضارع یعنی مستقبل معروف بحالت نصب کیونکہ حتّٰی میں حرف اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ حَدَثٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِحْدَاثٌ یعنی بیان کرنا ظاہر کرنا۔ لام جارّہ کَ ضمیر مجرور۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اُحْدِثْ کا۔ مِنْ جارّہ فِیْ جارّہ ترجمہ ہے بارے میں ہٗ ضمیر مجرور یہ متعلق دوم ہے۔ ذِكْرًا مصدر ہے بمعنی تذکرہ۔ یادداشت۔ ظاہر کرنا۔ چرچا کرنا۔ یہ مفعول بہ ہے اُحْدِثَ کا سب مل کر جملہ ہو کر معطوف ہوا لَا تَسْئَلْ سب علت مل کر جزا ہوئی اِنِ اتَّبَعْتَ کی شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو کر مقولہ۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِیَ صَبْرًا وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔

جب خضر علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات یا عام کھلے میدان میں یا قریبی جزیرے میں بنی ہوئی ایک جھونپڑی یا کسی کمرے اور مکان میں یہ مختلف تاریخی اقوال ہیں تو اُس وقت آپ لیٹے ہوئے تھے۔ یا سو رہے تھے۔ لیکن اکثریت کا فرمان ہے کہ اپنے دینِ خضری کی عبادت فرما رہے تھے۔ فارغ ہو کر سلام دعا ہوئی خضر علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا کہ یہ بنی اسرائیل کے نبی حضرت موسیٰ کلیم اللہ ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا کہ آپ نے مجھ کو کیسے پہچانا تو فرمایا کہ جس اللہ کریم جل سبحانہٗ نے تم کو میرے بارے میں بذریعے وحی بتایا ہے اُسی نے اُسی طرح مجھ کو بھی تمہارے بارے میں بتایا ہے لہٰذا نہ تم کو میرے بارے میں کچھ شک و شبہ ہے مجھ کو تمہارے بارے کچھ شک و شبہ ظن و خیال ہے

ان باتوں کے بعد قَالَ لَهٗ مُوْسٰى. حضرت موسٰی نے اُن سے فرمایا کہ اے رب کریم کے پیارے محبوب مخلص عظیم بندے مجھ کو رب تعالٰی نے تمہارے پاس تمہاری ملاقات کرنے کے زیارت کرنے کے لیے بھیجا ہے۔ اور اس ملاقات کی میں نے خود ہی رب تعالٰی کی بارگاہ قدس میں خواہش و التجا و تمنا اور آرزو ظاہر کی تھی کیونکہ رب تعالٰی نے تمہارے عظیم الشان ایسے علم کا ذکر فرمایا تھا جو مجھ کو معلوم نہیں اور بارگاہ صمدیت سے تمہارا لقب اَعْلَم ارشاد ہوا ہے۔ لہٰذا اب میری خواہش ہے کہ میں آپ سے وہ باطنی و روحانی علم بھی کچھ کچھ سیکھوں تاکہ میرے علم میں زیادتی ہو جائے تو هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰۤى اَنْ تُعَلِّمَنِ. کیا مجھ کو اجازت ہے کہ میں چند گھڑیاں یا چند ساعتیں یا چند دن یا چند ماہ آپ کی اِتباع میں آپ کے سفر حضر رات و دن صبح و شام عبادت و ریاضت میں آپ کے ساتھ رہوں صرف اس مقصد اور غرض و غایت اور اس شرط پر کہ آپ مجھ کو اس علم میں سے سارا نہیں کچھ تھوڑا بہت سکھا دیں اور تعلیم دے دیں جو علم رب تعالٰی کی طرف سے آپ سکھائے پڑھائے اور تعلیم دئے گئے ہو آپ مجھ کو اس علم کی باطنی رشد و ہدایت دیتے ہوئے سکھا دیجئے یا جس علم کے ذریعے آپ نے باطنی روحانی ترقی اور معرفت طریقت کا قرب ربانی حقیقتِ عرفانی کا رشد و ہدایت پایا ہے وہ مجھ کو بھی ضرور سکھایئے۔ یہ سن کر حضرت خضر نے نہایت ادب سے فرمایا کہ اے موسٰی اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا بے شک تم ابھی تو بڑی خواہش اور تمنا سے اس علم کے سیکھنے کا فرما رہے ہو مگر میں جانتا ہوں کہ اس علم کو تمہارا سیکھنا تو درکنار تم تو اس علم اور اس علم کے کارناموں کو دیکھ بھی نہ سکو گے اور دیکھ کر ہرگز میرے ساتھ رہتے ہوئے میرے سفر و حضر کرنے کرانے کی طاقت اور صبر نہ رکھ سکو گے اس لیے کہ تم کوئی علم سے خالی نہیں ہو ان پڑھ یا بے علم نہیں ہو۔ ان پڑھ بے علم اور تعلیم سے کورے شاگرد یا مرید کو پڑھانا سکھانا بتانا سمجھانا آسان ہوتا ہے مگر جس کو پہلے ہی اللہ کے کرم سے بہت کچھ آتا ہو اس کو پڑھانا بہت دشوار ہے اے موسٰی تم کلیم ہو صاحبِ کتاب ہو اللہ تعالٰی کے عظیم مرسل ہو تم کو قانونِ الٰہیہ شریعت ربانیہ کے وہ وہ علم آتے ہیں جو مجھ کو نہیں آتے اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قوم فضیلت و شرافت والی جماعت بنی اسرائیل کے تم نبی ہو ہزارہا انبیاء و رسول بلکہ آئندہ کچھ مرسل بھی تمہاری توریت و شریعت کے متبع ہوں گے۔ ان وجوہ سے تم میرا یہ باطنی علم ہرگز نہیں سیکھ سکو گے بلکہ میرے ساتھ قیام و قعود میں بھی صبر نہ کر سکو گے وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا. اور صبر بھلا آخر کیسے کر سکتے ہو ایسے باطنی علم خفیہ تدابیر پوشیدہ اسرار پر جس کی حقیقت و اصلیت کا تمہارے قلب و ذہن خیال و تصورات کو قطعًا کوئی احاطہ گھیراؤ اور خبر و اطلاع تک نہیں اور نہ ہی تم کو اس کی ضرورت ہے کیونکہ تم تو اقوامِ بنی اسرائیل کے اجسام و اعمالِ ظاہر و اشکار عبادات و افکار کو درست فرمانے کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہو آپ نے تو صرف شریعت کا ہی بولنا اور شریعت کا ہی سوچنا ہے آپ نے تو صرف عوام و خواص کے ظاہر کا ہی خیال و اصلاح کرنی ہے۔ جب ظاہر شریعت کے خلاف آپ کو کچھ نظر آئے گا

تو آپ نے فوراً بولنا ہے۔ قَالَ سَتَجِدُنِيٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِيْ لَكَ ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی انکساری اور عاجزانہ مودبانہ طریقہ سے ارشاد فرمایا کہ میں تو گھر سے اتنا لمبا سفر کر کے یہی پختہ ارادہ لے کر آیا ہوں کہ اس باطنی روحانی علم کو بھی ضرور سیکھوں گا خواہ مجھ کو کتنا ہی سفر کرنا پڑے اور اس سفر و حضر میں کتنی مشکلات و مصائب آئیں آگے جو اللہ تعالیٰ کی مرضی۔ اگر اللہ نے چاہا اور اس کی رضا میری تقدیر ہوئی تو عنقریب آپ مجھ کو مکمل صابر اور مطیع پاؤ گے اور میں کسی کام کسی کلام کسی حکم کسی ممانعت اور آپ کے کسی معاملے میں آپ کی قطعاً کوئی نافرمانی و مخالفت و عدم ادائیگی نہ کروں گا۔ جو پڑھاؤ گے پڑھوں گا جو سکھاؤ گے سیکھوں گا۔ جو سناؤ بتاؤ گے وہ سنوں سمجھوں گا۔ امام رازی نے یہاں فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس علم کو سیکھنے کے لیے بارہ طریقوں سے خضر علیہ السلام کا ادب کیا ۱ ھَلْ اَتَّبِعُكَ فرما کر خود کو تابع فرمان بنایا ۲ ھل۔ کا سوالیہ لفظ بول کر اتباع اور شاگردی کی اجازت مانگی ۳ اَنْ تُعَلِّمَنِ کہہ کر اپنے بے علم ہونے کی نشان دہی کی ۴ مِمَّا عُلِّمْتَ فرمایا مِنْ تبعیضیہ کے ساتھ مَا عَلِمْتَ نہ فرمایا۔ تاکہ برابری کی طلب ثابت نہ ہو اپنے آپ کو آستانۂ خضر پر فقیر بنا کر پیش کیا جیسے کہ فقیر غنی سخی سے کچھ مانگتا ہے نہ کہ سارا مال ۵ عُلِّمْتَ کو فعل مجہول فرما کر علم خضر کی شان بیان فرمائی کہ وہ بھی رب تعالیٰ کی طرف سے ہے کوئی معمولی یا ظنی نہیں ۶ رُشْدًا فرما کر ہدایت مانگی اور خضر علیہ السلام کو ہادی مرشد کا لقب دیا۔ یا ایک قول میں رُشْدًا کا تعلق خضر علیہ السلام سے جوڑا آپ کو ہدایت یافتہ قرار دیا اور عرفانی مرتبے والا کہا۔ ۷ عُلِّمْتَ کہہ کر یہ بھی مقصد لیا کہ مجھ کو وہ ہی علم سکھاؤ جس علم سے تم اس کے مخلص عبد ہو گئے ہو۔ اور مولیٰ تعالیٰ نے تم کو عبدیت کا شرف بخشا میں وہ ہی تم سے پڑھ کر تمہاری خادمی و شاگردی حاصل کروں گا ۸ ھَلْ اَتَّبِعُكَ فرما کر یہ بھی مقصد لیا کہ میں مطلقاً ہر وقتی اتباع کروں گا صرف اپنی مطلب برآری کے وقت ہی نہیں۔ یعنی میں خدمت گزار شاگرد و خادم بنوں گا۔ ۹ باوجود اس بات کے کہ خضر علیہ السلام شان موسیٰ علیہ السلام کو جانتے ہوئے بیان کر چکے تھے۔ مگر پھر بھی آپ نے عاجزی فرمائی یہ آپ کا سچا خلوص تھا حالانکہ تعارف ہو جانے کی صورت میں آج کوئی معمولی عالم پیر یا کوئی صاحبزادہ بھی اتنی عاجزی نہیں کرتا۔ ۱۰ پہلے فرمانا ھَلْ اَتَّبِعُكَ اور پھر فرمانا اَنْ تُعَلِّمَنِ۔ اس کا مقصد یہ لیا کہ میں تابعدار پہلے بنوں گا پھر تم مجھ کو پڑھانا یعنی میری طرف سے ادب و خدمت پہلے شروع ہو گی آپ بے شک تعلیم بعد میں شروع فرمانا ۱۱ عَلٰٓی اَنْ۔ فرمانے سے مقصد یہ لیا کہ میری اس اتباع کی غایت کوئی دنیوی غرض نہیں صرف حصول علم کا شوق ہے ۱۲ اتباع کا معنی ہے متبوع کی مکمل نقل کرنی اور نقل اس کی کی جاتی ہے۔ جس کو انسان غلطی سے پاک سمجھے تو گویا ھَلْ اَتَّبِعُكَ۔ فرما کر حضرت موسیٰ نے حضرت خضر کو غلطی سے بالکل پاک اور معصوم مان لیا۔ یہ وہ تمام ادب و احترام کے مقام و مدارج اور تعظیم کرنے کی باتیں ہیں۔ جو آج کوئی نہیں بجا لا سکتا۔ شاید حضرت خضر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آپ کی اولوالعزمی اور وجاہت منصبی کی وجہ سے انکساراً ساتھ رکھنے پر تیار نہ ہوتے مگر آپ کا یہ عاجزانہ علم الٰہی سے عاشقانہ و ملتجیانہ کلام سن کر آپ کو

ساتھ رکھنے پر تیار ہو گئے لیکن ساتھ ہی قَالَ فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ فَلَا تَسْـَٔلْنِیْ عَنْ شَیْءٍ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔ فرمادیا ہمارے اُس بندے خضر نے موسیٰ علیہ السلام سے تو اگر تم واقعی اس علم کو ضرور ہی سیکھنا چاہتے ہو جو تم کو اللہ تعالیٰ جل سبحانہ کی طرف سے نہیں عطا کیا گیا اور تم اپنے فرمان کے مطابق میری اتباع میں میرے ساتھ ہر وقت مکمل طور پر رہنا چاہتے ہو۔ تو صرف ایک شرط ہے وہ یہ کریں اور تم جب تک ساتھ ساتھ رہیں اُس وقت تک میں تم کو جہاں چاہوں لے جاؤں اور جو آنا جانا کام کاج میں سفر و حضر میں کروں تم کو وہ کیسا ہی لگے اچھا یا بُرا شریعت توریت کے مطابق یا مخالف تم نے اُس کے بارے میں مجھے کوئی سوال نہیں کرنا ہے نہ یہ پوچھنا ہے کہ یہ کیوں کیا یا یہ کیوں کیا بس ایک دم سے چپ باندھنی ہے۔ صرف میرے افعال و اعمال کو دیکھنا ہے۔ یہ ہمارے اس باطنی علم سیکھنے والوں کے لیے پہلا مرحلہ اور پہلی تربیت ہے۔ ابھی سیکھنا سکھانا۔ پڑھنا پڑھانا۔ سمجھانا بتانا تو بعد کی بات ہے۔ اگر تم اس منزل اور اس عملی پابندی میں کامیاب ہو گئے اور یہ خاموشی اختیار کرنے کی بندش صحیح طریقے سے نبھا گئے تو سمجھ لو کہ یہ علم تمہارے لیے آسان ہو گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ باطنی علم زبانِ قال سے نہیں زبانِ قلب سے پڑھا جاتا ہے۔ یہ ذہن میں نہیں شعورِ ضمیر میں پہنچایا جاتا ہے۔ کتابوں سے نہیں اشاروں سے پڑھایا جاتا ہے۔ پیالوں سے نہیں آنکھوں سے پلایا جاتا ہے۔ اس علم کی منزلوں میں قدموں سے نہیں روح سے چلایا جاتا ہے۔ محفلوں میں نہیں خلوتوں میں سنایا جاتا ہے۔ اس مدرسے کے تو تمام طور طریقے ہی مختلف ہیں اس کے تو اصول ہی نرالے ہیں ہاں البتہ یہ پوچھنے سمجھانے اور خاموشی اختیار کرنے کی پابندی ہمیشہ نہ رہے گی۔ بلکہ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ مِنْهُ ذِكْرًا۔ یہاں تک کہ میں خود اس بتانے سمجھانے بولنے کے موقعہ آنے پر تم کو اُن چیزوں ان کاموں ان عملیات و کردار کے اسباب اور وجوہ کو بیان کروں اس میں دیر بھی لگ سکتی ہے۔ اور جلدی بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ تم کو بتانے کی ضرورت ہی پیش نہ آئے تمہارا شعور باطنی خود ہی ہر چیز کی باطنی حقیقت کو سمجھ جائے۔ بہر حال یہ پابندی اشد شرط ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ شاگرد و متعلم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۱ کچھ ایسے شاگرد ہوتے ہیں جو پہلے ہر قسم کے علم سے خالی اور بے بہرہ ہوتے ہیں۔ جن کو اَلْعَوَامُ كَالْاَنْعَامِ کہا جاتا ہے۔ اُن کو پڑھانا آسان ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ کسی سوال یا اعتراض یا اپنی سوچ و فکر تدبر و تفکر اور کسی چیز کی گہرائی تک جانے کی قابلیت و صلاحیت ہی نہیں رکھتے وہ لکیر کے فقیر بن کر سیکھتے ہیں۔ استاد ان کو بغیر محنت کے پڑھاتا چلا جاتا ہے۔ ۲ لیکن کچھ شاگرد اور طالب علم ایسے ہوتے ہیں جو پہلے ہی بہت سے علوم سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ مگر علم مزید کا شوق و ذوق ان کو نئے سے نئے علوم کو سیکھنے کی خواہش میں بار بار طالب علموں کی صف میں بٹھا دیتا ہے ایسے شاگردوں کو اپنی منزل پالینے اور تکمیل مدعا کی جلد بازی ہوتی ہے اور جب ان کو کوئی استاد کامل میسر آجاتا ہے۔ تو ان کی علمی پیاس اور بھڑک اٹھتی ہے اور جلد سے جلد تسکینِ روح و قلب کی خواہش کرتے ہیں اور یہ خواہش ہی ان کو سوالات کرنے پر اکساتی ہے۔ ایسے شاگردوں کو

پڑھانا ذرا مشکل ہوتا ہے اور استاد کو پڑھانے کے لیے یا تو محنت کرنی پڑتی ہے یا پھر هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ کہنا پڑتا ہے۔ ایسے شاگرد اور متعلم کے سوالات ظاہر میں اگرچہ برے لگتے ہیں مگر حقیقت میں درست ہوتے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ فرما کر۔ موسیٰ علیہ السلام کے ظاہری یا ظاہری علم شریعت کی عظمتِ شان کا اظہار فرمایا اور کَيْفَ تَصْبِرُ فرما کر علمِ باطنی کے اسرار کو نہ جاننے کا ذکر فرما دیا کہ تم شریعت کے طارمِ اعلیٰ پر اور علوم ارض وسما کی چوٹی پر بیٹھے ہوئے ہو مگر اشیاءِ عالم کی حقیقتِ غیبیہ سے ناواقف ہو۔ اور یہ لازم ہے کہ جب علومِ ظاہری سے پیٹ بھرا ہو تو علومِ باطنی کی پیاس لگتی ہے اور جب پیاس لگتی ہے تو جلد بازی بھی پیدا ہوتی ہے علم سے خالی انسان کو کسی علم کی پہلے کیا قدر ہو سکتی ہے۔ علم خضر کی قدر تو حضرت موسیٰ کو ہی ہو سکتی تھی۔ اور چونکہ استطاعتِ فعل قبل از فعل حاصل نہیں ہوتی اس لیے حضرت خضر نے کیف تصبر فرما کر صبرِ موسیٰ کی نفی فرمادی۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ حضرت خضر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت عظمت والے نبی ہیں۔ جو آپ کی نبوت کا انکار کرتا ہے وہ بے دین اور گمراہ ہے یہ فائدہ هَلْ اَتَّبِعُكَ دالخ، فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ حضرت موسیٰ نے هَلْ اَتَّبِعُكَ فرمایا هَلْ اُطِيْعُكَ نہ فرمایا یعنی میں آپ کی اتباع کرنا چاہتا ہوں۔ اور اتباع کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کو بالکل صحیح اور غلطیوں سے پاک سمجھ کر اس کے نقشِ قدم پر اور اُس کے پیچھے ایسا چلنا اور ایسا سچا ماننا کہ اپنی عقل کو بالکل دخل نہ دینا۔ اور ایسی پاک دامنی صرف معصوموں کی ہوتی ہے۔ اور انسانوں میں معصوم صرف انبیاءِ کرام ہوتے ہیں اسی لیے اتباع بھی صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی کرائی جاتی ہے۔ تو گویا موسیٰ علیہ السلام نے اتباع کا لفظ ارشاد فرما کر حضرت خضر کی نبوت کا اظہار فرمایا اور ہماری سابقہ پیش کردہ نبوتِ خضر علیہ السلام کی دلیلوں میں یہ بائیسویں دلیل ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ شریعت کے ظاہری علم میں علما کو خود کہنا چاہیے کہ اے لوگو آؤ ہم سے دینی علم پڑھو۔ بلا بلا کر مدرسے کھول کر زبردستی اور مجبور کر کے یہ علم قرآن وحدیث فقہ واصولِ فقہ پڑھانا چاہیے جبراً شاگرد بنانا چاہیے بلکہ نہ پڑھنے والے شاگرد کو دینی استاد مار بھی سکتا ہے سزا بھی دے سکتا ہے۔ جرمانہ بھی دے سکتا ہے۔ لیکن روحانی علم میں یہ بات ممنوع ہے یہاں تو مرید اور طالب کو خود ہی پیر و مرشد کی تلاش کرنا واجب ہے بلکہ طالب صادق اور مریدِ کامل کی پہچان بھی یہ ہی ہے کہ مرشد کی جستجو کرے اگرچہ ہزارہا تکلیفیں اٹھانی پڑیں۔ پیر کو خود کہنا نہیں چاہیے کہ میرا مرید بنجا۔ اس لیے کہ علمِ روحانی میں بندشیں اتنی ہیں کہ مرید کے عشقِ صادق کے بغیر وہ نبھائی نہیں جا سکتیں یہ فائدہ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ دالخ، فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ انسان کو اگر باکمال اور زیادہ علم و معلومات والا بننا ہے تو اس کو اپنے سے کم درجے والے اور چھوٹی شخصیت سے کچھ سیکھنے میں بھی شرم و جھجک محسوس نہیں کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے اس واقعے اور آنے جانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو حضرت موسیٰ کئی علوم اور کئی درجوں میں خضر علیہ السلام

سے افضل واعلیٰ ہیں جیسا کہ تفسیر صاوی جلد سوم ص۱۸ پر بھی منقول ہے مگر علم باطنی سیکھنے کے لیے انہوں نے کمال ادب واحترام پیش فرمایا **چوتھا فائدہ**۔ جس سے کچھ سیکھا ہو اس کا ادب واحترام لازم ہے۔ یہ فائدہ تُعَلِّمَنِ (الخ) کے مودبانہ عاجزانہ کلام سے حاصل ہوا۔ خواہ دنیوی ہنر سیکھنا ہو یا دینی خواہ ضروری علم سیکھنا ہو یا غیر ضروری۔ حضرت امام اعظم نے اپنے ایک تیلی پڑوسی سے علم جفر سیکھا اور اس کے شیر خوار بچے کا بھی ہمیشہ احترام کیا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ نے اپنے ایک دوست سے جفر سیکھا جو عمر میں آپ سے چھوٹا تھا۔ مگر ہمیشہ اس کا احترام کیا (از تفسیر کبیر پارہ ۱۵ یہی آیت) **پانچواں فائدہ**۔ انبیاء کرام علیہم السلام کو رب تعالیٰ نے علم غیب عطا فرمایا ہے۔ یہ فائدہ خضر علیہ السلام کے کَیْفَ تَصْبِرُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ صبر سے مراد تین چیزیں ہیں ۱۔ ثابت قدمی ۲۔ اقرار فعل ۳۔ عدم اعتراض ومخالفت اور عدم شکوہ وشکایت۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ استاد کی خدمت ادب احترام اور علم سیکھنے کے لیے اس کے ساتھ رہنا فرض ولازم ہے لیکن ساتھ رہنے میں استاد کی اجازت شرط ہے۔ اور استاد پر شاگرد کا حق یہ ہے۔ کہ استاد شاگرد کو بے لوث محبت وشفقت سے ساتھ بھی رکھے علم بھی سکھائے بشرطیکہ شاگرد میں اُس علم کے سیکھنے کی صلاحیت ہو۔ یہ مسئلہ هَلْ اَتَّبِعُكَ کی اجازت لینے اور فَاِنِ اتَّبَعْتَنِیْ کی مشروط اجازت دینے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ جس طرح شریعت کا ظاہری علم سیکھنے کے لیے ہر مسلمان کو علماء اسلام کا شاگرد بننا بفرمان حدیث پاک فرض ہے۔ اِس طرح روحانی تربیت حاصل کرنے کے لیے مشائخ عظام کی بیعت کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت کو فرض ہے۔ یہ مسئلہ وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر کام میں آئندہ کرنے کے لیے انشاء اللہ تعالیٰ ضرور کہنا چاہیے خاص کر اُس آئندہ کام میں جس کا یقین کہنے اور کرنے والے کو نہ ہو۔ یہ مسئلہ سَتَجِدُنِیْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ کام دینی ہو یا دنیوی انسان کو جلد بازی کرنی جائز نہیں۔ ہر معاملے میں جلد بازی ممنوع ہے اس سے نقصان ہی ہوتا ہے خیال رہے کہ جلدی کرنا یا وقت سے کچھ پہلے کر لینا اور چیز ہے یہ بہت صورتوں میں منع نہیں مگر جلد بازی مچانا اور کرنا۔ ہر صورت منع وناجائز ہے یہ مسئلہ فَلَا تَسْئَلْنِیْ (الخ) اور حدیث پاک کے اُن الفاظ سے مستنبط ہوا کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوْسٰى لَوَدِدْتُ اَنَّهٗ كَانَ صَبَرَ حَتّٰى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ اَخْبَارِهِمَا (الخ) ترجمہ۔ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر رحم فرمائے کاش وہ تھوڑا صبر کر لیتے تاکہ ہم پر اُن دونوں کی خبروں سے کچھ اور تھوڑا قصہ بیان ہو جاتا۔ اس حدیث پاک سے اشارۃ النص میں جلد بازی کی ممانعت ثابت ہوئی۔ **پانچواں مسئلہ**۔ مسلمانوں پر لازم ہے کہ اپنی دنیوی زندگی کا ہر کام صرف اللہ تعالیٰ کے لیے کرے یہاں تک کہ نرمی گرمی غصہ جلال عاجزی۔ انکساری کسی کا ادب واحترام بھی صرف باری تعالیٰ جلّ مجدہٗ

کے لیے کریں۔ کسی دوستی دشمنی میں ذاتی غرض کا تعلق نہ ہو۔ دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام جو اتنے غصے اور جلال والے مشہور ہیں۔ مگر یہاں آستانہ خضر علیہ السلام پر کتنے عاجز و مسکین بنے ہوئے ہیں یہ تمام عجز و انکساری ادب و احترام فقط باری تعالیٰ کے لیے تھا۔ اسی طرح آپ کا غصہ و جلال بھی صرف مولیٰ تعالیٰ کے لیے ہی ہوتا تھا۔ یہ مسئلہ سَتَجِدُنِیْ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ کے مشفقانہ کلام فرمانے سے مستنبط ہوا۔ نیز دین سیکھنے کے لیے عاجزی و ادب تعظیم اختیار کرنا اور سکھانے کے لیے جلال اور سختی و رعب کو مد نظر رکھنا۔ کسی دنیادار کے سامنے لجاجت سے نرم رویہ مسائل کے نفاذ و بیان میں نہ رکھنا یہ بھی علماء کرام کی حق پرستی ہے۔ اور بارگاہ الٰہیہ میں مقبول۔ **چھٹا مسئلہ** ۔ علماء شریعت کو جائز ہے کہ مشائخ طریقت سے اُن چیزوں میں باز پرس اور اعتراض و سوال کریں جو اُن کو ظاہری شریعت کے خلاف نظر آئیں اور اگر کوئی پیر اپنی خلاف شرع حرکت کی صحیح شریعت کے مطابق وجہ اور جواب نہ دے سکے تو اس کو شریعت کی تعزیری سزا کے قابل اور موردِ الزام ٹھہرائیں کیونکہ یہ شریعت محمدی ہے اس میں کوئی بھی عالم پیر غوث و قطب اپنی کوئی بات بھی نافذ نہیں کر سکتا۔ اب تو خضر علیہ السلام بھی اپنی روحانی شریعت پر عمل نہیں کر سکتے لہٰذا اب کسی جاہل پیر کا یہ کہنا کہ کسی عالم کا کسی پیر صاحب پر اعتراض کرنے کا حق نہیں ہے اور یہ کہنا کہ شریعت اور چیز ہے ہمارا راستہ اور ہے محض شیطانیت ہے۔ ایسے لوگ مرشد نہیں ابلیسی ذریت ہیں اب تو ہر ایک پر بھی شریعت مصطفےٰ کی ہی بالادستی ہے۔ اب خضر و موسیٰ کی مثالیں دیکر شریعتِ پاک کی مخالفت کا راستہ نکالنا گمراہی و بدبختی ہے۔ یہ مسئلہ حَتّٰۤی اُحْدِثَ لَكَ ذِكْرًا، فرمانے سے مستنبط ہوا کہ حضرت خضر نے بھی باوجود شریعت مختلف ہونے کے حضرت موسیٰ کو معقول وجہ بتانے کا وعدہ کیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض پڑ سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ۔ جس طرح شریعتِ موسوی بلکہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں خضر علیہ السلام نے اپنی وحی کے مطابق عمل کرتے ہوئے ایک بچے کو قتل کر دیا۔ کیا آج بھی کوئی ولی اللہ کسی کو اپنے غیبی پیغام پر قتل کر سکتا ہے یا نہیں۔ **جواب** ۔ ہرگز نہیں کر سکتا اگر کوئی احمق شخص ایسا کرے گا تو قصاص میں اس کو سزا ہوگی۔ کیونکہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے جلوہ افروز ہونے کے بعد تاقیامت وحیِ الٰہی بند کر دی گئی ہے۔ اور الہامات ظنی ہوتے ہیں۔ ان پر یقین نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں البتہ صرف حالتِ سکر میں بعض خلاف شرع الفاظ نکل جائیں تو اس کی معافی ہے یا کوئی عابد و زاہد اپنی عبادت میں مخل ہونے والے لوگوں سے جان چھڑانے کے لیے ایسی حرکتیں کریں یا کئی معنیٰ والے استعاری اور متشابہ الفاظ بولدیں جو بظاہر خلافِ شرع ہوں مگر حقیقتاً خلافِ شرع نہ ہوں اور بولنے والا اپنے ذہن میں وہ جائز معنیٰ مراد لیتا ہو تو اس پر گرفت نہ ہوگی۔ **دوسرا اعتراض** ۔ اتباع کی تعریف بعض لوگ اس طرح کرتے ہیں۔ کہ کسی کی شکل یا مشابہ کام کرنا تو ہم سب مسلمان کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ پڑھتے ہیں اور پہلے یہود و نصاریٰ بھی یہی کلمہ پڑھتے تھے تو کیا ہم یہودیوں کی اتباع کرتے ہیں حالانکہ مذہبی اتباع تو کسی غیر مسلم کی جائز نہیں ہے! **جواب** ۔ اتباع کا معنیٰ شکیت یا مشابہت نہیں نہ کسی لغت

نے یہ معنی کئے ہیں۔ بلکہ اتباع کا لغوی اور شرعی اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ کسی کو بے عیب اور پاک دامن سمجھ کر اُس کے نقش قدم پر چلنا نقل اور پیروی کرنا لہٰذا ہم مسلمان کلمہ پڑھنے میں یہود و نصاریٰ تو درکنار کسی سابقہ نبی و مرسل و رسول کی بھی پیروی واتباع نہیں کرتے ہم تو صرف اپنے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرتے ہیں اسی لیے پورا کلمہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۔ پڑھتے ہیں نہ کہ فقط لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ اور نہ ہی کوئی فقط آدھا کلمہ یا موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام یا یہود و نصاریٰ کی مثل کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو سکتا ہے۔ دنیا میں ہر طرح ہر عیب سے پاک اور ہر طرح اچھے درست جن کا ہر قول ہی صحیح ہو دینی بھی دنیوی بھی وہ صرف انبیاء کرام کی ذات بابرکات ہے اس لیے کہ آدمیوں میں صرف انبیاء ہی معصوم ہوتے ہیں۔ اور معصوم ہونے کا معنیٰ ہے کہ گناہ اور شرعی غلطی اُن حضرات سے محال و ناممکن ہے۔ یہ لوگ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے۔ **تیسرا اعتراض**۔ حضرت خضر نے کہا کہ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ یعنی تم صبر نہیں کر سکتے یہ بھی ایک خبر ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا سَتَجِدُنِیْ میں عنقریب صبر کروں گا۔ یہ بھی ایک خبر ہے لہٰذا ایک تو جھوٹی ہوگی اور دونوں خبریں انبیاء کے منہ سے نافذ ہوئیں۔ پس جس کی خبر جھوٹی ہوگی وہ معاذ اللہ کاذب ثابت ہوگا۔ پتہ لگا کہ یا تو انبیا معصوم نہیں ہوتے اور یا عصمت کے معنیٰ ہیں کہ انبیا گناہ پر قادر ہوتے ہیں۔ **جواب**۔ خضر علیہ السلام کا قول خبر نہیں بلکہ اُن کا اندازہ اور تخمینہ ہے۔ یعنی اغلباً تم صبر نہیں کر سکو گے اور اندازہ لگانا انشائیت ہوتی ہے اور انشائیت میں سچ جھوٹ نہیں ہوتا۔ اور موسیٰ علیہ السلام کا قول انشاء اللہ کہنے سے خبر نہ رہا۔ اس لیے معترض کا اعتراض نہ پڑا۔ عصمت نبی کے پورے دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھئے۔ **چوتھا اعتراض**۔ انبیاء کرام معصوم نہیں ہوتے ان سے غلطی اور گناہ ہو سکتے ہیں دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَّلَآ اَعْصِیْ لَكَ اَمْرًا انشاء اللہ کہنے سے اگلے پچھلے دونوں کلام یقینی نہ رہے کیونکہ انشاء اللہ کا تعلق لَآ اَعْصِیْ سے بھی ہے۔ اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ اَعْصِیْ یعنی نافرمانی کرنے کا احتمال ہے اور نافرمانی کرنا گناہ ہے۔ ثابت ہوا کہ گناہ کا احتمال انبیا میں ہو سکتا ہے اور احتمالِ گناہ عصمت کے خلاف ہے۔ بلکہ بعد کے واقعے سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے نافرمانی کر بھی لی یعنی گناہ کر بھی لیا (بعض بے دین لوگ) **جواب**۔ اللہ کی نافرمانی کرنا گناہ ہے نہ کہ حضرت خضر علیہ السلام کی نیز امتی کو اپنے نبی کی نافرمانی گناہ ہے۔ حضرت موسیٰ حضرت خضر کے امتی نہ تھے۔ آج ہم کسی بھی سابقہ انبیا کی بات نہیں مانتے۔ لیکن ہم گناہگار نہیں لہٰذا عصمتِ انبیا پر کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ **پانچواں اعتراض**۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ وعدہ کیا کہ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا بالکل خاموشی اختیار کروں گا۔ پھر آپ نے اعتراض کئے تو یہ وعدہ خلافی ہوئی اور وعدہ خلافی گناہ ہے۔ تو یہ گناہ حضرت موسیٰ نے کیوں کیا ؟

جواب۔ انشاء اللہ کہنے سے وعدہ خلافی ختم ہو گئی کیونکہ اب یہ خبر نہ رہی بلکہ تعلیق ہو گئی اور معنیٰ یہ ہوا کہ میرا یہ قولی اقراری کلام اللہ کی مشیت پر منحصر ہے اگر اس نے چاہا تو ایسا ہی ہوگا جیسا میں کہہ رہا ہوں۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ انشاء اللہ کہنا برکت کے لیے ہے۔ تب یہ انشاء ہے اور سچ جھوٹ کا اس میں احتمال نہیں۔ بعض نے کہا کہ یہ وعدہ نہیں بلکہ کلامِ مقتضب ہے۔ کسی

قرینے سے کہ اگر فلاں فلاں کام نہ ہوا تو وعدہ پکا ورنہ کوئی وعدہ نہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ نے تین اعتراض کئے جن میں پہلا نسیان تھا۔ دوسرا شرطاً اور تیسرا عمداً تھا۔ ایک قول ہے کہ پہلا نسیان دوسرا عمداً اور تیسرا فراق کے لیے یعنی حضرت موسیٰ خود بھی جدائی چاہتے تھے واللّٰہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ

فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰىهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ۔ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ۔ پھر جب مفارقتِ روح کے مقامِ زندگی سے عملِ دنیوی میں آگے بڑھ گئے تو اجسامِ کثیفہ ضعیفہ کو مصائبِ فراق اور دردِ عشق کے نصاب پہنچے اور برداشت کرنے پڑے اور عشقِ قربِ ذات کی پیاس اور غذاءِ روح کی بھوک محسوس ہوئی۔ فرمایا قلبِ موسیٰ اسرارِ موسیٰ نے فتائےِ لوامہ سے حیاتِ دنیوی میں کہ اے نوجوانِ بہارِ صدور عالمِ ناسوت کی راہِ مسافرت میں ذکر و فکر زہد و شکر کا ناشتہ پیش فرما کیونکہ ہم کو دردِ فراق کی مشقت پہنچی۔ نفسِ مطمئنہ نے موسائے قلب سے لسانِ حال میں عرض کیا کہ خلوتِ مراقبہ میں دیکھئے کہ عالمِ حیاتِ ابدی کی منزلِ بقا پر جب ہم نے رضاء و صبر کی صخرۂ رفعت اور چٹانِ علویت کے پاس سکونِ بدنی اور استراحتِ قلبی اور لذتِ ذکر کا آرام اور مقامِ عرفانی کی پناہ حاصل کی تھی تو میں استغناءِ سرور اور لذت دھور میں مشغول و مصروف ہو کر اپنی غذاءِ معرفت کی روحِ حوت اور نشانیِ زندگی کی مچھلی کو بھول گیا اور مجھ کو فقط ابلیسِ باطن نے ہی غرورِ نفس کے خیالات کھلایا اس لیے کہ راہِ طریقت میں کبھی اوقات قلبِ صنوبری دُنیا وَمَا فِيْهَا سے غافل ہو کر علیحدہ ہی لذتِ ذکر میں آرام کر رہا ہوتا ہے۔ لیکن فتاءِ نفس لوامہ ہوشیار رہتا ہے اُس وقت شیطانیتِ وہم راہِ معرفت کے واقعاتِ عجیبہ وارداتِ غریبہ سے نسیان پیدا کر دیتا ہے۔ اُس کا مچھلی میں روحِ جبروتی نے دریاءِ معرفت میں اپنا راستہ پکڑا۔ وادیِ تعجب اور علاقۂ حیرت سے (ابن عربی) جب قلبِ مسعود راہِ طلب کی وادیِ عشق میں قدم ارادہ رکھتا ہے۔ اور سفرِ عقیدت شروع کرتا ہے۔ تو ابلیسِ باطنی قلب کے ساتھی رفیقِ اسرار نفسِ مطمئنہ پر ہزار طرح کی بھول و نسیان کے وسوسے ڈالتا ہے۔ لیکن سچا مرشد وہی ہے۔ جس نے اپنے نفسِ امارہ کو ضبط کیا اور اپنے مریدانِ باصفا پر بھی نگاہِ جبر و قہر سے اور بصیرتِ تذکیۂ روح سے ضبطِ اعمال نظمِ کردار قائم رکھا۔ ہوسِ دنیوی کی بھوک اور خواہشاتِ لذات کی پیاس کی بھی پرواہ نہیں کی یہی مسعودین محبوبین روحِ جمالی کی حوتِ لایموت کے نشاناتِ بقا کو پالینے والے ہیں۔ اے راہِ طلب کے مسافر اپنے صخرۂ سینہ کے گھر کو نسیانِ شیطانیہ کے فوٹوں سے مت سجاؤ یہ شرکِ خفی ہے اپنے ہر کام کو عبادت بناؤ قلبی اور نفسی ذہنی سکون پاؤ گے۔ ماضی کو بھول جاؤ حال اور مستقبل کی فکر کرو۔ اصل عقل کے لیے ہر دن نیا ہے زمانۂ حال تمہارا ہے اس کو ضائع مت کرو پورا فائدہ اٹھاؤ بدتر کو بہتر بنانے کی کوشش کرو۔ پوری زندگی پوری عقل اس پر خرچ کرو جو

کچھ مل رہا ہے اس پر صبر کرو قناعت ایمان والوں کا پیشہ ہے اور اہل معرفت کا شیوہ ہے۔ قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا۔ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا فرمایا قلب منور نے کہ اسی جبلتِ سرِّ خلوتِ مراقبہ کے ہم متلاشی تھے تو دونوں قلب و نفس تو امہ عقلِ قدسی کے برزخی راستے پر پیچھے لوٹے اس لیے کہ ترقیٔ کمال عقلِ قدسی کی اتباع میں ہے۔ اور مقامِ فطرت نشاناتِ عملِ صالحین کے قدم بقدم ہے۔ اور منزلِ شہود ھبوطِ زوال سے کمالِ وجود کی طرف ہے۔ یہاں تک کہ پا لیا دونوں قلب و نفس نے عقلِ قدسی کے خضرِ اسرار کو جو بندگیِ حقیقیہ کے مقامِ خاص میں ایک عبدِ مخصوص ہے۔ ہمارے اجسامِ باطنی کے بندوں میں سے اس کو ہم نے مزیتِ عنایت، مرتبۂ قربِ الٰہیہ، صفاتِ جمیلہ اور محبوبیۂ اکرامیہ کا مقامِ رحمت عطا فرمایا ہے۔ اور انعامِ معنوی کی رحمتِ بندگی دی ہے۔ عوامِ کثرت سے نکالکر خصوصیتِ وحدت بخشی ہے اور سکھا دیا ہے ہم نے اسی عقلِ قدسی دانشِ سوشی کو اپنی بارگاہِ ازلی ابدی قدیمی سے معارف و حقائق کا کلیۂ بدیہیہ کا علم حواس و اعضا کے واسطے کے بغیر (ابن عربی)، اور بتا دیا ہم نے اپنے اس بندۂ عرفانی کو علمِ خواص علمِ لدنی توفیقِ منافع اور خذلانِ مواقع۔ اطلاع علی الاسرار بغیر ظن و گمان نہ خلافِ واقعہ نہ مشاہدۂ باطلہ مکنون و مغیباتِ انوار کا علم۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جب بندہ تمام مخالفات سے اپنے اعضا کی حفاظت کرتا ہے اور ہر ارادے و حرکت کو فنا کر ڈالتا ہے۔ اور بارگاہِ جمالِ حق میں بغیر کسی تمنا و مراد کے رہ جاتا ہے تو اس کو بلا طلب پردۂ غیب سے وہ علم نصیب ہوتا ہے جس سے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے۔ عبادت کی اصلاح اور اسرارِ قدرت کی واقفیت اور وقوعِ واقعہ سے پہلے واقعات کی اطلاع ہو جاتی ہے یہ وہ علم غیبی ہے جس کا تعلق عالمِ افعال سے ہے علم لدنی کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ علم اسماء، یہ علم خاص ہے ۲۔ علمِ صفات یہ اخص الخاص ہے۔ ۳۔ علمِ ذات یہ اخص الاخص ہے۔ (تفسیر روح المعانی) اہلِ معرفت کے نزدیک تمام علم تین قسم کے ہیں پہلا علم وہبی۔ دوسرا علم کسبی تیسرا علم لدنی۔ علم وہبی ہر انسان جانور چرند پرند۔ بچہ دیوانہ اور بیوقوف اور کیڑے مکوڑوں کو پیدائشی ملتا ہے بغیر محنت بغیر لکھنے پڑھنے چلتے و کلیبوں عبادت و ریاضت کے جیسے سردی۔ گرمی۔ درد و تکلیف۔ بھوک پیاس لذت کراہت کا علم۔ لیکن علم کسبی صرف انسان اور جنات کو پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سے حاصل ہوتا ہے جس کو معلوماتِ تصوری تصدیقی نظری بدیہی کہتے ہیں جیسے دنیا کے کتابی تجرباتی علم۔ ہنر۔ فنون۔ کاریگری اور معلوماتِ مشاہدات یہ ہر کافر و مومن کو مل جاتا ہے۔ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا۔ قَالَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا۔ وَكَيْفَ تَصْبِرُ عَلٰى مَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ خُبْرًا۔ فرمایا موسیٰ قلبِ کلیم نے اس بندۂ عقلِ قدسی کو زبانِ اسرار سے کیا میں اس راہِ عشقِ الٰہی میں منزلِ علم مشاہدہ تک ترقی کمال کی طرف سلوکِ ارادت و طریقتِ عقیدت کی اتباع۔ قصد و نیت کر سکتا ہوں تاکہ تو مجھ کو بھی درسگاہِ عشقِ تام کے وہ اسباق سکھا دے اور دربارِ الٰہیہ کے وہ آداب بتا دے جو

تجھ کو عالمِ اسرار و روحانیت میں پڑھائے گئے ہیں۔ ہدایت پانے۔ لینے اور ہدایت دینے کے لیے امانتِ عرشی کی عقلِ قدسی نے فرمایا۔ بے شک تو اے قلبِ منور اے اعضاءِ ظاہری و حواسِ باطنی کے پیشوا و کامل رہنما و اکمل اُستادِ مکمل ابھی میرے ساتھ صبرِ اقامت و اتباعِ استقامت و سفرِ اطاعت کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ وکیف تصبر اس لیے کہ تو ابھی حقائقِ معنویہ سے ناواقف ہے تجھ پر بدن کے پردے ہیں۔ اسرار و انوار کے مقاماتِ خفیہ کی خبریں تیرے علمی احاطے سے باہر ہیں۔ عارفین کے مشرب میں موسیٰ قلب سے مراد بقا باللہ ہے اور خضر بحرین سے مراد فنا باللہ ہے۔ مامُلِّمت۔ اس علم سے جو علمِ لدُنی تجھ کو تعلیم دیا گیا ہے ۔ علمِ لدنی یہ ہے کہ جو علوم دوسرے لوگ پڑھ کر اور تجربہ و مشاہدے سے حاصل کرتے ہیں وہ کسی کو خود بخود تعلیمِ الٰہیہ سے آجائیں بغیر کسی دنیوی استاد کے پڑھانے سے ۲ اشیاء کی غیبی حقیقت کا علم بندے کو آجائے ۳ اسرارِ الٰہیہ اور معرفتِ ربانی بھی علم لدنی ہے۔ اگرچہ چلہ مراقبہ ورد و ظائف کے مجاہدوں محنتوں کے بعد حاصل ہو۔ کیونکہ اولیاء اللہ کی یہ کسب و محنت صرف حصولِ رضاءِ الٰہی کا ذریعہ ہے۔ لیکن علمِ غیبی اور اسرار کا جاننا فقط عطاءِ ربانی ہے۔ کسی کے چلوں۔ خلوتوں۔ محنتوں سے یہ علمِ لدنی نہیں مل سکتا اور اگر یہ بذریعہ وحی ملا ہو تو علمِ نبوت ہے۔ بذریعہ الہامات آیا تو ولایت ہے۔ بغیر الہامات آیا بذریعہ جنات و شیطانیات آیا تو جادو ہے۔ (تفسیر کبیر و ابن عربی) اصلِ شریعت کو علمِ معرفت اور طریقت روحانیہ پر چلنے کی اس لیے بھی ہر وقت ضرورت ہے کہ عالمِ مادیات میں حواسِ باطنی کا جھگڑا لڑائی اور مقابلہ ہوتا رہتا ہے۔ جب نفس و قلب کا مقابلہ ہوتا ہے تو اس نفسِ امارہ کی برائی زائل ہو جاتی ہے۔ اور جب نفس کا نفس سے مقابلہ ہوتا ہے تو فتنہ بھڑک اُٹھتا ہے اور عزت و غیرت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اس فتنہ و فسادِ اندرونی کو صرف ذکرِ روحانی سے ہی روکا جا سکتا ہے۔ قَالَ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ صَابِرًا وَّ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا۔ قَالَ فَاِنِ اتَّبَعۡتَنِیۡ فَلَا تَسۡـَٔلۡنِیۡ عَنۡ شَیۡءٍ حَتّٰۤی اُحۡدِثَ لَکَ مِنۡہُ ذِکۡرًا۔ فرمایا موسیٰ قلب نے اے عقلِ قدسی اگر معلاۃ و کائنات جلِ مجیدہ کی مشاہدہ جمال ہوئی تو مجھ کو وارداتِ صراطِ حقیقت میں استطاعتِ الہاماتِ غیبیہ کا صابر پائے گا۔ مجھ کو قوتِ استعداد کی اُمید اور ثباتِ طلب کی آس ہے میں توفیقِ الٰہی سے مایوس نہیں۔ لَاۤ اَعۡصِیۡ لَکَ اَمۡرًا۔ کبھی بھی صدقِ مقامِ حقیقتِ نیات۔ توجہِ باطنی۔ حالاتِ لسانی میں تیری نافرمانی نہیں نہ کروں گا۔ عقلِ قدسی نے فرمایا کہ اگر تو اے مصرِ جسمانیہ کے حاکمِ اعلیٰ طریقۂ کمال کے سلوک میں اتباعِ حقیقی کا طالبِ مستقیم ہے تو اس راہِ معرفت کے اعمالِ مشاہدہ و ریاضاتِ مکاشفہ کے بارے میں مجھ سے کچھ نہ پوچھنا۔ اور اخلاقی مجاہدات میں کوئی سوال نہ کرنا نہ حقائق و معانی میں بات کرنا۔ یہاں تک کہ معاملاتِ قالب اور وارداتِ قلبیہ کے غیوب سے میں خود تجھ کو آگاہ و مطلع کر دوں۔ علم ایسی روشنی ہے جو تمام نعمتوں میں بڑی عظیم ہے اور جو شخص نعمت کی قدر نہیں جانتا اُس کو نعمت نہیں دی جاتی بلکہ موجودہ نعمت بھی بسا اوقات چھین لی جاتی ہے۔ مخلص اور راست باز انسان اپنے اقوال

وسوالات سے زیادہ اپنے کردار سے متاثر کرتا ہے مگر جس کے افعال واحوال مخلصانہ نہیں اس کی گفتگو کسی کو کچھ فائدہ نہیں پہنچا سکتی کیونکہ ایسے بے اخلاص کی باتیں خواہشِ نفس کے مطابق ہوتی ہیں۔ اسی لیے اہلِ معرفت راہِ طریقت میں گفتگو پر پابندی لگاتے ہیں اور طالب و مرید کو خلوت و خاموشی کی تلقین کرتے ہیں۔ قلب جتنا نورانی ہوتا ہے اُس قدر اس کی زبان کا کلام نورانی ہوتا جاتا ہے۔ اور قلب اُس وقت نورانی ہوتا ہے جب اُس میں استقامت پائی جاتی ہے اور حقِ بندگی کے فرائض اچھی طرح ذوق و شوق سے ادا کئے جاتے ہوں اے لوگو وقتِ فنا قریب ہے کوشش کرو کہ بایاں فرشتہ جو اعمالِ بد لکھتا ہے تمہاری طرف سے فارغ ہو جائے۔ اہلِ نظر کے نزدیک وہ مرید بہت ہی خوش قسمت ہے جس کو علمِ معرفت والا مرشد مل جائے خواہ اُس کی تلاش میں زمانے بیت جائیں اور مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں اگر سچا مرشد نہ ملے تو خلوت میں عبادت اور کثرتِ درود شریف ہی اس کا مرشد ہے جس کا دل آخرت کے ذکر سے خالی ہو وہ شیطانی وسوسوں کا شکار رہتا ہے۔ مگر جس کا باطن یقینِ کامل اور نورِ معرفت سے معمور ہو تو اسے کسی تصور و مشاہدے کی ضرورت نہیں ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ آج مورخہ دس رجب ۱۴۰۹ھ ۱۵ فروری ۱۹۸۹ء بروز جمعہ کی رات بوقتِ شب گیارہ بجے۔ نیو کیسل میں یہ تفسیر نعیمی پارہ ۱۵ یہ آخری ص ۲۸۴ مسودہ بھی تصنیف ہو کر شروع کردہ تینوں پارے ۱۳، ۱۴، ۱۵ کی تفسیر مکمل ہوئی اس کے بعد والے آٹھ صفحات از ص ۲۸۵ تا ص ۲۹۲ مسودہ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ و نور عرشہ سیدنا و مولانا و نبینا محمد و علیٰ آلہٖ و بارک و سلم۔ احقر احمد خان بدایونی حال نیو کیسل اپن ٹائن برطانیہ انگلینڈ۔

فَانْطَلَقَا ﷎ حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِی السَّفِیْنَةِ

پھر چلے وہ دونوں نبی یہاں تک کہ دونوں نبی سوار ہو گئے کسی کشتی میں

اب دونوں چلے یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے

خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ

اس بندے نے چیر دیا اس کشتی کو فرمایا حضرت موسیٰ نے کیا اس لیے چیر دیا اس کشتی کو تاکہ غرق کر دو تم اس کے سب بیٹھنے والوں کو

اس بندے نے اُسے چیر ڈالا۔ موسیٰ نے کہا کیا تم نے اسے اس لیے چیرا کہ اس کے سواروں کو ڈبا دو

لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا اِمْرًا ﴿۷۱﴾ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ

البتہ بے شک تم شریعت کے خلاف بہت ناپسندیدہ کام لائے ہو

بے شک یہ تم نے بڑی بات کی کہا میں نہ کہتا تھا کہ

اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۲﴾ قَالَ

فرمایا کیا پہلے ہی نہ کہہ دیا تھا میں نے

کہ آپ میرے ساتھی ہرگز نہ ٹھیر سکیں گے کہا

لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ

کہ بے شک تم نہ طاقت رکھو گے میرے ساتھ صبر کی فرمایا

مجھ سے میری بھول پر گرفت نہ کرو اور مجھ پر میرے کام میں

مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ﴿۷۳﴾ فَانْطَلَقَا ۖ حَتّٰۤى اِذَا

اچھا اب کی دفعہ نہ پکڑ کرو تم میری اس اعتراض پر جو میں نے بھول کر کر دیا اور نہ ڈالو مجھ پر

مشکل نہ ڈالو پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک

لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا

میرے اس ہمراہی کے سفر میں کچھ تنگی پھر آگے چل پڑے دونوں یہاں تک کہ

لڑکا ملا اس بندے نے اسے قتل کر دیا موسیٰ نے کہا کیا تم نے ایک ستھری

زَكِيَّةً ۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ۭ لَقَدْ جِئْتَ

ملاقات کی دونوں نے ایک بچے سے تو فوراً اس بندے نے اس بچے کو قتل کر دیا فرمایا کیا تم نے ایک پاکیزہ جان کو

جان بے کسی جان کے بدلے قتل کر دی بے شک تم نے

شَيْـًٔا نُّكْرًا ﴿۷۴﴾

قتل کر دیا بغیر کسی جان کے قصاص	البتہ بیشک لائے تم شریعت	کے	اعتبار	سے	بہت		ناجائز کام
					بہت	بری	بات کی

تعلق اِن آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں ایک صاحبِ شریعت نبی اور ایک صاحبِ طریقت نبی عَلَيْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کا ہم سفری پر کچھ معاہدہ ہونے کا تذکرہ ہوا تھا۔ اب اِن آیت میں اس معاہدے کو عملی جامہ پہنانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں طریقت کے مطابق کسی کی ہمراہی میں سفر کرنے کا طریقہ بتایا گیا تھا۔ اب اِن آیت میں شریعتِ موسوی کے احکام کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اللہ کے نبی حضرت خضر علیہ السلام کی اَسرارِ باطنی اور علمِ طریقت کے ذریعہ غیبی خبر کا ذکر تھا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ کے متعلق علمِ غیب سے پتہ لگا لیا کہ آپ صاحبِ علمِ طریقت نہیں اب اِن آیت میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرعی اور قانونی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے جس سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شرعی و ظاہری علوم کا ثبوت اور خضر علیہ السلام کی پیشگوئی کی تصدیق ہو رہی ہے۔

تفسیر نحوی فَانْطَلَقَا حَتّٰى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِيْنَةِ خَرَقَهَا ۔ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا اِمْرًا ۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِىَ صَبْرًا ۔

ف۔ یعنی ثُمَّ تراخیہ اِنْطَلَقَا۔ بابِ انفعال کا ماضی مطلق تثنیہ مذکر اس کا مصدر ہے اِنْطِلَاقٌ۔ طَلْقٌ سے بنا ہے لغوی معنیٰ ہے۔ چھوڑ دینا۔ آزاد کرنا۔ قید یا نہ ہونا۔ پیدل چلنا۔ اُٹھ کر چلدینا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ ہے۔ اس میں هُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع عبدًا اور حضرت موسیٰ ہیں۔ یہ جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ حَتّٰى حرفِ عاطفہ یا جارّہ زیادہ ترجیح جارّہ کو ہے کیونکہ اس کے بعد اِذَا ہے لہٰذا ما بعد عبارت مجرور ہے نہ کہ معطوف اگر ما بعد فعل ہوتا تو حتّٰی عاطفہ ہوتا اور ماقبل اسی بنا پر معطوف علیہ نہ ہوگا۔ یہ انتہاءِ غایت کے لیے ہے اِذَا ظرفیہ شرطیہ ہے۔ یہ اِذَا چار طرح مستعمل ہے۔ ۱۔ ظرف مکانی کے لیے ۲۔ ظرف زمانی کے لیے ۳۔ زمانۂ ماضی حال مستقبل کے لیے۔ ۴۔ مفاجات یعنی اچانک کے معنیٰ میں۔ یہاں ظرفیۂ زمانی اور زمانۂ ماضی کے لیے ہے ایک قول ہے کہ یہاں بمعنی استقبل ہے ترجمہ ہے کہ چل دئے وہ دونوں یہاں تک کہ جب سوار ہو جائیں ماضی کا ترجمہ اس طرح ہے کہ چلتے رہے وہ دونوں سوار ہونے تک۔ رَكِبَا۔ ماضی مطلق تثنیہ۔ باب سَمِعَ رَكِبَ سے بنا ہے ترجمہ ہے۔

سوار ہونا۔ متعدی نہیں ہوتا۔ ہمیشہ لازم ہوتا ہے اس کا فاعل ضمیر ھما پوشیدہ ہے۔ فِیْ جارہ ظرفیہ اَلسَّفِیْنَۃِ اسم معرّف باللام جامد مؤنث لفظی ہے۔ بمعنیٰ خاص کوئی کشتی اس کی جمع ہوتی ہے سُفُن۔ یہ جار مجرور متعلق ہے رَکِبَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ خَرَقَ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد خرقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پھاڑنا اکھیڑنا۔ کسی جُڑی ہوئی چیز کو علیحدہ کرنا توڑنا۔ اس کا فاعل ھُوَ۔ مستتر اس کا مرجع عبداً ہے۔ ھَا۔ ضمیر مؤنث کا مرجع سفینہ ہے یہ مفعول بہ ہے خَرَقَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مجرور متعلق ہے اِنْطَلَقَا کا حتّٰی جارہ کی وجہ سے وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مکمل ہوا۔ قَالَ فعل ماضی۔ ھُوَ اس میں پوشیدہ ضمیر مرجع ہے۔ حضرت موسیٰ۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ۔ سوالِ انکاری کے لیے یعنی ایسا کیوں کیا۔ ایسا کیوں کیا۔ ایسا کرنا چاہیئے تھا۔ خَرَقْتَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر ھَا ضمیر اَنْتَ اسمیں مستتر فاعل ہے۔ مرجع عبدٌ ہے ھَا ضمیر بارز مؤنث مفعول بہ ہے مرجع ہے سَفِیْنَۃ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا۔ لام کَے تعلیلیہ تُغْرِقَ۔ بابِ افعال کا مضارع صیغہ واحد مذکر حاضر بمعنیٰ قریبی مستقبل اس کا مصدر ہے اِغْرَاقٌ بمعنیٰ ڈبونا۔ غَرَقٌ سے بنا ہے یہ مادہ لازم ہے بمعنیٰ ڈوبنا۔ ایک قول میں تَغْرَقَ صیغہ واحد مؤنث غائب پہلے قول میں یہاں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے ترجمہ ہے کہ تاکہ تم ڈبو دو۔ دوسرے قول میں ہی ضمیر پوشیدہ ہے ترجمہ ہے تاکہ کشتی ڈبو دے۔ اَھْل۔ اسم مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے۔ والا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے تعلق اس کی جمع ہے اَھَالِیَان یا اَھَالِی۔ یہ مضاف ہے ھَا ضمیر مجرور متصل مرجع کشتی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے تُغْرِقَ کا ھَا کا ترجمہ ہے پہلے قول میں اُس کے اہل۔ دوسرے قول میں اپنے اہل۔ یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی خَرَقْتَ کی علت معلول دونوں مل کر مقولۂ اوّل ہوا لام کَے تاکید یہ و تحقیقیہ قَدْ جِئْتَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی قریب معروف صیغہ واحد مذکر حاضر جَیْئٌ اَجْوَفَ یائی و مہموز اللام سے بنا ہے۔ متعدی بھی ہوتا ہے بمعنیٰ لانا یہاں یہی معنیٰ ہے اور لازم بھی ہوتا ہے بمعنیٰ آنا شَیْئًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ یہ چیز مفعول بہ ہے جِئْتَ کا۔ اِمْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بھاری کام۔ عجیب کام قابلِ جرم صفت ہے شَیْئًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے جِئْتَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ قَالَ۔ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اس پہلے قَالَ کا فاعل حضرت موسیٰ ہیں۔ اور اس قَالَ کا فاعل عَبْدًا ہے یہ جملہ قول ہوا۔ اَ۔ ہمزہ سوالِ اقراری کیلئے بمعنیٰ کہا تھا۔ لَمْ اَقُلْ باب نَصَرَ فعل نفی جحد بلَم واحد متکلم فاعل متکلم عبداً ہے یہ مضارع منفی بمعنیٰ ماضی بعید ہے۔ اَنَا۔ ضمیر مستتر کا مرجع عبداً ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ۔ کَ ضمیر اس کا اسم مرجع حضرت موسیٰ ہیں۔ لَنْ تَسْتَطِیْعَ فعل نفی تاکید بلَن مستقبل بابِ استفعال واحد حاضر اَنْتَ مستتر فاعل مرجع حضرت موسیٰ۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِطَاعٌ و اِسْتِطَاعَۃٌ مادہ ہے طَوْعٌ یا طَیْعٌ بمعنیٰ طاقت پانا۔ خوش ہونا۔ مَعَ اسم ظرفِ مکانی بمعنیٰ ساتھ مضاف ہے۔ یٖ۔ ضمیر واحد متکلم مرجع ہے۔ عَبْدٌ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے۔ صَبْرًا اسم مصدر بمعنیٰ برداشت کرنا

مفعول بہ ہے۔ لَن تَسْتَطِيْعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی اِنَّ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا اَلَمْ اَقُلْ کا وہ جملہ فعلیہ منفی انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا اَقَالَ اپنے مقولہ سے مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِیْ بِمَا نَسِیْتُ وَلَا تُرْهِقْنِیْ مِنْ اَمْرِیْ عُسْرًا۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِیَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِیَّةًۢ بِغَیْرِ نَفْسٍ لَقَدْ جِئْتَ شَیْــٴًـا نُّكْرًا۔ قَالَ۔ فعل ماضی ھُوَ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع حضرت موسیٰ۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَا تُؤَاخِذْ۔ باب مُفَاعَلَةٌ کا فعل نہی صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر حاضر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع خطابی وہی عبد۔ نون وقایہ کی ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے بِ جارّہ سببیہ مَا۔ اسم موصول نَسِیْتُ۔ باب سمع کا فعل ماضی واحد متکلم نسیٌ سے مشتق ہے یعنی بھولنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور۔ متعلق ہے۔ لَا تُؤَاخِذْ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ لَا تُؤَاخِذْ کا مصدر ہے مُؤَاخَذَةٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے۔ یعنی پکڑنا۔ لینا یہاں باب مفاعلۃ میں طلب کے معنیٰ ہیں یعنی کسی کو آڑے ہاتھوں لینا۔ گھیر لینا۔ یہاں دو طرفہ کام کے لیے نہیں۔ واؤ عاطفہ۔ لَا تُرْهِقْ۔ باب افعال کا فعل حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِرْهَاقٌ یعنی ڈالنا۔ غلبہ کرنا۔ کسی پر چھا جانا۔ رکاوٹ پیدا کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے رَهْقٌ سے بنا ہے۔ یعنی ڈالنا۔ نون وقایہ کی مفعول بہ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل۔ مِنْ۔ حرف جر بمعنیٰ ظرفیہ مکانیہ مجازی۔ اَمْر اسم جامد معنیٰ۔ معاملہ۔ کام۔ ارادہ۔ ی۔ ضمیر متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی۔ مجرور ہو کر متعلق ہے۔ لَا تُرْهِقْ کا عُسْرًا۔ اسم جامد بمعنیٰ تنگی مشکل۔ تکلیف یہاں ہر معنیٰ درست ہے مفعول معہ ہے یا مفعول بہ دوم ہے۔ لَا تُرْهِقْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف سب عطف مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ۔ حرف تعقیب بلاتراخی۔ ایک قول میں یہ فَ بمعنیٰ ثُمَّ تراخی یعنی دیر کے لیے اور یہاں چونکہ تعقیب و تراخی دونوں ضروری ہیں اس لیے فَ لائی گئی نہ کہ ثُمَّ یعنی کسی اور کام میں مشغولیت نہ ہوئی بلکہ اس گفتگو کے کچھ دیر بعد ہی اِنْطَلَقَا۔ باب انفعال ماضی مطلق تثنیہ طَلْقٌ سے مشتق ہے۔ یعنی دونوں چل پڑے اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ھما ضمیر۔ حَتّٰى۔ حرف جر بمعنیٰ اِلٰی اَنْ یعنی یہاں تک یہی اس کا اصلی معنیٰ ہے۔ اِذَا شرطیہ ظرف زمانی کے لیے۔ یہ حکمی و مجازی شرط کے لیے ہے۔ لَقِیَا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق تثنیہ لُقِیٌّ سے مشتق ہے غُلٰمًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ بچہ۔ لڑکا۔ مذکر ہے اس کی مؤنث غُلْمَةٌ یا غُلَامَةٌ مگر استعمال نہیں اس کی تصغیر ہے غُلَیْمٌ اس کی جمع مذکر غِلْمَانٌ اور جمع مؤنث اَغْلِمَةٌ ولادت سے لے کر نابالغی تک بلوغت سے پہلے پہلے لڑکے کو بیٹے کو غلام کہا جاتا ہے اُس کے بعد نوجوان کو فتیٰ چالیس سال تک اس کے بعد شیخ۔ یعنی بوڑھا۔ پچھتر سال تک اُس کے بعد شیخ فانی سو سال تک بعض نے نوجوان کو بھی غلام کہا ہے مگر یہ غلط ہے نسبی اور نسلی نسبی بیٹے کو بھی غلام کہا جاتا ہے مگر اسی نابالغی کی عمر تک اس کے بعد وَلَد کہا جاتا ہے یہ بحالت نصب کیونکہ مفعول بہ ہے۔ لَقِیَا کا یہ جملہ

فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ۔ قَتَلَ۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف ھُوَ مستتر اس کا فاعل مرجع عبداً ہے۔ ہٗ ضمیر معفول بہٖ منصوب متصل ہے مرجع غُلامًا ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر مجرور متعلق ہے اِنْطَلَقَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا قَالَ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا اس کا فاعل حضرت موسیٰ ہیں۔ اَ۔ ہمزہ سوالِ انکاری کے لیے۔ قَتَلْتَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد حاضر۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعلِ مخاطب مراد ہیں حضرت خضر یعنی عبد۔ نَفْسًا اسم جامد مؤنث اس کی تصغیر ہے۔ نُفَیْسَۃٌ بمعنیٰ آدمی۔ یہاں مراد ہے ایک آدمی۔ موصوف ہے۔ زَکِیَّۃً۔ اسم مبالغہ صفت مشبہ مؤنث بروزن فعیلۃ بمعنیٰ بیگناہ پاک صاف ستھرا۔ خوبصورت بھولا بھالا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ یعنی بے گناہ یہ ناقص واوی زَکُوٌ سے بنا ہے اس کی جمع مؤنث ہے اَزْکِیَۃٌ اس کا واحد مذکر زَکِیٌّ جمع مذکر ہے اَزْکِیَا اسی سے ہے زکوٰۃ بمعنیٰ دولت کا میل کچیل نکالنا۔ نَفْسًا کی صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے قَتَلْتَ کا۔ بِ جارہ عوضی۔ غَیْرِ اسم جامد بمعنیٰ بلاوجہ۔ بلا قصاص نَفْسٍ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَتَلْتَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ اول ہوا قَالَ کا۔ لامِ کَیْ۔ تاکید یہ شدتِ کلام یا اظہارِ ناراضگی کے لیے۔ قَدْ جِئْتَ باب ضَرَبَ کا ماضی قریب واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مراد ہے۔ عبداً شیئًا موصوف نُکْرًا مصدر ہے بمعنیٰ اسم مفعول مُنکَرًا۔ ترجمہ ہے ناپسندیدہ غیر شرعی کام۔ قابلِ جرم۔ یہاں پہلے معنیٰ مناسب ہیں بحالتِ نصب و زبر ہے کیونکہ صفت ہے شیئًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے قَدْ جِئْتَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا۔ قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا مکمل۔ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سیدنا و مولانا محمدٍ وَّعَلٰی اٰلِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَکْبَرُ آج مورخہ ستر صفر ۱۴۰۵ھ مطابق گیارہ نومبر ۱۹۸۴ء بروز اتوار پیر کی رات بوقتِ عشا رات کے ساڑھے چھ بجے بریڈ فورڈ ساؤتھ فیلڈ سکوائر والا محلہ مکان نمبر ۲۹ یہ مکان خاص عطیۂ سرورِ کائنات صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ ہے۔ سورۂ کہف کی تفسیر نحوی تک مکمل ہوئی میں نے اپنے کریم جَلَّ وَتَعَالٰی کے کرم کی توفیق سے تین پاروں کی بیکدم تفسیر لکھنی شروع کی ہے۔ اب پھر مجھے پارہ تیرھویں کی تفسیر عالمانہ شروع کرنی ہے۔ آگے جو رب کی رضا نعلوم کتنے پاروں تک تفسیر نعیمی کی اجازت و توفیق ملتی ہے۔ میرا کریم رب میرا مددگار ہے جَلَّ وَسُبْحَانَہٗ تَعَالٰی۔

تفسیر عالمانہ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا رَكِبَا فِى السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ۔ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ صَبْرًا۔ سفر کا یہ پہلا واقعہ ہے جب دونوں نبی عَلَیْہِمَا السَّلام ایک طرف کو تشریف لے جا رہے ہیں ایک شریعت کا نبی ایک طریقت کا نبی ایک کی ہر بات وحیِ جلی جو ظاہر کرنے کے لیے ہی ایک کی ہر بات وحیِ خفی جو پوشیدہ رکھنے کے لیے نازل ہوئی ایک احکامِ شریعت کے قانون و کتاب والا مُرسَل نبی ایک

ارواحِ انسانیہ کو پاکیزگی و جلا بخشنے والا تھی۔ شریعت ظاہر نہ ہو تو نقصان۔ طریقت ظاہر ہو جائے تو نقصان۔ آج مسلم قوم کو سب سے زیادہ نقصان اور فرقہ پرستی کی پھیلی ہوئی وبا کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ پیری مریدی اتنی ظاہر ہو گئی ہے کہ شریعت و طریقت والے اس میں چھپ کر رہ گئے ہیں۔ جتنے بھی انبیاءِ کرام تشریف فرما ہوئے ان کے تین طبقے ہی رہے ۱۔ اہلِ شریعت ان کو ہی رسولِ الٰہی کا خاص انعام عطا ہوا ۲۔ اہلِ طریقت ۳۔ اہلِ معرفت۔ آدم۔ نوح۔ موسیٰ علیہما السلام وغیرہم اکثر انبیاءِ کرام اہلِ شریعت تھے کہ ان کی وحی صرف قانون کی تھی اہلِ طریقت انبیاءِ کرام کی وحی صرف باطنی اسرار و رموز پر تھی اور باطنی طریقے پر اصلاح فرماتے تھے۔ اہلِ حقیقت و معرفت صرف توحیدِ الٰہی و ترکِ دنیا کی تلقین فرمانے کے لیے تھے جیسے شعیب ذکریا عُزیر و عیسیٰ علیہما السلام۔ اہلِ طریقت جیسے خضر۔ داؤد۔ الیاس۔ ادریس علیہم السلام۔ اہلِ شریعت انبیاء کے وارث علما فقہا ہوتے ہیں۔ اہلِ طریقت میں صوفیا اولیا۔ عباد اللہ بنتے ہیں اہلِ معرفت انبیاءِ کرام کی بارگاہوں میں صرف عابدین زاہدین تارکین یا خلوت نشین پیدا ہوتے ہیں۔ یہ تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان ہی ہے۔ کہ رب تعالیٰ نے آپ کو شریعت طریقت حقیقت معرفت والی نبوت کاملہ عطا فرمائی اور وحیِ جلی و خفی کے خزانے بخشے جس نے جو کچھ لینا ہے وہ اسی ایک آستانۂ قدس پر آجائے اب کسی خضر کے پاس جانے کی ضرورت نہیں۔ حضرتِ موسیٰ اور حضرتِ خضر مجمع البحرین یعنی بحرِ روم اور بحرِ فارس کی حدود حاری دریا کے کنارے پر چل پڑے اس طرح کہ ایک طالب ایک مطلوب۔ ایک سیکھنے کا ارادہ رکھنے والا اور ایک سکھانے کا وعدہ فرمانے والا۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ نبی کا استاد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا یہاں صرف کچھ دکھانا ہی مقصود تھا۔ یہ علم سیکھنا حضرت موسیٰ کے لیے کوئی ضروری نہ تھا۔ دونوں صاحبِ نبوت ایک دوسرے کے علم سے لاتعلق تھے کیونکہ اپنی اپنی قوم اور اپنے کام کے نبی تھے نہ کہ سارے انسانوں کے۔ حضرت خضر کو تو اپنی منزل اور تمام ذمے داری والے کام کا پتہ تھا۔ کہ رب تعالیٰ کے کس حکم سے کہاں جا رہے ہیں۔ اور راستے میں کیا کچھ کرنا کس کے حکم سے کرنا ہے۔ مگر موسیٰ علیہ السلام کا مقصد سفر نہ تھا وہ تو صرف ہمراہیِ خضر کے طالب تھے۔ حضرت یوشع بھی ساتھ تھے۔ مگر اب اُن کا ذکر نہ ہوا اس لیے کہ آئندہ واقعات سے اُن کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ دریا کے کنارے چل رہے تھے کہ ایک کشتی جس میں بہت مسافر کرایہ دے کر سوار تھے۔ قریب سے گزری تو ملاح نے دیکھ کر روک لی۔ کچھ لوگوں نے اس روکنے پر احتجاج بھی کیا کہ مت روکو کہیں ڈاکو نہ ہوں مگر ملاح نے روک کر بیٹھنے کی دعوت دی بلا کرایہ یا اس لیے کہ خضر علیہ السلام کا پہلے سے واقف ہو گا یا اس لیے کہ چہرے کی نورانیت اور وجاہت نے سب کو مرعوب کر دیا اور بغیر کرائے بٹھالیا اور دونوں سوار ہو کر چلے ابھی کشتی کچھ دور ہی چلی تھی۔ کہ خضر علیہ السلام نے کشتی کے فرش یا فرش کے قریب دیوار کشتی کا

ایک تختہ اکھیڑ دیا جس کو ملاح اور کسی مسافر نے نہیں دیکھا کیونکہ یہ حضرات بالکل الگ تھلگ بیٹھے تھے۔ اور یہ مسافر بردار کشتی خاصی بڑی تھی۔ مقصدِ تصوف بھی سب سے الگ خلوت نشینی ہے نہ کہ محافل اور مجالس کی صدر نشینی۔ یہی وجہ ہے کہ آج کا صوفی اصلِ تصوف سے ناواقف ہے۔ نبوت کا ہر کام آئندہ نسلوں قوموں اُمتوں کے لیے سبق ہے حضرت موسیٰ نے فقط سوال کیا کہ یہ کام تو بہت نقصان والا کیا یا اس لیے کہ کشتی خود ڈوب کر مسافروں کو ڈبو دیگی پانی اس میں آجائے گا۔ نیچے سے جلدی اور دیوار سے ہچکولے کھا کر۔ یا تم اور ہم تو اپنے معجزے سے بچ جائیں گے۔ مگر تم نے ان سب مسافروں کو گویا ڈبو دیا۔ البتہ بے شک تم نے یہ کام شریعت کے اعتبار سے برا کیا اس لیے کہ اس میں تین خرابیاں ہیں ۱ جانی نقصان کا اندیشہ ۲ مالی نقصان جو واقعۃً ہو ہی گیا ہے۔ ۳ احسان فراموشی کیونکہ ملاح مالکِ کشتی نے بغیر کرایہ بٹھایا تھا۔ اور یہ تینوں کام ہر شریعت میں ناجائز ہیں۔ یہ احتجاجی سوال گویا شرعی گرفت تھی حضرت خضر نے اس سوال پر کوئی توجہ نہ فرمائی اس وجہ سے کہ اس وقت یہ قانون شریعت موسیٰ کا تھا اور حضرت خضر اس کے پابند نہ تھے ان کی اپنی قانونی حیثیت تھی۔ باطنی حضرات مدبراتِ امر ہوتے ہیں کبھی کبھی اُن پر شرعی قیود واجب نہیں ہوتے مگر اب شریعت اسلام میں کسی شخص کو بھی شریعت کے خلاف کام کرنے کی اجازت نہیں ہو سکتی۔ اس اعتراضِ موسوی کے جواب میں خضر علیہ السلام نے صرف یہ فرمایا کہ تم کو میں نے پہلے ہی نہ کہہ دیا تھا کہ آپ چونکہ شریعتِ ظاہری والے ہو میرے ساتھ باطنی کام دیکھ کر صبر نہ کر سکو گے حالانکہ اسرارِ باطنی میں خاموشی ہی لازم ہے تاکہ اہلِ باطن اور صاحبِ اسرار لوگوں کے کام اغیار کے کانوں اور آنکھوں تک نہ جا سکیں۔ اے موسیٰ آپ کی اعتراضی تقریر سے تو اغیار مسافروں کو اعمالِ اسرار کا پتہ لگ جائے گا اور نا اہل و نامحرم بھی ہماری محفل میں اودھم مچا کر ہماری خلوت کو خراب کریں گے۔ تب حضرت موسیٰ نے اس علم کی نزاکتوں کو سمجھتے ہوئے فرمایا قَالَ لَا تُؤَاخِذْنِيْ بِمَا نَسِيْتُ وَلَا تُرْهِقْنِيْ مِنْ اَمْرِيْ عُسْرًا ۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ اے خضر اے علم باطن کی نبوت والے مجھے معلوم ہو گیا کہ ان اسرارِ الٰہیہ میں میرا شرعی احتجاج ناگوار ہے۔ میری اس بھول پر میری گرفت نہ فرما اور نہ ہی میرے نامناسب سوال پر میرے شوقِ طلب میں تنگی اور رکاوٹ پیدا فرما خضر علیہ السلام نے اس معذرت کو قبول کر لیا کیونکہ اس منزل میں طالب کا شوقِ عشق پر کھا جاتا ہے اور شوق طلب کا امتحان لیا جاتا ہے۔ لہٰذا فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَا لَقِيَا غُلٰمًا فَقَتَلَهٗ ۙ قَالَ اَقَتَلْتَ نَفْسًا زَكِيَّةًۢ بِغَيْرِ نَفْسٍ ؕ لَقَدْ جِئْتَ شَيْـًٔا نُّكْرًا ۔ ان باتوں باتوں میں کشتی دوسرے کنارے پر آگئی جہاں کچھ مسافر اترے اور یہ بھی اتر پڑے اس طرح کہ آگے اور پہلے حضرت خضر اترے پھر پیچھے حضرت موسیٰ اور ایک نزدیکی گاؤں کی طرف چل پڑے وہاں کچھ نابالغ بچے کھیل رہے تھے۔ اُن سے کچھ دور کھڑا ایک بہت خوبصورت بچہ تھا یہ سب اُس طرف تشریف لے گئے اور حضرت خضر نے اُسی بچے کو قتل کر دیا۔ یا اس طرح کہ سر کاٹ دیا یا گلا گھونٹ دیا

یہی قول درست ہے۔ یا لٹا کر ذبح کر دیا۔ یا پتھر سے دے مارا بچہ قتل ہو گیا لیکن کسی کو پتہ نہ چل سکا۔ یہ قتل کر کے آگے روانہ ہو گئے تب دیگر بچوں کو پتہ لگا اور شور اٹھا کہ یہ خود بیہوشی سے مرا ہے یا کسی نے گلا گھونٹ کر مارا حضرت موسیٰ نے کبھی یہ غم ناک واقعہ پہلے دیکھا نہ تھا یہ معاملہ پہلے سے بھی زیادہ سخت و سنگین تھا۔ چلتے چلتے پھر اعتراض فرمایا مگر مداخلت نہ کی ورنہ چاہتے تو اسی وقت چھڑا دیتے۔ بس بعد میں یہی فرمایا کہ اے خضر تم نے ایک خوبصورت بھولے بھالے بے گناہ لڑکے کو بغیر قصاص قتل کر دیا بے شک یہ تو صاف شریعت کے خلاف کام لائے تم۔ اس احتجاج میں پہلے سے بھی زیادہ سختی تھی کیونکہ اس میں غم تعجب اور جلال کا عنصر تھا۔ ان واقعات سے عجیب عجیب سبق عبرتیں حاصل ہوتی ہیں۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ انبیاء کرام کے معجزات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُن کے قبضۂ اختیار میں دے دیئے جاتے ہیں جس وقت چاہیں بوقت ضرورت دکھائیں دیکھو حضرت خضر نے کشتی توڑنے کا معجزہ کیا کہ کشتی میں پانی نہ آیا جب کہ موسیٰ علیہ السلام کو ظاہری حالات میں کشتی ٹوٹنے کی نوعیت سے یہ خدشہ تھا اسی طرح کراماتِ اولیاء اللہ آستانۂ نبوت سے عطا ہوتی ہیں۔ اور اولیاء اللہ کے اختیار میں دے دی جاتی ہیں یہ فائدہ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا (الخ)، سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کو دنیا کی کوئی چیز کوئی مخلوق نقصان نہیں پہنچا سکتی نہ آگ پانی مٹی ہوا نہ حیوانات نباتات جمادات نہ ان کو کبھی کسی مخلوق سے جانی مالی نقصان کا ڈر لگا یہ فائدہ لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو حضرت موسیٰ نے لِتُغْرِقَ بھی نہ فرمایا اور لِتُغْرِقَنَا بھی نہ فرمایا کہ ہم ڈوب جائیں گے یا یہ کشتی ہم کو ڈبو دے گی بلکہ اَهْلَهَا فرمایا یعنی اہلِ کشتی کو ڈبو دے گی۔

تیسرا فائدہ۔ ہر شیخ اور ہر پیر کے لیے فرض ہے کہ امانتِ معرفت کا دیانت داری سے خیال رکھے دھڑا دھڑ مرید بناتا نہ چلا جائے یہ راستۂ طریقت کوئی کاروباری سڑک نہیں ہے۔ کہ ہر مرید کی ہتھیں کی جائیں کر بیام مریدین جا بدلال رکھے جائیں جو مریدوں کا سودا کرتے پھریں گاؤں گاؤں گھر گھر دورے کیے جائیں بلکہ منزلِ معرفت کی پُر خار وادیوں میں چلنے کے لیے انتہائی چھان بین اور امتحان و آزمائشوں کے بعد حلقۂ بیعت میں داخل ہونے کے لائق بنایا جائے اور اس پر شرعی پابندیاں عائد کی جائیں یہ فائدہ اَلَمْ اَقُلْ کے بار بار فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ علماءِ شریعت پر فرضِ منصبی ہے کہ مشائخِ طریقت کو اُن کی شرعی غلطی پہ اُن کا محاسبہ اور گرفت کرے یہ گرفت ادب و احترام کے خلاف نہیں یہ فائدہ سوالاتِ موسوی سے حاصل ہوا لیکن اب کوئی پیر فقیر حضرت خضر کی طرح شریعتِ اسلامیہ سے ہٹ کر عمل کر کے علماء کی گرفت سے بے اعتنائی نہیں کر سکتا۔ وہ زمانہ موسوی تھا۔ جب خضر علیہ السلام اپنے علیحدہ راستے

پر چل سکتے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کے اعتراضات سے بے پرواہی کر سکتے تھے اب دَورِ شہنشاہی مصطفےٰ کا ہے صلی اللہ علیہ وسلم کسی پیر فقیر کی کیا حیثیت ہے کہ شریعت سے علیحدہ قدم رکھے یا خضر علیہ السلام کی مثال دیتے ہوئے علماءِ اسلام سے ہٹے اب تو خضر علیہ السلام بھی اپنی طریقت پر شریعتِ اسلام سے ہٹ کر عمل نہیں کر سکتے۔ اب تو اشارۂ مصطفےٰ کا نام ہی شریعت طریقت اور معرفت ہے۔ اب تو کوئی بھی نقشِ قدمِ محمد رسول اللہ سے ہٹ کر نہ ولی اللہ بن سکے نہ عبادُاللہ ہو سکے۔

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ اگر کوئی نابالغ سمجھ دار مراہق اَمرد بچہ کسی کو قتل کر دے تو اُس کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ یہی حنفی مسلک ہے یہ مسئلہ بغیر نفس کی قید فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو علمِ غیب ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ زکیۃً اور بغیر نفس فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو حضرت موسیٰ نے ناواقف اور اجنبی بچے کی بے گناہی زکیہ ہونا بیگناہ ہونا اپنے علمِ غیب سے معلوم کیا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ آدابِ استاد یہ ہیں کہ اپنے استاد پر یا جس سے کچھ دین وغیرہ حاصل کرنے کی تمنا ہو بیجا سوالات نہ کرے ہاں صرف شرعی انجمن میں سوال کر سکتا ہے خاص کر راہِ طریقت میں اور اگر سوال ناگزیر ہو تو نہایت احترام سے سوال کرے مگر پر جرح وغیرہ نہ کرے۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ کے عمل سے ظاہر ہوا یہ مسئلہ لَا تُؤَاخِذْنِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ رَکِبَ کی جزا ہے خَرَقَ یہاں فَ جزائیہ نہیں آئی لَقِیَا کی جزا ہے قَتَلَ یہاں فَ جزائیہ آگئی۔ **جواب** دونوں جگہ جزا میں فَ نہیں آئی کیونکہ نہ خَرَقَ جزا ہے نہ فَقَتَلَہٗ میں فَ جزائیہ ہے بلکہ خَرَقَ تو شرط کی ہی جز ہے رَکِبَ کی جزا قَالَ اَخَرَقْتَ ہے اور لَقِیَا کی جزا اَقَتَلْتَ (الخ) ہے قَتَلَ کی فَ تعقیبیہ ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ کیا وجہ ہے کہ خَرَقَ کے لیے اِمْرًا آیا اور قَتَلَ کے لیے نُکْرًا۔ **جواب**۔ اس لیے کہ اِمر اُمرٌ تعجب کے لیے ہے اور تختہ توڑنا نرم کام اور شرعاً معمولی جرم ہے تختہ دوبارہ بھی جوڑا ٹھونکا جا سکتا ہے۔ مگر قتل میں سخت کام جس کا تدارک نہیں ہو سکتا مُردے اور مقتول کو زندہ کیسے کیا جا سکتا ہے یہاں غم بھی تعجب بھی اور جلال شرعی بھی۔

تیسرا اعتراض۔ کیا وجہ ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرمایا نَسِیْتُ میں بھول گیا حالانکہ اتنی جلدی بار بار بھولنا ممکن نہیں اس میں جھوٹ کا شائبہ ہے۔ (بے دین نیچری) **جواب**۔ اس کا جواب تفسیرِ عالمانہ میں اپنی جگہ دیا گیا کہ نصیحت کو نہ بھولے نوعیتِ نصیحت کو بھولے۔ یا نسیان بمعنی افسوس ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ آپ نے فوائد میں فرمایا کہ انبیاءِ کرام کو کسی مخلوق کا ڈر خوف نہیں ہوتا۔ تُغْرِقَ اور قَتَلَ کے قول و عمل سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے۔ مگر طور پر یہی حضرت موسیٰ سانپ سے ڈر گئے اور ڈر کر بھاگے۔ تو یہ تعارض کیوں۔ **جواب**۔ وہ سانپ کا ڈر نہیں تھا بلکہ

ہیبتِ کلامِ الٰہی کا رعب دبدبہ تھا جو ظاہر سانپ کو دیکھ کر ہوا۔ جیسا کہ اندھیرے میں کسی جگہ کے بتائے ہوئے خطرناک چیز کے خیال میں محو اور ڈر ڈر کر قدم رکھنے والا شخص پتہ کھڑکنے پر بھی بھاگ اُٹھتا ہے تو وہ پتے کا خوف نہیں ہوتا بلکہ دل پر بیٹھے ہوئے اُس رعب کا خوف ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب پہلی بار کلامِ الٰہی اقرء کی سورۃ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی اولوالعزم شخصیت خوف و دہشتِ کلام سے بخار میں مبتلا ہو گئے تھے۔ بالکل وہی کیفیت موسیٰ علیہ السلام کی سانپ دیکھنے کے وقت تھی۔

تفسیر صوفیانہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح عالمِ ناسوت کے نظامِ ظاہری اور بقاءِ جسدی کو چلانے کے لیے خلاقِ عالم نے کچھ تعلقات پیدا فرما دیئے ہیں اور اُن کے کچھ مختلف حقوق بنا دیئے ہیں جن کو پورا کرنے سے ہی ظاہری دنیا درست رہ سکتی ہے۔ اسی طرح باطنی عالم کے لیے بھی کچھ تعلقات اور اُن کے حقوق ہیں۔ مثلاً۔ انتظامِ معاشرہ میں خاوند بیوی باپ اولاد بادشاہ عابد۔ اُستاد شاگرد ہر دو طرف اپنے اپنے ذمے کے حقوق واجب الادا ہوتے ہیں۔ اور بااحسن طریقے سے ادا ہو جانا عالمِ جسمانیت اور معاشرے کی ترقی کا سبب ہے۔ اِسی طرح پیر مرید۔ امام و مقتدی کا رشتہ بھی بہت سے اپنے اپنے حقوق ادا ہونے سے روحانی قلبی۔ ایمانی عرفانی ترقی کا ذریعہ بنتا ہے۔ مرید پر مریدی کے حقوق واجب ہیں اور پیرِ طریقت پر پیری کے حقوق واجب ہیں۔ جب دونوں طرف یہ حقوق ادا ہوتے رہیں تب منزلِ معرفت قریب تر ہو جاتی ہے اور پیری مریدی اُسوۂ حسنہ بن کر ذریعۂ حیاتِ ابدی بن جاتی ہے۔ یہی وہ پیری مریدی ہے جس کا حکم حدیث پاک نے عطا فرمایا اور جس کا طریقہ قرآن مجید کی ان آیت نے بیان فرمایا چنانچہ مشکوٰۃ شریف بروایت حضرت امام عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ص ۳۲۰ پر کتاب الامارت بحوالہ مسلم شریف قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ خَلَعَ يَدًا مِنْ طَاعَةٍ لَقِيَ اللّٰهَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا حُجَّةَ لَهٗ وَمَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَّاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً۔ ترجمہ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس نے اطاعت سے ہاتھ پیر علیحدہ کیا وہ اللہ سے اس حالت میں ملے گا کہ اُس کے عذابِ الٰہی سے بچنے کی کوئی آس دلیل و حجت نہ ہوگی اور جو شخص مرا اور اُس کے گلے میں بیعت نہ ہوئی تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔ یہ حدیث پاک قیامت تک واجب العمل ہے اور اس سے مراد اولیاء اللہ کی بیعت ہے یعنی سلاسلِ اربعہ میں سے کسی ایک میں بیعت ہونا کہ سلاطین و خلفاء مسلمین کی صرف بیعت کیونکہ اسلامی سلاطین تو ہر زمانے اور ہر ملک میں میسر نہیں آ سکتے تو تا قیامت ہر مسلمان جاہلیت کی موت سے کس طرح بچ سکتا ہے۔ زمانۂ اقدس اور زمانۂ صحابہ میں بھی یہ بیعت سلسلہ جاری تھی۔ چنانچہ پہلے تمام صحابہ کرام نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیعت ہو کر جنتی بنے پھر تمام صحابہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرید بنے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ۔ فاروق رضی اللہ عنہ۔ عثمان رضی اللہ عنہ۔ سب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے مرید تھے پھر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے مرید بنے اُن کے

بعد سب عثمان غنیؓ کے اُن کے بعد سب علی مرتضیٰؓ کے مرید بنے۔ پھر صدیق اکبرؓ کی بیعت بعد میں نقشبندیت کہلائی فاروق اعظمؓ کی بیعت چشتیت اور عثمان غنیؓ کی بیعت بعد میں سہروردیت بنی اور مولیٰ علی کی بیعت نے بعد میں قادریت کا نام پایا۔ اور یہ چاروں سلسلے قیامت تک جاری ہوئے یہ بیعتِ طریقت ہے اسی طرح بیعتِ شریعت کے لیے صدیق اکبرؓ کی بیعت امام الفقہا عبداللہؓ بن مسعود کے مسلک پر امام جعفر صادق کے ذریعے بعد میں حنفیت ہوئی یہی حنفیت میں فقہ جعفری ہے۔ اور فاروق اعظمؓ کی شرعی بیعت عبداللہ بن عباسؓ کے مسلک میں بعد میں شافعیت بنی اور عثمان غنیؓ کی شرعی بیعت عبداللہ بن عمرؓ کے مسلک پر مالکیت ہوئی اور علی مرتضیٰؓ کی شرعی بیعت امام حسنؓ کے مسلک پر بعد میں حنبلیت کہلائی یہ بھی تا قیامت جاری ہیں فی زمانہ بیعتِ طریقت کو پیری مریدی کہا جاتا ہے اور بیعتِ شریعت کو استادی شاگردی کا نام دیا گیا۔ لہٰذا جس طرح عالم دین اپنے ایک مسلک پر ہی اپنے شاگرد کو مقلد بنا سکتا ہے اس طرح ایک پیرِ طریقت اپنے مرید کو ایک ہی مسلکِ روحانی پر مرید بنا سکتا ہے۔ یعنی جس طرح یہ نہیں ہو سکتا ہے اسی طرح یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک ہی شخص حنفی بھی ہو مالکی شافعی بھی یعنی یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ کوئی پیر ہر سلسلے میں بیعت کر سکے یہ تو آج کل کے صاحبزادوں میں ہوسِ مریدی نے یہ اختراع بنا ڈالی ہے کہ جی ہم ہر سلسلے میں بیعت کر سکتے ہیں بس تم بیعت ہو جاؤ جلدی کہ سے پہلے زمانوں میں یہ بات نہیں تھی نہ کہیں پرانی کتب میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ مقصد اس بناوٹی بات کا محض یہ ہے کہ کوئی شخص کہیں اور نہ جانے پائے سب اپنے ہی مرید بن جائیں۔ حالانکہ یہ بات مندرجہ ذیل وجوہ سے صرف غلط ہی نہیں بلکہ ناممکن بھی ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ بیعت مثل کشتی ہے۔ اور ساتھ لے جانے والا مرشد مثل خضر ہے۔ مرید باصفا مثل موسیٰ ہے جو ہمہ وقت مرشد کے ساتھ رہنے والا ہے۔ ظاہری باطنی نگاہ سے مرشد کی طرف ہی دیکھنے والا ہے۔ مقام فنافی الشیخ پر پہنچنے والا نہ پیر مرید سے جدا ہو سکتا ہے نہ مرید پیر سے۔ کیونکہ کشتیِ سفر ایک سفر بھی ایک اور منزل بھی ایک یہی وصل ہے یہی لقاء و معرفت۔ اگر ایک لمحے کے لیے بھی فراقُ بَیْنِیْ وَ بَیْنِکَ کا ظہور ہو جائے تو نہ طالب طالب رہتا ہے۔ نہ مطلوب مطلوب حکما فرماتے ہیں کہ اس میں کیا حکمت ہو سکتی ہے کہ حضرت موسیٰ کو حضرت خضر کے پاس بھیجا گیا حالانکہ اُس وقت دنیا میں انبیاء طریقت دیگر مقامات پر بھی موجود تھے۔ فرماتے ہیں کہ بہت سی حکمتوں کے علاوہ یہ حکمت بھی ہو سکتی ہے کہ حضرت خضر کو آگے چل کر امتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی روحانی حفاظت کی ذمے داری سونپی جانی تھی۔ اس سفر سے تا قیامت سچے طالبوں کو کچھ سبق سکھائے گئے۔ دوسری وجہ یہ چار سلسلہ بیعت مثل چار سلسلۂ آب مثل چار دریاؤں کے ہیں جو عالم ناسوت میں انتہائی شان و شوکت سے رواں دواں ہیں، اور منزل سب کی دربارِ آستانۂ قدسِ نبوی یا مدینہ منورہ ہے۔ اس راہِ معرفت کے ملاّح پیرانِ عظام مشائخِ کرام ہیں تو کیونکر ممکن ہے۔ کہ ایک ملاّح ساری کشتیوں کو خود ہی چلائے اور مسافرانِ معرفت کو منزل تک پہنچا سکے۔ تیسری وجہ اگر ایک

ہی شخص سب سلسلوں میں بیعت کر کے تو پھر چار سلسلے کیوں بنے۔ چوتھی وجہ جس طرح شریعت کے چاروں سلسلوں کے مسلک عمل عبادتِ ظاہری میں بہت مقامات پر اتنے شدید اختلافات ہیں کہ ان کا ایک وقت میں ایک عمل پر مختلف نظریوں کا وصل نہیں ہو سکتا اور ایک ہی شخص ایک وقت میں حنبلی شافعی نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح روحانی باطنی یہ چار سلسلے اتنے مختلف ہیں۔ کہ ورود وظائف وصل وطلب لطائفِ کشف راہِ سلوک میں کبھی وصل نہیں ہو سکتا اور ایک ہی شخص قادری چشتی بیک وقت بیک وقت نہیں ہو سکتا۔ ان آیت میں بظاہر حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کی ملاقات کا ذکر ہے مگر حقیقت میں طالبانِ حقیقت کو مسافرتِ راہِ سلوک کے پورے سبق سکھائے جا رہے ہیں۔ اہلِ معرفت کے لیے پہلا سبق یہ کہ مرید کو پیر کے پاس چل کر جانا چاہیئے دوسرا سبق یہ کہ منزلِ شوق کی راہ مسافرت میں مصیبتیں اور تکلیفیں بھی ہوتی ہیں جن کو صبر و شکر سے برداشت کرنا مرید پر واجب ہے انکے اظہار کے لیے فرمایا لَقَدۡ لَقِیۡنَا مِنۡ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ہم کو اس سفر میں بہت تکلیفیں ہوئیں۔ تیسرا سبق اس راہ میں بھوکا رہنے کی عادت ڈالے کہ حضرت موسیٰ اور اُن کے ساتھی نے سارے راستے کچھ نہ کھایا اور جب کھانے کا ارادہ فرمایا تو مچھلی فرار ہو چکی تھی۔ چوتھا سبق۔ پیر و مرشد کی محفل میں پہنچ کر صرف مرشد کی طرف ہی متوجہ رہے اس وقت اپنے اہل و عیال اور ساتھیوں کا بھی خیال چھوڑ دے ہاں شریعت کا خیال نہ چھوڑے پانچواں سبق دنیوی۔ اسباب زادِ راہ اور ساتھی یا خدمت گار کو ساتھ رکھنا تصوّف کے خلاف نہیں چھٹا سبق یہ دنیا اور وادیِ معرفت مثل دریا کے ہیں اور بارگاہِ مرشد مثل کشتی کے جس طرح دریا میں سوائے کشتی کے کوئی نہیں بچا سکتا اسی طرح دنیا میں بجز مرشد کوئی نہیں بچا سکتا۔ نہ بیچ دریا کے جو کشتی چھوڑ دے وہ ڈوبنے سے بچ نہیں سکتا۔ بجز تیراک کے اور دنیا میں بحرِ معرفت کا تیراک صرف مرشد ہے مرشد کو کشتی کی ضرورت نہیں مگر مریدوں کی خاطر اُس کو کشتی لینی پڑتی ہے۔ ساتواں سبق۔ مرشد کا وصل نعمت ہے۔ فراق مصیبت۔ مولا و روم فرماتے ہیں۔ پیر را بگزیں کہ بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر۔ اے مومن مسلمان کسی مرشد کو پکڑ لے کہ بغیر مرشد کی مدد کے یہ راستہ بہت دشوار و خطرناک ہے خوف کی لہروں اور دہشت کی موجوں والا ہے۔ آٹھواں سبق مرشد بہت نرم دل شفیق طبیعت ہوتا ہے کہ مرید کتنے ہی سوال کرے مگر وہ محبت و نرمی سے ہی جواب دیتا ہے اور مرشد کے جوابات ہی مرید کی منزلیں طے کرا دیتے ہیں۔ نواں سبق تمام منزلیں طے کرا کر سب کچھ بتا کر پھر فراق بھی ضروری ہے تاکہ ارشاد کا سلسلہ آگے چلے۔ جس طرح ماں بچے کا فراق اُس وقت ضروری ہے جب بچہ دنیوی رہن سہن کو سمجھ لے اسی طرح پیر مرید کا فراق اُس وقت ضروری ہے جب اُمواجِ معرفت میں کشتیٔ طریقت کی گم اکھیڑ خنجرِ عشق اور دستِ بقاء سے نفسِ فنا کا قتل اور دیوارِ باطن کی تعمیر کا مقصد سمجھ آ جائے صوفیا فرماتے ہیں کہ ادلاً پیر پر فرض ہے۔ کہ مرید کو اُس کے حقوق ادا کرے۔ کیونکہ پیر و مرشد مثلِ شجرۂ طیبہ ہے اس کی

جڑا اَصۡلُھَا ثَابِتٌ ہے۔ یہ مقام فَنَافِی الرَّسُول ہے۔ اس کی شاخیں فَرۡعُھَا فِی السَّمَآءِ ہے کہ مشاہدۂ تجلیات ہیں۔ مرشد کی چار نشانیاں ہیں۔ اوّلاً یہ کہ مرشد سراپا شریعت کی آغوش میں ہو۔ یعنی ہر اپنے پرائے کو اندر و باہر دن اور رات سرتاپا۔ چہار اطراف دیکھنے سے شریعت ہی شریعت نظر آئے شریعت کی ان ہی موجوں میں کشتیٔ حیات تیرتی چلی جائے خود بھی معرفت کا کنارہ پائے گا اور مریدانِ ہم سفر کو بھی پار لگائے گا۔ دوم۔ استقامت ایسی کہ ہر خواہش کو قتل کر دے اور منزلِ بقا کا راستہ نہ چھوڑے۔ سوم۔ تزکیۂ نفس در وح اور توکل علی اللہ کہ کسی کی میزبانی کی پرواہ نہ کرے نہ توشے کا حاجت مند ہو کوئی کھانا دے یا نہ دے۔ چوتھی نشانی کرامت کہ خرقِ عادت اعمال و افعال و اقوال اور واردات کا ظہور ہو۔ جس سے مخلوق خدا پر احسان کرتا۔ ہدایت عظمٰی کی دیواریں تعمیر کرتا چلا جائے جس پیر کی کرامت نہیں وہ بیعت کے قابل نہیں۔ کیونکہ جس طرح معجزات کا عطیہ ہی نبوّت اور قربِ الٰہیہ کی نشانیاں ہیں بدیں وجہ کوئی سچا نبی بغیر معجزت کے نہیں ہو سکتا۔ اور جھوٹے نبی کا کوئی معجزہ بلکہ شعبدہ، جادو بھی نہیں چل سکتا۔ اسی طرح کرامتِ ولی اللہ قربِ نبوّت کی دلیل ہے اور ترقیٔ روح و تزکیۂ نفس کی نشانی ہے۔ معجزات عطیۂ الٰہیہ ہیں اور کرامت عطیۂ انبیا علیہم السلام ہیں۔ اس لیے کہ کوئی ولی اللہ اگرچہ غوث و قطب ہو جائے مگر بلا نبوت نہ خود خدا تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہے نہ کسی کو پہنچا سکتا ہے۔ ان سب کی دوڑ آستانۂ نبوی تک ہے۔ حضور غوثِ پاک جیسی سردارِ اولیا ہستی کی مشکلات بھی خضر علیہ السلام کے ذریعہ حل ہوئی ہیں تمام اولیاء کائنات انبیاءِ کرام کے دروازۂ رحمت کے بھکاری ہیں۔ بعض لوگ سوال کرتے ہیں کہ سلطان العارفین سلطان باہوؒ ایک شعر میں کہتے ہیں طالِب بیا طالب بیا، تا رسانم روزِ اوّل باخدا۔ ترجمہ۔ اے رب تعالیٰ کو ڈھونڈنے طلب کرنے والے مخلص مرید جلدی آ جلدی آ تاکہ میں پہلے ہی دن تجھ کو خدا تک پہنچا دوں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کے لیے آستانۂ نبوّت تک پہنچنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ یہ شعر احادیث و آیت کے خلاف معلوم ہوتا ہے؟ اس کا جواب اس طرح ہے کہ یہ قول احادیث و آیت کے خلاف نہیں بلکہ سمجھنے میں غلطی ہے اس کو سمجھنے کے لیے یہ مثال ذہن میں رکھنی چاہیے کہ مثلاً ایک بادشاہ میرا دوست بن جاتا ہے اور وہ اکثر مجھ کو میرے گھر میں شرفِ زیارت بخشتا ہے۔ آپ بھی خادمانہ غلامانہ حیثیت سے روزانہ میرے پاس آتے ہیں اور بادشاہ کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں آپ کو کوئی کہے کہ میں بادشاہ کی زیارت کرنا چاہتا ہوں تو آپ فوراً کہیں گے کہ جلدی آ جلدی آ میں ابھی اور آج ہی تجھ کو بادشاہ تک پہنچا دوں۔ تو آپ کے اس قول کو نہ غلط کہا جا سکتا ہے نہ ناممکن جس بنیاد پر آپ نے وعدہ فرمالیا بادشاہ تک پہنچانے کا بس اسی قسم کی بنیاد پر سلطان باہو وعدہ کر رہے ہیں۔ سلطان باہو بارگاہِ رسالت آستانۂ مصطفٰے کے حاضر باش ہیں۔ اور وہیں پر روزانہ تجلیاتِ انوارِ الٰہیہ کی زیارت و مشاہدہ کرتے ہیں۔ اس لیے فرماتے ہیں طالب بیا۔ مراد یہی ہے کہ اے

طالبِ مولیٰ تعالیٰ میں تجھ کو آستانۂ نبوت تک پہنچا دوں گا پھر تو دیکھنا کہ جہاں مصطفیٰ ہیں وہیں باری تعالیٰ ہے۔ انبیاءِ کرام کے سوا بارگاہِ ربوبیت تک کون پہنچا سکتا ہے۔ کروڑوں غوث و قطب ایک نگاہِ مصطفیٰ کے متلاشی ہیں بلکہ بقول حضرت عطارؔ انبیاءؑ اولیاء محتاجِ اوئیؓ۔ ادبِ انبیا جڑ ہے عملیاتِ شریعت شاخیں ہیں حقیقت و طریقت اس کے پھل ہیں اور معرفت و مشاہدہ اس کی لذت و قوت ہے۔ پیر بنا بھی رب تعالیٰ کے کرم سے ہے۔ اور مرید بنا بھی اسی کے کرم سے۔ ان دونوں پر اسی رب کریم کے بتائے ہوئے حقوق ادا کرنا واجب ہیں جب تک حقوق کی حفاظت ہوگی۔ اور جب تک حقوق ادا ہوتے رہیں گے ولایت و غوثیت بنتی رہے گی لیکن جب کسی طرف سے بھی پامالیِ حقوق ہوگی۔ تو لہو و لعب مکر و فسوں۔ ریاء و نمود کی شیطانیت اجاگر ہوگی اور جبّہ و دستار میں بھی ابلیسیت چھپی ہوگی۔ مولانا رومی فرماتے ہیں۔ کارِ شیطاں میکند نامش ولی۔ گر ولی ایں است لعنت بر ولی۔ مرشد کے ذمے پہلے حقوق یہ ہیں کہ مرید طالب ہو یا غافل اپنے قربِ شریعت کے سایہ میں رکھنا فرض ہے۔ پیر پر مرید کا دوسرا حق پیر مثلِ باغ کا مالی ہے۔ جس پر فرض ہے کہ مرید کے سینۂ قلبی کو عشقِ مصطفیٰ کا چمنستان بنا دے اور عبادت کے پھلوں ریاضت کی کلیوں اطاعتِ شریعت کے غنچوں مجاہدے کی لذتوں اور معرفت و طریقت کی خوشبوؤں سے اس کو سجا دے۔ اور انوار و تجلیات کے پھولوں سے لدے ہوئے پودے کھلا دے۔ تیسرا حق پیر پر فرض ہے کہ مرید کی زمینِ نفسانیت اور جنگلاتِ عقلیات پر سے گناہوں کا خار و خس اکھیڑ پھینکے۔ پھر خلوتِ ریاضت کا ہل چلائے پھر ذکرِ الٰہی کے بیج ڈالے اور بحرِ لاہوتی کی موجوں سے سیراب کرے اور تصوفِ باطنی کی کھیتی عشقِ الٰہی کے پھل محبتِ مصطفیٰ کے پھول لگنے کا وقت ہو تو شریعت کی دیوار حقیقت کی باڑ معرفت کی اَڑ اطرافِ قالب میں باندھے اور بارگاہِ ایزدی میں انجام بخیر کی دعا کرے تاکہ قلب پر تجلیات کی بارش ہو اور سینۂ مسعود میں پھل پھول لگ جائیں۔ عارف کھڑی فرماتے ہیں۔ مالی دا کم پانی پانا بھر بھر مشکاں پادے۔ مولیٰ دا کم پھل پھل لانا لاوے یا نہ لاوے۔ پیر پر چوتھا حق۔ پیر پر فرض ہے۔ کہ مثلِ معمار مرید کے خزانۂ قالب کی حفاظت کے لیے ہر وقت کڑی نگاہ کی چو طرفی دیوار تعمیر کرے گناہ۔ سزا۔ عذاب۔ فسق۔ بری صحبت کھیل تماشوں۔ شریعت کی خلاف ورزیوں سے سختی کر کے بچائے اور باشرع بنائے یہ پیر کی ڈیوٹی ہے۔ اگر کوئی مرید فاسق بے نماز ہو کر مرے گا تو کل قیامت میں پیر سے پوچھ ہوگی۔ یہ حیاتِ دنیا عیش پرستی کے لیے نہیں آج اس دور میں واعظین یہ تو بتاتے ہیں کہ مرید پر یہ حق ہیں مگر یہ نہیں بتایا جاتا کہ پیر پر کیا حق ہیں اور پیر بننا کتنی مشقتوں کا کام ہے کبھی مالی کو بھی پاؤں پھیلائے عیش کی نیند کرتے دیکھا ہے کبھی فصل کے زمانے میں کاشتکار کو آرام طلبی کرتے لباسِ فاخرہ پہنتے دیکھا ہے آج حضور غوث پاک کے فاخرہ اور قیمتی لباس تو سب کو یاد ہیں مگر بغداد شریف کے بُرجِ عجمی کی جگر سوز حیاتِ غوثیت کا نقشہ بھی کبھی سوچا ہے۔ جس طرح کچھ بنانے کے لیے پیر کی یہ مندرجہ بالا ذمہ داریاں ہیں

اسی طرح پکو بننے کے لیے مرید پر بھی گیارہ حقوق واجب الاَدا ہیں۔ مرید پر پیر کا پہلا حق: تلاشِ حق کے لیے مرشدِ برحق کی چھان بین ظاہراً شریعت کا متبع اہلسنت طریقت وارشاد کو سمجھنے والا ہو۔ اس کے مریدین کے ظاہری حالات سے اندازہ لگائے کسی سے پوچھے نہیں کہ فلاں پیر کیسا ہے اپنے مشاھدے کو ہی کافی سمجھے اگر مشاھدہ نہ کر سکے یا ناکافی ہو تو کثرت سے درود شریف پڑھے۔ تقریباً درود خضری گیارہ ہزار مرتبہ چوبیس گھنٹے ہیں۔ دوسرا حق بھی لگن رکھنے والا اور محنتی مرشد کے بتائے ہوئے اسباقِ روحانیہ حکم وطریقے کے مطابق باہمت ہو کر پابندی سے برداشت کرے۔ تیسرا حق۔ مرید کو چاہئے کہ بَداخلاقی حرص۔ ہوس۔ حسد۔ غضب۔ شہوت۔ جھوٹ چغلخوری۔ غیبت عیب جوئی وغیرہ سے دور رہے۔ کھیل تماشوں حرام ومکروہ چیزوں سے بچے۔ چوتھا حق۔ کثرتِ عبادت وریاضت اور مجاہدہ کرے مگر اپنے عملیاتِ خیر کو کسی شمار میں نہ لائے بس سمجھتا رہے کہ میں نے کچھ نہیں کیا خلوت وخاموشی اختیار کرے بلا ضرورت نہ بولے ذکرِ الٰہی سے زبان کو جاری رکھے سونے کھانے میں کمی کرے۔ عورتوں بچوں کی محفلوں سے دوری کرے اجنبی عورتوں کے ساتھ بات چیت سے ڈرے۔ دورانِ مجاہدہ اپنی بیوی سے ہم بستری کم کرے۔ پانچواں حق۔ حلال روزی ہی کمائے اپنے جسم تک لائے جسم پیٹ اور گھر۔ آل اولاد کو حرام سے بچائے گھر میں جاندار کی فوٹو نہ سجائے چھٹا حق۔ مرشد اگر باشرع باکرامت ہو تو بیعت ہو جائے ورنہ دور رہے مرشد برحق کی ہر بات کو صحیح جانے۔ ساتواں حق۔ ہر معاملے میں صرف اپنے مرشد سے تعلق جوڑے اگرچہ مرشد صاحبِ قبر ہو۔ ادب سب کا کرے مگر گدا اپنے مرشد کا ہی بنے۔ آٹھواں حق۔ کم از کم ایک ہفتے میں ایک مرتبہ اپنے مرشد کی ضرور ہی زیارت کرے اگر حیات ہو تو پیر کے دن اگر فوت ہو تو جمعرات کے دن اگر عام قبرستان میں مدفون ہو تو جمعہ کے دن حاضری دے۔ نواں حق۔ جب حاضری ہو تو کوئی حسبِ حاجت تحفہ ماتحتی ضرور لے کر جائے خالی ہاتھ جانا منع ہے۔ سنتِ صحابہ کے خلاف ہے۔ بعد وفات مزار پر بھی خوشبو۔ پھول وغیرہ کا تحفہ لے جائے ان تحفوں سے تصورِ شیخ کی نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اور تصورِ شیخ ہمہ وقتی بہت ضروری ہے۔ ان خدمتوں سے درجے بلند ہوتے ہیں راہِ سلوک آسان ہوتا ہے نظرِ شفقت زیادہ ہوتی ہے۔ ہزار عبادت اور ایک نظر شفقت برابر سمجھو۔ دسواں حق۔ مرشد کی ہر بات مانے نفسِ امّارہ کی نہ مانے۔ اپنے ہر دینی دنیوی معاملات میں مرشد سے مشورہ لے اور بعد وفات مرشد کے مزار پر استخارہ کرے اور مرشد کے مشورے کو ترجیح دے۔ اپنے عمل۔ خاندان۔ دولت امیری پر فخر نہ کرے مرشد کا غلام بن کر عجز وانکسار میں رہے اگرچہ مرید سید ہو اور مرشد سید نہ ہو۔ زیادہ بحث مباحثہ سے بچے سادگی اختیار کرے ہر کام میں۔ گیارہواں حق۔ ابتدائی دنوں میں زیادہ ترمراقبہ میں رہے وضو کی شرط نہیں۔ اگر ارادت یا عمل میں کچھ لغزش ہو جائے تب بھی ترک عمل نہ کرے کیونکہ مرشد ہی کا راستہ اللہ رسول کا راستہ ہے۔ اس واقعۂ موسیٰ علیہ السلام میں راہِ معرفت کے لیے چند اشارے ملتے ہیں۔ پہلا نمبر ۱۔ یہ کہ

مرید اگرچہ اونچی ذات وشان والا ہو مرشد کے دروازے پر اپنے کو عاجز اور کم سمجھے دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام صاحب کتاب مرسل رسول نبی کلیم اللہ صاحب شریعت اولوالعزم ہونے کی بنا پر خضر علیہ السلام سے کئی شان میں بلند ہیں حضرت خضر صرف نبی ہیں مگر موسیٰ علیہ السلام عاجزی سے چل کر ان تک پہنچے اور بات بات پر معذرت چاہتے رہے ۲ راہ معرفت میں جسمانی زادِ راہ لینا منع نہیں۔ اس میں سالکِ راہِ طریقت کو اشارہ ہے کہ یہ کام توکل کے خلاف نہیں ۳ تصورِ مطلوب میں حضرت موسیٰ اتنے محو ہوئے کہ ہر چیز بھول گئے اور فرمایا نسیتُ میں سب کچھ وعدے بھول گیا۔ یہی فنافی الشیخ کا مقام ہے۔ یہی اس سے اشارہ ملتا ہے۔ ۴ حضرت موسیٰ و خضر کا پہلا سفر دریا اور کشتی سے شروع ہوتا ہے اشارہ یہ کہ وادیٔ معرفت مثل دریا کے مرشد مثل ملاح کے اور کشتی مثل دنیوی سہاروں کے ۵ مگر کشتی کو توڑ دیا جاتا ہے اشارہ ہے کہ دنیوی سہاروں پر بھروسہ راہ نوردیِ معرفت کے خلاف ہے یہاں تو راہنما ہی کو سہارۂ دنیوی و وسیلۂ اخروی بنانا پڑتا ہے۔ اس مقامِ عشق میں دنیوی سہاروں سے بے پرواہ ہونا پڑتا ہے۔ یہ ہی امّتِ مصطفےٰ کے لیے سلسلۂ قادریت کے اسباق ہیں طریقۂ قادریہ میں ذکرِ خفی و جلی سے دل کے راستے یار تک پہنچایا جاتا ہے دل ہی آسمان ہے دل ہی زمین ۶ دریا کو چھوڑا تو جنگل و بستی دونوں کا سفر کیا مگر پیدل اشارہ یہ کہ سالک راہِ منزل کو اپنی ہمت سے کام لینا پڑتا ہے۔ ۷ اس سارے سفر میں نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اشارہ یہ کہ سفرِ اسرار میں دوریٔ منزل بھی ہے تھکاوٹ و ترکِ لذات بھی۔ یہ ہی سہروردیت ہے طریقۂ سہروردیہ ذکرِ خفی اور ترکِ لذات سے وجود و خودی کی فنا شغلِ ہمہ اوست وحدۃ الوجود کی منزل یہ فکر لاموت سے متعلق اور بہت دور کا راستہ طالب کو تھکا دینے والا۔ ۸ آگے چلے تو ایک لڑکے کو قتل کر دیا۔ اشارہ یہ کہ طالبِ مولیٰ کے لیے نقصان دینے والی ہر چیز کو فنا کرنا اشد لازم اور ہٹانا دور کرنا ضروری ہے خواہ حلال ہو یا حرام۔ پاک ہو یا پلید۔ کیونکہ اس راستے میں پاک بھی آگے چل کر پلید ہو جاتا ہے اور مفید بھی نقصان دہ ہو جاتا ہے اور حلال اشیا اس کے لیئے اس راہ میں حرام کر دی جاتی ہیں۔ خواہشات میں نقصانِ ازلی بن جاتا ہے۔ یہ نقشبندیت ہے۔ طریقۂ نقشبندیہ ذکرِ خفی سے بلکہ خفیّ الخفیّ بلکہ ذکرِ نفسی یعنی سانس کے ذکر سے لطیفۂ سری کو منکشف اور روشن کرتا ہے اور انوارِ الٰہیہ کی صورۃ ذہنیہ کو دماغ مصفّا میں جذب کرتا ہے یہ چھوٹا راہ ہے مگر بے حد دشوار۔ کوئی باہمت ہی جرأت دکھا سکتا ہے ۹ آگے چلے تو محفلِ ازدحام میں پہنچے ایک گرتی دیوار کو توڑ کر دوبارہ درست فرمایا۔ اشارہ ہے کہ قلب و قالب کی شرعی درستی و تعمیر بھی راہِ معرفت کو طے کرتا ہے ذکرِ الٰہی کے اوزاروں سے ھُوحق کا ذکر بالجہر کر کے شیطان کو بھگانا۔ رحمٰن کو منانا ہے اور یہی چشتیت ہے۔ طریقۂ چشتیہ ذکر بلند سے نفس کی طوفانی ہواؤں سے قلبِ مرضی کی گرتی دیوار کو سنبھالو پھر تو معرفت کی دیوار تعمیر کرتے چلے جانا۔ یہ راستہ کھلا میدان اور بہت دراز ہے۔ یہ مرشدانِ برحق قالبِ جسدی پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور ان کی راہیں عناصرِ اربعہ کے لطائف سے نکلتی ہیں۔ اس میدانِ مجاہدہ میں تڑپ پھڑک جوش و لگن چیخ

ویکار ہوتا ہے۔ یہی لوگ معمارِ قوم کے روپ میں تقدیروں کے محل کھڑے کر دیتے ہیں۔ عرفاء سلاسلِ اربعہ کتنے مختلف اور کتنے جداگانہ ہیں۔ کوئی بھی کسی دوسرے راہ پر نہیں چل سکتا مگر آخری منزل سب کی ایک ہی ہے۔ ہر راستے پر صرف ایک ہی تجلیِ انوار کی ہلکی جھلک ہے اسی میں سب مست و مدہوش ہیں آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد۔ یہ تو فقط نبوت کا ہی کمال ہے کہ دیکھنے والے نے سب کچھ دیکھ لیا اور دکھانے والے نے سب کچھ دکھا دیا سنا دیا سمجھا دیا نہ کسی اور کی یہ ہمت نہ کسی اور کی یہ طاقت صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ان آیت سے راہِ معرفت کی مندرجہ ذیل وادیاں ظاہر ہوتی ہیں جن کو عبور کر کے ہی انوار و تجلیات کی منزل تک طالب پہنچ سکتا ہے۔ ۱ واردات ۲ لقاءِ الٰہی ۳ وجل ۴ رہبت ۵ اشفاق ۶ خشوع ۷ تذلل ۸ اخبات یعنی نرم ولی خدمتِ خلق ۹ ہیبتِ ربانی ۱۰ فرار الی اللہ من الدنیا ۱۱ رجا ۱۲ طلب ۱۳ کسب یعنی محنت ۱۴ مواصلت ۱۵ مداومت ۱۶ خطرات ۱۷ ہمت ۱۸ رعایت ۱۹ سکینہ یعنی اطمینانِ قلبی ۲۰ طمانیت ۲۱ ورع ۲۲ تجرید ۲۳ زہد ۲۴ تیقظ یعنی شب بیداری میں ذکرِ الٰہی ۲۵ صیامِ دھر ۲۶ تہذیب ۲۷ ریاضت ۲۸ جہادِ نفس ۲۹ صبر ۳۰ قصد ۳۱ ارادت عقیدت ۳۲ فتوت یعنی جوانمردی ۳۳ انابت ۳۴ مروت ۳۵ تقویٰ ۳۶ طہارت ۳۷ صدق ۳۸ تواضع عاجزی ۳۹ توکل ۴۰ فقر ۴۱ تذکر ۴۲ تفکر ۴۳ استقامت ۴۴ عزم ۴۵ تبتل یعنی خلوت علیحدگی ۴۶ احسان ۴۷ موافقت ۴۸ رضا ۴۹ لجا یعنی معذرت خواہی ۵۰ بصیرت ۵۱ یقین ۵۲ مبالات یعنی احتیاط ۵۳ مراقبہ ۵۴ احترازعن الخلق ۵۵ ادب ۵۶ وقار ۵۷ حرمت ۵۸ تمکن ۵۹ پابندیِ عمل ۶۰ انقطاع ۶۱ صفا ۶۲ حیا ۶۳ تزکیۂ قلب ۶۴ ثقہ ہونا ۶۵ تصلب (مضبوطی) ۶۶ ایثار یعنی سخاوت۔ ۶۷ فتوح یعنی استغنائے طلبی ۶۸ غریب الوطنی مسافرت ۶۹ توحید ۷۰ تفرید یعنی اکیلا ہونا ۷۱ علم ۷۲ بقا ۷۳ فنا ۷۴ انبساط یعنی حضوریِ بارگاہ ۷۵ وسعت ۷۶ غنا ۷۷ ترکِ طلب یعنی اسرارِ الٰہی کی آرزو ۷۸ تسلیم ۷۹ حیات ۸۰ حکمت ۸۱ معرفت ۸۲ کرامت ۸۳ حقیقت ۸۴ ولایت ۸۵ عزلت یعنی چھٹکارا ۸۶ اعتصام ۸۷ اطلاع ۸۸ وجد ۸۹ لحظ یعنی مقصدِ باطنی ۹۰ توقیت یعنی زمانۂ سلوک ۹۱ نفس ۹۲ مشاہدہ ۹۳ مکاشفہ ۹۴ انس ۹۵ غیراللہ سے وحشت ۹۶ بیقراریِ عشق۔ اتنی وادیوں سے گزرنے کی محنت کرنی پڑتی ہے پھر مرشد کامل کی طرف سے بیعت کی خلافت و اجازت ملتی ہے۔ یہ وہ تصوف ہے جو قرآن و حدیث نے سکھایا اور اولیاء طالبین نے اختیار کیا اور سلاسلِ اربعہ نے ظاہر فرمایا۔ لیکن آج ہم نے جس تصوف میں آنکھیں کھولیں وہاں صاحبزادگی پیرزادگی اور بس شہزادگی ہی نظر آتی ہے آج بیعت و ارادت کا مقصد فقط یہ ہی دیکھا جا رہا ہے کہ مرید کی طرف سے نیاز و نذرانے اور پیر کی طرف سے جبہ و دستار آج کے پیر کا نقشہ بہترین خوبصورت پوشاکِ فاخرہ میں موٹے تکیوں میں بیٹھا ہوا۔ مریدوں کے جھرمٹ میں

دست بوسی قدم بوسی۔ اور ادھر مرید کی مرضی صرف یہ ہوتی ہے اور بیعت کا مقصد صرف یہ رہ گیا کہ پیر سے تعویذ لیے جائیں جس سے دنیا چلے یا پیر کو صرف نجومی ڈاکٹر حکیم سمجھا جاتا ہے۔ دھڑا دھڑ تعویذ لکھے جا رہے ہیں اور نذرانے وصول کئے جا رہے ہیں۔ چار منٹ میں بیعت کیا، اپنی غلامی کا پورا سبق پڑھایا لیکن شریعت و طریقت سے پورا آزاد چھوڑ دیا۔ حالانکہ یہ طریقے حقیقتِ تصوف سے بہت مختلف ہیں۔ شریعت میں ہاتھ پاؤں چومنے تو جائز ہیں۔ لیکن سجدہ قطعاً حرام ہے۔ سجدے کے ارادے سے جھکنا بھی حرام ہے مولیٰ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو وہ تصوف اور روحانیت عطا ہو جو تا قیامت مسلمانوں کو حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام نے سکھائی و سمجھائی وَاللّٰہُ الْمُوَفِّقُ وَالْمُسْتَعَانُ۔

نعیمی کتب خانہ گجرات پنجاب پاکستان کی بہترین

اسلامی مطبوعات

۱۔ تفسیر نعیمی از پارہ اول تا پارہ پندرہ اور پارہ ۱۶ و پارہ ۱۷ زیر طبع۔

۲۔ مراۃ شرح مشکوٰۃ شریف۔ آٹھ جلدیں مکمل سیٹ۔

۳۔ قرآن مجید کا ترجمہ کنز الایمان۔ اور حاشیہ نور العرفان۔

۴۔ جاء الحق دونوں حصے مکمل ایک جلد ایک جگہ۔

۵۔ سفرنامہ حجازِ مقدس تین حصے ایک جلد۔

۶۔ شانِ حبیب الرحمٰن ایک جلد مکمل۔

۷۔ مواعظ نعیمیہ۔ آٹھ کتابیں ایک جلد۔

۸۔ رسائل نعیمیہ۔ آٹھ کتابیں ایک جلد۔

۹۔ مصادر عربیہ۔ ڈھائی تین ہزار مصدروں کا مجموعہ۔

۱۰۔ علم القرآن۔ قرآنی معلومات کے لیے بہترین کتاب

۱۱۔ اَلْعَطَایَا الْاَحْمَدِیَّۃ فِی فَتَاویٰ نعیمیہ۔ دو جلد تیسری جلد زیر طبع۔

۱۲۔ بہار شریعت۔ مکمل سترہ حصے۔ دو جلد۔

۱۳۔ حضرت حکیم الامت (بدایونی)، اعلیٰ حضرت اور تمام اہلسنت کی تصانیف ملنے کا۔

۱۴۔ معلم تقریریں

۱۵۔ اسلامی زندگی

۱۶۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ پر ایک نظر

۱۷۔ رحمت خدا و وسیلہ اولیاء

پتہ:۔ نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان۔ مفتی احمد یار خان روڈ۔

نوٹ:۔ ضروری۔ کتب کی قیمتیں ہر سال کی نئی فہرست میں دیکھئے۔

(کتابت دار الکتابت حضرت کیلیانوالہ)

فہرست مضامین تفسیر نعیمی پارہ نمبر پندرہ ۱۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سُبْحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی تا مِنۡ دُوۡنِیۡ وَکِیۡلًا۔ از آیت ۱ تا آیت ۲	۳
۲	تعلقات اور آیت و سورت کا ربط۔	۴
۳	شانِ نزول۔ اِس سورت کا نام بنی اسرائیل نہیں ہے صرف سورۃ اسریٰ ہے۔	۵
۴	تفسیر نحوی۔ سورۃ کا لغوی اصطلاحی معنیٰ۔	"
۵	عددوں کے بارے میں عربی قواعد۔	۶
۶	نظر۔ رویت بصارت اور بصیرت میں فرق۔	۸
۷	دُوْنَ کے نو معنیٰ۔	۹
۸	تفسیر عالمانہ۔	۱۰
۹	سورۃ اسریٰ کے بارہ ۱۲ عدد رکوع کے مضمون کا خلاصہ۔	۱۱
۱۰	معراجوں کی تعداد اور تاریخ۔	"
۱۱	معراجِ جسمانی اور منامی میں فرق معراجِ جسمانی میں تین قوتوں کا اظہار ہوا۔	۱۲
۱۲	مختصر واقعہ معراج	۱۳
۱۳	آقاءِ کائنات کی چار حقیقتیں	۱۵
۱۴	بیت المقدس کو اقصیٰ کہنے کی وجہ۔ صرف تین مسجدوں کی طرف۔	"
۱۵	سفر کرنا جائز ہے۔ برکت کی آٹھ قسمیں۔	۱۶
	بے برکتی کی چار قسمیں۔	"
۱۶	تمام آسمانی کتابیں اور صحیفے ماہ رمضان میں ہی نازل ہوئے۔	۱۹
۱۷	حضرت موسیٰ کلیم ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سمیع ہیں۔ کلیم اور سمیع میں تین طرح فرق ہے۔ فائدے۔ کس وقت کون سا ذکر اللہ	"
	کرنا چاہیے۔	"
۱۸	احکام القرآن۔ اعتراضات و جوابات۔	۲۰
۱۹	سفر حضر کی ابتدا انتہا مسجد کی حاضری سے کرنا چاہیے۔	"
۲۰	تفسیر صوفیانہ	۲۱
۲۱	اللہ تعالیٰ کی تقسیم چار قسم کی ہے۔	۲۲
۲۲	واقعہ معراج کے کچھ ضروری حالات۔	۲۳
۲۳	انسانی آنکھ تین طریقے سے دیکھتی ہے۔	۲۶
۲۴	معراج کے متعلق اسلامی عقیدوں کا بیان۔	۲۷
۲۵	معراج شریف کا ثبوت احادیث و روایات	۲۸
	سے اور منکرینِ معراج کی چند قسمیں۔	"
۲۶	معراج کی رات میں کتنے انبیاءِ کرام کی ملاقات ہوئی علیہم الصلوٰۃ والسلام۔	۳۰
۲۷	واقعہ معراج کی تاریخ۔ قرآن مجید میں تذکرۂ معراج۔	۳۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸	معراج کی رات تمام ملائکہ کو چھٹی دی گئی تھی۔	۳۲
۲۹	اسراءؔ کا لغوی واصطلاحی ترجمہ۔	//
۳۰	معراج کا اعلان۔	۳۳
۳۱	معراجوں کی تعداد۔ شقِ صدر کتنی بار ہوا۔	۳۴
۳۲	معراج میں اللہ تعالیٰ کے تحفے۔	//
۳۳	معراج کرانے کی حکمتیں اور مقصود۔	۳۵
۳۴	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کو لامکان پر دیکھنے کا بیان۔	//
۳۵	دیدار کے ثبوت میں دلائل مخالفین کے دلائل۔	//
۳۶	اعتراضات اور ان کے جوابات۔	۳۸
۳۷	معراج کا مہینہ۔ تاریخ اور سال۔	۴۵
۳۸	اسماءِ الٰہیہ سے نبی کریم کو القاب عطا کئے گئے	۴۶
۳۹	واقعات معراج سے چند فوائد و مسائل اور چند اعتراضات وجوابات۔	۴۷
۴۰	ذُرِّيَّةَ مَنۡ حَمَلۡنَا مَعَ نُوۡحٍ۔ تا۔ وَكَانَ وَعۡدًا مَّفۡعُوۡلًا۔ از آیت ۳ تا آیت ۵	۵۱
۴۱	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔	۵۲
۴۲	صفاتِ الٰہیہ اور صفات انسانیہ میں فرق ہے۔	۵۳
۴۳	تفسیر عالمانہ۔ نوح علیہ السلام تا قیامت ہر انسان کے جدِ اعلیٰ ہیں۔	۵۵
۴۴	دنیا میں تین قومیں بہت بڑی ہوئیں۔	۵۶
۴۵	قوم جالوت کے پانچ سردار۔	۵۷
۴۶	فساد بنی اسرائیل کی تاریخیں	۵۸
۴۷	بنی اسرائیل کی سرکشی اور تباہی کا بیان۔	//
۴۸	کُل چار نبی شہید کئے گئے۔	//
۴۹	فائدے۔	۵۹
۵۰	احکام القرآن۔ اعتراضات جوابات۔	۶۰
۵۱	ثُمَّ رَدَدۡنَا لَكُمُ۔ تا۔ مَا عَلَوۡا تَتۡبِيۡرًا۔ از آیت ۶۔ تا۔ آیت ۷۔	۶۲
۵۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔	۶۳
۵۳	جمع قلت مکسّر کے چار وزن ہیں اس کی ہی منتہی الجموع ہوتی ہے۔	۶۴
۵۴	تفسیر عالمانہ	۶۶
۵۵	فائدے۔ توبہ اور نیکیوں کی وجہ سے عزتیں برکتیں ملتی ہیں۔	۶۸
۵۶	گناہوں کی وجہ سے۔ نیک لوگوں مسجدوں کتابوں پر تباہی آتی ہے۔	۶۹
۵۷	احکام القرآن۔ اعتراضات۔ جوابات۔	//
۵۸	تفسیر صوفیانہ	۷۰
۵۹	جسمِ انسانی میں نفس کے پانچ گھر ہیں۔	۷۱
۶۰	تین بری عادتوں سے بچو۔ مغلوبیت کے پانچ نشان ہیں۔	۷۲
۶۱	عَسٰى رَبُّكُمۡ اَنۡ يَّرۡحَمَكُمۡ۔ تا۔ اَعۡتَدۡنَا لَهُمۡ عَذَابًا اَلِيۡمًا۔ آیت ۸۔ تا۔ آیت ۱۰	۷۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۲	تعلقات - تفسیر نحوی - عسیٰ فعل مقاربہ کا بیان -	۷۴
۶۳	عمل اور عقیدوں کے نام -	۷۶
۶۴	سابقہ پانچ قوموں کا ذکر -	۷۹
۶۵	فائدے - سب سے بڑا کفر گستاخیِ نبوت ہے -	״
۶۶	احکام القرآن -	۸۰
۶۷	اعتراضات - جوابات - سچا اور صحیح ایمان	۸۱
	علی قیامت کیا ہے -	״
۶۸	تفسیر صوفیانہ -	۸۲
۶۹	مومنین صالحین کی نو نشانیاں اور بندے کے پندرہ حالات -	۸۳
۷۰	وَیَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ تا ۔ یَلْقٰهُ مَنْشُوْرًا ۔ از آیت ۱۱ تا ۔ آیت ۱۳ ۔	۸۴
۷۱	تعلقات -	۸۵
۷۲	شانِ نزول - تفسیر نحوی - جامد کی دو قسمیں	۸۶
۷۳	بعض افعال ناقصہ کیوں ہوتے ہیں -	۸۷
۷۴	تفسیر عالمانہ - چاند کے تین نام -	۹۰
۷۵	دنیا کے ہر علاقے اور خطے میں صبح صادق اور وقتِ عشا ہوتا ہے چھ ماہ کا رات دن کہیں نہیں ہوتا -	۹۱
۷۶	چاند سورج کی گردش سے زمین پر فائدے علم توقیت کے بارہ عدد اصطلاحی الفاظ -	۹۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۷	سائنسدانوں کے تین نظریات قطعاً غلط ہیں -	۹۳
۷۸	فائدے - ہر حال میں اپنے آپ کو قابو میں رکھنا ہی مسلمانی ہے - اولیاء اللہ تقدیرِ انسانی کو جانتے ہیں -	۹۴
۷۹	احکام القرآن - بد دعا کرنی گناہ ہے -	״
۸۰	مسلمانوں کو تجارت کرنا فرض ہے نمازِ تہجد پڑھنا ضروری ہے -	۹۵
۸۱	شرعی دن کے ۹ نو حصے ہیں - شفق آسمانی کی قسمیں -	״
۸۲	اعتراضات - جوابات	۹۶
۸۳	تفسیر صوفیانہ -	۹۸
۸۴	کافر انسان زہریلے کیڑے کی طرح ہے	۹۹
۸۵	اِقْرَاْ کِتٰبَكَ ۔ تا ۔ فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا ۔ از آیت ۱۴ تا ۔ آیت ۱۶ ۔	۱۰۰
۸۶	تعلقات - شانِ نزول -	۱۰۱
۸۷	تفسیر نحوی -	۱۰۲
۸۸	تفسیر عالمانہ - دنیا میں اپنے اعمال کی کتاب	۱۰۴
	نظر نہ آنے کی چار وجہ -	״
۸۹	نیک اعمال کا ہی ایصال ثواب ہو سکتا ہے -	۱۰۵
۹۰	نیک اور بد کے اعمال کا فرق -	״
۹۱	دنیا میں اب تک ایک لاکھ چوبیس ہزار امتیں ہوئیں -	۱۰۶
۹۲	قیامت میں کوئی بے پڑھا نہ ہوگا - اور	۱۰۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	اہل جنت کی زبان عربی ہوگی۔	
۹۳	کسی کا گناہ اپنے ذمے لینا منع ہے کفار کے نابالغ بچے جنت میں جائیں گے۔	۱۰۷
۹۴	دینِ الٰہی انبیاء کی شریعت واعمال و اقوال کا نام ہے۔	۱۰۸
۹۵	وَكَمْ اَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ. تا. سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا از آیت ۱۷ تا آیت ۱۹۔	۱۱۰
۹۶	قرن کے معنی۔ اور نجد سے شیطانوں کا قرن نکلے گا۔	۱۱۲
۹۷	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔	″
۹۸	تفسیر عالمانہ آسمانی عذاب سے چھ قومیں۔	
۹۹	ہلاک ہوئیں اور ان کے نام۔	۱۱۵
۱۰۰	مومن کی تین خصلتیں۔ آخرت کے لیے گیارہ قدم	۱۱۶
۱۰۱	فائدے۔ سب سے زیادہ بدبخت کون ہے	۱۱۷
۱۰۲	احکام القرآن۔ دینی کاموں میں محنت کرنا فرض ہے۔	″
۱۰۳	اعتراضات جوابات۔	۱۱۸
۱۰۴	تفسیر صوفیانہ۔	۱۱۹
۱۰۵	كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ. تا. وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا. از آیت ۲۰ تا آیت ۲۳۔	۱۲۱
۱۰۶	تعلقات و روابط۔	۱۲۲
۱۰۷	تفسیر نحوی لفظ کل چار طرح مستعمل ہے	۱۲۳
۱۰۸	قضا کے چھ معنیٰ۔	۱۲۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۹	تفسیر عالمانہ	۱۲۶
۱۱۰	انسانی فضیلت سات طرح حاصل ہوتی ہے۔	۱۲۸
۱۱۱	توحید باری تعالیٰ کا تعلق احسانِ والدین سے چار طرح ہے۔	۱۳۰
۱۱۲	فائدے۔ بندے کو کس چیز میں اختیار دیا گیا۔	″
۱۱۳	احکام القرآن۔ فرمانبرداری کی تین قسمیں۔	۱۳۱
۱۱۴	اعتراضات و جوابات۔	۱۳۲
۱۱۵	وَاخْفِضْ لَهُمَا. تا. لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا از آیت ۲۴ تا آیت ۲۷۔	۱۳۳
۱۱۶	تعلقات۔ وشانِ نزول	۱۳۴
۱۱۷	تفسیر نحوی۔	۱۳۵
۱۱۸	تفسیر عالمانہ۔ خدمت والدین کو جناح فرمانے کی تین وجوہ۔	۱۳۸
۱۱۹	والدین کی خدمت فرض ہے۔ کافر والدین کی خدمت جائز مگر ان کے لیے دعائے مغفرت منع ہے۔	۱۳۹
۱۲۰	دنیوی مال چودہ طریقوں سے استعمال کیا جا رہا ہے۔	۱۴۱
۱۲۱	لطیفہ۔ ایک وہابی کو منہ توڑ جواب۔	″
۱۲۲	والدین کی تربیت اور اولاد کی خدمتِ والدین میں چار طرح فرق ہے۔ سادات کی مالی خدمت۔	۱۴۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۲۳	بغیر زکوٰۃ ہر مسلمان پر فرض ہے۔ احکام القرآن	۱۴۲
۱۲۴	نومسلم لوگ نماز میں رَبِّ اغْفِرلِی والی دعا پڑھیں	۱۴۳
۱۲۵	بعد وفات خدمتِ والدین کس طرح کرنی چاہیئے۔	//
۱۲۶	اعتراضات جوابات۔	//
۱۲۷	تفسیر صوفیانہ۔	۱۴۴
۱۲۸	وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ۔ تا۔ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا از آیت ۲۸ تا آیت ۳۱۔	۱۴۸
۱۲۹	تعلقات۔ شانِ نزول۔	۱۵۰
۱۳۰	تفسیر نحوی۔	۱۵۱
۱۳۱	تفسیر عالمانہ	۱۵۴
۱۳۲	اللہ تعالیٰ تمام عیوب سے پاک ہے۔	۱۵۵
۱۳۳	سب اولاد بیٹے۔ بیٹیاں رب تعالیٰ کی عطا ہے۔	۱۵۶
۱۳۴	فائدے۔ ضروریاتِ دینی و دنیوی کا خیال رکھنا لازم۔	۱۵۷
۱۳۵	اللہ تعالیٰ کی کسی بات پر اعتراض یا بدگمانی کرنا حرام ہے۔	۱۵۸
۱۳۶	احکام القرآن سائل کو جھڑکنا منع ہے۔	//
۱۳۷	مجبوری میں اولاد نہ ہونے کی نس بندی کرانا جائز ہے۔	//
۱۳۸	اعتراض و جوابات۔	//
۱۳۹	تفسیر صوفیانہ۔ معرفت کی دو منزلیں۔	۱۵۹
۱۴۰	آدمی چار قسم کی باتیں کرتا ہے۔	۱۶۰
۱۴۱	وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰى۔ تا۔ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا۔ از آیت ۳۲ تا ۳۴۔	//
۱۴۲	تعلقات۔ شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔	۱۶۲
۱۴۳	عمرِ اشُد کیا ہے؟	۱۶۵
۱۴۴	تفسیر عالمانہ۔ زنا بدکاری کی دینی دنیوی خرابیاں و تباہ کاریاں۔	۱۶۶
۱۴۵	زنا کے اسباب نو عدد ہیں زنا کی دو قسمیں۔	۱۶۷
۱۴۶	پانچ قسم کے انسانوں کو قتل کرنا حکومت پر واجب ہے۔	۱۶۸
۱۴۷	باغی لوگ دو قسم کے ہیں۔	۱۶۹
۱۴۸	عہد کی گیارہ قسمیں ہیں۔	۱۷۱
۱۴۹	فائدے۔ زنا قتل سے بدتر گناہ ہے اس کی وجہ قصاص حق العبد ہے۔ یتیمی صرف نابالغی تک ہے۔	۱۷۲
۱۵۰	وعدے کا احترام وایفا کب جائز اور کب منع ہے۔	۱۷۳
۱۵۱	احکام القرآن۔ حضرتِ معاویہؓ کی بغاوت حق تھی۔	//
۱۵۲	گناہ کا سبب بھی حرام ہے۔ مقتول کو مثلہ کرنا حرام ہے۔	۱۷۴
۱۵۳	یتیم کا مال ایمانداری کے ساتھ تجارت میں لگانا جائز ہے۔ اعتراضات و جوابات۔ حکایت۔	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۴	تفسیر صوفیانہ۔	۱۷۵
۱۵۵	وَاَوْفُوا الْكَيْلَ ۔تا۔ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا از آیت ۳۵ تا آیت ۳۸۔	۱۷۶
۱۵۶	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔	۱۷۸
۱۵۷	ذٰلِكَ تین لفظوں کا مجموعہ ہے۔	۱۷۹
۱۵۸	قبیح اور مکروہ میں تین طرح فرق۔	۱۸۱
۱۵۹	تفسیر عالمانہ۔ ناپ تول پورا کرنے کے فائدے۔	〃
۱۶۰	بے علمی آٹھ طرح کی ہے۔	۱۸۲
۱۶۱	قیامت میں تمام اعضا سے پوچھا جائیگا۔	۱۸۳
۱۶۲	انسان کی پوری زندگی کی صرف پانچ حالتیں ہیں۔	۱۸۴
۱۶۳	چلنے میں دو حالتیں ہوتی ہیں۔ فائدے۔	〃
۱۶۴	علم کی روشنی دو قسم کی ہے۔	〃
۱۶۵	خیالات اور وسواس پر پکڑ نہیں۔ چلنے میں احتیاط چاہیئے۔ شیخی اور غرور میں کبھی فائدہ نہیں ہوتا۔	۱۸۵
۱۶۶	احکام القرآن۔ پورا تولنا فرض کچھ نیچا تولدینا مستحب۔	〃
۱۶۷	بغیر علم فتویٰ دینا جرم ہے۔ تکبر کی جگہ بیٹھنا منع ہے۔	〃
۱۶۸	بری چیزوں اور شرم گاہ کو دیکھنا حرام ہے۔	〃
۱۶۹	اعتراضات جوابات۔	۱۸۶
۱۷۰	تفسیر صوفیانہ۔	۱۸۶
۱۷۱	زمین کے اندھیرے اجالے اور ستارے۔	۱۸۸
۱۷۲	ذٰلِكَ مِمَّا اَوْحٰى ۔تا۔ ذِی الْعَرْشِ سَبِیْلًا ۝ از آیت ۳۹ تا آیت ۴۲	〃
۱۷۳	تعلقات۔ شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔	۱۹۰
۱۷۴	تفسیر عالمانہ۔ آیت ۲۲ سے ۳۹ تک اسلام کے بائیس ۲۲ احکام	۱۹۳ 〃
۱۷۵	مذموم۔ ملوم۔ مخذول۔ مدحور کا فرق	۱۹۵
۱۷۶	فائدے۔ علم اور قدرت کا فرق	۱۹۷
۱۷۷	احکام القرآن۔ اعتراضات جوابات۔	〃
۱۷۸	تفسیر صوفیانہ۔	۱۹۸
۱۷۹	انسان میں دو لبشری قوتیں ہیں۔ اور ہر انسان میں جانوروں کی خصلتیں پیدا کی گئی ہیں۔	۱۹۹ 〃
۱۸۰	شہوت کی زیادتی اور کمی سے نقصان	〃
۱۸۱	حلال اور حرام کی تین تین قسمیں۔	۲۰۰
۱۸۲	سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ ۔تا۔ عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا۔ از آیت ۴۳ تا آیت ۴۶۔	〃
۱۸۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔	۲۰۲
۱۸۴	تفسیر عالمانہ۔ کافروں ہندوؤں کی چار بکم عقیدگیاں اور اُن کا قرآنی رد۔	۲۰۵ 〃
۱۸۵	قرآن مجید میں پردے کے لیے چھ لفظ استعمال کئے گئے۔	۲۰۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸۶	فائدے ۔ جانور انسان کی بولیاں سمجھتے ہیں	۲۰۹
۱۸۷	سب سے زیادہ اعلیٰ وظیفہ کونسا ہے سات کا عدد بہت پیارا ہے ۔	〃
۱۸۸	احکام القرآن ۔ جانور کے منہ پر سخت مارنا منع ہے ۔	۲۱۰
۱۸۹	تقویٰ اختیار کرنا فرض ہے ۔ اعتراضات جوابات	〃
۱۹۰	تفسیر صوفیانہ ۔	۲۱۱
۱۹۱	تلاوت قرآن مجید کے چار مدارج روحانی ہیں ۔	۲۱۲
۱۹۲	عید کے دن چھ کام ہوئے ۔	۲۱۳
۱۹۳	نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ ۔ تا ۔ خَلْقًا جَدِيْدًا ۔ از آیت ۴۷ تا آیت ۴۹	〃
۱۹۴	تعلقات ۔ شانِ نزول ۔ تفسیر نحوی ۔	۲۱۴
۱۹۵	فاعل اسم ظاہر ہو تو فعل ہمیشہ صیغہ واحد ہوتا ہے	۲۱۵
۱۹۶	استطاعت چار قوتوں کا نام ہے ۔	۲۱۶
۱۹۷	تفسیر عالمانہ ۔ کفارِ عرب چار طریقوں سے محفلوں میں آیا کرتے تھے ۔	۲۱۷
۱۹۸	کفار نے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی کس طرح گستاخیاں کیں ۔	۲۱۸
۱۹۹	قرآن مجید میں چار باتیں اہمیت سے بیان کی گئیں ۔	۲۲۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۰	فائدے ۔	۲۱۰
۲۰۱	دنیا میں سب سے زیادہ بدبخت گستاخِ نبی ہے	۲۲۱
۲۰۲	احکام القرآن ۔ اعتراضات ۔ جوابات	〃
۲۰۳	تفسیر صوفیانہ ۔ قساوتِ قلبی کے پانچ نشان ہیں	۲۲۳
۲۰۴	نفسِ امّارہ کے دس نشان	〃
۲۰۵	قُلْ كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا ۔ تا ۔ اِلَّا قَلِيْلًا ۔ از آیت ۵۰ تا آیت ۵۲	۲۲۴
۲۰۶	تعلقات ۔ تفسیر نحوی ۔	۲۲۵
۲۰۷	تفسیر عالمانہ	۲۲۸
۲۰۸	گستاخیِ نبوت کس طرح جنم لیتی ہے ۔	۲۲۹
۲۰۹	فائدے ۔ حقیقی اور مجازی زندگی کیا ہے ۔	۲۳۰
۲۱۰	مومن کی زندگی کیسی چاہیئے ۔	〃
۲۱۱	منکرینِ قیامت تین سوال کرتے ہیں ۔	۲۳۱
۲۱۲	سب سے زیادہ بابرکت عبادت حمدِ الٰہی ہے	〃
۲۱۳	اَحکام القرآن ۔ اعتراضات ۔ وجوابات	〃
۲۱۴	تفسیر صوفیانہ ۔	۲۳۲
۲۱۵	تین چیزیں مثلِ سانپ بچھو موذی ہیں ۔	۲۳۳
۲۱۶	وَقُلْ لِّعِبَادِيْ ۔ تا ۔ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ۔ از آیت ۵۳ تا آیت ۵۵	۲۳۴
۲۱۷	تعلقاتِ آیات ۔ شانِ نزول ۔	۲۳۵
۲۱۸	تفسیر نحوی	۲۳۶
۲۱۹	کسی غیرِ نبی کو نبی کہنا کفر ہے زبور کے معنیٰ	۲۳۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۲۰	تفسیر عالمانہ	۲۲۹
۲۲۱	دوسری تفسیر عالمانہ	۲۲۹
۲۲۲	لفظ عبد و عباد صرف مسلمانوں کے لیے بولا گیا۔	۲۴۰
۲۲۳	فائدے۔ زندگی کا سب سے اچھا عمل کیا ہے۔	۲۴۱
۲۲۴	احکام القرآن	"
۲۲۵	چغلخوری حرام اور شیطانی کام ہے۔	۲۴۲
۲۲۶	کسی کو جنت یا دوزخ دینا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار میں ہے۔ اعتراضات جوابات	"
۲۲۷	پولوس کی شرارتیں حضرت داؤد کی خصوصیات	۲۴۳
۲۲۸	قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ۔ تا۔ فِي الْكِتَابِ	
۲۲۸	مَسْطُوْرًا۔ از آیت ۵۶ تا آیت ۵۸	۲۴۴
۲۲۹	تعلقات۔ شانِ نزول تفسیر نحوی	۲۴۶
۲۳۰	تفسیر عالمانہ	۲۴۹
۲۳۱	نمرود اور فرعون کے کفریات میں فرق	۲۵۰
۲۳۲	تا قیامت دنیا میں نو قسم کے کفر ہوتے رہے	۲۵۰
۲۳۳	معصومین کس چیز کا خوف کرتے ہیں	۲۵۱
۲۳۴	دنیا کے چالیس علاقے تا قیامت باقی ہیں	
۱۳۵	اور قیامت میں ان کی ہلاکت کی نوعیت و ترتیب۔	۲۵۲
۲۳۶	فائدے	۲۵۳
۲۳۷	احکام القرآن۔ وسیلہ پکڑنا واجب ہے۔	۲۵۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۳۸	اللہ کا خوف رکھنا ہر مخلوق پر واجب ہے	۲۵۴
۲۳۹	اعتراضات و جوابات	۲۵۵
	وَمَا مَنَعَنَا أَنْ نُرْسِلَ۔ تا۔ طُغْيَانًا كَبِيْرًا	
۲۴۰	از آیت ۵۹ تا آیت ۶۰	۲۵۶
۲۴۱	تعلقاتِ آیات	۲۵۷
۲۴۲	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔	۲۵۸
۲۴۳	خواب کو رویا کہنے کی وجہ	۲۵۹
۲۴۴	فتنے کے آٹھ معنی ہیں۔	۲۶۰
۲۴۵	تفسیر عالمانہ	"
۲۴۶	فتنے اور رویا کے بارے میں چند اقوال	۲۶۳
۲۴۷	شجرِ ملعونہ کے بارے میں چند اقوال۔ فائدے	۲۶۴
۲۴۸	احکام القرآن۔ اعتراضات و جوابات	۲۶۵
۲۴۹	تفسیر صوفیانہ۔	۲۶۶
۲۵۰	بندوں کے چار عمل خوبصورت ہیں۔	۲۶۷
۲۵۱	بارہ چیزیں بے مثال ہیں۔	"
۲۵۲	عبادی کے چھ نشانیاں	"
۲۵۳	شیطان کے پانچ دوست ہیں اور چھ دشمن ہیں۔	۲۶۹
۲۵۴	بیوقوف کے پانچ نشان ہیں۔	۲۶۹
۲۵۵	طبیعتِ انسانی تین قسم کی ہے۔	۲۷۰
	وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ۔ تا۔ جَزَآءً مَّوْفُوْرًا۔	
۲۵۶	از آیت ۶۱ تا آیت ۶۳	۲۷۱
۲۵۷	تعلقات شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۲۷۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵۸	تفسیر عالمانہ	۲۷۶	۲۷۴	احکام القرآن	۲۹۱
	آدم علیہ السلام کو سجدہ ملائکہ کا تذکرہ		۲۷۵	حلال تجارت کرنا مسلمان پر فرض اسلامی	۲۹۲
۲۵۹	قرآن مجید میں سات جگہ فرمایا گیا۔	۲۷۷		ہے۔	
۲۶۰	انکارِ سجدہ پر ابلیس کے تین قول	۲۷۸	۲۷۶	اعتراضات جوابات	〃
	فائدے۔ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرایا گیا		۲۷۷	تفسیر صوفیانہ۔ انسان آٹھ قسم کے ہیں۔	۲۹۳
	قبلہ نہ بنایا گیا تھا۔	〃	۲۷۸	ابلیس کے جال آٹھ قسم کے ہیں	〃
۲۶۱	آگ مٹی سے افضل نہیں ہے	〃	۲۷۹	گانا ناچ ذکر ابلیس ہے	〃
۲۶۲	احکام القرآن۔ کافر حربی سے سود لینا جائز	۲۷۹		وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ۔ تا۔ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا۔	
	ہے۔	〃	۲۸۰	از آیت ۶۷ آیت ۶۹	۲۹۴
۲۶۳	شریعت میں سجدے تین قسم کے ہیں۔	〃	۲۸۱	تعلقات	۲۹۵
۲۶۴	عارضی حکم پر قیاس کرنا منع ہے	۲۸۰	۲۸۲	تفسیر نحوی	〃
۲۶۵	اعتراضات و جوابات	〃	۲۸۳	تفسیر عالمانہ	۲۹۹
۲۶۶	تفسیر صوفیانہ	۲۸۱	۲۸۴	انسان کا تعلق دنیا سے تین طرح ہے۔	۳۰۱
۲۶۷	انسان نادانی سے پانچ غلطیاں کرتا ہے۔	۲۸۲	۲۸۵	عذابِ الٰہی کی قسمیں ۱ عاصف ۲ خاسف	
۲۶۸	وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ تا كَانَ بِكُمْ	۲۸۲	۲۸۶	۳ حاصب ۴ قاصف۔	〃
	رَحِيْمًا۔ از آیت ۶۴ تا۔ آیت ۶۶		۲۸۷	فائدے دنیا میں پانچ قسم کی ہلاکتیں آئیں	۳۰۲
۲۶۹	تعلقات آیت۔ تفسیر نحوی	۲۸۴	۲۸۸	زندگی کی دو قسمیں ۱ حیات شکور	〃
۲۷۰	لفظ مال کا لغوی اور اصطلاحی ترجمہ۔ مال	۲۸۵		۲ حیات کفر	〃
۲۷۰	کی گیارہ قسمیں ہیں	۲۸۵	۲۸۹	سچی شکر گزاری کیا ہے احکام القرآن	〃
۲۷۱	تفسیر عالمانہ۔ شیطان ہر بھیس میں آتا ہے	۲۸۸	۲۹۰	کالا خضاب لگانا حرام ہے۔	〃
۲۷۲	فائدے۔ ابلیس کس طرح انسان کو ورغلاتا	۲۹۱	۲۹۱	اعتراضات و جوابات۔ مندروں اور	
	ہے۔			مزاروں پر جانے کا فرق۔	۳۰۲
۲۷۳	بغیر توفیقِ الٰہی کوئی شخص متقی نہیں ہو سکتا	〃	۲۹۲	تفسیر صوفیانہ	۳۰۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۳	ہاتھ چار قسم کے ہیں۔ انسان کی پانچ عادتیں ہیں۔ وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ آدَمَ۔ تا۔ وَاَضَلُّ سَبِيْلًا۔	۳۰۵
۲۹۴	از آیت ۷۰ تا آیت ۷۲	〃
۲۹۵	تعلقاتِ آیات۔ شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۳۰۷
۲۹۶	جب کسی مشتق کو مخصوص چیز کا نام دے دیا جائے تو وہ جامد بن جاتا ہے	۳۰۹
۲۹۷	تفسیر عالمانہ۔ انسان کی پانچ طرح تکریم فرمائی گئی۔	
۲۹۸	اور اہلِ ایمان کی سولہ طرح تکریم فرمائی گئی۔	۳۱۰ 〃
۲۹۹	اشیاءِ عالم چار قسم کی ہیں۔	۳۱۱
۳۰۰	فضیلتِ انسانی کی دو قسمیں	۳۱۱
۳۰۱	انسان کو چھ خصوصی قوتیں دی گئیں	۳۱۲
۳۰۲	انسانی ہاتھ قدرت کا عجیب شاہکار ہے	〃
۳۰۳	لفظِ امام کے معنی میں مفسرین کے سات اقوال۔	۳۱۳
۳۰۴	فائدے۔ انسان کو بارہ نعمتیں دی گئیں۔	۳۱۴
۳۰۵	بیعتِ مرشد واجب ہے قیامت میں	
۳۰۶	کوئی شخص بے پڑھا نہ ہوگا احکام القرآن	〃
۳۰۷	زمین سے منہ لگا کر پانی پینا مکروہ تحریمی ہے۔	
۳۰۸	داڑھی اور چٹیا کٹانی حرام ہے۔	۳۱۵
۳۰۹	اعتراضات و جوابات	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱۰	تفسیر صوفیانہ وَاِنْ كَادُوْا لَيَفْتِنُوْنَكَ تا اِلَّا قَلِيْلًا۔	۳۱۶
۳۱۱	از آیت ۷۳ تا آیت ۷۶	۳۱۷
۳۱۲	تعلقات و ربطِ آیات	۳۱۸
۳۱۳	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۳۱۹
۳۱۴	حرفِ لَوْ کا استعمال شرط کے علاوہ پانچ طرح سے ہوتا ہے۔	۳۲۰
۳۱۵	افعالِ مقاربہ پانچ ہوتے ہیں۔	۳۲۱
۳۱۶	تفسیر عالمانہ۔ کفارِ مکہ کے سات مطالبے	۳۲۳
۳۱۷	ہوتے تھے۔	
۳۱۸	معصوم حضرات گناہ کر سکتے ہی نہیں ان سے گناہ محال اور بالغیر ناممکن ہے۔	۳۲۴
۳۱۹	فائدے۔ کفار کبھی مسلمان سے سچی محبت نہیں کر سکتا۔ تمام انبیاءِ کرام معصوم ہوتے ہیں۔	۳۲۶ 〃 〃
۳۲۰	احکام القرآن۔ کفار کی تعظیم گناہ ہے	〃
۳۲۱	دینی مسائل چھپانا حرامِ قطعی ہے	〃
۳۲۲	اعتراضات جوابات	〃
۳۲۳	تفسیر صوفیانہ عذاب سات قسم کے ہیں	۳۲۷
۳۲۴	کفار کی اسلام دوستی وغیرہ سب عارضی چالبازی ہے۔	۳۲۵
۳۲۵	معصوم حضرات گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے	〃
۳۲۶	فائدے۔ احکام القرآن	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار		صفحہ
۳۲۷	پیر جماعت علی شاہ کا عظیم کارنامہ	۳۲۵		ہونا محبوبیت اور قُرب کی نشانی ہے۔	۳۳۸
۳۲۸	اعتراضات تفسیر صوفیانہ	۳۲۶	۳۴۲	تہجّد کے درست ہونے کی نشانی اعتراضات	۳۳۹
۳۲۹	عذاب سات قسم کا ہے۔	۳۲۷	۳۴۳	نمازِ تہجد کی رکعات اور وتر کی نماز کا	۳۴۰
	سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا۔ تا۔ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا			بیان اذانِ خطبہ کے بعد دعا ضرور مانگے۔	〃
۳۳۰	نَّصِيْرًا۔ ازآیت ۷۷ تا آیت ۸۰	〃	۳۴۴	تفسیر صوفیانہ۔ روحانیت کی پانچ نمازیں	۳۴۱
۳۳۱	تعلقات وربطِ آیت۔ تفسیر نحوی	۳۲۹		وَقُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ۔ تا۔	
۳۳۲	صلوٰۃ اصل نام درود شریف کا ہے بعد میں	۳۳۰	۳۴۵	اَهْدٰى سَبِيْلًا۔ ازآیت ۸۱ تا آیت ۸۴	۳۴۳
	درود شریف کی موجودگی سے نماز کو صلوٰۃ	〃	۳۴۶	تعلقات وربطِ آیت	۳۴۴
۳۳۳	کہا گیا۔ سورج کا ڈھلنا تین قسم کا ہے	〃	۳۴۷	تفسیر نحوی۔ زَهَقَ کے آٹھ معنیٰ	۳۴۵
۳۳۴	لفظِ لَدُنْ کے سات معنیٰ۔ تفسیر عالمانہ	۳۳۲	۳۴۸	مفعول بہ کی تین قسمیں	۳۴۶
۳۳۵	پانچ نمازوں اور اُن کی رکعتوں کا ذکر فجر	۳۳۳	۳۴۹	تفسیر عالمانہ حق سے مراد آقائے کائنات صلی اللہ	۳۴۸
	کی رکعتیں کم ہونے کی حکمتوں کا بیان	〃		علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے	
۳۳۶	آسمان اور زمین کی شکلیں اقالیمِ سبعہ کا بیان	۳۳۴	۳۵۰	فائدے۔ محبوبیتِ محمد مصطفیٰ سب سے	۳۵۰
۳۳۷	عبادتیں دو قسم کی ہیں۔ طول بلد عرض	〃		اونچا مقام ہے۔	
	بلد کیا ہے۔		۳۵۱	لفظِ جاءَ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے	
۳۳۸	سورج کی رفتار کے ۲۷ نام ہیں	۳۳۵		قرآن پاک میں استعمال ہوتا ہے۔	۳۵۱
	زمین کی شکل و مقام	〃	۳۵۲	اَحکام القرآن۔ اعتراضات	〃
۳۳۹	مُدْخَلَ صِدْقٍ اور مُخْرَجَ صِدْقٍ میں علماء	۳۳۷	۳۵۳	تفسیر صوفیانہ	۳۵۲
	کے دس قول۔	〃	۳۵۴	تین مقام اور تین فطرتیں	۳۵۳
۳۴۰	فائدے	〃		وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ تا۔ بِبَعْضٍ	
	پانچ گستاخ فرقوں نے شفاعت کا		۳۵۵	ظَهِيْرًا۔ ازآیت ۸۵ تا آیت ۸۸	۳۵۴
	انکار کیا۔	〃	۳۵۶	تعلقات وربطِ آیت	۳۵۵
۳۴۱	احکام القرآن۔ عبادت کا فرض اور واجب		۳۵۷	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی۔ روح کے دس معنیٰ	۳۵۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۵۸	اضافت کی سات قسمیں	۳۵۷
۳۵۹	تفسیر عالمانہ۔ روح کے بارے میں کفار کے چوبیس سوال	۳۵۹
۳۶۰	قرآن مجید میں چار چیزوں کو روح فرمایا گیا	۳۶۰
۳۶۱	روح کے بارے میں علماءِ اسلام کے آٹھ قول ہیں	〃
۳۶۲	قرآن مجید میں امر کے بیس معنیٰ ہیں مختلف آیت میں جسم حیوانی میں چار خزانے۔ مخلوق چار قسم کی ہے اور انسان حیوان آٹھ صفات میں مشترک ہیں۔ نفس کی تین قسمیں	〃
۳۶۳	مادے کی تعریف۔ وجود کی چار قسمیں۔ مجرد کی دو قسمیں۔	۳۶۱
۳۶۴	فائدے۔ احکام القرآن۔ اعتراضات	۳۶۳
	نُزُلٌ اور ذُھُبٌ کا فرق	۳۶۴
	تفسیر صوفیانہ	۳۶۴
۳۶۵	وَلَقَدْ صَرَّفْنَا لِلنَّاسِ ۔تا۔ وَالْمَلٰئِكَةِ	
۳۶۶	قَبِيْلًا۔ از آیت ۸۹ تا آیت ۹۲	۳۶۵
۳۶۷	تعلقات۔ شانِ نزول۔ مکے کے پندرہ بڑے سرداروں کے نام	۳۶۶
۳۶۸	تفسیر نحوی	۳۶۷
۳۶۹	تفسیر عالمانہ	۳۶۹
۳۷۰	قرآن مجید میں اکتیس چیزیں ظاہر ہیں	۳۷۰
۳۷۱	لفظِ قبیلاً کے چار معنیٰ۔ فائدے احکام القرآن	۳۷۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۷۲	اعتراضات جوابات	۳۷۳
۳۷۳	تفسیر صوفیانہ	۳۷۴
۳۷۴	کتے کی دس اچھی خصلتیں بندے دس قسم کے ہیں۔ سب سے زیادہ شریر، فسادی ریاکار، ساور بیوقوف وحاسد کون ہے۔	۳۷۵
۳۷۵	ترکِ دنیا کیا ہے	۳۷۵
	اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ۔ تا مَلَكًا رَّسُوْلًا۔	
۳۷۶	از آیت ۹۳ تا آیت ۹۵	۳۷۶
۳۷۷	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۷۷
۳۷۸	عربی میں پڑھنے کے لیے آٹھ معنیٰ مختلف تو نیتوں کے بیان کے لیے۔ فقط انسان	۳۷۸
	کو بشر کہنے کی وجہ	۳۸۰
۳۷۹	تفسیر عالمانہ	۳۸۱
۳۸۰	فائدے	۳۸۳
۳۸۱	جنات اور فرشتے نبی نہیں ہو سکتے۔	۳۸۴
	احکام القرآن	〃
۳۸۲	دینِ اسلام کے خلاف زندگی گزارنا حرام ہے	〃
	سونے چاندی کے برتن ہر مسلمان مرد و	〃
۳۸۳	عورت کو استعمال کرنا حرام ہے	
۳۸۴	اعتراضات۔ تفسیر صوفیانہ	۳۸۵
۳۸۵	معرفتِ الٰہیہ کا پہلا سبق	۳۸۵
۳۸۶	نبوت کے سولہ سبق	۳۸۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۸۷	قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا تا. لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا ۔ از آیت ۹۶ تا آیت ۹۸	۳۸۷
۳۸۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۸۸
۳۸۹	ولی کے چار معنیٰ	۳۹۰
۳۹۰	تفسیر عالمانہ	۳۹۱
۳۹۱	کفار کے اندھا منہ ہونے میں پانچ قول ہیں	۳۹۳
۳۹۲	لوگ میدانِ محشر میں تین طریقوں سے آئیں گے۔	۳۹۴
۳۹۳	بہرہ ہونا۔ اس میں پانچ قول ہیں۔ فائدے	″
	احکام القرآن باری تعالیٰ کی صفات	″
۳۹۴	خصوصیہ و غیر خصوصیہ کا فرق۔ اعتراضات	۳۹۵
۳۹۵	تفسیر صوفیانہ	۳۹۶
	اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ تا. يٰمُوْسٰى	
۳۹۶	مَسْحُوْرًا ۔ از آیت ۹۹ تا آیت ۱۰۱	۳۹۷
	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ سوال آٹھ	
۳۹۷	قسم کا ہوتا ہے۔	۳۹۹
۳۹۸	سحرِ تخییل اور قتور میں فرق معجزے کی تعریف	۴۰۱
	ظن۔ فہم۔ خیال میں فرق	۴۰۲
۳۹۹	تفسیر عالمانہ	۴۰۲
۴۰۰	گیارھویں شریف وغیرہ نیازوں کو برا کہنے والے ہندو ذہنیت رکھتے ہیں۔	۴۰۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۰۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزات۔ نو آیت۔ نو احکام اور نو نعمت کی تفصیل و فہرست۔	۴۰۵
۴۰۲	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات قیامت تک ظاہر ہوتے رہیں گے۔	۴۰۶
۴۰۳	انبیاءِ کرام سے معجزہ طلب کرنا گناہ۔ لیکن جھوٹے مدعی سے طلب کرنا جائز ہے جبکہ اس کو شرمندہ و ذلیل کرنے کے لیے ہو	
	اعتراضات۔	۴۰۷
	قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ تا. اِلَّا مُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا	
۴۰۴	از آیت ۱۰۲ تا آیت ۱۰۵	۴۰۸
۴۰۵	تعلقات شانِ نزول	۴۰۹
۴۰۶	تفسیر نحوی ثُبُور اور ظن کا فرق	۴۱۰
۴۰۷	تفسیر عالمانہ	۴۱۲
۴۰۸	فرعونیوں پر کس کس طرح سے مصیبتیں آتی رہیں۔	۴۱۳
۴۰۹	وعدۂ آخرت سے کیا مراد ہے۔	۴۱۴
۴۱۰	فائدے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم	۴۱۵
	با اختیار شہنشاہ بن کر آئے۔	″
۴۱۱	احکام القرآن	″
۴۱۲	اعتراضات۔ لَفِيْفًا کے معنیٰ	۴۱۶
	اعلیٰ حضرت کے ترجمے کی شان	۴۱۷
۴۱۳	وظیفہ۔ تفسیر صوفیانہ معرفت کے سات آسمان	۴۱۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۱۴	قیاولدنیہ میں چار حجبیں ہیں	۴۲۰	۴۳۰	وجوبِ سجدہ کے الفاظ	۴۳۸
۴۱۵	علمِ حقیقت کی تین کتابیں ۔ اولیاءاللہ کے	۴۲۱	۴۳۱	اعتراضات جوابات	۴۳۹
	تین روشن علم		۴۳۲	تفسیر صوفیانہ	۴۴۰
۴۱۶	راہِ عشق کے بندے تین قسم کے ہیں ۔	۴۲۲	۴۳۳	رب تعالیٰ نے انسان میں دیگر مخلوق کی	۴۴۱
	وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ ۔تا۔ وَيَزِيْدُهُمْ			صفات پیدا کی ہیں ۔	
۴۱۷	خُشُوْعًا ۔ از آیت ۱۰۶ تا آیت ۱۰۹	۴۲۳		قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ ۔تا۔ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۔	
۴۱۸	تعلقات ۔ تفسیر نحوی	۴۲۴	۴۳۴	از آیت ۱۱۰ تا آیت ۱۱۱	۴۴۲
	تلاوت اور قرأت کا فرق	۴۲۵	۴۳۵	تعلقات ۔ شانِ نزول	۴۴۳
۴۱۹	تفسیر عالمانہ ۔ پچھلی کتابیں کس طرح نازل	۴۲۷	۴۳۶	تفسیر نحوی ۔ لفظِ رحمٰن کے اشتقاق معنیٰ	۴۴۴
	ہوئیں ۔			آیا تابیک وقت ایک ہی لفظ کا عامل بھی	″
۴۲۰	نزولِ قرآن مجید کے تین مرحلے	۴۲۸		ہے معمول بھی	″
۴۲۱	سات علماء اہلِ کتاب جو صحابی ہوئے	۴۲۹	۴۳۷	تفسیر عالمانہ ۔ لفظ اللہ کے اشتقاق میں	۴۴۶
۴۲۲	قرآن مجید کی تمام سورتوں کی ترتیب	۴۳۰		سات قول ۔	
	نزول کا نقشہ		۴۳۸	رب تعالیٰ نے اپنے بہت سے نام اپنے	۴۴۷
۴۲۳	فائدے ۔ تلاوتِ قرآن مجید سب سے	۴۳۱		حبیب کریم کو عطا فرمائے ان کا بیان ۔	″
	بڑی نفلی عبادت ہے ۔		۴۳۹	فائدے ۔ اللہ تعالیٰ کو صرف اسلامی	۴۵۰
۴۲۴	تلاوتِ قرآن مجید کے آداب	۴۳۲		ناموں سے پکارنا چاہیے ۔	
۴۲۵	تلاوت کرتے وقت چودہ کام حرام ہیں	۴۳۳	۴۴۰	ہر نام کا اسم اعظم بنایا جا سکتا ہے ۔ اور	۴۵۱
۴۲۶	تلاوتِ قرآن کریم کی رفتار تین قسم کی ہے	۴۳۴		اس کا طریقہ	″
۴۲۷	سات قرأتوں کے ائمہ کے نام ۔ احکام القرآن	۴۳۵		نماز میں لاؤڈ سپیکر لگانا منع ہے ۔	″
۴۲۸	سجدۂ تلاوت کے مسائل	۴۳۶	۴۴۱	احکام القرآن ۔ صرف سنتوں یا تابعہ	″
۴۲۹	سجدہ واجب ہونے کے تین سبب	۴۳۷		رسول اللہ کہنا منع ہے ۔ دعا مانگنا عبادت	″
۴۳۰	قرآن پاک کے تمام سجدوں کی آیات کی فہرست	۴۳۸		ہے طلب اور دعا میں فرق ۔	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۴۲	انبیاء کرام علیہم السلام معصوم ان سے گناہ محال ہے۔ نبی درجہ نبی اور کسی بھی نبی لغزوں میں انبیاءِ کرام شامل نہیں۔ اعتراضات	۴۵۲
۴۴۳	لفظِ خدا پروردگار۔ اور بھگوان۔ گاڈ میں فرق	۴۵۴
۴۴۴	تفسیر صوفیانہ۔ فرائض کو چھپانا نوافل کو ظاہر کرنا منع ہے۔	۴۵۴
	سورۂ اسریٰ کے مسائل۔ فوائد عملیات اسماءِ حسنیٰ کی تعداد ان کے ابجدی عدد۔ اسماءِ	
۴۴۵	نبی کی تعداد ان کے ابجدی عدد۔	۴۵۵
۴۴۶	سورۂ اسریٰ کی تلاوت کی فضیلت اور تعویذ کا نقشہ	۴۵۶
	اپنا اسم اعظم اور اسم رحمت بنانے کا طریقہ۔	۴۵۸
۴۴۷	اللہ تعالیٰ کے وہ نام جو قرآن پاک میں درج ہیں۔	۴۶۰
۴۴۸	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ نام جو قرآن مجید میں لکھے ہیں	۴۶۱
۴۴۹	سورۂ کہف شریف کا مختصر تعارف ہر رکوع کا مختصر مضمون۔ تعدادِ حروف و الفاظ و شانِ نزول۔	۴۶۲
۴۵۰	تفسیر نعیمی کی ترتیب و تصنیف میں کن کتب سے استفادہ کیا جاتا رہا۔ مختصر فہرست۔	۴۶۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۵۱	چند معلوماتِ قرآنیہ	۴۶۴
	سورۂ کہف۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ ۔ تا۔	۴۶۵
۴۵۲	اِلَّا كَذِبًا - از آیت ۱ تا آیت ۵	۴۶۵
۴۵۳	تعلقات و ربطِ آیت	۴۶۶
۴۵۴	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۴۶۸
۴۵۵	تفسیر عالمانہ۔ قرآن مجید آسمانوں زمینوں میں قیّم ہے۔	۴۷۱
۴۵۶	معراجِ عبد و نزولِ کتاب کا فرق	″
۴۵۷	حمد۔ مدح۔ ثنا اور تعریف میں فرق	۴۷۲
۴۵۸	فائدے۔ عبدِ مطلق اور عبدِ مقید میں فرق	۴۷۳
۴۵۹	احکام القرآن۔ سب سے بڑا کفر کیا ہے۔	″
۴۶۰	اعتراضات۔ جوابات	۴۷۴
۴۶۱	تفسیر صوفیانہ	۴۷۵
	فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ ۔ تا۔ سِنِيْنَ	
۴۶۲	عَدَدًا - از آیت ۶ تا آیت ۱۱	۴۷۶
۴۶۳	تعلقات۔ شانِ نزول	۴۷۸
۴۶۴	تفسیر نحوی	۴۷۹
۴۶۵	زینت تین قسم کی ہوتی ہے	۴۸۰
۴۶۶	رقیم کا معنیٰ اور نحویوں کا اختلاف	۴۸۱
۴۶۷	ضرب چھ معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے۔	۴۸۲
	اعلیٰ حضرت کے ترجمہ کی شان یہ ترجمہ کشف الہامی ہے۔	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶۸	تفسیر عالمانہ۔ واقعہ اصحاب کہف عبرت کے لیے ہے۔	۴۸۳
۴۶۹	رقیم سے کیا مراد ہے۔ فائدے۔	۴۸۴
۴۷۰	احکام القرآن۔ اعتراضات	۴۸۵
۴۷۱	تفسیر صوفیانہ	۴۸۶
۴۷۲	ثُمَّ بَعَثْنٰهُمْ لِنَعْلَمَ۔ تا۔ اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا۔ از آیت ۱۲ تا آیت ۱۵	۴۸۷
۴۷۳	تعلقات	۴۸۹
۴۷۴	تفسیر نحوی بعثت کے تین معنی	۴۹۰
۴۷۵	تفسیر عالمانہ	۴۹۲
۴۷۶	طبعی نیند آٹھ گھنٹے ہوتی ہے۔ حزبین میں تین قول۔	۴۹۳
۴۷۷	اصحاب کہف کے حالات و کیفیات حسب نسب۔	۴۹۵
۴۷۸	عیسائی مذہب کو پولوس نے بگاڑا ہے	″
۴۷۹	اصحاب کہف کے نام۔	۴۹۸
۴۸۰	واقعۂ اصحاب کہف میں کچھ اختلافات	۵۰۳
۴۸۱	فائدے۔ اصحاب کہف کی کرامات	۵۰۴
۴۸۲	احکام القرآن۔ کرامت ولی اللہ کا منکر گمراہ ہے۔	۵۰۵
۴۸۳	اعتراضات۔ تفسیر صوفیانہ	۵۰۶
۴۸۴	وَاِذِ اعْتَزَلْتُمُوْهُمْ۔ تا۔ وَلِيًّا مُّرْشِدًا۔ از آیت ۱۶ تا آیت ۱۷	۵۰۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۸۵	تعلقات	۵۰۹
۴۸۶	تفسیر نحوی۔ عزل کے معنی	۵۱۰
۴۸۷	زیارت کا معنی	۵۱۱
۴۸۸	ہدایت کے معنی ضلالت کے معنی تفسیر عالمانہ	۵۱۳
۴۸۹	واقعۂ اصحاب کہف میں مختلف تفسیریں	۵۱۵
۴۹۰	فائدے۔ جادو اور کرامت میں فرق	۵۱۶
۴۹۱	احکام القرآن۔ زمین بالکل ساکن ہے ایکطرف رکھی ہے۔	۵۱۷
۴۹۲	ظالم حاکم سے بغاوت جائز ہے۔ رہبانیت اور ہجرت میں فرق۔	″ ″
۴۹۳	اعتراضات	″
۴۹۴	تفسیر صوفیانہ	۵۱۸
۴۹۵	گمراہ کی تیرہ نشانیاں	۵۱۹
۴۹۶	وَتَحْسَبُهُمْ اَيْقَاظًا۔ تا۔ وَلَمُلِئْتَ مِنْهُمْ رُعْبًا۔ از آیت ۱۸ تا آیت ۱۸ ایک آیت	۵۱۹
۴۹۷	تعلقات	۵۲۰
۴۹۸	تفسیر نحوی۔ یمین اور ذراع کا معنی	۵۲۱
۴۹۹	تفسیر عالمانہ	۵۲۲
۵۰۰	اصحاب کہف کے کروٹ بدلنے کے دن اور وقت کا ذکر تو نہیں ہے۔	۵۲۲
۵۰۱	شیر کو کلب بھی کہہ دیا جاتا ہے۔ اصحاب کہف کے کتے کے پانچ نام اور رنگ	۵۲۲ ۵۲۳
۵۰۲	چار جانور جنت میں جائیں گے۔	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۰۳	فائدے۔ احکام القرآن ضرورتاً کتا پالنا جائز ہے۔	۵۲۴
	وَكَذٰلِكَ بَعَثْنٰهُمْ ۱۰۔ وَلَا يُشْعِرَنَّ	
۵۰۴	بِكُمْ اَحَدًا ۱۔ از آیت ۱۹ تا آیت ۱۹	۵۲۵
۵۰۵	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۵۲۷
۵۰۶	تفسیر عالمانہ۔ اصحاب کہف کو سترہ نعمتیں ملیں۔	۵۲۹
۵۰۷	کھانا خریدتے وقت سات چیزوں کا خیال رکھنا چاہیئے۔ فائدے	۵۳۱
۵۰۸	احکام القرآن	۵۳۲
۵۰۹	اعتراضات	۵۳۳
۵۱۰	شریعت کسات اصحاب کہف اور سات غلو نہیں ہیں۔	۵۳۵
	اِنَّهُمْ يَظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ ۔تا۔ لَنَتَّخِذَنَّ	
۵۱۱	عَلَيْهِمْ مَّسْجِدًا ۱۔ از آیت ۲۰ تا آیت ۲۱	۵۳۶
۵۱۲	تعلقات وربط آیات	۵۳۷
۵۱۳	تفسیر نحوی۔ دین کو ملت کیوں کہا جاتا ہے۔	۵۳۸
۵۱۴	غلبہ پانے کے گیارہ معنیٰ	۵۳۹
۵۱۵	تفسیر عالمانہ۔ دقیانوس سے پہلے روم کی	۵۴۰
	آٹھ بادشاہتیں دقیانوس کی چار سزائیں	〃
۵۱۶	فائدے۔ بروال سے بچنا فرض ہے۔	۵۴۳
	احکام القرآن سنہرے متعلق تین عقیدے۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۱۷	اعتراضات۔ تفسیر صوفیانہ	۵۴۴
۵۱۸	سَيَقُوْلُوْنَ ثَلٰثَةٌ رَّابِعُهُمْ كَلْبُهُمْ ۲۔ مِنْ	۵۴۶
	هٰذَا رَشَدًا ۱۔ از آیت ۲۲ تا آیت ۲۴ تعلقات	۵۴۷
۵۱۹	تفسیر نحوی۔ لفظ ستۃ کی تحقیق حرف سین	۵۴۸
	کے تین نام اور اس کی وجہ۔	〃
۵۲۰	پھینکنے کی پانچ قسمیں	۵۴۹
	مکالمے کی تین قسمیں	۵۵۰
۵۲۱	تفسیر عالمانہ۔ اصحاب کہف کے بارے میں	۵۵۱
	اختلافی اقوال	〃
۵۲۲	اصحاب کہف کے نام و تعداد اور ان کا زمانہ	۵۵۲
۵۲۳	فائدے۔ احکام القرآن انشاء اللہ کہنے	۵۵۴
	کا حنفی مسلک اور اس کے چار فائدے	〃
۵۲۴	اعتراضات۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا بیان	۵۵۵
	وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ۔تا۔ مِنْ دُوْنِهٖ	۵۵۶
۵۲۵	مُلْتَحَدًا ۱۔ از آیت ۲۵ تا آیت ۲۷	۵۵۷
	تعلقات۔ تفسیر نحوی غیب کی پہچان	۵۵۸
۵۲۶	لُحد کے آٹھ معنیٰ۔ تفسیر عالمانہ	۵۶۰
۵۲۷	عربی فارسی انگریزی اور بکری مہینوں کا ذکر	۵۶۲
	اور ان کے ایام وَازْدَادُوْا تِسْعًا کی تفسیر میں	〃
	حکیم الامت کا فرمان	〃
۵۲۸	فائدے۔ تلاوت قرآن مجید ہر وقت ہر شخص کو مفید ہے۔	۵۶۳
۵۲۹	سورۃ کہف کی دو خصوصیات۔ احکام القرآن	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۲۹	قمری مہینوں کی شان یہ جنت سے لائے گئے۔ آج کل تین سن رائج ہیں۔	۵۶۴
۵۳۰	سوتے میں کوئی کام کرے تو اس کا حکم اعتراضات: تلاوت کرنا ہر مسلمان کو ضروری ہے۔	۵۶۵ ″ ″
۵۳۱	حدیث سے آیت کے منسوخ ہونے کا ذکر	۵۶۶
۵۳۲	تفسیر صوفیانہ۔ لطائفِ خلوت تین ہیں	۵۶۷
۵۳۳	اسرارِ خلوت پانچ ہیں۔ لطائفِ جسمانیہ سات ہیں۔	۵۶۸
۵۳۴	مومن کے لیے لازمی چیزیں ذکرِ الٰہی کے پانچ سبق	۵۶۹
۵۳۵	اصحابِ کہف کے ناموں کے ورد کرنے سے سولہ فائدے۔	۵۷۰
۵۳۶	اصحابِ کہف کے ناموں کی فضیلت والا تعویذ	۵۷۱
۵۳۷	وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ۔ تا۔ وَسَاءَتْ مُرْتَفَقًا۔ از آیت ۲۸ تا آیت ۲۹	″
۵۳۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ لفظ جبرہ کے پانچ معنی کون سے حروف اکثر بدلے جاتے ہیں۔	۵۷۳ ۵۷۵
۵۳۹	تفسیر عالمانہ بعض غلط تفسیریں اور ان کی تردید میں دلیل اردو کے بعض مفسروں کی غلط تفسیر سے صحابہ کرامؓ کی گستاخی	۵۷۶ ۵۷۷
۵۴۰	نزول کے اعتبار سے آیت کی تین قسمیں۔	۵۷۸
۵۴۱	فائدے۔ احکام القرآن۔ اعتراضات	۵۸۰
۵۴۲	دنیا میں زینت اور دنیا کی زینت میں فرق اور اس کی قسمیں۔	۵۸۱ ″
۵۴۳	پُر خلوص ایمان اور منافقانہ ایمان کا فرق اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ تا۔ وَ	″
۵۴۴	جَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا از آیت ۳۰ تا آیت ۳۲	۵۸۲
۵۴۵	تعلقات۔ تفسیر نحوی	″
	افعالِ مدح و ذم۔ نِعْمَ۔ حَبَّ۔ سَاءَ۔ وبِئْسَ کا فرق۔	۵۸۵
۵۴۶	تفسیر عالمانہ	۵۸۶
۵۴۷	فقراء مومنین جنت میں پچاس ہزار سال پہلے جائیں گے۔	۵۸۷
۵۴۸	قرآن مجید میں کنگن پہنانے کا ذکر تین جگہ ہے۔	″
۵۴۹	بنی اسرائیل کے دو بھائیوں کا واقعہ	۵۸۸
۵۵۰	فائدے۔ دنیا کے رنگوں کی تعداد اور متبرک رنگ سبز ہے۔	۵۸۹
۵۵۱	رنگوں سے علاج بھی ہو جاتا ہے۔ احکام القرآن رنگوں کا ادب کرنا ہندوانہ طریقہ ہے۔	۵۹۰ ″ ″
۵۵۲	قیاس کرنا شریعت کا اعلیٰ اور ضروری حکم ہے	″
۵۵۳	اعتراضات۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کے بغیر کوئی کسی چیز کا مالک نہیں ہو سکتا	۵۹۱

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۵۴	تفسیر صوفیانہ۔ جنت کی چار نہریں ہیں۔	۵۹۲
	صوفیا کے گیارہ زیور ہیں۔ صوفیا کے پھل پھول	۵۹۵
۵۵۵	بندۂ عاشق کی نو خصلتیں ہوتی ہیں۔	۵۹۵
۵۵۶	كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا۔ تا۔ لَاَجِدَنَّ خَيْرًا مِّنْهَا مُنْقَلَبًا از آیت ۳۳ تا آیت ۳۶	۵۹۶
۵۵۷	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۵۹۷
	ثمرہ کے گیارہ صیغے اور وزن	۵۹۸
۵۵۸	تفسیر عالمانہ۔ کھجور اور انگور کی خصوصی شان	۶۰۰
۵۵۹	فائدے۔ احکام القرآن	۶۰۲
۵۶۰	ثمر کی پیداوار کب ہوتی ہے۔ اعتراضات جوابات۔	۶۰۳
۵۶۱	تفسیر صوفیانہ	۶۰۴
	اللہ تعالیٰ اور رسول کی دعوت صلی اللہ علیہ وسلم	۶۰۵
۵۶۲	غافل کے دل میں چار دعوے ہوتے ہیں۔	۶۰۶
۵۶۳	قَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ۔ تا۔ اَقَلَّ مِنْكَ مَالًا وَّوَلَدًا۔ از آیت ۳۷ تا آیت ۳۹	″
۵۶۴	تعلقات۔	۶۰۷
۵۶۵	تفسیر نحوی	۶۰۸
۵۶۶	حرفِ تخفیض تین طرح مستعمل ہے۔	۶۰۹
	تفسیر عالمانہ	″
۵۶۷	مٹی سے انسان کی پیدائش کے مراحل	۶۱۰
۵۶۸	فائدے۔ نظر لگ جانا حق ہے۔ احکام القرآن	۶۱۲

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۶۹	اعتراضات۔ بعض بیوقوفیاں کفر بن جاتی ہیں۔	۶۱۳
۵۷۰	تفسیر صوفیانہ۔ زبانیں چھ قسم کی ہیں۔ کمال چار طرح پیدا ہوتا ہے۔	۶۱۴
	غلام اور اولاد میں فرق	۶۳۵
۵۷۱	خوفِ الٰہی کی ایک نشانی	۶۱۵
۵۷۲	فَعَسٰى رَبِّيْٓ اَنْ يُّؤْتِيَنِ۔ تا۔ وَمَا كَانَ مُنْتَصِرًا۔ از آیت ۴۰ تا آیت ۴۳	۶۱۶ ″
۵۷۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۱۷
۵۷۴	شریعت میں دوپہر کے تین حصے ہوتے ہیں۔	۶۱۸
۵۷۵	حرفِ ندا پانچ ہیں۔ حرفِ یا کی چار خصوصیات ہیں۔	۶۲۰
۵۷۶	تفسیر عالمانہ	۶۲۱
۵۷۷	فائدے۔ مومن نورِ معرفت سے دیکھتا ہے۔ احکام القرآن	۶۲۳
۵۷۸	ناشکری سب سے بڑا گناہ ہے۔	″
۵۷۹	اعتراضات۔ ناجائز دولت ہمیشہ نقصان دہ ہوتی ہے۔	۶۲۴
۵۸۰	تفسیر صوفیانہ	۶۲۵
۵۸۱	هُنَالِكَ الْوَلَايَةُ لِلّٰهِ الْحَقِّ۔ تا۔ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ اَمَلًا۔ از آیت ۴۴ تا آیت ۴۶	۶۲۶
۵۸۲	تعلقات	۶۲۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۸۲	تفسیر نحوی۔ ظرفِ مقدّم و مقامی کا فرق	۶۲۸
۵۸۳	لفظِ باشم کا معنیٰ	۶۲۹
۵۸۵	مال کے تین معنیٰ	۶۳۰
۵۸۶	تفسیر عالمانہ	۶۳۱
۵۸۷	سدا رہنے والی چیز نیک اعمال ہیں باقیاتِ صالحات کیا ہیں۔	۶۳۲
۵۸۸	فائدے۔ نباتات اور انسان کی مثال	〃
۵۸۹	مومن کی دنیا بھی دین بن جاتی ہے۔	۶۳۳
	احکام القرآن	〃
۵۹۰	اعتراضات۔ جوابات	۶۳۴
۵۹۱	مال اور اولاد میں فرق۔ تفسیر صوفیانہ	۶۳۵
۵۹۲	وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ ۲۔ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ	۶۳۷
	أَحَدًا۔ از آیت ۴۷ تا آیت ۴۹	〃
۵۹۳	تعلقات تفسیر نحوی	۶۳۸
۵۹۴	تفسیر عالمانہ۔ قیامت کی صفوں کا بیان	۶۴۲
۵۹۵	فائدے	۶۴۳
۵۹۶	احکام القرآن۔ دائیں ہاتھ کی فضیلت	۶۴۴
۵۹۷	اعتراضات جوابات	۶۴۵
۵۹۸	واذ قلنا للملئكة تا وجعلنا بينهم موبقا۔	۶۴۸
	از آیت ۵۰ تا آیت ۵۲	
۵۹۹	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۴۹
۶۰۰	چھ صیغوں میں الف تخفیفی لگایا جاتا ہے	〃
۶۰۱	عن حرف جر کی مجاوزت دو قسم کا ہے اصلی اور وصلی	۶۴۹
۶۰۲	عُضُدًا کی آٹھ قرأتیں	۶۵۰
۶۰۳	تفسیر عالمانہ	۶۵۱
۶۰۴	شیطان کی اولاد کس طرح پیدا ہوتی ہے	۶۵۴
۶۰۵	تفسیری اقوال میں علما کی مختلف رائیں	〃
۶۰۶	فائدے	〃
۶۰۷	احکام القرآن۔ سجدۂ تعظیمی ہر شریعت میں حرام	۶۵۴
	رہا کفار سے دینی ملکی سیاسی مدد اور مشورہ لینا	〃
	منع ہے۔ لیکن سیاسی دوستی جائز ہے	〃
۶۰۸	اعتراضات	〃
۶۰۹	بلاغت کی گیارہ قسمیں۔ سجدۂ آدم کی آیت	۶۵۷
	پانچ دفعہ نازل ہونے کی وجہ ابلیس کے نسلی	〃
	قبیلوں کے نام۔	〃
۶۱۰	فیضان مصطفیٰ کی آٹھ نہریں	۶۶۰
۶۱۱	اخلاق نبوی کی اکیس شمعیں	〃
۶۱۳	وَرَاَ الْمُجْرِمُوْنَ النَّارَ۔ تا۔ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ قُبُلًا	۶۶۱
	از آیت ۵۳ تا آیت ۵۵	〃
۶۱۴	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۶۲
۶۱۵	فاعل کے لیے نحوی قانون	۶۶۳
۶۱۶	تفسیر عالمانہ	۶۶۴
	میدان محشر سے جہنم تک چالیس سال کا پیدل سفر	۶۶۵
۶۱۷	قیامت میں تین سوال ہونگے	۶۶۶
۶۱۸	الفاظ آیت کی تفسیر میں علما کے مختلف اقوال	۶۶۷
۶۱۹	فائدے	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۶۲۰	احکام القرآن۔ گفتگو کرنے کے چار طریقے کس	۶۶۸
	شخص کو کونسی گفتگو جائز ہے کونسی ناجائز	״
۶۲۱	اعتراضات جوابات	״
۶۲۲	تفسیر صوفیانہ۔ دنیا میں سات ہلاکتیں اور سات	
	راہ نجات ہیں۔	״
۶۲۳	سب سے بڑا جاہل کون ہے۔ باطنی اعمال کی	۶۶۷
	قسمیں۔ اعمال نفس کی نو شقیں ہیں۔ اعمال قلب	״
	کی چھ شقیں ہیں۔	״
۶۲۴	مولیٰ علی کا فرمان کہ محاسبہ مومن کی ترازو ہے	۶۷۰
۶۲۵	صبر کے پانچ مرتبے ہیں۔ صبر توبہ کا دروازہ ہے	۶۷۱
۶۲۶	وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ۔ تا۔ فَلَنْ يَّهْتَدُوْا اِذًا اَبَدًا	״
	از آیت ۵۶ تا آیت ۵۷	״
۶۲۷	تعلقات	۶۷۲
۶۲۸	تفسیر نحوی	۶۷۳
۶۲۹	سمجھنے کے معنی میں چھ مصدر اور ان کا فرق	۶۷۵
۶۳۰	تفسیر عالمانہ	״
۶۳۱	بند کرنے کے چھ طریقے۔ فائدے	۶۷۷
۶۳۲	احکام القرآن۔ مذاق کرنے کا شرعی حکم اور قسمیں	۶۷۸
۶۳۳	اعتراضات۔ جوابات	۶۷۸
۶۳۴	ایک دیوبندی وہابی اعتراض اور اس کا جواب	۶۷۹
۶۳۵	قرآن مجید میں سولہ قسم کے لوگوں کو اظلم فرمایا گیا	״
۶۳۶	حق چار قسم کے ہیں	״
۶۳۷	تفسیر صوفیانہ۔ نماز کے چار شعبے ہیں	۶۸۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۳۸	خشوع و خضوع کا فرق۔ صوفیانہ نماز	۶۸۰
۶۳۹	سچی توبہ کی دو قسمیں ہیں	۶۸۱
۶۴۰	وَرَبُّكَ الْغَفُوْرُ۔ تا۔ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا	״
	از آیت ۵۸ تا آیت ۶۱	״
۶۴۱	تعلقات	۶۸۲
۶۴۲	علم بھی انبیاء کرام علیہم السلام کے وسیلے سے ملتا ہے	۶۸۳
۶۴۳	تفسیر نحوی۔ اسم نکرہ کی تقسیم و تعریف بل حرف	״
	عطف کے تین نام ہیں اور اس کی وجہ	״
۶۴۴	مونث لفظی کے لیے مذکر فعل آسکتا ہے	۶۸۶
۶۴۵	تفسیر عالمانہ	״
۶۴۶	عذاب آسمانی سے ہلاک شدہ قوموں کے نام	۶۸۷
۶۴۷	حضرت خضر علیہ السلام کے متعلق فرمان حدیث	۶۸۸
۶۴۸	حقبا کی تفسیر میں علماء کے چھ اقوال بحرین سے مراد	
	دریاء روم و فارس ہے۔	
	مَوْعِدًا۔ مَوْئِلًا۔ موسیٰ۔ فتیٰ کے بارے میں علماء کے	۶۹۰
۶۴۹	مختلف اقوال۔ حضرت یوشع اور تابوت سکینہ	״
	آپ کی عمر اور مزار مقدس	״
۶۵۰	حضرت موسیٰ کا ذکر قرآن مجید میں ایک سو انتیس	۶۹۱
	جگہ ہے۔	״
۶۵۱	مجمع البحرین کے بارے میں مختلف اقوال	״
۶۵۲	فائدے	״
۶۵۳	احکام القرآن۔ اعتراضات جوابات	۶۹۲
۶۵۴	تفسیر صوفیانہ۔ ظلمت کی پانچ بستیاں ہیں۔	۶۹۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۵۵	مغفور بندے تین قسم کے ہیں۔ راہ طریقت نوجوان	۶۹۵
۶۵۶	راہ طلب کی چار ذمے داریاں	〃
۶۵۷	فلما جاوزا قال لفتٰہ۔ تا۔ من لدنا علما۔	
	از آیت ۶۲ تا آیت ۶۵	۶۹۶
۶۵۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۹۷
۶۵۹	عربی میں کھانوں کے چھ نام ہیں	۶۹۸
۶۶۰	متکلم کے دو صیغے چھ جگہ استعمال ہوتے ہیں	۶۹۹
۶۶۱	لفظ لدن کے چار تلفظ ہیں	۷۰۰
۶۶۲	تفسیر عالمانہ حضرت موسیٰ کے سفر کی مدت کا بیان	۷۰۱
۶۶۳	حضرت خضر علیہ السلام کے تاریخ و نام کے	۷۰۳
	حالات۔	〃
۶۶۴	لفظ خضر نام و لقب ہونے کی وجہ آپ کی حیات	۷۰۳
	طیبہ تا قیامت ہے اس کا مکمل و مدلل ثبوت آپ	〃
	کے نکاح کا تذکرہ	〃
۶۶۵	طریقت کے نبی صرف چار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی چار	۷۰۵
	کتابیں کس مقصد کے لیے دنیا میں آئیں اور ناسخ	〃
	کتب آسمانی صرف قرآن مجید کیوں ہے۔	〃
۶۶۶	چار انبیاء کرام علیہم السلام تا قیامت زندہ رکھے گئے	〃
	اس کی وجہ اور ان کی ڈیوٹیاں اور ان کے علاقے	〃
۶۶۷	مفسرین کے مختلف اقوال	۷۰۶
۶۶۸	فائدے۔ انبیاء کرام کے علم کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا	۷۰۶
۶۶۹	احکام القرآن۔ وقت غداء کی تشریح	〃
۶۷۰	عبادات میں توجیہ کا درست و قائم رہنا اشد ضروری ہے	۷۰۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۷۱	اعتراضات۔ جوابات	۷۰۸
۶۷۲	موسیٰ علیہ السلام کی اس سفر کی تکالیف اور خلیل اللہ	۷۰۹
	و ایوب علیہ السلام اور امام حسین کی کربلا کی تکلیف	۷۱۰
	میں فرق مسلمانوں کی ایک بد قسمتی	〃
۶۷۴	خضر علیہ السلام کی عمر دراز کے دلائل غیر نبی کو علیہ السلام	۷۱۳
	کہنا شرعاً منع ہے	۷۱۴
۶۷۳	خضر علیہ السلام کی نبوت کے ثبوت کی آیت	۷۱۱
۶۷۵	منکرین حیات خضر کے دلائل اور ان کے جوابات	۷۱۸
۶۷۶	کوے اور سانپ کی عمر دراز ہوتی ہے	۷۲۲
۶۷۷	خضر علیہ السلام کی سوانح عمری کے متعلق اس وقت	۷۲۴
	دنیا میں تقریباً سترہ عدد کتب ہیں	〃
۶۷۸	قَالَ لَهُ مُوسَىٰ۔ تا۔ مِنْهُ ذِكْرًا۔	۷۲۵
	از آیت ۶۶ تا آیت ۷۰	〃
۶۷۹	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۷۲۶
	رشد اور ہدایت کا فرق	۷۲۷
۶۸۰	تفسیر عالمانہ	۷۲۸
۶۸۱	پہلے سے پڑھے لکھے شاگرد اور ان پڑھ شاگرد	۷۲۹
	کا فرق	۷۲۹
۶۸۲	موسیٰ علیہ السلام نے بارہ طریقوں سے ادب کیا	۷۳۰
۶۸۳	علم باطنی کس طرح پڑھا جاتا ہے۔	۷۳۱
۶۸۴	فائدے۔ اتباع صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ہو سکتی ہے	۷۳۲
۶۸۵	صبر کی تعریف رصبر کیا ہے، احکام القرآن	۷۳۳
۶۸۶	جلد بازی کرنا ہر کام میں منع و نقصان دہ ہے	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸۷	شریعت اسلامیہ کی تمام چیزوں پر بالادستی ہے۔اب خضر علیہ السلام اپنی شریعت پر عمل نہیں کر سکتے۔	۷۳۴
۶۸۸	اعتراضات جوابات	″
۶۸۹	اتباع کا لغوی اور شرعی معنیٰ	۷۳۵
۶۹۰	تفسیر صوفیانہ	۷۳۶
۶۹۱	علم لدنی کی تین قسمیں ہیں علم وھبی کسبی لدنی کا فرق	۷۳۷
۶۹۲	فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَا لَقِيَا۔تا۔لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا نُّكْرًا۔ از آیت ۷۱ تا آیت ۷۴	۷۳۹
۶۹۳	تعلقات۔تفسیر نحوی جعت اذا کے چار استعمال	۷۴۱
۶۹۴	لفظ غلام کی تشریح اور انسان کے عمری نام	۷۴۳
۶۹۵	تفسیر عالمانہ	۷۴۴
۶۹۶	انبیاء کرام علیہم السلام کے تین طبقے	۷۴۵
۶۹۷	فائدے معجزات انبیاء کرام علیہم السلام کے قبضہ و اختیار میں ہوتے ہیں۔	۷۴۷
۶۹۸	احکام القرآن۔اعتراضات جوابات	۷۴۸
۶۹۹	طور پر حضرت موسیٰ کا سانپ دیکھ کر بھاگنے کی وجہ	۷۴۹
۷۰۰	تفسیر صوفیانہ	″
۷۰۱	انسان کے ظاہری اور باطنی رشتے	″
۷۰۲	اسلام میں بیعت پکڑنے کا حکم لازمی ہے	۷۴۹
۷۰۳	بیعت مرشداں کب سے شروع ہوئی اور بیعت کی قسمیں	۷۵۰
۷۰۴	موسیٰ علیہ السلام کو خضر علیہ السلام کے پاس بھیجے جانے کی وجہ	″
۷۰۵	واقعہ خضر و موسیٰ علیہما السلام سے کیا سبق حاصل ہوتے ہیں	۷۵۱
۷۰۶	مرشد کی چار نشانیاں ہیں	۷۵۲
۷۰۷	سلطان العارفین حضرت باہو کے ایک کلام کی تشریح	۷۵۲
۷۰۸	کثرت درود شریف سے مرشد مل جاتا ہے	۷۵۴
۷۰۹	مرید پر گیارہ حقوق واجب ہیں	″
۷۱۰	راہ معرفت کے لیے چند احکام قادریت سہروردیت نقشبندیت چشتیت کے طریقے	۷۵۵
۷۱۱	راہ معرفت کی پر خار وادیاں	۷۵۶
۷۱۲	سجدۂ تعظیمی قطعاً حرام	۷۵۷

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ سولھواں

مفسر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ ۔ چوک پاکستان ۔ گجرات

1Z 86

نام کتاب ________ اشرف التفاسیر۔ تفسیر نعیمی پارہ سولہواں
نام مصنف ________ صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان۔ ابن حضرت حکیم الامت
مفتی احمد یار خان بدایونی (یوسف زئی)
نام ناشر ________ نعیمی کتب خانہ گجرات پاکستان مفتی احمد یار خان روڈ
نام پریس ________ لاہور پاکستان
پہلی بار طبع ________ تاریخ ۱۹۹۶ء ۱ / ۱۱
تعداد ________ ۱۱۰۰ (گیارہ سو)
کل صفحات ________ ۱۰۳۳
تصحیح نظر ثانی کنندگان ________ (۱) مصنف (۲) صاحبزادہ محمد عبد القادر (۳) مولنا
نذیر احمد صاحب مغل راجوروی۔ باغ باوا گجرات
سیلز مینجر نعیمی کتب خانہ گجرات
کتابت ________ سیف اللہ شاہد خوشنویس آف کیلیانوالہ
قیمت کتاب فی عدد ________
بائنڈر ________

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِیْعَ مَعِیَ

خضر نے کہا، کیا میں نے تم کو پہلے ہی نہیں کہدیا تھا کہ بے شک تم ہرگز میرے ساتھ صبر کی طاقت نہیں

کہا میں نے آپ سے نہ کہا تھا کہ آپ ہرگز میرے ساتھ نہ

صَبْرًا ﴿۷۵﴾ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَیْءٍۭ بَعْدَهَا

رکھ سکو گے ، فرمایا موسیٰ نے، اگر آپ کچھ میں نے تم سے پوچھا اس سوال کے بعد تو تم

ٹھہر سکیں گے ، کہا اس کے بعد میں تم سے کچھ پوچھوں تو پھر میرے

فَلَا تُصٰحِبْنِیْ ۚ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّیْ عُذْرًا ﴿۷۶﴾

مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا کہ پورا ہو چکا میری طرف سے عذر ،

ساتھ نہ رہنا بے شک میری طرف سے تمہارا عذر پورا ہو چکا ،

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَاۤ اَتَیَاۤ اَهْلَ قَرْیَةِ اِۨسْتَطْعَمَاۤ

پھر دونوں آگے چلے ، یہاں تک کہ جب دونوں آئے ایک گاؤں والوں کے پاس، دونوں نے مسافری کھانا

پھر دونوں چلے یہاں تک کہ جب ایک گاؤں والوں کے پاس آئے اِن دہقانوں سے کھانا مانگا انہوں نے

اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ یُّضَیِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِیْهَا

طلب فرمایا اس بستی والوں سے تو ان سب لوگوں نے بیک زبان انکار کر دیا ان دونوں کو مہمان بنانے سے پھر اسی گاؤں میں ان دونوں نے

انہیں دعوت دینی قبول نہ کی پھر دونوں نے گاؤں میں ایک دیوار

جِدَارًا یُّرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ ؕ قَالَ لَوْ

ایک پرانی دیوار پائی جو گرنے کے قریب تھی تو اسکو حضرت خضر نے درست کر کے سیدھا بنا دیا۔ فرمایا موسیٰ نے

پائی کہ گرا چاہتی ہے اس بندے نے اُسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا تم چاہتے

شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ﴿۷۷﴾

اگر تم چاہتے تو اُس پر مزدوری لے لیتے
تو اس پر کچھ مزدوری لے لیتے

تعلقات

اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور خضر علیہما السّلام کے درمیان علم طریقت کے سیکھنے سکھانے پر معاہدے کی پابندی کا ذکر تھا اب ان آیت میں علم طریقت کے مشکل ہونے اور شریعت والوں کے نہ سیکھنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں شریعت موسوی کے کچھ بیانات اشارۃً ہوئے تھے جس کی بنا پر وہ خضر علیہ السّلام پر اُن کے انوکھے کام کی وجہ سے اعتراض فرماتے رہے اب ان آیات میں موسیٰ علیہ السّلام کے آخری بار معذرت فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی شریعت اور قانونی سوالات کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں خضر علیہ السّلام کے ایک انتہائی ہمدردانہ اور اخلاقی فطرتی کام کا ذکر ہو رہا ہے جس پر موسیٰ علیہ السّلام نے ذرا نرمی سے اعتراض بھی فرمایا (قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ

تفسیر نحوی

قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا۔ قَالَ فعل ماضی مطلق قولٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ہو ضمیر اس میں پوشیدہ ہے جس کا مرجع خضر علیہ السّلام ہیں۔ یعنی کہا خضر نے۔ اَ۔ ہمزہ استفہامیہ (سوالیہ) اَقُلْ۔ دراصل اَقُوْلُ تھا لَمْ حرفِ نفی نے اس کو جزم دیا تو آخری حرف لام کلمہ ساکن ہوا۔ اور واؤ بوجہ ساکن ہو نے کے گر گئی، کیونکہ قانونِ نحو میں دو ساکن ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے۔ لَكَ۔ لام جارہ مفعولیت کا۔ کَ ضمیر مجرور متصل۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَلَمْ اَقُلْ کا جملہ فعلیہ استفہامیہ ہو کر قول ہوا اِنَّكَ۔ اِنَّ حرفِ تشبیہ، کَ ضمیر اس کا اسم ہے اس لیے منصوب ہے۔ لَنْ تَسْتَطِيْعَ، فعل نفی تاکید بلن مستقبل۔ اس میں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع حضرت موسیٰ۔ مَعِيَ، مَعَ اسم، ترجمہ ہے ساتھ۔ یَ ضمیر متکلم اس کا مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مفعول معہ یا ظرفِ معیت ہے۔ صَبْرًا۔ اسم جامد، بحالتِ نصب مفعول بہ ہے۔ لَنْ تَسْتَطِيْعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر پھر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ، یعنی موسیٰ نے جواباً فرمایا۔ اس میں ھُوَ، ضمیر پوشیدہ فاعل ہے یہ فعل فاعل مل کر قول ہو گیا۔ اِنْ، حرفِ شرط۔ سَاَلْتُ واحد متکلم کا صیغہ سُؤَالٌ، مہموز العین سے بنا ہے، ترجمہ ہے اگر پوچھوں میں۔ کَ، ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ عَنْ حرفِ جر، ترجمہ ہے بارے میں شَيْءٍ، اسم نکرہ غیر معینہ یعنی کسی چیز کے بارے میں، بَعْدَ اسم مفرد، ظرفِ زمانی ہے، مضاف ہے، ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع ہے مراد سوال ہے یا وقت ہے بعض نے فرمایا سوال یہاں وقت کے بعد یہ ضمیر مضاف الیہ مجرور ہے۔ فَ جزائیہ خیال

رہے کہ ان شرطیہ کے بعد جزا میں چار موقعوں پر فٓ جزائیہ جزا سے پہلے لانی واجب ہے ۱۔ جب جزا کے جملے میں قد اور فعل ماضی ہو جیسے قَدْ ضَرَبَ وغیرہ ۲۔ جب کہ جزا جملہ اسمیہ ہو ۳۔ جب کہ جزا کے جملے میں مضارع منفی بِلَنْ یا لَمْ ہو جیسے فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ ۴۔ جب کہ جزا جملہ انشائیہ ہو دس اقسام میں سے کوئی بھی۔ جیسے یہی آیت فَلَا تُصٰحِبْنِیْ۔ ایک موقعہ یہ ہے کہ جزا میں فٓ لانا ممنوع ہے۔ اور ایک موقعہ یہ ہے جزا میں فٓ لانا جائز ہے یعنی لاؤ یا نہ لاؤ اگر جزا کا جملہ صرف ماضی مطلق ہو قد کے بغیر تو فٓ جزائیہ ممنوع ہوتا ہے۔ اور جائز تب جب کہ جزا کے جملے میں فعل مضارع مثبت یا منفی بِلَا ہو۔ تو گویا کہ فٓ جزائیہ کی چھ حالتیں ہیں۔ کبھی فٓ جزائیہ کی جگہ اِذَا بھی آجاتا ہے۔ لَا تُصٰحِبْ۔ فعل نہی واحد حاضر مُصَاحَبٌ سے مشتق ہے اس میں دو قرأتیں ہیں ۱۔ تُصٰحِبْنِیْ باب مفاعلہ یعنی مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا ۲۔ فَلَا تَصْحَبْنِیْ۔ باب تفعّل یعنی میرے ساتھ نہ رہنا ۳۔ فَلَا تُصْحِبْنِیْ مجھ کو ساتھ نہ رہنے دینا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اسی دوسری قرأت پر ہے اور ہمارا پہلی قرأت پر نِیْ۔ نون وقایہ یٓ متکلم منصوب مفعول بہ ہے یہ فعل نہی اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر معلول ہوا اگلا جملہ اس کی علت ہوئی قَدْ بَلَغْتَ فعل ماضی قریب۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مِنْ حرف جر لَّدُنِّیْ۔ یہ بھی لفظ ہیں ۱۔ لدن ۲۔ نون وقایہ ۳۔ یٓ ضمیر واحد متکلم۔ لفظ لدن کے تلفظ میں دس قول ہیں۔ ۱۔ مشہور قرأت لَدُنْ ہے۔ ۲۔ لَدَنْ۔ لَدِنْ۔ لُدْنَ۔ لَدْنِ۔ لَدُ لُدْنِ۔ لَدَی۔ لَدُ۔ لِدَا۔ لَدَا اَلْفَہْ۔ یہ اس کا مؤنث لفظی ہے۔ لِدَانِ لَدُنَّ یہ جمع مذکر ہے۔ اس سے پہلے اکثر مِنْ جارہ آتا ہے اور یہ مضاف ہوتا ہے۔ عامل نہیں ہوتا۔ بعض لوگوں نے اس کو عامل کہا ہے اور ذو الرمہ کے ایک شعر سے دھوکہ کھایا ہے۔ یہ کہ لَدُنْ غُدْوَةً فرمایا گیا۔ حالانکہ صحیح لَدُنْ غُدْوَةٍ ہے جس طرح لَدُنْ کے پڑھنے کے دس طریقے ہیں اسی طرح اس کے ترجمے اور معانی بھی چار طرح ہیں ۱۔ وقت ۲۔ قریب ۳۔ طرف سے۔ یہاں یہی معنی ہیں ۴۔ پاس یہ اسم غیر متمکن ہے۔ یا متکلم اسکا مضاف الیہ پھر مرکب اضافی لَدُنِّیْ ظرف مکانی ہے قَدْ بَلَغْتَ کا۔ عُذْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی معذرت۔ مشہور قرأت میں عُذْرًا بسکونِ ذال ہے اور ایک قرأت میں بضمہ ذال عُذُرًا ہے۔ اس کا معنی ہے معافی مانگنا یعنی اپنی غلطی وغیرہ کو ختم کرانا۔ نجاست اور ہر پلید شئی اور بیکار چیز کو عُذْرًا کہدیا جاتا ہے بچے کی بڑھی ہوئی ختنے والی کھال کو بھی عذر کہتے ہیں (امام راغب مفردات القرآن) بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے قَدْ بَلَغْتَ کا۔ یہ پورا جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے لَا تُصٰحِبْنِیْ کی یعنی تم مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا کیونکہ میری طرف سے عذر پورا پہنچ گیا۔ یہ علت و معلول مل کر جملہ تعلیلیہ ہو کر شرط۔ شرط و جزا جملہ شرطیہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قَالَ اپنے مقولے سے مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰٓى اِذَآ اَتَيَآ اَهْلَ قَرْيَةِ ِۨاسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ۔ فٓ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ۔ اِنْطَلَقَا۔ باب انفعال ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ تثنیہ۔ طَلْقٌ سے بنا ہے بمعنی چلنا۔ هُمَا۔ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ حَتّٰی حرف عطف لغو یا حرف جر بعض نحوی کہتے ہیں کہ حتی عاطفہ ہوتا ہی نہیں۔ یہ حتی جارہ ہی ہے اور اس کا مجرور اِذَا اَتَيَا

کا پورا جملہ ہے۔ حرف حتّٰی اِلٰی کی طرح انتہاءِ غایت کے لیے آتا ہے مگر تین صورتوں میں مختلف ہوتا ہے (۱) حتّٰی صرف اسم ظاہر پر آتا ہے حتّٰی کَ وغیرہ نہیں ہوتا (۲) اپنے سے پہلے کلام کے ختم ہونے کا پتہ دیتا ہے (۳) ابتداءِ غایت اس سے پہلے نہیں ہوتا۔ مثلاً مِنْ ھٰنَا حَتّٰی ھٰنَا نہیں ہوتا۔ اس کے معنی ابھی تین طرح ہیں (۱) یہاں تک (۲) جب تک (۳) تاکہ (۱) اِذَا ظرفیہ اَتَیَا فعل ماضی مطلق تثنیہ باب ضَرَبَ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنی آنا۔ اس کا مرجع بھی دونوں نبی علیہما السلام ہیں اَھْلَ مضاف اسم مفرد اس کی جمع ہے اَھَالِی قَرْیَۃٍ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی بستی (گاؤں) یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے اَتَیَا کا اس لیے بحالتِ نصب ہے۔ یہ سب فعل فاعل اور مفعول فیہ ہے اور ما بعد جملہ اس کا ظرف ہے اِسْتَطْعَمَا فعل ماضی مطلق تثنیہ باب استفعال طَعْمٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے تو ان دونوں نے کھانا طلب فرمایا یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ظرف ہوا اَتَیَا کا اور معطوف علیہ ہوا ما بعد جملے کا فَ عاطفہ اَبَوْا۔ فعل ماضی جمع مذکر باب ضَرَبَ۔ اَبْیٌ سے مشتق ہے بمعنی انکار کرنا، متعدی ہوتا ہے اَنْ۔ حرفِ ناصبہ یُّضَیِّفُوْ فعل مضارع معروف جمع مذکر باب تفعیل ضَیْفٌ سے بنا ہے بمعنی مہمان بنانا مہمان نوازی کرنا، ھُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مراد بستی والے وہ قریبی لوگ ھُمَا ضمیر بارز ظاہر۔ منصوب منفصل مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول آیا ہے اَبَوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اِسْتَطْعَمَا کے جملے پر یہ دونوں مل کر ظرف ہوا۔ اِذَآ اَتَیَا جملے کا ظرف ہوا۔ اَتَیَا فعل سب معمولات سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا۔ اِنْطَلَقَا کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مکمل۔ فَ۔ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ یعنی پھر وَجَدَا فعل ماضی مطلق معروف مثبت تثنیہ بمعنی دونوں نے پایا۔ وَجْدٌ سے مشتق ہے فِیْ حرفِ جر ھَا ضمیر مؤنث مجرور دونوں متعلق ہوئے وَجَدَا کے۔ جِدَارًا اسم مفرد موصوف یا ذوالحال ہے۔ اگلا جملہ اس کی صفت یعنی ایسی دیوار جو گرنے کا ارادہ کر رہی ہے۔ یُرِیْدُ باب افعال مضارع معروف واحد مذکر اَنْ ناصبہ یَّنْقَضَّ مضارع معروف باب انفعال اس کا مصدر ہے اِنْقِضَاضٌ۔ قَضٌّ (قَضَضٌ) مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ترجمہ ہے یہ کہ ٹوٹ جائے اس لفظ میں تین مختلف قول ہیں (۱) یَّنْقَضَّ یہی جمہور و مشہور ہے (۲) یَّنْقَضَ (۳) لِیُنْقَضَ (۴) یَنْقَاضَ۔ فَ تعلیلیہ یعنی وجہ بیان کرنے والی اَقَامَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق معروف اس کا مصدر ہے اِقَامَۃٌ اور اِقْوَامٌ بمعنی کھڑا کرنا سیدھا، قوی و مضبوط کرنا ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع خضر علیہ السلام۔ ہٗ ضمیر متصل مفعول بہ ہے مراد ہے دیوار۔ یہ فعل فاعل مفعول سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معلول ہوا یُرِیْدُ فعل کا یہ فعل اپنے مفعول اور معلول سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر صفت ہوئی جِدَارًا کی موصوف صفت مل کر مفعول بہ ہوا وَجَدَا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَخَذْتَ عَلَیْہِ اَجْرًا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا، لَوْ حرفِ شرط شِئْتَ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اس میں پوشیدہ ضمیر اَنْتَ کا مرجع خضر علیہ السلام ہیں شَیْءٌ سے مشتق ہے بمعنی چاہنا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی اگلا

جملہ جزا اگر ف جزائیہ لانا منع ہے کیونکہ جزا میں ماضی بغیر قد ہے لَتَخَذْتَ لام گے بمعنی تو۔ اِتَّخَذْتَ باب افتعال کا ماضی مطلق حاضر۔ اس میں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل عَلَيْهِ۔ عَلٰی حرف جر ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ہے۔ دیوار بنانا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَتَخَذْتَ فعل کا۔ اَجْرًا اسم مفرد جامد مفعول بہ ہے لَتَخَذْتَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ۝ قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا ۝ جب خضر نے اس بچے کو قتل کر دیا جس کا نام تفسیر میں شمعون بیان کیا جاتا ہے اور جس پر حضرت موسیٰ علیہما السلام نے پہلے اعتراض سے زیادہ سخت لہجے میں اعتراض کیا تب حضرت خضر نے بھی ذرا سخت لہجہ میں جواباً فرمایا۔ میں نے تو خاص تم کو پہلے ہی دو مرتبہ کہدیا ہے کہ تم میرے ساتھ نہیں چل سکتے اور تم اہل شریعت میرے ساتھ صبر نہیں کر سکتے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر میں صرف تین باتیں دیکھیں جس پر آپ نے تینوں مرتبہ اعتراض یا سوال و احتجاج فرمایا پہلے کشتی کا توڑنا پھر بچے کو قتل کرنا پھر دیوار درست کرنا۔ لیکن حضرت خضر علیہ السلام نے صرف اس دوسرے قتل غلام کے اعتراض پر جواب دینے میں ذرا سخت لہجہ اختیار فرمایا اور اَقُلْ لَّكَ میں لَكَ کی زیادتی فرمائی دو وجہ سے ایک یہ کہ پہلے اعتراض میں نسیان ہو سکتا ہے مگر یہ دوسرا اعتراض جانتے بوجھتے کیا گیا ہے دوم یہ کہ پہلے اعتراض میں صرف سوال تھا مگر یہاں دوسرے واقعے میں شرعی سرزنش بھی ہے اور یہ حضرت موسیٰ کا حق تھا۔ مگر حضرت خضر چونکہ خود اپنے وقت کے نبی تھے وہ اس حق کے مکلف نہ تھے جواب میں لَكَ فرما کر اس لیے سختی کی کہ اے موسیٰ اپنے حق کو اپنی امت تک محدود رکھئے ہم اہل باطن علیحدہ شریعت والے ہیں آپ کے پاس وہ قانون نہیں جس کے ہم پابند اور عامل ہیں۔ یہ تھے بعض مفسرین کے اقوال مگر میرے نزدیک یہ بات درست نہیں اس لیے کہ اس طرح کی سخت کلامی اخلاقِ نبوت سے بعید ہے بلکہ یہاں لَكَ فرمانا فقط تاکید کے لیے ہے۔ اس لیے یہ بات سمجھتے ہوئے قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ فرمایا حضرت موسیٰ نے بس ایک دفعہ اور درگزر کرو اگر اب کسی بات پر سوال کروں تو پھر مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا اور تم میری طرف سے عذر کو پہنچ گئے یعنی پھر تمہارا مجھ کو چھوڑ دینا بے مروتی یا وعدہ خلافی نہ گنی جائیگی اور تمہاری معذرت اور علیحدگی اختیار کرنے کا عذر ہر اعتبار سے درست ہوگا۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اِسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا ۔ اس عذر و معذرت کے بعد پھر یہ تمام صاحبان آگے روانہ ہوئے اگرچہ اگلے تمام کلام میں تثنیہ کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے مگر احادیث و تفسیر سے یہ معلوم

ہی ساتھ ساتھ ہیں ۱ حضرت یوشع دموسیٰ علیہ السلام کے ساتھی) ۲ حضرت موسیٰ ۳ حضرت خضر علیہم السلام لیکن چونکہ مقصود اور اہم کلام صرف یہ دونوں ہی ہیں اس لیے کلام پاک میں دونوں کے تذکرے کے لیے ہر جگہ صیغۂ تثنیہ ارشاد ہوا۔ اور یہ سب ایک بستی میں تشریف لائے اس بستی کے متعلق پانچ قول ہیں ۱ یہ بستی ایلہ ہے۔ اور یہی صحیح ہے ۲ یہ انطاکیہ ہے ۳ برقہ ہے ۴ علاقۂ روم کا کوئی گاؤں ۵ علاقۂ آذربیجان کا کوئی گاؤں۔ اس وقت وہاں کے لوگ بہت کنجوس اور مغرور قسم کے تھے۔ ان صاحبان نے دوپہر کا کھانا طلب کیا جو حقِ مسافری بنتا تھا اور اُس وقت اس محفل میں ایک جگہ کسی خاص مقصد کے لیے تقریباً سب ہی لوگ جمع تھے اور کھانے کا وقت بھی تھا مگر سب نے اس مہمان نوازی سے انکار کر دیا محض کنجوسی کی بنا پر (تفسیر فتح القدیر وغیرہ) اب یہ آگے بستی میں چل پڑے۔ تفسیر مظہری اور صاوی میں ہے کہ مردوں کا انکار سن کر ایک عورت نے ان سب کو کھانا کھلایا تب خضر علیہ السلام نے وہاں کی عورتوں کو خیر و برکت کی دعا دی اور اُن مردوں پر لعنت فرمائی۔ لیکن یہ قول غلط ہے دو وجہ سے ۱ یہ کہ اخلاق نبوت سے بعید ہے کہ اپنی ذاتی غرض و فائدے کی بات پر کسی کو لعنت کریں دوم اس لیے کہ اگلا کلام بتا رہا ہے کہ حضرت موسیٰ نے کھانا نہ کھلانے کی وجہ سے تعمیر دیوار کی اُجرت کا سوال کیا۔ اگر کسی نے بھی بستی میں سے کھانا کھلا دیا ہوتا تو اُجرت لینے کا سوال نہ ہوتا اور پھر وہ عورت بھی تو کسی اُس بستی والے مرد کی بیوی تھی یہ کھانا بھی مرد کا ہی تھا۔ بستی میں چلتے جا رہے تھے کہ ایک ویرانے میں ایک دیوار دیکھی جو گرنے کا ارادہ رکھتی تھی یعنی گرنے کے قریب تھی یہاں لفظِ یُرِیۡدُ مجازاً ہے ورنہ ارادہ کرنا دل کا کام ہے اور دیواروں کا دل نہیں ہوتا مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دیوار کی اونچائی سو گز تھی اور لمبائی پانچ سو گز۔ دگز سے مراد شرعی گز یعنی ڈیڑھ فٹ) خضر علیہ السلام نے اس دیوار کو درست کر دیا۔ اس درستگی کے طریقے میں تین قول ہیں ۱ یہ کہ آپ نے سطح زمین تک دیوار کو گرا یا اتنے ہی حصے کو جو جھکا ہوا تھا یا ساری دیوار کو ازسرِنو گرا یا مگر بنیادوں کو نہ اکھیڑا اور تینوں صاحبان نے مٹی گارے سے دیوار بنا دی یہ دونوں گارا دیتے رہے اور حضرت خضر بناتے چناؤ کرتے رہے اور چونکہ اصل تعمیر معمار کی ہی ہوتی ہے اس لیے صیغہ واحد ارشاد ہوا ۲ یہ کہ دیوار گرائی نہیں بلکہ لکڑیوں بانسوں کی مضبوطی سے ٹیکیں لگا دیں اور یہ کام صرف خضر علیہ السلام نے اکیلے ہی کیا کسی سے مدد نہ لی اسی لیے صیغہ واحد ارشاد ہوا ۳ تیسرا قول ہے کہ حضرت خضر نے اپنا ہاتھ لگا کر معجزے سے درست کر دی مگر یہ قول درست نہیں اس لیے کہ حضرت موسیٰ اس محنت پر اجرت لینے کا سوال کر رہے ہیں حالانکہ معجزے پر اُجرت مانگنا حرام ہے۔ اسی طرح بغیر محنت کام پر اجرت مانگنا بھی ناجائز ہے۔ جب یہ حضرات کافی محنت مشقت سے دیوار تعمیر یا درست کر چکے تو حضرت موسیٰ نے تیسرا اور آخری اعتراض پیش کر دیا کہ اگر تم چاہتے تو اس محنت پر ان گاؤں والے کنجوس لوگوں سے اُجرت مانگ سکتے تھے تاکہ وہ اجرت کھانے کا بدل بن جاتا۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ نے تین کاموں پر تین اعتراض کیے ہر اعتراض پر ان کو غیب سے ندا آتی تھی ۱ کشتی ڈوبنے کا اعتراض فرمایا تو ندا آئی کہ بچپن میں تمہارا صندوق بھی تو نہیں ڈوبا

تھا حالانکہ اس میں زیادہ سوراخ تھے وہ کس نے بچایا تھا ؟ بچے کے قتل کے اعتراض پر نہ آئی کہ تم نے جوانی میں قبطی کو کیوں مارا تھا ؟ دیوار کی اجرت کے سوال پر نہ آئی کہ تم نے جب کنوئیں کا بھاری پتھر اٹھا کر بکریوں کو پانی پلایا تھا تو کیا اُجرت مانگی تھی۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ ایک نبی اپنی نبوت کے زمانے میں بھی دوسرے نبی کی اتباع کر سکتے ہیں خواہ تابع نبی صاحب شریعت بلکہ صاحب کتاب ہو یا بغیر شریعت پہلی مثال جیسے حضرت موسیٰ نے چند ساعتیں حضرت خضر کی اتباع کی دوسری مثال جیسے ہارون علیہ السّلام نے حضرت موسیٰ کی اور بہت سے انبیاء نے سلیمان علیہ السّلام کی یا حضرت یحیٰی نے حضرت عیسیٰ کی علیہم السّلام جب زمانۂ نبوت میں دوسرے نبی کی اتباع جائز ہے اگرچہ تابع نبی متبوع نبی سے درجوں بلند مرتبہ ہو جیسے موسیٰ علیہ السّلام حضرت خضر سے درجوں بلند فضیلت والے تھے تو نبوت کی منسوخی کے بعد اور اپنے افضل نبی کی اتباع تو بدرجہ اولیٰ جائز ہوگی یہ فائدہ اس سارے واقعے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ اگر دو شخص کوئی معاہدہ کریں اور ایک اس میں پابندی نہ کر سکے تو دوسرے کا وعدہ ختم کر دینا وعدہ خلافی نہ ہوگی یہ فائدہ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اپنا حق وصول کرنا خواہ کسی شکل اور کسی طریقے سے ہو جائز اور ضروری ہے لیکن طریقت اور تصوف میں حق چھوڑ دینا زیادہ افضل ہے یہ فائدہ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ دینی استاد پر اپنے شاگرد کا ادب کرنا ناجائز ہے اسی طرح پیر کو مرید کا ادب کرنا اور خاوند کو بیوی کا ادب کرنا منع ہے اگرچہ شاگرد اور مرید وغیرہ خاندانی اعتبار سے اپنے استاد و پیر یا خاوند سے درجہ میں بلند مرتبہ ہی ہو بلکہ شاگرد وغیرہ کو اپنے خاندان کا اظہار مرتبہ استاد کے سامنے کرنا ہی منع ہے۔ ہاں البتہ شاگرد اور مرید وغیرہ کو واجب ہے کہ اپنے استاد اور مرشد کا ہر حالت میں شان و مرتبے کے باوجود ادب اور خدمت کریں یہ مسئلہ حضرت خضر کے لُکْ فرما کر کلام میں سختی پیدا کرنے اور حضرت موسیٰ کا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ فرما کر معذرت کرنے سے مستنبط ہوا۔ حالانکہ حضرت موسیٰ مرسل ہونے کی وجہ سے کئی درجوں بلند و افضل ہیں علیہما السّلام۔ دوسرا مسئلہ۔ جن چیزوں کا رب تعالیٰ اپنے بندوں کو کرنے کا شریعت وغیرہ میں حکم عطا فرمائے ان کے کرنے پر کسی مسلمان کو اجرت مانگنی ناجائز ہے لہٰذا نماز پڑھنے تلاوت کرنے اور سننے پر قاری نمازی کو اُجرت مانگنی منع ہے یہ مسئلہ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ کے سوال اور اگلے جواب سے مُستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ غیر مسلموں کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا جائز ہے بشرطیکہ اس میں کوئی حرام چیز نہ ڈالی ہو اور غیر مسلموں پر بھی مہمان نوازی واجب ہے یہ اخلاقی واجبات میں سے ہے یہ مسئلہ اسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا سے مستنبط ہوا اس لیے کہ وہ بستی والے نا زما مومن نہیں تھے کیونکہ خضر علیہ السلام اہل ظاہر کے نبی نہ تھے نہ ان کی کوئی اُمت تھی

اور حضرت موسیٰ کو وہ پہچانتے ہی نہ تھے اگر پہچانتے تو یقیناً ادب کرتے اور تشریف آوری کو اعزاز سمجھتے جب کہ اُس دور میں تمام جہان کے لیے شریعت صرف موسیٰ علیہ السّلام کی تھی بلکہ اگر کسی بھی نبی کی امت ہوتے تو اتنے کنجوس نہ ہوتے یہ کنجوسی اُن کے کفر کی نشانی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ بھیک مانگنا تو ہر شریعت میں حرام رہا ہے تو پھر ان دونوں بزرگوں نے بستی والوں سے کھانے کی بھیک کیوں مانگی آج تمام بھکاری بھی کھانا ہی مانگتے ہیں۔ **جواب**۔ یہ بھیک نہ تھی بلکہ حقِ مسافرت تھا جو طلب کرنا جائز تھا اور بستی والوں پر دنیا حق بنتا تھا۔ اور یہ طلب ضرورۃً تھی نہ کہ محض عادۃً یا تفریحاً۔ مگر رواجی گداگروں کی طلب بلا ضرورۃ محض عادۃً ہوتی ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں دو دفعہ اُھل کیوں فرمایا گیا۔ ما اَھْلَ قَرْیَۃِ ۔ اِسْتَطْعَمَا اَھْلَھَا دوسری مرتبہ اِسْتَطْعَمَاھَا کہنا کافی تھا جواب دو وجہ سے۔ پہلی یہ کہ ھَا ضمیر منفصل ہے جو ہمیشہ عامل سے جڑ کر آتی ہے۔ اس کا عامل اھل ہے اس لیے اُھل کہنا ضروری ہے اگر اُھل نہ کہا جاتا تو اس کا عامل اِسْتَطْعَمَا فعل ماضی تثنیہ بن جاتا اور اس میں الف تثنیہ ہے جو انصالِ کامل سے مانع ہے نیز ھَا ضمیر کا مرجع قریہ ہے نہ کہ اُھلِ قریہ حالانکہ کھانے کی طلب قریہ سے نہیں تھی بلکہ اھلِ قریہ سے تھی جو حقیقۃً صرف مرد ہوتے ہیں۔ اگر ھَا صرف کہا جاتا تو مجازاً عورتیں اور بچے بھی شامل ہو جاتے حالانکہ ان سے طلب نہ کیا گیا تھا۔ دوم یہ کہ اَھْلَھَا کہنے میں تاکید بھی ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا یُرِیْدُ اَنْ یَّنْقَضَّ یعنی دیوار ارادہ کرتی ہے گرنے کا۔ حالانکہ ارادہ کرنا عقل والوں کا کام ہے دیوار اہلِ عقل میں سے نہیں ہے تو یہ لفظ کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب**۔ مشابہۃِ عُقَلَاء کی وجہ سے مجازاً فرمایا گیا اس لیے کہ آدمی بھی جب بیٹھنے یا گرنے کا ارادہ کرتا ہے تو پہلے جھکتا ہے اسی طرح دیوار بھی پرانی تھی جھکی ہوئی گرنے کے قریب تھی اِس جھکاؤ کو ارادہ سے تعبیر کیا گیا اور محاورۃً ہر زبان میں ایسا بول دیا جاتا ہے اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

یُرِیْدُ الرُّمْحُ صَدْرَ اَبِیْ بَرَاءٍ وَیَعْدِلُ عَنْ دِمَاءِ بَنِیْ عَقِیْلٍ

یعنی ارادہ کرتا ہے تیر۔ حالانکہ تیر غیر ذوی العقول ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں خضر علیہ السّلام نے پہلے اعتراض کے جواب میں اَلَمْ اَقُلْ اِنَّکَ فرمایا۔ لیکن دوسرے اعتراض کے جواب میں اَلَمْ اَقُلْ لَّکَ اِنَّکَ (الخ) فرمایا یہاں لَکَ کیوں زیادہ کیا۔ **جواب**۔ اِس کا جواب مختصراً تفسیر عالمانہ میں دیا گیا کہ یہ فقط تاکید کے لیے ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ یہ سختی کلام سابقہ وعدہ اور اُس کی اہمیت بتانے کے لیے ہے۔ اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ہمراہی مجھ پر شاق گزر رہی ہے کسی وقت بھی ختم ہو سکتی ہے گویا کہ آگاہی ما تقدم ہے۔ **پانچواں اعتراض**۔ آپنے لکھا ہے کہ دیوار سب نے مل کر درست کی اس طرح کہ حضرت خضر اینٹیں لگاتے رہے دوسرے ساتھی مٹی گارا لاتے رہے لیکن دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ صرف حضرت خضر نے اپنے معجزے سے ہاتھ لگا کر درست کر دی اور آیت

پاک میں واحد کا صیغہ فَاَقَامَہٗ بھی یہی بتا رہا ہے اور شریعت میں معجزے پر اُجرت مانگنی حرام ہے تو پھر حضرت موسیٰ نے لَوْ شِئْتَ علیہ السلام کہہ کر خلافِ شریعت بات کیوں کی۔ جواب۔ اس کا جواب جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں دیا ہے تب تو اعتراض ہی نہیں پڑتا لیکن اگر مفسرین کی معجزے والی بات کو ہی لیا جائے تب بھی کوئی اعتراض نہیں پڑتا کیونکہ مہمانی سے انکار کے بعد اب یہ معاوضہ لینا فقط اجرت نہ تھا بلکہ حقِ مہمانی وصول کرنا تھا جس کی صورت اجرت کی شکل میں ہوتی یہ ظاہراً اگرچہ اُجرت ہوتی مگر باطناً وحقیقتاً اپنے حق کی وصولی ہوتا۔ لہٰذا لَوْ شِئْتَ کہنا شرعاً درست تھا واللہ ورسولہ اعلم۔

از آیت ۷۵ تا آیت ۷۷

تفسیر صوفیانہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا. قَالَ اِنْ سَاَلْتُكَ عَنْ شَيْءٍۭ بَعْدَهَا فَلَا تُصٰحِبْنِيْ قَدْ بَلَغْتَ مِنْ لَّدُنِّيْ عُذْرًا شربِ صوفیا میں جسدِ عنصری کی عقلِ قدسی خضرِ راہ ہے اور قلبِ مسعود گویا موسیٰ رہبر راہ ہے اس عالمِ ناسوت دنیاء دوں میں عقلِ مقدس متقی ہی سچائی کی رہنما و صادق ہے مگر قلبِ مسعود مرید بینا وبصیر ہے اس کو راہ جوئی و تلاشِ منزل کے لیے سوالات کرنے پڑتے ہیں لیکن وادیِ معرفت خاموشی کا متقاضی کہ فرمایا آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ صَمَتَ نَجَا جو خاموش رہا وہ نجات پا گیا۔ اسی لیے دن رات ہر وادیِ ابدان کا عقلِ خضر فرما رہا ہے بار بار قلبِ طالبِ راہ اور ملتجیِ منزل کو کہ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ۔ کیا پہلے ہی تجھ کو میں نے آگاہی و خبرداری نہ دیدی تھی کہ چونکہ تیری جبلّت وفطرت منزل آشکار کی متلاشی ہے مگر میری راہ سترِ افکار کی خاموشی ہے اس لیے تو میری ہمراہی کو جبریت سے برداشت کی طاقت نہیں رکھ سکتا۔ قلبِ مسعود نے قولِ مدرکی کی اس خبرداری سے باخبر ہو کر فرمایا کہ وادیِ سلوک کے آداب کی اب خلاف ورزی نہ ہوگی اگر اب کبھی سوالِ ظاہری کا صدور ہوا تو صحبت معرفت نہ بخشنا اور افتراقِ منازل کی معذوری ومجبوری مجھ کو پہنچی عقل وقلب کا یہ افتراق اس لیے ہے کہ علمِ قلب کتاب وسنت ہے۔ مشربِ قلب میں جو علم کتاب وسنت کے مطابق نہ ہو اس سے استفادہ نہ کرنا چاہیئے۔ اس لیے کہ قلبِ مومن رہبرِ ماضی وحال ہے اس کی نگاہ ماضی کی درستی اور حال کی تندرستی کی فکر میں لگی رہتی ہے اور یہ دونوں چیزیں قرآن وسنت سے میسر ہیں اگر کوئی شخص ان منبعِ فیوض وچشمۂ برکات کے سمجھنے میں مددگار ومعاون نہ ہو سکے تو وہ کتنا ہی بڑا فاضل ہو سالکینِ معرفت کے مذہب میں برائی وذلت کا مجموعہ ہے۔ ایسے لوگوں میں باطن کی کوئی فضیلت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی حرکتیں دنیا وآخرت میں ذلیل کرنے کا باعث بن جاتی ہیں۔ قلبِ مسعود طورِ موسیٰ کے مقامِ بلند پر پہنچ کر بھی علم کی تلاش میں عاجزی کے قدم چلتا رہتا ہے اور عذر خواہی کی عادت بناتا ہے اولیاء اللہ کے نزدیک قلبی علم تین قسم کے ہیں (۱) مذہب کا علم (۲) مسلک کا علم (۳) شرک کا علم پہلا علم اصل وابتداء ہے دوسرا علم فرع وانتہا ہے اور تیسرا علم

خمر مراد ہے ان علوم میں اخلاص ہے اور ان ہی کے ذریعے سفر وحضر قبر وحشر کی آفات سے حفاظت ملتی ہے۔ ان ہی علوم میں طریقت خضری وشریعت موسوی کا ساتھ نبھاؤ ہے۔ فَانْطَلَقَا حَتّٰۤى اِذَاۤ اَتَيَاۤ اَهْلَ قَرْيَةِ اِۨسْتَطْعَمَاۤ اَهْلَهَا فَاَبَوْا اَنْ يُّضَيِّفُوْهُمَا فَوَجَدَا فِيْهَا جِدَارًا يُّرِيْدُ اَنْ يَّنْقَضَّ فَاَقَامَهٗ قَالَ لَوْ شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا - پس چلے وہ دونوں عقل وقلب سفر تخیل سے یہاں تک کہ آئے وہ دونوں بستی جسم میں حواس انسانیت کے اہل قوٰی کے پاس اعمال افکار کی غذاء روحانیت کی طلب فرمائی کیونکہ اعضاء انسانیہ پر قلب وقول کا حق ہے کہ یہ اعضاء ظاہری اپنے اعمال صالحہ سے قلب وعقل کو نورانی غذائیں کھلائیں اور قوت دیں مگر نفس امارہ کے پیروکار نے عقل سلیم کے اس مطالبہ کا ہمیشہ انکار ہی کیا لیکن عقل منور قلب مسعود کے تعاون کے ساتھ محض اپنے لطف وکرم سے خزائن اسرار کی دیوار جواز تو تعمیر کرتا ہی رہتا ہے جو دیوار حائل ہے نفس ناطقہ اور مجردات عالم کے درمیان اور ضعف اعمال کی بنا پر جسد عنصری کا بنیاد سے وادی فنا میں گرنے کا ارادہ رکھتی ہو تو عقل بدنی نورانیت قلب کے تعاون کے ساتھ علاقائی بقا میں تقویت اعمال جسدی کی صلاحیت کے ساتھ حواس کے گارے سے شریعت کی آبیاری سے درستگی فرمائی تکمیل شریعت نے فرمایا تو شِئْتَ لَتَّخَذْتَ عَلَيْهِ اَجْرًا اے عقل مقدس تجھ کو چاہیے تھا کہ ان اعضاء بدنیہ سے ثواب جزیل کی اجرت ریاضت شدیدہ حاصل کر لیتا تاکہ انوار قدس کے کھانے کشف احوال کے دسترخوان پر میسر آتے۔ یہی غذائیں علم ملکوتی ہیں اور علم کا طلب کرنا فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ صوفیا فرماتے ہیں کہ کثافت کو ختم کرنے کے لیے اعمال دین اور اعمال کے لیے علم دین اور علم دین کے لیے صحبت صالحہ اور صحبت صالحہ کے لیے شریعت والوں کو اہل طریقت کی بیعت اور اہل طریقت کو اہل شریعت کی شاگردی لازمی ہے۔ اے بندۂ مومن اعمال میں اخلاص پیدا کر کیونکہ اخلاص سے عجز پیدا ہوتا ہے اور عجز کی سرنگونی سے پھل لگتا ہے اور یہی مقصد حیات ہے جیسا کہ پارہ نمبر۳۰ سورۃ بینہ میں ارشاد ہے وَمَاۤ اُمِرُوْۤا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ - بندوں کو فقط اخلاص فی الدین کا ہی حکم دیا گیا ہے تاکہ وہ پر خلوص عبادت کریں حدیث پاک میں جس علم کے سیکھنے کو فرض فرمایا گیا ہے وہ علم دین ہے اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان دنیا وآخرت کے مقام قرب وتعلقات کا پتہ لگتا ہے۔ دو ہی علم ہیں اور دو ہی عمل ۱۔ علم دین ۲۔ علم دنیا اور ۱۔ اعمال دین اکل حلال ہے ۲۔ اعمال دنیا اکل مشکوک ہے۔ (از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ

خضر نے کہا آپ کا یہ سوال فراق ہے میرے اور آپ کے درمیان ابھی عنقریب میں آپکو بتاتا ہوں

کہا یہ میری اور آپ کی جدائی ہے۔ اب میں آپ کو ان باتوں کا پھیر بتاؤں گا

بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿۷۸﴾ اَمَّا

ان کاموں کی وجہ نہیں طاقت رکھی آپ نے جس پر صبر کی تو سنو ، لیکن

جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ، وہ جو

السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي

کشتی پس تھی وہ چند مسکینوں کے لیے صرف مزدوری کرتے تھے

کشتی تھی وہ کچھ محتاجوں کی تھی کہ دریا میں کام

الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ

دریائی آمدورفت ہیں تو میں نے چاہا خراب کر دو اس کو اس پیچھے تھا اُن سے آگے

کرتے تھے تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں اور ان کے پیچھے

مَّلِكٌ يَّاْخُذُ كُلَّ سَفِيْنَةٍ غَصْبًا ﴿۷۹﴾ وَاَمَّا الْغُلٰمُ

ایک بادشاہ جو ہر مضبوط کشتی کو چھین لیتا ہے ۔ اور لیکن وہ لڑکا

ایک بادشاہ تھا کہ ہر ثابت کشتی زبردستی چھین لیتا اور وہ جو لڑکا تھا

فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا

اس کا بیان یہ ہے کہ اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہم نے اندیشہ کیا کہ یہ آج کا بچہ کل انکو مبتلا کر دے گا

اس کے ماں باپ مسلمان تھے تو ہمیں ڈر ہوا کہ وہ ان کو

طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ﴿۸۰﴾ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا

گمراہی اور کفر میں ۔ اس لیے ہم نے خیال کیا کہ بدلہ دے ان دونوں کو ان کا رب

سرکشی اور کفر پر چڑھا دے تو ہم نے چاہا کہ ان دونوں کا رب

خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ﴿۸۱﴾

اس سے بھی پیارا پاکیزگی خوب صورتی میں اور نرم دلی میں زیادہ قریب

اس سے بہتر ستھرا اور اس سے زیادہ مہربانی میں قریب عطا کرے

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق۔** پچھلی آیت میں مذکور ہوا کہ حضرت خضر نے موسیٰ علیہ السلام کو اعتراضات سے روکا اور حضرت موسیٰ نے کہا کہ اگر اب کوئی سوال یا اعتراض کیا تو تم مجھ کو اپنے ساتھ نہ رکھنا موسیٰ علیہ السلام نے پھر ایک سوال کر دیا تو اب ان آیت میں خضر علیہ السلام کا علیحدگی اختیار کرنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کے وہ سوالات مذکور ہوئے جو آپ نے حضرت خضر علیہ السلام کے افعال پر کیے اب ان آیت میں خضر علیہ السلام کے جوابات ذکر ہو رہے ہیں۔ **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں حضرت خضر کا یہ فرمان ذکر ہوا تھا کہ اے موسیٰ آپ میرے ساتھ صبر نہ کر سکیں گے کیونکہ تم صاحب شریعت ظاہری ہو۔ اب ان آیت میں طریقت باطنی کو ظاہر کیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِيْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۔ اَمَّا السَّفِيْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِيْنَ يَعْمَلُوْنَ فِي الْبَحْرِ۔ قَالَ فعل ماضی با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ هٰذَا دو لفظ ہیں۔ ا هَا ۔ ۲ ذَا۔ هَا حرف تنبیہ ہے یہ ہر اسم اشارہ کے اول میں آتا ہے کلام کی طرف مخاطب کی توجہ کرانے کے لیے اس سے کلام میں سختی و مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ حروف تاکید سے بھی کلام میں سختی پیدا ہوتی ہے اور حرف تنبیہ سے بھی مگر تاکید سے کلام میں وہ آتا ہے جب کہ تنبیہ سے بات سننے والی کی توجہ میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے۔ ذَا اسم اشارہ واحد مذکر ہے اس کے تثنیہ اور جمع۔ مذکر و مؤنث مفتوح و مجرور ہر طرح کے صیغے ہوتے ہیں مثلاً۔ ذَا ۔ ذَانِ ۔ ذَيْنِ ۔ تَا ۔ تَانِ يَتَيْنِ ۔ اُولَاءِ ۔ اُولٰئِكَ ذٰلِكَ تِلْكَ هٰذَا ۔ قریب و بعید و متوسط سب کے لیے آجاتا ہے۔ هٰذَا کا مشار الیہ حضرت موسیٰ کا یہ مزدوری لینے کا تیسرا سوال کرنا ہے۔ یعنی اے موسیٰ اب یہ تمہارا سوال میرے تمہارے درمیان جدائی کا سبب ہے۔ بعض نے کہا یہاں مشار الیہ وقت ہے۔ فِرَاقُ مصدر ہے بروزن فِعال، قتال وغیرہ۔ بحالت رفع خبر ہے هٰذَا مبتدا کی بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ یہ مرکب لفظی مضاف الیہ ہے فراق مضاف کا۔ بَيْنَ اسم ظرف ہے۔ یہاں ظرف مکانی ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے اس کا مضاف الیہ ضمیر بھی ہوتا ہے اور اسم ظاہر بھی۔ هٰذَا مبتدا اپنی خبر فراق دالخ سے مل کر جملہ خبریہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہو گیا۔ سَ۔ حرف تقریب اُنَبِّئُ۔ باب تفعیل کا

کا مضارع مثبت معروف واحد متکلم ہے نَبَأٌ سے بنا ہے بمعنی خبر دینا بتانا۔ یہاں مراد ہے غیبی خبر دینا۔ ایک قرأت سَأُنَبِّئُكَ ہے اور سین تاکید کے لیے ہے نہ کہ تقریب کے لیے یعنی البتہ ضرور خبر دوں گا۔ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر بحالتِ نصب مفعول بہ ہے مرجع موسیٰ علیہ السلام۔ بِ۔ حرف جر زائدہ ہے تَاوِیْلِ۔ اسم مصدر باب تفعیل اَوْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی اصلیت، اصل وجہ، مرجع، ٹھیک بات رفت ہونا، مضاف ہے۔ مَا موصولہ لَمْ تَسْتَطِعْ۔ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق در اصل تھا تَسْتَطِيْعُ جحد کی وجہ سے آخر ساکن ہوا تو ساکن گر گئی باب استفعال اس کا اصل مصدر اِسْتِطْوَاعٌ ہے تعلیل ہو کر اِسْتِطَاعَةٌ ہوا طَیْعٌ طَوْعٌ سے بنا ہے بمعنی طاقت رکھنا اَنْتَ۔ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل عَلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے ہ ضمیر کا مرجع مَا ہے۔ یعنی وہ تمام کام جن پر آپ نے اعتراض کیا صَبْرًا اسم مفرد جامد بمعنی رکنا، روکنا یہاں مراد ہے اعتراض نہ کرنا۔ بحالت نصب مفعول بہ لَمْ تَسْتَطِعْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ۔ دونوں مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اُنَبِّئُكَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا اَمَّا حرف استدراک و تفصیل کے لیے۔ یہ لفظ چار طرح مستعمل ہے (۱) لٰکِنْ کی مثل استدراک کے لیے تب دو جملوں کے درمیان آتا ہے (۲) شرط کے لیے تب دو جملوں کے شروع میں آتا ہے پہلے کو شرط بناتا ہے۔ (۳) تاکید کے لیے تب حصر پیدا کرتا ہے (۴) تفصیل کے لیے جیسے یہاں اَلسَّفِیْنَةُ الف لام عہد خارجی سفینۃ اسم مفرد جامد بمعنی کشتی مرفوع مبتدا ہے۔ فَ۔ بیانیہ کَانَتْ۔ فعل تامہ ہِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع سفینہ۔ لام جارہ نفع کا لیکن امام شافعی کے نزدیک ملکیت کا مَسٰکِیْنَ اسم جمع مذکر سالم مجرور اس کا واحد مِسْکِیْنٌ۔ خیال رہے کہ دنیا میں انسان پانچ قسم کے ہیں غنی۔ مالدار، فقیر، مسکین، محتاج اس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ مولیٰ علی شیر خدا کی قرأت میں ہے مَسَّاكِيْنَ جمع ہے مَسَّاكٌ کی بمعنی مَلَّاحِيْنَ وَمَلَّاحٌ مساکین موصوف اگلا جملہ اس کی صفت یَعْمَلُوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع معروف جمع مذکر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُمْ۔ اس کا مرجع مَسٰکِیْنَ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ الْبَحْرِ الف لام استغراقی یا جنسی بحر اسم مفرد جامد بمعنی دریا، سمندر۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَعْمَلُوْنَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہوئی مَسٰکِیْنَ اپنی صفت سے مل کر مجرور اور متعلق ہے کَانَتْ کا۔ یہ جملہ فعلیہ تامہ خبریہ ہو کر خبر ہے مبتدا اَلسَّفِیْنَةُ۔ کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا۔ ف۔ بیانیہ بمعنی اس لیے اَرَدْتُّ۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد متکلم انا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ اَنْ حرف ناصبہ اَعِیْبَ۔ باب افعال کا مضارع واحد متکلم مثبت معروف۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع سفینہ ہے۔ منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہوا

اَرَدْتُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَ ڈ یہ جملہ کَانَ فعل تامّہ وَرَاءَ اسم مصدر ہے۔ بروزنِ قَضَاءَ عَشَاءَ۔ فَعَالَ۔ وَرْءٌ سے بنا ہے۔ وَرْءٌ ہمیشہ باب فتح میں گردان ہوتا ہے وَرَاءٌ مصدر مزید فیہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے کبھی فاعل کی طرف تب معنی ہوتا ہے چھپا ہوا۔ اور کبھی مضاف ہوتا ہے مفعول کی طرف تب معنی ہوتا ہے چھپنے والا۔ اس کے آٹھ معنی ہیں (۱) آڑ (۲) آگے ہونا (۳) پیچھے ہونا (۴) حدِ فاصل اور حد بندی کرنا (۵) پس پشت ڈالنا (۶) علاوہ اور سوا ہونا (۷) بعد میں آنا (۸) چھپنا یہاں مراد ہے آگے ہُم ضمیر جمع کا مرجع وہی مسکین یہ مرکب اضافی ظرفِ مکان ہے کَانَ کا مَلِكٌ۔ اسم مفرد جامد موصوف ہے بمعنی بادشاہ یَأْخُذُ۔ باب نصر کا مضارع واحد مذکر اس کا فاعل مَلِكٌ کی ضمیر هُوَ پوشیدہ ہے۔ كُلَّ سَفِينَةٍ۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے غَصْبًا اسم مصدر بمعنی چھیننا، قبضہ کر لینا، بحالتِ نصب ہے یا مفعول لہ ہے یعنی لیتا ہے غصب کرنے کے لیے یا مفعول مطلق ہے یَأْخُذُ ہم معنی فعل کا۔ یعنی چھین لیتا ہے چھیننا۔ یا خُذُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہوئی مَلِكٌ کی یہ مرکب توصیفی کَانَ تامّہ کا فاعل ہوا۔ کَانَ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ واؤ دوسرے جملہ الغلام الف لام عہدِ خارجی خیال رہے کہ الف لام عہد خارجی وہ ہوتا ہے جس کے مدخول کا متکلم و مخاطب دونوں کو پتہ ہو اور الف لام عہد ذہنی وہ ہے جس کا پتہ صرف متکلم کو ہے الف لام کی کل نو قسمیں ہیں۔ (۱) زائدہ (۲) غیر زائدہ (۳) اسمی، (۴) حرفی (۵) تخصیصی (۶) جنسی (۷) استغراقی، (۸) عہدِ ذہنی (۹) عہد خارجی۔ غلام بروزنِ فُعَال بمعنی لڑکا، بیٹا۔ قریب بلوغ کو یا شیر خواری سے سمجھداری تک بیٹے کو کہا جاتا ہے اس کی جمع تین طرح ہے (۱) غِلمان (۲) اَغْلِمَةٌ (۳) غِلْمَةٌ۔ غُلْمٌ سے مشتق ہے صفت مشبہ ہے لغوی ترجمہ روشنی والا۔ خوب صورت حسین۔ بحالتِ رفع مبتدا ہے۔ فَ تفسیریہ بیانیہ کَانَ فعل ناقصہ اَبَوَا۔ اسم تثنیہ دراصل تھا اَبَوَانِ، مراد، باپ اور ماں (پرورش کرنے والے) مضاف کی وجہ سے نون آخری گر گئی ہُ ضمیر واحد مجرور مضاف الیہ ہے۔ ہُ کا مرجع غلام۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے کَانَ ناقصہ کا۔ مؤمنین۔ اسم تثنیہ مؤمن کا منصوب ہے خبر ہے کَانَ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ فَ عاطفہ سببیہ توجیہی (تفریعی) خَشِينَا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع متکلم، ترجمہ ہے اس وجہ سے اندیشہ کیا ہم نے مراد صرف خضر علیہ السّلام ہیں۔ خَشْيٌ ناقص یائی سے بنا ہے، بمعنی۔ اندیشہ کرنا۔ ڈرنا رعب میں آ جانا عاجز ہونا یہاں پہلے معنی ہیں۔ اَنْ حرفِ ناصبہ یُرْهِقَ باب افعال کا مضارع واحد مذکر رَهْقٌ سے مشتق ہے بمعنی اثر ڈال دینا۔ مجبور کر دینا مبتلا کر دینا، ورغلا دینا پھنسا دینا، بے راہ کر دینا، یہاں سب معنی بن سکتے ہیں، اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ہُوَ ہے جس کا مرجع غلام ہے هُمَا اس کا مفعول یہ مراد والدین ہیں طُغْيَانًا۔ اسم مبالغہ بروزنِ فُعْلَانٌ عُثْمَانٌ۔ طَغْيٌ سے مشتق ہے اسی سے ہے طاغی (فرعون کا آسمانی لقب) بمعنی سرکشی، نافرمانی، معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ كُفْرًا اسم مفرد بمعنی شرک بت پرستی انبیاء اولیاء کی گستاخی خلاف ورزی معطوف ہے۔ دونوں عطف مل کر مفعول فیہ ہے یُرْهِقَ کا سب مل کر جملہ

فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے خَشِیْنَا کا یہ سب مل کر جملہ خبریہ ہو کر معطوف، گان کا جملہ معطوف علیہ دونوں مل کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا۔ ف تعقیبیہ اَرَدْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم فاعل خفر ہیں اَنْ ناصبہ یُبْدِلَ۔ باب افعال کا مضارع مثبت مصدر ہے اِبْدَال اَلْ بَدَلٌ سے بنا ہے بمعنی بدے میں دینا ایک قرأت میں یُبَدِّلَ۔ ہے باب تفعیل ہے ھُمَا ضمیر تثنیہ مرجع والدین منصوب ہے، کیونکہ مفعول بہ ہے رب مضاف ھُمَا مضاف الیہ مرکب اضافی فاعل ہے یُبْدِلَ کا خَیْرًا اسم حاصل مصدر مِنْهُ۔ جار مجرور متعلق ہے خیرًا مصدر کا، یہ دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر ممیز، زَكٰوةً، اسم حاصل مصدر بمعنی پاکیزگی تمیز ہے خَیْرًا کی واؤ عاطفہ اَقْرَبَ اسم تفضیل ھُوَ اس کا فاعل مرجع ہے خَیْرًا یا مرجع ذہنی یعنی بدلہ رُحْمًا اسم حاصل مصدر ایک قرأت میں رُحُمًا متحرک ہے مفعول تمیز ہے اَقْرَبَ ممیز تمیز سے مل کر معطوف ہوا خیرًا ممیز تمیز معطوف علیہ دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہوا یُبْدِلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَرَدْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا۔ اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ۔ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا۔ تیسری مرتبہ وعدہ بھول کر اعتراض کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام سے خضر علیہ السلام نے فرمایا هٰذَا یعنی یہ وقت اب میرے تمہارے درمیان فراق اور جدائی کا ہے یعنی تمہارا اعتراض جدائی کا سبب ہے یا تمہارا وہ قول فَلَا تُصٰحِبْنِیْ کے حسب وعدہ فراق وجدائی کا سبب ہے۔ ایک قول میں ہے کہ جب خضر علیہ السلام جانے لگے تو حضرت موسیٰ نے اُن کا ہاتھ پکڑ لیا کہ مجھ کو ان میرے سوالات کا جواب اور اپنے ان عجیب کاموں کی وجہ تو بتاتے جاؤ تب حضرت خضر نے سَاُنَبِّئُكَ فرمایا مگر یہ درست نہیں سیاقِ کلام سے ثابت ہے کہ خود ہی بتانا شروع کر دیا حدیث پاک میں ہے کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالیٰ رحم فرمائے ہم پر اور موسیٰ علیہ السلام پر اگر تھوڑا صبر کر جاتے تو اور بہت سے عجیب کام دیکھتے یہاں سین حالیہ استقبال کے ہے یعنی ابھی بتاتا ہوں اُن تمام اُفعال کا مقصد جنہوں نے تم کو حیران و پریشان کر دیا، تاویل، تحویل، تحریف، توثیت۔ تغییر، تبدیل، سب کا معنی ہے ایک چیز سے ہٹ کر دوسری طرف جانا رجوع کرنا مگر فرق یہ ہے کہ دو معنی والے لفظ یا فعل کا ایک عام فہم معنی چھوڑ کر دوسرے خاص معنی لینا یہ تاویل ہے ۔ ایک چیز کو ایک جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھنا تحویل ہے ۔ صحیح مراد کو چھوڑ کر غلط معنی کرنا تحریف ہے ۔ ایک چیز کا مرتبہ اور شان دوسری چیز کو دے دینا۔ اور چیز کو اپنی جگہ سے نہ ہٹانا۔ جیسے توریٰ قبلہ کو بیت المقدس سے ہٹا کر قبلہ ہونے کی شان کعبہ کو دیدی گئی یہ کسی چیز کے حالات وصفات ختم کر کے دوسری حالات دے دینا تغییر ہے ۔ کسی چیز کی ذات ہی ختم کر کے وجود مٹا کر دوسری

چیز اس جگہ رکھ دینا تبدل ہے۔ اے موسیٰ چونکہ تم نے اَفعال کے ظاہری کیفیت کو دیکھا باطنی حقیقی راز کو نہ جانا لہٰذا صبر نہ کر سکے مجھ کو باطنی علم اور حکم دیا گیا ہے اس لیے مجھ کو ان سب اَفعال کی حکمتِ الٰہیہ معلوم ہے جو میں اب تم کو بھی بتاتا ہوں۔ پہلا کام کشتی کا توڑنا تھا جس کا میں نے ایک تختہ اکھیڑ دیا تھا۔ ایک قول ہے کہ صرف سوراخ کیا تھا مگر یہ غلط ہے کیونکہ تختہ اکھیڑنا آسان ہے لیکن سوراخ کرنا مشکل ہے۔ تم کو تو اس کام پر افسوس ہوا کہ غریب کشتی والے نے بغیر کرایہ سفر کرایا مگر صلہ یہ دیا کہ بے چاروں کی کشتی توڑ دی جو اب ڈوب بھی سکتی ہے مگر میں نے اس لیے کیا کہ وہ کشتی نہایت ہی غریب لوگوں کی تھی جن کو مسکین کہا جاتا ہے۔ خیال رہے کہ مال و دولت کے لحاظ سے بندوں کی چار قسمیں ہیں ۱۔ غنی ۲۔ محتاج ۳۔ فقیر ۴۔ مسکین۔ غنی وہ ہے جو صاحبِ نصاب اور اس سے بھی زیادہ دولت مند ہو۔ محتاج وہ ہے جس کے پاس وہ چیز نہ ہو جس کی اس کو ضرورت ہو اور نہ وہ دے سکے۔ محتاج کی چار قسمیں ہیں ۱۔ محتاج حقیقی دائمی جو واقعتاً غریب قلاش ہو ۲۔ محتاج عارضی جو اپنے وطن میں مالدار ہو مگر سفر میں غریب ہو گیا ۳۔ محتاج کُلی جو اپنی تمام ضروریاتِ زندگی پوری مہیا نہ کر سکے ۴۔ محتاج جُزئی جو اپنی بعض ضروریات سفر یا حضر میں پوری نہ کر سکے۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس بقدرِ ضرورت کچھ بھی نہ ہو نہ مال نہ گھر نہ پوری خوراک و لباس۔ فقیر وہ ہے جس کے پاس صرف اپنی حاجات و ضروریات کا مال ہو۔ زائد بالکل نہ ہو۔ یہ کشتی والے بھی مسکین تھے کیونکہ ان کے پاس نہ کشتی اپنی تھی نہ ایک سامانِ گھر بس گزر اوقات کے لیے روزانہ کی معمولی سفری آمدنی۔ یہ دس بھائی تھے ان میں پانچ اپاہج یعنی معذور تھے سب سے بڑا نابینا (اندھا) تھا دوسرا گونگا بہرا تیسرا صرف بہرا چوتھا لولا پیروں سے معذور۔ پانچواں دیوانہ پاگل۔ اور جو پانچ بھائی باری باری کشتی پر کام کرتے تھے وہ بھی پوری طرح صحت مند نہ تھے ایک مجذوم کوڑھی (ہاتھوں سے معذور) ایک کانا تھا ایک آنکھ سے معذور اور ایک لنگڑا تھا اور خارش زدہ۔ اور سب سے چھوٹا دائمی نزلہ بخار والا۔ یہ روزانہ دریاء فارس میں مسافر برداری کرتے تھے جو روم و فارس کے درمیان بہتا ہے کبھی کسی طرف کبھی کسی طرف آج جس طرف کو جا رہے تھے وہاں ایک ظالم اور کافر بادشاہ کا قلعہ تھا جو اپنی فوج کے لیے یا شکار و سیر تفریح کے لیے لوگوں کی کشتیاں جو مضبوط اور خوب صورت ہوتیں چھین لیا کرتا تھا اس کے کارندے دریا پر کھڑے رہتے تھے۔ یہ کشتی بھی اگرچہ پرانی تھی مگر مضبوط اور صحیح حالت میں تھی اس لیے حضرت خضر نے فرمایا کہ میں نے اس کو تختہ اکھاڑ کر عیب دار کر دیا۔ اور میرا ارادہ اس سے یہی تھا کہ ظالم کافر چھین نہ لے اس لیے کہ ان کے وَرَاء یعنی ان کے اگلے سفر میں وہ بادشاہ تھا جو ہر کار آمد کشتی کو غصب کر کے لے لیتا تھا۔ یہ مُلکِ غسّان کا کافر بادشاہ تھا اس کا نام جیور تھا یا جلیدن بن کر کر تیا سولہ بن جلید ازدی یا صد بن بُدَد یا منولہ بن جندی ازدی تھا تفاسیر میں یہ پانچ اقوال ملتے ہیں۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ کشتی والوں کو مسکین اس لیے بھی کہا گیا کہ وہ بادشاہ کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے یا اس لیے کہ وہ بیمار اور کمزور تھے۔ ایک قول میں وراءٗ کا معنیٰ پیچھے ہے یعنی جب وہ لوٹ کر دوسرے راستے گھر کی طرف

خالی کشتی لاتے تب وہ بادشاہ غصب کرتا مسافر بردار رہ کرتا بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ جب حضرت خضر نے تختہ اکھیڑا تو کشتی والوں کو آگاہ کر دیا تھا کہ میں نے اس لیے تختہ اکھیڑا تھا تم گھر جاکر درست کر لینا۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی پتہ لگ جاتا اور اب یہ حکمت اور وجہ بتانے کی ضرورت نہ تھی۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَاَرَدْنَاۤ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَیْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا .... اور لیکن وہ لڑکا عربی اصطلاح میں غلام اس بیٹے کو کہتے ہیں جو بہت لاڈلا ہو۔ یہی اصطلاح قرآن مجید میں کئی جگہ استعمال فرمائی گئی ہے اردو زبان میں منتوں مرادوں والے لگے نعبی بیٹے کو لاڈلا کہا جاتا ہے یہ بیٹا بھی اکلوتا اور بہت منتوں دعاؤں والا تھا اس لیے اُس کو غلام فرمایا گیا اسی لیے حضرت عیسیٰ کو بھی غُلٰمًا زَكِیًّا فرمایا گیا فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَیْنِ اس اکلوتے بیٹے کے دونوں ماں باپ مومن تھے۔ یہاں لفظ تھے بلحاظ حکایت سنانے کے ہے یعنی جس لڑکے کو ہم نے فلاں بستی میں قتل کیا اس کے والدین دینِ ابراہیم کے مومن تھے یا باعتبار بُعدِ مکانی کے لفظ تھے دگانَ، فرمایا یعنی وہ اَبَوٰهُ جو اُس بستی میں تھے، ورنہ حقیقتاً وہ ماں باپ ابھی اُس وقت زندہ مومن موجود تھے اور جب یہ بیٹا پیدا ہوا تھا تو دونوں نے بہت خوشی منائی تھی ایک قول میں ہے کہ اس کا والد اپنی قوم کا سردار اور علاقہ کا رئیس تھا یہ بیٹا اکلوتا ہونے کی وجہ سے بہت ہی پیارا اُس کا نام شمعون یا جیسور تھا والد کا نام زبیر اور والدہ کا نام شہدی تھا شمعون عبرانی میں اس کا ترجمہ ہے محبت کا چراغ یا پسندیدہ، جیسور کا معنیٰ ہے دو دلوں کو جوڑنے والا۔ اس انتہائی لاڈ پیار کی وجہ سے فَخَشِیْنَاۤ اَنْ یُّرْهِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ہم نے خطرہ محسوس کر لیا کہ یہ اگر زندہ چھوڑا گیا تو بڑا ہو کر اپنے جبلی فطرتی پیدائشی تقدیرِ ازلی کے، فتنۂ کفر و شرک سے ان دونوں والدین کو مجبور کر کے یا گستاخانہ دباؤ ڈال کر یا اپنی روزمرہ کی صحبتِ بد کے زیرِ اثر ورغلا دے گا گمراہی سرکشی اور کفر میں۔ طغیان اور کفر میں عام خاص مِن وَجہٍ کی نسبت ہے یعنی بعض طغیان کفر ہیں بعض نہیں اسی طرح بعض کفر طغیان ہیں بعض نہیں فَخَشِیْنَا کا یہ پورا قول حضرت خضر کا ہے اسی طرح اگلا کلام فَاَرَدْنَاۤ (الخ) بھی حضرت خضر کا قول ہے بعض نے کہا یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے اور خَشِیْنَا کا معنیٰ عَلِمْنَا (ہم نے جانا) اور اَرَدْنَا ہم نے ارادہ کر لیا۔ مگر یہ تفسیر غلط ہے کیونکہ خَشِیْنَا کا ترجمہ کسی لغت میں عَلِمْنَا نہیں ہے۔ اور اَرَدْنَا کے بعد والی عبارت بھی اس قول کی نفی کرتی ہے۔ خیال رہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کو بذریعہ وحی خفی اجازت تھی کہ جس کافر کو چاہیں جس عمر کا بھی ہو قتل کر دیں۔ اسی اجازت کو انہوں نے استعمال کرنے کی حکمت بتائی چونکہ یہ مستقبل کی کیفیت نہایت خطرناک تھی کہ ان دونوں کے کافر ہونے کی وجہ سے دیگر ماتحت عملہ اور قوم بھی کافر ہو کر مرتی تو بہتر ہے کہ اس اکیلے کو ہی ختم کر دیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے یقین کی حد تک ہم نے خیال کیا کہ اَنْ یُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا ۔ ان کا رب تعالیٰ اس بچے کے بدلے میں انہیں زیادہ

اچھا صاف ستھرا پاکیزہ خوب صورت اور نرم دل رحیم اس سے زیادہ لاڈلا پیارا قریب تر بچہ عطا فرما دے گا۔ روایتوں میں ہے کہ اَرَدْنَا فرمانا یقین کے معنیٰ میں ہے اور اس کے کچھ عرصہ بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک لڑکی عطا فرمائی جس کی شادی ایک نبی علیہ السلام سے ہوئی اور پھر اُس کی اولاد میں ایک نبی یا بارہ انبیاء یا ستر انبیاء پیدا ہوئے جن سے لاکھوں انسانوں کو ایمان نصیب ہوا۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ (از تفاسیر صاوی۔ فتح القدیر، خازن، بیضاوی، نسفی ابن عباس، ظلال القرآن)

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ ہر اُستاد کو شاگردوں سے واسطہ پڑتا ہے اس میں اساتذہ اور مشائخ روحانیہ کو یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ شاگرد کی پہلی ہی کسی غلطی پر سرزنش اور صحبت سے دور نہ کرنا چاہیے یہی حکم مرید کا ہے بلکہ استاد کو بھی برداشت کا مادہ چاہیے یہ فائدہ تین اعتراضوں کے بعد هٰذَا فِرَاقُ کہنے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** جو کام ظاہراً اچھا نہ ہو اگرچہ باطناً اچھا ہو اس کو بھی رب تعالیٰ کی طرف نسبت نہ کرنا چاہیے۔ یعنی یہ نہ کہنا چاہیے کہ یہ برا کام اللہ نے کیا حالانکہ ہر کام کا فاعل حقیقی اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ اسی کے حکم وارادے سے بندے کے عمل ہوتے ہیں یہ فائدہ اَرَدْتُّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ کشتی توڑنا ظاہراً برا تھا اس لیے اپنی طرف نسبت کیا نہ کہ رب کی طرف۔ **تیسرا فائدہ** درستی اور فائدے کے لیے کسی کی چیز میں بغیر اُس کی اجازت خرابی یا تبدیلی کرنا یا ایسا نقصان کر دینا شرعاً منع نہیں ہے جس خرابی کے ذریعے بڑے نقصان سے بچ جائے یہ فائدہ کشتی توڑنے سے حاصل ہوا کہ چھوٹے تختے کے نقصان کے ذریعے بڑے نقصان یعنی پوری کشتی کے غصب سے بچا لیا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ کسی کی چیز چھیننا حرام ہے اگرچہ چھیننے والا اپنے ہی ملک کا بادشاہ ہو۔ اس لیے اس غصب شدہ چیز کا بیچنا خریدنا حرام یونہی مالی جرمانہ لینا بھی حرام ہے۔ ایسے ظالم بادشاہ اور حکام سے اپنا مال بچانا ہر حیلے سے جائز ہے یہ مسئلہ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** باطنی کفر یا کسی ظلم کے اندیشے پر کسی کو قتل کرنا یا سزا دینا شریعت اسلامیہ میں حرام ہے۔ اگر کوئی پیر فقیر ایسا کرے گا تو اُس سے قصاص لیا جائے گا۔ اُس زمانے میں بھی یہ چیز صرف خضر علیہ السلام کی فقط اسی وقت خصوصیت تھی اب خضر علیہ السلام بھی ایسا نہیں کر سکتے یہ مسئلہ فَاَرَدْنَا کے جمع متکلم فرمانے سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ**۔ فقہ حنفی میں مسکین وہ ہے جو کسی بھی چیز کا مالک نہ ہو امام اعظم کی بہت سی دلیلوں کے علاوہ یہ آیت بھی دلیل ہے ان کا استنباط يَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ کے جملے کو مساکین کی صفت بنانے کی وجہ سے ہے اور لِمَسٰكِيْنَ کا لام جارہ نفع کا ہے نہ کہ ملکیت کا اگر ملکیت کا ہوتا جیسا کہ امام شافعی اپنے استدلال میں فرماتے ہیں تو يَعْمَلُوْنَ کے جملے کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ وہ کشتی اُن مسکینوں کے بیچے تھی

جو صرف دریا میں مزدوری کرتے تھے (اس کشتی کے ذریعے) امام شافعی کے نزدیک مسکین وہ ہے جس کے پاس ضرورت کے مطابق مال ہو ز آمدنہ ہو وہ بھی اسی آیت سے دلیل لیتے ہیں لام کو ملکیت کا بنا کر مگر ان کی دلیل کمزور ہے اگلے جملے کی وجہ سے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ حضرت خضر نے پہلے اور دوسرے اعتراض پر هٰذَا فِرَاقُ (الخ) نہ فرمایا تیسرے اعتراض پر علیحدگی کر لی اس کی کیا وجہ۔ **جواب** مفسرین نے دو جواب دیے ہیں ایک یہ کہ دوسرے اعتراض پر معذرت کرتے ہوئے حضرت موسیٰ نے خود ہی فَلَا تُصٰحِبْنِیْ کہہ کر علیحدہ کر دینے کا ذکر فرما دیا تھا اس لیے تیسرے اعتراض پر هٰذَا فِرَاقُ کہہ دیا گیا۔ یہ جواب درست ہے دوسرا جواب یہ کہ پہلے دو اعتراض صرف شرعی گرفت کی نوعیت کے تھے اس لیے هٰذَا فِرَاقُ نہ کہہ سکے تاکہ شرعی توہین نہ ہو۔ مگر یہ تیسرا اعتراض صرف ذاتی منفعت و فائدے کے لیے تھا یعنی تعمیر دیوار کی مزدوری سے اُجرت اور اُجرت سے زادِ سفر کھانا پینا وغیرہ جس میں ان سب کا فائدہ تھا۔ اس لیے فرمایا هٰذَا فِرَاقُ **دوسرا اعتراض**۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ اللہ کے دین پر پیدا ہوتا ہے پھر کفر کی صحبت سے کافر ہوتا ہے مگر اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ یہ بچہ جس کو حضرت خضر نے قتل کیا کافر تھا تفاسیر میں بھی ایسا ہی لکھا ہے کہ اس کے گوشت پر کافر ہونا لکھا تھا۔ لہٰذا حدیث و قرآن میں تعارض ہو گیا **جواب** اس کے بھی دو جواب ہیں اوّلاً یہ کہ خَشِیْنَا کا لفظ آئندہ کا حکم بتا رہا ہے کہ تقدیر الٰہی میں اُس کے کافر ہونے اور والدین کو کافر بنانے کا یقینی خدشہ تھا اگر زندہ چھوڑا جائے گا تو ایسا ضرور ہو گا۔ دوم یہ کہ اس بچے کا بچپن میں کافر ہونا اس کی خصوصیت تھی اور حدیث پاک میں عمومیت کا ذکر ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا بعد میں فرمایا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ حالانکہ کشتی توڑنے کا سبب یہ ظالم بادشاہ تھا سبب کا ذکر پہلے کرنا چاہیے تھا **جواب** کشتی توڑنے کے دو سبب ہیں چونکہ توڑنا مفید اور رحم دلی تھی اس لیے یہ توڑنا ان کی مسکینی کی وجہ سے بھی تھا اور بادشاہ کے غصب کی وجہ سے بھی اور بڑا سبب اُن کی غریبی مسکینی تھا اس لیے اس کا پہلے ذکر کیا تاکہ پتہ لگے کہ مسکینیت بڑا سبب ہے اور ان لوگوں کی مسکینیت کی وجہ سے ہی حضرت خضر کو ادھر کشتی میں بھیجا گیا تھا ورنہ امیروں کی کشتیاں تو بادشاہ روزانہ پکڑتا تھا جیسا کہ یَاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ کی ماضی استمراری سے ظاہر ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَیْنِیْ وَبَیْنِكَ ۚ سَاُنَبِّئُكَ بِتَاْوِیْلِ مَا لَمْ تَسْتَطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا ۔ اَمَّا السَّفِیْنَةُ فَكَانَتْ لِمَسٰكِیْنَ یَعْمَلُوْنَ فِی الْبَحْرِ فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِیْبَهَا وَكَانَ وَرَآءَهُمْ مَّلِكٌ یَّاْخُذُ كُلَّ سَفِیْنَةٍ غَصْبًا یہی وہ مقام باطن و حال ظاہر ہے جہاں پہنچ کر عقلِ سلیم قلبِ مسعود کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے اور فراقِ راہ سے منزلِ جدائی کا پتہ چل جاتا ہے۔ عقل کو برداشت

نہیں قلب کو صبر نہیں عقل کو تحمل نہیں قلبِ مسعود کو استطاعت نہیں باوجود قلب وعقل کے اختلاف کثیر کے یہ صحبتِ سعادت کا ہی ثمرہ ہے کہ ظاہر کو بھی لذتِ وصلِ باطن حاصل ہو جاتی ہے۔ اور ساتھ نبھانے کی خاطر رازہائے پنہاں سے خبرداری مل جاتی ہے بس قلبِ ظاہر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس کو بتا دیا جائے کہ اس بحرِ ظلماتِ دنیا میں عمل کے غریب نیکیوں کے مساکین کی حیاتِ جسدی کی کشتی ہے اِن کی زندگی اسی بحر کی لہروں میں گزر جاتی ہے عالمِ ربوبیت کی خشکی پر ان کو کبھی سیر وسلوک میسر نہیں ہوتا۔ اِن کے اَعمالِ صالحہ کے مسافرانِ بے خلوص کی کشتی پر کبھی کسی نے اِلاَّ اللّٰہ کی ضرب نہ لگائی ان کی کشتی عبادات میں تفاخر وغرور نام و نمود ریا وتکبر کی سجاوٹ ہوتی ہے فَاَرَدْتُّ اَنْ اَعِيْبَهَا بس میں نے چاہا کہ عشقِ حقیقی کی تڑپ وپھڑک سے اِلاَّ اللّٰہ کی ضرب لگا کر اخلاصِ باطنی کا تختہ اکھیڑ دوں تاکہ بے ثباتی سفینۂ دنیوی کا پردۂ ملمع آشکارہ ہو جائے کیونکہ یہی عجز وخلوص ظاہر بینوں کی نگاہ میں عیب ہے۔ اور اس دنیائے ظاہر میں ہر کشتی اعمال کے پیچھے ظلمتوں کا بادشاہ ابلیسِ لعین وشیطانِ رجیم لگا ہوا ہے جس عمل وعبادت میں عجز وانکسار انہماک توجہ اور خشوع خضوع نفس خودی کی تذلیل وتکسیر اور عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی کی توڑ پھوڑ نہیں ہوتی اُس نام ونمود کی ظاہری سجاوٹ والی کشتی عبادات واعمال کو شیطان قابو کر لیتا ہے وہ کشتی منزلِ رحمانی تک نہیں پہنچ پاتی درمیان سے ہی چھین لی جاتی ہے۔ ہر ساحلِ ناسوتی پر شیطان کے چیلے مختلف لباسوں میں تاک رہے ہیں اسی لیے ہر مومن کی سفینۂ اعمال کو کسی مرشدِ خضر کی ضرورت ہے جو حال ومراقبے کے ہتھوڑے سے کشتیٔ فخر وریا کو توڑ مروڑ کر نگاہِ ابلیسی میں ناکارہ اور بیکار کر دے۔ خوش قسمت ہیں وہ مسافرانِ دنیا جن کی کشتیٔ اعمال کو کسی مرشدِ خضر اور پیرِ کامل کے ہاتھ مل گئے اعمالِ صالحہ ہی بندے کی روحانی کمائی اور غذاِ ایمانی ہے اس کے لیے علمِ باطن حاصل کرنا اَشَدُّ الاَشد ضروری ہے۔ کیونکہ اس علم سے بندے کو یقین وایمان کی دولت حاصل ہوتی ہے اور یہ علم نیک بندوں اور علماءِ ربانی کے ساتھ رہنے سے حاصل ہوتا ہے۔ وَاَمَّا الْغُلٰمُ فَكَانَ اَبَوٰهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِيْنَآ اَنْ يُّرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۔ فَاَرَدْنَآ اَنْ يُّبْدِلَهُمَا رَبُّهُمَا خَيْرًا مِّنْهُ زَكٰوةً وَّاَقْرَبَ رُحْمًا ۔ لیکن اسی سفرِ جسدی میں روح وبدن کا وہ غلامِ نفسانیت اُس کے دونوں مربی جو عالمِ ارواح سے فطرتِ اوّلین کے مومن تھے۔ ہم عقلیاتِ سلیم نے اندیشہ کیا کہ نفسانیتِ رزیلہ روح وبدن کو کفر اصرار اور گمراہیِ افکار میں مبتلا کر دے گا پس ارادہ کیا ہم نے کہ اس ناکارۂ ضمیر اور بیہودۂ شعور خواہشات کے غلام کو جو ابھی بچہ اور بھولا بھالا خوب صورت ہو لیے ہے فنا کر دیا جائے راہِ معرفت پر چلنے والے مریدوں کے لیے ضروری ہے کہ ان کا مرشدِ کامل درسِ سلوک سے پہلے اسی غلامِ ابلیس کو فنا کرے پھر دعاءِ ارادہ اور سراپا عقیدہ بارگاہِ قدس میں کی گئی کہ مولیٰ تعالیٰ اِس روحی وبدنی مریدِ باصفا کو اِس نفسِ اَمّارہ سے اچھا ایک نفسِ مطمئنہ عطا فرما جو غسلِ انوار سے پاکیزگی والا بھی ہو اور بدن وروح کے لیے زیادہ مقرب اور ہدایت کے رحم ومحبت والا بھی کیونکہ

حیاتِ دنیوی میں ہر روح جسم نفس کے تابع ہوتا ہے۔ کافر نفس امارہ کے اور مومن نفس مطمئنہ کے جس کا نفس امارہ فنا ہو جاتا ہے تب اس کو نفس مطمئنہ عطا کیا جاتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ حیاتِ دنیوی میں ہر قسم کے نفس کی دس خواہشات ہوتی ہیں اور ان ہی خواہشات پر ہر اچھا برا نفس روح و بدن کو چلنے پر مجبور کرتا ہے ۱ خریدنا ۲ بیچنا ۳ کھانا ۴ پینا ۵ رہنا ۶ پہننا ۷ کمانا ۸ جمع کرنا ۹ نکاح کرنا ۱۰ طلاق دینا۔ ان ہی خواہشات میں حلت انہی میں حرمت ہے یہی ثمراتِ بہشت ہیں یہی ثمراتِ جہنم ہیں۔ یہی خواہشات جب نفسِ امارہ کے حکم سے پوری کی جائیں تو یُرْھِقَهُمَا طُغْیَانًا وَّكُفْرًا ہیں۔ اور جب نفسِ اَمّارہ کو حلال کر کے نفس مطمئنہ کی خواہش سے ادا کی جائیں تو یہی خواہشات اَقْرَبَ رُحْمًا۔ ہیں۔ اس تفریق کو معلوم کرنے کے لیے بندۂ مومن کو چار علوم کی ضرورت ہے علم شریعت ۲ علمِ طریقت ۳ علمِ توحید ۴ علمِ رسالت۔ ان علوم کے حصول کے لیے غور و فکر اتباع۔ ہدایت، استدلال، نقل عقل کی چٹائیاں بچھانی پڑتی ہیں۔ ان علوم میں سب سے پہلے فرائض و واجبات نوافل و سنن کا علم ضروری ہے کیونکہ تمام حیاتِ روحانی کی بنیاد اسی پر قائم و دائم ہے۔

وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِى

اور لیکن وہ دیوار تو ہے وہ دو یتیم بچوں کی جو

رہی وہ دیوار وہ شہر کے دو یتیم لڑکوں کی

الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا

اسی بستی میں ہے اور ہے اس دیوار کے نیچے اُن دونوں کا دفینہ اور تھا والد مرتی ان دونوں کا

تھی اور اس کے نیچے ان کا خزانہ تھا اور ان کا باپ

صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَ

نیک آدمی لہٰذا ارادہ فرمایا آپ کے رب نے اس بات کا کہ دونوں اپنی سمجھداری کی عمر کو پہنچیں اور

نیک آدمی تھا تو آپ کے رب نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا

يَسْتَخْرِجَا كَنزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ ۚ وَمَا

اپنے دفینے کو نکال لیں. یہ ہم کو بھیجنے کا ارادہ فرمانا رحمت کرتے ہوئے ہے آپ کے رب کی طرف سے اور نہیں

خزانہ نکالیں آپ کے رب کی رحمت سے اور یہ کچھ میں نے

فَعَلْتُهُ عَنْ أَمْرِي ۚ ذَٰلِكَ تَأْوِيلُ مَا لَمْ تَسْطِع

کیا میں نے یہ سب سفر اپنی مرضی سے یہ مقصود تھا۔ ان کاموں کا

اپنے حکم سے نہ کیا یہ پھیر ہے اُن باتوں کا

عَّلَيْهِ صَبْرًا ﴿٨٢﴾ وَيَسْأَلُونَكَ عَن ذِي الْقَرْنَيْنِ ۖ

جس پر آپ کچھ صبر نہ کر سکے۔ اور اے محبوب آپ سے پوچھتے ہیں وہ لوگ ذوالقرنین کے بارے میں

جس پر آپ سے صبر نہ ہو سکا۔ اور تم سے ذوالقرنین کو پوچھتے ہیں

قُلْ سَأَتْلُو عَلَيْكُم مِّنْهُ ذِكْرًا ﴿٨٣﴾ إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ

فرما دیجئے عنقریب تلاوت کروں گا تمہارے سامنے اس قرآن سے کچھ ان کا ذکر بیشک حکومت دی ہم نے

تم فرماؤ میں تمہیں اس کا مذکور پڑھ کر سناتا ہوں بے شک ہم نے اسے

فِي الْأَرْضِ وَآتَيْنَاهُ مِن كُلِّ شَيْءٍ سَبَبًا ﴿٨٤﴾

اُس کو تمام زمین میں اور دیئے ہم نے اس کو ہر طرح کے اسباب

زمین میں قابو دیا اور ہر چیز کا ایک سامان عطا فرمایا

فَأَتْبَعَ سَبَبًا ﴿٨٥﴾

تو چلے وہ اُن کے ذریعے

تو وہ ایک سامان کے پیچھے چلا

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق۔** حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے کچھ سوالوں کا جواب پچھلی آیت میں ذکر ہوا اور اب باقی سوالات کا جواب ان آیت میں دیا جا رہا ہے **دوسرا تعلق۔** یہودیوں اور مشرکین مکہ نے آپس میں مشورہ کرکے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے تین سوال کئے تھے پہلے دو سوالوں کا جواب دیا گیا تھا اب ان آیت میں اُن کے تیسرے سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ حضرت ذوالقرنین کون تھے اور کتنا سفر فرمایا۔ **تیسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السّلام کے اعتراضات کا جواب حضرت خضر نے دیا کہ یہ یہ کام اس لیے کئے اب ان آیت میں اُن کاموں پر جو اصل اعتراض تھا کہ تم نے شریعت کے خلاف یہ کام کیوں کئے خواہ باطن میں کچھ بھی راز ہوتا۔ اس کا جواب دیا کہ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ میں نے کوئی بھی کام اپنی مرضی سے نہیں کیا بلکہ رب تعالیٰ مجھ کو بذریعہ وحیِ طریقت حکم فرماتا جاتا تھا اور میں کرتا جاتا تھا اس وحی کا آپ کو پتہ نہ چلا کیونکہ وہ باطنی علم سے تھی یہی علم تم مجھ سے سیکھنے آئے تھے۔

تفسیر نحوی وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ۔ واؤ بہر جملہ اَمَّا اِستدراکیہ بیان تفصیل کے لیے اَلْجِدَارُ الف لام، عہد ذہنی یعنی وہی دیوار جس کے مفت بنانے کا آپ نے مجھ پر اعتراض کیا ہے۔ بحالتِ رفع مبتدا ہے فَ زائدہ کَانَ فعل ناقصہ هُوَ پوشیدہ اس کا اسم یا کَانَ تامّہ ہے اور یہ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع جِدَارُ ہے لام جارہ ملکیت کا غُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ۔ موصوف صفت دونوں تثنیہ مجرور متعلق اول ہے فِي الْمَدِيْنَةِ جار مجرور متعلق دوم ہے کَانَ کا۔ اَلْمَدِيْنَة میں الف لام عہدِ ذہنی یعنی وہی شہر جس کے اہل نے ہم کو کھانا نہیں دیا تھا فَكَانَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ تامّہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ایک قول میں واؤ حالیہ ہے اور اگلا جملہ فعلیہ اس کا حال ہے یا کَانَ کے فاعل کا حال ہے۔ كَانَ فعل تامہ تَحْتَهٗ مرکب اضافی ظرف مکان ہے کَانَ۔ كَنْزٌ اسم مفرد مذکر جامد بمعنی دفینہ وہ (دولت ہو یا سامان) جو خود دفن کیا جائے دبایا جائے۔ موصوف ہے اس کی جمع كُنُوْزٌ اور اَكْنَازٌ ہے لَّهُمَا لام جارہ هُمَا ضمیر تثنیہ مرجع غُلٰمَيْنِ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے مَمْلُوْكٌ پوشیدہ اسم مفعول کے، یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے، موصوف صفت مل کر فاعل ہے وَكَانَ تَحْتَهٗ۔ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ كَانَ ناقصہ اَبُوْهُمَا یعنی اُن دونوں کا پرورش کرنے والا باپ (والد) یہ مرکب اضافی اِسم ہے کَانَ کا صَالِحًا اسم فاعل بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَ کی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف، پہلا جملہ فَكَانَ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر خبر ہے جِدَارُ مبتدا کی وہ خبر یہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَ بیانیہ۔ ایک قول میں عاطفہ اور معطوف نے فَكَانَ پر اَرَادَ باب افعال

کا ماضی مطلق واحد مذکر۔ رَبُّکَ یعنی تیرے رب نے یہ مرکب اضافی اَرَادَ کا فاعل ہے۔ اَنْ ناصبہ یَبْلُغَا باب نَصَرَ کا مضارع تثنیہ دراصل تھا یَبْلُغَانِ۔ اَن کے نصب نے آخر سے نونِ تثنیہ اعرابی گرادی۔ بَلُوْغٌ سے بنا ہے بمعنی پہنچنا ھُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے غُلَامَیْنِ۔ اَشُدَّ اسم جمع مذکر مکسر ہے اس کا واحد شِدَّۃٌ ہے جیسے کہ نعمۃٌ واحد اس کی جمع مکسر اَنْعُمٌ ہے یہ قول سیبویہ نحوی کا ہے اس میں چند قول دیگر ہیں ۲ یہ جمع مکسر ہے شَدٌّ کی ۳ یہ شِدٌّ کی جمع جیسے ذِئْبٌ کی جمع اَذْؤُبٌ ۴ یہ لفظ جمع ہی نہیں نہ لفظاً یعنی کسی جمع کے ہم وزن یا ہم شکل نہیں نہ معناً جمع ہے۔ بلکہ واحد ہے۔ اس کی بناوٹ میں پانچ قول ہیں ۱ یہ اَشُدٌّ ہے ۲ اَشُدَّاءٌ ہے ۳ شَدٌّ ۴ شِدَّۃٌ ہے ۵ اَشُدَّۃٌ ہے۔ اس کا ترجمہ ہے ہر طرح قلبی ذہنی عقلی جسمی عمری پختگی قوت سمجھداری۔ اس کی مدت میں چھ قول ہیں ۱ امام اعظم نے فرمایا پچیس سال کی عمر میں یہ پختگی آتی ہے ۲ بلوغت سے یہ پختگی آجاتی ہے ۳ اٹھارہ سالہ عمر سے ۴ پینتیس سالہ عمر سے ۵ چالیس سالہ زندگی سے ۶ باسٹھ سالہ عمر سے پختگی و سمجھ داری آتی ہے۔ مگر یہاں ان چھ اقوال میں امام اعظم کا قول درست ہے۔ یہ اَشُدَّ مضاف ہے ھُمَا اس کا مضاف الیہ، دونوں مفعول بہ ہیں یَبْلُغَا کے وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَسْتَخْرِجَا باب استفعال کا مضارع تثنیہ اصل میں یَسْتَخْرِجَانِ تھا۔ نونِ اعرابی اَن کے نصب سے گر گئی، مصدر ہے اِسْتِخْرَاجٌ۔ خُرُوْجٌ سے بنا ہے۔ اب ترجمہ ہوا نکالنا استفعال نے متعدی بنایا۔ کَنْزَھُمَا مرکب اضافی مفعول بہ ہے، یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف، دونوں عطف مل کر مفعول بہ اَرَادَ کا رَحْمَۃً اسم مصدر ہے مِنْ جارہ ابتدائیہ بمعنی طرف سے رَبِّکَ اب اسم مفرد جامد ہم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا بمعنی مربی پالنے والا ک ضمیر واحد مذکر مرجع موسیٰ علیہ السلام یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے رحمۃً مصدر کا۔ وہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول لہٗ ہوا اَرَادَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا فَکَانَ کا جملہ اپنے سب معطوفوں سے مل کر خبر ہوئی اَلْجِدَارُ مبتدا کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا وَمَا فَعَلْتُہٗ عَنْ اَمْرِیْ۔ ذٰلِکَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا۔ واؤ سر جملہ۔ یعنی جملوں کو علیحدہ کرنے والی خیال رہے کہ عربی میں واؤ کی دس قسمیں ہیں ۱ واؤ سر جملہ عبارت کو علیحدہ کرتے والی دو مختلف اور مکمل جملوں کے درمیان میں آتی ہے ۲ واؤ عاطفہ، دو مفرد یا دو جملوں کے بیچ میں آتی ہے اور متحد کرتی ہے ۳ واؤ تفسیریہ دو جملوں کے درمیان آتی ہے اور یعنی کا معنی دے کر سابقہ کو مفسَّر اور مابعد کو مفسِّر بناتی ہے ۴ واؤ زائدہ یہ صرف حسن کلام کے لیے آتی ہے ۵ واؤ قسمیہ یہ حرف جر ہے اور صرف لفظ اللہ کے ساتھ آتی ہے جیسے وَاللّٰہِ اللہ کی قسم۔ ۶ واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ ۷ واؤ وصلیہ بمعنی اگرچہ یہ ہمیشہ اِنْ شرطیہ لغویہ یا مخففہ کے ساتھ آتی ہے ۸ واؤ بمعنی مع ۹ واؤ بمعنی رُبَّ ۱۰ واؤ تذکرہ (یادداشت کے لیے)

یہ ہمیشہ صیغہ واحد مذکر کے آخر میں ہوتی ہے جب کہ اس صیغے کو لمبا کرنا مقصود ہو مَا فَعَلْتُہٗ فعل ماضی مطلق منفی واحد متکلم ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر جنسی یعنی یہ سب کام یا یہ پورا سفر عَنْ جارہ بمعنیٰ مِن ابتدائیہ یعنی اپنی طرف سے اَمْرِیْ مرکب اضافی مجرور ۔ جار مجرور متعلق ہے مَا فَعَلْتُہٗ کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ پچھلا تفصیلی کلام ۔ بحالت رفع ہے مبتدا ہے تَاوِیْلُ مضاف مَا اسم موصول لَمْ تَسْطِعْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق ۔ دراصل ہے تَسْتَطِعْ ۔ پہلی تَ واحد مذکر حاضر کی ہے اَنْتَ ضمیر کی نشانی دوسری تَ باب استفعال کی اس تَ کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا گیا لَمْ تَسْطِعْ ہو گیا ، اس کا مصدر ہے استطاعۃ دراصل تھا استطواع واو کو حذف کیا ثقل دور کرنے کے لیے اس کے بدلے میں آخر میں تاءِ مصدریہ لائی گئی ۔ بمعنیٰ طاقت رکھنا علیہ جار مجرور متعلق ہے صَبْرًا مفعول یہ ہے لَمْ تَسْطِعْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا ، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ وَیَسْئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْکُمْ مِّنْهُ ذِکْرًا اِنَّا مَکَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ کُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا ۔ واؤ ابتدائیہ جملہ یَسْئَلُوْنَکَ باب فَتَحَ کا مضارع معروف جمع مذکر غائب ۔ سَئَلٌ مہموز العین سے مشتق ہے بمعنیٰ پوچھتے ہیں زمانہ حال ہے عَنْ حرف جر بمعنیٰ بارے میں ذِیْ ۔ اسماءِ ستہ مکبرہ میں سے ایک ہے بمعنیٰ والا بحالت کسرہ ہے اس لیے ذِیْ یاءِ علامت کے ساتھ آیا ، بحالت فتحہ ذَا اور بحالت ضمہ ذُوْ ہوتا ہے ۔ اَلْقَرْنَیْنِ ۔ الف لام عہد خارجی قَرْنَیْنِ تثنیہ ہے اس کا واحد قَرْنٌ ہے اس کے پانچ معنی ہیں ۱۔ قرن کا معنی زمانہ ۲۔ علاقہ ۳۔ سمت ۴۔ سینگ ۵۔ سلطنت یہاں کیا مراد ہے اس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں ہو گی اِنْ شَاءَ اللّٰهُ تَعَالٰی ذِی مضاف الْقَرْنَیْنِ مضاف الیہ مجرور ہو کر متعلق ہے یَسْئَلُوْنَ فعل اپنے پوشیدہ ھُمْ ضمیر فاعل جس کا مرجع کفار مکہ ۔ یا یہود علاقہ اور کَ ضمیر مفعول بہ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ۔ قُلْ ۔ فعل امر واحد مذکر حاضر ، اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ، دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا سَ حرف تقریب بمعنیٰ عنقریب اَتْلُوْا باب نَصَرَ کا مضارع مثبت واحد متکلم تَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تلاوت کرنا علیٰ حرف جر بمعنیٰ عِنْدَ یعنی تمہارے پاس یا بمعنیٰ لام ہے یعنی تمہارے لیے یہ جار مجرور متعلق اول ہے اَتْلُوْا کا مِنْهُ مِنْ بعضیت کا ہٗ ضمیر کا مرجع قرآن مجید ۔ ذِکْرًا مفعول بہ ہے ۔ اَتْلُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مستقبل ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا ۔ اِنَّا ۔ حرف مشبہ اور نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم مَکَّنَّا باب تفعیل کا جمع متکلم ماضی مطلق مَکْنٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے تَمْکِیْنٌ ۔ بمعنیٰ قدرت دینا ، طاقت و حکومت دینا مکان بنانا ، ٹھکانا دینا لَہٗ ۔ جار مجرور متعلق اول ہے فِی الْاَرْضِ متعلق دوم ، ہٗ کا مرجع ذوالقرنین ہے ۔ مَکَّنَّا ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ ، اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ واؤ میں جملہ اٰتَیْنَا ماضی مطلق جمع متکلم باب ضَرَبَ اٰتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دینا ، ہٗ ضمیر کا مرجع ذوالقرنین مفعول بہ ہے مِنْ جارہ

یعقبیت کا شیئٍ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق سَبَبًا ۔ اسم مفرد بمعنیٰ ذریعہ، علم، قدرت آلات، سامان اٰتَیۡنٰہُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ تعقیبیہ، اَتۡبَعَ باب افعال سے تب ہمزہ قطعی ہے اِتَّبَعَ ہو تو باب تفعیل سے ہمزہ وصلی ہے۔ ماضی مطلق تبع سے مشتق ہے معنیٰ پیچھے چلنا اس کا فاعل ہُوَ پوشیدہ ضمیر مرجع ذوالقرنین سَبَبًا۔ بحالت نصب مفعول بہ، سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَ اَمَّا الۡجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيۡنِ يَتِيۡمَيۡنِ فِى الۡمَدِيۡنَةِ وَكَانَ تَحۡتَهٗ كَنۡزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا ‌ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنۡ يَّبۡلُغَاۤ اَشُدَّهُمَا وَيَسۡتَخۡرِجَا كَنۡزَهُمَا ‌ۖ رَحۡمَةً مِّنۡ رَّبِّكَ ۚ اور اے موسیٰ (علیہ السلام) لیکن وہ تیسرا اور آخری کام دیوار بلا معاوضہ درست کرنا تو وہ دو یتیم بچوں کی تھی۔ تفاسیر میں ان کے نام اصرم اور صریم لکھے ہیں اُسی شہر میں یعنی وہ بستی جو حقیقتاً آبادی کے اعتبار سے قریہ (گاؤں) ہے مگر نیک لوگوں کی نسبت کی بنا پر مدینہ کہا گیا یہ دیوار بستی سے کچھ باہر تھی اور اس کے نیچے اُن دونوں کی میراث والد کا ترکہ دفینے کی شکل میں تھوڑا خزانہ تھا حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ وہ سونے چاندی کی چھوٹی تختیاں تھیں، تفاسیر میں ہے کہ ان میں سے کئی تختیوں پر ایک طرف کلمہ طیبہ لکھا تھا۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوۡلُ اللّٰهِ اور دوسری بسم اللہ شریف اور یہ عبارت تھی عربی میں، تقدیر پر ایمان ہے پھر غمگین ہوتا ہے دنیا میں موت کو حق مانتا ہے پھر بھی ہنستا ہے۔ رازق پر ایمان ہے پھر بھی پریشان ہے۔ حساب قیامت پر یقین ہے پھر بھی غافل ہے۔ کتب فقہ میں کنز وہ ہے جس پر زکوٰۃ نہ دی گئی ہو اگرچہ وہ دفینہ نہ ہو بنک یا گھر میں رکھا ہو۔ جس کی زکوٰۃ دی جاتی ہو اگرچہ وہ مدفون ہو کنز نہیں ہے۔ مطلقاً کنز بغیر اضافت سے مراد مال و دولت ہوتا ہے اضافت کر کے ہر چیز کو کنز کہہ سکتے ہیں مثلاً کنز العلم کنز العقل، کنز الحقائق وغیرہ آئی دور سے حضرت خضر کو بھیجنا اور ساتھ میں تعاون کے لیے حضرت موسیٰ اور ان کا ساتھی علیہم السلام کا آنا اور بچوں کی دیوار درست کرنا فقط اس لیے تھا کہ كَانَ اَبُوۡهُمَا صَالِحًا۔ ان دونوں کا والد نیک متقی تھا امانت دار عبادت گزار تھا شریعت میں صالح وہ ہے جو تین حقوق پورے کرے (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد (۳) حقوق النفس۔ اس والد کا نام کاشح تھا والدہ کا نام دنیا تھا یہ قریہ انطاکیہ تھا۔ تو اے حضرت موسیٰ آپ کے رب رحیم نے ارادہ فرمایا کہ یہ دونوں بچے اپنی پختہ اور مضبوط سمجھداری والی عمر کو پہنچیں تو دونوں اپنا یہ خزانہ نکال لیں شریعت میں لڑکے کی بلوغ عمر اٹھارہ سال فقہ حنفی میں پچیس سال ہے یہاں یہی مراد ہے یہ ہمارا آنا دیوار مرمت کرنا سب کچھ آپ کے رب کریم کی خاص رحمت اور ارادۂ خیر ہے۔ ورنہ اگر یہ دیوار گر جاتی تو بنیادوں کے اندر سے خزانہ ظاہر ہو جاتا اور لوگ خاص کر اسی بستی کے وہ کمینے کنجوس لوگ لوٹ کر لے جاتے اور ان یتیموں کا کوئی پرسان حال نہ ہوتا آج تک تو بجز میرے یا چند قریبیوں کے کسی کو خبر تک نہیں کہ یہاں خزانہ دفن ہے وَمَا فَعَلۡتُهٗ عَنۡ اَمۡرِىۡ

ذٰلِكَ تَاْوِیْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْهِ صَبْرًا اور یہ جو کچھ بھی اس سفر میں میں نے کیا اور تم نے دیکھا یہ اپنے ارادے اور مرضی سے نہیں کیا، بلکہ یہ سب وحی الٰہی اور مشیتِ خداوندی کے ماتحت کیا ہم سب انبیاء ظاہری شریعت والے ہوں یا باطنی طریقت والے سب ہی اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تحت چلتے ہیں۔ میرا یہ سب بیان ان کاموں کی وہ حکمت الٰہی بتانا تھا جس پر تم صبر کرنے کی طاقت نہ رکھ سکے اور یہ بتانا ابھی کوئی ضروری نہ تھا مگر تمہاری جلد بازی کو ہیں تک تم نے دیکھا اور مقصد جان لیا اب آگے کیا ہوگا اور میرا یہ سفر کہاں ختم ہوگا اس کو نہ کوئی دیکھنے والا ہوگا نہ جاننے والا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَیْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ وَاٰتَیْنٰهُ مِنْ كُلِّ شَیْءٍ سَبَبًا ۔ فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ اور اے محبوب یہ کفارِ مکہ یہودیوں کے کہنے پر آپ کے علمِ نبوت کا امتحان لیتے ہوئے اور یہ جاننے کے لیے کہ یہ قرآنِ مجید غیبی علوم کا خزانہ اور کلامِ الٰہی ہے یا نہیں آپ سے یہ تیسرا سوال کرتے ہیں ذی القرنین کے بارے میں خیال رہے کہ مختلف وقتوں میں مختلف لوگوں نے تقریباً بیس سوال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسے کئے جن کا جواب قرآنِ مجید میں دیا گیا اُن میں سے آٹھ سوال تو صحابہ کرام کے ہیں جو مسائل کے لیے دریافت کئے گئے جیسے کہ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِیْضِ وغیرہ اور تین سوال یہودیوں کے سکھائے ہوئے مشرکین مکہ کے ۱ روح کے بارے ۲ اصحابِ کہف کے بارے ۳ اور یہ تیسرا آخری ذوالقرنین کے بارے میں تو اے محبوب نبی فرما دیجئے عنقریب بہت جلدی میں تمہارے سامنے پوری وضاحت سے اس کے بارے میں ذکر سناؤں گا، حضرت ذوالقرنین کے بارے تفاسیر اور تواریخ میں بہت ہی مختلف اقوال ملتے ہیں، ہم سب سے پہلے وہ صحیح قول نقل کرتے ہیں جو احادیث اور مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے ثابت ہے یہ کہ حضرت ذوالقرنین کا نام سکندر تھا انہوں نے اپنے ہی نام پر وسطِ زمین بابل کے قریب سکندریہ شہر آباد فرمایا جو پایۂ تخت (دار الخلافہ) تھا ابراہیم علیہ السلام کے صحابی مومن ولی اللہ تھے سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے عیسٰی النسل تھے والدین کے ایک ہی ولد تھے کوئی بہن بھائی نہ تھا حضرت خضر کے خالہ زاد بھائی تھے جب انکو بادشاہت ملی تو پہلے وزیر اعظم خضر علیہ السلام ہی تھے جو کچھ عرصہ رہے، آپ کی ولادت روم میں ہوئی اور وفات بیت المقدس میں اور مزار قریبی گاؤں زردر میں ہے آپ کی عمر ایک ہزار چھ سو سال ہوئی ہے تین سو سال قبل مسیح آپ کی وفات ہے روم کے باشندے تھے ساری دنیا کے جنات اور انسانوں کے بادشاہ بنائے گئے آپ کے زمانۂ شہنشاہی میں روئے زمین پر انسانوں کی چار قومیں آباد تھیں ۱ جنوب میں قوم ھاویل ۲ شمال میں یاجوج ماجوج ۳ مغرب میں قوم تاویل ۴ مشرق میں قوم ناسک آباد تھی۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الْاَرْضِ۔ بے شک ہم نے ہی اُس ذوالقرنین کو زمین میں طاقت بادشاہی عطا کی اس طرح ساری زبانیں اُس کو سکھائیں اور امورِ سلطنت کے تمام اسباب سامان ضروریات مقصود ان کو عطا کر دیں اور دنیا کی ہر چیز کے آلات وہتھیار و سہولیات ہم نے ہی انکو دیں تو اُن ہی اسباب

وذرائع کے پیچھے چل کر وہ دنیا کے ملکوں پر ملک فتح کرتے چلے گئے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے سکندر فیلقوس یونانی بن رومی بن یونان بن یافث بن سام بن نوح خیال رہے کہ دنیا میں اب تک چار بادشاہ ایسے ہوئے جن کی بادشاہت تمام زمین پر ہوئی جن میں دو کافر دو مومن تھے ۱ نمرود بصرف انسانوں پر بادشاہ تھا ۲ حضرت سلیمان علیہ السلام یہ تمام زمین کی تمام مخلوق کے بادشاہ تھے یہاں تک کہ ہواؤں بادلوں فرشتوں جنوں اور کیڑے مکوڑوں کے بھی ۳ بخت نصر کافر بادشاہ ساری زمین علاقے اور انسانوں پر بادشاہ تھا بنی اسرائیل کا سخت دشمن اس نے فلسطین پر حملہ کر کے تمام اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہیکل سلیمانی اور بیت المقدس توڑ دیا ان کی قید میں اس وقت کے نبی بنی اسرائیل بھی تھے انہوں نے خواب دیکھا کہ ایک مینڈھا دو سینگوں والا بادشاہ بنایا جائے گا تب یہ قید ختم ہو گی کچھ زمانوں کے بعد حضرت ذوالقرنین کو بادشاہت ملی انہوں نے بخت نصر کو ھلاک کیا اور بنی اسرائیل کو آزاد کیا بیت المقدس اور ہیکل دوبارہ تعمیر ہوئے۔ بنی اسرائیل کے تمام علاقے ان کو واپس دے گئے اس لیے آج بھی یہود نصارای ان کی بہت عزت کرتے ہیں ان کے سر کے اوپر دو جگہ کچھ ابھار تھے جو چھوٹے چھوٹے سینگ معلوم ہوتے تھے اسی لیے ان کا لقب ذوالقرنین مشہور ہو گیا۔ موجودہ بائبل میں ان کا نام خورس ہے یہودیوں کی تالمود میں ان کا نام سائرس ہے۔ اور تاریخ میں خسرو بھی آیا ہے۔ سکندر یہ ایرانی علاقہ ہے اس لیے ان کو ایرانی فرمانروا کہا گیا ہے ان کی حکومت کا آغاز ۵۵۰ سال قبل مسیح ہے۔ ان کی سلطنت مشرق میں ایشیاء کوچک شام وفلسطین۔ مغرب میں۔ بلخ بخارا خوارزم وغیرہ شمال میں سندھ ترکستان کیشیا، قفقاز مصر لیبیا، جنوب چین میں سد سکندری تک پھیلی ہوئی تھی۔ واللہ ورسولہ اعلم حضرت ذوالقرنین کے بارے مفسرین سے مختلف اقوال ۱ یہ نبی تھے ۲ فرشتہ تھے ان کا نام نفر مین تھا ۳ مردیس تھا ۴ ایک رومی نسل کا جوان تھا ۵ ان کا نام عبد اللہ بن ضحاک تھا ۶ ان کا نام مصعب بن عبد اللہ بن کہلان بن سبا تھا ذوالقرنین لقب کی وجہ ۱ قرن کے معنی علاقہ۔ یہ مغرب ومشرق دونوں علاقوں کے بادشاہ تھے ۲ یہ دو چوٹیں بالوں کی رکھتے تھے ۳ خاندانی اعتبار میں دونوں والدین کی طرف سے اعلیٰ شان والے تھے یعنی نجیب الطرفین ۴ جنات اور انسانوں کے بادشاہ تھے ۵ اندھیرے اور اجالے میں یکساں دیکھ سکتے تھے ۶ فارس وروم کے بادشاہ تھے اور اس وقت تمام دنیا میں یہ ہی دو بڑے علاقے تھے ۷ یا روم وترک کے بادشاہ تھے ۸ ان کے تاج میں دو سینگ تھے ۹ ان کو ظاہری اور باطنی دو علم دیئے گئے تھے۔ مگر یہ اقوال تحقیقی نہیں تو اریخ میں ایک اور بھی ذوالقرنین سکندر گزرا ہے جس کو سکندر اعظم کہا جاتا ہے یہ کافر تھا اس کا نام ابو کریبا العمیری مقدونی بن اسحق تھا یہ حضرت عیسیٰ کے زمانے میں تھا ارسطاطالیس حکیم کا شاگرد اور اسی کے کفریہ دین پر کافر تھا یہ بھی چھوٹا سا بادشاہ تھا اس کا وزیر فیلسوف تھا۔ دو قلعوں میں اس کا دار الخلافہ تھا اس لیے قوم حمیر اس کو ذوالقرنین کہتی تھی۔

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ** بڑوں کا تقویٰ عبادت اور بزرگی اولاد کے کام آتی ہے یہ فائدہ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** باغ فدک حضرت فاطمہ کی میراث نہیں تھی ورنہ رب تعالیٰ اس کی بھی حفاظت فرماتا کہ یہاں تو فاطمہ زہرہ خود بھی صالحہ بلکہ صالحین کی سردار ہیں اور والد کی تو شان ہی اعلیٰ و ارفع ہے یہ فائدہ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** سیدوں کا احترام ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب ایک عام صالح آدمی کی اولاد کا یہ اہتمام فرمایا گیا تو سادات تو فخر مرسلین کی آل ہیں۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** غلام اللہ یا غلام رب نام رکھنا گناہ ہے کیونکہ غلام عربی لغت میں بیٹے کو کہتے ہیں۔ اسی طرح کسی نبی ولی یا عالم کو اللہ کا لاڈلا کہنا منع ہے کیونکہ اردو میں لاڈلا پیارے بیٹے کو کہتے ہیں یہ مسئلہ غلامین کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** یتیم بچہ صرف نابالغی تک کی عمر کو کہتے ہیں بالغ ہو کر یتیمی کا لقب ختم ہو جاتا ہے یہ مسئلہ اَنْ یَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا فرمانے سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ**۔ یتیم کے مال میں کسی قسم کا تصرف کرنا اور اپنے فائدے کے لیے خرچ کرنا حرام ہے یہاں تک کہ اس پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں۔ کوئی بھی سرپرست اس میں سے زکوٰۃ نہیں نکال سکتا ہاں البتہ فطرانہ ادا کیا جائے گا کیونکہ فطرانہ راس یعنی افراد پر ہوتا ہے اور زکوٰۃ نصاب پر یہ مسئلہ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا (الآیۃ) سے مستنبط ہوا کہ ان دونوں بیٹوں کی دولت کو ان کے والد نے اپنے مرنے سے پہلے وقف کر کے دیوار میں دفن کر دی جب تک والد زندہ رہا اس نے اس لیے زکوٰۃ نہ دی کہ اس کی ملکیت سے نکل کر نابالغ بچوں کی ملکیت میں چلی گئی تھی اور نابالغ کے مال پر زکوٰۃ کسی شریعت میں فرض نہیں ہوئی اور والد کی وفات کے بعد بھی کئی سال تک اس کی زکوٰۃ نہ دی کیونکہ یتیم تھے ورنہ دفینے پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے صرف معدن پر زکوٰۃ نہیں جب تک کے قبضے میں نہ آجائے یہ مسئلہ كَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا۔ سے مستنبط ہوا کہ زکوٰۃ نہ دینے کے باوجود صالح تھا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ اَبُوْهُمَا سے مراد سگا والد ہے نہ کہ دسواں یا آٹھواں ساتواں دادا جیسا کہ بعض مفسرین نے غلط لکھ ڈالا۔ اس لیے کہ دادا کا مال كَنْزٌ لَّهُمَا کیسے ہو سکتا ہے درمیان والے وارث کیوں محروم رکھے گئے نیز اَبُوْ سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جو پرورش کرے تو آٹھواں یا دسواں دادا ان پوتوں کی پرورش کیسے کر سکتا ہے پرورش تو والد یا تایا یا چچا ہی کر سکتا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ان آیت میں جس خضر کا ذکر کیا جا رہا ہے وہ کوئی انسان نہ تھا بلکہ فرشتہ تھا کیونکہ کشتی توڑنا اور بے گناہ بچے کو قتل کرنا ہر شریعت میں حرام ہے کوئی انسان اگرچہ نبی ہو یا ولی شریعت کے خلاف کام نہیں کر سکتا شریعت کے خلاف کام کرنا گناہ ہے اور قرآن

قرآن مجید میں ان کو عبد کہنا یا حدیث میں ان کو رجل کہنا انسان ہونے کا ثبوت نہیں کیونکہ فرشتے بھی عبد ہیں اور جنات کو بھی رجل کہا جا سکتا ہے اور بشری شکل میں ہونے کی وجہ سے بھی رجل کہا جا سکتا ہے۔ یہ کام جو یہاں خضر نے کئے وہ تکوینی امور ہیں جو مشیت کے تحت ہوتے ہیں نہ کہ شریعت کے حالانکہ تمام انبیاء اولیاء شریعت کے پابند ہوتے ہیں مشیت کے تحت صرف فرشتے ہی ہوتے ہیں جیسے کسی کو بیمار کسی کو تندرست یا برباد یا تباہ کرنا مارنا وغیرہ لہٰذا تفکر قرآنی و تدبر ایمانی سے اس پیچیدگی کا حل یہی ہے کہ خضر کو فرشتہ مانا جائے جن مفسرین نے خضر کو انسان اور نبی و ولی کہا ہے وہ سب غلط ہے (مودودی صاحب) **جواب** یہ کیسا عجیب تفکر و تدبر ہے جو اِسْتَطْعَمَآ اَهْلَهَا کے ایک جھٹکے سے پاش پاش ہو گیا ایسے تدبر قرآنی پر صاحب تدبر اور اُس کے حواریوں کو تو فخر ہو سکتا ہے مگر ذرا سی عقل رکھنے والا تو حیران ہو گا کہ ان معترض صاحب کو اس پورے واقعہ میں خضر علیہ السلام کے عظیم الشان نبی اور آدمی ہونے کا ذرا ثبوت نہ ملا حالانکہ قرآن مجید صاف فرما رہا ہے خضر علیہ السلام کو بھوک لگی اور دونوں نے مسافرانہ حق کا کھانا طلب فرمایا کیا فرشتوں کو بھی بھوک لگتی ہے اور وہ بھی کھانا طلب کرتے اور کھاتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ ایسی لغو سوچیں اُسی بد عقیدگی کی پیداوار ہیں جو نبی کو اپنے جیسا مجبور انسان سمجھنے والے ظالموں گستاخوں کی ہیں یہ باتیں صرف اس لیے کی جاتی ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو با اختیار و با مشیت نہ سمجھا جائے لیکن حقیقی ایمان یہ ہے کہ انبیاء کرام فرشتوں سے بھی زیادہ مدبراتِ امر اور تکوینی امور مشیتِ الٰہیہ کے تحت انجام دینے والے ہوتا ہے شریعت تو امت کے لیے ضابطہ حیات ہوتا ہے۔ انبیاء کرام کے ذاتی اور اتفاقی افعال کو ہی تو شریعت کا اکثر حصہ بنا دیا جاتا ہے۔ جس کی بے شمار مثالیں ہیں۔ نبی کا کوئی بھی کام غلط اور گناہ نہیں ہوتا اگرچہ ظاہراً شریعت کے خلاف ہو کیا موسیٰ علیہ السلام نے ایک غیر مجرم قبطی کو قتل نہیں کر دیا مگر رب نے ان کو گناہگار نہ فرمایا نہ گرفت کی وغیرہ وغیرہ **دوسرا اعتراض**۔ ان آیت میں حضرت خضر نے خود اپنے ہاتھ سے تین کام کئے مگر پہلے کا ذکر اَرَدتُّ واحد متکلم سے کیا دوسرے کا اَرَدنَا جمع متکلم سے کیا تیسرے کا ذکر اَرَادَ رَبُّكَ فرما کر کیا یعنی واحد مذکر غائب اس کی کیا وجہ۔ **جواب**۔ اس طرح بیان کرنا بارگاہِ الٰہیہ کا ادب کرنے اور سکھانے کے لیے ہے کہ پہلے کام یعنی کشتی توڑنے میں ہر طرح برائی ہی تھی اس لیے فقط اپنی طرف نسبت کی۔ دوسرے کام یعنی بچہ کا قتل اس میں دو پہلو تھے قتل اور نعم البدل۔ پہلا بُرا تھا اور دوسرا اچھا تھا لہٰذا جمع متکلم بول کر اپنا بھی اور اللہ تعالیٰ کا بھی ذکر کر دیا۔ تیسرا کام دیوار ہر اعتبار سے اچھا تھا اس لیے صرف رب کا ذکر فرمایا۔ ہر مسلمان کو اسی طرح ادب کا خیال رکھنا چاہیے۔ **تیسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ ہے کہ دیوار والی بستی کو پہلے قریہ کہا گیا پھر مدینہ کہا گیا حالانکہ قریہ اور مدینہ میں آبادی کے اعتبار سے بڑا فرق ہوتا ہے **جواب** آبادی کا فرق ہوتا ہے اور شان و شوکت و عزت کا بھی اس لیے پہلے قریہ

فرمایا گیا اُس کی آبادی کے اعتبار سے اور پھر مدینہ فرمایا گیا اُس نیک بندے کی وجہ سے عزت افزائی کے لیے اسی دلیل قرآنی سے آج بھی نیک بندوں کی وجہ سے اجمیر شریف بغداد شریف وغیرہ کہا جاتا ہے **چوتھا اعتراض**۔ آیت ۸۲ میں لَمْ تَسْطِعْ ۔ ہے افتعال کی "تا" موجود ہے مگر آیت ۷۸ میں لَمْ تَسْتَطِعْ ۔ ہے تْ محذوف ہے اس کی کیا وجہ۔ **جواب** نحاۃ کے نزدیک جب مضمون ایک ہو اور کسی علامتی حرف کا قرینہ بھی پہلے موجود ہو تو تخفیف کے لیے علامت گرانا درست ہے یہاں یہی بات ہے کہ لَمْ تَسْتَطِعْ میں تاءِ افتعال کا قرینہ اس لَمْ تَسْتَطِعْ کی ت ہے اس لیے یہ گرا دی گئی باب کو سمجھنے کے لیے اُس پہلی ت کو اس ت کا قرینہ بنایا گیا

تفسیر صوفیانہ وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ يَتِيْمَيْنِ فِي الْمَدِيْنَةِ وَكَانَ تَحْتَهٗ كَنْزٌ لَّهُمَا وَكَانَ اَبُوْهُمَا صَالِحًا ۚ فَاَرَادَ رَبُّكَ اَنْ يَّبْلُغَآ اَشُدَّهُمَا وَيَسْتَخْرِجَا كَنْزَهُمَا ۖ رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ۚ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ ۭ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ مَا لَمْ تَسْطِعْ عَّلَيْهِ صَبْرًا ۔

اس مملکت جسمانیہ میں جب تک تسلّطِ شیطانیہ قائم رہتا ہے اُس وقت تک نفس مطمئنہ و ملہمہ مثل یتیم بیکس و بے بس لاغر و کمزور رہتے ہیں خزانۂ اعمالِ صالحہ تک ان کی پہنچ نہیں ہوتی یہی دو نفس وادی جسدی کے دو غلامین یتیمین نابالغ ہیں۔ دیوارِ کرم کا پردہ ہی اُن کی ہر امانتِ کمالات و قوت کو وقتِ معین تک چھپائے ہوئے ہے جسم کی تجدید و تعمیر کے لیے تجدیدِ عقل کو احکامِ اسرار عطا ہوتے رہتے ہیں۔ اسی دیوارِ کرم کے پردے میں انوار۔ اسرار اخبار کی تہوں کے نیچے کمالاتِ نظریہ و عملیہ کا خزانہ چھپا ہے۔ عقلِ مفارقہ جو ان دونوں نفسہا و قدسیہ کا مربی ہے اپنے افعال کمال و اعمال جمال کی نوری وراثتیں اسوقت تک کے لیے پردہ راز میں چھپا کر رکھیں جب تک یہ نفوسِ قدسیہ معرفت الٰہیہ کے حصول کے لائق ہو جائے۔ علماء شریعت کے مذہب میں بچہ ۱۵ سال کا ہو جائے تو بلوغت کا اَشُدّ ہے۔ لیکن صوفیاء کے مشرب میں بلوغتِ شدیدہ یہ ہے کہ اس کا نفس ملہمہ الہاماتِ ربانی وصول و حصول کر کے نفسِ مطمئنہ کو عطا کر سکے اور نفسِ مطمئنہ کی قوت اُس کا راغب الی اللہ ہونا ہی ہے فَاَرَادَ رَبُّكَ ۔ اے موسیٰ قلب تیرے رب غفور نے ارادہ فرمایا کہ اِس بیابانِ دہشت اور جنگلاتِ حرص و ہوس میں نفوسِ مقدسہ کا یہ خزانۂ کمالات و عملیات شیطنی و ذریۂ شیطنی کے ہاتھوں سے بچا رہے اور نعمتِ انسانی کے یہ دو یتیم نفس اپنی بلوغتِ منزل قرب تک پہنچ جائیں تب خزانۂ کمالات کو دیوارِ عبادت و ریاضت سے نکالیں۔ اُس وقت بھی رب تعالیٰ کی رحمت ہی ہوتی ہے تب کچھ ہاتھ آتا ہے۔ خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو اس دنیاء دون میں شیخِ کامل و خضرِ راہ کی تربیت نصیب ہوئی اور جس کی دیوارِ عبادت و ریاضت کو خشوع و خضوع کا ارشادِ شفقت مروت اُنس و مودت اور خاطر و مدارات کا دستِ محبت مل گیا۔ ہر مرشد کامل کا یہی آوازہ ہے کہ وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ یہ تعمیر مرید اور تجدید مراد میرے اپنے ارادہ سے نہ تھا یہ تو سب حکم ربی کام تھا ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ

یہ تھے وہ مفہومات ازلیہ جن کو قلب مسعود سمجھ کر نہیں پاتا اسی لیے عقل سلیم قلب جذباتی کو فراق بَیۡنِیۡ وَ بَیۡنِكَ کا پیغام تقدیر ازلی سناتی ہے۔ اور یہ فراق عقل و قلب اس لیے بھی ضروری ہے کہ قلب شاکر کو خلوت و تنہائی سے تذکیر قلبی کا موقعہ نصیب ہو۔ شعر ؎

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل   لیکن کبھی کبھی اُسے تنہا بھی چھوڑ دے

وَیَسۡـَٔلُوۡنَكَ عَنۡ ذِی الۡقَرۡنَیۡنِ قُلۡ سَاَتۡلُوۡا عَلَیۡكُمۡ مِّنۡهُ ذِكۡرًا۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِی الۡاَرۡضِ وَ اٰتَیۡنٰهُ مِنۡ كُلِّ شَیۡءٍ سَبَبًا۔ فَاَتۡبَعَ سَبَبًا۔ اس دنیا میں جو انسان بھی آتا ہے وہ اپنی قوت عملی کے لحاظ سے یتیم و بے کس بے بس ہوتا ہے اور رب تعالیٰ کی طرف اُس کے لیے کمال مکنون اور کنز مدفون پہلے ہی ودیعت ہیں جس کے حصول کا ممکن طریقہ تربیت شریعت اور ارشاد طریقت ہے جب بندہ ان خزانوں کو پا کر خلافت الٰہی کے لائق بن جاتا ہے تو اُس کو عالم ارواح اور عالم اشباح کا ذوالقرنین اور کامل انسان بنا دیا جاتا ہے اور مخلوقات ارض و سماوی اس کا احترام کرتی ہے۔ اے قلب منور تجھ سے اسی ذوالقرنین کے بارے سوال ہوتا ہے تو الہام عرشی کا اعلان فرما کہ عنقریب صبح دستور کا آفتاب انوار تو طلوع ہونے دو اُس کو زمین کی دولت پانے والے بندۂ کامل کا پورا حال تمہیں آشکارا کردوں گا یہ وہی قوت قدسیہ ہے جس کو قدرت بخشی ہم خالق کائنات نے زمین اسباب اور ملکیت و مسائل و وسائط ہیں تو کامل فی نفسہٖ اور مکمل لغیرہٖ کر دیا ہم نے اُس کو فَاَتۡبَعَ سَبَبًا تو اسی توفیق ربانی سے اسباب وصول کے ذریعے عبادت کے قدموں اور ریاضت کے لشکروں کے ساتھ چلنے لگا۔ کیونکہ منزل معرفت کی طرف چلنے کے لیے اعمال کا لشکر علم قرآن و حدیث کے ہتھیار اور فرائض و واجبات کے وسائل لازمہ جذبات عشق کے اسباب ضروری ہیں جب بندے کو یہ سب کچھ مل جائے تو وہی اپنے وقت کا سکندر ہے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ علم ہر مسلم پر فرض ہے اس سے مراد دنیوی صنعت و حرفت نہیں نہ معلومات فلکیات وارضیات مادی ہیں یہ تو بیابان دنیوی میں الجھاؤ کے جھاڑ جھنکار ہیں ان کو علم کہنا مجاز اً ہے اصل علم علوم اسلامیہ ہے کہ فتوحات باطنی اسی پر موقوف ہیں اس کے بغیر ایک قدم کی بھی ہمت نہیں ہو سکتی، خلافت ارض کی سلطنت و قانون کے لیے احکام شرعیہ مذہبی ضروریات ملکی پابندی مشرب کی حد بندی ہر مرید پر واجب ہے۔ اس سلطنت کا لشکر جرار اعمال صالحہ ہیں کیونکہ ان سے ہی ثواب اُخروی کا مال غنیمت ملتا ہے اور دشمن خونخوار کی یلغار اعمال خبیثہ ہیں کیونکہ ان سے ہی عذاب جہنم ہے بندۂ مخلص کو ایسے دوست و دشمن کی پہچان ضروری ہے۔

حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ

یہاں تک کہ جس وقت پہنچے وہ ذوالقرنین سورج کے مغربی علاقے میں محسوس کیا کہ وہ سورج

یہاں تک کہ جب سورج ڈوبنے کی جگہ پہنچا اسے ایک سیاہ کیچڑ کے چشمے میں

فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا ؕ۬ قُلْنَا یٰذَا

سیاہ دلدلی چشمے میں نیچے جا رہا ہے اور ذوالقرنین نے پایا اس چشمے کے پاس ایک قوم کو ہم نے فرمایا اے

ڈوبتا پایا اور وہاں ایک قوم ملی ہم نے فرمایا اے

الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ

ذوالقرنین یا ان کافروں کو سخت مارے گا تو اور یا ان میں دین کی

ذوالقرنین یا تو انہیں سزا دے یا ان کے ساتھ بھلائی

فِیْهِمْ حُسْنًا ﴿۸۶﴾ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ

بھلائی جاری فرمایا، کہا ذوالقرنین نے (قوم سے)، جو بھی ظلم کمائے گا تو کچھ ڈھیل کے بعد ہم اس کو سزا ضرور دینگے

اختیار کرے۔ عرض کی وہ جس نے ظلم کیا تو ہم عنقریب سزا دیں گے

ثُمَّ یُرَدُّ اِلٰی رَبِّهٖ فَیُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ﴿۸۷﴾ وَ اَمَّا

پھر (آخرت میں) وہ کافر اپنے رب کی طرف لوٹایا جائے گا تو وہ اُخروی سخت عذاب اُس کو دے گا اور لیکن

پھر اپنے رب کی طرف پھیرا جائے گا وہ اسے بُری مار مارے گا اور

مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ﰳالْحُسْنٰی ۚ

جو مومن بن گیا اور اچھے عمل کئے تو اُس کے لیے اچھی جزا ہے

جو ایمان لایا اور نیک کام کیا تو اس کا بدلہ بھلائی ہے

وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ﴿٨٨﴾ ثُمَّ اَتْبَعَ

اور (دنیا میں بھی) ہم اس کو اپنے آسان قانون بتائیں گے پھر اُس کے بعد آگے چل پڑے وہ سامان

اور عنقریب ہم اسے آسان کام کہیں گے۔ پھر ایک سامان کے

سَبَبًا ﴿٨٩﴾

(لاؤ لشکر) کے ساتھ

پیچھے چلا

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں یہود و مشرکین کے تیسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے حضرت ذوالقرنین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سلطنت اور حکومت کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں حضرت ذوالقرنین کی سلطنت کی وسعت اور آپ کے اپنے دورے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں دو یتیم بچوں کی دیوار درست کرنے کے لیے دو نبی تشریف لائے اور رب تعالیٰ نے انبیاء کرام کو بھیجا۔ اب اِن آیت میں ایک سرکش قوم پر دیوار بنانے کا تذکرہ ہے کہ ایک ولی اللہ بادشاہ کو دیوار سدِ سکندری بنانے کے لیے بھیجا گیا۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ خضر علیہ السلام نے بتایا کہ میں نے یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے حکم سے کئے ہیں اب اِن آیت میں خود رب تعالیٰ کا ارشاد مذکور ہے کہ ہم نے فرمایا اے ذوالقرنین الخ۔

تفسیر نحوی حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِيْ عَيْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ قُلْنَا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِيْهِمْ حُسْنًا۔ حَتّٰی ابتدائیہ اِذَا حرفِ شرط۔ اگلے دونوں جملے اس کی شرط و جزا ہیں۔ لیکن ایک قول میں اِذَا ظرفِ زمانی ہے۔ اس لیے کہ جب بات یقینی ہو اور خبریہ ہو تو اِذَا ظرفیت کے لیے آتا ہے نہ کہ شرطیت کے لیے۔ اب اگلا کلام شرط و جزا نہیں بَلَغَ۔ فعل ماضی مطلق۔ بُلُوْغٌ سے بنا ہے بمعنی پہنچا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ جس کا مرجع ذوالقرنین مَغْرِبَ۔ اسم ظرف واحد مذکر مضاف ہے غَرُبٌ سے مشتق ہے بمعنی غروب ہونا چھپنا۔ اَلشَّمْسِ اسم مفرد مؤنث لفظی مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی ظرف ہو گیا بَلَغَ کا اور وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَجَدَ فعل ماضی مطلق ھَا ضمیر مفعول بہ مراد سورج ہے تَغْرُبُ فعل مضارع حال ھِیَ ضمیر اس کا فاعل مرجع شمس ہے فِیْ جارّہ ظرفیہ عَیْنٍ اسم

مفرد جامد لغوی اصلی معنیٰ آنکھ ہے۔ استعارۃً پانی کے چشمے کو اس لیے عین کہا جاتا ہے کہ آنکھوں کی طرح اس میں سے پانی نکلتا ہے سورج کو عین کہا گیا اس لیے کہ وہ گول آنکھ کی ہم شکل اور شفاف ہے چاند اگرچہ گول ہے مگر شفاف نہیں ستاروں میں یہ دونوں باتیں نہیں ہیں۔ یہاں مراد ہے کیچڑ جو گہرے پانی سے نکالی گئی ہو اس کا بہتا ہوا گارا چشمہ۔ موصوف ہے حَمِئَۃٍ اسم مفرد جامد بمعنی کالی مٹی کیچڑ (گارا)، دلدل۔ ایک قرأت میں ہے حامیۃ بمعنی گرم۔ یعنی گرم چشمہ۔ ایک قول میں یہ جامد نہیں بلکہ صفت مشبہ ہے بروزنِ فَعِلَۃٌ حَمِئَۃٌ۔ یہ مرکب توصیفی مجرور، جار مجرور مل کر متعلق ہے تَغْرُبُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مفعول فیہ ہوا۔ اس کا ترجمہ اس طرح ہے کہ پایا سورج کو اس حالت میں کہ غروب ہو رہا ہے دلدلی چشمے میں وَجَدَ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ بیر جملہ۔ وَجَدَ فعل با فاعل عِنْدَ، اسم ظرف ہے اس کا یا صرف حرف قریب و نزدیک ہونے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ قُرب بارہ قسم کا ہے ۱ قُربِ مکانی ۲ قُربِ زمانی ۳ قُربِ حسی ۴ قُربِ معنوی ۵ قُربِ ملکیتی ۶ قُربِ جسمانی ۷ قُربِ روحانی ۸ قُربِ تقرب مرتبہ ۹ قُربِ اعتقادی ۱۰ قُربِ ذاتی ۱۱ قُربِ صفاتی ۱۲ قُربِ حکمی عِنْدَ کی آٹھ خصوصیات ہیں ۱ یہ ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے ۲ اس اسم کی تصغیر نہیں ہوتی ۳ یہ ظرفیت کو لازم ہے ۴ بغیر حرفِ جر بھی ہوتا ہے ۵ اس پر کبھی کبھی صرف مِن حرفِ جر آسکتا ہے اس وقت بحالتِ جر ہوتا ہے بغیر جارہ ہو تو منصوب ہوتا ہے ۶ اس کا حرف ایک ہی وزن و شکل ہے یعنی عِنْدَ۔ بعض نے کہا یہ عَنْدَ اور عُنْدَ زبر اور پیش سے بھی آجاتا ہے وہ غلط ہے ۷ اس کی ظرفیت مبہم ہوتی ہے ۸ ہر قسم کا اسم اس کا مضاف الیہ بن جاتا ہے ظاہر بھی ضمیر بھی مبنی بھی معرب بھی۔ ھَا ضمیر مجرور متصل مضافِ الیہ ہے اس کا مرجع مغربَ الشمس ہے۔ یہ مرکب ظرفِ مکانی ہے وَجَدَ کا۔ قَوْمًا مفعول بہ۔ لفظِ قوم اسم جنس جامد ہے لفظاً واحد معناً جمع ہے۔ وَجَدَ فعل ماضی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْنَا۔ فعل ماضی مطلق فاعل نَا ضمیر جمع متکلم۔ دونوں مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ یَا حرفِ ندا قائم مقام اَدْعُوْ کے۔ ذَالْقَرْنَیْنِ۔ ذَا، اسم مکبرہ مضاف قَرْنَیْنِ اسم تثنیہ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یَا کا۔ اگلی عبارت حُسْنًا تک اس کا بیان ہے۔ اِمَّا حرف عطف تقسیم ۶ باتوں کے لیے آتا ہے ۱ کبھی شک پیدا کرنے کے لیے ۲ کبھی ابہام و پوشیدگی کے لیے ۳ کبھی تفصیل بیان کرنے کے لیے ۴ کبھی اباحت و جواز بیان کرنے کے لیے ۵ کبھی اختیار دینے کے لیے یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ اباحت کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اَنْ حرفِ ناصبہ تُعَذِّبَ۔ فعل مضارع باب تفعیل سے واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر مرجع ذوالقرنین۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عطف زائدہ اِمَّا حرفِ عطف اختیار یہ پہلے اِمَّا کی وجہ سے دوبارہ آیا۔ اَنْ تَتَّخِذَ باب افتعال کا مضارع واحد مذکر حاضر اِتِّخَاذٌ مصدر ہے اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا، لینا، پکڑنا، اختیار کرنا۔ یہاں یہی معنیٰ مناسب ہیں۔ فِیْھِمْ فِیْ جارہ ھِمْ ضمیر مجرور کا مرجع قوم کیونکہ معناً جمع ہے اس لیے یہ ضمیر جمع غائب لائی گئی۔ دونوں متعلق ہے تَتَّخِذَ کا

حُسْنًا اسم مفرد جامد بحالتِ نصب مفعول بہ ہے بمعنی بھلائی اچھائی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر بیان ہوا اندا کا۔ ندا اپنے منادیٰ اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ نِ الْحُسْنٰى وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۔

قَالَ فعل هُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ذوالقرنین یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اَمَّا حرفِ شرط مَنْ اسم موصول مذکر ذوی العقول کے لیے مراد ہے انسان لوگ ظَلَمَ۔ فعل ماضی مطلق ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا فساد مچانا، ستانا ہلاک کرنا۔ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع مراد وہی قوم والے لوگ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ سَوْفَ حرفِ تقریب ہے یہ فعل مضارع کے شروع میں آتا ہے اس کا معنیٰ ہے عنقریب جلدی اب ابھی تاخیر کار۔ مضارع کو مستقبل کے لیے خاص کر دیتا ہے اور حال کے معنی ختم کر دیتا مگر عربی میں حرفِ تقریب صرف دو ہیں ۱۔ سَوْفَ ۲۔ سین۔ مگر ان میں تین طرح فرق ہے ۱۔ سَوْفَ میں زمانے مستقبل کی وسعت زیادہ ہوتی ہے س میں کم ہوتی ہے ۲۔ سَوْفَ پر لام گے آجاتا ہے س پر نہیں آسکتا۔ جبکہ وَلَسَوْفَ ۳۔ سَوْفَ اکثر اور اصلیت کے اعتبار سے وعید کے لیے استعمال ہوتا ہے مگر س اکثر اور اصلیت کے اعتبار سے وعدے کے لیے لیکن کبھی کبھی اس کا الٹ بھی ہوتا ہے۔ نُعَذِّبُ باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم۔ مگر اس کا فاعل واحد متکلم یعنی ذوالقرنین ہے صرف فصاحتِ کلامی کے لیے جمع متکلم بولا گیا ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے یہ سب فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لیے یعنی بعد میں يُرَدُّ فعل مضارع مجہول بابِ نَصَرَ۔ رَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا مجہول کا ترجمہ ہے لوٹایا جانا اِلٰى حرفِ جر انتہائیہ رَبِّهٖ مرکب اضافی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے يُرَدُّ کا جملہ فعلیہ ہو کر شرط فَ جزائیہ يُعَذِّبُ مضارع واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع رَبٌّ۔ ہٗ ضمیر مفعول بہ عَذَابًا اسم مصدر موصوف نُكْرًا اسم تفضیل مؤنث یا اسم صفت مشبہ مبالغے کے لیے بمعنی سخت ناپسندیدہ، بالسخت مضبوط کڑا بحالتِ نصب صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے يُعَذِّبُ فعل اپنے سب معمولات سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی يُرَدُّ کی وہ شرط و جزا جملہ شرطیہ ہو کر معطوف، ہوا مَنْ ظَلَمَ کا وہ سب مل کر پھر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ جمع کے لیے اَمَّا حرفِ استدراک شرط کے لیے مَنْ موصولہ اٰمَنَ فعل ماضی مطلق۔ یعنی مومن بنا ایمان لایا۔ اس میں هُوَ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ۔ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلَ فعل با فاعل صَالِحًا اسم فاعل واحد مذکر بمعنی نیک اچھے، مفید۔ مفعول بہ ہے عَمِلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اٰمَنَ کا، دونوں مل کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرطِ ثانی ہوئی فَ جزائیہ لَهٗ۔ لام جارہ، ہٗ ضمیر واحد مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا جَزَآءً اسم مفرد بمعنی بدلہ ثواب

نون وقایہ۔ یعنی اعراب کو بچانے والی نون اس نون نے جَزَاءُ کی تنوین کو بچایا اور لام سے بھی جوڑ دیا اگر یہ نہ ہوتی تو تنوین ختم ہو جاتی یا پھر لام سے علیحدگی رہتی اور یہ بھی منع ہے اَلْحُسْنٰی۔ الف لام ذہنی۔ حُسْنٰی اسم تفضیل مؤنث۔ اس کی مذکر ہے اَحْسَنُ۔ حُسْنٌ سے مشتق بمعنی بہت اچھی جزا۔ یہ دونوں موصوف صفت ہیں۔ اور اسم ہیں پوشیدہ اِنَّ حرف مشبہ کا حاصلٌ پوشیدہ اپنے مستتر ھُوَ فاعل متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ پوشیدہ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ وَاوٗ عاطفہ۔ سَ حرفِ تقریب نَقُوْلُ فعل مضارع۔ جمع متکلم فاعل نَحْنُ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے نَقُوْلُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا مِنْ اَمْرِنَا۔ یہ بھی نقول کا متعلق دوم ہے۔ یُسْرًا۔ اسم مفرد جامد۔ ترجمہ ہے آسان کام یہ مقولہ ہے۔ دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو کر معطوف ہوا فَلَهٗ کے جملہ پر۔ دونوں عطف مل کر جزا ہمیں اٰمَنَ کی شرط و جزا مل کر معطوف ہے مَنْ ظَلَمَ پر۔ وہ دونوں مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ قولیہ خبریہ ہو گیا۔ ثُمَّ حرفِ عطف ہے تراخی کے لیے آتا ہے۔ تراخی پانچ قسم کی ہے ۱۔ زمانی یہاں یہی مراد ہے ۲۔ مکانی ۳۔ ذاتی ۴۔ صفاتی ۵۔ رُتبی ذمر تبے کے اعتبار سے ۶۔ وضعی۔ یہاں ثُمَّ بمعنی فَ تعقیبیہ ہے اور علیحدہ کلام میں ہے مگر ایک قول میں عاطفہ اور اگلے جملے کا عطف ہے سابقہ جملے حَتّٰی اِذَا بَلَغَ پر اَتْبَعَ۔ فعل ماضی مطلق باب افعال ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل سَبَبًا۔ اسم مفرد جامد مفعول فیہ۔ یعنی اسباب میں یا یہ مفعول معہ ہے یعنی اسباب کے ساتھ اَتْبَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا۔

یہاں سے سکندر ذوالقرنین کی صرف اُن فتوحات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس کے نشانات آج تک موجود رہ کر قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے پر ایک عظیم ثبوت ہے کہ ایک نبی اُمّی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو علاقۂ عرب سے باہر نہیں نکلے جن کے ہاتھوں میں توریت و زبور و انجیل یا کوئی اور تاریخ کی کتاب نہیں ہے جن کے پاس مؤرخین عالم کی محفلیں مجلسیں صحبتیں تو درکنار شناسائی تک نہیں وہ حتی فی البدیہہ آج سے صدیوں پہلے ایک ایسے بادشاہ کی مختصر الفاظ میں ایسی سچی مضبوط اور مکمل سوانح زندگی پیش فرماتا ہے کہ جس سے اُس بادشاہ کی کامل شخصیت اور زندگی کا ہر پہلو نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔ بچپن لڑکپن جوانی بڑھاپے۔ تہذیب و اخلاق خدا ترسی۔ قربِ الٰہی دین و ایمان رحم دلی رعایہ پروری۔ قلبی غِنا۔ باطل کا مقابلہ اور فتوحاتِ عالم طریقۂ کارکردگی دنیا سے بے غرضی اور خداداد طاقت نیز عبادت و ریاضت حیاتِ ظاہری کے تمام کیفیاتی پہلو اس انداز سے اجاگر ہوتے ہیں کہ کسی کو انکار کی مجال نہیں رہتی اور ماننا پڑتا ہے کہ مَا هٰذَا الْكَلَامُ الْبَشَرُ۔ یہ انسانی کلام نہیں۔ سکندر کا ذکر تاریخوں میں بھی ہے مگر اتنے اختلاف کے ساتھ کہ قرآن مجید کی اس دستگیری اور رہنمائی کے بغیر اصل شخصیت گمنام ہو کر رہ گئی ہے قرآن مجید

نے یہ تاریخ ساز بیان صرف تقریباً سولہ آیتوں میں ذکر فرمایا یہ قرآن کریم کا ہی اعجاز و بلاغت و فصاحت ہے اِن آیت میں ذوالقرنین کی فقط اُن ہی تین فتوحات کا ذکر ہے جس کے نشانات آج تک موجود ہیں جن کو سیاحانِ عالم نے بچشم خود دیکھا اور حقانیتِ قرآن پر ایمان لانا پڑا اور یہی مقصود بھی ہے ورنہ قرآن مجید کسی بھی واقع کو محض افسانہ اور قصہ گوئی کے لیے بیان نہیں فرماتا۔ ان سولہ عدد آیت میں سکندر ذوالقرنین کی زندگی کا خلاصہ آٹھ پہلوؤں سے بیان کیا گیا ہے پہلے فرمایا گیا یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ۔ لفظ ذوالقرنین وہ متفق علیہ لقب ہے جو یہود و نصاریٰ کی کتب مذہبی کے علاوہ صدیوں پرانی تاریخوں میں بھی منقول ہوتا چلا آرہا ہے اور اسی لقب سے اس عالمگیر بادشاہ کی شخصیت کا تعین ہوتا ہے یہ تعین ذاتی نام کے ذکر کرنے سے نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ ذاتی نام میں اختلاف ہے اہلِ فارس نے اس کو سکندر کہا اہلِ یونان نے فورس، عبرانیوں نے سائرس اور اہلِ عرب نے خسرو کہا اس اختلاف کی بنا پر نام لینے سے تعین ذات متاثر تھے اس لیے نام کو چھوڑ کر لقب مذکور ہوا نیز اسی لقب سے یہود و نصاریٰ کو انسیت اور الفت تھی کیونکہ سکندر کی سلطنت اور ظہور سے پہلے جس لفظ کے ذریعے پیشگوئی کی جاتی رہی وہ ذوالقرنین لقب ہی تھا چنانچہ توریت کے مطابق پہلی پیشگوئی جس میں بخت نصر کی یلغار و وحشیانہ کاری و زوال ستر سال بنی اسرائیل کی قید بیت المقدس کی بربادی زوال اسن کر بنی اسرائیل کی قید بیت المقدس کی بربادی پھر ذوالقرنین کا ظہور بنی اسرائیل کی آزادی و باعزت آبادکاری ہیکل و بیت المقدس دوبارہ تعمیر کا ذکر تھا ایک اسرائیلی بزرگ یسعیاہ نے ایک سو ساٹھ سال قبل ظہور بیان کر دی تھی، دوسری پیش گوئی ذوالقرنین کے متعلق اور اس کی بادشاہت عدل و انصاف نیکی رحم دلی تقویٰ طہارت کا ذکر ظہور سکندر سے ساٹھ سال پہلے ایک اور بزرگ یرمیاہ نے بشارت دی کہ ذوالقرنین ہی بنی اسرائیل کا نجات دہندہ ہے یہ بزرگ خود بھی اس وقت بخت نصر کے قیدی تھے تیسری بشارت خواب میں ایک اسرائیلی بزرگ دانیال کو ملی یہ بخت نصر کے بعد اسی کی سلطنت کے وزیروں میں شامل ہو گئے تھے اور سکندر کی بابل فتح کے وقت بابل میں ہی تھے انہوں نے ہی سکندر ذوالقرنین کو اُن کے متعلق یسعیاہ اور یرمیاہ کی پیش گوئیوں کے متعلق بتایا جس پر ذوالقرنین بہت حیران اور خوش ہوئے ان تینوں بزرگوں کو توریت میں نبی کہا گیا ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ان ہی بشارتوں کی وجہ سے آج تک یہود و نصاریٰ ذوالقرنین کا بہت احترام کرتے ہیں لیکن چونکہ تاریخی اختلافات کی بنا پر شخصیت بھی مختلف فیہ ہو گئی تھی مشرکین مکہ کے ذریعے یہودِ مدینہ نے لقب بول کر سوال کیا جس کو قرآن مجید نے ایسے شاندار طریقے سے واضح کیا کہ اب کوئی دوسرا سکندر نامی اصلیت کو گمنام نہ کر سکے اس لیے کہ جو نشانیاں سکندر کی قرآن نے بیان کیں وہ کسی دیگر سکندر میں نہیں پائی جاتیں انسائیکلو پیڈیا اور تاریخ کی دیگر کتب میں چار سکندروں کا ذکر ملتا ہے اور مفسرین نے اپنے ذہنوں کے مطابق مختلف سکندروں کو اس قرآنی ذوالقرنین سے منسوب کیا ہے ۱۔ اہل فارس کے خسرو سکندر ۲۔ صعب بن قرین بن ہمال ۳۔ قبیلہ

نخم کا سکندر منذر بن امرؤالقیس حمیری یہ بھی بادشاہ تھا۔ ۳ سکندر بن فیلقوس۔ قرآن مجید نے ذوالقرنین سکندر کی دوسری نشانی بتاتے ہوئے فرمایا۔ اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ فِي الْاَرْضِ۔ یعنی ذوالقرنین کی حیران کن شخصیت اور پوری زمین کی سلطنت کسی درس گاہی بیرونی یا خاندانی شاہی تربیت کا نتیجہ نہ تھی بلکہ سب کچھ تربیت وذہانت فطانت فنون شہنشاہی آداب لشکر کشی تہذیب وتمدن قوت وجبروت حوصلہ مندی اخلاق وآداب سب قدرت الٰہی کا عظیم شاہکار تھا کہ وہ بچہ جس کے پیدا ہوتے ہی اس کا اپنا سگا نانا استیاگس کسی نجومی کی بدخبری کی بنا پر اس کا جانی دشمن بن جاتا ہے اور گڈریا اس کو چھپا کر اپنے دور پہاڑی جنگلی علاقہ میں پرورش کرتا ہے اور اٹھارہ سال تک چرواہوں کی جاہلانہ غیر مہذب زندگی گزارتا ہے مگر جب اس کو اپنی خاندانی سلطنت کا پتہ لگتا ہے تو عقاب کی طرح جھپٹتا ہے اور آناً فاناً اپنی خداداد صلاحیت اُن کے جبروت پر پورے ایران پر قابض ہو جاتا ہے اور ارد گرد کے چھوٹے چھوٹے سلاطین اُس کے سامنے گردنیں جھکاتے چلے جاتے ہیں یہی ہے اِنَّا مَكَّنَّا لَهٗ کا ظہور سکندر نے اپنے دور حکومت میں چھوٹی موٹی تمام جنگیں تقریباً ایک سو آٹھ لڑیں جن میں پہلی جنگ دفاعی تھی جو ایشیاء کوچک زیونان، لیڈیا، کے عظیم سلطان کروشس کے حملے سے شروع ہوئی اور چند دن میں تمام ایشیا کو فتح کر لیا اب وہی کروشس جو شہنشاہ عظیم کہلاتا تھا قیدی بنا کھڑا ہے۔ جس کو بعد میں معاف کر کے جان بخشی کر دی جاتی ہے اس کے بعد سے فتوحات کا دور شروع ہو جاتا ہے مگر بخت نصر کے بعد چنگیز اور ھلاکو خان کی جنگوں کی طرح ظالمانہ قاہرانہ خون ریزیوں اور تباہ کاریوں اور مار دھاڑ والی جنگیں نہیں جن کا مقصد فتوحات یا ملک گیری نہیں ہوتا بلکہ محض بربادی ہی ہوتا ہے ایسی سلطنتوں کا نشان بھی جلدی ہی مٹ جاتا ہے بلکہ ذوالقرنین کی فتوحات کا مقصد دنیا میں امن عدل وایمان تقویٰ قائم کرنا مظلوموں پامالوں کی دادرسی کرنا تھا یہی وجہ تھی کہ بارہ سال کی فتوحات میں پوری سرزمین کو مسخر کر لیا۔ تیسری نشانی۔ قرآن مجید میں ان ہی فتوحات کی تین اطراف عالم کی لشکر کشی کا ذکر ہوتا ہے اس طرح کہ سکندر ذوالقرنین پہلے فتوحات کرتا ہوا مغرب کی طرف لشکر کشی کرتے ہیں حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ۔ یہاں تک کہ جب زمین خشک اور آبادی کے آخری کنارے تک پہنچ گئے جس کے آگے دل دل یعنی برف پانی یا مٹی پانی کی کیچڑ کا علاقہ تھا وہاں بوقت مغرب قیام ہوا سورج کو چھپتے دیکھا کہ حد نگاہ تک پھیلے ہوئے دل دل میں سورج چھپ رہا ہے یہ صرف نظر کا احساس تھا ورنہ سورج ڈوبتا نہیں ہے سورج زمین سے ایک سو ساٹھ گنا بڑا ہے۔ اور یہ احساس ہر نظر کو ہوتا ہے مثلاً پہاڑوں پر جا کر لگتا ہے پہاڑوں میں ریگستان میں کھڑے ہو تو ریت میں ڈوبتا محسوس ہوتا ہے سمندر کے کنارے کھڑے ہو تو سمندر میں حالانکہ سورج مدار زمین سے کروڑوں میل دور وَرَاءُ الافق ہے حَمِئَةٍ کا معنی چشمہ یا علاقہ ہے حَمِئَةٍ کی مراد دلدل یا گرم پانی ہے وَ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا۔ وہاں ایک شہر تھا جس کے بارہ ہزار دروازے تھے اُس میں ایک بہت بڑی کافر سورج کے پجاری قوم آباد تھی جن کا لباس صرف جنگلی جانوروں

کی کھالیں تھیں وہ بھی آدھے بدن پر تہبند کی شکل میں۔ اور خوراک سمندری مچھلی تھی۔ قومِ ثمود کے افراد میں سے تھے اس شہر کا نام جرجسا تھا اس دلدلی علاقہ کے پاس نرم زمین میں یہ شہر آباد تھا۔ بعض نے کہا عِنۡدَهَا کا تعلق مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ سے ہے مگر یہ غلط ہے وہ تو بہت دور تھا مَغۡرِبَ الشَّمۡسِ یعنی سورج ڈوبنے کا ذکر تو اُس کے پجاریوں کو سنانے کے لیے فرمایا گیا کہ ان کا یہ معبود ڈوب رہا تھا۔ قُلۡنَا۔ ہم نے ذوالقرنین سے فرمایا۔ یا بذریعہ الہام یا بذریعہ اُس وقت کے نبی کے جو ساتھ ہی ہوں گے غالباً دانیال ہی ہوں۔ یا القاءِ قلبی ضمیر کی آواز کے ذریعہ یا بذریعہ وحیِ نبوی اگر وہ نبی ہوں تو۔ اے ذوالقرنین تم با اختیار بادشاہ اور صلاحیتِ خداداد والے ہو اپنی شریعت کے مطابق اس کافر قوم سے جو چاہو سلوک کرو یہ تمہاری رعایا ہے یا ان کو کفر کی وجہ سے سختی کرو کوئی لو رعایت نرمی نہ کرو یا ان سے دین و ایمان کے کام لینے اور یہ علاقہ ان کے سپرد کرنے کے لیے ان کو اچھا مومن نیک تربیت یافتہ بنا دو تاکہ یہ جنگلی علاقہ بھی نورِ ایمانی سے جگمگا جائے اور ان کی کوتاہیوں جہالت کی سرکشیوں سے درگزر فرماؤ۔ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ فَسَوۡفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكۡرًا ۔ وَاَمَّا مَنۡ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰى‌ ۚ وَسَنَقُوۡلُ لَهٗ مِنۡ اَمۡرِنَا يُسۡرًا ۔ حضرت ذوالقرنین نے یہ پیغامِ الٰہی سن کر اپنے لشکر کو خطاب فرمایا کہ اس قوم کو ایمان کی تبلیغ کرو جو شخص اپنے کفر پر اصرار ہی ضد کرے ہماری تبلیغ نہ مانے تو ہم اسی دنیا میں ابھی اس کو ایسی سزا دیں گے جو بندہ بنا دے یا قتل کر دیں گے پھر وہ کفر پر مرنے کی وجہ سے اپنے رب تعالیٰ کی طرف اُس بدنصیبی کی حالت میں لوٹے گا کہ رب تعالیٰ اس کو ذلت آمیز سخت دائمی عذاب دے گا۔ اس بات سے بھی ان کفار کو آگاہ کر دو تاکہ کسی قسم کی بھول یا غفلت میں نہ رہیں ہاں البتہ جو ہمارے کہنے لگ کر ایمان لے آئے اور ہمارے بتائے ہوئے نیک پاک شریعت کے مطابق عمل کیے تو دنیا اور آخرت میں بہترین شاندار دائمی خوشیوں والی جزا اُس کو ملے گی اور عنقریب ہم اُس کو اپنی شریعت پاک کے نہایت آسان پاکیزہ کام بتائیں گے جو اُن کی دنیا کے ساتھ دین بھی سنوارتے چلے جائیں گے۔ ان تمام تبلیغی کام ہدایات اور حسنِ سلوک سے فارغ ہو کر اور اس طرف کی تمام فتوحات حاصل کر کے ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۔ پھر دنیا کے دوسرے کنارے کی طرف مع لشکر اور ساز و سامان چل پڑے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مَكَّنَّا لَهٗ کا انعامِ قدرت کا عطیۂ عظیم خوش بختی ہے یہ عزت تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو تو عطا ہوتی ہی ہے مگر اُن کے صدقہ میں بعض اولیاء اللہ کو بھی اس خصوصیت سے نواز دیا جاتا ہے ان ہی میں سے ذوالقرنین تھے اسی تربیتِ الٰہیہ کا نتیجہ تھا کہ ایک بادیہ نشین اور جنگل کا پروردہ نوجوان آناً فاناً بے سرو سامانی کے باوجود فتوحات کی وسعت حکمرانی کی عظمت اور اخلاقِ حسنہ کی فضیلت جیسی لاثانی طاقتیں لے کر پورے جہان

پر سلطانِ معظم بن جاتا ہے۔ **دوسرا فائدہ** کسی بزرگ وَلی اللہ کو صاحبِ اختیار یا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مختارِ کُل کہنا شرک نہیں بلکہ یہ عقیدہ عینِ ایمان ہے مختار کا معنٰی یہ ہے کہ اختیار دیا ہوا۔ اور یہ بہرحال کسی بندے کی ہی صفت ہو سکتی ہے یہ فائدہ اِمَّآ اَنۡ تُعَذِّبَ (الخ) میں اِمَّا حرفِ عطف اختیاری اور صیغہ واحد مذکر حاضر اور قُلۡنَا فرمانے سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ**۔ کفار کی دنیوی سزائیں قتل وغارت یا اُن پر آسمانی عذاب اُخروی عذاب کا بدلہ یا کمی کا باعث نہیں ہے۔ آخرت کا مکمل اور دائمی عذاب ایک علیحدہ چیز ہے ہاں البتہ گنا ہگار مسلمان کی دنیوی سزا حد یا تعزیر کی صورت میں اُس کی اُخروی سزا کا بدلہ بن جاتا ہے۔ یہ فائدہ ثُمَّ یُرَدُّ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا قادیانیوں کا قول باطل ہے۔

احکامُ القرآن

اِن آیات سے چند فقہی مسائلِ مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر دین اور شریعت بندوں کے لیے ہر دور ہر علاقہ میں انتہائی آسان ہے لہٰذا اسلام یا شریعت کے کسی مسئلے و قانون کو سخت کہنا گناہِ عظیم ہے اور اسی طرح اپنی طرف سے نئی آسانیاں پیدا کرنا بد دیانتی اور گمراہی ہے یہ مسئلہ مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا۔ کہنے سے مستنبط ہوا **دوسرا مسئلہ**۔ مزدور کو اُس کے کام کی اُجرت کام سے بہتر اور جلدی ادا کرنی چاہیئے اور اگر کچھ طے شدہ سے مزید دی جائے تو یہ اَخلاقِ حسنہ ہے یہ مسئلہ جَزَآءَ ۨالۡحُسۡنٰی اور مِنۡ اَمۡرِنَا یُسۡرًا۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ** شریعت کا قانون یہ ہے کہ جب لشکرِ اسلام کسی غیر مسلم قوم پر فتح پائے تو اُس کی اسلامی اصلاح کو مقدم رکھے ایک دم قتل و غارت نہ شروع کرے اگرچہ بعض موقعوں پر اس کی بھی اجازت ہے مگر ایک دم قتال فتوحاتِ اسلامیہ کے مقصد کے خلاف ہے یہ مسئلہ قَالَ اَمَّا مَنۡ ظَلَمَ۔ کے پورے کلام سے مستنبط ہوا۔ ہاں البتہ باغی، فسادی سرکش اور مرتدین یا آزمودہ کفار کو مہلتِ اصلاح دینی منع ہے کیونکہ نقصان دہ ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا سورج کو چشمہ کے دَلدَل میں ڈُوبتا محسوس کیا حالانکہ وہاں سمندر تھا جو پانی کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے جب کہ چشمہ یعنی عَین سب سے چھوٹا ذخیرہ ہوتا ہے یہاں عین فرمانا کیونکر مناسب ہوا۔ **جواب**۔ لفظِ عین مشترک ہے یہاں معنٰی ہے علاقہ اور دلدلی علاقہ سارے سمندر کے مقابل واقعی بہت ہی چھوٹا ہے اس لیے اُس نسبت سے عین فرمانا بالکل درست ہے یعنی سمندر کا ایک حصّہ۔ **دوسرا اعتراض** اِس آیت میں دو جگہ فرمایا گیا۔ وَجَدَھَا تَغۡرُبُ اور وَجَدَ عِنۡدَھَا قَوۡمًا۔ وَجَدَ۔ کا معنٰی کسی چیز کو موجود پالینا۔ اور یہ معنٰی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ حقیقت میں ایسا ہی ہے حالانکہ دوسرا وَجَدَ تو درست ہے لیکن پہلا وَجَدَ یعنی سورج کا کیچڑ میں ڈوبنا عقل حقیقت اور سائنسی تجربوں مشاہدوں کے خلاف کیونکہ سورج زمین اور سمندر سے کروڑوں میل دور ہونے کے علاوہ

زمین سے ایک سو ساٹھ یا ایک سو پچاس یا ایک سو چوبیس گنا بڑا بھی ہے بڑی چیز چھوٹی میں کیسے ڈوب سکتی ہے اور سورج ڈوبتا ہی نہیں پھر کیا قرآن کو یہ بھی پتہ نہیں تھا۔ (آریہ ہندو) جواب یہ اعتراض انتہائی کم علمی کی بنا پر ہے۔ خیال رہے کہ وَجَدَ افعال قلوب میں سے ہے جو صرف قلبی حقیقت پر دلالت کرتا ہے قلبی حقیقت تین قسم کی ہوتی ہے (۱) حقیقت بصری (۲) حقیقت واقعی (۳) حقیقت ظنیہ پہلے وَجَدَ میں حقیقت بصری کا ذکر ہے جس کو ہم محسوس کرنا کہتے ہیں یعنی صرف آنکھ کا دیکھنا اور یہ کیفیت تا قیامت ہر انسان کے ساتھ قائم ہے اسی رویۂ بصری پر تمام علم فلکیات کا دارومدار ہے اسی سے چاند سورج کی رفتاری ڈگریاں دقیقے طول وعرض کی منزلیں گھنٹے اور گول نقشے بنائے جاتے ہیں بلکہ یہاں وَجَدَ فرما کر تو سائنسدانوں اور ماہرین فلکیات کے لیے راہ ہموار کیا گیا ہے ورنہ خود ہندو آریہ وغیرہ جُہلا تے تو اپنی مذہبی کتب میں اسی مضبوط تمثال جیسے سورج کی ظاہری بصری شکل کی بنا پر سورج کو نہ جانے کس کس انداز کا دیوتا بنا دیا ذرا اپنی کتابوں کی خبر لو۔ تیسرا اعتراض جن لوگوں نے حضرت ذوالقرنین کو نبی نہیں مانا وہ غلطی پر ہیں کیونکہ یہاں فرمایا گیا قُلْنَا یعنی رب تعالیٰ نے فرمایا اور اللہ تعالیٰ کا فرمانا وحی ہوتا ہے اور وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے جواب قُلْنَا یا قَالَ کی وجہ سے کسی کو نبی کہنا بہت کمزور دلیل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا قول بلکہ لفظ وحی بھی کسی شخص کے لیے استعمال کرنا نبوت سے خاص نہیں اولیاء اللہ بلکہ شہد کی مکھی اور ابلیس کے لیے بھی لفظ قول استعمال ہوا ہے یہاں قُلْنَا سے مراد یا تو الہام یا اس وقت کے کسی ہم راہی نبی علیہ السلام کے ذریعے یہ پیغام دینا ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب

تفسیر صوفیانہ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَةٍ وَّ وَجَدَ عِنْدَهَا قَوْمًا قُلْنَا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِمَّاۤ اَنْ تُعَذِّبَ وَ اِمَّاۤ اَنْ تَتَّخِذَ فِیْهِمْ حُسْنًا ۔

یہاں تک کہ جب بندۂ سالک خداداد قوتوں سے عالَمِ عُلٰی کے کناروں تک پہنچتا ہے جو روحِ انسانی کا مغربِ شمس ہے وہاں روح کو انکارِ باطل کے دلدلِ بدمزاج میں ڈوبتا محسوس کرتا ہے جو گناہوں کی کیچڑ ہے۔ اور اسی دلدلِ فنا کے پاس عالَمِ اجساد میں قواءِ بدنیہ نفوسِ ارضیہ اور طبیعتِ ناسوتیہ کی قوم کو موجود پایا تب اپنے مخلص منکر بندۂ عشق سے ہم نے فرمایا کہ اے لاہوت و ناسوت کے فاتح سلطان یا اس قوم میں ناسوتیہ غفلتِ ارضی کے نفوس سے ہیبت کر مجاہدۂ خلوت کی تلوار اور عبادتِ شرعیہ کی چھری و ریاضتِ شاقہ کے خنجر سے قتل کا عذاب دیوے یا رفق و مدارات کے آغوش کی صحبتِ صالح و حسنِ تدبیر کی تربیت عطا کر دے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ انسان میں یہ تین خصلتیں ہونی چاہئیں پہلی یہ کہ جب مدِ مقابل حریف ناخوشگوار بات کرے تو ناراض نہ ہو نہ ناراضگی کی کیفیت ظاہر کرے بلکہ طبیعتِ حسن سے خوش ہونا چاہیے۔ دوم یہ کہ موجودہ حریف جب غلط بات کرے رنجیدہ نہ ہونا چاہیے کیونکہ رب تعالیٰ نے اس کو استعدادِ ہدایت اور لشکرِ کرامت و اسبابِ امامت کی بادشاہت اسی لیے عطا فرمائی ہے کہ وہ بیہودوں کی اصلاح کرے سوم یہ کہ اپنے نفس کو رعونت اور حریف و مخالف کے خلاف کسی بھی جہالت سے

بچانا چاہیے ورنہ اللہ تعالیٰ کے عطیۂ نعمت و قوت کا غلط استعمال اور ناشکری ہو گی۔ چار بندوں کو چار چیزیں چار مقاصد کے لیے دی گئیں ہیں (۱) امرا کو دولت غریب پروری کے لیے (۲) بادشاہوں کو سلطنت رعایہ پروری کے لیے (۳) علماء کو علم کا نور ظلمتِ جہالت کو دور کرنے کے لیے (۴) اولیا صوفیا کو خزانۂ معرفت قربِ الٰہی کی منزل تک پہنچانے کے لیے یہ چاروں اپنے اپنے مقام پر سکندرِ ناسوتی اور ذوالقرنین لاہوتی ہیں۔ اور ہر ایک کے اسباب ولایت و وراثت جداگانہ جب تک فَاَتْبَعَ سَبَبًا۔ پر عملِ خلوص ہوتا رہے گا زمین پر امن و امان قائم رہے گا ورنہ فسادِ فِی الْاَرْضِ کا طوفان اٹھتا رہے گا۔ بزرگوں نے فرمایا کہ اُس وقت تک جہان میں امن قائم نہیں ہو سکتی جب تک کہ چار قسم کے محسنا عالمِ شہود اور زمینِ مخلوق میں قائم نہ ہوں (۱) جہلا کی نادانیوں جہالتوں کو معاف کرنے کا رواج قائم کرو (۲) اپنے آپ کو جہالت کے ارتکاب اور انتقام لینے سے بچاؤ (۳) اپنی چیزیں ضرورت مند لوگوں پر خرچ کرو (۴) عوام کے احسانات لینے سے بچو۔ بلکہ مایوس ہو جاؤ۔ اگر بندوں میں یہ خصائلِ حمیدہ پیدا ہو جائیں تو جہاں میں سلامتی و حفاظت کی شاہی ہو۔ قَالَ اَمَّا مَنْ ظَلَمَ فَسَوْفَ نُعَذِّبُهٗ ثُمَّ يُرَدُّ اِلٰى رَبِّهٖ فَيُعَذِّبُهٗ عَذَابًا نُّكْرًا ۔ وَاَمَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهٗ جَزَآءَ ِۨالْحُسْنٰى ۚ وَسَنَقُوْلُ لَهٗ مِنْ اَمْرِنَا يُسْرًا ۔ ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا ۔

سکندرِ بدنی نے عرض کیا کہ جس نفس نے اپنی خاصیات اور خواہشات کو اپنے مقصدِ حیات کے خلاف استعمال کیا اور غیر موضوع جگہ میں برتنے کا ارادہ کیا اُس ظالم نفس کو اس کی ہوا و ہوس سے دوری قہر و قہر کا سزا و عذاب دیں گے اُس سزا اور اُس کی درازی تا قیامت سے نجات نہ پا سکے گا پھر اپنے ربِّ قہار کے حضور پیش کیا جائے گا تو وہ فراق و تنہائی کا ایسا سخت عذاب دے گا کہ ساری خواہشات مٹا کر فنا ہو جائیں گی یہی دوری اور قطع تعلق کا عذاب جہنم ہے لیکن جس نفسِ باطن نے ضمیرِ سکندری کی آوازِ حیات کو تسلیم کیا اور حواسِ صالحہ کئے تو اُس کے لیے سبیۂ ظاہر میں وصلِ انوار اور وصولِ اسرار کی اچھی و بچی جزاء انعام ہے اور ایسے نفوسِ مطیع کو مجاہدہ و عبادات و فنا و خواہشات کے بعد تخفیفِ عمل اور استراحت ابدی کا امرِ یسر کا پیغام سنائیں گے۔ مملکتِ صدور کے علاقۂ ظلمات میں یہ احکام روحانی نفاق فرما کر پھر وہ مرشد باطنی اسباب ازلی تقریری کے ساتھ چلا جسم انسانی کے اندرونی علاقہ باطنی میں فتوحاتِ حضرت علی کا اور سفر و حضر پکڑ دھکڑ اس لیے ہے تاکہ بندے کا ظاہر و باطن ایک ہی سلطانِ عشق کے ماتحت ہو کر منافقتِ آوارہ مزاجی ختم ہو جائے۔ جس شخص کو یہ تربیت نصیب نہیں ہوتی وہ ذلّت ناکامی میں ہی مر جاتا ہے۔ ورنہ بندہ ذکر لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ بھی کرتا ہے۔ ذکرِ الٰہی کے وظیفے بھی پڑھتا ہے لیکن فہم کسی صفتِ الٰہی سے متصف نہیں ہوتا۔ انسان کی فضیلت علم سے ہے اور اعمال کی قدر و قیمت خلوصِ تربیت کی حیثیت سے لگائی جاتی ہے علماءِ آخرت کو استراحت کا ملہ سکینہ سے نوازا جاتا ہے۔ وَاللہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

(از تفسیر پشاوری مع زیادت)

حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ

پھر جب وہ پہنچ گئے سورج کے مشرقی علاقے میں پایا اس سورج کو طلوع ہوتا ہوا

یہاں تک کہ جب سورج نکلنے کی جگہ پہنچا اسے ایسی قوم پر

عَلٰى قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ﴿۹۰﴾

ایسی قوم کے اوپر کہ نہیں بنایا ہم نے ان لوگوں کے لیے اس سورج کے مقابل کوئی پردہ

نکلتا پایا جن کے لیے ہم نے سورج سے کوئی آڑ نہ رکھی

كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا ﴿۹۱﴾ ثُمَّ

ذوالقرنین کا سب کام اسی طرح ہوتا رہا اور ہم نے علم کے گھیرے میں لے لیا ہے اُن کی تمام باتوں کو پھر

بات یہی ہے اور جو کچھ اس کے پاس تھا سب کو ہمارا علم محیط ہے - پھر

اَتْبَعَ سَبَبًا ﴿۹۲﴾ حَتّٰٓى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ

وہ آگے چل پڑے اسباب کے ساتھ پھر وہ پہنچ گئے دو طرفہ پہاڑوں کے درمیان تو اُن دو طرفہ پہاڑی

ایک سامان کے پیچھے چلا یہاں تک کہ جب دو پہاڑوں کے بیچ پہنچا

مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا ۙ لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ﴿۹۳﴾

دروں کے قریب ہی پایا ایک ایسی قوم کو جو عقلی باتیں سمجھنے کے قریب بھی نہ تھے۔

اُن سے اُدھر کچھ ایسے لوگ پائے کہ کوئی بات سمجھتے معلوم نہ ہوتے تھے

قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ

ان کے کچھ لوگ بولے اے ذوالقرنین بے شک یاجوج وماجوج

انہوں نے کہا اے ذوالقرنین بے شک یاجوج وماجوج

مُفۡسِدُوۡنَ فِی الۡاَرۡضِ فَهَلۡ نَجۡعَلُ لَكَ خَرۡجًا

لوگ فساد پھیلانے والے ہیں اس علاقے میں تو کیا ہم لوگ کچھ چندہ کر کے آپ کو خرچہ دیں

زمین میں فساد مچاتے ہیں تو کیا ہم آپ کے لیے کچھ مال مقرر کر دیں

عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَيۡنَنَا وَبَيۡنَهُمۡ سَدًّا ﴿۹۴﴾

اس مقصد کے لیے کہ آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی سخت آڑ بنا دیں

اس پر کہ آپ ہم میں اور ان میں ایک دیوار بنا دیں

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق کفار کی طرف سے یہی سوال تھا کہ وہ کونسا شخص ہے جس نے مشرق اور مغرب میں سفر کیا یعنی اس کی سلطنت ساری روئے زمین پر ہوئی وہ مشرق و مغرب کا حکمران تھا، یہاں اس تیسرے سوال کا جواب ارشاد فرماتے ہوئے پچھلی آیت میں علاقہ مغرب کی طرف سفر کا ذکر ہوا اب ان آیات میں علاقہ مشرق کی طرف سفر کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں نیک و بد دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہوا کہ جو بد ہیں ان کا برا انجام اور سزا و عذاب اور جو نیک ہیں ان کے لیے ہر جگہ آسانیاں سہولتیں ہیں۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ برے لوگوں کو کس طرح دیوار کے پیچھے قید کرنے کے منصوبے سے سزا کی تجویز بنائی گئی تھی **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں مفسدین اور اہل شر کا صرف تذکرہ ہوا ہے اب ان آیات میں اس وقت کی اس فسادی قوم کا نام بتایا گیا کہ وہ یاجوج و ماجوج تھے۔ **شانِ نزول**، مشرکین مکہ نے یہود مدینہ سے پوچھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طریقہ سے سوال کیا کہ وہ کونسا نبی ہے جس کا ذکر توریت میں صرف ایک بار آیا ہو۔ چونکہ ذوالقرنین نبی نہیں تھے اس لیے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جواباً فرمایا کہ تم نام بتاؤ مشرکین نے کہا وہ ذوالقرنین ہیں آپ اس کے حالات بتائیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وحی آئیگی تو بتاؤں گا۔ تھوڑی دیر بعد سورۃ کہف آیات نازل ہوئیں از آیت ۸۳ تا ۹۸، کفار مکہ اتنے دور دراز کے قدیمی حالات سن کر حیران ہوئے اور دل میں جان گئے کہ یہ واقعی رب تعالیٰ کا کلام ہے۔

تفسیر نحوی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ وَجَدَهَا تَطۡلُعُ عَلٰی قَوۡمٍ لَّمۡ نَجۡعَلۡ لَّهُمۡ مِّنۡ دُوۡنِهَا سِتۡرًا۔ كَذٰلِكَ وَقَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَيۡهِ خُبۡرًا ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا۔

حرفِ حَتّٰی ابتدائیہ بمعنی پھر، اِذَا۔ حرفِ شرط۔ بَلَغَ فعل ماضی مطلق باب نصر واحد مذکر غائب اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر جس کا

مرجع ذوالقرنین۔ مَطْلِعَ اسم ظرف واحد مذکر باب فَتَحَ طَلْعٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چڑھنا طلوع ہونا مضاف ہے اَلشَّمْسِ الف لام عہد خارجی شمس اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے شُمُوْسٌ یہ مؤنث لفظی ہے اس کی تصغیر شُمَیْسَۃٌ ہے ترجمہ ہے سورج مَطْلِعَ الشمس مرکب اضافی ظرف مکانی ہے۔ بَلَغَ کا مراد ہے مشرقی علاقہ۔ یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ وَجَدَ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق اس کا فاعل ذُوالقرنین کی پوشیدہ ضمیر ھُوَ۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع الشمس ہے منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے وَجَدَ کا۔ اور ذوالحال ہے اگلی عبارت کا تَطْلُعُ باب نَصَرَ مضارع معروف بمعنی حال اس کا فاعل ھی ضمیر مؤنث علٰی قَوْمٍ، علٰی جارہ فوقیت کا۔ قوم موصوف اگلی عبارت صفت لَمْ نَجْعَلْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق نَحْنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ مرجع اللہ تعالٰی لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے لَمْ نَجْعَلْ کا اس میں ھُمْ کا مرجع قوم ہے وہ معنی جمع ہے اس لیے لَھُمْ کی ضمیر جمع ہے مِنْ حرف جر زائدہ دُوْنِ اسم مفرد جامد۔ اس کے آٹھ معنی ہیں (۱) علاوہ (۲) مقابل (۳) سوائے (۴) بغیر (۵) قریب (۶) حفاظت (۷) گھٹیا (۸) حد سے بڑھنا تجاوز کرنا۔ یہاں مراد ہے مقابل (سامنے) نحات کے اس کے تلفظ میں چار قول ہیں (۱) یہ دَنُوٌّ سے مقلوب ہے (۲) یہ اصلیت پر ہی جامد ہے (۳) یہ ظرفیت کے لیے مستعمل ہے فَوْقَ کے مخالف یعنی نیچے کے معنی میں ہے (۴) نیز یہ معرب ہے مبنی نہیں ہے اس لیے اس پر تینوں اعراب آجاتے ہیں دُوْنٌ۔ دُوْنَ۔ دُوْنِ یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ہر اسم ہو سکتا ہے۔ ظاہر بھی ضمیر بھی معرف باللام بھی نکرہ بھی مبنی بھی معرب بھی۔ ھَا ضمیر اس کا مضاف الیہ مرجع ہے الشمس۔ سِتْرًا اسم مفرد جامد بمعنی یہاں یہ لفظ حائل مصدر ہے۔ اس کے مصدر سے تمام مشتقات صادر ہوتے یہ باب نَصَرَ میں گردان ہوتا ہے۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے لَمْ نَجْعَلْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی قَوْمٌ کی موصوف صفت مل کر مجرور اور جار مجرور مل کر متعلق ہے تَطْلُعُ کا وہ جملہ فعلیہ حالیہ خبریہ ہو کر حال ہوا ھَا ضمیر کا۔ وَجَدَ اپنے فاعل اور ھَا مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی اس جزا میں فَ لانا ممنوع ہے کیونکہ وَجَدَ فعل ماضی بغیر قَدْ ہے۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہ شرط و جزا نہیں لیکن جو کہتے ہیں یہ شرط و جزا نہیں وہ کہتے ہیں چونکہ تطلع میں اسی طرح شک ہے جس طرح تَغْرُبُ فِیْ عَیْنٍ حَمِئَۃٍ کے سابقہ جملہ میں اور جہاں شک ہو وہاں شرطیت ہوتی ہے۔ اور جنہوں نے اس کو شرط و جزا نہیں مانا وہ اِذَا حسب سابق ظرفیہ مانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہاں تو قطعًا کسی قسم کا شک نہیں۔ لیکن پہلے جملے مَغْرِبَ الشَّمْسِ میں شرط و جزا والا شک نہیں وہ اگر مگر والا دونوں میں شک ہوتا ہے۔ جب کہ اس جملے میں آنکھ کے دھوکے کا شک ہے بہرکیف ظرفیت کا قول زیادہ مضبوط ہے وَاللہُ اَعْلَمُ۔ کَذٰلِکَ۔ اسم اشارہ بعیدی واحد مذکر کے لیے یہ چار حرفوں کا مجموعہ ہے (۱) کَ حرف تشبیہ (۲) ذَا اسم اشارہ (۳) لِ حرف بعیدی (۴) کَ ضمیر مخاطبہ اب یہ سب جڑ کر ایک اسم اشارہ کہلاتا ہے لیکن چار حرفوں کا معنی اس میں شامل ہے یعنی اے مخاطب وہ اسی طرح، ترجمہ اُلٹا ہو گا۔ اب استعمال صرف چار

صیغوں کے لیے ہوتا ہے ۱۔ واحد مذکر کیلیے کَذٰلِكَ ۲۔ واحد مؤنث کے لیے کَذٰلِكِ ۳۔ جمع مذکر کیلئے کَذٰلِکُمْ
۴۔ جمع مؤنث کیلئے کَذٰلِکُنَّ یہ الفاظ مبہمات میں سے ہے اس لیے مبنی ہے یہاں اس کی نحوی ترکیب میں چھ قول ہیں اول
یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ دراصل ہے۔ وَاَمْرُہٗ کَذٰلِكَ ۔ یعنی ذوالقرنین کا پورا قانون اسی طرح ہے۔ دوم یہ
مصدر محذوف کی صفت ہے۔ یعنی ذوالقرنین نے پایا سورج کو قوم پر۔ اس طرح پانا۔ یا طلوع ہوا اس طرح طلوع ہونا
سوم۔ یہ صفت ہے نَجْعَلْ کے مفعول مطلق جعلاً مصدر کی یعنی نہ بنایا ہم نے سورج کو آڑ بنانا اس طرح چہارم یہ صفت
ہے سِتْرًا یعنی آڑ اس طرح۔ (ایسی آڑ) پہلی ترکیب میں کَذٰلِكَ مرفوع ہے باقی ان تین ترکیبوں میں منصوب ہے
پنجم یہ کَذٰلِكَ صفت ہے قَوْمٍ کی۔ ترجمہ ہے کہ علاقۂ مغرب میں ایسی ہی کافر قوم پائی جس طرح کہ علاقۂ مطلع الشمس
میں اسی ترکیب میں یہ مجرور ہے ششم۔ یہ بَلَغَ کا جار مجرور بیان ہے۔ یعنی پہنچے اسی طرح جس طرح پہلے پہنچے
مگر پہلی ترکیب زیادہ درست ہے۔ وَقَدْ اَحَطْنَا ۔ واؤ ہے جملہ قَدْ اَحَطْنَا باب افعال کا ماضی قریب جمع
متکلم۔ اس کا مصدر ہے اِحَاطَۃٌ مادہ ہے حَیْطٌ بمعنی گھیرنا یہ دراصل تھا اَحْیَطْنَا ۔ مصدر ہے اِحْیَاطٌ
ی پر فتحہ ثقیل ہوا ما قبل حرف صحیح کے سکون کی وجہ سے۔ فتحہ منتقل کیا گیا ما قبل کی طرف اب دو ساکن جمع ہوئے
۱۔ ی ۲۔ ط۔ ی کو گرا دیا یہی تعلیل اس کے مصدر میں ہوئی بِمَا۔ جار مجرور موصول لَدَیْہِ مرکب اضافی صلہ ہے سب
مل کر متعلق ہے قَدْ اَحَطْنَا ۔ کا خُبْرًا۔ اسم حاصل مصدر مفعول فیہ ہے قَدْ اَحَطْنَا کا یہ سب جملہ
فعلیہ ہے ثُمَّ بمعنی ف تعقیبیہ ابتدائیہ، عاطفہ نہیں ہے اَتْبَعَ فعل سَبَبًا اس کا مفعول معہ سب مل کر جملہ
فعلیہ ہو گیا۔ حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا ۔
قَالُوْا یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ
خَرْجًا عَلٰۤی اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَبَیْنَهُمْ سَدًّا ۔
حتّٰی۔ حرف عطف مگر ابتدائیہ ثُمَّ کے معنی میں اِذَا ظرفیہ زمانیہ بَلَغَ فعل با فاعل ھُوَ پوشیدہ مرجع ذوالقرنین۔ بَیْنَ
اسم ظرف مکانی۔ السَّدَّیْنِ۔ الف لام عہدی۔ سَدَّیْنِ۔ اسم تثنیہ اس کا واحد ہے سَدٌّ بمعنی روک۔ سِتْرٌ اور سَدٌّ میں چھ
طرح فرق ہے ۱۔ سِتْرٌ آنکھ کے لیے پردہ سَدٌّ پورے جسم کے لیے پردہ ۲۔ سِتْرٌ کپڑے کی آڑ سَدٌّ کسی ٹھوس
چیز دیوار۔ پہاڑ وغیرہ کی آڑ ۳۔ سِتْرٌ عارضی آڑ سَدٌّ مستقل آڑ ۴۔ سِتْرٌ موسمی آڑ سَدٌّ دائمی آڑ ۵۔ سِتْرٌ غیر ضروری
آڑ سَدٌّ ضروری آڑ ۶۔ سِتْرٌ پردہ سَدٌّ حد بندی یہاں دونوں لفظوں سے پہلے معنی مراد ہیں تثنیہ کا معنی ہے
دو رکاوٹیں دائیں بائیں بیچ میں خلا اور دروازہ وغیرہ یہ مرکب ظرف ہے۔ بَلَغَ کا وَجَدَ فعل با فاعل مِنْ جارہ تبعیضیہ یعنی
کچھ تھوڑی یا بیانیہ ہے دُوْنَ اسم مفرد جامد۔ یہاں معنی ہے قریب ھِمَا ضمیر تثنیہ کا اعراب کسرہ مرجع سدین ہے یہ
مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق ہے قَوْمًا موصوف لَا یَكَادُوْنَ۔ فعل مضارع منفی معروف جمع مذکر غائب

کودُ سے مشتق ہے یہ افعالِ مقاربہ سے ہے افعال مقاربہ کل چھ عدد ہیں اور معناً اُن کی تین قسمیں ہیں (۱) امید کی قربت اس کے لیے صرف ایک فعل عَسٰی آتا ہے (۲) ابتدا اور آغاز کے معنیٰ میں اس کے لیے صرف طَفِقَ، جَعَلَ، کَرُبَ آتے ہیں (۳) حصول کے لیے۔ ایک فعل کَادَ۔ ہے اَوْشَکَ حصول اور امید دونوں معنیٰ میں مشترک ہے۔ کَادَ فعل متصرف ہے اس کے تمام مشتقات اسمی و فعلی ہوتے ہیں، قرآن مجید کی مختلف چوبیس ۲۴ آیت میں کَادَ کے صیغے آئے ہیں ھُمْ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل اگلا جملہ اس فعل مقاربہ کے بعد ہمیشہ مضارع اَنْ کے بغیر ہوتا ہے۔ یَفْقَهُوْنَ۔ فعل مضارع ھُمْ پوشیدہ فاعل مرجع قوم ہے عربی میں سمجھنے کے لیے تین لفظ مرادف ہیں (۱) فہم (۲) درایۃ (۳) فقہ مگر تینوں میں فرق یہ ہے کہ لغت اور زبان کو جاننا فہم ہے لیکن عقل اور سمجھ داری سے جاننا فقہ اور اپنی سوچ و فکر سے جان لینا درایۃ ہے قَوْلًا اسم مصدر حالِ مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مقاربہ کی وہ فعل اپنے فاعل اور خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قومًا کی یہ مرکب توصیفی مفعولا بہ ہے وَجَدَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر بیان سے اِذَا بَلَغَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوا قَالُوْا فعل فاعل مل کر جملہ قول ہوا یَا حرف ندا ذَا الْقَرْنَیْنِ اس کا منادی یہ کلا پورا کلام اس کا بیان ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ یَاْجُوْجَ اسم معرفہ حقیقی واؤ عاطفہ مَاْجُوْجَ اسم معرفہ جنسی یہ دونوں لفظ غیر منصرف ہیں علم و عجمی ہونے کی وجہ سے یہ دو قوموں کے قومی نام ہیں یا ہمزہ کے ساتھ یَاجُوْجَ مَاجُوْجَ کا تفصیلی بیان تفسیر عالمانہ میں ہوگا۔ انشاء اللہ یہ دونوں لفظ یا ہمزہ بھی پڑھے گئے ہیں جھٹکے سے یعنی یَأْجُوْجَ مَأْجُوْجَ یہ دونوں حلف اسم ہے اِنَّ کا مُفْسِدُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع یاجوج ماجوج فِی الْاَرْضِ یعنی زمین یہ جار مجرور متعلق ہے مُفْسِدُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ ھَلْ حرف استفہام (سوالیہ) نَجْعَلُ۔ باب فتح کا مضارع معروف جمع متکلم فاعل وہ قوم والے ہیں جَعْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مہیا کرنا، ادا کرنا، لَكَ۔ لام جارہ۔ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مراد ہے ذُو القرنین۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نَجْعَلُ کا خَرْجًا۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ خرچہ مال و دولت اخراجات اسی سے ہے خراج بمعنیٰ ٹیکس، خرچ اور خراج میں دو طرح فرق ہے (۱) جو خوشی سے دیا جائے وہ خرچ ہے جس کا دینا واجب ہو وہ خراج ہے (۲) خرچ افراد پر ہوتا ہے خراج زمینی پیداوار پر (۳) خرچ ہنگامی بوقت ضرورت چندہ مفعول بہ عَلٰی جارّہ اَنْ حرف ناصبہ تَجْعَلَ۔ فعل مضارع واحد مذکر حاضر بَیْنَ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ یعنی ہمارے درمیان یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ بَیْنَهُمْ یعنی ان کے درمیان یہ مرکب اضافی معطوف ہوا دونوں مل کر تَجْعَلَ کا ظرف مکانی ہوا سَدًّا، اسم مفرد جامد، مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا عَلٰی سے۔ جار مجرور متعلق دوم ہے نَجْعَلُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں عطف مل کر بیان ہوا حرف ندا کا ندا اپنے منادیٰ اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا قَالُوْا کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ

مِّنۡ دُوۡنِہَا سِتۡرًا ۔ کَذٰلِکَ ؕ وَ قَدۡ اَحَطۡنَا بِمَا لَدَیۡہِ خُبۡرًا ۔ ثُمَّ اَتۡبَعَ سَبَبًا ۔

یہاں تک کی آیت میں چار باتیں ذکر ہوئیں ۱۔ ذوالقرنین نے ہی یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے سدِ سکندری تعمیر فرمائی جو ابھی تک مکمل قائم ہے بعض مفسرین نے اسی کو دیوارِ چین سمجھا ہے مگر یہ دیوارِ چین نہیں دیوارِ چین اس کے کئی سو سال بعد ۲۱۴ سال قبل مسیح چین کے بادشاہ ہوانگ ٹی نے اپنے باغی قبیلوں کے حملوں کو روکنے کے لیے پندرہ سو میل لمبی بنوائی مگر ٹوٹ پھوٹ چکی ہے وہ پتھروں سے بنائی گئی تھی اب کچھ کھنڈرات اس کے ملتے ہیں یورپ کے بد دیانت مورخین نے اسلام دشمنی میں قرآنِ مجید کی بیان کردہ سدِ سکندری کا ذکر تک نہیں کیا اور اپنے سکندرِ اعظم کی طرف اسی دیوارِ چین کو منسوب کرتے ہوئے اسی کو سدِ سکندری کہا ہے یہ ان کا مذہبی تعصب اور تاریخ سے خیانت ہے لیکن یہ ایک سچی نشاندہی ہے اگر کوئی طرح طرح کی مخالفانہ باتیں اور اٹکل پچو مارتا پھرے تو اس کا کوئی علاج نہیں ۲۔ وہ ایک سچا نیک اور عادل بادشاہ تھا اور ادوارِ عالم کے شہنشاہی ظلم و ستم تشدد و تباہ کاری سے نفرت کرنے والا تھا اُس کے دورِ حکومت میں اچھے لوگوں کے لیے سکون و راحت تھی ان کو کوئی ڈر خطرہ نہیں تھا لیکن بدمعاش بدخصلت کمینہ ظالم اور تخریب کار لوگوں کے لیے اس کا قانون قہر تھا ۳۔ وہ خود بھی عابد زاہد نیک متقی خدا پرست آخرت پر ایمان والا تھا غیر مسلم مورخین نے قرآن پاک کے اس بیان کردہ واقع کی مخالفت میں کئی قسم کے سکندر بنا ڈالے مگر نیکی و امن و محبت کے یہ نشانات وہ اپنے سکندروں میں ثابت نہ کر سکے ان سکندروں کی بادشاہی زندگی ظلم و ستم کفر و شرک قتل و غارت تباہ کاری اور بدمعاشیوں سے بھری پڑی ہے یہی وجہ ہے کہ ان ظالم بادشاہوں کی کسی فتوحات کا نام و نشان بھی باقی نہیں ہے کیونکہ ظالم شخص کبھی تعمیری کام نہیں کر سکتا ۴۔ وہ دیگر بادشاہوں کی طرح نفس پرست لالچی حریص دولت کی لوٹ کھسوٹ کرنے والا بھی نہ تھا۔ جیسا کہ عَلٰۤی اَنۡ تَجۡعَلَ بَیۡنَنَا (الخ) کی آیت سے اُس کے خصائلِ حمیدہ کی نشاندہی کی جا رہی ہے یہی وہی سکندر ہے جس کے متعلق حقیقی شواہد جاننے کے لیے امتحاناً یہودیوں نے بالواسطہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا کیونکہ جس شخصیت میں نیکی کے یہ خصائل جمع ہوں وہ ہی انبیاء علیہم السلام کی بشارتوں اور کتبِ الٰہیہ کے تذکروں میں آسکتا ہے اور ایسی عاداتِ پاکیزہ کا حامل قوموں کا نجات دہندہ ہو سکتا ہے۔ اسی سکندر کی یہ خصوصی شان ہے کہ اس کی پوری حدود و سلطنت میں کبھی کسی طرف سے بغاوت نہیں ہوئی بلکہ بعض فتوحات میں عوام شہریوں کو پتہ بھی نہ چلتا تھا کہ اُن کے شہر پر حملہ ہوا ہے اور حکومت بدل چکی ہے یہی اِنَّا مَکَّنَّا لَہٗ ۔ کی تربیتِ خداوندی کی شان ہے جب ذوالقرنین اپنی مغربی فتوحات سے فارغ ہوئے تو اپنے دارالسلطنت ہمدان سے ہو کر دوسری مہم کے لیے مشرق کی جانب چلے حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطۡلِعَ الشَّمۡسِ (الخ) یہاں تک کہ طلوعِ آفتاب کی سرحدِ زمینی تک پہنچ گئے وہاں بھی ایک قوم ملی یہ ایران کا انتہائی مشرقی علاقہ ہے خیال رہے کہ سکندر کے اس تین سفری بارہ سالہ مہماتی علاقوں

میں سیکڑوں قوموں اور لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا مگر قرآن کریم نے صرف چار اہم قوموں کا ذکر فرمایا کیونکہ ان ہی کے نشانات و کھنڈرات تا قیامت موجود ہیں جو صداقت قرآنی پر دال ہیں (۱) مغربی قوم ایجا کوس (۲) مشرقی خانہ بدوش رنجی قبیلوں کی قوم ان کے نام ملخ۔ لمران۔ گدریا۔ سندھو رتیا۔ (۳) تیسری قوم شمال میں قوم ترک اور تاریخ روم یافث بن نوح کی اولاد سے ان کا نام (۱) کاسپین۔ کو عمل شا کر ان شی یہ وہیں ریگستان میں رہنے والی نہ گھر نہ لباس انسانی ریگستانی غاروں میں رہنے والے بحر خزر کے قریب بجز سکندر کے کوئی ان کی زبان نہ جان سکا سکندر ذوالقرنین کو رب تعالیٰ نے تمام قوموں کی زبانیں پہلے ہی اپنی ممکنا لد والی ترتیب میں سکھا دیں یہ خداداد قوت و کرامت تھی (۴) ہیں پہاڑوں کے پیچھے یاجوج ماجوج قوم تھی یہ بھی یافث بن نوح کی اولاد ہے ان سے ملاقات نہیں ہوئی پہلی تین قوموں مغربی مشرقی شمالی سے ملاقات ہوئی۔ مشرقی قوم کے پاس پہنچ کر سکندر نے دیکھا کہ یہاں سورج سے کوئی آڑ نہیں نہ سایہ نہ درخت نہ گھر نہ خیمہ نہ پورا لباس جنگلی لوگ نرم ریتلی کمزور ناقابل عمارت زمین بلوں میں چھپکر گزارہ کرنے والے آفتاب کی بلندی کے وقت چھپ جاتے ڈھلنے پر نکلتے اور شکار سے خوراک و لباس حاصل کرتے۔ کَذٰلِكَ۔ ذوالقرنین کا سلوک و معاملہ ان کے ساتھ ویسا ہی ہوا جیسا مغربی قوم کے ساتھ مذکور ہوا۔ یا تمام واقعات و کیفیات اس جگہ کی ایسی ہی ہیں بے شک جا کر دیکھ لو۔ وَقَدْ اَحَطْنَا۔ اور سکندر کی تمام لشکری قوت و صلاحیت تو ہماری نگاہ میں تھی ہی یعنی اس کی عظیم دولت لشکر قوت سیاست حکمت علم و عقل کو رب تعالیٰ کے سوا کوئی عام انسان نہیں جان سکتا ان دونوں مغربی اور مشرقی سمتوں کی تمام فتوحات کے بعد ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا۔ پھر جانب شمال سفر فرمایا۔ حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ بَيْنَ السَّدَّيْنِ وَجَدَ مِنْ دُوْنِهِمَا قَوْمًا لَّا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ قَوْلًا۔ قَالُوْا يٰذَا الْقَرْنَيْنِ اِنَّ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ۔ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمْ سَدًّا۔

یہاں تک کہ اپنے دار الخلافہ علاقہ ایران کے شہر ہمدان سے جانب شمال دو ایسے پہاڑی سلسلے کے پاس راستے کا تمام علاقہ فتح کرتے ہوئے پہنچے یہاں ایک طرف آرمینیہ کا پہاڑ ہے دوسری طرف آذربیجان، ان کے درمیان بہت دراز کھلا راستہ ہے جس کے پار جنگلات اور بے آباد گنجان علاقہ ہے اس راستے کو دونوں پہاڑوں میں تقسیم کیا تو سدین کہا گیا ان دونوں پہاڑوں کے پاس ایک بہت بڑی قوم کو آباد پایا۔ وہ قوم سکندر اور ان کے لشکر کی زبان نہ جانتی تھی لیکن سکندر اُن کی زبان جانتے تھے یا معنیٰ یہ ہے کہ وہ عقل اور سمجھ داری نہیں رکھتی تھی انہوں نے اپنی زبان میں اس زبردست ساز و سامان و لشکر والے بادشاہ کو اپنا مشکل کشا سمجھ کر التجا کی کہ اے ذوالقرنین بے شک پہاڑوں کے اُس پار سے ایک بہت زبردست قد آور وحشی قوم یاجوج اور ماجوج اپنے بڑے گروہ اور افراد کے ساتھ ہماری اس سرزمین میں آکر لوٹ مار قتل و غارت کا فساد مچا دیتے ہیں۔ تو کیا آپ ہم پر یہ مہربانی کر سکتے ہیں کہ اس پہاڑی درے

کہ جو اُن کے اور ہمارے درمیان ہے ایک مکمل اور مضبوط سد یعنی رکاوٹ والی دیوار بنا دیں تاکہ کبھی بھی اُن لوگوں کو اس طرف آنے کا قطعاً کوئی راستہ نہ ملے اور اس کے لیے جو کچھ ساز و سامان اینٹ پتھر اور ہمارا ذاتی سامان مال و دولت جو بھی جس شکل میں ہے وہ ہم سب کچھ آپ کو دے دیں گے اس مظلوم قوم کا نام اور پر گزرا۔ ظالم قوم کا نام یاجوج ماجوج یافث بن نوح کی اولاد سے پانچ قومیں پیدا ہوئیں ر۱ ترک اس کو اس لیے کہا گیا کہ یہ پہلے یاجوج ماجوج کے ساتھ ہی رہائشی تھے پھر رہائش ترک کر کے مہذب دنیا میں آگئے ر۲ بربر ر۳ صقالیہ ر۴ یاجوج ر۵ ماجوج یاجوج بہت دراز قد اور ماجوج عام اُس وقت کے انسانی قد کے برابر ان کے متعلق اور بہت سی افسانوی باتیں مشہور ہیں کہ ان کے کان بہت بڑے ایک کو گدیلا دوسرے کو لحاف بنا کر سو جاتے ہیں وغیرہ وغیرہ مگر یہ سب لغویات ہیں یہ لوگ موسم بہار میں اس طرف نکلتے تھے اور سامان کے علاوہ جو ہاتھ لگتا انسان و حیوان وغیرہ کو بھی اُٹھا کر لے جاتے تھے یاجوج ماجوج یافث کے دو بیٹوں کا نام ہے۔ طوفان نوحی کے بعد تمام دنیا میں تاقیامت نوح علیہ السّلام کے تین بیٹوں کی اولاد ہے ر۱ سام کی اولاد عرب و عجم۔ روم ر۲ حام بن نوح کی اولاد۔ حبشہ۔ زنج۔ نوبہ ر۳ یافث بن نوح کی اولاد ترک۔ بربر۔ صقالیہ۔ یاجوج۔ ماجوج۔ پوری دنیا میں کل چالیس ہزار قومیں ہوئی ہیں۔ ان کی عددی تقسیم اس طرح ہے کہ ۳۹ ہزار قوموں کی تعداد ایک طرف اور ان تمام کے برابر یاجوج ماجوج کی تعداد ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نہ ان میں کوئی مرتا ہے نہ جنگ و قتال نہ چوری ڈکیتی نہ گھریلو مار کٹائی بعض نے فرمایا کہ ہر ایک شخص کے ایک ہزار اولاد ہو جاتی ہے تو والد کو موت آتی ہے۔ ماجوج کا قد ساٹھ بالشت یعنی تیس فٹ دس گز کے برابر ہے اور یاجوج کا اس سے دگنا یعنی بیس گز۔ ان کی مردم شماری تعداد کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ محققین نے پوری زمین کو اس طرح تقسیم کیا ہے کہ سمندر اور زمین کے تین سو حصے ان میں خشکی کے ایک سو اسی حصے ان میں سے پینتالیس یعنی ۱۸۰/۴۵ کا چوتھائی ربع مسکون ہے مہذب انسانوں کی رہائشی دنیا۔ دس حصے پر دلدلی علاقہ تیس حصوں پر پہاڑ۔ بیس حصوں پر ریگستان و جنگلات پندرہ حصوں پر آتش فشانی علاقہ بقیہ پچاس حصوں پر یاجوج ماجوج ہیں کل ایک سو اسی پوری زمین کا چکر پیدل انسان کا پانچ سو سال فاصلہ ہے۔ قرآن مجید میں صرف دو جگہ یاجوج ماجوج کا ذکر آیا ہے ایک یہاں ان کی حرکتوں بد تہذیبوں اور سدِ سکندری کے ذریعے ان کو تاقیامت ان کے اپنے علاقہ میں نظر بند کرنے کا تذکرہ ہوا۔ دوسری جگہ سورۂ انبیاء آیت ر ۹۶ حَتّٰۤی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ یَّنْسِلُوْنَ اس آیت میں اس قوم کے قریب قیامت کھلنے باہر نکلنے اور کثرت تعداد کا ذکر ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ قانون نافذ کرنے والے حکام کو شرعاً جائز ہے کہ فسادی لوگوں اور فساد پھیلانے والوں کو غیر معینہ مدت تک کے لیے بے شکل جیل یا بشکل

گھریلو نظر بند کر دے تاکہ فساد بند ہو۔ یہ فائدہ بَیْنَهُمْ سَدًّا (الخ) کی پوری آیت کے ارشاد سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ دنیوی ساز و سامان کے ساتھ علم و عقل کی دولت بھی بہت ضروری اور اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتِ عظیم ہے یہ فائدہ بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس علم و حکمت کا نام ہی سیاست ہے۔ **تیسرا فائدہ** بادشاہ اور حاکم یا سپہ سالار پر واجب اسلامی ہے کہ وہ اپنے مفتوحہ علاقہ کو رعایہ کے لیے پُر امن بنائے اور ظاہری ظلم و فساد کے سدِّباب کے لیے وہ حاکم وغیرہ ہر طرح کے اخراجات کے لیے شرعاً با اختیار ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ سرمایہ دار اور دولت مند رعایہ پر واجب ہے کہ وہ ملکی سلامتی کے لیے اپنی دولت و سرمائے سے بادشاہِ وقت کا ہاتھ بٹائیں اور ہر طرح مالی تعاون کریں یہ مسئلہ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** اگرچہ کسی مفتوحہ علاقہ سے بادشاہِ اسلام کو کوئی مالی منفعت یا حصول نہ ہو پھر بھی اپنے شاہی خزانے سے اس علاقہ میں خرچ کرنا بادشاہ پر واجب ہے ورنہ فتح کر کے قبضے میں لینا ناجائز ہوگا۔ دینِ اسلام نے صرف مالِ غنیمت لوٹنے کی ہی اجازت نہیں دی خرچ کرنا بھی واجب قرار دیا ہے یہ مسئلہ عَلَىٰ أَنْ تَجْعَلَ بَيْنَنَا۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**، کام دینی ہو یا دنیوی ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ظاہری مال و دولت اسباب و سامان اپنے ساتھ رکھے اور بوقتِ ضرورت علم و حکمت و سیاست کے ساتھ اس کو خوب کثرت سے خرچ اور استعمال کرے کسی قسم کی کنجوسی و تنگ نظری نہ دکھائے یہ مسئلہ بِمَا لَدَيْهِ خُبْرًا۔ کے بیان سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**، یہاں شانِ نزول میں ہے کہ جب کفارِ مکہ نے ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا کہ وہ کونسا نبی ہے جو توریت میں ایک ہی دفعہ مذکور ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اُن سے پوچھا کہ اس کا نام بتاؤ کفارِ مکہ نے کہا کہ اُس کا نام ذوالقرنین ہے تب نبی کریم نے فرمایا کہ اس کے حالات وحی کے آنے سے بتاؤں گا جب وحی آئی تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مذکورہ فی القرآن حالات بتائے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم **غیب** نہیں جانتے اگر غیب جانتے ہوتے تو کفارِ مکہ سے ذوالقرنین کا نام کیوں پوچھتے اور اُن کے حالات بتانے میں وحی کا انتظار کیوں فرماتے (دیوبندی وہابی) **جواب**، ان تمام باتوں سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ اوّلاً اس لیے کہ کفارِ مکہ نے ذوالقرنین کا نام نہیں پوچھا تھا بلکہ صرف حالات اور سفری فتوحات کا سوال تھا اور سوال کے الفاظ اس طرح تھے کہ اُس نبی کے حالات بتائیے جس کا ذکر توریت میں فقط ایک ہی جگہ آیا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ وہ عند اللہ نبی نہیں تھے لیکن یہودی اور عیسائی اپنے غلط عقیدے سے اُن کو نبی کہتے تھے اس لیے اشارۃً یہ سمجھانے کے لیے کہ ایسا نبی تو کوئی نہیں ہے لہٰذا تم ہی بتاؤ جس کو تم اپنے

مونہوں سے نبی کہہ رہے ہیں وہ کون ہے۔ نبی کریم نے ان ہی سے پوچھا اگر یہ نہ پوچھتے اور وحی کی آیتیں اترتیں تو یہ بات صاف نہ ہوتی دوم اس لیے کہ کفارِ مکہ اور یہودی عیسائی نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کی بھی منکر تھے۔ اس لیے یہ حالات خود نہ بتائے بذریعہ قرآن مجید بتائے تاکہ دونوں کی حقانیت ثابت ہو جائے اور وہ واقعات بتائے جو توریت میں بھی نہ تھے لیکن وہاں آج بھی نشانات موجود ہیں جن کا ذکر فرمایا گیا چونکہ سوال نبوی علم غیب کے متعلق نہ تھا اس لیے نبی کریم نے اپنی معلومات سے کچھ جواب نہ دیا۔ اور اگر علم غیب کا ہی امتحان مقصود تھا تو ان کے لیے تو یہ آیت غیب کا ہی درجہ رکھتی تھیں۔ کیونکہ جبرئیل کو تو کوئی نہیں دیکھتا تھا۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا کہ حضرت ذوالقرنین نے اتنا دراز سفر فرمایا کہ مطلعِ شمس تک پہنچ گئے جس سے ثابت کیا جا رہا ہے کہ مطلع الشمس یعنی طلوعِ آفتاب بہت دور ہے حالانکہ سب مانتے ہیں کہ زمین گول ہے اور گول ہونے کی وجہ سے زمین کا ہر ایک مطلع الشمس ہے اس لیے ہر شہر ہر ملک ہر جگہ ہر علاقے کا مطلع الشمس علیحدہ ہے وقت کے اعتبار سے بھی اور جگہ کے اعتبار سے بھی یہی اعتراض مغرب الشمس پر بھی پڑتا ہے **جواب** دراصل مغرب اور مشرق علاقہ کی سرحد کا نام ہے۔ یہاں خشک زمین کی حد بندی کا ذکر ہے یعنی وہ مطلع اور مغرب جہاں زمین بری و رہائشی کا آخری کنارہ ہے جس کے آگے پھر کوئی خشک مطلع نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ پہلے فرمایا کہ یہ تیسری قوم کچھ سمجھتی ہی نہ تھی پھر ساتھ فرمایا گیا قَالُوْا یعنی وہ سب ذوالقرنین اور قوم کے لوگ آپس میں بات چیت کرنے لگے نیز ان لوگوں نے اس بادشاہ کا نام کیسے جان لیا۔ **جواب** اس کے تین طرح جواب دیے گئے اوّلاً یہ کہ مترجم کے ذریعہ بات ہوئی دوم یہ کہ اشاروں سے بات ہوئی۔ سوم یہ کہ حضرت ذوالقرنین ان کی بات سمجھتے تھے اس لیے ان کی ہی زبان میں گفتگو ہوئی اور نام بھی خود آپ نے بتایا بعض نے کہا کہ لَا یَفْقَهُوْنَ سے مراد زبان دانی نہیں بلکہ ان کی بے عقلی اور جہالت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

حَتّٰۤی اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ وَجَدَهَا تَطْلُعُ عَلٰی قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَلْ لَّهُمْ مِّنْ دُوْنِهَا سِتْرًا ۙ كَذٰلِكَ ؕ وَقَدْ اَحَطْنَا بِمَا لَدَیْهِ خُبْرًا ۔

یہاں تک کہ جب قوتِ سرمدی، عالمِ ارواحِ بیرانی کے کنارۂ انتہا تک پہنچتا ہے جہاں نفسِ انسانیت کا مطلعِ شمس ناطقہ ہے وہ شمسِ نفسِ ناطقہ اعضاءِ باطنی کی ایسی قوم پر طلوع ہوتا ہے جو علائقِ جسمانیہ اور عوائقِ حسدیہ سے مجرد اور خالی ہیں نہ شریعت کے پردے نہ طریقت کی چار دیواری ویسے ہی آوارہ و ناکارہ بے عمل و بادو پا نیکی وجہ اپنے بندۂ ارشاد و ہدایت کی قوتوں ہمتوں حیرتوں کے تمام حال و احوال کیفیات و مضمرات سے فقط ہم ہی واقف و خبر رکھنے والے ہیں اس لیے کہ ہم ہی یہ تمام سعادتیں بخشنے والے ہیں جو مومنوں کے قلوب پر نازل ہو کر ان کو سکون بخشنے والا اور اطمینانی قوت پہنچانے والا ہوتا ہے۔ یہ عالمِ خفی کے تمام انتظام و اہتمام اس لیے ہوتے ہیں تاکہ ان مسافرانِ راہِ طلب کے موجودہ ایمان میں اضافہ ہو۔ اور یہی ایمان اپنے اس وصفِ خاص کے مطابق دیگر تمام قسم کے ایمانی درجوں پر حاوی اور غالب ہوتا ہے۔ جس طرح عاشقِ صادق اپنے محبوب و مطلوب

کی ہر ہر بات کو تسلیم کرنے میں لذت اور سکون محسوس کرتا ہے بلکہ شکر کرتا ہے کہ محبوب نے کسی بھی نوعیت کی توجہ فرمائی اسی طرح دعوتِ حق تعالیٰ کو مومنِ صادق و کاملِ بدل و جان قبول و تسلیم کرتا ہے وہ مجاہدہ عبادت اور مراقبہ مشقت کو غذاو لذیذ سمجھتا ہے لیکن دوسروں کے لیے یہی دعوتِ حق زحمت و کلفت ہوتی ہے۔ اس لیے کہ ان کے پاس کوئی پردۂ حمیت اور حجابِ غیرت نہیں ہوتا۔ جب رب تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ اُس کی سرکشی کی بنا پر برائی کا ارادہ فرماتا ہے تو اس پر عملِ صالحہ کا دروازہ بند کر دیتا ہے اور وہ بے پردہ وادیِ مَطْلِعْ میں بھٹکتا پھرتا ہے لَمْ نَجْعَلْ لَهُمْ مِنْ دُونِهَا سِتْرًا میں ایسے ہی بدنصیبوں کا ذکر ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے لیے شقیوں کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اور عمرِ حیات برباد ہوتی رہتی ہے ثُمَّ اَتْبَعَ سَبَبًا حَتّٰی اِذَا بَلَغَ بَیْنَ السَّدَّیْنِ وَجَدَ مِنْ دُونِهِمَا قَوْمًا لَا یَكَادُوْنَ یَفْقَهُوْنَ قَوْلًا۔ بدنِ انسانی کی ان شقیں غفلتوں کو فتوحاتِ غالبیہ کے بعد مرشدِ کامل کا دستِ ہدایت اپنے اُن ہی اسبابِ نظر و فکر رشد و ہدایت کے ساتھ سفر ایجاد فرماتا ہے، یہاں تک کہ وادی ظلم و ستم کفر و شرک کے دو دروں کے درمیان جہاں حلت و حرمت جائز و ناجائز نیک و بد کے درمیان کوئی تفریق تمیز نہیں، خناس و خمیرِ جہالت کے درمیان راہ رسم کے فراخ راستے کھلے ہیں۔ ضمیرِ روشن کے متاعِ عمل کو لوٹنے کے لیے خناسِ لعین کے ظلم غارت گری تا تمام اور جاری رہی عالمِ تعیش اور وادیِ تمدن کو حصار جولانی کے اس علاقۂ وارداتِ قوام بدن کی گہری کھائیوں میں اور روحِ جسمانیہ کے قیام میں۔ مرکز و معاد کی اصلاح و نظام کے لیے مرشدِ منزلِ فطرت کا انتظام و قیام ہوتا ہے۔ وہاں جبلِ بسیط کی مظلوم نفسانیت افکارِ پریشان کی قوم پائی جاتی ہے۔ حیرانی بے حسی میں مبتلا و ملوث نہیں جب انسان کے جسم میں شک کی بیماریاں سرایت کر جاتی ہیں تو اس کو کسی بھی عمل سے فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ شک کے چور شبہات کے ڈاکو اندیشوں کے لٹیرے اُس کے سارے اعمالِ محنت لوٹ کر وادی سکندرین میں لے جاتے ہیں۔ لیکن اگر آدمی کا شک اُس کے نیک اعمال کو ضائع کر سکتا ہے تو یقینِ ایمانی کا سکندر اُس کے گناہوں کو بھی بیکار کر سکتا ہے ہر بندہ اپنے یقین کے مطابق ہی عمل کرے تو ترقی و مفید ہوتا ہے۔ اور کوئی بندہ عمل و فعل کرتے والا اُس وقت تک عمل میں کوتاہی و لغزش نہیں کرتا جب تک کہ اُس کے یقین میں فتور نہ آجائے یقین ہی علم و عمل کا محرکِ حقیقی ہے اس لیے یقین علم سے افضل ہے کیونکہ یہ عمل کا ذریعہ ہے اور جو ذریعۂ عمل ہے وہی خدا تعالیٰ کی بندگی کا ذریعہ بنے گا اور جو عبودیت کا سبب ہوگا وہ ربوبیتِ الٰہیہ کے حقوق بھی بجالائے گا۔ اعلیٰ حضرت نے بحوالۂ حدیثِ مقدس فرمایا کہ جو بندہ یہ جاننا چاہتا ہے کہ بارگاہِ صمدیت میں اس کی قدر کتنی ہے وہ یہ غور کرتا رہے کہ اُس کے دل میں اللہ تعالیٰ اور اُس کی شریعت طریقت احکام و قوانین فرائض و واجبات کی قدر کتنی ہے۔ اس دنیا و خیر و شر میں جب تفکراتِ اعداءِ باطنیہ و ظاہریہ سے گھبرا جاتے ہیں تو تلاشِ اطمینان کے لیے دامنِ ذوالقرنین بارگاہ میں سرِ نیاز خم کرتے ہوئے عرض کرتے ہیں۔ قَالُوْا

یٰذَا الْقَرْنَیْنِ اِنَّ یَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ مُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ فَهَلْ نَجْعَلُ لَكَ خَرْجًا عَلٰۤى اَنْ تَجْعَلَ بَیْنَنَا وَ بَیْنَهُمْ سَدًّا ۔ اَلْفَاسِ مُلْہِمَہ کی مظلوم عبادت و مجبور ریاضت قوم باطنی نے کہا اے قوت الٰہیہ کے دو خزانوں والے حاکم بااختیار بے شک یاجوج امّارہ اور ماجوج ابلیسیہ یا جوج قولی اور ماجوج طبیعت یاجوج خواہشات ماجوج لذّات، یاجوج حرص اور ماجوج ہوس ہماری زمین بشری میں فسادِ مخالفت مچانے والے ہیں ہر کام خلاف فطرت کرتے ہیں اور حواسِ جسمانیہ کو مقصدِ خلقت کے مخالف استعمال کرتے ہیں تو کیا ہم اَنفاسِ مطمئنہ و اَنفاسِ مُلہمہ ترکِ وجود اور بذلِ موجود کا تمام مال و دولت تیرے حضور پیش کر دیں اور اپنے اعمالِ خیر کو تیرے لیے خرچ بنا دیں تاکہ تو اپنے دستِ استطاعت سے ہمارے خیر اور ان کے شر کے درمیان سدِّ جبر و قہر کی دیوارِ بقاء اور پردۂ لقا بنا دے تاکہ اَنفاسِ خبائث کا غرور ٹوٹ جائے اور تکبر شیطانی ختم ہو جائے۔ جب انسان یہ سمجھنے لگے کہ وہ تمام دوسروں سے بڑا ہے تو یہ غرورِ شیطانی ہوتا ہے یہ غلط سوچ ہی اس کے لیے بابِ فساد ہے اسی راہ سے وہ فسادِ فی الارض کے لیے نکلتا ہے اور یہ عملی اظہار تکبر ذلت ہے اور جب ارادۂ فساد کیا تو عملاً تکبر کیا ہر سینۂ بشری میں تکبر و غرور کے یاجوج ماجوج کا بسیرا ہے اور آمادگی گناہ فسادِ فی الارض ہے قوتِ عقلی سکندرِ باطنی ہے۔ فرمانِ نبوی ہے کہ اگر ممکن ہو تو صبح شام اس طرح زندگی گزارو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کوئی کھوٹ نہ ہو۔ اگرچہ وہ غیر مسلم یا تمہارا ذاتی دشمن ہی ہو۔ (از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ

فرمایا جو سلطنت مجھ کو دی ہے اس روئے زمین میں میرے رب نے وہی اچھا کافی ہے پس تم فقط مجھے

کہا وہ جس پر مجھے میرے رب نے قابو دیا ہے بہتر ہے۔ تو میری مدد

بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا ۙ﴿۹۵﴾ اٰتُوْنِیْ

تعاون کرو اپنی جسمانی قوت سے تاکہ بنا دوں میں تمہارے اور ان کے بیچ دوہری تہری آڑ۔ اٹھوا لاؤ

طاقت سے کرو میں تم میں اور ان میں ایک مضبوط آڑ بنا دوں میرے پاس

زُبَرَ الْحَدِيْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ

تم میرے پاس لوہے کی سلیں یہاں تک کہ جب ذوالقرنین نے اوپر تک چن دیا برابر دونوں دروں کے درمیان

لوہے کے تختے لاؤ یہاں تک کہ وہ جب دیوار دونوں پہاڑوں کے کناروں سے برابر کر دی

قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِىْۤ

فرمایا پھونکنیاں چلاؤ، پھر جب سب کے تعاون سے بنا دیا اس بھراؤ کو مثل آگ تو فرمایا کہ لاؤ دو مجھ کو کہ

کہا دھونکو یہاں تک کہ جب اسے آگ کر دیا کہا لاؤ

اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا ؕ ﴿۹۶﴾ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ يَّظْهَرُوْهُ

انڈیلوں میں اس پر یہ پگھلا تانبہ پھر اُن یاجوج و ماجوج نے کبھی طاقت نہ پائی اسکی کہ اس بند کے اوپر غلبہ کرتے

اس پر گلا ہوا تانبہ انڈیل دوں۔ تو یاجوج و ماجوج اس پر نہ چڑھ سکے اور

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ﴿۹۷﴾ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ

اوپر چڑھتے اور نہ ہمت پائی اس میں سوراخ کرنے کی۔ فرمایا انہوں نے یہ سب کچھ رحمت ہے میرے

نہ اس میں سوراخ کر سکے۔ کہا یہ میرے رب کی رحمت ہے

رَّبِّىْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّىْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَكَانَ

رب تعالیٰ کی طرف سے تو جب آئے گا میرے رب کا آخری وعدہ خود رب ہی بنا دے گا اس بند کو ٹکڑے ٹکڑے اور ہو گا

پھر جب میرے رب کا وعدہ آئے گا اسے پاش پاش کر دے گا، اور میرے

وَعْدُ رَبِّىْ حَقًّا ؕ ﴿۹۸﴾

گا میرے رب کریم کا وعدہ سچا۔

رب کا وعدہ سچا ہے۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت ذوالقرنین کی اس گفتگو کا ذکر ہوا جو دیوار بنانے کے بارے میں علاقہ مغرب کے شرفاء نے اپنے حالِ زار اور مظلومیت بیان کرتے ہوئے کچھ مال کی پیشکش اور فریاد کی اب ان آیات میں حضرت ذوالقرنین کی جوابی گفتگو کا ذکر ہے کہ آپ نے مالی پیشکش کو منع کرتے ہوئے جسمانی وجانی قوت کا تعاون طلب فرمایا۔ اور فرمایا کہ مالی اعتبار سے مجھ کو میرے رب نے بہت قوت وقدرت عطا فرمائی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں یاجوج ماجوج کو روکنے کے لیے ایک رکاوٹ بنانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں اس کو بنانے کا طریقہ اور اس کی بناوٹ اور سامان کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس سے اس سدِ سکندری کی مضبوطی اور حضرت سکندر ذوالقرنین کی خدا داد ذہانت کا پتہ چلتا ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں قوم یاجوج وماجوج کے ظلم وسرکشی کا تذکرہ ہوا اب ان آیات میں ان کے بے بس قیدی ہو جانے کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی

قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي خَيْرٌ فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجْعَلْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ رَدْمًا۔ آتُونِي زُبَرَ الْحَدِيدِ حَتَّىٰ إِذَا سَاوَىٰ بَيْنَ الصَّدَفَيْنِ قَالَ انفُخُوا۔

قَالَ فعل اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع مراد ذوالقرنین ہیں، یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا اسم موصول ترجمہ وہ جو کچھ مَكَّنِّي۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب نون وقایہ۔ ی ضمیر واحد متکلم منصوب متصل۔ دراصل مَكَّنَ نِیْ تھا، دونوں کو مدغم یعنی جوڑ کر مشدد کر دیا مَكَّنَ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تمکین بمعنی مکان دینا جگہ دینا، قدرت، طاقت اختیار، سلطنت دینا۔ دولت دینا، یہاں مراد ہے سلطنت ومال دولت۔ ی ضمیر ظاہر مفعول بہ۔ فِی۔ حرف جر ظرفیہ یا بمعنی علیٰ فوقیت، ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع علاقہ سلطنت کی زمین۔ رَبِّی مرکب اضافی بمعنی میرے رب نے فاعل ہے مَكَّنَ کا مَكَّنَ اپنے فاعل مفعول فیہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مبتدا خَیْرٌ اسم مفرد جامد بمعنی کافی ہے، اچھا ہے، بہتر ہے، یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَاَعِیْنُوْنِیْ، فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنی لیس، فقط اَعِیْنُوْ۔ باب افعال کا امر حاضر جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِعَانَۃٌ اِعْیَانٌ عَیْنٌ یا عَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی مدد کرنا تعاون کرنا۔ عربی میں مدد اور تعاون کے لیے چار الفاظ ہیں عَوْنٌ غَوْثٌ۔ نَصْرٌ۔ مددٌ۔ مگر فرق یہ ہے ضرورت مند کو دینا غوث ہے بلا ضرورت اپنے اور دوسروں کے فائدے کے لیے کسی کی مدد عَوْنٌ ہے جس کو اردو میں ہاتھ بٹانا کہتے ہیں اس میں مدد لینے والے کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا یہاں یہی مقصد ہے، ضرورت کے وقت ضرورت پوری کرنا نصرت ہے اور لفظ مدد شامل ہے ہر قسم کی امداد کو۔ نون وقایہ ضمیر مفعول بہ بِ جارہ سببیہ قُوَّۃٍ اسم مفرد جامد بمعنی جسمانی قوت محنت مزدوری یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَعِیْنُوْا کا اپنے فاعل پوشیدہ ھُمْ ضمیر

اور مفعول بہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ اَجْعَلْ۔ باب فتح کا مضارع واحد متکلم مجزوم ہے کیونکہ یہاں لام کے پوشیدہ ہے دراصل ہے لِاَجْعَلَ۔ ترجمہ تاکہ بنادوں میں، بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف، کُمْ ضمیر جمع مذکر مظروف مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ بَیْنَہُمْ مرکب اضافی معطوف۔ دونوں مل کر ظرف مکانی ہوا اَجْعَلْ کا رَدْمًا اسم مفرد جامد بمعنی موٹی تہہ در تہہ، دوہری تہری یا چوہری سخت مضبوط آڑ۔ عربی میں کسی جگہ کی حد بندی کرنے کے لیے چھ الفاظ مستعمل ہیں مگر ان میں فرق ہے، ۱ مَتْنٌ، بمعنی لکیر یا بند باندھ دینا، مَتْنٌ ہے، جس سے اصل اور فرع میں فرق ہوجائے ۲ صرف دیکھنے میں رکاوٹ کرنا سَتْرٌ ہے ۳ چاروں طرف دیوار بنا کر مکمل تیہ اور آڑ کرنا حَصْنٌ ہے ۴ کپڑے کی دیوار بنانا حجابٌ ہے ۵ مضبوط دیوار بنانا سُدٌّ ہے ۶ اور خوب موٹی دوہری ناقابل شکست دیوار بنانا رَدْمٌ ہے۔ گہرے بادل اور کپڑے پر کپڑا ایک دو یا چار تہیں بنا کر موٹا کرنے کو عربی میں مَرْدُمٌ کہتے ہیں یا بہت موٹے شخص کو اسی لیے مَتْرَدِمْ کہا جاتا ہے۔ گویا کہ ڈبل سدکو ردم کہا گیا بحالت نصب مفعول بہ اَجْعَلْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب اور بیان ہوا یعنیٰ مسبب اور سبب مل کر معطوف ہوا فَاَعِیْنُوْنِیْ کا دونوں مل کر مقولہ ہو قول مقولہ جملہ قولیہ ہوگیا۔ اٰتُوْنِیْ۔ اٰتُوْ۔ باب افعال کا امر حاضر جمع مذکر اِیْتَاءٌ سے۔ بنا ہے اِیْتَاءٌ اس کا مصدر ہے، بمعنی لانا۔ نْ وقایہ یْ ضمیر واحد متکلم ترجمہ میرے لیے لاؤ، یا میرے پاس لاؤ یا اٰتُوْ کا معنی ہے دو تم یعنی مجھ کو دو پہلے معنیٰ میں متکلم نہیں مفعول لہٗ ہے دوسرے معنی میں مفعول معہ یا ظرف مکانی ہے تیسرے میں مفعول بہ زُبَرَ۔ جمع ہے زُبْرَۃٌ کا، اسم جمع مکسر، زُبْرَۃٌ کا ترجمہ ہے جمع کرنا ہاتھ سے کتاب لکھنا، حروف جمع کرنا۔ زبور کو زبور بھی اس لیے کہتے ہیں کہ داؤد علیہ السلام نے یہ کتاب اپنی حفظ سے وحیِ الٰہی کو اپنے قلم سے لکھا تھا۔ زمین پر یہ پہلی آسمانی کتاب ہے جو دستِ نبوت سے لکھی گئی۔ زُبَرَ بروزن غُرَفٌ مضاف ہے الحدید الف لام جنسی حَدِیْدٌ اسم مفرد جامد بمعنی لوہا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اٰتُوْ کا، اٰتُوْ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ حَتّٰی یہاں عبارت کو مختصر فرمایا گیا۔ یعنی قوم نے لوہے کی بڑی بڑی سلیں اکٹھی کیں اور آپ نے بنائی اور بنوانی شروع کی حَتّٰی اِذَا سَاوٰی حَتّٰی عاطفہ ابتدائیہ اِذَا ظرفیہ زمانیہ سَاوٰی باب مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب، سَوْیٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے مُسَاوَاۃٌ جو دراصل مُسَاوِیَۃٌ تھا یٰ کو الف سے بدلا گیا۔ بمعنیٰ برابر کرنا، برابر ہونا۔ یہ مصدر لازم و متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ اگر یہاں متعدی ہے تو ذوالقرنین یعنی انہوں نے وہ دیوار برابر کردی اگر یہاں یہ فعل لازم ہے تو فاعل سَدٌّ اور رَدْمٌ ہے۔ بَیْنَ۔ اسم ظرف یہاں مکانی ہے مضاف ہے الصَّدَفَیْنِ۔ الف لام عہد ذہنی صَدَفَیْنِ اسم تثنیہ، اس کے تلفظ میں چھ قول ہیں ۱ یہ صَدَفَیْنِ ہے ۲ صَدَفَیْنِ یہ ہی مشہور قرأت ہے ۳ صُدْفَیْنِ ۴ صَدُفَیْنِ ۵ صَدُفَیْنِ صَدَفَیْنِ۔ اس کا واحد صدف اور جمع اَصْدَاف ترجمہ ہے دو طرفہ پہاڑوں کے دونوں اوپر کے کناروں تک کا درمیانی خلا یہ مضاف الیہ ہے بَیْنَ کا یہ مرکب اضافی ظرف ہے سَاوٰی کا قَالَ فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا

اُنْفُخُوْا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر جمع مذکر۔ نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی پھونکیں مارنا، ہوا دینا، یہاں مراد ہے دھونکنا آگ تیز کرنے والی دھونکنیوں اور بھٹکیروں سے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مظروف (بیان ظرف) ہوا اساوی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا ۔ قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ ۚ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ ۚ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۔ حتّٰی بمعنی ثُمَّ، اِذا ظرفیہ جَعَلَ فعل بمعنی بنا دیا کر دیا۔ عمارے کے شکل۔ ہٗ ضمیر کا مرجع رَدْمًا۔ جَعَلَ ماضی مطلق یہاں متعدی بدو مفعول ہے ہٗ اس کا پہلا مفعول بہ نَارًا اسم مفرد جامد دوسرا مفعول بہ اگلی عبارت اس کا مظروف اور بیان ظرف قَالَ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا فاعل ذوالقرنین یعنی ذوالقرنین نے فرمایا۔ اٰتُوْا فعل امر جمع مذکر حاضر اس کے مادۂ اشتقاق میں دو قول ہیں ۱ یہ اَتٰی سے بنا ہے بمعنی آؤ تم یہ لازم ہے (مدد و تعاون ہاتھ بٹانے کے لیے) ۲ اٰتٰی سے بنا ہے یعنی لاؤ تم یہ متعدی ہے، یہاں ایک قِطْرًا پوشیدہ ہے اور تنازع فعلین کی صورت ہے بصریوں کی دلیل بنتی ہے کہ دوسرے فعل اُفْرِغْ کو عمل دیا اور اٰتُوْ کے لیے ایک پوشیدہ مفعول مانا گیا، اور موجودہ قِطْرًا اس کا قرینہ بن گیا نون وقایہ۔ ی ضمیر متکلم واحد مفعول لہ اگر اٰتُوْ بمعنی دینا کہا جائے تو یہ مفعول بہ ہے یعنی دو تم مجھ کو دوسرے معنی زیادہ درست ہیں یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا اُفْرِغْ۔ فعل مضارع واحد متکلم مجزوم ہے کیونکہ یہاں لام کے جازم پوشیدہ ہیں تاکہ انڈیلوں میں فَرْغٌ مادہ بمعنی لوٹنا، انڈیلنا، اوندھانا، عَلَیْهِ اس پر۔ مراد ہے زُبَرَ الْحَدِیْد کی بنی ہوئی سدّ اور ردم دیوار قِطْرًا، اسم مفرد جامد، ترجمہ ہے پگھلائی ہوئی دھات، مراد پگھلا تانبہ، ٹھنڈے تانبے کو نحاس کہتے ہیں ۲ بعض نے کہا یہاں اس دھات سے مراد پیتل ہے ۳ ایک قول میں رانگ ہے ۴ ایک قول میں رصاص (سیلور) مراد ہے، مگر پہلا قول درست ہے۔ دنیا میں کل کتنی دھاتیں ہیں اس کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں ہوگی انشاء اللہ تعالٰی۔ قِطْرًا مفعول بہ ہے اُفْرِغْ کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا سبب مسبب مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مظروف ہوا حتّٰی اِذَا جَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ بیانیہ مَا اسْطَاعُوْا باب استفعال کا ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع یاجوج ماجوج۔ دراصل ہے اِسْتَطَاعُوْا اور طا ہم مخرج ہیں اس لیے تخفیف کے لیے تَ کو حذف کر دیا گیا یہ حذف جائز ہے ضروری نہیں اسی لیے آگے استطاعوا میں حذف نہ کیا گیا۔ اَنْ ناصبہ یَظْهَرُوْ فعل مضارع منصوب دراصل یَظْهَرُوْنَ تھا۔ اَنْ کی وجہ سے آخری نون اعرابی گر گئی ظَهْرٌ سے مشتق ہے بمعنی، ظاہر ہونا، غالب آنا۔ ہٗ ضمیر بارز (ظاہر) کا مرجع دیوار ردم مفعول تا ہے یَظْهَرُوْا کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے مَا اسْطَاعُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واوٴ بر جملہ مَا اسْتَطَاعُوْا یہ بھی سابقہ صیغہ کی مثل باب استفعال کا ہی فعل ہے یہاں تَ نہ گری جس سے حذف کا جواز ثابت ہوا لَهٗ جار مجرور

متعلق ہے۔ نَقْبًا، اسم مفرد بمعنی سوراخ یا مصدر متعدی ہے بمعنی سوراخ کرنا، مفعول بہ ہے۔ یہ سب فعل فاعل متعلق مفعول مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ قَالَ، جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی، رَحْمَةٌ، مبتدا مِن جارۃ غایت کے لیے بمعنی اطراف سے رَبِّیْ میرے رب یہ مرکب اضافی مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ اشارہ و مشار الیہ مل کر مقولہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ خبریہ ہو گیا۔ ف تعقیبیہ۔ اِذَا شرطیہ ظرف زمانی۔ جَآءَ فعل ماضی لازم، وَعْدُ مضاف رَبِّ، مضاف، یٰ متکلم، مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی فاعل ہے جَآءَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ جَعَلَ فعل ماضی مگر خبر ہونے کی وجہ سے بمعنی مستقبل ہے ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ مرجع رَبِّیْ ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع رَدْمًا۔ (سَدًّا) دَکَّآءَ اسم مصدر منصوب مفعول بہ دوم ہے۔ دَکٌّ (دَکَّۃٌ) مضاعف ثلاثی بمعنی ٹکڑے ہونا کرنا، یہاں مصدر بمعنی مدکوک ہے یعنی ٹکڑے اور ریزہ کیا ہوا جَعَلَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ، عاطفہ، کَانَ فعل ناقصہ بمعنی مستقبل وَعْدُ رَبِّیْ یہ ڈبل مرکب اضافی اسم ہے حَقًّا، اسم مفرد جامد بمعنی سچا، خبر ہے کَانَ کا یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف سب عطف مل کر جزا و شرط و جزا مل کر جملہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا۔ اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ۔ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ۔ قَالَ انْفُخُوْا۔

حضرت سکندر ذوالقرنین کی تقریباً بارہ سالہ اس فتوحاتی سفر میں جب اس آخری سفری منزل پر پہنچے تو یہاں کی خانہ بدوش جنگلی قوم نے ذوالقرنین سے ان کا لشکر جرار دیکھ کر کہا تھا کہ ہمیں اس قوم یاجوج ماجوج کی غارت گری سے بچایئے یہ فریاد اس لیے تھی کہ اس سے پہلے کوئی بادشاہ یہاں تک پہنچا ہی نہ تھا۔ یا اگر پہنچا تھا تو اس کا لشکر اتنا بڑا نہ ہوگا جو یاجوج ماجوج پر قابو پا سکتا یہ پہلا موقعہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک خاص بندے کو لشکر کثیر جس کی تعداد تقریباً ایک لاکھ تھی غالباً اسی کام کے لیے بھیجا تھا کہ قیامت تک کے لیے اس حیوانی درندہ صفت قوم کو انہی کے رہائشی جنگلاتی علاقہ میں پہاڑوں کے پیچھے قید کر دیں۔ اگرچہ الٰہی منصوبہ یہی تھا مگر ذریعہ اسی مظلوم قوم کی اپنی فریاد بن گیا اور انہوں نے مالی یا جسمانی تعاون کی یقین دہانی بھی کرائی لیکن وہ مالی تعاون کس طرح کر سکتے تھے یا ان کے پاس اتنے بڑے کام کے لیے کیا مال تھا اس کا کہیں تذکرہ نہیں ملتا غالباً وہ موسمی قدرتی پیداوار اور اینٹ پتھر مٹی گارا یا جانوروں کی چربی وغیرہ دینے کا ہی ارادہ رکھتے ہوں کیونکہ ایک جنگلی بے سروسامان اجڈ بے عقل قوم کے پاس اس کے سوا کیا ہو گا جب کہ ہر سال بیچارے لوٹے بھی جاتے تھے مگر ذوالقرنین نے اس کی تفصیل پوچھے اور جانے بغیر قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فرمایا کہ آپ کے کسی مالی تعاون کی ہمیں ضرورت نہیں اس لیے کہ جو قدرت طاقت عقل و حکمت دولت لشکر اور وسائل و اسباب وغیرہ اس تمام کام و عمل کے بارے

میں مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے اپنے پاس سے دی ہے وہ دنیا بھر سے کہیں اچھی اور بہتر ہے بس تم اگر تعاون کرنا ہی چاہتے ہو اور کام میں شریک ہونا ہی چاہتے ہو تو اپنی جسمانی قوت اور مفید مشوروں بھاگ دوڑ کی مزدوری کار کردگی اور میرے حکم کی پابندی سے کرو میں یقیناً تمہارے اور اُن کے درمیان ایک بہت ہی بلند و بالا دراز و عریض مضبوط و قوی ٹھوس آڑ بنا دوں گا۔ انہوں نے درخواست کی تھی کہ سُد یعنی کسی بھی قسم کی دیوار بنا دی جائے لیکن چونکہ سکندر اُس ظالم قوم کو دور سے دیکھ کر اس کی دحشت و بربریت و جسمانی قوت کو جان چکے تھے اس لیے فرمایا کہ سُد نہیں بلکہ رَدْما. بناؤں گا تا کہ قیامت تک اُن سے نہ ٹوٹ سکے بس تم لوگ پیا کر دو کہ ہمارے ساتھ جو لوہے کی موٹی چادریں ہیں وہ ہمارے سپاہیوں کے ساتھ مل کر اٹھا اٹھا کر یہاں دَرّے کے پاس لا ڈالو۔ پھر جب کام شروع ہوا تو بہت چوڑی اور کُھلی اور گہری نیچے پانی نکلنے تک نہر میں بنیاد کھو دی گئی اور تمام لوگوں سے اردگرد کے جنگلات میں سے پتھر اور لکڑی منگائی گئی اور نیچے سے اس طرح بنیاد بھرتے ہوئے آئے کہ درمیان میں لوہے کی چادریں کہیں کہیں پتھروں کا چناؤ کیا گیا اور آس پاس دو طرفہ لکڑیاں بھری گئیں جب زمین کی سطح تک یہ بھراؤ ہو گیا تو قَالَ انْفُخُوْا۔ فرمایا ان دو طرفہ لکڑیوں پر آگ پھونکو تا کہ سب لکڑیاں جل کر لوہے اور پتھر کو مثل آگ بنا دیں اور ایک جان دیوار بن جائے حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا۔ جب لکڑیاں جل گئیں اور ان کی تیز آنچ سے لوہا سرخ اور نرم مثل آگ ہو گیا تو قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ۔ فرمایا کہ دیکھو وہ جو تانبہ پگھلایا جا رہا ہے وہ اُٹھا کر ادھر دیوار کے پاس لے آؤ جس کو میں اپنے حساب سے مزدوروں کے ذریعے ڈالوں گا اس لوہے کی دیوار پر۔ وہ تانبہ بہہ بہہ کر اس لوہے کی دیوار کے رگ رگ اور ہر اونچے نیچے سوراخ میں گھس کر سپاٹ پلاستر ہو گیا۔ اس دیوار کا میٹریل لوہا پتھر تانبہ سلور مٹی لکڑی کا یہاں تک کہ یہ اسی طرز پر یکساں تقریباً دو سو نوے فٹ بلند دیوار بنا دی گئی جس کی موٹائی پچاس گز اور لمبائی ایک کوس یعنی تین میل خیال رہے کہ دنیا میں قدرتی دھاتیں جو پہاڑوں سے نکلتی ہیں وہ کل آٹھ عدد ہیں (۱) سونا (۲) چاندی (۳) لوہا (۴) تانبہ (۵) رانگ (۶) سلور (۷) سکہ (۸) جلٹ اور ان کو ملا کر مصنوعی دھاتیں آٹھ قسم کی بنائی جاتی ہیں (۱) جست (۲) پیتل (۳) رولڈ گولڈ (۴) ایلومینیم (۵) تام چینی (۶) پلاٹینیم (۷) پارہ مصنوعی (۸) دیگی لوہا اس طرح کُل سولہ قسم کی دھاتیں دنیا میں مستعمل ہیں۔ اس وقت سکندر کی عمر ۲۵ سال تھی یا ایک ہزار ۲۵ سال فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ وَ مَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَ كَانَ وَعْدُ رَبِّیْ حَقًّا ۔ اور جب یہ دیوار مکمل تیار ہوئی تو اس کی شان و کیفیت ایسی تھی کہ بلندی میں وہ لوگ قد آور و زور آور ہونے کے باوجود اس کو پھلانگ نہ سکتے تھے سپاٹ اور چکنی تھی لہٰذا چڑھ بھی نہ سکتے تھے مضبوط ایسی تھی کہ اس میں سوراخ بھی نہ کر سکتے تھے سُد

سکندری کی یہ شان وحال دیکھ کر رب تعالیٰ کا شکریہ اور تبلیغ دین فرماتے ہوئے فرمایا اے لوگو یہ سب کچھ میرے رب تعالیٰ کی رحمت وکرم ہے کہ اتنی شاندار حفاظت کرنے والی دیوار بن گئی اور یہ تاقیامت رہیگی پھر ایک وقت آئے گا جب میرے رب کا وعدۂ آخرت ہوگا تو اس بیچ دیوار کی کچھ حیثیت نہ ہوگی اور توڑ پھوڑ کر رکھ دی جائے گی اور ازل سے ابد تک میرے رب کا ہر وعدہ بجا ہے پورا ہو کر رہے گا۔ یہ دیوار بحر اسود کے قریب علاقہ قفقاز میں ہے اس کا نام نمبر۱ سد سکندری نمبر۲ دربند نمبر۳ سد ذوالقرنین نمبر۴ بابُ الابواب اس پر پگھلا تانبہ یا پگھلا لوہا یا رانگ ڈالا گیا تھا۔ یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے تھے ایک قبیلہ دیوار بناتے وقت لشکر سکندری سے ڈر کر نکل بھاگا ان کا نام ترک رکھا گیا یہی آج کل ترک لوگ ترکستانی ہیں اس وقت اکیس قبیلے قید ہیں ان میں بعض لوگ نہایت ہیبت ناک چہرے لمبے قد دانت داڑھیں درندوں کی طرح کان بہت بڑے بڑے جانوروں کی طرح برسرِعام وطی کرتے لباس کچھ نہیں عورت مرد برابر تعداد ہے اس وقت اسّی ہزار تھے اب کروڑوں اربوں ہیں جب ایک جوڑے کے ہزار بچے پیدا ہوجاتے ہیں تو والدین مرجاتے ہیں پورے جسم پر ریچھ نما بال ان میں صنعت کوئی نہیں جانتا۔ بقول ایک روایت جب سے دیوار بنی ہے باری باری لوگ اس کو صبح سے شام تک چاٹتے ہیں جس سے وہ گھستی جاتی ہے شام کو تھک کر کہتے ہیں کل پھر چاٹیں گے صبح کو وہ قدرتی پھر اتنی موٹی ہوجاتی ہے تاقیامت ایسا ہوتا رہے گا جب فیصلہ الٰہیہ کے مطابق کھلنے کا وقت آئے گا تو کہیں گے انشاء اللہ باقی کل چاٹیں گے۔ انشاء اللہ کی وجہ سے وہ پھر موٹی نہ ہوگی اور تھوڑی محنت کے بعد دیوار گھس کر ٹوٹ جائے گی اور سب نکل آئیں گے جس کا سورۂ انبیاء میں ذکر ہے۔ ذوالقرنین کی کرامت تھی کہ دیوار بناتے وقت آگ پھونکنے والوں کو تپش نہ لگتی تھی وہ اطمینان سے کام کرتے تھے۔ سکندر ذوالقرنین نے کل تہتر حکومتیں فتح کیں جن میں اٹھائیس بڑی سلطنتیں تھیں۔ پہلی بادشاہت چھوٹا سا شہر اننشان جس کا رئیس سکندر کو بنایا گیا پھر فتوحات میں ن۲ علاقہ منگولیا ن۳ ڈر بویدی ن۴ آریا ن۵ سندوا ن۶ بحیرۂ عرب ن۷ علاقۂ عرب ن۸ حاری ن۹ فارس ن۱۰ سومبری ن۱۱ علاقۂ شور ن۱۲ بحر اسود ن۱۳ کاکیشیا ن۱۴ سیتھین ن۱۵ اناطل علاقہ ن۱۶ سلاؤ ن۱۷ اسکندری ن۱۸ ٹیوٹن ن۱۹ ونڈل ن۲۰ ہملانی ن۲۱ منتی ن۲۲ لیڈیا ن۲۳ علاقۂ شام ن۲۴ عبران ن۲۵ مصر ن۲۶ لیبیا ن۲۷ بحر احمر ن۲۸ اطالی ن۲۹ خرانا ن۳۰ گال ن۳۱ میڈیا ن۳۲ مغربی ایشیا ن۳۳ افریقہ ن۳۴ داریاں ن۳۵ باختر ن۳۶ خراسان ن۳۷ سیتھیا ن۳۸ سارڈیس ن۳۹ انڈیا دریائے سندھ تک ن۴۰ اراگوسیا ن۴۱ مکران ن۴۲ سغد ن۴۳ مگدیانا ن۴۴ بیجون ن۴۵ جیحون ن۴۶ اوریاں ن۴۷ پارتھیا ن۴۸ کرمانیا ن۴۹ کاسپین (چین) ن۵۰ دربند ن۵۱ باکو ن۵۲ خلیج فارس ن۵۳ ہمدان ایران کا دارالخلافہ ن۵۴ واجد اشور ن۵۵ بابلونیا ن۵۶ بابل ن۵۷ آرمینیا ن۵۸ مکیشیا ن۵۹ دمشق ن۶۰ قبرص ن۶۱ یروشلم ن۶۲ بحر متوسط ن۶۳ علاقۂ نیل ن۶۴ تھیس ن۶۵ میلس ن۶۶ باریکا ن۶۷ کورٹ ن۶۸ بحر ایجین ن۶۹ شاروطین ن۷۰ بزنطین

۱ مقدونیا ۲ یونان ۳ بہار تا۔ اُس وقت دنیا میں بس یہی بستیاں تھیں ذوالقرنین کے سولہ سو سالہ عمر میں مندرجہ ذیل ادیان اور مذاہب تھے۔ ۱ دین ابراہیمی یہی سکندر ذوالقرنین کا دین تھا یہی اللہ کا سچا دین تھا ۲ مجوس ان کے تین فرقے تھے ۱ ایک مشہور فرقہ زردشتی تھا اس کا اوتار (پیغمبر) زردشت تھا اس نے اپنی مذہبی کتاب کا نام اوستار کھا تھا کہتے ہیں کہ بارہ ہزار بیلوں کی پختہ (مدبوغہ) کھال پر آب زر سے لکھی ہوئی تھی ان کے معبود کا نام اہور موزدہ تھا جو آگ میں سمایا تھا (جلوہ گر تھا) ۲ دوسرا فرقہ موگوشل ان کا معبود بھگوان دش سپند تھا ۳ آریہ قدیم ان کے تین معبود تھے ۱ سورج ۲ آگ ۳ دھرتی یعنی زمین اور اس کی مٹی اسی لیے زمین کی مٹی پتھر لکڑی اور دھات کی مورتیں بناتے تھے اُن ہی میں سے آج کل کے ہندو ہیں ۶ آریہ مذہب ان کے معبود مناظر قدرت کہکشاں وغیرہ ۷ مورگس۔ ان کے دو معبود ۱ سورج آسمانی معبود ۲ آگ زمینی معبود یہ دونوں بہن بھائی ہیں اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ تَعَالٰی مِنْ کُلِّ شَرٍّ نَفْسِیْ۔ سکندر ذوالقرنین کی وفات کے بعد اس کا بیٹا کیقباد آٹھ سال تک تخت نشین ہوا اس کی مصر میں وفات کے بعد اس کا چچازاد بھائی سکندر کا بھتیجہ دارا ابن گشتاسپ تخت نشین ہوا یہ سب مومن ہوئے ہیں۔ سکندر کی خصوصیات میں سے یہ بھی تھی اس کے پورے دور سلطنت میں کسی مفتوحہ علاقہ میں بغاوت نہیں ہوئی تاریخوں میں ہے کہ چار شہنشاہوں کی مفتوحہ سلطنتوں میں اُن کی زندگی میں بغاوت کبھی نہیں ہوئی ۱ سلیمان علیہ السلام ۲ سکندر ذوالقرنین ۳ فاروق اعظم ۴ محمود غزنوی۔ اس کی وجہ غالباً رعایہ کے ساتھ ان کا حسن سلوک فیاضی انصاف پسندی وغیرہ تھا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ غیر اللہ سے مدد مانگنی جائز ہے شرک یا کفر نہیں یہ فائدہ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّۃٍ۔ فرمان سے حاصل ہوا۔ دیوبندی وہابی لوگ اس کو شرک کہتے ہیں۔ بلکہ کفار وغیرہ سے یہ وہابی بھی مدد مانگنا جائز کہتے ہیں صرف انبیاء کرام اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے کو شرک کہتے ہیں یہ ہی انکو شیطان کا بھلاوا ہے **دوسرا فائدہ**۔ بعض اولیاء اللہ کو بھی علم غیب عطائی حاصل ہوتا ہے یہ فائدہ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت ذوالقرنین کو قیامت تک اس دیوار کے حال کا اپنے خداداد علم غیب سے پتہ تھا کہ یہ پہلے نہیں ٹوٹ سکتی۔ **تیسرا فائدہ** ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا نام لینا مفید ہے مومن تو مومن کافر کو بھی اللہ تعالیٰ اور ایمانی و اسلامی طریقوں پر عمل کرنا مفید ہو جاتا ہے یہ فائدہ تفسیر علامانہ میں یاجوج و ماجوج سے متعلق اُس روایت مشہورہ سے حاصل ہوا جس میں اُن کے روزانہ دیوار کھودنے یا چاٹنے کا ذکر ہے کہ جب وہ آخر زمانے میں کبھی شام کو انشاء اللہ کہہ کر کام چھوڑیں گے تو پھر ان کی دن بھر کی محنت ضائع نہ جائیگی حالانکہ وہ کافر ہیں۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** اگرچہ قرآن و حدیث کو سمجھنا

علم اور تفقہ حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے لیکن بغیر سمجھے بھی نماز اور تلاوت ادا کرنا واجب و لازم ہے اور بے سمجھے کے بھی فائدہ و ثواب ملے گا جو بد بخت لوگ مسلمانوں کو عربی نہ جاننے کی وجہ صرف اس لیے تلاوت کرنے سے منع کرتے ہیں کہ بے سمجھے تلاوت یا نماز بے فائدہ ہے وہ لوگ گمراہ اور غلط ہیں یہ مسئلہ بھی یاجوج کے اِنْشَاءَاللهُ کہنے سے مستنبط ہوا کہ وہ بھی بلا جانے سمجھے انشاء اللہ کہیں گے جس کا فائدہ حاصل کریں گے **دوسرا مسئلہ**۔ کفار سے دینی کاموں میں مدد لینا جائز ہے بغیر اجرت رضا کارانہ طور پر لہٰذا جو کفار اپنے شوق سے مسلمانوں کے دینی کاموں میں مثلاً تعمیر مساجد مدارس یا محافلِ اسلامیہ کی زیب و زینت کرنے میں اپنی خدمات پیش کرتے ہیں وہ جائز ہے بشرطیکہ مقاماتِ مقدسہ کے تقدس و پاکیزگی کا خیال رکھا جائے اور کسی تخریب کاری کا اندیشہ نہ ہو یہ مسئلہ فَاَعِیْنُوْنِیْ کے فرمان سے مستنبط ہوا کیونکہ وہ قوم بھی کافر تھی **تیسرا مسئلہ**۔ کام دینی ہو یا دنیوی مسلمان کو ہر وقت خدمتِ دین کی نیت سے کرنا چاہیے اور ہر محفل و اجتماع حرام کو تبلیغ دین کا ذریعہ بنانا چاہیے اور اس کو فرض یا واجب لازم سمجھ کر کرنا چاہیے یہ مسئلہ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّیْ کے تبلیغی الفاظ سے مستنبط ہوا کہ اپنی تمام عقلی فکری علمی فنی محنت و مزدوری اور تعمیری کام کو رب تعالیٰ کی رحمت فرما کر کفار قوم میں دینِ حنیف کی تبلیغ فرمائی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ جب سکندر کے پاس اس دیوار کی تعمیر کا تمام ساز و سامان اور لشکرِ کثیر میں ہر طرح کے کاریگر موجود تھے تو پھر وہاں کی کم عقل گنوار جاہل اور کفار کو اس کارِ خیر میں کیوں شامل کیا گیا دیوار بنانا قانون الٰہیہ کے مطابق تھا لہٰذا اس میں کافر لوگوں کو شامل کرنا جائز نہ تھا۔ **جواب** اس میں بہت سی حکمتیں تھیں ۱ یہ دیوار تقریباً تین ماہ تک بنتی رہی اس عرصہ میں ان کفار کو صحبتِ ذوالقرنین سے دین و ایمان اور عقل و علم کا فائدہ پہنچانا طریقہ عبادات سکھانا تہذیب اور ایمان بخشنا۔ ۲ ان کی رضا کارانہ پیش کش کو پذیرائی بخش کر دلجوئی کرنا ۳ اس تعمیری کاموں میں مشغول کر کے اتنا عرصہ اپنے قریب رکھنا ۴ اس علاقہ کے تمام جنگلاتی راستوں سے وہی زیادہ واقف تھے لکڑی وغیرہ سامان اکٹھا کرنے میں وہی زیادہ ماہر تھے ۵ اور ان پر احسان کے ساتھ ساتھ مومن باعمل بنانا مقصود تھا۔ **دوسرا اعتراض** جب اس قوم نے خرچ دینے کا کہا تب تو منع کر دیا گیا اور فقط مزدوری میں شامل ہونے کو کہا مگر پھر ساتھ ہی کہہ دیا کہ لوہے کے ٹکڑے لاؤ لوہا بھی تو قیمتی مال ہے پھر مالی تعاون کیوں مانگا **جواب**۔ اٰتُوْنِیْ کا معنی صرف اٹھانا اور اٹھا کر لانا ہے یہ لوہا ان کا مال نہ تھا بلکہ یہ سکندر کا اپنا مال تھا جو کہیں سے اٹھائے لا رہے تھے اور ایسے سامان ہر لشکر کے ساتھ ہوتے ہیں اسلحہ سازی کے لیے وغیرہ وغیرہ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فعل فَمَا اسْطَاعُوْا میں افتعال کی ت کو ہم مخرج ہونے کی وجہ سے ط بنا دیا گیا۔ مگر دوسرے وَمَا اسْتَطَاعُوْا میں ایسا نہ

کیا گیا اس کی کیا وجہ **جواب**۔ پہلے فعل میں صرف اپنی جسمی طاقت کا اظہار ہے جو کم ہے اس لیے مخفف فعل کافی تھا دوسرے فعل میں تین طاقتوں کا اظہار ہے (۱) جسمانی (۲) عقلی (۳) ان دونوں کا مقابلہ دیوار کی طاقت سے۔ اس لیے یہاں صیغہ فعل بھی مکمل اور مضبوط چاہیے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ مَا مَكَّنِّیْ فِیْهِ رَبِّیْ خَیْرٌ فَاَعِیْنُوْنِیْ بِقُوَّةٍ اَجْعَلْ بَیْنَكُمْ وَ بَیْنَهُمْ رَدْمًا . اٰتُوْنِیْ زُبَرَ الْحَدِیْدِ ؕ حَتّٰۤى اِذَا سَاوٰى بَیْنَ الصَّدَفَیْنِ قَالَ انْفُخُوْا ؕ حَتّٰۤى اِذَا جَعَلَهٗ نَارًا ۙ قَالَ اٰتُوْنِیْۤ اُفْرِغْ عَلَیْهِ قِطْرًا ؕ - فرمایا مردِ عرفانی نے جو کچھ قوت و کرامت مجھ کو میرے خالق تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے اس اصلاح عالَمِ جسمانی کے بارے میں وہ ہی دولت رُشد و ہدایت خیرِ ابدی ازلی ہے۔ ہاں اے مریدانِ غالبِ ناسوتی تم سب اپنے اپنے عزائمِ صادقہ اور قوتِ بشمیہ کو اس صراطِ مستقیم میں صرف کر کے میرے ساتھ تعاون برِ وَالتَّقْوٰی قائم رکھو اور میرے پاس اپنے قلوبِ حدید ملکاتِ راسخہ و ہیآتِ ثابتہ لے کر آؤ کیونکہ مرید با صفا کے لیے تین قسم کی مضبوطیاں ضروری ہیں (۱) قلب اور دل لوہے کی طرح باہمت ہو کر باطل کے مقابل سخت اور حق کی تپشِ عشق کے سامنے نرم ہو (۲) ملکہ راسخ ہو یعنی منزل شوق پہ چلنے کا شاندار طریقہ و تجربہ ہو (۳) ہیآتِ ثابتہ ہو یعنی کیفیت اور مستقل مزاجی ہمیشہ ایک جیسی پائیدار رہے۔ تب ہی مرشدِ کامل سے تعاون رہبری کر سکتا ہے کہ نمادہ قوتِ ارادی ہے جو خیر و شر مکر و فسن، حیلہ و فن کے درمیان ایسی مضبوط حدِ فاصل ہے جس سے ہزاروں بار یاجوجِ باطل ماجوجِ شر بر بھی ٹکرائیں تو بھی مرشدِ کامل کی یہ آڑ و پردہ ذہنِ مرید سے ہٹا نہیں سکتے۔ یہاں تک کہ حفاظتِ مخلصین کی دیوارِ تصورِ شیخ جب اوقاتِ حیات کے تمام لمحات دھریہ برابر محیط ہو جاتی ہے اور بنیادِ ظلمۃ باب فکر باتِ خبیثہ کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو جاتا ہے تو مرشدِ کامل کا دوسرا سبق پیشوائی شروع ہوتا ہے قَالَ انْفُخُوْا فرماتا ہے کہ اے مریدانِ معاونین وردو ذکر، اوراد و وظائف عشقِ الٰہی کے انفاسِ جارہ اور تپشِ جلالِ محبت کی پھونکیں مارتے رہو۔ یہاں تک کہ جب حرارۃِ ذِکْرُ اللّٰہ اور اطاعۃِ فکر اللہ سے تمام اعضاءِ باطنی شعلۂ عشق سے مثل نار ہو جائیں اور نارِ عشق اُن تمام کو بھی اپنی مثل بنا دے یہاں سے مرشد و رہبر کا تیسرا سبق شروع ہوتا ہے قَالَ اٰتُوْنِیْۤ فرماتا ہے اب لاؤ میرے حضور میں جو برِ محبتِ صادقہ کا پگھلا تانبہ خلوص اور کیمیاءِ اخلاص میں خود مریدانِ باصفا کے قلب و جگر پر انڈیلوں تاکہ سُوَیدائے قلوب کی گہرائی کے گوشے گوشے میں وہ نارِ قطران داخل و نافذ ہو جائے اس طرح کہ پھر تا قیامت کی کید شیطانی اور مکرِ ابلیسی کا دخول ذہنِ مومن میں نہ ہو سکے اور کوئی وسوسہ خناسی اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ کی دیوار سَتَّابِیْنِ وَ بُنْیَادِ صَدَفَیْنِ - کو کسی غلبۂ شر سے عبور نہ کر سکے فَمَا اسْطَاعُوْۤا اَنْ یَّظْهَرُوْهُ

وَمَا اسْتَطَاعُوْا لَهٗ نَقْبًا قَالَ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّيْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ وَكَانَ وَعْدُ رَبِّيْ حَقًّا ۔ تو اشرار یاجوجی و اغیار ماجوجی نہ طاقت پا سکتے ہیں کہ دیوار سکندر باطنی پر چڑھ سکیں تعلیہ یا قبضہ پا سکیں نہ یہ قوت و ہمت رکھتے ہیں کہ اس میں اعمال خباثت سے نقب زنی کر سکیں اس فتح و کامیابی پر بھی مرشد و ہادی کا یہ ہی ورد اور آگاہی ہوتا ہے کہ هٰذَا رَحْمَةٌ مِّنْ رَّبِّيْ حَقًّا ۔ احیا ذکر ہی کے یہ تمام انتظام و انصرام میرے رب کریم خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ ۔ کی طرف سے بخشش و عطا ہے اور آپ یہ حفاظت کلی تا قیامت قائم ہے پھر جب صبح و صور آخری وجود ناسوتی برظاہر ہو گا جو ازلی تقدیری وعدہ ربی ہے تو اسی جدار جسد و دم کو امر کن سے فنا کے حصوں میں شامل کر دے گا ۔ اور میرے رب تمہار کا وعدہ اَبَدًا حق ہے فرمایا آقاو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سیلاب شیطنیت کو روکنے کے لیے سب سے بڑی دیوار عمل عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ ہے جس نے اپنے اوپر سنت مطہرات کو زندہ کیا اس نے دین اسلام کو ظاہر و باطن میں زندہ کیا اور جس نے دین کو زندہ کیا وہ کل قیامت میں سرکار غوثیہ کے جھنڈے کے نیچے ہو گا غلامان شہنشاہ بغداد کی صفوں میں شامل ہو گا ۔ اہل اسرار نے فرمایا کہ ظاہر ارضی کا سکندر ذوالقرنین کل زمین جسمانیت کا فاتح و مالک ہوا لیکن عالم روحانیت کا ذوالقرنین لاثانی شہنشاہ بغداد عبدالقادر جیلانی کہ نقشبندیت کا خلوت گاہ مغرب الشمس اور چشتیت کا عالم جلوت کا مطلع الشمس اور سہروردیت کا مقام بعید بین السدین ان ہی کی فتوحات روحانی و مملوکات عرفانی و ملفوظات ایمانی ہیں ، یہ وہ سب سے بڑی عزت و دولت اور فضیلت و ثروت ہے جو آقاو قلب و عقل روح و بدن صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مرد کامل شخص فائق کو عطا فرمائیں جس کا اسم ظاہری محی الدین ہے اور لقب باطنی ماحی سنت ہے رموز نیا و کرام فرماتے ہیں کہ ہر قالب بشری کے چاری کنارے ہیں (۱) مقام ولایت سکندری یہ قلب شاہی ہے (۲) مَغْرِبَ الشَّمْسِ یہ فنا و نفس اَمّارہ کا مقبرہ ہے (۳) مَطْلِعَ الشَّمْسِ یہ بستی عقل سلیم کا علاقہ ہے (۴) بَيْنَ السَّدَّيْنِ جِسْمِيْ یہ سد سکندری مرشد ضمیر باطنی کی دیوار حرم کا کوہسار حدود شریعت اور پابندی طریقت کا مقام اسرار ہے یہیں پر مرید صادق کو اَعِيْنُوْنِيْ بِقُوَّةٍ اٰتُوْنِيْ زُبَرَ الْحَدِيْدِ ۔ اور اٰتُوْنِيْ اُفْرِغْ ۔ کے تین اسباق پڑھائے جاتے ہیں ۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔ (از تفسیر نیساپوری مع زیادت)

وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ

اور گویا چھوڑ دیا ہم نے ان یاجوج ماجوج کے بعض کو بعض میں کہ اس دن موج در موج بھیڑ کرتے نکلیں گے اور پھر پھونکا جائیگا

اور اس دن ہم انہیں چھوڑ دیں گے کہ ایک گروہ دوسرے پر ریلا آوے گا اور صور

فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ﴿٩٩﴾ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ

صور میں پھر جمع کریں گے ہم ان انسانوں کو ایک دم جمع اور سامنے پیش کریں گے ہم اس دن

پھونکا جائے گا تو ہم سب کو اٹھا کر لائیں گے اور ہم اس دن جہنم

يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ﴿١٠٠﴾ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ

جہنم ان کافروں کے لیے پیش کرنا جن کی آنکھیں

کافروں کے سامنے لائیں گے وہ جن کی آنکھوں پر

فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

میرے ذکر قرآن سے موٹے پردوں میں چھپی تھیں اور نہیں ہمت کرتے تھے وہ

میری یاد سے پردہ پڑا تھا اور حق بات سن نہ سکتے

سَمْعًا ﴿١٠١﴾ ع اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا ع ١١ ٢

سننے کی بھی، تو کیا کفار نے یہ وہم کر لیا ہے کہ میری مخلوق کو

تھے۔ تو کیا کافر یہ سمجھتے ہیں کہ میرے بندوں کو میرے سوا

عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ط اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ

میرے مقابلے کے لیے اپنا مددگار بنا لیں گے بے شک ہم نے تو جہنم کو تیار کر رکھا ہے

حمایتی بنا لیں گے بے شک ہم نے کافروں کی مہمانی کو جہنم

لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿١٠٢﴾ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ

تمام کافروں کے لیے ہمیشہ کا مہمان خانہ آپ فرمائیے کیا ہم تم کو بتا نہ دیں اعمال میں بہت ہی نقصان والوں

تیار کر رکھی ہے۔ تم فرماؤ کیا ہم تمہیں بتا دیں کہ سب سے بڑھ کر ناقص عمل

اَعْمَالًا ط (۱۰۳)

کے بارے میں

رکن کے ہیں

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں یاجوج و ماجوج کو دیوار کے پیچھے قید کر دینے کا ذکر ہے اور فرمایا گیا کہ اپنے زور و قوت سے نکل نہیں سکتے اب اِن آیت میں قریب قیامت اُن کے نکالے جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اس دیوار کی مضبوطی کا ذکر اور پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس دیوار کے ٹکڑے ٹکڑے ہونے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں اِن کے انجام اور باہر نکلنے کی وجہ کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان کا نکلنا میدان محشر کی حاضری کی بنا پر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں ایک بہت مضبوط اور جابر ظالم طاقتور قوم یاجوج و ماجوج کا ذکر اور اُن کی مجبوری بے بسی بیکسی کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ اے کافرو تم اللہ تعالیٰ کے مقابل اُس کے بندوں کو اس کی مخلوق کو مددگار بناتے ہو جب اِن کے طاقتوروں کی یہ بے بسی ہے تو دوسروں کی کیا ہمت۔

تفسیر نحوی وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا۔ وَعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضًا۔ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ واؤ عطفیہ جملہ تَرَكْنَا فعل ماضی مطلق بمعنی مستقبل، کیونکہ آئندہ کی خبر کو یقینی بتانے کے لیے فعل ماضی کا استعمال ہو جاتا ہے۔ نا ضمیر جمع متکلم اس کا فاعل ہے مراد اللہ تعالیٰ ہے بَعْض اسم مفرد جامد بمعنی کچھ کُل کے مقابل جز آدھے کو بھی بعض کہا جاتا ہے اور آدھے سے کم کو بھی آدھے سے زیادہ کو بعض نہیں کہا جاتا۔ لہٰذا لاکھوں تک بھی بعض کی تعداد ہو سکتی ہے جب کہ کُل اُس سے دگنا ہو، مضاف ہے ھُم مضاف الیہ اس کا مرجع یاجوج ماجوج یہ مرکب اضافی مفعول یہ یوم مضاف بمعنی دن اِذْ اسم ظرف زمانی مبنی مضاف الیہ ترجمہ ہے اس دن یہ مرکب اضافی موصوف ہے یَمُوْجُ فعل مضارع باب نصر، مَوْجٌ مصدر ہے بمعنی لہریں اُٹھنا، مضطرب اور پریشان ہونا پریشان کرنا، سمندر کے پانی کا زوردار اُٹھنا دریا کی موجیں، مراد ہے کثرت اور تیزی سے دوڑنا، ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ جس کا مرجع بَعْضَهُمْ ہے فِيْ بَعْضٍ جار مجرور متعلق ہے یَمُوْجُ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے یَوْمَئِذٍ کی مرکب توصیفی ظرف ہوا تَرَكْنَا کا، سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، واؤ عطفیہ، نُفِخَ، ماضی مطلق مجہول باب نصر، نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی پھونکنا پھونک مارنا بجانا فِيْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ الصُّوْرِ الف لام عہد ذہنی، صُوْر، اسم مفرد جامد، بمعنی کھوکھلا کیا ہوا

سینگ یا دھات کی بنی ہوئی پھونکنی، جس میں پھونکنے سے ناقوس جیسی باریک چیخ یا ناقوس جیسی موٹی بھدی چنگھاڑ کی مثل آواز نکلتی ہے جیسے پہلے زمانے میں جنگی بگل یا قوسِ رحلت کی آواز یا آج کل خطرے کا الارم یہاں مراد قیامت کا وہ نفخہ ہے جو حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے، اس بگل کی بناوٹ کی حقیقت رب تعالیٰ بہتر جانتا ہے مرقات شرح مشکوٰۃ میں اس کو صرف سینگ اور قرن فرمایا گیا ہے۔ ایک قرأت میں صُوَر ہے صُوْرَۃٌ یعنی انسانی جسم کی جمع مگر یہ غلط ہے کیونکہ ایک آیت میں نُفِخَ فِیْہِ ۔ بھی واحد کی ضمیر سے ارشاد ہوا ہے جس سے صور کا واحد ہونا ثابت ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نُفِخَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، فَ تعقیبیہ، جَمَعْنَا، فعل ماضی مطلق جمع متکلم نا ضمیر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ باب فَتَحَ جمعٌ سے مشتق ہے متعدی ہے ترجمہ ہے جمع کرنا ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع تمام انسان یا صرف یاجوج ماجوج جَمْعًا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے۔ جَمَعْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ عَرَضْنَا، فعل ماضی مطلق جمع متکلم عَرْضٌ سے مشتق ہے بمعنی پیش کرنا جَہَنَّمَ اسم مفرد معرب جامد۔ یعنی عجمی لفظ کو عربی بنایا گیا، مفعول بہ ہے یَوْمَئِذٍ، مرکب اضافی ظرف ہے لِّلْکٰفِرِیْنَ۔ کافروں کے لیے یہ جار مجرور متعلق ہے عَرَضْنَا کا عَرْضًا، اسم مصدر مفعول مطلق ہے۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر کَانَتْ فعل تامہ، اَعْیُنُ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے عَیْنٌ بمعنی آنکھ ھُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع کٰفِرِیْنَ یہ مرکب اضافی فاعل ہے کَانَتْ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے غِطَآءٍ اسم مفرد جامد بمعنی موٹے کپڑے کا پردہ یا کسی دھات کا ڈھکن۔ یہاں مراد ہے جہالت اور غفلت۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے عَنْ حرف جر زوال ذِکْرِیْ مرکب اضافی یعنی میرے ذکر سے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے کَانَتْ فعل اپنے فاعل دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر جملہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے کافرین کی وہ موصوف صفت مل کر متعلق ہے عَرَضْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ بیانیہ تب یہ الگا جملہ علیحدہ مکمل ہے بعض نے کہا واؤ عاطفہ اور عطف ہے کَانَتْ پر کَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ فعل ماضی استمراری منفی جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع کافرین ہے سَمْعًا، اسم مصدر، مفعول بہ ہے۔ یہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا ۔ قُلْ ہَلْ نُنَبِّئُکُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ۔ اَ ۔ ہمزہ سوال انکاری وجھڑک ڈانٹ کے لیے فَ اس سے پہلے معطوف علیہ کا جملہ پوشیدہ، اصل میں عبارت اس طرح ہے کہ کیا

کفار نے اس بے عقلی میں کفر کیا کہ گمان کر بیٹھے، حَسِبَ، فعل ماضی مطلق باب شاذ کا پہلا حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنی گمان وخیال اور وہم کرنا، دو مقابل مخالف چیزوں میں سے ایک کو صحیح سمجھنا حُسْبٌ ہے اور جب دونوں چیزوں پر ایک برابر خیال ہو تو ظنّ ہے یہاں حَسْبٌ بمعنی ظن ہے یہ فعل افعالِ قلوب میں سے ایک ہے افعالِ قلوب کل سات ہیں ۱؎ عِلْمٌ ۲؎ ظَنٌّ ۳؎ خِلْتُ ۴؎ رَاٰیْ ۵؎ وَجَدْتُ ۶؎ زَعَمْتُ ۷؎ حَسِبْتُ یہ فعل ہمیشہ دو اسموں یا دو جملوں سے پہلے آتا ہے اور وہ دونوں اس کے مفعول بہ ہوتے ہیں ان کی چار خصوصیات ہیں ۱؎ یہ کہ اس کے دونوں مفعول ظاہراً یا معناً حکماً باقی رہتے ہیں ۲؎ اگر یہ افعال درمیانِ کلام یا آخر میں آجائیں تو عملاً لغو ہونا بھی جائز ہے ۳؎ اگر ان کے بعد سوال یا حرفِ نفی (منفی کلام) یا لامِ ابتدا آجائے تو ان کا عمل معلق ہوتا ہے ۴؎ کبھی ان کا فاعل ومفعول ایک ہی شخص ہوتا ہے مثلاً میں نے یا تو نے یا اس نے اپنے بارے میں خیال کیا عقل اور دل کے کاموں کو افعالِ قلوب کہتے ہیں خواہ غلط ہو یا صحیح یہاں اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا حَسِبَ کا فاعل ہے اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ یہ مفعول بہ اول ہے، اور اَوْلِیَآءَ، یہ مفعول بہ دوم اصلاً معنیٰ یہ ہے کہ گمان کیا کافروں نے میرے بندوں کو اپنا مددگار۔ اگرچہ ظاہری ترکیب میں اَوْلِیَآءَ یَتَّخِذُوْا کا مفعول دوم ہے

باب افتعال مضارع معروف اَخْذٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ دراصل اِئْتِخَاذٌ تھا اِیْتِخَاذٌ ہوا پھر اس کو اِتِّخَاذٌ بنایا گیا، اس کا لغوی ترجمہ ہے بنانا، پکڑنا، لینا، مگر یہاں مراد حاصل کرنا۔ یعنی کیا کفار سمجھتے ہیں کہ ان کی دوستی یا مدد حاصل کر لیں گے۔ حَسِبَ فعل اپنے فاعل اور مفعول ظاہری و باطنی سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا لفظ دُوْن پانچ معنی میں مشترک ہے ۱؎ مقابل ۲؎ برا ۳؎ حفاظت ۴؎ بغیر ۵؎ بدلہ، یہاں پہلے معنی میں ہے اس لحاظ سے مِنْ دُوْنِ بھی چند قسم کا ہو گیا اِنَّآ اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم منصوب متصل۔ اَعْتَدْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم، اس کا مصدر ہے اِعْتَادٌ۔ عَتْدٌ۔ سے بنا ہے بمعنی تیار کرنا ہر حالت میں متعدی ہوتا ہے (مصدر بھی مادہ بھی) جَہَنَّمَ۔ اس کا مفعول بہ اول ہے۔ لِلْکٰفِرِیْنَ یعنی کافروں کے لیے۔ لام نفع کا یہ جار مجرور متعلق ہے۔ نُزُلًا۔ اسم مبالغہ مفرد ہے ظرفِ مکانی کے لیے بمعنی مہمان خانہ مفعول بہ دوم ہے اَعْتَدْنَا کا ایک قول میں یہ جمع ہے نَزِیْل کی بمعنی مہمان، تب لام لِلْکٰفِرِیْنَ کا مفعولیت کا ہو گا۔ اور ترجمہ ہو گا ہم نے بنایا جہنم کے لیے کافروں کو مہمان، مگر پہلا قول درست ہے، ایک قرأت میں نُزْلًا ہے، اس سے جمع نَزِیْلٌ نَازِلٌ مَنْزِلٌ نُزُوْلٌ۔ اَعْتَدْنَا، اپنے فاعل دونوں مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر ہوئی اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قُلْ۔ فعل امر حاضر واحد مذکر، یا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ہَلْ حرفِ استفہام ہے۔ حروفِ سوالیہ چار ہیں ۱؎ ہَلْ ۲؎ اَمْ متصلہ ۳؎ اَ (ہمزہ) ۴؎ کَمْ استفہامیہ۔ ہَلْ کبھی خبریہ بھی ہوتا ہے تب اس کا ترجمہ ہوتا ہے بے شک قَدْ کے مثل اس میں سوال صرف موجبہ اور ثبوت کی تصدیق کا ہوتا ہے انکاری یا تصوری

وغیرہ سوال نہیں جو تاحل ہمیشہ فعل مضارع پر آتا ہے بمعنی مستقبل مگر کبھی ماضی پر بھی آجاتا ہے نُنَبِّئُ باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم نَبَّئَ یا نَبَّأَ سے مشتق ہے بمعنی غیبی خبر دینا۔ کُمْ ضمیر جمع حاضر مرجع ہے کافرِ۔ ب حرف جارّہ بمعنی فی ظرفیہ۔ ترجمہ ہے بارے میں۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام اَخْسَرِیْنَ۔ اسم تفضیل جمع مذکر بحالت کسرہ خُسْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گھاٹے والے یہ جار مجرور متعلق ہے نُنَبِّئُ کا۔ اَعْمَالًا۔ اسم جمع مکسّر۔ اس کا واحد ہے عَمَل۔ یعنی ہاتھ پیر و دیگر اعضاء جسمانی کے اُخروی کام۔ بحالت نصب ہے تمیز ہے اَخْسَرِیْنَ کی ممیز تمیز مل کر مجرور ہوکر متعلق ہے نُنَبِّئُ کا فعل اپنے پوشیدہ فاعل کُمْ و مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ يَّمُوْجُ فِيْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا ۙ وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ يَوْمَئِذٍ لِّلْكٰفِرِيْنَ عَرْضَا ۙ الَّذِيْنَ كَانَتْ اَعْيُنُهُمْ فِيْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِيْ وَكَانُوْا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَمْعًا۔ ان آیات کی مراد میں مفسرین کے تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ تَرَكْنَا بَعْضَهُمْ سے یاجوج ماجوج مراد ہیں اور معنیٰ ہے کہ قریب قیامت جب یہ دیوار ٹوٹے گی تو یاجوج وماجوج اس بھیڑ جاڑ سے بھاگتے دوڑتے وحشیانہ انداز میں نکلیں گے اور اپنی بے نہایت کثرت کی بنا پر سمندر کے بے انتہا پانی کی طرح ٹھاٹھیں مارتی ہوئی موجوں کے مشابہ ایک دوسرے پر چڑھتے چلے آئیں گے جیسا کہ احادیثِ مبارکہ میں آتا ہے کہ یہ قوم سیلاب کی طرح ہر ٹیلے اور درخت مکان دکان کھیت کھلیان در و دیوار جمادات وحیوانات وانسانات کو روندتے توڑتے پھوڑتے کھاتے چباتے مٹاتے مٹاتے ساری زمین پر پھیلتے ہی چلے جائیں گے گویا کہ اُس دن روئے زمین پر اُن کی تخریبی حکومت قائم ہوگی جو چالیس دن تک رہے گی ان کے مقابل نہ کوئی آسکے گا نہ کوئی بچ سکے گا۔ زمین پر کوئی اونچی نیچی جگہ مکان تعمیرات وغیرہ کا نام و نشان بھی نہ رہے گا چٹیل میدان کی طرح ہموار ہو جائے گی غالباً محشر قائم کرنے کے لیے قدرت کے انتظامات ہوں گے اور اس وحشی قوم سے بلا اُجرت یہ کام لیا جائے گا تمام دریاؤں نہروں تالابوں کا پانی پی کر ختم کر جائیں گے یہاں تک کہ سمندر بھی ان کے پینے سے یا قدرتِ الٰہی سے ختم ہو جائے گا۔ یہ واقعہ دجّال کے قتل کے بعد ہوگا۔ دجّال کے تمام ماننے والے کفار کو یہ یاجوج وماجوج ہی کھا جائیں گے۔ اس طرح بہت سی ظاہری باطنی غلاظتوں سے زمین پاک ہو جائیگی۔ یاجوج وماجوج کا سدِ سکندری سے باہر نکل آنا قیامت کی نشانیوں میں سے ایک ہے چنانچہ ابوداؤد شریف جلد دوم میں باب اماراتِ قیامت کے اندر نو چیزیں قیامت کی بڑی نشانیوں میں مذکور ہیں ۱؎ دجال کا آنا ۲؎ امام مہدی کا پیدا ہونا ۳؎ عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ۴؎ دابۃ الارض کا ظاہر ہونا ۵؎ دہشت ناک زلزلے آنا ۶؎ جگہ جگہ سے زمین دھنسنا ۷؎ سدِ سکندری ٹوٹنا ۸؎ یاجوج ماجوج کا نکل آنا یاجوج ماجوج صرف تین شہروں میں نہ جاسکیں گے ۱؎ مدینہ منورہ ۲؎ مکہ مکرمہ بیت المقدس ۳؎ اس شخص کے پاس جو کسی مسجد میں پوشیدہ بٹھایا ہوا ہو

ہیں مشغول ہوگا۔ دجال ان چار جگہ نہ جا سکے گا۔ ۹ زمین کے اندرونی خزانے نکلنا، ہمارے زمانے کے کچھ اردو مفسرین و مصنفین نے لکھا ہے کہ یاجوج ماجوج سے مراد چنگیز اور ہلاکو خان کے لشکر ہیں اور وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ (الخ) سے مراد تاتاری حملے ہیں یہ سب غلط اور اوٹ پٹانگ باتیں ہیں۔ اور ایسی بیہودہ باتیں لکھنا تفسیر نہیں بلکہ قرآن مجید کی تحریف اور گستاخی ہے۔ اس لیے کہ جب تک دیوارِ سکندر قائم وہ نکل نہیں سکتے اور دیوار تو ابھی بھی قائم ہے۔ جو تسلیم ہے تو پھر نکلنا کیسے ہوا اور پھر جب اب تک تاتاریوں کے روپ میں یاجوج ماجوج ہر جگہ دندناتے پھر رہے ہیں تو دیوار بنانے کا فائدہ ہی کیا ہوا۔ بہر کیف اس طرح کے مفسرین ہر دور میں ہوتے ہی رہتے ہیں دوسرا قول یہ ہے کہ تَرَكْنَا (الخ) سے مراد ہے کہ سدِ سکندری کی تعمیر و تکمیل کے وقت ہم نے تمام قوم یاجوج ماجوج کو اُن کے اپنے کوہستانی رہائشی علاقے دیوار کے اُس پار چھوڑ دیا۔ کہ اب وہ تا قیامت اپنے ہی علاقے ہیں دندناتے پھریں گے نہ دوسری طرف آ سکیں گے نہ ہی وہ ظلم ڈھا سکیں گے نہ ان کو کوئی دیکھ سکے گا اور یہ غیبی خبر اب تک بالکل درست ثابت ہو رہی ہے کہ اتنی سائنسی ترقی کے باوجود اتنی بڑی قوم کا پتہ آج تک کوئی نہ لگا سکا نہ جہاز نہ راکٹ ان پر اڑان کر سکا۔ پہلی تفسیری بات آیات کے سیاق کے بنا پر ہے اور درست بھی ہے۔ یہ دوسرا تفسیری قول تَرَكْنَا کے فعل ماضی فرمانے کے ظاہری اعتبار پر کیا گیا تیسرا قول جو ان آیت کے سیاق اور اگلی روشِ ذکرِ قیامت اور نفخِ صور کی مماثلت میں یہ کہا گیا کہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ (الخ) سے مراد ہے قیامت کے دوسرے صور پھونکنے کے وقت تمام انسان، جنات، جنتی دوزخی اچھے برے چھوٹے بڑے مردوں کا زندہ ہو کر میدان محشر کی طرف بھاگنا دونوں نفخوں کے درمیان چالیس سال کا فاصلہ ہوگا یہ بھی سمندر کی بیکراں موجوں کی طرح عجیب ہیبت ناک نظارہ ہوگا وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اس تفسیر کے مطابق نُفِخَ سے دوسرا صور مراد ہے کیونکہ اس کے بجنے پر تمام لوگ زندہ ہو کر قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کے بعد میدانِ محشر کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ جن کافر لوگوں نے دنیا میں اپنی آنکھوں کو ضد فساد کفر شرک گستاخی نبوت کے پردوں میں لپیٹ لیا ہے کہ اُن کی آنکھیں چاروں طرف سے موٹے پردوں میں ہیں اور یہ دشمن و مخالف ان خود ساختہ پردوں کو ہٹانے کی کوشش بھی نہیں کرتے ہم قیامت میں اُن کی انہی آنکھوں پر بصارت کی تیز دوربین لگا دیں گے اور جہنم کو سامنے بالمقابل کر دیں گے کہ چونکہ تمہاری آنکھوں نے حیاتِ دنیوی میں حقانیت ایمانیت روحانیت اور شانِ نبوت کو نہ دیکھا تھا لہٰذا اب اپنے دائمی ٹھکانے جہنم کو خوب دیکھ لو دنیا میں حق سے تو تم نے آنکھیں بند کر لیں تھیں (مگر اب نہ بند کر سکو گے۔) یہ دیدار صرف کفار کو ہوگا مومن جہنم کو نہیں دیکھ سکیں گے یہ دیکھنا ایسا ہی ہوگا جیسا کہ آنکھوں پر دوربین لگانے والا اُن دور کی چیزوں کو بھی بالکل قریب دیکھ لیتا ہے جو دوسروں کو نظر نہیں آتیں یہ مطلب نہیں کہ دوزخ کو اٹھا کر میدانِ محشر میں لایا جائے گا۔ دوزخ اپنے مقام پر ہی رہیگی صرف

آ ڈھٹ جائے گی اور کفار کی نگاہیں شل دوربین تیز ہو جائیں گی عَرَضْنَا کے تین معنی ہیں (۱) میدان محشر ہی سے ہی جہنم کو دیکھ لیں گے اسی شاہدہ کو مجازاً عَرَضْنَا یعنی پیش کرنا فرمایا گیا (۲) عَرَضْنَا کا معنی ہے عطا کرنا جیسے کہا جاتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا مکان پیش کیا (۳) یہ کلام داخلے کے بعد کا ہے یعنی جہنم میں داخل کرنا ذِكْرِي وَ يُسْتَطِيعُوْنَ عَلَیہ ذِکْرِیْ سے مراد قرآن مجید۔ چونکہ قرآن کریم میں دو چیزیں ہیں آنکھوں سے دیکھنا اور کانوں سے سننا۔ مگر کفار دونوں میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کرتے خود تو اس لیے نہیں دیکھتے کہ اُن کی آنکھیں پردے میں ہیں اور کسی کی سنتے بھی نہیں اگر کوئی دوسرا بھی اُن کو سنانے سمجھانے کی کوشش کرے کتنی ہی محبت شفقت کا زور لگا کر یوں ہے اور اللہ رسول کے احکام فرمان وکلام سنانے کی کوشش و تبلیغ کرے مگر توجہ نہیں دیتے اس لیے کہ وَكَانُوا لَا يَسْتَطِيعُوْنَ سَمْعًا وہ سننے کی طاقت وقوت ہی نہیں رکھتے بہرے نہیں ہیں بہرہ تو پھر کچھ چیخ دھاڑ سن لیتا ہے مگر ان کے پاس تو کان ہی نہیں ہیں وہ آلہ ہی نہیں جس سے سننے کی کچھ ہی طاقت آجائے اور یہ ان کی اپنی حرکت ہے کہ انہوں نے حق سننے والی آنکھوں کو پھوڑا اور کانوں کو توڑا اسی کے بدلے میں آج میدانِ محشر میں جہنم کو دیکھنے اور اُس کی بھڑکتی آوازوں کو سننے کے لیے آنکھوں پر بصارت اور کانوں میں سماعت بھر دی گئی کہ دوزخ کو قریب سمجھ کر دیکھیں بھی اور اس کی بھڑکیلی آواز سن بھی أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ

يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي أَوْلِيَاءَ ۔ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِينَ

نُزُلًا قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا ۔

تو کیا یہ اندھے بہرے کفار یہ یقینی بھروسہ کر بیٹھے ہیں کہ میرے ہی مقرب بندوں کو یا کسی مخلوق کو میرے مقابل مددگار بنا لیں گے یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نیک اور پاکیزہ بندوں سے جھوٹی اور ناجائز محبت کر کے اُمید اور آس لگا بیٹھیں کہ ہمارے کفر و شرک کے باوجود یہ مقربین مددگار بن جائیں جیسا کہ یہودیوں نے حضرت موسیٰ اور حضرت عزیر علیہما السلام سے عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ سے شیعوں نے حضرت علی سے فرقہ غوثیہ نے حضور غوث پاک سے جھوٹی محبت بنا کر یہ بھروسہ کر لیا کہ یہ بزرگ ہمارے سارے کفر شاکر اللہ کے عذاب سے بچالیں گے۔ یہود نے عزیر علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہا نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو شیعوں نے مولا علی کو رب کہا فرقہ غوثیہ نے غوث پاک کو سارے انبیا علیہم السلام سے افضل کہا۔ اس جھوٹی اور کفریہ محبت سے سمجھا کہ یہ ہم کو اللہ سے چھڑا لیں گے اسی کی تردید فرمائی جا رہی ہے أَفَحَسِبَ میں سوال انکاری ہے یعنی ایسا گمان غلط نہ کرنا چاہئے۔ یا یہ سوال خبری ہے۔ کہ اگر یہ اولیا بفرضِ محال بن بھی جائیں تب بھی مفید نہ ہوگا نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ عِبَادِی سے مراد انبیاء اور ملائکہ ہیں اور یہ پاک باز ہستیاں تو کافروں کے ولی مددگار بن سکتے ہی نہیں۔ یا مراد ہے عام مخلوق نیک و بد شیطان پوپ پادری پنڈت راہب کاہن وغیرہ یعنی یہ

لوگ اگرچہ دنیا میں تو اولیاء ان جانتے ہیں مگر آخرت میں مدد نہ کر سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے عام مخلوق کو بھی عباد فرمایا چنانچہ دوسری جگہ ارشاد ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ جہاں حیوانات نباتات جمادات سب مراد ہیں اَوْلِیَآءَ بنانے سے مراد ہے معبود بنانا، یا مقابلے کا مددگار یا شفیع بنانا یعنی کسی قسم کا بھی ولی بمقابلہ اللہ کے مقابل بغیلہ نہیں ہو سکتا اور کفار کا کسی ہستی پر یا غیر اللہ پر بھروسہ کر کے کفر و شرک کرتے رہنا سراسر نقصان دہ ہے اس لیے کہ اِنَّآ اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے ہر قسم کے کافروں کے لیے جہنم کو بہت بُرا دائمی رہائشی ٹھکانہ مہمان خانہ بنا رکھا ہے۔ یہ کلام استہزائی ہے اسی طرح ایک جگہ ارشاد ہے کہ کفار کو خوش خبری سنا دو عذابِ اَلِیْم کی اور کہیں ارشاد ہے کہ ذُقْ کہ اے کافر تو عذابِ جہنم چکھتا رہ کیونکہ تو عزیز و کریم جو ہوا۔ وغیرہ وغیرہ فرما دیجئے اے محبوب کریم ان مشرکین مکہ سے جو یہودیوں سے پوچھ پوچھ کر امتحان کی غرض سے حضرت خضر اور ذوالقرنین کی واقعاتی و فتوحاتی خبریں پوچھتے ہیں کہ یہ بھی خبریں تو تم نے سن لیں کیا ہم تم کو ان بدنصیب اور بدبخت ترین اندھے بہرے اور گستاخ لوگوں کی بھی خبر نہ بتا دیں جو دنیا میں اعمال کے اعتبار سے بہت ہی گھاٹے والے ہیں جن کی آنکھیں عداوتِ مصطفیٰ کے موٹے پردوں میں اور گستاخیِ نبوت کی ڈاٹ کانوں میں ہے۔ مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا اَخْسَرِیْنَ سے مراد خارجی رافضی ہیں۔ ابن عباس نے فرمایا راہب پادری کاہن جوگی سادھو اور ساحر و جادوگر ہیں۔ حضرت مقاتل نے فرمایا کہ دنیا پرست ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔ یہ سب ہی اقوال درست ہیں کیونکہ ان سب کے تمام دینی و دنیوی اعمال اور مشقتیں محنتیں چلے وظیفے، فاقہ کشی جو بھی دنیوی زندگی میں کرتے رہے آخرت میں سب برباد اور رفنا ناکارہ ہوگا، گویا عمل دنیا میں خسارہ آخرت میں اَلْعِیَاذُ بِاللّٰهِ تعالیٰ۔ (از تفسیر مظہری، فتح القدیر، ظلال القرآن، معانی، خازن، مدارک، صاوی)

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ قیامت میں دوزخ مومنوں کی نگاہوں سے چھپی رہے گی میدانِ محشر میں صرف کافروں کو نظر آئیں گی ثابت ہوا کہ برا نظارہ بھی عذاب کی ایک ہلکی جھلک ہے جس سے مومن محفوظ رہیں گے یہ فائدہ عَرَضْنَا کے بعد لِلْكٰفِرِیْنَ کی تخصیص سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ جن کے دلوں میں اللہ کے نبیوں اور ولیوں کی گستاخی اور بے ادبی بسی ہوئی ہے وہ بدنصیب اللہ کے پیارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چیزوں، قرآن و حدیث اور مناظرِ قدرت آیاتِ الٰہیہ کو نہ دیکھ اور سن سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں یہ فائدہ فی غِطَآءٍ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء متقین ہر وقت ہر طرح امداد فرماتے رہتے ہیں لہٰذا اہل ایمان کو ان سے ان کی حیاتِ دنیوی اور حیاتِ برزخی میں مزارات پر جا کر مدد مانگنی جائز ہے مومنین کو تو دنیا و آخرت میں فائدہ پہنچتا ہی ہے دنیوی فائدہ غیر مسلم کو بھی پہنچ جاتا ہے۔ ہاں غیر مسلموں کافروں کو اُخروی فائدہ نہیں ملتا۔ یہ فائدہ عِبَادِیْ کے بعد مِنْ دُوْنِیْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ جس نے ثابت کر دیا کہ اولیاء بھی

دو قسم کے ہیں اور اولیا بنانے والے بھی دو قسم کے ہیں ۱ اولیاء اللہ ۲ اولیاء مِن دُونِ اللہ۔ اہلِ ایمان اولیاء اللہ کا دامن پکڑتے ہیں کفار مِن دُونِ اللہ۔ کا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** مسلمانوں پر دیگر فرائض اور واجبات کے علاوہ یہ چیز بھی لازم اور ضروری ہے کہ اپنی دنیوی زندگی میں اچھی اور پاکیزہ چیزیں دیکھنے اور سننے کی عادت ڈالیں فلموں تماشوں اور بری کتابوں بدعقیدہ تحریروں سے اپنی آنکھ کان کو بچائے رکھیں۔ جو لوگ قرآن و حدیث کو چھوڑ کر گندی کتابیں پڑھنے کا شوق کرتے ہیں خطرہ ہے کہ بروزِ قیامت ان کو بصیرتِ جہنم کا عذاب نہ پہنچے یہ مسئلہ عَرَضْنَا جَهَنَّمَ کے نفاقی اُخروی عذاب کے ذکر سے مستنبط ہوا اسی لیے کفار کی صحبت سے بچنے کا حکم ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ شریعتِ اسلامیہ میں سب سے بڑا جرم ذِکرُ اللہ سے غفلت ہے۔ کیونکہ اس غفلت کو کفار کی نشانی بنایا گیا لہٰذا ہر مسلمان کو ایسی غفلتوں سے بچنا چاہیے قیامت میں یہی سب سے بڑا عیب اور لائقِ سزا جرم شمار کیا جائے گا یہ مسئلہ فِي غِطَاءٍ عَنْ ذِكْرِي کو کفار کی طرف منسوب کرنے اور مسلمانوں کو قرآنِ مجید کے ذریعے سنانے کی اشارۃ النص سے مستنبط ہوا **تیسرا مسئلہ** دنیوی کاموں میں مشغول ہو کر آخرت کو بھول جانا شریعت کے احکام میں سب سے بڑا حرام اور نقصان دہ ہے جو غافل مسلمان دین کے فرائض و عبادات کے وقت بھی دنیا کے دھندوں کاروبار اور تجارتوں میں اُلجھا رہے اور نمازوں عیدوں اور اوقاتِ جمعہ کی پرواہ نہ کرے اس کی سب کمائی حرام ہے یہ مسئلہ بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا۔ لغوی اور تفسیری اقوال سے نُزُلًا کا معنیٰ ہے مہمان خانہ۔ اور مہمان خانہ دوستوں کے لیے ہی ہوتا ہے۔ اور چند دن کے لیے عارضی طور پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی مہمان خانہ اپنی عمارت کے اعتبار سے دائمی بنا بھی دیا جائے تب بھی اس میں آنے والے مہمان ہی ہوتے ہیں اور مہمان بذاتِ خود بھی عارضی آتا ہے نہ کہ دائمی اس وضاحت سے ثابت ہوا کہ جہنم کفار کے لیے عارضی ٹھکانہ ہے نہ کہ دائمی (مرزائی قادیانی) **جواب**۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ ہے کہ تمہارے اعتراض اور وضاحت کے مطابق تو پھر جنت اور جنت کی رہائش بھی چند روزہ عارضی ہو کیونکہ اگلی آیت میں جنت فردوس کو بھی نُزُلًا فرمایا گیا ہے تو تم جو جواب وہاں دو گے وہی ہم یہاں دے سکتے ہیں۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ کلام استہزائی ہے جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں بیان کیا گیا۔ یعنی کفار کو مزید شرمندگی اور حقارت کا عذاب دینے کے لیے طعن اور جھڑک کے الفاظ بولے گئے جس کی مزید مثالیں اور بھی بیان کی گئیں لہٰذا یہ حقیقی نُزُلًا نہیں۔ ایک جواب یہ بھی ہو

سکتا ہے کہ نُزُلًا سے مراد ہے ملکیت نہ ہونا یعنی جہنم کی رہائش دائمی جیل کی طرح ہوگی نہ کہ ملکیتی علاقہ کی طرح کفار اپنے اپنے جہنمی علاقہ کے مالک نہ ہوں گے۔ دوسرا اعتراض نبی ولی غوث قطب پیر فقیر اور اُن کے تعویذ دھاگے کچھ فائدہ نہیں دے سکتے جو بھی ان کی مدد یا دستگیری کی آس امید لگائے گا وہ مشرک ہے اللہ نے قرآن میں یہاں صاف فرما دیا۔ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا (الخ) اس لیے سُنّیوں کا عقیدہ غلط اور شرکیہ ہے کہ نبی ولی مدد کرتے ہیں (وہابی دیوبندی) جواب عجیب احمقانہ اعتراض ہے کہ استمدادِ اولیاءُ اللہ کا اس پوری آیت میں ذکر تک نہیں خود ہی مراد لے کر خود ہی اعتراض کرتا ہے یہاں ذکر ہے ولی بنانے کا اور وہ بھی مِنْ دُوْنِیْ وَلِی نہ کہ وَلِیُّ اللہ یعنی فرمایا یہ جا رہا ہے کہ انبیاء اولیاء علیہم السّلام کفار کے ولی نہیں بن سکتے نہ مدد کرتے ہیں ہاں البتہ مومنوں کے ولی بھی بنتے ہیں اور مدد بھی کرتے ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ۔ یعنی جہنم صرف کفار کے لیے بنائی گئی ہے۔ تو پھر مجرم فاسق مسلمان کیوں جہنم میں جائیں گے جواب اَعْتَدْنَا کا معنی ہے رہائش کے لیے تیار کرنا۔ رہائش صرف کفار کے لیے ہے مسلمان گنا ہگار تو صرف دُھلنے کے لیے جائے گا۔ جیسے کہ عرف کی بھٹی میں کوئلہ ایندھن بھی گیا مگر مستقل رہنے جلنے ختم ہونے کے لیے اور سونا بھی گیا صاف ہونے کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ یَوْمَىِٕذٍ یَّمُوْجُ فِیْ بَعْضٍ وَّنُفِخَ فِی الصُّوْرِ فَجَمَعْنٰهُمْ جَمْعًا وَّعَرَضْنَا جَهَنَّمَ یَوْمَىِٕذٍ لِّلْكٰفِرِیْنَ عَرْضَا الَّذِیْنَ كَانَتْ اَعْیُنُهُمْ فِیْ غِطَآءٍ عَنْ ذِكْرِیْ وَكَانُوْا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَمْعًا۔ اور جب ابتلاء و آزمائش کی ساعاتِ قیامت آئیں گی تو ہم بیابانِ جسدی میں خواہشاتِ حرص و ہوس کے تبدیلیوں کو نفس و شیطان کے میدان میں چھوڑ دیں گے تب اُس دن شیطانیتِ ابلیس عروج پر ہوگی طوفانی بے تمیزی سیلاب بے مزاجی کی موجیں اٹھیں گی اور ایک دوسرے کی فنا کا باعث بن جائیں گے بعض کی بعض میں قبض و بسط کی موت ہوگی۔ یہی دنیا اور اہلِ دنیا کا انجام ہے۔ اسی عالمِ ناسوت میں دنیاءِ فانی کو صرف دنیا داروں کے لیے چھوڑ دیا جاتا ہے کہ موج در موج دنیاءِ ذلیل کے پیچھے بھاگتے ہیں کسی حرام و حلال جائز و ناجائز کی تمیز و پرواہ نہیں کرتے اہلِ طریقت کی اصطلاح میں یہی یاجوجِ ئیم و ماجوجِ لعین ہیں کینہ اور نفاق ان کی خصائلِ رذیلہ ہیں کیونکہ کینہ اور منافقت دنیا کی محبت اور جاہ و مطلب پرستی کا نتیجہ ہے۔ دنیا کرارشادِ نبوت میں اس لیے جیفہ فرمایا گیا ہے کہ دنیا پرست کو اپنے مقدس رشتے بھی یاد نہیں رہتے۔ اور جب حُبِ دنیا کے فنا فی الدنیا لوگوں پر عذابِ قبر و سزاو جبر کا صُورِ آخری پھونکا جائے گا تب گردشِ عظمت و جوششِ رحلت بیدار ہوگا۔ پھر جمع فرمائیں گے ہم ان بھٹکے مزاج اور بکھری خواہشات اور ابلیسی آرزو والوں کو۔ اور جہنمِ فراق و عذابِ افتراق پر اُس روزِ حسرت میں ایسے ہی کُفرانِ نعمت کرنے والے کو پیش کریں گے جن کی چشمِ عبرت

لذاتِ دنیوی تمناءِ خسروی کے غطاءِ ظلمت میں اندھی و بے بصیرت ہو چکی تھیں۔ رہبرانِ شریعت اور مرشدانِ حقیقتِ باطنی اور پیغاماتِ روشن ضمیری کے آوازِ لاہوتی کے باوجود میرے ذکر سے آنکھیں موڑ چکے تھے۔ غفلت کے موٹے پردوں میں اندھے بن چکے تھے اور انجامِ آخری کے سننے سے کانوں کی ہمت و طاقت نہ رکھتے تھے۔ ایسے بدنصیب کافرانِ مطلق غفلت کے پردوں میں جکڑے ہوؤں کا یہی انجام ہوتا ہے۔ حُبِّ دنیا زہرِ قاتل ہے حُبِّ دنیا کے چار سور ہیں ۱۔ ہوس ۲۔ لالچ ۳۔ کینہ ۴۔ غصہ۔ جب کسی کے دل سے دنیا کی محبت اور عزت کی طلب جاہ پرستی کی طمع نکل جاتی ہے تو وہ ساعاتِ دنیا کے کسی بھی علاقہ لمحات میں ہو مغرب الشمس کی شام ہو یا مطلع الشمس کی صبح بَیْنَ السَّدَّیْنِ کی دوپہر ہو یا خلوتِ قلبِ سکندر کی آدھی رات کسی وقت بھی اُس مردِ منور کے دل میں کسی کے خلاف کینہ غصہ و انتقام کا جذبہ باقی نہیں رہتا مگر یہ مقامِ قدسی صرف محبتِ الٰہیہ سے حاصل ہوتا ہے اور محبتِ الٰہی صرف آستانہ و اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتی ہے اسی لیے تمام عبادتوں میں ان دونوں نعمتوں کو شامل کرنا مومن کا فرضِ عظیم ہے پہلے اتباعِ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پھر محبتِ الٰہی اور پھر عبادات کی ریاضتِ فرضیہ نفلیہ واجبیہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کا خزانہ اتباعِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں ملتا ہے۔ اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْۤ اَوْلِیَآءَ ۔ اِنَّاۤ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِیْنَ نُزُلًا۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا۔

عجائباتِ عالم میں سب سے عجیب تر شخصیتِ انسانی ہے کہ دنیا پروری کے اعتبار سے ساری مخلوق میں سب سے زیادہ عقلِ کثیر کا مالک ہے آسمان وزمین کے قلابے ملا دے لیکن یہی انسان اپنی وجہِ خلقت اور سببِ پیدائش کے بھولنے میں ظَلُوْمًا جَهُوْلًا اور اَخْسَرِیْنَ اَعْمَالًا ہے۔ اپنی بدعقلی کثیر کی بنا پر نفس کو دوست اور کانٹوں کو پھول سمجھ جاتا ہے کبھی تو اتنا چالاک بنتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی نبوت کو بھی تسلیم نہیں کرتا اور کبھی اتنا احمق و بیوقوف کہ مٹی پتھر کو خدا و الٰہ بنا لیتا ہے اپنے ہاتھوں کی تراشی خراشی اور گوندھی مٹی کی مورتی کو ہی بھگوان اور اوتار کے بناوٹی نام دے لیتا ہے کبھی ان ہی مورتیوں کو اللہ کا پیارا اور ولی سمجھ لیتا ہے اور کبھی محبوبان مقربین اولیاء اللہ کو اپنے کفر و شرک فسق و فجور لہو و لعب، عیش و طرب کا حامی سمجھ بیٹھتا ہے ایسے ہی بدنصیب ازل کے مردودین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ کیا کفارِ باطن مشرکینِ خفی نے اپنے ذہنِ شریر و تخیلِ خبیث میں یہ آس لگا رکھی ہے کہ میرے ہی محبوب بندوں کو میرے مقابل میری رضا و حکم اور ارادے کے بغیر اپنا دوست بنا لیں گے کبھی کسی اہلِ عقل شریف النفس نے کسی بھی گندے مندے بدبودار غلیظ و نجس العین نجاستِ ظاہری میں لتھڑے ہوؤں کو دوست بنانا تو در کنار اپنے قریب بھی پھٹکنے دیا ہے ایسے ہی کفر کی غلیظ

نجاست لگے بدبودار سڑاند کے بھبھو کے پھوٹے ہوؤں کو کوئی اپنے قرب خاص میں جگہ دینے کو تیار نہیں ہو سکتا۔ ایسے نجس لوگوں کے لیے بس وہی قبر مذلت ہے جو اِنَّآ اَعْتَدْنَا بے شک ہم نے ہی تیار فرمائی ہے جہنم رسوائی و ذلت کفرانِ نعمت کرنے والوں کے لیے قبض و بسط و حبسِ دائمی و خلود ابدی نہمان خانہ۔ اے محبوب ازلی قلب منور فرما دے کہ کیا تم جیسے بَخِعٌ عَلٰی نَفْسِ۔ کو ہم آج اسی دنیاءِ فریب میں خبر نہ سنا دیں کہ کون لوگ اعمال کے سب سے زیادہ نقصانِ دنیا والے ہیں۔ ہمارے پیاروں کی دوستی کو اگر چاہتے ہو اور محبوب بندگان الٰہی کی ولایت و حمایت کے اگر طلب گار ہو تو اس دنیاءِ ناسوتی میں فقط وہی رزقِ صراط کا طریقہ و ذریعہ حاصل و اختیار کرو جو ہمارے رسول تم کو عطا فرمائیں اور اُن تمام اشیاء سے دور ہٹ جاؤ جس سے ہمارے ازلی ابدی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تم کو روکیں اگرچہ تمہاری عقلِ قصور میں وہ اشیاء کتنی ہی اچھی مفید لگتی ہوں اسے دنیاء رذیل کے عیاشو ہمارے محبوب بندوں کی دوستی حاصل کرنے کے لیے تم کو خود پہلے عبادِ ثیِ بننا پڑے گا۔ جو صرف غلامیِ رسالت پناہِ عالم میں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (از تفسیر ابن عربی مع زیادت)

اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ

وہ اخسرین وہ لوگ ہیں کہ سچی راہ سے ہٹ گئی جن کی عملی محنت کرنی دنیوی زندگی میں حالانکہ وہ یہی گمان کرتے رہے

اُن کے جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں گم ہو گئی اور وہ اس خیال میں ہیں

اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا ﴿١٠٤﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

کہ بے شک وہ اُخروی مفید اور اچھے کام کر رہے ہیں۔ وہی ہیں یہ لوگ کفر کیا جنہوں نے

کہ ہم اچھا کام کر رہے ہیں۔ یہ لوگ جنہوں نے اپنے رب کی آیتیں

بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيْمُ

اپنے رب کی آیتوں کا اور اس کے سامنے حاضر ہونے کا اسی وجہ سے ضائع ہو گئے ان کے تمام اُخروی اعمال تو نہ قائم

اور اس کا ملنا نہ مانا تو اس کا کیا دھرا سب اکارت ہے تو ہم ان کے لیے قیامت کے دن کوئی تول

لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا ﴿۱۰۵﴾ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ

کریں گے ہم ان کے لیے قیامت کے دن کچھ بھی اہمیت کی — وہی ان کا صحیح بدلہ جہنم ہے

نہ قائم کریں گے یہ ان کا بدلہ ہے جہنم راس پر۔

بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ﴿۱۰۶﴾ اِنَّ

اس وجہ سے بھی کہ سمجھا انہوں نے میری آیتوں اور میرے انبیاء کو بیکار فضول ہاں بے شک

کہ انہوں نے کفر کیا اور میری آیتوں اور میرے رسولوں کی ہنسی بنائی بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ

وہ لوگ جو مومن بن گئے اور نیک کام کئے ہیں ان کے لیے فردوس کی جنتیں

جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے فردوس کے باغ

الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ﴿۱۰۷﴾

مہمان خانہ ہیں

ان کی مہمانی ہے

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں نقصان اور گھاٹے والے اعمال کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں اُن لوگوں کی نشاندہی کی جارہی ہے جن کے اعمال خسارے والے ہیں۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ ہم لوگوں کو جمع کریں گے اور جہنم میں پیش کریں گے اب اِن آیت میں اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے گویا کہ پچھلی آیت میں مجرموں کی سزا کا ذکر ہوا اور اب اس کی وجہ کا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں دنیا کے انسانوں کے دو فرقوں میں سے ایک بدکردار فرقے اور اُس کی سزا کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں انسانوں کے دوسرے گروہ یعنی نیک کردار اہلِ ایمان کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

تفسیر نحوی

اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ هُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا - اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ وَ لِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا - اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ بحالت رفع اس سے پہلے ھُمْ ضمیر جمع پوشیدہ ہے مبتداو ہے یہ اگلی عبارت اس کی خبر ہے، ضَلَّ فعل ماضی مطلق واحد غائب مذکر ضَلٌّ سے مشتق ہے بمعنی سیدھی راہ سے ھٹنا، سَعْیٌ اسم مفرد مصدر بمعنی کوشش۔ ارادہ۔ محنت۔ مزدوری، دوڑ دھوپ سے کمائی کرنا ایک قول میں یہ جامد ہے بمعنی کوشش وغیرہ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ کا مرجع اَلَّذِیْنَ اس ھُمْ کی وجہ سے ہی پہلا ھُمْ مبتدا پوشیدہ رکھا گیا کیونکہ یہ ضمیر اس کے قائم مقام ظاہر موجود تھی سَعْیُهُمْ مرکب اضافی فاعل ضَلَّ کا۔ فِیْ حرف جر اَلْحَیٰوةِ موصوف الدُّنْیَا۔ صفت ترجمہ ہے دنیوی زندگی۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے سَعْیٌ مصدر کا مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر فاعل ہے ضَلَّ کا ضَلَّ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ذوالحال ہوا۔ واؤ حالیہ، ھُمْ، مبتدا یَحْسَبُوْنَ باب حَسِبَ کا مضارع معروف جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اَلَّذِیْنَ۔ اَنَّ حرف تشبیہ ھُمْ ضمیر اس کا اسم یُحْسِنُوْنَ باب افعال کا مضارع معروف جمع غائب اس کا مصدر ہے اِحْسَانٌ بمعنی اچھے کام کرنا حُسْنٌ سے بنا ہے ھُمْ ضمیر فاعل ہے صُنْعًا۔ باب فتح کا اسم مبالغہ، ترجمہ ہے بہت اچھی کارکردگی، عقل کے کام مفید کام، یہاں صرف کام اور کاری گری مراد ہے کیونکہ اچھائی کا معنی یُحْسِنُوْنَ میں آگیا ہے۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ ہے یُحْسِنُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَحْسَبُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا ھُمْ کی، وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ضَلَّ کے جملہ کا، ذوالحال حال ملکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر خبر ہے پوشیدہ مبتدا ھُمْ ضمیر کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اُولٰٓئِكَ وہ سب لوگ، یہ اسم اشارہ بعید کے لیے مستعمل ہے اس میں دو لفظ جوڑے گئے ہیں ۱) اُولٰٓءِ ۲) كَ ضمیر واحد حاضر ہے مگر لغو بے معنی، اس کا مقصد مخاطب کو مشارالیہ کے متعلق بتانا ہے اور مخاطب یعنی جس کے لیے اشارہ کیا جا رہا ہے وہ چونکہ ہر حال حاضر ہوتا ہے اس لیے كَ خطاب کی تعبیر لائی جاتی ہے ضمیر واحد حاضر جیسے یہاں اور کبھی جمع مذکر حاضر جیسے اُولٰٓئِكُمْ ہے ترجمہ دونوں کا ایک جیسا ہوتا ہے یعنی وہ سب۔ اگر بغیر ضمیر حاضر ہو تو قریبی مشار الیہ کے لیے ہوتا ہے مثلاً اُولَاءِ۔ یہ سب، یہاں اُولٰٓئِكَ مرفوع مبتدا ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول كَفَرُوْا۔ فعل ماضی مطلق جمع غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ، لِقَآءٌ، اسم حاصل مصدر بمعنی ملاقات لُقِیٌّ سے بنا ہے ترجمہ ہے ملنا، قریب

ہونا، ملاقات کرنا ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع رَبّہم۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے بِاٰیٰتِ کا۔ یہ سب جار مجرور ہو کر متعلق ہے کَفَرُوْا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر سبب ہوا۔ فَ تعلیلیہ (سببیہ) حَبِطَتْ فعل ماضی مطلق واحد مؤنث حَبِطٌ سے بنا ہے فعل بمعنی اسنا فنا برباد ہونا ضائع ہونا زیادہ کھا جانے سے جانور کا پیٹ پھول جانا یا پھٹنا لازم ہے باب سَمِعَ سے ہے اَعْمَالُهُمْ۔ اس کا فاعل سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ۔ لَا نُقِيْمُ باب افعال کا مضارع مستقبل منفی بِلَا جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ لَهُمْ جار مجرور ترجمہ ہے اُن کفار کے لیے یہ متعلق ہے لَا نُقِيْمُ کا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بمعنی قیامت کے دن یہ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے لَا نُقِيْمُ کا۔ وَزْنًا۔ اس کا مفعول بہ ہے، اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی۔ تولنا جانچنا عزت کرنا۔ قابل توجہ ہونا یہاں سب معنٰی مراد ہیں۔ لَا نُقِيْمُ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا حَبِطَتْ کا وہ سب مل کر سبب ہوا کَفَرُوْا کے جملے کا وہ سبب مسبب مل کر صلہ ہوا موصول صلہ خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ ذٰلِكَ۔ اسم اشارہ بعید مشار الیہ کے لیے آتا ہے۔ یہ دو لفظ ہیں ذَا اور كَ، ضمیر خاطب واحد۔ یہاں خطاب کی ضمیر لانے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ جس حاضر شخص کے لیے اشارہ کیا جا رہا ہے اور جس کو مشار الیہ کے متعلق بتایا جا رہا ہے اس کا تذکرہ تصوری ہو جائے۔ اس میں حاضر کی تمام ضمیریں آجاتی ہیں مثلاً۔ ذٰلِكَ۔ ذٰلِكُمَا۔ ذٰلِكُمْ۔ ذٰلِكِ۔ ذٰلِكُمَا۔ ذٰلِكُنَّ مگر حاضر کے لیے کوئی دوسری ضمیر یا ظاہر اسم اس کے ساتھ اس طرح نہیں جُڑ سکتا ترجمہ سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔ یعنی وہ بحالتِ رفع خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی دراصل تھا۔ اَلْاَمْرُ ذٰلِكَ۔ یعنی فیصلہ وہ ہے کہ اُن کی جزا۔ ایک قول میں یہ خود مبتدا ہے جَزَآؤُهُمْ اُس کا مشار الیہ جَهَنَّمُ عطف بیان ہے جَزَآؤُهُمْ کا عطف بیان، تابع کی پانچ قسموں سے ایک قسم ہے۔ بعض نحات نے عطف بیان کو تسلیم ہی نہیں کیا وہ کہتے ہیں کہ عطف بیان درحقیقت بدل ہے۔ مگر یہ غلط ہے کیونکہ عطف بیان اور بدلُ الکل میں دو طرح فرق ہے اوّلاً یہ کہ بدل اپنے ذکر میں بذاتِ خود مقصود ہوتا ہے اور عطف بیان مقصود نہیں ہوتا بلکہ اپنے متبوع کی وضاحت کرتا ہے دوم یہ کہ بدل میں تابع و متبوع دونوں مشہور و معلوم ہوتے ہیں مگر عطف بیان میں متبوع مشہور نہیں ہوتا تابع اس کا تعارف کراتا ہے۔ یہاں لفظ جہنم بدلُ الاشتمال بھی ہو سکتا ہے مگر پہلا قول زیادہ صحیح ہے جَزَآؤُهُمْ متبوع جَهَنَّمُ۔ عطف بیان تابع دونوں مشار الیہ ذٰلِكَ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر مبتدا ہوا بَ جارہ عوضی یعنی بدلہ دراصل تھا حاصلٌ بعوضِ مَا۔ یا بِبَدَلِ مَا۔ مَا اسم موصول کَفَرُوْا۔ فعل ماضی مطلق با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اِتَّخَذُوْا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا

کرنا۔ قلبی اور عقلی فعل کے لیے ہوتا ہے ہاتھوں سے بنانے کے لیے ”جَعْل“ اور ”صُنْع“ ”عمل“ ”فعل“ کے معنی میں مستعمل ہیں ہُم پوشیدہ ضمیر فاعل ہے آیت جمع ہے ”آیۃ“ کی بمعنیٰ نشانی کلامِ الٰہی۔ اور معجزاتِ نبوت۔ دین باری تعالیٰ یا خود انبیاء کرام علیہم السّلام کی ذات ی ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ رُسُل۔ جمع مکسّر ہے رسول کی مراد انبیاء کرام علیہم السّلام۔ ی۔ واحد متکلم مضاف الیہ ترجمہ ہے میرے رسول یہ مرکب اضافی معطوف دونوں مل کر مفعول بہ اوّل ہوا۔ ہُزُوًا۔ اسم مصدر بمعنی اسم مفعول۔ یعنی مذاق بنائے ہوئے مذاق سمجھے ہوئے بیکار ناقابلِ توجہ۔ جس کی بات کی کوئی اہمیت نہ ہو۔ بحالتِ فتحہ مفعول بہ دوم ہے اِتَّخَذُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا کَفَرُوْا کا۔ دونوں مل کر صلہ ہوا مَا موصولہ کا۔ دونوں موصول صلہ مجرور جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ وہ اپنے باطنی فاعل اور متعلق سے مل کر خبر ہے ذَالِکَ مبتدا کی یہی وہ دونوں مبتدا و خبر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ اِنَّ۔ حرف مشبّہ۔ اَلَّذِیْنَ موصول۔ اٰمَنُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا فعل با فاعل اَلصّٰلِحٰتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد صَالِحَۃٌ ہے بمعنی۔ نیک عمل اچھے کام۔ معرّف باللّام بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے۔ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف۔ دونوں مل کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر اسم اِنَّ۔ کَانَتْ فعل ناقصہ لَہُمْ جار مجرور متعلق ہے کَانَتْ کا جَنّٰتُ۔ جمع مکسّر جنّت کی مراد ہے اللہ تعالیٰ کی آسمانی جنت۔ اَلْفِرْدَوْسِ الف لام عہدِ ذہنی یا خارجی دو قول ہیں۔ فِرْدَوْس۔ اسم مفرد جامد۔ یہ عربی لفظ ہے اور جنتِ اخروی کا لقب ہے اس کے دیگر مشتقات بھی عرب میں مستعمل ہیں ۱ مُفَرْدَسٌ چوڑائی والا ۲ فَرْدَسَۃٌ۔ کشادہ۔ فراخ ۳ فَرِیْدَسٌ زمین پر پٹخنا۔ یہ رباعی مصدر ہے اس کے تلفظ میں بعض نے کہا یہ فارسی لفظ ہے۔ بعض نے کہا یہ قبطی لغت کا لفظ ہے مگر یہ غلط ہے۔ اس کی حقیقت میں بھی چند قول ہیں ۱ اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ کیوں جنت کا یہ لقب رکھا گیا دنیا کے کسی باغ کو فردوس نہیں کہا جاسکتا ۲ بعض نے کہا چھوٹی نہر جس میں ہر طرح کا سبزہ اُگا ہو ۳ پھیلے ہوئے سایہ دار درختوں کا باغ ۴ انگور کی گھنی بیلیں ۵ آسمانی جنت کا اونچا طبقہ۔ اور یہی معنی روایت سے ثابت ہیں۔ کسی نے کہا یہ سُریانی لفظ ہے مگر صحیح یہ ہے کہ یہ عربی ہے اس کی جمع ہے فرادیس بحالتِ کسرہ مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی کَانَتْ کا اسم ہے۔ نُزُلًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی۔ ہمیشہ کا مہمان خانہ بحالتِ نصب ہے خبر ہے کَانَتْ کی۔ کَانَتْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر کے جملوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُہُمْ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَہُمْ یَحْسَبُوْنَ اَنَّہُمْ یُحْسِنُوْنَ صُنْعًا۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّہِمْ وَلِقَآئِہٖ فَحَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فَلَا نُقِیْمُ لَہُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَزْنًا ۔ وہ بدقسمت وہ لوگ جن کے دنیوی زندگی کے تمام اچھے

گزرے رات دن صبح و شام عقل و دماغ کے سارے کام دنیا ہی ہی ان کی تمام آرزؤں خواہشوں کے ساتھ فنا ہو گئے اور اس سے بھی زیادہ نقصان و خسارہ یہ ہے کہ ان کو احساس زیاں بھی جاتا رہا کہ ہزار سمجھانے بجھانے سنانے منانے آگاہ کرنے کے باوجود وہ بدبخت موت تک یہی سمجھتے گمان کرتے رہیں گے کہ ہم بہت عقل والے ہیں ہمارے سب کام مفید اور شاندار ہیں ہم اچھے کام ہی کر رہے ہیں ہم کو سمجھانے روکنے منع کرنے والے غلط ہیں۔ اس کم عقلی کو عقل جہالت کو علم غلطی کو درست نقصان کو فائدہ اور تباہی بربادی کو منافع آخر کیوں اور کس وجہ سے سمجھ لیا کن لوگوں کے دماغ اس طرح الٹ پڑے فکر و تدبر والے تو ایسا نہیں کر سکتے یہ وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ کی تمام آیتوں شاہدوں مناظر قدرت کلامِ الٰہی کے احکام و فرامین زبان نبوت کے اشاروں آگاہیوں خبرداریوں کو جانتے بوجھتے انکار کیا۔ یہاں تک کہ اپنے انجام کی آخرت اور بارگاہِ صمدیت کی حاضری حشر نشر قیامت قبر عذاب ثواب جنت دوزخ حساب و کتاب سب کے ہی منکر ہو بیٹھے یہی لوگ ہیں جنہوں نے اعتقاداً عملاً کفر کیا۔ لہٰذا ان کے تمام اعمال کردار افعال افکار محنت مشقت ریاضت دنیا میں ہی برباد بیکار ہو گئے۔ اس کا نقصان و نتیجہ یہ ہوگا کہ قیامت کے دن ہم اُن کو کوئی وزن مرتبہ اور اہمیت ہی نہ دیں گے اس طرح کہ کفار کے عمل تو تولے ہی نہ جائیں گے۔ منافقین کے اعمال اُن کے منہ پر مار دئے جائیں گے فاسقین کے عمل بالکل ہلکے ہوں گے۔ ظالمین کے اعمال مظلومین میں تقسیم کر دئے جائیں گے۔ ریاکاروں کے عمل کو کوئی عزت نہ پائیں گے۔ باطلین کے عمل کو ذلت ملے گی۔ مغرورین کے اعمال کو ٹھوکروں میں پھینکا جائے گا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اَلَّذِیْنَ ضَلَّ سَعْیُهُمْ کے بارے میں صحابہ کرام کے مختلف اقوال ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ خاسرین قیامت آٹھ قسم کے ہیں (۱) دنیا پرست جن کی ساری زندگی تجارت عمارت محلات و مکانات میں گزرتی ہے نہ اللہ رسول قرآن و حدیث شریعت و طریقت کا دھیان آیا نہ مرنے اور قبر و حشر کا خیال آیا (۲) ریاکار جنہوں نے اچھے کام فلاحی ضروریات تعمیر کیں بھی تو صرف دنیا کے رکھ رکھاؤ اور نام و نمود کے لیے (۳) گستاخِ انبیا و اولیا و صحابہ جنہوں نے ظاہراً بڑی بڑی دینی خدمات انجام دیں مدارس و مکاتب بنا ڈالے تصانیف و تشاریح بھی لکھیں مگر عداوتِ نبوت نے سب کچھ تباہ کر ڈالا (۴) باطل مذہبوں کے عوام جنہوں نے اپنے رہنماؤں اور ابلیس شیطان کے وسوسوں ورغلاہٹوں کے زیر اثر اپنے خود ساختہ دینوں کی مصنوعی رسومات کی عمر بھر پابندی کی اور سمجھتے رہے کہ ہم بہت نیکیاں کر رہے ہیں (۵) باطل دینوں کے مذہبی لیڈر۔ راہب۔ پنڈت۔ سادھو کاہن۔ پوپ پادری جو تارک الدنیا ہو کر لباس خوراک اور شہری آبادی کی رہائش چھوڑ کر جنگلوں میں وحشیانہ جانوروں جیسی زندگی گزارتے ہیں اور بے تحاشہ خلافِ فطرت فاقہ کشی تجرد ترک و افلاس کی خود ساختہ عبادتوں کی مشقت میں پڑے

پڑے دنیا سے چلے جاتے ہیں ۶ دنیا بھر کے غیر مسلم جو خالصتاً انسانی ہمدردی اور خدا ترسی میں انسانوں حیوانوں کی ہمدردانہ خدمت و پرورش کرتے مگر ایمان و اسلام نہ ہونے کی وجہ سے اُن کو اُن کے اِن اچھے کاموں کا صلہ دنیا میں ہی عزت دولت شہرت قوت ناموری کی شکل میں دے دیا جاتا ہے مگر آخرت میں یہ سب عمل بیکار گھاس پھوس وہاں کوئی قدر و قیمت نہیں وہاں کی قدر و منزلت کے لیے تو ایمان و اسلام شرط ہے کیونکہ یہی جہاتِ ابدی کی جڑ ہے یہ عالیشان عمارتیں کالج سکول یونیورسٹیاں گلیاں سڑکیں، ریلیں پُل بنوانے میں عمر بھر خرچ کرنا اُخروی نیکی نہیں بن سکتی ۷ اہلِ عداوت وہ لوگ جو بلاوجہ بغیر منفعت محض ہٹ دھرمی حسد بُغض عناد میں حق اور اہلِ حق کی مخالفت اور ایذا رسانی میں دن رات ہر طرح کی محنت مشقت کرنے میں لگے رہتے ہیں اور اسلام کی دشمنی میں ہمیشہ کفار و مشرکین کا ہی ساتھ دیا جیسا کہ پاکستان کے وقت دیوبندی احراری مولویوں نے گاندھی اور ہندوؤں کا ساتھ دیا قائداعظم اور مسلمانوں کی مخالفت اور دل میں سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھے کام میں لگے ہیں۔ (العیاذ باللہ) پانچ قسم کے لوگ میدانِ محشر میں ہوں گے ۱ جن کے اعمال کا وزن ہوگا یہ لوگ نیکی اور بدی والے مومن ہوں گے ۲ جن کی کوئی نیکی بدی نہ ہوگی ان کے اعمال کا بھی وزن نہ ہوگا ۳ جن کی نیکی زیادہ برائی کم وزن ہوگا ۴ برائی زیادہ نیکی کم وزن ہوگا ۵ نیکی برباد بالکل ہلکی پھلکی مثل دھنکی روئی کے وزن کیا جائے گا۔ یہ لوگ یہودی ہیں جن کا کفر تکذیبِ نبوت اور عیسائی ہیں جن کا کفر تکذیب جنت اور جنت کی نعمتیں۔ تفسیر مظہری میں ہے کہ جو دنیا کو دین اور آخرت پر مقدم رکھے وہ بھی منکرینِ قیامت میں سے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ بعض لوگ تہامہ پہاڑی کے برابر عملِ دین لائیں گے لیکن وزن کچھ نہ ہوگا۔ (نعوذ باللہ) غرضیکہ مسلم اور غیر مسلم لوگوں میں سے ہزار ہا قسم کے وہ لوگ ہوں گے جو بروزِ قیامت فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا کا آوازہ سنیں گے اور اپنے ایسے ہی دنیوی اعمال کا عذاب بھگتیں گے کوئی چند روزہ عارضی اور کوئی دائمی۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۔ وہ جہنم اور اس کا عذاب اسی قسم کے منکرین قیامت اور بے عمل بدکردار لوگوں کی جزا اور پورا پورا بدلہ ہے اُس دائمی ذلت و رسوائی اور جہنمی زندگی کی وجہ یہ ہے کہ وہ کھلم کھلا کافر بھی ہوئے اور میری آیتوں کو اور میرے انبیاء و مُرسلین کو مذاق بنایا کلامِ الٰہی کا انکار شریعت طریقت اور قانونِ اسلامی کو ناپسند کرتے ہوئے نافذ و جاری کرنے کی طرف توجہ نہ دی نہ اپنے معاشرہ پر نہ خاندان نہ ملک پر نہ آل اولاد پر نہ خود اپنے آپ پر اور انبیاء کرام علیہم السلام کی گستاخی مذاق بازی بے ادبی کرتے اپنے جیسا بشر کہتے رہے عام انسان سمجھتے رہے جو رحم و کرم کے پیکر عدل و

والنصاف کے نمونۂ الٰہیہ عقلِ کل علم تمام مرکزِ تجلیات گہوارۂ عملیات ہیں جن کا عمل شریعت الٰہی جن کا فرمان آئینِ خداوندی جن کی ہر نور ذات انسانیتِ کائنات کے لیے اسوۂ حسنہ جن کے اخلاق قدرت کا شاہکار، ایسے محبوبوں کے گستاخوں منکروں کی سزا کے لیے جہنم ہی سزاوار ہے لیکن بے شک وہ لوگ جو ہمارے ان محبوب انبیاء مرسلین کے ہر فرمان ہر ادا ہر عمل ہر طریقے پر دل وجان سے ایمان لائے اور ہر وقت ہر جگہ آیاتِ الٰہیہ احادیث نبویہ کے مطابق اچھے اور ستھرے پاکیزہ نورانی عمل کئے اُن خوش قسمت پیارے بندوں باادب باکردار لوگوں کے لیے فردوس کے باغات ہیں جو عزت افزائی قدردانی خاطر ودلجوئی محبت والفت میں شان وشوکت میں قدرتِ الٰہی کا عظیم دائمی ابدی ہر ہر آن میں مہمان خانہ ہے اور یہ لوگ ہمیشہ کے لیے خوش خرم شاداں وفرحاں مرتبہ وشان میں مہمان ہیں۔ قرآنِ مجید میں دو جگہ جنتِ فردوس ارشاد فرمایا گیا ہے ایک یہاں اور دوسری جگہ سورۂ مؤمنون کی آیت ۱۱ میں۔ احادیث میں بھی فردوس کی بہت شان بیان فرمائی گئی ہے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو کہ یا اللہ مجھ کو جنتِ فردوس عطا فرما۔ ایک قول ہے کہ فردوس پوری جنت کا ایک صفاتی نام ہے عبرانی کا لفظ ہے یا عجمی یا سریانی یا فارسی مختلف لغوی ترجمہ ہے پھلوں سے بھرا ہوا باغ اس کی جمع ہے فرادیس۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ عربی لفظ ہے۔ تقریباً ہر زبان میں جنت کے مختلف نام ہیں چنانچہ فارسی میں ۱ بہشت بریں ۲ اردو میں جنت عبرانی میں پوردیہ ۳ ایرانی میں پیری دائزہ ۴ سریانی میں فردیسوس ۵ یونانی میں پارہ داشوس ۶ لاطینی (رصینی) میں پارہ ڈائس ۷ سنسکرت (ھندی) میں پردیشا ۸ انگریزی میں پیراڈائز ۱۱ کلدانی (موجودہ ہرنی) زبان میں پردیسا ۱۲ ارمنی زبان میں پردیز سب کا معنی ہے چار دیواری میں چھپا ہوا باغ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ فردوس پوری جنت کا نام نہیں بلکہ ایک طبقے کا نام ہے جنت کے کل آٹھ طبقے ہیں ۱ جنت فردوس ۲ جنتِ ماوی ۳ جنتِ عدن ۴ جنتِ نعیم ۵ جنتِ علیین ۶ جنتِ دارالسلام ۷ جنتِ صدق ۸ جنتِ خلد۔ ان تمام میں فردوس سب سے اعلیٰ وبالا ہے۔ جنتِ فردوس کی خصوصیات پہلی خصوصیت یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فردوس کو اپنے دستِ اقدس سے بنایا، باقی جنتیں ملائکہ نے بنائیں۔ سفر السعادۃ و بیہقی شریف میں حضرت انس اور عبداللہ بن حارث بن نوفل سے مروی ہے کہ تین چیزیں رب تعالیٰ نے اپنے دستِ قدرت سے بنائیں ۱ جنتِ فردوس ۲ حضرت آدم ۳ توریت کی لکھائی (فردوس کی دوسری خصوصیت) یہ جنت سب سے اونچی ہے اور درمیانِ جنت ہے اس کے اوپر عرش ہے۔ یعنی زمینِ جنت کے حساب سے درمیان میں ہے اوپر ہے تیسری خصوصیت تمام جنت کی چاروں نہریں یہیں سے جاری ہو رہی ہیں چوتھی خاصیت فردوس کے چار حصے ہیں پہلے حصے میں سونے کے زیور دوسرے میں سونے کے برتن

تیسرے میں چاندی کے زیور چوتھے میں چاندی کے برتن پانچویں خاصیت جنتِ فردوس میں چار قسم کے بندے نہیں جا سکتے ۱ مشرک خفی وجلی اگرچہ مرنے سے پہلے تائب ہو جائے ۲ شرابی کسی قسم کا نشہ کرنے والا ۳ حرامی ۴ دیّوث بے غیرت، چھٹی خاصیت حضرت آدم کو اسی جنت میں رکھا گیا تھا، ساتویں خاصیت انبیاء کرام اسی میں قیام فرما ہوں گے آٹھویں خاصیت یہ جلالِ کبریائی سے بنائی گئی، نویں خاصیت اس میں ایک نورِ رضا کا چوبارہ ہے جس کا نام مقامِ محمود ہے اسی میں وسیلہ کا تخت ہے یہ رہائش گاہِ محبوب اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک قول کے مطابق جنت فردوس میں انبیاء کرام علیہم السلام کے وہ خدام ہوں گے جو دنیا میں صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہے خیال رہے کہ جنت کا سب سے نیچا طبقہ جو پل صراط سے گزر کر جانا ہے اس کا نام دار الخلد ہے اور سب سے اونچا فردوس ہے اور مقامِ علیین میں بازار زیارت ہے یہاں کبھی کبھی رب تعالیٰ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا کرے گا۔ فرمانِ حدیث کے مطابق پوری جنت کے ایک سو حصے ہیں ہر ایک کا فاصلہ زمین و آسمان کے فاصلے کے برابر ہے۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے **پہلا فائدہ**۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ بری صحبت اور باطل فرقوں سے بچے کہ یہ ایمان واعمال کے لیے زہرِ قاتل ہے یہ فائدہ يُحْسِنُونَ صُنْعًا کی تفسیر سے حاصل ہوا باطل فرقوں کی صحبت اندھا بہرہ کر دیتی ہے۔ اسلام میں سب سے پہلا فرقہ خوارج کا پھر روافض کا یہ دونوں منافقوں سے پیدا ہوئے پھر ان دونوں سے شیعہ معتزلی وہابی دیوبندی قدریہ مرجیہ فرقے بنتے رہے **دوسرا فائدہ**۔ اگرچہ ہر بدکار بھی نقصان اور گھاٹے میں ہوگا مگر وہ نیکوکار جو اپنی عبادت ریاضت دکھلاوے اور دنیوی نعرے بازی کے لیے کرے وہ زیادہ خسارے والا ہے اس کو زیادہ حسرت ہوگی اللہ بچائے۔ یہ فائدہ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**۔ گستاخیِ نبوت سب سے بڑا کفر ہے کیونکہ گستاخوں کو اَخْسَرِیْنَ کا خطاب ملا جو سب سے بدتر انجام ہے یہ فائدہ وَهُمْ يَحْسَبُونَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** عبادت و ریاضت صرف وہی قابلِ قبول اور مفید ہے جو انبیاء کرام علیہم السلام کے فرمودات اور عملی قولی طریقوں کے مطابق ہو یہی شریعت وطریقت ہے۔ اس طریقے کو چھوڑ کر خواہ کتنی ہی محنت مشقت فاقہ کشی اور خاک دھول گھاس پھونس پھانک کر یا کنوؤں میں لٹک کر اور جنگلوں میں حیوانی دنیا گزار کر کی جائے سب فضول بلکہ مسلمانوں کے لیے ایسی جوگیانہ راہبانہ سادھوانہ ریاضتیں کرنا ہی حرام ہے یہ مسئلہ ضَلَّ سَعْيُهُمْ اور يُحْسِنُونَ صُنْعًا سے مستنبط ہوا **دوسرا مسئلہ** قرآن مجید میں تقریباً تمام جگہ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی قید لگائی گئی ہے جس سے یہ بات ثابت اور مستنبط ہوتی ہے کہ نہ ہر ایمان اللہ تعالیٰ کو قبول ہے نہ ہر عمل، بلکہ وہی ایمان پسندیدہ

ہے جو اعمال سے بھرا پڑا ہو اور اعمال بھی وہ پیارے ہیں جو صالحہ ہوں اور اچھے اعمالِ صالحہ صرف وہ ہیں جو انبیاء کرام علیہم السّلام کے فرمان اور حکم کے مطابق ہوں۔ یعنی کام بندے کا ہو اور نقشہ مصطفیٰ کا ہو اس لیے ہر کام کرتے وقت خواہ دنیوی کام ہو یا دینی ہر مسلمان کو اپنے نبی آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال رکھنا چاہیے یہاں تک کہ نماز قیام رکوع سجدہ سجود میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خیال واجب ہے اس خیال کے بغیر کوئی عبادت مکمل کوئی عمل صالحہ ہی نہ بنے گا۔ نماز درست ہی نبی کریم رؤف و رحیم کے خیال سے ہوتی ہے گویا کہ عبادت اللہ تعالیٰ کی ہو خیال احمدِ مجتبیٰ کا ہو صلی اللہ علیہ وسلم ؎

سجدہ کرنا ہے تو یوں کر کہ ہو سجدے میں جھکا سر خدا کے سامنے دل مصطفیٰ کے سامنے

خیالِ مصطفیٰ کی نوعیت یہ ہو کہ یہ فلاں کام روزہ نماز، رکوع سجدہ حقوق العباد اس پڑوسی سے حسنِ سلوک رحم انصاف صدقات خیرات وغیرہ میں اس لیے کر رہا ہوں کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اور اس طرح ادا فرماتے تھے اس خیالِ مصطفیٰ کے دو فائدے ہیں ایک یہ کہ عمل میں باقاعدگی اور تسلسل پایا جائے گا دوم یہ کہ ادا صحیح طریقے سے ہوگا۔ عمل کو صالح اور دنیا کو دین بنانے کا فقط یہی ایک طریقہ ہے **تیسرا مسئلہ** خیال رہے کہ غیر مسلموں کے عمل دو چیزوں سے برباد ہوتے ہیں آیت کلام الہیہ اور لقاءِ ربانی کے انکار سے لیکن مسلمانوں کے اعمال برباد اور تباہ ہو جاتے ہیں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب و احترام کا خیال نہ رکھنے سے یہ مسئلہ یہاں کفار کے لیے فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ اور وہاں مسلمانوں کے لیے اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض** کفار کی نیکیاں برباد کیوں ہو جاتی ہیں حالانکہ محنت مشقت اور خلوص میں بعض دفعہ وہ مسلمانوں سے بڑھ جاتے ہیں۔ **جواب** قرآن مجید میں اکثر جگہ انسانی دنیوی زندگی کی کھیت کھلیان اور درختوں سے مثال دی گئی ہے یعنی جڑ شاخیں پتے پھل پھول۔ اور بتایا گیا ہے کہ جڑ کے بغیر کسی بھی درخت کا کوئی پھل پھول ثابت و قائم نہیں رہ سکتا گویا کہ شجرِ انسانی کی جڑ ایمان ہے اور اعمال و افعال پھل پھول ہیں۔ کفار کی جڑ یعنی ایمان ہی موجود نہیں اس لیے اُس کے تمام عمل خواہ کتنی ہی محنت مشقت اور پُرخلوص ہوں میدانِ محشر تک قائم نہیں رہ سکتے دنیا میں ہی تھوڑا بہت نفع دے کر یہاں دنیا کے ساتھ فنا ہو جاتے ہیں یہ تو ظاہر ہی ہے جڑ مومن کے چھوٹے سے چھوٹے عمل کو بھی تا ابد قائم رکھتا ہے اس لیے کہ ایمان موت سے رشتہ جوڑتا ہے اور کفر یہ رشتہ توڑتا ہے جڑ سے کٹی ہوئی شاخ کو کوئی پانی کوئی زمین یا کوئی کھاد ہرا نہیں کر سکتی۔ **دوسرا اعتراض** یہاں ضَلَّ سَعْيُهُمْ کی تفسیر میں بتایا گیا کہ جوگی راہب سادھوؤں کی عبادتیں بے کار ہیں مثلاً ترکِ دنیا اُلٹا لٹک کر عبادت فاقہ کشی۔ کرنیں

میں لٹکنا۔ کچا آٹا۔ گھاس پھونس کھا کر گزارہ کرنا اور عبادت میں مشغول رہنا وغیرہ حالانکہ یہ عبادتیں تو بعض اولیاء اللہ نے اپنی زندگی میں کیں مثلاً خواجہ اجمیری۔ صابر کلیر شریف۔ سلطان باہو وغیرہ جیسا کہ ان کی سوانحات میں لکھا ہے جب یہ عبادات عند اللہ نا جائز ہیں تو ان اولیاء اللہ نے کیوں کیں؟ **جواب** سوا چند مجذوبین اولیاء اللہ کے کسی بھی ولی اللہ سے اس قسم کی عبادت و ریاضت ثابت نہیں وہ بھی صرف حالتِ جذب میں۔ ایسی باتیں بعض معتقدین کی جھوٹی بناوٹی ہیں اسلام کی تو اپنی دن رات کی ایسی عبادتیں ہیں کہ کوئی مسلمان ان کو چھوڑ کر جنگل میں جا کر ترک دنیا نہیں کر سکتا۔ بھلا کوئی ولی اللہ ایسا کس طرح کر سکتا ہے۔ تمام اولیاء اللہ نے مسجدوں مکانوں بُرجوں اور گوشوں میں عبادتیں کر کے ولایتِ کبریٰ کے مقام کو حاصل کیا ہے۔ اور ان کی بھوک بھی فاقہ کشی نہیں بلکہ روزہ ہے **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ (الخ) یعنی کفار کے اعمال کے لیے قیامت میں ترازو نہ ہوگی مگر دوسری آیت میں فرمایا گیا۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ (الخ) یعنی جس کے عمل قیامت میں ہلکے ہو گئے ہلکا بھاری ہونا ترازو سے پتہ چلتا ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ان کے لیے ترازو ہوگی جواب اس کے چند جواب ہیں درست جواب یہ ہے کہ یہاں آیت میں صرف کفار کا ذکر ہے چونکہ ان کی نیکی کوئی نہیں ہوگی گناہ ہی گناہ اس لیے تولنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن اس دوسری آیت میں صرف مسلمانوں کا اور مومنوں کا ذکر ہے ان کے اعمال کو تولا جائے گا تو گناہگار کے ہلکے ہو جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا۔ أُولٰٓئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَلِقَآئِهٖ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ اس وادیِ فنا کے سب سے بڑے نقصانِ روحانیت والے وہی محرومِ ازلی اور بدنصیبِ ابدی ہیں جنہیں کسی مرشدِ برحق رہبر کامل پیر مشفق کا دستِ دستگیر ہاتھ نہ لگا وہ اس جنگلاتِ دہشت میں منزلِ تقرب کو اپنی ہی فکرِ مقرب تخیل مبرّد سے طے کرنے کی سعی بیکار کرتے رہتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں برباد ہو گئے جن کی تمام کوششِ عمل و اقدام۔ اسی دنیوی جھاڑ و جھنکاڑ میں تباہ ہو گئے ان کے سارے اچھے برے افعال اور راہی حیاتِ ادنیٰ لمحاتِ دنیا اوقاتِ کثیفہ میں سب کچھ ہلاک ہو گیا۔ حالانکہ وہ سب پیروانِ نفسِ خبیث اپنے اعمالِ باطنیہ روحانیہ سریہ پر یہی گمان کرتے رہے کہ ان کے افعالِ عبادت ریاضت صوم و صلوٰۃ صدقہ و خیرات خشیت عمل بہت شان بقا عمل بہت شانِ بقا عزتِ سخا والی ہے۔ اس لیے کہ ابلیس لعین اور نفسِ لعین نے ان کے کردارِ خسیس مُتعفن خبیث کو بھی انکی نظرِ حماقت میں درست اور شاندار بنا یا سمجھایا تھا۔ ان کی نمازیں ریا۔ نیازیں دغا۔ دعائیں خطا۔ سجدے متکبرانہ خلوت و مراقبہ احمقانہ چال چلن مفسدانہ ذوق و تسبیح عیارانہ تصورات قلندرانہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ یہی وہ کافرانِ مجور و مردود ہیں جنہوں نے اپنے غفور و کریم رؤف و رحیم رب تعالیٰ کے محبوب صاحب اسرار محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سینۂ اطہر کے انوار آیت و معجزات برکاتِ و اقوالِ متبرکات کا بھی انکار بھی انکار کیا اور مکاشفۂ قرب ذات کی لقاء و حاضری کے بھی منکر کفری ہوئے صرف اسی گستاخی و کفر و انکار و شرکِ خفی کی بنا پر اُن کے تمام محنت و ہمت کے اعمالِ خیر ریا و نمود کی بھڑکتی آگ میں خاکستر ہو گئے تو محشر افکار اور قیامت اسرار کے یومِ ابتداء و ساعتِ تغابنِ نفسی میں حسابِ عاشقاں عذابِ غافلاں کی میزانِ معرفت میں اِن اعمالِ رذیل کا کوئی بھی وزن ہم قائم نہ فرمائیں گے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح عالمِ اجسام میں آئینۂ رہبر ظاہر بدنی ہے کہ سامنے کی تمام اچھائیوں برائیوں کو ظاہر کر کے اپنے دیکھنے والے کو اسی کے احوال بتا کر اسی کے ہاتھ سے درستگی کراتا ہے اور زبانِ کیفیت سے سب اچھائی برائی بتا دیتا ہے اگر آئینہ نہ دیکھا جائے تو کوئی بھی نہ بدصورتی و برائی دور کر سکے نہ خوب صورت و اچھائی اپنا سکے بلکہ آئینہ کے بغیر محافلِ دنیا میں رسوائی و ذلت ہی کا اندیشہ گندے اور بدنما چہرے اور گندگی میل کے دھبوں والے کی نہ کوئی قدر و قیمت ہوتی ہے نہ اُس کے اقوال و افعال کی اِسی طرح دنیاءِ باطن میں اپنے اعمال کو قیمتی اور خوب صورت قابلِ تکریم وزن دار بنا سکنے کے لیے مرشدِ کامل کی رہنمائی و ہدایت ارشادات اشد ضروری ہیں کوئی بندہ کتنا ہی پڑھا لکھا عقل مند ہو اپنے اچھے بُرے اعمال کو نہیں پہچان سکتا۔ رہبرِ مخلص و کامل کے بغیر اعمال برباد اور ابلیس کا شکار بنتے ہیں۔ ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوْا وَاتَّخَذُوْٓا اٰيٰتِيْ وَرُسُلِيْ هُزُوًا ۔ جو مردودانِ ازلی اِس صراطِ مستقیم کو اختیار نہیں کرتے اور بیعتِ مرشد کی دستگیری سے دور بیٹھے رہتے ہیں ابلیس اُن کا راہ مار دیتا ہے وہ اپنے اعمالِ خراب پر حسنِ تقویٰ کے گمان میں مگن و مغرور پھرتا ہے ایسے بدمستوں کی سزا و بدلہ جہنمِ افتراق و اضطراب ہی ہے اُسی وجہ سے حقیقتِ قلب و عقل کے وعظ و دل پذیر کے باوجود انہوں نے کفرانِ امارہ ہی کیا۔ راہِ تخریب ہی اختیار کیا۔ اور میری آیتِ باطن اور نشاناتِ فطرت کا بھی مذاقِ روگردانی بنایا اور میرے رسولانِ مشفقان کی بھی گستاخیاں بے ادب بیان کرتے و کراتے رہے اس لیے اب جلیں وہ ہمیشہ کی جہنمِ محرومی و مردودی میں۔ اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب کی چار نشانیاں ۱ دل میں سختی اور اکڑ پیدا ہو جاتی ہے ۲ خیر کی توفیق نہیں ملتی ۳ اگر کوئی اچھا کام کرے بھی تو اس میں نجاستِ ریا پلیدی نام و نمود ڈال دیتا ہے جس سے اس کا سب کیا دھرا اکارت و غارت ہو جاتا ہے ۴ صرف یہیں تک رہتا بلکہ اللہ رسول کا کھلے عام مذاق اڑاتا ہے فریب کماتا ہے۔ لیکن اس کے برعکس۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا ۔ بے شک وہ خوش بخت اور خوشنو طبع عرفانی والے جو ایمانِ الست پر تادمِ قبر ثابت و مضبوط رہے اور ہدایتِ رہبر کے مطابق اعمالِ نورانیہ کرتے

ہے اور توفیقِ معرفت کے دروازے جن پر کھولے گئے اُن ہی کے لیے منزلِ قرب کی جنت فردوسِ رضائے الٰہی
ہیں۔ جو بندہ مرشدِ عقلِ سلیم کے ذریعے سنتِ نبوی پر فہم و شعور سے عمل پیرا ہوا اور اپنے آقا و مربی سے
نفوسِ اَمّارہ کی شرارتوں سے بچنے اور پناہ لینے کا طلب گار رہو یہ اصل مومن کی تعریف ہے مرشدِ کامل
کی ہی یہ پہلی تعلیم ہے کہ آستانۂ نبوی سے ہمیشہ دنیا و آخرت مانگتے رہو اور بوسیلۂ محبوبِ کائنات بارگاہ
ربوبیت سے یہ دعا مانگتے رہو کہ اے مولیٰ تعالیٰ تو مجھے ایک لمحہ کے لیے بھی میرے نفس کے حوالے
نہ کر بلکہ میری اسی طرح حفاظت فرما جس طرح چھوٹے کمزور نادان بچے کی حفاظت کی جاتی ہے یہی مقامِ بندگی
اور مقامِ عجز ہے یہ راہِ عرفانی کا پہلا فن ہے۔ یہاں جس نے اپنے آپ کو پہچان لیا اُس نے اپنے رب تعالیٰ
کو پہچان لیا اور مومن باصفا کی پہچان یہ ہے کہ اس کی زندگی مثلِ شجرات ہوتی ہے۔ اس کا قیام مثلِ درختانِ
ثمرات اس کا چلنا پھون لمحاتِ حیاتِ آسا رگزرانا مثلِ باغات اس کا چلنا مثلِ بادِ بہار اس کی رہبری ستاروں
کی مثل اُس کی روشنی آفتابِ عالمتاب کی مثل اُس کی منزلیں قمرِ شب بیدار کی مثل کہ یہ سب مخلوق چاند سورج
ستارے درخت ہوائیں فضائیں اپنے لیے کچھ نہیں کرتیں ان کے سب فیوضات و ثمرات دوسروں کے
لیے ہوتے ہیں۔ درختوں کے پھل پھولوں کی خوشبو دریاؤں کی لہریں ہواؤں کے جھونکے اور سب چمک
دمک روشنی دیگر مخلوقات کے لیے ہوتی ہے یہ اپنی نعمتوں سے خود کچھ نہیں لیتے۔ ان کی پرورش ان کا
پروردگار خود فرماتا ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ (اقوالِ غوثِ پاک و خواجہ اجمیری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ﴿۱۰۸﴾ قُلْ لَّوْ

ہمیشہ ہی رہیں گے وہ مومن اُن جنتوں میں کبھی نہ پسند کریں گے وہ اُن اپنی جنتوں سے منتقل ہونا فرما دیجئے اگر
وہ ہمیشہ ان ہی میں رہیں گے اُن سے جگہ بدلنا نہ چاہیں گے۔ تم فرما دو اگر

كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ

بن جائے پورا سمندر کا پانی سیاہی میرے رب کی معلومات لکھنے کے لیے البتہ ختم ہو جائے سب سمندر
سمندر میرے رب کی باتوں کے لیے سیاہی ہو تو ضرور سمندر ختم ہو جائے گا اور میرے

اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ﴿۱۰۹﴾

اس سے پہلے کہ مکمل لکھے جائیں میرے رب کی معلومات اگرچہ ہم پیدا کر دیں اسی کے برابر اور سیاہی

رب کی باتیں ختم نہ ہوں گی اگرچہ ہم ویسا ہی اور اس کی مدد کو لے آئیں

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ

فرما دیجئے فقط میں ہی ایسا بشر ہوں جو تم سب کی مثل ہوں وحی کی جاتی ہے میری ہی طرف کہ فقط تمہارا معبود

تم فرماؤ ظاہر صورتِ بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک

اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْیَعْمَلْ

ایک معبود ہی ہے تو جو شخص آرزو کرتا ہے اپنے رب سے ملنے کی تو وہ ضرور

ایک ہی معبود ہے تو جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیئے کہ

عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا ﴿۱۱۰﴾ ع

نیک عمل کرے اور نہ شریک کرے اپنے رب کی عبادت میں کسی کو

نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہل ایمان کے اعمالِ صالحہ کی جزا یعنی جنّت کا داخلہ مذکور ہوا۔ اِن آیت میں جنّت میں رہنے کی مدّت بیان فرمائی گئی یعنی ہمیشہ ہمیشہ۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ کفار میری آیتوں کو اور میرے رسولوں کو کمزور سمجھتے ہوئے ان کا مذاق بناتے ہیں۔ اب ان آیت میں باری تعالیٰ کے کلمات و آیت کی شان بتائی جا رہی ہے کہ اُس کے کلمات کو سات سمندروں کی سیاہی سے بھی پورے لکھے نہیں جا سکتے اور اُس کے رسولوں کی شان یہ ہے کہ اُس کے ایک پیارے رسول بھی تمام کائناتِ انسانیت کے تمام بشروں کی مثل ہیں۔ یعنی تمام بشروں کی صفاتِ قوتیہ جو ہر تیرِ حالیہ اُس ایک رسولِ مکرّم میں موجود ہیں

بھلا ایسے شان والے رسولوں کا مذاق بنانا کب مناسب لگتا ہے۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی کمزور شخص کسی پہلوان کا یا نابینا اندھا کسی آنکھوں والے کا یا جاہل گنوار کسی خوب صورت پڑھے لکھے عالم کا مذاق کرے۔

شانِ نزول جیسا کہ ہم نے اس سورۃ کی ابتدا میں عرض کر دیا ہے کہ یہ سورت مکمل طور پر پوری ایک دم نازل ہوئی تھی اس لیے اس کا شانِ نزول اور نزول بھی صرف ایک ہی دفعہ ہے علیحدہ علیحدہ آیت کا شانِ نزول یا نزول نہیں ہے مگر چونکہ امام جلال الدین سیوطی اور ان کے تتبع میں جناب حضرت صدر الافاضل سید نعیم الدین شاہ صاحب محدثِ مراد آبادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی حاشیہ تفسیر میں اس سورت کی چند آیت کا شانِ نزول بیان فرمایا ہے اس لیے ہم آخر میں وہ تمام آیت بیان کرتے ہیں جن کے شانِ نزول امام سیوطی نے اپنی کتاب لُبابُ النقول فی اسباب النزول میں علیحدہ علیحدہ بیان فرمائے ہیں جب کہ امام جلال الدین سیوطی نے ابتدا میں یہ تسلیم کیا ہے کہ یہ سورۃ ایک دم نازل ہوئی۔ چنانچہ ص۱۸۲ پر حاشیہ تفسیر ابن عباس پر لکھا ہے ثُمَّ جَاءَهُ جِبْرِيْلُ مِنَ اللّٰهِ بِسُوْرَةِ اَصْحَابِ الْكَهْفِ (الخ) ترجمہ جب انشاء اللہ نہ کہنے کی وجہ سے پندرہ دن وحی بند رہی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج و غم ہوا تو اللہ کی طرف سے جبریل پوری سورۃ کہف لے کر نازل ہوئے۔ اور تمام مفسرین و محققین کے نزدیک یہ ہی درست ہے لیکن آگے چل کر امام سیوطی چھ آیت پہلی آیت ۲۸ آیت ۲۹ آیت ۸۳ آیت ۱۰۹ آیت ۱۱۰ کا علیحدہ علیحدہ شانِ نزول بیان فرماتے ہیں اور صدر الافاضل نے صرف آیت ۲۸ و ۱۰۹ کا علیحدہ شانِ نزول بیان فرمایا چونکہ اس جگہ ہم آیت ۱۰۹ اور ۱۱۰ آخری آیتوں کی تفسیر میں ہیں اس لیے یہاں صرف ان ہی دو آیتوں کا شانِ نزول نقل کریں گے باقی چار آیتوں کا مذکورہ شانِ نزول اس سورۃ کے اختتام پر درج کر دیں گے اور بجائے انکار کرنے کے ہم دونوں تضادی قولوں میں اتفاق و مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں گے انشاء اللہ امام سیوطی ص۱۸۴ پر لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ عیینہ بن حصن بارگاہ نبوت میں آیا تو دیکھا کہ حضرت سلمان فارسی غریب فقیر بھی حالت حاضر بارگاہ ہیں تو یہ مغرور کہتا ہے کہ جب ہم آپ کے پاس آیا کریں تو ان غریبوں اور گھٹیا لوگوں کو نکال دیا کرو اس موقعہ پر یہ آیت نازل ہوئی ۱۰۹ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ (الخ) یعنی اللہ کی حکمتوں تدبیروں کی کچھ انتہا نہیں ہے وہ جانتا ہے کون بارگاہ کے لائق ہے کون نالائق یہاں امیری غریبی کا فرق نہیں ہے۔ اُس کا ہی علم زیادہ ہے ایک دفعہ جب يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ والی آیت نازل ہوئی تو یہود نے کہا ہمارا علم بہت زیادہ ہے کیونکہ ہمارے پاس توریت ہے تب یہ آیت ۱۰۹ نازل ہوئی تفسیر صاوی نے اس طرح فرمایا کہ یہودیوں نے اعتراض کیا کہ تمہارے پیغمبر کبھی کہتے ہیں وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا تم لوگوں کو بہت ہی تھوڑا علم دیا گیا ہے کبھی کہتے ہیں جس کو حکمت ملی اس کو خیر کثیر ملا اور یہ بھی کہتے

کہتے ہیں توریت میں حکمت ہے اور یہ باتیں تضاد بیانی ہے تب یہ آیت لَوْ كَانَ الْبَحْرُ نازل ہوئی، کہ انسان کا علم اللہ کے مقابل قلیل سے قلیل ہے یہ مکہ مکرمہ ہی میں نازل ہوئی اور امام سیوطی فرماتے ہیں کہ آیت ۱۱۰ کا شانِ نزول اس طرح ہے کہ ایک شخص نو مسلم صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ میرا دل چاہتا ہے کہ اپنا اُخروی ٹھکانہ اور رہائشی وطن دیکھوں تو یہ آخری آیت کریمہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ (۲) نازل ہوئی۔

تفسیر نحوی خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا خَالِدِيْنَ یہ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر خُلُدٌ سے مشتق ہے معنیٰ ہے ہمیشہ رہنے والے بحالتِ فتحہ ہے یا اس لیے کہ حال ہے پوشیدہ هُمْ ضمیر ذوالحال کا، در اصل ہے هُمْ خَالِدِيْنَ، یا یہ كَانُوْا پوشیدہ کی خبر ہے، اور یہی درست ہے فِيْهَا جار مجرور ترجمہ ہے اُس جنت میں متعلق ہے خٰلِدِيْنَ کا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر ذوالحال اگلی عبارت لَا يَبْغُوْنَ کا جملہ حال ہے پھر خبر ہے كَانُوْا پوشیدہ کی وہ اپنے اسم ضمیر هُمْ اور اس خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا لَا يَبْغُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع نفی بِلَا، بَغْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ نہیں پسند کریں گے وہ مومن اگر یہ بَغْیٌ سے مشتق ہے تو معنیٰ ہے پسند کرنا۔ بغاوت کرنا حد سے بڑھنا۔ اور مراد ہے کہ وہ مومن لوگ جنت سے نکلنا۔ یا بغاوت کرنا یا اس کی حدوں سے نہ نکلنا چاہیں گے عَنْ حرف جر زوالی یعنی دوری کرنے کے لیے ھَا سے مراد جنت یہ جار مجرور متعلق ہے لَا يَبْغُوْنَ حِوَلًا۔ اسم مصدر بروزنِ عِوَجٌ بمعنیٰ پھرنا، منتقل ہونا جگہ بدلنا، مفعول بہ ہے لَا يَبْغُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا خَالِدِيْنَ کا وہ اس حال سے جڑ کر جملہ اسمیہ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ۔ قُلْ فعل امر، قَوْلٌ سے مشتق ہے۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ ہو کر قول ہوا۔ لَوْ حرفِ شرط ہے دو جملوں پر آتا ہے وہ دونوں جملے ماضی سے تعلق رکھتے ہیں۔ دونوں آپس میں یا سبب اور مسبب ہوتے ہیں یا شرط و جزاء اس طرح کہ پہلا جملہ سبب یا شرط ہوتا ہے اور دوسرا جملہ بزمانۂ ماضی پہلے پر معلق ہوتا ہے کہ اگر وہ ہوتا تو یہ ہوتا اس میں زمانہ حال یا مستقبل نہیں آسکتا حرف لَوْ سے دونوں جملوں میں تین چیزیں ثابت کی جاتی ہیں ۱۔ امتناع۔ یعنی شرط و جزا کا نہ ہونا ۲۔ تعلیق، کہ دوسرے کا ہونا پہلے کے ہونے سے ہوتا ۳۔ مساوات یعنی دونوں جملوں کی برابری مثلاً اگر ایسا ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ یا اگر ایسا ہوتا تو بھی ایسا نہ ہوتا۔ لَوْ سے جزا کے تین درجے حاصل ہوتے ہیں ایک یہ کہ کبھی جزا کا شرط پر انحصار ہوتا ہے دوم کبھی جزا کی قوت ثابت کی جاتی ہے اگر ایسا ہوتا تب بھی یہ نہ ہوتا۔ مثلاً اگر شیر بھی آجاتا تب بھی زید نہ ڈرتا۔ سوم کبھی جزا کی اَوْلَوِیت ثابت کی جاتی ہے۔ یہاں اسی مقصد کے لیے لَوْ ارشاد ہوا کہ اگر سمندر سیاہی بن جاتے اور لکھ لکھ کر ختم ہو جاتے تب بھی کلماتِ ربی کی انتہا کا پتہ نہ لگتا تو اب جب

کر نہیں لکھے گئے بدرجہ اولیٰ انتہا کا پتہ نہیں لگ سکتا۔ لَوْ کی چھ قسمیں ہیں (۱) لَوْ شرطیہ (۲) لَوْ وصلیہ۔ یہاں پہلے واؤ وصلیہ آنا ضروری ہے (۳) بمعنی اَنْ ناصبہ مگر یہ لَوْ نصب نہیں دیتا۔ اس کو لَوْ تمنائی کہتے ہیں بمعنی کاش (۴) لَوْ عرض اور آمادگی کے معنی میں۔ اگر تو ایسا کرتا تو اچھا ہوتا (۵) لَوْ تقلیلیہ۔ بمعنی خواہ کچھ بھی ہو (۶) لَوْ امتناعیہ۔ اس کے بعد لا نافیہ ہوتا ہے مثلاً لَوْ لَا كَانَ۔ كَانَ فعل ناقص اَلْبَحْرُ الف لام جنسی بَحْرٌ بمعنی تمام سمندر۔ اسم ہے كَانَ کا مِدَادًا اسم مصدر بروزن فِعَالٌ مَدٌّ سے بنا ہے بمعنی زیادہ ہونا۔ معاون بننا (۲) کتابت کی سیاہی (۳) چراغ کا تیل (۴) ایک شی کے بعد دوسری شی کا آنا اسی سے ہے مَدَدٌ مدد کرنا چونکہ سیاہی اور دوات لکھنے میں معاون و مددگار ہیں اس لیے اس کو مِدَادًا کہا گیا لِكَلِمٰتِ رَبِّيْ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہوا۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے مِدَادًا کا۔ یہ شبہ جملہ ہو کر خبر ہے كَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام سببیہ جزائیہ نَفِدَ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد غائب نَفَدٌ سے مشتق ہے بمعنی ختم ہوجانا۔ اَلْبَحْرُ اس کا فاعل ہے۔ قَبْلَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے۔ اَنْ ناصبہ تَنْفَدَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع واحد مؤنث۔ كَلِمٰتُ مضاف رَبِّيْ۔ بمعنی میرے رب کے کلمے۔ یہ ڈبل مرکب اضافی فاعل ہے تَنْفَدَ یہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ قَبْلَ کا۔ دونوں مل کر ظرف ہے نَفِدَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ شرط و جزا مل کر علت ہوئی وَلَوْ۔ وصلیہ جملے کی۔ جِئْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مرجع نبی کریم یا اللہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ فرماتا ہے وَلَوْ جِئْنَا ہم لے آئیں۔ بِمِثْلِهٖ متعلق ہے جِئْنَا کا اور مَدَدًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی سیاہی۔ مفعول بہ ہے جِئْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا۔ علت و معلول مل کر قول ہوا قُلْ کا۔ دونوں مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ قُلْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّمَا۔ اِنَّ حرف مشبہ ما کافہ اس نے اِنَّ کے عمل کو لغو کر کے حصر پیدا کیا ترجمہ ہو گیا بس، فقط۔ اَنَّ کے ساتھ بھی ما کافہ آ جائے تو یہی کچھ ہوتا ہے۔ اِنَّمَا اَنَّمَا دونوں کا ترجمہ ہے صرف فقط۔ اَنَا۔ ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ بَشَرٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی کھلی ظاہر کھال بغیر بال کے بجز انسان کسی کی کھال بغیر بالوں کے نہیں ہوتی جنس کے بچے پہلے سارے جسم پر بال ہوتے ہیں اس لیے صرف انسان ہی بشر ہے۔ بشریت صفت ہے نہ کہ ذات۔ انسانیت اور آدمیت ذات ہے۔ بحالت رفع موصوف ہے مِثْلُكُمْ۔ تم سب کی مثل۔ یہ مرکب اضافی صفت ہے بَشَرٌ کی دونوں مل کر خبر ہے۔ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر پہلا مقولہ ہوا۔ يُوْحٰى۔ باب افعال کا مضارع مجہول۔ اِلَيَّ۔ ترجمہ میری طرف۔ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنَّمَا۔ اسم حصر بمعنی صرف فقط اِلٰهُ مضاف كُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا ہوا اِلٰهٌ موصوف وَّاحِدٌ صفت یہ

یہ مرکب توصیفی خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل یوحیٰ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ تعقیبیہ مَنْ اسم موصول شرطیہ، کَانَ فعل ناقصہ زائدہ محض تاکید کرنے کے لیے۔ یَرْجُوْا باب نصر کا مضارع مثبت معروف۔ لِقَاءَ، اسم مصدر مضاف ہے رَبِّ مضاف ہٖ ضمیر نفسی یعنی اپنے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول مضاف الیہ لِقَاءَ۔ یہ مصدر مضاف اپنے مفعول مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہے یَرْجُوْا کا وہ اپنے پوشیدہ فاعل اور ظاہر مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی ف جزائیہ لِيَعْمَلْ فعل امر غائب واحد مذکر باب فَتَحَ عَمَلًا موصوف صَالِحًا صفت یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لِیَعْمَلْ کا جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واو عاطفہ لَا یُشْرِکْ فعل نہی واحد مذکر غائب باب افعال سے ہے بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ۔ ڈبل مرکب اضافی مجرور جار مجرور متعلق ہے لَا یُشْرِکْ کا۔ اَحَدًا، اسم نکرہ عمومی یعنی کسی کو مفعول بہ ہے لَا یُشْرِکْ کا، سب مل کر معطوف ہوا فَلْیَعْمَلْ کا دونوں عطف مل کر جزا ہوئی کَانَ یَرْجُوْا کی شرط و جزا مل کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر معطوف ہے یُوْحٰی کا دونوں مل کر مقولہ دوم۔ قُلْ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۔

اے منکرو مغرورو کافرو تم جن غریب مسکین مومن مسلمانوں سے نفرت کرتے ہو ان کی آن شان عزت خوبصورتی لباس زیب و زینت کل جنت میں دیکھنا کہ وہ جنتِ فردوس اتنی دل پسند جگہ ہے کہ اہل جنت باوجود اس خوش خبری سنائے جانے کے کہ وہ ہمیشہ اَبَدَ الْاٰبَاد تک اسی میں رہیں گے پھر بھی ایک لمحہ ایک منٹ کے لیے بھی جنت سے باہر کہیں اور جانے کی خواہش نہیں کریں گے نہ آس پاس کے برزخی اعرافی دوزخی پڑوسیوں سے ملنے ملانے کی نہ سیر سیاحت یا سفر کی نہ جنت ہی کے اندر ایک طبقے سے دوسرے طبقے میں گھر یا رہائش بدلنے کی۔ اس کی تین وجہ۔ اول یہ کہ خلود اور ہمیشگی چار قسم کی ہے ۱۔ خلودِ علاقائی یعنی جنت کے اندر ۲۔ خلودِ رہائش یعنی جنتی رہائش گاہ ۳۔ خلود طبقاتی یعنی جنت کے جس طبقے کا جنتی ہو گا اسی میں رہے گا ۴۔ خلودِ مرتبہ یعنی جس مرتبے کا جنتی ہو گا سدا اسی مرتبے کا رہے گا اس لیے لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ بھی خلود ہی کی تاکید ہے ان چاروں چیزوں میں کبھی تبدیلی نہ ہو گی ویسے ملنے ملانے کے لیے جنت میں ایک دوسرے کے گھر علاقہ اور طبقہ کے اندر سیر سیاحت ہونا اور آنا جانا سلام دعا میل ملاقات لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا کے منافی نہیں۔ دوم وجہ یہ کہ ہر جنت اتنی خوب صورت اور آرام دہ جگہ ہے کہ کسی بھی جنتی کا نہ جنت سے باہر جانے کا دل چاہے گا نہ طبقہ اور

گھر بدلنے کا ارادہ کرے گا کیونکہ ہر چیز ہر ضرورت خواہشِ قلبی کے مطابق اس کے اپنے ہی گھر میں ہر وقت موجود ہوگی سوم یہ کہ سیاحت سیاحت سفارت اور تغیر تبدل، نقلِ مکانی۔ طلب غیر رشک۔ حسد یہ تمام حیاتِ دنیوی میں انسانی جبلی کمزوریوں میں سے ہیں جنت میں جس طرح کہ انسان کی دیگر تمام جسمانی نفسی طبعی قلبی روحی کمزوریاں ختم کر دی جائیں گی اسی طرح یہ کمزوریاں بھی ختم کر دی جائیں گی، دنیوی زندگی میں ہر انسان تقریباً عمر کے ہر سمجھ بوجھ والے حصے میں چھ طرح کی تبدیلیوں کی خواہش کرتا ہے اور یہ خواہش تین وجہ سے ہوتی ہے ۱؎ ضرورۃً جب کہ ایک جگہ یا ایک موجودہ حالات میں ضروریاتِ زندگی پوری نہ ہوتی ہوں ۲؎ محض طبیعت کے میلان اور عیاشی کی بنا پر ۳؎ رشک یا حسد کی بنا پر۔ چونکہ جنت میں یہ تینوں وجوہ نہ ہوں گی اس لیے لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ہوگا۔ ہر انسان چاہتا ہے کہ موجودہ حالات بدل جائیں ۲؎ تبدیلی مکان ۳؎ تبدیلی مشاہدات، نئی نئی چیزیں دیکھوں ۴؎ تغیر انکشافات زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کروں ۵؎ تغیر لباس ۶؎ تغیر انتظامات ہر انسان ایک دوسرے سے دنیا میں بازی لے جانا چاہتا ہے۔ اسی خواہش یا رشک و حسد کی بنا پر دنیا کی بھاگ دوڑ اور چہل پہل ہے مگر یہ جائز ناجائز خواہشات جنت میں نہ ہوں گی لہٰذا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا فرمانے میں تین چیزوں کا شاندار تعارف کرایا گیا۔ جنت کی شان کا۔ جنتیوں کی شان کا ۳؎ ہمیشگی رہائش کا دنیا و آخرت کی ان مختلف کیفیات میں کیا راز ہے کیا حکمتیں و قدرتیں ہیں یہ اللہ کے کلمات ہیں ان کی حقیقت کو کوئی مخلوق نہیں پا سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے کلمات غیر منتہی ہیں اے پیارے محبوب قل، ان کائناتِ مخلوق کے سامنے فرما دیجئے کہ کلماتِ الٰہیہ یعنی اللہ تعالیٰ کے تخلیقی شاہکار۔ انبیاء کرام علیہم السلام وغیرہ سب سے بڑے کلمات انہی کے اجسام مقدسہ ہیں ۲؎ اللہ تعالیٰ کی قدرتیں ۳؎ حکمتیں ۴؎ صفاتِ ازلی قدیمی ۵؎ علم ۶؎ معلوماتِ باری تعالیٰ ۷؎ کلامِ الٰہی ان کو سمجھنا تو در کنار اگر کبھی کوئی فقط لکھنے اور ضبطِ تحریر و مجموعۂ کتاب بنانے کا ہی ارادہ کرے تو آشکارا ہو جائے کہ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا۔ اگر یہ موجودہ دنیا کا پورا لبالب بھرا ہوا سمندر اپنے سات سمندری حصوں اور کروڑوں قسموں کے پانیوں کے ساتھ پورا کا پورا سیاہی بن جائے میرے رب تعالیٰ کے کلمات لکھنے کے لیے اور لکھنے والے لکھنا شروع کر دیں تو البتہ یقیناً پورا سمندر ختم ہو جائے۔ پہلے اس گمان سے کہ کلمات ختم ہوں یعنی کلمات کے ختم ہو جانے اور سب لکھے جانے کا انسانی خیال و گمان صحیح نہ ہوا اور سب سیاہی لکھتے لکھتے ختم ہو جائے اگرچہ ہم سب لکھنے والے یعنی انبیاء اولیاء علماء ملائکہ جنات مل کر اس پورے سمندر کے برابر اور سیاہی جمع کر لیں کہیں نہ کہیں سے اکٹھی کر لیں یا اللہ تعالیٰ سے مانگ لیں وہ دوسری پورے سمندری پانی کے برابر سیاہی بھی ختم ہو جائے گی مگر رب تعالیٰ کے کلمات و معلومات کتابت سے پھر بھی ختم نہیں ہو

سکتے کتابت مکمل نہیں ہوسکتی اس لیے کہ اجسام و اقلام اور سیاہی سب منتہی ہیں اور کلمات غیر منتہی بے انتہاء تو منتہی چیز غیر منتہی کو بھلا کسی طرح ختم کر سکتی ہے امام مجاہد نے فرمایا کہ آیت کا منشا یہ ہے کہ سمندر سیاہی ہو تمام نباتات قلم ہوں اور تمام مخلوق یعنی انسان جنات اور فرشتے کاتب بن جائیے تب بھی رب تعالیٰ کے کلمے ختم نہ ہوں گے خیال رہے کہ ہر وہ چیز جو جسم اور بدن ہو کثیف یا لطیف وہ منتہی ہوتی ہے اگرچہ اس کی انتہاء اجسام کتنی ہی دور کیوں نہ ہو۔ مفسرین کا ایک قول یہ ہے کہ جِئْنَا کی ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور یہ کلام قُلْ کا مقولہ ہو کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰۤى اِلَىَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖۤ اَحَدًا۔ کائنات عقل کے لیے لَوْ كَانَ الْبَحْرُ (الخ) کا کلام الٰہی حیران کن ہے جس کا نتیجہ عقل سلیم کے لیے تو عجز سے تسلیم کرنا ہے لیکن عقل خبیث کے لیے انکار ہے منکرین ابلیین کے ثبوت کے لیے ساتھ ہی برہانِ ربانی کی تثلیث کا تذکرہ اس شان سے فرمایا جا رہا ہے کہ مفسرین اس کی تفسیر کرتے ہوئے ورطۂ حیرت میں پریشان پھر رہے ہیں فرمایا قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ رب تعالیٰ کے کروڑوں بے انتہا کلمات میں سے یہ چھ کلمات بھی ایسی معجزانہ شان والے ہیں کہ چودہ سو سال سے آج تک اہلِ علم اس کی تشریح و معانی بیان کرتے چلے آرہے ہیں مگر کوئی بھی تسلی بخش تکمیل کا دعویٰ نہ کر سکا۔ اس کلام کا ایک کلمہ لفظِ مثل ہی اپنے معانی میں اتنا وسیع ہے کہ مثلیت کی کروڑوں قسمیں ہیں اور ہر جگہ علیحدہ نوعیت ابھی تک یہ تعیین نہیں کیا جا سکا کہ یہاں مثلکم کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ نیز حیرانی اسبات کی ہے یہ آیت نہ توریت میں تھی نہ زبور و انجیل میں نہ صحفِ آدم و نوح ہیں نہ صحفِ ابراہیم و موسیٰ میں علیہم السلام یہ جملہ نہ آدم علیہ السلام سے کہلوایا گیا نہ نوح و یعقوب یوسف، داؤد و سلیمان سے علیہم السلام، قرآن مجید میں یہ آیت کریمہ دو جگہ مذکور ہوئی اور بالکل اسی طرح آن شان و کلمات سے ایک یہاں سورۃ کہف کی آخری آیت میں اور دوم سورۃ حٰمٓ سجدہ (فصلت) کی آیت ۶ میں، لفظِ مثل اور اس کے مشتقات قرآن مجید میں تقریباً ایک سو انہتر آیات میں آئے ہیں اور صرف لفظِ مثل تقریباً ایک سو آٹھ جگہ مذکور ہیں اور ہر جگہ علیحدہ نوعیت کا معنیٰ اور قرآن کریم میں بھی یہ کلمات کسی اور شخصیت کے لیے نہیں فرمائے گئے کسی اور انسان نبی ولی عالم کو حکم نہ فرمایا گیا کہ قُلْ فرمایا گیا تو کس نبی کو جس کی بے مثلیت قرآن کریم کی آیت آیت سے ظاہر فرمائی گئی، جس کا مثل انسانوں اور زمین والوں میں تو درکنار رملاءِ اعلیٰ کے انبیاءِ مرسلین میں کوئی نہیں جس کی بے مثلیت قدم قدم سے ظاہر۔ جسکے پاس عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ کا تمغہ علومِ الٰہیہ کی امانتیں جس کے سینے میں غیوبِ عالمین کے خزانے جو سراپا معجزہ جو بے مثل عظمتوں کا مالک جو رفتار میں جبریل سے آگے کردار میں

مخلوق سے برتر جس کے دربان ملائکہ جس کے غلام شمس و قمر جس کے حکم پر بادل برسیں، شیاطین لرزیں جس کے دیدار کو مرسلین ترسیں۔ ایسے بے مثل کو فرمایا گیا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اہل علم و عقل کو آخر حیرانی کیوں نہ ہوتی۔ یہ حیرانی ہی تو ہے کہ کسی نے اس کی تفسیر میں کچھ کہہ دیا کسی نے کچھ، کسی نے کہا یہ خبر ہے کسی نے کہا یہ خبر ہے کسی نے کہا یہ اظہار عجز ہے کسی نے کہا یہ بندگی میں مشابہت مراد ہے کسی نے کہا یہ اس لیے فرمایا گیا تاکہ یہود و نصاریٰ کی طرح مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی معبود نہ بنالیں سنیوں نے ڈر کے مارے اس آیت کو ہاتھ نہ لگایا کہ کہیں کوئی گستاخی کی بات نہ نکل جائے اور گستاخ فرقہ نے اس آیت پاک سے ناجائز سہارے لے کر خوب اچھل کود مچائی اور جہنم کی خبیث روحوں نے طرح طرح کی گستاخیاں بناڈالیں اور خود کو نبی علیہ السلام کے برابر سمجھ لیا اور بڑے بھائی یا گاؤں کے چوہدری سے زیادہ اہمیت نہ دی اور دلیل میں بھی متقدمین و متاخرین کی غیر عقلی تفاسیر کو پیش کیا اور واقعتاً بغیر سوچے سمجھے بزرگوں کی ایسی اچٹتی تفسیروں سے آخر ایسے ہی گستاخ فرقوں نے جنم لینا تھا، لیکن اگر تدبر و تفکر اور احادیث مبارکہ کی روشنی سے اس آیت پاک کو دیکھا جائے تو اظہر من الشمس ہوتا ہے کہ یہ آیت بھی میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم نعت و شان بیان فرمارہی ہے۔ اور ثابت ہو رہا ہے کہ یہ آیت نہ تو خبر ہے نہ اظہار عجز ہے نہ انکسار ہے بلکہ ایک عظیم دعویٰ اور ایک کائناتی چیلنج ہے۔ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو قرآن مجید اس محبوب کو جبریل و میکائیل کی صفوں سے بھی اونچا ارفع بلند حیثیت و شخصیت کا مقام بیان فرمائے اور پھر وہی قرآن مجید اسی محبوب بے مثل کو اٹھا کر ایک عام آدمی کی صف میں لا کھڑا کرے اور ایسی بات بیان فرمارہے جس کا ثبوت بجز اس آیت کے کسی اور آیت و حدیث سے نہ میسر ہوا۔ اس لیے میری عقل میں اس آیت کی تفسیر اس طرح ہے قُلْ۔ اے محبوب و حبیب محمد مصطفیٰ علیٰ الاعلان ساری کائنات انسانیت و آدمیت کو فرما دے سنا دے بلا جھجک فرما کیونکہ یہ اعلان ہم کرا رہے ہیں ہمارے فرمانے سے فرما دے، اِنَّمَآ اَنَا۔ اللہ کی پوری مخلوق میں فقط میں ہی وہ بشر ہوں جو تم سب کی شکل ہوں اور تم سب کی تمام صفتیں عزتیں عظمتیں شانیں قوتیں طاقتیں لیاقتیں فضیلتیں جو جو نعمتیں رب تعالیٰ نے تاقیامت تم لوگوں میں تقسیم فرمائیں یا جو عطا فرمائیگا خواہ وہبی صفات ہوں یا کسبی فطرتی جبلی ہوں یا اپنی محنت سے حاصل کردہ لیاقتیں ڈگریاں ہنر صنعت و حرفت ہوں وہ سب رب تعالیٰ نے مجھ کو ازل میں ہی عطا فرمادیں اس لیے فقط یہ دعویٰ میں ہی کرسکتا ہوں کہ میں ہر صفت ہر قوت طاقت لغت زبان دانی علم فیوض میں تم سب کی شکل ہوں یہ دعویٰ یہ چیلنج نہ کوئی اولین میں کرسکا نہ آخرین میں نہ تم آپس میں۔ دنیا میں کوئی انسان کتنی ہی عقل و لیاقت اور محنت والا ہو وہ اپنی محنت مشقت اور لگن سے دس بارہ صفات اور سندات سے زیادہ حاصل

نہیں کر سکتا اور دس بارہ زبانیں جاننے والا بھی پورے ایک جلسے کو یا ایک شہر کو بھی چیلنج نہیں کر سکتا۔
اگر کوئی سو دو سو صفتوں والا یہ مثلکم کا دعویٰ کر بھی دے تو کوئی دوسرا آدمی کہہ سکتا ہے کہ مجھ کو فلاں ہنر آتا
ہے تجھ کو وہ نہیں آتا۔ مثلکم کہنے والے کو خاموش ہونا پڑے گا۔ یہ تو صرف آقاء کائنات کی ہی ذات
مقدسہ ہے جن سے رب تعالیٰ نے یہ دعویٰ کروایا اور آج تک کوئی بھی مغرب مشرق شمال و جنوب بلکہ
فرش و عرش لوح و قلم میں کوئی گردن نہیں اٹھا سکا اس آیت میں اگرچہ چیلنج سب عرشیوں فرشیوں ملائکہ
جنات کو سنایا جا رہا ہے مگر بشر کہہ کر اس چیز کا اظہار مقصود ہے انسانوں کو ہی زیادہ صفات اور
لیاقتیں ملتی ہیں وہ ہی زیادہ مغرور اور متکبر بھی بنا پھرتا ہے اس لیے خاص اُس کی صفت بشریت کا ذکر
کیا گیا۔ دوسری مخلوق کے پاس نہ ڈگریاں اور سندیں ہیں نہ سکول و کالج یونیورسٹیاں اور فیکٹریاں ہنر
سازیاں ہیں نہ غرور و تکبر ہے۔ اس آیت پاک میں پانچ لفظ قابل غور ہیں ۱۔ قُل۔ یہ فعل امر ہے امر میں
حکم پایا جاتا ہے حکم کرنے کے دو ہی مقصد ہوتے ہیں یا انکار کرنے کی صورت میں حکم دیا جاتا ہے یا جھجک کی
صورت میں۔ اگر یہاں عاجزی و انکساری مراد ہوتی تو وہ تو پہلے ہی ہر ہر بات قول و فعل سے ظاہر ہو رہی ہے
مزید امر کی ضرورت نہ تھی کردارِ نبوت سے اظہار عجز و بندگی بشریت میں نہ انکار ہے نہ جھجک پس ثابت ہوا
کہ یہ امر اظہارِ عجز کے لیے نہیں بلکہ شانِ مصطفیٰ اور نعتِ عظیم بیان کرنے کے لیے ہے یعنی اے محبوب تم یہ
دعویٰ کرو کیونکہ ہم نے تم کو اس دعوے کے لائق پہلے ہی بنا دیا ہے اپنی قدرت سے ساری صفاتِ کمالیہ
تمہاری ذاتِ یکتا و بے مثل میں بھر دی ہیں۔ قرآنِ کریم میں لفظِ قُل تقریباً تین سو تنتیس آیت میں ارشاد ہوا ہے
اور ہر جگہ ہی کسی نہ کسی طریقے پر نعتِ محبوب کا بیان ہے صلی اللہ علیہ وسلم صرف سمجھنے کے لیے عقل سلیم چاہیے
۲۔ اِنَّمَا اَنَا، فقط میں ہی۔ یہ لفظِ حصر ہے جس نے بتایا کہ کائنات میں صرف ایک میری ہی ذات رب تعالیٰ
نے ایسی بنائی جو یہ ہر ایک کی مثلیت کا دعویٰ کر سکتی ہے ۳۔ بَشَرٌ۔ بشریت صفت ہے نہ کہ ذات۔ اس نے
اس بات کا اشارہ فرمایا کہ مثلیت صفات میں ہے نہ کہ ذات میں صفات ہی سے درجہ مرتبہ شرافت لیاقت
عزت عظمت قوت طاقت ہنر فضیلت حرفت فصاحت بلاغت حاصل ہوتی ہیں۔ نبوت، ولایت، افتاء
وزارت امارت بادشاہت طبابت مہارت علمیت، عقلیت یہ تمام صفتوں کے ہی نام ہیں یہ سب صفات
بشر کی صفت والی مخلوق کو عطا ہوئیں کسی کو ایک دو کسی کو دس بیس۔ لیکن کائنات کی تمام صفاتِ کمالیہ
کا مجموعہ محمدِ مصطفیٰ کو بنایا گیا صلی اللہ علیہ وسلم ۴۔ مِثْلُكُمْ۔ لفظ مثل کے معنی ہیں برابری۔ یعنی اے کائنات
کے سابقہ موجودہ، آئندہ تا قیامت انسانو۔ صرف میں ہی ہر صفت میں تمہاری مثل ہوں۔ ہر صفت میں تمہارے
برابر ہوں تم جو کمال بھی دنیوی زندگی میں محنت و مشقت سے حاصل کرتے ہو یا کرو گے یا جو قدرتی کمال

تم کو مل جائے وہ تمام کمالات میرے پاس ہیں تم ایک دو کمال میں کسی ایک دو کی ہی مثل ہو سکتے ہو وہ بھی مکمل مثلیت سے نہیں مگر میں تم سب کی مثل بدرجۂ اتم ہوں ہاں البتہ تم کوئی بھی نبی ولی صدیق و فاروق، فصیح و بلیغ عالم و فقیہ دنیا کا بڑے سے بڑا بھی میری مثل نہیں ہو سکتا۔ یہ آیت سن کر خدشہ تھا کہ شاید کوئی ابوجہلی نسل کا نادان بے عقل جاہل خود کو نبی اکرم کے برابر سمجھے۔ اس لیے صوم وصال کی حدیث میں اس خدشہ زبانی کو پہلے ہی بند فرما دیا گیا چنانچہ بخاری جلد اول کتاب الصوم باب الوصال ص ۲۶۳ پر ہے۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ قَالَ وَ اَیُّكُمْ مِثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ یُطْعِمُنِیْ رَبِّیْ وَ یَسْقِیْنِیْ۔ (الخ) ترجمہ روایت ہے حضرت ابوہریرہؓ سے منع فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ملے ہوئے (بغیر افطار و سحری) روزے رکھنے سے ایک مسلمان نے عرض کیا یارسول اللہ آپ تو رکھتے ہیں۔ تو فرمایا کہ تم میں سے میری مثل کون ہو سکتا ہے۔ اس آیت اور حدیث کو جوڑنے سے ثابت ہوا کہ نبی کریم سب کی مثل ہیں لیکن کوئی دوسرا نبی کریم کی مثل نہیں ہو سکتا کسی بھی چیز صفت یا ذات میں اس لیے میرے ظاہر ظہور ہونے کے باوجود تم میری حقیقت کو نہ سمجھ سکتے ہو نہ بیان کر سکتے ہو اور نہ میری صفات کما ینبغی کو احاطۂ تحریر میں لا سکتے ہو۔ میری ذات وصفات کلمات الٰہیہ کے نا نفدت ہونے کی برھان زبانی ہے یعنی قُلْ لَّوْ كَانَ (الخ) دعویٰ ہے اور قُلْ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اس کی دلیل ہے جب تم میری صفات کا احاطہ نہیں کر سکتے تو سمجھ لو کہ کلمات الٰہی کی کیا شان ہوگی۔ ۵ فرمایا گیا۔ یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ یوحیٰ کا جملہ بھی انما کے حصر کے تحت ہے یعنی یہ وحی بھی صرف میری طرف ہوئی ہے کہ فقط تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے پوری کائناتِ عالم میں کہیں بھی کوئی دوسرا معبود موجود نہیں نہ مجھ کو کہیں نظر آیا کیونکہ میں نے ہی کائنات کا تمام گوشہ گوشہ دیکھا ہے یہ حصر تین قسم کا ہو سکتا ہے ۱۔ حصرِ اولیت۔ یعنی سب سے پہلے مجھ کو ہی وحی ہوئی تھی کہ معبود ایک ہی ہے۔ اس اولیتِ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ثبوت حدیث پاک میں بھی ہے اور قرآنِ مجید میں حدیث میں فرمایا گیا۔ كُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ اور قرآنِ کریم میں ہے قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو ساری مخلوق اس کی عابد ہوتی مگر میں ان سب سے پہلے عابد ہوتا ۲۔ یا یہ حصرِ زمانی ہے کہ اب اس زمانے میں صرف مجھ کو ہی وحی آتی ہے اب میری بات ہی وحیِ الٰہی ہے اب کبھی کوئی اور نبی نہ ہوگا نہ ہے ۳۔ یا یہ حصر تخصیصی ہے کہ میری وحی دیگر انبیاء علیہم السلام کی وحی سے اس لیے خاص ہے کہ مجھ کو معراج کی تمام جگہ کا مشاہدہ کرایا گیا اور

بیں نے بلنظر خود اللہ کے سوا کسی اور معبود کا نام نشان بھی نہ دیکھا۔ لہٰذا جو شخص یَرْجُوْ الِقَآءَ رَبِّہٖ ۔ تمنا اور آرزو کرتا ہے یا اپنی کوتاہیوں کمزوریوں لغزشوں کی وجہ سے بارگاہِ رب تعالیٰ میں حاضری اور اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی سے ڈرتا ہے تو اُس کو چاہیئے کہ اپنی اس دنیا چند روزہ زندگی میں سُستی غفلت کسل مندی کو چھوڑ کر ہر وقت اچھے نیک صالح اور صحیح عمل کرے اور اپنے رب کریم کے لیے خالص کرے کسی غیر کو اُس کی عبادت میں کسی بھی طرح شریک نہ کرے، نہ شرکِ اکبر یعنی بت پرستی سے نہ شرکِ اصغر یعنی لوگوں کو دکھلا دے ریا سے سوا اللہ تعالیٰ کے کسی کی خوشنودی کی تمنا نہ کرے۔ انسان چار قسم کے ہیں ۱ اکھڑ طبیعت بد دماغ جو کسی کو بھی نہیں مانتے اس قسم کے لوگ دہریہ کافر بن جاتے ہیں ۲ اوندھی عقل اور غلط سوچ اندیش والے لوگ ہر سخت رغبت دار اور انوکھی ہیبت ناک چیز کے سامنے جھک جانے والے ایسے لوگ مشرک بن جاتے ہیں۔ جیسے بت پرست اور یہود نصاریٰ کہ انہوں نے جھوٹے معبود اور اللہ کے بیٹے بیٹیاں بنا ڈالے ۳ عقل سلیم اور قلب ایمان والے انہوں نے ہی لَا یُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّہٖۤ اَحَدًا۔ پر پورا عمل کیا ۴ ظاہر پرست نام نمود والے دنیا کی تعریف کے متمنی نعرے باز۔ یہ دنیا پرست مسلمانوں کا حال ہے ہر عمل ریا کاری کے لیے کر کے شرک اصغر میں مبتلا ہو جاتے اس آیت میں ان کو ہی سمجھانا مقصود ہے۔ لَا یُشْرِكْ کے تین معنیٰ کئے گئے ہیں اول بت پرستی نہ کر دوم ریا کاری اور دکھلاوہ نہ کر سوم غیر اللہ سے اعمال کی جزا یا سزامت طلب کرنہ اپنے لیے نہ کسی کے لیے یَرْجُوْا کے تین معنیٰ کئے گئے ہیں ۱ امید کرنا ۲ خواہش کرنا ۳ خوف کرنا۔ ایک دفعہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے جندب بن زہیر عامری صحابی نے عرض کیا یا رسول میں نیک عمل تو اللہ تعالیٰ کے لیے کرتا ہوں لیکن دل میں خواہش پیدا ہوتی ہے کہ لوگوں کو میرے اس اچھے عمل کا پتہ لگ جائے یا اگر وہ دیکھ لیں تو دل میں خوشی ہوتی ہے اور کوئی اچھائی کرے تو زیادہ خوشی ہوتی ہے۔ تب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی اور فرمایا یہ شرکِ اصغر ہے ان خیالات سے بھی بچو اور نفرت کرو۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے اور سبق حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو انعام کے طور پر مختلف صفاتِ کمالیہ سے نوازا ہے کسی کو ایک کسی کو چند وغیرہ کوئی بھی آدمی صفتِ کمالیہ سے خالی نہیں خواہ وہی صفت ہو یا کسی ان ہی صفات سے صفاتی نام بن جاتا ہے یہ صفت نہ ملائکہ کو عطا ہوئی نہ جنات کو نہ کسی حیوانات کو صرف انسانوں میں تقسیم ہوئیں تو جس کو جتنی صفتیں عطا ہوئیں اتنے ہی اس کے صفاتی نام ہوں گے وہی صفات ملا کر کسی بھی آدمی کو دس بیس یا چالیس پچاس سے زیادہ صفاتِ کمالیہ حاصل نہیں ہو سکتیں یہ عالم قاضی مفتی محدث مفسر ولی غوث قطب ڈاکٹر طبیب فلسفی منطقی بادشاہ وزیر امیر ہونا سب صفاتی نام ہی تو ہیں جس میں جتنی صفتیں ہوں گی اتنے ہی اُس کے صفاتی نام ہوں گے۔ رتبے سے بڑا

انسان بھی اپنی زندگی میں صرف چند ہی صفاتی نام حاصل کرسکتا ہے یہ تو پیارے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی خصوصی شان ہے کہ رب تعالیٰ نے آپ کو ہزاروں صفاتی نام عطا فرمائے۔ ننانوے نام پاک تو دنیا میں ہی ظاہر فرمائے ہزار ہا نام وہ ہیں جو آسمانوں زمین میں مشہور و معروف ہیں جن سے ہم علم قلیل والے ابھی لاعلم ہیں۔ یہ فائدہ اَنَا بَشَرٌ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ باری تعالیٰ کے کروڑہا اسماء پاک بھی اُس کی صفات کے مظہر ہیں۔ دوسرا فائدہ۔ آقائے کائنات نبی کریم بشر بھی ہیں نور بھی آپ کی بشریت بھی بے مثل ہے اور نوریت بھی نہ کوئی دوسرا بشر آپ کی مثل ہو سکتا ہے نہ کوئی نورانی فرشتہ آپ کی مثل ہو سکتا ہے مگر آپ صفاتِ ملکوتی میں تمام کی مثل ہیں کیونکہ رب تعالیٰ نے آپ کو تمام ملکوتی نورانی اور بشری صفات کمالیہ عطا فرما دی ہیں، چونکہ آپ مظہر ذات وصفاتِ الٰہیہ ہیں اس لیے آپ کو بشریت و نورانیت دونوں چیزیں عطا کی گئیں شیشہ کو آئینہ بنانا ہو تو اُس کے ایک طرف مسالہ لگا دیا جاتا ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب حق کا آئینہ بنایا گیا تو آپ کو بھی صفتِ بشری کا جسم کثیف والا مسالہ عطا کیا گیا یہ فائدہ بھی اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اور صوم وصال کی ممانعت والی حدیث مِثْلِیْ سے حاصل ہوا۔ کوئی انسان فرشتہ جن نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مثل نہیں ہو سکتا۔ تیسرا فائدہ۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ کا کلام تو سب ہی انسان سے ہوگا اور رب کو سب ہی سکیں گے مگر دیدار صرف نیک اور متقی مومن مسلمان کو ہوگا۔ یہ فائدہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا (۴) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا واجب ہے کہ تمام مخلوق میں انبیاء کرام علیہم السلام کا علم سب سے زیادہ ہے اور تمام انبیاء علیہم السلام میں آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا علم سب سے زیادہ مگر یہ تمام علوم رب تعالیٰ کے ایک علم کے مقابل کوئی نسبت نہیں رکھتے ایک قطرے سے بھی مشابہت دینا جائز نہیں، کیونکہ سب علوم متناہی یعنی کسی انتہا پر ختم ہونے والے مگر رب تعالیٰ کے علوم غیر متناہی ہیں اور غیر متناہی کو متناہی سے کوئی مشابہت دینا بھی ناجائز ہے ہر جسم حادث متناہی ہوتا ہے۔ اللہ کی صفات جسمیت سے پاک ہیں دوسرا مسئلہ۔ انبیاء کرام کو بشر کہنا اور کہہ کر لکھنا یا پکارنا حرام ہے اور اپنے جیسا عام بشر سمجھنا کفر ہے اور اپنے آپ کو نبی علیہ السلام جیسا اور کسی صفت میں برابر سمجھنا اشد کفر ہے کیونکہ یہ بات حقیقت کے خلاف ہے انبیاء کرام کی بشریت بھی بے مثل ہے۔ خاص کر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات یہ مسئلہ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی ہماری تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ، ریاکاری، اور غرور و تکبر۔ دکھلاوا نام و نمود کے لیے کوئی دینی دنیوی عمل کرنا حرام اور شرکِ اصغر ہے یہ مسئلہ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَاءَ رَبِّهٖ (۴) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کلماتِ الٰہیہ سیاہی کے ختم ہونے سے پہلے ختم نہیں ہوں گے

گر بعد میں ختم ہوں جائیں گے لفظ قبل ہر محاورے میں بعد کی ثبوتیت پر دلالت کرتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ دن رات سے پہلے کبھی نہیں آسکتا یعنی بعد میں آتا ہے۔ اسی طرح یہاں ثابت ہو رہا ہے۔ اگر یہ بات ہے تو پھر کلمات ربی بھی متناہی ہوئے۔ **جواب**۔ اس کے تین جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ اس آیت کی وضاحت سورۃ لقمان کی آیت ۲۷ نے بیان فرمادی وہاں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ (۲۷) ترجمہ۔ اگر زمین کے تمام درخت قلم بن جائیں اور ان کی پورا سمندر سیاہی بن جائیں اس کے بعد دوسرے سات سمندر بھی سیاہی بن جائیں پھر بھی اللہ کے کلمے ختم نہیں ہو سکتے۔ اس آیت سے اعتراض ختم ہو گیا جواب دوم یہ ہے کہ یہاں قبل معنی غیر ہے (صاوی)، اور لفظ غیر نفی کے لیے آتا ہے یعنی نہیں ختم ہوں گے (تفسیر صاوی) جواب سوم یہ ہے کہ محاورۃً لفظ قبل نفی کے لیے آتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے کہ زید نے آنا تھا مگر اس سے پہلے بکر آگیا اور زید نہیں آیا۔ اس آیت میں قبل نفی کے لیے ہے اور اس طرح بولنا عام محاورہ ہے اور مراد نفی ہی ہوتی ہے۔ اس لیے اعتراض غلط ہے **دوسرا اعتراض**۔ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ (۱۰۹) کی تفسیر اور شان نزول سے ثابت کہ مخلوق اور خاص کر انسانوں کا علم بہت تھوڑا ہے اور آیت روح میں وَمَاۤ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا۔ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کو علم بہت تھوڑا ملا ہے مگر مَنْ یُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا كَثِیْرًا۔ کے ارشاد باری سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانوں کو علم کثیر ملا ہے (یہودی عیسائی آریہ) **جواب**۔ اس اعتراض کی وضاحت پوری تو تفسیر عالمانہ میں بیان کر دی گئی ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ علم اور خیر میں بہت فرق ہے ان میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے یعنی ہر علم تو خیر ہے مگر ہر خیر علم نہیں۔ اس لیے کثرت علم کی نفی بھی درست ہے اور کثرت خیر کا ثبوت وایجاب بھی درست ہے علم اور چیز ہے خیر اور چیز ہے۔ **تیسرا اعتراض** آپ نے اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ اس سے پہلے نہ کبھی سنی نہ پڑھی نہ کسی مفسر محدث عالم نے بیان فرمایا لہٰذا ثابت ہوا کہ یہ تفسیر بالرائے ہے اور تفسیر بالرائے بفرمان حدیث پاک گناہ ہے جیسا کہ ابو داؤد شریف جلد دوم کتاب العلم صفحہ ۱۵۸ پر ہے اگر رائے سے تفسیر صحیح بھی ہو تب بھی غلطی اور خطا ہے۔ **جواب** یہ تفسیر بالرائے نہیں ہے۔ تفسیر بالرائے وہ ہوتی ہے جو آیت قرآن کی روش اور منشاء و سیاق و سباق کے بھی خلاف ہو روایت درایت نیز اور متواتر و مشہور احادیث کے مخالف ہو۔ لیکن ہماری تفسیر لغت اور دیگر آیت کے عین مطابق ہے نیز ہم نے احادیث مبارکہ سے استدلال کیا ہے۔ چنانچہ بخاری شریف جلد اول کتاب الصوم باب الوصال فی الصوم صفحہ ۲۶۳ پر ہے۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْوِصَالِ فِی الصَّوْمِ فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِیْنَ اِنَّكَ تُوَاصِلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَیُّكُمْ مِّثْلِیْ اِنِّیْ اَبِیْتُ ۔ (الخ)

اس حدیث میں اَیُّکُمْ مِثْلِی۔ ارشاد ہوا۔ یعنی تم میں سے میری مثل کوئی نہیں ہے۔ یہ فرمان ہماری تفسیر کی تائید فرما رہا ہے نیز اس آیت کی وہ تفسیریں جو سابقہ مفسرین نے فرمائیں وہ بھی آپس میں ایک دوسرے کی تفسیر سے مختلف اور کسی بھی مفسر نے اپنے قول کی تائید میں کوئی دلیل نہ لکھی۔ ہم نے تو کثیر دلائل مندرجہ فی التفسیر عالمانہ کے علاوہ یہ حدیث مبارکہ پیش کر رہی۔ نیز یہ تفسیر بہت سے علماء کے جلسوں میں میں نے خود دورانِ تقریر بیان کی تو کسی نے بھی تنقید یا اعتراض نہ کیا بلکہ پسند فرمائی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اس سورہ کہف کی چار آیت کا شانِ نزول۔ اگرچہ یہ سورہ بیکدم نازل ہوئی تھی اس لیے اس کا ایک ہی شانِ نزول ہے لیکن چونکہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے چھ آیتوں کا شانِ نزول علیحدہ بیان کیا ہے اس لیے ہم بھی یہاں اُس کا تذکرہ اور مطابقت بیان کئے دیتے ہیں آیت ۱۰۸، ۱۰۹ اور ۱۱۰ کا شانِ نزول ابھی چند سطور پہلے بیان کر دیا گیا۔ آیت ۲۳، ۲۳ و ۲۴ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی آئندہ بات میں انشاء اللہ کہنا بھول گئے تب یہ دو آیتیں نازل ہوئی از وَلَا تَقُوْلَنَّ لِشَایْءٍ تا مِنْ ھٰذَا رَشَدًا شانِ نزول آیت ۲۶ تا ۲۷۔ از قُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ تا وَلَنْ تَجِدَ مِنْ دُوْنِہٖ مُلْتَحَدًا ﴿۲۷﴾ نجران کے عیسائیوں نے اعتراض کیا کہ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِیْنَ کو ہم سمجھتے مانتے مگر وَازْدَادُوْا تِسْعًا کون سی مدت ہے اُن کے جواب میں یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ آیت ۲۸ کا شانِ نزول کفارِ مکہ نے مطالبہ کیا تھا کہ جب ہم آیا کریں۔ تو آپ اپنے پاس سے غریب مسلمانوں کو اٹھا دیا کریں۔ ان کے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے یہ آیت نازل ہوئی از۔ وَاصْبِرْ نَفْسَکَ تا۔ وَکَانَ اَمْرُہٗ فُرُطًا۔ یہ تھا امام سیوطیؒ کا دوسرا قول جو جمہور علماء کے خلاف ہے ہم مطابقت اس طرح کرتے ہیں کہ سورۃ تو سب کی سب ایک دم نازل ہوئی لیکن جب کبھی کسی بھی کافر نے کوئی اُسی قسم کا اعتراض کیا جیسے پہلے کفارِ مشرکین، یا یہودی عیسائی لوگوں نے کیا تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ کہف کی یہ ہی آیت موقع بموقع سنا دیں اور صحابہ نے احادیث کے ضمن میں ان کو روایت کر دیا۔ جس کو امام سیوطی وغیرہ بزرگوں نے علیحدہ شانِ نزول سمجھ لیا۔ اور اپنی کتابوں میں لکھ دیا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام سوالات و اعتراضات مختلف موقعوں پر پہلے ہوتے رہے آخر میں ایک دم یہ سورۃ نازل فرما کر سب کا جواب دیا گیا اور ہر جواب مختلف آیت میں مذکور ہوا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْھَا حِوَلًا۔ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا۔

وہ مریدانِ باصفا عاشقانِ باوفا مکاشفاتِ لقا کے باغاتِ فردوسِ روحانیت وجنتانِ محبت میں ہمیشہ رہنے والے دنیاوناسوت کے ہزار ہا مناظرِ حسین بھی دیکھیں تب بھی وہ ان مراقباتِ خلوت سے جدا ہونا نہ چاہیں گے عالمِ اجسام کے دلفریب نظارے ان کی نظروں کو کس طرح ہٹا سکتے ہیں جنہوں نے ایک جھلک جلوۂ محبوب کا نظارہ کر

یا دنیا کی زیب و زینت جاہ و حشم تاج و تخت۔ کرسی سلطنت تو چیز ہی کیا ہے درویشان راہ الٰہی تو نظارۂ کلمات الٰہیہ سے بہرہ مند ہونے کی تمنا و آرزو میں کرسی نوفلک کی طرف بھی آنکھ پھیر کر نہیں دیکھتے۔ اے محبوب حق کَلِمَۃٌ مِّنَ کَلِمَاتِ اللہ مرشدِ عالمیان اپنے زبانِ چشمۂ علم و حکمت سے ان مشتاقانِ قربِ مسجد زبانِ بُعد مجنونانِ اسرارِ بے خبرانِ دنیا و لذاتِ دنیا سے فرما دے کہ اے کلماتِ الٰہیہ کے مشاہدات کا شوقِ حقانی رکھنے والو کلماتِ الٰہیہ بحرِ بیکراں ہے اس کی ابتدا تو ہے مگر انتہا کوئی نہیں ایک کلمۂ الف کے نظارے میں ہی ستر ہزار عالم پر صدیاں بیت جاتی ہیں دوسرے کلمۂ ب تک تو عمریں فنا ہو جاتی ہیں اگر کائناتِ عالم کا پورا سمندر اپنے تمام ساتوں حصوں کے ساتھ سیاہی بن جائے کلماتِ اسرار و انوار عالم اظہار میں لکھنے بیان کرنے کے لیے بحارِ ناسوتی و ملکوتی و جبروتی خرچ ہو کر ختم ہو جائیں مگر رب تعالیٰ کے کلماتِ اسرار کی انتہا نہ ہو سکے اگرچہ کائنات کی ہم ساری مخلوق ایسی بحارِ سبعہ کی مثل اور بھی کہیں سے اتنی ہی سیاہی حاصل کر لیں اہل کشف کے سات سمندر یہ ہیں ۱؎ بحرِ ناسوت ۲؎ بحرِ لاھوت ۳؎ بحرِ ملکوت ۴؎ بحرِ جبروت ۵؎ بحرِ عملیات ۶؎ بحرِ فکریات و جذبات ۷؎ بحرِ ظلمات۔ یہ سب قالبِ بشری کے عالم امور عالم مخفیہ بشریہ میں موجزن ہیں بحرِ عملیات میں مومن کا چہرہ بشاش و تر و تازہ رہتا ہے مگر دل بحرِ جذبات و فکریات میں غمگین و افسردہ صوفیاء معرفت کے نزدیک حقوق بھی کلمات الٰہیہ میں سے ہیں مقامِ مغفرت کی جنت اعلیٰ اس کو ملتی ہے جو تمام اور ہر قسم کے حقوق ادا کرے کیونکہ یہی اعمالِ صالحہ ہیں۔ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حقوقِ عمومی ہیں ۱؎ اسلام کا جواب ۲؎ چھینک کا جواب بشرطیکہ چھینکنے والا اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہے ۳؎ بیمار پُرسی کرنا ۴؎ جنازہ پڑھنا ۵؎ ہدیہ و دعوت دینا و قبول کرنا۔ مومن اور اہل ایمان کی تین نشانیاں ہیں ۱؎ صبر و استقامت یہ دونوں ایمان کے ساتھ ایسے جُڑے ہوئے ہیں جیسے جسم کے ساتھ سر اور سر کے ساتھ دھڑ ۲؎ سادگی ۳؎ پڑوسی کی حفاظت یہ امانتِ اُخروی ہیں جس کی دیانت نظارۂ کلماتِ ربانی کا ذریعہ اور خیانت محرومی و مردودی کا سبب۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا ۔ اے قلب و جگر عقل و شعورِ کائنات مخلوق کے ابدی محبوب صلی اللہ علیہ وسلم تیری ہی شان بلند کے لائق ہے کہ بحکم رب تعالیٰ تمام عالم بشریت میں اعلانِ عظیم بذریعہ کتابِ دائمی قرآنِ قدیم فرما دے کہ فقط میں ہی ہوں جو تمام صفاتِ بشریت میں تم سب عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کی مثل ہوں قیامت تک جس بشر کو بھی ظاہر کا باطنی دیکھی کسبی خفی و جلی جسدی روحی خلوتِ مراقبہ جلوتِ مظاہرہ کی صفتِ مشاہدہ عطا ہو گی وہ تمام صفاتِ عالیہ کمالاتِ بشریہ مجھ کو میرے رب قدیم نے پہلے ہی عالم ازل میں عطا فرما دی ہیں لیکن آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نورِ بشریت بھی بے مثل ہے کہ تمام انبیاء و آدم کی بشریت تامہ سمجھنے کے لیے صرف مقامِ خوانی و علم دانی ہی کافی و وافی ہے مگر

بشریتِ مصطفیٰ کو سمجھنے کے لیے مقاماتِ ثلثہ سے گزرنا پڑتا ہے (۱) مقامِ علم (۲) مقامِ انکشاف (۳) مقامِ شہود و مشاہدہ بقولِ امام بوصیری۔

وَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِيْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ ۔ وَاَنَّهٗ خَيْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ

معرفتِ کبریائی اور معرفتِ مصطفائی دونوں کے لیے یہ تینوں مقامات حاصل کرنے پڑتے ہیں صوفیا فرماتے ہیں کہ معرفتِ کبریائی کے یہ تینوں مقام نبی کریم کو حاصل ہیں اور معرفتِ مصطفاء جو آئینۂ جمالِ کبریائی ہے اس کے یہ تینوں مقام صرف انبیاء علیہم السلام کو حاصل، اور معرفتِ نبوت کے ہر نبی کے صحابہ علیہم الرضوان کو بھر وسیلہ در وسیلہ اولیا کو اور اب تا قیامت صرف مجھ کو ہی وحی القاءِ باطنی الہامِ ظاہری کی جاتی ہے کہ تم تمام عالمین ظاہر و باہر اسرار و اخفیٰ کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے میں نے ساری کائنات موجود و معلوم معراجِ اسرار کا کونہ کونہ گوشہ گوشہ دیکھا چشمِ جسمانی و روحانی سے مشاہدہ کیا مجھ کو کوئی بھی کہیں بھی دوسرا معبود نظر نہ آیا پس جو مومن اللہ تعالیٰ کا تجلیاتِ جمال سے ایسا قربِ نورانی اور وصلِ روحانی چاہتا ہے کہ مثلِ قاب قوسین اَوْ اَدْنٰی ہو جائے تو فناءِ نفسِ امارہ اور ازالۂ خصائلِ ذلیلہ و طبیعتِ رذیلہ کو ختم کر کے اعمالِ صالحہ شروع کر دے کیونکہ رذائلِ نفس اعمالِ صالحہ کو بیکار بنا دیتا ہے عمل فنائے نفسِ امارہ کے بعد ہی اچھا صالحہ اور قابلِ قبول بنتا ہے اور بقاءِ عمل کے لیے سب سے اہم و ضروری کام یہ ہے کہ کسی بھی موقعہ پر اللہ کی عبادت میں کسی قسم کا شرک نہ کرے یعنی تیرے قلب مٔزکی کا تعلق علمی یا محبوبی یا تحسینی غیر اللہ کو دکھلاوے کا نہ ہو کیونکہ تعلقِ قلبی ذکرِ قلبی ہے اور اصل عبادت ذکر ہی ہے اور تعلقِ محبوبی تقاضہ کرتی ہے عبادتِ بے ریاکاری کیونکہ مومن کا محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ غیر اللہ صوفیاء کے نزدیک عاجزی اور تذلیلِ نفس کا نام ہی عبادت ہے مردِ مقبول مسعود نفسانیت کو ہمیشہ ذلیل رکھتا ہے اور لَا مقصود اِلَّا اللّٰہ کا مدعا یہ ہے کہ بارگاہِ محبوب میں عجز کامل ہو۔ یہ کہنا درست نہیں ہے کہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ سے علم غیر اللہ جدا نہیں ہوتا اس لیے کہ جب قلب مقامِ فنا کے درجہ میں آجاتا ہے تو محلِ علم نہیں رہتا بلکہ مہبطِ تجلیاتِ رحمٰن بن جاتا ہے مگر مادۂ بشری کی بنا پر غیر اللہ سے حکمتِ الٰہیہ کے بموجب صرف تعلقِ خفیفہ رہتا ہے۔ واللہ و رسولہ اعلم (از تفسیر مظہری)

سورۂ کہف شریف کے عملیات، وظائف اور تعویذ اور کچھ آیات کی تلاوت کے فوائد

سورۃ کہف کے بارہ[12] رکوعوں کا مختصر تفسیری بیان تو ہم نے اس سورۃ کے شروع میں پارہ پندرہ میں لکھ دیا ہے یہاں اس سورت کے چند عملیات درج کئے جاتے ہیں (۱) حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ فرمایا آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ جس شخص نے سورۃ کہف کی ابتدائی دس آیات حفظ کر لیں اور روزانہ کسی مقررہ وقت پر ان کو نیت تلاوتِ قرآن مجید پڑھے تو انشاء اللہ تعالیٰ دجال کے فتنے سے محفوظ رہیگا اس کو مسلم ابو داؤد اور نسائی نے روایت

فرمایا ۲؎ ترمذی شریف میں ہے کہ جس نے ابتدائی تین آیتیں یاد کر لیں اور روزانہ تلاوت کیں تو وہ بھی فتنۂ دجال سے بچا رہے گا یہ حدیث پاک حسن صحیح ہے ۳؎ مسند احمد، مسلم شریف، نسائی ابو درداء سے ہی روایت ہے کہ جو شخص سورۂ کہف کی آخری دس آیتیں یاد کر کے ہمیشہ تلاوت کر لیا کرے وہ بھی دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ ۴؎ امام بغوی نے اپنی تفسیر میں روایت فرمایا کہ حضرت انس سے روایت ہے فرمایا انہوں نے کہ فرمایا آقاء دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو شخص سورۂ کہف کی اول آخر سے دس دس آیتیں روزانہ تلاوت کرے تو اللہ تعالیٰ اس کو سر سے پیر تک نور کی چادر میں ڈھانپ دے گا یا تو دنیا میں ہی یا قیامت میں ۵؎ اور اسی کتاب میں ہے کہ جو شخص روزانہ ایک بار پوری سورۂ کہف تلاوت کرے تو اس کے لیے زمین سے آسمان تک نور ہو گا، اس کو ابن سنی نے بھی روایت کیا ہے اپنے رات و دن کے اعمال والی کتاب میں ۶؎ مسند احمد میں روایت ہے کہ فرمایا نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص رات کو سوتے وقت اپنے بستر کے پاس یا بستر میں بیٹھ کر باوضو ایک بار روزانہ سورہ کہف تلاوت کرے تو اس کو صبح تک اتنا نور ملے گا جو اس کے بستر سے مکہ مکرمہ تک پھیلا ہو گا، اور ملائکہ اس کے جاگنے تک اس پر رحمت کی دعائیں کرتے رہیں گے، اور اگر اس کا بستر مکہ مکرمہ میں ہو گا تو نور مکہ شریف سے ساتوں پر آسمان فرشتوں کی مسجد بیت المعمور تک پھیلا ہو گا، اس حدیث پاک کو ابن مردویہ نے بھی اپنی مسند میں روایت فرمایا۔ ۷؎ امام بیہقی نے اپنی کتاب دعواتِ کبیر میں اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت ابو سعید سے روایت فرمایا کہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص جمعہ کے دن اس کو تلاوت کرے گا تو اگلے جمعہ تک اس کے لیے اس کو ایک نور دیا جائے گا۔ ۸؎ امام بیہقی نے روایت فرمایا اپنی کتاب شعب الایمان میں کہ جس مسلمان نے د مرد یا عورت نے، جمعہ کے دن باوضو پوری سورۂ کہف تلاوت کی تو اس کو اتنا نور دیا جائے گا جو اس کے پاس سے بیت عتیق یعنی خانۂ کعبہ تک پھیلا ہو گا۔ ۹؎ حضرت براء ابن عازب نے روایت فرمایا کہ ایک صحابی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہا کہ یا رسول اللہ آج فجر سے میں سورۂ کہف تلاوت کر رہا تھا کہ باہر آنگن میں میرے گھوڑے نے چیخنا اور اچھلنا شروع کر دیا میں گھبرا کر باہر نکلا تو کچھ بھی نہ تھا اور گھوڑا ابھی پر سکون ہو گیا میں نے اندر آ کر جب پھر تلاوت شروع کی تو پھر اسی طرح گھوڑے نے شور مچایا میں پھر باہر نکلا تو ادھر ادھر زمین پر کچھ نظر نہیں آیا میں نے آسمان کی طرف دیکھا تو نور کی طرح ایک روشنی اوپر کو جا رہی تھی آقاء کائنات نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ فرشتوں کی سکینہ جماعت تھی جو سورۂ کہف کی تلاوت کی وجہ سے تمہارے لیے نور کی چادر لے کر آئی تھی جس کو دیکھ کر تمہارا گھوڑا ڈر گیا (از تفسیر مظہری)

۱۰؎ جس شخص نے کسی خاص سخت مجبوری میں قرضہ لیا ہوا اور غربت کی وجہ سے اترتا نہ ہو قرض خواہوں کا خوف اور دھڑکا لگا رہتا ہو ادائے قرض کی کوئی صورت نظر نہ آتی ہو تو چاہیے کہ جمعہ کی پوری نماز پڑھنے کے فوراً بعد باوضو میں

مرتبہ سورۂ کہف بصحیح تلفظ سے تلاوت کرے آہستہ یا تھوڑی آواز سے شور وغل سے دور ہو کر دوران تلاوت بات نہ کرے عصر کا وقت شروع ہونے سے پہلے پہلے تلاوت ختم ہونی ضروری ہے، بعدہٗ اپنے قرضے کے لیے دعا مانگے انشاء اللہ چند جمعہ اس طرح وظیفہ کرنے سے اللہ تعالیٰ ادائے قرض کے غیبی اسباب مہیا فرما دے گا۔ ۱۲ جو شخص بعد نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے پہلے ایک مرتبہ ہمیشہ پڑھا کرے تو طاعون برص، جذام کی اور دیگر ناگہانی بلاؤں مصیبتوں سے رب تعالیٰ اس کو محفوظ فرمائے گا اور کشادگی رزق، دشمن کی زبان بندی، اور گناہ معاف عبادات الٰہیہ میں لذت میسر ہو گی ۱۲ بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص چاہتا ہے کہ اس کا ایمان سلامت رہے تا قیامت اور شرکِ اکبر و شرکِ اصغر۔ یعنی ریا غرور تکبر نام نمود سے اس کا دل و دماغ بچا رہے تو اس کو چاہئے کہ ہر نماز کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھا کرے ۔اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ اَنْ اُشْرِکَ بِکَ شَیْئًا وَّ اَنَا اَعْلَمُ وَاَسْتَغْفِرُکَ لِمَا لَا اَعْلَمُ تو اللہ تعالیٰ اس کو ہر قسم کے شرک اور ہر قسم کی ریاکاری سے بچائے گا اور اس کا کوئی دینی دنیوی عمل بیکار یا برباد نہ ہو گا ۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْ لَنَا یَا نَخَیْرُ۔ اگر کسی عامل کامل متقی صحیح عقیدہ اہل سنت بزرگ سے اس کا تعویذ بنوا کر پاس یا گھر یا دکان میں رکھے تو ہر چیز آل اولاد سامان ہر قسم کی مصیبت سے بچا رہے گا اور کثرت خیر و برکت ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ چور ڈاکو دشمن سے محفوظ رہے گا۔ خیال رہے ہر وظیفہ کے اوّل آخر گیارہ دفعہ درود شریف ضرور پڑھا جائے درود شریف کے بغیر کوئی وظیفہ کامیاب نہیں ہوتا سورۂ کہف کے عدد ۱۱۵۵.۵ ہیں اور پانچویں خانے میں ایک عدد بڑھایا جائے گا۔

۱۲۶۳۷۹	۱۲۶۳۸۲	۱۲۶۳۸۵	۱۲۶۳۷۱
۱۲۶۳۸۴	۱۲۶۳۷۲	۱۲۶۳۷۸	۱۲۶۳۸۳
۱۲۶۳۷۳	۱۲۶۳۸۷	۱۲۶۳۸۰	۱۲۶۳۷۷
۱۲۶۳۸۱	۱۲۶۳۷۶	۱۲۶۳۷۴	۱۲۶۳۸۶

یہ مسئلہ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہیے کہ ہر دعا اور ہر وظیفے کے اول اور آخر درود شریف ضرور پڑھنا چاہئے اور اس کی تعداد میں عاملین بزرگوں کا اختلاف ہے کم از کم ایک بار یا تین بار یا پانچ بار یا گیارہ مرتبہ۔ اور یہ مسئلہ بھی یاد رکھنا ضروری ہے کہ نماز والا اور درود ابراہیمی صرف نماز میں پڑھ سکتے ہیں نماز کے علاوہ پڑھنا گناہ اور ناجائز ہے اس لیے کہ اس میں سلام نہیں ہے حالانکہ بحکم قرآنی سلام پڑھنا بھی درود شریف کے ساتھ اسی طرح واجب ہے جس طرح درود شریف وہ درود ناقص ہے جس میں سلام نہ ہو۔ درود ابراہیمی نماز میں اس لیے جائز ہے کہ تشہد میں سلام پڑھ لیا گیا وہاں آیتِ صلوٰۃ پر مکمل عمل ہو گیا۔ وہابی دیوبندی حضرات چونکہ سلام کے منکر اور دشمن ہیں اس لیے وہ درود ابراہیمی پڑھنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کی دیکھا دیکھی بعض جاہل پیر اپنی حماقت سے درود ابراہیمی پڑھنے کا حکم لگاتے ہیں مگر قرآن مجید کی آیت پر غور نہیں کرتے۔ ہر وظیفہ کے لیے سب سے مکمل اور مختصر درود شریف خضری ہے وہ پڑھنا چاہئے۔ درود شریف کا پورا بیان ہماری کتاب اربعینِ نعیمیہ کا مطالعہ فرماؤ۔

تفسیر صوفیانہ

سورۂ کہف کی آیت ۱۰۸ تا ۱۱۰

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس خوش نصیب مومن مسلمان کو رب تعالیٰ اپنی عبادت تلاوت کی لذت میں مشغول فرما دیتا ہے اور عشقِ الٰہی و حبِ مصطفائی کے انوار کی بہاریں ہر سمت سے اس کے چمنِ سینہ و قلب پر نازل ہوتی رہتی ہیں اس کے لیے حیاتِ دنیوی میں ہی مقامِ فردوس کی لذتِ روحانی حاصل ہو جاتی اگر ہزار قسم کی دنیا میں بھی اپنی خوش نمائیاں لے کر آ جائیں تب بھی یہ مومنین صالحین لَا يَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا ۔ ان جلوں مراقبوں عبادتوں سے نکلنا برداشت نہیں کریں گے اس کی وجہ یہ کہ ہر لمحہ قلبِ جبروتی کو صوتِ سرمدی کا حکم ملتا ہے کہ کائناتِ دھر میں اعلان فرما دے کہ اگر عالمِ ناسوت کا بحرِ بیکنار سیاہی بن جائے اپنے رب کے اسرارِ معرفت اور علومِ مغیبات و افکارِ باطنی کے لکھنے کے لیے تو سب سمندر ختم اور خشک ہو جائے گا لیکن میرے علومِ باطنی مکمل نہ ہو سکیں گے اگرچہ اتنی ہی سیاہی اور مہیا کر لی جائے وہ علمِ مخلوق جو رب تعالیٰ نے بندوں کو عطا فرمایا اس کی چار قسمیں ہیں (۱) علمِ لدنی روحانی (۲) علمِ لدنی نفسانی (۳) علمِ وہبی (۴) علمِ کسبی اگر ظواہرِ عالم کا علم بغیر تصور بغیر تصدیق بغیر نظر کسب بلا بداہت و نظریات کے حاصل ہو جائے تو وہ علمِ لدنی ہے اگر یہ علم بذریعہ وحی ملے تو علمِ نبوت ہے اگر بذریعہ الہامات مکاشفات مجاہدات و ریاضت سے ملا تو علمِ ولایت ہے یہ دونوں علم زمین و آسمان پر محیط ہیں اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۔ ان کی جڑیں تحت الثریٰ میں اور شاخیں آسمانوں تک اگر یہی لدنی باطنی علم صرف زمین تک محدود رہا تو سفلی ظلماتی نفسانی علم یعنی جادو ہے اگر بندے کی محنت مشقت سے کچھ حاصل ہوا تو وہ علمِ کسبی ظاہری ہے جیسے دنیوی علوم پڑھنا لکھنا معلوماتِ تصوری تصدیقی بدیہی نظری حرفت و صنعت ہنر فن ۔ علمِ وہبی جو بغیر محنت مشقت کے خود بخود حاصل ہو جائیں جیسے فطری جبلی پیدائشی علوم اور محسوسات بھوک پیاس سردی گرمی لذت تکلیف ، رونا ہنسنا اور معلوماتِ چرند ، پرند ، حیوانات حشرات یہ اگرچہ کروڑوں کی تعداد بے شمار میں ہیں مگر محدود و منتہی ہیں ، علومِ ربانی سے ان کو کچھ نسبت نہیں مخلوق کے تمام کلمات و علوم و معلومات کو فنا و اختتام ہے اے قلبِ مزکّٰی و محبوب قُلْ فرما دے کہ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ بے شک میں ہی وہ ظاہر ظہورِ برہانِ ربانی دلیلِ رحمانی ہوں جو تم سب کی شکل ہوں اللہ تعالیٰ نے جو ظاہری ، باطنی کشفی صدری قلبی کسبی وہبی علوم و معلومات صفات و کمالات تمام عالمِ بشریت میں تقسیم کر کے عطا فرمائے ان تمام کا خزانہ میرے قلب و دماغ میں جمع فرما دیا ، تم میں سے کون ہے جو یہ دعویٰ برہانی کر سکے اور کون تم میں سے میرے برابر یا میری شکل ہو سکتا ہے اے عالمِ ناسوت کے انسانو تم تو آپس میں یہ دعوے نہیں کر سکتے تم بجز چند صفات کے کسی چیز کے حامل نہیں مگر میں رب تعالیٰ کا وہ بندہ ہوں کہ يُوْحٰۤى اِلَيَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۔ کہ کائناتِ عالم میں اب صرف مجھ کو ہی وحیِ الٰہی کی امانت عطا فرمائی گئی اور مجھ کو ہی بتایا دکھایا یا سمجھایا گیا ہے کہ عالمین کے مکان والا

مکان میں تم سب کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے اس کے علاوہ کہیں کوئی کسی جگہ دوسرا معبود نہیں دیکھا۔ اب جسنے توحید کا درس لینا سیکھنا ہے وہ فقط میرے پاس میرے آستانے اور میرے دامن میں آئے میرے ہی پاس تم سب کائنات والوں کو سمجھانے پڑھانے کے لیے تم سب انسان حیوان جنات جمادات نباتات چرند پرند درند و حشرات کے علوم و معلومات ہیں اور میں ہی تم سب کی بولیاں زبانیں لغتیں جانتا ہوں۔ جسنے رب تعالیٰ کا پتہ پوچھنا ہو تو میں ہی بتا سکتا ہوں اور جس کو دیدار الٰہی کا شوق حیاتِ دنیوی میں ہو وہ میری ذات آئینہ حق نما کو دیکھ لے کیونکہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ کا کلمہ میری ہی زبان سے مخلوق نے سنا اور فَمَنْ کَانَ یَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ پس جو بندۂ عاشق اپنے رب سے ملنے زیارت کرنے قریب ہونے مقرب بارگاہ ہونے کی تمنا کرتا ہے تو اس کو چاہیے کہ عالمِ ذوق و شوق میں گوشۂ خلوت و جلوت میں حالتِ عسرت و یسرت میں طریقتِ احمدی شریعتِ محمدی کے مطابق اچھے عمل کرے اور اپنے رب کی عبادت ریاضت مراقبے مجاہدے میں کسی بھی نام، غدر، ریا و غرور کے بت کو شریک نہ بنائے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں اٹھارہ قسم کے علوم مشہور ہیں (۱) علم سحر (۲) علم طلسم یہ کفار کے علوم ہیں (۳) علم بازیگری (۴) علم شعبدہ بازی یہ فساق کے علوم ہیں (۵) علم نجوم (۶) علم رمل یہ فلاسفہ کے علوم ہیں (۷) علم ریمیا (۸) علم کیمیا یہ حکما کے علوم ہیں (۹) علم سیمیا (۱۰) علم جفر یہ علما کے علم ہیں (۱۱) علم جوتش (۱۲) علم جیناترم یہ عوام کے علوم ہیں (۱۳) علم حساب (۱۴) علم رقبات یہ تاجروں کے علوم ہیں (۱۵) علم کرامات (۱۶) علم عبادات یہ اولیاء اللہ کے علوم ہیں (۱۷) علم معجزات (۱۸) علم احساسات۔ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علوم ہیں نیز نبوت نام علوم سے آشنا ہوتی ہے چونکہ قربِ الٰہی کے لیے اعمالِ صالحہ اور اعمالِ صالحہ کے لیے ایمان اور ایمان کے لیے اسلام اور اسلام کے لیے دامنِ مصطفیٰ اور دامنِ مصطفیٰ کے لیے عشق و ادبِ مصطفیٰ و احترام آل و اصحاب اشد ضروری ہے اس لیے اہلِ طریقت نے اعمالِ نیک و بد کی اس طرح تقسیم فرما دی تاکہ راہِ سلوک کے سالکین کے لیے راہِ منزل آسان ہو جائے (۱) سب سے اعلیٰ عمل ایمان و اسلام لانا ہے (۲) سب سے بدتر عمل شرک اکبر و اصغر ہے (۳) اچھا عمل مخلوقِ خدا کو آرام و ہدایت دینا (۴) بُرا عمل مخلوق خدا کی ایذارسانی ہے (۵) بہترین عمل مومن و مسلمان کو سلام کرنا کہ اس سے رنجشیں دور ہوتی ہیں (۶) بدترین عمل دنیوی تمناؤں میں پھنسنا ہے کیونکہ یہ بیوقوفوں کی نشانی ہے (۷) سب سے زیادہ مفید عمل لقاءِ رب تعالیٰ کی تمنا ہے (۸) مسلمان کو چاہیے کہ اپنے پیٹ کا خیال رکھے سب سے خطرناک برتن پیٹ ہے کیونکہ ظاہری بدن سے حرام چیز اتاری اور دھوئی جا سکتی ہے مگر پیٹ میں پہنچی ہوئی نکالی نہیں جا سکتی (۹) سب سے زیادہ پلید زہر حرام چیز کھانا ہیں (۱۰) سب سے زیادہ پاکیزہ تریاق حلال چیزیں (۱۱) گناہ جہنم کی آگ ہے (۱۲) راہِ سلوک کے سفر کے لیے چار چیزیں ضروری ہے (۱) راست گفتاری (۲) امانتداری (۳) خوش اخلاقی (۴) حلال غذا۔ (۱۳) ہر گناہ و خطا کی جڑ محبتِ

دنیا ہے (۱۲) میانہ روی ہر کام میں مفید ہے کبھی مفلس نہ ہو گے آدمی کے تین ساتھی ہیں، مال آل اعمال، پہلا موت تک ساتھی، دوسرا قبر تک ساتھی، تیسرا قیامت تک ساتھی، صوفیا فرماتے ہیں کہ انسانوں کو دنیوی زندگی قربِ الٰہی کے حصول کے لیے ملی ہے یہی مومن کا مقصود و مطلوب ہے مگر نادان لوگوں دنیوی قرابتوں میں زندگی برباد کر دیتے ہیں قرب کی بارہ قسمیں ہیں (۱) قربِ مکانی مثلاً گھر کے قریب (۲) قربِ زمانی مثلاً شام کے قریب (۳) قربِ حسی مثلاً زید پاس ہے (۴) قربِ معنوی مثلاً علم میرے پاس ہے (۵) قربِ ملکیتی مثلاً میرے پاس خزانہ ہے (۶) قربِ جسمانی مثلاً دولت میری جیب میں ہے (۷) قربِ روحانی مثلاً پیر کامل پاس ہوتا ہے (۸) قربِ اعتقادی مثلاً اسلام ہمارے پاس ہے (۹) قربِ ذاتی مثلاً زید دو دن میرے پاس ٹھہرا (۱۰) قربِ ظاہری مثلاً حسن اس کے پاس حسن ہے (۱۱) قربِ صفاتی مثلاً زید کے پاس عدل و انصاف ہے (۱۲) قربِ حکمی مثلاً میرے نزدیک وہ افضل ہے بکر سے (۱۳) قربِ رتبی درمرتبہ و شان، مثلاً اولیاء اللہ کے قریب اور مقرب بارگاہ ہوتے ہیں، اسی قرب کا ذکر فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ (الخ) میں ارشاد فرمایا جا رہا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے آمین بجاہ نبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔

جو مومن اللہ تعالیٰ سے ایسا وصل روحانی و قربِ نورانی چاہتا ہے کہ مثلِ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى، ہو جائے تو فنائے نفسِ اَمّارہ اور ازالۂ خصائلِ رذیلہ و طبیعتِ رذیلہ جیسے اعمالِ صالحہ شروع کر دے کیونکہ رذائلِ نفس اعمالِ صالحہ کو بگاڑ دیتا ہے ہر عمل فنائے نفس کے بعد ہی اچھا صالح اور قابلِ قبول بنتا ہے اور سب سے اہم و ضروری کام بقائے عمل کے لیے یہ ہے کہ کسی بھی موقعہ پر اپنے اعمال اور اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی قسم کا جلی خفی اکبر اصغر شرک نہ کرے یعنی تیرے قلبِ مزکّی کا تعلق علمی یا محبوبی یا تحسینی و آفرینی اور دکھلاوے نام و نمود و ریاکاری کا نہ ہو یعنی اے راہِ سلوک کے مسافر اعمال تیرا زادِ سفر ہے تجھ کو کسی کی شاباش یا شکریے اور خوشنودی کی طرف مطلقاً قطعاً توجہ نہ ہونی چاہیے۔ اس لیے کہ تعلقِ عملی و علمی قلب کا ذکر ہے اور اصل عبادت ذکر ہی ہے اور محبتِ قلبی تقاضہ کرتی ہے عبادت کا مومن کا محبوب صرف اللہ تعالیٰ ہے نہ کہ غیر اللہ، اولیاء صوفیا کے نزدیک انتہائی عاجزی اور نفسِ اَمّارہ کو جھکانے ذلیل کرنے کا نام ہی عبادت ہے مردِ مقبول و مسعود نفس و نفسانیت کو ہمیشہ ذلیل رکھتا ہے اور اپنے محبوب و مطلوب و مقصود کی بارگاہ میں کامل عجز و انکسار کرتا ہے، نیز یہ کہنا نادانی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ سے غیر اللہ کا علمی تعلق ختم و جدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ جب قلب مقامِ فنا کے درجہ میں آجاتا ہے تو قلب محلِ علم نہیں رہتا بلکہ مہبطِ تجلیاتِ رحمٰن بن جاتا ہے مگر مادۂ تکلیفی بشری کی بنا پر غیر اللہ سے صرف متعلق رہتا ہے وہ بھی حکمتِ الٰہیہ کے تقاضہ کے بموجب۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ (از تفسیر مظہری)

اٰيَاتُهَا ٩٨	١٩ سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّةٌ نزول ٤٤	رُكُوْعَاتُهَا ٦

سورۂ مریم مکی ہے اس میں ۹۸ آیات اور ۶ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے شروع جو بہت مہربان نہایت رحم والا

سے نام اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا

كٓهٰيٰعٓصٓ ① ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ②

ان سب حروفِ مقطعات کا معنی رسول اللہ جانتے ہیں۔ یہ تلاوت شدہ آیت ذکر ہے آپ کے رب کی الٰہی رحمت کا جو عطا فرمائی اپنے محبوب بندہ زکریا

یہ مذکور ہے تیرے رب کی اس رحمت کا جو اس نے اپنے بندے زکریا پر کی

اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ③ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ

کو جب کہ مناجات کی آہستے بے شک میں ایسا ہوں کہ ضعیف ہو گئیں

جب اس نے اپنے رب کو آہستہ پکارا۔ عرض کی اے میرے رب میری ہڈی کمزور

الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ

ہڈیاں مجھ میں اور چمک گیا سر بڑھاپے کے ساتھ، اور آج تک کبھی بھی نہ ہوا

ہو گئی اور سر سے بڑھاپے کا بھبھوکا پھوٹا اور اے میرے رب میں تجھے پکار

بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ④ وَاِنِّيْ خِفْتُ الْمَوَالِيَ

میں تجھ سے دعا مانگنے میں ناکام اے میرے رب اور بے شک میں فکر مند ہوں وارثوں کے بارے میں

کر کبھی نامراد نہ رہا اور مجھے اپنے بعد اپنے قرابت والوں کا ڈر ہے

مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ

اپنے بعد اور میری بیوی ناقابلِ اولاد ہے پس عطا فرما مجھ کو

اور میری عورت بانجھ ہے تو مجھے اپنے پاس سے کوئی ایسا

مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۙ﴿۵﴾ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ

اپنے قربِ خاص سے جانشین ایسا جو میرا وارث ہو اور تمام نسل

دے ڈال جو میرا کام اٹھائے۔ وہ میرا جانشین ہو اور اولادِ یعقوب

یَعْقُوْبَ ۖ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ﴿۶﴾

یعقوب کا نگہبان ہو اور بنا لینا اس کو اے میرے رب اپنا مقبول بارگاہ بھی

کا وارث ہو اور اے میرے رب اسے پسندیدہ کر

تعلقات اس سورۃ مریم کا پچھلی سورۃ کہف سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی سورۃ کہف میں چند واقعات عجیبہ بیان ہوئے تھے جیسے اصحاب کہف کا واقعہ اور کچھ لوگوں کی حقیقی کہانیں وغیرہ اس سورۃ مریم میں واقعاتِ عجیبہ بیان فرمائے جا رہے ہیں جیسے حضرت یحیٰی اور حضرت عیسٰی علیہما السّلام کا واقعۂ ولادت کہ ایک کی پیدائش دعاءِ نبوت کے معجزے اور دوسری پیدائش قدرت الٰہیہ کے اظہار سے ہوئی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی سورتِ کہف میں اصحابِ کہف کا ذکر ہوا جو حضرت عیسٰی علیہ السلام کی امت تھے اب اس سورۃ مریم میں ولادتِ عیسٰی علیہ السلام کا ذکر ہے اور شانِ مسیح کا تذکرہ یعنی امتی کی شان بیان کرنے کے بعد اُن کے نبی کی شانِ عظمت بیان فرمائی گئی۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی سورۃ کہف میں حضرتِ اصحابِ کہف کی زندگی کا ذکر فرمایا گیا تھا کہ اتنے سو سال بعد زندہ ہوئے اس سورۃ مریم میں حیاتِ مسیح کا تذکرہ ہے **چوتھا تعلق**۔ پچھلی سورۃ کہف میں ایک علمِ طریقت کے نبی حضرت خضر علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اب اس سورۃ میں دوسرے نبیِ طریقت کا ذکر فرمایا گیا یعنی حضرت یحیٰی علیہ السلام۔ گویا کہ یہ سورت پچھلی سورۃ کا تتمہ ہے وہاں اجمال تھا یہاں تفصیل ہے۔

تفسیر نحوی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ سُوْرَةُ مَرْیَمَ مَكِّیَّةٌ اٰیٰتُهَا ثَمَانِیَةٌ وَّتِسْعُوْنَ وَرُكُوْعَاتُهَا

سُوۡرَةُ مَرۡيَمَ. بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ كٓهٰيٰعٓصٓ ۔ ذِكۡرُ رَحۡمَتِ رَبِّكَ عَبۡدَهٗ زَكَرِيَّا ۔ اِذۡ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا ۔ لفظِ سورۃ اسم مفرد مؤنث ہے سُورہ سے بنا ہے بمعنی گھیرنے والی شرعی اور اصطلاحی قانون ورواج میں ہر وہ عبارت جو کسی مضمون کو اپنے گھیرے میں چاروں طرف سے پوری طرح مکمل سمیٹ لے اس کو سورۃ کہا جاتا ہے۔ ترکیب نحوی سے یہ مضاف ہے۔ اور لفظِ مریم اب اس سورت کا نام ہے اور چونکہ نام کا کسی بھی زبان میں ترجمہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے یہاں ہر زبان میں مریم ہی لکھا جائے گا۔ ہمارے ایک دوست نے اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن مجید کنز الایمان کا انگریزی ترجمہ کرتے ہوئے سورۃ بقرہ کو لکھا (انگریزی میں) سورۃ الکاؤ یہ ان کی نادانی و نا سمجھی ہے میں نے ان کو سمجھایا اور کہا کہ اگر اسی طرح آپ ناموں کا لغوی و لفظی ترجمہ کریں گے تو پھر دیگر سورتوں میں کیا کرو گے۔ کہیں عبرانی لفظ ہے کہیں سریانی وغیرہ۔ مثلاً سورۃ ابراہیم سورۃ بنی اسرائیل، یوسف، یونس وغیرہ اس ترجمے میں اور بھی بہت سی غلطیاں ہیں جس پر علما نے گرفت فرمائی تھی پیچھے فرمایا علماء کرام نے کہ زبان دانی سے علم آنا ضروری نہیں یہاں یہ لفظ مریم ترکیب میں مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا۔ مَكِّيَّةٌ۔ اسم مفرد جامد تین لفظ ہیں (مکۃ) ی کی نسبت کی (ۃ) تا و تانیث سورۃ مؤنث کی وجہ سے۔ مکہ ایک شہر کا نام ہے یا ایک علاقے کا نام اس ۃ کو ی سے بدلا اور یاء نسبت میں ادغام کر دیا مکیۃ ہو گیا بحالتِ رفع خبر ہے۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہو گیا آیٰتٌ اسم۔ جمع مکسر آیتٌ واحد، مضاف ھا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع سورۃٌ۔ مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا ثَمَانِيَةٌ معطوف علیہ، واؤ عاطفہ تِسۡعٌ، معطوف دونوں مل کر خبر، مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ واؤ ہر جملہ گویا تھا۔ مرکب اضافی مبتدا۔ ترجمہ ہے اس سورۃ کے کل رکوع، سِتَّةٌ، اسم عددی مفرد، یہ خبر ہے۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل۔ یہ تینوں علیحدہ جملے مکمل ہیں۔ بِ جارّہ اسم مبنی عَلَمٌ (نام) مضاف اللہ موصوف الرحمٰن۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیۡ۔ رحمٰن صفت اول الرحیم، صفت دوم، اسم مشتق صفت مشبہ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مضاف الیہ، اسم مضاف کا دونوں مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہے یا پوشیدہ اَشۡرَعُ کا ترجمہ ہے میں شروع کرتا تب یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہے یا پوشیدہ مصدر اِبۡتِدَاءٌ کا تب یہ شبہ جملہ ہے۔ یا پوشیدہ ثَابِتٌ اسم فاعل کا تب یہ جملہ اسمیہ ہے اور اس کا عامل ہر سہ میں سے ایک پوشیدہ اس لیے ہے کہ اس کا قرینہ (نشانی) بِ جارّہ موجود ہے اس لیے کہ

کھیٰعص۔ یہ پانچ حروف ہیں ان کو مقطعات یعنی ٹکڑے۔ کہتے ہیں۔ یہ پانچ حروف پانچ عبارتوں کے مخفف و ابتدائی نشط میں ان کا ترجمہ اور اصل عبارت صرف نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی بتایا گیا ہے۔ مخلوق میں اور کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی اپنے ذہن سے ان کا ترجمہ کرنا چاہیے۔ بعض مفسروں نے ترجمے کیے ہیں وہ غلط اور افترائی ہیں جو سراسر گناہ ہے بعض وہابی جہلا کہتے ہیں کہ رسولِ پاک بھی اس کا معنیٰ مفہوم نہیں جانتے مگر یہ ان کی گستاخانہ غلطی ہے اور قرآن مجید کی بہت سی آیت کریمہ کے خلاف ہے۔ مثلاً اَلرَّحۡمٰنُ عَلَّمَ الۡقُرۡاٰنَ ۔ اللہ رحمٰن نے

اپنے نبی کو قرآن سکھایا۔ اور یہ حروف بھی قرآن ہے۔ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ۔ ذکرٌ اسم حاصل مصدر۔ اس اگلے پورے جملے کی ترکیب نحوی میں مفسرین نحویوں کے پانچ قول ہیں۔ مگر اُن میں آسان واضح اور زیادہ ترجیح و درستی والی ترکیب مندرجہ ذیل ہے۔ ذکرُ مضاف رحمتِ مضاف الیہ مضاف رَبِّكَ مرکب اضافی مضاف الیہ یہ سب اضافت مل کر موصوف ہے۔ عَبْدَہٗ۔ اسم مفرد مصدر بمعنی اسم فاعل عابِدٌ اس کی جمع عِبَادٌ ہے عبد پانچ قسم کا ہے را عبد لغوی اشتقاقی یعنی عبادت کرنے والے بمعنی عابد اس کی جمع ہے عِبَادٌ ۲ عبد فعلی بمعنی خادم خدمت کرنے والا۔ اس معنی میں عبد النبی کہا جاتا ہے۔ پہلے معنی کے اعتبار سے عبداللہ کہا جاتا ہے اُس معنی کے اعتبار عبد النبی عبد الرسول کہنا منع ہے یہاں عبد پہلے ہی معنی میں ہے ۳ عبد شرعی۔ بمعنی غلام و لونڈی جس کی خرید و فروخت جائز ہو اس کو عبد مالی و عبد مملوک بھی کہا جاتا ہے اس کی جمع عُبَیْدٌ ہے جب عُبَیْدٌ کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے مخلوق اور جب انسانوں کی طرف ہو تو مراد ہوتا ہے مملوک (غلام لونڈی) پہلے دوسرے معنی میں لفظ عبد مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے مگر تیسرے معنی میں لفظ عبد صرف مذکر یعنی غلام کے لیے اور مؤنث کے لیے جاریۃٌ و اَمَۃٌ ہے ۴ عبد اصطلاحی بمعنی عاجز مسکین حقیر ۵ عبد ایجادی بمعنی مخلوق اس اعتبار سے ہر حیوانات نباتات جمادات زمین پہاڑ شجر حجر چاند سورج سب عبد ہیں اس معنی میں صرف اللہ تعالیٰ کی ہی طرف نسبت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید میں مختلف جگہ ان سب معنی میں عبد کا ذکر ہوا ہے یہاں بمعنی عابد زاہد متقی مخلص ہے ترکیب میں مضاف ہٗ ضمیر مضاف الیہ اس کا مرجع رَبٌّ یعنی رب کا بندہ یہ مرکب اضافی مُبدَل منہ زَكَرِيَّا اسم مفرد جامد نام ہے ایک نبی علیہ السلام کا بدلُ الکل ہے۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہے فعل پوشیدہ اَعطٰی کا ترجمہ ہے ایسی رحمت جو عطا فرمائی اپنے بندے ذکریا کو فعل با فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے رَحْمَتٌ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ذکرُ کا یہ مرکب اضافی خبر ہے پوشیدہ مبتدا ہٰذَا مَتْلُوٌّ کی۔ ہٰذَا اسم اشارہ مَتْلُوٌّ۔ اسم مفعول بمعنی تلاوت کیا ہوا۔ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا نائب فاعل اس کا مرجع ھٰذَا ہے۔ مَتْلُوٌّ جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ دونوں مل کر مبتدا اور پھر دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہاں پوشیدہ مبتدا ھٰذَا قُرْاٰنٌ ہے ایک میں ہٰذَا سورۃٌ ہے ایک میں بَیَانٌ ہے ایک میں ہٰذَا آیۃٌ ہے ایک ھٰذَا عِبَارَۃٌ ہے مگر ترجیح، ھٰذَا مَتْلُوٌّ کو ہے کیونکہ وہ سب کو عام شامل ہے اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ۔ اس کی ترکیب میں پانچ قول ہیں ۱ یہ سب عبارت ظرف ہے رَحْمَۃِ کا ۲ یہ ظرف ہے ذِکْرُ کا ۳ یہ بدل اشتمال ہے زکریا کا ۴ یہاں اُذکر پوشیدہ ہے اور ظرف ہے اُس کا ہمارا ترجمہ پہلی ترکیب سے ہے ۵ یہ ظرف ہے اَعْطٰی پوشیدہ کا۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ اس ترکیب سے ہے اِذْ۔ اسم ظرف نَادٰی فعل ماضی مطلق باب مفاعَلَۃٌ اس کا مصدر ہے مُنَادَیۃٌ نِدَآءٌ یا نَدٰوٌ سے مشتق ہے بمعنی پکارنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے ھُوَ ضمیر واحد مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل رَبَّہٗ اپنے رب کو یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے نِدَآءً۔ اسم مصدر موصوف خَفِیًّا اسم مشتق صفت مشبہ بروزن فَعِیلاً خَفٰی سے مشتق ہے

بمعنی چھپنا چھپانا، تنہا ہونا، آہستہ بولنا یہاں سب معنی درست ہیں صفت ہے نِدَاءً کی یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے نَادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ظرف زمانی ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا۔ قَالَ فعل ماضی مطلق اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر غائب ہُوَ ہے جس کا مرجع ذکریا قَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی عرض کیا بیان ہے ندا کا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ، دراصل ہے یَا رَبِّیْ اے میرے رب تخفیف کے لیے حرفِ ندا اور یائے متکلم کو حذف کیا۔ ب کا کسرہ دونوں کا قرینہ ہو گیا۔ یا پوشیدہ ندا۔ رَبِّ معنوی مرکبِ اضافی منادٰی اگلی ساری عبارت عطف در عطف ہو کر ندا کا بیان۔ اِنَّ حرفِ مشبہ عاملہ یائے متکلم ضمیر اسم اِنَّ۔ وَهَنَ باب سَمِعَ کا ماضی وَهْنٌ مثال واوی سے مشتق ہے بمعنی کمزور ہونا اندرونی اور قدرتی کمزوری کے لیے مستعمل ہے اَلْعَظْمُ مفرد اسم معرفہ بمعنی ہڈی واحد جنسی ہے ترجمہ ہے تمام ہڈیاں۔ اس کی جمع ہے عِظَام۔ فاعل ہے وَهَنَ کا۔ مِنِّیْ۔ مِنْ زائدہ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے وَهَنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اِشْتَعَلَ۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق۔ اس کا مصدر ہے اِشْتِعَالٌ شُعْلٌ سے بنا ہے بمعنی آگ لگنا شعلے بھڑکنا کسی کا آگ بگولہ ہونا چمکدار ہونا۔ اسی معنی میں بڑھاپے کے سفید بالوں کو راس مشعولہ یا مشتعلہ کہتے ہیں۔ اَلرَّاْسُ اس کا فاعل شَیْبًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی بڑھاپا۔ مفعول معہ یا مفعول فیہ یعنی بڑھاپے کے ساتھ یا بڑھاپے میں یا یہ حال ہے یا تمیز ہے۔ یعنی بڑھاپا ہو کر یا از روئے بڑھاپے کے۔ اِشْتَعَلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَمْ اَكُنْ فعل ناقصہ مضارع نفی جحد بلم واحد متکلم بِدُعَآئِكَ بَ حرفِ جر بمعنی فی ظرفیہ دُعَاء اسم مصدر مضاف بمعنی دعا مانگنا كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرجع رَبِّ ہے مفعول مضاف الیہ بمعنی تجھ سے یہ مرکبِ اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ اَكُنْ کا رَبِّ۔ دراصل ہے۔ یَارَبِّیْ۔ یا نِدائیہ رَبِّ مضاف یٖ متکلم واحد مضاف الیہ مرکبِ اضافی منادٰی یہ جملہ بیچ میں آیا مگر ترکیباً اول ہے شَقِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بر وزنِ فَعِیْلٌ۔ بمعنی اسم مفعول ترجمہ ہے رد کیا ہوا، نامراد لوٹایا ہوا۔ خبر ہے فعل ناقصہ لَمْ اَكُنْ کی۔ اور پوشیدہ ضمیر واحد متکلم اَنَا اسم ہے یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر بیان ہوا یَارَبِّ کا، یا اپنے منادٰی اور بیان سے مل کر معطوف ہوا اِشْتَعَلَ پر وہ دونوں عطف معطوف ہوئے وَهَنَ پر وہ عطف مل کر خبر اِنَّ وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنَّ حرف مشبہ یائے متکلم اس کا اسم خِفْتُ فعل ماضی مطلق واحد متکلم باب سَمِعَ سے خَوْفٌ سے مشتق ہے بمعنی فکر مند ہونا اندیشہ ہونا اصلاً خَوِفْتُ تھا بر وزن سَمِعْتُ اَلْمَوَالِیَ۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے مولٰی بمعنی والی وارث۔ دوست، مددگار، قریبی رشتے دار، میراث کے حقدار جانشین یہاں آخری معنی مراد ہیں، مفعول بہ ہے مِنْ جارہ بمعنی طرف سے، یا زائدہ ہے اور یہ ہی درست ہے وَرَآءِ اسم مفرد جامد مصدر

بمعنی ظرفِ زمان ترجمہ میرے بعد اپنے بعد، مضاف ہے یا متکلم مضاف الیہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے خِفْتُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ، كَانَتْ فعل ناقصہ واحد مؤنث غائب اِمْرَاَتِیْ یہ مرکب اضافی ہے بمعنی میری بیوی، اِمْرَاَۃٌ اسم مفرد مؤنث جامد اس کا تثنیہ اِمْرَاَتَیْنِ، اس کی جمع اِمْرَاَتٌ، اس کا مذکر اِمْرُؤٌ۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے كَانَتْ کا۔ عَاقِرًا، اسم مفرد مشتق مذکر، اسم فاعل بمعنی اسم مفعول یعنی عَقَرْ کی ہوئی، عَقْرٌ سے مشتق تین بابوں میں گردان ہوجاتا ہے (۱) باب ضرب (۲) سمع (۳) کرم۔ ایک قول میں عَاقِرٌ اسم فاعل بمعنی حاصل مصدر اضافتِ معنوی سے ترجمہ ہے عقر والی۔ یہ لفظ مذکر ہے مگر صرف مؤنث کے لیے مستعمل ہے کیونکہ مرد عقر نہیں ہوسکتا خیال رہے کہ ہر وہ حالت یا صفت جو مرد کو نہ ہوسکے صرف عورت کو ہو تو اس کا مذکر صیغہ بھی عورت کے لیے ہی استعمال ہو گا۔ مثلاً حائضٌ حاملٌ طالقٌ عاقرٌ نافسٌ وغیرہ۔ اس کا مؤنث عَاقِرَۃٌ بھی مستعمل ہے۔ عَقْرٌ کا معنی خشک ہونا، کاٹنا، کٹنا، زخمی کرنا، بانجھ ہونا، یہاں آخری معنی مراد ہیں۔ بحالتِ فتحہ ہے خبر ہے كَانَتْ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا خِفْتُ پر دونوں عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی اِنِّیْ اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے پہلے اِنِّیْ پر دونوں مل کر معطوف علیہ ہے۔ فَهَبْ۔ فَ عاطفہ تعلیلیہ هَبْ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ وَهْبٌ سے مشتق ہے بابِ فتح سے بمعنی بخشش کرنا دینا، بلا معاوضہ عطا کرنا، اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر اَنْتَ ہے اس کا مرجع رب تعالیٰ۔ لِیْ مجھ کو یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ مِنْ لَّدُنْكَ۔ یہ تین لفظ ہیں (۱) مِنْ حرفِ جر ابتدائیہ بمعنی سے (۲) لَدُنْ اسم مفرد جامد بمعنی پاس (۳) كَ ضمیر واحد مذکر حاضر بمعنی اپنے۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے هَبْ کا۔ وَلِيًّا، اسم مفرد صفت بمعنی مشبہ وارث (۱)، دوست (۲)، مددگار، محافظ، نگہبان، حاکم ساتھی، حمایتی۔ بیٹا یہاں اسی آخری معنی میں ہے۔ صفت مشبہ جو وزن فَعِیْلٌ ہے۔ اس کا مصدر ہے وَلْیٌ وِلَایَۃٌ۔ ترکیب نحوی میں موصوف ہے اگلی عبارت صفت ہے۔ يَّرِثُنِیْ وَيَرِثُ مِنْ اٰلِ يَعْقُوْبَ۔ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ يَرِثُ، بابِ حَسِبَ کا فعل مضارع معروف واحد غائب وَرِثٌ سے مشتق اس کا مصدر میمی میراثٌ ہے اس کا حاصل مصدر وِرَاثَۃٌ ہے لغوی ترجمہ ہے قائم مقام ہونا شرعی ترجمہ ہے کسی کی موت کے بعد اس کی جائداد کا مالک ہونا اصطلاحی ترجمہ ہے مالک و مختار و قابض ہونا، نون وقایہ، یٔ ضمیر متکلم اس کا مفعول بہ يَرِثُ کا فاعل پوشیدہ هُوَ ضمیر اس کا مرجع وَلِيًّا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ يَرِثُ فعل با فاعل مِنْ زائدہ یا تبعیضیہ آل اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے اٰهَالِیْ یا اٰثَارِیْ یا اٰوَالِیْ۔ یہ دراصل اَهْلٌ یا اَوْلٌ اٰوَلٌ تھا مگر پہلا قول زیادہ قوی ہے اس لیے کہ اس کی تصغیر اُهَيْلٌ ہوتی ہے۔ یہ لفظاً واحد ہے معناً جمع کہ سب اولاد اور متبعین کو شامل ہے۔ جیسے لفظ قوم ترجمہ ہے۔ نسل ذریت، اولاد، فرزند اور خاندان مضاف ہے۔ يَعْقُوْبَ، اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور علم ہے ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے عَقَبٌ سے بنا

ہے مگر یہ درست نہیں ہے کیونکہ غیر منصرف ہونا یقینی ہے جیسا کہ بحالت کسرہ فتحہ کی موجودگی سے دلیل ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے یَرِثُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یَرِثُنِیْ پر۔ دونوں پھر معطوف علیہ ہوئے واؤ عاطفہ اِجْعَلْ باب فتح کا امر حاضر ہٗ مفعول یہ ضمیر کا مرجع وَلِیًّا۔ رَبِّ، یَا رَبِّیْ تھا یہ ندا منادیٰ مل کر حاصل ہے اِجْعَلْ کا، یا اَنْتَ ضمیر پوشیدہ، فاعل کا عطف بیان ہے۔ رَضِیًّا اسم صفت مشبہ بروزن فَعِیلًا قَبِیلًا وَلِیًّا۔ رَضِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی اسم مفعول۔ یعنی مرضی کے مطابق مقبول پسندیدہ مفعول ہے اِجْعَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف، سب عطف مل کر صفت ہے وَلِیًّا کی یہ مرکب توصیفی مفعول ہے ہَبْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے رَبِّ اِنِّیْ پر سب عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا، قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ كٓهٰيٰعٓصٓ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا - اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا - قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا ۔ اَلْ ہِیَ عَمَّ

یہ حروف مقطعات ہیں ان کی مراد اور معنیٰ مقصد مخلوق ہیں آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ رب تعالیٰ نے اپنے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حروف میں کوئی خاص علوم سکھائے ہو سکتا ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی خاص صحابی یا کسی ولی اللہ کو ان علوم مخفیہ خصوصیہ کی تعلیم فرمائی ہو مگر یقیناً کچھ نہیں کہا جا سکتا حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام حروف مقطعات کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ یہ حروف بھی مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ہیں عِلْم میں پورا قرآن مجید بھی شامل ہے۔ گستاخ فرقہ بلا دلیل کہتا پھرتا ہے کہ ان کا معنیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں آتا۔ لیکن یہ بات جھوٹ ہے قرآن مجید کے خلاف حروف مقطعات مختلف سورتوں کے اول ہیں کل چودہ جگہ ہیں سابقہ مفسرین نے اپنے اپنے ذہن سے ان حروف کے معنیٰ بنائے ہیں اور تقریباً چالیس پچاس اقوال تو کہیعص کے بارے میں ہی مذکور ہیں وہ ان کی اپنی ذاتی اختراع ہے کوئی دلیل نہیں ہے۔ اے حبیب آپ کے رب کا رحمتوں قدرتوں اور حیران کن تخلیق والا تذکرہ جو اُس کے بندے زکریا کو پیش آیا اُس کے بعد جب کہ زکریا نے نہایت خفیہ جگہ مخفی الفاظ میں اپنے رب تعالیٰ سے دعائیہ ندا عرض کی اس دعاء مناجات کو لوگوں سے چھپاتے رہے رب تعالیٰ کو مناتے رہے تاکہ خلوص میں ریا نہ سمجھی جائے اور بڑھاپے کی اس دعا سے شرمندگی بھی نہ ہو، عرض کیا کہ بے شک میں اپنی کمزوری کو سمجھتا ہوں کہ میری تمام ہڈیاں تک بوڑھی کمزور خشک ہو چکی ہیں۔ کھال گوشت پٹھے تو خود ہی لاغر ہوں گے مکمل بڑھاپے کی نشاندہی تو میرا سر اور سر کے بال دے رہے ہیں کہ پورے سر میں بڑھاپا پھوٹ پڑا ہے، اور آگ کے شعلوں کی مثل مزید پھیلتا جا رہا ہے لیکن اے میرے رحیم کریم رب میں نے احساس

گیا ہے اور میری پوری زندگی کا مشاہدہ ہے کہ میں تجھ سے دعائیں مانگ کر کبھی ناکام نہ رہا بلکہ ہر ہر دعا تو نے قبول فرمائی اور مجھ کو اس سے بڑھ کر نیک و خیرات عطا فرمائی جو میں نے تجھ سے مانگی۔ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے صاحب شریعت نبی رسول تھے آپ کی کتاب توریت ہی تھی مگر شریعت علیحدہ تھی جس میں چند احکام توریت سے مختلف تھے مثلاً نماز اور عبادت کا طریقہ وغیرہ آپ ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہوتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے تھے زکریا ابن آذن یا اون یا اخیاہ ابن مسلم ابن صدون آپ کی ولدیت میں یہ تین قول ہیں اسلامی تاریخ میں ابن آذن ہے۔ بائبل میں اون اور اسرائیلیات میں اخیاہ ہے مطابقت اس طرح ہے آذن یہ صحیح لفظ ہے اون اس کا بگڑا لفظ ہے اور اخیاہ لقب ہے۔ پورا شجرہ نسب پارہ سوم سورۃ آل عمران آیت ۳۷ میں ملاحظہ کریں حضرت زکریا کا ذکر قرآن مجید میں سات جگہ آیا ہے ۱۔ سورۃ آل عمران آیت ۳۷ ۲۔ سورۃ انعام آیت ۸۵ ۳۔ اس جگہ آیت ۲ و ۷ ۴۔ سورۃ انبیاء میں آیت ۸۹ یعنی پانچ آیتوں میں سات بار اسم مبارک مذکور ہے تقریباً ستر ہزار انبیاء کرام علیہم السلام آپ کی خاندانی سلسلے اور لڑی میں ہوئے ۔ آپ حضرت مریم کے خالو تھے یہ علاقہ فلسطین کا تھا۔ یہاں ہی بیت المقدس ہے اس وقت فلسطین بارہ صوبوں میں تقسیم تھا اور تمام صوبوں پر حضرت یعقوب کے بارہ بیٹوں کی اولاد جو بارہ قبیلوں میں بٹی ہوئی تھی ان بارہ صوبوں پر علیحدہ علیحدہ بادشاہ تھے اس طرح فلسطین اس وقت بارہ سلطنتوں کا نام تھا، لیکن پورے فلسطین کا مذہبی ادارہ الگ تھا۔ یہ ادارہ قبیلہ بنی لاوی بن یعقوب کے سپرد تھا۔ بنی لاوی قبیلے کے چار بیٹوں کی نسل چار شعبوں میں تقسیم تھی۔ تین شعبے پورے ملک کی تمام عبادت گاہوں (کنیسوں) اور ہیکلوں کے انتظام اور دیگر مذہبی ڈیوٹیوں ذمہ داریوں پر مقرر تھے جن میں امامت خطابت، درس، تدریس کے علاوہ دینی تبلیغ بھی شامل تھی۔ لیکن مذہبی اعلیٰ مقام بیت المقدس کا تمام انتظام دیکھ بھال زیب و زینت چراغاں اور خوشبو جلانا۔ یہ سب کام صرف شعبہ قبیلہ بنی ہارون کے سپرد تھا۔ ان کے علاوہ کسی بھی موقعہ پر بیت المقدس کے اندر کسی بھی قبیلے کا کوئی فرد نہیں جا سکتا تھا دیگر بنی لاوی کے تین شعبوں کے افراد بھی مسجد بیت المقدس کے صحن باغیچہ اور زائرین مسافرین و عابدین راہبین کی رہائش گاہوں کی دیکھ بھال صفائی و انتظامات کرتے تھے ہر شعبے کا ایک سردار ہوتا تھا جس کی ذمہ داری اپنے حلقے کے ساتھ پانچ قسم کی تھی ۱۔ مہمانداری ۲۔ یوم سبت کی عبادت کا انتظام ۳۔ اور سالانہ عیدوں پر قربانی کرانا ۴۔ پہاڑوں پر جا کر قدرتی آگ سے جلانے کے لیے رکھنا ۵۔ اور بیت المقدس کی چوکیداری کرنا تھی۔ بنی لاوی کے چار شعبوں میں سب سے معزز و محترم شعبہ بنی ہارون تھا اس کے افراد چوبیس ۲۴ خاندانوں میں تقسیم تھے جن میں سے ایک خاندان کا نام ابیاہ تھا اس کے سردار حضرت زکریا تھے بیت المقدس کی خدمت کے لیے ان چوبیس ۲۴ خاندانوں کی پندرہ پندرہ دن کی ڈیوٹیاں اور باریاں مقرر تھیں۔ یعنی ہر دو ہفتے کے بعد باری بدلتی

تھی ہر سردار اپنی باری پر اپنے گیارہ خاندانی راھبوں اور نوکروں کے ساتھ بیت المقدس میں عبادت اور چراغاں وخوشبو جلانے کا انتظام کرتا تھا، جس کا خرچ تمام بارہ سلطنتیں ادا کرتی تھیں خاندانِ ابیاہ کے سردار حضرت زکریا علیہ السلام ہی اپنے عملے کے ساتھ اپنی باری پر بیت المقدس میں تشریف لاتے تھے قانون یہ تھا کہ ہر سردار کا بیٹا ہی اس کا جانشین اس سرداری میں ہوتا تھا اگر سردار لاولد ہوتا تو جس کو سردار منتخب اور لائق سمجھتا اپنا جانشین بنا سکتا تھا۔ اس وقت پورے بنی اسرائیل کے نبی زکریا علیہ السّلام ہی تھے مگر بہت تھوڑے آپ پر ایمان لائے اور اکثریت مرتدین اور فاسقین فاجرین کی تھی بیت المقدس کی سرداری کے لیے پوری دینی تعلیم طریقہ تبلیغ وعبادت ضروری شرط تھی جس کے لیے جانشین کو پہلے تیار رے کیا جاتا تھا۔ مگر حضرت زکریّا علیہ السّلام کی کوئی اولاد نہ تھی نہ بیٹی نہ بیٹا اور نہ اپنے خاندان میں کوئی ایسا نیک پاک متقی شخص نظر آتا تھا جس کو اس جانشینی کے لیے نامزد اور تیار کیا جا سکتا ہو تب آپ نے یہ خفیہ دعا مانگی اور بارگاہِ ربوبیت میں عرض کیا۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا ۔ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا ۔ اور یہ دعا خفیہ اس لیے ہے کہ مجھ کو اپنے فوت ہونے کے بعد اپنے رشتے داروں کی طرف سے اندیشہ ہے کہ وہ یہ دینی کام اور تقوے طہارت شریعت کی تعلیم کی طرف راغب نہ ہوں گے نہ ابھی تک ایسا کوئی فرد تمام قبیلے میں نظر آتا ہے جو میری جانشینی کا اہل ہو اور اس کو ان دینی خدمات کے لیے تیار کیا جا سکے یہ کام باعتبار فرمانبرداری کے تو بطریقہ احسن اولاد ہی نبھا سکتی ہے بیٹا ہی سچا جانشین اور کہنے پر چل کر مقام اہلبیت واستحقاق حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن اولاد کی اب اس لیے امید نہیں کہ میری بیوی شروع کی بانجھ ناقابل اولاد ہے یہ دعا خفیہ یا اس لیے مانگی گئی تاکہ کوئی دوسرا نہ سنے اور بڑھاپے میں اولاد کی دعا پر مذاق بازی نہ مشہور ہو جائے یا اس لیے کہ دعا عبادت ہے اور عبادتِ نفلی کو پوشیدہ رکھنا بہتر تاکہ ریا اور دکھلاوے کا اندیشہ نہ ہے۔ تو اے میرے رب کریم اپنے ہی پاس سے کہیں سے بھی رشتے داروں ہی سے لے یا لوگوں میں سے قرابت داروں افرادِ قبیلہ میں سے ایسا ولی یا جانشین عطا فرما جو میرا بھی وارث ہو میری اس بیت المقدس کی سرداری کا مستحق میری شریعت کا عالم معلّم مبلغ ہو۔ اور حضرت یعقوب کی آل کا دینی علمی ملکی شرعی ایمانی عرفانی امانتوں کو سنبھالنے کی طاقت رکھنے والا کتاب توریت اور صُحُفِ موسیٰ کو جاری و نافذ کرنے والا ۔ اور اے میرے رحیم وکریم پروردگار اس میرے جانشین و مستحق وراثتِ نبوت کو ایسا بنا تاکہ دنیا و آخرت میں ہر جگہ پسندیدہ ہو۔ ولیًّا کے بارے میں مفسرین کے چار قول ہیں صحیح قول یہ ہے کہ یہ دعا اولاد کے لیے مانگی تھی اور ولیًّا سے مراد بیٹا ہے۔ یہ دعا، بیتُ المقدس کے اندر حضرت مریم کے

پاس کھڑے ہو کر رات کے وقت حضرت مریم کی کفالت کے زمانے میں اپنے ڈیوٹی والے دنوں میں مانگی محرابِ مریم میں کھڑے ہو کر حضرت مریم کے پاس بے موسمی پھل دیکھ کر جیسا کہ سورۃ آلِ عمران آیت ۳۷ میں بیان ہے حضرت زکریا کی زوجہ پاک کا نام ایشبع بنتِ فاقود۔ انگریزی میں ایشبع کو ایلزبتھ کہا گیا ہے یہ بھی اسی قبیلے بنی لاوی سے تھیں مگر خاندان جدا تھا یہ مریم کی والدہ حنہ بنت ناقوذ بن میل کی سگی بہن تھیں اور مریم کی سگی خالہ اس دعا کے وقت حضرت زکریا کی عمر ایک سو بیس سال تھی اور بیوی صاحبہ کی عمر اٹھانوے سال تھی۔ نِدَآءً خَفِيًّا میں پانچ قول ہیں ۱ دعا اس لیے خفیہ مانگی کہ ہر دعا خفیہ اور آہستہ مانگنی افضل اور مستحب ہے ۲ بڑھاپے میں اولاد کی دعا مانگنے سے شرم آئی اس لیے لوگوں سے چھپایا ۳ ریا سے بچنے کے لیے ۴ چونکہ دعا اولاد کے لیے تھی اور اولاد دنیوی چیز ہے دنیا کی چیز آہستہ مانگنی چاہیے دینی چیز کی دعا زور سے ۵ اتفاقاً خفیہ ہو گئی کیونکہ مریم کے پھل دیکھ کر مانگی وہ جگہ خلوت کی تھی آلِ یعقوب سے مراد تمام بنی اسرائیل ہیں گزشتہ موجودہ آئندہ۔ بعض نے کہا مراد یعقوب بن ماثان یعنی عمران بن ماثان کے بھائی آل دینی تعلق والوں کو بھی کہا جاتا ہے اور دنیوی رشتے داروں کو بھی یہاں دونوں قسم کے مراد ہیں۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے پہلا فائدہ۔ آدابِ دعا یہ ہے کہ رب کی بارگاہ میں اٹھا کر پہلے اپنی محتاجی کمزوری کا اظہار ہو پھر حمدِ باری تعالیٰ پھر سابقہ نعمتوں کرم نوازیوں کا تذکرہ پھر دعا مبہم الفاظ اور کسی کا وسیلہ قولاً یا اشارۃً ضرور کرنا چاہیے۔ یہ فائدہ حضرت زکریا علیہ السّلام کی طرزِ دعا اور مقامِ دعا اور دُعَآئِكَ دُعَآءَ زَكَرِيَّا کے سابقہ آیت میں اشارے سے حاصل ہوا کہ آپ نے اپنی دعا میں بے موسمی جنتی پھلوں اور اس جگہ کو اپنی بے موسمی اولاد کے لیے اشارۃً وسیلہ بنایا۔ **دوسرا فائدہ** نیک بیٹا اللہ کی رحمت ہے اسی طرح برا بیٹا اللہ تعالیٰ کا عذاب اس لیے ہمیشہ اولاد کے نیک ہونے اور نیک ملنے کی دعا مانگنی چاہیے۔ خاص کر بیٹا۔ یہ فائدہ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ اور وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِيًّا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ یہاں بیٹے کو رحمت فرمایا گیا۔ **تیسرا فائدہ**۔ انبیاء کرام کی ہر دعا قبول ہوتی ہے یہ فائدہ لَمْ اَكُنْ بِدُعَآئِكَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ**۔ ہم تو اپنی کم عقلی سے غلط دعائیں بھی مانگ لیتے ہیں جو قبول ہونے کے قابل نہیں ہوتیں اور رد ہو جاتی ہیں اگر کوئی نیک متقی پیارا مسلمان ولی اللہ کوئی غلط دعا مانگ لے تو دنیا میں قبول نہیں ہوتی مگر ازراہِ کرم اس کا بدلہ آخرت میں دیا جائے گا۔ لیکن انبیاء علیہم السّلام کبھی غلط دعا مانگ سکتے ہی نہیں۔ وہ جس طرح ہر گناہ ہر غلطی لغزش سے معصوم ہوتے ہیں اسی طرح غلط دعا سے بھی معصوم و محفوظ ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی ہر دعا قابلِ قبول ہونے کی وجہ سے یقیناً لازماً رب تعالیٰ اپنے کرم سے قبول فرما لیتا ہے۔ یہ فائدہ بھی لَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اس آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ اولاد میں صرف بیٹے کی دعا مانگنا جائز ہے جب کہ بیٹی سے نفرت کی بنا پر نہ ہو بلکہ دینی خدمات کے لیے اپنا جانشین بنانا مقصود ہو تو دعا مانگنا کارِ ثواب ہے یہ سنتِ انبیا ہے اگر بیٹی سے نفرت کی بنا پر ہو تو بیٹے کی دعا حرام ہے۔ اور کفار کا طریقہ ہے جیسا کہ دیگر آیت سے ثابت ہے۔ یہ مسئلہ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا (۴) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** بیٹے کو اپنا جانشین بنانا جائز ہے خواہ دینی یا دنیوی روحانی یا جسمانی شریعت کے علم کا یا طریقت کی پیری مریدی کا جب کہ بیٹے میں استحقاق اور صلاحیت نظر آتی ہو اور جانشین۔ ولی عہد یا خلیفہ بناتے وقت کچھ شرعی عیب نظر نہ آتا ہو یہ مسئلہ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی شخص کی حقیقی برائی بیان کرنا جائز ہے غیبت نہیں۔ اسی طرح بغیر نام لیے کسی کی برائی کو ظاہر کرنا بھی غیبت نہیں لہٰذا جائز ہے یہ مسئلہ خِفْتُ الْمَوَالِیَ کی تفسیری وضاحت سے مستنبط ہوا کیونکہ حضرت زکریا علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی بدکاریوں کا ذکر کر کے اپنے جانشین کی دعا عرض کی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض** یہ کہنا غلط ہے کہ انبیاء کرام کا بعد وفات کوئی دنیوی مال جائیداد کا وارث نہیں ہو سکتا بلکہ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے انبیاء کرام کا ذاتی مال بھی میراث بن جاتی ہے اور اسی طرح اولاد میں تقسیم ہوتی ہے جس طرح دیگر لوگوں کا مال دیکھو اللہ تعالیٰ نے حضرت زکریا کی دعا کو کس شان سے ذکر فرمایا کہ انہوں دعا عرض کی فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا یَّرِثُنِیْ۔ مجھ کو ولی وارث عطا فرما جو میرا وارث بنے میراث اور وراثت کے حقیقی لغوی معنی مال و دولت ہے مجازاً جو چاہو معنی کر لو۔ اور بلا وجہ حقیقی معنی چھوڑ کر مجازی معنی مراد لینا غلط ہے لہٰذا اس آیت کی دلیل سے ثابت ہوا کہ باغِ فدک جو نبی کریم کی ذاتی ملکیت تھا بعد وفات شریف فاطمہ زہرا کو ملنا چاہیے تھا نہ دینے والے خلفا نے ظلم کیا۔ (شیعہ لوگ) **جواب**۔ وراثت و میراث کا حقیقی معنی مال و دولت نہیں بلکہ مستحق ہونا ہے عقل اگر اپنی کمزور ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ کے کسی لفظ سے بھی مالی میراث مراد نہیں ہوتی بلکہ صاف صاف ظاہر ہے کہ نہ مالی میراث مراد ہے نہ علمی بلکہ یہاں جانشین ولی عہدی سرداری کی اہلیت خدمت بیت المقدس کی استحقاقی میراث مراد ہے یعنی اے رب مجھ کو ایسا بیٹا دے جو سرداری قوم خدمتِ دین و شریعت تبلیغ توریت میں میرے بعد میری ذمہ داریوں کا منصب سنبھال سکے علمی میراث ہوتی ہی نہیں کیونکہ میراث بغیر محنت ملتی ہے جب کہ علم خود اپنی محنت سے حاصل کرنا پڑتا ہے اسی طرح نبوت بھی میراث نہیں بن سکتی۔ یہاں مالی میراث تین وجہ سے مراد نہیں ہو سکتی ۱۔ حضرتِ زکریا کے پاس مال تھا ہی نہیں بڑھئی کا کام کرتے تھے بمشکل گزارہ ہوتا تھا کچھ بچتا ہی نہ

تھا مکان بھی اپنا نہ تھا بیت المقدس کے مشرقی حجروں میں رہائش رکھتے تھے ۔ ۲؎ اگر مالی میراث ہوتی تو ترثنی کہنا بیکار تھا کیونکہ اولاد خود بخود ہی وارثِ مال بن جاتی ہے اولاد کی دعا ہی کافی تھی ۔ ۳؎ مالی میراث صرف والد کا مال بنتا ہے اس کے لیے اگر وضاحت ہی مقصود تھی تو یَرِثُنِیْ کہنا کافی تھا وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ فرمانا غلط اور بیکار تھا کیونکہ دادا پردادا اور پورے آلِ یعقوب کے مال پر ایک شخص کیسے قابض ہو سکتا ہے ۔ رہا باغِ فدک کا مسئلہ تو اگر بقولِ شیعہ مذہب وہ میراث تھا تو اس کی حقدار پہلے ازواجِ مطہرات بنتی ہیں پھر فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہن اجمعین ۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا نِدَآءً خَفِیًّا ۔ لفظ ندا کا معنٰی ہے زور سے پکارنا چیخنا گڑگڑانا جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے زور سے دعا مانگی اور خفیا سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے بہت آہستہ دعا مانگی یہ تضاد کیوں ہے ۔ **جواب** ۔ اس کے دو جواب دیے گئے ۔ ۱؎ یہاں ندا ء بمعنٰی دعا ہے ذکر بلند آوازی ۔ ۲؎ خفیا کا معنٰی آہستہ آواز نہیں بلکہ مقام خلوت تنہائی پوشیدگی ہے یعنی دعا تو بلند آواز سے تھی مگر خفیہ جگہ میں تھی **تیسرا اعتراض** یہاں کہا گیا وَهَنَ الْعَظْمُ میری ہڈیاں بوڑھی ہو گئی ہیں چاہیے تھا کہ وَهَنَ الْجِسْمُ کہتے کیونکہ بوڑھا تو سارا جسم ہوتا ہے **جواب** جسم تو بیماری سے کمزور ہو جاتا ہے مگر بڑھاپہ ہڈیوں کو کمزور کرتا ہے ہڈیوں کی وجہ سے باقی جسم کمزور ہوتا ہے ۔ تو چونکہ بڑھاپے کی اصل نشاندہی ہڈیوں سے ہوتی ہے اس لیے وَهَنَ الْعَظْمُ کہنا بالکل درست ہے اور اعتراض غلط ہے ۔

تفسیر صوفیانہ كٓهٰيٰعٓصٓ . ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ۔ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا . قَالَ رَبِّ اِنِّيْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّيْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَيْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِيًّا .

یہ حروفِ مقطعات رازہائے پنہانی ہیں طالب و مطلوب محب و محبوب رَبُّ الْعٰلَمِیْن و رحمۃ للعٰلمین کے مابین اور دلیل بڑھاتی ہیں اس بات کی کہ محبوبِ ربِ قدیم کا علم تمام مخلوقِ فرشی ارضی و سماوی شرقی و غربی شمالی و جنوبی بری و بحری آبی و ناری نوری وخاکی سے زیادہ ہے اور تفسیر ہیں عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ کی کہ ان حروف میں وہ علوم پوشیدہ ہیں جن کو بجز محمد مصطفٰی عالمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ میں کوئی نہیں جانتا اور یہی حروف تشریح ہیں اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کی ۔ اے قلب منور یہ تمام کلامِ ازلی ابدی و قدیمی تیرے پروردگار کی وہ رحمتِ خصوصی ہے جس نے پرورش و تربیت فرمائی ربوبیت کمال سے اپنے عبدِ خاص زکریا و اسرار روحِ ابدان کی عالمِ انوار میں ۔ (از تفسیر نیسا پوری) پس یاد فرما اور تذکرہ و چرچہ کر دے عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا کا (از ابن عربی) جب محرابِ صدرِ مومن میں انوارِ اشجار کے ثمراتِ ابرار دیکھا کم تر اشرار سے نداء خفیہ دعاءِ حقیقیہ عرض کی کہ اے میرے ظاہر و باطن خفی و جلی کے رب قدیر میری عظام و روحانیت کے مضبوط ارادے کمزور و ضعیف ہو گئے ہیں اور صفاتِ بشری میں علل ناتمام کا بڑھاپا پھوٹ کر پھیل چکا ہے ۔ اور

اے میرے ربِ محبوب موتیِ شبہا ءِ ظلمات میں کبھی بھی خلوت وجلوت کی کسی بھی دعا میں شقاوتِ نفس وضمیر میں نہ پڑا یا کبھی نامرادی کی مایوسی ہوئی ۔ خیال رہے کہ قرآنِ مجید میں کُل اٹھائیس جگہ لفظِ عبد مذکور ہوا ہے ۔ جن میں صرف لفظ عبد تیرہ آیت میں ہے ان میں سے پانچ آیت میں مختلف انبیاء علیہم السّلام کو عبد فرمایا گیا ۔ اور لفظ عَبْدُ اللہ تین آیت میں انبیاء علیہم السّلام کے لیے ہی ارشاد ہوا اول سورۃ نساء آیت ١٧٢ دوم مریم آیت ٣٠ سوم سورۃ جن آیت ١٩ ۔ نساء میں عبد اللہ ہے ۔ اور مختلف میں عَبْدَنَا پانچ جگہ ارشاد ہوا یہ بھی صرف انبیاء علیہم السّلام کے لیے ۔ اور قرآن مجید میں سات جگہ عَبْدُہٗ فرمایا گیا ۔ اول سورۃ ١٧ اسراء آیت ١ دوم سورۃ ١٨ کہف آیت ١ سوم مریم بھی جگہ یہاں عَبْدَہٗ حضرت زکریا علیہ السّلام کو فرمایا گیا ۔ چہارم سورۃ فرقان ٢٥ آیت ١ پنجم سورۃ ٣٩ زمر آیت ٣٦ ششم سورۃ ٥٣ نجم آیت ١٠ ہفتم سورہ ٥٧ الحدید آیت ٩ ۔ ان باقی چھ آیات میں عَبْدُہٗ سے آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی مراد ہیں ۔ ثابت ہوا کہ قرآن مجید میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو عبد بھی فرمایا گیا ۔ عبداً اللہ بھی عبد اللہِ بھی اور عَبْدَنَا بھی عَبْدُہٗ بھی یہ بھی ثابت ہوا کہ عام مومنین فقط عبد ہیں خاص مومنین فقط عابد ہیں خاص الخاص مومنین عبدُ اللہ ہیں اور خاص الخاص عبدنا ہیں مگر اخص الخاص یعنی انبیاء علیہم السّلام عبد بھی ہیں عبداللہ بھی عبدَنا بھی اور عبدہٗ بھی ۔ علامہ اقبال صاحب نے اپنی ایک بیہودہ مصرعی نظم میں عبد اور عبدہٗ کا فرق بیان کیا ہے وہ ان کی اپنی رائے ہے قرآن وحدیث سے ثابت نہیں ۔ بلکہ اس نظم کے پہلے شعر میں بھی اختلاف اضطراب ہے ۔ عبد دیگر عبدہ چیزے دگر لیکن دوسرا مصرع بعض کہتے ہیں ۔ این سراپا انتظار اُو منتظر اور کچھ کہتے ہیں ۔ ما سراپا انتظار اُو منتظر ۔ مگر یہ علمی لغوی اعتبار سے غلط ہے کیونکہ یہاں لفظ عبد کے لیے ما ضمیر جمع متکلم نہیں آسکتی ۔ این سراپا انتظار درست ہے اور ان اشعار کا معنیٰ وتشریح یہ کی جاتی ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام فقط عبد ہیں اس لیے وہ طور پر انتظار کیا کرتے تھے محمد مصطفیٰ عبدہٗ ہیں اس لیے معراج میں ان کا انتظار کیا گیا ۔ میں کہتا ہوں کہ اقبال صاحب کا اگر یہی منشا ہے تو غلط ہے اور آیتِ قرآنیہ کے خلاف ہے ۔ اَللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ ۔ وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَکَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَہَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ وَلِیًّا ۔ یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا ۔

اور بے شک مجھ روحِ حیات کو خوف ہے کہ کہیں صفاتِ نفسانیہ اعضاءِ بدنیہ پر غالب نہ آجائیں میری خلوتِ مکاشفات کے بعد اور میری خلوتِ عملیہ میں مجھ زوجۂ جسدی ضعفِ عمل سے بانجھ ونکارہ ہے اس میں عملِ صالحہ کی ودیعت رکھنے کی توفیقِ خیر نصیب نہیں اے پروردگارِ ظاہر وباطن عطا فرما دے اپنے ہی قربِ خاص وکرمِ عام سے ایک کوالیِ اجسام اور منتظمِ ابدان قلبِ ملکی جو وارثِ انوار لائقِ اسرار الہامات میں امانتِ نبوت کا امین رضیًّا ہو ۔ روحِ حیات کے لیے بھی اور الہاماتِ عاقبت کے خزانۂ اعمال

کے لیے اے رب کائنات بنا دے اُس ہمارے قلب مسئول و مطلوب کو علم لدنی کا معادن کیونکہ یہی قلب روح منور اور جسم مطہر کا مولود عطیہ ربانیہ ہے اور وارث متصف بے صفت روح ذات اور یعقوب روحانیات کی تمام صفات الہیہ کا اور اسی قلب مولود و مسعود و مسئول کو اپنی صفات ربوبیت کا تجلی گاہ و مظہریت کا رضیا یعنی راضی برضا اور راغب الی اللہ بنا دے۔ ہر مومن صادق کی روح حیات یہی التجا و خفیہ حفاظت اعضاء بدنیہ کے لیے بارگاہ قدس میں عرض کرتی رہتی ہے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۔

(از تفسیر غرائب القرآن نیاپوری)

يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى ۙ لَمْ

ہم نے پکارا اے زکریا بے شک ہم خوش خبری دیتے ہیں تم کو ایک بیٹے کی اُس کا نام یحییٰ ہوگا۔ نہیں

اے زکریا ہم تجھے خوشی سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے اس کے پہلے

نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۝۷ قَالَ رَبِّ اَنّٰى

رکھا ہم نے اس یحییٰ لفظ کا پہلے کوئی نام ۔ عرض کیا اے میرے رب کیسے

ہم نے اس نام کا کوئی نہ کیا۔ عرض کی اے میرے رب میرے

يَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ

ہوگا میرے لیے بیٹا حالانکہ ہے میری بیوی ناقابل اولاد اور خود میں

لڑکا کہاں سے ہوگا میری عورت تو بانجھ ہے اور میں

بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۝۸ قَالَ كَذٰلِكَ ۚ قَالَ

پہنچ گیا ہوں بڑی عمر ہونے کی وجہ سے بہت بڑھاپے کو۔ فرمایا فیصلہ اسی طرح ہے فرمایا

بڑھاپے سے سوکھ جانے کی حالت کو پہنچ گیا۔ فرمایا ایسا ہی ہے تیرے رب نے فرمایا

رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ

تمہارے رب نے یہ کام میرے لیے انتہائی آسان ہے اور تم کو بھی تو اس کی سے پہلے پیدا کر دیا ہے

وہ مجھے آسان ہے اور میں نے تو اس سے پہلے تجھے اس وقت بنایا

وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ﴿۹﴾

حالانکہ تم بھی کچھ نہ تھے

جب تو کچھ بھی نہ تھا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام پر اللہ کی رحمت فرمانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اس رحمت کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ وہ رحمت آپ کا فرزند ارجمند حضرت یحییٰ علیہ السلام تھے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اس دعا کی قبولیت کا ذکر ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت زکریا کی فرمودہ اپنی اور اپنی زوجہ محترمہ کی ان کمزوریوں کا ذکر کیا گیا جو اولاد پیدا ہونے سے مانع ہوتی ہیں یعنی خاوند کا بوڑھا ہونا اور بیوی کا بانجھ ہونا۔ اب ان آیت میں ذکر ہے کہ ان کمزوریوں کے باوجود جب بیٹے کی خوش خبری ملی تو حضرت زکریا نے تعجب کرتے ہوئے اپنی انہیں کمزوریوں کو ذکر عرض کیا اور قبولیت دعا کی کیفیت معلوم کی۔

تفسیر نحوی يٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ِۨاسْمُهٗ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا۔

یا، حرفِ ندا قائم مقام اَدْعُوْا یا اس کے مشتق دیگر صیغے مثلاً نَدْعُوْا یا دَعَوْتُ دَعَوْنَا۔ ماضی مضارع معروف ہر دو کے صرف متکلم کے صیغے آ سکتے ہیں زکریا۔ بحالتِ فتحہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اعلم ہے اسی لیے تنوین سے مانع ہے منادیٰ ہے اِنَّا، دو لفظ ہیں اِنَّ حرفِ مشبہ بہ نَا ضمیر جمع متکلم اسم اِنَّ نُبَشِّرُ، باب تفعیل کا فعل مضارع۔ جمع متکلم پوشیدہ ضمیر نَحْنُ کا مرجع رب تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ۔ بُشْرٰی سے مشتق ہے بمعنی خوش خبری دینا۔ کَ ضمیر مفعول بہ ب حرفِ جر غُلٰم۔ اسم مفرد جامد بمعنی لڑکا۔ بیٹا، یہ مذکر ہے اس کی مؤنث غلامۃ ہے مگر مستعمل نہیں اس بنا پر بعض نے کہا کہ اس کی مؤنث

ہوتی ہی نہیں۔ غُلَامٍ موصوف اِسْمُہٗ مضاف ہٗ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا۔ یَحْیٰی موصوف اسم مفرد جامد نام ہے ایک نبی اللہ علیہ السلام کا۔ اصلاً یہ فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب بمعنی مستقبل ترجمہ ہے زندہ رہے گا۔ باب سَمِعَ سے ہے مگر یہ نام رکھا گیا اس لیے مشتق نہ رہا جامد ہو گیا ایک قول میں عجمی علم ہے کیونکہ عرب میں اس طرح مضارع کے صیغے سے نام نہیں رکھے جاتے مگر صحیح یہ ہے کہ عربی میں بہت سے اس طرح کے نام فعل مضارع سے رکھے گئے ہیں مثلاً۔ یَعْمُرُ۔ یَعِیْشُ بلکہ نام تو پورا جملہ بھی رکھا جا سکتا ہے جیسے ایک شہر کا نام حضرموت اور کتاب کا نام جاء الحق وزھق الباطل ہے اور یَمُوت بن مزرع تو بہت بڑا شاعر حافظ نحوی کے بھانجے کا بیٹا ہوا ہے۔ یہ یحیٰی نام بھی آئندہ زندگی کی بشارت کے طور پر ہے۔ لَمْ نَجْعَلْ۔ فعل نفی محمد بلم مستقبل۔ لَہٗ۔ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے۔ ترجمہ ہے اُس کو۔ ضمیر ہٗ کا مرجع لفظ یحیٰی سَمِیًّا اسم مفرد صفت مشبہ بروزن شبیھاً۔ سُمُوٌّ یا سمیٌّ سے مشتق ہے بمعنی مضبوط نام یعنی اسم یا ہمنام جمع صفات یہ تمیز ہے لہٗ کی یہ تمیز تمیز مل کر مجرور ہوا من جارہ ابتدائیہ یعنی پہلے زمانوں سے ہی قَبْلُ اسم ظرف زمانی ضمہ پر مبنی ہے کیونکہ اس کا مضاف محذوف منوی ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِہٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے لَمْ نَجْعَلْ کے سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے غُلَامٍ کی یہ موصوف صفت مل کر خبر ہے استقبالی ہے مبتدا اِسْمُہٗ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے غُلٰم کی وہ اب تو بیشتر متعلق ہے نُبَشِّرُ فعل کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ جملہ اسمیہ ہو کر بیان ہے یا ندائیہ کا۔ نِدَا مُنادیٰ اور بیان مل کر مفعول بہ ہوا فعل پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا قَالَ فعل ماضی مطلق اپنے پوشیدہ ضمیر فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبِّ اصل میں یا رَبِّیْ ہے۔ یا ندائیہ رَبِّ منادیٰ۔ اَنّٰی۔ اسم ظرف ہے اس کا استعمال چار طرح ہوتا ہے ۱؎ ظرف مکانی یعنی ظرف خبریہ مکانیہ ۲؎ ظرف استفہامیہ مکانیہ ۳؎ ظرف زمانیہ خبریہ ۴؎ ظرف زمانیہ استفہامیہ۔ پہلی صورت میں بمعنی جہاں جس جگہ اُس جگہ۔ دوسری میں بمعنی کہاں سے کس جگہ سے تیسری صورت میں اَب اِس وقت۔ چوتھی میں بمعنی کب۔ کس وقت۔ کس طرح۔ لفظ اَنّٰی یہاں ظرف مکانیہ استفہامیہ کے لیے ہے۔ کَیْفَ یا مِنْ اَیْنَ کے ہم معنیٰ۔ یہ ظرف مقدم ہے یَکُوْنُ فعل تامہ کا۔ لِیْ۔ لام جارہ ملکیت کا ترجمہ ہے۔ میرا یا میرے لیے یا متکلم ذوالحال۔ وَکَانَتْ واؤ حالیہ۔ کَانَتْ فعل ناقصہ واحد مؤنث اِمْرَاَتِیْ۔ اسم مفرد مؤنث جامد۔ اس کا مذکر ہے اِمْرَءٌ۔ یؔ متکلم۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی اسم ہے کَانَتْ کا عَاقِرًا اسم مفرد لفظاً مذکر معنیً مؤنث خبر ہے۔ کَانَتْ کی دونوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَدْ بَلَغْتُ۔ فعل ماضی قریب معروف واحد متکلم مِنَ الْکِبَرِ جار مجرور متعلق ہے عِتِیًّا۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی سخت بڑھاپا جس میں ہڈیوں کی مینگ بھی خشک ہو جاتی ہے۔ بڑھاپا۔ سمجھا جاتا۔ دراصل تھا عُتُوْوٌ دوسرے رفع کو کسرہ بنایا تو واؤ کو یٰ بنانا پڑا خیال رہے کہ عربی میں بجز مجبوری دو اعراب ایک قریبی جگہ جمع

ہو سکتے خواہ ساکن (جزم) ہوں یا زبر، زیر، پیش ہوں۔ پھر مجبوراً تاکید کے لیے عین کو بھی کسرہ دیا، عِتِیًّا ہو گیا ترجمہ ہے، اکڑ باز، سرکش، بوڑھا یہاں یہ آخری معنی ہے جب یہ عاتٍ کی جمع عُتِیًّا ہو تو پہلے معنی ہوتے ہیں۔ یہاں ترکیب میں مفعول بہ ہے۔ قَدْ بَلَغْتُ مُجرم فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا کَانَتْ پر دونوں مل کر حال ہے بِیْ کا یہ دونوں مل کر مجرور متعلق ہے غُلَامٌ فاعل ہے یَکُوْنُ فعل اپنے فاعل ظرف اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بیان ہوا رَبِّ کا، ندا منادیٰ اور بیان مل کر مقولہ ہوا قول کا قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ کَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَیْئًا۔

قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اس قَالَ کا فاعل ہُوَ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ ہے ترجمہ ہے رب تعالیٰ نے فرمایا۔ کَذٰلِكَ خبر ہے مبتدا محذوف اَلْاَمْرُ کی یعنی فیصلہ اسی طرح ہے، یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہو کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ ایک قول میں اس قَالَ کا فاعل مبشر فرشتہ ہے اور یا ذکریا کا منادیٰ نُبَشِّرُ کا فاعل بھی فرشتہ ہے مگر یہ قول کمزور ہے، اس قول کی صورت میں کَذٰلِكَ مقولہ اول ہے اور اگلی تمام عبارت مقولہ دوم مگر ہماری ترکیب میں دونوں قول علیحدہ چلے ہیں۔ قَالَ با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہے رَبُّكَ كَ ضمیر کا مرجع زکریا یہ مرکب اضافی اس قَالَ کا فاعل ہے۔ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر اس کا مرجع ہے اَلْاَمْرُ پوشیدہ یا بشارت غلام کی تکمیل۔ ھُوَ مبتدا اوّل ہے۔ یعنی مجھ پر، میرے لیے ھَیِّنٌ، اسم صفت مشبہ بروزن فَیْعِلٌ ھَوْنٌ سے مشتق ہے باب نَصَرَ سے ہے بمعنی نہایت آسان۔ معمولی کام۔ عَلٰی عَلٰی حرف جر فوقیت یعنی مجھ پر یاء علٰی یعنی لام جارہ یعنی میرے لیے جار مجرور اس کا متعلق، یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ مقرر۔ واؤ عاطفہ تقریری یعنی ثابت کرنے اور دلیل بنانے کے لیے یہ واؤ اپنے دوسرے مابعد جملے سے ماقبل جملے کو ثابت کرتی ہے۔ قَدْ خَلَقْتُ، فعل ماضی قریب معروف واحد متکلم اس کا فاعل اَنَا ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ك ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع زکریا۔ ذوالحال ہے۔ وَلَمْ تَكُ، واؤ حالیہ لَمْ تَكُ فعل ناقصہ نفی جحد بلم واحد مذکر حاضر۔ اس کی تعلیل نحوی اس طرح کہ یہ تھا تَكُوْنُ لَمْ جازمہ نے جزم دے کر نون کو ساکن کیا تو واؤ ساکنہ گر گئی۔ لَمْ تَكُنْ ہو گیا، کثرتِ استعمال کی وجہ سے نون بھی تخفیف کے لیے گرا دیا گیا۔ باب نَصَرَ سے ہوتا ہے۔ اس میں اَنْتَ پوشیدہ اس کا اسم ہے شَیْئًا اسم مفرد نکرہ بمعنی کچھ۔ خبر ہے۔ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر سے مل کر معطوف مقرر ہوا دونوں مل کر مقولہ ہوا قَالَ ثانی کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

یٰزَكَرِیَّاۤ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ ﰳاسْمُهٗ یَحْیٰى لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِیًّا۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا۔

اس کے دعا کے فوراً بعد وحی الہٰی آئی بذریعہ ملائکہ اور جبرئیل علیہم السلام جیسا کہ آل عمران کی آیت ۳۹ میں بیان کیا گیا، اے زکریا یہ آواز فرشتے کی تھی مگر پیغام رب تعالیٰ کا تھا۔ ہم نے مفسرین کے دو مختلف قول کی مطابقت کر دی۔ اور یہی قول درست ہے۔ بے شک ہم تم کو خوشخبری دیتے ہیں ایسے بیٹے کی جس کا نام یحییٰ ہوگا۔ اس لفظ یحییٰ کرہم نے اس لڑکے سے پہلے کسی بھی شخص کا نام نہیں بنایا۔ ایک قول میں لَہٗ کی ضمیر کا مرجع غلام ہے اور سمیا کا معنیٰ ہے۔ مثل، برابر یعنی اس لڑکے کی مثل کوئی افضل انسان اس سے پہلے نہیں بنایا۔ بعض نے کہا کہ سمیا کا معنیٰ بے مثل ولادت یعنی اس سے پہلے بانجھ عورت سے محض قدرت الٰہی کے کرشمہ سے بغیر نطفہ صرف خاوند کی صحبت سے کہ نہ والدہ کا نطفہ ہو بوجہ بانجھ ہونے کے نہ والد کا نطفہ ہو بوجہ سخت بوڑھا ہونے کے یہ ولادت قدرت کا بے مثل کرشمہ ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ دوسرا اس لیے غلط ہے کہ حضرت ابراہیم موسیٰ داؤد علیہم السلام حضرت یحییٰ سے افضل ہیں کیونکہ وہ خلیل ہیں اور موسیٰ و داؤد صاحب کتاب مرسل ہیں حضرت یحییٰ صاحب شریعت رسول ہیں یا فقط نبی اور مرسل کا درجہ رسول و نبی سے زیادہ ہوتا ہے۔ تیسرا قول جمہور علماء کا نہیں، یہاں حضرت یحییٰ کی دو فضیلتیں بیان ہوئیں ۱۔ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے خود نام رکھا والدین کے سپرد نہ کیا یہ آپ کی خصوصیت ہے ۲۔ نام کسی اور کو نہ پہلے ملا نہ بعد میں یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ نام کسی دوسرے آدمی کا نہ رکھا۔ یحییٰ کا معنیٰ زندہ رہنے والا یا زندہ ہونے والا یا زندہ کرنے والا تینوں اعتبار سے حضرت یحییٰ اسم بامعنیٰ ہیں۔ اوّلاً اس لیے کہ آپ ابدی زندہ ہیں اور شہادت میں قتل کے بعد بھی آپ لوگوں کو دیکھتے اور حرام نکاح کا مسئلہ بتاتے رہے کئی سو سال تک آپ کا خون رستا رہا یہاں تک کہ ایک نبی علیہ السلام نے کچھ فرمایا تو بند ہوا دوم اس لیے کہ آپ کے لیے بحکم مادر زندہ کیا گیا، سوم اس لیے کہ آپ نے دلوں کو زندگی بخشی۔ حضرت یحییٰ کی ولادت پاک اس بشارت کے تیرہ سال بعد ہوئی (تفسیر صاوی) ایک قول میں انیس ۱۹ سال بعد ہوئی۔ اس کا پورا بیان تفسیر نعیمی پارہ سوم سورۃ آل عمران میں ملاحظہ کیجئے۔ یہ خوشخبری سن کر حضرت زکریا اتنے مسرور ہوئے کہ جذبات کو قابو نہ رکھ سکے یہ الفاظ بھی شکر الٰہی کا ایک طریقہ ہے اور اسی جذبے میں شاداں و فرحاں ہو کر عرض کرتے ہیں اے میرے رحیم کریم رب جلیل کس نوعیت سے ہوگا میرے لیے بیٹا۔ اور تو جانتا ہی ہے کہ میری بیوی شروع جوانی سے ہی بانجھ یعنی سوکھے رحم والی ہے۔ خیال رہے کہ علم طب کے مطابق عورت کے رحم میں بلوغت کے وقت چکنا پانی پیدا ہوتا ہے اسی میں نطفہ پرورش پاتا ہے وہ پانی دو رنگ اور دو قسم کا ہوتا ہے۔ مختلف جسمانی اعتبار سے پانی اپنی مقدار میں مختلف ہوتا ہے اوسطاً پانی تقریباً ایک سیر ہوتا ہے۔ اگر عورت کی جسمانیت و رحم کے اعتبار سے پانی تھوڑا ہو تو نطفہ کبھی نہیں ٹھہرتا مگر اس کا علاج ممکن ہے۔ اگر شروع سے پانی رحم میں بالکل نہ ہو تو علاج ناممکن ہوتا ہے۔ اسی کو عقر و عاقر اور بانجھ

کہتے ہیں۔ اگر بیماری یا لیکوریا وغیرہ سے پانی کم ہو جائے تو علاج ممکن ہے ختم ہو جائے تو علاج ناممکن ہوتا ہے۔ اِن بیوی صاحبہ کا نام ایشیع (ایلزبتھ) تھا۔ اس کمزوری کا ذکر کرنے کے بعد اپنی حالت بیان فرمائی کہ اے میرے رب مولیٰ کریم اور میں بھی تو عمر رسیدہ (بڑی عمر ہونے کی وجہ سے ہڈیوں کی مینگ۔ چربی سوکھنے کے بڑھاپے تک پہنچ گیا ہوں ان حالات میں تیری اس عظیم اور مہربان قدرت کا کس طرح ظہور ہو گا۔ کیا مجھ کو جوانی والی قوت سے نوازا جائے گا اور میری بیوی کو مکمل صحت مند قابلِ اولاد عورت بنا دیا جائے گا۔ یا کچھ اور کرشمہ ہو گا تو تو ہزار قدرتوں والا ہے اپنی اس قدرت کا بھی میرے لیے اظہار فرما دے تاکہ خوشی کے ساتھ ساتھ اطمینانِ قلبی مجھ کو نصیب ہو جائے اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمًا ۔ یہاں مفسرین کے چار قول ہیں ۱۔ یہ سوال اطمینانِ قلبی کے لیے تھا۔ ۲۔ طریقۂ ولادت معلوم کرنے کے لیے تھا کیونکہ اتنی عمر میں بانجھ بیوی سے اولاد ہونا فطرۃِ الٰہیہ کے خلاف اور خرقِ عادت تھا۔ ۳۔ مزید خوشی حاصل ہونے کے لیے تھا۔ ۴۔ رب تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل کرنے کے لیے تھا۔ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْـًٔا۔ رب تعالیٰ نے جواب فرمایا۔ بذریعے وحی خفی یا بذریعہ فرشتہ۔ یہ کلام جلی یا تکلم بالمشافہ نہ تھا۔ تکلم بالمشافہ موسیٰ علیہ السّلام کی خصوصیت ہے اسی لیے اُن کو کلیم اللہ کہا جاتا ہے۔ اور وحیِ قدسی یعنی ظاہر بلا واسطہ جبرئیل یا فرشتہ یہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے اسی لیے لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ کی خلوت و کیفیت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہے فرمایا۔ اے زکریا ولادت اسی طرح ان ہی حالات میں ہو گی تم بوڑھے ہی رہو گے تمہاری بیوی بانجھ ہی رہیگی رحم سوکھا ہی رہے گا۔ بغیر والدین کے نطفے کے۔ ایک قول میں ہے کہ پہلا قَالَ جبرئیل علیہ السّلام کا قول ہے دوسرے قَالَ کا فاعل رَبُّكَ ہے۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ تمہارے رب نے جواب فرمایا ہے هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۔ ایسی پیدائش بھی میرے لیے آسان ہے کچھ مشکل نہیں۔ یہ تو صرف ایک جسم کی پیدائش ہے کہ رحمِ مادر میں فقط گوشت پوست کا ایک مجسم بنانا ہے دوسری تمام جاندار اور غیر جاندار مخلوق کو چھوڑو صرف اپنی طرف ہی غور کر لو کہ بے شک میں نے تمہاری روح کو ازل میں اِس سے پہلے اُس وقت پیدا کر دیا تھا جب تم کسی لحاظ سے کچھ بھی نہ تھے۔ نہ عالمِ ارواح میں تمہاری روح تھی۔ بلکہ ایک وہ وقت تھا کہ عالمِ ارواح ہی نہ تھا نہ تمہارے جسم کے عناصرِ اربعہ تھے تمہاری روح، تمہارے عناصر اربعہ پھر تمہارا نطفہ پھر مضغہ، علقہ، لحما، عظما، وہ خلقتیں اس سے زیادہ تعجب خیز تھیں، مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک، صغیر کبیر، حقیر، جلیل، اِنشاء اور اعادہ سب یکساں ہیں یہ سب کی سب طرح خلقتیں اُس کے لیے معتبرہ نہایت ہی آسان ہیں ذرہ بھر مشکل نہیں۔ جب اول انشا میں تم کو پیدا کر دیا تو یہ اعادہ ہے اس میں کیوں متعجب و حیران ہو۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی خلقتیں دو طرح سے ظہورِ وجود میں آتی

ہیں ۱؎ فطرت وعادت اور قانونِ الٰہیہ ازلیہ کے مطابق ۲؎ خلافِ فطرت وعادت محض کرشمۂ قدرت سے، فطرت
وقانون کا ظہور تو تمام مخلوق پر ظاہر ہوتا رہتا ہے۔ مگر شاہکارِ قدرت اور محیّر العقول کرشمۂ خلاقیت صرف اجسام
انبیاء کرام علیہم السلام پر ہی ظاہر ہوئے۔ رب تعالیٰ نے اپنی صفاتِ قوت وقدرت کو ظاہر فرمانے کے لیے ازابتدا
تاانتہا اجسامِ انبیاء کو ہی منتخب فرمایا۔ گویا کہ وجودِ انبیاء ہی مظہر ومنبعِ صفاتِ الٰہیہ ہے۔ مثلاً۔ قانون تو یہ ہے
کہ ہر ذی روح مخلوق جاندار اشیاء والدین کے نطفے اور ماں کے رحم سے مخلوق ومولود ہو، مگر اللہ رب العزت کی
قدرت اور قوت یہ ہے۔ بغیر والدین کے واسطہ کے جس طرح چاہے پیدا فرمادے۔ حضرت آدم کو ظاہر ظہور
مٹی سے گوندھ کر پتلا بنا کر سکھا کر روح ڈال کر پہلی انسانی مخلوق بنایا۔ یہ قدرت جسم نبی پر ظاہر ہوئی۔ سینۂ
آدم علیہ السلام میں دو طرفہ چھتیس پسلیاں بنائی گئیں تھیں۔ پھر ان کی ہی ایک پسلی دائیں جانب سے نکال کر
حضرتِ حوا کو بنا دیا گیا۔ پینتیس پسلیاں باقی رہ گئیں وہی اب سب انسانوں میں چلی آتی ہیں۔ حضرت آدم کی
ولادت میں نہ والدین کا نطفہ تھا نہ رحمِ والدہ حضرتِ حوا کی ولادت میں نہ نطفہ نہ رحمِ مادر نہ مٹی کا پتلا۔ پس ایک نبی
کی پسلی کو جاندار مخلوق بنا دیا اور حضرتِ حوا کی روح کو اُس پسلی میں ڈال دیا۔ تو وجودِ عورت کا ظہورِ اولین ہو گیا
۳؎ قانون تو یہ ہے کہ خاوند بیوی کا ملاپ ہو نطفہ سے مخلوق بچہ یا بچی بنے۔ مگر حضرت یحییٰ علیہ السلام کو ایسی قدرت
سے پیدا فرمادیا کہ خود والد کو تعجب ہو رہا ہے کہ صحبت ہوئی مگر نہ والد کا نطفہ نہ والدہ کا صرف رحم کا مسکن بنا دیا
گیا۔ اس قدرتِ عظیم متحیرہ کا ظہور بھی جسم نبوت پر ہوتا ہے۔ ۴؎ قانون تو یہ ہے کہ خاوند بیوی ہوں تب بچہ مولود
ہو گا مگر قدرت یہ ہے کہ خاوند سرے سے ہی نہ ہو صرف والدہ کے نطفے سے ہی عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا
کر دیا جائے۔ اس قدرتِ الٰہیہ کا ظہور بھی جسم نبوت پر ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ بھی جتنی قدرتیں معجزات
کی صورت میں ظاہر ہوتی رہیں اُن کے لیے اجسامِ انبیاء علیہم السلام کو ہی چنا گیا۔ کیا شانِ عظمت ہے
وجودِ انبیاء علیہم السلام کی سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ حضرت زکریا علیہ السلام کی اس دعا
اور بشارتِ خداوندی کا پورا بیان قرآن مجید میں دو جگہ بیان فرمایا گیا کچھ یہاں سورۃ مریم کی ابتدائی پندرہ
آیت میں اور پھر اس کے بعد سورۃ آلِ عمران مدنیہ کی چار آیت ۳۸ تا آیت ۴۱۔ رب تعالیٰ نے اس دعا اور
بشارت کی دو نوعیتیں سمجھانے کے لیے اس کو دو جگہ بیان فرمایا۔ پورا قرآنی بیان اس طرح ہے کہ حضرت
مریم اپنے خالو حضرتِ زکریا نبی علیہ السلام کی پرورش کے ساتویں یا آٹھویں سال اپنے مخصوص حجرہ بیت المقدس
کے محراب میں بیٹھی تھیں اور آپ کے پاس حسب روز مرہ جنت کے غیبی پھل رکھے ہوئے تھے کہ زکریا علیہ السلام
تشریف لائے اور بے موسمے تازہ پھل دیکھ کر فرمایا۔ اے مریم اَنّٰى لَكِ هٰذَا تمہارے لیے یہ پھل اتنے
شاندار تازہ بتازہ بے مثل خوشبودار کہاں سے آئے ہیں مریم نے عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کے پاس سے آئے

ہیں تب اس مقام اور بے موسمے جنتی پھلوں کی نسبت اور وسیلے سے آپ نے اپنے لیے بے موسمی اولاد کی دعا مانگی لیکن چونکہ انبیاء علیہم السّلام کی ہر خواہش دینی کاموں کے لیے ہوتی ہے اس لیے آپ نے اولاد بھی دنیا و دنیا داروں کی طرح دنیوی اغراض کے لیے نہ مانگی بلکہ دعا عرض کرنے میں ایسے الفاظ عرض کیے جس سے تین چیزیں متعین ہوگئیں۔ عرض کیا اے میرے رب عطا فرما۔ هَبْ لِیْ۔ یعنی بلا مشقت وبلا معاوضہ بخشش فرما مجھ کو اولاد پاک ستھری صحت مند خوب صورت متقی نیک عابد زاہد خاص اپنے پاس سے جو وَلِیًّا یعنی میرا جانشین بننے کے لائق لڑکا ہو لڑکی ہو اور نہ نالائق فضول لڑکا ہو اور مجھے بے موسم پھلوں کی طرح بے موسمی اولاد عطا فرما کیونکہ اس میں اپنے بڑھاپے کی وجہ سے اور میری بیوی اپنے بانجھ پن کی وجہ سے بے موسمی ہو چکے ہیں بے شک تو ہی تو دعاؤں کو سننے والا ہے۔ خاص کر میں تو کبھی بھی اس سے پہلے کسی بھی دعا کی قبولیت میں تیری بارگاہ سے ناکام نہ ہوا یہ وَلِیًّا ایسا ہو جو میرا بھی سچا اور مستحق جانشین بن سکے اور پوری آلِ یعقوب علیہ السّلام کا جانشین بن سکے۔ اتنی دعا عرض کرنے کے بعد آپ وہیں محرابِ مریم میں ہی اپنی نفلی نماز اذکار تسبیح تہلیل ورد وظائف میں مشغول ہو گئے ابھی فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ رب تعالیٰ کے فرشتے جبریل علیہ السّلام کے ساتھ جلوسِ بشارت مناتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا پیغامِ بشارت لے آئے اور خدمتِ نبویہ عالیہ میں ندا عرض کی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی تم کو یحییٰ بیٹے کی بشارت عطا فرماتا ہے یہ وحی اسی کا قول مبارک ہے ہم تو صرف وحی لانے اور سنانے والے ہیں۔ سورۃِ آلِ عمران میں یحییٰ علیہ السّلام کو آلِ زکریا ثابت کیا گیا ہے اور یہاں جانشین اور ولی وارث ثابت کیا گیا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں **پہلا فائدہ** انبیاء کرام اور ان کے پورے اجسام و ابدان اور وجود سب خاص رب تعالیٰ کے لیے ہوتے ہیں۔ ان کا ہر فعل صرف رب کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا کھانا پینا سونا جاگنا شادی بیاہ بھی رب تعالیٰ نے اُن کو خاص اپنے لیے پیدا فرمایا ہے اُن پر ہی اپنی تمام قدرتوں کا اظہار فرماتا ہے۔ اُن کی خلقت خاص اپنے دستِ کرم سے جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے خَلَقْتُ بِیَدَیَّ میں نے اُن کو اپنی دستِ قدرت سے پیدا فرمایا۔ تمام انبیاء کرام کے نام بھی خود رب تعالیٰ ہی وضع فرماتا ہے والدین نہیں رکھتے یہ فائدہ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا کے ارشادِ پاک اور قَالَ كَذٰلِكَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ کوئی مخلوق زمینی و آسمانی فرشتہ غلمان انبیاء کرام علیہم السّلام سے افضل نہیں۔ جبریل و میکائیل جیسے سردارانِ ملائکہ بھی اُن کے خدام ہیں۔ اور اُمت کے اولیاء غوث و قطب اُن کے دروازۂ اقدس کے گدا ہیں۔ **دوسرا فائدہ** انبیاء کرام علیہم السّلام کی یہ بھی ایک خصوصی شان ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام بطور سوال وجواب عرض و معروض کے عاجزانہ طریقے

پر رب تعالیٰ سے استفسار کر لیتے ہیں کہ یہ کیسے ہے اور کیسے ہو سکتا ہے یا کیونکر ہوگا۔ مولیٰ تعالیٰ اس استفساری سوال وجواب پر ناراضگی نہیں فرماتا بلکہ محبت سے تسلی بخش جواب عطا فرماتا ہے یہ فائدہ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ۔ اور قَالَ كَذٰلِكَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہ اعزازی جرأت کسی اور شخص کو حاصل نہیں یہاں تک کہ کوئی فرشتہ بھی یہ جرأت نہیں دکھا سکتا۔ یہ عظیم دلیل ہے محبوبیت کی۔ **تیسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے کام رب تعالیٰ کے ہی کام ہیں اسی لیے اولیاء اللہ کے کام میں عظمت وقوت اور مقبولیت ومنظوریت ہوتی ہے اور مولیٰ کریم اپنے بندوں کے کام کو بھی اپنی طرف منسوب فرمالیتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّا نُبَشِّرُكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو۔ خوش خبری فرشتوں نے دی تھی۔ جیسا کہ۔ آلِ عمران کی آیت ۳۹ میں ہے فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ۔ مگر رب تعالیٰ نے فرمایا۔ بے شک ہم نے خوش خبری سنائی۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** اپنے مُربّی یا ڈاکٹر طبیب معالج کو اپنی اور اپنی بیوی کی خفیہ بیماری۔ اور اندرونی شرمگاہ کی بیماری بتانی اور ظاہر کرنی جائز ہے جب کہ بغرضِ علاج ایسا کیا جائے یا علاج کا مشورہ وطریقہ پوچھنا مقصود ہو۔ نہ یہ غیبت ہے نہ پردہ دری نہ عیب جوئی نہ گناہ اور عام مسلمانوں کے تجرباتی فوائدِ نافعہ کے لیے ڈاکٹر طبیب کو بھی جائز ہے کہ اس بیماری کے کامیاب علاج اور دوا کو دیگر مریض لوگوں کو بتانے کے لیے اس مجرب مریض کو بھی مشہور کر سکتا ہے کہ فلاں بیمار شخص پر اس دوا اور علاج کا تجربہ کامیاب رہا ہے۔ یہ مشہوری شرعاً گناہ نہیں۔ نہ ہی ڈاکٹر طبیب ومعالج دنیوی یا اُخروی پکڑ میں آسکتا ہے اگرچہ وہ خفیہ شرمناک بیماری عورت میں ہو یا مرد میں۔ لیکن اس کے علاوہ کسی اور شخص کو نہ اپنی شرمناک بیماری خواہ مخواہ بلاوجہ بتانا جائز نہ کسی کو کسی کی بیماری کا مشہور کرنا جائز۔ بلاوجہ کوئی شخص کسی دوسرے کی ایسی بیماری کو اگر ظاہر اور مشہور کرے جس سے اُسی بیمار کی ذلت ورسوائی اور معاشرے میں سب کی بے عزتی ہو تو یہ گناہ بھی ہے اور قابلِ تعزیر جرم بھی۔ یہ مسئلہ حضرت زکریا کا اِمْرَاَتِيْ عَاقِرًا عرض کرنے اور رب تعالیٰ کا اس کو بذریعہ قرآن مجید تا قیامت عالم میں مشہور کرنے اور ہمیں سنانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ مسلمان والدین کو چاہیے کہ ہمیشہ اپنے بچوں کے اچھے الفاظ اور بابرکت اور بہترین معنیٰ والے نام رکھیں اور ولادت کے بعد فوراً رکھیں بلکہ اگر کسی طرح یقین سے پتہ لگ جائے کہ پیدا ہونے والا بچہ لڑکا ہے یا لڑکی تو ولادت سے پہلے ہی نام رکھنا جائز بلکہ بہتر ہے اس لیے کہ بفرمانِ حدیث پاک نام کا اثر نام والے کی شخصیت اور آئندہ زندگی کے کردار پر پڑتا ہے بلکہ بعض مبارک لفظوں یا بزرگ کی نسبت کی وجہ سے بچے کی زندگی گداز اور صحت والی ہو جاتی ہے۔ اسی لیے غلط الفاظ اور غلط معانی یا غلط اور برے لوگوں کی نسبت والے نام رکھنا بفرمانِ حدیث پاک ممنوع اور گناہ ہیں آقائے کائنات

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برے ناموں کو تبدیل فرما دیتے تھے۔ کیونکہ برے اور شریر ناموں کا اثر بھی نام والے کی شخصیت پر پڑتا ہے۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ و مشاہدہ ہے۔ یہ مسئلہ اِسْمُهٗ يَحْيٰى (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ مولیٰ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی کا نام بذات خود تجویز فرما کر ان کو اسم بامسمّٰی بنا دیا۔ اور اس نام پاک کی شان و عظمت و فضیلت ظاہر فرمائی۔ کہ فرمایا گیا۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۔ لفظ یحیٰی بہت پُر وقار باعظمت اور شاندار معنیٰ والا نام ہے۔ اسی طرح تمام انبیاء کرام کے نام اپنی اپنی لغت کے اعتبار سے بہت ہی باعظمت و فضیلت کے معنیٰ والے نام ہیں بلکہ اسم بامسمّٰی ہیں۔ مسلمانوں کو قرآن مجید احادیث مبارکہ۔ صحابہ کرام اولیاء اللہ کے ناموں کی مثل نام رکھنا چاہیے۔ نمرود شداد ہامان فرعون۔ یزید۔ شمر پرویز اور کفار کے معاشرے میں مشہور نام نہیں رکھنے چاہئیں۔ مثلاً۔ بھگوان داس یا تارا سنگھ وغیرہ نام رکھنا حرام ہیں۔ اسی طرح وہ نام رکھنا بھی ناجائز ہے جس کے معنیٰ سے جھوٹ کذب بیانی یا نفرت و حماقت ظاہر ہوتی ہو۔ مثلاً خالد نام رکھنا جائز ہے مگر خالد بن ولید نام رکھنا ناجائز ہے۔ اور ایسے ہی حلیمہ نام رکھنا جائز ہے مگر حلیمہ سعدیہ یا صرف سعدیہ نام رکھنا ناجائز ہے۔ کیونکہ بن ولید نام نہیں بیہ ولدیت ہے۔ ایسے ہی سعدیہ نام نہیں بلکہ قبیلے اور قوم کی نسبت ہے ایسے لفظوں کو نام بنا لینا جھوٹ بھی ہے حماقت بھی بلکہ بے غیرتی اور گناہ بھی کہ اس خالد کا والد مثلاً زید ہے مگر یہ اپنا باپ ولید کو کہہ رہا ہے یا دوسرے پکارنے بلانے والے اس کو ولید کا بیٹا کہہ کر پکار رہے ہیں۔ نام رکھنے کا پورا شرعی بیان ہمارے فتاویٰ العطایا دوم میں اور اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کی کتاب ملفوظات اور احکام شریعت و فتاویٰ رضویہ میں دیکھئے۔ تیسرا مسئلہ۔ شخصیت اور شئی یعنی چیز روح مع الجسد کا نام ہے۔ فقط روح کو یا فقط جسم کو نہ کوئی نام دیا جا سکتا ہے نہ اس کو شخصیت کہا جا سکتا ہے۔ نہ شئی عربی لغت میں۔ اَنْتَ اَنْتُمْ اَنْتُمَا۔ کُمْ کُمَا۔ کُنْتُمْ۔ فارسی میں شما۔ تو شما اور اردو میں تو۔ تم آپ۔ جناب وغیرہ ضمیری الفاظ روح مع الجسد ہی کو کہا جاتا ہے اور اسی کو زندہ کا نام دیا جاتا ہے۔ فقط روح نہ کَ ہے نہ کُما نہ کُم نہ ماوَ۔ نہ آپ جناب۔ یہ مسئلہ قَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ نے حضرت زکریا کی ولادت کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ اس سے پہلے تم کوئی چیز بھی نہ تھے۔ حضرت زکریا کو یحیٰی علیہ السّلام کی ولادت پر ہی تعجب اور حیرانگی ہوئی اور اسی کے بارے میں استفساری سوال عرض کیا تھا۔ اسی کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے لَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ فرمایا۔ نیز ولادت میں روح مع الجسد کی پیدائش ہوتی ہے۔ ورنہ حضرت زکریا و یحیٰی کی روح اور تمام روحیں تو کروڑوں سال پہلے ایک دم سب کلمۂ کُنْ فَيَكُوْنُ سے پیدا فرما دی گئیں تھیں وہاں نہ کوئی باپ نہ کوئی بیٹا نہ کوئی مِنْ قَبْلُ نہ کوئی مِنْ بَعْدُ۔ لہٰذا مرزائیوں قادیانیوں اور مرزا غلام قادیانی کا یہ کہنا کہ رَافِعُكَ اِلَيَّ ۔ میں عیسیٰ علیہ السّلام کی صرف روح کا اٹھانا مراد ہے اور یہ کہ معاذ اللہ عیسیٰ علیہ السّلام فوت ہو گئے ہیں اور آپ کی

روح کو آسمان پر اٹھایا گیا ہے نہ کہ جسم کو غلط ہے جہالت ہے۔ رَافِعُکَ میں کَ ضمیر سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پورے زندہ مراد ہیں قادیانیوں کا کفریہ اور شیطانیہ عقیدہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ حضرت زکریا نے بشارت سنا کر اپنے بیٹے کی ولادت پر حیرانی اور تعجب سے سوال عرض کیا تو رب تعالیٰ نے اس کے جواب میں خود زکریا علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا۔ حالانکہ حضرت زکریا کی ولادت کوئی تعجب خیز نہ تھی اسی طرح کی ولادتیں مطابق عادت و قانون ولادت ہزاروں لاکھوں ہوتی رہتی ہیں۔ چاہیئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا ذکر کیا جاتا۔ اور بتایا جاتا کہ تم کو بغیر نطفہ کے پیدائش پر تعجب ہو رہا ہے ہم نے تو تم سے پہلے بالکل ہی ابتداءِ انسانیت میں آدم کو بغیر والدین اور بغیر رحم مادر کے پیدا فرما دیا۔ وہ پیدائش اس پیدائش یحییٰ سے کہیں زیادہ تعجب خیز تھی جب وہ ہمارے لیے مشکل نہیں تو یہ کیوں مشکل ہو گی یہ بھی ہیّن۔ مگر یہاں زکریا علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا گیا اس کی کیا وجہ۔ **جواب**۔ چونکہ سوال میں ولادت کا ذکر تھا اس لیے جواب میں بھی ولادتِ زکریا علیہ السلام کا ذکر کیا گیا۔ اصل مقصود سمجھانا یہ تھا کہ لَمْ تَكُ شَيْـًٔا۔ یعنی نیست سے هست کرنا عدم سے وجود میں لانا لہٰذا کسی بھی پہلی انسانی ولادت کا ذکر کر دیا جاتا تب بھی نیست و ہست کا مسئلہ حل ہو جاتا لیکن خود حضرت زکریا کا ذکر کرنا جلدی سمجھ آنے کے لیے فرمایا گیا۔ اس لیے کہ اپنی واردات جلدی سمجھ آتی ہیں۔ حضرت آدم کا ذکر اس لیے نہ فرمایا کہ وہاں ولادت نہیں ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے پہلے تو خود بیٹے کی ولادت کی دعا مانگی کیونکہ دعا میں ذُرِّيَّةً۔ طَيِّبَةً۔ اور وَلِيًّا۔ جیسے الفاظ ہیں لفظ۔ ذُرِّيَّةً اگرچہ ہر قسم کی اولاد کو شامل تو ہے لڑکی ہو یا لڑکا۔ مگر وَلِيًّا کے لفظ نے لڑکے کو خاص کر دیا کیونکہ لڑکی وَلِيًّا۔ یعنی جانشین نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا بیٹے کی دعا مانگنے کے بعد جب بشارت ملتی ہے تو خود ہی حیرانی سے انکاری سوال بھی کر دیتے ہیں کہ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی کیا وجہ؟ **جواب**۔ ہم نے تفسیر میں اس کی وضاحت کر دی ہے کہ یہ سوال نہ انکاری تھا نہ تعجب اور حیرانی کا۔ بلکہ خوشی کے جذبات سے سرشار ہو کر طریقۂ ولادت اور نوعیت و کیفیت کا سوال تھا کہ کس طرح ولادت ہو گی قانونی عادت کے مطابق والدین کے نطفہ سے اور یہ کہ صرف نطفہ پیدا کر دیا جائے گا یا کہ میرا بڑھاپا اور بیوی کا بانجھ پن دعقر، ختم کر کے یا دونوں کو جوان کر کے یا اس طرح قدرت الٰہیہ کے کرشمہ سے یہ سوالِ انکاری نہیں کیونکہ قدرت الٰہیہ پر سوالِ انکاری کفر ہے اور کفر تو در کنار انبیاء کرام سے تو معمولی خطا بھی ناممکن و محال ہے کیونکہ وہ ہستیاں معصوم ہوتی ہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں ارشاد فرمایا گیا کہ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا۔ مفسرین اسلام نے اس آیت کی ایک تفسیر یہ بھی فرمائی ہے کہ نہیں بنایا ہم نے اس یحییٰ جیسا کوئی بھی اس سے پہلے بے مثل اور افضل انسان۔ حالانکہ ان جیسے افضل نبی تو بہت سے ان سے پہلے

گزرے بلکہ ان سے بھی افضل انبیاء کرام پہلے ہوئے ہیں۔ مثلاً حضرت ابراہیم، موسیٰ، اور داؤد علیہم السّلام ان سے افضل تھے۔ تو پھر ان کو سَمِیًّا یعنی بے مثل کیوں فرمایا گیا۔؟ جواب۔ سابقین مفسرین تو اپنی عادت کے مطابق ہر سچا جھوٹا۔ درست۔ اور غلط قول نقل کرتے چلے جاتے ہیں نقل کر دینے سے یہ ضروری نہیں کہ صاحب تفسیر کے نزدیک یہ قول درست بھی ہو۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ تفسیری اقوال بالکل غلط ہیں پھر بھی نقل کر دیتے ہیں یہی حال ہمارے شارحین کا ہے مگر فقہاء اسلام کا یہ کام ہے کہ وہ سچے جھوٹے اور صحیح۔ غلط کی نشاندہی کرتے جائیں ہماری یہ تفسیر چونکہ فقہیانہ طرز و طریقے پر ہے اس لیے ہم نے اپنی تفسیر میں اس قول کی تردید کی ہے۔ اور بتا دیا ہے کہ سَمِیًّا کا صحیح معنیٰ ہے نام۔ یعنی لفظِ یحییٰ پہلے کسی کا نام نہ رکھا گیا۔ یہی تمام جمہور علماء کا قول ہے۔ لیکن اگر سَمِیًّا کا معنیٰ بے مثل و بے نظیر ہی کیا جائے تب اعتراض کا جواب اس طرح ہے کہ یہاں بے مثل سے افضلیت مراد نہیں۔ بلکہ مقصود مراد یہ ہے کہ حضرت یحییٰ علیہ السّلام میں بعض خصوصی صفات رب تعالیٰ نے ایسی پیدا فرمائیں تھیں جو ان کے علاوہ ان سے پہلے کسی انسان میں نہیں ہوئی نہ کسی نبی علیہ السلام میں نہ کسی امتی میں۔ مثلاً خصوصی اور بے مثل ولادت۔ اور زاہدانہ زندگی، شرم، و زندگی دنیا و گھر بار سے قطعاً علیحدگی۔ دنیا کی ہر چیز سے بے رغبتی۔ ہر وقتی تبلیغ سَیِّدًا وَّحَصُوْرًا۔ ہونا۔ بچپن ہی نا بالغی میں ہی نبوت کی تبلیغ کا حکم مل جانا اور زمین و قبول میں سلامتی کا اللہ کی طرف سے تذکرہ فرمایا جانا اور ضائن ہونا۔ یہ وہ خصوصیات ہیں جو پہلے کسی اور شخص کو بھی نہ ملیں مگر ان خصوصیات سے افضلیت لازم نہیں واللہ ورسولہٗ اَعْلَم۔

تفسیر صوفیانہ آیت نمبر ۷ تا ۸ — یٰزَكَرِيَّآ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمِ نِ اسْمُهٗ يَحْيٰى ۔ لَمْ نَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا ۔ قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِيْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِيًّا ۔

اے روحِ حیاتِ جسمیہ۔ بے شک ہم فلکِ اعلیٰ سے تجھ کو بشارتِ قبولیتِ التجا سے تحفہ و انوار عطا فرماتے ہیں ایک قلبِ مطیع کا جس کا اسم ذاتی حیاتِ ایمانی و عرفانی کا یحییٰ ہے جس کو رب کریم نے اپنے نور سے زندگی بخشی اور مقامِ قرب کی جلا بخشی اور اس کو آغوشِ معرفت میں زندہ کیا ایسی حیات خصوصیہ عالمِ جدید میں اس سے پہلے کسی کو نہ ملی نہ عقول عشرہ کو نہ نفوسِ ارلیہ کو نہ حواس خمسہ کو نہ دنیاوی حیوانات میں نہ عالمِ ملائکہ میں جسدِ عنصری میں قلبِ عارفین ہی وہ عضوِ مبارک ہے جو بلا واسطہ فیضِ اُلوھیت قبول کرتا ہے اور یہی یحییٰ ابدی امانتہٗ اسرار کو اٹھانے والا ہے حدیثِ قدسی میں ہے کہ میری امانت لَا هُوْتِیْ لامکانی کو صرف میرے بندۂ عارف کا قلبِ مطیع ہی اٹھانے کی گنجائش رکھتا ہے اور ایسے ہی قلبِ مومن میں تجلیاتِ رب سما جاتی ہیں چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَلٰكِنْ يَسَعُنِيْ قَلْبُ عَبْدِيَ الْمُؤْمِنِ ۔ اُس ہی عقل و فکر نے رب تعالیٰ

کو پہچانا جس نے اپنے قول و فعل تصور اور ارادے میں سنتِ نبوی کو حاکمِ اجسام بنایا ایسا ہی قلب و عقل نفس وضمیر کے دہانِ باطنی سے حکمت کی باتیں نکلتی ہیں۔ اور ایسا ہی دل حیاتِ ابدی کا یحییٰ قلبی ہوتا ہے اور جس نے اپنے نفس اور قول و فعل میں خواہشاتِ ذلیلہ دنیویہ کو مسلط کیا اس نے بدعتِ سیئہ کا ارتکاب کیا۔ ان ہی بدعاتِ سیئہ سے روحِ سیاٰت کو خفتُ المَوالیہ کا خدشہ و اندیشہ ہوتا ہے اُس جسم پر عذابِ الٰہی جلدی آتا ہے جو ظلم کرتا دیکھے اور ظالم کو نہ روکے بہت بڑا جہادِ روحانی و جسمانی یہ ہے کہ ظالم بادشاہ اور جابر حاکم کے سامنے بھی حق و انصافِ عدل و سچائی کی بات کہدی جائے۔ کہ یہ مظلوم کا حق ہے مظلوم کی بددعاؤں سے ہر عضوِ باطن و ظاہر اور افرادِ انسانی کو بچنا چاہیئے کیونکہ یہ بارگاہِ صمدیت تک بہت جلدی جاتی ہے اگرچہ بندۂ مخفیہ ہو۔ مغفرت اور رحمت و برکت کے خزانوں کی بشارتیں کشادہ روئی اور شیریں زبانی سے ملتی ہیں۔ زیادہ بلا وجہ قسمیں کھا کر تجارتِ دنیا اور مالِ فانیہ تو بڑھایا جا سکتا ہے مگر رحمت و برکت کی کمائی گھٹ جاتی ہے اور اسرارِ الٰہیہ کی بشارتیں بند ہو جاتی ہیں درس گاہِ صمدانی کی بشارتِ عظمیٰ کو سن کر روحِ حیات کی قوتِ تازگی خوشنودیِ ایمانی سے لبریز ہو کر تسکین و قرار کے لیے زکریاءِ باطنی عرض سوال کرتا ہے کہ خلفشارِ جسمانی کے اس یلغارِ ضعیفی میں قلبِ متوکل کی عطا کس طرح ہوگی میری قوتِ بدنیہ بانجھ ہے اور میں روحِ حیات تعلقِ ہمالِ کا طولِ زمانی کے سبب انفاسِ عمرِ طویل گزرنے کی وجہ سے خشک مزاجی کے ضعفِ عناصر کی دہلیزِ شیبۃِ کبرِ باطن پر ہوں جہاں افتراقِ روح و جسم کا تقربِ یقینی کا ظہور عیاناً ہوتا ہے۔ ان عناصرِ عمل کی کمزوریوں میں قوتِ قلبی کا ظہورِ ولادت کس طرح ہو۔ قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَّقَدْ خَلَقْتُكَ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ تَكُ شَيْئًا ۔ ہاتفِ غیبی سے جواب یہی آتا ہے کہ سب کچھ عالمِ امر سے اسی طرح ہوتا چلا آرہا ہے اور ہوتا چلا جائے گا محبوبانِ بارگاہ کے ہر سوال کا احترام کیا جاتا ہے جوابِ تسکین عطا فرمایا جاتا ہے اے سائلِ روحِ حیات تیرے رب نے تیرے سوالِ ناز کا جواب کریمانہ عطا فرمایا کہ یہ خلقتِ قلب اور اُس کے اوصافِ حمیدہ و قوتِ لازوال اور وسعتِ باکمال کا پیدا کرنا مجھ پر نہایت ہی آسان ہے اور ان کی دلیل لمِّی یہ ہے کہ بے شک میں نے ان تمام اشیاء و نفس و نفوس فکر و سرور خیر و شرور عقلِ غیور سے پہلے تجھ کو پیدا فرمایا حالانکہ تو کچھ بھی نہ تھی تیرا مادہ نہ مصدر نہ منبع نہ مخزن نہ معدن نہ اصل نہ فرع نہ تو تیرے لیے دعا نہ التجا و نہ تیری طلب نہ خواہش نہ کسی کو تیری آس نہ اُمید نہ تیرا نام نہ نشان تو کسی اعتبار سے کچھ بھی تو نہ تھی میں ہی تجھ کو بنانے والا میں ہی پیار کرنے والا میں نے ساری مخلوق کو کُنْ فَیَکُوْنُ سے بنایا مگر تجھ کو خلقتُ بِیَدِی کا اعزاز و اختصاص بخشا اسی لیے تو نے اَمرِ ربّی کا لقبِ قربِ جمال پایا خلوص اطمینان تصوف۔ فقیری۔ مفلسی۔ مگر تدبیر۔ زُہد۔ تقویٰ۔ طہارت۔ رقتِ قلبی تیرے نومولودِ قلب

مزکّی کے خزانے ہیں جو تیری وراثت اجداد ہے۔ شریعت ان خزانوں کی چابی ہے اور طریقت ان کا مخزن دمعدن
ہے علم اُس قلب کی قابلیت ولایت ہے اسی علم معرفت کے ذریعے قلب منوّر روحِ حیات کا سینچا اور ابدی
جانشین بنتا ہے علمِ کلام الٰہی قلب کی حیاتِ طویل ہے۔ اجسام واعضاء کی زندگی روح کے موجود اور تعلق
بدنی سے ہے مگر قلب روح کے بغیر بھی یحییٰ ہی اسرار ہے روح کی تحریک وتفریق بدان کی موت ہے ان کی
نہیں بہت سے مردہ دل لوگ روح وبدان کے باوجود مردہ ہیں مگر زندہ دل لوگ تحریکِ روح کے باوجود
بھی بل اُٹھیا تو ہیں۔ (از تفسیر معانی دبیان)

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً ؕ قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ

عرض کیا اے میرے رب سمجھا دے مجھ کو کوئی علامت فرمایا کہ تمہاری علامت یہ ہوگی کہ تم کلام

عرض کی اے میرے رب مجھے کوئی نشانی دیدے۔ فرمایا تیری نشانی یہ ہے کہ تو تین

النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا ﴿۱۰﴾ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ

لوگوں سے نہ کر سکو گے مسلسل تین راتیں حالانکہ کامل تندرست ہو گے۔ پھر کبھی وہ نکلے اپنی امت کے سامنے

رات دن لوگوں سے کلام نہ کرے بھلا چنگا ہو کر تو اپنی قوم

مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً

تو اشارہ کیا ان کی طرف کہ تم لوگ خود ہی اپنی عبادت ادا کرو فجر والی بھی

پر مسجد سے باہر آیا تو انہیں اشارے سے کہا کہ صبح وشام

وَّعَشِیًّا ﴿۱۱﴾ یٰیَحْیٰی خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ؕ وَاٰتَیْنٰهُ

اور مغرب والی۔ اے یحییٰ پکڑے رہو اسی کتاب کو قلبی قوت سے اور دی ہم نے انکو

تسبیح کرتے رہو۔ اے یحییٰ کتاب مضبوط تھام اور ہم نے اسے بچپن ہی

الْحُكْمَ صَبِيًّا ﴿١٢﴾ وَحَنَانًا مِّن لَّدُنَّا وَزَكَاةً ۖ وَ

ایک شریعت شیر خوارگی میں ہی اور دی ہم نے عقل کامل اپنے قرب خاص سے اور پاکیزگی اور

ہما نبوت دی۔ اور اپنی طرف مہربانی اور ستھرائی اور کمال

كَانَ تَقِيًّا ﴿١٣﴾ وَبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُن جَبَّارًا

تھے وہ ابتداء سے متقی اور فرمانبردار اپنے والدین کے اور نہ تھے وہ تنگ مزاج نہ تھے

ڈر والا تھا اور اپنے ماں باپ سے اچھا سلوک کرنوالا تھا۔ زبردست

عَصِيًّا ﴿١٤﴾ وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوتُ

گنا ہگار - اور ہر شان کی سلامتی دیتا ہے ان پر اُن کی ولادت کے وقت سے اور وفات کے وقت سے

نافرمان نہ تھا اور سلامتی ہے اُس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا

وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا ﴿١٥﴾

اور قیامت کے ابدی زندگی کے تمام وقت ہیں

اور جس دن زندہ اُٹھایا جائے گا

تعلقات اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیتِ کریمہ میں حضرت زکریا علیہ السّلام نے اپنے رب تعالیٰ سے اولاد ملنے پر حیرت کا اظہار عرض کیا تھا جس کا جواب رب تعالیٰ نے فرمایا کہ جب تم کچھ نہ تھے تو تم کو پیدا کر دیا۔ لہٰذا تمہاری بڑھاپے اور بانجھ پن میں اولاد پیدا کرنا کیا مشکل ہے اَب اِن آیت میں حضرت زکریا کا فقط اطمینانِ قلبی کے لیے پیدائش فرزند کے دن کی علامت معلوم کرنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں اولاد جیسی نعمت ملنے کا تذکرہ ہوا۔ اَب اِن آیت میں نعمت ملنے پر شکریہ اور تسبیح و تہلیل اور ذکرِ الٰہی کرنے کا ذکر ہے کہ یہی مومن کی شان ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت زکریا سے گفتگو کا ذکر ہوا۔ اَب اِن آیت میں اُن کو ملنے والے فرزند ارجمند کی جوانی اور ان کو بچپن میں ہی ملنے والی نبوت و رسالت کا ذکر ہے اور فرزند حضرت یحییٰ سے رب تعالیٰ

کی گفتگو کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا ۔ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤى اِلَيْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا ۔ قَالَ ۔ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبِّ۔ یارَبِّیْ ہے۔ یا ندائیہ رَبِّیْ مرکب اضافی منادیٰ ہے اِجْعَلْ۔ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ جَعْلٌ سے بنا ہے۔ یہاں اس کے معنی ہیں۔ بتانا۔ دینا۔ سمجھانا۔ یہ مصدر بہت معنیٰ میں مشترک ہے۔ کیفیتاً کبھی لازم۔ کبھی متعدی بیک مفعول۔ کبھی بدو مفعول۔ یہاں بدو مفعول ہے۔ لِیْ جار مجرور اس کے پہلے مفعول کی جگہ۔ اٰيَةً۔ اسم مفرد مؤنث۔ بمعنیٰ نشانی۔ علامت یہ دوسرا مفعول ہے۔ اِجْعَلْ دونوں مفعولوں اور فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ قول اٰيَةُ۔ مضاف كَ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا۔ اَلَّا۔ دراصل ہے اَنْ لَّا تُكَلِّمَ۔ اَنْ حرف مضارع کو نصب (زبر) دینے والا لَا تُكَلِّمَ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع معروف منفی بلا واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس میں ضمیر اس کا مرجع ذکر یا ہے فاعل ذوالحال سے اَلنَّاسَ۔ الف لام جنسی ہے یعنی جنس انسان۔ یا استغراقی ہے یعنی تمام انسان۔ مفعول بہ ثَلٰثَ۔ اسم مفرد عددی جامد۔ ممیز مضاف لَيَالٍ۔ اسم۔ جمع مکسر۔ اس کا واحد لَيْلٌ ہے بمعنیٰ رات یہاں مراد ہے رات دن۔ یعنی اتنا وقت اتنا مسلسل زمانہ یہ تمییز مضاف الیہ۔ دونوں مل کر ظرف زمانی ہوا لَا تُكَلِّمَ کا۔ سَوِيًّا۔ اسم صفت مشبہ مبالغہ یعنی زیادتی بیان کرنے کے لیے بروزن فَعُوْلًا اس کی جمع مکسر ہے اَسْوِيَاء بمعنیٰ برابر۔ سَوِيٌّ سے مشتق ہے۔ ہر وہ چیز جس میں کسی قسم کی کمی زیادتی۔ کمیت کیفیت میں اعتدال ہو تہ افراط ہو نہ تفریط۔ ہر اعتبار سے درستی ہو۔ یہاں مراد ہے صحت مندی تندرستی۔ یہ حال ہے لَا تُكَلِّمَ کے فاعل اَنْتَ پوشیدہ کا۔ یہ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ تعقیبیہ خَرَجَ فعل ماضی مطلق واحد غائب باب نَصَرَ هُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل عَلٰى قَوْمِهٖ۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرف جر ابتدائیہ یا بمعنیٰ فِیْ یعنی میں سے یا بمعنیٰ اِلٰى یعنی طرف سے۔ الف لام عہد خارجی یعنی وہ محراب جس کا سب کو پتہ ہے۔ مِحْرَاب اسم آلہ بروزن مِفْعَالٌ بمعنیٰ اسم ظرف۔ حَرْبٌ کی جگہ۔ حَرْبٌ سے مشتق ہے۔ لفظ حرب تین معنیٰ میں مشترک ہے ۱ آرام سکون پانا ۲ آگے ہونا ۳ جنگ کرنا چبارے اور بالا خانے کو عربی میں محراب پہلے معنیٰ کے اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ انسان سب سے علیحدہ ہو کر سکون میں چلا جاتا ہے خصوصی عبادت وِرد وظیفہ بھی۔ بندہ ایسی ہی خلوت گاہ میں آرام سے کرتا ہے۔ یہاں یہ ہی مراد ہے اس کی جمع مکسر ہے محاریب۔ مسجد کی اگلی دیوار میں امامت کی جگہ کو محراب یا اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ مسجد میں سب سے

آگے ہے یا اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہاں شیطان سے نفسیاتی غائبانہ جنگ ہوتی ہے۔ قلعوں اور محلوں کو محاریب فرمایا گیا اس اعتبار سے کہ وہاں دشمن سے جنگیں ہوتی ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے خَرَجَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ یعنی پھر اشارۃً کہا۔ اَوْحٰی۔ باب افعال ماضی مطلق واحد غائب اس کا فاعل ذکریا ہیں ھُوَ پوشیدہ کا مرجع اِلٰی حرفِ جر ہِمْ ضمیر بارز (ظاہر) کا مرجع قوم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحٰی کا۔ اَنْ تفسیریہ سَبِّحُوْا باب تفعیل کا فعل امر حاضر جمع مذکر سَبِّحْ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَسْبِیْح بمعنی سُبْحَانَ اللّٰہ پڑھنا۔ یا مطلقاً اللہ تعالیٰ کی حمد کرنا یا عبادت کرنا بُکْرَۃً۔ باب نَصَرَ کا صفت مشبہ بروزنِ فُعْلَۃٌ قُبْلَۃٌ فُضْلَۃٌ بمعنی ابتدائی وقت یا ابتدائی عبادت یا ابتدائی حالت یہاں مراد ہے بہت صبح سویرے۔ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ عَشِیًّا اسم مشتق صفت مشبہ۔ بروزنِ فعیلاً وَلِیًّا وغیرہ۔ بمعنی شام۔ رات۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ جھکنا، اُترنا، آسانی ہونا، سورج کے ڈھلنے سے رات کے آخری حصے تک عشا اسی معنی میں کہتے ہیں رات کے کھانے کو عشا اسی معنی میں کہا جاتا ہے وہ سب کاموں سے فارغ ہو کر آسانی سے کھایا جاتا ہے یہاں مراد ہے نمازِ مغرب کا وقت معطوف ہے۔ بُکْرَۃً وَعَشِیًّا دونوں مل کر ظرف ہوا سَبِّحُوْا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَوْحٰی کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا۔ وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً وَکَانَ تَقِیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا - یا حرفِ ندا اَنَا قائم مقام دَعٰی فعل۔ یعنی پکارا اللہ نے یَحْیٰی۔ اسم مفرد معرفہ یہ منادٰی اگلی عبارت بیانِ ندا ہے۔ خُذْ۔ فعل امر حاضر واحد مذکر۔ اَنْتَ پوشیدہ ضمیر۔ ترجمہ ہے تو تھام لے۔ پکڑ لے لے۔ اَلْکِتٰبَ۔ الف لام عہد خارجی کِتٰبَ اسم مفرد جامد بمعنی مکتوب یعنی لکھی ہوئی تحریر یا۔ لکھی جانے کے قابل، معاہدہ کیا ہوا۔ فرض کیا ہوا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے مفعول بہ ہے بِقُوَّۃٍ۔ اسم مفرد جامد بمعنی ہمت۔ قُوَّۃٌ سے ہے دس معنی میں مشترک ہے۔ طاقت ہمت۔ غلبہ پانا، خالی ہونا، رک جانا، مضبوط ہونا، قدرت ہونا، کوشش کرنا، قابلیت، استعداد ہونا۔ اس کا صفت مشبہ ہے قَوِیٌّ۔ اس کی جمع ہے اَقْوِیَاءُ تثنیہ ہے قَوِیَّیْنِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خُذْ فعل امر کے۔ سب مل کر جملہ ہو کر بیان ہوا ندا۔ منادٰی اور بیان مل کر مفعول بہ ہوا دَعٰی فعل ماضی پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا بعض نحات۔ جملہ فعلیہ نہیں بناتے بلکہ یا کو اپنے منادٰی اور بیان سے ملا کر جملہ ندائیہ کر کے مکمل کر دیتے ہیں۔ مگر ہماری ترکیب عام مروج ہے۔ واؤ سر جملہ فعلیہ اٰتَیْنَا فعل ماضی مطلق۔ جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ یعنی ہم نے دیا۔ ہٗ ضمیر واحد غائب مفعول بہ اول صَبِیًّا اسم مفرد مشتق صفت مشبہ۔ بروزنِ فعیلاً قَوِیًّا۔ صَبْوٌ سے مشتق ہے۔ تعلیل نحوی اسی طرح ہے کہ یاء اشتقاق کی وجہ سے مادے کی واؤ آخری کو ی سے بدل کر ادغام

کر دیا گیا صَبِیًّا ہو گیا۔ اس کا مؤنث صَبِیَّۃٌ یا صَبِیَّۃٌ ہے اس کی جمع مذکر مکسّر صِبْیَانٌ ہے اور جمع مؤنث صَبِیَّاتٌ ہے ترجمہ ہے بچپن۔ بچہ بچی۔ ولادت سے بلوغت تک زمانۂ بچپن ہے۔ مگر صحیح قول میں ولادت سے ڈھائی سال تک جو حرمتِ رضاعت کا زمانہ ہے وہ صُبُوَّۃٌ یعنی بچپنہ ہے۔ ایک قول میں دودھ کی شیر خوارگی و رضاعت کی مدتِ دو سالہ زمانے کو صَبِیًّا کہا جاتا ہے۔ مگر پہلا حرمت والا قول درست ہے۔ یہ مفعول فیہ ہے اَلْحُکْمَ اسم مفرد جامد معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عطفِ جمع کے لیے حَنَانًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر۔ بابِ ضَرَبَ میں گردان ہوتی ہے۔ بمعنیٰ شفقتِ قلبی۔ نرم دلی شوقِ عبادت عقل و شعور۔ رحم دلی یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں۔ مِنْ لَدُنَّا۔ مِنْ حرفِ جر لَدُنْ مضاف نَا۔ مضاف الیہ۔ یہ مرکبِ اضافی مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے اٰتَیْنٰا کا۔ واؤ عاطفہ زَکٰوۃً اسم حاصل مصدر زَکٰوۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پاکیزگی۔ قدرتی فراوانی و کثرت و برکت یہاں پہلے معنیٰ ہیں معطوف ہے حَنَانًا پر۔ اَلْحُکْمَ اپنے دونوں معطوف سے مل کر مفعول بہ دوم ہوا اٰتَیْنٰا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ واؤ سرِ جملہ گانَ ناقصہ تَقِیًّا صفت مشبّہ بروزنِ فعیلاً بمعنیٰ متقی معطوف علیہ واؤ عاطفہ بَرًّا۔ اسم مفرد مصدر۔ بمعنیٰ اسم فاعل بَارٌّ۔ اس کا مصدر مادہ اصلاً بَرَرٌ مضاعف ثلاثی ہے ررکار میں ہم مخرج و ہم جنس ہونے کی وجہ سے ادغام کیا گیا۔ اس کا ایک تلفظ بِرٌّ بے کے کسرے سے بھی ہے بمعنیٰ فرمانبرداری اطاعت عَقٌّ اور عُقُوقٌ بمعنیٰ نافرمانی کی ضد یہاں بَرٌّ کا ترجمہ فرمانبرداری خدمت گزاری کر کے خوش رکھنے والا۔ یہ معطوف ہے تَقِیًّا پر دونوں مل کر خبر ہے گانَ کی بِوَالِدَیْهِ۔ بے جارہ متعدی یعنی مفعول بہ بنانے والا۔ وَالِدَیْ۔ اسم تثنیہ مذکر۔ دراصل وَالِدَیْنِ تھا یعنی والد اور والدہ۔ ہٖ ضمیر کا مرجع یَحْیٰی ہے یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے گانَ اپنے پوشیدہ ضمیر ھُوَ۔ اسم اور خبر و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو گیا۔ وسرِ جملہ لَمْ یَکُنْ فعل مضارع مستقبل معروف نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم۔ جَبَّارًا اسم مبالغہ بروزنِ فعّالاً جَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت طبیعت خبرِ اول ہے عَصِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ بمعنیٰ فاسق فاجر گنا ہگار خبرِ دوم ہے۔ لَمْ یَکُنْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مکمل واؤ سرِ جملہ (استینافیہ ابتداءِ کلام کے لیے) سَلٰمٌ۔ اسم فاعل کا یُوْمٌ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ سلامتی۔ حفاظت۔ بقاء (فنا سے دور) یہاں تینوں معنیٰ ہیں سَلْمٌ مادہ ہے بروزنِ فعالٌ قِتَالٌ۔ کِتَابٌ وغیرہ مبتدا ہے۔ علیہ جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا یَوْمَ اسم مفرد جامد ظرفِ زمانی کے لیے بمعنیٰ وقت مضاف ہے وُلِدَ فعل ماضی با فاعل غائب جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَوْمَ۔ اسم بمعنیٰ وقت مضاف ہے یَمُوْتُ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ مرکبِ اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَوْمَ اسم مفرد ظرفیہ بمعنیٰ وقت یُبْعَثُ فعل مضارع مجہول ان تینوں فعلوں میں فاعل اور نائبِ فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع یَحْیٰی ہے۔ بَعْثٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ

اٹھایا جاتا جیّا۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنٰی اسم فاعل یا یہ خود صفت مُشبّہ بروزن فَعِیْلٌ۔ در اصل حَیِیْیٌ تھا بمعنی زندگی والا ترجمہ ہے زندہ ہوکر یہ حال ہے یُبْعَثُ کے پوشیدہ فاعل کا یُبْعَثُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مضاف الیہ۔ یَوْمَ کا یہ مرکب اضافی معطوف ہوا سب عطف مل کر حاصل کا ظرف ہوا۔ حاصل اپنے پوشیدہ ہُوَ ضمیر جس کا مرجع سَلَامٌ ہے۔ اور اپنے متعلق و ظرف سے مل کر خبر ہے مبتدا کی سلامٌ مبتدا خبر سے مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْٓ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا۔ فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰٓی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔

جب حضرت زکریا علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ کا جواب سُن لیا۔ تو خوشی سے سرشار ہوکر عرض کیا کہ اے میرے محسن و منعم ربِ کریم میں چاہتا ہوں کہ بیٹا ہوتا کہ اُس نعمت کا شکریہ تیری بارگاہ و تدس میں ظہورِ ملاقات کے وقت سے ہی شروع کر دوں لہٰذا اپنے کرم سے مجھ کو یہ بھی ارشاد فرما دے کہ فرزند کے قیامِ حمل کی نشانی کیا ہوگی۔ ویسے تو حمل کا پتہ تین ماہ بعد لگتا ہے مگر اے میرے رب میرے لیے کوئی پہلے ہی نشانی بنا دے جس سے اُس وقت اور اُس لمحہ اُس دن کا پتہ لگ جائے جس دن حمل ٹھہرے اور میں اُس کے شکرانے کی عبادت میں مشغول ہو جاؤں۔ یہ حضرت زکریا کا انتہائی انکسار ہے۔ ورنہ انبیاءِ کرام کا ہر لمحہ ہر سانس ہی عباداتِ الٰہیہ سے معمور مشغول ہوتی ہے بلکہ انبیاء علیہم السّلام کا ہر ذاتی عمل ہی عبادت ہے اگرچہ ہنگامی حادثاتی اتفاقی عمل ہو اسی لیے کبھی کوئی اُمتی خواہ کسی بھی نبی کا ہو کسی نبی سے اعمال میں کبھی بھی بڑھ نہیں سکتا۔ کتنا گستاخ و گمراہ ہے وہ شخص جس نے اپنی کفریہ کتاب میں لکھ ڈالا کہ کبھی کبھی اُمتی اعمال میں اپنے نبی سے بڑھ جاتا ہے۔ اس دشمنِ ایمان کو یہ پتہ نہیں کہ یہ ناممکن و محال ہے رب تعالیٰ نے اس عرض و معروض پر آپ سے ارشاد فرمایا تمہارے لیے نشانی یہ ہوگی کہ تم مسلسل تین رات تک کسی سے بات نہ کر سکو گے۔ دنیوی بات تمہارے منہ سے ادا نہ ہو سکے گی اللہ تعالیٰ کا ذکر تسبیح تہلیل ورد وظائف توراۃ کی تلاوت عبادت نفلی و فرض۔ اور ہر وقت کی نماز وغیرہ سب کچھ اپنی زبان سے ادا کرتے رہو گے صرف لوگوں سے مخاطب و متکلم نہ ہو سکو گے نہ پڑھا سکو گے نہ بتا سکو گے نہ دینی احکام حسبِ دستورِ روزمرہ سکھا سکو گے نہ دنیوی بات سمجھا سکو گے نہ گھر والوں سے نہ باہر والوں سے۔ ہاں البتہ خود سب کی سن بھی سکو گے اور سمجھ بھی سکو گے یعنی گونگے بہرے نہ ہو گے۔ سَوِیًّا کا معنی میں دو قول ہیں را مسلسل بغیر فاصلہ اور اس کا تعلق راتوں (لَیَالٍ) سے ہے اور یہی صحیح قول ہے ۲ر تندرست صحت مند۔ گونگے نہ ہو گے نہ زبان کی لکنت ہوگی اور نہ بہرہ پن۔ اس دعاء بشارت عرض و معروض سوال و جواب کے بعد پورے تیرہ سال گزر گئے۔ ایک قول میں اُنیس سال گزر گئے۔ بشارت کے وقت حضرت

مریم کی عمر تقریبًا چھ سال تھی اور ظہورِ حمل کے وقت انیس سال تھی وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ تیرہ سال گزرنے کے بعد جب ایک دن آپ عبادت کے لیے اپنے اہل خانہ کو آگاہ فرمانے لگے تو بات نہ ہو سکی اچانک آپ کو وہ علامتِ بشارت یاد آگئی۔ آپ بہت ہی خوش ہوئے باہر اپنے منتظر نمازیوں کے پاس آئے تب بھی آپ بات نہ کر سکے تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی وحیِ عبادت کا پیغام بتا یا یا اشارہ سے یا زمین پر لکھ کر اور یہ ہی درست ہے کیونکہ سورۃ آلِ عمران میں رمزًا فرما کر اس کی وضاحت کر دی گئی یا چمڑے و کاغذ پر لکھ کر ان لوگوں کو فرمایا کہ آج تم اکیلے ہی سَبِّحُوْا اپنی تسبیح کر لو یہاں نماز مراد ہے یا ذکر اذکار وظیفہ یا تلاوتِ کلام پاک۔ اپنے اپنے وقتوں میں بُکْرَۃً فجر۔ عَشِیًّا سے مراد یا مغرب ہے یا عشا۔ بعض نے عصر سے عشا تک کا ابتدائی وقت مراد لیا ہے۔ حضرت زکریا اس سے پہلے صبح شام کی عبادت باہر مسجد میں آکر لوگوں کو کراتے تھے۔ یٰیَحْیٰی خُذِ الْکِتٰبَ بِقُوَّۃٍ وَ اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً ۔ وَکَانَ تَقِیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا ۔

اس علامت کے ظاہر ہونے کے پورے نو ماہ بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت ہوتی ہے آپ کی ولادت سکندر ذوالقرنین کے حملۂ بابل کے تین سو تیس سال بعد اور ولادتِ مسیح علیہ السلام سے چھ ماہ پہلے ہوئی (تفسیر طبری) اور ابھی آپ پانچ سال کے نابالغ ہی تھے ایک قول یہ ہے کہ پندرہ سال کے بالغ ہوئے ہی تھے کہ آپ کو تبلیغِ نبوت کی اجازت مل گئی اس طرح ان کے بھانجے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی پندرہ سال کی عمر میں اعلانِ نبوت اور تبلیغِ احکام کی اجازت مل گئی تھی یہ ان کی خصوصیات میں سے ہے اسی خصوصیت کا ذکر بیان ہو رہا ہے کہ اے یحییٰ خُذِ الْکِتٰبَ۔ کتاب یعنی توریت کو یا توریت و زبور دونوں کو یا مراد ہے شریعت اور خُذ سے مراد ہے اس کتاب کی تلاوت اور عملی زندگی اور اپنی مبعوث الیہ موجودہ اُمت بنی اسرائیل کی ہدایت میں اپنے والد بزرگ حضرت زکریا علیہ السلام کی جانشینی۔ یہاں رب تعالیٰ نے یحییٰ علیہ السلام کی گیارہ صفات مبارکہ ذکر فرمائیں نو صفاتِ مثبتہ یعنی ہونے والیں اور دو صفت نہ ہونے والیں وسا لبہ۔ ہم نے ان کو بالکل بچپن میں ہی اعلانِ نبوت کی اجازت دے دی یعنی بلوغت سے پہلے ہی اور انہوں نے عملاً قولاً تعلیمًا اور علم توریت و زبور کی تدریس و تفہیم لوگوں میں شروع فرما دی اس وقت آپ کی عمر شریف مختلف اقوال سے دو یا تین یا پانچ سال کی تھی زیادہ درست قول پانچ سال کا ہے کیونکہ صَبِیًّا یہاں تک کی عمر کو ہی عمومًا کہا جاتا ہے دوسرا حَنَانًا شفقت محبت نرم دلی والا یا علمی، عملی و مالی برکتوں والا خیال رہے کہ برکتِ مالی ہمیشہ ہی اچھی ہوتی ہے اس لیے کہ رحمت و رافت ہے اور وہ اچھی ہی ہوتی ہے مگر کثرتِ مالی اکثر نقصان دِہ برکتِ مالی کی دعا جائز کثرت مالی کی دعا ممنوع ہے تیسرا پاکیزگی زکوٰۃ ہر قسم کی پاکیزگی و طہارت۔

کو شامل ہے ظاہری باطنی روحی قلبی مالی دینی دنیوی وغیرہ ۲ متقی یعنی اللہ کی اطاعتِ کاملہ اس کی ہیبت دبدبہ خشیت میں رہنا وغیرہ ۵ برًّا بِوَالِدَیْہِ وَالِدَین کے سامنے عاجزی وانکساری سے خدمت گزاری کرنا ہمہ تن خدمت میں مشغول رہ کر خدمت گزاری کرنا۔ پورا پورا خیال ہر ضرورت کا ہر وقت رکھنا ۶ جبّار یعنی سخت مزاج نہ ہونا ۷ کبھی نافرمانی نہ کرنے والا ۸ ولادت کے وقت شیطانی شرارت سے سلامتی ملی کہ جس طرح ہر بچہ ولادت کے وقت روتا ہے وہ ابلیس یا کسی ابلیسی شیطان کی شرارت کی وجہ سے ہوتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ شیطان بچہ کو انگلیاں مارتا ہے اس لیے ولادت کے وقت ہر بچہ روتا ہے مگر تمام انبیاء کرام علیہم السلام اس سے محفوظ ہیں بلکہ کسی شیطان کی ہمت ہی نہیں پڑتی وہاں تک آنے کی انبیاء کرام کی تو اپنی قوت کا عالم یہ ہے کہ اگر وہ بوقتِ ولادت یا کسی وقت ابلیس اور اس کی ذریت کو غضب کی نگاہ سے دیکھ بھی لیں تو وہ سب جل کر خاک ہو جائیں ۹ بوقتِ وفات ہر قسم کی سلامتی ۱۰ میدانِ محشر میں ہر طرح کی سلامتی نہ اپنی فکر نہ کسی اور کی ۱۱ ان سب صفات کو رب تعالیٰ کا خود ذکر فرمانا یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی حاصل نہیں کیونکہ یہ صفات حضرت عیسیٰ کی قرآن کریم میں مذکور ہیں مگر انہوں نے اپنی زبان پاک سے خود ادا فرمائیں۔ انسان پر تین دن ہی سخت رکھے گئے ۱ ولادت کا دن ۲ وفات کا دن ۳ محشر کا دن مگر انبیاء کرام پر یہ تینوں دن بھی سلامتی کے دن ہوتے ہیں اس لیے خصوصیت سے ان تین دنوں کا ذکر کیا گیا۔ تفسیر فتح القدیر میں ہے کہ جو مسلمان بچہ پانچ چھ سال کی عمر میں پورا قرآن مجید ناظرہ پڑھ جائے اس کو بھی اٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا کا انعام ملتا ہے۔ روایت میں ہے کہ خُذِ الْکِتٰب کا معنیٰ ہے۔ قوتِ قلبی حیدی اور مستقل مزاجی اور کوشش سے کار بند رہنا۔ حضرت زکریا علیہ السلام کی شہادت کے بعد حضرت یحییٰ علیہ السلام تقریباً پچیس سال حیات رہے اور بہت اچھے طریقے سے اپنے والد پاک کے جانشین ثابت ہوئے دن رات خدمتِ بیت المقدس کی ذمہ داری نبھائی اور تبلیغ رسالت ادا فرمائی یہاں تک کہ نہ گھر بنایا نہ شادی کی نہ کوئی کاروبار کیا اور چالیس سال چھ ماہ کی عمر پا کر شہادت کی وفات پائی خیال رہے کہ دنیا میں صرف یہودی قوم ہی وہ بدذات قوم ہے جس نے انبیاء کرام کو قتل کیا۔ کل چار سو انبیاء کرام یا چار سو ستر یا صرف ستر انبیاء علیہم السلام شہید کیے گئے جن میں پانچ کا نام مشہور ہوا ۱ یوشا ۲ ثیعیا ۳ شعیب علیہ السلام ۴ زکریا ۵ یحییٰ علیہ السلام، حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنا چاہا مگر رب تعالیٰ نے ان کو آسمان پر بلا لیا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو دو دفعہ شہید کرنے کا منصوبہ بنایا مگر ناکام رہے ایک دفعہ یہودیوں کے مشورے سے کفارِ مکہ نے ہجرت کی رات اور دوسری دفعہ یہودِ مدینہ نے دعوت میں بلا کر دھوکہ سے قتل کرنا چاہا مگر نبی پاک کہ اپنی غیبی قوت سے جان گئے اور اس پتھر کی زد میں نہ آئے جو چھپکر آپ پر لڑھکانا چاہا آپ کے

قتل کا واقعہ اس طرح ہے کہ ھیرودوس یہودی اسرائیلی بادشاہ اپنی سگی بھتیجی سے نکاح کرنا چاہتا تھا اُسکی بیوہ بھابھی بھی اس پر لالچ میں آکر راضی تھی اور یہ بیوہ عورت اپنے خاوند کی موت کے بعد فاحشہ و کافرہ بھی ہو چکی تھی لیکن شریعتِ توریت اور شریعتِ زکریا و یحییٰ میں یہ نکاح قطعًا حرام تھا حضرت یحییٰ سختی سے منع فرماتے تھے، بیوہ بھابھی نے مشورہ دیا کہ اُن کو قتل کرا دیا جائے ھیرودوس نے جوشِ عشق میں ایک آدمی کو مقرر کر دیا کہ جب رات کو آپ بیت المقدس میں اپنی عبادت میں مشغول ہوں تو خفیہ انداز سے ان کو قتل کر دینا اور سر کاٹ کر میرے پاس لے آنا، چند دن بعد اس ظالم کافر نے آپ کو رات میں بحالتِ سجدہ شہید کر دیا اور سر کاٹ کر بادشاہ کے پاس لایا۔ بادشاہ نے وہ سر اپنی فاحشہ بھابھی کے پاس بھیج دیا، اس بیوہ جس کا نام نفرہ تھا اپنے بالا خانے سے اُتر کر خوشی خوشی نیچے آرہی تھی کہ سیڑھیوں سے پاؤں پھسلا جس سے دماغ پھٹا اور وہیں مرگئی اور قدرتِ خداوندی سے زمین میں دھنستی چلی گئی تھی اور آپ کا سر مبارک بھی ساتھ ہی دھنس گیا۔ اس کی بیٹی یعنی ھیرودوس کی سگی بھتیجی فخرہ نامی کو آٹھ یا نو دن بعد جنگل میں جاتے ہوئے کسی زہریلے کیڑے نے کاٹ لیا وہ اُس کے زہر سے تیسرے دن مرگئی ھیرودوس پر بخت نصر بادشاہ نے حملہ کر کے شکست دی اور قیدی بنا کر ساتھ لے گیا، روزانہ اس کو اپنے غلاموں کے ذریعے کوڑے لگواتا تھا اور ذلیل کرنے کے لیے لونڈیوں سے سر پر جوتے لگواتا، بھوکا رکھتا جب وہ روتا بلبلاتا تب تھوڑا کھانا پانی دیتا۔ اسی حالت میں نہایت ذلت آمیز زخمی پیپ اور پھوڑوں کی حالت میں وہ کپڑے نہ پہن سکتا تھا، ننگا ایک کمرے میں پڑا رہتا۔ ایک سال بعد ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرا۔ خود کہتا تھا کہ میری اور میرے خاندان کی یہ ذلت آمیز تباہی بربادی قتلِ یحییٰ کی وجہ سے ہے۔ بخت نصر نے ایک دن میں ستر ہزار قتل کروائے بیت المقدس میں توڑ پھوڑ کی آگ لگوائی اور بقیہ تمام بنی اسرائیلی حکومتوں کو برباد کیا اور سب کو قیدی بنا لیا۔ لیکن حضرتِ یحییٰ کے گلے سے خون بند نہ ہوتا تھا۔ اور بنی اسرائیل جانتے تھے کہ جب تک خون بند نہ ہوگا بنی اسرائیل کو اسی طرح قتل کیا جاتا رہے گا چنانچہ اُس دور کے ایک ولی اللہ جو آپ کی اُمت کے ہی ولی تھے حضرت ارمیاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان سے لوگوں نے عرض کیا اتنا عرصہ ہوگیا ہے بدنِ یحییٰ سے خون بند نہیں ہوتا اور جب تک خون بند نہ ہو دفن نہیں کیا جاسکتا اور نہ ہی بخت نصر کے حملے و قتلِ عام بند ہو سکتا ہے دمشق (فلسطین) تمام فتح ہو چکا تھا ظلم کا بازار گرم تھا بنی اسرائیل کی تمام بدمعاشیاں فنا ہو چکی تھیں تب حضرت ارمیاہ نے جسمِ مبارک کے پاس عرض اور التجا کی کہ اے خون اب بند ہو جا بہت قتلِ عام و ذلت ہو چکی ہے، تو خون بند ہوا، ان ہی یہودیوں نے تقریبًا چھبیس سال پہلے ولادتِ مسیح

علیہ السلام کے دنوں میں حضرت زکریا کو ان کی تبلیغ دین و ایمان اور شریعت کی پابندیوں سے تنگ آ کر ایک بری تہمت لگا کر آپ کو شہید کیا تھا۔
وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ عبادتِ الٰہیہ اور اطاعتِ انبیاء علیہم السلام کے بعد سب سے بڑی نیکی والدین کی خدمت ہے جو انبیاءِ کرام پر بھی فرض ہے یہ فائدہ وَبَرًّا بِوَالِدَیْہِ فرمانے سے حاصل ہوا اس نیکی کا ذکر قرآن مجید کی بہت سی آیت میں ہوا ہے۔ دوسرا فائدہ۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ہر ادا ہر حالت ہر طریقہ دین کی شریعت اور اللہ تعالیٰ کا قانون ہے یہاں تک کہ ان کی اپنی بات اور اشارہ بھی وحی اور کلامِ الٰہی ہے۔ یہ فائدہ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ حضرت زکریا نے عبادت کرنے کا اشارہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے اشارہ کو وحی کا لقب عطا فرمایا۔ اب سوچو کہ جس کا محض اشارہ بھی بے مثل ہو وہ خود کیوں نہ بے مثل ہوگا۔ تیسرا فائدہ۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو کبھی کوئی ایسی بیماری نہیں لگ سکتی جو ان کی تبلیغ میں رکاوٹ بنے۔ یہ فائدہ سَوِیًّا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا جب اس کا معنی "تندرست و صحت مند" کیا جائے

احکامُ القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ انبیاءِ کرام صرف رب تعالیٰ کے شاگرد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان ہستیوں کو عالمِ باطنی میں اپنے قربِ خاص سے تمام کائنات کے علوم سے درس عطا فرما دیتا ہے یہ تمام علوم کے جاننے والے بن کر دنیا میں تشریف لاتے ہیں ان کو کسی سے کچھ سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ لہٰذا ان کے متعلق یہ کہنا کہ فلاں علم نہیں آتا یا جبریل سے کچھ سیکھا یہ گناہ ہے ایسا عقیدہ رکھنا گمراہی ہے یہ مسئلہ اٰتَیْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِیًّا اور حَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ تمام انبیاءِ کرام کو پیدائشی طور پر ولادت کے وقت بلکہ شکمِ مادر میں ہی نبوت مل جاتی ہے اور یہ نبی علیہم السلام کو اسی وقت بچپن سے ہی پتہ ہوتا ہے کہ میں نبی ہوں اور اپنے علمِ نبوت سے وہ زمین و آسمان کی ہر چیز کو جاننے پہچانتے ہیں۔ ہر ہر فرشتے کو پہچانتے ہیں جو ایسا عقیدہ نہ رکھے وہ بدترین گمراہ ہے یہ مسئلہ خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے حضرت یحییٰ کو ان کی چھوٹی سی تین یا پانچ سالہ عمر میں خُذِ الْكِتٰبَ فرما کر۔ پوری توریت زبور اور شریعت طریقت کے جاری کرنے تبلیغ کرنے کی اجازت فرما دی نہ اس وقت پڑھایا اور نہ کسی سے پڑھنے کا حکم دیا۔ نہ حضرت زکریا نے پڑھانے کی طرف توجہ فرمائی۔ تیسرا مسئلہ صفات تین قسم کی ہیں (۱) بعض وہ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے اچھی صفت ہیں مگر بندوں کیلئے بری (۲) بعض بندوں کے لیے اچھی ہیں رب تعالیٰ کے لیے بری (۳) بعض وہ صفات ہیں جو دونوں کے لیے اچھی ہیں۔ ایسی صفات کو صفت غیر خصوص کہا جاتا ہے۔ ایسی صفت بندوں

کے لیے بھی ماننا جائز ہے یہ مسئلہ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا سے مستنبط ہوا کہ دیکھو۔ جبار ہونا اللہ تعالیٰ کی ایک بہت اچھی صفت ہے اور یہ لفظ جَبَّارٌ رب تعالیٰ کے اسماءِ حسنیٰ میں شامل ہے۔ مگر یہاں حضرت یحییٰ کا جبار نہ ہونا اُن کی اچھائی ہے۔ لہٰذا بندے کا جبار ہونا اُس کا عیب ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شاندار صفت اس لیے بندے کو جبار کہنا گناہ ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ کیا وجہ ہے کہ یہاں ثَلٰثَ لَیَالٍ فرمایا گیا اور آلِ عمران آیت ۴۱ میں ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ فرمایا گیا حالانکہ ایک ہی واقعہ ہے۔ جواب دونوں جگہ بالکل درست ہے اور دونوں سے مراد زمانہ ہے جس کا مجموعہ وقتی دن رات ہوتا ہے۔ اور چونکہ ترتیب رفتار میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں اس لیے رات کا ذکر پہلی سورت مریم میں کیا گیا کیونکہ یہ سورت مکی ہے اور باعتبارِ ترتیب نزول مکی سورتیں پہلے آئیں۔ اور دن کا ذکر بعد والی مدنی سورۃ آلِ عمران میں ہوا۔ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ چونکہ یہ نہ بول سکنے کی نہ روزہ علامتِ بشارت اندر باہر اپنے پر آئے ہر ایک سے تھی اس لیے لَیَالٍ فرما کر گھر کے لوگ مراد لیے گئے کیونکہ ہر شخص عموماً رات میں گھر ہی پر رہتا ہے۔ اور وہاں آلِ عمران میں اَیَّامٍ سے باہر کے لوگ مراد لیے گئے اور گھریلو افراد سے انسان کو پہلے واسطہ پڑتا ہے باہر والوں سے بعد میں اس لیے لَیَالٍ پہلی سورۃ میں مذکور ہوا اور اَیَّام بعد والی سورۃ میں۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں یحییٰ علیہ السلام کے لیے وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ میں سَلٰمٌ نکرہ فرمایا گیا۔ مگر اس کے آگے آیت ۳۳ میں عیسیٰ علیہ السلام کے لیے وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ۔ السّلام معرفہ ارشاد ہوا جواب قانونِ نحو کے مطابق نکرہ میں قلت یعنی مقدار اور تعیین ہوتی ہے مگر معرفہ میں کثرت ہوتی ہے۔ بتایا جا رہا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو دنیا میں بھی سلامتی ہے کہ کفار ان کو قتل نہ کر سکیں گے بلکہ آسمان پر اٹھا لیا جائے گا اور آخرت میں بھی ان کو سلامتی ہے یعنی ظاہری عقل بھی سلامتی اور باطنی بھی سلامتی یہ ہے سلامتی کی کثرت لیکن حضرت یحییٰ کو دنیوی سلامتی جس کو انسانی عقل سلامتی سمجھتی ہے وہ حاصل نہیں کیونکہ ظالم کافر ان کو شہید کر دیں گے بدیں وجہ یہاں سَلٰمٌ نکرہ ہے اور وہاں اَلسَّلٰمُ معرفہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی رفعت کے آسمان پر اٹھائے جانے سے چھ ماہ پہلے ہوئی۔ تیسرا اعتراض رب تعالیٰ نے فرمایا وَسَلٰمٌ عَلَیْهِ یعنی اُن پر سلامتی ہے تو پھر قتل کیوں کئے گئے۔ یہ تو سلامتی کے خلاف ہے جواب اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ قتل ہو کر شہید ہونا بھی سلامتی ہے۔ رب تعالیٰ نے صرف شہداء کے لیے فرمایا بَلْ اَحْیَاءٌ۔ شہادت ابدی دائمی زندگی کا نام ہے اور سب سے بہتر زندگی ہے صحابہ کرام اور حقیقت کو جاننے والے تو شہادت کی تمنا کرتے ہیں۔ یہ تو ظاہری عقل والا شہادت

کو غیر سلامتی سمجھ لیتے ہیں اس لیے اس قسم کے اعتراض کر دیتے ہیں دوسرا جواب اگر ظاہراً ہی دیکھا جائے تو سلامتی سے مراد ہے اُخروی اور دین و ایمان کی سلامتی اور عملاً و قولاً مقصدِ حیات کو پا لینا یہ کامیابی حقیقی سلامتی ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے کہ میدانِ کربلا میں یزید اور یزیدیت کو فنا اور بربادی ملی مگر امام حسینؓ اور حسینیت کو ابدی دائمی سلامتی ملی۔ تیسرا جواب یہ کہ وَسَلَامٌ کو یَوْمَ وُلِدَ سے مقید کر دیا گیا۔ یعنی پوری دنیوی زندگی کی ہر مصیبت بیماری پریشانی سے سلامتی مراد نہیں بلکہ صرف بوقتِ ولادت شیطان وغیرہ کے حملوں سے سلامتی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ چوتھا اعتراض اگر سلامتی سے مراد اُخروی میدانِ محشر کی سلامتی ہے تو یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ روایتوں میں آتا ہے کہ ہر نبی بھی میدانِ محشر میں پریشان اور حیران اور گھبرائے ہوں گے۔ انبیاء علیہم السّلام بھی نفسی نفسی کہیں گے۔ تو پھر سلامتی کیسی سلامتی اور اطمینان کیسے ملا ان میں یحیٰی علیہ السّلام بھی شامل ہوں گے کیونکہ روایات میں کسی کی کوئی تخصیص یا استثنا نہیں ہے۔ جواب۔ یہ نفسی نفسی کسی اندیشے یا خطرے اور بے اطمینانی کی وجہ سے نہ ہوگی نہ ہی میدانِ محشر کی کسی تکلیف کی وجہ سے بلکہ ہیبت الٰہی کے رعب والی گھبراہٹ اور یہ گھبراہٹ اصل سلامتی کے منافی نہیں۔ ایک جواب یہ دیا گیا ہے کہ نفسی نفسی گھبراہٹ کے لیے نہ ہوگی بلکہ جب لوگ ان سے شفاعت طلب کریں گے تو فرمائیں گے کہ آج ہم تشفیع نہیں ہیں تشفیع المذنبین کوئی اور ہی ہے۔ آج ہم صرف اپنے ہی حال میں ہیں یا اپنے ہی لیے ہیں اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ۔ اور یہ جواب نہایت اطمینان سے ہوگا نہ کہ کسی گھبراہٹ سے

پانچواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ زکریا علیہ السّلام نے اپنے بیٹے کی دعا مانگی جو ان کی وفات کے بعد ان کا جانشین اور وارث ہو اور یہ دعا قبول ہوئی مگر روایتوں اور تاریخوں میں ہے کہ یحیٰی علیہ السّلام اپنے والد زکریا علیہ السّلام کی زندگی میں ہی شہید کر دیئے گئے تو پھر دعا قبول کب ہوئی اور بیٹا جانشین اور وارث کب بن سکا جواب یہ روایت اور تاریخ غلط ہے حضرت زکریا علیہ السّلام کی شہادت اور وفات بہت پہلے ہے آپ کی شہادت قبل ولادتِ عیسیٰ علیہ السّلام کے چند دن بعد ہوئی اُس وقت یحیٰی علیہ السلام کی عمر چھ ماہ اور چند دن کی تھی۔ لیکن یحیٰی علیہ السّلام کی شہادت اور وفات حضرت مسیح کے رفعت آسمانی سے صرف چھ ماہ پہلے تقریباً پینتیس سال بعد اس وقت یحیٰی علیہ السلام کی عمر شریف تقریباً تینتیس ۳۳ سال کچھ ماہ تھی

چھٹا اعتراض۔ علمِ نحو کا قانون یہ ہے کہ جب ظرف مستقر ہو یعنی کسی حاصل شدہ یا ٹھہری ہوئی موجودشی کا ہو تو وہاں کوئی فعل یا اسم فاعل پوشیدہ ضرور ماننا پڑتا ہے نحاتِ بصری کہتے ہیں کہ فعل اِسْتَقَرَّ یا حَصَلَ پوشیدہ ہوگا۔ اور کوفہ کے نحوی کہتے ہیں کہ اسم فاعل حَاصِلٌ یا مُسْتَقِرٌّ پوشیدہ ہوگا اور اس قسم کے ظرف کے لیے زمانہ یا ماضی ہوتا ہے یا حال۔ نہ تو مستقبل ہو سکتا ہے اور نہ مختلف کہ کسی میں ماضی کسی میں حال

وغیرہ ہو۔ ایسا بھی نہیں ہوسکتا بلکہ ایک وقت میں سب ظروف کا ایک زمانہ مقرر و معین ہوگا۔ یَوْمَ وُلِدَ۔ یَوْمَ یَمُوْتُ۔ یَوْمَ یُبْعَثُ یہ تینوں ظرف حاصل اور مستقر ہیں کیونکہ سلامتی بھی حاصل اس کا وقت بھی ثابت ہے یہ تینوں عطفاً ایک ہیں مگر اُن کے زمانے ایک نہیں ہوسکتے اس لیے کہ یوم وُلِدَ میں حال نہیں ہوسکتا اور یَوْمَ یَمُوْتُ اور یَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ میں ماضی نہیں ہوسکتا۔ تو یا تو نحوی قاعدہ غلط ہے یا اس عبارت میں کوئی رد و بدل ہے جواب محققین نحوی کہتے ہیں کہ تمام ظروف میں عامل معنوی ہوتا ہے جس کو اصطلاح میں حاصل مصدر کہا جاتا ہے اور حاصل مصدر میں کوئی زمانہ نہیں ہوتا نہ زمانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یعنی حَصَلَ یا حاصل سے ثابت ہوا حصول اور اِسْتَقَرَّ یا مُسْتَقِرٌّ سے ثابت ہوا اِسْتِقْرَارٌ۔ لہٰذا یہاں یوم ظرف ہے۔ اس کا عامل اِسْتَقَرَّ مُسْتَقِرٌّ۔ یا حَصَلَ وحاصلٌ نہ ہوگا ان کا مَاحَصَلَ وَمَاثَبَتَ جو ایک معنوی اور باطنی پوشیدہ چیز ہے وہ عامل ہوگا وہ حصولٌ و استقرارٌ ہے یہ مصدر ہے اور مصدر کو کسی زمانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مثلاً کہا جاتا ہے۔ زید گھر میں ہے یعنی زید کا وجود گھر میں حاصل ہے۔ لیکن کب سے ہے کب تک ہے اس کا کوئی تذکرہ نہیں اور نہ ہی ظرفیت کے ثبوت کے لیے زمانے کی ضرورت۔ اسی طرح یہاں ہے کہ سلامتی قائم ہے کوئی زمانہ آئے جائے رہے گزرے۔ اور اگر مان بھی لیا جائے کہ یہاں حَصَلَ یا حاصلٌ وغیرہ پوشیدہ ہے تو بھی جب ظرف اُس کے قائم مقام و معین ہوگیا تو زمانے کی قید ختم ہو کر خود بخود سلامتی عام ہوگئی۔ یہی ظرفیت کا فائدہ ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَ لَیَالٍ سَوِیًّا فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ۔ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔ روحِ حیات عرض کرتی ہے اے میرے مربی و خالق بدنِ مومن میں ظہورِ قلبِ بیدار کی نشانیاں کیا ہیں رہبرانِ قوائے ظاہر و باطن کو کیسے معلوم ہو کہ اِس جسمِ ناسوتی میں قلبِ لاھوتی جلوہ گر ہونے والا ہے ہاتفِ غیبی نے جواباً فرمایا کہ اے سائلِ محبوب تیرے لیے نشانی تین راتوں کی خاموشی ہے پہلی رات لیلِ خلوت جب بندہ راہِ معرفت پر پہلا قدم رکھتا ہے اور سب ماسوا اللہ سے ہٹ کر مراقبات کی تنہائی میں گم ہو جاتا ہے اسی کو لیلِ جمادیات کہتے ہیں دوم لیلِ ہجرت جب بندہ مسافرِ راہ سلوک بن جاتا ہے ماسوا اللہ سے دور بہت دور وادیِ حیرت کے اندھیروں میں اپنے پرایوں سے بیگانہ ہو جاتا ہے اسی کو لیلِ حیوانیات کہتے ہیں۔ سوم لیلِ غفلت۔ جب بندہ منزلِ عشق کے قریب پہنچ کر اپنے تن بدن سے بھی غافل و بےخبر ہو جاتا ہے اسی کو لیلِ روحانیت کہتے ہیں ان ثلاث لیالِ کے سَوِیًّا اور مُتَوَاتِر مُسَلْسَل ورود و نفوذ سے سالکِ معرفت کو تین مقام اور مرتبے حاصل ہوتے ہیں اور بندۂ مطلوبِ حق اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے کلام کرسکتا ہے نہ کسی طرف التفاتِ روحانی پہلا مرتبہ مرید دوسرا

مہاجر میرا غافل سالک کا یہ مرتبۂ غافلین خوش نصیبی کی نشانی ہے قربِ الٰہی کا سب سے بلند مقام ہے۔ اہلِ شریعت کے نزدیک غفلت عادتِ مذموم ہے مگر اہلِ طریقت کے نزدیک صفتِ محبوب ہے۔ روحِ حیات لیلِ اوّل میں ہی محرابِ خواہشات وطبیعات سے نکل کر قومِ صفاتِ انانیت و طالباتِ قلبیت کو صوتِ ربانی کی وحیِ خفی کا پیغام سناتی ہے اور رموزِ عقلیہ کے اشارے فرماتی ہے کہ اے مریدین اعضاءِ ظاہر و حواسِ باطن اپنے خالق و مالک کے قرب کی مسجدِ صدری میں صبحِ ازل سے عشاءِ ابد تک ہر پاسِ انفاس میں غیر اللہ سے ہٹ کر متوجہ الی اللہ ہو کر تسبیحِ جلال و جمال کا ورد کرو کیونکہ تمہارے قلوب کے منور و معطر ہونے کی نشانیاں ظاہر ہو گئیں۔ پھر جب قلبِ عارفین پر خزانۂ اسرار کا نزول مکمل ہو جاتا ہے اور کتابِ عشق کا عطیۂ خسروانہ اُس کو حاصل ہو جاتا ہے تب احکامِ معرفت کا ورودِ مسعود ہوتا ہے کہ۔ یَا یَحْیٰی خُذِ الْکِتَابَ بِقُوَّۃٍ وَاٰتَیْنٰہُ الْحُکْمَ صَبِیًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَکٰوۃً وَکَانَ تَقِیًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَیْہِ وَلَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا ۔ وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ یَوْمَ وُلِدَ وَیَوْمَ یَمُوْتُ وَیَوْمَ یُبْعَثُ حَیًّا۔ یہاں عارفِ کامل کے زندہ دل کی دس صلاحیتوں کا اشارہ ملتا ہے اے یحییٰ قلب تو کرمِ رحمانیہ وطاقتِ فیضانیہ کے ذریعہ فیضِ الٰہی کی وہ کتاب مضبوطی سے پکڑ لے جو ازلِ دھر میں تیرے لیے لکھی گئی تھی اس پکڑنے میں قوتِ جسدیہ کو شامل نہ کرنا کیونکہ وہ پیدائشی ضعیف ہے ہم نے قلبِ مومن کو ابتداءِ صبیتہ میں تلقینِ الہامی عطا فرما دی جس وقت ظلماتِ بطنی میں نسلِ خاکی پیدا کی گئی تھی اُس وقت ہی اس قلب پر نور برسایا گیا تھا اور ہم نے قربِ جمال سے سعادتِ فکر و نظر تدبر و تخیل تصور و تصدیق کی حنانا اور ارادوں کی پاکیزگی اور ماسوا اللہ سے بے رغبتی کا تقویٰ عطا فرما دیا تھا اور یہ قلبِ مومن اپنے والدِ روحِ حیات اور والدہ قالبِ ناسوتی سے حسنِ سلوک کرنے والا ہے اس طرح کہ فیضِ الٰہی کا حصۂ روح اُن تک پہنچانے والا قلب ہی ہے۔ اس لیے کہ روحِ حیات اپنی لطافتِ محضہ کی وجہ سے حاصل نہیں کر سکتی جیسے صاف بے غبار ہوا اپنی لطافت کی وجہ سے روشنی کو قبول نہیں کر سکتی مگر قلب میں دو شان ہیں لطافت و کثافت۔ لطافت کی وجہ سے قلبِ مومن فیض کو وصول کر لیتا ہے اور کثافت کی وجہ سے امانتِ روح کو روک رکھتا ہے اس لیے قلب ہی محلِ فیضِ الٰہی ہے۔ اور قلبِ عارف کی برِّ والدہ یہ ہے کہ شریعت وطریقت کی توفیق ملنے پر قالب اپنے قلب کو احکامِ الٰہیہ کے موافق استعمال کر لیتا ہے قلبِ مومن نفسِ امارہ کی طرف نہ جبارِ ظلم ہے نہ عصیانِ فسق و فجور ہے اس لیے سلامتی ہے اس پر عالمِ وجود میں آنے کے وقت عروجی مراد ہے۔ اور سلامتی ہے اس کو زمانۂ خرافات میں استعمالِ معاصی کی موت سے توبہ و مقبول کی ڈھال کے ذریعے اور سلامتی ہے اس کو اُس دن بھی جب دن ترقی ابدی کے مقام میں جگا یا اٹھایا

بلایا جائے گا۔ (از تفسیر نیشاپوری)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا

اور تذکرہ فرماؤ اس سورۃ میں مریم یعنی اُس کے اس واقعے کا کہ جب تنہا ہوگئی تھی اپنے گھر والوں سے

اور کتاب میں مریم کو یاد کرو جب اپنے گھر والوں سے

مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا

تھوڑی دور علیحدہ۔ مشرقی حصے میں پھر لگا لیا تھا اُس نے اپنے ان گھر والوں کے مقابل پردہ

پورب کی طرف ایک جگہ الگ گئی۔ تو اُن سے اُدھر ایک پردہ کر لیا

فَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ﴿۱۷﴾

پھر ہم نے بھیجا اس مریم کی طرف اپنا محبوب فرشتہ تو اُس فرشتے نے اُس مریم کی وجہ سے اپنی صورت بنا لی ایک مکمل بشر جیسی

تو اس کی طرف ہم نے اپنا روحانی بھیجا وہ اُس کے سامنے ایک تندرست آدمی کے روپ میں ظاہر ہوا

قَالَتْ اِنِّيْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا ﴿۱۸﴾

کہا مریم نے بے شک میں پناہ پکڑتی ہوں رحمٰن کی تجھ سے اگر تو اللہ سے ڈرنے والا ہے

بولی میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔ اگر تجھے خدا کا ڈر ہے

قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۖ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا

روح نے کہا میں تو فقط کا رندہ ہوں تیرے رب کا۔ تاکہ میں عطا کروں تجھ کو

بولا میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک ستھرا بیٹا

زَكِيًّا ﴿١٩﴾ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ

پاکیزہ بیٹا ۔ مریم نے کہا کہاں سے ہوگا میرا بیٹا حالانکہ ہاتھ تک نہیں لگایا مجھ کو کسی

دول ۔ بولی میرے لڑکا کہاں سے ہوگا مجھے تو کسی آدمی نے ہاتھ

بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا ﴿٢٠﴾

مرد نے اور نہ ہوں میں بغاوت کرنیوالی

نہ لگایا نہ میں بدکار ہوں

تعلقات

اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ایک تعجب خیز ولادت کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُس سے بھی زیادہ تعجب خیز ایک اور ولادتِ فرزند کا ذکر ہے تاکہ معلوم ہو کہ رب تعالیٰ کی قدرت کے لیے عجیب سے عجیب چیز بھی مشکل نہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں دعاؤں سے فرزند مانگنے کا ذکر تھا اب اِن آیت میں بغیر دعا اور بغیر ضرورت کے فرزند ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ایک صاحب شریعت نبی حضرت یحییٰ کا تذکرہ ہوا اب اِن آیت میں اُن سے پہلے ہم زمانہ صاحب کتاب نبی مرسل حضرت عیسیٰ کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان دونوں کے حالات زندگی تقریبًا ایک جیسے ہیں۔

تفسیر نحوی

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مَرْيَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا۔ فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَا اِلَيْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۔ واؤ نیر جملہ۔ اُذْكُرْ۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر واحد مذکر ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنی یاد کرنا یاد رکھنا ذکر کرنا۔ یہاں تینوں معنی مناسب ہیں فی جز ظرفیہ کے لیئے الْكِتٰبِ۔ الف لام عہدی کتاب سے مراد یا قرآنِ مجید ہے یا یہ سورۃ مریم۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اُذْكُرْ کا۔ مَرْيَمَ۔ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے سریانی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ خدمت گزار۔ یا خلوت پسند یا ترجمہ ہے پاکیزہ یا پاک دامن۔ مختلف اقوال ہیں۔ قرآن مجید کی مختلف آیت میں تقریبًا چونتیس۳۴ دفعہ یہ لفظ مذکور ہے مفعول بہ ہے۔ اِذْ۔ اسم ظرف۔ اگلی عبارت سے مل کر یا بدل اشتمال ہے مریم کا یا اضافتِ بیانیہ ہے ذکر پوشیدہ مفعول بہ دوم کا اِنْتَبَذَتْ۔ باب اِفْتِعَال کا ماضی مطلق واحد مؤنث اس کا مصدر ہے اِنْتِبَاذٌ

نُبِذٌ سے مشتق ہے بمعنی تنہائی اور خلوت میں علیحدہ ہونا جدا ہونا ہی ضمیر واحد مؤنث غائب اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع مریم ہے مِنْ اَھْلِھَا اپنے گھر والوں سے یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اِنْتَبَذَتْ کا مَكَانًا اسم ظرف لم باب نصر کَونٌ تامہ سے مشتق ہے موصوف ہے شَرْقِيًّا اسم ظرف مکانی مصدر سے حاصل مصدر جامد ہے بمعنی شرقی جانب سورج طلوع ہونے کی سمت صفت ہے یہ مرکب توصیفی ظرف ہے اِنْتَبَذَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ اِتَّخَذَتْ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث اَخْذٌ سے مشتق ہے باب کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ دراصل تھا اِءْتِخَاذٌ دو ہمزہ ثقیل ہوئیں دوسرا کو ئی بنایا اِيتِخَاذٌ ہو گیا قریب المخرج ہونے کی وجہ سے ی کو تؔ بنایا اور ادغام کر دیا۔ بمعنی بنانا۔ ترجمہ ہے اُس نے بنایا۔ پوشیدہ فاعل ضمیر کا مرجع وہی مریم ہے۔ مِنْ دُوْنِھِمْ۔ مِنْ جارہ بمعنی عَنْ زوالیہ۔ یعنی اُن سے دور۔ علیحدہ دُوْنِ اسم مفرد معرب بمعنی علیحدہ علاوہ ھِمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اہل ہے یہ اہل لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے معنی کے لحاظ سے ضمیر جمع آئی۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اِتَّخَذَتْ کا حِجَابًا۔ اسم مفرد معرب نکرہ۔ صفت مشبہ بروزن فِعَالًا۔ حَجْبٌ سے مشتق ہے یا یہ خود مصدر ہے بروزن کِتَابًا یا قِتَالًا تب یہاں حاصل مصدر ہے بمعنی مضبوط یا موٹا پردہ ایک قول میں چادروں کا پردہ تھا جیسے اعتکاف کی جگہ کہ نہ کوئی اس کے پار دیکھ سکے نہ بآسانی ہٹایا جا سکے۔ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَتْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ خیال رہے کہ عربی زبان میں فَ تین قسم کی ہے اور قرآن مجید کی مختلف آیات میں تقریباً تیئس سو پچاس دفعہ ارشاد ہوئی ہے۔ ۱۔ فَ حرفِ عطف ۲۔ فَ حرفِ جزائیہ ۳۔ فَ عاطفہ یہ فَ سات مقاصد کے لیے استعمال ہوتی ہے ۱۔ کبھی ترتیب کے لیے ۲۔ یہ فَ عاطفہ کبھی سببیت کے لیے کبھی ۳۔ زائدہ یعنی بغیر عطفت کے لیے ۴۔ کبھی استیناف یعنی کلام کی ابتداء کے لیے ۵۔ کبھی سابقہ عبارت کا جواب بنانے کے لیے ۶۔ کبھی علتِ غائی بنانے کے لیے ۷۔ کبھی تعقیب یعنی بعد میں ہونے کے لیے جیسے حرفِ ثُمَّ۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ اَرْسَلْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ۔ بمعنی بھیجنا ہے متعدی ہے رُسُلٌ سے بنا ہے۔ اس کا فاعل متکلم اللہ تعالیٰ ہے۔ اِلَيْھَا۔ اِلٰی حرفِ غایت مکانی کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع مریم۔ رُوْحَنَا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَرْسَلْنَا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بیانیہ (تفصیلیہ) یا سببیہ۔ تَمَثَّلَ باب تَفَعُّلْ کا ماضی مطلق اس کا مصدر ہے تَمَثُّلٌ مِثْلٌ سے بنا ہے۔ بمعنی مشابہ ہونا۔ ہم شکل اور ہم شباہت باہم وصف ہونا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یعنی ظاہری مشابہت پوری طرح۔ باب تفعل یہاں لازم ہے یعنی وہ مشابہ ہو گیا۔ یا یہ متعدی بالام ہے۔ لَھَا۔ اُس کے لیے۔ لام حرفِ جر تعلیلیہ سببیہ یا بمعنی مع یعنی اُس کے پاس ھَا ضمیر سے مراد مریم ہے۔ بَشَرًا اسم مفرد جامد موصوف ہے سَوِيًّا۔ اسم صفت مشبہ

بمعنی درست ۔ برابر ۔ مکمل یہاں بمعنی مکمل ہے یعنی ہر طرح جسم قد کاٹھ ۔ خوب صورتی ۔ جوانی ۔ تندرستی میں
مکمل مرد ظاہری گوشت پوست کے ساتھ یہ صفت ہے ۔ مرکب توصیفی حکماً و معنیً مفعول فیہ ہے یعنی
بشری مشابہت میں تَمَثَّلَ فعل یہ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَرْسَلْنَا کے جملے پر وہ سب
عطف ہوا اِتَّخَذَتْ کے جملے پر وہ سب عطف ہوا اِنْتَبَذَتْ پر یہ سب عطف مل کر بیان ہے اُذْكُرْ کا ظرف
ہے ۔ زیادہ درست یہ ہے کہ بدل اشتمال ہے مریم کا اور لفظ مریم مبدل منہ اپنے بدل سے مل کر
مفعول بہ ہے ۔ اُذْكُرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ۔ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ
كُنْتَ تَقِیًّا ۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۔ قَالَتْ اَنّٰی یَكُوْنُ لِیْ
غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا ۔ قَالَتْ ۔ فعل ہِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل (عمل میں فعل کی طرح رفع نصب دینے والا) یٖ ضمیر اس کا
اسم ۔ اَعُوْذُ ۔ فعل مضارع حال واحد متکلم مؤنث باب نصر عَوْذٌ سے مشتق ہے ۔ اَنَا ضمیر پوشیدہ اس
کا فاعل ہے ۔ عَوْذٌ مصدر تین معنیٰ میں مشترک ہے ۱۔ پناہ مانگنا ۲۔ التجا کرنا ۳۔ قریب اور متعلق ہونا
یہاں پہلے معنیٰ ہیں بٖ جارہ اِسْتِعَانَتْ کی خیال رہے کہ حرف بٖ عربی میں چودہ قسم کی ہے ۔ اور ہر
طرح اس کا معنیٰ علیحدہ ہے ۔ ۱۔ بٖ اِسْتِعَانَتْ یعنی مدد مانگنے کے لیے بمعنیٰ سے ۔ یہاں اسی معنیٰ
میں ہے یا بمعنیٰ ساتھ ۔ ذریعہ ۲۔ اِلْصَاقِ حقیقی یعنی ملانے کے لیے ترجمہ ہے کا ۳۔ اِلْصَاقِ مجازی
ترجمہ ہے پاس ۴۔ تعدیہ بمعنیٰ کو ۵۔ سببیت کی بمعنیٰ وجہ سے ۶۔ مصاحبت کی بمعنیٰ ساتھ ۷۔ ظرفیہ
بمعنیٰ میں ۸۔ فوقیت کی بمعنیٰ پر ۹۔ مجاوزت کی بمعنیٰ ساتھ ۱۰۔ بعضیت بمعنیٰ کچھ ۱۱۔ انتہائیہ بمعنیٰ تک
۱۲۔ عوضی بمعنیٰ بدلے ۱۳۔ تاکیدیہ بمعنیٰ ضرور ۱۴۔ زائدہ یہ بہت جگہ آجاتی ۔ یہاں تک کہ فاعل اور مفعول
اور مبتدا پر بھی عمل کر دیتی ہے مگر فائدہ نہیں ہوتا ۔ اَلرَّحْمٰنِ اسم مفرد معرف ۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے
مِنْكَ ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم اَعُوْذُ کا ۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہو مقدم ہے ۔ اِنْ حرف شرط
كُنْتَ ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس میں پوشیدہ اس کا اسم مرجع رُوْحَنَا یا بَشَرًا
تَقِیًّا ۔ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لیے بمعنیٰ بہت نیک متقی ۔ (اللہ رحمٰن سے ڈرنے والا) یہ خبر ہے ۔
كُنْتَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر شرط مؤخر ہے شرط و جزا مل کر خبر اِنَّ ۔ اِنَّ سب سے
مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا قَالَ ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ۔ یہاں فاعل ضمیر پوشیدہ کا
مرجع بَشَرًا ہے ۔ اِنَّمَا ۔ یہ دو لفظ جڑ کر ایک اسم حصری بنا ہے ۔ ۱۔ اِنَّ حرف مشبہ ۲۔ مَا ۔ اسم کا فہ ۔
اس مَا کافہ نے اِنَّ کو عملاً و معناً لغو کر دیا ۔ اب اس کا ترجمہ ہوا فقط ۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل

مبتدا ہے۔ رَسُوْلُ اسم صفت مشبّہ مبالغے کے لیے بروزنِ فعول۔ بمعنی مُرْسَلٌ اسم مفعول۔ ترجمہ ہے بھیجا ہوا یعنی قاصد۔ پیغام رسان۔ کارندہ۔ یہاں تیسرے معنیٰ بیان ہے۔ کیونکہ اس وقت یہ رسول کوئی پیغام نہ لائے تھے بلکہ کچھ کام کرنے آئے تھے۔ یہ اسم مفعول عامل مضاف رَبِّكِ۔ مرکب اضافی فاعل مضاف الیہ۔ لام حرفِ کئے تعلیلیہ۔ اَهَبَ۔ باب فتح کا مضارع معروف واحد متکلم۔ وَهَبٌ سے مشتق ہے ترجمہ بخش دینا۔ عطا کرنا۔ بلا عوض کچھ دینے کو وھب کہتے ہیں۔ دراصل اَوْهَبُ تھا یَوْهَبُ کی ہم وزنی تناسب کی بنا پر واؤ کو حذف کر دیا گیا۔ لام کئے سے آخر کو نصب آیا۔ آنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ لام جارّہ تعدیہ کا۔ ترجمہ ہے تجھ کو یہ جار مجرور متعلق ہے۔ غُلَامًا زَكِيًّا موصوف صفت مفعول بہ ہے لِاَهَبَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علتِ ہوئی رَسُوْلُ کی۔ رَسُوْلُ مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور علت سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبرِ مبتدا دونوں مبتدا خبر مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَتْ۔ ترجمہ ہے اُس نے کہا۔ مراد ہے مریم۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَنّٰى۔ اسم ظرف مکانی بمعنی کَیْفَ۔ ترجمہ ہے کہاں سے۔ کس طرح۔ کیسے یہ ظرفِ مقدم ہے۔ یَكُوْنُ فعل مضارع مستقبل تامہ۔ لِیْ۔ جار مجرور۔ ترجمہ ہے میرے لیے یا مجھ کو۔ میرا متعلق ہے۔ غُلَامٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی وَلَد بیٹا۔ واؤ حالیہ لَمْ یَمْسَسْ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی۔ باب سَمِعَ یَمْسَسُ سے مشتق ہے بمعنی ہاتھ سے یا پورے جسم سے جسم کو چھونا مراد ہے صحبت وطی کرنا۔ نون وقایہ۔ یٖ ضمیر واحد متکلم مفعول بہ بَشَرٌ اسم مفرد مراد ہے مرد۔ یا خاوند فاعل ہے لَمْ یَمْسَسْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لَمْ اَكُ فعل مضارع منفی جحد بلم ناقصہ۔ اس کا اسم پوشیدہ ضمیر۔ بَغِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ مؤنث بروزنِ فعیلا۔ بَغْیٌ سے مشتق ہے بمعنی بغاوت سرکشی بدکاری کرنے والی ایک قول میں بَغُوْیًا بروزنِ فعولاً سے تعلیل ہو کر بغیا ہوا خبر ہے۔ لَمْ اَكُ اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے لَمْ یَمْسَسْ پر دونوں مل کر حال ہے لِیْ کی یاءِ متکلم کا۔ یَكُوْنُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ مَرْیَمَ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِیًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُوْنِهِمْ حِجَابًا فَاَرْسَلْنَاۤ اِلَیْهَا رُوْحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا۔

اور اے محبوب کریم اس کتاب قرآن مجید میں خصوصی طور پر مریم کا ذکر کرو تاکہ حضرت مریم کے متعلق جو خرافات یہودیوں نے اڑائے سن کر عیسائیوں نے اپنی حماقت سے ان گستاخیوں کو سچ سمجھ کر تسلیم و تصدیق کر لیا ہے اصل حقائق نہ یہودی۔ بوجہ دشمنی بیان کرتے ہیں نہ خود اُمتی بننے والے یہ عیسائی۔ یہ

گستاخیاں اُس وقت سے شروع ہوئیں جب مریم اپنے سب اہلِ خانہ متعلقین سے علیحدہ ہو کر جانبِ مشرق ایک گوشۂ تنہائی میں بالکل اکیلی جا بیٹھی تھیں اس علیحدگی کی وجہ میں مفسرین کے چھ قول ہیں ۱ عبادتِ الٰہیہ کے لیے ۲ غسلِ طہارت کرنے کے لیے حیض کے بعد اور ہمیشہ آپ اُسی جگہ غسل فرماتی تھیں ۳ یا صرف تنہائی کی پیدائشی عادت کی بنا پر ۴ روشنی اور دھوپ لینے کے لیے یہ صبح اشراق کا وقت تھا سردی کا موسم تھا اور چڑھتے سورج کی روشنی و دھوپ اسی جانب تھی ۵ یا اس لیے مریم ادھر آئیں کہ بیت المقدس کی یہ جانب بنی اسرائیل کے نزدیک مبارک خیال کی جاتی تھی مگر یہ غلط ہے بلکہ حضرتِ مریم کے اکثر ادھر آنے کی وجہ سے عیسائیوں میں یہ مشرقی جانب متبرک ہے اسی وجہ سے دنیا کے اکثر گرجے اور چرچ (عیسائیوں کے عبادت خانے) ایسے بنائے جاتے ہیں کہ پادری جب تقریر جو ان کی اصل عبادت ہے کرنے کھڑا ہو تو اُس کا منہ مشرق کی طرف ہوتا ہے ۶ مریم شروع بچپن سے خلوت و تنہائی پسند تھیں اسی لیے ادھر تنہائی کی وجہ سے آگئیں اور یہ آنا کوئی حسبِ عادت معمول نہ تھا بلکہ اسی دن خصوصیت سے ادھر آئیں اور اکثر وہ بیت المقدس کے بالاخانہ والے اُس ہی محراب میں رہتی تھیں جو اُن کے پیدا ہونے کے دن بیتُ المقدس کی کفالت و تربیت میں آنے کے بعد خصوصی طور پر اُن کے لیے ہی بنایا گیا تھا۔ بجز اُن کے کفیل مربی حضرتِ زکریا کے کسی کو اُس میں جانے کی اجازت نہ مرد کو نہ عورت کو نہ دایہ کو نہ والدہ کو بلوغت تک آپ نیچے نہ اتریں نہ۔ بعد بلوغت صرف ایامِ حیض میں محراب سے نکل کر اپنے خالو زکریا علیہ السلام کے گھر چلی جاتیں اور بعد فراغت اُسی جانبِ شرقی غسل خانے میں غسلِ طہارت کے بعد پھر خالہ سے اجازت لے کر اپنے اسی محراب میں آجاتیں اور مہینہ بھر نیچے نہ اُترتیں، اہل سے مراد یہ ہی خالہ اور زکریا ہیں جب وہ آج غسل خانے میں گئیں تو حسبِ معمول آپنے پردہ کھینچ لیا اور اپنے اہلِ خانہ سے مکمل پردے میں ہو گئیں تب ہم نے ان کی اُسی خلوت گاہی مقامِ غسل میں غسل کے فوراً بعد جب وہ کپڑے پہن کر نکلنے والی تھیں ان کی طرف اُن کے دروازہ کے راستے اپنے روح الامین یعنی جبریل فرشتے کو ایک مکمل جوان بشری شکل انسانی لباس میں اُن کی طرف بھیجا۔ اس جبریل آمد سے بعض لوگوں نے دھوکا کھایا اور حضرتِ مریم کو نبی کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے عورت نبی ہو سکتی ہی نہیں۔ یہ عقیدہ حدیث قرآن کے سراسر خلاف ہونے کی وجہ سے کفر یہ ہے۔ اُن احمق لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ حضرت جبریل چونکہ صرف انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے پاس آتے ہیں اس لیے مریم بھی نبی ہیں (معاذ اللہ) اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ بشری اور سویا کی خصوصی شکل میں آنا نبوت سے خاص نہیں غیر نبی کے پاس آنا بھی ثابت ہے نیز جبریل علیہ السلام

کفار کے پاس عذاب لے کر بھی آتے رہے اور طالوت بادشاہ کے لشکر میں تابوتِ سکینہ لیکر بھی آئے اور پھر یہ ثابت بھی کہیں نہیں کہ جبرائیل علیہ السلام صرف انبیاء علیہم السّلام کے پاس ہی آتے ہیں کسی اور کے پاس نہیں آتے۔ بہرکیف یہ باطل عقیدہ ہے اس کی کچھ مزید وضاحت ہم انشاء اللہ ابھی آگے اعتراضات میں بیان کریں گے۔ رُوْحَنَا میں بھی دو قول ہیں (۱) یہ کہ جبرئیل علیہ السّلام مراد ہیں احادیث میں ان کو رُوْحُ وَ رُوْحُ الْاَمِیْن کا لقب دیا گیا ہے کیونکہ وحیِ الٰہی روح یعنی زندگی ہے اور یہ اُس کے امانت دار ہیں یہی قول مدلل اور صحیح ہے (۲) یہ کہ رُوْحَنَا سے مراد عیسٰی علیہ السّلام ہیں جو اُس وقت شکمِ مریم میں امانت رکھی جانی تھی یعنی عیسٰی علیہ السّلام کا جسم و روح دونوں بیک وقت۔ حضرت عیسٰی کا لقب ہے روح اللہ مگر یہ قول تَمَثَّلَ لَہَا بَشَرًا کے خلاف ہے کیونکہ حضرت مسیح تمثّل بشر نہیں حقیقی بشر ہیں۔ حضرت مریم کی خصوصیات سات ہیں۔ پہلی یہ کہ ان کا نام تقریبًا چونتیس (۳۴) دفعہ قرآن مجید میں آیا ہے ان کے سوا کسی عورت کا نام قرآن مجید میں نہیں آیا۔ خود ان کا تذکرہ گیارہ (۱۱) جگہ۔ لفظِ عیسٰی ابن مریم سولہ جگہ۔ لفظِ مسیح ابن مریم پانچ آیت میں۔ لفظِ ابنِ مریم دو آیت میں۔ قرآن مجید کی سورۃ التحریم کی آیت ۱۲ میں ان کو مریم بنتِ عمران کہا گیا ہے عمران پورے بنی اسرائیل کے اُس وقت سردار تھے۔ حضرت مریم یتیم پیدا ہوئی تھیں۔ (۲) حضرت مریم نے پوری زندگی دنیا کی غذا نہیں کھائی نہ والدہ کا دودھ پیا۔ پیدا ہوتے ہی اُن کی والدہ نے ان کو بیت المقدس چڑھاوا چڑھا کر وقف کر دیا اور کچھ بحث تمحیث کے بعد اُن کے خالو اللہ کے نبی حضرت زکریا کی کفالت میں دیدی گئیں آپ نے اسی وقت ان کو ایک محراب نما کمرے میں منتقل کر دیا۔ تیسری خصوصیت یہ کہ پہلے دن سے آپ کے پاس جنتی غذائیں آتی رہیں جو حضرت زکریا اُن کو شیر خوارگی اور نابالغی تک کھلاتے پلاتے رہے۔ بعد بلوغت جنتی پھل بھی آتے تھے۔ چوتھی خصوصیت آپ پیدائش کے پانچویں سال بالغ ہو گئیں تھیں۔ پانچویں یہ کہ آپ بہت جلدی اپنے مکمل قد میں پہنچ گئیں آپ مہینے میں سال کے برابر اور ہفتہ میں مہینے کے برابر بڑھتی تھیں چھٹی یہ کہ آپ ساری کفالتی عمر ولادتِ مسیح علیہ السلام تک بیت المقدس کی حدود سے کبھی باہر نہ نکلیں۔ جبرئیل علیہ السلام کے آنے کے وقت تک اپنی عمر کے تیرھویں سال میں یا انیسویں سال میں تھیں۔ ساتویں خصوصیت یہ کہ آپ پیدائشی ولی ہیں بعض بزرگوں نے آپ کو اُس دور کا قطب عالمین کہا ہے اِس خصوصیت کی کوئی عورت نہیں ہوئی۔ ان کا مزید ذکر تفسیر نعیمی پارہ سوم میں مطالعہ کیجیے۔ قَالَتْ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔ قَالَ اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا۔ قَالَتْ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا۔

حضرت مریم اطمینان سے وہاں سے نکلنے والی تھیں کہ ایک جوان اجنبی مرد کو سامنے دیکھ کر گھبرا گئیں چونکہ پردہ نشین تھیں کبھی کسی بھی شخص کو دیکھا نہ تھا اس لیے پریشانی و گھبراہٹ میں عرض کرتی ہیں کہ میں اُس رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں تجھ سے اگر تو متقی اور اللہ سے خوف و خشیت رکھنے والا ہے جو رحم والا بھی ہے مہربان بھی اس لیے تو فوراً چلا جا۔ جواباً بَشَرًا سَوِیًّا نے فرمایا اے مریم تم پریشان مت ہو میں کوئی آدمی نہیں۔ میں تو اللہ کے پاس سے اُسی کے حکم سے قاصد بن کر آیا ہوں صرف اس لیے کہ تم کو میں ایک ذہین و عظیم بچہ عطا کروں جو دین و دنیا کے اعتبار سے پاکیزہ بیٹا ثابت ہوگا۔ مریم مزید حیران ہو کر پوچھتی ہیں کہ میرا بیٹا کس طرح ہوگا نہ تو مجھ کو کسی خاوند نے چھوا ہے نہ میں بدکار رہوں نہ گھر بار سے باغیہ ہوں۔ تَقِیًّا میں تین قول ہیں ۱۔ متقی ۲۔ تقیا ایک نیک آدمی کا نام تھا بیت المقدس کے خدمت گاروں میں سے تھا۔ آپ کو اسی کا شبہ ہوا اس لیے شرطیہ جملہ فرمایا۔ یعنی اِن کُنْتَ ۳۔ اُس علاقے میں تقیا ایک بدمعاش آدمی کا نام جس کو آپ نے کبھی دیکھا نہ تھا صرف اِس کا اس قسم کا ذکر سنا تھا۔ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ بیت المقدس کی حدود میں اور خاص کر حضرت زکریا سردارِ علاقہ کے گھر میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ حضرت جبرئیل کا لِاَهَبَ کہہ کر اپنی نسبت کرنا یا اس لیے تھا کہ سبب و ذریعہ یہ بنے تھے یا اس لیے کہ انہوں نے پھونک مار کر دم کرنا تھا۔ یا اس لیے کہ رب تعالیٰ نے اسی طرح کہنے کا حکم فرمایا تھا ایک قرأت میں لِیَهَبَ ہے اور نسبت رب تعالیٰ کی طرف کہ وہ رب تم کو بیٹا دے گا میں صرف رسول و پیغام رساں ہوں۔ مگر پہلی قرأت و قول درست ہے۔ غلام سمجھ دار بچہ کو کہتے ہیں جو اگرچہ چھوٹا ہو مگر سمجھ دار ہو۔ یا سمجھ داری کی عمر کو پہنچا ہوا ہو جب کسی کی درازی عمر کا یقین ہو تو اُس کو ولادت سے پہلے بھی اور بوقتِ ولادت بھی غلاماً کہہ سکتے ہیں زَکِیًّا۔ زَکِیٌّ کے تین معنی کیے گئے۔ ۱۔ پاک ستھرا خوب صورت ۲۔ عالمِ علم ظاہری و باطنی ۳۔ نبی مکرم لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ کا معنیٰ شادی نکاح اور خاوند سے جماع صحبت وطی۔ اور لَمْ اَكُ بَغِیًّا سے مراد ہے حرام و ناجائز وطی۔ اَنّٰی یَكُوْنُ میں سوالِ انکاری نہیں بلکہ سوالِ تعجب و سوالِ ترغیب ہے۔ حضرت مریم ایامِ حیض زکریا علیہ السلام کے گھر جو حدودِ بیت المقدس میں ہی تھا اپنی خالہ ایشاع کے گھر منتقل ہو جاتی تھیں ولادتِ مسیح سے پہلے آپ کو صرف دو دفعہ حیض آیا اور یہی دوسری بار جس کا غسل کر کے فارغ ہوئی تھیں۔ رُوح کے معنی ۱۔ محبت والا بھی ہیں۔ زندگی دینے والا۔ زندگی۔ اور روحی بھی یا وحی لانا بھی۔

فائدے

اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ بزرگوں کا تذکرہ کرنا اُن کے حالاتِ زندگی سنانے کے لیے محفلیں مقرر کرنا بہت ہی اچھی اور مفید بات ہے

لہٰذا محفلِ عیدِ میلاد النبی گیارھویں شریف اور عرس اولیاء اللہ کی محفلیں بہت بابرکت ہیں اُن بزرگوں کے نیک اور پاکیزہ حالاتِ زندگی سن کر مسلمانوں کو اپنی اسلامی تاریخ سے واقفیت کے علاوہ عملی زندگی سنبھالنے کا موقعہ ملتا ہے اپنے بزرگوں سے غافل مسلمان تو بے عمل اور بدکردار ہو جاتے ہیں یہ فائدہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ فرمانے سے حاصل ہوا اس طرح کے احکام قرآنِ مجید میں بہت جگہ مذکور ہیں یہاں رب تعالیٰ نے اپنی ایک بے مثل ولیہ کاملہ کے ذکر کی محفل منعقد کرنے کا اشارۃً حکم فرمایا۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ کے کام بندہ اپنی طرف نسبت کر سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے مقرب بندوں کو نعمتیں بانٹنے کا اختیار عطا فرماتا ہے اور وہ مقرب بندہ اپنی مرضی و اختیار خداداد سے جسے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ کی نعمت بخش سکتا ہے یہ فائدہ لِأَهَبَ لَكِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اہل سنت والجماعت کا مسلک اولیاء اللہ کی بارے میں عطا و اختیار کا عقیدہ اس آیت کے مطابق ہے اور حق ہے دیوبندی وہابی عقیدہ غلط ہے۔ تیسرا فائدہ۔ جو خصوصی فضائل اور عظمتیں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائی ہیں ان کا اظہار کرنا یا اپنی عزت بچانے کے لیے یا پاک دامنی کا اظہار کرنے کے لیے اپنی تعریف اور شان بیان کرنا درست ہے یہ تکبر یا مغروریت نہیں نہ گناہ ہے اسی طرح اپنی قومیت کا اظہار کرنا بھی جائز ہے جب کہ صرف تعارف مقصود ہو نہ کہ بڑائی یہ فائدہ لَمْ أَكُ بَغِيًّا سے حاصل ہوا کہ حضرت مریم نے اپنی پاک دامنی بیان فرمائی جس سے ان کی شانِ ارفع معلوم ہو گئی۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ بندے پر کتنی بھی مصیبت پڑے ہر حال میں رب تعالیٰ کی یاد اور اسی کی پناہ پکڑنی چاہیے۔ دیکھو حضرت مریم پر بشری شکل میں جبرئیل کے آنے سخت مصیبت مگر گھبراہٹ ہوئی چاہتیں تو شور مچا کر گھر والوں کو بلا لیتیں مگر پہلے اپنے رب تعالیٰ کو یاد فرمایا اسی کی پناہ پکڑی یہ مسئلہ أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ عورت پر اسلام میں پردہ فرض ہے مگر صرف بالغ اجنبی یعنی غیر محرم انسان سے فرشتوں۔ جنوں۔ جانوروں سے پردہ فرض نہیں۔ یہ مسئلہ فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا سے مستنبط ہوا۔ جب شکل انسانی میں جبرئیل ظاہر ہوئے اس وقت حضرت مریم نہا کر کپڑے پہن چکی تھیں۔ تیسرا مسئلہ۔ بوقتِ ضرورت عورت بالغ اجنبی مرد سے ضروری بات چیت کر سکتی ہے مگر بلا ضرورت غیر مردوں کو اپنی آواز سنانا بھی حرام ہے۔ یہ مسئلہ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اس وقت تک حضرت مریمؑ نے ان کو پہچانا نہیں تھا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ملکہ

چار جگہ نہیں جاتے ۱ جہاں کتا ہو ۲ جہاں فوٹو تصویر ہو ۳ جہاں بدبو ہو ۴ جہاں ننگا بدن مرد یا عورت ہو تو یہاں جبریل علیہ السلام کیوں آ گئے حالانکہ حضرت مریم غسل کر رہی تھیں اور غسل ننگے بدن ہی ہوتا ہے۔ **جواب**۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ آپ وہاں غسل کے لیے نہ گئیں تھیں بلکہ عبادت کے لیے گئی تھیں دوم یہ کہ غسل کے لیے گئی تھیں مگر ابھی غسل شروع نہ کیا پہنچی ہی تھیں باللباس تھیں سوم یہ کہ غسل سے فارغ ہو کر کپڑے پہن چکی تھیں باہر نکلنے ہی والی تھیں۔ یہ جواب صحیح و قوی ہے **دوسرا اعتراض**۔ ڈرنا اور اللہ کی پناہ تو فاسق و فاجر سے مانگی جاتی ہے۔ نیک لوگوں سے پناہ مانگنا تو درست نہیں تو پھر یہاں تَقِیًّا کہہ کر پناہ کی دعا کیوں کی گئی۔ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا کی بجائے اِنْ كُنْتَ فَاجِرًا۔ کہنا چاہیے تھا **جواب**۔ یہ ٹھیک ہے کہ پناہ کی دعا فاسق و فاجر سے بچنے کے لیے مانگی جاتی ہے۔ لیکن یہ دعا نہیں بلکہ سامنے موجود شخص سے ملتجیانہ نعوذ باللہ سوال ہے اور اس کے نیک و بد ارادے کا اندازہ کرنا ہے اور پتہ لگانا ہے کہ وہ کیا چاہتا ہے بد ہے یا نیک جان کر آیا ہے یا بھولے سے اور چونکہ ایسی التجاؤں کا اثر ان ہی لوگوں پر ہوتا ہے جو دل کے نیک یعنی متقی ہوں اگرچہ اس وقت عارضی بدی کا ارادہ ہو۔ ایسی التجاؤں اور اللہ کے خوف دلانے سے دل کا متقی باز آ جاتا ہے۔ اس لیے اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا۔ کہنا بالکل درست ہے۔ **تیسرا اعتراض** حضرت مریم کی ساری پریشانی اور خوف فقط جبریل علیہ السلام کے کلامِ بشارت کرتے ہی ختم ہو گئی کہ اب اطمینان سے باتیں شروع کر دیں **جواب** یا اس لیے ختم ہو گئی کہ رب تعالیٰ کا رسول ہے اب عزت و آبرو کو کوئی خطرہ نہیں رہا اور اسی کی پریشانی و خوف تھا۔ اس لیے بھی پریشانی جاتی رہی کہ پہلے زکریا علیہ السلام کے لیے بشارت کا ذکر سن چکی تھیں یا الہامِ الٰہی کی وجہ سے اطمینان ملا یا یہ عیسیٰ علیہ السلام کا ارہاصی معجزہ تھا جو قبلِ ولادت ظہور میں آیا۔ واللہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ إِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ أَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا فَاتَّخَذَتْ مِنْ دُونِهِمْ حِجَابًا فَأَرْسَلْنَا إِلَيْهَا رُوحَنَا فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔

پوری کتاب ازلی میں صرف مریم روشن ضمیری کا نام مکتوب ہے عالم اجسام کے پورے علاقے میں فقط یہی تیومِ نظامِ اعلیٰ ہے اسی کی یاد منانے چرچہ کرنے اور ذکر سنانے کا حکم ربانی ہے سلطانِ قلب کی بادشاہی میں یہی قطبِ عالم ہے روشن ضمیریِ مومن کا سرمایۂ خسروی اور عارفِ کامل کا تمغۂ محنت ہے اے شہنشاہ ابدان قلبِ منور اس نعمت کا تذکرہ کتابِ سینہ میں۔ بیان فرما جب یہ مریم ضمیرِ روشن اپنے اہل یعنی تعلقِ دنیا و لوازماتِ حواس و تعلیات سے دور منفرد ہوتی ہے اور انوارِ الٰہی کے مشرق اور فیضانِ ربانی کے طلوعِ مشرق کی جانب وغسل روحانیت کے لیے اغیار جلوت سے ہٹ کر حجاب

خلوت بنا لیتی ہے کیونکہ زندہ ضمیر کی روشنی عزلت کے اندھیروں میں ہی چمکتی ہویدا ہوتی ہے اس رازِ سلطنتِ سرمدی کو صرف روحِ حیات ہی جانتی ہے تب ہم ضمیرِ اہلِ معرفت کی طرف الہامِ ربانی کی وحی روح اور خاطرِ رحمانی کا روح الامین بھیجتے ہیں اس روحنا کو حروفِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا لباسِ وحدت پہنایا اور بشریتِ مثلیہ کی چادر اور انسانیت سویا کا کمبل اڑھا کر مشرقِ انوارِ خلوت گاہِ اسرار و ضمیرِ روشن کے پاس نزولِ اجلال فرمایا۔ قَالَتْ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِیًّا ۔ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِیًّا ۔ قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّ لَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّ لَمْ اَكُ بَغِیًّا ۔

ضمیرِ روشن نے اپنی قالب کو خلوتِ وحدت میں تخیلِ غیر اور تمثلِ فکر و تشکلِ وحی میں دیکھا تو قالت۔ فرمایا میں اپنے رحمٰنِ قدیم کی پناہ مانگتی ہوں تجھ اجنبی افکار سے کہ کہیں تو مجھ فکریاتِ طاہرہ و تصوراتِ پاکیزہ کو اپنے مولیٰ ابدی ازلی کی یاد سے ہٹا کر غیر اللہ میں مشغول نہ کر دے۔ میری خلوتِ مراقبہ اور انقباضِ تنہائی تو فقط اپنے رحمٰن ابدی کے لیے ہے تیرا آنا اس خلوتِ ذکرِ الٰہی کو جلوتِ اغیار بنانا مجھے ناگوار اور ناپسند ہے۔ قال اجنبی تمثل اور غیریتِ سویا نے فرمایا کہ وارداتِ احوالِ سالکین کا قاصدِ ربانی اور تیرے ربِّ کریم ہی کا پیغامِ بشارت لانے والا ہوں تاکہ میں تجھ کو نفسِ مطمئنہ قدسیہ کا غلامِ مذکی عطا کروں وہ نفسِ مقدسہ جو ظلمتِ انسانیت کی تلویثِ مادیہ سے پاک اور منزہ ہو۔ قالت اس مکالمۂ مخفیہ میں ضمیرِ روشن کی صوتِ باطنی نے سوالاً فرمایا اے میرے ربِّ جلال کے قاصدِ الہامات میرے بطنِ طائفِ نفسی مطمئنہ مقدسہ کی نزولِ ولادت کس طرح ہو سکتی ہے۔ مجھ کو عالمِ شعور میں کسی امتزاجِ بشریت نے مساس دخول نہ کیا نہ میرے اوقاتِ لطائف کو کسی بھی اوہامِ باطل نے چھوا نہ میں نے عالمِ روحِ مجرد سے نکلنے کی بغاوتِ لاشعوری کا ارتکاب کیا۔ نفسِ مولود کے ورود و نزول کے تو اس باطنِ وادیِ اعمال میں کسی بھی عملِ مسعود یا نامسعود کے آنے کے بس یہی دو طریقے ہیں۔ صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ از آدم علیہ السلام تا امتِ مسلمہ ہر امتِ نبی علیہ السلام میں ایک قطب الاقطاب اور غوث الاغواث ہوتا رہا ہے امتِ آدم علیہ السلام کے قطب الاقطاب۔ حضرتِ ہابیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ امتِ سلیمان علیہ السلام کے آصف بن برخیا اور امتِ زکریا علیہ السلام کا قطب الاقطاب حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا گیا۔ امتِ مسلمہ کا قطب الاقطاب پہلے دور میں حضرت رابعہ بصریہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، پھر سید الاولیا و آولین و آخرین سیّد عبد القادر شہنشاہِ بغداد تا قیامت قطب الاقطاب اور غوث الاغواث ہیں۔ سید الاولیا شروع زمانوں سے ہمیشہ ہر امت میں چار ہوئے ان ہی چار میں ایک سید السیادت ہوتا ہے امتِ مسلمہ کے چار سید الاولیا میں پہلے حضرت غوث اعظم جیلانی ہی سید السیادت ہیں

دوم خواجہ سید معین الدین چشتی یہ بھی سید الاولیاء ہیں سوم خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی یہ بھی سید الاولیا ہیں چہارم خواجہ شہاب الدین سہروردی یہ بھی سید اولیا تا قیامت ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین مسافران معرفت کے لیے بھی چار ہی عرفانی منزلوں کے چار لباس ریاضت ہوتے ہیں پہلا لباسِ زہد دوم لباسِ فقر سوم لباسِ درویشی چہارم اور آخری منزلِ قرب کا لباسِ تصوف۔ فقیری یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے سوا کسی اور چیز کی پرواہ نہ کرے مفلسی کے وقت مطمئن ہو مال ہو تو سخاوت کرے۔ زاہد وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے سامنے بھی کوئی حاجت پیش نہ کرے اور نہ کسی کا مالک نہ اُس کا کوئی مالکِ دنیوی ہو۔ حاجت پیش نہ کرنے کا معنیٰ یہ ہے کہ اُس کو فرائضِ بندگی کی مشغولیت سے فرصتِ دعا ہی نہ ملے اپنے رب رحیم پر پورا بھروسہ کرتا ہے اس لیے وہ سوال کرتا ہے نہ اُس کی ضرورت سمجھتا ہے۔ اور درویشی عارف کا اونچا مقام ہے۔ اپنے آپ کو رضاءِ مولیٰ پر فنا کرنے کا نام درویشی ہے۔ تصوف یہ ہے کہ بندہ اللہ کے ساتھ بغیر کسی حاجت کے رہے تصوفِ حقائق کو اختیار کرنے اور لوگوں کی چیزوں سے مایوس ہونے کے ہم معنیٰ ہے۔ تصوف فقر زہد جداگانہ چیزیں ہیں لیکن تصوف ان تمام پر ہر معنیٰ میں حاوی ہے اور اس میں معرفت کے تمام اجزاء موجود ہیں مگر تصوف میں زہد فقر درویشی کے علاوہ بھی بہت سے کٹھن مقامات ہیں لہٰذا زاہد فقیر پیر درویش بننے کے باوجود بھی بہت سے عارفین صوفیا کے مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ حالاتِ مسیح اور بیاناتِ مریم و تذکرۂ کتاب میں عارفین ابتداً کو یہی اسباقِ تصوف پڑھائے جا رہے ہیں۔ (از تفسیر نیشاپوری مع زیادت)

قَالَ كَذٰلِكِ ۚ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ ۚ وَلِنَجْعَلَهٗ

بولا وہ کارندہ (رسول) فیصلہ اسی طرح ہو چکا ہے کہ فرمایا تیرے رب نے یہ کام مجھ پر نہایت آسان ہے اور البتہ بنائیں گے ہم اس کو

کہا یوں ہی ہے تیرے رب نے فرمایا ہے کہ یہ مجھے آسان ہے اور اس لیے کہ ہم اسے لوگوں کے واسطے

اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ﴿۲۱﴾

اپنی نشانی تمام انسانوں کے لیے اور رحمت اپنی اور ہو چکی ہے یہ تقدیر فیصلہ کی ہوئی۔

نشانی کریں اور اپنی طرف سے ایک رحمت اور یہ کام ٹھہر چکا ہے۔

فَحَمَلَتۡهُ فَانۡتَبَذَتۡ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا ﴿۲۲﴾ فَاَجَآءَهَا

فوراً ہی حاملہ ہو گئی اُس بچے سے اُس وقت علیحدہ چلی گئی وہ مریم اس حمل کے ساتھ کچھ دور جگہ پھر لے گیا اس کو

اب مریم نے اسے پیٹ میں لیا پھر اُسے لیے ہوئے ایک دور جگہ چلی گئی پھر اُسے

الۡمَخَاضُ اِلٰى جِذۡعِ النَّخۡلَةِ ۚ قَالَتۡ يٰلَيۡتَنِىۡ مِتُّ

دردِزہ ایک پرانی کھجور کے تنے کی طرف۔ بولی وہ مریم ہائے کاش میں مر گئی ہوتی

جننے کا درد ایک کھجور کی جڑ میں لے آیا بولی ہائے کسی طرح میں اس سے پہلے

قَبۡلَ هٰذَا وَكُنۡتُ نَسۡيًا مَّنۡسِيًّا ﴿۲۳﴾ فَنَادٰىهَا مِنۡ

اس وقت سے پہلے کبھی کی اور ہو چکی ہوتی ہیں مدتوں کی بھولی ہوئی تب پکارا اُس کو فرشتے نے اُس کی

مر گئی ہوتی اور بھولی بسری ہو جاتی تو اُسے اُس کے تلے سے پکارا

تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِىۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّكِ تَحۡتَكِ

ڈھلان کی جانب سے کہ غم نہ کر نکالی ہے تیرے رب نے تیرے قدموں کے نیچے

کہ غم نہ کھا تیرے رب نے تیرے نیچے ایک

سَرِيًّا ﴿۲۴﴾

ایک نہر۔

نہر بہا دی ہے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت مریم کو بیٹے کی پیدائش کی خبر سنائی گئی تھی جس پر آپ نے رنج غم فکر پریشانی اور تعجب کا اظہار کیا تھا۔ اب ان آیت میں حضرت مریم کے فی الفور حاملہ ہونے اور وقتِ ولادت

بھی فی الفور قریب آگئے پر جو پریشانی پیدا ہوئی اس کو تسلّی آمیز طریقے سے دور کرنے کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت مریم کا گھر کے ہی ایک حصّے میں پردہ کرنے کا ذکر تھا۔ اب ان آیت میں حضرت مریم کا گھر سے نکل کر باہر کچھ دور جنگل میں آنے کا تذکرہ ہے۔ اور انتہائی پریشانی اور اس دنیا سے پہلے ہی کبھی فنا ہو جانے کے خواہش کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت جبرئیل کی اُن باتوں کا ذکر ہوا جو انہوں نے حضرت مریم سے کیں تھیں۔ ان آیت میں اُن باتوں کا ذکر ہے جو خود رب تعالٰی نے حضرت مریم سے بذریعہ الہام فرمائیں تھیں۔

تفسیر نحوی قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا۔

قَالَ فعل اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر هُوَ اس کا مرجع رُوْحَنَا ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا كَذٰلِكِ۔ اسم اشارہ واحد مؤنث کے لیے، یہ چار لفظ ہیں ۱: کاف تشبیہی ۲: ذا اسم اشارہ ۳: لام جارہ زائدہ علامتی ۴: کِ ضمیر واحد مؤنث حاضر۔ یہ سب مل کر مستقل اسم اشارہ بعیدی ہے یہاں لفظ اَمر پوشیدہ ہے دراصل تھا اَمْرٌ كَذٰلِكِ امر مضاف كَذٰلِكِ مضاف دونوں مقولۂ اوّل ہے قَالَ رَبُّكِ مرکب اضافی ترجمہ ہے تیرے رب نے۔ کِ ضمیر کا مرجع مریم رَبُّكِ فاعل ہے قَالَ اپنے اس ظاہر فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ هُوَ ضمیر واحد مذکر منفصل کا مرجع وہ بیٹا ہونا یعنی یہ کام۔ عَلَيَّ بمعنیٰ مجھ پر میرے لیے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدّم ہے هَيِّنٌ اسم صفت مشبّہ هَوْنٌ سے مشتق دراصل هَيْوِنٌ تھا بروزن کریم واؤ کو ی بنایا۔ اور دونوں ی میں ادغام کر دیا۔ ترجمہ ہے بہت ہی آسان۔ هَيِّنٌ اپنے متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لام کَے بمعنیٰ اَلْبَتّہ۔ تاکہ اس لیے نَجْعَلَهٗ، فعل با فاعل، مفعول بہ اوّل۔ نَجْعَلَ فعل متعدی بدو مفعول ہے۔ اٰيَةً۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ نشانِ قدرت معجزہ۔ دلیلِ قدرت، معطوف علیہ ہے لِلنَّاسِ۔ ترجمہ ہے لوگوں کے لیے یہ جار و مجرور متعلق اوّل ہے۔ واؤ عاطفہ رَحْمَةً۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ شفقت۔ ترس مہربانی محبت نفع۔ فائدہ یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے یہ معطوف ہے اٰيَةً پھر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا۔ مِنَّا۔ دراصل ہے مِنْ نَا۔ بمعنیٰ اپنی طرف سے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ نَجْعَلَ کا۔ نَجْعَلَ اور مِنَّا دونوں جگہ ضمیر جمع متکلم کا مرجع رب تعالٰی ہے۔ نَجْعَلَ سب سے مل کر جملہ ہو کر معطوف، ہوا هُوَ عَلَيَّ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ رَبُّكِ اپنے مقولے سے مل کر مقولۂ دوم ہوا پہلے قَالَ کا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا واؤ عاطفہ۔ یہاں مفسّرین نحویوں کے دو قول ہیں اوّل یہ کہ یہ رُوْحَنَا کا قول ہے یعنی فرشتے نے کہا کہ فیصلہ

ربانی ہو چکا ہے۔ دوم یہ کہ یہ فرمان رب تعالیٰ کا ہے۔ پہلی صورت میں یہ جملہ عطف ہوگا کَذٰلِکِ پر اور مقولہ ہوگا پہلے قَالَ کا دوسری صورت میں یہ عطف ہوگا هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ پر اور مقولہ ہوگا دوسرے قَالَ پر اعلیٰحضرت کے ترجمے سے اشارہ ملتا ہے کہ یہ قول فرشتے کا ہے کَانَ فعل ناقصہ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم مرجع ہے غلام کی عطا اَمْرًا موصوف مَقْضِیًّا۔ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر قَضٰی سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ ہو جانا۔ اگر عمل سے پہلے ہو تو مراد ہوتا ہے قولی فیصلہ اور اگر عمل کے بعد فیصلے کا ذکر کیا جائے تو مراد ہوتا ہے عملی فیصلہ یہاں قولی فیصلہ مراد ہے یعنی تقدیر لکھی جا چکی ہے۔ یہ صفت ہے۔ موصوف صفت مل کر خبر ہے کَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر عطف ہے کَذٰلِکِ پر دونوں مل کر مقولہ اول ہوا قول کا سب قول مقولے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ استینافیہ (ابتدائیہ) حَمَلَتْ فعل ماضی مطلق واحد مؤنث غائب ہِیَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع مریم یہ ضمیر فاعل ہے باب ضَرَبَ سے لازم ہے ترجمہ ہے حاملہ ہو گئی۔ ایک قول میں متعدی بیک مفعول ہے ترجمہ ہے حمل لے لیا۔ حمل اٹھا لیا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب پہلے قول میں مجرور متصل ہے بِن جارہ پوشیدہ سے اصل میں تھا بِہٖ۔ ترجمہ ہے حاملہ ہو گئی اس سے دوسرے قول میں یہ ضمیر منصوب متصل ہے ترجمہ ہے حمل لے لیا اس کا، ہٗ کا مرجع دونوں قول میں غلام ہے فَ تعقیبیہ بمعنی تب۔ تو۔ اس وقت یہ اگلا جملہ ظرف زمانی ہے اِنْتَبَذَتْ باب افتعال کا ماضی مؤنث بِ جارہ بمعنی مَعَ یعنی ساتھ ہٖ ضمیر کا مرجع حمل، ترجمہ ہے اس حمل کے ساتھ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ مَکَانًا۔ اسم ظرف واحد مذکر بمعنی جگہ موصوف ہے قَصِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزنِ فعیل۔ قَصْیٌ سے مشتق بمعنی الگ ہونا علیحدہ ہونا دور ہونا کنارہ پر ہونا۔ یہاں معنیٰ ہے اور دور گھر یہ بستی کے کنارے پر۔ یہ صفت ہے مکانًا کی موصوف صفت مفعول فیہ ہوا۔ اِنْتَبَذَتْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف زمانی ہوا حَمَلَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰی جِذْعِ النَّخْلَةِ قَالَتْ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا فَنَادٰىهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِیْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِیًّا فَ تعقیبیہ بمعنی پھر۔ اَجَآءَ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر اس کا مصدر تعلیل سے اِجَآءَۃٌ ہے اور بعد تعلیل تحری اِجَاءَۃٌ بمعنی لانا۔ آنے پر مجبور کر دینا متعدی ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع مریم مفعول بہ ہے اس لیے منصوب متصل ہے اَلْمَخَاضُ اسم مصدر مزید فیہ جامد حاصل مصدر بروزنِ رَکَابٌ فَعَالٌ مَخْضٌ سے رحم میں درد ہونا جو بچے کی پیدائش کے وقت ہوتا ہے (دردِ زہ) یہ فاعل ہے اَجَآءَ کا اِلٰی حرف جر انتہاء و غایت کے لیے جِذْعِ۔ اسم مفرد جامد بمعنی درخت کا تنا (یعنی جڑ کے ساتھ والا موٹی شاخ جس میں نیچے جڑ لگی ہوتی ہے اور اوپر شاخیں پتے پھل پھول وغیرہ) اس کی جمع جُذُوْعٌ ہے مضاف

ہے النَّخْلَةِ۔ الف لام عہد خارجی یا ذہنی۔ نَخْلَةٌ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنی کھجور یا اس میں ۃ وحدت کی ہے تب یہ مذکر ہے یہ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے اَجَآءَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا قَالَتْ۔ فعل ماضی مؤنث ہِیَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل جس کا مرجع مریم یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ یَا حرفِ ندا لَیْتَ حرفِ مشبہ۔ اسم کو نصب دیتا ہے خبر کو رفع یعنی اصل ہے اس لیے اس کا وزن یعنی تمام حرکات و سکنات باقی رکھنا ضروری ہیں۔ اسی بنا پر اس کو یائے متکلم ضمیر سے متصل کرنے کے لیے نون وقایہ لانا ضروری ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو لَیْتِیْ پڑھا جائے اور یہ ممنوع ہے ی ضمیر منصوب ہے کیونکہ اسم ہے مِتُّ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مَیْتٌ سے مشتق ہے بروزن بِعْتُ عربی لغت میں یہ واحد مصدر مادہ ہے جو اجوف واوی بھی اور اجوف یائی بھی یعنی مَوْتٌ سے مَاتَ یَمُوْتُ اور مَیْتٌ سے مَاتَ یَمِیْتُ۔ پہلا باب نَصَرَ سے ہے۔ ترجمہ دونوں کا ہے مرنا۔ اس کا فاعل اَنَا ضمیر واحد متکلم مؤنث قَبْلَ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے ہٰذَا اسم اشارہ قریبی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے مِتُّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر اگلے کلام کا معطوف علیہ واؤ حرفِ عطف کُنْتُ۔ فعل ماضی مطلق ناقصہ واحد متکلم مؤنث اس کا پوشیدہ ضمیر ہے۔ نَسْیًا۔ اسم مصدر حاصل مصدر بھولنے کے لائق نا قابلِ یاد نا قابلِ ذکر یہ تابع تاکیدی میں مؤکد ہے۔ مَنْسِیًّا اسم مفعول باب سَمِعَ سے ہے نَسْیٌ اس کا مصدر مجرد ہے بمعنی بھلایا جانا۔ ترجمہ بھولی ہوئی اسی سے ہے نِسْوَۃٌ بمعنی عورت کیونکہ عورتیں بھی بھلکڑ زیادہ ہوتی ہیں اسی لیے ان کی ایک گواہی دو عورتوں سے مکمل ہوتی ہے یہ تاکید ہے دونوں کا معنی ہے مدتوں کی بھولی ہوئی۔ یہ دونوں متبوع اور تابع خبر ہے کُنْتُ فعل ناقصہ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے مِتُّ کے جملے پر دونوں مل کر خبر ہے لَیْتَ کی اسی لیے ان جملوں کا اعراب محلاً نصب ہے۔ لیت اپنے اسم خبر سے مل منادیٰ ہوا۔ یَا ندائیہ اپنے منادیٰ سے مل کر مقولہ ہوا قَالَتْ کا وہ جملہ قولیہ ہو گیا خیال رہے کہ اگر حرفِ ندا سے پہلے کوئی فعل موجود ہو جس سے حرفِ ندا کو ملایا جا سکے تو پھر پوشیدہ اَدْعُوْ یا اُنَادِیْ کا جملہ فعلیہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے فَ تعقیبیہ ابتدائیہ نَادٰی فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب باب مُفَاعَلَۃٌ اس کا مصدر تعلیل نحوی سے پہلے مُنَادَیَۃٌ تعلیل کے بعد مُنَادَاۃٌ ندیٰ سے بنا ہے بمعنی پکارنا۔ بلانا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ ہے جس کا مرجع رُوْحَنَا ہے۔ ھَا ضمیر مفعول ہے مِنْ حرفِ جر ابتدا و غائیہ کے لیے بمعنی طرف سے تَحْتَ اسماءِ ظروف میں سے ایک ہے وہ کل آٹھ ہیں (۱) قَبْلُ (۲) بَعْدُ (۳) فَوْقُ (۴) تَحْتُ (۵) یَمِیْن (۶) یَسَار (۷) خَلْفُ (۸) اَمَامُ۔ اگر ان کا مضاف الیہ ظاہر ہو تو یہ معرب ہوتے ہیں ورنہ مبنی ضمہ پر۔ یہاں تحت معرب ہے ھَا ضمیر مجرور مضاف الیہ

اِن دونوں ھا ضمیر کا مرجع مریمؑ ہے۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہوا اور جار مجرور متعلق ہے نادیٰ کا۔ اَلَّا۔ دراصل اَنْ لا ہے۔ اَنْ مخففہ ہے اَنَّ تھا اس کا ترجمہ ہوتا ہے شان یہ ہے کہ۔ یعنی یہ نہ ہونا چاہیے اگر بعد میں جملہ مثبتہ ہو تو معنی ہوتا ہے ایسا ہونا چاہیے۔ لَا تَحْزَنِیْ۔ باب فَتَحَ کا فعل نہی واحد مؤنث حاضر تَحْزَنُ سے مشتق ہے ترجمہ ہے غم نہ کر۔ لَا تَحْزَنِیْ کا فاعل اَنْتِ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع ہے مریم یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا۔ قَدْ جَعَلَ فعل ماضی قریب واحد مذکر رَبُّكِ مرکب اضافی فاعل ہے تَحْتَكِ مرکب اضافی ترجمہ ہے تیرے نیچے یا تیرے ماتحت تیرے قبضے میں یا تیرے اختیار میں یہ ظرف مکانی ہے سَرِیًّا۔ اسم صفت مشبہ ہے واحد ہے اِس کی جمع اَسْرِیَۃٌ بھی ہے اور سَرْیَانٌ بھی۔ یہ سَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنی تیز چلنا مراد ہے چھوٹی نہر جو بڑی نہر سے نکل کر باغ بغیچہ میں آتی ہے۔ مفعول بہ ہے جَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر علت ہوئی لَا تَحْزَنِیْ معلول علت مل کر بیان ہوا نادیٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا سَرِیًّا میں ایک قول ہے کہ یہ سَرْوٌ سے مشتق ہے بمعنی بلند شان والا۔ اور مراد حضرت عیسیٰ ہیں۔ ترجمہ ہے کہ تیرے ماتحت ایک رفیع الشان بیٹا ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

تفسیر عالمانہ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗۤ اٰیَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِیًّا فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِیًّا۔

فرمایا اس بشر سَوِیًّا نے یہ سب کچھ یعنی حمل وضع حمل اور بیٹا پیدا ہوتا۔ اسی طرح بغیر کسی ظاہری قانونی فطری اسباب کے خود بخود اور ابھی ہی سب کچھ ہو گا۔ کیونکہ تیرے رب تعالیٰ نے جس نے مجھ کو بشری شکل بنا کر بھیجا ہے یہ فرمایا ہے یہ کام میرے لیے بہت ہی آسان ہے اے مریم تجھ کو اس میں حیرانی کی ضرورت نہیں رب تعالیٰ کی قدرتیں تو اس سے بھی زیادہ وسیع وعظیم ہیں۔ تو میری کیفیت اور کمزوری کو نہ دیکھ رب تعالیٰ کی قدرت پر نظر کر۔ اس ولادتِ معجزانہ میں رب تعالیٰ کی بہت سی حکمتیں ہیں جن میں سے ایک یہ کہ اس پیدا ہونے والے مولود مسعود کی ذات موجودہ اور آئندہ تمام انسانوں کے لیے قدرت کی ایک عظیم نشانی ہے خالق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم اس مخلوق ومولود کو آیت تا قیامت بنائیں گے۔ ان عقلیات والے موجودہ لوگوں کے لیے جو اپنے علم وکسبِ صنعت وحرفت کاریگری تجربہ کاری پر مغرور بنے پھرتے ہیں اور اپنے اسباب وعلل پر ہی رب تعالیٰ کی تخلیق کو قیاس کرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ جس طرح ہم انسان باوجود علمِ کثیر صنعتِ مزید حرفت وغیرہ کے باوجود اسباب کے محتاج ہیں اسی طرح معاذ اللہ رب تعالیٰ خالقِ کائنات بھی اسباب کا تابع ومحتاج ہے۔ یہ مولود اُن تمام بدعقیدگیوں کو باطل کرنے والا ہے۔ اور اس مولود مبارک کی اگلی زندگی چلنا پھرنا بات کلام پھر رفعت ونزول

حیاتِ ثلاثہ پہلی زمینی دوسری آسمانی پھر تیسری زمینی پھر شادی بیاہ وفات اور تدفین وغیرہ سب کچھ ہونے والے
انسانوں کے لیے قدرتِ الٰہی کی عظیم حیران کن آیَۃً لِلنَّاس ہے۔ اور اس کا وجود جہان کے لیے رحمت ہے
خاص ہماری طرف سے اور اے مریم گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ فیصلہ تو ازلِ قدیم میں ہو چکا ہے۔ انبیاءِ
بنی اسرائیل کے پہلے نبی یوسف علیہ السلام اور آخری نبی عیسٰی علیہ السلام۔ مسیح علیہ السلام کا آیتِ الٰہی ہونا اس
طرح سے ہے ۱؎ پشتِ آدم علیہ السلام سے جب ذریتِ آدم نکالی گئی اور حضرت آدم نے اپنی ساری ذریت
دیکھ لی تو پھر سب داخل کر دی گئی مگر حضرت عیسٰی کو دوبارہ داخل نہ کیا گیا ۲؎ آپ کی صحبت و ہمراہی اور
آپ کا جسم بھی ہدایت تھی جو چند منٹ عقیدت سے بیٹھتا مومن بن جاتا ۳؎ آپ کے چار نام ذاتی
ہیں جو اللہ کی طرف عطا ہوئے۔ عیسٰی، مسیح۔ کلمۃ اللہ، روح اللہ ۴؎ آپ کی کنیت والدہ کی طرف
منسوب ہے یعنی ابن مریم۔ کائناتِ انسانیت میں صرف آپ ہی ہیں جن کی یہ خصوصیت مِنَ اللہ تعالیٰ ہے
۵؎ رب تعالیٰ نے آپ کو چار صفات سے مزین فرمایا اول وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ دوم مقربِ الی اللہ
سوم مہد اور کہولت میں کلام کرنا چہارم صالح یعنی زمینی آسمانی عابد زاہد۔ ۶؎ اُمتِ سابقین کے
خاتم الرسل اور اُمت مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے خاتم الاولیاء۔ آپ کی جسمانیت میں نہ نطفہ کی شمولیت
نہ عناصرِ اربعہ کی۔ آپ کا جسم مقدس صرف لفظِ کُن سے ہے اور ظاہر و باطن صرف روح ہے۔ آگ
پانی مٹی ہوا کچھ نہیں ۷؎ آپ ہی صرف مہاجرِ آسمانی ہیں جن کو اپنے قومی دشمنوں کی وجہ سے آسمان
کی طرف ہجرت کرنی پڑی۔ اس لیے اے مریم بے شک اَصلاً نسلاً تو یہ تیرا اور صرف تیرا بیٹا ہے
مگر حقیقتاً یہ آیَۃً لِلنَّاسِ وَرَحْمَۃً مِّنَّا ہے تَحَمَّلَتْهُ بس اتنی مختصر گفتگو کے بعد حضرت جبرئیل نے کچھ
پڑھ کر یا بغیر پڑھے ہی پھونک ماری آپ کے چہرے پر دم منہ کے راستے سینے سے ہوتی ہوئی
پیٹ اور رحم میں پہنچی اور اسی وقت محسوس ہو گیا کہ حمل کا بوجھ ہو گیا جبرائیل غائب ہو گئے۔ اور
آپ سمجھ گئیں کہ یہ سب کچھ ابھی ہی ہونا ہے۔ اب آپ کچھ سمجھ نہ پا رہی تھیں کہ کیا کروں اسی پریشانی
میں بجائے گھر کے افراد کے پاس آنے کے باہر جنگل بیابان کی طرف نکل گئیں۔ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا
اس حمل کے ساتھ ہی آپ ہی تقریباً آٹھ دس میل چلتی چلی گئیں اور اپنے ننھیال مقام ناصرہ کے پاس اسی
گاؤں کے کنارے پر بیت اللحم تھا ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئیں تن تنہا نہ کوئی آئی نہ موالی نہ مددگار
نہ پرسانِ حال مریم کے والد کا نام عمران بن ماثان تھا یہ حضرت زکریا کے ہم زلف تھے اور بہت بڑے
ولی اللہ تھے والدہ کا نام حنّہ تھا۔ خود مریم بھی بڑھاپے کی منتوں مرادوں والی اولاد ہیں اور عورتوں میں
صرف مریم نے شیر خوارگی میں کلام کیا ان کی والدہ یہ کلام سن کر ان کو بیت المقدس میں چھوڑ گئیں یعنی

نے کہا مریم ایک میل دور جنگل میں نکل گئیں ایک پہاڑی کے دامن میں چھپ کر بیٹھ گئیں۔ بعض نے کہا کہ بیت المقدس کے ایک خادم عابد زاہد کے ساتھ گئیں جس کا نام یوسف نجار تھا اور منگیتر تھا مریم کا مگر یہ سب کذبیات و اسرائیلیات ہے۔ حضرت مریم کو دم جبریل کے تھوڑی دیر بعد ہی دردِ زہ شروع ہو گیا تھا۔ اسی لیے ارشاد ہے۔ فَاَجَآءَهَا الْمَخَاضُ اِلٰى جِذْعِ النَّخْلَةِ‌ۚ قَالَتْ يٰلَيْتَنِىْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا‏۔ فَنَادٰٮهَا مِنْ تَحْتِهَاۤ اَلَّا تَحْزَنِىْ قَدْ جَعَلَ رَبُّكِ تَحْتَكِ سَرِيًّا‏ ۔ قدرتِ الٰہیہ کا یہ ظہور اتنی جلدی ہوا کہ چند ساعت کے بعد تقریباً ایک گھنٹہ بعد دردِ زہ ہی لے آیا اُس پاک دامن کنواری پاک مریم کو دور ایک صحرائی خشک کھجور کے بے برگ و ثمر ٹنڈ منڈ تنے تک حضرت مریم نے چار وجہ سے گھبرا کر اپنے آپ سے کہا۔ ہائے کاش میں اس وقت کے آنے سے پہلے مرگئی ہوتی اور آج کے دن تک بھولی بسری ہو چکی ہوتی ایک وجہ یہ کہ گھر سے بغیر بتائے اتنی دور چلی آئی شاید گھر والے پریشانی میں ہوں ڈھونڈتے پھرتے ہوں یہ ایک بدنامی دوم یہ کہ بچے کی پیدائش جب کہ نہ شادی نہ نکاح یہ دوسری بدنامی بلکہ سخت ترین ذلت سوم یہ کہ ایسے حالات میں کوئی خدمت گار یا مشورہ تسلی دینے والا بھی پاس نہیں۔ نہ اس شدتِ تکلیف میں ملنے دبانے والی دوا دارو کرنے والی دل جوئی و غم گساری کرنے والی دائی وغیرہ بھی نہیں چہارم یہ کہ شدتِ تکلیف جو عورت کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے بلکہ چیخیں نکلتی ہیں یہ آواز جس کا دبانا مشکل ہوتا جا رہا تھا اگر نہ دبا سکی تو صحرائی گونج کہاں تک پہنچ سکتی ہے اور کتنے رہ گزر جمع ہو سکتے ہیں اس خیال سے ہی لرزہ طاری تھا۔ اور تکلیف دگنی محسوس ہوتی ہے۔ اس لیے زبانِ اقدس سے یہ الفاظ لازمی امر تھا۔ تب ندا کی اس نخلہ کے نیچے نہر کے کنارے سے اے مریم غمگین نہ ہو ایسے حالات کے تمام سامان تیرے پروردگار نے مہیا فرما دیئے ہیں صرف تیری خاطر وہ نہر جو زمانوں سے خشک پڑی تھی بغیر کسی ظاہری اسباب (بادل وغیرہ) کے جاری فرما دی جو تیرے قدموں و نگاہوں کے نیچے ڈھلان میں جاری ہو گئی ہے یہ ایک نہر ہی تیری بہت سی پریشانیوں کا مداوا ہے ۱ لہلہاتی ٹھنڈی ہوائیں ۲ میٹھا ٹھنڈا قدرتِ الٰہی کا غذائیت سے بھرپور پانی ۳ آنکھوں کی تازگی ۴ جسم کی قوت ۵ وحشی خیالات کا پھیرنا، کیونکہ نعمت کا وجود اور حقیقی تصور بھی بہت بڑا غمگسار ہوتا ہے۔ سَرِيًّا میں تین قول ہیں ۱ رواں دواں خوب صورت صاف پانی کی نہر ۲ آنے والا بچہ مراد ہے کہ بہت عظمت والا شان و شوکت و شہرت والا ہے تَحْتَكِ یعنی تیری گود میں تیرے پیے۔ ۳ سَرِيًّا بمعنی سخاوت والا بہر حال ہیں مفید خیال رہے کہ قرآن مجید

میں انسان کی ولادت و پیدائش چھ قسم کی مذکور ہے ۱۔ بغیر خاوند بیوی جیسے حضرت آدم کی پیدائش ۲۔ بڑھاپے کی ڈھلی سے جب نطفہ بھی خشک ہو جاتا ہے جیسے حضرت اسحاق کی ولادت ۳۔ خاوند بیوی کی صحبت اور نطفے کے بغیر جیسے حضرت یحییٰ کی ولادت ۴۔ بغیر والد بغیر والدہ صرف مرد کی ہڈی کو انسان بنا دیا گیا جیسے حضرت حوا کی پیدائش کہ جسم آدم علیہ السلام سے ایک لمبی پسلی کی مع گوشت ہڈی نکالی اور اس کو حوا بنا دیا ۵۔ بغیر والد صرف والدہ کے نطفے سے جیسے حضرت عیسیٰ کی ولادت ۶۔ خاوند بیوی کے ملاپ اور نطفے سے مدتِ معینہ میں جیسے عام انسانوں کی پیدائش اور ولادت اَمْرًا مَقْضِيًّا یعنی اٹل فیصلہ مدتِ حمل میں چار قول ہیں ۱۔ حمل۔ ولادت اسی دن تین گھنٹے کے اندر اندر سب کچھ ہوا ۲۔ چھ ماہ بعد ولادت ہوئی ۳۔ آٹھ ماہ بعد ہوئی ۴۔ نو ماہ بعد ہوئی مگر پہلا قول درست ہے اس وقت حضرت مریمؑ کی عمر تیرہ سال تھی یہی قول صحیح ہے ۲۔ دس سال تھی ۳۔ سولہ سال تھی۔ یٰلَیْتَنِیْ کہنے کی وجہ نہ حمل ہے نہ حمل کی بشارت نہ درد نہ تنہائی بلکہ صرف قوم کی طرف سے بدنامی و ذلت کا خوف تھا۔ قدرتِ الٰہی کی اس نشانی یعنی ولادتِ مسیح کو سمجھنے کے لیے رب تعالیٰ نے ابتدا ہی سے نشانات قائم فرمانے شروع کر دئے تھے پہلا یہ کہ مریم کو بچپن سے ہی بہت سے لوگوں کی نگہبانی کے اندر بیت المقدس میں رکھا گیا وہ بھی بالائی منزل میں تنہا۔ بجز بوڑھے خالو حضرت زکریا کے کوئی بھی دیکھ نہ سکتا تھا کسی سے بھی شناسائی نہ تھی نہ بے پردگی ۲۔ انتہائی بوڑھے خالو پر شک کا تصور بھی نہ ہو سکتا تھا جو خود لاولد تھے سوم یہ کہ چھ ماہ قبل بوڑھے اور بانجھ خاوند بیوی (زکریا اور ان کی عاقرہ بیوی) کے رحم سے بغیر صحبت و نطفہ ایک قدرتی بیٹے کی ولادت کا مشہور کیا جانا اس کی علامتیں تین دن رات کی خاموشی وغیرہ کا تمام قوم کو پتہ بتایا جانا اور شہرت دیا جانا چہارم یہ کہ مریم کو حیض آنا اور اس کا مشہور کیا جانا کہ ان دنوں مریم اپنے حجرے سے نکل کر دوسرے گھر میں ایام حیض گزارتی تھیں اور حیض حمل کی نفی کرتا ہے۔ پنجم یہ کہ اب اس دفعہ چند دن حیض گزار کر ایک دم صحت مند بچے کو لے آنا کسی بدکاری کا شائبہ تک نہیں ہونے دیتا ششم یہ کہ کبھی کی خشک نہر بغیر برساتی موسم بغیر بارش بغیر قریبی دریا بغیر سمندر ایک دم سے بھرپور جاری ہو جانا اور پھر کئی عرصہ جاری بہتا رہ گزر کا دیکھ کر اس قدرتی نہر پر تعجب و حیرانگی کرنا۔ ہفتم یہ کہ ایک پرانا خشک مردہ شجرِ کھجور کا ایک دم سے زندہ ہرا بھرا بے موسم کھجوروں سے لد جانا اور ہر شخص کا اس کو دیکھنا متعجب ہونا قدرت کے یہ سارے کرشمے ولادتِ مسیح کے قدرتی کرشمے کو سمجھانے کے لیے ہی تھے لیکن اس کے باوجود شیطانی خباثت والوں نے ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام

کو اٰیَۃً لِّلنَّاس سمجھنے سے انکار کر دیا۔ اور اس قسم کی الیسی خباثتیں ہر دور میں ہر نبی علیہ السّلام کے ساتھ
کسی نہ کسی طرز پر ہوتی رہی ہیں۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**: ثابت ہوا کہ بزرگوں سے
دم کرانا اچھی بات ہے اور بزرگوں کو دم کرنے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت رحمت برکت
اور شفا ہے یہ حضرت جبریل کے پھونک مارنے کے ذریعے حمل ٹھہر جانے سے حاصل ہوا گویا کہ پھونک
بھی مظہرِ قدرتِ الٰہیہ ہے۔ **دوسرا فائدہ** حضرت مسیح علیہ السّلام بشر بھی ہیں اور روح اللہ بھی اور
دونوں میں کاملیت ہے یہ فائدہ اٰیَۃً لِّلنَّاس فرمانے سے حاصل ہوا بلکہ آپ کی پوری حیات اور حیات
کی ہر ہر ادا آیتِ الٰہی ہے یہاں تک کہ آپ کی سانس بھی **تیسرا فائدہ** ہر فرع میں اصل کا اثر آجاتا ہے
جبریل کی پھونک کا اثر تھا کہ آپ کی جسمانیت بن گئی اور آپ کی پھونک کا اثر یہ تھا کہ مردہ زندہ اور بے جان
میں جان پڑ جاتی تھی اسی لیے جبریل کا نام روح الامین تو آپ کا نام روح اللہ ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**: اللہ تعالیٰ نے دو قسم
کی تقدیر پیدا فرمائی ایک تقدیر مبرم دوسری تقدیر معلق و شرعی اور حقیقی طور پر تقدیر
مبرم نہیں بدل سکتی نہ کسی دعا سے نہ التجا سے ہاں البتہ تقدیر معلق دعا و التجا سے بدل جاتی ہے یہ
مسئلہ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا بہارِ شریعت نے جلد اول ص۶ پر اور ان کی دیکھا دیکھی
بعض جہلا نے جو یہ لکھا کہ حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی کو فرماتے ہیں۔ میں قضاءِ مبرم
کو رد کر دیتا ہوں۔ اور اسی کی نسبت حدیث میں ارشاد ہے اِنَّ الدُّعَاءَ يَرُدُّ الْقَضَاءَ بَعْدَمَا اُبْرِمَ
بے شک دعا قضاءِ مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ یہ بات قطعاً درست نہیں حضور غوث پاک علیہ الرضوان کا فرمان
ان لفظوں میں کہیں ثابت نہیں۔ صحیح مسئلہ اس طرح ہے کہ صرف قضاءِ معلق ٹل سکتی ہے اور وہ بھی بندہ
نہیں ٹال سکتا ٹالتا رب تعالیٰ ہی ہے بندہ فقط دعا اور التجا کرتا ہے بہارِ شریعت کی یہ بات تو
قصیدہ غوثیہ شریف کے بھی خلاف ہے چنانچہ ارشاد ہے۔

وَلَوْ اَلْقَيْتُ سِرِّيْ فَوْقَ مَيْتٍ ‎ لَقَامَ بِقُدْرَةِ الْمَوْلٰى تَعَالٰى

ترجمہ: اگر میں اپنا بھید مردے پر ڈالوں تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کھڑا ہو جائے یعنی میری قدرت
سے نہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت سے زندہ کر کے کھڑا کرنے والا میں نہیں۔ اگلی حدیثِ مبارکہ میں بھی
تقدیر ٹلنے کا ذکر دعا سے ہے۔ اور بَعْدَ مَا اُبْرِمَ کا تعلق دعا سے ہے نہ کہ قضاءَ سے بہارِ شریعت
کا ترجمہ بھی غلط ہے کیونکہ اُبْرِمَ بَرَمٌ سے مشتق ہے جس کا ترجمہ ہے محکم مضبوط اور پاکیزہ (ازلغات کشوری)

مقصدِ حدیثِ مبارکہ یہ ہے کہ جب دعا انتہائی پاکیزہ اور محکم ہو جائے تو رب تعالیٰ تقدیرِ معلق کو ٹال دیتا ہے اور پاکیزہ دعا صرف ولیِ کامل کی ہوتی ہے اور محکم دعا صرف مظلوم کی ہوتی ہے اس حدیث پاک کے الفاظ لَیَرُدُّ مَا بَتا رہے ہیں کہ اَبْرَمَ کا تعلق دعا سے ہے نہ کہ قضا سے کیونکہ قضا کا مفہوم یا معلق ہونا بتدریج نہیں ہوتا بلکہ ایک دم ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کے لیے۔ بَعْدَمَا یا قَبْلَ مَا کا استعمال عبث ہے وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ غوثِ پاک کی شانِ ارفع کے لائق نہیں کہ تقدیرِ مبرم اور رب تعالیٰ کے امرِ مقضیٰ کے بارے یہ فرمائیں کہ اللہ کے اٹل فیصلے کو میں رد کر دیتا ہوں (معاذ اللہ تعالیٰ) رہا یہ کہ صاحب بہارِ شریعت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایسی مصنوعی بات فرما کر پھر مُبْرَم کی تقسیم کرنا کہ فرشتوں کے نزدیک مُبْرَم ہو یا حقیقی ہو یہ تقسیم بھی کہیں ثابت نہیں اس لیے یہی کہنا صحیح ہے کہ بہارِ شریعت کی یہ بات سرے سے غلط ہے اور پھر وہ حضور غوثِ پاک جو قصیدہ غوثیہ لکھتے ہوئے اتنے محتاط ہیں کہ بار بار اپنی اَنا کو رب تعالیٰ کی قدرت وقوت اور سرکارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے قدومِ میمنت کے وسیلۂ عظمیٰ کی طرف پھیر رہے ہیں حالانکہ اِس قصیدۂ پاک کے لکھنے کا حکم اُن کو ربِّ جلیل کی طرف سے تقریباً سات مرتبہ اِلہاماً وَمَناماً ہوا تھا تب آپ نے لکھنے کی ہمت پائی تھی بھلا وہ ایسا بے باک جملہ کس طرح فرما سکتے ہیں بندہ اپنی مرضی سے تو تقدیرِ معلق بھی نہیں ٹال سکتا ہاں رب تعالیٰ خود ہی اپنے محبوب بندوں کی نازنیانہ دعاؤں سے تقدیرِ معلق کو ٹال دیتا ہے۔ یہ اُس کا کرم اور بندوں کی محبوبیت ہے ہر ایک کی دعا کی یہ شان نہیں۔

دوسرا مسئلہ قانونِ شریعتِ اسلامیہ کے مطابق عورت پر صرف انسانی مردوں سے پردہ واجب ہے فرشتوں جنات یا دیگر مذکر حیوانات سے پردہ واجب نہیں یہ مسئلہ فَتَمَثَّلَ لَهَا (الخ) اور پہلی گذشتہ آیت فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا۔ سے مستنبط ہوا یعنی فرشتہ اگرچہ شکل انسانی میں ہو تب بھی پردہ ضروری نہیں۔ یہی فقہ حنفی کا مسلک ہے۔ جنات کا حکم بھی یہی ہے دیکھو حیوانات مذکر بھی اور ننگے بھی پھرتے رہتے ہیں مگر کسی مسلمان عورت پر پردہ لازم نہیں ہوتا۔ ان سب کا حکم ایک ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ زمانۂ ماضیہ کی خواہشِ موت کرنا جائز ہے مگر حال یا مستقبل یا مستقبل میں دعاءِ موت منع اور ناجائز ہے یہ مسئلہ يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض** جب رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کو پتہ لگ گیا تھا کہ یہ آنے والا مولود بچہ اللہ تعالیٰ کی بشارت ہے اور قدرتِ الٰہیہ کا اَمْرًا مَّقْضِيًّا۔ اٰيَةً لِّلنَّاسِ اور رَحْمَةً مِّنَّا ہے تو پھر حضرت مریم کو اتنی گھبراہٹ اور پریشانی کیوں تھی اور گھر کو چھوڑ کر باہر کیوں چلی گئیں اگر غسل خانے یا خلوت خانے سے نکل کر اپنی خالہ ہی کے پاس

آجاتیں تو اس سے کہیں زیادہ بہتر ہوتا۔ قوم کے پاس آنے کا موقعہ ہی نہ آتا نہ اس طرح کے طعنے اور رسوائی کی تکلیف اٹھانا پڑتی۔ **جواب** اگرچہ یہ بشارت مل چکی تھی اور آپ منشاؤ الٰہیہ کو جان چکی تھیں مگر یہ پتہ نہیں تھا کہ ابھی سب کچھ ہو جائے گا۔ سنبھلنے مشورہ کرنے کا موقعہ ہی نہ ملے گا۔ ایسا سخت خطرناک واقعہ زندگی میں پہلا موقعہ ناتجربہ کاری۔ جس کی ساری زندگی تنہائی و خلوت میں گزری جس نے کبھی کسی غیر عورت کی شکل بھی نہ دیکھی ہو، کبھی خالہ سے کھل کر بات نہ کی ہو، عورت کے پاس عصمت و عفت ہی کا تو سرمایہ ہوتا ہے وہ بھی بے گناہی میں اٹھتا نظر آئے تو آخر اتنی جلد بازی میں کیا کرے گی اس وقت جو مریم پر گزر رہی ہوگی وہ ایک پاک دامن خلوت نشین باعفّت عورت ہی سمجھ سکتی ہے۔ آپ کو گھبراہٹ میں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ کیا کریں وہ تو خالہ سے بات کرتے بھی خوف زدہ تھیں کہ نہ معلوم خالہ کیا اثر لیں کیا کہیں نیز وہ خالو کو اس میں ملوث نہ کرنا چاہتی تھیں کہ آج نہیں تو کل یہ بات کُھلے گی تو قوم کے سامنے خالو کیا جواب دیں گے اگرچہ وہ بچے کی طرف سے تو مطمئن تھیں مگر قوم کے رویے سے پریشان تھیں اس لیے دور نکل کھڑی ہوئیں اور چلتی ہی چلی گئیں لیکن پریشانی بڑھتی ہی جاتی تھی۔ **دوسرا اعتراض**۔ موت کی تمنا گناہ ہے تو پھر حضرت مریم نے يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا کیوں کہا۔ **جواب** موت کے لیے دعا کرنا گناہ ہے اور دعا زمانہ حال کے لیے ہوتی یا مستقبل کے لیے۔ حضرتِ مریم کا یہ قول زمانۂ ماضی کے لیے تھا اور تمنا تھی نہ کہ دعا اور ان حالات میں اپنی موت کی خواہش و تمنا بالکل جائز ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط ہے۔ **تیسرا اعتراض** حضرت عیسٰی علیہ السّلام کو اس طرح پیدا کرنے میں کیا حکمت تھی کہ ایک عورت باعفّت و عصمت کو بے پردہ کر کے ساری قوم کے سامنے بدنام اور تاقیامت رسوا کر دیا گیا۔ کیا اپنی قدرت طاقت و قوت کے اظہار کے لیے کسی نیک بی بی کو بدنام کرنا مناسب ہے یہ بھی کوئی انصاف ہے (نیچری منکرینِ معجزات اور قدرتی ولادتِ مسیح کے منکر لوگ)۔ **جواب**۔ اوّلاً تو یہ ذہن نشین رکھنا چاہیئے کہ تمام انبیاء اولیاء علیہم السّلام اور ہم تم سب مخلوق بلا شرکتِ غیرے فقط اللہ تعالیٰ کی ہی مملوک و مخلوق ہیں اللہ تعالیٰ جس طرح چاہے استعمال کرے۔ کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں ہے دوم یہ کہ ولادتِ مسیح اور اس کے لیے حضرت مریم کا انتخاب غیبی بے شمار حکمتوں کے علاوہ ظاہراً بھی بہت حکمتیں ہیں ایک یہ کہ زمانۂ عیسوی کے لوگ بنی اسرائیل یہودی اپنی فنکار صنعت کاری شعبدہ بازی اور علمِ طب میں بہت ماہر اور کاری گر تھے۔ جالی نوس۔ ارسطو افلاطون اسی دور کے طبیب گزرے ہیں اور اُن کو اپنی اس علمی قابلیت پر بہت ناز تھا اور ایسے قیاف تھے کہ چہرے کو دیکھ کر پیٹ کی کھائی ہوئی خوراک کا کئی دفعہ صحیح اندازہ لگا لیتے تھے یعنی غذا و خوراک کا وہ دقیق اثر جو کھانے کے فوراً بعد چہرے پر نمودار ہوتا ہے اُس کو اپنے قیافہ سے

معلوم کر لیتے تھے ان کو اپنے فن پر غرور و تکبر اس حد تک بڑھا ہوا تھا سمجھتے تھے کہ ہم سے بڑھ کر کوئی نہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کے منکر تھے اور علانیہ کہتے کہ ہم اتنے بڑے فنکار ہو کر بھی اسباب کے محتاج ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اسباب کے سہارے پر تخلیق فرماتا ہے مثلاً بادل برسے گا تو رب تعالیٰ کھیت وغیرہ اگا سکتا ہے۔ بیج پڑتا ہے تو اللہ تعالیٰ پودا لگاتا ہے۔ خاوند بیوی کا ملاپ ہوتا ہے تب ہی رب تعالیٰ بچہ پیدا کر سکتا ہے۔ ان اسباب کے بغیر تخلیق ناممکن۔ ان کفریات میں بنی اسرائیل مبتلا ہو چکے تھے ان تمام بدعقیدگیوں اور کفریات کو توڑنے کے لیے کنواری پاک مریم کے بطنِ مقدس معصوم و عفت سے آناً فاناً چند لمحات میں ایک انسان کامل کو بشکلِ مسیح علیہ السلام تخلیق فرما دیا۔ اور اس شاہکارِ قدرت کو سمجھنے کے لیے رب کریم نے دو اور قدرتیں ظاہر فرمائیں نہر کی غیبی پانی سے روانگی اور پرانے کھائے ہوئے تنے کا درخت بننا شاخیں پتے پھول پھل لگنا اور دراز عرصہ تک باقی رہنا کہ سب دیکھیں۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا. فَحَمَلَتْهُ فَانْتَبَذَتْ بِهٖ مَكَانًا قَصِيًّا. وارداتِ ربانیہ نے فرمایا فطرتِ اللہ نے اسی طرح کا فیصلۂ قدیمیہ فرما دیا ہے کہ رب قدیم و عظیم پر یہ وارداتِ مخفیہ کا فیصلہ آسان ہے اور فرمانِ بشارت انسانانِ ناسوت کے لیے نشانِ عبرت ہے اور مردانِ لاہوت کے لیے رحمتِ ابدی کا ہے اور ہو چکا ہے عالمِ جبروت سے تقدیرِ مُبرم کا اَمرِ ربّی۔ تو فوراً قلبِ معصومہ قوتِ قربِ جمال سے بھرپور ہو گیا۔ اور اس قربِ جمال کے لقاء و بقاء کی وجہ سے کنارہ کش ہوا بیابانِ انفاس میں قلبِ صوفی محفلِ تنہائی میں مثلِ مریم زہد ہے اس کا تصوف سراپا آداب کا مجموعہ ہے۔ اس میں ہر وقت کے لیے ایک ادب ہے اور حالات کی پریشانیاں تفکراتِ غم و اندوہ کا مجموعہ ہے ہر حال کا ایک مقام ہے اور ہر مقام کا ایک علیحدہ ادب ہے یہ آدابِ خلوت ازل حادث سے مقرر ہیں عارفین فرماتے ہیں کہ خلوتِ مریم کے چار مقامِ عرفانی ہیں پہلا مقام محرابِ رحمِ والدۂ روح دوسرا مقام حجرۂ بیت تربیت ہر آبو روح تیسرا مقام مکانِ تذکیہ و طہارتِ شرقیہ کہ یہاں قلبِ مومن تذکیہ و طہارت حاصل کر کے حمل انوارِ الٰہیہ کے لائق بنتا ہے چوتھا مقام مکانِ قصیا جو امتیازِ اعمالِ صالحہ کی تکمیل کے لیے ہے یہاں عبدیت کا درجہ حاصل ہوتا ہے اور عبدیت ہی کمالِ انسانیت ہے لہٰذا جس نے اوقات کے آداب کی پابندی کی وہ انسانوں کے درجہ تک پہنچ گیا۔ اور جس نے آداب کو ضائع کر دیا وہ مقامِ قرب سے دور ہٹا دیا گیا اور قبولیت کی توقع میں ناکام رہا۔ یہ اعمال و افکار تدبیر و ترحیبِ اخلاق و آداب ہی آیۃً للناس ہیں۔ ظاہری آداب باطنی آداب کی نشانی ہیں۔ روایت میں ارشادِ مقدس ہے کہ جس کے

میں خشوع خضوع و عجز و انکساری نرمی وگرمی یعنی جمال کی نرمی جلال کی گرمی آنکار کی تپش ہو۔ اُس کے اعضاؤ جواہر پر بھی اسی کا اثر ہوگا۔ تو گویا باطن رَحۡمَةً مِّنَّا اور ظاہر انسانیت آیَةً لِّلنَّاسِ ہے ۔ ۱ انسانیت کا دوسرا نام تصوف تیسرا نام تفکر، چوتھا نام تدبر ہے۔ پانچواں نام تحمل۔ تصوف ۲ اخلاق تصوف ۲ اخلاقِ اعلٰی کو اختیار کرنا۔ پست اور گھٹیا عادات و خصائل سے بچنا پرہیز کرنا ہے۔ عارف کی تین کیفیات ہیں جن کو واردات ظاہری کہا جاتا ہے۔ فقر، زہد، تصوف۔ تصوف کا درجہ بلند تر ہے۔ صوفی کا وجود قائم باللہ ہو جاتا ہے اپنے کو فنا ثیت حصولِ بقا ئیت ہے۔ جو منزلِ بقا پر پہنچ گیا وہ باقی باللہ بن گیا جس نے یہ قدم اٹھایا وہ اپنے کو کھو چکا۔ پھر اُسے کسی بھی چیز کی خواہش و طلب تنگ نہیں کرتی اور نہ کسی چیز کی حاجت و ضرورت اور اُس کی نایابی اسے پریشان کرتی ہے۔ اس کو خلوت و تنہائی، صیام وسماعت، انتباہ و اختلاع اُنس بخشتا ہے۔ فَاَجَآءَهَا الۡمَخَاضُ اِلٰی جِذۡعِ النَّخۡلَةِ قَالَتۡ یٰلَیۡتَنِیۡ مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا وَکُنۡتُ نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا ۔ فَنَادٰىهَا مِنۡ تَحۡتِهَاۤ اَلَّا تَحۡزَنِیۡ قَدۡ جَعَلَ رَبُّکِ تَحۡتَکِ سَرِیًّا ۔ مرید حقیقت کو انبا ذِیِ الخلقی اس لیے بھی ضروری ہے کہ وہ منازلِ شریعت مدارج طریقت کو عبور کر کے مقصودِ اعلیہ تک پہنچنے میں محتاج بے مکانِ قصیًا کا۔ ان منازلِ صدق و صفا کو پانے طے کرنے کے لیے قلبِ مومن میں دردِ الفت شدتِ کلفت پیدا کرائی جاتی ہے اسی لیے مرشد کامل کو گریبانِ طالبِ صادق میں عشقِ الٰہی روحِ ایمانی کی پھونک مارنی پڑتی ہے یہ پھونک سینۂ عشاق سے رحمِ مخفیۂ یزدانی میں دردِ جستجو پیدا کر دیتا ہے۔ وہی دردِ قلبی مریدِ صادق پیکرِ وفا کو کہاں کہاں لیے پھرتا ہے جستجوئے حبیب، یہاں تک کہ کلمۂ طیبہ کے جذعِ النخلہ کے سایۂ عاطفت میں لے آتا جس کی اصل و فرع ارضِ نفسانی میں قدیم و کہنہ ہو چکی ہے۔ کلمۂ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ تو ہر مومن کے بیابانِ ارضی میں فطرتِ ازلی سے قَالُوۡا بَلٰی کے آبِ تسنیم سے جلوہ گر رہتا ہے مگر موسمِ نفسانی کی خزاں سے اپنے پتے لذتِ قربِ جمال کے پھل پھول کی عطا بند کر دیتا ہے۔ روحِ اعمال قلبِ افکار اپنے دردِ عشق غمِ فراق سے تڑپ کر پکار اٹھتی ہے کہ ہائے کاش اس صدمۂ جدائی سے پہلے فنا کی موت سے مر جاتی۔ اور مقابر لاھوت فنائے اذکار کے بیابان میں نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا ہو جاتی مرید کی طلب اور مراد کی بے التفاتی مِتُّ قَبۡلَ هٰذَا کے نعرۂ غمگینی پر مجبور کر دیتی ہے شدتِ فراق سے مریمِ قلب پکارتا ہے کہ جسمانیت کی لذتوں کے حصول اور لذاتِ حقیقیہ کی محرومی سے آغوشِ فنا میں نَسۡیًا مَّنۡسِیًّا ہو جاتی کیونکہ شہرتِ دنیوی آفت ہے۔ اور مَنۡسِیًّا گمنامی راحت ہے۔ جب طالبِ شوق بیابانِ محرومی میں اس طرح تڑپتا پھڑکتا ہے تب اوتِ قوتِ قویہ کے تصرف سے زبانِ حال میں نخلِ اِلَّا اللّٰهُ کی اصلِ رسالت کے تحت مرشدِ مراد نِدائے ارشادی فرماتا ہے۔ کہ نہ گھبرا، دیکھ اپنے

نیچے سینہ انوار کی طرف تیرے خالق جسد مُربّی اُلجد ربِ قدیر نے تیرے تصرّفاتِ عملیہ کے ماتحت بدول کشفِ علوم معرفت کی بحرِ انوار، نہرِ اسرار اور نہرِ افکار جاری فرمادی ہے۔ یہی صوفیا کا راستہ ہے تصوّف کی اصلیت یہ ہے کہ اس کو مولیٰ تعالیٰ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تصوّف خودی کی فنا کا نام ہے۔ جب تک بندہ خودی میں ہے وہ اپنے ارادوں کے جال میں جکڑا رہتا ہے اور خودی کی بلندی کا شوق وسوسۂ ابلیس ہے۔ صوفی اور ابلیس آمنے سامنے کے مخالف دشمن ہیں جب تک بندہ اپنے وقت کے مطابق افضل کام میں رہے ابلیس پر غالب رہتا ہے لیکن جب خودی کا بندہ بن گیا۔ اور تصوّف کا دشمن ہو گیا تب اس پر ابلیس غلبہ پا لیتا ہے نَسْيًا مَّنْسِيًّا کی پکار خودی کی موت ہے اور خودی کی موت ہی بقا باللہ ہے اس لیے کہ تصوّف کی ابتدا علم ہے اس کا وسط و درمیان عمل ہے اور اس کا آخری انجام بخششِ الٰہی ہے غرضیکہ تصوّف تکلفات کو چھوڑ دینے اور ذاتی صفاتی روحانی قربانی کا دوسرا نام ہے۔ کدورت کی پرورش کا نتیجہ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَهُزِّيٓ إِلَيۡكِ بِجِذۡعِ ٱلنَّخۡلَةِ تُسَٰقِطۡ عَلَيۡكِ

اور جھنجھوڑ تو اپنی طرف اس کھجور کے تنے کو جھڑیں گی تجھ پر

اور کھجور کی جڑ پکڑ کر اپنی طرف ہلا تجھ پر تازی پکی

رُطَبٗا جَنِيّٗا ﴿٢٥﴾ فَكُلِي وَٱشۡرَبِي وَقَرِّي عَيۡنٗاۖ فَإِمَّا

پکی تازہ کھجوریں۔ پھر تو کھا لینا اور پانی پی لینا اور آنکھ کی ٹھنڈک پائے، پھر اگر

کھجوریں گریں گی۔ تو کھا اور پی اور آنکھ ٹھنڈی رکھ۔ پھر اگر تو

تَرَيِنَّ مِنَ ٱلۡبَشَرِ أَحَدٗا فَقُولِيٓ إِنِّي نَذَرۡتُ

تو دیکھے لوگوں میں سے کسی واقف کو تو اشارۃً کہدینا کہ بے شک میں نے اللہ رحمٰن کے لیے

کسی آدمی کو دیکھے تو کہہ دینا میں نے رحمٰن کا روزہ مانا

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ﴿٢٦﴾ فَاَتَتْ

منت مانی ہے ایک چپ کے روزے کی لہذا ہرگز بات نہ کروں گی میں آج کی ملاقاتی سے بجز اللہ

ہے تو آج ہرگز کسی آدمی سے بات نہ کروں گی۔ تو اسے

بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ ؕ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ

وہ اس بچہ کو اپنی برادری میں اٹھائے ہوئے تھی اس کو۔ بول پڑے سب اے مریم تو بہت سخت

گود میں لئے اپنی قوم کے پاس آئی۔ بولے اے مریم تو نے

شَيْئًا فَرِيًّا ﴿٢٧﴾ يٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ

کام کر لائی۔ اے ہارون کی بہن تیرا والد تو برے کام کرنے والا نہ تھا

بہت بری بات کی۔ اے ہارون کی بہن تیرا باپ برا آدمی نہ تھا

سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا ﴿٢٨﴾

اور نہ تھی تیری والدہ ہی بدکاری کی خواہش کرنیوالی

اور نہ تیری ماں بدکار

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت مریم کے حاملہ ہونے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں حمل کی ولادت کا ذکر ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت مریم کے ایک خشک کھجور کے درخت کے پاس آنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں قدرتِ الٰہیہ اور کرامتِ مریم سے اس درخت کے سرسبز ہونے کا ذکر ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرتِ مریم کے آناً فاناً حاملہ اور پھل دار و سرسبز ہونے کی قدرتِ الٰہی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں مدتوں کے خشک ٹنڈ منڈ درخت کے آناً فاناً سرسبز و پھل دار ہونے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَهُزِّيْۤ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا ۔ فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْۤ اِنِّيْ نَذَرْتُ

لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۔ واؤ سر جملہ ۔ ھُزِّی فعل امر حاضر واحد مؤنث باب ۔ نَصَرَ ۔ ھَزٌّ
مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ۔ دراصل تھا اُھْزُزِی ۔ دو حرف ایک جنس کے جمع ہوئے تو پہلی ز کو دوسری میں
ادغام دمشدد کر دیا اور اس کا ضمہ ماقبل فَ کلمہ ھ کو دیدیا ۔ ہمزہ چونکہ صرف ساکن حرف سے پہلے آسکتی
ہے جب فَ کلمہ ساکن نہ رہا مضموم متحرک ہو گیا تو امر کی ہمزہ وصلی گر گئی ۔ ھُزِّی ہو گیا ۔ ھَزٌّ کا معنیٰ ہے
ہلنا ہلانا جھومنا ۔ جھموانا جھنجھوڑنا ۔ ہانڈی سالن کا آگ پر جوش مارتے ابلتے ہوئے کھدبدانا ۔ یہ لازم
بھی ہوتا ہے متعدی بھی ہانڈی کے ابلنے کی چلنے کی آواز کو ھزیزہ کہتے ہیں قوالی میں حال ڈالنے کو ھزھزہ
کہا جاتا ہے ۔ اس میں ضمیر اَنْتِ پوشیدہ ہے مرجع ہے مریم ۔ ترجمہ ہے جھنجھوڑ تو ہلا تو ۔ اِلَيْكِ ۔ اپنی
طرف بِ تعدیہ کی زائدہ ہے جِذْعِ اسم مفرد جامد اس کی جمع جذوعٌ ہے بمعنی درخت کا تنا بغیر توں
اور شاخوں کے یہ تب ہی ہوتا ہے کہ یا تو کوئی شخص سارے پتے جھاڑ دے یا درخت بہت زیادہ
بوڑھا یا سخت پرانا ہو جائے یہاں تک کہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے تب وہ جَذْعٌ بنتا ہے ہر درخت
کے ایسے تنے کو جَذْعٌ کہتے ہیں یہاں بھی عمر رسیدہ تنا مراد ہے ۔ اَلنَّخْلَةِ اسم معرف ۔ یہاں الف لام نون
میں مدغم ہو گیا ۔ ترجمہ ہے وہ قریبی کھجور کا تنا ٹنڈ منڈ ۔ خیال رہے ادغام ہمیشہ حروفِ ہجا میں ہوتا
ہے اور عربی میں ادغام و تشدید ۔ دو قسم کا ہے (۱) ادغام ہم جنسی ۔ یہ تمام حروف میں ہو جاتا ہے جیسے
اَتَّا ۔ بَتَّا ۔ اَبَا ۔ اَنَا وغیرہ (۲) ادغام لامیہ یعنی معرفہ کا لام مابعد میں مدغم ہو کر غائب ہو جائے ۔ وہ کل
تیرہ حروف ہیں ۔ تَ ، ثَ ۔ د ۔ ذ ، رَ ، زَ ۔ س ، ش ، ص ، ض ، ط ، ظ ۔ ن ۔ اَلنَّخْلَةِ ۔ مضاف الیہ
یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے ھُزِّی کا تُسٰقِطْ باب مُفَاعَلَةٌ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب سَقْطٌ
سے بنا ہے بمعنی اوپر سے نیچے گرنا ۔ ہی ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع نَخْلَةِ ۔ ایک قول میں
مرجع جِذْعِ مگر یہ غلط ہے عقلاً و قواعداً کا بھی اور قانوناً بھی عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ یعنی تیرے پاس یہ جار مجرور متعلق
ہے تُسٰقِطْ کا ۔ رُطَبًا ۔ اسم مفرد نکرہ ۔ اس کی جمع ہے ۔ اَرْطَابٌ اور رِطَابٌ ۔ صفت مشبہ بروزن
فُعَلٌ کُبَرٌ ۔ رطب سے مشتق اسی سے رطوبتٌ بمعنی تری ۔ گیلا ہونا شیرہ آجانا ۔ اب یہ نام ہے پکی کھجور
کا یہ موصوف ہے جَنِيًّا ۔ صفت مشبہ بروزن فَعِيلًا جَنْيٌ سے مشتق ہے بمعنی تازہ ۔ صفت ہے یہ مرکب
توصیفی حال ہے تُسٰقِطْ کے فاعل کا ۔ تُسٰقِطْ فعل اپنے فاعل اور حال و متعلق سے مل کر سبب اور علت
بیان ہوا ھُزِّی کا ۔ اسی لیے تُسٰقِطْ مضارع مجزوم ہے کیونکہ ھُزِّی امر مجزوم کا عطفی اور سببی تابع ہے یعنی
تکا شرط و جزا ہیں ۔ ھُزِّی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ۔ فَ تعقیبیہ بمعنی تب ۔ تو ۔ پھر اَب
كُلِي فعل امر حاضر مؤنث ۔ اکلٌ مہموز الفا سے مشتق ہے بمعنی کھانا ۔ خوراک لینا ۔ دراصل تھا اُوْكُلِي بروزن

اُتْقُرِیْ ۔ باب نصر۔ اس کی تعلیل دو قسم کی ہے ۱۔ قانونی قیاسی۔ وہ یہ کہ پہلی ہمزہ امر کی دوسری اصلی (مادے کی)، اس کو واؤ سے بدلا۔ اُوکُلِیْ ہو گیا۔ مگر یہ تعلیل متروک ہے ۲۔ آول کی دونوں ہمزہ ثقیل تھیں لہٰذا خلافِ قیاس دونوں کو حذف کر دیا۔ کُلِیْ ہو گیا یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ و اوٗ عاطفہ اِشْرَبِیْ ۔ باب ضرب کا۔ امر حاضر مؤنث فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ، واوٗ عاطفہ قَرِّیْ ۔ باب تفعیل کا امر حاضر معروف ان تینوں افعالِ امر کُلِیْ وَاشْرَبِیْ وَقَرِّیْ ۔ کا فاعل اَنْتِ ضمیر پوشیدہ ہے جس کا مرجع مریم ہے۔ دراصل قَرِّرِیْ تھا بروزنِ ضَرِّبِیْ ۔ قَرٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَقْرِیْرٌ ۔ بمعنی سکون پانا یا لینا۔ خنکی پانا یعنی ٹھنڈک پانا و ثبوت پانا۔ ثابت کرنا۔ یہاں پہلے معنی ہیں ہے عَیْنًا اسم مفرد جنسی یعنی عام آنکھ ایک یا دو حسی یا قلبی۔ مفعول بہ ہے قَرِّی کا فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر جملہ فعلیہ عاطفہ ہو کر مکمل ہوا۔ فَ تعقیبیہ بمعنی پھر۔ اِمَّا یہ دو لفظوں کا مرکب ہے ۱۔ اِنْ شرطیہ بمعنی اگر ۲۔ مَا موصولہ زائدہ۔ اب یہ سب ایک لفظ ہے ترجمہ ہے اگر۔ یا ترجمہ دونوں کا ہے۔ اگر اُس وقت۔ تَرَیِنَّ ۔ باب فتح کا فعل مضارع واحد مؤنث حاضر بانون ثقیلہ بلا لام تاکید کیونکہ یہ شرطیہ جملہ ہے رَاٰی مہموز العین و ناقص یائی ہے۔ بمعنی دیکھنا۔ یہاں مراد ہے ملاقات کرنا دُمنُہ بعبئیر ہونا، تَرْئَیِیْنَ تھا۔ آخر میں نون ثقیلہ لگا تو دو ساکن جمع ہوئے دوسری یاء اصلیہ گر گئی۔ مِن جارہ تبعیضیہ الف لام جنسی بمعنی کسی بھی۔ بَشَر بمعنی انسان یہ جار مجرور متعلق ہے اَحَدًا ۔ اسم مفرد عددی بمعنی ایک یا بمعنی کسی نکرہ غیر متعین ہے مفعول بہ ہے تَرَیِنَّ فعل بافاعل اپنے متعلق و مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ جزائیہ قُوْلِیْ فعل امر حاضر معروف واحد مؤنث حاضر۔ اَنْتِ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنِّیْ حرف مشبہ ی ضمیر واحد متکلم اس کا اسم نَذَرْتُ باب نصر کا ماضی مطلق واحد متکلم۔ لِلرَّحْمٰنِ لام حرفِ جر ملکیت کا بمعنی لیے یہ جار مجرور متعلق ہے صَوْمًا اسم مفرد نکرہ بمعنی روزہ مفعول بہ ہے۔ نَذَرْتُ فعل بافاعل اپنے متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ حرف عطف لَنْ اُکَلِّمَ ۔ فعل مضارع نفی تاکید بلَنْ واحد متکلم مؤنث اس کا مصدر ہے تَکْلِیْم ۔ بمعنی بات کرنا۔ اَلْیَوْمَ ۔ اسم مفرد ظرفی زمانی بمعنی آج یہ ظرف ہے اِنْسِیًّا ۔ اسم مفرد نکرہ یہ تین لفظ ہیں ۱۔ اِنس بمعنی محبت اور واقفیت پہچان ۲۔ ی نسبت کی بمعنی والا ۳۔ آخر میں الف تنکیری۔ سب کا ترجمہ ہے واقف جان پہچان والا۔ یہ مفعول بہ ہے لَنْ اُکَلِّمَ فعل بافاعل اپنے ظرف و مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر عطف ہوا نَذَرْتُ پر دونوں مل کر خبر اِنِّیْ ۔ وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جزا ہوئی اِمَّا تَرَیِنَّ ۔ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا

تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا۔
فَ استینافیہ (ابتداءِ کلام کے لیے) اَتَتْ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مؤنث اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا
لانا۔ یہاں دونوں معنی بن سکتے ہیں۔ بِ جارہ معیت کا یعنی ساتھ اُس کے۔ یا مفعولیت کا یعنی اُس کو
یہ جار مجرور متعلق ہے۔ ہٖ ضمیر بارز کا مرجع بچہ یعنی حضرت عیسیٰ قوم اسم مفرد جنس معنًا جمع ہے ھَا
ضمیر کا مرجع مریم ترجمہ ہے اپنی قوم یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے اَتَتْ کا فاعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ
ذوالحال تَحْمِلُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع بمعنی ماضی استمراری دراصل ہے کَانَتْ تَحْمِلُ۔ ہٗ ضمیر کا مرجع بچہ
(عیسیٰ علیہ السّلام) مفعول بہٖ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا۔ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے اَتَتْ کا سب سے مل کر
جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ قَالُوْا۔ فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مراد ہے قوم والے
یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا۔ یَا حرفِ ندا مریم منادیٰ لام گئے بمعنی اَلبتّہ بے شک۔ قَدْ جِئْتِ
فعل ماضی قریب واحد مؤنث حاضر اَنْتِ پوشیدہ ضمیر مخاطبہ اس کا فاعل جَیْءٌ سے مشتق اس کا مصدر
مجیءٌ ہے یہ کبھی لازم ہوتا ہے کبھی متعدی پہلی صورت میں ترجمہ ہے آنا دوسری میں لانا۔ یہاں متعدی
مجازاً یہ فعل کے معنی میں بھی ہو جاتا ہے اعلیٰ حضرت نے یہی ترجمہ فرمایا شَیْئًا موصوف فَرِیًّا اسم صفت مشبہ
مبالغہ بمعنی بہت سخت۔ شدید عجیب افسوس ناک یہاں آخری معنی میں ہے۔ فَرْیٌ یا فَرْدٌ یا فَرْوٌ سے
مشتق ہے لغوی ترجمہ کھال کھینچنا۔ حیرانی میں چہرے وغیرہ کی کھال کھنچ جاتی ہے اس لیے یہ لفظ
استعمال ہوتا ہے۔ اچھے کام کے لیے استعمال ہوتا ہے اور برے کام کے لیے بھی یہاں برا کام
مراد ہے صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے قَدْ جِئْتِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر منادیٰ کا
بیان۔ ندا منادیٰ اور بیان مل کر مقولہ اوّل۔ یَا حرفِ ندا۔ اُخْتَ اسم مفرد جامد مؤنث، بمعنیٰ
بہن مضاف ھٰرُوْنَ۔ اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ
ہے مَا کَانَ۔ فعل ناقصہ منفی واحد مذکر غائب بمعنی ماضی بعید اَبُوْ۔ اسماءِ ستہ میں سے ایک اسم مکبرہ
اَبُوْکِ ترجمہ ہے تیرا باپ۔ یہ مرکب اضافی اسم ہے مَا کَانَ کا۔ اِمْرَاً بمعنی مرد اس کی مؤنث ہے
امْرَأَۃٌ یہ وہ عربی کا واحد اسم ہے جس کا اعراب بیک وقت حرکت و حرف دونوں سے ہوتا
ہے۔ مثلاً بحالتِ فتحہ زبر بھی اور الف بھی بحالتِ ضمہ پیش بھی اور واؤ بھی وغیرہ وغیرہ سُوْءٍ۔ اسم مفرد
جامد حاصل مصدر بمعنی برائی کرنے والا یہ مرکب اضافی خبر ہے۔ مَا کَانَ اپنے اسم خبر سے مل کر
جملہ فعلیہ ناقصہ منفیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَا کَانَتْ۔ فعل ناقصہ منفی واحد مؤنث غائب اُمُّکِ
بمعنی تیری ماں یہ اسم ہے مَا کَانَتْ کا بَغِیًّا اسم صفت مشبہ۔ بَغْوٌ یا بَغْیٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے

حد سے بڑھنا۔ بڑھنے والا خواہ اس بڑھنے کو صحیح سمجھتا ہو یا غلط۔ اس کو بغاوت کہتے ہیں یہاں مراد ہے بدکاری یا بدکاری کی خواہش۔ یہ خبر ہے۔ مَاکَانَتْ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ نافیہ منفیہ ہو کر معطوف ہوا مَاکَانَ پر دونوں مل کر بیان ندا ہوا یَآ اُخْتَ کا۔ ندا اپنے منادٰی اور بیان سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ قَالُوْا کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا اور مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ وَهُزِّيٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِيْ وَاشْرَبِيْ وَقَرِّيْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِيْٓ اِنِّيْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا

اور اسے ذرا سا ہلا جھنجھوڑ اس کھجور کے ڈنڈ کو جس پر اس وقت بجز خشکی خستگی پرانی کھائی ہوئی لکڑی کے کچھ نظر نہیں آ رہا ہے ایک ٹنڈ کھڑا ہے جو عمر رسیدہ ہے اپنی طرف جھاڑ۔ بعض نے کہا کہ ھُزِّیْ کا معنی ہے ہاتھ لگا مگر یہ غلط ہے کہ ہاتھ لگانے میں اِلَیْکِ نہ ہوتا۔ یہ ندائیہ کلام جبریل علیہ السلام کا تھا جو آپ نے سِنِ تَحْتِ سے سنا۔ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نچلی سطح نہر کے کنارے ظاہر ہو کر فرمایا ایک قول ہے کہ حضرت عیسٰی نے پیٹ کے اندر سے بات کی یہ غلط ہے کیونکہ حدیث پاک میں ہے کہ حضرت عیسٰی نے بچپن میں صرف ایک دفعہ ہی قوم کے سامنے کلام فرمایا نہ پہلے نہ بعد۔ یہ حضرت مریم کے ہاتھ کی کرامت کہ لگتے ہی وہ تنا زندہ درخت بنا اس میں شاخیں نکلیں پتے پھوٹے کلیاں پھول پھل بن کر تُسٰقِطْ عَلَیْکِ رُطَبًا جَنِیًّا۔ اسی وقت تازہ مکمل پختہ اور بہترین میٹھی کھجوریں ایک گچھے کی شکل میں ٹوٹ کر ایک قریبی پتھر پر یا آپ کی جھولی میں گر پڑیں۔ دردِ زِہ کی حالت میں عورت کو چلنا اور معمولی محنت کرنا زچگی کے لیے بہت مفید ہوتا ہے اس لیے اس حالت میں یہ دونوں کام آپ سے کرائے گئے چھ یا آٹھ یا نو میل کا سفر اور کچھ دیر آرام سے بیٹھنے کے بعد ھُزِّیْ کا تھوڑا سا عمل اے مریم اب ان کھجوروں کو کھاؤ جس سے سارے دن کی بھوک بھی ختم ہو گی اور اس کی غذائیت سے قوت آئیگی اور نہر کا ٹھنڈا عمدہ پانی بھی پیو۔ روایت ہے کہ آپ نے گیارہ کھجوریں کھائیں اور پانچ گھونٹ خود نیچے چند قدم جا کر پانی پیا تو جن لوگوں نے سَرِیًّا کا ترجمہ عظیم شخصیت کیا اور مراد عیسٰی علیہ السلام لیا وہ لوگ وَاشْرَبِیْ کا پانی کہاں سے لائیں گے یہ معنی احمقانہ ہے اس کھانے پینے کی برکت و رحمت و قوتِ غذائیہ سے قَرِّیْ عَیْنًا اپنی آنکھوں کو ٹھنڈا کر اس طرح کہ دردِ زِہ سے سکون یا برداشت کی قوت دل میں قدرتی فرحت و خوشی اور نومولود بچہ کے تصور سے اندرونی مشفقانہ ماتانہ لذتِ محبت خوشی کے آنسو بھی ٹھنڈے ہوتے ہیں جب کہ غم کے آنسو گرم دن اتوار کا تھا بعد زوالِ آفتاب اس دن سے ٹھیک تینتیس سال بعد جمعہ کے دن حضرت عیسٰی علیہ السلام کو بوقت عصر آسمان پر اٹھایا

گیا۔ توریت اور انجیل کی آمد میں تقریباً سترہ سو سال کا فاصلۂ زمانی ہے اس مقام سے تین میل پر بیت اللحم کا علاقہ ہے جو بیت المقدس سے تقریباً دس یا بارہ میل ہے حضرت مسیح صورتاً وجسماً کامل بشر وانسان ہیں سیرتاً وباطناً کامل فرشتہ ہیں حیاتِ عیسوی تین حصوں میں منقسم ہے (۱) پہلی زمین کی یہ بعد ولادت والدہ کی موجودگی کی زندگی شیر خوارگی سے جوانی تک دوسری آسمانی تقریباً ڈیڑھ ہزار سالہ زندگی پھر واپس زمین کی تقریباً بیس سالہ زندگی اس طرح آپ کی زمینی ساٹھ سالہ زندگی ہو گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ پہلی زمینی زندگی میں توریت وانجیل کے عالم عامل مبلغ تھے بعد کی زندگی میں قرآن مجید احادیث پاک کے عالم، عامل ومبلغ ہوں گے۔ بیت المقدس کے شہر کو اس وقت ایلیا کہتے تھے اب اس کا نام یروشلم ہے اس جگہ سے چھ یا آٹھ میل دور مریم بوقتِ اشراق اپنے خالو زکریا کے گھر سے چلیں راستے میں کوئی شخص نہ ملا ویران راستہ تھا۔ ایک روایت ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج یہاں کچھ دیر قیام فرمایا اور دو نفل ادا فرمائے فَاِمَّا تَرَیِنَّ۔ پھر اے مریم جب تم اس بچہ کو گود میں لے کر گھر واپس جاؤ گی تو راستے میں اگر کسی شخص کو دیکھو جو تم سے اس بچہ کے بارے میں سوال کرے تو تم اشارے سے کہہ دینا کہ آج میں اپنے اللہ رحمن ورحیم کے لیے روزے کی منت پوری کر رہی ہوں اس لیے میں آج کوئی انسانی کلام نہیں کر سکتی اور یہ روزہ تمہارا ابھی سے شروع ہو جانا چاہیے حضرت مریم جب واپس چلیں تو صبح سحر کا وقت تھا اس شریعت میں ہر روزہ کھانے پینے کی ممانعت کے ساتھ خاموشی کا ہوتا تھا روزے دار نہ کھا سکتا نہ پی سکتا تھا اور نہ انسانی آپس کی بات کلام کر سکتا صرف ذکر اللہ تلاوت وغیرہ کر سکتا تھا۔ پہلی شریعتوں میں چار قسم کے مُتقی روزے ہوتے تھے (۱) صوم طعام یہ شرعی فرض سالانہ روزہ تھا کہ صبح سے شام تک کھانا پینا صحبت بند (۲) خاموشی کا روزہ یہ نفلی عبادت کی شکل تھا کہ جب چاہا رکھ لیا مگر صبح سے شام تک ہی ہوتا تھا (۳) صوم سفر یا سیر اس میں صبح سے شام تک خلوت واعتکاف میں بیٹھنا پڑتا تھا جیسے آج کل مسجدوں کا اعتکاف اب ہماری اسلامی شریعت میں صرف کھانے پینے صحبت کا روزہ جائز ہے خواہ فرض خواہ واجبی نفلی، حضرت مریم نے صرف کلام کا روزہ رکھا تھا اور صرف کہنے کے وقت کا نہیں بلکہ صبح سے شروع کر دیا تھا فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْـًٔا فَرِیًّا یٰۤاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّ مَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِیًّا۔ قیام حمل سے تین چار گھنٹے بعد ولادتِ باسعادت ہوئی تب ایک آدھی شب قیام کے بعد واپس لوٹیں اور اپنے بچہ شیر خوار کو لیئے اپنے گھر کی طرف چلیں (۱) ادھر ابلیس نے شیخ نجدی بن کر قوم میں مشہور کر دیا کہ مریم کا بیٹا پیدا ہوا ہے سب قوم بوڑھے جوان

عورت و مرد غم و غصے میں تیغ تڑ کے نکل کھڑے ہوئے اور حضرت مریم کو گود کے بچے کو دیکھتے ہی شور مچا دیا۔ یَامَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْئًا فَرِیًّا ۔ اے مریم تو نے بہت ہی افسوسناک کام کیا تو نے اپنے مدح خوانوں اور تیری پاکدامنی کے گن گانے والوں کو غم میں مبتلا کر دیا تو نے عجیب و ذلیل حرکت کی جس نے پوری قوم کو ذلیل کر دیا۔ اے مریم تو تو ھرون علیہ السلام کے باعزت قبیلے کی فرد ہے۔ اور تیرا اپنا سگا بھائی ہارون بھی عابد و زاہد ولی اللہ مشہور ہے کم از کم اس کی ہی لاج رکھتی بعض نے کہا اس علاقہ میں ایک بہت ہی پلید شیطان صفت بدمعاش آدمی ھرون نامی تھا یہ نسبت اس کی طرف بطور گالی بولا گیا جیسے کہا جاتا ہے اور چور کی بچی شیطان کی خالہ یعنی او ھرون جیسے بدمعاش شخص کی بہن مگر یہ غلط ہے پہلا اور دوسرا قول درست ہے۔ ارے تیرا باپ عمران تو برا آدمی نہ تھا اور نہ تیری ماں حنہ بدکارہ تھی ان دونوں کی پاکدامنی اور عزت و عفت کی لوگ قسمیں کھاتے ہیں کیا تجھ میں اُن کا ذرا بھی اثر نہ آیا غرضکہ بھرے مجمع میں ہزار ہا قسم کی گالی گلوچ طعن اور تشنیع ہو رہی ہے ایک بدبخت عورت نے مارنے کے لیے پتھر اٹھایا اس کا ہاتھ سوکھ گیا اور گر کر تڑپنے لگی ایک بابا جی نے لکڑی سے مارنے کی کوشش کی تو اس کی ریڑھ کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہیں ہلاک ہوا ان باتوں کو دیکھ کر بھی بدنصیب قوم کو ہوش نہ آیا حالانکہ یہ لوگ کہیں زیادہ بدمعاش و بدکار و بدطینت اور کافر و ظالم تھے لیکن آج سب سے بڑی عزت کا لبادہ سنبھالے اجمع ہوئے یہ سب کام ان ہی ایک دن رات میں ہوا بعض نے کہا ہے کہ چالیس دن بعد ایام نفاس گزار کر آپ بچے کو لے کر قوم کے پاس آئیں مگر یہ غلط ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ آپ کو نفاس آیا ہی نہیں نفاس آتا ہے نطفے کی ولادت سے یہاں تو نطفہ ہے ہی نہیں دوم یہ کہ اتنے عرصہ بیابان جنگل میں گزارنا مشکل ہوتا ہے جب کہ تنہائی بھی ہو۔ سوم یہ کہ پھر تو قوم میں مریم کی تلاش شروع ہو جاتی کہ اچانک کہاں غائب ہو گئی گھر والے بھی پریشان ہو جاتے۔ اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ثالوا باہر والے لوگوں نے کہا یہ ہی قول درست ہے دوم یہ سب طعنے گھر والوں نے دئے یہ غلط قول ہے اس لیے کہ گھر میں دو ہی فرد تھے خالو زکریا جو نبی تھے اور ہر حال سے باخبر تھے دوسری آپ کی خالہ بیشا ان پر خود بشارتِ الٰہی کا دور گزر چکا ہے اس لیے وہ بھی اس قدرتِ الٰہی سے واقف ہیں۔ اُخْتَ ھٰرُوْنَ ۔ میں پانچ قول ایک یہ کہ ھرون علیہ السلام مراد ہیں اور اُخت سے مراد قبیلے کا فرد دوم یہ کہ مریم کا سگا بھائی ھرون تھا بہت نیک ولی اللہ مگر یہ غلط ہے کیونکہ مریم اکلوتی اولاد تھی سوم یہ کہ اس زمانے میں ایک بہت نیک مرد ھرون نامی تھا مریم کی ساری اب تک کی زندگی اسی

کی طرح عبادت میں گزری تھی اور اُس نسبت سے ان کو اختِ ھرون کا لقب ملا ہوا تھا تفاسیر میں یہ کہ جس دن یہ ھرون فوت ہوا تو اُس کے جنازے میں چالیس ہزار اولیاءُ اللہِ بنی اسرائیل تھے چہارم۔ یہ کہ اس زمانے میں ایک بدکار آدمی تھا جس کا نام ہارون تھا وہ بدمعاشی بے غیرتی میں مشہور تھا مگر پہلا قول درست لگتا ہے واللہُ اَعلَمُ اس چوتھے قول میں یَاۤ اُخْتَ ھٰرُوْنَ کا فقرہ بطور طعنہ یا گالی بولا گیا۔ جیسے قرآنِ مجید میں فرمایا گیا اِنَّ الْمُبَذِّرِیْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّیٰطِیْنِ۔ فضول خرچ لوگ شیطانوں کے بھائی ہیں۔ اَتَتْ بِهٖ کے وقت حضرت عیسٰی کی عمر ایک دن کی تھی۔ بعض نے کہا چالیس دن مگر یہ غلط ہے پہلا قول درست ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ عُلَما فضلا عقلا شُرَفا کو یہ مناسب نہیں کہ کسی بات یا کسی شرعی قانونی بات میں جُہلا حُمقا سُفہا بطلا لوگوں سے بحث مباحثہ مناظرہ یا مکالمہ کریں بیہودہ لوگوں سے کسی بھی مسئلے میں نہ اُلجھنا چاہیے کیونکہ اس میں توہینِ عُلَما کے علاوہ توہینِ علم بھی ہے یہ فائدہ قرآن و حدیث کی دیگر آیت و روایت کے علاوہ فَقُوْلِیْۤ اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ (الخ) سے بھی حاصل ہوا کہ قوم کے بیہودہ بدطینت لوگوں کی گفتگو کا جواب دینے سے حضرت مریم کو منع فرما دیا گیا اور اُن کے لیے خاموشی کا روزہ رکھوا دیا گیا۔ **دوسرا فائدہ** خاموشی تکلم سے بہتر ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے مَنْ صَمَتَ نَجَا۔ جو چپ رہا وہ نجات پا گیا یہاں تک کہ خاموشی کا ذکر اللہ بھی ذکرِ الفاظی سے درجوں بہتر ہے۔ اولیاء اللہ کی زبانِ اصطلاحی میں خاموشی کے ذکر اللہ کو پاسِ اَنفاس کہتے ہیں یہ خواص و محبوبین کا ذکر ہے اسی سے قلب کو جلا ملتی ہے یہ فائدہ بھی لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا اور فَلَنْ اُكَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا۔ سے حاصل ہوا۔ خاص کر دنیوی گفتگو اور فضول مناظروں سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ** انسان کو چاہیے کہ کسی چیز کو برا کہنے اور طعنہ دینے مطعون کرنے سے پہلے اُس کی تحقیق و تفتیش اور چھان بین کر لینی چاہیے اور بات اور کام کی حقانیت و بُطلان کی تہہ تک پہنچنا چاہیے اور اُس کے نشانات و مشاہدات پر غور تدبر کر لینا چاہیے پھر زبان کھولنا چاہیے۔ بغیر تحقیق و تفتیش کسی چیز کو برا کہنا تہمت ہے اور اسلام میں تہمت لگانے کی سخت سزا ہے۔ یہ فائدہ قَالُوْا یٰمَرْیَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَیْــٴًـا فَرِیًّا (الخ) کے ارشادِ ربانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان بدبخت لوگوں کی برائی فرمائی کیونکہ ان بے عقلوں نے اتنی کثیر علاماتِ صداقت و پاک دامنی دیکھ کر بھی مریم کی پاک دامنی اور عیسٰی علیہ السلام کی سچائی تسلیم نہ کی خیال رہے کہ حضرت مریم کی پاک دامنی و عفت کی نشانی اور معجزہ اِرہاص نبوت کی از ابتدا تا اینم

چھ نشانیاں قوم کے خواص و عوام کے سامنے ظاہر ہوئیں۔ مگر بدبختوں نے توجہ نہ دی۔ (۱) مریم کی باپردہ خلوت کی پوری زندگی ایسے حجرے میں جہاں کسی کا سایہ تک نہ پڑے۔ بجز خالو حضرت زکریا اور وہ کبیر عتیاً سخت ترین بوڑھے (۲) حیض آنا اور ایام حیض گزارنے کے لیے قریبی خالہ کے گھر حسب سابق منتقل ہونا حیض مانع حمل ہے علامت ہے حمل نہ ہونے کی (۳) صدیوں کی خشک نہر کا بغیر موسم جاری و ساری ہونا قدرتی طور پر نشانی ہے قدرتی حمل کی (۴) عرصہ سے کھجور کے سوکھے مردہ جذع کا آناً فاناً زندہ ہو کر ہرا بھرا شاخوں پتوں والا ہو کر پھلوں سے لد کر پکی کھجوریں پھینکنا۔ درخت میں قدرت کے تین کام ہوئے اوّل ہرا ہوا دوم بھرا ہوا سوم پھل پیدا ہوئے۔ یہی تین قدرتیں مریم کے ساتھ ہوئیں اولاً حمل ہوا دوم مکمل ہوا سوم ولادت ہوئی (۵) ایک عورت نے پتھر مارنے کی کوشش کی تو وہ خود تڑپ کر مر گئی (۶) ایک بوڑھے نے لاٹھی مارنے کی کوشش کی تو وہ خود ریڑھ کی ہڈی تڑوا بیٹھا۔ پہلی چار نشانیاں خواص اور راہ گزروں نے آتے جاتے دیکھیں یہ دو نشانیاں سب موجودہ لوگوں نے دیکھیں عوام خواص سب ہی یہاں موجود تھے مگر قدرت الٰہی کو کوئی نہ سمجھ سکا جان بوجھ کر اندھے بن گئے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ افضل اور بڑے بزرگ کے ہوتے ہوئے چھوٹی شخصیت اور فضول کو کسی سے بات کلام یا جوابات دینا جائز نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مقام و مرتبے میں حضرت مریم سے اعلیٰ اکمل و افضل تھے اور آپ کا کلام حضرت مریم کے کلام سے بہتر و مضبوط و مدلل تھا۔ اس لیے حضرت مریم کو کلام و جواب سے روک دیا گیا یہ مسئلہ اِنِّیْ نَذَرْتُ ۔ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ جس طرح رب تعالیٰ نے ان آیات میں اُن تمام لوگوں کو بدترین گمراہ اور بے دین قرار دیا جن لوگوں نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو بدکارہ کہا اور حضرت عیسیٰ کو غلط اولاد سمجھا۔ باوجود اتنے معجزے و قدرتیں دیکھنے کے اسی طرح فی زمانہ وہ لوگ بھی بدترین گمراہ اور بے دین ہیں جو مسلمان ہونے کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کو قدرتی اور آیۃ للناس نہیں مانتے بلکہ نامعلوم شخص کو حضرت مریم کا خاوند اور عیسیٰ علیہ السلام کا والد کہتے پھرتے ہیں اور کسی نے عیسائیوں کی دیکھا دیکھی یوسف نجار کو مریم کا خاوند اور عیسیٰ کا والد کہنا شروع کر دیا۔ جب کہ خود عیسائی بھی یوسف نجار کو مریم کا صرف منگیتر کہتے ہیں خاوند وہ بھی نہیں مانتے اور نہ والدیت مسیح کی ولادت کے قائل ہیں بہرکیف یہ سب باتیں و عقیدے باطل و گمراہ ہیں تیسرا مسئلہ ہمارے بعض مفسرین نے حضرت مریم کے متعلق لکھا ہے کہ ان کی نبوت میں اختلاف ہے اور اس بنا پر کہتے ہیں کہ مریم کو مریم علیہا السلام کہنا جائز ہے اس لیے کہ جن کی نبوت میں اختلاف ہوا گو

علیہ السلام کہنا جائز ہے اور اُس اختلافی نبوّت کی فہرست میں حضرت مریم رض کا بھی ذکر کرتے ہیں مگر یہ سب غلط ہے نہ حضرت مریم معاذ اللہ نبی ہیں نہ آپ کی نبوّت میں کسی کا اختلاف۔ اور یہ قاعدہ بھی غلط ہے کہ جس کی نبوّت میں اختلاف ہو اُس کو علیہ السّلام کہنا جائز۔ بلکہ صحیح شرعی بغیر اختلافی مسئلہ یہ ہے کہ لفظِ عَلَیْہِ السَّلَامُ کا دعائیہ لقب صرف معصومین کے ساتھ مخصوص ہے کسی اور دیگر شخص ولی صحابی تابعی تبع تابعی یا امام اور کسی اہلِ بیت مثلاً اصل اہل بیت ازواجِ مطہرات اُمّہاتُ المومنین اور فرع اہلِ بیت فاطمۃُ الزہرہ، امام حسن، حسین مولیٰ علی مشکل کشا یا کسی بعد والے اَئمۃ دوازدہ میں سے۔ علیہ السّلام یا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں۔ یہ شیعہ رافضیوں کی مذہبی نشانی ہے لہٰذا اہلِ سنت خواص وعوام کو بچنا چاہیئے اور جو اہل سنت بن کر کسی اہلِ بیت کو علیہ السّلام کہتا ہے یا لکھتا ہے وہ بدترین گمراہ ہے یا در پردہ شیعہ رافضی ہے اور دھوکے بازی کرتا ہے۔ یہاں ایسے شرعی اَلقابات میں لغت کام نہیں دیتا یہاں اِصطلاح پر قانون نافذ ہوتا ہے۔ دیکھو لفظ اصطفیٰ قرآنِ مجید میں آدم، نوح۔ ابراہیم علیہ السّلام اور آلِ عمران سب کے لیے ارشاد ہوا مگر اسی فعل کا اسم مفعول مصطفیٰ صرف آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ السّلام کا اسم صفاتی ہے کسی اور کو مصطفیٰ نام دینا اُس آیت قرآنی کی بنا پر جائز نہیں۔ اسی طرح لفظ رسول لفظِ نبی لفظِ جَلَّ تَعَالٰی لہٰ اگرچہ ترجمہ لغوی کے اعتبار سے ہر ایک کے لیے درست مگر اصطلاحی قانون کے لحاظ سے انبیاءِ کرام کے لیے نبی رسول مختص کسی اور کو جائز نہیں جَلَّ جَلَالُہٗ اللہ تعالیٰ سے خاص کسی اور کو جائز نہیں قرآنِ مجید میں ہے هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ یہ سب کے لیے ہے مگر صلی اللہ علیہ وسلم بجز آقاءِ کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لیے رواجاً مستعمل نہیں ہوتا سب سے بڑی اصطلاح تو لفظِ مرحوم کی مشہور ہے لفظاً اگرچہ اس کا ترجمہ رحم کیا ہوا ہے اور ہر شخص رحمت کا طالب مگر کسی زندہ کو مرحوم کہہ کر تو دیکھو اسی طرح السّلامُ علیکم سب کے لیے مگر علیہ السلام مخصوص ہے انبیاء و ملائکہ کے لیے نیز علیہ السّلام کا ثبوت نہ قرآنِ پاک میں نہ احادیث میں اور سب کے لیے قرآنِ مجید میں تقریبًا پانچ آیت میں رضی اللہ عنہ ارشاد ہوا ہے۔ اس لیے حضرتِ مریم سے لے کر امام حسن وحسین تک سب کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کہا جائے۔ علیہم السّلام کہنا ناجائز ہے یہ مسئلہ حضرت مریم کے آلِ عمران ہونے اور حضرت مریم کو بات کرنے سے روک کر حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے کلام کروانے کی وجہ سے مستنبط ہوا کہ اگر مریم بھی بتول شہیٰ ہی ہوتیں تو آپ کا کلام بھی کلام مسیح کی طرح ہوتا اور آپ کو چُپ کا روزہ نہ رکھوایا جاتا۔ واللہ اعلم۔

اعتراضات | یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض** حضرت مریم نے کہا۔ اِنِّیْ

نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا۔ (الخ) یہ کہنا بھی تو کلامِ انسانی ہے اور انسانوں سے بات کرنا ہے تو یا تو روزہ اسی وقت ٹوٹ گیا اور یا پھر شروع سے درست ہی نہ ہوا اور دونوں صورتوں میں آپ کلام سے مانع کوئی چیز نہ رہی جواب یہ اعتراض قطعاً ناسمجھی کی بنا پر ہے اور جن لوگوں نے اِدھر اُدھر سے کچھ جواب دیئے وہ بھی سب غلط ہیں کسی نے جواب دیا کہ یہاں مجازی کلام مراد ہے یعنی اشاروں سے جیسے حضرت زکریا علیہ السّلام کا اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ... اِلَّا رَمْزًا یعنی ہاتھ کے اشارے کے معنی میں ہے ایسے ہی یہاں بھی قُوْلِیْ کا معنی اشارہ کرنا۔ کسی نے جواب دیا کہ یہ کلامِ اصطلاحی نہیں بلکہ کلامِ آگاہی مراد ہے یعنی کسی بھی طریقے سے اپنے روزے کی اطلاع وخبر کر دینا۔ کسی نے جواب دیا کہ روزۂ خاموشی اس بتانے کے بعد شروع ہوا اور یہ کلام اِنشاءِ روزہ ہے نہ کہ دربیانِ نذر۔ اور اِنْسِیًّا سے مراد صرف انسانوں سے بات چیت کرنا ہے۔ ذکرِ الٰہی یا فرشتوں سے گفتگو اس میں شامل نہیں نہ اس سے روزہ ٹوٹے یہ چند جواب دیئے گئے مگر سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ حضرت مریم نے کوئی کلام کیا ہی نہیں نہ فرشتے سے نہ قوم سے یہ قُوْلِیْ فرمانا تو حضرتِ مریم کو مشورہ دیا جارہا ہے کہ تم ایسا کہہ دینا کسی انداز اور کسی طریقے سے کہنا تو وہ قوم کے پاس پہنچ کر خود ہی اختیار فرمایا کہ بولنے اور بتانے کی کچھ ضرورت ہی پیش نہ آئی جیسا کہ اگلی آیت فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ کا جملہ بتا رہا ہے اگر معترض فَاَشَارَتْ پر غور کر لیتا تو اعتراض کی نوبت ہی نہ آتی۔ **دوسرا اعتراض**۔ اِس کی کیا وجہ کہ تذکرہ میں سَرِیًّا یعنی پانی کا ذکر پہلے اور هُزِّیْ۔ یعنی کھجور کا ذکر بعد میں اور استعمال کرتے وقت كُلِیْ یعنی کھجور کھانے کا ذکر پہلے اور وَاشْرَبِیْ۔ یعنی پانی پینے کا ذکر بعد میں۔ **جواب**۔ چند وجوہ سے۔ ایک وجہ یہ کہ طبی اور نفسیاتی قوانین کے مطابق پریشانی اور غم واندوہ میں ٹھنڈی چیز کا ذکر سکون بخشتا ہے یہ گویا فنی ونفسیاتی علاج ہوا مگر عُرف ورواج میں کھانا پہلے کھایا جاتا ہے پانی بعد میں کھانے کو نگلنے مخلوط اور نرم کرنے کے لیے۔ دوسری وجہ یہ کہ بجائے زچگی بوقتِ درد وتکلیف کھجور کھانا پہلے بہت ضروری ہے اور کھجور کو محلول بنا کر حلق سے نیچے اتارنے کے لیے پانی فوراً بعد پینا بہت ضروری۔ سوم وجہ یہ کہ دیگر اشیا بنانے میں پانی پہلے ہوتا ہے مگر غذا لیتے وقت پانی بعد میں ہوتا ہے۔ اس لیے تذکرے میں پانی کا ذکر پہلے کھاتے وقت کھجور کا تذکرہ پہلے۔ یہ دونوں سَرِیًّا اور هُزِّیْ یا معجزۂ زکریا تھا یا کرامتِ مریم یا ارہاصِ عیسٰی علیہم السّلام۔ کھانے پینے سے قوتِ قلب ہے اور قلبی قوت سے قوتِ نظر اس لیے بعد میں قَرِّیْ عَیْنًا فرمایا گیا۔ آج کل پاکستان میں پیٹ کے اور گیس کے علاج کے لیے ایک اشتہار بڑے زور شور سے چھپتا ہے کہ پانی پہلے پیو۔ کسی حدیث

شریف کا بھی حوالہ دیا جاتا ہے اور لقمان حکیم کا بھی واللہ اعلم یہ دونوں حوالے صحیح ہیں یا نہیں اور اس طرح مریض کو فائدہ ہوتا ہے یا نہیں مگر قرآن کریم کی اس آیت اور دیگر تمام آیت کے خلاف ہے رب تعالیٰ نے ہر جگہ گھوڑا پہلے ہی فرمایا ہے۔ اور حدیث آج تک میری نظر سے نہیں گزری نہ اشتہار میں ہی نشاندہی کی گئی۔

تیسرا اعتراض۔ حضرت مریم کو کھجوروں کا کھانا کیوں کھلایا گیا۔ کچھ اور کھلا دیا جاتا یا غیبی دسترخوان یا منّ و سلویٰ نازل ہو جاتا۔ یا کوئی جنگلی پھل حضرت جبرئیل لے آتے یا جس طرح مشہور ہے کہ آپ کے پاس جنت کے بے موسمے پھل آتے تھے آج کیوں نہ آئے **جواب** تیرہ ۱۳ وجہ سے ایک یہ کہ کھجور کا درخت بنی اسرائیل کے نزدیک متبرک ہے دوم یہ کھجور انار انگور کو حضرت آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے پیدا کیا گیا۔ سوم یہ کہ تمام پھل جنت میں بھی ہیں چہارم یہ کہ کھجور کے درخت پر ہی موسیٰ علیہ السلام کو نورِ الٰہی نظر آیا تھا بقولِ یہود پنجم یہ کہ ہر آسمانی کتاب میں کھجور کے شجر و ثمر کی تعریف و ثنا کی گئی ہے ششم یہ کہ اسی درخت کو صابر و شاکر مومن مسلمان درخت کہا گیا ہے۔ تمام پھلوں اور غذاؤں سے زیادہ اس میں قوتِ غذائیت ہے بلکہ جن تیرہ قسم کی غذائیت کی جسمِ انسانی کو ضرورت ہے وہ سب مناسب مقدار اس میں موجود ہوتی ہیں ہفتم یہ کہ یہ پھل بھی ہے فروٹ بھی مٹھائی بھی خوراک بھی سالن بھی ہشتم یہ کہ مسافرین مجاہدین کا عرصہ تک نہ خراب ہونے والا بہترین لذیذ کھانا کھجور ہی ہے نہم یہ کہ کھجور کی ہر چیز قابلِ استعمال اور بہت سی بیماریوں میں دوا مثلاً کھجور کی جڑ پتے گٹھلی کا بورا بطور منجن استعمال ہوتا ہے اس کی گٹھلی شوگر کے مرض کے لیے مفید اس کی گٹھلی جانوران شیر کی خوراک بنا کر زیادہ دکھن بنایا جاتا ہے۔ دہم یہ کہ کھجور کی تقریباً چار سو ۴۰۰ اقسام ہیں اور لغت عربی میں بلحاظ عمر اس کے تیرہ ۱۳ نام ہیں (۱) نخل (۲) بلح (۳) جریمہ (۴) طلع (۵) رطب (۶) تمر (۷) جمار (۸) شت (۹) بُسرہ (۱۰) ودل (۱۱) القنو (۱۲) غریض (۱۳) اَزہو۔ یازدہم یہ کہ کھجور گرم علاقوں اور گرم موسم میں پیدا ہوتی ہے یہ وہی درخت ہے جس کے متعلق روایت میں فرمایا گیا کہ اس کا آگ میں سر اور پیر قدم پانی میں ہیں۔ یعنی پھول پھل تپتی دھوپ میں اور جڑیں نہایت پانی کی تہہ تک ہیں اس میں نر مادہ ہوتے ہیں اور ہواؤں کے ذریعہ نطفہ منتقل ہوتا ہے چھوٹے ذرات کی صورت میں۔ دوازدہم یہ کہ اس کی فضیلت میں تقریباً نوے احادیث مبارکہ ارشاد ہوئیں اور قرآن مجید کی انیس ۱۹ آیتوں میں اس کا ذکر خیر ہے۔ سیزدہم یہ کہ طبی اعتبار سے تقریباً چالیس ۴۰ مرضوں میں مفید اور چالیس ۴۰ شکایت میں شفا ہے (۱) دردِ زہ (زچگی کا درد) کے لیے بہت مفید (۲) دردِ قولنج کے لیے (۳) ہر قسم کی چوٹ (۴) سہولتِ ولادت (۵) زچگی کی کمزوری کے لیے (۶) ضعفِ بدنی کے لیے (۷) خون کی زیادتی و صفائی (۸) اس کا نبیذ ہر قسم کی گرمی و بلغمی بیماری کا علاج (۹) جسمی توانائی وقوت کے لیے (۱۰) جسمانی غلیظ رطوبتوں کے لیے (۱۱) قوتِ معدہ کے لیے (۱۲) منہ کے زخموں کے لیے

۱۴ مسوڑھوں کی سوزش کے لیے ۱۵ افاقہ اور روزے کی کمزوری کے لیے ۱۶ اسہال زرد معظم نوری اثر کے لیے ۱۷ اسہال روکتی ہے ۱۸ پیٹ کے کیڑے مارتی ہے ۱۹ ظاہری زخموں پر مرہم ۱۹ انفاس میں مفید ۲۰ برقان کے لیے ۲۱ پتے کو درست کرتی ہے تیزابیت دور کرتی ہے ۲۲ جگر کے لیے ۲۳ حمل کو درست و خوب صورت تندرست بنانے کے لیے تا مدت حمل والدہ کھائے ۲۴ درخت کھجور کے قریب قبر بنانے سے مسلمان میت کو راحت و تخفیفِ عذاب ۲۵ مردمی کمزوری کے لیے ۲۶ ضعفا کے لیے ۲۷ پیٹ کے گیس کے لیے ۲۸ اس کا گوند کے مشابہ شیرہ کا مرہم بہترین ۲۹ اندرونی خشکی کو دور کرتی ہے ۳۰ کھجور سے پندرہ دوائیاں اور پندرہ مٹھائیاں بنتی ہیں ۳۱ اس کی چھال عورتوں کے دانتوں کے لیے مفید ہے ۳۲ اس کا شیرہ آنتوں گردوں پیشاب کی نالیوں کے لیے مفید ہے ۳۳ منہ کی بدبو دبغل گند، کو دور کرتی ہے ۳۴ غذائیت سے بھرپور ہے ۳۵ مخرج بلغم ۳۶ پیشاب آور ۳۷ تپ دق کے لیے مفید ۳۸ دل کے درد کے لیے مفید ہے ۳۹ مسلسل استعمال سے آنکھوں کے موتیا کے لیے مفید ہے ۴۰ دمہ کے لیے اور پرانی قبض کے لیے مفید ہے مارچ اپریل میں پھول لگتے ہیں اگست ستمبر میں پھل پک کر تیار ہوتا ہے مگر بی بی کا سردی کے موسم میں پھلدار ہوتا پاک رب سے بڑی وجہ یہ کہ اس کو مریم کی کرامت بنانا تھا تاکہ دیکھنے والے مدبر ذی عقل ولادتِ مسیح پر دلیل بنائیں۔ واللہ ورسولہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ تُسٰقِطْ عَلَيْكِ رُطَبًا جَنِيًّا فَكُلِىْ وَاشْرَبِىْ وَقَرِّىْ عَيْنًا فَاِمَّا تَرَيِنَّ مِنَ الْبَشَرِ اَحَدًا فَقُوْلِىٓ اِنِّىْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُكَلِّمَ الْيَوْمَ اِنْسِيًّا ۔ اے قلب عارف پاس انفاس سے کلمۂ طیبہ کے بذع نخلہ کو مداومتِ ذکرِ خفی وجلی کے ذریعے جھنجھوڑ مشاہدات ومکاشفات کے رطباً جنیاً تجھ پر وارد و نازل ہوں گے تب دسترخوانِ غیبیہ کے افضال اپنی غذاء روحانی اور قوتِ ایمانی وقوتِ لامکانی کو حاصل کر اور نہرِ معرفت سے کوثرِ جمال و شربتِ نوال کا سرورِ ابدی حاصل کرتا کہ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّىْ هُوَ يُطْعِمُنِىْ وَيَسْقِيْنِىْ کے اسرار والے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے انوارِ جمال سے اپنی فطرتِ بصیرت کی آنکھیں ٹھنڈی کر سکے پھر جب اس شفقت وسکون کی حالتِ سرمدی میں کسی موانع بشری طبیعت شری کو دیکھ لے تو اس کی طرف ہرگز توجہِ عقلی ودماغی نہ پھرانا بلکہ طریقۂ فکری کے کلمات سے بتا دینا کہ اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَّلَنَا فِيْهِ صَوْمٌ اس دنیا اور لذاتِ دنیا سے میرا ابدی روزۂ فراق ہے توجہِ رحمٰن کی وجہ سے کسی دنیوی ماحول تول میں مشغولیت نہیں ہو سکتی فَاَتَتْ بِهٖ قَوْمَهَا تَحْمِلُهٗ قَالُوْا يٰمَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْـًٔا فَرِيًّا يٰٓاُخْتَ هٰرُوْنَ مَا كَانَ اَبُوْكِ امْرَاَ سَوْءٍ وَّمَا كَانَتْ اُمُّكِ بَغِيًّا جب قلب عفت اپنے وارداتِ خفیہ کو

اَعمالِ جلیبہ کی آغوشِ فطانت میں لے کر جمالِ عقلیات و نفسیات اور منکرینِ اَحوالِ اَصلی کمال قوم شریر کے پاس لایا تو اہلِ شر نے شور و طرب مچایا کہ اے شرونِ مطمئنہ کی ہمشیرۂ زُہد و تقوٰی تیرا اقاربِ مفارق تو ایسا نہ تھا تیری روح ایسی مُفسِد فی الْاَبْدَانِ تھی اے قلب بے قیمت تو نے عالمِ طبیعت کے خلاف کسی نفسِ امّارہ سے اُنسِ مجلسی قائم کیا کہ اِن اَعمالِ سطحونہ کو جنم دیدیا۔ فکر و شوق اور سنی ذوق۔ زُہد درویشی۔ فقیری و تصوّف۔ عارف کی یہ چھ نشانیاں ہیں۔ جن کی اصلیت اور حقیقت کو اغیار قوم نہیں سمجھ پاتے اسی بنا پر مخزنِ عفت معدنِ عصمت پروردۂ فطرت کو اپنے خصائلِ رذیلہ کی چشم نابینا سے دیکھتے اور طعنۂ شر و فساد کے اقوالِ خیانت سے دامِ اہلیت بچھانا و لگانا چاہتے ہیں۔ ایسے حالات میں مریدِ خلوص کے لیے صومِ ذکرِ خفی ہی مفید ہے اِسی سے شفاءِ باطن ہے۔

فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ ؕ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ

تب اشارہ کیا اُس نے اس بچے کی طرف قوم والے بولے ارے ہم کیسے بات کر سکتے ہیں اس سے جو

اس پر مریم نے بچے کی طرف اشارہ کیا وہ بولے ہم کیسے بات کریں اُس سے جو

فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا ﴿۲۹﴾ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ قف اٰتٰىنِیَ

جھولے میں ہے بحالتِ بچپن بچے نے فرمایا بے شک میں اللہ کا خاص بندہ ہوں اُس نے مجھ کو دی ہے

پالنے میں بچہ ہے۔ بچے نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے

الْكِتٰبَ وَ جَعَلَنِیْ نَبِیًّا ﴿۳۰﴾ لا وَّ جَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا

انجیل ایک کتاب اور بنایا مجھ کو نبی اور بنایا اُس نے مجھ کو ہمیشہ کا برکتوں والا جہاں کہیں بھی

کتاب دی اور مجھے غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا۔ اور اس نے مجھے مبارک کیا میں کہیں

كُنْتُ ص وَ اَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَ الزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ

رہوں میں اور تاکید فرمائی اُس نے مجھ کو عبادت اور خیرات کرنے کی جب تک میں

ہوں اور مجھے نماز و زکوٰۃ کی تاکید فرمائی جب تک

حَیًّا ﴿۳۱﴾ وَّ بَرًّا بِوَالِدَتِیْ ۫ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا

زندہ رہوں اور تلقین فرمائی اچھے برتاؤ کی اپنی والدہ سے اور نہ بنایا مجھ کو اسنے سخت طبیعت والا

جیوں اور اپنی ماں سے اچھا سلوک کرنے والا اور مجھے زبردست و

شَقِیًّا ﴿۳۲﴾ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ

بدقسمت اور حفاظت ہے مجھ پر میری ولادت کے دن سے میرے فوت ہونے تک اور وفات کے دن تک

بدبخت نہ کیا۔ اور وہی سلامتی مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں

وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ﴿۳۳﴾

دوبارہ قیامت میں زندہ ہوکر اٹھنے تک۔

اور جس دن زندہ اٹھایا جاؤں

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت مریم کا لوگوں سے دور تنہائی میں ایک کھجور کے درخت کے نیچے بیٹھنے کا ذکر ہوا۔ ان آیات میں حضرت مریم کا اپنے گھر کے پاس لوگوں کے قریب آنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

دوسرا تعلق پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت مریم کا بے وقوف لوگوں سے بچنے کا ایک طریقہ شرعیہ بتایا گیا تھا۔ اب اس طریقے کو استعمال کرنے کا ذکر ہو رہا ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت مریم پر لوگوں نے بچہ دیکھ کر کیا طعنہ بازی کی معاذ اللہ حضرت مریم کو تہمتِ بدکاری لگائی۔ اب ان آیات میں اسی بچے کی زبانی اصل حقیقتِ حال کی وضاحت اور حضرت مریم کی پاک دامنی کا شاندار بیان ہو رہا۔

تفسیر نحوی فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا. قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا ۔ ف ترتیبیہ ہے ظرفِ زمانی بمعنی تب اشارت۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث اس کا مصدر ہے اِشَارَۃٌ۔ اشیارٌ نبیرٌ سے بنا ہے بمعنی اسارہ کرنا کسی کی طرف اشارہ کی دو قسمیں ہیں

۱ اشارہ ظاہری یعنی زبان سے کہنا، یہ چیز وہ چیز ۲ اشارہ معنوی یعنی ہاتھ آنکھ یا کسی بھی عضو سے کسی کر کچھ بتانا خواہ مختصر ہو جیسے متکلم کا زبان سے نہ بولنا فقط اشارہ کر دینا یہی مراد ہے یا گونگے انسان کا پوری بات سمجھانا۔ اَشَارَتْ کا فاعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ ہے اُس کا مرجع مریم ہے اِلَیْہِ۔ جار مجرور بمعنیٰ اُس بچے کی طرف مراد ہیں عیسیٰ علیہ السلام یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مثبتہ ہو کر مکمل ہوا۔ قَالُوْا۔ فعل ماضی جمع مذکر غائب با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ کَیْفَ۔ کَیْفَ کے بارے میں علماءِ نحات کے بہت اختلافی اقوال ہیں ۱ کَیْفَ حرف ہے فاءِ عطف کے معنیٰ میں مگر یہ غلط ہے حضرت حکیم الامت والدِ محترم بدایونی اس کی تردید فرماتے تھے ۲ کیف اسم مبہم غیر متمکن مبنی ہے اصلًا ۳ یہ ظرف ہے کبھی زمانی کبھی مکانی ۴ یہ زمانی مکانی ظرف نہیں ہوتا بلکہ جار مجرور کی طرح حرف مجازی ظرف ہے ۵ کَیْفَ دو قسم کا ہے ایک کَیْفَ شرطیہ دوم سوالیہ۔ شرطیہ کے لیے چار پابندیاں ہیں اول یہ کہ کَیْفَ ابتدا میں ہو اور اس کے شرط و جزا دونوں فعل ہوں دوسری پابندی کوئی فعل مجزوم نہ ہو تیسری پابندی دونوں فعل لفظًا اور معنًا ایک طرح کے ہوں مثلًا کَیْفَ تَجْلِسُ اَجْلِسُ وغیرہ ۶ اگر کَیْفَ درمیان میں آجائے تو یہ پابندیاں نہیں ہوتیں ۷ کَیْفَ سوالیہ چار قسم کا ہوتا ہے ایک سوالِ حقیقی کے دوم سوالِ تعجب کے لیے سوم سوالِ تنبیہ کے لیے یعنی کسی کو خبردار کرنے کے لیے چہارم توبیخ یعنی جھڑکنے کے لیے چہارم علماءِ نحو کے نزدیک کَیْفَ کے درجے بھی مختلف ہیں ۱ کبھی مبتدا کی خبر کے درجہ میں مثلًا۔ کَیْفَ اَنْتَ ۲ کبھی کَانَ فعل ناقصہ کی خبر کے درجہ میں ۳ کبھی متعدی کے مفعولِ دوم ۴ کبھی مفعولِ سوم کے درجہ میں ۵ کبھی فعل کے مفعول مطلق کے درجہ میں ۶ کبھی حال کے درجہ میں ۷ کبھی صرف حالت کو بیان کرنے کے لیے اس وقت یہ کَیْفَ نہ سوالیہ ہوگا نہ شرطیہ اور اس کا ترجمہ ہوگا جس طرح۔ یا جیسے بھی مثلًا اُنْظُرْ اِلَیْہِ کَیْفَ یَکُوْنُ۔ کَیْفَ یَصِیْرُ وغیرہ ترجمہ میں اس کو دیکھتا ہوں جیسے بھی وہ ہو یا جیسے بھی پھرے۔ کَیْفَ سوالیہ کا ترجمہ ہے کس طرح یا کیسے اور شرطیہ کا ترجمہ ہوتا ہے جیسے یہاں کَیْفَ سوالیہ حالیہ تعجب کے لیے ہے۔ خبرِ مقدم ہے نُکَلِّمُ باب تفعیل کا فعل مضارع جمع متکلم حقیقی اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ مرجع ہے قوم۔ مَنْ اسم موصولہ واحد مذکر۔ بحالتِ نصب کیونکہ مفعول بہ ہے نُکَلِّمُ کا۔ کَانَ۔ فعل تامّہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ذوالحال ہے فِیْ ظرفیتِ مکانیہ کے لیے۔ الف لام عہدی یا جنسی مَہْدِ۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر۔ مَہْدٌ کا لغوی ترجمہ ہے پھیلانا۔ واضح کرنا۔ ابتدائی وضاحتی کلام کو تمہید اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے کہ اگلے سارے کلام کی اس میں وضاحت کر دی جاتی ہے۔ بستر کو

مہاذا کہا جاتا ہے کیونکہ وہ بھی پھیلا ہوتا ہے ماں کی گود اور پنگھوڑے (جھولنے) کو بچے کے آرام وہ حفاظتی بستر کی وجہ سے مَہْدًا کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے ماں کی گود۔ یہ جار مجرور متعلق ہے صَبِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل صَبْوٌ یا صَبْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے نادان ہونا۔ چھٹنا چسکی بھرنا۔ مراد ہے والدہ کا شیر خوار بچہ۔ پیدائش سے ڈھائی سال تک کا بچہ صبی ہوتا ہے بعض نے کہا بلوغت تک صبیا ہے۔ اس کا مؤنث ہے صَبِیَّۃٌ۔ بحالت نصب ہے کیونکہ حال ہے کَانَ تامہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مفعول بہٖ۔ نُکَلِّمُ۔ جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا۔ کَیْفَ اس کی خبر دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ مکمل ہوا۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ فاعل ھُوَ کا مرجع۔ صَبِیًّا ہے اِنَّ حرف مشبہ کی ضمیر واحد متکلم اسم ہے اِنَّ کا خیال رہے کہ اِنَّ کَاَنَّ لَعَلَّ لٰکِنَّ میں نون مشدد کا فتحہ ضروری نہیں ہے اس لیے کبھی نون وقایہ آجاتا ہے جیسے اِنَّنِیْ اَنَّنِیْ کَاَنَّنِیْ لٰکِنَّنِیْ لَعَلَّنِیْ اور کبھی نہیں آتا جیسے اِنِّیْ۔ اَنِّیْ کَاَنِّیْ۔ لٰکِنِّیْ۔ لَعَلِّیْ۔ مگر لَیْتَ کا فتحہ لازمی ہے اس لیے جب اس کو یاءِ متکلم سے ملایا جاتا ہے تو نون وقایہ ضروری آتا ہے۔ جیسے لَیْتَنِیْ، یہاں لَیْتِیْ جائز نہیں۔ عَبْدُ اللّٰہِ۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اٰتٰنِیَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب متعدی بدو مفعول ہے۔ اَلْاٰتٰی سے مشتق ہے بمعنٰی دینا۔ نون وقایہ کی متکلم منصوب ہے کیونکہ مفعول بہٖ اول ہے۔ اَلْکِتٰبَ۔ الف لام عہدی ذہنی۔ کِتَابَ صفت مشبہ بمعنی مکتوب (لکھی ہوئی) مراد ہے اللہ کا کلام۔ جو لوحِ محفوظ پر لکھا ہے اس کا نام انجیل ہے۔ یہ مفعول بہٖ دوم ہے۔ اٰتٰنِیَ فعل فاعل اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ جَعَلَ فعل ماضی مطلق جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بنانا۔ بدلنا پھیرنا۔ گھڑ لینا۔ پیدا کرنا پہلے تین معنوں میں متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور آخری معنی پیدا کرنا میں متعدی بیک مفعول نیز پہلے معنی میں صفت غیر خصوصی ہے ہر شخص بنا سکتا ہے۔ لیکن پیدا کرنا کے معنی میں یہ صفت خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی نون وقایہ کی متکلم مفعولِ اول نَبِیًّا۔ اسم مفرد صفت مشبہ نکرہ معین ترجمہ ہے خبر دینے خبر رکھنے خبر جاننے والا مراد ہے علمِ غیب کی خبر اس لیے ریڈیو اخبار یا محکمہ موسمیات یا نجومیوں کو نبی نہیں کہا جا سکتا نَبِیٌّ مہموز اللام سے ہے یہ مفعول بہٖ دوم ہے جَعَلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ دوسرا جَعَلَ بھی اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور اَیْنَمَا کُنْتُ کے ظرفِ مکانی سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ مُبٰرَکًا۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا اسم مفعول واحد مذکر ہے بَرَکٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی قدرتی مفید اور نہ ختم ہونے والا فائدہ۔ اَیْنَمَا۔ اسم ظرفِ مکانی۔ دو لفظ ہیں اَیْنَ شرطیہ۔ مَا موصول ہے دونوں

مل کر اسم ظرفیہ ہو گئے ترجمہ ہے جہاں کہیں۔ کُنْتُ فعل تامّہ۔ و اؤ عاطفہ۔ اَوْصٰی۔ باب افعال کا۔ ماضی مطلق واحد مذکر غائب مطلق ہو اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ وَصّٰی سے مشتق ہے بمعنی مفروق ہے۔ وَصّٰی کا لغوی معنی ہے اُس بات کرنا۔ تاکید کرنا حرفِ آخر فیصلہ ایسا حکم یا کلام جس کو بدلا نہ جائے۔ مرنے وقت کی خواہش اور حکم کو وصیت اسی لیے کہتے ہیں کہ پھر مرنے والا مرجاتا ہے اور وہ بات یا خواہش ٹالی اور بدلی نہیں جاسکتی۔ نون وقایہ یاءِ متکلم اس کا مفعول بِہٖ۔ بِالصَّلٰوۃِ نماز سے مراد مطلقاً عبادت ہے جو بھی اُس دین میں تھی۔ زکوٰۃ۔ اسم مفرد جامد بمعنی مالی صدقات یہ عطف مجرور متعلق ہے۔ مَا دُمْتُ۔ فعل ناقصہ واحد متکلم اَنَا ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا اسم حَیًّا۔ اسم مفرد جامد بمعنی پوری ضروری قوتوں کے ساتھ موجود ہونا۔ موجود رہنا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی صفت ہے اور بندے کی عطائی یہاں عطائی صفت مراد ہے جب تک کسی میں اس کی تمام قوتیں موجود رہیں تو وہ زندہ کہلاتا ہے۔ خواہ انسان ہو حیوان ہو درخت ہو زمین ہو۔ کافر ہو یا مومن اور قوتیں ختم ہو جائیں تو مردہ کہلاتا ہے۔ حَیًّا۔ خبر ہے مَا دُمْتُ کی۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر ظرفِ زمانی ہوا اَوْصٰی کا۔ یہ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے اگلی عبارت پر۔ وَبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ واؤ عاطفہ۔ بَرًّا۔ اسم مبالغہ۔ ترجمہ ہے وسیع قلبی اور کھلے دل سے بہت اور ہمیشہ فائدہ پہنچانے والا۔ بَرٌّ دُبُرٌ سے مشتق ہے۔ کھلی زمین کو اسی وسعت کی وجہ سے بَرٌّ کہا جاتا ہے۔ اسی معنی میں ہے بَرِّ اعظم بَرِّ صغیر۔ بِ جارہ تعدیہ کی بمعنی ساتھ کے الدتی ترجمہ ہے اپنی والدہ سے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے بَرًّا کا۔ یہ اسم مبالغہ اپنے پوشیدہ اَنَا ضمیر متکلم فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَمْ یَجْعَلْنِیْ۔ فعل نفی جحد بلم بمعنی ماضی با فاعل یِ مفعول بہٖ اوّل جَبَّارًا مفعول بہٖ دوم شَقِیًّا مفعول بہٖ سوم۔ یہ سب فعل فاعل اور تینوں مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ سے لے کر شَقِیًّا تک سب عطف مل کر صفت ہوئی عَبْدُ اللّٰہِ کی وہ مرکب توصیفی اِنَّ کی خبر۔ اِنَّ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ۔ قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مکمل خیال رہے کہ جَبَّارًا بروزنِ فَعَّالًا جَوَّادًا بھی صفتِ مشبہ۔ جَبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی کسی کو کسی کام کے لیے جائز یا ناجائز دباؤ ڈالنا اگر جائز دباؤ ڈالا جائے تو اس کو جابر کہتے ہیں اور اگر کوئی بندہ کسی پر ناجائز دباؤ ڈالے تو وہ جبار ہے۔ اسی وجہ سے مخلوق کو جبار کہنا یا جبار ہونا غلط اور برا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے جیسے کہ متکبر خصوصی صفت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی دباؤ بندوں پر ناجائز نہیں ہوتا۔ شَقِیًّا بھی صفت مشبہ ہے بروزنِ فَعِیْلًا شَقْیٌ سے بنا ہے بمعنی بدبخت تنگ دل سخت دل۔ سرکش۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔

واؤ ترجملہ الف لام تخصیصی۔ یعنی خصوصی سلامتی۔ سَلٰمٌ اسم مصدر جامد حاصل مصدر۔ ترجمہ ہے ہر ظاہری باطنی آفت و ویرانی سے محفوظ۔ ہر وقت قابلِ تعریف عَلٰی جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ یا قَائِمٌ یا حَاصِلٌ کے۔ یَوْمَ۔ اسم ظرفِ زمانی مراد ہے وقت۔ مضاف ہے۔ وُلِدْتُّ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول واحد متکلم یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ یَوْمَ کا یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَوْمَ مضاف اَمُوْتُ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف واحد متکلم۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ یَوْمَ کا۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ یَوْمَ مضاف۔ اُبْعَثُ۔ بابِ انفعال کا فعل مضارع مجہول واحد متکلم۔ اس میں پوشیدہ ضمیر واحد متکلم اَنَا ذوالحال ہے حَیًّا۔ اسم مفرد نکرہ صفت مشبہ یعنی زندہ ہو کر یا زندہ کر کے حال ہے اَنَا پوشیدہ کا ذوالحال حال مل کر فاعل ہوا اُبْعَثُ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے سب عطف مل کر ظرف ہے حَاصِلٌ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا اَلسَّلَامُ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِی الْمَهْدِ صَبِیًّا۔ قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّا - حضرت مریم سیدھی گھر کی طرف تشریف لا رہی تھیں ابھی گھر والوں کو کچھ پتہ نہ تھا کہ مریم نے کل کا دن اور آج کی رات کہاں گزاری وہ یہی سمجھ رہے تھے کہ مریم اپنے اُسی گھر کے خلوت خانے میں ہے لیکن ابلیس نے قوم کے شریر لوگوں کو خبر کر دی لوگ دروازۂ شہر بیت المقدس کے شرقی دروازے کے قریب جمع تھے مریم منہ سر لپیٹے باپردہ اُسی جگہ آئیں تاکہ گھر چلی جائیں مگر قوم نے یہیں پر اُن سے سوالات اور طعنے بازباتیں شروع کر دیں آپ نے باتیں سن کر اس طرح اشارہ کیا جس سے لوگوں نے سمجھ لیا کہ مریم نے چپ کا روزہ رکھا ہوا اور کہنا یہ چاہ رہی ہیں کہ میں تو بول نہیں سکتی بوجہ روزہ تم اِسی سے پوچھ لو کہ یہ کون ہے کہاں سے آیا ہے قوم نے اس کی فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ کو مذاق کرنا سمجھا۔ کہ مریم ہم سے مذاق کر رہی ہے اس لیے وہ اور غضب ناک ہوئے کہ ایک تو یہ بے غیرتی اور دوسرا یہ مذاق بازی۔ حالانکہ یہ بھی اُس خبیث قوم کا اندھاپن تھا اگر ذرا بھی تدبر و سمجھ داری سے کام لیتے تو حضرت مریم کا متفکر و پریشان چہرہ دیکھ کر ہی اندازہ لگا لیتے کہ یہ فَاَشَارَتْ مذاق سے نہیں۔ لیکن بحالتِ غضب و غصہ قَالُوْا كَیْفَ نُكَلِّمُ سب نے شورِ بیہودہ برپا کر دیا کہ ہم اِس شیر خوار دودھ پیتے بچے سے کیسے بات کریں جو ابھی چند گھنٹوں کا ماں کی گود میں پڑا ہوا ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام اُس وقت منہ چھپائے دودھ پی رہے

تھے۔ روایتوں میں آتا ہے حضرت عیسیٰ اُس وقت حسنِ قدرت سے پیکر بے تھے چہرہ سرخ و سفید آنکھیں دلکش پیشانی چمکتی جسمِ اطہر سے حسنِ اطہر کے حُسن کی شعاعیں نکل رہی تھیں ویسے تو ہر بچہ ہی بوقتِ ولادت خوب صورت ہوتا ہے مگر مسیح علیہ السّلام کی اس وقت کی خوب صورتی بے مثل تھی اور یقیناً یہ حسن بھی معجزۂ ارہاص تھا۔ خیال رہے کہ نومولود بچہ کے بلوغت تک بے لحاظ عمر چھ نام ہوتے ہیں ۱ حمل ۲ صبی ۳ غلام ۴ طفل ۵ نابالغ ۶ مُراہق ۷ اس کے بعد بلحاظ عمر پانچ نام ہیں بالغ ۸ شاب ۹ شیخ ۱۰ کہول ۱۱ شیب کل گیارہ نام۔ اس وقت عیسیٰ علیہ السلام باعتبار عمر صبی تھے اسی لیے فی المھد صبیا۔ کہا یہ سب باتیں سن کر ایک دم حضرت عیسیٰ نے دودھ پینا چھوڑ کر اپنا خوب صورت بھولا بھالا پیارا چہرہ باہر نکالا اور اپنی شہادت کی انگلی اٹھا کر قوم کو خطاب فرمایا۔ اے میری والدہ پر عیب جوئی طعنہ بازی زبان درازی کرنے والو۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ میں اللہ تعالیٰ کا حقیقی سچا صادق بندہ ہوں اور معمولی عام بندہ نہیں بلکہ مجھ کو اُس نے بہت بڑی اپنی کتاب عطا فرمائی ہے جو اُس وقت میرے سینۂ فیض گنجینہ میں ہے۔ اور مجھ کو میرے اللہ نے انسانیت کا سب سے اونچا و ارفع مقامِ نبوت پر فائز کرکے مجھ کو نبی بنایا ہے۔ اور ہر مقام ہر زمانے میں میرے اللہ تعالیٰ نے مجھ کو برکتوں رحمتوں عزتوں عظمتوں بلندیوں مرتبوں اور فائدوں ترقیوں والا بنایا ہے۔ اور حکم ارشاد فرمایا ہے مجھ کو میرے اللہ کریم نے کہ ابھی سے تا قیامت (دنیوی زمینی یا آسمانی) نمازِ عبادت نیازِ صداقت قائم کروں یہ تمام عقلِ کامل شکمِ مادر میں عطا کر دی گئی توریت کی فہم اور انجیل کی حفظ عطا ہوئی اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ میں ہر وقت بدنی مالی سرّی خفی ظاہری باطنی ہر قسم کی زکوٰۃ و خیرات صدقہ و طہارت پاکیزگی جاری رکھوں اور اپنی اُمت کو تبلیغ کرتا رہوں گناہوں کفروں شرکوں سے بچاتا رہوں توریت و انجیل سکھاتا رہوں مفسرین فرماتے ہیں عیسیٰ علیہ السّلام کی چار زندگیاں ہیں جن میں چار کتابیں آپ کو پڑھائی گئیں۔ ۱ شکمِ مادر میں انجیل حفظ کرائی گئی ۲ بعدِ ولادت توریت سکھائی گئی ۳ زمانۂ حیاتِ آسمانی میں قرآن مجید سکھایا گیا ۴ بعد نزول درس گاہِ رسالت سے اَحادیث سمجھائی گئیں۔ حضرت مسیح کی یہ تمام گفتگو اگرچہ اپنے متعلق ہے مگر پاک دامنی والدہ محترمہ عفیفہ صالحہ کی بیان ہو رہی ہے کہ ایسا بچہ بدکاری سے نہیں ہو سکتا مُبارَکًا کے تیرہ معنی ۱ ہر خیر میں زیادتی والا ۲ اعلیٰ مرتبہ والا ۳ ہر برائی سے روکا ہوا ۴ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کرنے والا ۵ معلمِ خیر و فضل برکت ۶ برکت یعنی بقاءِ خیر ۷ عطا میں کثرت ۸ شئی قلیل میں نفع کثیر ۹ عظمت و کرم ۱۰ بھلائی خوشی خیریت کا سبب اس کا مقابل منحوس ہے ۱۱ ہر وقت صرف نفع دینے والا ۱۲ مُبارَکًا بمعنی مُبَلِّغًا ۱۳ معلمِ خیر جَعَلَنِی نَبِیًّا کا معنی

ابھی ابھی نبی بنا یا یا شکمِ مادر میں یا عالمِ ازل میں یا لوحِ محفوظ پر دیکھ کر فرمایا کہ میں مستقبلِ قریب میں نبی بنایا جاؤں گا جَعَلَنِیْ جَعَلَنِیْ کے معنی میں ہے اَیْنَمَا کُنْتُ یعنی جدھر بھی میں توجہ کروں۔ مسیح علیہ السلام سے زمین پر انسانوں نے فائدہ حاصل کیا اور بعدِ نزول کریں گے آسمانوں پر فرشتوں کو فائدہ ہوا۔ صلوٰۃ سے مراد نماز۔ ذکر اللہ ہر قسم کی عبادتِ بدنی اور تلاوت کلام اللہ۔ زکوٰۃ سے مراد پاکیزگی، صدقہ و خیرات ہر وقت ہر چیز ہیں۔ یہاں تک کہ اپنی روٹی و سالن میں تھوڑی بہت خیرات مَادُمْتُ حَيًّا۔ تینوں زندگیاں مراد ہیں۔ پہلی زمینی پھر آسمانی پھر بعدِ نزول۔ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِیْ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا۔ اور میرے رب تعالیٰ نے مجھ کو یہ بھی وصیت یعنی تاکیدی اٹل حکم فرمایا ہے کہ اپنی والدہ مکرمہ کا فرمان بردار خدمت گزار ہر وقت ہر حال میں خوش رکھنے والا۔ بَرًّا یعنی ہر طرح سے نیکی اور نیک سلوک کرنے والا بھی رہوں۔ اور مجھ کو میرے اللہ نے جبار نہ بنایا یعنی نہ زبردستی کرنے والا نہ جنگجو نہ لڑاکا نہ قتل کرنے والا۔ نہ متکبر نہ ظالم نہ تنگ دل نہ سخت طبیعت نہ اکھل کھرا۔ اور مجھ کو شقی بھی نہ بنایا۔ یعنی اکڑ باز بے عجز کنجوس سخت دل، گناہگار، آوارہ اور بزرگوں کا نافرمان۔ گناہوں پر فخر کرنے والا اور کسی بھی بری خصلت والا نہ بنایا۔ احادیثِ پاک میں ارشادِ مقدس ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہایت سخی اور نرم دل تھے ہمہ وقت عاجز مسکین بنے رہتے خود فرمایا کرتے تھے اے غریبو حاجت مند و مجھ سے مانگا کرو آپ میں جباریت کی کوئی نشانی نہ تھی عجز و انکسار پسند تھے زمین پر بیٹھ جایا کرتے حالانکہ بہت قوی صحت مند چوڑے چکلے گٹھیلے جسم والے تھے غریبوں کے کاموں میں ہاتھ بٹاتے سبزیاں اور پتے کھا کر گزارہ فرما لیتے تھے ہر چیز بانٹ دیا کرتے تھے گھر تک نہ بنایا۔ لکڑیاں چیر کر بیچا کرتے تھے اگر کوئی دشمن یا ظالم آپ کی لکڑیاں اٹھا کر بھاگ جاتا تو باوجود طاقت کے نہ پیچھا کرتے نہ چھینتے۔ بلکہ معاف کر دیتے۔ آپ پر جہاد فرض نہ ہوا نہ کسی کو کبھی قتل کیا نہ کرایا بلکہ ساری عمر کسی کو چھڑکا تک نہیں۔ روایتوں میں ہے کہ ایک دفعہ چند یہودی ایک بے گناہ لونڈی کو پکڑ کر لے آئے اور عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس نے بدکاری کی ہے اس کو سنگسار فرمایئے آپ کو اس کی بے گناہی کا کسی طرح علم ہو گیا آپ نے فرمایا کہ تم میں جو شخص پاک باز ہے اور اُس نے کبھی بدکاری نہ کی ہو وہ اس کو پہلا پتھر مارے۔ یہ سن کر سب شرمندہ ہو کر بھاگ گئے اور اُس بے گناہ کی جان بچ گئی یہ ہے جبار نہ ہونے کی شان کہ نہ ظلم کیا نہ کرنے دیا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ۔ اے میری قوم والو مجھ کو میرے پروردگارِ عالم کی طرف سے ابدی دائمی سلامتی ہے ہر وقت ہر قسم کی سلامتی جس دن میں پیدا ہوا ہوں میرے لیے اور میرے پاس ہر طرح کی سلامتی

آگئی ہے۔ ابلیس سے بچاؤ کی سلامتی گناہوں خطاؤں لغزشوں سے عصمت کی سلامتی دشمنوں سے حفاظت کی سلامتی جان و عزت آبرو کی سلامتی ناگہانی آفتوں بیماریوں مصیبتوں ابتلاؤں سے سلامتی اور جس دن میں اپنی دنیوی زندگی ہزاروں سال کی پوری کر کے وفات پاؤں گا تب قبر کی تکالیف سے سلامتی اور پھر جب زندہ کر کے قیامت میں اٹھایا جاؤں گا تو حشر و نشر کی تمام پریشانیوں اور نفسا نفسی سے امن و سلامتی۔ اور صرف میری ہی نہیں جو بھی کبھی بھی میرے دامن سے لگ کر تابع فرمان ہو کر مومن متقی بن گیا۔ اس کو بھی سلامتی ہے دینی ایمانی اور دنیوی اور دشمنوں نافرمانوں کو سلامتی نہیں بلکہ قہر الٰہی کی ذلت و رسوائی روایت ہے کہ جب قوم بھیڑ کر کے حضرت مریم سے سوالات کر رہی تھی اور حضرت مریم بوجہ روزہ خاموشی چپ تھیں اُس وقت حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے انہوں نے خدمتِ عیسیٰ علیہ السلام میں عرض کیا یا سیّدی کلم اے پیر سردار بولو۔ تب عیسیٰ علیہ السلام نے یہ گفتگو فرمائی اور اتنی بلند آواز سے فرمائی کہ سب قریبی لوگوں نے سن لی یہ شیر خوارگی اور گود کے گہوارے کا کلام ہے پھر آپ نے تین سال تک حسب فطرت کوئی کلام نہ کیا نہ اس سے پہلے کوئی کلام والدہ سے کیا تھا۔ اس کلام کے بعد اکثریت مطمئن و مسرور ہو کر چلی گئی مگر یونانی یہودی سرکاری لوگوں کا ٹولہ چلا تو گیا مگر مطمئن نہ ہوا بلکہ مخالفانہ معاملہ بد معاشانہ رویہ ہی رکھا۔ اور یہی لوگ بعد میں بھی عیسیٰ علیہ السلام کے دشمن ہی بنے رہے اور دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہی ہوئے۔ (از تفسیر مظہری صاوی نیشاپوری مدارک خازن۔ فتح القدیر وغیرہ)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** تمام انبیاء کرام علیہم السلام بوقتِ ولادت ہی نبی بنا دیے جاتے ہیں اور ہر نبی کو شکمِ مادر ہی میں اپنی نبوت کا علم ہوتا ہے یہ فائدہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے صیغۂ ماضی فرمانے سے حاصل ہوا لیکن ہمارے نبی آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تو عالمِ ازلِ حادث سے ہی نبی بنا دیے گئے ہیں چنانچہ صرف آپ نے ہی ارشاد مقدس فرمایا کہ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ رواہ طبقات ابو نعیم فی الحلیہ و طبرانی۔ نیز ذریتِ آدم ہونے کے لیے حسبِ فطرت ولادت ہونا ضروری نہیں۔ خرقِ عادت تحتِ قدرت خلافِ قانونِ ولادت سے بھی ابنِ آدم ہی میں شمار ہوگا۔ دیکھو حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ خلافِ عادت پیدا ہوئے مگر پھر بھی ذریتِ آدم ہیں اسی طرح ہمارے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ فرمانے کے باوجود پھر بھی ذریتِ آدم ہیں اس کے پورے دلائل با وضاحت ہمارے العطایا جلدِ دوم میں دیکھیے۔ دوسرا فائدہ انبیاء کرام علیہم السلام کو تمام علومِ غیبیہ و خفیہ اور معلوماتِ کائنات حاصل ہوتی ہیں۔ یہ فائدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اس پوری گفتگو سے حاصل ہوا اور یہ گفتگو اگرچہ حضرتِ مسیح نے اپنے متعلق فرمائی مگر تمام انبیاء کرام کی

شانِ علمیت کا اظہار ہو گیا۔ اس لیے کہ یہ صفات حضرت مسیح کی خصوصیات نہیں ہیں تمام انبیاء علیہم السلام ان ہی پاکیزہ صفات و قوتِ شان و خزانۂ علمی سے موصوف ہوتے ہیں۔ تیسرا فائدہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی ولادت قبلِ ولادت موت و حیات قبر و حشر کے تمام حالات اور اپنے انجام سے مکمل باخبر ہوتے ہیں یہ فائدہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا اور یَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا ۔ فرمانے سے حاصل ہوا نیز قرآنِ مجید میں سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علم و فضل شان و قوت کا تذکرہ دراصل نعتِ محبوب محمد مصطفیٰ بیان فرمانا ہے کہ جب انبیاءِ کرام علیہم السلام کے علم غیب شان و قوت اور معلومات کی یہ حالت ہے تو سردارِ انبیاء و امام المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالاتِ عالیہ و قوتِ سلطانیہ کی کیا شان ہو گی۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ اپنے فضائل بیان کرنے شرعاً جائز ہیں جب کہ فخریہ نہ ہوں بلکہ بسلسلۂ تعارف و تبلیغ اور اظہارِ شکرِ نعمت ہو یہ مسئلہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا کے پورے کلامِ مسیح علیہ السلام سے مستنبط ہوا اسی نوعیت ہیں علما و مشائخ کو اپنا تعارف کرانا جائز ہے جب کہ یہ نیت ہو کہ لوگ شریعت کے مسائل پوچھیں اور ہدایت حاصل کریں شیطانی پھندوں سے بچ جائیں جھوٹے گمراہ پیروں مولویوں سے بچ جائیں۔ خیال رہے کہ فی زمانہ جو پیر یا مولوی تصویر فوٹو وغیرہ کی عیاشیوں بت پرستیوں کے جواز اور عملاً مبتلا و ملوث ہے وہی ابلیس کا بندہ ہے فوٹو تصویر اور سجدہ تعظیمی ہر شریعت میں حرام رہا ہے۔ میری دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ موجودہ پیروں مولویوں کو اس گمراہی اور صراطِ جہنم سے بچائے۔ دوسرا مسئلہ۔ والدین کی خدمت بہت بڑا فریضہ ہے جو انبیاءِ کرام پر بھی لازم ہے۔ یہ مسئلہ وَبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد کے پیدا ہوئے۔ کیونکہ یہاں صرف والدہ سے حسنِ سلوک و خدمت گزاری کا ذکر ہوا جب کہ حضرت یحییٰ کو وَبَرًّۢا بِوَالِدَیْهِ کا حکم ہوا یعنی والد اور والدہ دونوں کو۔ تیسرا مسئلہ۔ نبوت اور رسالت میں فرق ہے نبی پر ایمان فرض ہے اطاعت فرض نہیں لیکن رسالت پر ایمان بھی فرض اطاعت بھی فرض ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام سب مسلمانوں کے نبی ہیں مگر رسول نہیں۔ مسلمانوں کے رسول صرف آقائے کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لیے کلمہ طیبہ میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پڑھا جاتا ہے۔ مُحَمَّدٌ نَّبِیُّ اللّٰہِ نہیں پڑھا جاتا نیز آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اپنی ابتدا کا ذکر فرمایا تو ارشادِ اقدس ہوا کُنْتُ نَبِیًّا (الخ) وہاں رَسُوْلًا نہیں فرمایا۔ یہ مسئلہ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا فرمانے سے مستنبط ہوا کہ آپ نے نَبِیًّا فرمایا رَسُوْلًا نہ فرمایا آپ کو رسالت تیس سال بعد ملی مگر نبوت شکمِ مادر میں ہی عطا ہوئی۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ نبوت کا تعلق رب تعالیٰ سے لینے کا ہے اور رسالت کا تعلق بندوں کو دینے کا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَوْصَانِیْ بِالصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ یہ دونوں حکم تشریعی و تکلیفی ہیں تو بچپن میں کیوں فرض کیے گئے اور یہ وصیت یعنی اٹل و حتمی حکم ابھی شیرخوارگی سے کیوں فرمایا گیا۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ نابالغ بچے۔ مجنون اور مجذوب پر کچھ فرض اور واجب نہیں ہوتا وہ کسی شرعی حکم کے مکلف نہیں ہوتے۔ نیز یہاں زکوٰۃ دینے کا بھی تاکیدی حکم ہے حالانکہ انبیاء کرام علیہم السّلام پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی تو یہ دونوں حکم بعمر طفلگی کیوں دے گئے۔ جواب چونکہ عیسٰی علیہ السلام نے اپنی نبوت کا ذکر فرمایا تھا اور کتاب کا ذکر بھی کیا تھا جس سے ثابت وظاہر ہوتا تھا کہ آپ نئی شریعت نیا قانون لے کر تشریف لائے ہیں۔ اس لیے اس کی وضاحت فرماتے ہوئے آپ نے نئی شریعتِ انجیل کے قوانین وعبادت میں سے چیدہ اور اہم مسائل کی فہرست ارشاد فرما دی جن کا نِفَاذ اپنے اپنے وقتوں پر ہونا تھا اور حسبِ حیثیت شخصیات پر گویا کہ یہ ایک نئے قوانینِ الٰہیہ کی مختصر اور عوام متبعین کے لیے وضاحتی و تعارفی فہرست تھی یہ صرف حضرت عیسٰی کے لیے نہ تھی اور نہ ہی اُسی کلام کے وقت اس کا وجوب لازم نہ ادائیگی فرض تھی۔ رسالت کی اجازت کے وقت اِن احکام کا نفوذ ہوتا ہے اھالیانِ نماز پر نماز۔ اھالیانِ زکوٰۃ پر زکوٰۃ جس کی صرف والدہ ہے اُس پر صرف والدہ کی فرمانبرداری جس کے والدین اس پر دونوں کی۔ جبّاریت کی نفی فرما کر اشارہ کر دیا کہ مجھ کر میری شریعت میں جہاد فرض نہ ہوگا۔ اور جب شریعت کے نبی پر جہاد نہیں تو امت پر بھی نہیں۔ اس لیے کسی کو کسی پر جبر وظلم کی اجازت نہ ہوگی شقیًا کی نفی کر کے بدبختی ونحوست کی نفی فرما دی کہ میری اِتباع کرنے والے نہ بد بخت ہو سکتے ہیں نہ منحوس دشمن اگرچہ الزام لگاتے پھریں۔ یہ جواب سب سے بہتر اور مضبوط ہے اب کوئی کسی قسم کا اعتراض باقی نہ رہا۔ اِس کی مثال ایسی ہی سمجھو جیسے کوئی صبح کے وقت کہے کہ تمام بالغ عاقل مسلمانوں پر ظہر عصر وغیرہ نمازیں فرض ہیں اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ ابھی نہیں بلکہ اپنے اپنے وقت پر۔ بعض مفسرین نے یہ جواب دیا کہ نماز سے مراد ذکر اللہ تسبیح وظائف وغیرہ اور زکوٰۃ سے مراد طہارت ہے یہ بھی ٹھیک ہے مگر پہلا جواب زیادہ بہتر کہ یہ کلام صرف اطلاع ہے۔ ابھی کسی پر کچھ فرض نہیں حضرت عیسٰی پر زکوٰۃ تاعمر نہیں دو وجہ سے ایک یہ کہ نبی پر زکوٰۃ فرض ہی نہیں کیونکہ ان کا تمام مال ہی وقف ہوتا ہے۔ دوم یہ کہ عیسٰی علیہ السّلام کے پاس کبھی مال جمع ہی نہ ہوا۔ نیز اُمت کے غریبوں پر بھی زکوٰۃ نہیں دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ

یہاں فرمایا گیا وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ معرفہ کے ساتھ اور یحیٰی علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا گیا وَسَلٰمٌ عَلَیْہِ نکرہ کر کے۔ جواب: اس لیے کہ عیسٰی علیہ السلام کی سلامتی مشابہ اور مثل ہے پہلی سلامتی کے لہٰذا الف لام عہد خارجی لگایا گیا۔ یعنی مجھ پر اُس طرح کی سلامتی ہے جس طرح یحیٰی علیہ السلام کی بعض نے جواب یہ دیا کہ پہلی سلامتی عمومی ہے جس کا تعلق دینی امور سے ہے دنیوی سلامتی ضروری نہیں اس لیے نکرہ ارشاد ہوا اور یہاں الف لام جنسی ہے یعنی ہر قسم کی خصوصی طور پر سلامتی۔ جان مال عزت و آبرو۔ ابلیس، انسان، جنات اور نباتات جمادات حیوانات کے شر سے قبر و حشر کی گھبراہٹ و ملائکہ عذاب اور عتاب سے۔ اسی لیے آپ کو آسمان پر اٹھا کر انسانی شر سے سلامتی عطا ہوئی مگر یحیٰی علیہ السلام کو یہ سلامتی نہ ملی اور شہید کر دیے گئے۔

تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں عیسٰی علیہ السلام نے اپنے لیے فرمایا۔ لَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ اور پہلے یحیٰی علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا لَمْ یَکُنْ جَبَّارًا عَصِیًّا۔ جَبَّارًا دونوں جگہ لیکن وہاں عَصِیًّا یہاں شَقِیًّا یہ فرق کیوں۔ جواب اس کی وجہ یہ کہ لفظ عَصِیًّا اور لفظ شَقِیًّا میں تین طرح فرق ہے ایک یہ کہ عصیًا کا معنی نافرمان گناہگار اور شَقِیًّا کا معنی بد بخت اور نامراد ناکام منحوس، حضرت یحیٰی کے لیے جب دعا مانگی تو زکریا علیہ السلام نے عرض کیا تھا کہ وَاجْعَلْہُ رَبِّ رَضِیًّا۔ اے اللہ اس کو رضی یعنی مقبول بارگاہ اور پسندیدہ بنانا۔ اور پسندیدہ و مقبول بننا نیک اعمال اختیاری سے ہوتا ہے بندے کے اپنے اختیار میں ہے پسندیدہ بننا اور عَصِیًّا بننا بھی بندے کے اپنے اختیار میں ہے لہٰذا وہاں یحیٰی علیہ السلام کے لیے عَصِیًّا زکریا کی دعا کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ وہ دعا قبول ہو گئی ہے اور یحیٰی ساری عمر رَضِیًّا ہی بنیں گے ایک آن کے لیے عَصِیًّا نہ ہوں گے اور حضرت عیسٰی کی غیر اختیاری صفت کا ذکر کیا گیا کیونکہ بد بخت یا خوش بخت ہونا بندے کے اختیار میں نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے دوم یہ کہ عَصِیًّا کا تعلق صرف دنیا کی زمینی زندگی سے ہے جس میں نابالغی اور سخت بڑھاپے کی مدت نیز نیند کی مدت شامل نہیں۔ مگر شَقِیًّا میں تمام زندگی خواہ کہیں ہو زمین پر یا آسمان پر شامل شَقِیًّا سے آسمانی زندگی کا اشارہ ملتا ہے۔ زکریا علیہ السلام نے اپنے لیے شَقِیًّا کی نفی فرمائی وہاں رب تعالیٰ کے انعام و کرم کا ہی ذکر ہے جس میں بندے کے اختیار کو دخل نہیں ہوتا۔ عَصِیًّا کی نفی سے رَضِیًّا کا ثبوت مقصود تھا اس لیے وہاں عَصِیًّا فرمایا گیا۔ اور یہاں نبوت کے لیے اللہ تعالیٰ کے خصوصی انعامات کا ذکر مقصود تھا اس لیے شَقِیًّا فرمایا۔ رَضِیًّا وہ جو عَصِیًّا نہ ہو اور نَبِیًّا وہ جو شَقِیًّا نہ ہو سوم یہ کہ عصیًا عمل ہے شقیًا عادت چونکہ عیسٰی علیہ السلام کے لیے پہلے کوئی دعا ثابت نہیں اس لیے شَقِیًّا ہی

درست تھا۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں ارشاد ہے۔ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا قوم نے کہا ہم کیسے بات کریں اس سے جو جھولے کا بچہ ہے یا جھولے میں ہی بچہ ہے۔ جھولے میں ہی بچہ ہوتا ہے گود یا جھولے میں بڑا آدمی تو نہیں ہو سکتا۔ اور جو جھولے میں بچہ ہوگا وہ جھولے سے باہر نکالا جائے تب بھی بچہ ہوگا تو یہ فقرہ نحوی قواعد سے کَانَ ناقصہ کی خبر نہیں بن سکتا تو پھر یہاں کَانَ ناقصہ کیوں مستعمل ہوا! جواب یہاں کَانَ ناقصہ نہیں ہے نہ یہ لفظ صَبِيًّا اس کی خبر ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر نحوی میں اس کی مکمل وضاحت کردی۔ بلکہ ہماری تشریح میں یہ کان تامہ ہے اور لفظ صَبِيًّا کَانَ کے فاعل کا حال ہے اور ترجمہ اس طرح ہے کہ ہم اس سے بات کیسے کریں جو بچپن کی حالت میں ہے۔ یعنی صبی شخصیت نہیں بلکہ صبی حالت ہے بات کرنا شخصیت سے ہے اور شخصیت اس حالت میں ہے کہ نہ بول سکتی ہے نہ جواب دے سکتی ہے نہ ہماری بات سمجھ سکتی ہے جیسا کہ ہر آدمی اس حالت میں ہوتا ہے۔ اور نُكَلِّمُ کا معنیٰ ہے اپنی بات سمجھانا اور بات کا جواب لینا۔ اب اس ترکیب سے کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ امام محمد بن رازی نے اپنی کتاب مسائل الرازی میں یہ جواب دیا کہ کَانَ زائدہ ہے یا بمعنیٰ وقع یا وجد۔ اور صبیًا مَنْ موصولہ کا حال ہے اصل عبارت اس طرح تھی كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ فِي الْمَهْدِ فِي حَالِ صَبَاهُ۔ یا مَنْ وَقَعَ فِي الْمَهْدِ۔ یا مَنْ وَجَدَ فِي الْمَهْدِ۔ لیکن پہلا جواب درست ہے بلا ضرورت تقدیری عبارت بنانا صحیح نہیں۔

تفسیر صوفیانہ فَاَشَارَتْ اِلَيْهِ قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا. قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا. وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ۔ قلب معصوم نے قالب جسمی میں وسواس نفسانی سے بچنے کے لیے عقل سلیم کی طرف اشارہ کر دیا کہ میرے عمل و حمل فعل نقل کا مدار یہی ہے۔ اہل اشارات بولے کہ مہد ستری ہیں جو ابھی نفخ روح کا طفل صَبِيًّا ہے ہمارے سامنے اُس کی کچھ حقیقت و قوت نہیں وہ ضمیر انسانی مثل صبی ہے ہم اُس سے اسرار خودی کی گفتگو باطنی نہیں کر سکتے ضمیر ابدان نے فرمایا بے شک میں ہی عالم اجسام میں خلوت و جلوت کا عبد لاہوتی ہوں نہ ابن اللہ نہ نفس اللہ نہ حل الٰہی۔ مریم قلب کا فرزند مطیع۔ کتاب اسرار مجھ کو ہی عطا ہوئی۔ مخبر کائنات واقف غیوبیات مجھ کو ہی بنایا گیا منبع برکات بھی مجھ کو بنا دیا گیا ہے زمین عفت آسمان فطرت ہیں جہاں کہیں بھی رہائش مجلسی علاقہ ناسوتی میں اختیار کروں میں امر تاکیدی ہے میرے لیے اعمال عبدیت کی نماز کا طہارت زینت کی زکوٰۃ کا حیات جسمانی و روحانی کی نفس آخری تک

کہ تزئینِ اعمالِ صالحہ سے جسمِ انسانی کو معطر و مزین کرتا رہوں۔ اور افکارِ ایمانی کی شیریں کلامی کی تقسیم عوارض و جوارح سے کرتا رہوں۔ اور ہر دم اطاعتِ قلب کرتا رہوں۔ مسیحِ ضمیر کی حیات برزخی کی پہچان یہ ہے کہ بندہ انسانوں سے الگ ہو کر رب تعالیٰ سے لو لگا بیٹھا ہو اور اس کی نظر میں سونا مٹی۔ اعلیٰ و ادنیٰ برابر ہو یہی ہیں اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کا نعرۂ صادقہ لگانے والے جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ تجارت نہ خرید و فروخت غافل کر سکے نہ دنیا کی دولت چمک دمک مائل کر سکے وہ مولیٰ تعالیٰ سے ایسے وابستہ ہوتے ہیں کہ اس کے علاوہ کسی سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا۔ اِنِّی عَبْدُ اللّٰہ کہنا آسان نہیں۔ مقصدِ ذات کو بدلنا پڑتا ہے تمام رشتوں کو توڑنا اور اللہ سے جوڑنا پڑتا ہے یہ نقب وحلت ذات سے ہے اور اس کا مقصد خالق تعالیٰ اور مالک تعالیٰ کی ذات ہے جب بندہ حقیقی معنیٰ میں اس بے نیاز ذات کو اصل مقصد بنا لیتا ہے تو کَلِمَۃٌ مِّنْ کَلِمَاتِ اللّٰہِ ہو جاتا ہے اور یہی نفسیات کی عمدہ صلوٰۃ و زکوٰۃ ہے پھر بندے کو دنیا کے جھگڑوں اس کی دولت عزت اولاد کھانے پینے اور دوسری لذتوں بلکہ گھر بار عمدہ لباس پہننے کا کچھ شوق نہیں ہوتا۔ وہ گوشۂ خلوت میں بھی اَیْنَمَا کُنْتُ ہوتے ہیں۔ منازلِ روحانیت کا سفر اُن کی خوشی ہے اُن کی خوشی دربدر قریہ قریہ شہر بشہر پھرنے میں نہیں بلکہ کوچۂ محبوب و مطلوب کے اَیْنَمَا کُنْتُ کی رہائشِ ابدی ہے۔ تاکہ دائمی قربتِ الٰہی کی مسافت کم کر سکیں۔ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّا۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا۔ مریدِ صادق منزلِ عبدیت پر خلوصِ شوق سے ارادۂ پیہم کا قدم رکھتا ہے تو ہر قدم پر اس کو معبودِ قدیم کی طرف سے ایک انعام عطا فرمایا جاتا ہے۔ پہلے قدم پر عبدیت کا سہرہ لگایا جاتا ہے دوسرے قدم پر کتابِ معرفت کا عطیہ تیسرے قدم پر مرشد و ھادی بنایا جاتا ہے۔ چوتھے قدم پر اعلانِ ہدایت۔ ہدایتِ مرشد تین قسم کی ہے ۱ خبر رکھنا۔ کہ مرید کے ہر حال کی مکمل خبر ہو۔ ۲ مرید کو ہر حال و واردات کی خبر دے سکے۔ ۳ بارگاہِ ربوبیت سے خبر حاصل کر سکے۔ یہ تینوں قوتیں سب سے زیادہ بلکہ مکمل طور پر انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہوتی ہیں۔ سب انبیاء علیہم السلام کے ھَادِیْ مِنَ اللّٰہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ھادی خود رب تعالیٰ۔ اور تمام انبیاءِ کرام علیہم السلام ھادیِ اولیاء اللہ انبیاء علیہم السلام کی تربیت سے ہدایت کی یہ تینوں قوتیں اولیاء اللہ کو حاصل ہوتی ہیں اسی طرف اشارہ ہے غوثِ اعظم کے اس شعر پاک کا۔

لِکُلِّ وَلِیٍّ لَهٗ قَدَمٌ وَّ اِنِّیْ ٭ عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بَدْرِ الْکَمَالِ

یہی معنیٰ ہے ترجمۂ مجدد بریلوی علیہ الرضوان کا نبی کی خبر وہ مخصوص و بے مثل ہے جس سے کوئی انسان و ملک واقف نہیں ہو پاتا۔ اس لیے کسی بھی دنیوی مُخبِر کو نبی نہیں کہا جا سکتا۔ اولیاء اللہ کی خبریں و معلومات تربیت گاہِ نبوت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے ان سے بھی کوئی دنیوی خبر رساں واقف نہیں۔ پانچویں قدم پر خیر و برکت کا انعامِ اَبدی دائمی چھٹے قدم پر صلوٰۃِ عشق کا تحفہ جو مومن کی معراجِ قُرب ہے۔ ساتویں قدم پر تزکیۂ نفس کا غسلِ قبولیت و زینت۔ آٹھویں قدم پر۔ اطاعتِ مرشد کا حکم نویں قدم پر۔ نجاستِ نفس کے جبر و غرور کے فنا کی بشارت دسویں قدم پر شقاوتِ عقل اور نحوستِ بدنی کا خاتمہ گیارھویں قدم پر نشانِ منزل کی سلامتی کا سرمایۂ ابدی دائمی۔ سلامتی کی تین قسمیں پہلی سلامتی صحرا معرفت و طریقت کے راہ گزر کی۔ دوسری سلامتی رحلتِ فنا سے حصولِ بقا کی جب بندہ مُوتُوا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا جامِ حسرتِ شوقِ لقا میں پیتا ہے۔ تیسری سلامتی۔ بقاءِ وجود اور وصل اِلَی المطلوب کی منزل بارگاہ تک بعثت و تمکنت کا مرتبہ یہ گیارہ قدم ہیں جو مُرید کو مُراد اور مَہدی کو ہادی اور عیسیٰ و منیر کو حیاتِ جمال سے مراتبِ سمواتی عطا فرما دیتے ہیں جس سے ظاہر میں خاکی نظر آتا ہے باطن میں نور کا سلا عجز میں جنگل بادیہ اور وادیوں کی زمین پر نشین ہوتا ہے مگر شانِ عُلوی میں نور کے پہاڑوں قُرب کے آسمانوں پر جلوہ افروز خیمہ زن ہوتا ہے سوتی کو زکوٰۃ بدنی کی وصیت و تاکید فرمائی جاتی ہے تاکہ وہ ہر وقت اور ہمیشہ تزکیۂ نفس اور اعمالِ صالحہ کا صدقہ و خیرات کرتا ہے اور اپنے باطن کو نفسانی آلائشوں سے صاف کر کے اپنے اوقاتِ حیاتِ چند روزہ کو کدورتوں سے خالی کر کے برکاتِ الٰہیہ کے لیے جگہ بنائے اور اپنے مُربی کے حضور فرمانبرداری کا سرِ نیاز خم کئے رہے اور مرید کی یہ لزّامِ بِرّاً بِوَالِدَتِیْ ہی اُس کی باطنی کدورتوں کو مٹا دیتی ہے۔ بندے کے لیے جباریت و شقاوت و عداوت وہ دیمک ہے جو جمیع اعمال و گلشنِ افکار کے ہر تصورِ شجرِ بہار کو چاٹ کر فنا کر دیتی ہے۔

ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ

وہ عیسیٰ ابن مریم ہیں۔ (جس نے کہی یہ) سچی بات ایسی کہ جس میں (کافر لوگ)

یہ ہے عیسیٰ مریم کا بیٹا سچی بات جس میں

يَمْتَرُوْنَ ﴿۳۴﴾ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ

شک (و پیچ) میں پڑے ہوئے ہیں۔ نہیں ہے کچھ حاجت اللہ کو اس کی کہ کچھ بیٹے بنائے، پاکیزگی ہے اس کو

شک کرتے ہیں۔ اللہ کو لائق نہیں کہ کسی کو اپنا بچہ ٹھہرائے پاکی ہے اس کو جب کسی کام کا حکم

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۳۵﴾

(ہر کمزوری سے) جب بھی اس نے ارادہ فرمایا کسی بھی چیز کا تو فقط اتنا فرماتا ہے کہ ہو جا، تو فوراً وہ ہو جاتی ہے

فرماتا ہے تو یوں ہی کہ اس سے فرماتا ہے ہو جا وہ فوراً ہو جاتا ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ

اور بے شک میرا اور تمہارا رب فقط اللہ ہی ہے تو اس کی عبادت کرو کہ یہ ہی

اور عیسیٰ نے کہا بے شک اللہ رب ہے میرا اور تمہارا تو اس کی بندگی کرو یہ راہ

مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ ۚ

سیدھا راستہ ہے۔ پس علیحدہ عقیدے بنا بیٹھے بہت سے فرقے اپنے درمیان

سیدھی ہے پھر جماعتیں آپس میں مختلف ہو گئیں

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۳۷﴾

پس ہلاکت ہے (ان میں سے) ان لوگوں کے لیے جو منکر ہوئے بڑے سخت دن کی موجودگی کے۔

تو خرابی ہے کافروں کے لیے ایک بڑے دن کی حاضری سے

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں حضرت مریم کے فرزند ارجمند کا ذکر ہوا۔ اور رِبّی الصَّلٰوۃِ صبیانا سے تذکرہ شروع ہوا۔ اب ان آیات میں اس بچہ کا پورا تعارف کراتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ بچہ حضرت عیسیٰ

ابن مریم تھا دوسرا تعلق سابقہ آیت میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے اپنے زبانی تعارفی الفاظ کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں باری تعالٰی کی طرف سے ان الفاظ کی تصدیق فرمائی جا رہی ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت عیسٰی کے تعارفی الفاظ میں اِنِّی عَبْدُ اللّٰہِ کا فرمان موجود تھا کہ حضرت یسوع مسیح اپنی عبدیت کا اعتراف اور تعارف بیان فرما رہے ہیں جس سے ثابت کے شرکیہ عقیدے کی تردید مقصود ہے۔ اب ان آیت میں باری تعالٰی کا فرمان مذکور ہوا کہ اللہ کا کوئی بیٹا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ سب اس کے بندے ہیں اور بندے اولاد نہیں بن سکتے۔

تفسیر نحوی ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ذَالِكَ

اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ عُلُوًّا ذکر کیا ہے۔ چونکہ یہ عبارۃً بھی بعید ہے اور رتبۃً بھی مکاناً مراتباً بھی اس لیے ذَالِكَ بعیدی اسم اشارہ فرمایا گیا یہ مبتدا۔ عیسٰی۔ اسم مفرد جامد۔ اسم مقصورہ کی شکل ہے مگر مقصورہ نہیں اس لیے کہ مقصورہ اسماء عربی مؤنث الفاظ ہیں لیکن موسٰی عیسٰی یہ عجمی اور عَلَمْ ہے غیر منصرف ہے عبرانی یا سریانی زبان کا ہے اس کی تینوں حالتیں زبر، زیر، پیش تقدیری ہوتی ہے۔ اصلاً اِیْشُوْعْ تھا بمعنی سردار۔ پردہ پوش۔ نرم دل۔ برکتوں والا پھر اہل عرب نے اس کی تعریب (یعنی عربی بنانا) کر کے اس کو عیسٰی کہنا شروع کیا۔ اسی طرح ایشوع سے یشوع ہوا پھر یسوع کہا گیا۔ ترجمہ سب کا ایک ہی ہے یعنی اَیشوع۔ یشوع۔ یسوع۔ عیسٰی بمعنیٰ مبارک وغیرہ۔ ایک قول میں ایشا تھا پھر عیسٰی مُعَرَّب ہوا۔ ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے یعنی بروزنِ فِعلٰی یا بروزنِ فِعلَلٌ ہے عَیْسٌ سے مشتق ہے بمعنی سرخ سفید ہونا بعض نے کہا یہ عَیْسٌ سے مشتق ہے عیسٰی میں پہلی یٰ مزید فیہ ہے اور آخری مادے کی اصل ہے جس کو الف سے بدلا گیا۔ اور جب اس میں یاء نسبت لگائی جاتی ہے تو یہ الف واؤ سے بدل جاتا ہے جیسے عیسٰی سے عیسوی موسٰی سے موسوی۔ اسی طرح ہر اسم مقصورہ میں یہی قانون ہے مثلاً دنیا سے دنیوی۔ بعض کاتب یا مصنفین دنیاوی لکھ دیتے ہیں۔ وہ غلط ہے۔ حضرت عیسٰی۔ یسوع۔ مسیح کے حالات واقعات خصائل فضائل۔ مراتب و حُلیہ شباہت تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ انشاء اللہ تعالٰی۔ یہ لفظ عیسٰی مُبدل مِنہٗ۔ ابنُ مضاف مریم مضاف الیہ۔ بدل الکل ہوا عیسٰی کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قَوْلَ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد۔ بمعنیٰ بات۔ بحالتِ نصب ہے یا اس لیے کہ پوشیدہ فعل مدح نِعْمَ کا مفعول بہ ہے یا حال ہے لفظِ عیسٰی کا اور قول بمعنیٰ کلمۃُ اللہ ہے

یا مصدر مفعول مطلق ہے پوشیدہ فعل اَقُوْلُ کا۔ یا یہ مصدر تاکیدی ہے پہلے جملے قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ کا
الف لام عہدی یا جنسی حق سے مراد اللہ تعالیٰ تب یہ اضافت اصلیہ ہے یا حق سے مراد سچائی
ہے تب یہ اضافت توصیفیہ ہے۔ لیکن آسان اور درست ترکیب یہ ہے کہ قَالَ پوشیدہ کا یہ مرکب
اضافی اگلی عبارت صفت سے مل کر اس کا مفعول بہ ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر فِیْهِ جار مجرور ضمیر
سے مراد ہے قَوْلَ الْحَقِّ متعلق مقدم ہے یَمْتَرُوْنَ کا۔ باب افتعال کا فعل مضارع معروف جمع مذکر
مُرْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے جانور کا پستان سہلانا یعنی پَسْمانا۔ اصلاحی ترجمہ ہے گہرا اور
سخت شک یعنی مخمصہ اور شش و پنج و تردد میں پڑ جانا در اصل تھا یَمْتَرِیُوْنَ ی پر ضمہ ثقیل تھا لہٰذا
ی گر گئی اور ضمہ بوجہ واوِ جمع ماقبل کو دیدیا گیا اس کا مصدر ہے اِمْتِرَاءٌ ناقص یائی ہے ی ہمزہ
سے بدل گئی خیال رہے کہ شَکٌّ۔ رَیْبٌ وَظَنٌّ اور مِرْیٌ میں یہ فرق ہے کہ ظاہر وہم شک ہے باطن
وہم ریب ہے اور بناوٹی وہم ظن و گمان ، ہے اور ظاہری باطن بناوٹی عقیدتاً وہم مِرْیٌ ہے
یَمْتَرُوْنَ اپنے فاعل پوشیدہ ھُمْ ضمیر اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ صفت
ہے قول کی وہ مرکب توصیفی قَالَ پوشیدہ کا مفعول یہ سب مل کر جملہ قولیہ فعلیہ ہو گیا۔ مَاکَانَ۔ فعل ناقص
منفیہ ماضی مطلق واحد مذکر یہاں لفظِ حاجۃٌ یا لفظ صَحِیْحٌ پوشیدہ ہے جو اس کا اسم ہے دراصل تھا
مَاکَانَ صَحِیْحٌ یا مَاکَانَ حَاجَةٌ لِلّٰہِ لام جارہ جوازیہ۔ جار مجرور متعلق ہے مَاکَانَ کا۔ اَنْ حرفِ
ناصبہ یَتَّخِذَ۔ باب افتعال کا فعل مضارع۔ اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی بنانا
لینا۔ اختیار کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ وَلَدٍ اسم
مفرد جامد جنسی بمعنی اولاد۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَتَّخِذَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر
ہے مَاکَانَ کی وہ اپنے اسم خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا سُبْحٰنَ۔ اسم مصدر ہے بروزنِ
فُعْلَانِ غُفْرَان۔ سَبْحٌ سے بنا ہے اس کے باقی مشتقات بابِ تفعیل سے آتے ہیں۔ آخر کا الف
نون زائدتان ہے۔ یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر واحد بھی آتا
جیسے سُبْحٰنَ اللّٰہِ اسم موصول واحد مذکر بھی جیسے سُبْحٰنَ الَّذِیْ اور واحد مذکر حاضر یا غائب
کی ضمیر بھی۔ جیسے سُبْحَانَکَ یا سُبْحٰنَهٗ۔ یہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ کیونکہ مفعول مطلق ہوتا ہے
پوشیدہ فعل اُسَبِّحُ یا نُسَبِّحُ یا یُسَبِّحُ کا در اصل اس کی پوری عبارت اس طرح ہے اُسَبِّحُ اللّٰہَ سُبْحٰنَهٗ
اس کا ترجمہ ہے پاکیزگی بیان کرنا۔ چونکہ اس کا فعل ہمیشہ پوشیدہ رہتا ہے اس لیے یہ حاصل
مصدر کے معنی میں ہوتا ہے ترجمہ ہے اس اللہ کی پاکیزگی ہے ہر عیب سے یہ

مضاف ہے ۂ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ یہ مرکب اضافی اپنے پوشیدہ فعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِذَا اسم ظرفِ زمانی شرطیہ۔ قَضٰی۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق قَضٰیٌ کے مشتق ہے بمعنی فیصلہ کرنا ارادہ کرنا۔ ہفت اقسام میں سے ناقص یائی ہے۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے اَمْرًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی چیز کام مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ اِنَّمَا حرفِ حصر یَقُوْلُ۔ فعل با فاعل لَہٗ۔ بمعنی اُس کو ۂ ضمیر کا مرجع اَمْرًا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یقول کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ کُنْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر تامّہ۔ کُ ضمیر واحد حاضر اس میں پوشیدہ فاعل۔ جملہ ہو کر سبب ہوا۔ فَ۔ سببیہ۔ یَکُوْنُ۔ فعل مضارع حال۔ ھُوَ پوشیدہ کا مرجع اَمْرًا ہے اس کا فاعل ہے۔ فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مسبب ہوا دونوں مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر جزا شرط وجزا جملہ شرطیہ ہو گیا

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَيْنِهِمْ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ ۔ وَاوُ استینافیہ یہاں فعل قُلْ پوشیدہ ہے اِنَّ حرفِ تحقیق اللہ اس کا اسم ہے اس لیے اِس پر فتحہ ہے رَبِّیْ بمعنی میرا رب۔ وَاوُ عاطفہ ہے۔ رَبُّکُمْ۔ بمعنی تمہارا رب۔ یہ دونوں مرکب اضافی معطوف علیہ معطوف ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر سبب ہوا۔ فَ سببیہ۔ اُعْبُدُوْا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر جمع مذکر۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام کفار یا تمام انسان (اُمّتِ دعوت) ۂ ضمیر واحد کا مرجع اَللّٰہ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبّب۔ سبب مُسَبّب مل کر قُلْ پوشیدہ کا مقولہ ہو کر جملہ قولیہ انشائیہ ہو گیا۔ ھٰذَا۔ اسم اشارہ قریبی مشار الیہ کے لیے مراد ہے عبادتِ الٰہیہ یہ مبتدا ہے صِرَاطٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی کھلا سیدھا آسان راستہ۔ دراصل تھا سِرَاطٌ۔ س کو ص سے بدلا تاکہ قربِ مخرج کی مطابقت ہو جائے۔ ترجمہ ہے نگلنا اسی معنی میں حلق اور نرخرے کو سَرِیط یا صَرِیط کہا جاتا ہے راستہ اپنے اندر مسافر وسیّاح وسیّار کو نگل لیتا ہے یہ موصوف مُسْتَقِیْمٌ باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ اِسْتِقَامَۃٌ سے مشتق ہے بمعنی باقی اور قائم رہنے والا۔ مراد ہے مضبوط اور پختہ سنگلاخ، جس کو جنگل کے نباتات جھاڑ جھنکاڑ خود رو پودے فنا نہ کر سکیں۔ مراد شریعتِ اسلام یہ صفت ہے۔ موصوف صفت مل کر خبر مبتدا۔ جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ استینافیہ (ابتدائیہ) اِخْتَلَفَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت۔ اس کا مصدر ہے اِخْتِلَافٌ خَلْفٌ سے بنا ہے بمعنی منہ موڑنا۔ چہرہ پھیرنا

مراد ہے نظریہ و عقیدہ بدلنا اَلْاَحْزَابُ۔ الف لام عہدی خارجی یا استغراقی اَحْزَاب جمع ہے حِزْبٌ کی بمعنیٰ فرقہ یہ فاعل ظاہر ہے اِخْتَلَفَ کا۔ مِنْ حرف جر زائدہ یا تبعیضیہ بَیْنِ اسم ظرف مکانی معرب متمکن ہے مضاف ہے ہِمْ ضمیر جمع غائب متصل مضاف الیہ یہ مرکب مجرور متعلق اِخْتَلَفَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ فَ زائدہ وَیْلٌ۔ اسم مفرد گیارہ معنٰی میں مشترک ہے مصیبت، ہلاکت، افسوس، سختی، جھڑک، عذاب، حسرت، ندامت۔ ذلت، تباہی، جہنم کا ایک حصہ۔ اس کا مؤنث لفظی ہے وَیْلَۃٌ۔ جب یہ کسی اسم ظاہر یا ضمیر حاضر و غائب کی طرف مضاف ہو تو ہمیشہ منصوب ہوتا ہے اگر یاء متکلم کی طرف مضاف ہو تو مکسور ہوتا ہے اگر مضاف نہ ہو تو معرب متمکن (ہر طرح کا اعراب) آجاتا ہے لیکن اس کا مؤنث مفرد ہو یا مضاف اسم معرب متمکن ہی ہوتا ہے۔ یہاں وَیْلٌ مبتدا ہے۔ لِلَّذِیْنَ۔ جار مجرور۔ کَفَرُوْا۔ باب نَصَرَ کا ماضی جمع غائب کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حق بسچ کا انکار کرنا۔ مِنْ جارہ زائدہ مَشْھَدِ۔ باب سَمِعَ کا اسم ظرف مکانی۔ شُہُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ حاضر ہونا۔ شہد کے معنیٰ حاضر ہونے کی جگہ مراد ہے میدانِ حشر مضاف ہے۔ یَوْمٍ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ دن۔ موصوف ہے عَظِیْمٍ اسم صفت مشبہ مبالغہ۔ یعنی بہت ہی بڑا۔ انتہائی سخت دن عَظَمٌ سے مشتق ہے۔ ہڈی کو عربی میں عظم کہتے اسی سختی کی وجہ سے یا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ اور مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے کَفَرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مجرور ہوا۔ جار مجرور متعلق ہے وَاجِبٌ یا لَازِمٌ پوشیدہ اسم فاعل مذکر کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے وَیْلٌ مبتدا کی ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِيْ فِيْهِ يَمْتَرُوْنَ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ يَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔

وہ نومولود بچہ اور غلاماً زکیًا جس نے والدہ کی گود میں ایسی عالمانہ فاضلانہ فصیحانہ اپنے تعارف اور اپنی والدہ کی پاک دامنی کی دلیل میں تقریر فرمائی عیسیٰ ابن مریم ہے سب سے پہلے آئندہ کے لیے اپنے بارے میں ظاہر ہونے والے کفریات و شرکیات کا دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ میں اللہ تعالیٰ کی سچی بندگی عبادت کرنے والا بندہ ہوں اے میری عقیدت والو مجھ کو ابن اللہ نہ سمجھ لینا شریعت کی اصطلاح میں بندے چھ قسم کے ہیں صالح مطیع۔ سعید۔ شقی۔ رَضِیًّا۔ عَصِیًّا۔ صالح وہ جو شوق و ذوق عشق و محبت لگن و فکر سے بلاتکلف و کسل

خوشی خوشی عبادت کرے اور ہر طرح سے سچی صحیح قابلِ قبول عبادت کرے۔ مطیع وہ جو کسل مندی سستی سہونت سے یا جبر و قہر پکڑ دھکڑ ڈانٹ ڈپٹ سے عبادت کرے سعید وہ جو ازل سے خوش نصیب اچھی تقدیر والا ہو بابرکت ہو بلکہ اس کے نام سے برکتیں حاصل کی جاتی ہوں۔ شقی وہ جو بد قسمت اور منحوس ہو کہ جہاں ہو بے برکتی اور نحوست پھیل جائے۔ رضی وہ بندہ جس کا ہر کام رب تعالیٰ کی پسند کے لیے ہو کسی غیر اللہ کی پسند ارادے میں شامل نہ ہو عصیاً وہ جو سمجھتے جانتے ہر کام رب تعالیٰ کی ناپسندیدگی کا کرے۔ اور یہ عقل نو مولود صرف ابن مریم ہے شرعاً۔ قانوناً۔ لغتاً۔ رسماً۔ رواجاً۔ اصطلاحاً جب کوئی بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے تو تعلق داری کے اعتبار سے والدین میں تقسیم ہوتا ہے اور تعلق داری آٹھ قسم کی ہے ۱ اہل بیت ہونا ۲ آل ہونا ۳ اولاد ہونا ۴ عیال ہونا ۵ ذریت ہونا ۶ عترت ہونا ۷ نسل ہونا ۸ اصلیت والا ہونا۔ اہل بیت اصولاً صرف بیوی کو کہا جاتا ہے قرآنِ مجید میں صرف بیوی یا ایک آیت میں والدہ کو اہلِ بیت کہا گیا ہے بالتبع اور لغوی لحاظ سے اولاد کو گھر میں رہنے والے زیرِ تربیت افراد کو بھی ارشادِ حدیث پاک کی وجہ سے اہلِ بیت کہدیا گیا ہے۔ آل ہر فرماں بردار کو کہا جاتا ہے چونکہ اولاد سب سے زیادہ ہمہ وقتی فرماں بردار ہوتی ہے اس لیے اصطلاحاً اولاد کو بھی آل کہہ دیا جاتا ہے اس اعتبار سے آل عام ہے بیٹے کی اولاد یعنی پوتا پوتی کو اور بیٹی کی اولاد یعنی نواسا نواسی کو بھی۔ اولاد صرف اپنی نطفے والی اولاد کو یعنی سگے بیٹوں بیٹیوں کو کہتے ہیں پوتا پوتی نواسہ نواسی اولاد نہیں۔ عیال۔ ہر وہ شخص جس کی پرورش کی جاتی ہو۔ تو زیر پرورش تمام افراد پرورش کرنے والے کی عیال ہیں۔ خواہ قریب ہوں یا بعید ہوں چھوٹی عمر کے ہوں یا اپنے سے بڑی عمر کے اپنے ہوں یا غیر ہوں تمام فروگی خاندان تا قیامت ذریت ہے خواہ بیٹے سے چلے یا بیٹی سے۔ عترت صرف بیٹے کی پوری نسل کو کہتے ہیں لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اپنی بیٹی فاطمۃ الزہر رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اولاد کو اپنی عترت فرمایا یہ صرف خصوصیت ہے۔ نسل والد کی طرف سے چلتی پوری ذریت کے لیے اور اصل والدہ کی طرف سے چلتی یہ تمام احکام عام انسانوں کے ہیں مگر کائناتِ انسانیت میں صرف عیسیٰ علیہ السلام کی ہی وہ خصوصی قدرتی معجزاتی شخصیت ہے جن کے یہ سارے تعلق آل اولاد عترت، ذریت۔ اہل بیت، عیال اصل۔ نسل سب کچھ حضرت مریم سے ہی وابستہ ہے یہ بات بالکل حق سچ ہے رب تعالیٰ نے یہی فرمائی ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام نہ ابن اللہ

ہیں نہ ابن الرجل، صرف ابن مریم ہیں۔ یہی وہ حقیقت ہے جس میں عیسائی شک میں پڑ گئے بلکہ عیار دشمن یہودیوں کی طرف سے عیسٰی کی رفعت آسمانی کے تقریباً تیس سال بعد پولوس یہودی بناوٹی منافق عیسائی کی جانب سے شک میں ڈالا گیا۔ اور عیسائی لوگ آج تک اس مکاری کے جال میں پھنسے چلے آرہے ہیں اور اپنا دین و ایمان برباد کیے ہوئے ہیں۔ یہودی خفیہ منصوبے کے تحت پولوس یہودی نے جھوٹا عیسائی بن کر سات طرح سے عیسائیوں کو گمراہ اور بے دین کیا اول ابنیت کا عقیدہ بنایا۔ دوم شریعت موسوی کو لعنت قرار دے کر دینی قوانین اور احکام و عبادات سے ہٹایا۔ سوم کفارے کا مسئلہ منگھڑت کہا۔ چہارم تمام حرام چیزیں حلال کر کے عیسائیوں کو کھلائیں اس غلط عیسائیت کو تمام دنیا میں پھیلانے کا ڈھونگ رچایا۔ ششم صلیب کا جھوٹا مسئلہ ایجاد کیا۔ ہفتم قتل مسیح کا جھوٹ باندھا اور عیسائیوں کو ورغلایا۔ سب سے بڑا کفر ابن اللہ کہنے کا ہے کیونکہ سُبحَانَ اللہِ۔ اللہ تعالیٰ کو قطعاً حاجت و ضرورت نہیں ہے کہ اپنی اولاد بیٹا یا بیٹی بنائے یہ عقیدہ تو ہر بھی شرکِ اعظم ہے کیونکہ اولاد باپ کی شریک بلکہ وارث ہوتی ہے تشبیہًا۔ وہ جَلَّ شَانُہٗ تو ہر کمزوری سے پاک و منزہ ہے اولاد تو والد کی ضعیفی ہوتی ہے اسی کمزوری کے وقت کے بے حصول کی تمنا ہوتی ہے اولاد تو بے بسی بے کسی محتاجی کی نشانی ہے۔ لیکن رب تعالیٰ جَلَّ مَجدُہٗ تو کسی چیز کے حصول میں نہ مجبور نہ منتظر نہ محتاج نہ مُستَعِین۔ بلکہ اِذَا قَضٰۤی اَمۡرًا اس کی شانِ اعلیٰ تو یہ ہے کہ جب کسی امر کا فیصلہ کر لیا تو بس اتنا ہی ہوتا ہے کہ فرماتا ہے اے فلاں ارادے ہو جا تو لمحہ دیر نہیں ہوتی وہ ارادہ عالم وجود میں ظاہر ہو جاتا ہے وہ ارادہ خواہ ذرّہ یا چیز کا ہو یا آسمان زمین جیسی بڑی اشیاء کا۔ وَاِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ وَرَبُّکُمۡ فَاعۡبُدُوۡہُ ؕ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسۡتَقِیۡمٌ ﴿۳۶﴾ فَاخۡتَلَفَ الۡاَحۡزَابُ مِنۡۢ بَیۡنِہِمۡ ۚ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا مِنۡ مَّشۡہَدِ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ۔ اور اے دنیا بھر کے یہودیو عیسائیو۔ بے شک اللہ تعالیٰ نہ کسی کا والد ہے نہ کسی کا وَلَد نہ کسی کا باپ ہے نہ اس کا کوئی بیٹا نہ کسی کا خاوند نہ کوئی اس کی بیوی بلکہ ازل سے وہ میرا رب ہے اور ابد تک تمہارا بھی رب ہے اور سچی حقیقی ربوبیت اسی کے لائق کیونکہ تمام کائناتِ ارضی و سماوی کی ساری مخلوق کے تمام رزق ضروریات۔ اسباب اور وسائط ہر وقت ہر آن ہر لمحہ اور پوری مخلوق جمادات نباتات حیوانات حشرات بحریہ۔ بریہ۔ جنات و ملائکہ کا سب علم کہ کون کس وقت کہاں ہے کس حال میں ہے اور کس کو کس وقت کیا ضرورت و حاجت ہے ان کا کُلّی و جُزئی علم و خبر صرف رب کَبِیر و کُلّی ہی کو ہے اور جس کی قدرتِ کاملہ کی یہ شان ہو وہی

رَبُّ العالمین ہے اور ربوبیت ہی سببِ عبادت ہے جو رب نہیں ہو سکتا وہ معبود بھی نہیں ہو سکتا۔ ربوبیت کی یہ شان صرف اللہ ہی کے پاس ہے لہٰذا وہ ہی عبادتِ مخلوق کا سچا مستحق اس کے علاوہ کوئی بھی نبی ولی فرشتہ علیہم السلام یا پیر فقیر عالم انسان جنات یا کوئی بھی دیوی دیوتا گرو چیلا یا کوئی بھی بُت۔ مورتی شجر حجر چاند سورج گائے بیل بکری بندر ذرہ بھر ایک لمحہ کے لیے بھی کسی قسم کی بھی عبادت یا سجدہ کے لائق و مستحق نہیں اور جب رب تعالیٰ ہی معبودیت کے لائق و سزاوار ہیں۔ فَاعْبُدُوْهُ۔ اُسی کی عبادت میں جُٹ جاؤ اور ہر کام کو اُس اللہ خالق مالک معبود کی رضا میں عبادت بنا لو۔ اور بیقینِ قلب و عقل سے سمجھ لو کہ بس یہ ہی صراطِ مستقیم ہے بارگاہِ قدس تک لے جانے والا یہی سچا سیدھا راستہ ہے۔ یہ کلام آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے یہاں قُل پوشیدہ اور خطاب موجودہ اور تا قیامت تمام یہود و نصاریٰ کو ہے۔ ایک قول میں یہ کلام عیسیٰ علیہ السلام کا اُسی بچپنے کا ہے۔ بعض نے کہا کہ آپ نے جوانی میں کلامِ تبلیغی فرمایا۔ مگر پہلا قول درست ہے اتنے سمجھانے بتانے سنانے پڑھانے کے باوجود فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ عیسائیوں کے بہت سے آپس میں مذہبی دینی عقائدی فرقے بنتے ہی چلے گئے۔ تفسیری عبارتوں کی تحقیق و تفتیش کے مطابق ویسے تو چھوٹے موٹے بہت سے فرقے عیسائیوں میں ہوتے اور ہوتے رہے مگر چار بڑے فرقے۔ بنیادی مرکزی اب تک چلے آ رہے ہیں۔ ۱۔ نصاریٰ جس کا انگریزی نام کیتھولک ہے۔ ان کا مذہب ہے مسیح ابن اللہ ہے (معاذ اللہ) دوسرا فرقہ یعقوبیہ ان کا مذہب ہے کہ مسیح اللہ اور الٰہ ہے اور آسمان سے بھیس بدل کر زمین پر آیا (معاذ اللہ) تیسرا فرقہ نسطوریہ۔ ان کا مذہب ہے کہ آسمانوں زمینوں میں تین معبود ہیں ایک باپ دوم بیٹا سوم روح القدس (معاذ اللہ) ان تینوں فرقوں میں صلیب اور کفارہ کا مسئلہ مسلّمہ ہے۔ چوتھا فرقہ۔ ملکانیہ۔ اِن کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ اللہ کے بندے اور نبی و رسول ہیں۔ ابن اللہ اور کفارہ کا عقیدہ غلط ہے۔ یہ حضرت مسیح کی سچی تعلیم پر ہیں ان کا کفر نزولِ قرآن مجید اور بعثتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اسلامیات کا انکار کرنے کی وجہ سے ہے۔ پہلے تینوں فرقے اس فرقے کے سخت دشمن ہیں پانچواں ٹولہ یہودیوں کا جنہوں نے اپنے کانوں سے حضرتِ مسیح علیہ السلام کی وہ بچپن کی تقریر سنی مگر پھر بھی اُس وقت سے آج تک کسی طرز پر بھی عیسیٰ علیہ السلام کو نہ مانا۔ بلکہ جانتے سمجھتے ہوئے کسی نے کہا یہ زکریا کا بیٹا ہے اور بادشاہی حکومت سے جھوٹی شکایتیں الزام تراشی تہمت بازی کر کے ولادتِ مسیح کے چند دن بعد حضرت زکریا علیہ السلام کو لکڑیاں چیرنے

ہوئے جنگل میں گھیر لیا جب آپ نے اس ہتھیار بند حملہ آوری کا سبب پوچھا تو بڑی بے غیرتی اور ڈھٹائی سے کہنے لگے کہ تو نے مریم سے بدفعلی کی ہے اور یہ نومولود تیرا بیٹا ہے۔ آپ نے ہزار طرح اپنی صفائی اپنی عمر اپنی ضعیفی کمزوری بتائی جس کو وہ خود بھی سب سمجھتے تھے مگر چونکہ شیطانیت و حکومت کا رعب سوار تھا اس لیے کسی دلیل کو نہ مانا تب آپ بھاگ کر ایک قریبی درخت کا کھوہ میں چھپ گئے قدرتِ الٰہی سے درخت بند ہو گیا۔ تب ابلیس نے مشورہ دیا کہ اس درخت کو آرے سے چیر دو اس طرح حضرت زکریا درخت کے ساتھ ہی چیر دیے گئے اور آپ نے شہادت پائی بعض اقوال میں ہے کہ درخت چیرنے کے بعد دیکھا گیا کہ جسم زکریا غائب تھا یعنی ہو سکتا ہے کہ زندہ ہی جسم مع روح غائب ہو گیا ہو یا بعد شہادت واللہ اعلم بالصواب۔ بعض یہودیوں نے یوسف نجار جو بیت المقدس ہی کا ہمہ وقت حاضر عابد و زاہد تھا ولی اللہ سے مریم کو تہمت لگائی اور کہا کہ یہ نومولود یوسف کا بیٹا ہے (معاذ اللہ) بعد کی زندگی میں یہودی یونانی تمام عمر حضرت مسیح کو ستاتے ہی رہے کسی نے آپ کو جادوگر کہا کسی نے کاذب۔ اور صرف انکارِ مسیح و کتاب انجیل ہی نہیں بلکہ شریعتِ توریت۔ ایمان عبادت بلکہ قیامت حشر محشر کے بھی منکر ہو گئے اور جنت و دوزخ کے نقشے اور ملکیت و استحقاق کے خود مرضی کے قائم کیے فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لہٰذا اس قسم کے تمام کافروں کے لیے جہنم کا علاقۂ وَیل یعنی وادیِ ہلاکت اتنا سخت ہیبت ناک علاقہ کہ جس سے خود جہنم بھی پناہ مانگتی ہے۔ یہ علاقۂ جہنم ان کفار کے لیے ہے ظاہر ظہور کھلے لفظوں میں یومِ عظیم کی حاضری اور اس روزِ قیامت کے حساب کتاب سزا و جزا کا انکار و کفر کیا۔ یعنی یومِ حاضری بارگاہِ الٰہی اور مشاہدۂ اعمال و جزا اور زیارتِ انبیا و ملیکہ کا انکار کیا بڑے دن کے مشاہدے کا جو بڑا ہے حقیقتاً بھی درازی میں بھی ہیبت میں بھی۔ اور اس دن حاضری اور مجرموں کی پیشی ہے اعضا کی گواہی ہے۔ تفسیر ظلال القرآن میں ہے رفعتِ مسیح علیہ السلام کے وقت دو ہزار ایک سو ستر عیسائی سردار اور مذہبی لیڈر و رہنما تھے ان میں مذہبی جھگڑا اور اختلاف یہودی شرارت سے ڈالا گیا اور چار فرقے ہو گئے ہر فرقے میں اس وقت تقریباً چار سو افراد تھے باقی سب سے علیحدہ رہے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے کچھ فضائل خصائل اور حلیہ شریف

قرآن مجید۔ حدیث پاک اور واقعۂ معراج شریف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ پاک کچھ اس طرح ہے کہ بچپن سے ہی بہت خوب صورت اور وجیہ یعنی بزرگانہ حسن والے

نہایت کم گو نرم دل منکر محبت کرنے والے لمبا قد چوڑا سینہ سینے اور کلائیوں پر ہلکے بال گٹھا ہوا جسم نہایت باہمت طاقت ور آپ نے ساری عمر سر پر زلفیں رکھیں داڑھی مبارک چار انگل گھنی اور چوڑی۔ حدیث معراج میں ارشادِ اقدس ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام سرخ سفید رنگت والے۔ ایسے لگتے تھے جیسے ابھی نہا کر آئے ہیں۔ قرآن مجید نے فرمایا۔ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ یعنی دنیا اور آخرت میں وجاہت کی شان والے۔ وجاہت سے مراد چہرے کی بشاشت تروتازگی آپ کی وجاہت میں رعب اور مرعوبیت نہ تھی بلکہ بزرگانہ شان تھی ویسے تمام انبیاءِ کرام ہی نہایت خوب صورت اور ہمہ صفتِ عظمت موصوف ہوتے ہیں مگر بعض انبیاءِ کرام علیہم السلام کی کچھ خصوصی حیثیت ہوتی ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کو حسنِ کشافت ملا یعنی چمک اور روشنی والا حسن کہ اندھیرے کمرے میں اندھیرا نہ رہتا۔ عیسیٰ علیہ السلام کو ملاحت ملا یعنی آپ کا رنگ اور ناک نقشے کی بناوٹ حسین وجمیل تھی۔ باقی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو حسنِ ظاہر عطا ہوا ہمارے آقا حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حسنِ ملاحت یعنی ظاہری باطنی حسن بعض حسن کا اپنا ایک رعب ہوتا ہے کہ دیکھنے والا جھلک تابناک سے ششدر و مرعوب ہو جائے اس کو حسن ملاحت کہتے ہیں۔ حسنِ ظاہر میں دیکھنے والے کا دل چاہتا ہے کہ دیکھتے رہیں مگر حسنِ ملاحت میں دیکھنے کی تاب نہیں رہتی خود بخود نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں اسی کو اردو میں حسنِ نمکین کہتے ہیں جس طرح کہ اللہ تعالیٰ کی ہر نعمت دولت قدرت زمین پر اجسامِ انبیاء علیہم السلام کے وسیلے و ذریعہ ہی سے بشکلِ معجزہ اِرہاص تمغات سوغات و تحائف نازل ہوتی اسی طرح ہر قسم کا حسن بھی بارگاہِ رب العزت سے ابدانِ انبیاء علیہم السلام ہی کے واسطہ وسیلہ سے زمین پر نازل ہوا پھر انبیاء و مرسلین سے دیگر ذریتِ انسانی کو بحسبِ تقدیرِ ازلی حصہ ملتا رہا ہے۔ زمین پر آٹھ قسم کے حسن نازل ہوئے جو انبیاء اپنے اجسام پر لے کر آئے ۱ حسنِ کثیف (چمک والا) ۲ حسنِ مداحت ناک نقشہ کی خوب صورت والا ۳ حسنِ جمال ۴ حسنِ جلال ۵ حسنِ ظاہر ۶ حسن باطن ۷ حسن صباغت۔ (رنگ کی خوب صورتی) ۸ حسنِ ملاحت یہ حسن تمام حسنوں کا جامع ہوتا ہے یہ ہی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا اِس حسن سے بندہ مجسمۂ حسن بن جاتا ہے۔ کہ کبھی اِس حسن سے سوزنِ گمشدہ مل جاتی ہے اور کبھی دو ماہ کی مسافت تک کائناتِ مخلوق کو مرعوب کر دیتا ہے اور کبھی حضرتِ جابر و حضرتِ ابو ہریرہ قمرِ آسمانی و قمرِ مدنی کا تقابل کرتے ہیں تو قمرِ آسمانی ماند نظر آتا ہے۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس حسن کو حسن

اوّل بھی کہا گیا ہے یہ حسن کائنات میں بجز آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو نہ ملا۔ قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی تقریباً ۳۰ صفات بیان فرمائیں اور مختلف احادیث و روایات میں تقریباً بیس عادات و خصائل بیان ہوئے۔ ۱ عابد ۲ زاہد ۳ تارک الدنیا ۴ ہمہ وقت دینی دنیوی نبی ۵ وَجِیۡهًا فِی الدُّنۡیَا ۶ وَجِیۡهًا فِی الۡاٰخِرَةِ ۷ نمازی ۸ مزکی طیب طاہر ۹ نبی ۱۰ مرسل یعنی صاحب کتاب ۱۱ رسول یعنی نئی شریعت والے ۱۲ جبار نہیں تھے۔ ۱۳ شقی نہ تھے ۱۴ والدہ کے فرماں بردار ۱۵ ولادت سے رفعت آسمانی تک سلامتی والے ۱۶ بعد نزول وفات تک سلامتی والے ۱۷ قبر سے حشر تک پھر حشر سے ابدالآباد تک سلامتی والے ۱۸ عیسیٰ ابن مریم ہونے والے ۱۹ غیب کی خبریں کھلی چھپی باتیں بتانے والے ۲۰ مردے زندہ کرنے والے ۲۱ مٹی کے پرندے بنا کر اس میں پھونک مار کر جان ڈالنے والے ۲۲ اندھوں کوڑھیوں، بیماروں کو ہاتھ پھیر کر اچھا کرنے والے اسی وجہ سے آپ کا لقب مسیح ہے ۲۳ بچپن میں کلام کرنے والے۔ احادیثِ پاک میں یہ ارشاد پاک فرمائے گئے ۲۴ بچپن و جوانی میں نہایت حسین و جمیل ۲۵ عاجزی مسکینی والے ۲۶ مہمان نواز ۲۷ گھونگھر بالوں والے ۲۸ صائم الدھر یعنی ہمیشہ روزے دار ۲۹ ساگ پتے کھا کر گزارہ کر لینے والے ۳۰ کسی پر ظلم نہ کرنے والے ۳۱ دشمن کو معاف کرنے والے ۳۲ آپ پر جہاد فرض نہ ہوا ۳۳ کبھی کسی کو نہ جھڑکا ۳۴ مظلوم کی مدد فرمانے والے ۳۵ اکثر مسکراتے رہتے ۳۶ صابر و شاکر ۳۷ زمین پر ہی قیام فرماتے ۳۸ جب آسمان سے تشریف لائیں گے تو صلیب کو توڑیں گے اور اس جھوٹ کو دنیا سے ختم فرمائیں گے ۳۹ خنزیر کو روئے زمین سے ختم فرما دیں گے ۴۰ دجال کو قتل کریں گے ۴۱ رفعت آسمانی سے پہلے آپ کی پھونک اور سانس شفا بخش تھی لیکن جب دوبارہ تشریف لائیں گے تو آپ کی پھونک اور سانس ہلاکت خیز ہو گی کہ جہاں تک آپ کی سانس جائیں گی کافر اور یہود و نصاریٰ مرتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ دنیا سے سب ناپید ہو جائیں گے ۴۲ جب پہلے آئے تو بنی اسرائیل کے آخری نبی بن کر تشریف لائے۔ ۴۳ آپ جب آئیں گے تو اُمتِ مصطفیٰ کے آخری ولی بن کر تشریف لائیں گے سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ سُبۡحَانَ اللّٰهِ الۡعَظِیۡمِ۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ دنیوی زندگی میں سب سے زیادہ خطرناک زہرِ قاتل صحبتِ بد اور عیار دشمن ہے کہ یہ دین

دنیا تباہ کر دیتے ہیں اُن سے بچنا ہر مسلمان کو ضروری یہ عبرت آمیز فائدہ ۔ فِيهِ يَمْتَرُونَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو عیسائی امت جو عیسیٰ علیہ السلام کے سچے اور مضبوط پیروکار و اُمتی تھے ایک مکّار یہودی کے کہنے ورغلانے میں آکر اُس کو دوست سمجھ بیٹھے اور اپنی دین دنیا تباہ آخرت برباد کر ڈالی اور حضرت عیسیٰ کی آتنی فصیح بلیغ ظاہر ظہور حقیقی یقینی باتیں سننے کے باوجود صحبتِ بد کے اثر سے شک میں مبتلا ہو گئے اِنِّي عَبْدُ اللهِ کو بُھلا کر ابنُ اللہ بنا بیٹھے اور مردودِ ازلی ابدی ہو گئے دوسرا فائدہ ۔ عیسیٰ علیہ السلام رَحْمَةً لِّلنَّاسِ ہیں. لیکن آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ہیں عالمین میں عیسیٰ علیہ السلام بھی شامل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام اور اُن کی والدہ ماجدہ حضرت مریم کے لیے بھی رحمت ہیں اور یہ رحمت ہی کا ظہور ہے کہ آج دنیا کے سامنے حدیث و قرآن کے ذریعے جناب عیسیٰ و محترمہ پاک مریم کی جو بھی تصویر سیرت و سوانح کا جو سچا نقشہ اسلام نے پیش کیا وہ نہ خود عیسائی پیش کر سکے نہ کوئی محقق و مورخ اور یہودی تو پہلے ہی ازل کے دشمن ۔ بائبل کو پڑھنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ والدہ کے نافرمان گستاخ وبے ادب تھے بَرًّا بِوَالِدَتِي اور یہ مندرجہ بالا چالیس پچاس صفاتِ پاکیزہ بجز اسلام کسی نے بھی ظاہر نہ فرمائیں ۔ بائبل سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرتِ عیسیٰ بزدل ڈرپوک قاتلوں دشمنوں سے ڈرتے چھپتے پھرتے ۔ ایلی ایلی لما شبقتنی کی فریادیں کرتے اور قتل سے بچنے کی دعائیں کرتے پھرتے تھے ۔ مگر قرآنِ کریم نے فرمایا وَجِيْهًا " فِي الدُّنْيَا وہ انتہائی دلیر بہادر نڈر اور طاقت ور قوت والے جنہے بچپن میں دشمن کی پرواہ نہ کی وہ جوانی کی قوت میں کب ڈرتا ہے ۔ بائبل کہتی ہے کہ مسیح کو خود ڈر کے مارے خوف زدہ ہو کر اپنی صلیب خود اٹھا کر قتل گاہ تک آنا پڑا اور کانٹوں کا تاج پہنایا گیا اور مارتے ہوئے قربان گاہ تک لایا گیا ۔ اور اس بزدلی کا نام بیوقوفوں بدبختوں نے کفارے کا نام رکھا مگر اسلام کہتا ہے وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ. حضرتِ مسیح کو نہ کوئی قتل کر سکے نہ سولی دے سکا اور ساری عمر انھوں نے کبھی کسی کے آگے گردن نہ جھکائی بلکہ علی الاعلان جابر ظالم حکام سلاطین کے سامنے کلمۂ حق بلند کرتے رہے یہ فائدہ اَللّٰهُ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ کی ایک تفسیر اور قرآنِ مجید کی دیگر آیات سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ عیسیٰ علیہ السلام بغیر والد پیدا ہوئے جو اس بات میں شک کرے عیسائی ہو یا یہودی یا کوئی مسلمان کہلانے والا سب مردود ہیں اور مرتد کافر یہ فائدہ ابنِ مریم فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ اگرچہ ہر حق بات میں کسی قسم کا وہم اور شک کرنا گناہِ عظیم و ایمان کی کمزوری بلکہ بربادی ہے مگر خاص کر جس کے بارے میں حقانیت کے دلائل روزِ روشن کی طرح واضح اور صاف ہوں ان کے متعلق کسی کے ورغلانے سے شک میں آجانا تو بہت بڑا جرم اور گناہ ہے یہ مسئلہ فِیۡہِ یَمۡتَرُوۡنَ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**۔ زمانۂ اسلام سے پہلے ہر عیسائی کافر نہ تھا بلکہ چار فرقوں میں ایک فرقہ مومن تھا لہٰذا۔ ارشاد باری تعالیٰ فَوَیۡلٌ لِّلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا میں تمام عیسائی مراد نہیں صرف وہ عیسائی داخلِ عتاب ہیں جنہوں نے اِنِّیۡ عَبۡدُ اللّٰہِ کا انکار کیا۔ اسی لیے یہاں لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا (الخ) کی دراز عبارت ارشاد ہوئی اگر ہر عیسائی داخل و شاملِ عتاب ہوتا تو اتنا ہی کہنا کافی تھا فَوَیۡلٌ لِّلنَّصَارٰی **تیسرا مسئلہ** اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو رب یا رب کریم کہنا گناہِ کبیرہ ہے۔ اس لیے کہ لفظِ رب کی شرعی اصطلاحی جامع مانع تعریف کے اعتبار سے بجز خالق تعالیٰ کوئی کسی کا رب ہو سکتا ہی نہیں۔ لہٰذا رافضیوں کا۔ مولیٰ علی شیرِ خدا کو۔ رب کہنا۔ یا علی رب کا نعرہ لگانا اور لغوی معنیٰ مراد لینا کہ رب بمعنیٰ مربی ہے یہ سب باتیں غلط جھوٹ اور جہالت ہیں۔ اور کفر کے قریب گناہ ہے یہ مسئلہ اِنَّ اللّٰہَ رَبِّیۡ۔ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی امر کا فیصلہ فرماتا ہے تو کُنۡ فرماتا ہے اور چیز ہو جاتی ہے یعنی لمحہ بھی دیر نہیں لگتی۔ یعنی آسمان زمین عرش و فرش اللہ تعالیٰ نے لمحہ سے بھی پہلے بنا دیئے۔ مگر آیت و احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ چھ دن میں آسمانوں کو بنایا گیا۔ یہ تضاد اور تعارض کیوں؟ جواب وہاں قانون کا ذکر ہے۔ یہاں قدرت کا۔ یعنی قانون یہ ہے کہ ہر چیز آہستہ آہستہ بنائی اور اُگائی جائے۔ لیکن قدرت و قوت آنِ واحد میں سب کچھ کر سکتی ہے لہٰذا آیت میں نہ تضاد ہے نہ تعارض نوعیتِ مختلفہ کا علیحدہ علیحدہ ذکر ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کُنۡ فَیَکُوۡنُ اور کُنۡ فعل امر خطاب ہے خطاب کے لیے مخاطَب ضروری ہے تو یہاں اگر مخاطَب معدوم ہے اور یقیناً معدوم ہے تو خطاب عبث اور بیکار ہوا۔ اور اگر مخاطب موجود ہے تو خطاب لغو گیا۔ تحصیلِ حاصل اور یہ بھی غلط ہے۔ جواب یہ اعتراض ان لوگوں پر پڑتا ہے جنہوں کُنۡ کو کلامِ معنوی مانا ہے اور کلامِ لفظی مانا تب بھی غلط اس لیے کہ کُنۡ صفت ہے اور اللہ کی ہر صفت قدیم ہے جب کہ کلام لفظی ہر طرح لفظاً و معناً حادث ہوتا ہے

اور اگر کلامِ نفسی کہا جائے تب بھی غلط کیونکہ کلامِ نفسی میں ظہور سے حروف کا صدور لازم اور حروف حادث یہ ہی معتزلہ کا مذہب تھا۔ اہل سنت کے نزدیک۔ لفظِ کُنْ کلام نہیں نہ لفظی نہ نفسی نہ معنوی بلکہ نفاذِ قدرت ہے یعنی رب تعالیٰ جب اپنی قدرت کسی چیز پر نافذ فرماتا ہے تو وہ ایک دم ہو جاتی ہے بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ کُنْ سے مراد صفتِ تکوینی ہے جو صفتِ قدرت پر زائد ہے کیونکہ رب تعالیٰ اس جہان کے علاوہ دیگر بے شمار جہانوں پر قادر ہے ان لوگوں نے قادر و مقدور کے تعلق کا نام تکوین رکھا ہے مگر پہلا جواب درست ہے۔ تیسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْا لیکن سورۃ زخرف آیت ۶۵ میں فرمایا گیا فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ ظَلَمُوْا حالانکہ واقعہ ایک ہے۔ جواب۔ تفسیر فتح القدیر اور نیشاپوری نے یہ جواب دیا کہ کفر زیادہ ظاہر ہے ظلم سے یہاں عیسائیوں کا کفر مراد ہے یعنی ابن اللہ کہنا اور وہاں یہودیوں کی گستاخی مسیح کا ظلم مراد ہے جو اس کفر سے کمتر اور ہلکا ہے نیز یہاں واقعۂ مسیح ذرا تفصیل سے ہے وہاں اجمالاً و مختصراً اس لیے ظلم کا ذکر کیا گیا جو کفر سے مختصر ہے دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ظلم سے مراد بھی کفر ہے مگر ظلم مخصوص کفر ہے اور کفر ہر قسم کی نافرمانیِ الٰہی پر عام اس لیے یہاں پہلے عام اور ہر قسم کے کفر کا ذکر کیا گیا اور بعد میں وہاں صرف مخصوص کفر کا ذکر ہوا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

تفسیر صوفیانہ ذٰلِكَ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ۔ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ۔ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ۔

وہ مسیح قالب جو مربوبِ قلب ہے اسی کی صورت صداقت حق ہے مگر اہل نفسِ امارہ ایسے واضح کلماتِ الہامیہ میں بھی ہزار قسم کے شکوک شبہات ڈال کر باطل کا راستہ ہموار کرتے ہیں جب کبھی نفسانی حرکات و صفات نمودار ہوتی ہیں تو شانِ الٰہیہ کو پہچاننے والا بندۂ بے ریا کیفیاتِ قلب سے اُس کو بھانپ لیتا ہے۔ اور تب وہ رب تعالیٰ کی طرف راہِ فرار اختیار کرتا ہے۔ اور افلاکِ بسیط میں چرچہ کرتا ہے کہ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ سُبْحٰنَهٗ وتعالیٰ کو کسی شی کی حاجت نہیں۔ والدیت ولدیت سے پاک و منزہ اس کے حضور میں ورد و ظیفے چلّے مراقبے۔ تسبیح و تہلیل کرنے والے کروڑوں افراد و انساب جن انس پیر و مرید صوفی و صافی۔ اشراف و اخیار تمام ارضی و سماوی مخلوق ہر آن سجدہ ریز ہیں وہ ان عظیم قوتوں قدرتوں طاقتوں والا ہے کہ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا۔ جب کسی امرِ خفی و جلی اعلیٰ و اسفل اقرب و ابعد کا ارادہ فرماتا ہے تو اپنی قدرتِ صفاتی کو کلمۂ کُن سے جاری و نافذ فرماتا ہے اور وہ صفتِ قدرت عالمِ امکان

میں ظاہر ہو جاتی ہے نیست سے ہست ۔ معدوم سے موجود فنا سے بقا کے پیدا دے میں اور تصفیہ قلب کے ذریعہ اُس کی دلجمعی ہوتی ہے روح و روحانیات سے لگاؤ ہوتا ہے ۔ نفسانی حرکات سے اُس کے دل کو پریشانی لاحق ہوتی ہے ۔ کدورتوں کے بازاروں سے نفرت ہوتی ہے ۔ اسی وجہ سے وہ صرف اللہ تعالیٰ سے اپنا قلبی تعلق قائم کرتا ہے جو اُس کے قلب کو اُس کے نفس پر حاوی و غالب رکھتا ہے ۔ کُنْ صفت ہے فَیَكُونُ موصوف ہے کُن واحد ہے فَیَكُونُ کثرت ہے کُن صادر ہے فَیَكُونُ مصدر ہے ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّیْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ مَّشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ اور بے شک اے مسافرانِ راہِ سلوک صراطِ مستقیم صرف یہ ہے کہ تم ایک اللہ کی ہی عبدیت میں قدم ہمت رکھو اُس کی پرستش صرف اس کی ذات کے لیے کرو ۔ جیسا کہ خود رب کریم کا ارشاد ہے ۔ كُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ اے مریدانِ راہِ صفا اللہ تعالیٰ کے لیے مضبوط بن جاؤ اپنے جسموں اور روحوں کے ساتھ پورا انصاف کا معاملہ و مشاہدہ کرو اس طرح کہ نفس کی تذلیل اور قلب و روح کی تزئین کرو ۔ یہی صوفیانہ اخلاق ہے ۔ حقیقی عبادت یہی ہے لہٰذا اُسی خالق تعالیٰ معبودِ کائنات کی عبادت کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ۔ ربوبیتِ ظاہری و باطنی ازلی ابدی سِرّی و خفی اسی کے لائق ہے ۔ عوام اجسام سے خواص ارواح سے خاص الخواص پاسِ انفاس سے اسی مولیٰ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں ۔ احادیث میں ہے کہ دو فرشتے کاتبینِ اعمال ہیں اور چالیس فرشتے ذکر کی محفلیں ڈھونڈتے ہیں بندوں کو چاہیے کہ ذکرِ الٰہی میں متحد ہو جائیں پچھلی قومیں اسی لیے تباہ برباد ہوئیں کہ فَاخْتَلَفَ الْاَحْزَابُ مِنْۢ بَیْنِهِمْ ۔ انہوں نے اپنی نیتوں اور قلبی ارادوں میں اختلافاتِ کثیرہ کر کے اپنی خلوت و جلوت تباہ کر ڈالی کسی کا ذکر و عبادت حصولِ بہشت کے لیے کسی کی عبادت و زہد خواہشاتِ دنیوی کے لیے کسی کی عبادت ریا و نمود کے لیے ۔ پس بربادی ہے اُن لوگوں کے اعمال کو جنہوں نے سب محنت اغراضِ دنیوی کے لیے کی اور قربِ معرفت حاصل ہونے والے مشاہدۂ جمال کے دن کو نہ مانا ۔ اور اللہ کی عبادت اللہ تعالیٰ کے لیے نہ کی صوفیاءِ کرام کی اصطلاح میں قالبِ انسانی میں گیارہ تمثیلیں ہیں ۱ زکریا سے مراد روح ۲ زوجۂ زکریا سے قالب ۳ یحییٰ سے ذکر اللہ ۴ مریم سے قلب موسیٰ ۵ غلاما سے وارداتِ تجلیات ۶ بشرا سویا سے مرشدِ کامل ۷ جِذعِ النخلہ سے غذاءِ روحانی ۸ سریا سے علومِ معرفتِ ایمانی ۹ کتاب سے اسرارِ لامکانی ۱۰ قوم سے ارادۂ نفسانی ۱۱ اسلامتی سے مراد بقاءِ جاودانی ہے ۔ واللہ اعلم

أَسْمِعْ بِهِمْ وَأَبْصِرْ ۙ يَوْمَ يَأْتُونَنَا لَٰكِنِ الظَّالِمُونَ

کیسا ہوگا سننا ان کا اور کیسا ہوگا دیکھنا ان کا جس دن آئیں گے وہ سب ہماری بارگاہ میں لیکن آج تو یہ ظالم

کتنا سنیں گے اور کتنا دیکھیں گے جس دن ہمارے پاس حاضر ہوں گے مگر آج ظالم

الْيَوْمَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ ﴿۳۸﴾ وَأَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ

ظاہر ظہور گمراہی میں مشغول ہیں۔ اور اے پیارے محبوب ڈرا دیجئے ان کو پشیمانی کے دن سے

کھلی گمراہی میں ہیں اور انہیں ڈر سناؤ پچھتاوے کے دن کا

إِذْ قُضِيَ الْأَمْرُ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ وَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۳۹﴾

جب فیصلہ کر دیا جائے گا انجام کا وہ سب ظالم اسی غفلت کے حال میں رہیں گے اور وہ کبھی ایمان نہ لائیں گے

جب کام ہو چکے گا اور وہ غفلت میں ہیں اور وہ نہیں مانتے

إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِلَيْنَا

بے شک ہم ہی قبضہ و اختیار رکھتے ہیں تمام زمین کے اور ان تمام لوگوں کے جو اس پر موجود ہیں اور ہماری طرف ہی

بے شک زمین اور جو کچھ اس پر ہے سب کے وارث ہم ہوں گے اور وہ

يُرْجَعُونَ ﴿۴۰﴾ ع وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ ۚ إِنَّهُ رکوع ۵

سب لوگ لوٹائے جائیں گے۔ اور تذکرہ فرمایئے اس کتاب میں ابراہیم کا بے شک وہ

ہماری ہی طرف پھریں گے۔ اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو۔ بے شک وہ

كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا ﴿۴۱﴾ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ يَا أَبَتِ لِمَ

تھے سراپا سچائی (اللہ کی) خبریں بتانے والا۔ یاد کیجئے اس وقت کو جب فرمایا تھا اس نے اپنے باپ (مربی) کو

صدیق تھا نبی (غیب کی خبریں بتاتا)، جب اپنے باپ سے بولا اے میرے باپ کیوں

تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا (۴۲)

پوجتے ہو تم ان پتھروں کو جو نہ سن سکے اور نہ دیکھ سکے اور نہ بچا سکے تم کو کسی چیز سے

ایسے کو پوجتا ہے جو نہ سنے نہ دیکھے اور نہ کچھ تیرے کام آئے

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اشارۃً کفار کے چند کفریہ عقیدوں کا ذکر ہوا کہ خدا تعالٰی کے لیے اولاد بناتے پھرتے ہیں اور دین کے معاملات میں جھگڑا کرتے ہیں۔ اب اِن آیت میں اُن ظالم کافروں کے لیے ظلم کا انجام بیان فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں مَشْهَدِ یَوْمٍ عَظِیْمٍ یعنی قیامت کی حاضری کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُس روزِ قیامت سے ڈرانے کا تذکرہ ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت مسیح کا ذکر تھا جن کو ان کی بعد والی قوم نے ابنُ اللہ کہہ کر شرکِ عظیم کیا۔ اب اِن آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا تذکرہ ہے جن کی قوم نے نمرود کو معبود بنا کر شرک کیا۔

تفسیر نحوی اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ اَسْمِعْ افعال تعجب میں سے ایک فعل ہے افعل تعجب کے صرف دو صیغے ہوتے ہیں اُن کی گردان نہیں ہوتی ا۔ مَا اَفْعَلَ ۲۔ اَفْعِلْ بِهٖ جیسا یہ دونوں فعل ا۔ اَسْمِعْ اور ۲۔ اَبْصِرْ دوسرے صیغے کے وزن پر ہیں ان کی بناوٹ اور اشتقاق اسم تفضیل کی شل ہے یعنی ثلاثی مجرد کے مصدروں سے خود ان مصدروں کو مذکورہ بالا صیغوں کے وزن پر لایا جاتا ہے مثلاً حُسْنٌ مصدر سے مَا اَحْسَنَ اور اَحْسِنْ وغیرہ۔ لیکن ثلاثی مزید فیہ کے مصدر کو بذاتِ خود لا کر اُس سے شِدّت کے مصدر کو ان وزنوں پر پہلے لگایا جاتا ہے مثلاً مَا اَشَدَّ اِسْتِخْرَاجًا اور اَشْدِدْ بِاجْتِنَابِهٖ وغیرہ پہلے صیغے مَا اَفْعَلَ کی ترکیب اس طرح ہوتی ہے کہ مَا سوالیہ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اور اس کے بعد ایک ظاہر اسم یا ضمیر واحد غائب بارز اس کا مفعول بہ مثلاً۔ مَا اَفْعَلَهٗ یا مَا اَفْعَلَ تمیلًا۔ اور دوسرے صیغے اَفْعِلْ کی ترکیب اس طرح ہوتی کہ فعل کے بعد حرف جر بٓ ہوتی ہے اور اس کے ساتھ اس کا مجرور اسم ظاہر یا واحد ضمیر یا جمع غائب یا حاضر کی ضمیر ہوتی

ہے اور یہ جار مجرور اس کے متعلق ہوتے ہیں اور یہ صیغہ مصدری معنی نہیں ہوتا ہے اس لیے اس کا فاعل نہیں ہوتا۔ نیز دونوں صیغوں میں اکثر سوالیہ تعجب ہوتا ہے لیکن تعجب خبریہ بھی ہوتا ہے پہلی صورت میں ترجمہ ہے مثلاً مَا اَحْسَنَ زَیْدًا کس چیز نے اچھائی دی زید کو اور اَحْسِنْ بِزَیْدٍ کتنی اچھائی ملی زید کو یا کتنا اچھا ہونا ہے زید کا۔ دوسری صورت میں ترجمہ۔ کیا اچھا ہے زید اور اَحْسِنْ بِزَیْدٍ کیا خوب حسن ہے زید کا۔ یہاں تعجب سوالی ہے نہ کہ خبری۔ بعض نے فرمایا یہ خبریہ تعجب دلانے کے لیے ہے اور قیامت کے دن کے فرمانِ الٰہی کا ذکر ہو رہا ہے یا ملائکہ یا انبیا یا مومنین کی گفتگو کا بیان ہے کہ قیامت کے دن وہ کہیں گے کہ دیکھو آج کیسے دیکھ رہے ہیں اپنی اس حالت کو دنیا میں مانتے ہی نہ تھے۔ نیز دونوں صیغوں کے معمولوں میں تقدم و تاخر یا کسی چیز کا فاصلہ جائز نہیں ہے۔ اَسْمِعْ۔ سَمْعٌ سے مشتق ہے بِهِمْ۔ جار مجرور متعلق ہے دونوں اصل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَبْصِرْ بَصَرٌ سے بنا ہے۔ اس کا متعلق بِهِمْ پوشیدہ ہے پہلے بِهِمْ کے قرینے سے اس کا پوشیدہ رکھنا تخفیف کے لیے جائز ہے۔ یَوْمَ مضاف یَاْتُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع معروف مستقبل جمع مذکر غائب اَتْیٌ مہموز الفا اور ناقص یائی سے بنا ہے لازم ہے بمعنی آنا۔ اصل میں تھا۔ یَاْتِیُوْنَ۔ ی ثقیل تھی گر گئی اس کا ضمہ ماقبل پر آگیا۔ ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مضاف الیہ یوم کا مرکبِ اضافی معطوف علیہ لٰکِنْ حرف عطف اِسْتِدْرَاک کے لیے یہاں جملے کا جملے پر عطف ہے لٰکِنْ دو قسم کا ہوتا ہے (۱) حرفِ تشبیہ مُثَقَّلَہ سے مخفف کیا ہوا۔ (۲) حرفِ عطف اپنے اور اصل سے مخفف) یہاں یہی ہے اس کی نون کا کسرہ اگلے لفظ سے ملانے کی وجہ سے ہے۔ اَلظّٰلِمُوْنَ۔ الف لام اِستغراقی یعنی تمام تا قیامت ظالم۔ ظالمون اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتداء اَلْیَوْمَ۔ اسم ظرف زمانی۔ ظرف ہے پوشیدہ اسم مفعول مَشْغُوْلُوْنَ جمع مذکر کا۔ فِیْ جارۃ ظرفیۃ مکانی کے لیے ضلال موصوف مُبِیْنٌ اسم فاعل واحد مذکر باب افعال سے یہ صفت ہے موصوف صفت مجرور متعلق ہے مَشْغُوْلُوْنَ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا یا تُوْنَنَا کا دونوں مل کر مضاف الیہ یَوْمَ کا یہ مرکب اضافی ظرف ہوا افعالِ تعجب کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ نہر جملہ اَنْذِرْ۔ بابِ افعال کا فعل امر حاضر معروف اس کا مصدر ہے اِنْذَارٌ نَذْرٌ سے بنا ہے ہر حالت میں متعدی ہوتا ہے ترجمہ ہے ڈرانا۔ ھُمْ ضمیر جمع

غائب کا مرجع ظَالِمُوْنَ ہے۔ یَوْمَ مضاف اَلْحَسْرَةِ۔ الف لام عہد ذہنی حسرت اسم مفرد جامد بمعنیٰ پچھتاوا، پشیمانی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے۔ اور مفعول بہ اول ہُمْ ضمیر ہے اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ۔ اِذْ ا، اسم ظرف ہے یہاں زمانِ مستقبل کے لیے۔ قُضِیَ ماضی مطلق مجہول بابِ ضَرَبَ سے ہے یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے۔ اِذْ کی وجہ سے۔ حقیقۃً یقینیہ کے لیے ماضی فرمایا گیا۔ گویا ایسا ہو ہی گیا۔ اَلْاَمْرُ۔ اسم مفرد معرفہ بمعنیٰ خصوصی فیصلہ انجام یہ نائب فاعل ذوالحال ہے واؤ حالیہ ہُمْ ضمیر مبتدا فِیْ جارّہ ظرفِ مکانی کے لیے غَفْلَةٍ اسم مفرد جامدِ حاصل مصدر غَفْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کسی چیز کا ذہن سے اتر جانا۔ یعنی علم ہو یا بتایا گیا ہو مگر ذہنی کمزوری یا ناتجربہ کاری یا لاپرواہی۔ یا نادانی یا بے خبری کی وجہ سے ذہن سے بات اتر جائے۔ بعض جہلا نے غفلت کا معنیٰ بے علمی کیا ہے وہ غلط ہے۔ بے علمی توجہالت کو کہا جاتا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدُوْنَ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا خبر مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ہُمْ ضمیر مبتدا لَا یُؤْمِنُوْنَ فعل مضارع منفی بِلَا۔ ہُمْ پوشیدہ اس کا فاعل۔ جملہ فعلیہ خبر مبتدا۔ دونوں مل کر معطوف سب عطف مل کر حال ہوا اَلْاَمْرُ کا۔ ذوالحال حال مل کر نائب فاعل قُضِیَ کا سب جملہ فعلیہ ظرف ہوا اَنْذِرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ۔ اِنَّا، دراصل اِنَّنَا ہے اِنَّ حرفِ مشبہ، نَا ضمیر جمع متکلم متصل نَحْنُ، ضمیر جمع متکلم منفصل تاکیدِ حصر کے لیے ترجمہ ہے۔ بے شک ہم ہی یہ دونوں ضمیر تاکید ومؤکَّد مؤکِّد مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ نَرِثُ ثلاثی مجرد شاذ کا پہلا باب حَسِبَ کا فعل مضارع جمع متکلم۔ وِرْثٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے۔ بلاعوض کسی استحقاق کی وجہ سے کسی چیز کا مالک ہونا استحقاق چار قسم کا ہے ۱ قرابت داری کا حق میت پر ۲ عقل کی ذہانت کا حق علما اولیا صوفیا ہو پر ۳ سیاسی ملکی حق سلاطین پر ۴ خالق تعالیٰ کا حق مخلوق پر۔ ہر وراثت اپنے اپنے معنیٰ کے اعتبار سے ہے یہاں مراد حقیقی دائمی ازلی وراثت ہے نَرِثُ کا فاعل ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اَلْاَرْضَ۔ الف لام جنسی یا استغراق اَرْض بمعنیٰ زمین معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ اسم موصول عَلَيْهَا۔ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول واحد مذکر کا موجودٌ اپنے متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ معطوف ہوا۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہے نَرِثُ کا۔ یہ تمام جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِلَيْنَا ترجمہ ہے۔ ہماری طرف یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اس مقدم یعنی پہلے ہونے سے حصر

کا فائدہ حاصل ہوا۔ یَرْجِعُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لوٹنا۔ ھُمْ پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے فاعل ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّهٗ کَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا ۔
واؤ۔ برجملہ۔ بعض نے فرمایا یہ عاطفہ ہے اور عطف ہے سابقہ فعل اَنْذِرْ پر اُذْکُرْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم بابِ نَصَرَ سے ہے ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ تذکرہ کرنا۔ بتانا۔ فِی الْکِتٰبِ۔ جار مجرور۔ کتاب سے مراد قرآنِ مجید۔ ابراہیم اسم مفرد غیر منصرف، مفعول بہ اول ہے فِی الْکِتٰبِ متعلق ہے اُذْکُرْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ ہٗ ضمیر کا مرجع اِبْرٰهِیْمَ اسم ہے اِنَّ کا کَانَ۔ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم۔ صِدِّیْقًا۔ بروزنِ فِعِّیْلًا اسم مبالغہ ہے بمعنیٰ سراپا سچائی۔ اتنا سچا کہ جو کہہ دے وہی ہو جائے۔ صِدْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سچ بولنا خبرِ اول ہے کَانَ کی نَبِیًّا اسم مفرد صفت مشبہ بروزنِ فعیل اسم صفاتی ہے تمام رُسُلِ کرام علیہم السّلام اس کی جمع ہے انبیاء۔ نَبْوٌ سے مشتق ثلاثی مجرد مطرد کے پانچویں باب سے ہے۔ ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کی باتوں کی خبر دینے والا۔ یہ خبر دوم ہے کَانَ کی کَانَ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنی اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِذْ۔ اسم ظرفِ زمانی۔ اس سے پہلے اُذْکُرْ پوشیدہ ہے یہ تمام عبارت جملہ قولیہ اس کا ظرف ہے۔ قَالَ۔ فعل ماضی ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ابراہیم لام حرفِ تعدیہ جارہ اَبِیْ۔ اسم مکبرہ بحالتِ کسرہ بمعنیٰ مُرَبِّی در شتے دار پرورش کرنے والے (عربی زبان میں ہر مربی مرد کو اَبٌ اور ہر مربیہ عورت کو اُمٌّ کہہ دیا جاتا ہے وَالِدٌ اور اَبٌ۔ والدہ اور اُمٌّ میں عام خاص من وجہ کی نسبت ہے یعنی ہر والد اَبٌ ہوتا ہے لیکن ہر اَبٌ والد نہیں ہوتا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے قَالَ کا۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یَا حرفِ ندا۔ اَبَتِ اس کی اصلیت میں دو قول ہیں ۱۔ یہ دراصل یَا اَبٌ تھا۔ بمعنیٰ اے باپ تَ مکسورہ آخر میں ندا کی وجہ سے زائد کی ۲۔ دراصل تھا یَا اَبِیْ۔ بمعنیٰ اے میرے باپ یاءِ متکلم گرا کر اس کے عوض تَ لگائی اور تَ کو کسرہ دیا تاکہ یٰ کا نشان قائم رہے۔ اور یہ ہی درست ہے یہ منادیٰ ہے۔ لِمَ۔ یہ مرکب لفظ ہے لام تعلیلیہ اور مَا استفہامیہ سے۔ تخفیف کے لیے مَا کا الف گر گیا۔ یہ ہمیشہ سوال کے لیے آتا ہے یہاں سوال انکاری کے لیے

یعنی ایسا نہ کرو۔ تَعْبُدُ۔ بابِ نَصَرَ مضارع معروف واحد مذکر حاضر حال۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ مَا اسم موصول بحالتِ فتحہ کیونکہ مفعول بہ ہے ماقبل فعل کا۔ لَا یَسْمَعُ۔ مضارع حال منفی اس فاعل ھُوَ پوشیدہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یُبْصِرُ فعل ھُوَ پوشیدہ فاعل یہ بھی جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یُغْنِیْ۔ بابِ افعال کا مضارع حال منفی بلا۔ غِنًی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِغْنَاءٌ بمعنی بے پرواہ بے محتاج بنا دینا۔ یا بمعنی محفوظ کر دینا بچانا ہٹانا یہاں سب معنی درست ہیں۔ عَنْ حرفِ جرّ زوالی یعنی دور کرنا کَ ضمیر حاضر کا مرجع اَبَتِ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُغْنِیْ۔ شَیْئًا۔ اسم مفرد نکرہ۔ مفعول بہ لَا یُغْنِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف۔ سب مل کر عطف صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا تَعْبُدُ کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر بیان ہوا ندا کا۔ حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ یَوْمَ یَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْیَوْمَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِیَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔

اے پیارے محبوب آج یہ کفار و بدکار۔ اپنی قوت طاقت دولت حکومت کے غرور میں اپنا سب انجام بھولے بیٹھے ہیں جو شیطان ان کو سنا دے بس وہی سنتے مانتے ہیں اور جو دنیوی روشنیوں کی چکا چوند جھلک ان کو دکھاؤ بس وہی دیکھتے ہیں۔ سننا تو وہ ہوگا جب اپنی سزاءِ دائمی کا اعلانِ قیامت سنیں گے اور دیکھنا بھی ہوگا جب وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جہنم کے ویل کو دیکھیں گے آج کیا دیکھنا آج کیا سننا دنیا کی تو ہر چیز ہی پلک جھپکتے لمحہ گننے کی ہے اس دن کیا سننا اور کیا دیکھنا ہوگا جب وہ سب کے سب ہمارے پاس پکڑے جکڑے گرتے پڑتے آئیں گے مگر آج کتنا ہی ڈراؤ سمجھاؤ دامنِ اسلام میں بلاؤ کبھی نہ مانیں ظالم اپنی گمراہی میں ہی مست پھر رہیں گے۔ گمراہی کو ہی درست راہ اور دشمن کو ہی دوست سمجھتے رہیں گے۔ اور اے محبوب آپ پھر بھی اُن کو حسرت و مایوسی کے دن سے ڈراتے ہی رہو کہ اے بدبختو انجام کا فیصلہ تو کر دیا گیا ہے۔ تقدیر تو مُبْرَم ہو چکی ہے کسی کے ٹالے سے نہ ٹلے گی نہ کسی دعا سے نہ التجا سے نہ فریاد سے۔ قیامت والے آخری حسرت کے دن تو سنایا جائے گا بتایا جائے گا کہ کفر پر مرنے والے کے لیے یہ عذابِ الیم وَیل جہنم کا فیصلہ کیا گیا تھا چونکہ آج تو وہ ابلیس کے پھندوں میں پھنسے ہوئے ہیں اور ہر طرح کے عیش و آرام

ہیں ہیں اس لیے غفلت کی تہوں میں دبے ہیں آخرت کی سختی اور آپ کی نصیحتوں کو کبھی بھی نہ مانیں گے نہ مومن بننے کی دائمی شان و عزت حاصل کریں گے۔ تمام مفسرین کرام اس بات پر متفق ہیں کہ اَنْذِرْهُم میں تمام انسان تاقیامت مراد ہیں کافر غافل گناہگار فاسق فاجر سب ہی قسم کے انسان کو ڈراتے خوف دلانے کا حکم فرمایا جا رہا ہے اور اگرچہ اَنْذِرْ امر واحد کا صیغہ جس سے مراد آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی خطاب مگر بالتبع خطاب میں تمام علماء و مشائخ شامل کر اپنے اپنے حلقے کو یَوْمَ الْحَسْرَةِ سے ڈراؤ یومُ الحسرت سے مراد اکثریت کے نزدیک قیامت کا دن ہے اور یہی قولِ جمہور درست ہے اس لیے کہ اصل حسرت اور مایوسی اُسی آخری وقت آخری دن ہوگی۔ کفار کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم ایمان لے آتے اِس حسرت اور افسوس میں اُن کے کلیجے پھٹ جائیں گے۔ فاسقین غافلین کو بھی حسرت ہوگی کہ کاش ہم ہمہ وقت اللہ کی عبادت میں وقت گزارتے ایسے رحیم کریم اپنے خالق مالک رازق کی ذرہ بھر نافرمانی نہ کرتے اور ذرہ بھر گناہ کے قریب نہ جاتے یہ غفلتیں۔ سُستیاں۔ بے نیندیں اُس دن بہت پریشان کریں گی رُلائیں گی اور حسرت و افسوس کے پسینے بہائیں گی عابدین کو حسرت ہوگی کہ کاش ہم اور زیادہ عبادت کر لیتے۔ یہ دنیا کی قیمتی سانسیں پھر کب ملنا ہیں ایک سانس بھی ضائع نہ کرتے۔ قیامت کے دن کے انیس[19] نام ۱۔ یومُ الحسرۃ ۲۔ یومُ القیامۃ ۳۔ یومُ الساعۃ ۴۔ یومُ الحساب ۵۔ یومُ الحشر ۶۔ یومُ الجزاء ۷۔ یومُ الفرقان ۸۔ یومُ المیزان ۹۔ یومُ الفراغ ۱۰۔ یومُ الدّین ۱۱۔ یومُ الفرار ۱۲۔ یومُ الفزع ۱۳۔ یومُ الجزع ۱۴۔ یومُ العظیم ۱۵۔ یومُ المشہد ۱۶۔ یومُ الفُرط ۱۷۔ یومُ الموعود ۱۸۔ یومُ القارعۃ ۱۹۔ یومُ الحاقّۃ بعض نے فرمایا کہ جنت میں اونچے مقام لینے کی حسرت ہوگی۔ مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ جنّت مقامِ سُرور ہے اور حسرت باعثِ کلفت و دل تنگی جنّت میں دل تنگی نہ ہوگی ہر جنتی کو اتنا آرام و راحت ہوگا کہ کسی مقام کے بدلنے کا تصوّر بھی نہ آئے گا جیسا کہ پچھلی آیتِ کہف میں گزرا۔ بعض لوگوں نے کہا یومُ الحسرت سے مراد فتوحاتِ اسلامیہ کا زمانہ ہے مگر یہ بھی غلط ہے اس لیے کہ اوّلاً تو دنیوی فتوحات کوئی صداقت کی دلیل نہیں دوم یہ کہ فتوحات کے نقشے بدلتے رہتے ہیں بدر و اُحد کے علاوہ بعد کی تاریخیں کتنے مختلف رنگ دکھاتی چلی آ رہی ہیں کبھی کفر کا غلبہ تو کبھی مسلمانوں کا۔ سوم یہ کہ شکست سے حسرت نہیں ہوتی بلکہ یا تو یا تو بزدلی پیدا ہو جاتی ہے یا انتقامی جذبہ تیز ہوتا ہے اور آئندہ کی تیاریِ جنگ اور

اگر کسی موقعہ پر تخت و تاج چھوڑتے وقت حسرت ہو بھی تو وہ صرف بادشاہ اور اُس کے خاندان یا اہلِ دربار اُمَرا و وُزَرا کو، رعایا کو اس حسرت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔ اور پھر یہ حسرت تو اپنوں کے ہاتھ سے بھی ہو سکتی ہے۔ اِس وقتی خصوصی ناپائیدار سلطنت کے لیے ناپائیدار حسرت سے ڈرانے کے لیے اللہ تعالیٰ کو اَنۡذِرۡهُمۡ فرمانے کی ضرورت نہ تھی۔ اور یہ حسرت تو کئی دفعہ کفار کے ہاتھوں مسلمان بادشاہوں کو بھی کرنی پڑی اِن تاریخی شکست و ریخت اُکھیڑ پکھیڑ سے کون ناواقف ہے لہٰذا ایسی تفسیریں کرنا حماقت و جہالت و مضحکہ خیزی ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَرِثُ الۡاَرۡضَ وَمَنۡ عَلَيۡهَا وَاِلَيۡنَا يُرۡجَعُوۡنَ اِس بات میں کوئی شک تردد امتراء اور ریب نہیں ہے کہ بیشک ہم ہی خالقِ مالک رازق ہونے کی حیثیت سے صرف اور صرف اِس پوری کائناتِ اَرضی کے ازلی ابدی قدیمی وارث اور بالاستحقاق بلاعوض مالک و متصرف ہیں۔ جسے چاہیں دیں جس کو چاہیں نہ دیں جس سے چاہیں چھین لیں کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں اور صرف روئے زمین ہی نہیں بلکہ وہ تمام جمادات نباتات حیوانات۔ جنات۔ انسانات جو اِس زمین پر بسے ہوئے ہیں اُن کے بھی ہم ہی وارث مربی و نگہبان ہیں۔ اُن کے ہر ہر حال و ضرورت سے خبردار ہیں۔ اور یہ سب نافرمان مشرو کفار جن و انس کل یوم حسرت ہماری طرف ہی قبروں سے اُٹھ اُٹھ کر لوٹائے جائیں گے۔ یہ سب ہماری ہی بارگاہ سے نیست سے ہست معدوم سے موجود ہو کر ہماری عبادت کرنے کے لیے زمین پر بھیجے اور بکھیرے گئے تھے۔ وَاذۡكُرۡ فِى الۡكِتٰبِ اِبۡرٰهِيۡمَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيۡقًا نَّبِيًّا اور اے چشمۂ علم و حکمت کی زبان والے محبوب اپنی کتاب قرآن و حدیث میں ہمارے ملکوت و ملک کے خلیل ابراہیم کا ساری مخلوقِ انسانیت کے سامنے چرچہ فرمایئے اُن کی شان و کمال صفات و حالات۔ تعلیم و تربیت۔ شریعت و ملت سب کے سامنے تذکرہ کیجیے تاکہ یہود و نصاریٰ کی اُن عیاریوں مکاریوں کا پردہ چاک ہو جائے جو انہوں نے توریت و انجیل کی آیتوں میں تغیر و تبدل کر کے ابراہیم کی سچی توحیدی عقیدت اور مضبوط کردار مربوط اعمال بہترین خصائلِ چمکدار فضائل پر کذب و افترا کے پردے ڈال رکھے ہیں خاص کر ان سردارانِ مکہ اور عرب دنیا کے سامنے جن پر اَتۡلَاۤ۔ اَنۡتَسَابًا۔ نَسۡلًا۔ قَرَابَتًا دِيۡنًا مِلَّتًا۔ عقلاً۔ نقلاً ہر طرح ابراہیم علیہ السلام کی اتباع اور پیروی فرماں برداری واجب و لازم ہے کیونکہ ابراہیم علیہ السلام ہی اَبُوالعرب اور تمام عربیوں کے جَدِّ اعلیٰ ہیں۔ نسل عربی کی بنیاد رکھنے والے اسماعیل علیہ السلام کے والدِ محترم ہیں۔ اے عربیو اِس وجہ سے بھی

تم کو بُت پرستی چھوڑنی لازم ہے کیونکہ تمہارے جدِ اعلیٰ ابراہیم بُت ساز و بُت پرست نہ تھے۔ اور ان کی ملت کی وجہ سے ان سے تعلق کا دعوٰی کرتے ہو تب بھی تم کو بُت پرستی چھوڑنی واجب و لازم اے اہل عرب اگر تم خاندانیت ابراہیم پر فخر کرتے ہو تو مذہبی دینی تعلق اور حسبی نسبی دنیوی تعلق غرضکہ ہر تعلق اخلاقاً فطرتاً تم کو اتباعِ ابراہیم علیہ السّلام پر مجبور کرتا ہے۔ ہمارے ابراہیم جامع صفاتِ کمالیہ تھے ہمہ صفت موصوف تھے۔ وہ صادق بھی تھے صدیق بھی نبی بھی تھے رسول بھی۔ صدیق اور نبی میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر نبی صدیق ہوتا ہے مگر ہر صدیق نبی نہیں ہوتا۔ صدیق کی چھ نشانیاں ۱؎ بہت زیادہ سچ بولنے والا ۲؎ ہمیشہ سچ بولنے والا ۳؎ سچائی اُس کے ساتھ لازم اور اس کا نشان و علامت بن جائے ۴؎ سراپا سچ بن جائے ۵؎ اپنے قول فعل عقیدے سے حق کی تصدیق کرنے والا ۶؎ ایسا سچا اور مقبولِ بارگاہ کہ جیسا اُس کے منہ سے نکل جائے تو رب تعالیٰ اپنے کرم سے اُس کی لاج رکھ لے اور ویسا ہی ہو جائے۔ رب تعالیٰ نے چار گروہ کو انعامِ خصوصیہ سے نوازا ۱؎ انبیاءِ کرام علیہم السلام ۲؎ صدیقین ۳؎ شہداءِ عظام ۴؎ صالحین۔ اسی طرح ولایت اور صدیقیت میں نسبت عام خاص مطلق کی ہے یعنی ہر صدیق ولی اللہ ہے مگر ہر ولی اللہ صدیق نہیں ہوتا۔ نبوت کے بعد صدیقیت کا درجہ ہے پھر شہدا پھر صلحا کا۔ نسبتیں چار قسم کی ہوتی ہیں ۱؎ نسبتِ تساوی ۲؎ تباین ۳؎ عام خاص من وجہ ۴؎ عام خاص مطلق۔ (تفسیر فتح القدیر و معانی) اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَ لَا یُبْصِرُ وَ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْــٴًـا اے مشاہدِ عالم حبیب دو جہان ان تمام اہلِ عرب اولادِ ابراہیم کو اپنا وہ مشاہدہ بھی یاد کراؤ جب فرمایا تھا ابراہیم نے اپنے پرورش گاہ بھرے گھر میں اپنے مُربّی آذر سے کہ اے میرے مُربّی۔ تو کیوں پوجتا پرستش کرتا ہے ان اپنے ہاتھ کے بنائے ہوئے بتوں مورتیوں کو جو نہ کچھ سُن سکتے ہیں اور نہ کچھ دیکھ سکتے۔ اور نہ تجھ کو کسی بھی چیز سے بچا سکے یا تجھ کو کچھ بھی غنی کر سکے نہ تیرے کسی مصرف میں آئے نہ خود ہی تیرے ہاتھ سے بچ سکے جہاں چاہے تو بھی اُس کو رکھے پھینکے یا توڑے پھوڑے۔ کیا ایسی ناقص کمزور بے بس چیز معبود ہو سکتی ہے۔ معبود تو وہ ہو سکتا ہے جس میں یہ سولہ صفاتِ قوتیہ ہوں ۱؎ خالقیت ۲؎ رازقیت ۳؎ زندہ کر سکنا ۴؎ مردہ کر سکنا ۵؎ مقتدر ہونا ۶؎ معاقب یعنی نافرمان کو عذاب دے سکنا ۷؎ مثیب ہونا ۸؎ استغنا ۹؎ اغنا۔ یعنی غنی کر بھی سکے ۱۰؎ صمدیت ۱۱؎ مالکیتِ ازلیہ ۱۲؎ عالمیت۔ تمام عالمین کے ذرّے ذرّے کو جاننا

بھیجانا ١٣ تمام اسباب کا مالک ہونا ١٤ اور مہیا ہونا ١٥ انیت سے ہست معدوم کو موجود کرسکنا ١٦ غالب ہونا۔ انسان کی الوہیت کے بارے کتنی سخت حماقت ہے اور خود ساختہ انتخاب کتنا غلط اور بیہودہ اور احمقانہ ہے۔ کتنا کرم ہے رب کریم کا کہ اُس نے اپنے دین وعبادت کے کام بندوں کے سپرد نہ فرمائے اور اُس کے لیے اپنے انبیاء علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا کسی کو صفی کسی کو خلیل کسی کو ذبیح کسی کو نجی کسی کو کلیم کسی کو مسیح اور کسی کو حبیب اللہ بنا کر وغیرہ وغیرہ صلی اللہ علیہ وآلہ وعلیہم اجمعین وسلّم علیہم۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ بدقسمت انسان وہ ہے جو حق بات نہ سمجھ سکے اور گمراہی میں پڑا رہے دیکھو حضرت عیسٰی علیہ السّلام نے اپنے ایک روزہ عمر کے بچنے میں اتنے فصیحانہ طریقے سے وعظ فرمایا جس میں سب سے پہلے اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ فرمایا۔ اتنی ہی عمر کا یہ کلام بجز معجزہ نہیں ہوسکتا چاہئے تو یہ تھا کہ سب سننے والے اس کو قدرتِ الٰہی کا کلام سمجھ کر اس پر سچا پکا ایمان لے آتے مگر جن کی قسمت میں بدنصیبی تھی ایسے معجزانہ کلام کو سن کر بھی گمراہی رہے اور جن کو عقیدت و محبت بھی آئی تو وہ بھی مشرکانہ کہ حضرت مسیح کو اللہ یا ابنُ اللہ کہنا شروع کر دیا۔ یہ سب کچھ نفسِ امارہ اور صحبتِ بد کا اثر تھا۔ اللہ تعالٰی ہر مسلمان کو صحبتِ بد سے بچائے آمین یہ فائدہ لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ یہ بھی رب تعالٰی کا کرم ہے کہ مولیٰ تعالٰی نے قرآن وحدیث کے ذریعے اپنے تمام بندوں کو دنیا و آخرت قبر و حشر کی ہر چیز ہر واقعہ سے مکمل طور پر آگاہ اور خبردار فرما دیا ہے تاکہ بچنے والے بچنے کی کوشش اور فکر کریں اور ضد کرنے والوں کو کوئی عذر باقی نہ رہے یہاں تک احادیثِ مبارکہ میں خبر دیدی گئی ہے کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی جہنم چلے جائیں گے اور میدانِ حشر اٹھا لیا جائے گا تب کچھ عرصہ کے بعد ایک جگہ موت کو دنبہ کی شکل میں لایا جائے گا۔ اور سب جنتی۔ جہنمی لوگوں کو اپنے اپنے میدان میں جمع کرکے وہ دنبہ دکھایا جائے گا اور اعلان ہوگا کہ یہ ہے موت۔ پھر اُس کو بھی سب کے سامنے ذبح کر دیا جائے گا اور کہا جائے گا کہ آج کے بعد اب کسی کو موت نہ آئے گی بس جو جہاں ہے وہ وہیں پر اَبَدُ الْاٰبَاد تک رہے گا۔ یہ عبرت ناک فائدہ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیا عجیب وہ وقت ہوگا۔ اللہ اکبر۔ تیسرا فائدہ رب تعالٰی نے اپنے چار قسم کے بندوں کو دنیا و آخرت کے انعامات و مراعات و درجات اور

ذکرِ خیر سے نوازا ہے جن میں تین کا حصول تو مشکل یا ناممکن ہے مثلاً نبوت کا حصول ناممکن صدیقیت کا مقام بھی ویسی ہے ، شہادت پانے کا مقام دشوار و مشکل ہے لیکن عام بندوں کو صالحین کا مقام حاصل کرنا آسان ترین اور اختیار میں ہے صرف قلبی لگن اور محنت کی ضرورت ہے ۔ ہر مسلمان کو اپنی دنیوی زندگی میں اس حصول کی کوشش کرنی چاہیے اللہ سب کو توفیق عطا فرمائے یہ فائدہ صِدِّیقًا نَّبِیًّا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا ۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں ۔ پہلا مسئلہ ۔ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام دنیا کے تمام مراحلِ زندگی کے ہر لمحہ ہر آن صادق ۔ اَلصّدق بلکہ صِدّیق ہیں جو سچائی اور حقانیت کا سب سے اونچا اور بلند ترین مقام ہے ۔ جو بدبخت شیطان نما انسان کسی نبی کو یا ابراہیم علیہ السّلام کو جھوٹ بولنے کی تہمت لگائے وہ بدترین گمراہ ہے ایسے ہی وہ شخص بدترین گستاخ و مردود ہے جو یہ کہے کہ انبیاءِ کرام جھوٹ بول سکتے ہیں مگر اپنی مرضی سے بولتے نہیں ۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ انبیاء علیہم السّلام تمام گناہِ صغیرہ کبیرہ کے علاوہ جھوٹ سے بھی معصوم ہیں اور کذبِ انبیاء محال ہے ہر مسلمان کا فرضِ اوّلین ہے ایمانِ صحیح کے لیے یہ ہی عقیدہ لازم ہے پس جو شخص ابراہیم علیہ السّلام کے متعلق کہے کہ انہوں نے اپنی زندگی میں تین جھوٹ بولے ۱ بیوی کو بہن کہا ۲ بتوں کو خود توڑ کر کہا کہ بڑے نے یہ کام کیا ۳ تندرست ہونے کے باوجود کہا اِنِّی سَقِیْمٌ میں بیمار ہوں ایسا شخص جاہل اور بے علم ہے یہ اقوال جھوٹ نہ تھے بلکہ توریہ تھے اِس کی تفصیل اور وضاحت اُن ہی آیت کی تفسیر میں دیکھی جائے ۔ یہ مسئلہ یہاں ۔ صِدِّیقًا فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ انبیاءِ کرام کے لیے تو امکانِ کذب بھی ناجائز ہے اعلیٰحضرت مجدد بریلوی فرماتے ہیں کہ جب کذب ممکن تو صدق ضروری نہیں رہا ۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ششم ص۲۷۶ مسئلہ امکانِ کذب کا رد) دوسرا مسئلہ تبلیغ کئے جانا ہر عالم کا فرض ہے کوئی مانے یا نہ مانے ۔ یہ مسئلہ وَاَنْذِرْهُمْ کے بعد وَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا تیسرا مسئلہ ۔ دینی احکام کی تبلیغ میں کسی بھی شخصیت کی رُو رعایت جائز نہیں بلکہ ہر غلط کار انسان کو سمجھانا علماء کا فرض ہے خواہ وہ غلط کار انسان دینی بزرگ ہو یا دنیوی امیر وزیر ہو یا بادشاہ و حاکم یہ مسئلہ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ کی پوری آیت سے مستنبط ہوا ۔ کہ دیکھو ابراہیم علیہ السّلام نے حقِ تبلیغ میں اپنے مربی چچا آزر کی بزرگی کا خیال نہ کیا نہ یہ خوف کیا کہ چچا مجھے مارے گا یا گھر سے نکال دے گا نہ یہ رعایت کی کہ امیر و بزرگ ہے مجھے

بچپن اور یتیمی سے پرورش کرنے والا ہے۔ اس سے وہ علما اور مشائخ عبرت پکڑیں جو اپنی انجمن یا مریدوں کے ڈر یا رعایت سے دینی مسائل چھپا لیتے ہیں یا توڑ موڑ کر دیتے ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض اَسۡمِعۡ بِہِمۡ وَاَبۡصِرۡ یہ دونوں فعل تعجب کے صیغے ہیں۔ رب تعالیٰ کے کلام میں یہ تعجب کیوں اللہ تعالیٰ تو تعجب فرمانے سے پاک ہے اس لیے کہ تعجب بے خبر کو ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ ماضی حال مستقبل سب سے باخبر ہے ہر ایک کے عمل و ثمر کو جانتا ہے بھلا اُس کو تعجب کیونکر ہو سکتا ہے۔ جواب اس بات کی وضاحت تفسیر نحوی میں کر دی گئی ہے۔ یہاں اتنا سمجھ لو کہ یہاں تعجب کرنا مراد نہیں بلکہ تعجب دلانا مراد ہے۔ کفار کو ترعبرت و غیرت دلانے کے لیے اور مسلمانوں و اہل ایمان کو حالاتِ اُخروی کی آگاہی و علمی معلومات و تبلیغِ احکام کے لیے یہ جواب تفسیر فتح القدیر نے دیا ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ افعالِ تعجب نہیں ہیں بلکہ صیغۂ امر ہیں ترجمہ ہے سنو اُن کی اور زور دار دیکھو کفار کو از تفسیر مظہری بعض نے فرمایا کہ یہ صیغے تو فعل تعجب کے ہی ہیں مگر مقصود تعجب دلانا نہیں بلکہ تہدید اور جھڑک ہے اردو محاورے میں اس طرح جھڑک دینا مشہور ہے۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ تعجب کرنا یا دلانا مراد نہیں بلکہ کفار جب میدانِ محشر کی ہولناکی اور اپنی بے بسی و ہلاکی کی خبریں دیکھیں سنیں گے تو خوف و ڈر کی بنا پر تعجب و حسرت آمیز گفتگو کرتے ہوں گے یہاں اُس تعجب کی حکایت کی جا رہی ہے۔ تعجب کی تعریف یہ ہے کہ کسی چیز کو کسی بڑائی کی وجہ سے بڑا سمجھ لینا۔ محاورۃً صرف بڑا سمجھنے کو تعجب کہا گیا اس کا کوئی سبب یا تو سرے سے ہی نہ ہو یا ہو مگر پوشیدہ ہو۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔ دوسرا اعتراض لَا یُغۡنِیۡ عَنۡکَ شَیۡئًا ۔ یعنی یہ لکڑی پتھر وغیرہ جن کے تم نے بُت تراش لیے ہیں تم کو کچھ فائدے نہیں پہنچا سکتے حالانکہ لکڑی پتھر تو بہت کار آمد چیز ہے اس سے بہت فائدے پہنچتے ہیں یہ چیزیں بہت مفید بھی ہیں اور ان کے ذریعے لوگ بہت زیادہ غنی و مالدار ہو جاتے ہیں تو یہاں غِنا کی نفی کیوں کی گئی۔ جواب۔ معترض نے محض اپنا اعتراض بنانے کے لیے آیت کا مطلب و منشا غلط کر دیا۔ اگر صحیح معنیٰ دیکھا جائے تو کوئی اعتراض نہیں پڑتا۔ صحیح معنیٰ یہ ہے کہ لکڑی پتھر سے جب یہ دو کوڑی کے بُت تراش لیے تو اب یہ بحیثیت معبود بنائے جانے کے کیا فائدہ دے سکتے ہیں۔ کچھ بھی نہیں۔ جو ذمہ داری سچے معبود کی ہوتی ہے وہ یہ بت ذرہ بھر ادا نہیں کر سکتے آیت میں اُس لکڑی و پتھر کی معبودیت کا ذکر ہے نہ کہ اُن کی مالیت و جسمیت کا معترض نے اُن کی مالیت کے اعتبار سے اعتراض کیا ہے نیز مالیت کے لحاظ سے بھی جتنا پتھر یا جتنی لکڑی بُت میں لگتی ہے وہ بھی کوئی حیثیت

نہیں رکھتی۔ پھر یہاں آیت پاک میں۔ لَا یُغْنِیْ باب اِفعال سے ہے یعنی وہ مورتی اور بُت اپنے ارادے واختیار سے کسی کو غنی۔ اور محفوظ نہیں کر سکتے کسی آفت سے بچا نہیں سکتے۔ رہا یہ کہ لکڑی پتھر سے نفع حاصل ہو جاتا وہ نفع بندہ اپنی تدبیر سے خود حاصل کر لیتا ہے بلکہ یہ نفع تو لکڑی پتھر کو توڑ پھوڑ کر جلا کر فنا کر کے ذلیل کر کے حاصل کیا جاتا ہے خود لکڑی پتھر کی رضا کا قطعاً اس میں دخل نہیں ہوتا۔ جب کہ آیت میں رضا وارادے سے نفع دینے کا ذکر ہے تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ اِبْرَاهِيْمَ۔ اے نبی کتاب میں ابراہیم کا ذکر بھی کرو۔ یہ اور اس طرح کا حکم اُس وقت دیا جاتا ہے جب کوئی ذکر نہ کرنا چاہتا ہو یا بھول جائے ذکر چھوڑ جانے کا اندیشہ ہو یا ذکر کرنا اور چھوڑنا اُس کے اِختیار میں ہو۔ جیسے کسی خط یا کتاب لکھنے والے سے کہا جاتا ہے کہ اس خط یا کتاب میں میرا بھی ذکر کر دینا یا فلاں کا بھی تذکرہ کر دینا۔ حالانکہ قرآن مجید میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی قسم کا کوئی اختیار نہیں نہ کم کرنے کا نہ کسی ذکر کو بڑھانے کا تو پھر یہ اس طرح حکم کیوں دیا گیا۔ جواب یہ امر صرف آئندہ شخصیت اور اُس کے تذکرے کی اہمیت بیان کرنے کے لیے تاکیدی طور پر فرمایا گیا اور اس طرح عام محاورہ ورواج ہے یہ زیادتی کرنا نہیں ہے۔ اور پھر یہ امر صرف نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہی نہیں ہے بلکہ تاقیامت ہر تلاوت کرنے والے کے لیے ہے۔ چوتھا اعتراض اکثر مفسرینِ اہلِ سنت حضرتِ ابراہیم کے باپ آزر کو ابراہیم علیہ السلام کا چچا کہتے ہیں کہ چچا تھے اور باپ تارخ تھے مگر دیوبندی وہابی حضرات کہتے ہیں کہ آزر باپ ہی تھے چچا نہ تھے۔ عربی لغت میں چچا کو عَمّ کہتے ہیں اور باپ کو آب کہتے ہیں۔ اگر یہاں چچا مراد ہوتا تو اللہ تعالیٰ لفظِ عَمّ ہی ارشاد فرماتا۔ قرآن مجید میں یہ تذکرہ چند بار ہوا ہے کم از کم وضاحت کے لیے کہیں تو عَمّ کہا جاتا۔ ہر جگہ باپ ہی فرمایا گیا۔ اور مترجمین اس کا ترجمہ بھی باپ ہی کرتے ہیں کہیں انھوں نے بھی چچا نہیں کیا صرف تفسیروں میں چچا لکھا ہے اور تعجب ہے کہ جن مفسرین نے آزر سے مراد چچا لیا ہے وہ بھی ترجمہ کرتے وقت باپ ہی ترجمہ کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ۔ جواب۔ جواب اِلزامی تو یہ ہے کہ عربی لُغت میں چچا کو عَمّ اور سگے نطفے والے باپ کو والد کہتے ہیں تو جس طرح آزر کے لیے عم کا لفظ ارشاد کہیں بھی نہ ہوا اُسی طرح لفظِ والد بھی ارشاد نہ ہوا پس جن لوگوں نے آزر کو والد کہہ دیا ہے اُن کے پاس والد ہونے کی کوئی دلیل نہیں وہ والد ہونا کس طرح ثابت کریں گے۔ جواب تحقیقی یہ

ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام کے والد مرحوم کا نام حضرت تارخ ہے جو مومن تھے اور ایمان پر ہی فوت ہوگئے۔ آزر چچا تھا جو کافر تھا اور کفر پر ہی فوت ہوا۔ لیکن اُس کو قرآنِ مجید میں عم نہ کہنا اَب کہنا اس لیے ہے کہ قرآنِ مجید ایک مختصر لفظ قرابت بول کر پوری تعلق داری سمجھانا چاہتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے سارے مشرکین میں سب سے پہلے اُس کو تبلیغ کیوں فرمائی اور ابراہیم اُس کے گھر میں کیوں رہتے تھے۔ خیال رہے کہ لفظِ اَبٌ مشترک ہے چند معنیٰ ہیں ۱۔ اس کا معنی ناظمِ اعلیٰ ۲۔ منتظم الامور ۳۔ مالک ۴۔ منسوب الی الشئ اور مربّی۔ یہاں آزر کو اب اس لیے کہا گیا کہ ابراہیم یتیم ہو گئے تھے تو آپ کے چچا نے اپنے گھر میں ہی جوانی تک انکو پرورش کیا یہ چچا کا رشتہ بھی تھا اور پرورش کرنے والے مُربّی بھی تھے اس لیے دونوں معنیٰ کو ظاہر کرتے کے لیے اس کو اَبْ کہا گیا۔ اُردو میں چونکہ اس کا ترجمہ باپ ہی کیا جاتا ہے اس لیے مترجمین نے قلتِ لفظی سے مجبور ہو کر باپ کیا ہے لفظِ اَبٌ جامع ہے بہت سے معنیٰ کا اس لیے دونوں معنیٰ کیلئے اَبٌ کہا گیا اگر عم کہا جاتا تو مربّی ہونے کا پتہ نہ چلتا اگر مربّی کہا جاتا تو عم ہونے کے رشتے کا پتہ نہ چلتا اِس کی دلیل یہ کہ مسلم شریف کتاب الایمان جلد اوّل ص۱۱۴ اور ابوداؤد جلد دوم ص۲۹۳ کتاب السنۃ میں ہے کہ مولیٰ علی شیرِ خدا نے اپنے والد ابوطالب کی وفات کے بعد عرض کیا یا رسول اللہ میرے باپ کہاں ہیں۔ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاكَ فِی النَّارِ بے شک میرا مُربّی اور تیرا مربّی نار میں ہے حدیثِ پاک میں اِنَّ رُجُلًا ہے شارحین فرماتے ہیں رُجُلًا سے مراد مولیٰ علی ہیں۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی دل جوئی کے لیے اپنا بھی ذکر فرما دیا۔ اور چونکہ سوال صرف ایک شخص ابوطالب کے بارے میں ہے اس لیے جواب میں اِنَّ اَبِیْ اور اَبَاكَ دونوں لفظوں سے مراد ابوطالب ہی ہیں کہ اے علی تمہارے والد اور مربّی اور میرے چچا اور مربّی۔ یعنی پرورش عذابِ کفر کو ختم نہیں کر سکتی بالکل یہی نوعیت آزر کی ہے۔ (از شرح ابوداؤد فتح الودود) اَبی کی نسبت بتا رہی ہے کہ ابوطالب چچا اور مربّی تھے ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کا نام تو عبد اللہ رضی مشہور ہے مگر اَبٌ ابوطالب کو کہا جا رہا ہے۔ بالکل اسی طرح آزر کا معاملہ ہے اس کے اور بھی دلائل ہیں مثلاً یہاں تو ہر جگہ اَبٌ فرمایا گیا مگر مغفرت والی دعا میں ابی نہ فرمایا وہاں وَلِوَالِدَیَّ ارشاد ہوا۔ ثابت ہوا کہ اَبٌ اور وَالِدٌ میں فرق ہے اسی طرح اَبٌ کی جمع آباؤ آجاتی ہے مگر والد کی جمع نہیں آتی۔ وغیرہ وغیرہ واللہ اعلم۔

تفسیر صوفیانہ

اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا لٰكِنِ الظّٰلِمُوْنَ الْيَوْمَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۔ وَاَنْذِرْهُمْ يَوْمَ الْحَسْرَةِ اِذْ قُضِيَ الْاَمْرُ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ وَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔

یہ جہانِ دنیوی بحرِ ظلمات ہے یہاں ہر جگہ اہلِ حق کے لیے رکاوٹیں اور مخالفتیں کھڑی کی جاتی ہیں مگر سلامتیِ دائمی اُنہیں کے لیے ہے ظاہری باطنی جسمی روحی عملی علمی اُن ہی اہلِ حق کی آواز کو سلامتی ہے اُن کی ہی شانِ ورفعنا کو بلندیوں تک سلامتی ہے آج عالمِ ناسوت میں بندگانِ نفس و ابلیس نہ حق بات سننا چاہتے ہیں نہ اہلِ حق کی شانِ عظمت دیکھنا پسند کرتے ہیں۔ یہاں تو باطل اپنا شور دکھا کر وقتی غلبہ حاصل کر لیتا ہے مگر وہ صرف باطل کا شور ہی ہوتا ہے لیکن زور و قوت ہر مقام پر حق کا ہی ہوتا ہے بحمدہٖ تعالیٰ اور پھر ایک وقت آتا ہے کہ طاغوتی طاقتیں ذلت کی بستی میں چلی جاتی ہیں اور اُن کو اِن ہی رذیل و خبیث آنکھوں سے آوازِ حق اور شانِ رفعت سننی اور دیکھنی پڑتی ہے کیسا وہ سننا ہے جب حسرت کے قلوب عبرت کے قالب میں پھٹ پڑیں اور ندامت کی آنکھیں پھوڑ دی جائیں اور جبر و قہر سے دھکیلاتے پکڑ لاتے بارگاہِ جلال میں ہمارے حضور حاضر ہوں گے۔ مگر آج بیٹھی نیند میں ضلالِ بین کے کھلے بستروں میں ڈھکے پڑے ہیں یہی نیند ہی تو اُن کا اپنی جانوں پر ظلم ہے اور اے محبوب ازلی ابدی اِن قسمت کے نامرادوں کو اُس دن اُس وقت اُس ہولناک ساعت سے ڈرا دیجئے جب منعمِ حقیقی جل مجدہٗ کی طرف سے امرِ قدیمی کا فیصلہ پورا کر دیا جائے گا۔ بندگانِ مخلصین طالبانِ صادقین کو اُن کے عمل و مجاہدات زہد و ریاضات فکر و مراقبات کے ثواب و انعام میں مکاشفات و مشاہدات کے تحفے اور تمغے، خیر وعدا یا تقسیم فرمائے جائیں گے وہ محرومین و مغلوبین کے لیے یاس و حسرت عبرت و عسرت کا یومِ عظیم ہوگا۔ اور اب اپنی خرمستی میں غافل و مدہوش مخمور و مغرور ہیں۔ اسی لیے کبھی ایمان نہ لائیں گے آج کے وقت یاد کریں گے پچھتائیں گے ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔ اِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْاَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَاِلَيْنَا يُرْجَعُوْنَ ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ يٰاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا يَسْمَعُ وَلَا يُبْصِرُ وَلَا يُغْنِيْ عَنْكَ شَيْئًا ۔ صوتِ محمدی جو مومن کے گوشِ سماعت میں الہامِ عرشی سے ہر وقت گونجتی رہتی ہے کہ بے شک ہم ہی مالکِ حقیقی ذاتی ازلی ابدی قدیمی ہیں ارضِ قالب اور اُن تمام قوتوں صفتوں خصلتوں کے جو اُس قالب پر ودیعت عارضی ہماری ہی طرف سے عطاءِ خسروانہ ہیں اور پھر ہماری ہی طرف اِن سب کا لوٹنا ہے۔ لہٰذا کسی شخص

کر ان طاقتوں پر مغرور ہونا چاہیے نہ غافل نہ ناجائز کام لینا چاہیے، بلکہ شکرِ الٰہی کی محفلیں قائم کرنا چاہئیں۔ روایت میں ہے کہ شکر کی محفلوں کو تمام مخلوق پسند کرتی ہے یہاں تک کہ چرند پرند شجر حجر بھی ان ذکر و شکر کی آوازوں سے اپنی لذتِ فرحت حاصل کرتے ہیں اور ملائکۂ عرشی و فرشی انکو ڈھونڈتے رہتے ہیں جب کہیں پا لیتے ہیں تو نور کے گھیرے میں اس تمام اہلِ محفل کو ذکرِ الٰہی تک لیے رہتے ہیں جب محفل ختم ہوتی ہے تو رب کے حضورِ بارگاہ میں ان لوگوں کی سفارش بخشش کے لیے حاضر ہوتے ہیں رب تعالیٰ جو خود ہر شی کا دانا و راز ہے فرشتوں سے پوچھتا ہے تم نے زمین پر کیا دیکھا عرض کرتے ہیں مولیٰ تعالیٰ ہم نے تیری حمد تسبیح تہلیل ذکر و شکر کی محفلیں دیکھیں ارشاد ہوتا ہے وہ کیوں میرا ذکر کرتے ہیں عرض کرتے ہیں مولیٰ صرف تیری رضا کی خاطر ارشاد ہوتا ہے تم گواہ رہو ان سب کو میں نے بخش دیا۔

يٰٓاَبَتِ اِنِّيْ قَدْ جَآءَنِيْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِيْٓ

اے میرے مربّی (پرورش کرنے والے) آگئے ہیں مجھ کو کچھ وہ علم جو تجھ کو نہیں آتے لہٰذا تو میری پیروی کر

اے میرے باپ بے شک میرے پاس وہ علم آیا جو تجھے نہ آیا۔ تو تو میرے پیچھے چلا آ

اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ﴿۴۳﴾ يٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ ؕ

میں ہدایت دوں گا تجھ کو صحیح راستے کی۔ اے میرے مربّی نہ عبادت کر تو ابلیس کی

میں تجھے سیدھی راہ دکھاؤں۔ اے میرے باپ شیطان کا بندہ نہ بن

اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِيًّا ﴿۴۴﴾ يٰٓاَبَتِ اِنِّيْٓ

بے شک ابلیس اللہ تعالیٰ کا سخت نافرمان ہے۔ اے میرے مربّی بیشک میں

بے شک شیطان رحمٰن کا نافرمان ہے۔ اے میرے باپ میں

أَخَافُ أَنْ يَمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ

اندیشہ کرتا ہوں کہ پڑے تجھ کو اُخروی سخت سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے

ڈرتا ہوں کہ تجھے رحمٰن کا کوئی عذاب پہنچے

فَتَكُونَ لِلشَّيْطٰنِ وَلِيًّا ﴿٤٥﴾ قَالَ أَرَاغِبٌ أَنْتَ

تو اس سبب سے لگ جائے تو ابلیس کے ساتھ۔ اس نے کہا کیا نفرت کرنیوالا ہے تو

تو تو شیطان کا رفیق ہو جائے۔ بولا کیا تو میرے خداؤں سے

عَنْ آلِهَتِي يَا إِبْرٰهِيمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَأَرْجُمَنَّكَ

میرے معبودوں سے اے ابراہیم۔ البتہ اگر تم نے یہ نفرت ختم نہ کی تو یقیناً ضرور میں پتھروں سے ہلاک کر ڈالوں گا تجھ

منہ پھیرتا ہے۔ اے ابراہیم بیشک تو اگر باز نہ آیا تو میں تجھے پتھراؤ کروں گا

وَاهْجُرْنِي مَلِيًّا ﴿٤٦﴾

اور بس تو دور ہو جا مجھ سے بہت زمانوں تک۔

اور مجھ سے زمانہ دراز تک بے علاقہ ہو جا۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکمِ الٰہی ہوا کہ آپ اپنی قوم کو قیامت کے حساب کتاب وعذاب وعتاب سے ڈراؤ۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے بھی اپنے مربی چچا کو روزِ قیامت سے ڈرایا تھا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ زمین اور زمین کی ہر چیز و ہر شخص کا والی وارث مالک اللہ تعالیٰ ہے اور اُس کی طرف ہر شخص نے لوٹنا ہے۔ اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار نے اپنا والی وارث شیطان کو سمجھا ہوا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں سے حضرت ابراہیم کی وہ تبلیغی گفتگو شروع تھی جو آپ نے اپنے پرورش کنندہ چچا کو فرمائی اب ان آیت میں چچا کی بھی تھوڑی

سی گفتگو کا ذکر ہے جو جواباً اس نے کی۔

تفسیر نحوی

يَا أَبَتِ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِيًّا ۝ يَا أَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطَانَ إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلرَّحْمَٰنِ عَصِيًّا

یاحرفِ ندا، قائم مقام ہے فعل پوشیدہ اَدْعُوْا۔ واحد متکلم مضارع حال معروف کا، ترجمہ ہے میں بلاتا ہوں اے میرے باپ۔ (مرتی) اَبَتِ مرکب اضافی منادیٰ ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ، ی ضمیر واحد متکلم اِنَّ کا اسم ہے قَدْ جَآءَ۔ ماضی قریب واحد مذکر غائب لازم ہے جَیْئۃٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ۔ نون وقایہ عربی میں ۹ قسم کی نون ہوتی ہے ۱۔ نون اعرابی ۲۔ نون جمع ۳۔ نون تثنیہ ۴۔ نون زائدہ ۵۔ نون تنوین ۶۔ نون ثقیلہ ۷۔ نون خفیفہ ۸۔ نون وقایہ ۹۔ نون عوضی۔ مثلاً ۱۔ یَضْرِبَانِ یَضْرِبُوْنَ ۲۔ یَضْرِبْنَ ۳۔ زَیْدَانِ رَجُلَانِ ۴۔ عثمان غفران ۵۔ غلامٌ ۶۔ لَیَنْصُرَنَّ ۷۔ لَیَنْصُرَنْ ۸۔ جیسے یہاں جَآءَنِی ۹۔ حِیْنَئِذٍ اِطْمَئَنَّ۔ ی ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے یا مفعول معہ۔ مِنْ حرف بعضیت کا۔ اَلْعِلْمِ۔ اسم مفرد معرف الف لام عہد ذہنی ہے۔ موصوف ہے۔ مَا اسم موصول بحالتِ جر کیونکہ صفت تابع ہے ماقبل کا۔ لَمْ یَاْتِ۔ فعل مضارع نفی حجد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق بحالتِ جزم ہے دراصل تھا یَاْتِیْ اَتْیٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے لَمْ نے جزم دیا اس لیے آخر کی ی گر گئی ترجمہ ہے نہیں آیا۔ کَ ضمیر مفعول بہ ہے اس کا مرجع ہے اَبَتِ۔ لَمْ یَاْتِ۔ اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر صفت ہوئی عِلْم کی مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے جَآءَ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اِنَّ۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر عطفی سبب ہوا فَ سببیہ عاطفہ اِتَّبِعْ۔ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر تَبِعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے چلنا نقش قدم پر آنا۔ ہر قسم کا حکم ماننا اس کا مصدر ہے اِتْبَاعٌ۔ ت کا ت میں ادغام کیا گیا ہم مخرج کی وجہ سے نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم اس کا مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر عطفی مسبّب ہوا دونوں مل کر بیانِ اوّل ہوا اِنْدَا کا اَهْدِ۔ فعل مضارع مستقبل واحد متکلم ھَدْیٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ بمعنیٰ ہدایت دینا راہ دکھانا۔ دراصل تھا اَهْدِیْ۔ ی تخفیف کے لیے حذف ہوئی یہ فعل متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول بہ کَ ضمیر ہے جس کا مرجع اَبَتِ ہے دوسرا مفعول بہ صِرَاطًا سَوِیًّا۔ مرکب توصیفی ہے صِرَاطًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ راستہ موصوف ہے سَوِیًّا صفت مشبّہ بروزنِ فَعِیْلًا سَوِیٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ برابر ہونا۔ ہر قسم کی کمی اور زیادتی سے پاک ہونا مراد ہے اللہ کا راستہ شریعت اور دین کا طریقہ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر بیانِ دوم

ہوا ندا کا حرفِ ندا اپنے دونوں بیانوں اور منادیٰ سے مل کر مفعول بہ ہوا اُدعُوا پوشیدہ فعل کا اور وہ جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یٰاَبَتِ۔ حرفِ ندا اور منادیٰ۔ لَا تَعْبُدِ۔ فعل نہی واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع اَبَتِ لَا تَعْبُدُ تھا۔ اگلے کلام سے جُڑنے کی وجہ سے کسرہ ہوا۔ الف لام عہدِ خارجی مراد ہے ابلیس شیطان۔ مفعول بہ ہے لَا تَعْبُدُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر بیانِ اول ہوا ندا کا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل الشیطٰن اس کا اسم کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے جس کا مرجع شیطٰن ہے۔ لِلرَّحْمٰنِ جار مجرور متعلق مقدم ہے عَصِیًّا صفت مشبہ کا۔ بروزن فَعِیْلًا۔ وَلِیًّا قَوِیًّا۔ عَصِیًّا عَصْیٌ سے مشتق ہے بمعنی نافرمانی کرنے والا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا۔ بعض لوگوں نے کہا یہ اِنَّ کا تاکید ہے یا تعلیل ہے اپنے سابقہ جملے لَا تَعْبُدِ کی مگر یہ درست نہیں کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو سابقہ عبارت مؤکد یا معلول ہوتی اور یہ جملہ اِنَّ کو بیچ میں سے آتا۔ پھر وہ اِنَّ نہ رہتا اَنَّ ہو جاتا۔ اِنَّ کی ابتدائیت ختم ہو جاتی۔ یٰاَبَتِ۔ حرفِ ندا اور منادیٰ۔ اِنِّیْ حرفِ مشبہ اور یٰ متکلم اس کا اسم۔ اَخَافُ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع حال واحد متکلم خوفٌ سے مشتق ہے بمعنی اندیشہ کرنا۔ تشویش ناک ہونا فکر مند ہونا ڈرنا علم ہونا۔ یعنی میں جانتا ہوں جیسے واقعۂ خضر میں خَشِیْنَا بمعنی عَلِمْنَا ہے یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ اس میں اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع ابراہیم ہے۔ اَنْ ناصبہ یَمَسَّ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع واحد غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی چھو جانا لگ جانا۔ پہنچنا۔ کَ ضمیر اس کا مفعول بہ عَذَابٌ اسم مفرد جامد۔ یہ باب تفعیل کا ماحصل مصدر ہے۔ دراصل یہ عَذَابٌ بروزنِ فَعَالٌ اس کا مصدر ہے تَعْذِیْبٌ عَذْبٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ میٹھا اور لذت دار ہونا جب یہ باب تفعیل میں آیا تو سلب کے معنیٰ پیدا ہو گئے باب تفعیل کی چھ خصوصیات ہیں ۱ متعدی ہونا ۲ کبھی مبالغہ ہونا ۳ کبھی نسبت کے لیے ہوتا ہے ۴ کبھی دعا کے لیے ۵ کبھی یہ ابتداءِ فعل کے لیے ہوتا ہے ۶ اور کبھی سلب اور ختم کرنے کے لیے۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ یعنی زندگی کی لذت اور مٹھاس ختم کرنے والی سزا۔ گدلے پانی کو ماءِ تعذیب یا ماءِ عذاب کہتے ہیں اصطلاح میں اُخروی یا آسمانی سزا کو عذاب کہتے ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے یہ فاعل ہے یَمَسَّ کا مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ یعنی اللہ رحمٰن کی طرف سے یہ جار مجرور متعلق ہے یَمَسَّ کا۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ فَ حرفِ عطف سببیہ تَکُوْنَ۔ فعل مضارع ناقصہ واحد مذکر حاضر

اَنْتَ پوشیدہ اس کا اسم اس کا مرجع اَبَتِ ہے تَكُوْنَ منصوب يَمَسَّ پر عطف کی وجہ سے اور وہ منصوب ہے اَنْ ناصبہ کی وجہ سے۔ لِلشَّيْطٰنِ، جار مجرور متعلق مقدم ہے وَلِيًّا بمعنیٰ دوست ساتھی صفت مشبہ بروزن فَعِيْلًا کا۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے تَكُوْنَ کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر معطوف مسبب ہوا يَمَسَّ کا دونوں مل کر مفعول بہٖ ہوا اَخَافُ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر بیان ہوا اندا کا۔ ندا منادیٰ اور بیان مل کر اُدْعُوْا پوشیدہ کا مفعول بہٖ ہوا۔ پھر سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِهَتِيْ يٰاِبْرٰهِيْمُ ۚ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّكَ وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا۔ قَالَ قولٌ سے مشتق ہے ماضی مطلق فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ۔ ہمزہ سوالیہ انکاریہ یہ سوال نفرت و تعجب کا ہے رَاغِبٌ باب سَمِعَ کا اسم فاعل واحد مذکر۔ رَغْبٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ پسند کرنا۔ خواہش کرنا۔ دلچسپی لینا جب اس کے بعد عن زوالیہ حرف جر آ جائے تو اصل معنیٰ کا زوال یعنی خاتمہ ہوتا ہے۔ یہاں چونکہ عَنْ جارہ زوالیہ ہے اس لیے ترجمہ ہوا بے رغبتی۔ ناپسندیدگی۔ نفرت۔ بیزاری منہ پھرانا اَنْتَ اس کا فاعل اور مرجع ابراہیم ہے عَنْ جارہ فعل کے معنیٰ کی نفی اور زائل کرنے کے لیے اٰلِهَةٌ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اِلٰہٌ بمعنیٰ معبود عَنْ اٰلِهَتِيْ کا ترجمہ ہوا میرے معبودوں سے یہ جار مجرور متعلق ہے رَاغِبٌ کا وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر بیانِ مقدم ہوا۔ یا حرف ندا ابراہیم۔ اسم مفرد غیر منصرف عجمی علم ہے چونکہ یہ مضاف نہیں ہے اس لیے ضمہ آیا۔ اگر منادیٰ مضاف ہو تو فتحہ آتا ہے جیسے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ وغیرہ کہنا۔ حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور بیانِ مقدم سے مل کر مقولۂ اوّل ہوا مقولۂ دوم اگلی عبارت ہے۔ لامِ کے حرفِ زائدہ ہے کوئی عمل یا ترجمہ نہیں کرتا صرف شرط کی سختی ظاہر کرنے کے لیے ہے اِنْ حرفِ شرط لَمْ تَنْتَهِ باب افتعال کا مضارع واحد مذکر حاضر نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی لیکن اِنْ شرطیہ نے اس میں مستقبل کے معنیٰ پیدا کر دیے یعنی آئندہ اگر ایسا ہوا۔ اس کا مصدر ہے اِنْتِهَاءٌ نَهْيٌ سے بنا ہے بمعنیٰ باز رہنا منع ہونا۔ رک جانا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط لَاَرْجُمَنَّكَ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم۔ رَجْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پتھروں سے ہلاک کرنا اَنَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اَبَتِ جو قَالَ کا فاعل ہے۔ كَ ضمیر واحد حاضر اس کا مفعول بہٖ مرجع ہے ابراہیم یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا۔ واؤ۔ زائدہ اُهْجُرْ۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ مرجع

ابراہیم نون وقایہ ی ضمیر مفعول بہ۔ مَلِیًّا۔ باب سَمِعَ کا صفت مشبہ بروزنِ فَعِیْلٌ۔ اس کا مادہ مصدر مَلْیٌ ہے لغوی ترجمہ ہے بھرنا۔ اب اگر حرفوں سے بھرا ہو تو اس کو اِمْلَاءٌ کہتے ہیں اگر برتن پانی ریت سے بھرا ہو تو مَلَاءَۃٌ ہے۔ آدمیوں سے بھرا مَلَاءٌ ہے اس کا تثنیہ ہے مَلْوَانِ بمعنیٰ دن رات اس کی جمع کا اَمْلَاءٌ درختوں سے بھرے جنگل کو مَلَا کہتے ہیں اور دن رات ماہ و سال سے بھرے ہوئی مدت کو مَلِیًّا کہتے ہیں۔ اسم مبالغہ سے مراد ہے بہت ہی دراز مدت یہ ظرف ہے اُھْجُرْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ سوم ہوا قال اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِکَ فَاتَّبِعْنِیْۤ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا۔ یٰٓاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا۔

اے میرے مربّی بے شک میں ہی وہ قوت و طاقت علم و فکر والا ہوں جس کے پاس اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات کی طرف ایسا عظیم علم کا حصہ آیا ہے جو تیرے پاس نہیں آیا اور جس کی تجھ کو خبر تک نہیں نہ تجھ کو کسی سے مل سکتا ہے کیونکہ وہ غیبی علم اس وقت روئے زمین پر کسی کے پاس نہیں۔ خیال رہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام میں صرف ابراہیم علیہ السلام اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت ہے کہ ولادت کے وقت سے تبلیغ نبوت تک روئے زمین پر کوئی نبی کسی قوم میں نہ تھا تمام دنیا نبوت سے خالی تھی مگر فرق یہ ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تو تا قیامت کوئی نبی نہ ہوگا لیکن ابراہیم علیہ السلام کے اظہارِ نبوت کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام بھی مبعوث ہوئے۔ دوسری تخصیص یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی تبلیغ بیس یا پچیس سال کی عمر میں شروع ہو گئی اس خصوصیت میں عیسیٰ علیہ السلام شریک ہیں۔ اس تبلیغ کے وقت آپ کی عمر شریف تقریباً بیس سال تھی یا پچیس سال جب آپ نے اپنے چچا مربّی آزر سے فرمایا کہ اے چچا میری اتباع کر۔ میں تجھ کو بتا تا چلوں گا سیدھا۔ سچا مضبوط و محفوظ سلامتی والا راستہ۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مربّی کی عمر اور بزرگی بڑے پن کا احترام قائم رکھتے ہوئے اطاعت کرنے کا ذکر نہ فرمایا بلکہ فرمایا فَاتَّبِعْنِیْ۔ اطاعت کرانے میں اپنی بڑائی کا اظہار ہو سکتا ہے اتباع میں یہ بات نہیں یعنی یہ نہ فرمایا کہ جو میں کہوں وہ تم کرو بلکہ فرمایا کہ اے چچا جو میں کروں وہ تم بھی کرو اور وہ بھی میری شخصیت کی وجہ سے نہیں بلکہ میرے اس عطائی علم کی وجہ سے جو رب تعالیٰ نے مجھ کو دیا ہے۔ اس علم نبوت کی بنا پر میں کہتا ہوں کہ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ۔ ابلیس کو معبود نہ سمجھ لے نہ اس طرح کہ ہر شیطانی بات کو اچھا سمجھ کر اس پر عمل کرے۔ نہ کفار کے اس فرقے کی طرح جو ابلیس کو بدی کا خالق سمجھ کر اس کو معبود بنائے ہوئے

ہیں نہ اُن کفار کی طرح جو شیطان کی تصوراتی شکل کی مورتیں بنا کر پوجتے ہیں اور برا بھی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے شر سے بچنے کے لیے ہم اس کی پوجا کرتے ہیں۔ آج بھی ہندوؤں میں ایک فرقہ ایسا ہے۔ کوئی بھی طریقہ ہو سب کفر ہے کیونکہ۔ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا بے شک ابلیس (اصل شیطان) رحم و کرم فرمانے والے ہر مصیبت و معصیت سے بچانے والے اللہ خالق و مالک کا سراسر نافرمان ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے اس تبلیغی کلام میں سات چیزیں واضح فرمائیں اَوَّلًا یہ کہ چچا کے ذہن میں اپنے عمر رسیدہ اور بڑپن کی وجہ سے عقل و علم کی زیادتی کا وہم و گھمنڈ تھا جس کو مِنَ الْعِلْمِ فرما کر ختم کیا گیا دوم یہ کہ چچا اگرچہ سخت ترین و بدترین کافر تھا مگر ابراہیم علیہ السلام نے عزت و احترام کو قائم رکھا یہ ہی اخلاقِ نبوت ہے اپنے کو عالم اور چچا کو جاہل نہ کہا اگرچہ حقیقت یہی تھی۔ بلکہ علم ملنے اور نہ ملنے کا با ادب کلام فرمایا۔ ثالثًا اَهْدِكَ فرما کر ہدایت کی نسبت اپنی طرف کی اللہ کی طرف نہ کی کیونکہ آزر بھی اور ہر کافر بھی اللہ کی ہدایت کے منکر نہیں بلکہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ بتوں کی پوجا اللہ ہی طرف سے ہدایت ہے فرمایا کہ وہ ہدایت ہی نہیں جس پر تم ہو ہدایت وہ ہوگی جو میں بتاؤں گا جس پر میں چلاؤں گا۔ ہدایت تین قسم کی ہوتی ہے ۱ ہدایتِ شریعت و قرآن ۲ ہدایتِ انبیاء علیہم السلام ۳ ہدایتِ باری تعالیٰ۔ پہلی ہدایت انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہے اگر وہ نہ ملے تو نہ قرآن و کتاب سے ہدایت ملے نہ رب تعالیٰ اس کو ہدایت عطا فرمائے۔ قرآن و کتاب و شریعت کی ہدایت راستہ دکھاتا ہے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت راستے پر چلاتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ہدایت منزل تک پہنچاتا ہے۔ قرآنِ مجید کی ہدایت کا نام اعمال ہے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت کا نام عقیدہ اور رب کریم کی ہدایت کا نام توفیق ملنا ہے چہارم یہ کہ یَا اَبَتِ اضافت کے ساتھ فرماتے میں تین خوبیاں ہیں ۱ ادب ہے ۲ وضاحت ہے ۳ عذاب اور اس کی نوعیت یا مکمل بیان ہے دوسری بار یَا اَبَتِ فرمانا علت ہے پہلی نصیحت کی۔ یہ ہے فصاحتِ کلام اَلْكَلَامُ مَا قَلَّ وَدَلَّ ۵ عَصِیًّا۔ فرما کر حق تعالیٰ کا اظہار فرمایا۔ اور شیطان کا انسانی دشمن ہونا حق العبد ہے۔ اللہ کے حق کو مقدم رکھا اہمیت بتانے کے لیے ششم الرَّحْمٰن سے صفتِ رحمت کا اظہار ہے جو مصدرِ کل خیر ہے۔ ابلیس نہ فرمایا کیونکہ یہ ذاتی نام ہے شیطٰن صفاتی نام ہے جو مظہرِ کُلِ شر ہے۔ ہفتم یہ کہ یہ نصیحت اپنے ذہن و عقل و سمجھ سے نہیں بلکہ مِنَ الْعِلْمِ اس علمِ عطائی سے ہے جو تم کو نہ ملا لہٰذا میری کم عمری و کم تجربوں سے کم عقلی و کم علمی پر دلیل نہ بنانا

اور اپنی درازعمری کے ترازو میں نہ تولنا۔ یٰاَبَتِ۔ اے میرے مُربّی میرے پیارے چچا مجھے بچپن دس سالگی یا پانچ سالگی یا شیر خوارگی سے پرورش کرنے والے میری اس تمام نصیحت کا باعث کوئی اپنی بڑائی ظاہر کرنا نہیں بلکہ وجہ صرف یہ ہے کہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّکَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَکُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ عَنْ اٰلِھَتِیْ یٰٓاِبْرٰھِیْمُ لَئِنْ لَّمْ تَنْتَهِ لَاَرْجُمَنَّکَ وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا ۔ بے شک میں فکر مند ہوں اور خطرہ محسوس کر رہا ہوں کہ تیری اس ضدی بدعقیدگی شرک و کفر کی گمراہی کی وجہ سے کہیں تجھ کو رحمٰن و رحیم کے ہاں سے سزاءِ عذاب ابدی دائمی لگ جائے جو دنیا میں لعنت قبر میں ذلت حشر میں دُھتکار و نامرادی اور جہنم میں پھٹکار کا باعث ہو میں یقین سے نہیں بتاتا مگر میرے اسی علم غیبی سے مجھ کو ایسے کفر و بت پرستی کا انجام معلوم ہے۔ اور اگر یہی تیرا انجام ہوا۔ تو پھر یاد رکھ کہ تو شیطان کی مثل شیطان کا ساتھی معاون اور اسی کے دوستوں میں سے ہو جائے گا کیونکہ یہ سب شرکیات و کفریات شیطان کی ولایت و دوستی اور اسی کی اتباع ہے اسی کی خوشی سے ہے اور صرف دنیوی مختصر زندگی تک ہی نہیں بلکہ جہنم کی ابدی زندگی تک اسی کے ساتھ رہنا ہوگا اور یہ بھی سمجھ لے کہ ابلیس کی دوستی بنانا کوئی معمولی جرم نہیں اس کی اتباع و دوستی تو بہت بڑے عذاب اور ذلت و مصیبت کا سبب ہے اس لیے کہ ولایتِ شیطان رضاءِ رحمٰن کے مقابل ہے۔ جنت میں رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَکْبَرُ مِنَ النَّعِیْمِ ہے اور جہنم میں ولایتِ شیطان اَعْظَمُ مِنَ الْعَذَابِ ہے اے چچا تیرے یہ سب کام۔ تصویریں بنانا لکڑی پتھر کپڑے چمڑے لوہے پیتل سونے چاندی اور کاغذوں دیواروں پر جانداروں دیوتاؤں پچھلے بزرگوں کی شکلیں تراشنا اور پھر ان کو لگانا سجانا اچھے بھلے کمرے کو مندر اور بت خانہ بنا دینا۔ اور پھر حماقت سے اپنی ہی تراش خراش کو خود ہی پوجنا شروع کر دینا یہ سب کچھ ہی کفر شرک ہے اور کفر و شرک بلاہے اور کفر و شرک اتنا بڑا ظلم و جرم ہے کہ وہ اللہ سچا معبود رحمٰن و رحیم ہونے کے باوجود شرک و کفر کبھی معاف نہ فرمائے گا۔ اے پیارے چچا یہ بت صرف لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ کے بے نفع ہی نہیں۔ بلکہ اِنِّیْٓ اَخَافُ اگر تو کفر پر رہا کفر پر مرا تو یہ بت بہت نقصان دہ بھی ہیں ابدی پچھتاوا ہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ان آیت میں چار دفعہ۔ یٰاَبَتِ۔ فرمایا۔ یہ بتانے کے لیے کہ یہ وعظ و نصیحت۔ علمی قابلیت۔ یا استادی شاگردی یا اعلیٰ و ادنیٰ ہونا جتانے کے لئے نہیں بلکہ سمجھانے کے لیے تھا کہ میں تمہارا تم میرے رفیقِ سفر ہو۔ اتنی مؤدبانہ فصیحانہ

بیغانہ تبلیغ کا بجائے اثر ہونے کے کفریہ غرور و حماقت سامنے آگئی اور بُرا بابا چچا نے انتہائی غضب ناک لہجے غصیلے انداز میں قَالَ اَرَاغِبٌ اَنْتَ ۔کہا ارے کیا تو نفرت سے منہ پھیرتا ہے میرے معبودوں سے اے ابراہیم ۔ ارے تو کل کا بچہ تجھ کو میں نے پالا جب کہ تیرے والد نے نمرودی نجومیوں کی خبر پر نمرود سے ڈر کر تجھ کو میری گود میں لا ڈالا تھا میں نے تم کو صحراؤں میں پھرایا غاروں میں چھپایا تیرے لیے غاروں میں حفاظت کے سارے سامان مہیا کیے راتوں کو چھپا چھپا کر تیری والدہ سے تجھ کو دودھ پلوایا پانچ سال تک کسی کو کانوں کان خبر تک نہ ہونے دی کہ تو میرا بیٹا ہے یا میرے بڑے بھائی تارخ کا میں نے تجھ کو اپنا دست و بازو اور بڑھاپے کا سہارا سمجھا تو پانچ سال کا یتیم ہو گیا تھا مگر میں نے تجھے اور تیری والدہ کو کبھی محسوس نہ ہونے دیا نہ تیرا بوجھ پرورش اُس پر ڈالا نہ پانچ سالا خرچہ تیرے والد سے مانگا اپنی اولاد سے بڑھ کر تجھ کو آرام و آسائش اور پیار دیا میں نے تو تجھ سے یہ امید باندھی تھی کہ میں اب ستر سالہ بوڑھا ہو چکا ہوں تو اب پچیس سالہ جوان ہے تو میرے یہ سارے کام یہ بتوں کی فیکٹری یہ کارخانہ یہ دکان اور میری خاندانی سرداری قومی ذمے داری سنبھالے گا۔ مگر ہائے افسوس ہائے غضب تو کس رستہ پر چل پڑا دیکھ میں تجھے سمجھاتا ہوں اگر تو اِن باتوں نصیحتوں تقریروں نفرتِ بتاں سے باز نہ آیا اور میرے دین پر نہ لگا تو تجھے بد دعاؤں سے برا بھلا کہنے اور گالیوں کے علاوہ پتھروں سے مار مار کر ہلاک کر دوں گا یا یہ گھر محلہ شہر بلکہ ملک چھوڑنے پر مجبور کر دوں گا۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ تو خود ہی میرے گھر سے دور میری نگاہوں سے اوجھل ہو جا اور اپنے آپ کو مجھ سے اور میری مار وغیرہ سے بچالے۔ تجھے گھر کے عیش و آرام میں میری اور ان بتوں کی قدر نہ ہوئی اب تھوڑے دنوں میں ہی تجھے پتہ چل جائے گا میری شفقت کیسی تھی جب بھوکوں مرے گا سردی ٹھٹھرے گا۔ پھر اگر ہوش ٹھکانے آگئی تو واپس آجانا کچھ دنوں باہر کی تکلیفیں دیکھ لے اگر پھر بھی یہ باتیں دماغ سے نہ نکلیں تو پھر ہمیشہ کے لیے مجھے دور دفع رہنا ۔لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ کتنا سخت رویہ تھا ایسے پیارے بھولے بھالے بے ضرر باادب حلیم منیف بھتیجے کے ساتھ کہ بار بار "یَا اَبَتِ" کے جواب میں ایک بار بھی یَا بُنَیَّ (اے میرے بچے) نہ کہا۔ اگر سگے والد زندہ ہوتے تو کم از کم ایسی بات پر گھر سے نہ نکالتے۔ بیٹا کتنا ہی ناراض کرے مگر والد کا دل نرم ہوتا ہے۔ اگر نکال بھی دیتے تو پھر رقت بھرے

دل کے ساتھ خود ہی ڈھونڈتے تلاش کرتے پھرتے ملتا تو چکارتے پچکارتے واپس لے آتے سمجھاتے بجھاتے۔ اپنی راہ پر لانے کی کوشش کرتے مگر نگاہوں کی جدائی برداشت نہ کرتے والدین کی اس کیفیت کا ہزار بار تجربہ ہے۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی اعتبار سے عقل وعلم تجربہ عمر کی زیادتی سے ہوتا ہے مگر تمام انبیاءِ عظام اور بعض اولیاءِ کرام کا علم وعقل عمر کی زیادتی سے نہیں بلکہ عالمِ غیب سے عطیہ ہوتی ہے جو علم وعقل انبیاءِ کرام علیہم السلام کو بچپن میں ہی مل جاتا ہے وہ دنیا جہان آسمانوں زمین میں کسی بھی ہستی کو کسی بھی عمر میں نہیں مل سکتا نہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو نہ غوثوں قطبوں ولیوں کو عام آدمی کی تو حیثیت ہی کچھ نہیں یہ فائدہ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ (الخ) سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ جہنم میں کفار کی سزا کا نام عذاب ہے اور فاسق مسلمان و اہلِ ایمان کی سزا کا نام عتاب ہے۔ عتاب کی معافی کے لیے حسب نسب کام آجاتا ہے مگر اللہ کے عذاب سے کسی کو کسی کی رشتے داری نہیں بچا سکتی بلکہ کافر سے مومن کی رشتے داری وحسب نسب دنیا میں ہی ختم ہو جاتا ہے اگرچہ نبی کی قرابت ہو علیہم السلام کا فر رشتے دار اہلِ نبی نہیں رہتا یہ فائدہ اِنِّیْۤ اَخَافُ (الخ) سے حاصل ہوا اسی لیے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اگر سید زادہ بدعقیدہ ہو جائے تو وہ سید نہیں رہتا۔ جو حدیث پاک میں آتا ہے کہ کُلُّ حَسَبٍ وَّنَسَبٍ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا حَسَبِیْ وَنَسَبِیْ یعنی آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حسب ونسب اپنے سادات سے قیامت میں بھی منقطع نہ ہو گا اس حدیث پاک کا معنیٰ یہ ہے کہ جو سید قبر تک اپنا حسب نسب سلامت لے گیا وہ قیامت میں بھی منقطع نہ ہو گا لیکن جو دنیا میں رشتہ توڑ بیٹھا تو اس کا یہاں ذکر نہیں تیسرا فائدہ۔ اللہ کی دوستی کو بقا ہے شیطن کی دوستی کو فنا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُهٗ کی دوستی حاصل کرنا چاہیے یہی عقل مندی ہے۔ یہ فائدہ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ فرمانے کے بعد فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ شیطن کی دوستی کفار و بدعقیدہ کو حاصل ہوتی ہے۔ مومن اگرچہ گنا ہگار ہو شیطن کا وَلِیًّا نہیں بنتا۔ کفر وایمان کا یہ فرق واضح ہے کہ کفر میں قساوت۔ کثافت غلاظت۔ نجاست۔ تکذیب۔ تقلید اور فساد ہے۔ ایمان میں۔ لطافت۔ حلاوت۔ شرافت۔ طہارت۔ صداقت تحریم وتہذیب ہے۔

احکامُ القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ علم والے

کی اتباع لازم اور واجب ہے۔ بشرطیکہ علم اصلی و یقینی ہو۔ علم اصلی و یقینی صرف انبیاء کرام علیہم السّلام کے پاس ہی ہوتا ہے اسی لیے بحکم الٰہی شرعاً صرف انبیاء کرام علیہم السّلام ہی کی اِتباع جائز و لازم ہے غیر نبی کی اتباع جائز نہیں۔ عالم ولی اور بزرگوں کی دینی یا دنیوی فرماں برداری کا نام اطاعت ہے نہ کہ اِتباع اور یہ اطاعت بھی تب جائز ہے جب کہ وہ پیر مولوی وغیرہ خود متبعِ فرمانِ نبوّت ہوں۔ اگر کوئی پیر یا مولوی یا کوئی دینی رہنما ذرہ بھر اتباعِ نبوت سے ہٹ گیا تو اس کی اطاعت جائز نہ رہے گی۔ یہ مسئلہ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ تبلیغ کی میں تین چند چیزیں علما کو ملحوظ اور محفوظِ خاطر رکھنی چاہئیں ۱۔ یہ کہ جس چیز کی تبلیغ کرنی ہے اُس کا پورا علم بھی ہو اور عمل بھی۔ بے عمل مبلغ کی تبلیغ کا اثر نہیں ہوتا اور جاہل کی تبلیغ کا نقصان ہوتا ہے ۲۔ اچھے اخلاق نرم گفتار سے تبلیغ کرنی چاہیے ۳۔ تبلیغ کرتے وقت اُن کے بزرگوں کی مثالیں اور زندگی کے اچھے واقعات سنانے جائز بلکہ ضروری ہیں جن کو تبلیغ کی جا رہی ہو۔ یہ سب احکام و قواعد۔ یَا اَبَتِ۔ اور فَاتَّبِعْنِیْ اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ کفارِ مکہ کو سنانے سے مستنبط ہوا۔ یَا اَبَتِ سے اچھے اخلاق نرم گفتار کا ثبوت ہے جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ میں بتایا کہ تبلیغ سے پہلے علم ضروری۔ فَاتَّبِعْنِیْ سے اپنے عمل کا اظہار ہے کیونکہ اِتباع کا معنٰی ہے نقشِ قدم پر چلنا۔ نقشِ قدم تو تب ہی پڑیں گے جب کہ چلانے والا خود بھی آگے آگے چلتا ہوگا یہ واقعہ بطورِ دلائل کفارِ مکہ کو سنایا جا رہا ہے کہ اگر تم قرابت سے نہیں مانتے تو اُن دلائل سے مانو جو تمہارے جدِ اعلیٰ تمہارے بزرگ حضرت ابراہیم نے اپنے چچا آزر کو بتائے سمجھائے۔ تیسرا مسئلہ جاندار کی تصویر فوٹو اور شکل بنانا ہر طرح ہر دور میں ہر شریعت میں حرام رہی خواہ بنانے کا طریقہ اپنے اپنے دور میں کسی بھی طرح بنتا اور بگڑتا رہا۔ خواہ کپڑے کاغذ دیوار پر مصوری کر کے یا کیمرہ۔ وڈیو کے بٹن دبا کر پتھر کو تراش کر یا پتھر پیس کر پوڈر مٹی پلاسٹر بنا کر ڈھال کر پکا کر کسی بزرگ کا فوٹو ہو یا عام جانور۔ یا انسان یا بے نام گڑیا گڈا ہوا اگر پوجا پاٹ کی نیت سے بنا یا بیچا تو کفر و شرک ہے اگر اپنے کاروبار یا عیاشی یا تبلیغی بہانے بازی کے بنایا تو فسق ہے۔ اور جس طرح حرام دوائی میں شفا نہیں ہو سکتی اسی طرح حرام ذرائع سے تبلیغ اسلام نہیں ہوتی یہ مسئلہ لَا یُغْنِیْ عَنْكَ شَیْـًٔا اور لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ لَا یُغْنِیْ میں بتایا گیا کہ فوٹوؤں تصویروں سے کسی قسم کا کوئی ظاہری باطنی دینی دنیوی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا۔ ان کی تراش خراش

بناوٹ کھنچاوٹ سب حرام اور ان کے ذریعے تبلیغ بھی شیطان کی عبادت ہے دیکھو آزر تین کام کرتا تھا۔ ۱ بُت بنانے ۲ بیچنے ۳ پوجا پاٹ۔ ان تینوں کو لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ میں شامل کیا۔ یہی شیطان جس نے آزر کو خراب کیا۔ آج ہمارے مولویوں پیروں کو خراب کر رہا ہے جھوٹے وسوسوں سے ورغلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی مسلمانوں کو اس قیامت کے دور میں بچانے والا ہدایت دینے والا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ کیوں فرمایا گیا۔ شیطان کی عبادت تو کوئی بھی کافر نہیں کرتا۔ بلکہ ہر شخص شیطان کو برا ہی کہتا ہے **جواب**۔ شیطان کی طرف عبادت کی نسبت چھ وجہ سے ہے اَوّلاً اس لیے کہ ہر زمانے میں ہر شخص مومن و کافر شیطان کو بُرا قابلِ نفرت ہی سمجھتا رہا ہے۔ تو بتوں کی عبادت کو شیطانی عبادت کہہ کر حقیقتِ حال کے ساتھ ساتھ نفرت و عار و شرم دلائی جا رہی کہ شیطان کو برا بھی کہتے سمجھتے ہو اور کام پھر بھی شیطان کی مرضی کے کرتے ہو۔ دوم اس لیے کہ بتوں کی عبادت ابلیس شیطان کی خوشی اور رضا کا باعث ہے وہ یہ ہی چاہتا ہے تو گویا یہ پوجا منہ طرف بُت کے واسطے شیطان کے ہوگئی۔ سوم یہ کہ یہ عبادت پوجا پاٹ تو بتوں کی ہی ہے مگر اطاعت شیطان کی ہے۔ اور جس اطاعت سے شرک ظاہر ہو وہ اطاعت بھی مثلِ شرک ہے۔ اور شرک کسی قسم کا بھی ہو اس کا دوسرا نام عبادتِ غیرُ اللہ ہے جو سراسر ہمہ وقت کفر ہے۔ فرمایا یہ گیا کہ یہ اعتقادی شرک بھی ہے نہ کہ فقط عملی۔ خیال رہے کہ کفر شرک اصالۃً اعتقاد ہی کا نام ہے اعتقاد کے ساتھ عمل تو فقط اظہارِ کفر و شرک ہے اگر اعتقاد نہ ہو فقط شرکیہ کفریہ باتیں اور کام ہوں تو وہ کفر شرک نہ بنیں گے یہی فرق ہے لزُومِ کفر اور التزامِ کفر میں۔ چہارم یہ کہ بتوں کی عبادت شیطان ہی کے وسوسوں سے ہوتی ہے اس لیے گویا اُسی کی عبادت ہے۔ پنجم یہ کہ عبادت بمعنیٰ اطاعت ہے ششم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر آج تک بُت پرستوں میں ایسا گروہ بھی ہوتا رہا ہے جو شیطان کی مورتی کو پوجتے ہیں۔ اور ابلیس کی تخیلاتی بہت ڈراونی شکل کا بُت بنا کر اُس کی پوجا کرتے ہیں اور اُس کو برائیوں کا خالق بدیوں کا دیوتا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر شیطان کی پوجا نہ کی گئی تو وہ زمین پر قہر قحط طوفان اور بیماریوں وباؤں کی شرارتیں پھیلا دے گا۔ بعض کفار کو سورج کے ڈوبتے اور نکلتے وقت سورج کی طرف سجدہ کرتے دیکھا گیا ہے وہ شیطان

ہی کو سجدہ کرتے ہیں مسلمانوں کو اسی لیے اس وقت سجدہ وسجدے والی نماز منع ہے کہ وہ شیطان کے خروج کا وقت ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ انبیاء کو غیب کا علم نہیں ہوتا دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا اِنِّیْ اَخَافُ۔ مجھے ڈر ہے اندیشہ ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ کو اپنے باپ کے کفر پر مرنے کا علم نہ تھا۔ اسی لیے آپ نے باپ کو تبلیغ بھی فرمائی۔ اگر کفر پر فوت ہونے کا علم ویقین ہوتا تو کیوں تبلیغ فرماتے۔ (وہابی شیعہ مرزائی) **جواب** اَخَافُ کا معنیٰ ہم نے تفسیر میں ایک قول کے حوالے سے بتا دیا کہ بمعنیٰ اَعْلَمُ ہے یعنی جانتا ہوں۔ جیسا کہ سورۃ کہف میں خضر علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ فَخَشِیْنَا۔ ہم نے جانا۔ اسی طرح یہاں ہے اس ترجمہ کی بنا پر اعتراض تو بالکل ختم ہو گیا۔ رہا تبلیغ فرمانا تو اس کے لیے ایمان لانا انبیاء عظام علیہم السلام کی ذمہ داری نہیں کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تبلیغ کرتے ہی رہنا ہے۔ اگرچہ کفر پر مرنے والا ہو دیکھو ابھی پچھلی آیت ۳۹ میں فرمایا گیا کہ وَاَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْحَسْرَةِ اے نبی محمد مصطفیٰ آپ اِن کفار کو یومِ حسرۃ سے ڈراتے ہی رہئے۔ آگے ارشاد ہے۔ وَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ حالانکہ وہ ایمان نہیں لائیں گے تفسیر خازن نے فرمایا کہ یہ تبلیغ تین مقصود سے تھی ۱۔ حقِ اُبُوَّۃ (تربیت وپرورش) ادا کرنے کے لیے ۲۔ اپنی ذمہ داری (ڈیوٹی) پوری کرنے کے لیے ۳۔ پہلی تبلیغ گھر والوں سے شروع کرنے کے لیے اور آپ کے اس گھر میں ان دنوں صرف آپ کا چچا ہی تھا۔ یَا اَبَتِ کہہ کر اظہارِ شدتِ محبت ورغبت کیا **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ پھر فرمایا گیا فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ جب تجھ کو عذاب پہنچ جائے تب تو شیطان کا دوست بن جائے۔ فَ تعقیبیہ تو یہی بتا رہی ہے۔ حالانکہ شیطان کی دوستی کی وجہ سے عذاب آتا ہے تو دوستی سببِ عذاب ہوئی اور سبب پہلے ہوتا ہے مُسَبَّب بعد میں اس لیے یہاں فَ تعقیبیہ بھی درست نہیں فَ سببیہ بھی درست نہیں کیونکہ فَ سببیہ مسبّب سے پہلے ہوتی ہے تو ولیا ہونا سبب ہے نہ کہ مسبّب **جواب** یہاں ولیا کا معنیٰ دوست نہیں بلکہ ساتھی ہے۔ اور ساتھی ہونا واقعی بعد میں ہے۔ کیونکہ عذاب کا فیصلہ میدانِ محشر میں پھر جہنم میں داخلہ اور یہیں سے عذاب شروع اور دھکیلتے ہانکتے شیطان کے ساتھ پہنچا دیا جاتا ہوگا۔ اور سب سے سخت عذاب الیم یہیں پر ہوگا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ | یٰٓاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ یَاْتِكَ فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ

صِرَاطًا سَوِیًّا ۔ یٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّیْطٰنَ اِنَّ الشَّیْطٰنَ کَانَ لِلرَّحْمٰنِ عَصِیًّا
ابراہیم قلب نے طبیعت نفس سے کہا اے مُربیِ خواہشاتِ دنیوی بے شک خالقِ اسرار جل مجدہ
کی بارگاہِ اقدس سے ایک عظیم علم لدنی مجھ کو عطا ہوا ہے جو تجھ کو نہیں ملا بے شک قلب
مومن فیضِ الٰہی کا محل خاص ہے نفسِ امّارہ اپنی کثافتِ ناسوتی کی وجہ سے ان فیوضاتِ انوار
کو نہیں پا سکتا نفسِ امّارہ کو ہدایتِ معرفت دینے کے لیے اور نفسِ مطمئنہ بنانے کے لیے
متبعِ قلب بنانا چاہیے۔ اے نفس اتباع کر قلبِ مسعود کی تاکہ سالکِ راہِ معرفت کو صراطِ
سویًّا کی ہدایت مل سکے۔ اے مربیِ خواہشات اصنامِ دنیوی کے پیچھے لگ کر ابلیسِ باطنی
کی عبادت نہ کر بے شک ابلیسِ باطن خالقِ اسرار کا مخالف ہے۔ بندے کے لیے سب سے
زیادہ ضروری یہ ہے کہ پہلے اپنے ساتھی کو دیکھے کہ کیسا ہے کیونکہ ساتھی ہی جنت ہے
ساتھی ہی جہنم ہے۔ شدّاد نمرود آزر فرعون ہامان اور سامری قارون و یزید سب بُرے
ساتھیوں کی پیداوار ہے۔ نیک لوگوں سے محبت رکھنے والا اور ہم نشینِ صراطِ سویًّا کی ہدایت
پانے میں بدنصیب اور نامراد نہیں ہوتا نہ رہ سکتا ہے۔ خالق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اخلاص میرا
بھید ہے اور قلبِ مومن میرا خلیل ہے۔ بھید ایک وسیع سے وسیع تر علم ہے جس کو اپنے
محبوبوں کے قلب میں امانت رکھا ہوا ہے قلب چاہتا ہے کہ میں نعمتِ معرفت کی تقسیم
کروں مگر نفسِ امّارہ اپنی ذلت و خباثت کی وجہ سے اس نعمتِ عقبیٰ کا طالب نہیں بنتا
نہ پسند کرتا ہے مگر قلب بار بار پکارتا ہے عذابِ محرومی سے ڈراتا ہے کہ یٰۤاَبَتِ اِنِّیْۤ
اَخَافُ اَنْ یَّمَسَّكَ عَذَابٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ فَتَكُوْنَ لِلشَّیْطٰنِ وَلِیًّا عوام کے نزدیک عذابِ جسمانی سخت تر اذیت
ہے مگر خواص کے نزدیک عذابِ روحانی شدید تر ہے عوام کے نزدیک جنت سے محرومی
عذابِ عظیم ہے مگر خواص کے نزدیک قربِ بارگاہ سے محرومی عذابِ الیم ہے اسی لیے
قلب متواتر التجا کرتا ہے کہ اے قالبِ جسمانیہ میں خواہشات کے مربی مجھ کو تیرے متعلق اندیشہ
و فکر ہے کہ تجھ کو قربِ جمال سے دُھتکار دیا جائے اور اسرارِ باطنی کے انعام فرمانے والے
رب تعالیٰ رحمٰن و رحیم کی طرف عذابِ فراق پہنچے تب پھر تجھ کو بلانے بچانے منزلِ سلوک
تک پہنچانے والا کوئی نہ ہوگا اور تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے قعرِ مذلت میں ابلیسِ باطنی
کا ساتھی بنا دیا جائے گا۔ اندر کا آزرِ مغرور ریاکار ہے خنّاس نمرود کی خوشی اور دکھلاوے
کے لیے قلبِ مزکی کا دشمن بن جاتا ہے قلبِ مخلص کی نصیحتوں کو چھوڑ کر اس کو اپنا

بد خواہ سمجھتا ہے باطل کی یہی بد بختیاں شروع سے چلی آرہی ہیں۔ مخلص وریاکار میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ مخلص کے لیے لوگوں کی تعریف اور برائی یکساں ہے مخلص نیکی کر کے اُسے بھول جاتا ہے راہِ معرفت کے مخلصین کو آخرت میں اعمالِ صالحہ کے ثواب کی بھی خواہش نہیں ہوتی اخلاص کی تین قسمیں ہیں (۱) خلوصِ قلب (۲) خلوصِ عقل (۳) خلوصِ فکر خلوصِ قلبی خاصُ الخاص کا عقلی خواص کا اور خلوصِ فکری عوام کا۔ خلوصِ قلب یہ ہے کہ حالات مخالف نہ ر ہنا بیماریاں دشواریاں ہوں مگر بندہ نام ونمود کے بغیر دروازۂ عبادت سے نہ ہٹے۔ نفس ونفسانیت کو بمقاماتِ الٰہی پہنچاتا عذاب سے ڈراتا ہے علماء کی تبلیغ لسانِ صدق وعلم سے ہے صوفیا کی تبلیغ فِیۡۤ اَنۡفُسِکُمۡ اَفَلَا تُبۡصِرُوۡنَ سے ہے اپنے اندر کے آزرِ بت تراش پر کڑی نظر رکھنا ہے۔ نیکیوں کو بھولنا گناہوں کو یاد رکھنا ہے حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ شعر غور وفکر اور وِرد میں رکھنا چاہیے

اے کریم از ما جفا از تو وفا ۔ اے رحیم از ما خطا از تو عطا

خلوصِ عقل یہ ہے کہ بدعتوں سے بچائے سب سے بڑی بدعت گستاخی ہے جو شیطانِ رجیم سے سرزد ہوتی چلی آرہی ہے خلوصِ فکری یہ ہے کہ بندہ کبھی بھی اپنے آپ کو مخلص ہی نہ سمجھے جب انسان اپنے خلوص کو دیکھنے لگتا ہے تو اخلاص میں خلا پیدا ہو جاتا ہے اس عادت بد سے وہ بندہ مخلص نہیں رہتا بلکہ ریاکاری کا مخلص بن جاتا ہے۔ سچا خلوص یہی ہے کہ یار کے لیے اغیار سے ہجرت کر جائے۔ اغیار باطن بھی چاہتے ہیں۔ قَالَ اَرَاغِبٌ اَنۡتَ عَنۡ اٰلِـهَتِىۡ يٰۤاِبۡرٰهِيۡمُ‌ لَئِنۡ لَّمۡ تَنۡتَهِ لَاَرۡجُمَنَّكَ‌ وَاهۡجُرۡنِىۡ مَلِيًّا ابراہیم قلب کی ان صداؤں کو آزرِ نفس نہیں سمجھتا اور خلوصِ قلب کو حقارتِ طبعی سے حکم دیتا ہے اے ناصحِ قلب تو میری خواہشات ناسوتیہ سے نفرت کرتا ہے۔ نفسِ امارہ کو شیطن ابلیس نے راہِ گمراہی اور دینِ باطل پر چلایا۔ اور اُس کے بداعمال بُری خواہشات کو اُس کی کور چشمی میں مزین کیا اور صوفیا کے مقابل قلندری فرقہ بنایا ہر بُرے کام کو خوش دلی کا نام دیا بری محفلوں برے ہم نشینوں کو اچھا سمجھا ترکِ نماز وطہارت کو اختیار کیا اور اس بدی کو ملامتِ ضمیر کا نام دے کر قتلِ نفس ٹھہرایا اچھوں کو بُرا اور بُروں کو اچھا سمجھا خواہشاتِ دینوی کے بتوں کی خانہ سازی کی اور اس ابدی ذلت وخباثت سے بچانے والے ناصحین کو دور ہٹایا کہ اگر تو اپنی نصیحتوں سے باز نہ آیا تو بد عملیوں حرام خوریوں کے پتھروں سے تجھ کو مردہ وفنا کر دوں گا اور قالبِ انسانی میں قلب کی موت سارے جسم کی ہلاکت ہے۔ اس دنیاءِ دون میں ہر ایک کو فنا ہے۔ كُلُّ شَىۡءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجۡهَهٗ‌ؕ۔ رب تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہی فنا ہونے والی ہے دور ہٹ جا میری راہِ ملامت سے اور بے توجہ ہو جا مجھ سے ہمیشہ کے لیے اور

ترکِ وراثتِ اعمال سے ہجرت کرلے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ نفسِ امّارہ قابض ہونا چاہتا ہے میراثِ جسمانی پر پندرہ قوتوں کا نام میراثِ جسمانی ہے۔ (۱) قوتِ ماشیہ (۲) قوتِ حاسّہ (۳) قوتِ لامسہ (۴) قوتِ ذائقہ (۵) قوتِ شامّہ (۶) قوتِ باصرہ (۷) قوتِ سامعہ (۸) قوتِ نفسانی (۹) قوتِ ادراک (۱۰) قوتِ فہم (۱۱) قوتِ تخیّل (۱۲) قوتِ حفظ (۱۳) قوتِ عقلیہ (۱۴) قوتِ قلبیہ (۱۵) قوتِ قدسیہ یہ قوتیں پھل ہیں ان کی زمین جسم ہے انسانی انکا بیج روحِ انسانی ہے مگر مرشدِ کامل نفس و نفسیات سے قلب کو دور کر دیتا ہے لیکن ہجرت ابدی نہیں کرنے دیتا۔ کیونکہ قلب کی ہجرت قالب کی ویرانی ہے۔ قالب وہی مبارک ہے جہاں قلب کی حکمرانی ہو۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ ۚ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ

بولے ابراہیم آخری سلام ہے تجھ پر عنقریب میں تو تیرے لیے بخشش ہی مانگ سکتا ہوں اپنے رب سے بیشک وہ

کہا بس تجھے سلام ہے قریب ہے کہ میں تیرے لیے اپنے رب سے معافی مانگوں گا بیشک وہ

بِيْ حَفِيًّا ﴿۴۷﴾ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ

رب ہے مجھ پر بہت محبت فرمانیوالا اور علیحدہ ہو رہا ہوں میں تم سب لوگوں اور ان سب بتوں سے جنکو تم پوجتے ہو

مجھ پر مہربان ہے۔ اور میں ایک کنارے ہو جاؤں گا تم سے اور ان سب سے جن کو اللہ کے سوا

اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ ۖ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ

اللہ کے مقابل اور میں تو اپنے رب کو ہی پوجتا رہوں گا یقین کے قریب ہوں کہ

پوجتے ہو۔ اور اپنے رب کو پوجوں گا قریب ہے کہ میں اپنے رب کی

رَبِّيْ شَقِيًّا ﴿۴۸﴾ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ

نہیں ہوں گا میں کبھی بھی اپنے رب کی عبادت کی وجہ سے بدبخت پھر جب دور چلے گئے وہ ان لوگوں اور انکے

بندگی سے بدبخت نہ ہوں۔ پھر جب ان سے اور اللہ کے سوا ان کے معبودوں سے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۙ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ ؕ

بتوں سے جن کو پوجتے تھے تو ہم نے عطافرمایا ان کو اسحٰق پھر یعقوب

کنارہ کر گیا ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب عطا کیے

وَ كُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ﴿٤٩﴾ وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا

اور ان سب کو بنا لیا تھا ہم نے نبیت خدائی، اور ہبہ کردیں ہم نے ان کو اپنی کچھ رحمتیں

اور ہر ایک کو غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا، اور ہم نے انہیں اپنی رحمت عطا کی۔

۳ع۱۰ ۶

وَ جَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ﴿٥٠﴾ ع

اور جاری کردیا ہم نے ان کے لیے تا قیامت سچائی کا اعلیٰ تذکرہ

اور ان کے لیے سچی بلند ناموری رکھی۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں ابراہیم علیہ السّلام کے پرورش کرنے والے چچا کی گفتگو اور جھڑک اور گستاخی کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں حضرت ابراہیم کا تحمل آمیز با اخلاق جواب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بت پرست باپ یعنی مربی کا تعلق بتوں اور شیطن سے بیان کیا گیا۔ اب ان آیت میں اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا فرماکر ابراہیم علیہ السّلام کا تعلق رب تعالیٰ سے بیان فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کے حقیقی چچا اور مربی کے چھوٹ جانے کا ذکر ہوا کہ اس نے ابراہیم علیہ السّلام کو نکال دیا اور ہر قسم کے تعلق ورشتے داری سے منہ موڑ لیا۔ جس کا فطری طور پر حضرت خلیل اللہ کو غم ہوا۔ اب ان آیت میں ابراہیم علیہ السّلام کو بیٹے پوتے ملنے اور عطا فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ ان اصل کے رشتوں کے ٹوٹنے چھوٹنے کے غم وافسوس کو مٹانے کے لیے ہم نے اپنے خلیل کو ایسی نسل کے رشتے دار عطا فرمائے جو بیٹوں پوتوں کی شکل میں ساری دنیا پر چھا جانے

والے ہوگئے۔

تفسیر نحوی

قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۔

قَالَ فعل ماضی اس میں ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع ابراہیم یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اگلی تمام عبارت شَقِیًّا تک مختلف ترتیب وار اس کے مقولے ہیں۔ سَلٰمٌ۔ مبتدا اسم نکرہ ہے دراصل تھا سلامی یعنی میرا اسلام یا میری طرف سے سلام۔ ی ضمیر متکلم مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا اس کے بدلے میں تنوین لگا دی گئی اس کو تنوین عوضی کہتے ہیں۔ علیٰ جارّہ فوقیت کا۔ کَ ضمیر حاضر کا مرجع اَبَتِ یہ جار مجرور متعلق ہے ثابتٌ یا وارِدٌ پوشیدہ اسم فاعل واحد مذکر کا۔ ثابتٌ اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر پھر جملہ اسمیہ ہو کر مقولۂ اول۔ سَ حرف تقریبی اس کو حرف تنفیس، توسیع بھی کہتے ہیں یہ صرف فعل مضارع پر داخل ہوتا ہے اور فعل کا جُز بن جاتا ہے اس لیے اس کو حرفِ تنفیس کہتے۔ یہ حرف مضارع کو زمانۂ حال کی تنگی سے نکال کر زمانۂ مستقبل کی وسعت میں لے جاتا ہے اس لیے اس کو حرفِ توسیع کہتے ہیں اور مستقبل میں یقینی قرب پیدا کرتا ہے اس لیے اس کو حرفِ تقریب کہتے ہیں بعض نحویوں نے اس کو استقبالِ استمراری کا بھی لقب دیا ہے جس کا معنیٰ آئندہ بار بار ہونا اس قول سے یہاں ترجمہ ہوگا۔ عنقریب میں تیرے لیے بخشش مانگتا رہوں گا اَسْتَغْفِرُ۔ بابِ استفعال کا مضارع معروف واحد متکلم۔ سِیْنْ نے مستقبل بنایا ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِسْتِغْفَارٌ۔ لَكَ جار مجرور بمعنیٰ تیرے لیے مراد ہے اَبَتِ۔ رَبِّ۔ مضاف ہے ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مفعول بہٖ ہے۔ یہاں مِنْ جارّہ پوشیدہ ہے اصل میں تھا۔ مِنْ رَبِّیْ (اپنے رب سے) اور بقاعدۂ نحویہ جب حرفِ جر پوشیدہ ہو تو مجرور مفعول بہٖ ہوتا ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ ہٗ ضمیر واحد مذکر اس کا اسم کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم۔ بِ حرف جر بمعنیٰ علیٰ ی ضمیر مجرور متعلق مقدم ہے حَفِیًّا اسم صفتِ مشبّہ کا۔ بروزنِ دَنِیًّا۔ فَعِیْلاً۔ بابِ کَرُمَ سے ہے حَفِیٌّ سے مشتق ہے۔ پانچ معنیٰ میں مشترک ہے (۱) تلاش کرنا (۲) باخبر ہونا (۳) کرید کرنا (۴) بحث کرنا (۵) مہربان ہونا یہاں آخری معنیٰ میں ہے ترجمہ ہے مجھ پر بہت ہی مہربانی فرمانے والا ہے۔ حَفِیًّا اپنے متعلق سے مل کر جملہ ہو کر خبر ہے کَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر حال سببی ہوا رَبِّیْ کا۔ وہ ذوالحال حال سے مل کر مفعول بہٖ ہوا اَسْتَغْفِرُ

کا جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اَعْتَزِلُ۔ باب افتعال کا مضارع واحد متکلم مستقبل اس
سین تقریبی کی وجہ سے عزلٌ سے بنا ہے مصدر ہے اعتزالٌ بمعنی علیحدہ ہونا چھوڑنا اسی معنی
میں بے نوکری سے معزول ہونا۔ ابلیس کو عزازیل اور گمراہوں کو معتزلی اسی لغوی معنی میں کہتے
ہیں کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول مراد بت ہیں تَدْعُوْنَ
باب نصر کا مضارع جمع مذکر حاضر، دُعُوٌّ سے بنا ہے بمعنی پکارنا۔ پوجنا معبود سمجھنا دعا مانگنا
کُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے اَبتِ اور اَبَتِ کی پوری کافر قوم۔ مِنْ جارۃ زائدہ
دُوْنِ اسم مفرد نکرہ معرب مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے
تَدْعُوْنَ جملہ فعلیہ ہوکر صِلہ، مَا موصولہ اپنے صِلے سے مل کر معطوف ہے کُمْ پر۔ دونوں
مل کر مفعول بہ ہے اَعْتَزِلُ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ اَدْعُوْا باب نصر
کا مضارع واحد متکلم اَنَا پوشیدہ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یہ تمام فعل عطف کی وجہ سے
سین کے تحت ہوکر بمعنی مستقبل ہیں۔ دُعُوٌّ سے مشتق ہے ترجمہ ہے میں عبادت کرتا ہوں
گا رَبِّی۔ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف ہوا۔ تینوں، معطوف
علیہ مَا سَتَغْفِرُ عہ اَعْتَزِلُ عہ اَدْعُوْا مل کر مقولہ دوم ہوا۔ عَسٰی فعل ماضی مقاربہ بمعنی مستقبل متصرفہ
ہے یعنی اس کی ماضی کے پورے چودہ صیغے گردان ہوتی ہے۔ بعض نے اس کو جامد کہا
ہے۔ وہ اس معنی میں کہ اس کے دوسرے مشتقات نہیں ہوتے مضارع امر وغیرہ نہ یہ کسی مصدر
یا مادے سے بنتا ہے یہ فعل امید اور کبھی اندیشے کا قرب بیان کرتا ہے اس بنا پر
بعض نے اس کو حرف قرار دیا ہے یعنی یہ فعل بمعنی حرف ہے کبھی آیا۔ واہ وا کے معنی میں
کبھی ہائے ہائے کے معنی میں یہ جب خبر کے لیے ہو تو صیغہ واحد ہوتا ہے جب استفہام
یعنی سوال کے لیے ہو تو جمع یا تثنیہ کا صیغہ آتا ہے مثلاً عَسَیْتُمْ۔ عَسَیْتُمَا۔ عَسَیَا۔ عَسَیُوْا اکثر امور
واجبی اور ضروری کے لیے آتا ہے۔ کبھی ایسے کام کے لیے بھی آجاتا ہے جو نہ ہوئے ہوں
صرف امید دلائی جائے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی فرماتے تھے کہ باری تعالیٰ کے کلام میں
فعل عسٰی قرب یقینی کا معنیٰ دیتا ہے اور انسان کے کلام میں فقط قرب امید کے لیے۔ یہ
فعل افعال تامہ کی طرح صرف فاعل پر عمل کرتے ہوئے مابعد اسم کو رفع دیتا ہے اس کا
فاعل کبھی اسم ظاہر ہوتا ہے جیسے عَسٰی زَیْدٌ۔ کبھی ضمیر بارز جیسے عَسَاہُ کبھی جملہ فعلیہ جیسے
یہاں آیت کبھی جملہ اسمیہ ہوتا ہے جیسے عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَ (کرام) کبھی اس سے پہلے سوال تاکیدی

پیدا کرنے کے لیے حَلِ لگا دیتے ہیں جیسے حَلِ عَسَیْتُمْ۔ اَنْ ناصبہ۔ لَا اَکُوْنَ۔ فعل مضارع ناقص واحد متکلم اَنَا پوشیدہ ضمیر اس کا اسم ہے۔ بِ جارّہ۔ دُعَاءِ اسم مضاف بمعنیٰ عبادت۔ فریاد۔ التجا پکارنا پہلے معنیٰ مناسب ہیں۔ رَبِّیْ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے دعاءِ کا وہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے شَقِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ کا۔ بروزن فعیل شَقْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بدنصیب۔ نامراد نامقبول منحوس۔ اسی سے ہے شقاوت بمعنیٰ بدبختی۔ اس کی جمع مکسّر ہے اَشْقِیَاء۔ یہ اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَا اَکُوْنَ کی۔ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر فاعل ہوا عسیٰ کا وہ جملہ فعلیہ مقاربہ ہو کر مقولہ سوم ہوا۔ قَالَ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا ۝ وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۝ فَ۔ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ لَمَّا۔ اسم شرطیہ ظرفیہ ترجمہ ہے پھر جب اِعْتَزَلَ باب افتعال کا ماضی مطلق هُوَ پوشیدہ اس کا فاعل هُمْ ضمیر جمع منصوب متصل مفعول بہ ہے اور معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا اسم موصول يَعْبُدُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع جمع غائب نِ حرف جر زائدہ۔ دُوْنِ اللّٰهِ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے يَعْبُدُوْنَ کا یہ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا هُمْ ضمیر کا۔ اِعْتَزَلَ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ وَهَبْنَا۔ باب فتح وَهْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت دینا بلا عوض دینا ہبہ اور تحفہ دینا ماضی مطلق جمع متکلم۔ مراد واحد متکلم ہے مرجع اللہ تعالیٰ صرف فصاحتِ کلام کے لیے جمع متکلم بولا جاتا ہے دوسرے جمع کے صیغے واحد کے لیے بولنے فصاحت کے خلاف ہے انسانوں وغیرہ کے لیے ادب کے طور پر جائز ہے مگر اللہ تعالیٰ کے لیے جمع حاضر یا غائب بولنا۔ ناجائز مشابہ شرک ہے توحید کے خلاف ہے۔ اکثر وہابی اور دیوبندی اس شرک میں مبتلا ہیں۔ لَهٗ۔ جار مجرور متعلق ہے اِسْحٰقَ اسم غیر منصرف عجمی عَلَم ہے واؤ عاطفہ يَعْقُوْبَ اسم غیر منصرف عجمی عَلَم ہے یہ دونوں عبرانی زبان کے لفظ ہیں اب عربی میں استعمال ہیں اس لیے عجمی ہو گئے۔ اسم مبارک ہیں دو نبیوں کے یہ عطف مفعول بہ ہے وَهَبْنَا کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ بمعنیٰ ثُمَّ كُلًّا۔ اسم کلیہ مفعول بہ مقدم ہے۔ یہ لفظاً واحد ہوتا ہے معناً جمع ہر مذکر و مؤنث کے لیے مستعمل ہے اس کا مؤنث كُلْتَہٗ شاذ اور متروک ہے اگر اس کے بعد نکرہ مفرد ہو تو ترجمہ ہے ہر ایک مثلاً

کُلُّ شَیْءٍ ہر ایک چیز۔ اگر اس کے بعد مفرد لفظی معرفہ ہو تو ترجمہ ہے سب مثلاً۔ کُلُّ الْقَوْمِ۔ اگر اس کے بعد فردِ واحد معرفہ ہو تو ترجمہ ہے پورا یہاں کُلًّا افرادی ہے یعنی ہر ایک کو مراد ۱ ابراہیم ۲ اسحاق ۳ یعقوب ہیں علیہم السلام۔ جَعَلْنَا۔ فعل ماضی با فاعل نَبِيًّا اسم مفرد نکرہ مفعول بہ دوم ہے اس پر تنوین تعظیمی ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واو سرِ جملہ (ابتدائیہ)، وَهَبْنَا فعل ماضی با فاعل لَهُمْ جار مجرور متعلق اول مِنْ رَّحْمَتِنَا۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم یہاں ہُمْ ضمیر کا مرجع تین شخصیات ہیں ۱ ابراہیم ۲ اسحاق ۳ یعقوب یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ واؤ سرِ جملہ۔ جعلنا فعل با فاعل لَهُمْ۔ لام متعدی کا ھُمْ ضمیر کا مرجع تین انبیا علیہم السلام یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لِسَانَ اسم مفرد جامد بمعنی جسمانی زبان مراد ہے گفتگو کلام مضاف ہے یہ لفظ مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے اس کی مذکر اَلْسُن اور لُسُن ہے جمع مؤنث اَلْسِنَةٌ ہے یہ چھ معنی میں استعمال ہوتا ہے ۱ جسمانی زبان (گوشت کا ٹکڑا) ۲ قوتِ گویائی ۳ تذکرہ چرچہ اور ذکر یہاں یہی مراد ہے ۴ اپنی اپنی بولی (لغت) ۵ لہجہ ۶ وعدہ۔ مثلاً کسی کو زبان دینا۔ صِدْقٍ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی سچائی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ عَلِيًّا۔ اسم صفت مشبہ مبالغہ عَلِیٌّ سے مشتق ہے بروزن فعیل بمعنی بہت ہی بلند اعلیٰ۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ جَعَلْنَا لَهُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّیْ اِنَّهٗ كَانَ بِیْ حَفِیًّا ○ وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّیْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّیْ شَقِیًّا ○

فرمایا ابراہیم نے اچھا اے چچا اگر تم میری اتنی بہترین مفید اور دائمی کامیابی والی بات کو بھی ماننے پر تیار نہیں تو تم کو دور سے ہی سلام ہے میں عنقریب اپنے رب تعالیٰ سے تمہارے لیے سابقہ گناہوں اور کفریات و شرکیات کی بخشش مانگوں گا (کفار کے لیے بھی استغفار ہوتی ہے) اگر میری تمہارے لیے یہ سفارشانہ آرزو بارگاہِ الٰہیہ میں منظور ہو گئی تو تم کو ہدایتِ خیر بھی مل جائے گی اور جو کام میری اتنی لمبی چوڑی تقریری نصیحت فصیحانہ مؤدبانہ انداز التجا کی باتیں نہ کر سکیں وہ میرے رحیم کریم رب کی توفیق کر دے گی۔ میں اور میری گفتگو تو تم کو ہدایت نہ دے سکی لیکن میرا اللہ جل مجدہٗ قادر و قیوم ہے جس کو پسند فرماتا ہے ہدایتِ ایمان عطا فرما دیتا ہے۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور قرابت داری کی محبت کرتا رہوں گا میری طرف سے تم کو سلامتی ہی ملے گی میں کسی حال میں تم کو دکھ تکلیف نہ پہنچاؤں گا۔ میرا رب مجھ سے بہت

ہی محبت فرمانے والا ہے۔ میری محبت تم سے بوجہ قرابت داری ہے اور میرے رب تعالیٰ کی محبت مجھ سے بوجہِ بندگی ہے۔ یہی بات میں تم کو سمجھانا چاہ رہا تھا کہ مولیٰ تعالیٰ کی محبت کا فقط یہی راستہ ہے جو میں نے اپنایا ہے اُس کی محبت ہر وہ شخص درجہ بدرجہ لے سکتا ہے جو اُس کی سچی خالص عبادت کرے۔ شریعت میں سلام نو قسم کا ہے ۱ سلامِ دعا ۲ سلامِ تعظیم ۳ سلامِ تحیۃ ۴ سلامِ اِذن ۵ سلامِ خیریت ۶ سلامِ علامت ۷ سلامِ وِداع ۸ سلامِ نفرت جیسے آیت میں ہے وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا ۹ متارکہ یہاں یہی سلام مراد ہے یعنی الوداعی اور چھوڑنے کے وقت بیزار ہو کر سلام کرنا۔ اے چچا تم کو تو مجھ سے نفرت ہے ہی مگر اب میں بھی تم سے اور تمہاری قوم اور تمہارے تمام چھوٹے بڑے جھوٹے معبودوں بناؤٹی خود تراشتے خداؤں سے بیزاری و نفرت کرتے ہوئے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دور جا رہا ہوں اور کہیں بہت ہی پاکیزہ ستھرے مقام مقدس علاقہ میں نہایت خوشی و اطمینان سے خشوع و خضوع اور پیار و دلجمعی کے ساتھ اپنے رَبُّ الْعٰلَمِیْن کی ایسی شاندار دعاؤں التجاؤں والی عبادت کروں گا کہ یقیناً بہت جلدی ایسا ہو گا کہ میں پھر کبھی کسی بھی کام و تبلیغ و ہدایت دینے میں ناکام نہ رہوں گا۔ اور اُس عبادتِ حنیفہ کے طفیل تمام نحوستیں بے برکتی، کسلتیں غفلتیں سب دور ہو جائے گی۔ اور وہ دولتیں عزتیں حکومتیں ملینگی کہ تم اور تمہاری قیادت کیلئے قوم حیران رہ جائے گی آج تو تم نے اپنے اس گھر وطن اور دولت ساز و سامان پر غرور کر کے مجھ کو مارنے مرنے اور نکل جانے کی دھمکی دے ہی دی ہے مگر میری طرف سے تمہارے لیے ہمیشہ سلامتی ہو گی نہ بات سے ایذا دوں گا نہ ہاتھ سے نہ کسی کام سے حضرت ابراہیم کی یہ ہجرت اور ترکِ وطن جدی میراث اللہ تعالیٰ کی خاطر چھوڑ جانے کا یہ واقعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ عنہم اور تا قیامت کفر کے ستائے وطن سے نکالے بھگائے ہوئے مُہاجرین مسلمانوں کو تسلی دینے کے لیے سنائے جا رہے ہیں کہ اے ایمان والو اس ظلم و تشدد اور ہجرت سے گھبرانا مت تمہارے جدِ اعلیٰ پر بھی یہ غریبُ الوطنی کا زمانہ گزرا ہے۔ اور جس طرح اُن کی شان و عزت دولت کم نہ ہوئی تھی بلکہ ہماری رحمتیں برکتیں انعامات اور زیادہ ہوتے رہے اسی طرح تم دیکھنا تمہاری بھی کتنی شانیں بڑھتی ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ گفتگو اپنے چچا آزر بت تراش کے گھر میں ہوئی ایک روایت میں ہے کہ یہ حضرت ابراہیم کا ہی جدی اور والد تارخ کا گھر تھا۔ ابراہیم کو یہ علم بھی تھا مگر یہ چچا پرورش کی آڑ میں اس پر ویسے قابض ہو گیا تھا اب اس وقت

یہ چچا نے ابراہیم علیہ السلام کو نکل جانے کی دھمکی دی مگر ابراہیم علیہ السلام نے جانتے ہوئے بھی اُس سے نہ فرمایا کہ یہ گھر تو میرا موروثی ہے تم نکلو دو وجہ سے پہلی یہ کہ اگر میں نے چچا سے نکلنے اور اپنا بت سازی کا سارا سامان اٹھانے کا کہا تو میری سب ہی ایمانی تبلیغ پر پانی پھر جائے گا اور بات یہ بن جائے گی کہ سب تبلیغ وغیرہ محض چچا کو نکالنے کی ایک چال اور سازش تھی پھر کوئی بھی آئندہ آپ کی تبلیغ کا اثر قبول نہ کرتا بلکہ یہی ہر طرف سے جواباً واتہاماً کہا جاتا کہ اسی تبلیغ کے بہانے پہلے چچا کو نکالا گھر سے اب ہم کو نکالنا چاہتا ہے ملک سے اور خود حکومت پر قابض ہونا چاہتا ہے۔ دوم یہ بھی کہا جا سکتا تھا کہ دیکھو بہت بداخلاق احسان فراموش ہے بوڑھے چچا مربی کو نکال دیا۔ اس لیے آپ نے اپنی کسی چیز کی پرواہ نہ کی اور اپنے گھر بلکہ اپنے اس شہر گلدانیہ سے نکل کر شام کے ایک شہر یروشلم بیت المقدس جہاں مسجدِ اقصا بنائی گئی ہجرت کر گئے یہ گلدانیہ آپ کا آبائی وطن مضافاتِ بابل کا ایک قصبہ تھا علاقہ عراق کا ہے۔ شام فلسطین کے قریب گلدانیہ سے جانبِ جنوب پہلے آپ ایک گاؤں حاران میں کچھ عرصہ مقیم رہے یہیں پر آپ نے پہلی شادی حضرت سارہ سے کی فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا ۔

پھر جب ہمارا خلیل اپنا سب کچھ چھوڑ کر دور علیحدہ چلا گیا اُن تمام بُت سازوں بُت پرستوں سے اور ان کے اُن باطل جھوٹے معبودوں دیوی دیوتاؤں سے متنفر بیزار ہو کر جن کو وہ اللہ کے مقابل پوجتے تھے۔ تو ہم نے بھی اُس کو کسی وقت کسی جگہ کوئی تکلیف نہ ہونے دی اُس کی جان شان عزت آبرو کی پوری پوری حفاظت فرمائی اور جو کچھ اُس نے ہماری خاطر چھوڑا تھا اُس کے بدلے میں ہم نے بھی اُس کو اسحاق جیسا بے مثل فرزند اور یعقوب جیسا ابنِ فرزند بخش دیا عطا فرما دیا۔ اور ایسی شان و مرتبے والے کہ اُن سب کو ہم نے اپنا نبی بنایا ہوا تھا اس طرح کہ ابراہیم خلیل سے لے کر عیسٰی علیہ السلام تک سب ہی ازلی تقدیر میں اولوالعزم انبیاءِ کرام بنا دئے گئے تھے بلکہ بعد کے تمام انبیاء و رُسل تو بنی اسرائیل میں ہی بھیجے گئے اور یہاں تک ابراہیم پر کرم ہوا کہ آخری مُرسل انبیاء و رُسل کا سراجِ منیر چمکتا سورج ان کے ہی فرزند اسماعیل کی نسل میں مبعوث فرما دیا۔ اور اس کے علاوہ بھی ان سب پر ہم نے اپنی بے شمار خاص رحمتیں ہبہ فرمائیں اور ان تینوں کے لیے تا ابد ہم نے کائناتِ ارض

وسماوی میں ہر زبان پر سچائی کا چرچہ جاری فرمادیا۔ ابراہیم علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام کو اپنی زندگی میں پالیا تھا بلکہ پرورش بھی پوتے کی خود ہی فرمائی یہاں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر نہ فرمایا اس کی وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ آپ کی فضیلت شان ظاہر کرنے کے لیے آپ کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ انعام اس ہجرت کے بدلے میں تھا اور اس ہجرت میں حضرت سارہ سے نکاح ہوا۔ اور سارہ سے اسحاق اور اسحاق سے یعقوب پیدا ہوئے۔ اگرچہ اسماعیل کے بعد ہوئے مگر ہوئے سارہ کے ذریعے حضرت ہاجرہ بھی اگرچہ اسی ہجرت میں اگلے سفر میں ملیں مگر وہ سارہ کو ملیں نہ کہ ابراہیم کو ابراہیم سے نکاح تو بہت عرصہ بعد ہوا واللہ اعلم بالصواب۔ حضرت یعقوب کی ولادت کے وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک سو پچھتر سال تھی۔ آپ کا زمانہ پاک آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال اور نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال بعد تھا۔ رَحْمَتِنَا سے مراد بلال طیب پاکیزہ مال دولت اولاد، پاکیزہ اولاد نسل نبوت ہے۔ لِسَانَ صِدْقٍ سے مراد ہر کافر مومن کے دل میں تا قیامت آپ کی عقیدت اور زبان پر تعریف۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس ہجرت میں سات چیزوں سے علیحدگی اور اعتزال فرمایا ۱۔ اپنے سگے مربی چچا سے ۲۔ اپنی قوم سے ۳۔ اپنے وطن سے ۴۔ بلکہ پورے ملک سے ۵۔ قوم کے باطل مذہب اور بتوں سے ۶۔ ان کی باطل کفریہ عبادت سے ۷۔ اپنی پوری آباؤ اجداد کی میراث سے۔ اس کے انعام میں رب تعالیٰ نے خلیل علیہ السلام کو سات عظیم ابدی نعمتوں سے نوازا ۱۔ خلیل بنایا ۲۔ امام بنایا ۳۔ اصل چھوڑنے کے بدلے عظیم نسل دی یعنی اولاد عیسیٰ علیہ السلام تک بنی اسرائیل اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے تا قیامت سادات اسماعیلی آپ ہی کی نسل اولاد ہیں ۴۔ دولت دی ۵۔ تا قیامت عزت اور اچھی شہرت عطا فرمائی ۶۔ اولاد میں نبوت قائم فرمائی کہ چھ انبیا علیہم السلام کے علاوہ باقی تمام انبیا علیہم السلام آپ کی نسل میں آئے باقی دنیا کی اُس وقت آباد و موجود قومیں۔ قبطی۔ فرعونی۔ حامی۔ یافثی۔ ساریانی۔ آریائی اور آزری وغیرہ نبوت سے بالکل خالی رہیں ۷۔ وطن چھوڑنے کے بدلے ملکوتِ آسمانی کی سیر کرائی۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے مختصر حالات

یہ بات ابتدائے تاریخ سے چلی آرہی ہے کہ جب رب تعالیٰ کسی کو کائنات میں عزت وشہرت

عطا فرماتا ہے تو ابلیس اپنی حسد و غضب میں جل مرتا ہے اور اس شخصیتِ مبارکہ کے خلاف طرح طرح کے ہتھکنڈے اور منصوبے بنا کر اپنی ذریتِ خبیثہ کے ذریعہ صرف اس غرض سے پھیلاتا ہے تاکہ حقیقتِ واقعی کو شکوک و شبہات سے مسخ کر دیا جائے مگر یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِـُٔوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ کے فرمانِ الٰہیہ کے مطابق خبثاء و شیاطین کے تمام منصوبے تحریریں تاریخیں تفسیریں باطل ہو جاتی ہیں اور حق ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ یہی کچھ معاملہ تاریخِ ابراہیمی کے ساتھ کیا گیا چونکہ رب تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ نے تا قیامت لِسَانَ صِدْقٍ عَلِیًّا کا اِنعامِ خِلّت عطا فرما دیا تھا۔ بھلا شیطان کو یہ کب برداشت تھا۔ اس نے اپنی انسانی ذریت کے قلم سے ہی ایسی ایسی چالیں چلوائیں کہ دل دنگ عقل حیران فکر پریشان ہوگئی۔ کبھی آپ کے خاندان میں کبھی آپ کے وجودِ حقیقت میں کبھی آپ کی زندگی میں کبھی آپ کے نام میں کبھی کام میں کبھی دین و مذہب میں کبھی وطنی نسبت میں کبھی آپ کے والدین کریمین طیبین ساجدین طاہرین کے ایمان میں۔ اور پھر یہ سب چالیں مخالفِ اغیار اور دشمن بن کر نہیں بلکہ عقیدت محبت و الفت کے منافقانہ لباس پہن کر۔ اور یہ بہروپیانہ چالیں حضرت ابراہیم اور ان کے والدین تک ہی محدود نہ رہیں بلکہ آپ کی نسلِ پاک اسماعیل و اسحاق کی شخصیات کی عظمت و شان میں بھی محض آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے تعصب حسد اور جلن کی وجہ سے کئی قسم کے شکوک و شبہات پیدا کرنے کی ناپاک جسارت کی یہ سب خرافات اگر یہود و نصاریٰ ہندوؤں مجوسیوں صابیئوں کی اسرائیلیات۔ تالمود۔ اناجیلِ باطلہ تک ہی محصور رہتیں تو بھی ہم کو تردید میں اپنا استدلالی قلم استحقاق اٹھانے کی ضرورت نہ تھی غم تو اس بات کا ہے کہ خود بعض مسلمان مورخ و مفسر تاریخ و تفسیر کے بہانے ان اقوالِ باطلہ میں شامل و ملوث ہو گئے۔ جن میں پیش و پیش دیوبندی وہابی فرقے کے مورخ و مفسر ہیں بلکہ یہ فرقہ تو تقریباً ہر مذہبی دینی عقیدے میں اسرائیلیات سے اتنا متاثر ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہودیت عیسائیت ہی کا دوسرا نام وہابیت ہے۔ خرافات تو بہت سی قسم کی ہیں مگر سب سے زیادہ سخت جو ایمان بگاڑنے والی ہیں وہ تین ہیں۔ پہلی حضرات والدین کا ایمان دوسری حضرت سارہ و حضرت ہاجرہ کا خاندانی مرتبہ تیسرا حضرت اسماعیل کے ذبیح اللہ ہونے کی عظمت و شان۔ یہ تو کرم ہے قرآن مجید اور احادیثِ مبارکہ کا کہ انہوں نے خاندانِ ابراہیمی کی صحیح حقیقت بیان فرما کر صرف یہودیت۔ عیسائیت کا ہی نہیں وہابیت کا بھی منہ توڑ دیا ورنہ بے چاروں نے تو قلم رگڑ رگڑ کتابیں لکھ لکھ کر قسمیں کھا

کھا کر ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا ہے کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کے والدین کریمین کافر و مشرک تھے۔ اور یہ باطلانہ عقیدہ اسلامی فرقوں میں صرف دیوبندی وہابی ٹولے نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی اور گستاخی میں بنایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین سیدنا عبداللہ اور سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما معاذ اللہ کافر و مشرک تھے۔ حالانکہ ان دونوں کے تو نام ہی بتا رہے ہیں کہ مومن تھے اور یہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی محض اس جلن میں ہے کہ میرے آقا غیب دانِ عالمین نے نجدیوں کی برائی فرمائی اور ان کو شیخ نجدی کا ٹولہ اور قرن الشیطان فرمایا۔ انہیں اپنے اس باطل عقیدے پر کوئی قرآن و حدیث کی دلیل تو میسر نہ آئی اس لیے بائبل، تالمود اور اسرائیلیات کے اقوال کو اپنا جزوِ ایمان بنایا یہی حال ان کے دوسرے اور تیسرے عقیدے کا ہے بہرحال ہم ان کے علی الترتیب تینوں باطل عقیدوں کی تردید قرآن و حدیث کے دلائل سے کرتے ہیں پہلا عقیدہ والدین ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کے متعلق۔ پہلی دلیل تمام اہل سنت علما قدما مجتہدین آئمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے کہ کسی بھی نبی کے والدین کافر اور مشرک نہ ہوئے اس لیے کہ کفر رجس ہے اور شرک نجس لہٰذا کافر رجساً پلید اور شرک نجاست کا پلید جب کہ انبیاءِ عظام علیہم السلام جسماً و روحاً عرش و فرش لوح و قلم سے زیادہ پاکیزہ باعظمت اور نورِ الٰہی ہوتے ہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے نور کو نجاست سے بنایا اور نجاست میں رکھا جائے۔ دیوبندیوں کی الجھیت تو اسی ایک ہی قرآنی آیت سے ظاہر ہو جاتی ہے مگر ان کے باطل عقیدے کی تردید میں اور بھی دلائل ہیں۔ دوسری دلیل قرآنِ مجید میں ابراہیم کے اس سوتی چچا کو اَبْ کہا گیا۔ وَالِدْ کسی بھی آیت یا حدیثِ پاک میں نہ کہا گیا۔ صرف پانچ آیت میں اس چچا کا ذکر ہوا۔ ایک یہی سورۃ مریم کی آیت ۴۱ تا ۴۵۔

اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ یٰۤاَبَتِ ۔ یَا اَبَتِ ۔ چار دفعہ دوم سورۃ توبہ آیت ۱۱۴

وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ اِلَّا عَنْ مَّوْعِدَةٍ وَّعَدَهَاۤ اِیَّاهُۚ فَلَمَّا تَبَیَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُؕ ۔ سوم سورۃ زخرف آیت ۲۶ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ۔ چہارم۔ سورۃ ممتحنہ آیت ۴۔ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ ۔ پنجم سورۃ انعام آیت ۷۴۔ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۔

ان تمام آیت میں ابراہیم علیہ السلام کے مخاطب کو اَبِیْہ اور اَبَتِ ہی فرمایا گیا حالانکہ لفظِ اَبْ مشترک ہے بہت سے معنی ہیں ۱۔ اصل لغوی معنی ہے والا۔ اسی معنی میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کا لقب

ہوا اَبُوتراب یعنی مٹی والا ۲؎ اَبْ کا اصطلاحی معنیٰ مالک ہے جیسے ابوالمال ۳؎ آفاقِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اَبُوالمساکین فرمایا (از مشکوٰۃ شریف ۵۵۵) یہاں اَبُو کا معنیٰ ہے مُرَبِّی ۴؎ اَبْ چچا کو بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ حدیث پاک میں چچا کو والد کی مثل کہا گیا ہے چنانچہ مشکوٰۃ شریف ۱۵۶ و ۵۵۵ و ۵۵۸ میں بحوالہ ترمذی کا ہے عَمُّ الرَّجُلِ صِنْوُ اَبِیْہِ۔ اور صنو کا معنیٰ لمعات میں مثل ہے ۵؎ اَبْ کا رواجی معنیٰ والد بھی ہیں۔ اس تفصیل سے ثابت ہو کہ اگر کسی شخص کو کسی کا اَبْ یا اَبِیْہ یا کوئی خود کو اپنا۔ اَبَتِ کہے تو چھان بین کرنی پڑے گی کہ یہاں اَبَتِ اور اَبْ و اَبُو سے کیا مراد ہے۔ بلا تحقیق اُس کو والد نہ کہا جائے گا۔ وہابی لوگ آزر کے متعلق اسی لفظ سے دھوکہ دے کر والدین ابراہیم علیہ السلام کی گستاخیاں کرتے اور کر اتے ہیں اس دھوکے سے بچانے کے لیے رب تعالیٰ نے ایک آیت میں اَبِیْہِ کی وضاحت فرماتے ہوئے صاف صاف نام بھی ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص دھوکہ نہ کھائے۔ اَبِیْہِ سے مراد والد تارخ نہیں بلکہ چچا آزر ہے۔ اس کے علاوہ کسی بھی حدیث۔ روایت۔ درایت ۔تاریخ تفسیر اور آیت میں والد کو آزر نہ لکھا گیا۔ ہر جگہ والد کا نام تارخ ہی منقول و مکتوب ہے یہاں تک کہ اسرائیلیات کے سہارے یہ دیوبندی اپنے عقیدے بناتے پھرتے ہیں ان اسرائیلیات میں بھی والدِ ابراہیم کا نام تارخ ہی لکھا ہے نہ کہ آزر۔ غرضکہ کسی بھی مقام سے ان کو اپنے باطل وکاذب عقیدے پر کوئی دلیل ہاتھ نہ آئی تو بچنے بچانے کے لیے اگر مگر اور ممکنات کا تانابانا بُننے لگے جس سے ثابت ہوا کہ یہ کوئی خلوص اور تلاشِ حق نہیں محض ضد ہے کبھی کہتے ہیں ممکن ہے تارخ اور آزر ایک ہی شخص کے دو نام ہوں۔ کبھی کہتے ہیں ممکن ہے تارخ نام ہو آزر لقب ہو۔ کبھی کہتے ہیں ہوسکتا ہے تارخ بچپن کا نام ہو آزر بعد میں رکھ لیا ہو۔ کبھی کہتے ہیں اصل نام آزر ہے۔ اس سے بگڑ کر عاذر ہوا پھر عاذر پھر بگڑ کر غارح کو غلطی سے طارح لکھ دیا گیا جو بعد میں تارح ہوا۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَلَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ اور پھر اپنی ان ممکناتی خرافات پر کوئی دلیل نہیں بس اندھے کی لاٹھی ہے جدھر چاہی گھما دی۔ یہی نہیں میں تو کہتا ہوں دیوبندیت وہابیت کے پورے علم کے پورے دین کا یہی حال ہے۔ یہ تمام اقوال ہم نے دیوبندی کتب سے اخذ ونقل کئے ہیں۔ مضبوط دلائل تو بحمدہٖ تعالیٰ ہر ہر مسلک وعقیدے پر اہلِ سنت حنفی بریلوی علما کے پاس ہیں۔ تیسری دلیل اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ نے پوری کائنات اہلِ ایمان کے لیے ایک ابدی قانون قائم فرمایا۔ یہ قانون تمام عوام خواص صوفیا

اولیا، علما، تابعین، تبع تابعین، صحابہ، اہل بیت بلکہ انبیاء و مرسلین پر بھی نافذ ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ آیت ۱۱۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ۔ ترجمہ کسی نبی اور کسی بھی مومن کے لیے یہ جائز نہیں کہ مشرکین کے لیے بخشش کی دعا مانگیں اگرچہ وہ مشرکین اُن انبیاء اور مومنین کے بہت ہی قریبی رشتے دار ہی ہوں اس کے بعد کہ اُن انبیاء اور مومنین کو ظاہر ہو چکا ہو کہ یہ قرابت دار جہنم والوں میں ہو چکے ہیں یہ قانونِ الٰہیہ سب انبیاء جانتے ہیں ابراہیم علیہم السلام بھی جانتے ہیں۔ اس کے باوجود قرآنِ مجید میں ابراہیم علیہ السلام کی دو قسم کی استغفار مذکور ہے۔ پہلی استغفار لِاَبِيهِ چنانچہ ارشاد ہے سَأَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّي۔ بہت جلدی تمہارے لیے اپنے رب سے استغفار کی دعا مانگوں گا۔ اور سورۃ ممتحنہ کی آیت ۴ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِيْمَ لِاَبِيْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ۔ مگر ابراہیم کا قول اپنے ابی سے کہ میں البتہ ضرور تمہارے لیے بخشش مانگوں گا۔ ان دونوں آیتوں نے بتایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مربی کے لیے اُن کی زندگی میں ہی بخشش مانگنے کا وعدہ کیا تھا جو چچا کی زندگی میں ہی پورا کر دیا۔ ابی کا ہے نہ کہ والد کا اس دعا کا ذکر سورۃ شعرا آیت ۸۶ میں وَاغْفِرْ لِاَبِيْ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الضَّالِّيْنَ اس آیت کی تفسیر میں صاوی جلدِ سوم ص ۱۴۵ پر ہے کہ یہ توفیقِ ایمان کی دعا تھی اور کفر سے توبہ کی چچا کی زندگی میں ہی لیکن جب کفر پر خاتمے کا بذریعہ وحی بتایا گیا تب آپ نے دعا ترک کر دی اس دعا کے وقت ابراہیم کی عمر دس گیارہ سال تھی۔ اِلَّا قَوْلَ۔ سے پتہ چلا کہ صرف ایک دفعہ یہ استغفار کا وعدہ ہوا پھر اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِاَبِيْ۔ اور کہیں ثابت نہیں۔ سین حرفِ تقریب بتا رہا ہے کہ اس تخاطب کے تھوڑی دیر بعد استغفار مانگی جب کہ ابراہیم علیہ السلام نوجوان تھے آزر زندہ تھا۔ یعنی یہ استغفار زندہ مشرک کیلئے ہوئی۔ اور زندگی میں مشرک و کافر کے لیے استغفار مانگنی جائز ہے کیونکہ مندرجہ بالا سورۃ توبہ کی جس آیت میں ممانعت فرمائی گئی اُس میں یہ قید ہے کہ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔ یعنی جب یقین سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص اصحابِ جحیم میں سے ہے تب کافر کے لیے استغفار منع ہے۔ اس چیز کا پختہ یقینی علم یا انبیاء کرام کو دیا جاتا ہے یا پھر کفر پر مر جانے کے بعد سب کو ہوتی ہے لِاَبِيْهِ کے لیے استغفار کی وجہ بتاتے ہوئے رب تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔ یعنی ابراہیم نے اَبِيْهِ کے لیے اُس کی زندگی میں استغفار مانگی لیکن جب ابراہیم علیہ السلام

نے یقینی علم پالیا کہ یہ اب ہمیشہ اللہ کا دشمن ہی رہے گا اور اسی حالت میں مرے گا تو آپ اس سے متنفر ہو گئے استغفار چھوڑ دی۔ یہ تھی اَبِیہِ والی دعا جو آپ نے اپنی جوانی میں ہی دو چار بار مانگی پھر اسی دوران اِسی ممانعتِ الٰہیہ کی وجہ سے چھوڑ بھی دی۔

دوسری استغفار کا ذکر قرآن مجید سورۃ ابراہیم آیت ۳۹ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِنَّ رَبِّیْ لَسَمِیْعُ الدُّعَآءِ ترجمہ۔ تمام حمد اور شکر اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے بخشا عطا فرمایا مجھ کو بڑھاپے میں اسماعیل اور اسحاق بے شک میرا رب میری دعائیں ہمیشہ سننے والا ہے۔ تاریخی لحاظ سے ولادتِ اسماعیل کے وقت حضرت ابراہیم کی عمر ننانوے ۹۹ سال اور ولادتِ اسحاق کے وقت آپ کی عمر ایک سو بارہ ۱۱۲ سال تھی اور اس اعتبار سے یہ دعا تقریباً ایک سو تیرہ ۱۱۳ یا ایک سو چودہ ۱۱۴ سال کی عمر میں ہو گی اس وقت حضرتِ ابراہیم علیہم السّلام کے تمام اَفرادِ اُصولی فوت ہو چکے ہیں۔ والد۔ والدہ۔ چچا، چچی وغیرہ وغیرہ اِس کے بعد حضرت ابراہیم اسی کلام میں عرض کرتے ہیں۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ۔ اے ہمارے رب مجھ کو بخشش دے اور میرے والدین کو بھی بخشش دے اور تمام اہلِ ایمان کو بھی تا قیامت بخشش دے یہاں اِغْفِرْ اور بخشنے سے مراد ہے عطاءِ رحمت یعنی مجھ کو میری والدین کو تمام مومنین کو اپنی رحمت میں چھپا لے۔ تینوں کے لیے ایک صیغہ بولنا یہ ہی ثابت کرتا ہے کہ تینوں کے لیے ایک جیسی مغفرت ہو۔ یعنی شرک کفر سے مغفرت نہیں، شرک پہلی جگہ محال ہے تیسری جگہ ناممکن ہے لہٰذا دوسری جگہ بھی ناممکن۔ اَبی کی مغفرت کا معنیٰ چونکہ شرک سے بچانا اور توبہ کی توفیق تھی اس لیے وہاں صرف اَبی کہا کسی دوسرے مومن کو شامل نہ کیا۔ اتنی عظیم وضاحت کے باوجود بھی کسی دیوبندی وہابی کا دماغ اُلٹا ہی چلے تو اس کی مرضی یہاں اَبِیہِ نہیں۔ وہاں والد نہیں۔ یہاں ابراہیم علیہ السّلام کا بڑھاپا زندگی کے آخری لمحات وہاں جوانی یہاں بعدِ وفات وہاں زندگی ہیں۔ یہاں دونوں والدین کے لیے استغفار ہے وہاں صرف آزر کے لیے وہاں مخصوص وعدے کی دعا ہے یہاں عام دعا۔ رب تعالیٰ نے کس شان سے وضاحت فرما دی کہ آزر اور ہے وَالِدَیْن اور ہیں۔ بھلا کیسے ہو سکتا ہے کہ ممانعت کے باوجود آخری عمر میں آپ کافر کے لیے دعائیں مانگتے۔ اتنی وضاحت کے باوجود اب بھی کوئی ظالم بد بخت نہ مانے تو اس کی خباثت و کم بختی کو کیا کہا جا سکتا ہے۔ چوتھی دلیل ابراہیم علیہ السّلام نے عرض کیا۔ وَلِوَالِدَیَّ۔ اے اللہ میرے والد اور والدہ دونوں کو بخشش دے

یہ دعا بڑھاپے میں ہے جب کہ والد تارخ اور والدہ متلی بنت کرناب یا اینالی کبھی فوت ہو چکے ہیں۔ والد ہی تو شک ڈال دیتے ہیں کہ یہ آزر مراد مگر والدہ کا کفر یا شرک کس طرح ثابت کرو گے اِن کا ایمان تو ہر اعتبار سے ثابت ہے۔ جب والدہ مومن ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ خاوند کافر مشرک ہو اور بیوی مومنہ ہو۔ ہر شریعت میں مومنہ عورت سے کافر مرد کا نکاح حرام ہے مومن مرد تو کافرہ مشرکہ یعنی یہودیہ عیسائیہ سے نکاح کر سکتا ہے شریعت اِس کی اجازت دیتی ہے مگر کسی قسم کے کافر مرد سے کسی مسلمان عورت کا نکاح جائز نہیں ہے۔ اور وَالِدَیَّ کا ترجمہ تمام مترجمین نے یہی کیا ہے کہ میری والدہ اور والد۔ بالکل اِن ہی الفاظ کی دعا حضرت نوح علیہ السلام سے بھی سورۃ نوح آیت ۲۸ میں منقول ہے۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ نوح علیہ السلام نے عرض کیا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِمَنْ دَخَلَ بَیْتِیَ۔ یہاں بھی تمام مترجمین ترجمہ کرتے ہیں۔ اے اللہ مجھ کو اور میرے دونوں والدین کو بخش دے۔ یہاں بھی کفر کی بخشش مراد نہیں بلکہ خطاؤں کی یا مقرب بارگاہ ہونے کی استغفار مراد ہے کیونکہ کفر کی بخشش نا ممکن اس کے لیے دعا حرام مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ (الخ) سے ممانعت وحرمت ثابت۔ اشرف علی تھانوی محمود الحسن۔ عاشق الٰہی میرٹھی تمام دیوبندی صاحبان اور شاہ ولی اللہ، مُلّا کاشفی بھی اس کا ترجمہ والد والدہ کرتے ہیں۔

پانچویں دلیل۔ اَبِیْهِ کی استغفار میں صرف آزر کا ذکر ہے۔ نہ اپنے آپ کو شامل کیا نہ مومنوں کو۔ لیکن والدین کی استغفار میں اپنا ذکر کیا اور تمام تا قیامت مومنوں کو تاکہ والدین کو اپنے اور اہلِ ایمان کے مشابہ ومماثل ثابت کیا جائے۔ ان تمام دلائلِ قرآنیہ سے ثابت ہوا کہ حضرت ابراہیم کے والدین مومن متقی بلکہ اولیاءِ کاملین میں سے ہیں۔ چھٹی دلیل۔ تمام شریعتوں کا یہ متفقہ مسئلہ ہے کہ کافر مومن قرابت دار کا اور مومن۔ کافر قرابتدار کا وارث نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل ۱ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔ اے نوح تمہارا یہ بیٹا کنعان تمہارا اہل یعنی وارث وغیرہ نہ رہا اور ۲ حدیث پاک میں ہے لَیْسَ الْمُؤْمِنُ وَارِثَ الْکَافِرِ وَالْکَافِرُ لِلْمُؤْمِنِ اس قانون کے باوجود ابراہیم علیہ السلام اپنے والد کے آبائی ایک گھر اور کچھ سامان کے وارث ہوئے جس پر چچا آزر قابض تھا۔ اس ترکِ میراث کا اشارہ اِسی آیت سے ملتا ہے کہ چچا نے کہا وَاهْجُرْنِیْ مَلِیًّا۔ تو میرے پاس سے ہجرت کر جا۔ ہجرت وطنِ اصلی سے ہوتی ہے اور وطنِ اصلی دو چیزوں سے بنتا ہے ۱ جائیداد سے ۲ بیوی کی رہائش سے یہاں بیوی تو ہے نہیں ماننا پڑے گا کہ جائیداد تھی جو ابراہیم علیہ السلام نے خریدی نہ تھی۔ وراثتاً تھی ثابت ہوا

کہ والد مومن تھے ورنہ میراث نہ ملتی تفسیر مظہری ص۲۰۲ پر سورۂ حج آیت ۲۵ عَاکِفُ فِیۡہِ وَالۡبَادِ کے تحت لکھا ہے کہ حضرت ابوطالب کے چار بیٹوں میں سے بوقتِ وفات ابوطالب کے دو بیٹے ۱ طالب ۲ عقیل کافر تھے ان کو ابوطالب کی ساری میراث مل گئی دوسرے دو بیٹے علی اور جعفر یہ مومن ہوگئے ان کو نہ ملی۔ جس مکان میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادتِ پاک ہوئی تھی وہ مکان آپ کے والد کی جدی میراث سے آپ کے والد سیدنا عبداللہ کو ملا تھا بعدہٗ تاہجرت وہ مکان آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ملکیت و تصرف میں رہا ہجرت کے بعد طالب وعقیل نے اُس پر قبضہ کرلیا۔ طالب بحالتِ کفر بدر میں قتل کیا گیا۔ عقیل نے وہ گھر بیچ دیا مگر فتح مکہ کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ واپس لیا کیونکہ بیع صحیح نہ تھی۔ بعد وفاتِ مبارکہ وہ وقف کردیا گیا جو آج تک وقف چلا آرہا ہے حکومتِ ترکیہ تک وہ تبرکات میں شامل تھا حکومتِ سعودیہ نے اس کو تبرکات سے خارج کرتے ہوئے اس کو لائبریری بنا دیا۔ اس حقیقت سے بھی ثابت ہوا کہ حضرت عبداللہ مومن موحد تھے۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ الدَّلَائِلِ حضرت ابراہیم کا شجرہ نسب و مختصر حالات۔ **دوسری بات** جس میں اسرائیلیات نے بہت شکوک شبہات بھر دیئے اور مؤرخین دیوبند اس گڑبڑ پھیلانے میں اُن کے شانہ بشانہ چلے۔ کبھی آپ کے نام میں شکوک پیدا کئے اور ھندوؤں کے دیوتا رام کو ابراہیم کی شکل کہتے ہوئے لکھا کہ براہیم کا اصل نام اَبۡ رَام تھا جو بگڑ کر ابراہیم ہوگیا۔ (معاذ اللہ) اور اَبۡ کا معنیٰ باپ۔ رام کا معنیٰ دوست حبیب محبوب۔ ان غلط بیانیوں سے غالباً ھندوؤں کو خوش کرنا مقصود ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل کو ابراہیم ہی ہر جگہ فرمایا ہے چنانچہ یہ احادیث کے علاوہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں تقریباً انہتر جگہ لفظ ابراہیم مذکور ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے رکھے ہوئے نام کو بگڑا ہوا لفظ کہنا سراسر گستاخی ہے یہ حوالے ہم نے عباس محمود العقاد کی کتاب ابُوالانبیاء سے نقل کئے ہیں۔ حضرت ابراھیمؑ بن تارخ بن ناحورؑ بن سروجؑ بن رعوؑ بن فالحؑ بن عابرؑ بن شالحؑ بن ارفکشادؑ بن سامؑ بن نوحؑ علیہ السلام۔ اس شجرے میں مع آپ کے نوح علیہ السلام تک گیارہ نام ہیں تارخ کی کل عمر ۲۰۵ سال اور ولادتِ ابراہیم کے وقت ۷۰ سال تھی۔ سارہ حاران کی سوتیلی بیٹی تھی لوط علیہ السلام اور سارہ سوتیلے بہن بھائی تھے نہ علاتی نہ اخیافی نہ سگے۔ سارہ کی عمر ایک سو ستائیس سال ہوئی وفات اور قبر شریف ادبہ گاؤں میں ہے۔ حضرتِ ہاجرہ کی قبر حطیم کعبہ کے نیچے ہے حضرت تارخ کی قبر بستی حرّان میں ہے اس کو پرانا دمشق بھی کہتے ہیں یہ شہر عوض بن ارام (ارمی)

بن سام بن نوح نے بسایا تھا) آزر کی قبر کنعان یا بابل میں ہے۔ نمرود کی لاش کو آگ میں جلایا گیا تھا۔ تب سے ہندوؤں میں رسم چلی ہے۔ واقعہ ولادت اس طرح ہے کہ نمرود کو نجومیوں نے کہا کہ تارح کے گھر اُس کا اب ایک بیٹا پیدا ہو گا جو تیری سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ آپ تین بھائیوں میں سب سے چھوٹے تھے ماران۔ ناحور۔ ابراہیم سگے تھے بہن کوئی نہ تھی، نمرود نے یہ سن کر تارخ کے اس بیٹے کو ہوتے ہی قتل کا حکم دیدیا کہ جب کبھی پیدا ہو قتل کر دیا جائے۔ جب حمل ظاہر ہوا تو حضرت تارخ نے بیوی کو روپوش کر دیا چھ ماہ بعد ایک غار میں آپ کی ولادت ہوئی تارخ نے یہ بچہ آزر کو دے دیا اور ظاہر کیا کہ یہ اُس کی بیوی نے جنم دیا ہے۔ ایک قول میں ہے آپ نے کسی بھی عورت کا دودھ نہ پیا بلکہ آپ انگوٹھا چوستے تھے جو جنتی دودھ نکالتا تھا صرف چھ مہینے یہ دودھ پیا۔ آپ ہفتہ میں مہینے کے برابر اور مہینے میں سال برابر بڑھتے تھے۔ آپ زمین پر ساتویں نبی تھے۔ آپ نے دس سالہ عمر میں تبلیغ فرمائی اور سولہ سال کے تھے تب نمرود نے آگ میں ڈالا (مظہری جلد ششم صہ ۲۰۸) چچا آزر کو تبلیغ اِس سے پہلے فرمائی۔ نمرود کے خوف سے چچا کو مربی بنایا گیا تیسری چیز جس میں۔ یہودی اور عیسائی اور اُنکے تتبع میں دیو بندی علما پیش پیش ہیں حضرت ہاجرہ کی شخصیت ہیں بے حد لغویات بولتے ہیں محض اس لیے کہ وہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی جَدَّۃِ اَعْلیٰ ہیں۔ اس جلن میں یہودیوں عیسائیوں نے اپنی اپنی تواریخ میں ہر طرح حقیقت مسخ کرنے کی کوشش کی دیو بندی مؤرخین کی اسرائیلیات میں حضرت ہاجرہ کو فرعونِ مصر کی لونڈی اور مستعملہ کہا گیا ہے۔ اور یہ کہ فرعونِ مصر نے سارہ کو جب باعزت رہا کیا تو یہ ہی اپنی لونڈی ہاجرہ بھی سارہ کی خدمت میں دے دی۔ اور جب ہاجرہ اسماعیل سے حاملہ ہو گئیں تو بہت مغرور بہت متکبر اکڑباز اپنے پر فخر کرنے لگیں اور اپنی آقا مالکہ کو حقارت سے دیکھنے لگی۔ اور ابراہیم کی منظورِ نظر بننے کے لیے اپنی مالکہ کی گستاخی اور لڑائی پر اتر آئی اور جب اُس کو سارہ نے جھڑکا تو گھر سے بھاگ گئی اور کئی راتیں گھر سے باہر رہی پھر جب ایک فرشتے نے اللہ تعالیٰ کا پیغام سنایا کہ اپنی مالکہ کی خدمت میں واپس چلی جا ورنہ تجھ کو اور تیرے حمل کو ہلاک کر دیا جائے گا تب ہاجرہ گھر واپس آئی مگر سارہ نے اب اُس کو

گھر رکھنے سے انکار کر دیا اور اپنے خاوند سے کہا کہ میں نے تم کو یہ اپنی لونڈی صرف اولاد کے لیے دی تھی یہ میری نافرمان ہے اس کو اب میں اپنے گھر نہیں رکھ سکتی ابراہیم نے کہا کہ میں اس کو ضرور نکال دوں گا مگر اس کا حمل پیدا ہونے کے بعد پھر جب اسماعیل پیدا ہوا تو سارہ نے اپنا مطالبہ پھر دہرایا۔ تب ابراہیم ہاجرہ کو لے کر کسی شہر لے جانے کے بہانے جنگل کی طرف لے گیا اُس کے ساتھ ہی ہاجرہ کا بچہ بھی تھا۔ ابراہیم بغیر بات کئے ہاجرہ کو بیچ راستے میں چھوڑ کر کہیں اور چلا گیا۔ یہ تھی یہودیوں عیسائیوں کی کذبیات و لغویات۔ ان گستاخوں پر ہمیں نہ افسوس نہ تعجب یہ تو انبیا کی گستاخی سے نہیں باز آتے بائبل و تالمود اِن کی گستاخیوں بے شرمیوں سے بھری پڑی ہے افسوس تو اُن نادان مسلمان مؤرخوں پر ہے جو اِن خرافات کو قبول کر کے اپنی کتابوں کی زینت بنا لیتے ہیں۔ حقیقتِ حال جو روایات و احادیث اور اسلامی تاریخوں سے ثابت ہے یہ ہے کہ حضرت ہاجرہ قبیلہ بنی جُرہم کے سردار بلکہ بادشاہ سدوم اوّل کی بیٹی تھیں جو یمن کا بادشاہ شریعتِ اِدریس علیہ السّلام کا مومن تھا یہ شہزادی براستہ مصر یمن جا رہی تھی کہ فرعونِ مصر نے جو خوب صورت عورتوں کا شیدائی تھا حضرت ہاجرہ کو اُن کی خوب صورتی کی وجہ سے پکڑوا لیا اور اہلِ قافلہ کو قتل کرا دیا۔ پھر جب حضرت ہاجرہ کی طرف ہاتھ بڑھایا تو اُس کا ہاتھ سوکھ کر اکڑ گیا۔ بڑا گھبرایا اور کہا تو جادوگرنی ہے تو مجھے اچھا کر دے میں تجھے کچھ نہ کہوں گا حضرتِ ہاجرہ نے رب تعالیٰ سے دعا کی تو وہ اچھا ہو گیا۔ مگر پھر دوسرے دن اُس کے دل میں شیطانیت آئی اور پھر ہاتھ بڑھایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ سخت اکڑ گیا اُس نے پھر معافی مانگی کہ اب اچھا کر دے میرا پکا وعدہ آپ نے دعا فرمائی تو وہ پھر اچھا ہو گیا لیکن اچھا صحت مند ہو کر شیطانیت پھر غلبہ کر لیتی اس طرح تقریبًا سات مرتبہ ہوا۔ تب وہ سخت ڈرا اور پھر آپ پر ہاتھ نہ ڈالا مگر اپنے محل میں ان کو نظر بند کر دیا جب کوئی مصیبت پڑتی تو اُن سے دعا کراتا جو قبول ہوتی کچھ عرصہ بعد حضرت سارہ اور ابراہیم کا اُدھر سے گزر ہوا تو حضرت سارہ کے حسن کا سن کر اُن کو بھی گرفتار کر لیا اور لوگوں سے پوچھا کہ اس کے ساتھ کون ہے لوگوں نے حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ تم سارہ کے کیا لگتے ہو آپ نے سن رکھا تھا کہ یہ حسین عورتوں کا شیدائی اگر خاوند والی حسینہ ہو تو خاوند کو قتل کرا کے بیوہ بنا کر اُس سے نکاح کا جواز ڈھونڈ لیتا ہے اگر بھائی یا باپ ہو تو انہیں لالچ دے کر

رشتہ مانگتا ہے حضرت ابراہیم نے سارہ کو بھی یہ سمجھا دیا تھا کہ تم بیوی نہ بتانا بہن کہہ دینا۔ اس نے بہن بھائی کا سن کر حضرت ابراہیم کو بہت کچھ انعام دیا اور نکاح کی اجازت چاہی مگر آپ خاموش رہے۔ اِدھر جب حضرت سارہ پر ہاتھ ڈالنے لگا تو اب بھی اس کا اسی طرح ہاتھ سوکھ کر اکڑ گیا تب بہت گھبرایا کہ یہ بھی جادوگرنی ہے گھبرا کر آپ کو بھی چھوڑ دیا اور ساتھ ہی کہا کہ میرے پاس بالکل تیری ہی طرح کی ایک جادوگرنی ہے تو اس کو بھی ساتھ لے جا یہ کہہ کر حضرت ہاجرہ شہزادیِ یمن کو آپ کے ساتھ کر دیا جب سارہ خوش وخرم واپس ابراہیم علیہ السّلام کے پاس پہنچیں اور تمام واقعہ سنایا تو آپ نے سجدۂ شکر کیا حضرت ہاجرہ کی بات سنائی اور ساتھ ہی اُسی وقت عرض کیا کہ یہ رب تعالیٰ نے آپ کو انعام دیا ہے شاید اللہ تعالیٰ اِن کے ذریعے آپ کو اولاد سے نواز دے آپ ان سے شادی کر لیں آپ نے وہیں پر اُسی دن اِن سے شادی کر لی اور فلسطین آ کر علاقۂ کنعان میں رہائش اختیار کر لی حضرت سارہ اور ہاجرہ میں کبھی لڑائی یا تلخ کلامی نہ ہوئی حضرت سارہ نے ابراہیم علیہ السّلام کو نکاح کی اجازت دیتے وقت تین شرطیں لگا کر ابراہیم علیہ السّلام سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اِن شرطوں کی پابندی میری زندگی بھر کریں گے۔ پہلی شرط یہ کہ گھر میں مجھ کو ہی بڑا سمجھا جائے گا میرا ہی حکم چلے گا۔ دوم یہ کہ ہاجرہ کو گھر میں کوئی اختیار نہ ہوگا وہ میری چھوٹی بن کر رہیں گی سوم یہ کہ اگر آپ کو ہاجرہ سے رب نے لڑکا دیا تو میری زندگی میں اُس بچے کو کبھی پیار نہ کریں گے صرف دور سے دیکھ سکیں گے۔ ابراہیم علیہ السّلام نے پہلی شرطیں تو خوشی مان لیں مگر تیسری شرط پر آپ خاموش ہو گئے زمانہ گزرتا گیا دو سال بعد حضرت ہاجرہ کو رب نے خوشی دکھائی اور بیٹا پیدا ہوا۔ تقریباً پانچویں دن ابراہیم علیہ السّلام بچہ دیکھنے آئے تو اُس پر اتنا پیار آیا کہ آپ قابو نہ رکھ سکے اور اٹھا کر پیار کر لیا۔ یہ بات حضرت سارہ نے دیکھ لی اور آپ سخت ناراض ہوئیں اور کہا کہ آپ نے وعدہ خلافی کی ہے لہٰذا اب میں ہاجرہ اور اُس کے بچے کو اِس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی فوراً ان دونوں کو بیابان جنگل میں چھوڑ آو آپ نے بہت سمجھایا تب بھی سارہ کا غصہ کم نہ ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اچھا میں رب سے پوچھتا ہوں جو جواب اور حکم ہوگا اسی پر ہم دونوں کو عمل کرنا چاہیے اِس تمام جھگڑے کا حضرت ہاجرہ کو کچھ پتہ نہ تھا۔ آپ نے استخارہ فرمایا تو خواب میں رب تعالیٰ کے دیدار سے شرفِ زیارت حاصل ہوا اور حکم ہوا کہ جیسا سارہ کہتی ہے ویسے ہی کرو۔ پھر دوسرے دن آپ نے

استخارہ کیا تو وہ جگہ بیابان دکھائی گئی جہاں ہاجرہ اور اُن کے بچے کو چھوڑنا تھا۔ تیسرے دن پھر یہی حکم ہوا اور اُسی جگہ میں عظیم نور دکھائی دیا۔ آپ نے حضرت سارہ کو صرف اتنا بتایا کہ رب تعالیٰ کا حکم بھی یہی ہے کہ میں ہاجرہ اور اُس کے بچہ کو کہیں چھوڑ آؤں حضرت سارہ یہ سن کر خوش ہوگئیں۔ اور مزید حکم یہ لگایا کہ آپ تمام راستہ اُن سے بات نہ کرینگے واپسی پر بھی اُن سے کچھ کلام نہ کریں گے اور پھر میری زندگی بھر اُن سے ملنے بھی نہ جائیں۔ آپ نے ان باتوں کو حکمِ ربی اور حکمتِ الٰہی رازِ خداوندی سمجھتے ہوئے سب باتوں کو تسلیم کیا۔ اس وقت جب حضرتِ ابراہیم اپنی بیوی ہاجرہ اور گیارہ دن کے شیر خوار بچے کو لے کر جا رہے تھے تب سارہ نے ایک چھوٹی سے پوٹلی دی کہ یہ انکا زادِ راہ ہے آپ جہاں اُن کو چھوڑیں گے تو یہ چند دن اس پر گزارہ کر لیں گے اس میں کچھ کھجوریں اور تھوڑے ستو ہیں۔ جنابِ ہاجرہ کو۔ تیار کیا اُس وقت تک اُن کو کچھ پتہ نہ تھا کہ کہاں جانا ہے کیوں جانا ہے جب آپ وادیِ غیر ذی زرع میں کوہِ صفا کے قریب پہنچے تو آج جہاں حطیم کعبہ ہے حضرت ہاجرہ کو جو آپ کے پیچھے بیٹھی ہوئی تھیں اتار دیا گود میں اسماعیل تھے اور وہ پوٹلی بھی آپ نے پکڑا دی اور خاموشی سے واپس جانے لگے تب حضرت ہاجرہ دوڑیں اور عرض کیا اے اللہ کے خلیل پیارے نبی ہمیں کیوں اور کس کے سہارے اِس بیابان ویران جنگل ریگستان میں چھوڑے جا رہے ہو۔ حضرت خلیل علیہ السَّلام نے خچر روک تو لیا مگر نہ اترے نہ مڑے نہ جواب دیا۔ حضرت ہاجرہ نے پھر عرض کیا یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے سر کے اشارے سے فرمایا ہاں۔ تب حضرت ہاجرہ نے عرض کیا تو ٹھیک اب ہمیں کچھ غم فکر نہیں وہی ہمارا نگاہ بان ہے۔ حضرت ہاجرہ کی قبر شریف اسی حطیم کی جگہ ہے یہ اصل حقیقت اور سچا واقعہ۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ اگرچہ بندہ کتنا ہی پڑھا لکھا علم والا ہو مگر پھر بھی اس کو بری صحبت اور غلط لوگوں سے بچنا دور ہی رہنا چاہیے۔ یہ فائدہ وَاَعْتَزِلُكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو چچا نے کہا۔ وَاهْجُرْنِيْ تو میرے پاس سے ہجرت کر جا مگر آپ نے جدا ہوتے وقت اَهْجُرُكُمْ نہ فرمایا بلکہ اَعْتَزِلُكُمْ فرمایا۔ یعنی میں تم لوگوں اور تمہاری صحبت سے دور علیحدہ ہو رہا ہوں۔ ہجرت اور عزلت میں یہ بھی فرق ہے کہ ہجرت یعنی وطن و وراثت چھوڑنا اور

عزلت بمعنی قلبی و عملی۔ ظاہری و باطنی طور پر بری صحبت ناپسندیدہ لوگوں کو چھوڑنا۔ بری صحبت مثل بدبو کے ہے کہ اگرچہ جسم پر نہ لگے۔ مگر ماحول کو گندہ کر دیتی ہے جس سے اچھے لوگ بھی متاثر ہوتے ہیں۔ دوسرا فائدہ دعا کیسی ہی ہو اور کسی کی بھی ہو اللہ تعالیٰ پر اس کو قبول کرنا واجب ولازم نہیں۔ اگرچہ دعا مانگنے والے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی ہی دعا ہو۔ دعا کی قبولیت کا مدار بندے کی نیت۔ خلوص۔ التجا۔ فریاد اور تقرّب الی اللہ کی وجہ سے محض اللہ تعالیٰ کے کرم پر موقوف ہے اور یہ کرم قبولیت درجہ بدرجہ ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ انبیاءِ کرام کی ہر دعا قبول ہوتی ہے یہ فائدہ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ بزدلی مومن مسلمان کے شایانِ شان نہیں۔ مسلمان کو ہر میدان میں بہادری دلیری کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ یہ فائدہ حضرت ابراہیم کا دشمن چچا اور پوری دشمن برادری اور دشمن قوم میں گھرے ہونے کے باوجود نہایت بہادرانہ انداز میں تبلیغ دین فرماتے ہوئے۔ ان کی عبادت اُن کے بتوں اُن کے عقیدے مذہب و دین کو برا کہہ کر وَ اَعْتَزِلُكُمْ وَ مَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اسی سے اندازہ لگا لیجیے کہ تقیہ کتنی بڑی بزدلی ہے۔ اگر تقیہ جائز ہوتا تو ابراہیم علیہ السّلام تقیہ کر کے اپنی جائیداد بچا لیتے۔

احکامُ القرآن اس آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے کافر چچا آزر کے لیے معافی ملنے اور توبہ کی توفیق و قبولیتِ توبہ کی دعاءِ مغفرت مانگی۔ اور عرض کی رَبِّ اغْفِرْ لِاَبِیْ اے میرے رب میرے مربی کو بخش دے معاف کر دے۔ مگر رب تعالیٰ کی طرف سے بتا دیا گیا کہ یہ کفر پر مرے گا۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗۤ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ تو حضرت ابراہیم نے دعا مانگنی چھوڑ دی۔ ثابت ہوا کہ تقدیرِ مبرم انبیاءِ علیہم السّلام کی دعاءِ خصوصیہ سے بھی نہیں ٹلتی۔ بلکہ ان پیارے رحمت والے انبیاء علیہم السّلام کو دعا سے ہی منع کر دیا جاتا ہے۔ تو پھر دوسرا کوئی یہ دعویٰ کیسے کر سکتا ہے کہ میں تقدیرِ مبرم ٹال سکتا ہوں۔ ایسے اقوال اغیار کے مصنوعی ہوتے ہیں احادیث سے بھی ثابت ہے کہ تقدیرِ مُبرم نہیں ٹل سکتی ہاں البتہ نیک بندے کی دعا سے تقدیرِ معلق کو رب تعالیٰ ٹال دیتا ہے۔ بندہ صرف دعا کر سکتا ہے یہ مسئلہ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ اور فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا یہی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا مسلک ہے دوسرا مسئلہ کافر کے لیے کافر کی زندگی میں اس کے لیے مغفرت کی دعا مانگنا جائز ہے۔ لیکن مرنے کے

بعد دعاءِ مغفرت مانگنا منع و حرام ہے یہ مسئلہ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ (الخ) اور سورۃ توبہ کی آیت ۱۱۳ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ (الخ) سے مستنبط ہوا کیونکہ یہاں زندگی کی مغفرت مراد ہے اور وہاں بعدِ موت کی دعاءِ مغفرت مراد ہے اس کی وجہ یہ کہ کفر و ایمان کا دار و مدار خاتمے اور موت پر ہے جب تک کافر زندہ ہے اُس کے ایمان کی اُمید ہے لہٰذا دعا جائز لیکن جب مر گیا تو اب کفر پر خاتمے کا یقین ہو گیا اور یقینی کافر کے لیے دعاءِ مغفرت حرام بلکہ ایسے کو سلام کرنا بھی حرام ہے اسی طرح جس زندہ کافر کے کفر پر خاتمے کا بذریعہ وحی یا کشف یا اِلہام پتہ لگ جائے اس کے لیے بھی دعاءِ مغفرت حرام ہے جیسا کہ جب تک ابراہیم علیہ السّلام کو چچا کے خاتمے کا علم نہ آیا کہ یہ کفر پر مرے گا اُس وقت تک مغفرت کی دعا مانگتے رہے کہ اے اللہ اس کو معاف کر دے توفیقِ توبہ و ایمان عطا فرما دے مگر جب اللہ کی طرف سے علم آ گیا تب پھر آپ نے قطعًا ذرہ بھر دعا نہ کی ہاں البتہ مومن مسلمان کے لیے زندگی میں بھی دعاءِ مغفرت جائز ہے اور بعدِ وفات بھی یہ ختمات اور ایصالِ ثواب وغیرہ مغفرت کی ہی ایک شکل ہے۔ خیال رہے کہ دعاءِ مغفرت کی تین قسمیں ہیں ۱ معصومین اور بے گناہوں کے لیے اور انبیاءِ کرام خود اپنے لیے دعاءِ مغفرت کریں تو معنٰی ہے مقربِ بارگاہ ہونے اور اللہ کی رحمت میں چھپانے کی دعا ۲ عوام مسلمانوں یا گناہ گاروں کی مغفرت کے لیے یہ گناہوں کی معافی اور بخشش کی دعا ہوتی ہے کہ گناہ مٹ جائیں یہ دونوں قسم کی دعائیں ہمیشہ زندگی و بعد زندگی ہر وقت جائز ہے ۳ کافر کے لیے دعاءِ مغفرت کا معنٰی ہے اُس کی معافی اور توفیقِ ایمان و توبہ کی دعا۔ یہ دعا دو صورتوں میں حرام ہے ایک یہ کہ کافر زندہ ہے مگر اُس کے کفر پر مرنے کا یقین مِنَ اللہ کسی کو مل جائے دوم یہ کہ کافر مر چکا ہے۔ یہ سب مسائل اور مسائل کی نوعیتیں قسمیں سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ کے تخاطب اور آزر کی زندگی اِلٰی مَا نَہِیْنَ سے مستنبط ہوئے **تیسرا مسئلہ**۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام پر سلام بھیجنے کا مقصد سلامِ دعا نہیں ہوتا۔ باقی مسلمانوں کو اور اہلِ ایمان کو سلام کرنے کا معنٰی سلامتی کی دعا دینا ہے مگر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو سلام کرنا سلامِ تحیۃ اور تعظیمی ہے یا سلامِ خیریت یعنی سلامتی کی خبر دینا۔ ہر نمازی تشہد میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے سلام کرتا ہے اُس کا معنٰی ہے اے نبی آپ پر سلام ہے۔ اِسی طرح تقریبًا چودہ جگہ قرآن مجید میں اللہ تعالٰی نے اپنے انبیاء پر سلام فرمایا وہاں بھی سلامِ خیریت ہے نہ کہ سلامِ دعا کیونکہ رب تعالٰی دعا سے پاک ہے۔ مثلًا سورۃِ صافات آیت ۱۸۱ میں سَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ

آیت ۱۳۰ میں سَلٰمٌ عَلٰٓی اِلْ یَاسِیْنَ آیت ۱۲۰ میں سَلٰمٌ عَلٰی مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ آیت ۱۰۹ سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ آیت ۷۹ میں سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ سورۃ مریم آیت ۱۵ سَلٰمٌ عَلَیْهِ یَوْمَ وُلِدَ آیت ۳۳ میں۔ وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ۔ سورۃ ھود آیت ۴۸ میں قِیْلَ یٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا۔ ان تمام مقامات میں سلام خبریت ہے اسی لیے علیہ السلام کہنا صرف انبیاء و ملائکہ کے لیے جائز ہے کسی انسان غیر نبی کو علیہ السلام کہنا قرآن و حدیث کے خلاف ہے اس لیے کہ یہ سلام خبریت ہے یہ مسئلہ قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْكَ سے مستنبط ہوا اس آیت نے سلام کی تین قسمیں کردیں ۱ سلام متارکہ کافر کے لیے ۲ سلام دعا مومن کے لیے ۳ سلام خبریت انبیاء علیہم السلام کے لیے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاسکتے ہیں پہلا اعتراض۔ احادیث میں ہے کہ کفار کو سلام کرنا منع ہے اور ہماری شریعت ملت خلیل علیہ السلام کے مطابق ہے تو پھر خلیل علیہ السلام نے اپنے کافر چچا کو سلام کیوں کیا! **جواب**۔ کفار کو سلام دعا منع ہے یہ سلام سلام متارکہ یا سلام نفرت و علیحدگی ہے اس کی وضاحت تفسیر میں کردی گئی ہے بعض نے کہا کہ یہ سلام تالیف قلب کے لیے تھا تاکہ محبت آمیز نرم سلوک سلام و دعا سے سخت دل چچا کا دل نرم پڑجائے اور ایمان پر آمادہ ہوجائے اور بعض مفسرین نے یہ لکھا بھی ہے کہ چچا نے ایمان لانے کا وعدہ اور اپنے لیے دعا کرنے کا کہا تھا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بہرکیف اعتراض نہیں پڑتا۔ **دوسرا اعتراض** کافر مشرک کے لیے مغفرت کی دعا مانگنی حرام ہے تو پھر ابراہیم علیہ السلام نے۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ۔ کہہ کر وعدہ کیوں کیا۔ بلکہ رَبِّ اغْفِرْ لِاَبِیْ۔ کہہ کر دعا مانگی بھی۔ **جواب** اس کا ایک جواب ہم نے تفسیر میں بالوضاحت دے دیدیا۔ اور اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے اپنے ترجمہ میں دیا کہ یہ دعا کفر کی بخشش کی نہیں بلکہ کفر سے توبہ ایمان کی توفیق ملنے اور کفر پر مُصر ہونے اور اتنا عرصہ بت سازی کی معافی مانگنے کے معنیٰ میں ہے کہ یا اللہ وہ مائل بہ ایمان ہے میں اس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں تو معافی قبول فرمالے۔ بعض نے کہا کہ چچا آزر نے خود کہا تھا کہ میں ایمان کا وعدہ کرتا ہوں تو میرے لیے بخشش کی دعا مانگنا۔ مگر یہ جواب کمزور ہے اس لیے کہ ایمان لانا ہی سابقہ تمام کفریات و فسقیات کو معاف کرا دیتا ہے دعا کی حاجت ہی نہیں رہتی۔ **تیسرا اعتراض**۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی ہر دعا قبول ہوتی ہے بلکہ وہ ناقابل قبول دعا مانگتے ہی نہیں تو پھر ابراہیم علیہ السلام

نے عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ کہہ کر شکوک بات کیوں کہی۔ جواب۔ صرف یہ بتانے کے لیے کہ اگرچہ انبیاء کرام علیہم السّلام کی کوئی بھی دعا رد نہیں ہوتی مگر پھر بھی اللہ پر انبیاء علیہم السّلام کی دعائیں قبول کرنا واجب نہیں چاہے تو رد فرما دے یہ اس کا کرم ہے کہ کوئی دعا رد نہیں فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ سَلٰمٌ عَلَيْكَ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ اِنَّهٗ كَانَ بِيْ حَفِيًّا وَاَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَاَدْعُوْا رَبِّيْ عَسٰۤى اَلَّاۤ اَكُوْنَ بِدُعَآءِ رَبِّيْ شَقِيًّا۔

قلبِ مسعود نے آزرِ نفس سے فرمایا تجھ کو صرف چند لمحاتِ ناسوتی کی سلامتی ہے چونکہ تو قالبِ روح کا حصہ اور جزء ہے اس لیے ہمراہی کا صلہ دیتے ہوئے تیرے لیے اپنے منعمِ حقیقی سے توفیقِ معرفت کی التجا کروں گا کہ کاش تو بھی اس رحمٰن و رحیم سچے معبود کی کچھ پہچان کرے بے شک سچا معبود مجھ جیسے ہر قلبِ عاجز و مسکین مخلص و متین کو محبوب رکھنے والا ہے۔ لیکن ابھی میں تیری ان خصائلِ رذیلہ عاداتِ خبیثہ کی بنا پر تجھ سے اور تیری ان خواہشاتِ نفسانیہ سے متنفر اور بیزار ہوں جن کو تو نے کائنات کے سچے معبودِ حقیقی مالک خالق ربِّ قدیم اللہ قدیر کے مقابل معبود سمجھ لیا ہے۔ ایک گمراہ ٹولے نے اپنے آپ کو ملامتیہ کا نام دے کر صوفیوں کا لباس پہن لیا تاکہ وہ صوفی کہلائے جائیں مگر حقیقت میں وہ نفس و شیطان کے بندے ہیں ان کا صوفیاءِ کرام سے کوئی تعلق نہیں۔ خواہشاتِ دنیا کے پجاری اور تخیلاتِ باطلہ کے بُت تراش ہیں بلکہ وہ دھوکے اور غلطی میں ہیں راہِ گمراہی کے مسافرانِ عیّاشی و متلاشیانِ فحاشی ہیں لباسِ صوفیت سے وہ قلبِ منوّر کو دھوکہ نہیں دے سکتے خود دھوکے میں ہیں کہ اس لباسِ مکر کے ذریعے جھوٹے اور بلند دعوے کرتے ہیں اور عیّاشی و آزادی رندانہ مسلک بنائے پھرتے ہیں۔ یہی وہ مخبوطُ الحواس و مردہ ضمیر ہیں جو تصوّراتِ باطل میں ہیں کہ ان کے ضمیر بارگاہِ قدس میں پہنچ گئے اور پہنچ کر روشن ضمیری پا گئے ہیں۔ حالانکہ یہ کھوٹی عقلوں کو عقلِ خالص سمجھتے ہیں۔ اسی قسم کے مکرِ ابلیس سے بھٹکے ہوئے گمان کرتے ہیں کہ بس ہم ہی منزلِ مقصود تک پہنچے ہوئے ہیں۔ اور متقیانِ شریعت اور طریقت و معرفت کے پیروکاروں کو کم عقل سمجھتے ہیں اور مقلدینِ حقائق کو تنگ نظر مُلّا کہہ کر رجعت پسند اور مذہب کی تنگ گھاٹی میں پھنسے ہونے کا طعنہ دیتے ہیں۔ یہی وہ سراسر الحاد و بیدینی ہے جو آزرِ نفسانی کا شروع سے وطیرہ ہے۔ صوفیاءِ کاملین کے مشرب میں وہ طریقت جو شریعت کے خلاف ہو اور وہ پیری جو علمِ ظاہر کے خلاف ہو وہ جہالت و بے دینی ہے عارفِ رومی

نے فرمایا۔

کارِ شیطاں می کند نامش ولی گر ولی ایں است لعنت بر ولی

محققین فرماتے کہ خیرو اخیار میں طبعاً نرم دلی عجز و مسکینیت ہوتی ہے۔ شرو اشرار میں سختی و اکڑ و غرور ہوتا ہے خیر کہتا ہے اَدْعُوْا رَبِّیْ میں عجز و انکسار سے اپنے سچے رب کے حضور اسی رب کریم کی پکار اور بندگی کروں گا وہی میرا ملجا و ماویٰ اور ٹھکانۂ اصل ہے۔ یہی وہ دروازہ ہے جو ہر سائل پر ہر وقت کھلا ہے رات کی تنہائیوں میں بھی دن کی پہنائیوں میں بھی سب آستانوں پر دیر ہے مگر میرے کریم رب کی آستانے پر عَسٰٓى اَلَّآ اَكُوْنَ بہت ہی قریب ہے کہ ہرگز ہرگز نہیں ہوں گا میں اپنے اللہ تعالیٰ سے کسی بھی دعا میں نامراد و ناکام یا مایوس۔

فَلَمَّا اعْتَزَلَهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَكُلًّا جَعَلْنَا نَبِيًّا وَ وَهَبْنَا لَهُمْ مِّنْ رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ عَلِيًّا۔

نفسِ سرکش کی بدعملیوں شرارتوں خباثتوں سے پژمردہ اور نا امیدِ صلاحیت ہو کر جب قلبِ مسعود تمام نفس و نفسانیت اور اُن کے جھوٹے عباد و معبودان سے دور اور متنفر علیحدہ غم و افسوس کی تنہائیوں میں چلا جاتا ہے۔ تب انعاماتِ لاھوتیہ کی پُربہار بارشیں ہوتی ہیں اور کلام جلیل سے خلیل کو نوازا جاتا ہے کہ بخش دیا ہم نے عطا فرما دیا ہم نے اُس قلبِ مغموم و مہجور کو اسرارِ الٰہی کا اسحاقِ انوار اور یعقوبِ اخفیٰ۔ اور ان سب قلبِ محبوب و اسحاقِ مسرور اور یعقوبِ معرفت کو ہم نے خزانۂ غیوب کا معدن مخزن بنا دیا اور مزید انعاماتِ رحمت سے ہم نے اُن کو نوازا۔ اور ان سب کے لیے ہم نے ابدی دائمی حیاتِ طیبہ کے ساتھ صداقتِ اعلیٰ کی غالبیت عطا فرمائی۔ اصل زندگی اور فرحت و سلطنت تو یہ ہی ہے۔ نفسِ امارہ اپنی کثافتِ باطنی کی وجہ سے فریب خوردہ ہے لذّتِ حقیقیہ اور عظمتِ ابدیہ اور دولتِ صمدیہ و سوتِ لاھوتیہ سے ناآشنا ہے۔ شریعت حق بندگی ہے اور طریقت بندگی کی اصل ہے۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

وَاذْكُرْ فِى الْكِتٰبِ مُوْسٰٓى ۚ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ

اور تذکرہ فرمایئے اے محبوب، اس کتاب میں اے موسیٰ کا بے شک وہ تھے مقرب بارگاہ اور

کتاب میں موسیٰ کو یاد کرو بے شک وہ چُنا ہوا تھا اور

كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥١﴾ وَنَادَيْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ

تھے شریعت والے اللہ کی خبر دینے والے اور پکارا ہم نے ان کو طور کی

رسول تھا غیب کی خبریں بتانے والا۔ اور اسے ہم نے طور کی داہنی جانب سے

الْاَيْمَنِ وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا ﴿٥٢﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗ مِنْ

داہنی طرف سے اور بہت ہی قرب بخشا ہم نے اُن کو جب وہ مناجات کر رہے تھے اور

ندا فرمائی اور اسے اپنا راز کہنے کو قریب کیا اور اپنی رحمت سے اُسے اس کا

رَّحْمَتِنَآ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِيًّا ﴿٥٣﴾ وَاذْكُرْ فِى

ساتھی بنا دیا ہم نے ان کا خاص اپنے کرم سے اُن کے بھائی ہارون کو جو نبی تھے اور ذکر کرو اس

بھائی ہارون عطا کیا غیب کی خبریں بتانے والا (نبی) اور کتاب میں

الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ

کتاب میں سے اسماعیل کا بے شک وہ تھے ہر وعدے کو پورا کرنے والے اور تھے

اسماعیل کو یاد کرو بے شک وہ وعدہ کا سچا تھا اور رسول

رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿٥٤﴾ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَ

وہ شریعت والے اللہ کی خبر دینے والے۔ اور حکم دیا کرتے تھے اپنے تمام اہل کو جسمانی عبادت اور

تھا غیب کی خبریں بتاتا۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا

الزَّكٰوةِ ۪ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ﴿٥٥﴾

صدقہ خیرات کا اور تھے وہ اپنے رب کے قریب مقبول بارگاہ۔

حکم دیتا۔ اور اپنے رب کو پسند تھا۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں خلیل اللہ کا ذکر ہوا جو ملکوت کی سیر کرنے والے تھے جن پر آگ بَرۡدًا وَّسَلَامًا ہو کر گلزار ہوئی۔ اب اِن آیت میں کلیم اللہ کا ذکر ہو رہا ہے جو طور کی سیر کرنے والے تھے اور جن کو آگ دکھا کر تجلیاتِ الٰہی کا نظارہ کرایا گیا خلیل وہ جنہوں نے نمرود کی آگ دیکھی کلیم وہ جنہوں نے شجر طور کی آگ دیکھی۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کی تبلیغ کا ذکر ہوا جو آپ نے اپنے چچا کو فرمائی۔ اب اِن آیت میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی تبلیغ کا ذکر فرمایا گیا جو آپ نے اہلِ خانہ کو فرمائی **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چھوٹے بیٹے اور پوتے کا ذکر فرمایا گیا جن سے نسلِ بنی اسرائیل جاری ہوئی۔ اب اِن آیت میں حضرت ابراہیم کے بڑے اکلوتے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے نام کام اور شان کا ذکر ہوا۔ جن سے نسلِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تاقیامت جاری ہوئی

تفسیر نحوی وَاذۡكُرۡ فِي الۡكِتٰبِ مُوۡسٰۤى اِنَّهٗ كَانَ مُخۡلَصًا وَّكَانَ رَسُوۡلًا نَّبِيًّا وَنَادَيۡنٰهُ مِنۡ جَانِبِ الطُّوۡرِ الۡاَيۡمَنِ وَقَرَّبۡنٰهُ نَجِيًّا وَوَهَبۡنَا لَهٗ مِنۡ رَّحۡمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوۡنَ نَبِيًّا۔ وَاؤ سرِ جملہ اُذۡكُرۡ۔ باب نصر کا امر حاضر معروف واحد مذکر، خطاب ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو۔ اَنۡتَ پوشیدہ فاعل ہے ذِكۡرٌ سے مشتق ہے ترجمہ تذکرہ فرمایئے فِي حرفِ جر ظرفیتِ مکانی کے لیے اَلۡكِتٰبِ الف لام عہدِ خارجی کِتٰبٌ بروزنِ فعال مصدر مزید فیہ بمعنی اسم مفعول یعنی مکتوب لکھی ہوئی مراد ہے قرآنِ مجید یہ جار مجرور متعلق ہے مُوۡسٰى۔ اسم مقصورہ اس کے تینوں اعراب۔ زبر زیر پیش تقدیری ہوتے ہیں یہاں بحالتِ زبر ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر مکمل ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ حقیقیہ ہٗ ضمیر اس کا اسم اِنَّ کا منصوب ہے كَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے مرجع ہے مُخۡلَصًا۔ باب افعال کا اسم مفعول واحد مذکر۔ بمعنی چُنا ہوا برگزیدہ۔ اس کا مصدر ہے اِخۡلَاص یہ خبر كَانَ ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ كَانَ ناقصہ كَوۡنٌ اجوف واوی سے مشتق ہے هُوَ پوشیدہ اس کا اسم ہے اور رَسُوۡلًا۔ نَبِيًّا۔ دونوں خبریں ہیں یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں مل کر اِنَّ کی خبر ہوئی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا واؤ سرِ جملہ نَادَيۡنَا باب مفاعلہ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل نَحۡنُ پوشیدہ ضمیر ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ نِدَآءٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے مُنَادَاةٌ دراصل مُنَادَيَةٌ۔ یٰ کو الف سے بدل دیا ماقبل فتحہ کی وجہ سے ترجمہ ہے ندا کی

کی ہم نے۔ پکارا بلایا ہم نے ہٗ ضمیر کا مرجع موسیٰ مفعول بہ ہے مِنْ جارہ
ابتداءِ غایت کے لیے جانبِ اسم ظرفِ مکانی جَنْبٌ سے اسم فاعل ہے بمعنی کروٹ والا۔
یہاں جامد ہے بمعنی ایک طرف ہر زبان میں انسانی اعضا کی سمتوں سے ہی ہر جگہ کی سمت
مقرر ہوتی ہے اس لیے کروٹ کا لفظ ہی طور کی ایک سمت کو دیا گیا۔ یہ مضاف ہے اَلطُّوْرِ
اسم مفرد معرفہ نام ہے فلسطین کے ایک پہاڑ کا جو مدین کے پاس ہے اُحد پہاڑ کے برابر
بڑا ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی موصوف اَلْاَیْمَنِ۔ اسم مفرد ظرفِ مکانی یُمْنٌ سے
بنا ہے اسی سے ہے یَمِیْنٌ بمعنی داہنی اور سیدھی یہ صفت ہے مرکبِ توصیفی مجرور متعلق
ہے نَادَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ پر جملہ قَرَّبْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق
جمع متکلم۔ فاعل ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہٗ ضمیر بارز منصوب متصل مفعول بہ ہے قَرَّبْنَا کا اور
ذوالحال ہے نَجِیًّا۔ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لیے بمعنی بہت مناجات کرنے والا یہ
حال ہے ہٗ ذوالحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ ہے قَرَّبْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو
گیا۔ واؤ پر جملہ وَهَبْنَا۔ فعل ماضی با فاعل ضمیر پوشیدہ جمع متکلم۔ لَہٗ جار مجرور متعلق اول مِنْ جارہ
تبعیضیہ رَحْمَتِنَا مرکب مجرور متعلق دوم ہے۔ اَخَا۔ اسم مفرد مکبرہ بحالتِ نحو ہے آخر کا الف
اعرابی ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مُبْدَل مِنْہُ ہٰرُوْنَ اسم
غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے ذوالحال ہے نَبِیًّا حال ہے۔ یہ دونوں ذوالحال و حال مل کر بدل
اشتمال ہوا اَخَاہُ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہوا وَهَبْنَا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا وَاذْكُرْ
فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ۔ واؤ پر جملہ اُذْكُرْ فعل امر اَنْتَ پوشیدہ فاعل فِی الْكِتٰبِ جار مجرور متعلق
ہے۔ اِسْمٰعِیْلَ۔ اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے مفعول بہ ہے۔ یہ سب مل کر جملہ
فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اگلی عبارت علیحدہ ہے۔

اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا۔ وَكَانَ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ۔
وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِیًّا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق فی المعنی اور حرفِ مشبہ فی العمل ہٗ ضمیر اس
کا اسم منصوب متصل مرجع ہے كَانَ فعل ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم مرفوع صَادِقَ بابِ
نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر صِدْقٌ سے مشتق ہے بمعنی سچا کرنا متعدی ہے الف لام استغراقی
یعنی تمام وَعْدِ یہ مفعول مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی خبر ہے كَانَ کی وہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر
معطوف علیہ واؤ عاطفہ كَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق ھُوَ ضمیر پوشیدہ اسم اس کا رَسُوْلًا كَانَ

کی پہلی خبر نَبِیًّا دوسری خبر۔ یہ دونوں صفت کے صیغے ہیں رسول بروزنِ فَعُول اور نبی بروزنِ فعیل دراصل نَبِیْئٌ تھا نَبَأٌ سے بنا ہے آخری ہمزہ کو ی بنایا اور دونوں ی کا ادغام کردیا کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ کَانَ یَامُرُ۔ باب نَصَرَ کا ماضی استمراری واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر اس کا فاعل پوشیدہ اَھْلَ اسم مفرد نسبتی بمعنی برادری والے لفظاً واحد ہے معنیً جمع ہے جیسے کہ لفظِ قوم مذکر سب کے لیے مستعمل ہے ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہوتا ہے مثلاً اَہلِ کتاب اور ضمیر بھی جیسے یہاں اہل اور ذُو میں فرق یہ ہے کہ اہل ہر دینی و دنیوی نسبت کے لیے مستعمل ہے مگر ذُو صرف نسبتِ ملکیتی کے لیے ظاہری نسبتیں آٹھ قسم کی ہوتی ہیں ۱۔ نسبی ۲۔ نسلی ۳۔ علاقائی ۴۔ وطنی ۵۔ مذہبی ۶۔ عرفی ۷۔ خاندانی ۸۔ گھریلو۔ یہاں آخری تین مراد ہیں یا صرف آخری۔ یہ مضاف ہے ہٗ اس کا مضاف الیہ مفعول بہ ہے بِ حرفِ تعدیہ جارہ اَلصَّلٰوۃِ اسم مفرد معرفہ بمعنی جسمانی تمام عبادات واؤ عاطفہ اَلزَّکٰوۃِ اسم مفرد معرفہ بمعنی تمام مالی عبادات یہ سب عطف مجرور ہوکر متعلق ہے کَانَ یَامُرُ کا یہ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کَانَ فعل ناقصہ اسم پوشیدہ ھو ہے عِنْدَ۔ اسم مفرد ظرف مکانی اور زمانی دونوں کی قربت کے لیے مستعمل ہے۔ قربت آٹھ قسم کی ہوتی ہے ۱۔ قربت جسمانی ۲۔ اعتقادی ۳۔ احساسی ۴۔ معنوی ۵۔ حکمی ۶۔ رتبی (مرتبے کی)، ۷۔ تعظیمی ۸۔ قبولیت یہاں یہ ہی مراد ہے عندہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ہر قسم کا ظاہر و ضمیر اسم ہوتا ہے رَبِّ مضاف ہٖ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر مضاف الیہ یہ ڈبل (دوسری) اضافت ظرفِ مقدم ہے مَرْضِیًّا۔ باب سَمِعَ کا اسم مفعول واحد مذکر۔ دراصل تھا مَرْضُوْوٌ۔ واؤ آئی طرف میں یعنی آخر کنارے میں ایک ساکن واؤ کے بعد دونوں کو دو ی سے بدل دیا اور دونوں ی کا اِدغام کردیا۔ رِضٰی سے مشتق ہے بمعنی راضی کیا جانا۔ مقبولِ بارگاہ ہونا ھُوَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اسمٰعیل ہیں مَرْضِیًّا اپنے نائبِ فاعل اور ظرفِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے کَانَ کی۔ یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر معطوف ہوا اب چاروں جملے ناقصہ عطف ہوکر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَاذْکُرْ فِی الْکِتٰبِ مُوْسٰۤی اِنَّهٗ کَانَ مُخْلَصًا وَّ کَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا۔ وَ نَادَیْنٰهُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ الْاَیْمَنِ وَ قَرَّبْنٰهُ نَجِیًّا۔ وَ وَهَبْنَا لَهٗ مِنْ رَّحْمَتِنَاۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ نَبِیًّا۔ اور اے کائنات ارضی و سماوی کے محبوب اَبدی چرچہ فرمایئے

اور مشہور کیجئے اپنی اس ہمیشہ رہنے والی کتاب قرآن مجید میں ہمارے پیارے کلیم اللہ کا اور ان صفاتِ موسیٰ کو ظاہر فرما دیجئے جو سچی حقیقی تعلیم موسیٰ نے قوم کو دی اس لیے کہ یہود و نصاریٰ نے توریت کی صحیح تعلیم کو بگاڑ دیا۔ بے شک موسیٰ خالص اپنے رب کے لیے تھے مُخْلَصًا اسم مفعول کا معنیٰ ہے ۱؎ خالص کیا ہوا ۲؎ چُنا ہوا ۳؎ پسندیدہ ۴؎ مختارًا اختیار دیا ہوا ۵؎ معصوم عَنِ الْکُفْرِ وَالشِّرْکِ وَالْمَعَاصِی وَالْفَوَاحِشِ ایک قرأت میں مخلِصًا اسم فاعل ہے تو معنیٰ ہے بغیر ریا نمود خالص عبادت کرنے والا اور خوش دلی سے اطاعت کرنے والے اور وہ اپنے ہی زمانے میں فقط اپنی قوم کے لیے تھے رسول بھی تھے نبی بھی۔ فقہاءِ کرام نے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی تین شانیں بیان فرمائی ہیں پہلی، شانِ نبوّت ان کی تعداد بفرمانِ حدیث پاک ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ دوسری شانِ رسالت انبیاءِ عظام میں سے ان کی تعداد تین سو تیرہ۔ تیسری شانِ مرسلیت۔ ان کی تعداد رُسُلِ انبیاء میں سے چار ہے۔ مُرسَل جو صاحب کتاب یا صحیفہ بھی، صاحب شریعت اور صاحب تبلیغ ہو۔ اور اُن کے دین کا نام بھی جداگانہ ہو۔ رسول وہ انبیاء ہیں جو نئی شریعت لے کر مبعوث ہوں مگر کتاب اور دین سابقہ مرسلِ پاک کا ہی اختیار فرمایا ہو۔ نبی وہ ہیں جو سابقہ شریعت اور اپنے سے پہلے رسول نبی کے دین کی ہی تبلیغ فرمائیں۔ حضرت موسیٰ انبیاءِ عظام میں پہلے مُرسَل رسول نبی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی پہلی کتاب توریت معظم ان کو عطا فرمائی قرآن مجید میں ان کا اسم پاک اور واقعۂ زندگی مختلف انداز میں تقریبًا پچیس جگہ بیان فرمایا گیا۔ یہاں وہ واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے جب آپ شعیب علیہ السّلام سے رخصت لے کر واپس مدین سے مصر جا رہے تھے واقعاتِ موسیٰ علیہ السّلام میں یہ واقعہ سب سے زیادہ اہم ہے پانچ وجہ سے پہلی یہ کہ اس تمام سفر اور آمد و رفت میں شعیب علیہ السّلام کی صحبت میسر آئی دوسری یہ کہ آپ کو آدم علیہ السّلام کا لایا ہوا جنتی عصا عطا ہوا۔ جو صرف جنت سے موسیٰ علیہ السّلام کے لیے آیا تھا تیسری یہ کہ اسی مبارک سفر میں معجزات عطا ہوئے۔ اسی سفر میں آپ کو کلیم اللہ بنایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اور ہم نے موسیٰ کو ندا فرمائی جب کہ موسیٰ علیہ السّلام کی داہنی جانب طور پہاڑ تھا۔ دوسرا انعام یہ فرمایا کہ اپنے قربِ خاص کے راز و اسرار تنہائی میں ان کو عطا فرمائے اور تیسرا انعام یہ فرمایا کہ ہم نے خاص اپنی رحمت سے ان کا وہ بڑا بھائی ہارون اُن کو ہی دیدیا جو نبی تھا

یعنی جو ھرون اوّل سے نبوت اور ہمارے دین کی تبلیغ کسی امتِ مستقلہ کی طرف مبعوث ہونے کے لیے پیدا کیے گئے تھے اُن سب سے تبلیغیں اور اُمتیں چھڑا کر فقط موسیٰ علیہ السّلام کو دیدیا کہ اے ھرون تمہاری ہوئی ذمّہ داری صرف یہ ہے کہ تم اپنے بھائی موسیٰ کلیم اللہ کے ساتھ رہو ہر بات کلام آنے جانے میں ان سے تعاون کرو۔ بخلاف دیگر انبیاء کرام علیہم السّلام کے کہ ہر نبی کسی اُمّت کسی علاقہ کی طرف مبعوث ہوتا ہے کوئی نبی کسی دوسرے نبی کا وزیر نہ ہوا بجز حضرت ہارون کے علیہم الصّلوٰۃ والسّلام یہ آپ کی خصوصیت ہے۔ جزیرہ نمائے سینا کے داھنی جانب عرب ہے اور بائیں جانب مصر ہے۔ اسی داھنی جانب کے ساحل پر اُس وقت قبیلہ مدین کی بستی آباد تھی جہاں مصر سے جاکر موسیٰ علیہ السّلام مقیم ہوئے تھے حضرت شعیب علیہ السّلام کے پاس یہاں جانبِ طور ایمن کا معنیٰ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کی جانب ایمن پہاڑ تھا۔ ورنہ کسی بھی مقام کی ذاتی کوئی جانب نہیں ہوتی۔ قرآنِ مجید میں صراحتًا صرف چھبیس انبیاءِ کرام کا نام پاک مذکور ہوا جن میں چار مرسلین کرام اور اکیس رسولانِ عظام کے اسماءِ طیبات ہیں۔ احادیثِ پاک میں اُن سات انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے اسماءِ مقدسہ صراحتًا مذکور رہیں جن کا صرف واقعہ اور تذکرہ قرآن مجید میں ذکر فرمایا گیا۔ نداءِ الٰہیہ کا یہ واقعہ اُس وقت پیش آیا جب حضرت موسیٰ مدین سے مصر واپس جا رہے تھے آپ پہلے دن اپنے سُسر حضرت شعیب علیہ السّلام سے رخصت ہو کر اپنی بیوی صفورا کو لے کر کوہِ طور کی جنوبی سمت کے راستے سے روانہ ہوئے اور یہ بات سیاح لوگ اور جغرافیہ دان جانتے ہیں کہ جب طور کو اُس کی جنوبی سمت سے دیکھو تو دیکھنے والے کی داہنی جانب سورج کا مشرق اور بائیں جانب سورج کا مغرب ہوگا لہٰذا یہاں جانب ایمن کی نسبت حضرت موسیٰ کی طرف ہے خیال رہے کہ جمادات نباتات کی چار قسمیں مشرق و مغرب شمال و جنوب ہیں یہ سمتیں انسان و حیوان کی نہیں ہوتیں۔ انسان و حیوان کی سمتیں داہنی بائیں اور آگے پیچھے ہیں یہ سمتیں جمادات نباتات کی نہیں ہوتیں اور دو سمتیں مشترک ہیں ۱ اوپر ۲ نیچے یعنی کُل سمتیں دس عدد ہیں جن میں چار سمتیں نباتات و جمادات کی اور چار انسانات و حیوانات کی اور دو مشترک۔ موسیٰ علیہ السلام دس سال مدین میں شعیب علیہ السّلام کی بکریاں چراتے رہے آٹھ سال معاہدے کے گزار کر آپ کا نکاح صفورہ بنتِ شعیب سے ہوا یہ آپ کی بڑی بیٹی تھیں دو سال آپ نے اپنی مرضی

سے گزارنے پھر آپ مصر کو لوٹے ۔ نداءِ الٰہیہ کا یہ واقعہ جمعہ کے دن ہوا اِس پورے سفر میں آپ کو پندرہ دن لگے ۔ یہ سفر دو مہینوں بر تھا رات کے پہلے حصہ میں آپ یہاں پہنچے سردیوں کا موسم تھا اس لیے آگ کی ضرورت محسوس ہوئی بعض راویوں نے کہا ہے کہ آپ کی زوجہ محترمہ اُمید سے تھیں مگر صحیح روایت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا ۔ طور مدین اور مصر کے درمیان ایک پہاڑی وادی ہے طور کا ذاتی نام ہے زبیر اِسی میں سے ندا آئی تھی ایمن کا معنیٰ جانب بھی ہے اور میمون بھی یعنی برکت والا حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام دو ہی بھائی تھے ہارون علیہ السلام ایک سال بڑے تھے یا چار سال وَاللّٰهُ اَعْلَمُ ۔ فرعون ایک سال بیٹے قتل کراتا تھا ایک سال زندہ چھوڑ دیتا تھا ۔ ہارون چھوڑتے کے سال پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہما السّلام قتل کے سال پیدا ہوئے اس ترتیب سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ہرون ایک سال بڑے تھے ۔ لہٰذا یہ قول ہی صحیح ہے ایک قول میں ہے تین سال بڑے تھے روایت صحیحہ میں ہے کہ رب تعالیٰ نے اُس رات موسیٰ علیہ السّلام کو اتنا قرب عطا فرمایا کہ ستّر ہزار حجابات میں سے چھ ہزار حجاب اُٹھا دیئے گئے تھے ۔ بعض نے فرمایا کہ صرف ایک حجاب رہ گیا تھا مگر یہ قرب تعظیمی تھا نہ کہ مکانی گویا یہ معراجِ موسیٰ تھی سبحان اللہ وبحمدہٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ وَھَبْنَا سے مراد وزارتِ ہرون ہے نہ کہ نبوت ۔ کیونکہ نبوت تو آپ کو پہلے ہی عالمِ ازل میں ودیعت تھی جس کا آپ کو شکمِ مادر سے علم تھا ۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِسْمٰعِيْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۔ وَكَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۔ اے ہمارے حبیب اور مخلوق کے محبوب چرچہ فرمایئے اِس قرآنِ مجید کتابِ مبین کے ذریعے اِسماعیل کا ۔ قرآنِ مجید میں کُل سولہ مقامات پر وَاذْكُرْ کا لفظ ارشاد ہوا ہے لیکن معنیٰ میں بہت سی نوعتیں اور مختلف مقاصد ہیں جہاں حرف اِذْ لکھا ہوتا ہے اُذْكُرْ پوشیدہ ہو وہاں معنیٰ ہوتا ہے یاد کرو اُس واقعہ کو جہاں ہوتا ہے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ وہاں معنیٰ ہوتا ہے تسبیح پڑھو جہاں ارشاد ہوا وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ وہاں معنیٰ ہوتا ہے چرچہ کرو لوگوں کو بتاؤ ۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے قرآنِ پاک میں حرف اِسی جگہ پانچ مرتبہ آیت ۱۶ سے آیت ۵۶ تک اور آیت ۱۶ میں ہے اِسی طرح جہاں ارشاد ہوا وَاذْكُرْ اِسْمٰعِيْلَ وغیرہ ۔ وہاں دونوں معنیٰ ہو سکتے ہیں ۔ یاد کرو ۔ یا بتاؤ ۔ اسماعیل علیہ السّلام کا ذکر علیحدہ فرمایا گیا سات وجہ سے پہلی یہ کہ آپ شان و فضیلت میں حضرت اسحاق و یعقوب علیہم السّلام

سے زیادہ ہیں دوم یہ کہ آپ کی شریعت آپ کی امت مستقل علیحدہ ہے سوم یہ کہ آپ ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی مبعوث ہو گئے تھے جب کہ اسحاق علیہ السلام وفاتِ ابراہیم علیہ السلام کے بعد اُن کی ہی شریعت کے مبلغ وجانشین ہوئے چہارم یہ کہ یہود ونصاریٰ آپ کی نبوت وشان کے منکر ہیں اُن کو جھٹلانے کے لیے اہتمام سے علیحدہ ذکر کیا گیا۔ پنجم یہ کہ آپ معمارِ کعبہ اور بانیِ مکۃ المکرمہ ہیں ششم یہ کہ حضرت ابراہیم جدّالعرب ہیں اور آپ اَبُوالعرب ہیں ہفتم یہ کہ آبِ زمزم آپ کا معجزہ ارہاصی ہے جو تا قیامت باقی ہے قیامت تک دو ہی معجزے باقی رہنے والے ہیں۔ ایک آبِ زمزم کا چشمہ جو اسماعیل علیہ السلام کی ایڑی سے نکلا یہ ارہاصی معجزہ ہے دوم دینِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی قرآن کریم حدیث پاک اور اُن کے قوانین وعبادات قرآن مجید میں آپ کا اسمِ گرامی بارہ جگہ ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ آپ کی شانِ ارفع کا تذکرہ ہے یہاں آپ کی پانچ صفاتِ عالیہ کا ذکر ہے ۱آپ صَادِقُ الْوَعْدِ یعنی سچے وعدے کرنے والے تھے۔ آپ کا پہلا وعدہ نو سالہ بچپنے کی عمر میں ذبح کے وقت اپنے والد ابراہیم علیہما السلام سے ہوا کہ سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ اور پورا کر دکھایا یہی آپ کا خصوصی وعدہ تھا یہاں اُسی کی طرف اشارہ ہے ورنہ ہر نبی ہی صادق الوعد ہوتے ہیں۔ دوم یہ کہ آپ بہت وعدے کرتے تھے اور ان کو پورا کرتے تھے بلکہ غریبوں کے گھر جا جا کر وعدہ کرتے بھی تھے اور اُن سے نماز زکوٰۃ روزے کی پابندی کا وعدہ لیتے بھی تھے۔ اور اس طرح بھی ہوتا تھا کہ کسی سے وعدہ کیا مگر وہ شخص بھول گیا تو اس کو یاد کراتے تھے کہ میرے پاس آ اور اپنا وعدہ پورا کرالے یا اس طرح بھی ایک دفعہ ہوا کہ ایک شخص نے کہا کہ آپ یہیں ٹھہریں میں ابھی آیا مگر وہ بھول گیا تو آپ تین دن اُسی جگہ ٹھہرے رہے جب وہ آیا تو آپ نے اُس کو وعدہ یاد دلایا جس کو وہ بھول چکا تھا تب اس نے معافی مانگی آپ نے مُعاف کر دیا صحیح قول تو یہی ہے کہ یہ اسماعیل بن ابراہیم علیہما السلام کا تذکرہ ہے مگر ایک قول ہے کہ یہاں اسماعیل بن حزقیل علیہ السلام مراد ہیں وہ حزقیل نبی علیہ السلام کی اُمت کے ولی تھے حضرت حزقیل نے اپنے اس ولی اللہ بیٹے کو ایک قوم کی طرف مبلغ بنا کر بھیجا قوم نے آپ کو سخت مارا اور سر کی کھال اتار دی رب تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ تم کو ثواب پورا ملے گیا اور اس کے بدلے تمہیں ہم اپنا اتنا قرب عطا فرمائیں گے مگر ساتھ ہی تم کو اختیار ہے کہ جو چاہو اس بدبخت کافر قوم کے لیے عذاب نازل کروالو اور بددعا دو مگر آپ نے قوم کو معاف کر دیا اور ثواب پر راضی ہو گئے

اور عرض کیا کہ مولیٰ اس قوم کو نرمیِ دل عطا فرما اور ہدایت و توفیق ان کے لیے آسان فرما دے یہ دعا قبول ہوئی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ آپ اُمتِ حزقیل کے نبی تھے۔ مگر ان کا تذکرہ قرآنِ مجید میں کہیں نہیں ہے جہاں لفظ بھی اسماعیل ارشاد ہوا ہے وہاں حضرت ابراہیم کے بڑے بیٹے ہی مراد ہیں۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دوسری شان آپ رسول یعنی علیحدہ مستقل شریعت والے نبی تھے۔ بعض نے کہا کہ رسول مستقل علیحدہ شریعت لے کر نہیں آتے وہ دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضرت ہارون علیہ السلام کو ایک جگہ قرآنِ پاک میں رسول بھی فرمایا گیا مگر آپ صاحبِ شریعت نہ تھے اسی طرح اسحاق علیہ السلام کو رسول بھی فرمایا گیا مگر آپ کی علیحدہ شریعت نہ تھی مگر یہ قول غلط ہے صاحبِ شریعت نہ ہونا نبی کی تعریف ہے ہارون علیہ السلام کی یہ خصوصیت تھی کہ آپ کو دعاءِ موسیٰ کی وجہ سے وزیر بنا دیا گیا۔ اور اسحاق علیہ السلام کو جب مبعوث فرمایا گیا تو ابراہیم علیہ السلام کی شریعت کو اُن کی شریعت بنا دیا گیا اور بذریعے وحی کچھ نئے احکام عطا فرمائے ایک قول ہے کہ آپ پر تین صحیفے نازل ہوئے نزولِ صُحُف بھی رسول علیہ السلام کی خصوصیت ہے۔ اسماعیل علیہ السلام کی تیسری شان یہ کہ آپ نبی۔ یعنی غیب کی خبریں دینے والے تھے ہر نبی غیب دان اور صاحبِ تبلیغ اور صاحبِ اُمت ہوتا ہے خواہ مستقل اُمت ہو یا کسی رسول کی وفات کے بعد اُن کی امت کے لیے مبعوث کئے جائیں تاکہ اصلاح ہوتی رہے۔ ہر رسول نبی ہوتا ہے مگر ہر نبی رسول نہیں ہوتا۔ یہاں عام خاص مطلق کی نسبت ہوتی ہے۔ آپ کی چوتھی شان يَأْمُرُ اَهْلَهٗ۔ آپ بہت اہتمام سے اپنے اہل کو ہر بدنی عبادت مثلاً نماز، روزہ، تلاوتِ صُحُفِ ابراہیم ورد وظائف تسبیح و ذکرِ الٰہی اور مالی عبادت یعنی زکوٰۃ فرضی صدقہ و خیرات قربانی و غریب پروری نذر و نیاز۔ ختم و درود کا حکم دیتے رہتے تھے آپ کے رعب و ڈر سے کوئی شخص غافل نہیں رہ سکتا تھا آپ کے دور میں رات و دن عبادت کی چہل پہل رہتی تھی۔ آپ کی پانچویں شان عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا یہ آپ کی سب سے بڑی شان ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سے آپ کو مَرْضِيًّا کا لقب عطا ہوا۔ مَرْضِيًّا کا معنیٰ ۱؎ راضی برضاءِ الٰہی ۲؎ اللہ تعالیٰ کو ہی پسند کرنے والے ۳؎ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ۴؎ وہ اللہ تعالیٰ سے ہر امر میں راضی اور اللہ تعالیٰ اُن کے ہر عمل سے راضی (از تفسیر فتح القدیر مظہری صاوی مدارک خازن)

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ چھ انبیاءِ کرام

علیہم السّلام کو معراجِ جسمانی عطا ہوئی ۱ آدم علیہ السّلام کو جنت میں ۲ ابراہیم علیہ السّلام کو سیرِ ملکوت
میں ۳ ادریس علیہ السّلام کو فردوس میں ۴ عیسٰی علیہ السّلام کو چوتھے یا دوسرے یا پہلے آسمانی
رہائش میں ۵ موسیٰ علیہ السّلام کو کوہِ طور پر ۶ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو لامکان
پر۔ یہاں موسیٰ علیہ السّلام کی جسمانی معراج کا ذکر ہے مگر معراجِ موسیٰ اور معراجِ مصطفٰی میں چھ طرح
فرق ہے ۱ معراجِ موسیٰ میں قربِ تعظیمی تھا اور معراجِ مصطفٰی میں قربِ مکانی تھا ۲ معراجِ موسیٰ
زمینی کوہِ طور پر لیکن معراجِ مصطفٰی آسمانی لامکان پر ۳ معراجِ موسیٰ قَرَّبْنٰهُ کے باوجود ایک ہزار
حجاب تھے معراجِ مصطفٰی میں قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی کی بے حجابی تھی ۴ معراجِ موسیٰ میں اُن کی زوجہ
پاک ہمراہ تھیں جن کو چالیس گز دور چھوڑ کر آگے بڑھے۔ مگر معراجِ مصطفٰی میں جبریل ہمراہ تھے جن
کو سدرہ پر چھوڑ کر آگے بڑھے ۵ معراجِ موسیٰ میں شکلِ نارِ نظر دیکھا۔ مگر معراجِ مصطفٰی میں اصل نور
دیکھا ۶ یہ کہ معراجِ موسیٰ میں رب تعالیٰ نے جو باتیں موسیٰ علیہ السّلام سے فرمائیں وہ قرآن مجید میں سب
کو بتا دیں مگر لامکان کی معراجِ مصطفٰی میں جو باتیں اپنے حبیب محمد مصطفٰی سے فرمائیں وہ کسی کو نہ
بتائیں فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی کہہ کر سب کو خاموش کر دیا وصلی اللہ تعالیٰ علیہا وبارک وسلم یہ فائدہ
وَقَرَّبْنٰهُ نَجِيًّا سے حاصل ہوا **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ نے ہدایتِ مخلوق کے لیے انبیاءِ کرام
علیہم السّلام کو دنیا میں مبعوث فرمایا۔ اور ان کی ہدایت کو تین طرح پر تقسیم فرمایا اوّلاً ازل
میں ہی سب کو نبی بنا دیا پھر اُن سب کو وہ قوت بخش دی جس سے وہ اقوامِ عالَم کو
ہدایتِ راہِ صراط دے سکیں اور قربِ الٰہی کا خزانہ بندوں میں تقسیم کر سکیں۔ پھر اُن ہی انبیاء
میں سے اپنے انعاماتِ شریعت وطریقت ومعرفت اور احکامِ الٰہیہ اسرارِ مخفیہ کے
لیے کچھ کو چن لیا جن کو لفظِ رسول کا لقب عطا فرمایا پھر اُن ہی رسولانِ معظمین میں سے مرسلین
کا انتخاب فرما کر اُن کو اپنی کتاب مکمل سے نوازا تو نبی وہ جو اللہ کے رسول علیہ السّلام
سے لے اور بندوں کو دے رسول وہ جو اللہ تعالیٰ سے شرعی احکام لے اور انبیاء علیہ السلام
کو بھی دے تبلیغِ نبوت کے لیئے اور بندوں کو (اپنی امت کو) دے ہدایتِ کاملہ
کے لیے اور مُرسَل وہ جو اللہ تعالیٰ سے شریعت بھی لے اور کتاب بھی اور اپنی اُمت
کو ہدایت رسولانِ عظام کو شریعت اور انبیاءِ کرام کو احکامِ الٰہیہ عطا فرمائے۔ یہ فائدہ
رَسُوْلًا نَّبِيًّا فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اے جلوے یہ ہمارے رسول ہیں
اور تمہارے نبی ہیں **تیسرا فائدہ**۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اپنی اُمت کے مربّی اور مثل باپ

ہوتے یہی وجہ ہے کہ دین دنیا کی جو ذمہ داریاں باپ پر عائد ہوتی ہیں تقریباً اُنکی شفقت و محبت و پیار۔ اُلفت وحُسنِ سلوک سے انبیاء کرام اپنی امت سے نبھاتے ہیں اور باوجود قوت وطاقت کے پھر بھی امت کفار کا ظلم سہتے برداشت کرتے ہوئے بھی اُن کو ہر بُرائی بھلائی سمجھاتے بتاتے ہی رہتے ہیں۔ یہ فائدہ۔ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ (الخ) سے حاصل ہوا

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل متنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** سب سے بڑی اور اہم عبادت اور خوشنودی رب تعالیٰ کی باعثِ ثواب اپنی آل اولاد خدام مریدین شاگردان ولواحقین کو ہدایتِ ایمان وعبادت دینا ہے یہ مسئلہ یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ الخ سے متنبط ہوا **دوسرا مسئلہ**۔ عیدِ میلادُ النبی منانا اور اس کے لیے محفلیں منعقد کرنا خوشی کا اظہار اور جشن کا سماں پیدا کرنا اگر فرض نہیں تو واجب ضرور ہے یہ مسئلہ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ (الخ) فرمانے سے متنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے کئی مقامات پر اپنے پیارے حبیب کی زبانِ اقدس سے کتاب لاریب کے ذریعہ ولادتِ انبیاء کرام علیہم السّلام سے لے کر پوری حیاتِ طیبہ اقوال افعال معجزات ارہاصات کا پورا پورا شاندار طریقے سے چرچہ وتذکرہ کرا دیا کہ سارے عالم میں شانِ نبوت وفیضانِ رسالت کی دھومیں مچ گئیں اور ذکرِ نبوت کی دھومیں مچانے جشن منانے کا نام ہی عیدِ میلاد النبی ہے جو پروردگارِ عالم کو اتنا پسند ہے کہ بار بار اس کا حکم دیا جارہا ہے **تیسرا مسئلہ**۔ آج مسلمانوں کو دیگر عملی بیماریوں کی عادت کے علاوہ وعدہ خلافی کی بیماری بھی شدید طریقے سے پیدا ہوتی جارہی ہے حالانکہ وعدہ خلافی اور پھر جان بوجھ کر وعدہ خلافی اکبرُ الکبائر گناہوں میں سے ایک گناہِ کبیرہ ہے وعدہ نبھانا حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی فقہاءِ عظام علیہم الرضوان فرماتے ہیں کہ وعدہ نبھانا واجباتِ اسلامیہ اور اخلاقی فرائض میں شامل ہے یہ مسئلہ صَادِقَ الْوَعْدِ (الخ) ارشاد فرمانے سے متنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے اخلاقِ نبوت اور سیرتِ طیبہ صادق الوعد جیسی صفتِ عظیمہ کو نہایت شان واہتمام سے ذکر فرمایا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ اللہ تعالیٰ کی عبادتیں تو بہت سی قسم کی ہیں جو تقریباً سب ہی فرض و واجب اور مستحب ہیں تو یہاں حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے تذکرے میں صرف یَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ

دالزکوٰۃ ہی کیوں فرمایا گیا کیا باقی عبادات ضروریہ و اعمالِ صالحہ و اخلاقِ پاکیزہ کا حکم نہ دیتے تھے۔ **جواب**۔ تمام عبادات عملیات اخلاقیات صالحات صدقات و خیرات سِل ملا کر دو قسم کے بن تے ہیں (۱) عبادتِ بدنیہ (۲) عبادتِ مالیہ۔ اور عباداتِ بدنیہ میں افضل ترین عبادت نماز ہے اور عباداتِ مالیہ میں اہم ترین عبادت زکوٰۃ ہے ان کے تذکرے سے باقی کا ذکر خود بخود آگیا دراصل یہ دو قسم کے حقوق کو شامل ہے حقوق اللہ اور حقوق العبد لہٰذا نماز سے تمام حقوق اللہ مراد ہی لے گئے اور زکوٰۃ سے تمام حقوق العبد مراد لیے گئے ہیں **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ موسیٰ علیہ السّلام کا ذکر پہلے ہے اسماعیل علیہ السّلام کا بعد میں حالانکہ اسماعیل پہلے ہیں موسیٰ بعد میں اسی طرح اُن کے بھی بعد ادریس علیہ السّلام کا ذکر ہے جب کہ وہ ان سب سے ہی پہلے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ترتیب وار ذکر کیا جاتا یہ بے ترتیبی کلامُ اللہ ہونے کے خلاف ہے آخر یہ کیوں۔ (یہودی عیسائی ہندو) **جواب**۔ جس ترتیب کو تم تلاش کرتے ہو وہ ترتیب تم کو ناولوں، قصوں، کہانیوں اور تاریخی کتابوں میں ملے گی۔ قرآن مجید نہ تو تاریخی کتاب ہے نہ افسانہ نگاری، ترتیب یہاں بھی ہے مگر سمجھنے کے لیے عقل و شعور چاہیے۔ قرآنِ مجید کی اپنی طرزِ بیانی اور اپنی ترتیب ہے جس میں کوئی معنیٰ اور مقصد ہوتا ہے اور کچھ سمجھانا بتانا ہوتا ہے مثلاً اس سورۃِ مریم میں رب تعالیٰ نے دس انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ذکر فرمایا جو بالکل با مقصد ترتیب کے ساتھ اور دورِ نبوت کی عرب اقوام سے لے کر تا قیامت تمام اقوامِ عالم کو کچھ سمجھانا مقصود ہے سورۃ مریم کی ابتداء حضرت زکریا کے واقعے سے ہوتی ہے اقوام عرب مذہبی اعتبار سے تین قسموں پر منقسم تھیں (۱) مشرکین (۲) یہودی (۳) عیسائی (نصاریٰ) اور تینوں ہی بنیادی کفریہ عقیدے تھے (۱) اللہ اپنی قدرتوں میں مجبور ہے دیوی دیوتاؤں کا محتاج ہے۔ معاذ اللہ یہ مشرکین کا عقیدہ تھا (۲) عیسیٰ اور مریم غلط ہیں معاذ اللہ یہ یہودیوں کے عقیدے تھے (۳) عیسیٰ ابنُ اللہ ہے موسیٰ نے گناہ کیا۔ معاذ اللہ یہ نصاریٰ کا عقیدہ تھا۔ ابراہیم مشرک تھے۔ یہودی تھے عیسائی تھے۔ یہ ان تینوں کے مختلف عقیدے تھے ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں۔ اسماعیل ذبیحُ اللہ نہیں بلکہ اسحاق ہیں یہ یہود و نصاریٰ کے عقیدے اور غلط تھے۔ ان تمام عقائد کو رد کرنے کے لیے تردیدی لحاظ سے ترتیب دی گئی اسی لیے زمانۂ ولادت کی ترتیب نہ رکھی گئی پہلے زکریا، یحیٰ اور عیسیٰ علیہم السّلام کا ذکر فرما کر تخلیقِ قدرت کا اظہار ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ مجبور ہے نہ محتاج جس طرح چاہے جس کو چاہے پیدا فرمائے۔ یہودیوں کی

گستاخیوں کا جواب دیا کہ عیسٰی و مریم غلط نہیں بلکہ اُن کے نبی موسٰی علیہ السّلام ہی کی طرح عیسٰی بھی صاحبِ کتاب نبی رسول مرسل ہیں موسٰی علیہ السّلام سے مرتبے میں برابر ہیں کسی طرح کم نہیں اور یہ کہ مسیح علیہ السّلام ابنُ اللہ نہیں بلکہ عبدُ اللہ ہیں یہاں ابتدا میں عرب کی تینوں قوموں کے عقائد کو باطل کر دیا گیا پھر ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ اور شرک و کفر توڑ۔ دین و عقیدہ بیان فرما کر اہلِ عرب کو اُن کے جدِّ اعلیٰ کا دین بتایا گیا کہ دلائل سے مانو یا رشتے داری سے ہر طرح ایمان لانا تم پر لازم آتا ہے ابراہیم علیہ السّلام کے تذکرے میں اُن کا دین بھی بتا دیا اور اُن کے دلائل بھی گنا دئے۔ پھر حضرت ابراہیم کے انعامات کا ذکر فرماتے ہوئے اسحاق اور یعقوب علیہم السّلام کا ذکر فرمایا گیا۔ مزید انعام یہ کہ یعقوب علیہ السّلام کی نسل اولاد کو ہی رب تعالیٰ کی پہلی کتاب توریت دی گئی جو حضرت یعقوب کے اسرائیلی پوتے در پوتے موسٰی علیہ السّلام کو ملی اور وہ بھی بقولِ نصارٰی گناہ گار نہ تھے بلکہ مخلصًا (معصومًا) رسولاً نبیًا مقربًا نجیًا تھے اس کے ساتھ ہی دعاءِ موسٰی کی شان بیان فرمائی گئی کہ دیکھو اے عیسائیو تم ان کی برائیاں کرتے ہو مگر وہ ہمارے اتنے پیارے تھے کہ ان کے دعا سے ہم نے اپنے نبی ھٰرون کو ان کا وزیر بنا دیا۔ ابراہیم علیہ السّلام کے یہ انعامات بیان کرنے کے بعد آپ کی دعاؤں کی قبولیت کا تذکرہ فرمایا کہ ابراہیم کو اسحاق و یعقوب تو ہجرت کے انعام میں ملے لیکن اسمٰعیل دعاءِ ابراہیم کی قبولیت میں ملے اور پھر اے اہلِ عرب اگر تم اپنے جدِّ اعلیٰ ابراہیم جدُّ العرب کا دین نہیں مانتے تو کم از کم اَبُو العرب حضرت اسماعیل کا ہی دین اختیار کر لو کہ وہ صادقُ الوعد، رسولاً۔ نبیًا تھے اور اپنے اہل کو جو تمہارے ہی باپ دادا تھے ان کو نماز و زکوٰۃ کا حکم دیتے اور پابندی سے پڑھواتے دلواتے تم دعوٰی کرتے ہو کہ ہم باپ دادا کا دین نہیں چھوڑیں گے تو سنو یہ تھا تمہارے باپ دادا کا دین وہ تو عِندَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا تھے تو تم عِندَ رَبِّہٖ مَرْدُودًا کیوں بنتے ہو سُبْحَانَ اللہ کیسی شاندار با مقصد ترتیب ہے صرف سمجھنے کے لیے عقل چاہیے۔ اس کے بعد اُن ادریس علیہ السّلام کا ذکر کیا گیا جو ان سب میں پہلے تھے مگر اس ترتیب میں سب سے آخر کیوں رکھا اس کی حکمت ان کے تذکرے میں بیان کی جائے گی انشاءَ اللہ۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَوَهَبْنَا لَهٗ (الخ) یعنی موسٰی علیہ السلام کو عطا کیا ہم نے ھٰرون نبی اور اس سے پہلے فرمایا گیا وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ یعنی ابراہیم کو عطا کیا ہم نے اسحٰق و یعقوب تو ھبہ کا معنٰی ہوا اولاد بخشنا اسحٰق و یعقوب کے لیے تو یہ معنٰی

درست بنتے ہیں مگر ہارون تو موسیٰ سے بڑے تھے وہ ھبہ کیسے بن سکتے ہیں۔ **جواب** دونوں جگہ ھبہ کے معنیٰ درست ہیں۔ اسحاق و یعقوب میں ذات کا ھبہ مراد ہے اور ھٰرُوْنَ میں خدمات کا ھبہ مراد ہے یعنی ہارون علیہم السلام بذاتِ خود ھبہ نہ ہوئے صرف ان کی خدمات اور ہمراہی کام کاج مشورے بشکلِ وزارت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد کئے گئے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

تفسیر صوفیانہ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا۔ وَنَادَيْنَاهُ مِن جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَقَرَّبْنَاهُ نَجِيًّا۔ وَوَهَبْنَا لَهُ مِن رَّحْمَتِنَا أَخَاهُ هَارُونَ نَبِيًّا۔ اے جسدِ عالمین کی روحِ مقصود سینۂ اَلَمْ نَشْرَحْ کی کتابِ مبین موسیٰ عقلِ سلیم کا تذکرہ بھی جاری و ساری فرمایئے بے شک یہ چمنستانِ معرفت کا گوہرِ خالص ہے اور معقولاتِ غیوب کا مخزن ہے وہی مدینِ خِرَدی کا پیغامِ سرمدی سنانے والا رسولِ ہدایت ہے طورِ انوار کی برکاتِ لَنْ يُدْنِيْ سے ہم نے اس جوہرِ عقل کو ندا فرمائی اور قربِ متعال سے اُس کو اسرار و رموز سکھائے اور ہم نے ہی اپنی رحمتِ خاص سے اس عقلِ سلیم کو اس کا ہم نشین ضمیرِ ہارون غیوباتِ عرشی کا وزیر و معاون عطا فرمایا تحقیقات عقلِ بالغہ کے یہی خزانے ہیں لہٰذا جو اہلِ حقیقت بننا چاہے وہ اپنے آپ کو حقوقِ بندگی میں جکڑے کیونکہ علمِ مکاشفہ و کلامِ عرشی کے علاوہ بھی اُس سے بہت زائد و ضروری کام لیے جائیں گے ہم نے اس کو خاص اسی لیے پیدا کیا ہے کہ شریعت دل کی ہو حکومت عقل کی ہو کتابِ قانونِ دل کی ہو عصاءِ نفوذ عقل کا ہو شہنشاہی عقل کی ہو وزارت ضمیرِ روشن کی ہو یہی منشاءِ قدرتِ لَمْ يَزَلِیْ ہے عارفین فرماتے ہیں کہ ہر جسدِ انسانی میں جانبِ ایمن کہ شریعت دل کی ہو جانبِ ایمن بھی ہے اور جانبِ آئیسر بھی جانبِ ایمن نفسِ مطمئنہ ہے جہاں شجرِ طیبہ ہے جس میں نارِ عشق فروزاں ہے اور جانبِ آئیسر نفسِ امارہ ہے جہاں فرعونیت کا قلزم ہے۔ الہاماتِ الٰہیہ کی ندائیں اور نغماتِ قدس کی صدائیں جانبِ طورِ انوار کے ایمن سے ہی قلبِ مسعود پر وارد ہوتی ہیں اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِيْ بِهٰذَا الْاَنْوَارِ وَبِهٰذَا الْاَمْرِ خائب و خاسر و محروم ہیں وہ بد نصیب جو حقیقت تک نہیں پہنچے نہ اس حقیقت کے درجے کو سمجھ سکے۔ مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اُن بدبختوں کی گردن سے شریعت کی پابندیوں ذمہ داریوں کا بوجھ اُتر جائے گا اور ان کا باطن آزادی۔ آوارگی۔ تحریف اور گمراہی سے بھرا رہے گا۔ آج کل اس قسم کے

پیر مرید اور جھوٹے دعویدار ہر جگہ ملتے ہیں جو لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور گمراہ ہونے والوں میں ان پڑھ اور جاہل گنوار غریب مسکین لوگوں سے زیادہ وہ لوگ ہیں جو دیوی پڑھے لکھے بنتے ہیں اور دولت مندی کے غرور میں مبتلا ہیں۔ حالانکہ جس ذی عقل نے گمراہی کے الزام اور بدخصلتی بُری ہم نشینی کی تہمت سے بچنے کی خود کوشش نہ کی وہ لوگوں کی اپنے پر بدگمانی سے کسی کو ملامت نہ کرے کیونکہ یہ کام اُس کا اپنا تھا۔ ہر شخص جس طرح خود ہی سردی گرمی تپش وجلن سے بچ کر صحیح اور بہترین جگہ سیدھے سچے راستے کو تلاش کر لیتا ہے اور پوچھتا پچھاتا منزلِ مقصود مقامِ مطلوب پر پہنچ جاتا ہے۔ عارف بدایونی حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہر بندہ اسی طرح بندۂ مسافر ہے اور ہر مسافرِ راہ کو ہر وقت چار چیزوں کی ضرورت ہے ۱ اسلامی چراغ (بیٹری) کی روشنی ۲ جغرافیائی نقشہ کی کتاب ۳ اور وہ شخص جو واقفِ راہِ منزل ہو۔ مسافرانِ اہلِ ایمان کے لیے نور اور روشنی ذاتِ محمد مصطفیٰ ہے صلی اللہ علیہ وسلم ہے ۲ اور کتاب قرآن مجید ہے ۳ سواری شریعت وطریقت ہے اور ۴ واقف منزل مرشدِ کامل ہے۔ پہلی تین چیزوں میں خطرہ نہ سمجھو وہاں اندیشوں کی ضرورت نہیں ہاں چوتھی چیز میں خوب سوچ سمجھ کر و کیونکہ لباسِ یار میں اغیار بھی ہوتے ہیں اور راہبر کے لبادے میں راہزن بھی بیٹھے ہیں اِن دھوکوں ٹھوکروں فریبوں مکاریوں سے بچنے کے لیے۔ وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِندَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا۔ اور تذکرہ فرمائیے تمام کائنات کے لوگوں کو بتائیے اِس روشن کتاب سینہ فیض گنجینہ میں سے اسماعیل شعور پُر نور کا جو رہنما ہے اپنے اہلِ ابدان اور آلِ اجسام کا جس کا ہر وعدہ سچا ہر کلام روشن ہر نصیحت شاندار ہر ادا پیاری ہر لقا نیاری ہے اور جو اپنے منعمِ حقیقی ربِّ تعالیٰ سے بیتے والا بھیجا ہے اور جو اپنی اعضاءِ ظاہری واعمالِ باطنی کی امت کو مغیباتِ عالم کی غیبی خبریں دینے والا نبی ہے اور وہ شعورِ مصفا جو ہر وقت اپنے اجسادِ اصلیہ واعضاءِ بدنیہ کو نمازِ عشق صلوٰۃِ معراج اور زکوٰۃِ روح وتذکیۂ نفس ہی کا حکم واشارہ فرماتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ عالمِ ابدان کا اسماعیلِ مُزکی شعورِ بیدار ہے اور اُس کا وعدہ عالم ارواح میں قالوا بلیٰ کا وعدہ ہے اور اُس کے اہل چار قوتیں ہیں ۱ قوتِ جسم ۲ قوتِ نفس ۳ قوتِ قلب ۴ قوتِ روح۔ اور اُس کی نمازِ ما سوا اللہ سے بے توجہ ہو کر متوجہ

الی اللہ ہوتا ہے۔ اور اُس کی زکوٰۃ تذکیۂ نفس۔ طہارتِ روح۔ پاکیزگیٔ اعضا اور قوتِ فکر کی جلا ہے۔ قوتِ قلب ابراہیم معرفت کی ملت ہے۔ نفسِ امارہ کی تین قوتیں ہیں جن کو ختم کرنا شعورِ ایمانی کی ذمہ داری ہے (۱) شرعی حدود میں دخل اندازی (۲) اعمالِ آخرت میں سستی (۳) فرائض میں غفلت جب یہ قوتیں غلبہ کرتی ہیں تو بندے کو عبادت ریاضت۔ تلاوت اور نماز میں لذت وحلاوت نہیں آتی۔ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا جب تعلیمِ شعور سے بدنِ مومن جلا وشفا پاتا ہے تو عِنْدَ رَبِّہٖ مَرْضِیًّا اپنے رب کا پسندیدہ بن جاتا ہے۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ ۡ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا

اور ذکر کیجئے اِس کتاب میں سے ادریس کا بے شک وہ تھے سراپا سچائی

اور کتاب میں ادریس کو یاد کرو بے شک وہ صدیق تھا

نَّبِيًّا ﴿۵۶﴾ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ﴿۵۷﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اللہ کی خبریں دینے والے اور ہم نے پہنچا دیا ہے ان کو بہت اونچے گھر میں وہی مذکورہ انبیا وہ ہیں کہ

غیب کی خبریں دیتا اور ہم نے اسے بلند مقام پر اٹھا لیا یہ ہیں جن پر اللہ نے

اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ ۗ

انعام فرمایا اللہ نے اُن پر انبیاء میں سے حضرت آدم کی نسل میں سے

احسان کیا غیب کی خبریں بتانے والوں میں سے آدم کی اولاد سے

وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ ۡ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ

اور اُس نسل سے کہ کچھ لوگوں کو سوار کیا تھا ہم نے نوح کے ساتھ اور کچھ ابراہیم

اور اُن میں جن کو ہم نے نوح کے ساتھ سوار کیا اور ابراہیم اور یعقوب کی

وَاِسْرَآءِیْلَ ۫ وَمِمَّنْ هَدَیْنَا وَاجْتَبَیْنَا ؕ اِذَا

اور اسرائیل کی نسل میں سے اور کچھ لوگوں کو ان میں سے اپنے قرب کی ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا کہ جب

اولاد سے اور ان میں سے جنہیں ہم نے راہ دکھائی اور چن لیا۔ جب

تُتْلٰى عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ

رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں اُن کے سامنے تو فوراً زمین سے لگ جاتے سجدہ کرتے ہوئے اور

رحمٰن کی آیتیں پڑھی جائیں گر پڑتے سجدہ کرتے اور

بُكِیًّا ۩ (۵۸)

آنسو بہاتے ہوئے۔

روتے

سجدہ ۵

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلا آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی چند آیت میں تسلسل کے ساتھ انبیاء و مرسلین کا نام بنام ذکر چلا آرہا ہے۔ اب ان آیت میں ان کی عنداللہ شان بتائی جارہی ہے گویا یہ آیت سابقہ آیت کا تتمہ ہیں۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں شانِ انبیا بیان فرماتے ہوئے صادق کا لقب استعمال فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں صدیق کا لقب ارشاد ہوا۔ اور صادق و صدیق کا فرق انشاء اللہ تعالیٰ ہم ان ہی آیت کی تفسیر نحوی میں بیان کریں گے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں شانِ نبوت کا ذکر قرب الٰہی کے شرف سے بیان فرمایا گیا اب ان آیت میں رفعتِ مکانی سے انبیاء کرام علیہم السلام کی محبوبیت کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّیَّةِ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْرَآءِیْلَ وَاذْكُرْ جملہ اُذْكُرْ فعل با فاعل فِی الْكِتٰبِ جار مجرور متعلق ہے اُذْكُرْ کا اِدْرِیْسَ اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی اور علم ہے نام پاک ہے ایک نبی علیہ السلام کا عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ ایک قول میں ہے یہ سُریانی زبان کا لفظ ہے یہ قول زیادہ درست ہے ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے اور دَرْسٌ سے مشتق ہے بروزن اِفْعِیْلٌ

بمعنیٰ بہت پڑھنے والا۔ پڑھانے والا صفت مشبّہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ قرآن مجید میں اس
لفظ کو غیر منصرف بنایا گیا جس سے عجمی ہونا واضح ہے۔ مفعول بہ ہے اُذکُر فعل امر اپنے
پوشیدہ فاعل اَنْتَ ضمیر اور متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ
ضمیر اس کا اسم کَانَ فعل نحوی پوشیدہ ضمیر مرفوع اُس کا اسم صِدِّیْقًا کَانَ کی پہلی خبر۔ بروزن فِعِّیْلًا
اسم مبالغہ ہے صِدْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے اتنا سچا کہ جو کہدے وہی ہو جائے نَبِیًّا دوسری
خبر کَانَ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ۔ رَفَعْنَا۔ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق
جمع متکلم فاعل متکلم اللہ تعالیٰ ہے رَفْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بلند کرنا، اٹھانا اوپر لے جانا۔ رَفْعٌ
ہر بلندی کو کہا جاتا ہے جو صرف جسمانی ہو سکتی ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ ہے مَكَانًا اسم ظرف
باب نَصَرَ یَکُوْنُ اجوف واوی سے مشتق ہے اس کی جمع مذکر اَمَاکِنُ اس کی مؤنث لفظی مَكَانَةٌ
اور جمع مؤنث اَمْكِنَةٌ اس کا اسم فاعل مَكِيْنٌ۔ اسی سے کَانَ ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ کَانَ
ماضی بعید کی علامت ۲۔ کَانَ ماضی استمراری کی علامت یہ دونوں اسم کے درجہ میں ہیں ۳۔
کَانَ ناقصہ ۴۔ کَانَ تامہ۔ یہ دونوں فعل ہوئے ہیں۔ یہ موصوف ہے عَلِیًّا۔ اسم صفت مشبّہ
عَلِیٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہت بلندی۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے رَفَعْنَا
سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا کَانَ صِدِّیْقًا پر۔ سب عطف مل کر خبر اِنَّ جملہ
اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ صرف دس مشتقات سے جملہ انشائیہ بنتا ہے۔ امر، نہی، استفہام
تمنی۔ ترجی۔ عقود۔ ندا عرض۔ قسم۔ تعجب۔ اور مصدر مضاف عامل سے مشتبہ جملہ ہوتا ہے
باقی تمام مشتقاتِ افعالیہ و اسمائیہ اور جوامد سے جملہ خبریہ بنتا ہے۔ اُوْلٰٓئِكَ۔ اسم اشارہ
بعید مشار الیہ کے لیے بمعنیٰ وہ بہت سے مشار الیہ کے لیے آتا ہے بحالتِ رفع ہے کیونکہ
مبتدا ہے اسم غیر متمکن ہے اس لیے اس کا اعراب ظاہر نہیں ہوتا اس کا مشار الیہ وہ نو
انبیاءِ کرام علیہم السلام ہیں جن کا ذکرِ پاک اسی سورۃِ مریم کی پچھلی آیت میں فرمایا گیا ۱۔ زکریا ۲۔ یحییٰ
۳۔ عیسیٰ ۴۔ ابراہیم ۵۔ اسحاق ۶۔ یعقوب ۷۔ موسیٰ ۸۔ اسماعیل ۹۔ ادریس علیہم الصلوٰۃ والسلام
اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ اَنْعَمَ فعل ماضی مطلق باب افعال سے ہے مصدر ہے اِنْعَامٌ نِعَمٌ
سے بنا ہے بمعنیٰ بلا معاوضہ اور بلا استحقاق قابلیت و لیاقت کی بنا پر کوئی فائدے
والی چیز عطا کرنی اسی سے ہے نعمت اللہ اس کا فاعل ہے عَلَیْهِمْ یہ جار مجرور متعلقِ اول ہے
مِنَ النَّبِیّٖنَ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مِنْ ذُرِّیَّةِ مِنْ جارہ بعضیت کے لیے ذُرِّیَّةِ اسم مفرد

یعنی واحدِ مؤنث ہے معناً جمع ہے جیسے لفظِ قوم۔ مگر فرق یہ ہے کہ لفظِ قوم تو صرف جمع کے لیے استعمال ہے لیکن لفظِ ذرّیّت واحد کے لیے بھی مستعمل اور جمع کے لیے بھی اسی طرح یہ مذکر افراد کے لیے بولا جاتا ہے اور مؤنث کے لیے اس کی لفظی جمع ذرّیات اور ذَرارِیٌّ۔ اس کے اشتقاق میں تین قول ہیں ۱ ذَرْءٌ سے بنا ہے ۲ ذَرْوٌ سے ۳ یا ذَرٌّ (ذرّ) سے بنا ہے۔ بہر حال صفت مشبہ ہے بروزنِ فُعْلِیَّۃٌ قُمْرِیَّۃٌ اس سے مراد ہے نسل یعنی چھوٹی بڑی مذکر مؤنث اولاد۔ یہ مضاف ہے آدَمَ۔ اسم مفرد غیر منصرف۔ اَدْمٌ سے بنا ہے۔ عجمی اور عَلَم ہے پہلے نبی علیہ السلام کا یہی پہلے انسان اور نسلِ انسانی کے جدِّ اعلیٰ ہیں۔ مضاف الیہ ہے بحالتِ کسرہ ہے مگر غیر منصرف کو بحالتِ کسرہ نصب (زبر) ہوتا ہے۔ یہ جار مجرور معطوف علیہ۔ واوٗ عاطفہ ہے۔ اور یہ مِنْ جارہ تبعیضیہ مَنْ اسم موصول حَمَلْنَا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی جمع متکلم با فاعل مَعَ اسم ظرفِ مکانی مَعَ کبھی مضاف ہوتا ہے کبھی مفرد یعنی بغیر اضافت اس کی عین کبھی ساکن مفتوح کبھی مجرور ہوتی ہے ہمیشہ معیت (ساتھ رہنے) کے معنیٰ دیتا ہے۔ معیت چھ قسم کی ہے ۱ معیت مکانی یہاں یہ ہی ہے ۲ معیت زمانی ۳ معیت ذاتی ۴ معیت مرتبہ ۵ مدد و تعاون ۶ معیت اجتماعی نُوْحٍ۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے حَمَلْنَا کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ صلے سے مل کر مجرور۔ جار مجرور معطوف علیہ واوٗ عاطفہ مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ ذُرِّیَّۃِ مضاف اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْرَآءِیْلَ یہ دونوں اسم غیر منصرف ہیں عجمی اور عَلَم ہیں۔ اسرائیل لقب ہے یعقوب علیہ السلام یا اس کا اُلٹ یعنی یعقوب لقب ہے اسرائیل نام عبرانی لفظ ہے ترجمہ ہے اے اللہ فریاد سُن لے یہ دونوں آپس میں عطف ہیں مضاف الیہ ہے ذُرِّیَّۃِ کا پھر مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور معطوف علیہ۔ واوٗ عاطفہ مِنْ جارہ بیانیہ یا تبعیضیہ۔ مَنْ اسم موصول هَدَیْنَا بابِ ضَرَبَ ماضی مطلق جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل متعدی بیک مفعول ہے اس کا مفعول ہُمْ ضمیر جمع مذکر غائب پوشیدہ ہے هَدیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہدایت دینا۔ راستہ دکھانا سمجھانا۔ واوٗ عاطفہ اِجْتَبَیْنَا۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ فاعل اللہ تعالیٰ۔ ھُمْ پوشیدہ ہے مفعول بہ دراصل ہے هَدَیْنٰهُمْ وَاجْتَبَیْنٰهُمْ اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ۔ جَبْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اچُن لینا خالص و برگزیدہ کر لینا۔ یہ دونوں جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ معطوف ہوئے پھر صلہ ہو کر موصول صلہ مجرور ہو کر جار مجرور معطوف چاروں عطف ۱ مِنْ ذُرِّیَّۃِ اٰدَمَ ۲ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا ۳ وَمِنْ ذُرِّیَّۃِ اِبْرٰهِیْمَ ۴ وَمِمَّنْ هَدَیْنَا۔ مل کر متعلق دوم ہوا اَنْعَمَ کا وہ سب مل کر

صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مل کر خبر مبتدا۔ وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّ بُكِیًّا۔ حرفِ ظرفیہ شرطیہ عربی میں حرفِ اِذَا سات طریقوں سے مستعمل ہے ۱ ظرفِ زمانی کے لیے ۲ ظرفِ مکانی کے لیے ۳ مفاجات یعنی اچانک کے لیے ۴ قسم کے ساتھ ۵ زمانۂ ماضی کے لیے ۶ زمانۂ حال کے لیے ۷ زمانۂ مستقبل کے لیے۔ یہاں ظرفِ زمان مطلق شرطیہ ہے اس کا ترجمہ ہے جب بھی یا جب کبھی ایسا ہوا تب فوراً ایسا ہوا۔ تُتْلٰی۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع مجہول واحدِ مؤنث غائب تَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنی تلاوت کرنا پڑھنا۔ یہ ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ ظرفِ مکانی یعنی اُن کے پاس اُن کے سامنے ھِمْ ضمیر کا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اٰیٰتُ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اٰیَةٌ مضاف اَلرَّحْمٰنِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے تُتْلٰی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی خَرُّوْا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل سُجَّدًا اسم مبالغہ صفت مشبہ جمع مذکر اس کا واحد ہے سُجَّادٌ بمعنی ایک دم سجدہ کرتے والا بہت سجدے کرنے والا سُجُوْدٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے زمین پر پیشانی لگانا۔ ہر اُمت کا سجدہ مختلف رہا مگر پیشانی کا لگنا ہر امت کے سجدے میں ہوتا رہا بعض نے فرمایا یہ ساجِدٌ کی جمع ہے مگر یہ درست نہیں کیونکہ ساجِدٌ کی جمع سَاجِدُوْنَ وَسَاجِدِیْنَ ہے یہ معطوف علیہ واو عاطفہ بُكِیًّا اسم مبالغہ صفت مشبہ جمع مذکر اس کا واحد ہے بَكَّاءٌ بہت رونے والا۔ بُكًی سے مشتق ہے یہ معطوف ہے دونوں مل کر حال ہے خَرُّوْا کے فاعل ھُمْ پوشیدہ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا مظروف زمانی۔ شرط ظرفِ زمانی اپنی جزا مظروف سے مل کر جملہ شرطیہ زمانیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِدْرِیْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا۔ وَّ رَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ مِنْ ذُرِّیَّةِ اٰدَمَ۔ اور اے محبوبِ کائنات چرچہ فرمایئے اِس قرآن مجید کے ذریعہ ادریس کا بھی بے شک دنیا زمین پر وہ بہت تھے صدیق اور نبی تھے حضرت ادریس علیہ السّلام سے پہلے تین نبی گزرے پہلے حضرت آدم علیہ السلام دوم حضرت شیث علیہ السلام اور سوم ھود علیہ السّلام چہارم ادریس علیہ السّلام ایک قول ہے کہ آپ تیسرے نبی ہیں ان کے نزدیک آدم علیہ السّلام نبی نہیں کیونکہ قرآن مجید میں آدم علیہ السّلام کا تقریباً سولہ مرتبہ نام آیا مگر کہیں بھی آپ کو نبی یا رسول نہ کہا گیا مگر یہ قول غلط اور کفریہ ہے مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۱ پر بحوالہ مسند احمد حنبل اس طرح

حدیث پاک ہے عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ـ اَیُّ الْاَنْبِیَاءِ کَانَ اَوَّلَ قَالَ اٰدَمُ
قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَنَبِیٌّ کَانَ قَالَ نَعَمْ نَبِیٌّ مُکَلَّمٌ ـ اَیُّ اُنْزِلَ
عَلَیْہِ الصُّحُفُ ـ اس روایت مقدسہ سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام بھی رسول اور نبی ہیں کیونکہ صحیفہ
صرف اللہ تعالیٰ اپنے رسول نبی کو عطا فرماتا ہے۔ تفسیر فتح القدیر میں ایک قول ہے کہ آپ پہلے
نبی ہیں مگر یہ سب غلط اقوال ہیں صحیح یہی ہے کہ آپ چوتھے نبی ہیں نفظِ ادریس آپ کا لقب ہے
دَرْسٌ سے بنا ہے اس لیے کہ آپ نے ہی زمین پر سب سے درس و تدریس لوگوں کو لکھنا پڑھنا
شروع فرمایا آپ کا ذاتی علم (نام شریف) اَخنوخ یا اَخنوخ ہے یا اَجنوخ یا خُوک ہے۔ آپ کا
نسب نامہ اس طرح ہے۔ ادریس بن یارو بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم علیہما السلام
نوح علیہ السّلام آپ کے پڑپوتے تھے۔ آپ پر تیس صحیفے نازل ہوئے اس لیے آپ رسول بھی
تھے۔ آدم علیہ السّلام سے سو سال بعد آپ کی ولادت ہوئی ایک قول ہے لفظ ادریس یونانی لغت
کا لفظ ہے دراصل تھا آذریس اسی سے معرب ہوا ادریس، جیسے یُوحنا سے یحیٰی یوشع سے یسع۔ احادیث میں ہے کہ چار نبی علیہم السّلام
از ولادت سے تا قیامت زندہ رہیں گے دو زمین پر خضر علیہ السّلام، الیاسین علیہ السلام اور دو آسمانوں پر ادریس و عیسیٰ علیہما السّلام
جنت میں اور حضرت عیسیٰ پہلے یا دوسرے یا چوتھے آسمان پر عیسیٰ خضر و الیاسین علیہم السلام کی وفات کفن دفن زمین پر ہوگا۔ ادریس علیہ السّلام
کی خصوصیات۔ پہلی خصوصیت وَرَفَعْنٰہُ مَكَانًا عَلِیًّا۔ ہم نے اپنے ادریس کو خصوصی طور پر بہت
اونچی جگہ رہائش عطا فرمائی یعنی جنت میں اور اب تک بلکہ تا قیامت وہ وہیں رہیں گے ایک قول
ہے کہ آپ چوتھے آسمان مقام عزرائیل کے پاس ہیں وہ استدلال کرتے ہیں حدیثِ معراج سے
کہ معراج میں آپ کو چوتھے آسمان پر دیکھا گیا مگر یہ استدلال اس لیے کمزور ہے کہ وہ حاضری و
ملاقات اور آمد و رفت عارضی اور اُس رات کی خصوصیت تھی اُس رات تو زمین پر بھی اور
بیت المقدس میں بھی دیکھا گیا۔ بعض کہتے ہیں یہاں رَفَعْنٰہُ سے مراد مراتب اور درجوں کی اور
شان و عزت کی بلندی ہے مگر یہ کمزور بات ہے کیونکہ ہُ ضمیر اور مکاناً کا لفظ اس کی تائید نہیں کرتا
بلکہ روح مع الجسد بلندیِ مکان مراد ہے۔ نہ کہ شان۔ شان و مرتبہ تو سب انبیاء علیہم السّلام
کا پہلے ہی خیال و گمان سے وراء ہے۔ بہر کیف پہلا قول درست ہے واقعہ اس طرح ہے کہ ایک
دفعہ ملائکہ نے عرض کیا۔ یا اللہ زمین پر وہ کون سا تیرا پیارا بندہ ہے جس کے اعمالِ پاکیزہ
روئے زمین کے جن و انس سے زیادہ آتے ہیں ارشاد ہوا کہ یہ ہمارا بندہ ادریس ہے ملائکہ نے شوقِ
زیارت کا اظہار کیا اجازت مل گئی تو ایک دفعہ عزرائیل علیہ السّلام حاضرِ بارگاہ ہوئے ادریس

علیہ السّلام نے پوچھا اے عزرائیل تمہاری کیا ڈیوٹی ذمہ داری ہے کس کام پر مامور ہو عرض کیا جان نکالنے پر آپ نے فرمایا میری جان نکال کر مجھے بتاؤ کہ تم کیسے جان نکالتے ہو اور جسم انسانی کو اس کی کیا تکلیف ہوتی ہے۔ عزرائیل علیہ السّلام نے رب تعالیٰ سے اجازت مانگی اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا میرا بندہ کہتا ہے ویسا ہی کرو۔ عزرائیل علیہ السلام نے جان نکال کر دوبارہ زندہ کیا پھر آپ نے پوچھا اے عزرائیل تم کہاں رہتے ہو مجھ کو اپنا گھر دکھاؤ۔ حضرت عزرائیل نے رب تعالیٰ سے اجازت مانگی جو مل گئی آپ اپنے نور کے ہالے میں بٹھا کر ادریس علیہ السّلام کو چوتھے آسمان پر لے گئے پھر آپ نے فرمایا مجھے جنت دکھاؤ حضرت عزرائیل نے مولیٰ تعالیٰ سے اجازت مانگی ارشاد ہوا۔ جیسا میرا بندہ کہتا ہے ویسے ہی کرو۔ حضرت ادریس پُل صراط سے گزرنے لگے تو نیچے دیکھا جہنم ہے گھبرا کر پوچھا اے عزرائیل یہ کیا خوف ناک جگہ ہے حضرت عزرائیل نے کہا یہ دوزخ ہے اور جہاں ہم چل رہے ہیں یہ پُل صراط ہے پھر آپ جنت کے دروازے پر پہنچے دروازہ کھلوایا گیا آپ نے جی بھر کر جنت کی سیر کی حضرت عزرائیل نے کہا کہ اب واپس زمین پر چلئے آپ نے فرمایا اب تو میرا واپس جانے کو دل نہیں چاہتا اور آپ درختِ طوبیٰ کے نیچے بیٹھ گئے عزرائیل علیہ السّلام نے بار بار عرض کیا مگر آپ واپسی پر آمادہ نہ ہوئے تب عزرائیل علیہ السّلام نے ایک اور فرشتے کو بلایا کہ ان کو سمجھاؤ اُن فرشتے نے عرض کیا یا حضرت جنت میں ٹھہرنے کا ابھی وقت نہیں آیا جنت کی رہائش کے لیے چند شرطیں ہیں پہلی یہ کہ موت طاری ہو جائے دوم یہ کہ دوبارہ زندگی ملے سوم یہ کہ جہنم پر سے گزرنا ہو جائے۔ چہارم یہ کہ پُل صراط کو طے اور عبور کر لیا جائے پنجم یہ کہ رب تعالیٰ کی اجازت سے جنت کھولی جائے حضرت ادریس علیہ السّلام نے فرمایا کہ مجھ پر تو یہ سب وارد ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد نکالا نہ جائے گا۔ لہٰذا اب میں کیوں نکلوں دونوں فرشتے لاجواب ہو گئے اور مولیٰ تعالیٰ سے عرض کی کہ یا الٰہ العلمین یہ بندہ تو نہیں نکلتا رب تعالیٰ نے ارشادِ پاک فرمایا کہ جیسا میرا بندہ کہتا ہے تم وہی مانو یہ ہماری ہی اجازت سے ہے۔ اس وقت سے آپ جنت میں ہیں۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ ہ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِہٖ ہ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ کیا شان ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں انبیاءِ کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی۔ (از تفسیر صاوی مدارک خازن وغیرہ) ادریس علیہ السّلام کی دوسری خصوصیت۔ سب سے پہلے آپ پر جہاد فرض ہوا

اور آپ نے قابیل ابن آدم کی اولاد اور زمین کی پہلی کافر قوم سے جہاد فرمایا (از روح البیان و نور العرفان بعض اقوال میں ہے کہ قابیل ایک جنگ میں آپ کے کسی سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تیسری خصوصیت آپ نے علم حساب ایجاد فرمایا خصوصیت ۴ آپ نے علم نجوم ایجاد فرمایا ۵ لکھنا پڑھنا اور خوشنویسی آپ نے ایجاد کی خیال رہے کہ عربی کے ۲۸ حروف اب ت ث حضرت ہود علیہ السلام پر بذریعہ وحی مکتوبہ نازل ہوئے اسی لیے فقہا فرماتے ہیں کہ حروف کا بھی احترام کرنا چاہیے کیونکہ یہ وحیِ الٰہی ہیں لیکن اس کی ترتیب کہ الف پھر ب آخر میں یٓ اور اس کا لکھنا پڑھنا اور آوازیں ادریس علیہ السلام کی الہامی ایجاد ہے اسی لیے آپ کا نام ادریس یعنی بہت بڑے مدرس درس دینے والے یہی معنیٰ ہے یونانی لفظ اوزریس کا۔ لہٰذا یہ لفظ معرّب نہیں بلکہ ترجمہ ہے۔ چھٹی خصوصیت آپ زمین کے مدرس اول ہیں۔ خصوصیت ۷ کپڑا کاٹنا اور سینا لباس بنانا اور پہننا یہ بھی آپ کی ایجاد ہے۔ لیکن کپڑا بُننا۔ بنانا اور کھیتی باڑی کرنا یہ آدم علیہ السلام کی ایجاد ہے ادریس علیہ السلام سے پہلے لوگ مثل احرام کپڑا جسم پر لپیٹ لیتے تھے احرام سنتِ آدم ہے جس کی یادگار میں حُجاج کو احرام واجب ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا ادریس علیہ السلام سے پہلے لوگ جانوروں کی کھالیں پہنا کرتے تھے مگر یہ درست نہیں دو وجہ سے پہلی یہ کہ ہر شریعت میں مومن پر ستر ڈھانکنا فرض ہے اور کھال سے ستر نہیں ڈھک سکتا۔ دوم یہ کہ بڑے جانور کی کھال اتنی سخت ہوتی ہے کہ جسم پر لپٹ سکتی ہی نہیں اور چھوٹے جانور کی کھال اتنی چھوٹی ہوتی ہے کہ صرف لنگوٹ باندھا جا سکتا ہے اور لنگوٹ غیر مہذب لباس بھی ہے اور اس کے ساتھ عبادت بھی نہیں ہو سکتی حالانکہ ابتدائی انسان بہت ہی مہذب نیک خوب صورت اور عبادت گزار تھے کیونکہ نبی اور اُن کے تعلیم یافتہ صحابی تھے۔

آٹھویں خصوصیت۔ جنگی ہتھیار بھی آپ کی ایجاد ہے آپ نے پانچ چیزیں بنائیں ۱ تلوار ۲ خنجر ۳ تیر ۴ چھری ۵ قینچی۔ نویں خصوصیت عمامہ (پگڑی) حضرت آدم کی ایجاد ہے آپ سبز عمامہ باندھا کرتے تھے اور ٹوپی ادریس علیہ السلام کی ایجاد ہے دسویں خصوصیت ادریس علیہ السلام نے ناپنے کے گز فٹ، اور تولنے کے باٹ پتھر ایجاد فرمائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ تلوار قابیل کی ایجاد ہے اور اُس نے اپنی بنی تلوار سے ہابیل کو شہید کیا تھا مگر یہ غلط ہے۔ بلکہ پتھر سے سر توڑ کر ہلاک کیا یا تیز دھار پتھر سے ذبح کیا اس زمانے میں تیز دھار پتھروں سے ہی ذبح کیا جاتا تھا۔ گیارھویں خصوصیت۔ یہودیوں کی کتاب تالمود کی ایک

اسرائیلی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ۔ رتھ (ٹانگہ بگھی) گھوڑے جوت کر چلنے والی گاڑی آپ کی ہی ایجاد ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ پہیہ بھی آپ کی ایجاد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب ادریس علیہ السلام کی عمر شریف زمین پر چار سو سال گزری۔ آپ نے چالیس یا سینتالیس کی عمر میں تبلیغ شروع فرمائی اس طرح تقریباً ساڑھے تین سو سال آپ نے تبلیغ نبوت فرمائی۔ ادریس علیہ السلام کا ایک لقب نبی القارنع بھی ہے۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ اے اہل مکہ تم اپنے عرب ہونے اور اہل زبان ہونے یا بنی اسماعیل ہونے پر غرور تکبر کرتے ہو اور اے یہود ونصاریٰ تم اپنے بنی اسرائیل ہونے پر اکڑے پھرتے ہو حالانکہ یہ دس حضرات ہمارے پیارے اور محبوب بندے ۱ زکریا ۲ یحییٰ ۳ عیسیٰ ۴ ابراہیم ۵ اسحاق ۶ یعقوب ۷ موسیٰ ۸ ھرون ۹ اسماعیل ۱۰ ادریس (علیہم السّلام) جن پر ہم نے انعام فرمائے اپنی رحمت ورافت محبت شفقت۔ عزت۔ شہرت کی دولتیں عطا فرمائیں انبیا میں سے بنایا تاجِ رسالت پہنایا یہ سب کے سب ہمارے پیارے نبی آدم علیہ السّلام کی ہی تو ذریت اور اولاد ہیں اس سلسلے سے تم سب ایک ہی نسل ہو بھائی برادر ہو پھر کس کو غرور کس پر غرور۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا۔ اور اے محبوب کائنات ان نسب پر فخر و غرور کرنے والوں کو یہ بھی بتایئے کہ تم جیسے مغرورین نوح علیہ السّلام کے زمانے میں بھی تھے اُن سب کو طوفان میں غرق کر دیا گیا اور ذریتِ آدم میں سے صرف اُن بعض کو جو اہلِ ایمان تقوے طہارت والے نیک پاک تھے اُن مخلص لوگوں کو سوار کر دیا تھا ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں یعنی صرف اُسی کو بچایا گیا جو مغرور و متکبر نہ تھا۔ زمانے گزرتے رہے یہاں تک کہ دس قرن دس صدی یعنی ایک ہزار سال کے بعد ابراہیم علیہ السّلام دنیا میں مبعوث ہوئے۔ پھر تھوڑے عرصہ بعد ہی اسرائیل یعنی یعقوب ابراہیم کے پوتے علیہما السّلام اپنی اپنی قوم کی ہدایت کے لیے بھیجے گئے۔ اور اُن کی ذریت میں سے اور اِن کے علاوہ بعد کی قوموں میں سے بھی جن کو ہم نے اپنے دین ایمان شریعت طریقت معرفت اور قربِ خاص کی ہدایت عطا فرمائی اور اپنی محبت نبوّت رسالت یا اپنی ولایت کے لیے چن لیا اُن سب کی شان وکیفیت یہ ہے کہ جب اُن کے پاس ہماری آیتیں تلاوت کی جائیں یا وہ خود اپنے رب رحمٰن رحیم وکریم اللہ تعالیٰ کی آیاتِ کلامِ مقدس تلاوت کریں تو وفورِ عشق وجذبات

محبتِ الٰہی سے اتنے جھکے کہ زمین سے لگ گئے سجدہ کرتے ہوئے اور شکرِ باری تعالیٰ میں خوشی کے آنسو بہاتے روتے ہوئے۔ یہاں لفظِ ذُرّیت فرمایا گیا۔ ذرّیت پورے اگلے خاندان کو کہتے ہیں ذرّیت کی چار قسمیں ہیں ۱ اولاد ۲ آل ۳ اہلِ بیت ۴ عِترت۔ اولاد اپنے نطفے کی نسل کو کہا جاتا ہے۔ آل پوری نسل کو مگر فقط بیٹے کی جانب سے اور عترت بیٹی کی اولاد در اولاد کو بھی کہا جاتا ہے۔ اہلِ بیت صرف بیوی کو۔ یہ تو عام قانون ہے مگر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصیت سے اپنے نواسے نواسیوں کو اپنے اہل بیت میں شامل فرمایا بلکہ اپنے داماد مولیٰ علی کو بھی ورنہ حضرت عثمانِ غنی کی طرح مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اہلِ بیت میں شامل نہ تھے۔ ذرّیت تمام خاندان کو شامل خواہ بیٹے سے ہو یا بیٹی سے۔ یہاں ذرّیت فرما کر عیسٰی علیہ السّلام کو بھی شامل کیا گیا حالانکہ آپ بیٹی کی طرف سے بنی اسرائیل ہیں۔ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ کی ضمیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہِمْ سے مراد سابقہ انبیاء و صالحین بھی مراد ہیں اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرام اور پوری اُمّتِ مسلمہ تا قیامت مراد ہے سابقہ کتبِ الٰہیہ میں اگرچہ سجدوں کی آیت نہ تھیں مگر انبیاء علیہم السّلام اور صالحینِ اُمّت اپنی کتابوں کی تلاوت کی ابتداء و انتہا پر سجدہ تحیّۃ یا تشکّر یا تعظیمی فرمایا کرتے تھے اسی کا یہاں ذکر ہے بعض مفسّرین نے فرمایا کہ پچھلی کتب میں بھی سجدے تھے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ بعض نے فرمایا سجدے کی آیتیں تو نہ تھیں مگر اِذَا تُتْلٰی کا عموم بتا رہا ہے کہ سابقہ لوگ ہر آیت پر سجدہ کرتے تھے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اِذَا تُتْلٰی چونکہ فعل حال ہے نہ کہ ماضی لہٰذا یہاں سابقین کا ذکر نہیں بلکہ موجودہ اُمّت مراد ہے۔ اس لیے کہ یہاں تمام انبیاءِ کرام کے ذکر کے بعد علیحدہ عطفی جملہ ارشاد ہوا کہ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا۔ پس هَدَيْنَا سے مراد صحابہ کرام اور اِجْتَبَيْنَا سے مراد احمدِ مجتبیٰ محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** تلاوتِ قرآن مجید کے وقت رونے کی کوشش کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے عشق اور آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت و یاد کا تصوّر رکھنا چاہیے اور ہمہ تن گوش ہو کر سننے یا پڑھنے میں توجّہ اور دل لگانا چاہیے اس سے رِقّتِ قلبی پیدا ہوتی ہے اور آنسو نکلتے ہیں خاص کر سجدۂ تلاوت کی آیت اور سجدے میں۔ حدیث پاک میں ہے کہ سجدے میں رونے کی کوشش کرے اگر رونا نہ آئے تو رونے والا منہ بنائے۔ یہ فائدہ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا سے حاصل ہوا

دوسرا فائدہ۔ قرآن مجید میں دس قسم کے رونے کا ذکر ملتا ہے ۱ غم کا رونا ۲ ندامت کا رونا ۳ خوفِ الٰہی کا رونا ۴ اپنے گناہوں پر رونا ۵ پچھتاوے کا رونا ۶ انجام پر رونا ۷ بخشش مانگنے اور قبولیتِ دعا کے لیے رونا ۸ دنیا میں رونا ۹ آخرت میں رونا ۱۰ شکر کا رونا یہاں یہی مراد ہے کیونکہ آیت کی نسبت اسم رحمٰن کی طرف ہے جو رحم و کرم والا جمالی نام ہے خیال رہے کہ غم اور خوف کے آنسو گرم ہوتے ہیں اور خوشی و شکر کے آنسو ٹھنڈے ہوتے ہیں۔ **تیسرا فائدہ۔** مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ نیک لوگوں کے ساتھ رہنے۔ اٹھنے بیٹھنے کی کوشش کریں نیک لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے انعام والے ہیں۔ یہ فائدہ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ سے حاصل ہوا بلکہ سورۃِ فاتحہ میں اِهْدِنَا کی دعا بتا کر انعام والوں کے راستے پر رہنے کی ہم کو التجا کرنے کا حکم دیا گیا۔ نیک اولاد سے تو والدین کو بھی شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لیے یہاں انعام والوں کی تفصیل بتاتے ہوئے ارشاد ہوا مِنْ ذُرِّيَّةِ آدَمَ اور مِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ فرمایا گیا۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** قرآن مجید میں سجدے کی چودہ آیت ہیں اور حنفی مسلک میں ہر آیت کے پڑھنے سننے سے سجدہ واجب ہو جاتا ہے جو فوراً کرنا مستحب ہے یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰى میں اِذَا کے عموم سے مستنبط ہوا کیونکہ فرمایا جا رہا جب بھی تلاوت کی جاتی تو سجدہ کرتے کبھی چھوڑتے نہیں۔ اسی طرح وجوب ثابت ہوتا ہے اس طرح سنتِ موکدہ ثابت نہیں ہو سکتی کیونکہ يَسْجُدُوْنَ جمع ہے اور فاعل معلوم۔ حالانکہ سنتِ موکدہ صرف وہ کام ہے جو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کیا ہو۔ سجدۂ تلاوت امام اعظم ابو حنیفہ کے نزدیک واجب ہے۔ امام احمد بن حنبل، امام شافعی کے نزدیک سنت ہے۔ امام مالک کے نزدیک مستحب ہے پہلا سجدہ نویں پارے میں اور آخری دو سجدے ۱۳ ۱۴ انیسویں پارے میں یہاں پانچواں سجدہ ہے تلاوت کے سجدے میں پانچ مرتبہ سجدے کی تسبیح اور پھر استغفار یا نماز والی دعا رَبَّنَا اٰتِنَا (الخ) ایک بار پڑھنی چاہیے **دوسرا مسئلہ** بزرگوں کی نقل کرنا واجب ہے یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰى کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے سجدوں کا ذکر فرما کر ہم پر سجدہ واجب کیا گیا **تیسرا مسئلہ** تلاوتِ کلام اللہ ہر شریعت میں لازم ہے ہر نبی علیہ السلام کی سنت رہی ہے۔ اور یہ کہ تلاوت میں غور و توجہ خشوع۔ خضوع اشد ضروری ہے یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰى کی پہلی تفسیر اور خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا سے مستنبط ہوا۔ خشوع

خضوع توجہ کی نشانی رونا آنسو بہانا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا **اعتراض** یہاں فرمایا گیا اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ جب سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور ان کی امت کے نیک لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کی آیتیں تلاوت کی جاتی تو وہ روتے ہوئے سجدہ ریز ہو جاتے۔ اصطلاحی لحاظ سے آیت تو صرف قرآن مجید کی ہوتی ہیں اور قرآن اُن کے سامنے پڑھا نہیں گیا پھر یہ تُتْلٰى کیونکر درست ہے **جواب** اِس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کلام کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے اور ہر کتاب الٰہی کا کلام و عبارت اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ ہے۔ آیت کا نام عبارتِ قرآن سے مخصوص نہیں دوسرا جواب یہ ہے کہ مِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا سے عبارت بدل گئی اِذَا تُتْلٰى کا تعلق صرف نبی کریم صلّی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ و امت تا قیامت سے ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ ادریس علیہ السّلام تو بہت پہلے گزرے ہیں موسیٰ عیسیٰ زکریا یحییٰ ابراہیم اسحاق یعقوب سب سے پہلے تو یہاں ان کا ذکر سب سے آخر میں کیوں کیا گیا **جواب**، غالباً اس میں حکمتِ الٰہی یہ ہو کہ اس سے پہلے دو رفعتوں کا ذکر گزرا ایک رفعتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم معراج میں سُبْحٰنَ الَّذِيْٓ اَسْرٰى میں۔ اور دوسری رفعتِ عیسیٰ علیہ السّلام یہ دونوں نبی مُرسَل صاحبِ کتاب آخر میں ہیں اور دونوں کی رفعت روح مع الجسم ہے۔ اور کفار و منافقین ان دونوں رفعتوں کے منکر ہیں۔ اس لیے اِن دونوں کو مدلّل ثابت فرمانے کے لیے رفعتِ ادریس علیہ السّلام کو دلیل بنایا جا رہا ہے۔ اس طرح کہ رَفَعْنٰهُ میں ہٗ ضمیر کا مرجع ادریس علیہ السّلام روح مع الجسد مراد ہیں اس لیے کہ سب ضمیروں کا مرجع مراد نہ صرف روح ہے نہ صرف جسم۔ یہ هُوَ۔ هُمَا، هُمْ، هَا، هُمَا، هُنَّ۔ تَ۔ كُمَا۔ كُمْ۔ تِ كُمَا۔ كُنَّ۔ یِ نَا۔ یعنی وہ تم ہیں۔ ہم یہ سب کیا ہیں روح مع الجسم ہی کا نام و خطاب ہیں۔ رِفعتِ ادریس میں باوجود روح مَعَ الْجَسَدِ کے کسی کا اختلاف نہیں سب تسلیم کرتے ہیں لہٰذا دلیل ہوگئی اِس بات کی کہ جو قدرتوں والا ادریس علیہ السّلام کو جنت تک اٹھا کر لے جا سکتا ہے وہی ربِّ کریم جَلَّ مَجْدُهٗ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو لا مکان تک بلا سکتا ہے۔ اور عیسیٰ علیہ السّلام کو مع جسم زندگی و حیاتی کے ساتھ چوتھے آسمان تک پہنچا سکتا ہے اس کے علاوہ حضرت ادریس کے آخر میں ذکر کرنے کی اور بھی حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں **تیسرا اعتراض** وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا سے مراد جنت میں لے جانا اور پہنچنا رہائش اختیار کرنا نہیں بلکہ مرتبے اور شان و عظمت کی رفعت و بلندی مراد ہے اور لفظِ عَلِيًّا مکانا

کی صفت نہیں بلکہ ہ ضمیر واحد مذکر کا حال ہے اور مَکَانًا سے مراد ان کا وطن اور زمینی علاقہ ہے یعنی ہم نے اُن کو اُن کے وطن میں ہی اونچی شانیں اچھا تذکرہ اور بلند مرتبہ عطا فرما دیا جواب یہ اعتراض علمی اعتبار سے بھی غلط ہے اور تحقیقی تاریخی و اتفاقی اعتبار سے بھی غلط ہے علمی اعتبار سے تو اس لیے کہ یہاں فرمایا گیا رَفَعْنٰهُ۔ رَفَعَ کا عملی تعلق جب کسی ضمیر سے ہو تو وہاں رفعت کا معنیٰ ہوتا ہے۔ اونچا اُٹھانا، اوپر لے جانا اور ہر ضمیر کا معنیٰ ہوتا ہے کہ اس کا مرجع مکمل ہو اور انسان کی تکمیل روح مع الجسم ہے نیز لفظ عَلِيًّا ہ ضمیر کا حال نہیں بلکہ مَکَانًا کی صفت ہے۔ اگر یہ حال ہو مفعول بہٖ ضمیر کا تو لفظ مَکَانًا نکرہ موصوفہ ہی کے بغیر رہ گیا اور خالی نکرہ مطلق عام ہوتا ہے۔ تو صرف وطن ہی مراد نہیں لیا جا سکتا۔ اور مطلق نکرہ مجہول ہو جاتا ہے۔ اب یا تو تمام کائنات مراد لی جائے جو حقیقت کے خلاف ہے یا پھر اس کو کسی دوسری صفت سے معین و مقید کیا جائے وہ ہے ہی نہیں لہٰذا یہی درست ہے کہ عَلِيًّا صفت ہے مَکَانًا کی اور مراد ہے بہت اونچی جگہ آسمانوں سے بھی اونچی وہ جنت ہی ہے۔ تحقیقی اعتبار اس لیے یہ اعتراض غلط ہے کہ اگر یہاں شان و مرتبے کی رفعت مراد ہوتی تو رَفَعْنَا کا مفعول بہٖ ہ ضمیر نہ ہوتی بلکہ لفظ شان یا لفظِ تذکرہ یا عزت یا عظمت ہوتا اور عبارت اس طرح ہوتی وَرَفَعْنَا لَهٗ ذِكْرَهٗ۔ یا۔ شَانَهٗ یا عِزَّتَهٗ وغیرہ۔ جیسا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بلندیٔ شان کا بیان کرتے ہوئے ارشاد ہوا وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ تاریخی اعتبار سے اس لیے غلط ہے کہ دنیوی لحاظ سے حضرت ادریس کو اُن کے اہلِ وطن ہمیشہ ستاتے ہی رہے آپ نے ساڑھے تین سو سال تبلیغ کی مگر صرف چار سو آدمی مومن بنے باقی سب قوم دشمن۔ اس لیے آپ کی دنیوی طریقے پر کوئی ایسی خاص عزت شہرت یا حکومت نہ تھی۔ ہاں دینی لحاظ سے بارگاہِ ربوبیت میں آپ کی بہت شان و عزت تھی مگر یہ کوئی اُن کی خصوصیت نہ تھی ہر نبی رسول مرسل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کروڑوں درجوں اور شانوں عزتوں عظمتوں والے ہیں علیہم الصلوٰۃ والسلام پس ثابت ہوا کہ یہاں خصوصیت سے وَرَفَعْنٰهُ فرمانا کسی خصوصی بلندی کو ثابت فرما رہا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ۔

ذکرِ اخیار اور تذکرۂ ابرار سے دل کی جلا سینے کی ضیا باطن کی بقا ہے اسی لیے ربِّ قدیر بار بار وَاذْكُرْ کے خطاب سے اپنے بندوں کو نواز رہا ہے کلامِ علما اور تفاسیرِ مفسرین میں اگرچہ معنیٰ ظاہری کے اعتبار سے وَاذْكُرْ کا فاعلِ مخاطب آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے مگر چونکہ رب تعالیٰ نے اس کا مخاطب فاعلِ ظاہر اسم کو نہیں بنایا بلکہ ضمیر غائب مستتر کو بنایا اِس

یہ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ وَاذْكُرْ کی ضمیر کا مرجع ہر بندۂ مومن مریدِ باصفا اور منزلِ معرفت کا مسافر اور راہِ عشق و مستی کا طالب ہے اور تا قیامت ہر عابد و زاہد مخلص و صادق پر فرائضِ بندگی میں سے ہے کہ اپنی طلب میں کامیابی و کامرانی کے لیے ہر وقت لسانی جنانی نظری فکری تصوراتی تخیلاتی تنہائی محفلائی انفرادی اجتماعی تذکرۂ ابرار کرتا رہے۔ انبیاءِ کرام اولیاءِ عظام علماءِ فہام علیہم السلام کے ذکرِ مقدسات سے اپنی خلوت و جلوت کو سجاتا رہے کیونکہ اِس سے کشفِ صدر، راہِ بارگاہ کی صعوبتوں پر صبر اور استقامتِ عمل اور انعاماتِ ربانی کی قدر حاصل ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں پچیس انبیاءِ پاک علیہم السلام کا اسمِ گرامی صراحتاً ذکر فرمایا گیا۔ عاملین و کاملین فرماتے ہیں جو مرید طالب اپنے مرشد کی ہدایت و اسباق کشف و مراقبے میں مشغول ہونے سے پہلے اِن اسماءِ پاک کا وِرد اِن کی ابجدی تعداد کے مطابق کر لیا کرے تو مکاشفاتِ اسرار اور شرحِ صدر کی کامیابی بہت جلد حاصل ہو جاتی ہے اسماءِ مقدسات یہ ہیں ۱ آقاءِ کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۲ آدم علیہ السلام ۳ حضرت ہود علیہم السلام ۴ حضرت ادریس ۵ حضرت الیاس ۶ حضرت نوح ۷ حضرت ابراہیم ۸ حضرت اسماعیل ۹ حضرت اسحاق ۱۰ حضرت یعقوب ۱۱ حضرت یوسف ۱۲ حضرت یسع ۱۳ حضرت یونس ۱۴ حضرت ایوب ۱۵ حضرت لوط ۱۶ حضرت شعیب ۱۷ حضرت ہارون ۱۸ حضرت موسیٰ ۱۹ حضرت داؤد ۲۰ حضرت سلیمان ۲۱ حضرت ذوالکفل ۲۲ حضرت صالح ۲۳ حضرت زکریا ۲۴ حضرت یحیٰی ۲۵ حضرت عیسیٰ ۲۶ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علیہم اجمعین اور چار اسماءِ مقدس اُن انبیاءِ کرام علیہم السلام کے جن کا صرف ذکر اور مختصر واقعہ قرآنِ مجید میں آیا ہے مگر اُن کے نام احادیث میں ارشاد ہوئے ۱ خضر علیہ السلام ۲ شیث ۳ یوشع ۴ حزقیل علیہم السلام اور چوتھے فرلیے اے مرشدِ کل ہادیٔ سُبل اُمّی معلّمِ باطنی مفکرِ قلبی ادریسِ لاہوتی دماغِ جبروتی کا بے شک وہ معرفتِ جلال و جمال کی سچی غیبی خبریں سُنانے بتانے سکھانے والا ہے تمام عالمِ اجسام میں اس کو بلند مکانی عطا فرمائی ہم نے یہی سب قواءِ باطنی قوت قلب قوت عقل قوت ضمیرِ روشن قوت نفسِ مطمئنہ قوت روح قوتِ فکر قوت صدرِ مکاشفہ قوت دماغ قوت شعور قوت ذہن جن کو انعاماتِ قوتیہ عطا فرمائے اُن کے خالقِ مالک ربِ قدیر نے یہ سب عالمِ انوارِ آدم کی ذریت ہیں۔ جو بندہ اِن قوتوں کا مطیع ہوگا وہ پسندیدہ اور قربِ بارگاہ کے لائق ہوگا۔ لیکن جو اِن اعضاء و ریشے سے دورانِ کی اطاعتوں سے نفور رہے گا اور ناپسندیدہ افعال اشیاءِ محرمات میں داخل ہوگا اس کو مردودِ ابدی کر دیا جائے گا ایسے بدخصلت لوگوں کے لیے سب دعوے دلیل نامقبول و ناکارہ

صوفیا فرماتے ہیں کہ جو شخص اہلِ معرفت کا لباس اور بھیس اختیار کرے اور صفائی باطن تزکیۂ نفس کا دعویٰ کرے مگر تقویٰ اور اعمالِ شریعت اختیار نہ کرے اور ادریسِ باطنی کی درس گاہ کی پابندی نہ کرے اور کہتا پھرے کہ وہ اعمالِ عبدیت اور شرعی پابندیوں سے آزاد ہو گیا ہے تو ایسا شخص بندۂ ابلیس ہے اور چور ڈاکو زانی سے زیادہ بدتر ہے۔ مقامِ ارفع اُسی مرید کو ملتا ہے جو ادریسِ وقت کا مطیع و متبع ہو کیونکہ ادریسِ باطنی کو ہی مَلِیکِ مُقتدر کی بارگاہ میں مقعدِ صدق کی کرسی عطا ہوتی ہے۔ وَمِمَّنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ وَّمِنْ ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ وَمِمَّنْ هَدَيْنَا وَاجْتَبَيْنَا ۔ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُ الرَّحْمٰنِ خَرُّوْا سُجَّدًا وَّبُكِيًّا ۔ اور عالمِ امثال میں جن خوش نصیبوں کو بصیرت کے نوح نجی کی ہم نشینی میں قَائِمُ اللَّيْلِ وَصَائِمُ الدَّهْرِ بنایا ہم نے اور ہمارے کچھ خوش نصیب بندے ابراہیم قلب کی ہم نشینی اور کچھ روشن ضمیری یعقوبی کی ہم نشینی کی نعمت پا گئے یہی سچی حقیقی آل اور ذریت صادقہ ہے شرب سالکین میں اتباع و اطاعت ہی کا نام آل و ذریت اور اہل و عیال ہے جو شخص متبع نبوت نہیں وہ ذریت۔ عترت آل و اہلِ بیت کہلانے کا حقدار نہیں۔ ان ہی مردانِ طلب اور مسافرانِ شوق و جذبہ میں کچھ ایسے خوش بخت و بامراد ہیں جن کی اطاعت شعاری نے قبولیتِ بارگاہ سے قربِ جمالی کی صلاحیت پالی تو ہم نے ان کو ہدایتِ اکبریہ عطا فرما کر مقرّبِ اِلَی اللہ کر لیا۔ اور کسی جوہرِ خالص کو ہم نے اپنی بارگاہِ قدسیہ کے لیے چن لیا۔ ان سب کی شان و علامت یہ ہے کہ جب ان کے سامنے صفاتِ رحمٰن کی آیتِ معرفت کا نزول ہوتا تو یہ مسعودین و مخلصین اپنے قلوبِ عاشقین کو عبدیت کی چوکھٹ پر احکامِ ازلیہ کے تسلیم و رضا کے سجدوں میں گرا دیتے ہیں قوتِ سمع کے آنسوؤں سے عشق و محبت کی آگ میں وجودِ فانی کو پگھلا کر خود جذبات سے روتے ہوئے۔ یہ نفوسِ مبارکہ کائناتِ انسانیت کے لیے عرشِ لامکانی و فرشِ بے زمانی کے وسیلۂ عظمیٰ ہیں کیونکہ اہلِ معرفت کو یہ انفاسِ قدسیہ مولیٰ تعالیٰ سے ملاتے ہیں اور ان ہی کے ساتھ کل افکارِ صادقہ کے حشرِ قیامتِ عشاق کے دن رجوعِ اسرار ہوگا۔ سجدے کی چودہ ۱۴ قسمیں ہیں (۱) سجدۂ نماز (۲) سجدۂ شکر (۳) سجدۂ سہو (۴) سجدۂ تلاوت (۵) سجدۂ تحیۃ (۶) سجدۂ تعظیم (۷) سجدۂ استقبال (۸) سجدۂ سُرور (۹) سجدۂ ریاضت (۱۰) سجدۂ ظاہری (۱۱) سجدۂ باطنی (۱۲) سجدۂ عقل (۱۳) سجدۂ قالب (۱۴) سجدۂ کفر۔

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ

پھر پیچھے پیدا ہوئے ان کے بعد ایسی بری نسل والے ضائع کر دیں جنہوں نے تمام عبادتیں

اور ان کے بعد ان کی جگہ وہ ناخلف آئے جنہوں نے نمازیں گنوائیں

وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ﴿۵۹﴾ اِلَّا

(بدنی) اور بری خواہشات کے پیچھے لگے تو عنقریب پائیں گے وہ برا بدلہ۔ مگر

اور اپنی خواہش کے پیچھے ہوئے عنقریب دوزخ میں غی کا جنگل پائیں گے۔ مگر

مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ

جو ان سے توبہ کر گیا اور ایمان لایا اور نیک کام کرتا رہا۔ تو وہی لوگ

جو تائب ہوئے اور ایمان لائے اور اچھے کام کئے تو یہ لوگ

يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ﴿۶۰﴾ جَنّٰتِ

داخل ہوں گے جنت میں اور نہ ظلم کئے جائیں گے وہ کچھ بھی ذرہ بھر۔ بیشک دائمی رہائش کے

جنت میں جائیں گے اور انہیں کچھ نقصان نہ دیا جائے گا۔ بسنے کے باغ

عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ

باغ وہ ہیں جن کا وعدہ فرمایا اللہ رحمٰن نے اپنے عبادت گزاروں سے غیبی فرمان کے ذریعہ

جن کا وعدہ رحمٰن نے اپنے بندوں سے غیب میں کیا

اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا ﴿۶۱﴾ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا

بے شک شان یہ ہے کہ اس کا وعدہ یقیناً آنے والا ہے۔ نہیں سنیں گے جنتی اس جنت میں

بے شک اس کا وعدہ آنے والا ہے۔ وہ اس میں کوئی بیکار بات نہ سنیں گے

لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ؕ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيْهَا بُكْرَةً

کوئی بری بات ہاں صرف سلامتی کی آوازیں۔ اور ہو گا ان کے لیے ان کا کھانا اس میں صبح سویرے

مگر سلام ۔ اور انہیں اس میں اُن کا رزق ہے صبح

وَّعَشِيًّا ﴿۶۲﴾

اور رات کے کھانے جیسا

و شام

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کے ایمان افروز زمانوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیتِ کریمہ میں ان کے بعد آنے والی غافل اور بدکار نسلوں کا تذکرہ ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اُن ہستیوں کا ذکر ہوا جن پر رب تعالیٰ نے بلا وسیلہ انعام فرمایا۔ اب ان آیت میں اُن نیک بختوں کا ذکر ہو رہا ہے جو ان ہستیوں کے متبع فرمان ہو کر ان کے وسیلے سے کامیابیوں کامرانیوں کے انعامات پا گئے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں مَكَانًا عَلِيًّا کا ذکر ہوا جو جنت میں ایک جگہ ہے اب ان آیت میں مقام غَيًّا کا ذکر ہو رہا ہے جو جہنم کا ایک خطرناک حصہ ہے۔ پہلی جگہ فرمانبرداروں کی دوسری نافرمانوں کی۔

تفسیر نحوی فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا ۔

فَ ابتدائِ کلام بمعنی ثُمَّ یا بمعنی واؤ ترتیبی۔ خَلَفَ بابِ نصر کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب خَلْفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیچھے آنا بعد میں ہونا کسی کا جانشین اور خلیفہ بننا۔ یہاں پہلے معنی مراد ہیں مِنْ جارّہ زائدہ بَعْدِ اسم ظرف زمانی اسماءِ ظروف میں سے ہے جب یہ مضاف ہو تو معرب ہوتا ہے یہاں یہی ہے اور جب مفرد (اکیلا) ہو تو اکثر رفع پر مبنی ہوتا ہے کبھی کبھی منصوب تنوینی ہوتا ہے هِمْ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع ذریت ہے۔ یہ جار مجرور مرکب اضافی متعلق ہے خَلَفَ کا خَلْفٌ اسم مفرد جامد واحد مذکر ہے مگر جمع اور مؤنث کے لیے بھی مستعمل ہے یہاں جمع مذکر کے لیے ہے بمعنی اولاد۔ نسل۔ پیروکار مقتدی متبعین۔ اس کو تین طرح سے پڑھا گیا ہے اور ہر اعرابی وزن کا علیحدہ ترجمہ ہے ۱ خَلْفٌ

بمعنی بری اولاد اور نسل یہاں یہی مراد ہے ۲ خَلَفٌ بمعنی اچھی اولاد نیک نسل ۳ خِلفٌ بمعنی آگے پیچھے مسلسل قطار در قطار چلنے والے آنے والے۔ یا بمعنی پیرو کار متبعین یہ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے خَلَفَ کا مگر اگلی ترکیب میں تین قول ہیں ۱ یہ موصوف اور اَضَاعُوا کا جملہ صفت یہ قول درست ہے ۲ یہ مُبدَل منہُ ہے اَضَاعُوا بدل ۳ یہ دونوں عطف بیان ہیں مگر یہ دونوں قول غلط ہیں۔ صفت بدل۔ اور عطف بیان میں فرق یہ ہے کہ اگر پہلا لفظ یعنی متبوع کا معنی اور حالت دوسرے لفظ یعنی تابع میں پائی جائے اور تابع اپنا معنی متبوع میں ظاہر کرے تو صفت موصوف ہیں مرکب توصیفی کے ذکر میں مقصود موصوف ہوتا ہے نہ کہ صفت ۲ مبدَل منہ اور بدل میں مقصود بیان کرنا تو بدل تابع ہی کا ہوتا ہے۔ تابع یعنی بدل کی طرف وہی منسوب ہوتا ہے جو متبوع کی طرف منسوب ہوتا ہے ۳ عطف بیان میں پہلا یعنی متبوع ہی مقصود ہوتا ہے مگر وہ مشہور نہیں ہوتا تو تابع مشہور کو بلایا جاتا ہے تاکہ سننے والے کو تعارف ہو جائے۔ خَلَفٌ موصوف اَضَاعُوا۔ باب افعال ماضی مطلق جمع مذکر غائب ضَیْعٌ سے بنا ہے بمعنی خراب کرنا۔ ضائع کرنا۔ ہلاک کرنا۔ بیکار کام کرنا۔ یہاں سب معنی ٹھیک ہیں اس کا مصدر ہے اِضْیَاعٌ اور اِضَاعَۃٌ اس کا فاعل ھُم ضمیر پوشیدہ کا مرجع خَلَفٌ ہے اَلصَّلوٰۃَ اسم مفرد جامد واحد مؤنث لفظی۔ مراد ہے تمام بدنی عبادات خاص کر ذکر اذکار والی عبادات۔ الف لام استغراق ہے مفعول بہ ہے۔ اَضَاعُوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واوٗ عاطفہ۔ اِتَّبَعُوا باب افتعال فعل ماضی مطلق جمع غائب۔ اس کا مصدر اِتِّبَاعٌ۔ پیچھے چلنا۔ نقشِ قدم لینا۔ بلا سوچے چلنا۔ تَبْعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے ہونا یہ مصدر متعدی ہے اور مادہ لازم ہے۔ الف لام عہد خارجی شَہَوَاتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے شَہْوَۃٌ بمعنی بری خواہشات بحالت نصب ہے کسرہ آیا اس لیے جمع مؤنث کا اعراب یہی ہے کہ نصب و فتحہ اور کسرہ میں کسرہ ہی ہوتا ہے مفعول بہ ہے اِتَّبَعُوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف سب عطف مل کر صفت ہے خَلَفٌ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے خَلَفَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ فَسَوْفَ فَ تعقیبیہ یا عاطفہ دو قول ہیں۔ اگر تعقیبی ہو تو یہ جملہ علیحدہ ہے اگر عاطفہ ہو تو یہ جملہ معطوف ہے خَلَفٌ پر۔ ہم نے فَ تعقیبی مانا ہے۔ سَوْفَ حرف تقریب اس کے اوّل میں فَ تعقیبیہ عاطفہ جزائیہ بھی ہر طرح کی آجاتی ہے اور لام تاکیدی آجاتا ہے جیسے وَلَسَوْفَ۔ یہ فعل مضارع پر آتا ہے اور اس کو مستقبل کر دیتا ہے اس میں زمانے کی درازی زیادہ ہوتی ہے وعدے کے لیے آتا ہے اور وعید کے لیے بھی یہاں وعید کے لیے ہے۔ یَلْقَوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع معروف جمع مذکر غائب۔ لَقِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی ملنا۔ ملاقات کرنا۔ پانا

غَیًّا اسم فعل ہے یعنی لفظاً اسم جامد ہے معناً فعل عربی میں اسماءِ افعال کل چودہ ہیں جن میں سے چھ عدد بمعنی ماضی واحد غائب ہیں ۱ اُفٍّ ۲ اوہ ۳ وائے ۴ غَیًّا ۵ ھیھات ۶ شتان۔ اور گیارہ عدد بمعنی امر حاضر واحد مذکر ہیں ۱ امین ۲ رُوَیْدَہ ۳ ھَیہ ۴ فَعَالِ ۵ نَزَالِ ۶ قَوَامِ ۷ تَعَادِ ۸ بلاہ ۹ عَلَیْکَ ۱۰ حَیَّعَلَ ۱۱ سَرْعَانَ۔ کُل دونوں کی تعداد سترہ عدد ہوئی۔ غَیًّا کا ترجمہ ہے شریر ہو گیا۔ شر پسند۔ گمراہ۔ یہاں مراد ہے جہنم کا ایک میدان سبب بول کر مسبّب مراد لیا گیا کیونکہ گمراہی سبب ہے جہنم پانے کا۔ اہل عرب شر کے لیے غَیًّا اور خیر کے لیے رَشَادًا بولتے ہیں یہ مفعول بہ ہے اِلَّا حرفِ استثنیٰ یَلْقَوْنَ کا فاعل ھُمْ مستثنیٰ منہ ہے۔ مَنْ اسم شرطیہ موصول تَابَ نصر کا ماضی معروف تَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹ آنا۔ بندہ بن جانا توبہ کرنا۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰمَنَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد فاعل ھُوَ پوشیدہ دونوں ھُوَ ضمیروں کا مرجع مَنْ ہے اس کا مصدر ایمان اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنی مان لینا اللہ کے دین کو۔ اٰمَنَ میں آجاتا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر عطف عَمِلَ باب سَمِعَ کا ماضی فاعل پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے صَالِحًا۔ اسم فاعل باب ضرب صَلَحٌ سے مشتق ہے لازم ہے بمعنی اچھے ہوتا نیک ہونا مفعول بہ ہے ترجمہ ہے اچھے کام یہ بھی جملہ ہو کر معطوف ہے تینوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ موصولہ شرطیہ کا فَ جزائیہ اُولٰٓئِکَ۔ اسم اشارہ مبتدا یَدْخُلُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع مستقبل جمع مذکر غائب دَخُلٌ سے بنا ہے ھُمْ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اُولٰٓئِکَ ہے اور اُولٰٓئِکَ کا مشار الیہ مَنْ ہے۔ لفظِ مَنْ چونکہ لفظاً واحد ہے اس لیے تَابَ۔ اٰمَنَ۔ عَمِلَ واحد فعل آئے اور معناً جمع کے لیے ہوجاتا ہے اُس لحاظ سے اُولٰٓئِکَ جمع اشارہ آیا اَلْجَنَّۃَ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی بہشت اُخروی اچھا عالَم اعلیٰ مقام۔ مفعول فیہ ہے یَدْخُلُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ لَایُظْلَمُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مجہول جمع غائب۔ شَیْـًٔا۔ اسم مفرد نکرہ بمعنی کوئی چیز۔ کچھ۔ ذرہ بھر۔ مفعول بہ دوم پہلا مفعول ھُمْ ضمیر پوشیدہ نائب فاعل بن گیا ہے۔ لَایُظْلَمُوْنَ اپنے نائب فاعل اور مفعولِ دوم سے مل کر جملہ فعلیہ منفیہ خبریہ ہو کر معطوف۔ دونوں عطف مل کر خبر مبتدا جملہ اسمیہ ہو کر جزا۔ شرطیہ مَنْ اور جزا مل کر مستثنیٰ ہوا یَلْقَوْنَ کے فاعل کا یَلْقَوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ جَنّٰتِ عَدْنِ ﹰالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا وَلَھُمْ رِزْقُھُمْ فِیْھَا بُکْرَۃً وَّعَشِیًّا۔ جَنّٰتِ اسم جمع مؤنث اس کا واحد ہے جَنَّتٌ۔ بمعنی چھپا ہوا۔ پوشیدہ باغ۔ دنیا میں چار دیواری والے باغ کو جنّت کہا جاتا ہے۔ اصطلاحاً اچھے لوگوں کے اُخروی دائمی ٹھکانے کو جنت کہا جاتا ہے کیونکہ انسانوں کی نگاہ سے قطعاً پوشیدہ ہے بجز انبیاء علیہم السلام

اور ملائکہ کے کسی مخلوق نے نہیں دیکھا۔ نہ قیامت سے یا موت سے پہلے کوئی انسان دیکھ سکے۔ چونکہ جنتیں آٹھ علاقوں میں منقسم ہیں اس لیے جنّٰت فرمایا گیا۔ بحالتِ نصب ہے اس لیے کہ اِنَّ پوشیدہ کا اسم ہے یا اس لیے کہ پہلی آیت یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ کا بدل اشتمال ہے مگر اعلیٰ حضرت نے اس کو علیحدہ جملہ بتایا اس لیے اِنَّ پوشیدہ مانا گیا۔ ایک قول میں مرفوع ہے خبر ہے مبتدا محذوف کی مضاف ہے اس لیے بحالتِ فتحہ ایک کسرہ آیا عَدْنٍ۔ یہ مصدر ثلاثی (مادہ) ہے بمعنی ہمیشہ رہنا۔ دائمی بسنا۔ ٹھیرنا ایک قول میں یہ اسم جامد ہے اور جنتوں کے ناموں میں سے ایک حصے کا نام۔ دونوں قول درست ہیں عدن مضاف الیہ مرکبِ اضافی اسمِ اِنَّ اَلَّتِیْ۔ اسم موصول مؤنث واحد۔ وَعَدَ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق اَلرَّحْمٰن۔ اسم مبالغہ ہے بروزنِ فَعلان شبعان۔ ندمان۔ لغتِ عربی سے ہے رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی عام رحم کرنے والا بخشنے والا صفت خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی۔ عِبَادَہٗ۔ اسم جمع مکسر مذکر ہے عَبْدٌ کی بمعنی عبادت گزار لوگ ہٗ ضمیر کا مرجع رحمٰن ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے بِالْغَيْبِ یہ جار مجرور متعلق ہے وَعَدَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّتِیْ موصول اپنے صلے سے مل کر خبرِ اِنَّ عَدْنٍ میں یہاں چھوٹی نون تنوینی ہے جو تنوین کی حفاظت اور لام سے جڑنے کے لیے آئی۔ اِنَّ پوشیدہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّہٗ۔ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر شان اِنَّ لغو ہے کَانَ فعل ناقصہ وَعْدُہٗ مرکبِ اضافی اس کا اسم ہے۔ مَاْتِیًّا۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم مفعول اور واحد مذکر بمعنی اسم فاعل اَتْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنے والا اسم مفعول کو استعمال فرمایا گیا یقین ثابت کرنے کے لیے ہے کہ یہ آنے والا شل آئے ہوئے کے ہے گویا آہی چکا۔ دراصل مَاْتُوْیٌ تھا واؤ کو ی بنایا دونوں یاؤں کو ادغام کیا اور ضمّہ کو کسرہ بنا دیا ہو گیا مَاْتِیًّا یہ خبرِ کَانَ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ۔ فعل مضارع منفی مستقبل جمع غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر فاعل فِیْھَا بمعنی اُس جنتِ عدن میں متعلق ہے۔ لَغْوًا مستثنیٰ منہ اِلَّا حرفِ استثنیٰ بمعنی مگر سَلٰمًا۔ اسم مصدر ہے۔ بمعنی امن چین سلامتی۔ ہر عیب سے پاک ہر مصیبت سے بچا ہونا یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں سے بھی ایک نام ہے بمعنی ہر عیب سے پاک۔ یہاں مصدری معنی میں ہے یہ مستثنیٰ منقطع ہے کیونکہ مستثنیٰ منہ میں شامل نہیں۔ سب استثنیٰ مل کر مفعول بہ لَا یَسْمَعُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ یَكُوْنُ فعل مضارع تامّہ پوشیدہ ہے لَھُمْ جار مجرور متعلق اوّل ہے رِزْقُھُمْ مرکبِ اضافی ترجمہ ہے اُن کی خوراک یہ فاعل ہے یَكُوْنُ پوشیدہ کا۔ فِیْھَا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ بُكْرَةً معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَشِیًّا معطوف دونوں مل کر ظرفِ زمانی ہوا یَكُوْنُ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامّہ خبریہ ہو گیا۔ بُكْرَةً اور عَشِیًّا دونوں صفت مشبہ ہیں۔ بروزنِ فُعْلَةٌ اور بروزنِ فَعِیْلًا۔ بُكْرَةً

یعنی دن کا شروع ابتدائی وقت یعنی سحری یا ناشتہ۔ عَشِیًّا مغرب سے عشاء تک کا وقت۔ اور مراد ہے رات کا کھانا۔ تشبیہ ہے دنیا کے کھانوں کے وقفے سے ورنہ جنت میں وقتِ عشا نہیں ہوگا۔ نہ ہی اندھیرا۔

تفسیر عالمانہ

فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۙ اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْـًٔا

انبیاءِ کرام علیہم السلام کا وجودِ بعثت بہارِ زمین ہے کہ جب تک یہ مقدس ہستیاں جلوہ افروز رہتی ہیں اُس وقت تک زمین پر صلحاء کے پھول علماء کے غنچے اور اولیاء کے پھل عرصۂ فرش کو عرش بنائے رکھتے ہیں اذانیں نمازیں عبادتیں ریاضتیں مکاشفے مراقبے ان ہی آقاؤں کے قدوم میمنت کی برکتوں سے ہیں ان کے وجود سے زمین چمنِ بہاری ہے۔ لیکن جو خطہ بھی ان کے فیوضاتِ بعثت سے خالی ہوا بس وہیں اِس انسانی مخلوق نے حیوانیت کا بھیس بدلا۔ اور زمینِ فرشی کو جنگلی جھاڑ جھنکاڑ بنا دیا۔ یہی وجہ ہے کہ فَخَلَفَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ۔ جو لوگ ان کے وجودِ مسعود کے بعد دنیا میں آگئے یا جو ان کی تعلیم سے نفع نہ پا سکے اور بدنصیبی سے پیچھے ہی ہٹتے رہے انہوں نے اِسی زمینِ پُر بہار کو جس میں نمازوں کی کلیاں اذانوں کی مہک ذکرِ الٰہی کی صدائیں گونجتی تھیں اُن ظالموں نے بے تمیزی کی جھنجھ دھاڑ بدمعاشی کا فساد اور ترکِ نماز کی نحوست پھیلا دی۔ اور شہواتِ ابلیسیہ خواہشاتِ نفسانیہ کے پیچھے لگ گئے اس لیے کہ ان کو کوئی بتانے سمجھانے والا ہزاروں والدین سے زیادہ شفقت و محبت پیار کرنے والا محسنِ قوم نبی رسول نہ تھا جو ان کی گستاخیاں بے ادبیاں بد زبانیاں سُن کر بھی پیار سے پُچکارتا مسکرا کر بلاتا۔ گالیاں سن کر بھی دعائیں دیتا بستیوں کی راتوں میں بیابانوں کی غاروں میں عجز کے سجدوں میں اللہ تعالیٰ سے اُمت کی بخشش کی دعائیں مانگتا۔ روتا گڑگڑاتا۔ رب کریم کے حضور فریادیں کرتا اور اُمت فاسقہ فاجرہ کافرہ کے لیے معافی مانگتا اور توفیقِ توبہ و ہدایتِ ایمان کی التجائیں کرتا۔ اور اپنی نافرمان امت کو بتاتا کہ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔ دنیا میں کتنی بھی فحاشی بدمعاشی آوارہ گردی کر لیں اللہ تعالیٰ جبار و قہار کی پکڑ سے نہ بچ سکیں گے۔ پس عنقریب بعدِ قیامت ان ہی حرمستیوں کی کفریہ حرکتوں کے بدلے و سزا میں جہنم کی وادیِ غیّ میں گر پڑیں گے خلف سے مراد یہودی عیسائی ہیں ایک قول میں قریبِ قیامت کے مسلمان یہاں البتہ وہ خوش نصیب افراد جنہوں نے تعلیمِ نبوت کی ہدایت سے ترکِ نماز اور تمام بدعملیوں گناہوں فسق و فجور سے سچی پکی توبہ کر لی اور شہواتِ نفسانی کے کفریات اور بدعقیدگی سے نفرت کرتے ہوئے صدقِ دل سے ایمان قبول کر لیا اور پھر یہ دونوں گروہ تائبین و مومنین اعمالِ صالحہ

کریں اور پوری زندگی اسی پاکیزگی میں گزاریں تو وہ سب لوگ جنتوں میں ابدی دائمی حیاتِ طیبہ کے ساتھ رہائش پائیں گے اور سابقہ گناہوں یا کفریات کا بدلہ نہ لیا جائیگا بلکہ ان کی زندیوں لمہات کی توبہ اور تجدید ایمان کی وجہ سے سابقہ گناہ و کفریات مٹا دیئے جائیں گے اور اعمالِ صالحہ اور ان کے ثواب میں ذرہ بھر ظلم اور کمی نہ کی جائے گی۔ یہاں چھ چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ۱۔ نماز کو ضائع کیا یا انکار کر کے کافر ہوئے یا نمازوں کی فرضیت پر تو ایمان لائے مگر بے رغبتی اور ترکِ نماز سے فاسق ہوئے یا بے وقت اور غلط پڑھ کر فاجر ہوئے یا نماز تو صحیح پڑھی مگر غیبت چغلخوری حسد بغض کر کے اپنے اعمال نیکیاں برباد کر کے خاسر ہوئے یہ تمام صورتیں نماز کو ضائع کرنے کی ہیں ۲۔ خواہشاتِ نفسانی میں پڑ گئے سب سے بڑی خواہش نفس کفر و شرک ہے ۳۔ غیّا میں ڈالے جائیں گے۔ دنیا میں بھی غیّ ہے اور آخرت میں بھی دنیوی غی۔ ذلت خسارہ اور شر ہے۔ اُخروی غی۔ جہنم کی ایک سب سے نیچے وادی جس کے سخت عذاب سے دوزخ کے دوسرے طبقے بھی پناہ مانگتے ہیں یا جہنم کا ایک کنواں بہت ہی گہرا یا جہنم کی ایک بڑی نالی جس میں جہنمیوں کی پیپ و خون بول براز اور اس کی بدبو کا عذاب ہوگا۔ کفار کو دنیا میں بھی غی اور آخرت میں بھی یہ تین چیزیں کفار کی ہیں تین چیزیں مومنین کی مذکور ہوئیں ۱۔ سچی توبہ ۲۔ ایمانِ صادق ۳۔ اعمالِ صالحہ یہاں بدکاروں کی بدعملیوں میں سب سے پہلے بربادیٔ نماز کا ذکر فرمایا گیا۔ اس لیے کہ ایمان کے قالب میں شل ریڑھ کی ہڈی نماز ہے ۱۔ نماز تمام عباداتِ اسلامیہ کا مجموعہ ہے اس میں کلمہ بھی ہے زکوٰۃ بھی روزہ بھی حج بھی عبادتِ بدنی بھی مالی بھی شریعت بھی طریقت بھی خلوت بھی جلوت بھی مراقبہ بھی مکاشفہ ترکِ دنیا بھی مجاہدہ بھی ۲۔ نماز بندگی کا اصل مقام ہے ۳۔ بندگی اتباعِ نبوت کا نام ہے اور اتباع نام ہے نقشِ نبوت کا ۴۔ نماز معراجِ مومن اس لیے ہے کہ اس کے ذریعے بندے کا اللہ تعالیٰ سے ظاہری عملی اور باطنی قلبی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ترکِ نماز سے دینوی اور اُخروی نقصانات پہلا یہ کہ اُمت کے زوال کا پہلا قدم دوم۔ ترکِ نماز سے نقشۂ نبوت ختم ہیں جب یہ نقشہ پاک ختم تو اتباعِ نبوت ختم چہارم۔ اور جب اتباع ختم تو عبادت و بندگی ختم۔ پنجم اور جب بندگی ختم تو تعلق باللہ ختم ششم جب بندے کا اللہ تعالیٰ سے تعلق ختم ہو گیا تو تصور ذاتِ الٰہی یعنی اللہ تعالیٰ ذات و صفات کا خیال و یقین سب کچھ ختم ہو گیا ہفتم جب یقینِ ذاتِ باری ختم تو پورے ایمانی معاشرے کا بگاڑ شروع ہشتم ترکِ نماز سے انسان میں پانچ عیب پیدا ہو جاتے ہیں ۱۔ آزادی کی بیماری۔ انسان اس دنیا میں مثل بکری ہے اور ابلیس (شیطان) اُس کا شکاری بھیڑیا۔ نماز حفاظت کا باڑہ ہے بکری جب ریوڑ سے باہر آزاد و آوارہ ہو تو بھیڑیے کا شکار بن جاتی ہے۔ نماز مومن کو شیطان سے بچاتی ہے ۲۔ ترکِ نماز گناہوں کا دروازہ کھول دیتا ہے ۳۔ آوارگی بدمعاشی بدچلنی اور

پلیدی پیدا ہوتی ہے۔ ۴ ترکِ نماز گندگی کی عادت ڈالتی ہے اور گندگی سے بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ۵ ترکِ نماز سے انسان شہواتِ نفسانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ شہوات کا آخری مقام کفر ہے گویا کہ ترکِ نماز کا دنیوی نتیجہ اور انجام کفر ہے اور اخروی انجام یَلْقَوْنَ غَیًّا ہے غَیًّا۔ فرماکر سات چیزوں کو بیان فرمایا اوّلاً جہنم پھر اُس کی کیفیت پھر نوعیت پھر حالت پھر رہائش دائمی پھر وہاں کی گفتگو، اور وہاں کی دوزخی خوراک یہ سب کچھ اشارۃً بیان فرما دیا گیا اس لیے کہ بُری اشیا کی تفصیل ضروری نہیں ہوتی چونکہ ان کا کفر دنیا میں لذاتِ شہوات ہے اس لئے ان کا عذاب بھی آخرت میں جہنم غَیًّا ہے شہوات کی دو قسمیں ہیں ۱ شہواتِ ھَوٰی یہ ہمیشہ نفسِ امارہ کی طرف سے ہوتی ہیں شہواتِ ھَوٰی سات قسم کی ہیں ۱ شراب نوشی ۲ حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر لینا ۳ بلا دلیل باتیں و عقیدے بنانا ۴ ہر وہ چیز جو نماز اور عبادت و ذکر اللہ سے روکے ۵ پہلے زمانوں کے یہودیوں اور عیسائیوں نے حرام کو حلال کیا کہ سگی بہن اور سگی بھتیجی سے نکاح حلال کیا ۶ آج کل پیروں و پیرزادوں نے کھیل کود، ریس جوا اور فوٹو بُت سازی کو جائز سمجھ لیا ۷ مولیٰ علی نے فرمایا کہ فخریہ عمارتیں خوشنما سواریاں فیشن کے لباس بھی شہواتِ ھَوٰی ہیں۔ جب وہ شہوات میں پڑ گئے تو اپنے بزرگوں کی جسمانی روحانی میراث سے محروم ہو گئے یہی خسارہ ہے آج بھی ایسا ہی ہے کہ پیری مریدی بہت ہے مگر روحانی قوت ختم ہے ۲ شہواتِ ھُدٰی یہ ہمیشہ اچھی ہوتی ہیں یا عقلِ سلیم کی طرف ہوتی ہیں۔ خوش قسمت ہے وہ بندہ جس نے اپنی دنیا میں توبہ کر لی ایمان کامل کر لیا اور اعمالِ صالحہ سے خود کو مزین کر لیا۔ ایسے خوش نصیبوں کا پہلا انعام لَا یُظْلَمُوْنَ شَیْئًا دوسرا انعام۔ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِیْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَہٗ بِالْغَیْبِ۔ تیسرا انعام۔ اِنَّہٗ کَانَ وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا۔

چوتھا انعام - لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا - پانچواں انعام - وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا - وہ مقبولِ بارگاہ جو دنیوی زندگی میں عاملین کاملین صادقین صالحین عاجزین بن کر رہے اور جنہوں نے حقیقتِ عبادات کا اہتمام کیا ان کو رب تعالیٰ کی طرف سے یہ پانچ انعامات عطا ہوں گے حقیقتِ عبادت آٹھ چیزیں ہیں پہلی چیز یہ کہ عبادت کو قُرۃِ عین سمجھ کر ادا کی دوم ذوق سے ۳ شوق سے ۴ خشوع سے ۵ خضوع سے ۶ عجز سے تمام عبادات ادا کیں ۷ عبادات خاص کر نماز کو غذاءِ قلب اور معراجِ روح جانا ۸ عبادات میں تہذیب آداب و اصول کا خیال رکھا۔ ایک نماز ہی وہ عملِ صالحہ ہے جو انسان کو مکمل طور پر مہذب بناتی ہے تہذیب کی پانچ قسمیں ہیں ۱ پاکیزگی ۲ پابندی ۳ زینت ۴ خوراک کی دیکھ بھال ۵ لباس کی تکمیل

نماز کا مکمل لباس یہ ہے کہ سر سے قدم تک بجز تین اعضا کے کچھ نہ کھلا ہو۔ صرف قدم ہتھیلی اور چہرہ کے باقی سب جسم ڈھکا ہوا ہی ہے ننگے سر نماز مکروہ تحریمی ہے جو ننگے سر نماز پڑھے اُس نے اپنی نماز ضائع کردی صحیح نماز پڑھنے سے بندہ اپنے رب تعالیٰ کے چار حقوق ادا کرتا ہے ۱۔ سنت ۲۔ واجب ۳۔ فرض ۴۔ مستحبات و مندوبات۔ نماز ایمان کا جوہر یعنی عرق ہے جس نے نماز ضائع کی اُس نے اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا اور اللہ تعالیٰ سے دور ہوا اور جس نے شہواتِ نفسانیہ کی اتباع کی اس نے شیطان کو خوش کیا۔ عبادت خدا پرستی ہے شہوات شیطان پرستی ہے جنت کی پہلی نعمت یہ ہے کہ کسی مومن پر ظلم نہ ہوگا یعنی بلاوجہ نہ کسی کے اعمال کم ہوں گے نہ ثواب ظلم کے معنیٰ یہاں کمی کرنا ہے میدانِ محشر میں کسی بندے کے اعمال میں کمی تب ہوگی جب اُس پر حقوق والعباد واجب ہوں اور ثواب میں کمی تب ہوگی جب اُس کے خلوص میں کمی و غلطی ہوا ور ثواب کی یہ کمی بھی عدل ہوگا نہ کہ ظلم جنت کی دوسری نعمت جَنّٰتِ عَدْنٍ ہے یہ جنت کا ایک اعلیٰ طبقہ ہے یہاں چار قسم کے لوگ نہیں جا سکتے۔ سود خور، شرابی، والدین کا نافرمان، جھوٹی گواہی دینے والا عدن کا معنیٰ ہے دائمی ملکیتی رہائش اسی معنیٰ کی بنا پر مفسرین نے یہ بھی فرمایا کہ عدن نام نہیں بلکہ پوری جنت کی صفت ہے۔ رب تعالیٰ نے توبہ کرنے ایمان لانے اور اعمالِ صالحہ کرنے والوں کو عِبَادَہٗ کے پیارے لقب سے نوازا یہ عطاءِ شرفیت ہے اور اسی سے مخلصین مراد ہیں ان ہی پیاروں کے لیے جنت وہ جو عدن ہے اور ایسی جنت کے لیے ایمان کونسا جو بالغیب ہے سب سے عظیم خوشخبری وَعْدُہٗ مَاْتِیًّا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے یقیناً حق سچ کے ساتھ آنے والے ہیں یہ خوشخبری دنیا میں بھی سنائی گئی اور میدانِ محشر میں بھی سنائی جا گی جنت میں عظیم نعمت سَلَام ہے سلام یعنی سلامتی و حفاظت، سلامتی تو جان و جسم ایمان کی ہوگی اور حفاظت جنت کی اور اُس کی تمام چیزوں لباس رہائش خوراک آرام و سکون لذت عزت عظمت کی ہوگی دنیا میں ہر انسان کو نو نعمتیں ملیں ۱۔ دیکھنے کی نعمت ۲۔ سونگھنے کی ۳۔ چکھنے کی ۴۔ پکڑنے کی ۵۔ چلنے کی ۶۔ چابنے کی ۷۔ سمجھنے کی ۸۔ بولنے کی ۹۔ سننے کی ان میں سب سے بڑی دو نعمتیں ہیں اوّلاً سننے کی نعمت دوم بولنے کی ان پر ہی تمام ایمانیات اسلامیات عبادات دینیات دنیویات عقلیات فکریات کا دارومدار ہے بلکہ انسانیت کے پورے معاشرے پر ان دونوں کا اثر ہے اگر یہ دونوں اچھی ہوں تو زندگی کا پورا ماحول مہذب، پاکیزہ اور صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اور افراد و اقوام سَلِیْمُ الطَّبْع و سنجیدہ ہوتے ہیں اور اگر یہ دونوں بولنے اور سننے کی قوتیں بُری ہو جائیں تو معاشرے کا پورا ماحول گندہ، بیہودہ، فضول اور بدتمیز بدتہذیب

ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ سے جھوٹ، غیبت، گالی، گلوچ شرارت فتنہ فساد بغض حسد، گندگی۔ شہوتیں جنم لیتی ہیں فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جنت میں بولنا بھی سچا ہوگا اور سننا بھی اچھا، وہ بھی سلامًا۔ یہ بھی سلامًا۔ مگر جہنم میں یہ دونوں چیزیں بُری ہوں گی۔ اس لیے یہی دونوں جنت میں نعمت ہیں اور جہنم میں عذاب، جنت میں عمدہ سلام اور جہنم میں بیہودہ کلام ایک قول میں اِلَّا سَلٰمًا کا استثنیٰ منقطع ہے یعنی جنت میں لغو بیہودہ بیفائدہ کلام نہ ہوگا بلکہ نہایت پاکیزہ مہذب مفید شائستہ با اخلاق محبت وخلوص کا کلام ہوگا۔ یہ ہی قول درست ہے بعض نے فرمایا یہ استثنا متصل ہے یا اس لیے کہ سلام ایک دعا ہے اور جنت میں دعا بیکار و لغو ہے یعنی جنت میں فقط یہی ایک غیر مفید کلام ہوگا اس کے علاوہ کوئی غیر مفید نہ ہوگا یا اس لیے اس کو لغو کہا گیا کہ جنت میں ایک دوسرے کو سلام کرنا مثل تکیہ کلام ہو جائے گا کہ بلا ارادہ نکلا کرے گا۔ عربی محاورے میں ہر ایسے کلام کو لغو کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہ دنیا میں بعض لوگوں کے منہ سے بلا ارادہ قسمیں نکلتی رہتی ہیں۔ مثلاً واللہ ایسا ہوا واللہ ویسا ہوا۔ ایسی قسموں کو بھی یمینِ لغو کہا جاتا ہے۔ جنت کا پانچواں انعام بُكْرَةً وَّعَشِيًّا کا رزق ہے۔ قرآن کریم نے جنت کی تین خوبیوں کا ذکر فرمایا ایک جگہ ارشاد ہوا۔ وہاں سونے چاندی کے زیور پہنائے جائیں گے۔ دیگر آیت میں سُرُرًا اور عَلَى الْاَرَآئِكِ کا ذکر ہے کہ جنتی لوگ خوبصورت تختوں اور مسہریوں پر بیٹھا کریں گے اور آپ یہاں ارشاد ہوا کہ ان کو صبح شام کی شکل رزق ملا کرے گا اس کی وجہ یہ کہ دنیا میں اب تک تین قومیں ہوئیں ہیں جو تا قیامت رہینگی۔ پہلی قوم اہلِ یمن یہ دنیا کی پہلی قوم ہے، دوسری قوم اہلِ عجم۔ تیسری قوم اہلِ عرب یمنی لوگ اچھے پلنگوں مسہریوں اور خوشنما تختوں پر بیٹھنا پسند کرتے ہیں۔ اُن کے لیے جنت کی اس نعمت کا ذکر فرمایا گیا اہلِ عجم سونے چاندی کا زیور پسند کرتے ہیں اُن کے لیئے جنت کی اِس نعمت کا ذکر کیا گیا۔ اور اہلِ عرب کھانے پینے کے شوقین ہیں یہاں تک کہ اہلِ عرب کے نزدیک جس کو دو وقت عمدہ کھانا مل جائے وہ منعم و خوش بخت ہے۔ ان کے لیے یہاں بُكْرَةً وَّعَشِيًّا۔ فرمایا گیا۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ انسانِ اولین نہایت مکمل اکمل خوب صورت ذی علم مہذب با اخلاق طیب صالح متقی بلکہ تکمیلِ انسانیت کی اعلیٰ شخصیات نبی اور رسول تھے۔ بدصورتی بد اخلاقی بعد کے لوگوں میں اُن کے گناہوں بدکاریوں شقاوتوں کی وجہ سے ہوئی۔ لہٰذا جو غیر مسلم سائنسدان وغیرہ اور ان کی سُنی سنائی میں چند احمق مسلمان بھی یہ کہتے پھرتے ہیں کہ پہلے انسان بندر تھا یا بندر کی ہم شکل وہ غلط اور اُس کا یہ عقیدہ کفر

ہے۔ خیال رہے کہ گناہ کی رنگت سیاہ ہے اور گنا ہگار فاسق گناہوں کی وجہ سے قلبی سیاہی کے بعد ظاہر میں بد صورت منحوس بدنما و بدشکل ہو جاتا ہے۔ گناہ کی رنگت کا ثبوت حدیث پاک سے ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ حجر اسود جب جنت سے لایا گیا تو سفید تھا جب لوگوں نے اس کو چوما اور اس پھرتے ان کے گناہ جو ستا شروع کئے تو وہ سیاہ ہوتا چلا گیا۔ یہ فائدہ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ ۔ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ نمازوں میں سستی غفلت اور غلطیاں کرنی سب گناہوں کی جڑ ہے یہ فائدہ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ کو سب سے پہلے ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔ بد کاریاں اور کفریات اس کے بعد پیدا ہوتے ہیں لہٰذا ہر مسلمان کو چاہیے کہ اپنی نماز کو ہر طرح سے بچانے کی کوشش کرے نہ اپنے اندر کسی قسم کی غلطی پیدا ہونے دے نہ فاسق فاجر بد عقیدہ امام کے پیچھے نماز پڑھے۔ تیسرا فائدہ کوئی شخص بھی اپنے اعمال پر ناز فخر غرور نہ کرے جنت جس کو بھی ملے گی نبی پاک کی محبت اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ملے گی نہ کہ اپنے عمل سے اعمالِ صالحہ تو اللہ رسول کی خوشنودی کا ذریعہ ہیں یہ فائدہ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ میں لفظ رحمٰن فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مومن پر تین چیزیں واجب ہیں۔ نفرت، محبت، مشغولیت۔ ہر کفر سے نفرت۔ ایمان سے محبت عمل صالحہ میں ہمہ وقت مشغولیت یہ مسئلہ اِلَّا مَنْ تَابَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ تمام مسلمانوں پر عورت ہو یا مرد یہ مذہبی دینی ایمانی فریضہ ہے کہ اپنی زندگی پاکیزہ اور مہذب بنائے فضول اور لغو باتوں بیہودہ کلام اور گالی گلوچ بکواسیات سے بچنا واجب ہے یہ کفر و لغویات مسلمان پر حرام ہیں۔ ہر مسلمان کے دنیوی گھر میں بھی جنت کا ماحول و نمونہ ہونا چاہیے۔ یہ مسئلہ لَا يَسْمَعُوْنَ فِيْهَا لَغْوًا ۔ سے مستنبط۔ رب تعالیٰ نے جنت اور اہلِ جنت کی شان و توصیف بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ وہاں لغو گفتگو نہ ہو گی جس سے اقتضائً ثابت ہوا کہ لغو و لچر گفتگو بری ہے اور ہر بری چیز مسلمان پر حرام۔ بری گفتگو سے نسلوں پر برا اثر پڑتا ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ اگر بندے کو اعمالِ صالحہ کا وقت اور توفیق یعنی ہر قسم کی سہولت ملے پھر بھی بندہ نیکی نہ کرے تو یقیناً سزاء اخروی کے لائق ہو گا اور ضرور سزا ملے گی کسی شفاعت پر بھروسہ نہ کر بیٹھے ضروری نہیں کہ اس کی قسمت میں شفاعت ہو لیکن اگر کسی مسلمان کو اعمالِ صالحہ کا وقت و مہلت ہی نہ ملے تو صرف ارادہ بصدق دلی ہی اخروی نجات اور دخولِ جنت کے لیے کافی ہے۔ جیسا کہ احادیث پاک سے ثابت ہے یہ مسئلہ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا کے بعد وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اِن آیت کا مقصود تو جنتِ عدن کی شان بیان کرنا چاہیئے تھا کہ اُس کی درو دیوار کی شان ذکر کی جاتی صبح شام کے کھانے کا ذکر کیوں کیا گیا؟ **جواب** ہر مکان و مقام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہوتی ہے کہ وہاں رہنے والوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہو۔ اور انسانی تکلیف میں سب سے بڑی تکلیف بھوک پیاس کی ہوتی ہے کہ ہر تکلیف برداشت کی جا سکتی ہے مگر بھوک پیاس برداشت نہیں ہوتی گھر کتنا ہی حسین و مضبوط ہو اگر اس میں رہنے اور آنے والوں کو کھانے نہ ملے تو وہ بیکار و ویران ہے۔ گھر معمولی ہو لیکن رہنے والوں کو عمدہ اور صاف پاکیزہ تازہ اور مکمل پیٹ بھر کھانا مل جائے تو وہی شاہی محل ہے۔ کھانا پینا مہمان خانے کی بھی سب سے بڑی نشانی ہے اور مہمان کی عزت افزائی بھی۔ اس لیئے جنت کی سب سے بڑی خوبی اور عام فہم شان و وقار کا ذکر فرمانا عین حکمت ہے۔ اور بار بار قسم قسم کا کھانا ملنا مزید عزت افزائی ہے اسی لیے بُكْرَةً وَّعَشِيًّا فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ جنت میں صبح دوپہر، شام، رات یہ کچھ نہیں کیونکہ وہاں سورج نہیں ہے۔ یہ سب اوقات تو سورج کی وجہ سے ہیں۔ وہاں جنت میں تو ہر وقت ایک جیسا نورانی بھینی سہانی صبح کا ٹھنڈا سماں ہوتا ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا یعنی اُن اہلِ جنت کے لیے اُن کے جنت میں صبح شام رزق ہے **جواب** مفسرین نے اس سوال کا جواب مختلف انداز اس طرح دیا ہے کہ بُكْرَةً اور عَشِيًّا کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ وہاں صبح اور شام حقیقتاً ہوگی بلکہ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا میں پانچ اقوال ہیں ۱۔ اس سے مراد اتنا وقفہ ہے جتنا وقفہ دنیا میں صبح سے شام تک ہوتا ہے اور یہ دنیا والوں کو سمجھانے کے لیے فرمایا گیا کہ وہ وقفے کا خود ہی اندازہ کریں ۲۔ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا کا ترجمہ تو صبح شام ہی ہے مگر مراد ہمیشگی ہے یعنی اُن کو ہمیشہ ہی کھانا۔ رزق ملتا رہے گا اور یہ تقریباً ہر زبان کا محاورہ ہے کہ صبح شام سے ہمیشگی مراد لی جاتی ہے مثلاً کوئی کہے میں صبح شام گھر میں رہتا ہوں تو مراد ہوتا ہے ہمیشہ رہتا ہوں ۳۔ بعض نے کہا کہ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا سے مراد مطلقاً وقت ہے۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ بُكْرَةً وَّعَشِيًّا کا معنیٰ تو صبح شام ہی ہے مگر مراد ہے ان وقتوں جیسا کھانا۔ یعنی صبح کا کھانا ناشتہ جو عموماً ہلکا ہوتا ہے اور شام کا کھانا جو عموماً بھاری ہوتا ہے اور اپنے اپنے اعتبار سے دونوں مناسب ہوتے ہیں ۵۔ ایک قول یہ ہے جنت میں صبح شام ہوگا مگر سورج کا صبح شام نہیں بلکہ استراحت کا صبح شام جب خدام دروازے بند کیا کریں گے تو اس وقت رات کا سماں ہوگا نہ کہ حقیقی رات اور جب خدام دروازے کھولا کریں گے تو اس سے صبح کا سماں لگے گا۔ اور ان اوقات میں جنتی لوگ آرام کیا کریں گے اور بیدار ہوں گے۔ بہرکیف اعتراض ختم ہوگیا۔ نیز یہ کھانا دو وقت صرف اعزازی طور پر خدام کا پیش کرتا ہے کوئی پابندی کے

پیے نہیں اس کے علاوہ بھی جب دل چاہے گا ہر جنتی جو چاہے کھا پی سکے گا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ
تیسرا اعتراض: تارکِ نماز کافر ہو جاتا ہے متعدد احادیث کے علاوہ اس آیت سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ جو شخص نماز نہ پڑھے وہ کافر ہو جاتا ہے دیکھو یہاں اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز ضائع کرنے والوں کی سزا عذابِ غیّا فرمایا گیا اور عذابِ غیّا صرف کفار کے لیے ہے ثابت ہوا کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہے نیز آگے ارشاد ہوا ہے اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ یعنی جو پہلے تو نماز ضائع کرتا رہا پھر توبہ کرے اور ایمان لے آئے۔ اس سے بھی ثابت کہ تارکِ نماز کافر ہو جاتا ہے۔ اگر ترکِ نماز کفر نہیں تو پھر تجدیدِ ایمان اور اٰمَنَ کا ذکر کیوں ہوتا۔ یعنی اگر زندگی میں ترکِ نماز سے توبہ کرے تو اٰمَنَ ضروری ہے اگر نہ کرے گا تو بعدِ موت جہنم کی وادی غیّ میں ڈالا جائے گا (معتزلی اور وہابی) **جواب**۔ احادیث سے تو کہیں بھی ثابت نہیں کہ تارکِ صلوٰۃ کافر ہو جاتا ہے البتہ جن احادیث میں معتزلی فرقہ نے دھوکا کھایا اور اپنے باطل نظریے پر استدلال کر بیٹھے وہ ان کی کم علمی و نافہمی ہے ان کے جوابات ہمارے فتوی العطایا جلد چہارم مسئلہ سیاہ خضاب میں یا فتاوی رضویہ مبارکہ میں ملاحظہ فرمایئے۔ رہی یہ آیت پاک تو اس سے بھی ہرگز یہ ثابت نہیں ہوتا چار وجہ سے۔ اولاً اس لیے کہ یہاں صابیوں یہودیوں اور عیسائیوں کا ذکر ہو رہا ہے اور اَضَاعُوا کا معنی ہے نہ ماننا انکار کرنا یعنی انبیاء سابقین مذکورین علیہم السلام کے بعد ان کی اولاد اور امت نبی زادوں، سیدزادوں پیرزادوں اور شہزادوں نے اتنی آوارگی گمراہی اختیار کی کہ آخر کار نماز جیسی بنیادِ ایمان کا بھی انکار کر دیا۔ صابیوں نے شرک و بت پرستی کر کے یہود نے قتلِ انبیاء کر کے عیسائیوں نے کفارے کا مسئلہ بنا کر پوری شریعتِ ابراہیمی موسوی و عیسوی کا ہی انکار کر دیا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ ان امتوں کا اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ اور ترکِ نماز کفر کی وجہ سے تھا نہ کہ ان کا کفر اَضَاعُوا کی وجہ سے یعنی کفر پہلے ترکِ نماز بعد میں اور تم لوگ کہتے ہو کہ ترکِ نماز سے کفر ہوا اور یہ کہیں ثابت نہیں۔ ثانیاً یہ کہ ترکِ نماز عمل ہے اور کفر و ایمان عقیدہ ہے عمل عقیدے کا جز نہیں ہو سکتا نہ عقیدہ عمل کا جز ہو سکے لہٰذا ترکِ نماز سے کفر نہیں ہوتا۔ دیکھو تَابَ وَاٰمَنَ کو واؤ عاطفہ سے جدا کر کے یہ ثابت فرما دیا کہ عمل و عقیدہ دو علیحدہ چیزیں ہیں تَابَ عمل ہے اٰمَنَ عقیدہ ہے غرض کہ کوئی بھی بدعملی کفر نہیں ہے جب تک کہ کفر کی نیت نہ ہو جن بزرگوں نے یہاں توبہ کو ایمان میں شامل کیا ہے وہ بھی توبہ کو ایمان کی شرط بناتے ہیں نہ کہ رکن اور جز۔ ثالثاً یہ کہ یہاں تین برائیوں کا تین اچھائیوں سے استثنا فرمایا گیا (۱) اَضَاعُوا کے بعد جو تَابَ ہو جائے۔ (۲) مخالفِ انبیاء کے اٰمَنَ ہو جائے (۳) اِتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ کے بعد عَمِلَ صَالِحًا کرے۔ پس ثابت ہوا کہ

اُن کا تعلق اَضَاعُوا سے نہیں بلکہ مخالفتِ انبیاء علیہم السّلام سے ہے اور مخالفتِ انبیاء واقعی کفر ہے ترکِ نماز کفر نہیں اس کے لیے صرف توبہ کافی ہے۔ رابعاً یہ کہ مسلمان ہو کر اگر کوئی کافر بنے تو اُس کو شریعت میں مرتد کہتے ہیں حدیث و قرآن میں بے نمازی کو کبھی مرتد نہ کہا گیا ثابت ہوا کہ بے نمازی کافر نہیں ہو جاتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا اِلَّا مَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ شَيْئًا جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدَ الرَّحْمٰنُ عِبَادَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّهٗ كَانَ وَعْدُهٗ مَاْتِيًّا سیرِ اَسرارِ عرفانی کے بعد ناسوتِ عالم میں ایسے اشرار باطنی عُسرتِ بدنی میں پیدا ہوئے جنہوں صلوٰۃِ حضوری اور نمازِ بارگاہِ نیازِ عجزگاہ کو ضائع کر دیا مقامِ نفس کی وجہ سے حضوری صرف قلبِ مومن کو میسّر ہوتی ہے لیکن جب بندہ صفاتِ نفس کے پردوں میں پھنس کر مقامِ قلب سے ناواقف ہو جاتا ہے تو شہوتوں کی پیروی کرتا ہے جس کی بنا پر شرارت و گمراہی کی غیاً (جہنم) میں گر پڑتا ہے۔ جتنی شہوتوں کی زیادتی ہوتی جاتی ہے اتنی ہی گمراہی زیادہ اور گمراہی کی زیادتی گناہوں کا ارتکاب ہے پھر وہ مبتلا گناہوں پر گناہ کرتا جاتا ہے حدیثِ پاک میں ہے کہ گناہ پر گناہ پہلے گناہ کا عذاب ہے۔ ہاں جو نصیب وَر پہلے گناہ سے توبہ کرے اور مقامِ قلب کی طرف لوٹ آئے ایمان کی معرفت کا یقین کرے اکتسابِ فضیلت سے اعمالِ صالحہ کرے یہی لوگ انوار کی جنتِ مطلقہ ابدیہ میں داخل ہو جاتے ہیں اپنے ایمانی عرفانی ایقانی حقانی کے مدارج کے استحقاق کے مطابق درجہ بدرجہ اور حال و مقام میں کچھ ظلماً کمی نہیں کی جاتی اُن کے خلوص و عمل پر دار و مدار ہے۔ نفس و قلب و روح سے جس کا جتنا تعلق ہے اُس کا اتنا ہی حصہ اُس جنتِ اَسرار سے ہے جن کا وعدہ رحمٰن و رحیم نے اپنے بندگان طالبین شائقین عاشقین محبّین سے کیا ہے وہ رب تعالیٰ پہنچانے والا ہے اپنے بندگانِ غائبین کو اس جنت کی اصول و عموم کی نعمتوں کے جلال و جمال انوار اَسرار میں توبہ کی تین قسمیں اور چھ شرطیں ہیں۔ پہلی توبہ حقوق اللہ کی کمی سے دوسری توبہ حقوق العباد میں کوتاہی سے تیسری توبہ حقوقِ ذاتی کی بے توجہی سے پہلی شرط فوراً معصیت سے رک جائے دوم سابقہ پر ندامت و گریہ زاری کرے سوم آئندہ گناہ نہ کرنے کا پکا ارادہ کرے چہارم مظلوم سے معافی مانگے اور ظلم کا بدلہ دے پانچویں شرط مغصوبہ چیز واپس کرے ششم غیبت سے بچے اور مغتابہ سے معافی مانگے کہ میں نے تیری غیبت کی تھی مجھے معاف کر دے پوشیدہ گناہ کی پوشیدہ توبہ اور ظاہر

یا ہر وعلانیہ گناہ کی علانیہ توبہ ہوتی ہے۔ مومن کی توبہ یہ ہے کہ ہر گناہ کفر شرک و بدعت گمراہی سے نفرت کرے کافر کی توبہ یہ ہے کہ اپنی خوشی سے بلا جبر تمام کفریات چھوڑ دے اسلام کو مانلے جو بندہ رب تعالیٰ کا طالب بن جاتا ہے تو رب تعالیٰ اُس سے شہواتِ ھوٰی اور شہوات ھرٰی یعنی شرعًا جائز ناجائز تمام خواہشات چھین لیتا ہے۔

حکایت تفسیر روح البیان میں ہے ایک دفعہ چوتھے آسمان پر دو فرشتوں کی ملاقات ہوئی ایک نے دوسرے سے پوچھا کہ آج تم نے کیا کام کیا جواباً فرشتے نے کہا کہ مجھ کو حکم ہوا تھا کہ فلاں شہر مشرک کافر یہودی کو ایک مچھلی کی خواہش ہے وہ دریا سے پکڑ کر اُس ظالم کو دے آؤ میں نے آج اُس کو مچھلی پہنچا دی پھر دوسرے فرشتے نے اس سے پوچھا کہ آج تم نے کون سا کام کیا تو دوسرے نے جواباً کہا کہ زمین پر ایک عابد متقی کو ایک گھنا درخت اچھا لگا تھا وہ اس درخت کی طرف جانے لگا تو مجھ کو حکم ہوا کہ اس درخت کو جلا دوں میں نے اُس کے پہنچنے سے پہلے اُس درخت کو جلا دیا۔ دنیا کی محرومی آخرت کی مقبولی کی علامت ہے اور دنیا کی مقبولی آخرت کی محرومی کا نشان لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْهَا لَغْوًا اِلَّا سَلٰمًا ۔ وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِیْهَا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا۔ وہ خوش بخت طالبانِ دیدار اُس جنتِ جمالِ کشفی قلبِ مزکی ہیں کچھ لغویاتِ نفس نہ سن سکتے ہیں نہ رغبت رکھتے ہیں مگر ہر چار سو عقل۔ ضمیر۔ شعور۔ فہم کی سلامتی ابدی۔ ذنوب و نقائص فضول و رذائل کے مادوں سے خالی۔ یہی وہ عارفین ہیں جن کے لیے معارف و حکمت کے رزقِ دائمی ہیں شمشِ روح کے وقتِ ظہور کی بکرۂ صبح ہیں جنتِ قلب کے اندر اور غروبِ شمسِ روح کے عشیًّا ہیں جنتِ نفس کے اندر۔ آفتابِ روحِ قلبِ مومن میں طلوع ہوتا ہے اس لیے وہاں بکرۂ عارفین ہے اور نفسِ طغیانی میں شمسِ روحانی کا غروب ہے اس لیے وہ ظلماتِ بدنی کا عشیًّا ہے۔ انسان چار قسم کے ہیں (۱) انبیاءِ کرام علیہم السلام (۲) اولیاءِ عظام (۳) فاسقین (۴) کافرین۔ انبیاء علیہم السلام دنیا و آخرت میں فرحاں و شاداں۔ اولیاء اللہ دنیا میں ترساں آخرت میں فرحاں۔ فاسقین دنیا میں فرحاں و ترساں آخرت میں ترساں کافرین دنیا میں فرحاں و شاداں آخرت میں ترساں و لرزاں فرامینِ قرآن کا نام اعمالِ صالحہ ہے اس کی تفصیل و تشریح و طریقہ احادیث میں ہے۔ اس کا نقشہ ذاتِ نبوت ہے قرآنِ مجید کو سمجھنے کے لیے پانچ طریقے (۱) تعلّم (۲) تفقہ (۳) تذکر (۴) تدبر (۵) تفکر۔ نشانِ سابقین خَرُّوْا سُجَّدًا ہے۔ اور نشانِ خالفین اَضَاعُوا الصَّلٰوةَ ہے نشانِ سابقین بکیًا ہے اور نشانِ خالفین اِتَّبَعُوا الشَّهَوٰتِ ہے اعمالِ صالحہ پانچ قسم کے ہیں (۱) امانتداری (۲) دیانتداری (۳) شرافت (۴) عبادت

۵؎ ریاضت اس کے پانچ دنیوی اور ایک اُخروی انعام ۱؎ عزت ۲؎ عظمت ۳؎ امامت ۴؎ کرامت ۵؎ روحانی قوت۔ ۶؎ اخروی انعام لَهُمْ رِزْقُهُمْ یعنی دیدار الٰہی کا رِزقِ بُکْرَةً وَّعَشِيًّا جنت کے صبح و شام ہیں دنیا میں نمازِ عاشقین ان سب کا مجموعہ ہے۔ ترکِ نماز سے دس نقصان ہوتے ہیں ۱؎ خسارت ۲؎ ذلت ۳؎ خسارہ ۴؎ حماقت ۵؎ خباثت ۶؎ رذالت ۷؎ بطالت ۸؎ کسالتِ اعمال ۹؎ رفاقتِ شیطانی ۱۰؎ ضعف ایمانی و اعتقادی۔

تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا

یہ وہ جنت ہے جس کا دائمی مالک بنا دیں گے ہم اپنے عبادت گزاروں میں سے

یہ وہ باغ ہے جس کا وارث ہم اپنے بندوں میں سے اُسے کریں گے

مَنْ كَانَ تَقِيًّا ﴿۶۳﴾ وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ

ان کو جو متقی بنے رہے۔ اور کہا اُس نے کہ نہیں نازل ہو سکتے ہم آپ کے رب تعالیٰ

جو پرہیزگار رہے۔ اور جبریل نے محبوب سے عرض کی، ہم فرشتے نہیں اترتے مگر حضور

رَبِّكَ ۚ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا

کے حکم کے بغیر اُسی کی ملکیت ہے جو ہمارے سامنے زمانوں میں ہے اور جو ہمارے پچھلے زمانوں میں

کے رب کے حکم سے۔ اُسی کا ہے جو ہمارے آگے ہے اور جو ہمارے پیچھے

وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ ۚ وَمَا كَانَ رَبُّكَ

اور جو اس کے بیچ زمانوں میں ہے اور نہیں ہے آپ کا رب

اور جو اُس کے درمیان۔ اور حضور کا رب بھولنے والا نہیں

نَسِيًّا ﴿٦٤﴾ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا

بالکل بھولنے والا۔ وہ تو تمام آسمانوں اور تمام زمین اور اس تمام

نہیں ۔ آسمانوں اور زمین اور جو کچھ اُن کے بیچ میں ہے سب کا

بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ ۭ هَلْ

کا رب ہے جو ران دونوں کے اندر ہے لہٰذا آپ اس کی عبادت قائم فرما دیجئے

مالک تو اُسے پوجو اور اُس کی بندگی پر ثابت رہو کیا

تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا ﴿٦٥﴾ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا

ع ٤ ٥

اور ثابت قدم بنا رہیے اُس کی عبادت کے لیے اور کہتا پھرتا ہے منکر انسان کہ کیا جب میں

اُس کے نام کا دوسرا جانتے ہو۔ اور آدمی کہتا ہے کیا جب میں

مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿٦٦﴾

مرجاؤں گا تو کیا البتہ میں نکالا جاؤں گا زندہ کر کے

مرجاؤں گا تو عنقریب جلا کر نکالا جاؤں گا

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں جہنم کے رہائشی وارثین کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں جنت کے وارثین کا ذکر ہو رہا ہے **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے وعدے جھوٹے اور غلط نہیں ہوتے۔ ان آیت میں اللہ کے وعدے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کافروں غافلوں اور بدنصیبوں کی ترک عبادت کا ذکر ہوا کہ کیسے بدقسمت ہیں جو صحت و تندرستی کے باوجود اللہ کی نماز و عبادت ادا نہیں کرتے۔ اب اِن آیت میں خوش قسمت بندوں کو رب تعالیٰ کی پیاری عبادت کا حکم دیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول بخاری شریف کتاب التفسیر میں بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت جبریل حاضر بارگاہ ہوئے تو آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل تم میرے پاس جلدی جلدی اور زیادہ مرتبہ کیوں نہیں آیا کرتے۔ تو جبریل امین نے جو جواب عرض کیا وہ یہاں آیت ۶۴ میں ذکر ہوا اور اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ لیکن بروایت عکرمہ ہے کہ ایک دفعہ چالیس دن تک جبریل امین نہ آئے پھر جب آئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا اور یہ آیت نازل ہوئی واللہ اعلم جبریل علیہ السلام بارگاہ اقدس میں کتنی دفعہ حاضر ہوئے اس کی تفصیل عالمانہ تفسیر میں ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ اور بھی روایت مختلفہ ہیں سب کا لُبِ لباب ایک ہی ہے۔

تفسیر نحوی تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ تِلْكَ اسم اشارہ قریبی مؤنث کے لیے ہوتا ہے۔ مبتدا ہے۔ اَلْجَنَّةُ موصوف مؤنث لفظی ہے الّتی اسم موصول مؤنث۔ جنّۃ لفظی کی وجہ سے ہی یہ دونوں اسم مؤنث لائے گئے نُورِثُ باب افعال کا فعل مضارع جمع متکلم۔ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے وَرِثَ مثال وَادِی سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِيْرَاثٌ اور اِرْثٌ اَتْقَةٌ۔ معنی بلاعوض مالک بنا نا من جارہ بعضیت کا عِبَاد جمع ہے عبد کی بمعنی عبادت گزار لوگ مراد نیک انسان ہیں مضاف ہے نا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے مَنْ اسم موصول۔ کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے تَقِيًّا اسم مفرد صفت مشبہ۔ بروزن فعیلاً تقویٰ سے مشتق ہے۔ بمعنی ڈرنا۔ بچنا۔ سنا یہاں مراد ہے اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت رکھنا یہ خبر ہے کَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے عِبَادِنَا کی۔ وہ دونوں مجرور متعلق ہے نُورِثُ کا۔ وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہوئی اَلْجَنَّةُ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ مَا حرفِ نافیہ نَتَنَزَّلُ باب تفعّل کا فعل مضارع حال صیغہ جمع متکلم افرادی یعنی حقیقی جمع نہ کہ صرف فصاحت کے لیے خیال رہے کہ صیغہ جمع متکلم خصوصی طور پر افرادی اعتبار سے دو طرح مستعمل ہے (۱) تعدادِ جمعیت کے لیے (۲) ایک فرد کے لیے۔ صرف فصاحت کی خوب صورتی اور حسن کی وجہ سے یہاں افراد اور جمعی تعداد کے لیے ہے اس لیے اس میں نَحْنُ پوشیدہ ضمیر کا مرجع فردِ واحد نہیں بلکہ تمام ملائکہ مراد ہیں اگرچہ متکلم حقیقی ہمیشہ صرف ایک ہی ہوتا ہے لیکن ہم آہنگ سے افراد کا تکلم شاذ و نادر ہی ہوتا ہے جیسا کہ نعرہ بازی میں

اکثر ہوتا ہے۔ یہاں واؤ ابتدائیہ کے بعد نَقُولُ فعل پوشیدہ ہے اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع
جبرئیل علیہ السلام ہیں جیسا کہ شانِ نزول سے واضح ہے۔ یہ سب جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر مستثنیٰ
منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنیٰ۔ بِ جارّہ بِاَمْرِ اسم مفرد جامد یعنی حکم مضاف رَبِّ صفاتی نام ہے اللہ تعالیٰ
کا خصوصی صفت ہے اس لیے کسی اور کو کہنا جائز نہیں۔ کَ ضمیر مجرور متصل مرجع نبی کریم آقائے کائنات
صلی اللہ علیہ وسلم ڈبل مرکب اضافی مجرور متعلق ہے پوشیدہ فعل مضارع جمع متکلم نَتَنَزَّلُ مثبت کے
وہ پوشیدہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ متصل ہوا۔ دونوں استثنا مل کر مقولہ
اول ہوا نَقُولُ فعل پوشیدہ کا لام جارّہ ہٗ ضمیر واحد غائب کا مرجع مُلْکَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے
پوشیدہ ثَبَتَ کا۔ مَا اسم موصول بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے۔ اَیْدِیْ اسم جمع مکسّر اس کا واحد
ہے یَدٌ۔ لغوی اور حقیقی معنی ہاتھ جسمانی۔ مجازی معنیٰ۔ قوت۔ قبضہ، قدرت۔ حکومت، قانون، پکڑ، غلبہ
نصرت۔ سخاوت، اعطا، ذلت، ندامت، شروع کرنا، چھوڑ دینا وغیرہ غرضکہ جس میں ہاتھ کے استعمال
کا کسی طرح تعلق ہو وہیں لفظ۔ استعمال ہو جاتا ہے۔ دو ہاتھوں کے درمیانی علاقے کو سامنے کی
سمت کہی جاتی ہے۔ اس لیے بَیْنَ اَیْدِیْ کا ترجمہ ہوا سامنے خواہ کتنا دراز ہو۔ اسی معنیٰ میں ظاہر
چیز موجودہ اشیا کو بھی بَیْنَ اَیْدِیْ کہہ دیا جاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے بَیْنَ مضاف ہے
اَیْدِیْ کا اور اَیْدِیْ مضاف ہے نَا ضمیر کا۔ یہ ڈبل مرکب اضافی صلہ ہوا مَا کا۔ دونوں مل کر معطوف
علیہ۔ واؤ عاطفہ مَا موصولہ خَلْفَ اسم ظرف سمتی بمعنیٰ پیچھے مراد ہے گذشتہ۔ نَا مضاف الیہ یہ
مرکب صلہ ہوا دونوں مل کر پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصولہ بَیْنَ اسم ظرف مکانی سمتی بمعنیٰ درمیان
مضاف ہے ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہوا موصول صلہ مل کر
معطوف ہوا سب عطف مل کر فاعل ہے ثَبَتَ پوشیدہ فعل ماضی کا وہ سب سے مل کر جملہ
فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا نَقُولُ پوشیدہ کا۔ واؤ عاطفہ کَانَ فعل ماضی ناقصہ منفی رَبُّکَ اس کا اسم ہے
نَسِیًّا اسم صفت مشبہ۔ دراصل تھا نَسِیْیًا نَسْیٌ سے مشتق ہے بروزنِ فَعِیْلٌ دو نوں کا آپس میں
ادغام (تشدید) کر دیا یہ کَانَ کی خبر ہے۔ کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف مَا نَتَنَزَّلُ
پر۔ یہ دونوں جملے مل کر مقولہ اول ہوں گے۔ اگلی عبارت ایک قول میں علیحدہ جملہ ہے۔ مگر صحیح قول میں
یہ مقولہ سوم ہے اور جبرئیل علیہ السلام کا ہی قول ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا
فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِیًّا۔ وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا۔
لفظِ رَبّ اسم مادہ مصدر ہے جامد ہو کر مبالغہ کے لیے مستعمل ہے بمعنیٰ رَابٌّ اسم فاعل ترجمہ

ہے بہت پالنے والا۔ جب یہ اسی لغوی معنیٰ میں ہو تو خصوصی صفت ہے اللہ تعالیٰ کیونکہ بجز اللہ تعالیٰ کوئی کسی کو پال نہیں سکتا۔ اس کے مجازی معنیٰ ہیں مالک۔ محافظ کفیل مربی یعنی مربوب کے لیے اچھا یا برا ماحول بنانا۔ اسی معنیٰ میں ہے تربیت۔ مضاعف ثلاثی سے ہے نکرہ ہے یہاں مضاف ہے السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دونوں عطف ہیں مضاف الیہ۔ واؤ عاطفہ مَا موصولہ بَيْنَهُمَا۔ ترجمہ ہے اُن دونوں کے درمیان۔ یہ صلہ موصول عطف ہوا السَّمٰوٰت پر سب عطف مضاف الیہ ہے رَبُّ کا یہ مرکب اضافی عطف سببی ہوا فَاعْبُدْهُ پر۔ فَ عاطفہ سببیہ۔ اُعْبُدْ۔ باب نصر کا امر حاضر معروف اَنْتَ اس کا پوشیدہ فاعل مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے رب تعالیٰ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اِصْطَبِرْ۔ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر صَبْرٌ سے مشتق ہے دراصل تھا اِصْتَبِرْ۔ قانونِ نحو ہے کہ جب فعل وغیرہ کا فَ کلمہ (شروع کا حرف) حروفِ طبق یعنی ہم مخرج حروف سے ہو تو افتعال کی تَ طَ سے بدل جاتی ہے۔ ص ض ط ظ یہ سب حروفِ طبق ہیں۔ ان میں تَ اجنبی تھی اس کا مخرج بیچ میں نوک زبان ہے اور حروفِ طبق کا مخرج ذرا پیچھے ہے اس لیے اجنبیت ختم کرنے کے لیے تَ کو طَ بنا دیا۔ کبھی کبھی یہ تَ ظ بھی بنائی جاتی ہے نیز یہ تاء افتعال دال بن جاتی جب فا کلمہ دال یا ذال یا ز ہو اور یہ تَ ذال بھی بن جاتی ہے اگر افتعال کا فَ کلمہ ثَ ہو تو یہ تَ ثَ بن جاتی ہے اور کبھی کبھی کلمہ ثَ کو تَ بنا کر دونوں کا ادغام کر دیا جاتا ہے۔ اور اگر افتعال کا فَ کلمہ سین ہو تو تَ کو سین بنا دیتا ہے۔ اس کا مصدر ہے اصطبار در اِصْطَبِرْ۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل لام حرف جر بمعنی علی ترتیب یا بمعنی فی ظرفیہ عِبَادَتِهٖ اُس کی عبادت یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اِصْطَبِرْ کا سب مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے فَاعْبُدْ پر دونوں مل کر سبب عطف ہوا رَبُّ کا یہ سب مقولہ سوم ہوا قُلْ۔ حرف استفہام هَلْ کے ذریعے سوال اکثر تو تصدیقِ ایجابی کے لیے ہوتا ہے یعنی ایسا ہو گیا۔ اور کبھی نفی کے لیے سوال ہوتا ہے جیسے یہاں اور کبھی هَلْ خبریہ ہوتا ہے بمعنیٰ قد تحقیق۔ هَلْ اگر مضارع پر داخل ہو تو اس کو حال کے معنیٰ میں ہی رکھتا ہے جیسے یہاں ہے۔ یا مضارع کو بمعنیٰ ماضی کر دیتا ہے اور جب ماضی پر داخل تو ماضی یا حال کے معنیٰ میں کر دیتا ہے۔ تَعْلَمُ۔ فعل مضارع معروف واحد مذکر حاضر۔ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے۔ سَمِيًّا اسم مفرد صفت مشبہ بروزن فعیل سَمِیٌّ۔ بَاسُمُوٌ سے مشتق ہے معنیٰ ہم نام ہم نسل۔ اسم بامسمّیٰ یہاں پہلے معنیٰ زیادہ مناسب ہیں۔ یہ مفعول بہ ہے تَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ چہارم ہوا قَالَ پوشیدہ اپنے سب مقولوں سے مل کر

جملہ قولیہ ہو گیا۔ واؤ سیر جملہ یَقُوْلُ فعل اَلْاِنْسَانُ میں الف لام عہد خارجی انسان اسم مفرد حقیقی مراد کفار فاعل ہے۔ یَقُوْلُ اپنے فاعل سے مل کر قول ہوا ہمزہ سوالِ انکاری کے لیے اِذَا مَا حرفِ شرط ظرفی زمانی ما موصول تاکید کے لیے۔ مِتُّ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد متکلم مَوْتٌ سے مشتق ہے بمعنی مرنا۔ روح اور جان مکمل نکل جانا۔ دراصل مُوِتْتُ تھا واؤ ثقیل تھا گرا دیا اور تاء مادہ مصدریہ اور تاء متکلمہ کا ادغام کر دیا واؤ محذوفہ کا کسرہ ماقبل میم کو دیا کیونکہ یہ باب کی نشانی ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لَسَوْفَ لام حرف تاکید الکلام کے لیے ہے یعنی سخت کفر قائم مقام فَ جزائیہ سوف حرفِ تقریب۔ اُخْرَجُ۔ باب افعال کا فعل مضارع مجہول بمعنی مستقبل واحد متکلم۔ خُرُوْجٌ سے مشتق ہے ہمیشہ لازم ہوتا ہے افعال نے متعدی بنایا۔ اَنَا پوشیدہ ضمیر نائب فاعل ہے۔ ذوالحال ہے حَیًّا۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی زندہ۔ جاندار۔ حال ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم پوشیدہ کا دونوں مل کر نائب فاعل اُخْرَجُ اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِیْ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِیًّا۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ لَهٗ مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَیْنَ ذٰلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِیًّا۔

یہ جنت جو مومن کے علم عرفان یقین ایمان عقیدے سے انتہائی قریب ہے وہی ہے جس کا مالک و وارث کر دیں گے ہم اپنے اُن عابدین صالحین تائبین مستغفرین بندوں کو جو اپنی پوری دنیوی زندگی میں اللہ سے ڈرتے گناہوں سے بچتے عبادت کے کرتے والے رہے اور متقی کا لقب حاصل کیا محققین فرماتے ہیں کہ بعد قیامت جنت تین طرح سے ملے گی۔ ۱۔ اعمالِ صالحہ اقوالِ مقبولہ کے ثواب میں ۲۔ اور وراثت میں روایات میں ہے ہر نیک و بد انسان کا جنت اور دوزخ میں ایک ایک مکان ہے، بعد قیامت جنتی لوگوں کا جہنم والا مکان اُس کافر کو دیدیا جائے گا جو اس کے قریب ہوگا۔ اور جہنمی کافر کا جنتی مکان اس مومن کو دیدیا جائے گا جو اس علاقہ کے قریب و متصل ہوگا یہاں نُوْرِثُ فرما کر اسی منتقلی وراثت کی طرف بھی اشارہ ہے ۳۔ محض عطاءِ الٰہیہ رحمتِ رحمانیہ اور لطفِ ربانیہ سے یہ جنت نا بالغ اولاد اور اُن اہلِ سعادت کو حاصل ہوگی جو فقط جنت بھرنے اور جنت کی رونق بڑھانے کے لیے پیدا کی جائیں گی جنہوں نے دنیا میں کوئی بھی نیک و بد عمل نہ کیا۔ جنت کو وراثت کہنے کی وجہ میں

مفسرین کے پانچ قول ہیں ایک یہ کہ جنت کا کچھ حصہ ان کفار کے نام تھا جو کافر ہو کر مرے اور ابدی جہنم میں گئے وہ مومن مسلمان کو منتقل کر دیا جائے گا جس طرح دنیا میں ایک مُورِث کے مرنے کے بعد اُس کا دنیوی مال وارثین کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے اسی طرح دوزخی کے دوزخ میں چلے جانے کے بعد اس کا حصّہ جنتی کے نام منتقل ہو جائے گا گویا یہ دنیوی وراثت کے مشابہ ہے اس لیے نُورِثُ فرمایا گیا۔ دوم۔ یا اس لیے کہ جس طرح وارث اپنے مورث کے مال سے پورا پورا نفع اور فائدہ حاصل کرتا ہے اور بلا مشقت مالک بن جاتا ہے اسی طرح جنتی اپنے پورے علاقے کا مالک اور مستفید ہو گا۔ سوم۔ یا اس لیے کہ دوام ملکیت بلا عوض ہو گی اعمال صالحہ جنت کا ثواب تو ہے مگر جنت کا عوض نہیں عوض اور ثواب میں فرق یہ ہے کہ عوض میں دوسرا مالک پہلے مالک کو کچھ دیتا ہے جس سے دوسرے کا عوض اُس کے پاس سے ختم اور پہلے مالک کی اس چیز پر ملکیت ختم۔ مگر ثواب میں یہ نہیں ہوتا۔ ثواب میں پہلے کی ملکیت ذاتی باقی رہتی ہے اور دوسرے کی ملکیت عطائی مجوبی وکارکردگی قائم ہو جاتی ہے عوضی ملکیت میں مالک کو پانچ اختیار رکھتے ہیں ۱ نفع کا ۲ فائدے کا ۳ بیچنے کا ۴ ہبہ کا ۵ وارث بنانے کا۔ مگر ثواب میں صرف دو اختیار رکھتے ہیں ۱ نفع حاصل کرنے کا ۲ فائدہ لینے یا فائدہ دینے کا۔ جنت کی ملکیت ثوابی ہو گی نہ کہ عوضی۔ دنیا میں عوضی ملکیت کو خرید و فروخت کہا جاتا ہے اور ثوابی ملکیت کو نفع، جیسے کسی مکان کو کوئی مالکِ مکان اپنے دوستوں کی رہائش کے لیے وقف کر دے۔ قرآن مجید میں اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى فرمانا مجازاً ہے۔ چہارم۔ یا اس لیے نُورِثُ فرمایا گیا کہ ہر جنتی مومن اپنے جنتی مکان کا مکمل تملیک سے مالک ہو گا یہ تملیک نہ فسخ ہو نہ باطل اور نہ غلط ہو نہ بھول چوک ہو نہ رجوع ہو۔ پنجم۔ یا اس لیے کہ ملکیت ابدی ہو گی نہ کہ عارضی اس جنت میں بہت نعمتیں ہوں گی ایک یہ کہ ہر وقت چہل پہل اور رونق ہوا کرے گی جنتی ایک دوسرے سے میل ملاقات رکھا کریں گے۔ رب تعالیٰ کے حکم سے ملٰئکہ بھی جنتیوں کے پاس سلام کلام کے لیے آیا کریں گے۔ اور کہا کریں گے کہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ۔ اے محبوب بارگاہ جنتی ہم تیرے پاس اپنی مرضی سے نہیں اُترتے ہم تو تیرے رب کریم رحمٰن و رحیم کے حکم سے تیرے پاس تیری خبر گیری کرنے تجھے مبارک سلامت کہنے آتے ہیں ہم تو اُس رب تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں خواہ کوئی بھی زمانہ کوئی بھی وقت کوئی بھی حالت و کیفیت ہو لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا۔ اُسی اللہ کے علمِ حضوری اور اختیارِ مقدوری میں ہے جو کچھ بھی اب ہمارے سامنے زمانۂ حال میں ہے یا جو آئندہ اس کے بعد ہو گا۔ یا جو ہمارے پہلے گزر گیا

اور اسی طرح جو کچھ جو زمانہ اُن ماضی و حال کے درمیان ہوتا رہا ہے۔ ہم بے خبر ہو سکتے ہیں بھول سکتے ہیں لیکن۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا۔ تیرا رب کسی شخص کے کسی عمل کی کسی کیفیت کی کسی نوعیت و حالت اور نیت و ارادے کو کسی بھی زمانے میں ذرہ بھر نہیں بھول سکتا۔ اے بندۂ مومن اُس رب تعالیٰ نے تجھ کو ازل میں ارواح میں اجسام میں دنیا میں غاروں میں صحراؤں میں روشن دونوں میں روشن وقتوں میں اندھیری راتوں میں ماضی میں حال میں مستقبل میں تیرے بچپن جوانی بڑھاپے میں تجھ کو نہ بھلایا عالمِ ارواح میں کون تیرا پرسانِ حال کون تیرا حامی و ناصر کون تیرا سفارشی تھا۔ کس نے تیری سفارش کی تھی۔ بغیر کسی سفارش حمایت دعاء التجا کے ہزاروں روحوں میں سے تجھ کو اپنی اِس جنت کے لیے چن لیا اپنے انبیاء کی اُمت اور اپنے محبوب کی غلامی کے لیے پسند فرما لیا کیا تو نے کبھی سوچا کہ یہ بن مانگے تجھ پر تیرے رب کا کتنا بڑا کرم ہے۔ پھر مزید یہ کہ محض اپنے کرم سے اتنی بڑی شاندار ابدی دائمی جنت دے کر فقط تیری عظمت و شان بڑھانے کے لیے اپنے حکم سے بار بار ہم فرشتوں کو تیری رونق تیری تحیۃ تیری ملاقات کے لیے بھیجتا ہے اس کریم جَلَّ مَجْدُہٗ و تعالیٰ نے یہاں بھی تم کو نہ بھلایا اور یہ سب باتیں بذریعے قرآنِ کریم تم کو دنیا میں ہی بتا دی گئی تھیں اے بندو کیا کبھی تم نے بھی اپنے اُس خالق و مالک اور رازق رب تعالیٰ کو اسی طرح اپنے ماضی حال مستقبل میں یاد کیا تھا۔ وَمَا نَتَنَزَّلُ کے بارے میں مفسرین کے سات قول ہیں ۱؎ ہم فرشتے جنت میں اہلِ جنت کے پاس نہیں اترتے۔ ۲؎ ہم زمین پر نہیں اترتے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے پاس ۳؎ ہم اے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نہیں اُترتے آپ کی بارگاہِ اقدس و مقدس علیہ میں مگر آپ کے رب تعالیٰ کے حکم و ارشاد سے ۴؎ یا ہم فرشتے بھی زمین پر نہیں آتے کوئی بھی زمانہ ہو خواہ اے پیارے آقا آپ کا یہ موجودہ زمانہ یا اُن بدبخت خلف والوں کا زمانہ ماضی خواہ اُس وقت سے ابتک کا غدالوں بشارتوں کا درمیانی زمانہ ہو زمانے تین قسم کے ہیں اوّلاً قبلِ خلق یہ مَا خَلْفَنَا ہے ثانیاً۔ بَعْدِ خلف یہ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ہے ثالثاً۔ زمانۂ نبوی یہ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا ہے۔ ۵؎ بعض مفسرین نے فرمایا کہ ابتداءِ مخلوق سے نفخِ اولیٰ تک خَلْفَنَا ہے پھر نفخِ ثانی تک چالیس سالہ زمانہ۔ مَا بَيْنَ ذٰلِكَ ہے پھر میدانِ محشر سے ابدًا الآباد تک مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا ہے۔ اور یہ کلام جنت میں فرشتوں کا ہے۔ ۶؎ لَهٗ مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا۔ (الخ) سے مراد زمانہ نہیں بلکہ مکان ہے اور مَا بَيْنَ اَيْدِيْنَا سے مراد آسمان ہیں۔ وَمَا خَلْفَنَا سے مراد زمین ہے اور وَمَا بَيْنَ ذٰلِكَ سے مراد درمیانِ آسمان و زمین تمام اشیاء

ہیں۔ لَہٗ کا معنیٰ ہے، اُس کی ملکیت یا اُس کے علم یا اُس کی حکمت و قدرت میں ہے جو کچھ بھی مَا بَیْنَ اَیْدِیْنَا اور مَا خَلْفَنَا اور مَا بَیْنَ ذٰلِکَ ہے کچھ بھی کوئی بھی رب تعالیٰ کی شہنشاہی سے باہر نہیں ۔ ایک قول وہی ہے جو اِن آیت کے شانِ نزول میں بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ جبریل علیہ السلام تقریباً چالیس دن تک حاضرِ بارگاہ نہ ہوئے پھر جب آئے تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے جبریل تم اتنے عرصے دن کیوں نہ آئے تب جبریلِ امین نے جو عرض کیا اُس کا ذکر قرآنِ مجید میں فرمایا گیا۔ اور اس دیر پر کفار نے جو طعنہ بازی کی تھی اُس کا جواب وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا میں دیا گیا کہ دیری بھول نہیں حکمتِ الٰہی سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو نہ بھولتا ہے نہ چھوڑتا ہے۔ نہ کسی کے اعمال کو بھولتا ہے نہ ان کی سزا و جزا، نہ ثواب و عتاب کو اور وہ کیسے بھول سکتا ہے وہ تو رَبُّکَ ہے آسمانوں زمینوں کی کروڑوں مخلوق کو پالنے والا ہے۔ اگر پالنے والا پالنا بھول جائے تو پلنے والے مر جائیں۔ روایتوں میں آتا ہے کہ ۱ حضرت جبریل علیہ السلام آدم علیہ السلام کے پاس صرف بارہ ۱۲ دفعہ وحی اور پیغامِ الٰہی لے کر حاضر ہوئے ۲ ادریس علیہ السلام کے پاس چار ۴ دفعہ صرف ۳ نوح علیہ السلام کے پاس پچاس ۵۰ دفعہ ۴ ابراہیم علیہ السلام کے پاس بیالیس ۴۲ دفعہ ۵ اسماعیل علیہ السلام کے پاس تین ۳ بار ۶ یعقوب علیہ السلام کے پاس پانچ دفعہ ۷ یوسف علیہ السلام کے پاس دو ۲ بار ۸ موسیٰ علیہ السلام کے پاس چار سو ۴۰۰ بار ۹ داؤد علیہ السلام کے پاس اکیس ۲۱ بار ۱۰ عیسیٰ علیہ السلام کے پاس دس ۱۰ بار ۱۱ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں چوبیس ہزار ۲۴۰۰۰ مرتبہ۔ یہ تمام نزول وحی اور پیغاماتِ الٰہیہ کے ساتھ ہوتے رہے۔ اور وَمَا نَتَنَزَّلُ اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ کے ماتحت ہی ہوتے رہے اس سوال پر جبریل علیہ السلام نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ میرا دل تو بہت چاہتا ہے کہ آپ کی بارگاہ میں زیادہ حاضری دوں مگر ہم فرشتے اللہ تعالیٰ کے امر کے بغیر نہیں اُترتے جب وہ بھیجتا ہے تو ہم آجاتے ہیں اور جب نہیں بھیجتا تو رُکے رہتے ہیں۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا فَاعْبُدْهُ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ۔

وہ تمام آسمانوں کو بھی پالنے والا ہے اور پوری روئے زمین کو بھی اور اُن تمام چیزوں کو بھی جو ان دونوں کے درمیان ہے۔ پس اے پیارے ابدی محبوب اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور شکر کے سجدے محبت کے قیام کرتے ہی رہیے تاکہ آپ کے سجدہ و رکوع کے نقشے زمین و آسمان میں قائم و دائم ہو جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کو کائناتِ عالم میں ہمیشہ کے لیے قائم و ثابت فرما دیجیے

دنیا کے مشرک ہزار ہا معبود بنائے پھرتے ہیں لیکن اے پیارے حبیب هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا تم نے ساری کائنات کو عالم ازل میں بھی دیکھا اور شب معراج کائنات عالمین کا ذرہ ذرہ گوشہ گوشہ دیکھا جنت دیکھی دوزخ دیکھی عرش وفرش لوح وقلم دیکھا مکان ولامکان دیکھا کیا آپ نے اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کی شان وکمال تام وجمال۔ قدرت وجلال والا کوئی بھی معبود دیکھا جس کو تم رب تعالیٰ کی مثل جان سکو تم تو اے مصطفیٰ بھری ساری کائنات پر ارضی وسماوی عرشی و لامکانی کو دیکھنے اور جاننے والے ہو جب تم کو کہیں کوئی معبود نظر نہیں آیا تو دوسرا اگر کسی معبود کا کیسے دعویٰ کرسکتا ہے کتنا بے عقل اور بے بصیرت ہے وہ انسان جو بڑی سخت انکاری سے کہتا ہے پھر کیا جب میں مرجاؤں گا اور ان جیسی بھر بھری بوسیدہ ٹوٹی پھوٹی خاک بنی ہڈیوں کی طرح ہوجاؤں گا تو لَسَوْفَ أُخْرَجُ حَيًّا کیسے ہوسکتا ہے کہ عنقریب زندہ کرکے زمین سے حقیقتاً اسی شکل وصورت پر نکالا جاؤں یا فنا سے بقا میں مجازاً نکالا جاؤں یہ ناممکن ہے کسی کی قدرت میں یہ بات نہیں ہوسکتی دوبارہ پیدا نہ کرسکنے کا عقیدہ بنانا تکذیب الٰہی ہے یہاں انسان سے مراد مکے کا سردار کفار اُبی ابن خلف جمحی ہے جو ایک دفعہ کسی مردہ انسان کی ہڈی لے آیا اور کافروں میں بیٹھ کر بڑے غرور اور کفریہ انکار سے کہنے لگا کہ کیا اس ہڈی کو کوئی دوبارہ زندہ کرسکتا ہے بھلا یہ کوئی کرسکتا ہے کوئی نہیں کرسکتا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ بھول چوک نسیان سے پاک اور منزہ ہے۔ تمام فرشتے بھی بھول چوک سے پاک ہیں ملائکہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے نازل ہوتے اور بالکل صحیح انداز میں رب تعالیٰ کے احکام ادا فرماتے ہیں نہ لغزش کھاتے ہیں نہ بھولتے ہیں لہٰذا شیعہ رافضی لوگوں کا یہ عقیدہ باطل اور کفریہ ہے کہ معاذ اللہ جبرئیل علیہ السلام وحی لاتے ہیں اور کلام الٰہی پہنچانے میں بھول گئے۔ اور بھول کر علی کو دینے کی بجائے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے گئے اسی طرح شیعوں کا یہ عقیدہ بھی کفریہ ہے کہ ملک الموت بھی بھول کر کسی دوسرے کی جان نکال لیتے ہیں ہم نام کی غلطی کھا کر اور اپنے ان دونوں کفریہ عقیدوں کو مضبوط بنانے کے لیے چند من گھڑت حکایتیں بھی بنا ڈالیں ہیں بہرکیف یہ سب کچھ شیعہ کذبیات میں سے ہیں اور شیعہ لوگ تقیہ کی آڑ میں جھوٹ کو ثواب سمجھتے ہیں۔ یہ فائدہ وَمَا نَتَنَزَّلُ اور وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم حضور اقدس محمد مصطفیٰ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کو

بخوبی اچھی طرح جانتے ہیں آپ نے کائنات کا ایک ایک گوشہ دیکھا اور ملاحظہ فرمایا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عالمین کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ فائدہ هَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا سے حاصل ہوا رب تعالیٰ نے آپ سے ایسا سوال فرمایا کہ اس کا صحیح جواب وہی دے سکتا ہے جس نے ساری کائنات دیکھی ہو۔ عالم ازل میں بھی كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ سے بھی پہلے آقاء کائنات کو رب تعالیٰ نے تمام مخلوق دکھا دی تھی اور سیرِ معراج میں بھی۔ ان دونوں نظاروں بہاروں کی ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے تاکہ محبوب پاک دیکھیں اور کل اقوامِ عالم کے سامنے یہی گواہی دے سکیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں بھی کوئی معبود نہیں اگر کہیں بھی کوئی دوسرا معبود ہوتا تو مجھ کو نظر آتا میں جانتا ہوتا کیونکہ مخلوق میں صرف میں ہی ہوں جس نے ساری کائنات دیکھی بھالی ہے۔ تیسرا فائدہ۔ دنیوی زندگی میں ہر مسلمان کے لیے تقویٰ اور پرہیزگاری بہت ضروری ہے بلکہ ایمان کے بعد تقویٰ اعمالِ صالحہ سے بھی زیادہ اہم ہے۔ ایمان سے انسان مومن بنتا ہے اعمالِ صالحہ سے عِبَادِنَا بنتا ہے۔ اور پرہیزگاری سے متقی بنتا ہے۔ اور متقی بنے گا تو وراثتِ جنت پائے گا۔ گویا کہ ایمان ڈھانچہ ہے اور اعمالِ صالحہ اس کی غذا اور تقویٰ اس کی کمزوریوں کا علاج ہے یا اعمالِ صالحہ دوائی ہے اور تقویٰ پرہیز ہے یہ فائدہ نُوْرِثُ مِنْ عِبَادِنَا فرمانے کے بعد مَنْ كَانَ تَقِيًّا کی شرط سے حاصل ہوا۔ لہٰذا نیک محفلیں اور اچھی کتابیں پڑھنا اعمالِ صالحہ ہیں۔ اور برے لوگوں کی بری کتابیں نہ پڑھنا اور بری مخلوق سے بچنا تقویٰ ہے۔ کتنے ہی اچھے عمل کرے اگر بری محفلوں بری کتابوں سے نفرت نہیں اور بدعقیدہ لوگوں سے میل جول رکھتا ہے تو وارثِ جنت نہ بنے گا۔ آخر کار گمراہ ہوگا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان پر ہر حالت میں عبادتِ الٰہیہ واجب و لازم ہے۔ امیری ہو یا غریبی بیماری ہو یا تندرستی، سہولت ہو یا تنگی، ترکِ عبادت کے لیے کسی وقت کوئی بہانہ نہ چلے گا۔ یہ مسئلہ فَاعْبُدْهُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اور اس سے پہلے رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرمایا گیا۔ جس میں اشارہ ہے کہ اے بندے جب تجھ پر اس کی ربوبیت ہر وقت ہے تو تجھے اس کی عبادت بھی ہر ساعت لازم نیز یہ بھی اشارہ ملا کہ مومن کو چاہیے کہ اپنا ہر کام عبادت بنالے دینی ہو یا دنیوی۔ اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ بندہ اپنے ہر کام پر سیرتِ مصطفیٰ کا نقشہ سجالے یعنی کام بندے کا ہو اور اس پر نقشہ و طریقہ مصطفیٰ کا ہو۔ اسی لیے فَاعْبُدْهُ مطلقاً فرمایا کسی خاص

عبادت نماز وغیرہ کا نام نہ لیا۔ **دوسرا مسئلہ:۔** بارگاہِ الٰہیہ میں عبادت وہی پسندیدہ اور مقبول ہے جو ہمیشہ ہو اور مقررہ وقت پر ہو۔ اگرچہ تھوڑی ہو۔ یہ مسئلہ وَاصْطَبِرْ لِعِبَادَتِهٖ سے مستنبط ہوا کبھی کری کبھی نہ کری یا کبھی سستی سے کبھی چستی سے۔ یا کبھی تھوڑی کبھی زیادہ۔ یہ بات رب تعالیٰ کو پسند نہیں ایسی عبادت مردود ہے اس لیے کہ اس میں نفسِ امارہ کا حصہ ہو جاتا ہے عبادتِ الٰہیہ تو نفسِ امارہ کو زیر اور مغلوب کرنے کا نام ہے۔ وہاں خلوص و نیت دیکھی جاتی ہے نہ کہ فقط اٹھنا بیٹھنا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ **تیسرا مسئلہ:** کسی شخص کا نام لیے بغیر اُس کی کسی قسم کی برائی بیان کرنا اور لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا غیبت نہیں۔ اگرچہ لوگوں کو خود معلوم ہو جائے کہ یہ کس کی برائی ظاہر کی جا رہی ہے۔ یہ مسئلہ وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا اس انداز میں کہ نام لیے بغیر برائی بیان کر دی جائے جائز ہے۔ بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے جب کہ اس برائی، بدعقیدگی سے لوگوں کو بچانا مقصود ہو۔ لیکن دیکھو رب تعالیٰ نے باوجود علیم و خبیر قادر و قیوم خالق و مالک ہونے کے پھر بھی وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ فرمایا۔ نام نہ لیا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اور بعد کے مؤرخین و مفسرین کو اُس بدبخت انسان کے نام کا پتہ بھی چل گیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِيْ نُوْرِثُ۔ (الخ) ہم اپنے متقی بندوں کو اس جنت کا وارث بنا دیں گے۔ شرعی قانون میں وراثت اُس مال کا نام ہے جس کا مالک مر گیا ہو اور وہ مال بغیر عوض اس مرنے والے کے کسی شرعی قرابتدار کو مل جائے۔ جنت میں نہ کوئی پہلے مالک تھا نہ کوئی مرا اور نہ کسی کو بلا عوض جنت ملے گی بلکہ اعمالِ صالحہ کے عوض میں جنت ملے گی تو پھر یہاں نُوْرِثُ کہنا۔ کیسے درست ہوا۔ **جواب۔** اس کا جواب مختصر طور پر تفسیر عالمانہ میں دیدیا گیا ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ نُوْرِثُ فرمانا۔ یہاں شرعی لحاظ سے نہیں بلکہ لغوی اعتبار سے ہے یعنی بلا عوض مالک بنانا۔ جنت اعمال کے عوض میں نہیں ملے گی بلکہ اعمال صالحہ کے ثواب میں ملے گی عوض اور ثواب کا فرق ہم نے تفسیر میں بیان کر دیا اور یہ بھی بتا دیا گیا کہ جنت کی رہائشی ملکیت تین قسم کی ہے (۱) اعمال کے ثواب میں (۲) بغیر اعمال جیسے شیر خوارگی اور نابالغی میں فوت شدہ بچے اور مجنوں و مجذوب لوگوں کو جنت کا ملنا (۳) جہنمی لوگوں کا وہ حصہ جنت جو ان کو قبروں میں دکھایا جاتا ہے کہ اگر تم مومن مرتے تو تم کو یہ جنت ملتی۔ اب یہ حصہ مومن کو دیدیا جائے گا اسی طرح مومن کو اس کا جہنمی مکان قبر میں دکھایا جاتا ہے کہ اگر تو کافر مرتا تو تجھ کو یہ جگہ ملتی۔

(العیاذ باللہ)۔ اور بلا عوض ہونا مشابہ میراث ہے اس لیے یہاں۔ نُورِثُ۔ فرمانا بالکل درست ہے۔ نیز شرعی اعتبار سے ہر میراث کے لیے مرنا شرط نہیں۔ مرتد ہو کر کفرستان میں منتقل ہو جانا بھی ملکیت ختم کر دیتا ہے اور ایسے مرتد کی جائداد حکومت یا دوسرے رشتے داروں کے نام منتقل ہو جاتی ہے اسی طرح کوئی کافر مسلمان ہو کر ہجرت کر جائے تو وہ بھی اپنی جائداد (مکان زمین) وغیرہ کا مالک نہیں رہتا غرض کہ نقل مکانی مال کو میراث بنا دیتا ہے تو چونکہ کافر لوگ جہنم میں مستقل طور پر منتقل ہو جائیں گے اس لیے ان کا جنتی مکان و علاقہ میراث بن جائے گا لہٰذا نُورِثُ کہنا بالکل صحیح ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ كَانَ تَقِيًّا یعنی جنت میں صرف وہ مومن جائے گا جو متقی ہوگا اسی طرح ایک اور دوسری جگہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ دونوں آیتیں دلالت کر رہی ہیں کہ غیر متقی یعنی فاسق فاجر اور ریاکار فاسق فاجر تو نہ ہو مگر متقی بھی نہ ہو وہ جنت میں داخل نہ ہو سکیں۔ حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ جس نے سچے دل سے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ دیا اور اس پر ایمان لے آیا وہ جنت میں داخل ہوگا۔ آگے ارشادِ نبوی ہے کہ وَاِنْ زَنٰى وَاِنْ سَرَقَ۔ اگرچہ وہ زنی اور چوری بھی کرتا رہا ہو دنیوی زندگی میں آیت و حدیث میں یہ تعارض کیوں ہے اس کا حل کیا ہے؟ **جواب**۔ کتاب اسئلۃ الرازی میں اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہاں تقویٰ بمعنی بچنا نفرت کرنا ہے اور مراد ہے کفر شرک سے بچنا یعنی وہ مومن مسلمان جو آئندہ تاعمر کفر شرک سے نفرت کرتا رہے۔ اور تقویٰ عن الشرک کا متقی ہو کر زندگی گزارے یہاں دونوں آیت میں تقویٰ عن الفسق مراد نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ یہاں صرف جنت کا داخلہ مراد نہیں بلکہ جنت کی وراثت مراد ہے یعنی جنت کا وہ علاقہ جس کے وارث کافر ہو کر مرے وہ علاقہ اُن مومن مسلمانوں کو دیدیا جائے گا جو دنیا میں نیک متقی گناہگاروں اور گناہوں سے بچ کر زندگی گزارتے رہے۔ فاسقین فاجرین کو اُن مکانوں علاقوں کا وارث نہ بنایا جائے گا۔ وہ صرف اپنی جنت میں ہی رہیں گے اسی لیے یہاں نُورِثُ فرمایا گیا۔ تیسرا جواب یہ بھی دیا گیا ہے کہ ابتداءً جنت کا داخلہ جو رب تعالیٰ کی محبت اور شفقت و رضا کے پیار بھرے سلام و رحمت کے ساتھ ہوگا وہ صرف متقی مومن کا ہوگا یہ داخلہ نُورِثُ کی شان و تکریم والا ہوگا مگر فاسقین کا جنت میں داخلہ بہت عرصہ کے بعد جھڑکوں عتابوں اور جہنم کی سزا بھگتنے کے بعد ہوگا اس داخلے میں یہ شان و عزت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم بہرکیف آیت و احادیث میں تعارض نہیں صرف سمجھنے کی کمی ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا تِلْكَ الْجَنَّةُ۔ یہ جنت، حرفِ

اشارہ قریبی کیوں ارشاد ہوا۔ جنت تو قرآن و حدیث کے فرمان کے مطابق سدرۃ المنتہی کے پاس ہے اور سدرۃ المنتہی ساتوں آسمانوں سے اوپر ہے۔ جو کروڑوں اربوں میل دور اور ہزاروں سال کا فاصلہ ہے۔ اتنی دور کی جنت کے لیے تِلْكَ کیوں فرمایا گیا یہاں ذَالِكَ فرمانا چاہیئے تھا۔ یعنی وہ جنت۔ **جواب**۔ اِس کے جواب میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ یہ فرمان مبارک رب تعالیٰ کی جانب سے ہے اور اس کی ذاتِ باری کے لیے کوئی چیز دور نہیں دور ہیں ہم بندوں کے لیے ہیں لہٰذا اس کی ذات و قدرت کے اعتبار سے ہر چیز ہی تِلْكَ ہے۔ اس لیے یہاں بھی اور دوسری دو آیت میں بھی تِلْكُمُ اور تِلْكَ کہنا عین درست ہے جواب دوم اس طرح ہے کہ جنت اگرچہ مقام کے لحاظ سے دور ہے مگر بندے کے یقین ایمان عقیدے کے قریب ہے اس لیے یہاں تِلْكَ فرما کر بندے کے قلبی ایمان و عقیدگی پختگی و مضبوطی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ کہ میرے بندوں نے اگرچہ جنت دیکھی نہیں اس کی حقیقت و بناوٹ و عمارت کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ مگر میری اس غیبی خبر پر ایسا پختہ اور کامل ایمان ہے گویا ان کو جنت نظر آرہی ہے اور قریب ہی ہے۔ اس جواب کا اشارۃً ہم نے تفسیر میں ذکر کر دیا ہے۔ بعض نے اس کے جواب میں فرمایا کہ لفظِ تِلْكَ اگرچہ بعیدی اشارہ ہے مگر قریب کے لیے بھی استعمال ہو جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي نُورِثُ مِنْ عِبَادِنَا مَنْ كَانَ تَقِيًّا. وَمَا نَتَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَالِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا یہی وہ عالمِ اسرار کی جنتِ مطلقہ ہے جس کا وارث بنائیں گے ہم وارثین متقین مطلقہ کو جو بندہ رذائلِ خبثیہ اور طبائعِ معاصیہ سے تقویٰ کرے گا اس کو جنتِ نفسِ مطمئنہ اور جنتِ آثار و انوار دی جائیگی جس کے پاس انفعالِ کمل اور اعمالِ توکل ہوں گے اس کو جنتِ قلب دی جائیگی اور حضورِ تجلیاتِ افعال ملے گی اور جو بندہ اپنی صفات کو مقامِ قلب میں بھی بچائے گا اُس کے لیے جنتِ صفات ہوگی اور جو اپنی ذات و وجود کو وادی فنا فی اللہ کا تقویٰ دے گا اس کے لیے جنتِ ذات ہے قلبِ مزکی کے مَلَاءِ اعلیٰ پر ملائکہ و انوار کا نزول بھی اُسی ذاتِ واحد کے امرِ ازلی تدریجی سے ہوتا ہو۔ نزولِ ملائکہ اور اتصالِ نفس یہ دونوں عالمِ اعلیٰ کی روحِ اعلیٰ کے جوہرِ مناسب پر استعدادِ اصل اور صفاءِ فطری کی وجہ سے ہے اور یہ استعداد تصفیہ اور تزکیہ کی وجہ سے ہوتی ہے تزکیۂ روح فقط حصول سے نہیں ہوتا نزولِ ملائکہ تقوے سے تقویٰ ہو تو استقامت ملتی ہے اور استقامت ہو تو نزولِ ملائکہ۔ لیکن آفّاکِ اثیم پر شیطانوں کا نزول ہوتا ہے جب

نزولِ ملکہ ہو تو بندے کو صدیقِ خیر بنا دیا جاتا ہے اور عالمِ معرفت و وادیِ سلطنت میں اُس کو اذنِ حق اور اجازتِ امر عطا کر دی جاتی ہے یہی فیضِ عام ہے اور فیضِ غیر منقطع ہے۔ فیض کا آنا محض بہتِ توفیق سے ہے۔ جو کچھ اطوارِ جبروتِ فوقی ہیں ہمارے آگے ہے اور جو ملکوتِ ارضی کے اطوار ہیں ہمارے پیچھے ہے اور جو اُن اطوارِ جبروتی ارضی کے درمیان انوارِ ملکوتی ہیں وہ تمام اسی ربِ کائنات کی ملکیّتِ قہر و سلطنتِ جبر کے امر اور احاطۂ علمی میں ہے۔ اے طالبِ صادق تیرا رب کسی لمحے تجھ کو بھولنے والا نہیں دیری تیری طرف سے ہے نہ کہ اُس کی جانب سے بِاَمۡرِ رَبِّكَ یعنی ہم مقدور ہیں اللہ کے علم میں اہلِ عزت عزت کے بالاخانوں پر سے ندا پکارتے ہیں اہلِ طبیعت تم تو توفیق مانگو منور کے رب تعالیٰ سے کیونکہ اہلِ عزت عالمِ غیب سے صرف اللہ کریم کے امرِ ازلی پر ہی نازل ہو سکتے ہیں بلا امر نہیں آ سکتے اے مرعوبِ وادیِ ذکر تیرا رب کسی کے ذکر کا حاجت مند نہیں اور کسی کے یاد کرانے یاد دلانے کا محتاج نہیں کیونکہ تیرا رب روح و بدن کے آسمانوں زمین اور اُن کے درمیان نفوس و مقرّب اسرار کا مالک ہے لہٰذا ارکانِ شریعت کی عبادتِ ظاہری جسم سے کر اور آدابِ طریقت کی ریاضتِ شاقہ اپنے نفس پر وارد کر کیونکہ یہ اعمال بندے کو رب تعالیٰ سے ملتے ہیں اور انہی کو لے کر وہ اُس کے پاس لوٹیں گے سچا مرشد قلب ہے جو عقلِ سلیم کو مرید بنائے اور جس نے اپنے نفس کو ضبط کیا۔ امام رومی نے فرمایا۔

عقل اندر حکم دل یزدانی است ‌ ‌ ‌ ‌ چوں زِ دل آزاد شد شیطانی است

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَمَا بَيۡنَهُمَا فَاعۡبُدۡهُ وَاصۡطَبِرۡ لِعِبَادَتِهٖ هَلۡ تَعۡلَمُ لَهٗ سَمِيًّا وَيَقُوۡلُ الۡاِنۡسَانُ اَءِذَا مَا مِتُّ لَسَوۡفَ اُخۡرَجُ حَيًّا وہی ہے آسمانِ روحانیت اور زمینِ جسمانیت کا ربِ قدیم اپنی تدبیر و تخصیص سے پالنے والا۔ ہر ایک کے حالات کے تقاضہ سے فیضِ ربوبیت پہنچاتا ہے اور جمیع اسماء و صفات کو پرورش فرماتا ہے لہٰذا اے سالکِ راہِ ہستی اس کی عبادتِ عجز و خلوص ابداً پر قائم ہو جا یہاں تک کہ تیری روح فیض قبول کرے اور نزولِ الہامِ اسرار کی ہمت پالے یہ عبادتِ سرّی ایک دو بار نہ ہو بلکہ دائمی ہو اور صفائیِ باطن پر دائم ہو جا اور ہمہ وقت متوجّہ ذاتِ الٰہی ہو جا کیا کوئی اور دوسری ذات کا نام تو سنتا ہے جو تیری عبادت ریاضت توجّہ دائمی خلوصِ قائمی کا مرکز بن سکے ہرگز نہیں۔ لہٰذا متوجہ ہو اس کی طرف اور ہر عالم سے ہٹ کر پھیر لے چہرہ اُس کی طرف تب تیرے مطلوب کا فیض تجھ پر پہنچے گا۔ اے عارفِ مُبتدی دنیا سے اعراض کر علّتی سے الحاق کر اغیار سے دوری حاصل کر مولیٰ تعالیٰ کی طرف اقبال کر قلب سے بقا کی جلوت کر نفس سے فنا کی خلوت

اپنی روح سے برزخی کی قوتِ اضطبار و استقامت پیدا کر اسے طالب شوق وادیِ تجلیات کے مسافر کیا تجھ کو کہیں اُس محبوب کی محبوبیت جیسا مثیل و نظیر کسی نام وصفت کہیں سننے میں آیا۔ نفسِ خبیس وادیِ ظلمت میں سے پکارتا وسوسے ڈالتا ہے حقائق سے جہالت کی بنا پر کہ جب صفاتِ البشریہ ذکر وفکر فاقہ و مستی حالِ زار کی تلوار سے لذات و خواہشات کی موت مرجائیں گی تو کیا پھر صفاتِ روحانیہ کی زندگی سے زندہ نکالی جائیں گی یہ کیسے ہوسکتا ہے یہ بدبخت دعویٰ کرتا ہے کہ خدا اُن میں حلول کر گیا ہے۔ اہلِ معرفت پر لازم ہے کہ ایسے شیطانی دعووں قولوں کو قطعی طور پر رد کر دے کیونکہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو ایسی کھلی اور صاف شریعت اور عرفانی طریقت عطا فرمائی ہے جس کے ذریعہ ہر بد باطن کو درست کیا جاسکتا ہے اُسی آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم بصیرت سے ہماری عقلِ سلیم بھی ہماری یہی رہنمائی کرتی ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اسماء وکمالات کو بیان کرنا جائز ہے۔ مولیٰ تعالیٰ اِس بات سے پاک ہے کہ کوئی شئی اُس میں حلول کرے اور وہ کسی میں حلول کرے وہ ذات جلّ مجدہٗ اپنی تمام صفات میں بے مثل ہے بلکہ ھَلْ تَعْلَمُ لَهٗ سَمِيًّا اس کے تمام ذاتی صفاتی نام بھی بے نظیر و بے مثل ہیں اسی بے مثل خالق نے بے مثل و بے نظیر مخلوق محمدِ مصطفیٰ کو پیدا فرمایا۔ اسی لیے کائنات میں نہ کوئی نظیر اللہ ہوسکتا ہے نہ کوئی نظیر احمد، اسی لیے نظیر اللہ نظیر احمد نام رکھنا منع ہے

اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ

کیا انسان کبھی نہیں سوچتا کہ بے شک ہم نے ہی شروع میں اس کو پیدا کیا

اور کیا آدمی کو یاد نہیں کہ ہم نے اس سے پہلے اُسے بنایا

وَلَمْ يَكُ شَيْـًٔا ﴿٦٧﴾ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ

حالانکہ وہ نہیں تھا کچھ بھی پس قسم ہے آپ کے رب کی البتہ ضرور کرلائیں گے ہم

اور وہ کچھ نہ تھا۔ تو تمہارے رب کی قسم ہم انہیں اور شیطانوں

وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ

ان کو اور تمام شیطانوں کو پھر ان کو جمع کریں گے ہم جہنم کے اردگرد

سب کو گھیر لائیں گے اور انہیں دوزخ کے آس پاس حاضر کریں گے

جِثِيًّا ۝٦٨ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ

گھٹنوں کے بل۔ پھر علیحدہ چھانٹ نکالینگے ہم ہر فرقے میں سے اس کو

گھٹنوں کے بل۔ پھر ہم ہر گروہ سے نکالیں گے

اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۝٦٩ ثُمَّ

جو زیادہ شدید ہوگا اللہ رحمٰن کے بارے گستاخی میں۔ پھر

جو اُن میں سے رحمٰن پر سب سے زیادہ بے باک ہوگا۔ پھر

لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا

البتہ ہم ہی خوب سمجھ لیں گے ان کو جو زیادہ لائق ہیں اُس جہنم میں

ہم خوب جانتے ہیں جو اس آگ میں بھوننے کے زیادہ لائق

صِلِيًّا ۝٧٠ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ

جلنے مرنے کے۔ اور نہیں ہے کوئی بھی تم میں سے مگر اس جہنم کے اوپر سے گزرنیوالا ہے ہو چکی ہے

ہیں۔ اور تم میں کوئی ایسا نہیں جس کا گزر دوزخ پر نہ ہو تمہارے

عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا ۝٧١

یہ سب کارکردگی آپ کے رب کے ذمے یقینی فیصلہ کی ہوئی

رب کے ذمے پر یہ ضرور ٹھہری ہوئی بات ہے۔

تعلقات اِن آیت کریمہ کا سابقہ آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے اِنکارِ قیامت اور موت کے بعد زندہ ہونے کے انکار کا ذکر تھا۔ اَب اِن آیت میں اُس کا با دلائل جواب دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق۔** پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو بھول نہیں ہو سکتی۔ اَب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ضرور ضرور کفار و شیاطین کو میدانِ محشر میں حاضر کرے گا اور جہنم میں ڈال دے گا چونکہ وہ ربّ جلیل بھول سے پاک ہے اس لیے کوئی مجرم بچ کر نہ بھاگ سکتا ہے نہ چپکے سے نکل سکتا ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہلِ جنت اور اہلِ جہنّم کا ذکر ہوا کہ یہ علیحدہ علیحدہ سب اپنے اپنے مقامات میں داخل ہوں گے۔ اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ جس طرح اِن کفار اور اہلِ ایمان کے جدائی اور تفریق کے بھی دو مقام ہیں ۱۔ جنتیوں کے لیے جنت ۲۔ جہنمیوں کے لیے جہنم اسی طرح اِن سب کے اکٹھا ہونے کے بعد بھی دو مقام ہیں ۱۔ میدانِ محشر اور ۲۔ پُل صراط جو جہنم کے اُوپر بنا ہوا ہے۔ وہاں سے سب نے ہی گزرنا ہے۔ جنتی پار نکل جائیں گے اور جہنمی گر جائیں گے۔

تفسیر نحوی اَوَلَا يَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ يَكُ شَيْئًا ۔ فَوَرَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَالشَّيٰطِيْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِيًّا ۔ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِيْعَةٍ اَيُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِيًّا ۔ اَوْ حرفِ عطف ہے گیارہ خصوصی ذاتی معنوں اور دو دوسرے حرفوں کے معنیٰ میں مستعمل ہے اس کا ہمزہ (الف) ہمیشہ مفتوح ہوتا ہے مگر اس کی واؤ ساکن (مجزوم) ہوتی ہے یہ اس کی اصلی حالت ہے اور کبھی اس کی واؤ مفتوح ہوتی ہے یعنی اَوْ و ۲ اَوَ۔ بحالتِ اَوْ یہ شک۔ ابہام (پوشیدگی) اختیار۔ جواز اور مباح اور تفصیل بیان کرنے کے لیے آتا ہے لیکن اَوَ۔ یہ وضاحت، ثبوت، تردید، انکار یا سوال کے لیے ہے۔ لَا يَذْكُرُ۔ فعل مضارع نفی بلا حال معروف بابِ نَصَرَ۔ ذِکْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ذکر کرنا، یاد کرنا، سوچنا، رونا اَلْاِنْسَانُ۔ الف لام عہدی۔ انسان۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ آدمی مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے مگر لفظاً مذکر ہے۔ فاعل ہے۔ اَنَّا یہ دو لفظ ہیں ۱۔ اَنَّ ۲۔ نَا حرفِ مشبہ اور ضمیر جمع متکلم مراد ہے واحد متکلم مرجع اللہ تعالیٰ یہ ضمیر اَنَّ کا اسم ہے خَلَقْنَا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ خَلْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدا کرنا نیست سے ہست عدم سے موجود کرنا۔ نَا ضمیر جمع اس کا فاعل ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل اس کا مفعول بہٖ ہے۔ مِنْ حرفِ جر

زائدہ۔ قَبْلُ اسم ظرف مبہم مرفوع اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِہٖ۔ چونکہ مضاف الیہ پوشیدہ ہے اس لیے اس کو رفع ہی آسکتا ہے اس وقت یہ مبنی ہے اسماءِ ظروفِ مبہمات کل چودہ ہیں، قَبْلُ، بَعْدُ، فَوْقُ، تَحْتُ، یَمِیْنُ، یَسَارُ (شمال جنوب) خَلْفُ، قُدَّامُ، عِنْدَ، لَدٰی، حَوْلَ، مَکَانُ، زَمَانُ، اَسْفَلُ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خَلَقْنَا۔ کا۔ واؤ حالیہ لَمْ یَکُ فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر غائب ناقصہ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ دراصل تھا یَکُوْنُ۔ حرفِ لَمْ نے جزم دیا نون کو تو واؤ گر گئی کیونکہ دو ساکن جمع نہیں ہو سکتے پھر ترخیم و تخفیف کے لیے نون لام کلمہ بھی گر گیا شَیْئًا۔ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی موجود۔ شَیْ کی چار قسمیں ہوتی ہیں (۱) قدیم (۲) جوہر (قائم بالذات) (۳) عرض (قائم بالغیر) (۴) حادث۔ یہاں حادث مراد ہے۔ بعض وہابی حضرات نے محال اور معدوم کو بھی شَی قرار دیا ہے یہ ان کی جہالت ہے اور اس آیت کے خلاف ہے۔ یہاں یہ خبر ہے لَمْ یَکُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ منفیہ خبریہ ہو کر حال ہے ہُ ضمیر بارز کا وہ ذو الحال ہے اپنے اس حال سے مل کر مفعول بہ ہے۔ خَلَقْنَا۔ سب سے مل کر خبر ہے اَنَّ کی وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَا یَذْکُرُ سب مل کر جملہ فعلیہ سوالیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَ بمعنی ثُمَّ تراخی کے لیے عاطفہ نہیں ہے زائدہ ہے واؤ حرفِ جر قسمیہ۔ خیال رہے کہ حروف قسم تین ہیں اور تینوں ہی حروفِ جر ہیں (۱) واؤ (۲) ب (۳) تَ۔ ان سے پہلے فعل مضارع اُقْسِمُ واحد متکلم معروف پوشیدہ ہوتا ہے۔ رَبِّکَ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ فعل اُقْسِمُ کا۔ اَنَا ضمیر اس کا پوشیدہ فاعل ہے ترجمہ ہے۔ میں قسم فرماتا ہوں تیرے رب کی۔ مرجع متکلم خود رب تعالیٰ ہے یہ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ ہو کر قسم ہوا۔ لَنَحْشُرَنَّ فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع متکلم حَشْر سے بنا ہے بمعنی جمع کرنا۔ ھُمْ ضمیر جمع غائب کا مرجع اَلنَّاسُ یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ جمع کے لیے یا یہ واؤ بمعنی مع ہے یعنی شیطانوں کے ساتھ اَلشَّیٰطِیْنَ اسم جمع سالم اس کا واحد ہے شیطان یہ معطوف دونوں مل کر مفعول بہ ہے یہ فعل تاکیدی سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ یہ حرفِ عطف۔ لَنُحْضِرَنَّ لامِ تاکید با نون تاکید ثقیلہ فعل مستقبل جمع متکلم باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِحْضَارٌ نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر مفعول بہ کا مرجع اَلنَّاسَ وَالشَّیٰطِیْنَ۔ حَوْلَ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی آس پاس۔ ارد گرد دونوں جانب اور چاروں طرف، ظرفِ مکانی ہے زمانی بھی ہوتا ہے۔ اسی سے ہے حَوْل بمعنی سال و بارہ مہینے۔ اسی سے ہے حوالے کرنا۔ تحویل حوالات کیونکہ سال اور کسی کے حوالے کرنا بھی اس کا ہر

طرف ہونا گران ہونا ہے۔ یہاں مراد ہے جہنم کے بیچ یا قریب ہیں مضاف ہے جہنم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے۔ جِثِیًّا۔ اسم فاعل مذکر باب ضَرَبَ جَثَا یَجْثِی سے مشتق ہے وہ جُثِیٌّ یا جُثُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی اوندھے منہ گھٹنوں کے بل گرنا۔ اس کا واحد مذکر ہے جَاثٍ۔ جو دراصل جَاثِوٌ تھا۔ جِثِیًّا۔ دراصل جُثُوْوٌ اور جَاثُوُوْنَ تھا۔ ثَ مضموم کے بعد دو واؤ ثقیل ثَ کو کسرہ دیا پہلی واؤ کو جر اور سکون کی وجہ سے یٔ بنایا اور دوسری واؤ قرب کی وجہ سے یٔ بن گئی اور تخفیف کے لیے دونوں کا ادغام کر دیا گیا۔ یہ حال ہے ھُمْ غیر بارز کا۔ وہ ذوالحال حال دونوں مفعول بہٖ ہو گئے لَنُحْضِرَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ثُمَّ۔ حرفِ عطف لَنَنْزِعَنَّ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع متکلم مرجع ہے باری تعالیٰ۔ نَزْعٌ سے مشتق ہے بمعنی علیحدہ کرنا نکالنا۔ روح نکلنے کو بھی حالتِ نزع اسی معنیٰ میں کہتے ہیں یہاں مراد ہے چھانٹ کرنا۔ مِنْ حرفِ جر بعضیت کے لیے کُلّ اسم مفرد جامد کلیت اور جمعیت بتانے والا شِیْعَۃٌ اسم مفرد جامد واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب پر بولا جاتا ہے لغوی معنیٰ بکھرنا۔ انتشار اصطلاحاً علیحدہ فرقے اور گروہ ٹولے کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ خواہ اچھا ٹولا ہو یا برا۔ اس کی جمع ہے اَشْیَاعٌ اور شِیَعٌ اسم نکرہ ہے یہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ اَیٌّ اسم معرب استفہامی مذکر۔ یہاں موصولہ ہے یا ایک قول میں سوالِ تعیین (مقرر و مخصوص کرنے) کے لیے اِس کا مؤنث ہے اَیَّۃٌ یہ شرطیہ بھی ہوتا ہے موصولہ اور کبھی موصوفہ بھی۔ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ مرکب اضافی مبتدا۔ اَشَدُّ۔ اسم تفضیل مذکر۔ شِدَّۃٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی سخت۔ شدید مراد ہے سخت کفر والا۔ ھُوَ ضمیر مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل اس کا مرجع اَیٌّ ہے علیٰ حرفِ جر بمعنی پے۔ (بارے میں) رحمٰن مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے اَشَدُّ کا عِتِیًّا اسم فاعل جمع مذکر دراصل عُتُوْوٌ تھا۔ اس کی تعلیل بالکل جِثِیًّا کی طرح ہے لغوی ترجمہ سخت بوڑھا ہونا۔ سکھیا جانا۔ اصطلاح میں سرکش ضدی گستاخ ہونا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ یہ تمیز ہے اَشَدُّ کے فاعل پوشیدہ ھُوَ ضمیر کا۔ اَشَدُّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَیُّھُمْ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے لَنَنْزِعَنَّ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف۔ تینوں ثم کے عطف مل کر جواب قسم ہوا۔ قسم اپنے جواب سے مل کر جملہ قسمیہ ہو گیا۔

ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ ھُمْ اَوْلٰی بِھَا صِلِیًّا۔ وَاِنْ مِّنْکُمْ اِلَّا وَارِدُھَا کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا۔

ثم حرفِ عطف بمعنی واؤ استینافیہ (ابتدائیہ) ترجمہ ہے۔ اِن سب باتوں کے علاوہ۔ لام کے تاکیدی نَحْنُ اسم ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل مذکر واحد باب فَتَحَ سے

اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ اَوْلیٰ اسم تفضیل واحد مذکر۔ وَلْیٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے بمعنی قریب ہونا۔ ترجمہ ہے زیادہ قریب یعنی زیادہ لائق زیادہ مناسب۔ بِ حرف جر تعدیہ کا ھَا ضمیر غائب کا مرجع جہنم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْلیٰ کا اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ ہے۔ صِلِیًّا۔ اسم مفرد مصدر صَلْیٌ سے تغیر کرکے صِلِیًّا کیا گیا بمعنی داخل کرنا، داخل ہونا۔ کرنا، ڈالنا بھوننا ایک قول ہیں یہ اسم فاعل ہے باب ضرب کا۔ اس کا واحد مذکر صَالٍ اور صَالِیٌ ہے اس کی تعلیل بالکل مندرجہ بالا جِثِیًّا اور عِتِیًّا کی طرح ہے مگر یہاں مصدر ہی مناسب ہے یہ تمیز ہے اولیٰ کے پوشیدہ فاعل کا دوسرے قول کے مطابق یہ تینوں مشتقات جِثِیًّا عِتِیًّا صِلِیًّا۔ ناقص یائی دراصل جاثی عاتی صالی تھے اولیٰ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا وہ دونوں جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا۔ وہ دونوں مجرور متعلق ہے اَعْلَمُ کا۔ اَعْلَمُ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے نَحْنُ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ ہر جملہ اِنْ۔ حرف نافیہ اکثر اِلَّا اور لَمَّا سے پہلے جو اِنْ ہو وہ نافیہ ہوتا ہے اس کے علاوہ اِنْ کی کُل چار قسمیں ہیں ۱؎ اِنْ حرف نافیہ۔ جیسے یہاں ۲؎ اِنْ مخففہ حرف مشبہ ۳؎ اِنْ حرف تاکید ۴؎ اِنْ شرطیہ اس حرف کا استعمال زیادہ ہے۔ اِنْ ہمیشہ کسی اسم یا فعل سے پہلے ہوتا ہے یہ حرف پر داخل نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا یہاں مِنْکُمْ سے پہلے اَحَدٌ پوشیدہ مانا گیا۔ اَحَدٌ پوشیدہ مبتدا مِنْکُمْ۔ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا مَوْجُوْدٌ متعلق اور نائب فاعل ھُوَ پوشیدہ سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرف استثنا، وَارِدٌ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مذکر یہ اسم فاعل مضاف ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ھَا ضمیر اس کا ظرف یا مفعول فیہ مضاف الیہ۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مستثنیٰ ہوا۔ دونوں مل کر جملہ استثنائیہ اسمیہ ہوگیا۔ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ پوشیدہ اس کا اسم اس کا مرجع وَارِدٌ کا مصدر وُرُوْدٌ ہے عَلیٰ یہ سب جار مجرور متعلق ہے کَانَ کا حَتْمًا۔ اسم مفرد نکرہ جامد ہے بمعنی الیقینی ناقابل تنسیخ۔ واجب لازم یہاں سب معنی مناسب ہیں یہ خبر اول ہے کَانَ کی مَقْضِیًّا باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر قَضْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ کرنا۔ آخری بات کہنا آخری کام بیان پہلے معنی مراد ہیں دراصل تھا مَقْضُوْیٌ۔ واؤ ثقیل کو یٰ بنایا ماقبل کو یٰ کی وجہ سے کسرہ دیا دونوں یٰ کا ادغام کردیا یہ خبر دوم ہے۔ کَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوگیا

تفسیر عالمانہ

اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ مِنْ قَبْلُ وَلَمْ یَکُ شَیْئًا۔ فَوَرَبِّکَ لَنَحْشُرَنَّھُمْ وَالشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّھُمْ حَوْلَ جَھَنَّمَ جِثِیًّا۔ ثُمَّ

لَنَنۡزِعَنَّ مِنۡ كُلِّ شِيۡعَةٍ اَيُّهُمۡ اَشَدُّ عَلَى الرَّحۡمٰنِ عِتِيًّا ۔ کیا یہ انسان حکم تفکر و تدبر سے اس حقیقت میں غور و فکر نہیں کرتا کہ بے شک ہم نے اس کو اس سے پہلے پیدا کیا اور اس کی ہر چیز نطفہ مضغہ لوتھڑا گوشت پوست ہڈی ایجاد کر دی اور نیست سے ہست عدم سے وجود پیدا کر دیا خلقت سے ایجاد آسان ہوتی ہے اور ایجاد سے مثل بہت آسان اور مثل سے نقل نقل سے ترکیب بہت ہی آسان کیا احمق ہے کہ اپنے اعضاء متفرقہ کے دوبارہ جوڑنے پر حیران اور منکر ہے ہڈیوں کو زندہ کرنا اور ان پر گوشت اور گوشت پر پوست چڑھانا آسان ہے خاک و نار باد و آب عناصر اربعہ سے جرثومہ اور جرثومے سے جراثیم اور جراثیم سے نطفہ اور نطفے سے یہ لحیم شحیم موٹا چوڑا عقل و دل نطق و کلام والا انسان بنانا اور زندہ کرنے سے قیامت پر یہ ایسی دلیل ہے کہ بجز رب تعالیٰ کوئی نہیں بیان فرما سکتا کیونکہ قیامت میں ذات مع صفات کا اعادہ اور تکرار خلقت ہے اور تغیر ذات فی اطوار صفات سے زیادہ مشکل ہے ہر صانع اور کاریگر اس کو سمجھتا ہے اس لیے کہ پہلی صنعت ذہن کاریگر میں مکمل منقش و محفوظ نہیں رہ سکتی یہ قدرت صرف خالق تعالیٰ کو ہی ہے کہ مخلوق کچھ بھی تو نہ تھی جس کو اس خلاق نے پیدا کیا۔ اشیاء عالم کے موجد تو ہزاروں ہیں مگر خالق و خدا لاشریک یہ ہی ہے اسی لیے خالق کسی کو نہیں کہا جا سکتا۔ نہ ہی کسی شخص کے کسی کام کو تخلیق کہا جا سکتا ہے جو ایسا کہے وہ جاہل و گمراہ یا مشرک ہے اے محبوب کائنات تیرے رب کی قسم البتہ یقیناً ضرور ضرور یہ تقدیر مبرم ہے کہ ہم ان منکرین قیامت کو محشر میں جمع کر دیں گے اور ان کے تمام ساتھیوں شیطانوں کو ایک ساتھ ہی جکڑ جکڑا کر حاضر کر دیں گے اس میدانِ قیامت میں کہ قرب نظارہ میں وہ سب دوزخ کے آس پاس ہی بھڑکتی دہکتی جہنم کو میدانِ محشر سے ہی ایسا دیکھیں گے جیسے قریب ہی ہے اور تمام ان منکرین شیطانوں انسانوں کو ان کے اپنے اپنے جسموں شکلوں کے ساتھ گھٹنوں کے بل کھڑا کیا جائے گا. یا وہ خود مارے ہیبت و دہشت کے خود نہ کھڑے ہو سکیں گے بس گھٹنوں تک ہی اٹھیں گے انسان اپنی انسانی دنیوی شکل پر ہوں گے اور شیطان اپنی جناتی شکل پر ہوں گے تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکیں شیطان تو سب کو پہچانے بیٹھے مگر انسان آپس میں ایک دوسرے کو نورِ تَبِّكَ میں فَاْسْبِيَہ ہے کیونکہ قیامت کا انکار سبب ہے شیاطین کے ساتھ حشر ہونے کا ہر انسان اپنے اپنے اس شیطن یا اس لیڈر سردار کفر کے ساتھ جکڑا ہو گا جو دنیا میں اس کو ورغلاتا اور کافر بناتا تھا۔ یہاں اپنی ذات کی قسم فرمانا عظمت و اجل کی جھڑک کے لیے ہے اور

قسم کی نسبت آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرنا شانِ محبوبیت کے اظہار کے لیے ہے اور یہ بتانا ہے کہ اب اسی محبوب کا دامن محشر کی ہولناکی و جہنم کے عذاب سے بچا سکتا ہے یہ ذلت آمیز حشر صرف منکرین قیامت کفار کا ہوگا۔ جثیا کے معنی ہیں تین قول ہیں۔ ۱ گھٹنوں کے بل یہی درست ہے اعلیٰ حضرت نے اسی کو اختیار فرمایا ۲ جماعتیں ۳ بعض نے فرمایا کہ جثیا کا معنی ہے مٹی پتھروں کا مجموعہ مراد ہے ڈھیر کی طرح گرے پڑے ہوں گے یہاں تین جگہ ثُمَّ ارشاد ہوا۔ اور تین جگہ تراخی کے لیے نہیں بلکہ بمعنی فَ ہے یعنی صرف تعقیب کے لیے مراد ہے فوراً بعد بعض نے فرمایا ہر جگہ ثُمَّ اپنے معنی میں ہے تراخی کے لیے ہے یعنی کچھ دیر بعد وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ ثُمَّ سے یہ وضاحت ہوتی ہے کہ حشر و حساب و کتاب کے بعد جہنم کی حاضری ہوگی ہر نیک و بد کو تین بار جنت و جہنم دکھائی جاتی ہے پہلے قبر میں پھر میدانِ محشر میں پھر پُل صراط پر۔ قیامت میں کفار کا حشر پانچ قسم کا ہوگا پہلا حشر قبروں سے دوم میدانِ محشر میں اجتماع شیطانوں کے ساتھ سوم حساب و کتاب کی حاضری۔ چہارم کفار میں سے کفار کی چھانٹ جس کا ذکر ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ میں ہوا پنجم دخول جہنم۔ بعض نے کہا کہ دخول جہنم کا نظارہ سب مومن و کافر کو ہوگا۔ اور یہ نظارہ جہنم سے باہر رہ کر دور میدانِ محشر میں سے ہوگا مومنین اس نظارے سے شکر و سرور حاصل کریں گے کہ یا اللہ تیرا کرم ہے کہ تو نے ہم کو اس جہنم سے بچا لیا۔ اور کافر رو رہے گے تڑپیں گے۔ اِس حشر نشر حساب و کتاب اور دخول جہنم جثیا کے بعد ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ پھر ہم ان کافروں میں سے چھانٹ کریں گے اور چُن چُن کر ہر کفریہ گروہ اور ٹولوں فرقوں شیعوں میں ان بڑے بڑے کافروں کو علیحدہ کریں گے جو اپنے اللہ رحمٰن رحیم نہایت مہربان کی بارگاہ میں بہت بڑا گستاخ گمراہ۔ گمراہ کرنے والا۔ حد سے بڑھنے والا۔ متکبر۔ مغرور۔ لیڈر رئیس۔ سردار۔ بے باک۔ بے غیرت۔ جرأت کرنے والا سخت کافر۔ نافرمان اور افترا کرنے جھوٹ بولنے والا دنیا میں بنا پھرتا تھا۔ کفر کی ملت ایک ہے مگر کفر کے شیعہ یعنی گروہ بہت ہیں ۱ محبت کے کافر جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی محبت میں عیسائی کافر ہوئے اور مولیٰ علی کی محبت میں روافضی کافر ہوئے نہج البلاغہ جلد دوم ص۱۱ میں مولیٰ علی شیر خدا نے فرمایا کہ

سَیَهْلِكُ فِیَّ صِنْفَانِ مُحِبٌّ مُفْرِطٌ یَذْهَبُ بِهِ الْحُبُّ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ وَمُبْغِضٌ مُفْرِطٌ یَذْهَبُ بِهِ الْبُغْضُ اِلٰی غَیْرِ الْحَقِّ ۔ یعنی مولیٰ علی نے فرمایا کہ میرے بارے میں دو قومیں ہلاک ہوں گی گمراہی کی محبت والا اور گمراہی کے بغض و عناد اور دشمنی والا۔ محبت بھی باطل کی طرف لے جاتی ہے اور دشمنی بھی

۲ دشمنی کے کافر جیسے یہودی، اور خارجی ۳ عمل کے کافر ۴ عقیدے کے کافر ۵ قولی کافر ۶
نیت وقلبی کافر۔ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِیْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِیًّا وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا
كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا پھر اس نزع اور چھانٹ وعلیحدگی کے بعد البتہ ہم ہی زیادہ جاننے والے
ہیں اُن کافروں گستاخوں کو اور سمجھ لیں گے (نمٹ لیں گے) ہم اُن سے جو سب سے پہلے
جہنم کی آگ میں جلائے جانے ڈالے اور پھینکے جانے کے قابل ہیں۔ یعنی وہ جلنے کے لائق
در لائق ہیں یا ان کا آگ سے جلنا ہی زیادہ مناسب ہے۔ یہاں ثُمَّ اپنے معنی میں بھی ہو سکتا ہے
یعنی تراخی کے لیے کہ جہنم کی حاضری کے بہت بعد عذاب صِلِیًّا ہوگا اور ثُمَّ بمعنی فِ تعقیبیہ
بھی ہو سکتا ہے کہ جہنم میں دخول کے فوراً بعد۔ اَعْلَمُ بمعنی عَلِیْم ہے کیونکہ یہ علم خاص اللہ تعالیٰ کو
ہے بعض نے کہا کہ فرشتے کراماً کاتبین بھی اور دیگر ملائکہ بھی فاسق وفاجر، مومن متقی سعید وشقی
کو جانتے ہیں مگر اَوْلٰى بِهَا صِلِیًّا کو صرف رب تعالیٰ ہی جانتا ہے (صاوی مظہری) اور اے کائناتِ
انسانیت کے تمام انسانو خوب سن لو سمجھ لو اور آج دنیا میں ہی اپنا سنبھالا کر لو تم سب نیک و
بد مومن وکافر سعید وشقی جنتی وجہنمی میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو اس جہنم کا وارد نہ ہو ایک
قول میں مِنْكُمْ سے صرف کفار مراد ہیں کیونکہ آیت ۵۹ سے کفار ہی کا ذکر چلا آرہا ہے مگر بفرمانِ احادیث
پہلا قول درست ہے اور وُرود سے مراد پُل صراط سے گزرنا ہے حضرت عبد اللہ ابن مسعود
رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پُل صراط وہ پُل ہے جو میدانِ محشر سے جنت تک ہے اس کے
نیچے جہنم ہے گویا یہ پُل جہنم کے اوپر بنا ہوا ہے جہنم کو عبور کرنے کے لیے اس پُل کے آس
پاس دو طرف تین قسم کے کانٹے ہیں ۱ خطاطیف۔ یہ بالکل سیدھے ہیں اُن فاسقین کے لیے
جن کو شفاعت نہ ملی اُن کو یہ کانٹے چبھیں گے اور وہ فساق درد سے بلبلا کر پُل سے نیچے جہنم میں
گر پڑیں گے ۲ کلالیب یہ کانٹے کتے کے منہ اور دانتوں کی طرح ٹیڑھے ہیں صرف کفار کے
لیے یہ کافر کو پکڑ کر جہنم میں جبراً پھینکے گے ۳ حسکۃ یہ کانٹے بالکل سیدھے ہیں صرف کمزور
ایمان ناقص اعمال والوں کے لیے یہ کانٹے اُلجھا دینگے جس سے اُن لوگوں کا گزرنا مشکل اور
آہستہ ہوگا مگر بچ جائیں گے ہر شخص اس پُل صراط سے گزرے گا اولیا علماء بجلی کی طرح گزریں
گے عام متقی ہوا کی طرح مومنین صالحین تیز رفتار گھوڑے کی طرح عام مسلمان تیز رفتار مرد کی طرف پھر
کامیاب لوگ بھاگتے پیدل کی طرح پھر کمزور ایمان واعمال والے گرتے پڑتے۔ فاسقین پھسل کر
گر پڑیں گے کافرین اُلجھ کر گر جائیں گے۔ وَارِدُهَا سے مراد ہے مرورِ جہنم ۲ یا دخولِ جہنم۔

۴ یا حضورِ جہنم۔ مسند احمد حنبل میں۔ بروایت جابر بن عبداللہ ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وُرُود سے مراد دخول ہے اور مومن و کافر سب جہنم میں داخل ہوں گے مومن پر آگ بَرْدًا وَّسَلَامًا ہو جائیگی۔ جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام پر زمین کی آگ بردًا وّسلامًا ہوگئی تھی۔ وُرُود کے معنی میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مُرور یعنی گزرنا ہے ۲ مراد دخول ہے ۳ مراد ہے جہنم کے قریب ہونا۔ زیادہ صحیح یہ ہے کہ وُرُود بمعنی دخول ہے نہ کہ مُرور کیونکہ دخول کے بعد نکلنا نہیں ہوگا مگر فاسقین سزا بھگت کر اور کفار کبھی بھی نہیں نکل سکیں گے ابدًا ابدًا۔ اِسی دوزخ میں ایک قول میں ورود بمعنی عبور مومن کے لیے اور بمعنی دخول کافر کے لیے اور بمعنی مرور فاسقین کے لیے صالحین دوزخ میں مُبْعَدُوْنَ اور لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ہوں گے مومنین ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ہوں گے تفسیر تنویر المقباس میں ہے وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا میں انبیاءِ کرام علیہم السلام شامل نہیں نہ مرور علی الصراط میں نہ دخول میں نہ عبور میں ان کے لیے جنت میں جانے کا سرکاری راستہ علیحدہ ہے جب لوگ پُل صراط پر سے گزرنے لگیں گے تو تمام انبیاءِ عظام پُل کے اِس پار پہلے کنارے پر کھڑے ہوں گے اور فرشتے و انبیاءِ کرام علیہم السلام رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ کی دعائیں مانگتے ہوں گے اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم پُل کے اُس پار دوسرے کنارے پر بطورِ پیشوا کھڑے ہوں گے اور سَلِّمْ سَلِّمْ کی دعائیں بارگاہِ ربوبیت میں عرض کریں گے۔ خیال رہے کہ پُل صراط پر اور جہنم میں سخت اندھیرا ہوگا۔ اُس وقت روشنی صرف اعمالِ صالحہ کی ہوگی کسی کی روشنی چاند جیسی کسی کی ستاروں جیسی اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ قیامت کے یہ فیصلے لَنَحْشُرَنَّ۔ لَنُحْضِرَنَّ۔ لَنَنْزِعَنَّ۔ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا۔ اِلَّا وَارِدُهَا یہ سب کے سب كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ اے پیارے حبیب آپ کے رب کے ذمہ تقدیرِ مُبْرَم ہے جو کسی کے بھی کہنے سننے دعا و فریاد التجاء و انکسار سے نہیں ٹل سکتی۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ اللہ پر واجب اور فرض ہے کہ وہ اپنے فیصلوں پر قانون پر عمل کرے اور دلیل اس بات سے پکڑتے ہیں کہ یہاں عَلٰی وجوب کے لیے ہے۔ مگر یہ عقیدہ و استدلال غلط ہے اللہ جل شانہ پر کوئی چیز واجب یا لازم نہیں ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کی صفات کا تعلق بحسب مخلوق سے ہے مگر تذکرے میں اللہ تعالیٰ کی صفات کی نسبت ہمیشہ اچھی چیز کی طرف کرنا چاہیے یہ فائدہ مَوْرَبِّكَ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا رب اور پالنے والا ہے مگر خود باری تعالیٰ نے [illegible] کی نسبت ہمیشہ اچھی چیز کی طرف

نسبت اپنے پیارے حبیب کریم کی طرف فرمائی آئندہ تمام جنات انسان ملائکہ کو بھی سکھانے کے لیے دوسرا فائدہ اس ہی فَوَرَبِّكَ کے ارشادِ مقدس سے یہ فائدہ بھی حاصل ہوا کہ بارگاہِ الٰہیہ میں تمام مخلوق سے اَفضل اَعلیٰ بَالا وَ اَوْلٰی اَکْرَم اَکْمَل بے مثل صرف اور صرف آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہیں کہ رب جَلَّ وَعَلٰی نے اپنی عظیم قسم کے لیے اپنے حبیب کی نسبت کو اختیار فرمایا۔ تیسرا فائدہ دنیوی زندگی میں نیک لوگوں کی سنگت محفل مجلس اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے جس کو یہ میسر آجائے وہ خوش قسمت ہے اور انتہائی بدقسمت وہ انسان ہے جس کو برے اور شیطانی لوگوں کی یاری دوستی محفل نصیب ہوئی کل قیامت میں بدوں کی دوستی سخت ذلت کا باعث ہوگی یہ فائدہ وَالشَّیٰطِیْنَ میں واؤ بمعنی مَعَ ارشاد فرمانے اور اس کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیاتِ پاک سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ تمام اہل سنت حنفی شافعی مالکی حنبلی ائمہ کا مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں نہ کوئی فرض سے دنیا و آخرت کے تمام فیصلے اس کے کرمِ کریمانہ اور حکمتِ قدیمانہ کے ذمہ پر منحصر ہیں یہ مسئلہ کَانَ عَلٰی رَبِّکَ حَتْمًا مَّقْضِیًّا کی تفسیر اور اعلیٰ حضرت کے تفسیری ترجمہ سے مستنبط ہوا۔ تفسیر نیشاپوری اور تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ یہ باطل نظریہ اور کفریہ مسلک معتزلہ فرقے کا ہے وہ کہتے ہیں کہ معاذ اللہ مجرمین کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر شرعی واجب ہے۔ گویا کہ ان ظالموں نے اللہ تعالیٰ کو بھی شریعت کا مکلّف مان لیا۔ اسی طرح بعض دیوبندیوں وہابیوں نے بھی اس آیت میں عَلٰی کو وجوب کا مان کر معتزلہ کے کفریہ عقیدے کی تائید کردی۔ دوسرا مسئلہ اللہ تعالیٰ نے دو قسم کی تقدیریں پیدا فرمائیں ایک تقدیرِ مُبْرَم دوم تقدیرِ معلّق۔ تقدیرِ مُبرم کبھی نہیں ٹل سکتی کسی کی دعا سے بھی نہیں بدلتی خواہ کوئی شخص کسی بھی مرتبے اور مقام پر ہو بلکہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور خاص اولیاء اللہ کو اس کے بدلنے کی دعا مانگنے سے بھی منع فرما دیا جاتا ہے۔ بعض بزرگوں نے لکھا ہے کہ غوثِ پاک عبدالقادر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں تقدیرِ مُبرم کو بدل سکتا ہوں۔ یہ قطعًا غلط ہے غوثِ اعظم کے اس قول کا کہیں ثبوت نہیں۔ بلکہ ایسا کہنا غوثِ اعظمؓ پر افتراء ہے۔ جو سراسر گناہ ہے۔ یہ مسئلہ حَتْمًا مَّقْضِیًّا سے مستنبط ہوا تیسرا مسئلہ انسانیت آدمیت شخصیت جسم اور بدن کا نام ہے موت اور زندگی بھی فقط جسم پر وارد ہوتی ہے یہ مسئلہ لَمْ یَکُ شَیْئًا فرمانے سے مستنبط کہ دیکھو روحیں عالمِ ارواح میں کروڑوں سال پہلے سے تھیں اس کے باوجود فرمایا گیا لَمْ یَکُ شَیْئًا۔ بعد موت بھی روحیں بنفسہٖ موجود مگر انسانیت

کو فنا ثابت ہوا کہ جسم کی فنا انسانیت کی فنا اور موت ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** ۔ جب مومنین کو جہنم کا عذاب ہی نہیں اور جیسا کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ جہنم کی آگ اہلِ ایمان پر ٹھنڈی ہو جائیں گی بلکہ خود جہنم پکارے گی کہ اے مومن تیرے نور نے میری آگ بجھا دی تو پھر مومنین کو جہنم میں داخل کرنے کا مقصد کیا ہے۔ بادیٔ النظر میں کیا یہ کام عبث نہیں لگتا؟ **جواب** ۔ بقول بعض صحیح تر قول یہ ہے کہ دخولِ جہنم نہ ہوگا بلکہ بذریعہ پُل صراط مرور یا عبورِ جہنم ہوگا اور عبور کے وقت جہنم پکارے گی کہ اے مومن تیرے نورِ اعمال سے میرے شعلے ماند پڑ رہے ہیں تو جلدی گزر جا۔ لیکن جن مفسرین نے دخولِ جہنم کا فرمایا وہ اِس سوال کا جواب دیتے ہیں کہ پانچ وجہ سے اہلِ ایمان کا دخولِ جہنم ہوگا۔ ایک یہ کہ جہنم کی سختی کا اندازہ لگالیں اور آنکھوں دیکھے حال کے بعد نجات کی قدر اور اللہ تعالیٰ کے کرم کا سرور زیادہ ہو دوم یہ کہ جب مومنین کو نکالا جائے تو کفار کی رسوائی اور مایوسی زیادہ ہوگی سوم یہ کہ جس طرح دنیا میں کفار اہلِ ایمان غربا فقرا کا مذاق اڑاتے تھے اسی طرح آج اِن کو کافروں کا مذاق اڑانے کا موقع ملے چہارم یہ کہ مومنین کو جنت کے دخول کی لذت وقدر زیادہ ہو۔ پنجم یہ کہ جنت قریب ہے آسمانوں کے اور جہنم نیچے ہے زمین کے اور جہنم گزرگاہ ہے جنت کی اس لیے سب لوگ گزر کر ہی جنت میں جائیں گے۔ **دوسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا اَوَ لَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ۔ اس جگہ اَلْاِنْسَانُ کہنا زائد ہے صرف اَوَلَا یَذْكُرُ ہونا چاہیے تھا کہ یَذْكُرُ کے فاعل کا مرجع یَقُوْلُ الْاِنْسَانُ والا اِنْسَانُ ہے اب فاعل دوبارہ ظاہر کرنا بیکار اور زائد ہے۔ **جواب** ۔ تکرارِ فاعل سے اُس قول کی اہمیت اور قائل انسان کی حماقت بتانا ہے اور اگلے مضمون کو سمجھانا مقصود ہے تکرارِ فاعل سے مضمونِ کلام مضبوط ہو جاتا ہے بتایا یہ جا رہا ہے کہ کافر انسان کا تعقل تفکر کتنا ناقص ہے کہ جو بات ذرا سے تعقل سے سمجھ آجاتی ہے وہ اِس کے شعور میں نہیں آتی۔ **تیسرا اعتراض** ۔ یہاں فرمایا گیا ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ۔ جس کا ترجمہ ہے پھر ہم زیادہ جاننے والے ہوں گے یہ ترجمہ ثم حرفِ تراخی کی وجہ سے ہوا ہے تراخی میں بعدیت ہوتی ہے اور بعدیت میں زمانۂ مستقبل ہوتا ہے۔ رب تعالیٰ کے علم کو مستقبل سے منسوب کرنا حال و ماضی کی نفی کرنا ہے۔ تو گویا اس آیت سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ نَحْنُ اَعْلَمُ پہلے نہیں ہے۔ یعنی ہم آئندہ زیادہ جاننے والے ہوں گے تو کیا رب تعالیٰ اب کم جاننے والا ہے کیا ابھی اُس کا پورا علم

نہیں ہے (معاذ اللہ) جواب۔ خیال رہے کہ پہلے زمانوں میں ایک فرقہ معتزلہ پیدا ہوا تھا جس کے ایسے کچھ نشانات آج کل وہابیوں کے عقائد میں پائے جاتے ہیں اُن کا ہی یہ عقیدہ تھا کہ رب تعالیٰ کو بعض اشیاء کا علم بعد میں ہوتا ہے۔ اس کفریہ عقیدے کو ایک دیوبندی وہابی کتاب بلغۃ الحیرا ان میں بھی خاموش تائید کے ساتھ لکھا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں اَعْلَمُ کنایہ ہے لَنُعَذِّبَنَّ کا۔ یعنی ہم اپنے علمِ قدیمی کا مطابق کفار میں سے اُن کافروں کے استحقاق کو زیادہ جاننے والے ہیں جن کا جہنم میں پہلے ڈالے جانے اور آگ میں جلائے جانے کا فیصلہ پھر لَنَنْزِعَنَّ کے بعد ہوگا۔ یہ ثُمَّ اَعْلَمُ کی تراخی کے لیے نہیں ہے بلکہ عَذَابِ صِلِیًّا کے تراخی کے لیے ہے **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا حَوْلَ جَہَنَّمَ جِثِیًّا۔ وہ کفار جہنم کے آس پاس گھٹنوں کے بل کھڑے ہوں گے یہ اُن کی ذلت کی طرف اشارہ ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ حالت مومن کی نہ ہوگی۔ مگر ایک دوسری آیت میں ہے وَتَرٰی کُلَّ اُمَّةٍ جَاثِیَةً یعنی قیامت میں ہر اُمت گھٹنوں کے بل ہوگی۔ تو پھر یہ کفار کی ہی ذلت نہ ہوئی ہر مومن کافر کی ہوئی۔ اور یا پھر یہ ذلت نہ ہوگی بلکہ معذوری ہوگی جو سب کو لاحق ہوگی۔ جواب۔ اِس کے دو جواب ہیں پہلا یہ کہ دوسری آیت میں کُلَّ اُمَّةٍ سے مراد بھی صرف کفار ہی ہیں یعنی کفار کی پوری اُمت کُل بمعنی ہر نہیں بلکہ پوری سے مراد ہے کہ ہر قسم کا کافر قیامت میں جاثیہ ہوگا نہ کہ مومن۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ہر مومن کافر ہیبت سے کانپتے ہوئے اُٹھ نہ سکے گا گھٹنوں سے اونچا نہ کھڑا ہوگا۔ مومنین کو ہیبتِ الٰہی اور کفار کو دہشتِ جہنم ہوگی۔ **پانچواں اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ یَتَفَطَّرْنَ (الخ) یعنی مشرکین کا قولِ ولدیت کا عقیدہ اتنا سخت شرک ہے کہ اس سے پہاڑ گر پڑیں ٹکڑے ہو کر زمین پھٹ جائے پہاڑ ریزہ ہو جائیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ شرکیہ کلمات بہت سخت ہیں مگر ایک جگہ سورۃ ابراہیم میں ہے کہ وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِيْثَةٍ كَشَجَرَةٍ خَبِيْثَةِ ﹰاجْتُثَّتْ مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ۔ یعنی شرکیہ کفریہ کلماتِ خبیثہ اتنے کمزور ہیں جیسے کمزور چھوٹے چھوٹے درخت جڑی بوٹیاں جن کو ثبات و قرار نہیں ہوتا۔ اِس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکیہ عقائد و اقوال میں کوئی قوت نہیں اور یہاں آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شرکیہ اقوال میں اتنی قوت ہے کہ اُن سے آسمان زمین پھٹ پڑیں۔ یہ تعارض کیوں ہے۔ جواب یہاں تَخِرُّ الْجِبَالُ وغیرہ ارشاد فرمانے میں قوت ثابت نہیں ہوتی بلکہ قباحت اور نفرت و برائی ثابت ہوتی ہے اور سورۃ ابراہیم کی آیت میں کمزوری

ثابت ہوتی لہٰذا آیت میں کوئی تعارض نہیں ہے۔ یہاں بتایا جا رہا ہے کہ شرکیہ عقیدہ جو یہود و نصاریٰ اور کفارِ عرب نے بنالیا وہ انتہائی بُرا قابلِ نفرت ہے اور وہاں بتایا گیا کہ شرکیہ کفریہ باتیں انتہائی کمزور ہیں۔ **چھٹا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ بیٹے بنانے کے کفریہ شرکیہ عقیدے سے پہاڑ زمین آسمان کو ٹوٹ پڑنے کے قریب کر دیتے ہیں۔ یہ کیوں فرمایا گیا۔؟ ان کلماتِ شرک سے جمادات کو کیا اثر ہو سکتا ہے! **جواب**۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہ فطرِ آسمانی اِنشقاقِ اَرضی اور خرورِ جبالی فعلِ باری تعالیٰ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی اگر صفتِ حلم کا تقاضہ نہ ہوتا تو زمین والوں کے اس شرکیہ عقیدے پر سزا دیتے ہوئے اسی دنیا میں ہی آسمانوں زمینوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا جاتا۔ **دوسرا جواب** یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کے علم و حکمت اور تقدیرِ ازلی کا سہارا نہ ملتا تو یہ پہاڑ زمین آسمان تھرا کر ٹوٹ پھوٹ جاتے یعنی کلماتِ شرکیہ خبیثہ اِتنے سخت دھماکہ خیز ہیں کہ ان کی دھمک سے زمین و آسمان میں زلزلہ آجاتا۔ سوم یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمادات بھی دنیا کی اچھی بری بات کا اثر قبول کرتے ہیں۔ اَحادیث و روایات میں اس کے بہت سے ثبوت ہیں مثلاً مسجد آباد ہو تو اہلِ بستی کو دعائیں دیتی ہے۔ ویران و بے آباد مسجد بد دعائیں دیتی ہے وغیرہ وغیرہ مولانا روم اِن ہی روایات سے استدلال کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گِل ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل

زمین و آسمان پہاڑ و اور دریا جنگل و بیابان کا کسی بات سے اثر قبول کرنا تو معمولی بات ہے یہ چیزیں تو باتیں بھی کرتی ہیں جن کو صرف اہلِ دل محسوس کرتے اور سنتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اَوَ لَا یَذْكُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ وَ لَمْ یَكُ شَیْــٴًـا۔ فَوَ رَبِّكَ لَنَحْشُرَنَّهُمْ وَ الشَّیٰطِیْنَ ثُمَّ لَنُحْضِرَنَّهُمْ حَوْلَ جَهَنَّمَ جِثِیًّا۔ ثُمَّ لَنَنْزِعَنَّ مِنْ كُلِّ شِیْعَةٍ اَیُّهُمْ اَشَدُّ عَلَى الرَّحْمٰنِ عِتِیًّا کیا اِنسان نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ وہ اپنی ولادت کے ظہور سے پہلے عالمِ شہادت میں نہ محسوس تھا نہ کسی شمار میں اس لیے کہ وجودِ عینی ازل میں قبلِ پیدائش لاوُجُود کی مثل تھا ترکیب و مجموعے کی حقیقت کچھ حیثیت نہ معلوم ہوتی تھی کوئی چرچہ کوئی چرچہ کوئی نقل و نشان نہ تھا لیکن ہم نے اپنی قدرتِ قدیمی سے اتنا بڑا فرشتوں سے اشرف بھیم و بحیم دانا بینا پیدا کر دیا۔ اے محبوب قلب تیرے رب کی قسم حشر برپا کر دیں گے وادیِ نفسانیت میں اُن بدنصیبوں پر جو حیاتِ دنیوی میں محجوبین تجلیات ہیں اور منکرین بعثتِ حیاتِ اَبدی اُخروی میں اُن شیاطین کے ساتھ جنہوں نے اِن نفوسِ بد باطن کو منزلِ عرفانی سے اَغوٰی اور حق کی راہ معرفت

سے گمراہ کیا ہے اس لیے کہ نفوسِ محجوبین کدورتِ رذیلہ اور انوار سے دوری میں نفوسِ شیاطین کی ہم شکل ہیں اس لیے حشرِ باطنی و قبرِ خفی اور عذابِ محرومی بھی ساتھ ہونا لازمی ہے یہ دنیا میں عیش وعیاشی کو نبھانے والے عمل و اعتقاد میں بھی ساتھ رہے لہٰذا عذاب وعتاب میں بھی ساتھ رہیں گے پھر ہم ان سب کو عالمِ سفلی کی حولِ جہنمِ طبعی میں لاکھڑا کریں گے اس لیے کہ وہ دنیا میں حیولانی حیرانی غواشی ظلمات کے پردوں میں رہے اور ظلمانی گناہوں کی وجہ سے کثافتِ خبیثہ کی زنجیروں اور نارِ سجین کے ھیکلوں سے جثیًا یعنی گھٹنوں کے بل بے قوت جکڑے ہوں گے کیونکہ دنیائے ناسوت میں اُن کے دل ٹیڑھے تھے تو جہنمِ فراق کے ھیکلوں میں اُن کے اجسام ٹیڑھے ہوں گے کہ پھر کبھی قیامِ فساد کی طاقت نہ رکھیں گے۔ پھر ہم ارواحِ خبیثہ اور بارگاہِ رحم سے محرومین اور نارِ فانی میں جلتے مرنے کے پہلے سے زیادہ مستحقین کو چھانٹ لیں گے ہم ناسوتِ انسانی کے ساتھ ایک ہم زاد قرینِ شیطانی کو عالمِ تقدیر میں جمع کرنے والے ہیں پھر ان سب قرین و مقرون لعین و مطعون حزین و محزون کو حاضر کر دیں گے ہم جہنمِ قہر اور نارِ طبیعت کے قریب آس پاس کچھ گمراہ لوگ اپنی شیطانی عقل کی چال بازی سے کہیں سے کچھ باطنی کلماتِ غیوبیہ سُن لیتے ہیں پھر اُن کو اپنی قوتِ فکر سے ترتیب دے کر ان باتوں کو اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور عوام بیوقوفوں سے کہتے پھرتے ہیں کہ ہم اللہ سے ہمکلام ہوتے ایسے بد بخت لوگ یا تو اپنے نفس اور اس کی باتوں سے ناواقف ہوتے ہیں اور رب تعالیٰ کی ہمکلامی سے بھی یا وہ سب غلط بیانیوں کو سمجھتے تو ہیں مگر نفسانی خواہشات یہ مکر چلانے پر اُن کو مجبور کرتی ہے مگر یہ سب گمراہ ہے ایسوں سے بچنا لازم ہے۔ ثُمَّ لَنَحْنُ اَعْلَمُ بِالَّذِيْنَ هُمْ اَوْلٰى بِهَا صِلِيًّا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا كَانَ عَلٰى رَبِّكَ حَتْمًا مَّقْضِيًّا۔ پھر ہم ہی ان کو اور ان کے انجامِ فنا کو زیادہ جاننے والے ہیں۔ اے ناسوتِ ظلمت کے رہائشیوں تم سب ہی عالمِ طبعی کی وادیِ مکافاتِ عمل سے گزرنے والے ہو۔ عالمِ طبعی عالمِ قدس کا مجاز ہے جس نفس نے اپنی روح کے وعدہ اَلَسْتُ کو توڑ کر روحانی بُعد اور جدائی پائی اور فنا کی موت میں قدم رکھا وہ پُل صراطِ خیر و شر پر ضرور گزرے گا۔ یہ فیصلہ قدیمی حَتْمًا مَّقْضِيًّا و تقدیرِ مبرم ہو چکا ہے اور اے عالمِ ناسوت سے منتقل ہو کر عالمِ جبروت میں آنے والے تم میں سے کوئی بھی ایسا مسعود و محروم، مقبول و مردود نہیں جو اپنے قدوم طبیعت سے اس وادیِ ھوی پر سے نہ گزرے یہ گزر نا سب پر مُبْرَم ہے اس لیے اُس خلاقِ کائنات کی حکمتِ ازلیہ نے تقاضہ فرمایا اور ارادہ کیا اس قسم کی مخلوق کا جو مرکب ہو علوی و سفلی صفات سے۔ اہلِ معرفت کے نزدیک جہنم صورۃ نفسِ امارہ ہے تمام اولیا علما صلحا فساق

وکفار کا نفسِ امارہ پر ورود واسطہ ہے اور نفسِ امارہ میں خواہشاتِ نار ہے قدمِ طبیعت سے حادثِ نفس پر اُن سب کا ورود ہے۔ جب دنیا میں بندے کا عمل بُرا ہو تو آخرت میں رب تعالیٰ کا عمل بھی اُن کے ساتھ بُرا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے فعل اور اختیار کے مقابلے میں انہیں کوئی اختیار حاصل نہیں بندوں کو صرف اُن کی حیاۃِ دنیوی کا عملی اختیار ہے آخرت میں یہ بھی نہ ہوگا۔ اسی دنیوی اختیار کی وجہ سے بندے گناہوں نفسانی خواہشوں میں اپنے آپ کو ڈھیلا چھوڑ دیتے ہیں اس بے وہ نکمّے اور غافل ہو جاتے ہیں اور آخرت کے قانون و شرعی احکام حلال و حرام کی پابندی نہیں کرتے حدیثِ پاک میں ہے کہ بارگاہِ جمالِ قدس میں وہی بندے محبوب ہیں جو لوگوں کو رب تعالیٰ کی محبت میں ہمہ تن و ہمہ وقت سرشار کر دیں اور محبوب و عاشق بنانے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں یہی خیر خواہی ہے اور یہی سچی عبادت و پاکیزہ زندگی ہے حدیثِ قدسی میں ارشاد ہے کہ جب بندے پر میرا کام غالب آجاتا ہے تو میں اُس کی توجہ اور لذت اپنے ذکرِ لذیذ پر مرکوز کر دیتا ہوں اور جب اس کی توجہ و لذت کا مرکز میرا ذکر بن جاتا ہے تو وہ میرا عاشق ہو جاتا ہے اور میں بھی اس سے محبت کرتا ہوں اُس وقت درمیانی سب حجابات اٹھا دیتا ہوں۔ یہی بندۂ عارف کی نمازِ معراج ہوتی ہے۔ ایسا بندہ کبھی غافل نہیں ہوتا یہی لوگ عالمِ ازلی کے خزانہ ہیں انہیں کے طفیل دنیا کے غافلوں سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ۔

ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ

پھر بچائے جائیں گے ہم اُن گزرنے والوں کو جو متقی بنے رہے اور پھینک چھوڑیں گے ہم تمام ظالموں کو

پھر ہم ڈر والوں کو بچا لیں گے اور ظالموں کو اس میں چھوڑ دیں گے

فِیْهَا جِثِیًّا ﴿۷۲﴾ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا

اس جہنم میں گھٹنوں کے بل۔ اور جب کبھی تلاوت کی گئیں ان کے سامنے ہماری آیتیں

گھٹنوں کے بل گرے۔ اور جب اُن پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جاتی

بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ

کھول کر اُن لوگوں نے جو کافر تھے ان لوگوں سے جو مومن ہوئے

ہیں کافر مسلمانوں سے کہتے ہیں

اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ

کہ (غور کرلو) ہم دونوں گروہوں میں سے کون اچھا ہے رہائش کے اعتبار سے اور خوبصورت

کون سے گروہ کا مکان اچھا اور مجلس

نَدِیًّا ۝۷۳ وَ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ

رونق والا ہے محفلوں کے اعتبار سے اور کتنی ہی پوری پوری بستیوں کو ہلاک کر دیا ہم نے ان سے

بہتر ہے ۔ اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپا دیں

هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْیًا ۝۷۴ قُلْ مَنْ كَانَ

پہلے ایسے علاقوں سے جو زیادہ خوب صورت تھے سامان اور ظاہری دکھلاوے میں۔ فرما دو کہ جو شخص

کہ وہ ان سے بھی سامان اور نمود میں بہتر تھے ۔ تم فرماؤ جو

فِی الضَّلٰلَةِ فَلْیَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۚ۬

رہے گمراہی میں تو اللہ رحمٰن اس کو ڈھیل ہی دیتا رہے لمبی ڈھیل دینا

گمراہی میں ہو تو اسے رحمٰن خوب ڈھیل دے

حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ

یہاں تک کہ جب یہ لوگ دیکھیں اس کو جس کی وجہ سے یہ وعید یں سنائے جاتے ہیں یا دنیوی عذاب

یہاں تک کہ جب وہ دیکھیں وہ چیز جس کا انہیں وعدہ دیا جاتا ہے یا تو عذاب

وَاِمَّا السَّاعَةَ ؕ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ

یا موت کے بعد کی ساعتیں تو وہ عنقریب بہت جلدی جان جائیں گے کہ کون ہوا خراب

یا قیامت تو آپ جانیں گے کہ کس کا بڑا درجہ

مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ﴿۷۵﴾

جگہ اور سب سے کمزور جتھے والا

ہے اور کس کی فوج کمزور

تعلقات

ان آیت پاک سے سابقہ آیت مبارکہ کا چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں ہر انسان نیک و بد کا جہنم کے پل کے اوپر سے گزرنے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیت میں لوگوں کے چھانٹے جانے کا ذکر ہے کہ اہل ایمان متقیوں کو پار اتار کر بچا لینے کا ذکر ہے اور مجرموں کے پل پر سے نیچے گھٹنوں کے بل گر پڑنے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے شیعوں اور فرقوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں کافر بننے کا طریقہ بیان کیا جا رہا ہے کہ کس طرح اچھا خاصا انسان کافر بن جاتا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافر شیعوں اور گروہوں کا ذکر ہوا اب بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں کوئی گروہ یقینی زبان سے نہیں کہتا کہ ہیں برے دین پر ہوں سب اپنے آپ کو سب سے اچھا ہی سمجھتے ہیں مگر عنقریب بروز قیامت جان لیں گے اور پھر پچھتائیں گے جب پچھتانا کام نہ آئے گا۔

تفسیر نحوی

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِيْنَ فِيْهَا جِثِيًّا ۝ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا۔

ثُمَّ حرف عطف۔ علماء نحو ان آیت کی ترکیب میں فرماتے ہیں کہ فَوَرَبِّكَ سے ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِيْنَ الخ آیت ۷۲ تک سب جملے عطف کی لڑی میں منسلک ہیں نُنَجِّي۔ باب تفعیل کا فعل مضارع مستقبل حروف جمع متکلم نجی ناقص یائی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَنْجِيَةً بمعنی نجات دینا بچا لینا متکلم کی ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر اِتَّقَوْا باب افتعال کا ماضی مطلق معروف جمع مذکر حاضر تقویٰ سے مشتق ہے دراصل تھا اِتَّقَوُوْا پھر تعلیل کر کے مادہ مصدر کی اصلی پہلی واو کو ی

بنایا اِتَّقِیُوْا ہوا پھر یٰ پر ضمہ ثقیل ہوا تو یٰ کو گرا دیا اور قاف کا فتحہ بحال رکھا تاکہ صیغہ امر کی مشابہت نہ ہو ہُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے نُنَجِّی کا وہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَذَرُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مستقبل جمع متکلم وَذْرٌ سے مشتق ہے دراصل تھا نُوْذِرُ واؤ ثقیل کو گرا دیا گیا بمعنی حقارت اور نفرت سے چھوڑ دینا پڑا رہنے دینا۔ توجہ نہ کرنی اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر جمع متکلم اَلظّٰلِمِیْنَ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے ظَالِمٌ۔ باب ضَرَبَ سے ہے ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی نقصان کرنا یہاں مراد ہے کفر کرنا اس میں الف لام استغراقی یعنی تمام ظالم (کافر) یہ ذوالحال ہے جِثِیًّا اس کا حال ہے معنیٰ ہے گھٹنوں کے بل یا بمعنی جمیعاً جَثُوٌّ سے بنا ہے جُثُوْوًا تھا۔ دونوں مل کر مفعول بہ نَذَرُ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ھا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع جہنم یہ جار مجرور متعلق نَذَرُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں مل کر سابقہ عطف سے مل گیا۔ واؤ بہ جملہ اِذَا حرفِ ظرفیہ زمانی شرطیہ۔ تُتْلٰی۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب تَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنی پڑھنا دیکھ کر یا حفظ سمجھ کر یا بلا سمجھے ہر وہ عبارت جس کو احترام ادب اور اطاعت کے لیے پڑھا یا پڑھ کر سنایا جائے اس پڑھنے کو عربی میں تلاوت کہتے ہیں وہ عبارت خواہ دینی ہو یا دنیوی اچھی ہو یا بری مذہبی حکم ہو یا بادشاہی۔ یہ لغوی معنی ہیں سورۃ بقرہ میں ہے۔ مَا تَتْلُوا الشَّیٰطِیْنُ میں یہی لغوی معنی ہیں لیکن اصطلاحِ شریعت میں صرف قرآنِ مجید یا پہلے زمانوں میں توریت زبور انجیل وغیرہ کتب آسمانیہ کے پڑھنے کو تلاوت کہا جاتا ہے۔ مطلقاً پڑھنے کو عربی میں قرأت کہا جاتا ہے تلاوت اور قرأت میں نسبت عام خاص مطلق ہے۔ عربی میں نسبتیں چار قسم کی ہیں (۱) نسبتِ تساوی (۲) نسبتِ تباین (۳) نسبتِ عام خاص مطلق (۴) نسبتِ عام خاص من وجہ عَلَیْہِمْ۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنی عِنْدَ ہُمْ ضمیر کا مرجع اَلنَّاس استغراق۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تُتْلٰی کا اٰیٰتُنَا ہماری آیتیں۔ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ذوالحال ہے بَیِّنٰتٍ اسم۔ جمع مؤنث سالم اس کا واحد مؤنث ہے بَیِّنَۃٌ اور مذکر ہے بَیِّنٌ صفت مشبہ ہے بروزنِ فَیْعِلٌ تَرَفٌ بمعنی عقلاً ظاہر چیز (۲) محسوساً ظاہر چیز مراد ہے عقلی دلیل اور محسوسی دلیل جو قرآنِ مجید کی طرزِ بیانی سے ظاہر ہوں خواہ عبارۃُ النص ہو یا دلالۃً یا اقتضاءً یا اشارۃُ النص ہو یہ بحالتِ فتحہ ہے حال ہے اٰیٰتُنَا کا یا حال ہے تلاوۃٌ مصدر کا۔ اعلیٰ حضرت کے ترجمہ میں پہلی ترکیب ہے اور ہمارے ترجمہ میں دوسری ترکیب ہے۔ دونوں مل کر نائب فاعل ہوا۔ تُتْلٰی سب سے مل کر جملہ انشائیہ فعلیہ ہو کر ظرفی شرط ہوا۔ قَالَ فعل ماضی مطلق۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا

فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہیں اَلَّذِیْنَ موصول اپنے صلہ سے مل کر فاعل ہوا قَالَ کا۔ لام حرف جر متعدی مفعول بنانے والا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جارہ مجرور متعلق ہے قَالَ اپنے فاعل اور اس متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَیُّ اسم استفہامی مضاف ہے اَلْفَرِیْقَیْنِ اسم تثنیہ مراد ہیں دنیا کے دو بڑے گروہ مسلمان اور کافر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا ہوا۔ خَیْرٌ اسم حاصل مصدر ضمیر ہے مَقَامًا اسم ظرف مذکر باب نَصَرَ سے دراصل تھا مَقْوَمًا۔ واؤ پر فتحہ (زبر) بوجھل تھا لہٰذا ماقبل قاف کو دیا اب واؤ پہلے مرکب ماقبل اب مفتوح لہٰذا واؤ کو الف سے بدل دیا۔ یہ تمیز ہے خَیْرٌ کی یہ دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَحْسَنُ اسم تفضیل واحد مذکر ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ممیز ہے۔ نَدِیًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فعیل دراصل تھا نَدِیْیٌ۔ نَدْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی پکارنا بلانا۔ مبالغے کے طور پر مجلس اور محفل کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں ایک دوسرے کو پکارنے والے بہت ہوتے ہیں مراد ہے چار یاری کی رونق محفلیں۔ اسی سے ہے مُنَادِی۔ مُنْدِی۔ اس کی جمع اَنْدَاءٌ۔ اَنْدِیَۃٌ سے یہ تمیز ہے ھُوَ پوشیدہ تمیز اپنی اس تمیز سے مل کر فاعل ہوا اَحْسَنُ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا خَیْرٌ کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ اَیُّ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جزا منظر رولی ہوئی دونوں مل کر جملہ ظرفیہ شرطیہ ہوگیا۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا۔ واؤ سیر جملہ۔ کَمْ۔ مقداری اسم خبریہ۔ بمعنی بہت سی خیال رہے کہ کَمْ ہمیشہ تمیز ہوتا ہے اور دو قسم کا ہے ما کَمْ سوالیہ یہ مقدار و کیفیت کا سوال کرتا ہے رو کَمْ خبریہ۔ یہ مقدار کی خبر دیتا ہے معین یا غیر معین یہاں غیر معین مقدار کی خبر ہے۔ کم سوالیہ کی تمیز اسم منصوب ہوتا ہے کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ کم خبریہ کی تمیز ہمیشہ اسم مجرور ہوتا ہے مِنْ جارہ سے۔ یہ تمیز کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی پوشیدہ ایسے ہی اس کا مِنْ کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ۔ یہاں تمیز پوشیدہ ہے۔ دراصل تھا كَمْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنَا۔ کم ممیز اس کی تمیز قَرْیَۃٍ پوشیدہ ممیز تمیز مل کر مفعول بہ مقدم ہوا۔ اَهْلَكْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم قَبْلَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب ظرف ہوا۔ مِنْ حرف جر بعضیۃ کا۔ قَرْنٍ اسم مفرد لفظی معنیٰ جمع اس لیے اس کی صفت ھُمْ ضمیر جمع آئی۔ ھُمْ مبتدا اَحْسَنُ اسم تفضیل مذکر ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع قَرْنٍ لفظی واحد یہ ممیز اَثَاثًا اسم مفرد نکرہ بمعنی دولت ساز و سامان معطوف علیہ واؤ عاطفہ رِءْیًا۔ اسم حاصل مصدر بمعنی ظاہری دکھلاوا معطوف ہے دونوں عطف مل کر تمیز ہے اَحْسَنُ کی جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھُمْ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر

صفت ہے قَرْنٍ کی یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَحْسَنُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا (قُلْ)

امر فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ مَنْ اسم موصول اسم مَنْ ہمیشہ عقل والوں (ناطقوں) کے لیے ہے اس کے ساتھ تو غیر ناطق (حیوانات۔ جمادات وغیرہ) شامل ہو سکتے ہیں مگر مستقلاً نہیں۔ یہ اصلاً موصول ہے مگر کبھی شرط اور کبھی سوال کبھی نفی کبھی صفت کے لیے بھی مستعمل ہے یہ اکثر ساکن مجزوم ہوتا ہے۔ اگر متحرک کیا جائے تو نون کو کسرہ آتا ہے یہاں شرطیہ ہے۔ كَانَ فعل تامہ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے فِي الضَّلٰلَةِ جار مجرور متعلق ہے۔ كَانَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر شرط ہوئی فَ۔ جزائیہ لِيَمْدُدْ باب نَصَرَ کا فعل امر غائب معروف واحد مذکر مَدٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈھیل دینا دراز کرنا۔ لمبی عمر دینا۔ کھینچنا یہاں پہلے معنیٰ ہیں۔ یہ دعائیہ جملہ ہے۔ لَهُ۔ جار مجرور متعلق ہے الرَّحْمٰنُ فاعل ہے۔ فعل امر سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ حَتّٰى حرفِ عطف اِذَا ظرفیہ زمانیہ شرطیہ رَاَوْا بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب رَأْیٌ۔ مہموز العین اور ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنیٰ آنکھوں سے بغور دیکھنا۔ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے وہی مَنْ ہے سب اَفراد مَا اسم موصول غیر عقل والوں کے لیے ہوتا ہے يُوْعَدُوْنَ باب افعال کا مضارع مجہول جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع وہی مَنْ کے استغراقی افراد۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ مَا کا موصول صلہ مل کر مُبْدَلٌ مِنْهُ۔ اِمَّا حرفِ عطف زائدہ صرف تاکید کے لیے اَلْعَذَابَ معطوف علیہ واؤ زائدہ تحسینیہ۔ اِمَّا۔ حرفِ عطف اختیاری وتلخیصی اَلسَّاعَةَ اسم مفرد جامد معرفہ بمعنیٰ زمانہ، وقت یعنی ساعتیں بعد موت سے تا قیامت۔ معطوف ہے یہ سب عطف بَدَلُ الْبَعْضِ ہوا یا بدلُ الکل۔ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ کفار کو صرف عذاب دنیوی کی ہی وعید نہیں ان کو تو بے شمار وعیدیں جن میں ایک یہ بھی ہے دونوں مُبْدَلٌ مِنْهُ اور بدل مل کر مفعول بہ ہوا رَاَوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرفی شرط ہوا۔ فَ جزائیہ سَ حرف تقریبی۔ يَعْلَمُوْنَ۔ بابِ فتح کا مضارع اور جمع مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا علم رکھنا۔ جان جانا ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل کا مرجع وہی مَنْ كَانَ ہے۔ مَنْ اسم موصول ھُوَ مبتدا شَرٌّ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنیٰ نقصان دہ۔ قابلِ نفرت۔ خباثت والی۔ برائی والی یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں یہ ممیز ہے مَكَانًا۔ اسم ظرف واحد مذکر۔ كَوْنٌ تامہ سے مشتق ہے بمعنیٰ رہنے کی جگہ یہ تمیز

ہے۔ یہ ممیز تمیز مل کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ اَضْعَفُ۔ اسم تفضیل ضُعْفٌ سے مشتق ہے بمعنی لاغر کمزور گھٹیا، بیکار، فضول یہاں پہلے معنی مراد ہیں ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ۔ یہ ھُوَ پوشیدہ ممیز ہے۔ جُنْدًا۔ اسم جامد مفرد۔ لُغوی ترجمہ ہے پتھریلی سخت زمین۔ اصطلاحی ترجمہ مضبوط گروہ، قبیلہ لشکر، فوج۔ جتھہ۔ اَضْعَفُ جُنْدًا۔ اجتماعِ ضِدَّین ہے اس لیے کہ جُنْدٌ ہے اُن کفار کے گمان یا دنیا میں اور اَضْعَفُ ہے حقیقت میں اور آخرت میں یہ تمیز ہے۔ دونوں ممیز تمیز مل کر فاعل ہے اَضْعَفُ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر خبر مبتدا۔ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ مَنْ موصول صلہ مل کر مفعول بہ یَعْلَمُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی۔ اِذَا رَاَوْا کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر معطوف فَلْیَمْدُدْ کا۔ دونوں مل کر جزا مَنْ کَانَ کی شرط و جزا جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّ نَذَرُ الظّٰلِمِیْنَ فِیْهَا جِثِیًّا ۝ وَ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا ۙ اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ خَیْرٌ مَّقَامًا وَّ اَحْسَنُ نَدِیًّا ۔ اے پیارے حبیب، پھر ہم پُل صراط سے گزرنے والوں میں ان خوش نصیبوں کو بچالے جائیں گے جو اپنی ساری دنیوی زندگی میں کفریہ شرکیہ اعمال اور کفریہ شرکیہ عقائد سے بچتے نفرت کرتے رہے۔ اور جنہوں نے ہر قسم کی گندگی غلاظت نجاست بدعت سیئہ گستاخی بے ادبی کی پلیدیوں سے اپنے آپ کو پاک وصاف رکھا اور لیکن جن لوگوں نے اپنی زندگی بھر کفر شرک گستاخی بے ادبی کا ظلم کیا اُن بدبختوں کو ہم وہیں پُل صراط سے جہنم کے اندر ہمیشہ کے لیے پھینک چھوڑیں گے کہ گھٹنوں کے بل گرے پڑے رہیں ذلتوں رسوائیوں کے ساتھ تمام کے تمام ایک دم ایک ہی جگہ جِثِیًّا اکٹھے جِثِیًّا کا معنی جَمِیْعًا یعنی اکٹھے اور سب کے سب بھی کیا گیا ہے۔ اور دنیا میں ایسے مغرور و منحوس لوگ بھی ہیں اور ہوتے رہیں گے کہ جب اُن کے سامنے ہمارے کلام کی آیتیں کھول کھول کر صاف بیان کی جائیں۔ امر، نہی۔ استحباب حرام و حلال شرک و بدعت کفر و طغیان عذاب و ثواب جنت و دوزخ کی جزاو سزا۔ عتاب و عقاب واضح سنایا جائے تو بجائے عبرت لینے نصیحت پکڑنے کے، کبر و غرور سے کافروں نے اہلِ ایمان سے یہی سوال کیا کہ اے غریبو فقیرو بیکس محتاجو، مسلمانو۔ اپنے آپ کو اللہ کا پیارا محبوب سمجھنے والو ہمیں یہ بتاؤ کہ آج دنیا میں دونوں جماعتوں۔ گروہوں۔ ٹولوں یعنی ہم اور تم، کافر اور مومن میں۔ اپنے اپنے، مقام۔ مکان۔ مرتبے۔ درجہ شان و شوکت عزت و آبرو مال و دولت میں کون اچھا اور بھلا ہے ہم لوگ جو تمہارے نبی قرآن و حدیث شریعت اور دین

کو نہیں مانتے یا کہ تم اور تمہارے نبی کے تمہارے ساتھی جو اللہ کے پیارے ہونے کا دعویٰ کرتے پھر رہے ہو۔ اسی طرح مجلس و محفل۔ گروہ جتھے جماعت افراد۔ نوکر چاکر خدام قوت و طاقت آراستگی پیراستگی کے اعتبار سے ہم کون اچھا اور خوب صورت ہے اے مسلمانو کیا تم اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ ہم عزت دولت والے تم غربت اور ذلت والے ہم کثرت والے تم قلت والے ہم خوشبوؤں خوب صورتی والے تم بدبو و بدصورتی والے ہم سرداری والے تم محتاجی والے ہم عیش و آرام والے تم تنگ دستی و پریشانی والے کیا تم اس حالت و کیفیت سے اندازہ نہیں لگا لیتے کہ ہم سچے ہیں تم جھوٹے ہو ہم حق پر ہیں تم باطل ہو۔ ہم اللہ کے پیارے اور محبوب ہیں نہ کہ تم۔ نعیمی کی تفسیر میں مفسرین فرماتے ہیں کہ جب پل صراط پر مومنین پہنچ جائیں گے تو جہنم سے بہت قریب ہوں گے گویا کہ جہنم کے اندر ہیں۔ مومن کو ذرہ بھی گرمی نہ لگے گی وہ نور کے غلافوں میں ہوں گے اور جہنم چیخے گی کہ اے مومن جلدی گزر جا تیرے نور نے میری تپش کو کم کر دیا۔ محققین فرماتے ہیں کہ پل صراط پورے جہنم کی لمبائی پر قائم ہے اور اس پر سے گزرنے والے بجلی کی رفتار سے گزرنے کے باوجود چھ ماہ کے عرصہ میں پار اتریں گے چھ ماہ تک گزرتے رہیں گے وَ اِذَا تُتْلٰی یعنی روشن اور واضح آیتیں پڑھی جائیں یا وہ خود کبھی پڑھیں یا وہ کافر لوگ اپنے کافروں میں بیٹھ کر بحث و مباحثے تبصرے اور مذاق بازی کے لئے پڑھ کر ایک دوسرے کو سنائیں۔ بَیِّنٰتٍ۔ وہ آیتیں خود ہی واضح اور روشن ہیں یا کھول کر وضاحت سے سنائی جاتی ہیں۔ ہمارے نبی سناتے ہیں اور ان سے سن کر علماء و اولیا صحابہ سناتے ہیں یا تاقیامت سناتے رہیں گے اور کفار اسی طرح منکر ہوتے رہیں گے۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا سے مراد عمرو بن ہشام یعنی ابوجہل۔ ولید بن مغیرہ نضر بن حارث وغیرہم سرداران مکہ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سے مراد فقراء صحابہ بلال عمار۔ خباب، سلمان فارسی وغیرہم۔ مقاماً میں تین چیزیں ہیں (۱) رہائش (۲) لباس (۳) مجالس کفار کا اٹھنا بیٹھنا رؤس میں۔ چلنا پھرنا غرور میں۔ پہننا اوڑھنا غیور میں۔ غرباء مومنین کا رہائش میں خشونت۔ لباس میں رثاثت مجالس میں تقشف۔ یعنی سکون میں رہنا شعور میں چلنا اور صبور میں پہننا۔ مَقَامًا سے مراد شان و درجہ مرتبہ۔ نَدِیًّا سے مراد مجلسیں اجتماعات جتھہ گروہ۔ کفار کی یہ احمقانہ باتیں اور ظاہر پرستی اس لیے تھی کہ وہ آیت کے جواب سے عاجز تھے اپنی خفت مٹانے کے لیے ایسی بیہودہ باتیں کرتے تھے ان کے جواب میں فرمایا گیا۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِى الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ

مَدًّا حَتّٰۤى اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَ اِمَّا السَّاعَةَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّ اَضْعَفُ جُنْدًا ۔ اس دنیا میں کون ناز کرسکتا ہے اپنے مال و دولت حسن و جوانی آل و موالی دوستی رشتے داری پر یہاں تو ہر ایک کو ہی فنا ہے اور ناز و غرور کرنے والے کفار سے پہلے کتنے ہی قرن قبیلے۔ قوم و افراد۔ نمرود و شداد۔ فرعون و ہامان کو ہم نے تباہ و برباد کر دیا کہ ان کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا و حجر و ثمود بھی مٹ گیا یہ کفارِ مکہ اپنے معمولی سے مال و دولت خاندان و گروہ پر بیہودہ مجلسوں محفلوں پر اکڑے پھرتے ہیں وہ پہلے فنا شدہ لوگ تو ان سے کہیں زیادہ او نچے اور اچھے دولت مند رئیس اور حکومت قوت و ساز و سامان والے تھے۔ اور ظاہراً دیکھنے میں بھی خوب صورت قد کاٹھ والے شان و شوکت رعب داب والے اور ستھرے چہرے والے تھے۔ ان سرکشوں ظالموں کو ان کا کوئی جتھہ گروہ لشکر دولت جمال و حسن ہمارے عذاب و عقاب سے نہ بچا سکا تو یہ کس گھمنڈ میں پھولے پھرتے ہیں۔ اے خلقِ عالمین کے محبوب و مطلوب سنا دیجئے کافرین کو سمجھا دیجئے مومنین کو کہ ہم تو چاہتے ہیں جو بد بخت اتنے سنانے سمجھانے عزت دلانے سب کچھ بتانے کے باوجود ضد اور ہٹ دھرمی سے گمراہی اور کفر و غفلت میں ہی رہے سیدھے رستے پر نہ مڑے تو ہمارا رحمٰن و رحیم اللہ تعالیٰ اُس کو سدا گمراہی میں رکھے کبھی بھی توفیقِ خیر نہ بخشے اور اُس کو گستاخیوں سرکشیوں گناہوں پلیدیوں کی ڈھیل ہی دیتا رہے۔ یہاں تک کہ ایسے بد نصیب، بیوقوف گمراہ لوگ جب دیکھ لیں اُس تنگی و سختی شدت و حدت کو جس کی آج یہ وعیدیں سنائے جا رہے ہیں اور جس کے وعدے اُن کو دئے اور ان سے کئے جا رہے ہیں۔ یا عذاب دنیوی مُلکی شکست قید و قتل، انتقام و قتال کی شکل و حالت و کیفیت و نوعیت میں ہوگا یا وہ سختی میدانِ قیامت حشر و نشر اور دخولِ جہنم میں ہوگی۔ تب عنقریب یہ لوگ جان لیں گے کہ کون تھا۔ دنیا میں خباثت حماقت ذلت نفرت اور برائی کی جگہ میں بُرے کفار و مشرکین یا غُرباء مومنین صالحین۔ اور ان دونوں فریقین میں سے کون سا ٹولہ سب سے زیادہ انتہائی بدترین کمزور ضعیف گروہ اور لشکر والا ہے۔ خیال رہے کہ دنیا میں کفر کی ڈھیل بھی تدریجی ہے اور ہدایت کی رہنمائی بھی تدریجی ہے اِمَّا الْعَذَابَ سے مراد یہاں دوا میں مسلمانوں کے ہاتھوں کفار کی تباہی بربادی دنیوی جنگوں میں ہلاکت ذلت قید و قتل اور اِمَّا السَّاعَةَ سے مراد اُخروی عذاب، یا قبر کا عذاب کیونکہ جس کی موت ہوگئی اُس کی قیامت شروع حشر اور جہنم کا ابدی عذاب و سزا ہے۔ یہ فقرہ اور جملہ مَانِعَةُ الْخُلُوِّ ہے نہ کہ مَانِعَةُ الْجَمْعِ یعنی دونوں جمع ہو سکتے ہیں دونوں ختم نہیں ہو سکتے۔ قرن کا لغوی معنی ہے زمانہ مگر یہاں مراد ہے

زمانے والے اس لیے کہ اہلِ زمانہ زمانے سے ملے ہوتے ہیں۔ قرن کا نحوی اشتقاقی ترجمہ ہے ملنا ملا ہوا ہونا۔ اَثَاثًا سے مراد مال واسباب ہر طرح کا سامان۔ رِئْیًا سے مراد جسمانی خوب صورتی چہرے کا حُسن ہے۔ اَضْعَفُ جُنْدًا۔ سے مراد یا یہ کہ میدانِ محشر میں کفار کے ساتھ کوئی لشکر یا لشکری قوت جتھہ گروہ اور حمایتی ہوگا ہی نہیں یا وہ ساتھی جن کو یہ کفار دنیا میں اپنا ساتھی حمایتی دیوی دیوتا سمجھتے تھے میدانِ محشر میں ان کے دشمن اور مخالف ہوں گے اور خود بھی بندھے جکڑے ہوں گے یا یہ مراد ہے کہ دنیا میں کفار کے ساتھ ابلیس شیطان اور شیاطین جنات ہوتے ہیں مگر انتہائی کمزور بزدل بھگوڑے صرف مشورہ دے کر ورغلا کر ذلیل کرا سکتے ہیں مگر مدد نہیں کر سکتے جس طرح کہ جنگ بدر میں ہوا کہ ابلیس نے۔ شیخ نجدی بن کر کفار کو میدانِ جنگ تک پہنچا تو دیا مگر اُن کے ساتھ جنگ وقتال میں شامل ہو کر مدد نہ کر سکا۔ بلکہ قریب پہنچا کر خود بھاگ نکلا اور کفار کو تن تنہا بے یار ومددگار چھوڑ گیا۔ لیکن مومنین کے ساتھی ملائکہ ہر موقع پر اہلِ ایمان کے مددگار ہوتے یہاں یہی بیان فرمایا جا رہا ہے کہ متقی مومن۔ اور کافر میں یہ فرق ہے۔ معتزلہ فرقہ کہتا ہے کہ مومن وہ ہے جو تمام گناہوں سے بچے۔ اہل سنت کے نزدیک مومن وہ ہے جو کفر وشرک اور گستاخی بے ادبی وبدعتِ سیئہ سے بچے کہ یہ کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور متقی وہ ہے جو گناہوں سے بچے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی زندگی میں سب سے بڑی مصیبت شر ہے قتل۔ قید ذلت شرِ دنیا ہے۔ قبر۔ حشر جہنم کا عذاب شرِ آخرت ہے۔ دنیوی شر کے اسباب فسق وفجور اور آوارگی ہے اُخروی شر کے اسباب کفر شرک اور نفاق ہے مسلمانوں کو ان آیات میں ان دونوں قسم کے شرور سے بچنے کا حکم دیا جا رہا ہے یہ فائدہ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ کے بعد۔ اِمَّا الْعَذَابَ (الخ) اور شَرٌّ مَّكَانًا۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ گناہوں اور گستاخیوں سے شکل وصورت بدصورت اور منحوس ہو جاتی ہے چہرے کی رونق تروتازگی مٹ جاتی ہے۔ یہ فائدہ كَمْ اَهْلَكْنَا (الخ) اور اَثَاثًا وَّرِئْیًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو خوب صورتی پر دنیوی عذاب آگیا اور اُس کو بدصورتی میں بدل دیا۔ اسی طرح تاقیامت گستاخوں بے ادبوں بدعقیدوں پر یہ دنیوی عذاب آتا ہی رہے گا۔ حضرت حکیمُ الامت نعیمی بدایونی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شکل دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ یہ کس فرقے سے ہے کیا عقیدہ ہے اِمَّا الْعَذَابَ کا معنی یہ بھی ہے کہ چہرے

کی نحوست دحشت دنیوی عذاب ہے۔ تیسرا فائدہ مسلمانوں کو یہاں یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ دنیوی ٹیپ ٹاپ عیش و آرام کو آخرت کی نجات کا ذریعہ اور دلیل بنانا کفار کا طریقۂ مذمومہ ہے۔ دنیا کے مال و دولت سلطنت و حکومت ملنا اللہ تعالیٰ کے پیارے ہونے کی دلیل نہیں ہے بہت امرا و سلاطین کافر گزرے اور بہت سے فقرا و اور غریب انبیاء علیہم السلام ہوئے یہ فائدہ اور سبق اَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ۔ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ہر مسلمان کو ہر طرح کی حرام کمائی آمدنی حرام غذا وغیرہ سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ شرعی ممانعت کے علاوہ حرام چیزوں کا دنیوی نقصان یہ بھی ہے کہ جس طرح گناہوں سے انسان کے چہرے اور جسم پر نحوست اور پھٹکار چھا جاتی ہے اسی طرح حرام غذاؤں سے انسان کے باطن میں تین برائیاں اور بدخصلتیں پیدا ہو جاتی ہیں ۱۔ حسد ۲۔ غرور ۳۔ نفاق۔ یہاں تک کہ بندہ کفر تک پہنچ جاتا ہے۔ حلال روزی اور حلال طیب روزی سے عاجزی۔ ہدایت۔ اور خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ (الخ) کی پوری آیت سے مستنبط ہوا جس میں بتایا گیا کہ کفار اپنی دولت کی بنا پر کس طرح مغرور اور اکڑے پھرتے ہیں یہ سب حرام اور ناجائز کمائیوں کی وجہ سے ہے ورنہ ایسی سرکشی اور مغرورانہ باتیں حلال چیزیں کھانے استعمال کرنے والے میں نہیں آتیں۔ دوسرا مسئلہ آدابِ تلاوت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ قرآن مجید کو اس انداز سے پڑھنا چاہیے کہ سننے والے کو بہت شاندار طریقے سے کلام پاک کا ہر ہر لفظ سمجھ آتا رہے اس طرح تیز پڑھنا کہ بجز یَعْلَمُوْنَ۔ تَعْلَمُوْنَ کے کچھ سمجھ نہ آئے سخت گناہ ہے جیسا کہ بعض حافظ لوگ تراویح یا شبینے میں پڑھتے ہیں۔ یہ منع ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا بَیِّنٰتٍ کی ایک تفسیر نحوی سے مستنبط ہوا۔ جب کہ بَیِّنٰتٍ کو تُتْلٰی کے مصدر تِلَاوَۃٌ کا حال یا صفت بنائی جائے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اس طرح صاف صاف تلاوت فرمایا کرتے تھے کہ کفار بھی ہر لفظ سمجھ جاتے تھے۔ تیسرا مسئلہ صرف ظاہری نوعیت اور کیفیت میں کفار اور کفار کی چیزوں عادتوں کی تعریف کرنا جائز ہے مگر عقیدت یا محبت کے لہجہ میں یا اُن کے اقوال و افعال و خصائل کو نیکی سمجھنا اور کہنا منع ہے۔ یہ مسئلہ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّ رِءْیًا سے مستنبط ہوا کہ کفار کی اشیا اور ظاہری حسن و جمال کی تعریف کی گئی مگر نیکی ہونے کی اَھْلَکْنَا کے ارشاد پاک کے ذریعے نفی کی گئی کیونکہ کسی نیکی کو ہلاکت و فنا نہیں ہوتی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض۔** جب مومنین کو جہنم میں عذاب ہی نہ ہو تکلیف بھی نہ ہو تو پھر دخول جہنم کا کیا فائدہ؟ **جواب۔** جن لوگوں کا یہ قول ہے وہ یہ جواب دیتے ہیں کفار کی ذلت اور مومنین کی عزت بڑھانے کے لیے کہ جب کفار مسلمانوں کو نکلتے دیکھ لیں گے اور خود کو جہنم میں پڑے ہوئے تو ان کی حسرت و ذلت زیادہ ہوگی اور مسلمان کی شان و عزت۔ **دوسرا اعتراض۔** یہاں نُنَجِّی (الخ) کے ارشاد سے ثابت ہو رہا ہے کہ مومنین بھی دوزخ میں داخل ہوں گے۔ حالانکہ ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَهَا۔ یہ تعارض کیوں ہے۔ یعنی پہلی آیت میں یہاں فرمایا گیا کہ پھر ہم مومنوں کو بچا لیں گے۔ پہلے سب دوزخ میں جائیں گے۔ لیکن دوسری آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان والے جہنم سے اتنے دور رکھے جائیں گے کہ اس کا معمولی آواز بھی نہ سنیں گے۔ **جواب۔** اُولٰٓئِكَ عَنْهَا میں ھَا ضمیر کا مرجع جہنم نہیں بلکہ عذاب ہے۔ یعنی جہنم میں داخلے کے باوجود ان کو کوئی تکلیف نہ ہوگی نہ وہ کفار کو عذاب ہوتا دیکھیں گے نہ عذاب کی آواز سنیں گے۔ جہنم کی گرمی کی تپش اور آگ ان پر ٹھنڈی ہو جائیگی آگ کا ٹھنڈا ہونا تو دنیا میں بھی ثابت ہے مثلاً ابراہیم علیہ السلام پر نارِ نمرود ٹھنڈی ہو گئی تھی۔

حکایت تفسیر روح البیان اور انسائیکلو پیڈیا میں لکھا ہے کہ نمرود نے جب دیکھا کہ ابراہیم علیہ السلام آگ میں بڑے مزے سے بیٹھے ہیں انہیں کچھ بھی نہیں ہو رہا۔ تو اس کو شک گزرا کہیں یہ آگ جادو کی تو نہیں۔ اس کی تصدیق کے لیے نمرود نے قریب کھڑے ہوئے ایک درباری کو پکڑ کر اُسی طرح گھمانی کے ذریعے بالکل ابراہیم علیہ السلام کے قریب پھکوا دیا۔ وہ ایک دم جل کر راکھ ہو گیا۔ یہ وہی درباری تھا جس نے آگ جلانے کا مشورہ دیا تھا اور سب سے پہلے آگ لگائی تھی۔ یہ بات کوئی تعجب خیز نہیں کہ ایک جہنم میں اسی جگہ کفار جہنم میں جل رہے ہیں مگر مومن آرام سے کھڑا ہے یا گزر رہا ہے اللہ تعالیٰ کی قدرتیں مشہور ہیں مثلاً قوم موسیٰ کے قبطی ایک ہی پیالے سے پانی پیتے وہ خون بن جاتا پھر اُسی سے بنی اسرائیلی پیتا تو خالص پانی ہوتا۔ بلکہ یہاں تک کہ اسرائیلی اپنے منہ میں دودھ یا پانی لے کر قبطی یا فرعون کے منہ میں کلی کرتا تو وہ اُس کے منہ میں پہنچ کر خون بن جاتا۔ قبر میں عذاب بھی ایسا ہی ہے کہ مومن کی قبر میں جنت کی ہوائیں اور ساتھ پڑے کافر کی قبر میں عذاب۔ یا اگر ایک ہی قبر میں کافر مومن کو دفن کر دیا جائے تو وہی قبر کافر کی جہنم اور مومن کی جنت ہوتی ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ثُمَّ نُنَجِّي الَّذِينَ اتَّقَوا وَّنَذَرُ الظّٰلِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا ۔ وَإِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ اٰمَنُوٓا اَيُّ الْفَرِيقَيْنِ خَيْرٌ مَّقَامًا وَّاَحْسَنُ نَدِيًّا ۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِءْيًا ۔ پھر ہم اپنے انعاماتِ سرمدی کے توسل سے نجاتِ ابدی عطا فرمائیں گے تجردِ عشق کے مقصود و مطلوب والی منزل کے طریق عدالت میں سلوکِ توحید کی طرف اُن طالبانِ منزلِ شوق کو جنہوں نے ماسوا اللہ سے تقویٰ اختیار کیا اور جن کی زندگی کا سرمایہ لَامَطْلُوْبَ اِلَّا اللہ رہا۔ اور حیوٰۃِ دنیوی میں ہی گرادیں گے ہم رذائت، کے جہنم اور قعرِ مذلت کی آگ میں اُن کو جو امیدوں شکست ایمان والوں کو جن کا نورِ استعداد اور عملِ خیر کی قوت و ہمت ظلمتوں کی وجہ سے کم ہوگئی یا اپنی عمل زندگی کو بے محل ناجائز مقامات پر صرف کر دیا وہ اوندھے منہ مادۂ بدنیہ کے ظلمات میں بندھے پڑے ہوں گے۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اصل ظلم ظلماتِ یوم قیامت ہیں مگر جو حیوٰۃِ دنیوی میں رذیل خواہشوں سے بچے رہے اور وصولِ حقیقت کی منزل کی طرف شریعت کے قدمِ ہمت سے چلتے رہے ان کو نجاتِ ابدی دیں گے ہم دارِ دین جہنم میں سے کہ جب اُن کے سامنے ہماری آیاتِ اسرارِ حقائق تلاوت کی جاتی ہیں تو منکرینِ معرفت و تصوف کہتے ہیں۔ اُن روشن ضمیر منکشفینِ اسرار سے جو تحقیق و یقین سے غیوبات و مخفیاتِ الٰہیہ پر ایمان والے ہیں۔ مقبول و مردود میں سے کون بہتر ہے مقامِ قرب اور منازلِ حسن کے اعتبار سے ہم مردودین بیان ظاہر میں قریب تر ہیں لہٰذا باطنِ خفی میں بھی ہم ہی اَحْسَنُ نَدِيًّا۔ مقامِ قبولیت میں ہیں یہ استدلال دھوکہ ہے کیونکہ کتنے ہی دنیوی محبت اور اثباتِ فانی و شہواتِ رِءْيًا والوں کو بحرِ عصیان نار عزلت سے ہلاک کر دیا ہم نے جو غرور فتور شعور میں تم سے زیادہ تھے یا عذابِ غفلت و انکار کی موت سے یا صفاتِ بشریہ کی قیامت صغریٰ سے شوقِ معرفت اور محبتِ دیدار کی قیامتِ انکار قائم ہونے کے وقت جب کہ لذتِ دیدار کی نارِ عشق کا ظہور ہوگا۔ قُلْ مَنْ كَانَ فِي الضَّلٰلَةِ فَلْيَمْدُدْ لَهُ الرَّحْمٰنُ مَدًّا ۔ حَتّٰٓى اِذَا رَاَوْا مَا يُوْعَدُوْنَ اِمَّا الْعَذَابَ وَاِمَّا السَّاعَةَ فَسَيَعْلَمُوْنَ مَنْ هُوَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضْعَفُ جُنْدًا ۔ اولیاء اللہ کے وجودِ قدسیہ و نفوسِ مطمئنہ کی وجہ سے نارِ امارہ بجھ جاتی ہے اور علماءِ راسخین اپنے نورِ ہدایت سے بادیۂ خواہشات کی آگ کو بے طپش کر دیتے ہیں صالحین و اذکیا نارِ نفس پر قابو پالیتے ہیں متقین الحس کی شعلہ بھڑکاتی لپیٹ سے بچ کر گزرنے کی ہمت کرتے ہیں فاسقین عاجزین

مبتلا و ملوث ہو جاتے ہیں تب اُن کی شفاعت و سفارش سے معافی ہو جاتی ہے مگر فاسقین متکبرین
اُس میں گر جاتے ہیں مگر تقوی عن الشرک کا نور اُن کی کثافتوں خباثتوں کے جلنے مٹنے کے بعد بچا کر
مجھ کو پاک وصاف کر کے بچا لاتا ہے ہاں البتہ کفار کا کفر خواہشات کی چنگاری اور لغویاتِ
شرک کی ماچس ہے کافر اپنے نفس و نفسانیت کے جھاڑ کا مقیم ہوتا ہے اس لیے نارِ نفس کا
جہنم ہی اس کا ابدی ٹھکانہ ہے جب حقائق و اسرار کی آیات زبانِ قلب سے تلاوت کی جاتی ہیں
تو کافرانِ غیوب جو حق کی حقانیت کو انکار کے پردوں سے چھپانا چاہتے ہیں وہ زبانِ حال وقال
سے اہلِ حق ولورِ معرفت والوں سے کہتے ہیں جب کہ گبراءِ نفوس ہیں خبیثہ ان متخلبن عاجزین غریبین
متواضعین خاشعین کو تلاوت عبادت ریاضت مقابلۂ نفس وشیطین کا مجاہدہ کرتے دیکھتے ہیں
تو خود کو منعم متمول جانتے ہوئے متکبر اور ضاحک ہنستے ہوئے کہتے ہیں کہ دنیا کے مراتب مجالس
مناسب ۔ وجاہت عزت مرتبت منازل اور تکمیل خواہشات میں کون اعلیٰ ارفع ہے ہم اہلِ نفس
یا تم اہلِ دل ۔ اے نفوسِ رذیلہ کے شیدائیو تم سے پہلے کتنے قبیلے جو تم سے زیادہ تھے استعداد
استحقاق کمالاتِ نعیم ناسوتی کر اثاثوں میں ہم نے ان کو شہواتِ نفس کی دلدلوں استیغاءِ لذات کی
لہروں میں اعزاز و مناسب ہی و اخلاقی تھپیڑوں سے ہلاک کر دیا تو تم غرباءِ نفس کس شمار میں ہو
پس عنقریب جان لیں گے فریبِ شیطین والے حزبُ اللہ کو سچا پیرو وہ ہے جس نے اپنے
نفس کو ضبط کیا اور سچا مرشد وہ ہے جو اپنے مریدوں کو نفوس پر نظم و ضبط سکھائے اور
دروازۂ مصطفٰے سے قربِ ادب دلائے ۔

وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَ

اور یہ بھی فرما دو ۔ کہ زیادہ فرماتا رہے گا اللہ تعالیٰ ہر قسم کی ہدایت اُن لوگوں کے لیے جن کو اُس نے نعمتِ ہدایت عطا فرمائی اور

اور جنہوں نے ہدایت پائی اللہ انہیں اور ہدایت بڑھائے گا ۔ اور

الْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا

وہ نیکیاں جو باقی رہنے والی ہیں بس وہی اچھی ہیں آپ کے رب کے پاس ثواب میں

باقی رہنے والی نیک باتوں کا تیرے رب کے یہاں سب سے بہتر ثواب

وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا ﴿٧٦﴾

اور اچھے انجام والی

اور سب سے بھلا انجام

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مومن و کافر دونوں گروہوں کا ذکر بھی ہوا اور اُن کے انجام کا بھی اب بتایا جا رہا ہے کہ اہلِ ایمان کو دن بدن زیادہ ہدایت ملتی رہے گی تاکہ ان کی دنیا بھی روشن ہو جائے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گمراہوں کی ڈھیل زیادہ ہونے کا ذکر ہوا اب یہاں مومن کی ہدایت کے زیادہ ہونے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی جان و مال کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ اب یہاں مومن کی جان مال اور اعمال کا تا ابد باقی رہنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَيَزِيدُ اللّٰهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى ۚ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۔ واوٗ ہر جملہ ہے یا عاطفہ ہے قُل کے تحت ہے۔ يَزِيدُ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل معروف واحد مذکر کا۔ زِيَادٌ اجوف یائی سے مشتق ہے اللّٰہ اس کا فاعل ترجمہ ہے اللّٰہ زیادہ تر عطا فرماتا ہے یا عطا فرمائے گا۔ اَلَّذِينَ۔ اسم موصول اِهْتَدَوْا۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب هُدًى سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِهْتِدَاءٌ در اصل تھا اِهْتَدَيُوْا۔ پہلے یٰ کو الف سے بدلا گیا کیونکہ یٰ خود متحرک ہے اور ما قبل مفتوح ہے پھر الف گرا دیا گیا دو ساکن کی وجہ سے یہاں یہ فعل لازم ہے ترجمہ ہے جو ہدایت والے ہوئے۔ یا ٹھیک راستے پر چلے۔ هُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِينَ کا دونوں مل کر مفعول بہ اوّل ہوا۔ هُدًى اسم حاصل مصدر مفعول بہ دوم ترجمہ ہے ہدایت کو ایک قول میں یہ مفعول فیہ ہے اور ترجمہ ہے ہدایت میں۔ يَزِيدُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واوٗ ہر جملہ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِينَ۔ بَاقِيَاتٌ اسم فاعل۔ جمع مؤنث اس کا واحد مذکر بَاقِيٌ ہے بَقِيٌّ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے ہے موصوف ہے اَلصّٰلِحٰتُ باب فَتَحَ کا اسم فاعل۔ جمع مؤنث ہے اس کا واحد مذکر اور مؤنث صَالِحٌ اور صَالِحَةٌ ہے صُلْحٌ سے مشتق بمعنی مقبول درست نفع بخش۔ مراد ہیں آخرت کی نیکیاں

یہ صفت ہے۔ مرکب توصیفی مبتداء ہوا خَیْرٌ اسم مصدر مادہ اجوف یائی بمعنی پسندیدہ چیز ہونا بھلائی یا اچھا ہونا۔ عِنْدَ اسم ظرف مکانی رُتبی مضاف ہے رَبِّکَ یہ ڈبل مرکب اضافی ظرف ہے خَیْرٌ مصدر کا وہ شبہ جملہ ہوکر ممیز ہوا۔ ثَوَابًا ترجمہ ہے از روئے ثواب کے۔ اسم مبالغہ بروزن فَعَّالٌ بَلَاغٌ بَلَاگٌ۔ ثَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹ کر آنا۔ بدل کر ملنا۔ کپڑے کو ثواب اس لیے کہتے ہیں کہ اُس کے تانے دھاگے میں پٹیا دھاگہ بار بار آتا ہے۔ اذان کے بعد نمازیوں کو مزید لوٹ پھیر کر اطلاع دینے کے لیے درود شریف وغیرہ پڑھنا تثویب کہلاتا ہے آج کل اس تثویب کی اطلاع کا ایک یہ فائدہ بھی ہے کہ پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ اذان وہابیوں کی خشکی خوری نہیں اہل سنت کی سرسبز و شاداب اذان ہے اَللّٰهُمَّ يَارَبِّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ۔ یہ ثَوَابًا تمیز ہے پہلے خَیْرٌ کے جملے کی یہ ضمیر تمیز مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ مَرَدًّا اسم مصدر میمی رُدٌّ سے بنا ہے بمعنی اسم ظرف ترجمہ ہے لوٹنے کی جگہ مراد ہے بعد قیامت لوٹ کر جانے کا آخری ٹھکانہ یہ تمیز ہے دوسرے خَیْرٌ کی یہ دونوں مل کر معطوف سب عطف مل کر خبر ہے مبتداء کی وَالْبٰقِيٰتُ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَيَزِيْدُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ وَالْبٰقِيٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَيْرٌ مَّرَدًّا۔ اور اے حبیب یہ بھی سنا دو کہ اللہ تعالیٰ زیادہ فرماتا رہے گا اُن نیک پاک عابدین متقین عابدین زاہدین علما اولیا کی ہدایت یعنی قربِ جمال۔ نورِ معرفت ایمان ایقان۔ توفیق خیر دین کی سمجھ۔ آیات کی فکر۔ تدبر۔ خیر و برکت۔ منزلِ مقصود الی اللہ اور صراطِ مستقیم پر بسہولت چلنے کو جن کو مولیٰ تعالیٰ نے عالمِ ازل سے ہی ہدایت کے لیے چن لیا تھا۔ اور دنیا میں ان کو اپنے کرم و رحم سے ہدایت عطا فرمائی۔ ہدایتِ الٰہی بحرِ بیکنار ہے اور ہر نبی ولی عالم غیر عالم۔ مومن متقی۔ یہاں تک کہ خود آقائے کائنات سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن صلی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین وبارک وسلم بھی ہر آن ہدایت کے طالب ہیں اسی لیے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہر نماز میں پڑھتے تھے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے میرے رحیم و کریم خالق و مالک ہر آن ہم کو اپنے قرب کی نعمت عطا فرما۔ ہر بندے کے اعتبار سے ہدایت علیحدہ قسم کی ہے۔ سَیِّدُ الْمُرْسَلِیْن کی ہدایت قربِ ذات ہے جو ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی سے بھی آگے وراء الورا ہے جس میں ہر آن ترقی ہو رہی ہے انبیاء علیہم السلام کی ہدایت قربِ جمال ہے یہ وہ بحرِ بیکنار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں ہے۔ ہدایتِ اولیاء قربِ تجلیات ہے۔ ہدایتِ علما قربِ تفقہ اور دین کی سمجھ ہے۔ ہدایتِ طالبین

منزلِ مقصود ہے ہدایتِ عابدین صراطِ مستقیم ہے ہدایتِ زاہدین توفیقِ خیر ہے۔ ہدایتِ مومنین خیر و برکت ہے۔ ۹ ہدایتِ عوام۔ ایمان ملتا ہے ۱۰ ہدایتِ متقین استقامت ہے ۱۱ ہدایتِ فقرا استغفار ہے ۱۲ ہدایتِ عاشقین صبر ہے اللہ تعالیٰ ہر بندے کو اُس کے مذہب کے لحاظ سے ہدایت کی نعمت دیتا اور زیادہ فرماتا رہتا ہے۔ عطاءِ ہدایت کی ابتدا آقائے کائنات محمدِ مصطفیٰ احمدِ مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عالَمِ ازل سے شروع ہے باقی ہدایتوں کی ابتدا حیاتِ دنیوی سے عالَمِ برزخ اور عالَمِ اعراف میں اس کی انتہا میدانِ محشر تک۔ مگر ہدایت کی زیادتی اَبَدًا اَلآبادتک ہوتی رہے گی اس کی کوئی انتہا نہیں۔ وَالبٰقیٰتُ الصّٰلِحٰت۔ اے کائنات والو سمجھ لو کہ بس یہی ہدایت والے خوش بخت وہ لوگ ہیں کہ جن کا ہر قول فعل عمل ظاہری باطنی۔ نیت وارادہ دینی دنیوی عبادت ریاضت تسبیح تہلیل تکبیر تجارت وصناعت اٹھنا بیٹھنا سونا جاگنا۔ ہر کام صالحات ہیں اور ہر صالحات باقیات ہیں اور ہر باقیات مفید ہیں اسی لیے مومن اگر ظاہراً فقیر بھی نظر آتا ہو مگر حقیقتاً کل عالمین میں امیر رئیس ہے کیونکہ اس کی دولت قرآن و حدیث عبادت تقویٰ طہارت صبر و عشق و اخلاق علم۔ عقل فہم۔ تفکر تدبر تذکر ورد وظائف مراقبہ مکاشفہ اعمالِ صالحہ حلال روزی طیب مال طاہر دولت پاکیزہ عدل و انصاف کی حکومت ہے جس کا ثواب بھی اچھا انجام بھی اچھا آنا بھی اچھا ٹھکانا بھی اچھا اَدلہ بھی اچھا بدلہ بھی اچھا۔ اس لیے کہ دنیوی ثواب اور بدلے سے اُخروی ثواب اور بدلہ اچھا دیرپا اور باقیات ہے۔ کافر بظاہر رئیس اعظم ہو کر بھی محتاج فقیر ذلیل رذیل مفلس بیکس بے بس ہے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ کافر کی امیری بھی بری اور غریبی بھی کیونکہ دونوں نقصان دہ اور دونوں بربادی۔ مومن کی غریبی بھی مبارک وسعادت اور امیری دولت مندی بھی خیر و برکت کیونکہ ہر آن ہر مفید۔ یہ فائدہ وَیَزِیۡدُ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ دنیوی عزت دولت زینت عیش و آرام کو کامیابی سمجھنا حماقت ہے۔ سچی عقل مندی اہلِ ایمان کے پاس ہے یہ فائدہ بَاقِیٰتُ صٰلِحٰتُ کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ عقل مند وہی ہے جس نے اپنے اعمال اور دنیوی محنت مشقت کو باقیات صالحات بنالیا اور اَبدی عیش و آرام پالیا۔ تیسرا فائدہ۔ جن چیزوں کو کبھی فنا نہیں وہ باقیات صالحات ہیں اور جو باقیات ہیں وہی مفید ہیں یہ فائدہ خَیۡرٌ مَّرَدًّا فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے۔ پہلا مسئلہ مومن مسلمان کو حیاتِ دنیوی کی ہر سانس ہر ساعت میں اعمالِ صالحہ اور حسنِ معاشرہ قائم کرنا فرض ولازم واجب ہے اس لیے کہ مومنِ حقیقی وہ ہے جس کی ہر چیز تا ابد زندہ ہو۔ یعنی اصل نسل حسب نسب علم عمل عقل وبصیرت جسم وروح یہ مسئلہ وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ زندہ چیز ہی ہمیشہ بڑھتی اور زیادہ ہوتی رہتی ہے۔ **دوسرا مسئلہ** ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دین دنیا کی بھلائی کی دعائیں مانگنا اعلیٰ ترین اسلامی عبادت ہے۔ یہ مسئلہ هُدًى ی فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے مسلمان کو پانچ وقتہ نماز فرض واجب نفل سنت کی تلاوت میں ہدایت کی دعا مانگنے کا وجوبی حکم دیا ہے۔ اس دعا التجا اور فریاد کا نتیجہ ہے کہ يَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى۔ رب تعالیٰ زیادہ عطا فرماتا ہے ہدایت ان مانگنے والوں ہدایت یافتہ بندوں کو۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہدایت یافتہ انسان زندہ ہے اور بے ہدایتہ انسان مردہ۔ گویا کہ مومن باحیات ہے اور کافر وا بیات ہے تو جس طرح کہ جسمانی زندگی کی حفاظت اور بچانا ہر انسان پر اخلاقی وقانونی فرض ہے اسی طرح ہدایت وایمان کی حفاظت کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض۔ اور جس طرح جان کی حفاظت کے لیے جھگڑا فساد شر وجنگ وجدال۔ بیماری طغیانی اور مہلک چیزوں سے بچنا دور رہنا لازم ہے اسی طرح ہدایت وایمان کی حفاظت کے لیے۔ کافر مشرک بدکار بدمعاش بدعقیدہ بدمذہب لوگوں فرقوں کتابوں تقریروں سے دور رہنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہ مسئلہ خَيْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ سے مستنبط ہوا کہ ان چیزوں کے قریب ہو جاؤ جو اللہ کو پیاری اور خیر ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ہدایت زیادہ فرماتا رہے گا یا زیادہ فرماتا ہے۔ یہ ہدایت بتدریج کیوں بڑھائی جاتی ہے۔ ایک دم کیوں نہیں دے دی جاتی۔ اس کی کیا وجہ اور حکمت ہے؟

جواب۔ دراصل دنیا زمین اور دنیا زمین کی ہر چیز میں بہت طرح کی ایسی کمزوریاں ہیں جن کی وجہ سے وہ خالق تعالیٰ کی نعمتوں کو ایک دم برداشت نہیں کر سکتیں خواہ جمادات ہوں یا نباتات حیوانات ہوں یا جنات انسان میں بھی اسی قسم کی کمزوریاں ہیں۔ بجز آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کو رب تعالیٰ نے تمام ہدایتیں تمام قوتیں عالمِ ازل ہی میں سب ایک دم عطا فرما دیں مگر قربِ ذات کی ہدایت آپ بھی ایک دم برداشت نہیں کر سکتے اس لیے یہ ہدایتیں اپنے اپنے منصب کے اعتبار سے ہر ایک کو بتدریج عطا فرمائی جاتی ہیں۔ کہ پہلے حصول وفیوض استفادہ سے استزادے کی قوت

اور برداشت پیدا فرمائی جاتی ہے پھر وہ نعمتِ ہدایت دی جاتی ہے یہی حال حیاتِ دنیوی کی ہر کیفیت کا ہے۔ دوسرا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ قبر وحشر میں بھی ہدایت بڑھتی رہتی ہے۔ ہدایت کی اقسام میں ایمان کی ہدایت بھی ہے اور توفیق خیر کی ہدایت بھی ان دونوں ہدایتوں کی زیادتی کا قبر وحشر میں کیا فائدہ ایمان تو نزع کے وقت کا بھی معتبر نہیں ہے تو اگر قبر میں یا حشر میں ہدایتِ ایمان ملی تو کیا فائدہ جب کہ وہ ایمان قبول ہی نہیں اسی طرح توفیقِ خیر یعنی اعمالِ صالحہ کی ہدایت کا قبر وحشر میں کچھ فائدہ نہیں کیونکہ اعمالِ صالحہ شریعت کی چیزیں ہیں اور شریعت کی تکلیف و پابندی صرف دنیا میں ہے قبر وحشر میں کوئی مکلف نہیں ہوگا لازم واجب فرض عبادات صرف دنیا میں ہیں نہ کہ قبر وحشر میں۔ تو پھر یَزِیْدُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ کا بعد موت کیا فائدہ۔ جواب۔ یَزِیْدُ اللّٰہُ (الخ) فرمانا عین حکمت و کرم ہے اس لیے کہ ایمان کی بھی دو قسمیں ہیں اور توفیقِ خیر کی بھی دو قسمیں ہیں۔ نیز ایمان کی ہدایت اور ایمان لانا۔ اور ہدایت کی زیادتی ملنے میں بڑا فرق ہے۔ دنیوی زندگی میں ایمان لانا کفر شرک اور بدعقیدگی سے توبہ و نفرت کرنا ہے یہ ایمان بالغیب ہے جو مرنے سے پہلے کا مقبول ہے بعد میں عالَمِ نزع کا غیر مقبول لیکن مرنے کے بعد ایمان بِالشّہادہ ہوتا ہے جو ابد تک ہر آن زیادہ ہوتا رہے گا۔ وَیَزِیْدُ میں اسی کا ذکر ہے نہ کہ ایمان بالغیب کا اسی طرح توفیقِ خیر۔ مرنے سے پہلے فرائض اور واجبات کی ہدایت ہے جو مرتے وقت ختم۔ لیکن نوافل اور ذکر الٰہی کی ہدایت یہ قبر وحشر اور جنت میں بھی جاری رہے گی۔ یہاں یَزِیْدُ اللّٰہُ میں یہی ہدایت مراد ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ اس کی تفسیر صوفیانہ آیت ۸۲ کے بعد ہوگی۔ اِنْشَاءَ اللّٰہ تعالیٰ۔

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ

اے محبوب کیا تم نے بغور دیکھا ہے اس کو جس نے انکار کیا ہماری آیتوں کا اور کہا کہ البتہ ضرور دیا جاؤں گا میں

تو کیا تم نے اسے دیکھا جو ہماری آیتوں سے منکر ہوا اور کہتا ہے مجھے ضرور

مَالًا وَّوَلَدًا ﴿۷۷﴾ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ

مال اور اولاد ۔ کیا اس نے غیب کا علم پالیا ہے یا اس نے لیا ہے اس نے

مال و اولاد ملینگے ۔ کیا غیب کو جھانک آیا ہے یا رحمٰن کے

عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ﴿۷۸﴾ كَلَّا ؕ سَنَكۡتُبُ مَا

اللہ رحمٰن کے پاس سے کوئی پکا عہد قطعاً نہیں عنقریب ہم نامۂ اعمال بنا دیں گے

پاس کوئی اقرار رکھا ہے ہرگز نہیں۔ اب ہم لکھ رکھیں گے جو وہ

يَقُوۡلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الۡعَذَابِ مَدًّا ﴿۷۹﴾ وَّ

ان تمام باتوں کو جو وہ کہتا پھرتا ہے اور اٹھا پھینکے گے ہم اس کو عذاب میں گھسیٹکر اور

کہتا ہے اور اُسے خوب لمبا عذاب دیں گے۔ اور

نَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ﴿۸۰﴾ وَ

اس کی ہر چیز پر ہم قابض ہوں گے جو وہ کہتا پھرتا ہے اور آئیگا وہ ہمارے پاس اور

جو چیزیں کہ رہا ہے اُن کے ہمیں وارث ہوں گے۔ اور ہمارے پاس اکیلا آئےگا

اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا

ان کفار نے اللہ کے مقابل کتنے ہی معبود بنا ڈالے تاکہ یہ دیوی دیوتا

اللہ کے سوا اور خدا بنا لئے کہ وہ

لَهُمۡ عِزًّا ﴿۸۱﴾ كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ

ان پجاریوں کے لیے طاقت کا سہارا ہو جائیں۔ خبردار عنقریب ہی پجاری ان بتوں کے منکر ہو جائینگے

انہیں زور دیں۔ ہرگز نہیں۔ کوئی دم جاتا ہے کہ وہ ان کی بندگی سے منکر ہونگے

ع ۵ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ﴿۸۲﴾

اور دشمن ہو جائیں گے

اور ان کے مخالف ہو جائیں گے۔

تعلقات

ان آیت کا سابقہ آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق - پچھلی آیت میں ایمان والوں کو زیادہ ہدایت ملنے کا رب تعالیٰ کے سچے وعدے کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیت میں کفار کی اُن جھوٹی طفل تسلیوں کا ذکر ہو رہا ہے جو وہ اپنے بارے میں اولاد ملنے کی خوش فہمی کی باتیں کرتے تھے - بلکہ تاقیامت اسی جھوٹے خیالات میں مبتلا ہیں - دوسرا تعلق پچھلی آیت میں باقی رہنے والے مومنوں کے ایمان کا ذکر ہوا - اب ان آیت میں فنا والی کفار کی اولاد اور دولت کا ذکر ہے -

شانِ نزول

مسلم و بخاری کی روایت ہے کہ حضرت خبابؓ بن ارت کا کچھ قرضہ مزدوری زمانہ جاہلیت کا مشرک مکہ عاص بن وائل سہمی پر تھا - جب ایک دفعہ آپ نے وہ قرضہ طلب کیا تو عاص بن وائل نے کہا کہ اگر تو محمد اور دینِ اسلام کو چھوڑ دے تو میں تجھ کو قرضہ واپس کر دوں گا - آپ کو سخت غصہ آیا اور فرمایا کہ اے مردود بھلا میں رسول اللہ کا دامن چھوڑ دوں تھوڑے سے قرضہ کے لیے تو اگر مر کر بھی دوبارہ زندہ ہو جائے تب بھی میں دامنِ مصطفیٰ نہ چھوڑوں گا - اس پر وہ تعجب سے کہنے لگا کیا کوئی مر کر بھی زندہ ہو سکتا ہے آپ نے فرمایا کہ ہاں ایسا ضرور ہو گا تب مذاقاً کہنے لگا کہ اچھا اب یہ قرضہ تب ہی دوں گا جب میں مر کر دوبارہ زندہ ہو جاؤں اور مجھ کو پھر مال و اولاد ملے گا - اس پر یہ ایک آیت ہے نازل ہوئی - (از امام سیوطی - و خزائن العرفان)

تفسیر نحوی

أَفَرَءَيْتَ الَّذِي كَفَرَ بِآيَاتِنَا وَقَالَ لَأُوتَيَنَّ مَالًا وَوَلَدًا - أَطَّلَعَ الْغَيْبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحْمَٰنِ عَهْدًا - سَنَكْتُبُ مَا يَقُولُ وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا -

اَفَ لفظ ایک قول میں یہ ایک لفظ دو حرفوں کا مجموعہ ہے ۱ ہمزہ سوالیہ اور ۲ حرف عاطفہ دراصل ہے فَا - یہ کُل ۱۱ جگہ قرآن مجید میں آیا ہے - ترجمہ ہے کیا پس - پھر کیا لیکن درست بات یہ ہے کہ یہ مجموعہ نہیں ہے بلکہ علیحدہ علیحدہ دو حرف ہیں اور بیچ میں ایک فعل پوشیدہ ہے دراصل اَنْظَرْتَ فَرَاَيْتَ - یعنی کیا تم نے آنکھوں سے دیکھ لیا تو غور کیا - اَ ہمزہ سوالِ تعجب انکاری کے لیئے پوشیدہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ - فَ عاطفہ رَاَيْتَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور شکایت ایک کافر کی ہے - اَلَّذِي كَفَرَ - اَلَّذِي اسم موصول واحد مذکر كَفَرَ فعل ماضی مطلق هُوَ ضمیر فاعل پوشیدہ کا مرجع اَلَّذِي ہے بِ جارہ تعدیہ کی آیٰت - اسم جمع مؤنث سالم نَا ضمیر جمع متکلم یہ مضاف الیہ ہے مراد ہے قرآن مجید کی آیتیں یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے كَفَرَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ قَالَ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع

ہے اَلَّذِی یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَاُوْتَيَنَّ۔ فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم مضارع مستقبل مجہول۔ بابِ اِفعال اٰتٰی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِيْتَاءٌ اس میں ضمیر واحد متکلم اَنَا اس کا نائب فاعل ہے مَالًا اسم مفرد نکرہ بمعنی دولت واؤ عاطفہ۔ وَلَدًا اسم مفرد جامد جنسی جمع ہے بمعنی اولاد یہ لفظ مذکر مؤنث صغیر کبیر سب کو شامل ہے اگر یہ کسی قسم کا معرفہ یا منادیٰ ہو تو مفرد حقیقی مذکر ہوتا ہے جیسے یَا وَلَدُ بمعنی اے بیٹے۔ یا جیسے وَلَدِیْ میرا بیٹا۔ خیال رہے کہ مذکر کے نطفے کے بچے اُس کی اولاد ہوتے ہیں اور مؤنث کے پیٹ کے بچوں کو اس کی اولاد کہا جاتا ہے۔ یہ معطوف ہوا یہ دونوں عطف مفعول بہ ہے۔ لَاُوْتَيَنَّ۔ فعل نائب فاعل اور مفعول بہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر معطوف ہوا۔ کَفَرَ کا جملہ معطوف اپنے اس معطوف سے مل کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْ موصول صلے سے مل کر مفعول بہ ہے اَفَرَئَیْتَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر عطف ہے پوشیدہ پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ اَطَّلَعَ۔ دراصل ہے اَاِطَّلَعَ پہلی ہمزہ سوالیہ دوسری ہمزہ اصل بابِ افتعال کی دوسری تخفیف کے لیے گرا دی۔ ایک قرأت میں اِطَّلَعَ ان کے نزدیک پہلی ہمزہ گرائی گئی حرفِ اَمْ عاطفہ سوالیہ کے قرینے اور دلالت سے یہ فعل ماضی اِطْتَلَعَ تھا۔ ت کو ت اَنِیْ مخرج کی بنا پر ط بنا دیا گیا۔ اس کا فاعل اس میں صیغے کی ضمیر هُوَ پوشیدہ۔ اَلْغَيْبُ اسم مفرد معرفہ الف لام عہدی ہے بمعنی پوشیدہ چیز مراد ہے قیامت اور آخری جہان یا اُخروی ٹھکانہ۔ یہ مفعول بہ ہے۔ اَطَّلَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ خیال رہے کہ کائنات کی ہر چیز غیب ہے جن کو اللہ کے سوا اور اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جانتا مگر ان غیوبِ کائنات کی نوعیت دو قسم کی ہے ا خود چیز ہی پوشیدہ ہو جیسے جنت ملائکہ وغیرہ ۲ شی خود تو ظاہر مگر اس کی حقیقت و اصلیت پوشیدہ۔ جیسے دنیوی کروڑوں ظاہری چیزیں بلکہ خود ہمارا جسم کہ ہم بھی نہیں جانتے اس کی بناوٹ مٹی سے کس طرح۔ اَمْ حرفِ عطف سوالی اختیاری اِتَّخَذَ۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا فاعل وہی اَلَّذِیْ ہے۔ اَخْذٌ مہموز الفاء سے بنا ہے دراصل تھا اِءْتَخَذَ پھر اِيْتَخَذَ سے تعلیل ہوئی پھر ی کو ت کیا اور ادغام کر دیا۔ ترجمہ ہے کیا بنا لیا۔ لے لیا۔ پکڑ لیا۔ عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے الرَّحْمٰنِ مضاف الیہ دونوں مل کر ظرف ہے اِتَّخَذَ کا۔ عَهْدًا اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی وعدہ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا اَطَّلَعَ کا دونوں مل کر جملہ معطوف ہو گیا۔ ایک قول میں قَالَ پوشیدہ مقولہ ہے۔ یعنی اللہ نے فرمایا یا قُلْ پوشیدہ ہے کہ اے نبی آپ کہو۔ كَلَّا۔ حرفِ بسیط ہے۔

جھڑک اور تنبیہ کے لیے آتا ہے۔ لیکن کبھی یہ حرفِ ایجاب کے لیے آتا ہے بمعنی جی ہاں۔ کبھی زائدہ ابتداءِ کلام کے لیے۔ ایک قول میں یہ مرکب ہے مجموعہ ہے کاف تشبیہی اور لاءِ نفی کا۔ سین حرفِ تقریب نَکْتُبُ مضارع مستقبل جمع متکلم۔ نَحْنُ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع اللہ تعالیٰ۔ مَا۔ اسم موصول یَقُوْلُ۔ فعل مضارع حال۔ ھُوَ پوشیدہ فاعل مرجع وہی اَلَّذِیْ یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مفعول بِہٖ نَکْتُبُ کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَمُدُّ۔ فعل مضارع مستقبل جمع متکلم۔ لَهٗ۔ جار مجرور متعلق ہے اوّل۔ مِنَ جارۃ بمعنی فی جارۃ ظرفیہ اَلْعَذَابِ الف لام عہدِ ذہنی۔ عذاب اُخروی سزا۔ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے مَدًّا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے نَمُدُّ کا۔ بمعنی کھینچنا گھسیٹنا لمبا کرنا۔ دراز مدت یہاں یہ آخری معنی ہیں۔ نَمُدُّ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں مل کر جملہ عاطفہ نحویہ ہوئی۔ وَّنَرِثُهٗ مَا یَقُوْلُ وَیَاْتِیْنَا فَرْدًا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا كَلَّا سَیَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَیَكُوْنُوْنَ عَلَیْهِمْ ضِدًّا واؤ برجملہ۔ نَرِثُ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل جمع متکلم وِرْثٌ سے مشتق ہے بمعنی مالک ہونا۔ قابض ہونا۔ ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ مَا۔ اسم موصول یہ عطف بیان ہے ہٗ ضمیر کا۔ یَقُوْلُ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر عطف بیان ہٗ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ نَرِثُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ (ابتدائِ کلام کے لیے) یَاْتِیْ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع وہی اَلَّذِیْ۔ نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل مفعول بہ بمعنی ظرفِ مکانی دراصل تھا عِنْدَنَا ترجمہ ہے ہمارے پاس۔ فَرْدًا۔ اسم مفرد وحدانی بمعنی اکیلا۔ تنہا۔ اس کی جمع سماعی فُرَادٰی ہے اسی سے ہے منفرد اور مفرد علم نحو میں منفرد کی بھی تین قسمیں ہیں اور مفرد کی بھی (۱) منفرد فردی۔ وہ جو مقام و مکان و مرتبے میں ایک ہو (۲) منفرد طاق جو تقسیم میں ایک ہو یعنی برابر تقسیم نہ ہو سکے بغیر توڑے (۳) منفرد واحد جو تعداداً ایک ہو۔ مفرد کی اقسام (۱) جو تثنیہ۔ جمع نہ ہو (۲) جو مضاف نہ ہو (۳) جو مرکب نہ ہو۔ یہ حال ہے یَاْتِیْ کے پوشیدہ فاعل ھُوَ کا دونوں مل کر فاعل ہیں یَاْتِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ۔ اِتَّخَذُوْا۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع سابقہ آیت میں لفظِ کفّار ہے اس کا مصدر اِتِّخَاذٌ اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی پکڑنا۔ بنانا۔ اختیار کرنا یہاں مراد ہے بنانا اختیار کرنا۔ مِنْ حرفِ جار زائدہ دُوْنِ اسم مفرد بمعنی مقابل سوا۔ مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے۔ اٰلِهَةً اسم جمع مکسّر ہے اِلٰہٌ کی لفظِ اسم صفت مشبہ بروزنِ فِعَالٌ بمعنی اسم مفعول۔ مَاْلُوْہٌ۔ اَلَہٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ عبادت کیا ہوا۔ یا عبادت کرایا ہوا۔ لغوی ترجمہ ہے

جھکنا جھکانا ، پوجا کرنا ۔ یہ مفعول بہ ہے اِتَّخَذُوا ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا ۔ لام کے تعلیلیہ حرفِ جازم ہے بمعنی تاکہ یَکُوْنُوا فعل مضارع معروف جمع مذکر غائب مجزوم ناقصہ ۔ اصل میں یَکُوْنُوْنَ تھا ۔ نونِ اعرابی گر گئی جزم سے ۔ ھُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اٰلِھَۃً ہے ۔ لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے ۔ عِزًّا اسم حاصل مصدر ۔ بمعنی قوت ۔ طاقت ۔ غلبہ ۔ حفاظت ۔ بلندی ۔ مدد ۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے یہ خبر ہے یَکُوْنُوا اپنے پوشیدہ اسم متعلق اور خبر سے جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی اِتَّخَذُوا کا جملہ معلول اپنی علت سے مل کر جملہ تعلیلی ہو گیا ۔ کَلَّا ۔ اسم بسیط ہے بعض کے نزدیک یہ مجموعہ مرکبی ہے کاف تشبیہ اور لا نفی سے مگر اب چونکہ ان کا اپنا معنی باقی نہیں اس لیے کاف ولام کا ادغام کر کے بسیط کی شکل اور وزن پر بنا دیا گیا یہ لفظ قرآن مجید میں تقریباً تینتیس ۳۳ دفعہ آیا ہے ۔ ترکیب سے خارج ہے ۔ یہ کبھی مابعد سے مجزوم کر نہیں آتا ۔ ہمیشہ منفرد رہتا ہے مِس حرفِ تقریب یَکْفُرُوْنَ ۔ بابِ نصر کا فعل مضارع مستقبل معروف جمع غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع وہی سابقہ کفار بعبادتہم ۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے ۔ ھم ضمیر ظاہر کا مرجع اٰلِھَۃً ہے ۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ ۔ یَکُوْنُوْنَ ۔ فعل مضارع مستقبل ناقصہ علیٰ حرفِ جر ۔ فوقیت کا ھم کا مرجع اٰلِھَۃً ہے ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ۔ ضِدًّا ۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی مخالف ۔ خبر ہے ۔ یَکُوْنُوْنَ سب سے جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو گیا ۔ لفظ ضِدًّا اگرچہ واحد ہے اور اس کی جمع اَضْدَادٌ ہے مگر یہ خود بھی واحد اور جمع کے لیے مستعمل ہے ۔ اور تثنیہ کے لیے ضدین کہا جاتا ہے ضد کی پانچ قسمیں ۱ مقابل جیسے دوست دشمن ۲ مخالف جیسے مومن کافر ۳ متعارف جیسے سفیدی سیاہی ۴ متناقض جیسے موجب سالبہ ۵ متحارب جیسے منکر اور مرید یہاں اسی معنی میں ۔ اس کا مقابل ہے نِدًّا ۔ یعنی ذات یا صفات میں شریک ۔

تفسیر عالمانہ

اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا ۔ اَطَّلَعَ الْغَیْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا ۔ کَلَّا سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَہٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۔

اے حبیب کریم رؤف ورحیم کیا تم نے غور فرمایا اس مغرور و سرکش ظالم اور غریب کو ستانے والے کو جس نے ہماری آیت کا کفر کیا ۔ قیامت حشر نشر جنت دوزخ کا منکر ہے پھر کہتا ہے کہ اگر قیامت ہوئی بھی تو مجھ کو وہاں بھی اسی دنیا کی طرح مال و دولت آل اولاد ملے گی یہ عاص بن وائل تھا جس کا بیٹا مشہور صحابی بدر کے غازی حضرت عمرو بن عاص فاروق اعظم کے زمانۂ اقدس میں سپہ سالار جرنیل اور فاتح مصر ہوئے لیکن والد اتنا بڑا کافر مغرور اور ظالم کہ ایک مزدور حضرت خباب کی زیور

یا گوار بنانے کی مزدوری مار بیٹھا اور ایسی پُر اعتماد باتیں کرتا ہے گویا غیوبات الٰہیہ اور لوحِ محفوظ یا ملائکہ عرش و کرسی کی غیبی باتوں پر مطلع ہو چکا ہے یا اللہ رحمٰن و رحیم سے کوئی عہد اور وعدہ باندھ لیا ہے کہ میں جو چاہے کروں تو نے مجھ کو بخشنا ہی ہے یا کوئی ایسا اچھا عمل کیا ہے کہ اللہ کا پیارا بن گیا ہے یا کلمہ شہادت اور کلمہ طیب پڑھ کر مومن متقی بن گیا ہے کیونکہ آخرت کی کامیابی اور مال و دولت آل اولاد عزت آبرو تو فقط ان ہی وجوہ و اسباب سے مل سکتی ہے مگر اُس کے پاس ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں تو پھر یہ کیوں اتنی مغروریت اور فضول جھوٹے تصورات باندھے بیٹھا ہے یہاں رویت کا ذکر ہے کیونکہ رویت بڑی سند اور شہادت ہے خبر سے وَلَدًا سے مراد اولاد ہے وَلَدًا وَاحِد ہے یعنی ایک بیٹا اِس کی جمع وُلْدًا ہے جیسے عَرَبْ واحد ہے اس کی جمع عُرُبْ ہے اَسَدْ واحد اور اُسُدْ جمع ۔ بعض نے فرمایا ۔ وَلَدًا ہی دونوں کے لیے مستعمل ہے ۔ جمع بھی واحد بھی ۔ کَلَّا ۔ یہ گستاخ جو بیہودہ فضول باتیں اور جھوٹے تصورات قائم کئے بیٹھا ہے وہ ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ قانون کے بھی خلاف ہے اور قدرت کے بھی ۔ کفار کی ذلت و رسوائی بے کسی ۔ بے بسی ۔ عِتِيًّا ۔ جِثِيًّا ۔ صِلِيًّا ۔ اَضْعَفُ جُنْدًا ۔ فَرْدًا ۔ ضِدًّا کا قانون تو پہلے ہی عالم ازل میں حَتْمًا مَقْضِيًّا ہو کر مُبْرَم ہو چکا ہے کسی کی بھی دعا شفاعت سے نہیں ٹل سکتا ۔ مگر قدرت صرف انبیاء اولیاء و محبوبین اور پیاروں پر جاری ہوتی ہے نہ کہ ذلیل کفار و فجار پر ۔ لفظ کَلَّا ۔ زجر اور نفی کلمہ ہے اُس جگہ مستعمل ہوتا ہے جہاں کسی نفرت کی چیز کی سختی ہے جھڑک کے ساتھ نفی کی جاتی ہے ۔ یہ کَلَّا قرآن مجید میں تقریباً تینتیس ۳۳ بار ارشاد ہوا ہے اور مختلف آیات میں چھ معنیٰ سے استعمال ہوا ہے ۱ جھڑک جیسے یہاں ۲ تردید کے لیے ۳ صلہ کے لیے ۴ تصدیق یعنی ایجاب کے لیے ۵ ثبوت کے لیے بمعنیٰ حقارت ۶ استفتاح یعنی وضاحت کے لیے ۔ یہ لفظ صرف مکی سورتوں میں آیا ہے اور یہاں پہلی بار ہے باقی سب اِس سے آگے آخری تیسویں پارے تک وارد ہوئے قراء حضرات کے نزدیک اس لفظ کی چار طرح قرٔت کی گئی ہے ۱ قرآنِ مجید کی دس آیتوں میں اس لفظ پر وقف بھی حسن و جائز ہے یعنی اِس کو پچھلے کلام سے ملاؤ اور اس لفظ سے آیت کی ابتدا بھی جائز اور اچھی ہے یعنی اس کو اگلے کلام سے ملاؤ ۔ دوم یہ کہ اس لفظ پر وقف کر دیا اِس سے آیت کی ابتدا کرو ۔ دونوں جائز تو ہیں مگر حسن کوئی نہیں ۔ یہ قرٔت صرف دو آیتوں میں ہے سوم اسی طرح صرف دو آیتوں میں کَلَّا پر وقف کرنا حَسَن یعنی اچھا ہے ۔ ابتدا یعنی اگلے کلام سے جوڑ کر آیت کی ابتدا اِس لفظ سے کرنا جائز تو ہے مگر حسن نہیں چہارم ۔ انہیں آیات میں

ابتدا کرنا حسن ہے یعنی اگلے کلام سے ملانا مگر وقف یعنی پچھلے کلام سے ملانا غیر جائز غیر حسن ہے پہلی قرأت کی مثال مثلاً یہی دو آیتیں ۷۹ اور ۸۲ کہ یہاں عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ عَهۡدًا ۙ كَلَّا پڑھنا بھی جائز وحسن ہے اور كَلَّا سَنَكۡتُبُ پڑھنا بھی جائز وحسن ہے دوسری قرأت کی مثال ثُمَّ كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ یہاں ثُمَّ كَلَّا پڑھنا بھی جائز۔ اور كَلَّا سے ابتدا کرکے كَلَّا سَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ پڑھنا بھی جائز مگر دونوں غیر حسن ہیں کسی کو ترجیح نہیں۔ تیسری قرأت کی مثال مثلاً فَاَخَافُ اَنۡ يَّقۡتُلُوۡنِ كَلَّا پڑھنا بھی جائز حسن اور بہتر بھی۔ لیکن كَلَّا کو يَقۡتُلُوۡنَ سے علیحدہ کرکے اگلے کلام سے جوڑنا جائز تو ہے مگر بہتر نہیں۔ چوتھی قرأت کی مثال مثلاً۔ كَلَّا وَالۡقَمَرِ۔ پڑھنا جائز بھی حسن بھی۔ مگر كَلَّا کو وَالۡقَمَرِ سے جدا کرنا جائز نہیں ہے سَنَكۡتُبُ مَا يَقُوۡلُ۔ یہ ظالم کافر اور فاسق دنیا میں باتیں تو بڑی بڑھ بڑھ کر کر رہے ہیں مگر یہ نہیں سمجھتے کہ ہم عنقریب ان کے تمام قول عمل اور اس قسم کی تمام باتیں ظلم و سرکشی سنا کر لانا سب کچھ اعمال نامہ بنا کر ان کو دکھا دیں گے ہم یعنی ہمارے حکم کے باندھے کراماً کاتبین یہ سب لکھتے جا رہے ہیں۔ سَنَكۡتُبُ کا معنی ایک قول میں سَنَحۡفَظُ ہے یعنی ایک ایک چیز کی ہم حفاظت کریں گے تاکہ کوئی قیامت میں انکار نہ کر سکے بعض نے فرمایا کہ سَنَكۡتُبُ کا معنی ہے سَنُظۡهِرُ یعنی ہم اعمال نامہ ظاہر کر دیں گے۔ فرشتوں کے کام کی نسبت رب تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی اس لیے کہ حکم رب تعالیٰ کا ہے۔ لَاُوۡتَيَنَّ (الخ) اگرچہ ظاہراً واحد متکلم اور ایک شخص کا قول ہے مگر حقیقتاً وہ عقیدہ تمام اور پوری قوم ہے یعنی کفار مکہ میں سب کا عقیدہ اور تصوراتی خیال ہے اسی طرح آج بھی جو کفار و بد عقیدہ لوگ اُخروی عیش و آرام کے اسی خیالی پلاؤ میں مغرور و مگن ہیں وہ بھی اُن حمقا میں شامل ہیں۔ ایسے ہی ظالموں ستم گروں کے لیے فرمایا گیا نَمُدُّ لَهٗ۔ کھینچ لائیں گے ان کے لیے عذاب میں سے بہت دراز عذاب کا کھینچنا یا اس طرح کہ اُس پر لمبا عذاب کریں گے یا اس طرح کہ اس کو مختلف جہنموں کے ہر قسم کے عذاب میں گھسیٹا جائے گا۔ یا اس طرح کہ بیک وقت اُس پر تمام عذاب ہوں گے۔ خیال رہے کہ جہنم میں پندرہ قسم کے عذاب ہیں ۱ آگ کا ۲ ٹھنڈک کا ۳ درد کا ۴ بدبو کا ۵ کڑواہٹ کا ۶ دہشت کا ۷ پیاس کا ۸ بھوک کا ۹ بیخوابی بیداری کا ۱۰ لڑائی کا جھگڑے گالی گلوچ کا ۱۱ شور و پکار کا ۱۲ بے آرامی بے سکونی کا ۱۳ خون و پیپ کا ۱۴ گندگی پلیدی کا ۱۵ اندھیرے کا۔ مَدًّا سے مراد مدت کی درازی نہیں ہے کیونکہ وہ تمام کفار کو یکساں اَبَدُ الآباد تک ہے۔ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوۡلُ وَيَاۡتِيۡنَا فَرۡدًا ۞ وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۞ كَلَّا ؕ سَيَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَيَكُوۡنُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ ضِدًّا ۞ ۔ اور دنیا میں ہی ہم تمہارے وارث ہو جائیں گے

اُس کے تمام مال واسباب آل وعیال عیش وآرام پر جن کے بل بوتے پر وہ ہر کفر وشرک ظلم وستم جبر و تعدی فسق وفجور کرتا چلا جا رہا ہے مغرور ومغرور دنیا دار کے لیے یہ بڑا عذاب ہے۔ اور جو کچھ یہ لغویات بول رہا ہے اس کی موت کے ساتھ ہی یہ سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ اس کی باتوں پر بھی ہم ہی قابض ومالک ہیں۔ دنیا کی چند سانسوں کی زندگی میں جو چاہے خرمستیاں کرتا پھرے آج دنیا کی فضلوں گروہوں پر نازاں ہے کل محشر میں وَيَأْتِينَا فَرْدًا۔ ہمارے پاس اکیلا ہی بے یار ومددگار حاضر ہوگا نہ مال نہ اولاد نہ محشر نہ جہنم میں سب سے جُدا یہ کفار کا ابدی حال ہوگا۔ اَوَّلًا قبور سے اُٹھ کر سب مومن کافر اکیلے ہی میدان محشر میں حاضر ہوں گے پھر مومنین کو محشر میں اولاد سے فرشتوں ساتھیوں سے ملاقات بھی ہوگی اور جنت میں ہر قسم کی دولت بھی ملے گی اور ہر خواہش بھی آناً فاناً پوری ہوگی۔ تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کی خواہش اولاد کی بچے کھلانے کی آرزو ہوگی تو اس کی جنتی بیوی یا حور فوراً حاملہ ہوگی بچہ پیدا ہوگا۔ وہ دودھ پلائیگی مرد اپنی خواہش میں اس کو اٹھائے کھلائے گا پھر وہ بچہ جوان بھی جلدی ہو جائے گا۔ یہ بُرے انجام والے وہی بد بخت لوگ ہیں جنہوں نے وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ رب العزت کو چھوڑ کر بہت سے جھوٹے معبود بنا لیے۔ چاند سورج جنات اور فرشتوں کو دیوی دیوتا مورتی اور بتوں کو معبود سمجھ لیا۔ کفار قریش اور دیگر تا قیامت کافروں نے اس خیال میں ان کو معبود بنایا تاکہ اللہ تعالیٰ کے روبرو ان بتوں کے ذریعے عزت اور شفاعت پائیں۔ کَلَّا۔ اِن بد بختوں کی یہ آرزو کبھی پوری نہیں ہو سکتی دنیوی عزت کی چھ صورتیں ہیں (۱) دولت (۲) حکومت (۳) وجاہت در عب داب (۴) جاگیری ملکیت (۵) تجارت (۶) بیٹے۔ نوکر خدام غلام۔ جنہیں عربی محاورے میں اُس طاقت وبہادری کو بھی عزت کہا جاتا ہے جس پر کوئی ہاتھ نہ ڈال سکے اور اُس عزت کا سبب اس کے حمایتی ہوں۔ ابتدا سے آج تک ہر کافر کا یہ خیال اور گھمنڈ ہے کہ اس کو ہمیشہ اس طرح کی عزتیں ملتی رہیں گی۔ اسی کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ یہ بے وقوف جن بتوں پر بھروسہ کرتے ہوئے کافر ومشرک ہیں سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ قیامت میں وہ سب جنات ملائکہ دیوی دیوتا چاند سورج ان کفار کی پوجا پاٹ پرستش عبادت عزت منت سے انکار کر دیں گے اور ان کفار سے نفرت حقارت کرتے ہوئے کہیں گے کہ یا اللہ اے ہمارے سچے معبود خالق ومالک۔ ان کافروں کی پوجا پرستش کا نہ ہم کو پتہ لگا نہ ہم نے ان کو کہا تھا یہ خود ہی کفر کی خاک پھانکتے پھرے اس لیے آج یہ اکیلے ہی جہنم کی راکھ چھانتے پھریں۔ بعض نے فرمایا کہ خود کفار ہی بتوں کی عبادت و پرستش کا انکار

کر دیں گے کہ تَاللّٰہِ مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ۔ اللہ کی قسم ہم تو دنیا میں مشرک نہ تھے۔ دنیا میں تو نہ جانے کس کس آس وبھروسے پر کافر بت پرست بتوں پر ہار پھول مٹھائی اور دودھ چڑھاتے ہیں مگر یہی سب کچھ قیامت میں وَیَکُوْنُوْنَ عَلَیْھِمْ ضِدًّا اُن پر الٹ ہو جائے گا کہ جن دیوی دیوتا کو کفار بہت کچھ سمجھتے تھے وہ بھی ان کے ساتھ ہی جہنم میں بندھے پڑے ہوں گے۔ یا جن کو یہ مشرکین اپنا حامی سفارشی سمجھتے تھے آج قیامت اور جہنم میں ان کے مخالف اور دشمن ثابت ہوں گے۔ جن کو یہ اپنی عزت کا ذریعہ سمجھتے تھے وہ ہی ان کی ذلت و عذاب کا باعث ہوں گے۔ چونکہ عزت کی الٹ ذلت ہوتی ہے اس لیے یہاں ضِدًّا ارشاد ہوا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ قیامت میں مسلمانوں کو ان کی مومن اولاد بھی ملے گی اور ثواب میں اُخروی جنتی مال بھی ملے گا مگر کفار کو یہ دونوں نہ ملیں گی یہ فائدہ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَھْدًا سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ مسلمانوں کو دین دنیا کی ہر گفتگو بات چیت کلام میں بہت احتیاط چاہیے ہر وقت قیامت اور اپنے نامۂ اعمال و کراماً کاتبین کا خیال چاہیے۔ یہ سمجھ لینا چاہیے کہ ہر انسان مرد و عورت مومن کافر کی ہر بات لکھی جارہی ہے ذرہ ذرہ کا عمل ٹیپ ہو رہا ہے۔ یہ عبرت ناک سبق اور فائدہ سَنَکْتُبُ مَا یَقُوْلُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ آقائے کائنات حضور اقدس ہمارے نبی محترم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ عالمین کی ہر چیز کو دیکھتے جانتے اور سمجھتے پہچانتے ہیں کوئی نام نسب اور کوئی بھی اجسام لطیف و کثیف آپ پر پوشیدہ نہیں رہ سکتا آپ کی نگاہِ عالیہ مقدسہ اُن چیزوں کو بھی دیکھ لیتی ہے جن کو کسی اور مخلوق کی نگاہ نہیں دیکھ سکتی یہاں تک کہ ملائکہ مقربین بھی نہیں دیکھ سکتے یہ فائدہ۔ اَفَرَءَیْتَ الَّذِیْ کَفَرَ۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ کافر نے کہیں کسی جگہ کبھی بیٹھ کر یہ بات کی تھی یا قیامت تک کافر لوگ اس طرح کے عقیدے بنائیں گے مگر رب تعالیٰ نے ثابت فرما دیا کہ میرے حبیب ہر ایک کی بات اور قلبی عقیدہ و ارادہ دیکھتے اور سنتے ہیں۔ مَاشَآءَ اللّٰہُ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شریعت اسلامیہ کے قانونِ مطہرہ کے مطابق ہر مسلمان پر دو کام ہر وقت حرام واشد حرام ہیں پہلا یہ کہ کوئی مسلمان کسی بھی گمراہ شخص کے کہنے میں آکر کبھی بھی اپنے دینی علماء کرام اولیاء اللہ کی توہین و گستاخی اور دینی مسائل و احکامات کا مذاق یا مقابلہ نہ کرے اس

طریقے سے شیطانوں گمراہوں بدعقیدوں کو گمراہ کرنے کا موقعہ اور تخریب کا حوصلہ ملتا ہے۔ دوم یہ کہ گناہ کر کے ثواب کی اُمید رکھنا بھی مسلمانوں پر حرام و ممنوع ہے۔ یہ مسئلہ قَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ شانِ نزول سے بھی یہ ثابت ہو رہا ہے کہ یہ قول و عقیدہ اور اس و اُمید گمان و خیال کفار کا ہے جو عاص بن وائل کافر نے حضرت خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا تھا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسے بیہودہ خیالات سے بچنا لازم ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ دنیوی زندگی میں ہر مومن مسلمان پر اللہ تعالیٰ کے عہد اور وعدۂ الٰہیہ میں زندگی گزارنا فرض ہے یہ مسئلہ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا سے مستنبط ہوا کہ اللہ رحمٰن و رحیم کے عہدِ ایمانی میں نہ آنا کفار کا وطیرہ اور نشان ہے۔ مومن کی نشانی یہ ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے عہد اور ذمہ داری کی پناہ میں رہے اس عہد میں آنے کی احادیث پاک میں بھی بہت تاکید فرمائی گئی ہے بلکہ بہت دعائیں اور وظیفہ ارشاد ہوئے ہیں کہ ہر مسلمان صبح شام ان کا ورد کرتا رہے بلکہ وہ دعائیں اور وظیفے لکھ کر قبر میں رکھوائے انشاء اللہ اُس کی برکت سے ہمیشہ دنیا اور قبر و حشر میں اللہ تعالیٰ کے عہد کی پناہ میں رہے گا۔ احادیثِ مبارکہ کا ارشاد فرمودہ وظیفہ۔ عہد نامہ کے عنوان سے عام چھپا ہوا ملتا ہے۔ اُس کے تقریباً تمام الفاظ احادیث سے ثابت و مرقوم ہیں۔ ایک دفعہ مولیٰ علی شیرِ خدا مشکل کُشا نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا یا رسولَ اللہ لوگ مجھ سے محبت نہیں کرتے مجھے اِس کا دکھ اور افسوس ہے تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ دعا ہر نماز کے بعد پڑھا کرو۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ عَهْدًا وَّاجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ وُدًّا۔ وَاجْعَلْ لِّيْ فِيْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَوَدَّةً۔ تیسرا مسئلہ نَرِثُ وَرِثَ اور وِرَاثَةٌ سے مشتق ہے جس کا معنی ہے قبضہ ہونا قبضہ کرنا۔ مستحق ہونا کسی اور کی قوت طاقت ملکیت ختم کرنا ہے صرف وارث اور میراث کی دولت پانا نہیں۔ دیکھو یہاں رب تعالیٰ نے نَرِثُ کا تعلق مفعول مَا يَقُوْلُ سے منسلک فرمایا یعنی ہم اُن باتوں کے وارث ہیں جو یہ کہتا ہے لہٰذا شیعہ روافض کا اسی سورۃ کی آیت ۶ سے استدلال کر کے باغِ فدک پر فاطمہ زہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا استحقاق و ملکیت ثابت کرنا غلط ہے۔ اگر میراث کا ہر جگہ معنی یہی مال و دولت ہوتی تو یہاں مَا يَقُوْلُ کے لیے نَرِثُ نہ فرمایا جاتا۔ کیونکہ افعال مال و دولت نہیں ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ يَاْتِيْنَا فَرْدًا کہ ہر شخص قیامت میں ہمارے پاس اکیلا آئے گا۔ مگر دوسری جگہ ارشادِ

باری تعالیٰ ہے۔ یَوْمَ نَدْعُوْا کُلَّ اُنَاسٍۭ بِاِمَامِهِمْ ہم ہر شخص کو اُس کے امام اور لیڈر کے ساتھ بلائیں گے یہ تعارض کیوں ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں اس آیت میں ہر انسان کا قبروں سے اُٹھ کر میدانِ محشر کی طرف دوڑتے ہوئے آنے کا ذکر ہے اور دوسری آیتِ کریمہ میں میدانِ محشر میں جمع ہونے کے بعد پھر حساب وکتاب کے لیے رب تعالیٰ کا بُلانا مراد ہے۔ لہٰذا یہ تعارض نہیں بلکہ میدانِ محشر میں آنے کی دو مختلف نوعیتوں کا ذکر ہے نیز آنے اور بلانے میں بھی فرق ہوتا ہے کہ قیامت میں آنا فرداً فرداً ہوگا اور بلایا جانا بِاِمَامِهِمْ ہوگا۔ جواب دوم اس طرح ہے کہ فرداً آنے کا معنیٰ ہے بغیر حمایتی بغیر شفاعتی سفارشی بے اولاد بغیر گروہ دوستوں ساتھیوں کے بغیر بے یار و مددگار آنا۔ اور بِاِمَامِهِمْ کا معنیٰ ہے کہ جو پیرو کار معتقد مرید تابع دار کا حال ہوگا وہی اُس کے امام پیشوا لیڈر اور رہنما کا ہوگا۔ یعنی کفار کے رہنما بھی کفار کے ساتھ جکڑے مارے باندھے آئیں گے۔ اور مسلمانوں کے پیشوا بھی شان و عزت وقار کے ساتھ آئیں گے۔ لہٰذا تعارض نہ رہا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ یعنی عنقریب ہم لکھ رکھیں گے وہ باتیں جو کہتا ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ صرف عاص بن وائل کافر کی فقط وہ باتیں رب تعالیٰ لکھ دے گا جو اُس وقت اُس نے حضرتِ خباب بن ارت سے کہیں۔ اِس سے پہلی کفریہ شرکیہ باتیں نہ لکھی جائیں گی اسی طرح یہ صرف باتیں لکھی جائیں گی اُس کے کفریہ اَعمال اَفعال نہ لکھیں جائیں گے۔ نیز یہ باتیں بھی بعد میں لکھی جائیں گی اُس وقت نہ لکھی گئیں جس وقت اُس نے کہیں۔ حالانکہ بہت احادیث سے بھی ثابت ہے اور قرآنِ مجید کی دیگر آیات سے بھی کہ ہر بندے کا ہر عمل قول و فعل بلوغت کے فوراً بعد سے مرنے تک کراماً کاتبین ایک دم اُسی لمحہ لکھ لیتے ہیں جب بندہ مومن یا کافر کرتا ہوتا ہے اگر احادیث و قرآن کریم کی دیگر آیات کے فرمودات درست ہیں تو پھر اِس آیت کا منشا اور زمانۂ مستقبل کا مقصد و معنیٰ کیا ہے۔ بظاہر تو تعارض معلوم ہوتا ہے۔ **جواب**۔ احادیث معتبرات اور قرآن مجید کی دیگر آیات میں فرشتوں کے قلم سے سب کچھ لکھ جانا بھی درست اور حقیقت ہے۔ اور یہاں سَنَكْتُبُ فرمانا بھی بالکل درست ہے مگر یہاں سَنَكْتُبُ کا معنیٰ لکھنا نہیں بلکہ لکھے ہوئے کو بحفاظت رکھا رہنے اور قیامت میں وہ مکتوب اعمال نامہ کافر کے اپنے ہاتھ میں پکڑانا پڑھوانا مراد ہے۔ یہ جواب اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ میں عطا فرمایا۔ یعنی یہ کہ ہم لکھ رکھیں گے۔ ہمارے ترجمے کا بھی یہی مفہوم ہے کہ ہم اُس کافر کی اِس بات کو بھی نامۂ اعمال

بنا دیں گے اُس میں شامل کر دیں گے۔ لہٰذا اب کوئی تعارض یا سوال نہ رہا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۔ یعنی ہم اُس کافر کو بہت لمبا عذاب دیں گے اِس آیت سے ثابت ہوا کہ کفار کو بھی دائمی عذاب نہ ہوگا بلکہ فاسقین کی طرح کسی کافر کو لمبا عذاب کسی کو چھوٹا۔ اور تھوڑی مدت عذاب آخر کار سب ہی جہنم سے نکال لیے جائیں گے اور جہنم ہمیشہ کے لیے ختم کر دی جائیگی یہ بات نَمُدُّ کے لغوی معنیٰ اور لَهٗ کی تخصیص سے ثابت ہوتی ہے (قادیانی) جواب۔ اس کا جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں اس طرح دیا ہے کہ یہاں نَمُدُّ کا تعلق عذاب سے نہیں اور نَمُدُّ وَعَدًّا کا معنیٰ دراز مدت نہیں بلکہ علاقۂ جہنم اور درازیِ مقاماتِ عذاب ہے یعنی اِس کو پوری جہنم میں گھسیٹا جائے گا یا مختلف دوزخوں میں ہر قسم کا عذاب اِس کو چکھایا جائے گا۔ بعض نے یہ جواب دیا ہے کہ درازی تو مدت کی ہی مراد ہے مگر درازی بمعنیٰ ہمیشگی ہے یعنی اتنی درازی جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور لَهٗ سے تخصیص ثابت نہیں ہوتی اِس لیے کہ تخصیص حصر سے ثابت ہوتی ہے اور یہاں کہیں بھی کسی طرح کا حصر موجود نہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ وَیَزِیْدُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اهْتَدَوْا هُدًى ؕ وَالْبٰقِیٰتُ الصّٰلِحٰتُ خَیْرٌ عِنْدَ رَبِّكَ ثَوَابًا وَّخَیْرٌ مَّرَدًّا ۔ اور زیادہ فرمائے گا رب تعالیٰ ایمان والوں کی ہدایتِ معرفت کو ترقی دے کر ایمان سے ایقان کی طرف اور ایقان سے اعیان کی طرف یعنی علم سے معرفتِ الٰہی کی ہدایت اور معرفت سے یقین کی اور یقین سے عین و دیدار کی طرف جس طرح گمراہ اپنی گمراہی و ذلت و رسوائی میں زیادتی کرتے ہیں تو اُن کی گمراہی بڑھا دی جاتی ہے اور ان کی جہالت و ذلالت کے پردے گہرے اور موٹے ہوتے جاتے ہیں اس طرح اللہ تعالیٰ ہدایت کے طالبوں کی ہدایت و توفیق میں زیادتی فرماتا ہے اِس طرح کہ جب کبھی بندہ اپنے علم کی استعداد ہمت و قوت کی بنا پر عمل کرتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے علم کو اور زیادہ فرما دیتا ہے حدیث پاک میں ہے کہ جس نے اپنے علم پر عمل کیا تو مولیٰ جَلَّ مَجْدُهٗ اُس کو ایسے علم کا وارث بنا دیتا ہے جو وہ پہلے نہیں جانتا تھا۔ جس کے مدارج یہ ہیں کہ بندہ عمل میں مشغول ہوتا ہے مگر اس کے علم کے پردے کھلتے رہتے ہیں کہ علمِ یقینی کے تقاضہ سے عینُ الیقینی اور عملِ یقینی کی وجہ سے حقُّ الیقینی کی دولت زیادہ فرماتا ہے۔ بندے کے باقیات صالحات تیرے رب کریم کے پاس خیر ہیں باقیات۔ وہ علوم و فضائل ہیں جن کو رب تعالیٰ تجلیاتِ وصفیہ کی جنتِ قلبیہ میں پہنچا کر ذاتِ احدیت کے خَیْرٌ مَّرَدًّا کی طرف رجوعِ عزیزی عطا فرماتا ہے۔ باقیاتِ صالحات یہ وہ اعمال ہیں جو صادر ہوتے ہیں وارداتِ

الیہ کے نتائجِ افکار سے یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہلِ غیوب کے دلوں پر وارد ہوتے ہیں۔ بعض بندے کے اعمال دو قسم کے ہیں ۱۔ جو عمل بندہ اپنی طبیعت اور عقل سے خود کرتا ہے وہ باقیات نہیں ہوتے ۲۔ لیکن جو عمل بندے پر اتقا اور توفیق سے وارد ہوتے ہیں وہ باقیات ہیں ایک آیت میں ارشاد ہے۔ مَاعِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَاعِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ ہر وقت اپنے نفس کی اصلاح اور تزکیۂ روح کی مجتہدانہ کوشش جاری رکھے تاکہ بندے سے وہی صادر ہوں جو باقیاتِ صالحہ اور احوال فاصلہ ہوں یہ اعمال ہی وہ مرتبہ رکھتے ہیں جس سے روحانی نسل بغیر بانجھ ہونے کے پیدا ہوتی ہے ایسی روح وجسم کا ملاپ نکاحِ ولایت کا نتیجۂ سرمدیہ ابدیہ ستریہ ہے۔ اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ كَفَرَ بِاٰيٰتِنَا وَقَالَ لَاُوْتَيَنَّ مَالًا وَّوَلَدًا ۔ اَطَّلَعَ الْغَيْبَ اَمِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ۔ كَلَّا ۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ وَنَمُدُّ لَهٗ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ۔ اے قلبِ محمود کیا منکرِ لاہوتی سے تو نے تفکر و تدبر فرمایا اُن نفسیات پر جنہوں نے سِرُّ الاسرار کی باطنی نشانیوں کا اپنی کورچشمی کی بنا پر انکار کیا اور اپنے سرمایۂ عصیان پر غرور کرتے ہوئے۔ تلبیسِ ابلیس سے یہ سمجھ لیا کہ یہ انکار، مکر و فسون ہی دولتِ پائیدار اور نسلِ خلفشار ہے مخفیاتِ ذہینہ کو طیوباتِ سرمدی سمجھ لیا اور تارِ عنکبوت کو حبلُ اللہ اعتصام سمجھ لیا گیا ایسے ظواہر کبھی رازہائے باطنی پر مطلع ہو سکتے ہیں یا اِن طبیعتِ خبیثہ کا کوئی عہد و پیمانِ روحانیہ و بدنیہ خالق و رحمٰن مولیٰ تعالیٰ سے بنایا جا سکتا ہے کیا صبحِ بیدار کے ذکرِ جلی و خفی سے اس نے کبھی اپنے رب رحیم کو راضی کیا ہے۔ ہرگز ایسی قوتِ استعداد یا قوتِ قابلیت نہیں فی زمانہ لوگوں میں تین خرابیاں پیدا ہو گئی ہیں ایک یہ کہ جُہلا و خبثا نے اولیاء اللہ اور علما کو علیحدہ علیحدہ دو حصوں دو گروہوں میں تقسیم کر دیا حالانکہ قرآن و حدیث کی رو سے ولی اللہ کی دو قسمیں ہیں ۱۔ صاحبِ شریعت علما ۲۔ صاحبِ طریقت صوفیا مشائخ دوسری خرابی یہ کہ شریعت و طریقت کو دو جداگانہ چیزیں سمجھ لیا گیا ہے حالانکہ یہ دونوں ایک دین کے دو پہیے اور دو بازو ہیں تیسری خرابی یہ کہ علماءِ شریعت کو ولی اللہ نہیں سمجھا جاتا اور صوفیا کو عالم نہیں سمجھا جاتا ایک دوسرے کو مطعون کرتے رہتے ہیں اس لیے دونوں قسم کے لوگ اپنے خود ساختہ وہمی ذہنوں کے تراشے میں مبتلا ہیں۔ كَلَّا ہرگز ایسا نہیں ہے یہ جُہلا اپنے اپنے اُس نامۂ اعمال کو خراب کر رہے ہیں۔ سَنَكْتُبُ مَا يَقُوْلُ جو ہمارے باطنی غیبی کارندے قرطاسِ خوشِ ضمیری پر لکھ رہے ہیں اور کل بروزِ قیامت ہم اُن کے اس مکتوب کو اُن کے سامنے کر دیں گے۔ وَنَمُدُّ لَهٗ اور دراز کر دیں گے ہم عذابِ جدائی و فراق

کو جس طرح آج وہ شریعت و طریقت میں محض اس لیے جدائیاں ڈالتے ہیں تاکہ اہل طریقت شریعت کا اور اہلِ شریعت طریقت کا انکار و بے عملی کر لیں۔ وَّنَرِثُهٗ مَا يَقُوْلُ وَيَاْتِيْنَا فَرْدًا وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّيَكُوْنُوْا لَهُمْ عِزًّا ۔ كَلَّا ۔ سَيَكْفُرُوْنَ بِعِبَادَتِهِمْ وَيَكُوْنُوْنَ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ۔ آج کل جو پیر بنے ہوئے ہیں ان کو اپنے نفوسِ حریص پر ضبط اور قابو نہیں وہ مریدوں کی کیا اصلاح کریں گے بلکہ وہ ایسے خرافات و لغویات اور وحشیات بول کر اور ایک دوسرے کی نفرت ڈال کر مریدوں مقتدیوں کو گمراہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ علما ہی انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے وارث ہیں۔ انبیا علیہم السلام کی وراثت دنیوی مال نہیں ہوتا اُن نفوسِ قدسیہ کی میراث تو فقط علم و حکمت کا ذخیرہ ہوتا ہے لہٰذا جس نے علم حاصل کیا اُس نے با قیامتِ صالحات کی میراث کا ایک بڑا حصہ پالیا۔ مگر جُہلا اِس بات کو نہیں سمجھتے وہ جاہ و مال آل اولاد کو ہی دونوں جہان کی دولت سمجھتے اور اُس ذہنی لغویات و بیہودہ اقوال پر اعتماد کر کے شرکیات و کفریات فسق و عصیان میں مشغول ہیں۔ وَنَرِثُهٗ اور ہم ربّ کائنات اِن خبثا و حمقا کی ہر دنیوی فضولیات و عملیات پر قابو پالیں گے اور یہ عالمِ بدنیہ کے شور و شغب صبحِ قیامتِ تفریق میں تن تنہا اور مایوسی کے خوف میں سسکتے حاضر ہوں گے۔ اِن نفوسِ احمقانہ نے اپنے پروردگار کے مقابل مُربّی بنا لئے تاکہ دنیوی ظاہر پرستی میں عزتِ نفس کا سہارا بنیں گُلّا۔ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ ذرا سی مصیبت پڑنے پر ہی یہ سارے سہارے ٹوٹ اور چھوٹ جاتے ہیں۔ نہ یہاں کی دوستی پر بھروسہ نہ یہاں کی دشمنی و مخالفت کا اعتبار دونوں ہی لاغر و کمزور۔ نورِ قلب کے رخِ تاباں کے یومِ ظہور میں یہ سب آپس میں مخالفت و انکار پر آمادہ ہو کر قلبِ مزکّی کی قدم بوسی کے متمنّی ہو جائیں گے۔ علم و حکمت کی میراثِ ذخیرہ سب سے پہلے ابو البشر آدم علیہ السّلام کو ملا اُن سے انتقالِ میراثی ہو کر دوسرے افرادِ انسانی کو ملا خطا و نسیان بھی مثلِ میراث ہے انسان ایک زمین ہے جس میں حصۂ حیات علاقۂ قلب ہے اور حصۂ ممات بنجر علاقہ نفسِ امّارہ ہے جس حصے پر ربّ تعالیٰ کی نظرِ رحمت پڑتی ہے وہ زندگی و روشنی کی دولتوں سے معمور و مزیّن و منوّر ہو رہتا ہے اور جس طرف میں بے توجہی ہوتی ہے وہاں ظلمات کی اندھیریاں ہیں ظلماتِ جسمانیہ میں کثافت کے چار غار ہیں پہلا غارِ انکار کا کفر بِاٰيٰتِنَا۔ دوسرا غارِ کذب کا لَاُوْتَيَنَّ مَالًا۔ سوم تخیلاتِ کاذبہ اَمِ اتَّخَذَ۔ چوتھا غارِ ظلمتِ تنہائی کا يَاْتِيْنَا فَرْدًا۔ اِن تمام پر جب فنا و حالِ دجّال کا ورود ہوگا تو نَرِثُهٗ کے قہرِ جلال کا ظہور بھی ہوگا اور

سب قرآن راہ صداقت دنیوی خرمستیوں کا انکار کردیں گے۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّآ أَرْسَلْنَا ٱلشَّيَٰطِينَ عَلَى

اے محبوب کیا تم شروع زمانوں سے دیکھتے نہیں آرہے کہ مسلط کئے رکھا ہم نے شیطانوں کو

کیا تم نے نہ دیکھا کہ ہم نے کافروں پر شیطان بھیجے

ٱلْكَٰفِرِينَ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ﴿۸۳﴾ فَلَا تَعْجَلْ

کفار پر جو انگلیوں پر نچاتے رہتے ہیں ان کو خوب نچانا۔ تو کہیں تم جلدی نہ مچانا

کہ وہ انہیں خوب اچھالتے ہیں۔ تم ان پر جلدی نہ کرو

عَلَيْهِمْ ۖ إِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ﴿۸۴﴾ يَوْمَ

اُن کے خلاف ہم تو فقط ان کو چند گنتی کے دن دیتے ہیں کچھ معمولی گنتی

ہم تو اُن کی گنتی پوری کرتے ہیں جس دن

نَحْشُرُ ٱلْمُتَّقِينَ إِلَى ٱلرَّحْمَٰنِ وَفْدًا ﴿۸۵﴾

اُس دن کی کو جمع کریں گے ہم تمام نیکوں کو رحمٰن کی بارگاہ کے قریب مہمانوں کی طرح

ہم پرہیزگاروں کو رحمٰن کی طرف لے جائیں گے

وَنَسُوقُ ٱلْمُجْرِمِينَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وِرْدًا ﴿۸۶﴾

اور بھگائیں گے ہم تمام مجرموں کو جہنم کی طرف گرتا پڑتا

اور مجرموں کو جہنم کی طرف ہانکیں گے پیاسے

لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ

کوئی بھی شفاعت کا مالک نہ ہوگا مگر وہی جس نے پا لی ہے

لوگ شفاعت کے مالک نہیں مگر وہی جنہوں نے

الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ﴿۸۷﴾

رحمن کے پاس سے اجازت

رحمن کے پاس اقرار کر رکھا ہے

تعلقات اِن آیتِ مبارکہ کا سابقہ آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ مشرکین اللہ کے مقابل جن کو اپنا معبود بنائے بیٹھے ہیں قیامت میں وہ سب اپنے پیروں کاروں پجاریوں سے منکر ہو جائیں گے۔ ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ دنیا میں یہی منکر ہو جانے والے شیطین ان کفار کو دھڑا دھڑ خوب بہکا رہے ہیں۔ اور انگلیوں پر نچائے پھر رہے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ ہر کافر شخص ہماری بارگاہ میں بروز قیامت اکیلا آئے گا۔ اب فرمایا گیا کہ مومن مسلمان اللہ کی بارگاہ میں وفد بن کر اپنے اماموں مرشدوں کے ساتھ بڑی شان اور عزت افزائی کے ساتھ لائے جائیں گے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی کچھ خوش فہمی والی باتوں کا ذکر ہوا جو وہ قیامت کے دن اپنے عیش و آرام کے متعلق عقیدہ رکھے ہوئے ہیں۔ اب ان آیت میں اُن کی اِس خوش فہمی کو توڑا جا رہا ہے کہ مال و اولاد عیش و آرام ملنا تو درکنار تمہارا تو وہاں کوئی شفاعت و سفارش کرنے والا بھی نہ ہوگا۔

تفسیر نحوی اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْهِمْ ؕ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۔ آ ہمزہ سوالِ اقراری کے لیے۔ لَمْ تَرَ فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی مطلق باب فَتَحَ سے دراصل تھا تَرٰی۔ لم نے جزم دیا تو آخری حرف الف گر گیا۔ اَنَّا۔ دو لفظ ہیں اَنَّ۔ اَنَّ مفتوحہ چونکہ درمیان میں ہے نَا ضمیر جمع متکلم اَنَّ کا اسم ہے اَرْسَلْنَا۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق

جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ، رُسُلٌ سے بنا ہے بمعنی بھیجنا۔ بہرحال متعدی ہوتا ہے باب افعال میں آکر تعدی کی تاکید مزید ہو جاتی ہے نَا ضمیر اس کا فاعل۔ اَلشَّیٰطِیْنَ۔ معرف باللام استغراقی جمع مذکر سالم بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے عَلٰی بمعنی مَا عِنْدَ۔ یعنی اُن کے پاس خیال رہے عربی نحو میں اکثر یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ فلاں لفظ فلاں لفظ کے معنی میں ہے یا یہ فعل دوسرے کسی فعل کے معنی میں ہے تو اس کا مقصد دونوں لفظوں یا دونوں فعلوں یا دونوں اسم مشتقوں کا ایک جامع معنی پیدا کرنا ہے۔ مثلاً یہاں عَلٰی بمعنی عِنْدَ ہے تو مقصد یہ ہے کہ عَلٰی کی فوقیت (غلبہ تسلط) اور عِنْدَ کا قرب دونوں کا اظہار ضروری ہے۔ یعنی شیٰطین ان کے پاس اُن پر مسلط ہو کر آتے ہیں اَلْکٰفِرِیْنَ۔ الف لام استغراقی بمعنی تمام کافر ہر قسم کے یہ جار مجرور متعلق ہے تَؤُزُّ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع حال واحد مؤنث غائب اَزٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے ہانڈی کے سالن کا اُبلنا جوش مارنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے کسی کو انگلی چبھو کر بھڑکانا اکسانا۔ کو بھڑکانا مراد ہے ورغلانا۔ اُچھالنا۔ اُکسانا۔ اُبھارنا۔ یا آپس میں گتھ جانا۔ یہاں معنی ہے انگلیوں پر نچانا۔ ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اس کا مرجع ہے کافرین۔ تَؤُزُّ کا فاعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ واحد مؤنث غائب کا مرجع شیٰطین ہیں۔ جمع مذکر کے لیے واحد مؤنث کی ضمیر لانا اظہار تحقیر کے لیے ہے اَزًّا اسم مصدر مفعول مطلق۔ تَؤُزُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال ہوا شیٰطین کا۔ اَرْسَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اَنَّ۔ اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا اَلَمْ تَرَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ کا۔ خیال رہے کہ جملہ انشائیہ تب بنتا ہے جب کہ امر، نہی۔ استفہام (سوال) تمنی، ترجی، عقود، ندا، عرض، قسم (یعنی حلف، شرط، تعلیق تعجب کے افعال میں سے کوئی فعل جملے کے اوّل میں عامل ہو۔ اِن بارہ قسموں کے علاوہ سب جملہ خبریہ ہوتے ہیں۔ فَ سببیہ ممانعت کی بمعنی کہیں ایسا نہ ہو۔ لَا تَعْجَلْ۔ باب فَتَحَ کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر عَجَلٌ سے مشتق ہے بمعنی جلدی کرنا جلدی مچانا۔ اَنْتَ اس میں پوشیدہ جس کا مرجع عام مسلمان عَلَیْهِمْ۔ عَلٰی بمعنی فِی یعنی بارے میں ھِمْ کا مرجع کٰفِرِیْن جار مجرور متعلق ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ لغو، مَا کافہ۔ بمعنی فقط صرف۔ یہی اس کے سوا نہیں ہے نَعُدُّ باب نَصَرَ کا مضارع معروف حال جمع متکلم۔ عَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی گننا۔ گنتی شمار کرنا لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے عَدًّا اسم مصدر مفعول مطلق یَوْمَ۔ اسم ظرف زمانی مراد ہے مطلقاً وقت لغوی ترجمہ ہے صبح سے شام تک کا روشن دن۔ یہ مضاف ہے اگلا جملہ مضاف الیہ یا یہ

ظرفِ مقدم ہے اور یہ سب عبارت صفت ہے نَعُدُّ کے فاعل نَحْنُ کی۔ نَحْشُرُ۔ باب نصر کا فعل مضارع مستقبل معروف جمع متکلم حَشْرٌ سے مشتق ہے بمعنی جمع کرنا اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع اللہ تعالیٰ اَلْمُتَّقِيْنَ الف لام استغراقی مُتَّقِيْنَ۔ بابِ افتعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب (زبر) مفعول بہ ہے اِلَى الرَّحْمٰنِ یہ جار مجرور متعلق ہے نَحْشُرُ کا وَفْدًا۔ اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع ہے بمعنی نمائندہ جماعت۔ چند قاصد۔ اس کی جمع وفود۔ اَوْفَادٌ بمعنی نمائندہ جماعتیں۔ لغوی ترجمہ ہے اونچا ٹیلہ پہاڑ کا یا ریت کا۔ ایک وفد کے افراد تین سے نو تک ہوتے ہیں مگر یہاں مراد ہے مہمان گروہ۔ اس لیے تعدد کی کوئی قید نہیں۔ یہ مفعول لَهٗ ہے نَحْشُرُ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ واؤ عاطفہ۔ نَسُوْقُ۔ بابِ نصر کا فعل مضارع مستقبل جمع متکلم، مرجع باری تعالیٰ سُوْقٌ سے مشتق ہے بمعنی ہانکنا۔ اسی سے ہے سَائِقٌ پیچھے رہ کر اگلے جانور یا نوکر چاکر بے سمجھ لوگوں کو چلانے والا اور قائد وہ جو آگے رہ کر پیچھے والوں کو کھینچے یا بلائے۔ عربی میں بازار کو سُوْق اسی لیے کہتے ہیں کہ پچھلا خریدار اگلے خریدار کو آگے دھکیلتا ہے۔ اَلْمُجْرِمِيْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ فتحہ مفعول بہ ہے مراد کفار ہیں جُرْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے نافرمان برے کام خلافِ قانون کام کرنے والے۔ مفعول بہ ہے اِلٰى جارہ ظرفیہ مکانیہ کے لیے جہنم اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ وِرْدًا اسم فاعل جمع ہے وَارِدٌ کی بابِ ضرب سے وُرُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی اچانک آنا گرتے پڑتے پہنچنا۔ ٹھکانے یا منزل پر اترنا مجازی معنی ہے پیاسے جانور یا لوگوں انسانوں کو یہاں تحقیر کے لیے فرمایا گیا ہے۔ دراصل تھا وَارِدِيْنَ۔ تخفیف کے لیے سماعًا وِرْدًا کیا گیا یہ حال ہے مُجْرِمِيْنَ کا۔ ذو الحال اپنے حال سے مل کر مفعول بہ ہے۔ نَسُوْقُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا نَحْشُرُ کا۔ دونوں مل کر مضاف الیہ یَوْمَ کا مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے نَعُدُّ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی لَا تَعْجَلْ کی لَا تَعْجَلْ فعل اپنے پوشیدہ اَنْتَ فاعل اور متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ بابِ ضرب کا فعل مضارع مستقبل منفی بِلَا معروف جمع مذکر غائب۔ مِلْكٌ سے مشتق ہے بمعنی مالک ہونا۔ اختیار رکھنا۔ قابض ہونا۔ یہاں ہر معنی مناسب ہے۔ هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل اس کے مرجع میں دو قول ہیں ۱۔ اس کا مرجع صرف کفار مجرمین ہے تب یہ استثنا منقطع ہو گا ۲۔ اس کا مرجع ہر انسان ہے مومن یا کافر یا فاسق تب استثنا متصل ہو گا۔ اعلیٰ حضرت نے یہی قول پسند فرمایا اَلشَّفَاعَةَ۔ الف لام عہدِ ذہنی۔ شفاعۃ

اسم معرف مفرد مؤنث بمعنی شفارش مفعول بہ ہے۔ ھُمْ پوشیدہ ضمیر مستثنیٰ منہ۔ اِلَّا حرفِ استثناء مَنْ اسم موصول۔ اِتَّخَذَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر واحد پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے بمعنی اِلیٰ جانب یعنی اللہ کی طرف سے الرَّحْمٰن۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے۔ عَهْدًا اسم مفرد نکرہ بمعنی وعدہ ذمے داری۔ امانت۔ اقرار۔ عہدہ۔ مرتبہ۔ اہلیت۔ لیاقت۔ یہاں یہ آخری معنی ہی بیں ہے۔ مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مستثنیٰ ہوا ھُمْ پوشیدہ کا دونوں مل کر فاعل ہوا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَيْهِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا وَّنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ اے ہمارے محبوب ساری کائنات کو بنظرِ جسمانی دیکھنے والے کیا تم نے نہ دیکھا کہ بے شک ہم نے ابلیس و شیاطین کو انِ کفارِ مکہ پر مسلط کر کے بھیجدیا وہ شیاطین ہی ان کو انگلیوں پر نچاتے اور ورغلاتے اسلام کے خلاف ہر وقت اکساتے رہتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ کی نفی سوالِ انکاری سے ہے اور نفی کا انکار ثبوت ہوتا ہے یعنی دیکھا ہے۔ اَزًّا کا معنی ہے انگلیاں چھونا۔ لغوی معنی ہے ہانڈی کے ابلنے کی آواز جس کو اردو میں کھد بدانا کہتے ہیں۔ ورغلانے اور اکسانے کی تین قسمیں ہیں ۱۔ اَزٌّ یعنی ہاتھ یا انگلی چبھو کر اکسانا ۲۔ ھَزٌّ۔ جھنجھوڑ کر آمادہ کرنا ۳۔ فَزٌّ صرف ہاتھ یا آنکھ کے اشارے سے اکسانا ہاتھ نہ لگانا (معانی)۔ الشَّيٰطِيْن سے مراد ابلیس اور اس کی غیبی نسلی ذریت ہے یا اس سے مراد سردارانِ مکہ ہیں یا عام بڑے کافر جو لوگوں کو اسلام سے روکتے تھے۔ اور اکسانے سے مراد اِنْهِمَاك فِي الضَّلَالَات اور اِفْرَاط فِي الْعِنَاد۔ یعنی ہر وقت گمراہی میں پھنسے اور گمراہ گری میں لگے رہنا اور بہ جنس سخت عناد و دشمنی کی وجہ سے کرتے رہنا اے حبیب کریم ان کے عذاب میں جلدی کی بد دعا نہ کیجئے ہم تو فقط ان کفار کی آخری سانس تک عمر مقرر معین کی گنتی پوری کر رہے ہیں جو چند دن کی زندگی ان کو ملی ہے وہ پوری کر لیں۔ فَلَا تَعْجَلْ کی فَ سببیہ ہے یعنی چونکہ کفار کی تمام حرکتیں سرکشیاں دشمنی اور مخالفتیں ابلیسی شرارت داکساہٹ کی بنا پر ہیں اس لیے آپ غمگین و متفکر نہ ہوں کہ وہ اتنی پیاری تبلیغ کے باوجود ایمان کیوں نہیں لاتے اور غریبوں فقیروں صحابہ کو اتنی تکلیف کیوں دیتے ہیں جو ان کی برداشت سے باہر ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ بددعاءِ عذاب نہ کریں یا وہ اذیت برداشت

کرنے جھیلنے والے صحابہ بد دعا نہ کریں اگر وہ بد دعا کریں گے تو ہم اپنی تقدیر بھی بدل دیں گے ہم قادر و قیوم ہیں مگر ہم چاہتے ہیں کہ ان کو ملی ہوئی زندگی پوری ہو جائے اور ان کے نامۂ اعمال اور زیادہ سیاہ ہو جائیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آخری سانس کی تین صورتیں ہیں ۱۔ جان نکلنے کے وقت ۲۔ اہل و عیال سے ابدی جدائی کے وقت ۳۔ قبر میں داخل ہونے کے وقت۔ یہی نُّعِمُّ عَدًّا ہے یہاں تو چند دن یہ کافرین خوب عیش و آرام اور خرمستیاں کرلیں مگر ان کی ذلت خواری تو اُس دن ہو گی یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ جس دن نہایت عزت و احترام سے ہم جمع کر لائیں گے جماعتوں کو مہمانی وفد کی طرح اُس اللہ کی بارگاہِ اقدس میں جو اپنے پیاروں کے لیے رحمٰن ہے قبر میں حشر میں حساب و کتاب میں غفاریت و عنایات میں اُس کی تجلیات میں مقامِ کرامت و عظمت میں جیسے کہ شہنشاہوں کے حضور انعام و تمغات پانے کے لیے اہلِ ہنر حاضری بھرتے ہیں۔ احادیث صحیحہ میں مروی ہے کہ متقین کا یہ حشر خوشبودار اونٹوں پر ہو گا۔ لباسِ زینت و معطر میں ہر متقی کی خوشبو اور سواری بقدرِ تقویٰ ہو گی بعض اونٹوں پر دس بعض پر چار بعض پر تین اور کسی پر صرف ایک ہی نہایت شان و شوکت سے سوار ہو گا۔ ان اونٹوں کی زینیں یاقوت کی پشتی بان (پچھلی ٹیک) سونے کی لگامیں زبرجد کی یہ سواریاں اہلِ ایمان کو دو بار ملیں گی پہلے قبور سے نکلنے کے بعد اُن پر بیٹھ کر میدانِ محشر میں نور کے تاج پہنے ہوئے آئیں گے عرشِ اعظم کے پاس اُتریں گے پھر بعد حساب و کتاب جنت میں جانے کے لیے سواریاں عطا کی جائیں گی۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام خوب صورت نورانی گھوڑوں پر حضرت صالح علیہ السلام اپنے ناقہ پر آقاءِ کائنات سرورِ مرسلین بُراق پر عوام مسلمان اپنے اپنے عملِ صالحہ پر جو اُس دن جانوروں کی شکل میں کر دیے جائیں گے اور ہر ایک عملِ صالحہ قبر سے اٹھتے ہی مومن کا استقبال کرے گا۔ نہایت خوب صورت شکل میں۔ امامین کریمین شہداء کے جھرمٹ میں جنت کے اونٹوں پر سوار ہوں گے۔ نہ متقین پیدل ہوں گے۔ یہ سب کچھ شانِ کریمانہ کی طرف سے فقط مومنین کی عزت افزائی کے لیے لیکن۔ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ اِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ ہم ہانک دیں گے مجرمین کافرین مشرکین کو پیاسے ترسائے جانوروں کی طرح بھگاتے ہوئے۔ دوزخ کی جانب گرتے پڑتے بھاگیں گے۔ اپنی بد عملی بد عقیدگی کفر و شرک کا بوجھ اٹھائے ہوئے کفار و فجار جب قبروں سے نکلیں گے تو ان کی بد عملیات نہایت سیاہ بدصورت خوفناک دہشت ناک حالت میں کفار و فجار کا استقبال کریں گی سخت مکروہ بدبو کے ساتھ متقین کو ان کی خواہش کی سواریاں بھی ملیں گی لفظِ وَفْدٌ جمع ہے وَافِدٌ کی جیسے رُکُبٌ جمع ہے رَاکِبٌ کی اور صَحْبٌ صَاحِبٌ کی۔ یہاں وَفْدًا بمعنی شان و تکریم ہے

حقیقی معنیٰ مراد نہیں کیونکہ حقیقی و لغوی معنیٰ یہ ہے کہ تھوڑی دیر کے لیے کسی کے پاس وفد بن کر کسی غرض کے لیے آنا اور پھر چلے جانا مگر اہلِ جنت کا جنت میں داخلہ اگرچہ بغرضِ حصولِ عطاءِ ثواب ہے مگر واپس جانا نہیں۔ یا وفد کی حاضری سے مراد جنت کے داخلے سے پہلے بحضورِ رب تعالیٰ حاضر ہونا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے بروایتِ احادیث فرمایا کہ امتِ مصطفیٰ کے ستر ہزار یا اس سے بھی بیشمار زیادہ وہ خوش قسمت مسلمان ہیں جو بغیر حساب کتاب جنت میں جائیں گے اُن کو قیامت کی ہولناکی بھی نہ ہوگی۔ ہولناکی اور قیامت کا پسینہ صرف کافرین و فاسقین کو ہوگا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو تمام انبیاءِ کرام اور اُن کی امتیں سامنے سے گزار کر دکھائی گئیں روایاتِ کثیرہ میں ہے کہ آٹھ قسم کے بندے بغیر حساب و کتاب جنت میں جائیں گے (۱) کثرت سے حمد کرنے والے (۲) راتوں کو جاگ کر تہجد و یادِ الٰہی کرنے والے (۳) جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے کوئی نہ روک سکے نہ تجارت نہ مال نہ اولاد نہ کوئی وہابی دیوبندی نہ کسی کافر کی ہندو سکھ مشرک کی دھونس و اذیت جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی شان تھی (۴) جو عمرے یا حج کو آتے جاتے فوت ہو جائے (۵) دینی طالب جو دورانِ طالب علمی فوت ہو جائے (۶) خاوند کی مطیع بیوی (۷) والدین کا خدمت گزار بیٹا (۸) رحیم اور صابر بندہ۔ میدانِ محشر میں اہلِ ایمان کا آنا بھی تین قسم کا ہوگا اور فجار و کفار کا آنا بھی تین قسم کا ہوگا۔ مومنین متقین کاملین صالحین کا آنا (۱) رُکبانًا (۲) مشاۃً (۳) ریاشًا۔ یعنی بعض لوگ سواری پر بعض پیدل اور سب صالحین لباس میں ہو جائیں گے۔ مگر کافرین مشرکین مجرمین مذنبین (۱) عُطاشًا (۲) حُفاۃً (۳) عُراۃً یعنی سب کفار مجرمین پیاسے ننگے بدن جثیًّا یعنی گھٹنوں کے بل چلتے آئیں گے بعض سر کے بل چلتے ہوں گے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ سر کے بل کیونکر چل سکیں گے فرمایا جو اللہ تعالیٰ دنیا میں پیروں سے چلانے پر قادر ہے وہ محشر میں سر کے بل بھی چلا سکتا ہے۔ اور یہ بہت سی عجیب باتیں تو دنیا میں بھی ظاہر ہیں مثلاً چمگادڑ بلا تکلف اُلٹی ہی سوتی بیٹھتی ہے چوپائے ہاتھ پاؤں پر بلا تکلف چلتے ہیں بندر بہت دور تک اُلٹا ہو کر چلتا رہتا ہے۔ کینگرو جانور چھلانگیں ہی مار کر چلتا ہے تو اسی طرح وہ قادر و قیوم رب تعالیٰ کفار کو بھی محشر میں اُلٹا بھی چلا سکتا ہے۔ لَا یَمْلِکُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اُس دہشت ناک دن میں تمام انسانوں میں کوئی بھی کسی کی شفاعت پر مالک نہ ہوں گے اور اپنے اختیار سے اپنی دوستی محبت اور پیار و شفقت سے کسی کی بھی شفاعت سفارش حمایت نہ کر سکیں گے۔ کسی کو بچانے چھڑانے کے مالک نہ ہوں گے۔ نہ مومن کسی

شفاعت کا مالک نہ کافر نہ فاجر کی شفاعت کر سکے گا نہ شرک و بدعقیدہ کی اِلاَّ۔ یہ استثناء متصل ہے یعنی کسی کو بھی شفاعت کی اجازت نہ ہوگی سوائے اُن محبوبین کے جنہوں نے دنیوی زندگی میں ہی عبادت ریاضت خلوتِ مراقبہ ذکرِ الٰہی نعتِ مصطفائی۔ تلاوت حلاوت فقاہت وکرامت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ رب کریم سے حیاتِ طیبہ ابدیہ کا عہد اذن و شفاعت کا تمغہ وانعام پالیا۔ اور اپنے رحیم و رحمٰن کے کرمِ کریمانہ و محبتِ خُسروانہ کا عہد بنا لیا فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ جو روزانہ صبح شام اِن الفاظ کا وظیفہ پڑھے رب تعالیٰ بروزِ قیامت اُس کے عہد کو قائم فرمائے گا۔ اَللّٰھُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعْھَدُ اِلَیْکَ فِیْ ھٰذِہِ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا بِاَنِّیْ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُکَ وَرَسُوْلُکَ فَلَا تَکِلْنِیْ اِلٰی نَفْسِیْ تُقَرِّبُنِیْ اِلَی الشَّرِّ وَتُبَاعِدُنِیْ مِنَ الْخَیْرِ وَاِنِّیْ لَا اَتَّکِلُ اِلَّا بِرَحْمَتِکَ فَاجْعَلْ لِّیْ عِنْدَکَ عَھْدًا تُوَفِّیْتَہٗ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ اِنَّکَ لَا تُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ عہد سے مراد ۱ اذنِ شفاعت جو صرف گناہگار مسلمان کی ہوگی نہ کسی کافر شرک کی نہ بدعقیدہ گمراہ انسان کی ۲ کلمہ شہادت اور کلمہ طیبہ کو باقی و قائم رکھنا اللہ کا عہد ہے کہ بندہ صدق دل سے اس پر ایمان لائے اس کا زندگی بھر ورد کرے اور مولیٰ تعالیٰ ابد تک اس کو قائم و دائم فرمائے ۳ عہد شجرۂ طیبہ ہے ۴ عہد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو عذاب نہ دے ۵ جو بندہ مومن کو خوش رکھے اُس نے اللہ تعالیٰ کو خوش کیا اور جس نے اللہ کو خوش کیا اس سے اللہ تعالیٰ کا **وعدہ** ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو وہاں خوش فرمائے گا جہاں کوئی کسی کو خوش نہیں کر سکتا نہ کسی کی خوشی مفید ہو ۶ جو شخص زندگی بھر اچھے وضو اچھے غسل سے اچھی اور مکمل صحیح نماز پڑھتا رہے پنج وقتہ صحیح وقت صحیح رکوع سجود قیام و قعود سے خشوع و خضوع کے ساتھ تو اُس عابد و زاہد بندے کے ساتھ رب تعالیٰ کا عہد ہے یہ کہ دنیا میں مردودیت سے بچائے اور آخرت میں عذاب و محرومیت سے بچائے۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ باجماعت نماز پڑھا کریں باجماعت نماز میں مسلمانوں کی جو اسلامی شان وعزت ہے وہ اکیلے پڑھنے میں نہیں یہ فائدہ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا کی آیت سے حاصل ہوا کہ قیامت کے دن بھی اظہارِ شان وعزت کا قیام وفد اور جماعت بن کر حاضر بارگاہِ الٰہیہ ہونے میں ہے لہٰذا دنیا میں بھی اس کی

بارگاہِ اقدس میں بذریعہ نماز وفد بن کر آنا چاہیے۔ جب کہ فَرْدًا فَرْدًا آنے کو کفار کی علامت قرار دیا گیا ہے دوسرا فائدہ ہر مسلمان مرد و عورت کو ہر وقت گناہوں سے بچنا چاہیے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کیونکہ گناہ عصیان ہیں اور عصیان جرم ہے اور مجرم جہنمی ہیں۔ خواہ مسلمان ہی ہو۔ یہ فائدہ اور عبرت کا سبق وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا یعنی ہر قسم کے مجرم کو ذلت سے ہانک دیا جائے گا۔ یہاں نَسُوْقُ الْكَافِرِيْنَ نہ فرمایا گیا تاکہ پتہ لگے کہ گنا ہگار فاسق و فاجر بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ذلیل و خوار ہوں گے نَسُوْقُ میں تین قومیں داخل ہوں گی ۱۔ فاجر ۲۔ گمراہ گستاخ بد مذہب ۳۔ فاسق فاجر بد معاش۔ فرق صرف یہ ہوگا کہ ضدی ظالم گستاخ کلمہ گو اپنی سزا بھگتا کر جہنم سے نکالا جائے گا مگر کفار اور مرتد ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں ہی رہے گا۔ خیال رہے کہ شفاعت صرف ان مجرمین گنا ہگاروں کی ہوگی جو دنیا میں ضدی و ظالم نہ تھے۔ تیسرا فائدہ۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کام ایک جیسا ہوتا ہے مگر نوعیت و کیفیت مختلف ہوتی ہے دنیا و آخرت میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں لہٰذا کسی کے اچھے کام کو دیکھ کر اس کی طرف راغب نہ ہو جانا چاہیے۔ جب تک کہ اس کام اور کام کرنے والے کی نوعیت و حقیقت و نیت کا پتہ نہ لگ جائے یہ فائدہ يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ وَنَسُوْقُ الْمُجْرِمِيْنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو میدانِ محشر میں سب انسان حاضر ہوں گے مگر مومنین کی حاضری علیحدہ نوعیت سے ہوگی کافرین کی علیحدہ نوعیت سے۔ یہی کیفیاتِ مختلفہ دنیا میں بھی بندوں کے اعمال کی ہیں۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلمانوں کو ہر قسم کی بدعملی سے بچنا چاہیے اس لیے کہ بدعملی سے شیاطین مسلط ہو جاتے ہیں۔ جو انسان کو ہر معاملے میں گمراہ سے گمراہ تر کیے جاتے ہیں پھر سدھرنے کا نام تک نہیں اور یہی سب سے بڑی بدبختی ہے۔ یہ مسئلہ اَلَمْ تَرَ اَنَّاۤ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ جس طرح ہر مسلمان کو حسد بغض چغلی غیبت سے بچنا فرض ہے اسی طرح لوگوں کو بری باتوں برے کاموں کی رغبت دینا بھی گناہِ عظیم اور شیطنیت ہے یہ مسئلہ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا نیکیوں سے روکنا گناہوں فضول خرچیوں پر اکسانا ابلیسی کام ہے۔ ان بری حرکتوں سے بچنا بھی ہر مسلمان پر لازم ہے۔ تیسرا مسئلہ جو لوگ مسلمانوں کو زکوٰۃ سے روکتے ہوئے غربت سے ڈراتے ہیں کہ زکوٰۃ دو گے تو غریب ہو جاؤ گے اور قربانی کو معاذ اللہ فضول کہتے ہیں یا سود خوری کے فائدے بتاتے ہیں امیدیں بندھاتے ہیں خیرات و صدقات سے روکتے اور شادی بیاہ پر

خوب خرچ کرتے ہیں اور ہر بُرے کام بلکہ لہو و لعب کا مشورہ دیتے ہیں وہ سب لباسِ انسانی میں شیطین ہیں اُن سے اپنا ایمان بچانا لازم ہے بُرے ساتھی بھی عذابِ الٰہی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ بھی تَؤُزُّھُمْ اَزًّا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا یَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا اس سے ثابت ہوا کہ جن لوگوں نے کل قیامت میں مُذنبین کی شفاعت کرنی ہے اُن کو آج دنیا میں ہی شفاعت کا عہد اور اذن مل چکا ہے لیکن حدیث پاک میں آتا ہے کہ قیامت کے دن آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عرشِ اعظم کے نیچے سجدہ فرمائیں گے اور حمدِ خصوصی فرمائیں گے تب آپ کو شفاعت کی اجازت ملے گی گویا کہ دنیا میں ابھی کسی کو شفاعت کی اجازت نہیں ہے۔ قرآن کریم کی اِس آیت میں اور اُس حدیث پاک میں تعارض کیوں ہے حدیثِ پاک کے الفاظ اِس طرح ہیں۔ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَكَ سَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ اے محمد مصطفیٰ اپنا سرِ اقدس اٹھایئے جو بھی مانگو گے دیا جائے گا اور شفاعت فرمایئے شفاعت قبول کی جائے گی۔ اسی طرح آیت الکرسی میں ہے۔ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ یعنی اللہ کے پاس میدانِ محشر میں کس کی ہمت و جرأت ہے جو شفاعت کر سکے مگر جس کو وہاں اجازت ملے گی وہی شفاعت کر سکتا ہے۔ اِس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ابھی دنیا میں کسی کو اجازت نہیں ہے لیکن اِس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اجازت اور عہد دنیا میں ہی مل گیا۔ **جواب۔** اس کے چند جواب دیئے گئے۔ حاشیہ نور العرفان میں حضرت حکیم الاُمّت نے فرمایا کہ اجازت اور عہدِ شفاعت صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دنیا میں ہی مل چکا ہے قیامت کا سجدہ اذنِ شفاعت کے لیے نہیں ہوگا بلکہ اذنِ کلام کے لیے ہوگا۔ دوسرا جواب میرے نزدیک یہ ہے کہ آیتِ پاک میں اجازتِ شفاعت کا ذکر نہیں بلکہ عہد کا ذکر ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں عہد باندھ لیا بوجہ اُس کی محبوبیت و مقبولیت کے اُس کو کل قیامت میں اپنوں اپنوں کی شفاعت کی اجازت مل جائے گی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اُس دن اُس سجدے سے ہی شفاعتِ کبریٰ کی اجازت ملیگی آج دنیا میں نہ اجازت ہے نہ اجازت کی ضرورت ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ اجازت تو دنیا میں ہی مل گئی ہے کہ جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ عالم اتنی پشتوں کی حافظ اتنی پشتوں کی شفاعت کریں گے وغیرہ مگر ظہورِ اجازت اُس دِن ہوگا اور یہ نبوی سجدہ ظہورِ اجازت کے لیے ہوگا نہ کہ اجازت کے لیے یہ سب جواب درست ہیں بہرحال آیات میں احادیث میں تعارض نہیں ہے واللہ و رسولہٗ اعلم۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اَلَمْ تَرَ اس فعل کے متعلق تفاسیر میں ہے کہ یہ فعل مضارع بمعنیٰ ماضی مطلق ہے اسی طرح اور بھی کئی جگہ کسی لفظ کو کسی دوسرے لفظ کے معنیٰ میں کر دیا جاتا ہے مثلاً مصدر بمعنیٰ اسم فاعل یا اسم مفعول یا کئی دفعہ عَلیٰ بمعنیٰ عِنْدَ وغیرہ کر دیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں کیا جاتا ہے! وہی وہی صیغہ یا فعل کیوں نہیں آجاتا جس کے معنیٰ میں یہ کیا گیا ہے۔ یعنی بجائے اَلَمْ تَرَ فرمانے کے یہاں اَمَا رَاَیْ کیوں نہ کہہ دیا گیا اور علیٰ کہنے کی بجائے عِنْدَ ہی کہہ دیا جاتا۔ اتنے لمبے چکر کی کیا ضرورت تھی۔ جواب۔ دوسرے کئی وجوہ کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ جس فعل یا حرف یا اسم کو دوسرے اسم فاعل یا حرف کے معنیٰ میں لایا جاتا ہے وہاں دونوں کے معنیٰ کا استفادہ مقصود ہوتا ہے۔ مثلاً اسی جگہ۔ اَلَمْ تَرَ کو بمعنیٰ ماضی کرنے سے ماضی وحال دونوں کا فائدہ حاصل ہوا اور فعل (دیکھنے کی مدت) دراز ہو گئی۔ یعنی ماضی سے شروع ہو کر حال تک آگئی جس کو ہم اردو میں اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ۔ کیا تم دیکھتے نہیں چلے آرہے۔ اور فعل مثبت میں کہا جاتا ہے کہ فلاں آدمی یہ کام کرتا چلا آرہا ہے۔ یا کہا جاتا ہے کہ یہ کام تو میں برسوں سالوں سے کرتا چلا آرہا ہوں۔ اسی طرح عَلیٰ کو بمعنیٰ عِنْدَ کرنے سے جب دونوں معنیٰ شامل ہوئے تو عَلیٰ سے فوقیت و تسلط ثابت کیا گیا اور عِنْدَ سے تسلط میں قرب پیدا کیا گیا۔ یہ بات خود فعل ماضی یا خود عِنْدَ کے لانے سے حاصل نہ ہوتی یہی حکمت ایسے تمام مقامات میں ہے۔ اسی طرح جب ماضی کو بمعنیٰ مضارع کیا جاتا ہے تو معنیٰ ہو جاتا ہے جان بوجھ کر کیا یا نہ کیا۔ یہی کیفیت نفی حجد بلَمْ کا ہے۔ لَمْ یَضْرِبْ کے معنیٰ ہیں جان بوجھ کر نہ مارا اس نے بہرحال یہ تغیر فضول نہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِلَی الرَّحْمٰنِ چاہیے تھا فرمایا جاتا۔ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ اس لیے کہ اِلیٰ انتہاء کے لیے ہے اور اللہ تعالیٰ انتہا سے پاک و سبحان ہے عِنْدَ قرب کے لیے ہے۔ جواب۔ اِلیٰ فرمانا نَحْشُرُ کی مناسبت سے ہے یعنی بندوں کا آنا اور آنے کی انتہا وہاں تک ہے اور قُرب جمال تک مختصر ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا نَحْشُرُ۔ پھر فرمایا۔ اِلَی الرَّحْمٰنِ۔ نَحْشُرُ کا فاعل اللہ ہے۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کوئی اور ذات ہے رحمٰن کوئی دیگر ذات ہے۔ جواب۔ نَحْشُرُ کا فاعل ضمیر جمع متکلم کا مرجع ذاتِ باری تعالیٰ ہے مگر رحمٰن صفاتِ باری تعالیٰ میں سے ہے اور پوری آیت کا معنیٰ و منشا یہ ہے کہ بروزِ قیامت رب کریم اپنے پیاروں کو اپنی صفتِ رحمانیت کی طرف لائیگا۔ نہ کہ غضب و جلال کی طرف۔

تفسیر صوفیانہ اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّیٰطِیْنَ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ تَؤُزُّھُمْ اَزًّا ۔ فَلَا تَعْجَلْ عَلَیْھِمْ اِنَّمَا نَعُدُّ لَھُمْ عَدًّا ۔ یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۔ وَّنَسُوْقُ

الْمُجْرِمِیْنَ اِلٰی جَهَنَّمَ وِرْدًا۔ شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمۃ نے فرمایا جس نے اپنی سانسوں پر راہ حق میں حفاظت کی اُس کی سب ساعتیں ایام ہفتے مہینے اور سال اُس کے حکم کی گنتی میں ہیں لیکن جس کی اوقات کی مہلتیں ساعتیں ہیں اُس کی سانسیں برباد اور جس کے اوقاتِ مہلت دنوں میں پھیلے ہیں اُس کی ساعتیں برباد اور جس کا وقتِ مہلت ہفتوں میں بٹ گیا اُس کے ایام برباد اور جس کے اوقات مہینوں کی گنتی میں اس کے ہفتے برباد اور جس کو سالوں کی مہلت حیات ملی اور جنوں کی تقسیم میں بٹ گئی اُس کے مہینے برباد اور جس کی مہلتِ اوقات خواہشات کی عمر دراز میں پھیلے ہیں اُس کی پوری عمر کی سانسیں برباد اور جس بد بخت کی پوری عمر برباد اس کے لیے کوئی مہلت نہیں اُس کی حسرتِ اعمال نفس کے خلاف شمار نہ کی جائے گی اس کو چاہیئے کہ بربادیِ عمر پر دنیا میں ہی خوب روئے ایسے بدنصیب کے لیے بددعاءِ عذاب میں جلدی نہ کی جائے اِنَّمَا نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ۔ اُن کی درازیِ عمر فکرِ نفسانی کے چند گنتی کے دن شمار کئے جا رہے ہیں۔ وقت کی لمبائی درازیِ مدت اور کمی اوقاتِ وقت والے کی حاضریِ بارگاہ کے اعتبار سے ہے کسی کا وقتِ مہلت فقط ایک ساعت کسی کا وقتِ حاضری حضوری ایک دن کسی کا ایک ہفتہ کسی کا ایک ماہ حضوری کا ملا کسی کا ایک سال یہ اوقاتِ مہلت عمر میں فقط ایک بار اور بد بخت کو کوئی وقتِ حضوری نہیں ملتا بوجہ نفسانی شہوانی شہوات میں مستغرق ہونے کے عمر ایک خزانہ ہے اور ہر سانس ایک موتی ہے۔ اے بندہ ان ہیرے موتیوں کو برباد و ضائع نہ کر ورنہ بقولِ مولانا جامیؒ بوقتِ موت انتہا کا پچھتاوا ہوگا۔ لَا يَمْلِكُوْنَ الشَّفَاعَةَ اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ متقین کا حشر بارگاہِ رحمٰن میں ہوگا کیونکہ رحمانیت صفاتِ لطیفہ میں سے ہے جس کی نعمتیں اور شانیں جود و انعام و فضل و کرم۔ قرب اور بخششیں ہیں۔ اور اگر رحمت صفتِ ذات ہو تو مراد ہوتا ہے ایصالِ خیر و دفعِ شر کا ارادہ اور اگر صفتِ فعل ہو تو خود ایصالِ خیر کرنا اور دفعِ شر مراد ہے مجرمین کا حشر اہلِ فراق و محروبین کے پاس ہے متقین اہلِ عقل مثلِ ملائکہ ہیں اور مجرمین مثلِ حیوان و دوابہ ہیں۔ اُس ظہورِ سلطنتِ جلال و قہرِ فراق کی ساعتوں میں کوئی بھی کسی کی شفاعت و سفارش کا دم نہ بھر سکے گا مگر وہی بندۂ عجز و نیاز جس نے قلبِ عرشِ صمدیت کے حضوریِ رحم کا عہدِ لاھوتی پا لیا۔ بندے دو قسم کے ہیں ۱۔ بندۂ رحمٰن ۲۔ بندۂ شیطین بندۂ رحمٰن کے قرین ملائکہ ہیں اس لیے اُن پر اِلَّا بِاَمْرِ رَبِّكَ کا نزولِ ملائکہ ہوتا رہتا ہے بندۂ ابلیس کا قرین شیطین ہوتے ہیں اس لیے اُن مجرمینِ شہوات پر تَؤُزُّهُمْ اَزًّا کا حجاب ہوتا ہے نزولِ ملائکہ نورانیہ و صفائی میں ہے نزولِ شیطانی ظلمت و کدورت میں ہے قرینِ شیطانی کے نفوسِ سفیلہ پر اعمالِ کفر اور خبیثہ و عقائد کا عذابِ اجلِ معین وارد ہوتی ہے متقینِ معرفت کے حشرِ عرفانی میں چار مقامات ہیں ۱۔ جب تجلیاتِ صفات بیرانی صفاتِ رحمٰن کا قرب جمال کا حشرِ سعود ۲۔ جب بیرانی رحمٰن

کی انتہا ہوتی ہے تو سیر الی الذات کی ابتدا ہوتی ہے جن کا حشرِ اول سیر الی اللہ حشرِ دوم سیر مع اللہ حشرِ سوم سیر فی اللہ یہی معراجِ عشق کے تین مقامات ہیں۔ لیکن مجرمینِ اعمالِ خبیثہ کو جہنمِ طبیعتِ رذیلہ کی طرف وادیٔ قبر سے پیاسے اونٹوں کی طرح ہانک دیا جاتا ہے اور کسی کو بھی استحقاق نہیں کہ امداداتِ ملکوتیہ اور انوارِ قدسیہ کی سفارش و شفاعت کسی کے لیے کر سکے مگر صرف وہی بندۂ عشقِ رحمٰن جس نے رحمتِ الٰہیہ کے قبول کی استعداد اور صلاحیت حاصل کر کے عہدِ حقیقی سے جنابِ الٰہی کا اتصال و قرب حاصل کر لیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ﴿٨٨﴾ لَقَدْ

اور کہا انہوں نے کہ بنا لی اللہ رحمٰن نے اولاد۔ البتہ

اور کافر بولے رحمٰن نے اولاد اختیار کی۔ بے شک

جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ﴿٨٩﴾ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ

نکالی تم نے ایسی سخت بات جو نرا دھما کہ ہے۔ قریب ہے کہ آسمان پھٹ گریں

تم حد کی بھاری بات لائے۔ قریب ہے کہ آسمان اس سے پھٹ پڑیں

مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ

اس کفر سے اور ٹکڑے ہو جاوے زمین اور بکھر جائیں تمام پہاڑ

اور زمین شق ہو جائیں اور پہاڑ گر جائیں

هَدًّا ﴿٩٠﴾ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ﴿٩١﴾ وَمَا

گر کر اس لیے کہ ان لوگوں نے دعویٰ گھڑ لیا اللہ رحمٰن کے لیے اولاد کا۔ حالانکہ ہو ہی نہیں

ڈھ کر اس پر کہ انہوں نے رحمٰن کے لیے اولاد بتائی۔ اور

يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۝۹۲ اِنْ

سکتا اللہ رحمن کے لیے کہ بال بچے رکھے نہیں ہے

رحمن کے لائق نہیں کہ اولاد اختیار کرے

كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِى

کوئی بھی جو آسمانوں اور زمین میں ہے مگر وہ رحمن کے پاس آنے والا ہے

آسمان اور زمین میں جتنے ہیں سب اس کے حضور

الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۝۹۳ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَ

بندہ بن کر۔ البتہ بے شک ازل سے منحصر کر رکھا ہے اس اللہ

بندے ہو کر حاضر ہوں گے۔ بے شک وہ اُن کا شمار جانتا ہے اور

عَدَّهُمْ عَدًّا ۝۹۴

نے ان تمام کو اور علیحدہ علیحدہ شمار کر چکا ہے وہ پوری گنتی

ان کو ایک ایک کر کے گن رکھا ہے

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر تھا کہ شیطان اِن کفار کو ورغلاتا وسوسے ڈالتا ہے اَب اِن آیت میں ذکر ہے کہ سب سے بڑا شیطانی وسوسہ یہ ہے کہ ان مشرکوں نے اللہ کے لیے اولاد یعنی بیٹے کا عقیدہ گھڑ لیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان کی طرف سے جلد فکرمند نہ ہوں ہم نے اُن کی صرف ڈھیل دی ہوئی مدت پوری کر نی ہے اَب اِن آیت میں فرمایا جارہا ہے ڈھیل ختم ہونے کے بعد یہ بھاگ نہیں سکتے۔ بلکہ ایک ایک کر کے سب بندے بنے ہوئے ہاتھ باندھے اُس کے حضور حاضر ہوں گے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں لوگوں کی گنتی جاننے کا تذکرہ تھا۔ اَب اِن آیت میں اس کا طریقہ

ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔

واؤ سر جملہ یعنی عاطفہ زائدہ فقط ابتداء کلام کے لیے ہے۔ قَالُوا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُم اس میں پوشیدہ ضمیر کا مرجع مجرمین ہے اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِتَّخَذَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر اخذ سے بنا ہے اِس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ بمعنی بنانا اختیار کرنا مہیا کرنا حاصل کرنا۔ یہاں سب معنی مناسب ہیں الرحمٰنُ اس کا فاعل وَلَدًا اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع بمعنی اولاد۔ یہاں مراد مؤنث اولاد ہے کیونکہ مشرکین فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے۔ یہ وَلَدًا مفعول بہ ہے اِتَّخَذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ لامِ تحقیق۔ قَدْ جِئْتُمْ فعل ماضی قریب معروف جمع مذکر حاضر اَنْتُم پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اس کا مرجع مجرمین ہے جَیْئَۃٌ سے مشتق باب ضرب سے ہے بمعنی الانا۔ یہ مصدر بیک وقت اسی مادے میں متعدی بھی ہوتا ہے اور لازم بھی اگر متعدی ہو تو معنی ہے لانا اگر لازم ہو تو معنی ہے آنا۔ یہاں یہ مصدر متعدی ہے۔ شَیْئًا اسم مفرد نکرہ اِس پر تنوینِ تعجب ہے (دو زبریں) بمعنی حیرانی کی بات۔ کیونکہ جس چیز کا کہیں پتہ سراہی نہ ہو اُس کو مان لینا یا بول دینا حیرت ہی ہوتا ہے یہ موصوف ہے اِدًّا اسم مفرد نکرہ جامد بمعنی بھاری۔ بوجھل۔ شدید بری سخت کڑوی دھماکہ خیز یہاں پہلے یا آخری معنی ہیں یہ صفت ہے شَیْئًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول یہ لَقَدْ جِئْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ تَكَادُ باب کَرُمَ ثلاثی مجرد شاذ کے آخری تیسرے باب سے ہے۔ فعل مضارع معروف واحد مؤنث کا صیغہ اس لیے آیا کیونکہ اِس کا اسم السّمٰوٰتُ جمع مؤنث حاضر موجود ہے یَتَفَطَّرْنَ۔ بابِ تفعّلٌ کا فعل مضارع۔ جمع مؤنث غائب چونکہ اس کا فاعل حاضر نہیں اس لیے فعل جمع غائب آیا۔ اس کا مادہ مصدر ہے فَطْرٌ بمعنی چِرنا پھٹنا۔ ہر سخت نرم ٹھوس پتلی بلکہ محسوس اور غیر محسوس اور ظاہری باطنی چیز کے ٹوٹنے کو فطر کہہ دیا جاتا ہے اسی سے ہے روزہ اِفطار۔ فطور یعنی امن سکون کو توڑنا۔ فطرت پیدائشی عادت۔ فاطر۔ عدم کے پردے کو پھاڑ کر وجود میں لانے والا۔ البتہ موٹی سخت چیز کے ٹوٹنے کو فطر نہیں کہا جاتا۔ اس کا مصدر ہے تَفَطُّرٌ ھُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع السّمٰوٰتُ ہے مِنْہُ جار مجرور۔ ہُ ضمیر واحد مذکر کا مرجع شَیْئًا ہے یہ متعلق ہے یَتَفَطَّرْنَ کا وہ سب سے مل کر

جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَنْشَقُّ۔ باب انفعال کا فعل مضارع اس کا مصدر ہے اِنْشِقَاقٌ۔ شَقٌّ سے بنا ہے بمعنی ٹوٹنا۔ ٹکڑے ہونا۔ صرف ٹھوس اور سخت چیز کے ٹوٹنے کے لیے ہے اَلْاَرْضُ الف لام استغراقی یا جنسی۔ ارض اسم مفرد مؤنث بمعنی روئے زمین (تمام زمین) فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ تَخِرُّ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد مؤنث غائب خَرٌّ مضاف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی زمین سے لگنا۔ گر پڑنا۔ انشقاق انخرار کا فرق۔ انفطار ٹکڑے ہونا یہ سخت جسم کے لیے مستعمل ہے گویا کہ آسمان زمین سے بھی سخت ہے اور پہاڑ سے بھی آسمان نے کبھی اپنے اوپر شرک کفر گناہ نہیں دیکھا نہ سنا یہ وَلَدًا والا شرک زمین سنکر کانپا۔ انشقاق صرف چرنا پھٹنا جیسے کپڑا پھٹنا یہ نرم کیفیت اس لیے کہ زمین پر شرک کفر ہوتے رہتے ہیں وہ اس کی عادی ہے مگر ولدیت کا شرک سنکر وہ کانپی مگر تھوڑی صرف پھٹنے کی حد تک انخرار کا معنی کسی لمبی اونچی چیز کا ڈھکر گر جانا۔ یا معنی ہے کہ تینوں کانپ کر قیامت کے قریب ٹوٹ کر پھٹ کر گر کر ختم ہو جائیں گے۔ الف لام استغراقی جِبَالُ۔ اسم جمع مکسر منصرف بمعنی تمام پہاڑ۔ هَدًّا۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے تَخِرُّ کا کیونکہ دونوں کا ترجمہ ایک ہی یعنی گرنا زمین بوس ہونا۔ اگرچہ لفظاً متفرق ہیں۔ بعض کے نزدیک یہ حال ہے اَلْجِبَالُ کا اعلیٰ حضرت نے یہی پسند فرمایا اس میں کیفیت اور جامعیت کا اظہار ہے یہ ترجمہ کی شانِ یکتائی ہے۔ تَخِرُّ اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ تیفطرن اپنے تمام معطوفوں سے مل کر خبر ہے تکادُ کی اگلی آیت اس کی علت ہیں۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا۔ وَمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ اَنْ حرف ناصبہ عاملہ۔ یہاں لام تعلیلیہ پوشیدہ ہے اصل میں تھا لِاَنْ۔ دَعَوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی دعوی کرنا زور سے بات کرنا شور مچانا یہاں پہلے معنی میں ہے دراصل ہے دَعَوُوْا۔ واؤ متحرک ماقبل مفتوح لہٰذا واؤ الف سے بدلا گیا اب دو ساکن جمع ہوئے الف اور دوسری واؤ الف گر گیا۔ لام نفع کا یعنی لیے یہ جار مجرور متعلق ہے دَعَوْا کا وَلَدًا۔ مفعول بہ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر ذو الحال ہے۔ واؤ حالیہ۔ مَا یَنْبَغِیْ۔ باب انفعال فعل مضارع منفی کا مانافیہ سے خلافِ قیاس۔ لِلرَّحْمٰنِ۔ لام تعدیہ یعنی مفعولیت کا یہ جار مجرور متعلق ہے مَا یَنْبَغِیْ کا مصدر ہے اِنْبِغَاءٌ۔ بَغْیٌ سے بنا ہے بمعنی۔ لائق ہونا۔ چاہنا۔ پسند ہونا۔ ضرورت ہونا۔ یہاں سب معنی مناسب ہیں اَنْ ناصبہ یَتَّخِذَ۔ باب افتعال کا مضارع منصوب واحد مذکر غائب هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے رحمٰن۔ وَلَدًا اسم مفرد جامد بمعنی اَوْلاد۔

مفعول بہ ہے۔ یَتَّخِذَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر فاعل ہوا مَا یَنۡبَغِیۡ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال ہے دَعَوۡا کے فاعل کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوئی تَکَادُ کی۔ تَکَادُ فعل مقاربہ اپنے اسم خبر اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا۔ اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا۔ لَقَدۡ اَحۡصٰہُمۡ وَعَدَّہُمۡ عَدًّا۔ اِنۡ حرف نفی اکثر اِلَّا حرف استثنا سے پہلے آتا ہے کبھی اس کے بعد لَمَّا بھی آجاتا ہے اور کبھی دونوں میں سے کوئی ظاہراً نہیں ہوتا لیکن معناً اِلَّا ہوتا ہے۔ کُلُّ اسم تاکیدی، موجبہ کلیہ کا سور بمعنیٰ کوئی بھی۔ مضاف ہے۔ مَنۡ اسم موصول فِیۡ حرف جر ظرفیہ کا السَّمٰوٰتِ جمع مؤنث سالم لفظی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلۡاَرۡضِ معطوف ہے دونوں مل کر مجرور متعلق ہے یکُوۡنُ فعل تامہ مستتر کا۔ یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر صلہ ہوا مَنۡ موصول اپنے صلے سے مل کر مضاف الیہ ہے کُلُّ کا۔ یہ مرکب اضافی مستثنیٰ منہ ہے اِلَّا حرف استثنا اٰتِیۡ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مذکر اَتٰی سے مشتق ہے یہ مادہ بھی کبھی لازم کبھی متعدی ہوتا ہے یہاں لازم ہے بمعنیٰ آنا۔ جب متعدی ہو تو معنیٰ ہوتا ہے لانا لیکن اس وقت اس کے بعد بِ جارہ ہوتی ہے مفعولیت کے لیے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع کُلُّ مَنۡ ہے یہ اسم فاعل مضاف الیہ ہے الرَّحۡمٰنِ مفعول یا ظرف دراصل ہے عِنۡدَ الرَّحۡمٰنِ مضاف الیہ عَبۡدًا اسم مفرد جامد۔ حال ہے اٰتِیۡ کے فاعل ھُوَ پوشیدہ کا۔ یہ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے۔ اٰتِیۡ اسم فاعل ہے۔ اٰتِیۡ اسم فاعل اپنے فاعل اور مفعول بہ یا ظرف مضاف الیہ سے مل کر جملہ ہو کر مستثنیٰ ہوا کُلُّ مَنۡ کا۔ دونوں مل کر خبر ہے مبتدا محذوف مَوۡجُوۡدٌ کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا لفظ اٰتِیۡ اور لفظ عَبۡدًا لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے واحد کا معنیٰ کُلُّ کی وجہ سے کہ وہ بھی واحد ہے اور جمع کا معنیٰ تمام مخلوق کی وجہ سے لام تحقیقی قَدۡ اَحۡصٰی باب افعال کا فعل ماضی قریب برائے تحقیق و یقین، حَصٰی سے بنا ہے بمعنیٰ گننا شمار کرنا ھُوَ ضمیر فاعل پوشیدہ ہُمۡ بارز جمع مذکر غائب منصوب متصل مرجع کُلُّ مَنۡ ہے۔ چونکہ کُلُّ اسم لفظاً واحد اور معناً جمع ہے اس لیے اس کا صیغہ اور ضمیر واحد بھی آسکتا ہے اور جمع بھی۔ پہلے اٰتِیۡ صیغہ واحد آیا اور اب ہُمۡ ضمیر جمع آگئی۔ مفعول بہ ہے۔ قَدۡ اَحۡصٰی اپنے فاعل مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ دوسرا جملہ عَدَّ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ اس میں ضمیر فاعل ہے مرجع الرَّحۡمٰنُ ہے عَدٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ گنتی کرنا۔ شمار کر رکھنا ہُمۡ ضمیر ظاہر (بارز) کا مرجع کُلُّ مَنۡ ہے مفعول بہ ہے۔ عَدًّا اسم مصدر مفعول مطلق۔ عَدَّ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ

ہوگیا۔ خیال رہے لغتِ عربی میں گنتی کرنے کے لیے تین مصدر ہیں ۱ اِحْصَاءٌ ۲ عَدٌّ ۳ حَسْبٌ مگر فرق یہ ہے کہ تمام کو گنتی میں شامل کر لینا بلا لحاظ نوع جنس فصل کے اِحْصَاءٌ ہے۔ اور ایک جنس یا نوع وغیرہ کے کچھ یا تمام افراد کو گن رکھنا عدٌّ ہے اور گنتی میں غیر کو شامل کر کے گن ڈالنا حَسْبٌ ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا ۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔

اور مشرکین نے عقیدۃً کہا کہ رحمٰن نے اولاد بنالی اِس طرح عقیدہ بنایا کہ یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو سو سال فوت ہونے کے بعد زندہ دیکھ کر کہا کہ یہ اللہ کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے بن باپ کے عیسٰی علیہ السلام کی ولادت دیکھی تو بولے یہ اللہ کا بیٹا ہے مشرکین عرب نے فرشتوں کو خفیہ اور پوشیدہ آنے دیکھ کر نظر نہ آنے کی وجہ سے کہا کہ یہ پردہ نشین فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ اے بدبختو احمقو البتہ بے شک تم ایسی سخت دھماکہ خیز چیز بنا لائے ہو کہ قریب تھا کہ آسمان پھٹ کر گر پڑتے اِس بیہودہ لرزہ خیز بات سے اور زمین چر جاتی اور زمین کے تمام پہاڑ پھسل کر بکھر جاتے اس عقیدۂ بد کی دھماکہ خیزی سے تمام اشیاء عالم پر ایسا لرزہ طاری ہوا تھا کہ اگر حلمِ سبحانی اور رحم رحمانی اپنے کرم کا سہارا نہ دیتا تو عالم و عالمیان اپنے وجود سے نیست و نابود اور درہم برہم ہو جاتے۔ گمراہ عیسائیوں نے چار عقیدے بنائے جن کا یہاں بطلان فرمایا گیا اوّل حضرت مسیح کا ابن اللہ ہونا دوم الٰہ ہونا سوم مصلوب ہونا چہارم تمام عیسائیوں کے گناہ کفر شرک کا کفارہ بننا۔ یعنی تا قیامت عیسائیوں کیلئے اب نیکی، عبادت اور اعمال صالحہ کی ضرورت نہیں۔ صرف کفارے پر ایمان لانا کافی ہے۔ قرآن مجید نے یہاں ان چاروں عقیدوں کی تردید فرمائی عیسائیوں کے ان چاروں عقیدوں میں سے سب سے بڑا اور بُرا عقیدہ کفارہ کا ہے باقی تین عقیدے اسی کو مضبوط کرنے کے لیے بنائے گئے ہزاروں گناہوں کفریات و شرکیات کی یہ جڑ ہے اسی عقیدے کے بھروسے پر عیسائی گمراہ و گستاخ ہوئے۔ اِس کی تردید یہاں قَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا فرما کر کی گئی۔ کہ اگرچہ عیسائیوں نے اپنے اِس قول میں لفظ رحمٰن نہ بولا تھا مگر یہاں لفظِ رحمٰن کا ارشاد فرمانا عقیدۂ کفارے کو توڑنا اور تردید کرنا ہے۔ کیونکہ عیسائی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بغیر بدلے کے نہ معاف کر سکتا ہے نہ بخش سکتا ہے اس لیے اُس نے انسانوں کے گناہ و کفر بخشنے کے لیے اپنے بیٹے کو سولی چڑھا دیا۔ اور اِس طرح بیٹے کی جان

سے کہ تمام انسانوں کے گناہ کا بدلہ کیا۔ یہاں لفظِ رحمٰن بتاتا ہے کہ رب تعالیٰ بغیر بدلے کے محض اپنی رحمانیت اور کرم و رحم سے سب کے گناہ بخش سکتا ہے۔ اِن آیت میں چار جگہ لفظِ رحمٰن ارشاد ہوا اور لفظِ وَلَدًا تین جگہ اور عَبْدًا ایک جگہ۔ اِس سورۃ کی ابتدا عیسیٰ علیہ السلام کے ذکرِ پاک سے اور اب یہ انتہا موجودہ عیسائیوں کی کفریہ شرکیہ بدعقیدگی پر۔ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ (الخ) سے یہ بتایا گیا کہ تمام کفریات میں سب سے بڑا اور سخت کفر اللہ تعالیٰ کے لیے ابنیت کا عقیدہ بنانا ہے۔ یہ دعویٰ اور قول مثلِ گالی ہے اِس گستاخی سے آسمان زمین اور تمام پہاڑوں پر زلزلہ آگیا تھا۔ جس کی وجہ سے یہ گرنے کے قریب تھے جس سے نظامِ عالم برباد ہو جاتا۔ اتنا بڑا ظلم و کفر نہ بت پرستی میں ہے نہ دیگر شرکیات ہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں ولدیت کا عقیدہ تین دفعہ بنایا گیا اور زمین دفعہ ہی آسمان و زمین پر مثلِ زلزلہ کپکپاہٹ طاری ہوئی۔ بجز ثقلین (جن و انس) تمام چیزوں پر لرزہ ہوا (از ابن عباس) ولدیت کے عقیدے سے تین شرک ہوئے ۱) یہ کہ کل سے جز کو علیحدہ کرنا ۲) ذات باری تعالیٰ کو مرکب ماننا کیونکہ اولاد مرکب سے ہوتی ہے اور اولاد والدو والدہ کا جز ہوتی ہے ۳) اور ہر مرکب محتاج ہوتا ہے اسی لیے اولاد کا مقصود حفاظتِ نسل ہے اور نسل کا خطرہ اہل کے مرنے سے ہے اللہ تعالیٰ مرنے سے پاک ہے۔ مرتا وہ ہے جو کم زندہ ہو کم زندہ وہ جو محتاج ہو محتاج وہ جو مرکب ہو۔ مرکب وہ جس کی جُزیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ اِن تمام عیوب سے پاک و منزہ ہے اِدًّا کی تین قرتیں اور تین ہی معنیٰ ۱) اِدًّا بمعنی سخت لرزہ و دھماکہ خیز کلام ۲) اُدًّا بمعنی ناپسندیدہ ۳) آدًّا بمعنی منحوس ثقیل بوجھل۔ وَمَا يَنْۢبَغِىْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا ۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ۔ لَقَدْ اَحْصٰىهُمْ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ۔ حالانکہ کسی بھی حیثیت و کیفیت سے اللہ رحمٰن کو لائق و زیبا اور چاہت نہیں کہ اپنی اولاد بیٹا یا بیٹی بنائے اس لیے کہ آسمان و زمین میں کوئی بھی انسانی جناتی ملکوتی مخلوق نہیں جو اس کی عبدیت سے جدا ہو سب کے سب اُس اللہ رحمٰن کی بارگاہ میں عبد اور بندے مملوک و ملکیت کے تعلق و حیثیت سے ہی آنے والے ہیں۔ جو اُس کی ربوبیت کے ملتجی ہیں اور اس کی معبودیت کے اقراری ہیں زبانِ حال سے بھی لسانِ کیفیت سے بھی اور بیانِ قال سے بھی۔ مومن ہو یا کافر چھوٹا ہو یا بڑا وزیر ہو یا امیر حاکم یا سلطان سب اپنی کیفیتِ ضعیفہ میں اُس کے سامنے عاجز و بندے مسکین و محتاج ہیں۔ مومن و کافر کی حکومت میں فرق اوّل مومن کی حکومت دلوں پر ہوتی

ہے کافر کی سروں پر اس لیے کہ مومن کی حکومت میں عدالت ۲ صداقت، ۳ دیانت ۴ شرافت ۵ لیاقت ۶ اخلاص ۷ اخلاق ۸ سرور ۹ محبت ۱۰ الفت ہوتی ہے۔ کافر کی حکومت میں ۱ تکبر ۲ غرور ۳ رعونت ۴ شرارت ۵ خوف و دہشت ۶ فتنہ ۷ فساد ۸ فسق و فجور ۹ جھوٹ وریاکاری ۱۰ ظلم وتعدی ۱۱ بے انصافی ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ مومن کی حکومت و سلطنت میں بندگی ہوتی ہے کافر کی حکومت میں شرمندگی ہوتی ہے سوم یہ کہ مومن حاکم و شہنشاہ بن کر بھی اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ہے اور کافر حقیر و محکوم ہو کر بھی تو نا کُدًا ہے۔ اور جو عبد ہو وہ مِلک ہوتا ہے جو ملک ہو وہ ابن اور اولاد نہیں ہوتا ہے اور عبد حبیب ہوتا ہے ولد شریک ہوتا ہے حبیب پورے کا مالک و مختار بنا دیا جاتا ہے شریک آدھے کا۔ حبیب با اختیار ہوتا ہے شریک بے اختیار ہوتا ہے حبیب اذن کا محتاج نہیں شریک اذن کا محتاج ہے حبیب قریب ہوتا ہے شریک بعید ہوتا ہے۔ حبیب اپنی ابتداء سے الگ ہوتا ہے شریک اپنے شرکی انتہا ہے اور چونکہ رب تعالیٰ کی انتہا نہیں اس لیے اس کا شریک بھی کوئی نہیں تو ولد نہیں۔ اَلْبَتَّہ بے شک وہ اللہ رحمٰن سموات یعنی آسمانوں بلندیوں ہواؤں فضاؤں عرش و کرسی لوح و قلم کی تمام مخلوق کی گنتی ۱ شخصیات ۲ کیفیات ۳ اجسام ۴ ابدان ۵ انفاس ۶ افعال ۷ اقوال ۸ احوال ۹ اسماء ۱۰ افراد ۱۱ ارزاق ۱۲ اعمال جانتا ہے اور زمین کی بھی تمام مخلوق یعنی مشرق مغرب شمال جنوب پہاڑ محال دریا و صحرا تجربہ کے مومن کافر امیر و غریب چھوٹے بڑے حشرات مخلوقات حیوان و انسان جمادات و نباتات چرند پرند اشجار احجار کی پوری گنتی جانتا ہے اس لیے کہ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ اس اللہ نے ان سب کو ان کے یوم تخلیق سے شمار کر رکھا ہے۔ وَعَدَّهُمْ عَدًّا اور مکمل کامل و اکمل ایک ایک فرد کو انحصار تحریر میں بحفاظت تامہ محفوظ رکھ دیا ہے۔ اپنے کسی حبیب کو بتانے سمجھانے پڑھانے کے لیے ورنہ رب تعالیٰ اس گنتی و شمار سے بے نیاز ہے نہ وہ بھولتا ہے نہ چوکتا۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ خالق و مالک اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی صرف عبدیت پسند ہے۔ لہٰذا ہر بندے کو اپنے رب کریم کی رضا کے لیے اپنے ہر قول و فعل میں ہر وقت اپنی عاجزی مسکینی بندگی و عبدیت کا اظہار چاہیے جو شخص اپنی بندگی کا اظہار نہ کرے وہ یا کافر ہے یا منافق یا فاسق و فاجر مغرور اور ایسے ہی لوگ زمین پر بدترین مخلوق ہیں یہ فائدہ اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ عبدیت سے جہان میں پچیس فائدے ہیں۔ ۱ عبادت ۲ نشانات ایمان ۳ طہارت ۴ ریاضت

کے چمن کھل جاتے ہیں۔ امن، ایمان، یقین، صلح، محبت، پیار، دوستی، شفقت، الفت، عاجزی، انکساری کی پیاری بہاریں آجاتی ہیں اور فتنہ، فساد، شرک و بدعت، فسق و غرور، نفرت، حقارت کی خرابیوں برائیوں کی جڑیں کٹ جاتی ہیں یہ فائدہ اِلَّآ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ بندہ مومن کو چاہیے ہمیشہ دو چیزوں سے نفرت و ترکِ تعلق کرتا رہے اور دو چیزوں سے محبت و سرور حاصل کرتا رہے کافرین فاسقین اور ان کے کفر و فسق سے نفرت دوری اختیار کرے بلکہ لرزہ براندام رہے۔ اور نیکوں اور ان کی نیکیوں سے لذت سرور اور ان کا قرب حاصل کرتا رہے۔ بحوالہ تفسیر روح البیان حدیث شریف میں آتا ہے کہ پہاڑ آپس میں ایک دوسرے کا نام لے کر ہر روز پوچھتے ہیں کہ کیا آج تجھ پر کوئی ذاکرِ الٰہی گزرا یا تجھ پر آج کسی نے ذکرِ الٰہی کیا جب جواباً دوسرا پہاڑ کہتا ہے کہ ہاں تو پوچھنے والا مسرور ہو جاتا ہے اور مبارک دیتا ہے۔ اسی طرح جب زمین پر کفر شرک گناہ زنا ہوتا ہے تو پہاڑ بلکہ زمین آسمان لرز جاتا ہے۔ (اَلۡعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی) یہ فائدہ وَتَخِرُّ الۡجِبَالُ هَدًّا سے حاصل ہوا۔

اُحکامُ القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ شرک اور اور اللہ تعالیٰ کے لیے ولدیت کا عقیدہ تمام کفریات میں سخت ترہے کہ اس سے زمین و آسمان اور پہاڑ متاثر ہوتے ہیں اور ان کا متاثر ہونا تین طرح سے ظاہر ہو سکتا ہے ۱؎ یا اس طرح کہ ان پر زبردست لرزہ طاری ہوتا ہے اور اس کپکپاہٹ سے قریب تھا کہ گر پڑتے ۲؎ یا اس طرح غضبِ الٰہی سے گر پڑتے اور مخلوق انسانی حیوانی کی زندگی و بقا ان نعمتوں نفعوں کی تباہی سے برباد اور ختم ہو جاتی ۳؎ یا اس طرح کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی مثل اللہ یعنی دوسرا معبود و اِلٰہ ہوتا۔ اور لَوۡ كَانَ فِيۡهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا کے مطابق۔ اگر کوئی دوسرا معبود ہوتا تو آسمان و زمین بگڑ جاتے ۴؎ یا یہ معنیٰ ہے کہ اگر آسمان و زمین اور جبال ذی عقل ہوتے تو اس شدید شرکیہ باتوں کو سنکر غصے و غضب سے گر پڑتے اور ساری انسانیت فنا ہو جاتی یہ مسئلہ تَكَادُ السَّمٰوٰتُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ عبدیت (جس کو اردو میں غلامیت کہتے ہیں) اور ولدیت جمع نہیں ہو سکتے یہ دونوں متضاد ہیں عبد۔ ابن نہیں ہو سکتا۔ اور ابن یعنی وَلَد (اولاد) عبد نہیں ہو سکتا اگر کوئی والد اپنے اس بیٹے کو خریدے جو کسی کا غلام یعنی عبد ہو تو وہ فوراً آزاد ہو جائے گا اس کی عبدیت ختم ہو جائے گی اور عبد غلام حقیقی ولد نہیں بن سکتا۔ یہ مسئلہ وَمَا يَنۡۢبَغِىۡ لِلرَّحۡمٰنِ (الخ) فرمانے کے بعد اِلَّاۤ اٰتِى الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔

کہ تمام مخلوق تو اس کا عبد ہے ابن اور ولد ہونے کی گنجائش ہی کوئی نہیں ہے۔ تیسرا مسئلہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے آپ کو کسی اور ذات اور قومیت کی طرف منسوب کرے مثلاً ایک آدمی سیّد نہیں ہے اور اپنے آپ کو سیّد کہے یا پٹھان نہیں اور کسی لالچ میں آکر پٹھان بن جائے وغیرہ وغیرہ یہ سخت حرام اور گناہ کبیرہ بلکہ والدہ پر تہمت لگانے کے مترادف ہے اور بفرمانِ قرآنی شَیْئًا اِدًّا ہے۔ اس طرح کسی دوسرے غیر سیّد کو کوئی شخص سیّد بنا دے یا سیّد کہنا شروع کر دے یہ شرعًا حرام ہے یہ مسئلہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا کے ارشاد سے مستنبط ہوا۔ کہ یہودیوں، عیسائیوں نے اپنے اپنے نبی کی ذات بدل کر ان کو اللہ کا بیٹا کہنا شروع کر دیا جس کو سخت ترین جرم قرار دیا گیا تو اسی طرح جو کسی کو سیّد کہے اُس نے اُس شخص کی ذات بدل کر سیّد کا بیٹا بنا دیا لہٰذا یہ بھی جرم و حرام ثابت ہوا کہ ولدیت اور ذات بدلنا ایسا سخت جرم ہے۔

اعتراضات

اس جگہ چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ ابھی پہلے آیت ۸۸ میں وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ فرما کر غائب کے صیغے سے کفار کا ذکر کیا گیا مگر پھر ساتھ ہی آیت ۸۹ میں لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا۔ فرما کر ان ہی کفار کو حاضر کے صیغے سے مخاطب کیا گیا یہ بات اور طرزِ تکلم فصاحت کے خلاف ہے۔ (عیسائی یہودی) جواب صرف عربی میں ہی نہیں بلکہ تقریبًا ہر زبان میں طرزِ بیانی کا یہ ضابطہ ہے کہ جب کسی سے کسی کی شکایت اور نفرت کا اظہار مقصود ہو تو غائب کے صیغے سے کلام ہوتا ہے اگرچہ وہ مجرم شخص کہیں پاس ہی موجود ہو مثلاً کہا جاتا ہے بھئی زید کا بیٹا بہت خراب ہے یا مثلاً کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ لوگ بہت بگڑ گئے ہیں اور لیکن جب جھڑک مقصود ہو تو حاضر کے صیغے سے کلام ہوتا ہے اگرچہ مخاطب دور ہو۔ مثلاً خط میں لکھا جاتا ہے کہ تم بہت غلط ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہاں آیت ۸۸ میں اظہارِ نفرت ہے اور آیت ۸۹ میں جھڑک ہے اس لیے دونوں کلام اپنے اپنے اعتبار سے عین درست ہیں اور حکمت کے مطابق ہیں اور اسی کو فصاحتِ کلام کہا جاتا ہے۔ بلا دلیل خلافِ فصاحت کہہ دینا جہالت ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہ اعتقاد غلط ہے کہ حضرت مسیح بغیر باپ کے پیدا ہوئے یہ عقیدہ باطلہ عیسائیوں کا ہے اور اسی کے سہارے عیسائیوں نے ابنیت کا عقیدہ بنا لیا لہٰذا مسلمانوں کو یہ عقیدہ نہ بنانا چاہیے۔ صحیح یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام یوسف نجار کے بیٹے تھے (احمد خان علی گڑھی بانی فرقہ نیچریہ اور ان کا ٹولہ) جواب۔ صحیح عقیدہ وہی ہوتا ہے جس کی وضاحت قرآنِ مجید سے ثابت ہو قرآن مجید نے عیسائیوں کے تمام بڑے بڑے عقیدوں کی نہایت مضبوط انداز میں تردید فرمائی ہے مثلاً سولی کی تردید

وَمَا صَلَبُوْهُ سے ۲ قتل وموت کی تردید وَمَا قَتَلُوْهُ سے ۳ ابنیت کی تردید اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ سے ۴ کفارے کی تردید اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ میں لفظ رحمٰن ارشاد فرمانے سے۔ جیسا کہ تفسیر میں بتایا گیا اگر بغیر باپ ہونے کا عیسائی عقیدہ بھی غلط اور باطل ہوتا تو قرآن مجید میں اس کی تردید فرما دی جاتی حالانکہ قرآنِ مجید نے نصوصِ ثلاثہ سے اس عقیدے کا وضاحت سے ثبوت بیان فرمایا ہے اور اقتضاءً واشارۃً ودلالۃً اس عقیدے کی تائید فرمائی ہے اور ہر مسلمان کو حقیقتاً اس عقیدے کی تلقین فرمائی گئی ہے اگرچہ عبارۃُ النص میں واضح الفاظ سے بغیر باپ ہونے کا ذکر نہ کیا گیا مگر سورۃ مریم کی اولین آیت اور آخری آیت کو اگر مربوط انداز میں علم وعقل سے پڑھا سمجھا اور ذرا سا تدبر کیا جائے تو ابن والد ہونے کی وضاحت صاف نظر آتی ہے رہا عیسائیوں کا اس صحیح حقیقی عقیدے سے ناجائز فائدہ لیتے ہوئے ابنیت کا سہارا پکڑنا تو یہ ان کا بیہودہ اور غلط استفادہ اور مفاد پرستی ہے۔ قرآنِ مجید کی تعلیم سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ بغیر باپ ہونا ابن اللہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی قرآن کریم کو سمجھنے کے لیے تھوڑی بہت عقل چاہیے۔ **تیسرا اعتراض**۔ قرآن نے کفارے کی کہیں تردید نہ فرمائی نہ انکار کیا اس لیے مسلمانوں کو یہ عقیدہ صحیح تسلیم کر لینا چاہیے (موجودہ عیسائی) (جواب) قرآنِ مجید میں بار بار مختلف آیات میں یہ فرمانا کہ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ کفارے جیسے بیہودہ اور بناوٹی شیطانی عقیدے کی تردید ہی ہے اس لیے کہ کفارہ کے عقیدے پھیلانے بنانے اور اپنانے کا مقصد یہی ہے کہ اب کفارہ دیدیا گیا لہٰذا کسی کو نیکی اور اعمالِ صالحہ عباداتِ شریعت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اسی طرح لفظِ رحمٰن کی صفت کا تذکرہ فرمانا بھی کفارے کا رد فرما رہا ہے خیال رہے کہ پورے قرآنِ مجید میں مختلف سورتوں کی آیات میں تقریباً ستاون ۵۷ جگہ اور سورۃِ مریم میں سب سے زیادہ بار تقریباً سولہ ۱۶ جگہ یہ صفت ارشاد ہوئی یہی بتانے کے لیے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحیمی اور رحمانیت کرم ورحم سے گناہ بخشتا ہے نہ کہ کفارے سے۔ **چوتھا اعتراض** مسلمان تو یہ بھی نہیں جانتا کہ مریم کا منگیتر اور خاوند یوسف نجار تھا مسلمان اہل سنت کہتے ہیں کہ مریم کا کبھی کسی مرد سے کوئی کسی طرح کا بھی تعلق نہ تھا۔ حالانکہ یہ بات تاریخی حقائق کے خلاف ہے تاریخ بلکہ خود بائبل میں ایک جگہ یوسف نجار کو مریم کا منگیتر کہا ہے اور بائبل کی دوسری کتب میں مریم کا خاوند کہا گیا ہے یعنی یوسف نجار مریم کا خاوند مگر ابھی رخصتی نہ ہوئی تھی کہ مریم کے ولادت ہو گئی۔ رخصتی سے پہلے خاوند کا صحبت کرنا اگرچہ شریعت ابراہیمی وموسوی میں جائز فعل تھا مگر رواجاً سخت معیوب تھا۔ اس لیے جب مریم کے بچہ پیدا ہوا تو قوم نے اس لیے مریم کو برا بھلا

کہا کہ رخصتی سے پہلے تیرا خاوند تیرے قریب کیوں آیا۔ تجھ سے کیوں صحبت کی نہ کہ بن باپ ہونے کی وجہ سے اگر یہ زنا کی تہمت ہوتی تو قوم ان کی معاف نہ کرتی بلکہ سنگسار کر دیتی مروا دیتی۔ (نیچری فرقہ) جواب یہ تمام باتیں اور توجیہیں قطعاً غلط ہیں۔ مسلمان ان کو چار وجہ سے نہیں مانتے۔ پہلی وجہ یہ کہ قرآن مجید احادیث پاک اور کسی بھی معتبر تاریخی کتاب میں حضرت مریم کے ساتھ کسی بھی یوسف کا ذکر نہیں ملتا۔ نہ کسی دوسرے مرد سے کسی قسم کا کوئی تعلق ثابت ہے دوسری وجہ یہ کہ کسی اسلامی تفسیر میں بھی کسی مرد سے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا کوئی تعلق ثابت نہیں ہے بجز حضرت زکریا کے جو بچپن سے اس واقعہ تک آپ کے کفیل رہے۔ تیسری وجہ یہ کہ بائبل میں بھی کوئی یقینی بات نہیں ملتی ایک جگہ لکھا ہے کہ ولادتِ مسیح کے وقت مریم کا منگیتر یوسف نجار مریم کے ساتھ رہا۔ دوسری جگہ لکھا ہے کہ مریم کا خاوند یوسف ساتھ تھا؟ حالانکہ منگیتر خاوند نہیں ہوتا اور خاوند منگیتر نہیں ہوتا۔ یہ تضاد بیانی ثابت کرتی ہے کہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں۔ چوتھی وجہ یہ کہ یہودی کتب میں بھی یوسف نجار کا ذکر نہیں ہوتا بقول ابو الکلام آزاد یہودی لوگوں نے اس وقت ولادتِ مسیح کی تہمت ایک مرد۔ ینقزا نامی نام کے سر لگائی تھی نہ کہ یوسف نجار کے سر۔ پنجم وجہ یہ کہ اس وقت کے یہودیوں نے بغیر رخصتی کی وجہ سے برا بھلا نہ کہا تھا بلکہ قرآنِ مجید اور تفاسیر کی عبارات سے صاف صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ قوم نے زنا ہی کی تہمت لگائی تھی یہاں تک کہ حضرت زکریا کو اسی تہمت کی آڑ اور بہانے سے قتل کیا گیا۔ نیز مریم کا فرمانا۔ لَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ وَلَمْ أَكُ بَغِيًّا۔ اور قوم کا یہ کہنا کہ يَا مَرْيَمُ لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا فَرِيًّا۔ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا۔ یہ سب باتیں تہمتِ زنا کو ہی ثابت کر رہی ہیں بَغِيًّا کا معنیٰ فاحشہ اور زانیہ ہی ہوتا ہے۔ چھٹی وجہ یہ کہ رخصتی سے پہلے خاوند کا اپنی بیوی سے صحبت کر لینا اور حمل قائم کر دینا نہ شرعاً جرم ہے نہ قانوناً اور نہ ہی کسی دور میں روا جاً ممنوع رہا اور اگر اس دور میں یہ معیوب اور قابلِ عتاب تھا بھی تو یوسف نجار کو برا بھلا کہا جاتا اس کو تو کچھ بھی نہ کہا گیا بے بس اور خاوند والی عورت کے پیچھے ہاتھ جھاڑ کر پڑ گئے۔ ساتویں وجہ یہ کہ قوم نے مریم کو تہمت زنا کے باوجود سنگسار کیوں نہ کیا اس کا ایک سبب یہ کہ حضرت مریم کنواری تھیں اور کنواری زانیہ اور کنوارے زانی کو شرعاً سنگسار نہیں کیا جاتا شادی شدہ اگر زنا کرے تو زانی مزنیہ دونوں کو سنگسار کیا جاتا ہے دوم سبب یہ کہ زنا کے لیے ہر شریعت میں معتبر چار گواہ چاہئیں جو نہایت صاف صاف چشم دید گواہی دیں یہاں تو کوئی بھی موقعہ کا گواہ نہ تھا سوم یہ کہ شریعت کی حد لگانا حکومت کی عدالت کا قانونی عمل ہے

یہاں اس وقت کوئی بھی قانون کچہری نہ تھی چہارم یہ کہ حضرت مسیح کی گفتگو سے کچھ لوگ مرعوب اور کچھ تائب ہو کر حضرت مریم کی پاک دامنی کے قائل ہو چکے تھے۔ ششم یہ کہ حضرت مریم کو برا کہنے والے بعض جذباتی لوگوں نے آپ کو پتھر یا ڈنڈہ مارنے کی کوشش کی تو وہ خود گر کر تڑپ تڑپ کر مر گئے جس سے قوم میں دہشت پھیل گئی اور ڈر گئے ان تمام کیفیات وحالات سے ثابت ہو رہا ہے کہ حضرت مریم کا کوئی بھی خاوند یا منگیتر نہ تھا۔ نہ کوئی یوسف نجار نامی شخص اُس وقت اُس زمانے میں تھیں تھا یہ صرف عیسائیوں اور نیچریوں کی تخیلاتی بناوٹ ہے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ پانچواں اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا إِدًّا ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اِتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ کا عقیدہ شرک ہے اس لیے اس قول کو اِدًّا فرمایا گیا۔ تفسیروں میں اس سے توحید باری تعالیٰ کی مخالفت ثابت کی گئی ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے ابنیت کا دعویٰ کیا وہ مشرک ہیں حالانکہ ولدیت سے کسی طرح بھی شرک ثابت نہیں ہوتا یہ صرف کفر ہے۔ حقیقتاً یا حکماً شرک نہیں۔ حقیقتاً تو اس لیے نہیں کہ بیٹا باپ کا زندگی بھر باپ کی ملکیت کا محتاج رہتا ہے شریک یا مالک نہیں ہوتا باپ کے مرنے کے بعد میراث کا مالک ہوتا ہے نیز حدیث پاک میں ہے اَنْتَ وَمَالُكَ لِاَبِيْكَ یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس سے بھی ثابت ہوا کہ بیٹا شریک نہیں بلکہ ملکیت ہے تو اس حدیث پاک کے فرمان سے ابنیت اور ملکیت جمع بھی ہو گئی اور فقہ کا وہ قانون ٹوٹ گیا اور پھر وَلَدْ موجودات میں سے ہے اور موجودات سے خالقیت قادریت عالمیت حکمیت ثابت ہوتی ہے اور عمل صالح و تقوے سے علم و حکمت پر دلالت ہے لیکن اولاد ہونا وحدانیت کا مخالف نہیں نہ مخالفت کی کوئی وجہ چاہیے تھا کہ عقیدۂ وَلَدْ والوں کو مشرک نہ کہا جاتا بلکہ ایسے عقیدے والوں کو خالقیت اور قدرتِ حکمت کا فقط منکر و کافر کہا جاتا۔ جواب۔ ولدیت کا عقیدہ واقعتاً شرک ہے اور عیسائی یہودی وغیرہ حقیقتاً مشرک ہیں اس لیے بیٹا و اولاد باپ کے مشابہ ہوتا ہے ملکیت میں نہ سہی مگر شکل صورت اصلاً نسلاً عظمت و شان وجاہت نسبت مثلیت میں مشابہت پائی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ جَلَّ وعلیٰ کی شان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۔ یعنی رب تعالیٰ شان و رفعت و عظمت میں بے مثل ہے اُس کے مشابہ کوئی کسی بھی نعمت قدرت میں نہیں اور جو مشابہ ہو وہ مشابہ میں اُس کے شریک ہوتا ہے اس لیے ولدیت و ابنیت کا عقیدہ مشرکانہ ہوا نیز حدیثِ مذکورہ کا معنیٰ حقیقی ملکیت نہیں بلکہ حقوقِ خدمت کی ملکیت مراد ہے اَنْتَ وَمَالُكَ سے مراد ہے کہ تو اپنے والد کا نوکر ہے نہ کہ غلام

اور تیرا مال والد بغیر اجازت کے استعمال اور خرچ کر سکتا ہے۔ چھٹا اعتراض یہاں مَا یَنْبَغِی لِلرَّحْمٰنِ
کو علت بنایا گیا تَکَادُ کی علت تو مِنْهُ سے ثابت ہے یعنی وَلَدًا کا عقیدہ بنانا تو پھر یہاں دوبارہ
کیوں علت بنائی گئی جواب۔ (مَا یَنْبَغِی الخ) کہ تَکَادُ کی علت نہیں بلکہ یَتَفَطَّرْنَ اور تَخِرُّ ، وَهَدًّا
کی علت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ۔ لَقَدْ جِئْتُمْ شَیْئًا اِدًّا ۔ تَکَادُ السَّمٰوٰتُ
یَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۔ اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ۔

کفار نے اللہ تعالیٰ کی تین گستاخیاں کہیں اول نسبت اولاد کی دوم نفی قدرتِ الٰہی کی کہ رب قدیر
کسی کو دوبارہ زندہ نہیں کر سکتا سوم شرک کی۔ کہ جھوٹے معبود اور بناوٹی اولاد اس کے شریک
ہیں توحید نور ہے اسی کا اقرار اس کی روشنی ہے شرک وانکار نار ہے توحید جب حقائق سے
متجلی یعنی ظہور نور ہو تو ایمانِ تجرید ظاہر ہوتا ہے جس سے نفی زوجہ ہوئی۔ اور توحید جب معانی
سے حاصل ہو تو تفریدِ الٰہی ثابت ہوتی ہے تفرید الٰہی سرِ اعلیٰ کی صفت ہے جو اس دنیا میں صرف
عارفین کو معلوم ہوتی ہے اور قیامت میں سب کو معلوم ہو جائے گی مگر اس دنیا کا ہر عمل و علم
چونکہ بندے کا اختیاری ہے اس لیے مقبول اور پسندیدہ اور باعثِ ثواب وانعام ہے
آخرت کا علم اضطراری ہے لہٰذا مردود ہے عالمِ دنیا میں صفتِ رحمانیت کی جلوہ گری ہے اسی
لیے مولیٰ جل وعلیٰ نے اپنی صفت رحمانی کے صدقے میں سرکشانِ کفر و ضلالت کو مہلت دی
ہے کہ یہ اس طرح نفس و فسون سے قالبِ بدنی میں جمتُ شیطانیت مچا رہے ہیں ورنہ صفتِ
قہریت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کفران و طغیان پر ان کو مٹا دیا جاتا اہلِ تصوف کے نزدیک
قالبِ افعال میں سب سے بڑا شیطانی وسوسہ کفر یہ ہے کہ خالق مالک جل وعلیٰ کے لیے اولاد
کا شوشہ چھوڑا حالانکہ آسمان و زمین کی تمام شخصیات کا اپنا نہ کوئی وجود ہے نہ کمال اس لیے کہ
کائنات کا مدار ممکنات پر ہے اور سب امکان ہست و نیست میں ہیں ان کے وجود و کمال
کا فیض صرف اسم رحمٰن سے ہے کیونکہ وہ تمام تی نفسہم کچھ بھی نہیں پس اگر وہ اپنے دور عدم
میں استعدادِ حقائق کے مطابق قَالُوا بَلٰی کی عبادت حقیقی حق کے مناسب نہ کرتے تو وجود ہستی
و شکلِ بدنی نہ پاتے اسی طرح تخلیق وجود و شکل کے بعد یہ تمام لوگ رب تعالیٰ کی ان نعمتوں
کے حقوق کو جو اللہ کریم نے ان پر انعام فرمائیں قائم کرنے کی عبادت نہ کریں تو وہ کامل و مکمل
نہ ہوں گے یعنی عالمِ ارواح کی عبادت یہ ہے کہ کائنات انسانیت کو وجود ہستی نصیب ہوا

اور اگر بندہ کمالِ انسانیت سے سرفراز ہونا چاہتا ہے تو اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا۔ کا مظہر اتم بن کر بندۂ بے دام بن کر رہے جب یہ ثابت ہے کہ سب بارگاہِ قدس کے عبد مخلوق و مربوب محتاج عجز و نیاز ہیں اور رلّی قہر و مَلَکۂ استعداد میں مقہور و عبد عاجز ہیں تو سمجھ لو کہ وَمَا یَنْبَغِیْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ یَّتَّخِذَ وَلَدًا۔ بندۂ محتاج کو ولد کس طرح بنایا جاسکتا ہے۔ اِنْ كُلُّ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِی الرَّحْمٰنِ عَبْدًا تمام ہی آسمانوں زمین کی شخصیات حضورِ بارگاہِ رحمٰن میں طوعًا و کرھًا عبد و مربوب ہیں۔ لَقَدْ اَحْصٰهُمْ ازل میں ان تمام کی عیون و حقیقت کو استعدادِ ازلیہ کا قائمہ قویۃ عطا فرما کر اپنے فیض اقدس اور تعیین علمی کے ذریعہ گنتی کر رکھی ہے وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔ اور عالم موجودات میں بھی کائناتِ سماوات و الارض کی تمام شخصیات کے نیست و ہست کے حادثاتی نشانات گن رکھے ہیں۔ ان شخصیات کی اپنی ذاتی حیثیت کوئی حقیقت نہیں یہ فقط معلومہ صورتیں ہیں جو عدم میں مخفی اُس کریم جلّ مجدہٗ کی عالمیت کے طفیل ظاہر ہوگئیں ہیں۔ اور اُس کی رحمانیت کے طفیل سے ہی بروزِ ظہور وجود ہوگیا۔ تو کیونکہ عبد و معبود میں مماثلت اور تناسب ہوسکتا ہے اور جب کسی بھی طرح مماثلت نہیں تو ولدیت کیسے ممکن بس ثابت ہوا کہ سب کائنات میں عبدیت ہی عبدیت ہے مشربِ صوفیا میں لَقَدْ اَحْصٰهُمْ عالمِ عدم کی گنتی ہے اور وَعَدَّهُمْ عَدًّا۔ عالمِ وجود کی گنتی ہے۔ اور یہ نغویاتِ کفریہ اُس وقت سے شروع ہے جب ابلیس نے تخلیقِ آدم کے وقت قلبِ آدم کی طرف جانے کی کوشش کی تو اُس کو کہا گیا کہ یہ راستہ تیرے لیے ممنوع ہے۔ البتہ تجھے نفس کی نالیوں اور رگوں کی طرف راستہ مل سکتا ہے جو نفس کے حدود میں قلب سے ملی ہوئی ہیں جب تو ان رگوں سے داخل ہوگا تو تنگ راستے کی وجہ سے تجھ پر عرق ریز مصائب آئیں گے جن اجسام میں نفسِ رذیلہ کے یہ راستے قلب سے جڑے ہوئے ہیں اُن دلوں پر تو شیاطین کے مختلف طریق سے تسلط کسی پر کفر و شرک کا لیکن جن اجسامِ مبارکہ کو رب تعالیٰ اپنا ولی و محبوب بنانا چاہتا ہے اُن کے قلوب کے باطن سے یہ رگیں اور نفسِ امارہ کے راستے اکھیڑ کر جدا کر دئے جاتے ہیں اُن کے قلوب شیطانی تسلط سے محفوظ ہوجاتے ہیں اسی لیے ان قلوب تک شیطان کی رسائی نہیں ہوتی صحیح معنوں میں اللہ تعالیٰ کا بندہ وہ ہے جو صحیح دل صحیح قلب سے اللہ پر ایمان لاتا ہے اور پاکیزہ و پُر خلوص قلب و خیال سے اُس کے لیے سر بسجود ہوتا ہے۔ کہ دل کی تصدیق و زبان کا اقرار اور اعمالِ اعضاءِ بدنیہ کے نشان والا ایمان ہو۔

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ﴿٩٥﴾ اِنَّ

اور اُن کفار میں سے ہر ایک آنے والا ہے اُس کے پاس قیامت کے دن تنہا، بے شک

اور اُن میں ہر ایک روزِ قیامت اُس کے حضور اکیلا حاضر ہوگا ۔ بے شک

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ

(یقیناً) وہ لوگ جو مومن بنے رہے اور نیک کام ہی کرتے رہے عنقریب ڈال دیتا ہے

وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے عنقریب اُن کے لیے

لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ﴿٩٦﴾ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ

ان سب کو اللہ رحمٰن قلبی وسیع محبت میں بس صرف اس لیے آسان کر دیا ہم نے اس قرآن مجید کو آپکی زبان کے ذریعے

رحمٰن محبت کر دے گا ۔ تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں یوں ہی آسان فرمایا

لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا ﴿٩٧﴾

تاکہ بشارت دیں آپ متقیوں کو اس کے ذریعے اور ڈرائیں آپ اس کے ذریعے اکھاڑ قوم کو

کہ تم اس سے ڈر والوں کو خوش خبری دو اور جھگڑالو لوگوں کو اس سے ڈر سناؤ

وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ؕ هَلْ تُحِسُّ

اور بہت سی بستیاں فنا کر دیں ہم نے بستیوں میں سے کیا تم کچھ بھی پتہ لگا سکتے ہو ۔

اور ہم نے ان سے پہلے کتنی سنگتیں کھپائیں کیا تم اُن میں کسی کو

مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ﴿٩٨﴾ ع

ان میں سے کسی کا یا کبھی سنتے ہو تم اُن کی کچھ آہٹ سرسراہٹ

دیکھتے ہو یا اُن کی بھنک سنتے ہو ۔

ع ۶ ۹

تعلقات اِن آیات کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے سب کی گنتی کر رکھی ہے۔ اَب اِن آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ وہ سب اکیلے اکیلے قیامت میں ہمارے پاس آئیں گے ایک بھی اس گنتی کے مطابق کم نہ ہو گا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت یعنی غضب کا ذکر ہوا اور اُن لوگوں کا تذکرہ ہے جن پر رب تعالیٰ کا غضب ہے اَب اِن آیات میں اللہ تعالیٰ کی دوسری صفت یعنی محبت اور محبت کے لائق لوگوں کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں موجودہ نافرمانوں کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں پہلے زمانوں کے ہلاک شدہ نافرمانوں کا تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

شانِ نزول امام ابن جریر رضؓ نے بروایت عبدالرحمٰن بن عوف رضؓ بیان فرمایا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ شریف سے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی تو آپ فراقِ صحابہ سے ملول و غمگین ہوئے خاص کر حضرت شیبہ رضؓ و عتبہ کی یاد سے، تب یہ آیت ۹۶ نازل ہوئی (امام سیوطی) سورۃ مریم کی صرف یہ تین آیتیں علیحدہ علیحدہ نازل ہوئیں باقی تمام سورت بیک دم نازل ہوئی تفسیر معانی میں ہے کہ ایک صحابی نے آکر عرض کی یارسول اللہ آج رات میرا نکاح و شادی ہو گئی۔ تو آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مبارک دیتے ہوئے فرمایا کہ آج رات ہی ہم پر سورۃِ مریم نازل ہوئی ہے۔

تفسیر نحوی وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا. اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا. فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۔ واؤ سر جملہ۔ کُلّ اسم تاکیدی علم نحو میں اسماءِ تاکیدی کل نو عدد ہیں ۱ نَفْسٌ ۲ عَیْنٌ ۳ کِلَا ۴ کِلْتَا ۵ کُلٌّ ۶ اَجْمَعُ ۷ اَکْتَعُ ۸ اَبْتَعُ ۹ اَبْصَعُ ھُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کیونکہ مضاف الیہ ہے اس کا مرجع مجرمین کفار یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اٰتِیْ اسم فاعل ھُوَ ضمیر واحد مذکر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مفعول بہ مضاف الیہ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ دراصل ہے عِنْدَہٗ۔ اُس کے پاس اُس کی بارگاہ میں یَوْم اسم زمانی بمعنی دِن مضاف ہے اَلْقِیٰمَۃ اسم مفرد عَلَم ہے آخری زمانے کا۔ یہ مصدر ہے آخر میں تاءِ مصدریہ ہے قَوْمٌ مصدر ثلاثی مجرد سے قِیَامٌ مصدر ثلاثی مزید فیہ بنایا گیا۔ بروزنِ فِعَالٌ کِتَابٌ قِیَامٌ قِتَالٌ۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے اٰتِی کا۔ فَرْدًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی اکیلا تنہا یہ حال ہے اٰتِیْ کے فاعل کا۔ اٰتِیْ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ

بالفعل اَلَّذِیۡنَ ۔ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوۡا ۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اِس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دینِ اسلام قبول کرنا ۔ اَمْنٌ کا ف کلمہ ہمزہ تخفیف (ہلکا پن اور آسانی) کے لیے یٰ سے بدل جاتا ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیۡنَ ہے یہ فاعل ہے اٰمَنُوۡا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوۡا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھم پوشیدہ فاعل الصّٰلِحٰتِ اسم معرف باللام جمع مؤنث سالم مؤنث لفظی ہے نہ کہ حقیقی اس کا واحد ہے صَالِحَۃٌ بمعنیٰ نیک کام یہ مفعول بہ ہے عَمِلُوۡا فعل فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا ۔ دونوں مل کر صلہ ہوا ہ موصول صلہ مل کر اسمِ اِنَّ ۔ سَ حرف تقریبی یَجْعَلُ ۔ باب فتح کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب ۔ لام نفع کا ھُمْ ضمیر متصل کا مرجع اَلَّذِیۡنَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے الرحمٰن صفاتی نام پاک باری تعالیٰ یہ خصوصی صفت ہے اس لیے کسی مخلوق کو یہ لفظ عَلَمًا یا صفتًا نہیں دے سکتے ۔ اس سورۃ مبارکہ میں باری تعالیٰ کے اسماء پاک میں سے ذاتی اسم اعظم شریف لفظ اللہ آٹھ جگہ آیا اور لفظ رَبّ بائیس جگہ اور لفظ رحمٰن سولہ جگہ ۔ یہاں لفظ فاعل ہے یَجْعَلُ کا ۔ وُدًّا ۔ اسم مصدر حامل مصدر یا مادہ اس پر تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑی عظیم محبت مراد ہے محبت کا خزانہ جو ہر مومن کے دل میں تمام جنت کے اندر ہی نو بہاری کی طرح کھلا ہو گا لفظ وُدًّا کی چار قرأتیں ہیں را بھی وُدًّا ، وِدًّا ، وَدًّا ، وِدَادًا یہ مفعول بہ یا مفعول لہٗ ہے اس کا مصدر میمی مَوَدَّۃٌ ہے بمعنیٰ محبت والا سلوک کرنا ۔ یَجْعَلُ ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ ف عاطفہ اِنَّمَا اسم حصری ۔ مجموعہ ہے اِنَّ حرفِ مشبہ اور مَا حرف کافہ کا بمعنیٰ فقط یَسَّرْنَا باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم یُسْرٌ سے بنا ہے ۔ اس کا مصدر تیسیرٌ بمعنیٰ آسان کرنا یہ باب تفعیل میں اگر متعدی یہ یک مفعول ہوا ہے ۔ مادہ اصلًا لازم ہے بمعنیٰ آسان ہونا ۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم صیغے میں پوشیدہ اس کا مرجع ہے باری تعالیٰ ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع ذہنی ہے قرآن مجید بِ جارہ سببیہ یا بمعنیٰ علیٰ فوقیت ظرف مکانی ۔ لِسَانٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ لغت ۔ قوتِ گویائی لہجہ ، اخلاق ، شہرت ۔ جسمانی زبان یہاں یہی مراد ہے یعنی پڑھنا ادا کرنا اس کی جمع ہے اَلْسِنَۃٌ ۔ اُلْسُنٌ ۔ لُسْنٌ بہت باتونی کو لَسَّان کہا جاتا ہے ۔ مضاف ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یَسَّرْنَا کا ۔ لِتُبَشِّرَ ۔ لام کَے بمعنیٰ تاکہ ۔ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے جو مضارع کو فتحہ دیتا ہے ۔ اور اپنے مابعد جملے کو اپنے

ماقبل کی علت بنا دیتا ہے۔ تُبَشِّرَ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل اور مرجع ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنی خوش خبری دینا۔ بُشْرٌ سے بنا ہے بمعنی خوش خبری دینا۔ لینا۔ یہ مادہ اصلاً متعدی ہے اس لیے لازم کبھی نہیں بنایا جا سکتا۔ خیال رہے کہ لازم کو تو دوسرے ابواب میں لا کر متعدی کیا جا سکتا ہے مگر متعدی کو کسی طرح سے بھی لازم نہیں کیا جا سکتا۔ بِ جار سَبَبِیَّہ بمعنی ذریعے۔ ہٖ ضمیر مرجع قرآن مجید جار مجرور متعلق ہے اَلْمُتَّقِیْنَ مفعول بہ ہے تُبَشِّرَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تُنْذِرَ باب افعال کے مضارع واحد مذکر حاضر نَذْرٌ سے بنا ہے بمعنی ڈرانا باب افعال میں آکر بھی متعدی ہے مصدر ہے اِنْذَارٌ۔ خطاب پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے بِہٖ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ یہاں بھی بِ سببیہ ہے قَوْمًا اسم مفرد معناً جمع موصوف ہے۔ لُدًّا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فُعْلًا۔ لُدًّا اس کا مؤنث لُدَّۃٌ بروزنِ قُوَّۃٌ لغوی ترجمہ ہے اکڑا ہوا جسم۔ مردہ اکڑا ہوا سؤر کی گردن مڑ نہیں سکتی اس لیے اس کو لدید کہا جاتا ہے سؤر ہمیشہ پورا گھوم کر مڑ سکتا ہے بیماری سے گردن اکڑ جانا اَلَدُّ اسم تفضیل مذکر سے کہلاتی ہے۔ یہاں مراد ہے سخت جھگڑالو کج بحثی کرنے والا۔ جاہل باتونی۔ جس کو کوئی منا نہ سکے۔ شکست نہ ماننے والا خواہ مخواہ گھس نکل جائے۔ یہ صفت ہے قومًا لفظِ قوم چونکہ لفظاً واحد ہے اس لیے لُدًّا واحد مذکر اس کی صفت بن گیا۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے تُنْذِرَ کا۔ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں ملف مل کر علت ہوئی یَسَّرْنَا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ واؤ مرجلہ کَمْ۔ اسم مقداری خبریہ یہ اسماءِ کنایات میں سے ہے اسماءِ کنایہ وہ جس میں ابہام ہو اگر عددی ابہام (پوشیدگی) ہو تو اس کے لیے کَمْ اور کَذَا ہے اگر بات کی پوشیدگی ہو تو اس کے لیے کَیْتَ اور ذَیْتَ کَمْ دو قسم کا ہے ۱) استفہام (سوالیہ) بمعنی کتنے کتنا ۲) کَمْ خبریہ بمعنی اتنے۔ اتنا۔ یہ ہر صورت میں مبہم ہوتا ہے اس کی تمیز بعد میں کبھی ظاہر اور کبھی پوشیدہ کر دی جاتی ہے جب کہ کوئی قرینہ (نشانی) موجود ہو۔ کَمْ سوالیہ کی تمیز ظاہر ہمیشہ مفرد منصوب ہوتی ہے اور کَمْ خبریہ کی تمیز ظاہر مفرد مجرور ہوتی ہے کیونکہ مضاف الیہ کے درجہ میں ہے کبھی جمع بھی ہوتی ہے لیکن اگر ان دو میں سے کسی تمیز پر حرف جر مِنْ آجائے تو مجرور ہوتی ہے۔ اور خود لفظِ کَمْ (دونوں قسم کا) کبھی منصوب جب کہ اس کے بعد فعل ہو اور اسی پر عمل کر رہا ہو تو مفعول بہ ہونے کی وجہ سے۔ کبھی مجرور۔ جب کہ

اس سے پہلے مِنْ یا عَلٰی حرفِ جر آجائے اور کبھی مرفوع جب کہ اس سے پہلے کوئی جار نہ ہو اور بعد میں کوئی فعل اس پر عمل نہ کرتا ہو۔ یہاں کَمْ خبریہ خود تو منصوب ہے اَهْلَكْنَا کی وجہ سے یہاں اس کی تمیز پوشیدہ ہے دراصل تھا کَمْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنَا۔ اس کا قرینہ اگلا مِّنْ قَرْنٍ ہے۔ ممیّز تمیز مفعول بہ مقدم ہے۔ اَهْلَكْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی جمع متکلم۔ ترجمہ ہے فنا کردیا ہم نے۔ هُلْكٌ مادہ اور اِهْلَاكٌ مصدر ہے قَبْلَهُمْ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ کے لیے۔ قَرْنٍ بمعنی بستی علاقہ۔ مراد ہے علاقے کے لوگ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ قَرْنٍ ذوالحال ہے اور اگلی عبارت حال ہے هَلْ حرفِ استفہام چار قسم کا ہوتا ہے (۱) سوال برائے نفی یعنی ایسا نہیں ہے یہاں اسی معنی میں ہے (۲) استفہام تقریری برائے تصدیق ایجابی یعنی ایسا ہے (۳) استفہام حقیقی کے لیے یعنی سوالِ محض کے لیے (۴) هَلْ بمعنی قَدْ مثال (۱) کیا تم کسی قبر کی آواز سنتے ہو یعنی نہیں سنتے (۲) کیا اللہ تعالیٰ سچا معبود ہے یعنی وہ سچا ہی ہے (۳) کیا فلاں شخص آگیا یہ فقط سوال ہی ہے یعنی مجھ کو پتہ نہیں مجھ کو بتاؤ (۴) کیا ایسا نہیں ہے کہ کل جمعہ تھا یعنی بے شک کل جمعہ تھا۔ تُحِسُّ بابِ افعال کا فعل مضارع حال واحد مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِحْسَاسٌ حِسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ یعنی جسم سے چھو جانا مراد ہے ظاہری یا باطنی یعنی یا فہمی طور پر کسی چیز کا پتہ لگ جانا۔ یہاں کسی کی فنا کے بعد موجودگی مقصود ہے۔ بعض لوگوں نے کہا هَلْ مضارع کو ہمیشہ مستقبل کے معنی میں کردیتا ہے مگر یہ غلط ہے کلیہ نہیں۔ اَنْتَ اس میں فاعل پوشیدہ ہے مرجع ہر انسان مِنْهُمْ مِنْ تبعیضیہ ہے کا ھُمْ کا مرجع اَہْلِ قریہ ہیں یہ جار مجرور متعلق اول مِنْ اَحَدٍ مِنْ زائدہ اَحَدٍ اسم نکرہ غیر معین بمعنی کسی یہ جار مجرور متعلق دوم۔ تُحِسُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف اختیاری بمعنی یا۔ تَسْمَعُ۔ بابِ سَمِعَ کا مضارع واحد مذکر حاضر اَنْتَ فاعل پوشیدہ لام جارہ زائدہ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ رِكْزًا۔ اسم نکرہ حاصل مصدر جامد بمعنی خفیف آواز۔ بھنک موجودگی کا شائبہ۔ نشان کھٹکا۔ یہاں رِ معنی درست ہے کانوں یا حواسِ باطنی سے سننا مراد ہے مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ تُحِسُّ کا۔ دونوں عطف مل کر حال ہے قَرْنٍ کا۔ وہ پھر دونوں متعلق ہے اَهْلَكْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ۔ فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ

بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا - اور یہ تمام ہر قسم کے کافر اُس خالق مالک رازق اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ جلال وغضب میں ہر چیز سے علیحدہ ہو کر بیکس و بے بس تن تنہا حاضر ہوں گے کسی کی محبت مودّت شفقت اُن کے ساتھ نہ ہو گی۔ ہاں البتہ بے شک وہ خوش نصیب جو اللہ رسول پر صدقِ دلی سے ایمان لائے اور اعمالِ صالحہ بھی پورے پورے صحیح طریقے موقعہ محل پر کئے عنقریب دنیا میں بھی اور آخرت قبر و حشر اور جنت میں بھی ان کے لیے اُن کا رحمٰن عالمین کے دلوں میں اُن کے لیے محبت و ادب احترام و شفقت کا عظیم خزانۂ ابدی قائم فرما دے گا۔ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں تقریباً ہر جگہ ہی ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کا ذکر ضرور فرمایا۔ اس کی چند وجوہ ہیں اوّل یہ کہ ایمان کے ساتھ اعمالِ صالحہ کی اس لیے ضرورت ہے کہ ایمان درخت ہے اعمال اُس کے پھل دوم اس لیے کہ اعمال فاسق و صالح کے درمیان نشانِ فاصل ہے فُسّاق اعمال سے گھبراتے ہیں صُلحاء اعمالِ خیر سے خوش ہوتے ہیں سوم اعمالِ صالحہ ایمان کی نشانی ہیں چہارم یہ کہ ایمان باطن ہے جو نظر نہیں آتا۔ اعمال ظاہر ہیں جو نظر آتے ہیں اس لیے ایمان کے ثبوت کے لیے اعمالِ صالحہ ضروری ہیں پنجم دنیا کے صرف سچے اور آسمانی الٰہی دینوں یعنی اسلام اور سابقین انبیاء کرام علیہم السّلام کے دینوں نے ہی اعمالِ صالحہ پر زور دیا ہے دنیوی ساختہ دینوں نے اعمالِ صالحہ پر نہ زور دیا نہ اہمیت بتائی نہ تفصیل نہ ترتیب نہ کوئی ضابطہ نہ اصول و قوانین بتائے اللہ تعالیٰ کے دینوں کی یہ خصوصی شان ہے کہ انہوں نے اعمالِ صالحہ کی تفصیل و ترتیب اصول و قواعد بتائے اور خاص اہتمام سے بیان فرمائے اس کا ہی نام شریعت ہے ششم یہ کہ جہنم سے مکمل روکنے کا واحد ذریعہ صرف اعمالِ صالحہ ہیں ہفتم یہ کہ ایمان سے جسم کی بناوٹ ہے اور اعمالِ صالحہ سے اُس جسم کی چمک دمک اور سجاوٹ خوب صورتی پاکیزگی بنتی ہے۔ اور ہمیشہ خوب صورت و پاکیزہ چیزیں ہی پسندیدہ و مقبول ہوتی ہے نہ کہ بدصورت اور گندی بھونڈی چیزیں۔ ہشتم یہ کہ سچا ایمان مضبوط دھات کے برتن کی مثل ہے جو کبھی نہ ٹوٹے ایمان کا برتن جب دین کی بھٹی سے نکالا گیا تو اعمالِ صالحہ کی سان پر چڑھا کر اُس کو صاف اور چمکیلا بنانا ضروری ہے اس لیے ایمان کے لیے اعمالِ صالحہ ضروری نہم یہ کہ۔ ایمان کلام اللہ سے حاصل ہوتا ہے اور اعمالِ صالحہ کلامِ رسولُ اللہ سے لہٰذا یہ ضروری ہیں۔ اعمالِ صالحہ کی جامع مانع تعریف یہ ہے کہ وہ کام جو ایمان کے خلاف نہ ہوں اور شریعت کے اصول میں بیٹھے ہوں وہ اعمالِ صالحہ ہیں اگرچہ دنیوی اور دنیا داری کے اعمال ہوں۔ قیامت میں فرداً آنے کا معنیٰ ہے اے محتاجاً اِلٰی رحمۃِ واِعَانَتِہٖ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت اور مدد کے محتاج کو اُس دن قدر ہو گی اللہ کریم کی رحمت کی اور

رحمۃ عالمین کی کلیتم لفظاً واحد ہے معنیٰ جمع ہے جیسے لفظِ قوم۔ اللہ تعالیٰ جب مومن بندے سے محبت فرماتا ہے تو حضرت جبرئیل امین بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر تمام فرشتے پھر زمین والوں کے دلوں میں بھی اُس سے محبت بھر جاتی ہے محبت کی چھ قسمیں ہیں (۱) الفت (۲) پیار (۳) شفقت (۴) ترس (۵) رزق حسن (۶) لسانِ صدق۔ عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے تھے کہ ہر وہ بندہ جو اعمالِ خیر میں مشغول رہے اور اعمالِ شر سے بچتا رہے تو مولیٰ تعالیٰ اُس کو اُس کے اعمالِ صالحہ کی چادر اُڑھا دیتا ہے اور وہ محفوظین میں شامل ہو جاتا ہے ایمان اور نیت خیر اعمالِ قلب ہے اور اعضاءِ انسانی کے اعمالِ صالحہ عبادات ریاضات خیرات حسنات ہیں سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ یہ آیت جب اُتری تو آقاو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی شیر خدا مشکل کشا کو یہ دعا تلقین فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِّيْ عِنْدَكَ وُدًّا وَّاجْعَلْ لِّيْ فِيْ صُدُوْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَوَدَّةً۔

ہر نماز کے بعد تین بار پڑھو اس پڑھنے کی برکت سے تا قیامت ہر مومن مسلمان مولیٰ علی سے محبت کرتا رہے گا یہ آیت ہر مومن کے لیے تا قیامت نازل ہوئی متقین وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور تمام رسولوں پر ایمان لائیں اپنے نبی کی سچی پکی مضبوط اُمت بن جائیں اور جو کچھ انبیاء کرام علیہم السلام لائیں فرمائیں اور حکم دیں اُس کی تصدیق کریں اُن کے حلال کو حلال اُن کے حرام کردہ کو حرام سمجھیں تا قیامت کسی چیز میں اپنی رائے اپنے دور اپنے رسم و رواج کو دخل نہ دیں تب وہ اللہ تعالیٰ کی محبت پائیں گے۔ یہ محبت الٰہی کی ہی نشانی ہے کہ ہم نے اس کلامِ ازلی و قدیمی قرآن مجید کو اے حبیبِ مکرم محمد محترم و محتشم آپ کی زبانِ علم چشمۂ حکمت کی وجہ سے تمام انسانوں پر آسان فرما دیا کسی پر اس کا تذکرہ آسان فرمایا کسی پر اس کا تدبر کسی پر اس کا تفکر کسی پر اس کا تفقہ کسی پر اس کا تعقل کسی پر اس کا اجتہاد کسی پر اس کا قیاس کسی پر اس کا تصوف کسی پر اس کا تعمق اور کسی پر اس کی شریعت کسی پر اس کی طریقت کسی پر اس کے اسرار کسی پر اس کے رموز کسی پر عبارات کسی پر اس کے اشارات آسان فرما دیئے تاکہ آسانی کی وجہ سے آپ اے حبیب کریم رؤف و رحیم متقین آستانہ کو رضاءِ ربانی اور فلاحِ ایمانی کے سدا بہار غنچوں کلیوں پھولوں کی خوش خبریاں اور بشارتیں سنائیں اور بے عقلوں، کج بحثوں، جھگڑالو، ظلمت والوں، فاجروں۔ فاسقوں منکروں، کافروں گونگوں بہروں اندھوں۔ بد دماغوں۔ ٹیڑھے دلوں والوں، بری نیت مردہ ضمیروں کو آخرت کی دہشت وحشت ظلمت نفرت کدورت سے ڈرائیں۔ وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ ۔ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ سنائیں بتائیں کہ ان سے پہلے اس

قسم کی کتنی ہی اوندھی عقل والوں خوش حال زمانے اور مضبوط کرسیوں والی قوموں حکومتوں سلطنتوں اور قبیلوں کو ہم نے ہلاک فنا برباد و ملیامیٹ کر کے رکھ دیا کہ جن کی قبروں تک کا نشان نہ رہا۔ کیا تم ان سے کسی کے وجود نمود ثبوت کا ذرہ بھر بھی نشان پاتے ہو۔ یا تم کو دیدہ نادیدہ ظاہرًا باطنًا قیاسًا مزًا کچھ بھی ان کا احساس ہوتا ہے۔ یا ان کی کوئی کسی طرف سے کسی قسم کی آہٹ۔ سراسراہٹ سکوتی۔ عمیقی۔ جھمتی۔ رجیبی۔ رفیعہ۔ رفیقہ۔ رقیقہ۔ اشارہ کنایہ۔ خفیہ آہستہ کچھ آواز پاتے ہو نہیں ہرگز نہیں یہ سوال انکاری ہے یعنی اپنے اپنے دور کی ان دندناتی مستاتی رستاتی ظلم کماتی قوم قبیلوں کی کوئی آواز اب باقی نہیں نہ سنائی دیتی ہے۔ نہ شور نہ چرچہ نہ غار نہ مزار نہ زیارت نہ عمارت نہ چراغاں نہ فراغاں نہ کشود نہ نمود۔ مر گئے مردود نہ فاتحہ نہ درود گل کو فنا گل کو فنا باقی نام خدا کی خدائی کا مصطفی کی مصطفائی کا نیکوں کی کمائی کا۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ: مسلمانوں کے لیے سب سے بڑی نعمت اللہ کی محبت ہے مگر اس کا حصول بذریعہ اعمالِ صالحہ ہوتا ہے اور اعمال صالحہ صرف دو چیزوں کا نام ہے (۱) سیرتِ مصطفی (۲) صورتِ مصطفی یعنی مومن کا ظاہر صورتِ مصطفی ہو اور مومن کا باطن سیرتِ مصطفی ہو مسلمانوں کو چاہیے کہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم علیہ وسلم کو راضی کرنے کے لیے اعمالِ صالحہ کرے اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نبی کریم کو راضی و خوش رکھے یہ فائدہ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا۔ میں سین حرفِ تقریب فرمانے سے حاصل ہوا کہ ایمان و اعمال کے بعد رب تعالیٰ کی محبوبیت اور وُدًّا۔ ملے گی۔ انسان کی زندگی دو قسم کی ہے۔ ایک سونے کی اور ایک جاگنے کی ہر انسان اپنے جاگنے میں بائیس کام کرتا ہے۔ (۱) کھانا (۲) پینا (۳) چلنا (۴) پھرنا (۵) تجارت (۶) امارت (۷) امامت (۸) حکومت (۹) شادی (۱۰) بیاہ (۱۱) تربیت (۱۲) پرورش (۱۳) ملازمت (۱۴) مزدوری (۱۵) عدالت (۱۶) دیانت (۱۷) عبادت (۱۸) ریاضت (۱۹) محنت (۲۰) مشقت (۲۱) خلوت (۲۲) جلوت۔ علامہ احمد حسن نوری فرماتے ہیں کہ مومن و کافر میں فرق یہ ہوتا ہے کہ مردِ مومن جب بھی کوئی دین یا دنیا کا کام کرتا ہے تو کام بندے کا ہوتا ہے مگر اس پر نقشہ مصطفی کا ہوتا ہے اسی لیے اس کا ہر کام رب تعالیٰ کی عبادت بن جاتا ہے لیکن کافر کے ہر کام میں نقشہ شیطان کا ہوتا ہے اس لیے اس کی عبادت و اچھائیاں بھی جہنمی ہیں۔ دوسرا فائدہ: آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام قرآن مجید کے ہر ہر لفظ و حرف کا علم خود باری تعالیٰ نے پڑھایا بتایا سکھایا۔ قرآن کریم میں

رطب و یابس کے تمام علوم و غیوب دقیق و عمیق اسرار و رموز اللہ تعالیٰ نے نبی کریم کو سکھا دیئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے تمام عالمین کو آپ نے قرآن سکھایا یہ فائدہ، یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ اور لِتُبَشِّرَ بِهِ سے حاصل ہوا۔ اگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم نہ سکھاتے تو کسی کو قرآن مجید نہ آتا تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشیر نذیر اور ہادی صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں قرآن کریم بشارت ونذارت اور ہدایت کا سرچشمہ اور ذریعہ ہے ہادی و بشیر و نذیر نہیں ہے یہ فائدہ لِتُبَشِّرَ اور لِتُنْذِرَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا اسی لیے کوئی بھی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے علیحدہ ہو کر فقط قرآن مجید سے ہدایت نہیں پاسکتا۔

اَحکامُ القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلمانوں کو اپنی زندگی اور زندگی کی سانسوں گھڑیوں ساعتوں کی قدر کرنی چاہیئے زیادہ سے زیادہ نیکی پھیلانے کی کوشش کرنی چاہیئے ہر اچھی ایمانی اسلامی بات لوگوں تک پہنچا دو سنا دو بتا دو خواہ کسی کو اچھی لگے یا بری۔ کیا پتہ کس کو کس وقت موت آجائے یہ مسئلہ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ حضرت سعدیؒ نے فرمایا۔

خیرے کُن اے فلاں وغنیمت شمار عمر — زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

دوسرا مسئلہ۔ دنیا کے تمام دنیوی اور دین کی تمام کتابوں میں اسلام اور قرآن مجید شروع سے ہی بہت آسان ہے، اس کے احکام قانون عبادات، ہدایات بہت ہی آسان ہیں اس پر عمل کرنا نہایت سہل ہے۔ یہ آسانیاں نہ پہلے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے دینوں میں تھیں نہ کسی باطل دنیوی دین میں ہیں لہٰذا بعض احمقوں کا کہنا کہ اسلام میں تنگیاں ہیں یا مولویوں نے تنگیاں پیدا کر دی ہیں یا اسلامی سزاؤں حدود و تعزیرات کو معاذ اللہ وحشیانہ سزا کہنا۔ یہ سب باتیں کفریہ گستاخانہ غلطیاں احمقانہ لغزشیں ہیں اسی طرح حقوقِ نسواں یا حقوقِ فلاں حقوقِ فلاں کی آڑ لے کر مزید آزادیوں سہولتوں کے مطالبے شیطانی حرکتیں ہیں۔ اسلام قرآن، حدیث و فقہ میں پہلے ہی اتنے آسان مسائل ہیں کہ اب مزید کسی آسانی و سہولت کی کسی اہل ایمان کے لیے نہ ضرورت ہے نہ گنجائش اسی لیے ایسے بیہودہ شیطانی مطالبے کوئی مومن مسلمان نہیں کرسکتا۔ یہ مسئلہ يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ کسی مسلمان کو اپنے علم پر مغرور نہیں ہونا چاہیئے اس علمیت اور علم کی حصول کو اپنا کمال و محنت کا نتیجہ سمجھنا چاہیئے اس لیے کہ اسلام کے سارے علوم قرآن مجید میں ہیں اور سارا قرآن مجید زبان پاک سے لوگوں کو عطا ہوتا ہے، اسرار و رموز طریقت و معرفت

کے علاوہ ظاہری علوم۔ علم معانی۔ علم تجوید قرأت تلاوت تلفظ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے سب علماء قراء حفاظ کو عطا ہوئے لہٰذا علماء قراء حفاظ کو شکر چاہیئے نہ کہ تکبر یہ مسئلہ بھی فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ انبیاء کرام کو علم غیب نہیں ہوتا نہ وہ کسی پوشیدہ اور غائب چیز کو جانتے ہیں دیکھو رب نے فرمایا۔ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ یعنی اے نبی تم نہیں جانتے کہ وہ کفار مر کر کہاں گئے اور نہ ان کی بھنک اور خبر پاتے ہیں (دیوبندی وہابی چکڑالوی نیچری) **جواب** انسان کی جب عقل ماری جائے تو سیدھی سادی صاف اور آسان بات بھی سمجھ نہیں آتی بلکہ عقل الٹی چلتی ہے۔ یہاں علم نبوت کی نفی نہیں کی جا رہی بلکہ کفار کی میتی اور رفنا کا ذکر ہے مردہ آدمی تو سلامتی بھی پڑا ہو تب بھی نہ اُن میں کچھ حرکت و کروٹ محسوس ہوتی ہے نہ ذرہ بھی اُس کی آواز نکلتی ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ تُحِسُّ اور تَسْمَعُ کا مخاطب فاعل کفار ہیں یعنی اے حبیب کریم ان قوم لُدًّا جھگڑالو ضدی کفار کو ڈراؤ اور بتاؤ کہ ہم نے تم سرکشوں سے پہلے کتنے ہی سرکش ضدی مغرور لوگ ہلاک کر دیئے جن کی قوت طاقت سلطنت دولت کا تمہاری کتابوں تاریخوں میں لکھا ہے اور تم اپنے راہ سفر میں اُن کی اُجڑی بستیاں کھنڈرات دیکھتے ہو لیکن کیا اے موجودہ کافرو تم ان کا وجود کہیں محسوس کرتے ہو یا کہیں سے ان کی سرسراہٹ سنتے ہو؟ سوم جواب یہ کہ اگر فرضاً یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے تو معنی یہ ہے کہ جہاں پر پہلے کبھی جس زمین پر جہاں وہ کفر شرک تکبر اکڑ سرکشی کرتے تھے آپ اُن کا وہاں نام و نشان نہ رہا آوازیں تو درکنار بھنبھناہٹ تک نہیں آتی احساس سے مراد دنیوی موجودگی ہے۔ رہا یہ کہ اب وہ مردہ کفار کہاں اور کس حال میں ہیں تو اس کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے جس کا ثبوت حدیث معراج سے ہے کہ آپ نے جہنم میں دوزخیوں کو دیکھا تھا اور خچر والی حدیث کے حالات قبور بلکہ مُردوں کے تاریخی حقائق کا علم بھی ثابت ہے نیز آپ تو جس خچر پر بیٹھ جائیں اُس کی نگاہوں سے بھی غیب کے پردے اُٹھ جاتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں یَسَّرْنٰهُ کو علت بنایا گیا۔ لِتُبَشِّرَ کی اور معنی یہ ہوا کہ آپ کے لیے صرف اس لیے قرآن آسان کیا گیا تاکہ آپ بشارت دیں اور ڈرائیں اس سے ثابت ہوا کہ قرآن مجید کی صرف وہ آیت آپ کے لیے آسان ہوئیں اور اُن کا علم دیا گیا جو بشارت اور نذارت کی ہیں۔ اور باقی قرآن خاص کر حروفِ مقطعات و متشابہات اور تاویلات و تنبیہات قرآنیہ نہ آسان کی گئیں نہ آپ کو اُن کا علم دیا۔ (دیوبندی وہابی)

جواب۔ یہ اعتراض محض ذہنی اختراع ہے ورنہ یہاں آیتِ پاک میں کوئی ایسا اشارہ بھی نہیں ہے کہ جس سے یہ ثابت ہو کہ بعض قرآن کو آسان کیا گیا اور بعض کو نہیں بلکہ یہاں یَسَّرْنٰہُ میں ہ ضمیر اور سورۂ رحمٰن کی آیت ۲ علم القرآن سے واضح ثابت ہو رہا ہے کہ تمام قرآن مجید اور اس کے ایک ایک حرف کا علم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا گیا اور پورا قرآنِ کریم آپ کے لیے یا آپ کے ذریعہ لوگوں کے لیے آسان کیا گیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ یَسَّرْنٰہُ کے بعد لام تعلیلیہ کیوں آیا؟ تو اس کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ لام تعلیلیہ نہیں بلکہ سببیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اس آسانی کی وجہ سے آپ ہر مومن کو بشارت ہر کافر فاجر کو نذارت کسی پر بھی آپ کی بشارت و نذارت سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی اور اگر لام تعلیلیہ ہو تو دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ علت حصر پیدا نہیں کرتی اور یہ معنیٰ نہیں کہ آسانی صرف بشارت و نذارت کے لیے بلکہ اس یَسَّرْنٰہُ کا اور بھی بہت سے مقاصد جلی وخفی ظاہر و باطن ہیں۔ اور معنیٰ یہ ہے۔ ہم نے پورے قرآن مجید کو آپ کے لیے آسان کر دیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ بشارت اور نذارت بھی دیں اب اعتراض ختم ہو گیا۔ **تیسرا اعتراض** یہاں کُلُّھُمْ سے ثابت ہوتا ہے کہ میدان محشر میں ہر مومن کافر تنہا آئے گا لیکن اسی جگہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور وُدًّا فرمانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اہلِ ایمان اپنے دوستوں پیاروں محبوبوں کے ساتھ آئیں گے یہ تعارض کیوں ہے؟ جواب۔ اس کے تین طرح جواب دیئے گئے ہیں اولاً وہ جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کیا کہ کُلُّھُمْ سے صرف ہر قسم کے کافر اور فاسق مراد ہیں وہی فرداً اور تنہا ننگے خائب و خاسر آئیں گے اور اِنَّ الَّذِیْنَ (الخ) سے مراد مومنین متقین ہیں اُن کا آنا فرداً نہ ہوگا۔ جواب دوم یہ ہے کہ کُلُّھُمْ میں سب کی ابتدائی آمد کا ذکر ہے قبروں سے اُٹھ کر سب مومن کافر تنہا ہی محشر کی طرف آئیں گے۔ لیکن ظہورِ وُدًّا بعد میں ہوگا۔ جواب سوم یہ دیا گیا ہے کہ کُلُّھُمْ کا تعلق آخرت سے ہے اور وُدًّا کا تعلق دنیوی زندگی سے۔ لہٰذا کوئی تعارض نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ لِتُبَشِّرَ بِهِ الْمُتَّقِيْنَ وَتُنْذِرَ بِهٖ قَوْمًا لُّدًّا۔ قالبِ انسانی پر دو جہان کا نفاذ ہے، حیاتِ نفسانی کا عالم اور حیاتِ ایمانی کا جہان حیاتِ نفسانی کے جہانِ رنگ و بو میں بندے کو اختیارِ اعمال و ارادۂ خیر و شر دیا گیا ہے کوئی شرعی جبر دیا ہوا نہیں لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ۔ مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ کی آخرتِ شعوری کا رکھنے والوں کو شریعت طریقت حقیقت و معرفت کی نہر راہا پابندیاں لاحق اور لازم ہیں ان محبوبین مسعودین و

وجبوبین پر اللہ تعالیٰ کی مشیت وارادہ کا تسلط معصومی ومحفوظی ہے اسے قلبِ محمد تجھ پر ہی یہ کلام اسرار وانوار آسان فرمایا کہ زبانِ علم وحکمت پر جو الفاظِ حادث ومتناہی ہیں اُن پر اپنی کمال قدرت سے وہ کلام حقائق ومعارف جاری وسہل ہو گیا جو ازلی قدیمی غیر متناہی ہے یہ ایک بات ہی قلبِ محبوب کا معجزہ اور خالقِ محبوب کی قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔ بندے چار قسم کے ہیں ۱ اربابِ توحید ۲ اربابِ تجدید ۳ اربابِ تفرید ۴ اربابِ شرک ہر بندہ اپنے ایمان وعقیدے کے اعتبار سے قیامت میں فرداً فرداً حاضرِ بارگاہ ہوگا۔ پوچھا جائے گا اے اہل شرک کہاں ہے توحید ایمان توحید کیوں نہ لائے۔ اے اہل توحید کہاں ہے تجرید اے اہل تجرید کہاں ہے تفرید اور اے اہل تفرید کہاں ہے معرفتِ الٰہی کا مقام حیاتِ دنیوی میں اس مقام تک پہنچنے کی کوشش کیوں نہ کی۔ ایمان کا بیج جب قلب میں پڑتا ہے اور اعمالِ صالحہ کا پانی دیا جاتا ہے تو شریعت وطریقت کا شجرِ طیبہ بلند وبالا ہو جاتا ہے اور جب عشق الٰہی محبت مصطفائی کی بہاریں آتی ہیں تو انوار کے پھل پھول لگ جاتے ہیں اور وہ پھل پھول صحبتِ الٰہیہ وذِ ملائکہ مودتِ انبیاء الفتِ مومنین کی مٹھاس خوشبو خوب صورتی اور تروتازگی کی نعمتوں سے معمور ومعطر ہوتا جاتا ہے یہ ہی ہے زینتِ مومن وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هَلْ تُحِسُّ مِنْهُم مِّنْ أَحَدٍ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا ۔ کائناتِ نفسانی کے سرکشو ہم نے تم جیسے مغروروں سے پہلے سے ہی بدبختوں کو تیہِ فراق کی وادیِ محرومی مردودیت کی موت سے ہلاک کر دیا کہ جن کے تذکرہ حسن وخوبی کا رمزِ باطنی اور سراسراہٹِ خفیفہ بھی ناپید ہو گئی۔ دنیا ہو یا آخرت قبر ہو یا حشر اُس کا پھل اُس کے رب کی اجازت سے ہمیشہ ہوتا رہتا ہے محبت کی پانچ قسمیں ہیں ۱ موافقت ۲ میلان ۳ وُد ۴ ھُویٰ ۵ والہانہ۔ موافقت طبیعت سے ہوتی ہے۔ میلان نفس سے۔ وُد قلب سے۔ محبت فوادیعنی قلب کی گہرائی سے۔ ھُویٰ غلبۂ محبت کا نام ہے۔ وَلَہ غلبۂ ھُویٰ کا نام ہے۔ پہلا مقام نورِ محبت دوم نارِ عشق سوم حرارۂ شہوت چہارم بخاراتِ لطیف پنجم نفس کی رقت ششم ھُویٰ کی دقت رباریکی، فاروقِ اعظم نے فرمایا کہ انسانی محبت کی تین نشانیاں ۱ اسلام کرنا ۲ مجالس میں محبوب کا مقام بنانا ۳ اچھے القاب سے ذکر کرنا کسی کا چرچہ راس محبت ہے اور بُرا تذکرہ راسِ عداوت ہے۔ قرآن مجید صفتِ قدیمی غیر متناہی قرءتِ قرآن کو زبانِ مصطفیٰ پر فہمِ قرآن کو عقلِ مصطفیٰ پر درایتِ قرآن کو قلبِ مصطفیٰ پر آسان کیا گیا۔ یہ قرآن نہ کسی زبان حروف والفاظ پر آسان ہو سکتا تھا

نہ کسی دوسرے کے قلب وعقل پر۔ اس لیے کہ تمام حروف لغات وکلمات قلوب وعقل حادث غیر متناہی ہیں وہ مظروفِ قرآنی کے لیے ظرف نہیں بن سکتے تھے مصطفیٰ خود حادث متناہی مگر آپ کی محبوبیت ازلی قدیمی لامحدود کیونکہ صفتِ باریتعالیٰ ہے اس لیے یَتَوَنَّہٗ بلسانِکَ۔ اہلِ بشارت تین قسم کے ہیں ۱ جو ایمان لاکر شرک سے نفرت کریں ۲ جو اطاعت اعمال کرکے فسق سے بچیں ۳ جو توجید تجرید وتفرید کے مقام میں پہنچ کر ماسوا اللہ سے بچیں۔ توحید قال ہے تجرید عقیدہ ہے تفرید حال ہے توحید گفتار ہے تجرید کردار ہے۔ تفرید واردات ہے اہلِ انذار بھی تین قسم کے ہیں ۱ وہ کفار جو باطل پر اڑ جائیں بلکہ قتال کریں ۲ وہ اہل کتاب جو منسوخ دینوں پر قائم رہیں ۳ اہلِ خواہشاتِ نفس جو بطلان پر اہلِ حق سے جھگڑا کریں ایسے کتنے ہی شور بختوں کو ہم نے ان موجودین مغرورین سے پہلے وصلِ جہنم سے ایسا ہلاک کردیا کہ عالمِ ابدان میں ان کا احساسِ وجودی اور رکز سرودی بھی تم محسوس نہیں کر سکتے ہو۔

سورتِ مریم کے چھ رکوعوں کی مختصر تفسیر اوراس کے فضائل و عملیات اوراس کا تعویذ

پہلا رکوع۔ اس رکوع کی پندرہ آیت میں دو باتیں ارشاد فرمائیں گئیں پہلی یہ کہ پہلی آیت میں حروف مقطعات بیان ہوئے کٓھٰیٰعٓصٓ۔ ان حروف مقطعات کا معنیٰ مراد مخلوق میں سوائے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی نہیں جانتا نہ جبریل نہ میکائیل اس میں ارشارۃ واقتضاءً آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بے مثل شانِ علمیت ظاہر فرمائی جا رہی ہے کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ علم دیئے گئے جس سے دیگر تمام عرشی وفرشی مخلوق ناآشنا ہے اور یہودیوں دیوبندیوں وہابیوں کی گستاخانہ باتوں اور عقیدوں کا رد فرمایا گیا اور بڑے بڑے فاضل فلاں صاحب کا غرور توڑا گیا۔ دوم۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کیسے عظیم نیک بندے تھے سابقہ اور موجودہ یہودی ان کی گستاخی کرتے ہیں کہ معاذ اللہ یہ حضرت مریم سے خراب تھے حضرت زکریا نے اپنے لیے ایک دعا مانگی جو قبول ہوئی اور یحییٰ علیہ السلام جیسا بیٹا عطا فرمایا۔ بیٹے کی بشارت اور اس وقت کی علامت بیان فرمائی گئی۔ اگلی آیت میں اسی فرزند ارجمند حضرت یحییٰ کا تذکرہ بیان ہوا ان کی نبوت اور بچپن ہی میں توریت کتاب کے علم اور اس پر پورے عمل کا ذکر

فرمایا ۱ بچپن میں ہی تمام حکمتیں ان کو ہم نے عطا کیں بتایا گیا کہ نبی کسی کے شاگرد نہیں ہوتے بلکہ فرشتے
اُن کے شاگرد ہوتے ہیں وہ صرف اللہ تعالیٰ سے سیکھتے ہیں آگے ان کی چار خصوصی شانوں کا ذکر فرمایا
گیا ۱ بہت نرم دل حیا دار اور مہربانی فرمانیوالا ۲ ہر وقت بہت صاف ستھرا پاکیزہ رہنے
والا اور خوب صورت ۳ والدین کا ادب احترام اور حسن سلوک کرنے والا ۴ تند خو اور سخت
طبیعت تُرش رو اور تنگ دل نافرمان نہ تھا ۵ اس پر تا ابد سلامتی ہے پیدائش سے
لے کر قبر تک اور قبر سے حشر تک اور حشر سے اَبَدُ الآباد تک ۔ دوسرا رکوع اس رکوع
کی چھبیس آیت میں چار عظیم باتوں کا ذکر فرمایا گیا پہلی ۔ آیت ۱۶ سے آیت ۳۴ تک حضرت
مریم اور آپ کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر تفصیل سے فرمایا گیا ۔ یہی رکوع پورا رکوع نجاشی
بادشاہ تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں سنایا گیا تو نجاشی اور بہت سے عیسائی درباری زار و قطار
رونے لگے اور بعد میں بہت سے درباری اور خود نجاشی بادشاہ مسلمان ہو گیا۔ ان آیت میں یہود
ونصاریٰ کی بدعقیدگی کو ختم کرتے ہوئے اصل حقیقت حال بیان فرمائی گئی ۱ اُذْکُرْ سے شروع فرمایا
کہ اے پیارے نبی حضرت مریم اور عیسیٰ علیہ السلام کی پاک دامنی کی سچی تصویر کائناتِ عالم کے سامنے
پیش فرماتے ہوئے مریم کا ذکر فرمایئے یہودیوں نے مریم پر بدکاری اور حضرت عیسیٰ پر ناجائز ہونے
کی تہمت لگائی اور آج تک لگاتے ہیں یہ قرآنِ کریم کا کرم ہے ۔ حضرتِ مریم و عیسیٰ علیہما السلام
ہر کہ دنیا کے سامنے اُن کی پاک دامنی پاک بازی کی حقیقت ظاہر فرمائی ورنہ خود عیسائیوں نے
بھی حضرت مسیح کی وہ گستاخیاں کیں کہ ۔ مسیح علیہ السلام کی اصلیت پوشیدہ ہو کر رہ گئی ۲ حضرت
مریم غسل کرنے کے لیے اپنے گھر کی شرقی سمت غسل خانے میں چلی جاتی ہیں جب غسل سے فارغ
ہو کر لباس پہن کر اپنے بال سنوار رہی ہوتی ہیں تو ایک بشری شکل میں کوئی مرد نظر آتا ہے آپ
دھک سے رہ جاتی ہیں رنگ اُڑ جاتا ہے شور مچانے کی اور مچا کر لوگوں گھر والوں کو بلانے کی ہمت
ہی نہیں رہتی تو اللہ کی پناہ کا واسطہ دیکر اس کو چلا جانے کا عرض کرتی ہیں ۔ وہ بشر کہتا ہے میں
رب تعالیٰ کا ہی تو قاصد ہوں اور تجھ کو پاک صاف طیب و طاہر بیٹا دینے آیا ہوں ۔ مریم کہتی
ہیں کہ نہ مجھ کو کسی خاوند نے چھوا ہے نہ میں بدچلن ہوں تو بیٹا کیسے ہوگا اور تم فرشتہ ہو تم بیٹا
کس طرح دے سکتے ہو ۔ بشری فرشتہ فرماتا ہے کہ رب تعالیٰ کی قدرت سے ایسا ہی ہوگا
رب تعالیٰ پر یہ بہت آسان ہے ۔ تمہارا یہ بیٹا تو کائناتِ دنیا کے لیے عظیم الشان آیت
الٰہیہ ہے اور کئی لوگوں کے لیے رحمت ہوگی ۳ اسی وقت حضرت مریم جبریلِ بشری فرشتے کی پھونک

سے حاملہ ہو جاتی ہیں اور گھر سے روپوش ہو کر اسی وقت پچھلے پہرے سورج ڈھلتے گھر سے چار میل جنگل میں چلی جاتی ہیں اور اپنی بے بسی بے کسی تیرہ سالہ عمر کی نا پختگی ویرانی کا سماں جنگل بیابان اور حمل کی بڑھتی ہوئی تکلیف پر انتہائی درد و کرب سے روتے ہوئے عرض کرتی ہیں۔ یٰلَیْتَنِیْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْیًا مَّنْسِیًّا ہائے کاش میں اس دن مجبوری رسوائی والے دن سے پہلے مرجاتی اور بھولی بسری ہو چکتی زمانہ مجھ کو بھلا چکا ہوتا ۲ جس کھجور کے خشک تنے کے نیچے بیٹھی تھیں وہیں قریب سے نچلی نشیبی جگہ کسی کی غیبی آواز آئی کہ اے مریم غم نہ کر تیرے بیٹھنے کی جگہ سے ذرا نیچے ایک چشمہ پھوٹ پڑا ہے تیرے رب نے اس کو تیری خاطر صاف شفاف نہر بنایا ہے اور یہ خشک کھجور ذرا اس کو اپنے برکتوں والے ہاتھوں سے جھنجھوڑ پھر دیکھ ابھی درخت ہرا بھرا ہو کر تازہ پھل گرا دے گا یعنی تازہ پکی کھجوریں پہلے اُن کھجوروں کو کھا تا پھر اسی چشمے کا پانی پینا اور پھر جب یہ بچہ ولادت ہو جائے تو ماما سے آنکھیں ٹھنڈی کرنا ۵ فرزند ارجمند کی ولادت ہوتی ہے درد تکلیف تو ختم ہو جاتی ہے مگر اب اگلی بات کا فکر ہے کہ اب میں اس بچے کو لے کر اپنی قوم رشتے داروں کے پاس کس طرح جاؤں گی۔ اس زمانے کی شریعت موسیٰ علیہ السلام کے مطابق چپ کا روزہ رکھنے کا حکم دیا گیا کہ بچے کو لے کر قوم کے سامنے اپنے گھر جاؤ اور روزے کی وجہ سے کسی سے کلام نہ کرو پھر قدرت الٰہی کا کرشمہ دیکھنا کہ یہ دو گھنٹے کی عمر والا بچہ خود اپنا تعارف کرائیگا ۶ پھر فرمایا گیا کہ حضرت مسیح نے مخالفین معترضین کو کس فصاحت و دل نشینی سے جواب دیا۔

آپ نے قوم سے چھ باتیں ارشاد فرمائیں ایک یہ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس میں عیسائیت کا رد ہے کہ ابن اللہ نہیں ہوں ۲ مجھ کو رب تعالیٰ نے اپنی ایک مکمل کتاب دی جو میرے سینے میں حفظ ہے یعنی انجیل۔ مجھ کو نبی بنایا ۳ میں جہاں بھی رہوں برکت والا بنایا گیا ہوں ۴ مجھ کو تا عمر نماز اور زکوٰۃ اور اپنی والدہ محترمہ سے حسنِ سلوک کی رب تعالیٰ نے وصیت اور حکم فرمایا ہے ۵ مجھ کو میرے اللہ تعالیٰ نے تُند خو سخت دل نہ بنایا اور نہ کسی اعتبار سے بدقسمت بنایا ۶ اور میرے رب کریم خالق مالک معبود کی طرف سے مجھ پر اتنی کثیر سلامتی اور بقا ہے کہ یوم ولادت سے لے کر قریبِ قیامت یومِ وفات تک اور یومِ وفات سے لے کر صورِ ثانی پھونکے جانے سے دوسری بار ابدی زندگی میں مبعوث ہونے کے دن تک سلامتی ہی سلامتی ہے ہزار ہا دشمنوں کے باوجود میری ذات میری صفات میری عزت میری پاک دامنی اور میری والدہ کی عزت کو بھی تا ابد سلامتی ہی سلامتی ہے۔ میرے رب کریم کا مجھ پر اور میری والدہ پر کتنا بڑا کرم ہے

کہ ہماری عزت و آبرو کو دامنِ مصطفیٰ اور قرآن و اسلام کی آیت و فرمودات میں پناہِ عظیم مل گئی ورنہ نادان دوستوں اور دانا دشمنوں نے کوئی کسر نہ چھوڑی تھی۔ دوسری بات فرمایا گیا کہ یہ تھا عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم کا سچا اور ستھرا واقعہ جس میں یہودیوں جیسے بغض و حسد عناد و دشمنی سے بھرے ہوئے بدبخت دشمن اور اندھی محبت کی دوستی کرنے والے عیسائی احمق لوگ کفریہ شک کرتے ہیں۔ اور اسی شک کی بنا پر ہر دو فرقوں نے طرح طرح کے بیہودہ عقیدے بنا لیے اور دونوں گستاخ و کافر ہو گئے۔ تیسری بات۔ اگلی آیت میں ظاہر ظہور صاف صاف عیسائیوں کے کفریہ عقیدۂ ابنیت کی شرعی اور عقلی دلیل سے تردید فرمائی گئی۔ کہ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں اولاد بنانے کی اس کے توسب کام کُن کہنے سے ہی ہو جاتے ہیں تمام عیسائیوں کو شروع سے ہی بتا دیا گیا تھا حضرت عیسیٰ نے ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تمہارا رب اللہ تعالیٰ ہے میں اور تم سب اُس کے بندے ہیں تو تم بھی سب اُس کی ہی عبادت کرو۔ یہ ہی سیدھا راستہ ہے۔ یہ عیسائی حضرت عیسیٰ کی موجودگی تک تو درست اللہ کے بندے بنے رہے لیکن پھر بعض یہودیوں کی بھرپور یہودیانہ شرارتوں شیطانیوں کی وجہ سے ان بعد والے عیسائیوں کے آپس میں مختلف فرقے بن گئے تو اُن میں کا فر فرقوں کی ہلاکت و تباہی ہے بڑے ہیبت ناک دن کے آنے کے وقت۔ اُس دن جو سنیں گے اور جو دیکھیں گے آج اُس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور جس حالت سے ہمارے پاس یہ عیسائی یہودی کفار اور باطل فرقے آئیں گے اُس کے لیے بس اِتنا ہی سمجھ لو کہ یہ سب ظالم ضلالِ مبین میں ہوں گے۔ چوتھی بات۔ ارشاد فرمایا کہ اے پیارے حبیب کریم ان یہود و نصاریٰ اور مشرکین مکہ کو پھر ڈرایئے اُس حسرت اور فیصلے کے دن سے کیونکہ یہ گہری غفلت میں ہونے کی وجہ سے نہیں مانتے اور ان کو یہ بھی اچھی طرح سمجھا دو کہ رب کریم کا ارشاد ہے کہ ہم ہی زمین اور تمام زمین کی ہر قسم کی مخلوق کے حقیقی وارث و مالک ہیں۔ اور سب لوگ ہماری ہی طرف لوٹائے جائیں گے۔ **تیسرا رکوع**۔ اس رکوع کی دس آیت میں چار باتوں کا ذکر ہوا۔ اول پورے رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا ذکر ہے کہ وہ اپنے مربی چچا آذر کو کس خوش اسلوبی سے دینِ الٰہی کی تبلیغ فرماتے رہے۔ اس میں چند باتیں اہمیت سے سمجھائی گئی ہیں ۱۔ طریقۂ تبلیغ ۲۔ خوش اخلاقی ہی مومن کی سچی نشانی ہے ۳۔ کافر کی بد طینتی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی طرف سے حسنِ اخلاق دل نشین ادب احترام دعائیں نرم کلامی التجائیں وفاداری مروت کے تحفے پیش کئے جاتے ہیں ۴۔ مگر کافر مربی چچا کی جانب سے سخت کلامی غرور متکبر لہجہ۔ تنگ دلی تعصب دھمکیاں۔ سرزنش کا جواب دیا جاتا ہے۔ بتایا جا رہا ہے

کہ ہمیشہ سے کفر کا یہی حال رہا ہے۔ انبیاء عظام علیہم السلام کی ذاتِ بابرکات اور ان کے حسن باخلاق اور خیر خواہانہ رویہ کو اکثر اسی قسم کی بدتمیز تنگ نظریوں کا سامنا کرنا پڑا ہے مگر اللہ تعالیٰ کے ان پیاروں نے ہمیشہ خوش دلی سے سب کچھ برداشت کرتے ہوئے تبلیغ احکام کو جاری ہی رکھا ہے یہی اُمتِ مسلمہ کے تمام آنے والوں کو سبق دیا جا رہا ہے کہ اگر سچے دین کے شیدائی اور مبلغ بننا ہے تو اُسوۂ ابراہیمی کی تعلیم کو اپنے کردار و عمل میں سمونا اور بسانا رچانا پڑے گا۔ تب ہی کامیابی یقینی ہو سکتی ہے اور منزل سعادت نصیب ہو سکتی ہے۔ چوتھا رکوع۔ اس رکوع کی پندرہ آیت میں نو باتوں کا بیان ہوا۔ ۱ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کا مختصر تذکرہ ہوا حضرت عیسیٰ سے پہلے یہ پہلے صاحب کتاب ہوئے ہیں طور پر ان کو تبلیغ نبوت کا ابتدائی حکم ہوا۔ فرمایا گیا کہ ان کی التجاو دعا کی عرض پر ہم نے اُن کے بھائی ہارون نبی کو ان کے سپرد کر دیا اور ان کا وزیر بنا دیا ۲ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ ہمیشہ سچے وعدے کرنے والے اور نبی و رسول تھے اسماعیل علیہ السلام وعدہ وفائی میں خاص طور پر مشہورِ زمانہ تھے اپنے تمام اہل کو ہمیشہ نماز روزے زکوٰۃ صدقات کا حکم دیتے رہتے تھے ان چند وجوہ سے وہ اپنے رب تعالیٰ کو بہت ہی پسند تھے ۳ حضرت ادریس علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ صدیق تھے نبی تھے اور ان کو سب سے پہلے جنت کا داخلہ ملا اور اس طرح اُن کی رفعت مکانِ اعلیٰ پر کر دی گئی ۴ فرمایا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے ان کو بھی نبی بنایا گیا اور اُن پر اللہ تعالیٰ نے کثیر انعام فرمائے ۵ آگے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ جن لوگوں کو نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں سوار کیا گیا ان کی اولاد کو بھی نبوت سے نوازا گیا کہ ابراہیم اور اسرائیل جیسے نبی اُولُو العَزم رسول ان کو عطا ہوئے۔ اور یعقوب یعنی اسرائیل کی اولاد میں کثیر انبیاء بنی اسرائیل بنائے گئے اور نبوت کے علاوہ بھی ہم نے ان کی اولاد میں سے اپنی محبت و ولایت کے لیے چن لیا ان کی نشانی یہ تھی کہ جب اُن کے سامنے صحف ابراہیم توریت و زبور کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو عشق الٰہی کے سوز سے روتے ہوئے سجدے میں گر جاتے تھے ۶ نیک لوگوں کے تذکرے کے بعد۔ آنے والی بدکار نسلوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ان کی نمازیں عبادتیں بھی ضائع ہیں اور ان کی بدمعاشیوں کی بنا پر ان کو جہنم کے میدان غیّ میں ڈالا جائے گا ۷ اب اگلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو تا قیامت دنیوی زندگی میں سچی توبہ کر کے پکے مومن اور نیک عمل کرنے والے بن جائیں۔ ان کا مقام و ٹھکانہ دائمی جنت ہے جہاں قطعاً کسی کو نقصان نہ ہو گا ۸ جنت کا تذکرہ اور بعد قیامت دخولِ جنت کے بعد کے کچھ حالات سنائے گئے۔ کہ

وہ جنتِ عدن یعنی قابلِ رہائش بھی ہے صرف باغ بغیچہ ہی نہیں۔ ابھی وہ غیب میں چھپی ہے۔ وعدۂ ربانی کی شان بیان فرمائی گئی۔ جنت میں کسی طرف سے یا کسی کے منہ سے کبھی بھی کوئی بُری بات نہیں سنی جائیگی سوائے سلام دعا جیسے باادب ومحبت اور خوشبوؤں سے بھری باتوں کے۔ جنت میں جنتیوں کو صبح شام رزق دیا جائے گا۔ فرمایا گیا کہ جنت صرف مہمان خانہ ہی یا مسافر خانہ ہی نہ ہو گا بلکہ متقی لوگوں کو اس کا مالک بنا دیا جائے گا۔ ۹ حضرت جبرئیل کی چند باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ایک بار آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل امین روح القدس علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ اے جبرئیل تم کبھی کبھی بہت دنوں کے بعد آتے ہو جلدی جلدی آیا کرو ہم اداس وغمگین ہو جاتے ہیں تو جو باتیں جواباً جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی وہ سب یہاں نقل فرما دی گئیں کہ جبرئیل نے عرض کیا کہ ہم صرف اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے ہی نازل ہوتے ہیں۔ اُس کی شان یہ ہے کہ دنیا وآخرت اسی کے قبضے میں ہے اور جو کچھ موجود ہے وہ سب اسی کا ہے وہ کچھ بھولتا نہیں ہے وہ اللہ تعالیٰ تو آسمانوں اور زمین اور جو مخلوق بھی اس کے درمیان ہے اُن سب کا پالنے والا ہے۔ لہٰذا اے محبوبِ لامکانی آپ اسی کی عبادت میں مشغول رہیے اور اس کی عبادت کو ساری کائناتِ انسانی میں قائم فرما دیجئے۔ اے محبوبِ خالق تعالیٰ آپ نے ساری کائناتِ عرش فرش لوح وقلم زمین وآسمان اعلیٰ واسفل تمام موجودات کا مشاہدہ فرمایا ہے کیا اُس کے نام وشان عظمت وکرامت کا کیا کوئی دوسرا کہیں نظر آیا ہے کیا کوئی اور اس طرح کی رحیم وکریم رب قدیر ذات کا علم ہوا ہے کہیں بھی اُس کے علاوہ دوسری ہستی کا پتہ لگا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْم اس رکوع مبارک میں آٹھ انبیاء علیہم السلام کا نام شریف ذکر ہوا۔ ۱ موسیٰ ۲ ھرون ۳ اسماعیل ۴ ادریس ۵ آدم ۶ نوح ۷ ابراہیم ۸ اسرائیل یعقوب علیہم السلام ان کے بعد ان کی اولاد کا ذکر فرمایا گیا جن میں کچھ نیک متقی بن کر باپ دادا کے انعامتِ الٰہیہ کو پا گئے اور انہوں نے خاندانِ نبوت سے دنیوی اُخروی پورے فائدے حاصل کر لیے اور ان میں کچھ لوگوں نے یہ گمان کر کے کہ ہم نیکوں کی اولاد ہیں۔ اعمالِ صالحہ سے منہ موڑ کر عیش پرستی میں پڑ گئے اور اپنے آباؤ اجداد انبیاء وصالحین کی تعلیمات کی نافرمانی کی تو ان کی کچھ رعایت نہ ہوئی بلکہ دوسرے نافرمانوں کی طرح ان کو بھی وادیِ غی میں پھینک دیا جانے کا لرزہ خیز حکم سنا دیا گیا مگر ساتھ ہی توبہ کے ساتھ بندہ بننے کی مہلت ارزانی فرما دی کہ جب پہلے بندے بن جاؤ تو ہماری رحمت کے دروازے کھلے ہیں۔ **پانچواں رکوع۔** اس کی سترہ آیات میں سات چیزیں بیان ہوئیں۔ اول۔ کفار کی دوبارہ جینے پر تعجب خیزی اور اُس کا جواب ارشاد

ہوا اور اس جواب کی حقیقت اور یقینی ہونے پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کر کے فَوَرَبِّكَ فرما کر قسم فرمائی جا رہی ہے کہ دوبارہ زندگی قیامت حشر نشر ضرور ہو گا جس میں کفار اور شیاطین کو گھیر کر لایا جائے گا اور حساب و کتاب کے بعد جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ جہنم میں جانے کی حالت بیان ہوئی کہ اوندھے ہوں گے گھٹنوں کے بل ہانکے جائیں گے پھر عوام و کفار کے سرداروں کو علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے گا اور کفر کی مقدار پر سزا ہو گی۔ ان مقداروں اور ان کے حقداروں کو رب تعالیٰ آج بھی خوب اچھی طرح جانتا ہے دوم۔ میدانِ محشر اور جنت و دوزخ کا محل وقوع اور جغرافیائی نقشہ سمجھاتے ہوئے فرمایا گیا کہ تم میں سے ہر ایک نیک و بد مومن و کافر کو جہنم پر سے گزرنا ہے۔ وہ اس طرح کہ ادھر میدانِ محشر ہے اور دوسری طرف دوسرے کنارے جنت ہے اور نیچے جہنم ہے درمیان میں اور جہنم کے اوپر ایک پُل صراط ہے جس کا ایک پہلا کنارہ میدانِ محشر میں ہے دوسرا کنارہ جنت میں نیچے وادیٔ جہنم فرمایا گیا کہ نیک لوگ یہ پُل طے کر جائیں گے مختلف رفتاروں سے اور ظالمین کفار و فساق اس پر سے گھٹنوں کے بل گرتے چلے جائیں گے۔ سوم۔ کفار کی دنیوی زندگی اور بیہودہ دلیلوں کی گفتگو اور اس کا تردیدی جواب بیان فرمایا گیا کہ اے کافرو دنیا کی مالداری آخرت کی کامیابی کی دلیل نہ سمجھو ہم نے پہلی قوموں کو جو مالداری میں تم سے کہیں زیادہ تھیں کفر کی بنا پر ہلاک کر دیا۔ یہ مالداری لمبی عمریں تو گمراہوں کو ڈھیل دی گئی ہے۔ جب عذاب یا قیامت دیکھیں گے تو اُس وقت مقابلہ کریں اور پوچھیں کہ کس کا مقام گھٹیا اور کس کا لشکر کمزور ہے۔ چہارم۔ کفار کی ہلاکت و فنا اور بدترین کمزوری کے بعد مومن کی شاندار بقا اور اعمالِ صالحہ کے باقیات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ پنجم کفار کی بعض متکبرانہ مغرورانہ باتوں کا ذکر ہوا اور اُس کا جواب بھی اُسی طرح دیا گیا اور ارشاد ہوا کہ یہ باتیں جو آج بڑھ بڑھ کر رہے ہیں سب لکھی جا رہی ہیں کل قیامت میں اُن کی سزا ضرور ملے گی۔ ششم فرمایا گیا کہ کافر اور دنیا پرست جس مال و دولت اور آل اولاد پر آج گھمنڈ کر رہا ہے اس کے ہم ہی مالک ہوں گے بعد موت اُس کے کچھ کام نہ آئے گا۔ ہفتم۔ کفار کے جھوٹے معبودوں جنات شیطین و ابلیس کی اس حالت کا ذکر فرمایا گیا جو قیامت میں اُن کی ہوگی۔ اور منکرین قیامت کی غلط فہمیوں کا با دلائل رد فرمایا گیا اور اہل عقل ذی شعور لوگوں کو دنیا کی بے ثباتی کی طرف توجہ دلا کر باقیات صالحات اور اعمالِ صالحہ کا ذخیرۂ اُخروی جمع کرنے کا شوق دلایا جا رہا ہے۔ **چھٹا رکوع** اِس آخری رکوع کی سولہ آیت میں نو عدد باتیں بیان فرمائی گئیں

پہلی یہ بات بیان کی گئی کہ اتنے کثیر دلائل کے باوجود اور دلائلِ توحید رسالت قیامت کو سن کر لاجواب ہو کر بھی جو کافر ایمان نہیں لاتے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شیطین ہم نے زمین پر بھیجے ہوئے ہیں وہ کفار پر مسلط ہو کر ان کو خوب ورغلاتے اور کفر پر اکساتے پھرتے ہیں لہٰذا آپ ان کے لیے کسی بات کی جلدی نہ فرمایئے یہ تو اپنی گنتی کے دن پورے کر رہے ہیں۔ دوسری بات یہ بتائی گئی کہ قیامت میں ہر گروہ ہر فرد بارگاہِ الٰہیہ میں حاضر ہو گا مگر فرق یہ ہو گا کہ مومن متقی تو بارگاہ میں موعدین کی طرح جلوس کا جشن مناتے ہوئے خود بخود بیج دھج کر آئیں گے لیکن کفار کو مجرموں کی طرح جہنم کی طرف ہانکتے ہوئے لے جایا جائے گا سوم یہ کہ شفاعت کی محتاجی اور قدر قیامت میں ہو گی ہر کافر بھی شفاعت کا پیاسا ہو گا مگر یہی چیز سب سے زیادہ نایاب ہو گی اور فقط اُن پیاروں کو شفاعت کا اذن ہو گا جن سے رب تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے۔ چوتھی بات یہ بتائی گئی کہ کفر تو سب ہی سخت ظلم ہیں مگر عیسائی اور یہودی اور صابئیوں کا کفر سب سے زیادہ سخت ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونے کا عقیدہ بنا لیا۔ یہ ایسی سخت اور بھاری بات ہے کہ اس سے آسمان و پہاڑ ایسے دہل جاتے ہیں کہ عنقریب ہے کہ گر ہی پڑیں اور زمین کانپ اٹھتی ہے جیسے کہ پھٹ پڑے گی۔ اس کفر پر کہ ان بدنصیبوں نے رحمٰن کے لیے اولاد کا دعویٰ بنا لیا حالانکہ رحمٰن کو لائق نہیں کہ اولاد کو جنے اور بچے بنائے۔ پانچویں بات بیان ہوئی کہ آسمانوں اور زمین میں ہر شخص اُس کا بندہ ہے فرشتے ہوں یا جنات و انسان اور تمام لوگ اُس کی بارگاہ میں بندے بن کر ہی پیش ہوں گے۔ اس سے کوئی چھپا ہوا نہیں رہ سکتا وہ سب کی گنتی جانتا ہے ایک ایک کو گن رکھا ہے۔ چھٹی بات فرمائی گئی حساب دیتے وقت تمام اس کے پاس اکیلے اکیلے ہی حاضری دیں گے اُس وقت نہ گروہ ساتھ نہ آل نہ اولاد نہ سفارشی نہ مال دولت نہ کوئی لیڈر اور رہنما ساتھ ہو سکے۔ ساتویں یہ بات فرمائی کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اُس دن صرف نیک متقی سلامتیِ ایمان والے لوگوں کے لیے ہو گی۔ آٹھویں بات۔ فرمایا گیا کہ اے پیارے محبوب ہم نے اس قرآن مجید کو آپ کی زبان پاک کے ذریعے اس لیے تا قیامت آسان فرما دیا تاکہ آپ یہ قرآن مجید سنا پڑھا کر اہل ایمان کو خوش خبریاں عطا فرمائیں اور ضدی جھگڑالو قوم کو ڈر سناؤ۔ نہم۔ کفار سے خطاب فرمایا گیا کہ تم سے پہلے تمہاری طرح کے کتنے ہی ضدی و جھگڑالو لوگوں کو ہم نے برباد و فنا کر دیا جن کا آج تم نام و نشان بھی نہیں دیکھتے اور بھنک بھی نہیں سنتے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ غرضکہ اس رکوع کی آیت میں گمراہ فرقوں کی بیوقوفیوں جہالتوں

کا پردہ فاش کیا گیا کہ کتنے نادان ہیں جو اللہ کے لیے بیٹا، بیٹیں بنائے پھرتے ہیں۔

سُورۃِ مَریَم کے فضائل

سورۃ مریم کے فضائل و برکات علماء محققین نے چھ قول ارشاد فرمائے ہیں ۱۔ اس سورۃ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی عجیب قدرتوں سے بندوں کو اولاد ملنے کا ذکر ہوا اور آخر میں باری تعالیٰ رب العزت کے اولاد نہ ہونے کا ذکر ہے دوسری فضیلت یہ کہ جن بی بی صاحبہ مریم کو اللہ تعالیٰ نے اُن کے زمانے میں تمام عالمین پر فضیلت دی تھی ان کا مکمل مفصل ذکر اسی سورۃ کے دوسرے رکوع میں فرمایا گیا اور اسی وجہ سے اس پوری سورت کا نام سورۃ مریم رکھا گیا۔ تیسری یہ کہ جو اس سورت کو چار دفعہ پڑھے تو اس کو رب تعالیٰ اگر چاہے تو پورے قرآن مجید پڑھنے کا ثواب عطا فرمائے۔ چوتھی یہ کہ اللہ تعالیٰ کی نہایت خصوصی اور انوکھی قدرت حضرت مسیح کی بغیر والد کے ولادت کا مکمل ذکر اسی سورت میں تفصیلاً ہے پانچویں یہ کہ اس سورۃ کے سب رکوع فصاحت و بلاغت اور مسجع مقفع عباراتِ بدیعہ کا مجموعہ ہیں۔ علمِ ادب والوں کے نزدیک اس کے تمام الفاظ محسناتِ بدیعہ ہیں از آیت ۲ تا آیت ۹۸ جن میں اکتالیس بروزن زَكَرِيَّا خَفِيًّا ہیں اور سولہ عدد بروزن مَدًّا ہیں مثلاً۔ شَقِيًّا ۔ وَلِيًّا ۔ رَضِيًّا ۔ سَمِيًّا ۔ عِتِيًّا ۔ سَوِيًّا ۔ عَشِيًّا ۔ تَقِيًّا ۔ صَبِيًّا ۔ عَصِيًّا ۔ حَيًّا ۔ شَرْقِيًّا ۔ زَكِيًّا ۔ بَغِيًّا ع۱۷ مَقْضِيًّا ع۱۸ قَصِيًّا ع۱۹ مَنْسِيًّا ع۲۰ سَرِيًّا ع۲۱ جَنِيًّا ع۲۲ إِنْسِيًّا ع۲۳ فَرِيًّا ع۲۴ مَلِيًّا ع۲۵ حَفِيًّا ع۲۶ عَلِيًّا ع۲۷ نَجِيًّا ع۲۸ مَرْضِيًّا ع۲۹ بُكِيًّا ع۳۰ غَيًّا ع۳۱ مَأْتِيًّا ع۳۲ نَسِيًّا ع۳۳ جِثِيًّا ع۳۴ صِلِيًّا ع۳۵ نَدِيًّا ع۳۶ رِءْيًا۔ اس کے بعد از آیت ۷۵ سولہ الفاظ۔ جو ڈبل ہو کر اکیس بن جاتے ہیں۔ مثلاً ع۱ خَيْرٌ مَرَدًّا ع۲ مَالًا وَّوَلَدًا ع۳ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ع۴ مِنَ الْعَذَابِ مَدًّا ع۵ وَيَأْتِينَا فَرْدًا ع۶ لَهُمْ عِزًّا ع۷ عَلَيْهِمْ ضِدًّا ع۸ تَؤُزُّهُمْ أَزًّا ع۹ نَعُدُّ لَهُمْ عَدًّا ع۱۰ إِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ع۱۱ إِلٰى جَهَنَّمَ وِرْدًا ع۱۲ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ع۱۳ اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ع۱۴ شَيْئًا إِدًّا ع۱۵ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ع۱۶ إِلَّا آتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا ع۱۷ وَعَدَّهُمْ عَدًّا ع۱۸ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا ع۱۹ لَهُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا ع۲۰ قَوْمًا لُدًّا ع۲۱ أَوْ تَسْمَعُ لَهُمْ رِكْزًا۔ چھٹی یہ کہ یہی وہ سورۃِ مبارکہ ہے جس کے دوسرے رکوع کی تلاوت نے بادشاہِ حبشہ حضرت نجاشی تابعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور اُن کے اراکین امراءِ دربار کو ایمان کی دولت سے سرفراز کیا جب کہ حضرت مولیٰ علی کے بڑے بھائی حضرت جعفر بن ابی طالب نے شاہ حبشہ کے کہنے پر کہ اے مسلمانوں تمہارا عقیدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کیا ہے تب بھرے دربار میں جعفر بن ابی طالب نے یہ دوسرا رکوع تلاوت فرمایا جس سے سب دربار پر سناٹا چھا گیا

اور ہیبتِ قرآنی سے سب کے چہرے جھک گئے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ اور ابوسفیانؓ وغیرہ کفارِ مکہ کا تمام منصوبہ خاک میں مل گیا مسلمانوں کی عزت اور زیادہ ہو گئی۔

سُورۃِ مَریَم کے عملیات اور تعویذات

عاملین کاملین فرماتے ہیں کہ جو کوئی سُورۃِ مریم کو ہر روز بعد نمازِ فجر سات مرتبہ پڑھے نہایت صحیح الفاظ سے اوّل آخر درود شریف گیارہ دفعہ تو وہ دولت مند ہو جائے گا اگر کوئی مرد کسی وجہ سے نامرد ہو جائے تو تین دفعہ سورۃ مریم کسی اپنے مرشد کو سورۃ سنا کر اجازت لے کر پڑھے گیارہ دن پڑھنے سے کشادہ ہو جائے ۳ اگر کسی شخص کا باغ خشک اور ویران ہو جائے درخت پھل دینے بند کر دیں اور وجہ سمجھ نہ آئے تو پوری سورت باغسل تازہ باوضو تازہ کسی کاغذ پر خوشخط بازبر زیر وغیرہ لکھ کر پاک بالٹی میں ڈال کر پانی بھر بھر کر ڈالے گیارہ دن متواتر انشاءاللہ تعالیٰ درخت خوب پھول اور پھل دینے لگیں گے۔ ۴ جو شخص اس پوری سورۃ کو عربی رسم الخط میں عرقِ گلاب اور زعفران اور زردہ رنگ سے لکھ کر کاغذ پر اس کو کسی پاک پانی یا دودھ میں گھول کر ایک ہی تعویذ گیارہ دن پیئے اگر کاغذ پھٹ جائے تو دوسرا تعویذ بنالے انشاءاللہ تعالیٰ تمام جسمانی بیماریوں سے محفوظ رہے گا ۵ جو شخص دولت مند ہونا چاہے اور حلال و پاکیزہ روزی کا طلب گار ہو وہ کسی متقی عامل و عالم سے اس کا تعویذ لکھوا کر اپنے پاس ادب سے رکھے خواہ گلے میں رکھے یا ٹوپی میں رکھے اور ٹوپی ہر وقت سر پر رکھے سوا غسل اور سونے کے وقت کے تو انشاءاللہ کبھی غربت نہ آئے۔ اس کے کُل اعداد ۴۴ ۲۸۹۶ ہیں اور چال مکمل ہے کہیں کمی نہیں ہے۔

تعویذ کا زائچہ یہ ہے۔

۷۸۶

۹۶۵۵۱	۹۶۵۴۴	۹۶۵۴۹
۹۶۵۴۶	۹۶۵۴۸	۹۶۵۵۰
۹۶۵۴۷	۹۶۵۵۲	۹۶۵۴۵

یہ بات مشاہداتی حقیقت ہے کہ رب تعالیٰ کا ہر ہر کلام ہی فصاحت و بلاغت کا اتنا عظیم معجزاتی خزانہ ہے جس نے شعراءِ عرب کو مبہوت و متحیر کر دیا اور مَا هٰذَا كَلَامُ الْبَشَرُ کہنے پر مجبور ہو گئے اور قرآن مجید کے۔ فَأْتُوا۔ کے تینوں چیلنجوں میں سے کسی بھی چیلنج کو قبولیت

کی ہمت نہ پا سکے اور یہ معجزاتی فصاحت قرآنِ مجید کی ہر ہر سورۃ بلکہ آیت بلکہ لفظ لفظ اور حرف حرف میں ہے باطنی فصاحت تو اہلِ عرب ہی جانتے ہیں۔ مگر بعض سورتوں کی ایسی ظاہری فصاحت ہے کہ ہم جیسے عجمی لوگ بھی متاثر و مسحور ہو کر عش عش کر اٹھتے ہیں۔ ان ہی سورتوں میں ایک یہ سورۃ مریم شریف ہے۔ یہ سورۃ پاک از اوّل تا آخر فصاحتِ لسانی کی ایسی چاشنی سے بھرپور ہے کہ اس کی فصاحتِ بیانی سے متاثر دربارِ حبشہ کے کفریہ ماحول پر سناٹا چھا گیا تھا اور اس کی دلکش طرزِ بیانی سے عجیب دل گداز سماں پیدا ہو گیا تھا کہ حضرت نجاشی اور تمام درباری رقتِ قلبی سے آنسو بہانے لگ گئے ہم بھی چاہتے ہیں کہ سورۃ مریم کی اس فصاحت و بلاغت کی نشاندہی کر کے اپنی تفسیر کو مزید مزین کریں۔ فصاحت کی مختصر تعریف یہ ہے کہ الفاظ نہایت مقفہ مسجع ہوں اور بلاغت یہ کہ ایک ایک لفظ میں معانی کے دریا موجزن ہوں اور اگر ایک لفظ دوبار دو جگہ آ جائے تو اپنا علیحدہ ہی معنیٰ آشکارا فرمائے۔ ان ہی تعارفوں کے تحت یہ سورۃ مبارکہ از اوّل تا آخر اس طرح مسجع عبارت ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ کلام مطہرہ نور کے بالوں میں ڈھل کر یاقوت و جواہر کی قدرتی لڑیوں میں پرویا ہوا ہے اس سورۃ کی ہر آیت کے اختتام پر ایک مسجع لفظ ہے جو قدرت کا عظیم شاہکار ہے۔

نمبرشمار	الفاظ	آیت کے نمبر	نمبرشمار	الفاظ	آیت کے نمبر
۱	ذکریا	آیت ۲	۱۱	نَبِیًّا	آیت ۱۳، ۴۱، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۶
۲	خَفِیًّا	آیت ۳	۱۲	حَیًّا	″ ۳۱ و ۳۳
۳	شَقِیًّا	آیت ۴، ۳۲، ۴۸	۱۳	تَقِیًّا	″ ۱۳
۴	وَلِیًّا	آیت ۵ ۴۵	۱۴	عَصِیًّا	″ ۱۴، ۴۴
۵	رَضِیًّا	″ ۶	۱۵	حَیًّا	″ ۱۵ و ۶۶
۶	سَمِیًّا	″ ۷ ، ۶۵	۱۶	شَرْقِیًّا	″ ۱۶
۷	عِتِیًّا	″ ۸	۱۷	سَوِیًّا	″ ۱۷
۸	سَوِیًّا	″ ۱۰ و ۴۳	۱۸	تَقِیًّا	″ ۱۸ و ۲۳
۹	عَشِیًّا	″ ۱۱ و ۶۲	۱۹	زَکِیًّا	″ ۱۹
۱۰	صَبِیًّا	″ ۱۲ و ۲۹	۲۰	بَغِیًّا	″ ۲۰ و ۲۸

نمبرشمار	الفاظ	آیت کے نمبر	نمبرشمار	الفاظ	آیت کے نمبر
۲۱	مَقْضِيًّا	آیت ۲۱ و ۷۱	۴۱	رِئْيًا	آیت ۷۴
۲۲	قَصِيًّا	〃 ۲۲	۴۲	مَدًّا	〃 ۷۵ و ۷۹
۲۳	مَنْسِيًّا	〃 ۲۳	۴۳	جُنْدًا	〃 ۷۵
۲۴	سَرِيًّا	〃 ۲۴	۴۴	مَرَدًّا	〃 ۷۶
۲۵	جَنِيًّا	〃 ۲۵	۴۵	وَلَدًا	〃 ۷۷، ۸۸، ۹۱، ۹۲
۲۶	اِنْسِيًّا	〃 ۲۶	۴۶	عَهْدًا	〃 ۷۸ و ۸۷
۲۷	فَرِيًّا	〃 ۲۷	۴۷	فَرْدًا	〃 ۸۰ و ۹۵
۲۸	مَلِيًّا	〃 ۴۶	۴۸	عِزًّا	〃 ۸۱
۲۹	حَفِيًّا	〃 ۴۷	۴۹	ضِدًّا	〃 ۸۲
۳۰	عَلِيًّا	〃 ۵۰ و ۵۷	۵۰	اَزًّا	〃 ۸۳
۳۱	نَجِيًّا	〃 ۵۲	۵۱	عَدًّا	〃 ۸۴، ۹۴
۳۲	مَرْضِيًّا	〃 ۵۵	۵۲	وَفْدًا	〃 ۸۵
۳۳	بُكِيًّا	〃 ۵۸	۵۳	وِرْدًا	〃 ۸۶
۳۴	غَيًّا	〃 ۵۹	۵۴	اِدًّا	〃 ۸۹
۳۵	مَاتِيًّا	〃 ۶۱	۵۵	هَدًّا	〃 ۹۰
۳۶	نَسِيًّا	〃 ۶۴	۵۶	عَبْدًا	〃 ۹۳
۳۷	جِثِيًّا	〃 ۶۸ و ۷۲	۵۷	وُدًّا	〃 ۹۶
۳۸	عِتِيًّا	〃 ۶۹	۵۸	لُدًّا	〃 ۹۷
۳۹	صِلِيًّا	〃 ۷۰	۵۹	رِكْزًا	〃 ۹۸
۴۰	نَدِيًّا	〃 ۷۳			

اللہ تعالیٰ ربُّ العزت کا شکر عظیم ہے کہ آج بروز جمعہ مورخہ بیس۲۰ جمادی الثانی ۱۴۱۵ھ مطابق پچیس۲۵ نومبر ۱۹۹۴ء سورۃ مریم کی تفسیر مکمل ہوئی۔

سُوْرَةُ طٰهٰ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّثَلٰثُوْنَ اٰيَةً وَّثَمَانُ رُكُوْعَاتٍ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم والا

طٰهٰ ﴿۱﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ﴿۲﴾

اے طٰہٰ ۔ نہیں اتارا ہم نے اس قرآن مجید کو آپ پر اس لیے کہ آپ مشقت اٹھاؤ

اے محبوب ہم نے تم پر یہ قرآن اس لیے نہ اتارا کہ تم مشقت میں پڑو

اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ﴿۳﴾ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ

لیکن یہ یاد دہانی ہے اُس کے لیے جو اللہ کی ہیبت رکھتا ہو اتارا اس ذات کی طرف سے

ہاں اس کو نصیحت جو ڈر رکھتا ہو۔ اُس کا اتارا ہوا جس نے

خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ﴿۴﴾ اَلرَّحْمٰنُ

جس نے پیدا کیا تمام روئے زمین کو اور سب اونچے آسمانوں کو۔ رحمٰن ہی نے

زمین اور اونچے آسمان بنائے وہ بڑا مہر والا اس نے

عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ﴿۵﴾ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ

عظیم عرش پر قبضہ فرمایا۔ اسی کا ہے وہ سب جو تمام آسمانوں میں ہے

عرش پر استوا فرمایا جیسا اُس کی شان کے لائق ہے اُس کا ہی ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے

وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ

اور وہ سب جو تمام زمین کے اندر ہے اور وہ سب جو ان دونوں کے درمیان ہے اور وہ جو سب زمین کے

اور جو کچھ زمین میں اور جو کچھ اُن کے بیچ اور جو کچھ اِس گیلی مٹی کے

الثَّرٰی ⑥ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ

نیچے ہے ۔ اور اگر تم زور شور کرو ذکر اذکار میں تو بے شک وہ تو جان لیتا ہے

نیچے ہے ۔ اور اگر تو بات پکار کر کہے تو وہ بھید کو جانتا ہے اور

السِّرَّ وَاَخْفٰی ⑦

دل میں پوشیدہ بھید اور سرگوشیوں کو بھی

اُسے بھی جو اس سے بھی زیادہ چھپا ہے ۔

تعلقات اس سورۃ طٰہٰ مبارکہ کا پچھلی سورۃ مریم کے ساتھ چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**۔ جس طرح سورۃ مریم رات میں نازل ہوئی بجز چند آیت کے اسی طرح سورۃ طٰہٰ بھی بجز چند آیت کے رات ہی میں نازل ہوئی **دوسرا تعلق** سورۃ مریم کے بعد سورۃ طٰہٰ ہی نازل ہوئی اس لیے ترتیب نزول میں سورۃ مریم کا نمبر ۴۴ ہے اور اس کا ۴۵ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ سورۃِ مریم کا افتتاح بھی حروف مقطعات سے ہوا اور اس سورۃ طٰہٰ کا افتتاح بھی اسی حروف مقطعات سے ہوا **چوتھا تعلق**۔ اُس سورۃِ مریم میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا تذکرہ بہت مختصر اجمالاً ہوا تھا اور اب اس سورۃِ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا ذکر کچھ تفصیل سے ہوا گویا کہ بقیہ ذکر یہاں ہوا لہٰذا اُس سورۃ کے بعد اِس سورۃ کی ترتیب نہایت مناسب ہے ۔

شانِ نزول اِن آیتِ مبارکہ کے شانِ نزول کے متعلق مفسرین کرام نے تین مختلف اقوال ذکر کیے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم عبادات ونفلی نمازوں کی تلاوت وقیام ورکوع وسجود میں بہت درازی فرماتے تھے

یہاں تک کہ بہت دفعہ قیامِ نماز اتنا دراز ہو جاتا کہ پاؤں مبارک میں ورم آجاتا تھا۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ اور بعض علما نے فرمایا کہ بعض دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ایمان نہ لانے اور باری تعالیٰ کی گستاخی کرنے پر بہت زیادہ رنج و غم فرمایا کرتے تب یہ آیت نازل ہوئیں جس میں آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ عظیم شفقت کے ساتھ تسلی عطا فرما رہا ہے۔ کچھ علما فرماتے ہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جب نبی پاک خانۂ کعبہ کے پاس نفل نماز پڑھتے اور قیام دراز فرماتے اور عشقِ الٰہی و لذتِ قرآنی میں آپ کے آنسو جاری ہوتے تو پاس بیٹھے ہوئے اِردگرد کے کفار مذاق اڑاتے ہوئے کہتے کہ اس شخص کو اپنے اللہ پر یقین نہیں ہے کہ اتنی اتنی دیر تک اللہ کو مناتا اور مشقت کرتا ہے تب ایک دفعہ اسی قسم کے واقع کے بعد یہ آیت نازل ہوئیں۔ واللہ اَعْلَمُ بالصّوَاب۔

تفسیرِ نحوی

سورۃ آیت (الخ) کا ترجمہ او ترکیب و نحوی اقوال پچھلی سورۃ میں بیان کردئے گئے۔ اور طٰہٰ۔ حروفِ مقطعات کا مختصر بیان اور کچھ مسائل و اقوال مختلفہ پچھلی سورۃ میں بیان کر دئے گئے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ قرآن مجید میں کل چودہ عدد انتیس جگہ سورۃ کے بالکل پہلے مختلف حروفِ مقطعات وحی فرمائے گئے مثلاً الٓمٓ چھ جگہ ۱ سورۃ بقرہ شریف دوم آلِ عمران سورۃ ۳ پ ۳ سوم سورۃ ۲۹ العنکبوت پ ۲۰ چہارم سورۃ ۳۰ الروم پ ۲۱ پنجم سورۃ ۳۱ لقمٰن پ ۲۱ ششم سورۃ ۳۲ السجدہ پ ۲۱ اور الٓمٓصٓ ایک جگہ سورۃ الاعراف پ ۸ تیسرا (الٓرٰ) پانچ جگہ اول سورۃ یونس ۱۰ پ ۱۱ دوم سورۃ ۱۱ ھود پ ۱۱ سوم سورۃ ۱۲ یوسف پ ۱۲ چہارم سورۃ ۱۴ ابراہیم پ ۱۳ پنجم سورۃ ۱۵ الحجر پ ۱۳۔ چوتھا۔ الٓمّٓرٰ۔ ایک جگہ سورۃ ۱۳۔ الرعد پ ۱۳ پانچواں (کٓھٰیٰعٓصٓ) ایک جگہ سورۃ ۱۹ مریم پ ۱۶ چھٹا (طٰہٰ) ایک جگہ سورۃ ۲۰ طٰہٰ پ ۱۶۔ ساتواں (طٰسٓمٓ) دو جگہ ۱ سورۃ ۲۶ الشعراء پ ۱۹ ۲ سورۃ ۲۸ پ ۲۰۔ آٹھواں (طٰسٓ۔) ایک جگہ سورۃ ۲۷ النمل پ ۱۹ نواں (یٰسٓ) ایک جگہ سورۃ ۳۶ یٰسٓ پ ۲۲۔ دسواں۔ (صٓ) ایک جگہ سورۃ ۳۸ صٓ پ ۲۳، گیارھواں (حٰمٓ) چھ جگہ ۱ سورۃ ۴۰ المومن پ ۲۴ ۲ سورۃ ۴۱ حٰمٓ السجدہ پ ۲۴ ۳ سورۃ ۴۳ الزخرف پ ۲۵ ۴ سورۃ ۴۴ الدخان پ ۲۵ ۵ سورۃ ۴۵ الجاثیہ پ ۲۵ ۶ سورۃ ۴۶ الاحقاف پ ۲۶۔ بارھواں (حٰمٓ عٓسٓقٓ) ایک جگہ سورۃ ۴۲۔ الشوریٰ پ ۲۵۔ تیرھواں (قٓ) ایک جگہ سورۃ ۵۰ قٓ پ ۲۶۔ چودھواں۔ نٓ، ایک جگہ سورۃ ۶۸ القلم پ ۲۹ لفظِ طٰہٰ کی قرءت میں پانچ مختلف اقوال ہیں ۱ طٰہٰ ۲ طٰہٰ ۳ طٰہِ ۴ طٰہٗ ۵ طِہٖ۔ اس کی لفظیت میں دو قول ہیں ۱ یہ الگ الگ دو حرف

تھی ہیں ۔ یہ ایک ہی کلمہ ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک مگر اس کا ترجمہ کوئی نہیں جانتا بجز نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم ۔ اس کے ترجمہ میں چھ قول ہیں ۱۔ اس کا ترجمہ بجز اللہ رسول کوئی نہیں جانتا یہاں تک کہ جبریل بھی نہیں ۔ اور یہ ثبوت ہے اس بات کا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا علم جبریل امین علیہ السلام سے زیادہ ہے ۔ باقی پانچ اقوال میں اس کے ترجمے کئے گئے ہیں ۔ مگر وہ سب غلط ہیں کیونکہ بناوٹی ہیں حدیث پاک سے کوئی ثبوت نہیں ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ مَآ اَنْزَلْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق منفی جمع متکلم فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ہے عَلَيْكَ یہ جار مجرور متعلق ہے ۔ عَلٰی اپنے ہی فوقیت کے معنی میں ہے کَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَلْقُرْاٰنَ ۔ اسم مفرد معرّف باللام عَلَم ہے آخری کتب الٰہیہ کا قَرْنٌ یا قَرْءٌ سے مشتق صیغہ مبالغہ ہے بروزن فُعْلَانٌ مفعول بہ ہے ۔ لام کے تعلیلیہ یہاں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہے ۔ تَشْقٰى ۔ شَقِیٌّ شَقِیْقٌ ہے بمعنی مشقت میں پڑنا واحد مذکر حاضر ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی ۔ اِلَّا حرف اِسْتِثْنَا لغو بمعنی لٰكِنْ حرفِ عاطفہ اگلی عبارت عطف ہے قرآن پر تَذْكِرَةً اسم مصدر باب تفعیل کا تاویل و تعلیل شدہ اصل میں ہے تَذْكِيْرٌ بمعنی نصیحت یاد دہانی ۔ لام جارّہ نفع کا مَنْ اسم موصول يَخْشٰى باب فَتَحَ یا ضَرَبَ کا فعل مضارع واحد غائب خَشْیٌ سے بنا ہے بمعنی ہیبت میں آنا ۔ نافرمانی سے ڈرنا ۔ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا ۔ جار مجرور متعلق ہے تَذْكِرَةً مصدر کا ۔ یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اَلْقُرْاٰنَ پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَنْزِيْلًا ۔ اسم مصدر باب تفعیل سے نَزْلٌ سے بنا ہے ۔ مِنْ جارّہ بمعنی اِلٰی جارّہ ترجمہ ہے طرف سے مَنْ اسم موصول مراد ہے باری تعالیٰ خَلَقَ ۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر هُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے اَلْاَرْضَ ۔ الف لام معرفہ جنسی ارض اسم مؤنث لفظی معطوف علیہ وا ؤ عاطفہ السَّمٰوٰت اسم جمع مؤنث سالم لفظی ۔ اس کا واحد ہے سَمَاءٌ ۔ موصوف ہے اَلْعُلٰى ۔ اسم تفضیل جمع مؤنث اس کا واحد مؤنث ہے عُلْيَا واحد مذکر ہے اَعْلٰى ۔ عَلِیٌّ یا عُلُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی بلند اونچے ۔ یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے هُنَّ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع السَّمٰوٰت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہوا ۔ دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے خَلَقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ۔ موصول صلہ مل کر مجرور ۔ اور یہ جار مجرور متعلق ہے تَنْزِيْلًا

مصدر کا۔ وہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول مطلق ہے مَا اَنْزَلْنَا کا مَا اَنْزَلْنَا فعل اپنے فاعل
مفعول بہ علت اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ مفعول مطلق بننے کی صرف دو
شرطیں ہیں ۱۔ یہ کہ اسم مصدر ہو کسی طرح سے بھی جامد نہ ہو ۲۔ اپنے عامل فعل کا ہم معنیٰ ہو۔ یہ ضروری نہیں
کہ اپنے فعل کا مصدر ہو۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اپنے فعل کے لفظوں جیسا ہو۔ جیسے یہاں اَنْزَلْنَا
تَنْزِیْلًا۔ اور قَعَدْتُ جُلُوْسًا۔ اَلرَّحْمٰنُ اسم صفت صفاتی نام ہے خالق تعالیٰ کا مبتدا ہے۔ عَلَی الْعَرْشِ۔ یہ
جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ اِسْتَوٰی۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے
اِسْتِوَاءٌ سَوٰیٌ سے مشتق ہے بمعنی برابر کرنا قبضہ کرنا درست کرنا یہ افتعال میں متعدی ہوتا ہے ثلاثی
مجرد میں لازم ہوتا ہے۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ مبتدا خبر مل کر
جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَمَا بَیْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰی۔ وَاِنْ
تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ یَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰی۔ لام حرف جر ملکیت کا ہٗ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل مرجع
اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ کا۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ
اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہوئی۔ ھُوَ کا مرجع ما موصولہ ہے چونکہ یہ سارا موصولہ جملہ
مبتدا مؤخر ہے اس لیے معنوی اور حقیقی طور پر اضمار قبل الذکر لازم نہیں آیا۔ اگرچہ ظاہری و لفظی
مرجع بعد میں ہے مَا اسم موصول۔ فِی السَّمٰوٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول
کا۔ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف
علیہ واؤ عاطفہ ما موصولہ فِی الْاَرْضِ اسی طرح موجودٌ کا متعلق ہو کر سب جملہ اسمیہ ہو کر صلہ موصول مل کر
معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصول بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ھُمَا ضمیر مجرور متصل تثنیہ کا سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے پوشیدہ موجودٌ کا یہ سب جملہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ معطوف علیہ واؤ
عاطفہ کا موصول تَحْتَ الثَّرٰی۔ تَحْتَ اسم ظرف مبہم مکانی بمعنی نیچے مضاف ہے یہ ہم معنی ہے
اَسْفَل کا۔ اَسْفَل کا معنیٰ بھی نیچے ہے مگر فرق یہ ہے کہ تحت کا ماقبل اور مابعد دونوں منفصل اشیاء
ہوتے ہیں جیسے یہاں مَا سے مراد چیزیں اور ثَرٰی سے مراد علاقہ۔ اور اَسْفَل ہمیشہ دو متصل
چیزوں کے لیے آتا ہے۔ الثَّرٰی۔ اسم مفرد جامد۔ ثَرْیٌ سے تعلیل ہوئی ی کو الف سے بدل دیا
گیا لغوی ترجمہ ہے گیلی مٹی۔ گیلی زمین۔ مراد ہے زمین کے اندر اور دور ہے زمین سے نیچے کا تمام
علاقہ غیبی۔ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی اسی طرح جملہ ہو کر صلہ اور موصول صلہ معطوف ہوا سب
عطف مل کر مبتدا مؤخر ہے۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاِنْ واؤ بر جملہ۔ اِنْ حرف شرط تَجْهَرْ

باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر خطاب عام انسان سے ہے جَھْرٌ سے مشتق ہے بمعنی زور سے چیخ کر بولنا۔ مضارع کو ان شرطیہ نے جزم دیا۔ یہ فعل بافاعل اور بِالْقَوْلِ جار مجرور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل تحقیقیہ ۂ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اللہ تعالیٰ منصوب متصل ہے کیونکہ اسم اَنَّ ہے۔ یَعْلَمُ عِلْمٌ سے مشتق ہے باب سَمِعَ بمعنیٰ جاننا فعل مضارع۔ اَلسِّرَّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بھید۔ راز۔ یعنی وہ پوشیدہ بات جو صرف دل میں ہو کسی سے بھی نہ کہی گئی ہو اس کی جمع مکسر ہے اَسْرار۔ واؤ عاطفہ۔ اَخْفٰی۔ اسم تفضیل مذکر۔ خَفْیٌ سے مشتق ہے یعنی وہ پوشیدہ بات جو سرگوشی سے بہت ہی آہستہ کی گئی ہو کہ بالکل قریبی تیسرے کو بھی پتہ نہ چلے۔ یہ معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ یَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی۔ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ طٰہٰ۔ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى طٰہٰ

اس کا ترجمہ کیا گیا ہے اے حبیب اے مرد کامل، یہ لفظ قبیلۂ عکل کی لغت سریانی یا قبطی یا نبطی حبشی یا کلبی زبان کا ہے یا قرشی لغت ہے اور ترجمہ ہے یا رجل یا حبیب یا شکلیں حل کرانے والے تفاسیر میں آٹھ اقوال ملتے ہیں ۱ یہ حروف مقطعات سے ہے ۲ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مقدس ہے ۳ یہ اللہ تعالیٰ کا نام ہے ۴ سورت کا نام ہے اس سورۃ کا نام سورۃ کلیم بھی ہے ۵ یہ حروف متشابہات سے ہے ۶ طٰ کا معنیٰ ہے طُوبیٰ (مبارک) اور ھا کا معنیٰ ہادی یعنی اے برکتوں والے ہادی کائنات ۷ طٰ سے مراد طاہر ھا سے مراد ہدایت ۸ بحساب ابجد ط کے عدد نو اور ہ کے پانچ کل ملا کر چودہ یعنی چودھویں کا چاند ۹۔ یہ حروف قسم ہیں ت کو ط بنا یا گیا عربی شعرا اپنے اشعار میں اس کو یا رجل کے معنیٰ میں استعمال کرتے رہے ہیں چنانچہ ابن جریر کا شعر مشہور ہے۔

دَعَوْتُ بِطٰهٰ فِي الْقِتَالِ فَلَمْ يُجِبْ ❊ فَخِفْتُ عَلَيْهِ اَنْ يَّكُوْنَ مُوَائِلًا

مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس ہے اور اس کا ترجمہ صرف نبی کریم کو معلوم ہے مَآ اَنْزَلْنَا یہ قرآن کریم ہم نے اس لیے آپ پر نہیں اتارا کہ آپ اپنے آپ کو مشقت میں ڈال لیں یا آپ کفار کے ایمان نہ لانے سے رنج و غم میں مبتلا رہیں۔ اے پیارے آپ کا کام صرف تبلیغ فرمانا ہے کوئی نہیں مانتا تو جائے جہنم میں آپ کیوں غم فرماتے ہیں۔ آپ ان ضدی خبیثوں کی

وجہ سے اپنے آپ کو بدنصیب یا ناکام نہ سمجھیے۔ قرآن مجید تو کائناتِ عالم کو سعادتیں بخشنے والا ہے شقاوت ضد ہے سعادت کی شقاوت کی بھی دو قسمیں ہیں اور سعادت کی بھی۔ ایک دینوی شقاوت وسعادت اور دوسری اُخروی۔ دینوی شقاوت وسعادت کی تین قسمیں ہیں ۱۔ نفسی شقاوت وسعادت ۲۔ بدنی شقاوت وسعادت ۳۔ خارجی شقاوت وسعادت۔ قرآن کریم اپنے ماننے والوں کو ہر قسم کی سعادت عطا فرماتا ہے اور ہر قسم کی شقاوت سے بچاتا ہے۔ قرآن کریم کی تمام سعادتیں آستانۂ مصطفٰی سے ملتی ہیں اور فقط اسی کو ملتی ہیں۔ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى۔ جس کے لیے یہ قرآن مجید تذکرہ بن گیا اور یہ پاک کلام تذکرہ ونصیحت عبرت کا درس فقط اس کے لیے ہے جس نے خشیت الٰہی کی دولت پالی۔ اِلَّا کا استثنا منقطع ہے اس لیے کہ تذکرہ اور شقاوت علیحدہ چیزیں ہیں ترجمہ ہے لیکن بعض نے فرمایا یہ مستثنیٰ مفرغ ہے خشیت سے مراد رقتِ قلبی نرم دلی ہے چونکہ آقائے کائنات قرآن کریم کے ذریعے ہی وعظ ونصیحت فرمایا کرتے تھے اس لیے اس کو تذکرہ فرمایا۔ رب تعالیٰ نے فرمایا طٰہٰ اے عالمِ امکان کے بدرِ آسمانی اے ملکِ وجود کے ماہِ تمام اے تاریخِ ازلی کے چودھویں کے چہرے والے چاند اے ہادیِ خلق۔ گناہوں سے بچا کر طالبین معرفت کو بارگاہِ علامُ الغیوب کی طرف ہدایتِ کاملہ دینے والے طٰہٰ۔ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَحْمَدُ وَمُحَمَّدٌ فَاتِحٌ وَقَاسِمٌ حَاشِرٌ وَعَاقِبٌ مَاحِيٌ وَطٰهٰ۔ يٰسٓ۔ مَا اَنْزَلْنَا محبوبِ خلق حبیبِ خالق کی خواہش تھی کہ تمام بندے اپنے خالق مالک رازق رحمٰن ورحیم کو پہچانیں اور تعلقِ بندگی قائم کرلیں۔ کفروشرک کی ذلتوں سے نکل کر بندگیِ ذیشان سے عزتِ ابدی حاصل کرلیں۔ پتھر، لکڑی کپڑے کاغذ کی مورتیوں فوٹوؤں تصویروں سے نفرت کرکے جہنم کے راستے سے بچ کر اپنے سچے معبود اور اس کے احکام کو پہچانیں جب بھی پیارے آقا کریم حریصِ ایمان یہ دیکھتے کہ لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ کے خطاب والے کرامتِ ایمان کے تاج والے انسان مورتیوں تصویروں کی تعظیم میں معروف ہیں تو آپ کو انتہائی قلق اور غم کی بے قراری ہوتی۔ رب تعالیٰ کو یہ بے قراریِ محبوب گوارہ نہ تھی کہ محبوب نبی اپنی امت اور لوگوں کے ایمان کے لیے ساری ساری رات نماز وتلاوت بخشش کی دعاؤں فریادوں سرکشوں بدبختوں کی توفیق ہدایت کے لیے کھڑے کھڑے گزارتے۔ مولیٰ کریم نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب یہ قرآن مجید ہر کامیابی کا زینہ ہے اور ہر نیک بختی کے لیے ذریعۂ وافر اور سببِ کامل ہے۔ دینی دینوی تکلیفوں شقتوں سے نکال کر سعادت کا خزینہ بخشنے والا ہے۔ اس لیے کہ تَنْزِيْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ

الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی ۔ یہ کلام اس عظیم وقدیم ہستی ذوالجلال کی طرف سے نازل ہوا ہے جس قادر وقیوم نے تمام روئے زمین کو بھی پیدا فرمایا ہے اور تمام بڑے بڑے بلند آسمانوں کو بھی زمین کا ذکر پہلے ہوا کیونکہ احساسِ انسانی سے قریب بھی ہے اور ظاہر بھی آسمان حواسِ انسانی سے بعید بھی ہے پوشیدہ بھی اس لیے اس کا ذکر بھی بعد میں۔ اگرچہ خالق تعالیٰ تمام اشیاءِ عالمین کا پیدا فرمانے والا ہے مگر انسانی مشاہدات کواکب دعوامِل شجرات حجرات آسمانوں زمینوں ہی میں ہیں اس لیے یہاں صرف ان ہی دونوں کا ذکر ہوا۔ عُلیٰ فرمانے کی وجہ یہ کہ انسانی تقدیر وحادثات احکام وارزاق سب اوپر سے آتے ہیں لفظ عُلیٰ اعلیٰ کا مؤنث تفضیلی ہے اس کا واحد عُلیَا ہے۔ اس فرمان میں شانِ قرآن کا اظہار ہے کہ کلام کی شان کلام والے کی ہیبت قوت قدرت سے پہچانو اتنی قوت طاقت جاہ وجلال کے باوجود وہ کریم اپنی مخلوق پر رحمٰن ہے عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی جس کی ساری کائنات پر ازلی ابدی شہنشاہی ہے اُس عرشِ عظیم پر اُس کا قبضہ وتصرف ہے جو زمین تحتِ الثریٰ اور سمٰواتِ عُلیٰ سے بھی بڑا ہے۔ اِستویٰ کے معنیٰ میں چار قول ہیں ۱؎ وہ عرش کا مالک ہوا ۲؎ عرش پر قابض ہوا قبضۂ شہنشاہی سے ۳؎ متوجہ ہوا غلبہ کی توجہ سے ۴؎ اظہارِ سلطنت فرمایا۔ استویٰ کے تاویلی معنیٰ بھی چار ہیں ۱؎ رکوب ۲؎ جلوس ۳؎ غلبہ ۴؎ تصرّف۔ امام مالک فرماتے ہیں اِستویٰ کا معنیٰ معلوم ہے مگر حقیقت کیفیت مجہول ہے اس پر ایمان واجب ہے مگر اس میں بحث وسوال بدعت سیئہ ہے اور بدعت گمراہی ہے فرماتے ہیں کہ جیسے ابدانِ مومنین کا قبلہ کعبہ ہے اسی طرح قلوبِ مومنین کا قبلہ عرش اعظم ہے اور دعاءِ مسلمین کا قبلہ آسمان ہے۔ اِستواءِ عرش شانِ صفت ہے نہ کہ شانِ ذات اس لیے اَلرَّحْمٰن اسم صفاتی ارشاد ہوا۔ احادیث میں ہے کہ عرش اعظم گول ہے تمام آسمانوں سے بڑا ہے تمام جہانوں کو گھیرے میں لیے ہوئے ہے اس کا نام فلکِ اطلس بھی ہے فلکِ تاسع بھی کبھی کبھی متحرک مثلِ زلزلہ ہوتا ہے۔ فرقہ معتزلہ اور فرقہ تیمیائی کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھتا ہے یہ معنیٰ ہے اِستوا کا ان کے امام ابن تیمیا نے لکھا کہ جب اللہ کرسی پر بیٹھتا ہے تو کرسی چوں چوں کرتی ہے (معاذ اللہ) مگر اہل سنت کے نزدیک یہ عقیدہ باطل اور کفر یہ ہے۔ اس کے رد میں امام اہل سنت امام رازی نے نو دلائل عقلیہ پیش کیے پہلی دلیل۔ بیٹھنے والا جگہ کا محتاج ہوتا ہے اور محتاج الیہ کا محتاج سے پہلے ہونا ضروری ہے اگر اللہ تعالیٰ عرش پر بیٹھتا تو عرش پہلے ہوا اور اللہ کو محتاج ماننا پڑے گا اور یہ ہی کفر ہے اللہ تعالیٰ اُس وقت بھی تھا جب ابھی عرش کا نام نشان بھی نہ تھا۔ دلیل دوم۔ بیٹھنے والے کی

داہنی بائیں کروٹیں لازم اور کروٹ کے لیے مرکب ہونا شرط حالانکہ رب تعالیٰ مرکب ہونے اور اجزاء سے پاک ہے۔ دلیل سوم بیٹھنے والا دو قسم کا ہوتا ہے ایک متحرک و منتقل دوم ساکن جامد۔ متحرک کے لیے کبھی حرکت کبھی سکون لازم یہ کیفیت حادث کی ہے تو لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ حادث ہے۔ اور یہ عقیدہ کفر ہے۔ ثابت ہوا کہ معتزلی و تیمیائی عقیدہ کفریہ ہے دلیل چہارم اگر اللہ تعالیٰ کو صرف عرش پر بیٹھا رہنے والا کہا جائے تو لازم آئے گا یہ تخصیص ہے اور تخصیص دلیل محتاجی اور اگر خاص نہ کیا جائے تو لازم آئے گا کہ اللہ تعالیٰ بیک وقت بہت جگہ بیٹھتا ہے حالانکہ اس کا قائل کوئی نہیں دلیل پنجم اللہ تعالیٰ کی شان ہے لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ اگر اللہ کو جالس مانا جائے تو بت سے جالس بیٹھنے میں اس کی مثل ماننے پڑ جائیں گے یہ بھی کفر ہے دلیل ششم اگر رب تعالیٰ کو جالس عرش مانا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ کو فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے اس لیے کہ قرآن مجید آیت ۷ سورۃ المومن میں ہے اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ یعنی فرشتے اٹھاتے ہیں عرش رب کو اور جالس عرش کو عرش نے اٹھایا حامل کا حامل حامل ہوتا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ مخلوق اپنے خالق کو اٹھالے دلیل ہفتم۔ جہان ایک کرہ ہے کچھ چیزیں اوپر ہیں کچھ نیچے اگر اللہ تعالیٰ عرش پر جالس ہو تو لازم آئے گا کہ کچھ چیزیں اللہ سے بھی اونچی ہو جائیں اور یہ باطل ہے کیونکہ تَعٰلٰى وَعُلُوًّا كَبِيْرًا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ دلیل ہشتم یہ بات ایمانیات میں سے ہے کہ رب تعالیٰ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہے اگر اس کو جالس مانا جائے تو مرکب ماننا پڑے گا اور اقسام و ترکیب لازم آئے گی اور اللہ تعالیٰ واحد حقیقی نہ رہے گا۔ (معاذ اللہ) بیٹھنا اٹھنا لیٹنا وغیرہ مرکبات کی کیفیتیں ہیں۔ دلیل نہم۔ حضرت ابراہیم نے کواکب اجرام فلکی کو دیکھ کر فرمایا تھا۔ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ۔ کیونکہ یہ اجسام ہیں اگر اللہ کو جالس کہا جائے تو ماننا پڑے گا کہ اللہ بھی مجسم ہے اور یہ ہی کفر ہے غرضیکہ تیمیائی عقیدے سب کے سب کفریہ ہیں

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَ اَخْفٰى۔ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ خالق کائنات بھی ہے اور عالم و عالمیان کا فرمان روا بھی ہے حاکم اعلیٰ بھی ہے سموات کی بلندیوں ارضین کی پستیوں میں اُسی کا حکم نافذ و جاری ہے عرش مخلوقات پر اسی کا قبضۂ اِسْتَوٰى ہے ملک و ملکوت پر اسی کی قدرت و کمال کا قبضۂ جبروت ہے حوادثاتِ تامیہ پر اُسی کی اجازت کا ظہور ہے اُس کی وسعتِ شاہی کا کون اندازہ لگا سکتا ہے لامکان کی بلندیاں ثریٰ کی پستیاں جن کا کسی مخلوق کو تصور بھی نہیں ہو سکتا ان سب پر غلبہ و تسلط اسی سلطانِ ارض و سما کا ہے۔ آسمانوں میں ملائکہ اور کواکب

شمس و قمر ستارے جنت عرش حور و قصور غلمان برزخ اعراف وغیرہ لوح و قلم اور زمین میں پہاڑ نہریں بحر بر معدن مخزن اشجار احجار نباتات جمادات انسان جنات و شیاطین و صالحین سب طوعًا و کرھًا اسی کے بندہ محتاج ہیں اور وَمَا بَيْنَهُمَا۔ بادل بارش ہوا ریاح رعد برق ثمر وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى ۔بحر ظلمات آتش فشاں صخرہ بقرہ ندی نون ثور ثرای بدایتہ دل دل ۔ لاوہ تراب۔ ریگ کیچڑ سب اسی کے تابع فرمان و ملکیت تمام میں ہیں تدبیر تابع ہے تقدیر کے اور تقدیر تابع ہے ارادے کے اور ارادہ ... تابع ہے علم کے اور علم تابع ہے کمال کے اور کمال تابع ہے حکمت کے اور حکمت تابع ہے احاطہ کے اسی لیے فرمایا گیا۔ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ۔ اس کو سنانے بتانے کے لیے اگر تو بلند کرے گا قول ذکر یا دا التجاء و دعا کو تو ایسا نہ کر وہ عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ تو يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى ہے۔ بغیر بولے کلام کو اور بغیر ارادہ قلبی والے آئندہ امور و افعال کو بھی جانتا ہے۔ اَلسِّرَّ یعنی کہا ہوا راز اَخْفٰى سوچا ہوا ذہنی چھپا ہوا راز ۲ سوچے ہوئے منصوبے سر ہیں اور آئندہ وہ اعمال جن کو بندوں نے ابھی سوچا بھی نہ ہو وہ اخفٰی ہیں ۳ سر وہ ہے جو بندہ خود سوچے اخفٰی وہ ہے جو القاء ربانی ہو ۴ سر وہ ہے جو بندہ اللہ سے کرے اخفٰی وہ راز ہے جو اللہ تعالیٰ بندے سے کرے ۵ سر وہ خفیہ کام جس کا بندے نے صرف ارادہ کر لیا ہو۔ اخفٰی وہ راز جس کا بندے نے ابھی ارادہ بھی نہ کیا ہو۔ زمین کی چار قسمیں ہیں ۱ تراب ۲ ندی ۳ ثری ۴ صخری۔ تراب سر ہے ندی خفی ہے ثرای سر الاسرار ہے صخرہ اخفٰی ہے۔

وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مسلمانوں کو چاہیے کہ ہمیشہ ظاہری باطنی قباحتوں برائیوں ذلت کے کاموں سے بچتے رہیں اور ظاہری باطنی ہر قسم کی نیکی اطاعت و اتباعِ شریعت کرتے رہیں یہ فائدہ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى سے حاصل ہوا کہ اس آیت میں مکلفین کو زجر و جھڑک ہے گناہوں سے اور ہر حال میں نیکی کرنے کی ترغیب ہے کیونکہ رب تعالیٰ کسی وقت بھی کسی بندے سے غافل نہیں نہ کسی کے عمل سے بے خبر۔ سِرّ و اَخْفٰى سے وہ عمل بھی مراد ہیں جن میں ثواب یا عذاب ہے۔ دوسرا فائدہ سورۂ طٰہٰ کی ان فضیلتوں سے جو حدیثِ مبارکہ میں منقول ہوئیں یہ ثابت ہوتا ہے کہ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش سے بھی دو ہزار سال پہلے پیدا ہو گئے تھے علامہ شوکانی علیہ الرحمۃ نے اپنی تفسیر فتح القدیر جلد سوم صفحہ ۳۵۴ میں اسی آیت کی تفسیر

میں فرمایا کہ حضرت ابو ہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جَلَّ مَجْدُہٗ نے آسمانوں زمین کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے قرآن مجید کی سورۃ طٰہٰ اور سورۃ یٰسٓ کو تلاوت فرمایا۔ قرآن کریم کی ایک سو چودہ ۱۱۴ سورتوں میں صرف یہی دو سورتیں ہیں جن میں شروع سے کسی کو نام لے کر خطاب کیا گیا۔ طٰہٰ بھی بلغتِ عرب خطاب ہے اور یٰسٓ بھی حرف یا کی وجہ سے خطاب ہو گیا جیسا کہ ہم نے ابھی تفسیر عالمانہ میں مفسرین کے حوالوں سے ثابت کیا۔ اور خطاب و ندا کے لیے پہلے منادی و مخاطَب کا ہونا ضروری ہے پس جب طٰہٰ و یٰس کا خطاب و ندا آسمانوں زمینوں اور ان کی مخلوق سے دو ہزار سال پہلے ہوا تو لازم آیا کہ اس خطاب و ندا کے منادیٰ و مخاطَب آقائے کائنات محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اُس سے بھی پہلے سننے سمجھنے کی صلاحیت کے ساتھ موجود ہوں یہ فائدہ طٰہٰ کی تفسیر و لغوی ترجمہ سے حاصل ہوا۔ **نکتہ عجیبہ** ایک دفعہ حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کسی محفل میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقت پر تقریر فرماتے ہوئے نہایت مدلل انداز میں۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ اور یا جَابِرُ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی خَلَقَ قَبْلَ کُلِّ شَیْءٍ نُوْرَ نَبِیِّكَ اور کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ۔ کی احادیث صحیحہ سے اس بات پر دلیلیں پیش فرمائیں کہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خلقت مبارکہ تمام مخلوق سے پہلے ہے بعد تقریر ایک وہابی صاحب نے اعتراض کیا کہ یہ تمام احادیث ضعیف ہیں اوّلاً آپ نے اُن وہابی صاحب سے ضعیف ہونے کا ثبوت مانگا مگر وہابی اپنے اکابر کے پرانے طریقے کی طرح ثبوت نہ دے سکے مگر ضد نہ چھوڑی تب آپ نے فرمایا کہ احادیثِ صحیحہ مشہورہ کو ضعیف کہہ کر تو تم جان بچا لوگے مگر میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی خلقتِ اولیٰ کو قرآن کریم بھی ثابت فرما رہا ہے صرف ذرا تدبرِ قرآنی کی ضرورت ہے چنانچہ آپ نے سورۃ زخرف ۲۵ کی آیت ۸۱ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ۖ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ تلاوت فرما کر بتایا کہ قرآنِ مجید فرماتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بیٹا ہوتا تو وہ بھی قدیم ہوتا اور معبود ہوتا اور تمام مخلوق اس کی عابد ہوتی اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے عابد ہوتے قرآنِ مجید بتانا یہ چاہتا ہے کہ تمام مخلوق میں سب سے پہلے نبی کریم پیدا ہوئے۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا بیٹے کے عابد تو ہوتے مگر اللہ کے پہلے عابد آپ تھے۔ نیز میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے سابقہ واقعات کو الٓمٓ تری سے شروع فرمایا یہ بھی یہی بتا رہا ہے کہ واقعاتِ ماضیہ کے ہزاروں سال پہلے نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم موجود بھی تھے اور دیکھ بھی رہے تھے مجھ بھی رب تھے فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ تیسرا فائدہ اگرچہ قرآن پاک سب کے لیے ہدایت ونصیحت ہے مگر اس سے فائدہ صرف اُن لوگوں کو ملتا ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہوتی ہے یہ فائدہ تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو خشیت حاصل کرنے کی کوشش ورغبت کرنی چاہئے۔ اللہ نصیب فرمائے۔

اَحکامُ القرآن

ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ نماز میں آمین آہستہ کہنا چاہئے کیونکہ یہ دعا ہے اور اللہ تعالیٰ سے عرض وخطاب والنجا وفریاد ہے۔ یہ مسئلہ يَعْلَمُ السِّرَّ وَأَخْفَى سے مستنبط ہوا۔ نیز اس کے علاوہ بہت سی احادیث کی اشارۃ النص سے بھی ثابت ہے کہ آمین آہستہ ہی کہنی چاہیئے چنانچہ بخاری شریف جلد اول صفحہ ۱۰۸ پر ہے کہ اپنی آمین ملائکہ کی آمین سے مشابہ کرو۔ یعنی جس طرح ان کی آمین کسی کو سنائی نہیں دیتی تمہاری بھی سنائی نہ دینی چاہیئے اسی طرح صفحہ ۱۰۹ پر ہے کہ رکوع کے بعد رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ کہو اور اپنا لک الحمد فرشتوں کے لک الحمد کے مشابہ کرو یہاں بھی مشابہت سے یہی مراد ہے کہ جس طرح فرشتوں کا لک الحمد کہنا کسی کو سنائی نہیں دیتا تمہارا بھی نہ سنائی دے۔ تو یہ کیا وجہ کہ ربنا لک الحمد والی اس حدیث پر تو عمل کرتے ہوئے آہستہ کہا جائے اور آمین پھر بھی زور سے چاہیئے کہ دونوں جگہ مشابہتِ ملائکہ قائم رہے۔ ابو داؤد شریف صفحہ ۱۲۸ جلد اول میں ہے۔ عبدالرحمٰن ابن ابی لیلیٰ اپنے والد سے راوی انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو کر نفل نماز پڑھی میں نے سنا کہ آپ نے نماز میں پڑھا۔ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ النَّارِ وَيْلٌ لِّاَهْلِ النَّارِ۔ اور یہ بات متفق علیہ ہے کہ نماز نفل میں سب کچھ آہستہ ہی پڑھا جاتا ہے۔ اس کے باوجود سُن لینا بتا رہا ہے کہ آہستہ آواز بھی سُنی جا سکتی ہے جب کہ قریب ہو تو اسی طرح جس روایت میں ایک صحابی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمین سنی مَدَّ بِهَا صَوْتَهُ آپ نے آمین میں آواز کو کھینچا۔ تو وہاں بھی آہستہ آمین کا ذکر ہے نہ کہ جہر اور بلند آواز کا۔ مَدّ کا معنیٰ جَهَر نہیں ہو سکتا۔ دوسرا مسئلہ۔ قرآن مجید کی تلاوت یا وعظ وتقریر سے کسی کو پریشان کرنا ہر روز لاؤڈ سپیکر تیز آواز سے لگا کر اہلِ محلہ کے بیماروں معذوروں مزدوروں کو ساری ساری رات ستانا جگانا شرعاً حرام وممنوع ہے یہ مسئلہ مَا اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ یہ عقیدہ رکھ کر اللہ تعالیٰ کا ذکر تلاوت تسبیح تہلیل تکبیر دعا مناجات بلند آواز

سے پڑھنا کہ اللہ تعالیٰ کو سنایا جائے اور آہستہ آواز اللہ تعالیٰ نہیں سنتا (معاذ اللہ) کفر ہے ہاں البتہ غفلت سے بچانے سوتوں کو جگانے شیطان کو بھگانے اور بھولے ہوؤں کو ذکرُ اللہ یاد دلانے کے لیے بلند وجہری آواز سے ذکر کرنا ہر جگہ جائز ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ کھانا شروع کرتے وقت بسم اللہ شریف زور سے پڑھنی چاہیے تاکہ بھولے ہوؤں کو یاد آ جائے اور کھانا ختم کرتے وقت اَلْحَمْدُ لِلّٰہ آہستہ کہنی چاہیے تاکہ جو لوگ ابھی کھانا کھا رہے ہیں وہ شرمندگی سے کھانا نہ چھوڑ دیں اور بھوکے نہ اُٹھ کھڑے ہوں یہ مسئلہ یَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰی سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا خَلَقَ الْاَرْضَ وَالسَّمٰوٰتِ الْعُلٰی۔ زمین کی پیدائش کا ذکر پہلے کیا گیا اور آسمانوں کی پیدائش کا ذکر بعد میں حالانکہ دوسری کئی آیت میں خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ہے اور بہت سی روایت سے ثابت بھی ہے کہ آسمانوں کی خلقت پہلے ہے زمین کے بعد میں نیز جمہور علماء اور فلاسفۂ اسلامی کا بھی یہ عقیدہ ہے کہ آسمانوں کی خِلقت پہلے ہے زمین کے بعد میں۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف باب بدء الخلق فصل اوّل میں ہے کہ پہلے عرش پیدا کیا گیا پھر آسمانوں کو اور زمین کو مگر یہاں زمین کا ذکر پہلے ہے اس کی وجہ کیا ہے۔ جواب یہاں تین باتیں سمجھانے کے لیے اَرض کا ذکر پہلے کیا گیا ۱۔ چونکہ عالَم دنیا کا اصلِ اُصول زمین ہے اس لیے زمین کا ذکر کیا گیا ۲۔ یہ آیت انسانوں کو سمجھانے بتانے کے لیے ہے اور انسانی حواس اور حسِ ظاہری کا تعلق زمین سے ہی ہے اور زمین ہی انسان سے قریب اور انسانی ملکیت وتصرف میں ہے اسی پر وہ اتراتا غرور کرتا اکڑتا چلتا پھرتا کفر وشرک وفساد پھیلاتا پھرتا ہے اس لیے انسانوں کو بندہ بنانے کے لیے اِس کی خلقت کا ذکر پہلے کیا گیا۔ ۳۔ نظامِ کائنات کا مرکز زمین ہے اس لیے یہاں اظہارِ حکمتِ پیدائش واصل جہان کی وضاحت کے لیے اَرض کا ذکر پہلے کیا گیا اور ان دیگر آیات واحادیث میں وقتِ خلقت کا ذکر ہے کہ پہلے آسمانوں کی پیدائش ہے پھر زمین کی مگر اس اولیت میں اختلاف ہے اس لیے آسمانی اولیت کے مسلک کو جمہوریت نہیں کہا جا سکتا۔ بعض نے فرمایا کہ زمین کو آسمانوں سے پہلے پیدا کیا گیا یعنی وجوداً زمین پہلے ظہور میں آئی ان کی دلیل میں دو آیتیں ہیں ۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۹ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۲۔ سورۃ حٰم سجدہ آیت ۹ اَىِٕنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ۔

ان دونوں آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ زمین پہلے پیدا ہوئی بعض فلاسفہ نے فرمایا کہ آسمان پہلے ہیں اُن کے دلائل ہیں اگرچہ چند آیٰت اور احادیث ہیں مگر واضح نہیں ہیں مشکوٰۃ کی یہ مندرجہ بالا روایت بھی ثُمَّ کے حرف سے وضاحت نہیں کرتی۔ ہمارے علمانے دونوں قسم کی آیٰت وروایت میں مطابقت اس طرح فرمائی ہے کہ بلحاظِ ایجادِ مادہ آسمانوں کی خِلقت پہلے ہے اور بلحاظِ ظہورِ وجود زمین کی خِلقت پہلے ہے یہ مفہوم ثُمَّ اسْتَوٰی اِلَی السَّمَآءِ سے ماخوذ ہے کیونکہ اِستوا ایجادِ مادہ کے بعد ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں تفسیر میں آپ نے لکھا ہے کہ لفظِ طٰہٰ حروفِ مقطعات میں سے ہے اِس کا ترجمہ صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی رب تعالیٰ عَزَّوَجَلَّ نے تعلیم فرمایا لیکن سنی علماء شعرا اپنی تقاریر و اشعار میں فرمایا اور لکھا کرتے ہیں کہ یہ نبی کریم کے اسماءِ پاک ہیں اور صرف طٰہٰ ہی نہیں بلکہ اشعار میں ہے کہ اَلقاب کیسے کیسے خدا نے کئے عطا ۔

یٰسٓ کہیں پکارا تو طٰہٰ کہیں کہا حٰمٓ نوٓن اور کہیں وَالشَّمْسِ وَالضُّحٰی

سوال یہ ہے کہ اگر یہ حروفِ مقطعات ہوں تو اُن کا ترجمہ کوئی نہیں جانتا لیکن اگر یہ اسماءِ پاک ہوں تو پھران کا ترجمہ سب کو آنا چاہئے۔ ورنہ تضاد بیانی ہوگی اس کا جواب کیا ہے دونوں باتیں کس طرح درست ہوسکتی ہیں۔ جواب۔ کوئی تضاد بیانی ثابت نہیں ہوتی صرف سمجھ کا فرق ہے ہم نے تفسیر میں عُلَماء کے اَقوال سے ثابت کیا ہے کہ اس کا معنی بجز اللہ رسول کوئی نہیں جانتا لیکن علماء کے پیش کردہ اشعار سے صرف یہ واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو ان الفاظ سے خطاب کیا ہے نام دے کر یا القاب عطا کرکے یا کوئی اور راز کی بات فرمائی ہے اگر یہ نام پاک ہی ہوں تب بھی ترجمہ معلوم ہونا ضروری نہیں دنیا میں ہزاروں نام ایسے ہیں جن کا نام ترجمہ ہم میں سے کوئی نہیں جانتا اس لیے اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں نہ کوئی تضاد و تعارض ہے۔ تیسرا اعتراض آپ نے تفسیر میں فرمایا کہ اِسْتَوٰی بابِ افتعال کی وجہ سے متعدی ہے۔ اور عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی کا ترجمہ ہے کہ رب تعالیٰ نے عرش پر شاہی قبضہ فرمایا۔ یا عرش کو درست فرمایا۔ یا برابر فرمایا۔ لیکن دیگر آیٰت سے اِس قول کی نفی ہوتی ہے مثلاً۔ آیت۔ اِسْتَوَتْ عَلَی الْجُوْدِیِّ۔ ترجمہ نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پر ٹھیری یا مثلاً آیت وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰی۔ ترجمہ۔ اور جب وہ اپنی قوت کو پہنچا اور سنبھل گیا اور مثلاً لِتَسْتَوٗا عَلٰی ظُهُوْرِهٖ ترجمہ تاکہ تم اُس کی پیٹھ پر چڑھ بیٹھو۔ ان تمام آیٰت میں اِسْتَوٰا

باب افتعال سے ہی ہے مگر متعدی نہیں ہے بلکہ لازم ہے تو اس طرح یہاں اور دوسری آیت ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ میں بھی یہ لازم ہونا چاہیے اور ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ اللہ رحمٰن عرش پر بیٹھا اور دوسری آیت کا ترجمہ یہ ہونا چاہیے کہ پھر برابری یعنی تشریف آوری اور بیٹھک فرمائی اللہ نے آسمانوں کی طرف تمہارے اعلیٰ حضرت نے بھی اور تفسیر جلالین نے بھی اس صیغے اور مصدر کو لازم ہی تصور فرمایا ہے۔ اور جیسا کہ اُس کی شان کے لائق۔ ترجمہ کر کے ہمارے اعتراض کی توثیق کر دی نیز علماءِ نحو نے بھی باب افتعال کو متعدی نہیں فرمایا ثابت ہوا کہ آپ کا قول درست نہیں ہے اور بابِ افتعال لازم ہی ہوتا ہے متعدی ہرگز نہیں ہوتا (از نیپالی وہابی) جواب تمام علماءِ نحو کے نزدیک بابِ افتعال متعدی ہوتا ہے جیسا کہ تمام نحو کی کتب میں مرقوم ہے اگر چہ اس کا متعدی ہونا دیگر افعال و تفعیل وغیرھما کی طرح خصوصی نہیں ہے مگر ہمیشہ متعدی ہی ہوتا ہے اور متعدی ہونا آٹھ قسم کا ہے (۱) متعدی بالغیر اس کی پھر تین قسمیں ہیں (۱) متعدی بیک مفعول (۲) متعدی بدو مفعول (۳) بسہ مفعول (۴) متعدی بالنفس۔ مثلاً ضَرَبْتُ نَفْسِیْ میں نے اپنے آپ کو مارا (۵) متعدی بِعَلٰی (۶) متعدی بِاِلٰی (۷) متعدی بِمِنْ (۸) متعدی بالعطف جب کہ فاعل کا مفعول بہ پر عطف ہو جائے۔ جیسے کہ لَا یَسْتَوِی الطَّیِّبُ وَالْخَبِیْثُ۔ ترجمہ۔ طیب چیز خبیث چیز کے برابر نہیں وَاسْتَوَتْ عَلَى الْجُوْدِیِّ میں متعدی بنفسہٖ ہے اور ترجمہ اس طرح ہے کہ برابر کر لیا کشتی نے اپنے آپ کو جودی پر یعنی قبضہ جما لیا اُس پر معترض کی پیش کردہ دوسری آیت میں بھی متعدی بنفسہٖ ہے یعنی جب پہنچا وہ جوانی کو اور مضبوط پایا خود کو معترض کی تیسری آیت میں قابض ہونے کا ترجمہ ہے لیکن آیت عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى اور ثُمَّ اسْتَوٰى اِلَى السَّمَآءِ۔ میں متعدی بِعَلٰی اور متعدی بِاِلٰی ہے اور دونوں جگہ قبضہ کرنے کا معنیٰ ہی درست ہے۔ تفسیر جلالین اور اعلیٰ حضرت نے قبضے کا انکار نہ فرمایا بلکہ مشابہتِ قبضے کا انکار فرمایا یعنی اللہ تعالیٰ کا قبضہ بادشاہوں یا مخلوق یا ملکیت والے انسانوں کے قبضے کی طرح نہیں۔ ایسا شکلی مشابہتی قبضہ اللہ کے لیے ماننا کفر ہے۔ یعنی جیسا (قبضہ) اس کی شان کے لائق رہا وہابیوں کا ترجمہ اللہ تعالیٰ کے بیٹھنے یا تشریف رکھنے کا یہ تو اللہ کے لیے کہنا کفر ہے کیونکہ بیٹھنے کے لیے جسم کی محتاجی اور مولیٰ تعالیٰ جسم سے پاک ہے لہٰذا اسْتَوٰى کا ترجمہ قبضہ کرنا بہترین ہے قبضے میں نہ تو جسمانیت شرط ہے نہ محدودیت بلا تشبیہ بادشاہ سارے ملک پر بیک وقت قابض ہوتا ہے مالکِ زمین میلوں لمبی زمین پر قابض ہو سکتا ہے بیٹھنا تو بہت ہی محدود ترجمہ ہے

بلکہ بیٹھنے میں زیادہ جگہ گھیرنی بھی معیوب ہے اور کسی کے متعلق ایسا کہنا اس کا تمسخر یا گستاخی ہے ۔ ہر حال علماء نحو نے باب افتعال کے متعدی ہونے کا کہیں بھی انکار نہ کیا صرف اس کو خصوصیات میں شمار نہ کیا ۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ۔

تفسیر صوفیانہ طٰهٰ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ یَّخْشٰى تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى ۔ اے آسمان معرفت کے بدر کامل اے بساط نبوت کو لپیٹنے والے صفات اختیار کو پانے والے فیوضات تجلیات کو قائم کرنے اور بانٹنے والے اے وہ بندۂ محبوب کہ مکونات عالمین کو جس نے اپنے قدم رحمت سے طے کیا ۔ آنکہ آمد نو فلک معراج او ۔ مَاۤ اَنْزَلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰۤى ۔ ہم نے اس قرآن سینۂ مصطفیٰ کو تیرے قلب شریعت پر اس لیے نازل نہ کیا کہ تیرے خلق عظیم کی سعادتیں نیک بختیاں دنیا و عقبیٰ میں نہ پا سکیں اور عالم ناسوت کی شقتوں بلاؤں میں پڑ جائیں بلکہ اس لیے کہ آسمانوں اور زمینوں والے خلق عظیم کی نعمتیں پائیں بدعملی کی شقاوت سے بچیں کیونکہ شقاوت سعادت کی ضد ہوتی ہے یہ قرآن تو از اول تا آخر تذکرہ و نصیحت ہی ہے لیکن فقط ان خوش بختوں کے لیے مفید ہے جو انوار قدس سے خشیت عجز کی دولت پانے والے ہیں حکایت ایک بزرگ کے پاس دو آدمی گئے کہ ہمیں کچھ نصیحت فرمایئے ایک بہت حسین تھا ایک بہت بدصورت تھا ۔ بزرگ نے فرمایا اے خوب صورت تو نیک عمل کرنا کہ تیرے حسن میں چمک پیدا ہو اور اے بدصورت تو بھی نیک عمل کرنا کہ تیری بدصورتی ڈھک جائے بُرے اعمال سے تیری بدصورتی میں اضافہ نہ ہو ۔ حکایت ۔ ایک دفعہ موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ رب تعالیٰ میں عرض کیا اے مولیٰ تیری بارگاہ میں کون بندہ سب سے اکرم ہے فرمایا جو اپنی زبان کو ذکر اللہ سے تر رکھے عرض کیا کون سا بندہ عالم ہے فرمایا جو میری ذات کو سب سے بڑا عالم سمجھے عرض کیا کون سا بندہ عادل ہے فرمایا جو روز از سب سے پہلے اپنے نفس کا انصاف کرے اور اپنے اعمال کا محاسبہ و گرفت کرے ۔ عرض کیا کون سا بندہ اعظم ہے فرمایا جو مجھ کو ہر عیب و نقص سے پاک سبحان و تعالیٰ جانے عرض کیا کونسا بندہ سب سے بڑا مجرم ہے فرمایا جو مجھ پر اور میرے انبیاء پر کسی عیب و نقص کی تہمت لگائے ۔ عرض کیا کونسا بندہ مقبول ہے فرمایا جو صرف کلام مجید کو تذکرہ و قانون و احکام کا خزانہ سمجھے کیونکہ یہ قرآن مجید تَنْزِیْلًا مِّمَّنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَ السَّمٰوٰتِ الْعُلٰى ۔ اُس ذات جلال اور متصف صفات جمال و کمال کی طرف

سے نازل ہوا ہے جس نے عالمِ ارواح کے بلند و بالا آسمانوں کو پیدا کیا ہے اور عالمِ اجسام کی جسم مطلق والی زمینوں کو پیدا کیا ہے اور ان میں تجلیاتِ انوار کو طبقاتِ غیوب کے پردوں میں چھپایا۔ آسمانِ روحانیت کے مراتبِ کمال سینۂ حبیب کے قلبِ عُلی میں پیدا کیے اور ارضِ مشاہدات کو بدنِ محبوب میں پیدا فرمایا۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى رحمٰن نے رحمۃ للعالمین کے عرشِ وجودِ کل پر صفاتِ رحمانیت و ظہورِ فیوضِ عالم کے غلبہ استوا کا جلوہ فرما کر نبوتِ تامہ کا خاتم و مظہر بنایا۔ اسی لیے محبوب کا ظلِ بدنی نہ رہا۔ کیونکہ مظہرِ صفاتِ کمالیہ کا سایہ نہیں ہو سکتا بقاءِ حق کے ساتھ فناءِ عرضیات لازم اشد ہے۔ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَمَا تَحْتَ الثَّرٰى۔ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى اسی کی سلطنتِ قہریہ کے تحت ہے جو کچھ کہ روحانیتِ قوبیہ کے آسمانوں میں ہے اور جو خواہشاتِ عوارضات لوازماتِ بدنیہ کی زمین میں ہے اور جو کچھ ثراءِ مخفیہ کی فنا میں ہے سب اسی کا ہے۔ بجز اُس کے امر کے نہ کچھ پایا جاتا ہے نہ متحرک ہے نہ ساکن ہوتا ہے نہ تغیر نہ تبدل نہ ثبوت نہ نفی۔ فناءِ کلی مقہور ہے اُس کی وحدانیت سے نہ کچھ سنائی دیتا ہے نہ دکھائی دیتا ہے نہ پکڑنے کی قوت نہ چلنے کی طاقت نہ بولنے کی ہمت بس حیرت ہی حیرت ہے کیا کہیں کس سے کہیں کس کو سنائیں کون سنے۔ وَاِنْ تَجْهَرْ بِالْقَوْلِ اے بندہ مسافر اگر قوتِ گویائی کا مظاہرہ کرے تو بے فائدہ ہے اپنے نفسِ فانی پر بوجھ نہ ڈال۔ ذاتِ وَحدہٗ کو تیرے بولنے کی حاجت نہیں فَاِنَّهٗ يَعْلَمُ السِّرَّ وَاَخْفٰى۔ وہ ظواہرِ اجسام اور بواطنِ اَوہام کو جانتا ہے اسی طرح سرِّ اسرار کو جانتا ہے۔ اہلِ تحقیق کی اصطلاح میں سِر ایک لطیفہ ہے قلب و روح کے درمیان اور وہی اسرارِ روحانیہ کا معدن ہے اور اَخفیٰ وہ لطیفہ ہے جو روحِ طیرانی اور حضرتِ قدسیہ الٰہیہ کے درمیان ہے وہی انوارِ ربوبیت کا مَہبط اور اسرارِ الٰہیہ کا منظر ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سِر اور اَخفیٰ اُن مجرداتِ خمسہ سے ہیں جن کو عرشِ مخفیہ کے اوپر نظرِ کشف سے ہی دیکھا جا سکتا ہے اور اُن کی بروزی شعاعیں یعنی نورانیت کا پرتو بدنِ انسانی میں ہوتا ہے اُن مجرداتِ خمسہ کے منظر پانچ یہ ہیں ۱ مجردِ قلبی ۲ مجردِ روحی ۳ مجردِ سِری ۴ مجردِ خفی ۵ مجردِ اَخفیٰ قلبِ مومن مَہبطِ تجلیات ہے۔ آستانۂ اسرار چھ ہیں پہلا آستانہ روحِ محمدی دوسرا آستانہ ولایتِ آدم تیسرا آستانہ ولایتِ نوحی چوتھا خفی ولایتِ ابراہیم پانچواں آستانہ اَخفیٰ ولایتِ موسیٰ چھٹا آستانہ سِرُّ الاَسرار ولایتِ عیسوی علیہم السلام۔ جس بندے طالب کو ان آستانوں کی حاضری نصیب ہوتی ہے ان کا رول

رواں عبادت کرتا ہے اور بندگی کا اقرار کرتا ہے اُن کی عبادت ملائکہ کے ہم پلہ ہوتی ہے۔ سچا انسان ایمان ایثار سخاوت وخدمت کو پسند کرتا ہے اور اپنا سارا وقت خدا کے بندوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیتا ہے اور اسی کو فضیلت سمجھتا ہے یہاں تک کہ وہ اُسے اپنے نوافل اور دوسرے نیک اعمال پر بھی ترجیح دیتا ہے اسی کا نام خلوصِ قلبی ہے لیکن جو شخص مفاداتِ دیتوی کے لیے بندگانِ الٰہی کی خدمت یا عبادتِ الٰہی کرتا ہے یا اعمال میں جلد بازی کرتا ہے وہ حقیقی خادمِ دین نہیں۔ بلکہ وہ نفسیات کا خادم ہے مفادِ نفسانی نہ حاصل ہو تو توجہ بھی قائم نہیں رہتی مفاد پرست کی چار نشانیاں ہیں (۱) اپنی خدمت کو جہر قولی سے افشا کرنا (۲) احسان جتانا (۳) خدمت کا بدلہ چاہنا بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ جن لوگوں کی خدمتِ دینی کرتا ہے اُن سے خود کام لیتا ہے (۴) کثرتِ طالبین و مریدین کو ذریعۂ شہرت وعزت بناتا ہے حالانکہ طالب حقیقی سِرّ وخفی کا متلاشی ہوتا ہے ذکر بالجہر اللہ تعالیٰ کو بتانے کے لیے نہیں بلکہ تصورِ ذات کو راسخ کرنے اور مشغولیتِ غیر کو روکنے خشوع وخضوع کو قائم رکھنے کیلئے ہے اسی لیے بعدہٗ فرمایا گیا اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ⑧

وہ اللہ ہے ایسی شان کا کہ کہیں بھی کوئی سچا معبود نہیں مگر وہی ہے اُسی کے لائق ہیں سارے اچھے نام

اللہ کہ اُس کے سوا کسی کی بندگی نہیں اُسی کے ہیں سب اچھے نام

وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى ⑨ اِذْ رَاٰ نَارًا

اور بے شک پہنچ گئی تم کو موسیٰ کی وہ بات جب کہ سمجھی انہوں نے آگ

اور کچھ تمہیں موسیٰ کی خبر آئی۔ جب اُس نے ایک آگ دیکھی

فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّيْٓ

تو کہا اپنی اہل بیت کو تم ذرا یہیں ٹھہرو۔ بے شک مجھے کچھ آگ نظر پڑی ہے شاید

تو اپنی بی بی سے کہا ٹھہرو مجھے ایک آگ نظر پڑی ہے شاید

اٰتِيْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ

میں تم کو لا دوں اس میں سے کچھ آگ کا شعلہ یا آگ کے پاس کسی سے کچھ

میں تمہارے لیے اس میں سے کوئی چنگاری لاؤں یا آگ پر

هُدًى ⑩ فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِيَ يٰمُوْسٰى ⑪

معلومات پالوں۔ پھر جب آگئے وہ اس آگ کے پاس تو پکارا گیا اے موسیٰ

راستہ پاؤں۔ پھر جب آگ کے پاس آیا ندا فرمائی گئی کہ اے موسیٰ

اِنِّيْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ

بے شک میں ہی تمہارا رب ہوں لہٰذا اب تم اپنے دونوں جوتے اتار دو کیونکہ تم برکت دی ہوئی

بے شک میں تیرا رب ہوں تو تو اپنے جوتے اتار ڈال بے شک تو پاک

الْمُقَدَّسِ طُوًى ۭ⑫ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ

مقدس جنگل میں ہو۔ اور میں نے چن لیا ہے تم کو اس لیے غور سے سنو

جنگل طوٰی میں ہے۔ اور میں نے تجھے منتخب کیا اب کان لگا کر سن

لِمَا يُوْحٰى ⑬ اِنَّنِيْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا

اس کو جو اب وحی کی جاتی ہے کہ بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی بھی سچا معبود کہیں بھی میرے سوا موجود نہیں

جو تجھے وحی ہوتی ہے۔ بے شک میں ہی ہوں اللہ کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں

فَاعْبُدْنِيْ ۙ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ ⑭

لہٰذا میری ہی عبادت کرو اور قائم رکھو نماز کو میری یاد کے لیے۔

تو میری بندگی کر اور میری یاد کے لیے نماز قائم رکھ

تعلقات اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِس سورۃ کو اپنے حبیب کریم کے ایک صفاتی نام طٰہٰ سے شروع فرمایا اب اِن آیت میں رب تعالیٰ نے اپنے صفاتی اسماءِ حسنیٰ کا ذکر فرمایا دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کو پکارنے کا طریقہ سکھایا گیا کہ اے لوگو اپنے رب تعالیٰ کو ندا کرتے پکارنے کے لیے بلند آواز سے چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں۔ اب اِن آیت میں رب تعالیٰ کی ندیٰ فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے کہ اُس ذاتِ کریم جَلّ وعَلیٰ نے بھی ایک دفعہ اپنے کلیم حضرت موسیٰ کو پکارا تھا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں آسمانوں کی بلندی کا ذکر کرتے کے بعد رب تعالیٰ کے عرش پر استوای فرمانے کا ذکر ہوا جو آسمانوں سے بھی دور اور بلندی پر ہے۔ اِن آیت سے بعض کفار نے بطور طعن کہا کہ مسلمانوں کا خدا تو بہت دور ہے آج بھی آریہ ہندو وغیرہ اِسی قسم کی گستاخیاں کرتے ہیں۔ ان کا جواب اِن آیت میں دیا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ دور نہیں وہ ہر جگہ قریب ہے اُس رَبِّ قدیر نے طور پہاڑ پر اپنے کلیم حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا فرمائی۔

تفسیر نحوی اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی۔ اللّٰہُ۔ یہ لفظ اسم ذاتی ہے رب تعالیٰ کا۔ اور اس لفظ میں عجیب حیران کُن قدرت کا کرشمہ ہے آج تک اس لفظ کی حقیقت بھی کوئی نہیں جان سکا تمام دانشور اہل عقل علم نحو و صرف کے علماء متبحرین ورطۂ حیرت میں غرقاب ہیں۔ نہ کوئی سمجھ سکا کہ یہ معرفہ ہے یا نکرہ معرّف باللام ہے۔ یا غیر معرّف مبنی ہے۔ یا معرب اب تک کسی کو یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ مشتق ہے یا جامد۔ عجب شان کا یہ لفظ ہے بہت سے لوگوں نے اپنے ذہنی اختراع کے مطابق کچھ خامہ فرسائی کی ہے مگر وہ سب کچھ صرف گھیسا پٹی ہے۔ جیسا کہ ہمارے لوگوں کی ہر بات میں اختلافی دخل اندازی کی پُرانی عادت ہے بہرکیف اُس لفظ عظیم کے متعلق کچھ کہا نہیں جا سکتا مقامِ غور ہے کہ جس کے نام کی یہ معجزانہ شان ہے کہ تمام علوم کے علماء عاجز رہ گئے اس کی ذات یکتا کی کُنہ کون پا سکتا ہے۔ لفظ اللہ کے خود ساختہ اشتقاق اس طرح ہیں ۱۔ کسی نے کہا یہ اَلِہٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ متحیر کرنا ۲۔ کوئی بولا نہیں بلکہ اَلِہٌ سے ہے ۳۔ نہیں بلکہ اُلُوْلَہٌ سے ہے ۴۔ نہیں نہیں یہ تو اَلْوَلَہٌ سے ہے ۵۔ یہ لَاہٌ سے

بنا ہے ۸ یہ لَاہٗ سے مشتق ہے بمعنی اُلُوْہٌ سے ہے ۸ یہ تو رالٔتُ سے ہے ۹ یہ وَلَہٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ علی الترتیب ۱ متحیر کرنا ۲ سکون دینا ۳ عقل گم ہو جانا ۵ بلند ہونا ۶ مخفی ہونا ۷ راغب کرنا ۸ عطا کرنا ۹ مالک ہونا۔ مگر یہ سب غلط ہے۔ صحیح یہی ہے کہ

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم ٭ وز ہر چہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم

لفظِ اللہ پورے قرآنِ مجید میں تقریباً دو ہزار چھ سو ستانوے ۲۶۹۷ دفعہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ لفظِ اللہ کی چند خصوصیات ۱ یہ لفظ مشتق نہیں ہے ۲ اس کے حروف علیحدہ علیحدہ کرنے سے بھی معنی نہیں بگڑتا ۳ تاءِ قسمیہ صرف اسی پر داخل ہو سکتا ہے ۴ لفظ اَلْحَمْدُ بھی صرف اسی کے ساتھ خاص ہے ترکیب نحوی میں یہاں ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا پوشیدہ ہے۔ اللہ موصوف۔ لَا۔ حرف نفی جنس اِلٰہَ اسم نکرہ مفرد مبنی بر فتحہ اسم ہے لَا کا حَقٌّ یا ثَابِتٌ یا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ ہے جو مستثنیٰ منہ پوشیدہ محذوف ہے۔ اِلَّا۔ حرف استثنیٰ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مستثنیٰ مفرغ ہے خیال رہے کہ مستثنیٰ کی تین قسمیں ہیں ۱ مستثنیٰ متصل وہ ہے کہ مستثنیٰ منہ میں شامل ہو اور نکالا جائے ۲ مستثنیٰ منفصل جو شامل نہ ہو اور نکالا جائے ان دونوں میں مستثنیٰ منہ مذکور ہوتا ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کسی کا مستثنیٰ منہ مذکور نہ ہو یا ہو ہی نہ تو وہ مستثنیٰ مفرغ ہے۔ مستثنیٰ مفرغ ہمیشہ مرفوع ہوتا ہے یہ مستثنیٰ اپنے پوشیدہ مستثنیٰ منہ سے مل کر خبر ہے لَا کی لَاءِ نفی جنس اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے۔ اللہ موصوف صفت مل کر خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یہ کلمہ اصلاً اس طرح تھا اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ حَقٌّ (ثَابِتٌ) اِلَّا ھُوَ ترجمہ ہے وہ اللہ اس شان کا ہے کہ نہیں ہے کوئی سچا معبود مگر وہی۔ بعض نے کہا۔ یہاں اِلَّا بمعنی غَیْرَ ہے۔ ایک قول میں اِلَّا بمعنی سوا (علاوہ) ہے لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ لام جارہ ملکیت یا نسبت یا صفت کا۔ ہٗ ضمیر مجرور کا مرجع اَللّٰہُ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ لَائِقٌ یا ثَابِتٌ اسم فاعل کا۔ الف لام معرفہ استغراقی اَسْمَآءُ اسم جمع مکسر موصوف اَلْحُسْنٰی۔ اسم تفضیل واحد مؤنث معرف باللام اس کا مذکر ہے اَحْسَنُ۔ چونکہ اَلْاَسْمَآءُ جمع مکسر ہے اس لیے اس کی صفت واحد مؤنث ہے۔ یہ مرکب توصیفی فاعل ہے لَائِقٌ یا ثَابِتٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ ھَلْ حرف سوالیہ ہے مگر یہاں بمعنی قَدْ ہے یعنی بے شک اَتٰی بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق اَتْیٌ سے بنا ہے کَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ حَدِیْثُ اسم مفرد صفت مشبہ حَدَثٌ سے مشتق بمعنی نو پید

نئی چیز یا واقعہ بات کو حدیث اسی لیے کہا جاتا ہے کہ ہر آن نئی ہوتی ہے نئے منہ سے سرزد ہوتی رہتی ہے۔ یہاں مراد ہے واقعہ مضاف ہے۔ لفظِ موسیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مُبدَلٌ منہ۔ اِذْ۔ اسم ظرف اس کی چار قسمیں ہیں ۱۔ ظرف زمانی ۲۔ ظرفِ مکانی ۳۔ مفاجاتی (اچانک کے لیے) ۴۔ یا کبھی یہ حرفِ تاکیدی بن جاتا ہے۔ یہاں ظرفِ زمانی کے لیے ہے بمعنی جس وقت رَاٰی رَاْیٌ سے مشتق ہے ماضی مطلق واحد غائب بمعنی دیکھنا۔ غور کرنا سمجھنا محسوس کرنا۔ اَفعالِ قلوب میں سے ہے یعنی عقل سے اندازہ لگانا ھُوَ ضمیر فاعل نارًا اسم مفرد مذکر مفعول بہٖ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ قَالَ فعل با فاعل لِاَھْلِہٖ لام جارہ تقدیہ اہل مضاف ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع موسیٰ علیہ السلام یہ مرکبِ اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے قَالَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اُمْكُثُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر جمع مذکر مُکْثٌ سے مشتق ہے بمعنی ٹھیرنا اَنْتُمْ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے اس جمع مخاطب سے مراد ایک قول میں صرف آپ کی زوجہ ہیں۔ اور ایک قول میں بیوی صاحبہ خادم نومولود بچہ مراد ہیں پہلے قول میں تفخیم کے لیے واحد پر جمع صیغہ آسکتا ہے۔ اِنِّیْ اِنَّ حرفِ تحقیق یْ اس کا اسم اٰنَسْتُ۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق بمعنی ماضی قریب واحد متکلم اس کا مصدر ہے اِینَاسٌ اُنْسٌ سے بنا ہے بمعنی العقل سے محسوس کرنا اندازہ لگانا نارًا اسم مفرد مذکر مفعول بہٖ لَعَلِّیْ اٰتِیْ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع احتمالی واحد متکلم کُمْ مفعول بہٖ۔ مِنْ حرفِ جر تبعیضیت کا ھَا ضمیر کا مرجع نارًا مذکر ہے بِ زائدہ تعدیہ کا قَبَسٍ اسم مفرد جامدِ حاصل مصدر بمعنی لغوی اُچکنا، چھیننا یکبیں مارنا۔ اسی سے ہے اقتباس بمعنی علم اور معلومات حاصل کرنا۔ قابوس بھی اسی سے ہے بمعنی مقباس آگ کا لکپیں مارنے والا شعلہ اور چنگاری مراد ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَعَلِّیْ اٰتِیْ فعل اپنے پوشیدہ متکلم فاعل اور مفعول بہٖ دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف۔ اَجِدُ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد متکلم اَنَا پوشیدہ فاعل وَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنی پانا حاصل کرنا عَلَى النَّارِ یہ جار مجرور متعلق ہے ھُدًا۔ اسم مصدر ثلاثی جامد حاصل مصدر بمعنی رہنمائی۔ راستے کا پتہ معلومات یا بمعنی ہادی مفعول بہٖ ہے۔ اَجِدُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر معطوف علت ہوا آنَسْتُ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے اُمْكُثُوْا کی وہ جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا یہ قول مقولہ

مل کر معطوف ہوا اِذْ رَاٰ کا دونوں مل کر بدل الکل ہوا حَدِیْثُ مُوْسٰی کا یہ مُبْدَلٌ مِنْہُ اور بدل مل کر فاعل ہوا اَتٰی کا، یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

فَلَمَّآ اَتٰىهَا نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًی وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ ف زائدہ بمعنی ثُمَّ۔ لَمَّا حرف ظرفِ زمانی اَتٰی فعل با فاعلِ پوشیدہ اَتٰی سے مشتق ہے بمعنی آنا پہنچنا ھَا ضمیر منصوب متصل ظرف ہے بمعنی اُس کے پاس اس کا مرجع ہے نَارًا۔ لَمَّا تین قسم کا ہوتا ہے ۱ حرفیہ ۲ استثنائیہ ۳ شرطیہ۔ یہاں شرطیہ ہے۔ اَتٰىهَا جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے نُوْدِیَ۔ باب مفاعلۃ کا ماضی مطلق مجہول ندیٰ سے بنا ہے بمعنی پکارنا اس کا مصدر ہے مُنَادَاۃٌ، مُنَادَۃٌ۔ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے مفاعلۃ کی تین خصوصیات ہیں ۱ شارکت ۲ دعا ۳ فاعلیت یا مفعولیت کی حصریت یعنی اس نے ہی کیا یا اس کو ہی کیا یہاں اسی معنی میں ہے۔ یَا حرفِ ندا موسیٰ منادیٰ اگلی تمام عبارت آیت ۱۶ تک اس کا بیانِ ندا ہے۔ اِنَّ حرفِ تحقیق ی ضمیر واحد متکلم اس کا اسم منصوب متصل ہے اس ہی اس کی تاکید میں ضمیر منفصل اَنَا واحد متکلم آئی۔ اَنَا مبتدا رَبُّكَ یہ مرکبِ اضافی اس کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ اِخْلَعْ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع موسیٰ نَعْلَیْ اسم تثنیہ مضاف ہے اضافت سے نون گر گئی اور اسم غیر تامہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عربی میں معرب اسماء نون اعرابی سے مکمل اور تام ہوتے ہیں اور نون اعرابی پانچ قسم کی ہے ۱ نونِ تنوین جیسے زَیْدٌ ۲ نونِ تثنیہ جیسے مُسْلِمَانِ ۳ نونِ مشابہ تثنیہ جیسے اِثْنَانِ ۴ نون جمع جیسے مسلمون ۵ نون مشابہ جمع جیسے عِشْرُوْنَ اَجْمَعُوْنَ اَكْتَعُوْنَ وغیرہ یہ مرکب مفعول ہے اِخْلَعْ کا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ كَ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم ب جارہ بمعنی فی الف لام عہدِ خارجی وَادِیْ، اسم مفرد معرفہ بمعنی پہاڑی جنگل اس کی جمع اَوْدِیَۃٌ ہے موصوف ہے اَلْمُقَدَّسِ بابِ تفعیل کا اسم مفعول واحد مذکر صفت ہے۔ طُوًی، اسم مفرد نکرہ یہ علاقہ طور کا صفاتی نام ہے بمعنی برکت دیا ہوا۔ رات میں طے کیا ہوا صفت مشبہ ہے بروزنِ فُعْلًا اصل میں طُوَیٌ تھا اس کی چار قرأتیں ہیں ۱ طُوًی ۲ طُوٰی ۳ طِوًی ۴ طِوٰی۔ یہ بدل الکل ہے وادی مقدس کا دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے فَاخْلَعْ کی یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے اِنِّیْٓ اَنَا پر دونوں مل کر پھر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ اَنَا، ضمیر واحد متکلم مبتدا، اِخْتَرْتُ، باب افتعال کا ماضی مطلق واحد متکلم اس کا مصدر ہے اِخْتِیَارٌ

خَیْرٌ سے بنا ہے بمعنی اچھی لینا۔ پسند کرنا۔ کَ ضمیر اس کا مفعول بہٖ فَ سببیہ اِسْتَمِعْ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ فاعل۔ لام جارہ تعدیہ ما موصولہ یُوْحٰی۔ باب افعال کا مضارع مجہول اگلی عبارت اس کا نائب فاعل۔ اِنَّ حرف تحقیق نون وقایہ لیکن صحیح تر یہ ہے کہ یہ نون تشدید کی دوسری نون ہے مثلاً اِنَّنَا میں بھی دوسری ہی نون مشدد ہے اِنَّ کی یٰ متصل ضمیر واحد متکلم اس کا اسم ہے اَنَا منفصل ضمیر واحد متکلم مبتدا۔ اَللّٰہُ تمیز ہے یا موصوف ہے۔ لَا حرف نفی جنس اِلٰہَ اس کا اسم اِلَّا حرف استثنائیہ اَنَا ضمیر مستثنیٰ مفرغ کیونکہ مستثنیٰ منہ اَحَدٌ مذکور نہیں ہے یہ اَنَا موجودٌ پوشیدہ کی خبر ہے یا مبتدا ہے دونوں جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَا نفی کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر تمیز ہے یا صفت اللہ کی دونوں خبر ہے اَنَا مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ اُعْبُدْ۔ باب نصر کا امر حاضر واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل نون وقایہ یٰ ضمیر مفعول بہ یہ فعل امر اپنے فاعل اور مفعول بہٖ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَقِمْ باب افعال امر حاضر واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے اَلصَّلٰوۃَ اسم مفرد مؤنث لفظی مفعول بہ ہے لام حرف جارہ تعلیلیہ سببیہ یا تعلیلیہ یا وقتیہ یا بمعنی عِنْدَ ذِکْرِ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی یاد۔ یٰ ضمیر مضاف الیہ۔ خیال رہے کہ یہاں تمام واحد متکلم کی ضمائر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اور واحد مذکر حاضر ضمائر کا مرجع موسیٰ علیہ السلام ہیں یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَقِمْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَاعْبُدْ کا دونوں مل کر معطوف اَنَا اللّٰہُ پر دونوں مل کر خبر ہے اِنَّنِیْ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل ہے یُوْحٰی کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا لِمَا کا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے فَاسْتَمِعْ کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مسبب ہوا اِخْتَرْتُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَا مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اِنِّیْ اَنَا رَبُّکَ پر یہ دونوں عطف مل کر بیان اوّل ہوا یا ندائیہ کا اس کا بیان دوم اِنَّ السَّاعَۃَ سے یٰمُوْسٰی تک ہے یا حرف ندا اپنے منادیٰ اور دونوں بیانوں سے مل کر نائب فاعل ہے نُوْدِیَ کا۔ وہ جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے فَلَمَّا اَتٰی کی یہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ۔ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی۔ وَھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ مُوْسٰی اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ ھُدًی۔ کائنات میں اللہ ہی ہے سب کی سننے والا ہر اونچی نیچی سننے

والا ہر خفی اور اَخفیٰ جاننے والا کوئی بھی کہیں بھی معبود نہیں فقط وہی معبود و مسجود ہے نہ آسمانوں کی بلندیوں میں نہ زمینوں کی پستیوں میں پس اللہ ہی اللہ ہے غائب ہے حواس مخلوق سے ظاہر ہے قدرتوں سے ذرہ ذرہ میں اسی کا آسمان و زمین ہے کسی کا کوئی بھی آسمان نہیں بجز اُس کے لہٰذا وہی عبادتِ مخلوق کے لائق ہے۔ جس کی ملکیت کائنات پر ہو وہی اِلٰہ ہے جو اِلٰہ ہو اسی کی سب صفاتِ کمالیہ ہیں اور جس کی صفات ہوں اسی کے اَسماءِ صفاتی ہو سکتے ہیں صفاتی نام صفات کے مظہر ہوتے ہیں جس کی جتنی صفتیں ہوں گی اُتنے ہی صفاتی نام اور جتنے صفاتی نام اتنی ہی صفتیں۔ اس لیے لَهُ الْاَسْمَاءُ الْحُسْنٰى اللہ تعالیٰ کے صفاتی نام بے شمار ہیں کیونکہ صفات بے شمار ہیں ہر صفتی نام ایک صفت کا مظہر ہوتا ہے۔ حُسنیٰ سے مراد صفات کمالیہ۔ یعنی اللہ کی ہر صفت ہی کمالی ہے اس کا جبر و قہر بھی حُسنیٰ اور کمالی ہے اللہ رَبُّ العزت کے چار ہزار نام تو وہ ہیں جو مخلوق کو معلوم ہوئے تین ہزار نام انبیاءِ کرام علیہم السلام کو معلوم ہیں ایک ہزار فرشتوں کو معلوم ہیں تین سو نام توریت شریف میں تین سو زبور مقدس میں تین سو انجیل پاک میں ایک سو نام قرآن مجید میں جن میں سے ننانوے نام ظاہر اور ایک نام پوشیدہ ہے اس نام پاک کے چار حروف ہیں اور ایک ایک حرف چار صحابہ کو یاد ہے وہی اُن کا اِسم اعظم ہے۔ وہ پورا نام بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو معلوم نہیں۔ وہی آپ کا اِسم اعظم ہے اور انہی کے ورد سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سیرِ معراج میں گئے تھے۔ حُسنیٰ سے ذاتی حُسن مراد ہے نہ کہ فقط لفظی اور صوتی حُسن ذاتی ہی معنوی حُسن ہے اسماء جمع ہے اسم کی معنیٰ ہے صفت اَسماءِ حُسنیٰ یعنی صفات عُلیا۔ صفت پر دلالت کرنے والا۔ وَهَلْ اَتٰكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى یہ سوال اقراری ہے یعنی اے حبیب کریم آج سے کئی زمانوں پہلے یا اُن کی آیت سے پہلے یا قرآن مجید سے پہلے بذریعے الہام اور وحیِ خفی آپ کو تو پہلے ہی موسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بتا دیا گیا ہے جو وادیِ مقدس میں پیش آیا۔ بعض لوگوں نے کہا کہ یہ سوال انکاری ہے یعنی اس سے پہلے آپ کو موسیٰ علیہ السلام کا کوئی ذکر نہ سنایا گیا مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ ابھی سورۃِ مریم میں موسیٰ علیہ السلام کا ذکر آیت ۵۱ میں گزرا اور سورۃِ مریم اسی سے پہلے نازل ہوئی۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ نَارًا جب دور سے آگ دیکھی تو فرمایا اپنی بیوی صفورا کو اہل کا اصل معنیٰ بیوی ہے لیکن مجازاً اولاد، غلام، لونڈی، خدام نوکر چاکر، دوست احباب رشتے داروں کو بھی کہدیتے ہیں اسی طرح اہل بیت ہر اُس شخص کو کہدیا

جاتا ہے جو کسی کے گھر میں اُس کی زیر تربیت رہتا ہو۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی نکاح شادی کے تقریباً ایک سال بعد اپنے سُسر حضرت شعیب علیہ السّلام سے مصر جانے اور اپنی والدہ و ہمشیرہ اور بھائی حضرت ہارون سے ملنے کی اجازت لی اور اپنی بیوی کو ہمراہ لیا اور پر انا راستہ علاقہ شام کو چھوڑ کر نزدیکی راستہ وادیِ طویٰ کے طرف چل پڑے اس راہ پر پہلی دفعہ آئے تھے راستہ بھول گئے۔ جمعہ کی اندھیری برفانی ٹھنڈی رات تھی بیوی صاحبہ آٹھ یا نو ماہ کی حاملہ تھیں وقت بھی قریب الولادت تھا۔ اَوّلاً خیال تھا جلدی پہنچ جائیں گے مگر راستہ بھول گئے۔ یا تو خدام ساتھ ہی نہ تھے اور یا پاس ہی تھے اور سب کو فرمایا اُمکُثُوا تم سب یہیں ٹھیرو میرے پیچھے نہ آنا۔ لفظ اہل لفظاً واحد ہے مگر معناً ایک کو بھی کہہ سکتے ہیں اور بہت سوں کو بھی۔ اگر صرف بیوی مراد ہیں تو اُمکُثُوا جمع فرمانا احترام کے لیے ہے کیونکہ نبی کی بیٹی و صاحبزادی تھیں۔ بے شک میں نے آگ محسوس کی ہے ہر محبوب چیز کے لیے اٰنَسْتُ کا صیغہ استعمال کر دیا جاتا ہے خواہ نظر میں محبوب ہو یا سماعت و عقل میں اور جس پر یقین کر لیا جائے طور کی جانب ایمن میں یہ واقعہ پیش آیا یہیں پر حضرت موسیٰ کا بیٹا تولد ہوا۔ اِذْ رَاٰی نَارًا۔ میں اَذْکُرْ بھی پوشیدہ ہو سکتا ہے تب معنیٰ ہوگا یاد کرو اُس وقت کو جب دیکھا آگ کو اور یقین کر لیا۔ لَعَلِّیْٓ اٰتِیْکُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ۔ شاید میں تمہارے پاس تمہاری ضرورت کے لیے آگ کے دہکتے شعلے مارتے چنگارے لے آؤں۔ اَوْ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی۔ اور یہ فائدہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہاں کوئی ایسا آدمی نظر آ جائے جو ان راستوں سے واقف ہو وہ ہمیں مصر کا راستہ سمجھا دے اور ہم کو دونوں فائدے پہنچ جائیں گرمی تپش کی استراحت کے لیے آگ بھی اور صحیح راستہ کا سراغ بھی حرف اَوْ مانعۃ الخلو ہے نہ کہ مانعۃ الجمع یعنی ایک فائدہ تو ضرور ملے گا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دونوں فائدے نہ ملیں فَلَمَّآ اَتٰىهَا۔ جب حضرت موسیٰ اس درخت کے قریب پہنچے جس میں آگ لگی تھی تو آپ نے کچھ خشک گھاس اور لکڑیاں لیں تاکہ اس میں آگ بنا لیں آپ جتنا قریب ہوتے جاتے آگ دور نظر آتی آپ حیران ہو کر کھڑے ہو گئے تب آگ بالکل قریب نظر آنے لگی درخت بہت لمبا سرسبز تھا اور پورے درخت پر آگ تھی مگر نہ گرمی تھی نہ کوئی پتہ جلتا تھا نہ کوئی آدمی قریب تھا اور سورج کی چمک سے زیادہ روشنی تھی اُس وقت آپ نے وہاں ملائکہ کی تسبیح سنی اور بہت سکون پایا وہ درخت مختلف اقوال میں عناب یا ساگوان یا بانس کا یا سفیدے کا یا علیک کا هُدًی بمعنیٰ ہادیِ راہ۔ یا ہادیِ دین مگر پہلا قول درست ہے

آپ اس درخت کے قریب ہوئے۔ تب نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی۔ ندا آئی بے شک میں اللہ ہوں اپنی جوتیاں اُتار دو اس لیے کہ یہ وادیٔ مقدس ہے قابلِ تعظیم ہے۔ یہ کلام اوّلاً خفی تھا کہ ملائکہ بھی نہ سن سکے پہلے روح میں آیا پھر بدن میں پھر حسِ مشترک کی طرف آیا پھر منقش ہوا ہر عضو پر طاری ہوا ہر جہت سے سنا گیا۔ ایک قول ہے کہ اُس وقت ابلیس نے وسوسہ ڈالا کہ شاید یہ کلام شیطانی ہو مگر آپ نے ابلیس کو بھگایا اور پھر آواز سے سوال کیا کہ یہ کس کی آواز ہے میں آواز سنتا ہوں مگر کسی کو دیکھتا نہیں اے بولنے والے تو کہاں ہے مجھے اپنا دیدار عطا فرما جواب آیا اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّكَ بے شک میں ہی اے موسیٰ تیرا رب ہوں اور تیرے اوپر تیرے آگے تیرے پیچھے تیرے دائیں بائیں ہوں آپ نے سمجھ لیا کہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے موسیٰ علیہ السلام نے پانچ وجوہ سے سمجھ لیا کہ کلام الٰہی ہے پہلی وجہ یہ کہ آگ بھی عجیب قدرتی تھی نہ گرم نہ جلانا نہ تپش مثل نور روشنی دوم یہ کہ آواز ہر سمت سے سنائی دیتی نفیس سوم ہر عضو مثل کان وہ آواز سنتا تھا چہارم اِلقاءِ ربانی سے پہچانا پنجم سکون قلبی سے پہچانا اُس دن موسیٰ کی عمر پورے چالیس سال ہوئی تھی آپ نے اونی کمبل اونی جُبّہ اونی کُرتہ اور چھوٹی ٹوپی پہنی ہوئی تھی آپ کے جوتے شریف گائے کی کھال کے پختہ چمڑے کے تھے بعض نے کہا کہ گدھے کی کھال کے غیر مدبوغہ کچے چمڑے کے تھے مگر یہ قول غلط ہے۔ کچے چمڑے کے جوتے بن ہی نہیں سکتے۔ اس تعارف کے بعد حکم ہوا۔ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ یہ پہلا کلام تھا اس کلام سے ہی آپ کا اسم صفاتی کلیم اللہ ہو گیا یہ کلام اوّلاً نفسی القائی ہوا پھر منقش اور پھر لفظی مخلوق کی آواز تو صرف کان سے سنی جاتی ہے مگر یہ آواز ہر عضو میں سرایت کرتی اور سنی جاتی مخلوق کی آواز صرف ایک طرف سے سنی جاتی ہے مگر یہ آواز ہر سمت سے سنی جا رہی تھی۔ یہ حکم سن کر آپ نے اپنی نعلین وہیں وادی کے کنارے اُتار کر وہیں چھوڑ دی اور چالیس قدم چل کر آپ آگے گئے نعلین اُتارنا صرف وادیٔ طُویٰ کی تقدیس کی وجہ سے تھی یہی وجہ قرآن کریم نے بیان فرمائی اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ ایک قول ہے کہ جوتی اُتارنے کی وجہ تعظیم کلام ہے ایک قول اُتارنے کی وجہ یہ ہے کہ جوتی ناپاک تھی گدھے کی غیر مدبوغہ کھال سے بنی ہوئی تھی مگر یہ احمقانہ قول ہے تفسیر کبیر نے کہا کہ جوتے اُتارنے کی وجہ یہ تھی کہ وادیٔ مقدس کی برکت موسیٰ علیہ السلام کے پیروں کو لگ جائے مگر یہ غلط اور گستاخانہ قول ہے اس لیے کہ تمام مخلوق سے نبی کا جسم اعلیٰ و افضل ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی تمام برکتیں اجسام انبیا علیہم السّلام سے وابستہ ہوتی ہیں نبی کو مٹی کی برکت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ طُویٰ کی وادی کو مقدس بھی اس لیے فرمایا گیا کہ وہ گذرگاہ انبیا تھی بہت

سے انبیاء کرام وہاں ٹھہرتے اور گزرتے رہے اُن کے قدموں کی برکت سے وہ مقدس ہو گئی اس لیے جوتوں کو اتروا کر اُس کی عزت کرائی گئی نہ کہ حصولِ برکت کی وجہ سے۔ تعلیمِ قرآن سے یہی ثابت ہو رہا ہے۔ طُویٰ کے معنی ہیں مبارک مطہر لفظِ طُویٰ سورۃ نازعات میں بھی آیا ہے اس کی تین قرأتیں ۱ طُوًی یہی مشہور و جمہور ہے ۲ طُویٰ ۳ طِوًی اس کو مقدس کہنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں سے کفار کو نکال کر مومنین کو آباد کیا گیا جن کی عبادت و سجدہ ریزی سے وہ مقدس ہوئی اور انبیاء علیہم السّلام کا رہگزر بنی رہی۔ وہاں بہت سے مزاراتِ انبیاء ہیں۔ طُویٰ ملکِ شام کے ایک جنگل کا نام ہے یا ایک شہر کا نام یا ایک علاقہ اور بستی کا نام ہے جگہ اور عبادت کا ادب کرانا رب تعالیٰ کی عادتِ کریمہ ہے۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام جوتے اتار کر چالیس قدم اس درخت کے قریب ہوئے تو ارشاد پاک ہوا۔ وَ اَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی۔ اور اے کلیم الٰہی میں پروردگارِ کائنات نے تم کو اپنے کلام گفتگو بات چیت کے لیے چن لیا ہے اور اس وقت صرف تم ہی منتخب رسول مُبلّغِ احکامِ الٰہیہ صاحبِ کتاب و کلام مرسل اور شانِ ایمان ہو بعض اُردو مفسرین نے اس کا ترجمہ کیا کہ میں نے پسند کر لیا تم کو مگر یہ ترجمہ غلط ہے۔ کتنا بڑا انعام رب تعالیٰ کا اور ہر انعام کا شکریہ واجب لہٰذا اے کلیم و محبوب پیارے موسیٰ۔ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ۔ اور تم اپنی ہر خلوت جلوت میں نماز قائم کرو میری یاد منانے اور ہمہ وقت مجھے یاد رکھنے اور ذکر اللہ جاری کرنے کے لیے اِس خصوصی حکم میں چار باتیں ثابت ہوئیں ۱ یہ کہ نماز تمام عبادات کا مجموعہ ہے ۲ اصل ذکرِ الٰہی نماز ہے ۳ سب عبادات سے افضل و ذیشان نماز ہے ۴ تمام جہانوں کا رکنِ اعظم ذکر اللہ ہے جب تک جہانوں میں ذکر الٰہی موجود ہے جہان قائم ہیں جب روئے جہان پر ذکر اللہ بند ہو جائے گا تب جہان منہدم ہو جائیں گے۔ عبادت کی تین قسمیں ۱ عبادتِ باللسان یعنی زبان کی تکبیر تہلیل تسبیح ۲ عبادت بالجنان یعنی روح و قلب اور عقل سے ذکر اللہ ۳ عبادت بالارکان اعضا کی عبادت یہاں ذِکری سے مراد خلوصِ قلبی خشیتِ ذہنی اور خضوعِ اعضائی ہے ایک قول میں ذِکری سے مراد ہے کہ نماز قائم کرو اس لیے تاکہ میں تم کو یاد کروں۔ قیام نماز سے مراد تعدیل ارکان اطمینان سے نماز پڑھنا اور دوامِ ذکر و فکر و استغراقی ہمت یعنی نماز قائم کرو میرے ذکر کے لیے یا میرے ذکر کے ذریعے یا میرے ذکر کے وقت یا میرے ذکر کے پاس یا یہ معنی ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب بھی یاد آئے پڑھ لے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ۔ ہر پاک اور معظم جگہ و مقام کا ادب احترام کرنا واجب ہے لہٰذا کوئی مسجد کعبہ اور دینی استاد اور شیخ مرشد عالم دین کے قریب جوتی پہن کر نہ جائے اُتار کر جائے ۔ اسی طرح نماز پنجگانہ نمازِ جنازہ تلاوتِ کلام پاک اور سجدہ تلاوت وشکر کرتے وقت جوتی اُتار دینی چاہیے یہ فائدہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ کے وجوبی حکم سے حاصل ہوا کیونکہ یہاں جوتی اُتروانا صرف مقام کے ادب واحترام کے لیے تھا۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ کا جملہ فَاخْلَعْ کی علت ہے ۔ دوسرا فائدہ اسماءِ الٰہیہ کا ادب واحترام ہر مسلمان پر لازم واجب بلکہ فرض ہے اور بے ادبی کفریہ گستاخی ہے، لہٰذا کسی شخص کی جوتی پر یا جوتی کے کاغذی نقشے پر اسماءِ الٰہیہ لکھنا بدترین خصلت ہے اگرچہ وہ جوتی بالفرض نعلین انبیاء علیہم السّلام کی ہو یہ ادب تو خود موسیٰ علیہ السّلام پر بھی واجب ہے یہ فائدہ بھی فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ سے حاصل ہوا ۔ تیسرا فائدہ ۔ اگر کسی شخص کی چند تھوڑی نمازیں قضا ہوں تو ان کو ادا پڑھنے میں ترتیب لازم ہے کہ پہلے فجر پھر ظہر وغیرہ لیکن اگر کسی مسلمان کی زیادہ کثیر تعداد میں نمازیں قضا ہو جائیں تو ترتیب ضروری نہیں یہ فائدہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ہر مسلمان پر لازم فرض ہے کہ ہر پاک جگہ مثلاً مسجد کعبہ آستانہ پیر خانہ استاد خانہ اور ہر پاکیزہ جگہ جوتی اُتار کر ننگے پیر جائے ۔ یہی حکم ہر نماز کا ہے۔ جوتی پہنے مسجد میں جانا گستاخی بے ادبی ہے اسی وجہ سے تلاوتِ قرآن مجید، طواف کعبہ، ہر نماز کے وقت جوتی اُتارنا لازم ہے ۔ جوتی پہنے عبادت یا تلاوت کرنا یا مسجد کعبے اور حرم مطاف میں جانا گناہ کبیرہ ہے ۔ شروع اسلام میں دیگر بہت سے مسائل کی طرح جوتی میں نماز بھی جائز تھی مگر چند دن بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا ۔ اس کے بعد سب بزرگوں نے جوتی اتار کر ہی نماز طواف کیا جو شخص اب بھی جوتی پہنے نماز پڑھے وہ گستاخ بے ادب اور جاہل ہے یہ مسئلہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ۔ اور اس کی علتِ غائی اِنَّكَ (الخ) سے مستنبط ہوا بعض غیر مقلد حضرات اور مودودی صاحب جوتی پہن کر نماز پڑھنے کو جائز لکھتے ہیں اور پہلی منسوخ شدہ روایتوں پر قیاس کرتے ہیں یہ ان کی کم علمی و ناسمجھی ہے ۔ دوسرا مسئلہ بعض جُہلا سنی حضرات آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نقشہ نعلین پاک اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی شریف کو بھی اَقدس یا مُقدّس کہہ دیتے ہیں۔ وہ سخت غلطی پر ہیں اس لیے کہ اقدس اور مقدس خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے اس لیے آپ کی جوتی پاک

کو نہیں کہا جا سکتا۔ جوتی بہر حال جوتی ہے جو کسی بھی چمڑے سے کوئی بھی شخص مسلم غیر مسلم بنا سکتا ہو اس لیے جوتی کو اقدس کہنا گناہ ہے کیونکہ اس میں مماثلت بنائی جا سکتی ہے جو گستاخی ہوتی ہے یہ مسئلہ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے وادی کو مقدس فرمایا موسیٰ علیہ السلام کی جوتی شریف کو مقدس نہ کہا بلکہ حقیر بتا کر اتروا دیا۔ ہاں البتہ ہم پر نعلین انبیاء علیہم السلام کا ادب لازم ہے ہم اس کو جوتی شریف نعلین پاک نعلین مبارک ہی کہیں گے مگر اقدس نہیں کہہ سکتے۔ تیسرا مسئلہ کسی مسلمان مرد پر نماز کسی حالت میں معاف نہیں ہو سکتی عورت مسلمان پر بھی صرف حیض و نفاس میں معاف ہوتی ہے ہر مسلمان پر وقت میں نماز ادا کرنا لازمی فرض ہے اگر کوئی بھول جائے تب بھی جب یاد آئے تو پہلی فرصت میں سب کام چھوڑ کر نماز قضا کرے یہ مسئلہ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ لِذِکرِی کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ جب بھی یاد آئے نماز پڑھ لے۔ ایسا ہی احادیث سے ثابت ہے۔ یہ تفسیر خود حدیث پاک میں بیان فرمائی گئی۔ کوئی مسلمان غفلت و سستی سے نماز چھوڑنے کی کوشش و عادت نہ کرے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس خطرناک بیماری سے بچائے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَقِمِ الصَّلٰوةَ حالانکہ فَاعْبُدْنِیْ میں نماز کا ذکر آ گیا تھا۔ پھر دوبارہ کیوں فرمایا گیا؟ جواب تین خصوصی چیزیں بتانے کے لیے پہلی یہ کہ عبادت سے اصل مراد نماز ہے کیونکہ روزمرہ کی عبادت ہے معراجِ مومن ہے ۲ دوم یہ کہ تمام اعمال میں افضل و اشرف عمل نماز ہے کیونکہ نماز تمام سِرّی خفی کی معنوی خلوتی جلوتی۔ ذکر اذکار ورد وظیفوں عملوں عبادتوں کا مجموعۂ کاملہ ہے۔ سوم یہ کہ نماز سے ذکرُ اللہ ہے اور ذکرُ اللہ سے قربِ الٰہی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے آیت ۱۲ میں فرمایا گیا اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ لیکن آیت ۱۴ میں فرمایا گیا اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰهُ وہاں اِنِّیْ ہے یعنی اِنَّ کے ساتھ یاءِ متکلم سے پہلے نونِ وقایہ نہیں ہے مگر یہاں اِنَّ اور یاءِ متکلم کے درمیان میں نونِ وقایہ لائی گئی اس فرق کی کیا وجہ اگر اِنَّ کے نون کا اعراب زبر کا بچانا ضروری ہے تو پہلے نونِ وقایہ کیوں نہ لائی گئی اور اگر ضروری نہیں تو پھر یہاں اِنَّنِیْ کیوں فرمایا گیا نونِ وقایہ تو صرف اعراب بچانے کے لیے ہوتی ہے اور اسی لیے لائی جاتی ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں نونِ وقایہ نہیں ہے بلکہ دوہری نون مشدد کی دوسری ہے لفظ مشدد کا تشدیدی حرف دراصل دو لفظ ہوتے ہیں عربی میں ایسے الفاظ کو مضاعف ثلاثی کہا جاتا

ہے۔ مشدد الفاظ میں قولی شدت پائی جاتی ہے۔ اگر اظہارِ شدت مقصود ہو تو دوسرے حرف کو صراحتاً ظاہر کر دیا جاتا ہے اگر اظہارِ شدت مقصود نہ ہو تو علیحدہ ظاہر نہیں کیا جاتا۔ جیسے "دَآبَّۃ" بمعنی گھوڑا اور "دَابِبَۃ" بمعنی بہت چلنے والا گھوڑا۔ تیز دوڑنے والا۔ یہاں بھی حرفِ اِنَّ ہے جب اس کو ضمیر واحد متکلم یا جمع متکلم سے جوڑا جائے تو اگر اظہارِ شدت مقصود نہ ہو تب اِنِّی اور اِنَّا پڑھا اور لکھا۔ بولا جاتا ہے لیکن اظہارِ شدت مقصود ہو تو اِنَّنِیْ اور اِنَّنَا پڑھا اور بولا جاتا ہے قرآن مجید میں ان کی مثالیں موجود ہیں جیسے یہاں اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ۔ اور اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ یہ جملہ فَاسْتَمِعْ لِمَا میں مَا کا بدل الکل ہے۔ مقصد یہ ہے کہ وحی کو غور سے سنو۔ وحی یہ ہے کہ بے شک میں ہی اللہ ہوں اس میں کچھ شک تردد نہیں۔ اِنَّنَا کی مثال جیسے اسی سورۃ کی آیت ۴۵ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَآ یعنی بے شک ہم سخت ڈرتے ہیں وہاں فَاسْتَمِعْ میں شدتِ سماعت پیدا کی گئی کہ بہت غور سے سنو۔ اس لیے اِنَّنِیْ سے اظہارِ نون کیا گیا اور اِنَّنَا میں شدتِ خوف کا اظہار ہے اس لیے اِنَّنَا کیا گیا یہ جواب درست ہے جواب دوم یہ دیا گیا کہ اِنَّنِیْ میں نون وقایہ ہی ہے مگر لانے کی وجہ صرف اعراب بچانا نہیں اس کے پورے جملے کو سابقہ جملے کی جز بنانا ہے یعنی کسی وحی کو سنایا جا رہا ہے اسی اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰہُ کو اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ۔ سابقہ جملے کا جز نہیں ہے لہٰذا وہاں اِنِّی میں نون وقایہ نہ لائی گئی ہے۔ تیسرا اعتراض۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا وادیِ مقدس طویٰ والا واقعہ تاریخی لحاظ سے ایک ہی دفعہ ہوا اور موسیٰ علیہ السلام ایک ہی بار اپنی بیوی اور اہل خانہ کو مدین سے مصر لائے ایک ہی بار آپ نے آگ دیکھی ایک ہی بار اپنی بیوی کو ٹھیرے رہنے کا حکم دیا۔ مگر قرآن مجید میں یہ واقعہ تین جگہ تین سورتوں میں مختلف الفاظ سے مذکور ہے چنانچہ یہاں سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰ میں ارشاد ہوا ہے۔ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِقَبَسٍ اَوْ اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ سورۃ نمل آیت ۷ میں اس طرح ہے۔ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِاَهْلِهٖٓ اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ اٰتِیْكُمْ بِشِهَابٍ قَبَسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ اور سورۂ قصص آیت ۲۹ میں اس طرح ارشاد ہے قَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْٓا اِنِّیْٓ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْٓ اٰتِیْكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ ان تینوں جگہ لفظی اختلاف ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو آپ نے ایک ہی مقام پر کھڑے کھڑے اپنے اہل سے تین دفعہ مختلف الفاظ میں یہ کلام فرمایا اور یا یہ واقعہ تین دفعہ مختلف تاریخوں میں پیش آیا ہو۔ مگر یہ دونوں خیال درست نہیں ہیں پہلے اس لیے

کہ ایک بات کو بلا وجہ بار بار دُھرانا معیوب اور بُرا لگتا ہے۔ دوسرا اس لیے کہ تاریخی حقیقت کے اعتبار سے غلط ہے۔ پہلی آیت میں۔ امْكُثُوْا لَعَلِّيْ اٰتِيْكُمْ بِقَبَسٍ عَلَى النَّارِ هُدًى دوسری آیت میں اس طرح اختلاف ہے کہ امْكُثُوْا نہیں ہے۔ لَعَلِّيْ نہیں ہے سَاٰتِيْكُمْ ہے بِشِهَابٍ قَبَسٍ ہے پہلے بِخَبَرٍ ہے هُدًى نہیں ہے لَعَلَّكُمْ تَصْطَلُوْنَ۔ پہلے نہیں ہے یہاں ہے۔ اور تیسری آیت میں اختلاف اس طرح ہے کہ وہاں بِخَبَرٍ اَوْ جَذْوَةٍ ہے۔ اس اختلاف کی وجہ کیا اِس کا حل کیا ہے۔ جواب۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایک ہی وقت ایک ہی جگہ کھڑے ہو کر یہ تمام کلام فرمایا مگر رب تعالیٰ نے عربی میں اس کا ترجمہ فرما کر تین جگہ مختلف انداز میں کلام کی وضاحت فرمائی موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اہلِ خانہ سے یہ کلام عبرانی میں فرمایا پہلی آیت طٰہٰ میں اس طرح وضاحت ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی زوجہ محترمہ سے بطریقۂ احترام نبی کی صاحبزادی ہونے کی بنا پر جمع کے صیغے سے فرمایا تم یہیں بیٹھنا ادھر اُدھر نہ جانا میں نے بہت اچھی آگ دیکھی ہے۔ جس وقت چیز کی طلب ہو ضرورت و حاجت ہو وہ بہت اُنس و محبت والی لگتی ہے اور اٰنَسْتُ فرما کر اپنے یقین کا ذکر کیا لَعَلِّيْ فرما کر بتایا کہ شاید کچھ آگ لے آؤں مگر آگ لانا یا آگ کا حاصل ہو جانا یقینی نہیں یہ اس لیے فرمایا کہ پکا وعدہ نہ ہو جائے اور پھر پورا نہ ہو سکے تو کہیں وعدہ خلافی اور جھوٹ نہ بن جائے۔ قَبَسٍ فرما کر بتایا کہ مضبوط آگ یعنی چنگارہ لانے کی کوشش کروں گا۔ هُدًى فرما کر کسی شخص کی موجودگی کا خیال ظاہر فرمایا۔ دوسری آیت میں اِس چیز کی وضاحت فرمائی گئی کہ موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بیوی کی حالت اور تنہائی اور اُن کے خوف گھبراہٹ کا اندازہ کرتے ہوئے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ آگ ملے نہ ملے مگر سَاٰتِيْكُمْ میں تمہارے پاس بہت جلدی واپس لوٹ آؤں گا۔ بِخَبَرٍ فرما کر یہ وضاحت کی کہ ہادی جو بھی ملے گا اُس سے راستے کی خبر پوچھ کر ابھی واپس آتا ہوں شہاب قبس میں یہ وضاحت کی کہ جو بھی چنگارہ لاؤں گا وہ پژمردہ بجھا بجھا سا نہ ہو گا بلکہ کوشش کروں گا کہ خوب بھڑکتا شعلے مارتا ہو۔ اور آگ لانے کا مقصد بیان فرمایا کہ ہانڈی پکانے کے لیے نہیں تاپنے گرمی حاصل کرنے کے لیے اور زندگی کی ضرورت حاصل کرنے کے لیے ہو گی تیسری آیت میں پہلی آیت جیسے ہی الفاظ ہیں مگر جَذْوَةٍ کا لفظ ارشاد ہوا۔ یہ بھی آگ کی ایک صفت ہے کہ ایسی شعلہ مارتی انگارے کی آگ لاؤں گا جو بہت تیز چنگاریاں اڑاتی ہو گی اور یہاں تک صحیح سلامت پہنچ جائے گی۔ گویا کہ ایک مکمل کلام جو حضرتِ موسیٰ نے اس طرح فرمایا تھا کہ اے زوجہ محترمہ

تم یہیں ٹھیرو میں نے وہ آگ دیکھی ہے جو تم کو بھی دکھائی دے رہی ہے میں بہت جلد وہاں سے شاید آگ کچھ لاسکوں یا کوئی راستے کی خبر دینے والا ہادی مل جائے تو اُس سے راستے کی سمت معلوم ہو جائے اگر حاصل کر سکا تو شہاب قبس یعنی جذوۃ آگ لاؤں گا تاکہ تم گرمی تپش اور سردی سے بچاؤ کا مقصد بھی حاصل کر سکو یہ کلام توڑ کر مختلف آیات میں بتانے سے کلام کی جامعیت کی شاندار وضاحت ہوئی ایسا کرنا توجہ دلانے کے لیے ہوتا ہے اگر ایک ہی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کا پورا کلام لفظاً لفظاً بیان کر دیا جاتا تو سننے والوں کا ذہن ان اشاروں کی طرف متوجہ نہ ہوتا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تفسیر صوفیانہ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى وَهَلْ اَتٰىكَ حَدِيْثُ مُوْسٰى اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَهْلِهِ امْكُثُوْۤا اِنِّيْۤ اٰنَسْتُ نَارًا شریعت وطریقت حقیقت ومعرفت کا مالک اللہ ہی ہے بالذات نہ کوئی قوت ہے نہ طاقت نہ شی ہے نہ صفت نہ کوئی موجود ہے نہ مقصود نہ مطلوب نہ اِلٰہ اِلَّا هُوَ بس وہی ہے ہر جگہ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہے توحید کے چار مرتبے ہیں ۱۔ اقرار لسانی ۲۔ تصدیق قلبی ۳۔ بالجزئ تاکید اعتقادی ۴۔ استغراق بحر معرفت اس طرح کہ بجز احد الصمد کے کچھ نہ تصور آئے یہ چاروں ہوں تو ایمان کی تکمیل ہے اگر صرف اقرار لسانی ہو تو منافقت ہے اگر صرف تصدیق ہو تو مستور ہے جو غیر مفید ہے اگر صرف تاکید اعتقادی ہو تو ایمان موقوف ہے جس کے حبلت الٰہیہ وتوفیق ربانی شرط ہے اگر استغراق معرفت نہ ہو تو مقام صدیقین حاصل نہیں ہو سکتا جس کے پاس توحید کے یہ چاروں ارکان نہ ہوں اُس کو دنیا میں چار نقصان اور آخرت میں چار ظلم ۱۔ تفرق ۲۔ ترک ۳۔ نقص ۴۔ رفض۔ صوفیا کا کلمہ ہے لَاۤ اِلٰهَ فِي الْمَوْجُوْدِ اِلَّا اللّٰهُ عارفین کا کلمہ ہے لَاۤ اِلٰهَ فِي الْاِمْكَانِ اِلَّا اللّٰهُ۔ موجودات تین قسم کی ہیں ۱۔ اکمل کہ نہ کمی کا احتمال نہ زیادتی کا ۲۔ ناقص جس میں کمی ہو مگر کمال کا احتمال ہو ۳۔ اَنْقَصُ جو کبھی بلندی میں ہو کبھی پستی میں۔ پہلے کی مثال جیسے ذاتِ باری تعالیٰ دوسرے کی مثال انسان تیسرے کی مثال جیسے نیک وبد مظہر اَتُو جیبہ صفات عُلیا ہے اَخفیٰ وہ ہے جو اَسرار میں زیادہ لطیف زیادہ معزز زیادہ اعلیٰ ہو زیادہ اشرف زیادہ اقرب ہو بارگاہِ قدس کا یہی سِرُّ الاسرار ہے یہ وہ لطیفہ ہے جو ہر انسان کے قلب وروح کے درمیان نشاطِ اول میں پیدا کیا گیا ہے اور خفی وہ جو روح وقلب کے درمیان نشاطِ ثانیہ میں پیدا کیا گیا ہے پس اسی لیے یہ ممکن ہے کہ ہر انسان مومن وکافر اَسرار روحانیہ کا معدن ہو اور تمام دینوی علوم وحقائق مکاشفات ومشاہدات کا مخزن ہو لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى۔ پس اسی الٰہِ قدیمی ازلی اَبدی کے لیے ہیں تمام کمالات حُسنیٰ اور صفاتِ عُلیا۔ اے روحِ باطن کیا ازل میں تجھ کو موسیٰ شعورِ قلبی

کی حدیث لِاحوتی پہنچی نہ تھی پھر حبیب شہودِ لَاالٰہ نے زبانِ حال سے کہا تھا اسی عقیدۂ قالوبلیٰ پر قائم اور ٹھیرے رہو تجلیاتِ انوار کی انسیت میں نے پالی ہے۔ یہ نارِ عشق ہے وصلتِ جبروتی کے شجرِ مقدس پر آشکارہ ہے جو درختِ جسمانی کے رگ وریشے لگ جاتی ہے۔ لَعَلِّیٓ اٰتِیۡکُمۡ مِّنۡهَا بِقَبَسٍ اَوۡ اَجِدُ عَلَی النَّارِ هُدًی فَلَمَّاۤ اَتٰىهَا نُوۡدِیَ یٰمُوۡسٰی اِنِّیۡۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ۔ آگ نو قسم کی ہے نارِ دنیا جو صرف کھاتی جلاتی ہے پیتی کچھ نہیں ۲ شجرِ اخضر کی نار یہ صرف پیتی ہے کھاتی کچھ نہیں۔ اس کا ذکر سورۃ یٰسٓ کی آخری آیت میں ہے ہر بڑے سرسبز درخت ہیں۔ موتی ہے مگر عناب ساگوان، علیف سمرہ درخت میں نہیں ہوتی ۳ نارِ جہنم یہ کھاتی بھی ہے پیتی ہے ۴ نارِ طور یہ نہ کھاتی تھی نہ پیتی تھی ۵ وہ آگ جس میں جلانا ہے روشنی نہیں وہ دوزخ کی آگ ہے ۶ جس میں روشنی تھی جلانا نہیں تھا وہ شجرِ وادی طُویٰ کی آگ تھی صرف ایک دفعہ ظاہر ہوئی ۷ دنیوی آگ جس میں جلانا بھی ہے اور جس میں روشنی بھی ۸ وہ آگ جس میں نہ جلانا ہے نہ روشنی وہ درختوں میں پوشیدہ آگ ہے ۹ نارِ عشق اس میں تڑپانیکی جلن اور اُمیدِ وصل کی روشنی ہوتی ہے غمِ فراق کھاتی ہے اور شربتِ دیدار پیتی ہے اس میں محبت کا نور ہوتا ہے موسیٰ طور مثلِ نورِ محبت ہے جب نورِ محبت طورِ شوق کی وادیِ طُویٰ تقدیس و تنظیم میں پہنچتا ہے تو نارِ عشق اور شوق کا شعلہ متجلی اور ظاہر ہوتا ہے اور یہ اس لیے ہے کہ نورِ محبت کے لیے جب شعورِ قلبی تولّد کیا جاتا ہے جو ارضِ وجودی میں طفل خلیفۃ اللہ ہے جس کا ظہور مولودی تجلیۂ جلال کی اندھیریوں میں ہوتا ہے تو بہت دورِ طورِ مزاجی کے ایمن میں نارِ صفاتی کی شکل میں نورِ ذاتی شجرِ جسمانی وجسمی پر سراپا ظاہر ہوتا ہے اس لیے کہ جب عشق کی آگ کا شعلہ چمکتا ہے تو فقط شکلِ صفات ہوتی ہے تب اٰنَسۡتُ نَارًا کا قربِ جلال ہوتا ہے اور لَعَلِّیٓ اٰتِیۡکُمۡ کے نعرے سے تمام انانیت فنا کی آگ میں جل جاتی ہے اور توجہِ وجدانی کا حصول ہو جاتا ہے اس وقت قلبِ متوّر اہل طبیعت کو امۡکُثُوۡۤا کا حکم جاری کرتے ہوئے حصولِ معرفت کی طرف قدومِ ہمت سے ترقی کرتا ہے تب فَاخۡلَعۡ نَعۡلَیۡكَ کا اشارہ ملتا ہے کہ موسیٰ معرفت خواہشاتِ کی زوجۂ لذات کے اقاربِ عیشِ دنیوی کے خدام سے دور ہو جا اور ان تمام نعلینِ نمودِ بدنی کو وادیِ طواف حیرت سے دور پھینک دے تمناءِ نفسی کی جوتی اُتار دے بدنِ انسانی میں صورتِ طبیعت زوجہ ہے اور صورتِ نفس وَلَد ہے اُن کی محبتِ خواہشات میں فکرِ معاش بکریوں کا اثاثہ ہے جو تابعِ وجود ہے طورِ سینہ سے ندا ہوتی ہے کہ اے بندۂ مرید بے شک میں تیرا ربِ قدیر ہوں فکرِ نفس اور اتباعِ خواہشات کی جوتیاں اتار دے بلکہ دنیا و آخرت کی نعلینِ تمنا کو دور کر دے اور جلالِ الٰہی کی وادیِ مقدس میں اگر

معرفتِ الٰہی کی نمازِ حقیقت یادِ وصل و ذکر میں مستغرق ہو جاؤ وصولِ مقصود تک پہنچنے کے لیے اثباتِ صانع تک نعلینِ ہمت کے دو قدم بڑھانے پڑتے ہیں۔ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى۔ وَاَنَا اخْتَرْتُكَ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى۔ اِنَّنِيْۤ اَنَا اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدْنِيْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ بے شک یہی وہ طوائے مقدس ہے جہاں اہلِ معرفت کے لیے قربِ خالق آسان ہوتا ہے۔ وصل کے بعد نعلینِ خواہشات کی طرف متوجہ ہونا منع ہے اسی لیے پہلے اتار دینے کا حکم ہوتا ہے کہ قلبِ مومن نورِ قدس میں ہمہ جہت اور ہمہ جسم ہو جائے۔ مشاہدۂ حق اور عینیتِ نور کے بعد فکر و دلائل کے نعلین پر چلنے کی ضرورت نہیں قلب کی وادیِ طُویٰ عرشِ اعظمِ اسرار ہے جس کی سیرِ معراج قدمِ اجتہادی سے پچاس ہزار سال ہے لیکن عروجِ قلب اگر جذبِ مرشد سے ہو تو ایک ساعت کا راستہ ہے۔ مثنوی رومی میں ہے

سیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ ٭ سیرِ عارف ہر دمے تا تختِ شاہ۔ اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ وادیِ طلب میں بے شک میں ہی عارفین کا محافظ طالبین کا معبود ہوں پس میری ہی جستجو کی عبادت کرو۔ اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِيْ اے مرید نمازِ مکاشفہ قیامِ مراقبہ رکوعِ معراج اور سجدۂ قرب کو قائم رکھ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے ایمان کی بُرہان ہے اعمال کا نور ہے اَحَبُّ الْاَخْلَاقِ ہے نشانِ فرق ہے کفر و ایمان کے درمیان امتیاز ہے قیامت کی روشنی ہے۔ جہنم سے نجات ہے صدیقین و شہدا کے ساتھ حشر ہے۔ مگر بے نمازی کا حشر قربِ فرعون ہامان قارون اور اُبی ابن خلف کے ساتھ ہوگا عارفین کی نماز ذکر اور یادِ الٰہی ہے ذکر کی اٹھارہ قسمیں ہیں ۱ ذکرِ خفی ۲ جلی ۳ سری ۴ جہری ۵ لسانی ۶ ذکرِ قلبی ۷ ذکرِ اعضائی ۸ ذکرِ خلوت ۹ ذکرِ نفسی ۱۰ ذکرِ انفرادی ۱۱ ذکرِ اجتماعی ۱۲ ذکرِ شرعی ۱۳ ذکرِ حقیقی ۱۴ ذکرِ جلالی ۱۵ ذکرِ جمالی ۱۶ ذکرِ فکری ۱۷ ذکرِ مشغولی ۱۸ ذکرِ استغراقی نمازِ عارفین ان سب ذکروں کا مجموعہ ہوتا ہے اہلِ عقل کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی عقلِ انبیاء جس میں کبھی نقصان نہیں عقلِ دوم انسانی و جناتی جس میں کبھی کمال کبھی زوال عقلِ سوم حیوانی جس میں زوال ہے کمال نہیں۔ اسم کی تین قسمیں ہیں ۱ اسمِ ذاتی بحسبِ ذات جیسے اسماءِ الٰہیہ ۲ اسم بحسبِ صفات جیسے اسماءِ محمدیہ ۳ اسمِ خارجی جیسے عوارضِ ذاتیہ کے نام اَنَا اخْتَرْتُكَ انتہائی جمال اور فَاسْتَمِعْ انتہائی جلال و ہیبت ہے۔ جمال و رحمت سے رجا اور جلال و ہیبت سے خوف پیدا ہوتا ہے اور یہی ایمانِ صادق کے دو بازو ہیں اِنَّنِیْۤ اَنَا اللّٰہُ میں علمِ توحید ہے اور یہی علمِ اُصول ہے فَاعْبُدْنِیْ علمِ عبادت ہے یہی علمِ فروع ہے اسی لیے علمِ اصول مقدم ہے علمِ فروع مؤخر ہے اَجِدُ عَلَى النَّارِ هُدًى۔ ابرار و سالکین ہمیشہ طالب رہتے ہیں اگرچہ ذات و صفات و علیات

میں کامل مکمل اور اکمل ہو جائیں۔ رب تعالیٰ نے سب سے پہلے روح انسانی پیدا کیا اور اس کو جسم کا جوہر بنایا۔ اس سے جسم کے تمام اجزا کو مرکب کیا پھر ان کو مراتبِ علیا عطا فرمائے

إِنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ أَكَادُ أُخْفِيهَا لِتُجْزَىٰ

بے شک قیامت بس آنے والی ہی ہے میں چاہتا تھا کہ میں اس کو بالکل ہی مخفی رکھتا تاکہ بدلہ دیا جائے

بے شک قیامت آنے والی ہے قریب تھا کہ میں اسے سب سے چھپا ڈالوں کہ ہر جان

كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَىٰ ﴿١٥﴾ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا

ہر شخص اس کا جو وہ کردار رہا تو کہیں پھر رکاوٹ نہ بنے تم کو اس عبادت و نیاز نماز سے

اپنی کوشش کا بدلہ پائے۔ تو ہرگز تجھے اس کے ماننے سے وہ باز نہ رکھے

مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرْدَىٰ ﴿١٦﴾

وہ شخص جو ایمان نہیں لاتا اس قیامت پر اور پیچھے لگا رہا اپنی نفسانی خواہشات کے تو کہیں تم بھی برباد ہو جاؤ

جو اس پر ایمان نہیں لاتا اور اپنی خواہش کے پیچھے چلا پھر تو ہلاک ہو جائے۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿١٧﴾ قَالَ هِيَ

اور کیا ہے یہ تمہارے سیدھے ہاتھ میں اے موسیٰ۔ عرض کیا یہ

اور یہ تیرے داہنے ہاتھ میں کیا ہے اے موسیٰ۔ عرض کیا یہ

عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَىٰ

میری لاٹھی ہے کبھی تو اس پر ٹیک لگایا کرتا ہوں اور کبھی پتے جھاڑ لیتا ہوں اس سے اپنی

میرا عصا ہے میں اس پر تکیہ لگاتا ہوں اور اس سے اپنی بکریوں پر پتے جھاڑتا

غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ﴿۱۸﴾ قَالَ

بکریوں کے پیسے اور میرے ہیے اس میں اور بھی بہت سی ضروریات ہیں۔ فرمایا

جھوں اور میرے اس میں اور کام ہیں۔ فرمایا

اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ﴿۱۹﴾ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ

ذرا اس کو زمین پر تو پھینکو اے موسٰی۔ جب ڈال دیا اس کو تو اچانک وہ سانپ بن گیا

اسے ڈال دے اے موسٰی ۔ تو موسٰی نے ڈال دیا تو جب ہی وہ دوڑتا ہوا سانپ

تَسْعٰی ﴿۲۰﴾ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا

جو بھاگتا تھا۔ فرمایا پکڑ لو اس کو اور نہ گھبراؤ ابھی لوٹا دینگے ہم اس کو

ہو لیا۔ فرمایا اسے اٹھا لے اور ڈر نہیں۔ اب ہم اُسے پھر

سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ﴿۲۱﴾

اس کی پہلی حالت پر۔

پہلی طرح کر دیں گے۔

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اُن چند باتوں کا ذکر ہوا جو اللہ تعالٰی نے موسٰی علیہ السّلام کو فرمائیں۔ اب اس آیت میں بقیہ باتوں کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں رب تعالٰی نے صرف اپنا کلام سنا کر موسٰی علیہ السلام کو مشرف فرمایا۔ اب ان آیت میں موسٰی علیہ السلام کو اللہ تعالٰی سے ہمکلامی کا شرف عطا فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں موسٰی علیہ السّلام کو ان کی شریعت ملنے کا ذکر ہوا جس میں توحید عبادات اور نماز جیسے اہم حکم فرما کر شریعت کے اصول بتائے گئے اب ان آیت میں موسٰی علیہ السّلام کو معجزات عطا فرمائے جانے کا ذکر

ہو رہا ہے جو نبوت و رسالت کی نشانیاں ہیں تو گویا پہلی سابقہ آیت توحید کے بیان میں اور یہ آیت رسالت کے بیان میں ہیں اور یہ دو ہی چیزیں ایمان کا قالب ہیں۔

تفسیر نحوی

اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ اَكَادُ اُخْفِيْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى ۔ فَلَا يَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى ۔

اِنَّ حرف مشبہ بالفعل یہ تمام جملہ اپنے ماقبل فعل فَاعْبُدْنِیْ کی علت ہے اَلسَّاعَةَ اسم مفرد معرف باللام عہدی ذوالحال ہے۔ اٰتِيَةٌ۔ اسم فاعل واحد مؤنث باب ضَرَبَ ھِیَ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے یہ اسم فاعل جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہے۔ اَكَادُ ثلاثی مجرد شاذ کا نمبر ا باب فعل مضارع واحد متکلم مقاربہ فَعَلَ يَفْعَلُ کَوْدٌ سے مشتق ہے۔ اَنَا ضمیر متکلم پوشیدہ اس کا اسم ہے۔ اُخْفِیْ۔ باب افعال کا مضارع معروف واحد متکلم خَفِیٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِخْفَاءٌ ھَا ضمیر واحد مؤنث مفعول یہ ہے یہ فعل فاعل پوشیدہ اَنَا ضمیر اور مفعول یہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ اَكَادُ کی لام کَیْ تعلیلیہ ناصبہ تُجْزٰی باب ضَرَبَ کا مضارع مجہول واحد مؤنث غائب جَزْیٌ سے مشتق ہے بمعنی بدلہ دینا کُلُّ اسم تاکیدی مضاف نَفْسٍ۔ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی بمعنی ذات شخصیت مضاف الیہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے بَ حرف جر الصاق عوضی مَا موصولہ تَسْعٰی باب فَتَحَ کا فعل مضارع سَعْیٌ سے مشتق ہے بمعنی کوشش کرنا۔ کمائی کرنا ھِیَ ضمیر مؤنث پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے تُجْزٰی کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے اَكَادُ کی یہ فعل مقاربہ اپنے اسم خبر اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ حال ہے اَلسَّاعَةَ کا۔ وہ دونوں مل کر اسم اِنَّ کا وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قرأت میں یہ اَنَّ مفتوحہ ہے کیونکہ یہ علت ہے فَاعْبُدْ کی اور بیانِ دوم ہے یُوْحٰی نداء ثانیہ کا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ لَا يَصُدَّنَّ باب نَصَرَ کا فعل نہی معروف واحد غائب مذکر بانون ثقیلہ صَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی روکنا۔ یہ پورا جملہ عطف ہے اِنَّ السَّاعَةَ پر۔ كَ ضمیر مفعول بہ مرجع موسیٰ عَنْ حرف جر زوالی (دور کرنے ہٹانے کے لیے) ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع الصَّلٰوةَ ہے۔ بعض نے کہا اس کا مرجع السَّاعَةَ ہے کیونکہ وہ لفظاً قریب ہے مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ بذاتِ خود ساعت (قیامت) سے تو کوئی روک نہیں سکتا اور اگر ایمان بالقیامت مراد لیا جائے تو وہ یہاں مذکور نہیں اور اپنی اختراع مناسب اور ضروری نہیں یہ جار مجرور متعلق ہے۔ مَنْ اسم موصول لَا يُؤْمِنُ۔ باب افعال کا فعل مضارع معروف منفی بلا واحد مذکر غائب اِیْمَانٌ مصدر سے مشتق ہے ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَنْ بَ جارہ تعدیہ بمعنی عَلٰی

توفیت کا ھا ضمیر کا مرجع اَلسَّاعَۃُ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُؤْمِنُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ اِتَّبَعَ۔ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے اس کا مصدر ہے۔ اِتِّبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے چلنا۔ ھَوٰی۔ اسم مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے پھسل پڑنا جان کر گر پڑنا۔ جھک پڑنا۔ مائل ہو جانا۔ گمراہ ہونا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے اپنے نفسِ اَمّارہ کی خواہش۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مضاف الیہ اس کا مرجع مَنْ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِتَّبَعَ فعل فاعل اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے ذَا یَدُیْہُ یہ دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر فاعل ہوا یَصُدَّنَّکَ عاطفہ سببیہ تَرْدٰی باب سَمِعَ کا فعل مضارع واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع حضرت موسیٰ ہیں رَدٰی سے مشتق ہے بمعنی گر پڑنا ردی بیکار فضول ہو جانا۔ ہلاک ہونا یہاں آخری معنی میں ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف کَ ضمیر پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ لَا یَصُدَّنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اَلسَّاعَۃَ پر دونوں عطف مل کر اسمِ اِنَّ ہوا اور پھر جملہ ہو کر بیانِ دوم ہے یٰمُوْسٰی کا۔ وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی۔

قَالَ هِیَ عَصَایَ۔ اَتَوَکَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰی غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰی ۔

قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی ۔ فَاَلْقٰهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰی قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی ۔

واو برجلہ۔ مَا حرفِ سوالیہ بحالت رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے خیال رہے کہ علم نحو میں لفظِ مَا بائیس قسم کا ہے جن میں سے بارہ قسمیں اسم مَا کی ہیں اور دس قسمیں حرف مَا کی ہیں۔ یہاں لفظِ مَا اسم غیر مجرد سوالیہ ہے۔ غیر مجرد سے مراد یہ ہے کہ اس اسم میں حرفیت کا معنی شامل ہے۔ تِلْکَ اسم اشارہ بِ جارہ بمعنی فِی ظرفیہ مکانیہ یَمِیْن اسم جامد غیر مفرد یعنی مضاف کَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر مسئول ہوا سوال و مسئول مل کر بیانِ ۔ مَا و مقدم ہوا یَا حرف ندا لفظ موسیٰ اسم مقصورہ تقدیری اعراب حالت رفع منادیٰ ندا اپنے منادیٰ اور بیان سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا اس طرح کہ ... پوشیدہ ... یہ ہو کر سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا قَالَ فعل ماضی ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ ... ہوا ھِیَ اسم ضمیر مرفوع منفصل واحد مؤنث غائب مبتدا۔ عَصَا۔ اسم مقصورہ مضاف لفظِ عَصَا عَصْوٌ سے مشتق ہے اس کا تثنیہ عَصَوَانِ ہے اور اس کی جمع عُصِیٌّ عِصِیٌّ۔ عُصُوِیٌّ۔ اَعْصٍ اور اَعْصَاءٌ۔ عَصْوٌ ... کا لغوی ترجمہ ہے سخت مزاجی متکبرانہ غرور سخت پکڑ لاٹھی کو عصا اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ ہاتھ سے مضبوط پکڑی جاتی ہے نافرمانی کو عصا اور عصیان اس لیے کہا جاتا ہے کہ نافرمان آدمی بد مزاج اور مغرور ہوتا ہے حق بات نہ ماننا عصیان ہے اور باطل بات نہ ماننا فرار ہے ... ایسی بات

نہ ماننا انحراف ہے اور چھوڑ دینا یا چھوڑ کر مان لینا رجوع ہے عربی میں بڑے اور قد برابر ڈنڈے کو عصا کہتے ہیں چھڑی کو مِخصرہ اور بوڑھے یا بیمار کی لاٹھی کو مِنْسَاَۃٌ کہا جاتا ہے۔ یٔ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ تَوَکَّؤُا۔ باب تفعل کا فعل مضارع واحد متکلم معروف بمعنی حال وَکْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ٹیک لگاتا۔ اَنَا ضمیر پوشیدہ فاعل مرجع موسیٰ علیہ السلام عَلٰی جارہ فوقیت کا ھَا ضمیر کا مرجع عَصَا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَتَوَکَّؤُا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَھُشُّ۔ باب نَصَرَ کا مضارع فعل حال واحد متکلم اَنَا ضمیر فاعل پوشیدہ۔ ھَشٌّ سے مشتق ہے بمعنی جھاڑنا جھنجھوڑنا۔ بِ حرفِ جر سببیہ ھَا مجرور متعلق ہے اَھُشُّ کا۔ عَلٰی حرف جر اپنے معنی فوقیت کے لیے یا بمعنی لام جارہ یا بمعنی عِنْدَ ظرفیہ مکانیہ ترجمہ اپنی بکریوں پر یا لیے۔ یا بکریوں کے پاس غَنَمٌ۔ اسم واحد مذکر جنسی ہے لہٰذا یہاں جمع مراد ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بلا مشقت مال ملنا بکری کو اس کی آسان پرورش اور تیز بڑھوار کی وجہ سے غنم کہا جاتا ہے ان کا بڑا ابڑا ریوڑ جنگلوں کی سوکھی گھاس پھوس کھا کر بھی تیزی سے پروان چڑھتا چلا جاتا ہے اس لیے ان کو غنم کہا جاتا ہے جہاد میں مال غنیمت کو غنیمت بھی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بلا مشقت ملتا ہے مجاہد یا شہید کا پہلے اس پر حق نہیں ہوتا۔ اور جنگ کی مشقت مال کے لیے نہیں ہوتی یاءِ متکلم ضمیر نفسی ہے بمعنی اپنی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے اَھُشُّ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لِیْ جار مجرور بمعنی میرے لیے متعلق اوّل ہے یَکُوْنُ فعل "تامہ" پوشیدہ کا۔ دراصل تھا وَیَکُوْنُ لِیْ۔ فِیْھَا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے پوشیدہ فعل کا مَاٰرِبُ۔ اسم جمع مکسر جامد حاصل مصدر میمی اس کا واحد مذکر ہے مَاْرِبٌ واحد مؤنث ہے مَاْرِبَۃٌ۔ اس کا اصلی مادہ مصدر اِرْبٌ ہے بمعنی سخت ضروری چیز جس کے لیے عقلی تدبیریں کرنی پڑیں یا ضروری اعضا بدن۔ یہاں مراد ہیں ضروریات زندگی۔ موصوف ہے اُخْرٰی اسم تفضیل مؤنث واحد اس کا واحد مذکر ہے اٰخَرُ۔ بمعنی دوسری یہ صفت ہے۔ جمع مذکر کی اس لیے کہ ظاہر ہے اور جنسی جمع مکسر ہے یہ مرکب توصیفی فاعل ہے یَکُوْنُ پوشیدہ کا۔ وہ فعل فاعل اور دونوں جملہ اسمیہ سے مل کر معطوف ہوا اَھُشُّ پر۔ اَتَوَکَّؤُا اپنے سب عطف سے مل کر صفت ہوئی عَصَایَ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے ھِیَ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قَول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع اللہ تعالیٰ یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَلْقِ۔ باب اِفعال کا فعل امر واحد مذکر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ ضمیر فاعل جس کا مرجع حضرت موسیٰ لَقْوٌ سے بنا

ہے۔ بمعنی ڈھیلا پڑنا ڈھے جانا ٹیڑھا ہونا یہ لازم ہے افعال میں متعدی ہو کر بمعنی ڈالنا پھینکنا اس
کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ ظاہر ہو پوشیدہ باطن ہر طرح ڈالنے کو القا کہا جاتا ہے۔ ھَا ضمیر مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ
انشائیہ ہو کر بیان ندا مقدم ہوا۔ یٰمُوسٰی حرفِ ندا نے منادیٰ اور بیان سے مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں
مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تعقیبیہ بمعنی۔ ثُمَّ۔ اَلْقٰی۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب
ہُوَ۔ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع حضرتِ موسیٰ علیہ السلام ھَا ضمیر کا مرجع عصَا۔ فَ سببیہ محضہ اِذَا
مفاجات بمعنی اچانک ہمیشہ زمانہ حال کے لیے ہوتا ہے یعنی اچانک ابھی ایسا ہوا ہے۔ ھِیَ ضمیر
مرفوع منفصل مبتدا ہے حَیَّۃٌ۔ اسم مفرد جنس بمعنی سانپ ہر قسم کا سانپ چھوٹا بڑا پتلا موٹا مذکر مونث
بچہ بوڑھا عربی میں حَیَّۃٌ ہے۔ نوعی اعتبار سے ہر نام علیحدہ ہے یہ موصوف ہے تَسْعٰی باب فَتَحَ
کا فعل مضارع ھِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا واحد مونث غائب فاعل ہے مرجع حَیَّۃٌ ہے۔ خیال
رہے کہ ھَالِ ھِیَ عَصَایَ سے فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ تک تمام واحد مونث غائب کی ضمائر بارز و مستتر کا مرجع
عصَا ہے اور اس کے بعد واحد مونث کا مرجع حَیَّۃٌ ہے تَسْعٰی فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر
صفت ہوئی یہ مرکب توصیفی خبر ہے ھِیَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مسبب ہوا اَلْقٰی کا وہ سب
مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ خُذْ باب نَصَرَ یَنْصُرُ کا فعل امر
حاضر معروف واحد مذکر۔ اَخْذٌ سے مشتق ہے بمعنی پکڑنا۔ اَنْتَ مستتر فاعل ہے ھَا ضمیر مفعول بہ
جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ فعل نہی با فاعل سَ حرف تقریبی بمعنی عنقریب نُعِیْدُ
باب افعال کا مضارع مستقبل جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر جمع متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے عَوْدٌ سے
بنا ہے بمعنی لوٹانا۔ لوٹنا ھَا ضمیر کا مرجع ہے حَیَّۃٌ سِیْرَتٌ۔ اسم جامد مضاف ہے حاصل مصدر۔ آخر
میں تَ مصدریہ ہے سَیْرٌ سے بنا ہے بمعنی چال ڈھال۔ چال چلن۔ مراد ہے حالت کیفیت
عادت خصلت اسی سے ہے سیارہ چلنے پھرنے والا۔ ھَا ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی
ممیز الاُولیٰ الف لام عہد خارجی اسم تفضیل مونث تمیز ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے سَنُعِیْدُ سب
سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے لَا تَخَفْ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا خُذْ ھَا پر دونوں
مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا دونوں جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِیَةٌ اَكَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى۔ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا وَ اتَّبَعَ هَوٰىهُ فَتَرْدٰى۔

اے موسیٰ نماز اس لیے قائم رکھو کہ یہ رب کے قرب و کلام و حاضری کا ایک طریقہ ہو دنیوی ہے اور اس

ساعت کی تیاری ہے جب رب تعالٰی کے حضور سب نے پیش ہوتا ہے۔ اسی لیے نماز کو معراج قرب کہا گیا ہے انسان پر تین ساعتیں لازم ہیں پہلی ساعت موت کی دوسری قبر کی تیسری قیامت و محشر کی ان سب ساعتوں کی آسانی کے لیے نہایت مفید طریقہ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکۡرِیۡ ہے رب تعالٰی نے فرمایا میں اس کو چھپانا ہی چاہتا ہوں قیامت کی دو چیزیں ہیں ایک قیامت کا آنا اور دوم قیامت کے آنے کا تعینی وقت پہلی چیز ظاہر کر دی گئی کیونکہ اس کا ظاہر کرنا ضروری ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ بتا دیا جائے کہ قیامت لازمی یقینی ہے کوئی شخص اس سے بچ نہیں سکتا نہ اس پر غالب آ سکتا ہے ہر شخص اُس دن عاجز و بے کس ہوگا دوم یہ کہ تاکہ قیامت پر دنیوی زندگی میں ایمان بالغیب لایا جائے اس پر ایمان سے بغیر کوئی ایمان معتبر نہیں اس کی تین وجہ ایک یہ کہ ظالم کو معلوم ہے کہ اس کے ظلم کا بدلہ ضرور ملے گا ظالم و فاسق ظلم و گناہ پر نڈر نہ ہو جائیں دوسری یہ کہ اللہ تعالٰی کا دیدار اور شان اپنی آنکھوں دیکھنے کا دنیا میں ہی ایمان ہو اور وجودِ باری تعالٰی پر ایمان پختہ ہو۔ یہ کہ دنیا میں شانِ نبوت پر یقین کریں جس کی اصل حالت تو قیامت میں دکھائی جائے گی۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی رضی اللہ تعالٰی عنہ نے اَکَادُ اُخۡفِیۡھَا سے یہی قیامت کا آنا مراد لیا۔ اس کو چھپانا چاہا مگر اس کو چھپایا نہ گیا تاکہ اس کی ہیبت اور ڈر اور حساب کتاب کی سچی تیاری کا ذوق و شوق پیدا ہو۔ ظالموں کا خوف اور مظلوموں کو سکون اطمینان صبر کی عادت پیدا اور لِتُجۡزٰی کُلُّ نَفۡسٍ کا مظاہرہ ہونے پر یقین کامل اس لیے قیامت کے آنے کا اعلان و اظہار فرمایا مگر اس کے تعینی وقت اور دن کو چھپایا اکثر نے اَکَادُ اُخۡفِیۡھَا کا یہ ہی معنی کیا ہے کہ میں اس کو چھپانا چاہتا ہوں تاکہ ہر شخص کو اس کا بدلہ ملے اُن کے نزدیک قیامت سے مراد قیامت کا دن اور زمانہ وقت ہے ہم نے یہی ترجمہ اختیار کیا ہے قیامت کا ایمان ہر انسان کیلئے ضروری ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ پہلی کتاب میں اس کی اہمیت کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا فَلَا یَصُدَّنَّکَ تم کو نہ روک سکے یا ایمانِ قیامت سے ہٹا نہ سکے اس کی کوئی ہمت طاقت ارادہ حجت دلیل ورغلاہٹ چودھراہٹ نرمی گرمی قیام نماز یا قیامت پر ایمان لانے سے نہ روکے جو شخص قیامت پر ایمان نہیں لاتا اور شیطانی نفسانی دنیوی شہوات و خواہشات کے پیچھے لگا رہتا ہے۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو تم کبھی مومن نہیں رہ سکتے ذلیل و رذی ناکارہ و بیہودہ ہو جاؤ گے موسیٰ علیہ السلام سے یہ کلام جلالی فرما کر اُس دور کے تمام بنی اسرائیل کو خبردار کیا گیا اور قرآن مجید میں اس واقعہ کا تذکرہ فرما کر تا قیامت مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔ مَنۡ لَّا یُؤۡمِنُ سے مراد ہر منکرِ قیامت کافر ہے بعض حمقاء نے کہا کہ ساعت سے مراد قیامت نہیں بلکہ غرقِ فرعون اور نجاتِ بنی اسرائیل کا وقت مراد ہے مگر یہ غلط ہے۔ اس لیے کہ کلام پاک کی روش سے قیامت ہی مراد لینا درست ہے تین وجہ سے پہلی یہ کہ فرمایا گیا۔

لِتُجْزٰی ۔ اور جزاءِ اعمال کا دن قیامت ہی ہے دوم یہ کہ فرمایا گیا کُلُّ نَفْسٍ ۔ اور کُلُّ نَفْسٍ ہر انسان و جنات کے لیے ہے نہ کہ فقط بنی اسرائیل و فرعون و قومِ فرعون کے لیے سوم یہ کہ فرمایا گیا بِمَا تَسْعٰی یعنی اُن اعمال کی جزا جو اُس نے پوری زندگی میں اپنی دنیوی کوشش سے کیا یا دینی کوشش سے اچھا کیا یا بُرا ۔ غرقِ فرعونی اُس کو اَعمالِ کفریہ ظلمیہ کا بدلہ نہیں ۔ یہ تو فقط اُس کی موت اور بنی اسرائیل کو آئندہ ظلموں سے چھڑانے کے لیے تھا غرق کی موت تو بہت مسلمانوں کو بھی آجاتی ہے ظلم و کفر کا مکمل بدلہ نیز نیک بنی اسرائیل کی عبادتوں کا صحیح بدلہ تو قیامت میں ملے گا ۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ سَاعَۃٌ سے مراد قیامت ہی ہے ۔ چہارم یہ کہ فرمایا گیا فَلَا یَصُدَّنَّکَ یہ حکم نون ثقیلہ کی وجہ سے نہایت شدید ہو گیا کہ خبردار اپنے آپ میں ذرہ بھر کمزوری لچک ۔ ڈھیل نرمی لگاوٹ لجاجت لالچ چاپلوسی نہ پیدا ہونے دینا کہ کوئی دین کا چور اُچکا ابلیس شیطان گمراہ تم پر کسی بھی وقت کسی جگہ کسی طریقے سے داؤ چلا سکے ورغلا سکے بلکہ دینی معاملات میں اپنے آپ کو ایسا بے رُخا اکھڑ کھرا تُند خو بے طمع سخت گیر بنا لو کہ شیطان و کفار تم سے مایوس ہو جائیں لَا یَصُدَّنَّ کی یہ تنبیہ سخت واضح کر رہی ہے کہ ساعت سے مراد قیامت ہی ہے ۔ پنجم یہ کہ فرمایا گیا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ ۔ یعنی قیامت کا منکر ہی کافر ہوتا ہے ۔ بنی اسرائیل کے اُس دور میں غرقِ فرعون کا منکر کافر نہ ہوتا تھا ۔ قیامت پر ایمان لانا اُس وقت بھی اور اب بھی ضروریاتِ دین سے ہے اِس کا انکار ہمیشہ ہر دور میں کفر ہی ہے یا ششم یہ کہ فرمایا گیا وَاتَّبَعَ ھَوٰاہُ ۔ اس سے مراد کفریہ گناہ ہیں اور صرف قیامت کا انکار ہی اِتباعِ نفسانی میں شمار ہو سکتا ہے ۔ اَکَادُ اُخْفِیْھَا میں مفسرین کے دو قول ہیں یا میں چھپانے پوشیدہ رکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں اَکَادُ بمعنی اُرِیْدُ ہے ۔ اَکَادُ بمعنی اَزِیْلُ میں چھپانا نہیں چاہتا ۔ خِفا کو زائل کرنا ختم کرنا چاہتا ہوں اِن کی دلیل یہ کہ بابِ افعال کا ہمزہ جب بابِ ضَرَبَ سے افعال بنایا جائے تو سلب و ختم کے لیے ہوتا ہے اور جب بابِ سَمِعَ سے بنایا جائے تو افعال کی ہمزہ اظہار یعنی خِفا کو ختم کرنے کے لیے ہوتی ہے یہاں چونکہ سَمِعَ سے بنایا گیا ہے اس لیے مراد ظاہر کرنا ہے دونوں کی مطابقت اس طرح کہ پہلے قول میں وقتِ قیامت ہے دوسرے قول میں تذکرۂ قیامت ہے ۔ تذکرہ کر کے چھپایا گیا ۔ وقت اور روزِ قیامت کو چھپایا گیا جیسے عربی میں کہا جاتا ہے اَشْکَیْتُ ۔ میں نے شکایت زائل کر دی ۔ بعض نے اَکَادُ کا معنی اُثْبِتُہٗ کیا ہے ۔ یعنی میں ضرور لانے والا ہوں قیامت کو مگر اس کو چھپاؤں گا بجز میرے کوئی نہیں جانتا کہ کب آئے گی ۔ وقوعِ قیامت کو اس کے لیے مخفی رکھا گیا کہ بندے ہر وقت ڈرتے رہیں اور جلدی اچھے عمل کریں برے اعمال

برے اشخاص سے بچے رہیں آنے کا اظہار وقت و زمانے کا اخفا اسی تجزئی کی وجہ سے ہے بندے تین قسم کے ہیں (۱) وہ جو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اچھے اعمال کریں (۲) وہ جو حصولِ جنت کے لیے اچھے عمل کریں (۳) دوزخ سے بچنے کے لیے کریں اگر تذکرہ قیامت نہ کیا جاتا تو بندے بے ڈر ہو جاتے اور کفار منکر ہی رہتے۔ اور اگر وقتِ قیامت روزِ ساعت زمانہ محشر بتا دیا جاتا تو سب اچھے برے لوگ ڈھیلے سست اور مطمئن ہو جاتے۔ اُخْفِیْھَا اس لیے ہے تاکہ معصیت سے بچیں اطاعت میں کوشش کریں۔ جزا بندوں کے اعمال اور کوشش اُلفت استقامت کی ہوگی۔ عَنْھَا کی ضمیر کا مرجع یا قیامت ہے یا صلوٰۃ ہے یا ذکری ہے۔ فَلَا یَصُدَّنَّکَ میں حرفِ فَ توجیہی تعلیلی ہے معنیٰ ہے کہ چونکہ قیامت یقینی ہے اس لیے کوئی تم کو منکر نہ بنائے منکر کی ورغلاہٹ اور وسوسہ اس کی نفسانی شیطانی اکڑ اور اتباعِ ھَوٰی اور خواہشات ہوگی وہ نہ ماننا۔ ھَوٰی سے مراد خواہشاتِ نفسانی ہر کافر چاہتا ہے کہ میں دوسروں کو بھی کافر بناؤں یہ بھی اتباعِ ھَوٰی ہے۔ فَتَرْدٰی حقیقت میں یہ ہی ہلاکت ہے کہ دنیا میں ایمان ختم آخرت میں انعامِ ربانی ختم ہلاکتیں دس قسم کی ہیں (۱) ناکامی (۲) نامرادی (۳) ذلت (۴) خواری (۵) مصائب (۶) حرام روزی (۷) بری صحبت (۸) گناہوں میں آسانی (۹) نیکیوں میں دشواری (۱۰) معذوری بیماری۔

وَمَا تِلْكَ بِيَمِينِكَ يَا مُوسَى ۝ قَالَ هِيَ عَصَايَ أَتَوَكَّأُ عَلَيْهَا وَأَهُشُّ بِهَا عَلَى غَنَمِي وَلِيَ فِيهَا مَآرِبُ أُخْرَى ۝ قَالَ أَلْقِهَا يَا مُوسَى ۝ فَأَلْقَاهَا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَى ۝ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيدُهَا سِيرَتَهَا الْأُولَى ۔

موسیٰ علیہ السلام اس سابقہ کلام الٰہی سے مرعوب تھے تسلی کے لیے شفقت بھرے انداز میں توجہ مبذول کرانے کے لیے ارشاد ہوا۔ اے موسیٰ تمہارے داہنیں (سیدھے) ہاتھ میں کیا ہے یہ سوال بے علمی سے نہیں جیسا کہ بعض احمق عیسائیوں نے لکھا۔ لفظِ یمین کی خصوصیت بھی بتا رہی ہے کہ یہ سوال ایک توجیہ اور حکمت پر مبنی تھا۔ حضرت موسیٰ جو دبدبۂ کلام سے مرعوب ہونے کے علاوہ لذتِ کلام سے سرشار اور اس عظیم اعزاز سے خوشگوار دریائے عشق کی موجیں قلب و جگر میں موجزن تھیں سوچا یہ عظیم کریمانہ موقعہ پھر کب نصیب ہوگا۔ آج ہی دل بھر کے ہم کلامی کا موقعہ حاصل کروں باتیں لمبی بڑھا دوں کہ یہ محفلِ کرم رحمٰن و رحیم مجلس کلامِ خالق تعالیٰ مالک درازتر درازہی ہوتی چلی جائے اس لیے ایک سوال میں پورے تفصیلی جواب عرض کر دئے۔ عرض کیا اے میرے مونس و دم ساز مالک آقا یہ میری لاٹھی ہے جب تیرے حضور کھڑا کھڑا نماز میں تھک جاتا ہوں تو اس سے ٹیک لگا کر سہارا حاصل کرتا ہوں یا جب چلنے میں دشواری محسوس کروں تو اپنے ضعف و نقاہت

کی بنا پر اس کو ٹیک ٹیک کر چلتا ہوں۔ اور میری وہ بکریاں جو دراز عرصہ سے میں چراتا آرہا ہوں اور اس وقت بھی قریب میرے ساتھ ہیں جب وہ بھوکی کھڑی ہوتی ہوں تو درخت سے اُن کے لیے پتے جھاڑتا ہوں یا اِن بکریوں کو اس لاٹھی سے ہنکاتا چلاتا ہوں۔ اور بھی بہت سی ضروری اُمور میں یہ لاٹھی میرے کام آتی ہے میری بہت سی ضروریات اس سے پوری ہوتی ہیں مفسرین فرماتے ہیں "مَا تِلْكَ" سے سوال کا مقصد متوجہ اور متنبہ اور دہشتِ کلام دور کرنا تھا یمین فرمانے کی چار وجہ ۱ عصا ہی ہاتھ میں تھا ۲ ید اور ہاتھ یا ہاتھوں میں نہ فرمایا تاکہ حضرت موسیٰ اپنے بائیں ہاتھ کی طرف متوجہ نہ ہو جائیں اور اپنی انگوٹھی کا نہ ہیں اور خواہ مخواہ دوبارہ سمجھانا پڑے آپ کے بائیں (یسار) میں انگوٹھی تھی۔ ۳ سوال اس مقصد کا تھا کہ کیا تم عصا کی اندرونی خفیہ طاقتوں کرامتوں حقیقتوں کو جانتے ہو۔ یہ کیا عظیم شئ ہے جو تمہارے یمین میں ہے۔ ۴ موسیٰ علیہ السلام اتنے متحیر و مرعوب تھے کہ تن من کا ہوش نہ رہا تھا اُن کو خود اُن کی طرف راغب کرنے کے لیے یہ سوال کیا گیا ورنہ یہ کہنا ہی کافی تھا کہ اَلْقِ عَصَاكَ اے موسیٰ اپنا عصا پھینک جس طرح پہلے فرمایا گیا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ ایک قول ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے اس لیے کلام دراز کیا کہ کہیں فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ کی طرح عصا کو بھی دور نہ پھینکوا دیا جائے۔ اس لیے پہلے ہی عرض کر دیا کہ مولیٰ یہ لاٹھی میرے بہت کام کی ہے ہر وقت مجھ کو اس کی ضرورت ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ جوتیاں پھینکوائی نہ گئیں تھیں صرف وادیِ مقدس کی عزت و تکریم کی وجہ سے باہر رکھوائی گئیں تھیں جس طرح مسجد کی تکریم کے لیے نمازی کرتے ہیں بعد میں موسیٰ علیہ السّلام نے پھر وہ نعلین پہن لیں اور اپنے اہل کو لے کر مصر تشریف لائے۔ "اَهُشُّ" کی دو قرأتیں اور دو معنیٰ کیے گئے ہیں ۱ اھش یعنی پتے جھاڑتا ہوں ۲ اَهُشُّ سین سے یعنی بکریوں کو چلاتا ہوں، "مَآرِبُ اُخْرٰى" موسیٰ علیہ السلام اس قسم کی ضروریات اپنے عصا سے حاصل فرماتے تھے ۱ اس سے تیمم وغیرہ کے لیے مٹی کے ڈھیلے اکھیڑتے تھے ۲ نماز کے لیے سُترا بناتے تھے ۳ دھوپ اور گرمی اور ہوا سے بچنے کے لیے زمین میں ٹھونک کر اس پر کمبل شریف ڈالتے تھے۔ اس کے اوپر دو شاخیں تھیں ۴ چلتے اور کھڑے ہوتے میں اس پر ٹیک لگاتے تھے ۵ گھوڑے کو چلاتے اور مارتے تھے ۶ سفر میں کندھے پر رکھ کر اُس پر گٹھڑی ٹانگتے تھے ۷ کسی گھر میں اجازت لینے کے لیے دروازہ کھٹکھٹاتے تھے۔ ۸ راستے سے کتوں کو بھگاتے تھے ۹ یہ عظیم دولت اور وراثت تھی خیال تھا کہ میرے بعد میرا بیٹا اس کا وارث ہوگا مگر چونکہ یہ عصا حضرت آدم جنت سے لے کر آئے تھے اُس وقت سے یہ

یہ صرف انبیاء علیہم السّلام کی تحویل میں ہی رہا۔ اور اس کو صرف انبیاءِ کرام ہی اپنے قبضے میں رکھ سکتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کے یہ فرزند بعمر نو سال فوت ہو گئے تھے۔ نبی نہ بنے۔ ہٰرون علیہ السلام بھی موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں دورانِ حج فوت ہو گئے کوہِ اُحد کی چوٹی پر آپ کا مزار ہے میں نے زیارت و فاتحہ خوانی وحاضری دی ہے پہلے حج ۱۹۶۳ء میں لہٰذا موسیٰ علیہ السّلام کی وفات شریف کے بعد ایک قول میں یہ غائب ہو گیا تھا غالباً جنت میں ہی چلا گیا ہوگا۔ اور ایک قول میں یہ حضرت داؤد علیہ السّلام پھر سلیمان علیہ السلام کو ملا آپ نے وفات کے وقت آخری نماز کی نیت اسی عصا سے ٹیک لگا کر باندھی تھی اسی کا ذکر قرآن مجید میں ہے کہ جب اس کو دیمک نے کھایا تو سلیمان علیہ السّلام زمین پر آرہے اور جنات نے جان لیا کہ آپ فوت ہو گئے ہیں کام چھوڑ کر بھاگ گئے۔ (از روح المعانی فتح القدیر مظہری صاوی) مگر یہ قول اس لئے غلط لگتا ہے کہ جنت کے عصا کو دنیا کی دیمک نہیں کھا سکتی اور پھر اتنے ہزار ہا سال سے نہ کھایا تو اب چند ماہ میں کیسے ہو سکتا ہے بعض نے فرمایا کہ تابوتِ سکینہ میں عصا بھی رکھا ہوتا تھا مگر یہ قطعًا اور یقینًا غلط قول ہے اس لیے کہ سب مفسرین فرماتے ہیں کہ تابوت سکینہ تین گز لمبا اور ڈھائی گز چوڑا تھا اور عصا شریف دس گز لمبا تھا موسیٰ علیہ السّلام کے قد مبارک کے برابر (روح المعانی) تو دس گز لمبا عصا تین گز لمبے صندوق میں بھلا کیسے آ سکتا ہے۔ تابوتِ سکینہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذاتی صندوق تھا جس میں صرف حضرت موسیٰ و ھٰرون علیہما السّلام کی ذاتی چیزیں کپڑے جوتے رکھے ہوتے تھے جو بعد میں تبرکات میں شامل ہو گیا۔ اسی طرح بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس تابوت میں توریت کی تختیوں کے کچھ ٹکڑے بھی ہوتے تھے مگر یہ بھی غلط ہے موسیٰ علیہ السلام کے بعد تختیاں بھی آسمان پر اٹھالی گئیں تھیں۔ عصا چونکہ صرف موسیٰ علیہ السّلام کے لیے ہی جنت سے آیا تھا اس لیے آپ کے بعد اس کا مقصدِ قیام ختم ہو گیا لہٰذا واپس جنت میں پہنچا دیا گیا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب لفظ مَآرِبُ کو تین طرح پڑھا گیا ہے ۱۔ مَآرِبُ ۲۔ مَآرُبُ ۳۔ مَآرَبُ حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے مَآرِبُ اُخْرٰی کہہ کر کلام ختم فرما دیا یہاں تفصیل نہ بیان فرمائی اس لیے کہ پہلے تو لذتِ کلام میں شوقِ درازیِ کلام اور محفلِ عظیم کی محبت و عشق کا غلبہ ہوا تھا جس کی وجہ سے کلام کو لمبا کرنا چاہا مگر پھر بارگاہِ الٰہیہ کا ادب واحترام مزید بولنے سے مانع ہوا اور عشق پر ادب کا غلبہ ہوا جب حضرت موسیٰ خاموش ہوئے تب رب تعالیٰ نے قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰی فرمایا اے موسیٰ لاٹھی کو اپنے سامنے زمین پر ڈال دو۔ فَاَلْقٰهَا موسیٰ علیہ السّلام

نے فوراً تعمیلِ حکم کی اور عصا کو اپنے سامنے زمین پر ڈال دیا۔ رکھنے کے انداز میں بعض نے کہا جلدی سے پھینک دیا۔ پس پھر کیا تھا ایک دم پلک جھپکتے ہی فَاِذَا حَیَّۃٌ تَسْعٰی وہ عصا تیز دوڑتا ہوا پیلے رنگ کا سانپ تھا اس عصا کا رنگ سرخ تھا اس کے اوپر دو شاخیں تھیں جب سانپ بنا تو چار تبدیلیاں آئی تھیں ۱ رنگ پیلا ہو جاتا ۲ وہ دونوں اوپر کی شاخیں دو منہ بن جاتے اور باقی نچلا تمام حصہ سانپ ہوتا ۳ لفظ حَیَّۃٌ اسم جنسی ہے ہر مذکر مؤنث چھوٹے بڑے موٹے پتلے ہر قسم کے سانپ کو کہدیا جاتا ہے۔ مگر اس سانپ کی عجیب قدرت و معجزہ اور کرامت تھی کہ خلقتاً لکڑی تھی انقلابِ حقیقت سے ذاتاً وجسماً اژدہا تھا لیکن صفتاً باریک سانپ کی طرح تیز دوڑنے والا ۴ اور عادتاً تمام چرندوں کی طرح کہ جب یہ سانپ بنا تو جنگل کی طرف دوڑا ایک درخت کے پاس پہنچ کر پورا درخت کھا گیا مع پتوں شاخوں تنے کے پھر چرندوں جیوانوں سے بھی دو ہاتھ آگے کہ ایک بڑا پتھر چٹان جیسا سامنے آیا تو اُسے بھی کھا گیا۔ آنکھیں سرخ انگارہ جیسی دہکتی ہوئی ایسا سانپ دو منہ والا روئے زمین پہ پہلے کبھی کب کسی نے دیکھا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام اس عجیب الخلقت سانپ کو قہرِ الٰہی سمجھ کر خوف زدہ ہو گئے پہلے کلام الٰہی کے دبدبے سے دہشت زدہ تھے اُس پر مزید یہ ہیبتناکی پھر بار بار یٰموسیٰ کا خطابِ تنبیہی۔ اس لیے دوڑ پڑے اس دوڑنے کا دوسری آیت میں ذکر ہے۔ رب تعالیٰ نے قَالَ خُذْھَا وَلَا تَخَفْ۔ اے موسیٰ خوف نہ کھایئے اور اُس کو پکڑیئے۔ موسیٰ کی جرأت نہ ہوئی تفاسیر میں ہے کہ تین دفعہ یہ حکم ہوا تیسری دفعہ ارشاد ہوا۔ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِیْنَ۔ پکڑ لیجئے تم کو امن رہے گی تب آپ نے ایک ہاتھ اس کی گردن میں ڈالا اور دوسرا ہاتھ اُس کے ایک منہ میں ڈال کر پکڑ لیا پکڑتے ہی سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰی۔ کا وعدۂ ربانی پورا ہوا اور وہ پھر ایک دم اتنی ہی آپ کی کلائی جتنی موٹی سرخ لاٹھی تھی۔ یہ سانپ اوّلاً لاٹھی جتنا ہی موٹا اور اُتنا ہی دس گز لمبا ہوتا۔ بعد میں فوراً مزید لمبا اور موٹا ہوتا جاتا۔ اور دگنا ہو جاتا۔ موسیٰ علیہ السلام کے خوف کی وجہ سانپ نہیں بلکہ پہلے سے کلام الٰہی کا رعب قربِ الٰہی کی ہیبت اور خوارق و عجائبات کی دہشت تھی چونکہ یہ عجیب الخلقت و عادت سانپ بھی اللہ تعالیٰ کی جانب اور حکمت و خلقت سے بنا تھا اس لیے خوف کا ظہور وجود سانپ میں ہوا اور بھاگ پڑے جس طرح اندھیرے بیابان کا دہشت زدہ پتہ کھڑکنے سے بھاگ پڑتا ہے سَنُعِیْدُھَا۔ کا کلامِ مشفقانہ اسی دہشت و ہیبت کو دور کرنے کے لیے فرمایا گیا۔ اسی سے آپ کو تسلی و اطمینان نصیب ہوا سیرت بمعنیٰ حالت

اور عادت ہے۔ اس کا لغوی معنیٰ طریقہ اور مذہب ہے اصطلاحی معنیٰ اخلاق و عادات ہے یہاں
مراد انقلاب حقیقت یعنی جیسے پہلے لکڑی کا مضبوط عصا تھا پھر ویسے ہی ہو جائے گا۔ یہاں طور
پر یہ تمام مظاہرہ تین وجہ سے کرایا گیا پہلی یہ کہ یہ نبوت کا معجزہ دیا گیا۔ دوم یہ کہ یہ لاٹھی پھینکنے سے
معجزاتی اثر دیا کہ سانپ بنے گا اور جب اٹھا لیا کرو گے تو پھر لاٹھی بن جایا کرے گی سوم یہ کہ اگر
اس وقت یہ سب کچھ کرا کر چشم دید مظاہرہ نہ کرایا جاتا اور صرف بتا دیا جاتا کہ ایسا ایسا کرو گے
تو یہ عصا ایسا ایسا ہو جائے گا تو یقینی تھا کہ موسیٰ علیہ السّلام جب پہلی بار فرعون کے سامنے اس کا
مظاہرہ کرتے تو خود بھی ڈر جاتے۔ اس عصا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے تقریباً دس
کرامتیں قوتیں پیدا ہو گئی تھیں جو پہلے نہ تھیں ۱؎ یہ دشمن سے حفاظت کرتا یہاں تک کہ ایک
دفعہ جنگل میں ایک سانپ نے بکریوں پر حملہ کیا تو عصا نے اس کو مار مار کر ہلاک کر دیا۔ حضرت
موسیٰ یہ عجیب بات دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ۲؎ اندھیری رات میں اس کی دونوں شاخیں
روشن ہو جاتیں جس سے صرف موسیٰ علیہ السّلام فائدہ حاصل کرتے ۳؎ اس کو پتھر پر مارتے
یا زمین سے رگڑتے تو حسب ضرورت پانی نکل آتا اور ضرورت پوری ہونے کے بعد پانی بند
ہو جاتا ۴؎ جب موسیٰ علیہ السّلام کو بھوک لگتی تو زمین پر رگڑتے کھانے کی چیز بس نکل آتیں
۵؎ اگر خشک درخت پر لگاتے تو پختہ پھل پیدا ہو کر جھڑتے حضرت موسیٰ نے اس کا نام
"نَبْعَةٌ" رکھا تھا ۶؎ عصا دس گز لمبا دو انچ موٹا موسیٰ علیہ السلام کی کلائی کے برابر شرعی گز ڈیڑھ
فٹ کا ہوتا ہے جب یہ اژدھا بن جاتا تھا تو بہت کچھ کھا جاتا تھا اور جب واپس عصا
بنتا تو وہ اشیاء غائب ہو جاتی تھیں ۷؎ نہ پیشاب کرتا تھا نہ براز ۸؎ جب کوئی دشمن یا درندہ
موسیٰ علیہ السلام کے سامنے آتا تو عصا خود جا کر اس کو مار کر بھگاتا یا جان سے مار دیتا اس طرح
کا مظاہرہ دو دفعہ مدین کے جنگل میں ہی ہوا۔ ۹؎ جتنا اژدھا تھا تیزی میں پتلا سانپ اسی لیے
قرآن مجید میں اس کو حَیَّةٌ بھی فرمایا گیا ثُعْبَانٌ مُّبِیْنٌ بھی اور پتلے باریک سانپ کی شکل کا تھا
جَانٌّ بھی فرمایا گیا ۱۰؎ پتے اور پتھر کھاتا تھا حالانکہ کوئی سانپ پتے نہیں کھا سکتا اور کوئی بھی
جانور پتھر نہیں کھا سکتا۔ ۱۱؎ کوئیں سے پانی لینا ہوتا تو کوئیں کی گہرائی تک لمبا ہو جاتا۔ اور اپنی
دونوں شاخوں میں بقدر ضرورت پانی بھر لاتا یہ جنت سے آیا تھا ساگوان کی لکڑی کا تھا۔ آنکھیں
مثل آگ دہکتیں اور منہ میں لمبے دانت اور داڑھیں بھی بن جاتیں۔ اور لاٹھی ہوتی تو یہ کچھ نہ
ہوتا تھا۔ اللّٰہُ اکبر کبیراً۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ سب سے بڑی نعمت دین میں ثابت قدمی اور پختگی وصلابت ہے ہر مسلمان کو ایسی پختگی چاہیے کہ کفار اور گمراہ اس کو اپنے ساتھ ملانے سے ناکام اور مایوس ہو جائیں یہ فائدہ لَا یَصُدَّنَّكَ (الخ) کے ارشادِ پاک سے حاصل ہوا کہ ظاہراً تو کفار کو روکا جا رہا ہے لیکن حقیقتاً مسلمانوں کو خبر دار کیا جا رہا ہے کہ تمہارا کفار سے پلپلا اور نرم رویہ نہ ہونا چاہیے کہ تم کو کبھی باتوں سے کبھی کتابوں سے گمراہ کرنے کی جرأت کر سکیں۔ پلپلے اور نرم رویے والے انسان کو میٹھی چھری سے ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت کا صرف مقررہ دن تعین سال مخفی رکھا ہے وہ بھی صرف عوام الناس سے مگر اپنے حبیب خلق کے محبوب آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے تو کچھ بھی نہ چھپایا انبیاء کرام علیہم السلام کو علامتِ قیامت تک سب کچھ بتا دیں۔ اور آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے امتیوں کو دن اور مہینہ تاریخ تک ظاہر فرما دی احادیث میں ہے کہ قیامت جمعہ کے دن محرم کے مہینے اور عاشورے کی تاریخ کو آئے گی صرف سال اور سنہ مخفی رکھا۔ اس میں بھی حکمتِ خاص ہے یہ فائدہ اَكَادُ اُخْفِيْهَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعنی قریب تھا کہ یہ بھی چھپا لیتا مگر چھپایا نہیں ایک حدیث شریف میں ارشادِ نبوی ہے کہ اَنَا وَالسَّاعَةُ كَهَاتَيْنِ یعنی میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح جڑے اور متصل زمانہ ہیں جس طرح یہ انگلی اسی انگلی کی پڑوسی ہے اسی طرح میں قیامت کا پڑوسی ہوں اور جیسا کہ ایک پڑوسی دوسرے پڑوسی کے پورے حالات و آمد و رفت سے پوری طرح خبر دار ہوتا ہے اسی طرح میں بھی قیامت کے آمد و رفت سے پوری طرح خبر دار ہوں۔

تیسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ بڑی عظیم قدرتیں اپنے محبوب بندوں کے ہاتھوں ظاہر فرماتا ہے دیکھو عصائے موسیٰ علیہ السلام جس میں بہت قوتیں طاقتیں ودیعت تھیں مگر جب تک حضرت موسیٰ کا ہاتھ نہ لگا یہ قوتیں ظاہر نہ ہوئیں گویا کہ ظہورِ معجزات کے لیے عصا وہی مخصوص تھا اور ہاتھ موسیٰ علیہ السلام کا مخصوص تھا نہ دوسری لاٹھی نہ کسی دوسرے کا ہاتھ۔ یہ فائدہ مَا تِلْكَ (الخ) اور خُذْهَا وَلَا تَخَفْ اور اَنَا اخْتَرْتُكَ کے ارشادِ مقدس سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ اگر اپنی قدرت کو نبی کے دستِ مبارک پر ظاہر فرمائے تو معجزہ کہلاتا ہے اور اگر ولی اللہ کے دستِ اقدس پر ظاہر فرمائے تو کرامت ہوتی ہے۔ نیز یہ بھی خیال رہے کہ نبی صرف انسان مرد ہوتا ہے نہ عورت جنات نہ حیوانات نہ جمادات نہ نباتات مگر ولی اللہ انسان جنات عورت مرد مذکر مؤنث حیوانات نباتات جمادات ہو سکتے ہیں جس کو رب پسند فرمائے

یا کسی مقصد کے لیے جس نے وہی ولی اللہ ہے۔ اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ ناقہ صالح، عصاءِ موسیٰ، ستونِ حنانہ، صفا مروہ، خانہ کعبہ، حجرِ اسود، مقامِ ابراہیم وغیرہم سب اولیاء اللہ تھے بولتے سنتے سمجھتے تھے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

نطقِ آب و نطقِ خاک و نطقِ گِل   ہست محسوس از حواسِ اہلِ دل

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ**۔ انقلابِ حقیقت ممکن ہے اور انقلابِ حقیقت سے اشیا میں شرعی حکم بدل جاتا ہے۔ نارِ نمرود کا گلزار بننا، عصاءِ موسیٰ کا سانپ بننا، فرشتوں جنوں کا بشری یا حیوانی شکل میں آنا اس طرح علم کیمیا کے ذریعہ تانبے کو سونا بنالیا جائے یا کسی ولی اللہ کی کرامت سے مٹی کا ڈھیلا سونا بن جائے تو شرعی احکام بدل جائیں گے یعنی ان تمام پر وہی احکام جاری ہوں گے جس شکل میں ہوں گے اگر جن یا فرشتہ مرد کی شکل میں ہو مسلمان عورت پر اس سے پردہ فرض ہوگا۔ تانبے کا سونا بنا تو نصاب برابر پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ یہ مسئلہ فَاِذَا ھِیَ حَیَّۃٌ کے بعد تَسْعٰی کا علیحدہ جملہ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی جب انقلابِ حقیقت ہوا تب وہ دوڑتا بھی ہے کھاتا بھی پیتا بھی۔ اگر کوئی جن یا جادوگر یا ولی اللہ کسی جانور کی شکل میں آجائے اور اس کو اسی حیوانی حالت میں کوئی مسلمان قتل کر دے تو قصاص یا دیت یا خون بہا نہ ہوگا۔ اس لیے کہ کسی بھی جانور کے قتل پر قصاص واجب نہیں ہوتا۔ اس حکم سے ناقہ صالح صرف اس لیے خارج ہے کہ وہ مطلوبہ معجزہ تھا اور خاص کر ممنوعہ، لیکن پھر بھی قصاص نہ لیا گیا بلکہ سب پر عذاب آیا۔ اگرچہ قاتل ایک ہی تھا۔ **دوسرا مسئلہ** بعض سوال ایسے ہوتے ہیں جو کسی حکمت پر مبنی ہوتے ہیں۔ جیسے انبیاء کرام علیہم السلام کے سوالات اپنی امت سے یا ممتحن استاد کا سوال امتحان دینے والے شاگردوں سے۔ لہٰذا ایسے سوالات سے ان پوچھنے والوں کی بے علمی ثابت نہیں کی جاسکتی۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سے سوالات جبریل امین سے کیے یا اپنی امت اور صحابہ کرام سے کیے تو اس سے آپ کی بے علمی یا ناواقفی ثابت نہیں کی جاسکتی۔ جیسا کہ وہابیوں کا طریقہ ہے کہ علم غیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار میں ایسی گستاخانہ بیہودہ باتیں نکالتے رہتے ہیں۔ یہ سب لغویات ہیں یہ مسئلہ وَمَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى سے مستنبط ہوا کہ اللہ تعالیٰ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ہونے کے باوجود سوال فرما رہا ہے جب یہ بے علمی سے نہیں تو وہ بھی بے علمی سے نہیں۔ **تیسرا مسئلہ** دنیا صرف دار العمل ہے یہاں کسی نیک و بد عمل کی جزا نہیں ملتی لہٰذا یہاں کی خوشیاں عیش و آرام

مال و دولت نہ کسی نیکی کا بدلہ ہیں اور نہ یہاں کی مصیبتیں بیماریاں کسی گناہ کا بدلہ یہ سب کچھ امتحانات اور آزمائشیں ہیں۔ جزاء کا مقام اور موقعہ صرف روزِ قیامت ہے یہ مسئلہ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍ۔ کے لامِ تعلیلیہ سے مستنبط ہوا کہ ساعت یعنی قیامت کا انعقاد ہی جزاءِ کُلِّ نَفْسٍ کے لیے ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ تمہارے قرآن سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام محمد مصطفیٰ سے افضل ہیں۔ اس لیے کہ موسیٰ علیہ السّلام سے رب تعالیٰ نے بلا واسطۂ جبرئیل کلام فرمایا لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے رب تعالیٰ نے کبھی بلا واسطہ کلام نہ فرمایا یہ دلیل اِس بات کی ہے موسیٰ علیہ السّلام تمہارے نبی علیہ السلام سے افضل ہیں (یہودی عیسائی) جواب یہ استدلال نہایت کمزور ہے کیونکہ اگر بحیثیت کلام ہی موازنہ کیا جائے تب بھی نبی کریم آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سات وجوہ سے افضل ثابت ہوتے ہیں ۱۔ موسیٰ علیہ السلام سے کلام ہوا وادیِ طُوٰی میں طور پر لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام فرمایا گیا۔ لامکان پر ۲۔ موسیٰ علیہ السّلام سے صرف خصوصی ہی کلام بلا واسطہ ہوا لیکن دیگر قانونی کلام بذریعہ وحی جبرئیل ہی ہوتے رہے۔ اسی طرح نبی کریم آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی صرف قرآن مجید کے نزول کا کلام آیت و احکام بذریعہ جبرئیل امین ہوئے۔ بہت سے کلام بلا واسطہ جبرئیل ہوئے۔ مثلاً حدیثِ قدسی والے کلام زمین پر ہوتے رہے۔ اور شرفِ ملاقات کا کلام عرش و لامکان پر ہوا۔ ۳۔ موسیٰ علیہ السلام سے طور پر جو کلام ہوا وہ سب کو بتا دیا گیا۔ لیکن۔ نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کلام ہوا وہ فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى کہہ کر چھپا لیا گیا ۴۔ موسیٰ علیہ السّلام کے کلام میں جمال بھی تھا کہ اَنَا اخْتَرْتُكَ اور جلال بھی تھا کہ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ اور فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰى۔ لیکن کلام لامکان میں حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جمال و رحمت ہی رحمت تھا ۵۔ موسیٰ علیہ السّلام سے صرف کلام تھا دیدار نہ کرایا مگر آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام بھی تھا دیدار بھی تھا ۶۔ موسیٰ علیہ السّلام سے جب کلام ہوا تو اُن کی توجہ عصا کی طرف کرائی گئی کہ اس کو دیکھو لیکن نبی کریم سے عرش پر جب کلام ہوا تو ثُمَّ دَنٰى فرما کر مَا زَاغَ الْبَصَرُ کا اعلان کرایا گیا۔ کہ اے محبوب تم مجھ کو دیکھو ۷۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب کلام ہوا یٰمُوْسٰى بار بار فرمایا گیا لیکن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کلامِ لامکان ہوا تو یا حبیبی فرمایا گیا۔ اب بتاؤ کس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ دوسرا اعتراض ۔ کیا وجہ کہ موسیٰ علیہ السّلام صاحبِ کتاب نبی رسول مرسل ہوتے کے باوجود سانپ سے ڈر گئے لیکن ابراہیم علیہ السّلام آگ سے نہ ڈرے اور اسماعیل علیہ السلام چھری سے نہ ڈرے حالانکہ یہاں کوئی اندیشہ نہ تھا مگر نار اور چھری سے

ہلاکت کا اندیشہ یقینی تھا۔ جواب۔ اس کا جواب ہم نے تفسیر میں عرض کر دیا کہ یہ ڈر اصلاً سانپ سے نہ تھا بلکہ قربِ حضوری کا رعب و ہیبت تھی جس کا ظہور سانپ پر ہوا۔ دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ یہ سانپ کا بننا اللہ کی طرف سے تھا اس لیے مزید دہشت ہوئی اور چونکہ عجیب الخلقت و عجیب الفطرت تھا اس لیے اس کو قہرِ الٰہی بھی سمجھے۔ اگر کسی جادو وغیرہ یا کافر کی طرف سے ہوتا تو نہ ڈرتے لیکن نارِ ابراہیم نمرود کافر کی طرف سے تھی اس لیے وہ نہ ڈرے اور اسماعیل علیہ السّلام کو خواب سنائی گئی اس لیے اُن کی چھری بھی رب تعالیٰ کی طرف سے تھی لہٰذا وہ بھی نہ ڈرے۔ نیز ابراہیم و اسماعیل کا امتحان تھا موسیٰ علیہ السّلام کا امتحان نہ تھا۔ ابراہیم علیہ السّلام نارِ نمرود کی حقیقت کو جانتے تھے موسیٰ علیہ السّلام سانپ کی حقیقت و وجہ کو نہ جانتے تھے سمجھے شاید یہ بھی آدم علیہ السّلام کے سانپ کی طرح ہے جس نے اُن کو جنت سے نکال دیا تھا۔ میں اس سے بھاگوں کہیں مجھ پر بھی کوئی عتاب نہ آجائے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَإِذَا هِيَ حَيَّةٌ تَسْعَىٰ دوسری آیت میں فرمایا گیا ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ تیسری آیت میں فرمایا گیا كَأَنَّهَا جَانٌّ۔ لفظِ حَيَّةٌ اسمِ جنسی ہے جو مذکر مؤنث۔ چھوٹے، بڑے موٹے۔ پتلے۔ سب پر بولا جا سکتا ہے۔ اس سے حقیقت کی کچھ وضاحت نہیں ہوتی۔ لیکن ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ کا معنی بہت بڑا اژدھا سانپ اور جَانٌّ کا معنی بہت باریک سانپ اِس تضاد کا حل کیا ہے جو ثعبان ہو وہ جان نہیں ہو سکتا اسی طرح اس کا اُلٹ۔ جواب ہر جاندار چیز میں تین چیزیں ہوتی ہیں (۱) جنس (۲) ذات (۳) صفت۔ تو یہاں تین آیتوں میں اِن تینوں چیزوں کی وضاحت کی گئی۔ یعنی وہ عصا جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے زمین پر ڈالا تو جنساً سانپ بن گیا ذاتاً حقیقتاً اژدہا بن گیا مگر صفتاً تیز رفتاری میں وہ باریک پتلے سانپ کی شکل تھا اژدہا تیز نہیں دوڑ سکتا۔ اسی لیے حَيَّةٌ اور ثُعْبَانٌ میں حرفِ تشبیہ نہ فرمایا گیا مگر جَانٌّ کہنے میں کَاَنَّہَا فرمایا گیا کہ وہ ذاتاً جان نہ تھا صرف صفتِ دوڑ میں شکل جان یعنی گویا کہ جان (پتلا سانپ) تھا۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ جس طرح جسم انسانی پر انقلاب آتے ہیں کہ کبھی حمل کبھی بچہ کبھی نابالغ کبھی نوجوان کبھی بوڑھا کبھی شیخ فانی کبھی ضعیف۔ اس طرح اے روح تیرے علاقہ مصر ناسوتی پر بھی انقلاب آتے رہتے ہیں کہ کبھی بے عقلی کبھی بے علمی کبھی جاہلیت۔ کبھی طاغوتیت کبھی مظلومیت کبھی نمرودیت کبھی فرعونیت کبھی سَلب کا اندھیرا کبھی ایجاب کا اجالا جب فرعونیت عروج پر پہنچ جاتی ہے تو انقلابِ عظیم کے لیے موسیٰ جلال کو منتخب کر لیا جاتا ہے اور پھر اُس ساعتِ انقلابِ باطنی کو چھپایا نہیں جاتا۔ تاکہ ہر حقدار ہی کو اُس کا پورا حق بہ شکل بدلہ

دیا جائے اور فرعونی معاشرے کا ظالمانہ بے عدلانا نظام غرق و تباہ کر دیا جائے اَکَادُ اُخْفِیْهَا لِتُجْزٰی كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا تَسْعٰى روحِ ساعت کو مخفی رکھا اور بدنِ ساعت کو آشکارا کیا تاکہ خوف و اُمید رطب و یابس سکون و دہشت کی دونوں کیفیات باقی رہیں یہ انقلابِ عظیم فکر و ذکر مکاشفہ مراقبہ صلوٰۃ و سجود کے نظامِ سرمدی اور عصاءِ شریعت سے قائم ہوگا۔ فَلَا یَصُدَّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَّا یُؤْمِنُ بِهَا ۔ اے موسیٰ جلال کہیں ایسا نہ ہو کہ منکر ساعتہ انقلابِ بدنی تجھ کو اعمالِ صالحہ کے انقلاب لانے سے روک نہ دے وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ۔ فَتَرْدٰی انقلابِ جسمانی کے منکر وہی حواسِ خبیثہ جنہوں نے نفسِ امارہ کی پیروی کی تو ایسے مردودِ بارگاہ کو اپنے پاس نہ پھٹکنے دینا ورنہ تیرا سارا منصوبہ نورانیہ ختم ہو جائے گا۔ مفاد پرست لوگ ہمیشہ دینِ حق کے راہ میں سنگِ گراں بن جاتے ہیں مگر عصاءِ شریعت ان سب چٹانوں کو دھمن نہری سے نگل جاتا ہے وَمَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰى اے جلالِ کبریائی کے موسیٰ تو غور فرما کہ کتنی عظیم چیز ہے تیرے دستِ مبارک کے قبضہء تصرف میں قَالَ هِیَ عَصَایَ اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ وَلِیَ فِیْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى موسیٰ جلال کی روحِ عرفانی نے صوتِ سرمدی کی نداءِ غیبی سے عرض کیا کہ یہ میری شریعت ہے اسی پر میری دنیا دین کا بھروسہ ہے یہ ہی سہارا ہے سفرِ زندگی میں قوم کے ریوڑ کو اسی سے تناوُر کی خوراک آرزوؤں کی غذا اور اعمال و افکار کے پتے مہیا کرتا ہوں۔ بلکہ یہ شریعت تو میری تمام ضروریاتِ دین و دنیا کے لیے کافی و وافی ہے۔ قَالَ اَلْقِهَا یٰمُوْسٰى نداءِ غیبی سے ارشاد ہوتا ہے اے روحِ جلال اس شریعتِ الٰہیہ کو علاقہ قلب و عقل کی وادی طویٰ میں نافذ کر دے۔

فَاَلْقٰىهَا فَاِذَا هِیَ حَیَّةٌ تَسْعٰى شریعتِ الٰہیہ اہلِ ایمان کے لیے اَتَوَكَّؤُا عَلَیْهَا کا سہارا کبریٰ ہے اور اہلِ شر کے لیے حَیَّةٌ تَسْعٰى ہے۔ اس کے احکام اہلِ معرفت کے لیے اَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِیْ کی قوت بخش غذائیں ہیں لیکن اہلِ فتنہ کے لیے اژدہا ہے غلبہِ اثرات تیز دوڑتا سانپ ہے جو آناً فاناً سارے عالم کو اپنے پیٹ میں لپیٹ لیتا ہے پھر اس کے اثرات کو روکنا اپنے بس کی بات نہیں رہتی۔ قَالَ خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِیْدُهَا سِیْرَتَهَا الْاُوْلٰى نداءِ سرمدی نے باطنِ قلبی سے آواز فرمائی اے روحِ جلال اس کی تیزی سے نہ ڈر اس کو قوتِ یدِ الٰہی سے اعمال کے تہنے میں کر لے ہم اس کو پھر تیرے لیے سہارہ بنا دیں گے یہ صرف اہلِ شر و فساد کے لیے اژدھا تیر ہے۔ اہلِ عرفان کے لیے سہارہ ابدیہ ہے

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ
اور لگالو اپنے دستِ راست کو اپنی بغل کی طرف تو نکلے گا وہ چمکیلا سفید
اور اپنا ہاتھ اپنے بازو سے ملا خوب سفید نکلے گا

مِنْ غَيْرِ سُوٓءٍ آيَةً أُخْرَىٰ ﴿٢٢﴾ لِنُرِيَكَ مِنْ
بغیر سفید بیماری کے دوسرا معجزہ بن کر۔ تاکہ دکھائیں ہم تم کو کچھ
بے کسی مرض کے ایک اور نشانی۔ کہ ہم تجھے اپنی بڑی

آيَاتِنَا الْكُبْرَىٰ ﴿٢٣﴾ اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ
اپنی بڑی نشانیاں۔ اب تم جاؤ فرعون کی طرف اس لیے کہ وہ
بڑی نشانیاں دکھائیں۔ فرعون کے پاس جا اس نے

ع ۱۰ طَغَىٰ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي ﴿٢٥﴾ وَ
سرکش ہوگیا ہے۔ عرض کی اے میرے رب کشادہ فرما میرے لیے میرے سینے کو، اور
سر اٹھایا۔ عرض کی اے میرے رب میرے لیے میرا سینہ کھول دے۔ اور

يَسِّرْ لِي أَمْرِي ﴿٢٦﴾ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّن
آسانی فرما میرے لیے میری تمام تبلیغ میں۔ اور ختم فرما دے تو لکنت کو
میرے لیے میرا کام آسان کر۔ اور میری زبان کی گرہ

لِّسَانِي ﴿٢٧﴾ يَفْقَهُوا قَوْلِي ﴿٢٨﴾ وَاجْعَلْ لِّي
میری زبان سے تاکہ سمجھ سکیں وہ فرعونی لوگ میری گفتگو کو اور بنا دے تو میرے لیے
کھول دے۔ کہ میری بات سمجھیں۔ اور میرے لیے میرے

وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ ﴿٢٩﴾ هٰرُوْنَ اَخِي ﴿٣٠﴾

ایک وزیر میرے ہی رشتے داروں میں سے۔ ہٰرون کو جو میرا بھائی ہے۔

گھر والوں میں سے ایک وزیر کر دے۔ وہ کون میرا بھائی ہے۔

اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ ﴿٣١﴾

پس دُعا ہے تو اس کے ذریعے میری پیٹھ کو

اُس سے میری کمر مضبوط کر

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق موسیٰ علیہ السلام کو اولاً دربارِ فرعونی میں اعلانِ نبوت کرنے کے لیے دو معجزے عطا فرمائے گئے تھے۔ پچھلی آیت میں ایک معجزے عصا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں دوسرے معجزے یدِ بیضا کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں موسیٰ علیہ السلام کی اس حاضری کا ذکر ہوا جو دربارِ الٰہیہ میں تھی۔ اب ان آیت میں حضرت موسیٰ کو دربارِ فرعونی میں بھیجنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ان چیزوں کا ذکر ہوا جو رب تعالیٰ نے خود موسیٰ علیہ السلام کو عطا فرمائیں اب ان آیت میں اُن چیزوں کا ذکر ہے جو موسیٰ علیہ السلام نے خود رب تعالیٰ سے طلب کیں۔

تفسیر نحوی وَاضْمُمْ يَدَكَ اِلٰى جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَآءَ مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ اٰيَةً اُخْرٰى لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ۔ واؤ بر جملہ (ابتدائیہ) اُضْمُمْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف مذکر اس کا مصدری مادۂ اشتقاق ہے ضَمٌّ۔ ہفت اقسام میں سے مضاعف ثلاثی ہے بمعنی ملانا۔ جوڑنا لگانا۔ عربی میں ایک پیش کو ضمہ اسی معنیٰ میں کہا گیا ہے کہ زبر کا ایک حصہ کنارہ ٹیڑھا ہو کر دوسرے سے ملا ہوتا ہے۔ یعنی شکل کے اعتبار سے پیش ضمہ کہا گیا اور مقامی اعتبار سے رفع کہا گیا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع حضرت موسیٰ یَدَكَ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِلٰى حرف انتہاء غایت کے لیے جَنَاح اسم مفرد جامد ہے۔ جُنْحٌ سے صیغہ صفت بروزن فعالٌ سے بنا کر ایک عضو کا نام صفاتی رکھ دیا گیا اس لیے جامد ہو گیا جُنْحٌ کے معنیٰ ہے قوت طاقت۔ روحانی طاقت کے لیے

جناح جیم کے زیر سے کہا جاتا ہے اور نفسانی طاقت کے لیے جُناح جیم کے رفع سے ہے اسی لیے گناہ کو جناح کہا جاتا ہے کہ نفسانی طاقت بندے کو شیطان کی طرف جھکا دیتی ہے۔ اور جسمانی قوت کے لیے جناح (جیم کے زبر سے) اور چونکہ جسم میں سب سے زیادہ قوت والا عضو ہاتھ اور بازو ہے۔ اور پرندے کے اڑانے والے پر ہیں اس لیے ان کو جناح کہا جاتا ہے۔ اس کا تثنیہ ہے جناحَین اور جمع مکسّر اجنحہ یہاں واحد ہی مراد ہے ترجمہ بازو۔ بغل اور پہلو۔ کَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے وَاضْمُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حکمی معنوی شرط تَخْرُجْ باب نصر کا مضارع مجزوم واحد مؤنث غائب۔ چونکہ جوابِ امر بمعنی جزاءِ شرط ہے اس لیے مجزوم ہی پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع یَدَکَ ہے اس مذکر کے لیے صیغہ مؤنث آیا کیونکہ غیر ذوی العقول ہے ھِیَ پوشیدہ ذو الحال بَیْضَاءَ اسم صفت واحد مؤنث اس کا مذکر لفظی اَبْیَض ہے۔ بروزنِ قُبلا رقبلہ۔ بیضاءَ میں آخری ہمزہ دراصل تاءِ تانیث تھی (بیضاۃ) تخفیف کے لیے ہمزہ بنائی گئی۔ مِنْ جارّہ زائدہ غَیْرِ اسم مفرد صفتی جامد ہے یہ قرآن مجید میں تقریبًا ایک سو تیرہ (۱۱۳) جگہ آیا ہے اور چار معنی میں استعمال ہوا ہے ۱ حرفِ نفی کے لیے یہاں اسی معنی میں ہے ۲ اِلّا کی طرح حرفِ استثنا کے لیے ۳ صفاتی و شکلی تبدیلی کے لیے ۴ حقیقی تبدیلی کے لیے (بمعنی خلاف) مضاف ہے سُوْءٍ اسم مفرد نکرہ جامد بمعنی برائی مراد ہے بیماری۔ یَسُوْءُ مصدر سے بنا کر حاصل مصدر جامد کیا گیا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے برا ہونا۔ لفظِ سُوْءٍ تمام مختلف بری چیزوں کا صفاتی نام ہے قرآن مجید میں یہ تقریبًا بیالیس جگہ مختلف گیارہ معنی کے لیے ارشاد ہوا ہے ۱ بیماری یہاں اسی معنی میں ہے ۲ بمعنی سخت شدید ۳ ایذا رسانی کے لیے ۴ بدکاری ۵ گناہ و کفر کے معنی میں ۶ بمعنی فحش کلامی (گالی گلوچ وغیرہ) ۷ برے نقصان دہ کام کے لیے ۸ فعلِ ذم بِئْسَ کے معنی میں ۹ بمعنی تباہی بربادی ۱۰ بمعنی شکست ۱۱ بمعنی اخروی عذاب۔ یہ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے بَیْضَاءَ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے پوشیدہ ضمیر فاعل کا دونوں حال ذو الحال مل کر ممیز ہوا آیَۃً اُخْرٰی مرکب توصیفی تمیز ہے اس نے یَدَکَ سے ابہام نفسی باطنی کو دور کیا۔ تَخْرُجْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ امر ہوا (معنوی جزا) لام تعلیلیہ کے ناصبہ نُرِیَ مضارع منصوب جمع متکلم فاعل نَحْنُ پوشیدہ کَ ضمیر بارز مفعول بہ۔ مِنْ حرفِ جر بعضیت کا۔ اٰیٰتِنَا مرکب اضافی مراد ہے قدرتِ الٰہیہ کی نشانیاں اور نبوت کے معجزات الْکُبْرٰی اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر اکبر ہے یہ صفت ہے اٰیٰتِنَا موصوف کی دونوں مل کر مجرور متعلق

ہے رَبِّیْ سے مل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی وَاضْمُمْ کی۔ اُضْمُمْ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِذْهَبْ۔ باب فتح کا امر حاضر معروف واحد مذکر ذَهْبٌ سے مشتق ہے بمعنی جانا۔ اِلٰی حرفِ جر اپنے انتہائیہ معنی میں فرعون۔ اسم مفرد عجمی مصری وغیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اور علم ہے لقب ہوا کرتا تھا اس زمانے میں مصری بادشاہوں کا قرآن مجید میں صرف ایک اسی فرعون کا ذکر آتا ہے یہ لقب ہے مگر قائم مقام عَلَمِ ذاتی ہو گیا۔ اس کا نام رعمیس تھا اس کا پورا تفصیلی بیان تفسیر عالمانہ میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ لفظ فاراعوہٗ سے بدل کر فرعون ہوا ہے۔ فارا کا معنی شاہی محل اور عوہ کا معنی بلند مقام آخری ہ کو ن تامہ زائدہ سے بدل کر لقب شاہی بنا دیا مراد ہے شاہی محل میں رہنے والا یہ جار مجرور متعلق ہے اِذْهَبْ کا اِنَّ حرف مشبہ اس کا اسم منصوب طَغٰی۔ باب ضرب کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب طَغْیٌ سے بنا ہے بمعنی سرکش نافرمان مغرور ہونا۔ حد سے آگے بڑھنا۔ سیلاب کو طغیانی اسی معنی میں کہتے ہیں ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع فرعون ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت غائی ہے اِذْهَبْ کی سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا قَالَ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا قَالَ کے فاعل ھُوَ پوشیدہ کا مرجع حضرت موسٰی ہیں رَبِّ۔ دراصل رَبِّیْ تھا۔ یہاں حرفِ ندا معناً پوشیدہ ہے ترجمہ ہے اے میرے رب اِشْرَحْ باب فتح کا امر حاضر واحد مذکر خطاب مولیٰ تعالیٰ سے ہے شَرْحٌ سے مشتق ہے بمعنی کشادہ کرنا وسیع کرنا متعدی ہے لام جارہ نفع کا یاءِ متکلم مضاف الیہ یہ جار مجرور متعلق ہے اِشْرَحْ کا صدر اسم مفرد جامد حاصل مصدر۔ اس کا جمع مکسر ہے صُدُوْر صدر بمعنی سینہ جو خزانۂ قدرت کا عظیم الشان مخزن ہے اس کی پوری تفصیل تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ مضاف ہے لغوی ترجمہ ہے صادر ہونا یعنی نکلنا اسی سے ہے مصدر کیونکہ مشتقات اسی سے بن کر نکلتے ہیں۔ یاءِ متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِشْرَحْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَسِّرْ۔ باب تفعیل کا امر واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَیْسِیْرٌ یُسْرٌ سے بنا ہے بمعنی آسان کرنا۔ یُسْرٌ لازم ہے بمعنی آسان ہونا تفعیل میں آکر متعدی ہوا۔ لِیْ جار مجرور متعلق اَمْرِیْ مرکب اضافی اس کا مفعول بہ ترجمہ ہے میرے تبلیغی کام جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر پھر آگے معطوف علیہ۔ یہ عطف معطوف آیت ۲۵ سے ۳۲ پھر ۳۵ تک ہے۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ هٰرُوْنَ اَخِی اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِیْ۔

واو عاطفہ اُحْلُلْ۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حَلٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی درست کرنا۔ کھولنا اسی سے ہے حلال حرام کا مقابل کیونکہ وہ بھی درست ہو جاتی ہے۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے عُقْدَۃً۔ اسم صفت مشبہ بروزن فُعْلَۃٌ ظُلْمَۃٌ وغیرہ عَقْدٌ سے مشتق ہے بمعنی گرہ ڈالنا کسی معاملے کو منعقد کرنا یہاں جامد ہے یعنی گرہ دگانٹھ مراد ہے لکنت زبان کی مفعول بہ ہے مِنْ جارہ بیانیہ بمعنی سے لِسَانِ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے اَلْسِنَۃٌ۔ مراد ہے جسمانی زبان اور اس کی گفتگو۔ یْ ضمیر متکلم مضاف الیہ یہ مرکب مجرور متعلق ہے۔ یَفْقَهُوْا۔ فعل مضارع جمع مذکر غائب بحالتِ جزم ہے امر کا جواب ہونے کی وجہ سے فِقْہٌ سے مشتق ہے اصل یَفْقَهُوْنَ تھا یہ آخری الف نون کی جگہ بھرنے کے لیے لگایا جاتا ہے ھُمْ ضمیر پوشیدہ فاعل ہے مرجع فرعونی لوگ ہیں قَوْلِیْ مرکب اضافی ترجمہ ہے میری بات میرا کلام مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علتِ غائی جواب امر ہوئی اُحْلُلْ کی وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِجْعَلْ باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف اِشْرَحْ فعل اَمْرٌ سے آیت ۳۲ کے اَشْرِکْ تک تمام فعل امر کا فاعل خطابی اَنْتَ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ربّ ہے لِیْ جار مجرور متعلق ہے وَزِیْرًا۔ اسم صفت مشبہ باب کَرُمَ سے ہے وِزْرٌ سے مشتق ہے بمعنی بوجھ اٹھانا اگر جامد ہو تو بمعنی بوجھ وزیر کا ترجمہ ہے بوجھ اٹھانے والے مراد ہے حکومت سلطنت اور شاہی ذمہ داریاں کا بوجھ اٹھانے والا۔ مُبْدَل مِنْہُ ہے۔ ھٰرُوْنَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ یہ بَدَلُ الْکُل ہے وزیرا کا ایک قول میں یہ بَدَلٌ ہے مِنْ اَھْلِیْ کا تب یہ مجرور ہے اَخِیْ مرکب اضافی ترجمہ ہے میرا بھائی یہ عطف بیان ہے ھٰرُوْنَ کا اگرچہ یہ لفظ ھٰرون سے زیادہ مشہور نہیں اور عطف بیان کی نحوی شرط نہیں لیکن چونکہ یہ عرض ومعروض رب تعالیٰ سے ہے اس لیے یہاں اِس شرط کی ضرورت نہیں بعض نے اس کو بدل بنایا ہے مگر یہ اس لیے غلط ہے کہ یہ اصل مقصود نہیں یہ تو صرف وضاحتی تعارف کے لیے ہے جب کہ بدل اصل مقصود ہوتا ہے۔ ھٰرون اپنے عطف بیان سے مل کر بدل ہوا۔ وزیرًا اپنے بدل سے مل کر مفعول بہ ہوا مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ اَھْلِ اسم مفرد لفظاً واحد اور معناً جمع مراد ہیں تمام رشتے دار یہ مرکب اضافی مجرور متعلق دوم ہے اِجْعَلْ کا اُشْدُدْ۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر واحد مذکر حاضر اَنْتَ فاعل شَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی سخت کرنا مضبوط کرنا یہ متعدی ہے بِ سببیہ ہٖ ضمیر کا مرجع وزیرًا ہے اَزْرِ۔ اسم مفرد جامد مضاف بمعنی ریڑھ کی ہڈی یہاں مراد ہے پوری پشت

خیال رہے کہ ریڑھ کے جس طرح پشت سے تعلق ہیں اس ہی اعتبار سے عربی میں اُس کے صفاتی نام ہیں ۱؎ نیچے کا حصہ (کمر) مُنقَلَۃ ۲؎ ڈھانچہ (پنجر ہڈی) حاذ ۳؎ کمر سے اوپر کا حصہ (پیٹھ) ظہر ۴؎ جوان صحت مند صُلبٌ ۵؎ صرف ریڑھ کی ہڈی سِیسَاءٌ ۶؎ مع پسلیوں کے فَقَارَہ ۷؎ استعمال کی جانیوالی پوری پشت اَزَرٌ۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اُشدُدْ فعل اپنے پوشیدہ فاعل حاضر مذکر اور متعلق مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر علت یا سبب ہوا اجْعَلْ کا۔ وہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ہوا ماقبل فعل امر اشْرَحْ پر۔ ابھی عطف آگے تک ہے اس لیے جملہ مکمل نہیں ہوا۔

تفسیر عالمانہ

وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ آيَةً أُخْرَىٰ لِنُرِيَكَ مِنْ آيَاتِنَا الْكُبْرَى اذْهَبْ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ إِنَّهُ طَغَىٰ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي وَيَسِّرْ لِي أَمْرِي اور اے کلیم اللہ اس عصا کے معجزے کو جاننے سمجھنے پا لینے کے بعد دوسرا معجزہ یہ دیا جاتا ہے کہ اپنے اسی دست یمین کو اپنی دوسری یعنی بیار (بائیں) بازو کے نیچے بغل کے ساتھ چھپالو اور پھر تین ساعت تین منٹ بقدر تین بار سُبْحَانَ اللہ کہنے کے بغل کے اندر رکھ کر پھر نکالو تو وہ بہت زیادہ چمک دار شعاعیں بکھیرتا ہوا نکلیگا۔ یہ چمک کسی بیماری وغیرہ کی سفیدی جیسی نہ ہوگی۔ بلکہ تیز شعاعوں جیسی ہوگی یہ اللہ کی طرف سے دوسری نشانی قدرت معجزۂ نبوت ہوگا یہ دونوں معجزے تو وہ ہیں جو تم نے منکرین و کافرین کو دکھانے ہیں۔ لیکن ہم نے یہ معجزے اور وادی طور کا کلام اس لیے سنایا ہے تاکہ ہم اے موسیٰ کلیم تم کو اپنی وہ نشانیاں دکھائیں جو بہت ہی بڑی ہیں جو بعد میں تم کو معجزہ بنا کر دی جائینگی اور تم کو یہ معجزات قوت طاقت اختیار اس لیے دیا جارہا ہے کہ جاؤ مردود و مغرور مفسد و معزور فرعون کی طرف بے شک وہ حد سے باہر سرکش و ظالم ہوچکا ہے بیضاء کا معنیٰ سورج کی طرح خوب صورت سفید شعاعیں مارتا۔ غیر سُوء یہ نہ بیماری نہ برص نہ کوڑھ نہ درد نہ تکلیف نہ جلن طریقہ وانضمام یہ تھا کہ آپ گریبان کے راستے بائیں بغل میں دایاں ہاتھ لے جاتے تھے نہ کہ نیچے دامن کے راستے سے۔ ید بیضا کا معجزہ اس لیے دیا کہ عصا میں جادوگری کی تہمت لگ سکتی تھی اور لگائی گئی مگر ید بیضا جادو سے نہ بنایا جاسکتا تھا اور مقابلے میں ایسا ہی ہوا کہ جادوگروں نے سانپ تو بنا دئے مگر ید بیضا کوئی نہ بنا سکا۔ بعض نے کہا کہ ید بیضا عصا سے بڑا معجزہ ہے مگر یہ غلط ہے۔ کیونکہ ید بیضا میں ایک جز صرف رنگ بدلا لیکن عصا

میں پانچ تبدیلیاں (۱) خلقت (۲) صفت (۳) رنگ (۴) عادت اور (۵) کلیۃً تبدیلی ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دشوار گزار کٹھن مشکل تبلیغ کا اندازہ و احساس کرتے ہوئے اپنی ذاتی جسمانی قوت و حوصلے کے لیے بارگاہ قدس میں درخواست عرض کی کہ اے مولیٰ تو نے اپنے ذاتی کرم سے مجھ کو یہ دو معجزے عطا فرمائے لیکن اے رب کریم تو میرے وجودِ جسمانی قلبِ روحانی قوتِ بیانی کو بھی اپنی قدرتوں سے نواز دے اور مجھ کو چھ نعمتیں عطا فرما۔ پہلی یہ کہ میرے سینے کو کھول دے کشادہ فرما۔ اور اپنے نور جلال کی ہمت و جرأت و رعب عطا فرما کہ سینے میں تدبّر، قلب میں سکون، سکون میں اطمینان۔ اطمینان میں کشادگی میں وسعت وسعت میں تبلیغ۔ تبلیغ میں قوتِ افہام اور ادائے حق میں ایسی جرأتِ قبولیت و طریقہ و ادا عطا فرما کہ اگر مشکلات و مصائب کے پہاڑ بھی آجائیں راہِ عمل میں خار دار روڑے وہاں جھاڑیاں بھی ہوں خوف و دہشت کے بادل گرجیں آلام کی بجلیاں کڑکیں۔ تب بھی طبیعت میں تنگی جگر میں خوف ہمت میں بار، عقل میں بار نہ محسوس کروں۔ انشراح صدر کی ایسی دولت عطا فرما کہ رکاوٹ مجھے روک نہ سکے محققین فرماتے ہیں کہ انشراح صدر سے سات نعمتیں حاصل ہوتی ہیں (۱) اتقاء ربانی (۲) فصاحتِ لسانی (۳) جرأتِ ایمانی (۴) استقلالِ اعمالی۔ (۵) عبادتِ جسمانی (۶) تزکیۂ روحانی۔ (۷) تجلیاتِ نورانی۔ قرآن مجید میں دس چیزوں کو نور فرمایا گیا (۱) اللہ تعالیٰ کو۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (۲) آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ (۳) قرآن مجید کو وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ (۴) ایمان کو یُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّطْفِــٕوْا نُوْرَ اللّٰهِ (۵) اللہ تعالیٰ کے عدل کو وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا (۶) چاند کو وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِیْهِنَّ نُوْرًا (۷) دن کو وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (۸) بینات کو فِیْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ (۹) انبیاء علیہم السلام کو نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ (۱۰) صفاتِ باری تعالیٰ کو مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ (تفسیر کبیر) شرح صدر کی پانچ علامتیں (۱) نہ غصہ آئے نہ اضطراب پیدا ہو (۲) قلبی وسعت ہو (۳) دار الغرور سے دور دار الخلوت سے قریب (۴) نزولِ موت سے پہلے اس کی تیاری ہوتی ہے (۵) شرح صدر روحانی نور ہے اور شمس آسمانی جسمانی نور ہے نور آفتاب کو آٹھ طرح کمزوری ہے (۱) بادل سے ختم (۲) گرہن سے ختم (۳) رات میں ختم (۴) قیامت میں ختم (۵) سورج ڈھلتا ہے (۶) سورج کے فائدے صرف زمین پر (۷) سورج آسمان پر مگر اس کی زینت صرف زمین میں (۸) صرف اجسام کو چمکاتا ہے مگر شرح صدر کا نور۔ سینے

ہیں اُس کا نور ساری کائنات میں موسیٰ علیہ السّلام کو شرحِ صدر کی نعمت طور کی دعا سے ملی مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ نعمت معراج کی نِقا سے ملی۔ بعض نے کہا یہ دعا سات دن بعد مانگی مگر صحیح یہ ہے کہ وہیں اسی رات وادیِ طوٰی مقدس میں مانگی۔ موسیٰ علیہ السّلام نے سب سے پہلے شرح صدر کی دعا اکتیس وجوہ سے مانگی پہلی وجہ۔ کیونکہ سینے میں دل مکین ہے اور دل میں نو نعمتوں کے نو خانے ہیں ۱ حیات ۲ شفا ۳ طہارت ۴ ہدایت ۵ کتابت ۶ سکینہ ۷ محبت ۸ زینت ۹ اطمینان یہ نعمتیں شرحِ صدر کے نور سے پیدا ہوتی ہیں اگر یہ نہ ہو تو بندہ کفر و کفران کی طرف مائل ہوتا ہے اور اُس کے ان نو قلبی خانوں میں نو ظلمتیں پیدا ہوتی ہیں ۱ کھوٹ ۲ انحراف ۳ ٹیڑھ ۴ مرض ۵ قساوت ۶ مُہر (خَتَمَ اللہ) ۷ رجس ۸ غلاف ۹ قفل۔ دوسری وجہ۔ طور پر انوار ازلیہ کی دہشت سے آنکھیں خیرہ اور متحیر ہوئیں تب عرض کیا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ سوم طور پر حکم ملا اَقِمِ الصَّلٰوۃَ نماز عبادت ہے اور دعا مُخِّ عبادت ہے اس لیے ابتداءِ عبادت وہیں پر دعا سے عرض کی چہارم عصمت نبوت کا انعام ہے اور اُس کی کثرت شرحِ صدر ہے پنجم یہ کہ موسیٰ علیہ السّلام کو رب تے تین کاموں کیلئے چنا ۱ کلیمی کے لیے ۲ فرعون کی ہلاکت کے لیے ۳ اپنی پہلی کتاب اور دین کے لیے اور ان کے لیے شرحِ صدر کی کثرت ضروری ششم اس لیے کہ حضرت موسیٰ کو بشارت اَنَا اخْتَرْتُکَ ملی اس کے شکریے میں عرض کیا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ ہفتم اس لیے کہ قلبِ موسیٰ سے خوفِ دنیا دور کیا گیا ہشتم اس لیے کہ نصرت کا انعام ملا نہم اس لیے کہ جب فرمایا گیا اِصْطَنَعْتُکَ لِنَفْسِیْ تب عرض کیا اداءِ حقِ خدمت کے لیے میرا سینہ کھول دے دہم اِس لیے کہ جب قربِ الٰہی کا مژدہ سنایا گیا تب یہ عرض کیا یازدہم اس لیے کہ جب اِذْھَبْ کا حکم ملا تب عرض کیا۔ بارھویں وجہ یہ کہ طمعِ دنیوی سے منہ پھیرنے اور طمعِ اُخروی کے حصول کثیر کے لیے یہ دعا مانگی۔ تیرھویں وجہ۔ معرفت کی روشنی شرحِ صدر کے نور سے ہے اس لیے یہ دعا مانگی چودھویں وجہ۔ عقل کی نظر کمزور ہے اشیا کی حقیقت نہیں دیکھ سکتی اسی حقیقت کا جان لینا علمِ غیب ہے اس کے لیے دعا مانگی اور شرحِ صدر کی یہ ضیا طلب کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ایک دعا منقول ہے کہ اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَاءَ کَمَا ھِیَ پندرہویں وجہ قلب میں انوارِ الٰہیہ شرحِ صدر سے آتے ہیں۔ شرحِ صدر مقدمۂ ورودِ انوار ہے اور فہم سماعت کی قوت کا مرکز ہے فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی سے مقدمۂ سماعت مل گیا تھا اس لیے مقدمۂ دوم ورودِ انوار کی دعا کی۔ سولہویں وجہ دعا کی دو صفتیں ہوتی ہیں کہ اوّلاً بندہ رب کا ہو جائے

پھر رب تعالیٰ بندے کا ہو جائے۔ اِنِّیۡۤ اَنَا اللّٰہُ سن کر دوسری صفت کی بشارت مل گئی تب پہلی صفتِ بندگی کے لیے دعا کی ستارہویں وجہ یہ کہ بندے کی پہلی خوش بختی یہ ہے کہ رب اس کے قریب ہو دوم یہ ہے کہ بندے کو قریب کیا جائے قَرَّبۡنٰہُ نَجِیًّا (مریم آیت ۵۲) کی خوش بختی حاصل ہو گی تب عرض کیا کہ مولیٰ تو بھی میرے قریب ہو جا۔ جس کے لیے سینے کی کشادگی ضروری قرینہ کا مقصد پورا کیا کہ مولیٰ میں مناجات میں مشغول ہوں اور میری مناجات یہ ہے کہ رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ کشادہ سینوں میں ہی نزولِ اجلال ہوتا ہے۔ اٹھارہویں وجہ یہ کہ معرفت ہی نبوت کا اعلیٰ نشان ہے اس کو مکمل کرنے کے لیے یہ دعا مانگی۔ انیسویں وجہ یہ کہ شمسِ معرفت انبیاء کے وسیلے سے اولیا کے سینوں پر طلوع ہوتا ہے اس لیے شمسِ معرفت کے طلوعِ دائمی کے لیے یہ دعا مانگی بیسویں وجہ یہ کہ جہاں چراغِ دنیوی جلتا ہو وہاں چور نہیں آ سکتا اور جہاں شمسِ معرفت کا سورج طلوع ہو وہاں شیطان نہیں آ سکتا اس لیے ابلیس لعین کو دور کرنے کے لیے یہ دعا مانگی۔ اکیسویں وجہ شرحِ صدر سے ہی نورِ نبوت کا ظہور اور خزانۂ علوم کا ورود ہوتا ہے اس لیے یہ دعا مانگی۔ بائیسویں وجہ یہ کہ شرحِ صدر سے تقوے کی دولت ملتی ہے تقوے کی تین اقسام ۱ قلبی تقویٰ محبت و تعظیم کا ۲ عقلی تقویٰ خوف و خشیت کا ۳ جسمی تقویٰ عتاب سے بچنے کا یہ سینے کے خزانے ہیں اس لیے کشادگی ضروری لہٰذا عرض کی رَبِّ اشۡرَحۡ لِیۡ صَدۡرِیۡ تیئیسویں وجہ یہ کہ قربِ تجلیات کی ہدایت کے لیے ہدایت کے لیے یہ دعا مانگی چوبیسویں وجہ یہ کہ کتابتِ ایمانی کے لیے یہ دعا عرض کی کیونکہ ارشادِ ربانی ہے کَتَبَ فِیۡ قُلُوۡبِہِمُ الۡاِیۡمَانَ پچیسویں وجہ یہ کہ قلب پر نزولِ سکینہ کے لیے یہ دعا مانگی۔ چھبیسویں وجہ یہ کہ شرحِ صدر سے ذکر اللہ اور ذکر اللہ سے اطمینان کی نعمت حاصل ہوتی ہے اس لیے یہ دعا مانگی۔ ستائیسویں وجہ یہ کہ شرحِ صدر سے علوم کا حصول اور علوم سے زندیق و صدیق کا پتہ چلتا ہے کثافتِ کفر، عیوبِ دنیا و صفاتِ قبیحہ سے نفرت ایمان کی علامت ہے نفرت بغیر علم نہیں اور علم بغیر شرحِ صدر نہیں۔ اس لیے یہ دعا مانگی۔ اٹھائیسویں وجہ یہ کہ شرحِ صدر سے تین خصلتیں حاصل ہوتی ہیں قوتِ واقعہ کا فیضان۔ جمالِ حق سے انسیت و محبت۔ نمائشِ دنیا و مخلوقِ دنیا سے دہشت و نفرت انتیسویں وجہ۔ شرحِ صدر سے قلب کے تمام حجابات ختم ہو جاتے ہیں اس لیے یہ دعا مانگی۔ تیسویں وجہ یہ کہ شرحِ صدر سے درجات کا ادراک ہوتا ہے۔ اکتیسویں وجہ یہ کہ انوارِ جلال کا نظارہ کشفِ صدر سے اور کشفِ صدر شرح سے ہوتا ہے۔ اس لیے یہ دعا مانگی۔ (تفسیر کبیر رازی) اے میرے رب

تجل وعلی. اس قوۃ شرح صدر کے باوجود میں بذاتِ خود اپنے پر کسی امر میں بھروسہ نہیں کرتا نہ کوئی چیز میرے اپنے عمل سے آسان ہو سکتی ہے اے ربِ جلیل تو ہی آسانیوں کا پروردگار ہے مجھے دوسری نعمت یہ عطا فرما کہ وَیَسِّرۡ لِیۤ اَمۡرِیۡ. میرے ہر عمل ہر معاملے ہر منزل سفر حضر کام کلام کو آسان فرما دے اور میرے کریم مجھ کو تیسری نعمت یہ عطا فرما کہ بچپن سے جو لکنت میری زبان میں پڑ گئی وہ گرہ کھول دے اور گفتگو کی یہ رکاوٹ و جھنجلاہٹ دور فرما دے تاکہ وہ فرعون کفار میری بات کو اچھی طرح جلدی سمجھ لیں نہ مذاق اڑائیں نا کوئی نا سمجھی کا بہانہ بنا سکیں. یَسِّرۡ لِیۤ اَمۡرِیۡ کا معنی ہے کہ میرے امور کی خلقت آسان فرما مشکل امور پیدا ہی نہ ہوں جو امور آئیں وہ مجھ پر باحسن طریق آسان ہوتے چلے جائیں. فرعون کو اپنی دو چیزوں پر بہت ناز تھا اور ان دونوں کی وجہ سے وہ مغرور سرکش ظالم اور خدائی کا دعویدار ہو گیا تھا ایک اس کی مصر شہر کی سلطانی قوت دوم اس کی صحت سج دھج فیشن خوب صورتی اور مال دولت ان ہی دونوں چیزوں کی وجہ سے شہری عوام اس کے رعب میں تھے اور خدا مانتے تھے ان دونوں کو توڑنے کے لیے یہ دو معجزے عطا کیے کہ سانپ کا معجزہ اس کی قوتِ جلال کو توڑنے کے لیے اور ید بیضا کا معجزہ اس کی قوتِ جمال کو توڑنے کے لیے. اللہ تعالیٰ کے حلم نے تین سو سال فرعون کو مہلت دی حالانکہ جو اللہ تعالیٰ پوری زمین کے کافر بادشاہ نمرود کو ایک مچھر سے ہلاک کر سکتا ہے وہ اس کو اس سے بھی کم تر چیز سے ہلاک کر سکتا تھا مگر ڈھیل دی اور اب بھی بندہ بننے کی دعوت و نصیحت کے لیے کلیم اللہ کو بھیجا جا رہا ہے. طغٰی کا معنی فاسق، نافرمان مغرور کافر حد سے بڑھنے والا وَاحۡلُلۡ عُقۡدَةً مِّنۡ لِّسَانِیۡ یَفۡقَهُوۡا قَوۡلِیۡ یہ تیسری دعا تھی عقدۃ سے وہ لکنت مراد ہے جو بچپن میں بعمر ڈھائی سال منہ میں انگارہ رکھنے کی وجہ سے زبان زخمی ہو گئی تھی علاج معالجہ سے ٹھیک تو ہو گئی مگر لکنت لگ گئی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ فرعون ایک دفعہ حضرت موسیٰ کو گود میں لیے بیٹھا تھا کہ اچانک موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ایک ننھے ہاتھ سے اس کی داڑھی پکڑی اور دوسرے ہاتھ سے اس کو چپت مارا اس اچانک معجزاتی ہاتھ لگنے سے وہ بھنا گیا اس کو سخت تعجب ہوا کہ اتنے سے بچہ نے ایسا چپت مارا فوراً سمجھ گیا کہ یہ وہی بچہ تو نہیں جس کی پیشگوئی نجومیوں نے کی تھی ارادۂ قتل کیا تو اس کی بیوی آسیہ بنت مزاحم نے کہا کہ نہیں ابھی نہیں یہ تو بچگانہ حرکت ہے اس کی عقل کا امتحان لے لو تب فرعون نے دو تھال منگوائے ایک میں چمکتا سنہرا یاقوت اور دوسرے میں دھکتا شعلے مارتا انگارہ اور دونوں زمین

پر موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھدیئے موسیٰ گھٹنوں کے بل چلتے ہوئے پہلے یاقوت کی طرف پھر رخ موڑ کر انگارے کی طرف چل پڑے اور جھٹ اٹھا کر بچوں کی طرح منہ میں رکھ لیا اور ساتھ ہی بلبلا کر رو گئے۔ تب فرعون نے جلدی سے اٹھالیا اور پیار کیا زبان کا علاج کرایا صحیح یہ ہے کہ ہاتھ نہ جلا کیونکہ وہ معجزہ تھا۔ بعض نے کہا کہ ہاتھ بھی جل گیا تھا اس کا بھی علاج کرایا مگر وہ جوانی تک ٹھیک نہ ہوا اور ید بیضا بننے کے وقت اللہ کی قدرت سے ٹھیک ہوا مگر یہ قول غلط ہے اس کا کہیں ذکر نہیں معجزہ تھا اس لیے نہ جلا۔ اس کے معجزہ ہونے کے پانچ دلائل پہلی یہ کہ اسی ہاتھ میں سے عطا سانپ بنتا تھا نہ کہ دوسرے سے دوم یہ کہ بچپن میں چپت اتنی زور سے پڑا کہ فرعون جیسا شہزور بھنا گیا چکرا گیا سوم یہ کہ اسی ہاتھ نے قبطی کو قتل کر دیا حالانکہ آپ بارہ سال کے تھے۔ اور قبطی جوان مضبوط۔ چہارم یہ کہ ید بیضا اسی کو بنایا گیا پنجم یہ کہ جب سے نبوت ہوتی ہے اُسی وقت معجزے مل جاتے ہیں اگرچہ نبوت کا ایک طرح اظہار نہیں کیا جاتا۔ واللہ اعلم۔ ایک قول ہے کہ آپ نے تین سالہ عمر میں فرعون کو ڈنڈا مارا تھا مگر پہلا قول صحیح ہے۔ بعض نے کہا کہ گود میں تھے کہ فرعون کے سر سے تاج اتار کر اپنے سر پر رکھ لیا تھا۔ ایک اُردو خوان اُردو مفسر صاحب نے بالکل ہی اس واقعہ کا انکار کیا ان کی عقل اس ید بیضا کو معجزہ ماننے پر تیار نہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ہاتھ نہ جلے اور ہاتھ جلے تو زبان تک لے جانے کی نوبت ہی نہیں آ سکتی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو ان کی عقل ہے ورنہ يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَّسَلٰمًا یہاں دستِ موسیٰ پر بھی ہو سکتا ہے۔ بہر حال سچائی یہی ہے کہ انگارہ اٹھایا گیا مگر ہاتھ قطعًا نہ جلا کیونکہ وہ ابد سے معجزہ تھا۔ یہ کہنا کہ عقدۃً سے مراد ہے فن تقریر نہ آنا حضرت موسیٰ کو تقریر کرنا محفل میں بولنا نہ آتا تھا یہ غلط ہے کیونکہ نہ تو لمبا چوڑا وعظ کرنا تھا نہ لچھے دار تقریر کرانی تھی کہ خطابت کے جوہر دکھائے جاتے۔ مقصدِ اولیٰ تو صرف تبلیغِ احکام کی چند باتیں کرنا تھیں نیز لکنت فصاحت کے لیے رکاوٹ نہیں۔ موسیٰ علیہ السلام باوجود لکنت کے نہایت فصیح و بلیغ تھے طرز کی جوابی گفتگو کی چاشنی ہی بتا رہی ہے اور ان دعاؤں کا تلفظ کتنا بلیغ و فصیح ہے۔ جو رب تعالیٰ کے حضور ایسا وعظ کر سکتا ہے اسے فرعون و دربارِ فرعون سے کہاں گھبراہٹ۔ یہ دعا اس لیے مانگی کہ انسانی تکلم میں چھ خصلتیں ہیں ۱ انسانیت قول سے اور افضلیت اعمالِ صالحہ سے (عبادت) نہ کہ اعضاءِ ظاہری ۲ نطق نہ ہو تو انسان مشابہ حیوان ہے ۳ انسانیت تقسیم ہے قلب و زبان میں قلب کی چاہت زبان

ہی سے ظاہر ہوتی ہے ۱۰ فرشتوں سے حضرت آدم کا مناظرہ تقابلی بذریعہ نطق ہی ہوا ۱۵ شرح صدر کی دعا سے حصولِ نور ہوا اور تیسری اس نور کو سنبھالنا ہے ۶ ہاتھ معطیِ مال ہے اور زبان معطیِ علم ہے کلام چار قسم کے ہوتے ہیں ۱ نفع والا ۲ نقصان والا ۳ نفع نقصان دونوں ہوں ۴ نفع زیادہ نقصان کم یا اس کا الٹ۔ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي اشْدُدْ بِهٖۤ اَزْرِيْ اے میرے رازق تعالیٰ مجھ کو چوتھی نعمت یہ عطا فرما کہ میرے اہلِ خاندان میں سے میرا وزیر بنا دے جو میرے تمام امور تبلیغ کا بوجھ اٹھانے کے لائق ہو اور میرے تمام ظاہری باطنی خفی جلی چھوٹے بڑے مشوروں کا وکیل ہو جو میرے ہر مقام پر ڈھارس بن جائے اس قوت و ہمت کا سہارا جس پر میں کامل اعتماد کر سکتا ہوں میرے پورے اسرائیلی خاندان میں صرف وہی ہے جو تیرا پیارا نبی اور میرا بڑا بھائی ہارون ہے کیونکہ اس وقت پوری قوم بنی اسرائیل بلکہ ساری کائناتِ انسانیت میں کار آمد زیرک عقل والا امانت دار مجھ سے بھی زیادہ فصیح بس یہی میرا بھائی ہے۔ اے میرے کریم خالق تعالیٰ مجھ کو پانچویں نعمت یہ عطا فرما کہ اس بھائی کے ذریعہ میری پیٹھ میری بنیاد مضبوط کر دے اور میرے تمام کام معاملات دینی دنیوی تبلیغی تشریعی کو اس کی معیت سے درست بنا دے۔ وزیر بمعنی وکیل معاون یعنی مشوروں کا باطنی قلبی عقلی بوجھ اٹھانے والا حامل وہ بوجھ اٹھانے والا جو ظاہری سامان و اجسام کا ہو لفظ وزیر کے مادہ اشتقاق میں تین قول ہیں ۱ یہ وِزْرٌ سے ہے بمعنی ظاہری بوجھ ذمہ داری انتظامات وغیرہ کا بوجھ اٹھانے والا ۲ یہ وَزَرٌ سے ہے پہاڑی محفوظ قلعہ بنانے والا اور باطنی بوجھ اٹھانے والا ۳ یہ مُوَازَرَۃٌ سے بنا ہے بمعنی پشت پناہ۔ حضرت ہارون علیہ السلام حضرت موسیٰ سے تین سال بڑے تھے لمبے قد سفید رنگت سیدھے بال بھاری جسم لمبی ڈاڑھی والے تھے۔ موسیٰ علیہ السلام بھی لمبے قد گندمی رنگت اپنی بہن مریم سے پندرہ سال چھوٹے تھے گھنگھریالے بال سارے جسم پر ایک بالشت داڑھی شریف تھی۔ اَزْرٌ بمعنی کمر، پیٹھ قوت ہمت اسی لیے کمر بند کو عربی میں ازار کہا جاتا ہے دعا میں اہلی کہا نہ کہ قومی اس لیے کہ قوم میں کوئی شخص قابلِ اعتماد نہ تھا اور نبی کا مشیر صرف نبی ہو سکتا ہے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ انسانی اعضا میں سب سے اعلیٰ عضو زبان ہے پھر کان یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہیں کیونکہ

یہ دونوں دل کے ترجمان ہیں اور سینے کے فیضِ باطنی علوم کو تقسیم کرنے والے زبان دینے والی اور کان لینے والا ہوتا ہے۔ مولیٰ علی کا مقولہ ہے کہ مَا الْاِنْسَانُ لَوْلَا اللِّسَانُ اگر زبان نہیں تو وہ انسان ہی نہیں۔ ہر مسلمان پر ان کی حفاظت واجب ہے شکرِ الٰہی فرض ہے اور ذکرِ الٰہی لازم ہے یہ فائدہ رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ اور وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ کی دونوں دعاؤں سے حاصل ہوا۔ عالم میں چھ چیزیں ہیں جن سب سے زبان کا تعلق ہوتا ہے ۱ موجود ۲ معدوم ۳ خالق ۴ مخلوق ۵ معلوم ۶ موہوم۔ بخلاف دیگر اعضا کے آنکھ صرف رنگت ہاتھ صرف پکڑنے کے لیے کان صرف آواز کے لیے وغیرہ وغیرہ۔ ترکِ کلام کے لیے عربی میں چار الفاظ ہیں ۱ صَمْتٌ۔ یہ عام ہے قادرُ الکلام اور غیر قادر الکلام ۲ سکوت اس کے لیے جو بول سکے مگر نہ بولے ۳ اِنصات جو بول نہ سکے سن سکے ۴ جو بول اور سن سکے مگر سمجھ نہ سکے۔ جیسے غیر کی لغت یا دور کی آواز۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی دعا کی چار وجوہ ۱ تاکہ تبلیغِ رسالت اچھی طرح ہو ۲ کفار کا مذاق اور نفرت نہ ہو ۳ زبان بھی معجزہ بن جائے ۴ سہولتِ بیان کے لیے

دوسرا فائدہ۔ انبیاءِ کرام کو بچپن ہی سے اپنی نبوت طاقت قوتِ شریعت و قانونِ الٰہیہ کا علم کامل ہوتا ہے اگرچہ اظہارِ نبوت و تبلیغِ شریعت کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعد میں ملے اسی بنا پر انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو بچپن ہی میں کفر و کفریات و کفار و فساق سے نفرت ہوتی ہے اور اظہارِ نبوت سے پہلے ہی وہ کفار کی ذلت کرکے اپنی معلومات اور علمِ نبوت کا اظہار کر دیتے ہیں یہ فائدہ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی تفسیری وجہ سے حاصل ہوا۔ کہ موسیٰ علیہ السّلام نے بچپن ہی میں فرعون کو زوردار چپت مارا داڑھی نوچی اور آزمائش پر انگارہ منہ میں رکھ لیا

تیسرا فائدہ۔ نبوت اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت ہے یہ نہ اپنے کسبِ اعمال سے ملے نہ اپنی نہ کسی کی دعا سے ملے یہ نعمت عَالَمِ ارواح میں اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا عطا فرما دی ہاں البتہ کسی نبی کی ذمہ داری وجہِ بعثت کسی دوسرے نبی کی دعا سے بدل سکتی ہے کہ وہ نبی کسی قوم کی طرف مبعوث ہونے کی بجائے کسی اور ذمہ داری کو سنبھال لے جیسے کہ ہارون علیہ السّلام عالمِ ازل سے نبی تھے اس بات کو موسیٰ و ہارون علیہما السلام دونوں جانتے تھے۔ مگر موسیٰ علیہ السّلام کی دعا سے اُن کی ذمہ داری بدل کر ان کو وزیر بنا دیا گیا اور کبھی بغیر دعا کے بھی بدل دی جاتی ہے جیسے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام کی درباری رعایہ میں بہت سے انبیاءِ کرام کو شامل کیا ہے۔ اور جیسے یوشع نبی علیہ السّلام کو خدمتِ موسیٰ کی

ذمہ داری سونپی گئی۔ یہ فائدہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ کی دعا اور هٰرُوْنَ اَخِی کی وضاحت سے حاصل ہوا کہ اہل تو اور بھی تھے مگر وہ نبی نہ تھے حضرت موسیٰ نے خاص اُس اہل کی درخواست کی جس کی نبوت کو جانتے تھے۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں انبیاء علیہم السّلام اور اولیاء اللہ سے ہر مسلمان کو ہر وقت ہر جگہ ہر حاجت دنیوی دینی مدد مانگنا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اُشْدُدْ بِهٖ اَزْرِیْ کی دعا سے مستنبط ہوا کہ موسیٰ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اللہ تعالیٰ سے وسیلے کی دعا مانگی اور امدادی ساتھی کا سہارا طلب کیا اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ اگر غیر اللہ سے امداد مانگنا۔ وہابی مذہب کے مطابق شرک ہوتا ہے تو یہ دعا قبول نہ ہوتی بلکہ منع کر دیا جاتا۔ دوسرا مسئلہ اپنے اہل میں سے کسی کو اپنا ولی عہد خلیفہ جانشین یا سلطنت کا مشیر خاص معاون بنانا شرعًا جائز ہے یہ مسئلہ وَاجْعَلْ لِّیْ وَزِیْرًا مِّنْ اَهْلِیْ کی دعا عرض کرنے اور قبول ہونے سے مستنبط ہوا۔ کہ حضرت موسیٰ نے اپنے اہل بھائی ھٰرون کو زندگی بھر کا اپنا وزیر بنایا اور جانشین مقرر فرمایا۔ لہٰذا خارجیوں وہابیوں کا اعتراض مولیٰ علی حیدر خدا پر اور سبعوں رافضیوں کا اعتراض حضرت امیر معاویہ پر قطعًا غلط اور لغو بیہودہ ہے کہ علی مرتضیٰ نے اپنے بیٹے امام حسن کو اور معاویہ بن ابی سفیان نے اپنے بیٹے یزید کو اپنا جانشین ولی عہد کیوں بنایا یہ غیر جمہوری بری رسم اسلام میں کیوں ڈالی۔ دیکھو حضرت موسیٰ نے حضرت ھرون کو حضرت داؤد نے حضرت سلیمان کو حضرت زکریا نے حضرت یحییٰ کو اپنا جانشین ولی عہد بنایا جس کا ذکر قرآن کریم میں رب تعالیٰ نے بہت شان عزت سے فرمایا اگر بقول خارجی رافضی اپنے بھائی یا بیٹے کو اپنا خلیفہ بنانا منع یا گناہ ہوتا تو قرآن کریم میں اس کام و انتخاب کو تعریفی ثنائی لفظوں سے ذکر نہ کیا جاتا۔ ہاں البتہ یزید پلید کا بعد میں بدمعاش و خبیث بن جانا یہ اُس بے دین کا اپنا فعل ہے۔ اس میں والد کا قصور نہیں۔ اُس کی خباثتیں لعنتیں والد کے بعد وفات ظاہر ہوئیں۔ شیعہ تبرائی رافضیوں کے ساتھ ہمارے علاقے کے کچھ تفضیلی شیعہ رافضی بھی اِس نظریے میں شامل ہیں جو ظاہرًا تو سُنی مولوی اور پیر بنے پھرتے ہیں مگر در پردہ پکے رافضی شیعہ ہیں اور سنیوں کو دھوکہ دینے پیسہ لوٹنے کے جال و بھیس میں سنی بنے پھرتے اور سنی مساجد پر قبضہ جمائے ہیں ان کے مکر و فریب سے بچنے کے لیے ان کی پانچ نشانیاں ہر مسلمان کو یاد رکھنی چاہئیں ۱۔ اہلِ بیت کو علیہ السّلام کہتے اور جائز مانتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ شیعوں کا ہے قرآن و حدیث کے خلاف ہے اس کا شریعت میں کہیں ثبوت نہیں ۲۔ مولیٰ علی کو صدیق و فاروق بلکہ بعض خبثا مولوی نما لوگ تو علی شیر خدا کو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

سے بھی زیادہ افضل و اعلیٰ مانتے ہیں۔ معاذ اللہ ۳ سیدہ لڑکی کا نکاح علوی، ہاشمی، عباسی، مطلبی خاندان اور دیگر کسی بھی اونچے مومن عالم نیک متقی سے بھی ناجائز اور باطل کہتے ہیں حالانکہ یہ عقیدہ نہایت جاہلانہ ظالمانہ ہے۔ ۴ ابولہب کی تعریف کرتے ہیں چچا ہونے کی وجہ سے۔ سورۃ تَبَّتْ یَدَا پڑھنے کو منع کرتے ہیں دَر پردہ اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اُس نے یہ سورۃ کیوں نازل کی ۵ تبرائی شیعوں کی بہت تعریف کرتے ہیں کہ چونکہ وہ سیّد ہیں اس لیے اگرچہ بدعقیدہ ہیں مگر ان کی تعریف ہے اور اُن شیعوں کو اہل سنت سے افضل سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو ایسے گمراہ مولویوں اور پیروں سے بچائے۔ آمین۔ **تیسرا مسئلہ**۔ نحاتِ بصرہ میں سے سیبویہ نحوی کہتے ہیں کہ جمع کے لیے اسم تفضیل واحد مؤنث کا صیغہ لانا جائز ہے۔ اور اخفش نحوی کہتے ہیں کہنا جائز ہے اخفش شاگرد ہیں سیبویہ کے اور ان کا یہ قول بھی غلط ہے امام سیبویہ کا قول درست ہے کیونکہ قرآنِ مجید سے ثابت ہے۔ یہی امام اعظم کا مسلک ہے اور اِسی قانون نحویہ پر طلاق وغیرہ کے بہت سے مسائل امام اعظم مرتب فرماتے ہیں یہ مسئلہ مِنْ اٰیٰتِنَا الْكُبْرٰى سے مستنبط ہوا کہ دیکھو اٰیٰتِنَا جمع ہے اور اس کی صفت کُبریٰ واحد مؤنث ہے ایسے ہی ایک آیت میں ارشادِ باری تعالیٰ ہوتا ہے۔ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اسما جمع کی صفت حُسنیٰ واحد آئی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ موسیٰ علیہ السّلام نے دعا عرض کی رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ انبیاء کرام علیہم السّلام کو تو پہلے ہی شرح صدر ہوتا ہے پھر یہ تحصیل حاصل ہوا جو محال ہے اور انبیاء کرام علیہم السّلام سے محال کی دعا عبث ہے۔ **جواب**۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شمار بے انتہا ہے یہ دعا زیادتی شرح کی تھی نیز شرح بہت سی قسم کی ہے جس کی تفصیل ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کر دی یہ دعا مختلف نوعیتوں کی دعا ہے اسی طرح ہدایت کی بھی بہت سی قسمیں تو جس طرح مختلف نوعیت کی دعاءِ ہدایت ہر شخص کو ہر وقت مانگنی جائز ہے اسی طرح شرح صدر کی دعا بھی دوسری نوعیت کی جائز موسیٰ علیہ السلام کو حصولِ شرح۔ دیگر نوعیت کا تھا دعاءِ شرح دوسری نوعیت کا۔ اس لیے نہ تحصیل حاصل نہ محال نہ عبث۔ **دوسرا اعتراض**۔ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی تفسیر میں مفسرین جو تاریخی واقعہ بیان کرتے ہیں کہ بچپن میں موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کو چپت مارا۔ فرعون کو غصہ آیا اُس نے قتل کا ارادہ کر لیا تو آسیہ زوجۂ فرعون نے سفارش کی کہ یہ بچگانہ حرکت ہے بچوں کو اچھے برے کی تمیز نہیں ہوتی اس کی آزمائش کر لی جائے تب فرعون نے دو تھال منگائے ایک میں سونے کا ڈھیلا یا چمک دار

یاقوت اور دوسرے میں انگارہ دونوں تھال موسیٰ علیہ السلام کے سامنے رکھے گئے موسیٰ نے انگارہ اٹھا کر منہ میں رکھ لیا جس سے زبان میں لکنت پیدا ہو گئی اسی لکنت کے ختم ہونے کی یہاں دعا مانگی گئی یہ بات عقل میں نہیں آتی لہٰذا غلط ہے کیونکہ انگارہ نری آگ ہوتا ہے اور انگارے کو ہاتھ لگتے ہی ہاتھ جل جاتا ہے بچہ ہو یا بڑا بلبلا کر چھوڑ دیتا ہے منہ میں لے جانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔ بلکہ عُقدۃً کا معنیٰ یہ ہے کہ اے اللہ مجھے فنِ تقریر فصاحتِ بیانی نہیں آتی میں نے کبھی لوگوں میں خطاب نہیں کیا۔ میری زبان لوگوں کے سامنے گنگ ہو جاتی ہے اِس عقدہ کو کھول دے اور مجھے تقریر کا فن آجائے۔ (ابوالاعلیٰ مودودی یہی مقام) جواب۔ اِس اُلجھن کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی ظاہری عقل میں تو واقعی یہ بات نہیں آتی لیکن اگر ذرا سا تدبر کیا جائے تو اُلجھن دور ہو جاتی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دستِ یمین مقدس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم معجزہ تھا۔ اور ابتدا سے اِس کے معجزہ ہونے کے چند نشانات ہیں مثلاً ۱ بچپن میں یہی ننھا سا ہاتھ فرعون کو پڑا تو اتنا لحیم شحیم مرد فرعون چکرا گیا۔ تب ہی اُس کو غصہ ہی آیا ورنہ بچے تو کھیل کھیل میں مارتے ہی ہیں اور اُن کا مارنا پیارا نرم گداز لگتا ہے ۲ یہی ہاتھ بارہ سالہ عمر میں ایک طاقتور قبطی کو لگتا ہے تو وہ قتل ہو جاتا ہے حالانکہ عام طور پر ایسا ممکن نہیں ۳ یہی ہاتھ جب عصا کو زمین پر ڈالتا تھا تب وہ سانپ بن جاتا تھا۔ عصا بھی معجزہ اور یہ ہاتھ بھی معجزہ کہ نہ دوسری لاٹھی اُس ہاتھ میں سانپ بنے نہ یہ لاٹھی کسی دوسرے ہاتھ میں یا کسی دوسرے کے ہاتھ میں سانپ بنے۔ یہی لاٹھی اِسی ہاتھ سے گرے تب سانپ بنے گی ۴ اسی ہاتھ کے اعجاز کو طور پر ظاہر فرمایا گیا کہ وَاضْمُمْ یَدَکَ۔ اور جب اِس ہاتھ کا معجزہ ہونا اتنے دلائل سے ثابت تو یاد رہے کہ معجزہ کسی کی آگ سے نہیں جل سکتا نارِ نمرود سے ابراہیم علیہ السلام کا جسم نہیں جل سکتا تو نارِ فرعون سے معجزہ نہیں جل سکتا۔ ہاں البتہ زبان معجزہ نہ تھی اس لیے جل گئی اور لکنت پیدا ہو گئی۔ خیال رہے کہ قولی اور عملی معجزے تو ہر نبی علیہ السلام کو ملے مگر جسمی بدنی معجزہ صرف موسیٰ علیہ السلام کو جزوی طور پر فقط دستِ یمین ملا اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام بدن۔ ۱ کہ لعابِ مبارک سے کھاری کنواں میٹھا ہوا ۲ دندانِ پاک کی کرن دشعاع سے گمشدہ سوئی ملی ۳ لعاب سے ہی مولیٰ علی کی آنکھ کو شفا ملی ۴ اسی لعاب سے قاتل ابوجہل کے ہاتھ کو جوڑ دیا ۵ آنکھ سے رب تعالیٰ کا دیدار کر لیا ۶ انگلی سے چاند چرا ۷ دونوں ہاتھوں نے بادل برسائے سورج لوٹا ۸ پانچوں انگلیوں سے چشمہ جاری ہوا

پاؤں معجزے کہ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ کا مظاہرہ ہوا غرضکہ سارا جسم مقدس معجزہ کہ ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی کا عطیہ ملا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اے موسٰی فرعون کی طرف جاؤ۔ حالانکہ موسٰی علیہ السلام تو اپنی پوری قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے جن میں قبطی فرعونی سبطی یعنی بنی اسرائیل سب شامل تھے تو چاہیے تھا کہ اِذْهَبْ اِلٰى قَوْمٍ کہا جاتا۔ جواب۔ دو وجہ سے اِلٰى فِرْعَوْنَ کہا گیا۔ ایک یہ کہ بنی اسرائیل تو پہلے ہی مومن تھے صرف غلامی کی رذالت کی وجہ سے بیکار و ناقص ہو گئے وہ بھی اکثریت نہیں بلکہ بعض قوم کی طرف بعثت صرف نجات دہندہ کی حیثیت سے تھی بنی اسرائیل کچھ بعض تو بعد میں بچھڑا پوجکر کافر ہوئے تھے توریت کا نزول بھی نئی شریعت بتانے کے لیے نہ کہ کافروں کو مومن بنانے کے لیے دوسری وجہ یہ کہ چونکہ اصل کافر اور متبوع پیشرو سب کا فرعون ہی تھا۔ باقی سب اُس کے تابع اور غلام بنے ہوئے تھے کافر سرکش مغرور اور کافر ساز وہی فرعون ہی تھا۔ اُس کے درست ہو نے سے یقیناً سب درست ہو جاتے۔ نیز اس میں شانِ نبوت کا بھی اظہار ہے نبی کی بہادری جرأت کا دکھانا مقصود ہے کہ تن تنہا کو بغیر لشکر و ہتھیار اتنے بڑے لشکر والے بے رحم ظالم جابر بادشاہ کے پاس بھیجا جا رہا ہے۔ بادشاہوں کو بادشاہ کے پاس جانا ہی سجتا ہے۔ بے بسوں غلاموں کی طرف جانا کوئی شان نہیں۔ بادشاہ لوگ بادشاہوں پر ہی حملہ کرتے سجھتے ہیں موسٰی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے بادشاہ تھے جن کو لشکر و سپاہ کی بھی ضرورت نہ تھی۔ چوتھا اعتراض سات وجوہ سے دعا مانگنی ناجائز اور خلافِ عقل ہے ۱؎ اللہ تعالیٰ علام الغیوب ہے اُس کو اپنی حاجت بتانا بیکار یا بدعقیدگی ہے اور دعا میں اپنی حاجت بتانا اور مانگنا ہے ۲؎ اگر مطلوبہ دعا معلوم ہے کہ یقیناً پوری ہوگی تو مانگنے کی حاجت نہیں اگر یقین ہے کہ نہ پوری ہوگی تو مانگنا فضول ہے ۳؎ دعا بے ادبی ہے کیونکہ حکم دینے کے مشابہ ہے اور بندہ ناچیز و حقیر اپنے اللہ کو آرڈر دے کتنی گستاخی ہے ۴؎ اگر دعا مصلحت اور بہتری کی ہے تو رب تعالیٰ خود ہی بہتر فرما دے گا اُس کا ہر کام ہی بندوں کے لیے بہتری ہوتا ہے اور اگر دعا مصلحت کے خلاف ہے تو اس کی طلب کرنا ناجائز ہے ۵؎ پیارا بندہ وہ ہے جو رب تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے مگر دعا رضا کے خلاف ہے۔ ۶؎ روایت میں ہے جو ذکر اللہ میں مشغول رہے اللہ تعالیٰ اُس کو بغیر مانگے سب کچھ دیتا ہے۔ لہٰذا دعا میں وقت ضائع نہ کرنا چاہیے بس ذکر اللہ کرتے رہنا چاہیے۔ ۷؎ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعا نہ مانگی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی تعریف فرمائی۔ (معتزلی) جواب) یہ اعتراض امام رازی نے تفسیر کبیر میں نقل فرما کر جوا

فرمایا کہ یہ سب وجوہ بیان کردہ انتہائی احمقانہ جاہلانہ ہیں۔ پہلی اس لیے کہ دعا مانگنا اللہ تعالیٰ کو بتانے کے لیے نہیں ہوتی بلکہ اپنی بندگی عاجزی مجبوری کے اظہار کے لیے ہوتی ہے۔ یہی ہر بندے کی نیت اور عقیدہ ہوتا ہے۔ دوم اس لیے کہ اس طرح کی حجت نکالنی ایسی ہی ہے جیسے کسی بھوکے پیاسے سے کہا جائے کہ اگر تجھے معلوم ہے کہ بھوک ختم ہو جائے گی خود بخود تو کھانے کی ضرورت نہیں اور اگر تجھ کو یقین نہیں کہ کھانے پینے سے بھوک پیاس ختم ہوگی یا نہ۔ تو کھانا فضول ہے۔ تیسری وجہ؛ اس لیے غلط ہے۔ کہ حکم اور آرڈر ہمیشہ طرز بیانی سے ہوتا ہے۔ مگر دعا میں تو اندازِ بیگانہ ہوتا ہے اگر تمہاری اوندھی باتِ بدنظر رکھی جائے تو پھر کسی بڑے سے کوئی چیز طلب کرنا جائز نہ رہے اور دنیا میں مصیبت آجائے۔ چوتھی احمقانہ وجہ کی غلطی یہ کہ یہ درست ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر کام میں بندوں کے لیے بہتری ہے مگر بعض چیزیں طلب سے خوشنودی اور شکر سے میں آجاتی ہیں جن کا عطا کے علاوہ ثواب بھی ملتا ہے۔ تو دعا صرف شئی کے لیے ہی نہیں ثواب کا بھی فائدہ ہے پانچویں وجہ کی غلطی یہ کہ دعاؤں کے بعد پھر رضا پر راضی رہنا یہ اونچا مقام۔ دعا نہ مانگنا اور راضی برضا بنے رہنا یہ متکبرانہ روش ہے۔ چھٹی وجہ اس لیے غلط ہے کہ یہ روایت کہیں ثابت نہیں معترض کی اپنی بناوٹی اس روایت سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ پھر نماز تلاوت درود شریف علم حاصل کرنا اسباق پڑھنا فقہ حدیث تفسیر بلکہ کھانے پینے میں بھی وقت ضائع نہ کرے ہر وقت ذکر اللہ ہی کرتا رہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح مومن کا ہر کام ہی ذکر اللہ ہے۔ اس طرح دعا بھی ذکر اللہ بلکہ بڑی عبادت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مُخ العبادت فرمایا یعنی عبادت کا مغز۔ ساتویں وجہ بھی احمقانہ ہے اس لیے کہ قرآن و حدیث میں حضرت ابراہیم کی بہت سی دعائیں منقول ہیں ابراہیم ساری عمر اپنے اللہ سے دعائیں مانگتے رہے ہاں البتہ ایک خاص موقعہ پر نارِ نمرود میں جاتے ہوئے آپ نے دعا نہ مانگی جب کہ جبرئیل نے حاجت پوچھی اور دعا مانگنے کا کہا تب آپ نے فرمایا کہ وہ میرے حال کو بہتر جانتا ہے۔ اس وقت دعا کا نہ مانگنا امتحان کی وجہ سے تھا امتحان ٹلنے کی دعا مانگنا واقعی منع ہے۔ نیز یہاں کامیابی کی دعا مانگنا درست نہیں کیونکہ کامیابی اپنے عمل کے لیے ہوتی ہے نارِ نمرود میں پھینکے جانے کے وقت اپنا کوئی عمل نہ تھا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ لہٰذا رَبِّ اشْرَحْ لِیْ وغیرہ کی یہ چھ دعائیں بالکل صحیح عین عبادت ہیں۔

تفسیر صوفیانہ | وَاضْمُمْ یَدَكَ اِلٰی جَنَاحِكَ تَخْرُجْ بَیْضَآءَ مِنْ غَیْرِ سُوْٓءٍ اٰیَةً اُخْرٰی۔

لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى. اے راہِ معرفت میں چلنے والے قلبِ سالک اپنی عقلِ یمین کو جناحِ روح کی بغلِ خلوت میں لے جا تاکہ تیری عقل ہدایتِ حقانیہ کے نور سے منور ہو جائے، کیونکہ عقل انسانی اوّلاً نفسِ امارہ سے ضمہ ہوتی ہے اور اسی کی پیروی کرتے ہوئے تدبیرِ معاش میں وھمیات سے مخلوط ہوتی ہے اس لیے کدورتِ جاسیہ میں دربارِ نفسِ فرعونی کی صحبتوں میں رہنے کی بنا پر ظہورِ نور نہیں ہوتا۔ اور مواہبِ ربانیہ و حقائقِ الٰہیہ کو قبول نہیں کرتی اس لیے قلب کی وادیِ طورِ ایمن سے امر کیا جاتا ہے کہ چند ساعت کے لیے جانبِ روح منتقل ہو تاکہ نورِ قدس کے اتصال سے چمکیلی ہو جائے۔ کیونکہ

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء ٭ بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اس صحبتِ روحانیہ کے بعد ہدایتِ حقانیہ کے نور کی قدسی شعاعوں سے منور ہو کر نکلتی ہے مِنْ غَيْرِ سُوْٓءٍ آیۃ نقص۔ بیماریِ وھم، پراگندگیِ خیالات کے بغیر یہی نورانی شعاعیں عقلِ سلیم کی اٰيَةً اُخْرٰى ہے اس کے سامنے فرعونیتِ نفس کی ساری چمک دمک ہیچ در ہیچ فیشن و زینت ہیچ ہے عقلِ عارفین کو یہ نورانی قوت اس لیے عطا کی جاتی ہے کہ لِنُرِيَكَ مِنْ اٰيٰتِنَا الْكُبْرٰى "تاکہ ہم صفاتِ تجلیات کی وہ بڑی بڑی نشانیاں بھی دکھائیں جو فناءِ وحوت کے مصر لا ہوتی ہیں ہیں اے عقلِ سلیم کے مریدِ مسعود تجلیاتِ صفات کے مقام میں ہو جا اور انہی تجلیات کی راہ میں اسی جہت سے ہماری ذات کی رویتِ نظارہ کر سکے اور ہمارے اسباب سے ہم کو دیکھے یہی ذاتِ وحدت کی اٰیتِ کبریٰ ہے راہِ سلوک کے پیشواؤں کو ان قوتوں کی عطاء کے بعد حکمِ ربانی ہوتا ہے اے عقلِ سلامتی اب جا تو۔ ہدایتِ فرعونِ نفس کے لیے کیونکہ وہ ظہورِ انانیت سے حجابِ غرور میں آکر عبودیت کی حدود سے تجاوز کر گیا۔ اور ابلیسی سرکشی سے ظلم و ظلمات برپا کر دیا ہے۔ قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِيْ يَفْقَهُوْا قَوْلِيْ وَاجْعَلْ لِّيْ وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِيْ هٰرُوْنَ اَخِي. اشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِيْ۔ عرض کیا عقلِ سلامتی نے اے میرے ظاہر و باطن کے رب کریم یقین و تمکین کے نور سے میرا سینۂ بیکراں وسیع فرما دے صفاتِ تجلیات کی شرح و کشاد کے مقامِ علیا تک تاکہ تنگی نہ محسوس کرے یہ عقلِ سلامتی ایذاءِ نفسانیہ سے۔ قلبِ عارف چھ دعائیں بارگاہِ قدس میں عرض کرتا ہے اس لیے کہ دعا سے کمال ملتا ہے اور کمال کے بہت سے درجے اور مرتبے ہوتے ہیں سب سے اعلیٰ یہ ہے کہ بندہ فی ذاتہٖ کامل ہو اور غیر کو مکمل کرنے والا ہو

کاملِ ذاتی ازل میں بنایا جاتا ہے مگر کمیل لغیرہ دُعاؤں سے بنتا ہے۔ اے بندے دریا عمیق ہر ظلمات کثیف ہیں راستے میں چور ڈاکو ہیں دشمن داخلی بھی ہیں خارجی بھی شیطین جنی بھی ہیں انسی بھی لہٰذا بارگاہِ مولیٰ میں عرض کرتا رہ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ اے مولیٰ میرے قدوم راہِ طلب و ہدایت میں ہر طرح کی آسانیاں پیدا فرما تاکہ نہ دکھ پہنچا سکیں اور نہ حکم عدولی و نافرمانی کر سکیں اہل نفوس اپنے سفاہت و حماقت کے طعنوں سے بندے سے چار عمل صادر ہوتے ہیں (۱) حرکات (۲) سکوت (۳) اقوال (۴) افعال جب تک بندہ مریدِ اعمال نہ بنے صدور مشکل ترین ہیں۔ اس لیے اے بندے رب سے دعا کر کہ یَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ آسانیِ اعمال کے لیے چار نعمتیں ملتی ہیں (۱) قدرت (۲) حکمت (۳) قضا (۴) قدر قضا وجود میں قدر حیوٰۃ میں قدرت عقل میں حکمت قلب میں امانت رکھی جاتی ہے۔ دعا قُربِ الٰہی کا سبب ہے۔ قرآن مجید میں مسلمانوں اور کافروں کی طرف سے سولہ سوال ذکر فرمائے گئے ہیں جن میں چار اصولی ہیں (۱) ہلال کے بارے میں (۲) پہاڑوں میں بارے (۳) کفار نے پوچھا روح کیا ہے (۴) کفار نے پوچھا قیامت کب ہے اور دس سوالات فروعی ہیں (۵) مسلمانوں نے پوچھا ہم کس طرح دولت کمائیں اور کیسے خرچ کریں (۶) دعا کے بارے میں (۷) حرام مہینوں میں جنگ کرنے کے بارے میں (۸) خمر کے بارے میں (۹) جوئے کے بارے میں (۱۰) کفار اور دشمنوں سے برتاؤ کے بارے میں (۱۱) یتیموں کے بارے میں (۱۲) مدتِ حیض کے بارے میں (۱۳) اموالِ غنیمت کے انفال اور خمس کے بارے میں (۱۴) خنی کے بارے میں (۱۵) کلالہ کے بارے میں (۱۶) کفار نے پوچھا ذوالقرنین کے بارے میں ان کے جوابات میں کہیں قُلْ ارشاد ہے کہیں فَقُلْ ہے۔ کہیں دونوں نہیں۔ کہیں جواب ہی نہیں دیا گیا اس لیے کہ بندوں کی آٹھ قسمیں ہیں (۱) بندۂ معصوم (۲) بندۂ مخصوص (۳) بندۂ بشارت (۴) بندۂ کرامت (۵) بندۂ مغفرت (۶) بندۂ عبادت (۷) بندۂ خدمت (۸) بندۂ قربت۔ یہ مقامات عارفین ہیں ان میں کمال دعاؤں سے آتا ہے شرح صدر کمالِ عصمت سے ملتا ہے تیسیرِ اعمال سے کمالِ کمالِ خصوصیت اور قوتِ بیان سے کمالِ بشارت یَفْقَهُوْا قَوْلِیْ سے کمالِ کرامت اور تعاونِ نبوت سے کمالِ مغفرت اور اخوت کی صلہ رحمی سے کمالِ عبادت اور کرامت سے کمالِ قرب ملتا ہے لہٰذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ دعائیں مانگیں طور پر موسیٰ علیہ السلام کو چھ انعام ملے اول توحید کی معرفت دوم عبادت کی دولت سوم آخرت کی معرفت چہارم حکمتِ اعمال پنجم عطیہ معجزات ششم۔ تبلیغ الی الکفار و غلبہ علی الاشرار۔ اس لیے ارشاد ہوا اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ۔ طبعِ دنیا فرعونِ بدنی ہے

وجود مثلِ مصر ہے قوم مثلِ ظلمت ہے۔ مریدِ صادق کا کام ہے کہ طبعِ دنیوی کو پھیر کر طبعِ اُخروی بنانا ورنہ قبطی نفوس اور سبطی عقول اس کا راہ روک رکھیں گے۔ اور چھٹکارہ نصیب نہ ہوگا۔ وَ اُحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ موسیٰ قلبی راہِ منزل کے ہر قدم ہر عمل پر اللہ کی مدد طلب کرتے ہوئے عرض کرتا ہے کہ اے مولیٰ تعالیٰ مجھے قُربِ کلام وہمتِ بیان کی سعادت بخشنے والے ضعفِ عملی کی بندشیں اُلجھنیں میری لسانِ حال فکرِ معال سے دور کر دے تاکہ وہ اہلِ خباثت میرے کلامِ رُشد وہدایت کے اشارے سمجھ سکیں۔ اور قلبِ روشن نے تیسری دعا یہ عرض کی کہ ضمیرِ روشن نُورِ دانِ سعادت کو میرا شیرِ عبادت بنا دے اس سے میری کمرِ ہمت قوی فرما دے اکتسابِ کمالات میں میرا شریکِ اعمال بنا دے۔ بدنِ انسانی مثلِ مملکت ہے۔ صدرِ انسانی مثلِ قلعہ ہے قُوا دِ باطنی مثلِ محلِ شاہی ہے قلب مثلِ تخت ہے روح مثلِ بادشاہ ہے عقل مثلِ وزیر ہے شہوت مثلِ فرعون ہے۔ غضب وغصہ مثلِ جلادِ سلطنت ہے حواسِ بدنیہ مثلِ جاسوس ہے ظاہری قوتیں مثلِ لشکر وخدام ہیں نفسِ امارہ فرعون کا مثلِ ہامان ہے ابلیس اس کا مشیرِ خاص ہے۔ حرص وھوٰی و اَخلاقِ ذمیمہ اُس کی نوج ہے۔ تمام حیوٰۃِ دنیوی جسمِ انسانی میں یہ مقابلہ رہتا ہے۔ ابلیس چاہتا ہے غفلت کا غلبہ ہو اور قلب چاہتا ہے کہ ایمانیات کے حلم وثبات کا غلبہ ہو۔ اے بندے تیرا سینہ قلعۂ گنجینہ ہے تیرا دل اس کا محلِ شاہی ہے۔ تیری خلوت کی زاہدانہ عبادتیں اس کی خفیہ نورانی خندق ہے محبتِ رحمانی رغبتِ ایمانی اس کی چار دیواری ہے۔ جب خندق عمیق ہو اور چار دیواری عظیم ہو تو قلعہ وسیع ہو جاتا ہے اور دشمنوں کا داخلہ محال ہوتا ہے۔ ظلماتِ شیطانی یعنی تکبر۔ ھوٰی۔ غرور۔ بخل سوءِ ظن، غیبت چغلی بھاگ جاتے ہیں اور ہدایتِ الٰہیہ کے اَنوار داخل ہو کر شرحِ صدر کر دیتے ہیں اسی لیے حکم ہے کہ یہ دعا ہر وقت مانگی جائے محلِ عقلیات۔ چار ہیں ۱؎ صدر ۲؎ قلب ۳؎ دماغ ۴؎ فوادِ سینۂ مومن میں قسرارِ ایمان ہے قلب میں قرارِ اسلام ہے دماغ میں قرارِ توحید ہے فواد میں قرارِ معرفت ہے۔ شرحِ صدر سے تیس نعمتیں حاصل ہوتی ہیں ۱؎ اَنوارِ ازلیہ کی رویت کی ہمت ۲؎ دعاءِ عبادت ۳؎ کثرتِ عصمت ۴؎ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حیا و تمغہ ۵؎ بشارتِ عظمیٰ ۶؎ خوفِ دنیا کا خاتمہ ۷؎ کثرتِ مغفرت ۸؎ خدمتِ دین کی توفیق ۹؎ قربِ الٰہی کی کثرت ۱۰؎ بہادری ۱۱؎ طمعِ دنیوی کا خاتمہ ۱۲؎ معرفت کی روشنی ۱۳؎ حقیقتِ اشیا کا نظارہ ۱۴؎ قلب پر انوار کا ورود ۱۵؎ اللہ تعالیٰ بھی بندے سے قریب ہو جاتا ہے بندہ رب کا ہوتا ہے عبادت سے لیکن رب بندے کا ہو جاتا ہے شرحِ صدر سے ۱۶؎ جلالِ کبریائی کی نارِ عشق ملتی ہے ۱۷؎ معرفت کا موزہ

حرف سینے پر طلوع ہوتا ہے ۱۸ چراغِ معرفت کی روشنی سے شیطان بھاگ جاتا ہے ۱۹ کرامت ۲۰ حیاتِ اَبدی ۲۱ ہدایت ۲۲ طہارت ۲۳ شفاعت ۲۴ سکونت ۲۵ زینت ۲۶ محبت ۲۷ الفت ۲۸ رافت ۲۹ حجابِ قلب دور ہوتا ہے ۳۰ درجاتِ ممکنہ کا ادراک نصیب ہوتا ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہادیِ قلب ہے انبیاء کرام علیہم السلام ہادیِ نفس ہیں اور کتاب اللہ ہادیِ روح ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ (از تفسیر روح البیان۔ تفسیر کبیر فخر الدین رازی۔ محی الدین ابن عربی) جب بدن بنایا گیا اور اس کو اَحسن تقویم کے زیور سے مزین کیا گیا رب تعالیٰ نے اُس کی طرف نظرِ توجہ فرمائی جہاں تک نظر کرم پہنچی وہاں تک قالبِ جسمانی کو کلماتِ الٰہیہ کے سننے اور جواب دینے کی استطاعت وخاصیت پیدا ہو گئی اور مولیٰ تعالیٰ نے اس طرح خطاب فرمایا اے بندو خوشی سے آؤ یا جبر سے تم کو میری طرف آنا ہے اَرواحِ عارفین نے عرض کیا ہم خوشی سے آئیں گے صدیقین نے کہا ہم صداقت سے آئیں گے عاشقین نے عشق کی آگ کو دیکھا تو اُن میں قوتِ رویتِ تجلیات پیدا ہوئی اور وہی طورِ اسرار کے کلیم ہیں ایسے ہی محبوبین کو اجسامِ کثیفہ کی سرداری سونپی جاتی ہے اور جب فرعونِ باطنی خواہشاتِ رذیلہ کی سرکشی دکھاتا ہے تو فنا کے دریا میں ڈبو دیا جاتا ہے مگر اہلِ سعادت مجبوروں کو روحِ عرفانی سے نوازا جاتا ہے۔ قالبِ نفسانی خواہشات کا انبارِ رذیلہ ہے اور قلب علم وحکمت کا خزانہ اور مرکزِ تجلیات ہے موسیٰ قلب کی ولادت خمیرۂ نورانیہ سے ہے اور جسمِ انسانی کی ولادت خاک سے ہے خاک میں نفسانیت کا غلبہ ہوتا ہے جس کو طورِ تجلیات کی نارِ عشق سے جلانا پڑتا ہے۔ اسی لیے کلامِ سرمدی اور صوتِ لاہوتی سے آگ دکھائی جاتی ہے۔

وَاَشْرِكْهُ فِيْٓ اَمْرِيْ ﴿۳۲﴾ كَيْ نُسَبِّحَكَ

اور اے رب مُعاون بنا دے تو اُس وزیر کو میرے تمام کاموں میں تاکہ ہم دونوں ملکر عبادت کرتے رہیں تیری

اور اے میرے کام میں شریک کر کہ ہم بکثرت تیری پاکی

كَثِيْرًا ﴿۳۳﴾ وَّنَذْكُرَكَ كَثِيْرًا ﴿۳۴﴾ اِنَّكَ كُنْتَ

بہت ہی زیادہ اور ہم دونوں مل کر یاد یں منائیں تیری بہت ہی زیادہ بے شک تو ہی ہے

بولیں۔ اور بکثرت تیری یاد کریں۔ بے شک تو

بِنَا بَصِيْرًا ﴿۳۵﴾ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ

ہر وقت ہم کو دیکھنے والا ۔ فرمایا اللہ نے عطا فرمادے گئے ہو تم اپنی تمام مطلوبہ دعائیں

ہمیں دیکھ رہا ہے ۔ فرمایا اے موسیٰ تیری مانگ تجھے

يٰمُوْسٰى ﴿۳۶﴾ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً

اے موسیٰ اور البتہ احسان فرمایا ہے ہم نے تم پر یہ دوسری

عطا ہوئی ۔ اور بے شک تجھ پر ایک بار اور احسان

اُخْرٰٓى ﴿۳۷﴾ اِذْ اَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا

دفعہ ۔ ایک اُس وقت جب اِلقا فرمایا تھا ہم نے تمہاری ماں کی طرف وہ جو

فرمایا جب ہم نے تیری ماں کو الہام کیا تھا جو

يُوْحٰٓى ﴿۳۸﴾ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِى التَّابُوْتِ فَاقْذِ

اِلقاء فرمایا گیا تھا کہ رکھدے تو اس (تجھ بچے) کو ایک بکسے میں اور رکھدے تو اس بکسے

الہام کرنا تھا ۔ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ کر

فِيْهِ فِى الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ

کو دریائی پانی میں تو ڈالدے گا اِس بکسے کو دریائی پانی کنارے کے ساتھ

دریا میں ڈالدے تو دریا اُسے کنارے پر ڈالے

يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ ۭ وَاَلْقَيْتُ

پھرے لیگا اس بچے کو میرا نافرمان اور دشمن باطنی اِس کا پھر ڈالی میں نے

کہ اُسے وہ اُٹھالے جو میرا دشمن اور اس کا دشمن ۔ اور میں نے تجھ پر

عَلَيۡكَ مَحَبَّةً مِّنِّىۡ ۚ وَلِتُصۡنَعَ عَلٰى عَيۡنِىۡ ۝۳۹

تیرے لیے محبت اپنی طرف سے اور تاکہ پرورش کیا جائے تو

اپنی طرف کی محبت ڈالی اور اس لیے کہ تو میری

میری حفاظت میں

نگاہ کے سامنے تیار ہو

تعلقات

اِن آیٰت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیٰت میں حضرت موسیٰ کے اُس طلب کا ذکر ہوا جو آپ نے حضرت ہٰرون کی مشیرت وزارت کے لیے بارگاہِ الٰہیہ میں عرض کی تھی۔ اَب اِن آیٰت میں اس طلب کی وجہ عرض کرنے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیٰت میں حضرت موسیٰ کی دعا کا ذکر ہوا۔ اَب اِن آیٰت میں دعا کی قبولیت کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق: پچھلی آیٰت میں اُن چیزوں کا ذکر ہوا جو موسیٰ علیہ السّلام پر ان کی جوانی میں رب کریم کا احسان تھا۔ اَب اِن آیٰت میں رب تعالیٰ کے اُن احسانات کا تذکرہ ہے جو بچپن میں آپ پر مولیٰ تعالیٰ نے فرمائے۔

تفسیر نحوی

وَاَشۡرِكۡهُ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ كَىۡ نُسَبِّحَكَ كَثِيۡرًا ۙ وَّنَذۡكُرَكَ كَثِيۡرًا ؕ اِنَّكَ كُنۡتَ بِنَا بَصِيۡرًا ۔ قَالَ قَدۡ اُوۡتِيۡتَ سُؤۡلَكَ يٰمُوۡسٰى ۔ وَلَقَدۡ مَنَنَّا عَلَيۡكَ مَرَّةً اُخۡرٰٓى

واؤ عاطفہ اَشۡرِكۡ باب افعال کا فعل امر حاضر معروف اَنۡتَ اس میں فاعل مستتر شِرۡکٌ سے مشتق ہے بمعنی شریک کرنا ساتھی بنانا معاون بنانا۔ ہٗ ضمیر واحد غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ھٰرُوۡنَ فِىۡ اَمۡرِىۡ۔ مرکب اضافی معنوی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ کَىۡ حرف تعلیل اس میں اَنۡ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اور مابعد مضارع کو نصب دیتا ہے۔ نُسَبِّحَ۔ باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم برائے تثنیہ مع موسیٰ و ھٰرون ہے تَسۡبِیۡحٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَسۡبِیۡحٌ بمعنی ذکر الٰہی تسبیح و تہلیل کرنا۔ كَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع ہے رَبِّ۔ كَثِيۡرًا۔ اسم صفت مشبہ کَثُرَ سے مشتق ہے باب کَرُمَ سے ہے بمعنی بہت ہی زیادہ کیونکہ صر صفت

مشبہ میں مبالغہ اور ہمہ وقتی زیادتی ہوتی ہے۔ جب کہ اسم تفضیل میں نوعی اور وقتی زیادتی ہوتی ہے یہ صفت ہے پوشیدہ موصوف لفظِ زمانا کا۔ دونوں مرکب توصیفی مل کر ظرف ہوا نسبح کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اس کی انشائیت ترجی (امید) کی وجہ سے ہے واؤ عاطفہ نَذکُرَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع معروف منصوب ہے عطفِ تابعی کی وجہ سے لفظِ کَیْ کے اندر اَن ناصبہ پوشیدہ کے تحت ہے ذکرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ یاد کرنا یا درس نا نحنُ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع وہی تثنیہ۔ کَ ضمیر مفعول بہ کثیرًا اسی طرح پوشیدہ موصوف کا صفت مرکب توصیفی ظرف زمان ہوا نذکر۔ سب سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں عطف مل کر علت ہوئی اُشرک کی یا سابقہ تمام دعاؤں کی۔ رَبِّ اشرَح فعل اپنے عطفی جملوں اور علتوں سے مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق کَ ضمیر اس کا اسم منصوب۔ کُنْتَ۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنتَ اس کا پوشیدہ اسم مرجع ہے رَبِّ۔ بِ۔ حرف جر بمعنی علیٰ فوقیت (غلبہ) کے لیے۔ نا ضمیر جمع متکلم تثنیہ۔ بصیرًا باب کَرُمَ کا صفت مشبہ بُصْرٌ سے بنا ہے واحد مذکر کے لیے اَنتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل اور بِنَا جار مجرور متعلق مقدم ہے بصیرًا اپنے فاعل اور متعلقِ مقدم سے مل کر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کُنْتَ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قَالَ۔ یہ فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اور اگلی تمام عبارت آیت ۳۶ تک مختلف جملوں میں اس کا مقولہ یعنی فرمودات ہوا۔ قَدْ اُوتِیْتَ بابِ افعال کا فعل ماضی قریب مجہول واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا نائب فاعل ثانی سُؤْلَ۔ اسم جمع مکسّر جمع قلت ہے ایک قول میں یہ مصدر ہے بروزنِ فُعْل بمعنی مفعول جیسے اُکل بمعنی ماکول مضاف ہے کَ ضمیر مضاف دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہے یہ فعل مجہول اپنے نائب فاعل (پہلے مفعول بہ) اور مفعول بہ دوم سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ندا کا بیانِ مقدم ہوا یا حرفِ ندا مُوسیٰ عبرانی لفظ ہے مو کا معنی پانی سی بمعنی درخت یہ منادیٰ ہے ندا منادیٰ اور بیان مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لام تحقیقیہ قَدْ مَنَنَّا فعل ماضی قریب جمع متکلم۔ باب نَصَرَ مَنٌّ سے مشتق ہے نحنُ پوشیدہ عَلَیْكَ جار مجرور متعلق ہے مَرَّۃً موصوف بمعنی ایک مرتبہ ایک بار۔ ایک دفعہ یہ اصطلاحی ترجمہ ہے لغوی ترجمہ ہے تغیری ترجمہ ہے گزرنا مَرٌّ سے بنا ہے اس کے آخر میں تاءِ وحدت لگائی تو معنی ہوا ایک مرتبہ گزرنا مگر اب اصطلاحًا یہ جامد ہے اور ہر فعل کی تعداد کے لیے مستعمل ہے

اسی لیے اس کا تثنیہ بھی ہوتا ہے مرّتین اور جمع بھی مرّات۔ عودی نمبر ہے اُخریٰ اسم تفضیل اور مؤنث صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے۔ اِذْ حرفِ شرط اَوْحَیْنَا باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم۔ اِلیٰ جارہ انتہا کے لیے اُمِّ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ والدہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ مَا اسم موصولہ یُوحیٰ مضارع مجہول واحد مذکر غائب اگلا جملہ اَنْ ناصبہ کا اس کا اَنِ فاعل ہے اِقْذِفِیْ باب ضَرَبَ امر حاضر معروف واحد مؤنث اَنْتِ ضمیر واحد مؤنث حاضر پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب مرجع ہے اُمّ قَذْفٌ سے بنا ہے۔ لفظ قذف چار معنی ہیں مشترک ہے ۱۔ دور پھینکنا ۲۔ ڈالنا برتن میں ۳۔ انڈیلنا ۴۔ تہمت لگانا۔ یعنی کسی برائی کو کسی پر پھینکنا تھوپنا۔ یہاں بمعنی ڈالنا اور رکھنا ہے۔ فِیْ حرفِ جر ظرفیہ اَلتَّابُوْتِ۔ الف لام معرفہ عہدی اسم مفرد جامد معرف باللام تنکیری۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اِقْذِفِیْ۔ ہ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ مرجع ہے لٰ ضمیر مخاطبہ دضمیر مخاطبہ غائب کا مرجع یا اس کے برعکس جائز ہے یا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ وَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ۔ رعالفہ اِقْذِفِیْ فعل امر اَنْتِ ضمیر مؤنث پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اُمّ ہ ضمیر کا مرجع تابوت ہے فی حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ اَلْیَمّ۔ الف لام عہد خارجی یَمّ۔ اسم حاصلِ مصدر بمعنیٰ دریا۔ سمندر۔ کثیر پانی۔ یہاں مراد بہتا دریا ہے۔ اسی سے تَیَمُّم ہے لیکن تیمم کا لغوی ترجمہ ہے پانی سے باز رہنا۔ بچنا۔ اس لیے کہ لفظ تیمم باب تفعل کا مصدر ہے اور باب تفعل کی پانچ خصوصیات ہیں ۱۔ تکرار فعل باب تفعیل کی طرح جیسے ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔ ۲۔ برداشت کرنے کے لیے ۳۔ تھوڑا تھوڑا کرنے کے لیے جیسے گھونٹ گھونٹ پینا ۴۔ ابتداءِ فعل کے لیے ۵۔ سَلب کے لیے۔ یعنی باز آنا دور ہونا۔ تیمم میں اسی خاصیت کا ظہور ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اِقْذِفِیْ ثانی کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ سببیہ۔ لِیُلْقِہِ لام تحقیق لام امر باب اِفعال امر غائب معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ نَقْیٌ یا لَقْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ڈال دینا۔ اوندھا دینا۔ اَلْیَمُّ اس کا فاعلِ ظاہر ہے ہ ضمیر کا مرجع تابوت مفعول بہ ہے بِ جارہ بمعنیٰ علیٰ فوقیت کا اَلسَّاحِلِ الف لام عہدی یا جنسی ساحل اسم مفرد معرف تنکیری بمعنیٰ کنارہ یہ جار مجرور متعلق ہے یُلْقِ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہوا۔ یَاْخُذْ۔ باب نصر کا مضارع مستقبل معروف بحالتِ جزم ہے کیونکہ جواب امر ہے ہٗ ضمیر غائب اس کا مفعول بہ اس کا مرجع تابوت ہے یا ہ ضمیر سے مراد ہے بچہ عَدُوٌّ۔ اسم صفت مشبہ بروزن فَعُوْلٌ اصلا

تھا عَدُوٌّ، عَدْوٌ سے مشتق ہے بمعنی نافرمان، مخالف۔ دشمن۔ نقصان دہ یہاں مراد نافرمان ہے کیونکہ نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہے۔ لِی جار مجرور متعلق ہے عدو صفت مشبہ کا یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَدُوٌّ۔ اسم صفت مشبہ اسم جنسی ہے لہذا واحد تثنیہ جمع مذکر مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے لیکن اس کی جمع مکسر بھی آتی ہے اَعْدَاءٌ۔ اسی سے عَدَاوَۃٌ بمعنی دشمنی اور عُدْوَۃٌ بمعنی منافقت یہاں بمعنی دشمنِ باطنی ہے اس لیے کہ پیدائش سے پہلے دشمنی شروع ہوئی اور اب جوانی تک دشمنی چھپ گئی پھر بعد میں ظاہر ہو گئی۔ لَہٗ جار مجرور متعلق ہے عَدُوٌّ صفت مشبہ یہ دونوں جملہ شبہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا عَدُوٌّ لِّیْ کا دونوں مل کر فاعل ہے یَاْخُذْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر جواب امر ہے یَلْقِ کا وہ جملہ ہو کر معطوف ہے وَاقْذِفِیْ کا یہ جملہ معطوف ہے پہلے اِقْذِفِیْ پر۔ دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہے مَا یُوْحٰی کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا مَا موصولہ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے اَوْحَیْنَا کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْقَیْتُ۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم اِلْقَاءٌ مصدر ہے بمعنی ڈالنا اُنڈیلنا۔ اَنَا ضمیر مستتر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ عَلٰی حرف جر بمعنی لام جارہ یعنی تیرے لیے لَکَ ضمیر مجرور متعلق ہے مَحَبَّۃً اسم مصدر میمی حاصل مصدر جامد بمعنی دل کی گہرائی سے پسندیدہ ہر قسم کے بیج اور دانے کو حَبٌّ اسی معنی میں کہتے ہیں کہ وہ زمین کی گہرائی میں اتر جاتا ہے۔ اور محبت بھی مثل بیج ہے جس کی ہزاروں قسمیں اور شاخیں نکلتی ہیں یہ مفعول بہ ہے۔ مِنْ ابتداء غایت کے لیے بمعنی طرف سے یْ ضمیر جمع متکلم نَفْسِیْ بمعنی اپنی یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اَوْحَیْنَا پر۔ واؤ عاطفہ لِتُصْنَعَ۔ باب فتح کا امر حاضر مجہول واحد مذکر۔ اول میں لام امر ہے۔ صُنْعٌ سے مشتق ہے بمعنی بنایا جانا۔ درست کیا جانا۔ یہاں مراد ہے پرورش کیا جانا۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا نائب فاعل عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ (سامنے) عَیْنٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی نگاہ نظر رویت۔ یہاں مراد ہے حفاظت نگہداشت یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تُصْنَعَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دوم ہے اَوْحَیْنَا کا۔ وہ سب مل کر ظرف ہے مَنَنَّا کا۔ وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے قَدْ اُوْتِیْتَ وہ سب مقولہ ہوا قَوْلٌ کا۔

تفسیر عالمانہ وَاَشْرِکْہُ فِیْ اَمْرِیْ کَیْ نُسَبِّحَکَ کَثِیْرًا وَّنَذْکُرَکَ کَثِیْرًا اِنَّکَ کُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّۃً اُخْرٰی۔ اے میرے رب کریم میرے اس بھائی کو۔ جو عالمِ ارواح سے تیری

نبوت کے لیے منتخبہ نبی ہے اس کو میری تبلیغ ترسیل نبوت رسالت اور دینی دنیوی تمام افعال وامور میں شریکِ زندگی بنا دے کیونکہ میرا یہ بڑا بھائی وعظ کلام تکلم تخاطب میں مجھ سے زیادہ فصیح اللسان بھی ہے فنِ تقریر تجربۂ وعظ طرزِ بیانی کا ماہر بھی۔ روایتوں میں آتا ہے کہ حضرتِ موسیٰ علیہ السلام نے اس دن سے پہلے کبھی کسی محفل میں سامعین کو خطاب نہ کیا تھا جبکہ حضرتِ ھارُون قبیلے برادری میں کئی دفعہ خطاب کر چکے تھے اور حضرت موسیٰ نے وہ خطاب سنے تھے اسی روایت کی بنا پر بعض نادانوں نے لکھ دیا کہ حضرت موسیٰ کو تقریر کا علم نہ آتا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کائناتِ مخلوق کے کسی بھی علم سے خالی نہیں ہوتے جو علوم مختلف بٹ کر عوام کو دنیا میں آکر ملتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ اپنے ان پیارے شاگردوں کو خود سکھا کر بھیجتا ہے جیسے کہ عیسٰی علیہ السلام کے واقعے سے ثابت اور خود موسیٰ علیہ السّلام کا یہ رب تعالیٰ سے نہایت شاندار کلام عرض کرنا۔ یہاں حضرت موسیٰ کی یہ دعا فرعون اور فرعونیوں کی بدعقلی کج خلقی کم فہمی کی بنا پر اپنی تائید اور ڈھارس کے لیے تھی تفسیر روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم عن وھب لکھا کہ ہرون علیہ السلام موسیٰ علیہ السّلام سے زیادہ لمبے بھاری جسم سفید رنگت والے چوڑی ہڈی کے جسم والے تھے اور ایک یا دو سال یا تین سال بڑے تھے حضرت موسیٰ سرخی مائل خوب صورت گندمی رنگت کے تھے قد میں تھوڑے سے چھوٹے تھے گٹھیلا جسم تھا۔ عادتاً غصے اور جلال والے تھے مگر مسکینوں پر بہت رحیم طبع تھے اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ فرمایا۔ حضرت ھارُون فطرتاً حلیم الطبع نرم مزاج تھے۔ دونوں کی عمر ایک سو ستّر سال ہوئی حضرت ھارُون تین۔ دو یا ایک سال قبل فوت ہوئے ایک حج کے دوران آپ کا مزار اقدس کوہِ اُحد کی چوٹی پر ہے فقیر نے زیارت کی ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام بچپن سے ہی اپنی نبوت کو جانتے تھے یہ بھی جانتے تھے کہ میرا بھائی بچپن سے نبی ہے یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام اپنے بھائی ھارُون علیہ السّلام کی وزارت کے لیے تو دعا عرض کرتے ہیں نبوت کے لیے نہیں کہتے۔ اسی طرح ھارُون علیہ السّلام بھی اپنی اور موسیٰ علیہ السّلام کی نبوت کو جانتے ہیں بلکہ ہر نبی علیہ السّلام جانتا ہے کہ وہ نبوت کے مقام پر فائز ہے۔ جو لوگ جہالت سے کہہ دیتے ہیں کہ معاذ اللہ موسیٰ علیہ السّلام کو نہ اپنی نبوت کا علم تھا نہ ھرون علیہ السّلام کی وہ گستاخ و بے علم ہیں۔ قرآن مجید احادیث پاک کے تقریباً سات دلائل سے آپ کا علم ثابت ہوتا ہے۔ اوّلاً اس طرح کہ آپ کی ولادت سے قبل کافر نجومیوں کو

آپ کی ولادت آپ کی زمین پر آکر کارکردگی اور فرعونیت کی تباہی کا علم تھا جب کہ فرنجومیوں نے جان لیا کہ ایسا بچہ پیدا ہوگا تو نبوت کا علم تو کہیں زیادہ ہے۔ دوم جب صندوق میں سے کھولا گیا تو آپ پڑے ہوئے مسکرا رہے تھے جس کو دیکھ کر فرعون و آسیہ ہزار جان سے عاشق ہو گئے تھے، سوم آپ کے چہرۂ نورانیہ میں محبت کے خزانے تھے کہ جو دیکھتا محبت کرتا۔ چہارم۔ دو سالہ زندگی میں فرعون کو زوردار چپت مارنا داڑھی نوچنا۔ آپ کی یہ نفرت فرعون اور کفر سے متنفر ہونا یہ آپ کے ارہاصاتِ نبوت تھے، پنجم۔ بچپن شریف میں انگارہ اٹھا کر منہ میں ڈالنا اور ہاتھ کا نہ جلنا یہ ہاتھ آپ کا معجزہ تھا، ششم۔ جب قبطی کو مکہ مار کر ختم کر دیا تو رب تعالیٰ سے استغفار عرض کرتی اور اس لغزش کو شیطان کی طرف نسبت کرنا حالانکہ بارہ سال عمر تھی یہ سب باتیں ثابت کر رہی ہیں کہ آپ اپنے نبی ہونے کو جانتے ہیں ہفتم۔ مدین میں کنوئیں کے پاس اللہ کو یاد کرنا کہ رَبِّ اِنِّیۡ لِمَاۤ اَنۡزَلۡتَ اِلَیَّ مِنۡ خَیۡرٍ فَقِیۡرٌ غرضکہ یہ آیات وعلامات صاف بتا رہی ہیں کہ آپ کو شروع دن سے ہی پتہ تھا کہ آپ نبی ہیں، تفسیر معانی۔ بیان مدارک۔ فتح القدیر میں لکھا ہے کہ جب سے موسیٰ علیہ السلام نبی بنائے گئے اسی وقت سے ھٰرون علیہ السلام نبی بن گئے تھے، یعنی عالمِ ارواح میں نبوت نہ دعاؤں سے ملتی ہے نہ کسب وعمل سے یہی وجہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے یہ تو عرض کیا کہ ھٰرون کو میرا وزیر معاون، شریکِ رسالتِ تبلیغ بنا دے نبوت کی دعا نہیں مانگتے اور یہ تین دعائیں بھی اس لیے کہ کَیۡ نُسَبِّحَكَ۔ اے میرے رب میں اپنے اس وزیر و مشیر نصیر ومعین کے ساتھ علی الاعلان کوچہ وبازار ظاہر ظہور سب کے سامنے تیری تسبیح توحید۔ پاکیزگی کا چرچہ کروں اور ہر شجر و حجر بستی و بیابان دربار بازار میں روز و شب ہر کافر منکر ظالم وجابر مغرور مفرور کے ساتھ تیرے دین ایمان معرفت وحقیقت معبودیت وعبادت کا ذکر کروں مفسرین کے تین قول ہیں پہلا یہ کہ اے اللہ جب ہم دینی تبلیغ میں قوی ہو جائیں گے اور بہت سے لوگ ہمارے کہنے سے مومن بن جائیں گے تو پھر کثیر تعداد میں مل کر تیری تسبیح و ذکر کریں گے جو اس ذکر سے زیادہ پُر تاثیر پا۔ جماعت بارونق بارُعب ہوگا۔ جو ہمارا تنہا ہوگا۔ دوم قول یہ کہ اگرچہ ابھی ہم دونوں کثیر ذکر کرتے ہیں کیونکہ نبی علیہم السلام کبھی کسی دم اللہ ذکر سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن اجتماعی ذکر اللہ تنہائی کے ذکر کے مقابل کثیر متصور ہے ابھی خلوت وتنہائی کی عبادت وذکر اس لیے ہے کہ کفار ہماری عبادت کی مخالفت رکاوٹ اور مذاق بازی نہ کریں۔ اجتماعی قوت میں یہ

خدشہ کم ہے۔ اور علانیہ ذکر اللہ اس لیے بھی کثیر ہو جاتا ہے کہ ذاکرین کے علاوہ سامعین بھی ہوتے ہیں۔ تیسرا قول یہ کہ ہم اپنے انفرادی ذکر و عبادت و تسبیح کو شانِ بارگاہِ موسیٰ کے لائق نہیں سمجھتے تعداد و فوقیت میں اگرچہ کثیر ہے مگر قربِ خاص کے لیے ابھی کثیر نہیں ہیں چاہتا ہوں کہ اب ہم کو قربِ حضوری کی کثرت اور درجہ و مرتبے والا ذکر اللہ حاصل ہو یہ تینوں درست ہیں مگر پہلا قول قوی ہے۔ اس سے پہلے قول میں کثیرًا نسبح اور نذکر کے فاعل کا حال ہے کہ ہم کثرت میں ہو کر تیری تسبیح و تذکیر کریں دوسرے و تیسرے قول میں حال ہے ذکر و تسبیح کا۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا۔ اے مولیٰ تعالیٰ ہماری کتنی خوش نصیبی اور مقبولیت ہوگی کہ ہم تیری عبادت میں ہوں اور تیری توجہ کرم کی نگاہ ہماری طرف ہو۔ بے شک اے کریم مالک تیری ذاتِ پاک کا کرم ہمیشہ ہی ہم کو ہر حال صبح شام ماضی حال مستقبل میں دیکھ رہا ہے اور ہماری قلبی کیفیات لسانی تسبیحات عقلی اعتقادات بلکہ خیالی تصورات کو بھی ہر طرح دیکھنے جاننے والا ہے۔ تو اب میری یہ التجائیں فریادیں دعائیں بھی سننے کون ہے میرا بجز تیرے اے میرے کریم۔ نکتہ۔ یہاں پہلے تسبیح کا ذکر ہے بعد میں ذکر اللہ کا یا اس لیے کہ تسبیح میں نفی کرنا ہوتی ہے ذاتِ باری تعالیٰ سے اُن چیزوں کی جو اُس کی شان کے لائق نہیں ہیں اور ذکر اللہ میں ثبوت ہوتا ہے اُن چیزوں کا جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہیں اور نامناسب اشیا کی نفی کرنا زیادہ ضروری ہوتا ہے۔ مناسب اشیاء کے تذکرے سے۔ یا اس لیے کہ تسبیح کا تعلق عقیدے سے ہے اور عقیدہ کا دل سے ذکر کا تعلق زبان و عقل سے ہے اور ہمیشہ قلب مقدم ہے زبان و عقل سے ان دعاؤں کے بعد فوراً رحمتِ ربوبیت کی جلوہ نمائی ہوتی ہے اور ارشاد ہوتا ہے وادیِ طویٰ علاقہِ طور کے اُسی درخت سے غیبی آواز آئی فرمایا کہ اے موسیٰ سراپا محبت ہمارے منتخب کلیم جو تم نے یہ دعائیں مانگی وہ سب کی سب مکمل طریقے سے قبول ہیں قَدْ اُوْتِيْتَ تم دیئے گئے۔ تمہاری یہ نو خواہشیں بیک دم پوری کر دی گئیں بعض نے لکھا کہ لکنت مکمل ختم نہ ہوئی تھی ان کی یہ دلیل کہ فرعون نے آپ کی پہلی تبلیغ سن کر کہا تھا کہ یہ بی نہیں ہو سکتا یہ تو صحیح بات نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ سورۃِ قصص آیت ۳۴ میں ہے نیز اپنے بھائی کے لیے فرمایا هُوَ اَفْصَحُ مِنِّي۔ یہ مجھ سے زیادہ اچھے بول لیتے ہیں ثابت ہوا کہ لکنت کی پوری دعا قبول نہ ہوئی تھی مگر یہ بات غلط اور دلیل کمزور ہے اس لیے کہ اَفْصَحُ کہنا اسی کلام طور میں دعاؤں کے وقت تھا قَدْ اُوْتِيْتَ سے پہلے۔ اور فرعون کا کہنا۔ لکنت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ جھوٹ کی تہمت تھی دشمنی کی وجہ سے جس طرح ہر دشمن اپنے مخالف کو کہہ دیتا ہے کہ تو تو

میرے سامنے بات نہیں کرسکتا۔ انبیاء کرام علیہم السّلام کی دعائیں مکمل طور پر قبول ہوتی ہیں وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ہم نے تو اے موسیٰ اس سے پہلے بھی بغیر مانگے تم پر بہت دفعہ احسان کیے کہ بلا طلب بلا مانگے بلاعوض تم کو بہت انعام و آرام پہنچائے اور تمہاری وجہ سے تمہاری والدہ و اہلِ خانہ پر۔ یہاں قرآنِ مجید میں از آیت ۳۸ تا آیت ۴۱ تقریباً آٹھ احسانات کا ذکر فرمایا۔ پہلا یہ کہ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ اُس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تمہاری والدہ کو الہامی وحی فرمائی۔ اس میں چھ قول کہ ۱ یہ وحی بذریعہ خواب تھی ۲ بذریعہ اِلقاءِ قلبی تھی ۳ بذریعہ کسی فرشتہ ۴ بذریعہ کسی نبی علیہ السّلام ۵ بذریعہ کسی وَلی اللہ ۶ بذریعہ غیبی آواز۔ مگر پہلا اور دوسرا قول درست ہے۔ مَا يُوحَىٰ۔ جو بھی الہامی وحی ضروری تھی وہ کردی گئی۔ یہاں وحی نبوت مراد نہیں اس لیے کہ وحی نبوی قانون شرعی ہوتی ہے وہ صرف انبیا کو آتی ہے اور انبیا صرف انسان مرد ہوتے ہیں کوئی عورت نبی نہیں ہوسکتی ایک قول ہے کہ یہ وحی باآواز بلند غیبی طریقے میں سنائی گئی تھی اُن کی دلیل سورۃ قصص کی وہ آیت ہے کہ إِنَّا رَادُّوهُ إِلَيْكِ وَجَاعِلُوهُ مِنَ الْمُرْسَلِينَ یہ اتنا فصیح کلام اِلقاءِ قلبی سے نہیں ہوسکتا۔ مگر یہ دلیل اس لیے کمزور ہے کہ خواب میں اللہ تعالیٰ کی آواز سنائی گئی تھی بالکل صاف وضاحت جاگتے میں اللہ تعالیٰ کی آواز۔ بجز کلیم اللہ کوئی نہیں سن سکتا۔ اِلقاء دو قسم کا ہوتا ہے ۱ اِلقاءِ قلبی جاگتے میں ۲ اِلقاءِ قلبی خواب میں یہ وحیِ اِلقاء و الہامِ مناجی تھی۔ یہ واقعہ اس طرح ہے کہ فرعون نے خواب دیکھی کہ بنی اسرائیل کے مکانوں کی طرف سے ایک روشنی اٹھی اور اُس کے سر پر گری جس سے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا۔ جاگا تو بڑا پریشان ہوا اور چند نجومیوں کو بلاکر تعبیر پوچھی سب نے بتایا کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیری سلطنت تباہ کر دے گا اُس نے خوف زدہ ہوکر اسی دن اعلان کرا دیا کہ آج سے بنی اسرائیل میں جو بھی لڑکا پیدا ہوا اُس کو قتل کرا دیا جائے اس قانون ظلم کے تحت تقریباً چار سال تک ہر سال بنی اسرائیل کے تمام لڑکے قتل کیے جاتے رہے اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دی جاتیں ایک دن درباریوں نے فرعون سے کہا کہ اے بادشاہ اس طرح بنی اسرائیل کے لڑکے ختم ہو جائیں گے لڑکیاں ہی رہ جائینگی تو پھر اُن کی شادیاں کن سے ہونگی یا پھر وہ کنواری رہینگی یا پھر وہ ہمارے لڑکوں کو خراب کریں گے اولاد مخلوط پیدا ہوگی اور پھر ہم نوکر خدام کہاں سے لیں گے جس پر یہ بات اُس کی عقل میں آگئی اور اس نے حکم دیا کہ اچھا ایک سال لڑکے قتل کیا کرو۔ اور ایک سال کے لڑکے چھوڑا کرو جب ہارون علیہ السلام

معافی والے سال میں پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہ السّلام اُن کے تیسرے سال بعد قتل کے سال پیدا ہوئے جو بعد میں ظُلم کا آخری سال ثابت ہوا یہ قتل کا قانون فرعون نے از خود ختم کر دیا جو سابقہ نو سال سے جاری تھا۔ اِس سال میں ستّر لڑکے قتل کئے گئے۔ موسیٰ علیہ السّلام کو اُن کی والدہ نے ایک غار میں چھپا دیا اور خفیہ ان کو دودھ پلاتی پرورش کرتی رہیں۔ قدرت الٰہیہ سے آپ کی والدہ پر ولادت کے کچھ آثارِ ولادت ظاہر نہ ہوئے نہ دردِ زِہ ہوا نہ نفاس آیا نہ حضرت موسیٰ کبھی روئے نہ ولادت سے پہلے پیٹ پر کوئی بڑھتے موٹا ہونے کی نشانی ظاہر ہوئی اس لیے کسی فرعونی جاسوسی عورت کو پتہ نہ لگ سکا۔ لیکن ولادت کے بعد چھپانا بہت مشکل ہو گیا تب باری تعالیٰ نے خواب میں صندوق بنانے اور اُس میں ڈالنے کا طریقہ وحی سے الہام فرمایا سمجھایا اور صندوق دکھایا گیا۔ یہی مراد ہے اَوْحَيْنَآ (الخ) سے آپ کی والدہ محترمہ کا نام ایک قول مشہور کے مطابق یوحانذ بنتِ یَصْہَر بن لاوی۔ بعض نے کہا ہے کہ نام مبارک طیحانہ تھا۔ ایک قول میں بارخا یا بازخت تھا واللہ اعلم ہوسکتا ہے یہ بعد کے نام خطاب ہوں یا القاب یا کنیت۔ آپ نے اپنے اِس الہام پر عمل کیا ایک فرعونی خفیہ مومن حزقیل نام کے شخص سے صندوق بنوایا۔ یہ فرعون کا درباری تھا مگر فرعون کو ظالم و کافر سمجھتا تھا اُس نے آپ کی والدہ کے اپنے ذہنی نقشے کے مطابق سوراخ دار صندوق بنایا پھر اُس کو چاروں طرف سے موم درازوں میں ڈالی گئی اندر دُھنی ہوئی روئی بچھائی گئی عمدہ پیارا لباس پہنایا گیا پھر اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ کے حکم وحی کے مطابق حضرت موسیٰ کو اس صندوق میں رکھ دیا پھر اکیلے ہی یا اپنی تیرہ سالہ بیٹی مریم بنت عمران کو ساتھ لے کر بوقتِ فجر منہ اندھیرے جب ابھی کوئی اس ویرانہ علاقہ ساحل میں کوئی شخص نہ تھا بحکم وحی کہ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ اپنے اس پیارے بھولے بھالے معصوم انگوٹھا چوستے بیٹے موسیٰ والے صندوق کو دریا میں ڈال دیا۔ والدہ خواب میں سن ہی چکی تھیں کہ۔ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ۔ دریا ہمارے حکم الٰہی سے اس صندوق کو اور اندر والے بچے کو نہایت آرام سے دریا کے باہر ایک طرف کسی چھوٹے راستے پر ڈال دے گا تاکہ وہ چھوٹے راستے سے منزلِ مقصود پر پہنچے۔ خبردار اے دریا کوئی موج کوئی لہر تیزی نہ دکھائے نہ دھچکا لگے نہ جھکولہ آئے۔ خیال رہے کہ چار موقعوں پر اللہ تعالیٰ نے غیر ذوالعقول اشیا کو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے ادب و احترام کا حکم فرمایا۔ پہلے نارِ نمرود کو احترامِ ابراہیم علیہ السّلام کا حکم فرمایا۔ پھر ابراہیم علیہ السّلام

کی چھری کو احترام اسمٰعیل علیہ السّلام کا، پھر یہاں دریائے نیل کو موسیٰ علیہ السّلام کا، پیٹ مچھلی کو یونس علیہ السّلام کا۔ دریا میں یہ صندوق ڈالنے کے بعد بیٹی سے کہا کہ تو ذرا دور رہ کر اس کے ساتھ چلتی چلی جا اور اس صندوق پر نظر رکھ کہ یہ کہاں جاتا ہے لڑکی عقلمند تھی اُس نے لکڑی کا چھنے کا جھولا گلے میں ڈال لیا اور لکڑیوں کے بہانے کنارے چلتی رہی اور کبھی کبھی صندوق پر نظر رکھتی ڈال لیتی تاکہ کسی کو شک نہ پڑے۔ یہاں تک کہ وہ صندوق ایک اسی چھوٹی نہر میں مُڑ گیا جو فرعونی محل میں سے گزرتی تھی۔ اس وقت فرعون اپنی بیوی آسیہ بنت مزاحم کے ساتھ باغ میں بیٹھا تھا دونوں نے دیکھا کہ ایک صندوق بہتا آ رہا ہے پکڑوایا کھلوایا۔ اُدھر جب بہن نے دیکھا کہ صندوق تو فرعون کے قبضے میں پہنچ گیا جو ظالم دشمن ہے تو گھبرائی ڈری اور والدہ کی طرف بھاگی اور سب واقعہ سنایا والدہ نے کچھ فکر و اندیشے کا اظہار نہ فرمایا اس لیے کہ الہام وحی میں بتا دیا گیا تھا کہ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ۔ کہ اے بی بی فکر نہ کرنا اس کا غم نہ کرنا۔ پھر ایسا ہوگا کہ اس کو پکڑ لیگا وہ جو میرا دشمن ہے (۱) اس لیے کہ اس کا دشمن ہے اور جو اس کا دشمن ہے وہ میرا دشمن ہے (۲) یا میرا دشمن ہے مخالفت میں اس کا دشمن قتل میں۔ کہ اسی کے اندیشے میں اتنے بچے قتل کرا دیئے (۳) یا میرا دشمن ہے موجودہ وقت میں اس کا دشمن ہے آئندہ وقت میں۔ (۴) یا میرا دشمن ہے یقینی اس کا دشمن ہے متوقع (۵) یا میرا دشمن ہے نافرمانی میں اس کا دشمن ہے مقابلے بازی میں (۶) یا میرا دشمن ہے عداوت میں اس کا دشمن ہے مغروریت و تکبر میں (۷) یا میرا دشمن ہے کفر کی ریاکاری میں اس کا دشمن ہے عیاری و مکاری میں یہ تھے عَدُوٌّ لِّیْ (الخ) کی تفسیر میں مفسرین کے مختلف قول مگر پہلا قول زیادہ مضبوط ہے کہ جو اللہ والوں کا دشمن ہوتا ہے وہ اللہ کا دشمن ہے ورنہ حقیقتاً اللہ کا دشمن کوئی نہیں ہو سکتا دشمن کا معنیٰ ہے نقصان کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا۔ بہن نے آکر سب کچھ بتا دیا والدہ نے پھر بھیجا کہ جا دیکھ اب کیا ہو رہا ہے۔ بہن نے واپس آکر عجیب قدرت کا کرشمہ دیکھا کہ ہر طرف محل فرعونی میں چہل پہل رونق و دھوم مچی ہے وہی ظالم فرعون جس نے اسی بچے کو قتل کرنے کے لیے اسّی ہزار بچے قتل کرا دیئے ہزاروں ماؤں کو تڑپا کر رکھ دیا اُسی پر وَاَلْقَیْتُ عَلَیْكَ مَحَبَّةً مِّنِّیْ۔ کا سب سے زیادہ ظہور و سُرور ہو رہا ہے۔ اے موسیٰ ہم نے تم پر دوسرا احسان یہ فرمایا کہ اپنے خزانۂ محبت کو محض اپنے کرم و رحم فضل سے تجھ پر ایسا نثار کر دیا کہ جو تجھ کو دیکھتا تیرے مسکراتے ہونٹوں پر اُنوار بھولے بھالے

چہرے پر نظر ڈالتا سو جان سے تیری محبت میں دیوانہ وار عاشق ہو جاتا۔ یہ بھی ہمارے معبود حقیقی ہونے کی ایک دلیل ہے کہ جو ہم نے چاہا وہ ہو گیا جو فرعون نے چاہا وہ نہ ہوا۔ ہم چاہیں ابابیل سے فیل مروا دیں چاہیں جانی دشمن کے گھر میں موسیٰ کی پرورش کرا دیں فرعون اور اس کی بیوی آسیہ بنتِ مزاحم نے جب صندوق کھولا اور تجھ کو دیکھا تو سب کچھ بھول گئے کہ یہ بچہ کس کا ہے کس طرف سے آیا صندوق میں کیوں ڈالا گیا۔ بنی اسرائیلی بچوں کے قتل کے سارے منصوبے یکسر بھول گئے اور دونوں نے اس دلکش محبت سے تم کو اپنا اپنا متبنیٰ بنا لیا فرعون لاولد تھا۔ آسیہ کنواری تھیں ایک دم اولاد کی بھوک جاگ اٹھی تمنا تڑپ گئی خواہشیں مچل گئیں وہی فرعون جو چند گھنٹے پہلے اسرائیلی بچے چن چن کر قتل کرا رہا تھا اور تیری ہی تلاش میں فکر مند و سرگرداں بیجا ظلم کما رہا تھا اب وہی تجھے شاہی محل کا شہزادہ بنا رہا ہے۔ تیرے ہار پھول سہرے سجا رہا ہے عمدہ بستر لگا رہا ہے۔ تیری پرورش کے لیے عمدہ دودھ اور عمدہ دودھ کے لیے اچھی پاکیزہ ستھری صحت مند دائیاں بلا رہا ہے۔ تب ہم نے تیرا احسان یہ کیا کہ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ۔ ہر دائی سے تیرا منہ پھرا دیا کسی بھی فاسقہ فاجرہ کافرہ کا دودھ تیرے منہ میں نہ جانے دیا۔ تاکہ تمہاری پروان تمہاری پرورش بناوٹ تیاری میری نگاہ نگرانی دیکھ بھال میں ہو۔ اور بچپن سے بلوغت۔ بلوغت سے جوانی۔ جوانی سے بڑھاپے اور بڑھاپے سے غرقِ فرعون تک میری ہی نعمتوں رعایتوں محبتوں۔ شفقتوں رضاؤ ارادوں میں تم کو ترقی پر لگایا جائے اور زندگی کا ہر لمحہ ہر حرکت و سکون تصرف و عمل عَلٰى عَيْنِيْ ہو۔ کہ جس دریا نے ابتداءِ بچپن میں تم کو بچایا وہی دشمن فرعون کو غرق کرے۔ اور تم کو اول بھی بچائے آخر بھی۔ باقی پانچ احسانات اگلی آیت میں مذکور ہیں۔ بعض نے کہا کہ اَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ۔ کا معنیٰ یہ ہے کہ میں نے تجھ پر اپنی محبت ڈالی اور میں نے تجھ سے محبت کی تو دوسروں نے کی مگر یہ قول درست نہیں اس لیے کہ ترتیبِ کلام بتا رہی ہے کہ اَلْقَيْتُ مَحَبَّةً اب ہوا ہے پہلے نہ تھا یعنی اب صندوق کھولنے کے بعد چہرے دیکھنے کے بعد حالانکہ رب تعالیٰ کو محبت اپنے تمام انبیاء سے عالمِ اَرواح میں ہی ہوتی سب ہی اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہوتے ہیں۔

۹۔ بعض نحویوں نے کہا کہ یہاں پانچوں ضمیر واحد مذکر غائب یہ ۱۔ اَنِ اقْذِفِيْهِ ۲۔ فَاقْذِفِيْهِ ۳۔ فَلْيُلْقِهِ ۴۔ يَاْخُذْهُ ۵۔ عَدُوٌّ لَّهٗ کا مرجع موسیٰ ہیں اور یہی قول درست ہے کچھ نحاۃ نے کہا کہ دو ضمیر ۱۔ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ ۲۔ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ۔ کا مرجع تابوت ہے اور بعض نے يَاْخُذْهُ کا مرجع بھی تابوت کی طرف پھیرا ہے مگر

یہ اُن کی اپنی سوچ جو زیادہ مضبوط نہیں۔ آسیہ نے ہی پہلے کہا کہ اس کو ہم بیٹا بنا لیتے ہیں یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہی ثابت ہوگا۔ فرعون نے کہا یہ تیرے لیے ہے مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں مگر جب اُس نے چہرۂ انور دیکھا تو وہ بھی وارفتہ اور عاشق ہو گیا۔ آسیہ کا یہ کہنا کہ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّي وَلَكَ لَا تَقْتُلُوهُ (سورۃ قصص آیت ۹) بارگاہِ الٰہیہ میں قبول ہوا اور اُس کو ہدایتِ ایمان کی دولت مل گئی جب موسیٰ علیہ السّلام نے مدین اور طور سے واپس مصر آ کر پہلی تبلیغ فرمائی تو آسیہ مومن ہو گئیں تھیں مگر فرعون ڈوبنے تک ایمان نہ لایا ڈوبنے کے وقت اُس نے اظہارِ ایمان کیا جو معتبر و مقبول نہ ہوا۔ اگر فرعون بھی یہ کہہ دیتا کہ یہ بچہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے تو یقیناً اُس کو بھی ایمان نصیب ہو جاتا۔ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی قادری نے فرمایا کہ آسیہ کا وجود بھی حضرت موسیٰ کے لیے بچپن میں وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ میں شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام کی یہ تمام دعائیں مکمل طور پر قبول فرمالیں اُسی وقت اور پھر مصر کی طرف بھیجا۔ محققین فرماتے ہیں کہ ملکِ مصر پر یہ رب تعالیٰ کا عظیم کرم و احسان تھا کہ موسیٰ و ہارون علیہما السّلام جیسی پاکیزہ شخصیات کو اُن کی ہدایت کے لیے چنا گیا جیسا کہ احادیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم سے بھلائی چاہتا ہے تو نیک حاکم عطا فرماتا ہے۔ جب فرعون نے اِس بچے کو اپنا بیٹا بنا لیا تو نام بھی خود ہی موسیٰ رکھا۔ موسیٰ اِس مناسبت سے رکھا کہ لفظِ مُو کا معنیٰ عبرانی میں پانی ہے اور جب صندوق کھولا گیا تو اُس وقت فرعون اپنے باغ کے ایک شاندار پھل دار درخت کے نیچے بیٹھا تھا پھل دار درخت کو عبرانی میں سیٰ کہتے ہیں۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ تین چیزیں اللہ رسول کی پسندیدہ ہیں ۱ اچھوں کی صحبت ۲ اہلِ علم کا ساتھی ہونا ۳ اور اہلِ عقل کی تائید حاصل کرنا یہ فائدہ وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي سے حاصل ہوا کہ حضرت موسیٰ نے باوجود نبی و مرسل ہونے کے ہارون علیہ السّلام ہی کو اپنا ساتھی بنائے جانے کی دعا عرض کی۔ دوسرا فائدہ مشورہ لینا بہت ہی مفید اور اچھی بات ہے۔ مشورہ کی عادت سے پانچ اچھائیاں ملتی ہیں اوّل یہ کہ بندے میں غرور پیدا نہیں ہوتا نہ اپنے علم اور قوتِ رائے پر گھمنڈ یا بھروسہ ہوتا ہے دوم۔ آپس میں اتحاد و محبت پیدا ہوتی ہے ایک دوسرے کا احساس و یگانگت ملن ساری ہوتی ہے سوم یہ کہ مشورے سے غور و تفکر سوچنے سمجھنے کا وقت مل جاتا ہے کوئی جلد بازی یا جذباتی کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا چہارم یہ کہ کام بگڑ جانے پر مطعون نہیں کیا جا سکتا یہ سب

فوائد بھی وَاَشْرِکْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ کی دعا سے حاصل ہوئے۔ پنجم یہ کہ مشورہ لینا دینا سنتِ انبیاء اور باعثِ ثوابِ کثیر ہے۔ تیسرا فائدہ انبیاء کرام کی دعائیں کبھی نامقبول نہیں ہوتیں جس وقت چاہیں جو چاہیں بارگاہِ قدس میں عرض و فریاد و التجا سے مانگ لیں رد یا نامنظور نہیں ہوتیں اُن کی نازبرداری فرمائی جاتی ہے۔ یہ فائدہ قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ سُؤْلَکَ یٰمُوْسٰی فرماتے سے حاصل ہوا نام لے کر یٰمُوْسٰی کہہ کر کلام فرمانا بھی انتہائی مشفقانہ محبّانہ انداز ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ نبوّت و رسالت صرف انسانی مردوں کو عطا ہوئی ہے کبھی کسی قوم میں کوئی عورت نبی نہیں بنائی گئی۔ لیکن لفظ وحی قرآن مجید میں تقریباً چار معنی کے لیے استعمال ہوا ہے ۱ وحیِ کلام محوتی یعنی غیبی آواز کا کلام یہ صرف موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوا ۲ وحیِ شریعت قانونِ الٰہی یہ صرف انبیاء کرام علیہم السلام پر بذریعہ جبریل امین آیا ۳ وحیِ کلام کلام بالمشافہ دیدار کے ساتھ یہ صرف لامکان میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا ۴ وحیِ اِلقاءِ الہامی یہ ہر مخلوق پر آتا رہا اور تاقیامت آسکتا ہے۔ نیز یہ کہ نبوت دعا وغیرہ سے نہیں ملتی۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطائی وہبی ہوتی ہے یہ مسئلہ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ ہر مسلمان پر واجب ہے کہ جو چیز اپنے لیے پسند کرے وہی اپنے ہر مسلمان بھائی کے لیے پسند کرے، حسد، بُغض، جلاپا، رشک کی بری عادتوں سے ہمیشہ بچتا رہے اور ہر موقعہ پر ہر بھلائی میں مسلمانوں کو اپنے ساتھ رکھے یہ مسئلہ حضرت موسیٰ کی دعاؤں سے مستنبط ہوا جو آپ نے اپنے بھائی حضرت ھٰرون کے لیے مانگیں خاص کر علاقہ کفر میں اپنی رسائی کے مطابق مسلمانوں کے حقوق و ترقی کے لیے کوشاں اور مسلمانوں سے تائیدی قوت حاصل کرے جیسا کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ساری عمر کیا اور دنیا میں مسلمانوں کو بلند کیا۔ تیسرا مسئلہ نیک ساتھی ملنا اللہ تعالیٰ کا احسان اور عظیم نعمت ہے اس لیے جاہلوں دشمنوں مخالفوں کی کتابوں مجلسوں سے بچنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ یہی کوشش اور یہی دعا کرنی چاہیے یہ مسئلہ وَلَقَدْ مَنَنَّا۔ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو ھٰرون کا ساتھ دے کر احسان کا ذکر فرمایا۔ چوتھا مسئلہ دعا مانگنی عبادت ہے اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے دینی دنیوی اُخروی ہر معاملے میں رب تعالیٰ سے نہایت عاجزی انکساری سے گڑگڑا کر دعا مانگا کرے علماء کرام فرماتے ہیں کہ ہر نعمت کی آرزو کرو صبر سے طلب کرو دعا سے بجاؤ شکر سے اظہار

کر وعبادت سے یہ مسئلہ موسیٰ علیہ السلام کی چھ دعاؤں سے مستنبط ہوا۔ پانچواں مسئلہ۔ اسلام میں چار کام عورت پر ناجائز اور ممنوع ہیں ۱ امامت ۲ قضا یعنی جج اور مفتی بننا فیصلے کرنا ۳ حکومت ۴ نبوت۔ اسی طرح پیر بننا بیعت لینا بھی عورتوں کے لیے ناجائز ہے یہ مسئلہ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْكَ ہم نے تم پر پہلے بھی کئی احسان کیے ہیں۔ یہ کلام احسان جتانا ہے احسان جتانا تکلیف دِہ ہوتا ہے حالانکہ یہ تکلم تو لطف وشفقت کا تھا۔ جواب تفسیر کبیر میں امام رازی نے یہ جواب دیا کہ یہ احسان جتانا نہیں ہے بلکہ بتانا مقصود تھا کہ یہ دعائیں جو تم اب مانگ رہے ہو ضرور قبول ہوں گی کیونکہ ہم نے تم پر بچپن سے کسی خاص مقصد کے لیے بہت سے احسانات کیے ہیں، جو تم نے مانگے بھی نہ تھے وہ بھی ملے تھے اور یہ بھی تم کو ملیں گے تم کو ہم نے اپنے ہی لیے بنایا ہے۔ اور تم نے ان احسانات کے ذریعے ہمارے ہی کام کرنے ہیں۔ یہاں نوعیت عطا کا ذکر ہے کہ یہ دعائیں اور پہلے انعامات سب محض ہر طرح احسان ہیں اس میں تمہارا کوئی استحقاق نہیں خیال رہے کہ استحقاق سے کوئی چیز دینا عدل ہے اور زیادہ دینا کرم ہے۔ بلا استحقاق کوئی چیز دینا احسان و امتنان ہے یعنی یہ طلب و دعا کی چیزیں دینا بھی احسان ہو گا جیسا کہ پہلے اشیا دینا احسان کیا گیا۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا مَرَّةً اُخْرٰٓی یہ لفظ اُخْرٰی اسم تفضیل واحد مؤنث ہے جو وحدت پر دلالت کرتا ہے یعنی فقط ایک اور۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر پہلے بھی فقط ایک ہی احسان فرمایا اور اب طور پر بھی فقط ایک ہی احسان ہوا۔ حالانکہ ان ہی آیت میں اگر گنتی کی جائے تو تقریباً چودہ احسان بنتے ہیں۔ چھ احسانات دعا تو اب اس طرح کہ ۱ انشراح صدر ۲ وَیَسِّرْ لِیْٓ اَمْرِیْ۔ والی دعا کی عطا ۳ وَاحْلُلْ عُقْدَةً مِّنْ لِّسَانِیْ۔ کی قبولیت و عطا ۴ ہارون علیہ السلام کی وزارت ۵ اُشْدُدْ بِهٖٓ اَزْرِیْ ۶ وَاَشْرِكْهُ فِیْٓ اَمْرِیْ اور آٹھ احسانات اس سے پہلے ولادت سے چالیس سالہ عمر تک مثلاً ۱ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّكَ ۲ اِلْقَاءِ محبت ۳ تُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ۴ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ ۵ نَجَّیْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ۶ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یعنی ہم نے تم کو اپنے امتحانوں میں پاس کیا تھا۔ ۷ مدین میں با امن و سکون رہنا ۸ وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِیْ۔ جب اتنے بہت سے احسانات گنائے گئے تو پھر اُخْرٰی کہنا کیونکر درست ہوا۔ جواب لفظ اُخْرٰی اگرچہ واحد مؤنث

کا صیغہ ہے۔ مگر یہ وحدتِ عددی کے لیے نہیں بلکہ اسم تفضیل کی بنا پر کثرت پر دال ہے۔ جیسے ایک اور آیتِ کریمہ میں ارشاد فرمایا گیا وَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى اسماء جمع کے ساتھ حسنیٰ واحد مؤنث آیا ان صیغوں کی وحدت تفضیلی کے لیے لایا جاتا ہے اور ترجمہ ہوگا بہت سے اچھے نام۔ اسی طرح یہاں بھی اُخریٰ کا معنیٰ ہے۔ بہت سے دوسرے۔ اور پوری آیت کا ترجمہ ہے اے موسیٰ بے شک ہم نے تم پر ایک مرتبہ پہلے بھی بہت سے دوسرے احسانات کیے تھے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاَشْرِكْهُ فِیْۤ اَمْرِیْ۔ كَیْ نُسَبِّحَكَ كَثِیْرًا وَّنَذْكُرَكَ كَثِیْرًا۔ اِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِیْرًا۔ روحِ مومن مثلِ موسیٰ ہم کلامِ الٰہی ہے عقلِ مومن مثلِ ھٰرون بارِ کرامت کا امانت دار ہے۔ نفسِ انسانی مثلِ فرعون خناسِ مصر ہے جو اہلِ طرب ہے روحِ معطر جب طورِ کمالات پر پہنچتی ہے تو بارگاہِ لاہوت میں عرض کرتی ہے اے مولیٰ تعالیٰ عقلِ سلیم کو میرا شریکِ اکمال بنا دے تاکہ رکوعِ جلوت سجودِ خلوت میں عقل کے طریقے سے تیری تسبیح و تقدیس کریں اور تیرے ذکر تیری یاد کی محفلیں کثیر سجائیں اس لیے کہ بے عقلی کی نماز۔ روزہ۔ رکوع و سجود ذکر اذکار سب بیکار ہوتا ہے۔ جب روح عقلِ کامل سے ملتی ہے تو عقل کو ہی وزیر و مشیر، شریک و صدیق بناتی ہے۔ وہی عقلِ سلیم مدبرِ روح ہے اسی کی قوت سے نفس پر غلبہ اور مصرِ قلب نفس کی شرارتوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اس لیے کہ عقل ہی علم ہے۔ علم ہی سمجھ داری ہے سمجھداری حسن ہے حسن میں ادا ہے۔ اداؤں میں نیاز ہے۔ اور نیاز میں ناز ہے اور ناز شرفِ محبت ہے اور محبت میں قبولیت ہے خوش قسمت ہے وہ رعایہ جس کو عادل بادشاہ ملے اور خوش قسمت ہے وہ بادشاہ جس کو صالح قوی لائق وزیر مل جائے۔ جیسے مصر کو موسیٰ اور موسیٰ کو ھٰرون مل گئے جب بدن کو روحِ معطر اور روحِ معطر کو عقلِ سلیم ملتی ہے تو غلبہ رحمانیت کا ہوتا ہے۔ روحِ مومن یہ دعا عرض کرتی ہے کہ اے مولیٰ تیرے فکرِ وحدانیت پر صبر و تحمل کی کثرت سے ذاکرِ ابدی ہو جائیں۔ بس تیرا کلام پائیں تیری ہی نگاہِ لطف میں رہیں نہ تیرے غیر کو دیکھیں نہ تیرے غیر کی سنیں اور تیری آزمائشوں پر صبر کریں۔ تو میری فکر و تدبر کی تمام گرہیں کھول دے تاکہ حضورِ مکاشفات کا ذکر مقامِ تجلیات میں قبولِ کمالات کی استعداد اور ہمت و کثرت سے کریں بے شک تیری ذاتِ محیط عطا و اہلیت سے ہم تمام ارواحِ عالمِ ناسوت پر بصیر ہے

پس ہماری امداد فرما۔ قَالَ قَدْ اُوْتِيْتَ سُؤْلَكَ يٰمُوْسٰى وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً اُخْرٰى اِذْ اَوْحَيْنَا اِلٰى اُمِّكَ مَا يُوْحٰى۔ حجاباتِ غیوب سے الہاماتِ سرمدی کی صدا آتی ہے کہ تجھ کو اے عقل وقلب کی روح موسیٰ سعادت تیرے تمام مطلوباتِ راہِ عرفانی دیدیئے گئے اور البتہ بے شک اس مطالبۂ عقلیاتِ توفیق سے پہلے بھی ہم نے تجھ پر بلاطلب احساناتِ عظیمہ ضروریہ لازمیہ کا ورود فرمایا تھا جب کہ تیری تقدیر مادری ازلی جو تیری قوۃِ حیوانیہ کو جنم دینے والی ہے۔ اُسی تقدیر ازلی کی طرف الہاماتِ سریّہ کا اشارہ سمجھایا تھا کہ اے تقدیر مبرم اس روح بدنیہ کو تدابیر ناموتیہ کے صندوق میں بند کرکے دریاءِ معرفت کی لہروں میں چھوڑ دے۔ اَنِ اقْذِفِيْهِ فِي التَّابُوْتِ فَاقْذِفِيْهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّيْ وَعَدُوٌّ لَّهٗ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ۔ اور اپنے قلبِ معصومی کی روحِ لطیف کو طبیعۃِ جسمانیہ کے تابوتِ ذکرُ اللہ میں رکھ کر بحرِ سکینہ کی جیو لانی لہروں سیرانی موجوں میں بہا دے تاکہ وہ بحرِ سکونی ہمارے حکم کی پابندی سے رشد وہدایت کے ساحلِ توفیق پر اُس کو ڈال دے۔ تب تربیتِ روحانیہ کے مقامِ شفقت نجربیہ میں جبرِ فرعونیت کا نفس جو اس کا دشمنِ باطنی ہے اس لیے اِس کے مربی حقیقی کا بھی دشمن ضعفِ ناموتی ہے اُس کو قبضہ میں کرنے کی سعیٔ عارضی کرے گا تاکہ جبر وظلم سے روح کو مردہ کر دے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر انسان کی مادرِ ازلی اُس کی تقدیر ہے اور باپ اُس کی تدبیر ہے۔ بدعملی فرعون ہے جس سے روح مردہ ہو جاتی ہے مگر جس کو رب تعالیٰ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ کے تمغوں سے نواز دے تو فرعونِ نفس کی بدعملی بھی اس کو مردہ نہیں کرسکتی اُن حالاتِ کثیفہ میں ہم نے ہی تجھ پر اپنی الفتِ بے کنار محبتِ کا مگار کی چادر ڈالدی بصیرت کی محبت تحقیق سے ہے بصارت کی محبت تقلید سے ہے اور نفس کی محبت خواہشات سے ہے۔ بصیرتِ مومن مثلِ آسیہ ہے اور بصارتِ نفسی مثلِ فرعون ہے۔ موسیٰ روح سے اوّلاً بصیرت نے محبت کی پھر بصارت نے اس کی تقلید کی۔ تحقیق کی محبت کو بقا ہے تقلید کی محبت کو فنا ہے اسی لیے بصیرتِ آسیہ کی محبت کسی بھی روحانی حرکت سے نہیں بدلتی فرعونِ نفسانی کی محبت ذراسی حرکتِ بچپنی سے بدل گئی بدل کر بگڑ گئی یہی حال اور فرق مریدِ تحقیق اور مریدِ تقلید میں ہے۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک ایمان تحقیق والا بہتر اور معتبر ہے۔ لیکن اعمال تقلید والے بہتر ہیں ایمان میں تقلید گناہِ کبیرہ اعمال میں غیر مقلد ہونا گمراہی

وفساد ہے۔ بیعتِ مرشدِ امی تقلید کا نام ہے جب رب تعالٰی کی نظرِ عنایت اور محبتِ کرامت نصیب ہوتی ہے تو نفسِ خبیث بھی روحِ بدنی سے شفقت و نرمی کا سلوک کرتا ہے اور دشمن ابلیس بھی نمازوں کے لیے جگا دیتا ہے اگرچہ اس حسن سلوک سے سچی ہمدردی نہیں ہوتی۔ عالمِ ناسوت اور حیاتِ دنیوی میں بقاءِ روح کے لیے یہ سارے انتظامات کیوں کئے گئے وَلِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ تاکہ اس غارِ دارِ فنا۔ بیابانِ نفسیات اور فرعونیتِ نفس کے افکارِ ظالمانہ سرکشانہ میں تو اے روحِ محبت میری ہی حفاظتِ عینی میں پلتا بڑھتا پھلتا پھولتا عالمِ معرفت کے بڑھانے پھیلانے کے لیے تیار ہوتا رہے۔ جس کو عنایتِ ازلیہ نے منتخب کرلیا وہ ہر دم ہر ایک کا منظورِ نظر ہوگیا۔ مریدِ نیاز کی دنیا و آخرت میں اصلاح و تربیت و ترقی ہی خصوصی فرمائی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقامِ علیا پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ (از تفسیر روح البیان۔ ابن عربی۔ روح المعانی) مولاءِ رومی نے فرمایا۔

نفسِ ما ہم کمتر از فرعون نیست ۔۔۔ لیک او را عون ما را عون نیست

نفسانی بندہ حقیقتاً اپنی نفسانی خواہشات کا غلام ہوتا ہے اور دنیا کا طالب دن رات اس کو اپنا منصب اور اپنے عیال کو خوش کرنے کے لیے فکر لاحق رہتی ہے اور اس کی دنیا طلبی کی حرص وسیع ہوتی جاتی ہے۔ اس وقت وہ صوفیا کے لباس سے مختلف لباس پہنتا ہے اور دنیوی لذتوں سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اس پر امارت و حکومت کی محبت غالب آجاتی ہے اور جس قدر اس کو زیادہ مفاد حاصل ہوتے ہیں اطمینان و صبر و سکون مٹتا جاتا ہے حرص کا دائرہ دراز ہوتا جاتا ہے۔ ایسا بدنصیب خادم نہیں مخدوم عاجز نہیں مغرور بننا چاہتا ہے مخلص کا وجود اللہ تعالٰی کی نعمت ہے حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ رب تعالٰی نیک بندوں کے وجود مسعود سے علاقہ کے سو پڑوسیوں کو مصیبتوں بلاؤں سے بچاتا ہے ایک روایت میں ارشادِ اقدس ہے کہ اگر نمازی اور شیر خوار بچے اور چرند و پرند جانور نہ ہوتے تو بدکاروں پر ایسا ہی عذاب نازل ہوتا جو سب کو ہلاک کر دیتا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک بندے کے طفیل سے آل اولاد بلکہ تین نسلوں تک ناگہانی آفتیں دور ہوتی ہیں نیکی مثل خوشبو کے ہے جس کا فائدہ پڑوسیوں کو بھی مل جاتا ہے۔ ایک نیک کے وسیلے سے پورا علاقہ حفظ و امن میں رہتا ہے نیک نیتی اور خلوصِ قلبی سے ذکر اللہ کی بلند آوازی وہ عقدۂ لسانی اور دنیوی اُلجھاؤ کھول دیتی ہے جن کو گردشِ زمانہ نے مضبوط باندھا ہوتا ہے

إِذْ تَمْشِيٓ أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ

جب کہ چلی آئی تمہاری بہن پھر بولی کیا تم لوگوں کو اُس کے گھر کی راہ بتاؤں

تیری بہن چلی پھر کہا کہ میں تمہیں وہ لوگ بتا دوں

عَلَىٰ مَن يَكْفُلُهُۥ ۖ فَرَجَعْنَٰكَ إِلَىٰٓ أُمِّكَ

جو اس کی کفالت کرے تو ہم نے تم کو تمہاری والدہ کی طرف لوٹا دیا

جو اس بچے کی پرورش کریں۔ تو ہم تجھے تیری ماں کے پاس پھیر لائے

كَىْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ

تاکہ اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور غمگین نہ رہے اور مار ڈالا تھا تم نے

کہ اُس کی آنکھ ٹھنڈی ہو اور غم نہ کرے اور تو نے ایک جان کو قتل

نَفْسًا فَنَجَّيْنَٰكَ مِنَ ٱلْغَمِّ وَفَتَنَّٰكَ

ایک شخص تو اس وقت بھی بچا لیا تھا ہم نے تم کو گھبراہٹ سے اور ہم نے تم کو بہت آزمائش میں

کیا تو ہم نے تجھے غم سے نجات دی اور تجھے خوب جانچ لیا

فُتُونًا ۚ فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِىٓ أَهْلِ مَدْيَنَ

ڈالتے رہے پھر تم کئی سال مدین والوں میں رہتے رہے

تو تو کئی برس مدین والوں میں رہا

ثُمَّ جِئْتَ عَلَىٰ قَدَرٍ يَٰمُوسَىٰ ﴿٤٠﴾ وَ

پھر اب تم لوٹے ہو مقرر شدہ مدت پر اے موسیٰ۔ اور

پھر تو ایک ٹھیرائے وعدے پر حاضر ہوا اے موسیٰ۔ اور

اصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ ﴿۴۱﴾ اِذْهَبْ اَنْتَ وَ

تم کو تو میں نے اپنے لیے ہی تیار کیا ہے۔ اب جاؤ تم

میں نے تجھے خاص اپنے لیے بنایا۔ تو اور تیرا

اَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ ﴿۴۲﴾

اور تمہارا بھائی میرے دیئے ہوئے معجزوں کے ساتھ اور نہ ڈھیل کرنا میری یاد میں

بھائی دونوں میری نشانیاں لے کر جاؤ اور میری یاد میں سستی نہ کرنا

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کو اُن کے بچپن کا ذکر اور والدین کی اُفق مشکلات اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں بقیہ واقعات کا ذکر ہو رہا ہے تو گویا یہ آیت پچھلی آیت کا تتمہ ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے خاندانی وطن کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں آپ کے سسرالی وطن کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے بچپن کی مشکلات کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیت میں آپ کی بعد والی خود ساختہ مشکلات کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ چوتھا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ نے ذکرِ الٰہی کرنے کا جو وعدہ کیا تھا اُس کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ذکر اللہ کرنے کا حکم دینے کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی

اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ۔ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا

اِذْ اسم ظرفِ زمانی برائے ماضی بمعنیٰ اِذَا شرطیہ تَمْشِيْ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی استمراری کانت پوشیدہ اِذْ ظرفیہ کے قرینے سے ترجمہ ہے چلتی تھی چلتی آتی تھی اُخْتُ اسم مفرد مؤنث حقیقی جامد اس کا مذکر ہے اَخٌ مضاف كَ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی فاعل ہے تَمْشِيْ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ تَقُوْلُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر اس کا پوشیدہ فاعل یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا هَلْ حرفِ استفہام بلفظِ سوال

کے لیے۔ تصدیق ایجابی یعنی ایسا ہونا چاہیے۔ اَدُلُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع حال واحد متکلم اَنَا ضمیر واحد
متکلم مؤنث دَلٌّ سے مشتق ہے بمعنی رہنمائی کرنا نشان بتانا اسی سے دلیل دَلّال دلالت۔ کُمْ ضمیر
منصوب متصل مفعول بہ ہے اَدُلُّ متکلم کا مرجع اُخت ہے اور کُمْ کا مرجع فرعون اور اس کے گھر والے
بیوی وغیرہ عَلٰی حرفِ جر بمعنی اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے مَنْ اسم موصول یَکْفُلُ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع
مستقبل کَفْلٌ سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر کا مرجع مَنْ موصولہ ہے اسی سے ہے۔ کفالۃ اور کفیل بمعنی پرورش
کی ذمہ داری اٹھانا۔ یا عام ہر قسم کی ذمہ داری۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع۔ کَ ضمیر سے مراد
موسیٰ علیہ السلام مفعول بہ ہے یَکْفُلُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے اَدُلُّ کا وہ
سب جملہ فعلیہ سوالیہ ہو کر مقولہ ہوا اَقُوْلُ کا وہ جملہ قولیہ ہو کر جزا ہوگی اِذْ تَمْشِیْ اپنی جزا سے مل کر ظرف
ہوا اُلْقِیَتْ کا باقی ترکیب گزشتہ ہے۔ فَ زائدہ یا تعلیلیہ۔ رَجَعْنَا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع
متکلم رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹانا جب اس کو مصدر ثلاثی مجرد رَجْعٌ سے اشتقاق کیا جائے
تو یہ متعدی ہوتا ہے یعنی لوٹانا اور جب اس کو ثلاثی مزید فیہ رُجُوْعٌ یا رُجْعٰی سے بنایا جائے تو باب
حَسِبَ ہوگا اور لازم ہوگا یعنی لوٹنا۔ کَ ضمیر مفعول بہ اِلٰی اُمِّکَ۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر
متعلق ہے کَیْ حرف تعلیل بمعنی تاکہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے یہ خود حرف فعل
سابقہ کی علت اور وجہ بیان کرتا ہے مابعد مضارع کو نصب یہ خود نہیں دیتا۔ تَقَرَّ بابِ
فَتَحَ کا فعل مضارع واحد مؤنث منصوب ہے قَرَّۃٌ سے مشتق ہے بمعنی خوش ہونا سکون
پانا ٹھنڈک پانا آنکھیں روشن ہونا یہاں ہر معنی درست ہے۔ اس کا مصدر پانچ طرح پر
آتا ہے ۱ قَرٌّ ۲ قُرَّۃٌ ۳ قَرَّۃٌ یہ لازم ہیں ۴ قَرَارٌ ۵ قُرُوْرٌ۔ یہ دونوں متعدی ہوتے ہیں
بمعنی ٹھنڈک پہنچانا۔ عَیْنُ اسم مفرد جامد بمعنی جسمانی آنکھ یا مراد ہے قلبی بصیرت ہَا ضمیر واحد
مؤنث غائب مرجع ہے۔ اُمّ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے کَیْ تَقَرَّ کا سب مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تَحْزَنَ۔ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بلا واحد مؤنث
غائب۔ تقریر عطف تابعی کی وجہ سے بحالت نصب ہے حُزْنٌ سے مشتق ہے بمعنی غم کرنا
غمگین رہنا غمگین ہونا۔ ھِیَ پوشیدہ ضمیر کا مرجع اُمّ ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ
ہو کر معطوف ہوا تَقَرَّ پر دونوں عطف مل کر علت ہوئی رَجَعْنَا کی وہ سب فعل فاعل مفعول
متعلق اور علت مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ قَدْ اُوْتِیْتَ کا۔ واؤ برجملہ قَتَلْتَ
بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع

حضرتِ موسیٰ۔ نَفۡسًا۔ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی ایک جان اس پر تنوین (دو زبریں) وحدت کی ہے مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنی ثم۔ نَجَّیۡنَا۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم نَجٌّی سے مشتق ہے بمعنی بچانا نجات دینا۔ اسی سے ہے مناجات بمعنی آہستہ دعا یعنی نجات مانگنا اب منقول ہیں ہر تنہائی کی دعا کو مناجات کہا جاتا ہے اِس کا مصدر ہے تَنۡجِیَۃٌ۔ تَنۡجِیَۃٌ۔ نَحۡنُ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ کَ ضمیر مفعول بہ مِنَ الۡغَمِّ لفظ غم کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا۔ دھول چھانا اسی سے ہے غمام بمعنی ہلکا بادل مٹی کا اڑتا ہوا غبار دھوئیں کو غمام کہتے ہیں دھول کو غمامہ کہتے ہیں خوف و رنج کو غم کہتے ہیں کہ وہ دل پر چھا جاتا ہے خوشی کو چھپا لیتا ہے حَزَنٌ کا معنی بھی رنج ہے مگر فرق یہ ہے کہ مستقبل پر رنج حزن ہے اور ماضی پر رنج غم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے نَجَّیۡنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر آگے معطوف علیہ واؤ عاطفہ فَتَنَّا باب ضَرَبَ یَضۡرِبُ کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ فِتۡنٌ سے مشتق ہے دس معنی میں مشترک ہے ۱ جانچنا ۲ پرکھنا ۳ آزمانا ۴ آفت و مصیبت آنا ۵ فساد مچانا ۶ بدنظمی پیدا کرنا ۷ عبرت دلانا ۸ ایذا۔ دکھ پہنچانا ۹ معذرت کرنا ۱۰ آزمائش میں ڈالنا یہاں یہ آخری معنی میں ہے۔ کَ ضمیر مفعول بہ فُتُوۡنًا مصدر مزید فیہ بمعنی آزمائش مفعول مطلق ہے فَتَنَّا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ فَلَبِثۡتَ سِنِیۡنَ فِیۡۤ اَهۡلِ مَدۡیَنَ ثُمَّ جِئۡتَ عَلٰی قَدَرٍ یّٰمُوۡسٰی فَ عاطفہ تعقیبیہ لَبِثۡتَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اَنۡتَ پوشیدہ فاعل لَبۡثٌ سے مشتق ہے بمعنی ٹھیرنا۔ رہائش رکھنا سِنِیۡنَ۔ اسم جمع مذکر سالم چونکہ بغیر الف لام کے ہے اس لیے۔ جمع قلت ہے جو تین سے دس تک عدد کے لیے ہوتی ہے یہاں آٹھ دس سال مراد ہے اس کا واحد سَنَۃٌ ہے بمعنی سال بحالت نصب ہے ظرف زمانی ہے فِیۡ جارہ ظرفیہ اہل مَدۡیَنَ ایک شہر کا علم ہے غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی علم ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَبِثۡتَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثم حرف عطف جِئۡتَ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر عَلٰی حرفِ جر قَدَرٍ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی اندازہ مراد تقدیرِ الٰہی مجرور متعلق ہے جِئۡتَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَبِثۡتَ کا دونوں عطف مل کر بیان مقدم ہوا ندا کا۔ یا حرفِ ندا موسیٰ منادیٰ۔ ندا اپنے منادیٰ و بیان سے مل کر معطوف ہوا فَتَنَّا پر اور وہ معطوف قَتَلۡتَ پر سب عطف مل کر مقولہ سوم ہوا۔ وَاصۡطَنَعۡتُکَ لِنَفۡسِیۡ۔ اِذۡهَبۡ اَنۡتَ وَاَخُوۡکَ بِاٰیٰتِیۡ وَلَا تَنِیَا فِیۡ ذِکۡرِیۡ واؤ ابتدائیہ

کلام کی ہے اِصْطَنَعْتُ ۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم صُنْعٌ سے مشتق ہے بمعنی ہر قسم کی بہتری کے ساتھ بنانا یعنی کاری گری سے اس کا مصدر ہے اِصْطِنَاعٌ دراصل تھا اِصْتِنَاعٌ افتعال کی ت اپنے ہم مخرج ط سے بدل دی گئی اس لیے کہ ت میں ثقل ہے ط میں خفت ہے جیسے مصتفٰی سے مصطفٰی کیا گیا اَنَا ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے لَکَ ضمیر مفعول بہٖ۔ لام خصوصیت اور ماموریت کے لیے یعنی اپنے خاص کام کے لیے نَفْسِیْ اسم مفرد جامد بمعنی ذات ی ضمیر واحد متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ اضافتِ نفسی کہلاتی یعنی اپنی ذات کی طرف اضافت یہ مرکّب اضافی جار مجرور متعلق ہے اصطنعتُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ چہارم ہوا۔ اِذْهَبْ۔ باب فتح کا فعل امر حاضر معروف واحد حاضر اس میں اَنْتَ ضمیر پوشیدہ ہے اس کا فاعل اس پر اسم ظاہر کو عطف کرنے کے لیے ایک اسی قسم کی ظاہر ضمیر منفصل لانا اَشَدّ ضروری ہے اس لیے اَنْتَ ظاہر ضمیر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَخُوْ۔ اسم مکبّرہ بحالت رفع کیونکہ اَنْتَ مرفوع منفصل کا عطف تابع ہے اور وہ فاعل ہے اَخُوْ کی واؤ اعرابی ہے رفع کی علامت کَ ضمیر واحد مذکر متصل مضاف الیہ یہ مرکّب معطوف دونوں مل کر فاعل ہے اَذْهَبْ امر کا بِ حرف جر بمعنی مع (ساتھ) اٰیٰتِیْ مرکّب اضافی مجرور متعلق ہے اِذْهَبْ کا سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَاتَنِیَا۔ باب ضَرَبَ کا فعل نہی تثنیہ مذکر۔ وَنْیٌ سے مشتق ہے ہفت اقسام میں سے لفیف مفروق ہے۔ ترجمہ ہے تھکاوٹ کی وجہ سے کچھ سست ہو جانا۔ یہ نہی استحبابی ہے۔ یعنی بہتر ہے کہ ایسا نہ کرو۔ اَنْتُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر اس کا فاعل ہے مرجع اَنْتَ وَاَخُوْکَ ہے فِیْ جارّہ ظرفِ زمانی کے لیے یعنی کسی وقت میں ذِکْرِ۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی یاد کرنا (دل میں) رکھنا قلبی ذکر۔ یا لسانی ذکر عبادت وغیرہ پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں ی ضمیر مضاف الیہ مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یہ مرکّب اضافی مجرور متعلق ہے لَاتَنِیَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف اِذْهَبْ دونوں عطف مل کر مقولہ پنجم ہوا۔

تفسیر عالمانہ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّکُمْ عَلٰی مَنْ یَّکْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰکَ اِلٰٓی اُمِّکَ کَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰکَ فُتُوْنًا ۔

اے موسیٰ ہمارا چوتھا احسان تم پر یہ تھا کہ جس وقت تم کو صندوق میں لٹا کر دریا میں ڈال دیا گیا اور دریا نے ہمارے حکم سے تم کو اُس چھوٹی نہر کی لہروں میں موڑ دیا جو نہر فرعون کے رہائشی محل کے باغ سے گزرتی تھی اور فرعون نے وہ صندوق پکڑوا لیا اس میں سے تم کو نکالا اور محبت میں

دلرفتہ و شیدا ہو کر تم کو اپنا بیٹا بنا لیا اور ایسی عورت ڈھونڈنا شروع کیا جو تم کو دودھ پلائے بہت سی قبطی اور اسرائیلی عورتیں دائیاں آئیں مگر تم نے کسی عورت کو منہ نہ لگایا ہم نے ہی تمہارا منہ موڑا تھا اور تمہارے قلبِ معصوم و محفوظ میں ان سب دودھ پلانے والیوں کی نفرت بھر دی تھی۔ فرعون و آسیہ اس صورتِ حال سے پریشان تھے اس وقت تمہاری بڑی بہن مریم کلثوم بنت عمران اپنی والدہ کے کہنے کے مطابق تمہارے ہی تفتیشِ حال کیلئے محل کے اندر چلی آئی تھی وہ بھی فرعون کے گھر اس بھیڑ بھاڑ میں چلی گئی اور اُس نے جب دیکھا کہ بہت سی دودھ پلانے والی عورتیں بلائی گئیں ہیں مگر تم کسی کو منہ ہی نہیں لگاتے۔ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ۔ تو وہ بولی کہ کیا میں پتہ بتاؤں ایک ایسی طیبہ طاہرہ پاکیزہ صحت مند دودھ پلانے والی عورت کا جو شاید بہت اچھی طرح اس بچے کی کفالت کر سکے اور تمام ضروریات پوری کر دے۔ فرعون نے یا آسیہ نے کہا کہ ہم کو اس وقت سب سے بڑی اُلجھن اس کے دودھ پینے کی ہے اور پوچھا کہ اے لڑکی کیا تو اس عورت کو جانتی ہے اُس کے پاس اپنا دودھ ہے اور وہ تیری کیا لگتی ہے اُس کا دودھ کیسے ہے۔ بہن نے ایک دم اتنے بہت سے سوالات کا بہت ہمت اور عقل سے بغیر گھبرائے ہوئے نہایت صاف گوئی و سچائی سے جواب دیا کہ ہاں میں اُس کو جانتی ہوں وہ میری والدہ ہے اور اُس کی گود میں پچھلے ایک سال سے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ پچھلے دو سال سے ایک بچہ (میرا بھائی)، ہے۔ جس کی وجہ سے اُس کا دودھ ہے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ فرعون نے ولادتِ موسیٰ سے پچھلے دو سال میں بچے قتل کرانے کے ظالمانہ قانون میں یہ تبدیلی کر دی تھی کہ ایک سال کے بچے زندہ چھوڑتا اور ایک سال کے مروا دیتا ہٰرُون زندہ چھوڑنے والے سال میں پیدا ہوئے اور موسیٰ علیہما السلام دو سال بعد قتل والے سال میں پیدا ہوئے مؤرخین اس بات میں اختلاف کرتے ہیں کہ ہٰرُون ایک سال بڑے تھے یا دو سال یا تین یا چار سال۔ مگر بہن کے اس جواب والی روایت کے مطابق صحیح یہ ہے کہ ہٰرُون علیہ السّلام دو سال بڑے تھے اور جب ابھی ہٰرُون اپنے آخری ایام میں دودھ پی رہے تھے کہ حضرت موسیٰ کی ولادت ہو گئی اور قانونِ فطرت ہے کہ اگرچہ دودھ کی رضاعی مدت ہر شریعت میں ایک ہی رہی یعنی دو سال مگر دودھ چھڑانے کے بعد بھی کافی دن ماؤں کو دودھ آتا ہی رہتا ہے۔ اور اگر دوسرا بچہ لگا دیا جائے تو مزید دو سال تک کے لیے دودھ جاری ہو جاتا ہے۔ بدیں وجہ کسی فرعونی نکتہ چین یا جاسوس و کھوجی کو اعتراض کی جرأت نہ ہو سکی۔ مگر یہاں تو دودھ ہی خود موسیٰ علیہ السّلام کی ولادت

سے تازہ تھا۔ اور راس بات کو چھپانا مقصود تھا۔ غرضکہ ۱ موسیٰ علیہ السلام کا ہر دائی سے منہ موڑ لینا اور ۲ بیک دم بہن کا پہنچ جانا ۳ اور هَلْ اَدُلُّكُمْ۔ کہنا ۴ فرعونیوں کا سوالات کرنا ۵ جواب سن کر تسلی پالینا ۶ جرح نہ کرنا۔ یہ سب کچھ ہماری قدرتِ فطری اور حکمتِ ازلی سے تھا۔ اسی حکمت ازلی سے۔ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ پس ہم نے ہی لوٹایا تم کو اسی دن چند ساعتوں کے بعد تمہاری والدہ کی طرف تاکہ تم کو پالینے اور دوبارہ تمہاری ملاقات سے اُس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوجائیں اور اُس کے دل میں جدائی کا غم نہ آنے پائے نہ غمگین ہو نہ غمگین رہے۔ بعض نے کہا کہ تَقَرَّ اور تَحْزَنَ واحد مذکر حاضر ہے یعنی اے موسیٰ تم اُس کی آنکھوں کو شفقتِ مادری اور آغوشِ والدہ سے سکون دو ٹھنڈا کرو اور تمہارے دل پر بھوک پیاس کی تڑپ کا غم نہ ہو۔ اس سبب جلدی ملاقات کرادی۔ اس سارے عرصہ میں تقریباً آدھا دن لگا۔ صندوق میں ڈالتے وقت والدہ نے اچھی طرح دودھ پلا دیا تھا اس سبب اتنے عرصہ برداشت رہی۔ والدہ تین یا چار ماہ آپ کو دودھ پلایا پھر غذا پر لگا دیا (صاوی) فرعون نے اپنے اس بیٹے کی والدہ کی دیکھ بھال خوراک عمدہ رہائش شاہی بستر بہت زیادہ تنخواہ مفت علاج مہیا کیا۔ چار ماہ شیر خوارگی کے بعد فرعون نے حضرت موسیٰ کو پھر محل میں ہی رکھا۔ پھر والدہ روزانہ ملنے جاتی تھیں مگر دایہ اور شاہی خادمہ کی حیثیت سے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سارے کام سات سال تک اُنہیں کے سپرد رہے۔ شاہی تنخواہ ملتی رہی عزت اِس کے علاوہ بہن کی عمر اُس وقت تیرہ سال تھی۔ خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ کی والدہ کا نام بھی مریم بنت عمران تھا۔ اور موسیٰ و ھٰرون اور ان کی بہن مریم کلثوم کے والد کا نام بھی عمران تھا مگر وہ تقریباً آٹھ سو سال پہلے دیگر عمران اور مریم والدہ عیسیٰ کے عمران دوسرے تھے تفسیر روح المعانی میں ہے کہ اُختِ موسیٰ کا نام کلثوم لکھا ہے بعض نے مریم۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ کا پورا نام مریم کلثوم تھا حضرت موسیٰ اپنے بہن بھائی اور والدہ کی پُر شفقت نگاہوں کے سامنے بارہ سال تک شاہی محل میں شاہانہ طرز وتکریم سے زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ اے موسیٰ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ ہمارا پانچواں احسان تم پر اُس وقت ہوا جب کہ تم نے ایک انسان کو جان سے مار ڈالا تھا تفسیر صاوی میں ہے کہ یہ فرعون کا شاہی باورچی تھا اس کا نام قاب خان تھا قبطی فرعونی تھا تفسیر روح المعانی نے کہا اس کا نام قانون تھا یہ ایک اسرائیلی کو مار رہا تھا ظلماً بلاوجہ اس اسرائیلی کا نام موسیٰ بن ظفر تھا یہی بعد میں سامری جادوگر کے لقب سے مشہور ہوا اس اسرائیلی

نے پکارا اے موسیٰ بن فرعون مجھے بچاؤ۔ الخ وتوں عوام وخواص کی زبان پر یہی نام جاری تھا کسی کو آپ کی اصلیت کا پتہ نہ تھا بجز چند بوڑھوں کے آپ نے اسرائیلی کو چھڑانے کی کوشش کی جب قبطی نے موسیٰ علیہ السّلام کی بات کی بھی پرواہ نہ کی اور نہ چھوڑا تو آپ نے قبطی کو ایک مکہ مارا جس سے وہ وہیں پر مرگیا۔ اس وقت حضرت موسیٰ کی عمر شریف بارہ سال تھی۔ سامری کی دس سال قبطی کی بیس سال۔ دوسرے دن موسیٰ علیہ السّلام پھر کسی جگہ سے گزر رہے تھے کہ وہی سامری پھر کسی قبطی سے لڑ جھگڑ رہا تھا۔ اُس نے پھر موسیٰ علیہ السّلام کو مدد کے لیے پکارا۔ حضرت موسیٰ اب سامری پر بھی ناراض ہوئے تو روز کسی نہ کسی سے لڑتا ہے اور دونوں کو چھڑانے کے لیے آگے آئے سامری سمجھا کہ شاید مجھے مارنے آئے ہیں کہنے لگا کہ کیا آج مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو جس طرح کل اُس قبطی کو قتل کیا تھا۔ حضرت موسیٰ یہ سن کر چلے گئے اُس قبطی نے جاکر دربار میں بتا دیا کہ کل شاہی باورچی "فاب" خان کو موسیٰ نے قتل کیا ہے تیسرے یا چوتھے دن ایک درباری اسرائیلی شخص حضرت موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں اور کہتا ہوں کہ تم کہیں بھاگ جاؤ اِس مُلک سے نکل جاؤ کیونکہ تمہارے قبطی کو قتل کرنے کی اطلاع دربار میں پہنچ گئی ہے اب وہ تم کو قتل کرنے کے منصوبے بنا رہے ہیں۔ یہ سن کر موسیٰ علیہ السّلام بہت غمگین ہوئے۔ اسی غم کا اِن آیت میں ذکر ہے کہ اے موسیٰ اُس بیکسی بے بسی کی حالت میں ہم نے تم کو تمہارے عظیم غم سے نجات دی اس لیے کہ اِس قتل سے تم مجرم و گناہگار نہ تھے نہ تم ظالم تھے کیونکہ تم نے ایک ظالم قاتل کافر اور ہزاروں بچوں کے قتل پر تعاون کرنے والے کو جان سے مارا تھا نہ تم شرعی مجرم تھے کیونکہ تم نے بالارادہ قتل نہ کیا تھا۔ تم نے پیٹھ پر مکہ مارا جس کی دھمک دل پر پہنچی دل کی شریان پھٹی اور قبطی اسی دم مرگیا۔ شرعاً یہ قتل اِتفاقی ہے جس پر زیادہ سے زیادہ تاوان ہو سکتا تھا اور نہ تم فرعونی قانون کے مجرم تھے اس لیے کہ وہاں تو کوئی قانون ہی نہ تھا لاقانونیت اور جنگلی ظلم کا دور دورہ تھا اس طرح کہ کوئی قبطی کسی بھی اسرائیلی کو جب چاہتا قتل کر ڈالتا کوئی گرفت نہ ہوتی مگر قبطی کو چپت مارنا گالی دینا بھی قتل کے برابر ظلم تھا اس لیے ہم نے تم کو بچا لیا اور غم و فکر سے نجات دی۔ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا۔ اب یہاں سے ہم نے تمہاری آزمائشیں شروع کیں۔ اور بہت طرح کی مصیبتوں میں تم کو اُلجھایا تاکہ تم ہر طرح سے نڈر مضبوط باہمت صابر اور مصائب برداشت کرنے والے ہو کر ہمارے انتخاب اور چناؤ میں آجاؤ ہم نے ازل سے ہی تم کو اپنی نبوت کتاب

قانون شریعت و رسالت مرسلیت محبّیت کلیمیت تبلیغی امور مقابلۂ فرعونیت کے لیے چُن لیا تھا اور رأس المحبّین بنا لیا تھا۔ تم نے ہماری ہر آزمائش میں اچھی طرح کامیابی حاصل کی اور ہر وقت ہماری پناہ ڈھونڈی ہم سے اپنی کمزوریوں کی بخشش مانگی اللہ تعالیٰ نے اس تمام دور میں تقریباً بارہ۱۲ مرتبہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آزمائش فرمائی ۱؎ قبطی کے قتل پر غم کی آزمائش مصیبت ڈالی گئی تب اُس وقت آپ نے عرض کیا تھا۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ اے میرے رب میں نے یہ زور دار گھونسہ مار کر بڑی غلطی کی اس کے قتل ہو جانے سے اپنی جان پر ظلم کیا۔ آخرت کی ناراضگی سے مجھ کو بچا اور دنیا میں ہی معاف فرما دے اللہ نے معاف فرما دیا ۲؎ وطن سے ہجرت ۳؎ احباب سے دوری بے وطنی ۴؎ پیدل چلنا ۵؎ راستے کی بھوک پیاس ۶؎ فرعون جیسے ظالم کافر کینہ خصلت مغرور انسان کے پاس بارہ سال کا عرصہ گزارنا بھی ایک مصیبت کی گھڑی تھی کیونکہ نیک خصلت شریف النفس کے لیے بدخصلت کی ہمراہی سخت عذاب و مصیبت ہوتی ہے ۷؎ کافر قبطی قوم میں تربیت و رہائش موسیٰ علیہ السلام جیسی پاکیزہ شخصیت کے لیے بدترین اذیت ناک دن تھے عام آدمی تو ایسی بری صحبتوں میں دین و تہذیب کھو بیٹھتا ہے ۸؎ مدین میں پہنچتے ہی دو اجنبی خوب صورت نوجوان لڑکیوں سے ہم کلامی ہونا یہ بھی سخت ترین آزمائش ہے بڑے بڑوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں ۹؎ پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں بھوک و پیاس سے نڈھال ہو کر عرض کرنا۔ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ۔ ۱۰؎ پھر آٹھ سال شعیب علیہ السلام سے وعدہ نبھاتے ہوئے مشقت آمیز سخت نوکری کرنا سارا سارا دن بکریاں چرانا اور روکھی سوکھی کھا کر ہزار شکر کے ساتھ گزارہ کرنا کبھی شکوہ شکایت نہ کرنا عام غریب پیشہ ور چرواہے کو اس کٹھن مشقت کا اندازہ نہیں ہو سکتا اِس بارِ گراں کو وہی بخوبی سمجھ سکتا ہے جو شاہی عیش و آرام ناز و نغم سے نکل کر ایک دم غریب الوطن ادنیٰ نوکر بن گیا ہو ایسی کڑی آزمائشوں امتحانوں میں صرف انبیا علیہم السلام ہی ثابت قدم رہ سکتے ہیں ۱۱؎ آٹھ سالہ نوکری کے بعد پھر اپنی طرف سے ذٰلِکَ بَیْنِیْ وَبَیْنَکَ کہہ کر دو سال پھر نوکری کرنا ۱۲؎ تفسیر روح البیان و تفسیر خازن نے فرمایا کہ قتل کے سال ولادتِ موسیٰ ہونا یہ بھی ایک امتحان تھا۔ نیز دریا میں ڈالا جانا پھر دیگر دائیوں سے منہ پھیر لینا۔ پھر فرعون کی داڑھی پکڑ کر چپت مارنا۔ پھر انگارہ منہ میں رکھنا یہ سب فُتُوْن اور آزمائشیں ہی تھیں جس میں جگہ جگہ۔ پر رب تعالیٰ نے کمال احسانات سے موسیٰ علیہ السلام کو ثابت قدم رکھ کر امتحانات میں کامیاب قرار دیا۔ غرضکہ وَفَتَنّٰکَ

گنوانائیں چھٹے احسان کا تذکرہ ہے جو حقیقتاً کئی احسانات کا مجموعہ ہے۔ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ہمارا ساتواں احسان یہ ہے کہ ہم نے فوراً تم کو مدین کے راستے پر ڈال دیا ورنہ مصر سے نکل کر نا واقفی میں کدھر بھٹکتے پھرتے اور راہ نہ پاتے۔ مصر سے مدین آٹھ مراحل یعنی آٹھ کوس ہے جس کے بیس میل اور تیس کلو میٹر بنتے ہیں۔ حضرت موسیٰ یہاں پیدل چار دن میں عصر کے وقت پہنچے۔ جب آپ شعیب علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کو سارا واقعہ سنایا حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا۔ اب تم فکر مت کرو اب تم امن میں ہو۔ کیونکہ یہاں تک فرعونی حکومت نہیں ہے اس کی سلطنت تو فقط مصر کی چار دیواری کے اندر ہے اسی چھوٹی سی حکومت پر اس کو اتنا غرور ہے کہ خدا بن بیٹھا اور ماننے والے بھی کیسے اندھے بنے بیٹھے ہیں آپ اٹھائیس سال یہاں مدین میں رہے اس طرح کہ آٹھ سال وعدے کے دو سال اپنی طرف سے پھر نکاح ہوا اور اٹھارہ سال اپنی بیوی کے ساتھ اس دوران آپ کی اولاد ہوئی تواریخ میں جن کی تعداد چھ ہے مگر کوئی مضبوط روایت نہیں ملی بعض نے کہا کہ قبطی کو مارنے کی وقت آپ کی عمر مبارک تیس سال تھی دس سال مَدْيَنَ رہے مگر پہلے قول کو جمہور مفسرین نے لیا ہے اس لیے اسی کو ترجیح ہے۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ جب حضرت خضر نے کشتی توڑی اور حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا کہ کیا تم لوگوں کو ڈبو دو گے۔ حضرت خضر نے جواباً کہا کہ تم کو تابوت میں رکھ کر دریا میں بہایا تھا تو کیا ڈبونے کے لیے ایسا کیا تھا۔ فرمایا نہیں بلکہ وہ تو ظاہراً ہلاکت تھی باطناً نجات تھی خضر علیہ السلام نے فرمایا پس یہ کشتی توڑنا بھی ظاہراً ہلاکت ہے باطناً نجات ہے۔ پھر جب خضر نے بچہ قتل کیا تب بھی موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ کیوں بلاوجہ قتل کیا۔ حضرت خضر نے کہا تم نے قبطی کو کیوں بلاوجہ قتل کیا تھا حضرت موسیٰ نے فرمایا اس میں تو اگلے واقعات کی حکمتِ الٰہیہ تھی صحبتِ شعیب علیہ السلام کا راہ ہموار ہونا تھا خضر علیہ السلام نے کہا اس قتل میں بھی حکمتِ الٰہیہ ہے مَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِيْ اس کے والدین کے ایمان کا راہ ہموار ہونا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ لَبِثْتَ سِنِيْنَ میں حکمت یہ تھی کہ کلیم اللہ بننے کے لیے صحبت شعیب علیہ السلام کی ضرورت تھی اس لیے یہ زمانہ وہاں گزروایا گیا۔ حافظ شیرازی لکھتے ہیں

شبانِ وادیِ ایمن گہے رسد بمراد   کہ چند سال بجاں خدمتِ شعیب کند

اسی شعر کا تخیل سرقہ کر کے ڈاکٹر اقبال لکھتے ہیں۔

اگر کوئی شعیب آئے میسّر   شبانی سے کلیمی دو قدم ہے۔

ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى۔ پھر اب چالیس سال عمر نبوت پوری ہونے کے بعد تقدیر ازلی فیصلہ الٰہی کے مطابق یموسیٰ تم اس وادیٔ مقدس کے علاقہ طور ایمن میں بحکم اِلٰہ العٰلمین آ گئے ہو یہ دوسری بار یموسیٰ کہہ کر ندا فرمانا انتہائی شفقت و لطف محبت اندوز تسلی آمیز کلام وخطاب ہے اس عمر میں اس جگہ تمہارا پہنچ جانا اتفاقیات میں سے نہیں بلکہ پروگرام الٰہی کے تحت کیا جا رہا ہے کیونکہ ہر نبی کو اظہارِ نبوت اور تبلیغ رسالت کی اجازت چالیس سالہ بزرگانہ عمر میں عطا کی جاتی ہے اس عمر کی شخصیت کے کلام کا اثر اپنی قوم پر زیادہ ہوتا ہے اس عمر میں زندگی کے تمام آثار چڑھاؤ شب و روز قوم کے سامنے گزر چکے ہوتے ہیں اور مبلغِ احکامِ الٰہیہ کا عملی نمونہ مکمل اُسوۂ حسنہ کے ساتھ عوامی قوم کے سامنے مکمل کر آ چکا ہوتا ہے۔ چنانچہ کتاب بحر العلوم میں حدیث منقول ہے کہ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا بَعَثَ اللّٰهُ نَبِيًّا اِلَّا عَلٰى رَأْسِ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً لیکن تین انبیاء علیہم السلام اس قانون سے مستثنیٰ کیے گئے لہٰذا یوسف علیہ السلام اٹھارہ سال کی عمر میں مبعوث ہوئے۔ یحییٰ علیہ السلام بارہ سال کی عمر میں عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوتے ہی مبعوث ہوئے اور اعلانِ نبوت فرما دیا ایک قول میں ہے کہ مکمل طور پر آپ کو پچیس یا ستائیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت کی اجازت ملی یہ خصوصیت میں سے ہے باقی تمام انبیاء علیہم السلام کو چالیس سالہ عمر میں وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ۔ اے موسیٰ کیا تم جانتے ہو۔ یہ تمام احسانات اور کرم فضل۔ اور فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا یہ سب کیوں ہے اس لیے کہ ازلِ قدیم سے ہم نے فیصلہ مقضیّاً اور تقدیر مبرمہ میں یہ بات لکھ دی تھی کہ میں نے تم کو خاص اپنے لیے چُن لیا ہے اور یہ تمہاری خوش نصیب خصوصیت ہے کہ تمہاری انتہا۔ ابتداء زندگی اور زندگی کا ہر قدم ہر کام سونا جاگنا کھانا پینا۔ شادی بیاہ نکاح اولاد بیوی بچے۔ دینی دنیوی تمام کام۔ نوکری چرواہی میری حکمت میری رضا اور ارادے وخوشنودی سے ہی ہے۔ تمہاری زندگی کا یہ پورا واقعہ محض اتفاقیات نہیں بلکہ سب کچھ ازلی منصوبے کے تحت ہو رہا ہے۔ لِنَفْسِيْ کا یہ معنی نہیں کہ معاذ اللہ رب تعالیٰ کو کچھ حاجت تھی موسیٰ علیہ السلام کی بلکہ یہ ایک تکریم و تکلیم و تقریب تھی اور قربِ الٰہی کی ہمت و منصب کے لیے تیار کرنا تھا کہ جو اَلطافِ کریمانہ مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے بندوں پر ہونے ضروری ہیں اُس کی ادائیگی میں موسیٰ علیہ السلام نائبِ الٰہی بنائے جائیں اور فرعونیت کو توڑنے کے لیے برباد و ختم کرنے کے لیے جو قانونِ فطرت مقرر ہے اُس کا اجراء و نفاذ حضرت موسیٰ کے ہاتھ سے ہو گا موسیٰ کا کوئی کام اُن کی اپنی ذات کے لیے نہیں

ہوگا بلکہ رب تعالیٰ کے لیے گویا ہر کام کلام اور ہر قدم وعمل رُشد وہدایت کی تبلیغ اور عملی نمونہ ہو گا۔ یہ آٹھواں احسان ہے اِن سب کا مقصود یہ ہے کہ۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِیْ یہاں سے تم اکیلے مصر جاؤ وہاں سے اپنے وزیر مشیر شریک بھائی کو اپنے ہمراہ تیار کرو وہ بھی تمہیں تیار ملیں گے نبی ہیں سب غیوب جانتے ہیں انہیں کسی بات سے آگاہ کرنے کی حاجت نہیں علماء فرماتے ہیں اُخوت دس قسم ہوتی ہے۔ ۱ اُخوت مشارکت فی ولدیت من الطرفین (سگے بہن بھائی) ۲ اخوت فی العلات ۳ اخوت فی الاخیاف ۴ اخوت فی الرضاعت ۵ اخوت فی الدین ۶ اُخوۃ فی الصنعۃ ۷ اخوت فی القومیۃ ۸ اُخوۃ فی المودۃ ۹ اُخوۃ فی المعاملات ۱۰ اُخوت فی الادعیۃ۔ یہاں پہلی قسم کی اُخوت مراد ہے اس کو اصلی مکمل پیدائشی اُخوت کہتے ہیں۔ اے میرے کلیم میری ان نشانیوں کے ساتھ جاؤ تاکہ ہمت دلیری جرأت ظاہر ہو اور کامیابی یقینی ہو یہ ظاہراً تو تین چیزیں ہیں ۱ عصا ۲ ید بیضا ۳ کلامِ صحیفہ مگر باطناً حقیقتاً کثیر معجزات ہیں کہ پہلے عصا پھر ڈالنے سے سانپ کا جسم گوشت پوست ہڈی جسم میں روح۔ روح میں پھرتی۔ اور پھرتی کا بڑھنا دراز ہونا موٹائی بھی پھر بلا کی تیزی بھی۔ پھر کھانا۔ اور جب پھر ہاتھ میں پکڑو تو پھر اسی طرح پتلی سی لاٹھی۔ بھاگ دوڑ تیزی جسمانیت روحانیت کھایا پیا سب غائب قدرتِ الٰہیہ کی گیارہ نشانیاں آئیں تو یہی ہیں پھر ہاتھ کا ید بیضا ہو جانا سورج کی طرح تیز شعاعیں نکلنا یہ وہی ہاتھ مبارک ہے جس نے انگارہ پکڑ لیا مگر کچھ نہ ہوا۔ ان معجزات سے تم دونوں کو دشمنوں کے مقابل قوت ومدد ملے گی۔ مگر سب سے زیادہ قوت میرے ذکر سے ملے گی لہٰذا وَلَا تَنِيَا فِیْ ذِكْرِیْ اور کبھی کسی مقام کسی موقعہ پر میرے ذکر میری یاد میں تبدیلی۔ کمی نہ کرنا۔ ذکر شرعی کی چھ قسمیں ہیں ۱ ذکر سے مراد ہر قسم کی فرضی نفلی عبادت، تبلیغ رسالت دعا وعظ نصیحت اور فرعون کو سمجھانا بھی اس میں شامل ہے یعنی۔ لَا تَنِيَا۔ تبلیغِ احکام میں کسی کی رو رعایت نہ کرنا نہایت جرأت ورعب سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں، احسانات اُسکی رضا اس کی ناراضگی کا تذکرہ اور ایمان کے فائدے کفر کے نقصانات بتا دینا۔ اور اے موسیٰ اب تک اگرچہ خطاب تم اکیلے سے ہوا مگر آئندہ ہر قول وفعل میں تم دونوں ساتھ رہنا ۲ تبلیغ، ترہیب، ترغیب، ثواب، عقاب کا تذکرہ بھی ذکر اللہ ہے ۳ امر بالمعروف نہی عن المنکر بھی ذکر اللہ ہے ۴ ہر کام سے پہلے حمد وثنا۔ بسم اللہ شریف پڑھنا بھی ذکر اللہ ہے ۵ ہر کام اللہ تعالیٰ کے سپرد کر کے اُس کے بھروسے پر کام شروع کرنا بھی ذکر اللہ ہے ۶ ہر وقت گھر بازار دکان گلی کوچوں میں تسبیح وتہلیل پڑھتے رہنا بھی ذکر اللہ

ہے ۲ ہر شیطان وخبیث سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگنا بھی ذکر اللہ ہے۔ احادیث سے ذکر اللہ کے پانچ فائدے منقول ہیں ۱ ذکر اللہ سے اغیار و اشرار کا ڈر ختم ہو جاتا ہے ۲ اللہ تعالیٰ کے احسانات یاد رہتے ہیں جس سے عبادت ریاضت میں ذوق لذت اور دینی کاموں میں لگن پیدا ہوتی ہے ۳ ذکر اللہ ہر دینی دنیوی مراد و مقاصد کے حصول کا آلہ ہے ۴ ذکر اللہ سے اطمینانِ قلبی اور اطمینان سے روح وقلب کو قوت ملتی ہے ۵ ذکر اللہ سے سُستی غفلت دور ہوتی ہے اس لیے حکم ہوا کہ لَاتَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ. میرے ذکر میں کسی سُستی غفلت بھول چوک نہ ہونے دینا۔ یہ حکم تا قیامت مسلمانوں کو سنایا سمجھایا جا رہا ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کے ہر کام کو مفید اور قابلِ تعظیم لائقِ محبت سمجھنا چاہیے اگرچہ ظاہراً مصیبت نظر آتی ہو مگر باطناً حقیقۃً اُس کی حکمت بندے کی عین مصلحت میں ہی ہوتی ہے یہ فائدہ وَقَتَلْتَ نَفْسًا اور فَنَجَّیْنٰکَ مِنَ الْغَمِّ سے حاصل ہوا کہ قتلِ قبطی جو امر مکروہ غم و مصیبت کا باعث تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام کو رب تعالیٰ کی ناراضگی یا خوفِ فرعون کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔ انجام کار باطنی حکمت سے امرِ محبوب تھا کہ ذریعہ بنتا تھا شعیب علیہ السّلام کی صحبتِ پاک کا اور صحبتِ پاک کلیم اللہ بننے کا ذریعہ تھا اور سبب ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ ہر مومن مسلمان کو یہ سمجھنا چاہیے کہ اُس کی زندگی دین ایمان عبادت سچی صحیح تبلیغ کے لیے عطا ہوئی ہے۔ لہٰذا دینی کاموں میں مشغولیت کو نہ فضول و بیکار سمجھنا چاہیے نہ کہنا چاہیے۔ بلکہ اصل یا مقصود کام و اعمال ہی یہ ہیں۔ وقت کی بربادی اور ضیاع تو دنیا کے کاموں میں مشغولیت میں ہیں۔ کتنے بدبخت اور بیوقوف ہیں وہ دہریہ نما مسلمان انسان جو نہ خود عبادت کرتے ہیں نہ کرنے دیتے ہیں بلکہ علماء و مشائخ مسجد و مدرسوں خانقاہوں میں معروف و مشغول بزرگوں کو وقت ضائع کرنے کا طعنہ دیتے ہیں اور خود ہی کفر کماتے ہیں یہ فائدہ وَاصْطَنَعْتُکَ اور فَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ. فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ اگرچہ ظاہراً یہ کلام و خطاب موسیٰ علیہ السّلام سے ہے مگر آج ہم سب مسلمانوں کو خاص کر علماء و مشائخ کو اس لیے سنایا جا رہا ہے کہ اب یہ کام تمہارے ہیں اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ اور اگرچہ فرعون و ہامان اُن کی سلطنت لشکر ہزاروں سال پہلے ختم ہو چکے مگر فرعونیت ابھی بھی کسی نہ کسی یزید پلید کے روپ میں چلتی چلی آ رہی ہے۔ اور تا قیامت رہے گی دنیا میں کسی کی جڑ ختم نہیں کی جاتی یہ حکمتِ باری تعالیٰ ہے۔ تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو ہر حال میں راضی برضاءِ الٰہی رہنا چاہیے دیکھو انبیاء کرام علیہم ال[illegible] جیسی بزرگ و مقرب بارگاہ ہستیاں

ہر حال میں راضی برضا رہتی تھیں اور کسی بھی وقت حالات کے اُتار چڑھاؤ کا اُن کی طبیعت پر کوئی فرق نہ پڑتا تھا خواہ دربارِ فرعونی کی نازو نعم والی شاہی پرورش ہو یا مدین کا راہِ بیابان ہو۔ مسافرت کی بھوک و پیاس اور پیدل آبلہ پا سفر ہو یا چراگاہوں کی بکریاں چرانیکی باشقت نوکری ہو مصر کی شہزادگی و مخدومیت ہو یا مدین کی خادمیت غرض کہ راضی برضا رہنا سنتِ انبیاء ہے۔ یہ فائدہ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا فرمانے سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ مسلمان شیر خوار بچے کو کسی بھی کافرہ مشرکہ عورت کا دودھ پلانا جائز ہے اگرچہ مشرکین مرد و عورت کو نجس پلید فرمایا گیا ہے اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ سورۃ توبہ آیت ۲۸ یہ مسئلہ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ کی علت اور وجہ کی تَقَرَّ عَيْنُهَا فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی دیگر دائیوں سے منہ پھیرنا نجس ہونے کی وجہ سے نہ تھا بلکہ والدہ کے پاس واپس موڑنے کی علت سے تھا۔ اگر موسیٰ علیہ السلام کسی اور دائی کا دودھ پی لیتے تو فرعون کبھی بھی آپ کو والدہ کے حوالے نہ کرتا نہ کسی طرح آنے دیتا نہ ضرورت محسوس کرتا۔ دوسرا مسئلہ خیال رہے کہ قتل چار قسم کا ہے ۱۔ قتل عمد اس کی سزا حد شرعی قصاص ہے ۲۔ قتل شبہ عمد ان دونوں کی تفصیل تعریف تفسیر نعیمی پارہ پانچ سورۃ نساء آیت ۹۲ میں دیکھو ۳۔ قتل خطا۔ اِس کی سزا تعزیری دیت اور کفارہ ہے ۴۔ قتلِ ناگہانی و اتفاقیہ کسی قانون میں دینی ہو یا دنیوی شرعی ہو یا مصنوعی قتلِ اتفاق جرم نہیں لہٰذا قتلِ اتفاقی پر نہ فرضی قصاص واجب ہوتا ہے نہ دیت نہ خون بہا نہ کوئی حدِ شرعی۔ ہاں البتہ حاکمِ عادل تعزیری فیصلے سے کچھ تاوان ضرور لازم کرسکتا ہے معافی بھی ہوسکتی ہے یہ مسئلہ قَتَلْتَ نَفْسًا کے بعد فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ رب کریم نے موسیٰ علیہ السلام کو اس قتلِ قبطی سے بالکل بری کردیا نہ قصاص نہ کفارہ نہ دیت نہ خون بہا نہ تاوان بلکہ آپ کے خلاف فرعون کا تعزیری فیصلہ بھی نہ ہونے دیا۔ مکمل ہر طرح سے نجات دیدی کیونکہ یہ قتلِ ناگہانی تھا جو اتفاقاً سرزد ہوا نہ ارادہ تھا نہ ہتھیار نہ آلۂ قتل۔ ایک مکے سے اگر کوئی مرتا ہے تو پڑا مرے۔ تیسرا مسئلہ دینی دشمن کفار کی سرزمین میں بغیر ہتھیار ریلا حفاظت جانا شرعاً منع ہے۔ ہر مسلمان کو لازم ہے کہ سر زمینِ کفر میں تبلیغ یا جہاد کے لیے جائے تو پوری تیاری کرکے جائے۔ تیاری کی تکمیل میں تین چیزوں کا خیال رکھے ۱۔ موقعہ محل کے مطابق اپنے ساتھیوں کو ساتھ لے کر جائے خواہ ایک دو کی ضرورت ہو یا لشکرِ ضروریہ کی ۲۔ اپنے ساتھ اپنے بچاؤ اور دشمن کو مغلوب کرتے

ہتھیار جو بھی حالات کے مناسب ہوں ساتھ میں رکھے ۳ اپنے ساتھ اپنی عبادت ذکر اذکار
نماز و تلاوت کا سامان مصلّٰی وغیرہ ہونا چاہیئے اور اگر غلبہ پانے کا یقین ہو تو قرآن مجید برائے
تلاوت میدانِ جنگ میں لے جانا جائز ہے۔ یہ مسئلہ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ
کے پورے تاکیدی احکام سے مستنبط ہوا۔ دیکھو یہاں موسیٰ علیہ السلام کو تاکید سے تین حکم دیئے
گئے اوّلاً یہ کہ تم اکیلے مت جانا بھائی کے ساتھ جانا دوم۔ خالی ہاتھ مت جانا معجزات یا اٰیتی جو
مضبوط ہتھیار بھی ہیں ساتھ لے کر جانا سوم۔ میرے ذکر کو جاری رکھنا حضرت موسیٰ جب دربارِ
فرعون میں پہنچے تو آپ کے پاس وہ دس صحیفے بھی تھے جو آپ کو فرعون کی تبلیغ کے لیے عطا
فرمائے گئے جن کا ذکر سورۃ اعلیٰ میں اس طرح ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى اِنَّ هٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَ
مُوْسٰى۔ یہ حضرت موسیٰ کی خصوصیت ہے کہ آپ کو اللہ کے تعالیٰ کے کلام کے صحیفے بھی ملے اور
توریت مکمل جامع کتاب بھی ملی اس لیے کہ آپ کو دو قوموں کی طرف نبی بنا کر بھیجا گیا ۱ فرعونی قبطی قوم
یہ آپ کی اُمت دعوت تھی مگر ایمان صرف اٹھارہ آدمی لائے جن میں حضرت آسیہ بھی تھیں ۲ قوم
بنی اسرائیل یہ آپ کی اُمت اجابت تھی۔ پہلی امت کے لیے شریعت صحیفوں کی تھی دوسری کے
لیے شریعت توریت کی صحیفوں کی شریعت فرعونیوں کے ڈوبنے کے ساتھ ہی منسوخ ہو گئی
اور توریت کی شریعت عیسیٰ علیہ السلام تک رہی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ میدانِ جنگ میں قرآن مجید
نہ لے جانا چاہیئے ان کا استدلال اُس خبرِ واحد سے ہے جس میں فرمانِ نبوی ہے کہ میدانِ
جنگ میں قرآنِ مجید مت لے کر جاؤ تاکہ کفار بے ادبی نہ کریں مگر یہ استدلال تین وجہ سے
کمزور ہے ۱ یہ روایت خبرِ واحد ہے اس کا استدلال آیت کے استدلال کی مثل نہیں
ہو سکتا ۲ الفاظِ روایت بتا رہے ہیں کہ یہ حکم ممانعت مطلقاً نہیں بلکہ مسلمانی غلبے کی غیر
یقینی صورت میں ہے کیونکہ فرمایا گیا "تاکہ کفار بے ادبی نہ کریں" اور بے ادبی کا خطرہ تو اُن کے
غلبے کی صورت میں ہی ہو سکتا ہے ۳ جب مسلمانوں کے غلبہ کا یقین ہو تو بے ادبی کا خطرہ نہ
رہا لہٰذا یہ حکم الفاظِ روایت کی بنا پر مقید ہوا۔ لیکن آیت کے استدلال سے یقینی فتح کی صورت
مستنبط ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو صحیفے لے جانے کی اجازت دشمن کافر قوم میں لے جانے کی
اجازت ملی کیونکہ بوجہ وعدۂ ربانی آپ کو اپنے غلبہ کا یقینِ کامل تھا اور یہ یقین تا قیامت
ہر لشکرِ اسلامی کو اپنے حالات سے ہو سکتا ہے اپنی قوت اور عبادت ریاضت تلاوت

تقویٰ طہارت کی بنا پر۔ اس لیے امام اعظم کا استدلال مضبوط اور منشاء آیت و حدیث کے عین مطابق اکثر مسائل میں امام اعظم و ائمہ ثلاثہ کے استنباط میں یہی فرق ہوتا ہے کہ امام اعظم آیت وحدیث کی منشا و رموز تک پہنچ کر استدلال فرماتے ہیں یہ بات ائمہ ثلاثہ میں مفقود ہے۔ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں پہلا اعتراض۔ اِس سورۃ میں ۳ بار فرمایا گیا کہ فرعون کے پاس جاؤ اوّلاً آیت ۲۴ میں اِذْهَبْ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی پھر آیت ۴۲ میں۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰیٰتِیْ پھر آیت ۴۳ میں۔ اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی اس بار بار ارشاد میں کیا مصلحت ہے۔ جواب جانے کی تین نوعتیں تھیں جن کو علیحدہ علیحدہ سمجھانے اور واضح کرنے کے لیے تین مرتبہ فرمایا گیا۔ پہلے یہ بتایا گیا کہ اصل جانا تمہارا ہے کیونکہ اس کام کے لیے تم کو ہی چُنا اور تیار کیا گیا ہے ہارون کا ساتھ تو صرف تعاون کے لیے ہے۔ پھر آیت ۴۲ میں جانے کا طریقہ سکھایا بتایا گیا کہ یہ دونوں معجزات اور تیسری آیت میرا کلام صحیفہ جو تبلیغ میں اُس کو سمجھانا وہ بھی ساتھ لے کر جانا۔ پھر آیت ۴۳ میں تیسری بات سمجھائی گئی کہ ہارون صرف وزیر و مشیر ہی نہیں کہ تم فقط ان سے خلوت میں مشورے لے لو بلکہ وہ تمہارا لشکر بھی ہیں ہر وقت وہ تمہارے ساتھ رہیں یہاں تک کہ فرعون کے پاس پہلی اور آخری تمام حاضریوں میں بھی ساتھ ہی ہوں اور فرعون کو پتہ لگ جائے کہ ہارون تمہارا صرف رضاعی بھائی ہی نہیں سگا بھائی بھی ہے اِس تکرار میں اور بھی ہزارہا حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ دوسرا اعتراض آپ نے تفسیر میں لکھا کہ رب تعالیٰ نے تین بار حضرت موسیٰ کو اپنا کلام عطا فرمایا۔ اوّلاً گفتگو اور آواز سنا کر پھر قدرتی تحریری صحیفوں میں پھر بہت عرصے بعد توریت کتاب میں اس میں کیا حکمت ہے جواب۔ دراصل حضرت موسیٰ کا فرعون کے پاس جانا مقابلہ کرنا خود موسیٰ علیہ السلام کے لیے بہت اہم و دشوار واقعہ تھا اس لیے کلام الٰہی کی آواز موسیٰ علیہ السلام کو سمجھانے بتانے اعزاز و تکریم کے لیے۔ پھر صحیفوں کی عطا فرعون کو سنانے کے لیے پھر غرق فرعون کے چند دن بعد توریت کی عطا بنی اسرائیل کی شریعت کے لیے ہوئی اس لیے تین دفعہ آگے پیچھے تین کلام دیے گئے۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا اے موسیٰ ہم نے تم پر پہلے بھی بہت سے احسانات کیے ان احسانات کے تذکرے میں فرمایا گیا وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ہم نے تم کو فتنوں میں ڈالا۔ فتنوں میں آزمائش کرنا احسان تو نہیں ہوتا تو پھر احسانات میں

اِس کو کیوں شمار کیا گیا۔ جواب اس لیے کہ فتنوں میں کامیابی مشقت سے ملتی ہے اور مشقت کے اعمال کا ثواب زیادہ ہوتا ہے تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ ہم نے تم سے اے موسیٰ ایسے اعمال کرائے اور اُن امتحانوں میں کامیاب کرایا جن کا ثواب و اجر بہت ہی زیادہ ہے یہ بھی ہمارا احسان ہے کہ ہم نے تمہیں اِس مشقت کے امتحان و خدمت کے لیے چن لیا۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔ ؎

مِنّت مَنہ کہ خدمتِ سلطان ہمیں کنی   مِنّت شناس ازو کہ بخدمت گماشت

آج کالج یونیورسٹی کے امتحان میں داخلے کے لیے بڑی بڑی سفارشیں کرانی پڑتی ہیں اگر یونیورسٹی والا کسی کو امتحان میں بٹھا لے تو اُس کا احسان مانا جاتا ہے اسی طرح اگر کوئی فیکٹری کا مالک کسی مزدور کو اپنی فیکٹری کے پتھر کوٹنے اینٹیں توڑنے لوہا پگھلانے کی مشقت آمیز ملازمت دے دیتا ہے تو اس کا احسان مانا جاتا ہے۔ حالانکہ امتحان میں بھی مشقت ہی مشقت ہے اور مزدوری میں بھی۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِیْ۔ معجزے تو صرف دو تھے ۱۔ ید بیضا ۲۔ عصا تو آیاتی جمع کیوں فرمایا گیا جواب۔ اس کی وضاحت تفسیر عالمانہ کردی گئی ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ بعض قول کے مطابق معجزے تین تھے۔ عصا، یدِ بیضا، صحیفۂ موسیٰ علیہ السلام جن کو صُحُفِ موسیٰ کہا جاتا ہے اور جن میں خاص فرعون و فرعونیوں کے لیے تبلیغ نصیحت اور دعوتِ ایمان۔ بشارت و نذارت کا پیغام تھا۔ ایک جواب یہ ہے کہ یہ دونوں معجزے بھی بہت سے معجزات کا مجموعہ تھے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ یَّكْفُلُهٗ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَیْ تَقَرَّ عَیْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ جب قلبِ موسیٰ کی حفاظت کے لیے ہمشیرۂ عقل نے مثل بادِ بہاری راہِ عمل کو طے کیا اپنے ظہورِ حرکات سے تب اسے ضمیر سے کہا کہ هَلْ اَدُلُّكُمْ۔ کیا میں تمہاری رہنمائی کروں اُن آدابِ حسنہ اور اخلاقِ جمیلہ پر جو نفسِ لوّامہ طیبہ کے اندرونِ خانہ سے ہیں۔ جو اس قلبِ منور کی رضاعت و شیر خوارگی حکمتِ علمیہ کی فکرِ ترتیب سے کفالت کر سکے اور علومِ نافعہ کی غذائیں دے اور وہ کسبِ کمال معاونین اعمالِ صالحہ کے مرشدین سے ہو تاکہ قلب سعود مراتبِ رفیعہ کی ترقی کی طرف مُعِدّین میں سے ہو جائے۔ اور مہماتِ باطنی کے لیے تیار ہو سکے۔ تب فَرَجَعْنٰكَ۔ لوٹا دیا ہم نے قلبِ مرفوع کو شفقتِ طیبہ لائمہ کی طرف۔ بصیرتِ شکر کی قُرّۃِ عین کے لیے اور

حُزنِ فراق کو دور کرنے کے لیے۔ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنّٰكَ فُتُوْنًا اور اے قلبِ معصوم تونے ہی تو قتل کر دیا تھا صورۃِ غضبیہ کو ریاضتِ شاقہ کی مار سے امانتِ عہد کی حفاظت اور سامرِی ناموتی کو بچانے کے لیے۔ تو غلبۂ نفسِ باطنی کے رنج سے اور خصلتِ رذیلہ کے خوف سے ہم نے ہی تجھ کو نجات دی تھی پھر مجاہداتِ ریاضات کے جنگلات میں قبض و بسط کے بیابانوں میں صیام کی بھوک اور صلوٰۃ کی پیاس والی مشقتوں سے ہم نے تجھ کو بے حساب آزمایا۔ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى۔ پھر کئی ساعتیں مدینِ علم میں شعیبِ روحانیت کی مجلسِ قوت میں ٹھیرا تو اے قلبِ عرفانی عقلِ فعآلی کے مرکز میں۔ پھر حواسِ بدنیہ کی زوجہ کے ساتھ مقدارِ قدمی میں وادیِ تقوی میں دخولِ عقیدت کیا اور تقدیرِ صفاتی میں آگیا کمالِ تام کی استعداد و قوت کے مطابق تکمیلِ صفات سے تجلّیِ ذات کے مکاشفۂ کلیمی کے لیے وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ اِذْهَبْ اَنْتَ وَاَخُوْكَ بِاٰيٰتِيْ وَلَا تَنِيَا فِيْ ذِكْرِيْ۔ مدینۂ اسرار ربیتِ انوار میں سے صرف تجھ کو جملہ خواص میں بنایا میں نے اپنے افعالِ خلافت اعمالِ نیابت عطاءِ امانت کی اہلیت ولیاقت کے لیے۔ اے قلب وعقل تم دونوں جاؤ نفسِ فرعونی کی سرکوبی ذلت کے لیے تعلیماتِ عرفانی کی نشانیوں ہدایتوں روشنیوں کے ساتھ جو خاص میری قدرت کی نشانیاں و آیات ہیں لیکن تم اے سلطنتِ باطنیہ کے امیر و وزیر میرے قربِ جلال کے تذکرے کے مراقبۂ حال کو کبھی نہ چھوڑنا کہ یہی قلب وجگر کی قوتِ قدسیہ ہے۔ حواسِ انسانی کی دو قسمیں ہیں بعض حواس خاص رب تعالیٰ نے اپنی تدبیرِ عالمِ اسرار کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ جن کا دل دماغ عقل فردس کچھ صفاتِ جمال وجلال کے لیے ہوتا ہے۔ منزّہ بین جلالِ وادیِ قدس کے لوگ مشاہدۂ انوار کے آئینہ ہوتے ہیں یہی حقیقتاً عبادُ اللہ ہیں۔ ان کو ہی طورِ عرفانی کی وادیِ ایمنِ مقدّس سے کلامِ معرفت کے کلیمِ سرمدی ہونے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ ایسے خوش بختوں کا میلانِ خلوص ہمیشہ باطلِ فرعونی کے مقابل اسرائیلی ضمیر کی حمایت میں ہوتا ہے ان کو ہی فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا کی محنتوں میں ڈالا جاتا ہے اور مدینِ سلوک کی پُرخار مشقت آمیز بیابان میں ننگے پاؤں پیدل چلایا جاتا ہے اس راہ مدینِ روحانی سے بندے کو تین مقام ملتے ہیں ۱ مقامِ فتنًا پر ابتلاء ۲ صبرِ عظیم سے مقامِ اجتبٰی عطا فرما کر اس کو مجتبٰی بنایا جاتا ہے ۳ مصائب پر شکر وحمد سے رضاءِ الٰہی کا مقام دیا جاتا ہے اور رضاء سے مقامِ اصطناع ملتا ہے اِصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِيْ کا خطاب اسی مقامِ خصوصیہ پر پہنچ کر سنایا جاتا ہے گویا کہ ابتلاء سے اجتبا

اِجتبا سے اِصطناع کا حصول ہے۔ صبر گھونٹ ہیں اور شکر لذتِ لسان ہے اور ابتلا سرورِ قلب ہے علامہ جامی فرماتے ہیں ؎

مگو کہ قطع بیابانِ عشق آسان است کہ کوھہائے بلا ریگِ آں بیابان است

ابتلاءِ رحمانی سے چار درجے حاصل ہوتے ہیں ۱ مرتبۂ صابرین ۲ مرتبۂ شاکرین ۳ مقامِ راضیین ۴ منزلِ واصلین (اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنْهُمْ) وَلَا تَنِیَا فِیْ ذِکْرِیْ ذکر اللہ کی چار صورتیں ہیں ۱ ذکرِ لسانی ۲ ذکرِ باطنی ۳ ذکرِ روحانی ۴ ذکرِ اعضائی۔ بندے کو کوئی ذکر نہ چھوڑنا چاہیے کیونکہ ذکرِ الٰہی حصولِ مقاصدِ دینی و دنیوی کا آلہ و سدا بقا ہے۔ اے بندگانِ معرفت میری امور والی مشغولیت بھی تم کو میرے مشاہدے سے دور نہ کرے یہی توجہ اِلی اللہ کی معراجِ طور ہے۔ اہل شہود مشاہدۂ حق سے کبھی غائب نہیں ہوتے۔ جو دم غافل وہ دم کافر کا عمل بندگی شروع ہو تو ھُمْ فِیْ صَلٰوتِهِمْ دَآئِمُوْنَ کا انعام ملتا ہے۔ ایسے مقربین بارگاہ کو وہ کہنے کی حاجت نہیں۔ وہ ہمیشہ تو ہی تو میں رہتے ہیں ان کے نزدیک لَا تَنِیَا سے مراد ہے وُرُودِ دوامی اور غافلین و مشغولین کو تنبیہ کرنا کہ اجتہادِ قرب مزید کرو۔ (از تفسیر ابن عربی و تفسیر روح البیان) اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اے ہمکلام محبوبو تم میری مصیبتوں پر صبر کرو۔ میری نعمتوں پر اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ میرے دشمن کے گھر پر آکر جہاد کرو اور اغیار کی صحبت و محبت سے پرہیز کرو اور میرے اپنوں کو اپنا وزیر و مشیر اور قابلِ مروّت و مودّت بناؤ تاکہ تم میری زیارت میں کامیاب ہو سکو جیسا کہ یہاں ارشاد ہے۔ دنیا میں اُخوتِ حقیقیہ کا خیال رکھو تاکہ جنت میں اُخوت حاصل ہو۔ والدہ کی دی ہوئی اُخوت فقط بدنی ہے اس لیے متغیر اور فنا ہو جاتی ہے آستانۂ نبوت سے ملی ہوئی اُخوت ہی اصلی حقیقی دائمی اُخوت ہے۔

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى ﴿۴۳﴾ فَقُوْلَا لَهٗ

جاؤ تم دونوں فرعون کے قریب بے شک وہ غدار ہو چکا ہے۔ پھر تم دونوں اُس سے نرم طبیعت سے

دونوں فرعون کے پاس جاؤ بے شک اُس نے سر اٹھایا۔ تو اس سے نرم

قَوْلًا لَّیِّنًا لَّعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ اَوْ یَخْشٰى ۴۴ قَالَا

گفتگو کرنا یہ امید رکھ کر کہ نصیحت مانے یا آخرت سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کیا

بات کہنا اس امید پر کہ وہ دھیان کرے یا کچھ ڈرے۔ دونوں نے عرض کیا

رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یَّفْرُطَ عَلَیْنَاۤ اَوْ اَنْ

اے رب ہمارے بے شک ہم کو خطرہ ہے کہ وہ کسی بہانے ہم پر زیادتی کرے یا

اے ہمارے رب بے شک ہم ڈرتے ہیں کہ وہ ہم پر زیادتی کرے یا

یَّطْغٰى ۴۵ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِیْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ

سر اُٹھائے۔ فرمایا رب نے بالکل نہ گھبراؤ تم دونوں بے شک میں تم دونوں کے ساتھ ہوں ہربات سنتا ہوں

شرارت سے پیش آئے فرمایا ڈرو نہیں میں تمہارے ساتھ ہوں سنتا

وَ اَرٰى ۴۶ فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ

اور دیکھتا رہوں گا لہٰذا تم دونوں جاؤ اُس کے پاس پھر دونوں بتاؤ کہ ہم دونوں تیرے پروردگار کے رسول ہیں

اور دیکھتا، تو اُس کے پاس جاؤ اور اُس سے کہو کہ ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں تو

فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۙ۬ وَ لَا

لہٰذا تو بھیج دے ہمارے ساتھ تمام بنی اسرائیل کو اور نہ

تو اولادِ یعقوب کو ہمارے ساتھ چھوڑ دے۔ اور انھیں تکلیف

تُعَذِّبْهُمْ ؕ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ؕ

عذاب ظالمانہ کر تو اُن پر ہم تیرے دکھانے کو تیرے رب کی طرف سے ایک معجزہ لائے ہیں

نہ دے بے شک ہم تیرے پاس تیرے رب کی نشانی لائے ہیں۔

وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ﴿۴۷﴾

اور اب سلامتی صرف اُس کی ہے جو ہادی کی پیروی کرے گا۔

اور سلامتی اسے جو ہدایت کی پیروی کرے۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ ہم نے کس طرح موسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ احکامِ الٰہیہ کے لیے تیار کیا کہ ان کو بچپن جوانی کے احسانات یاد کرائے گئے معجزات و نبوت سے نوازا گیا۔ دعائیں قبول کی گئیں جو انہوں نے مانگا وہ دیا گیا۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے اس تمام تیاری کے بعد ان کو فرعون کے پاس جانے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی جلالی اور غصے والی طبیعت کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں آپ کو نرم دلی اور جمالی طبیعت اختیار کرنے کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے ہاتھوں ایک کافر کے قتل ہو جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں حضرت موسیٰ کا اس کے بدلہ لینے سے خوف زدہ ہو جانے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى۔ اِذْهَبَا۔ بابِ فَتَحَ کا امر حاضر معروف تثنیہ مذکر ذَهَبٌ سے مشتق ہے یعنی دونوں جاؤ اس میں انتما ضمیر پوشیدہ فاعل ہے اِلٰى فِرْعَوْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے فِرْعَوْنَ لفظاً غیر منصوب ہے کیونکہ عجمی و علم ہے لفظِ فرعون عبرانی لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے سیاست دان یا چالاک اس زمانے میں ہر بادشاہ کا شاہی لقب ہوتا تھا ایک قول میں یہ لفظ اس کا نام یا ذاتی لقب تھا بعد میں ہر بادشاہ کو فرعون کا لقب دیا گیا اس قول کے مطابق یہ لفظِ فرعون معرّب ہوا فارعُو سے اور منتقل ہوا ہے فارع سے اس طرح کہ عبرانی میں سورج کو اُس کے پجاری رع کہتے تھے فرعون جب مصر میں آیا تو اس نے پجاریوں پر دھاک و رعب بٹھانے کے لیے اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار (پیغمبر) کہنا شروع کیا پھر مصر میں اکثر کفار سورج پرست تھے اسی مذہب کو مصری پنڈت ہندوستان میں لے کر آئے اور یہاں سورج کی پرستش شروع ہو گئی۔ بہرکیف جب فرعون

ے اوتار ظاہر کیا تو پجاریوں نے اس کی بہت عزت کی اور فارع اُس کا لقب ہوا۔ یہاں تک کہ اس کو اپنا بادشاہ بنا لیا اور وہاں کی لغت کے مطابق اوتار کو جب بادشاہت ملتی ہے تو اُس کو فارعو کہا جاتا یعنی سورج کا اوتار بادشاہ عربی میں بگڑ کر فرعون ہو گیا۔ دنیا میں سب سے پہلے اسی کو فرعون کا لقب دیا گیا۔ بعد میں ہر بادشاہ کو فرعون کہا جانے لگا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب طَغٰی فعل ماضی واحد مذکر غائب طَغٰی یا طُغُوٌّ سے مشتق ہے اگر طُغُوٌّ ناقص واوی بنا ہو تو باب نصر ہے اگر طَغْیٌ یائی سے بنا ہے تو باب سَمِعَ ہے۔ طُغُوٌّ اور طَغْیٌ دونوں کا ترجمہ ہے حد سے بڑھنا۔ خیال رہے کہ نافرمانی تین قسم کی ہوتی ہے ۱۔ بغاوت جس میں مخالف کو ختم کرنا مقصود نہ ہو صرف راہِ راست پر لانا مقصود ہو ۲۔ غداری جس میں مخالف کو ختم کرنا مقصود ۳۔ طُغُوٌّ جس میں مخالف کو ختم کر کے اُس کی جگہ پر قبضہ کرنا مقصود ہو۔ پانی کے سیلاب کو طغیانی اسی معنی میں کہتے ہیں کہ اپنی دریائی حد سے نکل کر خشکی پر قابض ہو جاتا ہے طَغٰی فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہوئی اِذْهَبَا کی۔ یہ فعل فاعل متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ قُوْلَا۔ فعل امر تثنیہ قَوْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے تم دونوں بات کرنا اَنْتُمَا اس کا فاعل پوشیدہ ہے لَهٗ بمعنیٰ اس کو ہٗ ضمیر کا مرجع فرعون ہے یہ جار مجرور متعلق ہے قُوْلَا کا قَوْلًا مفعول بہ مصدر ہے موصوف ہے لَیِّنًا۔ منصوب صیغہ صفت مشبہ بروزن فَیْعِلٌ دراصل تھا لَیْیِنٌ ی کا ی میں اِدغام کر دیا گیا اس کا مصدر ہے لِیْنٌ بمعنیٰ نرم شفقت آمیز گفتگو یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ فعل مضارع احتمالی معروف واحد مذکر باب تَفَعُّلٌ سے ہے هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے فرعون فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف اختیار یہ یَخْشٰی باب سَمِعَ کا مضارع معروف احتمالی واحد مذکر هُوَ ضمیر فاعل یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں مل کر قُوْلَا کی علت ہوئے قُوْلَا امر اپنے فاعل متعلق مفعول بہ اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ تعلیلیہ ہو گیا لَعَلَّهٗ یَتَذَكَّرُ کا ترجمہ اعلیٰ حضرت نے فرمایا۔ اُس اُمید پر سبحان اللہ اس ترجمۂ مبارک سے کفار کا ایک بہت بڑا اعتراض ختم ہو گیا۔ قَالَا۔ فعل ماضی مطلق باب نَصَرَ هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبَّنَا۔ اے ہمارے رب دراصل تھا یَا رَبَّنَا۔ رَبَّ کے فتحہ نے یا حرفِ ندا کا پتہ بتایا یہ قرینہ ہے حرفِ ندا کی موجودگی کا نا ضمیر جمع متکلم برائے تثنیہ مذکر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی منادیٰ

ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا اسم ہے نَخَافُ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع حال مثنیہ متکلم ضمیر متکلم مستتر اس کا فاعل ہے اَنْ حرفِ ناصبہ یَفْرُطَ بابِ نَصَرَ کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب فَرْطٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ایسا ظلم کرنا جو کسی گذشتہ واقعہ کا بہانہ یا آڑ بنا کر کیا جائے یعنی زیادتی کرنا اگرچہ وہ بہانہ ظالم کی نظر میں بھی نامناسب ہو۔ عَلَيْنَا جار مجرور متعلق ہے یَفْرُطَ فعل با فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا اَوْ حرفِ عطف اَنْ ناصبہ یَطْغٰی بابِ سَمِعَ کا مضارع مستقبل هُوَ ضمیر فاعل کا مرجع فرعون ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا نَخَافُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا ہوا اور یَا پوشیدہ اپنے منادیٰ و جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَا کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِيْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَ اَرٰى فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ ۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى ۔ قَالَ فعل ماضی مطلق هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع رب تعالیٰ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَا تَخَافَا۔ بابِ سَمِعَ کا فعل نہی حاضر تثنیہ مذکر اَنْتُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اِنَّ حرفِ مشبہ نون وقایہ یٖ ضمیر واحد متکلم مرجع رب تعالیٰ بحالتِ نصب ہے اسم ہے اِنَّ کا مَعَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے کُمَا ضمیر تثنیہ حاضر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی ذوالحال اَسْمَعُ بابِ سَمِعَ کا مضارع متکلم اَنَا ضمیر واحد متکلم پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ جمعیت کے لیے اَرٰی۔ رُؤْیَۃٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ توجہ سے دیکھنا واحد متکلم بابِ ضَرَبَ کا مضارع معروف یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر حال ہوا مَعَكُمَا اپنے حال سے مل کر خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہوئی لَا تَخَافَا کی وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ حرفِ عطف تعقیبی اِئْتِيَا۔ اٰتِیٌ سے مشتق ہے۔ بابِ افعال کا فعل امر حاضر معروف تثنیہ مذکر اَنْتُمَا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے۔ اُتِیٌ کے معنیٰ ہے آنا مگر جب یہ باب افعال میں آکر متعدی ہوتا ہے۔ معنیٰ ہوتے ہیں جانا اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ پھر نون تنوین سے مبتدل ہو کر اِیْتَانٌ ہوا۔ هٗ ضمیر بارز اس کا مفعول مَعَہٗ یا ظرفِ مکانی یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بمعنیٰ ثُمَّ قُوْلَا فعل امر تثنیہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنَّا۔ دراصل ہے اِنَّ نَا۔ نَا ضمیر جمع متکلم اِنَّ کا اسم ہے

رَسُوْلَا اسم تثنیہ دراصل ہے رَسُوْلَانِ نونِ تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا یہ مضاف ہے رَبِّكَ مضاف الیہ یہ دونوں مل مرکبِ اضافی خبر ہے اِنَّا کی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَاَرْسِلْ۔ فَ عاطفہ سببیہ۔ اَرْسِلْ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اس میں مخاطب ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ مَعَنَا۔ مرکبِ اضافی بمعنٰی ہمارے ساتھ۔ مفعول معہٗ ہے۔ بنی اسرائیل مرکبِ اضافی۔ دراصل بَنِیْنَ اسرائیل ابن کی جمع نون اضافت کی وجہ سے گر گیا۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ اَرْسِلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تُعَذِّبْ۔ باب تفعیل کا فعل نہی اَنْتَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ھم ضمیر مفعول بہ مرجع۔ بنی اسرائیل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا فَاَرْسِلْ کا یہ دونوں معطوف ہوئے اِنَّا کے سب عطف مل کر مقولۂ اول ہوا قُوْلَا کا قَدْ جِئْنَا۔ باب ضرب کا ماضی قریب معروف جمع و تثنیہ متکلم كَ ضمیر مخاطب مفعول بہ یعنی تجھ کو دیتے یا دکھانے بِاٰيَةٍ۔ بِ حرفِ جر متعدی مفعولیت کا۔ اٰيَةٍ اسم مفرد۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے قَدْ جِئْنَا کے مِنْ جارہ ابتدائیہ رَبِّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا مضاف ہے كَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے قَدْ جِئْنَا کے یہ سب مل کر مقولۂ دوم ہے فَقُوْلَا کا۔ وَاوٗ زائدہ بیانیہ اَلسَّلَامُ اسم مفرد معرفہ مبتدا ہے۔ عَلٰی حرفِ جر بمعنی لام نافعہ مَنْ اسم موصول اِتَّبَعَ باب افتعال کا ماضی مطلق ھُوَ ضمیر اس کا فاعل پوشیدہ اَلْهُدٰى۔ الف لام عہد خارجی هُدٰى اسم مصدر بمعنٰی هَادِىْ اسم فاعل اِتباع کا ترجمہ ہے بلا سوچے نقشِ قدم پر چلنا یہ بجز انبیاء کسی کی جائز نہیں ہے۔ هُدٰى بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے اِتَّبَعَ کا یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثابتٌ اسم فاعل وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر مقولہ سوم قُوْلَا۔ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر معطوف ہوا فَاْتِيٰهُ کا دونوں عطف مل کر معطوف ہوا لَا تَخَافَا کا وہ سب عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔

تفسیر عالمانہ

اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى قَالَا رَبَّنَا اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَا اَوْ اَنْ يَّطْغٰى اے موسٰی اب تم دونوں مل کر فرعون کی طرف چل پڑو (لفظِ فرعون اس زمانے میں ہر بادشاہ کا ملکی قانونی لقب ہوتا تھا) کیونکہ اب وہ ظالم میرے نیک بندوں پر ظلم میں کفر کی حد دں۔ میں غرور کی اکڑ میں اس دیوی چند روزہ زندگی کی ڈھیل سے ناجائز فائدہ اٹھانے میں دن بدن بغاوت و سرکشی میں بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ موسٰی علیہ السّلام کو اس کلام طور میں چار طریقے سے مصر جانے کا حکم ملا مگر

نوعیت مختلف ہے پہلے دو مرتبہ واحد مذکر حاضر کے صیغہ سے پھر دو مرتبہ تثنیہ مذکر کے صیغے سے ایک دفعہ یہاں اور پھر آگے ۔ فَاْتِيَاهُ ۔ فرما کر معربیں آپ کو تین قسم کے لوگوں کی طرف بھیجا گیا ۱ فرعون اور اس کے درباری عملے کی طرف ۲ قبطی قوم کی طرف ۳ بنی اسرائیل کی طرف ۔ اتنے بڑے سرکش مغرور کافر نا فرمان ہونے کے باوجود رب تعالیٰ کا کرم یہ کہ اے موسیٰ جب تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ فَقُولَا لَهُ قَوْلًا لَّيِّنًا ۔ تو اس پر غصہ اور جلال نہ کرنا بلکہ نہایت میٹھی نرم طرز سے باتیں کر کے سمجھانا ۔ اپنی طرف سے یہی امید رکھنا کہ وہ ضرور ضرور نصیحت پکڑے یا کم از کم اس کو اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کا پتہ لگ جائے جس سے اس کو آخرت و عذاب کا کچھ خوف آئے ۔ اللہ اکبر کتنی کریمی رحیمی غفاری و شفقت ہے حضرت امام یحیٰی بن معاذ رازی کو ایک دفعہ یہ آیت کسی نے سنائی تو آپ بہت روئے اور عرض کیا کہ اے مولیٰ تعالیٰ جب اس پر تیرا اتنا رحم ہے جو اپنے آپ کو کہتا رہا ۔ اَنَا اللّٰهُ ۔ اور اَنَا رَبُّكُمُ تو رحم و کرم اس بندے پر کتنا عظیم ہوگا جو کہے گا کہ اَنْتَ رَبِّيْ وَاَنَا عَبْدُكَ وَاَنْتَ اِلٰهٌ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو چودہ وجوہ سے نرم کلامی کا حکم فرمایا ۔

۱ اس لیے کہ آپ کا غصہ بہت تیز تھا اللہ تعالیٰ کے خلاف کسی بھی چھوٹے بڑے آدمی سے کسی طرح کی گستاخی برداشت نہ ہوتی تھی ۔ آپ کو اپنے ذاتی دشمن کی بیہودگی پر کبھی غصہ نہ آیا ۔ مگر رب کریم کی شانِ اقدس کی گستاخی پر اتنا شدید غضب و غصہ آتا کہ آپ کی ٹوپی مبارک غصہ کی تپش سے گرم ہو جاتی ۔ موسیٰ علیہ السلام نے ہمیشہ ٹوپی پہنی کبھی عمامہ نہ باندھا ۔ آپ دو قسم ٹوپی پہنا کرتے تھے اکثر چھوٹی ٹوپی کبھی کبھی بڑی ٹوپی کا نون تک اسی لیے آج کل یہودی لوگ دونوں قسم کی ٹوپیاں پہنتے ہیں دوسری وجہ یہ کہ نرم کلامی سے سب کو فائدہ تھا ۔ فرعون کو مائل ہونے کا ۔ قومِ قبطی اور اہلِ دربار کو ایمان لے آنے کا ۔ بنی اسرائیل کو چھٹکارا مل جانے کا ۔ موسیٰ علیہ السلام کو اتمام حجت کا اور دونوں موسیٰ و ھٰرون علیہما السلام کو ثواب تبلیغ کا ۳ نرم کلامی سے مخالف کو انکار کا بہانہ نہیں ملتا یا ماننا پڑتا ہے یا لاجواب ہونا ۴ خود بولنے والے کے جذبات کو فائدہ ہوتا ہے ۵ سننے والے کو سوچنے سمجھنے اور فائدہ لینے کا موقعہ ملتا ہے ۶ اغیار کو بھی نرم کلامی سے ہی قائل اور مائل کیا جاتا ہے ۷ دشمنوں میں گھرے انسان کی عزت قائم رہتی ہے ۸ اپنی عقل قائم رہتی ہے ۹ مدِمقابل کی عقل بھی قائم رہتی ہے اس کو سخت کلامی

کا غصہ نہیں آتا ۱۰۔ نرم کلامی سے اپنی بات منوائی جاسکتی ہے ۱۱۔ نرم کلامی میں نفع رسانی محبت شفقت کے فوائد ہیں ۱۲۔ نرم کلام میں حکمت و تدبر ہے ۱۳۔ بولنے والے کا رعب پڑتا ہے ۱۴۔ دشمن کا غصہ ٹھنڈا ہوتا ہے اس لیے حکم دیا گیا قَوْلًا لَّيِّنًا تبلیغ احکام کے لیے نرم کلام کا حکم فرمایا گیا کہ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ اس لَعَلَّ کا تعلق رب تعالیٰ سے نہیں بلکہ موسیٰ و ہارون علیہما السلام سے ہے کہ تم کو یہ امید ہونی چاہیے۔ بعض نے فرمایا یہ لَعَلَّ رجا یعنی اُمید کے لیے ہے بلکہ تمام جگہ قرآن پاک میں لَعَلَّ اسی معنیٰ میں ہے۔ اُمید رکھنے والا اپنے اعمال و کردار اور تبلیغ میں مجتہد ہوتا ہے اس لیے ثواب پاتا ہے مگر مایوس آدمی مجبورًا تکلف سے عمل کرتا ہے۔ بعض نے کہا کہ لَعَلَّ سوالیہ ہے یعنی کیا وہ نصیحت پکڑے گا۔ بعض نے کہا کہ لَعَلَّ تعلیلیہ ہے یعنی تاکہ وہ نصیحت پکڑے۔ مگر پہلا قول درست ہے کہ اُمید کے لیے ہے۔ خشیت وہ خوف جو کسی کی عظمت کے احساس و اقرار سے ہو۔ یہاں دو دفعہ طغٰی فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ میں مطلق ہے کہ فرعون ہر اعتبار سے طاغی ہے دینی ایمانی دنیوی اور اِذْهَبَا میں طغٰی مقید اور مربوط ہے کہ دینی اعتبار سے طاغی ہے اور سرکش کو درست کرنے کے لیے قول لین ضروری ہے اسی لیے موسیٰ علیہ السلام کی سیدھی سادی میٹھی نرم محبت آمیز لاجواب باتیں سن کر فرعون کے دل میں موسیٰ علیہ السلام کی پچھلی محبت جاگ اٹھی اور بولا اچھا موسیٰ میں تمہاری بات مان کر تمہارے رب پر ایمان لے آؤں گا مگر میری پانچ شرطیں ہیں ان کا مجھ سے وعدہ کرو ایک یہ کہ میں تا عمر جوانوں کی طرح قوی رہوں دوم یہ کہ کھانے کی لذت اور فائدہ جوانوں کی پاتا رہوں سوم یہ کہ مردی قوت تا عمر مجھ میں آجائے چہارم یہ کہ مشروبات کی لذتیں فائدے کبھی نقصان نہ دیں پنجم یہ کہ میری بادشاہت تا عمر باقی رہے حضرت موسیٰ نے اپنی اس پہلی ملاقات اور تبلیغ ہی میں اس سے یہ تمام وعدے فرمائے اور فرمایا کہ یہ تو دنیوی وعدے ہیں آخرت کی جنت عیش و عشرت مزید ملے گا۔ طور سے روانگی سے قبل موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے عرض کیا اس طرح کہ ادھر طور پر موسیٰ علیہ السلام بذریعہ گفتگو ادھر مصر میں ہارون علیہ السلام نے بذریعہ وحی۔ دونوں کا کلام اس طرح نقل فرمایا گیا قَالَا رَبَّنَآ اِنَّنَا نَخَافُ دونوں نے عرض کیا۔ اے رب ہمارے بے شک ہم دونوں اندیشناک ہیں فکر مند اور پریشان ہیں کہ وہ ہم پر ہمارے پرانے ایک قتل کے انتقام کی وجہ سے کچھ زیادتی نہ کرے یا اس طرح کہ وہ

ہمارے قتل کا منصوبہ بنا ئے اور کسی بہانے کی آڑ لے کر دونوں کو قتل کرا دے اگرچہ قتل کا خوف انبیا علیہم السّلام کو نہیں ہوتا مگر اس سے تبلیغِ احکامِ الٰہیہ کا کام بند ہو جاتا۔ یا اس طرح کہ اپنے تکبر شاہی کی وجہ سے ہماری بات کو اہمیت نہ دے یا اس طرح کہ دربار میں نہ آنے دے نہ بات سننا پسند کرے۔ اَوْ اَنْ یَّطْغٰی۔ یا اس طرح کہ اپنی جھوٹی الٰہیت و ربوبیت کو بچانے کے لیے اے باری تعالٰی تیری گستاخی کرے جو ہم سے برداشت نہ ہو سکے اور ہم اپنے غصے کو قابو نہ رکھ سکیں اور عصا سے اُس کو بھرے دربار میں ہلاک کر دیں۔ یا اُس کا تکبر سرکشی زیادہ ہو جائے یہ عرض و معروض سن کر۔ قَالَ لَا تَخَافَآ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ اَسْمَعُ وَاَرٰی فَاْتِیٰهُ فَقُوْلَآ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰیَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ رب تعالٰی نے ارشاد فرمایا کہ اے موسٰی و ھٰرون کسی بھی چیز کا فکر اندیشہ مت کرو تم دونوں نہایت اطمینان سے جاؤ۔ فرعون تم سے کچھ بھی زیادتی نہ کر سکے گا نہ دینی نہ دنیوی نہ قتل نہ قید نہ اپنی تبلیغِ رسالت احکامِ دینیہ کی تکمیل کی فکر کرو نہ وہ تمہارے سامنے ہماری گستاخی کر سکے گا۔ بلکہ ہر طرح سے فائدہ ہی ہو گا اس لیے کہ اِنَّنِیْ مَعَكُمَآ میں تم دونوں کے ساتھ ہوں تم یہ خیال کبھی مت کرنا کہ میری کرامت و حمایت تم سے منقطع ہو گئی۔ میری کمالِ حفاظت اور نصرتِ تامہ ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے طور پر موسٰی علیہ السّلام اور مصر میں ھٰرون علیہ السّلام اکیلے تھے اور دونوں سے یہ کلام ہو رہا تھا۔ یہاں بلا واسطہ اور مصر میں بواسطہ جبرئیل۔ اسی لیے فَاْتِیٰهُ اور فَقُوْلَا بصیغۂ تثنیہ ارشاد ہوا اگرچہ دونوں دور دور تھے۔ بعض نے کہا کہ قَالَا رَبَّنَآ وغیرہ یہ کلام طور نہیں بلکہ موسٰی علیہ السّلام مصر میں بھائی سے ملے تو وہاں دونوں نے مل کر عرض کیا مگر یہ درست نہیں کیونکہ یہ یک دم دونوں کا بولنا ادب بارگاہ کے خلاف اور ممنوع ہے اسی لیے تو قرأت خلف الامام منع ہے دفعہ میں ہمیشہ ایک ہی بولتا ہے اور اسی سب کا بولنا مانا جاتا ہے۔ اگر یہ کلام مصر پہنچنے کے بعد ہوتا تو قَالَ واحد ہوتا اس لیے درست یہی ہے کہ دونوں نے الگ الگ مقام سے کلام عرض کیا اور دونوں کو رب تعالٰی نے دونوں جگہ اپنا کلام سنا دیا بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں کو فرعون کی سرکشی کا علم تھا۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت ۲۱ سے آیت ۳۶ تک رب تعالٰی نے موسٰی علیہ السلام سے تیئیس ۲۳ باتیں ارشاد فرمائیں اور موسٰی علیہ السّلام نے اللہ تعالٰی سے گیارہ باتیں عرض کیں دس باتیں اکیلے اور گیارھویں بات

اِنّا نُحَاتُ اپنے بھائی کو شامل کر کے۔ یہ تمام کلام ابتداءِ شب سے صبح صادق تک ہوتا رہا۔ جب حضرت موسیٰ طور سے چلے تو لذتِ کلامِ الٰہی یادِ الٰہی کی مشغولیت، حکمِ ربّانی کی پابندی کے عشق میں بیوی بچوں بکریوں سامان سب کچھ بھول گئے اور اسی وقت منہ اندھیرے چل پڑے اور راہِ سفر میں آپ کو پانچ دشواریاں پیش آئیں پہلی یہ کہ راستہ معلوم نہ تھا دوم یہ کہ سفر خرچ زادِ راہ کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا سوم یہ کہ سواری کا جانور بھی نہ تھا پیدل ہی چل پڑے چہارم یہ کہ کوئی سامان بھی نہ لیا بجز اپنے عصا کے اسی کو دن میں سائے کے لیے رات کو تکیے کے لیے استعمال فرماتے پنجم یہ کہ ایک دن کا سفر تھا مگر راستہ بھولنے کی وجہ سے تین دن میں پورا کیا ظہر کے وقت ہارون علیہ السّلام مصر کے جنگل میں مل گئے اور بتایا کہ فرعون کی سرکشی اور ظلم پہلے سے زیادہ ہو گیا ہے بالکل معمولی باتوں پر اسرائیلی کا قتل کر دینا عام سی بات ہے دوسرے دن بوقتِ اشراق حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام پہلی بار شانِ نبوت اور تبلیغِ رسالت کے ساتھ فرعون کے پاس بھرے دربار میں پہنچے مگر اُس وقت اس کا وزیرِ اعظم ہامان موجود نہ تھا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے اس پہلی ملاقات میں تیرہ ۱۳ باتیں فرعون سے فرمائیں ۱ بہت ہی نرم اور محبت بھرے انداز میں فرعون کو اس کی پسندیدہ کنیت سے خطاب کیا یا ابا العباس فرعون بے اولاد تھا مگر اسنے شوقیہ اپنی تین کنیتیں رکھی ہوئی تھی فرعون کو اس طرح پکارنا بہت پیارا لگتا تھا۔ اس کی دوسری کنیت ابو ولید تیسری ابو بکرہ تھی ۲ ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول ہیں ۳ قَدْ جِئْنَاكَ بِاٰیَةٍ ہم تیرے پاس اپنی نبوت و رسالت پر نشانی بھی لائے ہیں ۴ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ۔ بے شک ہم کو اللہ کی طرف سے وحی بھی ارشاد ہوتی ہے یہاں سے آپ نے صحفِ موسوی کے احکام امر و نہی نذارت بشارت اس طرح سنائی۔ ۵ وَالسَّلٰمُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔ اے فرعون سلامتی اور بقا صرف اُسی شخص کی ہے جو ہماری لائی ہوئی ہدایت کی پیروی کرے گا ۶ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی۔ اے ہمارے ملک کے بادشاہ یہ بھی یاد رکھ کہ جس نے اِس ہدایتِ ربانی کو جھٹلایا اور اس سے منہ پھیرا بے شک دائمی عذاب اُسی پر ہے۔ یہ تمام کلامِ صحیفہ قرآن مجید میں یہیں نقل فرمایا گیا۔ اگلا کلام سورۃ قصص آیت ۳۷ میں اس طرح ہے ۷ قَالَ مُوْسٰی رَبِّیْۤ اَعْلَمُ بِمَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی مِنْ عِنْدِهٖ وَمَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ فرعون تم نے تو بے سوچے سمجھے میری باتوں کو اور کام کو جادو کہہ دیا بے شک میرا رب خوب جانتا ہے اُس کو جو اُس کے پاس

سے ہدایت لایا اور اس کو بھی جانتا ہے جس کے لیے آخرت کا گھر ہے بے شک ظالم مراد کو نہیں پہنچتے ۸ هَلْ لَّكَ اِلٰٓى اَنْ تَزَكّٰى ۔ اے فرعون کیا تو یہ خواہش و رغبت رکھتا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کی پاکیزگی حاصل کرے ۹ وَاَهْدِيَكَ اِلٰى رَبِّكَ فَتَخْشٰى ۔ اور اے فرعون کیا میں تجھے ایسی ہدایت ابدیت دوں جس سے تو اللہ تعالیٰ کی عظمت و شان کو پہچان کر مرعوب ہو۔ یہ فرمودات بھی صُحُفِ موسیٰ میں تھے جو آپ نے سنائے قرآن مجید کی سورۃ نازعات کی آیت ۱۸ و ۱۹ میں مذکور ہوئے ۱۰ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى ۔ اے فرعون یہ دنیوی چند روزہ سلطنت کامیابی کی نشانی نہیں۔ بے شک کامیاب وہ ہے جو پاکیزہ ہو گیا ظاہر و باطن سے ۱۱ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى اور کامیاب وہی ہے جس نے اپنے رب اللہ تعالیٰ کی یاد و باقی رکھی ذکر الٰہی کرتا رہا اور نماز پڑھتا رہا ۔۱۲ پھر آپ نے درباریوں کو خطاب فرمایا۔ بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۔ ارے بیوقوفو تم دنیوی زندگی کو پسند کر بیٹھے یہ تو عارضی فانی مصیبتوں ذلتوں غربتوں بھری ہے اس میں تو طغیانیت نفسانیت شیطنت ہے ۱۳ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۔ اصل مزیدار زندگی تو آخرت کی ہے جو باخیریت بھی ہے اور ہمیشہ اَبَدُ الْاٰبَاد تک رہنے والی بھی۔ یہ اقوال و نصائح قرآن مجید کی سورۃ اعلیٰ میں ذکر فرمائے گئے یہ تمام نصیحتیں بشارت نذارتیں صُحُفِ موسیٰ میں تھیں اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى صُحُفِ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں بھی یہ ہی کچھ پیغام و کلامِ الٰہی تھا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے مربی آزر کو نہایت باادب اور با احترام نرم انداز میں سنایا اور موسیٰ علیہ السلام نے اپنے مربی فرعون کو نہایت محبت و ادب سے سنایا۔ یہ سب کلام پہلی محفل و ملاقات میں ہوا۔ فرعون اس کلام و انداز گفتگو سے متاثر ہوا اور بولا۔ اے موسیٰ مجھے وہ معجزہ دکھاؤ جو تم اپنے رب کے پاس سے اپنی رسالت کی تائید کے لیے لائے ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلے اس کو عصا کا معجزہ دکھایا وہ ڈرا گھبرایا پھر اس کو ہاتھ کا معجزہ دکھایا وہ بہت حیران ہوا۔ تفسیر خازن شافعی نے فرمایا کہ صرف ہاتھ کا معجزہ دکھایا مگر یہ غلط ہے بعض نے کہا صرف عصا کا معجزہ دکھایا مگر یہ بھی غلط ہے۔ صحیح اور مدلل یہ ہے کہ آپ نے دونوں معجزے دکھائے اس کی دلیل یہ کہ ۱ فرعون نے اس کو جادو کہا اور مرعوب ہوا گھبرایا صرف ہاتھ کے معجزے سے اتنا ڈرنے گھبرانے کی ضرورت تھی نہ اس کو زبردست جادو کہا جا سکتا ہے صرف ہاتھ کے مقابلے کے لیے اتنے بڑے بڑے تقریباً بہتر ہزار جادوگر بلانے کی کوئی ضرورت نہ تھی دلیل دوئم جب فرعون نے اور اس کے درباریوں نے ایمان لانے سے انکار کر دیا تو اس

معجزہ کو جادو کہتے ہوئے کہا کہ ہم بھی اسی کی مثل جادو لائیں گے۔ فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ جب جادوگروں نے اپنا جادو دکھایا تو اپنی رسیوں کو سانپ ہی بنا دیا نہ کہ یدِ بیضا۔ دلیلِ سوم فرعون نے اپنے بندے دوڑائے اور ملک کے تمام جادوگر جمع کر لیے ان کو فرعون نے یقیناً بتایا ہوگا کہ ایک جادوگر نے ہمیں اس طرح جادو کر کے دکھایا ہے تم سب اس کا مقابلہ کرو جب جادوگر میدان میں وقتِ مقررہ پر پہنچے تو جادوگروں نے کہا قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ۔ اے موسیٰ یا تم پہلے ڈالو۔ اس سے ثابت ہوا کہ عصا کا کہہ رہے ہیں۔ کیونکہ اِلقا اور ڈالنا پھینکنا لاٹھی کا ہی ہوسکتا ہے نہ کہ یدِ بیضا کا اگر فرعون نے عصا کا معجزہ دیکھا نہ ہوتا تو جادوگر ہاتھ کے مقابلے کی تیاری کر کے آتے نہ کہ سانپ بنانے کی دلیلِ چہارم سورۃِ نازعات آیت ۲۰ میں ہے فَاَرٰىهُ الْاٰيَةَ الْكُبْرٰى۔ تمام گفتگو کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اُس کو بہت بڑی آیت دکھائی اور بہت بڑا معجزہ و آیت تو عصا ہی ہوسکتا ہے۔ کہ بہت قدرتوں کا مجموعہ تھا۔ دلیل پنجم یدِ بیضا بھی اسی پہلی محفل میں دکھایا ورنہ بعد میں تو کہیں دکھانے کا تذکرہ ہی نہیں۔ مفسرین فرماتے ہیں یدِ بیضا صرف دو دفعہ بنایا گیا پہلی مرتبہ طور پر رب تعالیٰ کے حکم وَاضْمُمْ سے۔ دوسری بار فرعون کی پہلی ملاقات میں روایتوں میں آتا ہے اسی محفل میں فرعون بہت نرم اور مائل بہ ایمان ہوگیا اور اُس نے موسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے بھی لے لیے لیکن اپنے وزیر اعظم کے مشورے پر موقوف رکھا اور محفل برخاست کر دی۔ روایت ہے کہ اس محفل میں تین چیزوں سے متاثر ہو کر تقریباً اسّی قبطی پوشیدہ طور پر مومن بن گئے تھے جن کا فرعون کو پتہ نہ لگا تھا موسیٰ علیہ السلام کو انہوں نے اپنے اپنے ایمان کا بتا دیا۔ ایک دوسرے سے بھی چھپایا یہ غرقِ فرعونی کے بعد ظاہر ہوا فرعون کی عمر اس پہلی ملاقات کے وقت تقریباً چار سو نہتر سال تھی بیس سال بعد غرق ہوا از روح المعانی اس طرح کُل عمر چار سو اُنانوے سال ہوتی ہے۔ كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ جب ہامان آیا اُس سے فرعون نے ساری کیفیت سنا کر اپنے وعدوں اور مائل بہ ایمان ہونے کا تذکرہ کیا اور مشورہ لیا۔ ہامان نے کہا ہرگز ہرگز ایسا نہ کرنا تو خود عقل مند ہے ہم سب بیچارے ہیں تو رب ہے تو ایک غریب کم عقل آدمی سے ڈر کر گھبرا گیا اگر تو نے موسیٰ کی بات مانی تو تو متبوع سے تابع معبود سے عابد اور مخدوم سے خادم ہو کر رہ جائے گا اور یہ نہایت ذلت ہے۔ یہ سن کر فرعون اِس صحبتِ بد کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کا منکر و مخالف ہوگیا اور دوسری ملاقات میں نہایت متکبرانہ لہجہ اختیار کیا تب حضرتِ موسیٰ نے بھی نرم اور باادب کلام چھوڑ

کر ذرا سختی فرمائی اور فرمایا۔ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ۔ اے فرعون اچھا اگر تو ہماری اتنی فائدہ کے نصیحتوں وعدوں کو نہیں مانتا تو ہم تجھ سے کچھ نہیں کہتے تو جا جہنم میں مگر بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ بھیج دے ہم مصر چھوڑ کر چلے جاتے ہیں۔ اور تو نے جو اتنے عرصہ سے بنی اسرائیل نبی زادوں نیک پاک مومن لوگوں پر عذاب کئے رکھا ہے وَلَا تُعَذِّبْهُمْ اب آئندہ ان کو کسی قسم کا عذاب نہ دینا۔ اے فرعون تو صدق دل سے پڑھ لے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کیونکہ فقط اللہ تعالیٰ ہی تیرا رب ہے تیرے مرنے کا بھی دن مقرر ہے جس کو تو یقین سے سمجھتا ہے اسی لیے تو نے مجھ سے اپنی موت تک کے وعدے لیے ہیں تیرے سامنے بھی جنت اور دوزخ ہے دنیوی عزت کے ساتھ ساتھ اخروی ابدی عزت بھی پا لے اور جنت میں جائے جہنم سے بچے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرمایا تھا کہ فرعون سے نرم کلام کرنا۔ یعنی وعدے پہلے سنانا۔ وعیدیں بعد میں پھر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا بتانا اچھے القاب و نام سے پکارنا کیونکہ وہ تمہارا مربی ہے۔ اور حق مربی یہی ہے کہ ہمیشہ اس کا بھلا چاہا جائے۔ لیکن چونکہ تخلیص مومن اہم ہے تبلیغ کفار سے اس لیے آپ نے پہلے فرمایا لَا تُعَذِّبْهُمْ۔ بنی اسرائیل پر عذاب نہ کر۔ فرعون دس قسم کے عذاب بنی اسرائیل پر کرتا رہا ۱ اپنی قوم قبطیوں کو بڑی عزتیں دیتا اسرائیلیوں کو ہر طرح کی ذلتیں دیتا ۲ قبطیوں کو افسر اعلیٰ بناتا اسرائیلیوں کو خادم نوکر ۳ قبطیوں کا جھوٹ بھی قبول ہوتا اسرائیلی کا ظاہر ظہور سچ بھی نامقبول ۴ گندگی اٹھانے کے کام پر اسرائیلی مرد و عورتوں کو مقرر کر دیا تھا۔ سڑکوں گلیوں کی صفائی بھی ان کو کرنی پڑتی ۵ سخت ترین مشقت کے کام لینا مثلاً کوئیں کھودنا۔ پتھر توڑنا کھیتی باڑی وغیرہ ۶ کام زیادہ لینا مزدوری کی اجرت کم دینا یا کبھی نہ دینا ۷ قبطی کو بری اور غصیلی نظر سے دیکھنا یا اونچی نظر کر کے بات کرنا جرم تھا اور سزا دی جاتی ۸ بنی اسرائیل کی سزا کے لیے کوئی عدالت نہیں تھی ہر شخص ہر جگہ جب چاہتا سزا دے سکتا تھا ۹ قبطی اپنے ماتحت اسرائیلی پر کتنا ہی ظلم کرتا اس کو کوئی پوچھنے والا نہ ہوتا ۱۰ عورتیں گھر کی خادمائیں بنائی گئیں تھیں۔ یہ ظلم تو مسلسل تین سو سال تک رہے غرق فرعونی تک ۱۱ لیکن نو سال تک بچے قتل کرائے گئے۔ بنی اسرائیل سب مومن تھے اور فرعون کو نہ مانتے تھے اس لیے یہ سب ظلم تھے۔ اپنے زمانے کے انبیا اور شریعتِ ابراہیم علیہ السلام پر ایمان رکھتے تھے اگرچہ کچھ اسرائیلی فرعونیوں کی صحبت بد کی وجہ سے فاسق ہو گئے تھے ان وجوہ سے حضرتِ موسیٰ نے اَرْسِلْ مَعَنَا کے مطالبے پر سختی فرمائی۔ فرعون کا کفر اگرچہ تقدیر مبرم

تھا مگر پھر بھی اس کو تبلیغ ایمان فرمائی گئی اس لیے کہ اس کو سن کر دوسرے کافر مومن بن جائیں اور ایسا ہوا کہ بہت قبطی مومن ہو گئے۔ اور یہ کام عند اللہ اتنا اہم اور لازم تھا کہ رب تعالیٰ نے چار مرتبہ جانے کا حکم فرمایا۔ اِذْهَبْ اِلٰى فِرْعَوْنَ میں قصد ہے اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ میں۔ وصول ہے اور فَاْتِيَاهُ میں حصول ہے یعنی ذَهَبَ کے معنیٰ چلنا۔ اَتٰى کے معنیٰ پہنچنا۔ موسیٰ علیہ السلام نے پہلی ملاقات میں آخری بات فرمائی۔ وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ سلامتی چار قسم کی ہے ۱ تحیۃ کی عزت ۲ دارین کی سلامتی ۳ ملائکہ کی دہشت سے سلامتی ۴ جہنم کے عذاب سے بچ جانا اور ہدایت کی پیروی کرنا نبوت کی مکمل ہر آن فرمانبرداری کرنے کا نام ہے۔ اتنی دراز اور نرم گفتگو کے باوجود فرعون بد نصیب ہامان کے کہنے ہر چیز سے منکر ہو گیا اس لیے کہ انسان کے قلب کی تین کیفیتیں ہوتی ہیں ایک یہ کہ دل میں تعصب یعنی باطل پر ضد کرنے کی بیماری ہو دوم یہ کہ بندے کے دل میں تصلب کا نور ہو یعنی حق پر ڈٹ جانا۔ سوم یہ کہ دونوں پر توقف و تردد ہو۔ نہ ادھر پر بھروسہ نہ اُدھر پر اعتماد۔ فرعون کی یہی کیفیت تھی ایسے بندے کو ہمیشہ بروں کی صحبت سے بچنا چاہیے۔ (از تفسیر صاوی روح البیان روح المعانی مدارک خازن۔ کبیر رازی مظہری۔ نیشاپوری۔ جامع البیان)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنا کلیم بنایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا حبیب بنایا اور دونوں انعاموں کا عظیم فرق بھی قرآنِ مجید میں بتا دیا ۱ موسیٰ علیہ السلام نے دعا سے شرح صدر حاصل کیا لیکن حبیب کو اَلَمْ نَشْرَحْ فرما کر عالمِ ازل میں خود ہی شرح صدر عطا فرما دیا ۲ معراجِ کلیم طور پر ہوئی معراجِ حبیب لامکان پر ۳ معراجِ طور میں صرف آواز سنائی گئی اور نگاہِ کلیم اُن کے عصا پر لگا دی کہ مَا تِلْكَ مگر معراجِ حبیب میں۔ آواز بھی سنائی متوجہ بھی اپنی طرف کیے رکھا اور نگاہیں بھی اپنے دیدار کی طرف لگائے رکھیں۔ کہ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى۔ ۴ اُمتِ کلیم کو نجاتِ دنیوی کے لیے عصا اور ید بیضا دیا گیا جو صرف موسیٰ علیہ السلام کے وقت تک رہا مگر اُمتِ حبیب کو دنیوی اُخروی نجات کے لیے قرآن و حدیث دیا گیا جو تا قیامت ہر اُمتی کے ساتھ ہے۔ ۵ کلیم علیہ السلام کو ہارون ملے جو بنی اسرائیل کا سہارا تھے۔ حبیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مولیٰ علی ملے جن کی سادات تا قیامت ہر مسلمان کا سہارا ہیں کلیم کی آیتِ دلیلِ عصا تھا حبیب کی آیتِ رب ثَانِيَ اثْنَيْنِ ہے یہ فائدہ قَدْ جِئْنٰكَ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ موسیٰ

علیہ السلام نے پہلی ملاقات میں تمام لہجہ میں کلام نرم کیا۔ اور دوسری ملاقات میں تمام سخت لہجہ میں کیا اس لیے کہ تکمیلِ شخصیت نرمیِ کلام اور گرمیِ کلام ہی کا نام ہے۔ حدیث پاک میں ہے۔ لَا تَكُنْ مُرًّا فَتُعْقَى وَلَا حُلْوًا فَتُسْتَرَطَ۔ اَوْ فَتُمْضَغَ یعنی نہ اتنا کڑوا بن کہ اُگل دیا جائے اور نہ اتنا میٹھا بن کر نگل لیا جائے۔ حضرت شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

چوں نرمی کنی خصم گردد دلیر وگر خشم گیری شود از تو سیر
درشتی و نرمی بہم در بہ ہست چوں رگ زن کہ جراح و مرہم نہ ہست

یعنی مردِ مومن کو ہر میدان میں موسیٰ علیہ السلام کی طرز اختیار کرنی چاہیئے خاص کر اپنے نفسِ اَمّارہ کے ساتھ اس لیے کہ ہمارا نفس امارہ بھی فرعون ہے۔ یہ فائدہ اِئْتِيَاهُ فَقُوْلَا رَبِّكَ کے نرم کلام اور لَا تُعَذِّبْهُمْ کے سخت کلام سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ اِن آیت میں دیگر بہت سی سبق آموز باتوں کے علاوہ ہر مسلمان مبلغ کو یہ بھی سمجھایا جا رہا ہے کہ جب بندے کے ساتھ رب تعالیٰ ہو تو پھر کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی بندے کا ذرہ بھر نقصان نہیں کر سکتا کیونکہ جو رب تعالیٰ چاہتا ہے بس وہی ہوتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّنِيْ مَعَكُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰى کے فرمان اور بعد کے واقعۂ موسیٰ علیہ السلام سے حاصل ہوا۔ ہاں البتہ بندے کو مثلِ موسیٰ و ہارون با حوصلہ صبر و شکر والا ہو کر رب تعالیٰ کے دروازے سے لپٹا رہنا چاہیئے۔ حافظ شیرازی فرماتے ہیں ؎

ہزار دشمن اگر میکنند قصدِ ہلاک گرم تو دوستی از دشمناں ندارم باک

یعنی اگر اللہ تعالیٰ میرا محافظ ہو تو ہزاروں مہلک و خوفناک دشمنوں کا بھی مجھ کو کوئی ڈر نہیں شیخ سعدی فرماتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ؎

محالست چوں دوست دارد ترا کہ در دستِ دشمن گزارد ترا۔

یعنی اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو اپنا دوست بنا لے تو ناممکن ہے کہ تجھ کو دشمن کے قابو میں دیدے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ امام ابو معین نے ایک عیسائی راہب سے پوچھا کہ انجیل میں سب سے اچھی بات کیا لکھی ہے۔ اُس نے کہا کہ پانچ باتیں ۱؎ اللہ فرماتا ہے اے بندے تو مجھ سے مانگ میں تجھے دوں گا ۲؎ اے میرے بندے شکر کر زیادتی ہوگی ۳؎ اے بندے تو میری طرف آ میں تیری طرف آؤں گا ۴؎ تو میرے قریب ہونے کی کوشش کر میں تیری کوشش کو کامیاب بناؤں گا ۵؎ تو دنیا میں میری مان میں تیری دنیا و آخرت میں مانوں گا۔ اور آخرت بڑی ہے دنیا سے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ چھ قسم کے لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے ۱ ہر وہ شخص جو کسی عیب میں مشہور ہو جائے مثلاً حاکم بے انصافی کرنے میں بادشاہ ظلم کرنے میں۔ فاحشہ عورت اپنے فحش کاموں میں ۲ مشورہ لینے والے کے سامنے صرف وہی عیب اس شخص کا بیان کرنا جس کے متعلق وہ اس شخص سے معاملات یا شرکت کرنا چاہتا ہے یہ غیبت اس کو اس سے بچانے کے لیے ہے نہ کہ محض عیب جوئی ۳ حاکم کے سامنے کسی بھی شریر دشمن کی غیبت ۴ استاد کے سامنے شاگرد کی ۵ والدہ کے سامنے بیٹے کی ۶ کسی شخص کو کسی جگہ کا حاکم بنایا جائے تو بھیجنے والا۔ اس علاقہ کے ظالموں بدمعاشوں چوروں کی نشاندہی کرنے کے لیے غیبت کر سکتا ہے یہ مسئلہ۔ اِذْهَبَا اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ دیکھو رب تعالٰی نے فرعون کی غیبت فرمائی۔ قیامت تک یہی مسئلہ سمجھانے کے لیے۔ ورنہ غیبت کرنا رب تعالٰی کی شان کے لائق نہیں ایک مرتبہ موسیٰ علیہ السّلام نے رب تعالٰی سے پوچھا تھا کہ یا مولٰی اس اسرائیلی کا قاتل کون ہے تو اللہ علّام الغیوب نے خود نہ بتایا تھا بلکہ قاتل کا پتہ لگانے کا طریقہ بتا دیا تھا کہ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً گائے ذبح کر کے اس کے گوشت کا ٹکڑا میت کو مارو وہ زندہ ہو کر خود اپنے قاتل کا پتہ بتا دے گا وہاں رب تعالٰی نے قاتل کی غیبت نہ فرمائی مگر یہاں فرمائی فرق ظاہر ہے تمام مسلمانوں پر اسی قانون کا اطلاق و اجرا ہے۔ کہ ان کی غیبت جائز ان کی ناجائز۔ دوسرا مسئلہ ضرورۃً تعارف کرانے کے لیے اپنی شان و کمالات کا اظہار کرنا جائز ہے لیکن تکبر یا مقابلے بازی کے لیے اظہارِ شان کرنا ناجائز ہے یہ مسئلہ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ۔ سے مستنبط ہوا۔ اسی لیے اس اظہار کا حکم خود رب تعالٰی نے دیا۔ تیسرا مسئلہ کسی غیر مسلم کو اگر سلام کرنا پڑ جائے تو اس کو السلام علیکم کہنا منع ہے اور کرنے والا گنہگار ہوگا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ اپنی زبان میں اس طرح کہہ دیا جائے کہ نیک لوگوں پر سلام ہے۔ عربی میں کہا جائے۔ اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى فاسق معلن کو اگر سلام کرنا ضروری ہو جائے تو کہنا چاہیے سلام مسنون یہی طریقہ سلام لکھنے کا ہے یہ مسئلہ یہاں اَلسَّلَامُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى فرمانے سے مستنبط ہوا کہ موسیٰ علیہ السّلام نے یہ سلام فرعون سے مخاطب ہوتے وقت کیا تھا۔ بعض الفاظ شریعتِ اسلامیہ نے بعض شخصیات کے ساتھ مخصوص فرما دیئے اُن کی خلاف ورزی منع ہے مثلاً لفظ صلی اللہ علیہ وسلم نبی کریم محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ

رضی اللہ عنہ صحابہ واہل بیت کے ساتھ۔ رحمۃ اللہ علیہ اولیاء اللہ کے ساتھ۔ مدّ ظلّہٗ مسلمان زندہ بزرگوں کے ساتھ مرحوم فوت شدہ عام مسلمان کے ساتھ۔ لفظ علیہ السّلام انبیاء کرام اور ملائکہ علیہم السلام کے ساتھ لیکن شیعہ لوگوں نے اپنی نشانی بنالی ہے کہ وہ اہلِ بیت کو بھی علیہ السّلام کہدیتے ہیں اُن کی دیکھا دیکھی تفضیلی شیعہ بھی ایسا کرتے ہیں۔ کچھ شیعہ شاہ عبدالعزیز کا حوالہ دیتے ہیں مگر شاہ عبدالعزیز تو اپنے والد شاہ ولی اللہ اور خواجہ حسن نظامی کی طرح مشکوک و متنازعہ شخصیت ہیں ان کی بات دلیل وسند نہیں بن سکتی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ جب رَبِّ اشْرَحْ لِي صَدْرِي کی دعا قبول ہوگئی تھی قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ فرما دیا تھا تو اب موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کے پاس جاتے ہوئے إِنَّنَا نَخَافُ کیوں عرض کیا کہ یا مولیٰ ہم ڈرتے ہیں۔ شرح صدر والوں کو تو ہمت جرأت قوت دلیری ہوتی ہے۔ نیز جب چھوٹے چھوٹے ولیوں کی شان یہ ہے کہ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ۔ تو موسیٰ علیہ السّلام تو نبی رسول بلکہ مرسل صاحب کتاب تھے۔ ان کو خوف کیوں ہوا اولیاء اللہ تو اُن کی خاک برابر بھی نہیں ہوتے ہیں۔ جواب یہ جملہ صرف اطمینانِ قلبی کے حصول کے لیے عرضِ بارگاہ کیا تھا۔ ورنہ شرح صدر کی ہمت وجرأت بھی تھی اور اللہ تعالیٰ پر کامل بھروسہ بھی۔ نیز یہاں خوف بمعنیٰ ڈر اور بزدلی نہیں بلکہ خوف بمعنیٰ اندیشہ وفکر ہے۔ اور وہ بھی اپنا نہیں بلکہ دین کا تھا اِس خوف کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کردی گئی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ جب رب تعالیٰ کو پتہ تھا کہ فرعون ایمان نہیں لائے گا تو پھر فرعون کی ایمان کی تبلیغ کے لیے موسیٰ وہٰرون کو کیوں بھیجا گیا۔ جواب۔ اس لیے کہ اِتمام حجّت ہو جائے اور تا قیامت لوگوں کو پتہ لگ جائے کہ فرعون کا غرق ہونا درست تھا۔ نیز بد بخت کی اور خوش بخت کی چھانٹ ہو جائے نیز اِس تبلیغ سے اہل سعادت فائدہ پالیں اور مبلغین کو ثواب مل جائے اور آئندہ کے لیے مسئلہ معلوم ہو جائے کہ کوئی مانے یا نہ مانے مگر تبلیغ کرتے ہی رہنا چاہیے۔ تیسرا اعتراض۔ موسیٰ علیہ السّلام نے فرعون کے پاس جا کر فرمایا قَدْ جِئْنَاكَ بِآيَةٍ۔ حالانکہ پہلے ہے بِآيَاتِي۔ جمع ہے اور حقیقتاً بھی موسیٰ علیہ السّلام دو یا تین آیتیں (نشانیاں) لے کر گئے تھے تو یہاں واحد کیوں فرمایا۔ جواب اس لیے کہ وہاں آیت سے مراد معجزات ہیں لہٰذا تعداد سے ارشاد ہوا۔ یہاں آیت سے مراد وجہِ معجزہ یعنی توحید ورسالت کی برھان ہے اور دلیل تو چونکہ سب معجزوں کا مقصود رسالت کی برھان اور نبوت کی دلیل تھا

اس ہیلے ایک مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے آیت وارد فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ اے مُلہمانِ قلب اور عقل جب کہ اب تم نے درس گاہِ ابین کے اسباقِ سلوک حاصل کر لیے ہیں تو۔ اِذْهَبَا اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی۔ نفسِ فرعونی کی طرف بڑھو۔ میری نشانیاں حجاب وکشف کردہ نفسِ امارہ وادیِ مصرِ جسمانی میں تمام قواءِ روحانیہ پر سرکشی استعلاء اور گمراہی اشتیلا کر رہا ہے۔ فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا۔ تب اِس نفس کو ایک دم ہلاک وغرق جاذبیت نہیں کرنا بلکہ امرِ حق کی رفاقت اور مدارت کی نرم اعمالی بتانا۔ لَعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى۔ اپنے ہر کام وارا دے پر یہی امید ایمان رہے کہ وہ ضرور حکمِ شریعت پر مائل ہوگا۔ یہ بات میلانِ ذکرِ الٰہی اور خشیتِ باطنی سے آتی ہے۔ قَالَا رَبَّنَاۤ اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ يَّفْرُطَ عَلَيْنَاۤ اَوْ اَنْ يَّطْغٰى۔ عقل وقلب نے عرض کیا اے پروردگار نفس نے عیش آرام غفلت سستی سے تمام اعضاءِ ظاہری کو اپنے قابو میں کر لیا ہے ہم ڈرتے ہیں کہ کہیں وہ اپنے لشکرِ رذیلہ کے ساتھ ہم پر بندشِ اعمالِ صالحہ کی افراط نہ کرے یا صراطِ مستقیم کے راستے روک دے۔ قَالَ لَا تَخَافَاۤ اِنَّنِيْ مَعَكُمَاۤ اَسْمَعُ وَاَرٰى۔ علوِ لاھوتی سے آواز آتی ہے کہ اے قلبِ امیر اور عقلِ مشیر پریشان مت ہو بے شک میں اللہ تعالیٰ شجاعت اعانت تائید وحفاظت کی دولتوں کے ہمراہ تمہارے ساتھ ہوں تم سب کے قیاس ومکاید سننے والا ہوں۔ اور کیفیاتِ سِرّیہ خفیہ کو دیکھنے والا ہوں۔ فَاْتِيٰهُ فَقُوْلَاۤ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ فَاَرْسِلْ مَعَنَا بَنِيْۤ اِسْرَآءِيْلَ وَلَا تُعَذِّبْهُمْ۔ تو اب وادیِ ظلمات میں پہنچو اور جبر وتسخیرِ نفسانی کے وعظ سناؤ اپنی معرفت بناؤ کیونکہ بندۂ عارف کے لیے سب سے پہلے قلب کی معرفت ضروری ہے اور کہدو کہ قواءِ حیوانیہ پر عذاب لذاتِ حسیہ کی بداعمالی سزاءِ شیطانی نہ کر اور حضرت الٰہیہ کی توجہ کے لیے ہمارے ساتھ لگا دے۔ کیونکہ ہم اُس بارگاہ کا پیغام لانے والے ہیں قَدْ جِئْنٰكَ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ۔ اے نفسِ سرکش ہم تیرے پاس عالَمِ انوار سے بُرہانِ قدسیہ اور معارفِ حقیقیہ کی آیتیں لے کر آئے ہیں جو ہماری متابعت پر دلالت کرنے والی ہیں وَالسَّلٰمُ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى۔ اور نقائص سے سلامتی برائیوں سے نجات اور عالَمِ نوری کا فیض اُسی طبیعتِ مقدس پر ہے جس نے برہانِ نورِ الٰہی کی اتباع کی۔

إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا أَنَّ الْعَذَابَ عَلَىٰ

بے شک ہم ہی وہ ہیں کہ وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ یقیناً عذاب غالب اس پر ہے

بے شک ہماری طرف وحی ہوئی ہے کہ عذاب اُس پر ہے

مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ﴿٤٨﴾ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا

جس نے جھٹلایا اور منہ پھیرا ۔ فرعون بولا تو کون ہے رب تم دونوں کا

جو جھٹلائے اور منہ پھیرے ۔ بولا تو تم دونوں کا خدا کون ہے

يَا مُوسَىٰ ﴿٤٩﴾ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَىٰ كُلَّ

اے موسیٰ ۔ فرمایا موسیٰ نے ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام

اے موسیٰ ۔ کہا ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر چیز کو اُس کے لائق

شَيْءٍ خَلْقَهُ ثُمَّ هَدَىٰ ﴿٥٠﴾ قَالَ فَمَا بَالُ

چیزوں کو ان کا جسم دیا پھر ہدایت بھی بھیجی فرعون بولا گذشتہ لوگوں کا

صورت دی پھر راہ دکھائی بولا اگلی سنگتوں کا

الْقُرُونِ الْأُولَىٰ ﴿٥١﴾ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي

کیا حال ہوا ۔ فرمایا موسیٰ نے ان سب کا علم میرے رب کے پاس ہے

کیا حال ہے ۔ کہا اُن کا علم میرے رب کے پاس ایک

فِي كِتَابٍ ۖ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى ﴿٥٢﴾ الَّذِي

لوح محفوظ میں میرا رب نہ غلطی کرتا ہے نہ بھولتا ہے وہی رب جس نے

کتاب میں ہے میرا رب نہ بہکے نہ بھولے ۔ وہ جس نے

جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّسَلَكَ لَكُمْ

بنایا تمہارے لیے زمین کو ٹھکانا اور جاری کئے تمہارے لیے

تمہارے لیے زمین کو بچھونا کیا اور تمہارے لیے اس میں چلتی

فِيْهَا سُبُلًا وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ؕ

اس میں بہت سے راستے اور نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی

راہیں رکھیں اور آسمان سے پانی اُتارا

فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ﴿۵۳﴾

پھر ہم نے ہی اس پانی کے ذریعے اُگائے بہت جوڑے جوڑے مختلف نباتات کے

تو ہم نے اس سے طرح طرح کے سبزے کے جوڑے نکالے۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کی رب تعالیٰ سے ان باتوں کی تعلیم لینے کا ذکر ہوا جو فرعون کے پاس جا کر کرنی تھیں اب ان آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ فرعون کے پاس پہنچ گئے اور پیغامِ الٰہی اپنی رسالت و نبوت وحی اور توحید باری تعالیٰ کا ذکر فرما دیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کے سرکش و کافر ہونے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں سرکشوں کے عذاب کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا رب تعالیٰ سے ہم کلامی میں مشرف ہونے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کی ہمکلامی کا بیان ہے۔

تفسیر نحوی اِنَّا قَدْ اُوْحِيَ اِلَيْنَاۤ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔ قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا يٰمُوْسٰى۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْۤ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى۔ اِنَّا۔ دراصل اِنَّ نَا ہے۔ حرفِ مشبہ نا ضمیر جمع متکلم برائے تثنیہ متکلم

اسم ہے اِنَّ کا۔ قَدْ اُوْحِیَ فعل ماضی قریب مجہول باب افعال سے بنا ہے وَحْیٌ سے مشتق ہے یہ پورا جملہ خبر اِنَّ ہے اور اِلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنَّ حرف تشبیہ اَلْعَذَابَ اسم مفرد اس کا اسم منصوب ہے عَلٰی جارہ فوقیت کا مَنْ اسم موصول کَذَّبَ۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف اس کا مصدر ہے تکذیبٌ بمعنی جھٹلانا ھُوَ پوشیدہ فاعل ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واو عاطفہ تَوَلّٰی ماضی مطلق ہے بابِ تفعل کا وَلْیٌ سے مشتق ہے منہ پھیرنا کے معنی میں ہے کیونکہ یہاں عَنْ جارہ زوالیہ پوشیدہ ہے دراصل وَتَوَلّٰی عَنْ دِیْنِہٖ یعنی اللہ کے دین کی دوستی اور محبت سے زائل اور دور ہٹے وَلْیٌ کے اصل لغوی معنی دوستی کرنا عَنْ زوالیہ سے دوستی زائل وختم کرنے کے معنی بنے یعنی منہ پھیرنا۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہوکر متعلق ہے کَائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل واحد مذکر کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے۔ اَنَّ اَلْعَذَابَ کی اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر نائب فاعل ہوا قَدْ اُوْحِیَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر ہے اِنَّا کی وہ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع فرعون ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ فَ حرفِ زائدہ بیانیہ مَنْ اسم موصول سوالیہ رَبُّ کُمَا۔ مرکب اضافی ترجمہ ہے تم دونوں کا رب کُمَا ضمیر تثنیہ مذکر حاضر یہ صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول صلہ جواب مقدم ہے یا ندائیہ کا۔ یَا حرفِ ندا مُوْسٰی منادیٰ۔ یَا رب سے مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع موسیٰ علیہ السلام یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا رَبُّ مضاف نَا ضمیر جمع برائے تثنیہ متکلم مضاف الیہ یہ دونوں مل کر مبتدا۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر اَعْطٰی بابِ اِفعال کا ماضی مطلق معروف عَطْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِعْطَاءٌ بمعنی دینا۔ متعدی بدو مفعول ہے پہلا مفعول بہ کُلَّ شَیْءٍ مرکب اضافی بمعنی ہر۔ کا مرکب توصیفی یا اضافت بیانیہ دوسرا مفعول بہ خَلْقَہٗ مرکب اضافی ہے لفظ خلق مصدر اسم جامد ہے مراد ہے ڈھانچہ۔ اَعْطٰی فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے ھَدٰی ھَدْیٌ سے مشتق ہے باب ضرب ہے ھو ضمیر پوشیدہ فاعل اَعْطٰی اور ھَدٰی میں دونوں کا مرجع رَبُّنَا ہے۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف ہوا دونوں عاطفہ جملے مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ اپنے صلہ سے مل کر خبر ہے مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر

جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا یہاں فاعل فرعون ہے فَ زائدہ بیانیہ مَا اسم موصول سوالیہ یہاں کَانَ تامہ پوشیدہ بَالُ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حال خبر کیفیت بَالُ اس حالت کو کہتے ہیں جو قابلِ اعتماد معتبر قابلِ تسلیم یہ مضاف اَلْقُرُوْن الف لام اسمی بمعنیٰ اَلَّذِیْ قرون جمع ہے قرن کی بمعنیٰ حال زمانہ مراد ہے زمانے والے لوگ موصوف ہے اَلْاُوْلٰی اسم تفضیل مؤنث صفت ہے بمعنیٰ پہلے گزرے ہوئے لوگ گزری ہوئی جماعتیں اُمتیں یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے دونوں مل کر فاعل ہے کَانَ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہوکر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَ لَا یَنْسَى الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى قَالَ فعل با فاعل جملہ قولیہ ہوکر قول ہوا عِلْمُ اسم مفرد جنسی بمعنیٰ معلومات مضاف ہے ھا ضمیر کا مرجع قرونِ اُولیٰ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے عِنْدَ رَبِّیْ عِنْدَ اسم ظرف مکانی مضاف رَبِّیْ بمعنیٰ میرا رب یائے متکلم کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے عِنْدَ کا وہ سب مل کر ظرف ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا فِیْ كِتٰبٍ یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مقولہ اول ہوا لَا یَضِلُّ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع حال منفی یا اَفْسَقَ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے لازم ہے بمعنیٰ بھٹکنا رَبِّیْ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے یہ دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَنْسٰی باب سَمِعَ کا فعل مضارع ھُوَ ضمیر پوشیدہ فاعل کا مرجع رَبِّیْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا۔ ایک قول ہیں یہ عِنْدَ رَبِّیْ میں رَبِّیْ کی صفت ہے یعنی میرا ایسا رب جو نہ بھولے نہ بہکے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ یہ جملہ اگلی عبارت کا موصوف ہوکر مقولہ دوم ہے۔ اَلَّذِیْ۔ اگلی تمام عبارت مِنَ السَّمَآءِ مَآءً تک صفت ہوکر مقولہ دوم ہے اَلَّذِیْ موصول واحد مذکر مراد ہے رَبِّیْ۔ جَعَلَ بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی جَعْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بنانا جب یہ متعدی بیک مفعول ہو تو معنیٰ ہے پیدا کرنا مگر یہاں متعدی بدو مفعول ہے اس لیے صرف بنانا مراد ہے لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے جَعَلَ کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر ہے مراد تم سب انسان اَلْاَرْضَ۔ الف لام جنسی ہے یعنی تمام روئے زمین مفعول بہ اوّل ہے مَهْدًا اسم ظرف مذکر ترجمہ ہے آرام کرنے کی جگہ مَهْدٌ سے مشتق ہے بچھونے کو بھی مَهْد کہتے ہیں اور ماں کی گود کو بھی شیر خوار بچے کی آرام گاہ کو مہد کہتے ہیں مقصد سب کا ایک ہے یہ مفعول بہ دوم ہے جَعَلَ اپنے پوشیدہ فاعل متعلق اور دونوں مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ سَلَكَ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق سُلُوْكٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آگے بڑھنا چلنا۔ چلانا۔ جاری کرنا یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ لَكُمْ جار مجرور پہلا متعلق ہے۔ فِیْهَا جار مجرور

دوسرا متعلق ہے۔ سُبُلاً اسم جمع مکسّر ہے اس کا واحد ہے سَبِیلاً بمعنیٰ راستہ۔ یہ جمع مکسّر تغیر تعلیلی سے بنایا گیا مفعول بہ ہے۔ سَلَکَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنْزَلَ۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق مِنَ السَّمَاءِ جار مجرور متعلق ہے مَاءً اسم مفرد جامد بمعنیٰ پانی مراد ہے بارش یہ مفعول بہ ہے اَنْزَلَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ جَعَلَ کا جملہ معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر صلہ ہوا اَلَّذِی کا وہ موصول صلہ صفت ہے لَا یَضِلُّ رَبِّی کا سب مل کر مقولہ دوم ہے فَ زائدہ اِستینافیہ۔ یعنی یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے حضرت موسیٰ کا مقولہ مَاءً تک ہے اَخْرَجْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ہے بِ جارہ سببیہ ہ ضمیر کا مرجع ماءً ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ اَزْوَاجًا جمع ہے زَوْجٌ کی بمعنی جوڑے جمع کا ترجمہ بہت سے جوڑے جوڑے ہے۔ جمع مکسّر ہے تغیر لفظی ظاہری سے بنایا گیا مِنْ جارہ تبعیضیہ نَبَاتٍ جمع مکسّر ہے نَبْتٌ کی بمعنی زمینی پیداوار یہ تغیر حرفی ظاہری سے بنایا گیا ہے شَتّٰی اسم جمع مکسّر اس کا واحد ہے شَتِیْتٌ بروزن مَرِیْضٌ یہ تغیر تقلیل حرفی ظاہری سے بنایا گیا ہے بمعنیٰ مختلف (علیحدہ علیحدہ قسمیں) یہ صفت ہے نَبَاتٍ کی دونوں مل کر مجرور متعلق دوم اَخْرَجْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عربی زبان میں جنسیت اور تعدد کے اعتبار سے بنیادی لفظ واحد مذکر ہے پھر اسی میں چار طرح تبدل و تغیر کر کے مؤنث بنایا جاتا ہے اسی میں دو طرح تبدیلی کر کے تثنیہ بنایا جاتا ہے اور اسی میں پانچ طرح مندرجہ تبدیلی کر کے جمع بنایا جاتا ہے جمع کے تغیر حسب ذیل ہیں (۱) مذکر سالم مرفوع میں واؤ نون سے شلاً مُسْلِمُوْنَ۔ (۲) اسی میں بحالت نصب و جری نون مثلاً مُسْلِمِیْنَ (۳) مؤنث سالم ہر حالت میں الف تَ سے مثلاً مُسْلِمَاتٌ (۴) تغیر باطنی مثلاً فُلْکٌ واحد بروزن قُفْلٌ ہے اور فُلْکٌ جمع بروزن اُسْدٌ ہے (۵) تغیر تکثیری یعنی واحد میں ایک یا دو حرف کی زیادتی کی جائے مثلاً رِجَالٌ اور مَصَابِیْحُ (۶) تغیر تقلیلی۔ واحد کے حرف کم کر دیئے جائیں مثلاً کِتَابٌ کی جمع کُتُبٌ سبیل کی سُبُلٌ یا دو حرف کم کر دیئے جائیں مثلاً شَتِیْتٌ کی جمع شَتّٰی (۷) صرف حرکات کو بدلا جائے مثلاً اَسَدٌ کی جمع اُسْدٌ۔ ان آیت میں چار لفظ جمع ہیں (۱) قُرُوْنٌ یہ جمع مذکر سالم نہیں بلکہ سنین اور اَرَضِیْن کی طرح جمع مکسّر تغیر تکثیری ہے (۲) سُبُلاً یہ جمع مکسّر تغیر تقلیلی ہے (۳) نَبَاتٍ یہ جمع مکسّر تغیر تکثیری ہے (۴) شَتّٰی یہ جمع مکسّر تغیر تقلیل یعنی دو تکثیری اور دو تقلیلی۔

تفسیر عالمانہ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی قَالَ فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰی قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی جب دوسری بار حضرت موسیٰ و ہارون فرعون کی تبلیغ کے لیے ملاقات کرنے اُس کے دربار میں تشریف لائے تو فرمایا اے فرعون اور اُس کے اہلِ دربار چونکہ ہم دونوں اِلٰہ العٰلمین کے رسول ہیں اس لیے بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے کہ یقیناً لازماً بڑا بھاری دائمی ابدی دینوی اور اُخروی عذاب صرف اُن لوگوں پر ہی وارد ہوگا جنہوں نے اللہ رسول دین قانون شریعت طریقت توحید معبودیت خالقیت کو جھٹلایا انکار کیا ماننے سے اور شعور کی طرف فہم و توجہ ہی نہ کی اور یا سمجھ لیا تھا عقل نے تسلیم بھی کیا ایمان پر آمادہ بھی ہوا اور مائل بھی ہوا لیکن پھر بھی منہ پھیرا عمل و اطاعت کی طرف نہ آیا رفسق و فجور میں ہی زندگی گزاری اس پر بھی عذاب ہے اگرچہ تھوڑا ہو اور نرم۔ اگر اَلْعَذَابُ کا الف لام عہدی ہے تو مطلقاً عذاب مراد ہے ہر قسم کا اور مَنْ كَذَّبَ سے مراد کافر، وَتَوَلّٰی سے مراد فاسق اگر استغراقی ہو تو بڑا اور دائمی عذاب مراد ہے اور مَنْ كَذَّبَ سے مراد کافر۔ تَوَلّٰی سے مراد کافر گر (دوسروں کو کافر بنانے والا) فرعون نے جواب دیتے ہوئے سوالیہ لہجہ اختیار کیا کہ اے موسیٰ تم دونوں کا رب میرے علاوہ کون ہو گیا ہے موسیٰ و ہارون علیہما السّلام نے پہلی ملاقات میں تو فرمایا تھا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول ہیں مگر فرعون نے اپنی طرف نسبت کو نظر انداز کر کے کہا کہ تم دونوں نے کس کو اپنا رب بنا لیا۔ سارے مصر کا بادشاہ میں حکومت میری قانون میرا ۔ شدید قوت۔ ۲ عظیم غلبہ ۳ کثیر لشکر۔ اَلَیْسَ لِیْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِیْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (زخرف آیت ۵۱) یہ سب چیزیں تو میرے پاس ہیں میں ہی تم کو روٹی کپڑا مکان دیتا ہوں تنخواہیں مجھ سے لیتے ہیں حکم میرا چلتا ہے لہٰذا میں اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی تم سب مصر والوں کا رب ہوں (نازعات آیت ۲۴) اور جب میں ہی تم کو پال رہا ہوں تو مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ۔ میں نہیں سمجھ سکا کہ میرے علاوہ تمہارا کوئی معبود ہو۔ میں کہ کھلاؤں پلاؤں پالوں میں مگر تم کسی اور کی عبادت کرو کسی دوسرے کو سجدے کرو جب میرا کام تم کو پالنا ہے تو تمہارا کام مجھ کو ہی سجدہ کرنا ہے۔ اور اے موسیٰ غور سے کان کھول کر سن لے میں نے بچپن میں بھی تجھ کو پالا جوان کیا تو نے ہمارے ہی ایک خاص آدمی کو قتل کر کے روپوشی اختیار کی۔ اور اب دوسرے کو رب بنا کر آ گیا ہے اور تیرا یہ کہنا کہ تیرا رب کوئی اور ہے

در پردہ ثابت کر رہا ہے کہ تو مجھ کو اپنا معبود بھی نہیں سمجھتا کسی دوسرے کو ہی معبود بنائے بیٹھا ہے تو سن لے کہ لَئِنِ اتَّخَذْتَ اِلٰـهًا غَيْرِيْ لَاَجْعَلَنَّكَ مِنَ الْمَسْجُوْنِيْنَ (شعراء آیت ۲۹) اگر میرے علاوہ کسی اور میرے غیر کو اپنا معبود بنایا تو تجھ کو قیدیوں میں شامل کر دوں گا۔ اگرچہ اس وقت موسیٰ و ہارون علیہما السّلام دونوں موجود اور ہمکلام تھے مگر فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السّلام سے خطاب کیا اور کہا یا موسیٰ تین وجہ سے ۱؎ جانتا تھا کہ موسیٰ اصل رسول ہیں ھٰرون اُن کے تابع وزیر ۲؎ فرعون کو اب بھی یہ خیال تھا کہ موسیٰ بچپن و جوانی میں زبان کی لُکنت والے تھے صاف اور مکمل بات نہ کر سکتے تھے اب بھی ایسے ہی ہوں گے وہ بات نہ کر سکیں گے اور میں چرب زبانی اور تیز بیانی کے ذریعے اُن پر غلبہ حاصل کر کے اہلِ دربار کو مزید اپنا قائل کر لوں گا اگر ھٰرون کو بولنے کی مہلت دی گئی تو وہ فصیحُ اللسان بلیغُ البیان خطیبُ الکمال ہیں خوش بیانی سے دربار پر چھا جائیں گے اور مجھ کو لاجواب اور زیر کر لیں گے ۳؎ ظاہر کرنا چاہتا تھا کہ اوائلِ عمر میں موسیٰ میرے مربوب و متبنّیٰ ہیں اس لیے ضرور گفتگو میں میرا احترام قائم رکھیں گے دوسری محفل کا یہ سارا کلام قرآنِ مجید میں مختلف انداز سے سات سورتوں کی آیات میں منقول ہوا پہلے سورۃ اعرافؔ کی آیت ۱۰۴ سے ۱۰۸ تک پھر سورۃ شعراء آیت ۱۰ سے ۱۵ تک رب تعالیٰ کا کلام اور آیت ۱۶ سے آیت ۳۳ تک مکالمۂ فرعون و موسیٰ اور آیت ۳۴ سے ۵۳ تک فرعون کا درباریوں سے درباریوں کا موسیٰ علیہ السّلام سے مکالمہ ۳؎ پھر سورۂ نمل از آیت ۷ تا ۱۴ پھر سورۂ قصص از آیت ۳۶، ۳۹ تا ۴۰، پھر سورۂ مومن آیت ۲۳ سے ۲۷ تک پھر سورۂ زخرف آیت ۴۶ سے ۵۱ تک اور پوری تفصیل آیت ۵۶ تک ۷؎ پھر سورۂ نازعات از آیت ۱۸ تا ۲۵ پہلی ملاقات میں حضرت موسیٰ نے فرمایا تھا۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ کہ ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں مگر جب کہ فرعون نے صرف موسیٰ علیہ السّلام کو ہی خطاب کیا اور یٰموسیٰ کہہ کر ندا کی اور تمام باتوں اور دھمکی آمیز گفتگو میں موسیٰ علیہ السّلام کو ہی متوجہ رکھا تب آپ نے فرمایا کہ اے نا سمجھ میں اُس کا رسول ہوں جو صرف تیرا میرا اور ھٰرون کا ہی رب نہیں بلکہ اِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ بیشک میں اُس اَحْكَمُ الْحٰكِمِيْنَ کا رسول ہوں جو کائناتِ مخلوق کے تمام جہانوں کا رب ہے۔ (اعراف) اور باتوں سے زبانی کلامی رسول نہیں بلکہ معجزات و آیات لے کر آیا ہوں فرعون نے کہا اے موسیٰ دکھاؤ وہ معجزے کیا ہیں تب آپ نے دوبارہ اس دوسری ملاقات میں دونوں معجزے سانپ اور یدِ بیضا کا معجزہ دکھایا

اور یا پہلی ملاقات میں ایک اور اس دوسری ملاقات میں دوسرا معجزہ دکھایا بہرکیف چند مختلف اقوال ہیں۔ یہ تفصیل سورۃِ اعراف میں آیت ۱۳۶ تک مذکور ہے جب فرعون نے پوچھا فَمَنْ رَّبُّكُمَا. تم دونوں کا رب کون ہے تو۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم سب کا رب وہ ذاتِ پاک جلّ وعلیٰ ہے جس نے تمام مخلوقِ زمینی آسمانی آبی و فضائی اندرونی و بیرونی کو پہلے جسم بدن اعضا اور پھر شکم مادر کو ایسا سانچہ بنایا کہ ہر ماں اپنی نسل کو ہی جنتی ہے ایسا کبھی نہ ہوا کہ بکری سے بھینس پیدا ہونا شروع ہوجائیں یا مرغی کے انڈے سے کبوتر نکلنے لگیں۔ ان کی بناوٹ سجاوٹ شکل وصورت مناسبت مطابقت عطا فرمائی پھر مجسّم و مکمل روح و بدن کے ساتھ سب کو عقل فکر فہم تدبّر تذکر، تعقّل شان و مقام عزت و مرتبے کی ہدایت عطا فرمائی۔ حضرت موسیٰ نے پہلی محفل میں اپنا تعارف کرایا کہ ہم تیرے رب کے رسول ہیں پھر یہاں دوسری محفل اپنے رب تعالیٰ کا تعارف کرایا اس لیے کہ معرفتِ الٰہی صرف انبیاء کرام کی زبان سے ہی حاصل ہوسکتی ہے اور اس لیے کہ معرفتِ نبوت مقدم ہے معرفتِ الٰہیہ کے لیے اور معرفتِ الٰہیہ ایمان کے لیے مقدم ہے۔ تفاسیر میں فرعون کے عقائد اس طرح چند مختلف اقوال سے مذکور ہیں۔ ایک قول یہ کہ فرعون باطناً درپردہ اللہ تعالیٰ کو مانتا تھا مگر اُس کو اوپر والا سمجھتا تھا جیسے آج کل ہندو مگر ظاہراً انکار کرتا تھا فقط تکبّر غرور تجبّر اور کذب جھوٹ سے اِس کے چھ ثبوت دیے گئے ۱ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا پہلی تبلیغ میں۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورۃ اسریٰ آیت ۱۰۲) یعنی اے فرعون بے شک تو نے بخوبی جانا ہوا ہے کہ یہ نشانیاں صرف آسمانوں زمین کے رب نے ہی اتاری ہیں۔ یہ کلام اُس کے اندرونی اور پرانے عقیدے کی نشان دہی کررہا ہے نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَیْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا (سورۃ نمل آیت ۱۴) یعنی فرعون اور فرعونیوں نے ظاہراً رب تعالیٰ کے معبودیت خالقیت وغیرہ کا انکار کیا مگر اُن کے دل تسلیم کرتے تھے اِس کے باوجود ایمان نہ لاتے تھے محض ظلم اور تکبر سے دوسرا ثبوت فرعون پڑھا لکھا عقل والا تھا اور عقل والے کا شعورِ ضمیر سمجھتا ہے کہ مجھے کوئی پیدا کرنے والا ہے اور اہلِ عقل کو ہی ایمان کی دعوت دی جاتی ہے ۳ حضرت موسیٰ کا فرمانا کہ۔ رَبُّنَا الَّذِیْ۔ اِس پر فرعون نے کوئی انکار نہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ اتنا کچھ فرعون جانتا تھا ۴ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَظَنُّوْٓا اَنَّهُمْ اِلَیْنَا لَا یُرْجَعُوْنَ (سورۃ قصص آیت ۳۹) یعنی

وہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ ہماری طرف نہ لوٹیں گے۔ گویا کہ اللہ کو مانتا تھا قیامت کا منکر تھا مبدا کو مانتے تھے معاد کے منکر تھے یہی عقیدہ آج کل ہندوؤں کا ہے۔ بلکہ ہندو مذہب چلا ہی مصر سے ہے پرانے ہندو دیوتا اوتار وغیرہ سب مصری تھے۔ پنجم یہ کہ حکومتِ فرعون صرف علاقۂ مصر میں تھی۔ مصر سے باہر علاقۂ شام مدین میں نہ تھی اس لیے فرعون اور فرعونی سب سمجھتے تھے کہ فرعون کی ربوبیت والوہیت صرف تھوڑے سے علاقہ میں ہے مصر سے باہر اوپر والے کی ربوبیت ہے اِلٰہ العالَم وہی اوپر والا ہے۔ ششم یہ کہ جب فرعون نے پوچھا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فرعون نے کہا اِنَّ رَسُوْلَکُمُ الَّذِیْٓ اُرْسِلَ اِلَیْکُمْ لَمَجْنُوْنٌ (سورۃ شعراء آیت ۲۳ و ۲۷) یعنی میں تو رب کی ماہیت پوچھتا ہوں اور یہ صفت بتاتا ہے گویا وہ فرعون اصل وجودِ باری تعالیٰ کا منکر نہ تھا اور وصف کو مانتا تھا فرعون کے عقیدے کے بارے میں مورخین محققین مفسرین کا دوسرا قول یہ ہے کہ فرعون سخت بے عقل تھا اس لیے متکبر بھی تھا اور ضدی ظالم بھی ورنہ ذرا سی عقل رکھنے والا بھی اپنے آپ کو آسمانوں زمینوں اور چاند سورج ستاروں کا بلکہ خود اپنے آپ کا خالق کس طرح کہہ سکتا ہے کیونکہ ہر انسان اپنی فطری کمزوری اور پیدائش کو سمجھتا ہے اسی طرح انسان اپنی نیستی ہستی موت و زندگی پیدائش وغیرہ کو شعورًا تسلیم کرتا ہے۔ جو آدمی کہے کہ میں اِلٰہ ہوں تو اُس نے گویا اپنے آپ کو خالق مانا اور یہ نری جہالت ہے۔ تیسرا قول یہ کہ فرعون دہریہ تھا خالق اور مؤثر حقیقی کا منکر اور نافی تھا۔ چوتھا قول یہ کہ فرعون بت پرست تھا سورج کو اِلٰہ اور دیوتا مانتا تھا سورج دیوتا کا نام ان کی لغت میں راع یا رَع تھا باقی ستارے چھوٹے چھوٹے اِلٰہ تھے اُن کے پجاری دیگر نبطی تھے اُس کے زمانے میں چھوٹے بڑے تقریبًا بائیس معبود تھے ستاروں میں سات سیارے اور ایک قطب شمالی تارہ۔ درختوں میں سب سے بڑی عمر والا درخت معبود ہوتا تھا حیوانات میں ہاتھی پرندوں میں ققنس اور کوا ان سب کے بت بھی بنے ہوتے تھے۔ فرعون خود صرف سورج کا پجاری تھا اور اپنے آپ کو سورج دیوتا کا اوتار یعنی پیغمبر کہتا تھا اور سورج کو اللہ کا شریک سمجھتا تھا فرشتوں کو بھی مانتا تھا۔ جیسا کہ سورۂ زخرف کی آیت ۵۳ سے ثابت ہے یہ سب بُت اُس کے کفریہ عقیدے میں اوپر والے خدا کے شریکِ ملکیت والوہیت تھے اگرچہ ان کا حصہ تھوڑا ہے یعنی یہ مورتیں اور دیوتا وسیلہ یا سفارشی یا حبیب نہیں تھے بلکہ شریکِ کار تھے بالکل یہی تقریبًا آج کل ہندوؤں کا مذہب ہے پانچواں قول

یہ کہ فرعون حلولیت کا قائل تھا یعنی اوپر والے کا علیحدہ کوئی وجود نہیں بلکہ ہر دیوتا دیوی اور اوتار
میں وہ سمایا ہوا حلول کئے ہوئے ہے۔ اس طرح کہ مجسمہ تو ظاہراً مٹی یا پتھر لوہے لکڑی کا ہے
جیسا کوئی سورج چاند ستارہ یا کوئی زندہ درندہ پرندہ چرندے انسان حیوان کا جسم ہے مگر
اُس کے اندر رب ہے اسی معنی میں فرعون خود کو کبھی رب کبھی اِلٰہ کبھی رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کہتا تھا کہ
سورج میرا رب اور الٰہ اور میں تمہارا رب وَ اِلٰہ۔ مگر صحیح تر یہ ہے کہ یہ سب ہی عقیدے فرعون
کے تھے۔ اِن عقیدوں کی وجہ سے پوچھتا ہے فَمَنْ رَّبُّكُمَا یٰمُوْسٰى یہ سوالِ کیفیت ہے اور
سورۃ شعرا میں وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ یہ سوال ماہیت ہے اپنی الٰہیت کا مقصد رعایہ کو جھکانا
اور نیچا دکھانا مطیع کرنا تھا اسی لیے مَنْ سے سوال پہلے کیا گیا ہے بعد میں اُس کے جواب
میں حضرت موسٰی نے چند لفظوں میں اتنا وسیع اور جامع مانع جواب دیا کہ کوئی عام شخص جو رب تعالیٰ
کی خلیقت اور مخلوقِ کائنات کی وسعت وکثرت سے ناواقف ہو ہرگز نہیں دے سکتا یہ تو
علم نبوت کی ہی شان ہے کہ کوزہ و دفتی میں سمندرِ معانی سمو دیتے ہیں۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰى
كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى۔ فرمایا ہمارا رب وہ ہے جس نے تمام اشیا کو شکل وصورت کا جسم
دیا پھر پوری دنیوی زندگی کی ہدایت دی ابھی پیٹ میں بچہ انڈے میں چوزہ جان پکڑتا ہے
کہ ماں کو محبت اور باپ کو شفقت مل جاتی ہے ہر شخصیت ہر عضو کو ہدایت دی کہ چرند
کو چرنا پرند کو اڑنا چگنا درند کو شکار کرنا بحری حیوانات کو تیرنا اسی نے سکھایا ظاہری اعضا کو ان کے
اپنے اعمال باطنی کو اُن کے اپنے اعمال کی ہدایت بخشی زمین کو اُگانے درختوں کو پھل پھول
سجانے کی آسمان پر سیارگان کی شکلیں اور رفتاریں اسی نے عطا کیں۔ یہ ہے رب تعالیٰ کی کارکردگی
اے فرعون بتا کیا تو یہ کر سکتا ہے۔ اگر نہیں کر سکتا تو پھر تو رب ہونے کا دعویٰ کیسے کرتا ہے
اور کیسی عجیب خلقت کہ مچھلی اور دریائی جانور پانی میں رہتے سانس لیتے منہ کھولتے ہیں
مگر مجال ہے پانی ان کے منہ میں جائے۔ انسان حیوان زمین پر چلتے ہیں فضاؤں میں خشک
گوبر لید ملی دھوڑ اڑتی رہتی ہے مگر کانوں نتھنوں میں ایسے بال لگا دیئے اور منہ میں ایسا
لعابی جال بنا دیا۔ کان ناک سدا کھلے اور منہ پھاڑ کر کھولو باتیں کرو۔ مگر ذرہ بھر دھول
اندر نہیں جاتی خلق نام ہے ترکیبِ اَبدان و اَجسام کا ھُدٰی نام ہے اُن اجسام میں قوتِ عقل
وفکر۔ فہم وتدبر تذکر۔ درک۔ بصر پیدا کرنے کا اسی لیے خلق پہلے ھَدٰی بعد میں مذکور
ہوا۔ تَسْوِیَۃٌ کہتے ہیں روح پھونکنے کو جس سے قوتِ قلب ہے خلق اور ھدٰی کی بین

حکمتیں ۱ زمین سے خلق ہے اور خلق سے طبیعت تمام زمینی مخلوق حیوانات نباتات جمادات کے چار عناصر ہوتے ہیں ۱ مٹی سب سے زیادہ ثقیل ۲ پھر پانی ۳ پھر آگ ۴ سب سے زیادہ ہلکی ہوا ہے ترکیبِ جسمانی بدنی اس طرح ہے کہ اعلیٰ عنصر آگ ہے اور سب سے نیچا عنصر مٹی ہے اعلیٰ سے ہڈی اور بال بنے اسی لیے یہ دونوں خشک ترین ہیں۔ آگ سے نیچے پانی ہے اس سے دماغ اور دماغ میں بینائی خوشبو بصیرت بصارت پیدا فرمائیں دماغ جسمانی مخزن مائی یعنی عنصرِ آبی کا مقام ہے اس سے نیچے مغز بنایا جو مخزنِ ہوا ہے اس سے نیچے قلب بنایا جس میں حرارت ہے وہ بمنزلِ نار ہے یعنی مخزنِ نار (مکانِ ارضی (مٹی) بلند ہے اور مکانِ نار نیچے ہے دوم شہد کی مکھی کو چھ کور خانوں والے گھر بنانے شہد لانے کی ہدایت بخشی اسی طرح تمام انسان جنات ملائکہ حیوان چرند پرند درند کیڑے مکوڑوں کو ہدایت بخشی۔ کھاتے پیتے لباس نکاح ہم بستری زمانوں وقتوں کی ہدایت دی عقل کردار کیفیت کی ہدایت دی ہر نر کو مادہ اور مادہ کو نر عطا کیا۔ اعضا کو مختلف شکلیں اسی شکل کے مطابق قوت اور عمل بخشا۔ مثلاً آنکھ کان ناک ہاتھ پاؤں پھر ایک بدن کے تمام اعضا کو تعلق رابطہ بخشا۔ تمام قوتیں رب تعالیٰ کے لیے واجب ہیں مخلوق کے لیے ممکن وجائز واجب کو بقا ہے جائز کو فنا ہے واجب قدیم ہے جائز حادث ہے۔ واجب ہی رب اور واجب ہی الٰہ ہو سکتا ہے کیونکہ واجب تعالیٰ دیتا ہے لیتا نہیں بناتا ہے بنتا نہیں۔ مخلوق کی ترکیب قوت ہدایت خلق وبدع ابتدا کے اعتبار سے حادث انتہا کے اعتبار فانی ہے اسی لیے یہ کسی خالق وصانع کا محتاج لیکن واجبُ الوجود کسی کا محتاج نہیں سب اُس کے محتاج وہ رب تعالیٰ ہی اپنی مالکیت قاہریت عالمیت میں واجب وکامل ہے لہٰذا کوئی مخلوق اُس کے علم سے کوئی مقدور اُس کی قدرت سے کوئی مربوب اُس کی ربوبیت سے باہر نہیں چونکہ یہ سوال فَمَنْ رَّبُّكُمَا۔ استدلالی تھا اس لیے اس کا جواب بھی نہایت فصیح وبلیغ دلائل سے دیا گیا رب تعالیٰ نے بندوں کو معیشت کی ہدایت عطا فرمائی دنیا کے لیے اور سعادت کی ہدایت عطا فرمائی آخرت کے لیے عقل دی دنیا کے لیے کہ دنیا کو دین بناؤ قلب دیا آخرت کے لیے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم تیرے رب کے رسول ہیں مگر فرعون نے جواباً کہا مَنْ رَّبُّكُمَا۔ اپنا ذکر نہ کیا۔ یا اس لیے کہ اسے تکبر نے اُکسایا ورغلایا۔ یا اس لیے کہ قوم میری اس نسبت سے میری نرم کلامی سمجھ کر مجھ سے باغی نہ ہو جائے یا اس لیے کہ کہیں موسیٰ کے دین کی طرف مائل نہ ہو جائے تفسیر

روح البیان نے فرمایا اس تکلیم میں رب تعالیٰ کی طرف سے حضرت موسیٰ و ہارون کو پانچ قسم کی وحی آئی کلامِ خفی بلا واسطہ ۲ کلامِ الہامی ۳ کلامِ منامی ۴ کلامِ صوتی ۵ ہارون علیہ السلام کو کلامِ جلی بواسطۂ جبرئیل ۶ کلامِ پیغام بذریعہ ایک نبی موسیٰ کے دوسرے نبی ہارون کی طرف علیہما السلام اس لیے فرمایا اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون کے سوال کے جواب میں فرمانا۔ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ کہ میرا رب وہ ہے جس نے ہر مخلوق کو اس کے مطابق شکل عقل و اعضاء دیئے۔ نہ اِدھر کے اعضاء اُدھر نہ اُس کا اُلٹ یہ جواب لفظاً چھوٹا ہے مگر معناً بہت وسیع اسی کو سمجھ کر فرعون بوکھلا گیا اور اِدھر اُدھر بات پھیرنے لگا۔ ثُمَّ هَدٰی میں لفظ ثُمَّ تراخی کے لیے ہے کہ ہر مخلوق کا پہلے جسم بنایا جاتا ہے اور عالمِ ارواح کی ایک منتخب روح اس میں ڈالی جاتی ہے پھر اس روح مع الجسد شخصیت کو مرتبہ مقام علم عقل فکر نبوت ولایت نیکی بدی ملتی ہے عالمِ ارواح میں نہ کوئی موسیٰ نہ عیسیٰ نہ غوث نہ قطب نہ عالم نہ جاہل نہ نیک نہ بد نہ میں نہ تو نہ تم اس ایک عبارت سے قادیانیوں کا باطل عقیدہ بھی دفع ہو گیا کہ رَافِعُكَ سے روحِ عیسیٰ مراد ہے کہ عیسیٰ اور ان لوگوں کا یہ قول بھی ختم ہو گیا جو کہتے ہیں کہ شبِ معراج میں غوث اعظم نے نبی کریم کو عرش پر چڑھنے میں مدد کی (العیاذ باللہ) چونکہ ثُمَّ بڑائی کی دلالت عامّہ ہے اس لیے تمام زمینی آسمانی مخلوق کا ذکر فرمایا اس کی پوری تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلدِ دوم میں دیکھئے اس لیے كُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَآءِ صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے فرعون نے حضرت موسیٰ کا یہ باکمال جواب سن کر پھر سوال کیا فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی۔ یہ سوال ایک استخباری و استدلالی تھا اس لیے اس کا جواب بھی استخباری عطا فرمایا۔ اور فرعون کی عیّاری سمجھتے ہوئے حضرت موسیٰ نے قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فِیْ كِتٰبٍ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسَی الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا وَّ سَلَكَ لَكُمْ فِیْهَا سُبُلًا وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً۔ فرمایا پچھلی قوموں کا حال کیفیت انجام و عاقبت کا سب علم میرے رب کریم کے پاس ہے مجھے ان معلومات کی فہرست سنانے کی ضرورت ہے نہ موقعہ میرے رب تعالیٰ نے تمام اوّلین و آخرین کی ہر بات نیکی بدی عمل عبادت کفر و ایمان انجام و اختتام۔ جنتی جہنمی ہونا کون اچھا اور اچھائی پانے والا کون برا اور برائی پانے والے سب قوموں شخصوں قبیلوں قرنوں فرقوں گروہوں کے حالات ایک بڑی عظیم کتاب میں لکھ دیئے ہیں بلکہ ہر شخص کے نامۂ اعمال میں بھی اپنے خاص بندوں کو دنیا میں ہی بتانے کے لیے کہ جس کی نگاہ اُس لوحِ محفوظ کتابِ مبین تک پہنچے وہ بھی اولین و آخرین کے حالات کو جان لے اور آخرت

ہیں ہر نیک و بد اپنے اعمالنامے کی یہ کتاب خود پڑھ رہے۔ میرا رب نہ غلط بیانی کر سکتا ہے نہ بھول سکتا ہے۔ کیونکہ علم ربی اُس کی صفتِ قدیمی ہے اور صفت ذات کے ساتھ ہوتی ہے۔ خیال رہے کہ علم مخلوق میں چار قسم کی کمزوریاں ہیں ۱ ضلالت یعنی غلطی اور غلط بیانی ۲ نسیان ۳ سہو۔ رکھ کر بھولنا نسیان ہے لکھ کر بھولنا سہو ہے ۴ غفلت یعنی بے توجہی بے پرواہی لَا یَضِلُّ اور لَا یَنْسَی فرما کر چھ شانیں بیان فرمائیں ۱ لَا یَضِلُّ اُس کے علم سے کوئی محو نہیں ملتا نہیں لَا یَنْسَی کوئی مخفی نہیں ۲ لَا یَضِلُّ ہر چیز کی معرفت ہے لَا یَنْسَی اس معرفت کو کبھی فنا نہیں ۳ لَا یَضِلُّ خطا نہیں ہے لَا یَنْسَی بھول نہیں ہے ۴ لَا یَضِلُّ دنیا میں۔ لَا یَنْسَی آخرت میں ۵ لَا یَضِلُّ کسی سے وہ دور نہیں لَا یَنْسَی کوئی اس سے دور اور بے قابو نہیں ہے ۶ لَا یَضِلُّ تدبیریں لَا یَنْسَی تقدیریں۔ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ یا اعمال نامے یا ملائکہ کے دفتر رجسٹر۔ میرے رب تعالیٰ کی دوسری شان یہ ہے کہ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اُسی نے تم سب انسانوں کے لیے صرف زمین کو بچھونا سکون کی جگہ بنایا وہ آرام سکون وعیش جو انسان کو سرزمین پر ملتا ہے وہ کہیں نہیں مل سکتا نوم وقیام۔ قعود واستراحت زراعت و باغات کھیت وکھلیان اِسی زمین پر لگتے اُگتے سجتے اور حاصل ہوتے ہیں اس لیے کہ تمام کائناتی کُروں میں صرف زمین ہی ساکن اور ایک جگہ جمی پڑی ہے اور اسی زمین پر ہر علاقہ میں بستی دریا بان میں پہاڑوں میدانوں میں تمہارے ہی لیے اے انسانوں شرقاً غرباً شمالاً جنوباً چھوٹے بڑے تنگ وکشادہ راستے بنائے یہ بھی سکونِ زمین کی ایک دلیل ہے کہ اگر زمین ایک جگہ ٹھیری نہ ہو تو شرقی غربی سمتوں کا تعین نہیں ہو سکتا اور جب راستہ ایک سمت پر مقرر نہ رہے تو راہ مسافراں کو سخت دشواری بلکہ منزل پر پہنچنا ہی ناممکن کتنے پاگل واحمق ہیں جو زمین کو گردش میں کہتے ہیں۔ میرے رب تعالیٰ کی تیسری شان یہ ہے کہ رب وہ ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی جیسی عظیم بے مثال بے شمار بے حساب صاف شفاف لذیذ نعمت اتاری کہ اس نعمت سے پوری دنیوی زندگی اور نظامِ کائناتی کا بقا وقیام ہے بنایا اے فرعون کیا تو یہ نقد نہیں دکھا سکتا ہے اور جب نہیں دکھا سکتا اور یقیناً نہیں دکھا سکتا تو تُو رب نہیں ہو سکتا اور جب رب نہیں ہو سکتا تو تجھ کو معبود و مسجود بننے کا کوئی حق نہیں۔ یہاں تک موسیٰ علیہ السّلام کا کلام منقول ہوا رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ یہ بھی بتاؤ کہ فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى۔ پھر ہم نے ہی نکالا اس بارش کے ذریعے جوڑا جوڑا مختلف قسم کی بے شمار غذائی شفائی جڑی بوٹیاں کھیت

باغات پھل پھول کے پودے اور بڑے چھوٹے درخت اور گھاس پھوس جھاڑیاں بیلیں یہ دلائل خاصہ ہیں اس لیے لکم ارشاد ہوا۔ کیونکہ زمین کی یہ منفعت صرف انسان کے استفادہ کے لیے ہے۔ ہر چیز زمین میں پانی سے پرورش ہوتی ہے اسی لیے ہر شئی میں پانی سے زندگی ہے بلکہ پانی ہی زندگی کا دوسرا نام ہے اَزْوَاجًا سے مراد ہے جوڑا جوڑا یا۔ قریب قریب جُڑے جُڑے اسی طرح شَتّٰی کے بھی دو معنی ۱ دو دو ۲ مختلف اقسام۔ دنیا میں چھ قسم کے اعتبار سے نباتات مختلف ہوئے ۱ رنگ ۲ مزہ ۳ خوشبو ۴ بدبو ۵ تاثیر ۶ موسم۔ خیال رہے کہ دنیوی رنگ گیارہ قسم کے ہیں ۱ سفید ۲ ہرا ۳ پیلا ۴ سرخ ۵ کالا ۶ اودا ۷ نیلا ۸ خاکی ۹ گلابی ۱۰ بھورا ۱۱ چمکیلا مزے بھی گیارہ قسم کے ہیں ۱ پھیکا ۲ میٹھا ۳ نمکین ۴ مرچیلا ۵ کھٹا ۶ کڑوا۔ ۷ کسیلا۔ ۸ بکسا ۹ پھیپھا ۱۰ چھپھیندا ۱۱ چکناہٹ اسی طرح تاثیر میں بھی گیارہ قسم کی ہیں ۱ سرد ۲ گرم ۳ خشک ۴ تر ۵ معتدل ۶ غذائی ۷ شفائی ۸ بیماری ۹ قوی ۱۰ آبی ۱۱ بادی موسمیات بھی گیارہ قسم کے۔ ۱ گرمی ۲ سردی ۳ خزاں ۴ بہار ۵ خشک ۶ تر ۷ برساتی ۸ برفانی ۹ جنگلی ۱۰ شہری ۱۱ ریگستانی۔ بو بھی گیارہ قسم کی ہے ۱ خوشبو ۲ بدبو ۳ مہک ۴ سوندھاہٹ ۵ باس ۶ بساند ۷ چراند ۸ سڑاند ۹ بھڑانس ۱۰ مٹراند ۱۱ جلاند۔ فرعون سے اِس دوسری ملاقات کے وقت موسیٰ علیہ السلام کا لباس اُونی جُبّہ سوتی شلوار زیب تن فرمائے ہوئے تھے اور جب آپ نے اِس محفل میں فرعون کے کہنے سے عصا پھینکا تو زبردست سانپ بن گیا اور تیزی سے ہر طرف دوڑا تو دربارِ فرعونی میں بھگدڑ مچ گئی اِس افراتفری میں پچیس ہزار قبطی زخمی اور مردہ ہوئے اور فرعون ڈر کر گھر کے اندر بھاگ گیا اور اندر سے ہی کہا کہ کوئی دن مقرر کر لو ہم بھی اِس جادو کے مقابل جادو دکھائیں گے۔ یہ تو دوسری ملاقات کا حال تھا پہلی ملاقات میں فرعون مائل ہو گیا تھا کہ ایمان لے آئے پہلے اپنی بیوی آسیہ سے مشورہ کیا اس نے ایمان لے آنے کا ہی مشورہ دیا تھا پھر ہامان وزیر اعظم سے مشورہ کیا تو اس نے ورغلا دیا۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہر کام و کلام بے مثل معجزہ اور قدرتِ الٰہی کا شاہکار ہوتا ہے دیکھو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے چند لفظوں میں ایسا معجز انخطاب و جواب ارشاد فرمایا کہ معرفتِ توحید و رسالت کے دریا بہا دیئے دعویٰ بھی دلیل بھی دعوتِ فکر بھی کہ میرے رب تعالیٰ کو ہی ربوبیتِ تامہ لائق ہے جس نے ہر شئی کو شکل و صورت دے کر ہی نہیں چھوڑ دیا شکل و صورت خِلقت و بناوٹ

کے مطابق بخشی کی رہنمائی و دستگیری بھی فرماتا ہے کوئی بھی مخلوق یا اُن کے اندرونی بیرونی اعضاء ایسے نہیں جو خود اپنی مرضی سے اُلٹے سیدھے کام کرنے لگیں بلکہ ہر چیز ہر شخصیت کو اپنی اپنی بناوٹ کے مطابق اپنی مقصد پیدائشی پورا کرنے کا طریقہ وسلیقہ بھی اسی رب کائنات نے سکھا دیا۔ شیر گھاس نہیں کھا سکتا۔ بکری گوشت نہیں ہاتھ چل نہیں سکتے پاؤں پکڑ نہیں سکتے۔ اندرونی اعضا میں کلیجی گردے پھیپھڑے اوجھڑی دل دماغ پتہ مثانہ سب کو اُن کے کام بتا دئے اسی رب تعالیٰ کی ہدایت سے سب اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ ایک بھی اپنا کام بند کر دے تو بندہ فنا ہو جائے سب فرعونیت ہامانیت دھری رہ جائے۔ سورج کو چمکنے اور سیدھی بندھی رفتار پر کروڑوں سال سے چکر لگانے کی چاند کو تاریخ وار پھرنے کی سیاروں کو اپنے اپنے راستے پر چلنے کی اُسی رب قدیر نے ہدایت بخشی جس میں کوئی سیارہ سرِ مُو فرق یا تعجیل و تاخیر نہیں کر سکتا یہ سب اُسی قدرتوں والے رب تعالیٰ کی ہدایت کی پابندی ہے اس سورج قمر کو آگ ہوا مٹی پانی کو شکل بھی اسی نے دی وصف بھی اسی نے دئے غرضکہ رب تعالیٰ صرف خالق ہی نہیں مُعلّم اور ہادی بھی ہے۔ یہ ایسی جامع تقریر ہے کہ علما تمام عمر تشریح کرتے رہیں اس کی وسعت ختم نہیں اسی تقریرِ دل پذیر نے چند منٹوں میں فرعون اور فرعونیوں کو مبہوت کر دیا۔ آپ نے یہ سمجھا دیا کہ اے فرعون رب ہونا آسان نہیں کہ جس کا دل جب چاہے رب بن بیٹھے۔ اے فرعون حقیقی ذاتی قدیمی سچے رب کی یہ شان و کمال ہے اب بتا کیا تیرا رب بننا درست ہے ارے تو تو ایک گھاس کا تنکا نہیں بنا سکتا تیرا اپنا جسم بگڑ جائے تو سنبھال نہیں سکتا تجھے تو اپنے باطنی اعضا کی کارکردگی کا پتہ نہیں کہ کلیجی کس طرح خون بنا رہی ہے پتہ کیا کر رہا ہے قلب و دماغ کا کیا کام ہے۔ کیا اس طرح خلقت وہدایت کی تجھے قدرت ہے اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو تیرا خود کو رب کہنا اور ان لوگوں کا تجھ کو رب ماننا حماقت ہی حماقت ہے۔ یہ فائدہ اَعْطٰى كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ کافر فاسق جاہل کی ہر بات کا جواب دینا ضروری نہیں بلکہ درگزر کرنا اور بیہودہ بحث بازی سے روک دینا اور جوابِ جاہلاں باشد خموشی کے اصول اپنانا بہتر ہیں یہ فائدہ۔ قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى کے جواب عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ مناظرین اسلام کو یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیئے فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰى کے سوال سے فرعون کے تین مقصد تھے ایک یہ کہ نئی باتوں میں اُلجھا کر بات چیت کا رخ موڑ دیا جائے تاکہ موسیٰ کی خوش بیان تقریر کا اثر سامعین کے دل سے ختم ہو جائے۔ دوم یہ کہ قبطی لوگ

قرونِ اُولیٰ کی اولاد سے تھے کوئی قوم ثمود کا کوئی قوم ہُود کا جب موسیٰ ان کافر قوموں کی کو برا کہیں گے۔ اور بتائیں گے کہ وہ بھی برے تھے عذاب میں ہیں تو قوم بھڑک جاوے گی اور موسیٰ کے پیچھے پڑ جاوے گی شور مچ جاوے گا ساری تبلیغ پر پانی پھر جاوے گا مگر موسیٰ علیہ السلام نے اس کی چال کو سمجھتے ہوئے عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ۔ کا مختصر جملہ فرما کر اس کا یہ منصوبہ خاک میں ملا دیا۔ سوم یہ کہ وہ پوچھنا چاہتا تھا کہ جب اُن قوموں نے اللہ کو رب نہیں مانا تو ان پر عذاب کیوں نہ آیا۔ تیسرا فائدہ ثُمَّ هَدٰى کے فرمان سے رسالت کی ضرورت کا بیان بھی ثابت ہوا کہ ہر شی کو اُس کی خِلقت وعقل وشعور کے مطابق ہدایت عطا فرمائی حیوانوں کو جس قسم کی ہدایت کی ضرورت تھی وہ ان کو اِتنا ہی عطا فرمائی لیکن انسان اشرف المخلوقات کو ایسی کامل مکمل ابدی ازلی دنیوی اُخروی ہدایت کی ضرورت تھی جو ذاتِ نبوت کی عملی قولی اُسوۂ حسنہ والی نمونۂ حیات کے بغیر ناممکن تھی اس لیے اے انسانو تمہاری ہدایت کے لیے وجودِ نبوت اور قیامِ رسالت ضروری ہے لہٰذا۔ اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ ہم دونوں تیرے رب کے رسول تیری خلقت کو ہدایت دینے کے لیے آگئے۔ یہ فائدہ ثُمَّ هَدٰى اور اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ بے علمی اور بدعملی اور بدعقیدگی ہر شخص کو نقصان دہ ہے اس سے انسان ناجر فاسق بلکہ کافر بھی ہو جاتا ہے، اگرچہ مومن مسلمان ہو عالم پیر فقیر ہو یا سید غیر سید۔ حکایت تفسیر روح البیان میں اسی مقام پر ہے کہ ایک غریب حال پریشان سید نے عبداللہ بن مبارک کی عزت و آن شان وشوکت اور لوگوں میں احترام دیکھ کر کہا کہ دیکھو ہم سید ہو کر بے عزت ہوتے پھر رہے ہیں اور یہ غیر سید ہو کر کتنی عزت والا ہے آپ نے جواباً فرمایا کہ تم نے اپنے نانا آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقۂ مبارک اور سُنتیں چھوڑیں بدعملی اختیار کی اس لیے یہ حال ہوا۔ میری عزت صرف پابندیِ سنت کی وجہ سے ہے اسی طرح تبلیغ موسوی کو نہ مان کر فرعون جیسے بادشاہ کی عزت ذلتِ ابدی میں بدل گئی یہ مسئلہ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰى مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى۔ سے مستنبط ہوا لہٰذا وہ لوگ عبرت پکڑیں اور خفیہ شیعیت سے توبہ کریں جو کہتے ہیں کہ بدعقیدہ سید بھی ٹھیک اور قابلِ احترام ہے۔ یہ حماقتیں تفضیلی شیعہ کرتے اور لکھتے ہیں اور سُنی بن کر مسلمانوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ باطل کا کلام سننا سنانا بھی جائز ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرعون کے کفریات نقل فرمائے ۱ انکارِ الٰہی ۲ انکارِ ایمان ۳ انکارِ نبوت ۴ انکارِ قیامت لیکن

اہل حق لوگوں پر واجب ہے کہ خوش اخلاقی سے تسلی بخش جواب دیں یہ مسئلہ فَمَنْ رَّبُّكُمَا کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام کے فصیحانہ بلیغانہ جواب رَبُّنَا الَّذِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا اسی طرح ایک دوسری آیت میں تا قیامت مسلمانوں کو یہی حکم دیا جا رہا ہے کہ اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ۔

تیسرا مسئلہ۔ حنفی مسلک میں جب انسانی بچہ شکم مادر میں مکمل ہو کر جان والا ہو جاتا ہے تو اسی وقت سے وہ تمام دنیوی حقوق کا حقدار ہو جاتا ہے جن میں میراث کا حصہ شرعی بھی ہے اور تمام رشتے داریاں یہاں تک کہ محبتِ مادری شفقتِ پدری کے حقوق بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بخشش ہو جاتے ہیں اگر کوئی مورث قبل ولادت فوت ہو جائے تو اس جنین کا حصہ بھی تقسیم میں شامل کرنا واجب شرعی ہے یہ مسئلہ ثُمَّ هَدٰی کے فرمان سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا فِیْ كِتٰبٍ یعنی اللہ تعالیٰ کا علم کتاب میں ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ کو بھی کتاب کی ضرورت ہوتی ہے جس سے اُس کی محتاجی ثابت ہوئی۔ کفار اس سے غلط تاثر لیں گے تو پھر حضرت موسیٰ نے فرعون کے سامنے یہ کمزور بات کیوں کی؟ جواب یہ تمثیلی تشبیہ ہے کہ جس طرح کتابی علم ہر طرح محفوظ ہوتا ہے کہ نہ بھولے نہ بھلایا جا سکے نہ ضائع ہو نہ غلط کیا جا سکے اسی طرح اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے کہ تمام کائناتِ ممکنہ غیر ممکنہ کی معلومات لَا یَضِلُّ اور لَا یَنْسٰی ہے۔ جواب دوم اس طرح دیا گیا ہے کہ فِیْ كِتٰبٍ، عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ کی دلیل ہے نہ کہ ظرف اور معنیٰ یہ کہ تمام قرونِ اُولیٰ کی مکمل معلومات میرے رب تعالیٰ کے پاس ہے اس کی دلیل یہ کہ اُس نے یہ سب کچھ انبیاء اور ملائکہ کو بتانے کے لیے لوحِ محفوظ کتاب میں لکھ دی ہیں تاکہ جس کی نظر میں لوحِ محفوظ دیکھنے کی قوت ہو وہ دیکھ کر پتہ لگائے اس لیے میں نبی رسول ہونے کی وجہ سے کتاب کو دیکھ کر یقین کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف کفار کو عذاب ہوگا۔ مسلمان مومن گناہگار کو عذاب بالکل نہ ہوگا حالانکہ فاسقین کا عذاب قبر و حشر و جہنم احادیث سے ثابت ہے جواب۔ اس کے بھی دو جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ اگر یہاں الف لام استغراقی ہے تو یہاں صرف بڑے سے بڑا سخت ابدی عذاب مراد ہے اور وہ واقعی صرف کفار کو ہوگا۔ اور اگر الف لام عہدی ہے تو معنیٰ یہ ہے کہ خصوصی عذاب صرف کفار کو ہوگا۔ فاسقین

کا عذاب عمومی معمولی غرضِ عذاب کے لیے نہیں بلکہ بغرضِ صفائی ہوگا۔ یہاں خصوصی یعنی خاص طور پر کفار کے لیے تیار کیا ہوا عذاب مراد ہے۔ جواب دوم یہ کہ یہاں کافر و فاسق کے عذاب مراد ہیں اور الف لام جنسی ہے۔ اس طرح کہ کَذَّبَ سے کفار اور تَوَلّٰی سے بے عمل اور بد عمل مسلمان مومن فاسقین مراد ہیں۔ اس لیے کہ کفر تکذیب کا نام ہے اور تولّی یعنی منہ پھیرنا۔ غفلت سستی بے عملی بدعملی سے ہوتا ہے بے عمل فاسق عبادت و اطاعت سے صرف منہ پھیرتا ہے تکذیب نہیں کرتا۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَآ اَنَّ الْعَذَابَ عَلٰی مَنْ كَذَّبَ وَ تَوَلّٰی۔ اے فرعونِ نفسانی بے شک وحی کی گئی ہے ہماری طرف کہ عذابِ طبیعتِ خبیثہ اُس پر ہے جو قلب و عقل کی تکذیب کرے اور ذکر و فکر کی خلوت سے منہ پھیرے جیو لڑ بدنیہ کے ہاویہ جہنم کا سخت عذاب۔ تب پردۂ نفس کی طرف سے سوال ہوتا ہے کہ کون ہے اس دہر کا ثانی ہیں عقل و دل کی پرورش کرنے والا اور روحانی غذائیں دینے والا۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِیْٓ اَعْطٰی كُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی۔ فرمایا اے نفوسِ رذیلہ بے شک ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر ظاہری باطنی اشیاء کو بصیرت کی خلقت اور بصارت کی شکل دی حجتِ تامہ سے پھر دلائل کی ہدایت دی الہامات سے یعنی ہر شی کو اُس کی ذاتی مصلحتوں کی مطابقت سے شکلِ عمل دیا اور خواص کی مناسبت سے آلات و اعضاء دیئے اور پھر منافع و مقاصد کے حصول کے لیے ہدایت و فراست دی۔ ہر شی کو جنت و جہنم برزخ۔ فنا و بقا کی شکل و صورت دی۔ ثُمَّ هَدٰی پھر اُس کے لیے وہی کام آسان کر دیئے جس کے لیے وہ پیدا کیا گیا۔ ؎

یکے را بہرِ طاعت خلق کردند   یکے را بہرِ عصیاں آفریدند
یکے از بہرِ مالک گشت موجود   یکے را بہرِ رضوان می پدیدند

یعنی مومن کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا فیضِ ایمان کو قبول کرنے کی قوت ہمت کی سعادت دے کر اور پھر ہدایت دی دعوتِ انبیاء ماننے اور ان کی متابعت کی کافر کو پیدا فرمایا قہر و غضب ذلتِ اُخروی کے فیض کو قبول کرنے کے لیے پھر راستہ دکھایا انبیاء سے تکبر اور اُن کی مخالفت کا قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُوْنِ الْاُوْلٰی نفسِ رذیلہ قلب و عقل کے آشکار صالحہ سے منہ پھیرتے ہوئے سوال کرتا ہے کہ معاد سے حجاب والوں کا حالِ آخرت کیا ہے سعادت ہیں یا شقاوت ہیں قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ۔ فرمایا اُن تمام حوادثِ اُخروی پر میرے رب تعالیٰ کا علم محیط ہے چونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی معرفت واجبِ اوّل ہے اور

مخلوق کے معاد و انجام کی معرفت اسی معرفت ذاتِ الٰہی پر موقوف ہے اس لیے قلبِ مفکر عقلِ فہیم کی جانب سے احاطۂ علمِ ربانی کا بیان پہلے ہوتا ہے کہ ان تمام اہلِ باطن اور اُن کے کثیر احوال کو وہی میرا رب تعالیٰ جاننے والا ہے رَبِّی کِتٰبٍ خواص کو لوحِ محفوظ کتابِ مبین کے ذریعے معلومات حاصل ہوتی ہیں جن کی نظر سینۂ اسرار پر ہوتی ہے وہ علمِ ربانی ازلاً ابداً باقی ہے نہ اُس پر خطا کی ضلالت جائز نہ نسیان اور کسی طرح کی بھول کا امکان اس لیے کہ اسے قوائے بدنیہ اَلَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ مَهْدًا اُسی ربِّ کائنات جل و علیٰ نے تمہارے لیے ارضِ جسم کو پرورشگاہی مہدِ تربیت و عیش بنایا۔ وَّسَلَكَ لَكُمْ فِيْهَا سُبُلًا۔ اور تمہارے ہی لیے اسی جسم ناسوتی میں اعضاءِ ظاہری اور جوارحِ قویّہ کے آنکھ ناک۔ کان ہاتھ پاؤں کے ظاہر و پوشیدہ چھوٹے بڑے راستے بنائے وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً اور اُسی ذاتِ کریم نے آسمانِ روح سے ادراک کا پانی نازل فرمایا اور مددِ روحانی کی بارش برسائی فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى پھر اُسی روحانی بارش کے ذریعے اراضیِ بدنیہ سے نباتاتِ قدسیہ کے تفکر تدبر۔ تذکر۔ ادراک۔ بصیرت فہم، فراست، علم۔ خاصہ، طبیعت، ھیئت۔ ملکات، اعمال۔ افعال کی ہر قوت والے مختلف جوڑے نکالے (تفسیر ابن عربی و روح البیان)

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ

کہ خود بھی کھاؤ اور چراؤ اپنے چوپایوں کو بے شک اس قدرت میں

تم کھاؤ اور اپنے مویشیوں کو چراؤ بے شک اس میں

ع ۲ ۱۱ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى (۵۴) مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَ

البتہ آیتیں ہیں اچھی عقل والوں کے لیے۔ اسی زمین سے پیدا کیا ہے ہم نے تم سب کو

نشانیاں ہیں عقل والوں کو ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا

فِيهَا نُعِيدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً

اور اسی میں لوٹاتے رہیں گے ہم تم کو اور اسی سے نکال لیں گے تم سب کو ایک دم

اور اسی میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور اسی سے تمہیں دوبارہ

أُخْرَىٰ ﴿٥٥﴾ وَلَقَدْ أَرَيْنَاهُ آيَاتِنَا كُلَّهَا

دوسری بار ۔ اور البتہ اُس فرعون کو بھی ہم نے اپنی بہت نشانیاں دکھائی تھیں

نکالیں گے ۔ اور بے شک ہم نے اُسے اپنی سب نشانیاں دکھائیں

فَكَذَّبَ وَأَبَىٰ ﴿٥٦﴾ قَالَ أَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا

تب بھی اُس نے جھٹلایا اور انکار ہی کیا۔ بولا کیا تو آیا ہے ہمارے پاس تا کہ نکال دے تو ہم کو

تو اُس نے جھٹلایا اور نہ مانا ۔ بولا کیا تم ہمارے پاس اس لیے آئے ہو کہ ہمیں

مِنْ أَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يَا مُوسَىٰ ﴿٥٧﴾ فَلَنَأْتِيَنَّكَ

ہمارے علاقے سے اپنے جادو کے ذریعے اے موسیٰ تو البتہ ہم بھی لائیں گے تیرے پاس

اپنے جادو کے سبب ہماری زمین سے نکال دو اے موسیٰ۔ تو ضرور ہم بھی تمہارے آگے

بِسِحْرٍ مِّثْلِهِ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ

ایسے جادو کو جو اس کی مثل ہوگا۔ لہٰذا مقرر کر لے ہمارے اور اپنے درمیان

ویسا ہی جادو لائیں گے تو ہم میں اور اپنے میں

مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهُ نَحْنُ وَلَا أَنتَ

ایسے ایک وعدے کے دن میں جس کی ہم خود بھی اور تو بھی خلاف ورزی نہ کریں

ایک وعدہ ٹھیرا دو جس سے نہ ہم بدلیں نہ تم

مَكَانًا سُوًى ﴿۵۸﴾

ایک کھلے صاف میدان کو

ہموار جگہ ہو.

تعلقات

اِن آیات کا پچھلی آیات سے چندطرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کا ایک سوال کہ تمہارا رب کون ہے اور اس کا جواب موسیٰ علیہ السّلام کی طرف سے مذکور ہوا۔ اب اِن آیات میں باری تعالیٰ کی ربوبیت اور پرورشِ عامّہ کی شان کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی سوال وجواب والی گفتگو کا ذکر ہوا جس میں بتایا گیا کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کی ہر سوالیہ بات کا نہایت شاندار یا دلائل جواب دیا۔ اِن آیت میں بتایا گیا کہ فرعون نے باوجود لاجواب ہو جانے اور معجزات ونشانِ قدرت دیکھنے کے پھر بھی نہایت ہٹ دھرمی (ضد) سے ہر چیز کو جھٹلایا اور ماننے سے انکار کیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا ایک وعظ مذکور ہوا جس میں آپ نے فرعون کو نصیحت کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا تعارف کرایا کہ رب وہ ہے جس نے تمام مخلوق کو اُن کی مختلف شکلوں پر پیدا کیا۔ اب اِن آیت میں مخلوق کے انجام واِختتام کا ذکر ہو رہا ہے اور بتایا گیا کہ اے فرعون تو رب نہیں تو ایک ادنیٰ سی مخلوق ہے تیرا بھی یہ حشر ہونا ہے لہٰذا پہلے ہی بندہ بن جا۔

تفسیر نحوی

كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى

كُلُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر جمع مذکر۔ اَكْلٌ سے مشتق ہے دراصل اُاْكُلُوْا تھا اجتماعِ ہمزتین کی وجہ سے مادے کی ہمزہ گر گئی پھر اکیلی ہمزہ پر ضمہ ثقیل تھا تو وہ بھی گر گئی اور ضمہ منتقل ہو کر کاف پر آ گیا۔ اَكْلٌ کا لغوی حقیقی ترجمہ ہے کھانا منہ سے مجازًا ترجمہ ہے جلانا۔ غیبت کرنا۔ نقصان کرنا، خیانت کرنا وغیرہ یہاں لغوی ترجمہ مراد ہے واؤ عاطفہ۔ اِرْعَوْا۔ باب فَتَحَ کا امر حاضر جمع مذکر رَعْیٌ سے مشتق ہے بمعنی جانور چرانا۔ حفاظت کرنا۔ رعایت کرنا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے پنجاب میں کسانوں کی ایک سبزی اگانے والی قوم کا نام آرائیں یا رائیں ہے

وہ لفظ الرّاعی یا راعی سے منتقل ہے۔ عربی میں آجڑی کو راعی کہتے ہیں اردو میں چرواہا کہتے ہیں یہ قوم پہلے صرف بکریوں کو چراتی تھی پھر بکریوں کے پٹھے (چری) اگانے لگے پھر باقی انسانی سبزیاں بھی اُگانے لگے اور راعی سے رائیں بن گئے یہ صیغہ دراصل اِرْعَيُوْا تھا پہلے یٰ کو الف سے بدلا پھر الف ثقیل گر گیا۔ یہ دونوں فعل ہر بات میں متعدی ہوتے ہیں۔ اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر ان کا فاعل اَنعامَکُمْ مرکبِ اضافی اِرْعَوْا کا مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا۔ کُلُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہوگیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ فِیْ ذَالِكَ یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے مَوجُوداتٌ پوشیدہ اسم مفعول کے۔ لَاٰیٰتٍ۔ لام تاکید یہ اٰیٰتٍ بحالتِ فتحہ ہے اسم ہے اِنَّ کا۔ لِاُوْلِی النُّھٰی جارہ نفع کا اُوْلِی اسماءِ نسبتی میں سے ہے یہاں بحالتِ جر ہے بحالتِ رفع اُوْلُو ہوتا ہے بحالتِ نصب بھی اُوْلِی ہوتا ہے بمعنی والے یہ جمع کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کا واحد نہیں ہوتا۔ اَلنُّھٰی الف لام جنسی یا عہدِ ذہنی۔ نُھٰی۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے نُھْیَۃٌ یہ جمع تغیرِ تعلیلی سے بنایا گیا بمعنی برائی سے روکنے والی عقل۔ اُوْلِی مضاف نُھٰی مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مجرور متعلقِ دوم ہے مَوجُوداتٌ پوشیدہ کا ھُنَّ پوشیدہ ضمیر غائب فاعل ہے جس کا مرجع اٰیٰتٍ ہے موجوداتٌ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ مِنْھَا۔ جار مجرور متعلق مقدم ہے خَلَقْنٰا کا ھَا ضمیر کا مرجع اَرض ہے۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ کا مرجع تمام مخاطب انسان ہیں۔ خَلَقْنٰا فعل با فاعل اپنے متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ فِیْھَا یہ جار مجرور ظرفیہ متعلق مقدم نُعِیْدُ فعل مضارع مستقبل جمع متکلم کا کُمْ ضمیر بارز (ظاہر) نُعِیْدُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ۔ مِنْھَا جار مجرور متعلق مقدم ہے نُخْرِجُ مضارعِ مستقبل ہے کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ ہے تَارَۃً اسم تکراری بحالتِ نصب ظرفِ زمانی ہے موصوف ہے اُخْرٰی۔ اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے آخَرُ صفت ہے تَارَۃً کی نُخْرِجُ اپنے متعلق اور متکلم فاعل مفعول بہ اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ لام تاکید یہ۔ قَدْ اَرَیْنٰا۔ فعل ماضی تریب جمع متکلم بابِ افعال متعدی بہ دو مفعول پہلا مفعول بہ ہٗ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ دوسرا مفعول بہ اٰیٰتِنٰا مرکبِ اضافی ہے اٰیٰتِنٰا مؤکد اور کُلَّھَا اس کی تاکید دونوں مل کر مفعول دوم اَرَیْنٰا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا ف زائدہ تعقیبیہ۔ کَذَّبَ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَکْذِیْبٌ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع فرعون ہے۔ پچھلی آیت میں فَاَخْرَجْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا (الخ) سے کَذَّبَ وَاَبٰی! جملہ معترضہ ہے خطاب باری تعالیٰ کا ہے اس کے آگے پیچھے قول موسیٰ علیہ السّلام اور

اور فرعون کی گفتگو منقول ہے کَذَّبَ فعل با فاعل علیحدہ جملہ فعلیہ ہے واؤ بر جملہ۔ اَبٰی۔ باب فتح کا ماضی مطلق اَبْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ انکار کرنا۔ اس کا فاعل بھی پوشیدہ کا مرجع فرعون ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ يٰمُوْسٰى فَلَنَاْتِيَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ ہمزہ استخبار یہ سوالیہ شرطیہ بمعنی اگر۔ خیال رہے کہ جو الف متحرک ہو اس کو عربی میں ہمزہ کہتے ہیں اور جو الف ساکن ہو اس کو الف ہی کہتے ہیں ہمزہ پانچ قسم کی ہے۔ ۱ ہمزہ سوالِ استخبار کے لیے جہاں کچھ سمجھنا یا معلومات مقصود ہو یہاں اسی معنی میں ہے اس کا معنی ہوتا ہے۔ کیا۔ ۲ ہمزہ سوالِ زجر اس کا معنی ہے خواہ مخواہ ۳ ہمزہ استہزائیہ جس کا معنی ہے بھلا ۴ ہمزہ استیلائیہ مہلت دینے کے لیے سوال۔ اس کا مقصد ہوتا ہے خواہ ایسے ۵ ہمزہ معکوسی (عکسِ منفی) یعنی ثبوت کو نفی اور نفی کو ثبوت کرنے والی اس کا معنی ہے کیا ایسا نہیں ہوا وغیرہ۔ ان تمام کی مثالیں قرآن مجید میں موجود ہیں جِئْتَ باب ضرب کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر مراد ہے حضرت موسیٰ سے خطاب اَنْتَ ضمیر فاعل نَا ضمیر جمع متکلم مرجع ہے فرعون اور فرعونی بحالتِ نصب ظرف مکانی بمعنی ہمارے پاس یہ سبب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا لام تعلیلہ بمعنی تاکہ تُخْرِجَ باب افعال کا مضارع منصوب ہے لام تعلیلی کی وجہ سے اَنْتَ ضمیر بارز کا مرجع موسیٰ ہیں یہ فاعل ہے نَا ضمیر مفعول بہ مِنْ جارہ بمعنی فی ظرفیہ ترجمہ ہے میں سے اَرْضٌ زمین یعنی علاقہ مضاف ہے نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق اوّل ہے بِسِحْرِكَ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے تُخْرِجَ اپنے فاعل مفعول بہ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مسبب ہوا۔ دونوں سبب مسبب مل کر جوابِ مقدم ہوا حرفِ ندا کا موسیٰ اسم مقصور مضموم ہے اعراب تقدیری ہے۔ مُنادیٰ ہے۔ یَا حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور جوابِ مقدم سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ جزائیہ لَنَاْتِيَنَّ باب ضرب کا لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ مضارع معروف جمع متکلم بِ جارہ مفعولیت کا سِحْرٍ موصوف مِثْلِهٖ مرکب اضافی صفت یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے لَنَاْتِيَنَّكَ اپنے فاعل اور ظرف مکانی کَ ضمیر اور اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر ہوئی۔ فَ تعلیلیہ بمعنی لہٰذا اِجْعَلْ باب فتح کا امر حاضر معروف مرجع موسیٰ بَيْنَنَا مرکب اضافی معطوف علیہ اور بَيْنَكَ معطوف یہ دونوں مل کر ظرف مکانی ہوا۔ (قلبی ظرف) مَوْعِدًا اسم مشتق ظرف مذکر ہے وَعْدٌ سے مشتق ہے یا یہ مصدر میمی ہے موصوف ہے لَا نُخْلِفُ باب افعال کا مضارع منفی جمع متکلم ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع

مَّوْعِدًا ہے نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل تاکید ہے پوشیدہ ضمیر جمع متکلم کی واؤ عاطفہ لا عاطفہ نافیہ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع موسیٰ ہیں عطف ہے نَحْنُ پر بعض نحات نے فرمایا لَا اَنْتَ کا عطف لَا نُخْلِفُ کے جملے پر ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ مَكَانًا۔ اسم ظرف بمعنی جگہ۔ سُوًى اسم مصدر بمعنی حاصل مصدر جامد یعنی ہموار صاف میدان ظرف مکانی مگر یہاں صفت ہے مَكَانًا کی اس لیے بحالت فتحہ ہے لَا نُخْلِفُ اپنے مکمل تاکیدی فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مَّوْعِدًا کی اور یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہوا۔ مَكَانًا سُوًى یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ اِجْعَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا فَجِئْتَ کے جملے کا یہ علت معلول مقولہ ہوا قَالَ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِیْهَا نُعِیْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندو خوب کھاؤ ہر طرح سے ہر رزق سے پھل فروٹ دانے بیج سبزی ترکاری ہر نباتاتی پیداوار پاک ہے اور اپنی ملکیت و تصرف کی ہر چیز حلال ہے۔ اور اپنے جانوروں چوپایوں کو چرندوں پرندوں کو بھی خوب چراؤ چگاؤ۔ زمین میں جو چیز جس کے لیے اُگائی گئی ہے اُس کا اُس چیز کو کھانا حق ہے۔ ایک بزرگ فرماتے تھے کہ انسان کی ہر کھیتی میں کچھ حصہ جانوروں کا رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے مثلاً گندم جو وغیرہ اور پھلوں کی چیزیں انسانوں کے لیے بھی اور ان میں جانوروں کا بھی حصہ کہ دانے انسان کھائیں بھوسہ جانور پھل کا گودا انسان کھائیں چھلکے جانور۔ لیکن باجرے کی بناوٹ کچھ اس طرح کی ہے کہ اُس کے دانے صرف چڑیوں کے لیے ہیں۔ کہ اُن کی چونچ کے برابر دانہ اور سب سے اوپر بالکل کھلا تاکہ چڑیوں کو دانے نکالنے کھانے چگنے میں نہ دیر لگے نہ دِقت و تکلیف ہو۔ اس لیے ہر کھیتی کی حفاظت کرو مگر باجرہ کھانے سے چڑیوں کو مت اڑاؤ اگر خود ہی کچھ دانے بچ رہیں تو اللہ تعالیٰ کا عطیہ سمجھ کر لے لو اور کھاؤ ورنہ صرف بقیہ بنٹوں سٹوں کے بھوسے پر اکتفا کر کے اپنے چوپایوں کو کھلاؤ بعض کسان بزرگ تو باجرہ لگاتے ہی چڑیوں کی دعائیں لینے کے لیے ہیں۔ اپنا اپنا ذوق و شوق و جذبہ ہے كُلُوْا میں ہر طرح کے منافع مراد ہیں یعنی زمین کی نباتاتی پیداوار سے کھانا پینا، پہننا اوڑھنا۔ بچھانا وغیرہ۔ زمینی پیداوار سے انسانوں کو چھ قسم کے منافع میسر

ہوتے ہیں ۱؎ کھیتی باغات لکڑی ۲؎ مشروبات۔ یعنی ہر قسم کا پانی۔ دریائی نہری چاہی بارشی ۳؎ معدنیات دھات کوئلہ تیل ۴؎ جواہرات زیورات ۵؎ حجرات یعنی اینٹ پتھر ریت تعمیراتی اشیاء ۶؎ جبالی (پہاڑی) جنگلاتی اشیاء و دوائیں غذائیں یہ سب کچھ رب تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پیدا فرمایا ہے اگر اے انسانو تم نہ ہوتے تو یہ آسمان زمین اور جانور بھی نہ ہوتے كُلُوْا امر استحبابی ہے اور وَارْعَوْا امر وجوبی ہے۔ بے شک ان تمام آسمانی زمینی اشیاء عالم میں البتہ یقیناً بڑی بڑی ظاہر ظہور ثبوتِ ربوبیت کے دلائل اور نشانات ہیں جو زبانِ حال سے پکار پکار کر عقلِ سلیم والوں کو کہہ رہے ہیں کہ اے انسانو تم سب کا رب فقط ایک ہی اللہ تعالیٰ ہے خیال رہے تبلیغِ دین و ایمان اس کو کی جاتی ہے۔ جس کو عقل ہو۔ لیکن تبلیغ کا فائدہ اُن کو ہوتا ہے جن کی عقل سلیم اور قلب عاجز ہوتا ہے۔ اور سلیم وہ ہے جس میں ضد تکبر عیاشی نہ ہو۔ عقلِ سلیم کی نشانی یہ ہے کہ باطل کی اتباع برائی کے ارتکاب سے نُہٰی یعنی باز رہے۔ ہر حلال و جائز کام کرنا اور ہر حرام سے بچنا یہ عقلِ سلیم والے کی شانِ عظمت ہے اس لیے کہ عقل ہی آیتِ الٰہیہ کو اور اُن کے منشا کو سمجھتی ہے عقلِ سلیم پر ہی حق آشکارا ہوتا ہے مگر جو انسان مثل فرعون و ہامان ضدی مغرور و عیاش ہو گیا ہو وہ جانتے بوجھتے بھی ہر حق کا انکار ہر سچائی کی تکذیب ہی کرتا ہے۔ اُولِی النُّہٰی سے مراد اہل تفکر تدبر اور اہلِ عبرت و اہل اعتبار و اتعاظ ہیں۔ اس طرح کے جو لوگ حق کی تلاش میں ہوں تو یہ آیتِ الٰہیہ خود ان کی رہنمائی فرماتی ہیں اور ایسے خوش نصیب نظریاتِ آسمانی اور مشاہداتِ ارضی و فلکی میں تفکر و فہم کی مدد سے اصل مقصود تک پہنچنے کی راہ کا پتہ لگا لیتے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ جَلَّ وَعَلَا ہی تمام کائناتِ عالمین کا وَحْدَہٗ لَاشَرِیْک رب ہے کسی اور کی طاقت نہیں کہ کسی ذرّے کا بھی رب ہو سکے۔ اگرچہ یہاں كُلُوْا اور وَارْعَوْا کا امر ظاہری موجود ہے مگر دل و دماغ والے جانتے ہیں اصل دعوتِ قرآنی یہ نہیں ہے۔ بلکہ چھ چیزوں میں غور و تفکر اور ایمان کی دعوتِ عامہ فرمائی جا رہی۔ اوّلاً معرفت رب دوم معرفتِ الٰہی کہ رب تعالیٰ ہی معبودِ کائنات ہو سکتا ہے کسی غیر کی گنجائش نہیں سوم معرفتِ نبوت و رسالت ان ہی میں غور و فکر وسیلہ ہے ایمان و عرفان کا چہارم معرفتِ مراد یعنی اس حقیقت کا اعتراف کہ۔ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ ہم نے تم کو اسی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ پنجم معرفتِ انجام کو وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ ہم اس مٹی میں تم کو پھر پہنچا دیں گے ششم۔ معرفتِ معاد کہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى۔ دوبارہ ابدی زندگی کے لیے اسی زمین میں سے پھر ہم تم کو نکال لیں گے اگرچہ تم کو کسی جگہ کسی شکل و کیفیت و حالت میں موت آئی ہو یا بعد موت تم کہیں پڑے

ہو راکھ بنے یا خاک بنے پڑے ہو قبر میں ہو یا سمندر کی تہوں میں بکھرے پڑے ہو۔ زمین میں ہر انسان کو تین مرحلوں سے لازمًا گزرنا پڑتا ہے ۱؎ ولادت سے موت تک ۲؎ موت سے قبر تک ۳؎ قبر سے حشر تک ۴؎ حشر سے ابدی زندگی تک۔ میدانِ محشر بھی زمین پر قائم ہوگا۔ یہ سب مرحلے زمین سے وابستہ ہیں کبھی زمین کے اوپر کبھی نیچے کبھی زمین کے اندر۔ یہاں آیت ۵۳ سے ۵۵ تک زمین کے چھ نفع ارشاد ہوئے ۱؎ زمین مہد ہے ۲؎ زمین میں راستے ہیں ۳؎ زمین پر آسمانی بارش ہے ۴؎ زمین سے نباتاتی پیداوار ہے ۵؎ خود بھی کھاؤ کیونکہ لذیذ اور غذائیں ہیں ۶؎ جانوروں کو بھی کھلاؤ کہ جانور تمہارے مگر دستر خوان رب تعالیٰ کا آدم علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے پیدا فرمایا تو دنیا زمین کی تمام اقسام کی مٹی لی گئی اب ہر آدمی کو بنایا جاتا ہے تو عزرائیل علیہ السلام صرف اس کی قبر کی مٹی لیتے ہیں پھر مرنے کے بعد وہیں دفن کیا جاتا ہے ایک انچ آگے پیچھے نہیں کیا جا سکتا۔ جسم انسانی کا خاکی مرکز اس کی ناف ہے کہ نطفہ ناف سے لوتھڑا بننا شروع ہوتا ہے۔ یحییٰ بن معاذ رح نے فرمایا انسان دنیوی زمین سے اس لیے محبت کرتا ہے کہ زمین مثل ماں ہے زمین سے سات چیزیں حاصل ہوتی ہیں ۱؎ عیش ۲؎ رزق ۳؎ حیات ۴؎ موت ۵؎ معاد ۶؎ خیر و شر ۷؎ اس زمین سے انسان نیک ہو کر جنتی بنتا ہے اور اسی زمین سے انسان برا ہو کر جہنمی بنتا ہے اسی لیے زمین افضل ہے آسمان سے نو وجوہ سے اوّل اسی کی مٹی سے اجسامِ نبوت کی خلقتِ مبارکہ دوم زمین ہی عبادت گاہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہے سوم یہی مدفنِ انبیاء علیہم السلام ہے چہارم زمین اللہ تعالیٰ کا دار الخلافہ ہے پنجم یہ آخرت کی کھیتی ہے ششم زمین ہی مہبطِ وحی ہے ہفتم عروجِ انسانیت اور علوِ آدمیت زمین سے ہی ہے معراجِ مومن کا مقامِ اوّل ہے جب کہ آسمان ارواحِ قدسیہ کا مکانِ اوّل ہے ہشتم سجدہ زمین سے لگنے کا نام ہے نہم نماز اعضاء سے اور اعضاء جسم سے اور جسم زمین کی مٹی سے اسی لیے تیمم بھی مٹی سے کیا جاتا ہے۔ مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ کی دو صورتیں ہیں ایک دنیا کے پہلے رسول آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا مٹی کو پانی سے گوندھا آگ سے سکھایا اور ہوا سے زندہ کیا۔ نور کے ذریعے محفوظ فرمایا۔ یہی چار عناصر انسان کی بقا کے لیے آج تک ہر انسان میں ہیں۔ ان ہی چار عناصر کا ہر انسان اپنی دنیوی حیات میں محتاج ہے چونکہ آگ ہوا پانی بھی زمین سے ہی ہیں اس لیے منہا فرمایا اور ان میں اصل مادۂ انسانی مٹی ہے منہا سے اصلیت کا بیان ہے۔ دوم اس لیے کہ زمین سے غذا۔ غذا سے نطفہ۔ نطفے سے لوتھڑا

گوشت پوست ہڈی۔ پھر بچہ پھر مولود حضرت عبد اللہ ابن مسعود سے روایت ہے کہ فرشتہ حکم ربانی ہر انسانی نطفے پر تین چیزیں لکھتا ہے ۱ عمر ۲ رہائش ۳ مقام قبر اسی کا نام تقدیر مبرم ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی تقریر میں تین چیزوں کے دلائل پیش فرمائے ۱ دلائل توحید ۲ دلائل نبوت ۳ دلائل قیامت۔ خَلَقْنٰکُمْ۔ نُعِیْدُکُمْ۔ نُخْرِجُکُمْ۔ یہ قیامت کی دلیلیں ہیں حدیث مبارکہ میں ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور ابو بکر و عمر ایک مٹی سے بنائے گئے۔ شجر کھجور کو انسان کی پھوپھی فرمایا گیا۔ حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے۔ اَکْرِمُوْا عَمَّتَکُمُ النَّخْلَۃَ فَاِنَّھَا خُلِقَتْ مِنْ فُضْلَۃِ طِیْنَۃِ اَبِیْکُمْ اٰدَمَ۔ یعنی اپنی پھوپھی کھجور کی عزت کرو کیونکہ آدم علیہ السلام کی بچی ہوئی مٹی سے بنائی گئی پھر جو مٹی کھجور سے بچی اس سے انگور اور انار بنایا گیا (از تفسیر مظہری) خلق نام ہے ایک شی کے تغیر حادثاتی سے دوسری شی کا وجود اس طرح ہو کہ پہلی چیز کے تمام صفات ناپید ہو جائیں اور دوسری شی کے صفات حادث ہو جائیں۔ وَفِیْھَا نُعِیْدُکُمْ کی دو کیفیتیں ہیں ایک کیفیت صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لیے اور ان کے طفیل اور اتباع کے صدقہ صحابہ کرام و خاص اولیا علما کی وہ یہ کہ قبر صرف ظرف مکانی اور رہائش گاہ بن جائے دوم یہ کہ زمینی قبر دوبارہ مردے کا معدن بن جائے اور وہ جسم بالکل مٹی ہو جائے یہ عوام نیک و بد کافر و مومن فاسق کی کیفیت ہے وَمِنْھَا نُخْرِجُکُمْ میں تین قول ہیں ۱ دوبارہ زندہ ہونا مراد ہے اگرچہ قبر کے اندر ہی رہے ۲ انعام جنت یا عذاب قبر والا مثالی جسم مراد ہے ۳ خروج محشر مراد ہے۔ وَلَقَدْ اَرَیْنٰہُ اٰیٰتِنَا کُلَّھَا۔ اور بے شک اے لوگو ہم نے اپنے موسیٰ کلیم نبی رسول کے ذریعے فرعون کو بہت سی اپنی قدرت قوت اختیار و سلطنت ابدیہ ازلیہ کی نشانیاں دکھائیں آفاق و انفاس کے دلائل دکھائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے تقریر سے توحید کی معرفت کرائی معجزات سے ہمارا نبی رسول ہونے کا ثبوت پیش کیا۔ اور پھر اس کے بعد اس کی ضد تعصب تکبر ہٹ دھرمی کی وجہ سے دنیوی عذاب کے وہ تمام نشانات و آیات دکھائیں جو اس کی عبرت کے لیے کافی تھیں۔ اور اس کا اور اس کی کافر قوم کا ضمیر باطنی قلب شعوری تسلیم کرتا تھا کہ ہم غلط ہیں موسیٰ سچے ہیں مگر اپنی جاہ و منصب اور کرسی حکومت کے اور حکومتی رعب داب عہدے مرتبے چھن جانے کا بلکہ ہامان و شیطان کے غلط مشورے اور ورغلانے کی وجہ سے کَذَّبَ وَاَبٰی اس نے ہر چیز کا انکار ہی کیا۔ اس طرح کہ معجزات کو جھٹلایا اس کو جادو کہا اور ایمان لانے کفر چھوڑنے بندہ بننے سے انکار کیا

تکذیب عناد سے اَبَی جہالت سے یا تکذیب شرارت سے اَبَی حماقت سے کیونکہ اس میں اسی فرعون کا ہی اَبَدی نقصان تھا اور تصدیق و تائید میں اُس کا اَبَدی دینی دنیوی ہر طرح فائدہ تھا نہ سلطنت ختم ہوتی نہ عزت۔ فرعون کو دس آیات دکھائی گئیں۔ پہلی ملاقات میں تقریری اور صرف عصا کا معجزہ دوسری میں عصا اور ید بیضا کا تیسری مقابلے والی ملاقات میں عصا۔ ید بیضا۔ پھر قحط و فوتنا ۳ ہوا کا طوفان ۴ ٹڈیوں کا حملہ ۵ جوؤں کی بھرمار ۶ مینڈکوں کی کثرت ۷ ہر شی کھانے پانی کا خون بن جانا یہ چیزیں ہر چیز میں کثرت سے پیدا ہوتی تھیں ۹ قحط اس طرح کہ ہر غلہ پھل فروٹ اور گھریلو پالتو جانور مرتے ختم ہوتے چلے گئے ۱۰ آخر میں غرقابی سے ہلاکت جب بھی کوئی قدرتِ الٰہی کی یہ عذابی تکلیف آتی تو عام قبطی فرعون کا پیغام لے کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس ہی آتے۔ وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَ السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عَهِدَ عِنْدَكَ اِنَّنَا لَمُهْتَدُوْنَ۔ اور کہتے کہ اے جادوگر اپنے رب سے اپنے عہدِ ربانی کے صدقہ ہمارے لیے اس عذاب کے دور ہونے کی دعا کر بے شک ہم البتہ ضرور ایمان لے آئیں گے ہدایت پر آجائیں گے فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الْعَذَابَ اِذَا هُمْ یَنْكُثُوْنَ۔ جب ہم اپنے موسیٰ کلیم کی دعا سے اُن کا عذاب دور کر دیتے تو پھر وہ اسی طرح وعدہ خلافی کرتے ہوئے کفر میں ہی رہتے (سورۃ ۴۳ زخرف آیت ۴۹، ۵۰) اسی طرح سورۃِ اعراف ۷ آیت ۱۳۴ میں بھی مذکور ہے۔ اتنا سمجھانے بتلانے کے باوجود ایسی بدبختی چھائی کہ سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی بجائے بندہ بننے کے۔ قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰى فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَبَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى۔ فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اے موسیٰ تو ہم سے غائب اور اتنی مدت روپوش رہ کر جادوگری سیکھتا رہا ہے اور اب تو اپنے اس شعبدے بازی کے جادو کو ہمارے پاس محض اس لیے لایا ہے کہ کرسیِ حکومت کا طلب گار ہے اور ہم کو ہمارے اس وطنِ عزیز سے نکالنا چاہتا ہے اپنے جادو کے زور سے۔ ایسا جادو تو ہمارے جادوگر بھی کر سکتے ہیں یہ لکڑیوں کو سانپ بنانا وہ بھی جانتے ہیں ہم بھی عوام لوگوں کے سامنے اس کی مثل جادو لے آئیں گے فرعون عصاءِ موسوی اور ید بیضا دیکھ کر حقیقت کو سمجھ گیا تھا کہ موسیٰ سچے ہیں اور اُن کے یہ کام جادو کے شعبدے نہیں بلکہ قدرتِ ربانی اور نبوتِ موسیٰ کے معجزے ہیں لیکن اپنی حکومت کی عزت اور معبودیت کی ساکھ بچانے اپنے جھوٹے دعووں کا بھرم رکھنے کے لیے

قوم کو دلا سے دیتے حضرت موسیٰ سے نفرت دلا کر مطمئن کرنے کیلیے لوگوں کے سامنے موسیٰ علیہ السلام سے بہ بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے لگا۔ اس وقت فرعون اندرونی طور پر سخت پریشان اور گھبرایا ہوا تھا۔ اُس وقت فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے چھ باتیں کہیں ۱۔ تو جادو کے ذریعہ میری سلطنت چھیننا چاہتا ہے یعنی تو پیغمبر نہیں جادوگر ہے حالانکہ فرعون جانتا تھا کہ نہ جادو میں اتنی طاقت ہوتی ہے نہ جادوگر میں کہ کسی بادشاہ کی سلطنت تو درکنار کسی کا ایک اینٹ پتھر بھی نہیں چھین سکتا جادوگر تو خود جادو کے شعبدے دکھا کر بعد میں لوگوں سے بھیک مانگتے دامن پھیلاتے ہیں ان فرعونی جادوگروں نے بھی فرعون سے اپنے کرتبوں کی بھیک مانگتے ہوئے کہا تھا۔ قَالُوْۤا اِلِفِرْعَوْنَ اَئِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِیْنَ (سورۃ شعراء آیت ۴۱) ۲۔ فرعون نے دوسری بات یہ کہی کہ ہم بھی تیرے جادو کے مثل جادو لائیں گے۔ مگر یہ بات صرف تکبر و تعصب اور اپنوں کی ڈھارس بندھانے کے لیے کی تھی تاکہ اُس کی قوم والے حوصلہ نہ ڈھا دیں یعنی ہماری سلطنت کا ہر جادوگر لاٹھی کے سانپ بنا سکتا ہے یہ بات اُس نے اپنے ملکی جادوگروں سے مشورہ کر کے سمجھا کر کی تھی جادوگروں نے کہہ دیا تھا کہ ہم بھی یہ کر سکتے ہیں پہلی ملاقات میں عصا کا سانپ دیکھ کر ہامان وزیر اعظم سے مشورہ کر کے یہ سب تیاریاں کرالیں تھیں ۳۔ فرعون نے لوگوں کو سناتے ہوئے کہا۔ لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا تو چاہتا ہے ہم سب کو اس شہر اس علاقہ سلطنت سے نکال کر خود قابض و بادشاہ بن جائے اور بنی اسرائیل کو غلامیت سے ہٹا کر سرداری دیدے اور موجودہ اُمرا و وزرا کو غلام بنا دے ۴۔ اے لوگو یہ ہماری سرداری چھین کر تمہارے موجودہ عہدے مرتبے عیش و آرام ختم کرنا چاہتا ہے مجھے صرف اپنی ہی فکر نہیں ہے تم سب کی فکر ہے ۵۔ مزید یہ کہ تمہارے پچھلے بزرگوں دیویوں دیوتاؤں کو بھی بُرا اور جہنمی کہتا ہے ۶۔ اے لوگو میری قوم والوں میں تم سب کی بھلائی کے لیے اس سے پوری طرح فیصلہ کُن دو ٹوک مقابلہ چاہتا ہوں اے موسیٰ آجا میدانِ مقابلہ میں پھر تیرا سارا بھرم کھل جائے گا۔ فَاجْعَلْ بَيْنَنَا وَبَيْنَكَ مَوْعِدًا۔ ہم تجھ کو ہی اختیار دیتے ہیں کہ ہمارے اور اپنے درمیان مقابلے کے لیے کوئی صحیح صحیح اور سچے وعدے کا دن مقرر کرے لیکن وعدہ پکا ہو کہ نہ ہم اُس کی خلاف ورزی کر سکیں نہ تو۔ اور میدانی جگہ بھی تو خود ہی مقرر کرلے لیکن یہ خیال رکھنا کہ نہ زیادہ دور ہو نہ چھوٹا ہو نہ نیچا اونچا ہو بلکہ کہیں قریب ہی بہت وسیع اور ہموار میدان ہو تاکہ تمام اور کثیر دور و نزدیک والے بیک وقت بہت اچھی

طرح صاف دیکھ سکیں۔ یا تو یہی درباری جگہ ہو یا کہیں قریب ہی ہو۔ یہ کام فرعون نے حضرت موسیٰ کے سپرد کیا اس کی چار وجہ ہو سکتی ہیں ۱؎ اپنے ضعفِ قلبی معجزوں کی گھبراہٹ اور موسیٰ علیہ السلام کے خداداد رعب کی وجہ سے ۲؎ یا اپنے مرتبے کا تکبر کرتے ہوئے کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں تم نہ بھاگ جانا ۳؎ قوم پر رعب ڈالنے کے لیے ۴؎ یا یہ دیکھنے کے لیے کہ اگر لمبی مدت دیتا ہے تو یہ سب کچھ جادو ہے جادو کے لیے تیاری کی ضرورت ہوتی ہے اگر تھوڑی مدت دیتا ہے تو یہ معجزہ ہے اس کے لیے تیاری کی ضرورت نہیں ہوتی۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کی تمام ہدایتوں کا مرکزی مقام انبیاء کرام علیہم السلام ہی کا آستانہ ہے جس کو نبی کے آستانے اور نبی علیہ السلام کی تبلیغ وارشاد سے ہدایت نہ ملے اس کو کہیں سے ہدایت نہیں مل سکتی۔ لہٰذا ہر مومن مسلمان کو چاہیئے تمام عمر ان لوگوں سے ہی وابستہ رہے جن کے پاس انبیاء علیہم السلام کی ہدایت وشریعت طریقت ومعرفت ہے ان لوگوں اور ان کی محفلوں مجلسوں تقریروں کتابوں سے دور رہے جن کے دل میں انبیاء کرام سے بدعقیدگی ہے یہ فائدہ کَذَّبَ وَاَبٰی سے حاصل ہوا کہ دیکھو فرعون وفرعونیوں کو موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ہدایت نہ ملی تو پھر کہیں سے بھی نہ ملی اسی طرح ابوجہل اور تاقیامت ابوجہلیوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آستانے سے ہدایت نہ ملی تو مرتے دم تک کہیں سے بھی ہدایت نہ ملی۔ دوسرا فائدہ ہر انسان کے اجزاءِ اصلیہ آخرکار زمین کی مٹی میں ضرور مل جاتے ہیں۔ خواہ کسی طرح ان کو موت آئے درندہ کھائے یا آگ جلائے یا دریا سمندر میں ڈوبے یا قبر میں دفن کیا جائے۔ نیز اجزاءِ اصلیہ کہ کوئی چیز فنا اور جلا نہیں سکتی۔ یہ فائدہ وَفِیۡہَا نُعِیۡدُکُمۡ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ ہر شخص کی قبر وہیں ہوتی ہے جہاں اس کے اجزا پڑے ہوں راکھ کی شکل میں ہوں یا ذرات اور خاک دھول کی شکل میں یا فضلہ جانور کی شکل میں سطحِ زمین پر ہوں یا سمندر کی تہہ میں۔ تیسرا فائدہ زمین اور اس کی پیداوار کھیت کھلیان جڑی بوٹیوں میں قدرتِ الٰہیہ کی عظیم نشانیاں اور آیاتِ ربانیہ ہیں مگر سمجھنے کے لیے عقلِ سلیم اور فکرِ فہیم چاہیے۔ یہی سرزمین جو ایک چرواہے کی نگاہ میں صرف چراگاہ ہے طبیبِ حاذق کی نگاہ میں ایک وسیع دواخانہ اور پنسار ہٹی ہے۔ سائنسدان کی نگاہ میں خزانۂ معدنیات ہے اہلِ ایمان کی نگاہ میں نعمتوں بھرا دسترخوان ہے غرضکہ یہی زمین کسی کے لیے بچھونا کسی کے لیے خزانہ کسی کے لیے نعمت کا خانہ۔ کسی کا آب ودانہ اور کوئی ناقص العقل تاعمر ان رازوں سے بیگانہ۔ یہ فائدہ اِنَّ فِی

ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہاں دو امر ارشاد فرمائے گئے۔ ۱ کُلُوْا ۲ اِرْعَوْا۔ پہلا امر استحبابی ہے اور دوسرا امر وجوبی ہے فقہاء علم اصول قرآن مجید اور احادیث پاک سے امر کے تین معنی کرتے ہیں جن میں پہلا اور اصل معنیٰ وجوب ہے یعنی وہ امر اپنے مخاطب پر اس فعل کو فرض یا واجب لازم کر دیتا ہے جس کا ذکر صیغۂ امر میں ہو۔ یہ وجوب مطلق امر بلا قید و بلا قرینہ والے امر میں ہوتا ہے۔ لیکن جب قرینہ یعنی وہ امر اپنے مخاطب پر اس فعل کو فرض یا کسی دوسرے معنیٰ کو ثابت کرتا ہو تو پھر وہی معنیٰ مراد ہوتے ہیں جو قرینہ ثابت کرے یہاں کُلُوْا سے پہلے جَعَلَ لَکُمْ ارشاد ہے۔ اس میں لام نفع کا ہے معنیٰ یہ کہ زمین کی پیداوار تمہارے نفع کے لیے ہے حصول نفع ہر مسلمان کے لیے مستحب ہے لہٰذا مسئلہ مستنبط ہوا کہ کُلُوْا ہر مسلمان کو مستحب ہے، واجب نہیں کھائے یا نہ کھائے لیکن وَارْعَوْا کا امر وجوبی ہے لہٰذا ہر مسلمان مالک پر واجب ہے کہ اپنے پالتو جانوروں کو پوری نگاہ داشت کے ساتھ ان کی ہر ضرورت کا پورا پورا خیال رکھتے ہوئے ان کو اچھی طرح ان کی خوراک کھلائے اور ان کی خوراک چونکہ گھاس پھوس پتے چری بھٹے ہی ہیں اس لیے پالتو جانوروں کو چرانا مسلمان مالک پر واجب شرعی ہے کسی جانور کو بھوکا پیاسا رکھنا یا ان کو کسی قسم کی ایذا دینا سخت گناہ اور عذاب آخرت کا باعث ہے یہ مسئلہ اَمر وَارْعَوْا کے معلق ہوتے سے مستنبط ہوا۔ جن بزرگوں نے دونوں اَمر کو استحبابی فرمایا ہے وہاں مراد مباح ہے یعنی زمینی پیداوار میں کوئی چیز حرام یا ناپاک نہیں۔ بخلاف دیگر اشیا حیوانات وغیرہ کے کہ ان میں پاک اشیاء بھی ہوتی ہیں ناپاک بھی حرام بھی ہوتی ہیں حلال بھی۔ دوسرا مسئلہ ابتداء سے تاریخ میں کفار کی دو باتیں ثابت ہیں ایک یہ کہ ہمیشہ سے ہر نبی کے مقابلے میں کفار سرداروں بادشاہوں نے فرعون کی مثل یہی کہا کہ یہ نبی نہیں۔ یہ تو ہم جیسا عام بشر ہے، جادوگر ہے۔ ہماری سرداری یا سلطنت چھیننا چاہتا ہے۔ خود سرداری اور بادشاہت کا بھوکا ہے، کرسیٔ اقتدار چاہتا ہے کفار کی یہ باتیں اثرِ تبلیغ نبوت کو ختم کرنے کے لیے ہر زمانے میں ہوتی رہیں۔ دوم یہ کہ کفار ہمیشہ اہلِ ایمان کو گمراہ کرنے کے لیے اہل اللہ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام اور ان کے لائے ہوئے دین کے خلاف طرح طرح کی بکواسیات جھوٹے الزامات غلط باتیں بناتے رہے مسلمانوں کو ان باتوں سے متاثر نہ ہونا چاہیے۔ اور ایسی بیہودہ لوگوں کی محفلوں سے متاثر ہو کر اپنے انبیاء علماء اولیاء اللہ علیہم السلام کے خلاف نہ ہونا چاہیے ورنہ اپنا ایمان برباد کر دو گے یہ مسئلہ

قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ فرعون بنی اسرائیل کو گمراہ اپنی قوم قبطی کو متاثر اور موسیٰ علیہ السّلام سے نفرت دلانا چاہتا تھا یہ سب مقابلے بازی کا ڈھونگ اسی مکاری سے تھا ورنہ دل میں معترف تھا کہ موسیٰ سچے ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَلَقَدْ اَرَيْنٰهُ اٰيٰتِنَا كُلَّهَا۔ آیت سے مراد یا معجزاتِ انبیاءِ کرام ہیں یا معجزاتِ موسیٰ علیہم السّلام یا نشاناتِ قدرت جو بھی مراد ہوں وہ سب تو نہیں دکھائے گئے انبیاءِ کرام کے معجزات آدم علیہ السّلام سے لے کر موسیٰ علیہ السّلام تک لاکھوں ہوئے۔ اسی طرح معجزات موسوی ہیں وہ معجزات جو غرقِ فرعون کے بعد ظہور میں آئے مثلاً پتھر سے بارہ ۱۲ چشمے۔ اور نزولِ منّ وسلوٰی وغیرہ گائے سے مردہ زندہ ہونا یہ بھی فرعون کو نہ دکھائے گئے اور قدرتِ الٰہیہ کے نشانات تو بے حد و شمار ہوتے رہے۔ تو پھر کُلَّهَا کیوں فرمایا گیا؟ جواب بہت سے جواب دیے گئے ہیں مگر سب سے بہتر اور مختصر جواب وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں واضح کیا کہ وہ تمام آیت جو صرف فرعون اور فرعونیوں کو بندہ بنانے ہدایت دینے کے لیے موسیٰ علیہ السّلام کو دیئے گئے۔ یہ كُلَّهَا کلیہ مطلقہ نہیں بلکہ مقیدہ ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ۔ یعنی ہر شخص کو زمین میں لوٹائیں گے اور وہیں سے پھر قیامت میں نکالیں گے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے ہر انسان کا دفن ہونا قبر میں جانا ضروری ہے۔ حالانکہ بے شمار انسان دفن نہیں کئے جاتے مثلاً ہندو سکھ اپنے مُردوں کو جلا دیتے راکھ بہا دیتے ہیں یا اُڑا دیتے ہیں۔ اسی طرح کسی کو درندہ کھا جائے یا سمندر میں ڈوب جائے بحری جانور کھا جائیں یا سمندر کی تہہ میں بیٹھ جائے بکھر کر گھل مل جائے تو ان پر فِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ۔ کا اطلاق کس طرح ہوا۔ اور سب کے لیے یہ کیوں ارشاد ہوا۔ جواب۔ اس کی وضاحت فوائد میں کر دی گئی ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ فِيْهَا اور مِنْهَا میں ھا ضمیر کا مرجع جنسِ زمین ہے جس میں سمندر دریا کی تہہ بھی شامل ہے اور پانی بھی زمین کا ہی ایک حصہ ہے سمندر کے نیچے بھی بہت دور تک زمین ہوتی ہے اور جہاں بھی مُردے کے اعضا یا اجزا راکھ کی شکل میں ہوں یا ذرّوں کی شکل میں یا جانور کے براز کی شکل میں وہی اُس کی قبر ہے۔ رہا بکھرا ہونا تو یہ رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے کہ بکھرے اجزا کو ایک جگہ جمع فرما دے جس کے مشاہدے تک انسان کی رسائی نہیں خیال رہے اجزاءِ اصلیہ کو فنا نہیں نہ آگ

سے جل سکیں نہ پانی سے فنا ہو سکیں وہ قادر و قیوم ہے اسنے اِن کو بقا بخشی بہرحال کچھ بھی ہو سب ذرّے رہتے زمین پر ہی ہیں لہٰذا فِیْهَا نُعِیْدُ كُمْ۔ میں سب داخل ہیں۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ ۚ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى یعنی اے انسانو کھاؤ اور اپنے جانور چراؤ۔ بے شک اِس میں البتہ نشانیاں ہیں عقل والوں کے لیے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کھانے اور جانور چرانے میں قدرت کی نشانیاں ہیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ کھانے اور چرانے میں قدرت کی کیا اَنہیں اور نشانیاں ہیں! جواب اِس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ اسم اشارہ کا تعلق كُلُوْا وَارْعَوْا سے نہیں بلکہ اس کے سباق و سیاق سے ہے سباق میں چار چیزیں بیان فرمائی گئیں اور سیاق میں تین چیزیں ۱ زمین مہد ہے ۲ اس میں راستے ہیں ۳ آسمان کی طرف سے پانی نازل کیا ۴ اس بارشی پانی کے ذریعے ہر علاقہ میں بے شمار قسم کے شکلاً تاثیراً موسماً چھوٹے بڑے مضبوط کمزور وقتی ابدی مختلف نباتات اُگائے۔ ان چاروں میں بے شمار آیاتِ الٰہیہ ہیں۔ مثلاً زمین کس طرح بنی کس پر ٹھہری کس طرح ٹھہری۔ پھر بارش کس طرح ہوتی ہے پھر اُس پانی سے کس طرح کھیت و شجرات اُگتے ہیں زمین سے بیج، بیج بن کر شجر اُگا پھر درخت سے بیج بن کر پھر زمین میں چلا گیا اور پھر نسل در نسل درخت اور جڑی بوٹیاں اُگتی چلی گئیں ایک ناختم ہونے والا سلسلہ ہے۔ اِن درختوں کی روح اور زندگی کیا ہے ان میں آگ اور بیماری و شفا پھل فروٹ لذت مٹھاس خوشبو بدبو کہاں سے آئی ایک ایک جڑی بوٹی پھول پھل بیج میں بلکہ گھاس پھوس پتوں چھال میں ہزار ہا فوائد و منافع بھر دیئے۔ یہ سب نشاناتِ قدرت دلیل ہیں۔ اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین سے ہی پیدا فرمایا ہے پھر اُسی میں لوٹا کر اُسی سے پھر پیدا فرمائے گا۔ یہ ہیں وہ آیتِ الٰہیہ جن کی طرف ذٰلِكَ سے اشارہ فرمایا گیا دوسرا جواب یہ کہ ذٰلِكَ اسم اشارہ کا مشار الیہ كُلُوْا وَارْعَوْا بھی ہے۔ کیونکہ انسانی حیوانی کھانے پینے چرنے میں بھی قدرت کے عجیب نشانات ہیں کہ کون کس چیز کو کھا سکتا ہے کس کو نہیں۔ کس کی کیا غذا بنا دی گئی ہے اس میں بھی رب تعالیٰ کی عظیم قدرت ہے اور حیران کن شاہکار ہے ہر چیز جاندار نہیں کھا سکتا۔ دیکھو جسامت بکری اور گوشت رنگ ڈھنگ قد کاٹھ اعضا میں ایک جیسا مگر غذا میں کس قدر مختلف۔ پھر غذا جسم کو اندرونی بیرونی طور پر کیا نفع بخشتی ہے کس غذا سے ہمارے اندر کیا چیز بنتی ہے یہ وہ آیتِ الٰہیہ ہیں اور غیبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہیں جن کو رب تعالیٰ کے بتائے بغیر کوئی نہیں جان سکتا۔ بندوں کے لیے اِن میں اُن میں کتنے نفع ہیں اسی میں غور و تدبر کی دعوت

دی جا رہی ہے ۔ اِن ہی نباتات میں غذائی اشیاء میں غذائیت اور فروٹ میں لذت ۔ ان کے جوس اور رس میں فرحت تازگی غرضکہ کھانا چرنا بھی قدرت کے انعامات اور آیت سے ہے ورنہ انسان نہ کھا سکتا ہے نہ کھلا سکتا ہے۔ پھر بڑے کرم کی نیاضی یہ کہ یہ نعمتیں مفت ہیں اگر چوپایوں کو گوشت یا قیمتی فروٹ اور اناج غلہ کھلانا پڑتا تو کون اتنے جانور پال سکتا ہے۔ سبحان اللہ وبحمدہٖ سبحان اللہ العظیم وبحمدہٖ اَسْتَغْفِرُ اللہ۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَكَذَّبَ وَاَبٰى یعنی فرعون نے تکذیب کی اور انکار کیا۔ تکذیب تو ظاہر ہے کہ اُس نے معجزے کو جادو کہا۔ یہاں ہے بِسِحْرِكَ يٰمُوسٰى اور سورۃ نمل آیت ۱۳ میں ہے۔ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ مگر انکار کیسے کیا انکار کے لیے کون سا لفظ بولا۔ انکار کے الفاظ ثابت نہیں۔ انکار تو یہ ہے کہ وہ کہتا میں تیری نبوت پر ایمان نہ لاؤں گا۔ یا میں اللہ تعالیٰ کو نہیں مانتا (معاذ اللہ) وغیرہ وغیرہ

جواب ۔ انکار کی بہت سی قسمیں اور صورتیں و طریقے ہیں مثلاً ۱ زبانی انکار یہ کہ میں نہیں مانتا۔ ۲ تکذیبی انکار کہ یہ غلط ہے ۳ تردیدی سے انکار کہ اس چیز کا مذاق اڑانا ۴ کسی شخص کو اُس کی بات سن کر پاگل کہہ دینا یہ بھی اس کی بات کا انکار ہے تو چونکہ فرعون اور فرعونیوں نے بہت سی طرح سے انکار کیا تھا اس لیے لفظِ اَبٰی ارشاد ہوا کیونکہ اَبٰی مشترک ہے ہر قسم کے انکار ہیں۔ عربی میں انکار کے لیے بہت سے لفظ ہیں کُفْرٌ۔ نُكْرٌ۔ جَحْدٌ۔ نَفْرَةٌ۔ اَبٰی اِن سب کو شامل ہے یہاں اگرچہ صراحتاً انکار کا طریقہ نہیں ارشاد ہوا مگر دیگر سورتوں میں فرعونی انکار کے مختلف انداز بتا دیے گئے ہیں چنانچہ سورۃ اسریٰ آیت ۱۰۱ میں ہے اِنِّیْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا اے موسیٰ بے شک میں تیری یہ باتیں سن کر گمان کرتا ہوں کہ تجھ پر جادو کیا ہوا ہے یہ بھی انکار کا ایک انداز ہے اور سورۃ شعراء آیت ۲۷۔ اِنَّ رَسُوْلَكُمُ الَّذِیْۤ اُرْسِلَ اِلَیْكُمْ لَمَجْنُوْنٌ۔ اے لوگو یہ جو تمہارا رسول بننے کا دعویدار ہے یہ تو پاگل دیوانہ ہے۔ یہ انکار کا دوسرا بدتمیزانہ انداز ہے اور سورۃ نمل آیت ۱۴ وَجَحَدُوْا بِهَا۔ اُن فرعونیوں نے صاف صاف زبانی قولی ہر بات کا انکار کیا کہ ہم نہ موسیٰ کو نبی مانتے ہیں نہ اُن کے رب پر ایمان لائیں یہ تیسرا انداز زبانی انکار اور نہ ماننے کا ہے ۴ سورۃ قصص آیت ۳۸ مَا عَلِمْتُ لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرِیْ پتہ نہیں موسیٰ کس اِلٰہ کا ذکر کرتا ہے میرے علاوہ تو کوئی تمہارا معبود ہے ہی نہیں۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی معبودیت کے سراسر انکار کا ایک طریقہ ہے ۵ قَالُوْا هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ۔ سورۃ نمل آیت ۱۳ یعنی یہ معجزات نہیں جادو ہے۔ یہ نبوت کا انکارِ مخفی ہے ۶ سورۃ قصص آیت ۳۸ وَاِنِّیْ لَاَظُنُّهٗ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ

بے شک مجھے پکا گمان ہے کہ موسیٰ ہر بات میں جھوٹ بولنے والا ہے یہ تکذیب بھی انکار کا ایک انداز ہے ۔ سورۃ مومن آیت ۲۴ فَقَالُوْا سٰحِرٌ كَذَّابٌ. سب درباریوں نے کہا یہ جھوٹا جادوگر ہے یہ فرعونی درباریوں کا انکار ہے۔ اس طرح کہ فرعون درباریوں کے سامنے انکار کرتا تھا تو پھر درباری گلی محلے میں عوام رعایہ کے سامنے اس طرح انکاری جملے بولتے پھرتے تھے ۔ سورۃ زخرف آیت ۵۰ اِذَا هُمْ يَنْكُثُوْنَ. یعنی جب کبھی ان پر دنیوی عذاب آیا تو بارگاہِ موسیٰ میں اس عذاب کے ملنے کی دعا کرانے آجاتے کہ اگر یہ عذاب ہٹ گیا تو ہم تم پر ایمان لے آئیں گے پھر جب عذاب ٹل جاتا تو پیٹھ پھیر جاتے ۔ یہ پیٹھ پھیر جانا بھی انکار کا ایک عملی انداز ہے غرضکہ ہر ہر طرح سے انہوں نے انکار کیا لہذا آبیٰ فرمانا بالکل درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ كُلُوْا وَارْعَوْا اَنْعَامَكُمْ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي النُّهٰى. مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى. اے طالبانِ راہِ سعادت ہم نے مسجدوں کو زمینِ چمن بنایا اس میں سالکینِ طریقت و مجذوبینِ حقیقت کے راہِ منزل طے کرنے کے لیے شریعت طریقت کے راستے بنائے اس زمینِ روحانیت پر قرآن وحدیث کی بارشیں نازل فرمائیں پھر ان کے ذریعے نماز وسجود رکوع تسبیح کے نباتات پیدا فرمائے پس اے کائناتِ ناسوتیہ کے انسانو کھاؤ ان اعمالِ صالحہ سے اور چراؤ اپنے اعضاءِ ظاہری ہاتھ پیر آنکھ ناک کان کو چمنِ قرآن اور کھلیانِ احادیث کے احکامات وقوانین والے غنچوں کلیوں کے اعمالِ صالحہ ۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں نماز روزہ حج زکوٰۃ بندے کی غذا ہے اور ان عبادات میں اعضاءِ ظاہری کا استعمال نظامِ ملکیتی کی غذا ہے اسی لیے آنکھیں نماز میں کھلی رکھنے کا حکم ہے تاکہ نماز کو دیکھنے سے اس کی غذا اس کو ملتی رہے اے انسان تیرا دنیا میں آنے کا واحد اور اصل مقصد یہی ہے کہ دسترخوانِ روحانیہ اور زمینِ قدسیہ کے احوال اخلاق مواہب ۔ صبر ۔ حلم ۔ علمِ اسماءِ الٰہیہ اور خواصِ صفاتِ ربانیہ اور اعدادِ انعامات ادراکاتِ واردات مقاماتِ اسرار کی قوت بخش غذائیں کھاؤ اور اپنے قوائے حیوانیہ جبلیہ کو اعمالِ صالحہ کے چارے چراؤ ۔ اے بندو ہم نے تم کو اسی عالمِ عملیاتِ ظاہری زمینِ خیر وشر سے پیدا کیا اور پھر اسی میں ریاضاتِ شاقہ کی موت دے کر صفاتِ نفس کی فنا سے وادیِ خلوت میں لوٹا دیں گے اس طرح کہ کوئی بندہ اپنے عملِ تقدیری سے نہ حرکت کر سکے گا نہ غلبہ نہ حو سے تجاوز اور پھر ہم تم کو حیاتِ موہوبہ حقیقیہ کی بقا سے اسی خلوتِ ارضِ خیر وشر سے اٹھا باہر نکالیں گے اس طرح کہ محرکاتِ

زندگی سے عدول ورجوع بھی ہوگا اور قوتوں طاقتوں کی فضیلت بھی ہوگی باطنی مزاجوں کے خلاف سے خیر وشر کا امتحان بھی لیا جائے گا۔ لہٰذا ابھی کھالو اعمالِ ابرار کی قوت وفوائد بخش غذائیں اور آداب واخلاق کے کھانے۔ وَلَقَدْ اَرَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا كُلَّهَا فَكَذَّبَ وَاَبٰى قَالَ اَجِئْتَنَا لِتُخْرِجَنَا مِنْ اَرْضِنَا بِسِحْرِكَ یٰمُوْسٰى۔ اور البتہ بے شک ہم نے قلب سعید اور عقلِ سلیم کے ذریعے فرعونِ نفس کو اپنی وہ تمام آیات ونشانات قدرتِ اسرار یہ دکھادئے جو عالمِ مادیات میں وجودِ انوار پر دلالت کرنے والی حجۃ بینات تھیں۔ اور سعادت کے روشن مینار تھیں مگر نفس مغرور نے معرفتِ حق نہ ہونے کی وجہ سے ہر روشنی کو جھٹلایا۔ ظلمت کہا کیونکہ نفسِ اَمَّارہ صرف خالی مادہ ہے اور تجلیاتِ انوار کی شعاعوں سے محروم اور عملاً قولاً حِساً انکار بھی کیا یہ انکار اس کی اپنی ظلمتِ بدنی کی وجہ سے تھا جب ظلمت چھا جاتی ہے تو بصیرتِ اِدراک کی دولت وہدایت نہیں ملتی۔ نفسِ اَمّارہ خبیثہ نے ہمیشہ بُرھانِ ربانی کا انکار کرتے ہوئے انوار وتجلیات کو سحر مکری سمجھا اس لیے قلب کی تمام وارداتِ الٰہیہ دیکھ کر بھی بولتا ہے کہ اے قلبِ بے شعور کیا تو ہم سب نفس ونفسانیات کو اِس عیش وطرب کی سلطنتِ ناسوتیہ سے اپنے سحر مکری وفسونِ قوت کے بل بوتے پر باہر نکالنا چاہتا ہے نفس کا قولِ تخریب کار اس لیے ہے کہ اُس کے اِدراک میں کمی اور قبولیتِ حق سے اور ضعف ہے کیونکہ عیاشی تخیلات اور تربیتِ وھمیہ میں مشغول رہتا ہے اس بنا پر معارضہ مجادلہ اور وھمیات کے سہارے پر جھگڑا کرتا ہے نہ معرفت کی دولت نہ ریاضتِ عبادت اسی لیے قلب مسعود کے عملیاتِ نورانیہ کو اس کا جادو کہہ کر ندا کرتا ہے کہ اپنی نارِ مکر سے مجھ پر غلبہء باطنی حاصل کر کے میرے ہم نشینوں کو اپنا تابعِ فرمان بنانا چاہتا ہے اس مکر سازی کو تجلیاتِ انوار کہتا ہے۔ نفسِ اَمّارہ قلب وعقل سے کینہ وبغض رکھتا ہے اور اگرچہ ہمہ وقت مقابل ڈٹا رہتا ہے مگر تابِ مقابلہ نہیں رکھتا کیونکہ یہ کینہ اور حسد دنیا پرستی سے پیدا ہوتا ہے اور دنیا کی محبت ہر گناہ کی بنیاد بنتی ہے۔ تین چیزوں میں نفس کی شکست اور ذلت ہے اکٹھے ہوکر کھانا۔ پاکیزہ ہوکر کھانا اور بسم اللہ پڑھ کر کھانا اسی میں برکت رحمت اور فوت وکامرانی ہے۔ فَلَنَاْتِیَنَّكَ بِسِحْرٍ مِّثْلِهٖ فَاجْعَلْ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكَ مَوْعِدًا لَّا نُخْلِفُهٗ نَحْنُ وَلَاۤ اَنْتَ مَكَانًا سُوًى۔ نفس نے کہا اے قلبِ باطنی ہم بھی تیرے عملِ ظاہری کی شکل اعمالِ ناریہ کی شعاعیں پیدا کر سکتے ہیں یہ خیالاتِ وھمیہ کی رسیاں اور تصوراتِ باطلہ کی لاٹھیاں ہم بھی بیدانِ

سفاحت کے سانپ بنا سکتے ہیں۔ نفس تے ناروئے نورائر ارواشرار حقیقت و تخیل کا فرق نہ جانتا اس لیے بولا کہ اے مکرِ سحر کو لانے والے قلبِ مطعونِ مقابلۂ حق و باطل کے لیے تیار ہو جا تر کیبِ دلائل اور ترتیبِ مقام سے اپنے اور ہمارے درمیان اسی میدانِ صدور میں ایک وعدے کا دن معین کر لے۔ نہ ہم خلاف کر سکیں نہ تو۔ ہر مومن کا فر کے سینۂ ناسوتی میں یہ جھگڑے چلے آرہے ہیں۔ مکان ایسا ہونا چاہیے کہ جس میں مقام و مراتب کی وسعت۔ صدیق و زندیق دونوں کا علیحدہ درجہ ہے۔ چونکہ نفسِ امارہ اہلِ بصارت ہے نہ کہ اہلِ بصیرت اگر اہلِ بصیرت ہوتا تو کبھی بھی نصیحتِ قلب اور کمالاتِ عقل کو جادو نہ کہتا۔ اور ورودِ افکارِ قلبی کو مصرِ خواہشات سے نکالنے کا اندیشہ نہ کرتا بلکہ وارداتِ قلب کو خوش بختی سمجھتا اور ظلماتِ کفر سے نورِ ایمان کی طرف اور ظلمتِ بشریّت سے ہٹ کر انوارِ روحانیت کی طرف آجاتا۔ اور قلب کی اس نصیحت کو انسانی بد عملی کی اندھیریوں سے نکل کر نورِ ربانی کی طرف نکلنا سمجھتا مثنوی میں ہے ؎

ہر کہ از دیدارِ حق دلدار شد — ایں جہاں در چشم اُو مردار شد

مگر یہ چیز عجزِ باطنی سے حاصل ہوتی ہر چیز میں اظہارِ عجز مختلف ہے کھانے پینے میں اظہارِ عجز سب سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے یہاں پر گُوُا وَاَزْعُوْااَلُکم خصوصیت سے دیا گیا۔ حدیثِ پاک سے ثابت ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میز کرسی یا چوکی پر بیٹھ کر نہ کھایا نہ بڑے پیالے نہ باریک چپاتی روٹی تناول فرمائی بلکہ زمین پر دستر خوان بچھا کر سب کے ساتھ ایک برتن میں۔ یہی وہ تعلیمِ مقدّس ہے جس نے دنیا والوں کو بندۂ کامل بنا دیا اور ذہنوں سے فرعونیت مٹا دی۔ غلبۂ نفسانی سے چار برائیاں پیدا ہوتی ہیں اولاً حماقت کا نمرود۔ دوم ظلم کا فرعون سوم تکبر کا ابوجہل چہارم فساد کا یزید۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم۔

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ وَأَنْ يُحْشَرَ

فرمایا تمہارا مقررہ معیاد فلاں زینت والا دن ہے اور چاہیے کہ جمع کیے جائیں

موسیٰ نے کہا تمہارا وعدہ میلے کا دن ہے اور یہ کہ لوگ دن چڑھے

النَّاسُ ضُحًى ﴿٥٩﴾ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ

لوگ بوقت چاشت تب متوجہ ہوا فرعون اپنے پروگرام میں تو جمع کرنے لگا

جمع کئے جائیں تو فرعون پھرا اور اپنے داؤ اکٹھے

كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى ﴿٦٠﴾ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ

اپنی مکاریوں کو پھر اُس دن آیا فرمایا اُن سب کو موسیٰ نے تمہارا ستیاناس ہو

کئے پھر آیا اُن سے موسیٰ نے کہا تمہیں خرابی ہو

لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ

نہ بناوٹ کرو تم لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کی ۔ نہیں تو تباہ کردے گا وہ تم کو

اللہ پر جھوٹ نہ باندھو کہ وہ تمہیں عذاب سے ہلاک

بِعَذَابٍ ۚ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى ﴿٦١﴾

عذاب سے اور برباد ہے ہر وہ شخص جس نے بناوٹی دین بنایا

کر دے اور بے شک نامراد رہا جس نے جھوٹ باندھا

فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا

پھر وہ بھٹنے لگے اپنے پروگرام کے اندر آپس میں اور مینگیں

تو اپنے معاملے میں باہم مختلف ہو گئے اور چھپ کر

النَّجْوٰى ﴿٦٢﴾ قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ

کرنے لگے خفیہ کہنے لگے یہ دونوں تو البتہ فقط بڑے بڑے جادوگر ہی ہیں

مشورت کی بولے بے شک یہ دونوں ضرور جادوگر ہیں ۔

يُرِيْدٰنِ اَنْ يُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ

چاہتے ہیں کہ تم کو نکال دیں تمہاری حکومت سے

چاہتے ہیں کہ تمہیں تمہاری زمین سے

بِسِحْرِهِمَا وَيَذْهَبَا بِطَرِيْقَتِكُمُ

اپنے جادو کے زور سے اور ختم کر دیں تمہارا

اپنے جادو کے زور سے نکال دیں اور تمہارا اچھا دین

الْمُثْلٰى ﴿۶۳﴾

بے مثل دین

لے جائیں

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں تذکرہ ہوا کہ فرعون نے معجزات کو جادو سمجھا اور اپنے ملک کے جادوگروں سے مقابلہ کرانا چاہا جس کے لیے اس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ تم ہی بتاؤ کس دن مقابلہ کرنا ہے۔ اب ان آیت میں حضرت موسیٰ کا جواب اور مظاہرے مقابلے کا دن بتانے کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور فرعون کی باتوں کا ذکر ہوا اب ان آیت میں حضرت موسیٰ اور جادوگروں کی باتوں کا تذکرہ ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کے متعلق فرعون کی تشویش کا ذکر کیا گیا کہ کہیں یہ دونوں موسیٰ و ہارون اپنے جادو سے ہم کو اس ملک سے نہ نکال دیں۔ ان آیت میں فرعون کے تمام جادوگروں کی تشویش کا ذکر ہو رہا ہے یہ تشویش بھی اسی قسم کی ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى۔ قال فعل کا فاعل ضمیر غائب مذکر پوشیدہ کا مرجع حضرت موسیٰ ہیں یعنی موسیٰ نے فرمایا۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَوْعِدُ۔ اسم مفرد مضاف ہے یا اسم

ظرف مذکر ہے یعنی وعدے کا دن یا وقت۔ ایک قول میں یہ مصدر میمی اسم حاصل مصدر جامد ہے بمعنی وعدہ کُم ضمیر مضاف الیہ مرجع تمام فرعونی درباری یہ مرکب اضافی مبتدا ہے یَوْمُ الزِّیْنَةِ یہ مرکب اضافی خبر مبتدا ہے دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ لفظ زینت مصدر مادہ ہے۔ آخر میں ۃ مصدریہ ہے لغوی ترجمہ ہے اختیار کردہ خوب صورتی زینت باطنی بھی ہوتی ہے اور ظاہری بھی یہاں ظاہری مراد ہے اس کی چھ قسمیں انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیں گی۔ واؤ عاطفہ اَنْ ناصبہ حرف ہے یُحْشَرَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب حَشْرٌ سے مشتق ہے اَلنَّاسُ۔ اسم مفرد جنسی جمع یا یہ اِنْسَانٌ کی جمع تغیری ہے بحالت رفع کیونکہ نائب فاعل ہے ضُحًی۔ اسم مفرد جامد مقصور ہے مذکر ہے بروزن هُدًی اس میں تین قول ہیں پہلا یہی دوم یہ کہ یہ اسم مقصورہ ہے بروزن فَعَل سوم یہ کہ مونث سماعی باطنی ہے اس کی تصغیر ضُحَیَّةٌ سے پتہ لگا۔ چہارم اس کی تصغیر ضُحَیٌّ ہے۔ اس لیے اس کے آخر میں تنوین ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ترجمہ ہے دھوپ لیکن سبب بول کر مسبب مراد ہے یعنی وقت چاشت۔ یہ ظرف زمانی ہے۔ یُحْشَرَ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ فعلیہ ہو گیا فَتَوَلّٰی فَ زائدہ تعقیبیہ تَوَلّٰی۔ باب تَفَعُّلٌ کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب وَلِیٌّ سے مشتق ہے۔ وَلِیٌّ کا معنیٰ ہے چہرہ سامنے کرنا دوستی اور محبت کرنا لیکن جب یہ متعدی ہو عَنْ جارہ سے خواہ عَنْ ظاہر ہو یا پوشیدہ تو اس کا معنی ہوتا ہے چہرہ ہٹا لینا پھیر لینا۔ دوستی ختم کرنا کیونکہ عَنْ جارہ زوال کے معنی کا تقاضہ کرتا ہے اور وہ ہے منہ پھیرنا۔ وہاں سے چلا جانا یا صرف توجہ ہٹا لینا یہاں مراد ہے توجہ دوسری طرف کر لینا۔ دراصل عبارت اس طرح تھی فَتَوَلّٰی عَنْهُ۔ فِرْعَوْنُ فاعل ہے تَوَلّٰی کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ جَمَعَ۔ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق هُوَ پوشیدہ فاعل کا مرجع فرعون ہے۔ کَیْدَہٗ۔ اسم مفرد جامد ترجمہ مکاری کی چیزیں یا بمعنی مکر چالاکی۔ فریب۔ جال۔ یہاں مراد جادو ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب نفسی ہے یعنی اپنا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے اَتٰی۔ فعل ماضی فاعل پوشیدہ ضمیر کا مرجع فرعون ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا جَمَعَ کا دونوں عطف مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ قَالَ فعل لَہُمْ جار مجرور اس کا متعلق ہوا۔ موسیٰ اس کا فاعل۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا وَیْلَ اسم مفرد جامد کہ چھ معنیٰ میں مشترک ہے **یا نومیں** ۱۔ افسوس ۲۔ ہلاکت ۳۔ تباہی ۴۔ خرابی ۵۔ تعجب ۶۔ بدی شرارت۔ یہاں یہ سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔

۲۔ عذاب شدید مصیبت زدہ ہونا ۳۔ جہنم کا ایک طبقہ ۴۔ ندامت شرمندگی لفظ ویل قرآن کی مختلف سورتوں اور آیتوں میں تقریباً چالیس دفعہ آیا ہے یہ صرف ضمیر کی طرف مضاف ہوتا ہے اسم ظاہر کے ساتھ آئے تو مضاف نہیں ہوتا۔ جب ضمیر کا مضاف بن کر آئے تو ہمیشہ ظاہراً لفظی نصب سے ہوتا ہے کیونکہ یہ منادیٰ مضاف ہوتا ہے حرف ندا کبھی پوشیدہ یہاں پوشیدہ ہے دراصل تھا یَا وَیْلَكُمْ۔ ترجمہ ہے ہائے افسوس تمہاری ہلاکت۔ جب اس کو ضمیر واحد متکلم کا مضاف بنایا جائے تب بھی اس کا نصب باقی رہتا ہے اور درمیان میں تَ زائدہ لگادی جاتی ہے مثلاً یَا وَیْلَتیٰ کو یَا وَیْلَتِیْ پڑھا جاتا ہے ہائے میری خرابی میرا افسوس میرا تعجب اکثر اس جگہ یاءِ متکلم کو الف مقصورہ سے بدل دیا جاتا ہے مثلاً یَا وَیْلَتِیْ کو یَا وَیْلَتٰی پڑھا جاتا ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ یعنی منصوب ہے لَا تَفْتَرُوْا باب افتعال کا فعل نہی جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ ترجمہ ہے بناوٹ کرنا حقیقت کے خلاف جھوٹ بنانا عَلَی اللّٰہِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے کَذِبًا۔ اسم نکرہ مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا فَیُسْحِتَکُمْ یُسْحِتَ باب افعال کا مضارع معروف واحد مذکر غائب مرجع فاعل اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِسْحَاتٌ سُحْتٌ سے مشتق بمعنی ہلاکت کرنا۔ جڑ سے اکھیڑنا ناپسند کرنا۔ نقصان دینا۔ حرام مال کو مَسْحُوْتٌ اسی معنیٰ میں کہتے ہیں۔ کُمْ ضمیر اس کا مفعول بِعَذَابٍ جار مجرور متعلق ہے یُسْحِتَ اپنے فاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا لَا تَفْتَرُوْا کا دونوں مل کر جواب ندا۔ پوشیدہ حرف ندا اپنے منادیٰ اور جواب سے مل کر مقولہ اول ہوا۔ واؤ سر جملہ قَدْ خَابَ۔ باب ضرب کا فعل ماضی قریب معروف واحد مذکر غائب خَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ذلیل ہونا۔ خراب ہونا۔ نامراد ہونا ہمیشہ لازم ہوتا ہے۔ مَنْ اسم موصول۔ اِفْتَرٰی۔ باب افتعال کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب۔ ھُوَ پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ فاعل ہے قَدْ خَابَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰی قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِکُمُ الْمُثْلٰی۔ فَ زائدہ تَنَازَعُوْا باب تفاعلہ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب بمعنیٰ ایک دوسرے سے نزاع جھگڑا یا مباحثہ کرنا۔ نزع سے مشتق ہے ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ اَمْرَهُمْ مرکب اضافی مفعول لہٗ بَیْنَهُمْ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے تَنَازَعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ اَسَرُّوا باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب مصدر ہے اِسْرَارٌ سِرٌّ مضاف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ راز داری کرنا

خفیہ باتیں کرنا ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے فرعون اور درباری اَلنَّجْوٰی الف لام عہد خارجی یا جنسی نَجْوٰی اسم مفرد جامد معرّف باللام رباعی کبھی یہ مصدر بھی ہوتا ہے مضاف رباعی مصدر نَجْوٰی ہوتا ہے ترجمہ فارسی میں سرگوشی کرنا اردو میں ترجمہ ہے کاناپھوسی کرنا۔ یعنی ایک انسان کا دوسرے انسان سے منہ اور کان ملاکر بات نہایت آہستہ آہستہ بات کرنا کسی حیوان فرشتے یا جن سے سرگوشی نہیں ہوسکتی کیونکہ دوسری جانب یا سماعت وفہم نہیں ہوتا یا کان ہی نہیں ہوتے جیسے جن وملائکہ کہ ان کے انسانوں جیسے کان وسماعت نہیں۔ یہ نجوٰی مفعول بہ ہے یا حال ہے اَسَرُّوْا کے فاعل پوشیدہ کا یہ جملہ فعلیہ ہوکر مکمل ہوا۔ قَالُوْا فعل ھُمْ ضمیر فاعل فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ اِنْ یہاں پانچ قول ہیں ۱ یہ اِنْ اِنَّ ہے ۲ اِنَّہٗ ہے ۳ اَنَّ ہے ۴ اَنَّہٗ ہے ۵ اِنْ نافیہ ہے ہٰذٰانِ اسم اشارہ تثنیہ بحالتِ رفع مبتدا ہے اس سے مراد (مشار الیہ) موسیٰ وھٰرون علیہما السّلام لَسٰحِرَانِ۔ لام بمعنی اِلَّا لام کی وجہ سے تاکیدی استثنا ہوگیا۔ یعنی صرف اور صرف یہ جادوگر ہی ہیں اِنْ ھٰذَانِ میں اور بھی قول ہیں۔ بعض نے کہا یہ اِنَّ سے مخفف ہے۔ ایک قرأت میں یہ اِنَّہٗ ھٰذَانِ لَسَاحِرَانِ ہے۔ تب ہٗ (ضمیر شان) اِنَّ کا اسم اور ھٰذَانِ۔ اِنَّ کی کی خبر اور لَسَاحِرَانِ۔ اس کی تاکید تابع ہوگی۔ اگر لفظ اِنْ اِنَّ ہے تو یہ لام فارقہ ہے اگر اِنْ نافیہ ہے تو یہ کلام استثنائیہ بمعنی اِلَّا ہے۔ سَاحِرَانِ۔ اسم فاعل تثنیہ مذکر موصوف یا ذوالحال ہے یُرِیْدَانِ بابِ افعال کا مضارع تثنیہ ھُمَا ضمیر پوشیدہ کا مرجع موسیٰ وھٰرون ہیں۔ اَنْ ناصبہ یُخْرِجَا۔ بابِ افعال کا مضارع تثنیہ نون تثنیہ حالتِ نصبی کی وجہ سے گرگئی کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے مِنْ اَرْضِکُمْ۔ یہ مرکبِ اضافی جار مجرور ہوکر متعلق اوّل ہے۔ بِ جارہ سببیہ سِحْر اسم جامد مضاف ھِمَا ضمیر مضاف الیہ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یُخْرِجَا۔ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَذْھَبَا باب فتح مضارع تثنیہ۔ یُخْرِجَا پر عطف کی وجہ سے منصوب ہوا اور نصب کی وجہ سے نون آخری گرگیا یہ دونوں صیغے دراصل تھے یُخْرِجَانِ یَذْھَبَانِ بِ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کی طَرِیْقَۃِ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی جامد مشترک ہے پانچ معنی ہیں ۱ راستہ ۲ مذہب دین ۳ آسمانی طبقے ۴ درجہ مرتبہ ۵ سردارِ قوم اس کی جمع ہے طرائق اس کا مذکر لفظی ہے طَرِیْق اس کی جمع ہے طُرُقٌ۔ بروزن فَعِیْلٌ وفَعِیْلَۃٌ طَرَقٌ سے بنا ہے یعنی روندنا۔ اختیار کرنا۔ کوٹنا۔ ایک قول میں یہ عبرانی لغت کا لفظ ہے۔ اسی سے ہے طارق یعنی ٹکر مارنے والا۔ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی موصوف ہے

اَلْمُثْلٰی۔ اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے اَمْثَل بحالتِ جر ہے اعراب تقدیری ہے صفت ہے طَرِیْقَتِکُمْ کی یہ سب جار مجرور متعلق ہے یَذْھَبَا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ اَنْ یُّخْرِجَا کا دونوں عطف مفعول بہ ہے یُرِیْدَانِ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے لَسٰحِرٰنِ کی یہ حال ہے۔ دونوں مل کر خبر ہے ھٰذٰنِ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا اول۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى

موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کا یہ چیلنج (دعوتِ مقابلہ) قبول کرتے ہوئے فرمایا تمہارے وعدۂ مقابلے کا دن یہی چند دن بعد مشہور نوروزی میلے کا اجتماعی دن میری طرف سے مقرر ہے اور وہاں میدان بھی کھلا وسیع اور ہموار ہے وقت بھی کھلا روشن دوپہر کا ہونا چاہیئے۔ اگرچہ دور دور کے مختلف علاقوں سے خود ہی بے شمار بچے جوان بوڑھے عورت مرد اپنی زینتیں کر کے نوروز کے اس عید میلے میں جمع ہوتے ہی ہیں مگر پھر بھی اپنے دور اکیں سے دور دور تک اعلانِ عام کے ذریعے بھی لوگوں کو دوپہر تک جمع ہونے کا کہدیا جائے زینت کی چھ قسمیں ہیں ۱ زینتِ مکانی یعنی گھر بار بازار سجانا ۲ زینتِ جسمانی یعنی نہانا دھونا جسمانی صفائی اور خوشبو لگانا۔ اسی طرح تیل یا سرخی پوڈر لگا کر فیشن کرنا ۳ زینتِ لباسی۔ لباسِ عمدہ پہننا ٹوپی عمامہ وغیرہ اوڑھنا ۴ زینتِ باطنی صحت تندرستی اور اچھی غذا خوراک اچھے کھانے پکانا ۵ زینتِ محفلی کسی جگہ میلہ لگانا محفل سجانا رونق بنانا۔ جنگل میں منگل مچانا ۶ زینتِ کلامی تقریر نعت خوانی مشاعرے کرنا مقفٰی مسجع فصیحانہ بلیغانہ خوب صورت کلام سنانا۔ روزِ اول سے انسانوں نے سات طرح عید منائی۔ پہلی عید یومِ حج اسکا ذکر سورۃ آلِ عمران آیت ۹۷ میں ہے جو اللہ کے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام سے شروع ہوئی۔ دوسری عید۔ یومِ نمرودی یعنی عید بابل علاقہ ہرمز میں منائی جاتی تھی جو کوتے اور بصرے کے درمیان ہے۔ اس کا ذکر سورۃ صٰفٰت آیت ۸۹ ، ۹۰ کی تفسیر میں آتا ہے۔ فَقَالَ اِنِّیْ سَقِیْمٌ کے تحت تیسری عید یومِ فرعون جس کو یَوْمُ الزِّیْنَۃِ کہا گیا اسی آیت ۵۹ میں اس کا ذکر ہے۔ اس مقابلے کے موقعہ پر یہ میلہ عاشورہ (دس محرم) کی تاریخ میں یومِ سبت کو آیا اس کا اصل نام فیروز تھا فرعونی کلنڈر (نظام الاوقات) کے مطابق سال کے پہلے مہینے پہلے دن یہ میلہ منایا جاتا تھا ایک قول میں یہ فرعون کی چار سو سالہ سلطنت کی سالگرہ کا دن

ہوا کرتا تھا جو ہر سال بطور یادگار منایا جاتا تھا۔ اسی کو بعد میں یہودی لوگوں نے عید قرار دیا آج تک یہودی اس کو مناتے ہیں۔ کیونکہ اسی عید کے دن موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو شکست دی اور مقابلے میں فتح پائی۔ چوتھی عید یوم نصاریٰ یعنی عیسائیوں کی عید نزولِ مائدہ کا ذکر جس کا تذکرہ سورۂ مائدہ آیت ۱۱۴ میں ہے تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا۔ پانچویں عید۔ یوم الفطر۔ یوم قرآن یوم شکرِ ماہِ صیام اس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ بقرہ آیت ۱۸۵ میں اس طرح ہے۔ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا هَدَاكُمْ چھٹی عید۔ یوم نحر عید الاضحیٰ۔ اس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ کوثر آیت ۲ اور ۳ میں ہے۔ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ ساتویں عید۔ یومِ میلاد النبی۔ عید میلاد النبی۔ اس کا ذکر قرآن مجید کی سورۂ یونس آیت ۵۷، ۵۸ میں اس طرح ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُم مَّوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ. قُلْ بِفَضْلِ اللَّهِ وَبِرَحْمَتِهِ فَبِذَٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ قرآن مجید میں لفظ زینت تقریباً انیس جگہ آیا ہے جو مختلف آیت میں پانچ معنی میں ارشاد ہوا ہے ۱ اپنی جسمانی خوبصورتی کرنا ۲ جگہ کو خوب صورت کرنا ۳ رونق والا کرنا ۴ ۵ لباس کی تکمیل اور خوب صورت کرنا۔ انسانوں کی تمام عیدیں دن میں ہی بوقت چاشت شروع ہوتی ہیں سواءِ عید میلاد کے کہ وہ بوقتِ سحر شروع ہوتی ہے کفار کی عید لہو و لعب کھیل تماشہ فساق کی عید جسمانی زینت لیکن مومن کی عید عبادت اور روحانی زینت۔ مسلمانوں کو چار عیدیں ملیں ۱ عید حج ۲ عید الاضحیٰ ۳ عید الفطر ۴ عید میلاد النبی۔ عید میلاد کی نماز تہجد کے نفل ہیں اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو توفیق دے۔ یوم مقابلہ کے تقرر کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے فرمایا کہ پورے ملک میں آج سے اعلان کرا دیا جائے لوگوں کو بتا دیا جائے کہ اس عید میلے کے دن صبح چاشت اِبتداءِ دوپہر کے وقت جادو اور معجزے کا مقابلہ ہوگا۔ سب جلدی آجائیں۔ عربی زبان میں دن رات کے چوبیس گھنٹوں کے نام پندرہ حصوں میں تقسیم ہیں۔ ۱ اوّل یوم کا نام فجر ۲ پھر صبح ۳ پھر غداۃ (ناشتے کا وقت) ۴ پھر بکرہ ۵ پھر ضحیٰ ۶ پھر ضحوہ ۷ پھر ہجیرہ ۸ پھر ظہیرہ ۹ پھر رواح ۱۰ پھر عصر کا وقت (پچھلا پہر) ۱۱ پھر مسار (جھٹپٹا) ۱۲ پھر مغرب ۱۳ پھر اصیل ۱۴ پھر عشاءِ اولیٰ ۱۵ پھر عشاءِ آخرہ یعنی شفق ابیض کا غائب ہونا۔ يُحْشَرُ ایک قرأت میں تحشر ہے مذکر حاضر واحد کے صیغے سے یعنی اے فرعون تو جمع کر بعض نے کہا کہ قَالَ مَوْعِدُكُمْ فرعون کا قول ہے اور فرعون نے مَكَانًا سُوًى کہہ کر خود ہی دن اور وقت کا بھی تعین کر دیا مگر اس قول کو تفسیر کبیر میں امام فخر الدین رازیؒ نے سختی سے رد فرمایا اور اس قول میں چار خرابیاں

نکلیں پہلا یہ کہ پھر فَاجْعَلْ کا مطالبہ غلط ہو گیا دوم یہ کہ پھر فَاجْعَلْ کا جواب کہاں سے لاؤ گے سوم یہ کہ اگر یہ فرعون کا قول ہوتا تو یہ واحد مذکر حاضر کی ضمیر سے ہوتا۔ مَوْعِدَكَ، سابق کلام کے مطابق یا پھر مَوْعِدُكُمَا۔ ہوتا ھٰرُون کو شامل کر کے چہارم یہ کہ مَوْعِدُ مُحَمَّدٌ کو نہ تعظیمی جمع کہا جا سکتا ہے نہ اَتْلِ جمع اس لیے کہ فرعون سے تعظیم موسیٰ کے الفاظ بولنا سیاق و سباق کے اعتبار سے ناممکن لگتے ہیں اور تثنیہ کو اَتْلِ جمع کہنا بھی اہل عرب کے محاوروں کے خلاف ہے لہٰذا صحیح تو یہی ہے کہ یہ عبارت جوابی ہے اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمائی کہ اے فرعون تو نے تو صرف کھلے ہموار میدان کی خواہش اور مطالبہ کیا ہے مگر میں چاہتا ہوں کہ وقت بھی صبح کا صاف ستھرا اور روشن اور وسیع و کثیر ہو۔ اس میں بہت فائدے ہوں گے ۱۔ لوگ بہت زیادہ آ سکیں گے ۲۔ دھوپ کی روشنی کی وجہ سے دور تک کھڑے لوگ اور کم نظر والے بھی بخوبی ہر کام کو دیکھ سکیں گے ۳۔ دیکھنے والوں کو تنگ نظری کی کسی قسم کی نہ شکایت ہو گی نہ شک شبہ اس لیے فجر یا سحر صبح یا غداۃ یا بکرہ کا وقت مناسب نہیں کہ وہ ناشتے اور تیاری کا وقت ہے اور بکرہ چلنے کا وقت سب سے مناسب وقت ضحیٰ ہے ہر اعتبار سے کسی کے پہنچنے میں کوئی وقت رکاوٹ نہ رہے۔ اس طرح اس کے بعد کا وقت ضحوہ یا ہجیرہ بھی درست نہیں کیونکہ دن تھوڑا رہ جاتا ہے اگر یہ مقابلہ لمبا بھی ہو جائے تب بھی دن کے دن میں روشنی ہوتے ختم ہو جائے۔ کوئی کام بھی دھوپ غائب ہونے تک نہ پہنچے اس پوری وضاحت کے جامع اور باکمال کلام سننے کے بعد اس دوسری محفل ملاقات کو ختم کیا دربار برخاست ہوا اور فرعون نے اُسی دن اپنے ملکی پروردہ جادوگروں کے پاس لوگ دوڑائے تاکہ اس مقررشدہ دن وقت اور جگہ کی اطلاع دیدی جائے۔ مشورہ اور جادو کی نوعیت پہلے ہی ان کو سمجھا دی گئی تھی اِس اطلاع کے بعد وہ اپنی پوری تیاری کر لیں ساز و سامان اکٹھا کر لیں جنتر منتر پڑھ پڑھا لیں اور اس دن یا ایک دن یا چند دن پہلے ہر طرح مکمل تیاری کے ساتھ آئیں۔ صحیح روایت کے مطابق یہ سب بہتّر جادوگر تھے ان میں دو قبطی تھے باقی سَتّر ان کے شاگرد بنی اسرائیلی تھے مگر تکمیل شدہ تھے۔ اِن میں ہی سامری تھا۔ یہاں تک کہ وہ یوم موعودہ مقررہ آگیا دو دن پہلے حکومتی کارندوں نے میدان صاف ستھرا کرایا۔ ایک سمت پر درباری اُمراء وزراء کے خیمے لگوائے اور درمیان میں سب سے بڑا استر گز لمبا خیمہ فرعون کے لیے نصب کیا گیا۔ اونچی جگہ کر کے تاکہ اچھی طرح مقابلہ دیکھ سکے۔ تَشْمَاتِی۔ پھر عین وقت پر فرعون مع آل و اصل آیا۔ اور خیمہ میں پورے شاہی وقار کے ساتھ بیٹھا۔ ایک قول میں یہ جادوگر چار سَو تھے بعض نے کہا

ار ۷۰ ہزار تھے ایک قول ہے کہ ۸۰ ہزار تھے۔ صحیح قول تو پہلا ہے مگر انطباق اس طرح ہو سکتا ہے کہ اصل جادوگی کرتب اور شعبدے دکھانیوالے تو استاد شاگرد مل کر ۷۰ ہزار تھے۔ مگر جب چلے تو کچھ سامان اٹھانے والے نوکر خدام کچھ زیر تربیت شاگرد۔ اور کچھ انہی کے علاقے کے تماشائی ساتھ ہوگئے اور سب ہی فرعون کے مہمان بنے اس لیے دیکھنے والوں نے سمجھا کہ شاید یہ سب ہی جادوگر ہیں نقطہ تم سے ثابت ہو رہا ہے کہ فرعونی لوگوں نے کافی دن روز دھوپ کی اور عین یوم زینت میں ہی فرعون کے پاس پہنچے۔ ہر جادوگر کے پاس بہت سی چھوٹی بڑی موٹی پتلی رسیاں اور لاٹھیاں تھیں اور جادو کے کچھ دوسرے ضروری سامان یہ فرعون کے اپنے جادوگر تھے جو سلطنت فرعونی کے مختلف علاقوں شہروں گاؤں میں آباد تھے۔ اُن زمانوں میں یہ عام رواج تھا کہ ہر بادشاہ اپنے درباری نجومی اور جادوگر رکھا کرتا تھا جو اس کو جنگوں کی کامیابی ناکامی میں پیشگوئیاں کرتے بتاتے سمجھاتے تھے۔ آج بھی ہندو راجے مہاراجے یہی کرتے ہیں ان جوتشیوں نجومیوں رمالوں نے مصنوعی اختراعی نقشے زائچے بنا رکھے ہیں یہاں تک کہ آسمان کے بارہ برجوں کے نام پر حیوانی نقشے تصویریں بنا ڈالیں اور پھر ان کے دیوی دیوتا بنا دئے اور موسم دولت و انسانی تقدیر کو ان سے منسوب کر دیا بشرکیات وکفریات میں یہ سورج دیوتا یہ حمل یہ ثور یہ سنبلہ یہ سرطان وغیرہ وغیرہ۔ اس فرعون کا اصل نام ہیمونتس تھا۔ ان دنوں حضرت موسیٰ کے عصا نے عوام خواص پر جو گہرا اثر قائم کر دیا تھا فرعون جادوگری کا مقابلہ کرا کر اس اپنے لیے نقصان دہ اثر کو ہی ختم کرانا لوگوں کے ذہنوں میں موسیٰ علیہ السلام سے نفرت پیدا کرنا چاہتا تھا عوام رعایہ پر چار طرح سے فرعونی قانون فرعونی دین سے نفرت ہوتی جا رہی تھی پہلی وجہ یہ کہ ملک مصر میں سب سے بڑی اقلیت بنی اسرائیل کی تھی یہ لوگ تعداد۔ اولاد۔ اور دولت میں عام قبطیوں سے زیادہ تقریباً دس گنا تھے وجہ دوم یہ کہ بنی اسرائیل سب مومن اور اکثریت نیک تھی۔ ان کی صحبت کی وجہ سے قبطی اکثریت بھی خفیہ طور پر مائل بر ایمان تھی۔ وجہ سوم یہ کہ فرعون کا قانون امیر اور غریب کے لیے جداگانہ تھا جس میں غریبوں کی حق تلفی ظلم و جبر سزا عیاں تھے۔ مذہب اور دیوی دیوتاؤں کے بت بھی امیر غریب کے لیے جدا اور عبادت گاہیں بھی علیحدہ علیحدہ تھیں اس تفریق نے نفرت کے بیج بو دئے چہارم وجہ یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اس مجبور و مقہور قوم میں نمودار ہونا اُن کی دلجوئی اور نجات کے لیے ایک سہارا بنتا جا رہا تھا پنجم یہ کہ عصاءِ موسیٰ علیہ السلام نے اپنے کارناموں سے فرعون اور فرعونیوں پر خفیہ طور عجیب دھاک بٹھا دی تھی جس سے فرعون کو اپنی الوہیت و ربوبیت کے ڈھونگ کو اچھا خاصا خطرہ محسوس ہو رہا تھا اور اب

فرعون کو اپنی ساکھ عزت حکومت بچانے کا صرف ایک ہی راستہ نظر آرہا تھا کہ جادوگر مقابلہ کرکے موسیٰ و ھرون علیہما السلام کو شکست دیدیں۔ پوری حکومتی بقا کا سہارا صرف جادوگر تھے اس وقت فرعون کے تمام دینی مذہبی دنیوی حکومتی رعب داب کا دارومدار جادوگروں کے جیتنے پر تھا اسی جیت پر یہ لوگ اپنی قسمت کا فیصلہ ہونا سمجھتے تھے بلکہ عوام کے بدلتے رخ سے اہلِ دربار و حکومتی وزراء امراء کافی پریشان اور فرعون کو لاچار سمجھتے تھے۔ اس لیے یہ مقابلہ اثراتِ موسوی کو توڑنے کے لیے فرعون کی ایک ضرورت بن گیا تھا۔ آج فرعون کو اپنی کمزوری کا کچھ احساس ہوا تھا۔ اب جادوگروں کو اپنا مشکل کشا حاجت روا سمجھا جانے لگا تھا تمام عوام و خواص کی نگاہیں آج اِن جادوگروں پر لگی تھیں جب سب لوگ جمع ہو گئے تمام جادوگر۔ تمام اہلِ دربار، امراء، وزراء، رؤساءِ حکومت اور خود فرعون بھی اپنے شاہی خیمے میں آ گیا تب موسیٰ و ھرون علیہما السّلام اپنی درویشانہ شانِ بے نیازی سے اپنی اپنی لاٹھی سے ٹیکتے ہوئے میدان میں جلوہ افروز ہوئے پھر آپ نے نہایت متانت سے ایک نگاہ پورے مجمع عوام و خواص پر ڈالی۔ اور پھر بارعب بلند آواز سے ایک بار حقِ تبلیغ پھر ادا فرماتے ہوئے قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ۔ فرمایا اِن تمام حاضرین عوام قوم اہلِ دربار فرعون ہامان اور سب جادوگروں کو جھڑکتے سمجھاتے اور عذابِ الٰہی سے ڈراتے ہوئے اشارے اور توجّہ سے مخاطب کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے کہ اے مشرکو اور باطل لوگوں ہلاکت ہو تمہاری (اردو میں اس کا ترجمہ اس طرح ہو سکتا ہے کہ اے کم بختو تمہارا ستیاناس جائے) اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتوں جھوٹے دین مذہب عقیدوں شرکیہ کفریہ باتوں کا افترا مت باندھو ایک ادنیٰ کمزور انسان کو رب یا معبود مت کہو اور اُس کی مخلوق سورج وغیرہ کو اس کا شریک نہ بناؤ۔ اُس کے نبی رسول کو جادوگر اور نبوت کے معجزوں کو جادو مت کہو اُس کی آیت کا انکار نہ کرو۔ اے فرعون اور فرعونیو اپنی چھوٹی سی فانی حکومت اور فرعون کی جھوٹی معبودیت ربوبیت کو بچانے کے لیے یہ مقابلے کی حیلہ سازی مت کرو بہت عرصہ من مانیاں دوزخ سامانیاں کرلیں اب بندہ بن جاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے جلال و غضب کو دعوت مت دو کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کو کسی بڑے دنیوی عذاب ذلت بیماری ہلاکت اور مقصد سے محرومی قید غربت بادشاہی سے فقیری نہ دے ڈالے کہ تمہارا نام و نشان مٹ جائے جڑیں اکھڑ جائیں اور آخرت میں دائمی ابدی دردناک قبر حشر جہنم کے عذاب میں نہ ڈال دے۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی دشوار نہیں اس پر تاریخ و مشاہدات شاہد ہیں کہ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى۔ وہ شخص ضرور ذلیل و رسوا اور ناکام ہوا جس نے اللہ تعالیٰ پر کسی قسم کا بھی افترا باندھا۔ فرعون اور اس

کے درباریوں نے پانچ قسم کا افتری کیا تھا ۱ موسیٰ علیہ السلام کے پاس کوئی معجزہ نہیں ۱ یہ عصا اور یدِ بیضا
جادو کے شعبدے ہیں ۲ اگر یہ معجزے ہیں تو ایسے معجزے ہمارے پاس بھی ہیں اور ہماری دیوی
دیوتاؤں کے پاس بھی ۳ یہ بت اللہ کے شریک کار ہیں ان کے بغیر اللہ کا کام نہیں چلتا ان ہی بتوں
کے طفیل بارشیں بہاریں، روزیاں اور برکتیں آتی ہیں ۴ فرعون اہلِ مصر کا رب اور معبود ہے۔
اور ستاروں سے قسمتیں بدلتی ہیں فلاں ستارہ فلاں برج میں جائے تب زمین پر یہ کچھ ہوتا ہے۔
موسیٰ علیہ السلام نے یہ اُس وقت تبلیغ آٹھ مقاصد کے لیے فرمائی ۱ عوام الناس اِس مقابلے کو
محض میلے کا کھیل تماشہ نہ سمجھیں یہ تو حق و باطل کا مقابلہ اور دین و ایمان کا معاملہ ہے ۲ زجر و جھڑک
کا انداز اختیار فرمانا۔ اہلِ حق کی جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرنا ہے ورنہ اتنے بڑے خود مختار
ظالم احمق کے سامنے کس کی دم مارنے کی جرأت تھی ۳ جن لوگوں کے دلوں میں فرعون نے جھوٹ
بٹھایا ہوا ہے ان کو حق بات کا پتہ لگ جائے ۴ جن کے دل نرم اور مائل بر ایمان ہیں وہ
اور قریبِ ایمان ہو جائیں ۵ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا طریقہ مبارکہ ہمیشہ یہی رہا کہ آخر دم تک بار
بار ہر میدان ہر مقام ہر حالت میں دینِ الٰہی کی تبلیغ فرمائی اسی لیے آپ نے ایک دفعہ پھر بھی تبلیغ کی
۶ اِس تبلیغِ دین اور ذکرِ الٰہی سے یہ اجتماعی محفل تماشہ گاہ سے عبادت گاہ بن جائے ۷
لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا نبی کسی بھی دنیوی۔ طغیانی، شیطانی طاقت سے نہیں ڈرتا۔
۸ پتہ لگ جائے کہ فرعون کو بھی کوئی جھڑکنے والا ہے۔ اس کڑک والی رعب دار پُر جلال آواز
اور تبلیغ سے لوگوں کے دل دہل گئے اور مجمع عام میں ہلچل مچ گئی۔ ایسا کیوں ہوا اس لیے کہ
جلال موسیٰ کا تھا۔ پیغام دینِ الٰہی کا تھا اور حکم ربِّ ذوالجلال کا تھا لہٰذا۔ فَتَنَازَعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ
وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِ
هِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ درباری لوگ اور خود فرعون ڈرے ہوئے تو پہلے ہی
تھے دل کی ضمیر میں سب کو معلوم تھا کہ موسیٰ حق پر ہیں بدیں وجہ یہ آوازِ حق اور بھی لرزہ براندام
کر گئی۔ پنڈال کا نقشہ بدل گیا جو لوگ صرف تماشہ سمجھ کر آئے تھے ان کو حقیقتِ حال کا
اب پتہ چلا جو لوگ خوش گپیوں اور مذاق بازی میں مشغول تھے اور جادوگروں کی کثرتِ تعداد
کے مقابل صرف دو شخصوں کو دیکھتے ہوئے حیرت یا دل لگی کے انہی اندازوں میں تھے کہ
کہ دیکھیں یہ جادوگر اتنے جادوگروں کا کیسے مقابلہ کرتے ہیں وہ جادوگر جو اپنے جادو کی
شعبدوں پر اور کرتبی ہنر پر فخر سے پھولے ہوئے تھے یکدم متغیر ہو گئے ذہنوں کے انداز

اور گفتگو کے رخ بدل گئے اور آپس میں مختلف الرائے ہو کر ایک دوسرے کو جھٹلانے اور غلط کہنے لگے۔ عوام نے کہا ایسا بارعب دلدوز جگر خراش جرأت مند کلام کرنے والا جادوگر نہیں ہو سکتا بھلا کوئی جادوگر ایک جابر ظالم لشکروں ہتھیاروں والے بادشاہ کے سامنے خود بادشاہ کو جھڑک سکتا ہے۔ جادوگر لوگ تو ان اُمراء وزراء کے دروازوں کے بھکاری و حاجت مند ہوتے ہیں اُدھر جادوگروں نے آپس میں کہا کہ اگر یہ جادوگر ہے تب تو ہم ہی غالب رہیں گے اور اگر یہ اللہ کا رسول ہے تو ہم کبھی اُس پر غالب نہیں آ سکتے اور ہم اس کی اتباع کریں گے۔ کسی نے کہا جادوگر ایسی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ کسی نے کہا کہ فرعون نے ہم کو دھوکے میں رکھا اس کی نبوت و رسالت کی دعویداری کا ہم سے ذکر نہیں کیا صرف یہ بتایا تھا کہ وہ لاٹھی کو سانپ بناتا ہے۔ عوام کی یہ پارٹی بازی تفرقہ سازی دیکھ کر درباری لوگوں کو اپنی ناؤ ڈوبتی اور اپنی کرسی وزارت عُہدہ امارت ڈولتی معلوم ہوئی فرعون کو اپنا منصوبہ ناکام اپنی بادشاہت گھومتی نظر آئی جب عوام و اقوام کو۔ فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ میں دیکھا تو سب اہل دربار اور فرعون اَسَرُّوا النَّجْوٰى ہو گئے۔ اور لگے خفیہ میٹنگیں مشورے کرنے کہ اب کیا کریں ہمارے اتنے بڑے انتظام ایسے منصوبے اتنے خرچ اور عوام کو اتنا بہلانے پھسلانے۔ اور جادوگروں کو اتنے عرصہ سے تیار کر نے خرچ دینے آمادہ مقابلہ کرنے کو۔ موسیٰ کے اِن دو لفظی کلام نے چوپٹ کر کے رکھ دیا۔ لوگوں کے دل۔ عوام کے ذہن اور ہواؤں کے رخ پھیر دئیے بتاؤ اب کیا کریں تمام مشوروں خفیہ مناجاتوں دکانا پھوسیوں سے فرعون نے اس کا ایک علاج سوچا کہ اے درباریو۔ تم بھی اپنے شاندار خطیبوں اچھے سمجھ داروں واعظوں قادر الکلام مقرروں با اثر سیاسی لیڈروں کو عوام کے سامنے نکالو اور پنڈال و میدان کے چاروں طرف افواہیں پھیلاؤ۔ چنگھاڑو۔ دہاڑو تقریریں کرو کہ اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ يُرِيْدٰنِ۔ اے ہمارے جادوگرو تم مت ڈرو۔ اے عوام لوگو مت تنازع کرو۔ نہ گھبراؤ۔ یہ دونوں تو صرف اور صرف جادوگر ہیں۔ کرسی کے بھوکے حکومت کے طالب دولت کے خواہش مند فقط یہ چاہتے ہیں کہ دونوں۔ تم سب مخالفین کو تمہارے وطن تمہاری آبائی زمینوں کھیتوں باغوں جاگیروں سے نکالدیں اپنے جادوگری کے زور سے اور ان کا سب سے بڑا فریب مکر جھوٹ یہ ہے کہ تم کو تمہارے آباؤ اجداد کے شریفانہ شاندار بے مثال مہذب پُرامن دین و مذہب۔ دیوی دیوتاؤں۔ بتوں مورتیوں فوٹوؤں تصویروں اور فرعون کی ربوبیت و الٰہیت کے مضبوط دین و عقیدوں سے متنفر کرنا۔ اور

دور لے جانا چاہتے ہیں اور کھلے لفظوں میں کہہ بھی چکے ہیں کہ بنی اسرائیل کو ان کے حوالے کر دیا جائے۔ یہ قوم اُس وقت آل اولاد تعداد اور دولت میں سب سے زیادہ ہے ان کو ہم نے غلام نوکر چاکر خدام مزدور بنایا ہوا ہے۔ آبادی کا بڑا حصہ یہ ہیں۔ ان سے ہمارے تمہارے ہزاروں کام وابستہ ہیں۔ فرعون نے اپنے ان تقریری کلام سے سات طرح نفرت پھیلانی چاہی اولاً موسیٰ و ہٰرون علیہما السّلام کو جادوگر کہا یہ اس لیے کہ ہر شخص جادوگر کو فریبی شعبدے بازیے سمجھتے ہوئے اس سے نفرت کرتا ہے۔ دوم اُن کے معجزات کو جادو کہا یہ اس لیے کہ ہر شخص نطرتاً جادو سے ڈرتا ہے جادو کو سراسر تباہی اور نقصان والا سمجھتا ہے اس لیے ہر شخص جادو سے دور رہنا چاہتا ہے اور یہ ہی نفرت ہوتی ہے یعنی یہ دونوں خود بھی قابلِ نفرت ہیں کیونکہ ساحران ہیں اور ان کے کام بھی قابلِ نفرت ہیں کیونکہ بسحرِ ہما ہیں سوم چونکہ جادو میں کوئی قوت طاقت اور بقا نہیں تو لوگ جادوگر کو اپنا پیشوا، لیڈر، امام یا بادشاہ کس طرح مان سکتے ہیں چہارم ھارون و موسیٰ تم کو تمہاری زمین جاگیروں سے نکالنا چاہتے یعنی یہ کچھ تم کو دے نہیں سکتے صرف تم سے چھینا جھپٹی کر کے تم کو غریب کرنا چاہتے ہیں یہ دوست نہیں دشمن ہیں یہ سب سے بڑی نفرت دلانیوالی بات تھی لوگ جائیداد اور زمین سے محبت کرتے ہیں اور چھیننے والے سے نفرت پنجم آبائی مذہب کی مخالفت کا ذکر کر کے بھی نفرت دلائی کہ ہر شخص اپنے مذہب سے محبت کرتا ہے مذہب پر جان قربان کر دیتا ہے۔ اگرچہ مذہب باطل ہی ہو۔ دین کے مخالف سے نفرت کرتا ہے۔ ششم۔ بار بار جادوگر اور جادو کہہ کر ان کی کمزوری ثابت کی اور کمزور سے ہر شخص نفرت کرتا ہے کوئی اس سے دوستی نہیں کرنا چاہتا۔ خاص کر جب کہ طاقتور انسان اس کمزور کا دشمن ہو۔ ہر شخص طاقت ور کو دوست بنانا چاہتا ہے اسی میں اپنا مفاد سمجھتا ہے ہفتم۔ بار بار دوؔ ہونے کا ذکر کرنا بھی کمزوری ظاہر کرنے کے لیے تھا کہ یہ صرف دوؔ ہیں ان سے ڈرنے گھبرانے کی ضرورت نہیں یہ ہمارا تمہارا کیا بگاڑ سکتے ہیں۔ جب کہ ہمارے اِن سے بڑے بڑے بہت سے جادوگر ہیں جو اِن جیسا بھی کرتب دکھا سکتے ہیں۔ ہمیں اندیشہ صرف یہ ہے کہ کہیں تم پر ان کی باتوں کا اثر نہ ہو جائے اور تمہارے طَرِيْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى سے تم کو بھٹکا بہکا نہ دیں۔ طَرِيْقَةٌ کا لغوی معنیٰ ہے پیدل چلنا۔ اصطلاحی معنیٰ ہے دین اسی معنیٰ میں دین کو طریقت کہا جاتا ہے لہٰذا یہ دین سے دشمنی کر کے صرف فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔ انسان دین پر دل و جان سے چلتا ہے دین اچھا ہو یا برا۔ لفظ مُثْلٰى۔ اَمْثَلُ کا مؤنث ہے یعنی اَشرف۔ اَفضل اَعلٰی۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ علماءِ فقہ کی دینی ایمانی باتوں کو جھٹلانا نہ ماننا انکار بے ادبی گستاخی کرنا دراصل رب تعالیٰ کی گستاخی ہے انبیاء کی باتوں کو جھوٹا کہنا اللہ پر افترا باندھنا ہے۔ یہ عبرت انگیز فائدہ وَیْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا۔ سے حاصل ہوا۔ اس سے وہ آزاد خیال مسلمان عبرت پکڑیں جو بری صحبتیں اختیار کر کے علماءِ کرام فقہاءِ اسلام کی ہر بات کا مذاق اور انکار کرتے چلے جاتے ہیں مولوی اور مُلّا کا لفظ بول کر قرآن وحدیث کی ہر بات کو جھٹلاتے گستاخی کرتے رہتے ہیں اور علما کو تنگ نظر کہتے ہیں یہ مسئلہ رمضان المبارک کا ہو یا عیدُ الفطر کا داڑھی کا ہو یا اسلامی لباس کا ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے کا مسئلہ بتایا جائے یا کسی اسلامی قانون کا ہر بات کا مذاق اڑانا ایک فیشن بن چکا ہے۔ فرعون کی اسی قسم کی مذاق بازی کو اِفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ۔ فرمایا۔ اسی کی پاداش میں آخر کار فرعون کو قسم قسم کی ذلتوں کے بعد غرق کر دیا گیا نہ سلطنت بچا سکی نہ لشکر۔ **دوسرا فائدہ** اللہ اپنے گستاخوں مشرکوں کو ڈھیل عطا فرماتا ہے لیکن اپنے انبیاء علیہم السلام کے گستاخوں بے ادبوں کو ڈھیل نہیں دیتا یہ فائدہ فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ آپ فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہ فرعون جو تقریباً تین سو سال سے اللہ کی گستاخیاں بے ادبیاں شرک وکفر کر رہا تھا اور اپنے آپ کو رب اور الٰہ بنائے بیٹھا تھا اس پر کوئی عذاب تو درکنار بیماری تک نہ آئی زکام تک نہ ہوا۔ لیکن جب انکارِ نبوت کیا تو حضرت موسیٰ نے فرما دیا کہ اب تو نہیں بچ سکتا۔ اور پھر ایسا ہی ہوا کہ عذاب پر عذاب آتے رہے موجودہ گستاخانِ نبوت کو اس سے آج دنیا میں ہی عبرت پکڑنی چاہیے۔ **تیسرا فائدہ**۔ حق بات اور حق مسئلے کو تحریراً یا تقریراً علی الاعلان کرنا چاہیے کسی بھی وجہ سے ذرہ بھر رورعایت یا نرمی نہ کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ۔ اَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى سے حاصل ہوا۔ فرعون نے تو صرف اچھی صاف بڑی ہموار جگہ کے منتخب کرنے کا کہا تھا مگر موسیٰ علیہ السلام نے مزید روزِ روشن اور کھلے وقت کی ضرورت پر زور دے کر اس حق وباطل کے مقابلے کو علی الاعلان کرنے کا چیلنج کر دیا تھا تاکہ حقائق کو ہر شخص کھلے عام دیکھے کوئی شک وشبہ رورعایت نہ رہے۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** کفار کے عید میلے یا کسی بھی لہو ولعب کھیل کود تماشے کی محفل یا اجتماع میں کسی دینی

معلومات یا نیتِ خیر سے جانا جائز ہے اسی طرح ہر حرام چیز کو کسی دینی معلومات یا دینی غرض کے لیے دیکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اُس چیز میں فحاشی عریانی نہ ہو۔ اس طرح حلال ہر چیز خریدنے کی نیت سے کوئی حرام چیز ہی خریداری میں شامل ہو جائے تو معافی ہے۔ مثلاً اخبار خریدا اور تصویریں بھی ساتھ ملیں تو معافی ہے اِن حرام فوٹوؤں کی وجہ سے اخبار کی خریداری حرام نہ ہوگی یا کسی دینی معلومات کے لیے تصویریں بھی خریدیں مگر فوٹو تصویر کی تعظیم مقصود نہ ہو تو جائز ہے یہ سب مسائل مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّينَةِ سے مستنبط ہوئے کہ وہ دن کفار کے لہو و لعب کا تھا مگر ایک دینی کام کے لیے موسیٰ علیہ السلام اُس میلے میں گئے۔ لیکن بغیر کسی دینی وجہ کے کسی بھی میلے میں جانا گناہ ہے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام نمرود کے بُت خانے میں معلومات حاصل کرتے کئی دفعہ گئے اور آخری دفعہ توڑنے کے لیے تشریف لے گئے آقاءِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم مسجدِ حرام میں کئی مرتبہ تشریف لے گئے حالانکہ وہاں بُت تھے آپ کی نظر اُن پر پڑتی تھی ہاں البتہ فوٹو تصویر فلم کیمرہ ویڈیو سے بنانا شوقیہ بنوانا حرام ہے۔ آج کل کے عام مولویوں پیروں کو اس سے بچنا اور عوام کو بچانا چاہیے تبلیغ کے بہانے یہ بُت سازی بھی حرام ہے۔ دوسرا مسئلہ کسی بھی دنیا پرست کو اس کی بے دینی گمراہی فسق و فجور کی وجہ سے جھڑکنا اور کسی بھی محفل میں اُس کی توہین کرنا جائز ہے۔ اگرچہ عمر رسیدہ ہو یا علماء و مشائخ میں سے ہو۔ یا دنیوی شان و عزت والا ہو۔ یہ مسئلہ۔ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوا۔ کی جھڑک فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اسی اِستنباط سے فقہاءِ احناف فرماتے ہیں کہ فاسق مُعلن کو امام بنانا امام مقرر کرنا منع ہے اور اُس کی توہین کرنا واجب ہے توہین یہی ہے کہ اُس کو امامت سے ہٹا دیا جائے۔ اُس کے پیچھے نماز نہ پڑھی جائے اور مشہور کیا جائے کہ اِس فسق کی وجہ سے امامت سے علیحدہ کیا گیا ہے یا ہم اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے۔ تاکہ اُسے عبرت ہو آئندہ اُس گناہ سے باز آئے۔ ثابت ہوا کہ امام بنانا عزت افزائی ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ غلط مسائل بتانے اپنی چرب زبانی سے جھوٹ کو سچ اور سچ کو جھوٹ ثابت کرنا سخت گناہ اور طریقہ کفار ہے۔ شریعت میں غلط مسئلہ وہی ہے جو قرآن و حدیث اور استنباط و قیاس کے خلاف ہو۔ اور زبانِ نبوت کی مخالفت میں ہو۔ یہ مسئلہ۔ لَا تَفْتَرُوا۔ اور۔ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى سے مستنبط ہوا۔ کہ زبانِ موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا تھا یہ معجزے ہیں یہ فرمان حقیقت و اصلیت کے عین مطابق تھا مگر فرعون نے حقیقت کا انکار کرتے ہوئے اُس کو جادوگر کہا۔ اسی طرح آج بھی کوئی شخص اپنی جہالت یا کسی وجہ سے کوئی غلط مسئلہ بنا دے تو وہ اِفْتَرَا عَلَى اللهِ ہیں

شامل ہوگا اور بتانے والا گمراہ وگمراہ گر متصور ہوگا۔ اس کو اپنا بھی اور تمام ماننے والوں کا بھی گناہ پڑے گا بتانے والا عالم ہو یا پیر بادشاہ ہو یا وزیر۔ جہالت سے بتائے یا سیاست سے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے فَاجْعَلْ کہہ کر مَكَانًا سُوًى کا وعدہ لیا تھا کہ جگہ اچھی اور ہموار مقرر کرو۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام نے۔ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ فرما کر دن کا وعدہ دیا۔ یہ بات اس وعدے کے خلاف تھی ایسا کیوں کیا گیا؟ جواب۔ یہ وعدے کی مخالفت نہیں بلکہ وعدہ کی تکمیل ہے۔ تین وجہ سے فرعون کا مطالبہ ناقص تھا آپ کے اس فرمان سے مطالبہ مکمل ہو گیا پہلی وجہ یہ کہ يَوْمُ الزِّيْنَةِ۔ فرما کر جگہ بھی بتا دی کہ جہاں میلہ لگتا ہے وہ جگہ۔ بنی بنائی کھلی ہے۔ ہموار ہے وسیع ہے م ۲ يَوْمُ الزِّيْنَةِ فرما کر مکانا سوی کا مقصد بتا دیا کہ اے فرعون تو وسیع میدان اس لیے چاہتا ہے کہ بہت سے آدمی آئیں تو وہ دن يَوْمُ الزِّيْنَةِ ہے جس میں خود بخود بغیر اعلانات کرکے بلائے سے زیادہ آجائیں گے۔ یعنی جب لاکھ آدمیوں کے لیے جگہ کا انتخاب ہے تو لاکھ آدمی بھی تو ہونا ضروری ہیں تیسری وجہ یہ کہ مزید تکمیل کے لیے وَ أَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى۔ فرمایا۔ اعلان صرف یہ کرا دیا جائے کہ اس دن معجزے اور جادو کا مقابلہ بھی ہوگا جس کا وقت چاشت ہے یہ اس لیے کہ مکانا سوی کا فائدہ تب ہی ہے جب دھوپ کی پوری روشنی بھی ہو ہر شے دور سے بھی صاف نظر آسکے دیکھنے میں صرف زمینی اونچ نیچ ہی رکاوٹ نہیں بنتی کم نظری اور زیادہ بھیڑ بھی دور نظری اور سایہ اندھیرا بھی رکاوٹ بنتے ہیں۔ جس کو دور کرنے کے لیے وقت ضحیٰ بھی ضروری ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ إِنْ هٰذَانِ۔ مفسرین کے اقوال کے مطابق یہ إِنْ مثقلہ سے مخففہ ہے دراصل تھا إِنَّ۔ نحوی قانون کے مطابق إِنَّ اپنے اسم کو زبر دیتا ہے تو چاہیے تھا کہ إِنَّ هٰذَيْنِ ہوتا کیونکہ هٰذا تثنیہ ہو کر بحالتِ زبر هٰذَيْنِ ہوتا ہے تو هٰذَانِ کیوں فرمایا گیا۔ اسی طرح قرآن مجید کی اور بھی کئی عبارتوں پر نحوی قواعد کے خلاف ورزیوں کے اعتراض پڑتے ہیں۔ مثلاً إِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ یہ وَالصَّابِئِيْنَ ہونا چاہیے تھا اور وَلٰكِنِ الرَّاسِخُوْنَ۔ الرَّاسِخِيْنَ چاہیے تھا اور وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ۔ یہاں وَالْمُؤْتِيْنَ الزَّكٰوةَ۔ چاہیے۔ یہ سب وہ غلطیاں ہیں جو آج بھی قرآن مجید میں موجود ہیں یہاں تک کہ بروایت حضرت عائشہ اس کو کتابت کی غلطی تسلیم بھی کیا گیا ہے تو کیا صاحب قرآن کو علم نحو نہیں آتا تھا (عیسائی آریہ ضد۔ موجودہ بعض شیعہ) جواب۔ یہ

اعتراض پہلے تو آریہ ہندوؤں کی طرف سے پھر عیسائیوں اور ان سے سن کر شیعہ لوگوں نے صحابہ دشمنی میں یہ اعتراض کیا۔ اس کا اصل جواب ہم نے اپنی تفسیر نحوی میں درج کر دیا کہ یہ اِن مخففہ نہیں ہے بلکہ نافیہ ہے اور لَسَاحِرَانِ میں لام کے بمعنی اِلَّا ہے۔ یہ جواب بعض مفسرین نے بھی دیئے ہیں اور یہی آسان بھی ہے درست بھی۔ باقی آیت کے جواب ان ہی کی تفسیری مقامات پر ملاحظہ فرمائے جائیں۔ دراصل سمجھ اپنی خراب ہوتی ہے اور چل پڑتے ہیں قرآنِ مجید پر اعتراض کرنے رہا اُم المومنین عائشہ صدیقہ کی طرف اُس روایت کو منسوب کرنا تو یہ سب غلط اور جھوٹی نسبت ہے اور آج تک کتابت کی غلطی چلی آنا ناممکن ہے جب کہ ہزاروں صحابہ لاکھوں علماء نے نحویوں نے سینکڑوں مرتبہ اس کو پڑھا جس طرح اِنْ هٰذَانِ ہی نحوی قواعد سے درست ہے اسی طرح باقی آیت بھی ہر طرح وہی درست ہیں جو لکھی ہوئی ہیں ہو سکتا ہے عائشہ صدیقہ والی روایت خود شیعوں نے گھڑلی ہو۔ محض صحابہ کو بدنام کرنے کے لیے اگر معاذ اللہ اس روایت کو درست مانا جائے تو پھر پورا قرآن مجید مشکوک ہو گیا۔ جب یہاں کتابت کی آج تک غلطی چلی آرہی ہے اور کسی کو ہوش نہیں آیا تو پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکیم کی جگہ حلیم لکھا گیا ہو۔ لا کی جگہ نعم لکھا گیا ہو۔ نیز اس روایت سے تو قرآن کریم کی لاریبیت بھی ختم ہو گئی اور اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ پر بھی اعتراض پڑتا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ ایک قرأت اِنْ هٰذَانِ ہے۔ اور ایک ہیں اِنَّ هٰذَيْنِ ایک قرأت میں مَا هٰذَانِ ہے۔ بہر کیف یہ جوابات بہ شافی ہیں صحیح جواب پہلا ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں آیت ۶۱ اور آیت ۶۳ میں تین قول مذکور ہوئے پہلا وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا (الخ) پھر فَتَنَازَعُوْا۔ پھر قَالُوْا اِنْ هٰذَانِ۔ پہلا قول تو متفقاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہی ہے دوسرا۔ فَتَنَازَعُوْا اور تیسرا۔ اِنْ هٰذَانِ میں مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ دونوں قول جادوگروں کے ہیں کچھ مفسرین فرماتے ہیں یہ دونوں قول درباریوں کے ہیں۔ اگر مفسرین کے پہلے قول کو دیکھا جائے تو وہ بھی غلط لگتا ہے۔ کیونکہ جادوگروں کو اِنْ هٰذَانِ (الخ) کہنے کی کیا ضرورت پڑی تھی انہوں نے تو پہلی بار موسیٰ علیہ السلام و ھارون کو دیکھا تھا ابھی نہ معجزہ عصا دیکھا نہ یدِ بیضا دیکھا۔ وہ یہ کیونکر کہہ سکتے ہیں کہ لَسَاحِرَانِ۔ یہ دونوں جادوگر ہیں۔ نیز ان کو اس سے بھی کوئی غرض نہیں کہ کون کس کو مصر سے نکالتا ہے۔ کون رکھتا ہے۔ اور اگر تفسیر کا دوسرا قول دیکھا جائے تو وہ بھی درست نہیں ہے۔ کیونکہ اہل دربار کو تنازع اور آپس میں اختلاف کیونکر ہو سکتا وہ تو شروع سے ہی متفقہ طور پر اُس کو جادو اور دونوں کو جادوگر کہتے چلے آرہے ہیں اگر اب وہ اختلاف کرتے تو فرعون وہیں ان کو سزا دیتا اور مار کر اپنی حکومت سے ہی نکال

دینا۔ فرمایا جائے کہ کونسی تفسیر درست ہے؟ جواب: اس کی وضاحت بھی ہم نے تفسیر عالمانہ میں کردی ہے کہ وَیْلَکُمْ (الخ) موسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے فَتَنَازَعُوْا۔ عوامُ النّاس اور جادوگروں کا۔ لیکن تنازع کی نوعیت جداگانہ اور اِنْ هٰذٰنِ (الخ) فرعون کے درباریوں متردوں لیڈروں کی باتیں ہیں یعنی موسیٰ علیہ السلام کا وَیْلَکُمْ۔ فرمانا سب عوام خواص جادوگر اور درباری بلکہ خود فرعون کی طرف تھا آپ نے سب کی طرف اشارہ اور توجہ فرما کر یہ بات کی عوام میں تنازع یہ ہوا کہ ہم موسیٰ وہٰرون کو کیا سمجھیں نبی یا جادوگر۔ جادوگروں میں تنازع یہ ہوا کہ ہم اب مقابلہ کریں یا نہ کریں۔ تب فرعون نے گھبرا کر میٹنگ بلائی جس کو اَسَرُّوا النَّجْوٰی فرمایا گیا یہ سب تفصیل تفسیر میں بیان کردی گئی ہے لہٰذا مفسرین کے وہ اقوال جو اعتراض میں ذکر کئے گئے ہیں وہ درست نہیں ہیں۔ نہ تمام اقوال جادوگروں کے ہیں نہ عوام کے نہ فرعونیوں کے بلکہ اسی طرح تقسیم ہیں جس طرح ہم نے بیان کئے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ وَاَنْ يُّحْشَرَ النَّاسُ ضُحًى۔ فَتَوَلّٰى فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهٗ ثُمَّ اَتٰى۔ مجمعِ نفسانیات میں قلبِ نور کی آوازِ سروری آتی ہے کہ اے نفسِ اَمّارہ تیری شکست یا برائت کا وقت وہ ہی نفسِ ناطقہ کو محسوس ہونے والی فہم وادراک سے مزین کرنے کا دن ہے جب کہ ذہنی قوتیں اور روحانی طبیعتیں معلوماتِ حضوری سرمدی باطنی خزانے سب جمع ہوں گے۔ عقلِ فعّال کے نورِ شمس والی دھوپ اور اِشراق اَبرار واشرار کی آخرت ہوگی۔ اس لیے کہ یہی وہ وقت ہے جب کہ نفسِ امارہ درستی وحق پرستی کو قبول کرنے سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ انہی لمحات میں نفسِ مکارہ تمام وھمیاتِ ساحرین اور مکائدِ سحر فسونی مغالطوں کے شعبدے۔ جمع ہوتے ہیں اور قلب کی قوتیں اعجاز کی فطرتیں تعینیاتِ نورانیہ سے مکمل تیار ہوتی ہیں کہ نفسانیت کے اظہارِ تکذیب اور مفتریات کے اِفتراہو موجودہ کو ہلاکت وشکست سے فنا کردیں۔ دنیا میں ہر اچھا بُرا سچا پکا اپنے دل سے ہی مانگتا ہے۔ قلب دینے کا مرکز ہے نہ وہ کسی کے آگے دستِ سوال دراز کرتا ہے نہ اس کو وہ جگہ معلوم جہاں سے اس کو کچھ دیا جا سکے۔ سچے مومن انسان کا نشانِ حال یہ ہے کہ وہ اہلِ دنیا سے کبھی کچھ نہیں مانگتا۔ اہلِ سلوک وہ ہیں جو دنیا کی چیز اللہ تعالیٰ سے بھی نہیں مانگتے جب ان کا نفسِ جسمانی فسونِ بدنی سے کچھ طلب کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو قلبِ مزکی ہیبتِ الٰہیہ کا عصا اور انوارِ جلال کا یدِ بیضا مقابلے میں لے آتا ہے۔ نفس کی دنیا طلبی قلب

کی بارگاہ میں گستاخی الٰہی شمار کی جاتی ہے جب قلبِ مومن اس مقام پر پہنچتا ہے تو اللہ تعالیٰ بن مانگے اس کو سب کچھ عطا فرما دیتا ہے۔ مشربِ صوفیا میں تمام دنیا یومِ زینت کا میدانِ معرب ہے اور امتحان گاہِ بندگان ہے یہاں راہِ خلیل اختیار کرنا پڑتا ہے۔ کہ جبرئیل بھی اگر کہیں کہ اے خلیل کچھ مانگو تب بھی کچھ نہیں مانگتے۔ کہا کہ اپنے رب سے کچھ عرض کیجئے فرمایا وہ اللہ مجھ سے بھی زیادہ میرے حال کو جانتا ہے یہی وہ لوگ ہیں جو زمین پر آیاتِ ربانی ہیں۔ انہی لوگوں کو رب تعالیٰ دنیا کے فرعونوں کے فنا کرنے کے لیے نیاز فرماتا ہے۔ قلب وعقل کی قوت عطاءِ الٰہی ہے اسی لیے قَالَ لَهُمْ مُّوسٰى وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ وَقَدْ خَابَ مَنِ افْتَرٰى۔ فرمایا قلب مسعود نے اُن تمام آبا لیانِ نفس کو کہ اے خواہش کے پیروکارو تم برضا کی ہلاکت ہو ہٹ جاؤ نفس امارہ کی پیروی سے اور طالبانِ حق بن جاؤ۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ محرومیتِ ازلی اور قبضِ اَبدی اور بسطِ ناری کا دائمی عذاب نہیں گھیرے۔ بندے کی سب سے بڑی ہلاکت تین چیزوں میں ہے۔ پہلی یہ کہ شکل پُرسکون ہو دلِ رنجور ہو دوم یہ کہ زبان اگرچہ بھیک نا مانگے مگر حالات گداگروں جیسے ہوں وہ مشائخ جن کو پیری مریدی کا شوق ہو وہ مہذب گداگر ہیں۔ وہ اگرچہ مانگتے نہیں مگر نیتیں زرطلبی میں مُبتلا ہیں اندھی تقلید والے ان کے بڑے بڑے پیٹ خود بھرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ضمیر مردہ ہو جاتے ہیں ان کی نشانی یہ ہے کہ اشرار سے حق بات کہنے کی جرأت نہیں رکھتے اور ہر قسم کے نیک کار کو بدکار کو مرید بنا لیتے ہیں اور ان کی ہی مرضی کے مسائل کی بناوٹ کر لی جاتی ہے یہی لوگ فرعونِ وقت ہیں۔ رسوم یہ کہ پیٹ کو جہنم بنا لیا جائے۔ اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن وہ ہے جو اپنے ہاتھ کی محنت سے حلال وشرعی روزی کھائے۔ ہاتھ کی سب سے بڑی محنت عبادت اور دعا ہے اگرچہ خلوت کے گوشے میں بیٹھا رہے۔ ضرورت کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑا کر مانگنا ہی ہاتھ کی کمائی ہے دعا سے جو ہدیے تحفے بھی ملیں وہ بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے جانو فَتَنَازَعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ وَاَسَرُّوا النَّجْوٰى۔ قلب منور کی اِن ہی تبلیغی باتوں سے باطنِ فرعونیت میں شور شرایے برپا ہو جاتے ہیں۔ ذہنی کشمکش اور خیالاتِ فاسدہ ولائقہ صحیحہ کی یلغار ہوتی ہے تنازع یہ ہے قواءِ نفسانیہ میں کہ قلب وعقل سے مصالحت کریں یا نفسِ امارہ کے مکروفساد سے نفس کی تین لذتیں ہیں ۱ دنیا میں جذب ۲ خواہشاتی شہوتوں میں انہماک ۳ ممانعتِ شرعیہ میں انتقال۔ یہی لذتیں اطاعتِ قلبی سے مانع ہوتی ہیں۔ اَسرارِ مناجیہ کی اَسرارِ مخفی اور کشمکش باطنی یہ ہے کہ

مخالفتِ قلب وعقل کے داعی نہیں یا مخالفتِ نفس کے قلب اہلِ نفوس کو جو سمجھانا چاہتا ہے وہ یہی ہے کہ تمہارا رب ومعبود یہ نفس وابلیس نہیں بلکہ اجسام وارواح کا خالق ہے اُس سے ہر سوال حاجت عرض کرو۔ اسی لیے حضرت موسیٰ بھی ہر پریشانی میں اپنے رب تعالیٰ کو ہی پکارتے تھے کہ اے میرے پروردگار ہم اُس رزق کا محتاج جو تو مجھ پر نازل فرمائے گا یہ اُس وقت عرض کیا جب کمزوری نے جسمِ ناسوتی پر غلبہ کیا جب موسیٰ علیہ السلام نے نظرِ بندگی سے اللہ کریم کی طرف دیکھا تو رب تعالیٰ نے ان کو خشوع وخضوع سے بھر دیا اور جب نیاز مندانہ کلام عرض کیا اُس وقت اُن پر انوار واسرار کا ورود ہوا درسِ توحید یہ ہے کہ بندہ ہر حال میں اپنے مولیٰ کا محتاج ہے جب باطن میں تنازعِ حق وباطل برپا ہوتا ہے تب خیالاتِ نفسانیہ پکار کر قَالُوْٓا اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى بولتے ہیں کہ یہ قلب وعقل تو صرف مکر وفساد کے جادوگر ہیں نفس کا یہ ہی دعویٰ کاذبہ اشارہ کرتا ہے کہ نفسِ رذیل اعمالِ قلب کے معانی سمجھنے پرکھنے سے عاجز ولاشعور ہے اور قلب وشعورِ عقلی کی گہرائیاں فہمِ نفسانی پر مخفی ہیں اسی لیے میدانِ قباحت کے خیامِ باطنی سے آوازِ کذبیہ افترائیہ بلند ہوتی ہے کہ یُرِیْدٰنِ اَنْ یُّخْرِجٰكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهِمَا عقل ودل چاہتے ہیں کہ تم کو تمہاری زمینِ خواہشات وعلاقۂ لذات سے بیابانِ محرومی کی طرف نکال دیں اپنے اقوالِ مکر وافعالِ سفاہت واعمالِ کدورت کے ذریعے۔ وَیَذْهَبَا بِطَرِیْقَتِكُمُ الْمُثْلٰى۔ اور دور رکھا دیں تم کو تمہاری لذتِ حسیہ کے حصول سے اور شہواتِ بدنیہ کی مشغولیت سے اے اہلِ نفس یہی لذات خواہشات تمہارا دینِ آبائی قدیمی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بدنِ انسانی پر اوّلاً وھمیاتِ باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ وشبہاتِ ذمیمہ کا قبضہ ہوتا ہے جب بندہ راہِ طریقت کا متلاشی بن کر منازلِ سلوک کا سفر شروع کرتا ہے تب عقلیاتِ یقینیات سے ان کو ہٹانے کے لیے برھانِ قاطع اور دلیلِ واضح کی ضرورت پڑتی ہے لہٰذا مرشد پر واجب ہے حق کی طرف بلانا۔ اور پہلے حجتِ تامہ سے اس طرح نقضِ باطل ودفعِ شبہات کرے کہ تمام عقائدِ فاسدہ مٹ جائیں اور وجودِ ذھنی کو قرار ہو۔ عادتِ جبلی کو عصمت وحفاظت ملے ورنہ یہی معصیتِ انفاس وارداتِ بدنیہ پر غالب آکر قلب کی شکست وریخت کا باعث بن سکتے ہیں اس لیے بوسیلۂ مرشد کامل آوازِ الٰہی پکارتی ہے۔ لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ اے طالبِ صادق نہ ڈر بے شک تو ہی غالب واعلیٰ ہے یہی ڈھارس منزلِ شوق تک لیجائے

فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ

لہٰذا تم جمع کر لو اپنی تمام تدبیروں کو پھر ٹوٹ پڑو یک دم ہو کر اور گویا

تو اپنا داؤں پکا کر لو پھر پرا باندھ کر آؤ اور آج مراد

اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى ﴿۶۴﴾ قَالُوْا

وہ شخص کامیاب ہو ہی گیا ہے آج جو غالب رہا۔ جادوگر بولے

کو پہنچا جو غالب رہا۔ بولے

يٰمُوْسٰٓى اِمَّآ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّآ اَنْ نَّكُوْنَ

اے موسیٰ یا یہ ہے کہ تم اپنا کرتب ڈالو اور یا ہم ہوں

اے موسیٰ یا تو تم ڈالو اور یا ہم

اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ﴿۶۵﴾ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۚ فَاِذَا

پہلے وہ جو کرتب ڈالے۔ فرمایا نہیں بلکہ تم ڈالو۔ تو اچانک ایک دم

پہلے ڈالیں۔ موسیٰ نے کہا بلکہ تمہیں ڈالو۔ جب ہی

حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ

ان کی تمام رسیاں اور اُن کی لاٹھیاں گمان کیا جاتا تھا موسیٰ کے ذہن میں

اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں اُن کے جادو کے زور سے

سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى ﴿۶۶﴾ فَاَوْجَسَ فِيْ

اُن کے جادو کے اثر سے کہ غالباً وہ سب دوڑتی پھر رہی ہیں تب محسوس کی اپنے

اُن کے خیال میں دوڑتی معلوم ہوئیں۔ تو اپنے جی میں

نَفْسِهٖ خِيْفَةً مُّوْسٰى ﴿۶۷﴾ قُلْنَا لَا تَخَفْ

دل میں گھبراہٹ موسیٰ نے ۔ فرمایا ہم نے گھبراؤ مت

موسیٰ نے خوف پایا۔ ہم نے فرمایا ڈر نہیں

اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى ﴿۶۸﴾ وَاَلْقِ مَا فِيْ

یقیناً تم ہی غالب آؤگے ۔ اور ڈال دو وہ جو تمہارے

بے شک تو ہی غالب ہے۔ اور ڈال تو دے جو تیرے

يَمِيْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا ؕ اِنَّمَا صَنَعُوْا

دائیں ہاتھ میں ہے نگل جائیگی وہ تمام چیزیں جو جادوگروں نے بنا دکھائی ہیں جو انہوں نے کیا وہ تو فقط

داہنے ہاتھ میں ہے۔ اُن کی بناوٹوں کو نگل جائے گا وہ جو بنا کر لائے ہیں وہ تو

كَيْدُ سٰحِرٍ ؕ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى ﴿۶۹﴾

جادوگروں کا کھیل ہے اور نہیں کامیاب ہوتا جادوگر جدھر سے بھی آئے۔

جادوگر کا فریب ہے اور جادوگر کا بھلا نہیں ہوتا کہیں سے بھی آئے۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں جادوگروں کا باہمی اختلاف اور تنازع کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں باہمی اجتماع اور متفق ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں جادو کا مظاہرہ کرنے کی تیاری کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں مظاہرہ شروع کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیات میں جھوٹے مکار فریبی اور افترا باندھنے کی ذلت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان جھوٹے جادوگروں کے ذلیل و رسوا ہو جانے اور شکست کھا کر شرمندہ ہونے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی | فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى قَالُوْا

یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ وَ اِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى ۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا ۔ فَ حرف زائدہ سببیہ ہے اگلی عبارت مَنِ اسْتَعْلٰی تک سابقہ عبارت اِنْ هٰذٰنِ (الخ) کا مسبّب ہے۔ اس فَ کا معنیٰ ہوتا ہے اس لیے اَجْمِعُوْا ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر فاعل مخاطب مراد ہیں اہلِ دربار یا جادوگر وغیرہ کَیْدًا اسم حاصل مصدر اس کی گردان باب ضرب سے ہی ہوتی ہے یہاں جامد ہے بمعنیٰ تدابیر خفیہ چالیں یا مقابلے کا سامان۔ اس کا معنیٰ مکر فریب جال بھی ہے کُمْ ضمیر نفسی بمعنیٰ اپنی مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے اَجْمِعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف برائے تراخی جو کام حکم کے کچھ دیر بعد تعمیل ہو وہاں ثُمَّ لایا جاتا ہے باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف اَتٰی یَاْتِیْ سے ہے اِئْتُوْا ۔ صَفًّا اسم مفرد نکرہ مصدر بمعنیٰ اسم مفعول حال اِئْتُوْا کے فاعل اَنْتُمْ ضمیر مستتر کا۔ اِئْتُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا اَجْمِعُوْا کا دونوں عطف مل کر مسبّب ہوا اِنْ هٰذٰنِ کا واؤ برائے حال قَدْ اَفْلَحَ باب افعال کا ماضی قریب واحد مذکر غائب فَلَحٌ سے مشتق بمعنیٰ مستقبل ہے یقینیت کے لیے ماضی قریب استعمال ہوا۔ اَلْیَوْمَ ۔ اسم مفرد زمانی بمعنیٰ دن۔ الف لام کی وجہ سے مخصوص ہوا یعنی آج یہ ظرفِ زمانی ہے اپنے فعل کا مَنْ اسم موصول واحد جنسی کے لیے ہوتا ہے مبنی مجزوم ہوتا ہے مگر کسی سے جوڑنے کے وقت نون کو کسرہ دیا جاتا ہے اِسْتَعْلٰی ۔ باب استفعال کا ماضی مطلق عَلْوٌ سے مشتق ہے پہلے واؤ کو ی سے پھری کر الف مقصورہ سے بدلا گیا هُوَ پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے یہ ضمیر فاعل ہے اِسْتَعْلٰی فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر فاعل ہوا قَدْ اَفْلَحَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ دوم ہوا سابقہ قَالُوْۤا اِنْ هٰذٰنِ کا۔ قَالُوْا فعل ماضی هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام فرعونی جادوگر۔ یَا حرفِ ندا مُوْسٰی منادیٰ۔ اِمَّا حرفِ عطف تردیدی برائے تاکید اَنْ حرفِ ناصبہ ہمیشہ مضارع پر ہی داخل ہو کر نصب دیتا ہے۔ تُلْقِیَ ۔ باب افعال کا فعل مضارع معروف واحد مذکر حاضر لَقْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈالنا پھینکنا اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ بمعنیٰ زمین پر ملانا۔ اسی سے ہے ملاقات یعنی گرم جوشی سے ملنا لقوہ بیماری بھی اسی معنیٰ میں ہے کہ بیماری اعضاء کو ان کی اصلی حالت سے دوسری حالت میں ڈال دیتی ہے یہ فعل چونکہ مشابہ اسم منقوص ہے اس لیے بحالتِ نصب لفظی فتحہ آیا۔ اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ سب جملہ فعلیہ سوالیہ عرضیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ زائدہ اِمَّا حرفِ عطف تردیدی اختیاری۔ اَنْ ناصبہ نَكُوْنَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع منصوب جمع متکلم ناقصہ نَحْنُ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم اَوَّلَ ۔ اسم تفضیل واحد

مذکر مضاف ہے مَنْ اَتْقٰی کا۔ اَتْقٰی۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق اِتْقَاءٌ سے بنا ہے تَقٰی مادّہ ہے آخری چوتھا حرف ی حرفِ اِمالہ میں سے ہے لہٰذا اُس کو الف سے بدل دیا گیا۔ دراصل تھا اَتْقَیَ هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوا الیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر مضاف الیہ مرکب اضافی خبر ہے تکونَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا اَنْ تُلْقِیَ کا دونوں عطف مل کر جواب ندا ہوا حرف ندا سب سے مل کر جملہ اسمیہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالُوْا کا وہ سب جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ماضی هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع موسیٰ فعل با فاعل جملہ فعلیہ قول ہوا۔ بَلْ حرفِ عطف زائدہ اضراب کے لیے ہے یعنی ماقبل سے اعراض و علیحدگی کے لیے کبھی یہ دو جملوں کے بعد آتا ہے اور اس کا اگلا جملہ ماقبل کے پہلے جملے کی تردید اور دوسرے جملے کی تائید کرتا ہے کبھی اس کا اُلٹ اور کبھی دونوں کا بطلان۔ اَلْقُوْا۔ بابِ افعال کا امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر۔ اصل میں اَلْقِیُوْا تھا ی ثقیل گر گئی۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا اور پھر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِیُّهُمْ یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰی وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ وَلَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ حَیْثُ اَتٰی۔ فَ حرفِ فجائیت بمعنیٰ اچانک یا ایک دم اِذَا۔ اسم ظرفِ زمانی مگر یہاں بمعنیٰ اچانک اور فوراً ہے۔ حِبَالٌ جمع مکسّر تغیر تکثیری ہے حَبْلٌ کی هُمْ ضمیر مضاف الیہ ہے مرجع ہے جادوگر لوگ ترجمہ ہے اُن کی بڑی بڑی رسیاں واؤ عاطفہ عِصِیٌّ جمع مکسّر ہے عَصَا کا دراصل عُصُوْوٌ تھا دونوں واؤ کو ی سے بدل دیا اور پھر ادغام کر دیا۔ ایک قول میں عَصَا کی جمع چار طرح آتی ہے ۱۔ اَعْصَاءٌ ۲۔ عُصُوْوٌ بروزنِ فُعُوْلٌ ۳۔ اَعْصٍ ۴۔ عِصِیٌّ۔ اس کی دو قرأتیں ہیں ۱۔ مشہور عِصِیٌّ ہے ۲۔ عُصِیٌّ ہے۔ هُمْ مضاف الیہ یہ دونوں مرکب اضافی حِبَالُهُمْ اور عِصِیُّهُمْ آپس میں معطوف علیہ معطوف ہو کر مبتدا ہوا۔ یُخَیَّلُ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع مجہول اس کا مصدر ہے تَخْیِیْلٌ ایک قول میں باب تَفَعُّلٌ سے ہے دراصل تَخَیَّلُ یا تُخَیَّلُ تھا مذکر یا مؤنث تاءِ تفعل کو ثقل کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ جیسا کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ میں ہوا مگر ہمارا قول درست ہے اور مشہور و جمہور ہے۔ اِلَیْهِ۔ جار مجرور متعلق اوّل ہے ہٖ ضمیر کا مرجع موسیٰ ہیں مِنْ جارہ سببیہ سِحْرٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ جادو هِمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے اَنَّ حرفِ مشبہ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب برائے جمع غیر ذوی العقول

مرجع ہے حِبَالُ وعِصِیُّ اسم ہے اَنَّهَا تَسْعٰی باب فَتَحَ کا مضارع معروف واحد مؤنث غائب برائے جمع غیر عقولی سَعْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے زور لگا کر کام کرنا خواہ جسم ظاہری سے یعنی بھاگنا دوڑنا اور بھاگ دوڑ کر کام کرنا خواہ قلبی زور لگانا یعنی سوچنا فکر کرنا کوشش کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ ہِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خیالیہ اِنشائیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل ہے یُخَیَّلُ مجہول کا فَ سببیہ یعنی وجہ سے۔ اَوْجَسَ باب افعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب وَجْسٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِیْجَاسٌ۔ یعنی محسوس کرنا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ نَفْسِ اسم مفرد جامد یعنی دل یا دماغ ذہن یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْجَسَ کا ہٖ ضمیر کا مرجع موسیٰ ہی خِیْفَةً۔ باب کَا دَ کا اسم مصدر حاصل مصدر جامد یعنی قلب کی گھبراہٹ اندیشہ، فکر مندی پریشانی خوف سے بنا ہے آخر میں ۃ تنکیری ہے جس کا معنیٰ ہے عام معمولی فکر و گھبراہٹ یہ مفعول ہے ہے موسیٰ فاعل ہے۔ اَوْجَسَ اپنے فاعل مفعول متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مسبّب ہوا۔ یُخَیَّلُ اپنے دونوں متعلق نائب فاعل اور مسبّب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قُلْنَا۔ فعل ماضی مطلق جمع متکلم فاعل رب تعالیٰ ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ قول ہوا لَا تَخَفْ باب فَتَحَ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر فاعل مخاطب موسیٰ ہیں۔ خَوْفٌ سے مشتق ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کَ ضمیر واحد مذکر منصوب متصل مرجع حضرت موسیٰ اسم اِنَّ اَنْتَ ضمیر مبتدا اَلْاَعْلٰی اسم تفضیل واحد مذکر معرف خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے لَا تَخَفْ اپنے فاعل اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اَلْقِ۔ باب افعال کا امر حاضر معروف مخاطب حضرت موسیٰ اِلْقَاءٌ مصدر ہے یعنی ڈالنا پھینکنا اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے مَا۔ اسم موصول واحد کے لیے ہوتا ہے فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے یَمِیْنِ داہنا ہاتھ مضاف ہے کَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے اَلْقِ کا تَلْقَفْ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب لَقْفٌ سے مشتق ہے یعنی نگلنا خیال رہے کہ لَقْفٌ اور بَلْعٌ دونوں کا معنیٰ ہے نگلنا مگر فرق یہ ہے کہ تیزی سے نگلنا لَقْفٌ ہے اور اٹک اٹک کر نگلنا بَلْعٌ ہے ہِیَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع کا نِی یَمِیْنِکَ ہے مَا اسم موصول صَنَعُوْا باب فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ہُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل مرجع ہے قَالُوْا یٰمُوْسٰی کی ضمیر یعنی جادوگر لوگ۔ صُنْعٌ سے مشتق ہے معنیٰ ہے اپنے علم اور فن سے کوئی چیز بنانا یہ فعل فاعل جملہ

فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے تَلْقَفْ کا تَلْقَفْ بحالتِ جزم ہے اَلْقِ امر کی وجہ سے ایک قرأت میں یہ بابِ تفعّل کا مضارع دراصل تھا تَتَلَقَّفُ۔ یہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ امر ہوا۔ یا ظرف یا مسبّب ہے اَلْقِ کا یہ سب ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا لَاتَخَفْ کے جملے کا دونوں عطف مل کر مقولۂ اوّل ہوا قُلْنَا کا۔ اِنَّمَا۔ اسم حصر یہ بمعنی فقط صرف۔ مرکّب ہے اِنَّ حرف مشبہ اور مَا کافہ سے صَنَعُوْا۔ بابِ فتح کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر اس کا فاعل یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مبتدا ہے کَیْدُ اسم مفردِ جامد حاصل مصدر یعنی مکاری دھوکہ بازی نظر بندی مضاف ہے سٰحِرٍ اس لفظ کی دو قرأتیں ہیں ۱۔ سَاحِرٍ یہی مشہور ہے ۲۔ سِحْرٍ اسم جامد حاصل مصدر یعنی جادو اس قول میں ذِیْ مضاف کو پوشیدہ ماننا پڑتا ہے یعنی ذِیْ سِحْرٍ اس لفظ مرکب اضافی خبر مبتدا۔ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر ذوالحال ہوا۔ واؤ حالیہ لَا یُفْلِحُ بابِ افعال کا مضارع معروف منفی بلا واحد مذکر غائب السَّاحِرُ اسم فاعل مذکر یعنی جادوگر یہ فاعل ہے حَیْثُ اسم ظرفِ مکانی مبہم مبنی بر ضمہ یہ ظرفِ مقدّم بھی ہوتا ہے اَتٰی بابِ ضرب ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ اَتٰی فعل اپنے فاعل اور ظرفِ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا۔ ذوالحال و حال مل کر مقولۂ دوم ہوا قُلْنَا کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا ۚ وَقَدْ اَفْلَحَ الْيَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰى قَالُوْا يٰمُوْسٰۤى اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِيَ وَاِمَّاۤ اَنْ نَّكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰى قَالَ بَلْ اَلْقُوْا

لہٰذا اے میرے جادوگرو آپس کا تنازع چھوڑ دو اور جس کام کے لیے تم کو اتنے عرصہ سے تیار کیا گیا بلایا سمجھایا گیا ہے۔ اُس پر سب متفق اور جمع ہو جاؤ اور اپنے اُن جادو کے تمام شعبدوں مکروں کو ایک دم چلا دو اور دلیری پکڑ و ایک دم مضبوط صف باندھ کر آگے بڑھو تاکہ تمہاری بہادری صف بندی اور کارکردگی کی دھاک بیٹھ جائے۔ یہ میرا وعدہ ہے کہ آج یقیناً وہی میرے انعام اکرام مرتبے مقام اور قربِ منزلت کے حصول و مقصد میں کامیاب ہو گا جو تم میں سے غالب آئے گا اور خوب کان کھول کر سن لو کہ ہماری عزت حکومت سلطنت کا فیصلہ بھی تمہارے ہی جیتنے پر ہے۔ تمہاری جیت ہماری جیت ہماری عزت ہے تمہاری شکست ہماری ذلت و شکست لہٰذا یہ وقت بد دلی دکھانے کا نہیں اگر تم نے آپس میں تنازع اختلاف شروع کر دیا تو پھر عوام کیا کہیں گے۔ فرعون کی یہ تقریر اور آہستہ گفتگو سن کر تمام جادوگر انعام و اجرت کی لالچ میں تیار ہو گئے اور ایک صف باندھ کر ایک دم آگے بڑھ کر مقابلے کی جگہ میں

آ گئے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں بھی لائے کچھ خود اٹھائی ہوئی تھیں اور کچھ نوکروں شاگردوں نے صحیح یہی ہے کہ بہتّر جادوگر تھے اور ہر ایک کے پاس بہتّر بہتّر ڈنڈے اور رسیاں تھیں۔ اگرچہ جادوگروں کی تعداد میں مفسرین کا اختلاف ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا روح المعانی نے فرمایا کہ نو ہزار جادوگر تھے تین ہزار فارس کے تین ہزار روم کے تین ہزار اسکندریہ سے وغیرہ وغیرہ اور ان کی بہتّر صفیں بنی تھیں۔ مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ آیت میں صفًا واحد ہے اگر زیادہ بنانی پڑتیں تو آیت میں ثُمَّ ائْتُوا صُفُوْفًا ہوتا جمع ہے۔ جب سب جادوگر میدان میں آ گئے تو قَالُوْا سب کی نمائندگی کرتے ہوئے ایک بولا یا سب ایک دم بولے یا ان میں سے فقط ایک بڑا استاد ہی بولا مگر ہاں میں ہاں سب نے ملائی اس لیے قَالُوْا جمع ارشاد ہوا۔ یا ادب کی وجہ سے یا رعب کی وجہ سے عرض کیا کہ اے موسیٰ چونکہ اب مقابلہ تیار ہے اور ہم میدان میں آ گئے اس لیے مقابلے کی ابتدا یا تو تمہاری طرف سے پہل ہو اور تم اپنی لاٹھی پھینکو یہ لاٹھی پھینکنا اگرچہ جادوگروں نے پہلے نہیں دیکھا تھا مگر اس قول سے ثابت ہوتا ہے کہ فرعون نے جادوگروں کو بتا دیا تھا کہ موسیٰ اپنا کرتب کس طرح دکھاتے ہیں۔ اس لیے کہا کہ یا تم پہلے پھینکو یا کہ ہم پہلے اپنی لاٹھیاں وغیرہ پھینکیں۔ اِلْقَاءٌ کا معنٰی ہے زمین پر ایک دم ڈالنا۔ یہ سن کر حضرت موسیٰ نے فرمایا نہیں تم ہی پہلے پھینکو ایک قول ہے کہ جادوگروں کی بہتّر صفیں بنی تھیں ہر صف میں ایک ہزار جادوگر تھے یہ قول ان کا ہے جنہوں نے کہا کہ جادوگروں کی تعداد بہتّر ہزار تھی مگر یہ درست نہیں جیسا کہ اشارۃُ النص سے ایک صف ثابت ہے۔ صف بنانے کا حکم اس لیے دیا کہ لوگوں میں ہیبت زیادہ ہو۔ یہ فَاَجْمِعُوْا سے مَنِ اسْتَعْلٰی تک قول فرعون کے درباری لوگوں کا ہے یا جادوگروں کا اور کامیابی سے مراد فرعون کے وعدے کے مطابق وہی انعام اکرام اور کرسی تقرب یا وزارت۔ مشاورت کا حصول ہے جو جادوگروں نے یہ کہہ کر مانگا تھا۔ قَالُوْٓا اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا اِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغٰلِبِيْنَ اور جوابًا فرعون نے کہا تھا۔ نَعَمْ وَاِنَّكُمْ لَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ۔ صحیح یہ ہے کہ فَاَجْمِعُوْا کی ساری عبارت فرعونی مبلغوں مقرروں نے کہی تھی۔ جو فرعون کی ترجمانی کر رہے تھے تو گویا یہ فرعون ہی کہہ رہا تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ قَدْ اَفْلَحَ ہر ایک کے لیے کہا کہ اے ہمارے جادوگرو کوشش و ہمت کرو اس لیے کہ آج ہی بس آخری مہلت و وقت ہے اگر تم لوگ جیت گئے تو تم کامیاب اور ہمیشہ کے لیے موسیٰ ناکام اور اگر موسیٰ و ہارون جیت گئے تو وہ کامیاب اور ہم ہمیشہ کے لیے ناکام و شرمندہ

لفظِ استعلےٰ عام ہے اس بات کو کہ دنیوی برتری ہو یا دینی ہو بری ہو اچھی ہو بہر حال یہ قول تحریض اور آمادہ کرنے کے لیے ہے۔ اَجۡمِعُوۡا کا معنی عزم اور پختہ ارادہ فرعون نے جادو کو کید کم تین وجہ سے کہا ۱ یہ جادو ہے اور جادو مکر و فریب کے لیے ہی کیا جاتا ہے ۲ جادو صرف تخیل اور شعبدے تماشے کا نام ہے حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا ۳ اور جس کی حقیقت کچھ نہ ہو وہ کید ہی ہے اَجۡمِعُوۡا کا حکم اس لیے ہے کہ تم جادوگر ایک جیسا جادو کرو کیونکہ یہ میدان تماشہ گاہ نہیں کہ یہاں جادو کی مختلف پھلجھڑیاں چھوڑی جائیں یہ مقابلہ گاہ ہے اور بتانا ثابت کرنا ہے کہ موسیٰ بھی جادوگر ہیں اس جیسا جادو کا کھیل دیگر جادوگر بھی کر سکتے ہیں یہی بات عوام کو سمجھانی ہے تاکہ موسیٰ اپنے منصوبے میں ناکام ہو جائیں اور ہماری بات لوگوں کے ذہن میں پختی ہو جائے کہ اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ۔ اس ساری محنت کا جو ہمارا مقصد ہے وہ پورا ہو جائے گا بس سمجھ لو کہ یہ مقابلہ ہمارے لیے بہت اہم ہے اس کو جیتنے کے لیے تم جادوگر سب مل کر جتنا بھی زور لگا سکتے ہو آج لگا ڈالو اور ایک سحر عظیم دکھاؤ۔ فرعونیوں کی یہ تقریریں سن کر۔ قَالُوۡا ایک زبان ہو کے یا سب کی طرف سے ایک بڑا نمائندہ بولا اور اجازت مانگی کہ اے موسیٰ تم اپنا کرتب پہلے ڈالو۔ دکھاؤ گے یا ہم کو اجازت ہے کہ ہم پہلے ڈالنے دکھانے والے ہو جائیں۔ جادوگروں کے اس قول کی تین وجہ پہلی یہ کہ جادوگروں نے اپنی علمی معلومات کی بنا پر اندازہ لگا لیا تھا کہ موسیٰ و ہارون کے چہروں کی نورانی وجاہت بتاتی ہے کہ یہ ضرور نبی ہیں۔ اس لیے احترامًا یہ اجازت طلب کی دوم یہ کہ یہ ادب موسیٰ علیہ السلام کے قدرتی اور خداداد رعب کا اثر تھا اور بلند و بارعب خطاب مقدس کی ہیبت تھی جو ابھی کچھ دیر پہلے۔ وَیۡلَکُمۡ لَا تَفۡتَرُوۡا سے کلام فرمایا۔ سوم یہ کہ دیکھنا چاہتے تھے کہ موسیٰ ہمارے مقابلے میں کس حد تک تیار ہیں اور تن تنہا یہ دونوں حضرات ہم سب اتنے بہت سوں کی یکبارگی صف بندی کے ساتھ آمد سے گھبرائے ہوئے ہیں یا مطمئن اور پُر سکون ہیں ابھی تک جادوگروں نے صرف سنا ہی ہوا تھا۔ فرعون و فرعونیوں کی زبانی کہ حضرت موسیٰ لاٹھی پھینکتے ہیں تو وہ سانپ بن جاتا ہے۔ دیکھا نہیں تھا بہر کیف ادب کا پہلو غالب تھا کیونکہ اپنے اسرائیلی شاگردوں جادوگروں سے سن چکے تھے کہ جب موسیٰ سوتے ہیں تو ان کا وہ عصا ان کی حفاظت کرتا ہے۔ اس خبر سے بڑے جادوگروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ یہ جادوگر نہیں ہوتے ہیں تو جادوگر کا جادو ختم ہو جاتا ہے اس بنا پر بھی یہ ادب کیا یہ اسی ادب نبوت کا صدقہ تھا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے ان سب جادوگروں

کو عرفان ایمان اور نورِ قلبی کی نعمت عطا ہو گئی جو بعد میں چل کر عشق و محبت صبر شکر ایمان صحابیت صداقت وشہادت کے زیوروں سے مزین کر دی گئی اس باادب واحترام گفتگو کو سن کر یا جادوگروں کے منشاءِ قلبی کو سمجھ کر قَالَ۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا۔ بَلْ اَلْقُوْا۔ بلکہ تم ہی اپنے کرتب پہلے ڈالو اور اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۔ جو کچھ ڈالنا چاہتے ہو وہ پھینکڈالو کہ پھر رہ نجائے دل کی حسرت باقی نہ رہے اِلْقَا کا معنی ہے زمین پر کسی چیز کا زور سے ڈالنا اسی کو اردو لغت میں پھینکنا کہتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سات وجہ سے جادوگروں کو پہلے پھینکنے کی اجازت فرمائی ۱۔ چونکہ جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام کا ادب کیا تھا اس لیے جواباً موسیٰ علیہ السلام نے بھی باَخلاقِ حسنہ اور دلجوئی سے ان کے ساتھ کلام فرمایا۔ یہی اخلاقِ نبوت ہے ۲۔ نبی کی نگاہ بڑی فہم وفراست والی دوررس ہوتی ہے۔ آپ نے بدیہی فوراً یہ جواب عطا فرمایا تاکہ سب لوگ دیکھ لیں کہ جادو کا پورا زور جو لگنا تھا لگ گیا حضرت موسیٰ کو تو لاٹھیاں رسیاں دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ جادوگر آج کیا کریں گے ۳۔ پہلے ڈالنا فقط تماشہ ونظارہ ہی ہوتا لیکن آپ کا بعد میں عصا ڈالنے کا مقصد یہ تھا کہ آپ کا یہ عمل شریف جادو توڑنے اور جادوگروں کافروں کو رسوا ذلیل کرنے کا ذریعہ بن جائے اس طرح یہ کام عبادت ریاضت تبلیغ رسالت دیدارِ معجزہ کفر توڑ۔ ایمان کے زور والا کام ہو جائے ۴۔ بَلْ اَلْقُوْا کے جواب سے جادوگروں کو پتہ لگ گیا کہ حضرت موسیٰ ہمارے کسی عمل دخل طور طریقے سے خوف زدہ نہیں۔ اُلٹا ان جادوگروں پر اس رویہ سے مزید رعب پڑ گیا ۵۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس لیے بعد میں ڈالنے کا ارادہ فرمایا تاکہ معجزہ کی قوت وشان ظاہر ہو صرف ایک نظارہ ہی نہ ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے پہلے ڈالنے سے یہ فوائد حاصل نہ ہوتے یہی وجہ ہے کہ جادوگروں کے اپنا کرتب پہلے ڈالنے سے تمام لوگوں کے سامنے جادوگروں کی پوری قوت طاقت زور جادوگری ظاہر ہو گئی اور سب کو علم ہو گیا کہ جادوگر بس یہی کچھ کر سکتے تھے جو کر دکھایا۔ یہی ان سب کی نظر میں ان کا اپنا سحرِ عظیم تھا ۶۔ اگر موسیٰ علیہ السلام پہلے اپنا عصا ڈال دیتے تو اس ہیبت ناک اژدہا سانپ کو دیکھ کر لوگ بھاگ جاتے اور جادوگروں کا کرتب دیکھنے کا موقعہ ملتا اور جادوگر اور فرعون کو بچنے کا بہانہ مل جاتا کہ ہم نے آج بہت کچھ دکھانا تھا کسی نے دیکھا ہی نہیں ۷۔ نیز عصا کی پوری اور اصلی معجزانہ عملی قوت بھی ظاہر نہ ہوتی کیونکہ اُس نے تو جادوگروں کے تمام جادو اور جادوگروں کے سب سامان کو ختم کر کے سب کو حیرت زدہ کرتا تھا۔ فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى۔ جب حضرت موسیٰ نے ان کو ڈالنے پھینکنے کی اجازت

دے دی تو فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ (شعراء آیت ۴۴) انہوں نے اپنے نوکروں مزدوروں شاگردوں کے ہاتھوں کندھوں سے ڈنڈے رسیاں زمین پر پھینک دیں۔ فَلَمَّا اَلْقَوْا سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوْهُمْ وَجَآءُوْ بِسِحْرٍ عَظِيْمٍ۔ (اعراف آیت ۱۱۶) پھر جب زمین پر پھینک دیں تب کچھ جنتر منتر پڑھ کر پھونک ماری جس سے عام لوگوں کی آنکھوں پر انہوں نے جادو کر دیا لوگ دہشت زدہ ہو گئے اور یہ کرتب وہ اپنے خیال میں بہت بڑا جادو لائے تھے اور اچانک ایک دم وہ سب ان کی لاٹھیاں ڈنڈے جادو کے زیر اثر آ گئیں موسیٰ علیہ السلام کو بھی یہ خیال لگنے لگا کہ وہ سب ڈنڈے رسیاں ادھر ادھر دوڑتی پھر رہی ہیں اس کرتب کو سب نے ہی دیکھا عام لوگوں کی نظر میں وہ چلتے پھرتے شکل صورت ناک نقشے میں جیسا ہر طرح سانپ لگتے تھے مگر موسیٰ و ہارون علیہما السلام کو وہ لاٹھیاں رسیاں ہی چلتی اور رینگتی نظر آئیں۔ اسی فرق کو ثابت و واضح کرنے کے لیے ہی فرمایا کہ لوگوں کے لیے ان کا جنتر سَحَرُوْا اَعْيُنَ النَّاسِ۔ تھا یعنی عوام کی نگاہوں پر پورا جادو ہو گیا لیکن موسیٰ علیہما السلام پر فقط يُخَيَّلُ اِلَيْهِ کا مظاہرہ ہوا۔ عوام پر ہیبت طاری ہو گئی کہ اتنے سانپ یہ تو ایک دم قابو بھی نہیں آ سکتے کہیں ہم کو کاٹ نہ لیں۔ مگر موسیٰ و ہارون کو فقط حیرت کہ یہ ڈنڈے رسیاں کیوں دوڑتی پھر رہی ہیں۔ اور حقیقتاً وہ رسیاں اور لاٹھیاں ہی تھیں نہ شکل و صورت بدلی نہ رنگ ڈھنگ نہ جسم موٹا چھوٹا یا دراز ہوا۔ عوام کو اگرچہ وہ سانپ نظر آتے تھے مگر اسی قد کاٹھ لمبائی موٹائی میں جتنی لمبی لاٹھیاں رسیاں تھیں چونکہ یہ سب کچھ جادو کا کھیل ہی تھا اس لیے نہ کسی کو کاٹ سکتی تھیں نہ کسی کا نقصان کر سکتی تھیں نہ کچھ کھا سکتی تھیں نہ نگل سکتی تھیں خیال رہے کہ جادو سے کسی کی حقیقت نہیں بدلتی صرف نظر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اسی لیے حقیقت والے کام نہیں کر سکتے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ يُخَيَّلُ بھی صرف موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوا کیونکہ اصل مقابلہ انہی سے تھا ہارون علیہ السلام پر یہ تصور و تخیل بھی طاری نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے کھڑے رہے۔ اسی لیے يُخَيَّلُ اِلَيْهِ فرمایا گیا نہ کہ اِلَيْهِمَا۔ عوام کا اثر تو ان کی ظاہری پریشانی دہشت زدگی سے ظاہر تھا مگر موسیٰ کا یہ تخیل بھی کسی پر ظاہر نہ ہوا۔ وہ اَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِيْفَةً ہی رہا اور یہ تخیل بھی صرف اس حیرانی تک تھا کہ یہ لاٹھیاں رسیاں کس طرح دوڑتی پھر رہی ہیں نہ ان میں روح نہ شکل نہ آنکھ ناک کان بعض کا قول ہے کہ جادوگروں نے اپنی لاٹھیوں رسیوں پر زیبق کی گوند لگائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے جب ان کو دھوپ لگی اور ہوا بھری تو وہ

سرکنے اور حرکت کرنے لگیں۔ مگر یہ قول درست نہیں چار وجہ سے ایک یہ کہ گوند کا اثر رسی پر تو ہو سکتا ہے لکڑی پر نہیں ہو سکتا دوم یہ کہ گوند سے اُلٹی سیدھی لوٹ پوٹ حرکت تو ہو سکتی ہے مگر دوڑ پیدا نہیں ہو سکتی جس کو قرآن مجید میں تسعیٰ فرمایا گیا۔ سوم یہ کہ پھر یہ کام تو ہر شخص کر سکتا ہے۔ اتنے بڑے بڑے جادوگروں کو بلانے کی کیا ضرورت تھی چہارم یہ کہ گوند لگی ہو تو اس کا رنگ اُس کی چمک دور سے ہر شخص کو نظر آ جاتی ہے کہ یہ کچھ لگا ہوا ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جادوگروں نے اپنا جادو مکمل کیا تھا اسی لیے اُس کو سحرِ عظیم کہا گیا اور اس کا اثر تمام عوام کے دل دماغ آنکھوں پر ہوا جس کی وجہ سے ان کو مکمل شکلاً عقلاً احساساً ہر طرح وہ سانپ دکھائی دیئے موسیٰ علیہ السلام کو مثلِ خواب وہ دوڑتی ہوئی خیال دیں یہ نظارہ تخیل بھی جادو ہی کا ہلکا سا اثر تھا لیکن جب موسیٰ علیہ السلام نے تمام لوگوں اور خود فرعون کو گھبراتے پریشان ہوتے سنتے بچتے سانپ سانپ کہتے سنا اور دیکھا تب فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی۔ یہ حالات دیکھ کر آپ کے دل میں اندیشہ گزرا ہلکے خوف و پریشانی کا خِیْفَةً کی تنوین (دو زبر) تقلیل ہے یعنی تھوڑا سا خوف۔ ایک قول میں یہ تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑی فکر ہوئی یا اس لیے کہ مجھے وحی کا انتظار ہے اگر وحی میں دیر لگی اور لوگ اسی تخیلاتی بے حقیقت سانپوں کے ڈر سے بھاگ گئے تو مقصدِ تبلیغ فوت ہو جائے گا لوگ معجزہ نہ دیکھ سکیں گے اور اس تماشا بلکہ کو محض کھیل تماشہ سمجھ کر بے دین ہی رہیں گے یا اس لیے کہ اگر میں نے عصا ڈالا تو وہ بھی ایک سانپ ہی بن کر ان میں دوڑتا پھرے گا ایک سانپ کا ہی اضافہ ہو گا ہار جیت کسی کی نہ ہو گی کوئی فیصلہ نہ ہو سکے گا لوگ مزید اُلجھن اور فتنے میں پڑ جائیں گے۔ عوام کی نظر میں ہم سب برابر ٹھہریں گے حق و باطل کا فرق عوام کو کیسے معلوم ہو گا۔ یا اس لیے کہ یہ چونکہ سب کرتب ایک ہی ہو گا اگر میرے عصا نے ان کا جادو ختم بھی کر دیا اور ان کی لاٹھیاں رسیاں اسی طرح پڑی رہیں اور جادوگر بے کر چلے گئے تو لوگ سمجھ لیں گے جادوگروں نے خود یہ کھیل ختم کیا ہے اور فرعون کسی طرح پھر مقابلہ کرائے گا یا انکار کا بہانہ ڈھونڈے گا اور دوسرا مجمع لگائے گا بعض حمقا نے کہا کہ موسیٰ اپنی شکست کے خوف اور سانپوں سے ڈر گئے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ شاید یہ سب سانپ ان کی طرف بڑھتے آ رہے ہیں مگر یہ سب خبیثانہ جاہلانہ گستاخی ہے ایسے لوگوں کو معلوم ہی نہیں کہ نبی کی شان و قوت کیا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی قوت کا تو یہ عالم ہے کہ عزرائیل علیہ السلام کو تھپڑ مار دیں تو اُن کی آنکھ نکل جائے۔ نبی کی تو انسانیت و آدمیت

بھاہے شکل ہے انبیاء کو عام انسانوں کی شکل سمجھنا ہی ابلیسیت ہے۔ صحیح ایمانی قول یہی ہے کہ یہ خوف یا استحاب نہیں تھا بلکہ ایک اندیشے کی پریشانی تھی اور اس پریشانی کا فائدہ یہ ہوا کہ توجہ الی اللہ ہوئی اور فوراً وحی آگئی عرش کی مولیٰ تعالیٰ اس پریشانی کا حل کیا ہے۔ وحی آئی۔ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى وَ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا اِنَّمَا صَنَعُوْا كَیْدُ سٰحِرٍ وَ لَا یُفْلِحُ السّٰحِرُ حَیْثُ اَتٰى ۔ ہم نے فرمایا اپنے کلیم سے بغیر واسطہ وحی کلامی کے ذریعہ کہ پریشان مت ہو ان کی تعداد اور لاتعداد رسیوں لاٹھیوں کے اس طرح جادوئی اثر میں آنے سے بیشک آج تم ہی ان تمام میں سربلند اور غالب و کامیاب سرخرو عزت و شان و قوت والے ہو گے۔ اور اب مزید انتظار نہ کرو بلکہ اپنے مبارک داھنیں ہاتھ میں جو ہے وہ زمین پر ڈال دو جس کو یہ کفار اور جادوگر لوگ ایک معمولی لکڑی اور واحد چیز سمجھ رہے ہیں آج سب کو معلوم ہوگا کہ یہ کتنی عظیم چیز ہے یہ اکیلی ہی سب کو ہضم کر دے گی سب دیکھیں گے کہ یہ اکیلی لکڑی میدان میں ہر اس چیز کو کھا نگل جائے گی جو جادوگروں نے سحر عظیم کر کے پھینکی ہوئی ہیں اور جس سے عوام و خواص حیرت اور دہشت میں ہیں۔ اے موسیٰ علیہ السلام تم تو جانتے ہی ہو کہ جادوگروں کا تمام کام کچھ بھی ہو کہیں بھی ہو صرف دھوکہ فریب اور مکر نا تمام ہی ہوتا ہے لہٰذا کوئی جادوگر کسی قسم کا جادو کرتا ہوا کہیں سے بڑھ چڑھ کر آجائے کتنی وحشت و دہشت پھیلائے کیا کچھ مکر و فسوں کرے بیماری لگائے جدائیاں ڈلوائے لڑائیاں کروائے اللہ والوں روحانی علم والوں کے مقابل کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آخرت کی تو بربادی تباہی کر ہی بیٹھا ہے دنیا میں بھی ذلیل و خوار غریب و فقیر اور بھکاری ہی رہتا ہے نہ کسی اللہ والے پر غلبہ پا سکے نہ دھوکہ دے سکے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو دو طرح تسلی عطا فرمائی پہلے اجمالاً کہ فرمایا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ اس میں چار طرح تسلی اور مبالغہ ہے اِنَّ سے ۲ ضمیر کی اَنْتَ سے تاکید کر کے ۳ اَلْاَعْلٰى میں معرفہ کا الف لام لگا کر ۴ اور لفظ اَعْلٰى۔ سے خیال رہے کہ کامیابی کی دو قسمیں ہیں اور چار نوعیتیں ہیں پہلی کامیابی دینی کہ بقا ہو فنا کے بغیر ۲ غنی ہو فقیری غریبی کے بغیر ۳ عزت ہو ذلت کے بغیر ۴ علم ہو بغیر جہالت دوسری قسم کی کامیابی دنیوی اس کی بھی چار

زحمتیں ہیں بقا مَعَ الْفَنَاء ۲ غنی مَعَ الْفَقِیْرِیْ ۳ عزت مَعَ الذِّلت ۴ علم مَعَ الجہل۔ دنیوی نعمتوں کے ساتھ اس کا عکس بھی ملتا ہے کہ آج باقی کل فانی (زندہ پھر مردہ) آج غنی دولت مند کل غریب فقیر آج عزت والا کل ذلیل آج علم والا کل جاہل مگر اُخروی دینی نعمتوں میں یہ نہیں ہوتا پس دنیا والوں کی فلاح مثلِ لا فلاح ہے سحر کا لغوی معنیٰ ہے ہر لطیف رفیق و پتلی شے اسی معنیٰ میں عَلَی الصَّبِیْح کو سحر کہتے ہیں اصطلاحًا ظاہرہ چیز جو دل دماغ صحت پر قبضہ کر لے اسی لیے حدیث پاک میں حسنِ تقریر کو سحر فرمایا گیا ہے جادوگروں کے اس کرتب کو سحر کہا گیا ہے کہ اس نے بھی چند منٹ کے لیے لوگوں کے دل دماغ اور نظر پر قبضہ کر لیا اس لیے جب موسیٰ علیہ السّلام کو لاٹھی ڈالنے کا حکم ہوا تو آپ نے اپنا عصا پھینک دیا۔ بس پھر کیا تھا وہ اتنا بڑا پہاڑ برابر اژدھا سانپ بنا کہ اس سے پہلے نہ بنا تھا جب منہ کھولتا تھا تو دونوں جبڑوں کا فاصلہ اسّی گز ہوتا تھا۔ اِس سانپ نے جادوگروں کی ہر چیز کو کھانا شروع کر دیا اور تمام ڈنڈے رسے نگل گیا پھر لوگوں کی طرف ان کو کھانے کے لیے بڑھا لوگ ڈر کر بھاگے اِس بھگدڑ میں تقریبًا پچیس ہزار کافر مارے گئے پھر وہ اژدہا سانپ فرعون کے خیمے کی طرف بڑھا تاکہ مع خیمہ فرعون کو کھا جائے فرعون ڈر کر چیخا اور پکارتا ہوا خیمہ سے نکل کر بھاگا کہ اے موسیٰ اپنے سانپ کو اللہ واسطے روک لے تب موسیٰ علیہ السّلام نے اَعصا کو پکڑ لیا وہ بالکل ویسی ہی لاٹھی تھی اس عصا کے سانپ نے کسی انسان کو نہیں کھایا۔ اس لیے کہ صرف ڈرانا مقصود تھا اور ڈرا کر فرعونی ربوبیت و اِلٰہیت کے دعوے کا غرور توڑنا تھا۔ لوگ تو چیخ پکار اور بدحواس ہو کر بھگدڑ میں مصروف مگر جادوگر یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہے تھے کہ ہماری لاٹھیاں رسیاں کہاں گئیں۔ عصا تو پھر ویسی پتلی سی لکڑی کا ہے نہ بڑھی نہ موٹی ہوئی نہ لمبی (از روح البیان روح المعانی تفسیر کبیر امام رازی صاوی مظہری وغیرہ)۔ یہاں ایک اُردو مفسر لکھتے ہیں کہ اعصا نے کھایا کچھ نہیں تھا بلکہ جس لکڑی کے ساتھ لگتا تھا وہ لکڑی جادو کے اثر سے نکل جاتی تھی اور پڑی رہ جاتی تھی اور وہ لوگوں کو اسی طرح لکڑی ہی پڑی نظر آتی تھی مگر یہ جاہلانہ بات ہے اگر یہ بات ہوتی تو جادوگر بھی اور فرعون بھی کہہ سکتے تھے کہ ہم نے خود ہی جادو ختم کیا ہے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ جادو کا علم ایک تسلیم و مشاہدہ کی حقیقت ہے جادو کے اثرات واقعی ہیں احادیث میں بھی اس کا تذکرہ آیا ہے چنانچہ ارشادِ نبوی ہے اَلسِّحْرُ حَقٌّ وَالْعَیْنُ حَقٌّ جادو چھ قسم

کے دنیا میں مشہور ہیں (۱) طلسم اس میں اشیاء کو متغیر کیا جاتا ہے فرعونی جادوگروں نے اسی قسم کا جادو دکھایا تھا (۲) نیرنگ۔ تخیل پر اثر ڈالنا (۳) رقیہ۔ جنتر منتر کفریہ شرکیہ جناتی خبیثہ الفاظ پڑھ کر عجیب وغریب کام کرتے سفلی عمل وتعویذ بنانے (۴) افسون پانی پر عمل کرنا پانی کو خون کا رنگ بنا کر گھروں میں غیبی چھینٹے مارنے یہ لفظ آب سون سے مبدل ہے (۵) خلقطیرات، الکیز بس لکھ کر جادو کرنا کا غذ یا جانور کی ھڈی یا مردے کی کھال پہ لکھے پر (۶) شعبدہ بازی مداری سے تماشے دکھانے جادو کے نقصانات واثرات (۱) دھوکہ دینا (۲) بیماری ڈالنا (۳) دشمنی وجدائی ڈالنا (۴) بیہوش کرنا (۵) حیران کرنا۔ جو کام جادوگر کر سکتا ہے وہ کام کوئی عام آدمی جادو سے ناواقف نہیں کر سکتا جادو کرنے کے لیے پانچ طریقے ہیں (۱) منتر پڑھ کر (۲) لکھ کر (۳) گانٹھیں مار کر (۴) کیلیں ٹھونک کر (۵) خون یا پانی کی چھینٹیں مار کر۔ جادو کا شرعی حکم یہ کہ ہر قسم کا جادو کفر ہے کرنے والے سیکھنے سکھانے والا کافر ہے۔ جادو سیکھنا عمر برباد کرنا ہے۔ جادو سے کسی کا بھلا نہیں کیا جا سکتا یہ فائدہ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ اور لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ۔ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ خوش بخت وہ انسان ہے جس کو رب تعالیٰ نورِ قلبی عطا فرمائے جس کو یہ روشنی ملتی ہے وہ ہر چیز کو نورِ ایمانی سے دیکھتا ہے اور حقیقت پہچان لیتا ہے ہدایت پا لیتا ہے اگر یہ نور نہ ملے تو کچھ بھی کوئی دیکھے ہدایت نہیں ملتی یہ فائدہ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا سے حاصل ہوا کہ جب جادوگروں نے عصاءِ موسیٰ کو سانپ بن کر نگلتے ہوئے نورِ قلبی سے دیکھا تو حقیقت سمجھ لی یہی کچھ فرعون وغیرہ نے دیکھا مگر نورِ معرفت سے نہیں اس لیے ہدایت نہ ملی چار وجہ سے جادوگروں نے عصا کو یقین سے معجزہ مانا۔ ایک یہ کہ جادو محض حیلہ دھوکہ ہوتا ہے۔ عصاءِ موسیٰ کا اتنی تیزی سے چلنا بھاگنا چلنے سے نہیں ہو سکتا۔ جادو کا سانپ اپنے اصلی جسم سے زیادہ لمبا موٹا نہیں ہو سکتا دوم یہ کہ عصاءِ موسیٰ ایک پتلی لمبی لکڑی ایک دم پہاڑ جیسا اژدھا بن گیا یہ جادو نہیں بنا سکتا سوم یہ کہ اس عصا میں پیٹ منہ ناک کان، آنکھیں جبڑے منہ دانت کھانے نگلنے کی طاقت جادو سے نہیں آ سکتی ہمارے سانپ تو پھنکار بھی نہیں سکتے تھے نہ کسی کو ڈنگ مار سکتے تھے چہارم یہ کہ عصاءِ موسیٰ کا سانپ ہزار من کی چیزیں کھا گیا پنجم یہ کہ پکڑنے پر وہ پھر اُسی سائز کی لاٹھی اِن وجوہ سے جان لیا کہ نبوت کا معجزہ اور قدرت کا شاہکار ہے۔ تیسرا فائدہ اللہ کے مقبول بندوں کا ادب کرنا بہت بڑی فائدہ مند عادت ہے اس کے ہمیشہ فائدے ہی ہوتے ہیں نقصان کبھی نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ بندے کا بڑے سے بڑا گناہ بلکہ کفر شرک بھی ادب کے صدقے میں ختم فرما دیتا ہے اور توبہ وایمان کی توفیق وہدایت مل جاتی ہے

یہ فائدہ۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰۤی اِمَّاۤ اَنْ تُلْقِیَ (الخ) کے باادب جملے سے حاصل ہوا کہ جادوگروں نے ذرا سا ادب کیا تو آگے چل کر ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمتیں برکتیں ہدایت ایمان صحابیت صبر شکر شہادت کی دولتیں مل گئیں یہ نعمتیں بے ادب کو نہیں مل سکتیں بلکہ گستاخ بے باک بے ادب کے موجودہ ایمان کا بھی خطرہ ہے۔

احکامُ القرآن ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ جب کوئی کافر کسی مسلمان سے ادب سے پیش آئے تو اخلاقِ اسلامی ظاہر کرنے کے لیے مسلمان کو بھی چاہیے کہ جواباً اس وقت اس کافر کی دل جوئی کرتے ہوئے ادب و لحاظ کا مظاہرہ کرے یہ شرعاً جائز ہے۔ لیکن اس کے علاوہ کافر تو درکنار فاسق معلن کا بھی ادب احترام جائز نہیں بلکہ اُس کی اہانت واجب ہے۔ یہ مسئلہ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا دوسرا مسئلہ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر اچھا کام ہمیشہ سیدھے داہنے ہاتھ سے کیا کریں کہ یہی اللہ تعالیٰ کو پسندیدہ اور انبیا کی سنت اور پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم استحبابی و عملِ مؤکدہ ہے یہ مسئلہ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ فرمانے سے یمین بائیں ظاہر ہوئیں کہ حضرتِ موسیٰ عصا کو ہمیشہ اپنے دستِ یمین میں رکھتے تھے۔ اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ سے مراد آپ کا عصا شریف ہے چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۱۱۷ میں اس کی وضاحت بھی فرما دی کہ۔ اَلْقِ عَصَاكَ اس سے پہلے مَا تِلْكَ بِیَمِیْنِكَ یٰمُوْسٰی فرمانے سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے کہ داہنا ہاتھ برکت والا ہوتا ہے اس ہاتھ میں برکت و عظمت ہوتی ہے اسی لیے اس کو یمین کہتے ہیں کہ یہ عصا مقدس خود بھی برکتوں عظمتوں والا کہ ایک چھوٹی سی چیز مگر اس میں ہزاروں قدرتیں طاقتیں عظمتیں ہیں۔ تیسرا مسئلہ شروع سے ہر شریعت میں جادوگری کفر اور جادوگر کافر ہے اگر مسلمان حکومت کے گرفتار کرنے سے پہلے خود ہی سچی اصلاحی توبہ کرے تو عدالتِ اسلامی میں قبول ہے اگر گرفتاری کے بعد توبہ کرتا ہے تو قبول نہیں کہ یہ اُس کا ایک مکر فریب ہے فسادی اور مہلک جادوگر کو عدالتِ اسلامیہ قتل کرے گی جادوگر مرد ہو یا عورت لیکن صرف کفر پھیلانے والے مرد جادوگر کو قتل کیا جائے گا یعنی بذریعہ جادو کے متاثر کر کے کافر بنانے والے کو قتل کیا جائے جادوگرنی عورت کو قتل نہ کیا جائے گا جیسا کہ ترمذی شریف نے عن ابن ابی حاتم حدیثِ مقدس روایت فرمائی۔ ہر کافر کی توبہ عند اللہ قبول ہے سوائے تین قسم کے کافروں کے۔ ایک گستاخِ انبیا علیہم السلام

کی توبہ ہرگز قبول نہیں ہوتی دوم خلفاءِ اربعہ میں کسی کو گالی گستاخی کرنے والا سوم جادوگر کی گرفتاری کے ڈر سے توبہ کرنا عند اللہ بھی قبول نہیں۔ چہارم زندیق کی توبہ بھی قبول نہیں ہوتی زندیق کا دوسرا نام دہریہ ہے جو اللہ رسول خالق صانع شریعت دین ایمان جنت دوزخ قیامت اور حلال حرام کا منکر ہو یہ سب مسائل۔ لَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔ فرمانے سے مستنبط ہوئے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ جب جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم پہلے پھینکیں یا تم پہلے پھینکو گے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان کو پہلے پھینکنے کی اجازت دی حالانکہ یہ اجازت دینا درست نہ تھا کیونکہ ان کا کام جادو ڈالنا تھا اور جادو کفر و حرام ہے نیز جادوگر یہ کرتب حضرت موسیٰ کو شکست دینے مقابلہ کرنے اور حق کی تکذیب کے لیے دکھانا چاہتے تھے یہ بھی کفر اور حرام تھا تو انہیں کفر و حرام کی اجازت کیوں دی برے کام کی اجازت بھی بری ہوتی ہے جواب۔ تفسیر کبیر میں امام رازی نے جواب دیا کہ یہ اجازت نہیں تھی بلکہ اتمامِ حجت تھی جو کہ چند وجوہ سے ضروری تبلیغِ ایمانی کے لیے مفید تھی ۱ اس اجازت سے آپ نے اپنی بے اعتنائی بے رغبتی ظاہر فرمائی کہ مجھے تمہارے کسی کام سے کوئی گھبراہٹ نہیں تم کرو جو کرنا چاہتے ہو ۲ پہلے پھینکنے کی اجازت سے کفر یہ جادو اور معجزے میں فرق بتانا تھا ۳ فقط اِلقا کفر نہ تھا کفر تو ان کا جادو کرنا جادو پڑھنا تھا اور آپ نے پڑھنے کی اجازت نہیں فقط پھینکنے زمین پر ڈالنے کی اجازت دی تھی ۴ کفر آں کا ارادہ تھا جو ان کے دل میں تھا موسیٰ علیہ السلام نے عوام و خواص کے سامنے حق ظاہر کرنے کے لیے اجازت دی تھی ۵ یہ اجازت بھی مطلقاً نہ تھی بلکہ مشروط تھی کہ اَلْقُوْا مَا اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ۔ اگر تم سچے ہو تو آج جو تم ڈال سکتے ہو ڈال دو اور یہ پھینکنا معجزے کی صداقت کی دلیل تھی اگر وہ پہلے نہ پھینکتے تو معجزے کی قوت کا پتہ نہ چلتا گویا یہ وہ باطل تھا جو اظہارِ شانِ حق کا ذریعہ تھا اس لیے یہ اجازت ہر طرح جائز تھی ۶ یہ اجازت بطورِ امر نہ تھی بلکہ بطورِ تنبیہ تھی کہ تم فرعون کے مجبور کرنے سے یہ جادو کرتے آئے ہو مگر میں نے تم کو پہلے بتا دیا کہ وَيْلَكُمْ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ تم اب بھی اس جادو ڈالنے کو اپنا حق یا اپنی مجبوری سمجھتے ہو تو ڈالو۔ میری طرف سے کوئی رکاوٹ نہیں دوسرا اعتراض موسیٰ علیہ السلام کو نہ چاہیے تھا کہ پہلے جادوگروں کو جادو کرنے کی اجازت دیتے اس طرح سے بہت سوں کے گمراہ رہنے کا احتمال ہو سکتا تھا کہ جادوگروں کے سانپ دیکھ کر ڈر کر بھاگ گئے ہوں یا یہ سمجھ کر کہ بس اب یہی کچھ ہونا ہے چلو اب کیا دیکھنا۔ تو وہ لوگ تو کفر پر ہی رہے اور

یہ اجازت ان کے کفر پر رہنے کا سبب بن گئی۔ جواب یہ اجازت تین وجہ سے عین درست اور ضروری تھی اگر اجازت نہ دیتے تو برا ہوتا۔ پہلی یہ کہ اس مقابلے کا سب کو پتہ تھا کہ حق و باطل کا مقابلہ ہے کوئی بھی بغیر دیکھے نہ جاتا اور نہ کوئی گیا۔ فطرتی طور پر لوگ مقابلے کے شائقین ہوتے ہیں دوم یہ کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر تبلیغ دین فرض ہے وہ آپ نے آتے ہی وَیْلَکُمْ فرما کر کر دی سب نے سن لی اب اگر کوئی جاتا ہے کفر پر قائم رہتا ہے تو اس کی مرضی سوم یہ کہ اگر اجازت نہ دیتے اور پہلے خود پھینکتے تو گویا اب دعوت دینا ہے کہ لو اب تم اپنا کفر ڈالو دکھاؤ اور حق سے مقابلہ کرو یہ بات اچھی نہ تھی اس لیے آپ نے پہلے نہ پھینکا ان کو کہا کہ تم پہلے ڈالو تاکہ حضرت موسیٰ کا بعد میں ڈالنا جادو کو ختم کرنے کا ارادہ بن جائے اور یہ کام عبادت میں شمار ہو۔ تیسرا اعتراض۔ حضرت موسیٰ کو رب نے اتنی تسلیاں دیں کہ ان کو عصا دیا یدِ بیضا دیا اِصْطَنَعْتُکَ کا انعام دیا ہارون جیسا وزیر و مشیر دیا معجزات کی قوتیں اور محبتیں دیں شرح صدر دیا بار بار ہر طرح ہر قلبی قوت و تشفی دی پھر بھی یہاں موسیٰ جادو کے سانپ دیکھ کر ڈر گئے اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ اِس کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی گئی ہے کہ یہ خوف بزدلی اور ضعفِ قلبی کا نہ تھا نہ اپنی ذات کے لیے تھا بلکہ قوم کی گمراہی اور مزید فتنے کا اندیشہ تھا کہ وہ نہ پھسل جائے جادو اور معجزے میں مشابہت کی بنا پر حق و باطل کا فرق نہ سمجھ سکیں گے فرعون بھی شکست نہ مانے گا۔ نیز یہ پریشانی ذریعہ بن گیا توجہ الی اللہ اور وحی کے انتظار کا اور اس کی وجہ سے اس میدان میں ہمکلامیِ رب کا شرف حاصل ہو گیا غرضکہ یہ خِیفَۃً عبادتِ الٰہی بن گیا۔

تفسیر صوفیانہ

فَاَجْمِعُوْا کَیْدَکُمْ۔ پس جمع کر لاؤ اے اہلِ نفس اپنی شیطنیت کے جال کو پھر یکبارگی بمیدانِ قباحت میں بکھیر دو اپنی طغیانیت ابلیسیت کو شہوانی لذتوں کی رسیاں اور فیشن کی خوش نما لکڑیوں کو۔ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا۔ تمام بُطلانی قوتیں صف بندی سے اجتماعِ شیطانی سے آئیں قَدْ اَفْلَحَ الْیَوْمَ مَنِ اسْتَعْلٰی۔ عالمِ دنیا میں قوتِ شیطانی کو چند منٹ کے شور و غل کی بنا پر کامیاب سمجھ لیا جاتا ہے۔ جس طرح اَلْیَوْمَ یعنی آج زمانۂ حال ہے اِس کی بقا بہت ہی تھوڑی ہی اسی طرح باطل کی کامیابی مثلِ اَلْیَوْمَ بہت تھوڑی چند لمحوں کی ہے۔ تینوں زمانوں پر تو صرف حق ہی کا ظہور و غلبہ ہے باطل اَلْیَوْمَ کی سربلندی اور فتح پر ہی مسرور ہے۔ اور چاہتا ہے کہ اسی دنیا میں ہر کامیابی نصیب ہو جائے مگر نہیں ہو پاتا۔ قَالُوْا یٰمُوْسٰی اِمَّآ اَنْ تُلْقِیَ وَاِمَّآ اَنْ نَّکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَلْقٰی۔ نفس کے مجبور د

دمقہور کرنے کے باوجود زندہ ضمیر بن ایمانیات قائم رکھتی ہیں اُن ہی زندہ ضمیروں نے قلبِ موسیٰ سے بزبانِ حال عرض کیا آج تیرا حکم چلے گا ہم کو نہ رہا۔ کہ اعضاءِ رئیسہ کے فریبِ عجیبہ مخفیہ ہم پہلے دکھائیں یا اے قلب مسعود تو اپنا شعور اسراری پہلے ظاہر کرے گا صوفیا فرماتے ہیں کہ جب بندہ حدِ بلوغت کو پہنچتا ہے تو خصائلِ شیطانیہ پہلے ظاہر ہوتے ہیں اِسی لیے بچوں کا میلانِ طبعت کھیل کود کھلونوں کی طرف زیادہ راغب ہوتا ہے پھر جتنا جتنا اہلِ عقل اور اہل دل کی قربتیں محفلیں میسر آتی ہیں اور وہ قلب کی حیران کن شعوریاتِ انوار کو دیکھتے ہیں لہویات کا زرق ختم ہوتا جاتا ہے خراشات نگل لی جاتی ہیں اور بندہ بندہ بن جاتا ہے بندگی کے سجدوں میں گرا دیا جاتا ہے۔ قَالَ بَلْ اَلْقُوْا۔ نفوسِ قدسیہ عرفانیہ کی طرف سے اہلِ خصائل کو مہلت ملتی ہے یہ مہلت حقیقتاً وصلِ منزل کی شہادت ہے کیونکہ یہ موت ہی ظہورِ اسرار کا دروازہ ہے فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى۔ دنیا کی ہر چیز مثل عصیہم وحبالہم ہے نفسیات بدنی کی تمام قوتیں تخیلاتِ باطل اور تصوراتِ وہمیہ کی بنیاد پر ہیں۔ ترکیب بلاغت تقریرِ مغالطہ روشِ حسینہ شکلِ ترتیب قیاسِ جدل کی لاٹھیاں فتن کی رسیاں اِن خشاءِ باطن نے اتنا شورِ فساد مچایا گویا بھاگ دوڑ رہی ہیں جس سے اعضاءِ ظاہری و باطنی ہراساں ہیں۔ فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰى۔ ان غلبۂ حمقاءِ جہال اور فتنۂ ضلال کی وجہ سے قلب اپنی خلوت گاہِ ذکرِ الٰہی توجہِ کبریائی میں بھی پریشان ہو گیا مولیٰ علیؓ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام خوف زدہ نہیں ہوئے تھے بلکہ گمراہی کے فتنے میں لوگوں کے پڑ جانے کی فکر سے پریشان ہوئے تھے اسی طرح قلبِ مزکی مومن کسی کی کسی بھی شرارت سے خوف زدہ نہیں ہوتا بلکہ کو ارخفین جسمانی کو بچانے کی فکر میں جہالتِ نفسانی کی طرف سے پریشان ہو جاتا ہے۔ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّكَ اَنْتَ الْاَعْلٰى۔ اِنعاماتِ سرمدی سے تائیدِ ربانی ہوتی ہے ہم نے روح القدس لاھوتی اور شجاعتِ جبروتی سے بھی تیری مدد فرمائی اس لیے اندیشہ نہ کر تجھ کو ہی عالمِ دہر میں سربلندی ناموری ہے وَاَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوْا۔ اے قلبِ مزکی سینۂ دہر کے میدانِ صباحت میں وہ تمام معتکفاتِ قدس کی شعاعیں ڈال دے جو تیرے یمینِ روحی میں ضبط و محفوظ ہیں نورِ حق کی ضیائیں اہلِ نفس کے تمام شبہاتِ وہمیات کو تختہ نیزہ اور براھینِ واضحہ سے نگل جائیں گی۔ اور نابود کر دیں گی۔ اِنَّمَا صَنَعُوْا كَيْدُ سٰحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُ حَيْثُ اَتٰى۔ نفسیاتِ باطنی نے میدانِ قباحت میں جو کچھ فساد پھیلایا وہ سب سحرِ عنکبوتی کا جالِ تزویر ہے

اور مکر پھیلانے والے کبھی کامیاب نہیں خواہ کہیں سے کسی وقت کسی طرح نمودار ہو کیونکہ باطل کا صرف شور ہوتا ہے مگر حق کا زور ہوتا ہے۔ شور کو فنا۔ زور کو بقا۔ شور میں تھکاوٹ زور میں لگاوٹ ہے شور نیچے گرتا ہے زور کو بلندی ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ وہ چیزیں جن سے شریعت نے منع فرمایا جادو وغیرہ وہ دنیا سے قریب کرتے ہیں مگر اللہ سے دور۔ دنیا جمع کرنا فانی کامیابی تو ہے مگر صرف چڑھتی زندگی میں اَلْیَوْمَ چڑھتی زندگی ہے اور یَوْمَ غَدٍ ڈھلتی زندگی ہے اِستعلا اس کو ملا جس کو رفعتِ ملی جس نے شرعی ممنوعہ کام نہ سیکھے اُس نے عمر بھر برباد کی اُس کو فلاح نہ ملے گی بجز افسوس کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ نفسِ امارہ اہلِ دل کا دشمنِ مکار ہے وہ چاہتا اور اپنے اہل کو بتاتا ہے کہ حیلہ سازی تقیہ بازی کی کوشش کرتا کہ اہل حق کا نور بجھ جائے لیکن لَا یُفْلِحُ السَّاحِرُ مکار کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اہلِ باطل مثلِ خاک ہیں وہ کبھی فلاحِ آسمانی نہیں پا سکتے اور اہلِ حق مثلِ شمسِ استعلائی ہیں وہ کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ

پس گرا دیے گئے تمام جادوگر سجدے میں کہنے لگے کہ ہم ایمان لائے

تو سب جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے بولے ہم اُس پر ایمان لائے جو

هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ﴿۷۰﴾ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ

ہارون اور موسیٰ کے رب پر۔ بولا فرعون اچھا تم اُس پر ایمان لے آئے اس سے پہلے ہی

ہارون اور موسیٰ کا رب ہے۔ فرعون بولا کیا تم اُس پر ایمان لائے قبل اس کے

اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ ۚ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ

کہ میں اجازت دوں تم کو بیشک یہ موسیٰ تمہارا وہ بڑا استاد جادوگر ہے جس نے

کہ میں تمہیں اجازت دوں بے شک وہ تمہارا بڑا ہے جس نے

عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ ۚ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَ

تم کو جادو سکھایا ہے لہٰذا البتہ ضرور سختی سے کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھوں

تم سب کو جادو سکھایا۔ تو مجھے قسم ہے ضرور میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور

اَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُوصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ

پیروں کو داہیں بائیں اور ضرور ضرور تم سب کو کھجور کی سولی پر

دوسری طرف کے پاؤں کاٹوں گا اور تمہیں کھجور کے

جُذُوْعِ النَّخْلِ ۫ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ

ماروں گا اور تم خوب جان لوگے کہ ہم میں کون زیادہ سخت ہے

ڈنڈ پر سولی چڑھاؤں گا اور ضرور تم جان جاؤگے کہ ہم میں کس کا

عَذَابًا وَّاَبْقٰى ﴿۷۱﴾

عذاب دیتے ہیں اور زیادہ باقی رہنے والا

عذاب سخت اور دیرپا ہے۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفر پہ جادو کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں کفر سے توبہ کرکے مومن بن جانے کا ذکر ہے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جادوگروں کی طرف سے حضرت موسیٰ کا تھوڑا سا احترام کرنے کا ذکر ہوا کہ جادوگروں نے جادو دکھانے کی اجازت طلب کی کہ تم پہلے ڈالو یا ہم کو اجازت ہے اب ان آیت میں نبی علیہ السّلام کے تھوڑے سے اُس احترام کا بدلہ دیا جانے کا ذکر ہے کہ اس کے طفیل اُن کو ایمان عرفان صحابیت رضیر اور شہادت جیسی نعمتیں مل گئیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں مقابلے سے پہلے رب تعالیٰ کا حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے بذریعہ وحی کلام بامحبت فرمانے

کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں مقابلے کے بعد فرعون کا اپنے جادوگروں سے غضب آمیز کلام کرنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی | فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى ۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ

فَ تعقیبیہ۔ اُلْقِیَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب "لَقْیٌ" سے مشتق ہے بمعنی گرایا جانا۔ اَلسَّحَرَةُ۔ الف لام استغراقی یعنی تمام سَحَرَةٌ۔ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے سَاحِرٌ۔ دراصل تھا سَاحِرُوْنَ نون گرا کر آخر میں تؔ عوضی لگا دی اور الفِ وحدت کو بوجہ تکسیر گرایا گیا۔ اعراب ضمہ ہے کیونکہ نائب فاعل ہے۔ سُجَّدًا۔ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد سَاجِدٌ تعلیل میں سَاجِدُوْنَ سے سُجَّدًا کیا گیا۔ آخر کی تنوین الفِ وحدت کے عوض ہے بحالتِ نصب حال ہے سَحَرَةُ کا اُلْقِیَ اپنے پورے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالُوْا فعل ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مراد جادوگر ہیں۔ اٰمَنَّا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے مشتق ہے دوسری ہمزہ یؔ سے بدل گئی بمعنی دین قبول کرنا ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے بؔ حرفِ جر بمعنی عَلٰی رَبِّ یعنی اللہ تعالیٰ مضاف ہے ھٰرُوْنَ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی علم ہے مجرور ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ مُوْسٰی۔ اسم مفرد مقصورہ مجرور ہے مگر اعراب تقدیری ہے معطوف ہے دونوں عطف مل کر مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور جار مجرور متعلق ہیں اٰمَنَّا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر فاعل مرجع ہے فرعون اٰمَنْتُمْ۔ اس کی دو قرأتیں ہیں ۱ءَاٰمَنْتُمْ ۲ اٰمَنْتُمْ۔ پہلی صورت میں تین ہمزہ جمع ہیں ۱سوالیہ ۲ باب افعال کی ۳ مادے کی ہمزہ اصلیہ ترجمہ ہے کیا تم ایمان لے آئے۔ دوسری صورت میں (اور یہی مشہور ہے) دو ہمزہ ہیں افعال کی اور مادے کی اور یہ سوالیہ نہیں بلکہ خبر تہدیری ہے ترجمہ ہے اچھا تم ایمان لے آئے۔ مصدر ہے اِیْمَانٌ اِس کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر کا مرجع سب جادوگر۔ لَهٗ۔ لام حرفِ جر بمعنی عَلٰی ہٗ ضمیر کا مرجع موسٰی یہاں اٰمَنْتُمْ لَهٗ کہنے وجہ یہ ہے کہ ایمان بمعنی انقیاد ہے یعنی عاجزی سے جھکنا اتباع۔ انقیاد متعدی باللام ہوتا ہے اور اتباع متعدی بنفسہٖ ہوتا ہے۔ اس لیے اِنْقَادَ لَہٗ ہو سکتا ہے اِتَّبَعَ لَہٗ نہیں ہو سکتا (تفسیر کبیر)، یہ لَہٗ کا لام تعلیلیہ بھی ہو سکتا ہے تب معنیٰ ہوگا کہ تم موسٰی کی وجہ سے

ایمان لائے ہو۔ اس کو خوش کرنے کے لیے حالانکہ یہ ہم سب کا دشمن ہے قَبْلَ اسم ظرفِ زمانی مبنی بر فتحہ مضاف اَنْ حرفِ ناصبہ۔ اٰذَنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع معروف واحد متکلم مراد فرعون ہے اِذْنٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ اجازت دینا متعدی بیک مفعول ہوتا ہے خیال رہے کہ جہاں کسی لفظ میں چند ہمزہ جمع ہو جائیں تو نحوی اصطلاح میں اس کو مجعود کہتے ہیں جو جَعْوٌ سے مشتق ہے اور معنیٰ ہے اُلجھا ہوا۔ کھیتوں اور بیلوں۔ جھاڑیوں کے جھنڈ کو اسی معنیٰ میں جَعد کہتے ہیں۔ اور کنڈل بالوں کو بھی یہاں تینوں صیغے ۱۔ اٰمنا ۲۔ اٰمنتم ۳۔ اٰذنَ مجعود کہلاتے ہیں علماءِ نحات اس طرح جعو کو ختم کرنے کے لیے اکثر اوقات غیر ضروری ہمزہ کو حذف کر دیتے ہیں۔ لَکُمْ۔ لام جارہ تعدیہ (مفعولیت) کا یہ جار مجرور متعلق ہے اٰذنَ کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مضاف الیہ ہے اس کی انشائیت اٰمنتم کی سوالیت اور تہدید کی وجہ سے ہے یعنی اگر میں تم کو اجازت دیتا تو تم ایمان لاتے۔ اس باطنی شرطیت کی وجہ سے انشائیہ ہوا۔ قَبْلَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر ظرف ہوا۔ اٰمنتم سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ ہٗ ضمیر اس کا اسم منصوب متصل ہے مرجع موسیٰ لام مفتوحہ حرفِ تاکید ہے۔ کَبِیْرُ۔ اسم مبالغہ صفت مشبہ بمعنی سب میں بڑا مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل مرجع تمام جادوگر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر عَلَّمَ باب تفعیل ماضی مطلق معروف واحد مذکر یہ فعل متعدی بدو مفعول اس کا پہلا مفعول بہ کُمْ ضمیر ہے مرجع جادوگر اور دوسرا مفعول بہ اَلسِّحْرَ ہے اس کا مصدر ہے تَعْلِیْمٌ بمعنیٰ علم پڑھانا سکھانا۔ اس کا فاعل ہے ھُوَ ضمیر واحد مستتر مرجع موسیٰ عَلَّمَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا۔ موصول صلہ مل کر صفت ہوئی کَبِیْرُکُمْ کی یہ مرکب توصیفی خبر اِنَّ ہوئی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر وجہ اور معلول ہوا فَ سببیہ لَاُقَطِّعَنَّ باب تفعیل کا فعل مضارع معروف لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد متکلم ایک قرأت میں بانون خفیفہ ہے اس کا مصدر ہے تَقْطِیْعٌ قَطْعٌ سے بنا ہے بمعنی جدا کرنا کاٹنا چیرنا باب تفعیل اور تاکیدی حروف نے شدت پیدا کر دی یعنی خوب تیزی سے پورا کاٹ ڈالنا اس کی دو قسمیں ۱۔ بصری جدا کرنا جیسے اجسام و اعضا کو کاٹنا ۲۔ عقلی بصیری جیسے معقولات و علمیات کا جدا کرنا ہونا بمعنیٰ جدا کرنا کاٹنا چیرنا۔ باب تفعیل اور تاکیدی حروف نے شدت پیدا کر دی یعنی خوب تیزی سے پورا کاٹ ڈالنا۔ اَیْدِیَ اسم جمع مکسر یَدٌ کی جمع کُمْ مضاف الیہ وا ؤ عاطفہ اَرْجُلَکُمْ رِجْلٌ کی جمع مکسر بمعنی تمہارے ہاتھوں اور پیروں کو اصطلاحاً صرف قدم اور ہتھیلی پنجے کو ہاتھ پیر کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے چور اور ڈاکو کے ہاتھ پیر کاٹتے

سے بھی صرف اتنا ہی حصہ شرعًا مراد ہوتا ہے مگر کٹتا ہاتھ کندھے تک اور پیر سرین تک ہوتا ہے یہ سب مرکب اضافی عطف ہو کر مفعول بہ ہوا۔ مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے خِلَافٍ اسم مصدر نکرہ بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا دوسرا مصدر ہے بروزنِ قِتَالٌ بمعنی مخالف سمت داہنی جانب مراد ہے داھنا ہاتھ بایاں پاؤں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَاُقَطِّعَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِیْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَیُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى۔ واؤ عاطفہ لَاُصَلِّبَنَّ۔ بابِ تفعیل کا فعل مضارع معروف لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ واحد متکلم ایک قرأت میں بانون خفیفہ ہے اس کی دو قرأتیں ہیں ۱۔ لَاُصَلِّبَنَّ واؤ سے مگر یہ قانونِ نحو کے علاوہ ہے یہ واؤ ہمزہ متکلم کی مضبوطی کے لیے ہے یا یہ ہمزہ کا قائم مقام ہے اور ضمۂ ماقبل کی وجہ سے آئی ہے ۲۔ اُصَلِّبَنَّ یہ اصلی ہے اگرچہ شاذ ہے یہ قراء حضرات کا اپنا اپنا طریقۂ تحریر ہے جائز دونوں ہیں اس کا مصدر تَصْلِیْبٌ بمعنی سولی چڑھانا۔ صُلْبٌ سے مشتق ہے اسی سے ہے صلیب بمعنی سولی کا تختہ۔ متکلم سے مراد فرعون ہے کُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع سب جادوگر فی جارہ ظرفیہ مکانیہ جُذُوْعِ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد ہے جِذْعٌ۔ بمعنی شاخ جو تنے کی مثل موٹی ہو پتلی اور باریک شاخوں کو فرع کہتے ہیں ایک قول میں مطلقًا ہر شاخ کو فرع اور بہت موٹی شاخوں کو جذع کہتے ہیں جن کے تختے بنائے جا سکیں عربی لغت میں درخت وغیرہ کی شاخوں کے لیے پانچ لفظ ہیں ۱۔ فَنَنٌ اس کی جمع ہے اَفْنَانٌ بمعنی بہت باریک شاخ درخت کی یا بیل بوٹے کی ۲۔ غُصْنٌ اس کی جمع اَغْصَانٌ اتنی موٹی شاخ جس کے ڈنڈے بنائے جا سکیں تختے نہ کاٹے جا سکیں ۳۔ فَرْعٌ اس کی جمع فُرُوْعٌ وہ شاخ جس پر پھل پھول لگیں ۴۔ جذع تنے کی مثل موٹی شاخ ۵۔ شرح۔ سیدھی شاخ مضاف ہے اَلنَّخْلِ۔ الف لام جنسی نَخْلِ اسم مفرد جنسی چونکہ معرف باللام ہے اس لیے مراد کھجور کے درخت ہیں اگر نکرہ ہو تو مراد کھجور کا پھل ہوتا ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَاُصَلِّبَنَّ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ لَتَعْلَمُنَّ۔ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ جمع مذکر حاضر اصل میں تَعْلَمُوْنَ تھا ثقیلہ کی وجہ سے نون اعرابی گر گئی اور جمع کی واؤ ساکنین کی وجہ سے گری عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا۔ جان لینا۔ سمجھ آجانی یہاں یہ فقرہ طنزیہ ہے اَیُّ۔ اسم موصول بمعنی کون مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا اَشَدُّ اسم تفضیل واحد مذکر شِدَّۃٌ سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع

اَیُّ ہے عَذَابًا اسم جامد حاصل مصدر عَذْبٌ مادہ ہے ترجمہ ہے دردناک تکلیف۔ یا سزا مفعول فیہ۔ یا تمییز ہے اَشَدُّ کے فاعل کی اشد۔ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ اَبْقٰی باب فتح کا اسم تفضیل مذکر بَقِیَ سے مشتق ہے دراصل تھا اَبْقَیُ۔ یٰ پر ضمہ ثقیل اور ماقبل مفتوح اِس لیے یٰ کو اَلِف سے بدل دیا گیا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اَیُّ ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف دونوں مل کر خبر مبتدا اَیُّنَا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول یہ ہے لَتَعْلَمُنَّ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ معطوف ہوا اَلَاُصَلِّبَنَّ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف لَاُقَطِّعَنَّ کا دونوں عطف مل کر علت ہوئی عَلَّمَکُمْ کے جملے کی عَلَّمَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا دونوں مل کر صفت ہوئی لَکَبِیْرُکُمْ کی پھر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولۂ دوم ہے قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِیْرُكُمُ الَّذِیْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں آنے والے یہ جادوگر اُس وقت کی دنیا کے بہت بڑے جادوگروں میں سے تھے اپنے فن کے کامل اُستاد تھے اور سالوں سے جادوگری کر رہے تھے مصر والے اور خود فرعون ان کو عرصہ سے جانتے تھے موسیٰ علیہ السلام اُس وقت پیدا بھی نہ ہوئے تھے جب سے یہ جادوگری میں معروف و مشغول و مشہور تھے ان جادوگروں نے بڑے بڑے میلوں ٹھیلوں میں اپنے فن کا لوہا منوایا تھا ہمیشہ غالب ہی رہے تھے بڑے بڑوں کو ہرایا تھا ان کی ہی وجہ سے مصر کا جادو مشہور ہے یہ لوگ بخوبی جانتے تھے کہ جادو کی اصل حقیقت کیا ہوتی ہے یہ کبھی کسی بڑے مقابل جادوگر کے سامنے حیران اور پریشان نہ ہوئے تھے مگر اس مقابلے سے حیران بھی تھے پریشان بھی کیونکہ ایسا مقابلہ انہوں نے آج تک نہ کیا تھا نہ دیکھا تھا اور وفورِ جذبات سے مغلوب بھی اِن کی عقل دل دماغ فہم فراست عمر بھر کا تجربہ مشاہدہ ہر ہر دلیل سے مان گیا تھا۔ کہ موسیٰ علیہ السلام کا کرتب جادو نہیں۔ جادو صرف دکھایا جا سکتا ہے کسی کو کھا نہیں سکتا اگر یہ جادو ہے جیسا کہ فرعون کہتا ہے تو پھر ہمارا اتنا سامان کدھر گیا ان حالات کیفیات مشاہدات سے مجبور ہو کر خود اپنی عقل اور بصیرت باطنی کے ہاتھوں گرا دیئے گئے سجدہ کرتی حالت میں زمین پر۔ یہ اُلْقِیَ کسی کے گرانے دھکا دینے سے نہیں بلکہ خود ہی اتنی جلدی اور تیزی سے سجدوں میں گرے کہ گویا گرائے گئے اور یہ صرف علمی ایمان

ہی نہ تھا بلکہ سجدوں میں گرتے ہوئے تَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ کے ساتھ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ بھی تھا۔ اور سب جادوگر ہی اپنی اپنی جگہ تصدیق و اقرار عمل و فکر کا یہ مظاہرہ کر رہے تھے سجدہ سب کا ایک جیسا ایک رُخ تھا۔ مگر اقرارِ لسانی میں کوئی اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ کہہ رہا تھا۔ (اعراف آیت ۱۲۱۔ ۱۲۲ اور سورۃ شعراء آیت ۴۷۔ ۴۸) اور کسی کی زبان پر اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى تھا ہر جادوگر ہی اپنی زبان و جسم قلب وقالب سے کلمۂ ایمانی و عملِ نشانی ظاہر کر رہا تھا کسی کے سجدے کا رخ موسیٰ کی طرف تھا کسی کے سجدے کا ھٰرون علیہما السلام کی طرف جنہوں نے رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ کہا تھا اُن کا قبلہ حضرت موسیٰ کو بنا دیا گیا اور جنہوں نے بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى کہا اُن کا قبلہ ھٰرون علیہ السلام کو بنا دیا گیا تھا صرف آج اور اس وقت رب تعالیٰ کے سجدے کے قبلے صرف ان نئے مومنوں کے لیے یہی دونوں تھے۔ کیا مبارک وہ ساعتیں تھیں کیا قدرت کی کرم نوازیاں تھیں کیسا وہ نورِ ایمانی تھا کہ ابھی صبح کے وقت کفر و شرک کی حمایت میں لاٹھیاں رسیاں زمین پر ڈالی جا رہی ہیں اور اب اُسی دن ڈھلتی دوپہر میں اپنے سر چہرے جسم بصد نیازمندی و خشیتِ کبریائی سجدوں میں ڈالے جا رہے ہیں اور پھر اُسی دن سہ پہر بوقت عصر ایمان صبر شکر صحابیت کی دولتوں سے مالا مال ہو کر بارگاہِ قدس میں شہادت کی قربانیاں پیش کی جا رہی ہیں۔ جب فرعون کے ہوش ذرا ٹھکانے آئے دہشتِ اژدھا دور ہوئی تب اپنی عزت ساکھ کرسی کی فکر لگی اور سنا کہ تمام جادوگر موسیٰ پر ایمان لا چکے ہیں پھر شہنشاہی جوش کو دا اور شاہی رعب کی فکر ہوئی کہ کہیں ان جادوگروں کی دیکھا دیکھی دیگر لوگ بھی مومن بننے نہ چلے جائیں، غصے میں بپھرا ہوا باہر نکلا اور چنگھاڑتا ہوا بولا۔ اے جادوگرو ارے تم میری اجازت کے بغیر ہی اُس موسیٰ پر ایمان لے آئے میرے پروردہ میرے مہمان بننے والے میرے بلائے ہوئے ہو کر میرے مشورے کے بغیر اور گرد دیکھے بغیر فوراً ہی بلا سوچے سمجھے ایمان لے آئے میں سمجھ گیا کہ یہ تمہارا ایمان غور و فکر کی بصیرت سے نہیں معجزہ یا برھان دیکھ کر نہیں موسیٰ اپنی نبوت سے تم پر غالب نہیں آیا اپنے جادو سے ہی غالب آیا ہے تمہارا یہ ایمان کا دکھلاوا تو اس لیے ہے کہ تم اژدھا سے ڈر گئے کہ جس طرح اُس نے تمہارے تمام سامان کو کھا لیا کہیں تم کو بھی نہ کھا جائے اور یا پھر اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ۔ تم چھوٹے جادوگر ہو بے شک وہ تم سب کا بڑا جادوگر ہے تمہارا اُستاد ہے تم سب کو اُسی نے جادو سکھایا تم سب کی

یہ ملی بھگت اور مکاری تھی ہماری سلطنت چھیننا چاہتے ہو یہ تمہارا منصوبہ ہے جس کے تحت تم نے اپنے اُستاد کو جتا دیا اور خود ظاہراً ہار گئے اور پھر دنیا کو دھوکہ دینے ورغلانے کے لیے فوراً اُس پر ایمان لے آئے تاکہ دوسرے عوام بھی اُس پر ایمان لے آئیں۔ فرعون نے قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ کہا۔ اٰمُرَ نہ کہا اس لیے کہ امر میں ارادہ شامل ہوتا ہے یعنی اگر تم مجھے پوچھتے اور میں تم کو حکم دیتا تب تم ایمان لے آتے۔ مگر اٰذَنَ کہہ کر یہ بتایا کہ اگر مجھ کو پہلے بتاتے یا پہلے مجھے پتہ چل جاتا تو اُسی وقت تم کو پابند سلاسل کر کے قید کر دیتا کبھی ایمان کی اجازت نہ دیتا نہ تم ایمان لاتے اذن میں ارادہ شامل نہیں ہوتا فرعون حقیقتِ حال کو سمجھتا تھا اس کو یہ بھی معلوم تھا کہ موسیٰ استاد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ لوگ جادوگری میں پہلے سے مشہور تھے عمر رسیدہ تھے فرعون یہ سمجھ گیا تھا کہ موسیٰ کا کرتب جادو نہیں بلکہ معجزہ ہے۔ لیکن یہ جھوٹ بولتے ہوئے ایک چال چلنا چاہتا تھا اپنی عزت کی گرتی دیوار اور شرمندگی کی بنیاد کو ایک آخری سہارا دینے کا یہ حربہ تھا تاکہ لوگوں کے منتشر اور متاثر ذہنوں کو پھیرنے کے لیے یہ چال کام آجائے اس فوری مداخلت کا کچھ تھوڑا بہت اثر بھی ہوا کہ کم از کم اُس کے درباری اور قریبی مطمئن تو ہو گئے اور عوام کے سامنے بات کرنے منہ دکھانے کے قابل ہوئے مگر ابھی بھی فرعون کا دل نہ سنبھلا جذبات ٹھنڈے نہ ہوئے۔ چاہتا تھا کہ جادوگر پھر کسی طرح ڈر کر گھبرا کر حسبِ سابق میرے قدموں میں آجائیں۔ اس لیے دھمکاتے ہوئے کہتا ہے۔ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى۔ ابھی بھی وقت ہے ایمان سے ہٹ جاؤ غلطی تسلیم کر لو۔ میرے انعام کے دروازے کھلے ہیں تقرب تو نہ ملے گا لیکن اُجرتِ محنت مل جائے گی اور اگر باز نہ آئے تو میں قسمیہ کہتا ہوں کہ بہت سختی سے تڑپا تڑپا کر کاٹوں گا یعنی میرے حکم سے میری نگرانی میں کاٹے جائیں گے تم سب کے ہاتھ اِدھر کے پاؤں اُدھر کے مخالف سمتوں سے مِنْ خِلَافٍ۔ اس لیے کہ اس طرح کاٹنے میں تکلیف زیادہ طاقت کم بلکہ ختم ہو جاتی ہے خون بہت بہتا ہے چلنے اٹھنے کے قابل نہیں رہتا پھر اس پر ہی بس نہیں بلکہ تم سب کو کھجور کی شاخوں پر بہت عرصہ تک سولی پر لٹکائے رکھوں گا تاکہ تم سسک سسک کر آہستہ آہستہ بھوک پیاس درد تکلیف سے مرو عوام تم کو لٹکا مرا دیکھیں تو عبرت پکڑیں مجھ سے مزید ڈریں مجھے خدا مانیں۔ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ کا معنیٰ لٹکائے رکھنا اس طرح کہ شاخیں تمہارے ظروف برتن ہو جائیں اور تم اُن شاخوں کے

منظر دیکھ بن جاؤ وہیں لٹکے لٹکے سوکھو گے اور لوگوں کو بھی پتہ چل جائے گا کہ ہم تم جیسے باغیوں غداروں کو کیسی سزا دیتا ہوں تاکہ کوئی دوسرا بغاوت وغداری نہ کرے۔ اے جادوگرو جلدی جواب دو یہ میری چند منٹ مہلت ہے خوب سوچلو۔ نخل کا ذکر اس لیے کیا کہ نخل یعنی کھجور کا درخت بہت لمبا اور سیدھا ہوتا ہے جذوع سے مراد اس کے تنے ہیں۔ اس کی لمبی شاخیں دیگر درختوں کی طرح نہیں ہوتیں نیز مصر میں دریائے نیل کے کنارے یہ درخت بہت ہوتے ہیں۔ اے جادوگرو یہ میں اتنی سخت سزا کا ذکر اس لیے کر رہا ہوں "تاکہ تم جان لو ہم دونوں (مجھ میں اور موسیٰ میں) کس کی سزا سخت اور کس کا عذاب دیرپا ہوتا ہے اس نے بھی تو تم کو فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ کہہ کر اپنے اللہ کے عذاب سے ڈرایا تھا۔ اس کا وہ عذاب یا میرا یہ جو سخت بھی ہے اور زیادہ دنوں تک باقی رہنے والا بھی۔ بعض نے کہا کہ اَبْقٰی سے مراد ہے میرا یا موسیٰ کے رب کا عذاب یا عذاب سے مراد وہ دہشت ناک اژدھا تھا۔ اس کے گمان میں جادوگر اس سے خائف ہو کر ایمان لائے تھے اس لیے یہ بات فرعون نے کی کہ سانپ سے کیا ڈرنا حالانکہ خود فرعون ابھی تک ڈرا سہما تھا یہی وجہ تھی) کہ جادوگروں کو تو سزا سناتا ہے مگر موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنے کی ہمت نہیں حالانکہ موسیٰ علیہ السلام کو سب کا استاد بھی کہہ دیا ہے نیز اصل دشمن مخالف نقصان دِہ تو موسیٰ علیہ السلام ہی تھے۔ فرعون کی ان غبیلی باتوں کا یہی فرق دیکھ کر بہت سے قبطی در پردہ مومن ہو گئے تھے۔ بلکہ کچھ دنوں بعد یا اسی دن درباریوں نے برملا کہہ بھی دیا تھا کہ اَتَذَرُ مُوسٰى وَقَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوا فِي الْاَرْضِ۔ (اعراف آیت ۱۲۷) وہ بے چارے جادوگروں پردیسیوں کو تو قتل کروا رہا ہے اصل دشمن موسیٰ اور اس کے ساتھیوں کو تو چھوڑ دے گا کہ زمین میں فساد پھیلاتے پھریں اور تیرا اور تیرے معبودوں دیوتاؤں کا انکار کرتے پھریں۔ تب بھی فرعون کچھ نہ کر سکا۔ صرف اتنا کہہ کر ٹال دیا کہ ہم ان کے بچوں کو (پہلے کی طرح) قتل کراتے رہیں گے اور ان کی بچیوں کو زندہ رکھیں گے۔ فرعون نے اپنے اس قتل کو اَشَدُّ عَذَابًا اس لیے کہا کہ اس نے دنیوی بادشاہوں کی سزائیں دیکھی سنی پڑھی تھیں وہ اپنی اس ایجاد کردہ سزا کو ان سب سے سخت اور انوکھی سمجھتا تھا اور واقعتاً دنیوی اعتبار سے سخت ترین بھی تھی مگر حضرت موسیٰ نے جس عذاب کا ذکر فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ میں فرمایا تھا وہ اخروی عذاب مراد لیا تھا جس کو فرعون نہ جانتا تھا۔ فرعون کی یہ سزا ایک حربہ تھا سمجھا تھا جادوگر ایک دم گھبرا کر ایمان چھوڑ دینگے اور لوگوں میں میری چال کامیاب میری عزت بچی

رہے گی مگر یہ حربہ بھی ناکام ہوگیا اس لیے کہ کسی بھی جادوگر نے کوئی اثر نہ لیا۔ اس لیے کہ جادوگروں نے ایمان کی جرأت کسی معمولی بات پر نہ کی تھی ان کا امنّا کہنا کوئی وقتی جوش نہ تھا ان کی پذیرائی تو حسنِ ازل نے کردی تھی دل میں نورِ ایمان آنکھوں میں جمالِ حق آشکارا ہوچکا تھا چند منٹ کی صحبت موسیٰ نے عشقِ الٰہی محبتِ کبریائی کا ایسا جامِ مشاہدہ پلا دیا تھا کہ جس کا اثر صبح قیامت تک نہ اُتر سکے ان کا سجدہ صرف سجدۂ بارگاہ نہ تھا بلکہ معراجِ عشق تھی کہ اسی میں ان کو جنت اور ان کا جنتی مقام کفار کی جہنم اور اُس کا عذاب سب کچھ دکھا دیا گیا اور سب سے بڑا انعام تو یہ ہوا کہ اسی سجدۂ نیاز میں حسنِ ازل کے انوارِ معرفت کے اَسرار کا نظارہ بھی ہوگیا بھلا ان کی نظر میں اب دنیا کی جاہ وحشمت دولت ثروت فرعونیت طاغوتیت کی کیا حیثیت تھی یہ ٹھیک ہے کہ دنیا بڑی لذیذ ہے اس میں بڑی کشش ہے مگر جس کو اس دنیا کی فنا کا پتہ بیقینِ بصیرت سے چل گیا وہ اس کی حشمتوں دلربائیوں سے کب مرغوب اور اس کی کرسیوں قانونوں دھمکیوں سزاؤں سے کب مرعوب ہوسکتا ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ دنیا میں سب سے بڑی نعمت قربِ نبوت اور مجلسِ انبیا کی صحبت وحاضری ہے جس کو یہ نصیب ہوجائے وہ تمام جہانوں میں سب سے زیادہ خوش قسمت ہے اس لیے کہ یہی قرب کفر توڑ شرک سوز ہے اور انہی محافل میں عرفان ایمان شریعت طریقت عشقِ الٰہی عروج بلندی بلکہ صحابیت کی دولتیں ملتی ہیں یہ فائدہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ۔ ایمان واعمال وہی معتبر ومقبول ہے جو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی معرفت ملیں یہ فائدہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰی کے فرمان سے حاصل ہوا۔ کہ ان سب جادوگروں نے اپنے ایمان کی نسبت ھٰرون وموسیٰ علیہ السّلام کی طرف کرکے ظاہر فرما دیا کہ ہم کو یہ ایمان ان دونوں ہستیوں کے ذریعے نصیب ہوا ہے۔ تیسرا فائدہ۔ وہ خوف وگھبراہٹ بھی ربّ کی نعمت ہے جس سے توفیقِ ایمان واعمالِ صالحہ نصیب ہوجائے یہ فائدہ اُلْقِیَ فعل مجہول فرمانے سے حاصل ہوا یعنی جادوگروں کو اپنے جادو کی حقیقت وکمزوری کا پتہ تھا اس لیے عصاءِ موسیٰ کے کمالات کو دیکھنے کے بعد حیرت سے ملا جُلا خوف وگھبراہٹ ہوئی تب عجز واحساسِ شکست پیدا ہوا تب اس عاجزی کی وجہ سے اُن کو ہدایتِ ایمان نصیب ہوئی ادب وعجز ہی ہر مسلمان کا اُخروی سرمایہ ہے۔ اور اتنی جلدی ان کے دل نے پلٹا کھایا اور

سجدے میں گرے گویا کہ گرا دیئے گئے۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان پر فرض ہے کہ ہر موقعہ پر اپنی شناخت قائم رکھے تاکہ غیر مسلموں اور بدعقیدہ وگمراہوں سے ممتاز رہے ہر طرح دور سے پہچانا جائے کسی کو دھوکہ نہ رہے شناخت کی چند صورتیں ہیں ۱۔ بات اور گفتگو میں قولی شناخت ۲۔ نام القاب میں ۳۔ شکل وصورت میں ۴۔ مسجدوں میں ۵۔ گھروں میں تاکہ مسلمان دور سے پہچانا جائے احادیثِ مبارکہ میں اس اسلامی شناخت پر بہت زور دیا گیا ہے کئی جگہ خَالِفُوا الْیَهُوْدَ وَ النَّصَارٰی کا لفظ اِرشاد فرمایا گیا ہے مسلمان گھروں میں فوٹو تصویر لگانے کی حرمت وممانعت کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمان کا گھر بت پرست کفار کے گھروں مندروں کے مشابہ نہ ہو جائے۔ آج بہت سے دھوکے باز لوگ اہل سنت بن کر مسلمانوں کو ورغلا رہے ان کی دھوکہ بازی سے عوام کو بچانے کے لیے ہر سنی مسلمان کو چاہیے کہ اپنی ہر شناخت ہر وقت برقرار رکھے مثلاً فی زمانہ لفظ بریلوی اہل سنت کی شناخت بنی ہوئی ہے اس لفظ کو اپنے لقب میں ضرور استعمال کرو۔ ہر محفلِ وعظ میں نعرہ رسالت اور اختتام پر صلوٰۃ وسلام گھروں مسجدوں میں یا اللہ یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور یَا رَسُوْلَ اللہ لکھنا۔ اسی طرح ذکرِ انبیاء کے ساتھ علیہ السّلام آقاءِ کائنات نبی کریم کے لیے صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام اہلبیتِ عظام کے لیے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ مولیٰ علی شیر خدا کے لیے کرّم اللہ وَجہہٗ کہنا یہ بھی اہل سنت والجماعت کی نشانی ہے اس طرح ہر شناخت برقرار رکھنا لازم ہے یہ مسئلہ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی کے ارشاد سے مستنبط ہوا۔ جادوگروں نے صرف رَبِّ یا رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ نہ کہا اس لیے کہ فرعونی لوگ فرعون کو بھی رَبِّ اَعْلٰی کہتے تھے وہ دھوکہ دیتے یا ربّ العٰلمین کے لفظ سے دھوکہ کھا سکتے تھے اور عوام کو دھوکہ دے سکتے تھے اس لیے مکمل شناخت پیچھے ایمان کے اظہار کے لیے سب نے فرمایا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی اب کسی کو کوئی دھوکہ غلط فہمی نہیں رہے۔ یعنی اے لوگو ہم اب اس ربّ العٰلمین پر ایمان لائے ہیں جو ہارون وموسیٰ کا رب ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقاً ہر قسم کا جادو سیکھنا کفر وحرام ہے اور جادوگر جادو سیکھنے سے کافر ہو جاتا ہے اس لیے کہ اس کے جنتر منتر کے الفاظ اور طور طریقے کفریہ شرکیہ الفاظ اور طریقے ہوتے ہیں جس پر جادوگر کو عمل کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ میزان الکبریٰ جلد دوم کتابُ حکم السحر والساحر ص۱۵۱ پر ہے کہ

امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم تو ہر طرح کا جادو سیکھنا کفر کہتے ہیں لیکن امام شافعیؒ کچھ قیود کے ساتھ کفر قرار دیتے ہیں یہ مسئلہ اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى سے مستنبط ہوا کیونکہ ایمان لانا کفر سے توبہ کے بعد ہوتا ہے اور ان جادوگروں کا کفر خاص کر ستر بنی اسرائیلی جادوگروں کا کفر تو صرف یہی جادو سیکھنا تھا اس کے علاوہ کوئی کفر ثابت نہیں بنی اسرائیلی جادوگر فرعون کو رب نہیں مانتے تھے نہ بُت پرستی کرتے تھے نہ اس کا کہیں ثبوت پھر بھی اٰمَنَّا کہہ رہے ہیں۔ اٰمَنَّا کہنے سے ان کا وہ کفر ثابت جس کو اب ختم کر رہے ہیں اور کفر بجز جادوگری کوئی ثابت نہیں۔ پس ظاہر اور یقینی ہے کہ جادو سیکھنا ہی ان کا کفر تھا۔ تیسرا مسئلہ اس میں تمام ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے۔ کہ چور کے ہاتھ مَفصلِ کف اور مَفصل رِجل سے کاٹے جائیں گے۔ مَفصل یعنی جوڑ جیسا کہ میزان الکبریٰ جلد دوم بابُ السرقہ ۱۶۱ پر ہے ان ائمہ کرام کا استنباط اِس ارشادِ ربانی سے ہے کہ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَیْدِیَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ کے بعد وَلَاُصَلِّبَنَّكُمْ الخ کا ذکر فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ ہاتھ اور پاؤں حقیقتاً ہتھیلی اور قدم کو کہتے ہیں۔ جن بعض لوگوں نے لفظ اَیْدِیْ اور لفظِ اَرْجل سے بغل تک یا کہنی تک اور پیر کو گھٹنے تک یا کولھے کے جوڑ تک کاٹنے کا حکم لگایا ہے وہ غلط ہے اسی طرح جن لوگوں نے صرف دو یا تین انگلیاں کاٹنے کا ذکر کیا ہے وہ بھی غلط ہے۔ کہ وہ حد سے زیادتی ہے اور یہ ہاتھ پیر میں کمی کرنا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَیْدِیَهُمَا۔ فرمایا ہے یہ یہاں سے اِستنباطِ اس طرح ہوا کہ ہاتھ، پیر کاٹنے کے بعد صولی کا ذکر ہے اور صولی کا فرعونی قانون میں طریقہ یہ تھا کہ ایک لکڑی کے اوپر کی جانب مجرم کے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھ کی لمبائی کے برابر ترچھی لکڑی ٹھونک دیتے تھے اس پر مجرم کے دونوں ہاتھ پھیلا کر دونوں طرف رسی سے باندھ دیتے تھے اسی طرح دونوں لٹکے ہوئے پیروں کو رسی سے باندھ دیتے تھے بعد میں کئی بادشاہوں نے رسی کی بجائے اسی طرح پھیلا کر ہاتھوں پاؤں میں کیلیں ٹھونکنی شروع کر دیں ہاتھ پاؤں کٹنے کے بعد صولی تب ہی دی جا سکتی ہے جب ہاتھ صرف کفِ دست اور پاؤں ٹخنے سے کٹا ہو پورا ہاتھ پاؤں کاٹ دینے سے باندھنا اور صولی دینا ناممکن ہے یہ سزا فرعون کی ایجاد ہے۔ اُس سے پہلے کبھی کسی نے کسی کو صولی نہ دی تھی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ لیکن سورۃ اعراف آیت ۱۲۲ اور سورۃ شعرا

آیت ۷۰ میں ہے رَبِّ ہٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی اور سورۃ شعراء میں ہے رَبِّ مُوْسٰی وَ ہٰرُوْنَ واقعہ وقت مقام اور کہنے والا گروہ بھی ایک ہی ہے تو پھر یہ اختلاف کیوں؟ جب کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے کسی غیر اللہ کا نہیں اور اللہ تعالیٰ نے ہی فرمایا ہے کہ وَلَوْ کَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰہِ لَوَجَدُوْا فِیْہِ اخْتِلَافًا کَثِیْرًا سورۃ نساء آیت ۸۲ یعنی اگر یہ کلام کسی غیر اللہ کا بنایا ہوا ہوتا تو لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔ گویا یہ اختلاف ہونا غیر اللہ کے کلام ہونے کی نشانی ہے اور اللہ تعالیٰ نے حق و باطل کے درمیان یہ تعارفی نشان قائم فرما دیا کہ اسی نشانی سے پہچانا جائے کہ اللہ کا کلام کون سا ہے اور انسانوں کا بنایا ہوا کونسا ہے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ بعد کے جامعین یا کاتبین نے ایسی غلطیاں کر دیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ۔ یعنی ہم نے ہی اس قرآن مجید کو اتارا ہے اور ہم ہی تا قیامت اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔ اگر یہ کاتب کی غلطی ہو تو پھر دونوں میں کس کو صحیح کس کو غلط قرار دیا جائے اور آج تک کسی نے تصحیح کیوں نہ کیا اسی طرح غلط کیوں چھپتا چلا آ رہا ہے۔ موسیٰ و فرعون کے اس واقعے میں اور جگہ بھی اختلاف پائے جا رہے ہیں مثلاً سورۃ طٰہٰ آیت ۱۰ اِذْ رَاٰ نَارًا فَقَالَ لِاَھْلِہِ امْکُثُوْۤا اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا لَّعَلِّیْۤ اٰتِیْکُمْ مِّنْھَا اور سورۃ نمل آیت ۷ میں ہے اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِاَھْلِہٖۤ اِنِّیْۤ اٰنَسْتُ نَارًا سَاٰتِیْکُمْ مِّنْھَا بِخَبَرٍ ایک ہی شخص کا قول ایک ہی وقت میں مگر اختلاف اتنا کہ پہلے ہے امْکُثُوْۤا دوسری جگہ امْکُثُوْۤا نہیں ہے وغیرہ وغیرہ۔ ان تمام باتوں کا جواب کیا ہے۔ جواب طٰہٰ آیت ۱۰ کا جواب تو اسی جگہ دے دیا گیا ہے اس اعتراض کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں مگر صحیح آسان مختصر و مضبوط جواب یہ ہے کہ اگرچہ یہ اٰمَنَّا کہنا ایک ہی جگہ ایک ہی وقت ہوا مگر کہنے والے بہت سے افراد ہیں اور سب نے ہی اپنے منہ سے ادا کیا کیونکہ یہ ایمان کا اقرار باللسان ہے جس کا سب کو کہنا ضروری تھا اور ایک شخص کے یہ مختلف قول نہیں بلکہ کسی نے کہا رَبِّ مُوْسٰی وَ ہٰرُوْنَ کسی نے کہا رَبِّ ہٰرُوْنَ وَ مُوْسٰی۔ معترض کا اس کو اختلاف کہنا نادانی ہے اختلاف یہ ہے کہ ایک ہی شخص ایک ہی وقت ایک ہی جگہ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے کسی سے کہے میں نے فلاں آدمی کو فلاں جگہ فلاں وقت دیکھا تھا۔ پھر دوسرے سے کہے کہ میں نے اس وقت اس جگہ دیکھا کچھ نہ تھا صرف آواز سنی تھی تیسرے سے کہے کہ نہ آدمی دیکھا تھا نہ آواز سنی تھی بلکہ صرف نور دیکھا تھا۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہاں موسیٰ و ہٰرون اور وہاں ہٰرون و موسیٰ کیوں ہم نے واضح کر دیا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں دوسرا اعتراض۔ بیان فرمایا

گیا۔ فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا۔ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ جادوگر سجدے میں گرا دیے گئے۔ ثابت ہوا کہ وہ خوشی سے سجدے میں نہ گرے نہ خوشی سے ایمان لائے۔ جبر و اکراہ سے یہ سب کچھ کیا گیا۔ حالانکہ جبر و اکراہ کا ایمان معتبر نہیں ہوتا چنانچہ قرآن مجید البقرہ آیت ۲۵۶ میں ہے لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ دین میں اکراہ و جبر درست و معتبر نہیں۔ اِس کا حل کیا ہے؟ جواب یہ اُلْقِیَ کسی کا شخصی اکراہ یا دھکا شاہی نہیں۔ بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ توفیقِ الٰہی نورِ ایمانی سے شعورِ قلبی پیدا ہوا اور عقلی دلائل و برھان دیکھے جن کا اتنا شدید اثر و سُرُور ہوا کہ عقل و دل کے ہاتھوں مجبورًا اُن کو کہنا پڑا اٰمَنَّا۔ اور گرنا پڑا سجدے میں۔ یعنی جب انہوں نے نورِ بصیرت سے دلائل کو دیکھا غور و تفکر کیا تو اتنی جلدی سجدے میں گرے گویا گرائے گئے اور گرانے والا اُن کا اپنا قلب و عقل تھا۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ فرعون نے جادوگروں کو دھمکی بھی دی اور سزا بھی سنا دی جو سخت ترین دنیا کی پہلی سزا تھی۔ اور بقول ایک روایت کے دے بھی دی مگر موسیٰ علیہ السلام کو نفظًا یا عملًا کچھ نہ کہا جب کہ فرعون خود کہہ بھی رہا ہے کہ یہ موسیٰ تمہارا استاد ہے اِسی نے تم کو جادو سکھایا ہے۔ اور تم نے یہ پہلے سے میرے خلاف منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ جواب تین وجہ سے فرعون نے صرف جادوگروں کو دھمکی اور سزا سنائی۔ اور حضرتِ موسیٰ کو کچھ نہ کہا۔ ایک وجہ یہ کہ فرعون موسیٰ علیہ السلام سے ڈرا ہوا تھا خائف تھا میدانِ مقابلہ میں بمشکل اُس نے اژدھا سے جان بچائی تھی موسیٰ علیہ السلام کی منت سماجت کی تھی۔ اب ڈرتا تھا کہ کہیں پھر نہ اژدھا مجھ کو کھا جائے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سامنے تو اُس کی ساری اکڑ ٹوٹ چکی تھی۔ اس لیے اُدھر ہاتھ ڈالنے کی اب ہمت نہ تھی۔ دوم یہ کہ فرعون جادو سیکھنے یا سکھانے کے خلاف نہ تھا نہ اُس کو اس سے غرض تھی کہ کون کس کا شاگرد کس کا استاد ہے۔ وہ تو یہ کہتا تھا کہ جادوگروں نے مجھ کو دھوکہ دیا ہے کہ ظاہرا میرے ساتھی بنے۔ در پردہ موسیٰ کے ساتھی تھے وہ اِس رویہ کو غداری اور بغاوت سمجھتا تھا اگرچہ یہ بھی اس کی ظاہری گفتگو تھی سمجھتا سب کچھ تھا محض چال بازی اور عوام میں اپنا بھرم رکھنے کی خاطر۔ سوم یہ کہ وہ جادوگروں کو بھی مارنا نہیں چاہتا تھا صرف خوف زدہ کر کے واپس اپنی تائید میں لانا چاہتا تھا عوامی انقلاب کو روکنے کے لیے جس کا فرعون کو شدید دھڑکا لگا ہوا تھا۔ اور عوام کو بتانے کے لیے کہ جادوگر ایک خفیہ منصوبے کے تحت ایمان لائے ورنہ موسیٰ نبی نہیں ایک جادوگر ہی ہے دیکھو میری دھمکی سن کر پھر لوٹ آئے ایمان سے پھر گئے۔ مگر جب یہ چال بھی کامیاب نہ ہوئی تو غیظ و غضب میں آ کر وہ کام کر ہی دیا جس کی

قسم کھائی تھی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ (از تفسیر امام رازی۔ روح البیان روح المعانی تفسیر فتح القدیر مظہری، صاوی، مدارک خازن)

تفسیر صوفیانہ فَاُلْقِیَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ یہ قانون فطرت ہے کہ جس کو جہانِ غیوبات کی طرف نظرِ بصارت کرنے کی ہمت وقوت بخشی گئی وہ اگر اپنی اِس قوت کو نفسانی حصول کی مباشرت میں لگا دے تو اس کے دل دماغ پر حجابات آجاتے ہیں پھر اگر اسی بندے کو کسی اہلِ دل کی صحبت نصیب ہو جائے اور وہ بندہ اپنی توجہِ بصیرت کو شر دنیوی سے علیحدہ کر کے خیر کی طرف لگائے تو رب تعالیٰ اُس بندے کے قلب کی طرف اخلاص اور یقین کی نعمت کا نزول فرماتا ہے اور انوار اُس پر منکشف ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو مجذوبیتِ الٰہیہ کے مقام سے زینت عطا کی جاتی ہے۔ جادوگروں کو میدانِ یومُ الزّینت میں اس جذب وسلوک کے لیے منتخب کر لیا گیا تھا اس لیے اُس دن کی پوری حاضری میں صرف وہی جادوگر مجذوبینِ الٰہی اور مہتدینِ ایمان میں شامل کر کے مقامِ عُلیا سے نواز دیئے گئے تھے ان کا ایمان کسی تقلید سے نہ تھا بلکہ مولیٰ تعالیٰ کی بُرہانوں کی راہ نمائی سے تھا۔ اور وہ جادو جو کفر وگمراہی کا ذریعہ ہوتا ہے وہ ہی اُن کی ہدایت کا وسیلہ بن گیا رب تعالیٰ کا یہ کرم صرف اس لیے ہوا کہ میدانِ مقابلہ میں ان کی نگاہیں چہرۂ انبیا پر اُن کے کان آوازِ نبوت پر اُن کی عقلیں اعمالِ نبوت پر اور اُن کے قلوب بُرہانِ نبوت پر لگے ہوئے تھے یہی فنافی الرسول کا مقام ہے فرعون اور فرعونیوں کی نظریں اعمالِ نبی تک رہیں مگر ان کے دل بُرہانِ ربوبیت تک نہ پہنچ سکے اس لیے ایمان نہ لائے۔ اسبابِ ترقیِ سلوک کی سیڑھی ہے اس کے نو زینے ہیں ۱ توفیق ۲ تفکرِ عقل ۳ تدبّرِ قلب ۴ تذکرِ طبیعت ۵ تعقّلِ اعضا ۶ تحمّلِ جسمانی ۷ تعشّقِ روحانی ۸ انہماکِ ضمیر ۹ میلانِ خمیر جب بندۂ طالب ان کو عبور کر لیتا ہے تو اُلْقِیَ سُجَّدًا کا ظہور ہوتا ہے۔ سجدۂ صادقہ میں بندے کو چار قوتیں ملتی ہیں پہلی قوت سے وہ حق وباطل کا منصف ہو جاتا ہے دوسری سے برہان وحقیقت کو سمجھنے کے قابل ہو جاتا ہے تیسری سے وہ اسرار واشرار میں فرق جان لیتا ہے۔ چوتھی سے حق پرستی کا اقرار کر لیتا ہے۔ اِن قوتوں سے اتنی جرأت پیدا ہوتی ہے کہ عارفِ صادق کسی باطل کے طوفان کی پرواہ نہیں کرتا۔ اور بندہ منصفین، مذعنین، معترفین اور مقربین میں شمار کر لیا جاتا ہے۔ یہ سجدہ ہی معراجِ مومن ہے کیونکہ صدق بیّنۂ ظہورِ معجزہ۔ قیامِ حجت اور جلاءِ برہانی

کی معرفت یہیں سے نصیب ہوتی ہے۔ اور بندہ پکار اٹھتا ہے اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى۔ ہم ایمان لائے مکاشفاتِ حق اور اس کی ربوبیتِ عالمین پر جو ہماری ھارونِ عقل اور موسیٰ قلب کا بھی رب ہے۔ وہ ہی رب ہے جس نے عقل کو عقلی اور قلب کو قلبی استعداد بخشی۔ عقل کو اپنی کمالاتِ صفات کا ظہور عطا کیا اور دل کو اپنی آیات کی تجلیات دیں بندوں نے جو بھی معرفت حاصل کی وہ عقل و قلب کی معرفت سے کی عقل و دل سے ہی ایصالِ منزل اور وصلِ الٰہی نصیب ہوتا ہے عقل و دل کی اطاعت سے دولتِ وجدان ملتی ہے مگر اعضاءِ ظاہری و باطنی کا استقلال ضروری ہے۔ اگر استقلال کی استعداد بالکل ختم ہو جائے تو طبیعتِ سفلیہ کا دین نفسانی غالب آتا ہے اور جب نفس کی نفسانیت غیض و غضب کا غلبہ کرتی ہے تو باطن اشرار سے آوازِ نفس بے نفس امارہ بلند ہوتا ہے کہ۔ قَالَ اٰمَنْتُمْ لَهٗ قَبْلَ اَنْ اٰذَنَ لَكُمْ اِنَّهٗ لَكَبِيْرُكُمُ الَّذِيْ عَلَّمَكُمُ السِّحْرَ فَلَاُقَطِّعَنَّ اَيْدِيَكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ وَّلَاُصَلِّبَنَّكُمْ فِيْ جُذُوْعِ النَّخْلِ وَلَتَعْلَمُنَّ اَيُّنَآ اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى۔ اے اہلِ طبیعتِ مرکزِ جدال و مکر تم رغبتِ نفس کے بغیر شمع قلبی پر کس طرح ایمان لا سکتے ہو۔ وہی قلب کی عقل عیار تمہاری پیشرو ظلم کار و قوم ساز ہے۔ ہیں تمہارے شریعت کے ہاتھ طریقت کے پاؤں ایک دوسرے میں مخالفت و دشمنی کرا کر جدائیاں کرواؤں گا۔ کہ شریعت کے دعویدار طریقت سے نفرت اور دوری کر لیں گے اور طریقت کے دعویدار شریعت کو اپنا مخالف اور غیر سمجھنے لگیں گے۔ علماء صوفیا سے کنارہ کش اور صوفیا علما کو بیکار سمجھا کریں گے اور پھر تم طبیعتِ غدار یہ سفلیہ رذیلہ کو نخلِ غفلت کی جذوع کسلیہ کثیفہ میں ضعفِ بدنی کی سولی دے کر بے عملی کی موت ماروں گا۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ فرعون اور فرعونیوں کو شخصیتِ موسیٰ و ھٰرون کا قرب نصیب ہوا اور عوام الناس کو جسمانیتِ موسیٰ و ھٰرون کا قرب نصیب ہوا مگر جادوگروں کو نبوتِ موسیٰ و ھٰرون کا قرب نصیب ہوا۔ ان میں سے جن کو نبوتِ ھٰرونی کا فیض پہلے ملا۔ انہوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ هٰرُوْنَ وَمُوْسٰى اور جن کو پہلی توجہ میں ہی رسالتِ موسیٰ علیہما السلام کا فیض پہنچ گیا انہوں نے کہا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ رَبِّ مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ اس وقت تمام انسانوں میں سے زیادہ قرب کی قوت جادوگروں کو تین وجہ سے حاصل ہوئی ۱۔ جادوگر اپنے علم جادو کی وجہ سے۔ خواص کی ترکیب اور مختلف جوہروں کی مزاج عنصری کی مادی ملاوٹ کو جانتے تھے ۲۔ جادوگر عنصری مادوں یعنی آگ مٹی پانی ہوا۔ اور آسمانی فضائی ہوائی زمینی قوتوں کے

فرق کو جانتے تھے۔ انہیں معلوم تھا کہ نفوسِ سماویہ کے جلب و اتصال کا فیض اجسامِ ارضیہ کی قوتوں پر کس طرح ہوتا ہے۔ پہلی معلومات سحر نیرنگی جاننے سے ہوتا ہے۔ دوسری معلومات علم طلسمات سے حاصل ہوتی ہیں۔ تیسری درجہ انہیں اپنے سحر خلغطیرات کے علم کی وجہ سے معلوم تھا کہ عالَم بالا علویہ سے استفادہ کرنا کن نفوس کی تاثیر اور حیثیت ہے۔ اور کون سی ہستیاں نبوت کے لائق نامِ یالدعوۃ۔ واصل بالحق اور کامل بالاعجاز اور مزیدِ ولایتِ الٰہیہ پر ترقی کرنے والی ہیں وہ جانتے تھے کہ معجزہ مُقارِن للحق ہے کرامت مُقارِن للنبوّت ہے اور مرضیاتِ سفلیہ سحریہ مقارن للدنیا ہیں کرامت سے بھی ہزار درجہ نیچے اور کمزور ہے۔ نبوت کا معجزہ تو عالَمِ اعلیٰ کی قوتوں والا ہوتا ہے اس سے مقابلہ نری ناکامی ہی ہے۔ یہ سب علامت اُن کے سحرِ عظیم سے ان کو حاصل ہوئیں تھیں۔ لہٰذا جادو کی قوتیں صرف اسی عالَمِ اجرامِ سفلیہ پر چل سکتی ہیں۔ منبعِ تائیدِ قہر اور قوت و قدرت پر نہیں چل سکتیں اس لیے کہ جادوگر کے کفر کی وجہ سے اُس کے لیے سینۂ نوریہ اور شعاعِ تدبیر کا حصول کمزور ہوتا جاتا ہے۔ جب کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کے نفوسِ قدسیہ کی قوتِ اقبال علی الحق میں بڑھتی رہتی ہیں۔ قُربِ نبوت کی محفلوں میں تین تمغے عطا فرمائے جاتے ہیں ۱۔ انوارِ قدس کی اُلفت ۲۔ قوتِ ملکوتیہ کی تائید ۳۔ بارگاہِ الٰہیہ کی توجہ۔ بندہ اپنے عجز و انکسار کی وجہ سے تمام لوگوں سے زیادہ نبی کی معرفت حاصل کر لیتا ہے اور سب سے زیادہ دعوتِ رسالت کو قبول کرنے والا اور انوارِ ولایت کو پانے والا ہو جاتا ہے۔ اقرار باللسان سبب ہے محفلِ نبوت میں سبقت لے جانے کا اور تصدیق بالقلب سبب ہے استعداد و قوتِ قُرب کا اسی لیے مومن کامل کو قربِ کامل نصیب ہوتا ہے۔ ایمان کے ذریعے مومن ایک دوسرے کے بھائی ہیں ہر ایک کو ایک دوسرے کی ضروریات پوری کرتے رہنے کا خیال رکھنا چاہیے اس لیے جو کوئی کسی مومن کی ضرورت پوری کرے گا تو رب تعالیٰ قیامت میں اس کی ضرورتوں کو پورا فرمائے گا روحیں ایک لشکر کی مانند ہیں جو ایک جگہ جمع ہوتی ہیں جن میں تعارف ہو گیا وہ دنیا میں آکر اس سے مانوس ہوتی ہے اور جنہیں ناموافقت رہتی ہے وہ الگ رہتی ہیں جب نفس کا قلب سے مقابلہ ہوتا ہے تو نفس کی بُرائی کا مادہ زائل ہو جاتا ہے یہی اُس کی شکست ہے مگر حقیقتاً یوم الزینۃ ہے لیکن جب نفس کا نفس سے مقابلہ ہوتا ہے تو لاتنقطع کا فتنہ اور لاینتہی کی گمراہی بھڑک اٹھتی ہے۔ اور عصمت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ وَھُوَ الْمُوَفِّقُ

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ

سب جادوگر بولے اب ہم ہرگز تجھ کو پسند نہیں کریں گے ان کے ہوتے ہوئے جو

بولے ہم ہرگز تجھے ترجیح نہ دیں گے ان

الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ

روشن نشانیاں ہمارے پاس آگئی ہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے پیدا کیا ہم کو تو فیصلہ کر ڈال جو تو

روشن دلیلوں پر جو ہمارے پاس آئیں ہمیں اپنے پیدا کرنے والے کی قسم تو تو

قَاضٍ ؕ اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ

فیصلہ کرنے والا ہے تو صرف فیصلہ کرسکتا ہے اسی

کرچک جو تجھے کرنا ہے تو اس دنیا ہی کی زندگی

الدُّنْيَا ؕ ۝۷۲ اِنَّاۤ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا

دنیوی زندگی میں بے شک ہم تو ایمان لاچکے ہیں اپنے رب پر تاکہ بخش دے وہ ہمارے لیے

میں کر لے گا بے شک ہم اپنے رب پر ایمان لائے کہ وہ ہماری خطائیں

خَطٰيٰنَا وَمَاۤ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ ؕ

ہمارے تمام قصور اور وہ بھی جو مجبور کیا ہے تو نے ہم کو جس پر جادوگری سے

بخش دے اور وہ جو تو نے ہمیں مجبور کیا جادو پر

وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝۷۳ الثلثۃ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ

اور اللہ ہی ہمیشہ اچھا اور باقی رہنے والا ہے بے شک قانون یہ ہے کہ جو شخص آئے گا

اور اللہ بہتر ہے اور سب سے زیادہ باقی رہنے والا بے شک جو اپنے رب کے

رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ؕ لَا يَمُوْتُ

اپنے رب کے پاس مجرم بن کر تو یقیناً اس کے لیے دوزخ ایسی کہ نہ مرتے جیا ہو

حضور مجرم ہو کر آئے تو ضرور اس کے لیے جہنم ہے جس میں نہ مرے

فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ﴿۷۴﴾

اس میں نہ زندوں جیا

نہ جیے۔

تعلقات ان آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کی انتقامی گفتگو کا ذکر ہوا کہ تم سب جادوگروں کو میں اس طرح سولی کی سزا دوں گا اور اس طرح تمہارے ہاتھ پاؤں کاٹوں گا۔ اب ان آیت میں جادوگروں کے صبر آمیز دلیرانہ جواب کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ فرعون نے اپنے اور اللہ تعالیٰ کے عذاب کا مقابلہ کرتے ہوئے جادوگروں سے کہا تھا کہ تم کو پتہ لگ جائے گا کہ کس کا عذاب سخت ہے آیا موسیٰ کے رب کا عذاب یا میرا عذاب۔ اب ان آیت میں ذکر ہے کہ جادوگروں نے فرعون کا منہ توڑ جواب دیتے کہا کہ تیرا عذاب تو فقط دنیوی زندگی کے ہی چند لمحوں تک ہے ابدی عذاب تو رب تعالیٰ کا ہی ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ایمان کی ایک شق یعنی تصدیق بالقلب کا ذکر ہوا کہ سب جادوگر دل سے مومن ہو کر سجدے میں گرے۔ اب ان آیت میں ایمان کی دوسری شق یعنی اقرارٌ باللسان کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ۔ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا۔ قَالُوْا فعل ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع وہی سب جادوگر فرعونی۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا لَنْ نُّؤْثِرَ۔ باب افعال کا فعل مضارع نفی تاکید بلَنْ جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِیْثَارٌ مادہ اَثْرٌ ہے بمعنی ترجیح

دینا۔ ایک کو چھوڑ کر دوسرے کو پسند کرنا۔ اصطلاحاً اپنے فائدے کو کسی کے لیے چھوڑنا ایثار کہلاتا ہے باب افعال ہیں دو ہمزہ جمع ہوئیں جس کی وجہ سے ثقل (بھاری) پیدا ہوا تو مصدر میں دوسری (مادے کی) اصلی ہمزہ کو ی سے بدلا گیا اور لَنْ نُؤْثِرَ میں ما قبل کے ضمہ کی وجہ سے واؤ سے بدلا گیا۔ حرف نفی نے نصب دیا نَحْنُ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے کَ ضمیر منصوب متصل واحد مذکر حاضر مفعول بہ ہے مرجع فرعون ہے عَلٰی جارہ فوقیت کا بمعنی مقابل مَا اسم موصول جَاءَ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم مفعول معہٗ ہے یا ظرف ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ اَلْبَیِّنٰتِ الف لام جنسی یا ذہنی جمع مؤنث سالم ہے بَیِّنَۃٌ بمعنی ظاہر ظہور نشانیاں یہ جار مجرور متعلق ہے جَاءَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور متعلق ہے لَنْ نُؤْثِرَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولۂ اول ہوا۔ وَ اؤ قسمیہ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر مراد ہے اللہ تعالٰی مجرور ہے واؤ جارہ سے فَطَرَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے اَلَّذِیْ نَا ضمیر بارز جمع متکلم منصوب متصل مفعول بہ فَطَرَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر قسم ہوا۔ فَ جزائیہ زائدہ اِقْضِ باب ضَرَبَ کا امر حاضر معروف اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مخاطب مرجع فرعون ہے مَا اَنْتَ۔ مَا اسم موصول۔ اَنْتَ مبتدا ضمیر منفصل مرفوع قَاضٍ باب ضرب کا اسم فاعل واحد مذکر ھُوَ ضمیر صیغہ اِس کا فاعل دراصل تھا قَاضِیٌ اسم منقوص ہے بحالت رفع تقدیری اعراب ہوتا ہے اور یہاں تنوین سے مانع کوئی نہیں اس لیے ی اور نون تنوین دو ساکن جمع ہو گئے ی گر گئی۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا ان دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اِقْضِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب قسم ہوا قسم اپنے جواب قسم سے مل کر مقولہ دوم ہوا۔ اِنَّمَا۔ اِنَّ حرف مشبہ زائدہ ما کافہ کی وجہ سے اب ترجمہ ہے فقط۔ کلمہ حصر ہے۔ تَقْضِیْ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا پوشیدہ فاعل مرجع فرعون۔ ایک قرأت میں یہ تُقْضٰی ہے مجہول واحد مؤنث غائب ھٰذِہٖ ھَا حرف تنبیہ ذِہٖ اسم اشارہ قریبی واحد مؤنث اس کا مذکر ہے ھٰذَا یہاں مؤنث سماعی کے لیے ہے منصوب ہے مگر مبنی ہے اس لیے نصب ظاہر نہیں اَلْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا موصوف صفت ہے مشار الیہ ہے سب مل کر مفعول فیہ ہے تَقْضِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ حصریہ ہو کر

مقولۂ سوم ہوا۔ اِنَّا۔ دراصل اِنَّ نَا ہے۔ حرفِ مشبّہ اور ضمیر جمع متکلم مرجع وہی نئے مومن صحابی جادوگر رضی اللہ عنہم۔ نَا ضمیر اسم اِنَّ اٰمنّا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق معروف جمع متکلم بِرَبِّنَا ترجمہ ہے ہم اپنے رب پر یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے اٰمنّا کا لامِ تعلیلیہ دلامِ کَے) یَغْفِرَ۔ باب ضَرَب کا مضارع معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع رَبُّنَا ہے غَفْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈھکنا چھپانا مٹانا بخشنا یہاں آخری معنیٰ میں ہے لَنَا لام حرف جر نفع کا نَا ضمیر مجرور متعلق ہے۔ خَطَایَا اسم جمع مکسّر ہے خَطِیْئَۃٌ۔ خَطَأٌ مہموز اللام سے ہے لغوی معنیٰ ہے بلا ارادہ کوئی کام کر لینا۔ اصطلاحاً پانچ معنیٰ میں مستعمل ہے ۱ خطا بمعنیٰ بھول چوک نسیان کی غلطی ۲ خطا بمعنیٰ لغزش ۳ بے سمجھی کی غلطی ۴ خطا بمعنیٰ سیّئہ گناہ ۵ خطا بمعنیٰ تقصیر یعنی کمی کرنا مکمل نہ کرنا یہاں بمعنیٰ سیّئات ہے۔ نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا اسم موصول اَکْرَھْتَ باب افعال کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر حاضر مصدر ہے اِکْرَاہٌ بمعنیٰ مجبور کرنا ناپسندیدہ کام کرانا۔ اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مخاطب فرعون ہے نَا ضمیر مفعول بہٖ عَلٰی بمعنیٰ فوقیت یا بمعنیٰ لامِ جارہ تعدیہ کا ہٖ ضمیر واحد بمعنی مذکر غائب مرجع ہے مَا موصولہ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ اَلسِّحْرِ۔ اسم مفرد معرفہ مصدر ہے۔ علماءِ نحو کے نزدیک اس طرح کے مصدر یعنی بکسرِ الفاء صرف چند ہی ہیں مثلاً فِعْلٌ، سِحْرٌ، عِلْمٌ، غِلْمٌ وغیرہ خیال رہے کہ عربی لغت میں مصدر کی تین قسمیں ہیں ۱ مصدر مادہ مجرد مثلاً نَصْرٌ ضَرْبٌ قَتْلٌ وغیرہ ۲ مادہ مزید فیہ مثلاً نُصْرَۃٌ ثُلْثَۃٌ قُرْبَۃٌ۔ ان مادوں کا فَ کلمہ (پہلا حرف) ہر حرکت میں دستیاب ہیں یہ مادہ مجرد مادے سے بنتا ہے کبھی موافق ہم وزن جیسے ضَرْبٌ ضَرْبَۃٌ کبھی مخالف وزن سے جیسے نَصْرٌ سے نُصْرَۃٌ اور قُرْبٌ سے قُرْبَۃٌ ۳ مصدر مزید فیہ یہ بھی مادہ مجرد سے بنتے ہیں۔ جیسے نَصْرٌ سے اِسْتِنْصَارٌ اِنْتِصَارٌ۔ سِحْرٌ کا لغوی معنیٰ ہے خفیہ چیز یا خفیہ کام اس معنیٰ سے اندرونی پینے اور پھیپھڑوں اور کھائی جانے والی غذا کو بھی سحر کہتے ہیں اصطلاحِ اعتبار سے ہر اس کام وعمل کو سحر کہا جاتا ہے جو نظروں میں حیران کن لگے اور نقصان یا نفع دے اس اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے جنتر منتر اور شعبدہ بازی کو بھی سحر کہا جاتا ہے اور ہر جادوگر جناتی عمل کو بھی سحر کہا جاتا ہے جادو ایک مستقل علم ہے جس کے لیے عمل وظیفے اور چلے کیے جاتے ہیں اس کا مزید بیان اور اقسام تفسیر عالمانہ میں مذکور ہوگا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ مِنَ السِّحْرِ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اَکْرَھْتَ کا وہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ یہ موصول

صلہ معطوف ہوا خطایا پر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا یَغْفِرَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت با مسبب ہوا اٰمَنَّا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ پھر مقولہ چہارم ہوا وَ اللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی۔ واؤ سر جملہ زائدہ اللّٰہُ مبتدا خَیْرٌ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَبْقٰی اسم تفضیل مذکر ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللّٰہ ہے یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا خَیْرٌ کا دونوں مل کر خبر مبتدا۔ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ پنجم ہوا۔ اِنَّہٗ مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَہٗ جَهَنَّمَ لَا یَمُوْتُ فِیْهَا وَلَا یَحْیٰی اِنَّ حرفِ مشبہ ہٗ بارز یعنی ظاہر موجود اس کا اسم ہے مرجع ذہنی ہے مراد ہے عام انسان ایک قول میں اِنَّ زائدہ اور ہٗ ضمیر شان، مَنْ اسم موصول شرطیہ یَاْتِ بابِ ضَرَبَ کا مضارع معروف واحد مذکر غائب اَتٰی یَاْتِیْ اِتْیَانًا اور ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی آنا۔ مجزوم ہے مَنْ شرطیہ کی وجہ سے دراصل تھا یَاْتِیْ جزم کی وجہ سے آخر کی یٰ لام کلمہ حرفِ علت، گر گئی ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ ہے رَبَّہٗ یعنی اپنے رب کے پاس یہ مرکب اضافی ظرف ہے یا مفعول مَعَہٗ مُجْرِمًا۔ بابِ اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر جُرْمٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے درخت سے پھل توڑنا اصطلاحی ترجمہ ہے جرم کرنے والا مراد ہے کفر شرک ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع وہی مَنْ ہے یہ اسم فاعل جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَاْتِ کے فاعل کا یَاْتِ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ موصول کا صلہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل دعمل ہیں، لَہٗ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل۔ وہ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی جَهَنَّمَ اسم مفرد معرب موصوف ہے لَا یَمُوْتُ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع منفی بلا معروف واحد مذکر غائب بمعنی مستقبل مَوْتٌ اَجْوَف واوی سے مشتق ہے ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے فِیْهَا جار مجرور متعلق ہے۔ لَا یَمُوْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَحْیٰی بابِ سَمِعَ کا مضارع معروف واحد مذکر غائب منفی بلا حَیٰوۃٌ لفیف مقرون سے مشتق ہے اسی سے ہے حَیٰوۃٌ بمعنی زندہ ہونا۔ رہنا، زندگی ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اِس کا فاعل مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر صفت ہے جہنم کی یہ مرکب توصیفی اِنَّ کا اسم مؤخر وہ اِنَّ جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی یہ شرط و جزا دوسرے قول میں خبر ہیں مقولہ ششم ہو گیا لیکن پہلے قول کی ترکیب میں خبر اِنَّ ہو کر جملہ اسمیہ بن کر پھر مقولہ ہوا فَاَلْقٰوا اپنے تمام مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا لیکن اگلی آیت مَنْ تَزَکّٰی تک اسی مَنْ یَّاْتِ رَبَّہٗ پر معطوف ہے وہاں مقولہ ششم مکمل ہوتا ہے

تفسیرِ عالمانہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ فرعون نے یہ دھمکی صرف اس لیے دی تھی کہ جادوگر پھر میرے حضور جھک جائیں مگر جادوگروں نے اس دھمکی کا ذرہ بھر اثر نہ لیا۔ اگر فرعون کی یہ چال کامیاب ہو جاتی تو اس کو تین فائدے پہنچتے ۱۔ عوام میں اُس کی یہ بات تھوڑے دنوں کے لیے سچ معلوم ہوتی کہ موسیٰ واقعی ایک بڑے جادوگر ہیں ۲۔ یہ بھی سچ ہو جاتا کہ جادوگروں کا ایمان سچا نہیں تھا صرف ایک جھوٹی بناوٹ اور منصوبے سازی تھی ۳۔ ذہنی انتشار کا شکار عوام لوگ دوبارہ فرعون پر مطمئن ہو جاتے اور اُس کے متعلق ان کے عقیدے اور مضبوط ہو جاتے اسی لیے فرعون نے ایک دم سزا جاری نہ کی بلکہ پہلے عَلَی الْاِعلان خوب سختی وغیظ وغضب میں آگر سنائی۔ مگر چونکہ یہ ایمان جھوٹا نہ تھا اس لیے کسی نے بھی کمزوری نہ دکھائی عشقِ الٰہی کا رنگ پختہ چڑھ چکا تھا۔ دیدارِ موسیٰ علیہ السلام کا فیض کوئی معمولی بات نہ تھی یہ تو قربتِ نبوت ورسالت کا دِل نگار سینہ ٹھار اثر ہی تھا کہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ۔ تمام جادوگروں نے یہ سخت ترین دھمکی تاریخِ عالم کی پہلی سزا دل ہلا دینے پتے پھاڑ دینے والی موت کا پیغام سن کر بھی یک زبان ہو کر کہا اے فرعون قسم ہے اُس ذاتِ کریم کی جس نے تمام علوی سفلی نیستوں نابودوں کو ہستی عالم میں ظاہر وثابت قائم ومخلوق فرمایا اب ہم تجھ کو پسند نہ کریں گے کبھی بھی۔ اس بنا پر کہ اب ہمارے پاس عقل ودل کے شعور میں وہ آیتیں وہ نشانیاں مکاشفاتِ ظاہرہ وباہرہ آگئی ہیں جو ہم نے ہی نگاہِ بصیرت سے دیکھیں اس لیے وہ ہمارے ہی پاس آئیں۔ جادوگروں نے مقابلے کے دن نو بینات دیکھیں نصیب ہوئیں ۱۔ عصا کا سانپ بن جانا ۲۔ اُس کا پہاڑ جیسا جسم ہونا ۳۔ لیکن اُس کی پھرتی پتلے باریک سانپوں جیسی ۴۔ سب کچھ نگل جانا ۵۔ فرعون اور اُس کے پورے تخت کو نگلنے کے لیے آگے بڑھنا، فرعون کا گھبرا کر چیختے چلاتے یاموسیٰ المدد پکارتے ہوئے بھاگنا۔ اور گڑگڑانا کہ اے موسیٰ اِس کو پکڑ لو ۶۔ جب حضرت موسیٰ نے اژدھا کو پکڑنے کے لیے ہاتھ لگایا تو اُس کا پھر اُسی طرح پتلی لمبی قد برابر لاٹھی بن جانا ۷۔ سجدے میں جنت اور اپنے جنتی گھر دیکھنا اور جہنم اور جہنم میں کفار کے گھر دیکھنا ۸۔ علم لدنی حاصل ہونا ۹۔ عالی شان جرأت وبہادری جبر شکر کی نعمت ملنا کہ جس کے سامنے کبھی بولنے کی جرأت نہ تھی اُس سے برملا سب کے سامنے لَنْ نُّؤْثِرَكَ۔ جیسے سخت ذلت ونفرت انگیز الفاظ بولنے۔ اور ایسی عالمانہ خطیبانہ فصیحانہ تقریر فرمانا کہ جنت دوزخ عذاب عتاب عقاب وثواب، توحید ورسالت ایمان ایقان مجرم

وموسن حشر نشر عبارت و عمل۔ عذابِ الٰہی کی بقا۔ انعامِ الٰہی کی خیر و وفا کے بیان میں تقریر فرما دی اور پورے ایمانیات شرعیات طریقت و معرفت کا ایسا نقشہ کھینچا کہ ساٹھ ساٹھ سال تک پڑھنے والے علماء بھی بیان نہیں کر سکتے یہاں آیت کو بینات فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالٰی کی نسبت سے وہ آیت تھیں مگر بندے کے مشاہدے کے اعتبار سے وہ بینات تھیں ان آیت کا مشاہدہ سب نے کیا مگر فرعون و فرعونیوں نے اُن کو بلیاتِ دنیا سمجھا لیکن جن خوش بختوں کو رب تعالٰی نے پسند فرما لیا اُن کے لیے وہی آیت انوارِ حق کی بینات بن گئیں پھر ہماری اتنی عظیم کہ علی الاعلان کہتے ہیں فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ جو تو نے ہمارے لیے سزا تجویز کی ہے وہ کر گزر اب ہم کو نہ تیرے انعام کی رغبت نہ تیری سزا سے رہبت ہم جان گئے ہیں کہ تیرا صرف ظاہری حکم ہو گا۔ فیصلہ ازلیہ اُسی خالق ارض و سما کا وہی نافذ ہو گا جو اُس نے ہماری موت و شہادت کا عالم امر میں لکھ دیا ہے تیرا حکم تو صرف اسباب پر چل سکتا ہے اسی لیے اِنَّمَا تَقْضِیْ هٰذِهِ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا۔ تو نے ہمارے لیے ظلم ستم سزا کا جو بھی فیصلہ واجرا کرنا ہے وہ فقط اسی چند ساعتوں کی ہماری زندگی کی سانسوں میں ہی کرنا ہے تو کیسی بھی سخت سزا دیدے آخر اُس کو ختم ہونا ہے۔ تیری سزا کی تکلیف تو ہماری جان تک ہے جان ختم تو ساری تکلیفیں ختم۔ جادوگروں کا یہ قول ماقبل لَنْ نُّؤْثِرَكَ کی علت اور مابعد اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا کی تمہید ہے۔ یعنی ہم اس لیے تجھ کو ناپسند کرتے ہیں کہ تیری ہر چیز حکومت قانون سزا جزا یہ اکڑ و تکبر یہ کفر و شرک کے لغویات اور الٰہیت و ربوبیت کے جھوٹے دعوے اس تیری فانی زندگی تک ہیں اِسی وجہ سے اب ہم اپنے سچے رب حقیقی معبود پر ایمان لے آئے ہیں۔ اُس کی ربوبیت ابدی اُس پر ایمان سدا بہار۔ دنیا کی دنیوی زندگی میں ہر شخص کو یا عذب دنیا نصیب ہوتا ہے یعنی نعمت دولت عزت شہرت قوت حسن صحت لذت یہ عذب دنیا ہے۔ یا عذابِ دنیا یعنی غریبی کمزوری ذلت عسرت بیماری جرم سزا۔ مگر بندہ جب قرب نبوت پا لیتا ہے تو ایسے مقامِ علیا پر پہنچ جاتا ہے کہ نہ اُس کو عذبِ دنیا کی خواہش رہتی ہے نہ عذاب دنیا کا ڈر خوف رہتا ہے۔ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا میں مفسرین کے دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ قسمیہ جملہ ہے یعنی اُس ذات کی قسم جس نے ہم سب کو پیدا کیا یہی قول مضبوط اور درست ہے۔ بعض نے کہا کہ یہ عطف ہے بَیِّنٰت پر یہ جملہ قسم نہیں ہو سکتا کیونکہ قسم کا جواب نفی تاکید نون سے صحیح نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ کہ خبر یہ قسم میں زمانہ حال ہوتا

ہے مگر نفی تاکید بلَن زمانہ مستقبل ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ یہ قول بھی غلط ہے۔ اور رہا اس کی یہ توجیہ بھی غلط قول تو اس لیے غلط ہے کہ عطف ماننے کی صورت میں یا تو علیٰ مقدر ماننا پڑے گا حالانکہ مقدر ماننے سے حتی الامکان بچنا بہتر ہے اور پھر مقدر ماننے کی کوئی مضبوط وجہ ہونی چاہیے جس کے بغیر چارہ نہ ہو بلا وجہ تقدیری عبارتیں بنانا گناہ ہے۔ اور اگر بغیر مقدر مانے عطف کیا تو عطف ہوگا مِنَ الْبَیِّنٰتِ پر اور یہ اس لیے غلط کہ پھر اَلَّذِی کو عطف تابعی کی وجہ سے مِنْ تبعیضیہ کے تحت ماننا پڑے گا اور یہ کفر ہے کیونکہ اَلَّذِی سے ذاتِ باری تعالیٰ مراد وہ بعض ہونے سے پاک ہے توجیہ اس لیے غلط کہ اوّلاً تو یہ کہنا کہ نفی تاکید بلَن سے جوابِ قسم نہیں ہو سکتا۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کلامِ شعرا میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ دوم یہ کہ قسم خبریہ میں اگرچہ زمانہ حال ہوتا ہے مگر نفی تاکید بلَن سے جواب بنانا اس حال کو مستقبل تک دراز کرنے کے لیے ہوتا ہے۔ تو لَنْ نُّؤْثِرَكَ کا معنی یہ ہوا کہ ہم آج سے آئندہ تا عمر تجھ کو ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اب ہمارا تیرا کوئی تعلق نہیں رہا نہ تو ہمارا بادشاہ نہ ہم تیری رعایا نہ تیرے پاس جزاءً و سزاءً قانوناً جو کچھ بھی حسب فانی ہے اور دنیوی نفع نقصان کو اُخروی ابدی نفع نقصان پر ترجیح نہیں دی جا سکتی ہے۔ عشقِ پاکیزہ کی تو شانِ ادا ہی نرالی ہوتی ہے وہ تو آتشِ نمرود میں بھی بے خطر کود پڑتا ہے لیکن یہ تو عقلِ سلیم کا بھی تقاضہ ہے کہ فانی دنیا کا وہ نقصان و مصیبت جو سعادتِ باقیہ ابدیہ سے ملا دے وہ برداشت کر لینی چاہیے ہاں البتہ۔ اپنے عیبوں کا ہمیں اقرار ہے ربِ اکرم بھی بڑا غفار ہے۔ اسی سچے پکے یقینی بھروسے پر۔ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ بے شک ہم اپنے رب تعالیٰ پر ایمان لے آئے ہیں اور ہمیں یقین کامل ہے کہ وہ رب غفور و رحیم ہماری توبہ سب چھوٹے بڑے ظاہر و پوشیدہ گناہوں سے قبول فرما کر ہماری موت سے پہلے پہلے بخشش فرما دے گا۔ ہمارے گناہ کفر اور جہالت کی وجہ سے خطاءً ہم سے سرزد ہوتے رہے اور ہمارے اُس جادوگری کے کفر کو بھی معاف فرما دے جس پر تو نے ہم کو مجبور کیا تھا ایسے کہ ہماری توبہ کاملہ وصادقہ ہے اے فرعون تو نے تو اپنی نئی ایجادی سزا کو ہی اَشَدُّ عَذَابًا وَّاَبْقٰى سمجھ لیا کہ ہاتھ پاؤں کاٹنے تیرے گمان میں اشدِ عذاب ہے اور زیادہ دن صولی پر لٹکا رکھنا تیرے نزدیک اَبْقٰى ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقبول بندوں پر دائمی رحمت و برکت کرتے ہیں ہر

ہر طرح خیر و بہتر ہے۔ اور کافروں پر صرف اُسی کا عذاب ہمیشہ رہنے والا اَبْقیٰ ہے۔ سبحان اللہ کیا قدرت کا نظام کرم ہے کہ عمر بھر کے بے علم جاہل کافر آن کی آن میں کتنے علم فضل شرح صدر اور باہمت و جرأت ہو گئے کہ ایسی بے باک تقریر فرمائی گویا کہ ان کا کفر ساری عمر کا اور ایمان ابھی چند لمحوں کا جس نے عمر بھر کا کفر مٹا دیا بلکہ ظاہری باطنی حلیہ بدل دیا کہ دل صدیقوں والا آواز صالحین جیسی جرأت و بہادری صابرین جیسی قربانی شہیدوں والی ایمان شاکرین استقلال راغبین والا کہ فرعونی طاغوتی سلطنت کا پورا قہر و جلال بھی ان کی استقامت فی الدین پر غلبہ نہ پا سکا یہاں فرمایا گیا خَطٰیٰنَا۔ سَیِّئَات یا ذنوب نہ فرمایا گیا اس لیے کہ خطا ہر اس شرعی جرم کو کہتے ہیں جو غلطی بھول چوک لاعلمی سے ہو اگرچہ کفریہ شرکیہ یا گناہِ کبیرہ و صغیرہ ہو۔ ذنوب اُن غلطیوں کو کہا جاتا ہے جو گناہِ کبیرہ ہو مگر کسی پر ظلم نہ ہو۔ اپنے آپ پر ظلم ہو۔ اور جان بوجھ کر علم رکھتے ہوئے کیا جائے سَیِّئَات وہ گناہ کبیرہ و صغیرہ ہیں جس میں کسی پر ظلم بھی ہو۔ دوسرا فرق یہ کہ جو بذاتِ خود بُرا ہو وہ سَیِّئَۃ جو کسی اور کی نسبت سے بُرا ہو جائے وہ ذَنب ہے اور جس کا ارادہ کیا جائے۔ لیکن جس کا بالغرض بلا ارادہ صدور ہو جائے وہ خطا ہے۔ اَکْرَهْتَنَا کی چار صورتیں بیان کی گئیں ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے زمانے کے بادشاہ اپنی سلطنت کو ناگہانی دشمن سے بچانے کے لیے جادوگر تیار کراتے اور رعایہ میں سے چند لوگوں کو جبراً اس کو سیکھنے پر منتخب کیا جاتا تھا فرعون نے بھی ان جادوگروں کو کئی سال پہلے ملکی حفاظت اور پیشگی خبریں دینے کے لیے جادو سیکھنے پر مجبور کیا تھا۔ یہاں وہی اکراہ مراد ہے دوم یہ کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس وقت یہ بہتّر جادوگر مصر کے مہمان خانے ایک جگہ جمع ہوئے تو حضرت موسیٰ اور ان کے کرتبوں کے متعلق گفتگو ہوئی اسرائیلی جادوگروں نے اپنے استاد قبطی جادوگروں سے کہا کہ ہم نے کئی دفعہ دیکھا ہے کہ موسیٰ سو رہے ہیں اور ان کا وہ عصا اُن کی حفاظت کر رہا ہے۔ اُستاد جادوگروں نے کہا کہ اگر یہ بات ہے تو وہ جادو نہیں معجزہ ہے اور اس سے مقابلہ ناممکن ہے ہم شکست کھا جائیں گے وہ یقیناً صادق ہیں پھر سب نے یہ بات فرعون سے بھی کی اور کہا کہ کسی بہانے مقابلہ ملتوی کرا دے ورنہ ہماری شکست کی صورت میں تیری ذلت زیادہ ہو گی۔ مگر فرعون نے بات نہ مانی اور ان کو مقابلے پر مجبور کیا یہاں اَکْرَهْتَنَا سے یہی مراد ہے۔ تیسری صورت یہ کہ جب جادوگروں کے پاس فرعون کا بلاوا پہنچا تو جادوگروں نے کہا تھا کہ ہم اس تاریخ کو مصروف ہیں نہیں آ سکتے مگر ان کو ڈرا

دھمکا کر اور لالچ دے کر جبراً بلایا۔ اِکراہ سے یہی جبری بُلاوا مراد ہے۔ چہارم یہ کہ ظالم جابر بادشاہوں کی خوشی کی دعوت میں آنا بھی اکثر عوام رعایہ کے لوگ پسند نہیں کرتے خائف رہتے ہیں اگرچہ دوستانہ ماحول ہی ہو کہ پتہ نہیں کب موڈ خراب ہو جائے اور دعوت خانہ کی بجائے مہمانوں کا قتل خانہ بن جائے۔ گویا کہ تیرا یہ بلاوہ ہی ہمارے لیے ایک جبر اکراہ کے مشابہ ہے۔ اور یہی کچھ ہو رہا ہے کہ صرف ہمارے ذاتی اختیاری ایمان لانے کو بھی تو برداشت نہیں کر رہا ہے۔ ہم نے تیرے خلاف نہ کوئی بات کی نہ تیرے خلاف کسی کو اُکسایا نہ کسی اور کو ایمان لانے پر آمادہ کیا نہ اِس مقابلے اور اپنی شکست کا اپنی زبان سے ذکر کیا۔ کیا یہ ظالمانہ جبر و اکراہ نہیں کہ ہم کو اپنی من مرضی سے دین بھی اختیار کرنے نہیں دیا جاتا۔ جب کہ ہم اسرائیلی جادوگر تو پہلے بھی اسی دینِ طہرون و موسیٰ پر تھے صرف تیرے مجبور کرنے پر جادو سیکھنے سے کافر ہوئے تھے اب جب کہ اسی مقابلے میں اپنی ایمانی روشنی دلائل برحان دیکھنے کی وجہ سے ہم دوبارہ مومن ہو گئے کفر جادو سے تائب ہو گئے تو تجھے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔ فرعون نے جادوگری سیکھنے کا اکراہ اُس وقت سے شروع کیا تھا جب سے نجومیوں نے ایک اسرائیلی بچہ پیدا ہونے کی پیشگوئی تھی۔ اے فرعون تو نے تو ہمیں موت سے ڈرایا ہے مگر تجھے کیا خبر کہ موت ہی تو قُربِ الٰہی وصلِ ربّانی۔ رجوع إلى اللہ کا دروازہ ہے۔ اِس دروازے سے تو مجرم مومن سب نے گزرنا ہے موت تو سب کو آنی ہے ہم پر بھی اور تجھ پر بھی۔ مگر ہم نہیں چاہتے کہ ہم اپنے رحیم کریم خالق مالک غفور اور عزیز و جبار غالبِ غفار کی بارگاہِ قُدس میں مُجرِم بن کر جائیں اس لیے کہ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ بے شک جو شخص بھی بعدِ موت اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں کفر شرک اکڑ غرور تکبر ظلم نافرمانی کا مجرم بن کر واپس لوٹ کر حسابِ محشر کی حاضری میں جائے گا اُس کے لیے ایسے دردناک دائمی اشدِ عذاب کا جہنم ہے کہ مجرم کو طلب و خواہش کے باوجود نہ اُس عذاب سے چھٹکارے کی موت آئے نہ ایک لمحہ بھی سکون و آرام کا جینا جی سکے حضرتِ حکیم الامت نعیمی بدایونیؒ فرمایا کرتے تھے کہ موت کا بلاوا تین قسم کا ہے ۱ کافر کے لیے بشکل وارنٹ گرفتاری ۲ فاسق کے لیے بشکل باز پُرس عدالت کا سمن اور ۳ مومن متقی کے لیے بارگاہِ قدس وصال کا دعوت نامہ اس کی طرف یہاں اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ بعض مفسر فرماتے ہیں۔ یہاں اَبْقٰى تک جادوگروں کا قول ہے اور اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ سے اللہ تعالیٰ کے فرمودات ہیں مگر صحیح یہ ہے کہ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ آیت ۷۶ تک جادوگروں

کا قول ہی منقول ہے۔ اور اُن کو یہ علمی معلومات حکمت و وعظ، آخرت جنت دوزخ کے حالات مجرم و مومن کے انجام عذاب و ثواب کی خبریں ان کے شرح صدر و علم لدنی سے حاصل ہوئی جو زیارتِ موسیٰ و دیدارِ ہارون علیہما السّلام کے نورِ قلبی روشنیٔ ایمانی کے ذریعے عطا ہوئے تھے۔ یہی وہ خصوصیت کمالیہ ہے جو صحابہ کرام اور اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ ہر وہ علم اور فن جو نجاتِ اُخروی اور ایمانِ الٰہی۔ تقویٰ اعمال اور ہدایتِ عرفانی کا ذریعہ بن جائے وہ اچھا ہے۔ اور صاحبِ فن کی خوش قسمتی ہے یہ فائدہ عَلیٰ مَا جَآءَنَا (الخ) سے حاصل ہوا کہ دیکھو جادوگری کا فن اگرچہ سراسر کفر ہی ہے مگر تقدیرِ ازلی میں یہی جادوگری اُن جادوگروں کے ایمان و ہدایت کا ذریعہ بن گئی۔ اس طرح کہ جادوگری کی وجہ سے مقابلہ اور مقابلے کی وجہ سے دیدارِ انبیاء علیہم السّلام دیدار کی وجہ سے ادب احترام کیا اور احترام کی وجہ سے ایمان نصیب ہوا اپنے اِس فن کی وجہ سے ہی انہوں نے جادو اور معجزے میں فرق جان لیا اور ہدایت پالی ورنہ ہزاروں نے یہ مقابلہ دیکھا کسی کو ایسا عرفان نصیب نہ ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ بارگاہِ الٰہی کی سب سے بڑی نعمت زیارتِ نبی علیہ السلام ہے۔ اِس زیارت و قربِ فضل سے ایمان۔ صدق کمالیت تقویت جرأت ہمت کرامت اور سب سے بڑا انعام صحابیت حاصل ہو جاتی ہے۔ اگرچہ قربِ حضوری چند منٹ کی ہو اور اگرچہ کسی عمل صالحہ کا موقعہ بھی نہ ملا ہو۔ اسی لیے صحابی کا درجہ تمام دنیا کے اولیا علما غوث و قطب حاجیوں نمازیوں سے زیادہ ہے۔ صحبتِ مجلسِ نبوت عقائدِ ایمانیہ کا اتنا وسیع علم بغیر کسی سے پڑھے بغیر سیکھے حاصل ہو گیا جو ماہرین علما کو علم عقائد پڑھنے سے ہی ملتا ہے لہٰذا یہ کہنا درست ہے کہ انبیاء کرام اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہوتے ہیں اور صحابہ عظام اپنے نبی علیہ السّلام کے غرضکہ قلب میں نور ہو تو علم و فضیلت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ یہ فائدہ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ سے حاصل ہوا۔ ان جادوگروں کو دیدارِ ایمانًا ایمان سے ہمت پیدا ہوئی اسی لیے فرعون جیسے ظالم وحشت گرد سے بھی نہ گھبرائے یہ بہادری کافر کو نہیں ہوتی دیکھو مرزا غلام قادیانی سیالکوٹ میں امیرِ ملت علی پوری کے مقابلے سے بھاگا۔ پیر مہر علی شاہ علیہما الرحمۃ کے مناظرے میں مارے باندھے آ تو گیا مگر ڈر کے مارے پیشاب نکل گیا۔ صوبہ سرحد میں اپنا پیغامِ تبلیغ بھیجا غیور پٹھانوں نے کہا کہ اینجا بیا۔ مرزا صاحب یہاں آؤ۔ بس ڈر گئے نہ گئے۔ تیسرا فائدہ۔ مسلمانوں کو چاہیے کہ اگر کوئی بے علمی

جہالت سے گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً توبہ کرتے ہوئے اُس گناہ کے کفارے کے طور پر کوئی نیکی کرے اس دعا و امید سے کہ مولیٰ تعالیٰ اِس نیکی کے بدلے میرا وہ گناہ معاف فرما دے یہ فائدہ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا. سے حاصل ہوا کہ دیکھو جادوگروں نے زمانۂ کفر میں وَبِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ کہہ کر غیر اللہ کی قسم کھائی تھی جو ہر شریعت میں شرکیہ گناہ رہا ہے اس لیے ایمان لاتے ہی اپنے اُس کفریہ شرکیہ گناہ کا کفارہ دیتے ہوئے وَالَّذِیْ فَطَرَنَا. کہہ کر اللہ تعالیٰ کی قسم بولی۔ اسی طرح حضرتِ وحشی جو قاتلِ امیر حمزہ تھے زمانۂ کفر میں انہوں نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنگِ اُحد میں شہید کیا تھا مسلمان ہو کر اُس کے کفارے کی فکر کرتے رہے جب جنگِ یمامہ میں مسیلمہ کذّاب کو قتل کر دیا تو عرض کی اے اللہ تعالیٰ میں نے امیر حمزہ کے قتل والے گناہ عظیم کا کفارہ مسیلمہ کذّاب جھوٹے نبی کو قتل کر کے کر دیا۔ یہ مسئلہ احادیث سے ثابت ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی ذات و صفاتِ خصوصیہ کے سوا کسی بھی چیز کی قسم بولنا جائز نہیں۔ اس کی پوری وضاحت و دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد سوم میں دیکھئے۔

احکامُ القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلمان کو جائز ہے کہ کسی مصلحت کے تحت اپنے ایمان لانے کی وجہ اور علت بیان کر کے کہہ دے کہ اس لیے ایمان لایا اس کو ایمان مشروط نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اس کو مطلب پرستی سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔ مگر اتنا خیال رہے کہ ایمان کو مخلص کرنے کے لیے اللہ رسول کی نسبت والی علت قائم کی جائے اگرچہ بوقتِ ضرورت دنیوی علت بھی جائز ہے جیسے کہ جنگ کے دوران کفار کا اپنی جان مال کی حفاظت کی شرط پر ایمان قبول کرنا جائز ہے اور اسلامی سپاہ سالار اس شرط کو قبول کرے گا جب حالات کے پیشِ نظر مناسب سمجھے۔ یہ مسئلہ لِيَغْفِرَ لَنَا میں۔ لَنَا کے لامِ تعلیلیہ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ جادوگروں نے اپنے ایمان کی وجہ بتائی کہ ہم اس لیے ایمان لائے ہیں تاکہ رب تعالیٰ ہماری خطائیں بخش دے اسی طرح بعض صحابہ سے مروی ہے کہ انہوں نے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اگر ہم آپ پر ایمان لے آئیں تو کیا ہمارے سابقہ تمام گناہ معاف ہو جائیں گے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے وعدہ فرمایا تب وہ ایمان لائے آج ہم بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہم اس لیے ایمان لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بخشش نبی کریم کی شفاعت ہمیں ملے۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر شریعت میں سب سے زیادہ اور اشد حرام نبی سے مقابلہ کرنا ہے۔ یہی سب سے بڑا کفر ہے۔ مقابلے کی چند صورتیں ہیں

اور ساری ہی گناہِ عظیم ہیں۔ (۱) یہ کہنا کہ ہم انبیاء کی مثل ہیں (۲) یہ کہنا کہ نبی آخر انسان ہی ہے اُس میں بھی ہم جیسی کمزوریاں ہیں (معاذ اللہ) (۳) ہمارے اعمال کا ثواب انبیاء کرام کے اعمال کے ثواب کے برابر ہو سکتا ہے (۴) یہ کہنا کہ کبھی امتی کے اعمال نبی کے اعمال کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں۔ یہ باتیں دیوبندی کتب میں عقیدۃً لکھی گئی ہیں یہ سب قول و عقیدے سخت ترین حرام و کفر ہیں۔ اگر نادانی جہالت سے ہوں تو خطا یا اگر عالمِ دین ایسا کہے تو خطیئاتِ کفریہ ہیں۔ پیمسئلہ۔ خَطَايَانَا۔ فرمانے کے بعد وَمَا أَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ کہنے سے مستنبط ہوا کہ اگرچہ خطایانا میں تمام گناہ و کفریات شامل تھے مگر شدتِ حرمت اور سخت قابلِ نفرت ہونے کو ظاہر کرنے کے لیے وَمَا أَكْرَهْتَنَا۔ پھر بھی علیحدہ بیان کیا اور قیامت تک یہ مسئلہ بتا دیا کہ مومن مسلمان کے نزدیک سب سے بڑا کفر نبی سے مقابلہ اور اپنے جیسا سمجھا جاتا ہے مقابلہ ہوتا ہی تب ہے جب اپنے جیسا سمجھا جائے فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کو دیگر جادوگروں جیسا ایک جادوگر ہی سمجھا تب ہی تو مقابلے پر مجبور کیا۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسے گستاخوں سے بچائے۔ آمین بجاہِ نبی الکریم (صلی اللہ علیہ وسلم) تیسرا مسئلہ۔ دینی وقار اور دینی حمیت۔ ایمانی غیرت مندی کو قائم اور ثابت کرنے کے لیے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کرنا اور دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو کر کہنا کہ اگر مارنا ہے تو مار لے شرعًا جائز ہے۔ یہی کام دنیوی وقار یا خودکشی کے ارادے سے کرنا اور کرانا حرام ہے۔ یہ مسئلہ فَاقْضِ مَا أَنْتَ قَاضٍ۔ سے مستنبط ہوا۔ جادوگروں نے دینی استقامت و سچائی قائم رکھتے ہوئے فرعون کے سامنے اپنے آپ کو ہلاکت کے لیے پیش کر دیا قرآنِ کریم میں اس کام اور جرأت مندی کی تعریف کی گئی۔ اگر کوئی شخص بیماری سے تنگ آ کر ڈاکٹر سے کہے کہ مجھ کو زہر کا ٹیکہ لگا دے اور وہ اس طرح مر جائے تو حرام موت مرے گا یہ بھی گویا خودکشی ہے اسی طرح اپنی دنیوی بہادری یا دنیوی ملک کی خاطر دشمن کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور اُس کو کہے کہ سے مار لے اور وہ مار ڈالے تو گنہگار ہوگا دنیوی بہادری کے اظہار کے لیے موت کے منہ میں جانا گویا خودکشی ہے اسی طرح اپنی دنیوی بہادری یا دنیوی ملک کی خاطر دشمن کے سامنے اس قسم کی جرأت دکھانا جائز کارِ ثواب ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں جادوگروں کا قول نقل فرمایا گیا لَنْ نُؤْثِرَكَ عَلَىٰ مَا جَاءَنَا۔ یعنی اے فرعون ہم اب تجھ کو اُن آیاتِ الٰہیہ کی بنا پر پسند نہیں کرتے جو ہمارے پاس آئیں۔ آیت سے مراد اژدھا اور اُس

کے معجزے کارنامے ہیں یہ آیت تو تمام کے پاس آئیں کیونکہ سب کو نظر آئیں اور سب کو دین موسوی کی تبلیغ مقصود تھی۔ تو پھر مَاجَآءَنَا کیوں کہا گیا کہ ہمارے پاس آئیں۔ جواب اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ آیتِ رَبانی صرف عصا ہی نہیں تھا۔ بلکہ سجدے میں جو انوار و اسرار اور غیوبات جادوگروں کو دکھائے گئے وہ کسی اور نے نہ دیکھے ان کی نسبت سے عَلٰی مَاجَآءَنَا کہنا بالکل درست ہے یہ جواب بہترین درست ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ بھی اور ہی کا فرق ہے یعنی جادوگروں نے کہا کہ ہمارے پاس بھی آئیں دوسروں کے پاس آنے کی نفی نہیں۔ یہ نہیں کہا تھا کہ ہمارے ہی پاس آئیں اگر ہی کہہ کر حصر پیدا کرتے تب یہ اعتراض ٹھیک ہو سکتا تھا سوم یہ کہ چونکہ ان آیت کا فائدہ صرف جادوگروں نے حاصل کیا اس لیے گویا کہ انہیں کے پاس آئیں جنہوں نے آیاتِ الٰہیہ کو نہ سمجھا نہ فائدہ حاصل کیا اُن کے لیے وہ آیت نہ ہوئیں صرف پہلے کا ایک تماشائی مقابلہ ہو گیا۔ جس طرح ہم مسلمان کہہ دیتے ہیں کہ قرآن مجید حدیث پاک نبی پاک صرف ہمارے ہیں کیونکہ ہم کو ہی ان کی معرفت اور استفادہ پہنچا۔ نہ کہ کفار اور ابوجہل وغیرہ کو ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی ابوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے۔ بعض نے یہ جواب بھی دیا ہے کہ مَاجَآءَنَا میں ضمیر جمع متکلم سے مراد صرف جادوگر نہیں بلکہ تمام عوام مراد ہیں دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں وَالَّذِیْ فَطَرَنَا۔ قسم کو مؤخر کیا اور اس کے جواب لَنْ نُّؤْثِرَكَ کو مقدم کیا جب کہ نحوی قانون کے مطابق قسم پہلے ہونی چاہیے جوابِ قسم بعد میں۔ جواب یہ تاخر اس لیے ہے کہ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا۔ صرف قسم ہی نہیں بلکہ آیتِ الٰہیہ اور بینات بھی ہیں۔ مگر چونکہ عَلٰی مَاجَآءَنَا میں بَیِّنَاتِ حِسّیہ مراد ہیں اس لیے ان کو پہلے کیا گیا کہ وہ سب کے مشاہدوں میں تھیں اور فَطَرَنَا کی آیت عقلیہ فکریہ ہیں اس لیے ان کو مؤخر کیا گیا رہا یہ قانون کہ قسم کو مقدم کرنا چاہیے یہ اتنا اہم و ضروری نہیں۔ مؤخر کرنے سے بھی کچھ خرابی لازم نہیں آتی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَكْرَهْتَنَا۔ اے فرعون تو نے ہم کو اس مقابلے پر مجبور کیا۔ یہ بات تو درست نہیں کیونکہ جادوگر تو اپنی خوشی و مرضی و پسند سے آئے تھے اس لیے انہوں نے فرعون کے پاس آکر پہلے کہا کہ اِنَّ لَنَا لَاَجْرًا۔ (الخ) اے فرعون اگر ہم جیت گئے تو کیا ہم کو اُجرت ملے گی۔ جو شخص اُجرت مانگتا ہے اور اُجرت کی لالچ میں کام کرتا ہے وہ مجبور کیسے ہو سکتا ہے وہ تو محنت لگن اور خوشی خوشی کام کرتا ہے۔ نیز جب جادوگروں نے اپنے رسے ڈنڈے میدان میں ڈال دیئے اور وہ سانپ کی طرح بن کر دوڑنے لگے تب

جادوگروں نے کہا۔ وَبِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ اِنَّا لَنَحْنُ الْغٰلِبُوْنَ۔ یہ سب باتیں تو خوشی و رضا ظاہر کرتی ہیں پھر اَكْرَهْتَنَا کیونکہ درست ہوا؟ جواب۔ اس کے پانچ جواب دیئے گئے۔ پہلا یہ کہ بِعِزَّتِ فِرْعَوْنَ کا قسمیہ کلام مقابلے کے وقت کا نہیں بلکہ اُس وقت کا ہے جب فرعون کے ایلچی اس کا بلاوہ لے کر جادوگروں کے پاس گئے تھے اور جادوگروں نے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے عصا کو دیکھا نہ تھا صرف ان فرعونیوں کی زبانی سنا ہی تھا کہ وہ بھی جادوگر ہے اور سانپ کا کرشمہ دکھاتا ہے تب جادوگروں نے اپنے آپ کو اس جادو کا ماہر اور اُستادِ زمانہ سمجھتے ہوئے کہا تھا کہ عزتِ فرعون کی قسم۔ لیکن جب مصر کے مہمان خانے میں سب جادوگر استاد شاگرد مل بیٹھے اور اسرائیلی جادوگروں نے عصاءِ موسوی کی کیفیت بتائی تب استاد جادوگروں کا ارادۂ مقابلہ ڈگمگا گیا۔ اور فرعون کو منع کیا جس پر فرعون نے جبر کیا۔ لہٰذا اَكْرَهْتَنَا کہنا درست ہوا۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا کہ اسرائیلی جادوگروں نے اَكْرَهْتَنَا کہا تھا۔ لیکن اُجرت کی طلب اور فرعون کی قسم یہ دوسرے قبطی جادوگروں نے بولی تھی۔ تیسرا جواب یہ دیا گیا کہ سورۃ شعراء آیت ۴۴ میں فَاَلْقَوْا حِبَالَهُمْ وَعِصِيَّهُمْ کے بعد فرمایا کہ قَالُوْا بِعِزَّةِ فِرْعَوْنَ۔ یہ ترتیب کے لیے نہیں صرف تذکرہ ہے کہ جادوگروں نے یہ باتیں کی تھیں۔ چہارم یہ کہ اَكْرَهْتَنَا سے مراد جادو سیکھنے سکھانے پر مجبور کرنا ہے نہ کہ مقابلے پر۔ پنجم یہ کہ ہم کو تیرا بلاوہ ہی ہمارے لیے اکراہ تھا ورنہ ہم تو اپنی مصروفیات کی بنا پر اس کے لیے تیار نہ تھے۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ جہنم میں مجرمین نہ مریں گے نہ زندہ ہوں گے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے موت و حیات آپس میں نقیضین ہیں اور نقیضین کا نعوذ؟ الجمع ہوتی ہیں کا نعوذ الخلو نہیں ہو سکتیں نہ دونوں ختم ہو سکتی ہیں نہ دونوں۔ جمع لہٰذا یا تو زندگی ہوگی یا موت دونوں اُٹھ نہیں سکتیں اجتماع نقیضین بھی محال جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ جہنم کے بدترین حال کی تمثیل دی گئی ہے جس طرح کہا جاتا ہے کہ فلاں آتنا سخت بیمار ہے کہ نہ زندوں میں ہے نہ مُردوں میں یعنی نہ زندگی کی لذت نہ موت کا سکون سختیِ عذاب کی وجہ سے خواہشِ موت کے باوجود موت نہ آئیگی زندہ ہوگا لیکن بے فائدہ جس کا نہ ہونا بہتر۔ دوم یہ کہ یہاں مسلسل ہونے کی نفی ہے کبھی مرے گا کبھی جیے گا۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔ انسانی پیدائشی

جبلی فطرت اگرچہ صحبتِ بد اور نفسانی طمع کی وجہ سے چند لمحاتِ ناسوتیہ میں خبیثانہ طبیعت اختیار کر لیتی ہے مگر قربتِ عقلی وقلبی کا پَرتَو پڑتا ہے تو وہ جبلّتِ مکارہ اپنی حاصل شدہ قوتِ عظیمہ سے نفسِ امّارہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر قوتِ یقینیہ کے زور پر اعلان کر دیتی ہے کہ مصرِ ظلمات کے فانی علاقوں میں بسنے والو ہم تم سے نفرت کرتے ہیں اس لیے کہ ہم کو سعادتِ باقیہ مل گئی ہیں جب کہ تمہارے پاس شقاوتِ بدنیہ اور لذاتِ حاصلہ فانی ہیں۔ ہماری یمین ویسار کی کروٹوں میں آلامِ جبیثہ سے لذاتِ عقلیہ باقیہ سعادتوں سے آئیں اُخروی آگئیں۔ قسم ہے ہم کو اپنی جبلّت کے خالق کی۔ اے نفس ہم نے تیری جزا سے حقارت تیری سزا سے نفرت کر لی کیونکہ نفس وشیطان کا ہر وعدہ وغیرہ اسی حیاتِ ناسوتی فانی میں ہے اعضاءِ ظاہر اور مزاجِ فرعونی تو دھوکہ کھا سکتا ہے۔ مگر روشن ضمیر نہ تیرے جبر واکراہ سے خائف نہیں ہو سکتیں تو جو چاہے کر گزر۔ اِنَّآ اٰمَنَّا بِرَبِّنَا لِيَغْفِرَ لَنَا خَطٰيٰنَا وَمَآ اَكْرَهْتَنَا عَلَيْهِ مِنَ السِّحْرِ وَاللّٰهُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ بے شک ہم سایۂ عاطفت میں آگرا ایمان باللہ ایمان للہ مقامِ فنافی اللہ حاصل کر چکے ہیں تاکہ ہمارا خالق تعالیٰ باطن کی خیاناتِ منظلہ اور صفاتِ رذیہ کی خطاؤں کو اپنے نورِ محبت کے پردوں میں چھپا کر مٹا دے اور نفس کے جبر واکراہ کے سبب سے ہمارا جو میلانِ زخرفِ دُنیوی اور لذاتِ طبعی کی طرف ہوا تھا اور جو مقابلہ موسیٰ وقلب اور طرونِ عقل سے ہوا تھا اُس کی بخشش وتلافی عطا فرمائے۔ اس لیے کہ نفسِ ملعون کا اکراہ بس اُس وقت تک ہوتا ہے جب تک معرفتِ حق کا نورِ استعداد حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن جب قلبِ مسعود کی حقیقت ظاہر ہوتی اور نورِ قلب ظاہر ہوتا ہے تب وہ قوتِ تخیل مقابلۂ قلب سے تائب ہو جاتی ہے اور سمجھ جاتی ہے کہ اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ بے شک جو محشرِ جسمانی کی قیامتِ صغریٰ میں ہیئتِ بدنیہ کی ثقیل کثافتوں میل کچیل کا مجرم بن کر اور طبیعۂ خبیثہ کے جرائم کی توخیرِ فاحشہ لے کر بارگاہِ معرفت میں حاضر وطالب بنے گا وہ نفسِ رذیل نہ آلامِ طبعی کی موت مرے گا نہ وہ حیاتِ حقیقیہ نورانیہ کی زندگی پا سکے نہ وہ امراضِ لعینیہ کی سزا اور عذابِ بدعقیدگی سے نجات پائے صوفیاء فرماتے ہیں کہ نفسِ بد کی اس طریقہ سے مدافعت کرنی چاہیے تاکہ تمہارے دشمن بھی گھبرے دوست ہو جائیں یہ طریقہ صابرین کا ہے۔ معافی مانگنے والوں کی معافی کو قبول کرنا منزلِ معرفت کو قریب کرنے کا پہلا قدم ہے جو دوستوں کی معافی قبول نہیں کرتا اُس پر اللہ کی طرف سے تنہائی کی وعید

آتی ہے۔ دوست کی سچی معافی قبول کرتے کے چار فائدے ہیں اور نہ قبول کرنے کے یہ چار ہی نقصان ہیں ۱۔ قلب نرمی پکڑتا ہے رقتِ قلبی پیدا ہوتی ہے ۲۔ مرتے وقت اُس پر نرمی کی جاتی ہے ۳۔ حوضِ کوثر پر جلدی حاضری نصیب ہوگی ۴۔ اس کو رب تعالیٰ کی طرف سے جلدی معافی اور بخشش ملے گی۔ اگر کوئی معافی قبول نہ کرے یا شرطیں لگائے تو اُسی طرح کی محرومیاں اس کو ملے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی سچی توبہ قبول فرمانے والا ہے۔

وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ

اور وہ جو آئے گا اُس کے پاس ایسا مومن بن کر کہ عمل کئے ہوں گے نیک

اور جو اُس کے حضور ایمان کے ساتھ آئے کہ اچھے کام کئے ہوں

فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ﴿۷۵﴾ جَنّٰتُ

تو وہی ہیں جن کے لیے اونچے مقام ہیں وہ عدن کے باغ

تو انہیں کے درجے اونچے، بسنے کے باغ

عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ

جاری رہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ تک رہنے والے ہیں

جن کے نیچے نہریں بہیں ہمیشہ اُن میں رہیں

ع ۳ ۱۲ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا مَنْ تَزَكّٰى ﴿۷۶﴾ وَلَقَدْ

اُن ہی میں اور وہ جزا ہے ہر اُس شخص کی جو پاکیزہ رہا۔ اور البتہ بیشک

اور یہ صلہ ہے اس کا جو پاک ہوا۔ اور بے شک

وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی ۵ اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ

وحی فرمائی ہم نے موسیٰ کی طرف اس بات کی کہ رات ہی کو روانہ ہو جاؤ میرے بندوں کے ساتھ

ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لے چل

فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيْقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ

اور پھر تم خود بناؤ اُن کے لیے ایک خشک راستہ دریا میں

اور ان کے لیے دریا میں سوکھا راستہ نکال دے

لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى ﴿۷۷﴾ فَاَتْبَعَهُمْ

تم کو نہ کچھ ڈر محسوس ہو گا پکڑے جانے کا اور نہ خطرہ ہوگا تم کو۔ پھر فرعون اُن کے

تجھے ڈر نہ ہو گا کہ فرعون آ لے اور نہ خطرہ۔ تو اُن کے پیچھے

فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِيَهُمْ مِّنَ الْيَمِّ

پیچھے بھاگا اپنے لشکروں کے ساتھ تب ڈبو دیا ان کو گھیرے پانی میں

فرعون پڑا اپنے لشکر لے کر تو انہیں دریا نے ڈھانپ لیا

مَا غَشِيَهُمْ ۭ ﴿۷۸﴾

خوب اچھی طرح ڈبونا

جیسا ڈھانپ لیا

تعلقات اِن آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مجرم بن کر حاضر ہونے کی حیثیت کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیات میں رب تعالیٰ کے پاس مومن بن کر حاضری کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں جادوگروں کا کفر سے نجات پانے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیات میں بنی اسرائیل کو فرعون

سے نجات دلانے کا بیان ہے۔ تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرعون کی اُن ظالمانہ حرکتوں کا ذکر ہوا جو اُس نے مومن صحابہ جادوگروں کو قتل کر کے کیں۔ اب ان آیت میں فرعون کے بنی اسرائیل کے خلاف برے رویے کا بیان ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۔ واؤ عاطفہ۔ مَنْ شرطیہ اسم موصول یَاْتِ باب ضرب کا مضارع معروف بمعنی مستقبل آنے کا زمانہ قیامت کا دن ہے ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے ہٖ ضمیر ظرف ہے مُؤْمِنًا باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر حال یَاْتِ کے فاعل کا اور موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ قَدْ عَمِلَ باب سَمِعَ کا ماضی قریب واحد مذکر غائب مگر شامل ہے مؤنث کو بھی۔ الف لام استغراقی صٰلِحٰتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے صَالِحَۃٌ صَلُحَ باب فَتَحَ سے مشتق ہے اسم فاعل ترجمہ ہے اچھائی اور بھلائی والے کام یہ مفعول بہ ہے۔ قَدْ عَمِلَ اپنے فاعل و مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مومنًا کی یہ مرکب توصیفی حال ہے یَاْتِ فعل سب سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ اور وہ دونوں ملکر شرط ہوئی فَ جزائیہ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعیدی جمع مذکر کے لیے کَ ضمیر واحد اس سے مراد وہ شخص ہوتا ہے جس کے لیے اشارہ کیا جائے اسی لیے حاضر کی سب ضمیریں اُس کے ساتھ آسکتی ہیں جیسے اُولٰٓئِكَ یہ مبتدا ہے اشارہ ہے اسم اشارہ مبنی ہوتے ہیں اسی لیے اس کا اس رفع ظاہر نہیں ہے لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا الف لام عہد ذہنی دَرَجٰت اسم جمع مؤنث سالم ہے دَرَجَۃٌ بمعنی مرتبہ یا مقام۔ اَلْعُلٰى اسم جمع مکسر ہے عُلْيَا اسم تفضیل مؤنث واحد کی دراصل عُلْوٰى تھا بروزن فُعْلٰى واؤ ثقیل کے بدلے میں الف آیا۔ جیسے کُبْرٰى کی جمع کُبَرَا ہوتی ہے عُلُوٌّ سے مشتق ہے عُلٰى کی ی اس لیے ہے تاکہ عُلًا مصدر کی مشابہت نہ ہو سکے۔ ایک قول میں یہ عَلٰى سے مشتق ہے عُلُوٌّ باب نَصَرَ ہے اور عَلٰى باب فَتَحَ میں ہوتا ہے یہ صفت ہے دَرَجٰتٌ کی یہ مرکب توصیفی مُبْدَلٌ منہ ہے۔ جَنّٰتُ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد جَنَّۃٌ بمعنی پوشیدہ باغ مضاف ہے عَدْنٍ اسم حاصل مصدر جامد۔ مصدری معنی ہے آرام دِہ رہنا۔ رہائشی باغ۔ لیکن جامد ہو کر یہ ایک جنت کا نام ہے۔ خیال رہے کہ جنت کے آٹھ حصے ہیں ۱۔ جنتِ علیین ۲۔ جنتِ الفردوس ۳۔ جنت الماوٰی ۴۔ جنت دار الجلال ۵۔ جنت دار الطوبٰی ۶۔ جنتِ عدن ۷۔ جنتِ نعیم ۸۔ جنتِ دار السّلام۔ یہ مضاف الیہ ہے اگر لفظِ عدن

مصدر ہو تو یہ اضافتِ حقیقی ہے یعنی رہنے کے پاک اور اگر یہ حاصل مصدر جامد ہو تو یہ اضافت توصیفی ہے۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے تَجْرِیْ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف واحد مؤنث۔ مِنْ جارہ بیانیہ تَحْتِ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل برائے جمع غیر عقلی مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَجْرِیْ اَلْاَنْھٰرُ۔ اسم جمع مکسر معرّف باللام ذہنی نہر کی جمع ہے یہ فاعل ہے تجری کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر بدل بعض ہوا دَرَجٰتُ الْعُلٰی کا وہ سب مل کر نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ خٰلِدِیْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ ضمیر صیغہ اسکا فاعل اسکا مرجع اُولٰٓئِكَ ہے فِیْھَا جار مجرور اس کا متعلق یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے لَھُمْ کا اس لیے بحالتِ نصب ہے ھُمْ ذوالحال اور حال مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ مشار الیہ وَ ذٰلِكَ۔ واؤ عاطفہ یا حالیہ۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ واحد بعید کے لیے آتا ہے ذَا اسم ہے كَ ضمیر حاضر واحد مذکر ہے مخاطب کے اعتبار سے ہر قسم کی ضمیر حاضر اس میں آسکتی ہے مبتدا ہے اس لیے مرفوع ہے۔ جَزٰٓؤُا۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی بدلہ جَزْءٌ فَعَالٌ کے وزن پر الف مصدریہ لگایا پھر اظہار ہمزہ دلام کلمہ کے لیے واؤ لگائی گئی اور آخری الف حرف ہراؤ کے لیے جیسے یَدْعُوْا اٰتُوْا وغیرہ کا الف مضاف ہے مَنْ اسم موصول تَزَکّٰی بابِ تَفَعَّلٌ کا ماضی مطلق واحد مذکر زکوٰ ناقص واوی یا زکی ناقص یائی سے مشتق ہے ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر عطف ہے اَلَّذَا جٰتُ پر۔ فَاُولٰٓئِكَ سب سے مل کر جزا ہے وَمَنْ یَّاْتِهٖ کی وہ شرط و جزا مل کر عطف ہے مَنْ یَّاْتِ رَبَّهٗ یہ سب مل کر مقولہ مشتم ہے قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَھُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰی فَاَتْبَعَھُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ فَغَشِیَھُمْ مِّنَ الْیَمِّ مَا غَشِیَھُمْ۔ واؤ برجملہ ابتداءِ کلام کے لیے لام کُلَّ تاکید کے لیے بمعنی البتہ یقینًا۔ قَدْ اَوْحَیْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی قریب معروف جمع متکلم وَحْیٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر اِیْحَاءٌ ہے بوجہ ہمزہ مکسور واؤ دف کلمہ) یٰ سے بدلا گیا۔ نَا ضمیر صیغہ بارز اس کا فاعل مرجع رب تعالیٰ اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے مُوْسٰی مجرور یہ جار مجرور

متعلق ہے۔ اَنْ۔ حرفِ تفسیریہ دلالتِ لفظی مفسر ہوتا ہے اپنے پہلے کلام کا اس کی تفسیر اور دلالت دو قسم کی ہے ۱؎ دلالتِ لفظی یہاں یہی ہے ۲؎ دلالتِ معنوی۔ یعنی اپنا عمل اس انداز میں کرنا کہ دوسروں کے لیے رغبت ظاہر ہو (کرنے والے کے کام اور عمل کی حالت بتائے کہ دوسروں کو کرنے پر آمادہ کرنا چاہتا ہے) علم نحو میں حرفِ اَن پانچ قسم کا ہے ۱؎ اَن حرفِ ناصبہ یہ ماضی اور مضارع پر آتا ہے اور دونوں کو مصدری معنی میں کر دیتا ہے ترجمہ ہے یہ کہ اور فقط مضارع کو نصب دیتا ہے ۲؎ اَنْ یہ اَنْ حرفِ زائدہ یہ لمّا کے بعد اس کی تاکید کے لیے آتا ہے ترجمہ ہے جب کہ یا جب ہی ۳؎ اَن مخففہ یہ اَنَّ یا اِنَّ سے بدلا ہوتا ہے اور لغو ہو جاتا ہے۔ یعنی اپنا عمل نہیں کرتا مگر ترجمہ باقی رہتا ہے ترجمہ ہے بے شک یقیناً ۴؎ اَنْ تفسیریہ دلالت لفظی اور کبھی دلالت معنوی ۵؎ اَنْ نافیہ اس کا ترجمہ ہوتا ہے یہ کہ نہ جیسے اَن نَّمِیْدَ بِکُمْ۔ اَسْرِ بابِ افعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر سُرًیٰ سے مشتق ہے بمعنیٰ سیر کرنا۔ رات کو روانگی ایسا چلنا جس میں تھکاوٹ نہ ہو۔ بِ جارّہ تعدیہ کی یا بمعنیٰ مع عِبَادِ جمع مکسر تغیر تکثیری اس کا واحد عَبْدٌ ہے یا عَابِدٌ بمعنی نیک عبادت گزار۔ یٰ ضمیر واحد متکلم مراد اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اَسْرِ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ اِضْرِبْ بابِ ضَرَبَ کا امر حاضر معروف واحد ضَرْبٌ سے مشتق ہے اس کے معنیٰ ۱؎ مارنا ۲؎ بیان کرنا ۳؎ چلانا یہاں اسی معنیٰ میں ہے اَسْرِ اور اِضْرِبْ دونوں میں اَنْتَ ضمیر فاعل کا مرجع موسیٰ ہیں لَہُمْ جار مجرور اوّل مفعولِ متعلق ہے طَرِیْقًا اسم مبالغہ واحد جامد مذکر بمعنیٰ راستہ مفعول بہ ہے فِی الْبَحْرِ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ظرفی ہے اِضْرِبْ کا بعض نے فرمایا کہ فِی بمعنیٰ اِلٰی ہے یَبَسًا اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ترجمہ ہے خشک ہونا خشک رہنے والا۔ لازم ہے اس کی چار قرأتیں کی گئی ہیں ۱؎ یَبَسًا یہ مشہور ہے ۲؎ یَبْسًا بروزن صَعْبٌ صیغۂ مبالغہ ۳؎ یُبُسًا یابِسٌ کی جمع جیسے صاحِبٌ کی جمع صُحُبٌ یا صحیفے کی جمع صُحُفٌ ۴؎ یَابِسٌ اسم فاعل واحد مذکر۔ یہ صفت ہے طَرِیْقًا کی دونوں موصوف صفت مفعول بہ ہیں۔ دَرَکًا۔ اسم مصدر بحالتِ فتحہ ہے مفعول بہ ہے لَاتَخٰفُ کا۔ یہ فعل مضارع معروف منفی بِلَا بمعنیٰ مستقبل خَوْفٌ سے مشتق ہے بابِ سَمِعَ سے ہے اس کی تین قرأتیں ہیں ۱؎ لَا تَخٰفُ یہی مشہور ہے ۲؎ لَا تَخَافُ یہ صیغہ اصلی بلا تعلیل حالت میں ہے ۳؎ لَا تَخَفْ مضارع مجزوم اِضْرِبْ کے جواب امر ہونے کی مناسبت سے۔ دَرَکًا کا معنیٰ ہے مل جانا۔ یا لینا پکڑ لینا عمل کا نتیجہ ملنا۔ لَاتَخٰفُ

فاعل و مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لَا تَخْشٰى باب سَمِعَ کا مضارع منفی بلا معروف واحد مذکر اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل خَشِیٌّ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنی اندیشہ۔ خطرہ خوفٌ کا معنی قلبی ڈر۔ خَشْیٌ کا معنی حقیقی ڈر۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر جواب امر ہوا۔ یا حال ہے اِضْرِبْ کے فاعل اَنْتَ کا۔ اِضْرِبْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف ہوا اَمْر کا دونوں جملے عطف مل کر مفسر ہوا لَقَدْ اَوْحَیْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تفسیریہ ہو گیا ف زائدہ تعقیبیہ۔ یہ بتاتی ہے کہ اگلا واقعہ کچھ ہی دیر بعد ہوا۔ اَتْبَعَ بابِ افعال کا ماضی تَبِعٌ سے مشتق ہے مطلق واحد مذکر غائب بمعنی پیچھے پیچھے آنا ایک قول میں باب افتعال سے ہے اِتَّبَعَ یہی فعل و صیغہ۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے بنی اسرائیل فِرْعَوْنُ یہ مصری لغت کا لفظ فارا اُدہ سے مبدّل ہے بمعنی اونچی چوٹی مراد ہے اونچا حاکم یعنی بادشاہ فاعل ہے۔ بِ حرفِ جر بمعنی مَعَ جُنُوْدِ اسم جمع مکسر ہے جُنْدٌ کی بمعنی لشکریت سے قبائل کے ہٖ ضمیر کا مرجع فرعون مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق ہے اَتْبَعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا فَ حرفِ تعقیب غَشِیَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مذکر غائب ایک قرأت میں غَشّٰی ہے باب تفعیل سے وہی فعل و صیغہ بہر حال غَشْیٌ سے بنا ہے بمعنی ڈھک لینا مراد ہے غرق کر دینا۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے فرعون و فرعونی مِنْ جارّہ بمعنی فی لیعنی پانی ہیں۔ الف لام خارجی یَمّ اسم مفرد جامد بمعنی سمندر مراد ہے سمندر کی مثل کثیر پانی دور دور تک چاروں طرف۔ یہ جار مجرور متعلق ہے غَشِیَ کا مَا حرف مصدریہ اس میں بہت قول ہیں اور اسی بنا پر ترکیبیں بھی بہت ہیں مگر ہماری ترکیب کو ترجیح ہے غَشِیَ فعل با فاعل ھُمْ مفعول بہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر مفعول مطلق ہوا فَغَشِیَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ دنیا ہی دارُ العمل ہے موت کے بعد کوئی عمل نہ ہو سکے گا موت کے بعد تو حاضری ہے اُس بارگاہ کی جس کا وعدہ مقرر ہے وہ لَوٹنے کا دن ہے، پہلی حاضری قبر میں دوسری حاضری میدانِ محشر میں جو خوش نصیب ایمان کی سلامتی کے ساتھ قبر قیامت کی حاضری میں رب تعالیٰ کے حضور حاضر ہوا۔ اُس کی مزید خوش نصیبی یہ کہ دنیوی زندگی میں

اَعمال بھی اچھے عبادت ریاضت تقویٰ طہارت عدل وانصاف والے کئے فرائض و واجبات تو ضرور ہی ادا کرتا رہا (اس لیے کہ تمام اَعمالِ صالحہ تو عمرِ قلیل میں ادا کر لینا ناممکن ہے) ایسے مومنینِ صالحین کے لیے طبقۂ جنت کے اونچے درجہ ہیں اور یہ درجات جنّتِ عدن میں ہیں جو علاقۂ جنت کا اَعلیٰ طبقہ ہے جنت کے آٹھ حصے ہیں جن میں ایک جنّتِ عدن ہے اس میں ایسی بلندی۔ باغات کی سدا بہاریں ہیں جو جنّت کے دوسرے نیچے حصوں میں نہیں۔ یہیں سے جنتی نہروں کی ابتدا ہوتی ہے جو دیگر جنتوں تک بہتی چلی جاتی ہیں جنّت جمع فرمانا باغاتِ کثیرہ کی وجہ سے ہے پھر وہ جنتی اُن جنتوں میں ہمیشہ ہمیشہ اُسی میں رہیں گے۔ کبھی موت نہ تکلیف نہ بیماری پریشانی ہو نہ نکالا جائے۔ مسلم شریف کی ایک روایت ہے کہ دنیا سے کافر ہو کر مرنے والا قیامت اور جہنم میں لَا یَمُوْتُ وَلَا یَحْیٰی کی حالت والا ہوگا اور فاسق ہو کر مرنے والا جہنم کی سزا سے مر کر کلیا میت ہو جائے گا اور پھر شفاعت کے پانی سے یا مدت سزا کے مکمل ہونے سے اُگتے کی شکل پیدا ہوگا۔ لیکن جنتی متقی اور مغفورین نہ کبھی مریں نہ بیمار ہوں نہ نکالے جائیں مَنْ یَاْتِہٖ سے جسمانی قرب کے پاس یا قریب آنا مراد نہیں اللہ تعالیٰ جسمانیت سے پاک ہے۔ کفار میں ایک فرقۂ مجسّمہ ہے جو اللہ کے جسم کی بدعقیدگی میں مبتلا ہے (اللہ کے لیے جسم مانتا ہے) وہ اِن آیات سے دلیل دیتے ہیں۔ اللہ کی طرف آنا سے مراد قیامت میں آنا مراد ہے یا وہ جگہ جہاں رب تعالیٰ بھیجے۔ جیسے نمازی کے لیے مسجد۔ مصلہ حاجی کے لیے کعبہ موسیٰ علیہ السّلام کے لیے طور وغیرہ وغیرہ اِن مقامات میں آنا اللہ کی طرف آنا ہے۔ صالحاتِ سے مراد وہ اچھے اعمال ہیں جو عقل اِسلامی اور نقلِ قرآنی اور احادیث کی زبانی ثابت ہوں۔ اِن سے ہٹ کر کتنے بھی پسندیدہ مفید اور خوب صورت کام ہوں وہ اَعمالِ صالحہ نہیں ہو سکتے لفظِ مَنْ واحد و جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے اس لیے یہاں مَنْ یَاْتِہٖ میں مَنْ جمع کے لیے ہے اِسی معنیٰ کی وجہ سے آگے اُولٰٓئِکَ اسمِ اشارہ جمع ارشاد ہوا اور تمام مومنینِ صالحین مراد ہیں وَرَجٰتُ الْعُلٰی سے ثابت ہوا کہ جنتی دو قسم کے ہیں ۱؎ ایمان اور اعمالِ صالحہ والے ان کے لیے ہی اونچے درجات ہیں ۲؎ ایمان لا کر مومن بن کر برے عمل کرنے والے۔ اُن کے لیے نیچے درجوں والی جنتیں ہیں۔ ان کی جنت ان کو شفاعت کی بخشش سے ملے گی یا سزاءِ جہنم کو مکمل بھگت کر۔ بخاری مسلم، ترمذی مسند احمد نے عَنْ ابی سعد اور عَنْ ابی ہریرۃ

روایت فرمایا کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد مقدس فرمایا کہ نیچے درجہ والے جنتی اونچے درجہ والوں کو اس طرح دیکھا کریں گے جس طرح آج ہم زمین سے ستاروں کو چمکتے دیکھتے ہیں یعنی اِن میں اتنی دوری اور اُن میں اتنی چمک ہوگی۔ فرمایا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ ان ہی میں صدیق وفاروق ہوں گے۔ وَذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۔ جزا اور اَجر میں یہ فرق ہے کہ جزا ہر اچھے بُرے نفع نقصان مفید، غیر مفید بدلے کو کہتے ہیں لہٰذا نیک کی جزا جنت اور بَد کی جزاء جہنم ہوئی۔ لیکن اَجر صرف مفید اچھے اور نفع والے بدلے کو کہتے ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ جادوگروں کا آخری کلام ہے جو اپنے ایمان لانے کی وجہ بتاتے ہوئے دلائل کے طور پر فرعون کو سمجھاتے ہوئے فرعون کے سامنے اُس سے کیا۔ لیکن ضِدّی ظالم فرعون نے پھر بھی ان کو سزا کے لیے پکڑ لیا۔ اور سب کو دریاءِ قلزم کے کنارے لے جایا گیا۔ مگر چونکہ صراحتاً سزا دینے کا ذکر نہ قرآنِ مجید میں ہے نہ حدیث پاک میں اس لیے بعض لوگوں نے کہا ہے کہ فرعون نے سزا ملتوی کر دی اور جادوگروں کو چھوڑ دیا تھا بعض نے کہا کہ اَبْقٰى تک جادوگروں کا قول ہے اور اِنَّهٗ مَنْ يَّاْتِ مُجْرِمًا سے اللہ تعالیٰ کا قول ہے مگر یہ دونوں باتیں غلط ہیں سیاق وسباق کے خلاف ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہاں مَنْ تَزَكّٰى تک جادوگروں کا کلام ہے اس کے بعد جب ان کو پکڑ لیا گیا اور دریاءِ قلزم کے کنارے سزا دی جانے لگی تب تمام جادوگروں نے آخری دعائیں مانگیں۔ رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ (سورۃ اعراف آیت ۱۲۶) قرآنِ مجید کے یہ دعائیہ الفاظ اسی طرف اشارہ فرما رہے ہیں کہ فرعون نے سزا دی اور جادوگروں کے آخری الفاظ بوقتِ شہادت یہ دعائیں تھیں۔ گویا یہ دعائیہ الفاظ سزا کے ثبوت میں اِشَارَۃُ النَّص ہے اِقْتِضَاءُ متعدد احادیث سے بھی ثابت جن میں جادوگروں کو مومن صحابی صابر شہید فرمایا گیا ہے۔ بعض روایت میں صرف صابرین فرمایا گیا۔ چنانچہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مشہور روایت ہے کہ۔ قَالَ كَانُوْٓا اَوَّلَ النَّهَارِ سَحَرَةً وَّاٰخِرَهٗ شُهَدَآءَ۔ یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ یہ جادوگر اسی دن کے شروع میں مقابلہ کرنے جادوگر تھے اُسی دن کے آخری حصے میں شہید کر دیے گئے۔ نیز تاریخ کی دَلَالَۃُ النَّص بھی ثابت کرتی ہے کہ فرعون نے سولی دیدی تھی اور اس طرح کیا تھا جس طرح یہاں مذکور ہے۔ اس لیے کہ تاریخ میں فرعون کو اس طرح ہاتھ پیر کاٹ کر سولی دیتے کا

موجد کہا گیا ہے اگر جادوگروں کو چھوڑ دیا ہوتا سولی نہ دی ہوتی تو پھر فرعون موجدِ سولی کیونکر بنا۔ فرعون کی طرف اور تو کوئی واقعہ اس طرح کی سزا کا منسوب نہیں۔ (روح البیان) تزکیٰ سے مراد یہ ہے کہ جس نے کفر شرک اور گناہِ کبیرہ سے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ۔ پڑھ کر اللہ رسول پر ایمان لے آیا۔ اعمالِ صالحہ کئے یہ اُس کی جزا ہے۔ اعمالِ صالحہ کی گیارہ قسمیں ہیں ۱ ادائیگی حقوق اللہ ۲ فرائض کی پابندی ۳ واجبات کی حفاظت ۴ سُنّتِ مؤکدہ ۵ سنت غیر مؤکدہ ۶ نوافل کی کثرت ۷ حقوق العباد کا خیال رکھنا ۸ حقوق النفس یعنی اپنے حقوق پورے کرنا ۹ ظلم اور فسادِ فی الارض سے بچنا ۱۰ ذکرِ الٰہی میں مشغول رہنا ۱۱ نیکوں کی محفلیں اچھی کتابیں تقریریں پڑھنا سننا۔ بری۔ بدعقیدہ کتابوں تقریروں۔ محفلوں سے بچنا۔ خیال رہے کہ جنتی ہونے کے لیے مومن ہونا اور درجاتِ عُلیٰ کے لیے نیک اعمال کرنا شرط ہیں۔ فرعون تو چاہتا تھا کہ انتہائی دردناک اذیت کے ساتھ سسک سسک کر سولی پر مریں مگر رب تعالیٰ نے اپنے کرم سے ان صالحین کو تماشہ بننے سے بچا لیا اور جلدی جان قبض فرما لی کسی کا پہلا ہاتھ کٹتے ہی کسی کی دوسرا پاؤں کٹتے ہی اور کسی کی سولی پر باندھتے ہی۔ اور بجز چند جادوگروں کے جنہوں نے کسی طرح بھاگ کر چھپ کر جان بچالی مگر پھر وہ کفر پر ہی مرے ان میں سے سامری تھا۔ اس کے بعد فرعون کو تقریباً بیس سال کی مزید مہلت ملی اتنی مہلت کسی کافر قوم کو نہ ملی اس دوران طرح طرح کی نرمی گرمی عتاب معافی و دلائل و آیات سے سمجھایا گیا چھ قسم کے مختلف عتابی عذاب نازل کئے گئے ۱ طوفان ۲ قحط ۳ مکڑی ۴ کیڑے اور جوئیں ۵ مینڈک ۶ خون اِن عذابوں سے گھبرا کر عارضی توبہ اور وعدۂ ایمان کرتے مگر جب دعاءِ موسیٰ علیہ السلام سے وہ عذاب ہفتہ بھر رہ کر ٹل جاتا تو وہ پھر خبیث ہو جاتے کبھی تو کہتے اے موسیٰ ہم توبہ اور ایمان کا۔ بنی اسرائیل کو آزاد کرنے تمہارے ساتھ بھیجنے کا وعدہ کرتے ہیں کبھی کہتے یَا اَیُّھَا السّٰحِرُ ادْعُ لَنَا۔ اے جادوگر ہمارے لیے اس عذاب سے چھٹکارے کی دعا کر مگر دعا سے عذاب ختم ہونے کے بعد پھر کافر کے کافر اور وعدے سے منحرف یہ تھی ان کے جہنمی مٹی ہونے کی نشانی ہر طرح سمجھانے کے باوجود جب ان کا ظلم اور شیطانیت کم نہ ہوئی تب حضرت موسیٰ نے دعا عرض کی۔ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِھِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ فَلَا یُؤْمِنُوْا حَتّٰی یَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِیْمَ۔ قَالَ قَدْ اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا۔ (سورۂ یونس آیت ۸۸، ۸۹) اور چند دن بعد۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰٓی اَنْ

أَسْرِ بِعِبَادِي فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا ۙ لَا تَخَافُ دَرَكًا وَلَا تَخْشَىٰ فَأَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُودِهِ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ ۔ یہ نیا کلام رب تعالیٰ کا فرمان ہے۔ کہ بے شک ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی (بذریعے فرشتہ) خیال رہے کہ حضرت موسیٰ سے کلام بالمشافہ بلا واسطہ صرف کوہ طور پر جانب ایمن بلا کر ہوتا تھا ہر جگہ نہیں اے موسیٰ میرے ان بندوں بنی اسرائیل کو فلاں تاریخ کو رات میں دریائی راستے سے نکال لے جاؤ جو صاف خشک اور کھلا ہے نہ گرفتاری کا خوف رکھنا نہ ڈوبنے کا خطرہ سمجھنا دونوں طرف سے تمہاری حفاظت کی جائے گی۔ یہاں اَسْرِ فرمانے کی چار وجہ ہیں ۱ تاکہ سفری منصوبہ پوشیدہ رہے ۲ وقت سے پہلے دشمن کو پتہ نہ چلے ۳ خود بنی اسرائیل بھی اتنے عرصے کی غلامیت کی وجہ سے بزدل ہو چکے تھے ڈرتے تھے دن میں کوئی حرکت کرنے سے وہ بھی اس معاملے کو خفیہ ہی رکھنا چاہتے دن میں خود اسرائیلی بھی چلنے پر آمادہ نہ ہوتے ۴ دن کی روشنی میں نکلنے سے سو طرح کی رکاوٹ ہو سکتی تھی شلاً ۱ ہر شخص کی موجودگی بھیڑ پیدا کرتی جس سے چلنے میں تیزی نہیں آسکتی ۲ قبطی لوگ پوچھ سکتے تھے کہاں جا رہے ہو ۳ فرعون کو اطلاع ہو سکتی تھی اور اسی وقت گرفتاری ہو سکتی تھی ۴ خود قبطی ہی اپنا نوکر سمجھ کر روک سکتا تھا۔ یہاں بِعِبَادِي۔ جیسے پیارے رحیمانہ کریمانہ لقب سے ارشاد فرمانا اس لیے ہے کہ اس وقت تمام بنی اسرائیل دنیوی مصائب کی بنا پر نہایت نیک متقی باعمل بنے رہتے تھے کوئی گناہ و برائی میں نہ جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سے واقعتاً ڈرتے تھے اور یہ حقیقت بھی ہے کہ دنیوی مصیبتیں انسان کو بندہ بنائے رکھتی ہیں عیاشی و دولت مندی تو آدمی کو شیطان بنا دیتی ہے بعض مفسرین نے فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِيقًا کے دو معنیٰ بیان کئے ایک یہ کہ دریا میں لاٹھی مار کر خشک راستہ بناؤ۔ مگر یہ قول کمزور ہے، چار وجہ سے ۱ لاٹھی مارنے کا حکم اس وقت نہیں دیا گیا ابھی تو چلنے کی ابتدا بھی نہیں ہوئی دریا یہاں کہاں۔ ۲ لاٹھی مارنے کا حکم آگے دوسری آیت میں دیا گیا ۳ یہاں طریقًا واحد فرمایا گیا حالانکہ لاٹھی مارنے سے بارہ راستے بنے تھے جیسا کہ سورۃ شعرا آیت ۶۳ میں ارشاد ہے فَانفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ ۴ یہاں فرمایا گیا ہے طَرِيقًا فِي الْبَحْرِ يَبَسًا۔ اگر ضرب کا معنیٰ مارنا کیا جائے تو معنیٰ ہوگا راستے کو مارو اگر ضرب کا معنیٰ بنانا کیا جائے تو معنیٰ ہوگا اے موسیٰ خود راستہ خشک بناؤ جب کہ موسیٰ علیہ السلام کا کام صرف لاٹھی مارنا تھا راستہ

بنانا پانی ہٹانا اور آنا فانا خشک کرنا یہ رب تعالٰی کی قدرت کا کرشمہ تھا۔ ان تمام باتوں سے ثابت ہوا کہ یہاں لاٹھی مارنا مراد نہیں نہ لاٹھی کا ذکر ہے نہ ابھی مارنے کا وقت آیا۔ بلکہ صحیح دوسرا قول ہے کہ اے موسٰی اختیار کرو دریا کی طرف دریا میں سے جانیوالا راستہ جو خشک ہے صاف کھلا ویران ہے فلسطین کی طرف مصر سے جانے والے دو راستے تھے ایک شام کی طرف سے مگر اُس راستے میں جگہ جگہ فرعونی فوجی چوکیاں اور محصول چونگیاں تھیں رات دن وہاں پہرے ہوتے تھے اُدھر سے جانا ان کے لیے خطرناک تھا سب راستہ زمینی تھا شام کی سرحد آنے سے پہلے پہلے کسی دن بھی یہ پکڑے جا سکتے تھے راستے کی چوکیوں سے یا مخبری کردی جاتی یا لڑائی جھگڑے اور پوچھ گچھ میں دیر لگتی۔ اور یہیں صبح ہو جاتی فرعون کو پتہ چل جاتا۔ اسی لیے دریائی راستہ چلا یا گیا کہ صبح تک نہ پتہ لگے نہ مخبری ہو اور جب دوپہر تک پتہ لگے تو اُس وقت تک ان کے لیے دریا سے پار ہونے کا راستہ بن چکا ہو جیسا کہ ہوا موسٰی علیہ السلام نے یہ حکم وحی سن کر خفیہ طور پر تمام دور و نزدیک بنی اسرائیلی گھروں میں اعلان کرا دیا کہ جوان اور تندرست مرد عورتیں آج سے تین دن بعد بعد مغرب مصر کے مغربی جانب جمع ہو جائیں مگر انتہائی رازداری سے کسی کو پتہ نہ لگے بیس سال کی عمر سے زائد اور ساٹھ سال کی عمر سے کم لوگ ہی آئیں۔ تاکہ خود تیزی تندرستی سے چل سکیں نہ کسی کو اٹھانا پڑے نہ گھسیٹنا پڑے۔ مصری عورتوں نے اپنی سوچ و فکر عقل کے مطابق خفیہ رکھنے کا ایک طریقہ یہ سوچا کہ جس طرح ہم عورتیں اس سے پہلے بھی اکثر اپنی شادی بیاہ اور تہوار کے موقعہ پر قبطی عورتوں سے زیور مانگ لیتی ہیں آج بھی یہ کہہ کر زیور مانگ لیا جائے کہ کل ہم سب اپنی ایک شادی کی تقریب میں جا رہے ہیں اور پھر دوسرے اور تیسرے دن بھی قبطی لوگ تشویش نہ کریں ہماری تلاش نہ کریں ہماری غیر موجودگی کو شادی کی شرکت سمجھ کر مطمئن رہیں اسی طرح سب عورتوں نے اپنے اپنے تعلق دار قبطیوں سے ان کے پورے پورے زیور لے لیے یہ وہی زیور تھے جس کا بعد میں سامری نے بچھڑا بنا دیا امانتًا ہی لیے کیونکہ اگلے انجام کا تو کسی کو پتہ نہ تھا ساری رات سفر جاری رہا صبح دریا کے کنارے پہنچ کر ٹھہر گئے کہ اب کس طرح پار نکلیں۔ اُدھر صبح اشراق کے وقت جب بازار نہ کھلے صفائی نہ ہوئی کہیں اسرائیلی نظر نہ آیا تو حکومت کے کارندے دوڑے فرعون کے پاس اور کیفیت سنائی فرعون سمجھ گیا کہ اسرائیلی نکل بھاگے فورًا دور دور بندے دوڑائے فوج پولیس جمع کی جیسا کہ سورۂ شعراء میں ذکر ہوا

فَاَرْسَلَ فِرْعَوْنُ فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ۔ ساتھ ہی اپنا رعب دبدبہ قائم رکھتے ہوئے
ان فوجیوں اور دیگر لوگوں کو اپنی پریشانی چھپاتے ہوئے کہتا ہے۔ اِنَّ هٰۤؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ
قَلِيْلُوْنَ وَاِنَّهُمْ لَنَا لَغَآئِظُوْنَ وَاِنَّا لَجَمِيْعٌ حٰذِرُوْنَ (آیت ۵۴ و ۵۵ و ۵۶) یعنی اے
لوگوں فوجیو سپاہیو سب روڑو پکڑو ڈھونڈو یہ ایک چھوٹی سی اسرائیلی جماعت ہے انہوں نے
ہم کو پریشان کردیا ہے لیکن ہم ان سے ہر وقت چوکنے رہتے ہیں۔ ان سے گھبراتے ڈرتے
نہیں۔ یہ وہ جھوٹی اَنا کی اکڑ تھی جس کا خمار ہر فرعونی دماغ پر چڑھا رہتا ہے اور ہر باطل اپنے
شور کے سامنے حق کا زور ماننے کو تیار نہیں ہوتا چاہے غرق و ہلاک ہوجائے۔ یہ اعلان سنتا
تھا کہ لس فوجی سپاہی پکڑنے کے لیے جوان لوگ تعاون کے لیے بچے اور نوبالغ تماشہ
دیکھنے کے لیے اور عورتیں اپنا زیور چھیننے کے لیے سب دوڑ پڑے افواہ تو پہلے بھی اڑی
ہوئی تھی کہ اسرائیلی فرعون سے بار بار ملک چھوڑنے کی اجازت مانگ رہے ہیں یہ بے اجازت
بھاگنے کی جرأت کا خیال نہ تھا فرعون کو اس وقت دو پریشانیاں تھیں ایک تو موسیٰ سے مقابلے
کے دن کا ڈر اسہما تھا کہ پھر سانپ بن کر ہلاک نہ کروا دے دوم یہ کہ یہ اس کی زندگی کا آخری دن تھا
پھر اس کی بھی قدرتی نفسیاتی دہشت طاری تھی۔ اِتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ بِجُنُوْدِهٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ
ان کے نقشِ قدم پر نشان دیکھتے ہوئے اسی دریائے قلزم کی سمت بڑھا۔ فرعون آگے تھا
سب لشکر پیچھے پیچھے۔ یہ تقریباً سب پیدل سوار مل کر سات لاکھ تھا ایک قول ہے کہ صرف
خاص فوج سات لاکھ تھی لیکن باقی سب مل ملا کر چوبیس لاکھ تھے قبطی اور دوسری قومیں
بھی۔ جب کہ بنی اسرائیل تقریباً چھ لاکھ ستر ہزار جو سب کے سب تندرست وجوان تھے
انہوں نے چلتے وقت گھوڑے بھی فرعونیوں سے ادھار لے لیے تھے۔ خیال رہے مصر
میں دو دریا ہیں ایک دریائے نیل جو جانب جنوب مشرق میں ہے اسی کی ایک نہر نکل کر فرعون کے محل میں
جاتی تھی اس دریا نے بچپن میں حضرت موسیٰ کو بچایا۔ دوسرا دریا۔ قلزم یہ جانب مغرب بہتا
ہے۔ اس نے اب سب بنی اسرائیل کو بچایا (صاوی وکبیر)، جب سب اسرائیلی دریا کے
کنارے جمع تھے تو چند بوڑھوں نے حضرت موسیٰ سے عرض کیا ہمارے پاس ایک وصیت
نامہ حضرت یوسف علیہ السلام کا ہے انہوں نے ہمارے آباؤ اجداد جو اس وقت ان کے پاس تھے
یہ وصیت فرمائی تھی کہ جب تم لوگ مصر سے جانے لگو تو میری قبر کھول کر میرا تابوت لے کر ساتھ
لے جانا۔ وہ وصیت نامہ نسل در نسل سے چلتا ہوا اب ہمارے پاس ہے حضرت موسیٰ نے فرمایا

ہاں بتاؤ قبر کہاں ہے تب ایک بوڑھی عورت آگے بڑھی عرض کیا کہ مجھ کو پتہ ہے قبر کہاں ہے فرمایا بتاؤ کہاں ہے عرض کیا جہاں آپ کھڑے ہیں وہیں دریا اندر بیچوں بیچ میں اب وہ جگہ آگئی ہے۔ ابھی یہ گفتگو ہو رہی تھی کہ دور کچھ شور وغل کی آوازیں سنائی دیں۔ یہ لشکر فرعونی کی آوازیں تھی ابھی لشکر تقریباً دس میل دور تھا۔ تمام اسرائیلی گھبرا کر چیخ پڑے کہ۔ قَالَ اَصْحٰبُ مُوْسٰۤى اِنَّا لَمُدْرَكُوْنَ۔ (شعراء آیت ۶۱) اے موسیٰ بے شک ہم پکڑے گئے کچھ بولے۔ اے موسیٰ ہم بڑے بدقسمت لوگ ہیں کہ۔ اُوْذِيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِيَنَا وَمِنْۢ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا۔ (اعراف آیت ۱۲۹) تم سے پہلے بھی ہم ظلم و ستم ذلت و خواری کی ایذائیں ہی دیے جاتے رہے اور اب تمہاری ان نئی نئی سکیموں نے مزید پریشان کر رکھا ہے ہمیں وہ ذلت آمیز غلامی ہی منظور ہے ہم ان ذلتوں سے اپنے آپ کو بچا چکے ہیں مگر یہ خطرے نہیں سہہ سکتے کہ ادھر سمندر کی طرح ٹھاٹھیں مارتا دریا اندر گھسیں تو ہلاکت نہ کوئی کشتی نہ انتظام اُدھر دیکھیں تو فرعون کا لشکر۔ اور اس کی ذلت آمیز پکڑ دھکڑ گرفتاری کا خطرہ قتل کا دھڑکا۔ تب موسیٰ علیہ السلام نے سجدہ ریز ہو کر عرض کی۔ وحی الٰہی آئی۔ لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى۔ اے موسیٰ سنا دو کہ تم کو کچھ خطرہ نہیں نہ گرفتاری کا خوف کرو نہ ڈوبنے کی خشیت دہشت رکھو اور ساتھ ہی حکم ہوا۔ اَنِ اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْبَحْرَ (شعراء آیت ۶۳) موسیٰ علیہ السلام نے یہ حکم سن کر سب کو فرمایا نہ ڈرو۔ قَالَ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ بہت جلدی تمہارا رب کریم تمہارے دشمن کو ہلاک فرما دے گا۔ یہ کہہ کر آپ نے پہلے یہ دعا پڑھی۔ اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَاِلَيْكَ الْمُشْتَكٰى وَبِكَ الْمُسْتَغَاثُ اَنْتَ الْمُسْتَعَانُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ (از تفسیر روح البیان) پھر آپ نے اپنا عصا مبارک پانی پر مارا۔ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ۔ دریا چر گیا اور پانی دیواروں کی طرح بارہ حصوں میں تقسیم ہو گیا ہر دیوار ایک چٹان کی مثل اونچی بلند ہو کر ٹھہر گئی۔ تب حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر شریف نظر آگئی جس میں سے بنی اسرائیل نے جسدِ مبارک مع صندوقِ تابوت نکالا اور ہمراہ لیا۔ موسیٰ علیہ السلام نے خوش ہو کر فرمایا اے مائی صاحبہ کچھ مانگ لو مائی صاحبہ نے عرض کیا یا حضرت اس نشان دہی کے انعام میں مجھ کو جنت میں اپنی ہمراہی عطا فرمایئے موسیٰ علیہ السلام نے قبول فرمائی (حکایت) تفسیر کبیر میں ہے کہ ہجرت کے دنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ایک بستی سے گزرے وہاں ایک بوڑھی عورت

نے آپ کی دعوت فرمائی ان کے پاس ایک ہی دنبی تھی اس کو ذبح کر کے گوشت پکایا۔ بہت عرصے کے بعد اسلام کی شہرت ہوئی تو وہ بڑھی اپنے خاوند کے ساتھ حاضر بارگاہ ہوئی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے مائی کیا تم نے مجھ کو پہچانا۔ دونوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم نے آپ کو پہچان لیا آپ وہی اُس دن کے مسافر ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُس دعوتِ مسافرت کے بدلے آج کچھ مانگ لو عرض کیا آپ ہم کو اسّی بکریاں دیدیجئے۔ دلوادی گئیں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تو موسیٰ علیہ السلام کی بوڑھی جیسی بھی نہ ہو سکیں (روا اللہ اعلم) یہاں فرمایا گیا۔ لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخْشٰى خوف وخشیت کا فرق یہ ہے کہ خوف تھوڑے ڈر کو کہتے ہیں جس میں صرف دھڑکا لگا ہو۔ جان کا یقینی خطرہ نہ ہو اور خشیت سخت خطرہ جان کا یقینی ڈر۔ اللہ کے خوف کو خشیت اسی لیے کہتے ہیں کہ اللہ کے رعب وجلال سے زیادہ کسی کی ہیبت نہیں۔ لَا تَخٰفُ کا معنیٰ فرعون کی گرفتاری کا ڈر جس میں جان جانے قتل کیے جانے کا یقینی خطرہ نہ تھا اور لَا تَخْشٰى کا معنیٰ سمندر میں ڈوبنے کی خشیت یہ بڑا ڈر تھا کیونکہ اس میں جان جانا یقینی تھا۔ اشراق کے وقت سے چلا چلا یہ لشکر دوپہر کو قلزم کے قریب پہنچتا ہے۔ بنی اسرائیل اس دریا میں خشک بنے ہوئے راستے سے دریا پار کر رہے ہیں فرعونی یہ نظارہ دیکھ کر سخت حیران ہوئے تفسیر کبیر رازی میں ہے کہ اوّلاً موسیٰ علیہ السلام نے دریا سے فرمایا کہ ہمیں گزرنے کا راستہ دیدے مگر دریا نے انکار کر دیا تب حضرت موسیٰ نے سجدے میں گر کر دعا عرض کی رب تعالیٰ نے وحی فرمائی اپنی لاٹھی مارو (ہو سکتا ہے یہ دریا کو سنا دی گئی ہو) بہر کیف فوراً راستے بن گئے تیرہ دیواریں کھڑی ہو گئیں اسی کو كَالطَّوْدِ الْعَظِيْمِ فرمایا گیا۔ (صاوی) قدرت کا کیا عظیم کارنامہ تھا کہ ظالم خود ہی اپنے باغوں، ٹھنڈے چشموں، خزانوں اور مقامِ کریم کے محلات ذیشان سے نکل کر موت کے منہ میں آ گئے یہ دسویں محرم یوم عاشورہ بروز منگل تھا۔ اسی لیے اِس تاریخ کا روزہ اُمتِ موسیٰ پر فرض کیا گیا تھا فرعون نے دو بار فِي الْمَدَآئِنِ حٰشِرِيْنَ بھیجے پہلی بار جادوگروں کو بلانے کے لیے دوسری بار فوجوں کو بلانے کے لیے۔ بنی اسرائیل تو سب پار نکلتے چلے گئے یہاں تک کہ آخری اسرائیلی بھی نکل گیا۔ لیکن راستے اسی طرح بنے رہے تب فرعونیوں کو بھی کچھ ڈھارس ہوئی سب سے آگے فرعون تھا پہلے کچھ ڈرا جھجکا روایت میں آتا ہے کہ حضرت جبرئیل تین فرشتوں کے ساتھ تشریف لائے جبرئیل علیہ السلام ایک گھوڑی پر بیٹھ کر فرعون کے آگے چلے اور

گھوڑی کے پیچھے فرعون کا گھوڑا چلا اور باوجود فرعون کے روکنے کے گھستا ہی چلا گیا جب فرعون کو جاتے دیکھا تو تمام لوگ بھی داخل ہو گئے بلکہ فرشتوں نے بھی کچھ مدد کی اور اُٹھا اُٹھا کر یا آواز دے دے کر تیز چلنے کو کہا۔ یہاں تک کہ جب آخری آدمی بھی دریا میں داخل ہو گیا تو فَغَشِيَهُمْ مِنَ الْيَمِّ مَا غَشِيَهُمْ۔ ڈبو دیا اُن تمام کو۔ یعنی فرعون اور اس کی تمام فوج سپاہی تماشائی بچے جوان بوڑھے مرد عورتیں فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ (زخرف آیت ۵۵) تمام کے تمام ہی کو دریا کے بعض حصے سے ڈبو دیا۔ جیسا بھی ڈبویا۔ اِس کی حقیقت اللہ ہی جانتا ہے کتنی گہرائی میں ڈبوئے گئے لاشیں کہاں گئیں جو بیس لاکھ افراد چشم زدن میں تقریباً ایک گھنٹے کے اندر اندر نیست و نابود ہو گئے کسی کی بھی لاش نظر نہ آئی نہ معلوم وہیں دھنس گئے یا پانی بہا کر کہیں لے گیا۔ صرف فرعون کی لاش کو پانی نے اُچھال کر باہر پھینک دیا۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ بِبَدَنِكَ لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ اٰيَةً۔ (سورۃ یونس آیت ۹۲) یعنی آج ہم تیرے بدن کو بچا لینگے تاکہ اپنے بعد والوں کے لیے تو تا قیامت عبرت کی نشانی ہو جائے۔ اِس سے ثابت ہوا کہ صرف فرعون کی لاش پانی نے باہر پھینکی تھی اور سب لاشیں بہہ گئیں یا غائب ہو گئی تھیں۔ بنی اسرائیل تمام ہی بچا لیے گئے تھے ایک بھی نہ ڈوبا نہ مرا۔ چنانچہ اُن کے بچانے کے لیے بھی اَجْمَعِيْنَ کا تاکیدی لفظ ارشاد ہوا۔ جیسا کہ سورۃ شعراء آیت ۶۵ میں ہے وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ۔ ہم نے موسیٰ اور اُن کے تمام ساتھیوں کو بچا لیا۔ جس وقت اُدھر سے آخری بنی اسرائیل پار نکلا اِدھر سے پہلا فرعونی داخل ہوا اور جب آخری فرعونی دریا میں داخل ہوا تو تمام دیواریں دہشت ناک آواز کے ساتھ بکھر گئیں اور ایک دم سب ڈوب گئے اور چیخ و پکار پڑ گئی بنی اسرائیل پہلے تو پار نکل کر آگے ہی چلتے رہے کہ جتنا دور سے دور بھاگ سکیں بھاگ لیں لیکن جب اِدھر سے پانی کا شور اور لوگوں کی چیخ و پکار سنی تو پھر پلٹ پڑے اور دوسرے کنارے کھڑے ہو کر فرعونیوں کے ڈوبنے کا نظارہ کرنے لگے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۵۰) مِنَ الْيَمِّ کے معنی میں دو قول ہیں ۱ یَم سے مراد سمندر اور مِنَ الْيَمِّ سے مراد دریا ۲ مِنْ بعضیت کا ہے یعنی ساری دریا سے نہیں ڈبویا گیا بلکہ دریا کے تھوڑے سے پانی سے ڈبو دیا۔ مَا غَشِيَ میں بھی دو قول ہیں ۱ مَا موصول ہے۔ یعنی جیسا ڈبوئے جانے کے وہ حقدار تھے ویسا ہی

ڈبو یا مکمل ڈبو دیا ہلاک کر دیا کہ ان میں سے تیراکی جاننے والے بھی نہ بچ سکے اتنے سخت تھپیڑے تھے۔ مَا یہ مَا نافیہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ان فرعونیوں کو اُسی دریا نے ڈبو دیا جس نے ابھی ابھی بنی اسرائیل کو نہ ڈبویا تھا۔ مگر یہ قول اس لیے درست نہیں کہ بہت مقدرات ماننے پڑتے ہیں اور بلا وجہ آیت میں مقدرات نکالنے منع ہے۔ دونوں لشکروں کی روانگی کا طرز و طریقہ اس طرح تھا کہ حضرت موسیٰ سب سے پیچھے تھے رُحمًا وَکَرَمًا تاکہ کوئی کمزور رہ نہ جائے آپ پیچھے تھے پار لگانے کے لیے اور فرعون سب سے آگے تھا تکبراً موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی فکر تھی فرعون کو اپنی کرسی اور آن شان کی فکر تھی یہ فرق ہے کافر کی رہنمائی اور مومن کی رہنمائی میں۔ روح المعانی میں ہے کہ دریائی راستہ دیکھ کر فرعون دل میں تو ڈرا اور حیران ہوا مگر ظاہراً اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا کہ اس دریا نے میرے لیے راستہ بنایا ہے یہ تھی اُس کی آخری شیطانی تکبرانہ گفتگو (معاذ اللہ)۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اہل ایمان کے لیے یہ عبرت کا سبق ہے کہ کفار کو خواہ کتنی ہی دولت سلطنت قوت مہلت اور حیات ملے مگر وہ عذاب الٰہی اور سزاءِ جہنم سے نہیں بچ سکتے اس لیے کہ کافر آدمی دولت کے ذریعے عیاشی حکومت کے ذریعے فحاشی قوت کے ذریعے ظلم صحت کے ذریعہ غرور و تکبر اور کفر کے ذریعہ اللہ رسول کی مخالفت شریعت کا مذاق اور نبوت سے مقابلے میں ہی ساری عمر برباد کر دیتا ہے جیسا کہ فرعون نے اپنی تقریباً تین سو سالہ دورِ حکومت میں کیا یہ فائدہ فَغَشِيَهُم مِّنَ الْيَمِّ۔ سے حاصل ہوا۔ بتایا جا رہا ہے کہ اے کفارِ مکہ اور بعد کے آنے والے کافر و دیکھ لو کہ اتنے بڑے جابر و ظالم سلطنت قوت والے فرعون کا انجام کیا ہوا۔ اُس کی کوئی چیز بھی اُس کو نہ بچا سکی مہلت ختم ہوتے پر تنکے کی طرح بہہ گیا دوسرا فائدہ۔ جب قسمت میں دائمی تباہی و بربادی اور رسوائی لکھی ہو تو انسان پر کسی بھی اچھائی اور عبرت نصیحت کا اثر نہیں ہوتا یہ فائدہ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ (الخ) سے حاصل ہوا کہ بیس سالہ مدت میں فرعون کو ہر طرح سمجھایا گیا۔ بار بار نرمی گرمی معافی محبت عذاب عقاب سے بھی مگر پھر بھی بجز چند خوش قسمت نفوس کے کوئی نہ مانا۔ اِدھر اکڑ بیٹھے رہے اُدھر غرق ہوتے ہی جہنم کے عذاب میں پہنچے۔ تیسرا فائدہ۔ جس جگہ اللہ تعالیٰ کے نیک متقی بندے یا صالحین کی قبور ہوں وہاں عذاب نہیں آتا اگر وہاں عذاب

نازل کرنا کبھی ضروری و ناگزیر ہو جائے تو نیک بندوں کو وہاں سے نکال لیا جاتا ہے پھر عذاب آتا ہے۔ اور کافروں پلیدوں کو ہلاک کیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ فَاَسْرِ بِعِبَادِیْ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھو جب تک موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور ان کے امتی نیک متقی بنی اسرائیل مصر میں رہے اس وقت تک کسی قبطی پر عقابی ہلاکت کا عذاب نہ آیا ہاں البتہ عتابی عبرتی عذاب عارضی آتے رہے دعاءِ موسیٰ سے ٹلتے بھی رہے اور جب عذابِ فنا کا تقدیری وقت آیا تو بستی و مصر سے تمام نیکوں متقیوں نبیوں ولیوں کو نکل جانے کا حکم دیا گیا۔ اس طرح ان کو نکال لیا گیا۔ لیکن بوڑھے اپاہج مرد و عورتیں پھر بھی نہ نکل سکے تو فرعونی کفار کو بستی سے نکال دیا گیا اور دریاءِ ہلاکت تک لے جایا گیا اور چونکہ دریا میں عذاب آنا تھا وہاں حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر مبارک تھی اس لیے پہلے جسم مقدس نکالا گیا تب عذاب آیا۔ خلّاقِ کائنات کی طرف سے صدیوں پہلے یہ انتظام فرما دیا گیا کہ یوسف علیہ السلام اپنے جسم کی وصیت فرماتے ہیں اور وہ وصیت نامہ سینہ بسینہ چلا آتا ہے اگر یہ وصیت نہ ہوتی تو نعش شریف نکالی نہ جاتی اور اگر نکالی نہ جاتی تو دریا میں بھی عذاب نہ آتا۔ یہ اللہ کی حکمتیں راز قدرتی منصوبہ بندی ہے جو ازل سے چلی آرہی ہیں یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیا اولیا کا جسم و وجود کبھی فنا نہیں ہوتا اگرچہ وفات پائے صدیاں بیت جائیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ نیک لوگوں کا وجود دافعِ بلا و عذاب ہے اس لیے ہر ایک کے لیے مفید و غنیمت ہے رحمت و برکت ہے۔ یہی شان اعمالِ صالحہ کی ہے۔ غرضکہ گھر کے مصلے محلے کی مسجد افراد کی عبادتیں صرف عابدین کو ہی مفید نہیں ہوتیں ہر ایک کے لیے مفید ہیں۔

احکام القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ جس طرح دنیا کی اچھی بری چیزیں لوگوں کو معاشرے میں تقسیم کر دیتی ہیں مثلاً دولت و غربت، علم و جہالت، عقل و حماقت۔ کسی کو اعلیٰ کسی کو ادنیٰ اور اونچا نیچا بنا دیتی ہیں اسی طرح اُخروی اعمال اچھے اور برے میدانِ محشر کے سزا و جزاء میں اعلیٰ ادنیٰ جنتی جہنمی کی تقسیم کر دیتے ہیں یہاں تک کہ متقین کو جنت میں درجتُ العُلیٰ کی بشارت ہے اور فاسقین کو بخشش بالشفاعت یا سزاءِ فسق مکمل بھگتنے کے بعد جنت کے نیچے طبقے کا وعدہ ہے اس لیے جس طرح انسان دنیا میں اونچا بننے کی کوشش کرتا ہے اور بننے کے لیے ہر طرح کی محنت کرتا ہے۔ اسی طرح بلکہ اس سے زیادہ ضروری ہے کہ بندۂ مومن اپنی اپنی حیاتِ دنیوی

میں بہت ہی محبت وشان الفت وپیار سے اعمال کرتا رہے اور کوشش کرے کہ جنت عدن کے درجات نصیب ہوں۔ یہ مسئلہ۔ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى سے مستنبط ہوا۔ مُؤْمِنًا کے ساتھ قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فرمایا گیا کہ ایسے خوش بختوں کی جزا دَرَجٰتُ الْعُلٰى ہے۔ اور جو صرف مومن بنے نیک اعمال نہ کرے اس کو جنت تو ملے گی مگر جنتِ عدن نہ ملے گی۔ غرض کہ اس آیت نے اہلِ جنت کی تقسیم ثابت فرما دی کہ مومن کی دو قسمیں ہیں صالحین دوم فاسقین۔ مسلمانوں کو مومن صالح بننے کی ہمت کرنی چاہیے تب اللہ تعالیٰ مدد فرمانے والا ہے۔ دوسرا مسئلہ دنیا والوں کے لیے دن بنایا گیا اور دین والوں کے لیے رات بنائی دنیا والوں کے قافلے دن میں سیر وسفر کرتے ہیں مگر دین والوں کے لیے اَسْرِ بِعِبَادِیْ کا حکم دیا جاتا ہے اہلِ عبادت کے قافلے رات کو سیر وسفر کرتے ہیں۔ دنیا کی نعمتیں دولتیں لذتیں دن میں ملتی ہیں مگر دین کی نعمتیں رات کو ملتی ہیں اس لیے مسلمانوں کو اپنی زندگی کی راتیں سو کر اور تماشوں میں ضائع نہیں کرنی چاہئیں۔ چار طرح رات ضائع ہوتی ہے ۱۔ تمام رات کو سو کر ۲۔ تماشوں میں جاگ کر ۳۔ بدمعاشی چوری چکاری میں بڑ کر ۴۔ دنیا کی فکر الجھن پریشانی اور دنیا سازی کمائی میں۔ نیک لوگوں کی ہر کامیابی رات میں حاصل ہے۔ یہ مسئلہ اَسْرِ بِعِبَادِیْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ رات کی عبادت کا ثواب دن کی عبادت سے زیادہ ہے۔ دینِ الٰہی اور تاریخِ ایمانی کے اکثر واقعات رات کو ہوتے رہے دیکھو معراج رات میں اس میں پچاس نمازیں ملیں موسیٰ علیہ السلام کی وجہ سے مدد میں پانچ کر دی گئیں مگر نمازِ تہجد کے ذریعے ثواب پچاس کا ہی برقرار رہا۔ جو شخص پنج وقتہ نماز کے ساتھ تہجد کی بھی پابندی کرے اس کو پانچ نمازیں پڑھ کر پچاس کا ثواب ملتا ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ تیسرا مسئلہ اہلِ ایمان کو تین قسم کے اَعمالِ صالحہ دیے گئے پہلا عمل عبادت دوم اِتباع۔ سوم اِطاعت۔ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کی اتباع صرف انبیا علیہم السلام کی اور اطاعت صرف اَولیا علما کی۔ غیر اللہ کی عبادت شرک۔ غیر نبی کی اتباع نقصان دِہ اور اولیاء اللہ علماءِ ربانی کے بغیر کسی کی دینی اطاعت گمراہی وگناہ۔ اللہ تعالیٰ کی بات ماننا عبادت ہے۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے نقشِ قدم کی پیرویِ سنت کرنا اتباع ہے اَولیاء اللہ کی بیعت علماء کی شاگردی یہ اطاعت ہے۔ انبیا علیہم السلام معصوم ہوتے ہیں اس لیے ان کی ہر بات ہر ادا ہر عمل قطعاً کلیۃً درست ہوتا ہے خطاو لغزش کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا اسی لیے بارگاہِ نبوت میں عقل خودی کو قربان کرکے

بندۂ عشق بننا پڑتا ہے انبیاءِ کرام کی تقلید حرام ہے۔ کیونکہ تقلید میں خطا کا احتمال ہوتا ہے تقلید ائمہ مجتہدین کی فقط۔ یہ بھی اطاعت کی ایک اعلیٰ قسم ہے۔ یہ تمام مسائل فَاتْبَعَهُمْ کی ایک لغوی و اصطلاحی تفسیر سے مستنبط ہوا کر دیکھو فرعون نے صحیح راستہ لینے کے لیے اسرائیلی نقشِ قدم اختیار کیے اور صحیح جگہ پہنچ گیا اگر یہی کام ایمان کے ساتھ کرتا تو کامیابی حاصل کر لیتا ہلاکت سے بچ جاتا بلکہ صراطِ مستقیم پا لیتا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ خوف وخشیت تو ایک ہی چیز ہے تو پھر یہاں لَا تَخٰفُ دَرَكًا و لَا تَخْشٰى کیوں فرمایا گیا اور اس تکرارِ لفظی کو نہ تعمیم خوف کہا جا سکتا ہے نہ تاکید۔ اس لیے کہ لَا تَخْشٰى کا مفعول بہ کوئی مذکور نہیں اگر مفعول بہ کوئی ہوتا تب اُس مفعول بہ کی وجہ اور نسبت سے یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ دوسری قسم کا ڈر اُس مفعول بہ کا ہے اور تاکید اس لیے نہیں ہو سکتی کہ تاکید کے لیے کوئی قرینہ یا کوئی حرفِ تاکید ہونا چاہیے وہ یہاں نہیں ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب دیے گئے ہیں ایک یہ کہ خوف ہلکے اور مشکوک ڈر کو کہا جاتا ہے جیسا کہ کسی چیز کا خدشہ ہو مگر خشیت سخت اور یقینی خطرے والے ڈر کو کہا جاتا ہے لَا تَخٰفُ میں گرفتاری کا ڈر مراد ہے اور لَا تَخْشٰى میں غرقابی کا ڈر مراد ہے۔ گرفتاری کا ڈر اس لیے کم تھا کہ وہاں جان کا خطرہ نہیں یا صرف اندیشہ تھا مگر غرقابی میں جان کی ہلاکت کا خطرہ یقینی تھا اس لیے پہلے لَا تَخٰفُ فرمانا پھر لَا تَخْشٰى فرمانا بالکل درست ہے خیال رہے کہ عربی کی یہ خصوصی فصاحت و بلاغت ہے کہ اس کے چند الفاظ اگرچہ ہم معنیٰ ہوں مگر نوعیتاً برابر نہیں ہوتے۔ مثلاً تقویٰ۔ خوف۔ شفق۔ خشیت۔ رھب۔ اگرچہ سب کا معنیٰ ڈرنا ہے مگر نوعیتِ ڈر کے اعتبار سے بہت فرق ہے جواب دوم یہ کہ لَا تَخٰفُ دَرَكًا کا تعلق موسیٰ علیہ السلام سے ہے اور لَا تَخْشٰى کا تعلق قوم سے ہے یعنی اے موسیٰ نہ اپنا خوف کرو نہ قوم کا کسی کو بھی کوئی خطرہ نہیں مگر پہلا جواب مضبوط ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ مَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ اور پچھلی آیت ۲۴ میں فرمایا گیا مَنْ يَّاْتِ رَبَّهٗ مُجْرِمًا فَاِنَّ لَهٗ جَهَنَّمَ ۭ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى۔ ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوتا کہ ہے۔ پہلے زمانوں کے معتزلہ اور اس دور کے حنبلی وہابی لوگوں کا یہ عقیدہ درست ہوا کہ فاسق مثلاً بے نمازی اور دیگر گناہوں کا مجرم بھی اسی طرح کافر ہوتا ہے جس طرح اللہ رسول اور قیامت کتابوں کا منکر کافر ہوتا ہے۔ اس لیے اس آیت میں فرمایا گیا دَرَجٰتُ الْعُلٰى

صرف اُس کو ملیں گے جو ایمان لاکر نیک عمل بھی کرے صرف ایمان لانا کافی نہیں اور درجتِ عُلیٰ کی خود رب تعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ وہ جنتِ عدن ہیں یعنی ہمیشہ رہنے والی جنتیں اور ہر جنت ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ ہی جَنّتِ عدن اور جَنتِ عدن ہی درجتِ عُلیٰ ہیں۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ جو مجرم بن کر آیا وہ اُس ابدی جہنم میں جائے گا جس میں لَا یَمُوتُ وَلَا یَحْیٰی ہو گا اور ابدی جہنم بھی وہ ابدی جہنم صرف کافر کے لیے ہے۔ اور فاسق بھی مجرم ہوتا ہے ثابت ہوا کہ فاسق مجرم ہے اور مجرم ابدی جہنم میں اور ابدی جہنم صرف کافر کو صغریٰ کبریٰ جوڑا تو نتیجہ صاف ہے کہ فاسق کافر ہے۔ اسی طرح عمل صالحات نہ کرے تو جنت سے محرومی اور محرومی صرف کافر کے لیے ثابت کہ عملِ صالحات نہ کرے تب بھی کافر۔ ایمان وَاعمالِ صالحہ دونوں ہوں گے تب جنت ملے گی ورنہ جنت حرام۔ جواب۔ معترض کے پورے اعتراض کی بنیاد اس غلط فہمی پر ہے کہ اُس نے درجتِ عُلیٰ اور جنتِ عَدن کو ایک چیز سمجھ لیا۔ دوسری نادانی یہ کہ اُس نے فاسق کو مجرم سمجھ لیا۔ حالانکہ قرآن وحدیث کی روشنی سے یہ سب علیحدہ علیحدہ ہیں۔ درجتِ عُلیٰ اور چیز ہیں جنتِ عدن اور چیز ہیں اسی طرح اصطلاحِ قرآنیہ کے اعتبار سے فاسق کو مجرم نہیں کہا جاتا مجرم صرف کفار کو کہا جاتا ہے۔ جب یہ ذہن نشین کر لیا جائے تو سمجھ لو کہ اس اعتراض کا جواب اسی آیت میں موجود ہے اس طرح کہ آیت نے تقسیم فرمائی۔ جو بندہ ایمان لے آیا اُس نے عمل صالح کیے اس کو عام جنت نہیں بلکہ جنت میں درجتِ عُلیٰ ملیں گے اور درجاتِ عُلیٰ جنتِ عَدن میں ہیں اور جنتِ عَدن جنت کے آٹھ طبقوں میں سے ایک اونچا طبقہ ہے۔ یہ درجت اس لیے ہیں کہ ذَالِكَ جَزَاءُ مَنْ تَزَكّٰى۔ وہ بدلہ اس کا ہے جو گناہوں سے دنیا میں ہی پاک رہا یا سچی توبہ سے بخشش حاصل کرکے پاک ہو گیا لیکن جنتیں تو نیچے بھی ہیں ان میں کون رہے گا۔ خالی ویران تو نہ ہوں گی وہاں وہی فاسقین رہیں گے جن کو شفاعت نصیب ہو۔ یا جو پوری جہنمی سزا بھگت کر جہنم سے نکالے جائیں۔ حدیث پاک میں پوری وضاحت موجود ہے۔ رہی دوسری آیت میں مُجْرِمًا فرمانا۔ تو یاد رہے کہ قرآن مجید کی مختلف سورتوں آیتوں میں تقریبًا ساٹھ جگہ جرم کے صیغے آئے ہیں مُجْرِمِین ۴۳ بار اور مجرم کا لفظ صرف دو جگہ۔ مگر ہر جگہ ہر آیت میں مُجْرِمِین اور مُجْرِمٌ سے مراد کافر لیا گیا جیسا کہ کلام کے سیاق وسباق سے ظاہر ہے۔ فاسق کو کہیں بھی مجرم نہیں کہا گیا۔ فاسق کے لیے پانچ لفظ قرآن وحدیث میں مستعمل ہیں (۱) فاسق (۲) مُذنِبْ (۳) خاطی (۴) عاصی (۵) ناہی وغیرہ وغیرہ۔ لہٰذا یہ اعتراض حماقت وجہالت ہے۔ تیسرا اعتراض۔ نبی ولی

بیر فقیر کے وسیلے کی کوئی ضرورت نہیں نا ہی کہیں مفید بندہ خود ہی اچھے عمل کر کے پاکیزہ ہو جاتا ہے اور پاکیزہ ہو کر جنت کے درجاتِ عُلیٰ حاصل کر لیتا ہے۔ اور جنت پا لیتا ہے دیکھو یہاں فرمایا گیا ذٰلِكَ جَزَآءُ مَنْ تَزَكّٰى۔ یہ جنت اور جنات کے اونچے درجے اس شخص کی جزا ہے جو پاک ہو گیا اس سے پہلے ہے مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ۔ یعنی ایمان لایا مومن بنا نیک اعمال کئے بس وہ پاک ہو گیا۔ (دیو بندی وہابی) جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی تو یہ کہ پھر تو رب تعالیٰ کا بھی کوئی احسان نہ رہا نہ بخشش کی ضرورت نہ توبہ فریاد کی حاجت بس نیک عمل کئے جاؤ جنت کے حقدار ہو گئے۔ نیز نیک عمل بھی تو ایک وسیلہ ہی ہیں جس کے وسیلے سے تزکیہ حاصل ہوا تمہاری اس بات سے تو اللہ تعالیٰ کی گستاخی ہوتی ہے اور نیک اعمال کی بھی تحقیقی جواب یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی دیگر متعدد آیات سے واضح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسلمانوں کو پاک کرتے ہیں اور یُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ۔ اپنی اس ایک بدعقیدگی کو بچانے کے لیے اتنی کثیر آیات کا انکار کر دو گے نیز اس آیت کریمہ سے بھی تو تم لوگوں کا مطلب حاصل نہیں ہوتا اس لیے کہ اس میں بھی تزکّی ہے یعنی پاک ہونے کا ذکر ہے یہ نہیں فرمایا گیا کہ خود پاک ہو جاؤ گے۔ آیت پاک یہ سمجھا رہی ہے کہ اعمال مثل صابن کے ہیں اور عمل کرنے والا مثل کپڑے یا برتن کے تو جس طرح کپڑے کو پاک کرنے کے لیے صابن موجود ہونے کے باوجود کسی کا ہاتھ اشد ضروری جو صابن مل کر رگڑ کر کپڑا دھوئے اور دھو کر پاک کرے اس طرح ہر قسم کے عمل کے باوجود دستِ نبوت کا وسیلہ اور دستگیری اشد ضروری ہے یہ تو اس آیت کا مطلب ہے لیکن موسیٰ علیہ السّلام کا واقعہ اور جادوگروں کا یہ قول تو خود پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ اگر نبوت کی دستگیری مکمل حاصل ہو جائے تو عمل صالحہ کے صابن کے بغیر صرف نبی کا وسیلہ ہی تزکّی کے لیے کافی ہے۔ دیکھو جادوگروں نے دیدارِ نبوت اور ایمانِ نبوت و ادبِ نبوت کے علاوہ اور کونسا عمل صالح کیا تھا۔ بغیر کسی عمل کے ہزاروں ولیوں سے اونچا مقام اور جنتِ عُلیٰ حاصل کر گئے ویسے بھی اگر کوئی کہے کہ یہ کپڑا پاک ہو گیا تو اس کا مفہوم یہ نہیں لیا جا سکتا کہ خود بخود پاک ہو گیا بلکہ ہر شخص جان لے گا کہ کسی ہاتھ کے وسیلے سے پاک ہوا ہے۔ اسی طرح یہاں بھی عقل سے کام لینا چاہیے۔

تفسیر صوفیانہ | وَمَنْ يَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ

الْعُلٰى جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى ۔ جو مرید صادق معرفت کی منزلیں عبور کرتا ہوا وادیٔ سلوک میں قدم رکھے تعینات کے ایمان کے ساتھ نفوس کو پاکیزہ رکھنے والا ہو اور اعمالِ مقدس کرے تو ایسے ہی مردانِ طریقت کے لیے ترقیٔ کمال کے درجے ہیں جو صفاتِ الٰہیہ کی سدا بہار اونچی جنتوں میں ہیں جنھیں قربِ مشاہدات کی نہریں بہتی ہیں۔ عشقِ ذاتِ باری تعالٰی کے طالب و مجذوب ہمیشہ ہی ان لذتوں میں رہنے والے اور یہ اُن محبوبین و مرحومین کا انعام ہے جنھوں نے تمام دنیوی زندگی میں اِتّباعِ مصطفٰی کی شریعت اور لقاءِ مجتبٰی کی طریقت سے اپنے آپ کو عبادت و ریاضت کی پاکیزگی پہنچائی۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَاۤ اِلٰى مُوْسٰۤى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ فَاضْرِبْ لَهُمْ طَرِیْقًا فِی الْبَحْرِ یَبَسًا لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى ۔ جب مصرِ جسمانی میں نفسِ فرعونی کی ظلمتِ ضلالت حد سے گزر جاتی ہے تو بختِ بیدار کی وحی فرمائی جاتی ہے قلبِ اسرار کی طرف کہ اپنے ان اعضاءِ ظاہرین عابدین کو نفسانی اندھیری رات میں گوشۂ مراقبہ سے دریاءِ معرفت میں لے جا۔ اور اس دریاءِ عمیق میں جانے کے لیے راہِ لطائف کی یبوست کو اختیار کرنا دوسرے راہِ غم و غراق کو نہ لینا کہ اس راہ میں راہ مار کثیر ہیں۔ ادھر سے بچانا اس راہ پر چلانا۔ شبِ جسمانی کی ظلمت میں فقط یہی راستہ نور کی لہروں سرور کی نہروں کی طرف جانے والا ہے۔ اپنے مریدانِ اعضا کے لیے عالَمِ ہیولانی کی دریاءِ تجرید و خلوت اختیار کر اس لیے کہ اس راہِ انوار میں نہ ہیئتِ ہیولانی کی دلدل ہے نہ بدنی مادوں کی کیچڑ ہے بلکہ کدورتوں کی غلاظت سے پاکیزہ سخاوتوں کی وجہ سے کھلا فراخ اور رطا وتوں سے خشک و مصفا ہے۔ طریقتِ نبوی اور معرفتِ الٰہی کے لیے یہی وہ راستہ ہے جس میں علی الاعلان ظاہر ظہور صوت سرمدی کی پکار آتی ہے کہ اے طالبانِ صادق آج تم کو لَا تَخٰفُ دَرَكًا وَّ لَا تَخْشٰى کا انعامِ ابدی ہے اس طرح کہ نہ ظلماتِ بدنیہ میں ملوث ہونے کا خوف کرنا چاہیے نہ ہی تجھ کو عالَمِ ناسوت کے دریاؤں میں ڈوبنے کا اندیشہ کرنا چاہیے۔ آج تجھ پر کسی کا شیطانی تسلط و غلبہ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ عالَمِ ناسوت کی تمام کثافت و لطافت کی دریاؤں میں مردانِ عارفین کاملین عابدین صادقین کے لیے مقید و محبوس کر کے ضربِ اِلَّا اللّٰہ سے قہرِ تقلید کی راہیں بنا دی جاتی ہیں۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ ان راہوں میں چلو کہ یہی آج مریدوں کے لیے نجات کے راستے ہیں۔ فَاَتْبَعَهُمْ فِرْعَوْنُ

یُجۡنُوۡدِہٖ فَغَشِیَہُمۡ مِّنَ الۡیَمِّ مَا غَشِیَہُمۡ انسان اپنی عقلی فکری رات دن کی عبادت ریاضت
کے ذریعہ کسی بھی مقام پر پہنچ جائے نفسِ امارہ سے محفوظ نہیں رہ سکتا۔ نفسِ امارہ اپنے آخری
وقت تک اپنے پورے مکروفریب کے لشکروں کے ساتھ اہلِ دین کو اپنے قبضے میں لاکر
طغیانی ہتھیاروں سے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ اور اسی کوشش ومراد میں اہلِ قلوب کا پیچھا کرتا ہے
خواہشات وشہوات اس کا جنود اور لشکر ہے لیکن مخلصانِ قلب اور ہمراہیانِ عقل بندگانِ
عشقِ اَجمعین کو نفسِ شیطانی کی گرفت اور بحرِ طغیانی کی غرقابی دونوں سے بچالیا جاتا ہے
البتہ خود نفس کو ہی کثیر ذلتوں کے ساتھ ہلاکتِ اَبدی عذابِ اَزلی کی گہرائیوں میں ملیا میٹ کر دیا جاتا
ہے۔ (ابن عربی) جب بندۂ راہِ معرفت وادیِ سلوک میں شبِ تنہائی مراقبہ کے اندر
قدم رکھتا ہے تو اس پر تین طرف سے صحبتِ بد، تواحقینِ اَشرار اور خلطتِ اَغیار کی یلغار
ہوتی ہے۔ اُس وقت پیرِ طریقت پر واجب ہے کہ تمام مریدانِ باصفا اور عابدانِ باوفا کو
اغیار کے تینوں راستوں سے بچاکر۔ مراقبۂ بذنیہ کی شبِ خلوت میں بحرِ اسرار کی طرف لے جائے
اور دنیا کے جھمیلوں سے بچائے یہی معرفت کا سچا واحد خشک ومحفوظ راستہ اور جانبِ
چہارم ہے۔ اسی کو زبانِ صوفیا میں طورِ اَیمن کہا جاتا ہے۔ وادیِ عزت وقربتِ جلال کی منزلِ
طلب بھی ہے۔ اور جتنی جلدی ہو سکے طریقۂ مخفیہ سے اس دنیوی زندگی میں ہی شریر لوگوں
کی بری صحبت اور اَغیارِ ناموافق سے دور ہٹ جائے۔ (روح المعانی) راہِ طریقت
میں سب سے اہم عمل خلوص ہے اس لیے کہ ایک مخلص اور راست باز انسان اپنے
اَقوال سے زیادہ اپنے کردار کے ذریعے لوگوں کو متاثر کر سکتا ہے مگر جس کے اَحوال
وافعال مخلصانہ نہیں تو وہ کیدِ ساحر ہے اس کی گفتگو محض چرب زبانی ہے خود اُس کو
بھی دنیوی اُخروی اَبدی فائدہ نہیں پہنچا سکتی۔ کیونکہ اُس کی گفتگو اُس کی نفسانی خواہشات
کے مطابق ہوگی قلب جتنا پُرخلوص ہوتا ہے اُسی مقدار سے قالب نورانی ہوتا ہے اور
کلام پُرتاثیر ہوتا ہے۔ قلب کا خلوص استقامت سے اور استقامت عقیدے کی
پختگی سے اور پختگی صحبتِ عارفین سے حاصل ہوتی ہے۔ حقِ بندگی کے فرائض اچھی طرح
اُسی وقت ادا ہو سکتے ہیں جب تمام چھوٹی بڑی مؤکدہ غیر مؤکدہ عادتی عباداتی سب سنتوں
کا خیال رکھا جائے یہ عمل بھی سنتوں میں سے ہے کہ بھائی سے کوئی شی مانگنے کے بعد وہ بھی
اپنے مسلمان بھائیوں کے لیے بھی کچھ پیش کرے ایک دفعہ حضرت کعب بن مالک ایک

غزوے سے رہ گئے آپ نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا میری اس لغزش سے توبہ یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے اُن غازیوں کے حق میں دست بردار ہو جاؤں جو آپ کے ساتھ شریکِ غزوہ رہے اور اُن گھروں کو چھوڑ دوں جن میں آرام کر کے میں نے یہ دن گزارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس کا تہائی حصہ تمہاری توبہ کے لیے کافی ہے۔ اپنے وطن و مولد سے نکلنا اطاعتِ نبوی کی ہجرت کرنا بھی مفیدِ سلوک ہے چنانچہ حضرت عمرو بن عاص فرماتے ہیں ایک شخص زمانۂ نبوی میں فوت ہوا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائی بعد میں فرمایا کاش یہ صحابی اپنے اس وطنِ مولودی سے دور وفات پاتا۔ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ۔ کیوں؟ فرمایا کہ جب کوئی مومن اپنے مقامِ مولد سے دور فوت ہو جائے تو مقامِ مولد سے لے کر مقامِ وفات تک سب جگہ اس کے لیے جنت میں شامل کر دی جاتی ہے۔ حضرت ابوبکر فرمایا کرتے تھے اے بندو! ایسے کامل پیر کو تلاش کرو جو مریدوں کو اعلیٰ روحانیت اور عزمِ مستحکم کے درجاتِ اُعلیٰ کی تعلیم دے اس لیے کہ صحیح معنیٰ میں مرید اس وقت نہیں ہو سکتا جب تک کہ بیس سال تک اس کا کاتبِ نیک اعمال فرشتہ اُس کے بارے میں اعمالِ صالحہ نہ لکھے۔

وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ﴿۷۹﴾

اور گمراہ کیا فرعون نے اپنی قوم کو اس طرح کہ ہدایت لینے نہ دیا

فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا اور راہ نہ دکھائی

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ

اے اسرائیل (یعقوب) کی نسل والو ہم نے ہی تم کو بچایا ہے

اے بنی اسرائیل بے شک ہم نے تم کو تمہارے دشمن سے نجات

عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ

تمہارے دشمن سے اور مقررہ وعدہ دیا ہم نے تم کو کوہ طور کی

دی اور تمہیں طور کی داہنی طرف کا وعدہ دیا

الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ﴿۸۰﴾

داہنی جانب اور ہم نے اُتارا تھا تم پر مَنّ اور سلویٰ

اور تم پر مَن و سلویٰ اُتارا

كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا

کھاؤ تم اُن پاکیزہ غذاؤں کو جو رزق دیا ہم نے تم کو اور نہ سرکشی کرو تم

کھاؤ جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں روزی دیں اور اس میں زیادتی نہ کرو

فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ ج وَمَنْ

اس حصولِ رزق میں ورنہ پڑے گا تم پر میرا غضب اور وہ شخص کہ

کہ تم پر میرا غضب اُترے اور جس پر

یَّحْلِلْ عَلَیْهِ غَضَبِیْ فَقَدْ هَوٰى ﴿۸۱﴾

پڑتا ہے جس پر میرا غضب تو وہ ناپید ہوا

میرا غضب اترا بے شک وہ گرا۔

وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ

اور بے شک میں البتہ بہت بخشنے والا ہوں اُس شخص کو جس نے توبہ کی اور عمل کئے

اور بے شک میں بہت بخشنے والا ہوں اُسے جس نے توبہ کی اور ایمان لایا اور اچھا

صَالِحًا	ثُمَّ	اهْتَدٰى ﴿۸۲﴾
نیک	پھر	ہدایت پر ہی رہا
کام کیا	پھر	ہدایت پر رہا

تعلقات اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرعون کی سزا کا ذکر ہوا کہ ڈبو یا گیا اس کو بھی اور اس کی تمام قبطی قوم کو بھی۔ اب اِن آیت میں اس کے جرم کا ذکر ہو رہا ہے کہ فرعون نے گمراہ کیا اور قوم گمراہ ہو گئی۔ اس لیے سب کو یہ عذاب و سزا ملی۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اس کلام کا ذکر ہوا جو فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں فرمایا گیا تھا۔ اب اِن آیت میں بنی اسرائیل کے بارے میں گفتگو کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہلِ ایمان کی اُخروی نعمتوں کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اہلِ ایمان اور توبہ کرنے والوں کے دنیوی فائدوں کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى۔ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى۔ وَاوٴ برائے جملہ نئے کلام کے لیے ہوئی اَضَلَّ باب افعال کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِضْلَالٌ متعدی ہے بمعنی گمراہ کرنا مادہ ہے ضَلَلٌ مضاعف ثلاثی یہ لازم ہوتا ہے بمعنی گمراہ ہونا۔ مقصود راستے سے جان کر یا بھول کر ہٹ جانا۔ اس کے بہت معنیٰ دوسرے بھی ہیں۔ فِرْعَوْنُ اس کا فاعل۔ قَوْمَهٗ مرکب اضافی مفعول بہ ہے مراد ہے ڈوب جانے والے فرعونی لوگ واوٴ حالیہ مَا هَدٰى۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق منفی معروف واحد مذکر غائب متعدی هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع فرعون یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے فرعون کا یہ دونوں ذوالحال و حال مل کر فاعل ہوا اَضَلَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ یا حرفِ ندا بَنِیْ اسم جمع مذکر سالم بحالتِ نصب منادیٰ مضاف ہے دراصل بَنِیْنَ منصوب تھا اضافت سے نون تنوین گر گئی ہے ابن کی لغوی معنیٰ ہے والا جیسے ابن سبیل راستے والا اصطلاحاً وَلَد کو ابن کہا جاتا ہے یہاں بنین سے مراد نسل ہے اِسْرَآءِیْل اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی علم

ہے اس لیے بحالتِ خبر فتحہ بلا تنوین آیا۔ یہ مرکبِ اضافی منادٰی قَدْ اَنْجَیْنٰا۔ بابِ افعال کا ماضی قریب معروف جمع متکلم ایک قرأت میں قَدْ اَنْجَیْتُ واحد متکلم ہے خیال رہے کہ اِن آیت میں چار صیغے جمع متکلم کے ارشاد ہوئے ان چاروں میں دوسرا قول ہی واحد متکلم کا ہے مثلاً ۱ قَدْ اَنْجَیْتُ ۲ وٰعَدْتُ ۳ نَزَّلْتُ ۴ رَزَقْتُ۔ اِن کی دلیل غضبی اور اِنِّیْ واحد متکلم سے مناسبت پیدا کرتا ہے بہرکیف مطلب معانی میں کوئی فرق نہیں قَدْ اَنْجَیْنَا اَنْجٰی سے بنا ہے بمعنی کسی کو بچا لینا نَا ضمیرِ صیغہ بارز اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ کُمْ ضمیر مفعول بہٖ مِنْ جارۃ عَدُوِّ۔ اسم مفرد جامد بمعنی دشمن مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبؔ جار مجرور ہو کر متعلق ہے قَدْ اَنْجَیْنَا۔ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ وٰعَدْ نَا۔ بابِ مفاعلۃٌ کا ماضی مطلق معروف مثبت جمع متکلم وَعْدٌ سے مشتق ہے بمعنی وعدہ کرنا اور لینا عہد کرنا اور لینا اس کا مصدر ہے مُوَاعَدَۃٌ بمعنی میعاد بتانا مقرر کرنا ایک قرأت میں وَعَدْنَا بابِ ضَرَبَ سے ہے مفاعلۃٌ میں وہ وعدہ ہوتا ہے جو یا تو دو طرفہ ہو یا وہ جس میں کہ مدت بتا دی جائے اور ضَرَبَ میں بلا میعاد وعدہ مراد ہے مفاعلۃٌ سے دو طرفہ مراد لینا اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ کیا۔ حضرت موسیٰ نے سنایا اس طرح کہ اللہ نے کیا کتاب دینے کا اور موسیٰ نے کیا طور پر آنے روزے رکھنے اعتکاف بیٹھنے کا کُمْ ضمیر مفعول بہٖ بمعنی مفعول لَہٗ۔ یعنی تمہارے لیے جَانِبَ اسم جامد جَنْبٌ سے بنا ہے بمعنی جسم کی کروٹ مطلقاً جمادات وحیوانات نباتات کے لیے ہے۔ اصطلاحاً سمتِ ظرفی مکانی کو جَنْبٌ اور جانب کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے یہاں اس کا نصب مفعول بہٖ ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ ظرفیت کی وجہ سے اس لیے کہ ظرفیت میں جگہ مبہم ہوتی ہے نہ کہ معین و معلوم مگر یہاں معین و معلوم ہے اس لیے ظرف نہیں ہو سکتا یہ نحوی قاعدہ کلیہ اور مشتقہ ہے مضاف ہے ناپاک آدمی کو جُنُبی اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کے ایک جانب سے گندگی نکلتی ہے یا وہ بحالتِ ناپاکی ایک طرف رہتا ہے مساجد محافل سے دور مضاف ہے الطُّوْرِ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی موصوف اَلْاَیْمَنَ۔ اسم مفرد صفت مشتبہ یُمْنٌ سے مشتق ہے لغوی معنی بابرکت ہونا اصطلاحاً دائیں جانب مراد ہے منصوب ہے اس لیے کہ صفت ہے جانبَ کی ایک قول میں جرِ جوار کی وجہ سے مجرور ہے مگر یہ غلط ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ

ہے کہ انعمنا کا سب مل کر جملہ ہو کر معطوفِ اول ہوا فَقَدْ اَنْجَيْنَا کا واؤ عاطفہ نَزَّلْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم عَلَيْكُمْ جار مجرور متعلق ہے اَلْمَنَّ اسم مفرد جامد عجمی لفظ ایک میٹھے قدرتی کھانے کا نام ہے مفتوح ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلسَّلْوٰى ایک مخصوص قدرتی نمکین کھانے کا نام۔ بحالتِ اسم مقصورہ بحالتِ فتحہ معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہٖ نَزَّلْنَا کا۔ اِن دونوں عجمی لفظوں کی جمع و تثنیہ نہیں ہوتا۔ نَزَّلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوفِ دوم ہوا۔ فَقَدْ اَنْجَيْنَا کا وہ جملہ اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر پہلا جوابِ ندا ہوا۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ كُلُوْا باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اَكْلٌ مہموز الفاء سے مشتق ہے بمعنی کسی غذا کو چبا کر منہ کے ذریعہ پیٹ میں ڈالنا یعنی کھا لینا یہاں مراد ہے ہر طرح استعمال کرنا۔ دراصل اُأْكُلُوْا تھا پہلی ہمزہ وصلی امر کی دوسری ہمزہ اصلی مادے کی ثقل کی وجہ سے دونوں گر گئیں مِنْ جارہ بعضیت کا طَيِّبٰتِ اسم جمع مونث سالم لفظی اس کا واحد طَيِّبَةٌ ہے مضاف ہے بمعنی جسم اور روح کو لذت دینے اور پہنچانے والی چیزیں مَا اسم موصول رَزَقْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق معروف مثبت۔ جمع متکلم فاعل متکلم اللہ تعالیٰ ہے کسی واحد کا اپنے لیے جمع متکلم بولنا عرف فصاحتِ کلام ہے دیوبندی وہابی اور ان کے زیرِ اثر کچھ سُنی لوگ اس کو تعظیمی صیغہ کہتے ہیں یہ قطعًا غلط ہے تعظیم کبھی متکلم کے صیغے سے نہیں ہو سکتی۔ اگر رب تعالیٰ کی تعظیم جمع کے صیغے میں ہوتی تو قرآن وحدیث سے رب تعالیٰ کے لیے جمع مذکر حاضر یا غائب کے صیغے ثابت ہوتے حالانکہ کہیں بھی ثابت نہیں نہ کسی نبی ولی صحابی تابعی نے اللہ کے لیے جمع مذکر حاضر یا غائب کا صیغہ بولا اس لیے کہ باری تعالیٰ وحدہٗ لاشریک ہے اس کی تعظیم اور شانِ وحدت کا اظہار واحد مذکر حاضر و غائب کے صیغے سے عیاں ہے۔ اس کے لیے جمع مذکر حاضر یا غائب صیغے کسی بھی زبان میں بولنا یا اُس کو آپ جناب کہنا بے ادبی و گستاخی مشابہ شرکِ خفی ہے۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہٖ ہے كُلُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لَا تَطْغَوْا باب نَصَرَ سے بھی اور سَمِعَ سے بھی فعل نہی۔ جمع مذکر حاضر معروف طُغْيٌ ناقص یائی سے

مشتق ہے دراصل لَاتَطْغِيُوْا تھا۔ یٰ پر ضمہ ثقیل تھا ابتدائی حرفِ علت اور اس کا ضمہ (پیش) گر گیا۔ کُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع بنی اسرائیل فِیْ حرفِ جر ظرفیہ ہٖ ضمیر غائب کا مرجع کُلُوْا کا مصدر اُکُلْ ہے۔ ایک قول میں مرجع رزقٌ ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَاتَطْغَوْا کا۔ فَ حرفِ زائدہ تعلیلیہ یعنی اس سے پہلا کلام لَاتَطْغَوْا کا جملہ علت اور وجہ ہے اگلے کلام فَیَحِلَّ کے یَحِلَّ کی یَحِلُّ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف مثبت بمعنیٰ مستقبل ایک قرأت میں یَحُلُّ باب نَصَرَ سے ہے۔ بحالتِ فتحہ ہے فَ تعلیلیہ کی وجہ سے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ حَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ حائل ہونا وارد ہونا جائز و حلال ہو جانا۔ اترنا پڑ جانا۔ یہاں سب معنیٰ مناسب ہیں دراصل تھا یَحْلِلُ یا یَحْلُلُ۔ دونوں لام کو مُدغم اور مشدد کیا کلام میں شدت پیدا کرنے کے لیے پہلے لام کی حرکت حٰ کو دی گئی۔ عَلَیْکُمْ جار مجرور متعلق ہے غَضَبِیْ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سخت انتقام مراد ہے عذابِ آخرت مضاف ہے یٰ ضمیر واحد متکلم مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی فاعل ہے۔ واؤ حالیہ بیانیہ مَنْ اسم موصول کی وجہ سے یہ اگلی عبارت معناً جملہ اسمیہ کے مشابہ ہے اس لیے واؤ حالیہ ہو سکتا ہے مَنْ شرطیہ یَحْلِلْ۔ باب ضرب کا مضارع یَحِلُّ اور یَحْلِلْ میں تین قرأتیں ہیں ۱یہ دونوں باب ضَرَبَ سے ہیں حُلُوْلٌ سے مشتق ہیں بمعنیٰ واجب ہونا۔ لغتاً معنیٰ ہے جسم میں گھسنا اصطلاحاً معنیٰ ہے واجب ہونا ۲ یہ دونوں باب نَصَرَ سے ہیں یَحُلُّ اور یَحْلُلْ حائل سے بنا ہے بمعنیٰ نازل ہونا۔ ۳ یَحِلَّ باب ضرب سے اور یَحْلُلْ باب نَصَرَ سے یعنی جس پر واجب ہوا اس پر نازل ہوا اور جس پر نازل ہوا وہ گر گیا۔ توبہ کرکے اللہ رسول کتابوں اور سنت پر ایمان ثم اعمالِ صالحہ پھر اهتدٰی تعلیلاً یہ یَحِلُّ تھا مگر مَنْ موصولہ شرطیہ نے اس کو جزم دیا تو دو ساکنین کے خطرے سے یہ اپنی اصلیت کی طرف آگیا۔ عَلَیْہِ جار مجرور متعلق ہے غَضَبِیْ۔ مرکبِ اضافی فاعل ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی فَ جزائیہ۔ قَدْ هَوٰی باب ضَرَبَ ماضی قریب واحد مذکر غائب هَوٰی لفیف مقرون سے بنا ہے اس کا معنیٰ ہے گم ہو جانا ناپید ہونا۔ نیچے گرنا اترنا اُبھرنا اُٹھ جانا۔ غار یا کوئیں کا منہ کھلنا۔ اسی سے ہے ھَاوِیَہ سب سے نچلی جہنم۔ خواہش کو ھَوٰی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ قلب یا نفس کی گہرائی سے

ہوتی ہے۔ گہری جگہ کو مَہْوِیَہ کہا جاتا ہے۔ خالی جگہ کو ھَوَاءٌ کہا جاتا ہے پہلی ضمیر غائب کو ھُوَ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مرجع غائب ہے۔ فَقَدْ ھَوٰی اپنے پوشیدہ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر حالیہ بیان ہوا فَیَحِلَّ کا وہ اپنے فاعل متعلق اور بیان سے مل کر معلول ہوا لَا تَطْغَوْا کے جملے کا۔ واؤ حالیہ ما بعد جملہ اسمیہ حال ہے فَیَحِلَّ کے جملے کا۔ اِنَّ حرفِ مُشَبَّہ۔ نون کو کسرہ اِتِّصَالِ یٰ متکلم کی وجہ سے ہوا ئی ضمیر اس کا اسم ہے اس لیے منصوب متصل ہے۔ لام تاکید یہ بمعنیٰ البتہ غَفَّارٌ اسم صیغہ مبالغہ بروزنِ فَعَّالٌ جَوَّادٌ۔ ترجمہ ہے بہت ہی بخشنے والا۔ پردہ پوشی کرنے والا غُفْرٌ سے مشتق اس کا صرف مذکر واحد کا صیغہ ہی ہوتا ہے۔ بحالتِ رفع جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے۔ لام حرفِ جر مَنْ موصولہ تَابَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق۔ واؤ عاطفہ اٰمَنَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واؤ عاطفہ عَمِلَ بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق تینوں صیغے واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر صیغہ تینوں کا فاعل مرجع مَنْ ہے یہ سب فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر آپس میں معطوف علیہ معطوف ہو کر پھر معطوف علیہ ہوا۔ صَالِحًا۔ اسم فاعل واحد مذکر۔ ترجمہ درستی والے یعنی نیک عَمَلَ مفعول بہ ہے ایک قول میں عَمَلًا پوشیدہ کی صفت ہو کر مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے۔ ثُمَّ حرفِ عطف برائے تراخی تراخی دو قسم کی ہوتی ہے ۱۔ تراخی بِالْوَقْتَیْن جیسے صبح کو تندرست پھر شام کو بیمار ۲۔ تراخی بِالتَّرْتِیْب جیسے پہلے امیر پھر وزیر یہاں تراخی بالوقتین ہے۔ یعنی پہلے توبہ پھر اِھْتَدٰی۔ بابِ اِفْتِعَال کا ماضی فعل ماضی مطلق واحد مذکر ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع مَنْ ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے سب معطوف صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مجرور جار مجرور متعلق ہیں غَفَّارٌ کا غَفَّارٌ اپنے پوشیدہ ھُوَ فاعل اور متعلق سے مل کر خبر اِنَّ وہ جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے عَلَیْکُمْ غَضَبِیْ کی یٰ ضمیر کا۔ کُلُوْا۔ پورا جملہ ہو کر جوابِ دوم ہوا نِدا کا۔ یَا حرفِ نِدا اپنے منادیٰ اور دونوں جواب سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۝ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ قَدْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ عَدُوِّكُمْ وَوٰعَدْنٰكُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَيْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى

اور فرعون نے سب کچھ جانتے سمجھتے عقل رکھتے ہوئے بھی اپنی محکوم رعایا قوم کو دینی دنیوی ہر اعتبار سے اپنی حکومت کی کرسی بچانے ہی کی لالچ میں گمراہ ہی رکھا کہ سیدھی سچی بات نہ سمجھائی نہ سمجھنے دی کہ نہ دنیوی ترقی نہ دینی پاکیزگی حاصل کر سکے اپنے اردگرد اپنی ہی ربوبیت و جھوٹی لغو معبودیت کا چکر چلا کر پوری اپنی قوم کو بیوقوف بنائے رکھا اور نہ خود ہی اپنے غلط مشیروں ساتھیوں کی وجہ سے

ہدایت پا سکا۔ یہاں تک کہ اخیر مرتے تک گمراہ اور گمراہ گر ہی رہا نہ دنیوی عذابوں سے بچنے
توبہ کرتے دی نہ ہلاکت کے دریا میں ڈوبنے سے بچنے دیا بلکہ اپنے ساتھ ہی سب کو لے مرا
مَا هَدٰى میں چھ قول ہیں ۱؎ خود بھی ہدایت نہ پائی کفر پر ہی زندگی برباد کر کے موت کی وادی میں
چلا گیا ۲؎ اَضَلَّ دینی طور پر گمراہ کیا دنیوی ترقی بھی نہ کرنے دی ایک دوسرے سے نفرت دلائی
اتحاد نہ ہونے دیا لڑاؤ اور حکومت کرو کی چال چلی ۳؎ اَضَلَّ کا فرینایا وَمَا هَدٰى کی دریائی راستے
پر لے گیا جو ان سب کے لیے ہلاکت کا راستہ تھا اس سے نہ بچایا۔ پکڑنے کی گرفتار کرنے کی ضد
میں آکر اپنی قوم کو مروا دیا ۴؎ اَضَلَّ خود بھی سچی بات کبھی نہ کی وَمَا هَدٰى قوم کو بھی نہ کرنے دی نہ سننے
سمجھنے ماننے دی ۵؎ اَضَلَّ اپنے رب تعالیٰ کو ناراض کیا وَمَا هَدٰى موسیٰ و ھرون علیہما السلام
کو بھی ناراض کیا۔ خود بھی اور اپنی قوم سے بھی ناراضگی کے ہی کام کرائے ۶؎ اَضَلَّ دنیا میں ہر طرح
عتاب الٰہی سے ذلیل کرایا وَمَا هَدٰى آخرت یعنی قوم کو محشر جہنم کی ذلت حاصل کرادی چا ہتا
تو بچ سکتا تھا۔ بیس سال کی مہلت پھر ہر طرح کا سمجھانا یہ کوئی تھوڑی مہلت اور شفقت نہ تھی
ے مکے کے کافر و سردار و اور دنیا بھر کے تا قیامت گستاخ بے ادب حاکمو لیڈر و تم
بھی بالکل فرعون کے راستے پر چل رہے ہو اس کو بھی انکے نے فنا کیا اور تمہارا انجام بھی اس
سے مختلف ہوتا نظر نہیں آتا۔ اس واقعہ سے نصیحت لو عبرت کی آنکھیں کھولو غیرت کی ضمیر میں
ٹٹولو۔ اور بندے بن جاؤ حق کا مقابلہ اور قوم کی گمراہی کا سامان۔ ہلاکت آسان مت بناؤ۔
اسی لیے قرآن مجید میں بار بار مختلف انداز میں مختلف پہلوؤں سے یہ قصہ دہرایا جا رہا ہے کہ
کچھ تمہیں کسی وقت سمجھ آجائے۔ اور بجائے ہمارے محبوب محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے
مقابلہ کرنے قوم کو ان کے خلاف اکساتے بھڑکانے کے ان کے آستانۂ رحمت پر بندہ
بن کر آجاؤ۔ نہ فرعون کا نمونہ بنو کہ اَضَلَّ مِنَ الرُّشْدِ ہو اور نہ مَا هَدٰى هُمْ اِلٰى طَرِيْقِ النَّجَاةِ رہو
اور نہ فرعون کی طرح احمقانہ انانیت بناؤ۔ کہ گمراہ اور خراب کرنے کے۔ باوجود سمجھتے رہو
وَمَآ اَهْدِيْكُمْ اِلَّا سَبِيْلَ الرَّشَادِ۔ (سورۃ مومن آیت ۲۹) یعنی اے میری قوم والو
میں تم کو ہر بات میں سچے راستے کی ہدایت دیتا ہوں۔ یہ اس کی قوم کی بدنصیبی و حماقت
تھی اتنی گمراہیوں ذلتوں کے باوجود فرعون کی کذب بیانی پر مرمٹی تھی اور معبود و رب
بنائے بیٹھی تھی حالانکہ سمندری راستے پر چلانا اَضَلَّ تھا اور اندر گھستے چلے جانا۔
وَمَا هَدٰى۔ تھا فرعون اور اس کی قوم تو سخت گمراہی بے ہدایتی کی وجہ سے مرکھپ گئے

مگر اے بنی اسرائیل تم میں گمراہی بے ہدایتی کیوں آگئی تم کو تو ہم نے بڑی عزت فضیلت دی تمہارے اتنے بڑے ظالم جابر دشمن سے تم کو نجات دی عدو لفظاً واحد ہے جنساً جمع اس لیے تمام فرعونی لوگ مراد ہیں۔ اس وجہ سے کہ تمام کی دشمنیاں فرعون کی وجہ سے تھیں لہٰذا اصل دشمن ایک ہی تھا جو سب کی عداوتوں کا مجموعہ تھا۔ جب تک تم فرعونی مصیبتوں ذلتوں میں پھنسے رہے اُس وقت تک تو تم ہمارے اچھے عابد زاہد اور صابر بندے بنے رہے اسی مخلصانہ بندگی کو ہم نے اتنا پسند فرمایا کہ اپنے کلیم نبی موسیٰ کو تمہاری نجات کے لیے مبعوث فرمایا۔ اور اُن کو حکم دیا کہ میرے بندوں کو فرعون کے ظالمانہ چنگل سے چھڑا کر مصر سے نکال لے جاؤ۔ ہم نے اپنے پسندیدہ عظیم لقب بعبادی سے نوازا یہ کوئی معمولی لقب نہیں ہے اِس طریقے سے تم کو مصر کی ذلت آمیز زندگی سے نکالا۔ مگر تم نے اپنی آزادی کی چند دن بھی قدر نہ جانی اور اپنے خطاب و لقب کی لاج نہ رکھی اور راہ چلتے ایک مندر کے پجاریوں کو دیکھ کر تم میں سے کچھ بیوقوفوں نے مطالبہ کرتے ہوئے قَالُوْا یٰمُوْسَی اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ (سورۂ اعراف آیت ۱۳۸) یعنی اے موسیٰ ہمارے لیے بھی ایسا معبود بنا دو ہم نے اِس حماقت کو بھی معاف فرما کر۔ تمہاری خواہش پر موسیٰ علیہ السّلام کے ذریعے ایک عظیم قانون و شریعت حکمت و طریقت کی کتاب دینے کا تم سے وعدہ لیا اور موسیٰ کلیم سے کوہِ طور کی جانبِ ایمن آنے کتاب لینے کا وعدہ لیا۔ تم میں کتنی جلدی گمراہی آ گئی ابھی تو فرعونی مار کے زخم بھی مندمل نہ ہوئے تھے کہ تم نے پھر کفریہ حرکتیں اور گستاخی بے ادبی کی حرکتیں شروع کر دیں جس کی بنا پر تم کو وادیٔ تیہ میں قید کیا گیا۔ لیکن ہمارے انعامات وہاں بھی تمہارے ساتھ رہے تم کو قدرتی معجزاتی چشموں کا پانی دیا گیا۔ وَنَزَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى اور تم پر غیب کے پردوں سے نازل فرمایا ہم نے مَنّ کا سفید میٹھا قدرتی حلوہ اور سلویٰ پرندوں کا تلا ہوا گوشت روایتوں میں ہے کہ ہر دن فجرِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک شبنم کی طرح سفید روئی برف جیسا میٹھا حلوہ برستا اور پرندوں کا تلا ہوا گوشت تقریباً ایک صاع یعنی ساڑھے چار سیر کی مقدار میں ہر فرد کے لیے اُس کے خیمے کے سامنے ہوتا یہ چوبیس گھنٹے کی خوراک تھی دونوں چیزیں مَنّ و سلویٰ ایک ایک صاع ہوتا۔ یہ کرم اس لیے تھا کہ بنی اسرائیل یعقوب علیہ السّلام کی اولاد اور نبی زادے تھے۔ یعنی یعقوب کی نسلِ کثیر انبیا کی اصل اور ابراہیم علیہ السّلام کے خاندان سے تھے۔ مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ خطاب کن بنی اسرائیل سے ہے؟ صحیح یہ ہے کہ موسیٰ

علیہ السّلام کے زمانے والے وہی بنی اسرائیل مراد ہیں جو نجات دئے گئے پھر تیہ میں نظر بند کئے گئے۔ مگر بعض نے فرمایا کہ یہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے بنی اسرائیل سے ہے اور آباؤ اجداد کی نعمتوں فضیلتوں کا ذکر ہے اور خطاب اس لیے ہے کہ آباؤ اجداد پر انعامات بعد کی تمام نسل پر انعام شمار ہوتا ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ یہ سورۂ طٰہٰ مکی ہے اور مکہ مکرمہ میں کوئی یہودی نہ تھا۔ یہودی اُس وقت صرف مدینہ منورہ میں رہتے تھے اس لیے اُن سے خطاب مدنی سورتوں میں ہوا ہے نہ کہ مکی میں وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَلَا تَطْغَوْا فِيْهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِيْ ۚ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِيْ فَقَدْ هَوٰى۔ اے بنی اسرائیل کھاؤ تم اس من وسلوٰی کو جو بغیر محنت بغیر اُجرت کی حاصل شدہ طیبات ہیں۔ اس طرح کہ طبعًا لذیذ ہیں شرعًا حلال ہیں اس کے بنانے پکانے میں کسی بھی انسان کا ہاتھ نہیں۔ اس لیے نہ اس میں ناپاکی کا شک نہ حرمت کا ڈر۔ طیبات نعمتِ کاملہ ہے اور نعمتِ کاملہ کی چار صفتیں ۱؎ طبیعت میں لذیذ ہو ۲؎ شریعت میں حلال ہو ۳؎ حقیقت میں پاکیزہ ہو ۴؎ منفعت میں مفیدہ ہو۔ یہاں رب تعالٰی نے بنی اسرائیل پر نو نعمتوں کا ذکر فرمایا پہلی اَنْجَيْنٰكُمْ یہ پہلی اس لیے کہ تکلیف دور کرنا نفع دینے سے پہلے ضروری ہے فرعون بنی اسرائیل کو چار قسم کی تکلیفیں دیتا تھا ذلت کی ۲؎ مشقت کی ۳؎ قتل عام کی ۴؎ ہر وقت خوف زدہ رکھنا اور شہر بدر کرنا دفیرہ۔ دوسری نعمت وَاعَدْنٰكُمْ تیسری نعمت مَنّ کا نازل ہونا چوتھی نعمت سَلْوٰی کا حاضر ہونا پانچویں نعمت اِن طیبات کو ہر طرح آزادی سے کھانے کی اجازت ملنا وَاعَدْنَا کو ان سے پہلے ذکر کیا گیا اس لیے کہ وعدہ کتاب تورات دینے کا تھا یہ دینی نعمت تھی من وسلوٰی دنیوی نعمت تھی اس لیے اس کو بعد میں ذکر فرمایا تاکہ ہر شخص دین کو دنیا پر مقدم رکھے مقدم سمجھے۔ وَاعَدْنَا کی تفصیل اس طرح ہے کہ مصر جاتے ہوئے بزرگ اسرائیلیوں نے عرض کیا یا موسیٰ ہم کو کوئی ایسی کتاب دلوایئے اپنے رب سے جو احکام قانون حکمت فضیلت رحمت میں مکمل و مفید ہو تب موسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہِ ربانی میں عرض کیا تو اُن سے وعدہ فرمایا گیا۔ کہ طور کی اُسی جانب ایمن آجانا جہاں پہلی مرتبہ کلامِ الٰہی سننے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ جانبِ ایمن سے مراد شام کے راستے فلسطین جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السّلام کے داہنی جانب ورنہ مقامات و مکانات کی کوئی داہنی بائیں جانب نہیں ہوتی۔ وَاعَدْنَا۔ بابِ مفاعلۃ اس لیئے فرمایا گیا کہ دوطرفہ وعدہ ہوا تھا۔ رب نے کتاب دینے کا وعدہ فرمایا اور حضرت موسیٰ نے طور پر آنے اور شرائط حاضری کی

پابندی کرنے کا وعدہ کیا۔ توریت میں اوّلاً شریعت طریقت معرفت نصیحت اور دعائیں عبادت کے طریقے اور وقت کا ذکر تھا۔ چھٹی نعمت۔ ہر غذا کا طیبات ہونا۔ شرعی حرام چیز طیبات اور نعمت ہی نہیں ہوتی۔ ساتویں نعمت رزقِ وسیع ہونا۔ مَنّ وَسلویٰ کے نزول کا پیش خیمہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کو قومِ جابرہ کے شہر میں جاتے اُن سے لڑنے کا حکم ہوا تو سب اسرائیلی ڈر گئے اور جنگ سے انکار کر دیا تب ان کو میدانِ تیہ میں پہاڑوں کے اندر قید کر دیا اور وہاں ان پر مَنّ وسلویٰ نازل کیا گیا۔ چالیس سال قید رہے۔ آٹھویں نعمت بغیر محنت مشقت اور بغیر اُجرت قیمت کے ملنا۔ نویں نعمت عبادت کا وسیع وقت ملنا کہ کوئی دنیوی کام نہیں بس کھانا پینا عبادت کرنا یہ سب سے بڑی نعمت تھی۔ اِن نو نعمتوں کے بعد چار زحمتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ۱ لَا تَطْغَوْا۔ اس میدانِ تیہ کی وادی میں کھانے پینے کی ہر طرح آزادی سہولت ہے کوئی رکاوٹ نہیں مگر سرکشی کسی قسم کی بھی نہ کرنا سرکشی کی دس صورتیں ۱ یہ نعمتیں کھا کر ناشکری نہ کرنا ۲ کسی پر تکبر نہ کرنا ۳ کسی پر زور آزمائی کا ظلم نہ کرنا۔ ۴ کسی سے گناہ پر تعاون نہ کرنا ۵ خود بھی کوئی گناہ نہ کرنا ۶ اس رزق کو نہ خود برباد کرنا نہ برباد ہونے دینا۔ کھا چاٹ کر سارا ختم کرنا ہے پھینکنا نہیں اگر نہ کھایا جا سکے بچ رہے تو اپنے کسی ضرورت مند ساتھی کو دیدینا ۷ اس مَنّ وسلویٰ کا ذخیرہ نہ کرنا اگلی صبح آنے سے پہلے پہلے خود کھا کر یا کسی کو کھلا کر ختم کرنا ہے ۸ چھینا جھپٹی بھی مت کرنا یعنی کسی کا حصہ کسی کی کوئی بھی چیز غصب چوری ڈکیتی سے نہیں لینی ۹ عبادات فرض اور واجبی کو ترک نہ کرنا۔ یعنی نہ تم جائز سے ناجائز کی طرف تجاوز کرنا اور نہ نعمت کے نعمت ہوتے کا انکار کرنا۔ نہ شکرِ نعمت کو بھولنا اور منعمِ حقیقی کی نافرمانی نہ کرنا نہ ہی نعمت کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنا۔ کہ فلاں ستارے کی وجہ سے یہ موسم آیا اور فلاں دیوتا کی وجہ سے یہ نعمت ملی ۱۰ تھوڑی حلال کو چھوڑ کر خواہشِ کثرت میں حرام کی طرف مائل نہ ہو جانا۔ شرعی ممنوعات کی سختی سے پابندی رکھنا ورنہ تم پر میرا غضب واجب اور لائق ہو جائے گا یعنی سزا عذاب عتاب اور انتقامِ گناہ کا ارادہ میرا غضب ہے تم اس سے بچ نہیں سکو گے کہیں بھی بھاگ جاؤ تم پر حائل و نازل ہو ہی جائے گا۔ خیال رہے کہ غضب کا اصل معنیٰ قلبی ہیجان جس کا اثر غضب ناک کے سارے جسم پر ہوتا ہے کہ عقل میں غصے کی شدت آنکھیں لال کان سرخ چہرہ تنا ہوا۔ زبان میں تیزی پیروں میں سُرعت ہاتھوں میں قوت۔ جسم پر تھرتھراہٹ مگر یہ انداز صرف انسان و حیوان کا غضب ہے۔ غضبِ الٰہی کا معنیٰ سزا۔ انتقامِ ظلم و گناہ اور

سخت ناراضگی ہے۔ انسانی کیفیاتِ غضبی سے باری تعالیٰ پاک سُبحان ہے۔ یہ غضبِ الٰہی کوئی وقتی جوش یا عارضی معمولی نہیں ہوتا۔ بلکہ وَمَنْ يَّحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِىْ فَقَدْ هَوٰى۔ جس بدنصیب مردود نامقبول نالائق مجرم ظالم روسیاہ پر میری سزا انتقامی نازل ہوئی تو دنیا کی ذلت اور آخرت کی ھاویۂ جہنم میں گرا پڑا رہے گا۔ دنیوی ذلت سات قسم کی ہے ۱ دین سے غفلت ۲ عملِ صالحہ سے بے رغبتی ۳ اللہ والوں سے نفرت دشمنی گستاخی بے ادبی کرنا کوئی اچھا نیک ساتھی نہ ملنا ۴ بری صحبتیں محفلیں بلا مشقت حاصل ہو جانا ۵ اچھے کام کی توفیق و ہدایت نہ ملنا ۶ کتنا ہی دولت مند طاقتور۔ خوب صورت بن جائے مگر عوام میں کوئی حقیقی عزت و احترام نہ ہو۔ ظاہراً یا خفیہ پسِ پردہ لوگ اُس کو ذلیل و خبیث و کمینہ ہی سمجھتے ہوں۔ ۷ اپنوں پرایوں میں کوئی رُعب نہ ہو سب اچھے لوگ اس سے دل میں نفرت کریں۔ اُخروی ذلت بھی سات قسم کی ہے ۱ بوقتِ موت کلمہ طیبہ کی توفیق نہ ملنا ۲ عذابِ قبر ۳ میدانِ محشر میں شفاعت نہ ملنا ۴ اللہ تعالیٰ کی بخشش نہ ملنا ۵ تمام عملِ صالحہ برباد یا ختم ہو جانا یعنی مظلومین میں بانٹ دئے جانا ۶ بدعقیدگی میں دنیا سے جانا ۷ کفر پر مرنا۔ یہ دنیوی سزائیں تو مغرور متکبر بدخصلت بدفطرت ناشکرے فضول خرچ ظالم فاسق فاجر اور گندی حرام خوراک والے اور کافر کی ہیں وَاِنِّىْ اور اگر کوئی خوش تقدیر اس قسم کی غلطیاں گناہ کفریات وشرکیات مخالفتِ شرعیات کر کے توبہ کرے اور یہ عقیدہ بھی اپنے ایمانی قلبی کے یقینیات میں شامل کر لے کہ بے شک میں لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ خالق مالک اللہ سُبحانہٗ بہت ہی بخشش فرمانے والا ہوں اس شخص کی جو دنیوی زندگی میں بغیر کسی دباؤ جبر قہر لالچ کے اپنی خوشی سے اپنے سابقہ گناہ کفر سے سچی توبہ کرے اور پھر صدقِ دل سے اللہ کی وحدانیت پر اُس کے رسولوں کتابوں شریعتوں پر پکا ایمان لائے اور پھر اپنے ہر دینی دنیوی کام کو عمل صالح بنا دے اور پھر اسی طریقۂ مستقیم پر زندگی بھر ثابت قدم رہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کی مختلف آیت میں غَفْرٌ بمعنی بخشش کے تقریباً اکیس صیغے ارشاد فرمائے گئے ہیں ۱ غَافِرٌ۔ مثلاً غَافِرُ الذَّنْۢبِ ۲ غَفُوْرٌ۔ مثلاً رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ۳ غَفَّارٌ مثلاً اِنِّىْ لَغَفَّارٌ ۴ غُفْرَانَ۔ مثلاً۔ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا ۵ مَغْفِرَةٌ مثلاً وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ ۶ غَفَرْنَا۔ داؤد علیہ السلام کو فرمایا گیا فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ ۷ لَا يَغْفِرُ۔ مثلاً۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ ۸ يَغْفِرُ۔ مثلاً

وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِكَ ۹ اِسْتَغْفِرْ۔ مثلاً عام مسلمان کو حکم ہے اِسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ ۱۰ اِسْتَغْفِرُوْا مثلاً فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا ۱۱ يَسْتَغْفِرُوْنَ۔ مثلاً وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِمَنْ فِي الْاَرْضِ ۱۲ انبیاء کرام علیہم السلام نے استغفار طلب کی آدم علیہ السلام نے اس طرح وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا۔ ۱۳ نوح علیہ السلام نے۔ وَاِنْ لَّا تَغْفِرْ لِيْ ۱۴ ابراہیم علیہ السلام نے اَطْمَعُ اَنْ يَّغْفِرَ لِيْ ۱۵ اپنے چچا مرنی آذر کے لیے ابراہیم علیہ السلام نے دعا مانگنے کا وعدہ فرمایا۔ سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ۔ ۱۶ یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ ۱۷ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ ۱۸ داؤد علیہ السلام نے فرمایا۔ سَاَسْتَغْفِرُ رَبِّيْ ۱۹ سلیمان علیہ السلام نے عرض کیا۔ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا۔ ۲۰ عیسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا۔ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ۔ ۲۱ مسلمانوں کی نشانی۔ وَيَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا۔

مغفرت کے باب میں چار چیزیں خیال رکھنی چاہئیں ۱ مغفرت کیا ہے ۲ مغفرت کس کی ہے ۳ مغفرت کے طریقے کہ کس طرح ہوتی ہے ۴ انبیاء کرام کا مغفرت مانگنا کیا ہے جب کہ وہ گناہ پر قادر ہی نہیں ان سے گناہ کا صدور محال بالعصمة ہے۔ پہلی چیز مغفرت کی حقیقت یہ ہے کہ رب تعالیٰ اپنے کرم سے بندے کے گناہ مٹا دے لغزشیں چھپا دے اور اپنی رضا کی چادروں میں لپیٹ لے رحمت کے پردوں میں لے آئے دوسری چیز کہ مغفرت کس کی ہے خیال رہے کہ دنیا میں بندے تین قسم کے ۱ ظالم ۲ ظلوم ۳ ظلاّم قرآنِ مجید میں رب تعالیٰ کے لیے مغفرت کے اسماءِ صفاتیہ بھی تین ہیں ۱ غافر ۲ غفور ۳ غفّار۔ ظالم تائب کے لیے رب غافر ہے۔ ظلوم کے لیے غفور ہے اور ظلاّم کے لیے مولیٰ تعالیٰ غفار ہے تیسری چیز غافر یہ کہ گناہوں کی پردہ پوشی فرمانے والا رسوائی سے بچانے والا دنیا میں اور مٹانے والا قیامت میں۔ غفور یہ کہ سابقہ گناہوں کی معافی آئندہ کے لیے بچانے والا۔ غفار اس طرح کہ ایک توبہ سے بکثرت بخشش عطا فرمانے والا۔ بخشش کی کیفیت کثیر ہو تو غفاریت ہے بخشش کی کمیت و مقدار کی کثرت ہو تو غفوریت اور دونوں کی کثرت ہو تو غافریت کا ظہور ہے صغیرہ گناہوں خطاؤں کی معافی غافریت ہے گناہ کبیرہ کی معافی غفوریت ہے ہر قسم کے ظلم کفر شرک طغیانیت بدعقیدگی تکبّر کی معافی غفاریت ہے۔ چوتھی چیز انبیاء کرام علیہم السلام کی استغفار مانگنا بھول اور نسیان سے ہوتی ہے اور ان کے ذُنُوب کی حقیقت میں تین قول ۱ حضرت حکیم الامت بدایونی نعیمی نے فرمایا۔ ذَنْبِكَ سے مراد

یہ ہے کہ امت کے گناہ شفاعتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ۲ ضیاء الامت بھیروی نے فرمایا کفار کے لگائے ہوئے الزامات اتہامات کو اس طرح مٹا دیا کہ نہ نشان رہا نہ اثر کسی کافر نے کسی نبی کو جادوگر کہا کسی نبی کو مسحور کسی نے مجنون کسی نے شاعر قصہ گو رب تعالیٰ نے یہ تمام اتہام فنا کر کے تاقیامت نبوت کو قائم فرما دیا یہ ہے مغفرتِ ذنوبِ انبیاء ۳ علامہ احمد حسن نوری نے فرمایا مغفرتِ عوام یہ کہ رحمت کی چادر میں ڈھانپنا۔ اور مغفرتِ انبیاء یہ کہ قربِ جمال کے مراتبِ علیا پر پہنچانا۔ یہ تینوں اقوال درست و ایمان افروز ہیں۔ مقبول و محبوب بندے کا آخری مقام اِهْتَدٰی ہے۔ یعنی استقامت علی التوبہ۔ ایمان میں خلوص۔ اور اعمالِ صالحہ میں ہمیشگی مرنے تک توبہ ایمان اعمال کی ابتدا آسان مگر مداومت مشکل ہے اس لیے نجات کا دار و مدار ثُمَّ اهْتَدٰی پر ہے۔ بعض نے فرمایا کہ راہِ مخالفت سے راہِ مطابقت پر آنا توبہ بغیر دیکھے اللہ کی چیزوں کی سچے دل سے تصدیق کرنا ایمان ہے سنتِ مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل ہر عادت عبادت میں پیروی کرنا اعمالِ صالحہ ہے پھر کچھ بھی ہو جائے اِن تینوں میں کسی کو نہ چھوڑے یہ اهْتَدٰی ہے (تفسیر کبیر و روح البیان)۔ بعض نے فرمایا یقینِ قلبی سے جانتے مانتے کہ یہی توبہ یہی ایمان یہی اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں جو آستانۂ نبوت سے حاصل ہوتے ہیں یہ ثُمَّ اهْتَدٰی ہے۔ بعض نے فرمایا اِهْتَدٰی ایمانی عقائد کی اس طرح حفاظت کرنا کہ عمر بھر ایک لمحہ بھی اس عقیدہ سے نہ ہٹے توبہ یہ کہ کفریات کو لغویاتِ بے دلیل باطل سمجھے۔ ایمان یہ کہ شریعت کو برہانِ ربانی سمجھے۔ اعمال صالحہ یہ کہ اعضاءِ ظاہری کو اللہ رسول کی خوشنودی میں لگا دے۔ پہلے توبہ فرض پھر ایمان پھر اعمال فرض ہیں۔ اِهْتَدَا یہ کہ دل کو حسد تکبر ریا اور ہر برے عمل سے پاک کرے پاک رکھے ایمان و اعمال کے درمیان واؤ عاطفہ نے بتایا کہ ایمان علیحدہ چیز ہے اعمال علیحدہ چیز ہے کیونکہ واؤ عاطفہ مغایرت کو چاہتی ہے اور ترتیبِ مدارج کو بدلنا بے کار ہے۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی زندگی میں سب سے مصیبت اور نقصان دہ صحبتِ بد اور برا ساتھی ہے یہ زہرِ قاتل اور دین دنیا کی موت ہے اگرچہ کسی روپ کسی شکل و صورت میں ہو ہر مسلمان کو محفل مجلس اور ساتھی کے انتخاب میں بڑی اور بہت احتیاط غور و فکر چاہیے۔ یہ عبرت کا سبق اور فائدہ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰی سے حاصل ہوا صحبتِ بد کی چار صورتیں ہیں ۱ گمراہ فاسق ساتھی دوست ۲ بروں کی بری کتابیں پڑھنا ۳ بروں کی تقریریں سننا ۴ یہ عادت

ڈالنا کہ فلاں کو دیکھیں تو لکھی یا اس کی تقریر سنیں تو کبھی فلاں کتاب ہم پڑھ کر تو دیکھیں ہمیں کچھ نہیں ہو سکتا بس یہ خیال اور یہ عادت ہی شیطان کا پہلا جال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر مومن مسلمان کو اس بری عادت برے شوق سے بچائے اسی لیے مرشد پکڑنا خلوت اختیار کرنا اشد ضروری کہ ان سے ہی توبہ ایمان واعمالِ صالحہ نصیب ہوتے ہیں دیکھو ہامان نے فرعون کو اور فرعون نے پوری قوم کو گمراہ کر کے ہلاکتِ ابدی تک پہنچا دیا حالانکہ بڑا مہربان ہونے کا دعویدار تھا۔ بس بچا وہی جو دامنِ موسیٰ میں آگیا۔ دوسرا فائدہ کائناتِ عالم میں بس رب تعالیٰ ہی رحیم و کریم ہے لاکھوں ماؤں کروڑوں باپوں سے زیادہ اپنے بندوں سے پیار فرمانے والا ہے۔ اس کی ایذائیں بھی رحمت اس کی نعمتیں بھی شفقت۔ یہ فائدہ قَدْ اَنْجَیْنٰكُمْ اور نَزَّلْنَا عَلَیْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى فرمانے سے حاصل ہوا کہ جس طرح والد کی سختی بھی مفید اور حکمت والی ہوتی ہے اور نرمی بھی اولاد کے لیے مفید یا جس طرح جراح کا آپریشن بھی درست ہوتا ہے اور مرہم رکھنا بھی شفقت بلا تشبیہ اس طرح رب تعالیٰ کی ہر چیز شفقتِ بندگان کی حکمت پر ہے۔ اور اگر والد کی سختی نہ ہو تو اولاد خراب والدہ کی نرمی نہ ہو تو اولاد خراب اسی طرح مقامِ تیہ میں قید کرنا سختی و باپ کی مثل ہے اور مَن و سلویٰ پانی کے چشمے دیگر آرام و آسائش والدہ کی نرمی کی مثل ہے (تفسیر کبیر) تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو چار چیزوں کو جلد حاصل کرنا چاہیے پہلے توبہ۔ یہ برائی کے مطابق ہونا چاہیے ۱ اجرام یعنی کفریات سے توبہ ۲ سیئات یعنی گناہِ کبیرہ سے توبہ ۳ خطایا یعنی گناہِ صغیرہ سے توبہ پھر ایمان لانا پھر اعمالِ صالحہ۔ چہارم پھر اِهْتَدٰى۔ یعنی حصولِ علم یہ سب سے اہم ہے کیونکہ علم روشنی ہے جس سے سچی توبہ صحیح اور صالح اعمال کو دیکھا پہچانا جاتا ہے۔ ان سب میں جلدی کرنا اس لیے ضروری ہے کہ موت کا پتہ نہیں۔ مہلت ملے یا نہ ملے اور اگر مہلت مل بھی جائے تو پتہ نہیں فرعونیتِ نفس ہدایت لینے دے یا اَضَلَّ وَمَا هَدٰى پر ہی ورغلائے رکھے۔ یہ فائدہ۔ لَا تَطْغَوْا۔ اور لِمَنْ تَابَ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اصولِ فقہ کے مطابق امر اور نہی دونوں فعل سولہ معنیٰ میں آتے ہیں جس میں اصل معنیٰ وجوب اور فرضیت ہے لیکن عبادت و کلام کے سیاق و سباق و مضمون کی طرزِ بیانی کے قرینے و نشان کے مطابق دیگر اقسام بھی مراد لیے جاتے ہیں یہ مسئلہ كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ کے اطلاق اور لَا تَطْغَوْا کو فَیَحِلَّ (الخ) سے مشروط کرنے سے مستنبط ہوا۔ كُلُوْا۔ امر کے استحباب کا قرینہ اور نشانی مِنْ طَیِّبٰتِ کا عموم ہے

یعنی کھانا مستحب ہے نہ کھانا گناہ نہیں جیسے کہ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا کہ احرام سے کھل کر شکار کرنے کی اجازت ہے مستحب ہے واجب لازم نہیں۔ لیکن لَا تَطْغَوْا پر عمل کرنا پابندی رکھنا واجب ہے اس کا واجب ہونا فَیَحِلَّ کی وعیدِ عذاب غضب ہے۔ یعنی کلوا کے بعد کسی عذاب وسزا کی پکڑ کا ذکر نہیں ہے اس لیے وہ مستحب ہوا۔ سرکشی کرنے پر غضب کے نزول کی وعید ہے لہٰذا یہ واجب ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے پیدا کردہ پیدائشی طور پر تمام رزق پاک اور حلال ہوتے ہیں خواہ وہ غذائی رزق ہوں یا استعمالی جب ان میں کسی طرح انسانی عمل کا دخل ہوگا تب اُن میں حلت حرمت، پاکی پلیدی کا شک وشبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے بارشیں اولے۔ آسمانی برف باری کا پانی تمام گھاس پھوس پتے پھل فروٹ جڑی بوٹی شہد۔ ریشم۔ روئی۔ دھات۔ معدنیات روغنیات سب پاک ہیں کسی قسم کی پلیدی نہیں اور اگر کسی انسانی ملکیت کا دخل نہ ہو تو بلا اجازت کھا لینا استعمال کرنا حلال بھی ہے۔ ان میں سے کوئی چیز کسی سے لگ جائے تو اُس کو ناپاک نہیں کرتی۔ یہ مسئلہ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ کے عموم سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ توبہ کا اجمالی معنٰی ہے غلطی کی معافی مانگنا اِس معنٰی کے اعتبار سے فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح کی غلطی اور لغزش یا جرم ہو اُسی قسم کی توبہ اشد ضروری ہے قلبی جرم کی قلبی توبہ کہ سابقہ جرائم و ذنوب سے نفرت کرے ندامت میں رہے آئندہ نہ کرنے کی نیت کرے۔ لسانی زبانی غلطیوں کی لسانی توبہ عملی جرائم کی عملی توبہ۔ علانیہ کی علانیہ پوشیدہ کی پوشیدہ غرض کہ ہر گناہ کا نام و نیت سے توبہ کرے افعال و اعمال کی توبہ یہ کہ آئندہ نہ کروں گا۔ غصبی چوری ڈکیتی کی توبہ یہ کہ جس کا جو لیا ہے وہ واپس کرے یا بدلہ دے یا اُسی سے معاف کرائے جس کا لیا ہے۔ حقوق العباد میں خیانت خباثت کی ہے تو وہ ادا کرنا ہی توبہ ہوگی۔ توبہ مثل صابن کے ہے جو میل کو دور کرتا ہے اور گناہ مثل میل کے ہیں اور کفر یعنی جرائم مثل زنگ کے ہیں تو جیسا میل سخت ہو ویسا ہی تیز صابن سوڈا ضروری ہے۔ دنیوی صابن ظاہری میل کو اُتارتا ہے اور توبہ باطنی میل کو مثاتی دور کرتی ہے صابن سے برتن۔ کپڑا چہرہ اور جسم اُجلا ہوتا ہے۔ توبہ کرنے سے قلب عقل روح مجلّٰی ہو جاتی ہے۔ سچی توبہ استغفار یعنی معافی ہے اور جھوٹی توبہ استہزا یعنی مذاق ہے سچی توبہ کی تین شرطیں ہیں۔ (۱) دل سے شرمندگی (۲) زبان سے معافی (۳) اعضاء سے رجوع یعنی دور رہنا گناہوں سے اگر یہ نہ ہو تو توبہ جھوٹی ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے۔ اَلْمُسْتَغْفِرُ بِاللِّسَانِ وَالْمُصِرُّ عَلَى الذُّنُوْبِ كَالْمُسْتَهْزِئِ بِرَبِّهٖ۔ یعنی زبان سے کہتا رہے توبہ توبہ اور گناہوں پر قائم رہے وہ اپنے

رَبِّ علیم و خبیر سے مذاق کرتا ہے یہ مسئلہ لِمَنْ تَابَ کی تفسیری وضاحت سے مستنبط ہوا۔ یہی تو بری حقیقی شکر ہے۔ چوتھا مسئلہ۔ رافضی شیعہ لوگ امام جعفر باقر کی طرف ایک قول منسوب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اِهْتَدٰی سے مراد محبتِ اہلِ بیت ہے (از تفسیر روح المعانی پارہ ۱۶ اسی مقام ص۲۴۲ دعواتِ فرقہ) اور خارجی کہتے ہیں کہ اِس سے مراد محبتِ صحابہ کرام ہے یعنی شیعوں کے نزدیک جب تک محبتِ اہلِ بیت نہ ہو۔ تو یہ ایمان اعمال سب بیکار خارجی وہابی کہتے ہیں کہ جب تک محبتِ صحابہ نہ ہو یہ سب بیکار ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ دونوں باتیں اجتماعی طور پر درست ہیں الا ہیں صرف اور فقط کے حصر کی پھر مت لگاؤ اور اتحادی مسئلے دعقیدے میں تفرقہ پیدا مت کرو صحابہ واہلِ بیت دونوں کی محبت سرمایۂ ایمان ہے اہلِ اسلام کو دونوں سے محبت چاہیئے۔ مگر اِهْتَدٰی سے یہ استدلال یا اِستنباط یا انتساب غلط ہے۔ تفسیر معانی نے فرمایا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْكَذْبَ کہ یہ سب جھوٹی باتیں ہیں۔ اس لیے کہ خطاب بنی اسرائیل سے ہے زمانہ موسیٰ علیہ السلام کا ہے یہاں محبتِ اہلِ بیت یا صحابہ سے کیا نسبت۔ اِس طرح کی مضحکہ خیز لغویات خرافات اور بھی چند ایک مشہور ہیں مثلاً کچھ شیعوں نے۔ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ۔ کو آلِ یٰسین بنا دیا۔ اور آلِ یاسین سے اہلِ بیت مراد لے لیے اور اہلِ بیت سے صرف علی مراد لے لیے۔ حالانکہ ایسی بیہودہ دگر دگر قرآن مجید میں کفریہ تخریب کاری ہے۔ کچھ شیعہ کہتے ہیں کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيٌّ عَظِيْمٌ کا معنی ہے کہ بے شک اللہ اور علی عظیم ہیں۔ دَعْوٰى وَ لَا دَلِيْلَ۔ گویا کہ بات بنے نہ بنے کھینچ تان کر کے مذہب ٹھونسا ہے میں کہتا ہوں کہ مولیٰ علی کی شانیں قرآن و حدیث میں ویسے کیا کم مذکور ہیں جو اس طرح کی مضحکہ خیز خرافات بنانے اور کھینچا تانی کرنے کی ضرورت پڑے

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ پہلے زمانے کا معتزلی فرقہ اور اس زمانے کا وہابی فرقہ کہتا ہے کہ گناہ مثلاً ترکِ نماز وغیرہ کرنے سے بندہ کافر ہو جاتا ہے۔ اور دلائل میں یہ آیت پیش کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مغفرت کے لیے تین چیزیں شرط مقرر فرمائیں ۱۔ ایمان لانا ۲۔ پھر عمل صالح ۳۔ پھر اس پر تا موت قائم رہنا یعنی عمر بھر گناہ کبیرہ نہ کرے تب اُس کی مغفرت ہوگی ثابت ہوا کہ عملِ صالحہ نہ ہوں اور گناہ کے عمل ہوں تو بخشش نہ ہوگی اور مغفرت نہیں تو جنت نہیں اور جنّت سے محرومی تو صرف کفار کو ہے پتہ لگا کہ بدعملی سے کفر آجاتا ہے۔ ایمان والوں کو جنت ضرور ملے گی مغفرت اور جنّت نہ ملنا ایمان کی نفی اور کفر کا ثبوت ہے لہٰذا گناہِ کبیرہ کفر ہوا اور کفر والا کافر ہوتا ہے۔ جواب یہ اعتراض مکڑی کے جالے

کی طرح خواہ مخواہ کا تانا بانا ہے اور منطقی صُغری کُبریٰ کا بلا وجہ جال پھیلا کر خود ساختہ من مرضی کا نتیجہ اخذ کرنا ہے۔ حقیقتاً کچھ نہیں اس لیے کہ یہاں مغفرت کا ذکر ہے اور مغفرت صرف کفر سے ہی نہیں گناہ کی توبہ سے بھی ہے۔ گناہ ایک علیحدہ چیز ہے کفر علیحدہ چیز۔ کفر صرف توبہ سے معاف ہوتا ہے اور توبہ صرف دنیوی زندگی میں ہوتی ہے۔ موت کے بعد نہ کفر سے توبہ ہو سکے نہ گناہ سے۔ اور موت کے وقت کی توبہ بھی قبول نہیں۔ لیکن گناہ کی مغفرت تین قسم کی ہے ۱ دنیوی زندگی میں بھی توبہ سے ۲ اگر کوئی شخص بے توبہ مر گیا تو قیامت میں شفاعت کے ذریعے بخشش ۳ اور اگر کسی کو شفاعت بھی نہ مل سکی تو جہنم میں گناہ کی مدتِ سزا پوری کر کے گناہ جلا کر کھرا خالص سونا بنا کر نکالا جائے گا اور پھر ابدی جنت کے اندر کسی نیچے طبقے میں رکھا جائے گا۔ غرضکہ گناہگار مومن کے گناہ مٹنے کے تین مقام اور تین طریقے ہیں ۱ زندگی میں بھی توبہ ۲ محشر میں شفاعتِ کبریٰ یا صغریٰ ۳ جہنم میں سزا کی مدت گزر کر۔ کافر کی معافی کا صرف ایک طریقہ دنیا میں توبہ کفر و شرک کر کے ایمان لے آئے اگر اعمالِ صالحہ کا وقت ملے تو ضرور کرے اگر موت مہلت نہ دے تب بھی مکمل بخشش کی نوید ہے۔ جیسا کہ جادوگروں کے حالات۔ لہٰذا معتزلہ کا یہ اعتراض لغو و کمزور ہے

دوسرا اعتراض۔ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ کے بعد۔ وَمَا هَدٰى۔ کیوں فرمایا گیا۔ یہ تو دونوں ایک چیز ہے اَضَلَّ ہی مَا هَدٰى ہے اور مَا هَدٰى ہی اَضَلَّ ہے جواب امام عبداللہ رازی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب اَسْئِلَةُ الرَّازِی میں اس کے پانچ جواب دیئے ہیں۔ پہلا جواب معلوم معترض نے دونوں کو کیوں ایک سمجھ لیا حالانکہ شکل صورت فعل صیغہ مادہ مصدر اور ترجمہ کے لحاظ سے تو ہر طرح مختلف ہیں۔ جب کہ مفہوم بھی ایک نہیں اَضَلَّ کا معنٰی ہے فرعون نے گمراہ خوب اور بہت کیا وَمَا هَدٰى کا سیدھی سچی بات کبھی نہ کی تھوڑی سی بھی ہدایت نہ دی۔ حالانکہ دیگر گمراہ گر اگر دو ایک بات غلط کرتے ہیں تو کوئی فائدہ اور نفع کی بھی کر دیتے ہیں مگر فرعون نے تو قوم کا ہمیشہ نقصان ہی کیا قوم کو بیوقوف ہی بنایا۔ جواب دوم۔ اَضَلَّ کا تعلق قوم سے ہے یہ فعل متعدی ہے اور مَا هَدٰى کا تعلق اپنے آپ سے ہے یہ فعل لازم ہے یعنی فرعون نے قوم کو گمراہ کیا اور خود بھی ہدایت نہ پائی۔ جواب سوم وَمَا هَدٰى۔ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ۔ کی تاکید ہے۔ یعنی فرعون نے قوم کو گمراہ کیا واقعی اس نے قطعاً ہدایت نہ دی۔ جواب چہارم۔ اَضَلَّ کا تعلق دینی باتوں سے ہے اور مَا هَدٰى کا تعلق دنیوی باتوں سے ہے۔ یعنی دینی اعتبار سے گمراہ کیا اور دنیا سازی میں بھی کچھ نہ کر کے دیا۔ بنی اسرائیل کو تو غلام بنایا ہی تھا حقیقتاً اپنی قوم کا بھی کوئی بھلا نہ کیا۔ ہر طرح برباد و ہلاک ہی کیا آخری حرکت

دریا میں ڈوب مرنے کی کر گیا نہ خود بچا نہ قوم کو بچایا۔ جواب پنجم۔ اَضَلَّ میں فرعون کی پوری زندگی کی عملی کیفیت کا بیان ہے اور وَمَا هَدٰی میں اس کی زبانی باتوں کی تردید فرمائی جا رہی ہے کہ قوم سے کہتا پھرتا ہے وَمَآ اَهۡدِیۡكُمۡ اِلَّا سَبِیۡلَ الرَّشَادِ۔ میں تو تم کو صرف ہدایت اور اچھائی بھلائی کی باتیں ہی بتاتا سکھاتا ہوں۔ اس کی تردید فرمائی جا رہی اور باطل لوگوں کا طریقہ دنیا والوں کو بتایا جا رہا ہے کہ سردارانِ کفر کس طرح اپنے ماتحتوں عقیدت مندوں کو گمراہ بھی کرتے ہیں اور ساتھ ہی طفل تسلیاں دے کر بہلاتے پھسلاتے بھی ہیں حالانکہ یہ سب باتیں جھوٹی مکاری کی ہوتی ہیں۔ اور قوم پاگل بن کر پیچھے لگ جاتی ہے۔ جیسا کہ فرعون اَضَلَّ وَمَا هَدٰی کرتا رہا۔ آج بھی سیاسی لیڈر دغاباز حکومتیں ووٹ کی خاطر کس کس طرح قوم میں اَضَلَّ وَمَا هَدٰی کے ہتھکنڈے کرتی ہیں۔ وقتی جوش دلا کر سرچشمہ عزت کہہ کر عوام کو اُلّو بنا جاتی ہیں۔ بہر کیف یہ جوابات درست ہیں تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَوٰعَدۡنٰكُمۡ۔ یہاں دو طرح سوال ہے اوّلاً یہ کہ۔ وٰعَدۡنَا۔ بابِ مُفَاعَلَۃٌ سے ہے۔ اور اس میں فعل دو طرفہ ہوتا ہے تو معنیٰ یہ ہوئے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے اور حضرتِ موسیٰ نے ہم سے وعدہ کیا۔ حالانکہ وعدہ تو صرف اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ اے موسیٰ تم طور پر آؤ ہم تم کو کتاب بھی دیں گے اور مزید بالمشافہ کلام کا شرف بھی بخشیں گے تو یہاں بابِ ضَرَبَ سے وَعَدۡنَا۔ چاہیے تھا جیسا کہ ایک قول بھی اس قرأت کا ہے۔ سوالِ دوم یہ ہے کہ كُمۡ سے مراد بنی اسرائیل قوم ہے جیسا کہ پہلے یٰبَنِیۡۤ اِسۡرَآءِیۡلَ کی خطابی ندا سے ظاہر ہے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قوم سے وعدہ فرمایا۔ حالانکہ وعدہ تو موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا۔ جواب پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ بابِ مفاعلۃٌ سے وٰعَدۡنَا ہی درست اگرچہ بعض قُرّاء نے وَعَدۡنَا بھی قرأت بتائی ہے۔ مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ اس لیے کہ وعدہ دو طرفہ ہی تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نے طور پر آنے اعتکاف کرتے تیس روزے رکھنے کا وعدہ کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے کتاب دینے کلام سنانے کا وعدہ کیا تھا۔ نیز مُفَاعَلَۃٌ کا ایک فائدہ وہ بھی ہے جو تفسیر نحوی میں بیان کیا کہ جس وعدے کی مدت میعاد اور وجہ بتا دی جائے اس کے لیے مفاعلۃٌ کا باب ہی لایا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ۔ وٰعَدۡنٰكُمۡ میں ضمیر كُمۡ مفعول بِہٖ نہیں ہے بلکہ مفعول لَہٗ ہے دراصل یہ وٰعَدۡنَا لَكُمۡ ہے۔ اگرچہ لفظاً مفعول بہٖ کہا گیا ہے مگر معناً مفعول لَہٗ ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے طور پر بلانے کا وعدہ توریت کتاب دینے کا وعدہ تھا اور وہ کتاب تمہارے لیے تھی نہ کہ موسیٰ علیہ السلام کے لیے اس میں شریعت

حکمت عبادت حکم و طریقہ دینی دنیوی زندگی گزارنے کے قوانین انجام اعمال سب کچھ تمہارے لیے انبیاءِ کرام علیہم السلام کو نزولِ کتاب کی حاجت نہیں ہوتی۔ ان کو تو سب کچھ پہلے ہی معلوم ہوتا ہے ان کی اپنی عبادت بھی امت کے لیے ہوتی ہے ورنہ انبیاء کو نجات و ثواب کے لیے عبادت کی ضرورت نہیں ہوتی وہ دینِ الٰہی کے دنیوی جہاز میں پار لگانے کے لیے بیٹھتے ہیں نہ کہ پار لگنے کے لیے اس وجہ سے وہ چار کی نیت باندھ کر تین یا دو پر سلام پھیر دیں تو کچھ نہیں کہا جاتا اور اگر بیچ دریا میں کشتی کا تختہ توڑ دیں تو کچھ نہیں ہوتا اُن کے تو پیچھے غلام بھی دریاؤں پر گھوڑے دوڑا دیتے ہیں۔

تفسیرِ صوفیانہ وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى ۔ اصطلاحِ صوفیا میں قومِ موسیٰ روحانی قوتیں ہیں، کلیمِ طور روحِ بدنی ہے۔ فرعونِ جسمانی نفسِ امارہ ہے قومِ فرعونی نفسانی قوتیں ہیں۔ مصرِ انسانی جسمِ ناسوتی ہے اور دنیا و فانی دریاءِ قلزمِ ناسوتی ہے۔ مکاشفاتِ الٰہیہ کا نور عصاءِ کلیم ہے جس کی قوتیں ہر میدانِ سینۂ مومن میں جداگانہ ہیں کہیں فیصلِ علیکم کا اژدہاءِ غضبی ہے۔ کہیں پانی پہاڑ کے راستے نکالے۔ تو کہیں پتھر پہاڑ کے پانی نکالے۔ عبورِ دریا سفینۂ شریعت میں قدم رکھنا ہے۔ جب نورِ مکاشفہ کا عصا قلزمِ دنیا کی لہروں پر پڑتا ہے تو ہدایت کے بارہ راستے بن جاتے ہیں۔ تین شریعت کے تین طریقت کے تین حقیقت کے تین معرفت کے شریعت کے تین راستے۔ توبۂ کفر توبۂ شرک توبہ گناہ ہیں طریقت کے تین راستے ایمان باللہ۔ ایمان للہ۔ ایمان فی اللہ۔ حقیقت کے تین راستے اعمالِ ظاہری اعمالِ باطنی اعمالِ خفی معرفت کے تین راستے اہتداءِ قلبی۔ اہتداءِ عقلی۔ اہتداءِ وجودی۔ اَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ ۔ نفس نے اعضاءِ ظاہری کو خدامِ شیطانی بنا کر بدعملی کے راستوں پر چلایا۔ وَمَا هَدٰى بد اعتقاد بکو راہِ نجات بنایا۔ سفرِ حیاتِ دنیوی میں کشتیِ شریعت کو چھوڑ کر مکاشفاتِ غیوبیہ کے دریا میں ہوا و شہوات کے گھوڑوں پر سوار ہو کر لاہوت کے پار ہونا چاہا لہٰذا قعرِ مذلت کی لہروں میں مع جُنُوْدِہٖ غرقِ عصیان ہو گیا۔ دنیا میں دو رہبر ہیں ۱؎ اہلِ ھُدٰی ۲؎ اہلِ ھَوٰی اہلِ ھُدٰی کی اقتدا۔ اَنْجَیْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِیْنَ ۔ کا انعامِ عظیم ہے اور اہلِ ھَوٰی کی اقتداء فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ کا عَذَابٌ اَلِیْمٌ ہے۔ اہلِ ھُدٰی کے لیے اَنْجَیْنٰکُمْ کے وعدے ہیں اور اہلِ ھَوٰی کے لیے وَمَا هَدٰى کی وعیدیں ہیں۔ اہلِ ھُدٰی کے ساتھ میں سب کی نجات ہے اہلِ ھَوٰی کے ساتھ لگنے میں سب کی ہلاکت ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِمَعِیَّتِ اَهْلِ هُدٰی۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں۔

زنہار از قرینِ بد زنہار۔ وَقِنَا رَبَّنَا عَذَابَ النَّارِ۔ اہلِ ھُدٰی یعنی ہدایت والے مومن حفاظتِ الٰہیہ کے قلعے میں رہتے ہیں لیکن اہلِ ھَوٰی یعنی شیطان والے بحرِ ملامی میں غرق ہو جاتے ہیں مسافرِ معرفت کے لیے بیلِ اسرار میں تین چیزیں ضروری ہیں (۱) مرشدِ قلب کہ اسی کو اَسْرِ بِعِبَادِیْ کا حکم ملتا ہے (۲) مجاہدۂ عقل (۳) عبادتِ اعضاء مرشد سے دوری میں کوئی چیز نفع نہیں دیتی۔ شریعت کا سفر دن میں اور طریقت کا سفر رات میں شروع ہوتا ہے۔ دنیا اندھیری رات ہے اس کی شب دیجور میں ہر سالک کو چار قدم چلنے پڑتے ہیں پہلا قدم اعتراف کا ہے یہ توبہ و معرفت ہے دوسرا قدم اعتقاد کا یہ ایمانِ اقرار ہے تیسرا قدم۔ اقرار کا یہ اعمالِ حقیقت ہیں۔ چوتھا قدم اجتہاد کا یہ اجتہادِ طریقت ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اَسْرِ بِعِبَادِیْ کی سیاحت بھی کرو کیونکہ پانی جب کسی ایک جگہ ٹھہر جاتا ہے تو اس کا مزہ اور بو بدل جاتی ہے سمندر میں جانے سے پہلے خود سمندر بن جاؤ تاکہ کوئی تبدیلی نہ ہو سکے۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ قَدْ اَنْجَیْنٰکُمْ مِّنْ عَدُوِّکُمْ وَوٰعَدْنٰکُمْ جَانِبَ الطُّوْرِ الْاَیْمَنَ وَنَزَّلْنَا عَلَیْکُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰی۔ اے قوتِ روحانیہ والو تمہارا رب صوتِ سرمدی کے الہاماتِ قلبیہ سے تم کو ندا فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو تمہارے نفوسِ ذلیلہ خبیثہ مُہلکہ سے بچایا جو تمہارا ازلی دشمن خفی ہے پھر تم کو راہِ حقیقت میں چلایا یہ سب ہماری ہی عطا کردہ توفیقیں ہیں۔ کیونکہ تیری طلب بھی ہمارا کرم کا صدقہ ہے ؂ قدم یہ اٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں۔ پھر ہم نے ہی طورِ قلب کے ایمن قدس میں محلِ وحی کے فؤادِ منور سے کلامِ اسرار۔ کتابِ انوار عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا پھر خلوتِ تیہ میں تیدگر کے تم پر ہم نے کیفیاتِ مذہب کا مَن اور یقینیاتِ علوم کا سلوٰی نازل کیا یہی معارفِ الٰہیہ کا مَن اور اخلاقِ الٰہیہ کا سلوٰی ہر پیشوا کے وسیلے سے سالکینِ اسیرانِ مراقبہ کو روحانی غذائیں دی جاتی ہیں اور ساتھ ہی اندازِ مشفقانہ سے حکم ہوتا ہے کہ کُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ ایمان و عرفان کی غذائیں کھاؤ اپنے رب تعالیٰ کی اُن صفات سے متصف ہو کر اور اخلاقِ کریمانہ سے معمور و مخلوق ہو کر جن کی طیبات سے مشرف کیا ہم نے تم کو۔ اگر تیہِ تفکر میں بندوں پر عنایاتِ ربانیہ کا مَن اور کراماتِ الٰہیہ کا سلوٰی نازل نہ ہو تو بندوں کا قلب و روح۔ عقل و شعورِ نفسانی بھوک اور شہوانی پیاس سے مر جائے خلوتِ تیہِ اسرار کی وادی میں تائیدِ ربانی کے بارہ چشمے حجرِ صدری سے جاری فرما کر سُرورِ حیاۃ کا پانی پہنچایا تاکہ بندے صفاتُ اللہ سے متصف ہو جائیں اور فرعونی حیوانی خصلتوں سے بچ جائیں عصاءِ قلب کی ضربِ اِلَّا اللہ سے بارہ چشمے جاری ہوتے ہیں (۱) عینِ توحید (۲) چشمۂ رسالت (۳) بحرِ نبوت (۴) نہرِ شریعت (۵) لہرِ طریقت

۶ بہارِ عبادت ۷ کمالِ اعمال ۸ ترقیِ اخلاق ۹ حسنِ صورت ۱۰ فنِ سیرت ۱۱ یقینِ اعتقاد ۱۲ تمکینِ تدریبات۔ ان معارفِ طیبات کی غذائیں جب تمہارے بطنِ قلبی قبول کر لیں گے تب تم کو حیاتِ قلبی نصیب ہوگی۔ سب نفسیات، شہوات کی غرقابی سے مٹ جائیں گے مگر تم نہ مٹو گے عالَم دہر میں تمہاری ہی آوازیں گونجیں گی کہ ثبت است بر جریدۂ عالَم دوامِ ما۔ فَلَا تَطْغَوْا فِيهِ فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي وَمَنْ يَحْلِلْ عَلَيْهِ غَضَبِي فَقَدْ هَوَىٰ۔ اے بندو نیز طریقت میں تم کو بارہ۱۳ منصب و درجات حاصل ہوں گے ۱ جبہ و دستار کے لباس ۲ مسندِ پیری کی کرسی ۳ مریدی سجادگی ۴ شریعت کے منبر ۵ امامت کے مصلے ۶ خطابت کے تمغے ۷ پیرزادگی کے لبادے ۸ عقیدوں کے تحفے ۹ ارادت کے نذرانے ۱۰ عزت کے پھول ہار ۱۱ فضیلت کے نکھار ۱۲ قدرت کی بہار۔ ان میں مست ہو کر سرکشی نہ کرنا کہ عبدِ خاکی ہو کر معبودِ مغروری بن بیٹھو اور مربوب ہو کر رب بن بیٹھو۔ اور من مانی کی طریقت یا خود ساختہ شریعت بنا ڈالو ورنہ تمہارے اعمالِ صالحہ کے ذخیرۂ معاملات پر ھَبَاءً مَّنثُورًا کا عذابِ غَضَبِي آجائے گا اور جس پر بھی یہ عذابِ غضب نازل ہوا وہ ذلت کی دھول خاک بن کر فنا کی ہواؤں میں گم ہوا اور خس و خاشاک بن کر نیستی کے دریا میں بہہ گیا۔ اے شہزادو پیرزادو اگر تم نفس کی ظاہریت اور اُس کے عجائباتِ ندرت خواہشاتِ نفرت اور مزینات رویت۔ چڑھتی حالت بھنجنا کیفیت۔ کمالِ کدورتِ طبیعتِ خساست سے متاثر و ملوث ہو گئے فَيَحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبِي۔ تو پھر آفۃ ذلت کا غضبِ محرومیت وارد ہوگا۔ اور جس پر یہ وارد ہوا فَقَدْ هَوَىٰ۔ تو وہ مقامِ قربِ بہشتی سے بُعدِ نفسی کے جہنم میں گرا۔ اور صفاتِ جمال کے انوار سے ظلماتِ فنا کے حجابات میں روپوش ہو گیا اور جلال کے پردوں میں اندھا ہوا۔ اَللّٰهُمَّ وَقِنَا مِنْ هٰذَا الْعَذَابِ۔ ؎

میں اندھا اور پھسلن رستہ کیونکر بے سنبھالا
دھکے دینے والے سارے تو ہی بچانیوالا

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى۔ اور اے میرے بندو۔ البتہ بے شک میں چھپانے مٹانے والا ہوں نفسِ سرکش کی ظاہری زینتوں کو انوار کی دولتوں سے غِنا دیکر اس مخلص و تائب بندے کو جس نے میری بارگاہِ قدس میں ظہورِ نفسی اور غلبۂ تکبری سے توبہ کی اور نفس کی نمر انکساری سے استغفار کی اس طرح کہ نفسانی خواہشات کو توڑ کر شہواتِ لذومیہ کو مروڑ کر۔ محتاجی اشرار سے منہ موڑ کر بخشش چاہی وَاٰمَنَ۔ اور وہ صفاتِ قلبیہ کے انوارِ تجلیات پر ایمان لایا۔ وَعَمِلَ صَالِحًا اور پھر ایمان کے بعد توکلِ رضا ملکۂ حضوری

صفائی ضمیری حاصل کرنے کے اعمالِ صالحہ کیئے۔ ثم اھتدیٰ پھر وہ بندۂ قرب ذات کی رغبت حالِ فنا کی رھبت۔ جلالِ قدرت کی خشیت میں مستقیم رہا۔ مَنْ تَابَ طغیانِ ابدان سے ہٹ کر عبادتِ رحمن کی طرف رجوع کرنا توبۂ عارف ہے وَاٰمَنَ۔ عبدیت لمحٰ لوبیت اور اعتقاد علی الوحیت ایمانِ کامل ہے۔ وعَمِلَ صَالِحًا۔ وخمِ شیطانیہ تلبیسِ ابلیسیہ خیالاتِ نفسانیہ کے میل کچیل دھوڈالنا عملِ صالح ہے ثم اھتدیٰ۔ عبادتِ قائمی اور صلوٰۃِ دائمی میں رہنا۔ اور اس بات کا عقیدۂ تامہ بنانا ہے کہ ربوبیت قائم رہتی ہے عبادت دائم ہوتی ہے یہ اھتدیٰ ہے۔ اس لیے کہ توبۃ النصوح یعنی ہر طرح سچی پکی، توبہ مثلِ صابن ہے ایمانِ کاملہ مثل دھوبی ہے اور اعمالِ صالحہ مثلِ دھلائی ہے اور اھتدیٰ تکمیل وتدوین ہے۔ تائب تین قسم کے ہیں ۱۔ عوام کی توبہ سَیّئات سے ۲۔ خواص کی توبہ غفلات سے ۳۔ اکابر کی توبہ اپنی عبادت و اطاعت کی طرف توجہ کرنے سے توبہ شریعت ہے ایمان طریقت ہے اعمال حقیقت ہے اور اھتدا کی استقامت معرفت ہے شریعت بری عادتوں سے بچا کر بندے کو ظاہری باطنی پاک کرتی ہے۔ پھر طریقت سے منزلِ قرب کی قابلیت ولیاقت حاصل ہوتی ہے حقیقت کی وادی میں اشیاءِ عالَم کی اصلیت کا انکشاف ہوتا ہے۔ اھتدا والے کو وصول إلی اللہ بلا کیف اور مدارج قرب ملتے ہیں معرفت والے کو بقاءِ اُخروی کا مقامِ عُلوی نصیب ہوتا ہے۔ یہیں سے تصوف کی بہاریں نظر آتی ہیں اور بیعتِ مرشد کی سدا بہار رونق ولذت حاصل ہوتی ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ نِعَمْنَا وَاَوْلَادَنَا منھا۔

وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى ﴿۸۳﴾

اور کس چیز نے جلد بازی میں ڈال دیا تم کو اپنی قوم سے علیحدگی میں اے موسیٰ

اور تو نے اپنی قوم سے کیوں جلدی کی اے موسیٰ۔

قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِىْ وَعَجِلْتُ

عرض کیا وہ یہ ہی تو ہیں میرے نشانات سے کچھ پیچھے اور میں نے جلدی کی آگے

عرض کی کہ وہ یہ ہیں میرے پیچھے اور اے میرے رب تیری طرف میں

اِلَیۡکَ رَبِّ لِتَرۡضٰی ﴿۸۴﴾

طرف اے میرے رب تاکہ تو راضی ہو جائے۔

جلدی کر کے حاضر ہوا کہ تو راضی ہو

تعلقات

اِن آیاتِ پاک کا سابقہ آیاتِ مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل پر انعامت اور دشمن سے نجات کا ذکر ہوا تاکہ وہ شکر گزاری کریں۔ اب ان آیت میں بنی اسرائیل کی سرکشی اور ناشکری کرنے کی ابتدا کا بیان ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ سے جدا ہوتے ہی کس طرح غلط ہو گئے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرعون کی گمراہ قوم کا ذکر تھا کہ فرعون نے اپنی قوم کو گمراہ کیا۔ اب اِن آیت میں حضرت موسیٰ کی قوم بنی اسرائیل کے گمراہ ہو جانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی

وَمَآ اَعۡجَلَکَ عَنۡ قَوۡمِکَ یٰمُوۡسٰی۔ قَالَ ھُمۡ اُولَآءِ عَلٰٓی اَثَرِیۡ وَ عَجِلۡتُ اِلَیۡکَ رَبِّ لِتَرۡضٰی۔ واؤ سے جملہ۔ مَآ اَعۡجَلَکَ فعلِ تعجب ہے۔ فعلِ تعجب میں علماءِ نحو کے تین قول ہیں ۱؎ اس میں سوالیہ تعجب ہوتا ہے اور پورے فقرے کا ترجمہ ہے کس چیز نے جلدی میں ڈالا تم کو ۲؎ اس میں صفتیت ہے اور مَا موصوفہ ہے بمعنی شَیۡءٌ اس پر تنوین تعظیم کی ہے ترجمہ ہے بڑی چیز نے جلدی میں ڈالا تم کو ۳؎ اس میں موصولیت ہے اور لفظِ مَا موصولہ ہے ترجمہ ہے جس چیز نے جلدی میں ڈالا تم کو وہ عظیم ہے۔ مگر پہلے قول کو ترجیح ہے اس لیے کہ تعجب کے اظہار میں سوال ہی ہوتا ہے لیکن یہاں تعجب مَعۡنَوِی ہے اور تحذیر و تنبیہ ظاہری ہے۔ یعنی ایسی جلدی کیوں کی نحوی ترکیب اس طرح ہے مَا مبتدا اَعۡجَلَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے اس کا مرجع موسیٰ ہے عَنۡ حرفِ جار اعتزالی یعنی دور کرنے والا ہٹانے والا۔ قوم سے مراد بنی اسرائیل کَ ضمیر مجرور متصل کا مرجع موسیٰ ہے ان دونوں ضمیر حاضر میں اِضمار قبل الذکر لازم نہیں آیا کیونکہ یٰمُوۡسٰی لفظاً اگرچہ مؤخر ہے مگر معناً و حقیقتاً متقدم ہے اس لیے کہ ندا و منادیٰ ہے اور یہ فعل تعجب کا جملہ جوابِ ندا ہے اَعۡجَلَ اپنے فاعل اور مفعول بہ اور عَنۡ قَوۡمِکَ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے

کا مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جوابِ ندا مقدّم ہوا۔ یَا حرفِ ندا قریبی منادیٰ کے لیے ہوتا ہے۔ لفظِ موسیٰ اس کا منادیٰ حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور مقدم جواب سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ۔ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ھُمْ ضمیر بارز یعنی ظاہر لفظی۔ مرفوع منفصل جمع مذکر غائب۔ مبتدا ہے۔ اُولَآءِ۔ اسم اشارہ جمع مذکر قریبی مشار الیہ کے لیے۔ عَلٰی حرفِ جرّ اپنے ہی فوقیت کے معنیٰ اَثَرِ اسم مفرد جامد۔ خیال رہے کہ علمِ نحو میں مفرد تین قسم کے ہیں (۱) مفرد وہ جو تثنیہ جمع نہ ہو۔ جاری مراد ہر جگہ مفرد سے یہی ہوتی ہے (۲) مفرد وہ جو مرکّب اضافی توصیفی، منع صرفی، بنائی نہ ہو (۳) مفرد وہ جو مجموعۂ الفاظ نہ ہو۔ لفظِ اثر کا لغوی اور حقیقی ترجمہ ہے کسی بھی چیز کا نشان و علامت۔ مجازی ترجمہ ہے نقشِ قدم یہاں یہی مراد ہے یعنی میرے پیچھے قریب ہی اصطلاح میں تحریری و منقولی روایت کو اثر کہا جاتا ہے اور زبانی سنی ہوئی روایت کو حدیث یا خبر کہا جاتا ہے مضاف ہے یِ ضمیر متکلم واحد مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدُوْنَ پوشیدہ اسم مفعول کے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مشار الیہ اسم اشارہ و مشار الیہ مل کر خبر ہے ھُمْ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واوٴ عاطفہ۔ عَجِلْتُ۔ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم مثبت معروف عَجَلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی جلدی کرنا ہمیشہ متعدی ہوتا ہے۔ جلدی کرنا اچھا فعل اور قول ہے مگر جلد بازی کرنا یا جلدی مچانا بُرا ہے یہاں مَا اَعْجَلَكَ میں جلدی جلدی کرنا مراد ہے اور عَجِلْتُ میں جلدی کرنا مراد ہے اِلٰی جارۃ انتہاءِ مقصد و غایت کے لیے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق ہے عَجِلْتُ کا رَبِّ دراصل ہے یَارَبِّیْ۔ ترجمہ ہے اے میرے رب۔ یَا حرفِ ندا یاءِ متکلم کے قرینے سے حذف ہوا اور یاءِ متکلم تخفیف کے لیے حذف ہوا اور کسرہ (زیر) اس کے قائم مقام رَبِّ منوی مرکّب اضافی منادیٰ ہوا۔ لام تعلیلیہ۔ تَرْضٰی۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ یہ فعل با فاعل جملہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی عَجِلْتُ کی۔ عَجِلْتُ فعل اپنے فاعل، متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جوابِ ندا مقدم۔ یَنِدَا اپنے منادا اور جوابِ مقدّم سے مل کر معطوف ہوا۔ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى. قَالَ هُمْ اُولَآءِ

عَلٰۤى اَثَرِیْ وَ عَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ اے موسیٰ تم کو کس چیز نے یہاں آنے کی جلدی میں ڈالا۔ اپنی اُس قوم سے جدا ہو کر جس کو ابھی تمہاری نبوت تربیت کی بہت ضرورت ہے کیونکہ یہ قوم چار سو سال سے عیاشوں، فرعون، شرک کے نئے نئے معبود بنانے والوں کُن مرضی کے رب کا انتخاب کرنے والے لوگوں کی صحبتِ بد میں غلامی نوکری کی ذلت آمیز زندگی گزار کر ابھی ابھی آزاد ہوئی ہے ان کو آزادی کی کیا قدر ابھی تو ان کو صحبتِ نبوت مجلسِ رسالت کی ہر بار لمحہ ضرورت ہے ان کو تو گذشتہ دو تین نسلوں سے کسی بھی نبی کی ایک مجلس بھی صحیح طرح آزاد فضاؤں میں نصیب نہیں ہوئی۔ ان کا تو ایمان بھی تقلیدی اور محض دیکھا دیکھی کا ہے۔ شمعِ نبوت کے بغیر بھی کوئی زندگی ہے درس گاہِ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و تربیت کے بغیر انسان ایک نرا بیوقوف جانور ہے۔ محفلِ نبی کا نور ہی آدمی کو افضلُ الخلق اور اَوجِ ثریا کی بلند چوٹیوں پر پہنچا کر رشکِ ملائکہ بناتا ہے۔ نبوت سے خالی فضائیں جھاڑ جھنکاڑ کی خزائیں ہیں عالمِ کائنات میں بہاریں تو طلوعِ انبیاء کے وجودِ شمسی سے ہیں۔ آدمیت۔ انسانیت۔ آداب۔ اخلاق۔ ایمان تہذیب تعلیم۔ عرفان۔ عقل۔ شعور۔ اور حُسنِ طبیعت یہ سب نعمتیں خزانۂ نبوت کے قیمتی جوہر ہیں جو صرف سچے متبع مطیع اُمتی کو ملتے ہیں۔ انسان رب تعالیٰ نے پیدا فرمائے مگر انسانیت سکھانے کے لیے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے۔ اسی لئے مبعوث فرمائے گئے۔ انسانیت کو درس ملا تیری ذات سے ؏ بے نور تھا خرد کا ستارہ تیرے بغیر۔ (اعظم چشتی مرحوم) ایک قول یہ بھی ہے کہ مَاۤ اَعْجَلَ میں سوال اقراری ہے۔ تب معنیٰ یہ ہے کہ اے موسیٰ تمہارا یہ جلدی آنا ممنوع یا گناہ نہیں مگر ہم پوچھنا چاہتے ہیں تاکہ تم خود اپنے منہ سے اس کی وجہ بیان کرو ہمیں یہ پسند ہے۔ بعض نے کہا یہ سوال احترازی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ جلدی آنا ممنوع تھا۔ (تفسیر مظہری) مگر صحیح قول یہ ہے کہ یہ سوالِ انکاری ہے روشن کلام و طرزِ بیان سے یہی ثابت ہو رہا ہے کہ عَنْ قَوْمِكَ فرمایا گیا۔ سوالِ انکاری کا مقصود معنیٰ یہ ہے کہ جلدی کرنا ممنوع و گناہ تو نہیں البتہ بہتر نہ تھا۔ اسی کو اعلیٰ حضرت نے اپنے ترجمہ میں اختیار فرمایا اسی کے مطابق تفسیر عالمانہ کی گئی ہے۔ اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے رب تیرے وعدۂ طور کی جانبِ ایمن بلانے کے بعد میں اشتیاق دل فرحاں مسرور مرزوق ہو کر لذتِ کلام و شوقِ ملاقات میں اتنا وارفتہ ہو گیا کہ مجھ کو قوم کی اس حالت و کیفیت و ضرورت کا احساس و دھیان ہی نہ رہا ویسے بھی اے میرے رب رحیم وہ

لوگ مجھ سے دور تو نہیں ہیں۔ اسی پہاڑ کے نیچے وادی میں علیٰ اثری۔ میرے چند قدم کے فاصلے پر ٹھہرے ہوئے ہیں۔ میں اُن کو کہہ کر آیا ہوں کہ میں ایک ماہ بعد آؤں گا اور ھٰرون کو اپنا خلیفہ ان کا امام قائم بنا کر آیا ہوں وہ سب میرے منتظر ہیں۔ ان سے جدا ہو کر تیرے حکم کے مطابق میں نے تیس روزے رکھے رات کو جاگ کر دن کو روزہ رکھ کر مسلسل متواتر تیس دن کا اعتکاف بھی کر کے اب تیرے حضور سلامِ حاضری و کلامِ بندگی پیش کرنے آگیا ہوں۔ اور اے میرے رحیم کریم خالقِ مالک رب صرف اس لیے جلدی آگیا کہ تو میری اس عبادت کی جلدی سے خوب خوب راضی ہو جائے۔ اے خالقِ کریم مجھے تیرے احکام تو یاد تھے کہ روزہ رکھنا اعتکاف کرنا رات کو جاگنا ذکرِ الٰہی کرنا مگر مجھ کو وقت کا تعین معلوم نہ تھا یہ پتہ نہ تھا کہ طور پر جانا کب ہے میں نے خود ہی اپنے دل کے شوق عقل کی سوچ اور ذہنی تصور سے اجتہاد کر لیا۔ کہ میں تیری بارگاہِ بے نیاز میں جلدی پہنچوں تاکہ تو اور زیادہ مجھ سے راضی ہو جائے کہ میرا بندہ میری طرف ذوق شوق اور عشق سے سرشار ہو کر جلدی آگیا طور پر اس جانے میں مفسرین کے دو قول ہیں پہلا یہ کہ موسیٰ علیہ السّلام نے رب تعالیٰ سے کتابُ اللہ عطا فرمانے کی دعا عرض کی تو رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ستر اسرائیلی لے کر طور پر آجاؤ کتاب دیدی جائیگی حضرتِ موسیٰ نے نُقباءِ بنی اسرائیل سے ستر آدمی منتخب فرمائے اور چل پڑے جب قریب طور پہنچے تو ان کے پیچھے چھوڑ کر خود جلدی کرتے ہوئے طور پر پہنچ گئے۔ تب رب نے فرمایا۔ مَآ اَعۡجَلَكَ۔ مگر یہ قطعًا غلط ہے فرموداتِ قرآنیہ کی مختلف سورتوں میں تقریبًا نو سورتوں میں بیان کیا گیا مختلف پہلوؤں کو ظاہر کیا گیا جس سے صاف ظاہر ہے کہ اس حاضری میں موسیٰ اکیلے ہی بلائے گئے تھے مفسرین کا قول تمام اُن آیات اور حقائق کے بالکل خلاف ہے۔ لکھنے والوں نے بے سوچے سمجھے یہ قول بنا لیا۔ تین وجوہ سے۔ پہلی یہ کہ ستر اسرائیلی لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے نہیں بلایا تھا نہ کتاب دینے کے لیے اُن کی ضرورت تھی دوم یہ کہ جلدی چلنا یا تیز قدم بڑھا کر آگے نکل جانا قابلِ اعتراض بات نہیں بلکہ یہ جلدی مَآ اَعۡجَلَكَ۔ میں شمار ہی نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ بھی چل رہے تھے چند لمحے تاخیر سے پہنچ ہی جاتے سوم یہ کہ ستر بنی اسرائیل کو طور پر لے جانے کا واقعہ بعد کا ہے۔ ان کو توبہ کرانے کے لیے بچھڑے کو پوجنے والوں کی طرف سے خود موسیٰ علیہ السّلام اپنی مرضی سے لے کر گئے تھے۔ جس کا ذکر قرآن مجید میں علیحدہ مذکور ہوا چنانچہ سورۃِ اعراف آیت ۱۵۵ میں ہے وَاخۡتَارَ مُوۡسٰى قَوۡمَهٗ سَبۡعِيۡنَ رَجُلًا۔ یہاں

صحیح واقعہ اس طرح ہے کہ جب دریا پار ہو کر غرقِ فرعونی کا نظارہ کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں تمام بنی اسرائیل ملکِ فلسطین کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک مندر کے خوبصورت بُت اور اس کے پجاریوں کو دیکھ کر کچھ شر پسندوں نے اپنی پرانی غلامانہ زندگی کے تاثر کے تحت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم کو بھی کوئی ایسی قسم کا معبود بنا دو موسیٰ علیہ السلام نے سخت جھڑکا۔ تب بنی اسرائیل کے نیک پاک بندوں نے عرض کیا یا نبی اللہ ہم کو رب تعالیٰ سے کوئی کتاب لے دیجئے جس میں عبادت اور دنیوی زندگی کا ایمانی طریقہ لکھا ہو۔ موسیٰ علیہ السلام نے رب تعالیٰ سے عرض کی تب رب نے وعدہ فرمایا کہ تم کو کتاب عطا فرما دی جاوے گی مگر اس کی شرطِ حصول یہ ہیں کہ تم تیس روزے رکھو گے اور اتنے ہی دن اعتکاف کی خلوت میں چلہ کشی کرو گے چلے کا طریقہ یہ ہو گا کہ مسلسل متواتر تیس دن رات کو جاگنا ذکرِ الٰہی کرنا اور تمام دن روزہ رکھنا پھر میرے پاس طور پر آنا توریت کتاب دے دی جاوے گی۔ اسی بات کا ذکر وَاعَدۡنَاکُمۡ جَانِبَ الطُّوۡرِ الۡاَیۡمَنَ میں گزرا۔ اس وعدے میں طریقہ تو بتا دیا گیا مگر وقت کا تعین نہ فرمایا گیا۔ حضرتِ موسیٰ نے لذتِ کلام و زیارتِ بارگاہِ مقدس کے شوق اور تڑپ میں انتظار مزید دشوار محسوس کیا اس لیے آپ نے خود ہی اپنی اجتہادی سوچ سے قوم سے علیحدہ کسی غار کی خلوت میں روزے اور اعتکاف شروع فرما دیا۔ اس وقت تمام لوگ طور کی قریبی وادیوں میں ہی تھے ان ایام میں آپ نے ہارون علیہ السلام کو اپنا نائب مقرر فرما دیا۔ جب تیس روزے اور اعتکاف مکمل ہو گیا تو آپ اس خلوت گاہ سے نکل کر طور پر حاضر ہو گئے اور روانگی سے پہلے ادب و احترام کی خاطر خوب اچھا غسل کیا خوشبو لگائی مسواک کی لباس فاخرہ پہنا اور خوب مزین ہو کر چلے گئے۔ رب تعالیٰ نے اس جلدی پر سوال فرمایا۔ موسیٰ علیہ السلام نے جواب عرض کیا جس کا یہاں ذکر ہے۔ پھر رب تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ تمہارے منہ سے روزوں کی وہ خوشبو نہیں آ رہی جو مجھ کو مُشک و عنبر سے زیادہ پیاری ہے عرض کیا میرے مولیٰ میں نے اس کو آدابِ بارگاہ کے خلاف سمجھا اس لیے مسواک کر لی حکم ہوا اچھا دس روزے اور رکھو اور وہ خوشبو لے کر آؤ۔ تب حضرتِ موسیٰ نے پھر وہیں کہیں دس روزے اور اعتکاف کیا پھر حاضر ہوئے رب تعالیٰ نے حاضری قبول فرمائی اس وقت موسیٰ علیہ السلام نے التجا عرض کی رَبِّ اَرِنِیۡۤ اَنۡظُرۡ اِلَیۡکَ۔ اے ربِّ کریم مجھ کو اپنا دیدار بھی کرا دے تیرا کلام تو سنتا ہوں میں اپنی آنکھوں سے تیرا جمالِ جہاں آرا بھی

دیکھ لوں جواب آیا۔ لَنْ تَرَانِیْ وَلٰکِنِ انْظُرْ اِلَی الْجَبَلِ فَاِنِ اسْتَقَرَّ مَکَانَهٗ فَسَوْفَ تَرَانِیْ (الخ) اے موسیٰ تم میں اتنی ہمت نہیں کہ مجھ کو دیکھ سکو ہاں البتہ پہاڑ کی طرف دیکھو میں اس پر اپنی ایک صفت کی تجلی ڈالتا ہوں اگر یہ پہاڑ ٹھہر گیا تو پھر تم میری ذات کی تجلی بھی دیکھ لوگے (سورۂ اعراف آیت ۱۴۳) تجلی پڑی طور پھٹا موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے جب ہوش آیا تو اس جسارت کی معافی مانگی قبول ہوئی کتاب عطا ہوئی اس کے بعد رب نے جو کلام فرمایا وہ اگلی آیت قَدْ فَتَنَّا (الخ) میں مذکور ہوا۔ اس کے بعد کے واقعے میں ستر بنی اسرائیل طور پر لے جائے گئے۔ لہٰذا یہاں بنی اسرائیل کو لے جانے کا واقعہ مفسرین کی غلطی ہے اگر توریت لینے کے لیے بھی ستر اسرائیلی لے جائے گئے ہوتے تو وہ اُن تک پہنچے کیوں نہیں موسیٰ علیہ السلام اکیلے پہنچے اور اکیلے ہی تختیاں اٹھا کر کیوں واپس آ گئے اس لیے عَلٰۤی اَثَرِیْ کا یہ معنیٰ کرنا کہ وہ میرے پیچھے پیچھے نقشِ قدم پر آ رہے ہیں غلط ہے۔ اس وقت ہارون علیہ السلام کی تحویل میں چھ لاکھ اسرائیلی تھے جن میں سے صرف بارہ ہزار افراد بچھڑے کی پرستش سے بچے تھے۔ باقی سب مشرک و مرتد ہو گئے تھے۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ مبارک چیزوں مقدس مقامات اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے پاس حاضری دینا اللہ کے پاس جانا ہے اور یہ حاضری اور اس کے لیے سفر کر کے جانا بہت عظیم سنت ہے فائدے مند عقیدت ہے۔ یہ فائدہ وَعَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی۔ سے حاصل ہوا کیونکہ اِلَیْکَ میں لفظ اِلٰی۔ انتہا کے لیے ہے اور انتہا ابتدا یہ جسم کی کیفیات ہیں اللہ تعالیٰ جسم سے پاک اُس کے پاس مکاناً جانا محال بالذات جب کہ حضرت موسیٰ طور پہاڑ پر دائیں جانب سے گئے تھے اسی کو اِلَیْکَ فرما رہے ہیں۔ گویا طور کے قریب جانا اللہ کی طرف جانا ہوا تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ مدینہ منورہ جانا آقاء کائنات حضورِ اقدس کی خدمت قدس میں حاضری دینا اللہ تعالیٰ کے پاس جانا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِزِيَارَةِ الْمَدِيْنَةِ الْمُنَوَّرَةِ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ۔ دوسرا فائدہ۔ جلدی کی تین قسمیں ہیں ۱ جلدی کرنا ۲ جلدی دکھانا ۳ جلدی مچانا۔ آنے جانے یا کسی کو شروع کرنا تاخیر نہ کرنا وقت پر یا وقت سے بھی کچھ پہلے جب کہ وقت مقرر نہ کیا گیا ہو یہ جلدی کرنا ہے۔ تیز تیز باتیں یا تیز تیز کام کرنا یہ جلدی دکھانا اور کسی کو جلد بازی پر اکسانا یا کسی جلدی کا کہنا یہ جلدی مچانا ہے۔ دنیوی چیزوں میں یہ

تینوں قسم جلدیاں منع ہیں۔ شیخ سعدی فرماتے ہیں کہ تعجیل کارِ شیطاں بُوَد۔ جلد بازی کرنا شیطان کا کام ہے۔ مگر دینی امور میں جلدی کرنا جائز ہے لیکن جلدی دکھانا جلدی مچانا جائز نہیں ہے یہ فائدہ وَمَآ اَعۡجَلَكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ اَعۡجَلَ کا معنی ہے جلدی کی۔ اور یہ کام و عمل سنتِ موسیٰ علیہ السّلام ہوا۔ یہ عجلت ممنوع یا حرام نہ تھی۔ اسی لیے مَآ اَعۡجَلَ کا سوال احترازی نہیں تھا تیسرا فائدہ۔ بندوں کو چاہیے کہ پہلے علومِ شریعت حاصل کریں پھر اعمال شریعت پر پابندی کریں تاکہ بارگاہِ الٰہی میں محبوبیت و مقبولیت ہو۔ جب یہ کام شروع ہو جائیں تب راہِ طریقت اور پیری مریدی میں عجلت کرنی چاہیے۔ جب بندہ رب تعالیٰ کا پیارا بن جاتا ہے اور اعمالِ شریعت فرائض و نوافل کی کثرت سے محبوبیت پا لیتا ہے تو بندے کی ہر بات رب تعالیٰ کو پیاری لگتی ہے اور ہر ادا پسندیدہ ہو جاتی ہے۔ یہ فائدہ وَمَآ اَعۡجَلَكَ۔ کو سوالِ اقراری بنانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السّلام سے فرمایا کہ اے موسیٰ تم اپنے منہ سے خود بتاؤ کہ تم کو کس چیز نے جلدی میں ڈالا۔ ہمیں تمہارے منہ سے سننا پسند ہے۔ موسیٰ علیہ السّلام نے عرض کیا۔ مولیٰ تیرے عشق نے شوقِ کلام اور تیری رضاءِ کثیر کے حصول نے جلدی آنے کی جلدی کرائی۔ یہی اشارہ وَمَا تِلۡكَ بِيَمِينِكَ يٰمُوسٰى۔ میں ہے۔ ورنہ رب تعالیٰ تو سب کچھ جانتا ہے اس کو پوچھنے کی کیا ضرورت ہے۔ جب کلیم کی یہ محبوبیت ہے تو۔ پھر حبیب کی محبوبیت کی کیا شان ہو گی کسی نے کیا خوب فرمایا۔

قُل کہہ کے اپنی بات بھی منہ سے تیرے سنی ۞ کتنا پسند ہے تیرا اللہ کو کلام

احکام القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ جس طرح شرعی فقہی مسائل کے استنباط و اجتہاد کرنے میں اجتہادی غلطی قابل معافی ہوتی ہے کہ مجتہد غلطی کر کے بھی برحق مانا جاتا ہے اس طرح راہِ طریقت میں محبتِ ربانی حاصل کرنے کے لیے اجتہاد کرنا جائز اور اجتہادی غلطی کر جانا قابلِ معافی اور ذریعہ محبت بن جاتا ہے یہ مسئلہ وَعَجِلۡتُ اِلَيۡكَ رَبِّ لِتَرۡضٰى۔ کو سوالِ انکاری بنانے سے مستنبط ہوا۔ کہ دیکھو موسیٰ علیہ السّلام نے یہ جلدی لِتَرۡضٰى کی غرض سے کی جو پسندیدہ ہوئی۔ دوسرا مسئلہ۔ قومی ملکی رواجی یا لغوی اصطلاحات کو دینی شرعی چیزوں میں شامل کرنا اور داخل سمجھنا شرعاً جائز ہے دیکھو موسیٰ علیہ السّلام نے اپنی رواجی اصطلاح کو شرعی دینی

امور میں داخل فرماتے ہوئے عرض کیا یارب میرا اپنی قوم سے ہٹ کر طور پر وقت سے پہلے جلدی آجانا یہ کوئی دوری یا حجاب نہیں۔ وہ تو میرے قریب ہی ہیں اتنے قرب کو روا جاوا۔ علاقا دوری یا جدائی نہیں کہا جاتا۔ یہ مسئلہ۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِیْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اَثَرِیْ کا معنی ہے میرے چند قدم کے فاصلے پر وہ قافلہ ٹھہرا ہوا ہے۔ تیسرا مسئلہ شرعی فقہی معاملات میں فقہاءِ عظام کا اجتہاد کرنا نئے مسائل قرآن وحدیث سے مستنبط کرنا بالکل جائز ہے۔ اور غیر مقلد وہابیوں کا فقہاءِ کرام کے اجتہاد پر اعتراض کرنا غلط اور لغو ہے یہ مسئلہ متعدد احادیثِ مبارکہ کے علاوہ اس آیت پاک۔ وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ (الخ) سے مستنبط ہوتا ہے۔ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے طور پر جلدی جانے کے لیے اپنے ذہن وعقل سے اجتہاد فرمایا اور اپنے اجتہاد پر عمل فرمایا اور لِتَرْضٰى۔ کو علتِ استنباط بنایا۔ اجتہاد کے ثبوت میں مزید تفصیلی دلائل کے لیے مشہورِ زمانہ کتاب جاء الحق حصہ دوم میں مطالعہ فرمایا جائے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا مَآ اَعْجَلَكَ اے موسیٰ تم کو کس نے جلدی میں ڈالا یہ ایک سوال ہے جس میں کرنے والا سائل ہوتا ہے اور سوال اپنی معلومات اور علم کے لیے کیا جاتا ہے تو کیا اللہ تعالیٰ کو پہلے علم نہ تھا اگر تھا تو پوچھا کیوں یہ اعتراض دراصل معتزلیوں کا ہے اور ان کی دیکھا دیکھی بُلغت الحیران کے وہابی مصنف کا وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو بندے کے کام سے پہلے کام کا پتہ نہیں لگتا جب بندہ کر لیتا ہے تب پتہ لگتا ہے (از بلغۃ الحیران ص۱۸) جواب ہم نے تفسیر میں بتا دیا ہے کہ یہ استفہام یعنی سوال انکاری ہے۔ اور کیا کا معنی ہے کیوں پوچھنا اور جاننا مقصود نہیں بلکہ فرمایا جا رہا ہے کہ تم نے ایسا کیوں کیا نہ کرنا چاہیے تھا اگر سوالِ اقراری ہو تب بھی جاننا اور پوچھنا مقصود نہیں بلکہ سننا مقصود ہے جیسے کہ استاد شاگرد سے یا کوئی محبوب اپنے دوست سے محبوبانہ وجہ اس کے منہ سے سننا پسند کرتا ہے یہاں تا قیامت لوگوں کو بتایا سمجھایا جا رہا ہے کہ محبوبین کی ہر ادا ہمیں پیاری ہے۔ کیونکہ ادائے محبت ہے دوسرا اعتراض اللہ تعالیٰ نے فرمایا مَآ اَعْجَلَكَ اے موسیٰ تم نے جلدی کیوں کی کس نے جلد بازی کرائی۔ یہ سوال یا انکاری ہے یا احترازی دونوں صورتوں میں اگر یہ جلد بازی ممنوع تھی تو گناہ ہوئی اور گناہ کا صدور انبیاء علیہم السلام سے محال ہے اگر ممنوع نہ تھی تو جائز ہوئی تو پھر رب تعالیٰ نے سوال کیوں فرمایا یہ بھی غلطی ہے کہ جائز کام پر انکار اور

جھڑک فرمائی جائے۔ جواب یہ سوال احترازی نہیں بلکہ انکاری ہوسکتا ہے۔ اور انکاری کا معنی یہ ہے کہ یہ عجلت نہ گناہ تھی نہ حرام وممنوع صرف ناپسندیدہ وہ بھی اس لیے کہ قوم کو نقصان ہوا جس کو شریعت میں کراہت تنزیہی کہا جاتا ہے کسی کے کسی کام کی وجہ سے کوئی دوسرا ناجائز فائدہ اٹھا کر کوئی گناہ وکفر کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے اس لیے جلدی کی کہ نہ تو آپ کو جلدی کی ممانعت کی کوئی دلیل ملی نہ کھلے عام وقت کی اجازت کا کوئی اشارہ ملا کہ جب چاہو آجانا۔ اس لیے آپ نے اپنی عقل سے اجتہاد کیا اور چل پڑے طور پر آکر پتہ لگا کہ اجتہاد میں غلطی ہوئی ہے۔ تیسرا اعتراض۔ جلد بازی بُری چیز ہے موسیٰ علیہ السّلام نے کیوں کی؟ جواب۔ یہ جلد بازی نہیں بلکہ عجلت کرنا ہے۔ جو دنیا میں اگرچہ مذموم ہے مگر دینی کاموں میں ممدوح ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَسَارِعُوْٓا اِلٰی مَغْفِرَةٍ وَّجَنَّةٍ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۳۳) اور جلدی کرو تم مغفرت اور جنت کی طرف اسی طرح رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہمارے پیارے بندے یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ اچھے کاموں میں جلدی کرتے ہیں (آل عمران آیت ۱۱۴) اور سورۃ انبیا آیت ۹۰ میں ہے اِنَّهُمْ كَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ۔ بے شک وہ انبیاء کرام جلدی کرتے تھے نیکیوں میں۔ ان تمام آیات سے ثابت ہوا کہ نیک کام میں سُرعت وعُجلت کرنا شرعاً جائز اور اچھا ہے اور جو روایت کی جاتی ہے کہ جلدی کرنا شیطان کا کام ہے وہاں مراد جلدی دکھانا ہے اس کو عربی میں تعجیل کہتے ہیں کہ تیز تیز کام یا باتیں کرنی کہ کام ادھورا رہتا جائے اور سانس پھول جائے غلط سلط بولتا پڑھتا چلا جائے۔ یا مراد ہے جلدی مچانا جس کو عربی میں استعجال کہتے ہیں۔ کہ یہ کام جلد سے جلد ہو جائے۔ فلاں کام ہوتا کیوں نہیں۔ یہ ہے شیطانی فعل چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَعَجِلْتُ اِلَیْكَ رَبِّ لِتَرْضٰی۔ اے میرے رب میں نے اس لیے جلدی کی تاکہ تو راضی ہو جائے۔ تو کیا اس سے پہلے رب تعالیٰ موسیٰ علیہ السّلام سے راضی نہ تھا اگر ایسا مانا جائے تو یہ شانِ نبوت کے خلاف ہے۔ کیونکہ رضا نہ ہو تو ناراضگی لازم ہوتی ہے۔ رضا و ناراضگی نہ دونوں ختم ہوسکتی ہیں نہ دونوں جمع ہوسکتی ہیں یعنی نہ مانعۃُ الخلو ہوسکتا ہے نہ مانعۃ الجمع۔ اور پھر اگر رضا نہیں تھی تو اللہ تعالیٰ کو بتانا چاہیے تھا کہ اے موسیٰ میں تم سے راضی نہیں ہوں۔ اور اگر رب تعالیٰ راضی تھا تو لِتَرْضٰی کہنا تحصیل حاصل ہے اور وہ محال ہے۔ اس لیے کہ لِتَرْضٰی کہنا رضا کو حاصل کرنا ہے جو پہلے ہی حاصل ہے جواب

لٰترضٰی کہنا تحصیلِ رضا نہیں بلکہ کثرتِ رضا ہے جس کو کہا جاتا ہے خوب خوب راضی ہوجانا یا مراد ہے دوامِ رضا۔ یا مراد ہے اِس کام سے خوش ہوجانا۔ یا شوقِ قرب مقصود تھا اور یہ واقعی پہلے نہ تھے۔ رضا تو حاصل تھی مگر زیادتیِ رضا کی خواہش تھی جس کی انتہا کوئی نہیں ہے ہر آن نئی رضا ہوسکتی ہے جیسے کہ ثُمَّ اهْتَدٰی میں دوام اور کثرتِ اِھتدا مراد ہے۔ پانچواں اعتراض عَجِلْتُ اِلَیْكَ سے ثابت ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کو وقتِ مقررہ بتا دیا گیا تھا کہ فلاں دن فلاں وقت آنا ہے مگر اُس سے پہلے چلے گئے اس لیے مَا اَعْجَلَ والا سوال ارشاد ہوا اگر نہ بتایا ہوتا تو کبھی بھی چلے جاتا عُجلت میں شمار نہیں ہوسکتا اس لیے کہ عُجلت ہمیشہ کسی کے مقابل ہوسکتی ہے یا وقتِ مقررہ کے مقابل یا پھر تسلیم کیا جائے کہ ستر اسرائیلی ساتھ تھے ان کے مقابل آپ پہلے آ گئے۔ پہلے کے لیے کسی کا بعد میں ہونا ضروری ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ موسیٰ علیہ السّلام نے جلدی جا کر اُس مقررہ وقت کی مخالفت کی جو سراسر اللہ تعالیٰ کی مخالفت ہے اور یہ پابندیِ وقت موسیٰ علیہ السّلام پر فرض تھی جیسے کہ کوئی فرض نماز وقت سے پہلے پڑھ لیا جائے۔ موسیٰ علیہ السّلام نے جانتے بوجھتے غلطی کرنے پر بھی اُمید رضاءِ الٰہی کی رکھی کلیم اللہ سے ایسا ارتکاب محال ہے پھر ایسا کیوں ہوا۔ دیہ اعتراض دراصل نیچری فرقے کا ہے جو کہتے ہیں کہ انبیاء بھی گناہ کر لیتے ہیں یا کر سکتے ہیں۔ (معاذ اللہ) ہم نے اس کو اسلامی زبان میں پیش کیا ہے۔ جواب ظاہراً وقت مقرر نہیں فرمایا گیا تھا مگر اقتضاءً ثابت تھا کم از کم کسی جگہ سکونت کر کے ہی روزے عبادتِ اعتکاف با اطمینان ہو سکتے ہیں اِس اقتضا کو سمجھنے میں موسیٰ علیہ السّلام نے اجتہادی غلطی کی۔ آپ جب طور کے قریب وادی میں پہنچے آپ نے خیال کیا کہ قوم کو ہدایت کی اشد ضرورت ہے اور ہدایت کے لیے کتاب کی اور کتاب کے لیے طور پر جانے کی۔ اُس وادی میں آپ نے اندازہ لگا لیا کہ اعتکاف کی فرصت بھی میسر ہے۔ قوم کے بچھڑنے کا وسیع میدان بھی ہے طور سے فاصلہ بھی تھوڑی دور پر ہے اتنا اطمینان ہی کافی ہے خیال کیا کہ اگر اس وقت کتاب نہ لی گئی تو نہ جانے کہاں نکل جائیں طور کتنی دور ہو جائے پھر کہیں کوئی دنیوی اُلجھی رکاوٹ نہ پڑ جائے۔ اس لیے جلدی فرماتے وقت یہ دھیان نہیں رہا کہ قوم کو کتاب سے زیادہ ابھی ڈنڈے کی ضرورت ہے فرض نماز پر اس کو قیاس نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وقت سے پہلے نماز پڑھ لینا گناہ ہے اور گناہ کر کے ثواب کی اُمید مزید گناہ اور غلطی۔ نماز پہلے پڑھنے والے کو

ثواب بالکل نہیں ملتا مقصد نماز قطعاً نہیں دیا جاتا۔ مگر یہاں اگرچہ مَآ اَعْجَلَ سے سوال فرمایا مگر کتاب بھی دیدی گئی کلام کا شرف بھی بخشدیا گیا قوم کے تمام حالات وہیں بتا دیے گئے گویا یہ خطا بھی بہت سی عطاؤں کا ذریعہ بن گئی۔ اگر یہ جانا گناہ اور مخالفت تھی مثل نماز تو قطعاً نہ کتاب دی جاتی نہ شرفِ کلام۔ جانے کا مقصد پورا کر دیا جانا مقبولیت کی نشانی ہے اگر گناہ ہوتا تو قبول نہ ہوتا اسی طرح واپس لوٹا دیا جاتا۔ چھٹا اعتراض۔ اللہ تعالیٰ نے سوال فرمایا تھا۔ مَآ اَعْجَلَكَ اس کا درست جواب یہ تھا کہ آپ پہلے عجلت کی وجہ بتاتے۔ مگر جواب میں آپ نے فرمایا هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِیْ۔ یعنی وہ مجھ سے دور نہیں وہ میرے چند قدم کے فاصلے پر ہیں اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ امام رازیؒ نے جواب فرمایا کہ جب موسیٰ اپنے اجتہاد سے طور پر پہنچے تو وہ بہت خوش تھے کہ میں جلدی آیا ہوں مگر جب عتابانہ سوال ہوا تو خشیتِ الٰہی سے گھبرا گئے۔ اور گھبرا کر آگے کا جواب پیچھے اور پیچھے کا آگے کر دیا۔ جوابِ دوم یہ کہ سوالِ ربانی میں دو باتیں تھیں مَا اَعْجَلَكَ۔ دوسرے عَنْ قَوْمِكَ۔ اس طرزِ سوال سے موسیٰ علیہ السلام نے منشاءِ سوال سمجھ لیا کہ جلدی آنے پر اعتراض نہیں بلکہ عَنْ قَوْمِكَ۔ یعنی قوم سے دوری پر اعتراض ہے یہی ناپسندیدگی و کراہت ہے کیونکہ قوم میں سامری وغیرہ جیسے شر پسند لوگ بھی ہیں اور ہارون علیہ السلام نرم دل بھی اس لیے اس سبب والے جواب کو زیادہ اہمیت دیتے ہوئے پہلے یہ جواب عرض کیا کہ یا اللہ میں قوم سے زیادہ دور نہیں ہوں ان کو دوری نہ سمجھا بعد میں اپنی عجلت کی وجہ بیان کر دی کہ اللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ (از تفسیر کبیر۔ روح المعانی روح البیان تفسیر صاوی فتح القدیر۔ مظہری مدارک۔ خازن۔ بیضاوی۔ تفسیر ابن عباس۔ نیشاپوری جامع البیان۔ جلالین) ان آیت کی تفسیرِ صوفیانہ آیت ۹۶ کے بعد ہوگی۔ اِنْشَآءَ اللّٰہُ تعالیٰ۔

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْۢ بَعْدِكَ

رب تعالیٰ نے فرمایا بے شک ہم نے آزمائش میں ڈال دیا آپ کی قوم کو آپ کے بعد سے

فرمایا تو ہم نے تیرے آنے کے بعد تیری قوم کو بلا میں ڈالا

وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ ﴿٨٥﴾ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى

اور ان لوگوں کو سامری نے گمراہ کر دیا ہے۔ تو لوٹ پڑے موسیٰ

اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔ تو موسیٰ اپنی

اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ

اپنی قوم کی طرف غضب ناک ہو کر افسوس کرتے ہوئے فرمایا اے میری قوم

قوم کی طرف پلٹا غصہ میں بھرا افسوس کرتا۔ کہا اے میری قوم

اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا ۗ

کیا نہیں وعدہ کیا تھا تم سے تمہارے رب تعالیٰ نے ایک اچھا وعدہ کیا

کیا تم سے تمہارے رب نے اچھا وعدہ نہ کیا تھا

اَفَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ

پس لمبا دشوار ہو گیا تم پر وعدے کا انتظار یا تم نے دل سے ٹھان لیا کہ

کیا تم پر مدت لمبی گزری یا تم نے چاہا کہ تم

يَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

آ جائے تم پر غضب تمہارے رب جلال کی طرف سے

پر تمہارے رب کا غضب اترے

فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِيْ ﴿٨٦﴾

جو تم نے خلاف ورزی کی مجھ سے کئے ہوئے وعدے کی

تو تم نے میرا وعدہ خلاف کیا

تعلقات اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو تنبیہ فرمائی کہ تم نے اپنی قوم کو اکیلا کیوں چھوڑا ابھی وہ اس طرح چھوڑنے کے لائق نہیں ابھی ان میں فرعون کی تین سو سالہ بت پرست صحبت کا اثر ہے۔ اب اِن آیت میں اس تنبیہ کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ حضرت موسیٰ کے نہ موجود ہونے کی وجہ سے قوم کو سامری نے گمراہ کر دیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں طور پر جانے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں حضرت موسیٰ کا اپنی قوم کی طرف لوٹنے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے فرمودات کے بیان کا ذکر ہوا کہ نیک لوگوں سے آخرت کے اچھے وعدے ہیں اور بدکار لوگوں سے غضب نازل ہونے کا دردناک عذاب ہے اب اِن آیت میں بنی اسرائیل کے گمراہ لوگوں کو شرمندہ اور خوف زدہ کرتے ہوئے ان فرموداتِ الٰہیہ کو یاد دلانے کا ذکر ہے چوتھا تعلق۔ پچھلی آیت میں ۷۹ میں اَضَلَّ فِرْعَوْنُ فرمایا گیا کہ فرعون نے اپنی قوم قبطی کو گمراہ کیا یہاں اَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ فرمایا گیا کہ سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا فرعون نے اپنی پوجا کرائی سامری نے بچھڑے کی۔

تفسیرِ نحوی قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ فَرَجَعَ مُوْسٰى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا۔ قَالَ فعل اِ فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ فَ زائدہ سیاقِ کلام کے لیے اِنَّ حرف مشبہ بالفعل دیعنی عمل میں فعل کے مشابہ یہ کل چھ حرف ہوتے ہیں اِنَّ اَنَّ کَاَنَّ لٰکِنَّ۔ لَیْتَ لَعَلَّ) نَا۔ ضمیر متصل جمع متکلم منصوب ہے کیونکہ اسم اِنَّ ہے قَدْ فَتَنَّا باب ضَرَبَ کا فعل ماضی قریب ہے۔ جمع متکلم فَتَنَ سے مشتق ہے بمعنی آزمائش میں ڈال دینا۔ اس کا فاعل اسی کی ضمیر صیغہ ہے۔ آخر میں نونِ مادہ اور نونِ ضمیر کا اِدغام (تشدید) ہے۔ قَوْمَ اسم مفرد لفظاً واحد معنًا جمع ہے مضاف ہے كَ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع حضرت موسیٰ ہیں یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے مِنْ ابتداءِ غایت کے لیے بَعْدِ اسم ظرف زمانی کم ہے قبل کا ضد جب یہ مضاف ہوتا ہے تو نکرہ ہوجاتا ہے جب مفرد یعنی مضاف نہ ہو تو کبھی مبنی بر ضمہ ہوتا ہے کبھی بکسرہ تنوینی یا بفتحہ (دوزبر) كَ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَدْ فَتَنَّا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اَضَلَّ۔ باب افعال

کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ایک قول میں باب نَصَرَ کا اسم تفضیل مذکر ہے۔ ضَلَّ سے بنا ہے بمعنی گمراہ ہونا باب افعال میں متعدی بیک مفعول ہو کر ترجمہ ہوا گمراہ کرنا اس کا مصدر ہے اِضْلَالٌ۔ اس کا حاصل مصدر ہے ضَلَالَۃٌ بمعنی گمراہی هُمُ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع قَوْمَ ہے مفعول بہ ہے۔ اَلسَّامِرِیُّ السَّمِرِیُّ کھڑے زیر سے بھی لکھا جاتا ہے معرّف باللام ہے آخر میں یاءِ نسبت ہے ترجمہ سامر والا لفظ سامر میں تین قول ہیں (۱) بنی اسرائیل یہودیوں کی ایک قوم یا قبیلے کا نام ہے (۲) سمیری ایک علیحدہ قوم ہے جو ایک قبطی قوم سامِرَہ کی اصل اولاد سے منسوب ہے (۳) سامِر عراق کے قریب فلسطینی حدود میں ایک علاقے کا نام تھا موجودہ تلعبید یا تلعبیب اب اسرائیلی حکومت کا دارالخلافہ بھی اسی علاقے میں ہے ان نسبتوں سے اس قبطی کو سامری کہا گیا یہ اس کا ذاتی نام نہیں وطنی یا قومی نام ہے قبطیوں میں یا اسرائیلیوں میں سے صرف یہی ایک منافقانہ مومن بنا تھا۔ یہ فاعل ہے۔ اَضَلَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف دونوں عاطفہ جملے مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ۔ بیانیہ بمعنی ثُمَّ۔ یعنی بہت دنوں بعد رَجَعَ باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مُوْسٰی اسم مفرد جامد اسم منقوص۔ بحالتِ رفع کیونکہ فاعل ہے اِلٰی جارّہ انتہاءِ غایتِ زمانی کے لیے قوم اسم مفرد مذکر یہ لفظ صرف مردوں کے بڑے گروہ کے لیے مستعمل ہے قبیلے کی عورتیں اس میں شامل نہیں ہوتیں لیکن کبھی قوم بمعنی نسل اور قبیلہ ہوتی ہے تب عورتیں بھی داخل ہوتی ہیں گویا کہ بلا واسطہ صرف مرد اور بالواسطہ عورتیں بھی مراد ہوتی ہیں جیسے تمام قوانین امر و نہی کے جمع مذکر صیغے۔ اس کی جمع ہے اَقْوَام اور جمع الجمع اَقَاوِیْم یا اَقَاوِم اس کی تصغیر ہے قُوَیْمٌ۔ یہ مصدر بھی مستعمل ہے باب نَصَرَ میں گردان ہوتا ہے یہ مضاف ہے ہ ضمیر نفسی واحد مذکر غائب یعنی اپنی مرجع موسٰی ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے غَضْبَانَ اسم صیغہ مبالغہ بر وزنِ فَعْلَانَ غَضَبٌ سے بنا ہے آخر کا الف نون زائدتان ہے ترجمہ ہے شدید غصے حالت میں ہونا۔ اسی سے ہے غَضُوْبٌ اور غُضُبَّۃٌ۔ فرق یہ ہے کہ غضبان غصے کی کیفیت یعنی شدت کا بیان ہے اور غضوب غصے کی تعداد کا بیان یعنی بار بار غصہ آنا اور غضبۃ غصے والے کی عادت کا بیان ہے یعنی جلدی غصہ آ جانا۔ یہ عطف بیان ہے اَسِفًا اسم مفرد صفت مشبّہ بر وزنِ فَعِلًا۔ اَسَفٌ سے مشتق ہے بمعنی افسوس کرنا آخر کا الف تنوین کے لیے یہ عطف ہے غضبان پر دونوں مل کر حال ہوا موسٰی کا ذوالحال حال مل کر فاعل رَجَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یا حرفِ ندا قوم۔ دراصل قومی تھا

یعنی اے میری قوم ی ضمیر متکلم خفت کے لیے گرادی گئی۔ قَوْمِ منادیٰ اَ ہمزہ سوالیہ لَمْ یَعِدْ باب ضَرَبَ
کا فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر غائب وَعْدٌ سے مشتق ہے ماضی کے معنیٰ میں ہے مگر تذکرہ آئندہ
کا ہے اصلاً یَوْعِدُ تھا۔ تعلیلِ نحوی ہیں واو ثقل کی وجہ سے گر گئی کُمْ ضمیر مفعول رَبُّکُمْ مرکبِ اضافی
اس کا فاعل ہے وَعْدًا اسم حاصل مصدر جامد موصوف ہے حَسَنًا اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ اچھا خوبصورت
صفت ہے یہ مرکبِ توصیفی مفعول بہٖ ہے لَمْ یَعِدْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ
ہوا اَفَ۔ دراصل فَا مٔ ہے سوال کی اہمیت کے لیے ہمزہ استفہام کو پہلے کر دیا گیا۔ لفظِ اَفَ
قرآن مجید میں ایک سو تجّودہ مرتبہ آیا ہے ہمزہ سوالیہ اور فَ عاطفہ فَطَالَ عَلَيْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ
اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَيْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ۔ طَالَ باب نَصَرَ
کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب طَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لمبا ہونا متعدی بیک مفعول ہے طُوْلٌ
اور لمبائی تین قسم کی ہوتی ہے ۱ وقت اور زمانے کی وہی یہاں مراد ہے اس کو طوالتِ زمانی
کہتے ہیں ۲ طوالتِ مکانی یعنی چیزوں کی لمبائی کپڑا وغیرہ ۳ طوالتِ باطنی یعنی اچھی یا بری خواہشات
کی درازیاں اسی سبب سے دولتِ دنیوی کو طول کہا جاتا ہے کیونکہ مال و دولت سے سخی
کے ہاتھ اور کنجوس کی خواہشات دراز ہوتی ہیں عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے طَالَ کا اَلْعَهْدُ
الف لام عہد خارجی عَهْدٌ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ وعدہ۔ اس کی جمع ہے عُهُوْدٌ عربی
میں کسی چیز کے لازم کرنے کے لیے تین لفظ ہیں مگر تینوں میں نوعی فرق ہے ۱ عہد جو خود
کیا جائے کہ ہم یہ کریں گے ۲ میثاق جو کسی سے لیا جائے ۳ وعدہ کسی کو اپنی طرف
سے کسی چیز کا دلانا۔ خواہ اچھی خواہ بری۔ اَلْعَهْدُ فاعل ہے طَالَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر معطوف علیہ۔ اَمْ۔ حرفِ عطف تردید یا تخییر کے لیے ہے طرز بیانی میں سوالیہ ہوتا
ہے ایک قول میں بمعنیٰ بَلْ ہے اَرَدْتُّمْ باب اِفْعَال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ
اس میں پوشیدہ اسی کی ضمیر صیغہ اس کا فاعل رَوْدٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِرَادٌ
اور اِرَادَةٌ بمعنیٰ چاہنا۔ اچھا یا برا۔ یہاں برا چاہنا مراد ہے اَنْ حرفِ ناصب یَحِلَّ باب
ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب حَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے
دراصل یَحْلِلُ تھا عین کلمے (پہلا لام) کو لام کلمے (دوسرے لام) میں ادغام کیا پہلے
لام کا زیر ماقبل ح کو دیا۔ بحالتِ نصب ہے اَنْ کی وجہ سے عَلَيْكُمْ جار مجرور متعلق ہے
غَضَبٌ اسم حاصل جامد اس کا فاعل مِنْ رَّبِّكُمْ یہ جار مجرور مل کر متعلق دوم ہے سب مل کر جملہ

فعلیہ انشائیہ استفہامیہ ہو کر مفعول بہٖ ہوا یحل کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ فَ۔ عاطفہ سببیہ برائے ترتیب فَاَخْلَفْتُمْ۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر مصدر ہے اِخْلَافٌ اور خِلَافٌ بمعنی نافرمانی کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مَوْعِدِیْ۔ اسم مصدر میمی بمعنی حاصل مصدر جامد یعنی وعدہ بتانا۔ یا کرنا۔ یا وعدے کی خبر دینا۔ آخر کی یٰ ضمیر متکلم مضاف الیہ ہے مرجع موسیٰ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے۔ اَخْلَفْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبّب ہوا اَمْ اَرَدْتُمْ کا سبب مسبّب مل کر معطوف ہوا۔ طَالَ کا۔ یہ دونوں عطف پھر معطوف ہوئے اَلَمْ یَعِدْ پر سب مل کر جواب ندا یا اپنے منادیٰ اور جواب سے مل کر مقولہ ہوا۔ قَالَ کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ ہم نے اپنے ارادۂ تقدیری ازلیہ آزمائش میں ڈال دیا ہے تمہاری تمام قوم کو تمہارے جدا ہونے کے بعد ایک بڑے سخت امتحانی فتنے میں اور وہ اکثریت سے اس آزمائشی فتنے میں ملوث و مبتلا ہو کر امتحانِ الٰہی میں بری طرح ناکام ہو چکے ہیں۔ خیال رہے کہ مِنْ بَعْدِكَ سے اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ اگر موسیٰ علیہ السلام وہاں موجود رہتے تو یہ ازلی تقدیرِ معلق کا فیصلہ ٹل سکتا تھا یا اس طرح کہ امتحان آتا ہی نہ اور یا اس طرح کہ اگر کبھی ہوا آزمائش آتی تو قوم مبتلا و ملوث نہ ہوتی بلکہ صحبتِ نبی کی برکت سے بچی رہتی امتحان میں کامیاب ہو جاتی۔ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ یہ آزمائش سامری جادوگر۔ جو خاندانی زرگر تھا اس کی گمراہ گری کے ذریعہ ہوئی کہ اس نے اپنی مکارانہ تدبیر۔ تقریر اور صنعت۔ کاری سے قوم کو گمراہ کر رہا ہے۔ جس سے تمہاری چند روزہ صحبتِ ایمانی عرفان کا سب اثر اُن کے ذہنوں عقلوں سے اتر کر دلوں سے جاتا رہا۔ اس لیے کہ ابھی اُن کے ذہن فرعونیوں کی مشرکانہ صحبتوں سے نئے نئے آزاد ہوئے تھے ابھی ان کو اپنی نبی زادگی کا شعور نہ تھا اپنے آبائی دینِ ابراہیمی کا پورا علم نہ تھا اس لیے قدر بھی نہ تھی۔ مصر کے جس گندے اور شرکیہ غلیظ ماحول میں ان بنی اسرائیل کی پرورش تربیت بلکہ اکثریت کی ولادت اور اب تک کی پوری زندگی بسر ہوئی تھی وہاں گھر گھر شرک کفر کا گھٹا ٹوپ اندھیرا پھیلا ہوا تھا ہر گھر مندر اور بتخانہ تھا۔ بیسیوں قسم کے بت پوجے جاتے تھے دیویاں دیوتا۔ اس کو آسمانوں کا مالک سمجھا جاتا تھا آمنا دیوی اس وہ زمین

کی مالکہ ۳ مات۔ یا ماتا دیوی۔ بہار لانے والی ۴ اوزیرس دیوتا آخرت کا مالک ۵ بیتہ دُرت دیوتا۔ جنت کا مالک ۶ کنبھو دیوتا۔ اجسام بنانے والا۔ ان سب کی شکل بندروں جیسی ہوتی تھیں یہ پتھر لکڑی سونے چاندی کے بنے ہوتے ۷ ایزیز۔ دیوی جسموں میں جان ڈالنے والی اس کی مورتی چاندی سے بنائی جاتی تھی ننگی عورت کی شکل پر۔ اور کاغذ کپڑے پر۔ ہر شخص اپنی جیب میں ہر وقت لیئے پھرتا تھا اس کی قسم بھی کھائی جاتی سینے پر ہاتھ رکھ کر یعنی اس کی مورت تو پر ہاتھ رکھ کر۔ آج بھی مصریوں میں بات یا کوئی وعدہ کرتے وقت سینے پر ہاتھ رکھ کر تھوڑا سا جھکنے کی عادت اس شرکیہ رسم سے چلی ہے ۸ طواط دیوتا۔ عمریں دینے والا ۹ ہوراس۔ بیماری غم پریشانی درد تکلیف دور کرنے والا۔ دیوتا ۱۰ ھاتور یا حورث۔ رزق دینے والا دیوتا اس کی شکل گائے بیل جیسی بنائی جاتی تھی جسم انسانوں جیسا ۱۱ اَبَدا مانی دیوی۔ خزاں اور مصیبتیں بیماریاں لانے والی دیوی اس کی مورتی بھیڑیے جیسی بالکل سیاہ مٹی کی یا بنا کر کالا رنگ پھیر دیا جاتا تھا۔ ہندوستان میں اس کا نام کالی ماتا ہے ۱۲ اُمُنِ رَاعِ۔ سورج دیوتا یہ سب سے بڑا اور کرخت دیوتا کہلاتا تھا اس کا چہرہ گول سورج کی شعاعوں کی تصوراتی شکل کا صرف چہرے کی مورتی یا کاغذ کپڑے پر فوٹو تصویر۔ ۱۳ ملک کا بادشاہ فرعون۔ یہ سورج دیوتا کا اوتار سمجھا جاتا تھا۔ فرعون سورج کی پوجا کرتا تھا اور خود کو اس کا مظہر سمجھتا سمجھاتا بتاتا تھا اور اسی بنا پر اپنے لیے سجدے کراتا اَنَا رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی اور الٰہ بنتا تھا۔ اس پلیدی ماحول سے یہ اسرائیلی ابھی نکلے تھے لہٰذا ان کا اتنی جلدی ورغلایا جانا کوئی حیران کن نہ تھا اگرچہ یہ سب مومن تھے خود بُت پرستی نہ کرتے تھے مگر چاروں طرف کے ماحولِ بت نمائی ان کے ذہنوں عقلوں پر چھائی ہوئی تھی اور زندگی غلامانہ تھی۔ کافر آقاؤں کے کہنے پر انہیں بہت کفر لوازیاں کرنی پڑتی تھیں مثلاً مندروں کی صفائی بتوں کی جھاڑ پھونک وغیرہ سامری قربِ فرعونی کی بنا پر جادوگری سے کافر ہونے کے علاوہ ددھیال کی خاندانی گائے پرستی کی محبت میں مبتلا تھا اور عیار بدمعاش بھی تھا بنی اسرائیل کی ناپختہ ذہنی کیفیت کو سمجھتا تھا۔ انسان کے لیے صحبتِ بد ہی تو زہرِ قاتل اور ایمان کش ہے۔ ہم نے تو چند سالہ ہندوؤں کی صحبت میں رہنے والے خاندانی مسلمانوں کو بھٹکتے بھٹکتے دیکھا ہے یہ پیروں اور ان کی قبروں کو سجدے شادی بیاہ کا گانا باجہ مایوں مہندی۔ گانا باندھنا لاکھوں کا جہیز اور حق مہر کی ذلت و رسوائی اس طرح جہیز کی دن بدن مطالباتی فہرست بڑھتی جاتی ہے حق مہر جس کی بافراغ زیادتی کا اسلامی حکم ہے ذلت آمیز حد تک گھٹتا جاتا ہے۔ یہ سب

ھندوانہ رسمیں ہیں جن کی رسمیں صحبتِ بد سے مسلمانوں میں آگئیں ہیں تعظیمی سجدے یہ فرعونی رسمیں مصر سے براستہ ھندوستان مسلمانوں میں آئیں اللہ تعالیٰ ہی ہم سب کو ان حماقتوں سے بچانے والا ہے مِنۡۢ بَعۡدِكَ سے مراد موسیٰ علیہ السّلام کی توریت لینے کے لیے تیس روزہ اعتکاف صیام کرنے کی خلوت جدائی پھر وہاں سے ہی طور پر چلے جانا مراد ہے یہ خلوت وجدائی خاموشی اختیار کرنے کی وجہ سے تھی اسرائیلیوں نے ان ایام کی گنتی کو دن رات کو علیحدہ علیحدہ کر کے گنا جب موسیٰ علیہ السّلام کو گئے ہوئے بیس۲۰ دن ہو گئے تب سامری اور چند ساتھیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ تیس۳۰ دن کا وعدہ تھا مگر اب چالیس۴۰ دن ہو گئے موسیٰ اب نہیں آئیں گے شاید وہ فوت ہو گئے یا ناراض ہو گئے۔ کیونکہ تمہارے پاس فرعونی زیور ہیں جو تم پر بوجہ دھوکہ دہی سے لیتے پہننے حرام ہیں۔ یہ زیور تم مجھ کو دیدو میں اِس کو جلا کر ختم کر دوں سب ڈر گئے اور اپنی بیویوں سے لے کر سامری کو دیدیا سامری کی گھر یلو عورتوں کے پاس جو زیور تھا وہ بھی اُس نے ایک بنائے ہوئے گڑھے میں ڈال دیا۔ اور اس نے اپنے منصوبے کے تحت اس تمام سونے کو گلا کر بچھڑے کا بت بنا لیا جو چھ ماہ بچھڑے کے برابر قد کاٹھ کا صحت مند لگتا تھا۔ اِن اسرائیلیوں نے بھی سامری کے اُکسانے بتانے پر بیس دن کو چالیس دن گنا۔ اور یہ عادت آج بھی یہود و نصاریٰ کے قانون میں شامل ہے کہ کسی بھی مدت گزارتے ہیں رات کو علیحدہ دن کو علیحدہ شمار کرتے ہیں مگر تاریخ دن رات کی ایک رکھتے ہیں مثلاً تیس دن رات تاریخاً ایک ماہ ہوگا مگر مُدّتاً دو ماہ گزرنا شمار ہوں گے۔ سامری لقب کا اِس پوری قوم میں صرف یہی ایک واحد فرد تھا۔ یہ قبطی النسل تھا اس طرح کہ اس کا باپ ظفر نامی قبطی تھا جو خفیہ مومن بن گیا تھا دینِ ابراہیمی پر اور ایک اسرائیلی عورت سے شادی کر لی تھی جس سے سامری پیدا ہوا۔ یہ اکلوتی اولاد تھی ددھیال سے قبطی ننھیال سے اسرائیلی ابن جریر محدث نے عن ابن عباس روایت فرمائی کہ یہ فرعونی قتل کے سال پیدا ہوا تو اس کی والدہ نے اس کو جنگل میں ایک غار کے اندر چھپا دیا اور بھول گئی حضرت جبریل علیہ السّلام بحکم رب تعالیٰ اِس کی پرورش فرمائی۔ ان کی برکت سے رب تعالیٰ نے اِس کی دائیں ہاتھ کی تین انگلیوں سے تین غذائیں جاری فرما دیں سبابہ میں دودھ وسطیٰ میں شہد سانھوانی میں گھی نکلتا جب یہ چوستا۔ اس کا آبائی مکان حضرت موسیٰ کے پڑوس میں تھا اس کا نام بھی اس کی والدہ نے موسیٰ رکھا حضرت موسیٰ کی وجہ سے اور یہ موسیٰ بن ظفر ہوا اِس کا والد اس کی ولادت سے پہلے مر گیا تھا۔ یہ سامری جب جوان ہوا فرعون کے دربار میں باعزت رسائی مل گئی فرعون نے اس کو جادوگری کے لیے منتخب کر لیا۔ اِن کا

آبائی پیشہ زرگری تھا یہ زرگر سے جادوگر پھر گمراہ گر بن گیا۔ قبطیوں سے جادو سیکھا تھا جب جادوگر مقابلے میں ہار گئے تو تین جادوگر فرعون کے ڈر سے بھاگ نکلے تھے ان میں ایک یہ تھا موسیٰ علیہ السلام نے جب رات میں نکلنے کا خفیہ اعلان فرمایا تو یہ بھی مع والدہ ساتھ نکل پڑا اس کے دھدیاں میں گائے نما ثور دیوتا کی پوجا ہوتی تھی اس لیے اس کے دل میں گائے پرستش کی محبت ورثے میں ملی تھی اور ننھیال سے ایمان ورثہ میں ملا تھا اس لیے اس کا رویہ منافقانہ تھا اور جادوگری کی وجہ سے بھی مائل بہ کفر ہی تھا لہٰذا ان وجوہ سے یہ موقع اس نے غنیمت جانا موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں یہ کر نہ سکتا تھا آپ کا رعب جلالی ہی اتنا تھا کہ جمادات پر بھی لرزہ طاری ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ غیر موجودگی میں یہ اَضَلَّ السَّامِرِی ہو گیا اپنے آبائی دین شرکیہ پر سب کو ورغلا دیا۔ اس کے بارے میں مفسرین کے چند مختلف اقوال ہیں ۱؎ یہ اسرائیلی قبیلہ سامرہ سے عظماءِ قبیلہ میں سے تھا یعنی بڑے لوگوں میں شمار ہوتا تھا ۲؎ موسیٰ علیہ السلام کی سگی خالہ یا پھوپھی کا بیٹا تھا ۳؎ چچا کا بیٹا تھا ۴؎ یہ کرمانی زرگر کا بیٹا تھا کرمان سے آکر بنی اسرائیل میں شامل ہو گیا تھا مگر منافق رہا ۵؎ یہ علاقۂ موصل کے باجرما قبیلے سے تھا اس کا اصل نام موسیٰ بن ظفر تھا سامری قومی لقب تھا اور بنی اسرائیل میں اس لقب کا فقط یہی ایک تھا اس لیے یہ لقب اس کی شناخت تھی اسی لیے قرآنِ مجید میں اس لقب سے اس کا تذکرہ آیا۔ ایک شاعر لکھتا ہے شعر

فَمُوْسَى الَّذِیْ رَبَّاہُ جِبْرِیْلُ کَافِرٌ — وَمُوْسَى الَّذِیْ رَبَّاہُ فِرْعَوْنُ مُرْسَلٌ

یعنی حیرت ہے کہ جس موسیٰ کو جبریل علیہ السلام نے پالا وہ تو کافر رہا اور جس موسیٰ کو فرعون کافر نے پالا وہ نبیوں کے سردار مُرسَل نبی ہوئے (تفسیر روح المعانی) قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا الخ یہ رب تعالیٰ کا فرمانِ مبارک ہے مِنْ بَعْدِکَ سے مراد بیس روزہ جدائی کے بعد کی مدت ہے بچھڑا بیس دن بعد بنایا گیا قَدْ فَتَنَّا سے مراد ارادۂ الٰہی تقدیرِ ازلی کا فیصلہ اور بچھڑے کا مخلوق ہونا ہے کہ یہ ہی آزمائش تھی۔ اَضَلَّ سے مراد سامری کی تدبیر تصنیع اور تقریر کے ذریعے قوم کو ورغلانا ہے قَوْمَکَ سے مراد چھ لاکھ اُمت بنی اسرائیل ہیں ان میں حضرت ھٰرون اور سامری شامل نہیں ھٰرون نبی ہونے کی وجہ سے اور سامری منافق کافر گمراہ گر ہونے کی وجہ سے ایک قرأت میں اَضَلُّہُمْ اسم تفضیل ہے یعنی سامری ان سب سے زیادہ گمراہ ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ قوم کی گمراہی کے لیے ایک اور اَضَلَّ پوشیدہ ماننا پڑے گا

کیونکہ اسم تفضیل تقابل کا متقاضی ہے کہ فلاں گمراہ سے زیادہ گمراہ ہے بنی اسرائیل اس وقت دریاء نیل کے کنارے اس جگہ ٹھہرے ہوئے تھے جو مصر سے چالیس ۴۰ میل دور اور طور سے چھ ۶ میل کے فاصلے پر تھی۔ فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا. قَالَ یٰقَوْمِ اَلَمْ یَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا۔ اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ الْعَهْدُ اَمْ اَرَدْتُّمْ اَنْ یَّحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ یہاں فَرَجَعَ کی فَ تعقیبیہ ترا خیہ بتا رہی ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ غمناک و افسوس ناک خبر سنتے ہی نہیں چل پڑے تھے بلکہ اس کے بعد مزید دس روز مع اعتکاف رکھنے کا حکمِ ربانی ملا۔ آپ نے یہ دس روزہ مدت پوری کرکے پھر حاضری لَنْ تَرَانِیْ کا پورا واقعہ ہوا پھر بارہ تختیاں تورات کی ملیں ان کو لے کر فَرَجَعَ مُوْسٰٓی اِلٰی قَوْمِهٖ تب آپ قوم کی طرف لوٹے۔ سورۃ اعراف آیت ۱۴۲ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً۔ یعنی پہلے تیس ۳۰ روزہ چلہ یکم ذیقعدہ سے تیس ۳۰ ذیقعدہ تک پھر یکم ذی الحج سے دس ۱۰ ذی الحج تک گیارہ ذی الحج کو توریت کی تختیاں ملیں جو دو ۲ حرفہ لکھی ہوئیں سونے سے بنی تختیاں تھیں ان میں ایک ہزار سورتیں ہر سورت میں ایک ہزار آیات تھیں تقسیم اس طرح تھی کہ آٹھ تختیوں میں تیراسی ۸۳ تیراسی سورتیں اور چار میں چوراسی ۸۴ چوراسی سورتیں ان میں پہلی آٹھ میں شریعت کے احکام تھے ۱ عبادت کی تعداد و طریقے ۲ انتظامی ملکی قانون و نظامِ عدل ۳ دعائیں ۴ سابقہ تاریخی واقعاتی قصے ۵ فضائل ۶ رحمت برکت ۷ پیشگوئیاں ۸ قیامت کا ذکر ثواب و عذاب کا بیان اور دوسری چار میں طریقت کے مسائل ۹ وظائف ۱۰ چلہ مراقبہ خلوت ۱۱ قربِ الٰہی اور مکاشفات معجزات و کرامات کا ذکر ۱۲ معرفت کے اسباق۔ یعنی شریعت کی آٹھ اور طریقت کی چار توریت کا مکمل مجموعہ تھا یہ لے کر اپنے کندھوں پر اٹھا کر طور سے وقتِ اشراق چلے بوقتِ عصر خیمہ زن قوم میں پہنچے نہایت غَضْبَانَ اَسِفًا۔ قوم کی حرکتوں پر غضب و غصہ کرتے ہوئے اور اپنی جلدی پر رنج و غم افسوس کرتے ہوئے۔ محققین فرماتے ہیں کہ انسان کے ظاہری یا باطنی جسم پر کسی کے غلط کام کی وجہ سے پانچ کیفیات ظاہری ہوتی ہیں ۱ غضب یعنی کسی کے غلط کام پر اس کو سخت سزا دینے کا ارادہ کرنا۔ اسی معنیٰ میں غضب کو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے اور کرنا جائز ہے۔ ورنہ اس کا اثر حرف انسانی حیوانی بدن پر ہوتا ہے اس سے رب تعالیٰ پاک ہے ۲ غصہ یعنی کسی برے کام پر صرف ناراضگی کا اظہار یہاں غَضْبَانَ کا معنیٰ غضب و غصہ ہے یعنی مجرموں پر غضب اور نہ روکنے والوں پر غصہ ۳ غیظ

غضب وغصہ کا وہ اثر جو شدت کی صورت میں جسم پر ظاہر ہوتا ہے۔ جیسے حسنے۔ رونے کا اثر بھی جسم پر آتا ہے ۔ ۵؎ تَاَسُّفْ ۔یعنی اپنے غلط کام پر رنج وملال افسوس ہونا ۔ ۶؎ حُزن ۔ اپنی یا پرائی کسی کی بھی غلطی پر اندرونی غم ہونا ۔موسیٰ علیہ السلام پر اس وقت یہ پانچوں کیفیات طاری تھیں ۔ ان تمام کیفیات کے ساتھ جب آپ قوم میں پہنچے تو آپ نے چار کام کیے اَوَّلاً ۔ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ ۔ بیخودی اور انتہائی غضب کی مجذوبانہ حالت میں آپ نے کلام الٰہی کی اُن تختیوں کو زمین پر زور سے ڈال دیا (پھینک دیا) ثانیاً وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْهِ یَجُرُّهٗۤ اِلَیْهِ (اعراف آیت ۱۵۰) یعنی سب سے پہلے گھر کی خبر لیتے ہوئے اپنے خلیفہ حضرت ھارون کی داڑھی اور سر کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا ۔ یہ بھی اسی انتہائی جذباتی غصہ کی بنا پر کیا اور ھٰرون علیہ السلام کا جواب ۔ ثالثاً پھر آپ نے قوم کو جھڑک کا خطاب فرمایا اور قوم نے جو اُلٹا کچھ عرض کیا ۔ رابعاً ۔ پھر آپ نے سامری کو مخاطب کر کے سرزنش کرتے ہوئے باز پرس کی اُسنے جو عرض کیا پھر آپ نے اس کو آخری وعید سنائی ۔ یہ آپ کا غضب غصہ اور غیظ تھا ۔ پھر رب تعالیٰ کی بارگاہ میں عرض کیا رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِاَخِیْ ۔ یہ آپ کا اَسَفْ تھا ۔ پھر چند دن بعد آپ نے بہتّر ۷۲ بزرگ ومتقی اسرائیلی لوگوں کو قوم کی توبہ کے لیے چنا ہر قبیلے کے چار فرد ۔ اور فرمایا کہ مرتدین پر اللہ تعالیٰ کا غضب ضرور نازل ہوگا دنیا میں ذلت اور آخرت میں عذاب جہنم سے (اعراف آیت ۱۵۲) یہ آپ کا حُزن ہے ۔ قوم سے فرمایا ۔ اے میری قوم کیا تم سے تمہارے ربِّ کریم نے حَسَنًا وعدے نہیں کیے تھے ؟ اَفَطَالَ عَلَیْكُمُ اور یہ وعدے ابھی چند دن پیشتر تم کو بتا سمجھا دیئے گئے تھے میں انہی وعدوں کے لیے طور پر گیا تھا ۔ میرے جانے کو ابھی تو زیادہ عرصہ بھی نہ ہوا تھا یہ تھوڑی سی مدت بھی تم پر ایسی بھاری ہو گئی ابھی تو تمہاری فرعونی نجات کو بھی زیادہ دن نہیں گزرے اور تم اپنے رحیم کریم مولیٰ تعالیٰ سے پھر گئے یہ کفریہ حرکت تم نے کیوں کی کیا کسی کے ورغلانے سے بھولکر بیس دن کو چالیس بنا کر مخالفت کی یا جان کر کی ۔ یا تم نے یہ کفریہ حرکتیں ۔ لَا تَطْغَوْا فِیْهِ فَیَحِلَّ عَلَیْكُمْ غَضَبِیْ کی ربانی وعید شدید کو یاد رکھتے ہوئے کیں ۔ گویا تم نے اپنی مرضی اور ارادے سے چاہا کہ تم پر عذابِ غضب نازل ہو جائے تمہارے اِن کفریہ کاموں کی دیدہ دلیری سے یہی اشارہ ملتا ہے کہ تم کو رب کے غضب کا کچھ خوف نہیں رہا بے شک نازل ہوتا ہے تو ہو جائے ۔ خیال رہے کہ غضب ربانی صفتِ فعل ہے نہ کہ صفتِ ذات اس لیے کہ کسی پر ذاتِ باری کا نزول محال ہے صفت کا نزول ممکن ہے اسی لیے فَیَحِلَّ ۔ فرمایا گیا ۔ یعنی تم بتاؤ کہ تم نے کفریہ شرکیہ کام میرے ساتھ کیے ہوئے

وعدے کی مخالفت بھول کر کی ہے یا عمداً کی ہے ورنہ یہ بات سمجھ سے وراء ہے کہ اتنی جلدی کوئی شخص اتنے واضح اور بہترین صفت کے نفع بخش مطلوبہ وعدوں کو بھول سکتا ہے فلیتی جلدی فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ تم نے میرے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی مخالفت کی خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے تیرہ وعدے فرمائے تھے اور بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے چار وعدے کئے تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل نے تین وعدے فرمائے تھے۔ رب تعالیٰ کے وعدے ۱ کتاب دی جائیگی جس میں ۲ قانونِ دینی ہوگا ۳ رحمت ۴ برکت ۵ فضیلت ۶ عملِ صالحہ کی توفیق ۷ ہدایت کا نور ۸ اگر تم سرکشی نہ کرو بلکہ توبہ ایمان عبادت پر تاعمر قائم رہ کر مروگے تو اِنِّیْ لَغَفَّارٌ کا وعدہ ۹ جنت کی عطا جہنم سے بچاتے کا وعدہ ۱۰ دنیا میں مصر کی حکومت ۱۱ ہر جگہ فتح و نصرت کا وعدہ ۱۲ بذریعہ موسیٰ علیہ السلام کلامِ الٰہی سننے کا وعدہ ۱۳ فرعونی محلات و خزانے کے ملنے کا وعدہ۔ ان ہی وعدوں کو حَسَنًا فرمایا گیا۔ حَسَنًا وعدہ وہ ہوتا ہے جو کرنے والے کے اعتبار سے یقینی پکا سچا صادق ہو۔ اور جس کے لیے کیا جائے اس کے لیے دین دنیا میں مفید اور نفع بخش ہو۔ اسی کو میثاق کہتے ہیں اگر یک طرف مفید ہو تو اُس کو عہد کہتے ہیں۔ قوم کے چار وعدے یہ ہے ۱ میرے بعد ہر بات میں میرے نائب حضرت ہرون کی اتباع کرنی ہے ۲ عبادتِ الٰہیہ ذکر اذکار وظائف جاری رکھنے ہیں ۳ دین پر ہر حالت میں قائم رہنا ہے بدتمیزی سرکشی شرک کفر نہ کرنا ۴ بجز ہارون علیہ السلام کے کسی کی بات نہیں ماننی۔ قوم نے سب کو پورا کرنے کا سر جھکا کر عہد و اقرار کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کے تین وعدے ۱ فرعون سے تم کو نجات ملے گی۔ ۲ دریا کی غرقابی سے بھی تم کو بچایا جائے گا ۳ میں تقریباً ایک ماہ بعد واپس آؤں گا۔ ایک قول ہے کہ۔ فَاَخْلَفْتُمْ مَّوْعِدِیْ کا معنیٰ ہے کبھی تم نے میرے کسی وعدے کا خلاف پایا ہے کہ میں نے وعدہ کیا ہو مگر وہ پورا نہ ہوا ہو میں نے تو جو وعدہ بھی کیا وہ پورا ہوا۔ مگر یہ قول یہاں درست نہیں اس لیے اگلے جوابی قول قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا (الخ) کے خلاف ہے

فائدے

ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے پہلا فائدہ۔ جو کام بھی خالصتاً اللہ کے لیے کیا جائے وہ اچھا مفید اور کارِ ثواب ہی ہوتا ہے اگرچہ ظاہراً کسی کو کبھی برا یا معیوب ہی نظر آتا ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو کسی وقت کسی عمل کسی علاقے میں اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں شرم جھجک یا عار محسوس نہ کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ غَضْبَانَ اَسِفًا

سے حاصل ہوا۔ دیکھو انتہا سے زیادہ جذباتی اور غضب ناک ہونا عام طور پر برا سمجھا جاتا ہے اور دینوی لحاظ وافعال میں شرعاً منع بھی ہے مگر موسیٰ علیہ السلام کو قوم کی اس شرکیہ حرکت پر اس قدر غضب آیا کہ آپ پر جذباتی کیفیت طاری ہوگئی اور تن بدن کا ہوش نہ رہا یہاں تک کہ کلامِ الٰہی کی تختیاں بھی اسی جذباتی حالت میں زمین پر پٹخ دیں مگر چونکہ یہ سب غصہ وغضب محض اللہ تعالیٰ کے لیے تھا اس لیے اس حالت کا کوئی کام برا نہ ہوا بلکہ اس جذبے پر آپ کو ثواب ملا۔ جو مسلمان غیر مسلم ماحول میں آذان ونماز اور ٹوپی پہننے سے جھجکتے شرم کرتے ہیں ان کو عبرت پکڑنی چاہیے۔

دوسرا فائدہ۔ جس طرح کفر شرک گناہ اور گمراہ کرنے کی نسبت برے انسان کی طرف کرنا جائز ہے اسی طرح نیکی ایمان اور ہدایت دینے کی نسبت انبیاءِ کرام علیہم السلام اولیاءِ عظام علماءِ اسلام مشائخِ انام کی طرف کرنا جائز ہے۔ یہ فائدہ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ اگرچہ ہر نیک وبد ہدایت وضلالت کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے مگر گمراہ کرنے کی نسبت سامری زرگر جادوگر کی طرف کی گئی کہ وہ گمراہی کا سبب بنا اسی طرح یہ بھی کہنا جائز ودرست ہے کہ اولیاءُ اللہ مرشدِ برحق ہدایت۔ ایمان۔ عرفان دیتے ہیں اور ہر اُمتی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یَا رَسُوْلَ اللہ۔

تم نے ایمان دیا تم نے قرآن دیا ۔ تم سے عزت بھی ملی تم نے ہی رحمٰن دیا

تیسرا فائدہ۔ جہاں جس علاقہ میں اللہ تعالیٰ کے نیک پاک اور برگزیدہ لوگ رہتے ہوں وہ جب تک وہاں رہیں اس وقت تک اس بستی میں کوئی فتنہ مصیبت گمراہی نہیں آسکتی نہ دینی نہ دینوی۔ ہاں البتہ اگر وہ نیک ہستی کہیں چلی جائے یا جدا ہو جائے یا وہ لوگ اس ہستی و پاک کو ذہناً قلباً جسماً ظاہراً یا باطناً چھوڑ دیں تب وہاں دینی فتنے بھی آجاتے ہیں اور دینوی بھی یہ فائدہ قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ مرتے دم تک انبیاء علیہم السلام اولیاءُ اللہ کے قدموں سے لگے رہیں اور ذہناً قلباً عقیدۃً اہلِ بیتِ پاک مولیٰ علی اور صحابہ کرام قرآن وحدیث سے جڑے رہیں۔ جسماً قربت ونسبت ان کی محفل مجلس اور ان کی پاکیزہ تصنیفات اور کتابیں ہیں۔ ذہنی قربت ان کی عقیدت ہے قلبی قربت اُن کی بیعت اور سلسلے سے جڑنا ہے۔ خوش قسمتی سے اگر جسمی قربت نصیب ہو تب تو فتنے آتے ہی نہیں لیکن اگر جسماً جدائی ہو مگر ذہنی یا قلبی قربت ہو تو اگر فتنے اور گمراہیاں آبھی جائیں تب بھی عقیدتمند مخلصین کو بچا لیا جاتا ہے۔ دیکھو موسیٰ

علیہ السلام جیسا کچھ دنوں کے لیے بنی اسرائیل سے جدا ہوئے تب فتنہ آیا اور جو بنی اسرائیل قلباً ذہناً وعقیدتاً بھی موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہو گئے وہ فتنے میں مبتلا وملوث ہو کر دین دنیا میں برباد ہو گئے لیکن بارہ ہزار بنی اسرائیل کو ذہنی قلبی قربت موسیٰ علیہ السلام حاصل رہی وہ ابتلاء گمراہی سے محفوظ رہے اور بچا لیے گئے۔

احکام القرآن

ان آیاتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کی ہر چیز کا انتہائی ادب احترام کرنا کرانا ہر انسان جن وملک پر فرض یہاں تک کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام پر بھی فرض ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کے اسماءِ پاک آیاتِ قرآنیہ الفاظِ احادیث۔ کلام اللہ کی کتابیں سپارے قاعدے ان سب کا ادب احترام ہر مسلمان پر اشد فرض ہے اس کو زمین پر ڈالنا پھینکنا۔ یا جوتوں پر رکھنا یا لکھنا سخت ترین ہر ایک پر حرام ہے۔ اگرچہ جوتہ نیا ہو یا کسی جوتی کا نقشہ ہو۔ کسی بھی معزز ومحترم شخص کی نعلین ہو وہ شخصیت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات سے زیادہ معزز نہیں ہو سکتی۔ نیز جو چیز قرآن مجید رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو مثلاً رحل۔ تپائی چھوٹی میز اُس پر کسی بھی حالت میں کسی بھی شخص کو پاؤں رکھنا جائز نہیں اور جو چیز پاؤں رکھنے کے لیے بنائی گئی ہو یا جس پر ایک دو بار قدم رکھے گئے ہوں اُس پر قرآن پاک حدیث پاک رکھنا ہرگز ہرگز جائز نہیں یہ مسئلہ فقہاءِ احناف۔ غَضْبَانَ اَسِفًا کی تفصیلی تفسیر سے مستنبط فرماتے ہیں اس کی تفصیل سورۃِ اعراف آیت نمبر ۱۵۰ تا ۱۵۲ میں اس طرح ہے کہ پہلے فرمایا۔ وَلَمَّا رَجَعَ مُوْسٰی اِلٰی قَوْمِہٖ غَضْبَانَ اَسِفًا پھر فرمایا گیا۔ وَاَلْقَی الْاَلْوَاحَ۔ پھر فرمایا گیا۔ وَلَمَّا سَکَتَ عَنْ مُّوْسَی الْغَضَبُ اَخَذَ الْاَلْوَاحَ یہی واقعہ یہاں سورۃ طٰہٰ میں اجمالاً ہے فرمایا یہ جا رہا ہے کہ حضرتِ موسیٰ نے توریت شریف کی مقدس تختیاں بیخودی کی مجذوبانہ حالت میں پھینکی تھیں وَلَمَّا سَکَتَ۔ اور جب یہ بے خودی کی غصہ ورانہ غضب ناک حالت ختم ہوئی تو اپنی اِس خطا کا احساس فرماتے ہوئے فوراً ایک دم وہ تختیاں اٹھائیں اور بہت ادب فرمایا۔ آج کل پاکستان میں بعض حمقا لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین شریفین کا نقشہ چھاپتے ہیں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا نام پاک اور بسم اللہ شریف لکھتے ہیں۔ یہ حرام اور گناہِ عظیم بے ادبی گستاخی ہے اللہ تعالیٰ ہی ان شیطانی حرکتوں سے بچانے ہدایت دینے والا ہے اور حماقت کی حد یہ ہے کہ بعض ان پڑھ مرتبین نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے فتاویٰ رضویہ میں اس کا جواز گھسیڑ دیا ہے

یہ بدترین تخریب کاری اور خیانتِ مذمومہ ہے۔ بیخودی کی حرکات و افعال کا حکم باخودی کی حالت پر نہیں لگایا جا سکتا۔ بیخودی میں جن کاموں پر معافی مل جاتی ہے باخودی میں ان پر ضرور سزا ملے گی اسی طرح بعض شیعہ کا یہ کہنا کہ امام حسین بچے بچپن میں قرآن مجید پر پیر رکھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور نبی کریم نے یہ کہہ کر جائز قرار دیا تھا کہ قرآن پر قرآن چڑھا ہے۔ یہ بات سراسر کذب بیانی ہے ان پر ضرور سزا ملے گی دیکھو اعلیٰ حضرت بریلوی سجدۂ تعظیمی کو حرام فرماتے ہیں آپ نے مستقل ایک رسالہ اس کی حرمت پر تصنیف فرمایا۔ مگر بیخودی والے مجذوب و مجنوں لوگوں کے لیے آپ کا نظیرہ ارشاد ہے کہ۔

بیخودی میں سجدۂ در یا طواف ؛ جو کیا اچھا کیا پھر تجھ کو کیا

اِس فرق کو شریعت نے بھی ملحوظ رکھا ہے۔ دوسرا مسئلہ شرک کی بہت سی قسمیں ہیں اور دنیا بھر کے کفار مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہیں یہ بھی شرکِ جلی اور کفرِ عظیم ہے کہ رب تعالیٰ کو رب مان کر پھر کسی چیز یا کسی شخص میں ربانی قوتیں قدرتیں تسلیم کی جائیں یا یہ کہا جائے کہ فلاں میں رب بولتا ہے۔ رب اس میں حلول کر گیا ہے یہ سخت بدعقیدگی اور بُت پرستی ہے۔ یہ مسئلہ اَلَمْ یَعِدْکُمْ رَبُّکُمْ وَعْدًا حَسَنًا سے مستنبط ہوا کہ دیکھو بنی اسرائیل کو سامری نے مرتد کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و الٰہیت کا منکر نہ بنایا تھا نہ خود منکر تھا بلکہ اُس نے یہی عقیدہ بنایا پھیلایا تھا کہ اللہ تعالیٰ اِس بچھڑے میں سما گیا ہے حلول کر گیا ہے۔ اللہ ربِّ اکبر ہے یہ بچھڑا ربِّ اصغر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے اَلَمْ یَعِدْکُمْ رَبُّکُمْ سن کر انکار نہ کیا تھا آج بہت سے سجدہ کرانے والے گمراہ پیر اپنے مریدوں کے ذہن میں یہی بات ڈالتے ہیں کہ رب ہمارے اندر سما گیا ہے اس لیے ہمیں تعظیمی سجدہ کرو (معاذ اللہ) یہی عقیدہ شیعوں کا حضرت علی کے متعلق ہے اللہ ہم سب مسلمانوں کو اس بدعقیدگی سے بچائے رکھے اور اُن کو ہدایت دے۔ تیسرا مسئلہ۔ بعض صوفیا نے لکھا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اُس سے اُن کی مراد انبیاء کرام علیہم السلام کی اپنی ولایتِ قُرب ہے یعنی ان کی اپنی ولایت جو ان کو بارگاہِ قرب میں حاصل ہے وہ ان کی اپنی نبوت سے افضل ہے اس لیے کہ ہر نبی کو بارگاہِ الٰہی سے تین مقام عطا ہوتے ہیں (۱) مقامِ نبوت (۲) مقامِ رسالت (۳) مقامِ ولایت۔ مقامِ ولایت کا معنیٰ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا متوجہ اِلَی اللہ۔ استغراق فی اللہ تعلق باللہ ہونا۔ مقامِ نبوت سے مراد ہے تعلق بالامت کہ اللہ سے لے کر بندوں کو دینا اللہ تعالیٰ

کی غیب کی خبریں بندوں کو سنانا جنت دوزخ عذاب ثواب بتانا۔ اور مقامِ رسالت سے مراد ہے۔ نبی کو شریعت اور کتاب کلام کا ملنا حضرت مجدد الفِ ثانی نے فرمایا کہ شرعاً نبوت کا مقام ولایت سے کروڑوں درجہ بلند ہے حضرت مولیٰ علیؓ جیسے سرکارِ ولایت صحابی بھی حضرت خضر علیہ السلام صاحب طریقت نبی کے درجہ و مقام تک نہیں پہنچ سکتے۔ دونوں اقوال کی مطابقت اس طرح ہے کہ قولِ صوفیا میں نبی کی ولایت مراد ہے اور قولِ مجدد علیہ الرحمۃ میں غیر نبی کی ولایت مراد ہے حضرت مجددؒ کی دلیل یہ ہے کہ ولایت نام ہے تجلیاتِ صفاتیہ سے قربِ روحانی اور نبوت نام ہے تجلیاتِ ذاتیہ سے قُربِ روحانی ولی کتنا بھی بڑا مقام پائے مگر اُس کا عروج صفاتِ الٰہیہ تک ہوگا نہ کہ ذاتِ الٰہیہ تک خواہ خلفاءِ اربعہ ہوں یا غوثِ پاک جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین لیکن انبیاءِ کرام کا عروجِ روحانی ذاتِ الٰہی تک ہوتا ہے اور سردارِ انبیاء کا عروجِ جسمانی ذاتِ الٰہی تک ہوتا ہے اس لیے طور پر لَنْ تَرَانِی ہوا۔ لامکان پر رَبِّ اَرِنِی ہوا۔ طور پر تجلیِ صفت ڈالی گئی تو طور پھٹ کر ٹکڑے ہوا مگر موسیٰ صرف بیہوش ہوئے آپ کا کپڑا بھی نہ پھٹا۔ لہٰذا بعض تفضیلی شیعہ بناوٹی سنی مقررین کا یہ کہنا کہ مولیٰ علیؓ پیر ہیں خضر علیہ السلام کے یہ اُنکا اپنا ذاتی گمراہانہ قول ہے شریعت طریقت اور سُنیت سے اس کا کوئی تعلق نہیں یہ مسئلہ مِنْۢ بَعْدِكَ سے مستنبط ہوا کہ یہاں نبوتِ موسیٰ کا ذکر ہے اور پہلے عَجِلْتُ اِلَیْكَ میں ولایتِ موسیٰ کا ذکر ہوا علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا اِنَّا قَدْ فَتَنَّا۔ ہم نے فتنے میں ڈال دیا۔ پھر فرمایا گیا اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ سامری نے قوم کو گمراہ کیا۔ فتنے کی نسبت رب کی طرف اور گمراہی کی نسبت سامری کی طرف کیوں کی گئی! جواب۔ اس لیے کہ فتنے کی نسبت اِظہارِ مُسَبِّب ہے اور گمراہی کی نسبت اظہارِ اسباب ہے یعنی قوم کے گمراہ ہونے کے مسبّبات اللہ تعالیٰ کا ارادہ اُس کی قدرت اور بچھڑے کی تخلیق ہے۔ اَفعالِ الٰہی (تقدیر و تخلیق) مسبّب تھے اور گمراہی کی نسبت اظہار اَسباب سامری نے اپنی تدبیر تصنیع اور تقریر سے ورغلا کر مہیا کیے سامری نے بچھڑے کا بے جان دھڑ بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس میں جان ڈال کر۔ جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ بنا دیا۔ لہٰذا آزمائش رب تعالیٰ کی طرف سے اور گمراہی سامری کی طرف سے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں قَدْ فَتَنَّا کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ کا ذکر بعد میں فرمایا گیا حالانکہ اَضَلَّهُمُ السَّامِرِیُّ سبب ہے اور

تو قَدْ فَتَنَّا مسبّب اور ہمیشہ سبب پہلے ہوتا ہے مسبّب بعد میں تو الٹ کیوں فرمایا گیا۔ پہلے سامری کی تدبیر تصنیع اور تقریر ہوئی بعد میں قوم آزمائش میں پڑی کہ بات مانیں یا نہ مانیں جواب۔ قَدْ فَتَنَّا کا پہلے ذکر کرنا اور وجوہ کے علاوہ ایک یہ وجہ بھی ہے کہ یہاں اشارۃً بتایا جا رہا ہے کہ یہ آزمائش ازلی قدیمی فیصلے کے مطابق ہے۔ اِس فیصلے کا ظہور اَب سامری کے ذریعے اِس کی کارگردگی کو نفوذِ تقدیر کا سبب بنا کر ہو رہا ہے۔ گویا لفظاً ظاہراً مسبّب اور سبب کو بیان کیا جا رہا ہے مگر باطناً اشارۃً کنایۃً ازلی قدیمی تقدیری فیصلہ بتایا جا رہا ہے۔ اس لیے قَدْ فَتَنَّا کو پہلے فرمانا بہت مناسب ہے۔ یہ اَضَلَّ فیصلے کے تحت ہے اس لیے اس بعد میں تخلیق ہوئی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ سامری نے گمراہ کیا جس سے ثابت ہوا کہ برائی کا خالق خود بندہ ہے اللہ تعالیٰ برائی کا خالق نہیں ورنہ اَضَلَّ کہنا غلط ہو جائے گا۔ سامری اِس گمراہی کا خالق تھا اور اُس کی اِس خلقت کا اثر بھی ہوا کہ قوم گمراہ ہو گئی اور قَدْ فَتَنَّا کا معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کھرے کھوٹے کو ممتاز اور علیحدہ کر دیا جیسے کہ سونے کو گلا پگھلا کر گندگی سے صاف کیا جاتا ہے۔ نیز حضرت موسیٰ بھی سامری ہی کی گرفت کرتے عتاب فرماتے اور وعید سناتے ہیں اور قوم کو جھڑکتے ہوئے سزا سناتے ہیں کہ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ آیت ۵۴) کیونکہ قوم سخت ترین مکلف تھی۔ اس بات کی کہ سامری سے بچھڑے کی اُلوہیت پر دلیل طلب کرتی مگر نہ طلب کی اور اندھا بن کر کافر کی اتباع کر لی اگر اس گمراہی کا خالق رب ہوتا تو نہ گرفت ہوتی نہ وعید نہ سزا۔ بھلا جس چیز کو رب نے پیدا کیا ہے اس پر وعید غضب کیسے ہو سکتی ہے (معتزلی) **جواب**۔ اس کے تین جواب ہیں دو الزامی ایک تحقیقی ۱۔ بقول تمہارے ہر بندہ اپنے گناہ کا خالق ہے تو پھر اکیلا سامری ہی خالق نہ ہوا ہر اسرائیلی اپنی گمراہی کا خود خالق ہوا۔ تو پھر اَضَلَّ فقط سامری کو کیوں کہا گیا۔ دوم الزامی یہ کہ پھر تو اللہ تعالیٰ نیکی کا خالق بھی نہ رہا۔ اس لیے کہ نیکی کی نسبت بھی بندے کی طرف کی گئی ہے ہر جگہ مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فرمایا جاتا ہے۔ یہاں غضب کی وعید ہے تو وہاں ثواب کا وعدہ ہوتا ہے۔ اگر یہاں برائی کا خالق اِس وعید کی وجہ سے بندہ بن گیا تو وہاں وعدے کی وجہ سے بندے کو ہی نیکی کا خالق کہنا چاہیے تو جو تم وہاں جواب دو گے وہی جواب یہاں بن جائے گا۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ وعدہ وعید خلقت پر نہیں ہوتی بلکہ کسب پر ہوتی ہے بندہ اپنی نیکی بدی کا صرف کاسب ہے خالق نہیں خالق سب کا اللہ تعالیٰ ہے۔ سامری گمراہ کرنے کا اور قوم گمراہ ہونے کی کاسب ہے۔ اس لیے وعید ہوئی رہا مکلف ہونا اور دلیل مانگنا تو یہ غلط ہے کوئی بندہ

دلیل مانگنے کا کبھی بھی مکلف نہ ہوا۔ یہ وعید سبب کفر پر تھی اسی لیے جو اسرائیلی اس شرک سے بچے رہے اُن پر وعید نہیں آئی ورنہ دلیل تو انہوں نے بھی سامری سے نہیں مانگی نیز یہ بچھڑے کی پرستش چاند سورج کی پرستش سے کوئی زیادہ شدید شرک نہیں تھا کہ چاند سورج کے پجاریوں کو اس دلیل مانگنے سے مستثنیٰ کر دیا جائے اور ان کو مکلفِ استدلال نہ سمجھا جائے صرف ان کو سمجھ لیا جائے ثابت ہوا کہ یہ وعید کسبِ شرک پر ہے نہ کہ خلقِ کفر پر۔ اسی طرح تمام کفریات شرکیات کا حکم ہے کہ ہر نیکی بدی کا خالق اللہ ہے پھر یہاں تو اضل سے تم نے دلیل پکڑی کہ گمراہی کا خالق سامری ہوا مگر مَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ میں ضلالت کا کون خالق ہوا!

تفسیر صوفیانہ وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى۔ مقامِ معرفت میں طورِ تجلیات پر پہنچنے کے لیے تین منزلیں ہیں پہلی منزل ثباتِ ایمان کی دوسری تقرر عَلَى الْحَقِّ بِالْيَقِيْنِ کی تیسری منزل مراقبۂ خلوت کی ہر سالک مرید کو اس کی پابندی اشد ضروری ہے کسی صورت بھی عجلت نہ کرنی چاہیے۔ شکر کے روزے فکر کے اعتکاف ذکر کی شب بیداری یہ طالبِ قرب کے اسباق ہیں اگر کوئی عجلت کرتا ہے تو قلب پر الہامِ اسرار کا عتابِ محبوبانہ نازل ہوتا ہے کہ وَمَآ اَعْجَلَكَ۔ اے موسیٰ قلب منازلِ قرب کی سیاحت میں کس چیز نے تجھ کو اعضاءِ ظاہری سے بے توجہ ہونے کی جلدی میں ڈال دیا۔ اور فراقِ باطنی پر مجبور کیا کہ نہ ابھی ان کو ثباتِ ایمانی کی پختگی حاصل ہوئی نہ تقرر عَلَى الْحَقِّ کا یقینِ اعمال نصیب ہوا نہ مراقبۂ خلوت میں جھکا یا۔ تمام منزلوں محنتوں لطافتوں رفاقتوں کو چھوڑ کر تو تصورِ طورِ قرب کی طرف آگیا۔ فکر کے قدموں کو اتنا تیز کیوں چلایا۔ قَالَ هُمْ اُولَآءِ عَلٰٓى اَثَرِيْ وَعَجِلْتُ اِلَيْكَ رَبِّ لِتَرْضٰى۔ قلبِ مسعود ملتجی بارگاہ ہو کر عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب یہ اعضاءِ ظاہری اور اُن کے اعمالِ کبھی تو وادیِ بدنی ہیں میرے نشانِ قدوم سیرانی میں قریب آتا ہیں۔ اس لیے ان کی مجھ کو فکر نہ تھی۔ فکرِ تصور تو مجھ کو انتہاءِ شوقِ مشاہدۂ انوار کا ہے۔ مشاہدے کے لیے قرب اور قرب کے لیے مقامِ سیر اور سیر الی اللہ کے لیے تکمیلِ مسافرت میں جلدی کا تقاضہ ہوتا ہے اے میرے رب یہی میری فکرِ ناقص نے تقاضہ کیا۔ اس لیے کہ تکمیل ہی معرفتِ یقینیہ ہے اور کمالِ علمی کا وصول اطاعت میں ثابت قدمی سے ہے اور امورِ رضاءِ محبوب ترقیِ حال کو مستلزم ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جب بندہ متابعۃ فی الدین میں دائم ہو تو اگرچہ یقینِ قبولیت میں غلطی

بھی ہو جائے اور عقل و فکر کی بنیاد پر معاملاتِ فلاح ظاہر نہ بھی ہوں تب بھی بندۂ طلب معذور اور قابلِ معافی ہو جاتا ہے۔ مقامِ رضا کی طلب فنا فی الصفات کا کمال ہے۔ یہی وہ تجلیِ صفت کا مقام ہے جہاں مکالمۂ ربانی کا شرف میسّر ہوتا ہے۔ اس لیے عارف و عاشق اِس مقام سے دوری برداشت نہیں کر سکتے اور جلدی کرتے ہوئے تن مَن دھن سے دور اور بے پرواہ ہو جاتے ہیں۔ شریعت اس کی اجازت نہیں دیتی مگر یہ شرعی پابندی ان کی ہمتِ شوق سے باہر ہے اور وہ مجذوب کا طوطی بن جاتا ہے۔ عارف کی تکمیلِ معرفت زینۂ جسمانی سے طورِ روحانی کی طرف تین قدم بڑھاتا ہے۔ پہلا قدم سیر للّٰہ دوسرا قدم سیر الی اللّٰہ تیسرا قدم سیر فی اللّٰہ پہلے قدم میں کیفیتِ موسیٰ کی لیاقت ہونی چاہیے دوسرے قدم میں رَبِّ اَرِنِی کی شان ہونی چاہیے کہ کسی ماسوا اللّٰہ کی چاہت نہ رہے یہاں تک کہ اپنی بھی چاہ نہ رہے۔ تیسرے قدم میں ایسا متوجہ الی اللّٰہ ہو کہ غیر اللّٰہ سے کٹ جائے۔ قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ مِنْ بَعْدِكَ وَاَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ۔ فَرَجَعَ مُوْسٰٓى اِلٰى قَوْمِهٖ غَضْبَانَ اَسِفًا قَالَ يٰقَوْمِ اَلَمْ يَعِدْكُمْ رَبُّكُمْ وَعْدًا حَسَنًا۔ حیاتِ دنیوی امتحان گاہِ ابدان ہے عقلِ انسانی کے آٹھ حصے ہیں۔ ۱ حفظ ۲ فکر ۳ تصور ۴ تخیل ۵ تذکر ۶ فہم ۷ اِدراک اور ۸ خرد۔ باطنِ انسانی کا سامری خرد ہے۔ یہی اَجسامِ اسرار میں جادو پھیلاتا ہے یہ اِبتلاءِ ربانی ہے کہ کس کی فکر بدلی کس کے ساتھ لگتی ہے یہ خلاقِ کائنات کی آزمائشیں ہیں۔ گلشنِ یعقوبی کے پھولوں میں سامری کانٹے پیدا کیے جاتے ہیں اور فتنۂ ابلیس میں ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اور ارشاد ہوتا ہے کہ بے شک یہ آزمائش ہماری طرف سے ہے لیکن گمراہی سامریِ خرد کی طرف سے ہے یعنی اِس آزمائش کے خالق ہم ہیں فاعل خِرد ہے اور مفعول قومِ قلب تو جو شخص کمالات کو قبول کرنے کی قوتِ ہمت لیاقت و استعداد رکھتا ہے اور باطل کے مقابل قیامِ شعوری میں کھڑا رہتا ہے وہ فلاح پا لیتا ہے اور جو قاصرِ ہمّت طبیعت کا بزدل باطل کے سامنے سجدہ ریز اور معتکفِ اَشرار ہو جاتا ہے وہ ہلاکت کی ناکامی میں پڑ جاتا ہے یہ وہ فتنہ ہے کہ خِردِ عقل اس کو نہیں سمجھ سکتی صرف حِسِ ایمانی ہی اس کا اِدراک کر سکتی ہے (ابن عربی)

انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متبعین کے ساتھ ایسی ابتلائیں ہوتی ہی رہی ہیں۔ حدیث پاک میں ہے اِنَّ الْبَلَاءَ مُوَكَّلٌ بِالْاَنْبِيَاءِ اَلْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ۔ بلاء و فتنہ صادقین و سالکین کے ساتھ ایسا ہے جیسے بھٹی کی آگ سونے کے لیے۔ امت اگر اپنے نبی علیہ السلام سے متفرق

ہو تو فتنے سے مقرون ہوگی اور اگر نبی علیہ السلام سے مقرون رہے تو فتنے سے مفروق رہے گی مِنۢ بَعۡدِكَ ہی فتنہ ہے۔ اُمت کو بچنا چاہیئے آستانۂ نبوت سے دوری اُمت کی ہلاکت ہے انبیاء علیہم السّلام کے نقشِ قدم پر پیرِ کامل ہے۔ اسی طرح پیر کے ہوتے سے مرید ابتلاء و فتنہ سے مفروق اور جدا ہے لیکن پیر سے ہٹ جانا فتنوں سے مقرون ہونا ہے۔ جس طرح مسافر بیابانی اپنے ساتھیوں سے جدا ہو کر چوروں ڈاکوؤں یا غولِ بیابانی سے ہلاک ہو جاتا ہے اور بکری ریوڑ سے نکل کر کسی بھیڑیے کا شکار ہو جاتی ہے ۔

قطع ایں مرحلہ بے ہمرہیِ خضر مکن ظلمات است بترس از خطرِ گمراہی (حافظ شیرازی)

اَفَطَالَ عَلَيۡكُمُ الۡعَهۡدُ اَمۡ اَرَدۡتُّمۡ اَنۡ يَّحِلَّ عَلَيۡكُمۡ غَضَبٌ مِّنۡ رَّبِّكُمۡ فَاَخۡلَفۡتُمۡ مَّوۡعِدِىۡ ۔ اے بد باطنین طبعِ شیطانی کیا تم پر عہدِ میثاق بھاری ہوگیا تھا یا تم نے حماقتِ طبعی سے غضب کا قصد بدبختی سے ارادہ کرکے میرے وعدۂ قَالُوۡا بَلٰى کی مخالفت چاہی۔ سفر میں بہت سی تکالیفِ نفسانی مصائبِ شیطانی اور حوادثِ طغیانی پیش آتے ہیں جن پر علم و معرفت کے ذریعے قابو پانا کمزور دلوں کے بس کی بات نہیں۔ کیونکہ خود عیّار کا سامری ہر وادیِ سلوک میں بندۂ عشق کو ورغلانے کے لیے ہمراہ ہے۔ اس لیے علم کے ذریعے سفرِ طریقت کی نئی نئی مشکلات پر قابو پانا۔ بہت بڑے طاقتور انسان کا کام ہے اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس راہِ معرفت کی پریشانیوں اور دنیا کے سنہری بچھڑے کی چمک دمک سے بچائے رکھے اور اپنے وطنِ صدر کی اُلفت میں ہی اُسے صحبتِ شیخ کی خوش نصیب محفل عطا فرمائے اور پاکیزہ صحبت مُہیا فرمائے جس کے وسیلے سے روحانی زندگی حیاتِ طیبہ بن جائے اور سُدھر کر طورِ عرفانی کی بلندیوں پر پہنچ جائے تو یہ بہت بڑا احسان ہے مگر اُس کے لیے ابتلاءِ الٰہی میں ثابت قدم رہنا شرط ہے۔ تین چیزوں سے بندے کو ثابت قدمی نصیب ہوتی ہے ۱ اللہ کا خوف خشیت ۲ رزقِ طیبات ۳ قُربِ مُربّی اور اَغیار سے اِجتناب۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ سے ڈرے گا تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے مصائب سے چھٹکارے کی راہ نکال دے گا اور اُس کو بلا محنت ایسا رزق عطا فرمائے گا جو طیباتِ حقیقی ہوگا اور وہاں سے رزقِ حلال کا نزول ہوگا جہاں سے بندے کا گمان بھی نہ ہوگا۔ یہی راہِ معرفت کا مَنّ و سلویٰ ہے ۔

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا

مرتدین نے کہا نہیں مخالفت کی ہم نے آپ کی میعاد کی اپنی مرضی سے

بولے ہم نے آپ کا وعدہ اپنے اختیار سے خلاف نہ کیا

وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ

اور لیکن ہم اٹھوائے گئے بھاری بوجھ فرعونی قوم کے زیورات

لیکن ہم سے کچھ بوجھ اُٹھوائے گئے اس قوم کے گہنے کے

الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى

کا پس لا ڈھیر کیا ہم نے اُس کو تو اُسی طرح اُنڈیلا..

تو ہم نے انہیں ڈال دیا پھر اسی طرح سامری نے

السَّامِرِيُّ ﴿۸۷﴾ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا

سامری نے تو بنا نکالا اُس نے اِن لوگوں کے لیے ایک مجسم بچھڑا

ڈالا۔ تو اُس نے ان کے لیے ایک بچھڑا نکالا

جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَ

ایسا کہ اُس کی زندہ آواز تھی پھر ان سامریوں نے کہا یہ ہے تم سب کا معبود اور موسیٰ

بےجان کا دھڑ گائے کی طرح بولتا تو بولے یہ ہے تمہارا معبود اور

اِلٰهُ مُوْسٰى ۬ فَنَسِيَ ﴿۸۸﴾ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا

کا معبود حالانکہ وہ بھلا بیٹھے۔ ارے کیا یہ غور نہیں کرتے کہ بچھڑا

موسیٰ کا معبود۔ موسیٰ تو بھول گئے۔ تو کیا نہیں دیکھتے کہ وہ

يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا ۙ۬ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ

تو ان کی طرف کسی بات میں توجہ نہیں کرتا اور نہ وہ اختیار رکھتا ہے ان بچاریوں کے لیے

انھیں کسی بات کا جواب نہیں دیتا اور ان کے کسی

ع ۱۴/۱۳ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ﴿۸۹﴾ ع وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ

کسی قسم کے نقصان دینے اور نفع دینے کا۔ اور ہاں ہٰرون کہتے رہے ہیں

برے بھلے کا اختیار نہیں رکھتا۔ اور بے شک اُن سے ہارون نے

مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ

ان کو پہلے سے اے میری قوم تم تو فتنے میں ڈالدیے گئے ہو اس بچھڑے سے اور

اس سے پہلے کہا تھا کہ اے میری قوم یونہی ہے کہ تم اس کے سبب فتنے میں پڑے اور

اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْۤا

بے شک تمہارا رب تو رحمٰن ہے لہٰذا میری مانو اور میری پیروی کرو

تمہارا رب رحمٰن ہے تو میری پیروی کرو اور

اَمْرِيْ ﴿۹۰﴾

کو حکم کی اطاعت کرو

میرا حکم مانو

تعلقات اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ کا فرمان منقول ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔ تم نے وعدے کی خلاف ورزی کی۔ اب اِن آیت میں گمراہ ہونے والی

قوم کا جواب نقل فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ مقامِ طور پر رب تعالیٰ نے بتایا کہ سامری نے قوم کو گمراہ کیا۔ اب آیت میں فرمایا گیا کہ قوم نے بھی موسیٰ علیہ السلام کو بتایا کہ ہم کو سامری نے گمراہ کیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ اور قومِ بنی اسرائیل کے کلام کا ذکر ہوا اب آیت میں حضرت ھٰرون علیہ السلام کے کلام کا ذکر ہے جو آپ نے قوم سے خطاب فرمایا۔

تفسیر نحوی

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے۔ قَوْم۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مَآ اَخْلَفْنَا۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم منفی۔ ضمیر متکلم پوشیدہ ہی اس کا فاعل ہے مَوْعِدَكَ۔ یہ مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے۔ مَوْعِدًا اسم مصدر میمی حاصل مصدر جامد ہے بمعنی عہد وَعْدٌ سے بنا ہے بِ جارہ سببیہ بمعنی ذریعے مَلْك۔ اسم مصدر میمی یہاں حاصل مصدر جامد بمعنی اختیار، ارادہ۔ اس کی دو قرأتیں اور بھی ہیں مُلْكِنَا بمعنی اپنے قانون مِلْكِنَا۔ اپنی قوت اپنی ملکیت یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ مَآ اَخْلَفْنَا سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف وَاوٗ عاطفہ لٰكِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل اسم کو نصب اور خبر کو پیش دیتا ہے۔ یہ حرف عاملہ استدراک کے لیے ہے یعنی اپنے ماقبل بات کو غلط کر کے مابعد بات کو ثابت کرنے۔ مابعد کلام ماقبل کلام کی نقیض ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ حرف ماقبل کی تاکید اور تصحیح بھی کرتا ہے مگر اصلًا اور اکثر استدراک کے لیے ہی ہوتا ہے اس کا اسم اسمِ ظاہر بھی ضمیر بھی مگر مفرد ہوتا ہے جملہ نہیں ہوتا۔ مرکب ہو سکتا ہے اس کی خبر لفظِ واحد، مرکب، جملہ فعلیہ اسمیہ سب کچھ ہو سکتی ہے مگر اس کی خبر پر لامِ تاکید یہ نہیں آسکتا۔ یہی حالت تمام حروفِ مشبہ کی ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اسم ہے حُمِّلْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مثبت جمع متکلم مجہول ایک قرأت میں معروف ہے حَمْلٌ سے مشتق ہے بمعنی اُٹھانا اس کا مصدر تَحْمِيْلٌ اَوْزَارًا۔ اسم جمع مکسر تکثیری واحد وِزْرٌ ہے بمعنی بوجھ ہر قسم کے اچھے برے دنیوی اُخروی سامان کے لیے مستعمل ہے بحالتِ نصب مفعول بہ ہے نَا ضمیر متصل نائب فاعل ہے مِنْ حرف

جارہ بعضیت کا زِیْنَۃِ۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی خوب صورت بنانے والی چیز۔ یہ مضاف ہے یہ اضافتِ ملکیت ہے اَلْقَوْمِ۔ الف لام عہدِ خارجی قوم اسم مفرد معنًا جمع مراد یا قوم فرعون یا بنی اسرائیل کی عورتیں کیونکہ زیور عمومًا عورتوں کا ہی ہوتا ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ فَ سببیہ یا عاطفہ تعقیبیہ قَذَفْنٰـھَا۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم قَذْفٌ سے مشتق ہے بمعنٰی حقیقی یعنی لغوی۔ پھینکنا۔ جھٹک کر ڈالنا۔ اُتار پھینکنا۔ مجازًا تیر پھینکنا۔ اصطلاحی معنٰی ہے تہمت لگانا۔ اکثر صرف زنا کی تہمت کے لیے بولا جاتا ہے یہاں پہلے (لغوی) معنٰی میں مستعمل ہے۔ ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مفعول بہ ہے۔ قَذَفْنٰـھَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ کَذٰلِکَ اسم تشبیہی۔ یہ چار لفظوں کا مجموعہ ہے۔ کَ حرفِ تشبیہ۔ ذَا۔ اسم اشارہ بعید لام تشبیہی ماقبل کے لیے کَ ضمیر حاضر مذکر سے مشارٌ لہٗ کی نسبت ظاہر کرنا ہے اس لیے حاضر کی تمام ضمیریں اس کے ساتھ آجاتی ہیں مگر غائب اور متکلم کی ضمیر اس کے ساتھ نہیں آسکتی نہ ظاہر اسم۔ اِس کو ماقبل سے تشبیہی اشارہ کے لیے اِستعمال کیا جاتا ہے بمعنٰی اُسی طرح۔ اَلْقَی۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب لَقْوٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ۔ ترجمہ ہے اُس نے ڈالا۔ اُس نے پھینکا۔ قذف اور لقوٌ دونوں کا معنٰی پھینکنا ڈالنا ہے مگر فرق یہ ہے کہ بغیر انداز کے بلا مقصد بغیر تعین اندھا دُھند کسی چیز کو رکھنا قذف ہے اور انداز سے مناسب جگہ با مقصد رکھنا لقوٌ ہے۔ السَّامِرِیُّ اسم معرّف باللّام اس کا فاعل ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مشبّہ بہ مشارٌ الیہ۔ کَذٰلِکَ کا دونوں مل کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ اَخْرَجَ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب خَرُوْجٌ سے مشتق ہے بمعنٰی نکلنا یہ لازم ہے اِس کو متعدی کرنے کے لیے بابِ اِفعال میں لایا گیا مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنٰی نکالنا ھو ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع سامری لام جارہ لَھُمْ کا ھُمْ ضمیر کا مرجع قوم عِجْلًا۔ اسم مفرد جامد اس کا مؤنث ہے عِجْلَۃٌ اس کی۔ جمع عُجُوْلٌ گائے کے چھوٹے ایک ماہ تک کے مذکر بچے کو کہا جاتا ہے گائے کا بچہ چونکہ پیدا ہوتے ہی بڑے اُچھل کود شروع کر دیا ہے اس لیے عَجَلَۃٌ کے معنٰی ہیں عجل کہا جاتا ہے جوان بیل کو ثَوْرٌ کہا جاتا ہے اور اس کا جنسی نام بَقَرٌ اور بَقَرَۃٌ ہے یہ ممیّز ہے جَسَدًا۔ اسم مفرد جامد بمعنٰی جسم ڈھانچہ (باڈی) تمیز ہے۔ ممیّز تمیز مل کر موصوف ہے۔ لَہٗ۔ جار مجرور متعلق ثابتًا پوشیدہ اسم فاعل خُوَارٌ اسم مفرد جامد بچھڑے کی آواز کو کہتے ہیں فاعل ہے ثابتًا پوشیدہ سب سے مل کر جملہ اسمیہ صفت ہے۔ ایک قول میں عِجْلًا جَسَدًا ذوالحال

اور کہ خُوَارٌ کا جملہ اسمیہ اس کا حال ہے بہرکیف سب مل کر مفعول بہ ہے اَخْرَجَ کا وہ سب جملہ
فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ۔ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ۔ قَالُوْا
بابِ نَصَرَ کا ماضی جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے سامری اور اس کے
چند شاگرد یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ھٰذَا اسم اشارہ مبتدا۔ اِلٰهُكُمْ مرکبِ اضافی معطوف
علیہ واؤ عاطفہ اِلٰهُ مُوْسٰى مرکبِ اضافی معطوف معرف لفظ موسیٰ ذوالحال فَ زائدہ بیانیہ نَسِیَ
باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع موسیٰ یہ فعل
با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر حال یہ دونوں مل کر مضاف الیہ اِلٰهُ کا پھر معطوف دونوں عطف مل کر خبر مشار الیہ
مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا دونوں مل کر معطوف ہوا اَخْرَجَ پر دونوں عطف مل کر پھر عطف
ہوا اَلْقَى پر وہ دونوں عطف مُشَبَّہ ہوا كَذٰلِكَ کا یہ اپنے مشار الیہ مشبہ سے مل کر عطف
ہے قَذَفْنَا کے جملے پر یہ عطف ہوا یا مسبب ہوا اَلْقٰى پر یہ دونوں مل کر اس قدر اگلی عطف
ہوا مَا اَخْلَفْنَا کے جملے پر پھر مقولہ ہوا قَالُوْا کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ
اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ
قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِىْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِىْ
ہمزہ سوالیہ اقراریہ۔ یعنی اگلے کلام میں بتایا جا رہا ہے کہ سب کچھ دیکھتے جانتے سمجھتے ہیں۔ فَ زائدہ
لَا يَرَوْنَ بابِ فَتَحَ کا مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ فاعل کا مرجع گمراہ و مرتدین بنی اسرائیل
ہیں یہ فرمان اللہ تعالیٰ کا ہے یا حضرت موسیٰ کا۔ اَلَّا۔ دراصل اَنَّهٗ لَا يَرْجِعُ ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ
ہٗ اس کا اسم لَا يَرْجِعُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی بلا ایک قول میں اَلَّا دراصل اَنْ لَّا يَرْجِعُ ہے یعنی
اَنْ ناصبہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اَنْ سے شک کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ لَا يَرَوْنَ یقینی ہے
اور یقینی بات کے بعد اَنْ ناصبہ نہیں آسکتا ہٗ اس میں پوشیدہ ضمیرِ صیغہ کا مرجع عجلاً ہے رَجْعٌ
سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا، متوجہ ہونا یہاں متوجہ ہونا مراد ہے۔ اِلَيْهِمْ جار مجرور متعلق ہے لَا يَرْجِعُ
کا قَوْلًا اسم مصدر اَجْوَف واوی۔ مفعول فیہ ہے یا تمیز ہے لَا يَرْجِعُ کے پوشیدہ ضمیر فاعل کی
یہ سب مل کر جملہ فعلیہ منفیہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ لَا يَمْلِكُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی
بلا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر مرجع عجلاً لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ ضَرًّا اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی نقصان
معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَفْعًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَا يَمْلِكُ
سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ منفیہ ہو کر معطوف ہوا لَا يَرْجِعُ پر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا لَا يَرَوْنَ

کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے ضَرًّا اور نَفْعًا دونوں کی چار چار قسمیں ہیں ۱؎ روحانی قلبی جیسے کافر گمراہ فاسق بنانا ضَرًّا ہے مومن متقی بنانا نَفْعًا ہے ۲؎ جسمانی اندرونی اعضا کا نفع نقصان ۳؎ جسمانی بیرونی اعضاء کا نفع نقصان ۴؎ ظاہری نفع نقصان جیسے امیر یا غریب کرنا یہاں ہر قسم کا ضَرًّا اور نَفْعًا مراد ہے۔ وَاو برحملہ۔ لام ابتدائیہ۔ قَدْ قَالَ باب نَصَرَ کا ماضی قریب واحد مذکر غائب لَهُمْ سے مراد مرتدین کا گروہ ہے متعلق ہے قَالَ کا ھٰرُوْنُ۔ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے مِنْ جارہ زائدہ قَبْلُ۔ اسم ظرفِ زمانی تقدم کے لیے آتا ہے تقدم چار قسم کا ہوتا ہے ۱؎ تقدمِ مکانی ۲؎ تقدمِ رتبی ۳؎ تقدمِ ترتیبی ۴؎ تقدمِ زمانی یہاں یہی مراد ہے قَبْلُ جب ظاہراً مضاف نہ ہو تو ضمہ سے مبنی ہوتا ہے دراصل تھا مِنْ قَبْلِهٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے قَالَ اپنے فاعل ھٰرُوْنُ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یٰقَوْمِ یَا حرفِ ندا قَوْمِ منادیٰ اِنَّمَا حرفِ حصر فُتِنْتُمْ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر حاضر فِتْنَۃٌ سے مشتق ہے مصیبت اور فساد میں گرنا، پڑنا یا آزمائش میں پڑنا۔ اَنْتُمْ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل بِہٖ جار مجرور متعلق ہے ہ ضمیر سے مراد عجلًا ہے فُتِنْتُمْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنَّ حرف مشبہ رَبَّكُمْ کا منہ صرف وصلہ ہے کُمْ اعرابی یہ مرکب اضافی اس کا اسم الرَّحْمٰنُ اس کی خبر یہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ اتَّبِعُوْا۔ باب افتعال کا امر حاضر جمع مذکر۔ اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مخاطب مرتدین ہیں نون وقایہ کی ضمیر واحد متکلم مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَطِیْعُوْا۔ باب افعال کا امر جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِطَاعَۃٌ اور اطاعۃ۔ اَنْتُمْ پوشیدہ اس کا فاعل اَمْرِیْ مرکب اضافی یعنی میرا حکم مفعول بہ ہے۔ اَطِیْعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف۔ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ سب معطوفوں سے مل کر جوابِ ندا ہوا حرفِ ندا سب سے مل کر جملہ اسمیہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قَالَ اپنے مقولے سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِیُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِیَ۔ مرتدین بنی اسرائیل نے عرض کیا اے ہمارے نبی ہم نے اپنی طلب اور چاہت سے جان بوجھ کر آپ کے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ شاید آپ کو معلوم نہیں کہ ہماری عورتوں نے اپنی اس روانگی

کو خفیہ رکھنے کی ایک ترکیب کے طور پر فرعونی عورتوں سے عید شادی بیاہ کا بہانہ بنا کر لیے تھے یا ولیمے کی تقریب کا کہہ جیسا کہ پہلے بھی ایسا لین دین ہوا کرتا تھا۔ وہ زیور ہمارے پاس ایک بھاری بوجھ کی صورت میں موجود تھا۔ ہمیں سامری نے آپ کے جانے کے بعد کہا کہ یہ زیور مجھ کو دیدو میں اس کو خوب اچھی طرح کہیں ضائع کر دوں دبا دوں۔ یہ تمہارے لیے جائز نہیں نہ تمہاری عورتوں کے لیے نہ زینتاً نہ مِلکیتاً۔ کیونکہ یہ دھوکہ دے کر حاصل کئے گئے ہیں اگرچہ ان کی مالکہ عورتیں اب غرق سے مر چکی ہیں مگر یہ زیور نہ تمہاری وراثت بن سکتا ہے نہ مالِ غنیمت تمہاری اسی بد دیانتی کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام تم سے ناراض ہو کر چلے گئے۔ غرضکہ ہزار باتیں کر کے اس نے ہم سے وہ سب زیور لے لیا جو ہم پر لادا گیا تھا چونکہ ہمارا زر خریدہ نہ تھا قوم فرعون کی زینت تھا۔ ہم نے ہماری عورتوں نے وہ سب سامری کو دیدیا اور لا کر اُس کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ اسی طرح اس نے اپنی فن کاری زرگری صنعت سازی سے اپنی آگ میں ڈال کر پگھلایا اور ڈھال کر بچھڑا بنا دیا اور پھر نہ جانے کیا جادو چلایا کہ وہ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ہو گیا۔ زندہ چلتا پھرتا بولتا بچھڑا بن گیا صرف مورتی دیکھ کر تو ہم کبھی بھی متاثر نہ ہوتے۔ ایسی بہت قسم کی مورتیاں لکڑی لوہے پتھر کی تو ہم مصر میں دن رات دیکھتے ہی رہتے تھے اِس مورتی کو جب جاندار شکل میں دیکھا تب ہمارے ہوش و حواس گم ہو گئے ہم کو اپنی عقل پر کوئی قابو نہ رہا۔ ہماری سمجھ قبضے سے باہر ہو گئی۔ ابھی ہم اسی تحیر میں تھے کہ یہ سب کچھ کیا ہے فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ سامری اور اُس کے ساتھیوں نے کہنا شروع کر دیا کہ یہ تمہارا معبود ہے۔ جس کی تم نے ابھی چند دن پہلے موسیٰ علیہ السلام سے راستہ چلنے خواہش کی تھی۔ ایک مندر کے پجاریوں کو دیکھ کر کہ اے موسیٰ ہمارے لیے بھی کوئی اسی طرح کا معبود بنا دو۔ وہاں تو حضرت موسیٰ نے تم کو جھڑک دیا تھا مگر طور پر ڈھونڈنے چلے گئے مگر وہ معبود یہی اسی طرح بچھڑے میں حلول کر کے آگیا۔ یہ موسیٰ کا بھی معبود ہے مگر موسیٰ بھولے ہوئے ہیں۔ واقعہ۔ سامری کی اِس حرکت کا پس منظر اس طرح ہے کہ سامری زرگر جس کا آبائی مذہب گائے پرستی تھی وہ منافقانہ طور پر موسیٰ علیہ السلام کے دین میں شامل ہو گیا در پردہ مقصد شرارت پھیلانا اپنا دین پھیلانا تھا یا غرق فرعونی سے بچنے کے لیے بنی اسرائیل کے ساتھ لگنا۔ لیکن حبیثانہ فطرت کی بنا پر آخر اُس نے گمراہ ہی کیا اور ایسی چال بازیاں ہر دین میں پھیلائی جاتی رہیں اور اہلِ ایمان کو بگاڑنے کی شیطانی کوششیں ہر دور میں ظاہر ہوتی رہیں۔ مثلاً حضرت آدم کے ساتھ ابلیس نے قَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ

كَمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ کی چال چلی (سورۂ اعراف آیت ۲۱) ۲ ہابیل کے لیے قابیل کی چالبازی ۳ نوح علیہ السّلام کے ساتھ ان کی بیوی کنعان کی ماں کی منافقانہ غداری ۴ لوط علیہ السلام کے ساتھ ان کی بیوی کی غداری ۵ موسیٰ علیہ السّلام کی قوم کے لیے یہ سامری ۶ عیسیٰ علیہ السّلام کی قوم کے لیے پولوس یہودی کی منافقانہ چالبازی جس میں آج تک عیسائی بے وقوف بنے ہوئے ہیں ۷ صحابہ کرام میں عبد اللہ بن اُبی منافق ۸ دورِ صدیقی میں مسیلمہ کذاب یمامی ۹ دورِ مرتضوی میں عبد اللہ بن سبا مصری یہودی ۱۰ اور ہمارے دور میں غلام قادیانی اپنی منافقانہ چالیں پھیلاتے رہے کوئی کامیاب ہوا کوئی ناکام مگر انجام سب کا جہنم ہی ہوا۔ جب سامری اور بنی اسرائیل دریا سے نجات پاکر نکلے تب سامری نے دیکھا کہ ایک فرشتہ آسمان سے اترا گھوڑی پر بیٹھا ہوا فرعون کے آگے آگے چل رہا ہے۔ جب وہ فرشتہ دریا سے باہر نکلا۔ اور فرعون ابھی دریا میں ہی تھا کہ پانی جڑ گیا فرعون و فرعونی ڈوبنے مرنے لگے تمام بنی اسرائیل تو اس نظارے میں تھے مگر سامری نے دیکھا کہ فرشتے کی گھوڑی جہاں پاؤں رکھتی ہے وہاں گھاس اُگ آتی ہے۔ سامری نے ان جگہوں سے ایک مٹھی کے مٹی اٹھالی سنبھال کر رکھ لی۔ جب آگے روانہ ہوئے تو چند بنی اسرائیل نے ایک مندر دیکھ کر اپنے لیے بھی ایک معبود بنانے کا مطالبہ کر دیا کہ ہم کو ایک خوب صورت بُت بنا دو ہم بھی اس کو خدا مان کر پوجا کر لیا کریں۔ موسیٰ علیہ السّلام کے جھڑکنے پر اسرائیلی تو خاموش ہو گئے لیکن سامری نے بنی اسرائیل کی قلبی کیفیت اور ایمانی کمزوری کو اور فرعونی صحبت کے اثر کو بھانپ لیا سمجھ گیا کہ ان کو ورغلانہ گمراہ کرنا بڑا آسان ہے۔ اور تو کوئی چیز نہ ملی جس سے زرگری کے فن اور جادوگری کے کرتب دکھاتا البتہ ان زیورات پر اُس کی شروع دن سے نظر تھی بس موقعہ کی تلاش میں تھا۔ موحضرت موسیٰ کے بیس دن بعد یہ موقعہ غنیمت جانکر ایک گڑھا کھود کر اس میں بہترین فن کاری سے بچھڑے کا سانچہ بنایا پھر اسرائیلیوں سے زیور ہتھیا کر مٹی کے بڑے برتن میں زیور گلا کر اسی سانچہ میں بھر دیا۔ چند منٹ بعد بچھڑے کی ایک خوب صورت مورتی تیار تھی بے جان۔ اُس کی ناک میں سامری نے وہی مٹی ڈالی جو فرشتے کی گھوڑی کی ٹاپ سے اٹھائی تھی، سامری کو پتہ نہ تھا کہ اس کا اثر کیا نکلے گا مگر قدرتِ الٰہی سے وہ مورتی زندہ گوشت پوست والا بچھڑا بن گیا۔ اور بچھڑوں کی طرح بولنے لگا۔ تب سامری نے بنی اسرائیل کو دکھایا اور بتایا کہ اس میں معبود کی جلوہ گری ہے اس کو پوجو اس متحیر کارنامے کو دیکھ کر یہ اسرائیلی گمراہ ہو گئے نہ کہ فقط مورتی دیکھ کر اور جب موسیٰ علیہ السّلام طور سے توریت لے کر واپس آئے تب

بنی اسرائیل نے سب کچھ بتا دیا۔ یہ تھی وہ صحیح اور سچی تفصیل جو روایت و درایت اور مفسرین کے صحیح اقوال سے لی گئی۔ مگر بعض تفاسیر میں کچھ غلط اقوال بھی اس بارے میں ملتے ہیں۔ مثلاً قَالُوْا سے مراد وہ لوگ ہیں جو مرتد نہ ہوئے تھے۔ مگر یہ قول سیاق و سباق کے اعتبار سے غلط ہے۔ مَوْعِدَكَ میں چار قول ہیں: مَوْعِدَكَ سے مراد، طور سے واپسی تک درست رہنے کا وعدہ یا طور پر چلے آنے کا وعدہ یا ہارون علیہ السلام کی بات ماننے کا وعدہ یا مراد ہے دین ایمان اعمال عبادت پر قائم رہنے کا وعدہ یہ قول درست ہے۔ حُمِّلْنَا کا معنیٰ یا یہ ہے کہ ہم سے موسیٰ علیہ السلام نے کہا تھا کہ فرعونی زیور لے لینا اور موسیٰ علیہ السلام سے رب نے کہا کہ زیور لے کر مصر سے بھاگ پڑو۔ یہ قول قطعاً غلط ہے یا یہ معنیٰ ہے کہ دریا نے مردہ فرعونیوں کو باہر پھینک دیا تھا تو بنی اسرائیلی ان پر ٹوٹ پڑے اور ان مرتے سسکتے ہوؤں کے زیور اتار لیے تھے مگر یہ قول بھی غلط ہے نہ دریا نے بجز فرعون کسی مردے کو باہر پھینکا تھا نہ اخلاقی طور پر موسیٰ علیہ السلام کی موجودگی میں یہ لوٹ کھسوٹ جائز تھی نہ کسی کی جرأت تھی۔ نہ حضرت موسیٰ اس کی اجازت دیتے۔ بعض نے لکھا کہ صرف زیور باہر پھینکے تھے مُردے نہیں۔ یہ سب اقوال لغو۔ بیہودہ مضحکہ خیز ہیں تین وجہ سے پہلی یہ کہ نہ دریا نے مردے پھینکے نہ اُن کے زیور اتار اتار کر۔ صرف فرعون کی لاش پھینکی جس کی وجہ قرآن مجید نے یہ فرمائی کہ تاقیامت لوگوں کی عبرت کے لیے اور سمجھانے کے لیے کہ جھوٹے معبود بننے بنانے والوں کا یہ انجام ہوتا ہے۔ دوم وجہ یہ کہ ابھی ابھی بنی اسرائیل کو فرعون اور دریا سے نجات ملی تھی یہ وقت شکر کے سجدوں کا تھا زیور لوٹنے کا کسے ہوش تھا۔ سوم وجہ یہ کہ نبی کی موجودگی میں ایسی بداخلاقی اور اُن نبی موسیٰ و ہارون کا منع نہ کرنا۔ قطعاً ناممکن۔ مُردوں سے لوٹ مار انتہائی بداخلاقی ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ ابھی چند منٹ پہلے یہ اسرائیلی جن سے تھر تھر کانپتے تھے اب ایک دم دشمنوں کا اس طرح جرأت دکھانا بعید از عقل ہے۔ ہمارے اردو مفسرین بھی کچھ لکھتے وقت ذرا نہیں سوچتے۔ اَوْزَارًا۔ اس زیور کو اوزارًا کہنا تین وجہ سے ہے یا اس لیے کہ یہ زیور بنی اسرائیل کے لیے بقولِ سامری غیر شرعی چیز تھا جو گناہ تھا اور گناہ کو وِزر اور اس کی جمع اَوزار ہی کہا جاتا ہے۔ یا اس لیے کہ زیور محض زینت اور بے فائدہ فیشن ہے جو آرام و سکون میں تو اچھا لگتا ہے اور فرعون و فرعونی کرتے تھے ان کی دیکھا دیکھی یہ اسرائیلی مرد بھی کرتے تھے مگر مسافرت کی حالت میں یہ ایک بوجھ محسوس ہوتا تھا۔ یا اس لیے کہ زیور کی زینت محض کھیل تماشہ ہے اس لیے مردوں کو حرام۔ اور حرام کام ایمانی ذہن کے لیے بوجھ بنتا ہے اس لیے ان اسرائیلیوں

نے اپنی ایمانی صفائی پیش کرتے ہوئے اس کو بوجھ کہا۔ یہ سب قول درست ہو سکتے ہیں ۵ قَذَفْنٰهَا میں دو قول ہیں۔ ۱ بعض نے لکھا کہ سب زیور ہم نے سامری کے کہنے سے ایک جگہ ڈھیر کر دیا۔ یہ قول درست ہے۔ ۲ ھٰرون علیہ السّلام کے کہنے سے کہ انہوں نے کہا تھا کہ یہ زیور تمہارے لیے اس لیے حرام ہے کہ یہ مالِ غنیمت ہے اور پہلی اُمتوں پر ہر قسم کا مالِ غنیمت حرام تھا منقولہ غیر منقولہ لہٰذا تم اے بنی اسرائیل اس کو فلاں گڑھے میں پھینک دو۔ موسیٰ علیہ السّلام کے آنے تک۔ یہ قول غلط ہے۔ اس لیے کہ اگر یہ زیور بوجہ مالِ غنیمت ان پر حرام تھا تو موسیٰ علیہ السّلام ہی منع فرما دیتے یا ھٰرون علیہ السّلام پہلے ہی منع کر دیتے اتنے دن بعد کیوں۔ نیز یہ مالِ غنیمت نہ تھا اس لیے کہ غنیمت حاصل ہوتی ہے فتوحات سے نہ کہ اُدھار یا امانت سے ۶ اَلْقَى السَّامِرِیُّ میں دو قول ہیں ۱ ہم نے جب اپنے اپنے زیور ایک جگہ ڈھیر کر دیے تو اسی ڈھیر کی شکل میں سامری نے اپنی کاری گری سے اس تمام کو بڑے سلیقے سے آگ میں ڈالا یہ قول درست ہے ۲ یہ کہ ہم نے اپنا زیور سامری نے اپنا زیور ڈالدیا۔ یہ قول اس لیے غلط ہے کہ پہلے قَذَفْنَا ہے پھر اَلْقٰى ہے اگر دونوں کا ڈالنا ایک جیسا ہوتا تو دونوں جگہ قذف ہوتا۔ نیز اَلْقٰى اور قَذَفْنَا میں علمی فرق بھی ہے کہ القا کا معنیٰ ہے نہایت ترکیب و ترتیب سے ڈالنا اور قذف کا معنیٰ ہے پھینک دینا۔ اور کَذٰلِكَ سے فعلی تشبیہ مراد نہیں بلکہ تشبیہ ترتیب مراد ہے کہ جب ہم نے سب پھینک دیا تو فوراً ہی سامری نے اسی وقت اس کو ترکیب سے اپنے اچھے عمل میں ڈال دیا۔ نہ جلد بازی کی نہ دیر لگائی۔ عِجْلًا میں دو قول ہیں ۱ صحیح قول یہ ہے کہ وہ سونے کا بُت جاندار گوشت پوست ہڈی والا جانور بچھڑا بن گیا تھا ۲ بعض نے کہا کہ یہ بچھڑا سونے کی بے جان دھڑ کی مورتی تھی اس میں سامری نے آگے پیچھے سوراخ بنائے تھے۔ تو جب پیچھے سے ہوا اس میں داخل ہوتی تو ناک یا منہ سے بچھڑے جیسی آواز نکلتی مگر یہ احمقانہ جاہلانہ قول ہے۔ اس کے دلائل ناکارہ و کمزور ہیں پہلا قول قوی تر ہے اُن کے دلائل مضبوط ہیں ہم دونوں کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ پہلے قول کی دلیل اول۔ رب تعالیٰ نے فرمایا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ۔ ہم نے آزمایا قوم کو اس سے ظاہر ہو رہا ہے کہ اِس بچھڑے میں قدرتِ الٰہی کا ظہور ہے ورنہ آزمائشِ الٰہی نہیں ہو سکتی کیونکہ بے جان مورتیں تو مصر میں دن رات دیکھتے تھے اور فرعونی ان کو معبود ہی سمجھتے تھے۔ بنی اسرائیل کے کان یہ کفریہ باتیں سننے کے عادی تھے مگر کسی مورتی کو آواز نکالتے چلتے پھرتے انہوں نے آج تک نہ دیکھا۔ یہی جاندار ہونا ان کی آزمائش تھی اس لیے کہ بندے نے یہ سوچنا ہے کہ فقط جاندار

ہو جانا تو الٰہیت کے لیے کافی نہیں جس نے یہ تدبر کر لیا وہ بچ گیا۔ جنہوں نے اپنی عقلوں کو متحیر کر دیا وہ گمراہ ہو گئے۔ لفظِ فتنہ اپنے مختلف صیغوں کے ساتھ قرآنِ مجید میں تقریباً ساٹھ جگہ آیا ہے کہیں بھی بے جان مورتی کو فتنہ نہ فرمایا گیا۔ حیوانات میں صرف دو قدرتی جانوروں کو فتنہ فرمایا گیا۔ ایک ناقۂ صالح جو پتھر میں سے قدرتِ الٰہی اور معجزۂ صالح علیہ السلام بن کر زندہ نکلی تھی دوم یہ بچھڑا معجزۂ جبریل اور قدرتِ الٰہیہ سے سونے کی مورتی کے زندہ جاندار ہونے سے ہوا۔ ناقۂ صالح کے لیے سورۃ قمر آیت ۲۷ میں فرمایا گیا۔ اِنَّا مُرۡسِلُوا النَّاقَةِ فِتۡنَةً لَّهُمۡ فَارۡتَقِبۡ اور بچھڑے کے لیے یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّا قَدۡ فَتَنَّا قَوۡمَكَ۔ ناقۂ صالح کے لیے کھانے پینے دودھ دینے کا ذکر ہے بولنے کا نہیں بچھڑے کے بولنے کا ذکر ہے کھانے پینے کا ذکر نہیں۔ ناقہ چالیس دن بعد قتل کر دی گئی بچھڑا بارہ دن بعد ذبح کر کے جلا دیا گیا۔ دوسری دلیل فرمایا گیا عِجۡلًا جَسَدًا۔ اگر وہ بے جان سونے کی مورتی ہوتی تو عِجۡلًا صَنَمًا فرمایا جاتا عربی اصطلاح اور لغت میں لفظ جسد صرف گوشت پوست ہڈی کے جسم کو کہا جاتا ہے۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ یا آیا ہے جیسا کہ حضرتِ سلیمان کے ناقص الخلقت پیدا ہوئے بچے کو جَسَدًا فرمایا گیا۔ تیسری دلیل فرمایا گیا لَّهُ خُوَارٌ۔ اس کے لیے آواز تھی اور آواز بھی کوئی مختلف نہیں۔ یعنی سیٹی۔ یا چڑیا یا بھینس ہاتھی شیر بلی کتے بکری جیسی نہیں بلکہ شکلاً صورتاً بچھڑا تھا تو بچھڑے جیسی ہی آواز تھی اور منہ سے ہی بولتا تھا نہ کہ ناک کان یا پچھلے سوراخ سے۔ لَهٗ کی ضمیر بتا رہی ہے کہ یہ اس کے منہ کی آواز تھی صرف منہ کی آواز کو اس جاندار کی آواز کہا جاتا ہے اور اصل بولی کو ہی اس کی آواز کہا جاتا ہے۔ کھانے پینے ڈکار نے چھینک کی یا ریاح کی آواز کو اس کی آواز نہیں کہا جا سکتا۔ اور منہ کی آواز منہ کو کھولنے بند کرنے سے نکلتی ہے مسلسل کھلا رہنے سے اصل آواز نہیں نکلتی۔ خوار کا لفظ بتا رہا ہے کہ منہ کھلتا بھی تھا بند بھی ہوتا تھا اور دھات وغیرہ کی مورتی کا منہ کھلا ہو تو بند نہیں ہو سکتا اور بند ہو تو کھل نہیں سکتا۔ چوتھی دلیل فرمایا گیا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ہم اس کو جلا ڈالیں گے۔ ثُمَّ لَنَنۡسِفَنَّهٗ فِی الۡيَمِّ نَسۡفًا پھر ہم اس کو راکھ بنا کر بہا دیں گے سمندر میں۔ ہر عقل مند جانتا ہے کہ کوئی بھی دھات راکھ بنائی نہیں جا سکتی نہ کوئی دھات آگ سے جل کر راکھ ہوتی ہے اگر یہ سونا راکھ بن سکتا تو جب سامری نے اس کو آگ میں ڈالا تھا تو اسی وقت جل کر راکھ ہو جاتا۔ مورتی نہ بنتا۔ دھات کو آگ میں تپایا یا پگھلا یا جا سکتا ہے۔ جس کو عربی میں اِحۡمَاءٌ (تپانا) اور اِذَابَةٌ۔ ذوبٌ۔ (پگھلانا) کہا جاتا ہے۔ پانچویں دلیل۔ یہاں سامری کا بیان اس طرح

منقول ہے فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا. سامری نے کہا کہ میں نے رسول یعنی فرشتے کی گھوڑی کے نشانِ قدم سے ایک مٹھی مٹی اٹھالی تھی. میں نے وہی اِس مورتی کے اندر ناک میں ڈالدی تھی اگر وہ مورتی ہی تھی تو یہ بات کرنے کی ضرورت کیا تھی. مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول سے مراد جبرئیل فرشتہ ہیں اور اثر سے مراد گھوڑی کے نشاناتِ قدم. اس گھوڑی کا نام فرس الحیوٰۃ لکھا گیا ہے یہ ہیں وہ دلائل جن کو توڑا موڑا نہیں جاسکتا. دوسرے قول باطل کے دلائل حسب ذیل ہیں دلیل ۱ مورتی کا جانور بننا خرقِ عادت ہے اور خرق عادت کام گمراہ و کافر کے ہاتھ سے ظاہر نہیں ہوسکتا. جواب یہ بات غلط ہے جادوگری سے خرق عادت کام ہی ظاہر ہوتے ہیں حالانکہ ہر جادوگر کافر ہے نیز فرعونی جادوگروں نے اپنے رسوں بانسوں کو سانپ بناکر دکھ دیا یہ بھی خرقِ عادت کام تھا وہ بھی سب کو جاندار سانپ ہی نظر آتے تھے. دلیل ۲ سامری مصر کے مندروں کے اندرونی بھید جانتا تھا وہاں اس ترکیب سے مورتیاں بنائی جاتی تھی کہ جونہی ہوا اُن کے اندر جاتی طرح طرح کی آوازیں نکلنے لگتیں. آج کل یہ صفت باجوں اور کھلونوں میں استعمال کی جاتی ہے اُس زمانے میں معبدوں کا شعبدہ تھا. چنانچہ سامری نے بچھڑے کی مورتی میں بھی یہی کاریگری رکھی تھی کہ پیچھے سے ہوا گزرتی تو منہ سے بچھڑے کی آواز نکلتی تھی. (ابوالکلام آزاد در ترجمان القرآن) جواب کیسی کمزور دلیل ہے ہواؤں کے رخ بدلتے رہتے ہیں. کبھی آگے سے کبھی پیچھے سے اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ کبھی آگے سے آواز نکلتی تھی کبھی پیچھے سے. نیز اس بچھڑے کو ایک خیمے کے اندر رکھا گیا تھا جہاں ہوا کا داخلہ نہیں تھا. اور اگر ناک سے نکلتی تھی تو بھی خوار نہیں اگر پیچھے کی آواز تھی تو بھی خوار نہیں. اگر منہ سے نکلتی تھی تو منہ کا ہر وقت کھلا رہنا ضروری. بند منہ سے بھی نہیں نکل سکتی. نیز ہوا کبھی تیز چلتی ہے کبھی ہلکی جس سے آواز میں فرق پڑسکتا ہے. اور پھر آج تک کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی باجہ یا کھلونا خود بخود ہوا میں رکھنے سے بجنے لگے خواہ ہوا کتنی تیز ہو. ہر باجہ اور سیٹی کو بجانا پڑتا ہے. ہارمونیم ہو یا منہ کا باجہ یا کوئی وسل. اولاً تو یہ بھی غلط ہے کہ مصر کی مورتیوں کی آوازیں نکلتی تھیں نہ تاریخ سے کہیں ثابت ہے مصر سے شرک کفر ہندوستان منتقل ہوا ہے آج ہندوستان انہیں مورتیوں سے بھرا ہے؟ مگر کبھی کسی مورتی کی آواز نہیں سنی گئی. نیز صرف سامری ہی مصر کے مندروں کے بھید سے واقف نہ تھا. بنی اسرائیل نے بھی اُسی ماحول میں تقریباً تین سو سال گزارے تھے مصر کی تمام مورتیاں بنتی بگڑتی دیکھی تھیں وہاں کیوں نہ گمراہ اور مرتد ہوئے. اِن وجوہ سے یہ دلیل نہایت کمزور

ہے۔ باطل کی دلیل ۳ یہ ساری کہانی ہی غلط ہے کہ جبرئیل کسی گھوڑی پر سوار تھے اور اس کے قدموں میں زندہ کرنے کی طاقت تھی وہاں سے سامری نے مٹھی بھر مٹی اٹھائی تھی اور یہ چیز صرف سامری کو دکھائی دی اور کسی بنی اسرائیل بلکہ ہرون علیہ السلام کو بھی نظر نہ آئی بلکہ حمزہ اعمش اور کسائی قراء کی قرأت بِمَا لَمْ تَبْصُرُوا کے مطابق حضرت موسیٰ کو بھی جبرئیل نظر نہ آئے گویا کہ سامری کی روحانی قوت سب سے بڑھ گئی۔ تو کیا یہ کہانی بنانا درست ہے۔ اور جب یہ کہانی درست نہیں تو آیت کا مطلب یہ ہوا کہ۔ میں نے وہ بات پالی جو دوسرے نہ پا سکے۔ فَقَبَضْتُ اس لیے میں نے رسول کی یعنی آپ کی پیروی کی فَنَبَذْتُهَا پھر میں نے چھوڑ دی۔ دلیل ۴ قرآن مجید میں جہاں کہاں بھی بغیر اسناد اضافت کے اَلرَّسُوْلُ کہا گیا ہے وہاں اس کا صرف ایک مطلب ہے۔ یعنی پیغمبر اس لیے یہاں اَلرَّسُوْل سے فرشتہ مراد لینا درست نہیں دلیل ۵ یہاں کہا گیا ہے۔ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ یعنی ایک بے جان دھڑ جس سے آواز نکلتی تھی اگر ملکوتی کرشمہ نے اسے زندہ کر دیا ہوتا تو قرآن مجید عِجْلًا جَسَدًا کیوں کہتا (از ابوالکلام آزاد) جواب ان تینوں دلیلوں کی مضحکہ خیز کمزوری دیکھ کر ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھنا بھی رب تعالیٰ کی توفیق کریمانہ سے میسر ہوتا ہے۔ اگر رب تعالیٰ دستگیری نہ فرمائے تو عقلیں اسی طرح اوندھی چال چلتی ہیں اور قلم اسی طرح بھٹکتے ہیں ان دلیلوں میں سوائے نادان تانے بانے کے اور کیا ہے۔ ان تینوں کا جواب اس طرح ہے کہ۔ صرف نبی کی روحانی بصیرت کو آڑ بنا کر آیت کو مسخ کرتے اور معنیٰ میں تحریف کرتے چلے جانا کہاں کی عقل مندی اور تفسیر دانی ہے۔ یہاں تو ایک کافر منافق سامری کے بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا یا۔ بِمَا لَمْ تَبْصُرُوْا کے معنیٰ پر تم نے شور مچا دیا کہ مفسرین کی یہ بات فرشتے والی غلط ہے محض کہانی ہے نبی کی روحانی بصیرت کی گستاخی ہے۔ لیکن آج کل وہابیت دیوبندیت کا پورا ٹولا اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہوئے بھی انبیاء علیہم السلام کے علم فہم اور روحانی بصیرت کا کھلے عام تحریراً تقریراً انکار کرتا پھر رہا ہے کہ معاذ اللہ انبیا کچھ نہیں جانتے ان کو پیٹھ پیچھے کا پتہ نہیں وغیرہ وغیرہ۔ وہاں تم کچھ نہیں بولتے بلکہ ان کی تائیدیں کرتے پھرتے ہو۔ ان حرکتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ تم کو انبیاء کرام کی روحانی قوت کی گستاخی اور انکار سے کوئی سروکار نہیں تم تو اس آڑ میں مزید ایک ملکوتی قوت کا انکار کر رہے ہو جو خود ایک گستاخی جہالت اور تحریف قرآن ہے۔ اس آیت میں لغو توڑ پھوڑ کرنا ہے۔ سچی اور حقیقی بات یہ ہے کہ

بَصُرْتُ سے روحانی بصیرت مراد نہیں بلکہ جسمانی بصارت مراد ہے سامری نے یہ سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھا تھا نہ کہ روحانی قوت سے۔ جبریل اس وقت اس کو بلکہ فرعون کو بھی اور تمام لوگوں کو مع گھوڑے کے ظاہر ظہور نظر آرہے تھے مگر اتنی پریشان بھیڑ بھاڑ اور حالات میں کسی نے بھی نیچے کھروں کی طرف نہ دیکھا نہ دھیان دیا بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا سے سامری یہی بتا رہا ہے یہ روحانی قوت اور بصیرت کا انکار نہیں بلکہ عدم توجہ کا ذکر ہے اور یہ انکار گستاخی نہیں۔ بنی اسرائیل ہٰرون بلکہ موسیٰ علیہما السّلام سے بھی ہو سکتی ہے اور اگر نیتِ سامری میں روحانی بصیرت ہی ہو تب بھی یہ ایک کافر کی بکواس ہے۔ اس سے حقیقت کا انکار نہیں ہو سکتا آج بہت سے گستاخ شانِ نبوت میں گستاخیاں کرتے پھر رہے ہیں کب کسی پر اثر ہوتا ہے اور کب حقیقت کا انکار ہوتا ہے۔ نیز تم اپنے تخریبی مطلب اور بیان کردہ معانی میں بِمَا لَمْ تَبْصُرُوا کی قرٔت والا ترجمہ کیسے کرو گے جس کا تم نے اعمش اور حمزہ کسائی نحوی پر اتہام لگایا۔ ۲ عِجْلًا جَسَدًا فرمانا۔ تو یہ بات قرآن کریم کی دیگر آیت سے ثابت ہے کہ جَسَدًا گوشت پوست والے بدن کو ہی کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۃ نمل سے ہم نے پہلے ثابت کر دیا۔ مورتی کو مجسمہ کہا جاتا ہے نہ کہ جَسَدًا بہر کیف اس قسم کے کم علم لوگوں کی یہ تاویلیں محض تخریب کاری ہے دلیل ۲ تمہارے اعلیٰ حضرت بریلوی نے بھی اس آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔ بے جان کا دھڑ جواب اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ترجمہ فرمانا اس مصلحت کی بنا پر ہے کہ اس کا تعلق اَخْرَجَ سے ہے نہ کہ فَتَنَّا سے۔ یعنی سامری نے تو بے جان کا دھڑ ہی بنا کر نکالا تھا اگر یہاں جاندار کا ترجمہ کیا جاتا تو شبہ پڑ سکتا تھا کہ شاید سامری نے ہی اس کو زندہ کیا ہے حالانکہ یہ غلط ہے۔ زندہ تو رب تعالیٰ نے فرمایا۔ جیسا کہ صالح علیہ السّلام کی ناقہ، عیسیٰ علیہ السّلام کے ہَیْئَۃِ الطَّیْر پرندہ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا ظہور اس طرح ہوتا رہا کہ صالح علیہ السّلام نے جب پہاڑی کو ہاتھ لگایا تو ناقہ نکل آئی۔ عیسیٰ علیہ السّلام نے مٹی کا پرندہ بنا کر جب پھونک ماری تو اس میں رب نے زندگی بھر دی یہاں اثرِ رسول کی مٹی جب پڑی تو زندگی آگئی مخالفین کا یہ کہنا بھی غلط ہے اَلرَّسُوْلَ سے مراد ہمیشہ پیغمبر ہی ہوتا ہے یہ بات قرآنِ مجید میں تدبر اور غور نہ کرنے کی وجہ سے ہے دیکھو سورۃ یوسف آیت ۵۰ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ یہاں رسول سے مراد پیغمبر نہیں۔ بلکہ وہ آزاد شدہ قیدی ہے جس کو یوسف علیہ السّلام نے تعبیر بتائی تھی ۲ سورۃ اَسریٰ

آیت ۹۵ میں ہے لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِم مِّنَ السَّمَاءِ مَلَكًا رَّسُولًا۔ یہاں رَسُولًا سے مراد فرشتہ ہے پیغمبر نہیں حالانکہ دونوں جگہ لفظ رسول بغیر اسناد و اضافت ہی ہے۔ مخالف کی یہ باطل بات ٹوٹ گئی کہ رسول سے مراد صرف پیغمبر ہی ہوتا ہے ۳ سورۃ مریم میں جبرئیل علیہ السلام نے اپنے آپ کو رسول فرمایا۔ لہٰذا اَثَرِ الرَّسُول سے مراد بھی فرشتہ ہے باطل کی دلیل ۲ یہاں فرمایا گیا۔ اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا۔ وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا قرآن کریم اُن بنی اسرائیل کی بے وقوفی کا ذکر فرما رہا ہے کہ یہ کتنے احمق ہیں کہ ایک بے جان مورتی کو اپنا معبود بنا بیٹھے جو نہ اُن کی کسی بات کا جواب دیتا ہے اور نہ اُن کے نفع نقصان کی ملکیت و قوت رکھتا ہے۔ ثابت ہوا کہ وہ بچھڑا بیجان مورتی تھا۔ جواب کیا عجیب استدلال ہے۔ اسی پر علم کا دعویٰ ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا جاندار صحت مند طاقتور بچھڑا بلکہ پورا جوان بڑا بیل کسی شخص کو باتوں کا جواب دیتا ہے ہماری بولی سمجھتا ہے۔ اور کیا وہ بیل بچھڑے جو دنیا میں ہزاروں کی تعداد میں پھر رہے ہیں کیا کسی شخص کے نفع نقصان کے مالک ہیں اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر اس بچھڑے کو زندہ ماننے میں یہ آیت کیسے دلیل بنی یہ آیت تو زندگی ثابت کر رہی ہے کہ اے اسرائیلیو اور دنیا بھر کے گائے پرستو۔ یہ جانور معبود نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ نہ بات کا جواب دے سکیں نہ نفع نقصان کا اختیار رکھیں ثابت ہوا کہ بچھڑے کو مورتی بے جان سمجھنا حماقت و جہالت ہے۔ مخالفانہ توڑ پھوڑ تخریب کاری ہے۔ صحیح قول وہی ہے کہ بچھڑا زندہ ہو گیا تھا۔ فَقَالُوْا میں دو قول ہیں ۱ مرتدین نے آپس میں کہا ۲ سامری اور اُس کے چند معاون ساتھیوں نے دیگر بنی اسرائیل سے کہا فَنَسِيَ میں تین قول ہیں ۱ سامری نے کہا تھا کہ موسیٰ معبود کو بھول گئے ۲ یہ علیحدہ رب کا کلام ہے۔ کہ سامری۔ دین و شریعت اور فرمودات موسیٰ کو بھول گیا ۳ رب نے فرمایا کہ بنی اسرائیل سامری سے دلیل مانگنا بھول گئے کہ بچھڑا کس طرح معبود ہے۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ نَسِيَ واحد ہے۔ اور فاعل مضمر ہے۔ بنی اسرائیل جمع ہے اَفَلَا يَرَوْنَ اَلَّا يَرْجِعُ اِلَيْهِمْ قَوْلًا وَّلَا يَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ۔ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِيْ وَاَطِيْعُوْٓا اَمْرِيْ۔ کتنے احمق ہیں یہ بنی اسرائیل کہ اندھا دھند اس بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے بیل بچھڑا تو جانوروں میں بھی بے وقوف ترین شمار کیا جاتا ہے یہ بھی نہ سوچا کہ یہ جانور اتنے عاجز کہ کبھی کسی کی بات کا جواب نہیں

دے سکتے نہ کسی سے بیماری پریشانی نقصان دور کر سکیں نہ اپنی مرضی ارادے قوت طاقت اختیار سے کسی شخص کا دینی دنیوی نقصان کر سکیں نہ کسی کو امیر غریبی دولت مندی اور شفا و بقا کا فائدہ پہنچا سکیں بھلا یہ بچھڑا جو دنیا کے دیگر بچھڑوں کی طرح بجز کھانے پینے چلنے پھرنے بال بال کرنے کے کچھ کر ہی نہیں سکتا کیا یہ معبود ہو سکتا ہے تم صرف مورتی میں زندگی دیکھ کر بیوقوف بن گئے جب کہ تم اتنے اتنے بڑے وحشت ناک جادوگروں کے سانپ دیکھ کر متاثر نہ ہوئے تھے۔ تم نے تو ہزار ہا معجزے دیکھے تھے تم کو تو اس طرح مبہوت و متحیر ہو کر اس طرح بیوقوف نہ بننا چاہیے۔ اور البتہ بے شک حضرت موسیٰ کے آنے باز پرس کرنے سے پہلے خود ہارون بھی ان کو سمجھا چکے تھے کہ اے میری قوم ایک بچھڑے کو زندہ دیکھ کر فریفتہ مت ہو جاؤ دین نہ گنواؤ۔ تم اللہ کی طرف سے آزمائے جا رہے ہو۔ مورتی میں یہ جان پڑ جانا تمہارے عقل فکر تدبر اور ایمان کا امتحان ہے رب تعالیٰ تو تمہارا ازلی قدیم ہے وہی رحمٰن و رحیم ہے جو اب بھی تمہاری توبہ قبول فرما لینے والا تم پر مشفق و مہربان ہے اب بھی بندے بن جاؤ اور میری اِتّباع کرو۔ جیسا میں کہتا کرتا حکم دیتا ہوں میرے ان حکموں کی اطاعت کرو کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی رسول ہوں میرا حکم شریعت ہے۔ یہ تھی وہ شفقتِ تامّہ جو حضرت ہارون نے قوم پر بھی فرمائی اور اپنی ذات پر بھی۔ اپنے پر اس طرح کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نبی تھے موسیٰ علیہ السّلام کے خلیفہ بھی تھے وہی بھی بوجہ نبوت آپ پر امر بالمعروف اور نہی عَنِ المنکر کی تبلیغ فرض تھی جو آپ نے ادا فرمائی۔ اور اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ (از سورۃ اعراف آیت ۱۴۲) کی وصیت پر عمل فرمایا۔ اور قوم پر شفقت یہ کہ آپ نے اپنے اس جامع مانع کلامِ مقدّس میں پانچ چیزیں بیان فرمائیں اوّلاً یہ کہ بے دینی کی نشاندہی کر کے اُس سے بچانا چاہا کہ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ پھر توحیدِ باری تعالیٰ کی تبلیغ فرمائی۔ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ۔ پھر رسالت کی تبلیغ فرمائی کہ فَاتَّبِعُوْنِیْ۔ پھر شریعت کی شان بتائی کہ اَطِیْعُوْا اَمْرِیْ۔ ۵ بیانِ توحید میں آپ نے معرفتِ الٰہی بھی فرما دی کہ صفتِ رحمانیت کا ذکر فرمایا اور محبت شفقت غفاریت توّابیتِ الٰہی کی یاد دہانی کرائی۔ حکایت۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ ایک یہودی نے مولیٰ علی شیر خدا پر اعتراض کیا۔ تم مسلمان کیسے ہو کہ ابھی اپنے نبی کا دفن مکمل نہ کیا کہ خلافت میں جھگڑ پڑے تم کیسی امت ہو مولیٰ علی نے جواباً فرمایا۔ کہ ہمارا اختلاف دین و عقائد کی گڑبڑ یا تبدیلی کا نہیں ہے یہ تو صرف ملکی انتظام پر ہے۔ لیکن تم کیسی امت ہو کہ اپنے نبی کی زندگی موجودگی میں ہی ابھی تمہارے پاؤں دریائے قلزم کی نجاتِ الٰہیہ سے خشک بھی نہ ہوئے تھے کہ تم دین ہی بھول بیٹھے اور موسیٰ علیہ السّلام

سے مطالبہ کر دیا کہ اِجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ اور پھر چند دن بعد بچھڑا بنا بیٹھے یہودی شرمندہ ہو گیا۔

فائدے ان آیت کریمہ چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ جس طرح شرک کفر ارتداد کرنا جرم ایمانی ہے شرعی حرام ہے اسی طرح جرم پر خاموش رہنا اور بقدرِ طاقت نہ روکنا بھی جرم ہے یہ فائدہ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ یوشع علیہ السلام کو وحی آئی کہ تمہاری قوم اور امت کے ساٹھ ہزار اَشرار اور چالیس ہزار اَبرار کو ہلاک کیا جائے گا۔ عرض کیا مولیٰ ابرار کو کیوں ہلاک فرمایا جائے گا وحی آئی کہ۔ لَمْ يَغْضَبُوْا لِغَضَبِيْ یہ نیک لوگ خود تو نیک ہیں مگر مجرموں کو میرے غضب سے آگاہ نہ کیا نہ اُن سے ناراض ہوئے نہ اُن کو روکا نہ برا منایا نہ ان سے ہٹے علیحدہ ہوئے۔ دوسرا فائدہ۔ اسلام میں سب سے زیادہ اہمیت شفقت و محبت کی ہے ہر مسلمان کو ایک دوسرے پر شفقت چاہئے اور حقیقی شفقت دینی رہنمائی برائیوں سے بچنا بچانا ہے مشفق انسان ہی تمام حقوق ادا کر سکتا ہے (۱) حقوق اللہ (۲) حقوق العباد (۳) حقوق النفس ان حقوق کی ادائیگی کا دوسرا نام شفقت ہے یہ فائدہ وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ میں هٰرون علیہ السلام کی اُس مشفقانہ تبلیغ فرمانے سے حاصل ہوا جو آگے مذکور ہے۔ حضرت هٰرون کو قوم کی اِس گمراہی پر انتہائی سخت غم فکر اور قلبی پریشانی تھی یہ آپ کی شفقتِ قوم تھی۔ حدیث پاک میں ہے امام شعبی نے نعمان بن بشیر سے روایت فرمایا کہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے کہ مَثَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ فِيْ تَوَادِّهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ وَتَعَاطُفِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ اِذَا اشْتَكٰى عُضْوٌ مِّنْهُ تَدَاعٰى لَهٗ سَائِرُ الْجَسَدِ بِالسَّهَرِ وَالْحُمّٰى (از تفسیر کبیر۔ رازی) یعنی شفقت و محبت نرمی رحم دلی میں تمام مومن ایک جسم کی مثل ہیں کہ جب ایک عضو بیمار یا زخمی ہوتا ہے تو سارے جسم میں بے چینی پریشانی اور بخار آجاتا ہے۔ دیکھو هٰرون علیہ السلام نے باوجود قومِ مرتد کی سخت مخالفت اور دشمنی کے شفقت نہ چھوڑی مسلمانوں کو اس سے سبق لینا چاہیئے کہ بدسے بدتر انسان کو بھی اوّلاً سمجھانے کی کوشش کرے اگر باز نہ آئے تو خود علیحدہ ہو جائے کسی بزرگ نے فرمایا کہ جرم سے نفرت چاہیئے نہ کہ مجرم سے اُس کا یہی مطلب ہے۔ تیسرا فائدہ۔ اگرچہ رب تعالیٰ کے بے شمار اَسماءِ پاک ہیں اور سب ہی اَعلیٰ عُظمیٰ وحُسنیٰ ہیں۔ مگر مسلمانوں کو چاہیئے کہ اپنے وِرد وَظائِف تذکروں میں صفتِ رحم وکرم غفاریت والے اَسماءِ پاک کا ذکر کریں۔ یہ فائدہ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ قوم اس وقت لائقِ جبر و قہر غضب

وغضہ تھی اس لحاظ سے وَكُنْتُمْ أَقْهَارُ دَارِ الْجَبَّارُ سے خطاب کی مستحق تھی مگر حضرت ہارون نے صفتِ رحمانیت کے ذکر سے شفقت محبت رحم کرم کا ذکر فرما کر بھولے بھٹکوں کو سمجھانے کی کوشش کی یہ تبلیغِ دین کا ایک بہترین طریقہ ہے جو آستانۂ نبوت سے حاصل ہوتا ہے۔

اَحکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ظالم کافر کے ظلم سے اپنے کو بچانے کے لیے کفار کو دھوکہ دینا جھوٹ بول کر ان سے چھٹکارا حاصل کرنا جان بچانا شرعاً جائز ہے۔ خواہ کفار سے جنگ کی حالت ہو یا بغاوت یا بھاگنے بچنے کی۔ یہ مسئلہ حُمِّلْنَا اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ والی تفسیر و تفصیل سے مستنبط ہوا کہ دیکھو تمام بنی اسرائیل نے جنہیں بڑی بڑی پاک دامن عورت اور ولی اللہ بزرگ مرد بھی موجود تھے باہمی مشورہ سے فرعونیوں کو دھوکہ دیتے ہوئے جھوٹ بول کر اُن کے تمام زیور ادھار مانگ لیے کہ ہم شادی ولیمہ یا عید میلے میں جارہے ہیں ہم کو تین چار دن کے لیے اپنے زیور ادھار دے دو اور لے کر چل پڑے حالانکہ جانتے تھے کہ اب ہم اُن کے پاس نہ لوٹیں گے نہ یہ زیورات لوٹائیں گے چونکہ یہ سب کچھ محض اپنے بچاؤ کے لیے کیا تھا اس لیے شریعت میں جائز تھا اسی قانون پر جنگ میں ہر طرح کفار کو دھوکہ دینا جائز ہے چنانچہ احادیث میں ہے۔ اَلْقِتَالُ خُدْعَةٌ یا اَلْحَرْبُ خُدْعَةٌ (از بخاری باب الکذب فی الحرب۔ ابو داؤد) یعنی جنگ میں کفار کو دھوکہ دینا جائز ہے اسی روایت سے فقہاءِ کرام صرف مجاہد کے لیے میدانِ جنگ میں کالے خضاب کے جواز کا استنباط کرتے ہیں۔ ہاں البتہ ان مجبوریوں کے بغیر کافر کو دھوکہ دینا بھی ناجائز ہے۔

دوسرا مسئلہ۔ اگر مسلمانوں نے کفار سے کوئی چیز امانتاً یا ادھار لی ہو اور وہ ہی کفار ان ہی مسلمانوں کے ہاتھوں یا مقابلے میں مارے جائیں تو وہ امانت و ادھار کی چیزیں مجازی غنیمت بن جائیں گی اور ان ہی مسلمانوں کی ملکیت میں ہو جائیں گی اگرچہ حقیقی قانونی غنیمت نہ بنے گی لہٰذا تقسیم نہ ہوگی۔ مگر جس جس کے قبضے میں ہوگی اُسی کی ملکیت بن جائے گی یہ مسئلہ یہاں مِنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ اور سورۃِ اعراف آیت ۱۴۸ میں مِنْ حُلِيِّهِمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ زینۃ القوم سے ثابت ہوا کہ وہ فرعونی قوم کا زیور تھا اور حُلِيِّهِمْ کی نسبتِ اضافت سے ثابت ہوا کہ اب وہ زیور اُن کا تھا۔ تیسرا مسئلہ۔ مالِ غنیمت دو قسم کا ہے ایک حقیقی دوسرا مجازی حقیقی مالِ غنیمت وہ منقولہ یا غیر منقولہ دولت ہے جو کفار کو جنگ میں شکست دے کر ان کے سامان ہتھیار خزانوں شاہی و فوجی املاک پر قبضہ کیا جاتا ہے۔ یہ مالِ غنیمت پہلی اُمتوں

پر استعمال حرام تھا۔ مگر اب مسلمانوں کے لیے جائز ہے۔ مجازی مالِ غنیمت وہ منقولہ دولت جو کسی طرح کے کفر مقابلے میں کفار کے ہلاک ہونے کے بعد ان کی امانتوں کی شکل میں مسلمانوں کو ملے یہ مالِ غنیمت پہلی اُمتوں پر بھی حلال تھا۔ اب بھی یہ مسئلہ فَقَذَفْنَاهَا (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا دیکھو حضرت ہارون علیہ السلام کی موجودگی میں بنی اسرائیل اس زیور کو استعمال کرتے بھی رہے اور پھر اپنی مرضی سے سامری کو بھی دیدیا۔ ہٰرون علیہ السلام نے کسی کو منع نہ کیا۔ اگر یہ امانت اِن بنی اسرائیل کی مِلکیت نہ ہوگئی ہوتی تو نہ اس کا استعمال جائز تھا نہ سامری وغیرہ کو دینا کیونکہ کسی کی امانت غیر کو دینا بھی ناجائز ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ۔ اور سورۃِ اعراف میں فرمایا گیا مِنْ حُلِيِّهِمْ۔ اَوْزَارًا۔ اور حُلِی اور حِلْيَتِهِمْ اور لفظ قوم کا فرق کیوں اور کیسے ہے جواب ان دونوں آیتوں میں دو مختلف نوعیتوں کی وضاحت فرمائی جارہی ہے۔ اور وضاحت کے لیے چار طرح فرق کیا گیا پہلا فرق یہ کہ یہاں بنی اسرائیل کا قول ہے انہوں نے حقیقتِ حال بیان کرتے ہوئے کہا اَوْزَارًا الْقَوْمِ اور وہاں اعراف میں رب تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اب زیور کی ملکیت اِن بنی اسرائیل کی ہوچکی تھی۔ دوسرا فرق یہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ سامری نے بچھڑا بنایا تھا کسی اور کا دخل بنانے کی کارکردگی میں نہ تھا۔ وہاں فرمایا گیا کہ مرضی سب کی تھی۔ اس لیے یہاں فَاَخْرَجَ ہے وہاں وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی ہے۔ تیسرا فرق یہاں بتایا گیا کہ یہ زیور فرعونیوں کا تھا۔ وہاں بتایا گیا اب شرعًا ان کا ہوگیا۔ چوتھا فرق یہ کہ یہاں بتایا جارہا ہے کہ ہٰرون علیہ السلام اِس فعلِ بد میں قطعًا شریک نہ تھے بعد کے یہودیوں عیسائیوں کا یہ الزام و اتہام سراسر غلط ہے کہ ہٰرون نے بچھڑا بنایا یا بنوایا یہاں ہٰرون علیہ السلام کی پاک دامنی بیان فرمائی گئی اور وہاں اعراف میں دیگر بنی اسرائیل کے ملوث ہونے اور سامری کے ساتھ تعاون و تائید کا ذکر ہے۔ اس لیے وہاں اور یہاں یہ فرق درست ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہ بات عقل میں نہیں آتی کہ اتنی بڑی قوم جو تعداد میں تقریبًا چھ لاکھ تھی۔ ایک دم ساری کی ساری بچھڑے کو دیکھتے ہی بھٹک گئی مرتد ہوگئی جب کہ مصر میں اتنے بڑے شرکیہ ماحول میں رہتے کے باوجود اپنے توحیدی دین سے مرتد نہ ہوئے اب صرف سامری کے بکنے سے کافر ہوگئے اور پھر جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ایک دم سب درست بھی ہوگئے اور توبہ کے

لیے تیار بھی ہو گئے جیسا کہ سورۃ اعراف آیت ۱۴۹ میں ہے۔ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا (الخ) یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب اس کی دو وجہ ایک یہ کہ مصر میں غیروں مخالفوں کا ماحول تھا جو صرف خود مشرک تھے بنی اسرائیل کو نہ کہتے تھے کہ تم بھی پوجا کرو یہ فلاں تمہارا معبود ہے فرعون بھی صرف قبطیوں سے خود کو سجدے کرایا کرتا تھا اگر کہتے بھی کہ موسیٰ غلط ہیں تو کوئی اسرائیلی نہ مانتا۔ دیکھو قبطیوں نے موسیٰ و ھٰرون علیہما السلام کو کبھی ساحر کبھی مسحور کبھی مکار و کائد کہا۔ مگر کوئی اسرائیلی اِن باتوں میں نہ آیا مگر یہاں گمراہ کرنے والا ان کا اپنا تھا اُس کے ہر بکنے کو فوراً مان لیا اِلٰهُکُمْ کو بھی۔ اِلٰهُ مُوْسٰی کو بھی اور فَنَسِیَ کو بھی اور یہ بات تاریخی مشاہدے اور تجربے میں ہے کہ غیر بن کر کسی کو کوئی کبھی گمراہ نہیں کر سکتا۔ ہمیشہ جب کسی قوم کو گمراہ کیا یا کرایا جاتا ہے تو اپنا بن کر اپنائیت کا لبادہ اوڑھ کر گمراہ کرے تو قوم جلدی گمراہ ہوتی ہے باطل کا شروع سے یہ طریقہ رہا۔ ابلیس نے حضرت آدم و حوا سے بھی یہ ہی طریقہ اپنایا دیکھو جو کفریہ گستاخیہ باتیں وہابی لوگ تحریراً تقریراً کر کے مسلمانوں کو ورغلا کر منوا۔ کہلوا لیتے ہیں کہ نبی و ولی کچھ نہیں کر سکتے خواجہ اجمیری داتا گنج بخش کے مزار پر جانا شرک ہے وغیرہ وغیرہ اور مسلمان ان کی کتابوں تقریروں جلسوں سے متاثر ہو کر اس طرح بدعقیدہ بھی ہو جاتے ہیں جس طرح یہ اسرائیلی سامری سے یہی بات کوئی ہندو سکھ کہے تو مسلمان ہرگز نہ مانیں۔ ھندوؤں نے ایک بابری مسجد شہید کی تو مسلمانوں نے کتنا شور مچایا مگر اُس سے زیادہ اہم و تاریخی مساجد و متبرک مقامات سعودی وہابیوں نے تباہ کیے اس جگہ اپنے محل بنوائے مزاراتِ صحابہ شہید کیے کوئی مسلمان نہ بولا۔ آج کوئی ھندو خواجہ اجمیری کے مزار پر تو ہاتھ یا بات اُٹھا کر دکھائے۔ دوسری وجہ یہ کہ قوم موسیٰ گمراہ تو ہو گئی تھی مگر یہ گمراہی ابھی نئی نئی تھی راسخ نہ ہوئی تھی اور وَاُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ کے مقام پر نہ پہنچی تھی اس لیے جلدی راہِ راست پر آ گئی اور کچھ جلالِ موسوی کا بھی اثر تھا۔ یہ بات اور جلال طبیعتِ ھٰرون میں نہ تھا۔ **تیسرا اعتراض**۔ حضرت مولیٰ علی شیرِ خدا ہی وصیِ رَسُوْلُ اللہ اور خلیفۂ بلافصل ہیں اس لیے کہ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِیٍّ۔ اَنْتَ مِنِّیْ بِمَنْزِلَةِ هٰرُوْنَ مِنْ مُّوْسٰی (بخاری و مسلم مشکوٰۃ) یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے علی تو میرے لیے بالکل اُسی مقام و درجہ کا ہے جیسے ھٰرون موسیٰ کے لیے۔ اور قرآنِ مجید کی اِن آیات سے ثابت اور واضح ہو رہا ہے کہ حضرت موسیٰ نے حضرت ھٰرون کو اپنا خلیفہ بنایا تھا تب طور

پر گئے تھے اِس آیت وحدیث کی مطابقت سے ثابت ہوا کہ مولیٰ علی بھی خلیفہ ہیں اور چونکہ ھٰرون بھی خلیفہ بلا فصل تھے لہٰذا یہ تشبیہی مماثلت بتا رہی ہے کہ مولیٰ علی بھی بلا فصل خلیفہ ہیں اس سے بڑی وضاحتی دلیل کے بعد اب کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں (شیعہ رافضی) جواب اور اس کے علاوہ کوئی دلیل ہے بھی نہیں۔ شیعہ لوگوں کو اپنی اس دلیل پر بڑا فخر وناز ہے حالانکہ یہ دلیل بھی ان کے خلاف جاتی ہے۔ اوّلاً اس طرح کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ تبوک میں تشریف لے جانے لگے تو مولیٰ علی سے فرمایا تم یہیں مدینہ منورہ میں رہو عورتوں بچوں کی حفاظت ودیکھ بھال کے لیے مولیٰ علی نے عرض کیا کہ یارسول اللہ میں ساتھ جانا چاہتا ہوں۔ تب آپ نے فرمایا کہ اے علی تم میرے لیے ایسے ہو جیسے ھٰرون موسیٰ علیہ السّلام کے لیے۔ یعنی جس طرح موسیٰ علیہ السّلام نے طور پر جاتے ہوئے عارضی طور پر چند دن کے لیے خلیفہ بنایا تھا صرف بنی اسرائیل کی دیکھ بھال کے لیے اپنی زندگی میں ہی اسی طرح اے علی تبوک کے چند دن کی مدت کے لیے تم عورتوں بچوں بوڑھوں کی حفاظت کے لیے میرے نائب، ہو میری زندگی میں ہی واپسی تک ثانیاً ھٰرون علیہ السّلام کی خلافت ختم ہوگئی تھی طور سے واپسی پر اور مولیٰ علی کی یہ خلافت ونیابت ختم ہوگئی تھی تبوک سے واپسی پر ثالثاً مولیٰ علی کی یہ خلافت تامّہ اور مکمل نہیں اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خلیفہ مولیٰ علی کو بنایا لیکن امام نہ بنایا۔ امامت کے کام عبداللہ ابن اُمِ مکتوم کے سپرد کیے کہ مصلٰیٔ نبوی پر وہ کھڑے ہوں۔ حالانکہ یہ مسئلہ شیعہ سنی کا متفق علیہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین ہی امامتِ امت کا حقدار ہے اسی لیے امامت کا مقام ہوتا ہے۔ رابعاً۔ اس طرح کہ خلافتِ تامّہ عورتوں مردوں سب کے لیے ہوتی ہے مگر مولیٰ علی کی یہ خلافت صرف عورتوں بچوں کے لیے تھی تمام صحابہ تبوک میں تھے۔ خامساً اِس طرح کہ موسیٰ علیہ السّلام کی زندگی کے بعد ھٰرون آپ کے خلیفہ نہ ہوئے ھٰرون علیہ السلام پہلے فوت ہو گئے تھے۔ (از لمعات) ہم کہتے ہیں کہ واقعی مولیٰ علی خلیفہ تھے مگر حیاتِ نبوی میں چند دن غیر موجودگی میں نہ کہ بعدِ وفات۔ ششم یہ بات بھی ذہن میں رکھو کہ شیعہ کہتے ہیں مولیٰ علی نے تقیہ کرتے ہوئے صدیق وفاروق وعثمان کی بیعت کر لی تھی۔ مخالفت نہ کی۔ حالانکہ حضرت ھٰرون نے کبھی تقیہ نہ کیا۔ جب کہ بقول قرآن ان کو جان کا بھی خطرہ تھا۔ (وَكَادُوْا يَقْتُلُوْنَنِيْ اعراف آیت ۱۵۰) بلکہ علی الاعلان سامری کی برائی فرمائی اور قوم کو اُس کی مشرکانہ چال بازی سے دور کرنے کی کوشش فرمائی۔ تو اگر صدیق وفاروق وعثمان غلط ہوتے مولیٰ علی بھی تقیہ نہ کرتے بلکہ تمام صحابہ کو علی الاعلان صدیق وفاروق وعثمان سے دور

رکھتے کوئی بچتا نہ بچتا۔ کیونکہ بقول تمہارے علی اُس وقت بھی بمنزلتِ ھٰرون تھے مگر مولیٰ علی نے نہ بچایا جس سے ثابت ہوا کہ یا مولیٰ علی بمنزلۂ ھٰرون نہیں رہے تھے یا پھر صدیق و فاروق صحیح تھے غلط نہ تھے۔ واللّٰہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ بِمَلْكِنَا وَلٰكِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِيْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰهَا فَكَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ فَاَخْرَجَ لَهُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا هٰذَآ اِلٰهُكُمْ وَاِلٰهُ مُوْسٰى فَنَسِيَ۔ اہلِ دنیا راہِ معرفت کی خوشگواریوں آسانیوں کی رونقوں کو دیکھ کر اوّلاً بڑے ذوق و شوق سے اس راہِ پُرخار میں چل پڑتے ہیں مگر جب ان کی تنہائیوں خلوتوں ریاضتوں مشقّتوں کو دیکھتے اور جانگسل پابندیوں شب بیداریوں میں آزمائے جاتے ہیں تب دنیا کی لذتوں کو یاد کرتے ہوئے اِرتدادِ رجوع کرتے ہیں اور عملِ طبیعتِ نفسانی کے پجاری بن جاتے ہیں دنیا کی فانی دولت اِمارت کا بچھڑا ان کا مسجودِ شیطانی بن جاتا ہے۔ پھر جب مرشدِ آفاقی کی جھڑک پڑتی ہے تو مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ کی عذر تراشی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ہم نے اپنے تصورِ تخیل اور قلبِ رائے سے وعدۂ سلوک کی مخالفت نہ کی بلکہ ہم کو نفسِ باطنی نے مجبور و مقہور کر دیا نہ ہماری رائے رہی نہ قوت و اختیار ہم کو طبیعت کا اس طرح مسحور کر دیا گیا تھا کہ بدنِ ظاہری کو مسجود بنا بیٹھے۔ یہ راہِ معرفت ہم سے روپوش ہو گیا۔ تقلیدِ شرک تعیلِ کفر زیوراتِ شہواتِ دنیوی کو ہم پر لاد دیا گیا۔ ضعفِ انسانی کے سامری نے اپنے طلسمِ نفسانی کو ہم پر اس طرح ڈالا کہ ہم مبہوت و متحیر ہو گئے اہلِ اشرار نے کہا کہ دنیا پرستی ہی تمہارا سب کا معبودِ اصلی نسلی ہے۔ قلب کا بھی یہی معبود و مطلوب ہے۔ وارداتِ انوار اسی میں حلول کر گئے ہیں۔ مگر اس قلب نے بھلا دیا اور عبادت ریاضت مشقت کے خلوتِ طورِ عرفانی میں چلا گیا ان ہی باتوں نے لذاتِ وہمی کی جھلک دکھائی اور عملِ دنیوی کی محبت ہم میں جذب کر گئی۔ اُس کی قوتِ سماوی۔ ہماری ہمتِ ارضی پر غالب آگئی۔ سامری نفسِ امارہ کی صحبتِ بد کے امتزاج نے ہم کو خراب کر دیا (ابن عربی) دنیوی جاہ و دولت متاعِ دنیا ہے اس متاعِ فانی میں ریا کی عبادت بھی اگر شامل کر دی جائے تب بھی اس سے فساد ہی ہوگا۔ آثرِ رسول کی مٹی متبرک تھی مگر فرعونی زیور خبیث تھا۔ اور نیتِ سامری ریاکاری تھی اس لیے اُس متبرک سے بھی گمراہی ہی ملی۔ یہی حال عبادتِ ریا کا ہے کہ عبادت اگرچہ متبرک ہے مگر عابد کی نیتِ بد اُس کو بد بنا دیتی ہے۔ متاعِ دنیا سبب ہے غرور اور گمراہی کا اور

ضلالت غرور سبب ہے ہلاکت کا گمراہی سبب ہے فساد کا فرعون نے متاعِ دنیا پر غرور کیا لہٰذا ہلاک ہوا سامری نے متاعِ دنیا سے گمراہ کیا۔ اس لیے فساد ہوا۔ اگر بنی اسرائیل یہ خبیث سونا ساتھ نہ لاتے تو شرک کفر اور فسادسے بچ جاتے۔ مریدانِ باصفا کو راہِ معرفت میں نکلنے سے پہلے یہ دعا مانگنی چاہیے کہ اے اللہ ہم تجھ سے مانگتے ہیں ہدایتِ کاملہ۔ اے رب ہمارے نہ بھگا ہم کو اپنے دروازے سے اور نہ مبتلا کر ہم کو اسبابِ عذاب میں تاکہ نہ ملوّث ہو جائیں ہم رذالتِ نفسی میں یہ دعا مانگ کر پھر اس وادیٔ پرخار میں ہمت کے قدم اٹھائے صوفیا فرماتے ہیں کہ مریدینِ دنیوی مثل بنی اسرائیل ہیں بھٹکنا۔ قوتِ ارادی کی کمزوری ہے حَمَلْنَا ضعفِ اعتقادی ہے اَوْزَارًا۔ دنیوی شہواتِ خوب صورت ہیں۔ زِیْنَۃِ الْقَوْمِ۔ رسوماتِ کفر ہیں فَقَذَفْنٰھَا رسوماتِ ابلیسیہ کو اپنے سینے میں بسانا رغبت کرنا ہے۔ فَکَذٰلِكَ اَلْقَى السَّامِرِيُّ۔ یہ نفسِ امارہ کی چالبازیاں ہیں کہ رسوماتِ کفریہ کو انسان کے دل میں خوب صورتی سے سجا دیتا ہے عِجْلًا جَسَدًا دنیا پرستی ہے هٰذَآ اِلٰهُكُمْ دنیا کو دین پر اہمیت دینا ہے وَاِلٰهُ مُوْسٰی تلبیسِ ابلیس اور مکرِ شیطانی ہے فَنَسِیَ کفر کے اقوال کا ذریعہ اور عقائدِ باطلہ ہیں۔ یہی فسادِ فی الارض کی حماقتیں ہیں اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا وَّلَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَلَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ انسان کا ذہنِ سفیہ کتنا عجیب اور احمق ہے کہ دعوے کرتا ہے آسمان پر طنابیں ڈالنے کی ستاروں پر کمندیں پھینکنے کی۔ مگر معبود اس کو بنا لیتا ہے جو لَا یَرْجِعُ اِلَیْهِمْ قَوْلًا۔ اس کی بات کا جواب تک نہیں دے سکتے نہ اس کی مثل بول سکتا ہے نہ سمجھ سکتا ہے۔ اور نبوت کے لیے دلیلیں مانگتا ہے معبود اپنی من مرضی سے ایسا جانور بنا لیتا ہے جو لَا یَمْلِكُ لَهُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ہے۔ نہ نقصان سے بچا سکے نہ نفع دے سکے یہی حال طبیعتِ انسانی اور کثافتِ لسانی کا ہے۔ ہر انسان کے باطنِ خفی میں توجہِ قلب سے پہلے عقلِ لاھوتی ندا کرتی ہے کہ اے نفسانی طغیانی خواہشات والو حیاتِ عارضی کے یہ دنیوی لمحاتِ عیش تمہارے لیے فتنۂ امتحانی ہے تم آزمائے جا رہے ہو تمہارا مربی یہ دنیوی ساز و سامان اسباب و وسائل نہیں تمہارا رب صرف خالق تعالیٰ ہے جو رحمٰنِ کائنات ہے لہٰذا عقلِ سلیم کی ہی پیروی کرو کیونکہ یہی آستانۂ الہاماتِ الٰہیہ ہے اور عقلِ شعوری ہی کا حکم مانو کیونکہ وہی شریعت و طریقت کا فہیم ہے متاعِ دنیوی انسان کو چار طرح ملتی ہے تجارتًا۔ وراثتًا۔ تحفتًا۔ محنتًا یہ سب حلال ہیں اور چار طرح

ناجائز طریقے سے انسان خود حاصل کرتا ہے۔ ظلماً، غصباً، سرقۃً، حراماً۔ تحفہ نذرانہ قبول کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی مومن کسی مومن پر بغیر طمع اور بغیر طلب کوئی احسان کرے تو لینے والے کو چاہیے کہ اس کا سچا دوست بن جائے تب وہ دنیا آخرت کے خطرات سے محفوظ رہے گا۔ جو اللہ کی عطا و رزق کو رد کرتا ہے وہ خطرات میں گھر جاتا ہے اس لیے کہ رزقِ حلال کو روکنا غرور و نخوت پیدا کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ سے بندے کے تمام معاملات و تعلقات درست ہوں اور بندہ اپنی خواہشات کو فنا کر دے ہر وقت رضاء الٰہی کا طالب رہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل سے دنیا کے افکار دور کر دیتا ہے اور دل کی تونگری عطا فرماتا ہے۔ سہولت کے دروازے کھول دیتا ہے راہِ معرفت کی فقیری یہ ہے کہ ضروریات کو دل کے اندر ہی پوشیدہ رکھے رب تعالیٰ کے سوا کسی کے سامنے اظہار نہ کرے درویشِ ربانی اصل مالک سے مانگتا ہے اور اصل مالک رب تعالیٰ ہے جس نے دنیا کے دروازے کھٹکھٹائے وہ درویش نہیں پست ہمت ہے

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى

مرتدین نے کہا ہرگز نہ ہٹیں گے ہم اس بچھڑے کے پاس اعتکاف کرنے سے یہاں تک کہ

بولے ہم تو اس پر آسن مارے جمے رہیں گے جب تک

يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى (۹۱) قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا

لوٹیں ہماری طرف موسیٰ ۔ فرمایا اے ہارون کس چیز نے

ہمارے پاس موسیٰ لوٹ کے آئیں۔ موسیٰ نے کہا اے ہارون تمہیں کس بات نے

مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا (۹۲) اَلَّا تَتَّبِعَنِ ط

منع کیا تم کو جب کہ تم نے دیکھ لیا تھا کہ یہ گمراہ ہو گئے اس بات سے کہ پیچھے چلے آتے میرے

روکا تھا جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے دیکھا تھا کہ میرے پیچھے آتے

أَفَعَصَيْتَ أَمْرِي ﴿٩٣﴾ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَأْخُذْ

تو کیا تم نے دھیان نہ دیا میرے حکم پر۔ فرمایا (جواباً) اے میرے ماں جائے نہ پکڑو

تو کیا تم نے میرا حکم نہ مانا۔ کہا اے میری ماں جائے نہ میری

بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَأْسِي ۚ إِنِّي خَشِيتُ أَنْ

میری داڑھی اور نہ زلفیں بے شک میں نے اندیشہ سوچا کہ کہیں

داڑھی پکڑو نہ میرے سر کے بال مجھے یہ ڈر ہوا کہ

تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِي إِسْرَاءِيلَ وَلَمْ

تم یہ کہو کہ تو نے ہی فرقہ بازی کرادی بنی اسرائیل کے درمیان اور نہ

تم کہو گے تم نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور تم نے

تَرْقُبْ قَوْلِي ﴿٩٤﴾ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ

انتظار کیا تو نے میرے فیصلے کا۔ فرمایا اچھا اب تیرا کیا بیان ہے

میری بات کا انتظار نہ کیا۔ موسیٰ نے کہا اب تیرا کیا حال ہے

يَسَامِرِيُّ ﴿٩٥﴾

اے سامری

اے سامری

تعلقات اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت ھارون کے خطاب کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں گمراہ قوم کی ضد اور ہٹ دھرمی سے انکار کرتے ہوئے جواب دینے کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ نے قوم کو جھڑکا جس پر قوم نے بچھڑا بنانے کا طریقہ اور گمراہ

گرسامری کا ذکر کیا۔ اب اِن آیات میں حضرت موسیٰ کا حضرت ھٰرون کو جھڑکنے کا تذکرہ ہے۔
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی جلالی اور فائدے مند طبیعت کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں حضرت ھٰرون علیہ السّلام کی نرم دلی اور جمالی طبیعت کا ذکر ہوا۔ اور اشارہ فرمایا گیا کہ رہنمایانِ قوم کی جمالی طبیعت اکثر فائدہ نہیں دیتی بلکہ قوم اِس سے ناجائز فائدہ اٹھالیتی ہے۔

تفسیر نحوی

قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى قَالَ یٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَیْتَهُمْ ضَلُّوْۤا اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ۔ قَالُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ لَنْ نَّبْرَحَ۔ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع نفی تاکید بلن جمع متکلم مستقبل بَرْحٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ ھٹنا۔ گزر جانا۔ بچ نکلنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے گزشتہ رات کو بارحہ اور بچ نکلنے والے کو مبروح اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کشادہ میدان یا جگہ کو بَرَاحٌ اِسی لیے کہا جاتا ہے وہاں سے بچ نکلنا آسان ہوتا ہے۔ سختی اور تکلیف کو مبَرّح اسی لیے کہاجاتا ہے کہ اُس سے دور بھاگا جاتا ہے یہاں براحۃ کی نفی تاکیدی کا معنیٰ ہوا سختی سے ڈٹ جانا۔ عَلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے ہِ ضمیر کا مرجع عجلاً یا عقیدۂ معبودیت عٰكِفِیْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر واحد ہے عَاكِفٌ بمعنیٰ اعتکاف۔ بیٹھنے والے عُكُفٌ سے مشتق ہے ترجیہ ہے ایک جگہ مقید ہوکر مقیم رہنا یہ بحالتِ نصب ہے حال ہے لَنْ نَّبْرَحَ کے فاعل کا حَتّٰى حرفِ جر بمعنیٰ اِلٰی انتہاءِ غایت کے لیے یعنی جب تک حَتّٰى کا اپنا معنیٰ ظرفِ زمانی والا یعنی جب اور اِلٰی کے معنیٰ سے انتہائیہ ہوا یعنی تک اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے یَرْجِعَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب رُجُوْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لوٹنا واپس آنا۔ اِلَیْنَا دو لفظ ہیں ۱۔ اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ مقصد کے لیے ۲۔ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل اس کا مرجع مرتدین۔ بنی اسرائیل ہیں۔ موسیٰ یہ اسم مقصورہ ہے اِس کے تینوں اعراب تقدیری یعنی پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہاں بحالتِ ضمہ ہے کیونکہ فاعل ہے یَرْجِعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر حَتّٰى سے مجرور ہوکر متعلق ہے لَنْ نَّبْرَحَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا۔ قَالُوْا۔ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ یٰهٰرُوْنُ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ خیال رہے کہ ہر فعل کا فاعل ضرور ہوتا ہے۔ کبھی ظاہر کبھی پوشیدہ کبھی معلوم کبھی نامعلوم۔ پوشیدہ ہو تو اس کو فعل با فاعل کہتے۔ فاعل معلوم ہو تو فعل معروف

نامعلوم ہو تو فعل مجہول کہتے ہیں۔ یَا حرفِ ندا۔ ھٰرُوْنُ۔ منادٰی مرفوع۔ جب منادٰی مضاف نہ ہو تو ہمیشہ مرفوع ہی ہوتا ہے اور جب مضاف ہو تو منصوب ہوتا ہے جیسے یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ مَا موصول سوالیہ استفسار اور وضاحت کے لیے۔ مَنَعَ۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیرِ صیغہ اس کا فاعل ہے اس کا مرجع مَا ہے۔ کَ ضمیر متصل واحد مذکر حاضر اس کا مرجع ہے ھٰرُوْنُ مفعول بہ ہے مَنَعَ کا اِذْ حرفِ ظرفِ زمانی رَاَیْتَ بابِ فَتَحَ ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ ضمیرِ بارز اس کا فاعل ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل اس کا مفعول بہ ہے ضَلُّوْا۔ بابِ کَفَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یَضَلُّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے یعنی صحیح راستے سے ہٹ جانا۔ یعنی گمراہ ہو جانا کچھ کھائی نہ دینا۔ فارقتہ ہو جانا محبت میں یہاں پہلے معنیٰ میں ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا ھُمْ ضمیر ظاہر کا وہ حال ذوحال مل کر مفعول بہ ہے رَاَیْتَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ظرف ہوا مَنَعَ کا اَلَّا دراصل اَنْ لَا ہے اَنْ ناصبہ مصدریہ مضارع کو نصب دے کر مصدر کے معنیٰ میں کرنے والا لَا تَتَّبِعَ بابِ افتعال کا فعل مضارع منفی بلا واحد مذکر حاضر اس میں پوشیدہ ضمیرِ صیغہ اَنْتَ فاعل ہے۔ مرجع ہے ھٰرُوْن اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبِعٌ سے بنا ہے یعنی پیچھے پیچھے آنا۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ نِ دراصل نِیْ تھا نون وقایہ کی ضمیر متکلم مفعول بہ ہے۔ لَا تَتَّبِعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَفَ۔ دراصل ءَ اَ تھا۔ فَ حرفِ عطف اَ ہمزہ سوالیہ حصر تاکیدی پیدا کرنے کے لیے سوال کو پہلے کر دیا گیا۔ لفظِ اَفَ قرآن مجید میں تقریباً ایک سو چودہ بار آیا ہے۔ ترجمہ ہے کیا پس فَ عاطفہ تعقیبیہ عَصَیْتَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیرِ بارز اَنْتَ ہے مرجع ھٰرُوْن ہے اَمْرِیْ۔ مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَلَّا تَتَّبِعَ کا دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے مَنَعَ کا مَنَعَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ جواب ندا ہوا حرفِ ندا اپنے منادٰی و جواب سے مل کر جملہ ندائیہ اسمیہ ہو کر مقولہ قَالَ اپنے مقولہ سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ یٰسَامِرِیُّ۔ قَالَ فعل با فاعل ھُوَ پوشیدہ مرجع ھٰرُوْن جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یَبْنَؤُمَّ۔ یَا اِبْنَ اُمِّ۔ یَا حرفِ ندا۔ اِبْن اسم مفرد جامد یعنی بیٹا مضاف ہے درمیان کی واؤ وصلی ہے جو کہ اس کو اُمّ سے ملانے کے لیے تاکہ اُمّ کی ہمزہ اصلیہ مع اعراب (حرکت)

سلامت رہے اُمّم۔ دراصل اُمّی تھا یاءِ متکلم کو حذف کیا تخفیف کے لیے اور منادیٰ مضاف کا فتحہ باقی رکھا اس لیے ہوا اُمَّ۔ مضاف الیہ ہے ابن کا یہ مرکّبِ اضافی منادیٰ ہے لَا تَاْخُذْ باب نَصَرَ کا فعل نہی حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل بِ جارّہ تعدیہ کی لِحْیَۃ اسم مفرد وحدت کی تَ ہے بمعنیٰ داڑھی کے بال مضاف ہے یٔ ضمیر متکلم مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی معطوف علیہ واوٗ عاطفہ لَا نافیہ لَا تَاْخُذْ کی عطفی تاکید کے لیے بِ جارّہ تعدیہ کا رَاْس۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ سر مراد ہے سر کے بال زُلفیں یہ مرکّب اضافی معطوف علیہ ہے پہلے مجرور بِلِحْیَتِیْ پر دونوں معطوف مل کر متعلق ہے لَا تَاْخُذْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر یہ جوابِ ندا یَا بْنَؤُمَّ ایک قرأت میں یَا بْنَؤُمِّ ہے۔ ایک قرأت میں بِلَحْیَتِیْ ایک میں بِلُحْیَتِیْ۔ اس طرح بِرَاْسِیْ اور بِرَاْسِیْ ہے اِنَّ حرفِ مشبّہ یٔ ضمیر متکلم اس کا اسم خَشِیْتُ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد متکلم خَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اندیشہ کرنا یعنی دل میں ڈرنا کسی کے رعب میں آنا ضمیر بارز متکلم اس کا فاعل مراد ھٰرون ہیں۔ اَنْ ناصبہ تَقُوْلَ فعل مضارع مستقبل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ صیغہ اس کا فاعل فَرَّقْتَ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر اَنْتَ اس کا فاعل۔ تَقُوْلَ کا مرجع موسیٰ اور فَرَّقْتَ کا مرجع ھٰرون علیہما السّلام بَیْنَ اسم ظرف مضاف ہے بنی اسرائیل مرکّب اضافی مضاف الیہ ہے یہ دونوں مل کر ظرف ہوا فَرَّقْتَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ وَاوٗ عاطفہ لَمْ تَرْقُبْ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع نفی جحد بِلَمْ بمعنیٰ ماضی اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ھٰرون قَوْلِیْ۔ قَوْل مصدر مضاف یاءِ متکلّم مفعول مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہوا لَمْ تَرْقُبْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَرَّقْتَ پر دونوں عطف مل کر مقولہ مفعول بہ ہوا تَقُوْلَ سب سے مل کر مفعول بہ ہوا خَشِیْتُ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع موسیٰ علیہ السلام۔ فَ زائدہ تحسینِ کلام کے لیے مَا حرفِ سوال خَطْبُ اسم مفرد جامدِ حاصلِ مصدر خَطْبٌ کا لغوی ترجمہ ہے باتیں کرنا کسی سے خطاب کرنا۔ اصطلاح میں بڑا اُلٹا معاملے اور حالت کیفیت و حقیقت کو کہا جاتا ہے جس کا تذکرہ چرچہ اور باتیں لوگوں میں اہمیت سے کی جا رہی ہوں یہاں اصطلاحی معنیٰ میں ہے یہ مرکّب اضافی سوال و مسئول ندا کا جوابِ مقدم ہے۔ یا حرفِ ندا سامری منادیٰ۔ یَا ندائیہ اپنے منادیٰ اور جوابِ مقدم سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ لفظِ تَرَقُّبْ رَقْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ انتظار کرنا۔ نظر رکھنے

کو رَقُوبٌ اور عاشق کے مخالف کو رقیب اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی ہلاکت یا ذلّت ورُسوائی کا انتظار کرتے ہیں رُقُبٌ ہفت قسام میں صحیح ہے۔ خیال رہے کہ عربی زبان میں کُل اصولی الفاظ سات ہیں اور ان کی شقیں وشاخیں بن کر اُنیس ہو جاتی ہیں ۱ لفظِ صحیح۔ وہ ثلاثی یا رباعی تین حرف یا چار حرف والا) جس میں حرف علت (واؤ۔ الف۔ ی) ہمزہ ایک جنس کے دو حرف نہ ہوں ۲ مہموزُ الفاء وہ ثلاثی لفظ جس کا فٔ کلمہ (پہلا حرف) ہمزہ ہو جیسے اَمْرٌ ۳ مہموز العین وہ ثلاثی لفظ جس کا عین کلمہ (دوسرا حرف) ہمزہ ہو جیسے مَنْدَمٌ ۴ مہموزُ اللام جس کا تیسرا حرف (لام کلمہ) ہمزہ ہو جیسے مُرُوٌّ ۵ معتل مثال الفی وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا حرف الف ہو مگر اس کا وجود کوئی نہیں ہوتا ۶ معتل مثال واوی وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا حرف واؤ ہو جیسے وَعدٌ وَلدٌ ۷ معتل مثال یائی وہ ثلاثی جس کا پہلا حرف ی ہو جیسے مَیْسَرٌ ۸ معتل اَجوفُ اَلفی وہ ثلاثی لفظ جس کا دوسرا حرف الف ہو جیسے رَاحٌ ۹ معتل اَجوف واوی جس کا دوسرا حرف واؤ ہو جیسے قولٌ ۱۰ معتل اَجوفُ یائی وہ ثلاثی لفظ جس کا دوسرا حرف ی ہو جیسے بَیعٌ ۱۱ معتل ناقص اَلفی وہ ثلاثی جس کا تیسرا حرف الف ہو جیسے خِفارٌ ۱۲ معتل ناقص واوی وہ ثلاثی جس کا تیسرا حرف واؤ ہو جیسے وَنُوٌّ ۱۳ معتل ناقص یائی وہ ثلاثی جس کا تیسرا حرف ی ہو جیسے رَمْیٌ ۱۴ لفیف مفروق۔ وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا اور تیسرا حرف حرفِ علت ہو جیسے وَلْیٌ ۱۵ لفیف مقرون اُولیٰ وہ ثلاثی لفظ جس کا پہلا۔ دوسرا حرف حرفِ علت ہو جیسے وَیْلٌ ۱۶ لفیف مقرون ثانی وہ ثلاثی لفظ جس کا دوسرا و تیسرا حرف حرفِ علت ہو جیسے کَوْیٌ ۱۷ مضاعف ثلاثی اُولیٰ جس کا پہلا اور دوسرا حرف حرفِ صحیح ایک جنس کا ہو جیسے مَمٌّ کَکٌّ۔ مگر یہ مستعمل نہیں ۱۸ مضاعف ثلاثی ثانی جس کا دوسرا و تیسرا حرف ایک جنس کا حرف صحیح ہو جیسے زَلٌّ ۱۹ مضاعف رباعی جس کا پہلا اور تیسرا و دوسرا و چوتھا ایک جنس کا حرفِ صحیح ہو جیسے زُلْزُلٌ ان کی اصولی اَقسام سات ہیں اس لیے اِن سب کو ہفت اقسام ہی کہتے ہیں۔ ایک شاعر نے ان کو اس شعر میں اس طرح جمع کیا ہے۔

صحیح ہست و مثال است مضاعف   لفیف و ناقص مہموز و اَجوف

تفسیر عالمانہ قَالُوا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْۤا۔ اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ۔ حضرت ھٰرون کی یہ نصیحت آمیز شفقانہ تقریر و تبلیغ سن کر مرتدین نے کہا اے ھٰرون ہم تمہاری

ان مخالفانہ نصیحتوں پر ہرگز عمل نہ کریں گے بلکہ اسی طرح اسی جگہ اس بچھڑے کے حضور میں حاضر و معتکف رہیں گے۔ جب تک کہ موسیٰ علیہ السّلام ہمارے پاس لوٹ کر نہیں آجاتے اب اس کا فیصلہ حضرت موسیٰ کریں گے وہ ہم کو بتائیں کہ یہ عبادت اور بچھڑے کی پوجا شرک و کفر ہے یا نہیں دیکھیں کہ وہ ہم کو منع کرتے ہیں یا قائم رکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ ہمارے اس کام سے خوش ہوں ہم کو شاباش دیں اور فرمائیں کہ واقعی یہ بچھڑا اللہ کی طرف سے ایک معبود و مسجود ہی بن کر آیا ہوا ہے اس میں اللہ کی ہی جلوہ گری ہو رہی ہے رب اس میں حلول کر گیا ہو اور سما گیا ہو۔ اگر حضرت موسیٰ نے اس کی تصدیق کر دی پھر تو ہم کامیاب ہو گئے۔ لیکن اگر انہوں نے اے ھٰرون آپ کی ہی طرح اس کی ممانعت فرمائی اور اس کام پوجا پاٹ کو شرک کفر اور حرام فرمایا تو ہم توبہ کر لیں گے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ان مرتدین نے اس بچھڑے کی تین طریقے سے عبادت کی۔ پہلا یہ کہ اس کے پاس اعتکاف کیا۔ اعتکاف بھی عبادت ہی ہوتا ہے۔ یعنی ہر وقت صبح شام رات دن کسی کو بطورِ تعظیم اور بنیتِ عبادتِ اعتکاف اس کے پاس حاضر رہنا اور ادب و احترام سے بیٹھے رہنا۔ صرف ضرورت کی بات کرنا یا اشاروں سے سمجھنا سمجھانا اور ضروریاتِ انسانی کے لیے باری باری نکلنا بنی اسرائیل نے یہ اعتکاف بھی کیا اور دوم یہ کہ کبھی کبھی اسی اعتکاف میں بچھڑے کے آس پاس رقص کرنے لگ جاتے۔ سوم یہ کہ جب وہ بچھڑا بولتا تو سجدے میں گر جاتے اس کی طرف منہ کر کے اور اس وقت تک سجدے میں پڑے رہتے جب تک دوسری بار نہ بولتا اور جب دوسری بار بولتا تو اُٹھ کر اسی طرح ناچنا شروع کر دیتے (از تفسیر روح المعانی یہی مقام) وَلَقَدْ قَالَ سے عٰكِفِيْنَ تک رب تعالیٰ کا خبریہ فرمان ہے اور سیاق و سباق سے جملہ معترضہ اس کے بعد قَالَ يٰهٰرُوْنُ سے تَوْلِيْ تک حضرت موسیٰ و ھٰرون کا مکالمہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السّلام نے مرتدین اسرائیلیوں کا پورا بیانِ معذرت سن لیا۔ تو اسی شرعی جذباتی غیظ و غضب کی حالت میں اپنے وزیر مشیر بڑے بھائی اور اس وقت کے خلیفہ نائب وصی حضرت ھٰرون کی طرف لوٹے جو وہیں نزدیک ہی تھوڑے فاصلے پر اپنے بارہ ہزار اہلِ ایمان ساتھیوں کے ساتھ موجود تھے۔ مگر صحیح قول یہ ہے کہ پہلے ھٰرون علیہ السّلام سے سخت لہجے میں باز پرس کی تھی۔ جیسا کہ سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۵۰ سے واضح ہوتا ہے۔ فرمایا اے ھٰرون تم کو کس بات نے منع کیا اور روکا تھا جب کہ تم نے دیکھا تھا ان لوگوں کو کہ یہ سب گمراہ ہو گئے ہیں میری اتباع کرنے سے اور تم نے میری اتباع نہ کی کیا جان بوجھ کر تم نے میری بات میرے حکم کی پرواہ نہ کی

حالانکہ تم میرے خلیفہ تھے مگر تم نے حقوقِ خلافت و نیابت ادا نہ کیے۔ نہ ان کو جھڑکا نہ ڈانٹا نہ ان سے جنگ کی میں تم سے کہہ کر گیا تھا کہ۔ اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِیْلَ الْمُفْسِدِیْنَ (از سورۂ اعراف آیت ۱۴۲) میری قوم میں میرے خلیفہ بن کر رہنا میری طرح تبلیغ و اصلاح کرنا اور کسی بھی سر اٹھاتے مفسدین کی بات پر نہ لگ جانا نہ کسی قسم کی نرمی برتنا۔ یہ حکم عدولی کیوں کی نہ یہ علیحدہ بیٹھ رہنے کا موقعہ تھا نہ نرم دلی اور شفقت و مروّت کا وقت تھا آخر دور کھڑے اس طرح تماشہ دیکھنے کی وجہ کیا تھی مجھے صاف صاف بتاؤ کہ کیا کوئی دباؤ تھا تم پر یا تمہاری بھول چوک تھی یا تمہاری ناسمجھی کہ تم نے اس وقت میری وہ باتیں نصیحتیں سمجھی نہ تھیں کہ میں کہنا کیا چاہتا ہوں تم نے غور سے نہ سنیں تھیں یا تم کسی اُلجھن میں پڑ گئے تھے کہ کیا کروں کیا نہ کروں۔ بعض نے فرمایا کہ اَلَّا تَتَّبِعَنِ کا معنیٰ ہے۔ تم میرے پاس فوراً طور پر کیوں نہ آ گئے اور آ کر مجھ کو نہ بتایا۔ تمہاری یہ جدائی بھی ان کے لیے ایک زجر ہی ہوتی۔ (از تفسیر خازن) قَالَ یَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِیْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَیْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ هٰرون علیہ السلام نے فرمایا اے میرے ماں جائے بھائی میری داڑھی اور میرے سر کے بال نہ کھینچ میں نے اس لیے ان مرتدین پر سختی نہ کی کہ میں تمہاری طرف سے ڈرتا تھا کہ کہیں تم نہ کہو۔ اے ہٰرون تم نے فرقہ بازی اور خانہ جنگی کرا دی بنی اسرائیل میں اور میرے آنے میرے فیصلے کا انتظار بھی نہ کیا ورنہ زبانی کلام سے تو میں نے ان کو کئی دفعہ سمجھایا تھا کہ توحید و رسالت اور شریعت والے دین پر ہی قائم رہو۔ میری اسی مشفقانہ گفتگو نرم دلی کی وجہ سے اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضْعَفُوْنِیْ وَكَادُوْا یَقْتُلُوْنَنِیْ فَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَآءَ وَلَا تَجْعَلْنِیْ مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (سورۃ اعراف آیت ۱۵۰) میری اس قوم نے مجھ کو کمزور سمجھ لیا تھا اور میری مصلحانہ نصیحتوں سے اتنے سیخ پا ہوئے تھے لگتا تھا کہ مجھ کو قتل کر دیں گے۔ یہ میری علیحدگی اپنی ایمان والی قوم کے ساتھ بھی اسی اصلاح کی غرض سے تھی لہٰذا۔ اے میرے ماں جائے سگے بھائی دشمنوں کو مجھ پر ہنسنے کا موقعہ نہ دو وہ لوگ تو پہلے ہی ہمارے خیر خواہ نہیں ہیں چاہتے ہیں کہ ہم دونوں بھائی لڑتے رہیں۔ مجھ سے اپنے غصے کو ٹھنڈا کرو اور مجھے ظالموں میں شمار نہ کرو۔ مفسرین فرماتے ہیں ہٰرون علیہ السلام حضرت موسیٰ کے سگے بھائی تھے۔ ماں باپ میں اور یَابْنَؤُمَّ کہہ کر صرف ماں کا تذکرہ کرنا فقط شفقت اور دل کو نرم کرنے کی وجہ اور غصہ ٹھنڈا کرنے کے لیے تھا خیال رہے کہ بہن بھائی تین قسم کے ہوتے ہیں۔ سگے۔ یعنی دونوں کے والدین ایک ہی ہوں ۲ علاتی

والد ایک والدہ مختلف ۳ آخیافی والدہ ایک والد مختلف۔ امام رازی نے تفسیر کبیر میں فرمایا کہ ہٰرون علیہ السّلام نے معذرت کا یہ طریقہ وبہجہ اس لیے بھی اختیار فرمایا کہ بنی اسرائیل میں بہت سے خناس نفس ابلیسی طبیعت اور شر پسند لوگ ایسے بھی تھے جو چاہتے تھے کہ ہر طرف سے فساد کی آگ بھڑکتی رہے یہاں تک کہ ہٰرون و موسیٰ علیہما السّلام کو بھی آپس میں لڑانے بھڑانے کی کوششیں بے فائدہ کرتے رہتے تھے اور ایسے موقعوں کی تاک میں رہتے تھے کہ جن سے اُنھیں فساد مچانے میں مدد ملے۔ ایک دفعہ حضرت ہٰرون چند دنوں کے لیے کسی جگہ تشریف لے گئے تو اُن ہی خُبثا نے مشہور کر دیا کہ موسیٰ نے ہٰرون کو قتل کر دیا ہے۔ معاذ اللہ۔ آج جب حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے اگر ہٰرون علیہ السّلام پر اس طرح سختی فرمائی تو ہٰرون علیہ السّلام ان شر پسندوں کی کسی نئی شرارت سے اندیشناک ہو کر اس طرح ملتجیانہ انداز میں معذرت کرتے ہوئے والدہ محترمہ کی نسبت کا واسطہ دیتے ہیں کہ یَا بْنَؤُمَّ۔ وَلَا تُشْمِتْ بِیَ الْاَعْدَاءَ۔ منافق دشمن کو نیا فساد مچانے کی مذاق بازی کرنے کا موقعہ نہ دو بعض مفسرین نے اِسی یَا بْنَؤُمَّ سے دھوکہ کھا کر کہا کہ حضرت موسیٰ و ہٰرون آپس میں اخیافی بھائی تھے۔ اور ہٰرون کے والد فوت ہو گئے تھے تب والدہ نے دوسرے شخص عمران سے نکاح کیا اور ان سے موسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ مگر یہ قول قطعاً غلط اور لغو ہے اس لیے کہ جب دو بھائیوں کی عمر میں دو یا تین سال کا فرق ہو تو دوسری شادی اتنی جلدی رواجاً مشکل ہے جمہوری اور صحیح قول یہی ہے کہ آپ والدین میں سگے شریکے تھے، صرف یَا بْنَؤُمَّ کہنا دل کو نرم غصے کو ٹھنڈا کرنے کے لیے تھا حضرت موسیٰ نے ہٰرون علیہ السّلام کے سر اور داڑھی کے بال پکڑ کر جھنجھوڑا تھا جس سے ثابت ہوا کہ آپ کے سر اور داڑھی شریف کے بال اتنے دراز ہوتے تھے جو پکڑے جا سکیں تفسیروں روایتوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ نے داہیں ہاتھ سے (دستِ یمین سے) سر کے بال شریف اور بائیں دستِ یسار سے داڑھی کے بال شریف پکڑے تھے (از تفسیر بیضاوی صاوی۔ مدارک مظہری) اس موقعہ پر حضرت موسیٰ نے تین لوگوں سے سرزنش اور باز پُرس فرمائی۔ پہلے آتے ہی ہارون علیہ السلام کو سرزنش فرمائی ان کی سچی حقیقی معذرت سننے کے بعد مرتدین سے باز پرس فرمائی۔ قوم نے اپنی معذرت اور بیانِ صفائی دیتے ہوئے اصل مجرم سامری کو بنایا اور جب ان کو حضرت موسیٰ کے غضب غصے اور جھڑک و جلال سے پتہ لگ گیا کہ ہم گمراہ ہو گئے ہیں تب مزید معذرت اور پشیمانی کرتے ہوئے اِن لفظوں سے توبہ کرتے ہیں کہ وَلَمَّا سُقِطَ فِیْٓ اَیْدِیْهِمْ وَرَاَوْا اَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوْا قَالُوْا لَئِنْ لَّمْ یَرْحَمْنَا رَبُّنَا

وَيَغْفِرْ لَنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۴۹) اور جب گرا دیئے گئے وہ اپنی نظروں میں اپنے ہی سامنے اور سمجھ گئے کہ بے شک وہ گمراہ ہو گئے ہیں تب (ندامت سے) کہنے لگے کہ اب اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ فرمائے اور مغفرت نہ کرے تو یقیناً ہم بہت ہی ابدی نقصان والوں میں سے ہوں گے۔ حضرت موسیٰ نے اُن دونوں طرف کی معذرت سننے کے بعد ان مُرتدین کی توبہ کو اللہ تعالیٰ کے سپرد فرما کر فرمایا کہ اب ان کی توبہ اور توبہ کا طریقہ رب تعالیٰ کے سپرد ہے پھر سامری کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اس میں تین قول ہیں کہ اُس وقت سامری کہاں تھا۔ سامری وہیں قریب کھڑا تھا۔ سہما لرزا ہوا اور یہ سب جھڑک و جلال معذرت و بیان کا منظر دیکھ رہا تھا حضرت موسیٰ پھر وہیں اُس کی طرف متوجہ ہوئے ۲۔ سامری اپنے خیمہ میں ڈرا سہما بیٹھا تھا ۳۔ سامری بچھڑے کے پاس معتکف بیٹھا تھا ہو سکتا ہے بچھڑے سے التجا ئیں کرتا ہو کہ مجھے جلالِ موسیٰ سے بچالے حضرت موسیٰ اس کی طرف گئے اور قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ۔ ہاں اب تو بول اے سامری اِس کفریہ شرکیہ فعلِ بد سے تیرا کیا ارادہ تھا تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا کیسے کیا پوری قوم کی گمراہی سے تجھ کو کیا حاصل ہوا۔ تیری کیا شان و عزت بڑھی اِس حرکت کی برائی اور بیان تو سب کے سامنے اپنی زبان سے بتا تاکہ اِن گمراہوں کو بھی معلوم ہو جائے کہ تو کتنا مکار جھوٹا گمراہ گر ہے تیری اس کذب بیر تقریر سننے کہ یہ بچھڑا تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے تجھ کو دینی یا دنیوی کیا فائدہ پہنچایا۔ بتا تیری غرض کیا تھی۔ حضرت موسیٰ کا یہ غصہ و جلال اُنقِیَ الْاَلْوَاحَ سے۔ یہاں سامری کی سرزنش اور باز پرس تک ایک جیسا رہا۔ ھٰرون علیہ السلام کے بال آپ نے اُن سے شروع کلام میں پکڑ لیے تھے اور معذرت کے آخری قول لَمْ تَرْقُبْ قَوْلِيْ کے بعد چھوڑے پھر سامری کو اس کی پوری بات سن کر سزا سنائی۔ جس کا ذکر آگے آ رہا ہے پھر اپنے اور اپنے بھائی ھٰرون علیہ السلام کے لیے دعا مانگی۔ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ (اعراف آیت ۱۵۱) پھر مرتدین کی سزا کا حکم طور پر جا کر رب تعالیٰ سے سنا کہ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (بقرہ آیت ۵۴)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دنیا میں انسان کے واسطے دینی دنیوی کامیابیوں کے حصول کے لیے دلیلوں ترکیبوں سے زیادہ ہدایتِ الٰہی ملنا ضروری ہے اگر کسی خوش قسمت کو ہدایتِ ربانی حاصل ہو جائے تو نہ اُس کو دلیلوں کی حاجت رہتی ہے نہ کسی گمراہ گر کی گمراہ گری کا نقصان لیکن اگر اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور ایمان

کی روشنی دل پر نہ آئے تو بیسوں دلیلیں دیکھ سن کر بھی انسان گمراہ ہوتا جاتا ہے۔ اور گمراہی سے ضد و تعصب کرتا ہے۔ یہ فائدہ قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ (الخ) کے کلام فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو فرعونی جادوگروں نے صرف ایک سانپ کی دلیل دیکھی تو ہدایت نصیب ہو گئی اور مومن صحابی دلیر صابر شہید ہو گئے مگر بنی اسرائیل نے تیرہ دلائل دیکھے پھر بھی قسمت میں ہدایت نہ تھی مرتد ہو گئے ۱۔ عصا کا معجزہ ۲۔ ید بیضا کا معجزہ ۳۔ جادوگروں کا اقرار کرنا کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا جادوگری نہیں نشانِ نبوت کا معجزہ ہے ۴۔ فرعون و فرعونیوں پر جوؤں کا عذاب پھر دعاءِ موسیٰ کے سبب نجات ۵۔ مینڈک کا عذاب ۶۔ قحط کا عذاب ۷۔ خون کا عذاب ۸۔ طوفان کا عذاب ۹۔ مکڑی کا عذاب ۱۰۔ بنی اسرائیل کے لیے دریا میں بارہ راستے بن جانا ۱۱۔ تمام بنی اسرائیل کا دریا سے نجات پا جانا ۱۲۔ فرعون اور فرعونیوں کا غرق ہو جانا ۱۳۔ موسیٰ علیہ السلام کی پیشگی خبریں اور ان کا سچا ہونا۔ ان نشانیوں کو دیکھنے کے باوجود ہدایت نہ ملی لہٰذا گمراہ ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت نے فرعون سے نجات دی مگر اپنی اندھی تقلید سے پھر گمراہی میں پھنس گئے۔ ان واقعات سے ہمیں یہ سبق اور فائدہ ملتا ہے کہ ہم بھی دلائل اور معجزات و کرامات کی کھوج میں نہ لگے رہیں۔ بس اللہ تعالیٰ سے ہدایت اور نورِ قلبی کی دعا مانگا کریں۔ عقلی اور انسانی دلیلیں توڑی جا سکتی ہیں مگر ہدایت کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔ دوسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ امر و نہی میں پہلے اپنے گھر کی خبر لے شریعت کا حکم اور ممانعت پہلے گھر والوں کو سنائے خطا و لغزش سے پہلے اپنوں کو روکے ٹوکے پھر دوسروں کی طرف متوجہ ہو۔ یہ فائدہ یہاں قَالَ يٰهٰرُوْنُ (الخ) اور سورۂ اعراف آیت ۱۵۰ میں۔ وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو موسیٰ علیہ السلام نے پہلے یہ سرزنش اور باز پرس اپنے گھر سے شروع کی۔ بلکہ اپنے بھائی پر زیادہ غصہ اور سختی فرمائی۔ حالانکہ یہ اہلِ خانہ رسول و نبی تھے تیسرا فائدہ۔ عند اللہ بزرگی ہمیشہ مرتبہ اور مقام سے ہوتی ہے اور مقام و مرتبہ علم و عقل سے حاصل ہوتا ہے نہ کہ فقط خاندانی عمر سے۔ اور زیادہ احترام بزرگی کا ہوتا ہے نہ کہ عمر کا یہ فائدہ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ وَلَا بِرَاْسِيْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو ہارون علیہ السلام عمر میں حضرتِ موسیٰ سے بڑے تھے مگر مقام اور مرتبے میں موسیٰ علیہ السلام کو بزرگی حاصل تھی اس لیے حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون کا احترام نہ فرمایا بلکہ ہارون علیہ السلام نے حضرت موسیٰ کا احترام کیا۔

احکام القرآن

اِن آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ اعتکاف بیٹھنا بھی عبادت ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کے سوا جس طرح کسی کو سجدہ کرنا حرام ہے اسی طرح کسی بھی غیر اللہ کے لیے کہیں بھی اعتکاف بیٹھنا اور نیت کر کے اعتکاف سے ٹھہرا رہنا یا ایسے اعتکاف کی منت ماننا حرام اور شرک ظاہری کے درجہ میں ہے خواہ کسی کے مزار کے پاس یا اپنے کسی چلے خانے یا خلوت و مراقبے میں یہ نیت کرنا کہ میں فلاں بزرگ یا اپنے پیر کے لیے اعتکاف بیٹھ رہا ہوں یہ سب اس لیے حرام ہے کہ یہ عبادت غیر اللہ بن جائیں گی اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے غیر کی تعظیم کے لیے اعتکاف بیٹھا تو شرک ہو جائے گا آج کل بہت سے شیطانی پیروں مریدوں میں فوٹو تصویر بنانے بنوانے کی عادت پڑ گئی ہے اور بعض بدبخت خطیب تو اس کو جائز بھی قرار دے رہے ہیں حالانکہ تقریباً چالیس احادیثِ مبارکہ سے اس کی حرمتِ قطعی ثابت ہو رہی ہے جو صحاح ستہ میں مذکور ہیں۔ پیر لوگ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ ان کا ہر مرید ان کی تصویر ہر وقت اپنے پاس رکھے بہانہ کرتے ہیں تصورِ شیخ کا اسی طرح بعض پیر اپنی تعظیم و تصور کے لیے اعتکاف بٹھاتے ہیں اور مراقبے کراتے ہیں کہ پیر کی بھی سجائی فوٹو اُن کے سامنے رہے۔ اگر کوئی مرید اپنے کسی پیر کے حکم سے اعتکاف بیٹھ کر چلہ کشی کرے گا تو کرانے والا مثل سامری گمراہ گر اور زندیق ہوگا اور وہ مرید ایمان سے خارج ہو کر مرتد ہو جائے گا۔ ہر بت پرست اپنے بت کے پاس بیٹھ کر اعتکاف کرتا ہے۔ قرآن کریم نے اس اعتکاف کو بت پرستی میں شمار کیا ہے۔ یہ مسئلہ لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ دالخ) سے مستنبط ہوا۔ قرآنِ مجید میں لفظِ اعتکاف کو بہت جگہ کفار کی عبادت و پرستش فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ شعرٰی آیت ۷۱ میں قوم ابراہیم کے اعتکاف کا اس طرح ذکر ہے۔ قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَامًا فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِیْنَ۔ یعنی کہا انہوں نے ہم بتوں کو پوجتے ہیں تو اُن کے لیے اعتکاف بیٹھتے ہیں۔ اعراف آیت ۱۳۸ میں ہے کہ بنی اسرائیل دریا سے نجات پاکر نکلے تو۔ فَاَتَوْا عَلٰى قَوْمٍ یَّعْكُفُوْنَ عَلٰۤى اَصْنَامٍ لَّهُمْ۔ ایک قوم پر سے گزرے جو بتوں کے پاس اعتکاف کی عبادت کر رہے تھے۔ یہاں بھی آگے فرمایا جا رہا ہے۔ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا۔ ان تمام آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ ہر اعتکاف عبادت ہی ہے بلکہ سامری نے خود بچھڑے کی عبادت صرف اعتکاف کی تعظیم سے کی نہ اُس نے بچھڑے کو سجدہ کیا تھا نہ اُس کے سامنے رقص۔ مسلمان مرد کا اللہ تعالیٰ کے لیے اعتکاف بھی صرف مسجد

میں جائز ہے اور مسلمان عورت کا اعتکاف صرف گھر کے ایک مخصوص کمرے میں اگر کسی مزار یا گھر وغیرہ کے پاس اللہ کے لیے اعتکاف کیا تب بھی اسی طرح گنا ہگار ہو گا جس طرح غیر کعبہ کو منہ کر کے نماز پڑھنے سے۔ دوسرا مسئلہ۔ اللہ تعالٰی کے لیے غضب ناک ہونا بھی عبادت و کارِ ثواب ہے اس غضب ناکی میں کوئی غلطی کر جانا بھی قابلِ معافی ہے قابلِ گرفت نہیں۔ یہ مسئلہ یہاں لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ (الخ) فرمانے اور سورۃ اعراف آیت نمبر ۱۵۰ میں وَاَلْقَى الْاَلْوَاحَ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو کلام اللہ کی تعظیم اور بڑے بھائی کا احترام واجب تھا مگر غضب لِلّٰہ سے مجذوبانہ کیفیت پیدا ہوئی جس میں توریت کی تختیاں زمین پر پھینک دیں اور بڑے بھائی کی داڑھی و سر پکڑ لیا بلکہ کھینچا جھنجھوڑا یہ سب درست نہ تھا ہارون علیہ السلام اس سرزنش کے مستحق نہ تھے انہوں نے قوم کی اصلاح اور سمجھانے منع کرنے میں غفلت نہیں برتی تھی۔ مگر پھر بھی اس نادرست سرزنش کر دینے پر حضرت موسیٰ سے بدلہ نہ لیا گیا۔ اس سے یہ مسئلہ بھی واضح ہوا کہ استاد شاگرد کو والد و والدہ اپنی اولاد کو پیر مرید کو اگر غلطی سے سزا دیدے تو جائز ہے گرفت اور مواخذہ نہ کیا جائے گا۔ تیسرا مسئلہ۔ ہر مسلمان مرد کو سر پر لمبے بال رکھنے جائز ہیں مگر عورتوں کی طرح چٹیا کی حد تک نہیں ان کی اصولی حد مقرر ہے کہ اس حد سے زائد نہ رکھے جائیں۔ لیکن داڑھی کے بال چار انگل لمبی رکھنی واجب و لازم ہے نہ کم نہ زیادہ۔ داڑھی کے بال قابلِ احترام ہیں کیونکہ مومن کی نشانی ہے۔ داڑھی مونڈنا یا کترانا اور داڑھی کے بال اتار پھینکنا اس کی توہین ہے یہ مسئلہ یہاں لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ (الخ) اور سورۃ اعراف میں صرف اَخَذَ بِرَاْسِ اَخِيْهِ۔ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اگرچہ حضرت موسیٰ نے داڑھی اور سر دونوں کے بال پکڑے تھے مگر وہاں رب تعالٰی نے صرف سر کا ذکر فرمایا داڑھی کا تذکرہ نہ فرمایا۔ تاکہ عوام کی نظروں میں داڑھی کا احترام برقرار رہے۔ لہٰذا مسلمانوں پر بھی اپنی اور ہر مسلمان کی داڑھی کا احترام واجب ہے اور داڑھی منڈانا داڑھی کی توہین ہے جو شرعاً جرم ہے۔ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِيْ سے ثابت ہوتا ہے کہ اتنی داڑھی رکھنی لازم ہے جتنی داڑھی انبیاءِ کرام نے رکھی اور وہ چار انگل ہی ہے اس لیے کہ اتنی لمبی داڑھی پکڑی جا سکتی ہے۔ انبیاء کرام کی سنتیں امت پر واجب ہوتی ہے۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ چار انگل سے زیادہ رکھنی بھی ناجائز و گناہ ہے اس کے دلائل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھیے۔ عربی زبان میں سر کے بالوں کے سات نام ہیں نمبر ۱ حلقہ نمبر ۲ قصرہ نمبر ۳ قزع نمبر ۴ جمہ نمبر ۵ لمہ نمبر ۶ وفرہ نمبر ۷ عقصہ شریعتِ اسلامیہ میں مسلمان مردوں کو پانچ

قسم کے بال رکھنے جائز ہیں ۱؎ حلقہ یعنی پورا سر استرے سے منڈانا ۲؎ قصرہ یعنی پورا سر قینچی یا مشین سے کترانا ۳؎ وَفرہ کندھوں تک زلفیں رکھنا ۴؎ لُمّہ۔ کانوں کی لَو یعنی گدی تک زلفیں رکھنی ۵؎ جُمّہ کانوں کے اوپری حصہ کے برابر پٹے رکھنا۔ عورتوں کو صرف عقصہ بال رکھنے جائز ہیں یعنی پوری چٹیا۔ باقی حلقہ۔ قصرہ۔ وفرہ۔ لُمّہ۔ جُمّہ یہ سب قسمیں عورتوں کو منع ہیں۔ ۶؎ قزع یعنی سر کے کچھ بال منڈانا یا مشین وغیرہ سے کترانا اور کچھ بال بڑے بڑے رکھنا (مُنجد) یہ طریقہ اور اس قسم کے بال رکھنا عورت و مرد دونوں کو منع ہیں شرعًا ناجائز ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ انبیاء کرام بھی لغزشیں کر سکتے ہیں بلکہ گناہ کبیرہ وصغیرہ کا ارتکاب بھی اُن سے ممکن ہے یہ بات اس آیتِ قرآنیہ سے ثابت ہو رہی ہے اس طرح کہ قال یٰھٰرُوْنُ (الخ) اگر حضرت موسٰی نے اپنی اتباع کا حکم دیا تھا اور ھٰرُون علیہ السّلام نے نہ کی تو حضرت ھٰرُون گناہگار ہوئے کیونکہ یہ اتباعِ شریعت کا حکم تھا جس کی اتباع واجب تھی اور ترکِ اتباع معصیت اور گناہ اور اگر حکم نہ دیا تھا لیکن پھر بھی یہ کہہ رہے ہیں تو موسٰی علیہ السّلام گناہگار کیونکہ اس پر سرزنش کر رہے ہیں جس کا حکم ہی نہ دیا۔ اگر حکم دیا تھا اور ھٰرون علیہ السّلام نے اتباع بھی کی تب بھی حضرت موسٰی گناہگار ہوئے کہ جس حکم پر عمل ہو چکا ہے اُس پر پھر سرزنش کر رہے ہیں اور ملامت وسرزنش گناہ ہے اس لیے کہ غیر مجرم کو ملامت گناہ ہے نیز حضرت موسٰی نے فرمایا اَفَعَصَیْتَ اَمْرِیْ۔ یہ استفہام انکاری ہے یعنی ایسا کیوں کیا نہ کرنا چاہئے تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ھٰرون علیہ السّلام نے واقعتًا نافرمانی کی تھی اور یہ نافرمانی گناہ تھی اگر نافرمانی نہ کی تھی تو اَفَعَصَیْتَ کہنا کذب ہوتا ہے۔ اور پھر حضرت موسٰی نے حضرت ھٰرون کی داڑھی پکڑ لی سر کے بال بھی اگر یہ پکڑنا تحقیقِ حال سے پہلے تھا تو موسٰی گناہ گار کہ تحقیقِ حال سے پہلے سزا یا توہین جائز نہیں اگر تحقیقِ حال کے بعد تب بھی غلط کیونکہ ھٰرون علیہ السّلام نے قوم کو بہت سمجھایا تھا۔ یہی ان کا فرض تھا جو انہوں نے پورا کیا اِس کے باوجود موسٰی علیہ السّلام کا ھٰرون کی توہین ناجائز تھی اور اگر جائز تھی تو حضرت ھٰرون کا لَا تَاْخُذْ کہنا غلط ہوا اور یہ بھی گناہ بہرکیف دونوں نبی ہیں مگر کسی نہ کسی طرف گناہ لازم آتا ہے۔ (دیکھو آلوسی اور منکرینِ عصمتِ انبیاء) جواب۔ تفسیر کبیر نے اِس کے چند جواب دیئے ہیں مگر سب کا خلاصہ یہ کہ اِس ساری باز پُرس سوال وجواب میں نہ موسٰی غلط ہوئے نہ ھٰرون علیہما السّلام۔ گناہ تو بڑی بات ہے اس کو خطا و لغزش بھی نہیں

کہا جاسکتا۔ حضرت ھٰرون تو اس لیے بری الذمہ کہ بحیثیت نبوت قانونِ تبلیغ کے مطابق انہوں نے اپنی پوری ذمہ داری ادا فرمادی۔ وَمَا عَلَیْنَآ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ پورا فرما دیا۔ اور حضرت موسیٰ اس لیے بری کہ آپ کی ذمہ داری اور اَلْغَضَبُ لِلّٰہِ کی کیفیت اُس وقت اسی بات کا تقاضہ کرتی تھی کہ آپ اُس وقت تحمل اور نرمی کا ہرگز مظاہرہ نہ فرمائیں ورنہ ارتداد کی کفریہ اہمیت اور جرم کی بدترین نفرت انگیز کیفیت ختم ہوجاتی اور مرتدین کو اپنے جرم کا احساس نہ ہوتا۔ اُس وقت اگرچہ حضرت ہارون پر سختی کی گئی مگر لرزہ سب پہ طاری ہوگیا۔ اور بدکرداری کا احساس ہوگیا اسی احساس نے توبہ کی طرف مائل کردیا اور اعتراف جرم کرلیا حضرت موسیٰ کا یہ جلال آمیزہ کردار عین شریعت کے مطابق تھا۔ حضرت ھٰرون کی تبلیغ کا نہ موسیٰ علیہ السّلام کو علم تھا نہ مرتدین کو احساس اپنے علم اور مرتدین کو احساس دلانے کے لیے موسیٰ علیہ السّلام کا یہ رویہ ایسا ہی جائز اور موقعہ کے لحاظ سے ضروری تھا جیسا کہ استاد دیگر شاگردوں کی تخریب کاری دیکھ کر ذمہ دار شاگرد یا ناظم الامور پر اُس کی ذمہ کے متعلق گرفت و مؤاخذہ کرنے کا حق رکھتا ہے۔ اس میں اگر کچھ خطا بھی ہوجائے اس طرح کہ واقعتاً اُس ناظم نے اپنی ذمہ داری نبھائی مگر حالات اُس کے قابو سے باہر ہوگئے ہوں۔ پھر بھی سب کے سامنے یہ سختی مفید ہے۔ تاکہ وہ ناظم خود بتائے کہ میں نے ان کو سمجھایا تھا مگر یہ نہ مانے۔ اس طرح مجرم کا دُگنا جرم ثابت ہوجاتا ہے حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی ھرون علیہ السّلام پر یہ سختی قانونی طور پر تفتیش اور عدالتی تحقیق تھی تاکہ مجرمین کا جرم با دلائل ثابت ہوجائے جو بات نرمی دکھانے سے حاصل نہ ہوتی۔ بعض نے جواب دیا کہ موسیٰ علیہ السّلام کی یہ سختی آپ کی اجتہادی غلطی تھی۔ اور حضرت ہارون پر یہ اتباع واجب نہ تھی اَولیٰ تھی۔ اس سے ترکِ اَولیٰ ہوا جو گناہ نہیں صرف نسیان ہے۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا لَا تَاْخُذْ بِلِحْیَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ۔ لیکن اسی واقعہ کو سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۰ میں بیان فرمایا گیا تو فرمایا وَاَخَذَ بِرَاْسِ اَخِیْہِ۔ یعنی یہاں داڑھی اور سر کا ذکر مگر وہاں صرف سر کا ذکر ہے یہ تضاد بیانی کیوں؟ جواب۔ اس کی تین وجہ بیان کی گئی ہیں ۱۔ یہ کہ وہاں جسمانیت بیان کی گئی ہے کیونکہ اصطلاحاً راس اس پورے عضو کو کہتے ہیں جس میں چہرہ ناک کان داڑھی آنکھیں ہوتی ہیں۔ اور اسی کو پکڑ کر کھینچا جاتا ہے تو راس کہنے میں دونوں چیزیں آگئیں اور اس کی وجہ یَجُرُّہٗٓ اِلَیْہِ کی وضاحت مقصود ہے کہ جھنجھوڑنے میں پورا راس تب ہی آتا ہے جب کہ گردن تک شامل ہو۔ اور پکڑنے کی نوعیت و کیفیت بیان کی جارہی ہے کہ سر اس انداز میں پکڑا تھا کہ بائیں ہاتھ میں داڑھی تھی اور دائیں میں اوپر سر کے بال۔ ۲۔ جواب یہ کہ وہاں چونکہ رب تعالیٰ نے بیان فرمایا اس لیے داڑھی کا

احترام سمجھانے کے لیے اس کا ذکر چھوڑ دیا۔ یہاں چونکہ ھٰرون علیہ السلام کا اپنا بیان تھا اس لیے اپنی داڑھی کا بھی نام لیا اور سر کا بھی اس میں حقیقت کی وضاحت ہو گئی۔ سوم جواب یہ کہ پہلے سر پکڑا پھر داڑھی اور پکڑی میں دونوں شامل پھر جب ھٰرون علیہ السلام نے اپنا کلام معذرت شروع فرمایا تب آپ نے داڑھی تو چھوڑ دی مگر سر آخر کلام تک پکڑے رکھا۔ یعنی یہاں صرف ابتدا کا ذکر ہے وہاں اول سے آخر تک کا ذکر ہے۔ کہ اول سے آخر تک سر پکڑے رکھا جب ھٰرون علیہ السلام کا کلام ختم ہوا تب آپ نے سر چھوڑا۔ مگر پہلا جواب زیادہ بہتر ہے۔ تیسرا اعتراض۔ دنیا میں ہر مذہب ہر انسان کے نزدیک سب سے زیادہ بری چیز فرقہ بازی اور اتحادِ انسانی کو توڑنا ہے اور قوم میں افتراق پیدا کرنا ہے اِتحاد بڑی ضروری چیز ہے اتحاد کی خاطر گناہ خطا اور بے عملی کرنا یا بوقتِ ضرورت گمراہوں کا ساتھ دینا بھی جائز ہے اور قوم میں گھل مل کر رہنا جائز ہے دیکھو حضرت ہارون نے صرف اِس خیال سے کہ قوم میں فرقہ بازی نہ ہو اور قومی اتحاد برقرار رہے مرتدین پر سختی نہ فرمائی صرف زبانی شیریں کلامی سے چند باتیں بطورِ نصیحت فرما دیں تاکہ کسی کا دل نہ دکھے اور جب موسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تو یہی فرمایا۔ خَشِيتُ أَن تَقُولَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ یعنی مجھے یہی ڈر تھا کہ کہیں تم یہ نہ کہو کہ ھٰرون نے بنی اسرائیل میں فرقہ بازی کر دی اور قومی اِتحاد کو پارہ پارہ کر دیا۔ لہٰذا آج اگر اتحاد کو بچانے کے لیے اور فرقہ بازی کی لعنت سے بچنے کے لیے سب کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے اور سب اچھے کا نعرہ لگایا تو بالکل جائز اور درست ہے۔ گمراہوں کے بداعمال کو بھی برا نہ کہو قرآن کریم کی اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ اتحادِ قوم ہر چیز سے زیادہ ضروری کیونکہ اتحاد سے کفر کو شکست ہو گی۔ اور جب کافر حملہ کرے گا تو نہ سنی کو دیکھے گا نہ وہابی کو نہ شیعہ کو اس لیے ہمیں بھی سب طرح کے لوگوں فرقوں سے مل کر سب کا احترام کر کے قوم کو مضبوط بنانا چاہیے کسی کو کافر کہو نہ کسی کو برا۔ کسی کے جھوٹے خدا کو بھی گالی نہ دو بلکہ عزت کرو یہی تعلیم قرآن ہے ہلاکو وغیرہ کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب مسلمانوں نے فرقہ بازی کی تو غیروں نے سب فرقوں کو ہلاک کر دیا۔ ہمارے اکابر نے انگریزوں کو ہندوستان سے نکالنے کے لیے ہندوؤں سے اِتحاد کیا گاندھی کو منبر پر جامع مسجد دہلی میں بٹھایا سعودی عرب میں نہرو کو رسولِ امن کے نعروں سے نوازا اس کی شان کو استقبال میں جلوس نکالے یہ سب قومی اِتحاد اور وطنی محبت اِسی آیت سے ثابت کرتے ہوئے کیا گیا۔ ڈاکٹر اقبال بھی پہلے پہل اسی قومی اِتحاد کے قائل تھے بعد میں نامعلوم اُن کو کیا ہوا کہ محمد علی جناح (قائد اعظم) کے کہنے

میں الگ قومیت کی حمایت کرنے لگے (راز حیاتِ اقبال۔ محمد کلیم آرائیں طبع مکتبہ تعمیر انسانیت اُردو بازار لاہور ص۲) اور اتحادی لیڈروں کے خلاف ہو گئے۔ (احراری دیوبندی اور بعض جعلی سنی لیڈر) جواب۔ مذکورہ آیتِ مبارکہ سے اس طرح استدلال کرنا درپردہ آیت اور ھٰرون علیہ السلام پر اعتراض ہے اور یہ استدلالی اعتراض چند وجوہ سے غلط ہے۔ ایک یہ کہ معترض آیت کا معنیٰ نہ سمجھا آیت کا معنیٰ یہ نہیں ہے کہ راہِ راست سے ہٹ کر اتحاد کیا جائے یا باطل کے ساتھ مل کر اتحاد ہو اتحاد کا مقصد تو باطل کو مٹانا اور اُس کی قوت توڑنا ہے نہ یہ کہ اُس کو مزید مضبوط کرنا دوم یہ کہ معترض فرقہ بازی کا معنیٰ بھی نہ سمجھا نہ اتحاد کی حقیقت کو سمجھا جس اتحاد کا تذکرہ معترض کر رہا ہے وہ اتحاد نہیں بلکہ دین فروشی اعمال بربادی اور غیرتِ ایمانی کا جنازہ نکالنا ہے ایسا اتحاد اس آیت کے بھی خلاف اور متعدد احادیث کے بھی اور تعلیمِ قرآن کے بھی سوم یہ کہ معترض تاریخ سے بھی ناواقف ہے۔ ہلاکو خان کے حملے و ہلاکت کی وجوہ وہابی سنی فرقے بازی نہ تھی نہ حنفی شافعی اختلافات تھے بلکہ اُس وقت کی حکومتِ بغداد کی عسکری اور سیاسی کمزوری اور کنبہ پروری خزانہ سازی کی ہوس اپنوں سے دوری غیروں پر اندھا اعتماد تھی جس کی وجہ سے فوج مفلوس و مفلوج تھی اور شاہزادگی بدمست و مدہوش تھی جس کا ذکر خود ہلاکو نے تخت و خزائن پر قابض ہو کر کیا کہ اے سلطانِ بغداد تو نے یہ خزانے اپنی فوج پر کیوں نہ خرچ کئے جو آج ہمارے حملوں قبضوں سے بچ جاتا۔ اسی طرح آپس کی غداری نے بھی غیروں کو جرأت و ہمت دی۔ آیتِ مذکورہ کا بیان یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اَلَّا تَتَّبِعَنِ، تم میرے پیچھے طور پر کیوں نہ آگئے تب جواب میں ھٰرون علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے یہ اندیشہ ہوا کہ آپ ہی کہو گے کہ تم بنی اسرائیل کے درمیان سے کیوں متفرق اور جدا ہوئے۔ اور اگر ھٰرون علیہ السلام کا پہلا بیان بھی شامل کیا جائے سورۂ اعراف والا تو معنیٰ یہ ہو گا کہ جب میں نے قوم کو اس برائی سے روکا تو انہوں نے اِسْتَضْعَفُوْنِی مجھے کمزور سمجھ کر مجھ پر حملہ کرنا چاہا اُس وقت اگر میں ذرا سختی کرتا تو میرے بارہ ہزار ساتھی ان پر ٹوٹ پڑتے اور خانہ جنگی شروع ہو جاتی اور پھر آپ کہتے کہ یہ فرقہ بازی کی جنگ تم نے چھیڑی وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ اور میرے فیصلے کا انتظار نہ کیا۔ بتائیے حضرت ھٰرون نے کب ان باطل مرتدین سے اتحاد کیا یا اُن کی تائید کی۔ بلکہ فرقہ بازی تو قوم نے کی کہ ایمان سے نکل کر گمراہی کا نیا ٹولہ بنا کر جدا ہو گئے۔ رہا یہ کہنا کہ ہر ایک کو اچھا کہو ہر ایک کے پیچھے نماز پڑھ لو یہ اتحاد نہیں نہ اس سے قوموں کی مضبوطی

ہے کسی آیت نے بھی اتحاد کا اس طرح کا سبق یا حکم نہیں بتایا نہ ہی ایسے اتحاد سے فائدہ ہے بلکہ یہ تمام رویہ تو باطل نوازی ہے اور قرآن وحدیث کی مخالفت۔ قرآن کریم فرماتا ہے وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا۔ یعنی اتحاد یہ ہے کہ بروں کو سچائی اور باطل کو حق کی طرف لاؤ اور سب ایک اللہ کی رسی دامنِ مصطفیٰ میں لگ جاؤ۔ وَلَا تَفَرَّقُوا۔ اِس حبلِ اللہ سے دور ہٹنا ہی فرقے بازی ہے۔ بجائے اِس کے باطل کے پیچھے لگ جانا سیاسی اتحاد ہو سکتا ہے ایمانی اتحاد نہیں ہے حدیث پاک میں ہے کہ امتِ مسلمہ تہتر فرقوں میں بٹے گی صرف ایک اچھا ہوگا باقی سب برے۔ اب یہ کہنا کہ کوئی برا نہیں سب اچھے ہیں گویا فرمانِ رسول اللہ کی مخالفت کرنا ہے اور اپنا ہی ایمان بگاڑنا ہے۔ حق یہ ہے کہ اوّلاً تو کسی باطل فرقے سے کسی معاملے میں کسی قسم کا اتحاد نہ کرو لیکن اگر کبھی سیاسی اتحاد کرنا پڑ جائے تو اپنی نماز و عقائد کو اِس دنیوی اتحاد سے علیحدہ رکھو۔ نماز اعمال وعقیدے بڑے نازک خزانے ہیں ان کی حفاظت کرو نماز تو ہم اپنے فاسق بھائی۔ اور بے وضو ہم عقیدہ سنی کے پیچھے اور وقت سے ایک منٹ پہلے نہیں پڑھ سکتے تو بھلا بدعقیدہ کے پیچھے کیسے پڑھ سکتے ہیں اور دیکھا گیا ہے کہ یہ شیطانی اتحاد صرف ہمارے نئی سُنّی خطباء واعظین پر و فیسر قسم کے لیڈری کے شوقین علماء کرتے پھرتے اور باطل کے پیچھے لگ جاتے ہیں مگر باطلین بہت متعصب ہیں وہ کبھی ہمارے پیچھے نماز نہیں پڑھتے چھال مار کر آگے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مصلے پر بعض اور یہ سنی نام نہاد منہ لٹکائے پیچھے ہاتھ باندھے کیا اسی چاپلوسی کاسہ لیسی اور باطل عیاری کا نام اتحاد ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ رہا احراری ٹولے کا کردار تو اُن کی عیاری کے لیے ہماری کتاب فتاویٰ دوم دیکھو۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى۔ قَالَ يٰهٰرُوْنُ مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْٓا۔ اَلَّا تَتَّبِعَنِ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِيْ۔ جب مریدِ مخلص بصدقِ ارادت سے خدمتِ مرشد کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اُس کے امر و نہی پر توجہ رکھتا ہے تب وہ تصرفاتِ شیخِ کامل مرشدِ برحق کے قابل ہو کر اسی کے رُشد و ہدایت اور اس کی ولایت کے نور سے سمیع و بصیر بن جاتا ہے پھر اَسرار و معانی کو دیکھتا ہے۔ اور اس نورِ مرشد سے وہ کچھ دیکھ سن لیتا ہے جو بغیر اس کے نہ دیکھ سکے نہ سن سکے۔ پھر طالب مرید پر اگر کبھی فراقِ مرشد کی مصیبت آجائے یا وقت سے پہلے آجائے تو وہ ہی ایک آزمائشی فتنہ ہے اگر وہ مریدِ مفتون اِن لمحات میں آزمایا جائے تو اُس پر ضلالت کے حجابات آجاتے ہیں اور نور

ولایت زائل ہو جاتا ہے اور وہ بد قسمت اندھا ہرا رہ جاتا ہے جیسے راہِ معرفت سے پہلے تھا۔ جب تک کہ پھر وہ صحبتِ مرشد میں نہ پہنچے اور وہی نور اس کو پھر نہ ملے۔ نور کے زوال کی نشانی یہ ہے کہ ہر نیک نصیحت پر کج بحثی جھگڑا مناظرہ اور ضد بازی ہے۔ لَنْ نَّبْرَحَ عَلَيْهِ عٰكِفِيْنَ کی شیطانی آوازیں ہی نکلتی ہیں۔ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْنَا مُوْسٰى کے سلوکِ معرفت سے واپسی تک۔ اور جب مُوسٰیِ قلب شواہدِ حق کے دریا میں مستغرق ہوتا ہے اور عروجِ عرفانی کے میقات پر پہنچتا ہے تو غیریتِ حق کے تمام حجاباتِ واسطہ ختم ہو جاتے ہیں اور بجز حق تعالیٰ کے کسی کو نہیں دیکھتا۔ پھر مُرَبّیِ حقیقی کی طرف سے واسطوں کے حجابات ڈالے جاتے ہیں کہ ہم نے آزمائشی فتنہ ڈالا۔ اور سامریِ نفس نے زمینِ بدنی میں فساد گمراہی مچایا یہ اس لیے ہوا کہ قومِ عقلیات نے تقدیر کے ساتھ تدبیر کو بھی اہمیت دی اور اللہ معبود کے ساتھ غیر اللہ پر بھی نظری فکری توجہ دی اور خیر کے ساتھ شر کا بھی احترام کیا تب حضورِ طورِ قُربِ جمال سے میدانِ مادیات میں آکر خلوتِ اسرار سے نکل کر محفلِ اشرار میں آکر سب سے پہلے قلبِ مسعود نے عقلِ سلیم سے خطاب فرمایا کہ اے ھٰرونِ عقلِ مشفقِ عالَمِ ناسوتی کہ فسادِ برپا ہیں وسیلۂ معرفت کی طرف کیوں نہ توجہ فرمائی اور اتباعِ قلب میں گامزنِ طورِ تجلیات کی طرف کیوں نہ ہوا اور افعالِ اعضا کو مقامِ حقیقت سے کیوں نہ دیکھا خیمۂ خلوت سے قدمِ شریعت کیوں نہ بڑھائے اور نورِ جمال کی طرف میری پیروی نہ کی۔ اَفَعَصَيْتَ اَمْرِیْ کیا رعایتِ حق میں میرے افکار و اشغال کی مخالفت کر لی تھی عالَمِ اجسام میں اعضاءِ ظاہری کی مُصلح عقلِ فطرت ہے اور قلبِ مومن ھادیِ عقل ہے دنیا چلانے کے لیے عقل کی تدبیر اور دین چلانے کے لیے قلب کی تقسیم ضروری ہے۔ قلب مزکی مرشدِ عقل ہے اور عقل خلیفۂ قلب ہے۔ قلب قُربِ حق کے طور پر ہے اور عقل خلافتِ ارشادی میں ہے۔ قَالَ يَبْنَؤُمَّ لَا تَاْخُذْ بِلِحْيَتِیْ وَلَا بِرَاْسِیْ اِنِّیْ خَشِيْتُ اَنْ تَقُوْلَ فَرَّقْتَ بَيْنَ بَنِیْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَلَمْ تَرْقُبْ قَوْلِیْ۔ عالَمِ ناسوت میں روح اُمِّ وجود ہے اور جسم اَبِ وجود ہے۔ روح سے اصلِ وجود ہے اور جسم سے نسلِ وجود ہے عقل بھی مُرَبّیِ اَبدان ہے اور قلب بھی مگر عقل میں ماں کی رحمت ہے قلب میں باپ کا جلال جب قلبِ جلالی کا جلال ظاہر ہوتا ہے تو عقل کی باز پُرس ہو جاتی ہے۔ تب عقل محبتِ مادری کی شفقت بھری محبت یاد دلاتی ہے کہ اے میری مادرِ فطرتِ ایمانی کے مرغوب میری لحیۂ اقوال اور رأسِ افکار نہ پکڑ جب سمجھتی ہے کہ قلبِ مسعود سُکرانِ شوق اور مَلْمانِ ذوق کی بارگاہ سے رجوع فرما رہا ہے اور اس وقت مکالمہ اصطفائی کی قربت سے معمور و محزون ہے تو عقل کو بجز معذرتِ انکسار کے

کے کوئی گنجائش نہیں ہوتی اور گرشتہ خلوص سے عرض کرتی ہے کہ اے میرے قلبِ منور تیرے انتظار نے مجھ کو عمل سے اور تیرے فراق
نے اتباع سے اور تیرے جلال نے اطاعت سے روکا یہ عصیان نہیں خشیت ہے۔ خشیت کی لغزش بھی مفید و
مبارک ہے معذرت تین طرح سے ہوتی ہے (۱) میں نے یہ کام کیا ہی نہیں (۲) میں نے کام کیا مگر اپنی سمجھ کی بنا پر (۳) میں
نے اب تو یہ کام کر لیا مگر آئندہ نہ ہو گا پہلی دو فقط معذرتیں ہیں اور تیسری توبہ ہے ہر توبہ عذر ہے مگر ہر عذر توبہ نہیں۔ قلبِ مومن حلیم ہوتی ہے
اس لیے رفیق ہے قلبِ مومن رقیق ہوتا ہے اس لیے محبت ہے۔ مولیٰ علی نے فرمایا سب سے اچھا خزانہ محبۃ قلب ہے
سقراط نے کہا جس کے اخلاق اچھے اُس کی زندگی کا عیش مبارک ہے اُس کی محبت خلق کے
نفسوں میں ہے اس کی سلامتی دائمی ہے۔ اور جس کے اخلاق گندے اُس کی زندگی تنگ اُس کی
نفرت دائمی اُس کا بُغض نفوسِ خلق میں۔ صوفیا فرماتے ہیں قناعت کا پھل راحت ہے اور عاجزی
کا پھل محبت ہے۔ ارسطو نے کہا اچھی بات سے قدر و عزت اچھی ہوتی ہے اور اچھی تواضع
سے محبت اچھی ہوتی ہے نرمی سے خدمت گار بڑھتے ہیں اور حلم سے مددگار بڑھتے ہیں
وفا سے دوستی کو دوام ہے۔ یہ سب نعمتیں اُس کے دروازے سے ملتی ہیں جس کو رب تعالیٰ
کائنات میں رؤف رحیم بنا دے اور یہ ذات صرف محمد مصطفیٰ کی ہے صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ
وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔ قَالَ فَمَا خَطْبُكَ يٰسَامِرِيُّ درستگیِ اسرار سے پہلے درستگیِ اعمال ضروری
ہے قلبِ مرشد کی توجہ پہلے اعمالِ مرید کی طرف ہوتی ہے کیونکہ اعضاءِ ظاہری کی تربیت و اصلاح
شریعت ہے جب یہ حاصل ہو جائے تب عیاریِ نفس کی طرف توجہ مناسب ہے اور اُس
وقت مرشدِ روحانی کا خطاب یہی ہوتا ہے کہ اے سامریِ نفسِ امارہ تیری کیا مرضی و ارادت
ہے۔ یہ طریقت کا پہلا سبق ہے کہ سوالِ حال کر کے کیفیتِ استقبال کا پتہ لگایا جائے۔ (از
تفسیر روح البیان۔ و محی الدین ابن عربی) طریقت کا دوسرا سبق حکمتِ الٰہی کا احترام ہے حکایت
ایک عارف نے دنیا سے اس قدر کنارہ کشی اختیار کی کہ لوگوں کو چھوڑ کر آبادی سے باہر جنگل کی
طرف نکل گیا اور عہد کیا کہ کسی سے کچھ نہیں مانگیں گے تا کہ ان کا مقدور رزق خود اُن کے پاس
آئے چند دن سیاحت کرتے رہے کچھ نہ ملا ایک دفعہ ایک پہاڑ کے دامن میں جا بیٹھے
اور ہلاکت کے قریب جا پہنچے۔ تب انہوں نے بارگاہِ رب تعالیٰ میں دعا کی کہ اے مولیٰ تعالیٰ
اگر تو مجھ کو زندہ رکھنا چاہتا ہے تو مجھ کو میری قسمت کا رزق عطا فرما ورنہ مجھے اپنے پاس
بلا لے اس وقت اُن کو الہام ہوا کہ میری عزت و جلال کی قسم میں تمہیں اُس وقت تک رزق نہ
دوں گا جب تک تم شہر جا کر لوگوں سے میل ملاقات حسبِ سابق جاری نہ رکھو لہٰذا وہ شہر میں آباد

ہوئے تو کوئی ان کو پانی پلاتا کوئی کھانا کھلاتا۔ اس عزت افزائی سے وہ اپنے نفس پر ڈر گئے کہیں بہکا نہ دے تب غیبی فرشتے کی آواز آئی کہ اے عارف کیا تو چاہتا ہے کہ ترکِ دنیا کر کے اللہ تعالیٰ کی حکمت کو دنیا میں باطل کر دے کیا تجھے یہ معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو قدرت کے ہاتھ رزق دینے سے بندوں کے ہاتھ سے رزق دینا زیادہ پیارا ہے یہ سب نظامِ کائنات حکمتِ الٰہیہ ہے اور حکمت کو تسلیم کرنا ہی راہِ معرفت ہے جب صوفی کی روحانی حالت صحیح ہو اور اُس کی دنیوی طمع باقی نہ رہے اور تمام خواہشیں مٹ جائیں نہ فرعونیتِ ظاہری رہے نہ سامریتِ باطنی تو دنیا اور اہل دنیا اُس کی شفقت کا احترام اور اُس کے جلال کا اہتمام کرتے ہیں اور اُس کی خدمت کو سعادت سمجھتے ہیں بلکہ خادمِ آستانہ بننے کی لیاقت حاصل کرنے کو اپنی سعادت سمجھتے ہیں مگر صراطِ طور والے اہلُ اللہ اہلِ دنیا کو اپنا خادم اور خود کو ان کا مخدوم بنا پسند نہیں کرتے اور صاحبِ نخچ قلبی نفس کی ہر جنبش شوق کو گناہ و جرم قرار دیتے ہیں۔ راہِ معرفت میں اتنی سی جنبش و لغزش بھی انتصبنت آمیزی ہے۔ دنیوی جاہ و مرتبہ فرعونی سونا ہے جو صوفی یا پیر ضرورت سے زیادہ جمع کرتے ہیں وہ ڈھونگ رچانے والے تاجر ہیں پیر و مرشد بننے کے لائق نہیں۔ مولیٰ علی شیرِ خدا نے فرمایا کہ فقیری میں ثواب بھی ہے عذاب سزا بھی ہے جزا بھی عروجِ طور بھی ہے اور زوالِ تیہ بھی فقرِ عروج راہِ موسیٰ ہے اور فقرِ زوال طمع سامری ہے۔ سچے درویش کی چار نشانیاں ہیں ۱ اخلاق اچھے ۲ طبیعت مطیع ۳ ہر حالت پر صابر ۴ اپنی فقیری پر شاکر ایسے درویش کو عروجِ طور کا مقام ہے۔

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ

اُس نے کہا کہ میں نے ایک چیز دیکھی تھی جس کو ان لوگوں نے نہ دیکھا تھا تو فوراً مٹھی بھر لی تھی میں نے

بولا میں نے وہ دیکھا جو لوگوں نے نہ دیکھا تو ایک مٹھی بھر لی

قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَ

ایک مٹھی اُس رسول فرشتے کی گھوڑی کے قدموں کے نشان سے اور

فرشتے کے نشان سے پھر اُسے ڈال دیا اور

كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ ﴿۹۶﴾ قَالَ فَاذْهَبْ

یہی بھایا مجھ کو میرے دل نے فرمایا ہٹ جا یہاں سے

میرے جی کو یہی بھلا لگا۔ کہا تو چلتا بن

فَاِنَّ لَكَ فِی الْحَیٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ ۪

بس اب بے شک تیرے لیے زندگی بھر یہی سزا ہے کہ کہتا پھرے گا تو نہ ہاتھ لگانا مجھ کو

کہ دنیا کی زندگی میں تیری سزا یہ ہے کہ تو کہے۔ چھو نہ جا۔

وَ اِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ ۚ وَ انْظُرْ

اور بے شک تیرے عذاب کے لیے ایسا وعدہ ہے کہ ہرگز نہ خلاف کیا جائے گا وہ اور دیکھ تو

اور بے شک تیرے لیے ایک وعدے کا وقت ہے جو تجھ سے خلاف نہ ہوگا اور اپنے اس

اِلٰۤی اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا ؕ

اپنے اس بناوٹی معبود کو معتکف بیٹھا رہا تو جس پر

معبود کو دیکھ جس کے سامنے تو دن بھر آسن مارے رہا۔

لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا ﴿۹۷﴾

البتہ ضرور آگ لگا دینگے اُس کو پھر راکھ بنا کر اڑا دیں گے ہم اُس کو سمندر میں بالکل اڑا کر

قسم ہے ہم ضرور اسے جلائیں گے پھر ریزہ ریزہ کر کے دریا میں بہائیں گے

اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ

تمہارا معبود تو فقط اللہ ہے جس کے علاوہ کوئی اِلٰہ نہیں

تمہارا معبود تو وہی اللہ ہے جس کے سوا کسی کی بندگی نہیں

وَسِعَ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ﴿۹۸﴾

بس وہی ہے جس نے سمالیا ہے ہر مخلوق کو اپنے علم میں

ہر چیز کو اس کا علم محیط ہے

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو جھڑکتے ہوئے اُس سے گمراہ کرنے اور بچھڑا بنانے کی جواب طلبی کی۔ اَب اِن آیات میں سامری کا جواب دینا ذکر ہو رہا ہے دوسرا تعلق پچھلی آیات میں بنی اسرائیل کے بچھڑے کی پرستش کا ذکر ہوا جس کو انہوں نے سامری کے کہنے سے معبود سمجھ لیا تھا۔ اَب اِن آیات میں ان کے اس جھوٹے معبود کے ذلت آمیز اُس انجام کا ذکر ہوا جو ان کی نگاہوں کے سامنے کیا گیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گمراہوں کے جھوٹے خود ساختہ معبود کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں سچے معبود اِلٰہُ العٰلمین کا ذکر فرمایا گیا

تفسیر نحوی قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوْا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ قَالَ فعل ماضی با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِس ضمیر کا مرجع سامری ہے۔ بَصُرْتُ مطرد کے یا پانچویں باب کرُمَ کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم بَصُرٌ سے مشتق ہے بِ حرفِ جر تعدیہ کی مَا اسم موصول لَمْ يَبْصُرُوْا۔ باب کرُمَ کا فعل نفی جحد بِلَمْ بمعنیٰ ماضی دراصل يَبْصُرُوْنَ تھا لَمْ حرفِ جازم نے نونِ اعرابی گرادی ھُمْ ضمیرِ صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع بنی اسرائیل بِ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کی ایک قرأت میں بَصِرْتُ ہے باب سَمِعَ یا حَسِبَ سے نیز ایک قرأت میں لَمْ تَبْصُرُوْا جمع مذکر حاضر کے صیغے سے ہے۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ یعنی بعدیت کے لیے کہ دیکھنے کے بعد قَبَضْتُ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی واحد متکلم قَبْضَةً۔ اسم مصدر جامد مفعول فیہ ہے یا اسم مصدر ہے آخر میں ۃ مصدریہ ہے تب یہ مفعول مطلق ہے۔ ایک قرأت ص سے ہے قَبَصْتُ قَبْصَةً۔ قَبْضٌ اور قَبْصٌ میں فرق یہ ہے کہ قَبْضٌ ایک مرتبہ مٹھی بھرنا اور قُبْضٌ کا معنیٰ مٹھی بھر چیز یہاں یہی مراد ہے اور قَبْصٌ کا معنیٰ پوری ہتھیلی بھر مٹھی لینا لیکن قَبْصٌ کا معنیٰ انگلیوں سے پکڑ کر اٹھانا یا چٹکی بھر لینا جیسے خَضْمٌ پورا منہ بھر کر کھانا اور قَضْمٌ اگلے دانتوں

سے کھانا چبانا (تفسیر معانی) مِنْ جارّہ بیانیہ یا نبتیہ۔ اَثَرِ اسم مفرد جامد بمعنٰی نشان علامت یہاں مراد ہے نشانِ قدم رسول بمعنٰی قاصد، رہنما پیغامبر دراصل تھا مِنْ اَثَرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ۔ یعنی قاصد کے گھوڑے کے نشانِ قدم کی مِن نسبتی کی وجہ سے تخفیف کے لیے دوسرا مضاف حذف ہو گیا ف عاطفہ تعلیلیہ بمعنٰی لہٰذا (اس لیے) نَبَذْتُ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد متکلم نَبْذٌ سے مشتق ہے بمعنٰی ڈالنا، جھونکنا گھسیڑنا پھینک کر، ھَا ضمیر واحد مونث غائب مرجع قَبْضَۃً یعنی مٹھی والی چیز۔ ترکیب نحوی۔ بَصُرْتُ فعل با فاعل مَا موصولہ لَمْ یَبْصُرُوْا فعل با فاعل بِہٖ جار مجرور اس کا متعلق یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے بَصُرْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ سے قَبَضْتُ فعل با فاعل قَبْضَۃً اس کا مفعول فیہ مِنْ جارّہ اَثَرِ مضاف الرَّسُوْلِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَبَضْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ نَبَذْتُ فعل با فاعل ھَا ضمیر مفعول بہ نَبَذْتُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کَذٰلِکَ اسم اشارہ تشبیہی۔ سَوَّلَتْ۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق واحد مونث غائب مصدر ہے تَسْوِیْلٌ سَوْلٌ سے بنا ہے بمعنٰی اچھا لگنا۔ اچھا کر کے دکھانا۔ حقیقت کے خلاف ہونا۔ لام جارّہ تعدیہ بمعنٰی مجھ کو نَفْسُ اسم مفرد جامد بمعنٰی نفسِ امّارہ یہاں مراد ہے عقل اور دل مضاف ہے ی متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے سَوَّلَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا سب عطف مل کر مقولہ ہوا قول کا قَالَ اپنے پورے مقولے سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہو گیا یہ تمام عبارت سامری کا جوابی مقولہ ہے۔ قَالَ فَاذْھَبْ فَاِنَّ لَکَ فِی الْحَیٰوۃِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَکَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَہٗ وَانْظُرْ اِلٰٓی اِلٰھِکَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْہِ عَاکِفًا لَنُحَرِّقَنَّہٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّہٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ف زائدہ اِذْھَبْ باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف ذَھَبٌ سے مشتق ہے اَنْتَ پوشیدہ ضمیر فاعل کا مرجع سامری ہے ف سببیہ اِنَّ حرفِ مشبّہ لَکَ جار مجرور متعلقِ اول ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا فِی الْحَیٰوۃِ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے ثَابِتٌ اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبرِ مقدم اَنْ حرفِ ناصب تَقُوْلَ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل واحد حاضر خطاب ہے سامری کو۔ لَا حرفِ نفی جنس مِسَاسَ اسم مبالغہ مَسٌّ سے مشتق ہے بمعنٰی ہاتھ سے چھونا مِسَاسَ لا کا اسم ہے لَا نفی کا یہ دونوں جملہ شبیہ ہو کر مفعول بہ تَقُوْلَ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنَّ حرفِ مشبّہ۔ لَکَ جار مجرور متعلق ہے

ثابتٌ پوشیدہ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبرِ مقدم مَوْعِدًا اسم مصدر میمی بمعنی عہد یا میعادِ مقررہ موصوف ہے
لَنْ تُخْلَفَ بابِ نَصَرَ یا باب افعال کا فعل مضارع نفی تاکید بلن مجہول واحد مونث ایک قرأت میں ہے
لَنْ تُخْلِفَ مستقبل خلف سے مشتق ہے بمعنی خلاف ہونا یا بدل دینا۔ ہٗ اسم ضمیر واحد مذکر مفعول بہٖ یا
نائب فاعل ہے اس کا مرجع مَوْعِدًا ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مَوْعِدًا کی یہ مرکب توصیفی
اسم اِنَّ۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَنْ تَقُوْلَ کا دونوں عطف مل کر اسم فَاِنَّ کا فَاِنَّ
اپنے اسم اور خبرِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر سبب ہوا اِذْهَبْ کا۔ یہ فعل فاعل مسبّب سبب
مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ۔ اُنْظُرْ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف مذکر اَنْتَ
اس میں ضمیر صیغہ اس کا فاعل اِلٰٓى اِلٰهِكَ۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے اُنْظُرْ کا۔ اِلٰهِكَ موصوف
ہے اَلَّذِیْ اسم موصول ظَلْتَ ایک قرأت میں ظِلْتَ ہے فعل ناقص واحد مذکر حاضر بمعنی دُمْتَ
یعنی جم کر بیٹھا رہا تو عَلَيْهِ جار مجرور متعلق ہے عَاكِفًا اسم فاعل واحد مذکر ایک قرأت ہے عَكْفًا
اسم فاعل واحد مذکر مگر پہلی قرأت مشہور ہے خبر ہے ظَلْتَ کی اس کا اسم ضمیر پوشیدہ
اَنْتَ ہے۔ یہ ناقصہ فعل اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ
کا دونوں مل کر صفت ہے اِلٰهِكَ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہوا اُنْظُرْ کا۔ لَنُحَرِّقَنَّهٗ
باب تفعیل کا فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ جمع متکلم حَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنی جلنا آگ
لگنا باب تفعیل میں آکر متعدی ہوا بمعنی خوب جلانا آگ لگانا۔ ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہٖ مرجع اِلٰهِكَ
مراد ہے بچھڑا جو فعلیہ تاکید یہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لیے ایک
قرأت میں لَنُحْرِقَنَّ بابِ افعال سے بمعنی تھوڑا جلانا اور ایک قرأت میں لَنَحْرُقَنَّ بابِ نصر
سے ہے حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرأت میں ہے لَنَذْبَحَنَّ وَلَنَحْرُقَنَّ۔ لَنَنْسِفَنَّ بابِ
ضَرَبَ کا فعل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل معروف جمع متکلم نَسْفٌ سے مشتق ہے لغوی
ترجمہ ہے غبار اڑانا۔ دھول مچانا۔ یہاں مراد ہے راکھ اڑا کر پانی میں بہا دینا جس سے ریزہ
ریزہ دور ہو جائے ریزہ صرف راکھ ہو سکتی ہے یا غبار کیونکہ سب سے چھوٹے ذرّہ کو اردو
میں ریزہ کہتے ہیں اور حقیقت کلیۃً مٹ جائے۔ عربی میں سوپ (چھاج) کو نسوف اسی پھٹکنے
غبار اڑانے کے معنی میں کہتے ہیں۔ راز کہنے کو نسیف اسی معنی میں کہتے ہیں ہٗ ضمیر کا مرجع اِلٰهِكَ
ہے فِی جارہ ظرفیہ اَلْيَمِّ۔ اسم مفرد معرفہ جامد بمعنی سمندر یا بڑا دریا جو سمندر کی مشابہ ہو۔ عربی
میں پانی کے ذخیرے پندرہ قسم کے ۱۔ یَمّ ۲۔ عَیْنٌ ۳۔ یَنْبُوْعٌ ۴۔ مَنْهَلٌ ۵۔ حَمْئَةٌ ۶۔ دَمَّاءٌ ۷۔ بَحْرٌ

۸ غدیر ۹ بحر ۱۰ دوران ۱۱ شہبہ ۱۲ گھبیب ۱۳ حوض ۱۴ اضاۃ ۱۵ نغیبہ ان سب میں بڑا ذخیرہ یم یعنی سمندر اور سب میں چھوٹا ثم یعنی قطرہ ہے یجار مجرور متعلق ہے نَسۡفًا اسم مصدر مفعول مطلق ہے لَنَنۡسِفَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَنُحَرِّقَنَّ کا دونوں مل کر تاکید ہوئی وَانۡظُرۡ کی تاکید مؤکد مل کر معطوف ہو فَاذۡهَبۡ کا دونوں مل کر مقولہ اول ہوا قَالَ کا اِنَّمَا اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیۡ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیۡءٍ عِلۡمًا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ لغو ما کافہ حصریہ کی وجہ سے اب ترجمہ ہوا ہی (فقط) اِلٰهُكُمۡ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَللّٰهُ اسم ذاتی موصوف ہے اَلَّذِیۡ اسم موصول لَا حرفِ نفی جنس اِلٰهَ مستثنیٰ منہ اِلَّا حرفِ استثنا هُوَ ضمیر منفصل واحد مذکر غائب اس کا مرجع اَللّٰهُ ہے مستثنیٰ متصل ہے مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر اسم ہوا لَا نفی کا وہ سب مل کر پہلا صلہ ہوا۔ وَسِعَ باب سَمِعَ کا ایک قرأت میں وَسَّعَ ہے بابِ تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر ہے متعدی بیک مفعول ہے وُسۡعٌ سے مشتق ہے بمعنی گھیرنا۔ قدرت وطاقت والا ہونا کشادہ ہونا۔ سما جانا۔ یہاں یہی معنی ہیں كُلَّ شَیۡءٍ مرکب اضافی مفعول بہ ہے عِلۡمًا اسم مفرد نکرہ یا یہ مصدر ہے مفعول فیہ ہے اس کی تنوین تعظیمی آخر کا الف بعوضِ تنوین ہے یا یہ تمیز ہے وَسِعَ کے فاعل کی اپنے مفعول بہ اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ دوم ہوا اَلَّذِیۡ دونوں صلہ سے مل کر صفت ہے اللّٰہ کی وہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا کی مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ ہو گیا

تفسیر عالمانہ قَالَ بَصُرۡتُ بِمَا لَمۡ یَبۡصُرُوۡا بِهٖ فَقَبَضۡتُ قَبۡضَةً مِّنۡ اَثَرِ الرَّسُوۡلِ فَنَبَذۡتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتۡ لِیۡ نَفۡسِیۡ قَالَ فَاذۡهَبۡ فَاِنَّ لَكَ فِی الۡحَیٰوةِ اَنۡ تَقُوۡلَ لَا مِسَاسَ۔ سامری نے کہا کہ اس ساری کارستانی کی ذھنی تحریک اس طرح پر ہے کہ جس دن غرقابیٔ فرعون اور آلِ فرعون ہوئی اُس دن ایک فرشتہ بشکلِ انسانی ایک گھوڑی پر دریا میں فرعون کے آگے چل رہا تھا اس کے پیچھے گھوڑے پر فرعون تھا پھر ہامان تھا فرعون کے پیچھے اس کی ساری قوم سوار و پیدل تھی اور ہم سب بنی اسرائیل دریا کے پار اس دوسرے کنارے پر ڈرے سہمے کھڑے تھے جب وہ گھوڑ سوار فرشتہ دریا سے باہر نکلا ابھی فرعون اور اُس کی قوم دریا کے اندر ہی تھی کہ پانی سب مل گیا خشک راستے ختم ہو گئے وہ تو سب ڈوب رہے تھے شور و غل مچا ہوا تھا تمام بنی اسرائیل اسی دوسرے کنارے کھڑے وَاَنۡتُمۡ تَنۡظُرُوۡنَ کے نظارہ میں تھے سب اسی دریا کی طرف متوجہ تھے تب اُس وقت میں نے ایک ایسا نظارہ کیا جو ان بنی اسرائیل میں سے کسی نے بھی نہ کیا میں نے اپنی توجہ ڈوبتے والوں سے

ھٹا کر اُس چیز پر لگائی جس پر کسی کی توجہ نہ تھی اور میں نے وہ کچھ دیکھا جو انہوں نے نہ دیکھا۔ اور دوسری قول ایک قرأت) ہو سکتا ہے کہ اِن ہنگامہ خیز حالات میں بِمَا لَمْ تُبْصِرُوْا آپ نے بھی اُس جانب توجہ نہ فرمائی ہو وہ یہ کہ گھوڑی سوار کو میں نے پانچ وجوہ سے رسولِ ربّانی قاصدِ الٰہی اور فرعون پر عذابِ الٰہی لانیوالا فرشتہ سمجھا۔ ایک اس کی نورانی وجاہت دوم اُس کی اجنبیت کہ نہ وہ اسرائیل تھا نہ قبطی سوم اس کا دریا میں فرعون کے ساتھ آگے چلنا جب کہ فرعون کی قوم اُمرا و گزراسب پیچھے تھے چہارم اس کا دریا سے بچ نکلنا اور باقی تمام فرعونیوں کا ڈوب جانا۔ پنجم اس کا باہر نکل کر ہم میں نہ آنا اور ایک دوسری جانب نکل جانا۔ میں سمجھ گیا کہ یقیناً یہ وہی فرشتہ ہے جو قومِ عاد و قوم ثمود پر عذاب لایا تھا اسی کو تاریخ والے جبرئیل کہتے ہیں اور جبرئیل کا لفظ و لقب آپ کی زبان سے بھی کئی دفعہ سنا تھا اسی کو رسولِ الٰہی بھی کہا جاتا ہے۔ اُسی رسول کی یہ بات بڑی توجہ سے میں نے دیکھی کہ اُس کی گھوڑی جہاں قدم رکھتی تھی تو پرانی چٹیل خشک ریتلی زمین پر بھی فوراً ہری ہری تازہ گھاس اُگ آتی تھی۔ میں نے یہ حیرت زدہ بات دیکھ کر اُن نشاناتِ قدم سے ایک مٹھی بھر تھوڑی سی مٹی اٹھالی تھی اُس وقت تبرکاً اٹھائی تھی اُس وقت بجز تبرک کوئی ارادہ یا تصور میرے دل میں نہ تھا۔ تفسیر ابن عباس میں ہے جبرئیل علیہ السّلام کی گھوڑی کا نام حیزوم اور لقب فَرَسُ الْحَيٰوة ہے۔ پھر جب راستے میں ان بنی اسرائیل نے ایک مندر سے گزرتے ہوئے وہاں کے پجاریوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر بہت ملتجیانہ انداز میں خواہش و طلب کی تھی کہ۔ یٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَا اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ۔ اے موسیٰ کتنا اچھا ہو۔ اگر آپ بھی ہمارے لیے ایک ایسا ہی معبود بنا دیں جیسے اِنکا ہے۔ کتنا خوب صورت چمکتا دمکتا بُت اِن کا معبود بنا بیٹھا ہے۔ تب آپ نے تو۔ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ کہہ کر ان کو اُس دن جھڑک دیا تھا مگر میں ان کی ذہنی کیفیت اور فرعونی صحبت کا اثر اسی دن سمجھ گیا تھا اور میرا ذہن اسی دن سے ایک منصوبے کی تاک میں ہو گیا تھا۔ پھر جب آپ طور پر چلے گئے اور کافی دیر لگا دی تو میں نے اس منصوبے کو ظاہر کرنے کے لیے ان بنی اسرائیل سے ان کا فرعونی زیور لے کر اپنی ہنرمندی اور صنعتِ زرگری سے ایک بچھڑا ڈھال دیا اور ایک خوب صورت مورتی بنا دی پھر۔ كَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ ایسے ہی میرے دل میں آیا کہ وہ مٹی تو اس کے منہ میں ڈال کر دیکھوں۔ فَنَبَذْتُهَا میں نے وہ سب مٹی اپنی جیب میں سے نکال کر اُس کے نتھنوں کے سوراخوں میں ڈال دی۔ بس دیکھتے ہی فوراً وہ مورتی زندہ بچھڑا بن گیا بولنے اور چلنے لگا یہ سب کچھ مجھے کسی نے نہ بتایا نہ کوئی ترکیب

کسی نے سکھائی بلکہ میرے اپنے دل کی اختراع ہے نہ کوئی جادوگری ہے نہ کوئی شعبدہ نہ کوئی نئی ترکیب بس ویسے ہی میرے دل میں یہ منصوبہ آگیا اور میرے ہی نفس نے مجھ کو اکسایا ورغلایا۔ اس آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال اس طرح ہیں (۱) بَصُرْتُ۔ بَصَارَتٌ سے مشتق ہے۔ یعنی میں نے اپنی آنکھوں سے وہ دیکھا جو انہوں نے اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا (۲) بَصُرْتُ۔ بَصِیْرَۃٌ سے مشتق ہے یعنی میں نے اپنی عقل و دل اور روحانی قوت سے وہ کچھ جانا جو انہوں نے نہ جانا۔ مگر یہ معنی قطعًا غلط اور لغو بیہودہ ہے۔ اس ترجمے کا موجد ابو مسلم اصفہانی (نو مسلم معتزلی) یہ شخص تفسیر بالرائے اور قرآن مجید کے معانی میں تخریب کاری کرنے میں مشہور ہے یہ پانچویں ہجری میں پیدا ہوا اسی نے تاریخ اسلامی میں اسرائیلیات کو شامل کرکے اسلامی معاشرے کو بگاڑنا چاہا بہت سے اسلامی مفسر اس کے راستے پر چل کر اس کی تفسیری تائید کرکے گمراہ ہوگئے۔ یہ ابو مسلم اس آیت کا مطلب یہ بیان کرتا ہے۔ کہ اے موسیٰ آپ کے دین میں جو میں نے اندازے لگائے وہ انہوں نے نہ لگائے۔ تو میں نے قَبَضْتُ قَبْضَۃً۔ کچھ دنوں آپ کے دین کی پیروی کی۔ مِنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ۔ رسول یعنی آپ کی اثر۔ یعنی شریعت اور دین سے کچھ عمل کیا فَنَبَذْتُھَا۔ پھر مجھے یہ دین اچھا نہ لگا تو میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ میری طبیعت کا ولولہ اور جوش بے اختیار ہو گیا جس نے مجھے یہ دین چھوڑنے پر مجبور کیا۔ اور مجھے اپنے آباء کا دین بُت پرستی اچھا لگا اس لیے میں نے اس کو اپنایا بچھڑا بنایا اور آبائی دین جاری کردیا یہ تھا اصفہانی کا بیہودہ قول اصفہانی تو خیر ایک بدبخت گمراہ انسان تھا ہی مگر افسوس تو امام رازی پر ہے جنہوں نے اندھا بن کر اس کی اس احمقانہ جاہلانہ تخریب کاریکی تائید کردی پھر لگے اُس کی تائید میں لغو وجوہ بیان کرنے امام رازی نے اس بیہودہ قول کی تائید میں پانچ وجوہ بیان کیں اور تمام متقدمین و متاخرین کی اچھی و سچی تفسیر و تحقیق و منشاءِ قرآنی کی مخالفت کردی۔ رازی کی پہلی توجیہ رسول سے مراد موسیٰ ہیں نہ کہ جبرئیل۔ جبرئیل کو کبھی رسول نہ کہا گیا نہ وہ اس لقب سے مشہور۔ دوسری توجیہ یہ کہ اگر رسول سے مراد فرشتہ لیا جائے تو یہاں ایک پوشیدہ عبارت ماننی پڑے گی یعنی مِنْ قَبْضَۃِ اَثَرِ حَافِرِ فَرَسِ الرَّسُوْلِ۔ اور بلاوجہ پوشیدہ عبارت ماننی شرعًا ممنوع ہے۔ امام رازی کی تیسری توجیہ یہ کہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اتنی کثیر تعداد لوگوں میں صرف سامری نے جبرئیل کو دیکھا اور پہچانا۔ چوتھی توجیہ یہ کہ، سامری نے یہ کیسے پہچانا کہ نشانِ قدم کی مٹی کا یہ اثر ہے۔ پانچویں توجیہ یہ کہ یہ جو بعض لوگوں میں مشہور ہوگیا ہے کہ جبرئیل نے چونکہ سامری کو بچپن میں جب کہ اس کی والدہ

قتلِ فرعونی کے خوف سے سامری کو ایک جنگلی غار میں اللہ کی سپرداری میں ڈال آئی تھی تو جبریل نے رب تعالیٰ کے حکم سے پرورش کیا تھا۔ اس لیے اب سامری نے جبریل کو پہچان لیا تھا۔ یہ سب بعید از عقل باتیں ہیں۔ کیونکہ شیر خوارگی اور بچپن میں دیکھی ہوئی چیز یا شخصیت جوانی میں نہیں پہچانی جاسکتی اگر سامری نے محض اپنی عقل سے جبریل کو پہچانا تو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کو بدرجۂ اَولیٰ و اتم پہچانا ہوگا پھر گمراہی ناممکن یہ تھیں امام رازی کی توجیہاتِ عقلیہ جس کی بنا پر ایک معتزلی تخریب کار کی تائید کر بیٹھے۔ سچ فرمایا بزرگوں نے کہ اگر اللہ تعالیٰ بچی سمجھ کی ہدایت نہ فرمائے تو یہ نفسِ خبیث بڑوں بڑوں کو چھوٹی چھوٹی اُلجھنوں میں پھنسا لیتا ہے اسی لیے مولانا رومی نے فرمایا۔

گر بہ استدلال کارِ دین بُدے فخرِ رازی رازدارِ دیں بُدے

امام رازی کی ان لغو و غلط توجیہات کا جواب یہ ہے ۱۔ پہلی کتب اور قرآن کریم میں حضرت جبریل کو رسول کے لقب سے ہی ذکر کیا گیا ہے۔ مثلاً سورۃ مریم میں ہے۔ قَالَ اِنَّمَاۤ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ ۲۔ سورۃ تکویر آیت ۱۹ میں ہے هٰذَا قَوْلُ رَسُوْلٍ کریم ۳۔ فرشتوں کو رسول فرمایا گیا۔ سورۃ اسریٰ آیت ۹۵۔ لَنَزَّلْنَا عَلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا حیرت ہے امام رازی کو یہ آیت نظر نہ آئیں (روح المعانی)۔ ۲۔ یہ ٹھیک ہے بلا وجہ پوشیدہ عبارت ماننی ممنوع ہے مگر یہاں پوشیدہ ماننے کی ضرورت ہی نہیں۔ کیونکہ اثر بمعنی تاثیر ہے اور معنی یہ ہے کہ مٹی میں یہ زندگی پیدا ہونا رسول فرشتے کا ہی اثر تھا جو راستہ گھوڑی زمین تک پہنچا ۳۔ رہا یہ کہ اتنی کثیر تعداد نے نہ دیکھا تو یہ ممکن ہے اس لیے کہ اُس وقت حالات ہی اتنے گہما گہمی اور افراتفری کے تھے ایسی دلخراش دماغ سوز کیفیات میں تو ماؤں کو اپنے بچے نظر نہیں آتے۔ اور یہ بَصُرْتُ بصارت سے ہے نہ کہ بصیرت سے ۴۔ مٹی میں اُس اثر کا پہچان لینا بھی کچھ مشکل نہیں رہا کہ جب وہ دیکھ رہا ہے کہ جہاں قدم پڑتا ہے وہاں فوراً ہری گھاس اُگ آتی ہے آگے پیچھے کہیں ہری گھاس نہیں ہے تو اس حیران کن کرامت کا پہچاننا کیا مشکل رہا۔ اب اُس کو بچھڑے میں ڈالنے کا تو اُس کا اپنا ایک اندازہ تھا جو صحیح ثابت ہوا۔ ڈالنے سے پہلے سامری کو کچھ پتہ نہ تھا کہ یہ مٹی بچھڑے کی مورتی میں جاکر کیا کرے گی ۵۔ رہا سامری کا جبریل کو پہچان لینا تو یہ بچپن کی پرورش کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہی ہے جو ہم نے ابھی تفسیر میں اُس کے بیان کے اندر ظاہر کیں کہ وہ اِن حیران کن علامات سے اُس شخصیت کو فرشتہ سمجھے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے ان جوابات سے امام رازی کی تمام توجیہات غلط ہوگئیں۔ قَبْضَةً میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ض سے ہے بمعنی مٹھی بھر دوم یہ کہ یہ ص سے ہے

یعنی ایک مٹھی بھر مٹی اَثَرِ الرَّسُوْلِ میں کچھ لوگوں نے یہاں پوشیدہ عبارت مانی ہے کہ رسول کی گھوڑی کے قدم کے اثر سے۔ مگر یہ کچھ ضروری نہیں۔ جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کر دیا فَنَبَذْتُھَا میں تین قول ہیں ۱؎ میں نے سونا گلاتے وقت یہ مٹی ساتھ ہی ڈال دی تھی ۲؎ میں نے مورتی بننے کے بعد اس کی ناک میں ڈالی تھی۔ ۳؎ میں نے پچھلی طرف سے ڈالی تھی۔ سَوَّلَتْ لِیْ نَفْسِیْ میں دو قول ہیں ۱؎ فقط میرے نفس نے مجھ کو اس کام پر ابھارا کسی دوسرے نے مجھ کو کچھ نہ بتایا نہ سکھایا ۲؎ شیطان نے میرے نفس امارہ کو اور میرے نفس امارہ نے مجھ کو اس کام پر آمادہ کیا اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سامری کا یہ پورا بیان لے کر تین طریقہ سے اس کا جرم ثابت فرمایا کہ پہلا جرم یہ کہ اس نے مورتی بنائی یہ فوٹو اور تصویر سازی ہے جاندار کی ایک علیحدہ حرام جرم ہے پھر اس نے قوم کو کافر و مشرک بنایا کہ یہ تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود ہے اس سے وہ سارے مرتد ہوئے پھر اس کا کہنا کہ موسیٰ علیہ السلام اب واپس نہیں آئیں گے وہ تم سے ناراض ہو گئے ہیں کیونکہ تم نے فرعونی زیور غصب کیا ہے۔ پھر کہا کہ رب تو یہاں اس بچھڑے میں آگیا ہے موسیٰ کوہ طور پر تلاش کرنے گئے ہیں وہ بھول گئے اپنے معبود کو سامری کا تیسرا جرم یہ کہ اگرچہ خود سامری نے بچھڑے کو نہ سجدہ کیا نہ رقص کیا مگر اس کے پاس اعتکاف بیٹھا اور غیر اللہ کے لیے اعتکاف بیٹھنا بھی اس کی عبادت ہے اس لیے اس حرکت سے اس کا کفر ثابت ہوا چونکہ سامری کے تین جرم ثابت ہوئے اس لیے موسیٰ علیہ السلام نے اس کو تین قسم کی سزا سنائی ۱؎ فَاذْھَبْ اے سامری تو نے ان بنی اسرائیل میں عزت و شان اور بڑا بن کر رہنا چاہا تھا۔ اس کی سزا ساری زندگی تجھے یہ کہ تو ان سے دور ہٹ جا اب تجھے ان سے کبھی عزت نہ ملے گی بلکہ یہ تجھے ذلیل ہی کرتے رہیں گے اور تو ان رونقوں سے نکل کر تن تنہا اب جنگلوں میں بھٹکتا پھرے گا۔ دوسری سزا یہ کہ چونکہ تو نے اپنی شرارت سے بچھڑا بنایا اور وحشی فراست سے اس میں مٹی ڈال دی پھر قدرت سے اس میں جان اور زندگی آگئی تو تو نے اس ذریعہ سے بنی اسرائیل کی ایمانی زندگی برباد کی اس کی سزا یہ کہ تیری بقیہ دراز زندگی دنیا میں تباہ برباد اور آخرت میں عذاب ۳؎ تیسری سزا یہ کہ چونکہ گمراہی کی بیماری پھیلا کر شرک کی چیخ و پکار مچا دی اس کی سزا میں تو بھی ساری زندگی چیختا چلاتا اور کہتا پھرے گا۔ لَا مِسَاسَ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا مجھے ہاتھ نہ لگانا۔ یہ اس لیے کہ اگر تجھ کو کوئی ہاتھ لگا دے گا تو تجھ کو بھی اور اس کو بھی فوراً اذیت ناک درد و الم والا بیہوشی کا سردی والا سخت بخار آجایا کرے گا جو تین دن رہے گا مگر مہینہ بھر کے لیے دونوں کو نچوڑ کر رکھ دے گا جس کا علاج بھی کوئی نہ ہو گا۔ لَا مِسَاسَ میں دو قول اور بھی ہیں ۱؎ بعض نے کہا کہ لَا مِسَاسَ کا معنیٰ ہے

تو اپنی بیوی سے نہ مل سکے گا اور تیری نسل بند یا ختم ہو جائے گی رہ ۳ تمام بنی اسرائیل کو حکم دیدیا جائے گا کہ ہمیشہ کے لیے تجھ سے مکمل مقاطعہ (یعنی بائیکاٹ) کر لیں گے۔ بات چیت۔ خرید و فروخت معاملہ۔ معاہدہ کھانا۔ پینا اور تناسلت سب بند ہر قسم کا تعاون ممنوع۔ بعض نے کہا کہ لَامِسَاس کا معنیٰ یہ کہ جب کوئی اُس سے پوچھتا کہ تیرا حال کیا ہے تو کہتا کہ دیکھ لو میں تن تنہا ذِلّت کی زندگی گزار رہا ہوں کسی کا مجھے ملنا جلنا نہیں ہے یہ میری زندگی موت سے بدتر ہے۔ میں اپنی موت کی دعائیں کر رہا ہوں۔ یہ سب اقوال ہی درست ہیں۔ مقاطعہ اور اس قسم کی بیماری میں ایسا ہی ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اُس کی نسل میں اسی قسم کی تنہائی پسند وحشیانہ زندگی کی عادت ہے مگر اب دنیا میں اُس کی نسل موجود نہیں لیکن ہندوؤں میں مصر سے آئی ہوئی چھوت کی عادت کا وہم موجود ہے۔ اس پیشگی خبر دینے کے بعد موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ تو تیری دنیوی تا حیات سزا ہے لیکن وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ۔ اور بے شک قبر حشر جہنم کا دائمی عذاب اِس کے علاوہ ہے جو ہر کافر کا مُوعِدِ عذاب ہے اسی طرح تیرے لیے بھی اٹل وعدہ ہے ہرگز ہرگز تو اُس کے خلاف نہ رکھا جائے گا۔ نہ تیرا عذاب ہٹے نہ نرمی سے نہ کمی سے نہ ختم ہونے سے۔ چند دن کی حیاتِ فانی کی عزت کی خاطر تو نے کتنا بڑا ابدی نقصان کر لیا۔ اور یہ جو تو نے اپنے آبائی دین و مذہب کا اظہار کرتے ہوئے بچھڑے کی مورتی بنا کر اور پھر جب قدرت سے اُس میں جان پڑ گئی تو تو نے اس کو جھوٹا معبود بنا لیا اور دوسروں کو گمراہ کیا اور خود بھی اِس کی عبادت پوجا پاٹ میں معتکف بیٹھا۔ وَانْظُرْ اِلٰٓى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا اس کو خوب جی بھر کے دیکھ لے ابھی ہم اِس کا عبرت ناک ذلت آمیز سب کے سامنے کیا حال کرتے ہیں ہم اس کو ذبح کر کے آگ میں خوب جلا کر راکھ بنا دیں گے۔ اور تیرے دیکھتے ہی دیکھتے ہم اِس کی راکھ کو بھی دریا میں بہا دیں گے اس طرح کہ اس کا نام و نشان باقی نہ رہے گا۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السّلام نے قوم کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا اے گمراہو مرتدو بتاؤ کیا یہ تمہارا معبود ہے اپنے آپ کو ہماری چھری اور ہماری آگ سے بچا سکتا ہے۔ اِس کو تو ہماری اِن باتوں کا بھی علم نہیں کہ ہم اِس کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں اور اب اِس کے ساتھ کیا سلوک کرنے والے ہیں بدبختو کم عقلو نادانو کیا جانور بے علم بے عقل چیزیں بھی معبود ہو سکتی ہیں۔ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا۔ تمہارا سچا معبود تو فقط وہی اللہ ہے جس کے سوا کہیں کوئی معبود نہیں ہو سکتا ہر جگہ ہر وقت ہر ایک کے لیے بس وہی حقیقی ابدی ازلی معبود ہے دیگر بے شمار وجوہ و حقائق و دلائل

کے علاوہ یہ وجہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی قوت و طاقت قدرت غلبے والا اور ہر چیز پر علم و خبر کا مالک ہے معدوم و موجود معلوم و مقصود پر اس کا علم محیط ہے معبود کے لیے ایسا وسیع و عریض علم قوت اور قدرت ضروری ہے اور یہ چیزیں کسی اور کے پاس نہیں لہٰذا کوئی دوسرا معبود نہیں ہو سکتا۔ بعض قراء نے لَنُحَرِّقَنَّهٗ باب اِفعال سے پڑھا ہے اور ترجمہ کیا ہے کہ ہم اس کو کوٹیں گے ہتھوڑوں سے جیسے لوہار یا جیسے دھوبی کپڑے کو کوٹتے ہیں اور سونے کے بچھڑے کا برادہ بنا دیں گے اور پھر دریائی سمندر میں بہا دیں گے ان لوگوں نے اس کو مورتی ہی مانا ہے مگر یہ قول اس لیے احمقانہ اور غلط ہے کہ سونے کو کتنا ہی کوٹا جائے یا جلایا جائے نہ وہ ختم ہوتا ہے نہ راکھ بنتا ہے نہ بہتا ہے بلکہ نیچے پانی میں بیٹھ جاتا ہے جس کو نیارے سے چھان کر نکالا جا سکتا ہے۔ بعض نے کہا کہ لَنُحَرِّقَنَّ کا معنٰی ہے کہ تھوڑا جلائیں گے پھر اس کی ہڈیوں کو کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیں گے مگر یہ سب فضول باتیں ہیں اس کو کوٹنے کا مقصد کیا جب کہ آگ سے ہی اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے پہلے جلاؤ پھر بجھاؤ اور ہڈیوں کو کوٹو وقت ضائع کرو اور پھر کٹی ہوئی ھڈی بھی پانی میں نیچے بیٹھ جاتی ہے نشان پھر بھی باقی رہا اگرچہ بے فائدہ نام و نشان مٹانے کے لیے سب سے زیادہ مفید و مؤثر طریقہ یہی ہے کہ لَنُحَرِّقَنَّهٗ۔ ہم خوب جلا ڈالیں گے مکمل طور پر اور مکمل جلنے کے بعد پھر کوٹنے کی فرصت نہیں رہتی آگ خود ہی گوشت پوست ہڈی کو راکھ بنا دیتی ہے۔ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ اختتام ہوا یہ آپ کا آخری جلوہ ہے قرآن مجید کی گیارہ سورتوں میں یہ قصہ مبارکہ مذکور ہے ۱ سورۃ بقرہ ۲ اعراف ۳ سورۃ یونس ۴ سورۃ ہود ۵ طٰہٰ ۶ شعراء اور ۷ نمل ۸ قصص ۹ مومن ۱۰ زخرف ۱۱ نازعات۔ جن میں مختلف پہلوؤں۔ انداز اور وضاحت سے موسیٰ و ھٰرون علیہما السلام۔ بنی اسرائیل۔ قبطی اور سامری کا تذکرہ ہے۔ اس بچھڑے کو راکھ بنا کر بہا کر پھر حضرت موسیٰ نے سامری کو اس اسرائیلی خیمہ بستی سے نکال دیا۔ یا بنی اسرائیل نے اس کو بیماری کے ڈر سے نکال دیا۔ بعض نے کہا کہ وہ خود ہی کچھ دن بعد اس نفرت انگیز ماحول سے اکتا کر جنگل کی طرف نکل گیا اور اپنی تمیس سالہ بقیہ زندگی بھر جنگلوں میں بھٹکتا پھرا۔ اور تنہائیوں میں سسک سسک کر مرا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ۔** بارگاہ رب العزت میں سب سے زیادہ عزت انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ہے یہود و نصاریٰ نے حضرت موسیٰ اور حضرت ھٰرون علیہما السلام پر طرح طرح کے بیہودہ اور گستاخانہ الزامات اور اتہامات لگائے جو آج بھی ان کی تالمود اور بائبل میں لکھے ہوئے ہیں کہ معاذ اللہ موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے پاس

جانے سے انکار کر دیا اور اللہ سے کہا کہ مجھے نبوت نہیں چاہیے تو ھٰرون کو دیدے۔ اور ھٰرون پر معاذ اللہ یہ اتہام لگایا کہ بنی اسرائیل کے لیے بچھڑا انہوں نے بنایا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ یہ بچھڑا تمہارا معبود ہے رب تعالیٰ نے قرآن مجید کی مختلف سورتوں میں ذکر کر کے ان تمام گستاخیوں اور کفریہ باتوں کی تردید فرما کر سچا حقیقی واقعہ پیش فرما دیا یہ فائدہ۔ قَالَ بَصُرْتُ (الخ) سے حاصل ہوا کہ یہ کفریہ کام سامری نے کیا تھا جس کا وہ خود اقرار کر رہا ہے۔ بائبل وغیرہ میں سامری کے وجود سے ہی انکار کیا گیا۔ جس کی وضاحت قرآن مجید نے فرما دی۔ دوسرا فائدہ۔ ان آیات سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ایک ہی چیز کسی کے لیے رحمت کسی کے لیے زحمت کسی کے لیے ہدایت کسی کے لیے ضلالت۔ اہلِ کرامت کے لیے کرامت۔ اہلِ کراہت کے لیے کراہت اہلِ غرامت کے لیے فتنہ و فساد۔ دیکھو حضرت جبرئیل کی گھوڑی کے نشانِ قدم کی مٹی جو نہایت شاندار تبرک تھی مگر جب اہلِ باطل کے ہاتھ میں پہنچی اور خبیث فرعونی سونے میں گئی تو اس سے کفر شرک ہی پھیلا اس کی وجہ یہ کہ اہلِ کرامت تبرکات کو مقامِ حق پر خرچ کرتے ہیں اور اہلِ کراہت و غرامت خباثت میں ضائع کرتے ہیں یہ فائدہ فَنَبَذْتُهَا فرمانے سے حاصل ہوا لہٰذا مسلمانوں کو کسی گمراہ گر کے صرف قرآن و حدیث پڑھنے اور قرآنی حوالوں کی تقریر و تحریر سے متاثر و مرعوب نہ ہونا چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ کس کے ہاتھ میں ہے اور کس کے منہ سے نکل رہا ہے۔ یہی قرآنِ کریم جب اہلِ حق کے ہاتھ ثنا خوانِ مصطفیٰ کے منہ زبان و قلم۔ تقریر و تدریس سے ملے گا نورِ ہدایت پھیلاتا جائے گا۔ اور اگر کسی باطل سامری سے ملے گا تو فتنہ و ضلالت پھیلائے گا۔ تیسرا فائدہ۔ بدوں کی صحبت سے ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے اس لیے ایسی مجلس سے بچنا چاہیے بری مجلس کی چار قسمیں ہیں ۱؎ بری کتاب پڑھنا ۲؎ بری تقریر سننا ۳؎ بری محفل میں بیٹھنا ۴؎ بروں کو دوست بنانا۔ ہر وہ چیز جس کو غلبہ وہ ہی حقیقت میں بری ہے لہٰذا مومن مسلمان کو اس سے محبت لگانی چاہیے جس کو بقا ہے۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

چو عاقبت ز صحبت یاراں بریدن است   پیوند با کسی نکند آنکہ عاقل است

یعنی جس دوست کی دوستی نے آخر ٹوٹنا ہے عقل والا اس سے دوستی نہیں لگاتا۔ یہ فائدہ لَا مِسَاسَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو سامری نے اُلفت۔ عزت۔ شہرت۔ قربت۔ رونق چاہی مگر اس کو نفرت ذلت۔ غربت۔ بلکہ خلوت ملی یہ اس لیے ہوا کہ اس نے ان نعمتوں دولتوں کو حاصل کرنے کے لیے غلط راستہ اور بروں کی صحبت کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ ان نعمتوں کے لیے صحیح اور سچا مضبوط

دروازہ تو آستانۂ نبوت اور مجالس ولایت تھا جو اس نے چھوڑا۔ حق سے منہ موڑا۔ چوتھا فائدہ۔ کسی مسلمان کو کسی وقت اپنی عقل فکر علم ذہن پر بھروسہ نہ کرنا چاہیے یہ سب شیطان کے جال اور پُر فریب رستے ہیں یہ فائدہ۔ وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ ۔ سے حاصل ہوا۔ کہ سامری نے اتنا بڑا فتنہ فساد ذلت تباہی کا سلسلہ صرف اپنے نفس و علم پر غرور اور بھروسہ کرنے کی وجہ سے کیا۔ خود بھی ڈوبا تباہ ہوا اور ساتھیوں کو بھی تباہ و برباد کیا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ قانونِ شریعت کے مطابق کفر دو قسم کا ہے۔ ایک کفر شرعی دوم کفر حکمی کفر شرعی میں مرتد ہونے والا واجبُ القتل ہے اور کفر حکمی میں مرتد ہونے والا واجب القتل نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ۔ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ۔ سے مستنبط ہوا کہ دیکھو بنی اسرائیل نے بچھڑے کو معبود سمجھ کر اس کی پرستش سجدہ ریزی کی اس لیے اُن کی سزا فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ہوئی۔ اور سامری نے یہ کہا تھا اِلٰهُكُمْ یہ نہ کہا تھا اِلٰهُنَا کچھ اس وجہ سے اور پھر بنی اسرائیل نے تو اس کو سجدہ بھی کیا اعتکاف بھی کیا اور طواف بھی کیا بشکلِ رقص۔ مگر سامری نے صرف اعتکاف کیا بچھڑے کو سجدہ نہ کیا اس لیے وہ قتل نہ کیا گیا۔ اگر وہ توبہ کر لیتا تو شاید لَا مِسَاسَ کی دنیوی سزا سے بھی بچ جاتا۔ لہٰذا آج کل مرزا غلام قادیانی کو ماننے والے شرعی کافر ہیں اس لیے ان کو اقلیت قرار دیا گیا اور مسلمان اب مرزائی بن جائے وہ شرعی مرتد ہو گا۔ لیکن تبرائی رافضی۔ خارجی۔ نیچری۔ چکڑالوی شرعی کافر نہیں ہیں حکمی کافر ہیں۔ **دوسرا مسئلہ**۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو اللہ تعالیٰ نے غیب کا علم عطا فرمایا ہے لہٰذا اس کا منکر گمراہ ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّ لَكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ جس وقت حضرت موسیٰ علیہ السّلام سامری کو یہ سزا سنا رہے ہیں اُس وقت نہ سامری بیمار تھا نہ قریب موت نہ کوئی علامت بیماری اُس میں ظاہر تھی مگر موسیٰ علیہ السّلام اُس کی اگلی تمام زندگی۔ بیماری اُس کے انجام موت و قبر حشر جہنم اور توبہ کی توفیق نہ ملنے کی سب خبریں دے رہے ہیں یہ ہی علوم غیبی ہیں۔ **تیسرا مسئلہ**۔ آلاتِ فسق و فجور اور حرام کاموں کا ساز و سامان کفر اور گمراہی پھیلانے والی چیزیں توڑنا پھوڑنا جلانا ضائع برباد کرنا جائز اور ضروری ہے اور ان پر کچھ بدلہ یا تاوان نہیں لیا جا سکتا اگرچہ وہ سامان کتنا ہی قیمتی ہو۔ اسی طرح طبلہ سارنگی ڈھول باجہ توڑنا جائز اور کارِ ثواب ہے یہ مسئلہ لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِي الْيَمِّ نَسْفًا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ موسیٰ علیہ السّلام نے وہ بچھڑا جو اپنی مالیت میں اچھا خاصا قیمتی تھا۔ ذبح کر کے جلا دیا اور اُس کی راکھ کو بہا دیا مگر نہ کسی

قصائی کے ہاتھ اس کو بیچا نہ خود کسی کو اس کا گوشت کھانے دیا نہ کسی زمین میں ہل چلانے کے لیے رکھا۔ نہ اُن پر کچھ شرعی تاوان واجب ہوا نہ بدلہ اس لیے کہ وہ بچھڑا کفر و شرک کا ذریعہ تھا۔ اسی طرح کسی بھی کھیل کود گمراہی کی چیز کو ضائع کرنا جائز ہے اگر کوئی مسلمان کسی دوسرے شرابی جواری مسلمان کی شراب اور جوے بازی کا سامان تاش و شطرنج وغیرہ ضائع کر دے تو ضائع کرنے والے پر کچھ تاوان یا سزا واجب نہ ہوگی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو فرمایا ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا لیکن کسی اسرائیلی کو یہ نہ کہا حالانکہ اس سے پہلے بنی اسرائیل تو اپنی زبانوں سے کہہ رہے تھے لَنْ نَبْرَحَ عَلَیْهِ عَاكِفِیْنَ۔ چاہیے تھا موسیٰ علیہ السّلام کہتے ظَلَلْتُمْ عَلَیْهِ عَاكِفِیْنَ سب کو شامل کرتے۔ **جواب**۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ سامری اس وقت بھی بچھڑے کے پاس آسن جمائے پالتی مارے بیٹھا تھا جس وقت حضرت موسیٰ نے اُس سے یہ خطاب کیا اور حضرت موسیٰ نے اس کو خود معتکف دیکھا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے جب دیکھا کہ موسیٰ علیہ السّلام حضرت ہارون کو سخت سرزنش فرما رہے ہیں اُسی وقت بچھڑے کو چھوڑ کر موسیٰ علیہ السّلام کے پاس آگئے تھے اور شرمندہ سر جھکائے معذرتی بیان دینے کی تیاری میں لگ گئے تھے۔ سامری خود نہ آیا بلکہ اُس کو بلانا پڑا یا موسیٰ علیہ السّلام خود اس کے پاس گئے۔ دوم وجہ یہ کہ اس سب کام کا اصل سرغنہ شیطان سامری تھا اس لیے اسی کو یہ جرم بتاتے ہوئے اس طرح فرمایا کہ یہ اعتکاف بیٹھنا بھی شرک و کفر ہے گویا کہ رئیس الجہال اور سردارِ گمراہاں وہی تھا۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ مرتد تو سب ہو گئے تھے بنی اسرائیل بھی اور سامری بھی مگر قرآن مجید میں ان مرتدین بنی اسرائیل کے قتل کا تو ذکر ہے مگر سامری کو قتل نہ کرایا جرم ایک لیکن سزا مختلف کیوں۔ جواب اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ سامری شرعی کافر نہ تھا حکمی کافر ہو گیا تھا اور حکمی کافر کی سزا قتل نہیں جس طرح گمراہ فرقے یا قبر پرست پیر پرست جُہلا کہ یہ سب حکمی کافر ہو لئے گئے نہ کہ شرعی۔ دوم جواب یہ کہ سامری مرتد نہ ہوا تھا۔ بلکہ وہ شروع سے منافق کافر تھا۔ اس کا مومن بننا منافقت تھی۔ اسی لیے نہ اُس پر عذاب غرق آیا کہ منافق مومن تھا قتل کی سزا نہ ہوئی کہ مرتد نہ تھا۔ قتل صرف مرتد کی سزا ہے نہ کہ شروع کے کھلے کافر کی نہ منافق کافر کی۔ بعض نے یہ بھی لکھا ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام نے اُس کے قتل کی اجازت رب تعالیٰ سے مانگی مگر نہ ملی کیونکہ وہ سخی بہت تھا مگر یہ غلط ہے کہیں ثبوت نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ يَبْصُرُوا بِهٖ فَقَبَضْتُ قَبْضَةً مِّنْ اَثَرِ الرَّسُوْلِ فَنَبَذْتُهَا وَكَذٰلِكَ سَوَّلَتْ لِيْ نَفْسِيْ۔ سامری طبیعت نے اپنی شرارتِ باطنی کا اظہار کیا کہ میں نے اپنے علمِ طبعی اور قوتِ بصری سے دنیاءِ ناسوت میں وہ کچھ دیکھا جو میرے ہم نشین نہیں دیکھ سکتے یہ عالمِ باطن طلسمات وسمیات کا جھاڑ ہے قاصدِ ضمیرِ روشن کے نشانِ اتباع سے میں نے کاسۂ شعور حاصل کیا اور نفسِ حیوانیہ گلبۂ مسخرہ سے عقلِ فعّال کی مٹھی بھر لی جو اثر و تاثیر کی جذب سے ہے اور طبیعۃِ عنصری میں اجسامِ سفلیہ کے واسطے سے چلا آرہا ہے پھر میں نے اِس عقلِ فعّالی کو مکر و فریب کے بچھڑے کے اندر ڈال دیا اور یہ سب کچھ صرف نفس وشیطانِ شریر کے دھوکوں سے ہے قَالَ فَاذْهَبْ فَاِنَّ لَكَ فِي الْحَيٰوةِ اَنْ تَقُوْلَ لَا مِسَاسَ وَاِنَّ لَكَ مَوْعِدًا لَّنْ تُخْلَفَهٗ۔ بندۂ مومن کا غضب عذابِ الٰہی کی وعید ہے جب قلبِ مومن پر کشفِ اسرار کی سبقت ہوتی ہے تو اجتہادِ سلوک کا جذبہ غالب ہوتا ہے مومن کو عبادتِ ریاضت سے علمِ کشفی حاصل ہوتا ہے فاسق جعلی کی ریاضت سے علمِ کسبی حاصل ہوتا ہے۔ اکتسابِ علم سے استقامت ملتی ہے۔ علمِ کسبی سے کسبی استقامت علمِ کشفی سے کشفی استقامت کسبی سے خرافاتِ خبیثہ ناقصہ کا صدور ہوتا ہے اور قومِ شریر میں گمراہی پھیلتی ہے جس سے چار نقصان ۱۔ شقاوتِ دنیوی ۲۔ آخرت کا بُعد ۳۔ عذابِ ابدی کی سزا ۴۔ وبالِ عملی کا ذائقہ حاصل ہوتا ہے۔ اور کسبِ شیطانیہ کے تمام مکر کا ابطال ہو جاتا ہے محنت برباد منافقت کا پردہ فاش ہوتا ہے اور فَاذْهَبْ کی لعنت ڈال دی جاتی ہے۔ حُبِ شہوات کی آگ بجھ جاتی ہے۔ فریبِ حیات سے جو نا جائز فائدہ اٹھاتا ہے وہ دائمی ذلت میں بدل جاتا ہے لذتِ شہوت کا بھڑا صرف کھانے پینے تک محدود ہو جاتا ہے یہ دنیا چند دن کا رقص و سرود ہے پھر لَا مِسَاسَ کی ابدی قبرِ محرومی ہے جو بن موت کے موتِ عذاب ہے مومن کو چار قسم کے غضب سے بچنا چاہیے ۱۔ غضبِ انبیاء سے کہ یہ دردناک عذاب ہے بندہ جیتے جی مردہ ہو جاتا ہے دوم غضبِ اولیاء اللہ سے یہ لَنْ تُخْلَفَهٗ کی وعیدِ قہر ہے سوم غضبِ والدین سے کہ اس میں فَاذْهَبْ کی دُرکار اور راندۂ درگاہ ہونے کی پھٹکار ہے چہارم غضبِ محسن (استاد اور مرشد) سے کہ اس سے فِي الْحَيٰوةِ تمام زندگی نورِ ہدایت سے حیاتِ وحشیہ ظلمانیہ والی نفرت و تنہائی کا عذاب ہے اِن غضبوں سے ملوث ہر کر آدمی ملعون، مطرود، محدود اور مغرور وحشت ہو جاتا ہے۔ عالمِ باطن میں نفسِ شریر پر جب قلب کا غضب وارد ہوتا ہے تو پھر اُس سے تمام روحانی قوتیں سلب کر لی جاتی ہیں جس سے اہلِ ایمان کو بھی نقصان

ہوتا ہے خود نفس کی بھی کثافت بڑھ جاتی ہے اس لیے اہلِ نفس بھی اہلِ حق سے دور ہی رہنا چاہتے ہیں اور مساجد و مدارس، خانقاہ مجالس سے لَامِسَاس ہوتے ہیں یہ دوری قہرِ ربانی ہے اس کی وعید دائمی ہے۔ لَنْ تُخْلَفَهٗ۔ اس میں کبھی خلاف نہیں ہو سکتا (ابن عربی) مرشد برحق کی مرید کو چلانے کے لیے چار ذمہ داریاں ہیں پہلی یہ کہ عبرت دلائے دوم یہ کہ باطل سے نفرت کرائے سوم یہ کہ زندگی کی مہلت بتائے چہارم یہ کہ انجام کار بتائے۔ پھر راہِ سلوک پر نظریں لگوائے کہ برے کی برائی کا انجام اپنی بصیرتِ نظری سے دیکھ لے اور فرمایا کہ وَانْظُرْ اِلٰۤى اِلٰهِكَ الَّذِیْ ظَلْتَ عَلَیْهِ عَاكِفًا لَنُحَرِّقَنَّهٗ ثُمَّ لَنَنْسِفَنَّهٗ فِی الْیَمِّ نَسْفًا۔ اے نفس شریر اپنی طبیعتِ جسمانیہ کے بچھڑے اور دولتِ فانیہ سے اس بنائے ہوئے عملِ خواہشات کو جی بھر کے دیکھ لے جس کی شہوت پرستی میں تو نے زندگی کے قیمتی لمحات ضائع کر دیئے اور موسیٰ قہر و جلال کے آنے کی بھی پرواہ نہ کی مرشد کامل کی سزا سے نہ بچ سکے گا ہم اس کو ریاضتِ قلبی کی آگ سے جلا کر رکھ دیں گے پھر ضرب اِلَّا اللّٰہ کے ہتھوڑوں سے کوٹ کر ریزہ ریزہ کر دیں گے اور نفحاتِ رحمت کے دریا میں اس کے جلاپے کو ایسا بہا دیں گے کہ نہ زندگی رہے گی نہ حرکاتِ زندگی اور نفس و ھویٰ کے تمام جھوٹے عبد و معبود بحر قہر میں اس طرح حَصَبِ جہنم بن جائیں گے کہ پھر چھٹکارہ نصیب نہ ہوگا۔ (روح البیان) نظرِ عبرت ن کا زیور ہے۔ اس لیے کہ اِنَّمَاۤ اِلٰهُكُمُ اللّٰهُ الَّذِیْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَؕ وَسِعَ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا چونکہ پوری مخلوق کائنات کا اِلٰہ وہی اللہ سبحانہٗ ہے اس کے سوا کہیں کوئی کسی کا اِلٰہ نہیں ہے لہٰذا جو غیر کو معبود بنائے گا اس کو نارِ قطعی سے جلایا جائے گا اور دریائے قہر میں بہایا جائے گا۔ یہی ابدی فنا اور سزا لِقا ہے اِلٰہ وہی ہے جس کا علم ہر چیز پر غالب ہے وہ جانتا ہے کون لطف کا حقدار ہے کون قہر کا سزاوار، جب قلب اور طبیعت کا ملاپ ہوتا ہے تو شریعت طریقت معرفت حقیقت کی نسل پیدا ہوتی ہے۔ اور قوم سالکین بن جاتی ہیں مگر جب نفس و خباثت کا ملاپ ہوتا ہے تو ادیانِ باطلہ۔ اَخلاقِ مذمومہ عاداتِ بدعتیہ۔ لذاتِ شہوانیہ جنم لیتے ہیں۔ بدعت اور ضلالت کا نقصان گناہ اور معصیت سے زیادہ ہے کیونکہ گمراہ انسان اپنے گناہوں عیبوں کو نیکیاں سیئات کو حسنات سمجھتا ہے اس لیے غرور کا سامری بنا رہتا ہے توبہ نہیں کرتا۔ لیکن گناہگار معصیت والا اپنے گناہ کو برا سمجھتا ہے اور توبہ میں خنجرِ تسلیم سے قتل ہو جاتا ہے اور حیوٰۃِ ابدی کی روح پا لیتا ہے۔

کشتگانِ خنجرِ تسلیم را — ہر زماں از غیب جانِ دیگر است

اے معرفت میں قدم رکھنے والے پہلے اِس سبق کو یاد کرلے کہ ہر فرعون کے لیے قدرت کا ایک موسٰی ہے ہر باطل کے لیے ایک حق ہے ہر مفسدِ سامری کے لیے ایک مصلحِ طرون ہے اور ہر عجلِ خراب کے لیے سزا و عذاب ہے اس طرح کہ جب فرعونِ نفس زمینِ جسمانی میں کفر ظلم، تکذیب ستم اور فساد معاصی کی یلغار مچاتا ہے تو مصلحِ قلبی ایمان تصدیق عدل و اطاعت کی اصلاح پھیلاتا ہے۔ جب سامری خباثت دینِ حق کے آئینۂ جمال کو اپنی بدکرداری سے اندھیارا کرنا چاہتا ہے تو خروشِ عقل اور موسٰیِ قدرت کا دستِ یداللہ اُس کو صاف اور مزین فرما دیتا ہے اور غیرتِ ایمانی کی پالش لگا دیتا ہے اے مرد مرید خبردار ہو جا کہ حق و باطل کے یہ جھگڑے تیرے ظاہر و باطن میں اس طرح تاقیامت رہیں گے اسی لیے ہر مسلمان کو ہر وقت مرشدِ حق کی ضرورت ہے یہ دنیا بڑی خطرناک ہے یہاں ہر فرعون لباسِ موسٰی میں اور سامری لبادۂ طرون میں پھر رہا ہے جو ان بھیڑیوں سے بچ گیا وہ کامران ہوا۔ مگر جو بھٹکا اُس نے سزا پائی۔ درویش کو اُس وقت سزا ملتی ہے جب اُس کے اَخلاق خراب ہو جائیں خراب اَخلاق یہ ہیں کہ ۱ اپنے رب تعالیٰ کی نافرمانی کرے ۲ اپنی حالت کی شکایتیں کرتا پھرے ۳ یہ کہ ہر وقت تقسیمِ تقدیر پر ناراض رہے سچے صوفی کی پہچان یہ ہے۔ ہر قبض و بسط سوال و عطا میں حسنِ ادب قائم رکھے ہر بدلتی بنتی بگڑتی حالت میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں صداقت کا ثبوت دیتا رہے۔ جس بزرگ پیر فقیر درویش میں لالچ اور نفس پرستی خودی کی بدبو پیدا ہو گئی وہ اِس زمین پر سامریِ وقت ہیں کہ خود بھی گمراہ اور مریدوں کو بھی گمراہ کرتے ہیں۔ مرشد پکڑتے وقت چار چیزوں کا خیال رکھنا چاہیے ۱ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا سچا عملی غلام ہے یا نہیں ۲ شریعت پر مکمل ملفوف ہے یا نہیں ۳ کسی نسبت کا پابند ہے یا نہیں ۴ پیری کے قابل ہے نہیں۔

كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا

اسی طرح بیان کرتے رہیں گے ہم تمہارے پاس اُن واقعات کی خبریں جو
ہم ایسا ہی تمہارے سامنے اگلی خبریں بیان

قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا

گزر گئے ہیں اور ہم نے دی تم کو اپنے قرب خاص سے ایک

فرماتے ہیں اور ہم نے تم کو اپنے پاس سے ایک ذکر عطا

ذِكْرًا ۚ ۹۹ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ

بڑے ذکر والی چیز۔ جس نے بھی منہ پھیرا اس سے تو وہ یقیناً اٹھائے گا

فرمایا جو اس سے منہ پھیرے تو بے شک وہ قیامت

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا ۙ ۱۰۰ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ ۭ وَ

قیامت کے دن بھاری بوجھ اور ایسے سب لوگ ہمیشہ ہی اس بوجھ میں دبے رہیں گے اور

کے دن ایک بوجھ اٹھائے گا وہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ اور

سَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا ۙ ۱۰۱ يَّوْمَ

کتنا برا ہوگا قیامت کے دن یہ لدا ہوا بھار بار رولا دیئے وہ دن

وہ قیامت کے دن ان کے حق میں کیا ہی برا بوجھ ہوگا۔ جس دن

يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ

کہ پھونکا جائے گا صور میں اور گھیر لائیں گے ہم تمام مجرموں کو

صور پھونکا جائے گا اور ہم اس دن مجرموں کو اٹھائیں گے

يَوْمَئِذٍ زُرْقًا ۚ ۱۰۲ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ

اس دن نیلی آنکھوں والے سرگوشیاں کریں گے کہ نہیں

نیلی آنکھیں آپس میں چپکے چپکے کہتے ہوں گے کہ تم

اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا ﴿۱۰۳﴾

زندگی گزاری تم نے مگر دس گھڑی

دنیا میں نہ رہے مگر دس رات

تعلقات اِن آیت کا سابقہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں بنی اسرائیل اور موسیٰ علیہ السّلام کے ایک قصے کا ذکر ہوا۔ اَب اِن آیت میں اس قصے کے متعلق آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا جا رہا ہے کہ اے محبوب ہم تم کو سابقہ خبروں کے قصے سناتے رہیں گے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بنی اسرائیل اور سامری کی دنیوی سرکشیوں کا ذکر ہوا۔ اب آیت میں گمراہ گروں کے اُخروی انجام و عذاب کا ذکر ہے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں گمراہ کرنے والوں کا ذکر ہوا جو قوم پر گمراہی کا بوجھ ڈال دیتے ہیں۔ اَب اِن آیت میں خود گمراہ گروں پر قیامت کے دن بوجھ پڑنے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی کَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَیْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَیْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ یَحْمِلُ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وِزْرًا۔ خٰلِدِیْنَ فِیْهِ۔ اسم اشارہ اور حرفِ تشبیہ وضمیرِ مخاطب سے مرکب لفظ کَذٰلِکَ یہاں مبتدا ہے نَقُصُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع جمع متکلم قَصَصٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ خوب کھول کر بیان کرنا عَلٰی جارہ بمعنی عِنْدَ کَ ضمیر خطاب مرجع آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم مِنْ جارہ بعضیت کا اَنْبَآءِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَبَاٌ بمعنی خبرِ غیبی۔ مضاف ہے مَا اسم موصول قَدْ سَبَقَ بابِ ضَرَبَ کا فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما موصولہ کا دونوں مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اِضافی مجرور ہوا، جار مجرور متعلق دوم ہوا نَقُصُّ کا عَلَیْکَ پہلا متعلق تھا نَقُصُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہوا واوٌ حالیہ ہے یا عاطفہ ہے قَدْ اٰتَیْنَا۔ بابِ اِفعال کا ماضی قریب جمع متکلم مِنْ حرفِ جر ابتداء و غایت کے لیے لَدُنْ مضاف اسم تقریبی بمعنیٰ پاس نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے قَدْ اٰتَیْنَا سے ذِکْرًا اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنی تذکرہ۔ یادگار قابلِ ذکر چیز مراد ہے قرآن مجید مفعول بہ دوم ہے پہلا مفعول بہ کَ ضمیر خطاب ہے قَدْ اٰتَیْنَا اپنے فاعل دونوں مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا نَقُصُّ کا

دونوں عطف مل کر خبر مبتدا پھر دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا مَنْ اسم موصول برائے اہل عقول مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے اَعْرَضَ باب افعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب عَرْضٌ سے مشتق ہے لازم ہے بمعنی پیش ہونا عرض کرنا سامنے ہونا۔ باب افعال میں اگر متعدی ہو ابمعنی سامنے کرنا چہرے اور منہ کو جب اس کے بعد عَنْ جارہ ہو تو معنی ہوں گے سامنے سے چہرہ ہٹا لینا منہ پھیر لینا نفرت کرنا۔ یہاں یہی معنی ہیں عَنْهُ ہ ضمیر کا مرجع ذِکْرًا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَعْرَضَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوا فَ جزائیہ اِنَّ حرف مشبہ ہ ضمیر اس کا اسم منصوب یَحْمِلُ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل حَمْلٌ یا حَمْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بامشقت اٹھانا حَمْلٌ اور حِمْلٌ میں فرق یہ ہے کہ جو چیز سر پر یا پیٹھ پر ہو وہ حِمْلٌ ہے اور مادہ کے رحم میں یا پیٹ میں یا درخت پر پھل پھول ہو وہ حَمْلٌ ہے یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ یہ مرکب ظرف زمانی ہے یَحْمِلُ کا وِزْر اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی بوجھ اس کی جمع ہے اَوْزَارٌ مفعول بہ ہے۔ خٰلِدِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب نَصَرَ سے خُلُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی ہمیشہ رہنا بحالت نصب ہے کیونکہ حال ہے یَحْمِلُ کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا اس کا مرجع مَنْ ہے وہ جنسی جمع ہے اس لیے خالدین جمع آیا مراد ہے تمام کفار فِیْهِ۔ ہ ضمیر کا مرجع وِزْرًا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے خالِدِیْنَ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا یَحْمِلُ کے فاعل کا ذوالحال سے مل کر فاعل ہے یَحْمِلُ سب سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ سَآءَ فعل ذم ماضی مطلق واحد مذکر غائب ہُمْ میں ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع مَنْ جنسی جمع ہے یہ

جار مجرور متعلق ہے سَآءَ کا یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ظرف زمانی ہے حِمْلًا اسم حاصل مصدر حَمْلٌ سے ہے بمعنی اٹھایا ہوا بوجھ۔ وِزْر مطلق بوجھل چیز کو کہتے ہیں خواہ اٹھائی ہو یا نہ لیکن حمل اس بوجھل چیز کو جو اٹھائی ہوئی ہوا اور اٹھانے والا بوجھ تلے دبا ہوا ہو کر چلے یہ تمیز ہے سَآءَ کے فاعل مخصوص بالذم کی سَآءَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَحْمِلُ کا دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ دونوں سے مل کر اِنَّ جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ شرطیہ ہو گیا۔

یَوْمَ یُنْفَخُ فِی الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِیْنَ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ یَّتَخَافَتُوْنَ بَیْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ یَوْمَ اسم مفرد ظرف زمانی اُذْكُرْ فعل پوشیدہ امر کا۔ اور موصوف ہے اگلی عبارت کا یُنْفَخُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مجہول مستقبل ہے واحد مذکر غائب نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی

پھونکنا پھونک مارنا۔ لغت میں کسی بھی چیز سے ہوا رنا کسی مخصوص جگہ میں لیکن اصطلاح میں منہ سے پھونک مارنا ہے فِی حرفِ جر ظرفیت کا اَلصُّوْرِ اسم مفرد جامد اس کا جمع مکسر صُوَر ہے اس کی حقیقت تفسیر عالمانہ میں بتائی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ اس کا ترجمہ ہے ناقوس فارسی میں نرسنگھا اردو میں دھوتو کہتے ہیں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ایک شاذ قرئت میں نَنْفُخُ جمع متکلم معروف ہے۔ یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَحْشُرُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل معروف جمع متکلم حَشْرٌ سے مشتق ہے بمعنی گھیر کر ایک جگہ کرنا اَلْمُجْرِمِیْنَ۔ اسم فاعل باب افعال سے جمع مذکر سالم کثرت ایک قرئت میں یُحْشَرُ الْمُجْرِمُوْنَ ہے یَوْمَ اسم ظرف زمانی مضاف اِذٍ اسم ظرفیہ وقتیہ ہے مضاف الیہ بمعنی اس دن یہ مرکب اضافی ظرف ہے یا مفعول فیہ ہے زُرْقًا۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اَزْرَق۔ زُرْقٌ سے مشتق ہے بمعنی نیلی ہونا یہ حال ہے مُجْرِمِیْنَ کا۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہوا نَحْشُرُ فعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور مفعول بہ مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف یُنْفَخُ کا دونوں مل کر صفت ہے یَوْمَ کی یہ مرکب توصیفی ظرف ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ یَتَخَافَتُوْنَ باب تَفَاعُلٌ کا فعل مضارع معروف مستقبل جمع مذکر غائب خَفْتٌ سے بنا ہے بمعنی آہستہ آہستہ باتیں کرنا عربی میں آہستہ باتیں کرنے کے لیے چار مصدر ہیں اور چاروں کی نوعیت اور سبب میں فرق ہے ۱؎ سِرٌّ آہستہ راز کی بات کہنا ۲؎ خَفْضٌ بیماری یا کمزوری ضعیفی کی وجہ سے آہستہ باتیں کرنا ۳؎ بُحٌّ یا بَحٌّ گلے کی خرابی کی وجہ سے آہستہ بولنا ۴؎ خَفْتٌ کسی کے رعب یا دبدبے یا خوف کی بنا پر آہستہ بولنا۔ بَیْنَهُمْ یہ مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے اِنْ نافیہ ہے۔ حرفِ اِنْ چار قسم کا ہوتا ہے ۱؎ اِنْ شرطیہ اس کا ترجمہ ہے اگر یہ ہمیشہ دو جملوں شرط و جزا پر ابتدا میں آتا ہے ۲؎ اِنْ تاکیدیہ یہ خود زائدہ ہوتا ہے اس سے پہلے حرفِ نفی کا ہوتا ہے جس کی نفی کی یہ تاکید کرتا ہے ۳؎ اِنْ مخففہ یہ اِنَّ مشبّہ سے بدلا ہوتا ہے مگر اب یہ مخففہ ہوکر عمل نہیں کرتا اس کے بعد لام کے مفتوح ضرور ہوتا ہے اس کا ترجمہ ہے بے شک ۴؎ اِنْ نافیہ جب یہ استثنا کے لیے آتا ہے تو اس کے بعد اِلَّا ضرور آتا ہے جیسے یہاں اس کا ترجمہ ہے نہیں۔ لَبِثْتُمْ باب حَسِبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر معروف اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ اس کا فاعل ہے اِلَّا حرفِ استثنیٰ اس نے مانافیہ کی نفی توڑ دی عَشْرًا۔ اسم عددی بمعنی دس اس سے کیا مراد ہے یہ انشاءاللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بتایا جائے گا یہ مستثنیٰ ہے لَبِثْتُمْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر مستثنیٰ منہ ہوا دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَتَخَافَتُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا خٰلِدِيْنَ فِيْهِ۔ اے کائناتِ عالم کے محبوب نبیٔ محترم یہ موسیٰ فرعون بنی اسرائیل وسامری کا واقعہ جس طرح تفصیل وتصحیح کے ساتھ ہم تم پر بیان کرتے ہیں تاکہ سب لوگ تاقیامت جان لیں کہ حقیقت کیا ہے اسی طرح دیگر تمام واقعات بھی اس قرآن مجید کے ذریعے ہم بیان فرمائیں گے کہ سابقہ انبیاء کرام اولیاءِ عظام اور پچھلی امتوں کی زندگی کے واقعات حالات کی سچی خبریں کیا ہیں تاکہ ان کفار یہود ونصاریٰ نے جن واقعات کی اصلیت پر اپنی بناوٹ گراوٹ خیانت حماقت ملاوٹ خباثت کے جھوٹے اور توڑ پھوڑ کے پردے ڈال رکھے ہیں وہ ہٹ جائیں اور جہان میں سچائی ظاہر ہو۔ اور بے شک ہم نے تم کو بلا واسطہ بغیر وسیلہ اپنے پاس سے ذکر جلی وحی خفی ظاہری سری لفظی معنوی۔ بیانی۔ مضمونی۔ قانون احکام شریعت طریقت کا قرآن وحدیث عطا فرمایا تو جو بھی اللہ رسول کے ذکر اور قرآن وحدیث کے ذکر سے منہ پھیرے کہ نہ ایمان لائے نہ تصدیق نہ عمل کرے نہ تسلیم۔ تو اس قسم کے سب ہی لوگ قیامت کے دن اپنے کندھوں پر کمر توڑ بوجھ اٹھائے ہوں گے اور اس بوجھ کے سخت بھاری دباؤ میں اَبَدًا لَّا بَاد تک ہمیشہ ہی رہیں گے کہ نہ خود اتار سکیں نہ اس بوجھ سے نکل سکیں نہ کوئی ان کو نکالے نہ نکال سکے نہ سفارش یا شفاعت کرے نہ کر سکے یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ قومِ عرب اپنی ضد ہٹ دھرمی غرامت غباوت جہالت سرکشی ظلم تکبر میں بالکل اسی طرح جس طرح گذشتہ فرعون اور فرعونی قوم اور موجودہ یہودی عیسائی بالکل اسی طرح منافقانہ چال بازی شُعبدہ سازی میں طریقۂ ثانی پر ہیں جس طرح سامری اور اُس کے چند ساتھی۔ خیال رہے کہ قرآن مجید میں اکثر جگہ اَنبَاءِ مَا سَبَقَ اور نَقُصُّ الْقَصَصَ سے مراد صرف انبیاءِ سابقین اور اُن کی اُمم ماضیہ کے حالات مشکلات وکیفیات ابتلاء وعاقبۃ وانجام کا ذکر وتذکرہ مراد ہے کیونکہ تمام کائنات پر نبوت محیط ہے کوئی زمانہ کوئی علاقہ نبوت سے خالی کبھی نہیں رہا۔ اسی لیے شیطانی لوگوں نے ان ہی کے حالات میں طرح طرح کی من پسند خیانتیں ملاوٹیں کیں اور کرتے رہتے ہیں۔ اور پہلی قوموں میں ملاوٹیں کرنے والی یہود ونصاریٰ کی قومیں ہوئیں ان میں سے ہی کچھ لوگ مرتد مشرک ہو کر گائے بیل چاند ستاروں اور دیوتاؤں کے پجاری بن بن کر نکلتے رہے۔ کتب الہیہ اور قصصِ انبیاء میں ملاوٹیں کرنے کے دو زمانے ہوئے اور دونوں زمانوں میں یہود ونصاریٰ نے پانچ طرح اپنی کتبِ دینیہ میں ملاوٹیں کیں (۱) مسائل بدل کر (۲) تاریخ غلط کر کے (۳) تضاد بیانی (۴) نبی کریم کی نعت ونام مٹا کر (۵) دیگر انبیاء کی گستاخیاں کر کے کچھ ملاوٹیں دنیوی لالچ میں کچھ بغض دشمنی میں کچھ بعثت نبی کریم سے پہلے کچھ بعد میں سلطنت کے لالچ

کے دور ماتے ہوئے پہلا آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثتِ پاک سے پہلے دوسرا زمانہ۔ بعثتِ مقدس کے بعد۔ پہلی ملاوٹوں خیانتوں کذب بیانیوں اور کتب میں تبدیلیوں کا مقصد اور بڑی وجہ آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن مجید کے بیان فرمودہ قصص و واقعات کی تکذیب کر کے قرآنِ کریم کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار کرنا ہے۔ پہلی تخریب کاری سے ان بائبلوں نئے پرانے عہد ناموں تالمودوں میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی گستاخیاں اور شرکیہ عقائد بھر دئے گئے۔ دوسری تخریب تعصب بازی سے جو اَب تک جاری ہے۔ ایسی ایسی تاریخی مسخ کاریاں کی جارہی کہ علم و عقل کو رونا آئے۔ بات بنے نہ بنے حماقت کے طومارِ جہالت کے خواہ کتنے ہی ڈھیر لگتے چلے جائیں مگر کسی طرح قرآنِ کریم کا انکار اور اس کے بیان کردہ تاریخی حقائق سے اعراض ہو جائے جو تخوا جماعی بانیں آقا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں اُس وقت کے دشمن یہودی عیسائی اہلِ عرب ثابت نہ کر سکے اور کسی قرآنی چیلنج کو قبول کرنے کی ہمت نہ پا سکے وہ آج اِن خبثاء باطن کو کہاں مل سکتی ہیں مگر پھر بھی تعصب اور ملاوٹ کا زور اس حد تک ہے کہ پھر بھی حماقت و ذلالت کا بوجھ اپنے اوپر لادے ہی چلے جا رہے ہیں جو قیامت تک اُن پر لدا رہے گا اگرچہ ہر مناظرے مکالمے میں منہ کی کھاتے پھریں۔ ان ہی شکست خوردہ تخریب کاریوں میں یہ واقعاتِ موسیٰ علیہ السّلام ہے کہ موجودہ عیسائیوں یہودیوں نے کبھی تو فرعون کی لاش کے اب تک موجود ہونے کا احمقانہ انکار کیا۔ اور کبھی سامری کے وجود کے منکر ہوئے۔ اور نہ جانے کس کس کو سامری اور سامر بنا بیٹھے اور بچھڑے کا الزام ھٰرون علیہ السّلام کو دے دیا کہ معاذ اللہ ھٰرون علیہ السّلام نے بچھڑا بنایا اور پرستش کرائی کبھی عصا موسیٰ علیہ السّلام کو دیدیا اور کبھی اُن سے چھین کر ھٰرون علیہ السلام کو دلوا دیا۔ وغیرہ وغیرہ دیکھو بائبل تالمود اور دیگر عیسائی کتب اور بائبل کی اجبار۔ خروج۔ گنتی یشوع۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ شِرْکٍ وَّ کُفْرٍ وَضَلَالَتٍ وَّ تَعَصُّبٍ وَّ حِمَاقَتٍ وَّ کُلِّ خُرَافَاتٍ اسی سابقہ و موجودہ و آئندہ تخریب کا سدباب کرنے کے لیے رب تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَقَدْ اٰتَیْنٰکَ مِنْ لَّدُنَّا ذِکْرًا۔ قرآنِ مجید میں لفظِ ذِکْرًا ننانوے بار آیا ہے اور مختلف جگہ بائیس معنی میں مستعمل ہوا ہے ۱ یہاں قرآن مجید کے لیے ہے اور مراد علومِ قرآنیہ ۲ ذِکْرًا سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرش تا عرش چرچہ یعنی اے نبی ہم نے آپ کا ذکر مِنْ لَّدُنَّا اپنے نام اور ذکر کے ساتھ لگا دیا (تفسیر مظہری) اس طرح کہ کلمہ کلام۔ آذان تکبیر نماز تشہد میں اللہ تعالیٰ کے نام کے ساتھ اِسْمُہٗ مَشْفُوْعٌ ہو کر۔ نبیِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شفع

کو مذکور بن گیا۔ یہ آپ کی ان خصوصی شانوں میں سے ایک شان ہے جو کسی اور نبی علیہ السلام کو نہ ملی کسی بھی سابقہ اُمّت کو ایسا کلمہ طیبہ نہ ملا جس میں ان کے نبی علیہ السلام کا نام لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کے ساتھ ہو بجز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللہِ کے ۳ ذکر بمعنی وظیفہ پڑھنا ۴ ذکر بمعنی یاد داشت ۵ بمعنی دینی تبلیغ ۶ یعنی ذکرِ الٰہی ۷ بمعنی معلومات ۸ بمعنی نصیحت ۹ ہر وقت ذاکر ۱۰ ذکر کا معنی دین ۱۱ بمعنی عبادت ۱۲ دعائیں ۱۳ اللہ کی یاد ۱۴ آیاتِ الٰہیہ ۱۵ ذکر سے مراد شریعت ۱۶ ذکر بمعنی پڑھنا ۱۷ خطبہ و نمازِ جمعہ ۱۸ ذکر بمعنی قصہ ۱۹ تاریخی حالات ۲۰ تذکرہ چرچہ ۲۱ انعام ۲۲ ذِکرًا کا معنی اعمالنامہ۔ قرآنِ مجید کو تین وجہ سے ذکر فرمایا گیا۔ پہلی یہ کہ اس میں شریعت طریقت معرفت حقیقت۔ ضروریاتِ دینی دنیوی کا پورا حق و پیچ کے ساتھ بیان ہے دوم یہ کہ اس میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں نصیحتوں کا پورا بیان ہے سوم یہ کہ اس میں اُمّتِ مصطفیٰ (مسلمہ) کی دینی دنیوی شرافت امانت قوّت شان و شوکت کا ذکر ہے۔ پچھلی کتابوں کو بھی ذکر فرمایا گیا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ۔ بعض نے فرمایا یہاں ذِکرًا سے مراد مواعظِ حسنہ ہیں جس سے بندہ ادب اور نصیحت حاصل کرے۔ قیامت میں تین قسم کے لوگوں پر بوجھ ہوگا ۱ کافرین پر کفر و شرک کا یہ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا ہوگا۔ ۲ فاسقین پر حقوق العباد کے ظلم کا اس کا بدلہ دلوایا جائے گا ۳ غاصبین پر غاصب کے اعمال اہلِ حق کو دلوا دئے جائیں گے یہ دونوں بوجھ تو اس طرح میدانِ محشر میں رہ جائیں گے ان میں ہمیشگی نہ ہوگی۔ یہ تینوں بوجھ مختلف شکلوں میں ہوں گے۔ کافر کے کفریہ اعمال ڈراؤنی بھیانک بدصورتی اور سخت بدبودار جانوروں کیڑوں مکوڑوں سانپ بچھو کی شکل میں ان پر سوار ہوں گے جن کی بدشکلی سے جسم پر لرزہ بدبو سے چکراتے اور بوجھ سے ٹوٹے پڑتے ہوں گے یہ اعمال اپنے کافر شرک مرتد عامل سے پوچھ لیں گے تو بتا ہم کون ہیں کافر کہے گا کہ میں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تم ایک بھاری بھرکم بدشکل بدبودار جانور ہو جس سے میرا دل اور سر پھٹا جا رہا ہے اور کمر ٹوٹی جا رہی ہے۔ وہ بوجھ کہیں گے ہم تیری کفریہ شرکیہ بدعملیاں ہیں جن پر تو دنیا میں سوار ہوا کرتا تھا اور اکڑا پھرتا تھا آج ہم تجھ پر سوار رہیں گے۔ یہ سواری عقوبۃً و مُعْقُوبۃً سزا ہوگی اس طرح کہ بوجھ میں عقوبت حمل میں صعوبت۔ فاسقوں کا بوجھ اونٹ گائے بکری کی شکل میں کندھوں پر لدا ہوگا جن کی اپنی اپنی مسلسل چیخ و پکار کی آوازیں ہوں گی۔ اونٹ کی رغا۔ گائے کی خوار بکری کی آواز تعری۔ غاصبین کا بوجھ اُسی مغصوبہ (چھینی ہوئی) چیز کو بے انتہا بڑا کر کے اُس کے گلے میں طوق بنا کر ڈالا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر کسی نے کسی کی زمین چھینی ہوگی یا ناجائز بلا مرضی قبضہ

کیا ہوگا تو وہ زمینی ٹکڑا ساتوں زمین کی تہہ تک موٹا طوق بنا کر غاصب کی گردن اتنی ہی لمبی کر کے اُس کے گلے میں ڈالا جائے گا اگرچہ ایک بالشت بھر زمین غصب کی ہو۔ (حدیث پاک، ذکرًا فرمانا اظہارِ نعمت ہے۔ مَنْ اَعْرَضَ فرمانا اظہارِ زحمت ہے۔ ذِکْرًا۔ وعدہ ہے اَعْرَضَ وعید ہے ذِکْرًا۔ رضاءِ الٰہی ہے مَنْ اَعْرَضَ غضبِ الٰہی ہے وِزْرًا۔ کے معنیٰ بوجھ کی سات قسمیں ہوتی ہیں (۱) ثِقْلٌ جیسے مزدور کا وزنی بوجھ (۲) حَمْلٌ امانت کا بوجھ۔ ماں کے حمل کو اسی لیے حمل کہتے ہیں کہ وہ باپ کی امانت ہوتی ہے (۳) مَوْزِنَۃٌ نیکی اور تحائف کا بوجھ (۴) وِزْرٌ۔ بھراؤ کا بوجھ جیسے تکیے لحاف وغیرہ کا بوجھ (۵) تَعَبٌ ذمہ داری کا بوجھ (۶) مَلٌّ اپنے جسم کا بوجھ (۷) ضَخْمٌ اَفراد کا بوجھ۔ قیامت میں مجرمین کا وِزْرًا۔ ہر طرح کا ہوگا۔ کہ وزن میں ثقل ہوگا۔ حقوق میں حمل ہوگا۔ کیونکہ اُس کے اعمالِ خیر اہلِ حقوق اور مظلومین کی امانتیں ہوں گی ان میں ہی تقسیم ہو جائیں گے باعتبار نیکی مَوَازِیْنُ خِفّت ہوں گے انتہائی ہلکے مجرم کی نیکی کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ کیونکہ بیکار ہوگی یا تقسیم۔ جسمانیت میں مَلٌّ ہوگا۔ باعتبارِ تعداد ضخمٌ ہوگا۔ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ اور یہ بوجھ جو سر پر اُٹھائے اور پیٹھ پر لادے ہوں گے قیامت کے دن اِن کفار کے لیے اتنا سخت برا ہے کہ دنیا میں اِس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ یہاں پرواہ نہیں کرتے حالانکہ بار بار سمجھایا جا رہا ہے اِس بوجھ میں سات چیزیں ہوں گی عقوبت صعوبت، مشقت، ذِلّت نقصان، خسران۔ اور خلود قیامت کا دن اُس وقت سے شروع ہوگا جب يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ جس دن دوسری بار چالیس سال کے بعد صور میں پھونک ماری جائیگی اور تمام کافروں کو میدانِ محشر میں نَحْشُرُهُمْ ہم جمع کر لائیں گے مُجْرِمِیْنَ مجرم بنا کر اس حالت میں کہ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ کہ خوف سے منہ کالے آنکھیں سخت گہری نیلی۔ اندھی اَجسام پسینے سے رِستے ہوئے لرزے سے پیلے پڑے ہوئے۔ زبانیں پیاسی ہونٹ خشک۔ دہشت کے مارے چپکے چپکے سوالیہ باتیں کریں گے ایک دوسرے سے آپس میں اپنے درمیان ہائے حسرت ہائے افسوس اپنی یہ تباہی بربادی کی حالت پر کرتے ہوئے کہ یہ بتاؤ کیا واقعی نہ ٹھہرے تم لوگ دنیا میں زمین پر پلک جھپکی مدت صرف دس دن رات یا دس ساعتیں مفسّرین کے کچھ مختلف اقوال يُنْفَخُ میں تین قرأتیں ہیں (۱) يُنْفَخُ۔ مضارع مجہول یہی مشہور و جمہور قرأت ہے (۲) يَنْفُخُ۔ مضارع معروف یعنی فرشتہ پھونکے گا (۳) نَنْفُخُ۔ مضارع جمع متکلم۔ اللہ کا فرمان کہ ہم پھونکیں گے مگر یہ قرأت غلط ہے

اس لیے کہ پھونک مارنا فعلِ جوارح ہے اور رب تعالیٰ اس سے پاک ہے۔ صور میں دو قول ہیں ۱ اس کا معنیٰ ہے نقارہ بِگل احادیث میں ہے کہ دونوں مرتبہ اسرافیل علیہ السّلام فرشتہ پھونکیں گے ایک سال تک ہیبت ناک آواز نکلتی رہے گی پہلے بجانے پر تمام زندہ اشیا مرجائیں گے یہاں تک کہ فرشتے بھی اور قبر والے بے ہوش کفار و فساق کا عذابِ قبر اس مدت میں بند ہو جائے گا۔ یہ کیفیت یعنی مُردگی اور بیہوشی کا سنّاٹا چالیس سال تک رہے گا پھر سب سے پہلے اسرافیل زندہ ہوں گے اور دوبارہ صور پھونکیں گے۔ پہلے صور سے صرف چار فرشتے نہ مریں گے اسرافیل جبرئیل میکائیل عزرائیل علیہم السّلام۔ ان کو رب تعالیٰ فرمائیگا کہ تم بھی مرجاؤ۔ اسرافیل بحکم رب تعالیٰ زندہ ہوں گے اور باقی تمام انس و جن و مَلک دوسرے صوتِ صور سے۔ سب سے پہلے جبرئیل پھر میکائیل پھر عزرائیل زندہ ہوں گے قبر والے سلامتیِ اجسام والے ہوش میں آجائیں گے۔ صورِ اول سے تمام حیوانی انسانی جناتی روحیں بھی مرجائیں گی اور دوسرے صور سے روحیں بھی زندہ ہو جائیں گی روح کی موت بس اتنی دیر کے لیے ہو گی مثل ملائکہ۔ اجسامِ عوام قبروں سے مثلِ نباتات اگیں گے اور اُگتے ہوئے نکلیں گے صور ایک نقارہ ہے بِگل کی شکل کا اس میں انسانوں کی تعداد کے برابر سوراخ ہیں نفخِ اولیٰ اور ثانی میں ہر شخص کو اپنے نام والے سوراخ کی آواز سنائی دے گی صور کے بارے میں دوسرا قول یہ کہ لفظ صُوَرْ ہے صورت کی جمع نفخ کا معنیٰ ہے ان تمام صورتوں جسموں میں روح پھونکنا۔ پہلا قول احادیث کے مطابق ہے اس لیے صحیح ہے۔ زُرْقًا میں پانچ قول ہیں ۱ سارا جسم نیلا۔ کالا ۲ چہرے کالے اور آنکھیں سخت گہری نیلی ڈراونی ۳ زرقا کا معنیٰ اندھی آنکھیں کیونکہ بیماری سے اندھی آنکھ نیلی ہو جاتی ہے اسی طرح جس کو اندھا کیا جائے تو وہ نیلی ہو جاتی ہے ۴ شدّتِ پیاس سے ہلکی نیلی سفیدی مائل بینائی بہت کم ۵ حسرت بھری نگاہیں۔ مگر صحیح قول یہی ہے کہ زرقا کا معنیٰ سخت گہری نیلی آنکھیں اور چہرے سخت کالے یَتَخَافَتُوْنَ میں مفسرین کے دو قول ہیں ۱ خوف کی وجہ سے آہستہ بولیں گے ۲ بوجھ کی وجہ آواز نہ نکلے گی جیسے زبان خشک ہو تو پھر آواز نہیں نکلتی یا بہت آہستہ نکلتی ہے لَبِثْتُمْ میں تین قول ہیں ۱ یہ بات چیت دنیوی زندگی مدت کے بارے میں ہو گی ۲ قبر کی مدت میں ۳ یہ بات چیت دونوں نفخوں کی درمیان کی مدت کے بارے میں ہو گی کیونکہ وہی مدّت ان کفار پر عذابِ قبر سے سکون کی ہو گی نفخِ اول سے یہ عذاب بند ہو جائے گا۔ عشرًا میں تین قول ۱ دس دن ۲ دس راتیں ۳ دس ساعتیں۔ ایک ساعت چار گھنٹے کی ہوتی ہے یہ بھول کفار کو یا اس لیے ہو گی کہ ان کے دماغ ماؤف ہوں گے

یا اس لیے کہ آرام کی موت گزرتے محسوس نہیں ہوتی یا قیامت کے دراز مدت کے مقابل یہ تھوڑی لگے گی یا اس لیے کہ دونوں نفخوں کے درمیان چونکہ بے ہوشی تھی عذاب قبر بند تھا اس لیے اِن چالیس سالوں کا پتہ ہی نہ چلا۔ زُرْقًا بدصورتی کی نشانی سمجھی جاتی ہے اہلِ عرب دشمن کی بدصورتی اور بدحالی بیان کرتے کے لیے تین لفظ بولتے ہیں ۱۔ سینہ سیاہ ۲۔ چہرہ پیلا مرجھایا ہوا ۳۔ آنکھیں نیلی۔ گہری نیلی آنکھیں نفرت و نحوست میں شمار کرتے ہیں۔ عجم میں ہلکی نیلی آنکھ اور چہرے سفید خوب صورتی ہے مگر یہاں زُرْقًا سے مراد قرآن و حدیث کی بیان کردہ ہے حدیث کے فرمودات ہیں کہ دوزخیوں کا چہرہ سخت کالا اور آنکھیں گہری یعنی تیز نیلی مذکور ہیں۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ نبی اور غیر نبی میں لاکھوں کے علاوہ ایک بہت بڑا فرق یہ بھی ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی ہر چیز منجانب اللہ عطائی اور وہبی ہوتی ہے اُن کا علم عقل قوت طاقت ذہانت مقام مرتبہ عُہدہ درجہ فضیلت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بلا کسب عطیہ ہوتا ہے۔ باقی انسانوں کو یہ چیزیں اُن کے کسب و محنت مشقت سے ملتی ہیں یعنی ہم لوگ دنیا میں اعمال افعال لکھائی پڑھائی کی محنت کرتے ہیں تو علم عقل طاقت ذہانت اور مرتبہ مقام حاصل ہوتا ہے مگر انبیاء علیہم السّلام ہر مقام عُلیا و کمال پر اللہ تعالیٰ کی طرف مِنْ لَّدُنَّ فائز ہوتے ہیں اسی لیے انبیاءِ کرام کی کسی چیز کو فنا نہیں نہ جوانی میں نہ بڑھاپے میں نہ حیاتِ دنیوی میں نہ قبر و برزخ میں۔ لیکن ہماری ہر چیز کمال و مقام علم و عقل کو فنا ہے۔ انبیاء اصل والے اُمّی ہیں ہم نقل والے اُمّی انبیا کا اُمّی ہونا ان کی شان ہے ہمارا اُمّی ہونا ہماری کمزوری ہے انبیاء کا اُمّی ہونا علم ہے ہمارا اُمّی ہونا جہالت ہے یہ فائدہ۔ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا۔ سے حاصل ہوا۔ لدُنی علم انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی خصوصیت ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ قرآن پاک کے تمام ذکر و علم کا نزول اُمّت کے لیے ہوتا ہے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو رب تعالیٰ نے سب کچھ پہلے ہی سکھا دیا ہے عالمِ اَزل میں یہ فائدہ قَدْ اٰتَيْنَا۔ کے ایک تفسیری قول واؤ کو حالیہ ماننے سے حاصل ہوا اور آیت کا ترجمہ یہ کیا جائے گا کہ اسی طرح بیان فرماتے ہیں ہم آپ پر گذشتہ واقعات کی خبریں حالانکہ بے شک دیدیا ہے ہم نے پہلے ہی آپ کو اپنے قربِ خاص سے ہر چیز کا ذکر و علم اسی لیے نَقُصُّ عَلَيْكَ فرمایا گیا نہ کہ نَقُصُّ لَكَ اور یہاں قَدْ اٰتَيْنٰكَ۔ ماضی فرما کر سمجھا دیا کہ ہماری عطا زمانہ ماضی میں آپ کو ہو چکی۔ اسی طرح ایک اور جگہ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ بھی ماضی کا صیغہ ہے یہ سب آیت بتا رہی ہیں کہ اب علم و ذکر

نہیں دیا جارہا بلکہ پہلے دیدیا گیا ہے اب یہ نزول تو صرف امت کے لیے ہے۔ تیسرا فائدہ قیامت میں کافر پر دگنا بوجھ ہوگا جو دائمی رہے گا ایک بوجھ کفر کا دوسرا کفریہ اعمال کا مگر فاسقین پر ایک بوجھ ہوگا صرف گناہوں کا وہ بھی سفارش و شفاعت سے مختصر ہیں اور اگر سفارش سے نہ ہو تو جہنم کی سزا پاکر جلدی اتر جائے گا خلود و دوام نہ ہوگا۔ یہ فائدہ وِزْرًا کی تنوین تعظیمی اور خَالِدِیْنَ فِیْهِ سے حاصل ہوا اور یہ بھی ثابت ہوا کہ مجرم اور مجرمین صرف کفار کا لقبِ کفر یہ ہے

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ آقاءِ کائنات نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بھی فرمان، حکم، عبادت، عادت اور مشورے سے منہ پھیرنا ابدی بدبختی اور عذابِ جہنم کا باعث ہے اور دنیوی ذلت رسوائی خواری ہے خواہ فرمان قرآن مجید کا ہو یا سنّت حدیث پاک کی فرض واجب سنّت ہوں یا نفل مستحب۔ مباح۔ یہ مسئلہ ذِکْرًا کو نکرہ مطلقہ عامہ فرمانے کے بعد مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ کی وعید شدید فرمانے سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا جو مسلمان کسی کام کو سنّت کہہ کر اس سے بے رغبتی اور ترکِ عمل کر دیتے یا جو کہتے پھرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مشورے یا سنّتِ عادت پر عمل ضروری نہیں اور جنہوں نے عادت بنالی ہے کہ داڑھی شیطانی۔ نماز نفسانی۔ لباس طغیانی ہی رکھنا ہے فرض پڑھے بھاگ چھوٹے کہ دعا بھی نہ مانگی ننگے سر بستروں سے بھاگ نماز میں جٹ گئے وضو بھی گنجا لولا کہ جرابوں پر مسح ہی کر لیا پیر دھونے کی فرضیت ختم ایسے بدنصیب مسلمانوں کے یہ اعمالِ ناکارہ بھی بروزِ قیامت اُن پر بوجھ بن کر لدے ہوں گے۔ دوسرا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ جلّ مجدُہٗ کے لیے جسم۔ بدن۔ اعضا۔ یا جسمانی اعمال افعال جوارح یا اللہ تعالیٰ کے لیے اوپر نیچے ہونے آنے جانے کا تصوّر باندھنا ہاتھ پاؤں منہ چہرے کا اپنے جیسا تخیّل بنانا کفریہ گناہ ہے یہ مسئلہ یَوْمَ یُنْفَخُ کے فعل مجہول اور فِی الصُّوْرِ کی ظرفیت فرمانے سے اور نَحْشُرُ کو جمع متکلم کے صیغے میں فرمانے سے مستنبط ہوا کہ نفخِ صور اللہ تعالیٰ کا کام نہیں اور جمع کرنا رب تعالیٰ کا فعل ہے۔ لہٰذا جو مسلمان عیسائیوں کی بری صحبتوں میں رہ کر اور ان کی زبانی بار بار سن کر اللہ کو باپ آسمانی یا ہندوؤں کی زبانی اوپر والا۔ اوپر والا سُن سُن کر اللہ جَلَّ سُبْحَانَهٗ کے لیے اپنی ذہنی جہالت میں ایسے تصور تخیّل و تجسّم کا عقیدہ بنائے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو معاذ اللہ۔ اوپر والا ہی سمجھنے لگتے ہیں۔ اُن کو ان بیہودہ کفریہ باتوں سے بچنا چاہیے ورنہ ایمان جانے کا خطرہ ہے۔ دیکھو صُور میں پھونک مارنا چونکہ اعضا اور منہ کا کام ہے اللہ تعالیٰ اس سے پاک ہے اس لیے اللہ تعالیٰ کی طرف اس کو نسبت نہ فرمایا۔ اور نَحْشُرُ میں چونکہ قدرتِ الٰہیہ کا ظہور ہے

اس لیے اُس کی نسبت رب کریم نے اپنی طرف فرمائی۔ جن بعض حمقاء نے یہاں ننخ کی شاذ قرأت نکالی ہے وہ اُن کی ذاتی بناوٹ ہے اور غلط ہے جمہور کے خلاف ہے۔ **تیسرا مسئلہ** خوب صورتی جسم کی ہو یا آواز کی سریلی شکل دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اس لیے اِن دونوں کی حفاظت ہر مسلمان پر اس طرح واجب و لازم ہے کہ یہ دونوں چیزیں دونوں جہان میں باقی رہیں قبر و حشر میں چہرے اور جسم کی خوب صورتی کے ساتھ ساتھ آواز کا حسن بھی سلامت رہے اور اِن دونوں نعمتوں کی حفاظت صرف اسلام نے سکھائی ہے۔ کہ غسل وضو لباس و مقام کی طہارت، پنج وقتہ فرائض و نوافل کی پابندی سے جسم میں صحت چستی اور حُسن پیدا ہوتا ہے۔ خاص کر تہجد کے نفل کی پابندی چہرے پر ظاہری چمک اور وجاہت لاتی ہے جس کو قدرتی نورانیت کہا جاتا ہے اور تلاوت و نعت خوانی سے سریلی آواز بنتی ہے جس سے حسنِ صوت پیدا ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ زُرْقًا اور يَتَخَافَتُونَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ کفار کو کفر کی بدعملی کی وجہ سے دنیا و آخرت میں، بدبو، نجاست۔ نحوست، بدشکلی، بدصورتی کے ساتھ ساتھ آواز سے بھی محرومی مل جائے گی آواز بھی نہ نکل سکے گی، مشاہدات ہیں کہ کتنا ہی گورا چٹا سرخ و سفید انسان ہو فسق و فجور کی وجہ سے چہرے پر پھٹکار اور نحوست طاری رہتی ہے۔ متقی مومن عابد و زاہد ذاکرِ دعا میں تلاوت کرنے درود شریف پڑھنے والا کالے رنگ کا بھی ہو تو بھی اُس پر نورانی چمک بشاشتِ روحانی ہوتی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ اصل خوب صورتی و بدصورتی نیک و بد اعمال سے ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی مگر دنیا میں عبرت نصیحت کے لیے اور آخرت میں ثواب عذاب عقوبت صعوبت کے لیے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِينَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا اور سورۃ اسریٰ کی آیت ۹۷ میں ارشاد ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا۔ زُرْقًا سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ بینا ہوں گے اور عُمْيًا سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نابینا ہوں گے۔ میدانِ محشر ایک ہی ہے پھر یہ تعارض کیوں؟ جواب اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ زُرْقًا کے معنی بھی اندھا ہونا ہی ہے کیونکہ جب کالی آنکھ کی پتلی کو سفید یا ہلکا نیلا کر دیا جائے تو اُس کی روشنی جاتی رہتی ہے۔ جواب دوم یہ کہ میدانِ محشر اگرچہ ایک ہی ہے مگر اُس کے مرحلے مختلف ہیں ایک وقت میں مجرمین کافرین زُرْقًا ہوں گے پھر دوسرے وقت وہ کثرتِ پیاس اور پسینے کی زیادتی سے عارضی اندھے ہوں گے پھر کبھی اُن کی آنکھیں دہشت سے چڑھی ہوں گی پھر ایک وقت نامۂ اعمال ملنے کے وقت نظر والے ہو جائیں گے

اعمال نامہ پڑھیں گے جہنم کو دیکھیں گے وغیرہ وغیرہ۔ یا یہ معنٰی ہے کہ محشر میں زرق ہوں گے جہنم میں کھنیا بعض نے فرمایا کہ مختلف کافروں کے مختلف حالات ہوں گے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ۔ مَنْ۔ اسم موصول واحد ہے۔ اس کے لیے اس کے مطابق صیغہ بھی واحد مذکر غائب آیا جو بالکل درست ہے۔ لیکن پھر ارشاد ہوا خٰلِدِیْنَ فِیْهِ۔ یہ خٰلِدِیْنَ جمع ہے یہاں مطابقت نہ کی گئی اس کی کیا وجہ؟ **جواب** لفظ مَنْ موصولہ شرطیہ ہے۔ شرط میں استغراق ہوتا ہے اور استغراق کے لیے جمع ہونا ضروری۔ موصول میں جنسیت ہوتی ہے جو واحد و جمع دونوں کے لیے مستعمل۔ لہٰذا مَنْ اپنے لفظی اعتبار سے واحد ہے اَعْرَضَ میں اسی جنسی واحد کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور معنوی اعتبار سے جمع ہے۔ خٰلِدِیْنَ میں اس چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ ترجمہ اس طرح ہے کہ اگر کسی شخص نے ذکر اللہ سے اعراض کیا تو جس جس کی یہ صفت و کیفیت ہوگی تو وہ سب بوجھ تلے ہمیشہ ہی دبے رہیں گے جنسیت میں صفت کا غلبہ ہوتا ہے شرط میں ذات کا معنٰی میں دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا كَذٰلِكَ نَقُصُّ ہم اسی طرح بیان کرتے ہیں آپ پر گذشتہ قصے۔ كَذٰلِكَ اسم اشارہ تشبیہی ہے اِس کا مشبہ۔ نَقُصُّ ہے۔ یعنی جس طرح ہم نے یہ قصۂ موسٰی و فرعون سنایا اسی طور طریقے سے ہم دیگر قصے بھی سناتے ہیں۔ مگر قرآنِ کریم کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ قصے مختلف اُن کے زمانے مختلف لوگ مختلف اور قرآن حکیم کی طرزِ بیانی بھی مختلف کسی کو مکمل تفصیل سے بیان کیا گیا کسی کو اختصار سے کسی کو اجمال سے کسی کو تھوڑا بیان کیا گیا کسی کو زیادہ کسی کو ایک بار کسی کو چند بار پھر یہ كَذٰلِكَ فرمانا کیونکہ درست ہوا؟ **جواب**۔ معترض کا بیان کردہ اختلاف نوعی ہے۔ اور كَذٰلِكَ کی تشبیہ فاعلی ہے۔ جس کا تعلق نَقُصُّ کے صیغے جمع متکلم سے ہے یعنی جس طرح یہ قصہ ہم نے بیان کیا دیگر قَصَصُ الْاَنْبِیَاء بھی ہم ہی بیان فرمائیں گے۔ کوئی اور شخص آپ کو نہیں سناتا۔ نہ سابقہ کتبِ الٰہیہ سے آپ نے پڑھے نہ کسی کتبِ تاریخیہ سے طرزِ بیانی اگرچہ مختلف ہے مگر بیان کرنے والے ہم ہی ہیں۔ اور یہ سب قصص و قانون کا کلام۔ ہمارا ہی کلام ہے یہ کفار کے ایک اتہام کا جواب ہے۔ یا یہ معنٰی ہے کہ گذشتہ کوئی بات چھپائی نہ جائے گی قرآنِ پاک کے ذریعہ سب کچھ بتا دیا گیا۔ اور آئندہ بتا دیا جائے گا۔ خواہ کسی طرز و انداز میں بتائی جائے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ مَا قَدْ سَبَقَ ۚ وَقَدْ اٰتَيْنٰكَ مِنْ لَّدُنَّا ذِكْرًا ۚ مَنْ اَعْرَضَ عَنْهُ فَاِنَّهٗ يَحْمِلُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وِزْرًا جس طرح

شریعت کا راستہ اللہ تعالیٰ کا بیان کردہ ہے اسی طرح اے بندۂ کامل طریقت ومعرفت حقیقت کے علوم عین ویقین کے تمام راستے ہم نے ہی تجھ پر آشکارا فرمائے ہیں راہِ سلوک ہیں ہم ہی چلاتے ہیں ہم ہی بلاتے ہیں۔ پیر کا دماغ مرید کا دل ہمارے ہی قبضے میں ہے احوالِ سالکین ومقامِ عارفین کا ذکر وعلم ودرس ہم نے ہی تجھ پر قربِ خاص سے نازل فرمائے تاکہ تو عارفین کَمِّلین کو درسِ استقامت پڑھا سکے سکھا سکے۔ یہی وہ ذکرِ یَا اَعْظَمُ اور یَا اَحْسَنُ ہے جو مراتبِ توحیدِ ذات پر شامل ہے۔ جس بدبخت ازلی نے اس ذکر اور تیری محفلِ درس سے علیحدگی واعراض کیا اور نفسِ طبیعت کی طرف منہ موڑا تو اس قسم کے سب مردودینِ بارگاہ قیامتِ صغریٰ کے عذابِ عقوبت وصعوبت میں ثقلِ جرائم اور مادیات تعلقات کا بوجھ اٹھائیں گے تا ابد (ابن عربی) حقیقی ذکر اللہ وہ ہے جس کے اول ایقان درمیان میں ایمان آخر میں عرفان ہر وقت قائم ہو۔ جو اس سے اعراض کرے اُس پر بارہ ۱۲ قسم کے بوجھ پڑیں گے ۱ ثقلِ کفر ۲ وزرِ شرک ۳ حملِ نفاق ۴ اندھاپے کا لقب ۵ وزنِ قساوت ۶ فحشِ ریاکاری ۷ عملی بداخلاقی ۸ عقل وقلب پر مہر ۹ نفرت کی دوری ۱۰ محرومیِ حسرت ۱۱ بدعملی کی ندامت ۱۲ جہالتِ طبعی۔ ایسے لوگوں کو پانچ قسم کے نقصان ہوں گے ۱ عبادتِ حقیقیہ حاصل نہ ہوگی ۲ ذکرِ دائمی سے محرومی ۳ مراقبۂ فکر کا خاتمہ ۴ توجہ صادقہ کی بندش ۵ فیضِ الٰہیہ کی رکاوٹ عارفین کو ذکرِ ایمانی کی طرف متوجہ ہونے سے پانچ فائدے ہوتے ہیں۔ ۱ دنیا سے بے رغبتی ۲ ترکِ گناہ کی خلوت ۳ حلال وحرام سے استغنا کی طلب ۴ مشغولیتِ عبادت ۵ روحانیت میں لذت۔ ذکرِ ایقانی کی طرف توجہ سے چار فائدے ہوتے ہیں ۱ اشیاءِ دنیا سے نفرت ۲ آخرت کے درجات کی طلب ۳ دنیا کے ہر رشتے سے بے پرواہی ۴ سعادت سے رغبت اور ذکرِ عرفانی سے پانچ فائدے ہیں ۱ نفسیات سے نفرت ۲ ماسوا اللہ سے دوری ۳ شہودِ ذات پر وجود کی بے دریغ مقبول قربانی ۴ سعادتِ دارین کا انعام پانا ۵ ذکر اللہ کا ایسا مقامِ اعلیٰ کا نصیب ہونا کہ بندہ فنافی الذکر ہو جائے اور نفس وخودی کا اثر بھی باقی نہ رہے۔ ذکرِ عوام وجودِ نفس سے ہوتا ہے اس لیے صرف ذاکر کو فائدہ لیکن ذکرِ عارفین بذاتِ اللہ ہوتا ہے اس لیے اُس کے ذکر سے جہان کو فائدہ توحید افضل العبادات ہے اور ذکر اللہ اَقربُ القربات ہے۔ عبادت کے وقت مقرر ہیں ذکر اللہ کا کوئی وقت مقرر نہیں یہ قِیَامًا وَّ قُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ جاری ہے ہر حرکت وسکون رات دن سردی گرمی میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جلاءِ قلب کے لیے تین ذکر ضروری ہیں ۱ اسماءِ الٰہیہ کا ورد ۲ تلاوتِ قرآنِ مجید کی کثرت ۳ درود شریف پڑھتے رہنا۔ **حکایت** حضرت موسیٰ علیہ السلام

نے ایک بار عرض کیا اے مولیٰ تعالیٰ مجھ کو کوئی اپنا ذکر عطا فرما جو میں ورد کرتا رہوں جواب آیا کہ لا الٰہ الا اللہ کا ورد کیا کرو عرض کیا مولیٰ یہ ورد تو میں پہلے ہی کرتا ہوں اور تیرے سب بندے کرتے ہیں پھر جواب آیا کہ یہ کلمہ آسمان سے بھاری ہے اور ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ ہے کیونکہ مجھ کو یہ پیارا ہے (روح البیان) ایمان اور شریعت طریقت اور حقیقت کی تکمیل اسی کلمۂ نفی و اثبات سے ہے۔ جن گمراہوں بدنصیبوں نے اس سے منہ پھیرا اور ورد کو چھوڑا اُن پر رذالتِ دنیا حماقتِ برزخِ صغریٰ اور خباثتِ کسل کا بوجھ اس طریقے سے لادا گیا کہ تا صبحِ قیامت نہ اترے اور وہ خٰلِدِيْنَ فِيْهِ وَسَآءَ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حِمْلًا۔ عذابِ محرومی کے بوجھ میں ہمیشہ ہی دبے رہیں گے ان کی راتیں غفلت ان کے دن نفرت حیاتِ دنیوی کی قیمتی سانسیں بک بک اور زق زق میں گزر جاتی ہیں اور قیامتِ ظلمت کے یوم بیکسی و بےبسی ہیں اُن کے لیے ہر طرف بدبختی اور برائی کا ہی بوجھ ہے راہِ معرفت میں پیر و مرید کے لیے نذرانوں کی طلب اور بلا تحقیق حرام و حلال ہر دعوت قبول کرتے چلے جانا زہرِ قاتل ہیں کل قیامت میں مصیبت ڈال دے گی یہ دل کا بوجھ اور وہ نظر کا فتور بیٹھے: نذرانے عقل کا اندھیرا ہے اور دل کا اعراض ہے۔ آج کسی پیر مرید صاحب زادے اور پیرزادے کو اس کا احساس نہیں ہوتا۔ مگر کل بروزِ قیامت يَّوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ وَنَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ زُرْقًا۔ جب بدنِ باطنی میں نفخِ حیات کا صورِ محشر پھونکا جائے گا اور اہلِ بلا و اصحابِ جفا ملازمینِ جرائم کو اس محرومیِ لقا اور بربادیِ عمل کی گھبراہٹ کے وقت حال سے بےحال کر کے ہم جمع کریں گے اس وقت شدتِ ہول سے عقل و قلوب کی آنکھیں نیلی پیلی ہو کر اندھی ہو جائیں گی لذتِ گناہ۔ نفرتِ لقا کی مدت اور قبورِ فہم و شعورِ عقل کی خاموش گھڑیوں کو نہ پہچان سکیں گے۔ زبانِ قال گنگ کلامِ حال بند ہونٹ خشک بدن لرزتے يَّتَخَافَتُوْنَ بَيْنَهُمْ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا عَشْرًا۔ طاقتِ گویائی ختم ہو جائے گی خلوتِ مکاشفۂ ریاکارانہ کی تمام تسبیح خوانیاں معدوم پڑ جائیں گی اور ہیبتِ ذکار تصور و تخیل کے باطنی اعضاء سے کہیں گے کہ اس سستی فقر و فاقہ کے دامِ تزویر سے زرسازی دولت نوازی کی کیفیاتِ سرور میں تو ابھی دس لمحے ہی گزرے تھے کہ بلاوِ جان فنائِ ایمان کا عذاب آگیا اے بندۂ سالک ان حالاتِ جانکاہ سے پہلے ہی راہِ راست اختیار کرے اور ذکرِ صادقہ کے دامن پناہ میں آکر اپنی منزل سنوارے تاکہ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ کے گھوڑے پر سوار ہو کر لَا مَقْصُوْدَ اِلَّا هُوَ کے صراطِ مستقیم سے ہو کر لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا هُوَ کے مقامِ وحدت الوجود میں خود کو فنا کر دے۔

نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً

ہم اچھی زیادہ جاننے والے اُس کلام کو جو وہ بولیں گے جب جوابا کہے گا اُن رائے والوں کے سب سے زیادہ مشابہ عقل کے

ہم خوب جانتے ہیں جو کہیں گے جب کہ اُن میں سب سے بہتر رائے والا کہے گا

ع ۵ ۱۴ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا ﴿۱۰۴﴾ ع وَيَسْـَٔلُوْنَكَ

اعتبار سے کہ نہیں بسے تم مگر ایک دن ۔ اور کافر پوچھتے ہیں آپ سے

کہ تم صرف ایک ہی دن رہے تھے ۔ اور تم سے پہاڑوں کو

عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا ﴿۱۰۵﴾ لا

پہاڑوں کے بارے میں اس لیئے فرما دو کہ بکھیر دے گا ان کو میرا رب دھول بنا کر

پوچھتے ہیں تم فرماؤ انہیں میرا رب ریزہ ریزہ کر کے اڑا دے گا ۔

فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا ﴿۱۰۶﴾ لا لَّا تَرٰى فِيْهَا

تو چھوڑے رکھے گا اُن کو ایک برابر چٹیل میدان نہ دیکھیں گے آپ اُس میدان میں

تو زمین کو پٹ پر ہموار کر چھوڑے گا ۔ کہ تو اس میں نیچا

عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ﴿۱۰۷﴾ ط يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ

کوئی نیچائی اور نہ اونچائی اس دن سب مجرم

اونچا کچھ نہ دیکھے ۔ اس دن پکارنے والے کے

الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ ج وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ

دوڑ لگائیں گے بلانے والے کی آواز پر ذرا بھی نافرمانی نہ ہوگی اُس کی اور دھیمی ہوں گی تمام آوازیں

پیچھے دوڑیں گے اس میں کجی نہ ہوگی ۔ اور سب آوازیں رحمٰن کے حضور

لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ﴿۱۰۸﴾

ہیبتِ رحمٰن کی وجہ سے اس لیے نہ سنیں گے آپ مگر کھسر پھسر

پست ہو کر رہ جائیں گی تو تو نہ سنے گا مگر بہت آہستہ آواز

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** روزِ محشر کفار جو گفتگو کریں گے اپنی دنیوی زندگی کے بارے اس میں سے ایک قول کا ذکر پچھلی آیت میں کیا گیا۔ اِن آیت میں اُن کے دوسرے قول کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں صور پھونکے جانے کے بعد بندوں کے حالات کا ذکر کیا گیا۔ اب اِن آیت میں صور پھونکے جانے کے دوسرے نتیجے کا ذکر ہو رہا ہے کہ پہاڑ بھی ریزہ ریزہ ہو جائیں گے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں میدانِ محشر میں لوگوں کے بہت ہی آہستہ بولنے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ خشیتِ الٰہی کی وجہ سے ہوگا۔

شانِ نزول خزائن العرفان۔ امام جلال الدین سیوطی نے فرمایا حضرت ابن عباس سے مروی ہے کہ قبیلہ بنی ثقیف کے ایک کافر نے آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کے دن پہاڑوں کا کیا حال ہوگا۔ تب یہ آیت نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل مبتداء ہے اَعْلَمُ اسم تفضیل واحد مذکر متکلم اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنَا اس کا فاعل ہے اُس کا مرجع نَحْنُ ہے۔ چونکہ یہاں نَحْنُ جمع افرادی کے لیے نہیں صرف فصاحت اور حسنِ کلام کے لیے ہے اس لیے حقیقتاً واحد ہی ہے ب جارہ تعدیہ کی معنی کو ما موصول يَقُوْلُوْنَ بابِ نَصَرَ کا مضارع مستقبل جمع مذکر غائب هُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع مُجْرِمِيْنَ اِذْ اسم ظرفیہ زمانیہ يَقُوْلُ واحد مذکر غائب اَمْثَلُ اسم تفضیل واحد مذکر غائب کے لیے ترجمہ ہے سب سے زیادہ مشابہت والا هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع عقل مند لوگ معنی یہ کہ عقل والے لوگوں کے بہت زیادہ مشابہ ہم شل عربی محاورے میں اَمْثَلُهُمْ ایک لفظ کے درجہ میں ہے اور بہت عقل مند یا نیک آدمی کو کہتے ہیں یہ مرکب اضافی ممیز ہے

طَرِیْقَۃً اسم صفت مشبہ مؤنث لفظی یہاں اسم جامد بمعنی اچھی رائے چونکہ اَمْثَلُھُمْ کی بہت نوعیتیں ہو سکتی
ہیں مثلاً نیکی میں سب سے زیادہ اچھا عقل میں چال چلن میں وغیرہ وغیرہ اس لیے طریقۃً کے ایک معنی معیّن
کیے گئے کہ رائے اور مشورے میں عقل مندیہ تمیز ہے اَمْثَلُھُمْ کی دونوں مل کر فاعل ہوا یَقُوْلُ کا وہ سب
مل کر جملہ ہو کر قول ہوا اِنْ نافیہ لَّبِثْتُمْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا اِلَّا حرف استثنا یَوْمًا
مستثنیٰ دونوں مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ واؤ دوسرا جملہ یَسْئَلُوْنَ باب فتح کا فعل مضارع
حال سَئَلٌ سے مشتق ہے بمعنی پوچھنا یہ حقیقی معنی ہے مجازاً طلب کو بھی سوال کہہ دیتے ہیں کَ ضمیر
واحد مذکر حاضر مفعول بہ ہے مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم عَنْ حرف جر اس کے اپنے اصلی
معنی زوال اور دور کرنا ہے مگر یہ دوسرے حروف جار کے معنی میں آتا ہے ۱ کبھی بمعہ لام
تعلیلیہ ۲ علیٰ کے معنی میں ۳ بمعنی بٰ ۴ بمعنی کَاَنَّ ۵ بمعنی مِنْ ۶ بمعنی فِیْ یہاں اسی معنی میں ہے
یعنی بارے میں اَلْجِبَالِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے جَبَلٌ بمعنی پہاڑ۔ لغوی ترجمہ ہے سخت
اَٹل مضبوط اسی معنی میں پیدائشی عادات کو جبلّت کہتے ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے یَسْئَلُوْنَ کے فَ
سببیہ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یَنْسِفُ باب ضرب کا فعل مضارع
مثبت معروف واحد مذکر غائب نَسْفٌ سے بنا ہے بمعنی راکھ کی شل ریزہ ریزہ کرنا رَبِّیْ یہ مرکب اضافی فاعل
ہے نَسْفًا اسم مصدر حال ہے یا مفعول مطلق ہے یَنْسِفُ کا ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب منصوب متصل
مفعول بہ ہے اس کا مرجع جبال ہے یَنْسِفُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا یہاں اِذَا شرطیہ
پوشیدہ اُس کا قرینہ دالّہ فَ جزائیہ ہے یَذَرُ۔ باب سمع کا فعل مضارع مثبت معروف واحد
مذکر غائب وَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی چھوڑ دینا بے توجہ ہونا۔ عربی میں چھوڑنا پانچ قسم کا ہے ۱
ترکٌ کوئی کام یا کلام یا تعلق نہ رکھنا ۲ رِفْضٌ کسی اچھی چیز کو چھوڑنا ۳ تخلی کسی کے گزرنے کے لیے
راستہ چھوڑنا ۴ طلق کسی بندھی چیز کو کھلا چھوڑنا ۵ وَذْرٌ کسی چیز پر توجہ چھوڑ دینا بے پرواہ
ہو جانا یہاں اسی معنی میں ہے ھَا ضمیر کا مرجع پہاڑ ہیں۔ یعنی پہاڑوں کو ریزہ کر کے ان کی کچھ پرواہ
نہ کی جائے گی سب زمین پر بکھر کر ہموار ہو جائیں گے۔ قَاعًا اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے ۱ اَقْوَاعٌ
۲ اَقْوُعٌ ۳ قِیْعَانٌ ۴ قِیْعَنَۃٌ ۵ قِیْعٌ۔ ترجمہ ہے وہ چٹیل میدان جس کو پٹ کر کے یا پٹڑہ
کر کے ایک جیسا ہموار اور برابر کر دیا جائے صَفْصَفًا۔ اسم مفرد جامد بمعنی ایک جیسا۔ قَاعًا صَفْصَفًا
یہ دونوں موصوف صفت ہیں یہ مرکب توصیفی حال ہے ھَا ضمیر کا دونوں ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے
یَذَرُ کا اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا مرجع رَبِّیْ ہے یَذَرُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر

جزا ہے یَنْسِفُ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ لَا تَرٰى فِيهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۔ يَوْمَئِذٍ يَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ لَا تَرٰى باب فَتَحَ کا مضارع مستقبل منفی معروف واحد مذکر حاضر رَأْیٌ سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا فِیْ بمعنی ظرف مکانی کے لیے ہے ھَا ضمیر کا مرجع قاعًا ہے عِوَجًا اسم مفرد جامد بمعنی ٹیڑھا۔ عوج اور ٹیڑھ دو قسم کی ہوتی ہے ۱ ظاہری ٹیڑھ جو نظر آئے مثلاً زمین اوپر نیچے اور غار گڑھے ہونا۔ دیوار کا کسی طرف جھکاؤ ہونا برتن میں گڑھا ہونا وغیرہ ۲ باطنی ٹیڑھ مثلاً غلط روش بد عقیدگی۔ اس جگہ عوج سے مراد ظاہری ٹیڑھ کی نفی ہے اور ساتھ کی آیت ۱۰۹ میں باطنی عوج کی نفی ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا بھی حرفِ عطف ہے مگر یہ یہاں عطف کے لیے نہیں بلکہ سابقہ نفی کی نسبت کے لیے ہے اَمْتًا اسم مفرد جامد بمعنی چٹان اونچے ٹیلے وغیرہ یہ معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے لَا تَرٰى کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ يَوْمَئِذٍ مرکب اضافی ظرفِ زمانی مقدم يَتَّبِعُوْنَ کا۔ اِتِّبَاعٌ بابِ افتعال کے مصدر سے مشتق ہے فعل مضارع مستقبل مثبت معروف جمع مذکر غائب تَبْعٌ سے بنا ہے بمعنی فرماں برداری کرنا۔ اطاعت اور اتباع دونوں کا معنی ہے فرمانبرداری مگر فرق یہ ہے کہ جہاں بالکل نافرمانی ذرہ بھر نہ ہو عمل میں اپنی سوچ و عقل کو دخل نہ ہو وہ اتباع ہے اور جہاں بعض باتوں میں فرمانبرداری ہو اور اپنی عقل و فکر کا بھی دخل ہو وہ اطاعت ہے۔ ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے ظاہری علامت و قرائن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مرجع صرف مجرمین کفار ہیں اس میں مومنین شامل نہیں پہلا قرینہ یہ کہ پہلے مجرمین کا ذکر ہوا کہ فرمایا گیا نَحْشُرُ الْمُجْرِمِيْنَ قرینہ دوم یہ کہ اس دن کی عوج کی نفی ہے نہ کہ آج دنیا میں حالانکہ مومنین کی روش میں تو آج بھی عوج نہیں۔ تیسرا قرینہ يَوْمَئِذٍ کی تکرار کہ وہاں بھی ہے اور یہاں بھی۔ اَلدَّاعِيَ۔ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر بمعنی بلانے والا مراد ہے اسرافیل یا جبریل علیہ السلام۔ دَعْوٌ سے مشتق ہے۔ لَا۔ حرفِ نفی جنس عِوَجَ اس کا اسم ہے لام حرفِ جر بمعنی فِیْ ظرفیہ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل کا مرجع اِتِّبَاع ہے یعنی اس اتباع میں ٹیڑھ نہ ہوگی یہ جار مجرور متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لائے نفی کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے يَتَّبِعُوْنَ کے فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ہے جملہ خَشَعَتْ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب خَشْعٌ سے مشتق ہے بمعنی انتہائی عاجزی خوف یا دبدبے سے یا عقیدت سے یہاں خوف سے عجز مراد کہ ڈر کے مارے آواز نہ نکلے گی۔ عربی میں اظہارِ عاجزی کے تین لفظ ہیں ۱ خضع ۲ ضرع ۳ خشع مگر فرق یہ ہے کہ زبان سے اظہارِ عجز خضوعٌ

ہے قلبی حالت سے اظہارِ عجز فروعٌ ہے اور ظاہری اعضا سے اظہارِ عجز خشوعٌ ہے مثلاً نیچا دیکھنا، سر نیچا جھک جانا ٹیڑھا ہونا وغیرہ۔ اَلْاَصْوَاتُ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد صَوْتٌ ہے بمعنی منہ کی آواز یہ فاعل ہے۔ لام حرفِ جر بمعنی عِنْدَ یا بمعنی بِ سببیہ یا اپنے ہی معنی میں ہے۔ یعنی اللہ کی بارگاہ کے قرب سے ہیبتِ رحمٰن کی وجہ سے یا اللہ کے لیے عاجزی سے فَ سببیہ بمعنی اس لیے لَا تَسْمَعُ باب سَمِعَ مضارع منفی معروف مستقبل واحد مذکر حاضر یہ فعل یا فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا اِلَّا حرفِ استثنا متصل ھَمْسًا اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے ننگے پیر انسانی قدم چلنے کی چاپ یا اونٹ کے چلنے کی آواز جو حقیقتاً بہت نرم اور مہین ہوتی ہے مگر یہاں انتہائی پست باتوں کی آواز مراد ہے جس کو اردو میں کھسر پھسر کہتے ہیں۔ سرگوشی اور کھسر پھسر میں فرق یہ ہے کہ سرگوشی یک طرفہ ہوتی ہے اور کھسر پھسر دو طرفہ ہوتی ہے۔ یہ مستثنیٰ ہے۔ مستثنیٰ منہ اس مستثنیٰ سے مل کر سبب ہوا خشعت کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِيْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا يَوْمًا۔ وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا۔ اے محبوب گمراہوں کو ہم ہی جانتے ہیں جو یہ کل قیامت میں لغویات بولیں گے اور جس وجہ سے بولیں گے۔ ان میں آج جو سب سے زیادہ خرد مند بنا پھرتا ہے اور زیادہ سمجھدار شمار ہوتا ہے اور جس کو آج دنیا میں لوگ قول کا پکا اور کا سچا۔ عقل کا افضل فہم کا پورا عمل کا درست سمجھتے ہیں وہ اس دن کچھ زیادہ ہی بہکا بہکا گھبرایا دہشت زدہ ہو کر کہے گا کہ اے میرے ساتھیو تم تو فقط ایک ہی دن دنیا میں ٹھیرے تھے۔ قرآنِ مجید میں کفار کے اِن اندازوں سے متعلق کفار کے پانچ قول بیان کئے گئے ۱ یہاں دو قول بیان فرمائے گئے جب عام کفار کہیں گے کہ دس دن ٹھیرے ۲ تو ان میں کا زیادہ عقل مند بننے یا شمار ہونے والا اپنی حساب دانی بھگارتے ہوئے اس سے بھی زیادہ غلط مدت بتائے گا کہ فقط ایک ہی دن ٹھیرے تھے یہ ان کی آپس کی گفتگو والے اندازے ہوں گے ۳ مگر جب رب تعالیٰ کی طرف سے سوال ہو گا کہ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ۔ اے کافرو مجرمو بتاؤ تم گنتی کے کتنے سال ٹھیرے تھے۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ۔ کہیں گے کہ ہم ایک دن یا آدھا دن ٹھیرے تھے (سورۂ مومنون آیت ۱۱۲، ۱۱۳) ۴ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ يُقْسِمُ الْمُجْرِمُوْنَ مَا لَبِثُوْا غَيْرَ سَاعَةٍ۔ جس دن قیامت قائم ہوگی مجرم قسمیں کھائیں گے کہ ہم فقط ایک ساعت یعنی چند گھنٹے ٹھیرے تھے (سورۂ روم ۳۰ آیت ۵۵) ۵ کَاَنَّهُمْ يَوْمَ يَرَوْنَهُمْ لَمْ

یَلْبَثُوْٓا اِلَّا عَشِیَّةً اَوْ ضُحٰىهَا۔ یعنی جس دن قیامت کی دہشت دیکھیں گے تو مارے خوف کے دماغ و عقل ختم ہو جائیگی اور کہیں گے کہ نہ ٹھہرے ہم مگر ایک رات یا ایک دوپہر (سورۃ نازعات آیت ۴۶ پ ۳۰) کفار کی یہ گفتگو حیاتِ دنیا کی مدت کے بارے میں ہوگی۔ یا قبر کی مدت کے بارے یا دونوں نفخوں کی مدت کے بارے میں پہلا قول زیادہ درست ہے۔ اور یہ مختلف اقوال قیامت کی مختلف گھبراہٹوں کے اعتبار سے تمام کفار کے ہیں یا مختلف اوقات کے لحاظ سے مختلف کفار کے یعنی یا تو کبھی کچھ کبھی کچھ قول ہوں گے یا کوئی کافر کچھ بات کرے گا کوئی کچھ اور اے نبی محترم جب آپ ان کفار کے سامنے قیامت کے واقعات وحالات بیان کرتے ہو اور اُس دن کفار کی حالتِ زار بات چیت۔ میدانِ محشر کی طرف ان کا بھاگنا تیز دوڑتے ہوئے آنا۔ بیان فرماتے ہو تو یہ کفار قیامت کا انکار آپ کی بات کا مذاق اڑاتے ہوئے یَسْــٴَـلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ۔ آپ سے پہاڑوں کے بارے میں سوال کرتے ہیں کہ قیامت میں یہ پہاڑ کہاں جائیں گے ان کا کیا حال ہوگا ان کے ہوتے ہوئے لوگ کیسے دوڑیں گے میدانِ محشر کہاں قائم ہوگا فِی الحال تو یہ زمین ان پہاڑوں کی وجہ سے آنے جانے تیز چلنے دوڑنے میں بڑی رکاوٹوں والی ہے اور ابتداء سے انتہا تک تمام انسانوں کے جمع ہونے کے لیے بھی ناکافی ہے۔ کفار کا یہ سوال سب کافروں کی طرف سے بنی ثقیف کے لوگوں نے کیا خاص اپنا علاقہ مکہ مکرمہ دیکھ کر جس کو پہاڑوں نے اس طرح گھیرا ہوا ہے کہ بستی مکہ ایک بڑے حوض کی طرح معلوم ہوتی ہے۔ ایک قول ہے کہ یہ سوال کیا نہ گیا تھا بلکہ یہ سوال شرطیہ انداز میں ہے کہ اگر وہ آپ سے پوچھیں۔ بعض نے فرمایا کہ یہ سوال خبریہ ہے مگر سوال کرنے والے کفارِ بنی ثقیف نہیں بلکہ چند صحابہ نے اپنی معلومات کے لیے پوچھا تھا کہ قیامت میں پہاڑ کہاں جائیں گے۔ مگر سیاقِ عبارت کے اعتبار سے پہلا قول درست ہے کہ یہ سوال کفار نے ہی کیا تھا۔ یہ سوال ظاہراً عبارۃً تو چند لفظوں کا تھا مگر اصولِ ایمانیات میں بہت اہم کہ سائلین کا نظریہ ارادہ اور نیت مذاق و انکار کا تھا۔ ایمان سے کفر کرنا قیامت کے انکار نبی کا مذاق اور قرآن پر بہتان کرنا تھا اس لیے جواب میں شدت پیدا کرتے ہوئے فرمایا گیا فَقُلْ حرفِ فَ کے ساتھ کہ اے نبی آپ فوراً اس کا یہ جواب فرما دیجئے کہ میدانِ محشر کے انعقاد و اجتماع سے پہلے پہلے میرا رب تعالیٰ ان تمام روئے زمین کے چھوٹے بڑے اونچے نیچے طویل وعریض پہاڑوں چوٹیوں ٹیلوں کو راکھ کی شکل باریک ریت بنا دے گا پھر اس تمام پہاڑی ریت کو ہلکی پھلکی راکھ کی طرح ایسے اندازِ تدریج سے رکھے گا کہ پوری روئے زمین ایک ہموار، برابر صاف خالی کھلا میدان ہو جائے گی کہ نہ کہیں اینٹ پتھر روڑا نہ کہیں درخت پودا کھیت کھلیان لَّا تَرٰى فِیْهَا عِوَجًا وَّ لَاۤ اَمْتًا۔ یَوْمَىٕذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ

لہٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ اے محبوب تم اپنی مشاہداتِ عالم والی بے مثل بصیرت باکمال بصارت سے اُس دن اس پوری زمین میں کہیں کسی طرف ذرہ بھر چھوٹی بڑی کوئی ٹیڑھ یا اونچ نیچ بلندی پستی ڈھیر ٹیلہ تودہ اُبھار، گڑھا، پھٹن، چرن، غار، سوراخ، کنواں ندی، نالی، وادی تالاب نہ آنکھوں سے عِوَجًا نہ کسی پیمانے سے عِوَجًا اور پھر زمین میں ہی صرف عوج نہ ہوگی بلکہ اس روزِ محشر تو کسی انسان میں بھی عِوَجًا نہ ہوگی نہ بے رغبتی کی نہ بے رخی کی نہ غرور کی نہ مخالفت کی نہ اپنی مرضی سے دائیں بائیں چلنے کی نہ انکار کی بلکہ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ لَا عِوَجَ لَہٗ ایسے سیدھے تیر کی طرح ہماری طرف سے بلانے پکارنے والے کی آواز پر میدانِ محشر میں دوڑتے چلے آئیں گے اِن کافروں مجرموں اور فاسقوں کی یہ مخالفت بے راہ روی، اکڑ پھکڑ، نفرت اعراض صرف دنیا میں ہے یہیں اسی زندگی میں قرآن وحدیث کا انکار انبیاء اولیا علماء ومشائخ سے غرور کیے پھرتے ہیں گستاخ خطیبوں کی دھواں دھار تقریریں زہر اگلتی تحریریں ظالموں کی بلند آوازی کی چیخم دھاڑ صرف اسی دنیوی حیات میں ہے میدانِ محشر میں تو ایسا کچھ نہ ہوگا۔ وہاں تو وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ تمام آوازیں مثلِ مُردہ باتیں بند، زبانیں گنگ لرزتے ہونٹ حالانکہ وہاں بھی صفتِ رحمانیت کا غلبہ ہوگا۔ نہ جلال نظر آئے گا نہ قہر بلکہ کسی پر فضل ہوگا کسی پر عدل اِس کے باوجود ھیبتِ الٰہی دہشتِ کبریائی وحشتِ قیامت خوفِ انجام کمزوریِ ابدان کا یہ حال ہوگا کہ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا اتنے کثیر وعظیم اجتماع میں بھی تم صرف قدموں کی چاپ یا سانسوں کی بھاپ اعضا کی سرسراہٹ یا کہیں معمولی گھسر پھسر سن سکو گے۔ یہاں آیت ۱۰۵ سے آیت ۱۱۱ تک رب تعالیٰ نے قیامت کی چھ نشانیاں اور صفات بیان فرمائیں جو تین اِن آیت میں تین اگلی آیت میں ہیں۔ ۱ يَنْسِفُهَا ۲ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ ۳ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ ۴ یہ اگلی آیت میں مذکور ہیں لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ ۵ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ ۶ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ (از کبیر) مفسرین کے مختلف اقوال۔ يَوْمَئِذٍ میں تین قول ہیں ۱ اس سے مراد محشر میں آنے کا وقت ۲ حساب کے لیے آنے کا وقت ۳ بعد حساب کتاب پُل صراط سے گزرتے وقت يَتَّبِعُوْنَ میں بھی تین قول ہیں ۱ آواز کی سمت پر دوڑیں گے کیونکہ چاند سورج بے نور کرکے اپنے مدار سے جھاڑ دیے جائیں گے اس لیے سخت اندھیرا ہوگا اور چلنے کے لیے آواز کی سمت مقرر ہو جائیگی۔ ۲ روشنی تو ہوگی مگر جس طرف بلایا جائے گا اس کی مخالفت کی کسی کو ہمت نہ ہوگی ۳ بلانے والا تو آواز دے گا مگر پیچھے آگ بھی ہوگی جس کی دہشت سے آگے ہی آگے بڑھتے آئیں گے نہ رک سکیں گے نہ دائیں بائیں مڑ سکیں گے۔ یہ سب قول درست ہیں مطابقت اس طرح

کہ چاند سورج کی روشنی نہ ہوگی آگ کی یا اعمال کی روشنی ہوگی۔ الداعی میں چار قول ۱ صور کی آواز ہی داعی یعنی بلانے والا ہوگا۔ ۲ اسرافیل صور پھونکنے کے بعد بیت المقدس کے گنبدِ صخرہ پر چڑھ کر آواز دیں گے ۳ یہ جبرئیل ہوں گے اسرافیل تو صور پھونکنے میں مشغول ہوں گے اور جبرئیل علیہما السلام گنبدِ صخرہ پر کھڑے ہوکر پکاریں گے کہ اے بکھری ہڈیو بکھرے گوشتوں پھٹی کھالو بکھرے بالو اللہ تعالیٰ کے حکم سے جمع ہوکر حاضر بارگاہ ہو جاؤ ۴ یہ داعی کوئی اور دوسرا فرشتہ ہوگا۔ اسرافیل یا جبرئیل علیہم السلام نہ ہوں گے ۵ داعی سے مراد خود آگ ہے اس کو داعی کہنا مجازاً اس کا بڑھتے آنا ہی گویا اُس کا بلانا اور چلانا ہے اور لوگوں کا اس کے آگے آگے بھاگنا اُس کی اتباع ہے بجائے اتباع کا حقیقی معنی ہے پیچھے چلنا مگر یہاں سب اقوال میں اتباع بمعنی حکم ماننا ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ میں تین قول ہیں ۱ آواز بالکل نہ ہوگی ۲ صرف کھسر پھسر ہوگی انتہائی دھیمی آواز میں بولتے ہوں گے خشوع سے یا وہ خوف مراد ہے جس کا اثر تمام اعضا پر ہو یا وہ خوف جو صرف دل پر طاری ہو اس کو ضراعت کہتے ہیں ۔صوت کا حقیقی معنی دو جسموں کا ٹکرا کر ہوا کو پھاڑنا مجازاً انسان کی آواز کو صوت کہا جاتا ہے ۳ خَشَعَتِ الاصوات میں تیسرا قول یہ کہ صرف ہونٹ ہلتے ہوں گے مگر آواز نہ نکلے گی پیاس کی خشکی یا دہشتِ عذاب کی وجہ سے ہمسا میں تین قول ۱ قدموں کی چاپ کی معمولی سرسراہٹ والی آواز کیونکہ سب اُس دن ننگے پیر ہوں گے ۲ یہ سانسوں کی بھنبھناہٹ کی آواز ۳ کانا پھوسی باتوں کی کھسر پھسر کی آواز یہ کیفیات صرف کفار کی ہوں گی بعض نے کہا کہ فاسقین بھی انہی میں شامل ہوں گے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ :۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ آسمان بھی سات ہیں اور زمینیں بھی سات ہیں مگر آسمان ہر ایک بالکل علیحدہ کافی فاصلے کے ساتھ ایک ایک کُرہ ہے مگر سب زمینیں مثل پیاز جڑی ہوئی ہیں یہ فائدہ فَیَذَرُھَا قَاعًا صَفْصَفًا فرمانے کے بعد۔ لَا تَرٰی فِیْھَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ پوری کُرۂ ارض کی یہ حالت ہوگی کہ وہاں سب ایک چٹیل میدان ہوگا۔ دوسرا فائدہ :۔ دنیوی عقل و فہم صرف دنیوی کاموں کی کے لیے مفید ہے مگر دینی سمجھ بوجھ ولیاقت میں ناکارہ ہے یہ فائدہ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُھُمْ طَرِیْقَۃً فرمانے سے حاصل ہوا کہ جو کافر آج دنیا میں بڑے عقل مند سیاست دان حساب دان سمجھے جاتے ہیں کل قیامت میں سب سے زیادہ ان کی ہی عقل ماری جائے گی اور وہی سب میں زیادہ بیوقوف ہو جائیں گے۔ نیز دین کی سمجھ بوجھ اور پرکھ میں دنیوی زندگی میں بھی یہی لوگ سب سے پیچھے ہوتے ہیں اَلَآ اِنَّھُمْ ھُمُ السُّفَھَآءُ ان ہی کو کہا گیا

ہے مگر بحمدہ تعالیٰ مومن متقی یہاں بھی ذی عقل اور قیامت میں بھی ذی عقل ہی رہے گا جیسا کہ سورۂ روم کی آیت میں مومن کی شان بتائی گئی۔ وَقَالَ الَّذِینَ اُوتُوا الْعِلْمَ وَالْاِیْمَانَ لَقَدْ لَبِثْتُمْ فِی کِتَابِ اللّٰهِ اِلٰی یَوْمِ الْبَعْثِ (الخ) یعنی صرف مومن علماء دنیا میں ٹھہرنے کی صحیح مدت جانیں گے تیسرا فائدہ کافر کے لیے دنیا کی مصیبتیں عذاب وعتاب ہیں مگر مومن کے لیے باعثِ ثواب ترقیِ درجات ذریعۂ عبادت وسیلۂ صبر ورضا ہیں گویا کہ کافر کے لیے تعقیب وصعوبت مومن کے لیے تادیب وسہولت کافر مصائب پر جزع فزع کرتا ہے۔ مومن صبر اس لیے کل قیامت میں کافر میدانِ محشر کی گرمی وتکلیف دیکھ کر فہم وعقل کھو بیٹھے گا لیکن مومن یہاں صبر وحوصلے کا عادی ہوگا اس لیے وہاں بھی نہ گھبرائے گا شدتِ گھبراہٹ سے عقلیں ماری جاتی ہیں۔ یہ فائدہ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ دہشت وگھبراہٹ کی وجہ سے دنیا کی دراز مدت یا قبر کی ہزاروں سال کی مدت بھی کفار کو گذشتہ راحت و سکون کے دس دن یا ایک دن ایک رات یا ایک ساعت محسوس ہوگا اور اس کو خواب وخیال سمجھیں گے اللہ بچائے۔

احکامُ القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ سچی اتباع کی تعریف وپہچان یہ ہے کہ اس میں بندے کی اپنی عقل فکر رائے کا بالکل دخل نہ ہو اور جس کی اتباع کرنی ہو اپنی عقلیں سوچ وفکر کو بند کر کے چلنا پڑتا ہے۔ جس کو محاورتاً کہا جاتا ہے کہ آنکھیں بند کر کے پیچھے چل پڑنا۔ اور اس کے حکم پر لگ جانا دل دماغ میں یہ عقیدہ بنانا پڑتا ہے کہ جس کی اتباع ہم پر واجب ہوئی ہے وہ ہر اعتبار سے بالکل حق سچا اور درست ہے یہ مسئلہ یَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ کے ساتھ لَا عِوَجَ لَهٗ فرمانے سے مستنبط ہوا سمجھایا یہ جارہا ہے کہ جب حکم ماننے والے میں کسی طرح کی بھی نظری فکری عملی عوج اور حکم کی خلاف ورزی نہ پائی جائے تو اس کو اتباع کہا جاتا ہے لہٰذا چونکہ مسلمانوں کو آقائے دوجہاں نبی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا حکم قرآن مجید میں دیا گیا ہے تو گویا رب تعالیٰ بندوں کو یہ سنا سمجھا رہا ہے کہ نبی کریم ہر اعتبار سے اکمل مکمل کامل ہیں ان کی ہر بات حق اور سچ ہی ہے اس سے زیادہ کائنات میں کسی کی بات کام عمل درست نہیں۔ ان کی ہر ہر ادا میں حقانیت ہے ذرہ کمی نہیں۔ کسی کمی کا تصور بھی نہ کرنا۔ اے بندے ان کی بارگاہ میں تیرا کام صرف یہ ہے کہ عقل قربان کن بپیشِ مصطفیٰ آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی سب عقل فکر علم سائنس منطق تجربہ کاری قربان کردو۔ یہی سچی حقیقی اتباع ہے اگر نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم میں یہ پختگی سچائی وحقانیت نہ ہوتی اور ذرہ بھر علمی فکری معلوماتی کمزوری ہوتی تو رب تعالیٰ کبھی بھی آپ کی

اتباع کا حکم نہ دیتا رب اطاعت تک ہی حکم رہتے دیتا۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ ہر وقت ہر حال میں رب تعالیٰ کا پورا خوف رکھے۔ خوف کی چار قسمیں ہیں ۱۔ خوف، ہیبت ۲۔ خوفِ عظمت ۳۔ خوفِ تقویٰ ۴۔ خوفِ خشعت۔ اللہ تعالیٰ کے بیبے بڑوں کا ڈر سے بچا ہیبت ہے۔ اس سے زیادہ خوف عظمت ہے کہ دل کانپ اٹھے۔ خوف کا اس سے بھی اونچا مقام تقویٰ ہے کہ بندہ اللہ کے خوف سے اعمالِ فرضی و واجبی ادا کرے اور اس سے بھی اونچا مقام خوف خشیع ہے کہ خوفِ الٰہی کا اثر اعضاءِ ظاہری پر نظر آئے یہ مسئلہ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ دنیا میں تو کافر فاسق نہیں ڈرتے مگر کل قیامت میں اُن کو سب سے اونچا خوف ہوگا جو اُن کے ہاتھ پاؤں دلِ دماغ کھال بال کے علاوہ اُن کے منہ ہونٹ اور ظاہری زبان پر بھی طاری ہوگا مگر چونکہ اہل ایمان و ایقان و عرفان دنیا میں ہی اس کی خشعت میں رہتے ہیں اس لیے کل محشر میں اُن پر لَاخَوْفٌ کا ظہور مجبوبانہ ہوگا جو دنیا میں رب تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔ اُن پر قیامت میں ڈر خوف طاری ہوگا۔ معاذ اللہ تعالیٰ تیسرا مسئلہ مسلمانوں کو چاہیے کہ کبھی کوئی مسئلہ کسی عالمِ دین۔ یا کسی وَلِیَّ اللہ بزرگ پیر مرشد سے مذاق کے طریقے پر نہ پوچھیں نہ ہی بحث مباحثے اور انکار کی طرز یا نیت پر سوال کریں خاص کر قرآن و حدیث اور شریعت و طریقت کا مسئلہ کیونکہ اس طریقے سے سوال اور مذاق بازی کج بحثی کفار کی نشانی بتائی گئی ہے۔ اور اس طرز پر سوال کرنے والے کو اگرچہ جواب تو عطا فرما دیا جاتا ہے مگر جھڑک اور ناراضگی کے ساتھ۔ یہ مسئلہ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ کے بعد جواب میں فَقُلْ کی فَ ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ فَ میں جلدی اور تیزی کا اشارہ ہے اور جلدی و تیزی جھڑک کے لیے ہوتی ہے۔ جیسا کہ متقدمین کی تفاسیر سے ثابت ہے یعنی ایسے سوال کرنے والوں کو جلدی جواب دے کر دور دفع کر دو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ جالینوس جیسے منکرین قیامت فلاسفہ کہتے ہیں کہ نہ قیامت آئے گی نہ پہاڑ فنا ہوں گے نہ زمین دنیا۔ اس لیے کہ قرآن نے قیامت قائم ہونے کی نشانی بتائی ہے دنیا کا فنا ہونا اور فنا کہتے ہیں باطل و ختم ہونے کو بُطلان کے لیے ترتیب وار نقصان شرط ہے یعنی اشیاءِ دنیا آہستہ آہستہ ختم ہوتی چلی جائیں جیسے کہ انسان پر موت آنے لگتی ہے تو پہلے جوانی ختم بڑھاپا آیا اور بڑھاپے میں کبھی بینائی گئی تو سماعت گئی کبھی پاؤں کمزور تو ہاتھوں میں رعشہ یہاں تک کہ پھر موت اس طرح دنیا کے بُطلان کے لیے ہونا چاہیے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا کی ہر چیز آسمان پہاڑ چاند سورج سب

اسی طرح ہیں اگر قیامت برحق ہوتی تو ابتداءً نقصانات سے ہوتی اور انتہاءً بُطلان ہو جاتا اور چونکہ نقصان کہیں ظاہر نہیں لہٰذا بُطلان نہیں اور بُطلان نہیں تو قیامت کا قول درست نہیں اور قیامت کے بارے جتنے قول ہیں کہ یَوْمَ اَلنَّسْفِ وِرْدًا۔ یَوْمَئِذٍ زُرْقًا خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ۔ یہ سب تخیلاتِ محضہ ہیں (العیاذ باللہ تعالیٰ) جواب۔ یہ اعتراض تفسیر کبیر و تفسیر نیشا پوری نے نقل فرما کر اس کے دو جواب دیئے ہیں ایک یہ کہ دنیا بھی علی الترتیب ہی ختم کی جائیگی مگر جب دنیا پر بڑھاپا آئے گا اور دنیا کا بڑھاپا قریبِ قیامت ہوگا معترض کو ابھی کیسے نظر آجائے۔ خود اپنی تمثیل پر بھی غور نہیں جلد بازی کیوں کرتے ہو دنیا پر پہلے بڑھاپا تو آنے دو۔ دوسرا جواب یہ دیا گیا ہے۔ بُطلان دو قسم کا ہے (۱) بُطلانِ تدریجی و ترتیبی اس میں آہستہ آہستہ ہی نقصان کا ورود لازم ہوتا ہے جیسے کہ بڑھاپے سے موت میں ہوتا ہے (۲) بُطلانِ فجائیت (ناگہانی) یہ کہ دفعۃً واحدۃً ایک دم رونما ہوتا ہے اللہ تعالیٰ دونوں قسم کے بُطلان پر قادر ہے۔ موت بھی دو قسم کی ہے ہر موت بڑھاپے پر موقوف نہیں بچپن اور جوانی بغیر کسی پیشگی نقصان کے موت آجاتی ہے اور ایک دم پوری شخصیت کو باطل و فنا کر کے رکھ دیتی ہے لہٰذا بُطلانِ ناگہانی میں تقدیمِ نقصان کا ظہور اور ورود ضروری نہیں لہٰذا سمجھ لو کہ قیامت بھی بُطلانِ ناگہانی سے آسکتی ہے۔ اس کا انکار کیوں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا۔ اہلِ لغت کے نزدیک عِوَج اس ٹیڑھ کو کہتے ہیں جو معنوی یا کسبی ہو جیسے دینی عِوَج عقیدت کی عِوَج کہا جاتا ہے کہ فلاں کا عقیدہ و ایمان ٹیڑھا ہے اس کے لیے عِوَج بولیں گے لیکن ظاہری اشیا کی ٹیڑھ کو عَوَج (عین کے زبر سے) کہتے ہیں تو عَوَج کا تعلق زمین سے ہے کیونکہ فیہا میں ھا ضمیر کا مرجع زمین ہے اور زمین ظاہری چیز ہے اس کی ٹیڑھ یعنی اونچ نیچ بھی ظاہر تو پھر اس کے لیے عِوَج کیوں فرمایا گیا عَوَجًا ہونا چاہیے تھا۔ جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ زمین اگرچہ ظاہری چیز ہے مگر اس کی ٹیڑھ دو قسم کی ہے (۱) ظاہری ٹیڑھ جو ہر شخص کو اس کی آنکھ سے نظر آجائے دور سے خواہ قریب سے (۲) معنوی ٹیڑھ جو آنکھ یا بصارت سے نظر نہ آئے بلکہ بصیرتِ عقلی سے نظر آئے اور جس کو پیمانہ یا لیول رکھ کر معلوم کیا جائے یہاں زمین کی انتہائی مکمل ہمواری بیان کرنے کے لیے عِوَجًا فرمایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کسی قسم کی بھی ٹیڑھ نہ ہوگی بصارت سے دیکھنا تو درکنار کسی کی بصیرت اور پیمانے سے بھی نظر نہ آئیگی اُس دن زمین آنِ واحد میں قدرتِ الٰہیہ سے اتنی شاندار طریقے سے برابر و ہموار ہوگی اس لیے عِوَجًا فرمانا عین درست ہے کہ دونوں کی نفی ہوگئی بصیرت کی بھی اور بصارت کی بھی یہ بات عَوَجًا فرمانے سے

نہ ہوتی دین وعقیدے کی ٹیڑھ بصیرتِ قلبیہ سے نظر آتی ہے تو گویا ٹیڑھ تین قسم کی ہے ۱۔ جو آنکھ کی
بصارت سے نظر آئے اِس کو عِوَجًا کہتے ہیں ۲۔ جو بصیرتِ عقلی سے نظر آئے بذریعہ تخمینے پیمانے ۳۔ جو
بصیرتِ قلبی سے نظر آئے۔ ان دونوں کے لیے عِوَجًا کا لفظ ہے اور بصیرتِ عقلی کی نفی سے بصارت
کی نفی خود بخود ہو جاتی ہے۔ اسی لیے یہاں عِوَجًا فرمایا گیا۔ دوسرا جواب یہ کہ اہل لغت کے نزدیک کھڑی
اور مستقل چیز کی ٹیڑھ کے لیے عَوَج بفتح العین بولا جاتا ہے جیسے دیوار اور لاٹھی کی ٹیڑھ لیکن پڑی
بچھی یا معنوی قلبی اشیا کی ٹیڑھ کے لیے عِوَج بکسرِ العین بولا جاتا ہے جن اہل لغت کا حوالہ معترض
نے پیش کیا وہ پوری بات نہیں ہے اور زمین چونکہ بچھی ہوئی چیز ہے اس لیے اُس کے لیے عِوَجًا
بولنا بالکل ٹھیک ہے۔ پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا
يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ آگے جواب میں فرمایا گیا فَقُلْ۔ فَ استعمال فرمائی گئی۔ حالانکہ قرآنِ مجید میں
اس طرح کے بہت سے سوالات مذکور ہیں اور اُن کے جوابات میں قُلْ ہی ارشاد ہوا مگر فَ کہیں
نہ بولی گئی۔ مثلاً ۱۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيْهِمَا ۲۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ قُلِ
الْعَفْوَ ۳۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ الْاَنْفَالُ ۴۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ
لَّهُمْ خَيْرٌ ۵۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ قُلْ هُوَ اَذًى ۶۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ
قُلِ الرُّوْحُ ۷۔ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ یہ سب سوال بھی يَسْـَٔلُوْنَكَ سے
نقل فرمائے گئے مگر اُن کے جوابات میں صرف قُلْ ارشاد ہوا۔ فَقُلْ نہ فرمایا گیا۔ لیکن یہاں فَقُلْ ہے
اس کی کیا وجہ؟ جواب۔ اس کے دو جواب دیے گئے ایک یہ کہ یہ سوال یہاں يَسْـَٔلُوْنَكَ جملہ شرطیہ
ہے یعنی اگر وہ کفار یہ سوال کریں۔ اس لیے جواب کے لیے فَ جزائیہ آئی اور فرمایا گیا فَقُلْ مگر دیگر
سوالات شرطیہ نہیں بلکہ سوالِ ماضیہ کی خبریں ہیں کہ وہ یہ سوال کرتے ہیں آپ ان کو یہ جواب دیدیجئے
وہاں فَ کی ضرورت نہیں۔ یہ جواب تفسیر روح البیان نے دیا مگر یہ جواب کمزور ہے تفسیر کبیر
نے جوابِ دوم دیا کہ یہ سوال بھی اگرچہ دیگر مذکور سوالوں کی طرح خبریہ ہی ہے مگر یہ سوال اصولِ
دین میں سے ہونے کی وجہ سے اَہَم ہو گیا اور اَہَم سوال کا جواب جلدی دینا چاہیے اس لیے
فَقُلْ ارشاد ہوا کہ آپ فوراً یہ جواب دیدیجئے وہاں پہاڑوں کے متعلق سوال اصولِ دین میں سے
اس لیے ہے کہ اس سوال کا تعلق قیامت کے قائم ہونے سے ہے یہ سوال منکرینِ قیامت نے
کیا تھا اور قیامت پر ایمان لانا اصولِ دین میں سے ہے اس کا انکار اصولِ دین کا انکار ہے
جو کھلا کفر ہے۔ اس کے جواب میں دیر کرنا اصولِ دین سے غفلت یا لاعلمی سمجھی جا سکتی ہے لہٰذا فَقُلْ فرما کر

تا قیامت یہ قانون بنا دیا گیا کہ جب کبھی اُصولِ دین کے بارے میں سوال ہو تو اہلِ علم حضرات پر واجب ہے کہ سائل کو فوراً تسلی بخش جواب سمجھائیں۔ بخلاف دیگر مذکورہ سوالات کے کہ وہ فروعی عملی چیزوں کے بارے میں ہیں وہاں جلدی جواب کی ضرورت نہیں بدیں وجہ وہاں حرف قُلْ ارشاد ہوا۔ فَقُلْ کا معنیٰ ہوا کہ ابھی جواب فرما دو۔ اور قُلْ کا معنیٰ ہوا۔ اس کا جواب فرما دینا۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا يَوْمَئِذٍ يَتَّبِعُوْنَ الدَّاعِيَ یعنی اُس دن پکارنے بلانے والے کی اِتباع سب کریں گے۔ سوال یہ ہے کہ وہ داعی زندوں کو پکارے گا یا مُردوں کو یعنی جس وقت وہ پکارے گا اس وقت لوگ زندہ ہو چکے ہوں گے یا کہ ابھی مردہ پڑے ہوں گے۔ نیز اگر اسرافیل پکاریں گے تو صور پھونکنے سے پہلے یا بعد یا دوران میں ہی۔ اگر یہ پکار پہلے ہے تو بیکار کیونکہ سب مردہ ہوں گے اور مردوں کو پکارنا بیکار نہ وہ اتباع کر سکیں گے۔ اور اگر مردے اسی پکار کو سن کر زندہ ہو جائیں اتباع کر لیں تو صور پھونکنا پھر بیکار کیونکہ صورِ ثانی تو صرف زندہ کرنے کے لیے ہوگا۔ مُردے تو پکار سے زندہ ہو کر اتباع میں چل پڑے تو اب صور پھونکنے کی کیا ضرورت۔ اور اگر بحالتِ نفخ پکاریں گے تو محال کیونکہ منہ سے تو صور بگل لگا ہوگا پکاریں گے کیسے۔ اور اگر صور پھونکنے کے بعد جب سب لوگ زندہ و بیدار ہو جائیں گے تب پکاریں گے تو مفسرین کا یہ قول غلط ہو جاتا ہے کہ اُن کی پکار یہ ہوگی کہ اے بکھری ہڈیو بوسیدہ گوشتو پھٹی کھالو بکھرے بالو۔ اللہ کے حکم سے جمع ہو کر حاضرِ بارگاہ ہو جاؤ۔ اس اعتراض اور الجھن کا تحلّی جواب کیا ہے۔ **جواب**۔ اس کے چند جواب دیئے گئے ہیں مگر سب سے مختصر اور آسان و مکمل تسلی بخش جواب یہ ہے کہ اسرافیل صور پھونک رہے ہوں گے اور جبرئیل یا کوئی دوسرا فرشتہ علیہم السّلام بیت المقدس سے تمام قبروں میں پڑے مردہ جسموں کو آواز دے گا۔ زندہ ہوں گے صور کی آواز پر اور چلیں گے فرشتے کی آواز پر صور اور پکارنے کی آواز بیکدم شروع ہوگی اُٹھتے جائیں گے چلتے جائیں گے پھر ایک جگہ جمع ہوں گے صور کی آواز بند ہو جائے گی تب ایک قدرتی آگ نمودار ہوگی جو آگے میدانِ محشر کی طرف چلا کر لے جائے گی۔ نیز احادیث سے ثابت ہے کہ مُردوں میں اب بھی سننے کی قوت ہے اگرچہ جسم گل سڑ کر بکھرا بوسیدہ ہو چکا ہو لہٰذا مردوں کو پکارنا بیکار نہ ہوگا۔ وَاللہ ورسولہٗ اعلم۔

پہاڑوں کا بیان

تفسیر روح البیان جلد پنجم ص۴۲۲ اسی آیت کے تحت ہے کہ دنیا میں کل چھ ہزار چھ سو تہتر ۶۶۷۳ پہاڑ ہیں

دنیا کے پہاڑوں کی چار قسمیں ہیں ۱ معدنی ۲ آتش فشاں ۳ سرسبز پیداوار والے ۴ خشک قیمتی پتھر و معدنیات والے۔ آتش فشاں پہاڑ ساری دنیا میں چار سو پچپن ہیں۔ سب سے زیادہ آتش فشاں انڈونیشیا میں ہیں۔ ایک سو ستر ۱۷۰ عدد اس کے بعد اس سے کم فلپائن میں اس سے کم پاکستان میں پھر جاپان میں۔ فلپائن میں آتش فشاں بہت پھٹتے ہیں۔ دنیا میں مبارک اور متبرک گیارہ پہاڑ ہیں ۱ جبلِ سراندیپ شمالِ ہند چینی سرحد پر واقع ہے آدم علیہ السلام کے نزولِ جنت کی وجہ سے مبارک ہے ۲ جبلِ جودی نوح علیہ السّلام کی وجہ سے فلسطین میں جزیرہ ابن عمر کے شمال میں ۳ جبلِ صفا ۴ جبل مروہ حضرت ہاجرہ کی وجہ سے کہ مکہ مکرمہ میں ہے ۵ جبلِ طور موسیٰ علیہ السّلام کی وجہ سے مدین وشام کے درمیان ہے ۶ جبلِ رحمت آدم وحوا کی ملاقات کی وجہ سے میدانِ عرفات میں ۷ جبلِ رقیم (دیجلوس) اصحابِ کہف کی وجہ سے روم میں ہے ۸ جبلِ ثبیر مکہ مکرمہ میں فدیۂ اسماعیل علیہ السّلام یعنی دنبہ اسی پر پہاڑ پر اُترا تھا ۹ جبلِ حرا۔ غارِ حرا کی وجہ سے مکہ مکرمہ میں ۱۰ جبلِ ثور۔ غارِ ثور کی وجہ سے مدینہ منورہ کی راہ میں ہے مکے سے تین میل دور جانبِ شمال مغرب ۱۱ جبلِ اُحد۔ جنتی پہاڑ نبی کریم کی محبت کی وجہ سے۔ مدینہ منورہ میں ہے۔ دنیا کے چند پہاڑوں کے نام ۱ جبل اوشان روم میں ہے ۲ جبل ابی قُبیس مکہ مکرمہ میں ۳ جبلِ اروند اوّل ہمدان میں ہے ۴ اروندِ ثانی۔ علاقۂ سیستان میں ہے۔ ۵ جبلِ اُسبرہ علاقۂ شاس ماوراء النہر ۶ جبل اَشْتر علاقۂ قزوین میں ہے ۷ جبلِ اندلس، اندلس میں ہے ۸ جبل مُجند۔ ترکستان میں ہے ۹ جبلِ قدس بیت المقدس کے پاس ہے ۱۰ جبل تجمید علاقۂ ایذران میں ۱۱ جبل میسون حلوان کے درمیان ہے ۱۲ جبل ثبیر۔ مکہ مکرمہ میں جبل حرا کے پاس ہے۔ مکے سے تین میل دور جانبِ شمال ۱۳ جبل ثور ۱۴ جبل حراب ہندوستان میں ۱۵ جبل جودی فلسطین میں ۱۶ جبلِ جوشن حلب میں ۱۷ جبلِ حرث ۱۸ حویرث۔ آرمینیہ میں ہے۔ ۱۹ جبلِ حرا مکہ مکرمہ میں ہے ۲۰ جبلِ حود قورد علاقۂ قورشقا میں ہے ۲۱ جبل حیات۔ ترکستان میں ہے ۲۲ جبل دامغان علاقہ رے میں ہے ۲۳ جبل دھاوند رے میں ہے ۲۴ جبلِ ربوہ دمشق میں ہے ۲۵ جبل رضوی۔ مدینہ منورہ سے بیس میل دور شعبِ داؤدی اور تبوک کے درمیان ۲۶ جبلِ رقیم علاقۂ روم میں ہے ۲۷ جبل رانک ترکستان میں ہے۔ یہاں سدِ سکندری ہے اس کے پار یاجوج وماجوج ہیں ۲۸ جبلِ زغوان۔ علاقۂ تونس میں ہے ۲۹ جبل سادہ علاقۂ تونس میں ہے ۳۰ جبلِ سیلان۔ علاقہ اردبیل میں ہے ۳۱ جبل سُراۃ علاقۂ تہامہ میں یمنی سرحد پر ۳۲ جبلُ السماق حلب میں ہے ۳۳ جبل سراندیپ علاقۂ ھرکند۔ ہند چین کی سرحد

پر ہے۔ ۳۴ جبلِ سمرقند علاقۂ سمرقند میں ہے ۳۵ جبل الیم چین میں ہے ۳۶ جبل الشعب۔ یمن میں ہے ۳۷ جبلِ شیام علاقہ صنعا میں ہے ۳۸ جبل شرق البعل۔ علاقۂ شام میں ہے ۳۹ جبلِ شقان خراسان میں ہے ۴۰ جبل شکران۔ علاقۂ سکران میں ہے ۴۱ جبلِ صُورہ علاقۂ کرمان پاکستان میں ہے ۴۲ جبل صفا مکہ مکرمہ خانۂ کعبہ کے پاس ہے ۴۳ جبل مروہ۔ خانۂ کعبہ کے پاس ہے ۴۴ جبل صقلیہ علاقۂ بحرِ مغربی میں ہے۔ ۴۵ جبل القلع علاقۂ بصرہ میں ہے ۴۶ جبل طارق۔ علاقہ طبرستان میں ہے ۴۷ جبل الطاہر مصر میں ہے ۴۸ جبل اہرستان طبرستان میں ہے ۴۹ جبل طورِ سینا۔ علاقہ مدین میں ہے ۵۰ جبلُ الطیر۔ مصر میں دریائے نیل کے پاس ہے۔ ۵۱ جبل غزوان۔ طائف کے پاس ہے ۵۲ جبل طائف حجاز (سعودی عرب) میں ہے ۵۳ جبلِ عویر عمان میں ہے ۵۴ جبل کبیر بصرہ میں ہے۔ ۵۵ جبل فرغانہ علاقۂ خوارزم میں ۵۶ جبلِ قبل وان علاقۂ مہرجان ۵۷ جبل قاسیون دمشق میں ہے ۵۸ جبل قاف علاقۂ روس میں ہے ۵۹ جبل قدقو مکہ مکرمہ میں ۶۰ جبل قعران۔ روس میں ہے ۶۱ جبل کحلِ اثمد اندلس میں ہے ۶۲ جبلِ کرمان۔ علاقہ طوس میں ہے ۶۳ جبل گلستان علاقۂ طوس میں ہے ۶۴ جبلِ ارجان علاقۂ طبرستان میں ہے ۶۵ جبل لبنان، علاقۂ حمص میں ہے ۶۶ جبل مقناطیس علاقۂ قلزم میں ہے ۶۷ جبلِ سورگان فارس میں ہے ۶۸ جبل نار ترکستان میں ہے ۶۹ جبلِ نہاوند، طلسمان میں ہے ۷۰ جبلِ ہرمز طبرستان میں ہے ۷۱ جبلِ ہند، ہندوستان میں ہے ۷۲ جبلِ واسط علاقۂ اندلس میں ہے ۷۳ جبلِ یلہ سیم علاقۂ قزوین میں ہے ۷۴ جبلِ عیر مدینہ منورہ میں ہے ۷۵ جبل ارارات ایران میں ہے ۷۶ جبل قراقرم۔ پاکستان میں ہے ۷۷ جبل سلیمان۔ پاکستان میں ہے ۷۸ جبل پرانس اندلس میں ہے ۷۹ جبلِ ابرز، ایران میں ہے۔ ۸۰ جبل ماؤنٹ بلانک۔ اٹلی میں ہے ۸۱ جبلِ گارمو روس میں ہے ۸۲ جبل تالاگالا۔ سری لنکا میں ہے۔

			بلندی میٹر میں	بلندی فٹ میں
۸۳	جبل کینابالو	ملائیشیا میں ہے۔	....	۱۳۴۵۵
۸۴	جبلِ ایورسٹ	تبت نیپال میں ہے	۸۸۴۸	۲۹۰۲۸
۸۵	جبلِ کے ٹو	پاکستان کشمیر میں ہے	۸۶۱۱	۲۸۲۵۰
۸۶	جبلِ کینگ چینگ جنگا	نیپال میں ہے	۸۶۰۰	۲۸۲۱۵
۸۷	جبلِ مکالو	تبت میں ہے	۸۱۸۴	۲۶۸۲۵
۸۸	جبلِ دھولاگری	" " "	۸۱۷۲	۲۶۸۱۰

			بلندی میٹر میں	بلندی فٹ میں
۸۹	جبلِ ننگا پربت	جموں کشمیر میں ہے	۸۱۲۶	۲۶۶۶۰
۹۰	جبلِ آناپورنا	نیپال میں ہے	۸۵۷۸	۲۶۵۰۴
۹۱	جبلِ گیمشر	جموں کشمیر میں ہے	۸۰۶۸	۲۶۴۷۰
۹۲	جبلِ گوسین تھین	تبت میں ہے	۸۰۱۳	۲۶۲۹۱
۹۳	جبلِ نندا دیوی	انڈیا میں ہے	۷۸۱۷	۲۵۶۴۰
۹۴	جبلِ راکاپوشی	جموں کشمیر میں ہے	۷۷۸۰	۲۵۵۵۰
۹۵	جبلِ کیمیت تبت	انڈیا میں ہے	۷۷۵۶	۲۵۴۴۷
۹۶	جبلِ نمچا بروہ	تبت میں ہے	۷۷۵۶	۲۵۴۴۷
۹۷	جبلِ گورو مندھاتا	۰ ۰ ۰	۷۷۲۸	۲۵۳۵۵
۹۸	جبلِ اُلگ مستگ	۰ ۰ ۰	۷۷۲۳	۲۵۳۳۸
۹۹	جبلِ کنگر	چین سینکیانگ روس	۷۷۱۹	۲۵۳۲۵
۱۰۰	جبلِ ترگ میر	پاکستان میں ہے	۷۶۹۰	۲۵۲۳۰
۱۰۱	جبلِ منیا کنوکا	چین میں ہے	۷۵۹۰	۲۴۹۰۳
۱۰۲	جبلِ متگ آٹا	سینکیانگ	۷۵۴۶	۲۴۷۵۷
۱۰۳	جبلِ کیمونزما پیک	روس میں ہے	۷۴۹۵	۲۴۵۹۰
۱۰۴	جبلِ پوبڈی	روس سینکیانگ	۷۴۳۹	۲۴۴۰۷
۱۰۵	جبلِ چمول ہری	بھوٹان تبت	۷۳۱۳	۲۳۹۹۳
۱۰۶	جبلِ لینینا	روس میں ہے	۷۱۳۴	۲۳۴۰۶
۱۰۷	جبلِ اوجس ڈیل سلاڈو	چلی آرجن ٹینا	۷۰۸۴	۲۳۲۴۰
۱۰۸	جبلِ ایکون کیگوا	آرجن ٹینا میں ہے	۶۹۶۰	۲۲۸۳۴
۱۰۹	جبلِ بورنتے	۰ ۰	۶۸۷۰	۲۲۵۴۱
۱۱۰	جبلِ تپن گینٹو	چلی میں ہے	۶۸۸۰	۲۲۳۱۰
۱۱۱	جبلِ ہوسکرن	پیرو	۶۷۶۸	۲۲۲۰۵
۱۱۲	جبلِ لُل یلکو	آرجن	۶۷۲۳	۲۲۰۵۷
۱۱۳	جبلِ کیلس	تبت	۶۷۱۴	۲۲۰۲۸

			بلندی میٹر میں	بلندی فٹ میں
۱۱۴	جبل پیرو پاجا۔	جنوبی امریکہ پیرو میں ہے	۶۶۳۴	۲۱۷۶۵
۱۱۵	جبل سماجا	بولیویا	۶۵۴۲	۲۱۴۶۳
۱۱۶	جبل البیمو	〃	۶۴۸۵	۲۱۰۷۹
۱۱۷	جبل کوروپونا	پیرو	۶۴۲۵	۲۱۲۷۶
۱۱۸	جبل ایمانی	بولیویا	۶۴۰۲	۲۱۰۰۴
۱۱۹	جبل چمبورازو۔	چلی ایکواڈور	۶۳۱۰	۲۰۷۰۱
۱۲۰	جبل کلمنجارو	افریقہ تنزانیہ		۱۹۵۶۵
۱۲۱	جبل نانگاپربت ہمالیہ	انڈیا		۲۶۶۵۰
۱۲۲	جبل راکاپوشی	چین		۷۷۸۸
۱۲۳	جبل انڈیز	امریکہ جنوبی میں ہے	چار ہزار میل لمبائی ہے	
۱۲۴	جبل مری	پاکستان میں ہے		۷۵۰۰
۱۲۵	جبل ماؤنٹ ایگمانٹ نیوزی لینڈ	نیوزی لینڈ		× × ×
۱۲۶	جبل ماؤنٹ ایورسٹ	امریکہ		۲۹۰۴۸
۱۲۷	جبل کنچن چنگا	چین		۲۸۱۴۶
۱۲۸	جبل ہندوکش	افغانستان		۲۵۰۰۰
۱۲۹	جبل پیدرو تالاگالا	سری لنکا		× × ×
۱۳۰	جبل ماؤنا	روس		۲۱۰۰۰
۱۳۱	جبل راکی ماؤنٹین	کینیڈا		× × ×
۱۳۲	جبل نکیال	افغانستان		۱۹۰۰۰
۱۳۳	جبل تال آتش فشاں	فلپائن		× × ×
۱۳۴	جبل ماؤنٹ کگ	نیوزی لینڈ		۴۶۶۵
۱۳۵	جبل سیکنلے			
۱۳۶	جبل گلیکن			
۱۳۷	جبل مرغریطہ			
۱۳۸	جبل مہیارے			

ہر پہاڑ کے چار حصے ہوتے ہیں ۱ جڑ ۲ دامن ۳ سطح ۴ چوٹی۔ دنیا کی بلند ترین چوٹیاں اٹھارہ عدد ہیں جن میں سے سات چوٹیاں کوہ ہمالیہ کی ہیں۔ کوہ ہمالیہ دنیا کا سب سے اونچا اور لمبا پہاڑ ہے اس کا وجود چودہ ۱۴ ملکوں میں پھیلا ہوا ہے تقریباً آدھے شمال پر اس کا پہاڑی قبضہ ہے ۱ چین ۲ روس ۳ بھارت ۴ تبت ۵ بھوٹان ۶ پاکستان ۷ افغانستان ۸ نیپال ۹ شمالی کشمیر ۱۰ شمالی بنگال ۱۱ علاقہ کاستان میں ۱۲ سکم میں ۱۳ سینکیانگ میں ۱۴ کینیڈا ۱۵ اہاف

دنیا کی اونچی چوٹیاں

یہ سب بلندیاں سطح سمندر سے ہیں۔

			بلندی فیٹ میں
۱	چوٹی ایورسٹ، کوہ ہمالیہ	نیپال میں	۲۹۰۲۸
۲	چوٹی کچن جنگا "	چین میں	۲۸۲۰۸
۳	میکا لو "	تبت میں	۲۷۸۲۴
۴	چوٹی دھولگری "	سکم میں	۲۶۸۱۱
۵	چوٹی نانگا پربت "	جموں کشمیر میں	۲۶۶۲۰
۶	" شیشا پنگما "	کاستان میں	۲۱۲۹۰
۷	" نندا دیوی "	تبت میں	۲۵۵۴۵
۸	چوٹی کے ٹو، کوہ قراقرم	پاکستان میں	۲۸۲۵۰
۹	" ترچیم، کوہ ہندوکش	افغانستان میں	۲۵۳۲۰
۱۰	چوٹی میکنلے	سینکنگ میں ہے	۲۰۳۲۰
۱۱	چوٹی لوگان	کوہ میکنلے روس میں	۱۹۵۳۹
۱۲	" کلیاں جارو، کوہ کلیمان	افریقہ میں	۱۹۳۴۰
۱۳	" ابرز، کوہ ابرزا "	ایران میں	۱۸۴۶۴
۱۴	" ادارات، کوہ ارادات	ترکستان میں	۱۶۹۱۶
۱۵	" ماؤنٹ بلانک کوہ آنیس	اٹلی میں	۱۵۷۸۲

۱۶	چوٹی مرغریطہ کوہ مرغریطہ ۔	یوگنڈا میں ہے ۔	بلندی میٹر ہیں	۱۶۷۶۳
۱۷	چوٹی ماؤنٹ ودڈروونی کوہ ماؤنٹ درڈرونی ۔	اسٹریلیا میں ہے	بلندی میٹر ہیں	۱۴۸۰۰
۱۸	چوٹی مہیالھے کوہ مہیار ہے ۔	اسٹریلیا میں ہے	بلندی میٹر ہیں	۱۴۱۰۰

یہ تمام معلومات اور پہاڑوں کے نام ہم نے کتاب عجائب المخلوقات جلد اوّل علامہ ذکریا قزوینی اور انگریزی انسائیکلو پیڈیا اور اردو انسائیکلو پیڈیا سے حاصل کی ہیں۔ باقی پہاڑوں کے نام ہم کو حاصل نہ ہو سکے۔ رب تعالیٰ نے انسانی حیوانی ضروریاتِ زندگی کے لیے زمینِ دنیوی کو چھ حصوں میں تقسیم فرمایا۔ ایک سمندر دوم سمندر سے مٹی سوم مٹی سے دلدل چہارم دلدل سے پتھر پنجم پھر پتھر سے پہاڑ ششم پھر پہاڑوں سے ریت۔ پہاڑ۔ انسان کے لیے قدرت کی عظیم نعمت ہے پہاڑوں میں انسان کے لیے تیرہ قسم کے خزانے ملتے ہیں ۱؎ پہاڑوں سے زمین کا ٹھہراؤ اور ایک جگہ ساکن ہونا ہے درخت کی جڑ کی طرح پہاڑوں کی جڑیں بھی زمین کے نیچے تک تحت الثریٰ میں ہیں ۲؎ پہاڑوں کے اندرونی باطنی علاقوں میں سونا ۳؎ چاندی ۴؎ لوہا ۵؎ رانگ سلور ۶؎ قیمتی پتھر ۷؎ ہیرے ۸؎ جواہرات ۹؎ زبرجد ۱۰؎ پٹرول ۱۱؎ مٹی کا تیل ۱۲؎ گیس ۱۳؎ آتش فشانی لاوا۔ اِس لاوے سے آٹھ چیزیں بنتی ہیں ۱؎ نمک ۲؎ نوشادر ۳؎ پھٹکری ۴؎ پتھری کوئلہ ۵؎ گندھک ۶؎ پٹاس ۷؎ بارود ۸؎ سیمنٹ۔ یہ اکیس خزانے پہاڑوں کے اندر سے انسانوں کو ملتے ہیں۔ اور پہاڑوں کی ظاہری دولت ۲۲؎ ہر قسم کی عمارتی اور ایندھنی لکڑی ہر قسم کی ۲۳؎ خودرو فروٹ اور میوے ۲۴؎ جنگلات ۲۵؎ طبی جڑی بوٹیاں ۲۶؎ بادل ۲۷؎ برف ۲۸؎ برف سے چشمے ۲۹؎ چشموں سے ندی۔ نالے دریا ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَالْجِبَالَ وَمَا فِیْهِنَّ۔

تفسیر صوفیانہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَقُوْلُوْنَ اِذْ یَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ طَرِیْقَةً اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا یَوْمًا۔ اے محبوب ازلی ہم تمام ہر قسم سے جانتے ہیں ان تمام مجرمین مردمیت کی ظاہری باطنی باتوں کو اور تصوراتی اندازوں کو جو وہ کہتے کرتے ہیں اور اِس وادیِ حسرت میں جو زیادہ عقل و خرد کی بلند آوازی لگاتا ہے وہی پستیٔ حماقت میں زیادہ گہرا نیچے گرتا ہے اور عقلِ ماؤف۔ دماغِ فتور سے سمجھتا ہے کہ لذاتِ ناسوتی شہوانی میں تم فقط ایک ہی دن ٹھہرے تھے ہمارے جرائم تو فقط ایک ہی دن کے ہیں تو پھر عذابِ ذلت آشنا لیا کیوں۔ جب اہلِ بلا اور بندگانِ ابتلا کو محشرِ حسابِ الغیانات میں بلانے کے لیے نقارۂ

حشر بجایا جائے گا تو اُن کی اِس حالتِ یاس اور کیفیتِ نزعِ اکبر کو ہم ہی جانتے ہیں۔ اُس دن کون کیا بولے گا اور شدتِ سکر بلا سے کس کا کیا اندازہ ہوگا۔ اہلِ شقاوت کی قیامتِ صغریٰ جب اُن پر برپا ہوگی تو بڑے بڑے بدبختوں کی عقل و دانش خراب ہو جائے گی دنیا تو ایک بادل کا خفیف سایہ ہے جس کی بے ثباتی کا پتہ اہلِ ایمان کو دنیا میں چل جاتا ہے مگر اہلِ شقاوت کو محرومی کی وادی میں گر کر پتہ چلتا ہے تب کہتا ہے ہائے میری ہلاکت بِعْتُ الْآخِرَةَ بِالنَّوْمِ میں نے تو آخرت کو غفلت کی نیند کے بدلے بیچ دیا۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے

مکن عمر ضائع بافسوس و حیف — کہ فرصت عزیز است و در وقت سیف

بیدرداں نوں نیند پیاری آ آپی گھوکے — دردمنداں نوں یاد سجن دی ساری رات جگاوے

پچھلی راتیں رحمت ربدی گھر گھر کرے آوازہ — اٹھو بندیو رب کرو کھلا ہے دروازہ

(عارف کھڑی شریف)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّيْ نَسْفًا فَيَذَرُهَا قَاعًا صَفْصَفًا

اے محبوب یہ اہلِ ضلالت موتِ روحانیت میں جبالِ اجسام کے وجوداتِ ابدان کی فنا و بقا کا سوال کرتے ہیں۔ تو اُن کو بتا دے کہ میرا رب تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے دین و ایمان اعمال و اخلاق کی اِن بلند و بالا رکاوٹوں فصلانوں کو آنِ واحد میں صفاتِ مہریہ کی تجلی ظہور کے ذریعے۔ جڑوں سے اکھیڑ کر ریم و رمان ھَبَاءً مَّنْثُوْرًا بنا کر زمینِ فنا کے برابر کر دے گا۔ اُن نفحاتِ الٰہیہ کی ہواؤں سے جو معدنِ احدیت میں پیدا ہونے والی ہیں پھر پھیلا دے گا اِن ذرۂ محسوسہ کو قیامتِ حرمان میں وجوداً احدیاً لغویاً بنا کر اس طرح کہ نہ غیریت نظر آئے نہ دوئی نہ دوری تب وہ غافلین و کاسلین اتباعِ حق میں اس طرح مشغول ہوں گے کہ ان کی حرکت بجز حق کے نہ ہو نہ حیاتِ نہ انحراف کی ٹیڑھ رہے نہ کسی کھوٹ و ملاوٹِ غیر کا اندیشہ رہے۔ وہی حق کا داعی ہر سمت سے اُس کی پیشانی پکڑ کر چلانے والا ہے صراطِ مستقیم پر اور پھر یہی غافلین سیرتِ حق کے نقشِ قدم پر چلنے والے ہیں اسی ارادۂ حق کے تقاضے کے مطابق یہ وہ حسرت و یاس کی گھڑیاں ہوں گی جب بجز صوتِ سرمدی آوازِ عرشی نقارۂ قدسی کے کوئی کسی طرف سے کسی کی آواز برآمد نہ ہوگی داعیِ فلکِ رابع کا مُدبّرِ اجسامِ مفیضِ حیات ہوگا۔ اُس وقت عالمِ اسرار و معرفت میں حکمتِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کوئی نہ کر سکے گا تمنا و فاسدہ کی سب آوازیں ہیبتِ کشفِ اسرار سے مٹ جائیں گی اے عقل والو تم پر واجب ہے کہ دنیا اور اُس کی خواہشات کی طلب میں عمرِ قیمتی کو

ضائع نہ کر۔ اس لیے کہ حیاتِ دنیوی کا یہ وقت نقدِ نفیس ہے۔ صالحات اور اعمالِ خیر جوہرِ نفیس ہیں ارادۂ مومن بازِ اشہب ہے جو مُردار پر نہیں گرتا۔ وہ طائرِ لاہوتی کو شکار کرتا ہے عیشِ دنیا نقیر ہے خطراتِ دنیا بسیر ہے۔ اس کی قدر و منزلت حقیر ہے اس کا فائدہ صغیر ہے کہ مچھر کے پر سے بھی کمتر ہے۔

بر مردِ ہشیار دنیا خس است　　　کہ ہر مدتے جائے دیگر کس است

آرامِ دنیوی کے ہزار سال مثل یک ساعت ہیں اور عذاب کی ایک ساعت مثل ہزار سال ہیں۔ تمام اطاعتوں سے افضل اطاعت ادب و احترام کے ساتھ محبتِ نبی ہے اور احسن الحسنات توحیدِ الٰہی ہے۔ تقویتُ الیقین کی دولت عباداتِ قرآنی سے حاصل ہوتی ہے اور اتباعِ حقیقی کی دولت اطاعتِ احادیث سے حاصل ہوتی ہے کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ۔ اہلِ جنت کا لباسِ معرفت ہے۔ عارفین کا لباس دو قسم کا ہے ایک عروۃُ الوثقیٰ دوم معنیٔ حقیقت۔ جنتِ اسرار چار قسم کی ہے ۱۔ جنتِ محوری ۲۔ جنتِ معنوی ۳۔ جنتِ قلبِ مطیع ۴۔ جنتِ روحِ حیات جن میں انوار کی کلیاں۔ اسرار کے پھل۔ تجلیات کی خوشبوئیں ہیں۔ عابدین کے لیے جنتِ صوری خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو احراق ملے تو نارِ عشق کا استغراق ملے توحید کا

نجات ملے تو بقاءِ دائمی کا کنارہ ملے۔ فالحمدُ للّٰہِ علیٰ ذالک۔

لَا تَرٰی فِیْهَا عِوَجًا وَّلَآ اَمْتًا ۝ یَوْمَئِذٍ یَّتَّبِعُوْنَ الدَّاعِیَ لَا عِوَجَ لَهٗ وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا ۔ بندۂ اسرار وادیِ محبتِ الٰہی میں نہ بے رخی کا عوج ہے نہ فنا کا امتا ہے۔ جب مکاشفاتِ تجریدِ باطن کا محشر قائم ہوتا ہے تو ہر سالک مرید داعی الی الحق کی پکار پر دوڑتا چلا جاتا ہے۔ یہ اسرارِ بے خودی کا وہ مقام ہے جہاں خودنمائی کے نعرے مارنے والے حمقاء کی زبانیں گونگی ہو کر لرزتے۔ اجسام تھراتے ہیں اور خودی کو بلند کرنے کے سب دعوے فنا ہو جاتے ہیں۔ یہ خودی کی نفسانی چیخ و پکار صرف دنیا میں دنیا سازی ہے۔ مقامِ بیخودی میں لَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا کسی کی کوئی آواز نہیں ہے۔ صرف تارِ انفاس میں الا ھو کی سانسیں اور سانسوں کی سرسراہٹ ہوگی ؎

خودی والا اگر وہ شخص ہوتا اس زمانے میں　　　تو میں بھی اس کو سمجھاتا مقامِ بیخودی کیا ہے

خودی جہاں ہے جس کو نسفاً کر دیا جائے گا۔ بیخودی زمین ہے جس کو قاعاً صفصفاً کی شان دی جائے گی۔ خودی کو نسفاً کی ذلت بیخودی کو صفصفاً کی عزت ہے۔ خودی خود پسندی ہے۔

بیخودی حق پسندی ہے ، خودی خود پرستی ہے جس کا انجام گرنا ہے ۔ بیخودی چڑھایا جانا ہے جس کا انجام ترقی ہے
خودی میں فرعونیت کا مزہ اور سامریت کا اثر ہے بیخودی عاجزی و انکساری کا عروج کرتی ہے ۔ خودی میں
شور شیطان ہے ۔ بیخودی میں خَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ ہے ۔ خودی میں جھوٹے دعووں کا نعرہ گونجتا
ہے ۔ بیخودی میں خوف الٰہی کا اِلَّا هَمْسًا ہے خودی وہ آگ ہے کہ دانہ اس میں جا کر اچھلتا کودتا اور بلند ہوتا
جا جلتا ہے انجام کار جل بھن جاتا ہے ۔ بیخودی وہ خاک ہے کہ دانہ خاک میں جا کر گل و گلزار ہوتا ہے
یہ ہیں وہ آٹھ فرق جو خودی اور بیخودی میں ہیں مولیٰ تعالیٰ ہر مسلمان کو خودی کے دام ابلیسی سے بچائے آمین
صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیوی زندگی میں جس مردِ مومن کی عادت پاس انفاس اور ذکر الٰہی کی قائم ہو گی تو
وہ میدان محشر کی اُس ہوش ربا خاموشی میں بھی نہ گھبرائے گا ۔ کیونکہ اُس کا ذکر الٰہی وہاں بھی جاری ہو گا
اس کی دنیوی عادتِ خاموشی اُس کے کام آئے گی ۔ لیکن جو لوگ دنیا میں ذکر و فکر سے غافل شور و غل
برائی اور عاری ان کی وہاں مصیبت ہو گی ۔ اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ خاموشی تنہائی خلوت گزینی
پاس انفاس اور ذکر الٰہی کی عادت دنیا میں ہی بنائے انشاء اللہ تعالیٰ یہ عادت قبر حشر میں کام آئے
گی ۔ آج کے دور میں پیری مریدی بہت ہے مگر آداب و طریقے نہ پیر کو یاد نہ مرید کو پیر میں دنیا
سازی کی ہوس آرام طلبی کی عادت ۔ مرید میں جلد بازی کی طلب نہ اِدھر ذوق نہ اُدھر شوق جسم دبوانے
کی عادت بھی خواہشاتِ نفسانی میں سے ہے ۔ شریف صرف دنیا میں ہر دنیوی عادت جبلّتِ شیطانی
ہے اور راہِ معرفت کی رکاوٹ کسی چیز کی عادت نہ بناؤ اگرچہ وہ شرعاً جائز ہی ہو ۔ بندہ اپنے آپ
کو مسافر سمجھے اور مسافر کے لیے کوئی بھی عادت بڑی مصیبت اور فتنہ ہے ۔ عادت ڈالنے سے
پانچ خرابیاں پیدا ہوتی ہیں ۱ رکاوٹ ۲ تھکاوٹ ۳ بناوٹ ۴ لگاوٹ ۵ گراوٹ ، عادت
ڈالنے سے نفس میں رکاوٹ جسم میں تھکاوٹ اعمال میں بناوٹ ۔ نفس میں لگاوٹ اور قلب میں
گراوٹ پیدا ہوتی ہے کیونکہ جب کبھی عادت کی چیز نہ ملے تو عقل ناکارہ بدن تھکا ماندہ اعمالِ عبادت
بناوٹی کسلمندی سے نفس عادت میں لگا ہوا ، قلب پژمردہ ہو جاتا ہے ۔ شیطان آسانیاں ڈھونڈتا
ہے ۔ قلب صحت کا متلاشی ہمت والے مرد آسانیوں کی طرف مائل نہیں ہوتے ہیں

رہروانِ راہِ منزل تھک نہ جانا راہ میں لذتِ صحرا نوردی دوریٔ منزل میں ہے

يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ

اُس دِن فائدہ نہ دے گی کوئی سفارش مگر

اُس دن کسی کی شفاعت کام نہ دے گی مگر

أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا ﴿١٠٩﴾

اجازت دے گا جس کو اللہ رحمٰن اور اچھا لگیگا جس کا کلام

اُس کی جسے رحمٰن نے اذن دیدیا ہے اور اُس کی بات پسند فرمائی

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

جانتا ہے وہ اللہ اُن تمام کو جو اُن کے سامنے ظاہر ہے اور اُن کو جو اُن سے غائب ہے

وہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے آگے ہے اور جو کچھ اُن کے پیچھے

وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا ﴿١١٠﴾ وَعَنَتِ

اور نہیں گھیر سکتے وہ لوگ اُس ذات کو اپنے علم میں۔ اور ذلت و شرمندگی

اور اُن کا علم اُسے نہیں گھیر سکتا۔ اور سب منہ

الْوُجُوهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّومِ ۖ وَقَدْ خَابَ مَنْ

سے نگے ہوں گے وہ چہرے اللہ حی وقیوم کے حضور اور خراب ہوگا وہ

جھک جائیں گے اُس زندہ قائم رکھنے والے کے حضور۔ اور نامراد رہا جس نے

حَمَلَ ظُلْمًا ﴿١١١﴾

جس نے ظلم مچایا ہے

ظلم کا بوجھ لیا

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کا طلب شفاعت کے لیے پیچھے دوڑنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں شفاعت کرنے والوں کا تذکرہ ہے کہ کس کی شفاعت معتبر ہے اور کس کی غیر معتبر دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں میدانِ محشر کا ایک نقشہ کھینچا گیا کہ خشیتِ الٰہی سے سب کی آوازیں پست اور انتہائی دھیمی ہوں گی۔ اب ان آیت میں قیامت کا دوسرا نقشہ کھینچا جا رہا ہے کہ سب کے چہرے بھی جھکے ہوں گے۔

تفسیر نحوی يَوْمَئِذٍ لَّا تَنفَعُ الشَّفَاعَةُ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَٰنُ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا۔ يَوْمَئِذٍ اسم ظرف زمانی مرکب اضافی ظرفِ مقدم ہے لَا تَنفَعُ۔ بابِ فَتَحَ کا مضارع مستقبل منفی واحد مؤنث غائب نَفْعٌ سے مشتق ہے بمعنی فائدہ دینا۔ کام بنانا اَلشَّفَاعَةُ۔ اسم معرف باللام مصدر ہے آخر میں ت مصدریہ ہے شَفْعٌ سے بنا ہے بمعنی سفارش کرنا بچانا۔ دلوانا۔ کام بنوانا۔ یہ فاعل ہے۔ لَا تَنفَعُ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرفِ استثنیٰ اَذِنَ بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب لَهُ لام جارہ تعدیہ کا ہ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع ذہنی ہے مراد ہے شفیع اَلرَّحْمَٰنُ فاعل ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَضِيَ بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اَلرَّحْمَٰنُ لَهُ یہ جار مجرور متعلق ہے قَوْلًا اسم مفرد مصدر جامد حاصل مصدر بمعنی بات یا پورا کردار یعنی عملی زندگی یہ تمیز ہے ہ ضمیر کی یا مفعول بہ ہے رَضِيَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا لَا تَنفَعُ کے جملے کا دونوں مل کر جملہ استثنائیہ ہو گیا خیال رہے کہ اَذِنَ اور رَضِيَ دونوں ماضی بمعنی مستقبل ہیں يَعْلَمُ بابِ سَمِعَ کا مضارع واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر بصیغہ هُوَ ہے مرجع اَلرَّحْمَٰنُ ہے مَا موصولہ بَيْنَ اسم ظرفی مکانی مضاف ہے اَيْدِي جمع مکسر ہے يَدٌ کی بمعنی ہاتھوں کے درمیان مراد ہے سامنے هِمْ ضمیر جمع کا مرجع مجرمین ہے مضاف الیہ ہے یہ ڈبل مرکب اضافی صلہ ہے دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصول خَلْفَ اسم مفرد جامد مضاف بمعنی پیچھے مراد ہے غائبانہ افعال و اعمال و اقوال یہ مرکب اضافی صلہ ہو کر دونوں معطوف ہوئے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا يَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سیر جملہ لَا يُحِيطُونَ بابِ افعال کا مضارع منفی معروف حال جمع مذکر غائب حَوْطٌ سے بنا ہے بمعنی گھیرنا مصدر ہے اِحَاطَةٌ اور اِحَاطَةٌ گھیرنا پانچ قسم کا ہے ۱۔ احاطہ مکانی جیسے زمین

گھیرنا ۲؎ احاطہ نگرانی یعنی مکمل حفاظت چاروں طرف سے بچانا ۳؎ احاطہ منعی چاروں طرف سے روک دینا ۴؎ احاطہ قوت وقدرت یعنی مکمل قابو کر لینا یا قابو پالینا ۵؎ احاطۂ علمی یعنی پوری معلومات حاصل کر لینا یہاں اسی کی نفی ہے بٖ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کا بمعنیٰ کو۔ ہٖ ضمیر کا مرجع اَلرَّحمٰنُ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے عِلمًا۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر مفعول فیہ ہے لَا یُحِیطُونَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ واؤ تر جملہ عَنَتِ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ مستقبل مثبت معروف واحد مؤنث غائب عَنُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ ذلت سے جھکنا۔ شرمندگی سے منہ لٹکنا اَلْوُجُوْهُ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے وَجْهٌ بمعنیٰ چہرہ فاعل اسم ظاہر ہے اس لیے عَنَتِ جمع نہ آیا واحد آیا مگر ترجمہ جمع کا ہو گا لِلْحَیِّ لام حرفِ جر تعلیلیہ بمعنیٰ لیئے یا بمعنیٰ عِنْدَ حَیّ اسم مفرد جامد صفاتی خصوصی نام ہے اللہ تعالیٰ کا لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی یہاں متعدی ترجمہ کرنا زیادہ اچھا ہے یعنی زندہ رکھنے والا اَلْقَیُّوْمُ۔ اسم مفرد صیغہ صفت مبالغہ کے ہے بر وزنِ فَیْعُوْلٌ۔ قوم سے مشتق ہے یہ لازم بھی ہوتا ہے اور متعدی بھی بمعنیٰ قائم رہنے والا قائم رکھنے والا اَلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ کی ترکیب نحوی میں تین قول ہیں ۱؎ یہ اضافت بیانیہ ہے اور قیوم بیان اور وضاحت ہے حی کی ۲؎ یہ دونوں موصوف صفت ہیں ۳؎ یہ دونوں مُبْدَلٌ مِنْهُ اور بدلُ الکل ہیں یہ دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے عَنَتِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ قَدْ خَابَ بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی قریب مثبت معروف واحد مذکر غائب۔ خَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ خراب یا رسوا یا نامراد ہونا۔ مَنْ اسم موصول حَمَلَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی قریب مثبت معروف واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ ہے ظُلْمًا۔ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بلا وجہ نقصان کرنا۔ مفعول بہ ہے حَمَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر فاعل ہوا خَابَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ ان آیت میں تمام افعال بمعنیٰ مستقبل ہیں سوائے مَنْ حَمَلَ کے کہ وہ ماضی قریب کے معنیٰ میں ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ قیامت کی چھ بیان کردہ خصوصیات میں سے چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اُس دن کسی شخصیت کی کوئی شفاعت کسی مجرم کو کوئی فائدہ نہیں دے گی نہ سفارش میں نہ حمایت میں نہ بچا سکے نہ چھڑا سکے نہ معافی دلا سکے ہاں البتہ اُن برگزیدہ اور مقبولِ بارگاہ باری شخصیت کی شفاعت سفارش قبول ہو گی جو بچی

صحیح اور درست شفاعت کرے اسی کو شفاعت کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اجازت ہوگی انہی پسندیدہ بندے کی شفاعت رضاءِ الٰہی کے مطابق ہوگی اور مجرم کے حال کے مناسب بھی شفاعت کا لغوی معنیٰ ہے کسی کا کسی سے جڑنا۔ تعلق پیدا کرنا۔ اصطلاحی معنیٰ ہے کسی اعلیٰ شخصیت کا ادنیٰ شخص سے تعلق رکھنا اُس کی مدد کرنے اور جائز طریق پر مصیبت سے چھڑانے کے لیے۔ جب کہ مصیبت زدہ اس شفاعت کی طلب بھی کرے اور لائقِ شفاعت بھی ہو۔ قیامت میں نالائق کی شفاعت کوئی نہیں کر سکتا۔ اصطلاحی شفاعت کی تین صورتیں ہیں ۱۔ کسی کو بچانا مصیبت اور تکلیف سے ۲۔ چھڑانا قیدِ عذاب وجہنم سے ۳۔ نیکی کی طرف داری کرنا اچھائی سے یہاں اصطلاحی معنیٰ ہی مراد ہے قیامت کی شفاعت میں پانچ شرطیں ہیں۔ پہلی یہ کہ شفیع مومن متقی مقبولِ بارگاہ ہو دوم شفیع اپنے مشفوع کے تمام حالات و اعمال و کیفیات اور خطاء و گناہ سے واقف ہو۔ اور یہ بھی جانتا ہو کہ یہ مشفوع بارگاہِ الٰہی کی شفاعت کے لائق ہے یا نہیں صرف ایسا ہی شفیع شفاعت کر سکے گا اور اسی کو ہی شفاعت کا اذنِ الٰہی ملے گا بغیر اذنِ الٰہی کوئی بھی شخص اپنی مَن مرضی سے کسی کی شفاعت نہیں کر سکتا نہ سچی نہ جھوٹی نہ غلط نہ صحیح۔ سوم یہ کہ مشفوع بھی مومن ہو کافر نہ شفیع بن سکے نہ مشفوع۔ چہارم یہ کہ مشفوع حق العبد کا ظالم غاصب گنا ہگار نہ ہو صرف حق اللہ کے گناہِ صغیرہ کبیرہ والے کی شفاعت ہوگی۔ پنجم یہ کہ شفیع اتنا علم شعور اور فراستِ قلبی رکھتا ہو کہ ہر گناہ گار تعلق دار کے ظاہری باطنی عمل و ارادۂ قلبی کو جانتا ہو۔ قیامت کی شفاعت دنیوی سفارشوں کی طرح نہ ہوگی۔ کہ ہر شخص منہ اٹھا کر اپنی سرداری چوہدراہٹ۔ یا رشتے داری کی ناز برداری یا امیری کی دھونس کا سہارا لے کر بلا استحقاق ہر کس وناکس کی شفاعت پر چلا آئے۔ قیامت میں کوئی ایسی جرأت نہیں دکھا سکتا۔ شفاعت دنیا آخرت میں بڑا نازک مسئلہ ہے اسی لیے رب تعالیٰ نے شفاعتِ قیامت کا قرآنِ مجید میں جتنی دفعہ بھی ذکر فرمایا ہے بے شمار قیود و شرائط کے ساتھ فرمایا۔ تاکہ دنیوی عدالتوں کو عبرت و بصیرت حاصل ہو اور اندھا دھند سفارشوں حمایتوں کا دروازہ بند ہو۔ ذرا سی بھول چوک اور مجرم کے حالات سے بیخبری سینکڑوں قسم کی خرابیاں اور ظلم پیدا کر کے عدالتوں کا ستیاناس بلکہ ملکی سلطنتی امور تباہ و برباد ہو کر ظلم کا دور دورہ اور جرائم پر دلیرانہ بھرمار ہو جاتی ہے۔ سفارش اچھی چیز ہے مگر جب کہ حقدار کو ملے قیامت میں سفارش ہوگی شفاعت کا دروازہ کھلا ہوگا مگر شفاعت کرنے کے لیے سخت قسم کی پابندیاں ہیں جن کا ذکر قرآنِ کریم میں بار بار فرمایا گیا اور ہر شخص کو سنایا گیا۔ واضح بتایا گیا کہ کون شفاعت کر سکتا ہے کس کی کر سکتا ہے۔ شفاعت کے لیے شفیع کا عالم و واقف ہونا پہلی

شرط ہے۔ تفسیر روح البیان نے آیت الکرسی کی تفسیر میں فرمایا کہ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ سے مراد شفاعت کرنے والے کا معلوماتی علم ہے کہ شفیع جانتا ہے مجرم و مشفوع کے حالات ایسے ہی شفیع کو شفاعت کی اجازت ہوگی۔ کوئی شخص اپنے علم اور مشفوع کے استحقاق و لیاقت کے بغیر بارگاہِ الٰہیہ میں یہ کہنے کی جرأت نہیں کر سکتا کہ یا اللہ فلاں شخص چونکہ میرا عزیز یا دوست ہے یا میرا خاص آدمی ہے تو اس کو معاف کر دے اگرچہ اُس مشفوع نے دنیا میں کتنے ہی ظلم جرم۔ غرور اکڑ بازیاں کی ہوں اور اللہ سے دور عبادت سے نفور توبہ سے غرور کیا ہو۔ اسی لیے دنیا میں جس کو رب نے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کی معلوماتی قوت بخشی ہوگی قیامت میں بس اُس کو ہی مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کا مقام ملے گا۔ دنیا میں جس نے محبوبیتِ الٰہیہ کی طلب و سعادت حاصل کی ہوگی قیامت میں بس اُسی کو وَرَضِیَ لَهٗ قَوْلًا کا انعام ملے گا۔ یعنی وہ شفیع اپنے علوم غیبیہ یا شعور تخلیقیہ یا فراستِ ایمانیہ۔ یا مشاہداتِ نظریہ اور تجرباتِ عقلیہ سے جانتا ہو کہ مجرم کون ہے کہاں کا ہے جرم کیا ہے کیسا ہے۔ قابلِ شفاعت ہے یا نہیں۔ جرم گیارہ قسم ہیں ہیں۔ گناہ صغیرہ کبیرہ۔ جرم۔ کفر۔ ظلم۔ ضد۔ غرور۔ حقوق العباد۔ حقوق اللہ۔ دنیا میں مائل بہ توبہ یا آخر دم تک اکڑ بازی رہا۔ سورۃِ انبیا آیت ۲۸ میں اسی جانب اشارہ ہے کہ لَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی۔ یعنی شفیع المذنبین صرف اسی کی سفارش فرمائیں گے جس کے متعلق جانتے ہوں گے کہ اِس گناہگار خطاکار عاصی بدکردار نے دنیوی زندگی میں گناہوں کے ساتھ ساتھ ایسی نیکیاں عجز انکساری بھی کی ہیں کلمہ ایمانیہ اور شرمندگی کے آنسو بھی کبھی بہائے ہیں جن کے طفیل اُس غفور الرحیم مولیٰ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل کر لی ہے۔ سورۃ مریم آیت ۸۷ میں یہ ارشاد فرمایا گیا کہ شفاعت صرف وہ کر سکتا ہے جس نے اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا۔ اپنے کردار اعمال تقویٰ طہارت خشیت عبادت علم عقل دانائی ادب و عجز سے اپنی زندگی کو ایسا پاکیزہ و محترم بنا لیا ہو کہ اللہ کی بارگاہ میں محبوب و معتبر ہو کر شفاعت کی ذمہ داری نبھانے کا عہد بنا لیا۔ اور لَا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا (سورۃ نبا آیت ۳۸) شفاعت وہ کر سکتا ہے جو آدابِ بارگاہِ الٰہیہ کو جانتا سمجھتا ہو سرکارِ قدیمی کے حضور درست بات کر سکے جانتا ہو کہ کس گناہگار کی کس قسم کی سفارش عرض کرنی ہے۔ معافی کی التجا یا تخفیفِ سزا کی بچانا ہے یا چھڑانا۔ رعایت کرانی ہے یا عنایت جس کا اتنا وسیع علم و دانش ہوگا بس وہی شفیع ہو سکتا ہے جس کو رب کی بارگاہ میں بات کرنے کا سلیقہ ہو قرآن مجید کی بیان کردہ ان سفارشی پابندیوں سے ہی پتہ لگ جاتا ہے کہ شفاعت کتنی

اہم و سخت ذمہ داری ہے۔ اور ان ہی فرموداتِ قرآنیہ سے یہ بھی ثابت ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو علمِ غیب عطا فرمایا جس سے وہ دنیا میں ہی اپنی اپنی امت کے پورے حالات عملیات کیفیات جان لیتے ہیں اور شفاعتِ محشر کے لیے یہ علومِ غیبیہ نہایت ضروری ہیں اگر نبی غیب سے بے خبر ہو تو شفاعت کر ہی نہیں سکتا حالانکہ شفاعت کا پہلا دروازہ نبوت پر ہی کھلے گا، ہر شفیع کے لیے یہ تمام معلوماتی شرائط دنیا میں ہی معلوم ہوں گی اس طرح کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو علمِ غیب یعنی اپنی امت کے حالات علمِ غیب سے معلوم ہوں گے سورۃ آلِ عمران آیت ۴۹ میں عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا۔ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ (الخ) اسی یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ کا اظہار ہے۔ مومن کو فراستِ علمی سے قرابت داروں کو نسبتِ قرب سے وغیرہ وغیرہ۔ موجودہ دور کے ایک گمراہ اردو مفسّر نے لکھا ہے کہ فرشتے ہوں یا انبیاء اولیا کسی کو بھی معلوم نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے کہ کس کا ریکارڈ کیسا ہے کون دنیا میں کیا کرتا رہا اور اللہ تعالیٰ کی عدالت میں کس سیرت و کردار اور کیسی کیسی ذمہ داریوں کے بارے کر آیا ہے۔ (الخ) ایسی حالت میں یہ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ ملائکہ اور انبیاء صلی اللہ علیہم وسلم کو سفارش کی کھلی چھٹی دے دی جائے اور ہر ایک جس کے حق میں جو سفارش چاہے کر دے۔ انبیاء علیہم السلام کے متعلق یہ گستاخیاں کر کے آخر میں لکھا ہے کہ ایسی بونگی سفارشیں کرنے کی وہاں اجازت نہ ہوگی۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) پھر لکھا ہے کہ ایک معمولی افسر اگر اس طرح ہر دوست کی سفارش سننے لگے تو محکمے کا ستیاناس کر کے رکھ دے پھر بھلا زمین و آسمان کے فرماں روا سے یہ کیسے توقع کی جاسکتی ہے۔ آگے وہ مفسّر لکھتا ہے کہ خدا کے ہاں شفاعت کا دروازہ بند نہ ہوگا نیک بندوں کو آخر میں ہمدردی کرنے کا موقعہ دیا جائے گا۔ لیکن (طریقہ یہ ہوگا) کہ وہ سفارش کرنے سے پہلے اجازت طلب کریں گے اور جس کے حق میں اللہ انہیں بولنے کی اجازت دے گا صرف اسی کے حق میں وہ سفارش کر سکیں گے۔ یہ تھی اس مفسّر کی احمقانہ تفسیر بالرائے کی وہ چند جھلکیاں جو قرآنِ مجید کی آیت کے بھی خلاف ہے اور احادیثِ مشہورہ معتبرہ متواترہ کے بھی۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تفسیر ہے یا نادانی کی تخریب کاری گویا کہ مفسّر مذکور کہنا یہ چاہتا ہے کہ شفاعت کرنے والے کو کچھ معلوم نہیں ہوگا کہ کس کی شفاعت کرنی ہے اللہ تعالیٰ خود فرمائے گا کہ آؤ فلاں فلاں کے لیے شفاعت کرو یعنی رب پہلے خود ہی ان مجرموں کو سزا سنائے گا اور پھر خود ہی ان کے لیے شفاعتی تلاش فرمائے گا۔ منشا یہ کہ میں پکڑتا جاؤں تم چھڑواتے جاؤ۔ کیسی احمقانہ اختراع اور بناوٹ ہے اگر دنیا میں کوئی بھی عدالت قاضی یا جج اس طرح کرے کہ پہلے

توجھوٹوں کو سزا سنا دے اور پھر خود ہی پکارے کہ اے لوگو اس مجرم کی سفارش کرو میرے ہاتھ سے اس کو بچالو میری سزا سے چھڑالو تو عام ذہن یہی سوچے گا کہ یہ عدالت کی کارروائی ہے یا ڈرامہ بازی۔ مفسر مذکور نے بھی شفاعتِ محشر کو اسی قسم کی ڈرامہ سازی بناکر صرف اپنا ہی ایمان نہ گنوایا بلکہ رب تعالیٰ کی بھی گستاخی کا ارتکاب کیا۔ اور پھر یہ کہنا کہ انبیاء صُلحا و ملائکہ وغیرہ کو پتہ اور علم تو کچھ نہیں لیکن وہ شفاعت کی اجازت طلب کریں گے۔ یہ مزید احمقانہ بات ہے۔ کیونکہ جب کسی نبی ولی کو علم ہی نہیں تو اجازت کس ارادے سے طلب کریں گے اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کے اگلے ارادے کو بھانپ کر اجازت طلب کریں گے تو یہی اُن کا علمِ غیب ہی ہوا۔ اور جو نبی ولی میدانِ محشر کے ہزار سالہ دراز دن کی مدت میں اللہ تعالیٰ کے مخفی ارادۂ شفاعت اور خواہش کو جان سکتا ہے وہ دنیا کی تھوڑی عمر میں لوگوں کے اعمال و کردار اور مَا بَيْنَ اَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کو کیوں نہیں جان سکتا دراصل اِن حمقاءِ زمانہ نے قرآن و حدیث کے بیان کردہ منشاءِ شفاعت کو ہی نہیں سمجھا ظالموں کے ہاتھ قلم لگ گیا ہے جو جا با لکھا ظلم کمایا۔ نہ خوف خدا نہ شرمِ نبی۔ وہابیت بھی عجیب مذہب ہے۔ کہ اگر نبی کی تعریف کرو تو اُن کو خدا کا غم کھائے جاتا ہے کہ ہائے ہمارے خدا کے پاس کچھ نہ چھوڑا اور اگر ولیُ اللہ کی تعریف کرو تو نبی کے خیر خواہ بن جاتے ہیں یہاں بھی مفسرِ مذکور خدا کی خیر خواہی جتا رہا ہے۔ حالانکہ شفاعت کی یہ نوعیت قطعاً نہیں جو مفسرِ مذکور نے یہاں ڈرامائی انداز میں بیان کی بلکہ شفیع مشفوع۔ شفاعت کی اَقسام طریقہ و شرائط جو قرآن و حدیث نے بیان فرمائیں اس طرح ہیں۔

شفاعت کا بیان

قرآنِ کریم کی تقریباً اٹھارہ ۱۸ آیات میں اور احادیث کی کتبِ صحاحِ ستہ میں تقریباً چھیاسٹھ ۶۶ احادیث مبارکہ میں شفاعتِ محشر کی دس شرطیں (پابندیاں) اور اٹھارہ طریقے بیان فرمائے گئے پانچ شرطیں شفیع میں ۱ اعلیٰ علوشت رکھتا ہو ۲ مومن متقی مقبولِ بارگاہ ہو ۳ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا ہو ۴ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ ہو ۵ وَقَالَ صَوَابًا۔ ہو۔ مشفوع میں بھی پانچ شرطیں ہیں ۱ مومن ہو کافر نہ ہو ۲ گناہِ صغیرہ یا کبیرہ کا فاسق و فاجر ہو۔ اللہ تعالیٰ سے بے خوف بے تعلق نہ ہو ۳ کچھ ایسے عمل بھی کئے ہوں جس سے رضاءِ الٰہی حاصل ہو ۴ حقوق العباد کا ظالم غاصب نہ ہو کیونکہ حقوق العباد کی معافی شفاعت سے نہیں کرائی جا سکتی ۵ باوجود گناہگار ہونے کے غیرتِ ایمانی عاجزی مسکینی کے ساتھ ساتھ مائل بہ توبہ ہو یعنی خود کو گناہگار سمجھتا ہو گناہ پر دلیر و مغرور

رہ ہو۔ شفاعت کے اٹھارہ طریقے۔ ۱۔ شفاعت صرف وہ کر سکتا ہے جس کو اذنِ الٰہی ہو ۲۔ یہ اذنِ الٰہی انبیاء عظام علیہم السّلام کو دنیا میں ہی دیدی گئی ہے اور مقبول القول امتیوں کو بتا دیا گیا ہے کہ اس مرتبے کی ہستی شفاعت کریگی لہٰذا دنیا میں اپنے آپ کو اس مرتبے کا بنا کر لاؤ ۳۔ اذن اُس کو ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں غیب یا فراستِ ایمانی کا علم دیا ہے ۴۔ علم یہ کہ شفاعت کرنے والا مجرم و مشفوع کو اور اُس کے جُرم کو جانتا پہچانتا ہو ۵۔ جن شخصیات کو شفیع بنایا گیا ہے۔ ان میں پہلے آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پھر دیگر انبیا علیہم السّلام پھر ملائکہ پھر علماء پھر اولیاء اللہ پھر صُلحاء پھر شہداء پھر کعبہ پھر قرآن مجید پھر مسلمانوں کے نابالغ اور کچے بچے ۶۔ سابقہ اُمتیں بھی بالواسطہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی امت ہیں اس لیے میدانِ محشر میں تمام اگلی پچھلی اُمتیں اور سب مسلمان شفاعت کے لیے آستانۂ مصطفیٰ پر ہی آخر کار آئیں گی اور اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام مخلوق سے پہلے نبی بنا دیا گیا تھا جیسا کہ بروایت مستدرک حاکم ہے۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ اور مشکوٰۃ شریف ص۵۱۳ پر ہے۔ وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالُوْا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ مَتٰی وَجَبَتْ لَكَ النُّبُوَّةُ قَالَ وَآدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ رَوَاهُ التِّرْمِذِیُّ۔ یعنی جب کہ ابھی آدم علیہ السّلام کا جسدِ عنصری مٹی اور پانی میں۔ اور روح کہیں روح جسد میں درمیانی بہت فاصلہ تھا تو میں اُس وقت بھی ہر چیز کو جانتا خبر رکھتا نبی تھا ۷۔ دنیا میں ملزم کو بچانے کے چار طریقے مروّج ہیں جن میں تین طریقے ناجائز اور ایک طریقہ جائز ہے مثلاً کبھی سفارش سے کہ یہ میرا خاص آدمی ہے اِس کو بلا شرط چھوڑ دو کبھی حمایت سے کہ مجرم نے جرم کیا ہے صحیح کیا ہے اس کو میری وجہ سے چھوڑ دیا جائے۔ کبھی جبر سے کہ فلاں مجرم کو چھوڑ دو ورنہ تمہارا یہ نقصان کر دیا جائے گا۔ یہ تینوں بہرحال ناجائز ہیں قیامت میں یہ نہ ہو سکے گے یہ سراسر ظلم ہیں۔ مجرم کا حامی ہونا بذاتِ خود جرم ہے۔ چوتھا طریقہ شفاعت کا کہ فلاں گناہگار ہے ۸۔ اہلِ رحم ہے اُس کو معاف کر دیا جائے ہم اس کی برائت کی فریاد کرتے ہیں۔ قیامت میں صرف اسی قسم کی شفاعت ماذون مقبول و منظور ہوگی ۹۔ صرف صغیرہ گناہوں کی شفاعت ہوگی ۱۰۔ مرتد و منافق کی شفاعت نہ ہوگی کہ وہ بھی کفر میں شامل اَلْکُفْرُ مِلَّتٌ وَّاحِدَہ۔ کفر کسی قسم کا بھی ہو سب ایک ملت و دین ہے ۱۱۔ شفاعت کے اوقات تین ہیں اوّلاً میدانِ محشر میں پھر پل صراط پر پھر جہنم میں سے نکالنے کی ۱۲۔ شفاعت پانچ قسم کی ہوگی پہلی شفاعت سختیِ محشر دور کرنے کے لیے اس کا فائدہ کفار کو بھی خود بخود پہنچ جائیگا دوسری گناہوں کی معافی کے لیے یہ دونوں صرف انبیاءِ کرام علیہم السّلام فرمائیں گے۔ اپنی اُمتوں کے

گناہوں کی معافی کے لیے تیسری شفاعت بلندی درجات کے لیے یہ بھی انبیا عرض فرمائیں گے چوتھی جہنم سے نکالنے کے لیے پانچویں تخفیفِ عذاب کے لیے یہ شفاعت دیگر شفعا بھی کریں گے اور انبیا علیہم السلام بھی ف۱۲ نبی کریم کا حالاتِ امت کا علم بھی تمام انبیاء سے زیادہ ہے کیونکہ آپ کی اُمت بہت وسیع ہے اسی لیے خلیل و نجی مسیح و صفی سبھی سے کہیں کہیں نہ بنی ✲ یہ بے خبری کہ خلق پھری کہاں سے کہاں تمہارے لیے ف۱۳ مسئلۂ شفاعت انبیا اولیا اور مقبولین محبوبین کی شان ظاہر فرمانے کے لیے بنایا گیا ہے خاص کر آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی شان دیکھو دنیا میں ہمیں یہ سب باتیں بتا دی گئیں مگر قیامت میں بھول کر ہر آستانے پر دوڑتے پھریں گے اور کسی نبی کو بھی آستانۂ حبیب یاد نہ آئے گا یہی منشاءِ قدرت ہے کہ ذرا بھاگ لیں سہ

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر میں — کہ اُن کی شانِ محبوبی دکھائی جانیوالی ہے

ف۱۴ ہر نبی علیہ السلام کو دنیا میں ہی اپنی پوری امت کے مکمل حالات کا علم ہے اور وہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کے مکمل حامل ہیں۔ اسی وجہ سے چونکہ وہ غلط شفاعت کر سکتے ہی نہیں انبیاء سے معمولی لغزش و خطا بھی محال ہے اسی لیے ان کو قیامت میں ہر شخص کی ہر قسم کی شفاعت کرنے کی مکمل کھلی چھٹی و اختیار رہے۔ اور آج ہی اذنِ عام ہے ف۱۵ نبی کریم کا علم اور آپ کی معلومات وسیع تر ہے اس لیے آپ کی شفاعت بھی وسیع تر ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پہلے شافع اور شفاعت کا دروازہ کھولنے والے ہیں آپ کے بعد دیگر انبیاء علیہم السلام شفاعت ادا کرنے کی اجازت طلب کریں گے ف۱۶ پھر رب تعالیٰ فرشتوں سے فرمائے گا تم بھی جن گناہگار مومنوں کی شفاعت کرنا چاہتے ہو کرو۔ تب وہ اپنی پسند و اختیار سے اپنی معلومات کے مطابق شفاعت عرض کریں گے جو قبول ہوگی اور فرشتے گناہگاروں کو جہنم سے نکالیں گے ف۱۷ پھر اولیا علما شہدا صُلحا اپنی اپنی فراستِ ایمانی کے مطابق اپنے قبیلے والوں عزیزوں اور تعلق دینی والوں کو پہچان کر قابلِ بخشش و معافی و تلافی لوگوں کے لیے شفاعت عرض کریں گے ف۱۸ بروزِ قیامت بندے چھ قسم کے ہوں گے۔ تین قسم کے وہ جن کی شفاعت ہوگی۔ گناہِ صغیرہ اور گناہِ کبیرہ والے بھول چوک لغزش خطا غلط اعمال کے لئے مند لوگ۔ تین قسم کے وہ جن کی شفاعت کوئی نہ کرے گا۔ کافر۔ منافق۔ گستاخ و گمراہ و متکبر۔ یہ تمام باتیں قرآن و حدیث میں موجود اور ثابت ہیں۔ یہ کہیں بھی ثابت نہیں کہ رب تعالیٰ مجرمین کی نشاندہی خود فرمائے گا کہ اے انبیاء و اولیا میں بتاتا جاتا ہوں تم اُن کی قید سے شفاعت کرتے جاؤ یہ اختراع صرف منکرینِ شفاعت وہابیوں کی ہے اور اس قسم کی تفسیریں کرنی در پردہ شفاعت کا

انکار ہے۔ قرآن و حدیث سے یہی ثابت ہے کہ شفاعت شفعا کی اپنی معلوماتِ دنیوی پر ہوگی اور شفاعت صحیحہ حقیقۃ کا منشا بھی یہی ہے۔ یَعْلَمُ کے بارے میں مفسرین کے دو قول ہیں پہلا جمہور مفسرین کا قول کہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے بندوں کے اعمالِ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اور بندوں کے کردارِ وَمَا خَلْفَهُمْ یا قیامت کے حالات مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور دنیا کے حالات وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں یا اقوالِ ظاہری مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اور قلبی ارادے وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں۔ یا دنیوی کام مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور دینی کام وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں۔ یا بندے کے اعمال مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور ان کی جزا سزا وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں یا حالات موجودات مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں اور ماضی و مستقبل کے پوشیدہ حالات وَمَا خَلْفَهُمْ ہیں۔ غرضکہ رب تعالیٰ ہر طرح ہر چیز کو جانتا ہے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں چونکہ شفاعت کا ذکر ہے اس لیے یہاں یَعْلَمُ کا تعلق شفاعت کرنے والے سے ہے اور علم سے مراد مشفوع کے مَا بَیْنَ اور مَا خَلْفَ حالات کا علم ہے۔ اور یَعْلَمُ کو بعض نے جملہ خبریہ بنایا کہ وہ شفیع اپنے مشفوع کے ظاہری اعمال حالات بھی جانتا ہے اور خفیہ باطنی بھی۔ مگر بعض نے یَعْلَمُ کو جملہ انشائیہ بنایا ہے اور معنیٰ اس طرح کیے کہ شفاعت صرف وہ شخص کرے گا جس کو ربِ رحمٰن شفاعت کی اجازت دے گا اور اُس کی بات سے راضی ہوگا۔ بشرطیکہ وہ شفیع جانتا ہو۔ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ اس قول سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد صرف حالاتِ مشفوع کا جاننا ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں بروایت بخاری حدیث پاک منقول ہے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آج دنیا میں بھی میں آخری جنتی اور آخری جہنمی کو جانتا ہوں۔ اس حدیثِ مقدسہ کے اقتضا سے یَعْلَمُ کا تعلق دونوں طرح جائز ہے اور امت کے مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ کو مکمل جان لینا بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کا ایک جزء ہے۔ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات شان و قدرت علم و معلومات کو کوئی بندہ اپنے علم میں گھیر نہیں سکتا نہ حقیقۃً نہ جزءً۔ یہ جمہور کا قول ہے۔ دوسرے قول کے مطابق آیت کا معنیٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اپنے ہر امتی کے ہر ظاہر و پوشیدہ اگلے پچھلے اعمال احوال کو تا قیامت جانتے ہیں مگر یہ لوگ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم شفیعِ اول کے علم کا ذرہ بھر احاطہ نہیں کر سکتے۔ احاطہ کا معنیٰ ہے کسی چیز کے وجود اور جنس، کیفیت، غرض و غایت، مقصودِ ایجاد کہنہ حقیقت کو جاننا کہ کیوں ہے کیسے ہے کس سے ہے کس کی ہے یہ علم بجز رب تعالیٰ کسی کو نہیں۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ تو پوری کائنات کا احاطہ کر سکتا ہے مگر اللہ تعالیٰ کی معلومات کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا اس سے فرق ظاہر ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ کے تعلمہ

مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ اور بندوں کے یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ ہیں۔ اسی کا ظہور قیامت کی پانچویں خصوصیت ہے۔ چھٹی خصوصیت وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ اور جھک جائیں گے تمام چہرے قلب وجگر اُس ذاتِ اقدس کی ہیبت خشیت رُعبت۔ خوف ورعب سے جو حیاتِ ابدیہ سے حیّ ہے اور کائناتِ عالم کی ہر شی پر اور ہر شی کے خیر وشر کسب وکمال پر قیوم وغالب ہے وجوہ جمع ہے وَجْہ کی اس کا معنی ہے چہرہ یہاں مراد ہے پوری ذات یعنی ہر نیک وبد کافر ومومن اپنی پوری جسمانی کیفیت سے اُس کے حضور عاجز ومسکین بے بس وبے کس ہوگا۔ مومنینِ اہلِ سعادت کا جھکاؤ رغبتِ عشقِ الٰہی اور ہیبتِ ذاتِ جلال محبتِ صفاتِ جمال کی وجہ سے ہوگا اور کفارِ اہلِ شقاوت کا یہ جھکاؤ خوفِ عذاب ہیبتِ قہر، مایوسیِ رحمت توقعِ لعنت وپھٹکار کی وجہ سے ہوگا۔ اگرچہ سارے اعضاء ظاہری پر لرزہ طاری ہیبت جاری وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ کا ظہور ہوگا مگر چہروں کا ذکر اس لیے ہے کہ اصل اظہارِ ہیبت ودہشت چہرے کے جھکاؤ رنگ بدلتے آثار چڑھاؤ سے ہی ہوتا ہے چہرے اور سر میں ہی غرور وتکبر ہوتا ہے اسی میں انسان کی پہچان اور شخصیت کا تعارف ہوتا ہے اس لیے وَجْہ بول کر ساری شخصیت مراد لی گئی یہ عَنَتِ الْوُجُوْهُ مومن کی عزت اور کافر کی ذلت کا باعث ہوگا کیونکہ مومن کا یہ جھکاؤ رکوع وسجود میں شامل کر دیا جائے گا مگر کفار صرف لرزتے ہی رہیں گے سجدہ کرنے کی کوشش کریں گے مگر نہ کر سکیں گے اور پیٹھ کے بل گر جائیں گے۔ اس طرح قَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا کا ظہور ہوگا کہ جو بلا تو یہ مر گیا وہ ثواب سے محروم ہوا اور یہی اصلاً بڑا نقصان ہے اور وہی ذلیل ونقصان میں ہوگا جس نے حیاتِ دنیوی میں شرک وکفر کا ظلم اُٹھایا۔ ظلم کا لغوی معنی ہے کسی چیز کو غیر جگہ میں رکھنا سب سے بڑا ظلم شرک وکفر ہے کیونکہ بندہ اپنے سجدوں کو ان کی اپنی جگہ آستانۂ ربوبیت سے ہٹا کر غیر جگہ بتوں کے سامنے رکھتا ہے۔ اور سجدہ ہی سب سے بڑا عمل وعبادت ہے اس لیے غیر اللہ کو سجدہ تعظیمی حرام وظلم ہے۔ ظلمِ انسانی کی تین صورتیں ہیں ۱؎ حقوق اللہ سے ظلم ۲؎ حقوق العباد سے ظلم ۳؎ حقوق النفس پر ظلم۔ کافر ومنافق یہ تینوں قسم کے ظلم کرتا ہے۔ محشر میں عَنَتِ الْوُجُوْهُ سے مومن کو فائدہ کافر کو نقصان۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ ابو امامہ باہلی بروایت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین سورتوں میں اسمِ اعظم تلاش کرو ۱؎ سورۃ بقرہ ۲؎ سورۃ آلِ عمران ۳؎ سورۃ طٰہٰ۔ اُطْلُبُوْا اِسْمَ اللّٰهِ الْاَعْظَمَ فِیْ هٰذِهِ السُّوَرِ الثَّلٰثِ الْبَقَرَةِ وَاٰلِ عِمْرَانَ وَطٰهٰ۔ قَالَ الرَّاوِیْ وَالْمُشْتَرَكُ بَیْنَهَا اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ۔ تینوں سورتوں میں صرف حی القیوم کے الفاظ مشترک ہیں چنانچہ بقرہ آیت ۲۵۵ آیۃ الکرسی۔ آلِ عمران آیت ۲ طٰہٰ آیت ۱۱۱ ہیں

جس سے ثابت ہوا کہ یہی اسم اعظم ہے۔ حی قیوم رب تعالیٰ کی خصوصی صفات ہیں اس لیے صرف اُسی کی ذات وصفات پر کبھی زوال نہیں۔ جس کی ذات وصفات پر زوال جائز ہو وہ اگرچہ فِی الحال موجود ہو مگر حقیقۃً میت ہے اور قیوم بجز اللہ تعالیٰ کے دوسرا کوئی کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔

فائدے

ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ مومن مسلمان کے لیے اُخروی انعامات میں سے سب سے بڑا انعام شفیع یا مشفوع بنایا جانا ہے یہ مومن کی بڑی خوش نصیبی ہے یہ فائدہ وَرَضِیَ لَہٗ قَوْلًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے شفاعت کے اہتمام کے ساتھ شفیع کا بھی خاص مقام بیان فرمایا ہر شخص شفیع المذنبین نہیں ہو سکتا شفیع صرف وہی ہوگا جو رَضِیَ لَہٗ قَوْلًا کی شان وعزت والا ہوگا۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں رَضِیَ لَہٗ کی ضمیر مشفوع کی طرف ہے مگر یہ بات کمزور ہے۔ دوسرا فائدہ۔ شفیع کا محبوبِ بارگاہ ہونا شرط ہے اور مشفوع کا مومن ہونا شرط ہے۔ اے مسلمانو اگر بروزِ قیامت شفیع بننے کے خواہش مند ہو تو رب تعالیٰ کا محبوب بننے کی دنیا میں ہی کوشش کرو۔ اور اُن کا دامن تھام لو جن کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام ہے اور اگر رحمتِ عالمین کی شفاعت لینے کے حق دار سعادت مند بننا چاہتے ہو تو خوش عقیدہ مومن بن کر رہو مومن بن کر مرو۔ یہ فائدہ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَہٗ اور رَضِیَ لَہٗ قَوْلًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ ایک تفسیر کے مطابق مَنْ اَذِنَ سے مراد شفیع اور رَضِیَ لَہٗ قَوْلًا میں مشفوع کا ذکر ہے۔ تیسرا فائدہ۔ کافر کی کوئی چیز بارگاہِ الٰہی میں پسند نہیں اور مومن کی ہر ادا پسند ہے۔ یہ فائدہ وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدہ یا رکوع کے لیے جھکنا اچھی بات ہے مگر عَنَتِ الْوُجُوْہُ۔ کے باوجود کفار خائب وخاسر ہی ہوں گے کیونکہ ان کا یہ جھکنا بھی اب پسند نہ کیا جائے گا مگر مومنین کا یہ جھکنا بھی پسند ہوگا اور سجدوں میں شامل کر لیا جائے گا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ روزِ محشر کے شفعا صرف تعلق داروں کی شفاعت کر سکیں گے کیونکہ شفاعت کے لیے مشفوع کے اعمال کردار اور نوعیتِ جرم کی پہچان شرط ہے اور پہچان واقفیت وتعلق داری سے حاصل ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم تمام اُمتوں کی اور دیگر انبیاء اپنی امتوں کی اولیاء، علماء، شہداء صلحاء اپنے رشتے داروں کی شفاعت فرمائیں گے کیونکہ انہی سے تعلق تو انہی سے جان پہچان اور شفاعت کے لیے ہر طرح کی جان پہچان ضروری ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان پر لازم ہے کہ دنیوی زندگی میں ہی آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے واقفیت پیدا کرے یہ مسئلہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَۃُ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ شفاعت

کہ قرآنی قانون نے جہاں انبیاء اولیاء علماء کی شانِ علم و عظمت بیان فرمائی اور اختیارِ خداداد کا اظہار فرمایا وہاں دنیا کے حاکموں قاضیوں ججوں کو عبرت بھی دلائی کہ اے دنیوی عدالتوں کی کرسیوں پر بیٹھنے والو تم لوگ بھی اپنی سفارشوں شفاعتوں حمایتوں پر وہی پابندیاں لگاؤ جو قرآن و حدیث نے اُخروی شفاعت پر لگائیں تاکہ تمہاری عدالتوں میں بھی کوئی کسی قسم کی غلط سفارش ناجائز حمایت نہ کر سکے ورنہ ظلم کا دروازہ کھل جائے گا۔ مجرم کا حامی ہونا بدترین جرم ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا مَنْ اَذِنَ۔ (الخ) اور دیگر پابندیوں سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ دنیوی کام کتنے ہی اہم اور ضروری ہوں مگر جب تک اس میں اللہ رب العٰلمین کی رضا اور رحمۃٌ للعٰلمین کی ادا شامل نہ ہو وہ نفع بخش نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اپنی ہر عادت عبادت ریاضت تجارت میں اللہ رسول کی رضا و ادا کو مدِ نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ نفع حقیقی وہی ہے جو آخرت میں ملے کوئی کام۔ کاروبار ناجائز نہ کرنا چاہیے۔ یہ مسئلہ لَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ سے مستنبط ہوا۔ دیکھو دنیا میں کفار عیسائی یہودی اپنے مُردوں کو دفناتے ہوئے اور آخرت میں خود اپنے لیے ہزار طرح کی دعائیں فریادیں التجائیں کر کے شفاعت چاہتے ہیں اور چاہیں گے مگر کوئی دعا فریاد نفع نہ دے گی سورۃ شعراء آیت ۱۰۰ میں ہے کافر کہیں گے فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِيْنَ وَلَا صَدِيْقٍ حَمِيْمٍ۔ اور سورۃ اعراف آیت ۵۳ میں ہے فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَاءَ فَيَشْفَعُوْا لَنَا۔ یعنی ہائے افسوس آج ہمارے لیے کوئی شفیع اور حمایتی نہیں ہے۔ کاش آج ہمارے لیے بھی کوئی شفیع ہو جو شفاعت کرے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ کل قیامت میں کافر کا کوئی سفارشی نہ ہوگا نہ کوئی شفاعت کرے حالانکہ حدیث پاک میں ہے کہ ابولہب کو ہر پیر کے دن عذابِ قبر میں تخفیف ہوتی ہے اور وہ شہادت (سبابہ) کی انگلی سے جنت کا پانی پیتا ہے مزے کرتا ہے۔ اسی طرح ابوطالب کے متعلق روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ہم نے اُس کو جہنم میں پایا تو کھینچ کر باہر جہنم کے جھیرے میں کر دیا جہاں لازماً بہت خفیف عذاب ہے۔ تو یہ شفاعت ہو گئی حالانکہ یہ کافر ہیں۔ جواب۔ ابولہب کی تخفیفِ عذاب کسی کی شفاعت سے نہیں بلکہ اُس فیضانِ الٰہیہ سے ہے جو آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اُس کو دیا جا رہا ہے بغیر کسی سفارش کے۔ نیز یہ انگلی سے نکلتا پانی جنت کا نہیں بلکہ قدرتی ہے۔ اور پھر عذابِ قبر سزائے اعمال نہیں۔ وہ عذاب آخرت میں ہوگا شفاعت صرف اسی کے لیے ہوگی۔ عذابِ قبر کی تخفیف سے قانونِ شفاعت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اور

حضرت ابوطالب کے متعلق فقہا کا اختلاف ہے کچھ ان کو کافر مانتے ہیں کچھ ان کو مومن مانتے ہوئے ساترین میں شمار کرتے ہیں اور اکثریت اسی مسلک پر ہے شفاعت کا نہ ہونا کھلے کافر اور منافقین مرتدین کے لیے ہے۔ ساترین کا انجام فساق جیسا ہے ان کو دائمی جہنم نہ ہو گی۔ دوسرا اعتراض۔ یَوۡمَئِذٍ لَّا تَنۡفَعُ الشَّفَاعَۃُ۔ اس نفی کو دو شرطوں کے استثنا سے توڑا گیا۔ پہلی شرط حصولِ اذن دوسری شرط رَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا اگر لَا تَنۡفَعُ کا تعلق شفیع سے ہے تو پہلا استثنا اِلَّا مَنۡ اَذِنَ کافی تھا دوسری شرط و استثنا کی ضرورت نہ تھی اور اگر لَا تَنۡفَعُ کا تعلق مشفوع سے ہے تو پہلے استثنا کی ضرورت نہ تھی صرف رَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا۔ فرمانا کافی تھا۔ ان دونوں کی وجہ کیا ہے؟ جواب ہم نے اس کی وضاحت تفسیر عالمانہ میں کر دی کہ لَا تَنۡفَعُ کا تعلق صرف شفیع سے ہے نہ کہ مشفوع سے اور شفیع کے لیے ہی یہ دونوں شرطیں ضروری ہیں اور معنی یہ ہے کہ فقط اُس شفیع کی شفاعت قبول ہو گی جس نے اپنی دنیوی زندگی میں ہی رب تعالیٰ کی مقبولیت اور محبوبیت اس شان کی حاصل کر لی ہو کہ رب تعالیٰ اس کی ہر ہر بات کو پسند فرماتا ہو۔ جو دنیا میں رَضِیَ لَہٗ قَوۡلًا کا انعام یافتہ ہو اس کو ہی شفاعت کی اجازت ہو گی یہ در اصل ایک ہی شرط ہے کہ پہلے رَضِیَ لَہٗ ہو کا تب اَذِنَ لَہٗ کا انعام ملے گا اسی بنا پر بعض نے وَرَضِیَ کی واؤ کو حالیہ مانا۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے رب تعالیٰ مجرمین کی جہنم کا فیصلہ فرما دے گا پھر ان کو بچانے چھڑانے کے لیے شفاعت کا حکم دے گا کہ فلاں فلاں کی شفاعت کرو اولاً فیصلہ ہی کیوں کیا اگر کر دیا اور بعد میں رحم آیا تو پھر خود ہی کیوں نہ بچا لیا یا چھوڑ دیا شفاعت کیوں کرائی جواب۔ شفاعت کا یہ طریقہ نہیں جو معترض نے بیان کیا رب تعالیٰ کسی مشفوع کی نشان دہی نہ کرے گا بلکہ مشفوعین کا انتخاب صرف شافعین کی صوابدید و اختیار پر ہو گا۔ رہا یہ سوال کہ پہلے مجرمین کی جہنم کا فیصلہ پھر شافعین کو مجرم چھڑانے کا اذن کیوں خود کیوں نہ چھوڑ دیا۔ تو وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فیصلۂ عدل قائم کرتا ہے اور یہ ظاہر فرماتا ہے کہ اس گناہ کی سزا عدل و انصاف میں یہ ہے شفاعت کا مقصد گویا رحم کی اپیل ہے۔ شفعا کو اذن ملنا انبیاء کرام علیہم السلام کی محبوبیت شان اور علم و اختیار کا اظہار ہے ان کے طفیل دیگر اولیا علما صلحا شہدا کی شانِ فراستِ ایمانی اور ولایتِ الٰہیہ کی برکات ظاہر فرمانا ہے میدانِ محشر میں شفیع بنانے کی اجازت نہ ملے گی وہ تو دنیا میں دیدی گئی احادیث میں بتا دیا گیا ہے کہ کون کون شفاعت کرے گا۔ وہاں اجازت ادائے شفاعت کی ہو گی۔ چوتھا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ مجرم کی حمایت ناجائز ہے مگر مولانا حسن رضا خان بریلوی کا ایک یہ شعر ہے۔

عجب کرم ہے کہ خود مجرموں کے حامی ہیں گیا بگڑ (؟) کی بخشش کرانے آئے ہیں

یا یہ شعر غلط ہے یا مفسرین کا قول۔ جواب۔ یہ شعر ہی غلط ہے یہاں اس طرح ہونا چاہیے کہ عجب کرم ہے کہ خود عاصیوں کے شافع ہیں مجرم کی حمایت تو واقعی خود جرم ہے کیونکہ حمایت کا معنی تائید کرنا اور جرم کو اچھا کہنا ہے جو بدترین جرم ہے۔

تفسیر صوفیانہ يَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ۔ دنیوی مجلسوں دوستیوں اقتداؤں بیعتوں کا تقاضا اگرچہ یہ ہے کہ اپنے متعلقین کی دل کھول کر حمایت وسفارش کی جائے کہ اسی میں ظاہراً نفع ہے مگر عالمِ روحانیت کا طور طریقہ ہی بدلا ہے وہاں ذاتی محبت اور جائز و ناجائز الفت کام نہیں دیتی راہِ عرفانی میں اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ کی شرط اول ہے جس کے لیے استعداد اور لیاقتِ قبولیت کا خزانہ ہو بس اسی کو اذنِ رحمانی حاصل ہو گا کیونکہ اُن نفوسِ کاملہ کا فیض جن کی طرف نفوسِ ناقصہ ارادوں اور رغبتوں سے متوجہ ہوتے ہیں وہ سب موقوف ہیں صفائیٔ باطنی اور قبولِ اعمال کی استعداد پر اور یہی استعداد اذنِ بارگاہ ہے۔ وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا۔ قہاریٔ جلال کے روزِ محشر میں شافع ومشفوع دونوں کے لیے وہ تاثیرِ باطنی بھی ضروری ہے جو حالِ مشفوع کے مناسب ہو۔ لہٰذا عالمِ روحانیت میں شفاعت کمالیہ دو چیزوں پر موقوف ہو گی پہلی چیز یہ کہ شفیع میں اثر کرنے کی قدرت ہو۔ دوم یہ کہ مشفوع میں اثر لینے کی ہمت ہو۔ ان دونوں جہتوں کو۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وہی خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُهٗ جانتا ہے کہ تاثیرِ شفاعت کا مَا بَيْنَ اَيْدِيْ اور قبولیت کی قوتِ استعداد کا مَا خَلْفَهُمْ کس کے پاس ہے۔ اسی لیے وہی خالق تعالیٰ عالم انوار کی شفاعتِ کبرٰی وصغرٰی کی اجازت عطا فرمانے والا ہے اور وہی ربِّ قدیر جہتِ بدیہہ کے مَا بَيْنَ اَيْدِيْ کو اور قواعِ جبہ یہ کے عوارض وموانع کے مَا خَلْفَهُمْ کو بھی جانتا ہے اور اُن ہیئتِ فائقہ کو بھی وہی مولیٰ تعالیٰ جانتا ہے کہ قدرتِ شفیع اور ہمتِ مشفوع کے لیے رکاوٹیں کیا ہیں۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا اور دنیا جہان عقولِ علیہ وفہمِ شاہدہ کتنی بھی طاقتیں تزکیے حاصل کر لیں مرکزِ جلالِ اصلیہ کا احاطہ نہیں کر سکتیں۔ اس لیے کہ وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ تمام موجوداتِ عالم اسی حی وقیوم کے دامنِ قدرت اور دروازۂ ملکت پر سربسجود ہیں نہ کسی کی حیوٰۃ اس کے ارادے کے بغیر نہ کسی کا قیام اس کے حکم کے بغیر قہرِ ہیبت۔ جلالِ خشیت کے تی ودق بیابان لاھوتی میں سب دم بخود سانسیں روکے سر جھکائے کھڑے ہیں۔

کس نہ دانست کہ منزل گہِ محبوب کجاست   ایں قدر ہست کہ بانگِ جرسے می آید

نہ کوئی قائم رہنے والا نہ کوئی کسی کو قائم رکھنے والا۔ بس وہی جبار و قہار ہی حیّ ابدی اور قیوم سرمدی ہے وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا۔ اور بے شک نقصانِ عظیم خسارۂ کثیر اُس کو ہوا جس نے اپنے آپ پر محبتِ ربانی کے نور کی محرومی اور شافعین کی شفاعت سے نامرادی در رحمتِ الٰہی سے مایوسی کے ظلم کا بوجھ اٹھالیا اس طرح کہ استعدادِ علمی کو کم کر کے صفائیِ فطرت کو گندا کر کے نورانیتِ حق سے دور رہ کر اپنے چہروں کو ظلمت کی سیاہی سے کالا کر لیا (ابن عربی) قیامت میں تین چیزیں بندوں کو خائب خاسر کریگی ۱ گناہوں کا بوجھ ۲ دولت کا ظلم ۳ عورت کا فتنہ۔ روایت میں ہے کہ اگر تم میں سے کوئی ایک رسّی سے لکڑیوں کا گٹھا باندھے اور اس کا بوجھ کمر پر اٹھا کر گلیوں بازاروں میں پھر کر اپنی حلال طیب روزی کمائے اور اسی میں سے صدقہ و خیرات کرے تو اُس بندے کے لیے دنیا کا یہ بوجھ اور محنت مشقت اور اس بوجھ سے جھکا ہوا سر کملایا ہوا چہرہ۔ پسینہ پسینہ جسم خشک ہونٹ پریشان روزی ہزار درجہ بہتر ہے اُس حرام دولت ناجائز عیش و آرام سے جو آخرت میں عَنَتِ الْوُجُوہ اور وَقَدْ خَابَ مَنْ حَمَلَ ظُلْمًا بن جائے۔ دنیا کی ذلت کسی کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے ہے جس سے مانگا جائے وہ دے یا نہ دے مگر ذلت مل گئی۔ اور آخرت کی ذلت فَهَلْ لَنَا مِنْ شُفَعَاءَ کی صدائیں بلند کرنے سے ہے مومن کا ہاتھ یہاں بھی بلند ہے صدقات و خیرات بانٹنے سے اور آخرت میں بھی بلند ہوگا شفاعت بانٹنے سے۔ مگر فاسقین طامعین کا ہاتھ یہاں بھی نیچے ہے اور آخرت میں بھی بہر کیف اونچا ہاتھ ہی محمود و مسعود ہوتا ہے۔ جو ہاتھ دنیا سے مانگتا ہے وہ مردود و مذموم ہوتا ہے۔ جو بندہ محتاجی کے باوجود نہیں مانگتا رب تعالیٰ اس کو محفوظ رکھتا ہے۔ جو بے نیاز رہے اس کو خوش حال رکھا جاتا ہے۔ جو رب تعالیٰ سے ہر چیز مانگے وہ سب کی ہمدردی اور توقیر میں آجاتا ہے اور اسی کو سب کچھ ملتا ہے اور محبوب بھی وہی ہوتا ہے۔ اسی لیے روایت میں ہے کہ جو دنیا داروں کے دروازے پر دستِ سوال اور طلب کا ہاتھ دراز کرتا ہے وہ قیامت میں ایسی ذلت والا ہوگا کہ اُس کے چہرے پر گوشت نہ ہوگا۔ بدصورت و مکروہ شکل کے ساتھ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بروزِ قیامت خوش نصیب وہ ہے جو شفیع بنایا جائے کم نصیب وہ ہے جو مشفوع بنایا جائے اور بد نصیب وہ ہے جو مشفوع بھی نہ بن سکے۔ مسکین غریب وہ نہیں جس کو ایک یا دو لقمے خوراک ملے بلکہ مسکین وہ ہے جو لوگوں کے سامنے ذلیل کیا جائے خواہ دنیا کی زمین ہو یا محشر کا میدان ان آیت میں محشر کا نقشہ پیش فرمایا گیا ہے مگر محشر سے پہلے محشر کی نشانیوں میں سے بچ نکلنا کڑی محنت اور سخت ہمت کا کام ہے۔ مَردوں کے لیے

فتنہ عورت ہے اور عورتوں کے لیے فتنہ دولت ہے۔ تنگدستی میں مبتلا کے لیے صبر آسان ہے لیکن خوش حالی میں آزمائش کا صبر سخت مشکل۔ غریب کا صبر خاموشی ہے اور دولت مند امیر کا صبر طبیعت پر جبر کرنا ہے عورت و دولت ایک سانپ کے دو منہ ہیں جب یہ دونوں جمع ہو جائیں تو فتنہ محشر برپا ہو جاتا ہے نفسا نفسی کا دور ہوتا ہے اعمال تو در کنار دنیا پرست لوگ ایمان بھی بھول جاتے ہیں۔ اے بندو ڈرو اس وقت سے جب سونے کے کنگن شام کی چادریں یعنی سرخ سنجاب والی عورتیں مردوں پر حکم دغالب ہو جائیں۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ

اور وہ شخص جس نے عمل کیے اچھائیوں میں سے حالانکہ وہ مومن ہو گیا ہو تو کبھی وہ

اور جو کچھ نیک کام کرے اور ہو مسلمان تو اسے نہ زیادتی کا خوف ہو گا

ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ﴿١١٢﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا

اندیشناک نہ ہو گا کسی نقصان اور نہ کسی کمی سے اور اُن سابقہ واقعات کی طرح اُتارا ہم نے

نہ نقصان کا۔ اور یونہی ہم نے اسے عربی قرآن اُتارا

عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ

ان آیت کو بھی قرآن بنا کر عربی ہیں اور بار بار واضح بیان کیا ہم نے اس میں عذاب سے ڈراووں کو

اور اس میں طرح طرح سے عذاب کے وعدے دیئے

لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ﴿١١٣﴾

تاکہ وہ متقی بن جائیں یا پیدا کرے یہ قرآن اُن کے لیے کوئی نصیحت۔ یاد رہے

کہ کہیں انھیں ڈر ہو یا اُن کے دل میں کچھ سوچ پیدا کرے

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ وَلَا تَعْجَلْ

کہ بلندیوں والا ہے اللہ حقیقی شہنشاہ اور نہ جلدی کرو

تو سب سے بلند ہے اللہ سچا بادشاہ۔ اور قرآن میں جلدی

بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤى اِلَیْكَ

قرآن پڑھنے میں پہل کرکے اِس سے کہ پوری کی جائے آپ تک

نہ کرو جب تک اُس کی وحی تمہیں پوری نہ ہو لے

وَحْیُهٗ٘ وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا ﴿۱۱۴﴾ وَ

اُس کی وحی اور عرض کیجئے اے میرے پروردگار زیادہ سے زیادہ کردے مجھ کو علم میں اور

اور عرض کرو اے میرے رب مجھے علم زیادہ دے ۔ اور

لَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِیَ

البتہ ہم نے عہد لیا تھا آدم سے بہت پہلے مگر وہ بھول گئے

بے شک ہم نے آدم کو اس سے پہلے ایک تاکیدی حکم دیا تھا تو وہ بھول گیا

ع ۱۱ ۱۵ وَ لَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ﴿۱۱۵﴾ ع

اور نہ پایا ہم نے ان کا کوئی دلی ارادہ

اور ہم نے اس کا قصد نہ پایا

تعلقات

اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں کفار کی نامرادی کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں مومنین کی مرادمندی اور کامیابی کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کو عذاب وقیامت کی چند وعیدیں سنائیں گئیں اب اِن آیت میں بتایا جارہا ہے کہ ہم نے قرآن مجید اس لیے نازل فرمایا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے علم کی کثرت اور لامحدودیت بتائی گئی اب اِن آیت میں بندے کے علم کی کمی اور محدودیت۔ بیان فرمائی جارہی ہے۔

شانِ نزول

ابتداءِ نزولِ وحی میں جب کبھی حضرت جبرئیل وحی تلاوت فرماتے تو آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اُس کو جلدی جلدی ر جبرئیل امین سے بھی آگے

تک پڑھتے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی ۔ (خزائن العرفان) اسی طرح کی ایک آیت سورۂ قیامت میں بھی ہے۔

تفسیر نحوی وَمَنْ یَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا یَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۝ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا وَّصَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ اَوْ یُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۔ واؤ ؔ ما یعنی ابتداء کلام کے لیے مَنْ اسم موصول کلماتِ مجازات میں سے یہ جازم ہے یَعْمَلْ بابِ سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف حال واحد مذکر غائب مجزوم ہے مَنْ موصولہ جازمہ کی وجہ سے عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنی دینی کام کرنا مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ اَلصّٰلِحٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بمعنی اچھے اعمال یہ جار مجرور متعلق ہے واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مُؤْمِنٌ بابِ افعال کا اسم فاعل واحد مذکر مگر مراد سب ہر قسم کے عورت و مرد ہیں۔ بمعنی ماضی ہے یعنی ایمان رکھنے والا یہاں اسم جامد ہے صفاتی نام ہے خبر مبتدا ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَعْمَلْ کے فاعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ذوالحال کا یَعْمَلْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر شرط ہوا فَ جزائیہ لَا یَخٰفُ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع نفی معروف ایک قرأت میں لَا یَخَفْ نہی ہے مستقبل واحد مذکر غائب خوفٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈرنا اندیشہ کرنا ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے ظُلْمًا اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی بلاوجہ نقصان کرنا واؤ عاطفہ لا عاطفہ تاکید کے لیے هَضْمًا اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی کمی معطوف ہے ظُلْمًا پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَا یَخٰفُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ حرفِ عطف كَذٰلِكَ حرفِ تشبیہ اس کا معطوف علیہ پہلا كَذٰلِكَ نَقُصُّ آیت ۹۹ ہے اور چونکہ خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیے کَ ضمیر خطاب واحد مذکر کی آئی یہ مبتدا ہے جو اپنی اگلی خبر سے مل کر مشبّہ ہوگا پہلے تمام بیانات و واقعات کا۔ اَنْزَلْنٰهُ بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف فعل بافاعل ہٗ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا یہ آخر کی یٰ نسبتی ہے دونوں موصوف صفت ہیں مرکب توصیفی حال ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے اس کا مرجع پچھلی تمام آیت، وعبارات اور واقعات ہیں بعض نے کہا ہٗ مفعول بہ قُرْاٰنًا مفعول بہ دوم عَرَبِیًّا مفعول فیہ واللہ اعلم بالصواب۔ اَنْزَلْنٰهُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ صَرَّفْنَا۔ بابِ تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع جمع متکلم صَرْفٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے تَصْرِیْفٌ بمعنی ہر حال اور سمت کو ظاہر و باطن سے کھول کر ظاہر کر دینا یا بیان کر دینا باب تفعیل میں آ کر زیادتی کے معنی پیدا ہوئے یعنی بہت زیادہ بار بار بیان

کرنا سمجھانا اِلٰی حرفِ ظرف مکانی کے لیے ہ ضمیر واحد غائب کا مرجع قرآنا ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے
مِنْ جارہ بیانیہ ہے یا تبعیضیہ الوعید اسم صفت مشبہ مبالغہ اور شدت کے لیے بروزنِ فعیلٌ
اس کا عام فہم ترجمہ ہے دھمکی بحالتِ غصہ اور بحالتِ نصیحت آگاہی خبردار کرنا مراد ہے اُخروی عذاب
سے خبردار کرنا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ باب افتعال کا فعل ماضی تمنائی برائے
سببیت جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع مُجرمین تَقْوٰی سے بنا ہے
مصدر اِتِّقَاءٌ بمعنیٰ پرہیزگار بننا اور کفر شرک گناہ سے بچنا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف
علیہ ہوا۔ اَوْ حرفِ عطف تردیدی (اختیاری) يُحْدِثُ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف واحد
مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے اُس کا مرجع قرآنا ھُمْ جار مجرور متعلق ہے ذِکْرًا اسم
مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی عقل خرد یا سوچ فکر نصیحت مفعول بہ ہے يُحْدِثُ سب سے مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر معلول یا مسبب ہوا اَنْزَلْنٰہُ کا وہ سب مل کر معطوف
ہوا اَنْزَلْنٰہُ کا یہ جملہ عاطفہ مشبہ عطف ہے پہلے گذا اِلَيْكَ تَشْقٰی پر اور وہ سب عطف مشبہ
ہیں پہلی آیتوں کے وہ سب مل کر یہ درازی جملہ تسبیحی ہو جاتا ہے فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ
وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا
وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا ف ترائیہ یا بیانیہ تعالیٰ بابِ
تَفَاعُلٌ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب عُلُوٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَعَالٍ
بابِ تَفَاعُلٌ سے مبالغہ (زیادتی) پیدا ہوئی بمعنی بہت ہی بلند اللہ اس کا فاعل ہے اَلْمَلِكُ اسم
مفرد جامد بمعنی بادشاہ مالک اَلْحَقُّ اسم مفرد جامد بمعنی حقیقی۔ سچا یہ دونوں صفتیں ہیں اللہ موصوف
اپنی دونوں صفتوں سے مل کر فاعل ہوا تعالیٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ لَا تَعْجَلْ باب
سَمِعَ کا فعل نہی واحد مذکر حاضر عُجْلٌ سے بنا ہے بمعنی جلدی کرنا یہاں مراد ہے تیز پڑھنا اس کا
فاعل اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اس کا مرجع نبی کریم ہیں بِ حرفِ جر بمعنی فِیْ یا بمعنی مع یعنی جلدی
نہ پڑھو جلدی نہ کرو قرآن میں یا قرآن کے ساتھ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ زائدہ بیانیہ قَبْلِ اسم ظرفیہ
زمانیہ مضاف ہے اَنْ ناصبہ يُقْضٰی بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت مجہول قَضٰی ناقص یائی سے مشتق
ہے بمعنی ادا کرنا پورا کرنا پہنچا دینا اِلَيْكَ یہ جار مجرور متعلق ہے يُقْضٰی کا وَحْيُهٗ وَحْیٌ اسم مفرد جامد
بمعنی قرآنِ مجید کی اتری ہوئی آیتیں ہ ضمیر کا مرجع قرآن یہ مضاف و مضاف الیہ نائب فاعل ہے
يُقْضٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ کیونکہ یہ فعل سابقہ فعل نہی کے تحت ہے اس لیے انشائی ہے

پر خبری یہ جملہ مضاف الیہ ہے قَبْلِ کا یہ مرکبِ اضافی مل کر مجرور اور پھر متعلق دوم ہے لَا تَعْجَلْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ قُلْ فعل اَمر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ۔ دراصل ہے یَا رَبِّیْ بمعنٰی اے میرے رب یَا حرفِ ندا کو قرینے کی وجہ سے اور یاءِ متکلم کو تخفیف کی بنا پر حذف کیا گیا مگر ترکیب میں ذہناً سب موجود ہیں یَا۔ ندا۔ رَبِّ مرکبِ اضافی ذہنی منادٰی زِدْ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے رَبِّ زِیَادَۃٌ سے مشتق ہے بمعنٰی بڑھانا۔ نِیْ نون وقایہ یِ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہٖ اول عِلْمًا مفعول بہٖ دوم زِدْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جوابِ ندا ہوا۔ حرفِ ندا اپنے منادٰی و جوابِ ندا سے مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ لام مفتوح حرفِ تاکید بمعنٰی البتہ قَدْ عَهِدْنَا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی قریب معروف مثبت جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع باری تعالیٰ عَهْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی وعدہ لینا اِلٰی حرفِ جر بمعنٰی اَلْحَاقِیَہ یعنی سے اٰدَمَ اسم غیر منصرف دو سبب موجود ہیں ا عجمی ۲ علَم اس لیے بحالتِ جر نصب ہے مِنْ جارہ زائدہ یا بیانیہ قَبْلُ اسم ظرف زمانی مفرد ہے مضاف نہیں ہے اس لیے ضمہ پر مبنی ہے اِلٰی اٰدَمَ جار مجرور پہلا متعلق ہے اور مِنْ قَبْلُ جار مجرور دوسرا متعلق ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنٰی لیکن۔ نَسِیَ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب۔ بابِ سَمِعَ۔ نَسْیٌ ناقص یائی سے مشتق ہے بمعنٰی بھول جانا اور بھول کر اس کے خلاف کر لینا یا چھوڑ دینا هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے اٰدَمَ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَمْ نَجِدْ بابِ ضَرَبَ کا فعل نفی جَحْد بلم معروف جمع متکلم مضارع بمعنٰی ماضی مطلق وُجُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی پا لینا یعنی دل دماغ سے محسوس کرنا یہ متعدی بدو مفعول ہے۔ چونکہ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس لیے یہ فعل اور یہ آیت متشابہات میں سے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لیے دل دماغ محال بالذات ہے لَہٗ یہ جار مجرور مفعول بہٖ اول کے درجہ میں ہے ہٗ ضمیر کا مرجع اٰدَمَ ہے عَزْمًا اسم مفرد جامد بمعنٰی قلبی ارادہ یعنی جان بوجھ کر کوئی کام یا خلاف ورزی کرنا یہ مفعول بہٖ دوم ہے جار مجرور متعلق ہے ظاہراً لَمْ نَجِدْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَلْسِیّ کا دونوں ملکر معطوف ہوا لَقَدْ عَهِدْنَا کا دونوں ملکر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اس آیت کی دیگر قرأتیں ۱ لَا یَخَافُ ۲ لَا یَخَفْ نُحْدِثُ میں تین قرأت ۱ یہی مشہور ۲ تُحْدِثُ ۳ یُحْدِثُ واحد مذکر حاضر بابِ افعال خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشہور قرأت مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی ہے ۲ ایک

مجہول قرأت میں مِنْ قَبْلِ کی بجائے حَتّٰى اَنْ يُّقْضٰى ہے نیز ایک شاذ قرأت میں اَنْ يَّقْضِىَ وَحْيَهٗ ہے ۱؎ مشہور قرأت نُسِیَ ہے ۲؎ شاذ قرأت نُسِّیَ باب تفعیل کا ماضی مجہول ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا ۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ۔ اور اے حبیبِ عرشی یہ پیغامِ الٰہی وحیِ ربانی بشارتِ رحمانی بھی سنا دیجئے کہ دنیوی زندگی میں جو شخص سچی حقیقی نیکیوں والے اعمال کرے مخلص بے ریا بن کر اس حال میں کہ اللہ رسول پر صحیح قلب وزبان سے ایمان لانے والا مومنِ صادق ہو تب اُس کو بعد موت قبر حشر میں نہ کسی کے ظلم زیادتی کا خوف کرنا چاہیے نہ کسی قسم کی کمی ونقصان کا اندیشہ۔ ظلم وہضم میں مفسرین نے تین طرح فرق فرمایا ہے ۱؎ کسی سے اپنے حق سے زیادہ لینا ظلم ہے اور کسی مستحق کو اُس کے حق سے کم دینا ہضم ہے ۲؎ گناہ اور جرم کو بڑھا دینا ظلم ہے۔ اور نیکیوں اچھائیوں کو گھٹا دینا ہضم ہے ۳؎ ناکردہ جرم کی سزا دینا ظلم ہے اور نیکی کی جزا نہ دینا ہضم ہے۔ ظلم بھی خسران ہے اور ہضم بھی۔ مومن پر لازم ہے کہ ایمان واعمال کو درست رکھے اور اللہ تعالیٰ کے کرم پر بھروسہ اور عدل کی توقع اور رحمت کی اُمید کرتا رہے نہ ظلم کے اندیشہ کا تصور کرے نہ ہضم کا وسوسہ اگرچہ قیامت میں کسی پر بھی ظلم اور ہضم نہ ہوگا ہر مومن وکافر سے پورا پورا عدل ہوگا مگر کافر بروزِ قیامت یہ اندیشہ کرے گا کہ اُس پر ظلم ہوا ہے مومنین کو اس اندیشے وخطرے کے تصور وگمان سے بھی منع فرمایا جا رہا ہے۔ مگر ایمان شرط واعمالِ صالحہ ضروری۔ اے محبوبِ کائنات جس طرح ہم نے اس سے پہلے سابقہ انبیاء پر اپنے کلام نازل کئے ان کی اپنی زبانوں میں اسی طرح ہم نے ہی یہ کلام بھی نازل فرمایا قرآن بنا کر عربی زبان میں پہلے کلاموں کو توریت یعنی قانون زبور یعنی دعائیں انجیل یعنی خوش خبری بنایا اسی طرح اس کو یہ قرآن مجید بنایا یعنی ساری کائنات میں پڑھا جانے والا یا فرشتوں کو فرشیوں سے ملانے والا یا ملنے والا کبھی جدا اور منسوخ نہ ہونے والا بنایا۔ اور کسی کلام کو صحفِ ابراہیم آدم وموسیٰ کا نام دیا۔ اس قرآن مجید کی دوسری امتیازی شان یہ ہے کہ وَصَرَّفْنَا فِيْهِ۔ اس کلام مجید میں ہم نے بار بار مختلف انداز سے عذاب وعتاب کی وعیدیں نازل فرمائیں کبھی جہنم کا نقشہ بنا کر کبھی میدانِ محشر کی حالت سنا کر کبھی قبر کی تنہائی کبھی موت کی تلخی بتا کر کبھی مسلمانوں کے ہاتھوں جنگ وجہاد کی شکستیں دلا کر کبھی پچھلی منکرین اُمتوں کی آسمانی ہلاکت سنا کر اور سفر حضر میں اُن کی اُجڑی بستیوں کی نشاندہی کر کے اس طرح کی عبرت خیز باتیں نصیحتیں پچھلی کتابوں میں نہ

تھیں نہ ان کا بار بار نزول ہوتا تھا وہاں تو سب نرم گرم حکم ایک دم ہی نازل ہوتا تھا۔ نہ مہلت، نہ سہولت ایک ہی دم اُس قانون کو یا مانو ورنہ عذاب آتا ہے۔ اے حبیب ازلی ابدی یہ تو آپ کے طفیل آپ کی امت پر کرم و رحم کی شفقت اُلفت مہلت سہولت ہے کہ ان کی اسی طرح سمجھا سمجھا کر ناز برداری کی جا رہی ہے اور تھوڑے تھوڑے قانون نازل کئے جا رہے ہیں لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ یہ لوگ کافر و منافق تا عمر کفر شرک سے بچیں ایمان قبول کریں اور ہم کو رب العالمین تم کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ مان لیں کیونکہ یہی ایمانِ اول ہے اور ایمان لا کر حرام مکروہ، گناہ خطا سے بچ جائیں اور فاسقین تا قیامت اوامر کی اتباع نواہی سے اجتناب کریں اور قلب و عقل اعضاء و اجسام کا تقویٰ حاصل کریں۔ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ یا اگر کسی کی خوش بختی اس کا جلدی ساتھ نہ دے اور وہ اِس قرآن کریم کے سننے سنانے سے تقویٰ ایمانی و عرفانی حاصل نہ کر سکے تو کم از کم اس قرآن مجید یا اس کے وسیلے سے اُس شخص کے قلب سعادت اور نفسِ فطرت میں تذکرہ تلاوت کے ذریعہ قبولِ نصیحت کی توجہ پیدا ہو جائے گی یہ توفیق بھی منجانب اللہ ہی ہوتی ہے مگر وسیلہ مجازی قرآن مجید ہوتا ہے۔ یہاں کلامِ الٰہی کی تین صفات بیان فرمائی گئیں۔ اوّلاً یہ کہ وہ قرآن ہے یعنی اس کا پڑھنا ہر مومن کافر پر بڑا آسان اور لذت و سرور والا ہے۔ ثانیاً وہ عربی ہے یعنی اس کی لغت زبانِ عربی ہے یہ زبان اپنی فصاحت بلاغت سُرور مٹھاس اختصار جامع مانع ہونے میں اہلِ عرب کو متحیر اور اہلِ عجم کو متشرّف کرنے والی ہے اس کی کاملیت اہلِ عقل کے عُقدے کھولنے والی ہے مفکرین کے دماغ اور مفسرین کے ذہن معطر کرنے والی عربی زبان اپنی پانچ خصوصیات کی وجہ سے تمام زبانوں کی شہنشاہ ہے ۱۔ مختصر اتنی کہ اس کے زیر زبر بھی مکمل الفاظ کی جگہ معانی بنا دیں ۲۔ جامع ایسی کہ ایک ایک لفظ اپنے ملفوظ کا پورا تعارف کرا دے ۳۔ مانع اتنی کہ اپنی تفہیم میں کسی دوسری لغت سے کوئی لفظ ادھار نہیں لینا پڑتا۔ ۴۔ کامل ایسی کہ چند لفظوں میں معانی کے دریا بہا دے ۵۔ آسان اتنی کہ عجم والے بھی اس سے اسی طرح فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جس طرح اہلِ عرب یہ خصوصیات قرآن مجید کی عربی میں ہیں تیسری بات یہ فرمائی گئی کہ وَصَرَّفْنَا فِيْهِ۔ یعنی بار بار نزول فرمایا جن میں وعیدیں نذارت بشارت فرائض واجبات مستحبات۔ حرام و حلال کا بیان ہے قانونِ شریعت میں ترکِ معاصی اور ترکِ منکرات و فعل الخیرات کا مجموعہ تقویٰ ہے۔ اور یادداشت حفاظتِ اعمال ضدِ نسیان اطاعت عبادت ریاضت کا مجموعہ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا ہے اور چونکہ گناہوں کا چھوڑنا قلب و جسم

کا غسل ہے اس لیے تقویٰ کا ذکر پہلے کیا گیا اور عبادت و ریاضت ظاہر و باطن کا زیور ہے اس لیے اس کا ذکر بعد میں کیا گیا۔ غرضکہ قرآن مجید کے اس طرح نزول کا بہت فائدہ اور عظیم حکمت ہے فَتَعٰلَی اللّٰہُ الْمَلِکُ الْحَقُّ۔ یہ قرآنِ مجید کی چوتھی عظمت و نسبت بیان فرمائی گئی کہ اے حبیب ربّ کائنات بتا دیجئے کہ یہ کلام بے مثل اس لیے ہے کہ اس ذات بے مثل لاشریک۔ برتر بزرگ اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ کی طرف سے نازل ہوا ہے جو پوری کائنات اور عالمین تمام کا حق بادشاہ ہے اور برتر ہے وہ ان تمام خیال و گمان و وہم سے جو کوئی اُس کے بارے میں اپنی عقل خرد فہم تدبر تعمق سے کرے یا کہے یا سنے قدیم ہے اُس کی سلطنت عظیم ہے اُس کا قہر شدید ہے اُس کی پکڑ نافذ ہے اُس کا امر قائم ہے اُس کی نہی۔ عام ہے اُس کا انعام۔ تام ہے اُس کا اکرام۔ حق ہے اُس کا کلام ثابت ہے اس کا وجود قائم ہے اس کی ذات دائم ہیں اُس کی صفات ظاہر ہے اُس کی قدرت کامل ہے اُس کی قوت نہ فساد کا احتمال نہ زوال کا خطرہ وہ ذات و صفات احوال افعال اقوال اسرار میں حق ہے جس کا کلام ایسا بے مثل و قدیم ہے اُس کی ذات کی کوئی کیا شان بیان کر سکتا ہے واغفین فکر سے کاملین عجز سے واصلین حیرت سے پکارتے ہیں یا اللہ تیری ثنا اس طرح کوئی نہیں کر سکتا جس طرح تو خود اپنے ارادۂ ازلیہ سے اپنی ثنا فرماتا ہے ؎

اے برتر از قیاس و خیال و گمان و وہم ۔۔۔ وز ہرچہ گفتہ ایم و شنیدیم و خواندہ ایم (سعدیؒ)

یہ قرآن اُس خالق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ جس کی یہ شان ہے یہ امر نہی وعدہ وعید قانون احکام سب اسی کی طرف سے نزولِ اجلالی ہیں۔ لہٰذا کلام سے رب تعالیٰ کا تعارف دلیلِ اِنّی ہے اور رب تعالیٰ سے کلام کا تعارف دلیل لِمّی ہے۔ اے شرک و کفر کی جھوٹی اختراعی باتیں اللہ تعالیٰ کی طرف لگانے والو وہ ذاتِ بابرکات اُن تمام سے برتر و بالا ہے اے حبیب ازلی یہ تمام آیتیں عبادتیں اطاعتیں تلاوت کو سمجھانے کے لیے ہیں۔ لیکن آپ کے لیے یہ حکم ہے کہ۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰۤی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ اور نہ جلدی کیا کریں آپ قرآنِ مجید کی قرأت لہجہ ادائگی طرز قرأت اور لحن جبریلی یاد کرنے میں۔ اس سے پہلے کہ پوری پہنچا دی جائے آپ کی طرف وحی اس کی آپ فکر نہ کریں ہاں البتہ ہر وقت یہ دعا ضرور مانگا کرو کہ اے میرے رب میرے سینے میں قرآنِ مجید کے علوم کو اور زیادہ فرما دے۔ یہاں علم سے مراد میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ قرآن مجید کا علم مراد ہے اس لیے قرآن مجید بھی علوم کثیرہ کا مجموعہ بلکہ اس کے ہر حرف۔ زیر زبر۔ پیش۔ شد۔ مد اور۔ لفظوں میں اسرارِ علوم کے خزانے ہیں۔ دوم یہ کہ علم سے مراد مطلقاً کائنات

عالمین کے علوم مراد ہیں لَا تَعْجَلْ میں چار قول ہیں ۱؎ ساتھ ساتھ پڑھنے کی نہی ہے ۲؎ آیت کا مسئلہ بتانے میں جلدی کرنے کی ممانعت ہے ۳؎ وحی کی کتابت میں جلدی کی نہی ہے ۴؎ جلدی جلدی وحی آنے کی تمنا و دعا کرنے کی نہی ہے۔ اس آیت وَقُلْ رَّبِّ کے نزول کے بعد آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ انْفَعْنِیْ بِمَا عَلَّمْتَنِیْ وَعَلِّمْنِیْ مَا یَنْفَعُنِیْ وَزِدْنِیْ عِلْمًا وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ۔ اس آیت کی چار طرح تفسیر کی گئی ہے۔ پہلی تفسیر جلدی نہ فرمایئے قرآن مجید کی طرزِ ادا یا ذکر کرنے میں جب تک کہ وحی بذریعہ جبریل پوری نہ اتار دی جائے اور چونکہ اس وحی قرآنی میں بے شمار علم ہیں ہر رطب و یابس دخشک و تر) کا علم اسی کتاب مبین میں ہے لہٰذا آپ یہ دعا مانگا کریں۔ رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ ہر ہر آیت میں آپ کے لیے علوم کا خزانہ ہے جو تا قیامت آپ کو ملتا رہے گا ہر آیت کا نزول آپ کا علم بڑھائے گا۔ آپ پر حصولِ علم اور آپ کے رب تعالیٰ پر عطاءِ علم کا دروازہ کبھی بند نہ ہوگا۔ بلکہ ہر اعتبار وَلَلْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی۔ ہر آخری آنے والی ساعت آپ کے لیے پہلی گذشتہ سے بہتر ہی ہوگی۔ تاقیامت یہ سلسلہ جاری رہے گا کہ آپ کی دعائیں ہماری عطائیں ہوتی ہی رہیں گی۔ اے محبوب یہ دعائیں منگوانے سے رب تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ تم مجھ سے مانگتے رہو کیونکہ میں معطی ہوں اور ساری مخلوق تم سے مانگتی رہے کیونکہ تم قاسم ہو۔ مجھ سے تم۔ تم سے خلائق۔ تا ابد یہ سلسلہ ہو چونکہ آپ کی شانِ اعظم کے لائق صرف علم کی طلب ہے اس لیے یہی دعا مانگا کرو۔ رہا دنیا کی چیزیں تو وہ اور خزائنِ ارض کی چابیاں تقسیمِ امت کے لیے ہم نے پہلے آپ کے مانگے بغیر ہی آپ کو دیدی ہیں ان کا مانگنا آپ کی شانِ عظیم کے لائق نہ تھا آپ عظیم آپ کا رب تعالیٰ عظیم رب تعالیٰ کا علم عظیم۔ اس لیے عظیم کو چاہیے کہ عظیم رب سے اُس کی عظیم نعمت علم کا ثانی زیادتی کی زیادتی کی ہی دعائیں مانگے۔ دوسری تفسیر یہ آیت اپنے شانِ نزول کے باعتبار ایک گذشتہ واقعے کی طرف اشارہ فرما رہی ہے ایک مرتبہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بی بی صاحبہ نے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ یا رسولَ اللہ مجھے میرے خاوند نے مارا ہے۔ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً جواب فرمایا کہ خاوند سے قصاص لیا جائے گا۔ تب یہ آیت نازل ہوئی کہ لَا تَعْجَلْ۔ اے نبی محترم قرآن کریم اور وحیِ الٰہی کے احکام سنانے میں جلدی نہ فرمایا کریں۔ خیال رہے کہ جس آیت کا حکم کسی شانِ نزول سے متعلق ہو وہ آیت اُس واقعہ کے بعد نازل ہوتی ہے نہ کہ دوران وحی لہٰذا یہ آیت بھی جس تعجیل سے منع فرما رہی ہے وہ جلدی پہلے کبھی ہوئی تھی۔ پہلی تفسیر کے مطابق

پہلے کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت میں جلدی یعنی ساتھ ساتھ تلاوت فرمائی تھی جس سے منع فرمایا گیا کہ یہ ایک مشقت ہے اور حبیب کی اتنی مشقت بھی گوارہ نہیں۔ دوسری تفسیر یہ کہ پہلے کبھی ایک عورت کو حکم شرعی سنا دیا حالانکہ ابھی اس کا پورا حکم وحی نازل نہ ہوئی تھی تب دونوں سورتوں میں فرمایا گیا کہ اس سے پہلے کہ آپ کی طرف اس وحی کے معانی مقاصد احکام و تفصیل و تلاوت پورے نہ بیان کر دیئے جائیں آپ ان میں جلدی نہ کیا کریں۔ تیسری تفسیر بعض نے فرمایا کہ لَا تَعْجَلْ کا معنی ہے اس وحی کی کتابت بذریعہ صحابہ جلدی نہ کرایا کریں آپ کو یہ تو خطرہ ہوتا ہے کہ صحابہ کے ذہنوں کچھوں حافظوں سے یہ الفاظ با ترتیب اتر نہ جائے مگر ہم اس کے محافظ ہیں صحابہ کے ذہنوں سے بھی نہ اترنے دیں گے۔ چوتھی تفسیر یہ کی گئی ہے کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو پیغام الٰہی اور ملاقات جبریل کا اتنا شدید شوق رہتا تھا کہ آپ چاہتے بلکہ دعائیں مانگا کرتے تھے کہ جلدی وحی آیا کرے۔ یہ ایک قلبی مشقت بھی تھی اور حکمت نزولِ وحی کے خلاف بھی اس لیے اس آیت میں منع فرمایا گیا کہ نزولِ وحی میں جلدی کی تمنا مت کیا کرو کبھی اس لیے بھی جلدی نزول کی تمنا فرماتے کہ یہودی عیسائی یا کفار مکہ کوئی جواب طلب سوال کرتے اور وہ جلد بازی مچاتے تب نبی پاک بھی چاہتے کہ ان کو فوراً جلدی جواب دیا جائے ان دونوں صورتوں میں بھی منع فرمایا کہ اے محبوب نزولِ وحی ہماری حکمت و اسرار پر مبنی ہے جب تک اس کے موقعہ محل مناسب وقت کے مطابق ہماری طرف سے خود پوری وحی نازل نہ کر دی جائے آپ جلدی نہ کیا کریں۔ بعض جہلانے یہ معنی کیا ہے کہ اسی موقعہ پر نبی کریم جبریل کے ساتھ جلدی جلدی پڑھ رہے تھے تو منع کیا گیا۔ مگر یہ قول غلط طریقہ وحی کے خلاف ہے اور اس آیت کے سیاق و سباق کے بھی خلاف۔ بہرکیف یہ چار تفسیریں کی گئی ہیں مگر پہلی تفسیر صحیح اور مضبوط ہے کیونکہ مدلل و مؤثر ہے۔ پہلی تفسیر کے دلائل حسب ذیل ہیں دلیل اوّل۔ قرآنِ مجید کی تین سورتوں میں اس قسم کی نہی مذکورہ درجہ میں صراحتاً اس جگہ سورۃ طٰہٰ میں ۲ سورۃ قیامت آیت ۱۶ اور ۱۷ میں لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ۔ یعنی اے نبی محترم نہ حرکت دیجئے اس وحی کی ادائگی میں اپنی زبان کو کہ جلدی کرو تم اس کو ادا کرنے لحن بنانے میں بے شک ہمارے ذمہ کرم پر ہے اس وحی کا قائم اور جمع رکھنا اور تم کو اس کی طرز قرأت و طریقہ تلاوت پڑھانا تم جبریل کا لہجہ یاد کرنے کی جلدی مت کرو ہم خود تم کو اس کی ادا بھی سکھا دیں گے ۳ سورۃ اعلیٰ آیت ۶ سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ یعنی اے محبوب عنقریب اب ہم کو یہ قرآن احکامی طرز اور لہجے میں پڑھائیں گے اس شان سے کہ تم اس کو کبھی نہ بھولو گے مگر وہی کلام جو

اللہ تعالیٰ بھلانا چاہے گا (بوجہ منسوخ التلاوت کرنے کے) سورۂ اعلیٰ ترتیب نزول میں آٹھویں نمبر پر ہے تمام احکام اس کے بعد ہی نازل ہوئے۔ اس میں نبی کریم کی یادداشت کرنے کا ذکر ہے بلکہ بتایا جا رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہی سب کچھ پڑھایا سکھایا۔ ان آیت کا مقصد یہ بیان فرمانا ہے کہ ابتدا میں ایک دفعہ ایسا ہوا کہ جب حضرت جبرئیل وحی لے کر حاضر بارگاہ ہوئے اور آیت کو شرعی طرز پر تلاوت فرمانے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرز ادا کو یاد کر لینے کی خواہش میں خود بھی ساتھ ساتھ پڑھنے لگے جس سے جلد بازی کی مشقت ہوئی تب رب تعالیٰ نے اس مشقت کو بند فرماتے ہوئے اس خواہش کی تکمیل کو اپنے ذمہ کرم پر لے لیا کہ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ۔ دالخ آپ کی یہ خواہش اس لیے تھی کہ قرآن مجید ہوتا ہوا نازل ہوا ہے یہ کتب سابقہ کی طرح صرف حفظ یا مکتوب مکتوبی ملفوظی مقولی کلام میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ قولی کلام میں۔ طرز ادا لہجہ اور لحن کا قانونی دخل ہوتا ہے اور طرز بیان سے کئی قانون بنتے چلے جاتے ہیں۔ مثلاً طرز کہنے سے عبارت کو سوالیہ اور خبریہ۔ انشائیہ اور شرطیہ تاکیدیہ تنبیہیہ بنایا جاتا ہے اور ان ہی اداؤں سے فرض و نفل کے احکام ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید کی طرز ادا بھی منجانب اللہ وحی الٰہی ہے اسی لہجے اور طرز و ادا میں تلاوت کرنا لازم جس میں جبرئیل علیہ السلام نے تلاوت فرمائی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کو سنائی۔ اسی کا دوسرا نام علم تجوید ہے قرأت سبعہ کا اختلاف تو صرف چند لفظوں میں ہے مگر طرز بیانی پورے قرآن مجید کی ایک ہی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو ایک دفعہ جلدی جلدی یاد کر لینے کی خواہش میں جبرئیل کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی زحمت فرمائی تھی جس سے سورۂ طٰہٰ میں اور پھر سورۂ قیامت میں منع فرمایا گیا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ آپ کو جلدی مسئلے بتانے یا جلدی کتابت کرنے یا جلدی وحی آنے کی تمنا سے روکا گیا۔ دوسری دلیل۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو الفاظ قرآن بھولنے کا کوئی خطرہ نہیں تھا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السلام بھول چوک خطا و لغزش سے معصوم ہوتے ہیں کسی نبی علیہ السلام سے کبھی کسی نسیان کا صدور ثابت نہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن مجید سبعہ قرأت کے ساتھ عالم ازل سے حاصل تھا۔ صرف یہی نہیں بلکہ توریت زبور انجیل صحف آسمانی بھی کل لفظا یاد تھے چنانچہ بخاری شریف جلد اول ص۴۵۷ کتاب بدء الخلق باب ذکر الملائکہ۔ حدیث پاک ۱۳ میں ہے کہ ہر رمضان مبارک کی ہر رات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرئیل کے ساتھ قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے۔ اس کی شرح میں۔ فتح الباری۔ اور شرح کرمانی نے لکھا کہ جبرائیل ہر رات کو

آتے اور اوّل سے آخر تک قرآن شریف ایک دوسرے کو سناتے مخارج اور تجوید کے ساتھ ۔ اور یہ دور بھی بھولنے کے اندیشے سے نہیں تھا بلکہ اس لیے تاکہ یہ رمضان مبارک میں حافظوں کا دور کرنا اور قاریوں کا علم تجوید و مخارج حروف سے تلاوت کرنا اُمت کے لیے سنت ہو جائے اور مسلمان ذوق و شوق سے حافظ و قاری بنیں لمعات شرح مشکوٰۃ میں ہے کہ یہ ایسا ہی دور کرنا تھا جیسے مدارس میں حفاظ کرتے ہیں ۔ (از حاشیہ بخاری صفحہ ۵۵۹) اس سے ثابت ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام قرآن پہلے ہی ازل سے یاد تھا ۔ یہ تھوڑا تھوڑا نزول تلاوت کے لیے کیونکہ دور وہی حافظ کر سکتا ہے جس کو قرآن مجید یاد ہو ۔ یہ حدیث پاک مشکوٰۃ شریف میں بھی ہے ۔ تیسری دلیل حضرت عیسٰی علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰىنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۔ مجھ کو رب نے کتاب دی اور مجھ کو نبی بنایا ۔ روایتوں میں ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کو انجیل زبور توریت شکم مادر میں ہی حفظ کرا دی گئی تھیں ۔ نبی کریم تو ان سے افضل ہیں ۔ بلکہ عیسٰی علیہ السلام کی یہ شان قرآن مجید میں ظاہر فرمانے کا اشارہ ہی یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی تمام کتب الٰہیہ کے ازلی حافظ ہیں ۔ نیز عیسٰی علیہ السلام نے پہلے کتاب اور پھر نبوت کا ذکر فرمایا جس سے اشارۃً ثابت ہوا کہ صاحب کتاب نبی کے لیے نبوت کے ساتھ کتاب لازم ہے یعنی مجھ کو کتاب اس لیے دی کہ میں نبی ہوں ۔ اور ہمارے آقا نبی رحمت نے فرمایا ۔ كُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ معنی یہ کہ عیسٰی علیہ السلام شکم مادر سے نبی تو شکم مادر میں کتاب ملی ۔ اور ہم ازل سے نبی تو ازل سے کتاب ملی تو اب بھولنے کا کیا خطرہ ۔ چوتھی دلیل ۔ ارشادِ باری تعالٰی ہے اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۔ رحمٰن نے قرآن سکھایا ۔ کس کو سکھایا یا تو شمار نہیں ورنہ پھر ہم کو دنیا میں آکر کسی اُستاد سے پڑھنے کی ضرورت نہ تھی بڑے استاد سے پڑھ کر چھوٹے سے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہوتی ثابت ہوا کہ رحمٰن نے حبیب الرحمٰن کو قرآن سکھایا ۔ کب سکھایا ۔ کہاں سکھایا ۔ دنیا میں تو کوئی کہیں اللہ تعالٰی کا مدرسہ نظر نہیں آتا ۔ ثابت ہوا کہ عالمِ ازل میں سب قرآن مجید سکھا دیا ۔ اور جب رب تعالٰی نے صفتِ رحمانیت سے قرآن سکھا دیا تو کوئی علم کسی لفظ کی حرف کا پوشیدہ نہ رکھا ۔ اب بھولنے کا قطعاً اندیشہ نہیں ۔ یہ لَا تَعْجَلْ اور تُحَرِّكْ کی نہی بھولنے کی نہیں بلکہ تاقیامت مسلمانوں کو ایک مسئلہ سمجھانے کے لیے ہے ۔ پانچویں دلیل موجودہ قرآنِ مجید کی دو ترتیبیں ہیں (۱) ترتیبِ نزول (۲) ترتیبِ تلاوت اور دونوں بے حد مختلف ہیں ۔ اللہ تعالٰی نے ترتیبِ نزول کو جبریل علیہ السلام کے ذریعہ نازل فرمایا مگر ترتیبِ تلاوت کو رب تعالٰی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ قائم اور درست فرمایا ۔ موجودہ ظاہری ترتیبِ مکتوبہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا قرآن مجید عالمِ ازل

سے مکمل ترتیب سے یاد تھا۔ دیکھو قرآن مجید کا نزول عجیب حکمتِ ربانی سے ظاہر ہو رہا ہے آج سورۃ نمل کی چند آیات کل سورۃ والضحٰی کی دو آیات پھر سورۃ بقرہ کی تین آیت پھر دوسرے دن مدثر کی دو آیتیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اے صحابہ ان آیتوں کو بقرہ میں لکھو ان کو نمل میں ان کو فلاں سورۃ میں اتنی آیتوں کے بعد لکھو۔ اور یہ سورت اس نمبر کی ہے یہ اس نمبر کی مختلف آیت اور مختلف سورتوں کو اپنی اپنی صحیح جگہ پر رکھنا وہی کر سکتا ہے جس کو پورا قرآن یاد ہو یہی سورۃ طٰہٰ چوالیس سورتوں کے بعد مکہ مکرمہ میں نازل ہوتی ہے اور اس کا نزولی نمبر پینتالیس بتاتا ہے مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو انیس سورتوں کے بعد لکھواتے ہیں۔ اور اس کو بیسواں نمبر دیتے ہیں۔ یہ کس بنا پر کیا جا رہا ہے؟ اسی پر کہ آپ کو سارا قرآن مجید عالم ازل سے حفظ ہے اور جانتے ہیں کہ کونسی آیت کس سورۃ کی اور کونسی سورۃ کس جگہ کی ہے آج کسی حافظ کے سامنے پورا قرآن مجید ورقہ ورقہ آیتیں آیتیں کر کے بکھیر کر کہو کہ حافظ صاحب ان ورقوں کو صحیح ترتیب سے جوڑ دو حافظِ قرآن چند منٹوں میں صحیح جوڑ دے گا۔ مگر یہی کام غیر حافظ نہیں کر سکتا۔ چھٹی دلیل۔ سورۃ نساء آیت ۱۱۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اے نبی اللہ رب تعالیٰ نے آپ کو عالم ازل کے گذشتہ زمانوں میں ہی سب کچھ سکھا دیا۔ انہیں میں قرآن مجید بھی شامل ہے۔ عَلَّمَ فعل ماضی ہے جو گذشتہ زمانوں کی یاد اور نشاندہی فرما رہا ہے۔ ساتویں دلیل۔ لَا تَعْجَلْ اور لَا تُحَرِّكْ کی نہی اس لیے ہے کہ تا قیامت کوئی بد بخت گستاخ یہ نہ کہہ دے کہ نبی نے جبرئیل سے قرآن یا طرزِ قرآن سیکھی اور جبرئیل استاد بن گئے ایسا نہیں ہے بلکہ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ۔ بے شک اے محبوب عالمین یہ تو ہمارے ذمہ کرم پر ہے کہ اس قرآن مجید کو ہر علم قرآنی کے ساتھ آپ کے سینۂ اقدس میں ہم خود جمع فرما دیں۔ خیال رہے کہ قرآن کریم کے پانچ جامع القرآن ہیں۔ پہلا جامع القرآن رب تعالیٰ۔ دوم جبرئیل۔ سوم آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم چہارم صدیق اکبرؓ پنجم عثمان غنیؓ اللہ تعالیٰ نے تمام قرآن مجید الفاظ و مضمون ترتیب و معانی کے ساتھ جمع فرمایا سینۂ مصطفیٰ کے اندر عالم ازل میں پھر جبرئیل علیہ السلام نے جمع فرمایا ترتیبِ نزول میں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمع فرمایا ترتیبِ تلاوت میں۔ پھر صدیق اکبرؓ نے جمع فرمایا حافظوں کے سینوں سے لے کر کتابت میں پھر عثمان غنی نے جمع فرمایا چھانٹ کر کے افراط و تفریط کی مخلوطیت سے بچا کر۔ کچھ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کتابت کروا دیا زمانۂ نبوی شریف میں چوبیس صحابہ کرام کو کاتبین وحی ہونے کا شرف حاصل ہوا ۱؎ صدیق اکبرؓ ۲؎ عثمان غنیؓ ۳؎ مولیٰ علیؓ ۴؎ زید بن ثابت ۵؎ عبد اللہ بن مسعودؓ ۶؎ زبیر ابن العوام ۷؎ خالد بن سعید ۸؎ حنظلہؓ بن ربیع ۹؎

۹ خالدؓ بن ولید ۱۰ عبداللہ بن رواحہ ۱۱ محمدؓ بن مسلم ۱۲ عبدؓ اللہ بن سلول ۱۳ مغیرہؓ بن شعبہ ۱۴ عمروؓ ابن العاص ۱۵ امیرؓ معاویہ ۱۶ جہمؓ بن صلت ۱۷ معیقیبؓ بن فاطمہ ۱۸ عبدؓ اللہ بن ارقم زہری ۱۹ ثابتؓ بن قیس ۲۰ عبدؓ اللہ بن ابی سرح ۲۱ حذیفہؓ بن سلمان ۲۲ عامرؓ بن فہیرہ ۲۳ سعیدؓ بن جبیر ۲۴ ابانؓ بن سعید رضی اللہ تعالٰی عنہم اجمعین۔ آٹھویں دلیل۔ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی نہی اس لیے بھی ہے کہ تاقیامت یہ مسئلہ بنا دیا جائے کہ وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَ اَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (سورۃ اعراف آیت ۲۰۴) یعنی جب قرآنِ مجید کی تلاوت کی جائے تو سنو اور خاموش رہو۔ لہٰذا کسی ایک موقعہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جبریلؑ امین کے ساتھ مل کر جلدی پڑھنا حکمتِ الٰہیہ اور اسرارِ ربانی میں سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ایک مرتبہ عجلت اور تحریکِ لسانی فرمائی تب یہ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی آیت نازل ہوئیں۔ یہ اس طرح ہے جیسے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ ایک سفر میں نمازِ فجر کے وقت سوتے رہ گئے تو طریقۂ قضا کی آیت نازل ہوگئیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ بعض نے فرمایا کہ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی نہی سے اشارۃً منکرینِ کلامِ الٰہی کو سمجھایا جا رہا ہے کہ یہ کلام اللہ تعالٰی کا ہے جبریلؑ لانے والے ہیں۔ اور نبی کریم اس کی طرزِ بیانی کو جلدی جلدی زبان پر جاری کرنا چاہتے ہیں اگر یہ ان کا اپنا کلام ہوتا جیسا کہ کافر کہتے ہیں تو یاد کرتے ہیں جلدی کیوں کرتے۔ واللہ ورسولہٗ اعلم۔ ایک وہابی صاحب نے اس آیت لَا تَعْجَلْ کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ پر تقریر ختم ہوچکی تھی اس کے بعد رخصت ہوتے ہوئے فرشتہ اللہ کے حکم سے نبی کو ایک بات پر خبردار کرتا ہے جو وحی نازل کرنے کے دوران اُس کے مشاہدے میں آئی بیچ میں ٹوکنا مناسب نہ سمجھا گیا اس لیے پیغام کی ترسیل مکمل کرنے کے بعد اب وہ اس کا نوٹس لے رہا ہے۔ بات کیا تھی جس پر تنبیہ کی گئی (الخ) نبی وحی کا پیغام وصول کرنے کے دوران میں اسے یاد کرنے کی کوشش کر رہے ہوں گے۔ اس کوشش کی وجہ سے آپ کی توجہ بار بار بٹ جاتی ہوگی سلسلۂ اخذِ وحی میں خلل واقع ہو رہا ہوگا اس کیفیت کو دیکھ کر یہ ضرورت محسوس کی گئی کہ آپ کو پیغامِ وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے (الخ) ابتدائی زمانے میں جب کہ نبی کو ابھی اخذِ وحی کی عادت اچھی طرح نہ پڑی تھی (الخ) کئی کئی دفعہ آپ سے یہ فعل سرزد ہوا۔ اور ہر دفعہ آپ کو متنبہ کیا گیا سورۃ قیامت میں بھی ایسا ہوا تھا اور اس پر سلسلۂ کلام کو توڑ کر آپ کو ٹوکا گیا کہ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ سورۃ اعلیٰ میں بھی اسی طرح اطمینان دلایا گیا (الخ) بعد میں جب آپ کو پیغاماتِ وحی وصول کرنے کی اچھی مہارت حاصل ہوگئی تو اس طرح کی کیفیات آپ پر بند ہوگئیں یہ تھیں اُس مفسر مذکور کی جاہلانہ ہرزہ

سرائی اور لغو گفتگو ہے۔ اس میں مفسر کی جہالت کے علاوہ بعض مندرجہ ذیل کفریہ ... خیال بھی ہیں (۱) یہ تفسیر سارے کی ساری اڑائی ہے اور باتیں تفسیر گرای ۔ لا تعجل کے پورے کلام کو ان ذریعہ وحی علینا کہ جبرئیل کا کلام کہا گیا اور مانا گیا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کا حالانکہ قرآن مجید کے ایک لفظ کے کلام الٰہی ہونے کا انکار کرنا ایسا ہی کفر ہے جس طرح سب کا انکار۔ سورۃ نحل کی آیت ... کے لانے والے کا کلام اللہ ہونے کا بھی انکار ہے۔ ... ربط ہے کیونکہ مفسر لکھتا ہے سلسلہ کلام کو توڑ کر ... کو ... معاذ اللہ اگر یہ کفر نہیں تو کذب بیانی اور گمراہی ضرور ہے اور اگر تو کا گیا کا فاعل جبرئیل کو مانا جائے تو یہ بھی ... پہلے کی شکل کفر ہے (۲) اس ساری تفسیر کی بنیاد اپنی ذاتی تخیلاتی وہمی ... پر ... کوشش کر ... ہوں گے۔ تو جو ... ربط باقی ہوگی۔ نقل واقعہ ہو رہا ہوگا وغیرہ وغیرہ یہ ابلیسی ... ذاتی تصور ہے کیونکہ شاید ایسا ہوا ہوگا ویسا ہوا ہوگا یہ تو ماننی شکیہ ہے ایسے شکوک و شبہات ... پر اپنی مرضی کی تفسیر تو قرآن مجید میں بدترین تخریب کاری ہے جس کا مقصد محض گمراہی اور کفر کرانا ہے (۳) یہ کہنا کہ نبی کو وحی لینے کا صحیح طریقہ نہیں آتا تھا۔ لہٰذا وحی وصول کرنے کا صحیح طریقہ سمجھایا جائے (معاذ اللہ) یہ خبیثانہ گستاخی ہے (۴) یہ کہنا کہ فرشتہ نبی کو خبردار کر رہا ہے اور ایک غلطی کا نوٹس لے رہا ہے اللہ تعالیٰ کی بھی گستاخی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بھی۔ اس لیے کہ فرشتے کو اللہ سے بڑھا دیا کہ اللہ نے نوٹس نہ لیا اور رب کو محسوس نہ ہوا فرشتے کو محسوس ہو گیا۔ نبی کی گستاخی اس طرح کہ فرشتہ صرف قاصد ہوتا ہے اور انبیاء کا خادم خادم کی یہ جرأت نہیں ہو سکتی کہ نبی کے آگے وحی الٰہی یا کسی پیغام ربانی کے علاوہ بولنے کی ہمت کر سکے۔ جیسا کہ سورۃ مریم کی آیت ۶۴ سے ظاہر ہے۔ خاص کر جب وحی قرآن لے کر آئے تب تو ایک لفظ بھی اپنے منہ سے نہیں بول سکتا۔ مفسر نے اتنی بڑی بناوٹی جرأت دکھا کر اپنا ہی ایمان برباد کیا۔ اور اپنی قوم کو تباہ (۵) یہ کہنا کہ نبی سے جلد بازیاں ابتدائی دور میں ہوئیں یہ مفسر مذکور کی کتنی بڑی جہالت و ناواقفی ہے کہ اس کو سورۃ طٰہٰ کے نزول کا وقت بھی معلوم نہیں۔ یہ ابتدائی دور نہیں بلکہ ترتیب نزول سے طٰہٰ پینتالیسویں سورۃ ہے جب کہ ترتیب تلاوت میں بھی بیسویں ہے کیا اس کو ابتدا کہتے ہیں (۶) مفسر مذکور کا یہ کہنا کہ ہر دفعہ آپ کو متنبہ کیا گیا یہ بھی نبوت کی گستاخی ہے۔ گویا کہ معاذ اللہ انبیاء اتنے کند ذہن یا کمزور حافظے کے ہوتے ہیں کہ عام ذہین طالب علم کو سمجھایا جائے تو وہ اس لغزش سے پہلی بار ہی باز آ جاتا ہے تنبیہ کو یاد رکھتا ہے مگر نبی کو بار بار سمجھانا پڑتا ہے تب کہیں جا کر وہ لغزش سے رکتے ہیں (معاذ اللہ) میں کہتا ہوں یہ تفسیر لکھی ہے یا کفریہ سازش ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہی مرتبہ ایسا کیا تھا جس کو سورۃ قیامت کی آیت ۱۶ سے منع فرمایا گیا۔ یہ سورۃ ترتیب نزول میں اکتیس نمبر

کی ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں کسی دلیل سے نہیں روکا گیا وہاں رب تعالیٰ کا ایک قانون مذکور ہے اور سورۃ طٰہٰ میں کئی احتمال ہیں کہ یہ ممانعت تعجیل کی ہے کس کی ہے۔ اس کی وضاحت کردی گئی۔ اگر جلدی پڑھنے کی ہے تب اُمّی کی رو سے ہے ۹ یہ کہنا کہ نبی کو ابھی اخذِ وحی کی عادت اچھی طرح پڑی تھی اور یہ کہنا کہ جب آپ کو وحی وصول کرنے کی اچھی مہارت ہوگئی (معاذ اللہ) یہ بھی اللہ تعالیٰ کی گستاخی اور شانِ نبوت کی توہین ہے۔ گویا کہ مجہول فعل یہ کہنا چاہتا ہے کہ عام انسانوں کی طرح کمالاتِ نبوت بھی اپنی محنت و مہارت سے حاصل کئے جاتے ہیں اور نبوت و افعالِ نبوت کسبی کمال ہے اللہ تعالیٰ کا اس میں کوئی کام وہبی انعام نہیں۔ بخشش و عطا کو کچھ دخل نہیں۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ الْخُرَافَاتِ ظالم کے ہاتھ قلم آگیا جو چاہے لکھتا پھرے مگر اس بیہودہ گفتگو کو تفسیر نہیں کہا جا سکتا۔ نہ اسی طرح تفہیم انسانی ہو سکتی ہے بلکہ یہ تحریف قرآنی گمراہی پھیلانی ہے خیال رہے کہ نزولِ قرآن مجید مکی مدنی حیاتِ طیبہ کے تیئس ۲۳ سال میں نازل ہوا۔ اس طرح کہ لوح محفوظ سے اسرافیل نے اسرافیل سے جبریل علیہما السلام نے اور جبریل علیہ السلام سے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے (صاوی و تفسیر نیشاپوری) یہ نزول بحاجتِ امت کے لیے تھوڑا تھوڑا نازل ہوا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سارا قرآن مجید لفظاً لفظاً لوحِ محفوظ اور جبریل اسرافیل سے بھی پہلے عالمِ ازل میں یاد کرادیا گیا تھا غارِ حرا سے آخری وقت تک جبریل امین چوبیس ہزار دفعہ حاضرِ بارگاہِ رسالت ہوئے۔ قرآنِ مجید کی پہلی وحی سورۃ اقرأ کی پہلی پانچ آیتیں پیر کے دن بارہ ۱۲ ربیع الاول شریف دوپہر کے وقت غارِ حرا میں نازل ہوئی سنِ ولادت ۴۱ تھا اور سنہ ۶۱۰ء تھا اور آخری وحی سورۃ بقرہ کی سات آیت حرمتِ سود از آیت ۲۷۵ تا آیت ۲۸۱ نازل ہوئی (بروایت ابن مسعود از نور العرفان) ایک قول) بعض نے فرمایا کہ سورۃ توبہ کی آخری آیت ۱۲۸ و ۱۲۹ بروز جمعہ بعد نمازِ فجر وفات سے نو دن پہلے سن گیارہ ہجری دو ربیع الاول شریف سنہ ۶۳۲ء نازل ہوئیں۔ اللہ اکبر کیا شان ہے حفظِ نبوت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حافظۂ قرآنی کے کہ دیکھو یہ آیت نازل ہوتی ہیں آخری وقت میں اور ان کو لکھایا جا رہا ہے بقرہ اور توبہ میں جو نزول میں ۸۵ اور ۱۱۳ ہیں۔ اب بھی کوئی بدبخت یہ کہے کہ لَا تَعْجَلْ کی نہی اس لیے فرمائی گئی تھی کہ نبی کریم کو قرآن بھولنے کا خطرہ تھا اس کے خوف سے آپ جبریل کے ساتھ پڑھتے جاتے تو یہ اس بدبخت کی جہالت ہے۔ جو ذاتِ پاک آیتوں کو اپنی صحیح جگہ لکھا رہے ہیں وہ بھلا الفاظِ قرآن بھول سکتا ہے رب تعالیٰ مسلمانوں کو ان ابلیسی تفسیروں سے بچائے۔ آمین یا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَلَقَدْ عَهِدْنَا اِلٰى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا اے محبوب کریم

آپ قرآن مجید کی طرزِ ادا یاد کرنے میں جلدی نہ کیا کرو۔ کیونکہ نسیان کا کوئی اندیشہ نہیں آپ تو نبوت کے ازلی تاجدار ہو۔ لغزش وخطا بھول چوک تو بشری کمزوری سے ہوتی اور نبوت بشریت پر غالب ہے جو بشر ابتداء سے ہی نبی بنا دیا گیا ہو وہ ہر بشری کمزوری سے معصوم ہوتا ہے۔ محض بشر میں نسیانی کمزوری ہوتی ہے اور اس کا مظاہرہ ایک دفعہ ہو چکا ہے کہ بے شک آج سے کئی زمانے صدیوں پہلے ہم نے ایک بشر آدم سے ایک وعدہ لیا تھا جو پہلے بشر اور انسانوں کے جدِ اعلیٰ تھے۔ فَنَسِیَ تو وہ بھول گئے تھے اور وہ بھی بلا عزم وارادہ ایک لغزش ہم نے اس غلطی میں قطعًا ذرہ بھر ان کا قلبی ارادہ نہ پایا تھا۔ عزم سے مراد ہے قلبی ارادہ۔ اسی بھول سے یہ ثابت ہو گیا تھا کہ تا قیامت ہر انسان کی فطرت میں بھول چوک داخل ہے یہ انسانی سرشت ہے انسان خواہ کسی مقام پر ہو۔ انسانی کمزوریوں سے صرف نبوت ہی بچا سکتی ہے انسانوں میں صرف انبیا کو ہی ہر عیب سے معصوم بنایا گیا ہے رب تعالیٰ کا یہاں آدم علیہ السلام کے واقعے کا ذکر فرمانے کا مقصد صرف انسانی بشری بھول بیان کرنا ہے کہ انسان شروع سے بھولتا چلا آیا ہے۔ پچھلی آیات وواقعات میں مختلف بھولوں کا ہی ذکر ہے۔ کوئی انسان خطاءً بھولتا ہے کوئی عزمًا۔ کوئی نوعًا۔ کوئی لغزشًا۔ کوئی ذہنًا۔ کوئی عقلًا۔ کوئی قلبًا۔ کوئی عمدًا۔ کوئی تعقبًا کوئی حسدًا کسی کے نسیان نے خطا کرا دی کسی کے نسیان نے گناہ کسی کے نسیان نے کفر کرا دیا۔ رب تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں اور سابقہ کتب الٰہیہ میں مختلف بھولوں پر مختلف وعیدیں نازل فرمائیں، کسی نے اپنی بھول کا خیال نہ کیا اور کسی نے صرف اندیشۂ بھول سے اتنی احتیاط برتی کہ لَا تُحَرِّكْ اور لَا تَعْجَلْ کی نہی فرمائی گئی۔ آدم علیہ السلام کی یہ نسیان اور بھول کس قسم کی تھی اس میں مفسرین کے چار قول ہیں ۱ بعض نے فرمایا عزم میں نسیان تھا یعنی وعدہ وفائی میں ان کا مضبوط ارادہ نہ پایا اس وجہ سے انہوں نے رب تعالیٰ کے وعدے کا خیال نہ رکھا مگر یہ قول آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہے اس لیے غلط ہے ۲ یہ خطا فقط بلا ارادہ بھول تھی اور آپ درخت بھول گئے تھے کہ وہ کونسا درخت ہے جس سے منع کیا گیا ہے۔ یہ قول بھی کمزور ہے ۳ تیسرا قول یہ ہے کہ اگرچہ حضرت آدم کو درخت کا بھی پتہ تھا اور یہ بھی پتہ تھا کہ ابلیس ہمارا دشمن ہے مگر جس بھیس میں ابلیس اُن کے سامنے دوست نما قسمیں کھاتا ہوا جنت میں آیا تو وہ ابلیس کو پہچان نہ سکے وہ سمجھے شاید یہ کوئی فرشتہ ہے اور واقعتًا دوست ہے۔ اس کے بھیس اور قسموں سے دو وجہ سے دھوکہ کھایا ۱ ان کا خیال تھا کہ ابلیس تو مردود اور راندۂ درگاہ ہو چکا ہے وہ جنت میں نہیں آ سکتا ۲ اور چونکہ وہ کَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ ہو گیا اس لیے ابلیس رب کی قسم نہیں بول سکتا وہ تو رب کا منکر و گستاخ ہو چکا ہے اور یہ آنے والا

تو اللہ تعالیٰ کا نام اور اس کی قسمیں کھا رہا ہے یہ بھی ایک بشری کمزوری ظاہر فرمائی گئی ہے کہ کتنا ہی عقل فکر اور ہنرمند سیاستدان چالاک ہو کر مگر اپنی عقل و خرد سے دوست دشمن کو نہیں پہچان سکتا وَقَالَ مِنْكَ کے دھوکے میں آہی جاتا ہے بجز اس کے جو عَلٰی قَدَمِ النَّبِیِّ بِکِرَامِ الْکُمَّالِ کے انعام والا ہو وہی سمجھتا ہے کہ وَقَالِیْ فَضْلُ رَبِّیْ۔ اِس وقت آدم علیہ السلام کے پاس نبوت کی قوت نہ تھی محض بشریت پر یہ تمام واردات ہو رہی ہیں ۔ چوتھا قول یہ کہ آدم علیہ السلام کو عَهِدِ لَا تَقْرَبَا ۔ تو یاد تھا مگر عہد کی نوعیت یاد نہ رہی یا شروع سے ہی نہ سمجھی کہ یہ عہد فرض ہے یا واجب یا مستحب یہ فرض تھا مگر اس وقت آپ مستحب سمجھے۔ (از مظہری صاوی معانی بیان کبیر) مِنْ قَبْلُ کی مراد میں تین قول ہیں ۱ یعنی آدم علیہ السلام سے یہ وعدہ لینا بعد کے کفار یا کفارِ مکہ کے وعدوں وعیدوں سے پہلے لیا گیا تھا ۔ وہ بھی بھول گئے تو انہوں نے معمولی خطا کر لی اور پھر متنبہ کرنے پر تین سو سال روتے توبہ کرتے رہے لیکن کفارِ مکہ بھی عہدِ اَلَسْت کو بھولے بھٹکے ہوئے ہیں اور اس بھول سے سخت ترین کفر بدترین ظلم کما رہے ہیں باوجود صَرَّفْنَا فِیْهِ مِنَ الْوَعِیْدِ کی تنبیہ کے نہ روتے ہیں نہ توبہ کرتے ہیں ۔ اپنے جدِ اعلیٰ کی فطرتِ بشری پر ڈٹے ہیں ان کی فہمِ ایمانی پر نہیں آتے ۲ مِنْ قَبْلُ کا معنی ہے درخت کھانے سے پہلے آدم کو بتا سمجھا دیا گیا تھا اور عہد لیا تھا ۳ نزولِ قرآن سے پہلے یا اے نبی کریم تمہارے دنیا میں آنے سے پہلے گذشتہ زمانوں میں ہم نے عہد لیا تھا ۔ یہ سب قول درست ہو سکتے ہیں ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ کتبِ الٰہیہ اور آسمانی کلامِ الٰہی و صحیفوں میں صرف قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا ۔ توریت زبور انجیل وغیرہ عربی میں نہ اُترے ۔ لہٰذا سفیان ثوری کا وہ قول کہ سب کتابیں عربی میں نازل ہوئیں غلط اور بناوٹی ہے اس کی پوری تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا سوم میں دیکھئے ۔ یہ فائدہ یہاں قُرْاٰنًا عَرَبِیًّا کی تخصیص سے حاصل ہوا ۔ دوسرا فائدہ ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی کوئی انتہا کسی بھی مخلوق کو معلوم نہیں نہ یہ معلوم کہ کب انتہا ہو گی مخلوقی معلومات کے اعتبار سے نبی پاک کا علم مَاکَانَ وَمَا یَکُوْنُ بے انتہا اور بحرِ بیکنار ہے ۔ یہ فائدہ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا مانگنے کے ربانی حکم سے حاصل ہوا کہ اے محبوب تم تا قیامت یا تا ابد یہ دعا مانگتے رہو اور ہم دعا قبول کرتے ہوئے زیادتی فرماتے رہیں تیسرا فائدہ دنیا میں سب سے بڑی نعمت اور دولت علم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فقط اسی کی دعا مانگنے کا حکم دیا گیا کسی اور دوسری چیز کے مانگنے کا حکم نہ دیا گیا وہ تمام چیزیں رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بن مانگے خود ہی عطا فرما دیں ۔ نیز بڑی نعمت کی عزت و قدر بھی ہونی چاہیے اور طلب و خواہش سے

دعائیں مانگ مانگ کر لینا یہ بھی نعمتِ الٰہی کی قدردانی ہے یہ فائدہ بھی رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا کی دعا سے حاصل ہوا۔ تفسیر روح البیان و معانی میں ہے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ اس کے بعد یہ دعا ہمیشہ مانگا کرتے تھے رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَّ اِیْمَانًا وَّ فِقْہًا وَّ یَقِیْنًا۔ چوتھا فائدہ بارگاہِ الٰہی میں تمام عرشی فرشی مخلوق سے زیادہ افضلیت اور درجۂ اکرمیت و محبوبیت آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کو زیادتیِ علم کی خواہش ہوئی تو ان کو صرف ایک بار ایک اور نبی رسول خضر علیہ السلام کے پاس بھیج دیا لیکن جب حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زیادتیِ علم کی خواہش ہوئی تو تا ابد خود اپنی بارگاہِ ربانی میں دعا مانگنے اور زیادتیِ علم کے حصول کا طریقہ بتا دیا کسی دوسرے کے پاس نہ بھیجا۔ اس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ کائناتِ مخلوق میں رَبِّ زِدْنِیْ سے پہلے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اتنا کثیر علم تھا کہ کسی اور کے پاس نہ تھا۔ زِدْنِیْ کا مسئلہ بجز خالق تعالیٰ کے کوئی حل ہی نہ کر سکتا تھا یہ فائدہ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ میں رَبِّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ پانچواں فائدہ۔ انسانی کمزوریوں میں سب سے بڑی اور نقصان دہ بیماری جس سے دنیا و آخرت کے ہزارہا نقصانات ہیں وہ بھول و نسیان ہے۔ یہ بیماری عقل و ذہن قلب و فکر کو بھی ناکارہ کر دیتی۔ لغزش خطا گناہ وعدہ خلافی کفر شرک سب اسی کے نقصانات ہیں۔ ہر مسلمان کو اس سے بچنے کی بڑی ہمت کرنی چاہیے۔ یہ فائدہ فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے ابتداءِ آفرینش میں تمام کمزوریوں سے پہلے اس کمزوری کی نشاندہی فرمائی۔ اور بتا دیا کہ وَلَمْ نَجِدْ لَہٗ عَزْمًا کے باوجود بھی اس بیماری نے اپنا نقصان کر دیا کہ جنت سے نکلوا دیا۔ لباس اتروا دیا۔ تین سو سال رُلا دیا۔ عَصٰٓی اٰدَمُ کی تنبیہ کا پیغام سنا دیا۔ یہ بیماری پیدائشی بھی ہوتی ہے اور بعد کی بعض غلط عملیات کی وجہ سے بھی بزرگانِ دین نے ان اسبابِ نسیان کی کچھ نشاندہی کروائی ہے۔ چنانچہ مولیٰ علیؓ نے فرمایا کہ دس چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں (۱) کثرتِ فکر غم پریشانی (۲) کھڑے پانی میں پیشاب کرنا (۳) کھٹا سیب کھانا (۴) چوہے کا جھوٹا کھانا یا پینا (۵) قبروں کی تختیاں بلاوجہ پڑھنا (۶) سولی یا پھانسی والے مردے کی طرف زیادہ دیکھنا (۷) اونٹوں کی قطار میں دو اونٹوں کے درمیان چلنا (۸) بدن یا سر میں سے جوں نکال کر زندہ ہی زمین پر پھینک دینا یا پھر سر میں ہی چھوڑ دینا (۹) چاندی کے برتنوں یا دانت کا استعمال کرنا (۱۰) عورتوں والا سکڑا مردوں کو ملنا۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ کثرتِ گناہ سے بھی نسیان پیدا ہوتا ہے آپ اپنے استاد کا ایک شعر سنایا کرتے تھے۔

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰہٍ وَاِنَّ النُّوْرَ لَا یُعْطٰی لِعَاصٍ

یعنی اے شافعی علم اللہ کا نور ہے اور گناہ والے کو نور نہیں دیا جاتا۔

اَحکامُ القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ باری تعالیٰ نے اس آیت پاک میں بندوں کو یہ بات سمجھائی ہے کہ ہمیشہ ایسی بات کرنی اور لکھنی چاہیئے جس میں انبیاء کرام علیہم السّلام کی تعظیم اور شان ظاہر ہوتی ہو۔ خود رب تعالیٰ بھی ہمیشہ اپنے پیارے محبوب بندوں کی ہر طرح مدح وثنا فرماتا ہے یہ مسئلہ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا کے تعریفی وثنائی جملے سے مستنبط ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ نے یہ جملہ ارشاد فرما کر اپنے پیارے بندے حضرت آدم علیہ السّلام کے دامن سے گناہ وعصیان کا داغ دھو دیا کہ اگرچہ بشری کمزوری سے نسیان تو ہوا مگر یہ اجتہادی غلطی تھی۔ نہ کہ عزم۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ایسے بیہودہ مردود اور جاہلانہ قول چھوڑ دینے چاہیئے جس میں توہین یا کسی کمی کا ذرہ بھر شائبہ ہو۔ کیونکہ بیہودہ اقوال شیطانوں کے قلم اور زبان سے نکلتے ہیں۔ دوسرا مسئلہ جب قرآن مجید بغرضِ تلاوت پڑھا جائے تب قریب بیٹھے ہوئے تمام لوگوں کو سننا اور خاموش رہنا واجب ہے صرف ایک شخص تلاوت کرے باقی سنیں۔ دوسرے لوگ نہ تو دنیوی بات کر سکتے ہیں نہ دینی بلکہ نہ قرآن مجید ہی پڑھ سکتے ہیں۔ ختم شریف یا ایصالِ ثواب کے لیے اجتماعی تلاوت کرنا ضروری ہو تو سب ایک محفل میں آہستہ پڑھیں اگر کوئی وہیں بیٹھے زور سے پڑھے گا تو باقیوں کا پڑھنا منع ہو جائے گا اُن پر اس کا سننا واجب ہوگا۔ ہاں البتہ اگر کوئی مدرسہ ہے اور قرآن پاک بغرضِ تعلیم شاگرد پڑھ رہے ہیں تو سب کا زور سے پڑھنا بھی بیک وقت جائز اور استاد کا زور سے بولنا پڑھانا بھی جائز ہے یہ مسئلہ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ جبرئیل علیہ السّلام کا وحی کی آیت کا زور سے پڑھنا چونکہ تعلیم دینا نہ تھا نہ تعلیم لینا۔ بلکہ تلاوتِ قرآن تھا۔ اس لیے جب ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ساتھ ساتھ پڑھنا شروع کیا تو اس آیت میں آپ کو منع فرما دیا گیا اور تاقیامت مسلمانوں کو اس مسئلے کا علم ہو گیا۔ ہمارے ایک ہم عصر بزرگ مفسر صاحب نے ایک لغزش کرتے ہوئے نزولِ وحی کی محفل کو محفلِ تدریس سے تشبیہ دے ڈالی وہ لکھتے ہیں کہ حصولِ علم کا عام طریقہ تو یہی ہے کہ اُستاد جو کہے شاگرد اُسے غور سے سنتا بھی جائے اور ساتھ ساتھ اسے ذہن میں محفوظ بھی کرتا جائے اور میں کہتا ہوں یہ تفسیری نکتہ احمقانہ ہے۔ یہ تشبیہ غلط بھی ہے۔ مجالسِ تعلیم کے طور طریقے تجربے اور مشاہدے وحقیقت کے خلاف بھی۔ کہیں بھی مدرسوں میں خاموش فہمی سے تعلیم نہیں ہو سکتی خاص کر حفظ القرآن یا ناظرے قرآن کی درس گاہوں میں نیز جبرئیل صرف ایک قاصد ہیں۔ ان کو استاد سے تشبیہ دینا اگر عقیدۃً ہے تو گستاخی ہے مفسر کو توبہ کرنی چاہیئے۔ اگر نیا تًا

ہے تو خطا ہے۔ آئندہ اس تشبیہ کو مٹانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف فرمائے کیونکہ یہ بات منشاءِ قرآن حکیم کے خلاف ہے **تیسرا مسئلہ**۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ کسی بھی شخص پر نہ اُس کی حق تلفی اور کمی کا ظلم کرے نہ زیادتی اور چھپا چھپی کا ھضم کرے۔ مقررہ حق سے کم دینا ظلم ہے اور زیادہ لینا ھضم ہے دونوں سے بچنا عدلِ اسلامی ہے یہ مسئلہ لَا یَخَافُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا سے مستنبط ہوا رب تعالیٰ نے اپنی عدالتِ الٰہیہ کی شان یہ بتائی کہ باوجود اس کے کہ وہ خالق سب اُس کی مخلوق و مملوک پھر بھی نہ ظلم فرمائے نہ ھضم تو پھر دوسرے انسانوں کو اس کی کیسے اجازت ہو سکتی ہے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ ملاوٹ کی چیز بیچنا ظلم ہے اور دھوکہ دے کر کوئی چیز حاصل کرنا ھضم ہے۔ چنانچہ کالا خضاب لگا کر رشتہ مانگنا ھضم میں شامل۔ اسی لیے کالا خضاب حرام ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جا سکتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَنَسِیَ دوسری جگہ طٰہٰ آیت ۱۲۱ میں ہے فَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى۔ یعنی آدم نے نافرمانی کی تو گمراہ ہوا (وہابی ترجمہ) نسیان معمولی خطا ہے اس پر سزا نہیں ہوتی اور عصیان سخت جرم ہے اس پر سزا لازم اور آدم کو سزا ہوئی کہ جنت سے نکالا گیا۔ اگر حضرت آدم کا یہ فعل نسیان تھا تو اسے عصیان کیوں فرمایا گیا اور اگر عصیان تھا تو نسیان کیوں فرمایا گیا! **جواب**۔ یہ فعل نسیان ہی تھا اور جنت سے نکالا جانا سزا نہ تھی مگر معترض نے نسیان عصیان اور فَغَوٰى کا ترجمہ درست نہ کیا، اس لیے یہ الجھن پڑی۔ نسیان کے چار معنی ہیں ۱۔ بھولنا یاد نہ رکھنا ۲۔ چھوڑ دینا نہ کرنا نہ پرواہ کرنا ۳۔ بے توجہ ہونا ۴۔ دھیان نہ دینا۔ یہاں مراد ہے بھول کر چھوڑ دیا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً ۴۵ جگہ ارشاد ہوا ہے اور ان ہی چار معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ توبہ آیت ۶۷ میں ہے نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِیَهُمْ۔ انہوں نے اللہ کو چھوڑ دیا تو اللہ نے ان کو چھوڑ دیا۔ یہاں بھولنے کا ترجمہ نہیں کیا جا سکتا۔ ایسے ہی فَنَسِیَ اٰدَمُ میں بھی صرف بھولنا ترجمہ نہیں بلکہ بھول کر چھوڑ دیا مراد ہے۔ اس لیے کہ شیطان ابلیس خود بتا رہا ہے کہ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ (سورۃ اعراف آیت ۲۰) عَصٰى کا معنی بھی یہاں نافرمانی کرنا منشاءِ قرآن کے خلاف ہے۔ بلکہ عَصٰى میں نَسِیَ کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ یعنی یہ عہد چھوڑنا اس لیے تھی کہ فَعَصٰى۔ پس وہ بے توجہ ہو گئے تھے نوعیتِ ممانعت سے۔ عَصٰى کی وجہ سے نَسِیَ اور نَسِیَ کی وجہ سے فَغَوٰى تو اپنے مقصد میں ناکام ہو گئے۔ غَوٰى کا ترجمہ گمراہی کرنا جہالت ہے جنت سے نکالا جانا اس نَسِیَ کا نتیجہ ہے نہ کہ سزا۔ جیسے کوئی ڈاکٹر کہے کہ اگر مریض نے سخت غذا کھائی تو پیٹ میں درد ہوگا تو پیٹ میں درد ہونا سزا نہیں بلکہ نتیجہ ہے۔ **دوسرا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ تقوے کو قرآن مجید

کی طرف منسوب نہ کیا گیا ذکر کو منسوب کیا گیا کہ ارشاد ہوا لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ۔ تاکہ وہ خود متقی ہو جائیں اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ یا یہ قرآن مجید پیدا کرے اُن کے لیے ذکر۔ جواب۔ اس لیے کہ تقوے میں سلب اور معدومیت ہے مگر ذکر میں ایجاب اور ثبوت ہے۔ یعنی بندہ اپنے سے برے کاموں کو ختم کر دے عیوب سے ہمیشہ کے لیے بچنے لگے یہ تقویٰ ہے اِس استمراری معدومیت اور منفی پہلو کی وجہ سے اس کو قرآنِ مجید کی طرف نسبت نہ کیا گیا جب بندہ متقی بن جائے اور اس کا باطن خالی ہو جائے تب قرآن مجید اُس سینے میں ذکر و فکر ہدایت بھر دے گا۔ اگر کوئی تقویٰ اختیار کرے تب بھی قرآنِ پاک اُس کے لیے راستہ درست ہموار فرما دے گا بہر حال تقویٰ تو خود ہی اپنانا پڑے گا۔ تیسرا اعتراض قرآن مجید سے حدوثِ ذکر کیسے ہوتا ہے۔ جواب۔ اس طرح کہ جب بندہ بار بار تلاوت کرتا ہے تو اس کو روشنی حاصل ہوتی ہے روشنی سے سمجھ اور سمجھ سے نصیحت یعنی ذکر حاصل ہو جاتا ہے چوتھا اعتراض یہاں تقوے اور ذکر کے درمیان لفظ اَوْ۔ ارشاد ہوا۔ اَوْ دو چیزوں کے درمیان نفی پیدا کرتا ہے حالانکہ تقویٰ اور ذکر آپس میں منافی نہیں ہیں بلکہ لازم و ملزوم ہیں کہ ذکر ہوگا تو تقویٰ خود بخود ہوگا اور تقویٰ ملے گا تو ذکر و نصیحت بھی یہاں اَوْ نہیں ہونا چاہیے تھا۔ جواب یہاں حرفِ اَوْ کا تعلق تقوے اور ذکر سے نہیں بلکہ بندے کے دل سے ہے یعنی نزولِ قرآن کا مقصد یہ ہے کہ بندے کا دل خالی نہ رہے یا خوفِ وعید سے تقویٰ دل میں آجائے یا قرآنِ کریم ان کے دل میں ذکرِ الٰہی ڈال دے۔ اس کی مثال اس طرح سمجھو کہ کوئی کہے اِس گھر میں یا زید رہتا ہے یا بکر۔ تو حرفِ یا نے زید و بکر میں منافات نہ کی وہ تو دونوں بھی رہ سکتے ہیں نفی خالی رہنے کی ہے کہ گھر کبھی خالی نہ رہا ایسے ہی یہاں ہے کہ تقوے اور ذکر سے بندے کا قلب خالی نہ رہے گا یا تقویٰ آئے گا یا دونوں جواب دوم یہ کہ اَوْ کا تعلق تقوے اور ذکر سے نہیں بلکہ تقوے اور حدوثِ ذکر سے ہے کہ اگر کوئی متقی نہ بنے تو کم از کم یہ قرآنِ حکیم ان میں ذکر پیدا کر دے گا۔

تفسیر صوفیانہ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَخٰفُ ظُلْمًا وَّلَا هَضْمًا وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا۔ بندہ مثلِ مکان ہے۔ اُس کے اعمالِ شریعت عمارت اور اعمالِ طریقت اُس کا سامانِ زیب و زینت۔ اس کی نیتِ صالحہ ایمان ہے یہ ہی بنیادی مضبوطی ہے بندۂ مومن چار چیزوں سے مکمل ہوتا ہے ۱) اعمالِ شریعت ۲) تفکرِ طریقت ۳) تدبرِ ایمانی ۴) تیقنِ عرفانی سے اور جس نے تزکیے کے غسل۔ تلبیات کے زیور سے اپنے خود کو مزین کیا اور لباسِ ایمانی کا مومن بن گیا تو اس کو کہیں بھی کبھی بھی

کمالاتِ حاصلہ میں کمی کا اندیشہ نہ ہوگا کہ یہ ظلمِ باطنی ہے اور نہ اُس کو استعدادِ توفیق کا کبھی خسارہ حیلی ہو کیونکہ یہ ھضمِ باطنی ہے۔ بندۂ مخلص دونوں مصیبتوں سے بے خوف کر دیا جاتا ہے۔ نہ ذلت کا ظلم نہ مرتبے کا ھضم عالمِ ناسوت میں اجسام کی زبانیں اگرچہ مختلف ہیں مگر ارواحِ عالم کی زبان صرف عربی ہے جن وانس سب کی اسی لیے ارواحِ قدسیہ پر الہاماتِ صمدیہ لغتِ عربی میں نازل ہوتے ہیں۔ اِن الہاماتِ معرفت میں مریدانِ بے خلوص ومسافرانِ راہِ سلوک میں ریاکاریِ نمود کے لیے بے توفیقی کی وعیدیں ہیں تاکہ یہ غافل لوگ سُستِ اقدام کاہل الاعمال مسافر اپنے تزکیۂ نفس سے تقویٰ کی منزل جلدی پا لیں یا الہاماتِ ربّانی کے انوار کا زیور ذکر وحفظِ الہامات سے دیدیا جائے تب ان میں کیفیاتِ تفکر پیدا ہو جائے فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔ انوار اسرار کی تمام قدرتیں اس اللہ تعالیٰ کو ہیں جو علم وجلال عظمت وکمال میں تمام کائنات سے اعلیٰ وبالا وتعالیٰ ہے۔ اُس کی قدرت سے کوئی بالا نہیں اور اُس کے امر سے کوئی باہر نہیں ہو سکتا اسی کی ملکیتِ حقیقیہ اور سلطنتِ اصلیہ ہر شی پر غالب ہے۔ اسی کا تصرف اُس کے ارادے اور قدرت کے مطابق ہے اسی کا عدل نافذ ہے عاملین پر اُسی کا کرم قائم ہے خائفین پر۔ ہر مخلوق کو اُس کا حصہ اس کے حق کے مطابق عطا فرماتا ہے اپنی حکمت سے اُس کے وقت کے آنے پر۔ لہٰذا وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰۤى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا۔ جب حبیبِ ابدی کو مقامِ لامکانی پر قُربِ کلام کا شرف حاصل ہوتا ہے تو غایتِ ذوق سے لذّتِ قول میں ھیجانِ شوق بڑھتا ہے اور لسانِ عشق میں تیزی آجاتی ہے تب صداءِ عتاب تو بہین بلند ہوتی ہے کہ اے حبیبِ قدسی ترقّیِ علمِ لدُنّی وتلقّیِ اسرارِ مِنّی میں جلدی نہ فرما کیونکہ علم وحکمت کا نزول نافذ ہے مراتبِ قبولیت کی ترقی وترتیب پر۔ نہ طلب میں جلدی فرما اس کے لیے فیضانِ انوارِ غیر متناہی ہیں کسی کی شمار میں نہیں آسکتے۔ طلب عرض فرما ترقیِ علمِ اسرار اور قلب کے غُسلِ تصفیہ اور قالب کے زیورِ تزکیہ کی کیونکہ طلبِ کثرت فقط دعاءِ حال اور زبانِ استعدادی سے میسر ہوتی ہے نہ کہ جلد بازی سے امکانِ قبول سے پہلے کچھ نہیں ہو سکتا اور جب تُو نے کسی چیز کو جان لیا تو تیری قبولیت کا درجہ پہلے سے اعلیٰ ہوگا (از ابن عربی) وَلَقَدْ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اٰدَمَ مِنْ قَبْلُ فَنَسِيَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا۔ اور البتہ بے شک ہم نے ہر آدمِ باطنی سے معرفتِ اسرار کا عہد لیا تھا کہ شجرِ ظلمت کے قریب نہ جانا یہ عہدِ خلقیتِ قُربِ انوار کی جنتِ روحانیت میں جانے سے پہلے لیا تھا۔ پھر جب جنتِ روحانیہ میں پہنچ کر نعیمِ جنت پر نگاہ ڈالی فَنَسِيَ تو یہ بندۂ خاکی ہمارے عہد اور تعلّقِ شجر کی ممانعت اور عداوتِ ابلیس کو بھول گیا یہ سب اس لیے ہوا کہ جب آدمی کو خلقتِ معرفت دی گئی تو اوّلاً قلبِ

باطنی پر صفاتِ کثیرہ کی تجلی ڈالی گئی جس سے صفاتِ انسانی کی ظلمات مغلوب و مستور ہو گئیں۔ صفاتِ ربوبیت کی ہیبت سے بدنِ ناسوتی میں تعلقات ماسوا اللہ اور انقیادِ لغیر اللہ کا مادہ ہی باقی نہ رہا۔ پھر جب انسانی کی بشریتِ حیوانیہ اور خواہشاتِ نفسانیہ کو حرکت ہوئی اور وہ لذاتِ آدمیت کو پورا کرنے میں مشغول ہوا تو حقوقِ معرفت کو ادا کرنا بھول گیا۔ اس لیے یومِ معرفت کا سورج اور لیلِ مکاشفہ کا چاند نسیان کے بادلوں میں صرف چھپ گیا غروب نہ ہوا کیونکہ یہ خطاءِ اجتہادی تھی عزم بالجزم نہ تھا اے بندۂ عارف اس بھول سے بچنے کے لیے اپنے رب حیّ و قیوم سے طلبِ علم لدنی کی کثرتِ دعا عرض کرتا رہ ہم شکلوں سے نہ مانگ بے شکل سے مانگ۔ بے شکلی کا دعویٰ صرف حَیٌّ وَّ لَا یَمُوْتُ کو ہے اور اس دعوے کی بُرْھَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ نبیِ بے شکل ہے۔ بایزید بسطامی نے فرمایا کہ مسکین وہ ہے جو ہم شکل سے طلب کرے غنی وہ ہے جو بے شکل سے طلب کرے۔ ہم شکل کا بھکاری نامراد رہتا ہے مگر بے شکل سے مانگنے والا یقیناً مراد پالیتا ہے۔ علم انوارِ الٰہی کا ایک نور ہے کوئی عبدالرزاق سے لیتا ہے کوئی رزاق سے روایت میں ہے کہ سب سے اچھا و افضل عمل علم باللہ ہے۔ اس لیے کہ علم والا تھوڑا کام بھی زیادہ نفع دیتا ہے اور جہالت والا زیادہ کام بھی نفع نہیں دیتا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تعلیمِ امت کے لیے اکثر یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لَّا یَنْفَعُ۔ اے اللہ میں پناہ مانگتا تیری اُس علم سے جو نفع نہ دے۔ علم باللہ صفائیِ باطن کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ صفائیِ قلب اعظمِ قربات اور افضلِ طاعات ہے۔ ہر بندے پر عبادت کے چار حقوق ہیں پہلا حق فرائض کی ادائیگی جس نے فرض چھوڑ کر نفلی عبادتیں شروع کیں اس نے خواہشاتِ شیطانی کی اتباع کی یہ بھی ابلیس کا ورغلانا ہے۔ دوسرا حق واجبات کی ادائیگی۔ تیسرا حق مستحبات کی ادائیگی چوتھا حق اور آخری نوافل کی ادائیگی اور کثرت میں مشغولیت۔ فرائض مثلِ برتن ہے۔ واجبات اس کی مضبوط بناوٹ و خوب صورت شکل و صورت ہے مستحبات اس کی نکل پالش اور قلعی ہے نوافل اُس کے اندر لذیذ پانی اور کھانا ہے۔ انسان کو پہلا دھوکا عورت کے ذریعے ملا۔ عورت کے نہ ہونے پر صبر کر لینا بہتر ہے عورت کے حصول پر بے صبری کرنے سے آدمی کی سب سے بڑی بشری کمزوری یہ ہے کہ وہ عورت کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا

اور یاد کیجیے اے محبوب اُس وقت کو جب کہا تھا ہم نے فرشتوں کو سجدہ کرو تم آدم کو تو سب نے ہی سجدہ کیا تھا

اور جب ہم نے فرشتوں سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گرے

اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ﴿۱۱۶﴾ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا

مگر ابلیس نے انکار کر دیا تھا تو کہا تھا ہم نے اے آدم بے شک یہ

مگر ابلیس اس نے نہ مانا۔ تو ہم نے فرمایا اے آدم بے شک یہ

عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا

سخت دشمن ہے تمہارا اور تمہاری بیوی کا تو یہ نکلوا نہ دے تم دونوں کو

تیرا اور تیری بی بی کا دشمن ہے تو ایسا نہ ہو کہ وہ تم دونوں کو

مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى ﴿۱۱۷﴾ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ

جنت سے پھر تم مشقتوں میں پڑ جاؤ بے شک یقینی بات ہے کہ نہ بھوک محسوس کرو گے تم

جنت سے نکال دے پھر تو مشقت میں پڑے۔ بے شک تیرے لیے جنت میں یہ ہے

فِيْهَا وَلَا تَعْرٰى ﴿۱۱۸﴾ وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِيْهَا

اس جنت میں نہ کبھی ننگے ہو گے تم۔ اور بے شک نہ پیاس محسوس کرو گے تم اس میں

کہ نہ تو بھوکا ہو نہ ننگا ہو۔ اور یہ کہ تجھے نہ اس میں پیاس لگے

وَلَا تَضْحٰى ﴿۱۱۹﴾ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ

اور نہ گرمی پاؤ تم۔ تو فریب کاری کی اُن کی طرف شیطان نے کہ

نہ دھوپ۔ تو شیطان نے اسے وسوسہ دیا

قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ

کہا اے آدم کیا پتہ بتا دوں تم کو ہمیشہ کی زندگی دینے والے درخت کا

بولا اے آدم کیا میں نہیں بتا دوں ہمیشہ جینے کا پیڑ

وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى ﴿۱۲۰﴾

اور ایسی سلطنت کا جو کبھی ختم نہ ہو

اور وہ بادشاہی کہ پرانی نہ پڑے

تعلقات

اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت آدم علیہ السّلام کے ایک عہد کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں اس کی تفصیل بتائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں مومن کی شان بتائی گئی کہ عالم آخرت جنت میں حشر قیامت میں ان پر کوئی ظلم وغیرہ نہ ہو گا۔ اب اِن آیت میں حضرت آدم کے وقت سے جنت کا نقشہ بتایا گیا کہ اُس وقت بھی آدم علیہ السلام سے فرمایا گیا تھا کہ تم کو جنت میں کسی قسم کا اندیشہ وخوف نہ ہو گا۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ قرآن مجید متقی بننے اور اپنے بُرے بھلے کو سوچنے سمجھنے کے لیے نازل کیا گیا ہے اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ بُرا کون ہے جس سے بچنا ضروری ہے اور جس سے بچ کر ہی انسان متقی بن سکتا ہے۔

تفسیر نحوی

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ اَبٰى ۔ فَقُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَ لِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ واؤ ابتداء کلام کے لیے دسرِ جملہ قُلْنَا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف مرجع اللہ تعالیٰ لام جارّہ تعدیہ (مفعولیت) کا اردو ترجمہ ہے "کو" ملٰئکۃ اسم جمع مکسّر ہے اس کا واحد مَلَک ہے بمعنیٰ فرشتہ یہ جار مجرور متعلق ہے قُلْنَا کا وہ فعل با فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا م اسْجُدُوْا بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر جمع مذکر سَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زمین پر ماتھا لگانا ٹیکنا۔ اس کی بہت سی قسمیں ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیں گی کُمْ ضمیر

پوشیدہ اس کا فاعل لِاٰدَمَ یہ جار مجرور متعلق ہے اُسْجُدُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْنَا کا قول مقول مل کر شرط ہوا اِذْ ظرفیہ زمانیہ شرطیہ کی وجہ سے فَ جزائیہ سَجَدُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے مَلٰٓئِكَة اِلَّا حرفِ استثنا اِبْلِیْسَ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے بحالتِ نصب ہے کیونکہ مستثنیٰ منقطع ہے اور منقطع چونکہ صرف مستثنیٰ ہی ہو سکتا ہے کسی قسم کا بدل نہیں ہو سکتا لہٰذا نصب دینا واجب ہے خیال رہے کہ مستثنیٰ کا اعراب چار قسم کا ہوتا ہے ۱۔ نصب واجب یہ پانچ صورتوں میں ہے اوّل یہ کہ مستثنیٰ مَاخَلَا یا مَاعَدَا یا لَیْسَ کے بعد ہو دوم یہ کہ مستثنیٰ مقدم ہو مستثنیٰ منہ سے سوم یہ کہ مستثنیٰ صفت نہ بن سکے اور کلام منفی نہ ہو چہارم یہ کہ مستثنیٰ خَلَا یا عَدَا کے بعد ہو مگر اس میں اختلاف ہے پنجم یہ کہ مستثنیٰ منقطع ہو یعنی کسی گروہ سے نکالا اس کو جائے جو پہلے داخل ہی نہ ہو صرف کسی تعلق یا نسبت وغیرہ کی بنا پر شامل ہو گیا ہو۔ گویا کہ مستثنیٰ کا اصل اعراب نصب ہے اِن پانچ جگہ نصب اس لیے واجب ہے کہ یہاں مستثنیٰ اپنے مستثنیٰ منہ کا نہ بدل بنایا جا سکتا ہے نہ صفت موصوف صرف مستثنیٰ ہی بن سکتا ہے جہاں یہ بات نہ ہو وہاں مستثنیٰ پر کسرہ بھی آ سکتا ہے اور عامل کے مطابق اعراب زیر زبر پیش آ سکتا ہے اور اگر وہ لفظ مستثنیٰ بھی ہو سکتا ہے اور بدل یا صفت بھی نصب (زبر) جائز ہے۔ اِبْلِیْسَ پر تنوین (دو زیر) اس لیے نہیں آ سکتا کیونکہ یہ غیر منصرف ہے یہ سَجَدُوْا کے فاعل کا مستثنیٰ ہے اور ذو الحال ہے اَبٰی کا باب ضَرَبَ یا فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اَبٰی سے مشتق بہ معنٰی اِلْفَا اور ناقص یائی بمعنٰی سختی اور تکبرانہ کسی چیز یا کلام سے انکار کرنا خیال رہے کہ نَكَرٌ، كُفْرٌ، اَبٰی، جَحْدٌ، نَكَلٌ پانچوں مصدروں کا ترجمہ ہے انکار کرنا مگر فرق یہ ہے ۱۔ نَكَرٌ عام ہے ہر قسم کے انکار کو ۲۔ كُفْرٌ کسی دینی مذہبی یا قلبی اچھے یا برے عقیدے کا انکار کرنا مگر اصطلاح میں اچھے دینی عقیدے کا انکار کرنا ۳۔ اَبٰی سختی و تکبرانہ طریقے سے انکار کرنا ۴۔ جَحْدٌ کوئی بات یا وعدہ کر کے جان بوجھ کر انکار یا نفی کرنا ۵۔ نَكَلٌ قسم یا منت یا شرط سے انکار کرنا۔ اَبٰی فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر ھُوَ کا مرجع اِبْلِیْسَ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا اِبْلِیْسَ کا دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا سَجَدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی قُلْنَا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ قُلْنَا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یَا حرفِ ندا اٰدَمُ اس کا منادیٰ اِنَّ حرفِ تحقیق ھٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ اِبْلِیْسَ ہے یہ اسم اِنَّ ہوا عَدُوٌّ اسم مفرد صفت مشبہ صیغہ مبالغہ عَدُوْوٌ تھا بروزنِ فَعُوْلٌ واؤ کا واؤ میں ادغام کر دیا بمعنٰی بہت ہی سخت مکمل دشمن ہر چیز جان مال عزت و آبرو کا دشمن اور ہر طرح سے دشمنی دینے والا یعنی موذی دشمن، اس کے علاوہ بھی عربی لغت میں دشمن کے لیے تین لفظ ہیں جن میں نوعی فرق یہ ہے ۱۔ لَدُوْدٌ وہ دشمن جو ضدی اور جھگڑالو ہو جو کبھی دوست نہ بن سکے

۲۔ مُشاحِن جو موذی دشمن ہو موذی دشمن وہ ہوتا ہے جو صرف نقصان کرے اپنا فائدہ ہو یا نہ ہو جیسے چوپا کتا ہیں کا کتا ہے اس میں اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا ۔ ۳ مباغض کینہ پرورش دشمن دل سے دشمنی نہ نکالے انتقام کے بعد بھی بھڑاس نہ نکلے لَکَ جار مجرور معطوف علیہ اور لِزَوْجِكَ مرکب اضافی جار مجرور معطوف ک ضمیر ہیں دونوں جگہ مرجع حضرت آدم ہیں اور زوج سے مراد حضرت حوا ہیں در اصل زَوْجَتِكَ کا ہے تاءِ تانیث تخفیف کے لیے ضمیر مخاطب مذکر کے قرینے سے گرادی گئی یہ دونوں عطف متعلق ہیں عَدُوٌّ کا هُوَ ضمیر پوشیدہ ہے وہ اس کا فاعل ترجمہ ہے وہ ابلیس سخت دشمنی کرنے والا ہے یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر شبہ جملہ ہو کر جواب د یا) ندا ہوا ندا منادیٰ جواب ندا سب مل کر معطوف علیہ سبب ہوا فَ عاطفہ سببیہ لَا یُخْرِجَنَّ باب افعال کا فعل نہی تاکید بہ با نون ثقیلہ اِخْرَاجٌ مصدر متعدی ہے بمعنی نکالنا باہر کرنا خروج مادہ سے بنا ہے بمعنی نکلنا هُوَ پوشیدہ فاعل ہے جس کا مرجع ابلیس ہے کُمَا اسم ضمیر تثنیہ مذکر حاضر اس کا مرجع ہے آدم و حوا مفعول بہ ہے مِنَ الْجَنَّةِ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُخْرِجَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر سبب ہوا فَ تَشْقٰی باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر شَقْوٌ سے مشتق ہے بمعنی مشقت مصیبت پریشانی میں پڑنا یہاں دنیوی تکالیف مراد ہے اِس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع آدم ہیں یہ جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا لَا یُخْرِجَنَّ کا سب مل کر پھر معطوف سبب ہے اِنَّ کے پورے جملے کا اگلی عبادت وَلَا تَضْحٰی تک تمام عبارت جواب دوم ہے ۔ اِنَّ لَكَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّكَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی ۔ اِنَّ حرفِ تحقیق بمعنی بے شک لَكَ جار مجرور متعلق ہے مُحَقَّقٌ پوشیدہ اسم مفعول کا یعنی یقینی وعدہ یا حقیقت ہے تمہارے لیے اَنْ حرفِ ناصب اَلَّا در اصل اَنْ لَا ہے اَنْ حرفِ ناصبہ لَا تَجُوْعَ باب نصر کا مضارع مستقبل منفی معروف واحد مذکر حاضر جُوْعٌ سے بنا ہے خطاب ہے حضرت آدم کو فِیْهَا کا معنیٰ جنت میں یہ متعلق ہے لَا تَجُوْعَ کا واو عاطفہ لَا تَعْرٰی باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل منفی معروف واحد مذکر حاضر عُرْیٌ سے مشتق ہے بمعنی ننگا ہونا ۔ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے لَا تَجُوْعَ پر دونوں مل کر اسم موخر ہے اِنَّ کا لَكَ مُحَقَّقٌ پوشیدہ سے متعلق ہوا اسم مفعول اپنے نائبِ فاعل هُوَ پوشیدہ کے ساتھ ہو کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ اَنَّ حرفِ مشبہ تحقیقیہ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل اِس کا اسم ہے لَا تَظْمَؤُا باب سَمِعَ کا مضارع مستقبل منفی واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب ظَمَأٌ سے مشتق ہے بمعنی پیاسا ہونا پیاس لگنا یہ آخر کا الفِ ہمزہ نشان ہے فِیْهَا

جار مجرور متعلق ہے لَا تَظْمَؤُا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تَضْحٰی ۔ باب سَمِعَ کا مضارع منفی معروف واحد مذکر حاضر ضُحُوٌّ سے مشتق ہے بمعنی دھوپ کی تپش لگنا گرمی لگنا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ ہوئی اَنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اِنَّ لَكَ پر دونوں عطف مل کر نِدا کا جواب دوم ہوا نِدا سب سے مل کر مقولہ ہوا قُلْنَا کا یہ جملہ قولیہ ہو کر معطوف اِذْ قُلْنَا کے جملہ قولیہ پر دونوں مل کر ظرفِ زمانی ہوا۔ اُذْكُرْ فعل اَمر پوشیدہ کا سب ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ فَوَسْوَسَ اِلَيْهِ الشَّيْطٰنُ قَالَ يٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى ف تعقیبیہ وَسْوَسَ ۔ باب تَبَعْثَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب رباعی مصادر میں سے ہے اس کو نحو میں مضاعف رباعی کہتے ہیں یعنی فَ اور لام کلمہ دوم ایک جنس کے حرف اور عین و لام کلمہ اوّل ایک جنس یعنی وَسْ سین اور وَسْ واؤ اِلَيْهِ جار مجرور متعلق ہے۔ الشیطٰن اسم مفرد جامد عربی لفظ ہے ابلیس کا لقب ہے بحالتِ رفع فاعل ہے وَسْوَسَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفسّر ہوا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یا حرفِ ندا۔ اٰدَمُ اسم مفرد غیر منصرف عجمی اور علَم ہے مبنی ہے ضمہ پر کیونکہ مُنادٰی مضاف نہیں ہے هَلْ حرفِ سوالیہ اَدُلُّ باب نَصَرَ کا فعل مضارع سوالیہ معروف واحد متکلم دَلٌّ سے مشتق ہے ایسے مصدر کو نحو میں مضاعف ثلاثی کہتے ہیں بمعنی رہنما کرنا نامعلوم چیز کا پتہ بتانا۔ كَ ضمیر کا مرجع آدم مفعول یہ ہے علٰی حرف جر بمعنی اِلٰی شَجَرَةِ اسم مفرد جامد اس کی جمع ہوتی ہے اَشجار بمعنی بڑا تنا ور درخت مضاف ہے اَلْخُلْدِ اسم معرَّف باللام مصدر بمعنی اسم فاعل بمعنی ہمیشہ رہنے والا۔ خُلْدٌ کا معنی ہے دیرپا نہ بگڑنے والا مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مُلْكٍ اسم مفرد جامد بمعنی سلطنت بادشاہت موصوف ہے لَا يَبْلٰى باب سَمِعَ کا فعل مضارع مستقبل منفی معروف ایک قرأت میں مجہول ہے واحد مذکر غائب بَلْیٌ سے مشتق بمعنی فنا ہونا۔ خراب ہونا اس میں ضمیر فیہ هُوَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے مُلْكٍ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے شَجَرَةِ الْخُلْدِ پر دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے اَدُلُّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ندا ہوا سب ندا منادٰی جواب ندا مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مفسّر ہے یہاں حرفِ تفسیر پوشیدہ ہے دونوں مفسَّر مفسِّر مل کر جملہ تفسیریہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى ۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا

يُخۡرِجَنَّكُمَا مِنَ الۡجَنَّةِ فَتَشۡقٰى۔ اور یاد کیجئے اے حبیب اپنا وہ دیکھا سنا واقعہ جب ہم نے فرمایا تھا تمام فرشتوں سے کہ آدم کو احترام و تعظیم و تعزیر کا سجدہ کرو سجدۂ عبادت کے مشابہ زمین پر سر رکھ کر کیونکہ تم نے آدم کے تین جرم کئے ہیں۔ پہلا یہ کہ تم نے پیدائشِ آدم پر اعتراض کیا دوم یہ کہ تم نے اپنے غیبی اندازوں سے آدم کی غیر موجودگی میں ان کو خون ریز اور فسادی کہا یہ ان کی غیبت ہوئی۔ سوم یہ کہ تم نے اپنے آپ کو اُن سے افضل کہا کہ ہم ہی تقدیسِ الٰہی اور تسبیح کبریائی کے عبادت گزار ہیں یعنی وہ نہیں یہ بھی ان کی شان کی توہین و الزام ہے۔ حالانکہ بارگاہِ الٰہیہ کی فضیلت عبادت سے زیادہ علمِ نافع سے ہے۔ اب جب کہ تم آدم کی علمی برتری کو جان چکے لہٰذا اپنی غلطیوں کی اُن سے معافی مانگو اور تمہاری معافی کا طریقہ یہ ہے کہ اعترافِ خطا کرتے ہوئے اُن کے سامنے سجدہ زیر ہو کر ان کی عزت افزائی اور اجلال و اعزاز کا مظاہرہ کرو اس حکمِ سجدہ میں ابلیس کو اس لیے شامل کیا گیا اُن جرائم میں فرشتوں کے ساتھ برابر کا شریک تھا بلکہ اِن اعتراضانہ مخالفتِ خلقتِ آدم پر ابلیس نے ہی فرشتوں کو اکسایا تھا۔ اس طرح کہ جب رب نے فرمایا اِنِّيۡ جَاعِلٌ فِي الۡاَرۡضِ خَلِيۡفَةً تب فرشتوں نے اپنے ساتھ رہنے والے اِس جن سے مشورہ لیا کہ رب تعالیٰ نے یہ خبر سنائی ہے بتا ہم کیا عرض کریں۔ تب اُسی نے رب تعالیٰ کے عمل پر اعتراض کرنے کی جرأت فرشتوں کو سکھائی اور فرشتوں کے ساتھ مل کر اُس نے بھی کہا تھا۔ اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ (الخ) اس لیے اگرچہ وہ فرشتہ نہیں کیونکہ وہ ناری مخلوق ہے اور فرشتے نوری۔ مگر مجرم تھا اور یہ سجدہ جرم کی معافی کا ہی تھا اِس وجہ سے شیطان شامل ہوا نہ کہ فرشتہ ہونے کی وجہ سے مفسرین فرماتے ہیں کہ یہی وجہ ہے صرف فرشتوں کو حکمِ سجدہ ہوا اِن کے علاوہ کسی اور مخلوق چرند پرند درند شجر حجر حور و غلمان اور دیگر جنات کو سجدے کا حکم نہ تھا یہ سجدہ معافی کا تھا اور معافی صرف اُس سے لی جاتی ہے جو جرم کرے اسی بنا پر یہاں اِلَّا سے مستثنیٰ متصل بھی بنانا درست ہے کیونکہ استثنا فرشتوں کی جنسیت سے نہیں بلکہ مجرموں سے ہے جن میں فرشتے تو تمام شامل مگر غیر فرشتے میں سے صرف ابلیس۔ اِس حکمِ الٰہی کو سن کر تمام فرشتے تو ایک دم گول حلقے کی چالیس صفیں بنا کر سجدے میں گر گئے مگر ابلیس نہ جھکا اگرچہ علمی مناظرے میں دیگر فرشتوں کی طرح وہ بھی حضرت آدم سے شکست کھا چکا تھا۔ ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ اور فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِيۡ میں بھی وہ شامل تھا اور قَالُوۡا لَا عِلۡمَ لَنَاۤ کے اظہارِ عجز میں بھی۔ اگر ایسا نہ ہوا ہوتا تو وہ متکبرانہ انکار کی وجہ بتاتے وقت صرف خَلَقۡتَنِيۡ مِنۡ نَّارٍ۔ نہ کہتا بلکہ علمی برابری یا بڑائی کا ذکر کرتا۔ ملٰئکہ کے خطاب میں یہ دو وجہ سے

شامل ہوا تھا ۲؎ یہ کہ یہ ابلیس فرشتوں کے ہر وقت ساتھ ہی رہتا تھا ۳؎ ابلیس فرشتوں کی طرح کثرت سے عبادت کرتا اور رئیس الملائکہ کہلاتا تھا۔ (از تفسیر خازن) لیکن خطابِ الٰہی میں لِلْمَلٰٓئِكَةِ فرماتے اور ابلیس کو علیحدہ خطاب نہ کرنے کی وجہ ان کی کثرت ہے اور لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ ہوتا ہے اور پردہ پوشی کرتے ہوئے جرم کا اظہار نہ فرمایا گیا۔ آدم علیہ السّلام کو یہ سجدہ نبوت کی وجہ سے نہ کرایا گیا۔ نبی تو اُس وقت تھے ہی نہیں نہ عظمتِ خلافت کی وجہ سے بلکہ صرف معافی منگواتے ہوئے یہ سجدہ آدم علیہ السّلام کا حق تھا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ نو وجوہ سے آدم علیہ السّلام کو سجدہ کا استحقاق ملا ۱؎ خلافتِ الٰہیہ کی وجہ سے کیونکہ یہ امرِ عظیم ہے ۲؎ وجودِ آدم مجموعہ ہے عالمِ خلق، عالمِ امر، عالمِ مُلک، عالمِ ملکوت، عالمِ دنیا، عالمِ آخرت، عالمِ اسرار کا۔ آدم علیہ السّلام کے جسم میں عالمِ خلق کی اشیا امانت رکھی گئیں آپ کے باطن میں عالمِ دنیا کی آپ کے قلب میں عالمِ مُلک آپ کی عقل میں عالمِ ملکوت کی آپ کی روح میں عالمِ امر آپ کے ظاہر میں عالمِ آخرت آپ کے مادۂ مزاجیہ میں عالمِ اسرار کی اشیاء ودیعت رکھی گئیں مگر فرشتے صرف عالمِ خلق اور عالمِ ملکوت سے ہیں اور ابلیس صرف عالمِ خلق سے ہے اس نسبتِ کمالیہ کی وجہ سے آدم علیہ السّلام کمال پر تھے لہٰذا سجدے کے مستحق ہوئے ۳؎ احسنیۃ تامہ مولیٰ تعالیٰ نے صرف آدم علیہ السّلام کو عطا فرمائی یعنی آدمیت کو نہ کسی فرشتے کو احسنیت ملی نہ جنات حیوانات شجرات حجرات کو اس طرح کہ روحِ آدم احسنِ تقویم اور بدنِ آدم احسنِ صورت بنایا گیا شکلِ آدم صورتِ رحمانی پر ہے لیکن ملائکہ نہ احسنِ تقویم نہ احسنِ صورۃ ان کی جسمانیت روحانی ان کی شباہت تکلی اس لیے نفضیلت صرف بدنِ آدم و روحِ آدم کو ملی اس افضلیت کی وجہ سے سجدے کا استحقاق بھی آدم علیہ السّلام کو ملا ۴؎ آدم علیہ السّلام کی خلقت خَلَقْتُ بِيَدَيَّ سے ہے یہ اس کی اشرفیت ہے اسی بنا پر اشرف المخلوقات ہے لہٰذا سجدے کا مستحق قرار پایا ۵؎ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ کی کرامت ہے اس لیے فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِيْنَ کا استحقاق انعام ملا ۶؎ رب تعالیٰ نے بھی اس استحقاق کا ذکر فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا تھا۔ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا مَنَعَكَ اَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ۔ یعنی اے ابلیس کس چیز نے تجھ کو منع کیا اس سجدۂ معافی سے اُس کے لیے جس کو ہم نے اپنے دستِ قدرت سے پیدا فرمایا ۷؎ جب آدم علیہ السّلام پیدا کیے گئے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام صفات کی تجلی جسمِ آدم پر ڈالی جس کی وجہ سے وہ تعظیم تکریم تعزیز تجلیل کے قابل ہو گئے اور جو اس درجے کا ہو وہ مستحقِ کمال ہوتا ہے اس لیے فرشتوں کی معافی کا طریقہ سجدہ مقرر فرمایا گیا۔ اور تمام فرشتوں کو معافی کفارہ استغفار عاجزی و اقرارِ خطا کے

سجدے کے حکم ملا ۳ آدم علیہ السلام کو تمام عقلی فکری دینوی علوم دیئے گئے جس کی وجہ سے آپ تمام مخلوق سے بڑے عالم بن گئے تمام فرشتے حصولِ علم میں آدم علیہ السلام کے محتاج تھے۔ عالم ہی استاد ہوتا ہے اور استاد کے کچھ حقوق ہوتے ہیں لہٰذا آدم مستحق سجدہ ہوئے۔ فرشتوں پر یہ سجدہ فرض تھا اور فرض کا انکار کفر ہے۔ ابلیس نے انکار کیا۔ فَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ تو وہ کافروں میں سے ہوگیا ۴ خلقتِ آدم کے مزاج میں نور بھی ہے اس لیے نوریوں کے سجدے کے مستحق ہوئے اور آپ کے مزاج میں نار بھی ہے اس لیے ناریوں کے سجدے کے بھی مستحق تو جس ناری ابلیس نے حضرتِ آدم کی غیبت کی اُس کو معافی کے سجدے کا حکم دیا گیا باقی جنات چونکہ مومن وعابد نہ تھے اس لیے ان پر شرعی فرائض نافذ نہ تھے نہ وہ گستاخیِ آدم کے مرتکب ہوئے اس لیے وہ جنات حکمِ سجدہ میں شامل نہ ہوئے ابلیس نے چار وجہ سے سجدہ نہ کیا ۱ ابلیس نے صرف بدنِ آدم دیکھا سجدے کا منکر ہوا فرشتوں نے نورِ ودیعت دیکھا سجدہ کر لیا ۲ ابلیس سب فرشتوں میں جاہل تھا جو لوگ کہتے ہیں کہ ابلیس بڑا عالم ہے وہ غلط کہتے ہیں۔ ہاں البتہ بہت چالاک اور باتونی تھا ۳ جہالت کی وجہ سے مغرور تھا ۴ غرور کی وجہ سے حاسد تھا اور یہ مشہور ومشہود ہے کہ ہر جاہل ہر عالم سے حسد کرتا ہے خاص کر شیخِ جاہل یعنی بوڑھا جاہل عمر رسیدہ جوان عالم سے سخت متنفر ہوتا ہے۔ ابلیس شیخِ جاہل تھا آدم علیہ السلام جوان عالم تھے ان کو اور ان کی شان وعزت کو دیکھ کر متحیر مایوس اور نارِ حسد میں جل گیا اپنی عزتِ سابقہ گرتی نظر آئی سجدے کا منکر ہوا۔ ابلیس کو چار طرح غرور تھا ۱ خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ (سورۃ اعراف آیت ۱۲ سورۃ ص آیت ۷۶) ۲ اَنَا خَیْرٌ مِّنْہُ۔ ۳ صرف اپنے ذہن وگمان سے آگ کو خاک سے افضل واعلیٰ سمجھ لیا کہ خَلَقْتَہٗ مِنْ طِیْنٍ ۴ اپنے جاہلانہ غرور سے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلے کو بھی غلط سمجھا کہ بولا اَرَءَیْتَکَ ھٰذَا الَّذِیْ کَرَّمْتَ عَلَیَّ یعنی ذرا دیکھ اس کو جس کو تو نے مجھ سے بھی اعلیٰ شان کا مکرم وعزت دار کر دیا۔ ابلیس نے چار طرح غرور ظاہر کیا ۱ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ ۲ اَبٰی ۳ اِسْتَکْبَرَ ۴ لَمْ یَکُنْ مِّنَ السّٰجِدِیْنَ یعنی فاسق ہو کر ۲ انکار کرکے ۳ تکبر کرکے ۴ سجدہ نہ کرکے (از سورۃ کہف آیت ۴۹) ابلیس نے رب تعالیٰ کی چار گستاخیاں کیں ۱ قَالَ فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ بولا کہ تو نے مجھے اغوا کیا (اعراف آیت ۱۶ اور سورۃ حجر آیت ۳۹) ۲ قَالَ لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ۔ بولا۔ اے رب تو بے شک مجھ کو سجدے کا حکم دے مگر میں ایسا بیوقوف نہیں ہوں کہ بشر کو سجدہ کروں (سورۃ حجر آیت ۳۳) ۳ اَرَءَیْتَکَ۔ یعنی اے اللہ اب تو غور کر (سورۃ اسریٰ آیت ۶۲) ۴ فَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ

اپنے قول و فعل سے رب تعالیٰ کے حکم کی مخالفت کی اور اپنے اعتراض غیبت اور خود پسندی پر ڈٹا رہا اور اپنی خودی کو بلند کرتا رہا (از سورۃ ص آیت ۷۶ اور بقرہ آیت ۳۴) ان تمام حرکتوں اور گستاخیوں پر ابلیس کو چار دنیوی ذلتیں ملیں ۱ فَاخْرُجْ مِنْهَا ۲ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ یعنی نکل جا دفعہ دور ہو جا وہاں سے ۳ تو ذلیلوں میں سے ہے (از سورۃ اعراف آیت ۱۳) ۳ فَاِنَّكَ رَجِيْمٌ بے شک تو مردود رجیم ہے (سورۃ ص آیت ۷۷) ۴ وَاِنَّ عَلَيْكَ لَعْنَتِيْۤ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہے (از سورۃ ص آیت ۷۸) جب ابلیس نے اَبٰی یعنی انکار کر دیا قولاً بھی اور عملاً امتناع بھی یہ ہی اَبٰی یعنی سخت ترین انکار ہے نَقْلًا۔ اِس کے بعد حضرت آدم کو جنت میں پہنچا دیا گیا۔ وہاں اُن کی بیوی اُن کی ہی پسلی سے پیدا ہوئیں جن کا نام خود آدم علیہ السلام نے حوا رکھا۔ تب آدم کو رب نے فرمایا۔ اے آدم تم کو یاد ہے کہ ابلیس نے تم کو سجدہ نہ کیا تھا بلکہ انکار و تکبر کیا تھا لہٰذا سمجھ لو کہ ابلیس تمہارا بھی دشمن ہے اور تمہاری بیوی کا بھی۔ لفظِ زوج ہر اُس دوسرے ساتھی کو کہا جاتا ہے جو جنساً ایک ہو نوعاً مختلف خواہ مرد ہو یا عورت مذکر ہو یا مؤنث مثلاً خاوند یا بیوی۔ تو کہیں ایسا نہ ہونے دینا کہ وہ تم کو جنت سے نکال دے یعنی جنت سے نکلنے کا وہ سبب بن جائے اگر ایسا ہوا۔ اور تمہارے جنت سے نکلنے کا سبب ابلیس بنا فَتَشْقٰى۔ تو تم اے آدم دنیا میں بے شمار مصیبتوں مشقتوں محنتوں میں گھر جاؤ گے۔ یعنی نکلنا تو تم دونوں کو پڑے گا مگر دنیوی مشقت صرف تم کو اکیلے کو پڑے گی کیونکہ تم خاوند مرد ہو اور خاوند پر ہی وہاں روزی کمانا۔ بیوی بچوں کو کھلانا فرض ہے۔ جنت میں یہ کوئی مشقتِ زندگی نہیں ہے۔ یہاں کی رہائش کو غنیمت سمجھو فائدہ اٹھاؤ خوب عبادت کرو جنت سے باہر نہ یہ فرصت نہ آرام بڑی نعمتیں تو در کنار یہ لباس و خوراک کی معمولی نعمتیں بھی نہ ملیں گی ان کے لیے بھی تم کو جان کھپانا پسینہ بہانا پڑے گا دنیا کی آدھی قیمتی زندگی اسی میں گزر جائے گی کہ۔ تا چہ خورم صیف و چہ پوشم شتا۔ تفسیروں میں ہے جب حضرت آدم زمین پر آئے تو آپ کے ساتھ دیگر ساز و سامان کے علاوہ ایک سرخ رنگ کا بیل بھی ساتھ بھیجا گیا۔ آدم علیہ السلام اس سے ہل چلاتے تھے پسینہ پونچھتے جاتے توبہ کا رونا روتے جاتے ذکر اللہ بھی کرتے جاتے جنت کو یاد کرتے رہتے گرد و غبار سے اٹے جاتے کپڑے میلے۔ رنگت خراب ہر طرف خاک و دھول تھکاوٹ سے چور یہی تھی وہ کیفیتِ فَتَشْقٰى جس کی خبر پہلے دے دی گئی تھی۔ ابلیس کی دشمنی چار وجہ سے ہوئی ۱ ابلیس آگ سے حضرتِ آدم مٹی سے اور ان دونوں میں جنسی مخالفت ہے کیونکہ دونوں زمینی چیزیں ہیں ۲ شیطان چاہتا تھا کہ زمین کا خلیفہ مجھ کو بنایا جائے کیونکہ میں زمین کی اعلیٰ

مخلوق ہوں ۳ آدم کے پاس علم ہے اور ابلیس کے جسمانی قوت اور طاقت وعلم کی ہمیشہ دشمنی ہوتی ہے قوت کا نشہ سخت ہوتا ہے ۴ ابلیس کی سوچ یہ تھی کہ آدم ناتجربہ کار جوان ہے اور میں تجربے کار بوڑھا ہوں لہٰذا میں زمین کی حکومت کا حق دار اُس کو یہ حسد کھا گیا۔ یہی سیاسی مخالفت آج تک چلی آرہی ہے اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی اے آدم ابھی تو تمہاری یہ شان ہے کہ ہر نعمت تمہارے پاس ہے ہر سعادت تم کو میسر ہے اور سعادتِ الٰہیہ کا ہی یہ نتیجہ ہے کہ جب سے پیدا ہوئے ہو تم کو بھوک ہی نہ لگی تم زمین پر ٹھہرے کھانے کی حاجت نہ ہوئی تم کو چالیس سال تک سجدہ ہوتا رہا تم تخت پر ہی بیٹھے رہے کسی چیز کی بھوک پیاس نے نہ ستایا۔ اب تم جنت میں رہ رہے ہو کبھی تم کو اس جنت میں بھوک کی تکلیف نہ پہنچی اور پھر جنت میں اتنی کثیر نعمتیں ہیں کہ کُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا (بقرہ، آیت ۳۵) لذتِ ذوق کے لیے جہاں سے جو چاہو کھاؤ بھوک بہر حال نہ ہوگی ابھی تو تم بھوک کی تکلیف سے آشنا ہی نہیں ہو۔ وَلَا تَعْرٰی۔ نہ تم کبھی ننگے ہوئے نہ لباس پرانا نہ میلا نہ کبھی دھونے کی حاجت نہ تبدیلی کی ضرورت کیونکہ سعادت الٰہیہ کا لباس ہے۔ صنعتِ انسانی کا نہیں ہے۔ صنعت انسانی شقاوت سے ملتی ہے اور نعمتِ رحمانی سعادت سے ملتی ہے غرضکہ اِس جنت میں نہ بھوک کا ظاہری خلو وخطرہ نہ ننگے ہونے کا ظاہری خلو وخطرہ خیال رہے کہ بھوک کی وجہ سے انسان کا باطن خالی اور عریانی سے انسان کا ظاہر خالی ہوجاتا ہے۔ اسی مناسبت سے بھوک اور عریانی کو ساتھ بیان کیا گیا۔ وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا۔ اور اے آدم اس جنت میں بے شک تمہارے لیے ایک اور ایسی ضروری نعمت ہے جس کے بغیر گزارا نہیں وہ یہ کہ اس جنت اور جنتی زندگی ورہائش میں نہ تم کبھی پیاسے ہوگے نہ شدتِ پیاس کی کبھی تکلیف لذتِ ذوق کے لیے یہاں سعادتِ الٰہیہ کے روحانی جسمانی ہر طرح کے چشمے اور نہریں مطہور جاری ہیں۔ وَلَا تَضْحٰی۔ اور نہ ہی اس جنت میں کبھی کسی قسم کی دھوپ لگے نہ وہاں نہ یہاں کوئی سورج نہ کسی چیز کی تپش نہ جلن نہ محنت کی گرمی نہ مشقت کا پسینہ غرضکہ نہ پیاس کی باطنی گرمی نہ دھوپ کی ظاہری خیال رہے کہ پیاس باطنی گرمی سے ہوتی ہے اور پسینہ ظاہری گرمی سے اس مناسبت سے پیاس اور دھوپ کو ساتھ بیان کیا گیا۔ جنت کی ساری نعمتیں ماکولات ومشروبات ملبوسات اور منکوحات سعادتِ الٰہیہ سے ہیں اور یہی چیزیں زمین پر مشقت سے ہیں اے آدم اگر اپنے رب کریم کی مرضی اور عہد پر رہو گے تو ہر جگہ سعادت کے خزانے ملیں گے اس کی مرضی ہے اگر زمین پر بھی جاؤ تب بھی حسب سابق کوئی مشقت نہ پڑے گی لیکن اگر ابلیس کے ورغلانے میں آنے اس کا کہنا ماننے کی وجہ سے تم کو زمین پر جانا پڑا۔ فَتَشْقٰی تو ہر طرح مشقت ہی مشقت ہے ساری زندگی کہ کبھی حرث کبھی زرع کبھی حاصد۔ کبھی طحن پھر کبھی عجن۔ کبھی خبز۔

پھر کہیں اکل نصیب ہوگا۔ یعنی ایک صرف پیٹ بھرنے کے لیے پہلے کھیتی باڑی پھر کھیتی اُگنا پھر اس کی رکھوالی پھر پکائی پھر کٹائی پھر چھٹائی پھر صفائی پھر پسائی پھر گندھائی پھر روٹی پکائی پھر کہیں کھلائی یہاں تین چیزیں بیان ہوئیں ۱؎ بشریت کی عزت ۲؎ جنتی رہائشی زندگی کا آرام ۳؎ ابلیس کی دشمنی کے نقشے جو ہر طرح آدم علیہ السلام کو سمجھا سنا بتا دکھا دیئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود ہوا کیا۔ تقدیر مبرم نے کیا کرایا۔ بہت عرصہ بعد (بقول تفاسیر چالیس سال) فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ۔ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى۔ پھر بھی شیطن نے اپنا وسوسہ کسی نہ کسی طریقے سے اُن آدم تک پہنچا ہی دیا۔ وہ اس طرح کہ ابلیس اگرچہ علم والا نہ تھا مگر اس نے اپنی عیاری مکاری اور تخمینے اندازے سے۔ بشریت کی تین کمزوریاں جان لیں ۱؎ نسیان بھول ۲؎ لالچ یعنی دنیوی زندگی کی حرص وخواہش ۳؎ موت کا ڈر یعنی موت نہ چاہنا لمبی سے لمبی زندگی کا نی عرصہ بعد جب ابلیس نے گمان کیا کہ اب آدم پچھلی باتیں یعنی میری گستاخانہ گفتگو عدم سجدہ کی دشمنی اور مخالفانہ رویہ اور اللہ کا عہد بھول گیا ہوگا تو وہ بوڑھے بزرگ فرشتے کے لبادے میں بھیس بدل کر آیا اور پہلے حضرت حوا کے پاس آیا۔ موت سے ڈرایا ہمیشہ زندہ رہنے کا گر سکھانے کا وعدہ کیا اور پھر آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ حوا ڈر گئیں اور اُس کو اپنا بہت بڑا غمخوار دوست سمجھ لیا جب آدم علیہ السلام آئے تو حوا بیوی نے آپ کو یہ واقعہ سنایا۔ موت کی بات سن کر وہ بتقاضائے بشری وہ بھی مرنے سے گھبرائے اُس بوڑھے مہربان کا انتظار کرنے لگے کچھ دنوں بعد وہ ابلیس پھر اسی طرح بھیس بدل کر ظاہر ہوا۔ اور نہایت عیارانہ طریقے سے دوستی ظاہر کرنے لگا قسمیں کھانے اور نصیحتیں کرتے ہوئے کہنے لگا۔ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ کیا میں تم کو ایسے درخت کا پتہ نہ بتا دوں جس کو شجرِ خلد کہتے ہیں اس لیے کہ جو اُس کا پھل کھالے وہ کبھی مرتا نہیں ہمیشہ ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔ اور ایسی دولتوں بادشاہتوں کا مالک ہو جاتا ہے جو نہ کبھی خراب ہوں نہ کبھی فنا ہمیشہ وہ بندہ اور اُس کی سب چیزیں ایک حالت پر رہتی ہیں۔ خُلد کے معنی ہے اس شان کی زندگی کہ نہ فنا ہو نہ فساد نہ بیماری نہ بگاڑ بس درستی سے ہی قائم رہے۔ ابلیس نے چار طرح آدم علیہ السلام کو وسوسے دے کر ورغلایا ۱؎ قَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ (سورۃ اعراف آیت ۲۰) ۲؎ وَ قَاسَمَهُمَاۤ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ۔ (اعراف آیت ۲۱) ۳؎ قَالَ یٰۤاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۰) ۴؎ وَ مُلْكٍ لَّا یَبْلٰى (سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۰) ابلیس کے یہ وسوسے

اس لیے کہ آدم علیہ السلام کی وجہ سے اس کو دنیوی زندگی کی چار ذلتیں ملیں اور ذلتیں اس لیے ملیں کہ وہ ابلیس اس ضد پر اڑا رہا کہ شخصیت آدم پر میرا اعتراض درست تھا۔ اور میں اس کو ہر طرح درست ثابت کروں گا۔ اس کام کے لیے شیطان نے چار باتوں کا ذکر کیا ابلیس نے رب تعالیٰ سے چار چیزیں مانگیں ۱۔ تا قیامت لمبی زندگی مانگی۔ اس لیے کہ چونکہ میرا دعویٰ ہے کہ میں لائق ہوں لہٰذا میں ہی افضل ہوں مجھے میرے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لیے مہلت دی جائے تاکہ میں تا قیامت اپنی لیاقت اور آدم و آدمیان کی نا اہلی ثابت کرتا رہوں ۲۔ ہر انسان بلکہ دنیا کی چیزوں پر اختیار و تصرف مانگا ۳۔ ہر شخص پر تسلط اور اس کے پاس پہنچنے کی سہولت مانگی کہ جہاں تک بشریت کی رہائش ہو وہاں تک میری پہنچ ہو ۴۔ قوت مانگی کہ جس بشر کی طاقت جس قسم کی ہو۔ اسی قسم کا اس پر میرا غلبہ ہو سکے۔ لمبی عمر اس لیے مانگی کہ جب تک زمین پر بشریت رہے میری عمر بھی رہے۔ یہ کتنی بڑی اس کی عیاری تھی کہ خود تو رب تعالیٰ سے لمبی عمر مانگ رہا ہے اور آدم و حوا کو لمبی عمر کے لیے شجرۃ الخلد دکھا رہا ہے۔ بشریت کے ساتھ اس کا رویہ تا قیامت ایسا ہی ہوگا۔ شجرۃ الخلد کی اضافت توصیفی ہے جیسے فرس جبرئیل حیزوم کی اضافت والا نام فرس الحیٰوۃ ہے۔ یعنی جو اس سے لگ جائے وہ کچھ دیر کے لیے زندہ ہو جائے تو شجرۃ الخلد کا معنیٰ ہوا جو اسے تھوڑا سا کھالے وہ ہمیشہ کے لیے زندہ ہو جائے۔ اس درخت کا یہ نام خود ابلیس نے اس وقت دھوکہ دینے کے لیے رکھا اور یہ درخت دکھایا کہ یہ وہی ہے جس سے تم کو رب نے منع کیا ہے مگر یہ حرام نہ کیا ہے بلکہ اس لیے منع کیا ہے کہ تم فرشتے بن کر ابدی زندگی نہ پالو۔ مگر میں تم کو ایسی ترکیب بتاتا ہوں کہ ابدی زندگی بھی مل جائے اور فرشتے بھی نہ ہو بلکہ بشر ہی رہتے ہوئے ابدی زندگی والے بادشاہ بن جاؤ۔ خیال رہے کہ اس وقت تک حضرت آدم کو نبوت نہ ملی تھی آدم علیہ السلام کو نبوت بعد توبہ زمین پر ملی جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے وسوسۂ ابلیس اور آپ کی خطا و نسیان ہونا توبہ کرنا۔ اور ابدی زندگی کے لالچ دائمی بادشاہت مل جانے کی خواہش میں آجانا۔ ابلیس کے جھانسے میں آجانا اس کا داؤ چل جانا جنت سے نکالا جانا یہ سب کچھ آپ کی بشریت کی واردات ہیں اور ضعیفِ بشری کے تقاضے ہی بشری کمزوریاں تا قیامت انسانوں کو بتانا مقصودِ کلام ہے۔ یہ بشری کمزوریوں کا ظہور آدم علیہ السلام سے اس لیے ہوا کہ ابھی آپ کا وجود نبوی قوت سے خالی تھا۔ گروہِ انبیا علیہم السلام میں صرف آدم علیہ السلام کو پیدائش کے تین سو سال بعد نبی بنایا گیا باقی تمام انبیاء کو شکم مادر میں تکمیلِ بدنی کے وقت ہی نبی بنا دیا جاتا رہا۔ اور آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصی ہستی ہے کہ آپ کو شکم مادر سے کروڑوں سال پہلے نبی بنایا گیا (مشکوٰۃ صفحہ ۵۱۳ رواہ الترمذی)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** جس طرح آقاو کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل میں نبی بنائے جانے کی ہزار ہا حکمتیں اور اسرارِ الٰہیہ ہیں اسی طرح آدم علیہ السلام کو اوّلاً نبی نہ بنانے اور بعد تو بہ نبی بناتے میں بھی بہت حکمتیں اور راز ہیں۔ ایک یہ بھی کہ اوّلاً انسانوں کو انسانیت کا نقشہ سمجھانا مقصود تھا کہ تاقیامت انسان اپنی انسانیت آدمیت بشریت کو ہر پہلو سے دیکھ لیں سمجھ لیں جن چیزوں سے بچنا ہے اُن سے بچ جائیں جن کو اپنانا ہے ان کو اپنا لیں۔ اگر شروع سے ہی آپ کو نبی بنا دیا جاتا تو ابلیس کسی طرح بھی آپ کو وسوسہ نہ دے سکتا اور کوئی بشری کمزوری آپ سے صادر و ظاہر نہ ہوتی اس لیے کہ نبوّت کی طاقت تمام آسمانوں زمینوں عرش فرش لوح وقلم جنّ و ملک سے زیادہ ہے اور ہر بشریت پر بھی غالب بلکہ جو دامنِ نبوّت کا پناہ گیر ہو جائے وہ بھی اپنی بشریت پر غالب رہتا ہے یہ بات ابلیس بھی جانتا تھا اسی لیے اُس نے برملا اقرار کیا تھا۔ لَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ۔ یعنی اے رب میں سب انسانوں کو اغوا کروں گا۔ مگر تیرے مخلص بندوں کو نہیں کر سکوں گا۔ (سورۃ حٓمٓ آیت ۸۲ و ۸۳) یہ مخلصین کون ہیں۔ یہی انبیاءِ کرام اور اُن کے دامنِ پناہ میں آنے والے اولیاء اللہ علماء ربانی **دوسرا فائدہ**۔ حضرت آدم سے فرشتوں کا علمی مقابلہ دنیوی علم کا ہوا تھا۔ یعنی دنیا میں رہنے دنیا برتنے دنیا کی بولیاں ساز وسامان گھر بار وغیرہ وغیرہ کے اسماء و اعمال کا علم یہ مقابلہ علمِ نبوّت کا نہ تھا علمِ نبوّت تو اس سے کہیں درجہ وراء الورا ہے یہ علمِ بشریت تھا جو ہر انسان کو آجاتا ہے مگر فرشتوں کو یہ علم نہ دیا گیا اسی علم کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات ہوا خیال رہے کہ ملائکہ افضل الخلق ہیں اور انسان اشرف الخلق اور ابلیس اشرّ الخلق کی پیدائش کا ذکر صرف افضل الخلق سے کیا گیا اور اشرّ الخلق کو ستایا گیا تاکہ جس نے افضل الخلق بننا ہے وہ فرشتوں کی طرح بنے اور جس نے اشرف الخلق بننا ہے وہ علم وعقل حاصل کرے اور جس نے محبوبِ الٰہی بننا ہے وہ اشرّ الخلق سے بچتا رہے۔ اِس پہلے مقابلے سے شانِ بشریت کا اظہار مقصود تھا اور یہ بتایا گیا کہ بشری علم وعقل ہنر کسی کو کتنا بھی آجائے مگر بشریت پر غالب نہیں آسکتا۔ بشری کمزوریاں بیوقوفیاں خطائیں لغزشیں بھی سرزد ہوتی رہیں گی۔ بشری کمزوریوں سے بچنے کے لیے صرف نبوّت کی دولت و قوّت اور دامنِ نبوّت ہے۔ اسی لیے علمِ نبوّت ملنے کے بعد آدم علیہ السلام سے بلکہ کسی بھی نبی سے کبھی کوئی ذرہ بھر بھول نسیان لغزش خطا صادر نہ ہوئی نہ ہو سکتی ہے کوئی نبی کسی لغزش پر قادر ہی نہیں ہوتے وہ ہر خطا سے بھی معصوم ہوتے ہیں اور نہ ہی پھر کبھی آدم علیہ السلام پر ابلیس کا کوئی داؤ

چلا نہ کسی اور نبی کو شیطان کبھی نسیان دے سکا۔ نہ کوئی نبی کبھی کوئی بات بھولا حالانکہ شیطان نے بعد میں بھی بہت کوشش کی اور تا قیامت کرتا رہے گا ہر انسان سے کرتا رہے گا۔ کیونکہ اس کی دشمنی کسی نبی ولی سے ختم نہیں ہوئی۔ پتہ لگا کہ نبوت سب بشریت آدمیت انسانیت پر غالب ہے۔ شیطان تو ان کے سامنے سے بھی ڈرتا اور بھاگتا پھرتا ہے جو نبی کے دامن پناہ میں ہوں صرف ان ہی انسانوں کو شیطان دھوکہ دے جاتا ہے جن کے قالب میں نبوت کی دولت اور ہاتھوں میں نبی کا دامن نہ ہو۔ یہ دونوں فائدے واقعۂ آدم کو مختلف سورتوں میں مختلف انداز کے بیان کرنے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ جو کام اللہ رسول کے بتائے راستے پر چل کر اور شریعت کے سمجھائے ہوئے طریقے کے مطابق کیا جائے اس میں ہمیشہ دین و دنیا کی سعادتیں ہی ملتی ہیں اور اگر وہی کام اللہ تعالیٰ کے عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدے اور شریعت کے رستے سے ہٹ کر کیا جائے اور ابلیس کے وسوسے میں آکر اس کا کہا مان کر کیا جائے تو اگرچہ جنت کے اعلیٰ و بالا مقام پر ہو۔ اس کو اخروی دنیوی شقاوتیں اور مشقتیں ہی ملیں گی یہ فائدہ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا کے بعد فَتَشْقٰى کی فا سببیہ سے حاصل ہوا۔ اشارہ یہ دیا گیا۔ کہ اے آدم یہ جنتی رہائش عارضی ہے۔ تم نے یہاں سے آخر نکلنا ہے لیکن اگر ابلیس تمہارے نکلنے کا سبب بنا اس کے کہنے سے تم نکلے تو تم کو ہر طرح کی سخت مشکلیں مشقتیں پڑیں گی۔ لیکن اگر اپنے وعدے پر قائم رہے اور رہائش جنت کا زمینی کورس یعنی نصاب خلافت یہیں پر مکمل کر لیا۔ اور پھر مکمل کامیاب ہو کر تاج خلافت پہن کر نکلے۔ تو دنیوی کام کاج کی مشقتیں نہ پڑیں گی۔ تمہارے اتنے شاہی ملازم خدام ہوں گے کہ تم حسب سابق اسی طرح تختِ خلافت پر بیٹھ کر دنیا میں بھی جنت جیسا مزہ پا لوگے۔ سعادت اور شقاوت دونوں کی دو قسمیں ہیں ۱ سعادت دنیوی ۲ اخروی اور شقاوت دنیوی اخروی اسی طرح سعادتِ دنیوی اور شقاوت دنیوی کی تین تین قسمیں ہیں۔ سعادتِ نفسی۔ بدنی۔ خارجی۔ شقاوتِ نفسی۔ بدنی۔ خارجی فَتَشْقٰى میں صرف شقاوتِ دنیوی کی یہی تینوں قسمیں مراد ہیں نہ کہ اخروی اس لیے کہ ابلیس نے صرف دنیوی وسوسہ دیا تھا نہ کہ دینی اور آدم علیہ السلام نے بھی دنیوی عہد توڑا تھا نہ کہ دینی اسی لیے نتیجہ میں صرف جنت کا خروج اور زمین کی مشقت ملی نہ کہ دینی عتاب چوتھا فائدہ سب سے بڑا گناہ حسد ہے۔ یہی ہر دشمنی کی اصل جڑ ہے اگرچہ بھائی کو بھائی سے ہو۔ یہ فائدہ عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ حسد سے چار نقصان ہوتے ہیں اول جان کو خطرہ دوم ایمان کو اندیشہ سوم۔ حالات کا فساد چہارم ترقی میں تنزل۔

احکام القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ دنیوی زندگی میں ہر مومن و مسلمان پر شریعت کی پابندی لازم ہے

خواہ کسی درجہ کسی مقام و مسکن میں ہو۔ اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا تو آخرت کے علاوہ دنیوی نقصانات کا اندیشہ ہے۔ یہ مسئلہ واقعۂ آدم میں شجرِ ممنوعہ کی پابندی لگانے سے مستنبط ہوا۔ کہ جنت میں رہنے کے باوجود آدم علیہ السلام پر شریعت کی پابندی لگائی خیال رہے کہ ہر وہ پابندی جو اللہ کی طرف سے ہو امر کی یا نہی کی وہ شرعی پابندی ہوتی ہے۔ ﴿هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ (الخ) کی پابندی شرعی ہی تھی۔ دوسرا مسئلہ جس طرح تصویر اور فوٹو سازی ہر شریعت میں حرام رہی اسی طرح سجدۂ تعظیمی بھی غیر اللہ کے لیے ہر شریعت میں حرام رہا۔ ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم ان کے لیے معافی کا ایک طریقہ تھا نہ کہ محض تعظیم آدم اسی لیے بجز ملائکہ اور کسی مخلوق نے کبھی نہ کیا ملائکہ نے بھی اپنے جرم کی معافی میں صرف ایک دفعہ ہی سجدۂ آدم کیا پھر نہ کبھی وہ جرم کیا نہ کبھی سجدۂ معافی اگر یہ سجدۂ تعظیمی ہوتا تو بار بار حکم دیا جاتا۔ جرم میں شرکت کی وجہ سے ابلیس کو بھی سجدہ کا حکم دیا گیا کسی اور دوسرے جنات کو حکم نہ دیا گیا۔ حالانکہ ابلیس نہ فرشتہ تھا نہ فرشتوں کا استاد۔ یہ مسئلہ ﴿وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ﴾ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ معافی مانگنا سب خطا کاروں پر واجب تھی نہ کہ محض تعظیم۔ تیسرا مسئلہ۔ کاروبار اور محنت مزدوری کرنا بیوی بچوں کو پالنا مردوں خاوندوں پر فرض ہے بیوی عورتوں کا کام باپردہ رہ کر گھر سنبھالنا ہے نہ کہ سڑکوں دکانوں پر کھڑے ہو کر محنت مزدوری کرنا اور کمائی کرنا یہ مسئلہ ﴿لَا يُخْرِجَنَّكُمَا﴾ تثنیہ فرمانے کے بعد ﴿فَتَشْقٰى﴾ واحد مذکر فرمانے سے مستنبط ہوا کہ جنت سے نکلنے میں دونوں کو شامل کیا گیا مگر محنت مزدوری روٹی کماتے میں صرف خاوند آدم علیہ السلام کو خطاب ہوا لہٰذا جو لوگ اپنی عورتوں کو بے پردہ پھراتے ملازمتیں کرواتے نوکریاں دلواتے ان کی تنخواہیں کھاتے ہیں وہ شرعاً بے غیرت مجرم ہیں۔ واقعاتِ آدم و حوا میں یہ بھی مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ نکلنے میں دونوں کا ذکر کیا۔ ﴿لَا يُخْرِجَنَّكُمَا﴾۔ اور مشقت پڑنے میں صرف اکیلے آدم کا۔ **جواب**۔ دو وجہ سے ایک یہ کہ نکالنا کسی کا عمل ہے جو دونوں پر خود بخود وارد ہوا۔ اور مشقت اپنا عمل ہے جو دنیا میں آکر کرنا ہے۔ آئندہ دنیا میں یہ بھی ایک انسانی زندگی کا شرعی قانون اور صنفی نقشہ سمجھایا گیا ہے کہ عورت آسان کاموں کے لیے پیدا کی گئی ہے اُس نے گھر کی چار دیواری کے اندر گھرستی سنبھالنی ہے اس نے بچے پیدا کرنے پرورش کرنے ہیں وہ صنفِ نازک ہے اسی کام کے لیے پیدا کی گئی ہے مرد صنفِ قوی ہے اُس نے باہر کے باشقت و محنت کام کرنے ہیں روزی کمانی۔ دوم یہ کہ یہاں بشری تقاضوں کا ذکر ہے اس اعتبار سے ان دونوں کا تعلق خاوند بیوی والا ہے اور ضروریاتِ زندگی حاصل کرنا خاوند کی ذمہ داری ہے اس ذمہ داری میں مرد اور خاوند

اصل ہیں اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ کے درجے میں ہیں اس لیے شقت کی کُلی ذمہ داری آدم علیہ السلام یعنی خاوند کی طرف کی گئی خیال رہے کہ تَشْقٰی سے مراد مشقتِ دنیوی ہے نہ کہ اُخروی شقاوت اسی لیے تَشْقٰی واحد آیا اُخروی شقاوت میں یہ بات نہیں ہوتی۔ **دوسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ بھوک اور ننگا ہونے کا ذکر ایک جگہ ملا کر کیا گیا اور پیاس دھوپ کا ذکر ایک جگہ ہوا یعنی بھوک کو ننگ سے جوڑا۔ پیاس کو دھوپ سے جوڑا چاہیے تھا کہ بھوک و پیاس کا ذکر ایک جگہ کیا جاتا کیونکہ دونوں کا تعلق منہ اور پیٹ سے ہے اور ننگ و دھوپ کی تپش کا ذکر ایک جگہ کیا جاتا کیونکہ دونوں کا تعلق ظاہری جسم سے ہے۔ **جواب**۔ یہاں اثرات اور علامات کا اعتبار کر کے تعلق قائم کیا گیا ہے نہ کہ ظاہری اسباب و علل کے اعتبار سے بھوک نام ہے باطنی جسم کا خالی ہونا ننگ نام ہے ظاہری جسم کا خالی ہونا۔ اسی طرح پیاس نام ہے باطنی جسم میں گرمی لگنا اور دھوپ کی تپش کا معنٰی ہے ظاہری جسم کو گرمی لگنا۔ اور مقام کے اعتبار سے بھوک و ننگ کا ساتھ ہوتا ہے اثرات کے اعتبار سے پیاس دھوپ کی تپش کا ساتھ ہوتا ہے اس لیے یہ اندازِ بیان نہایت درست ہے اور مشقت کی کیفیت اسی طرح سمجھائی جا سکتی ہے۔ محاورۃً بھی اکثر غربت سمجھانی ہو تو بھوکا ننگا کہا جاتا ہے اور رفاقتہ کشی سمجھانا ہو تب بھوکا پیاسا کہا جاتا ہے۔ نیز پیاس کا تعلق دھوپ کی تپش سے ہے کہ جب شدت کی گرمی پڑے تو پیاس بھڑکتی ہے نہ کہ بھوک۔ اس ترتیبِ قرآنی میں اسی چیز کا لحاظ رکھا گیا ہے یعنی نہ بھوک رہے ننگ نہ پیاس رہے گرمی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ۔ اور سورۂ اعراف آیت ۲۰ میں فرمایا گیا فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ یعنی یہاں ہے کہ صرف آدم کو شیطان نے وسوسہ دیا اور وہاں ہے کہ آدم و حوا دونوں کو شیطان نے وسوسہ دیا۔ یہ فرق کیوں؟ **جواب**۔ یہ فرق بالکل صاف ہے کہ یہاں فعل وَسْوَسَ متعدی بالیٰ ہے اور وہاں وَسْوَسَ ماضی متعدی باللام ہے یعنی یہاں طریقۂ وسوسہ بتایا گیا کہ ابلیس نے کس طرح اپنا وسوسہ حضرت آدم تک پہنچایا اور شیطان کا اصل مقصد بتایا گیا کہ وہ اصل میں آدم علیہ السلام کو ہی وسوسہ دینا چاہتا تھا اور وہاں سورۂ اعراف میں وسوسے کے اثرات کا ذکر ہے کہ ابلیس کے وسوسے کا دونوں کو اثر ہوا اور دونوں ورغلانے میں آ کر مبتلا ہو گئے کیونکہ شیطان نے دونوں سے بات کی اگرچہ اصل مدعا و مقصد صرف آدم تھے۔ **چوتھا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ میں لام جارہ علیحدہ علیحدہ جب کہ ایک لام سے بھی کام چل سکتا تھا۔ اور کلام بھی مختصر و خوب صورت ہو جاتا۔ چاہیے تھا کہ عَدُوٌّ لَّكَ وَزَوْجِكَ فرمایا جاتا **جواب**۔ خوب صورت و مختصر نہیں بلکہ فصاحت کے خلاف اور پڑھنے میں ثقیل ہوتا۔ اور قانونِ نحوی کے بھی خلاف ہوتا۔ قانونِ نحوی یہ ہے کہ اگر ضمیر مجرور متصل پر کسی کو عطف کرنا ہو تو حرفِ جار دوبارہ

لانا ضروری ہے۔ اس لیے کہ ضمیر مجرور متصل کا معطوف محض باتبع عطف میں شامل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کا اپنا ایک مستقل مقام ہوتا ہے۔ لہٰذا حرف جار علیحدہ لایا جاتا ہے۔ یہاں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ اے تا قیامت انسانوں تم مرد ہو یا عورت شیطان تم دونوں کا علیحدہ مستقل دشمن ہے مرد کی وجہ سے نہیں۔ جیسے کہ ابلیس مستقل طور پر آدم کا بھی دشمن تھا۔ اور حوا کا بھی آدم کی وجہ سے حوا کا دشمن نہ تھا۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ اَبٰى۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قصۂ یوسف اَحْسَنُ الْقَصَصِ ہے اور قصۂ آدم اَعْجَبُ الْقَصَصِ ہے اس لیے کہ اَعْجَبُ الْمَخْلُوْقَاتِ انسان کی خلقت وخصلت عادت وفطرت۔ جبلت وفطانت کا عجیب نقشہ بیان فرمایا گیا۔ انسان قدرت کا عظیم شاہکار ہے اس کی انتہائی کمزوری اس کی بشریت ہے اور انتہائی اشرفیت اس کی خلافت ہے۔ انتہائی افضلیت مسجودیت ہے اس کا مقام انتہائی بلند رہائش جنت ہے اس کا کام انتہائی سخت نظام دنیا ہے اس کی انتہائی قوت نبوت ہے۔ اس کا انتہائی غلبہ تمام مخلوق پر انسان ہی صفی اللہ یہ ہی نجی اللہ یہی خلیل اللہ یہی ذبیح اللہ۔ یہی کلیم اللہ یہی روح اللہ اور یہی حبیب اللہ یہی اوّل مخلوقات۔ یہی آخر مخلوقات۔ یہی زمین پر بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَآءِ یہی لامکان پر قَابَ قَوْسَيْنِ ہوا۔ یہی رحمتِ عالمین یہی شاہدِ عالمین غرضکہ تمام ابتدائیاں تمام انتہائیاں اسی پر انتہا ہو گئیں۔ اسی کو اوّل بنایا مشاہدِ کائنات کی بصارت وبصیرت عطا فرما کر اسی کو فرمایا وَاِذْ قُلْنَا۔ اے حبیب اس چشم دید واقعے کو یاد کرو جب ہم نے تم کو دکھایا تھا آدم کو بنایا تھا زمین پر بٹھایا تھا فرشتوں سے فرمایا تھا کہ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ۔ آدمِ روح وقالب کو سجدہ کرو اس کی تعظیم اپنی عاجزی دکھاؤ اس کی شان کا اظہار اپنی خطاء اعتراض کا اعتراف کرو فَسَجَدُوْا تو سب ملائکہ نے ایک دم ایک ساتھ مل کر صف بندی کی شوکت ووقار سے مقامِ معرفت میں زمینِ عجز پر شانِ بشریت کو سجدہ کر دیا۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ۔ مگر ابلیسِ فطرت اور شیطنِ جبلت نے مقصد انسانیت اور حکمتِ رحمانیت کو اقرارِ عجز کا سجدہ نہ کیا اَبٰى بلکہ اعترافِ حقیقت سے منکر ہوا۔ فَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ۔ پس ہم نے آدمِ ملکوتی کو عالمِ اسرار سے الہام باطنی فرمایا۔ اے آدمِ قلبی یہ ابلیس تیرا بھی دشمن ہے اور تیری زوجۂ عقل کا بھی۔ تم دونوں مقام معرفت کی جنتِ انوار میں ہی رہنا ایسا نہ ہو کہ وہ دشمنِ ابدی تم دونوں کو اس جنتِ معرفت سے نکال دے اور پھر تجھ کو وادیِ ظلمات کی تمام مشقتیں پڑ جائیں۔ گناہ مثل ابلیس ہے جو بندے کو جنتِ قرب میں آئے ترقی کرنے کے بعد جنتِ راحت سے نکال کر زمینِ بشری کی مشقتِ بُعد میں گرا دیتا ہے پھر جب تک بندہ توبہ سے

قربِ حق کی لیاقت پیدا نہ کرے حضورِ بارگاہ نصیب نہیں ہوتا۔ قربِ حضوری ہی بندۂ عارف کی جنت ہے فرشتوں پر انکشافِ کمالِ آدم ہوا جو اُن کے کمال سے بلند تھا تو فرشتوں نے آدم کے نورِ باطن کو دیکھ لیا سجدے میں گر گئے مگر ابلیس پر ظلمتِ وہم کے پردے پڑے رہے اُس نے صرف جسدِ آدم کی ظاہرِ خاکی کو دیکھا اپنے جسم و خلق سے کمتر سمجھا تو انکار کر دیا۔ اِنَّ لَکَ اَلَّا تَجُوْعَ فِیْهَا وَلَا تَعْرٰی وَاَنَّکَ لَا تَظْمَؤُا فِیْهَا وَلَا تَضْحٰی بھوک ننگ پیاس تپش یہ نفس کی چار کیفیاتِ ناسوتی ہیں۔ عالمِ روحانیت میں نہ ملابست کی بھوک نہ ملاوٹ کی عریانی نہ ضدین کے ٹکراؤ کی پیاس نہ فسادِ باطنی تک پہنچنے والی شدتِ حرارت، بلکہ اُس عالمِ سکونِ خلوت میں فنا و فساد سے امن پا کر لذاتِ ایمانیہ کا حصول ہے سالکین کی جنتِ جوارِ حق ہے اور اس کی چار نعمتیں ہیں ۱۔ شریعت کے ماکولات یعنی غذائیں ۲۔ طریقت کے مشروبات ۳۔ حقیقت کے ملبوسات ۴۔ معرفت کے منکوحات یہ چار مقامات جنتِ اسرار ہیں۔ نفس و شیاطین کو ان کا ہی حسد ہے بندۂ عارف آگاہ کر دیا گیا کہ یہ حسد ہی تھا کہ ابتداء میں فَوَسْوَسَ اِلَیْهِ الشَّیْطٰنُ قَالَ یٰاٰدَمُ هَلْ اَدُلُّکَ عَلٰی شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْکٍ لَّا یَبْلٰی۔ پس وسوسہ ڈالا آدمِ قلبی اور روحِ بشری کی طرف شیطانِ مخفی نے مکرِ ظاہری سے بولا۔ اے آدمِ قلبی ذیشان و کمال کیا میں تجھ کو مرتبۂ عظیم کے درختِ ابدی کا نشانِ خلود نہ بتا دوں۔ جس میں ہر سالکِ معرفت کے لیے قوتِ ملکوتی اور حیاتِ جبروتی ہے یہی وہ حیاتِ دائمی ہے جس میں اُس سلطنتِ لاھوتی کا حصول ہے جس کو کبھی زوال نہیں۔ واقعۂ آدم میں چار کمالات ہوئے ۱۔ رب تعالیٰ کے کرم کا کمال کہ سب کچھ پہلے ہی بتا دیا۔ یہ شجرِ ممنوع ہے یہ جنت یہ ابلیس کا ارادہ ہے ۲۔ آدم علیہ السلام کا کمال یہ کہ سب کچھ جان لیا کہ اللہ تعالیٰ ہمارا مولیٰ ہے ناصر ہے مربی ہے شجرِ ممنوعہ کو پہچان لیا ۳۔ فرشتوں کا کمال کہ انکشافِ باطن سے آدم علیہ السلام کے نورِ دائم و حقیقتِ قائم کو دیکھ لیا ۴۔ ابلیس کا کمالِ تنزل کہ اُس نے عداوت حسد تکبر کی وجہ سے ذلت لعنت۔ نفرت مردودیت کا ابدی طوق ڈال لیا مگر ضد و عداوت نہ چھوڑی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ راہِ منزلِ طلب میں دو صدائیں ہیں ایک صداء رحمانی دوسری صداءِ شیطانی، صداءِ ربانی میں لَا تَقْرَبَا کا بچاؤ۔ لَا تَجُوْعَ کی رغبت لَا تَعْرٰی کی راحت لَا تَظْمَؤُا کی معیشت۔ لَا تَضْحٰی کی سہولت ہے صداءِ ابلیسی میں شجرۃِ خلد کی عیاری رغبتِ دوام کی مکاری۔ راحتِ ابدی کی کذب بیانی اور مُلْکٍ لَّا یَبْلٰی کی معیشتِ انتظامیہ کے وعدۂ نفسانیہ ابلیس ہر آدمی کو ہر بھیس میں ہر حالت میں ہر وقت در غلا تا رہتا ہے دکھاتا ہے دین ہو یا دنیا عبادت ہو یا تجارت دنیوی امور میں سود رشوت چوری جوا ڈکیتی فریب۔ دینی امور میں نوافل میں مشغول کرا کے تھکا دیا فرائض کو چھڑا دیا۔ نماز میں سر ننگے کرا دیے ہر وقت ٹخنے ڈھکا دیے۔ آستین چڑھا دیں تہبند لٹکا

دے۔ اگر جماعتِ نماز میں خیر سے کوئی آگیا تو دعا اور سنتوں سے بھگا دیا کبھی پیر بن کر بہکایا کبھی گمراہ خطیب بن کر کبھی داڑھی کو منڈوایا مونچھوں کو رکھوایا۔ کبھی چار انگل داڑھی سنتِ واجبہ سے منصف بن کر دغلایا یہ سب شیطان کی دشمنی کے نمونے ہیں۔ مگر وہاں صداءِ رحمانی ہیں شجرۂ ممنوعہ سخاوت لاقربا اور صداءِ ابلیسی ہیں اسی شجرہ سے مقاربت ضروری بتائی تا قیامت ہر بندہ ان دو صداؤں کے درمیان ہے صداءِ ربانی کانِ شرافت سے سنی جاتی ہے جو دائیں جانب ہے اور صداءِ ابلیسی کانِ حماقت سے سنی جاتی ہے جو بائیں جانب ہے۔ اتنا بتا دیا گیا ہے کہ صداءِ رحمانی سخاوت ہے صداءِ شیطانی شرارت ہے۔ صداءِ رحمانی عدالت ہے صداءِ شیطانی عداوت ہے۔ وہ مربی و محافظ کی آواز ہے یہ دشمن و حاسد کی پکار ہے۔ آگے فیصلہ بندے کا اپنا ہے۔ خواہ صراطِ عافیت پر چلے یا صراطِ شرارت پر نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ وَمِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ اَعْمَالِنَا۔

انسان کا سب سے سخت پرانا اور ابدی دشمن ہے۔ جس کی دشمنی انسان پر ظاہر و پوشیدہ ہر طرح مسلط ہے اسی لیے قرآن مجید میں تقریباً باتیس جگہ شیطن کی دشمنی اور اس سے بچنے کا ذکر فرمایا گیا جسم انسانی میں نفس کے ذریعے شیطن کو راستہ ملتا ہے جب بندۂ عارف کے دل اور روح پر فیوضات نازل ہوتے ہیں تو نفس کے اندر ابلیس چھپ کر سن لیتا ہے اسی وجہ سے نفس امارہ بن جاتا ہے اور اس کے لیے فیوضات کا کچھ حصہ پا لینے کے بعد بے پرواہ اور سرکش ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے مزید برکات کا دروازہ بند ہو جاتا ہے نفس کی سرکشی اسی سبب سے ہے کہ وہ تنگ ظرف ہے حرص زیادہ ہر تن چھوٹا شیطن کی حرکتیں سات قسم کی ہیں ۱ اونگھ ۲ جمائی ۳ خارش ۴ ادھر اُدھر دیکھنا ۵ وہمی وسوسے آنا ۶ شک میں پڑے رہنا ۷ دشمنیاں کرانا جس کا قلب آخرت کے ذکر سے خالی ہو وہ شیطانی وسوسوں کا شکار بن جائے گا۔ مگر جس کا باطن یقینِ کامل اور نورِ معرفت سے معمور ہو تو اُسے کسی مشاہدے اور تصوّر کی ضرورت نہیں۔ وہ عبد کی بجائے خالقِ عبد کے مشاہدے میں ہوتا ہے۔ شیطان نے سب سے پہلے انسان کی بشریت کو کھانے کا وسوسہ دیا۔ انسان پر شریعت کی سب سے پہلی پابندی کھانے ہی کی لگائی گئی تاکہ بندہ تا قیامت کھانے میں محتاط رہے۔ جو کھانے کی حرص میں مبتلا ہو گیا وہ آتشِ شہوت میں جل گیا فرزندِ آدم میں ہزار قسم کی برائیاں ہیں اور وہ سب شیطان کی طرف سے آتی ہیں۔ بھوکا انسان نفس کو ریاضت کی طرف لگاتا ہے تو تمام اجزاءِ خبیثہ خشک ہو جاتے ہیں یا نارِ فاقہ سے جل جاتے ہیں۔ تب ابلیس اس کے پاس سے بھاگ جاتا ہے۔ جب انسان شکم سیری کی عادت میں پڑ جاتا ہے تو حرام حلال کی پرواہ اور

پابندی نہیں کرتا۔ اپنے حلق کو آزاد چھوڑنا۔ تیدِ شیطانی ہے۔ شکم سیری نفسِ امّارہ کی وہ نہر ہے جس پر شیطان کا گزر ہوتا ہے اور روحِ آدم کی بھوک رفاقہ کشی وہ نہر ہے جس پر فرشتوں کا نورانی نزول ہوتا ہے۔ روزے دار سو بھی جائے تو شیطان اُس سے شکست کھاتا ہے۔ مگر پیٹ بھرے آدمی سے شیطان بغل گیر رہتا ہے اگرچہ وہ نماز میں کھڑا ہو۔ جسمِ آدم میں سات چیزیں پیدا کی گئیں ۱۔ رطوبت ۲۔ خشکی ۳۔ برودت ۴۔ حرارت ۵۔ ظلمت ۶۔ روشنی ۷۔ فہم۔ رطوبت پانی سے خشکی مٹی سے حرارت نار سے برودت ہوا سے ظلمت نفس سے روشنی قلب سے فہم عقل سے پیدا ہوتا ہے۔ قوتِ روحانی سب پر غالب ہے۔

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَ

پس دونوں نے کھا لیا اس درخت سے اس لیے بے پردہ ہو گئیں اُن کے سامنے ان دونوں کی

تو ان دونوں نے اس میں سے کھا لیا اب اُن پر اُن کی شرم کی چیزیں

طَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ

شرم گاہیں اور چپٹنے لگے وہ دونوں اپنے پر جنت کے پتوں

ظاہر ہوئیں اور جنت کے پتے اپنے اوپر چپکا نے لگے

الْجَنَّةِ ۫ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ﴿۱۲۱﴾ ص صلے

سے اور دھیان نہ رکھا آدم نے اپنے رب کا اس لیے ناکام ہوئے

اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا اس کی راہ نہ پائی

ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى ﴿۱۲۲﴾

پھر ان کو نبوت کے لیے چن لیا اُن کے رب نے توجہ فرمائی اُن پر اور ہادی بنایا۔

پھر اُس کے رب نے چن لیا تو اس پر اپنی رحمت سے رجوع فرمائی اور اپنے قربِ خاص کی راہ دکھائی۔

قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ

فرمایا کہ دونوں ایک دم اتر جاؤ اس جنت سے تمہارے کچھ لوگ کچھ لوگوں کے

فرمایا تم دونوں مل کر جنت سے اترو تم ہیں ایک دوسرے کا

عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ

دشمن ہیں پھر جب بھی ملے تم کو میری طرف سے ہدایت تو جو بھی

دشمن ہے پھر اگر تم سب کو میری طرف سے ہدایت آئے۔ تو جو میری

اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى ﴿۱۲۳﴾

پیروی کرے گا میری ہدایت کی تب وہ نہ گمراہ ہوگا نہ بدقسمت ہوگا۔

ہدایت کا پیرو ہوا وہ نہ بہکے نہ بد بخت ہو۔

تعلقات

ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حضرت آدم کے قصے کا کچھ حصہ ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں بقیہ قصہ مذکور ہوا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ابلیس شیطان کے وسوسہ ڈالنے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں حضرتِ آدم کے وسوسے میں مبتلا ہو جانے کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں آدم علیہ السّلام کو ایک اندیشے اور خطرے سے متنبہ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اس اندیشے کے پورا ہو جانے کا ذکر ہے کہ جس جنت سے نکالے جانے کا خطرہ و اندیشہ پہلے بتا دیا گیا تھا وہ خطرہ آخر کار حضرت آدم کی بھول کی وجہ سے ہو کر رہا۔

تفسیر نحوی

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔ فَ زائدہ اَكَلَا باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف تثنیہ مذکر غائب ہُمَا ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے آدم و حوا۔ اَكْلٌ ہموز الفا سے مشتق ہے بمعنی چبا کر کھانا مِنْ حرفِ جر تبعیضیہ هَا ضمیر کا مرجع شَجَرَةُ الْخُلْدِ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَكَلَا کا فَ سببیہ

بَدَتْ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب بُدُوٌّ سے مشتق ہے بمعنٰی کھل جانا بے پردہ ہوجانا، ظاہر ہوجانا۔ لام جارہ تعلیلیہ بمعنٰی وجہ سے یا بمعنٰی عِنْدَ صرف یعنی اُن کے اپنے عمل کی وجہ سے یا صرف اُن کے اپنے سامنے ان کی بے پردگی ہوئی۔ ھُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع آدم و حوا ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے بَدَتْ کا سَوْاٰتُ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے سَوْاَۃٌ بمعنٰی بری چیز اصطلاح میں ہر وہ چیز جس کا دیکھنا بُرا اور معیوب لگے اِسی معنٰی میں ہر مذکر مؤنث شرمگاہ۔ اور ہر بُرے کام کو یا کلام کو سَوْاۃ کہا جاتا ہے لاش کو بھی سُوْءَۃٌ اسی لیے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ خوشی نہیں لاتی۔ غمی اور برائی لاتی ہے۔ یہاں مراد شرم گاہیں ہیں کیونکہ ہر انسان کی آگے پیچھے دو شرم گاہیں ہوتی ہیں اس لیے سوأت جمع ہے ھُمَا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے بَدَتْ کا یہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ طَفِقَا۔ باب سَمِعَ کا فعل مقاربہ ماضی مطلق تثنیہ مذکر طَفِقٌ سے مشتق ہے تفوق بھی اسی کا مصدر ہے خیال رہے کہ افعالِ مقاربہ فعل ناقصہ کی طرح ناقص ہوتے ہیں اور اسم و خبر پر عمل کرتے ہیں اپنی خبر سے مل کر پورے اور مکمل ہوتے ہیں مگر افعال ناقصہ اور ان میں فرق یہ ہے کہ ناقصہ کی خبر اُس کے اسم پر بھی اور خود فعل پر بھی مقدم ہو سکتی ہے مگر مقاربہ کی خبر کسی پر مقدم نہیں ہو سکتی اگر کبھی خبر مقدم ہو تو وہ خبر نہیں رہتی بلکہ پورا جملہ فاعل بن جاتا ہے اور فعل عسٰی تامہ ہو جاتا ہے یہ کل سات فعل ہیں مگر یہ اس کی نوعیتیں تین ہیں ۱ عسٰی یہ وہاں آتا ہے جہاں خبر کے اسم سے قریب ہونے کی فقط اُمید ہو یعنی یہ تعلق کی شل ہے اسی لیے اِس کی صرف صغیر نہیں ہوتی فقط فعل ماضی کی صرف کبیر ہوتی ہے اس کا فعل مضارع امر نہی اسم فاعل مفعول وغیرہ نہیں ہوتے محال و ناممکن چیزوں کے لیے بھی عسٰی استعمال نہیں ہو سکتا عسٰی پر حرف نفی نہیں آسکتا اس کی خبر پر اَنْ ناصبہ ضرور آتا ہے مگر جب کادَ مقاربہ کے معنٰی میں ہو تو نہیں آتا ۲ کادَ یہ وہاں آتا ہے جہاں خبر اپنے اسم سے واقعتًا قریب ہو اُس کی خبر پر اَنْ ناصبہ نہیں آتا مگر جب یہ عسٰی کے معنٰی میں آئے یعنی اُمیدِ قرب کے لیے تب اَنْ آجاتا ہے کادَ مقاربہ پر حرفِ نفی نہیں آتا لیکن اگر آجائے تو اپنی خبر کی نفی کرتا ہے ایک قول ہے کہ نفی نہیں کرتا اور ایک قول ہے کہ کادَ ماضی ہو تو نفی نہیں کرتا اگر اس کا مضارع بن کر آئے تو خبر کی نفی کرتا ہے۔ عسٰی اور کادَ میں فرق یہ ہے کہ عسٰی میں خبر ضروری نہیں کبھی اِس کی خبر نہیں ہوتی مگر کادَ کی خبر ہمیشہ لازمی ہے نیز یہ دونوں متفق علیہ مقاربہ ہیں ۳ طَفِقَ یہ گویا ہے اور شک یہ تینوں فعل وہاں مستعمل ہیں جہاں خبر کا فعل (کام) شروع ہو چکا ہو انتہا کے قرب کو بتائے اس وجہ سے بعض نحات نے اُن کو افعالِ مقاربہ میں سے نہیں مانا مگر صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مقاربہ ہیں فرق صرف یہ ہے کہ عسٰی و کادَ ابتدا کے قرب کو بتاتے ہیں اور یہ فعل کے اختتام کے قرب کا اشارہ

کرتے ہیں ان پر بھی عسٰی کی طرح حرفِ نفی نہیں آسکتا یہ عمل میں کادَ کی طرح ہیں بعض اسم خبر دونوں کو ہمیشہ چاہتے اور اس کی خبر فعل مضارع بغیر اَنْ ناصبہ کے ہوتی ہے ہاں اَوْشَکَ کبھی کبھی عسٰی کی شکل ہوتا ہے تب اس میں کبھی خبر ضروری نہیں رہتی ۶ جَعَلَ ۷ اَخَذَ یہ دونوں اَصلاً فعل تامہ ہیں مگر ضرورتاً کبھی فعل ناقصہ بن کر مقاربہ ہوتے ہیں یہ دونوں ہر بات میں طَفِقَ کی شکل ہیں۔ اسی لیے ان پانچوں فعلوں کا اردو ترجمہ ہوتا ہے لگنا جیسے کرنے لگا آنے لگا۔ یہاں طَفِقَ یَخْصِفَانِ کا ترجمہ ہے وہ دونوں پیٹنے لگے۔ ایک قرأت میں طَفِقَا باب ضَرَبَ سے ہے اس کا اسم اسی میں پوشیدہ هُمَا ضمیر تثنیہ ہے یَخْصِفٰنِ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع بمعنٰی ماضی تثنیہ مذکر غائب ایک قرأت یُخَصِّفٰنِ باب تفعیل سے ہے خَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنٰی اپنے جسم پر لپیٹنا۔ عَلَیْهِمَا یہ جار مجرور متعلق ہے مِنْ جارہ بعضیت کا وَرَقِ اسم مفرد جنسی وحدت اور جمعیت دونوں کے لیے مستعمل ہے مضاف ہے الْجَنَّةِ اسم مفرد معرفہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے یَخْصِفٰنِ کا یَخْصِفَانِ اپنے فاعل مضمر اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے طَفِقَا کی سب مل کر جملہ فعلیہ تقریبیہ ہو کر معطوف ہوا اَبَدَتْ پر دونوں مل کر مسبب ہوا اَکَلَا کا اَکَلَا فعل اپنے مُضْمَرُ فاعل متعلق اور مسبب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ سببیہ ہو گیا۔ واؤ برجملہ عَصٰی باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب عَصْوٌ یا عَصْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی اکم پر دھیان نہ رکھنا ۲ مخالفت کرنا ۳ نافرمانی کرنا ۴ اطاعت نہ کرنا ایسے مصادر کو اصطلاح میں نفی اثبات کہتے ہیں کہ ظاہراً تو ثبوت ہیں مگر باطناً نفی ہیں اسی طرح کے مصدر عربی میں تقریباً چار ہیں ۱ عَصْیٌ بمعنٰی مخالفت کرنا یعنی نہ ماننا ۲ غَوٰیٌ بمعنٰی بھٹک جانا (مقصد اور سیدھا راہ نہ پانا) ۳ خَتْمٌ۔ پورا ہو جانا (کہیں نظر نہ آنا) ۴ زَوَالٌ زائل ہونا (نہ رہنا) وغیرہ عصٰی دراصل عَصَیَ تھا ی متحرک اس سے پہلا حرف مفتوح ی کو الف سے بدلا گیا۔ آدَمُ اسم مفرد جامد غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے۔ بحالتِ رفع کیونکہ فاعل ہے رَبَّهٗ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فَ سببیہ غَوٰی۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب غَوٰیٌ سے مشتق ہے ایک قرأت میں غُوِیَ فعل مجہول ہے منفی ثبوت والے مصادر سے ہے بمعنٰی بے مزہ ہونا۔ ناکام ہونا۔ بہک جانا۔ نقصان پانا۔ گمراہ ہونا یہاں پہلے دو معنی میں ہے اس کا فاعل اسی میں پوشیدہ هُوَ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع آدَمُ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہے عصٰی کا اور معطوف علیہ ہے مابعد جملے کا ثُمَّ حرفِ عطف تراخی کے لیے دیر میں ہونے کے لیے) اِجْتَبٰی۔ باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب جَبْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی چُن لینا منتخب کرنا اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ ہٗ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ مرجع آدَمُ رَبَّهٗ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے فَ عاطفہ

تعقیبہ تَابَ ۔ بابِ نصر کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب تَوْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا رجوع کرنا ۔ متوجہ ہونا برائی سے ہٹ جانا یہ ہر معنی میں متعدی ہوتا ہے جب یہ متعدی اِلٰی سے ہو تو نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے یعنی بندے نے گناہ چھوڑا اللہ کی طرف متوجہ ہوا ۔ جب متعدی عَلٰی سے ہو تو نسبت اللہ کی طرف ہوتی ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے بندے کی بات اور معافی قبول فرمائی بندے کی طرف متوجہ ہوا یہاں متعدی عَلٰی سے ہے اس لیے تَابَ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے ، معافی توبہ و معذرت کا فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ علیہ یہ جار مجرور متعلق ہے فَ حرفِ عاطفہ تعقیبیہ هَدٰی باب ضَرَبَ کا فعل ماضی واحد مذکر غائب اس کا فاعل اسی میں پوشیدہ هُوَ ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ ۔ هُدًی سے مشتق ہے بمعنی راہ دکھانا منزلِ مقصود تک پہنچانا ۔ پاس بلانا قریب کرنا کامیاب بنانا متعدی ہے اس کا مفعول بہ ذہنی پوشیدہ ہے پہلی ضمیروں کے قرینے اور دلالت سے دراصل تھا هَدَاهُ ۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اِجْتَبٰہُ پر دونوں عطف مل کر معطوف ہوا اِجْتَبٰی کا یہ دونوں مل کر معطوف ہوا عَصٰی کا یہ دونوں مل کر مسبب ہوا عَصٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ سببیہ ہو گیا ۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيعًا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًی فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰی قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے ۔ اِهْبِطَا ۔ باب ضرب کا فعل امر حاضر معروف تثنیہ مذکر هَبْطٌ سے مشتق اس کا فاعلِ مخاطب (مامور) اَنْتُمَا ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے مرجع آدم و حوا بمعنی اترنا بغیر کسی وسیلے اور سہارے کے مِنْ جارہ ابتدائیہ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل کا مرجع جنت ہے یہ جار مجرور متعلق ہے جَمِيعًا اسم مفرد مبالغہ بروزنِ فَعِيْلٌ بمعنی تمام کے تمام (سارے کے سارے) یہاں جَمِيعًا تثنیہ فاعل کا حال ہے بمعنی ایک ساتھ مل کر اِهْبِطَا اپنے حال ذوالحال والے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ اول ہوا ۔ بَعْضٌ اسم مفرد جامد اسم جنسی جمع ہے ایک اور چند کے لیے مستعمل ہے اسم جزئی ہے اسم کل کے مقابل بمعنی کچھ یعنی تمام نہیں مضاف ہے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل اس کا مرجع ذہنی جمع ہے ۔ یا کُمْ بمعنی کُمَا ہے مراد ہے حضرتِ آدم و حوا یعنی تم سے جو بعض پیدا ہوں گے وہ آپس میں لِبَعْضٍ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے عَدُوٌّ اسم مشتق صفت مشبہ بروزنِ فَعُوْلٌ کا ۔ عَدْوٌ سے بنا ہے بمعنی حد سے بڑھ کر بلا وجہ ظلم اور نقصان کرنے یا چاہنے والا ۔ دراصل عَدُوْوٌ تھا تخفیف کے لیے دونوں واؤ کا اِدغام کر دیا گیا ۔ عَدُوٌّ اپنے پوشیدہ فاعل هُوَ ضمیر اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے بَعْضُكُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا فَ حرفِ عطف بمعنی ثُمَّ عاطفہ ۔ اِمَّا ۔ دراصل اِنْ مَا ہے اِنْ حرفِ شرط مَا موصولہ مگر اب

مرکب (متصل) ہوکر شرط ظرفی کے معنی ہے ترجمہ ہے پھر جب بھی یہ پانچ معنی کے لیے مستعمل ہے ۱؎ بیانِ وضاحت کے لیے یہاں اس معنی میں ہے ۲؎ شک کے لیے تب ترجمہ ہوگا اگر کبھی ۳؎ ابہام کے لیے ترجمہ اگر کسی کے پاس ۴؎ اختیار دینے کے لیے ترجمہ ہوگا جو چاہے ۵؎ اباحت کے لیے ترجمہ ہوگا ایسا بھی ہوسکتا ہے۔ یَاْتِیَنَّ باب نَصَرَ کا مضارع معروف با نون ثقیلہ واحد مذکر غائب اَتٰی سے بنا ہے بمعنی آنا لانا پانا۔ لہٰذا یہاں آخری معنی ہیں ہے کُم ضمیر اس کا مفعول بہ مِنِّیْ جار مجرور متعلق ہے۔ هُدًى اسم مفرد جامد مضاف ہے اس کا مضاف الیہ یاءِ متکلم محذوف منوی ہے دراصل تھا هُدَایَ (میری ہدایت) کی طرف (کنارے) میں واقع ہوئی اس لیے الف سے بدل گئی اس پر تنوین عوضی لگائی جو الف کی وجہ سے بشکلِ نصب (زبر) آئی اصلاً یہ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے یَاْتِیَنَّ کا سب مل کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ مَنْ اسم خبریہ موصول خبریہ اِتَّبَعَ بابِ افتعال کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل تَبِعَ سے مشتق ہے بمعنی پیروی کرنا هُدَایَ یہ مرکب اضافی فاعل ہے اِتَّبَعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر شرط ہوئی فَ جزائیہ لَا یَضِلُّ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی نفی بافاعل پوشیدہ هُوَ کا مرجع مَن ہے جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ وَ عاطفہ لَا یَشْقٰی باب سَمِعَ کا مضارع منفی بافاعل شَقُوٌ سے بنا ہے بمعنی بدقسمت ہونا هُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہوکر معطوف دونوں عطف مل کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر عطف ہے بَعْضُکُمْ کے جملہ اسمیہ پر مقولہ دوم ہوا قَالَ دونوں مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ عَلَیْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدٰى۔ ابلیس کی اس دھوکہ دہی سے متاثر ہوکر آدم و حوا دونوں نے اُس درختِ ممنوعہ سے کچھ کھالیا اس درخت کو ابلیس نے شجرِ خلد کا نام دیا تھا۔ یہ اُس کی سراسر کذب بیانی تھی پہلے حوا نے کھایا پھر اُن کی دیکھا دیکھی یا حوا کے کہنے سے یا دونوں نے ایک دم کھایا اکٹھا ہی کھاتے ہی یہ نتیجہ اوّل ظاہر ہوا کہ ان کا وہ جنتی لباس دونوں کا اتر کر غائب ہوگیا۔ تفسیر نیشاپوری میں ہے کہ یہ لباس ناخن کی شکل سرخی مائل گلابی موٹے ریشم کا نرم اور نہایت ملائم تھا۔ صرف بطور یادگار رہا تھ پاؤں کی دس انگلیوں پر رہ گیا جو اب تک ہر انسان کے ساتھ ہے اب یہ ناخن سخت کر دیے گئے مگر اس وقت سارے جسم پر نرم تھا۔ بعض نے فرمایا یہ لباس نور کی چادریں تھیں۔ حضرت آدم و حوا مثل لمبی شجر کھجور کے دراز قد نہایت خوب صورت سرخی مائل سفید۔ حضرت آدم کے جسم پر کثیر بال تھے۔ لہٰذا ثابت ہوتا ہے کہ یہ ننگا ہونا صرف صرف

آدم وحوا کے لیے تھا۔ کوئی تیسرا اس جگہ دیکھنے والا نہ تھا۔ یہ کھانے کا فعل ابلیس کے وسوسہ دینے کے پانچ دن بعد عمل میں آیا۔ سَوْاٰت کا معنی ہے قابلِ شرم یا قابلِ نفرت یا بدصورت۔ انسان کتنا ہی خوب صورت ہو ننگا ہو جائے تو بدصورت اور بُرا لگتا ہے ہر انسان لباس میں ہی اچھا و مہذب لگتا ہے۔ اس لیے شرم گاہ کو سَوْاٰت کہا گیا۔ اگر ان دونوں کا ننگ کسی تیسرے کو بھی نظر آیا ہوتا تو لَهُمَا نہ ہوتا۔ لَهُمَا ہوتا لباس کے غائب ہوتے ہی آدم وحوا دونوں سخت ترین گھبرائے خوف زدہ اور ایک دوسرے سے شرمندہ ہوئے۔ شرمندگی ننگا ہونے کی اور خوف اپنے اس جرم کا گھبراہٹ اِس کی کہ کوئی اور نہ دیکھ لے اور تو کوئی چیز نہ ملی قریب ہی انجیر کے درخت تھے اُن کے پتے جو تقریباً ایک گز لمبے چوڑے تھے ان کو ایک دوسرے سے جوڑ جوڑ کر اپنے اپنے جسم پر چپکانے لگے۔ یا ایک ایک پتہ شرم گاہ پر لپیٹنے لگے۔ تاکہ پردہ ہو جائے۔ آدم علیہ السّلام کا ابلیس کے دھوکے میں آکر شجرِ ممنوعہ کو تھوڑا سا کھا لینا یہ نافرمانیِ رب تھی۔ قانونِ شریعتِ الٰہیہ میں نافرمانی کی سات قسمیں ہیں ۱۔ بھول کر نافرمانی کرنا ۲۔ جان کر نافرمانی ۳۔ واجب کی مخالفت کر کے نافرمانی ۴۔ مستحب کی مخالفت کر کے نافرمانی ۵۔ دھوکہ کھا کر نافرمانی کرنا ۶۔ سرکشی سے نافرمانی کرنا ۷۔ وعدہ خلافی سے نافرمانی کرنا۔ واقعۂ آدم میں تین شخصیتوں نے نافرمانی کی۔ پہلی نافرمانی ابلیس نے کی سرکشی کرتے ہوئے اس لیے کافر ملعون و مردود ہوا۔ دوسری نافرمانی حضرتِ حوا نے کی لغزش اور شیطانی جھوٹ سے دھوکا کھا کر تیسری نافرمانی حضرت آدم نے کی کہ عہدِ فرضیہ کو مستحب سمجھا انہوں نے اس میں بھی رب کی رضا چاہی تھی کہ خلودِ جنت میں فرصت و لذتِ عبادت زیادہ ہے یہ آپ کا اجتہاد تھا مگر اجتہادی غلطی کر گئے بعض نے فرمایا کہ ممانعت تو جنسِ درخت سے تھی کہ اس طرح کا کوئی بھی درخت جنت کے کسی مقام و حصے میں نہیں کھا سکتے مگر آپ نے نوعِ درخت سمجھی کہ صرف هٰذِهِ الشَّجَرَةَ یعنی یہ درخت نہیں کھا سکتے۔ ابلیس نے اسی قسم کا دوسرا درخت دکھایا۔ لہٰذا فَغَوٰى۔ ہر بات ہر ارادے ہر خواہش و منشا میں ناکام ہو گئے نہ رضاءِ الٰہی ملی نہ رہائشِ جنت باقی رہی نہ درازیِ عمر نہ مُلْكٍ لَّا يَبْلٰى نہ خلود نہ شہود۔ خلودِ بہشتی کے بجائے ہبوطِ ارضی پسح کے بجائے مجبوٹ خوشی کی بجائے غمی تین سَو سال تک روتے رہے کبھی توبہ کرتے کبھی معذرت چاہتے۔ کبھی معافی مانگتے معافی معذرت اور توبہ میں شرعی و اصطلاحی فرق یہ ہے کہ اپنے جرم کا سب سے بڑا اعتراف و ندامت توبہ ہے اس میں سابقہ کو ختم کرانا آئندہ یہ جرم نہ کرنے کا پختہ وعدہ اور توفیق و ہمت ملنے کی التجا و دعا۔ اس کی قبولیت یہ ہے کہ سابقہ کی مغفرت اور آئندہ نہ کرنے کی توفیق مل جاتی ہے۔ معذرت یہ ہے کہ بندہ اپنے سابقہ جرم پر شرمندگی و

ندامت کا اظہار و عرض کرے اس کی قبولیت یہ ہے کہ سابقہ جرم سے درگزر کر دی جاتی ہے۔ معافی یہ ہے کہ مجرم اپنے جرم کا کوئی کفارہ اور بدلہ پیش کر دے اس کی قبولیت یہ ہے کہ کفارہ منظور کر لیا جائے خیال رہے کہ جرم وخطا کا بدلہ کفارہ ہے۔ حفاظت کا بدلہ فدیہ ہے اور رضا کا بدلہ ہدیہ کہلاتا ہے حضرت آدم کی یہ دعائیں آپ کی توبہ تھی آپ کا غم آپ کی معافی تھی آپ کی بے چینی اور تین سو سال تک آسمان کی طرف منہ نہ اٹھانا آپ کی معذرت تھی آپ کے آنسو اس معافی کا کفارہ تھا۔ ثُمَّ اجْتَبٰہُ۔ جنت سے نکلنے مشقت میں پڑنے آدم وحوا کی جدائی و طرفہ تنہائی۔ رونے دعائیں التجائیں کرنے کے بعد پھر کہیں مدت دراز کے بعد فَتَلَقّٰۤی اٰدَمُ مِنْ رَّبِّہٖ كَلِمٰتٍ۔ کا ظہور ہوا جب یہ کلمہ طیبہ اور اسمِ مشفوعہ ومنقوشہ ملا تو فَتَابَ عَلَيْهِ۔ اللہ تعالیٰ نے انتہائی شان وکریم سے آپ کی توبہ معذرت ومعافی سب کچھ قبول فرما لیا۔ یعنی اپنی رحمت نعمت عزت عظمت کا رجوع فرمایا مزید انعام یہ کہ وَھَدٰی آپ کو اُس وقت کی آئندہ اقوام انسانی نسلِ بشری اولادِ آدمیت کا ہادی بنا دیا۔ وَاخْتَارَ لِلرِّسَالَةِ اپنی نبوت رسالت وحیِ کلامی صُحُفِ شرعی کے لیے چن لیا اور زمین پر پہلے نبی رسول صاحبِ شریعت کی بعثت ہوئی واز تفسیر نیشاپوری۔ بیان۔ معانی۔ کبیر) سورۃ بقرہ آیت ۳۷ میں فَتَابَ عَلَيْهِ کا معنٰی ہے توبہ قبول فرمائی اور یہاں۔ ثُمَّ اجْتَبٰی۔ کے قرینے کی وجہ سے فَتَابَ عَلَيْهِ کا معنٰی ہے۔ سابقہ انعامات کا رجوع فرمایا لوٹانا جاری فرما دینا۔ ھَدٰی کا معنٰی ہے ہدایتِ قوم کے خزانے عطا فرمایا۔ اس لیے کہ نبی رسول ہی امت کا ہادی ہوتا۔ سب کو نبی کے آستانے سے ہی ہدایت، ایمان۔ عرفان۔ ایقان۔ علم وعقل کی تقسیم ہوتی ہے قرآن مجید میں تقریباً دس جگہ لفظِ اجتبیٰ ارشاد ہوا ہے۔ سب جگہ اس کا معنٰی نبوت وحی یا خدمتِ وحی ونبوت ہی ہے۔ مثلاً ۱ آلِ عمران آیت ۱۷۹ میں ہے يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ ۲ انعام آیت ۸۷ میں ہے۔ اِجْتَبَيْنٰهُمْ ۳ سورۃ یوسف آیت ۶ میں ہے۔ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ ۴ سورۃ نحل آیت ۱۲۱ اِجْتَبٰهُ وَهَدٰهُ یہاں ابراہیم علیہ السلام کے نبی بنانے کا ذکر ہے ۵ مریم آیت ۵۸ اِجْتَبَيْنَا ذُرِّيَّةِ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْرَآءِيْلَ ۶ شوریٰ آیت ۱۳ يَجْتَبِيْۤ مِنْ رُّسُلِهٖ ۷ قلم آیت ۵۰ فَاجْتَبٰهُ یونس علیہ السلام کے نبی بنانے کا ذکر ۸ یہی سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۲ ۹ اعراف آیت ۲۰۳ لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا یعنی کفار نے کہا اے محمد تم خود کلامِ وحی کیوں نہیں بنا لیتے ۱۰ سورۃ حج آیت ۷۸ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ یہاں اُن علماءِ اُمتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ہے جن کے بارے میں ارشادِ نبوی ہے علماءُ اُمتی کانبیاءِ بنی اسرائیل یعنی خدمتِ وحی کرنے والے علما کا ذکر ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اِجْتَبٰی کا معنٰی ہے نبی بنا دیا

اور لفظِ ثُمّ سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السّلام پہلے نبی نہ تھے توبہ کی قبولیت کے بعد نبی بنائے گئے تمام انبیاءمیں یہ صرف آپ کی خصوصیت ہے خیال رہے کہ نبوت کے تین زمانے ہوتے ہیں پہلا زمانہ نبی بننے کا دوسرا زمانہ اظہارِ نبوت کا تیسرا زمانہ تبلیغِ نبوت اور بیعتِ امت کا حضرت آدم کو پہلا دوسرا تیسرا بیک وقت بعمر تین سو سال بعد توبہ۔ باقی انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا پہلا زمانہ شکم مادر میں تخلیقِ بدنی کی تکمیل کے بعد دوسرا زمانہ چالیس سال کی عمر میں تیسرا زمانہ چالیس سالہ عمر سے آخرِ عمر دوفات تک مگر عیسٰی علیہ السّلام کے ہے۔ پہلا زمانہ تو وہی شکمِ مادر۔ دوسرا زمانہ۔ یومِ ولادت بعمر آٹھ گھنٹہ بحالتِ شیر خوارگی جب آپ نے ننھی سی انگلی اٹھا کر فرمایا تھا اِنِّی عبد اللہ۔ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اور اُمّتِ دعوت کو فرمایا تھا اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا (الخ) اور عیسٰی علیہ السّلام کا تیسرا زمانہ بعمر پچیس سال تا رفعتِ آسمانی۔ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا زمانۂ نبوت۔ کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الطِّیْنِ وَالْمَاءِ یا۔ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ دوسرا زمانہ ایک قول میں۔ یومِ ولادت سجدے میں سر رکھ کر عرض کیا۔ رَبِّ ھَبْ لِیْ اُمَّتِیْ۔ یا۔ چالیس سالہ عمر شریف میں آپ کا تیسرا زمانہ پہلی بیعتِ ابوبکر صدیق کے وقت سے تا وصالِ مقدس۔ تفسیر جامع البیان میں ہے کہ آدم علیہ السّلام نے شجر کھانے سے انکار کیا تو پہلے حضرت حوا نے کھایا اور بولیں دیکھو مجھے کچھ نہ ہوا تب حضرت آدم نے بھی کھا لیا۔ مگر صحیح یہ ہے کہ دونوں نے ایک دم کھایا اور کھاتے ہی لباس اتر گیا۔ بعض نے کہا کہ تین گھنٹے بعد جب کھایا ہوا ہضم ہوا تب لباس اترا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَعَصٰۤی اٰدَمُ۔ میں دو قول ہیں ۱۔ حضرت آدم نے وعدہ خلافی کی نہ بھول چوک ہوگئی۔ یعنی وعدہ خلافی ہوگئی۔ فَغَوٰی میں تین قول حصولِ مقصد میں ناکام ہو گئے۔ سلطنت و مقصدِ خلود نہ پایا ۲۔ صحیح راہ اور سچی سوچ فکر سے ناواقف ہو گئے۔ یعنی دماغ ماؤف ہو گیا ۳۔ جنتی رہائش چھن گئی۔ اور یہ سب خطائیں نبوت نہ ہونے کی وجہ سے ہوئیں۔ بشری کمزوری کے باوجود یہ عَصٰی ذنب نہ تھا۔ زِلل تھا۔ لغزشِ عمدی کو ذنب کہا جاتا ہے لغزشِ خطائی کو زِلل یعنی پھسل جانا کہا جاتا ہے یہ خطا صرف پہلی اور آخری بار تھی۔ اسی لیے عَاصِیًا وغَاوِیًا نہ فرمایا گیا۔ عادی گنا ہگار یا خطا کار کو عاصی کہا جاتا ہے۔

مسلکِ اہلسنت

صحیح اور تعلیمِ قرآن و فرمانِ حدیث کے مطابق سچا قول یہ ہے کہ نبی بننے سے تا وفات کوئی نبی کسی قسم کی غلطی لغزش خطا بھول چوک گناہ کبیرہ یا صغیرہ کر سکتا ہی نہیں یہ شخصیات پاکیزہ ہر کمزوری سے

معصوم پیدا کی جاتی ہیں۔ اگر کسی بدبخت گستاخ مصنف نے یہ لکھ دیا کہ نبی گناہ کر سکتا ہے مگر کرتا ہے نہیں تو وہ مصنف خود ابلیس و شیطان ہے۔ نبوت کے دامن تقدیس پر کوئی داغ نہیں جن خبثا نے نبوت پر کسی کمزوری کا اتہام لگایا وہ فقط اس واقعۂ آدم سے دلیل پکڑتے ہیں مگر قرآن کریم نے وضاحت فرما کر اس بیہودہ دلیل کو بھی ختم کر دیا۔ اور بتا دیا کہ یہ نسیان قبلِ نبوت ہوا۔ نہ کہ بعدِ نبوت قرآن مجید میں کل انتیس ۲۹ قصے بیان فرمائے جن میں تیرہ ۱۳ قصے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کے لیے چند جگہ بیان کیے باقی ایک ایک مقام پر۔ چنانچہ حضرت آدم کا واقعہ سات جگہ مذکور ہوا جس کی ترتیب مندرجہ ذیل ہے ۲ حضرت نوح اور ان کی قوم کا واقعہ ۳ حضرت ہود اور اُن کی قوم کا واقعہ ۴ حضرت صالح اور ان کی قوم کا واقعہ ۵ حضرت ابراہیم اور ان کی قوم نمرود اور آذر کا واقعہ نمرود سے مناظرہ ابراہیم علیہ السّلام کے چار جانوروں کا واقعہ آگ میں جانے بَرۡدًا وَّ سَلٰمًا ہونے کا تذکرہ ۶ حضرت لوط اور ان کی قوم کا واقعہ ۷ حضرت اسماعیل کے ذبح کا واقعہ ۸ حضرت داؤد کا واقعہ ۹ حضرت سلیمان کا واقعہ ۱۰ حضرت ایوب کا واقعہ ۱۱ حضرت یوسف کا واقعہ ۱۲ حضرت یونس اور ان کی قوم کا واقعہ ۱۳ حضرت شعیب اور اُن کی قوم کا واقعہ ۱۴ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کا واقعہ نیز خوارگی دریا میں ڈالنا ولادتِ موسیٰ فرعون کے گھر میں پرورش قبطی کو مارنے مدین میں آنے شعیب علیہ السّلام کے گھر رہنے بکریاں چرانے ان کی بڑی بیٹی سے نکاح کرنے طور پر آنے آگ دیکھنے کا واقعہ جادوگروں سے مقابلہ غرقِ فرعون توریت ملنے کا واقعہ ۱۵ خضر اور موسیٰ علیہ السّلام کا واقعہ ۱۶ حضرت ذوالقرنین سکندر اعظم و یاجوج ماجوج کا واقعہ ۱۷ حضرت ذکریا اور پرورشِ مریم کا واقعہ اور دعاءِ ذکریا اور یحییٰ کی بشارت کا واقعہ ۱۸ حضرت عیسیٰ کا واقعہ آپ کی آسمانی رفعت کا تذکرہ ۱۹ طالوت اور جالوت کا واقعہ ۲۰ اصحابِ کہف کا واقعہ ۲۱ باغ والوں کا واقعہ ۲۲ دو بھائیوں کا قصہ ۲۳ حضرت عیسیٰ کے منادی کرنے والے حواریوں کا واقعہ ۲۴ نزولِ مائدہ کا واقعہ ۲۵ حبیب نجار کا واقعہ ۲۶ حضرت عزیر علیہم السّلام کا واقعہ ۲۷ بیت المقدس پر چڑھائی کا واقعہ ۲۸ اصحاب اخدود کا واقعہ ۲۹ اصحابِ فیل کا واقعہ قرآن مجید میں سات جگہ حضرتِ آدم کا واقعہ مذکور ہوا مگر کہیں بھی ان کی نبوت کا ذکر برملا نہیں ہے بلکہ بشریت خلافت کا ذکر ہے۔ اسی بنا پر بعض جہلا نے اُن کی نبوت کا انکار کیا ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ آپ صاحبِ شریعت نبی و رسول ہیں۔ اس کے دلائل ہم بھی آئندہ بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ قرآن پاک میں آپ کی نبوت کا بالوضاحت نہ ہونا اس میں بھی رب تعالیٰ کی یہ حکمتِ کاملہ ہے کہ بشریت کا نقشہ ظاہر ہو اور نبوت و بشریت کے پہلو مخلوط نہ ہوں اور

تا قیامت ثابت ہو جائے کہ بشریت سے خطا ہو سکتی ہے نبوت سے نہیں ہو سکتی۔ قرآن مجید کے بیان کردہ واقعۂ آدم میں انسانی فطرت کمزوری اور آئندہ نسلِ انسانی کا نقشہ کھینچا گیا ہے کہ اس میں شقاوت بھی ہے، سعادت بھی توبہ و عبادت کی افضیلت بھی ہے عقل و علم شرافت بھی ہے۔ شرافت کی وجہ سے اس کی تکریم ہوتی رہے گی فضیلت کی وجہ سے تعظیم ہوتی رہے گی۔ واقعہ کی ابتدا سورۃ ۲ بقرہ سے ہوتی ہے از آیت ۳۰ تا آیت ۳۹ یہاں سات چیزیں بیان ہوئیں ۱ خلافتِ آدم ۲ فرشتوں کا اعتراض ۳ فرشتوں کا معافی مانگتے ہوئے سجدہ کرنا ۴ بشریت کی علمی شان ۵ ابلیس کا انکارِ سجدہ اور ہمیشہ کے لیے دشمنی ۶ بشر کا شیطان کے دھوکے میں آ کر غلطی کر جانا پھسل پڑنا ۷ بھولنا انسانی فطرت ہے۔ پھر سورۃ ۷ اعراف میں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں۔ از آیت ۱۱ تا ۲۵ یہاں خلقتِ انسانی، شکل و صورت ۲ انسانوں پر انعاماتِ الٰہی ۳ اُس کے ازلی ابدی دشمن پر ذلت و خواری ۴ انسان کی شرعی زندگی کا ذکر کہ کسی مقام کسی حال میں ہو شریعت کی پابندی لازمی ہے یہ لَا تَقْرَبَا کی ممانعت شرعی پابندی کی پہلی ایک شق تھی۔ اگر آدمی شرعی پابندی نہ کرے تو رسوا، ننگا بے عزت ہو جائے گا ۶ بری صحبت کا ذکر کہ اس سے بچنا ہر انسان پر فرض ہے ۷ انسان کمزور ہے اس کا دشمن عیار ہے۔ پھر سورۃ ۱۵ حجر میں از آیت ۲۸ تا ۴۲ بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ بشر کو مٹی سے بنایا گیا ۲ اس میں روحِ ربانی پھونکی ڈالی گئی ۳ اس لیے اُس کی تکریم کی گئی ۴ اُس کی خاطر ابلیس کو ملعون کیا گیا ۵ ابلیس پوری انسانیت کا تا قیامت فرداً فرداً موذی دشمن ہے ۶ یہاں سجدہ کرنے کا فرشتوں کو پیشگی حکم دیا گیا کہ جب میں پیدا کر دوں گا تو تم سب سجدہ کر دینا ۷ ابلیس کا لمبی عمر مانگنا اور مل جانا۔ اور اعتراف کرنا کہ تیرے نیک بندوں پر میرا دھوکہ نہیں چل سکتا کیونکہ وہ خلوص کی قوت والے ہوں گے پھر سورۃ ۱۷ اسرای میں از آیت ۶۱ تا ۶۵ یہاں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ ابلیس کا بشر سے حسد ۲ گمراہ کرنے کی دھمکی ۳ انسانی پیدائش پر طعنہ و طنز ۴ فرشتوں کا سجدہ کرنا ۵ ابلیس کا انکار اور اس کی وجہ کا بیان ۶ كَرَّمْتَ عَلَيَّ سے حسد اور رب تعالیٰ پر سوالیہ اعتراض ۷ ابلیس کا رب تعالیٰ سے مہلت مانگنا۔ اور پوری قوت طاقت تسلّط کے ساتھ لمبی عمر کی مہلت ملنا پھر سورۃ ۱۸ کہف میں بھی از آیت ۵۰ تا ۵۰ سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ سجدۂ ملائکہ ۲ ابلیس کے انکارِ سجدہ کی صرف ایک فطری وجہ کہ وہ ناری تھا جن تھا، نار میں غرور اور جنات میں گھمنڈ ہونا ہے ۳ واقعاتِ آدم سنانے کی اصل مصلحت و حکمت کا بیان کہ اے انسانو تم اپنے اتنے موذی مکار بڑے دشمن کی پھر بھی ماننے ہو جب کہ اُس کا ہر وسوسہ ہی اُس کی عداوت اور تمہارا نقصان ہے ۴ ابلیس رب تعالیٰ کے حکم کا فاسق ہوا ۵ ابلیس جنوں کا باپ ہے لہٰذا وہ تمام شرارتوں کا مجموعہ ہے ۶ ظالموں کے بدلے کا ذکر

۵ شیطان کی ماننا ظلم ہے پھر یہاں سورۃ ۲۰ طٰہٰ از آیت ۱۱۵ تا ۱۲۲ میں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ بشری وعدے کا ذکر ۲ نسیان کا ذکر ۳ ابلیس نے دشمنی کا اعلان کر دیا ۴ ابلیس کی ماننے کا نقصان ۵ اللہ رسول کے حکم پر چلنے کے فائدے ۶ بشری کمزوری اور نبوت کی قوت کا ذکر کہ محض بشری عقل علم فہم کے باوجود ابلیس کے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ اسی لیے ہر انسان کو ہر وقت اَعُوْذُ بِاللہِ پڑھ کر رب تعالیٰ کی پناہ پکڑنے۔ مانگنے کا حکم ہے۔ اپنی عقل فکر پر بھروسہ کرنا منع ہے ۷ اشارہ فرمایا گیا کہ بشری کمزوریوں سے صرف نبی کا دامن اور قرب ہی بچا سکتا ہے گویا کہ اللہ کی پناہ دنیا میں نبی کا وجود ہے آدم علیہ السلام کو جب تک نبوت نہ ملی یہ بشری کمزوریاں ظاہر ہوتی رہیں مگر جب نبوت مل گئی تو پھر ابلیس کا کوئی وسوسہ نہ آسکا۔ پھر آخر میں ساتویں جگہ سورۃ ۳۸ ص میں از آیت ۷۱ تا ۸۵ میں بھی سات چیزیں مذکور ہوئیں ۱ بشر کی تخلیق ۲ مادۂ بشری مٹی ہے ۳ ابلیس کا حاسدانہ تکبر ۴ ابلیس کا ذلیل اور لعنتی ہونا ۵ تا قیامت انسانوں پر مسلط ہونے اور گمراہ کرنے کا ذکر ۶ نبوت کے دامن میں آنے والے نیک لوگوں پر ابلیس کی قوت طاقت تسلط اور وسوسہ نہ آسکنے کا ذکر یہ تو عام نیک مخلصین کی شان ہمت ہے نبوت تو کہیں زیادہ قوت کی چیز ہے تمام قوتوں پر غالب ۷ ابلیس نے مہلت مانگی اور دیدی گئی یہ بھی انسانیت و بشریت کا تا قیامت امتحان ہے۔ خلاصہ یہ کہ ان سات مقامات میں سات۔ سات پہلوؤں سے شخصیتِ آدم کو سامنے رکھ کر انسانی فطرت کا نقشہ پیش فرمایا گیا کہ انسان کیا ہے۔ بشر کیا۔ آدمیت کیا ہے۔ اس کی شان کیا۔ اس کی کمزوری کیا ۶ اس کا دشمن کتنا عیار اور کتنی وسیع قوت کتنی دراز عمر والا ہے ۷ اس سے بچنا کتنا ضروری اور ایسے خبیث دشمن سے بچنے کا کیا طریقہ۔ بشریت کے تین روپ بیان کیے گئے۔ پہلا روپ دنیوی علوم کے باوجود بیوقوفی کم عقلی دوسرا پہلو لالچ تیسرا پہلو بھول۔ پہلے روپ میں انسان کی شکل ایمانی عرفانی ہے دوسرے میں شکل نادانی ہے تیسرے میں شکلِ پشیمانی ہے۔ انسان کی تین خصلتیں بیان کی گئیں پہلی خصلت اسے جنت ملی دوسری سے جنت چھٹی تیسری سے توفیقِ توبہ ملی بشر کی تین کمزوریاں بیان ہوئیں پہلی کمزوری سے وسوسۂ شیطانی ملا۔ دوم سے وعدے کی بے وفائی سوم سے دنیوی مشقت ملی یہی حکمت تھی حضرت آدم کو پہلے نبی نہ بنانے کی اگر پہلے ہی دیگر انبیاء علیہم السلام کی طرح ان کو بھی نبی بنا دیا جاتا تو یہ کوئی کمزوری ظاہر نہ ہوتی اور بشری انسانی نقشہ سمجھ کر عبرت نہ سکھائی جا سکتی۔ یہ سب کچھ مقابلۂ آدم و ابلیس مناظرۂ علمی انسانوں کو سمجھانے بتانے سکھانے عبرت دلانے بندہ بنانے ابلیس سے بچانے کے لیے تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام کی نبوت و رسالت کے دلائل۔ پہلی دلیل۔ قرآن مجید سورۃ آلِ عمران آیت ۳۳ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰہِیْمَ

وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ . یعنی بے شک اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمالیا۔ آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی آل کو، (اسماعیل اسحاق یعقوب وغیرہم کو) علیہم السّلام اور آلِ عمران کو (موسیٰ ھرون عیسیٰ کو) علیہم السّلام تمام جہانوں پر۔ اس آیت سے دو باتیں واضح ہوئیں ایک یہ کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کا انتخاب صرف نبوّت کے لیے ہوتا ہے اس لیے آدم و نوح اور آلِ ابراہیم و آلِ عمران کے مذکورہ حضرات سب انبیاء ہی ہیں دوم یہ کہ انبیاء علیہم السّلام تمام کائنات کی مخلوق سے اعلیٰ و افضل فرشتوں جنّات سے بھی تمام دیگر انسانوں سے بھی اللہ کا چنا ہوا انتخاب اور پھر عَلَى الْعٰلَمِيْنَ . فرمانا اسی کو ثابت فرما رہا ہے۔ دوسری دلیل یہی آیت سورۃ طٰہٰ آیت ۱۲۲ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ . یعنی آدم علیہ السّلام کی بشریت ظاہر کر دینے انسانیت اُجاگر ہو جانے کے بعد پھر اُن کو نبوّت کیلئے چن لیا۔ اصطفا اور اجتبا کا فرق یہ ہے کہ نبی کا رب سے قُرب اِصطفا ہے اور نبی کا اُمت سے قُرب اِجتبا ہے گویا کہ رب سے لینا اِصطفا ہے ، اُمت کو دینا اِجتبا ہے۔ آدم علیہ السّلام کو نبی بنانے کے بعد نبوّت کی تمام قوتیں نعمتیں ان کو عطا فرمائیں وَهَدٰى اور اُن کو ھادی بنا دیا ، تمام قوم کی ہدایت اُن کو دیدی یہاں ھُدٰی کے دو معنی ہو سکتے ہیں ۱۔ ان کو قُربِ نبوی کی ہدایت بارگاہِ الٰہی میں عطا فرمائی ۲۔ یہ کہ ان کو ہدایت کا خزانہ دیدیا تاکہ اپنی اُمت میں ہدایت تقسیم فرمائیں ، نبوّت سے پہلے خود ہدایت کے ضرورت مند، نبوّت ملنے کے بعد پوری قوم اُن کے در سے ہدایت لینے کی محتاج۔ تیسری دلیل ، مشکوٰۃ شریف باب بدء الخلق فصل ثالث ص ۵۱۱ وَعَنْ أَبِيْ ذَرٍّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَيُّ الْأَنْبِيَاءِ كَانَ أَوَّلَ . قَالَ آدَمُ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَوَنَبِيٌّ كَانَ . قَالَ نَعَمْ نَبِيٌّ مُكَلَّمٌ ، وَأُنْزِلَ عَلَيْهِ الصُّحُفُ رواہ احمد (ابن حنبل) حضرت ابوذر غفاری سے روایت ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ سب سے پہلے نبی کون تھے۔ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ آدم تھے میں نے عرض کیا کہ کیا آدم علیہ السّلام نبی تھے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں بلکہ کلام والے نبی تھے۔ یعنی رسول نبی اُن پر صحیفے نازل ہوئے تھے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ دنیا میں پہلے نبی حضرت آدم اور آخری نبی۔ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم، کتاب روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ آدم علیہ السّلام اور نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کا درمیانی فاصلہ چھ ہزار نو سو پچاس سال ہے۔ ۶۹۵۰ بعض روایات میں پانچ ہزار آٹھ سو سال ہے۔ مطابقت اس طرح ہے کہ آدم علیہ السّلام کی رہائش جنّت کی عمر سجدے کی مدّت اور طبعی عمر نکال کر پانچ ہزار آٹھ سو۔ اور یہ تمام مدّت شامل کر کے چھ ہزار نو سو پچاس سال۔ یعنی خلقتِ آدم سے شمار کیا جائے تو پہلی مدّت برابر فاصلہ اور وفاتِ آدم سے شمار کیا جائے تو دوسری مدّت برابر فاصلہ بنتا ہے۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى۔ رب تعالیٰ نے الہام فرمایا کہ اب تم دونوں (آدم و حوا) اسی جنت سے اپنی تمام باطنی ذریت نسل و اولاد کو اپنی پشت و صدر، رحم و بطن میں لیے لیے فوراً نیچے زمین کی طرف کو دپڑو اب تم کو اتارنے کے لیے جنتی تخت نہ آئے گا۔ نہ پہلے جیسی آن بان شان عزت کا ملکوتی جلوس ہوگا۔ بلکہ دوسرے خدام تو درکنار تم آپس میں بھی ایک دوسرے کے دشمن بنتے بناتے رہو گے اور اس خود غرض دشمن کی وجہ سے زمین پر فساد گمراہی۔ بدمزگی کا دور ہو جائے گا کفر و طغیان کا اندھیرا پھیلے گا پھر جب میرے پاس سے ہدایت کی روشنی نبوت کا چراغ رسالت کا نور کلام الٰہی کی سچی راہنمائی آئے گی۔ اس طرح کہ اوّلاً آدم علیہ السّلام کو نبی بنا دیا جائے گا کلام ربانی کے صحیفے وحی الٰہی کے پیغامات دے دئے جائیں گے پھر اُس کے بعد ہر قوم و نسل میں انبیاء و رسل کتب و کلام آتا رہے گا۔ اور ایسا یقیناً ہوگا تو جو خوش نصیب انسان، ابلیس کی فریب کاری وسوسہ اندازی سے بچ کر میری بھیجی ہوئی ہدایت کی ساری زندگی سچی لگن مکمل شوق اکمل ذوق خالص محبت سے پیروی کرتے ہوئے عداوت بناوٹ فساد کو ختم کرے گا، وہ ایسا کامل کامیاب کامران ہوگا کہ نہ کبھی دنیا میں تا عمر گمراہ کیا جا سکے اور نہ قبر حشر میں کسی قسم کی بدبختی یا شقاوت اُس کو پہنچے یہ حکم سنا کر آدم حوا کو زمین پر اتار دیا گیا۔

مفسّرین کے مختلف اقوال

۱۔ جَمِیْعًا سے مراد آدم و حوا اور اُن کی پشت و صدر اور حمل کی اولاد نسل ذریت ہے حضرت حوا اُس وقت دو بچوں سے حاملہ تھیں ۲۔ جَمِیْعًا سے مراد آدم حوا ابلیس۔ سانپ مور ہے یہ پانچ چیزیں جنت سے نکالی گئیں۔ عَدُوٌّ سے مراد ۱۔ یہ کہ انسان آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے ۲۔ یہ پانچوں آپس میں ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ یعنی ابلیس سارے انسانوں کا اور انسان ابلیس کے دشمن۔ سانپ مور کا مور سانپ کا۔ انسان سانپ کا سانپ انسان کا۔ مگر پہلے قول درست ہیں۔ اِهْبِطَا میں تین قول ۱۔ سانپ کو دکر مور اڑ کر۔ ابلیس جناتی قوت سے اور آدم و حوا کو ایک ایک فرشتہ کندھوں پر بٹھا کر حوا کو جدے میں اُتارا۔ آدم علیہ السّلام کو سراندیپ میں ۲۔ ہوا نے آدم و حوا کو مختلف جگہ اتار دیا ۳۔ حضرت آدم و حوا کو مور اور مورنی نے اپنے اوپر بٹھا کر زمین پر پہنچایا۔ اسی لیے مور اور انسان میں دوستی ہے عداوت نہیں۔ کیا عظیم فرق ہے کہ جب جنت میں گئے تھے تو فرشتوں کے جلوس میں تخت

بہشتی پر بیٹھ کر۔ مگر جب آتارے گئے تو نہ کچھ شان نہ شوکت یہ بتایا گیا کہ اے انسان بیغرق تیری فرمانبرداری اور نافرمانی کی زندگی میں ہے۔ لَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى میں انسانی زندگی کا پورا نقشہ بیان فرما دیا گیا کہ ہدایت کی پیروی مومن کی زندگی ہے اور ہدایت سے منہ پھیرنا کافر کی زندگی ہے۔ پیروی سے لَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى کا انعام ہے منہ پھیرنے میں شقاوت وضلالت کی ذلت ونقصان اتباع کے دو قدم پہلا ہدایت کا دوسرا سعادت کا ہدایت کا نتیجہ سعادت سعادت کا نتیجہ رفعت شرافت تین چیزوں کا نام ہدایت ہے عجز، انکسار، گریہ۔ ان سب کا نشان توبہ ہے۔ نافرمانی کے دو قدم ہیں پہلا قدم گمراہی ضلالت اور اس کے نتیجہ میں دوسرا قدم شقاوت وبدبختی۔ ہدایت بندے کو چار چیزوں سے بچاتی ہے ۱ ابلیس سے ۲ گمراہی سے ۳ بدبختی سے ۴ نفس امارہ کی خباثت سے۔ جنت سے ابلیس کا نکلنا اس کی ذلت لعنت کفر تھا۔ سانپ کا نکلنا اس کی سزا تھی۔ مور کا نکلنا اس پر عتاب تھا۔ آدم وحوا کا نکلنا شجرِ ممنوعہ کھانے کا نتیجہ تھا۔ نہ سزا نہ عتاب اسی لیے یہ نکلنا توبہ کا ذریعہ بنا اور توبہ شرافت کا شرافت رفعت کا رفعت نبوت کا اور نبوت ہدایت کا ذریعہ۔ اس طرح انسانی زندگی میں کامیاب وناکام زندگی کا نقشہ ونمونہ بتایا گیا۔ کہ آدم کا کونسا نمونہ کامیابی والا ہے اور کونسا ناکامی والا۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ اِھْبِطَا ظاہری خطابِ عتاب ہے۔ صورۃً ملامت ہے اور معناً حقیقتاً تکمیل وتشریف ہے۔ اترنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں ۱ ہبوط ۲ نزول ۳ زوال۔ تیزی سے گرنا ہبوط ہے جیسے پتھروں کا گرنا بے صدا ہو کر، گرنے میں کوئی جگہ مقرر نہیں ہوتی۔ اسی بے تعیینی اور تیزی کی وجہ سے آدم وحوا کے اترنے کو ہبوط فرمایا گیا۔ عزت ترتیب اور تعین سے آنا نزول ہے جیسے بارش ملائکہ اور وحی کا اترنا نزول ہے۔ اور اپنی جگہ سے ہٹ جانا یا ہٹایا جانا زوال ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ انسان کی دو خصلتیں ہیں۔ رونا۔ اور ہنسنا رونا تمام مخلوق کو دیا گیا انسان جنات فرشتے نباتات جمادات حیوانات لیکن ہنسنا صرف جنات وانسان کو دیا گیا سب سے پہلے ابلیس ہنسا۔ اور سب سے پہلے آدم علیہ السلام روئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کو رونا پسند ہے اور ہنسنا ناپسند۔ جب آدم علیہ السلام کو اِھْبِطَا کا حکم ملا تو ابلیس خوب زور زور سے ہنسا۔ لیکن جب اس کو ابدی لعنت کا طوق ڈالا گیا تو رویا اور آج تک رو رہا ہے بلکہ تاقیامت روتا رہے اپنی بدنصیبی پر مگر یہ رونا مردودیت کا ہے۔ روایت میں ہے کہ دنیا میں چار حضرات بہت روئے داؤد علیہ السلام یادِ الٰہی میں تمام روئے زمین کے رونیوالوں کا رونا جمع کر لیا جائے تو بھی گریہ داؤدی

کے برابر نہیں ہو سکتا ان سے بھی زیادہ یعقوب علیہ السلام روئے داؤد علیہ السلام کے تمام آنسو بھی یعقوب علیہ السلام کے آنسوؤں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ان سے بھی زیادہ ایوب علیہ السلام روئے بیماری میں عبادت رہ جانے کی وجہ سے ان کے آنسو گریۂ یعقوبی سے زیادہ ہوئے ان سے بھی زیادہ نوح علیہ السلام روئے اُمّت کے غم میں کہ گریۂ ایوبی بھی نوح علیہ السلام کے آنسوؤں کے برابر نہ ہوا۔ یہاں درازیِ عمر کی وجہ بھی کثرت کا سبب ہے سب سے پہلے آدم علیہ السلام روئے توبہ کے لیے ان کے آنسو نوح علیہ السلام کے آنسوؤں سے زیادہ تھے آپ تین سو سال تک روئے نوح علیہ السلام ایک سو سال تک یعقوب چالیس سال تک ایوب پچاس سال تک داؤد علیہم السلام تین سال تک ثابت ہوا کہ رونا سنتِ انبیاء ہے۔ ہنسنا طریقۂ شیطان۔ رونے سے دل کو تازگی اور نور ملتا ہے۔ ہنسنے سے دل مردہ ہو جاتا ہے کبھی کوئی نبی نہ ہنسا مسکرانا ثابت ہے علیہم الصلوٰۃ والسلام لہٰذا تمام مسلمان مرد عورت ہنسی مذاق ٹھٹھا مارنے سے بچیں یادِ آخرت میں رونے کی عادت ڈالیں یہ فائدہ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَایَ الخ سے حاصل ہوا کہ انبیاء کرام کی ہر عادت وخصلت ہدایتِ الٰہی ہے اُس کی اتباع ہی مومن کی سعادت ہے۔ **دوسرا فائدہ** ۔ انسان کی سب سے بڑی کمزوری۔ کھانے پینے میں ہے اور ابلیس وشیاطین کا سب سے بڑا اور سب سے پہلا وسوسہ کھانے کے ذریعے ہی چلا۔ یہ فائدہ فَاَكَلَا مِنْهَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو کھانے پینے میں بڑی احتیاط چاہیے۔ ہزارہا دینی دنیوی طبی خرابیاں کھانے کی بے احتیاطیوں کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ حرام وحلال کا کثرت سے اندیشہ اور ان میں ملوث ہونے کا خطرہ حرام و حلال غذاؤں اور پانیوں میں ہی ہے۔ **تیسرا فائدہ** ۔ ہر مسلمان کو یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ شریعت کے خلاف کرنے سے کبھی دینی دنیوی فائدہ نہیں ہو سکتا ہمیشہ نقصان ہی ہوتا ہے اگرچہ ظاہر بین بیوقوف دنیا ساز انسان اُس کو کتنا ہی فائدہ مند سمجھتا رہے اس لیے ہر کام میں شریعتِ پاک کو مدِ نظر رکھنا چاہیے جس چیز سے اللہ رسول منع فرما دیں اس سے ہر مسلمان کو ایک دم الگ ہو جانا چاہیے۔ یہ فائدہ فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ کھانا پینا حقیقتاً اچھی چیز ہے مگر آدم وحوا کو وہ شجرِ ممنوعہ کھانا شرعاً منع تھا۔ اس لیے اُس کے کھانے سے نقصان ہی ہوا۔ **چوتھا فائدہ** ۔ ہر زبان میں بہت سے الفاظ ایسے ہوتے ہیں جن کو عربی میں مشترک کہا جاتا ہے کہ ایک لفظ ہو اُس کے معنی چند ہوں۔ ہر اہلِ زبان ہی جانتا ہے کہ یہاں اِس لفظ کے کیا معنی ہیں لہٰذا مترجمین کو خاص کر قرآن کریم کا ترجمہ کرنے والوں کو اس کا بہت خیال رکھنا چاہیے مثلاً اردو میں لفظِ بیٹھنا مشترکُ المعانی ہے ۱۔ انسان بیٹھ گیا ۲۔ رعب بیٹھ گیا ۳۔ مکان بیٹھ گیا ۴۔ بچہ بیٹھ گیا

نہ کار و بار بیٹھ گیا۔ سب جگہ بالکل مختلف معنیٰ ہیں جو موقع محل کے اعتبار مناسب حال کئے جائیں گے۔ اسی طرح فَعَصٰی اور غَوٰی میں بھی موقع کے مناسب با ادب عالمانہ ترجمہ کیا جائے تب ہی درست اور عالمانہ ہوگا۔ اگر غلط معنی یا غلط تفسیر کی گئی تو مترجم و مفسر کا گمراہ ہو جانا یقینی ہے۔ یہ فائدہ وَعَصٰی اور فَغَوٰی کے صحیح عالمانہ ترجمہ اور تفسیر سے حاصل ہوا کہ عَصٰی کا معنیٰ ہے وعدہ خلافی کی لغزش کی اور غَوٰی کا دنیوی امور و مقاصد میں ناکامی اسی لیے توبہ کی توفیق ملی اور ثُمَّ اجْتَبٰہُ کا اعزاز ملا۔ وہابی گستاخ مترجمین نے ترجمہ کیا آدم نے نافرمانی کی اور گمراہ ہوا۔ (معاذ اللہ) یہ سراسر جہالت و بے ادبی ہے۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ شرم و حیا دین و ایمان کی بڑی نعمت ہے اس کی قدر کرنی چاہیئے اور ہر طرح شریعت کی حدود میں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ غیرت و شرم و حجاب آدھا ایمان ہے۔ بے غیرتی شیطانیت ہے خاوند بیوی پر اگرچہ کسی قسم کا پردہ واجب نہیں۔ مگر بلا وجہ عام حالات میں ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہونا۔ رہنا بھی خلافِ شریعت ہے بلکہ احتیاط یہ چاہیئے کہ خاوند بیوی حتی الامکان صحبت کے وقت بھی ایک دوسرے کا ستر نہ دیکھیں۔ یہ مسئلہ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی آدم و حوا کا ستر صرف ان کے ہی سامنے کھلا تھا۔ اس کو بس سَوْاٰت یعنی برائی فرمایا گیا اور وہ دونوں بے حجاب ہوتے ہی شرم و حیا سے گھبرا گئے۔ اور جلدی پردے کی طرف دوڑے اور جلدی پردہ کر لیا۔ اس سے وہ مسلمان خاوند بیوی عبرت پکڑیں جو انگریزوں کی نقلیں دیکھ کر جانوروں سے بدتر حالت میں صحبت کرتے بلکہ ایک دوسرے کا منہ زبان تک پلید کر دیتے ہیں ان مدہوشوں کو یہ ہوش بھی نہیں رہتا کہ یہ منہ کافر کا منہ نہیں بلکہ مومن کا منہ ہے۔ اور مومن مومنہ کا منہ قرآن مجید کی ترتیل ذکر الٰہی کلمہ کلام نماز تلاوت کا برتن ہے۔ اللہ ہی ہدایت دینے والا ہے۔ دوسرا مسئلہ ہر وہ چیز جس کو دیکھ کر شہوتِ نفسانی ظاہر ہو وہ ننگیز ہے اس کا چھپانا مسلمان پر فرض ہے آج کل کے جو بعض ڈاکٹر پروفیسر نما جاہل و عیاش خطیب، ریڈر یہ کہتے پھرتے ہیں کہ صرف بالوں کو چھپانا فرض ہے چہروں کا پردہ ضروری نہیں وہ گمراہ ہیں اصل پردہ جس کا ذکر قرآن مجید میں ہے وہ تو چہرہ ہی ہے چہرہ دیکھ کر شہوتِ نفسانی ابھرتی ہے۔ اس لیے ہر مسلمان عورت کو ہر اجنبی غیر محرم سے چہرہ ڈھکنا فرض ہے۔ جس کے لیے ہندوستانی برقعہ بہترین ہے صرف سکاف اوڑھ کر سمجھ لینا کہ اسلامی پردہ ہو گیا قطعاً غلط اور ابلیسی دھوکا ہے یہ مسئلہ وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا سے مستنبط ہوا۔ کہ آدم و حوا نے اپنے اپنے جسم کے وہ تمام حصے ڈھکے تھے جس کا تعلق شرم و حیا اور ننگیز ذ ننگیز کی شہوت سے

تھا۔ بلکہ روایتوں میں آتا ہے کہ حوا رضی اللہ تعالیٰ عنہا شرم و حیا غم و افسوس سے مکمل تین سو سال تک اپنے چہرے کو ہر چیز سے چھپائے رہیں آدم علیہ السّلام کے سامنے بھی بعد قبولِ توبہ ہی آئیں۔ **تیسرا مسئلہ**۔ دنیا میں بدبختی کی نشانی یہ ہے کہ عبادت اور یادِ الٰہی خوفِ آخرت سے بندہ ہٹ جائے۔ یہی قہرِ الٰہی اور سزا و دنیوی و عتابِ جباری ہے۔ تلاوت عبادت میں غفلت محرومی شقاوت ہے۔ لیکن دنیوی مصائب محنت مشقت غربت تنگ دستی یہ قہر و عتاب نہیں یہ تو ہر نیک و بد کو ہو سکتی ہے۔ اس لیے دنیوی غربت و افلاس کو بدبختی کا نشان نہ سمجھنا چاہیے۔ یہ مسئلہ لَا یَضِلُّ وَلَا یَشْقٰی۔ سے مستنبط ہوا کہ اس وعدۂ ربانی کے باوجود انبیا اولیا اور نیک لوگ اکثر غربت و عسرتِ زندگی میں رہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ دولت مندی اچھا ہونے کی نشانی نہیں۔ اس کی بہت مثالیں مشاہداتِ عالم میں موجود ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ قرآن مجید سے ثابت ہے کہ انبیا کو بشر آدمی انسان بلکہ عاصی اور غاوی یعنی نافرمان اور گمراہ کہنا جائز ہے۔ اسی طرح نبی کو بڑا بھائی بشر کہنا بھی جائز لہٰذا ہمارے بڑوں نے جو نبی کریم کو اپنا بڑا بھائی یا بشر اور آدمی لکھا وہ بالکل درست ہے۔ بریلوی سنّیوں کا یہ کہنا کہ انبیا کو بشر یا عاصی، غاوی کہنا منع ہے یہ عقیدہ غلط ہے قرآن کے خلاف ہے دیکھو اللہ نے قرآن میں آدم کو بشر بھی کہا اور وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی بھی کہا اور بشر انسان ہی ہوتا ہے اسی طرح عَصٰی والا عاصی غَوٰی والا غاوی ہوتا ہے (وہابی چکڑالوی، نیچری) **جواب**۔ معاذ اللہ کسی مسلمان اُمّتی کو جائز نہیں کہ کسی بھی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بشر، آدمی یا انسان کہہ کر خطاب کرے یا جلسے تقریروں تحریروں میں بشر بشر کی رَٹ لگاتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو کبھی یا بشر یا انسان کہہ کر خطاب نہ فرمایا نہ اس کا قرآن مجید میں کہیں ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خلقتِ آدم کا ذکر فرماتے ہوئے بشریت کا ذکر صرف اصلیت بتانے کے لیے فرمایا اور وہ بھی اُس وقت جب کہ آدم ابھی نبی نہ بنائے گئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ آدم کو بعد میں نبوت ملنے کی وجہ اور حکمت بھی یہ ہو سکتی ہے کہ نبی کو بشر نہ کہا جائے یہی وجہ ہے کہ نبوت کے بعد رب تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو بھی بشر نہ فرمایا اور عاصی یا غاوی کہنا تو اصطلاحاتِ عربیہ کے بھی خلاف ہے اور نحوی صرفی اعتبار سے بھی بدترین کفریہ گستاخی ہے۔ **اوّلاً**۔ اس لیے کہ فعل کے اطلاق سے اسم فاعل کا اطلاق ضروری نہیں ہوتا عَصٰی فعل ہے۔ عاصی اُس کا اسم فاعل ہے۔ اسی طرح غَوٰی فعل ہے۔ غاوی اُس کا اسم فاعل ہے۔ عَصٰی و غَوٰی کی وجہ سے عاصی و غاوی نہ کہا جائے گا۔ دیکھو رب تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ۔ اس تَابَ فعل کی بنا پر۔ اللہ تعالیٰ کو تائب

نہیں کہا جا سکتا۔ حالانکہ تائب اِسی تَابَ کا اسم فاعل ہے۔ اور یہ کہنا گستاخی ہوگی کہ اللہ تائب ہوگیا
اسی طرح قرآن مجید میں ہے کہ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ۔ تو اس فرمان کی بنا پر اللہ تعالیٰ کو علامہ کہنا
جائز نہیں۔ دوم اس لیے کہ عَصٰی وَغَوٰی کا معنیٰ ہے صرف ایک دفعہ لغزش کھائی اور ایک ہی دفعہ ناکام
ہوئے۔ مگر عاصی وغاوی کا معنیٰ ہے۔ عادۃً بار بار نافرمانی کرنے والا یعنی عادی مجرم۔ اور بار بار ناکام
ہونے والا۔ کیونکہ اسم فاعل استمرار کو چاہتا ہے اس لیے تینوں زمانوں پر محیط ہوتا ہے فعل کی طرح
ایک زمانے سے مقید نہیں ہوتا۔ اس لیے تمہارے جن بیشؔ بڑوں نے یہ گستاخیاں لکھیں وہ
سب ابلیسی شیطانی جہالت ہے تمہارے ہی ان بڑوں نے لکھا کہ نبی صرف بھائی ہوتا ہے نبی کی عزت
بڑے بھائی سے زیادہ نہ کرو۔ (از تقویت الایمان) حالانکہ یہ عقیدہ کفریہ ہے یہ لوگ اپنا کفر بچانے
کے لیے آیتیں تو بنا نہیں سکتے لیکن جھوٹی خوابیں اور جھوٹی حدیثیں خوب بنا لیتے ہیں۔ چنانچہ
اپنے اس کفریہ عقیدے کو بچانے کے لیے دو حدیثیں بنائیں ۱۔ بی بی عائشہ فرماتی ہیں کہ ہم مومنوں کی
مائیں نہیں بلکہ ان پر ابدی حرام ہیں (از وہابی تفسیر کشاف) اس جھوٹی روایت سے حضرت صدیقہ کو منکرِ
فرمانِ قرآن بنایا گیا کہ قرآن کہے مائیں ہیں مگر صدیقہ کہیں ہم مائیں نہیں۔ ابدی حرام تو بہن بھی ہوتی ہے
۲۔ ظالموں نے دوسری حدیث یہ بنائی ہے کہ نبی کریم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم لوگ میرے صحابہ ہو
مگر جو میرے بعد مسلمان ہوں گے وہ میرے بھائی ہیں۔ حالانکہ ابو داؤد شریف میں ہے کہ نبی کریم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ إِنَّمَا أَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ۔ ترجمہ میں تم تمام تاقیامت اُمتوں
کے لیے والد کے درجہ میں ہوں۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ فَغَوٰی یعنی آدم غَوِی ہو
گئے۔ گمراہی اور غوایت ہم معنیٰ ہے۔ غوایت ہدایت کا الٹ ہے جو بے ہدایت ہو اسی کو غوی کہا جاتا
ہے۔ رب تعالیٰ نے آدم کے لیے یہ الفاظ فرمائے حالانکہ اس طرح کے الفاظ تو عادی مجرم فاسق اور گناہوں میں
مشغول کے لیے کہے جاتے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ آدم کا یہ فعل عادی اور انہماک سے تھا۔ یا پھر اللہ کا یہ
کہنا غلط ہوتا ہے۔ **جواب**۔ معترض کا یہ اعتراض جہالت پر مبنی ہے اس لیے کہ یہاں عَصٰی کے
بعد فَغَوٰی فرمایا گیا۔ فَ تعقیبیہ نے بتایا کہ عصٰی کے نتیجے میں غَوٰی ہوا۔ اور عَصٰی کا معنیٰ کسی امر کی مخالفت اور
ترک ہے۔ امر وجوبی بھی ہوتا ہے استحبابی بھی اور جیسا عصٰی ہوگا ویسی ہی اُس کے نتیجے میں غوایت ہوگی
اگر عصٰی وجوبی امر کی ہو تو غوایت بھی سخت ہوگی جس کو انہماک بھی کہا جا سکتا ہے۔ اور اگر عصٰی استحبابی ہو
تو غوایت نرم۔ اس کو انہماک نہیں کہا جا سکتا یہاں استحبابی امر سمجھ کر بھول ہوئی لہٰذا یہ انہماک نہیں بلکہ
عارضی ناکامی ہوئی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اِهْبِطَا یہ صیغہ تثنیہ ہے یعنی دونوں اتر جاؤ پھر

فرمایا گیا جمیعًا اس میں تثنیہ جمع دونوں کا احتمال ہے پھر فرمایا گیا۔ یاتینکم وہ صاف جمع کی ضمیر ہے حالانکہ ظاہر ہے تثنیہ جمع نہیں ہو سکتا۔ اور جمع تثنیہ نہیں ہو سکتا تو اگر خطاب دو کو ہے تب کُم ضمیر جمع کیوں فرمائی گئی اور اگر خطاب بہت سوں کو ہے تو اِھبِطا تثنیہ کیوں فرمایا گیا۔ یا وہ غلط یا یہ۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب دیئے ہیں۔ ایک یہ کہ اِھبِطا میں خطاب آدم اور ابلیس کو ہے یعنی بہکنے اور بہکانے والا دونوں اتر جاؤ اور یاتینکم میں خطاب ان دونوں کی باطنی ذریت کو ہے کہ آئندہ نسلِ انسانی و جناتی جواب دوم یہ کہ اِھبِطا میں خطاب صرف آدم و حوا کو علیہما السلام اور کُم میں آئندہ دنیوی زندگی کا نقشہ و ماحول بتایا گیا کہ تم دو ہی نہ رہو گے بڑی بھاری نسل پیدا ہوگی جن کو سنبھالنا بڑا مشکل ہو جائے گا۔ ابھی ابلیس اور بڑا کچھ فساد مچائے گا تم دونوں اپنی نسل و اولاد کو نہ بچا سکو گے۔ اس کے لیے اُس وقت کے تم سب کے پاس میری ہدایت آئے گی۔ شیطان سے وہ انسان ہی بچ سکے گا جو میری اُس ہدایت کی پیروی کرے گا گویا کہ تثنیہ بول کر اصل ظاہر کو خطاب اور کُم جمع بول کر نسلِ باطن کو خطاب تھا۔ **چوتھا اعتراض** اس کی کیا وجہ کہ آدم علیہ السلام نے ایک بار ذرا سی لغزش کر لی تو رب تعالیٰ نے مشہور کر دی اور آپ کی نسل میں لاکھوں آدمی دن رات ہزاروں بڑے بڑے گناہ و کفریات کر لیتے ہیں مگر رب تعالیٰ پردہ پوشی فرماتا ہے۔ **جواب**۔ اس کی تین وجہ ایک یہ کہ حضرتِ آدم کی خطا اگرچہ چھوٹی تھی مگر اس کا نتیجہ بہت بڑا۔ اور وسیع و سخت تھا کہ سارے عالم پر محیط ہو گیا تھا۔ دوم یہ کہ آدم علیہ السلام کی خطا و تقویٰ کو ظاہر کرنے میں حکمت ربانی تھی۔ کہ اس مشہوری سے آئندہ نسلِ انسانی کو انسانیت سکھانی بتانی تھی اور انسانوں کو بچانا خبردار کرنا تھا کہ تم سب بشر ہو اور یہ بشری کمزوریاں ہیں تم کمزور بھولے۔ بیوقوف تمہارا ابدی دشمن انتہائی عیار اور قوت والا اس کی دشمنی اتنی سخت اور ہر وقت، اے نسلِ آدم اس وقت جنت سے نکلنا یا نکالا جانا تو اتنا نقصان دِہ نہیں ہے لیکن اگر آئندہ شیطان نے تم کو ورغلایا وسوسایا اور تم نے اُس کا کہنا مانا تو پھر جنت سے ابدی محرومی ہو گی ابھی تو جنت سے نکل کر زمین پر آئے ہو جہاں ہزار طرح کے عیش و آرام و انعام ہیں۔ لیکن اگر پھر محروم ہوئے تو سیدھا جہنم میں جاؤ گے۔ سوم یہ کہ آدم اور مقامِ آدم میں دیگر انسانوں کے مقابل بہت فرق ہے حضرتِ آدم مقربینِ بارگاہ و مسجودِ ملائکہ تھے اور مقامِ جنت کا تھا اُن کی معمولی خطا بھی بڑی حیثیت رکھتی تھی اُس ایک خطا سے پورے عالمِ مخلوق میں کھلبلی مچ گئی تھی۔ کیونکہ وہ جوارِ الٰہی میں رہ کر کی گئی اس لیے اُن کی لغزش بڑی خطاءِ عظیم تھی دیگر نہ مقرب نہ مؤدب نہ مقامِ جنت۔ زمین کے دارُ المحنۃ میں عمومی حیثیت سے گناہ و خطا کرتے ہیں۔ لہٰذا اُن سے درگزر اور درگزر کی وجہ سے پردہ پوشی ہوتی ہے۔ **پانچواں اعتراض**

یہاں فرمایا گیا عصیٰ آدم۔ اور پہلے فرمایا گیا فنسی آدم۔ نسیان خطا ہے اور خطا میں گرفت نہیں ہوتی اور عصیان عمد ہے اور عمد میں گرفت ہوتی ہے۔ دونوں آپس میں متضاد ہیں جب کہ واقعہ ایک ہی ہے تو یہ تضاد بیانی کیوں؟ جواب۔ لفظ عصیان خطا کا متضاد نہیں بلکہ مشترک ہے اس لیے عصیان بھی نسیان سے ہوا۔ اور اکلِ شجر کے بعد جو کچھ ہوا وہ گرفت نہیں بلکہ نتیجہ اور اس کا اثر تھا جو خود بخود ہونا ہی تھا۔ عصیان مثل زہر ہے۔ یہاں تین لفظ ارشاد ہوئے ۱۔ نَسِیَ ۲۔ وَعَصٰی ۳۔ فَغَوٰی یہ آپس میں متضاد نہیں بلکہ نسیان وجہِ فعل ہے عصیان فعل ہے اور غویان اثر و نتیجۂ فعل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى۔ اِس وسوسۂ نفسانی میں مبتلا ہوکر عقلیاتِ بشری وہ کام کر لیتی ہیں جو نرا زہر ہے تو جس طرح زہر کھانے کا نتیجہ موتِ بدنی ہے اسی طرح وسوسۂ ابلیسی نفسانی موتِ روحانی ہے کہ جب زہر باطنی کے شجرِ مکروہ سے کھا لیا تو شرافتِ عرفانی کے سارے لباس اُتر گئے اور خباثتِ عیاری کی ساری برائیاں جو باطنِ نفسانی میں پوشیدہ تھیں ظاہر ہو گئیں لیکن اِس باطن میں نفسِ مطمئنہ اور ضمیرِ روشن کی ندامتیں و حیائیں اور ایمانی غیرتیں بھی ہیں۔ جن کی وجہ سے بندۂ پُر خلوص اپنی اِس خطا و لغزش پر شرمندگی اٹھاتا جا کے پتے اپنے جسم ناسوتی پر لپیٹ کر توبہ کی عملی کیفیت سے پردہ پوشی کر لیتا ہے مگر نتیجۂ زہری عصیانِ بشری کی وجہ سے پورا ہو کر رہتا ہے۔ عصیانِ بشری یہ ہے کہ بندہ دعوتِ تعالیٰ کی محبتِ الٰہیہ کو بھول کر طلبِ شہواتِ نفس میں مشغول ہو جائے اور فنافی اللہ کے مقامِ صادقہ باقیہ کو چھوڑ کر شیطان کی جھوٹی خلود و عزت کا متلاشی بنا رہے۔ واقعاتِ آدم کا نقشہ یہ بتا رہا ہے کہ اگر بندہ خود کو نفس و ابلیس کے حوالے کر دے تو رجوع الی اللہ کا قرب میسر نہیں آتا معرفت کے چار لباس ہیں پہلا عجز دوم مسکینیت سوم التجا چہارم توبہ جب بندہ ان لباسوں سے مزین ہو جاتا ہے تو ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ کے کرم و فضل سے نوازا جاتا ہے فَتَابَ عَلَيْهِ کے جذباتِ عنایت کا رجوع ہوتا ہے وَهَدٰى کا قرب ربانی حاصل ہوتا ہے۔ آدم علیہ السلام نے تین سو سالہ توبہ میں چار دعائیں مانگیں پہلی دعا جنت میں۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَاۤ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ یہ دعا حضرت حوا نے بھی مانگی۔ پھر دوسری دعا زمین پر آکر۔ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ وَبِحَمْدِكَ عَمِلْتُ سُوْٓءًا وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ اِنَّكَ خَيْرُ الْغَافِرِيْنَ۔ پھر تیسری دعا کئی سال بعد یہ

عرض کی۔ سُبْحَانَكَ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَارْحَمْنِيْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ۔ پھر سو سال بعد یہ چوتھی دعا عرض کی۔ اَللّٰهُمَّ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ عَمِلْتُ سُوْءًا وَّظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَتُبْ عَلَيَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ۔ فاروقِ اعظم سے روایت کہ آقا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آدم علیہ السلام کی توبہ میں روتے دعائیں کرتے تین سو سال گزر گئے تو عرض کیا اے مولیٰ تعالیٰ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ اَنْ تَغْفِرَ لِيْ۔ رب نے فرمایا اے آدم تم کو اس نام کا کیسے پتہ چلا۔ عرض کیا میرے مولیٰ جب میں زندہ ہوا تھا تب میں نے عرشِ اعظم پر لکھا دیکھا تھا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس وقت سے میں نے جان لیا کہ یہ نام والا تیرا حبیب ہے۔ کیونکہ اس کا نام تیرے نام کا مشفوع ہے رب نے فرمایا۔ صَدَقْتَ يَآ اٰدَمُ اے آدم تم نے سچ کہا۔ اب میں نے تم کو بخش دیا۔ (از تفسیر روح البیان) کیا عجیب حکمت ہے کہ آدم علیہ السلام نے خطا جنت میں کی اُن کو مصیبت زمین پر پڑی اور نسلِ آدم برائیاں زمین پر کرتی ہے اُن کو سزائیں تحت الثریٰ کی جہنم میں بزرگوں نے فرمایا کہ ثواب بلندی ہے عتاب پستی ہے جنت سے پستی زمین ہے اور زمین سے پستی جہنم ہے۔ قَالَ اهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا ۢ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى ۙ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى حکم اِلہام پہنچا کہ گلستانِ معرفت سے اتر جاؤ میدانِ عمل کی طرف خاردار مصائب میں تمام قلب و قالب عقل و فکر، ہوش و خرد روح و جسم نفس و نفسیات کے ساتھ ہر عمل میں عقل کی رہنمائی قلب کی توجہ فکر کی لگن اعضا کی کارکردگی جسم کی تندگی روح کی صفائی ضروری ہے مگر ہدایتِ مرشد کے بغیر ہر قدم بیکار ہے لہٰذا جب تمہارے پاس ہدایتِ ربّانی کا مرشد آجائے جو سراپا ہدایت ہو جس کی پیروی منزلِ بارگاہ ہو تو جو بندۂ راہِ سلوک، تسلیم و رضا سے اُس کے اُسوۂ حسنہ کی اِتباع کرتا رہے گا وہ بندۂ خوش نصیب اِس دنیوی راہِ فتور میں راہِ حق سے کبھی نہ بھٹکیگا اور نہ انجام میں بدبخت نہ شقاوتِ حرمان کا گمراہ نہ حقیقۃً ہجران میں مبتلا نہ قربِ منزل میں محروم۔ دنیا میں شیطان مثل سانپ ہے۔ اعمالِ صالحہ مثلِ خزانہ ہیں، اور بندۂ مخلص خزانے کا متلاشی۔ خزانے کا سانپ متلاشی کا دشمن ہوتا ہے اسی لیے شیطان بھی دشمن جس نے شیطان کو مار بھگایا اسی نے خزانۂ اعمالِ صالحہ کو پالیا۔ اُس کے لیے کنوزِ ربانی۔ اُسی کو ابدی اجتبائی ازلی اصطفائی وہی مجتبوی وہی مصطفوی نہ اُس کو ضلالتِ عصیان کی مذمت نہ شقاوتِ حرمان کی ندامت نہ گمراہی رہبری چھوڑ سکے نہ مصیبتِ اُخروی پہنچ سکے۔ ہدایت حقیقت میں وہ نور ہے جس سے اللہ تعالیٰ انبیاءِ کرام کے قلوب کو اور انبیا علیہم السلام اولیا علماء

کے قلوب کو اور اولیاء و مرشدین قلوب مریدین کو منور فرماتے ہیں۔ نورِ عرفانی کی روشنی سے انسان اُس سیدھی راہ پر چلتا ہے جو حقیقت و دلتنگی سے بچا کر نکال لے جاتی ہے اسی لیے بندے کو حکم ہے کہ ہر وقت یہ دعا مانگتا رہے رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ یعنی اے ہمارے رحیم و کریم پروردگار ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہماری طاقت سے زیادہ ہو یہاں بوجھ سے مراد نفسانی خواہشات اور غلبۂ شہوات ہے کیونکہ نفسانی خواہش ذرہ بھر بھی برداشتِ بندگی سے باہر ہے وہ مثلِ چنگاری ہے شیطان تین طریقوں سے بندے کو گمراہی سے ورغلاتا ہے۔ بیوی کے ذریعہ اولاد اور ماں باپ کے ذریعے حسن بصری نے فرمایا جس نے اپنی بیوی کی ناجائز خواہشات والی فرمائشوں کی اطاعت کی اللہ اوندھے منہ جہنم میں ڈالا جائے گا۔ روایت میں ہے کہ قریب قیامت مرد اپنے ماں باپ اور اولاد کے ہاتھوں تباہی دین دنیا میں گرے گا کہ وہ اس کو مفلسی تنگ دستی کی عار دلائیں گے طعنہ بازی کریں گے مرد مجبور ہو کر اُن ذریعوں ٹھکانوں سے روزی کمائے گا جس سے اُس کی دینداری ختم ہو جائے گی اور وہ ہلاک ہو جائے گا روایت ہے کہ جب بندہ اللہ کے خوف سے لرزے اور اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں تو اس کے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے خزاں میں درخت کے پتے اور ایسے بندے پر جہنم حرام کر دی جاتی ہے شیطان کا دوسرا جال قوال اور گانا بجانا ہے اِس زمانہ لوگوں نے قوالی کو عبادت سے بھی زیادہ اہمیت دیدی ہے۔ حضرت جنید بغدادی کا قول ہے کہ جب تم کسی مرید کو تماشہ کا شوقین دیکھو تو سمجھ لو کہ یہ دین دنیا کا ناکارہ ہو چکا ہے۔ موجودہ قوالیوں سے پانچ خرابیاں ١ مشابہتِ کفر ہے ٢ منافقت کی پیداوار ہے ٣ نمازوں سے غفلت ٤ شیطان کی خوشنودی ٥ نعت خوانی کی توہین دگستاخی۔ آجکل قوالی ساز اور باجے ڈھول طبلے کا نام ہے لوگ عیاشی اور نفسی تماشوں کے لیے جمع ہوتے ہیں جس کا بدترین نقصان یہ ہوا کہ مریدین کا روحانی سلسلہ منازلِ ترقی بند ہو گیا۔ پیروں میں نفس کشی کی بجائے نفس پرستی پیدا ہو گئی۔ گھروں کو مندر۔ مسجدوں کو کھنڈر خانقاہوں کو جھنڈ بنا دیا گیا ہے وقت ضائع لطفِ عبادت مفقود، ریاضت برباد۔ حماقت کا عروج بے پردگی کا فروغ، نمائش۔ یہ درد نیک محفلوں سے نفور۔ (معاذ اللہ)

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ

اور وہ شخص جو بے توجہ ہوا میری عبارت سے تو بے شک اس کے لیے

اور جس نے میری یاد سے منہ پھیرا تو بے شک اُس کے لیے

مَعِيۡشَةً ضَنۡكًا وَّ نَحۡشُرُهٗ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ

معیبتوں والی زندگی ہے اور حشر میں لائیں گے ہم اُس کو قیامت کے دن

تنگ زندگانی ہے اور ہم اُسے قیامت کے دن اندھا

اَعۡمٰى ﴿۱۲۴﴾ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرۡتَنِىۡۤ اَعۡمٰى

اندھا کر کے بولے گا اے میرے رب کیوں محشر میں لایا تو مجھ کو اندھا

اُٹھائیں گے۔ کہیگا اے رب میرے مجھے تو نے کیوں اندھا اٹھایا

وَقَدۡ كُنۡتُ بَصِيۡرًا ﴿۱۲۵﴾ قَالَ كَذٰلِكَ

کر کے حالانکہ میں تھا دیکھنے والا۔ فرمائے گا جس طرح کہ آئیں

میں تو انکھیارا تھا۔ فرمائے گا یونہی تیرے پاس ہماری

اَتَتۡكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيۡتَهَا ۚ وَكَذٰلِكَ

تیرے پیے ہماری آیتیں تب تو نے بے پرواہی کی اُن سے بس اسی طرح

آیتیں آئی تھیں تو نے انھیں بھلا دیا۔ اور ایسے ہی

الۡيَوۡمَ تُنۡسٰى ﴿۱۲۶﴾ وَكَذٰلِكَ نَجۡزِىۡ

آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ اور اسی طرح ہم جزا دیتے

آج تیری کوئی خبر نہ لے گا۔ اور ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں

مَنۡ اَسۡرَفَ وَلَمۡ يُؤۡمِنۡۢ بِاٰيٰتِ

ہیں ہر اُس شخص کو جسنے بربادی کی اور نہ ایمان لایا اپنے رب کی

جو حد سے بڑھے اور اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ

رَبِّهٖ ؕ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ

آیتوں پر اور البتہ آخرت کا عذاب زیادہ سخت اور

لائے اور بے شک آخرت کا عذاب سب سے سخت تر

وَاَبْقٰى ﴿۱۲۷﴾

ہمیشہ باقی رہنے والا

اور سب سے دیرپا ہے

تعلقات

ان آیات کا سابقہ آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں حضرت آدم کے جنت سے اُترتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی ہدایت آنے اور اتباع کرنے والوں کی کامیابی اور خوش بختی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ہدایت سے منہ موڑنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ذریتِ آدم کا جنت سے نکلنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ذریتِ آدم کا میدانِ محشر میں جانے کا تذکرہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسانوں کی آپس میں دشمنی ہونے کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں انسانوں کا رب تعالیٰ سے دور ہونے اور دشمنی کرنے کا ذکر ہو رہا ہے اور اُس کے بُرے انجام کا ذکر ہے۔

شانِ نزول

مکے میں ایک کافر اسود بن عبد العزّٰی تھا یہ آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا بہت مذاق کیا کرتا تھا۔ اور قبر و حشر کی زندگی کا منکر۔ یہ آیت اُس کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اور معیشۃً سے مراد قبر کی تنگ زندگی اور دنیا کی ذلت آمیز زندگی ہے۔ یہ غریب بھی تھا اور بیماری سے کمزور بھی مگر کفر میں بڑا شاطر تھا (خزائن)

تفسیر نحوی

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا۔ واؤ عاطفہ ترتب عطف ہے مَنِ اتَّبَعَ پر یا واؤ ہے جملہ مَنْ اسم موصول خبریہ اعرضَ بابِ افعال کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل کیونکہ آئندہ کا تذکرہ ہے مثبت معروف واحد مذکر غائب عَرْضٌ سے مشتق ہے بمعنی منہ سامنے کرنا باپ افعال میں آکر منہ پھیرنا کیونکہ عَنْ جارّہ زوالی

متعدی ہوا مِنْ حرفِ جر شی کی نفی کے لیے آتا ہے ذِکْرِیْ اسم مفرد مصدر جامد حاصل مصدر بمعنی تذکرہ یاد مراد ہے ایمان اور عبادت مضاف ہے یائے متکلم مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَعْرَضَ کا یہ فعل اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی فَ حرفِ جزا اِنَّ حرفِ مشبہ یہ اس کا عملی نام ہے کیونکہ حرف ہو کر عمل میں فعل کے مشابہ ہے اس کا معنوی نام حرف تحقیق ہے کیونکہ یقینِ حقیقی کا معنیٰ دیتا ہے لام جارہ نفع کا ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ثابتہ یا حاصل پوشیدہ اسم فاعل کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی مَعِيْشَةً اسم مصدر میمی آخر کی ۃ بھی مصدریہ ہے بمعنی زندگی گزارنا یہاں حاصل مصدر بھی ہو سکتا ہے یعنی زندگی یا سامانِ زندگی یہ مذکر مؤنث واحد جمع کے لیے مستعمل ہے ضَنْكًا اسم مصدر صفت ہے مَعِيْشَةً کی یا مشار الیہ مضاف ہے راضافتِ بیانیہ) ایک قرأت میں ضَنْكٰى اسم مقصورہ ہے بمعنی تنگ اور تکلیف دہ زندگی مصیبت زدہ ہونا یا بمعنی تنگی ترشی مصیبت والی زندگی یہ مرکب توصیفی یا مرکب اضافت بیانی اسم مؤخر ہے اِنَّ کا اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَحْشُرُ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم بمعنی مستقبل حشر سے مشتق ہے بمعنی مکمل گھیر کر ایک جگہ لانا نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع مَنْ ہے ذوالحال ہے یَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے اَعْمٰى اسم تفضیل واحد مذکر اَعْمَیُ تھا یٰ کا ماقبل مفتوح ہے لہٰذا الف مقصورہ سے بدلا گیا بمعنی بہت زیادہ اور مکمل اندھا حال ہے ہٗ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے نَحْشُرُهٗ کا۔ ایک قرأت میں نَحْشُرْهُ ہے جزم سے کیونکہ عطف ہے فَاِنَّ لَهٗ کے جملہ جزائیہ پر وہ محلاً مجزوم تو یہ تابع عطفی بھی مجزوم مگر صحیح یہ ہے کہ جملے کا جزا محلی عطف پر اثر انداز نہیں ہوتا اس لیے یہ قرأت درست نہیں ہے نَحْشُرُهٗ سب سے مل کر جملہ فعلیہ جزائیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر جزا ہوئے شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل یا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع مَنْ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا رَبِّ دراصل یا ربّی تھا ترجمہ ہے "اے میرے رب" رَبِّ مرکب اضافی منادیٰ ہے لِمَ لفظِ متصلہ ہے لام جارہ تعلیلیہ مَا اسم استفہامی بمعنی کس لیے (کیوں) یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے حَشَرْتَ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر حاضر ترجمہ ہے لایا تو مجھ کو اس کا فاعل ضمیر حاضر مذکر پوشیدہ اَنْتَ مرجع ہے رَبِّ نِیْ نون وقایہ زائدہ اعراب یا حرکت بچانے والی) یٰ ضمیر واحد متکلم مفعول یا اوّل ہے اَعْمٰى مفعول بہ دوم یا حال ہے مفعول بہ اول کا واؤ حالیہ قَدْ كُنْتُ باب نصر کا فعل ناقصہ ماضی بعید بمعنی قریب اَنَا ضمیر متکلم اس کا اسم پوشیدہ بَصِيْرًا اسم صفت مشبہ بروزنِ فَعِيْلًا بمعنی خوب دیکھنے والا۔ خبر ہے ناقصہ کی۔ قَدْ كُنْتُ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال دوم ہے مفعول بہ متکلم نِیْ کا حَشَرْتَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا قَالَ ماضی معناً مستقبل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یہ قول ہے رب تعالیٰ کا یعنی رب نے فرمایا

كَذٰلِكَ اسمِ اشارہ متصلہ ہے چار حرفوں سے متصل ہو کر ایک لفظ ہو گیا اسم اشارہ اس کی دو قسمیں ہیں لفظ تمثیلی اور لفظ تشبیہی تمثیل کا ترجمہ ہے جس طرح یا جیسے یہ شروع کلام میں آتا ہے اور تشبیہی کا ترجمہ ہے اس طرح یا ایسے یا ایسے ہی یہ ہمیشہ دو کلاموں کے درمیان میں آتا ہے پہلے کلام کا نام مشبّہ بہ اور دوسرے مابعد کلام کا نام مشبّہ ہے یہاں اِن آیت میں تین جگہ یہ لفظ ارشاد ہوا ہے پہلا كَذٰلِكَ تمثیلی ہے بمعنی جس طرح اور دوسرے دونوں تشبیہی ہیں ان میں کا دوسرا بمعنی ایسے اور تیسرا بمعنی ایسے ہی کیا جائے گا۔ اَتَتْ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق بمعنی بعید واحد مؤنث غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ آنا۔ كَ۔ کَ ضمیر مخاطب واحد مذکر منصوب متصل مفعول بہ اٰیٰتُنَا مرکب اضافی فاعل ہے اَتَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ نَسِیْتَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق بمعنی ماضی بعید واحد مذکر حاضر نَسْیٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بھولنا۔ یہاں مراد ہے بے پرواہ ہو جانا اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ ہے هَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع آیٰت جمع مؤنث سالم ہے کیونکہ غیر ذوی العقول اشیاء و جمع کے لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر آتی ہے مفعول بہ ہے نَسِیْتَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر عطف ہے اَتَتْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مشار الیہ كَذٰلِكَ اپنے تمثیلی مشار الیہ سے مل کر معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى وَاوٗ عاطفہ بیانیہ یعنی جمع کے لیے عطف نہیں بلکہ صرف بیانِ وضاحت کے لیے اِس کا اردو میں آسان فہم ترجمہ ہے "بس اسی طرح" كَذٰلِكَ اسم اشارہ تشبیہی اَلْيَوْمَ اسم مفرد معرفہ بِاللّام بمعنی آج ظرفِ مقدم تُنْسٰى فعل مضارع مجہول واحد مذکر حاضر اس کا غائب فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ بن کر مشار الیہ تشبیہی ہوا كَذٰلِكَ سابق کا وہ دونوں مل کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ كَذٰلِكَ اسم اشارہ تشبیہی، نَجْزِيْ بابِ ضرب کا مضارع معروف جمع متکلم فاعلِ پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع رب تعالیٰ۔ خیال رہے کہ واحد رب تعالیٰ کے لیے جمع متکلم ارشاد فرمانا تعظیماً نہیں ہو سکتا بلکہ محض فصاحتِ کلام کے لیے ہے مَنْ اسم موصول اَسْرَفَ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اِس کا مصدر ہے اِسْرَافٌ بمعنی ضائع کرنا برباد کرنا یعنی فضول خرچی وقت عمر اور مال کی۔ سَرَفٌ مادہ ہے هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ لَمْ يُؤْمِنْ بابِ افعال کا مضارع نفی حجد بلم بمعنی ماضی مطلق۔ اِیْمَانٌ سے بنا ہے بمعنی مومن بندہ بننا فاعل پوشیدہ ضمیر ہے بِ جارہ بمعنی عَلٰی جارہ اٰیٰتِ رَبِّهٖ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ يُؤْمِنْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اَسْرَفَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ دونوں سے مل کر مفعول بہ ہے نَجْزِيْ کا وہ جملہ فعلیہ ہو کر مشار الیہ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر جملہ تشبیہی ہو کر معطوف ہے پہلے كَذٰلِكَ پر وہ عطف

ہے کَذٰلِکَ اَتَتْ پر سب مل کر مقولہ اول ہوا۔ واؤ حالیہ یا بر جملہ یا زائدہ پہلا قول درست ہے لام کئے تاکیدی بمعنی اَلْبَتَّہ یقیناً حقیقتاً عَذَابُ مضاف ہے اَلْاٰخِرَۃِ اسم فاعل واحد مونث باب نَصَرَ سے اُخُرٌ بھو کر الفلے سے مشتق ہے بمعنی بعد میں آنے والی چیز یا ساعت مراد ہے قیامت کے بعد جہنم کا زمانہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَشَدُّ اسم تفضیل باب نَصَرَ سے شَدٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے واحد مذکر بمعنی بہت شدید سخت معطوف علیہ ہے واؤ عطف کی اَبْقٰی باب سَمِعَ یا ضَرَبَ کا اسم تفضیل واحد مذکر بَقِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی بہت ہی زیادہ باقی رہنے والا مراد ہے ہمیشہ رہنے والا۔ اَشَدُّ اپنے پوشیدہ فاعل ھُوَ سے مل کر جملہ اسمیہ ہوا اور اَبْقٰی اپنے پوشیدہ فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں جگہ ضمیر ھُوَ کا مرجع عذاب ہے یہ دونوں عطف خبر مبتدا ہوئی مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ مقولہ دوم ہوا۔ قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيْۤ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا ۔ خوش نصیب متبعین اہل ایمان کی شان و عزت تو وہ ہے جو بیان ہوئی۔ مگر جو بدنصیب میرے ذکر کی عبادت میری ہدایت کی تعلیم و اتباع کے مطابق نہ کرے گا اور میرے انبیاء کے لائے ہوئے کلام قانون دلائل قدرت معجزات سے منہ پھیرے گا۔ منکر ایمان ہو کر یا فاسق اعمال ہو کر۔ کفر میں مغرور ہو کر یا گناہوں میں مشہور ہو کر۔ ضدی بن کر یا بیوقوف ہو کر تو ایسے سب نافرمانوں کے لیے تقدیر مبرم کا یہ اٹل فیصلہ ہے کہ اس کی دنیوی زندگی بے سکونی اور پریشانیوں اُلجھنوں والی ہو گی خواہ امیر اور لاکھوں کروڑوں دولتوں کا مالک ہو کر جئے یا غریب تنگ دست بھوکا ننگا رہ کر جئے۔ کسی کیفیت حالت میں سکون و اطمینان نہ ملے گا۔ امیر کی بے سکونی بھی چار وجہ سے غریب کی بے سکونی بھی چار وجہ سے ۱۔ امیر لوگ زیادہ کی حرص ۲۔ ہر چیز مل جانے کی لالچ ۳۔ دنیا سازی کی محنت ۴۔ دنیا پرستی کی مشقت کی وجہ سے ہر وقت بے سکونی میں رہتے ہیں۔ ہائے یہ بھی مل جائے وہ بھی مل جائے یہ بنا لوں وہ بنا لوں۔ مولانا رومیؒ نے فرمایا۔ ؎

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ٭ روز و شب در زرق زرق و در بک بک اند

غریب کی بے سکونی ۱۔ غربت ۲۔ اللہ تعالیٰ سے مایوسی ۳۔ اللہ رسول پر بھروسہ نہ ہونا ۴۔ اپنی غفلت سستی نحوستِ گناہ کی وجہ سے۔ امیر بھی دنیا پرست غریب بھی۔ غریب دنیا پرست امیروں کو دیکھ دیکھ کر ساری زندگی کڑھتا رہتا، سڑکوں گلیوں میں پھرے گا مگر رو کر آنسو بہا کر مسجد میں سجدہ ریز نہ ہوگا۔ امراء نئے نئے امیروں کو دیکھ کر کڑھتے رہتے ہیں نہ ادھر سکون نہ اُدھر صبر نہ ادھر یادِ مولیٰ تعالیٰ

نہ اُدھر۔ دونوں طرف مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ کا مظاہرہ۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے فرمایا سہ

دن عیش میں کھونا تھے اور رات بھر سونا تھے ؛ خوفِ خدا شرمِ نبی یہ بھی نہیں وہ نہیں

سکون تو ذکرِ الٰہی دامنِ مصطفائی میں ہی ملتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْهُ۔ مفسرین نے مَعِيْشَةً ضَنْكًا کے تین معنی بیان فرمائے ہیں ۱؎ یا اس سے مراد بعدِ موت قبر کی برزخی زندگی ہے اور ضَنْكًا سے مراد کفار وفساق کا عذابِ قبر ہے۔ یہی تفسیر احادیث سے ثابت ہے کہ ابوسعیدؓ خدری۔ عبداللہؓ ابنِ مسعودؓ ابوہریرہؓ تینوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ قبر کا عذاب ہے قبر میں فساق وکفار مُردوں کو تین طرح عذاب ہوتا ہے ۱؎ تنگیِ قبر۔ کہ مُردے کی پسلیاں پسلیوں میں گھس جائیں گی ۲؎ فرشتوں کی مار جس کی آواز بجز انسان وجنات سب حیوان سنتے ہیں ۳؎ ننانوے سانپ قبر میں ہر سانپ کے سات منہ کسی منہ سے ڈنگ کسی سے پھونک مثل آگ کسی سے دانت کا زخم کسی سے گوشت نوچنا کسی سے زہریلی پھونک کسی سے زہر کی دھار پھینکنا اس زہر میں اتنی سختی ہوگی کہ اگر زمین پر پھینکیں تو وہاں کبھی سبزہ نہ اُگے۔ کسی سے پُھنکار کر دہشت زدہ کریں گے۔ دوسرا قول۔ مَعِيْشَةً سے مراد دنیوی زندگی اور ضَنْكًا سے مراد حرص ہوس لالچ کی حرام کمائی خبیث دولت ہر قت زیادہ کے انہماک میں پریشان رہے اور کم ہوجانے کے اندیشے میں گھلتا مرتا رہے ہر وہ زندگی جس میں عارضی خوشی کے بعد ابدی غم دُکھ درد ہوں وہ بھی مَعِيْشَةً ضَنْكًا ہے کہ حصول دولت میں نہ حرام وحلال کی پرواہ نہ ظلم وفریب سے بچے نہ وقت کی قدر نہ آخرت کی فکر بے دینی گمراہی میں ساری زندگی گزار دے۔

پوچھا یاروں نے کہ کیا کارِ نمایاں کر گئے ؛ پیدا ہوئے کھایا پیا نوکر ہوئے پھر مر گئے

تیسرا قول۔ مَعِيْشَةً سے مراد جہنم کی زندگی کفار کی دائمی ضَنْكًا سے مراد کفار کے لیے جہنم کا عذاب دوزخ کے کانٹے زقوم یعنی تھوہر کا درخت اور بول براز کی غذا خوراک اصل مَعِيْشَةً آخرت کی ہی ہے اچھی ہو یا بری۔ فساق کی میعادی جہنم مَعِيْشَةً ہے اور آگ کی جلن ضَنْكًا ہے۔ حضرت عبداللہؓ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ جس بندے کو رب تعالیٰ تھوڑا یا زیادہ مال دے وہ اس کے ذریعے متقی نہ بنے صدقہ وخیرات زکوٰۃ نہ ادا کرے تو یہ بھی اُس کی مَعِيْشَةً ضَنْكًا ہے بعض نے فرمایا مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد قیامت سے پہلے کی تمام زندگی مراد ہے۔ یعنی دنیوی برزخی۔ قبری۔ مگر مومن متقی کو کسی بھی زندگی میں ضَنْكًا نہیں نہ دنیا میں نہ قبر حشر میں۔ مومن اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ کا لباسِ فاخرہ پہن کر صابر وشاکر وذاکر ہو جاتا ہے تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ کی لذتیں پالیتا ہے۔ طالبِ آخرت ہوکر مسعود اور طالبِ مولیٰ ہوکر محمود بن جاتا ہے صبر کی ڈھال لے کر ہر مصیبتِ دنیوی میں کہتا ہے۔ ضَرْبُ الْحَبِيْبِ زَبِيْبٌ۔ سہ

(شعر) میرے مولا تیرے پتھر بھی اچھے ٭ غبارِ راہ اور کنکر بھی اچھے
تیرے رستے کے یہ کانٹے بھی پیارے ٭ قدومِ عشق کے چھالے بھی اچھے (از حکیم الامت بدایونی)

زندگی تین قسم کی ہے۔ کافر کی زندگی مَعِیْشَۃً ضَنْکًا مُظْلِمَۃً فاسق کی زندگی مَعِیْشَۃً ضَیِّقَۃً مومن متقی کی زندگی حَیٰوۃً طَیِّبَۃً۔ هَنِیْٓـًٔا رَّغَدًا۔ کافر کے اعمال وکسب حرام کمائی شقاوتِ قلبی دینی و دنیوی ذلت فاسق کے اعمال وکسب حرام دولت گناہوں کی سہولت نیکی کرنے میں مشکلات غفلت نحوست اور ابوابِ خیر بند توفیقِ عبادت مفقود مولی علی نے فرمایا فاسق کو تین تنگیاں ۱؎ حاجات تنگی ۲؎ عسرتِ قلبی ۳؎ دولت سے حرام کام لیکن مومن کو تین انعام ۱؎ حیاتِ دنیوی میں حلال پاکیزہ دولت ۲؎ فراخیِ قبر کہ ستر گز تک کھلی ہو جاتی ہے اور جنت کی ہوائیں نورانی چاندنی کی ٹھنڈی روشنی۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ کی دل نواز مین کی نیند (رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ) ۳؎ میدانِ محشر میں عرش کا سایہ دامنِ مصطفیٰ کی ٹھنڈی ہوائیں۔ آنکھوں کی روشنی بینائی ابدی جنت (اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا مِنْهُ) مگر کفار کی یہ حالت کہ وَنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى۔ اور ذکر سے اعراض آیت سے نسیان ایمان سے دور بھٹکنے والے کفار کو ہم میدانِ محشر میں قبروں سے نکال کر اندھا کر کے جمع کریں گے بھگائیں گے۔ فساق دید کردار کو کمزور نظر شل نابینا بنا کر لایا جائے گا کہ گرتے پڑتے ٹوٹتے بھٹکتے نہ لاٹھی کا سہارا نہ ساتھی کا دلاسہ نہ کوئی ٹھوکروں سے بچانے والا نہ کوئی راستہ سمجھانے والا۔ دنیا کی کور چشمی و کمزور نظر میں تو ہزار سہارے بن جاتے مل جاتے ہیں مگر میدانِ محشر میں کسی کافر و فاسق کو کوئی سہارا میسر نہ آئے گا۔ یہ اندھاپے کی کیفیت محشر میں آتے وقت ہوگی بعد میں نظر ٹھیک ہو جائے گی۔ تمام اپنی ذلت آمیزی کو اپنی آنکھوں دیکھیں اعمال نامہ پڑھیں۔ جہنم کا دیدار کریں غرضیکہ کفار کا نابینا ہونا بھی عذاب اور بینا ہونا بھی عذاب ہوگا بعض نے فرمایا کہ کفار و فساق قیامت میں قلبی اندھے ہوں گے کہ وہاں بھی حق بات سمجھ نہ آئے گی بعض نے کہا کہ عقل اندھے ہوں گے مگر پہلا قول درست ہے کہ آنکھوں کے اندھے ہوں گے۔ قرآن مجید میں کفار کی قیامت والی مختلف گیارہ کیفیات بیان فرمائی گئیں ۱؎ میدانِ محشر میں آتے وقت کفار کی پہلی حالت یہی ہوگی جو یہاں مذکور ہوئی۔ نَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى ۲؎ اس کی وجہ فرمانے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے مَنْ كَانَ فِيْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى۔ (سورۃ اسراء آیت ۷۲) ۳؎ اسی سورۃ اسراء آیت ۹۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا۔ یعنی ہم محشر میں لائیں گے کفار کو قیامت کے دن چہروں کے بل چلا کر اندھا بہرا گونگا کر کے۔ میدانِ محشر میں آنے والوں کی تیسری کیفیت

اسی طرح مذکور ہوئی۔ يَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ مُهْطِعِينَ مُقْنِعِي رُءُوسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ إِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ (سورۂ ابراہیم آیت ۴۲، ۴۳) یعنی عام لوگوں کا حال ہیبت و دہشت سے یہ ہوگا کہ آنکھیں پھٹی اوپر کو بھی سر اٹھائے دل دھڑکائے سمتِ محشر بھاگے چلے جا رہے ہوں گے ۴؎ چوتھی اس طرح بیان ہوئی۔ لَقَدْ كُنْتَ فِي غَفْلَةٍ مِنْ هَٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَاءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيدٌ (سورۂ ق آیت ۲۲) یعنی۔ قیامت میں ہر کافر سے فرمایا جائے گا تو اسی دن سے غفلت میں تھا۔ ۔ اب ہم نے تجھ سے اندھاپے کا پردہ ہٹا دیا اب تجھ کو خوب نظر آرہا ہے اس آیت میں میدانِ محشر میں پہنچ جانے کا نقشہ بتایا گیا کہ آنے وقت اندھا تھا اب آنکھوں سے کور چشمی کا پردہ ہٹا دیا جائے گا۔ اور تیز نظر کا بینا ہو جائے گا کفار کی محشر میں پانچویں کیفیت وَنُخْرِجُ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ كِتَابًا يَلْقَاهُ مَنْشُورًا۔ اِقْرَأْ كِتَابَكَ (سورۂ اسریٰ آیت ۱۳ و ۱۴) قیامت میں نامۂ اعمال نکالیں گے جو اُس کے لیے کھلی کتاب ہوگا ہم اس سے کہیں گے کہ اپنے دنیوی کرتوت کی کتاب خود پڑھ لے ۶؎ قیامت میں کفار کی چھٹی کیفیت یہ ہوگی کہ ان کو یاد ہی نہ ہوگا دنیا میں کتنا رہے یعنی عقلیں بگڑ جائیں گی (طٰہٰ آیت ۱۰۳، ۱۰۴) ساتویں حالت یہ کہ کسی کو پہچان نہ سکیں گے دل گھبراہٹ و دہشت سے اُڑے ہوں گے ۸؎ آٹھویں حالت یہ کہ سب کو پہنچانیں گے ۹؎ نویں کیفیت یہ کہ زبان گونگی کر دی جائے گی۔ وَنَخْتِمُ عَلَىٰ أَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَا أَيْدِيهِمْ (سورۂ یٰسٓ آیت ۶۵) ۱۰؎ دسویں کیفیت زبانیں خوب بولیں گی۔ اور اقرار کریں گی کہ ہمارے پاس رسول آئے تھے ہم نے اُن کو جھٹلایا تھا لا اگیا دھویں۔ ایک وقت وہ ہوگا کہ نگاہیں اتنی تیز ہوں گی کہ میدانِ محشر میں کھڑے کھڑے جہنم کو دیکھ لیں گے جیسے گویا اُن کے قریب لائی گئی۔ (سورۂ کہف آیت ۵۳) غرضکہ یہ مختلف کیفیات ہیں مگر ہر کافر اپنے اندھاپن سے سخت گھبرائے گا اور قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِي أَعْمَىٰ گھبرا کر پکار۔ ۔ کا چیخے چلائے گا۔ اے میرے رب میں تو دنیا میں نظر والا تھا خوب فلمیں دیکھا کرتا تھا ناولیں پڑھا کرتا تھا۔ منبروں پر بیٹھ کر تصویریں و ڈیو فوٹو بنوایا کرتا جائز بتایا کرتا۔ اور مریدوں شاگردوں ماننے والوں کے گھروں میں لگرایا کرتا تھا۔ غرضکہ ان ہی آنکھوں سے تیرے نبی قرآن شریعت کی خوب خوب مخالفت کیا کرتا تھا۔ اور زمین پر کفر شرک یا فسق و فجور میں دندناتا پھرتا تھا آج تو نے مجھ کو قبر سے اندھا کر کے حشر میں کیوں اٹھایا۔ قَالَ كَذَٰلِكَ أَتَتْكَ آيَاتُنَا فَنَسِيتَهَا وَكَذَٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسَىٰ۔ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِآيَاتِ رَبِّهِ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقَىٰ۔ رب تعالیٰ فرمائے گا۔ الہام سے یا انتقامِ قلبی سے یا

فرشتے کے ذریعے۔ اُس اندھے کافر کو آواز آئیگی اور فاسق شب کور کو بتایا جائے گا کہ آج تیرے ساتھ میدان محشر میں وہی معاملہ ہو رہا ہے جو تو دنیا میں خود اپنے لیے کرتا تھا اسی دن کی بینائی ہدایت حمایت دینے کے لیے دنیا میں جب تیرے پاس ہماری آیتیں انبیا کتابوں اور اُمت کے علما کے ذریعے آتی تھیں تو اس وقت تو اپنی ضد اکڑ غرور دولت کے گھمنڈ کی وجہ سے اُن آیتِ الٰہیہ قانونِ ربانیہ کو دیکھنے سے اندھا سننے سے بہرا اور پڑھنے سے گونگا بن جاتا تھا۔ تم میں سے کوئی فاسق بنتا رہا کوئی کافر۔ ہماری دی ہوئی آنکھوں سے ہر شیطانی چیز کو دیکھتا تھا مگر ہمارے کلام کو نہ دیکھتا تھا۔ ابلیس کی مانتا تھا۔ انبیا کی نہ مانتا تھا۔ گانے پڑھتا تھا نماز و تلاوت نہ پڑھتا تھا۔ تجھے دولت دی تو نے فساد کیا تجھے حکومت دی تو نے ظلم کیا تجھے علم دیا تو نے گمراہی پھیلائی تجھے منبر و مصلہ دیا تو نے حرام کو حلال حلال کو حرام کیا نبی کی مخالفت سنتِ واجبہ کی پامالی کی نبی نے فرمایا فوٹو تصویر حرام تو نے کہا جائز نبی نے فرمایا کالا خضاب حرام تو نے کہا حلال نبی نے فرمایا داڑھی چار انگل تک بڑھاؤ مونچھیں گھٹاؤ تو نے مخالفت کی نبی نے فرمایا اَعْفُوا اللُّحٰی تو نے کہا نہیں بلکہ دولت بنی۔ نبی نے تمام کھیلوں کو حرام فرمایا تو نے کھیلوں میں عمر گزاری تیری نمازیں تلاذ میں۔ قاری بنا سب پیسوں کی خاطر حافظ بنا تراویح کی سودے بازی تو نے اپنے کسی عمل میں ہمیں تو یاد نہ کیا۔ تجھے مؤذن نے مسجد کی طرف پکارا تو دکان کی طرف بھاگا۔ تجھے قرآن نے نمازِ جمعہ کی طرف بلایا مگر تو نے خود کو گاہکوں میں پھنسایا عبادت سے بھاگا تجارت میں اُلجھا۔ تو مذہب کا مسلمان مگر شکل کا مجوسی کہ داڑھی منڈائی مونچھیں بڑھائیں۔ لباس کا عیسائی۔ کردار کا یہودی تو نے دنیا میں ہمارے نبی کی سنتوں ہمارے کلام کی آیتوں شریعت کے قانون کو بھلایا اپنی موت قبر حشر۔ آخری اُنجام۔ جہنم کے عذاب اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے سوال قَالُوْا بَلٰی کے جواب اپنے وعدوں ہماری وعیدوں کو بھلایا۔ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ آج تو بھی بھلا دیا جائے گا۔ کہ روشنی چاہے گا اندھیرا ملے گا سہارا چاہے گا ٹھوکریں ملیں گی اُٹھنا چاہے گا گرنا پڑے گا۔ مہر چاہے گا قہر ملے گا، چیخیگا خاموشی ملے گی۔ آرام چاہے گا تکلیف ملے گی عزت چاہے گا ذلت ملے گی جزا چاہے گا سزا ملے گی دوست چاہے گا دشمن ملے گا۔ قوت چاہے گا بے بسی ملے گی ملاپ چاہے گا بے کسی ملے گی طاقت چاہے گا کمزوری ملے گی آج تو موت چاہے گا مگر مر نہ سکے گا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ۔ اور یہ ہمارا ازلی مُبرم فیصلہ ہے کہ ہم اسی طرح مَعِيْشَةً ضَنْكًا کی دلسوز جگر دوز عبرت ناک خطرناک سزائی بدلہ دیتے ہیں ہر اُس شخص کو جسے دنیا کی قیمتی زندگی فسق و فجور عیاشی خرمستی شہوت طلبی میں ضائع کی۔ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ۔ اور اُس شخص کو بھی جو کافر بن کر رہا اپنے رب کی آیتوں پر ایمان نہ لایا بلکہ مذاق بازی سے جھٹلایا۔ خیال رہے کہ ہر وہ کام جو نبی کی

مخالفت میں کیا جائے وہ عمر کی بربادی ہے مخالفت خواہ فرائض میں ہو یا واجبات میں سنن و نوافل میں ہو یا مستحبات میں، عادت میں ہو یا عبادت میں، عملیات میں ہو یا عقائد میں شکل و صورت میں ہو یا لباس میں تجارت میں ہو یا شیاء کی خریداری میں اسرافِ عمر یا تو دنیوی عذاب ہے جو عارضی ہے توبہ سے ختم یا موت سے بند ہو جاتا ہے۔ یا عذابِ قبر ہے جو نفخِ اول سے اٹھا لیا جاتا ہے لیکن وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰى۔ اور البتہ قیامت کے بعد آخرت یعنی جہنم کا عذاب قبر و حشر کے عذاب سے اتنا بڑا اور سخت ہے کہ دنیا میں اس کی شدت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور اَبْقٰى بھی ایسا کہ کبھی ختم نہ ہو نہ کم پڑے ابدالآباد تک قائم و یکساں موجود۔ (العیاذ باللہ) یا اللہ تو رحیم و کریم ہے مجھ کو بھی میری اولاد میرے تمام دوست احباب مسلمانوں کو عذاب سے بچانا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ دنیا میں رب تعالیٰ نے ہر نیکی بدی کی علامات مقرر فرما دی ہیں۔ اُن نشانیوں سے ہر بندہ اچھے بُرے انسان اور اچھی بری چیزوں کا پتہ چلا سکتا ہے اس لیے ہر وقت ہر مسلمان کو چاہیے کہ ان نشانیوں پر غور کرتا رہے اور نشانوں سے بھی بچے کہ وہ بُرے نشانات اپنے اندر پیدا نہ ہوں اور اُن نشانات والے لوگوں اُن کی محفلوں کتابوں باتوں سے بچے دنیا میں رب تعالیٰ کی ناراضگی سب سے بڑی بُرائی ہے اور اللہ کی رضا سب سے بڑی اچھائی ہے رب تعالیٰ کی ناراضگی کی چار نشانیاں ہیں ۱؎ بندے کو عبادت سے غفلت سستی پیدا ہو ۲؎ حاضری مسجد کی توفیق نہ ملے ۳؎ نیکوں میں رکاوٹیں پیدا ہوں ۴؎ گناہوں میں آسانیاں ملتی چلی جائیں تو سمجھ لو کہ یہ بندہ رب تعالیٰ کا مقہور و مغضوب ہے اُس سے بچو اور اگر اپنے میں ہوں تو جلدی دور کرنے کی کوشش کرو توبہ استغفار کرو روؤ گڑگڑاؤ۔ یا اللہ مجھ فقیر و بے کس کو بھی یہ محبتِ عبادت فرما اور تا ابد اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مجھ سے راضی ہو جا رب تعالیٰ کی خوشنودی اور رضا مندی کی تین نشانیاں ۱؎ جب تم دیکھو کہ بندے پر عبادت آسان ہے ۲؎ اور بندے پر گناہ مشکل ہیں کہ لوگ رات کو سوتے ہیں وہ مصلّے پر روتا ہے لوگ دن بھر تجارت میں متحرک وہ عبادات میں متحرک تو سمجھ لو کہ اس سے رب تعالیٰ راضی ہے ۳؎ دنیا سے بے رغبتی ہونا بھی رب تعالیٰ کی رضا کی علامت ہے یہ فائدہ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دنیا سازی کی زندگی عیشِ ضنکا ہے اور دین سازی کی زندگی عیشِ طیّب ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ بندے کے ہر کام و کلام میں دو چیزیں بنائی گئی ہیں ۱؎ دینی نیکی و بدی ۲؎ دنیوی نیکی و بدی جس طرح ہر نیکی کا دنیا میں فائدہ اور آخرت میں ثواب اس طرح ہر بدی کا دنیا میں نقصان اور آخرت میں عذاب نیکی کا دنیوی فائدہ رزق میں برکت چہرے پر رونق دل میں سکون بدی کا دنیوی نقصان۔ روزی میں بے برکتی چہرے پر نحوست۔ دل میں بے سکونی۔

نیکی کا اُخروی ثواب قبر میں کشادگی محشر میں روشنی پل صراط پر آسانی۔ برائی کا اُخروی عذاب قبر کی تنگی۔ محشر میں اندھا پن پل صراط پر ذلت مشقت۔ یہ فائدہ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ سب سے بڑی کم بختی اور برائی اسرافِ زندگی یعنی عمر ضائع برباد کرنا ہے۔ یہ دنیا پرستی ہے۔ ہر وہ کام جس کو بندہ ذوق وشوق اور اہتمام سے کرے۔ وہی اس کی یاد اور ذکر ہے اور کسی چیز کو قلبی گہرائیوں سے یاد کرنا اسی میں مشغول رہنا ہی اُس کی پرستش کرنا اور پوجا ہے۔ جو انسان عبادت میں غفلت دنیا میں عجلت عبادت میں سستی تجارت میں چستی کرتا ہے اُس نے گویا اللہ تعالیٰ اور اُس کی آیتوں کو بھلا دیا وہ دنیا پرست ہے یہ فائدہ فَنَسِیْتَهَا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** دنیا کو بھلا دینا بہتر دین کو یاد رکھنا بہتر دین کو یاد رکھنے کا معنیٰ ہے کہ قرآن مجید حفظ کرنا پورا یا بقدرِ ضرورت نماز روزے وغیرہ کے ضروری مسائل یاد کرنا اور یاد رکھنا یہی وہ حقیقی علم ہے جو حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اکثر علما فرماتے ہیں کہ جو شخص قرآن مجید کو یاد کرکے پھر بھول جائے وہ قیامت میں اندھا اٹھایا جائے گا۔ وہ اسی آیت نَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰی اور فَنَسِیْتَهَا سے استنباط فرماتے ہیں (تفسیر صاوی، کبیر، معانی، بیان) اس آیت سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ ہر مسلمان پر نماز کے وہ الفاظ اور دعائیں وغیرہ جو نماز میں پڑھی جاتی ہیں وہ بالکل صحیح تلفظ اور مخارج کی ادائیگی کے ساتھ یاد کرنا فرضِ عین ہے۔ بعض مسلمان وتروں کی دعاءِ قنوت یاد کرنے میں کاہلی سستی کرتے ہیں اور اُس کی جگہ سورۂ اخلاص یا تین بار سُبْحَانَ اللہ کہنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں کیونکہ یہ اُن کی کاہلی سستی مَنْ اَعْرَضَ کے زمرے میں شمار ہوگی۔ جب دنیوی کتابوں سکولوں کالجوں کلاسوں میں اتنی محنت کی جائے تو کیا اللہ تعالیٰ کی ذکر اذکار دعائیں یاد نہیں ہو سکتیں۔ اسی آیت کی دلیل سے کچھ علما نے فرمایا کہ لڑکیوں کو پورا قرآن حفظ نہ کراؤ۔ اس لیے پرایا دَھن ہیں ان کو یاد رکھنا بڑا مشکل ہے۔ مرد حفاظ کے پاس جو ذرائع بقاءِ حفظ کے ہیں وہ عورتوں کو میسر نہیں مثلاً امامت تراویح شبینہ وغیرہ۔ اور یاد کرکے بھول جانے پر بڑی سخت وعید ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ حرام طریقے سے دولت کمانا۔ مثلاً سود، رشوت، جوا اور حرام اشیا کی فروخت یا اللہ تعالیٰ کے ممنوعہ اوقات میں تجارت کرنا اسی طرح چوری ڈکیتی فریب کاری، ملاوٹ سے دولت کمانا ہر مسلمان پر مطلقاً ہر حال میں حرام اور مَنْ اَعْرَضَ میں شامل۔ لیکن بعض ناجائز تجارتیں بعض حالات میں کفار پر بھی ممنوع ہیں مسلمان حکومت کفار پر بھی پابندی لگائے گی کہ اس طرح کے کاروبار خاص کر مسلمانوں کے ساتھ نہیں کر سکتے۔ یہ مسئلہ مَعِیْشَةً

ضنکا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ اسراف اور فضول خرچی ظاہراً لفظاً تو بہت معمولی کام لگتا ہے مگر اس کی حرمت مسلمانوں کے لیے شدید ترین ہے یہ مسئلہ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِيْ مَنْ اَسْرَفَ سے ہیں۔ كَذٰلِكَ کے تشبیہی اشارے سے مستنبط ہوا کہ دنیا کی مَعِيْشَةً ضَنْكًا اور میدانِ محشر کا عُمْيًا بُكْمًا وَّصُمًّا ہونا۔ اور اَلْيَوْمَ تُنْسٰى کا عذاب سب اسی اسرافِ زندگی کا وبال ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ جو شخص میرے ذکر سے منہ پھیرے تو اس کے لیے تنگ زندگی ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ غربت و تنگ دستی کی زندگی صرف کفار و فساق کے لیے ہے حالانکہ مشاہدہ بتا رہا ہے کہ نیک لوگ یہاں تک کہ انبیاء اولیا غربت و فاقہ کشی کی زندگی گزارتے ہیں اور اکثر کفار و فساق بڑی امیرانہ شاہانہ زندگی گزارتے ہیں۔ حدیث پاک میں ہے قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى حَسَبِ دِيْنِهٖ۔ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ تمام انسانوں میں سب سے سخت ابتلا انبیا علیہم السلام کا ہوتا ہے پھر درجہ بدرجہ دین کے حساب سے لوگ اس دنیا کی مصیبتوں میں مبتلا کیے جاتے ہیں (از بخاری ترمذی ابن ماجہ) یہ آیت روایت و مشاہدات کے خلاف معلوم ہوتی ہے۔

جواب: بالکل خلاف نہیں اس لیے کہ مَعِيْشَةً سے مراد غریبانہ اور تنگ دستی کی زندگی نہیں بلکہ نحوست بے برکتی بے سکونی کی زندگی ہے۔ امیری اور شاہانہ زندگی سے چند ساعتوں کی عیاشی و حکمرانی تو مل جاتی ہے مگر اطمینان و سکون نہیں ملتا۔ یہی فرق ہے حیاتِ ضیقہ اور حیاتِ طیبہ میں۔ حیاتِ ضیقہ کافر و فاسق کی مَعِيْشَةً ضَنْكًا ہے اور حیاتِ طیبہ انبیا اولیا علماء صلحاء زہاد عُبّاد کی مَعِيْشَةً هَنِيْئَةً ہے مومن کی تنگ دستی بھی ضنکا نہیں بنتی وہ ہر حال میں خوش و خرم پُر سکون صابر و شاکر ہشاش بشاش رہتا ہے۔ مگر کفار و فساق دنیا پرستی اور گناہوں کی زندگی میں ہزار دولتوں کے باوجود بے سکون پریشان اور بیسیوں فکروں بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک روایت میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا سے مراد قبر کی زندگی اور ایک قول میں مَعِيْشَةً ضَنْكًا بھی جہنم کی زندگی ہے سب میں مطابقت اس طرح کہ مَعِيْشَةً ضَنْكًا دنیا سے شروع ہو کر جہنم کی ابدی زندگی تک ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ كَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ یعنی جب اندھے کافر پوچھیں گے کہ ہم دنیا میں تو اندھے نہ تھے یہاں ہم کو اندھا کیوں اٹھایا گیا تو جواب میں فرمایا جائے گا کہ اسی طرح جس طرح تم دنیا میں ہماری آیتوں سے اندھے رہے ان کو بھولے رہے بالکل اسی طرح آج

تم کو بھلا دیا گیا گویا کہ بھولنا بھلانا اندھا ہونا اور اندھا کیا جاتا ہے۔ کیونکہ گذَالِكَ اسم اِشارہ تشبیہی ہے جس کا تقاضہ ہے کہ جو حالت دنیا میں تھی وہی حالت یہاں ہو حالانکہ دنیا میں یہ کفار آنکھوں کے اندھے نہ تھے جیسا کہ قَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا سے واضح ہے دنیا میں کفار قلبی اندھے تھے تو مشابہت کی مطابقت کے لیے ضروری ہے کہ یہاں محشر میں بھی صرف قلب کے اندھے ہوں اور قلب کا اندھا ہونا نہ محسوس ہوتا ہے نہ تکلیف دہ تو پھر عذاب کیونکر ہوا کفار کو محشر میں کیوں محسوس ہوگا کہ وہ بول پڑیں گے۔ لِمَ حَشَرْتَنِيْٓ اَعْمٰى۔ قلبی اندھے تو وہ آج دنیا میں بھی ہیں یہاں ان کو محسوس نہیں، ہوتا خلاصہ یہ کہ اگر یہاں اور وہاں قلبی اندھے تو گذَالِكَ ٹھیک ہے مگر احساس میں فرق کیوں۔ اگر محشر میں بھی احساس نہیں تو ان کا یہ سوال کیوں اور گھبراہٹ کیوں اور پھر قلبی اندھا ہونا جب محسوس نہیں تو تکلیف دہ نہیں اور تکلیف دہ نہیں تو عذاب نہیں۔ اور اگر دنیا میں قلبی اعمٰی اور یہاں جسمی اَعْمٰی تو گذَالِكَ کی تشبیہ غلط۔ **جواب**: اس کے دو جواب دیے گئے ہیں ہم نے یہ جواب عرض کیا ہے کہ کفار دنیا میں قلبی اندھے ہیں محشر میں جسمی آنکھ کے اندھے ہوں گے۔ اِس فرق کے باوجود گذَالِكَ کی تشبیہ درست ہے۔ اس لیے کہ تشبیہ اکیس ۲۱ قسم کی ہوتی ہے (۱) تشبیہ صُوری معنوی، حکمی، نوعی، جنسی، صنفی، کُلی، جزئی، عارضی، دائمی، تشبیہ ظاہری، باطنی، حسّی، غیر حسّی، عملی، طبعی، کیفی، جسمی، اطلاقی، خصلتی، جزائی۔ یہاں جسمی کیفیت کی تشبیہ مراد نہیں بلکہ جزائی تشبیہ مراد ہے کہ اے کافر جس طرح تو نے دنیا میں آیات سے بے رغبتی کا عملی مظاہرہ کیا اُس کی جو جزا اور بدلہ ہونا چاہیے تھا اسی طرح دیا جا رہا ہے۔ اور نسیان سے مراد حافظے و یادداشت سے اُتارنا نہیں بلکہ چھوڑنا مراد ہے اور گذَالِكَ کی تشبیہ بھی اَعْمٰی سے نہیں بلکہ اُس کے دنیوی عمل سے ہے کہ کفار نے دنیا میں نفرت کر کے آیتوں کو چھوڑا تو محشر میں اندھا کر کے ان کو چھوڑ دیا گیا کہ بھٹکتے پھریں۔ دوسرا جواب امام رازی نے تفسیر کبیر میں یہ دیا کہ یہ تشبیہ کفار کی دنیوی جہالت سے ہے کہ کافر دنیا میں قلبی جاہل بن کر رہا۔ تو اُس کی سزا میں ان کو محشر میں بصری جاہل بنا دیا جائے گا۔ نیز دنیا میں قلبی اندھا پن بھی تکلیف دہ اور محسوس ہوتا ہے اس طرح کہ قلبی اندھے پن اور جہالت سے روح کو احساس تکلیف و عذاب ہوتا ہے۔ اور جسمی بصری اندھا پن اور جہالت سے بدن کو احساس و تکلیف ہوتی ہے۔ تیسرا اعتراض: یہاں اِن آیت میں تین بار گذَالِكَ فرمایا گیا۔ اوّل گذَالِكَ اَتَتْكَ، پھر گذَالِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى۔ پھر وَ گذَالِكَ نَجْزِيْ۔ اس کی کیا وجہ؟ ایک لفظ کو بار بار دُہرانا تو فصاحت کے خلاف ہے۔ **جواب**: بلا وجہ دہرانا فصاحت کے خلاف ہے۔ لیکن مختلف نوعیتوں اور کلام کے مختلف پہلوؤں کو واضح کرنے کے لیے کسی لفظِ خاص کا بار بار بولنا عین فصاحت اور کلام کی خوب صورتی ہے اس لیے کہ اس

سے کلام مختصر اور بارابط ہو جاتا ہے۔ اور یہی کلام کی فصاحت ہے کہ "اَلْکَلَامُ مَا قَلَّ وَ دَلَّ" یعنی قلیل کلام کثیر معانی پر محیط ہو جائے۔ معترض کو اعتراض سے پہلے فصاحت کی تعریف جانی چاہیے۔

یہاں آیت میں تین چیزوں کی وضاحت فرمانے کے لیے تین بار کَذٰلِکَ ارشاد فرما کر کلام کو خوبصورت اور مختصر کر دیا گیا۔ اوّلاً مُشَبَّہ بِہٖ کا ذکر و تعلق اس کو عربی میں تشبیہ اصطلاحی کہتے ہیں اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے جس طرح۔ پھر دوسری بار کَذٰلِکَ ارشاد فرمانا مُشَبَّہ کی وضاحت کے لیے ہے اُس کا اردو میں ترجمہ ہوتا ہے۔ اُسی طرح۔ پھر تیسری بار کَذٰلِکَ فرما کر تشبیہ کی وجہ بیان فرمائی گئی کہ اس طرح بدلہ دیا جانا کسی ایک کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ ہمارا ازلی ابدی اٹل و مبرم قانون ہے کہ اس قسم کے ہر مجرم کو ہم اسی قسم کی سزا دیتے ہیں۔ اردو میں اس کَذٰلِکَ کا ترجمہ ہوتا ہے یہی۔ اب ان آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے میدانِ محشر میں آنے والے اندھے کافر جس طرح تو نے دنیا میں نفرت سے ہماری آیتوں کو چھوڑا اسی طرح ہم نے محشر میں نفرت سے تجھ کو چھوڑا اور یہی ہمارا قانونِ جزا ہے ثابت ہو گیا کہ تینوں جگہ کَذٰلِکَ فرمانا عین درست اور تکمیلِ کلام ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ. سنو اے عالمِ ناسوت میں نفس و ابلیس کے بیچارو تم ہی ہو جس کسی نے بھی نفسِ اَمّارہ کے میلان و محبت میں آکر عالمِ سفلی کی طرف توجہ کرتے ہوئے خالق تعالیٰ کے ذکرِ لسان فکرِ قلب، کشفِ سِر سے منہ پھیرا۔ فَاِنَّ لَهٗ مَعِیْشَةً ضَنْكًا. تو بے شک یقیناً اُس بد نصیب محرومِ ازلی کے لیے اسی عالمِ رنگ و بود میں غلبۂ شہوانی شدتِ طغیانی اَعمالِ صالحہ کی بے توفیقی کردار کی بخیلی سے اندھیری زندگی ہے۔ اس لیے کہ جنابِ حق سے اعراض کرنے والا نفسیات کے تھپیڑوں اور دنیوی لہروں کے طوفانِ بے تمیزی کی گہرائیوں میں پھنس جاتا ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ اہلِ نفس کو اس دنیا میں آٹھ وبال ہیں ۱۔ حرصِ مادیات کی شدت ۲۔ اسی حرص میں مشغولیت و شغف کی لذت ۳۔ ہم جنس ہونے کی وجہ سے محبتِ دنیا کی قوت ۴۔ اشتراک فی الظلمت ۵۔ کمینگی کی طرف میلان ۶۔ قناعت کا فقدان ۷۔ کثرت کی ہوس اور وجاہت ۸۔ چاہت میں انہماک عمر بربادیہی اہلِ نفس کی مَعِیْشَةً ضَنْكًا ہے۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ کے ذکر سے اعراض صرف ظلم ہی ظلم ہے ایسے منحوس کا رزق لا محوتی پریشان کر دیا جاتا ہے لیکن ذاکرِ رب اور متوجہ اِلَی اللہ بندہ اہلِ یقین ہو کر متوکل باللہ اور مفقود سے مستغنی ہوتا ہے سخت بد نصیب ہے وہ شخص جس نے اس حیاتِ دنیوی میں مَعِیْشَةً ضَنْكًا پائی کیونکہ یہی ہے وہ جس کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَنَحْشُرُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ اَعْمٰى. بسط و کشاد کی اس قیامۂ صغریٰ میں ہم

اُس کو نورِ معرفت اور دیدارِ حق سے اندھا کر دیں گے جو یہاں اندھا بنے گا وہ قیامتِ اصلیہ کبریٰ میں اندھا کر دیا جائے گا۔ اگرچہ استعدادِ اصلیہ کی زبان سے اپنے اندھے ہونے کا انکار کرتا رہے مگر ضمیر و شعور سے یہی چیخیں مارے گا۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِیْٓ اَعْمٰی وَقَدْ كُنْتُ بَصِیْرًا ۔ اور کہیگا کہ اے میرے جسم وجان کے رب جَلَّ وَعَلَا میں راہِ سلوک میں تو اندھا نہ تھا۔ مجھے قربِ منزل کیوں اندھا کر دیا گیا۔ حالانکہ یہ فسق جری اور عشقِ نفسی محبتِ سفلی دبنا سازی کی ابتلا لایح۔ کیفیگی کی شکل اندھا پن ہی تو ہے۔ اسی وجہ سے جواب ملے گا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰیٰتُنَا فَنَسِیْتَهَا وَكَذٰلِكَ الْیَوْمَ تُنْسٰی اے رذیلِ سفیہ تونے آیاتِ بیّنات وانوارِ مشرقات کو بھلایا توجہ سے ہٹایا غفلت سے گرایا نفرت سے چھوڑا بے رغبتی سے منہ موڑا تو آج تجھ کو بھی اس محشرِ نفسانفسی کے یوم عدل وجزا میں تیری نظریاتِ کثیفہ عاداتِ ملعونہ میں بھٹکتے سسکتے چھوڑ دیا گیا۔ وَكَذٰلِكَ نَجْزِیْ مَنْ اَسْرَفَ وَلَمْ یُؤْمِنْۢ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ۔ حرمانِ رحمت وخسرانِ زحمت کا یہ فیصلۂ عتاب وعقاب کسی کے لیے خصوصی نہیں بلکہ ہر مُسرف وباطل جس نے قیمتی عمر کھیل کود میں برباد کی اور دین وعمل میں کھیل ہی آگے رکھا۔ نفس وعقل کو مومن وعاملِ نہ بنایا یہ ہی کور چشمی اُس کی جزا اور اندھیر نگری اُس کی سزا ہے لمحاتِ دنیا کی بربادی وضیاعِ ذِلّت و دُرکار ہوتی ہے یہ تو عبرت سامانیاں ہیں لیکن۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَشَدُّ وَاَبْقٰی قربِ منزل کا آخری سہارا ٹوٹ جانا بڑا اشدید عذاب ہے کہ وہ ذِلّت و رُسوائی ہمیشہ رہنے والی ہے مَعِیْشَةً ضَنْكًا کیفیتِ ظاہری ہے شدۃِ اُخروی کیفیتِ باطنی ہے۔ عالمِ اَسرار کی کیفیات اَشَدُّ وَّاَبْقٰی ہیں صوفیا فرماتے ہیں کہ راہِ معرفت کی معیشۃ ضنکًا اجسام پر وارد ہوتی ہے اور عذابِ اشد ارواح پر طاری ہوتا ہے اَجسام کو فنا ہے اس کی معیشۃ ضنکًا بھی عارضی ارواح کو بقا ہے اس لیے اس کا عذاب بھی اَبْقٰی ہے جسم کمزور لہٰذا اس کی معیشۃ ضنکًا خفیف روح قوی لہٰذا اس کا عذاب اَشَدّ (ابن عربی و روح البیان وعرائس البیان) اور جس نے منہ پھیرا میرے ذکرِ شعوری اور فکرِ مجبوری سے تو قلب کو بدلِ حجاب کی عیشِ ضنک اور سدِ باب کی سزا ضیق دیجائے گی اس لیے کہ ذکرِ الٰہی اور یادِ مصطفائی دلوں کی چابی ہے اس سے منہ پھیرنا سدِ بابِ قلبی ہے جس سے دل بند عقل تنگ صدر زنگ ہوجاتا ہے پس جو بندہ چاہتا ہے کہ عذابُ اللہ سے نجات اور ثوابُ اللہ سے ملاقات پائے تو اُس مردِ راہ پر واجب ہے کہ اطاعتِ الٰہیہ میں شدائدِ دنیا پر صبر کرے اور معاصی نفس وشہوات ولذات سے دور بھاگے کیونکہ جنتِ مصائب وشدائد کے پردے میں ہے اور جہنم شہوتوں عیاشیوں کے باغیچہ میں ہے ہر بندے کو ہمتِ مردانگی سے کوشش

کرنی چاہیے کہ اسبابِ عذاب اور ابتلاءِ آعمیٰ سے بچتا رہے۔ در روح البیان اصوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت اُن کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو بد بخت ظاہراً انسان باطناً شیطان ہیں آدمیت کے پردے میں ابلیس ہیں۔ نفاست کے غلاف میں غلاظت ہیں طہارت کے لبادے میں نجاست ہیں اور اپنی ہر تقریر و تحریر تقریر و تصنیف سے انبیاؑ و اولیا کی شانِ مقدسہ میں گستاخی کمزوری و کمی کے پہلو نکالتے ڈھونڈتے رہتے ہیں۔ نام کے مسلمان عالِم و خطیب بنے پھرتے ہیں کام کے ضال جاہل و خبیث ہیں۔ نبی کو اپنے جیسا بشر اور محض قاصد سمجھتے ہیں حالانکہ اصل و حقیقی ذکر اللہ یادِ انبیا علیہم السلام ہے کہ ہر اُمتی پر وقت ہر کام ہر عمل میں اپنے نبی علیہ السلام کا نقشہ اپنے سامنے رکھے جس شخص نے جس زمانے میں بھی اپنے نبی علیہ السلام کو بھلایا وہی شخص مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِیْ کے زمرے میں شامل کر دیا گیا۔ لہٰذا اے بندو ذکرِ الٰہی قائم کرنے کے لیے اَب صرف یادِ مصطفائی کا نقشہ قائم رکھنا لازم پکڑ و اس طرح کہ اپنی عبادت تجارت عادت عیادت اُٹھنے بیٹھنے سونے جاگنے میں کام کلام میں نماز روزے میں ہر وقت خیال نبی کریم کا اور نقشہ اُسوۂ حسنہ کا پیشِ ذات رہے جو شخص ذکرِ مصطفیٰ سے ہٹا وہ ذکر اللہ سے دور ہوا۔ اور جو ذکر اللہ سے دور ہوا وہ ابلیس کے ذکر میں ملوث۔ ابلیس کے چار ذکر ہیں پہلا ذکرِ شیطانی بانسری کی آواز اور بانسری بجانا۔ دنیا میں سب سے پہلے بانسری ایجا ہوئی اس کا موجد ابلیس سب سے پہلے بانسری قابیل نے بجائی اور ابلیس نے سکھائی یہ باجہ آدم علیہ السلام اور اُن کے نیک عابد زاہد صحفِ آدم کی تلاوت کرنے والوں کی تلاوت میں خلل ڈالنے کے لیے بنایا گیا۔ دوسرا ذکرِ شیطانی تالیوں کی آواز تالیاں بجانا۔ یہ بھی شیطان کی ایجاد ہے، سب سے پہلے تالی نوح علیہ السلام کی کافرہ بیوی کنعان کی والدہ نے بجائی اور ابلیس نے سکھائی۔ تیسرا ذکرِ شیطانی منہ سے سیٹی بجانا ہے اِس کی موجد قومِ لوط ہے۔ اور سکھانے والے ابلیس۔ شیطان کا چوتھا ذکر گوز مارنا۔ اور پاخانے میں آواز نکالنا گوز خود ابلیس مارتا ہے جب کہیں ذکرِ الٰہی سنتا ہے تو گوز مارتا ہوا وہاں سے بھاگ جاتا ہے اور جب کوئی اُباسی میں آواز نکالتا ہے تو شیطان خوش ہوتا ہے اِن چاروں آوازوں سے شریعت نے منع فرمایا ہے۔ حدیث پاک میں دو اور آوازوں سے بھی منع فرمایا گیا۔ ۱ نوحے اور رونے پیٹنے کی آواز سے ۲ گانے کی آواز سے اگرچہ بغیر لہجہ اور ترنم کے ہو۔ ذکر اللہ کی آواز بھی چار قسم کی ہے ۱ تلاوت کی آواز اگرچہ قرأت و تجوید اور ادائے مخرج کے ساتھ خوش الحانی سے ہو مگر گانے کی طرز پر قرآنِ مجید پڑھنا حرام ہے۔ ۲ نعت خوانی کی آواز بشرطیکہ نعتِ پاک شریعت کی حدود میں ہو اور رسیلے سازوں کے ساتھ نعت پڑھنا حرام اور گانے کے لہجے میں پڑھنا مکروہ و ممنوع۔

۳ے اذان کی آواز۔ جہاں تک مومن متقی کی ذاتی آواز پہنچتی ہے وہاں تک کے شجر و حجر خوش ہو کر موذن کو دعائیں دیتے ہیں کل قیامت میں گواہی دیں گے۔ اسی لیے مسجد کے اندر اور بند کمرے میں اذان دینا منع ہے ۴ے مبلغ اسلام کی تبلیغ احکام کی آواز۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن۔

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ

تو کیا عبرت نہ دی ان لوگوں کو ان بہت سی بستیوں نے جن کو تباہ برباد کر دیا ہم نے ان سے پہلے

تو کیا انہیں اس سے راہ نہ ملی کہ ہم نے اس سے پہلے کتنی

الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ ؕ اِنَّ

زمانوں میں اُن بستیوں میں سے گزرتے ہیں یہ اُن لوگوں کے علاقوں میں بے شک

سنگتیں ہلاک کر دیں کہ یہ اُن کے بسنے کی جگہ چلتے پھرتے ہیں بے شک

فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰی ۠﴿۱۲۸﴾ وَلَوْلَا ع ۱۴ ۱٦

اُس میں نشانیاں ہیں اچھی عقل والوں کے لیے اور اگر نہ

اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو۔ اور اگر تمہارے رب کی

كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا

فیصلہ پہلے ہو چکا ہوتا تمہارے رب کی طرف سے تو البتہ یقیناً ہو جاتا عذاب ابھی واجب

ایک بات نہ گزر چکی ہوتی تو ضرور عذاب انہیں لپٹ جاتا

وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی ؕ﴿۱۲۹﴾ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا

اور (نہ ہو چکی ہوتی) مدت مقرر تو صبر کیجئے اس پر جو

اور اگر نہ ہوتا ایک وعدہ ٹھہرایا ہوا۔ تو اُن کی باتوں پر صبر کرو

يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ

وہ کہتے پھرتے ہیں اور تسبیح پڑھتے رہئے اپنے رب کے حمد کی

اور اپنے رب کو سراہتے ہوئے اس کی پاکی بولو سورج

طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا ۚ وَمِنْ

طلوع سورج سے پہلے (فجر) اور اس کے غروب سے پہلے (ظہر و عصر) اور

چمکنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اور رات کی

اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ

رات کی گھڑیوں میں سے (عشاء و تہجد) اور دن کے کناروں پر آنے کے وقت (نماز مغرب)

گھڑیوں میں اس کی پاکی بولو اور دن کے کناروں پر

لَعَلَّكَ تَرْضٰى ﴿۱۳۰﴾

تاکہ تم خوش و خرم رہو

اس امید پر کہ تم راضی ہو

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں حد سے بڑھنے والوں کے برے انجام کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں عذاب سے بچنے کا طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ پچھلوں کے برے انجام سے عبرت پکڑو۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں گزشتہ کافر امتوں پر دنیوی عذاب والی تنگ زندگی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں موجودہ کفار پر جلدی عذاب نہ آنے کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی ان باتوں کا ذکر ہوا جو قیامت میں عذاب سے اندھے ہونے کے بعد انتہائی عاجزی سے اللہ تعالیٰ سے کریں گے اور جواب پائیں گے۔ اب ان آیت میں کفار

کی ذہنوں مغروروں کی باتوں اور اُن پر صبر کرنے کی تلقین فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰكِنِهِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّهٰى ۔ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ۔ اَ ہمزہ سوالیہ انکاری کے لیے فَ زائد لَمْ یَهْدِ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق واحد مذکر غائب هُدًی سے مشتق ہے بمعنی راہ ملنا۔ سمجھ آنا۔ عبرت لینا عبرت ملنا یا دینا یہاں ہر معنی درست ہے یَهْدِیْ تھا لَمْ جازمہ کی وجہ سے آخر کی ی گر گئی ایک قرأت میں اَفَلَمْ نَهْدِ ہے۔ جمع متکلم سے مرجع اللہ تعالیٰ لام جارہ تعدیہ نفع کا هُمْ ضمیر جمع کا مرجع مَنْ موصولہ جو جنسی جمع ہے۔ اسی باطنی جمعیت کی وجہ سے هُمْ جمع ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ یَهْدِ کا كَمْ اسم مبنی غیر متمکن خبریہ ہے اسماءِ کنایات میں سے ہے کنایہ عددی ہے بمعنی بہت ساری یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے یہاں بھی مضاف ہے مگر اس کا مضاف الیہ قرونٍ یا قرنٍ ہے جو مَا بعد مِنَ الْقُرُوْنِ کے قرینے سے برائے تخفیف حذف کر دیا گیا چونکہ خبر اکثر ذاتی ہوتی ہے اس کے بعد فعل متکلم واحد یا جمع ہوتا ہے اور ماضی یا بمعنی ماضی ہوتا ہے خیال رہے کہ کنایات کا معنی پوشیدہ لفظ وہاں استعمال کیا جاتا ہے جہاں کوئی مبہم بات پوچھنے یا یاد دلانے کا مقصد ہو یہاں یاد دلایا جا رہا ہے دراصل تھا كَمْ قُرُوْنٍ۔ محذوف اضافت یا کوئی بھی محذوفہ چیز ترکیب میں شامل نہیں ہو سکتی۔ اس لیے ترکیب نحوی میں صرف كَمْ ممیز ہے۔ یہی فرق ہے پوشیدہ اور محذوفہ الفاظ میں۔ اَهْلَكْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم معروف اثبت اس کا فاعل ضمیر صیغہ نَحْنُ مستتر ہے قَبْلَهُمْ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ اَلْقُرُوْنِ اسم جمع مذکر سالم معرّف باللام کی وجہ سے جمع کثرت ہے اس کا واحد ہے قرن بمعنی بستی (رہائشی علاقہ) موصوف ہے یَمْشُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب مَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنی چلنا۔ پھرنا۔ گزرنا۔ سفر کرنا۔ یہاں مراد سفر کرنا ایک قرأت میں تَمْشُوْنَ جمع حاضر ہے اہل مکہ کو خطاب ہے یہاں مراد سفر کرنا فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ کے لیے مَسٰكِنِ اسم جمع مکسر ہے مَسْكَنٌ کی اسم ظرف ہے یہاں جا ید ہے بمعنی گھر سکونت کی جگہ مضاف الیہ مرجع قُرُوْنٍ ہے مراد ہے بستی والے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَمْشُوْنَ کا اس کا فاعل هُمْ پوشیدہ کا مرجع هُمْ والا مَنْ ہے یَمْشُوْنَ اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ استفہامیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف تحقیق فِیْ ذٰلِكَ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ اسم مفعول اپنے نائب فاعل مستتر ضمیر صیغہ هُوَ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اِنَّ کی خبر مقدم۔ لَامْ گئے تاکیدیہ

آیٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم بحالتِ نصب اس لیے جر آیا منصوب ہے اسم اِنَّ ہونے کی وجہ سے ہے۔ موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ لام جارّہ۔ اُوْلِیْ اسم جمع جامد بمعنی جامد اس لیے کہ اس کا واحد تثنیہ نہیں ہوتا بحالتِ نصب وجر اُولِیْ ہوتا ہے اور بحالتِ رفع (رپیش) اُولُو ہوتا ہے یہاں مجرور ہے ہمیشہ مضاف اسم ظاہر کی طرف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ضمیر نہیں ہو سکتی جیسے کہ ذُوْ اسی تشبیہ کی بنا پر بعض لوگوں نے ذو کو اس کا واحد بتایا ہے مگر وہ غلط ہے اعراب میں بھی یہ ذُوْ کا مشابہ ہے مضاف ہے اَلنُّھٰی اسم جمع مکسر اسم مقصور اس کا واحد نُھْیَۃٌ نَھْیٌ سے مشتق اسم مبالغہ ہے بمعنی بہت منع کرنے والا بروزنِ فُعْلَۃٌ ظُلْمَۃٌ اب اسم جامد ہو کر بمعنی پاکیزہ عقلِ سلیم ہے۔ اسم مقصور کے تینوں اعراب تقدیری ہوتے ہیں یہاں بحالتِ جر ہے مضاف الیہ ہے اُولِیْ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مُثْبَتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا مثبتٌ پوشیدہ، اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی آیت کی یہ مرکب توصیفی اسم اِنَّ مؤخر سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا واؤ یہ جملہ تو حرفِ شرط۔ لَا حرفِ نفی مشبہ بلیس کَلِمَۃٌ اسم مفرد جامد آخر کی تٌ وحدت کی ہے بمعنی بات۔ مراد ہے تقدیری فیصلہ سَبَقَتْ باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب ھِیَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مِنْ رَّبِّکَ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے سَبَقَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہوئی لَا مشبہ کی کَلِمَۃٌ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَجَلٌ اسم مفرد جامد بمعنی مدت اس کی جمع مکسر ہے اٰجَالٌ مُّسَمًّی اسم مفعول باب تفعیل سے واحد مذکر سُمُوٌّ یا سِمْیٌ سے مشتق ہے دراصل مُسَمَّیٌ تھا ماقبل مفتوح کی وجہ سے ی کو الف سے بدلا پھر پڑھنے میں آسانی کے لیے الف کو گرا دیا گیا اور ی کی تنوین منصوب علامت الف بن کر لوٹ آئی مُسَمًّی ہو گیا اس کا مصدر ہے تَسْمِیَۃٌ اور تَسْمِیٌ بمعنی مقرر کرنا۔ نام رکھنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ صفت ہے اَجَلٌ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے کَلِمَۃٌ پر دونوں عطف مل کر لَا و مشبہ کا اسم ہوا لَا اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ شبیہ ہو کر یا جملہ اسمیہ ہو کر شرط ہوئی لَکَانَ۔ لام کٹنے تاکیدیہ جزائیہ یہاں فَ جزائیہ نہیں آسکتی کیونکہ جزا ماضی مطلق ہے بغیر قَدْ کَانَ فعل ناقصہ ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے مرجع ہے وَ لَعَذَابُ الْاٰخِرَۃِ۔ لِزَامًا۔ اسم مصدر باب مُفَاعَلَۃٌ کا دوسرا مصدر بروزنِ فِعَالٌ یہاں یا بمعنی لَازِمٌ اسم فاعل یعنی ابھی لازم اور واجب ہو جانے والا یا بمعنی مُلْزِمٌ اسم ظرف واجب ہونے کا وقت یا جگہ یعنی اسی وقت یا اسی جہان میں لازم ہونے والا۔ ایک قول میں لزام مصدر نہیں بلکہ لَازِمٌ اسم فاعل کی جمع ہے جیسے قائم کی جمع قِوَام ہوتی ہے۔ ایک قول میں اسم آلہ ہے مبالغہ کے لیے اگر مصدر ہے تو بروزنِ خِصَام ہے اگر اسم آلہ ہے تو بروزنِ حزام و رکاب بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے کَانَ ناقصہ کی کَانَ

دونوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر جزا یہ شرط سے جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ ۔ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۔ فَ حرف زائدہ اِصْبِرْ باب ضرب کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر صَبْرٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے برداشت کرنا اصطلاح میں اپنی طبیعت کو جبراً کسی کام سے روکنا یہاں لغوی ترجمہ مراد ہے عَلٰی جارّہ موجبہ کا (اپنے معنی میں) مَا اسم موصول بحالتِ کسرہ مبنیات میں سے ہے يَقُوْلُوْنَ فعل مضارع با فاعل پوشیدہ ضمیر بصیغہ مرجع ہے مُشْرِكُوْنَ کا فاعل اصل لگتہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے اِصْبِرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا بعض نحویوں کے نزدیک فَ تعلیلیہ یا سببیہ اور یہ جملہ اگلی تمام عبارت تَرْضٰى تک اکے عطف سے مل کر مسبّب یا معلول ہے اَصْل مُشْتَقّ کا وَاللہُ اَعْلَمُ ۔ واؤ مبر جملہ سَبِّحْ باب تفعیل کا امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَسْبِيْحٌ سَبْحٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے اتنا تیز چلنا کہ سوائے چلنے اور راستہ بنانے کے کچھ اور نہ سوجھے نہ کسی طرف دھیان جائے اسی معنی میں تیرنے کے لیے بھی بوجہ تیزی یہ لفظ استعمال کیا گیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد اور شانِ الٰہی ورد کرنے کے لیے بھی یہ لفظ باب تفعیل میں لا کر استعمال کیا گیا کیونکہ اصل تسبیحِ الٰہی یہی ہے کہ ایسا انہماک و مشغولیت ہو کر کسی دوسری طرف دھیان نہ جائے ۔ بِ جارّہ تعدیہ کی حَمْدِ اسم مصدر حاصل مصدر جامد بمعنیٰ ذات و صفات کی شان کا تذکرہ یا وِرد کرنا رَبِّكَ مرکب اضافی ہے حَمْدِ رَبِّكَ دبل مرکب ہے مجرور ہو کر متعلق ہے قَبْلَ اسم ظرف ہے ہمیشہ مضاف کبھی ظاہر کا کبھی پوشیدہ کا اگر ظاہر مضاف الیہ ہو تو یہ معرب ہوتا ہے اگر مضاف الیہ پوشیدہ ہو تو مبنی ہوتا ہے ضمہ پر کبھی ظرف زمانی ہوتا ہے کبھی مکانی کبھی رُتبی یہاں زمانی تقدم ہے طُلُوْعِ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ بروزنِ فُعُوْلٌ قُعُوْدٌ، خُرُوْجٌ، جُهُوْلٌ وغیرہ یہ مصدر مضاف ہے اَلشَّمْسِ اسم مفرد مؤنث لفظی فاعل مضاف ہے الیہ مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مضاف الیہ قَبْلَ کا یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَبْلَ غُرُوْبِهَا اسی ترکیبِ نحوی سے معطوف ہوا دونوں مل کر ظرف ہوا سَبِّحْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا ۔ واؤ مبر جملہ مِنْ جارّہ تبعیضیہ اٰنَآءِ اسم جمع مکسر منصرف اس کے واحد میں چند قول ہیں ۱۔ اِنًی ۲۔ اِنْوٌ ۳۔ اِنًا ۴۔ اَنًا ۵۔ اِنَاءٌ ۶۔ اَنٰى بمعنیٰ وقت کا کچھ حصہ مضاف ہے اس کی اصل اٰنَاءٌ ہے اَلَّيْلِ اسم مفرد جنسی اس کی جمع لَيَالِىْ ۔ اَلْيَالُ اس کی تصغیر ہے لُيَيْلَةٌ اسی لیے یہ لفظ مؤنث لفظی ہے یہ مضاف الیہ ہے اٰنَآءِ کا محلاً (پوشیدہ طور پر) یہ منصوب ہے کیونکہ ظرف مگر لفظاً (ظاہراً) مجرور ہے مِنْ حرف جر کی وجہ سے یہ جار مجرور محلاً معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ اَطْرَافَ اسم جمع مکسر قلت

اس کا واحد ہے طرف بمعنی کنارہ اَلنَّھَار ظرف کا لغوی معنی ہے انتہا اصطلاحی ابتدا اور انتہا کو طرف کہتے ہیں اسم مفرد جنسی یعنی جمع کے لیے بھی آتا ہے بعض نے کہا کہ اس کی جمع اَنْھُر ہے۔ نَھَار بمعنی روشن وقت مراد ہے نہار شرعی یعنی طلوع سے غروبِ شمس تک اَطْرَافَ النَّھَارِ غروبِ آفتاب کا وقت ہے یعنی مغرب (شام) مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مِنْ اٰنَآءِ کے محل پر معطوف ہے اس لیے اطراف منصوب ہے ایک قرأت میں وَاَطْرَافِ النَّھَارِ ہے وہ لفظاً عطف مانتے ہیں دونوں عطف مل کر فَسَبِّحْ امر کا ظرف ہے۔ سَبِّحْ فعل امر اپنے پوشیدہ اَنْتَ ضمیر صیغہ فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ لَعَلَّکَ تَرْضٰی۔ لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل تعلیلیہ لام کَے کے معنی میں بمعنی "تاکہ" کَ ضمیر مذکر حاضر منصوب متصل اسم ہے لَعَلَّ کا تَرْضٰی باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر ایک قرأت میں تُرْضٰی مجہول ہے اَنْتَ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر خبر لَعَلَّ۔ لَعَلَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معلول ہوا سَبِّحْ کا خیال رہے کہ لَعَلَّ اَمَلاً امید کے لیے ہوتا ہے۔ مگر کبھی تعلیل کبھی استفہام اور کبھی اندیشے کے معنے میں بھی آتا ہے مگر عمل میں سب جگہ ایک طرح ہے۔ ان آیت میں خطاب بھی واحد مذکر حاضر کے صیغے اور ضمیریں ہیں اُن سب کا مرجع آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ مگر مراد تمام امت ہے اور نمازوں کا یہ قانون تا قیامت مقرر فرما دیا گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَفَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا قَبْلَھُمْ مِّنَ الْقُرُوْنِ یَمْشُوْنَ فِیْ مَسٰکِنِھِمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّھٰی وَلَوْلَا کَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی۔ اے حبیب کریم کیا اب بھی ان کفارِ مکہ کو ہدایتِ عقلی نہیں نہ ملے گی۔ واقعۂ آدم و حوا سن لیا۔ انسانی بشری کمزوریوں کو سمجھ لیا۔ ابلیس کی ابدی دشمنی کو جان لیا سابقہ امتوں کا ایسی راستوں پر چلنے کفر و شرک کرنے والے انجام ان کی اُجڑی بستیوں کا مشاہدہ شام و فلسطین کے آتے جاتے سفروں میں اپنی آنکھوں سے کر لیا کہ ان جیسے کتنے ہی گستاخ موذیوں ضدیوں کو ہم نے چند لمحوں میں ہلاک کر ڈالا نہ کوئی بچ سکا نہ کوئی ان کو بچا سکا یہ موجودہ کفار ان ہلاک شدگان سابقہ کفار کی ویران بستیوں خراب مسکنوں ٹوٹے گھروں میں چلتے گزرتے ہوئے دیکھتے تاریخیں پڑھتے ہی ہیں سب واقعات کو جانتے ہوئے بھی عبرت کی ہدایت نہیں لیتے بے شک ان واقعات و حالات اور جغرافیائی مقامات میں تو تمام عقلِ سلیم طبعِ حلیم اور فہم کثیر والوں کے لیے بہت سی دنیوی اُخروی ایمانی عرفانی نشانیاں ہیں جو ہدایتِ حق میں واضح اور دلائلِ حق پر ظاہر ہیں۔ اور اے حبیبِ کریم اگر آپ کے رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ ہونے کا کلمہ اور ماکان

اللہ لَیُعَذِّبَھُمْ وَ اَنْتَ فِیْھِمْ کا فیصلہ ازلیہ آپ کے پروردگار کی طرف سے پہلے نہ ہو چکا ہوتا تو وہی ہیبل بدبخت قوموں والا عذاب اور وہی اَجَلِ مُّسَمًّی ان پر بھی ابھی دینا ہیں لازم و نازل دار دو ہلاک ہو جاتا اور حسبِ سابق آئندہ نسلوں کے لیے یہ بھی عبرت و حسرت کا سامان بن جاتے کہ جس طرح یہ کفارِ مکہ اپنے سفروں میں آتے جاتے قومِ ثمود اور عاد۔ و قومِ لوط کی اُجڑی ویران بستیاں دیکھتے ہیں اور طوفانِ نوح و غرقِ فرعون کا واقعہ پڑھتے سنتے ہیں اسی طرح اگلے آئندہ لوگ ان کا بھی حالِ بربادی جانِ بلا کی دیکھتے تو بہ توبہ کرتے سورۃ انفال کی اس آیت ۳۳ نے ان کو یہ مہلت دلائی ہے محققین فرماتے ہیں کہ کفارِ مکہ کو یہ ڈھیل دینے کی تین حکمتیں ہیں ایک یہ کہ ان کو سوچنے سمجھنے توبہ کرنے کا وقت دینا ہے تاکہ وہ ایمان لے آئیں یہ انعام و اکرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمتِ عالمین ہونے کی وجہ سے دوم حکمت یہ کہ ان کی آئندہ نسلیں مومن ہوں گی یہ مہلت اور زندگی نسلیں پیدا کرنے کے لیے ملی سوم یہ کہ فرق رہے اُمتِ محبوب اور دیگر امتوں میں اور بھی بہت حکمتیں ہو سکتی ہیں۔ اور یہ فیصلہ ارواحِ انبیا ملائکہ مقربین علیہم السلام کو عالمِ ازل میں بتا دیا گیا کتب و صحائف اور لوحِ محفوظ میں لکھ دیا گیا ہے تاکہ کسی مقرب بارگاہ سے مخفی نہ رہے۔

مفسرین کے مختلف اقوال

اَفَلَمْ یَهْدِ لَهُمْ کے معنی میں تین قول ۱ اُجڑی بستیوں کو دیکھ کر ہدایت لینا ۲ ہدایت سے مراد ظاہری بیان اور عبرتِ ظاہری ۳ ہدایت دیا جانا ہدایت نصیب ہونا۔ یعنی کیا اللہ تعالیٰ یا رسولُ اللہ یا قرآن سے بھی ان بدقسمتوں کو ہدایت نہیں ملتی۔ قُرُوْن میں مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ سات قوموں پر عذاب آئے ۱ قومِ نوح ۲ قومِ لوط ۳ قومِ عاد ۴ قومِ ثمود ۵ قومِ شعیب ۶ قومِ فرعون ۷ اصحابِ فیل۔ مگر یہاں مراد قومِ لوط و عاد و ثمود ہے۔ اس لیے کہ بستیوں کے اندر مع بستیوں کے صرف ان تین قوموں پر عذاب آیا اور صرف ان کی ٹوٹی بستیوں کے نشانات کھنڈرات باقی رکھے گئے اس لیے کہ انہوں نے اپنی بستیوں پر ناز کیا تھا کہ ہم کو یہ مضبوط مکان عذابِ الٰہی سے بچا لیں گے۔ پہلی قومِ نوح اور پھر قومِ فرعون پر پانی سے عذاب آیا۔ قومِ نوح کے پاس پانی چل کر آیا اور بہا کر لے گیا۔ اور قومِ فرعون خود چل کر پانی کے پاس آئی۔ قومِ شعیب پر گرمی کا عذاب آیا وہ تہ خانوں میں گھس گئے وہاں بھی گرمی لگی تو جنگل کی طرف بھاگے وہاں کالی بدلی آئی سب خوش ہو کر ایک درخت کے نیچے جمع ہو گئے کہ شاید ٹھنڈی بارش ہو گی مگر اس میں سے آگ برسی بجلی کڑکی اور سب جل بھن کر

ہلاک ہو گئے۔ وہاں فی دیارِ ھِمْ جَاثِمِیْنَ فرمانے سے مراد ان کی جائے پناہ جنگل کا درخت ہے اصحابِ فیل پر بھی ابابیل کا عذاب اُن کے علاقوں سے بہت دور جنگل میں آیا جو وادی محسر عرفات و مزدلفہ کے درمیان ہے اُن کی اپنی بستی سے دور۔ یَمْشُوْنَ سے مراد ہے شام و فلسطین کی طرف سفر کرتے ہوئے اُن بستیوں کے اندر سے گزرنا اور اُن کے ٹوٹے پھوٹے اُجڑے ویران گلی محلوں گھروں سڑکوں کمروں میں بکھرے سامانوں کو دیکھنا اُوْلِی النُّھٰی میں دو قول ہیں ۱۔ اِس سے مراد کامل مکمل صحیح اچھی سچی مفید کار آمد عقلِ سلیم لفظِ عقل ہر ایک کی ہر قسم کی عقل پر مستعمل ہے۔ مفید غیر مفید۔ ناکارہ کار آمد بچے جوان بوڑھے جانور حیوان کی اچھی بُری عقل پر۔ گویا کہ ہر نہٰی عقل ہے مگر ہر عقل نہٰی نہیں اِن دونوں میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ۲۔ نُہٰی سے مراد تقویٰ طہارت پاکیزگی ظاہری باطنی۔ وَرَعٌ۔ اور اُولُوالعزم ہونا۔ کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ سے مراد ازلی قدیمی تقدیرِ مبرم کا فیصلہ جس کا ذکر کتبِ سابقہ توریت و انجیل میں ہے کہ آخری اُمتِ دعوت کو اُن کے نبی رحمۃٌ عالمین کی تا قیامت ان میں موجودگی کی وجہ سے دنیا میں عذابِ آسمانی سے ہلاک نہ کیا جائے گا یہ اکرام ہے مصطفیٰ پر خدا کا۔ اور رحمت ہے یہ اُمتِ آخری پر۔ اسی کی یہاں قرآن مجید میں بھی صراحت فرمائی جا رہی ہے (تفسیر کبیر معانی بیان مظہری) اَجَلٌ مُّسَمًّی میں چار قول ہیں ۱۔ یہ عطف ہے لَکَانَ کے اسم پوشیدہ پر۔ یہی ہم نے تفسیر عالمانہ میں اختیار کیا ہے۔ یعنی اَلبتہ ہو جاتا وہ عذاب اور مسمّی مدت ابھی ابھی لازم ذمانہ ۲۔ یہ عطف ہے کَلِمَۃٌ پر اور مراد ہے قیامت کا دن ۳۔ مراد ہے یوم بدر قتل کفار کا دن ۴۔ مراد ہے موت کا وقت کیونکہ صرف موت تک کفار کو آرام ہے مرتے ہی عذاب شروع اور اَجَلٌ مُّسمّی اُن کی دنیوی زندگی کی پوری مدت ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِھَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّھَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی۔ اے محبوب عالمین ابھی کچھ مدت اور صبر کیجئے۔ کسی عتاب عقاب جلال و سزا کی جلدی نہ فرمائیے یہ ہم جانتے ہیں کہ موجودہ کفارِ مکہ اپنی گستاخیوں ایذاؤں ضد غرور ہٹ دھرمیوں میں پچھلی تمام کافر اُمتوں سے بڑھ کر بدفطرت اور بدترین ہیں ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ کو اپنے غریب بےکس بےبس مجبور۔ اور کنبہ کے ہاتھوں مظلوم صحابہ کی تکلیفیں اور برداشت سے باہر ایذائیں غمگین کئے ہوئے ہیں حالانکہ آپ اپنی قوتِ نبوت سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ لیکن ابھی ان کی باتوں گستاخیوں بدتمیزیوں پر تحمل و صبر کیجئے اور صبر کا بہترین تسکین آمیز سکون بخش طریقہ یہ ہے کہ پیغمبر ہمہ تن مشغول ہو کر اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھئے کبھی سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ کبھی رکوع کرتے ہوئے سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْمِ کبھی سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کبھی قومہ میں سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ رَبَّنَا لَکَ الْحَمْد

کبھی تشہد میں اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ کے پیارے الفاظ. کبھی جلسہ میں اللہ اکبر کی دلکش تکرار بِحَمْدِ رَبِّکَ اے نورانی اداؤں والے محبوب. تسبیح خوانی ایسی ہو کہ اپنے ربِّ جمیل کی حمد بھی ساتھ ساتھ ہوتی رہے قیام میں سورۃ فاتحہ سے قومہ میں سَمِعَ اللّٰہ سے علما فرماتے ہیں کہ ہر عبادت میں تسبیح پہلے ہونی چاہیے اور حمد بعد میں اس لیے کہ تسبیح پاکیزگی بیان کرنی ہے جو عیوبِ نقائص کی ذات جلّ و تعالیٰ سے نفی کرنا ہے یہ پہلے ہونا چاہیے کہ تمام کفریات کا ردِّ بلیغ ہے اور حمدِ الٰہی شان و صفات و قوت و کمال قدرت و جلال رحمت و جمال کا ثبوت و ایجاب بیان کرنا ہے. تسبیح ردِّ کفر ہے تحمید اقرارِ ایمان ہے. تسبیح و تحمید کا مکمل اور بہترین نقشہ اسلامی نماز ہے جس طرح درود شریف وہ مکمل جس میں صلوٰۃ بھی ہو سلام بھی. ہو اس لیے فقہاءِ اربعہ کے نزدیک درودِ ابراہیمی نماز کے علاوہ ممنوع ہے بعض فقہا نے صلوٰۃِ تُنَجِّیْنَا میں وسلم پڑھنے کا حکم دیا جس کسی نے صلوٰۃِ تُنَجِّیْنَا بغیر سلام کے بنایا وہ اَجْهَلْ تھا. اسی طرح ذکرِ الٰہی وہ مکمل جس میں تسبیح اور حمد دونوں ہوں یہی صوفیا کا ذکرِ نفی و اثبات ہے. اے محبوب کائنات یادِ الٰہی کا طریقہ یہ تسبیح و تحمید ہے جس کا دوسرا نام اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ہے مگر اس کے اوقات روزانہ دن رات کے پانچ حصے ہیں. پہلا یہ کہ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ طلوعِ آفتاب سے پہلے یعنی نمازِ فجر دوسرا یہ کہ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا. سورج ڈوبنے سے پہلے یعنی نمازِ عصر ایک قول میں ظہر و عصر دونوں، کیونکہ دونوں ڈھلتے سورج میں غروب سے پہلے پہلے ہیں. تیسرا وقت وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ. رات کے حصوں میں جو تین ہیں ۱ سورج ڈوبتے ہی مغرب کی نماز. شفق ڈوبتے ہی نمازِ عشاء و نمازِ عشاء کے پڑھتے ہی نماز وتر پھر سو کر جاگنے کے بعد نمازِ تہجد. جو آپ کے لیے فرض ہے اور آپ کی اُمت کے لیے تا قیامت نہایت شان و اہتمام والے نفل ہیں. فَسَبِّحْ اِنْ رات کے اَوْقات میں بہت ہی ذوق و شوق سے اپنے رب کی تسبیح پڑھیے. اس لیے کہ یہ رات کے اوقات اللہ تعالیٰ کے لیے محبوب ہیں انبیا کے لیے موصول ہیں اولیا کے لیے مسرور ہیں. دنیا داروں کے لیے مجوب ہیں. خیال رہے کہ ان پانچ وقتوں میں پانچ نمازیں مقرر کرنیکی دو حکمتیں ہیں. ایک یہ کہ پہلا وقت غفلت کا ہے اس میں ابلیس کا وسوسہ اور نفسِ اَمّارہ کا تسلُّط ہوتا ہے. اسی وقت میں غافلوں کو غفلت سلاتی ہے. عاشقوں کو عشقِ الٰہی جگاتا ہے اور عاقلوں کو ان کا قلب ابلیس و نفس سے لڑاتا ہے دوسرا وقت صنعت و محنت مزدوری کا ہے. تیسرا مشغولیت کا چوتھا تھکاوٹ اور کھانے پینے آرام کا. پانچواں وقت نوم و استراحت کا انہی وقتوں میں سچے. جھوٹے. نیک و بد. غافل و عاقل کافر و مومن بندے کا امتحان ہوتا ہے. یعنی وقتِ فجر غفلت کا وقتِ ظہر کاروبار کا وقتِ عصر کاروبار سمیٹنے کی مشغولیت کا وقتِ مغرب تھکاوٹ کا وقتِ عشا استراحت کا. دوسری حکمت یہ کہ پانچ قوموں پر ان پانچ

وقتوں میں عذاب آیا۔ اس لیے اہلِ ایمان پر جلالِ قہر سے بچنے اور خوفِ الٰہی سے لرزنے کے لیے ان پانچ وقتوں میں استغفار اور یادِ ربانی کی حمد و تسبیح والی پانچ نمازیں فرض ہوئیں۔ پہلا عذاب قومِ نوح پر ظہر کے وقت دوسرا قومِ لوط پر فجر کے وقت تیسرا عذاب قومِ عاد پر رات میں عشا کے وقت، چوتھا عذاب قومِ ثمود پر مغرب کے وقت پانچواں عذاب قومِ فرعون اور قومِ شعیب۔ اور اصحابِ فیل پر عصر کے وقت اسی وجہ سے اہلِ ایمان مسلمانوں پر ان وقتوں میں نماز فرض کی گئی تاکہ بندہ بندگی کی عاجزی کرتا رہے اور بطشِ ربانی سے ڈرتا رہے۔ اور اے آقائے کائنات محبوبِ کل لَعَلَّكَ تَرْضٰی۔ تاکہ تم دنیوی عزت و شان سے صحابہ کی فتوحات سے آئندہ نسلوں کی ایمانیات سے اُخروی انعامات سے اُمت کے درجات سے مظلوم صحابہ کے اعزازات سے نیکوں کے ثواب سے گناہگارانِ اُمت کی شفاعت سے خوب خوب راضی ہو جاؤ۔ صبر سیڑھی ہے بلندیٔ درجات کی نماز منزل ہے راحت و سُرور کی صبر سے اذیت کا دُکھ اور نماز سے مصیبت کا غم دور ہوتا ہے۔ سکونِ قلبی ملتا ہے۔ ثوابِ حقیقیہ دیدارِ الٰہیہ ہے اور عذابِ حقیقیہ دیدار سے اندھا اور محروم کیا جانا ہے۔ صبرِ حقیقیہ انتظارِ وعدہ ہے انتظار میں سکون کے لیے نماز ہے اور نماز کے لیے تسبیح و تحمید ہے صبر و نماز ہی ہر فتح مندی کی چابی اور کامرانی کے قدم ہیں کفارِ مکہ پانچ طرح سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچاتے تھے ۱۔ غریب صحابہ کو مار پیٹ کر ۲۔ قرآن مجید کی تکذیب کر کے ۳۔ آپ کی نبوت کا انکار کر کے ۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ساحر کاہن یا مسحور و مجنون کہہ کر ۵۔ ایمان اسلام و عبادت کو بُرا بھلا کہہ کر۔ اور اللہ تعالیٰ کی گستاخیاں کر کے۔

اصطلاحِ شریعت میں دن کے حصوں کو طرف کہا جاتا ہے اس کی جمع اطراف ہے یہ بھی تین ہیں اور رات کے حصوں کو اِناء کہا جاتا ہے اس کی جمع آناء ہے یہ بھی تین ہیں۔ اطرافِ یوم ۱۔ صبح ۲۔ دوپہر ۳۔ پچھلا پہر۔ فقہا فرماتے ہیں کہ پہلے پہر یعنی صبح کی تسبیح و تحمید نوافلِ چاشت و اشراق ہیں۔ دوپہر کی تسبیح و تحمید نمازِ ظہر۔ پچھلے پہر نمازِ عصر۔ رات کا پہلا اِناء مغرب دوسرا عشا تیسرا تہجد۔ غرضکہ دن کے اطراف میں پہلے نفل پھر دو طرفوں میں فرض۔ رات کے آناء میں پہلے دو میں فرض آخری میں نفل۔

فائدے

ان آیات سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان کو چاہیے کہ عبادت کر کے بھی اللہ کا شکر کرے اس کا احسان مانے اور مزید عبادت کی ہمت و توفیق مانگتا رہے اسی لیے ہر نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھائی گئی کہ اس میں اِیَّاكَ نَعْبُدُ کے بعد اللہ تعالیٰ سے مزید توفیق مانگتے رہنے کی دعا ہے کہ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ اے اللہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور آئندہ تا عمر عبادت کی ہمت رغبت شوق و ذوق ملنے

کے لیے بھی ہم تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔ یہ فائدہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ میں بِ کو استعانت کی ماننے سے حاصل ہوا۔ یعنی تسبیح پڑھئے اپنے رب کی حمد سے مدد مانگتے ہوئے (مظہری) دوسرا فائدہ۔ افضل ذکر وہ ہے جو رات میں کیا جائے کیونکہ رات میں پانچ خصوصیات ہیں ۱۔ رات کو جاگنا نفس پر گراں ہے ۲۔ بدن پر مشقت زیادہ ہے اور مشقت کی عبادت و نفس کی مخالفت پر ثواب زیادہ ہے ۳۔ رات کی عبادت میں راحتِ روحانی ہے ۴۔ سکونِ قلبی ہے ۵۔ رات وقتِ خاموشی ہے یہ فائدہ رات کا ذکر کرتے ہوئے آنَاءِ اللَّيْلِ پہلے اور فَسَبِّحْ کا حکم بعد میں فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ صحیح عقل صرف وہی ہے جو دین ایمان کو پہچانے دنیا سازی دنیا پرستی والی عقل خواہ کتنی ہی تیز طرار ہو صحیح عقل نہیں اس کو عقلِ عیار تو کہا جا سکتا ہے مگر سچی پکی عقلِ سلیم نہیں کہا جا سکتا یہ فائدہ لِأُولِي النُّهَىٰ فرمانے سے حاصل ہوا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ أُولِي النُّهَىٰ کے لیے عبرت کی نشانیاں ہیں اور نشانیاں سمجھنے والوں کو ہی فقط دین کی ہدایت و معرفت حاصل ہے۔

احکامُ القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ۔ کا یہ جملہ سورۂ توبہ کی آیت سیف سے منسوخ ہے یہ مسئلہ فَاصْبِرْ والے سے پہلے أَجَلٌ مُّسَمًّى کے میعادی جملے سے مستنبط ہوا۔ یعنی اے حبیب ابھی آپ حسبِ سابق صبر جاری رکھئے جب أَجَلٌ مُّسَمًّى آئیگی یہ فَاصْبِرْ کا حکم ختم کر دیا جائے گا۔ ناسخ منسوخ کا پورا تفصیلی بیان ہمارے فتاویٰ العطایا جلدِ دوم میں دیکھئے۔ دوسرا مسئلہ۔ تمام فقہاءِ کرام متفق اس آیت فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے۔ نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب مانتے ہیں۔ کیونکہ فرمایا گیا فَسَبِّحْ۔ اس سے پہلے فَاصْبِرْ ہے۔ اور قرآن مجید میں تقریباً ہر جگہ صبر کے ساتھ نماز ہی کا ذکر ہے تو اس قرآنی طرزِ بیانی سے ثابت ہوا کہ فَاصْبِرْ عَلَىٰ مَا يَقُولُونَ فَسَبِّحْ میں تسبیح سے مراد نماز ہی ہے اگلے اوقات بھی نماز ہی کو ثابت کر رہے ہیں اور تسبیح کو بِحَمْدِ سے مقید فرمایا گیا۔ اور مکمل حمد سورۂ فاتحہ ہی ہے یہ مسئلہ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ نصِ امر اور بِحَمْدِ کی بٌ نے وجوب ثابت کیا۔ تیسرا مسئلہ۔ حق اور سچ یہ ہے کہ زمین قطعاً یقیناً مکمل طور پر ساکن ہے ایک جگہ پڑی ہوئی ہے وہ سائنس داں پاگل اور اُن کے بکنے پر چلنے والے مسلمان جاہل ہیں جو زمین کو متحرک اور سیارہ کہتے ہیں یہ نظریہ جاہلانہ بیہودہ و احمقانہ ہے یہ مسئلہ یہاں قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فرمانے اور قرآن مجید کی دیگر تقریباً چوبیس آیت اور بارہ احادیثِ مبارکہ سے مستنبط بلکہ ثابت اور بعض دلائل سے واضح ہے جن میں چاند سورج کے چلنے طلوع و غروب ہونے ڈھلنے اور چڑھنے اترنے

کا صراحتاً ذکر ہے۔ اور زمین کے بالکل ساکن وجامد نہ چلنے نہ ہلنے کا ذکر ہے اور جو طلوع وغروب چڑھنا ڈھلنا ہے وہی چلنا پھرنا ہے زمین کے طلوع وغروب ہونے کا کسی آیت میں کسی طرح کا کوئی ذکر نہیں نہ اشارۃً نہ دلالۃً نہ عبارۃً نہ اقتضاءً۔ اگر زمین کو سیارہ مانا جائے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی ۱ اگر زمین کو سیارہ مانا جائے اور چاند وسورج کو ساکن تو قرآن مجید احادیث پاک کے خلاف ہونے کے علاوہ خود سائنسی نظریات کے بھی خلاف ہے کہ تمام سائنسدان آسمانی فلکیات میں سات سیارے مانتے ہیں شمس قمر، زہرہ، عطارد، مشتری، مریخ، زحل۔ اور اگر شمس وقمر کو بھی سیارہ اور زمین کو بھی سیارہ مانا جائے تو دو صورتوں میں سے ایک ماننی پڑے گی یا تو ہر سیارے کی رفتار مخالف سمت ہے۔ اگر ایسا ہے تو اتنی تیزی سے دن رات بدلیں گے کہ دنیا تباہ ہو جائے اور یا مطابق سمت میں رفتار ہے تو پھر نہ کبھی کوئی طلوع ہو نہ غروب نہ رات ہو نہ دن یا ہمیشہ دن رہے گا یا ہمیشہ رات یہ وہ سوالات ہیں جہاں سب سائنس دان اور سائنس زدہ لوگ چُپ لگا جاتے ہیں۔ سکونِ زمین کے پورے دلائل ہمارے فتاویٰ جلد دوم وسوم میں دیکھیے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا اَفَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ حرفِ فَ سے اور یہی الفاظ سورۂ سجدہ آیت ۲۶ میں ارشاد ہوئے اَوَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا واؤ کے ساتھ اَفَ اور اَوَ کا یہ فرق کیوں۔ **جواب**: اس کی وجہ یہ کہ یہاں اَفَلَمْ یَھْدِ لَھُمْ کَمْ اَھْلَکْنَا اپنے سابقہ کلام اَشَدُّ وَاَبْقٰی سے متصل ہے کہ اس اَفَلَمْ یَھْدِ کے پورے کلام میں عذاب کی شدت بتائی جا رہی ہے اس طرح کہ پچھلی اُمتوں پر عذاب اَشَدُّ وَاَبْقٰی ہی آیا تھا۔ اس لیے حرفِ فَ ارشاد فرما کر پچھلے کلام کے اتصال کو واضح کیا گیا۔ لیکن سورۂ سجدہ میں اَوَلَمْ سے علیحدہ منفصل کلام ہے سابقہ سے متصل نہیں ہے لہٰذا وہاں اَوَلَمْ۔ واؤ کے ساتھ ارشاد ہوا۔ کیونکہ واؤ جمعیت کے لیے ہوتی ہے اور جمعیت غیر کو متقاضی اور غیریت سے کلام منفصل ہوتا ہے۔

دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَوْلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتْ (الخ) وہ کونسا کلمہ ہے جو سبقت لے گیا کہ اتنے سخت گستاخوں خبیثوں کو بھی دنیوی عذاب سے بچا گیا۔ **جواب**۔ اس کے جواب میں چار قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس سے مراد سورۂ اعراف کی آیت ۱۵۶ کی یہ عبارت ہے وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ کُلَّ شَیْءٍ اور حدیث پاک میں اس کی شرح کے یہ الفاظ کہ سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ عَلٰی غَضَبِیْ مگر یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ یہ آیت وحدیث تمام اُمتوں کے لیے ہے مکہ والوں سے خاص نہیں

جب کہ لَوۡلَا کَلِمَۃٌ خاص ہے ربّ کلمات قولی سے ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ہے یہ قول بھی کمزور ہے کیونکہ یہ بھی از ابتدا آخرین تمام جہانوں کے لیے ہے ۳ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد تقدیر ازلی کا فیصلہ ہے۔ لیکن یہاں پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ فیصلہ کیا ہے ۴ جمہور یعنی اکثر علماء نے فرمایا کہ اس سے مراد سورۃ انفال آیت ۳۳ میں ارشاد کردہ فیصلہ ازلیہ تقدیریہ ہے کہ مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَہُمۡ وَاَنۡتَ فِیۡہِمۡ اور یہی قول ہر طرح مضبوط صحیح ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ دن کی نمازوں میں تسبیح پہلے اور اوقات نماز بعد میں بیان فرمائے گئے۔ لیکن رات کی نمازوں میں اوقات پہلے اور نماز کا ذکر یعنی تسبیح بعد میں ارشاد ہوا۔ یعنی اوّلاً فرمایا گیا۔ وَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّکَ قَبۡلَ طُلُوۡعِ الشَّمۡسِ الخ ثانیاً فرمایا گیا۔ وَمِنۡ اٰنَآئِ الَّیۡلِ فَسَبِّحۡ **جواب**۔ رات کی خصوصی شان اور اہمیت ظاہر فرمانے کے لیے کہ دن کی نماز عقل و شریعت کی ہے اور رات کی نماز عشق و معرفت کی نماز ہے۔ اس لیے کہ رات کی عبادت میں پانچ خصوصیات ہیں ۱ دلجمعی ۲ نفسی خاموشی ۳ اطمینانِ روحانی ۴ اطمینانِ ماحولی ۵ ابلیس کا منہ توڑنا ۶ نفسِ امارہ کو موڑنا، دن میں ریا کا شائبہ ہو سکتا ہے مگر رات میں اخلاص کا یقین ہے رات کی نماز میں چار فضیلتیں ۱ اول یہ کہ اَخۡلَصُ لِلۡخُشُوۡعِ ۲ دوم یہ کہ اَحۡسَنُ لِلۡخُضُوۡعِ ۳ اَفۡضَلُ لِلثَّوَابِ ۴ اَقۡرَبُ لِلۡمُحَافَظَتِ ۵ پنجم یہ کہ اَکۡمَلُ لِلۡاَدَاءِ۔ اس وجہ سے اس کے اوقات کا ذکر پہلے ہوا۔ **چوتھا اعتراض** یہاں اَطۡرَافَ النَّہَارِ جمع فرمایا گیا۔ حالانکہ طَرَفَیِ النَّہَارِ تثنیہ فرمایا جاتا۔ کیونکہ طرف کا معنی کنارہ اور دن کے دو ہی کنارے ہوتے ہیں ۱ صبح ۲ شام **جواب**۔ اس کا ایک جواب ہم نے تفسیر عالمانہ میں دیا۔ کہ طرف کا معنی حصہ اور دن کے تین حصے ہوتے ہیں۔ ایک طرفِ اوّل سورج کے چڑھنے کا وقت دوم طرفِ میانی چڑھائی ختم تنزل شروع سوم طرفِ آخر غروبِ آفتاب حقیقی اس گنتی سے اطراف جمع فرمانا بالکل درست ہے دوسرا جواب یہ کہ بعض نحوی لوگ فارسی زبان کی طرح عربی میں بھی کم از کم جمع دو کر کہتے ہیں ان کا یہاں لحاظ کرتے ہوئے اطراف سے مراد دو کنارے ہیں یہ جواب تفسیر کبیر نے دیا مگر یہ تسلی بخش جواب نہیں کیونکہ اکثریت علماء عرب کی اس کو نہیں مانتے نیز قرآن مجید غیر معتبر قوانین کا کہیں لحاظ نہیں فرماتا۔

تفسیر صوفیانہ

اَفَلَمۡ یَہۡدِ لَہُمۡ کَمۡ اَہۡلَکۡنَا قَبۡلَہُمۡ مِّنَ الۡقُرُوۡنِ یَمۡشُوۡنَ فِیۡ مَسٰکِنِہِمۡ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی النُّہٰی۔ وَلَوۡلَا کَلِمَۃٌ سَبَقَتۡ مِنۡ رَّبِّکَ لَکَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّی۔ تجرباتِ عالم میں نکاتِ

خلوت کرنے کے بعد بھی اگر کسی کو اس کی عقل ہدایت نہ دے تو یہ اہلِ معرفت کے نزدیک انتہائی بدنصیبی ہے مشاہداتِ عالم کے یہ آثار چڑھاؤ۔ رنگ و بو۔ موت و حیات۔ بہار و خزاں۔ فنا و بقا کے یہ مناظر جو چشمِ بینا سے ہر اہلِ نظر رات دن ہوتے جاگتے چلتے پھرتے دیکھتا ہے ان میں یقیناً عقل والوں کے لیے بے شمار کثیر و کثیف نشاناتِ عبرت ہیں اگر نسبت گنا ر قبض و گشاد کا فیصلہ ازلیہ قبلیت نہ ہو چکا ہوتا تو لبادۂ عیاری سجادۂ مکاری منافقات کی نیاری کو ابھی ان ہی محافلِ رنگینیاں میں پھاڑ دیا جاتا اور عبرت کی اجلِ مسمّٰی نافذ کر دی جاتی۔ مگر بتانا یہ ہے کہ بندے کی ہدایت۔ عبادت۔ ریاضت خود بندے کو ہی فائدہ دینے والی ہیں کلماتِ قدسیہ میں ہے کہ اے بندو جتو۔ انسانو اگر تم رب تعالیٰ کی عبادت میں ساری عمر گزار دو تو رب تعالیٰ کی ملکیات میں ایک ذرّے کا اضافہ نہیں کر سکتے اور اگر تم سب لوگ عبادت چھوڑ دو تو رب تعالیٰ کا ذرہ بھر نقصان نہیں ہوتا۔ عقل کی ہدایت کسبی ہے کہ اس کے لیے توجّہ فکر محنت مشقت اور خلوت کی عبادت خلوت کی ریاضت کرنی پڑتی ہے قلب کی ہدایت وہبی و عطائی ہے کہ رحمتِ الٰہیہ بخششِ ربانیہ سے خود بخود مل جاتی ہے۔ عقل کی ہدایت سے شریعت کی علمیت حاصل ہوتی ہے اور قلب کی ہدایت سے طریقت کی معرفت ملتی ہے۔ یہ استادی شاگردی۔ درس و تدریس۔ پیری مریدی بیعت واقتدا سب ہدایتِ عقل ہے اس طرح کہ عقل سے ہدایت۔ ہدایت سے عبادت۔ عبادت سے ریاضت۔ ریاضت سے علم۔ علم سے تقویٰ۔ تقوے سے طہارت۔ طہارت سے امامت۔ امامت سے ولایت۔ ولایت سے نقابت۔ نقابت سے غوثیت۔ غوثیت سے قطبیت۔ قطبیت سے محبوبیت محبوبیت سے اُولِی النُّہٰی کا مقامِ عروج ملتا ہے۔ کتاب ناصر المحسنین میں ہے کہ رب تعالیٰ نے عقل کے ہزار حصے کئے نو سو ننانوے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دئے اور ایک حصے کے چھوٹے بڑے ذرے تمام کائناتِ انسانیت کو درجہ بدرجہ عطا فرمائے۔ "لَوْلَا كَلِمَةٌ" اگر امّتِ مسلمہ کو کلمہ طیبہ نہ ملتا تو اُمم سابقہ کی طرح ان کے نافرمانو پر بھی اجلِ مسمّٰی کا عذاب لازم ہو جاتا پچھلی اُمتوں کو کلمہ طیبہ نہ ملا ان کو صرف کلمہ توحید ملا۔ یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اُن کو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کی حمد ملی مگر۔ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، نعت نہ ملی۔ لیکن امّتِ مسلمہ کو کلمہ طیبہ دیا گیا۔ کلمۂ توحید میں وحدتِ الٰہیہ کا ایک جز ہے۔ کہ فقط لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مگر کلمۂ طیبہ میں شفقتِ الٰہیہ کے دو جز ہیں کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کلمۂ توحید تو غضب ہے مگر کلمہ طیبہ شفوعہ ہے۔ پس عاقل کو چاہیے کہ واجب و لازم جان کر تا عمر کلمۂ طیبہ سے جڑا رہے۔ کیونکہ یہ کلمہ طیبہ عذابِ الٰہی کے لیے ڈھال ہے۔ غضبِ الٰہی کے لیے آڑ ہے قبولِ توبہ کے لیے ...

ہے۔ یہ عُروَۃُ الوُثقیٰ ہے یہ جنت کی قیمت ہے اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی کا تحفہ ہے۔ اگر اس اُمت کو بھی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے ساتھ۔ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا وظیفہ اور رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ کے ساتھ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ کا عقیدہ نہ ملتا تو نکان پڑ آتا۔ عذاب عمومی نازل ہو جاتا۔ اور ایک آن کی گستاخی ایک بات کی بدتمیزی گوارہ نہ کی جاتی۔ لہٰذا اے عقل والو نصیحت لو قرآن کریم سے تقویٰ کرو قادرِ قدیم سے۔ ریاضت کرو عبادتِ حکیم کی اور اطاعت کرو رؤف ورحیم کی۔ اگر یہ نہ ہو تو اشرفُ المخلوقات مثلِ جمادات ہے اگرچہ موجدِ مصنوعات وایجادات ہو۔

حکایت: تفسیر روح البیان میں بروایت حضرت جعفر طیار لکھا ہے کہ ایک دفعہ میں ایک جنگل میں آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا۔ کہ مجھ کو سخت پیاس لگی میں نے آقا صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے پانی عطا فرمایئے۔ آقا نے فرمایا۔ اے جعفر اُس پہاڑی کے پاس جاؤ اُس کو میرا سلام کہنا اور اپنی پیاس بیان کر کے کہنا کہ اگر تیرے پاس پانی ہے تو مجھ کو پلا۔ میں نے جا کر اُسی طرح سلام وکلام پیش کیا تو پہاڑ سے فصیحُ اللسان جواب آیا کہ میرا بھی میرے نبی آقا حضور کو سلام عرض کرنا اور کہنا کہ جب سے میں نے وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ کی آیت سنی ہے خوفِ الٰہی سے ہر وقت کانپتا اور تھرتھراتا رہتا ہوں کہ کہیں میں اُن پتھروں میں شامل نہ ہو جاؤں جو جہنم کا ایندھن ہیں۔ اِس خوف سے میرا سارا پانی خشک ہو گیا ہے۔ اللہ اکبر یہ ہے جمادات کا خوفِ الٰہی خشیتِ کبریائی۔ تو اگر انسان کو خوف وخشیت کی ہدایت زجرِ قرآنی سے عبرت اور عبادتِ ربانی سے رغبت نہ ہو تو وہ جمادات سے بدتر ہے۔ فَاصْبِرْ عَلٰی مَا یَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّیْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی۔ پس عارفِ شب زندہ دار۔ اہلِ نفوس کی ربانی تعویات پر صبر باللہ کرتا رہ کیونکہ اہلِ نفوس فیصلۂ الٰہیہ کے گھیرے میں ہیں قہرِ ذات کے اسیر ہیں اور غیرت اور دور کرے اپنے آپ کو مجالس باطلہ ومحافل شاطرہ سے اور صفاتِ ربوبیت سے قریب ہو جا تاکہ حمدِ حقیقی کا تجھ پر ظہورِ بقا ہو جائے آفتاب ذات کے حالِ فنا میں طلوع ہونے سے اور صفاتِ نفس کے حجاباتِ باطنی میں غروب ہونے سے پہلے ظہور کے وقت میں ہی۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ راہِ معرفت کی پہلی عبادت صبر ہے دوسری عبادت فکر ہے تیسری عبادت شکر ہے۔ صبر نفی پر ہوتا ہے۔

فکر وجود پر اور شکر حصول پر۔ صبر قبلَ طلوع ہے۔ فکر قبلَ غروب ہے اور شکر اطراف النہار ہے۔ یہی راہِ معرفت ہے اور مقامِ قلب کی نیلِ اسرار کے مخفی وقتوں میں اُس وقت بھی اَحْکَمُ الْحَاکِمِیْن کی تسبیحات ذات کو قائم فرما اور تزکیۂ روح کا وِرد کر جب صفاتِ نفس کا غلبہ ہو۔ صفاتِ قلبیہ قوار راندہ نرگیں۔ یہ اسرارِ خلوت کی خاذین نفس کے دماغ اور قلب کے شجاع کے لیے تریاقِ

کیتر ہیں۔ اور یوم انوار کے اُن کناروں پر بھی ذکر و فکر کے نغمے ستا جب صفائی قلب کے تصفیہ کے لیے روحِ سیلانی کا اِشراق ہو لَعَلَّكَ تَرْضٰى تاکہ اے ہادیِ کاملین مرشدِ اکملین۔ رہبرِ واصلین مُربیِ ناقصین تجھ کو تجلیِ صفات کے کمال پر مقامِ رضا عطا فرما دیا جائے۔ اصطلاحِ صوفیا میں شریعت طریقت حقیقت معرفت کے تقاضوں پر عقل کو روکنا صبر ہے نہ روکنا بے صبری ہے صبر کی بھی چار قسمیں ہیں بے صبری کی بھی۔ صبر کی اقسام ۱ صبرِ جسم کہ نفس کے مصائب برداشت کرنا ۲ صبرِ شجاعت نفس و ابلیس سے جنگ کرنا ۳ صبرِ حب عبادت میں ذوق و شوق سے مشقت کرنا ۴ صبرِ کتمان خاموشی و تنہائی اختیار کرنا یہی عارفین کا صوم و اعتکاف ہے بے صبری کی اقسام ۱ جزع، شکوے شکایت ۲ فزع شور مچانا ۳ جُبن و بزدلی ۴ بدل و ضجر رحمت بار جانا) تسبیحِ زبانی مکذبینِ نفسانی کے مقابلے کے لیے مدد طلب کرنا ہے اور نمازِ شرعی عرفانی سے مصائب کی دردناکی محرومی کی غمناکی کو ختم کرنا ہے۔ نمازِ مومن غم و آلام کی بیماری کا بہترین علاج ہے نماز با جماعت کی پابندی سے پانچ فائدے اور غفلت و سستی سے پانچ نقصان ۱ پابندیِ نماز سے فراخی و سکون ۲ عذابِ قبر کی معافی ۳ پابندیِ نماز سے یوم محشر نامۂ اعمال سیدھے ہاتھ میں دیا جائے گا ۴ پل صراط پر سے بجلی کی طرح گزر ہو گا ۵ پابندیِ نماز سے جنت میں داخلہ بغیر حساب ہو گا۔ نماز میں غفلت سے پانچ نقصان ۱ رزق میں بے برکتی ۲ چہرے پر نحوست کے آثار۔ حالانکہ چہروں کی رونق صالحین کے نشانات ہیں ۳ غفلتِ نماز سے کوئی اچھا عمل بھی قبول و محمود نہ ہو گا ۴ عوام کے دلوں میں قابلِ نفرت ہو گا دینی وقار ختم ہو جاتا ہے ۵ غفلت سے نماز کو چھوڑنے والا بوقتِ موت پیاسا، نزع جان کنی سخت قبر کی تنگی، اندھیرا شدتِ غضبِ الٰہی کا ظہور نکیرین کے جوابات میں دشواری۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ تَعَالٰى۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا بِحَلَاوَةِ الصَّلٰوةِ وَ بِتِلَاوَةِ الْقُرْاٰنِ وَ بِحُضُوْرِ الْجَمَاعَاتِ عَلَى الدَّوَامِ۔ بلائیں مصیبتیں چار طریقوں سے رد ہوتی ہیں ۱ اِخلاصِ قلبی سے دوم صلوٰۃِ بدنی سے سوم دعاءِ لسانی سے چہارم۔ عجزِ نفسانی سے روایت ہے حضرت قتادہ سے کہ دانیال نبی علیہ السلام نے فرمایا اگر قومِ نوح شریعتِ نوح کی نماز ظہر پڑھتی تو سیلاب نہ آتا۔ اگر قومِ عاد شریعتِ صالح کی نمازِ عصر پڑھتی تو ہوا کا طوفان نہ آتا اگر قومِ ثمود صلوٰۃِ ہود ادا کرتی تو چنگھاڑ سے نہ مرتی اگر قومِ لوط شریعتِ ابراہیم کی نمازِ فجر ادا کرتی تو پتھروں سے رجم کا عذاب نہ آتا۔ اے اُمتِ مسلمہ تو کتنی خوش قسمت ہے کہ تجھ کو اِن شریعتوں کی بھی نمازیں ملیں اور آقا حضور کی صلوٰۃِ معراجی نمازِ عشا اور صلوٰۃِ ملائکہ نمازِ وتر اور صلوٰۃِ لامکانی نمازِ تہجد کے نفل بھی ملے لہٰذا تجھ پر لازم ہے کہ کبھی بھی نماز دعا التجا اور توبہ الی اللہ سے غافل و تارک نہ ہو۔ (تفسیر روح البیان)

کلمہ طیبہ یعنی لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ ۔ باطن کو منور کرنے والا ہے ۔ خیالات کو یکسو کرنے والا ۔ لہٰذا اس کو خلوت وجلوت میں وردِ رکھنا مومن کی خصلت بدن کی زینت روح کی لذت ہے یہ رب تعالیٰ کا اُمتِ مصطفیٰ کے لیے خصوصی عطیہ ہے ۔ جو لوگ اپنے چلّوں وظیفوں ذکر اذکار میں دوسری جز مشفوع مُحمدٌ رسُولُ اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں وہ گمراہ مردود و نامراد ہوتے ہیں ۔ حکایت ! بروایت حضرت عبدالرحمن بن زید ۔ ایک بار عیسیٰ علیہ السّلام نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی مولیٰ تعالیٰ مجھ کو امتِ محبوب کا کچھ حال بیان فرما ۔ جواب آیا کہ میرے حبیب کی امت میں کچھ ایسے پیارے لوگ ہوں گے ۔ جو انبیاءِ بنی اسرائیل کے مشابہ ہوں گے ۔ وہ میری تھوڑی بخشش سے خوش ہو جائیں گے اور میں ان کے تھوڑے عمل پر راضی ہوں گا ۔ آج تک لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کا اتنا وِرد جاری نہ ہوا ۔ جتنا اُن کی زبان پر جاری ہوگا کسی امت کی گردنیں سجدوں میں اس قدر نہ جھکیں جس قدر اُن کی جھکیں گی اور کسی اُمت نے اپنے نبی سے اتنا عشق وادب نہ کیا جتنا اُمتِ مسلمہ کرے گی ۔ مومن کی تین خصوصیات ہیں ۱ اَخلاقِ اعلیٰ ۲ ادب واحترام ۳ اتباعِ نبوت ۔ خلق وہ عظیم ہے جو خلقِ مصطفیٰ کا نمونہ ہو اور خلقِ مصطفیٰ مجموعۂ قرآن ہے شکل وہ پیاری جو نقشۂ مصطفیٰ پر ہو ۔ امامِ طریقت شیخ سہروردی فرماتے ہیں کہ اپنے چار اعضا کو چار مشتبہ اشیاء سے بچاؤ پیٹ کو مشتبہ غذا سے نظر کو محرمات سے جسم کو مشتبہ لباس سے اور زبان کو زیادہ بولنے سے قدرت کی اجازت کا انتظار مت کرو تقوئے قلبی کے عامل بن جاؤ کہ اس سے خشوع وخضوع پیدا ہوتا ہے خوفِ الٰہی کا جسمِ ظاہری پر اثر خضوع ہے اور قلبِ مومن پر اثر خشوع ہے ۔ خضوع سے شوق اور خشوع سے اشتیاق پیدا ہوتا ہے ۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ

اور نہ آنکھیں پھاڑ دیکھ اُس کی طرف کہ نفع دیا ہم نے جس کا

اور اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اُس کی طرف جو ہم نے کافروں کے

اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ

گھرانوں کو اِن کفار کے دنیوی زندگی کے عیش وآرام کا

جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی ۔

لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ

تاکہ مصیبتوں میں ڈالے رکھیں ہم اِن کفار کو اس عیاشی کے ذریعے اور تیرے رب کا رزق سب کے لیے اچھا اور

کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنے میں ڈالیں۔ اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور

أَبْقَىٰ ﴿١٣١﴾ وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلَاةِ وَاصْطَبِرْ

ہمیشہ باقی رہنے والا اور حکم کرتا رہ اپنے متعلقین کو نماز کا اور خود بھی قائم دائم رہ

سب سے دیرپا ہے۔ اور اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دے اور خود اُس پر ثابت رہ

عَلَيْهَا ۖ لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا ۖ نَّحْنُ نَرْزُقُكَ ۗ وَ

اُس پر نہیں مانگتے ہم تجھ سے کچھ نفع ہم ہی نفع دیتے ہیں تجھ کو اور

کچھ ہم تجھ سے روزی نہیں مانگتے ہم تجھے روزی دیں گے اور

الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوَىٰ ﴿١٣٢﴾ وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ

اچھا انجام تو فقط اہل تقویٰ کے لیے ہے اور کافر بولے کیوں نہیں وہ لے آتے ہمارے لیے کوئی آیت اپنے رب کے پاس سے

انجام کا بھلا پرہیزگاری کے لیے، اور کافر بولے یہ اپنے رب کے پاس سے

مِّن رَّبِّهِ ۚ أَوَلَمْ تَأْتِهِم بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ

کیا نہیں آئی اُن کے لیے اُس کلام کی ظاہر روشن دلیل جو پہلے صحیفوں میں

کوئی نشانی کیوں نہیں لاتے۔ اور کیا انہیں اُس کا بیان نہ آیا جو اگلے صحیفوں

الْأُولَىٰ ﴿١٣٣﴾

تھی

میں ہے

تعلقات

ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار کی باتوں پر صبر کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب ان آیت میں کفار کی دولت ہیرا اور عیش پرستی سے مسلمانوں کو بے توجہ ہونے کی تلقین فرمائی جا رہی ہے گویا کہ پچھلی آیت میں دل تنگی سے روکا گیا اور اب ان آیت میں لالچ سے منع کیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار کی بری عادتوں کا ذکر اور مسلمانوں کو ان سے علیحدگی کے صبر کا حکم تھا اب ان آیت میں اہل ایمان کی اچھی عبادتوں کا ذکر اور ان پر قائم رہنے کے صبر کا ذکر ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار کی باتوں پر صبر کا حکم تھا یہاں ان کی کچھ باتوں کی تفصیل بیان ہوئی کہ کفار اس قسم کی بیہودہ و بیکار باتیں کرتے ہیں۔

شانِ نزول

حضرت ابو رافع سے روایت ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ مہمان آئے۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو ایک یہودی کے پاس کچھ آٹا ادھار لینے کے لیے بھیجا کہ اگلے ماہ رجب میں واپس ادا کریں گے۔ مگر اس نے جواب دیا کہ کچھ گروی رکھو تو دوں گا۔ ابو رافع فرماتے ہیں کہ ہم نے اسی طرح آ کر سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت رنج ہوا کہ دیکھو ان امیر لوگوں کی حرکتیں کہ میں جو زمین و آسمان کا امین ہوں مجھ پر یہ لوگ بھروسہ نہیں کرتے۔ ان بدبختوں کو اتنی دولت ملی ہے کہ مغرور ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ جس میں قیامت تک مسلمانوں کو ایک خاص نصیحت فرمائی گئی (از مظہری و لباب النقول امام سیوطی)

تفسیر نحوی

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلَىٰ مَا مَتَّعْنَا بِهِ أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ ۚ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ واؤ سر جملہ لَا تَمُدَّنَّ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل نہی با نون ثقیلہ واحد مذکر حاضر مَدٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی کھینچنا پھیلانا لمبا کرنا۔ اسی مناسبت سے القامہ کے ایک اعراب و حرکت کو تدبیر و متغیر بالا اسفل سرخ و سیاہ کہتے ہیں یہ باب نصر میں اگر مراد ہوتا ہے بری چیزوں کو دیکھنا اور باب افعال میں اگر اچھی چیزوں کو دیکھنا مراد ہوتا ہے۔ اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے عام مسلمان۔ عَيْنَيْ اسم تثنیہ دراصل عینین تھا آخر کی نون اضافت کی وجہ سے گر گئی عین اور بصر اسی طرح اُذن اور سمع میں فرق ہے کہ عین عضو بصر اس کی بینائی اور اُذن عضو اور سمع اس کی شنوائی کو کہتے ہیں کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع وہی عام مسلمان غیر معین ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِلیٰ جارہ مَا موصولہ مَتَّعْنَا بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم

بمعنی واحد متکلم ضمیرِ پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ب جارہ تعدیہ کی ہ ضمیر کا مرجع مَا موصولہ یہ جار مجرور متعلق ہے مَتَّعْنَا کا اس کا مصدر ہے تَمْتِیْع مَتْعٌ سے بنا ہے بمعنی متعدی بدو مفعول ہے محدود نفع یا محدود وقت تک نفع اور فائدہ لہٰذا اسی سے ہے مَتَاعٌ (دنیوی سامان) اور اسی سے مُتْعَہ یعنی محدود وقت کا نکاح اَزْوَاجًا اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے زَوْجٌ بمعنی ہم جنس ساتھی جن کو کسی طرح سے جوڑا جا سکے ہر جاندار حیوان انسان اور غیر جاندار ہم شکل اشیاء کو زوج کہدیا جاتا ہے جاندار میں نر مادہ مذکر مؤنث کو زوج کہا جاتا انسانوں میں صرف خاوند بیوی کو زوج اور چونکہ ساتھی کے لیے دوسرا فرد لازمی ہے اس لیے یہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اِس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہو سکتا ہے اسم ضمیر بھی جمع بھی واحد بھی تثنیہ بھی اگر مضاف الیہ اسم ظاہر یا ضمیر مذکر ہو تو زوج کا ترجمہ بیوی ہوگا اور اگر مؤنث ہو تو زوج بمعنی خاوند ہوتا ہے اور اگر اضافتِ مثنیہ جمع ہو جیسے یہاں تو ترجمہ ہوگا خاوند بیوی یعنی پورا گھرانہ جوڑا جوڑا۔ یہ لفظ جنس ہے اس لیے مؤنث مذکر دونوں کے لیے مستعمل ہے لیکن کبھی کبھی مؤنث کے لیے زَوْجَۃٌ آتا ہے۔ دو مخالف نقیضوں (ضِدَّیْن) کے لیے بھی زَوْجٌ کا لفظ مستعمل ہے اس کا تثنیہ زَوْجَیْنِ ہے مگر کبھی یہ واحد تثنیہ معنوی بن جاتا ہے بمعنی ایک جوڑا جس طرح لفظ قوم معنوی جمع ہے۔ یہ مفعول بہ ہے مِنْھُمْ، جار مجرور متعلق ہے ھُمْ کا مرجع یَمْشُوْنَ کا فاعل (کفارِ مکہ وغیرہ) مِن بیانیہ ہے نہ کہ تبعیضیہ زَھْرَۃً اسم مؤنث لفظی مفرد (واحد) ہے بمعنی تر و تازہ۔ خوبصورت، پُر بہار، پھولوں کی کلی کو اسی معنی میں زہرہ کہتے ہیں یہاں عیش و عشرت و آسائش مراد ہے مضاف ہے اَلْحَیٰوۃِ حَیٰوۃٌ مصدر ہے معتل ہے یہاں حاصل مصدر جامد ہے حیوٰۃ بمعنی زندگی پانچ قوتوں کا نام ہے ۱۔ قوتِ فائدہ جیسے زندہ زمین ۲۔ قوتِ نامیہ (بڑھنے کی قوت جیسے اُگے ہوئے نباتات ۳۔ قوتِ احساس جیسے حیوانات ۴۔ قوتِ عقل ۵۔ قوتِ فہم حیاتِ انسان میں یہ ساری قوتیں موجود یہاں یہی زندگی مراد ہے اَلْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے زہرۃ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ دوم ہے مَتَّعْنَا کا لام حرفِ تعلیل مکسورہ یہ دراصل حرفِ جر ہے مگر فعل مضارع پر داخل ہونے سے اَنْ ناصبہ کے درجہ میں آکر ناصبہ ہو گیا اگر یہ لام مضارع مثبت پر داخل ہو تو کبھی کبھی اَنْ ظاہر بھی ہو جاتا ہے کبھی پوشیدہ جیسے یہاں لیکن اگر مضارع منفی ہلا پر داخل ہو تو ملابست سے بچانے کے لیے اَنْ ناصبہ کا ظاہر ہونا ضروری ہے تاکہ لِلَّا نہ پڑھا جا سکے لہٰذا لِئَلَّا پڑھا جاتا ہے جو دراصل لِاَنْ لا ہوتا ہے۔ نَفْتِنَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ فَتْنٌ سے مشتق ہے بمعنی۔ آزمائش میں ڈالنا۔ آزمانا۔ مصیبت میں ڈالنا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں یہ مضارع منصوب ہے

لام تعلیلیہ کی وجہ سے نحن ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے فِیْهِ فِی حرفِ جر بمعنی بؔ جارّہ سببیہ
ترجمہ ہے ذریعے ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع زَهْرَةَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ہُمْ ضمیر مفعول بہ ہے
نَفْتِنَ فعل اپنے ضمیر فاعل اپنے مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا مَتَّعْنَا کا سب
مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے لَا تَمُدَّنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ بر
جملہ رِزْقُ رَبِّكَ ڈبل مرکب اضافی مبتدا ہے خَيْرٌ اسم مصدر ہے اجوف یائی مشترک تین معنی ہیں ۱
خیر بمعنی بھلائی نیکی نقیض ہے فسق کی ۲ خیر بمعنی مفید نقیض ہے شر کی ۳ خیر بمعنی آرام نقیض ہے ضرر
بمعنی تکلیف کی خیر کی دو قسمیں ہیں ۱ خیر مطلق جو ہر ایک کے لیے اچھا ہو یہاں یہی مراد ہے ۲ خیر
مقید و مشروط جو کسی کے لیے خیر کسی کے لیے شر یا خیر ہو معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَبْقٰى باب ضرب کا
تفضیل واحد مذکر بَقِیٌّ سے مشتق ہے ترجمہ بہت زیادہ یعنی ہمیشہ باقی رہنے والا بحالتِ رفع تقدیری اعراب
ہے کیونکہ اسم مقصور ہے۔ دراصل اَبْقَیُ تھا یٰ متحرک ماقبل مفتوح ہے لہذا ی کو الف سے بدل دیا یہ
معطوف ہے دونوں عطف مل کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ
وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ واؤ بر جملہ
اْمُرْ دراصل اُؤْمُرْ ہے باب نصر کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اس میں پوشیدہ اَنْتَ اس کا
فاعل ہے اَمْرٌ سے مشتق ہے بمعنی حکم دینا اَهْل اسم مفرد جامد بمعنی تعلق رکھنے والے مراد ہے گھر
کے افراد عام ہے ہر رشتے دار وغیرہ کو مضاف ہے كَ ضمیر حاضر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول
بہ ہے۔ بِالصَّلٰوةِ بؔ جارّہ تعدیہ کی جار مجرور متعلق ہے اُمُرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا
واؤ ابتدائیہ زائدہ اِصْطَبِرْ باب افتعال کا امر حاضر معروف واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ فاعل ہے صبر سے
بنا ہے اس کا مصدر ہے اِصْطِبَارٌ دراصل اصتبر تھا ہم مخرج ہونے کی وجہ سے تؔ کو بدل دیا گیا عَلَيْهَا
جار مجرور متعلق ہے اِصْطَبِرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا لَا نَسْئَلُ۔ بابِ فتح کا فعل مضارع حال منفی
جمع متکلم سُؤْلٌ سے مشتق ہے بمعنی مانگنا كَ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ اول رِزْقًا اسم مفرد جامد
اس کی جمع اَرْزَاقٌ۔ لغوی ترجمہ ہے نفع والی چیز اصطلاحًا ۱ روزی ۲ غذا ۳ حصہ ۴ ثواب یہاں
پہلے معنی ہیں یہ مفعول بہ دوم ہے لَا نَسْئَلُ اپنے مستتر فاعل ضمیر صیغہ اور دونوں مفعولوں سے مل
کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ نَحْنُ اسم ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے نَرْزُقُ
بابِ نصر کا مضارع مثبت معروف با فاعل ضمیر صیغہ كَ ضمیر مفعول بہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ بر جملہ
اَلْعَاقِبَةُ۔ اسم مفرد جامد بمعنی اچھا انجام۔ اصلاً اسم فاعل مؤنث ہے عَقَبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے

بعد میں آنے والا مراد ہے انجام الف لام عظیمی کی وجہ سے معنیٰ ہوا بڑا اچھا جب اس پر الف لام نہ ہو تو مراد ہوتا ہے برا انجام قرآن مجید میں کل بتیس جگہ یہ لفظ آیا ہے جن میں چار جگہ الف لام کے ساتھ ہے بمعنی اچھا انجام ایک قول میں اَلْعَاقِبَۃ مصدر مزید فیہ ہے اس کی جمع ہے عَوَاقِب اور جب اسم فاعل مستعمل ہو پھر صیغہ جمع ہو تو عاقبات لِلتَّقْوٰی لام جارہ نفع کا تقویٰ، اسم مقصور مصدر ثلاثی مزید فیہ اس کا مادہ وَقْیٌ ہے اول میں تؔ عوض ہے آخر کی یؔ زائدہ اس یؔ کو الف سے بدلا یا تَقْوٰی ہو گیا بمعنی ڈرنا اللہ تعالیٰ سے بچنا گناہوں سے بحالت کسرہ تقدیری کسرہ ہے اسم مقصور کے تینوں اعراب تقدیری ہوتے ہیں یہاں لفظِ اہل پوشیدہ ہے یعنی اس تقویٰ کے لیے اچھا انجام ہے یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَقَالُوْا لَوْلَا يَأْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ اَوَلَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ۔ قَالُوْا فعل ماضی اِنَّا عل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع وہی اہل مکہ کفار جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ لَوْلَا حرفِ متصلہ دو حرفوں سے مل کر بنا ہے لَوْ شرطیہ لَا نافیہ مگر یہاں شرط کے لیے نہیں کیونکہ شروع کلام میں ہے اور ایک جملے پر داخل ہے ایسی صورت میں لَوْلَا چار معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے ۱ کسی کام پر ابھارنے آمادہ کرنے کے لیے ۲ عرض کرنے کے لیے ۳ جھڑکنے کے لیے ۴ جھٹلانے کے لیے یہاں اُسی معنی میں ہے کبھی کبھی ان میں شرطیت بھی شامل ہو جاتی ہے بہرصورت ترجمہ ہے کیوں نہیں۔ يَاْتِيْ بابِ ضرب مضارع واحد مذکر غائب ایک قرأت میں تَاْتِيْ واحد مذکر حاضر ہے دونوں صورتوں میں فاعل پوشیدہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں نَا ضمیر جمع متکلم ظرف ہے یعنی ہمارے پاس یا مفعول لہٗ ہے یعنی ہمارے لیے بؔ حرف جر تعدیہ کا۔ آیۃٍ مجرور متعلق اول ہے مِنْ رَّبِّهٖ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے۔ لَوْلَا يَاْتِيْ سب سے مل کر جملہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اَوَ ہمزہ سوالیہ واؤ عاطفہ نحو۔ لَمْ تَاْتِ بابِ ضَرَبَ کا مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی، ھُمْ ضمیر ظرف ہے یا مفعول لہٗ بَيِّنَةُ مضاف بمعنی ظاہر ظہور نشانی مؤنث لفظی ہے مَا موصولہ فِيْ جارہ ظرفیہ مکانیہ اَلصُّحُفِ اسم جمع کثرت منصرف ایک قرأت میں الصُّحْفِ ہے اس کا واحد ہے صحیفہ مراد ہے مکتوبی وحی کلام اَلْاُوْلٰى اسم تفضیل مؤنث اس کا مذکر ہے اَوَّلُ الصُّحُفِ الْاُوْلٰى موصوف صفت ہیں مجرور ہو کر صلہ ہوا دونوں مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے لَمْ تَاْتِ کا جو اصل لَمْ تَاْتِيْ تھا لَمْ جازمہ نے آخر کی یؔ گرا دی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ | وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا

مِنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى

اے مسلمان تو اپنی بشری کمزوری انسانی جبلّت فطری مایوسی کی بنا پر غم افسوس حسرت والچ اور خواہش بھری نظریں کفار تو دنیا پرستوں کے اس مال و دولت کی طرف پھاڑ پھاڑ کر مت دیکھ جس کا نفع دیا ہے ہم نے مختلف قسم کے چند کافروں یہودیوں عیسائیوں بت پرستوں وغیرہم کو صرف دنیا کی چند روزہ زندگی کی کھلتی بہاروں چڑھتی ہواؤں میں تاکہ ہم آزمائش کریں ان کی مال کے فتنے اور دولت کی رغبت زندگی کی چاہت سے۔ اور الجھے رہیں وہ دنیا سازی میں یہ دنیوی دولت تو کڑی آزمائش ہے جس میں بڑے بڑے کفار و فساق بھٹک کر بہے چلے جاتے ہیں۔ عالم اجسام کی یہ عزتیں شہرتیں رب تعالیٰ کا رزق نہیں بلکہ فتنہ پرور جھلکیں اور آزمائشی ڈھیں ہے ان میں نہ بقا ہے نہ خیر یہ خیر و بقا کی فضلیت تو تیرے رب کریم کے رزق میں ہے اس میں ہی خیر ہے اور وہ ہی ہمیشہ باقی رہنے والا ہے نہ اس کو فنا نہ خرابی وہ حیاتِ دنیوی میں بھی شجرۂ طیبہ ہے۔ کہ بندۂ مومن اسی رزقِ الٰہی کے ذریعے آخرت کی خیر کثیر جمع کر لیتا ہے۔ اس طرح کہ رب تعالیٰ کا رزق مال کی شکل میں دنیا کے اندر اور اعمال کی شکل میں قبر و حشر میں بندے کے ساتھ ہی پھلتا پھولتا اور نفع بخشتا ہے۔ دنیوی دولت کفار و فساق کو ملی اور رزقِ رَبِّكَ۔ اللہ والوں کو ملا۔ دونوں میں فرق بتا دیا گیا کہ رزق کو فنا نہیں شر نہیں۔ خیر و بقا ہے۔ دنیوی مال میں خیر نہیں بقا نہیں۔ فنا و شر ہے اس آیت کی چند اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں مگر یہ با دلائل ہے۔ دلیل اول۔ اگرچہ یہاں صیغہ واحد مذکر حاضر ارشاد ہوا مگر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بلکہ لفظاً معناً یہ خطاب اور حکم ممانعت تاقیامت عام مسلمانوں کو ہے اس خطاب میں کمزور دل اور فطرتاً لالچی مسلمانوں کو التفاتِ دنیوی سے روکا گیا ہے۔ اس لیے کہ یہاں آیت کے سیاق و سباق میں آدم و حوا علیہما السلام کے واقعہ سے نقشۂ انسانی اور بشری کمزوریاں سمجھائی جا رہی ہیں کہ لالچ حرص خواہش دولت کسی دولت مند کو دیکھ کر رشک و حسد کرنا اور دنیوی دولت مند کو کامیابی و سچائی کی دلیل بنا لینا یہ عام انسانی کمزوری ہے۔ نبوت و رسالت کا مقام ان عیوب سے معصوم اور پاک ہے۔ دلیلِ دوم۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو ہمیشہ چھ چیزوں سے نفرت رہی ۱ دولت مندی سے ۲ بادشاہت سے ۳ دنیوی عیش و آرام سے ۴ مشغولیتِ دنیا ۵ اور دنیوی شہرت سے ۶ حصولِ جاہ و مرتبہ سے۔ آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی قلبی مرضی سے اپنی زندگی پاک اتنی سادہ اور غریبانہ بنائی تھی کہ آپ دعا مانگا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِیْ مِسْكِيْنًا وَّاَمِتْنِیْ

مِسْکِیْنًا یا اللہ مجھ کو مسکین ہی زندہ رکھنا اور مسکینیت میں وفات دنیا دلیلِ سوم۔ حدیثِ پاک میں ہے کہ رب تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عالَمِ ازل میں پوچھا کہ تم کو دنیا میں بادشاہ نبی بنایا جائے یا نبیِ عبد بنایا جائے تو آپ نے نبیِ عبد بننا پسند فرمایا۔ دلیلِ چہارم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو بار بار صحابہ کرام کو دنیا اور دنیا کی دولت امیری رئیسی عیش وعشرت سے نفرت دلایا کرتے تھے غریبی فقیری کی شان بیان فرمایا کرتے تھے۔ ایک بار فرمایا کہ بندو اللہ تعالیٰ نہ تمہارے مال دیکھتا ہے نہ تمہاری شکلیں وہ تمہارے دل دیکھتا یعنی مال بنانے کوشش نہ کرو ظاہری فیشن پرستی سے سجنے سنورنے کی ضرورت نہیں دلوں کو منور بناؤ کبھی فرماتے ہیں اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَّطَالِبُھَا کِلَابٌ یعنی دنیا مردار ہے اور اس کے طالب کتے ہیں۔ کبھی فرماتے کہ اے لوگو جو دنیا میں نظر رکھیگا پریشان رہے گا احساسِ غریبی میں کڑھتا رہے گا مگر ملے گا وہی جو تقدیر میں ہوگا۔ کبھی فرماتے کہ میں دنیا میں نہیں اور دنیا مجھ میں نہیں۔ آپ ہی کا فرمانِ مقدس ہے۔ اَلْفَقْرُ فَخْرِیْ۔ ان تمام باتوں آیتوں روایتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تو پہلے ہی شانِ لَاتَمُدَّنَّ۔ بطریقہ اکمل رکھتے تھے تو پھر نبی کریم کو ہی لَاتَمُدَّنَّ فرمانا تحصیلِ حاصل ہے جو واقعتًا محال ہے۔ اور محال بات کلام ربانی کے خلاف کیونکہ حکمتِ حکیم جل وعلا کے منافی ہے۔ کچھ لوگوں نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا کہ لَاتَمُدَّنَّ کا لفظًا خطاب اور حکم تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر معنًا خطاب اُن تمام نو مسلم یا عام مسلمانوں کو ہے جن میں بشری کمزوریاں غالب ہیں (از تفسیر صاوی۔ روح المعانی) بعض نے لکھا کہ لَاتَمُدَّنَّ میں لفظًا معنًا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی ہے مگر اس امر میں بھی اور پورے قرآنِ مجید میں جہاں بھی کسی امر یا نہی سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب فرمایا گیا وہاں امر یا نہی کا انشا مراد نہیں ہوتا بلکہ استمرارِ امر یا نہی مقصود ہوتا ہے۔ یعنی اے نبی تم ایسا ہی کرتے رہو اسی طریقے اور عادتِ کریم پر قائم وثابت رہو تاکہ آپ کا یہ عمل شریف امت کے لیے تاقیامت عملی نمونہ اور تبلیغِ فعل ہو جائے تو اب لَاتَمُدَّنَّ کا معنیٰ یہ کہ آپ حسبِ سابق آئندہ بھی کبھی اپنی نگاہیں اور توجہ تبغری دنیا داروں کی دولت پر نہ کیجئے تاکہ امت بھی آپ کی اسی سنتِ مؤکدہ کے وجوبی اُسْوَۂِ حَسَنَہ پر چل کر دنیا واہلِ دنیا سے بے پرواہ رہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس کی تفسیر اس طرح بیان فرمایا کرتے تھے کہ شانِ نزول کے اعتبار سے لَاتَمُدَّنَّ کا خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اے محبوب غصے اور غضب وقہر کی نگاہ سے نہ دیکھئے ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔ ان بدبختوں کا یہ عیش وآرام

دولت وثروت۔ عزت وشہرت تو چند گھڑیوں کی ہے یہ تو زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہے۔ اُترتی چھاؤں ڈھلتی چاندنی ہے کھلتے پھول چٹکتی کلیاں مسکراتے غنچے۔ لبھاتی بہاریں ہیں۔ ابھی چند ساعتوں بعد موت کی خزائیں چھا جائیں گی۔ دولت کے پھول۔ عشرت کی کلیاں سب مُرجھا جائیں گی۔ بقا تو رزق ربانی میں ہے خیر تو دولتِ ایمانی میں ہے جو سدا بہار ہے یہاں دنیا میں اُن کی اکڑ پھکڑ بیہودہ غرور پر غم وغصہ رنج وافسوس کرنے کی ضرورت نہیں ان پر غم وغصہ قہر وغضب قبر وحشر میں اُتارا جائے گا۔ دنیا کے چمن خزاں سے مرجھائیں اور غافلوں کی عیاشیاں موت کے ایک جھٹکے سے ختم ہو جائیں گم اے حبیب۔ رِزْقُ رَبِّكَ تجھ پر تیرے رب کے باغِ عطا کی بہاریں تیرے فیضِ تقسیم کے چشمے کائنات پر ہمیشہ جاری تیرے قصیدے دلِ فرش تک تیرے جھنڈے سرِ عرش تک میری حمد خوانی خیر ہے تیری نعت خوانی الٰہی ہے وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ اے محبوب آپ اپنے تمام اہل وعیال اور تینوں قسم کے اہل بیت ومتعلقینِ امت کو نماز کا حکم دیجئے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت تین قسم کے ہیں ۱؎ اصل اہل بیت یعنی نو ازواج پاک چار صاحبزادیاں تین صاحبزادے ۲؎ داخلِ اہلبیت یعنی مولیٰ علی حسن وحسین۔ ۳؎ لاحق اہل بیت۔ خاص خدام ومتبعین نبی پاک نے ایک مرتبہ سلمان فارسی کو اپنا اہلِ بیت فرمایا یہ لاحق ہوئے (از سبع سنابل) وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا۔ اور اس حکم دینے پر قائم رہئے یعنی دیتے ہی رہیے۔ اس لیے کہ یہ تلقینِ نماز شرعی قانون بنا دیا گیا ہے ہر مسلمان مرد عورت پر اپنے سات سالہ بیٹے بیٹی سے لے کر شادی شدہ بیٹے بیٹی واولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دیتے رہنا فرض ہے یہ ابلیس کا مقابلہ ہے جب ابلیس ورغلانے سے نہ تھکتا ہے نہ شرماتا ہے نہ اُکتاتا ہے تو مسلمان اپنی اولاد کو نماز سکھانے پڑھانے اور آمادہ کرنے کے لیے کیوں اکتائے شرمائے گھبرائے اور تھکے۔ تاکہ دل جمعی سے نماز پڑھنے کی عادت ہو جائے۔ اقامت واستقامت نماز کے سات فائدے پہلا یہ کہ نماز ہی بندے کے مطمحِ نظر معیارِ فکر اور قوت وقدر کو بدلتی ہے دوم یہ کہ نماز کی برکت سے بندہ حلال پر قانع حرام سے مانع۔ محنت ومشقت کے آنے پر صبر کرتا ہے۔ سوم یہ کہ نمازی بندہ لَا تَمُدَّنَّ۔ کا مظہرِ اتم ہو جاتا ہے اس کی نظروں میں دنیوی ساز وسامان اور دنیا پرستوں کا عیش وعشرت کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ وہ اہلِ دنیا کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا چہارم یہ کہ۔ نماز سے تقویٰ ملتا ہے اور تقوے سے ادب۔ ادب سے ہدایتِ قرب جس کا انجام بہت اچھا پنجم یہ کہ نماز رحمت کی چابی اور رضا کا دروازہ ہے۔ بعض محققانے لکھا کہ وَاصْطَبِرْ

کا معنی ہے کہ۔ اے نبی خود بھی نماز قائم رکھو۔ مگر یہ ترجمہ و معنی غلط اور گستاخی ہے کہ یہاں پھر تحصیل حاصل کا اعتراض پڑ جاتا ہے۔ بھلا جو نبی بچپن۔ جوانی میں غاروں میں صحراؤں میں فرش پر عرش پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا رہا بھولا ان کو اب حکم دینے کی کیا ضرورت ہے۔ جس نے پیدا ہوتے ہی سجدہ کیا امت کو یاد کیا جس کے سجدے فخر عبادت جس کی عبادت طرۂ کرامت جس کی کرامت نورِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم جس کی عبادت سے غارِ حرا کے پتھروں نے خشیتِ الٰہی کا درس لیا جس کی تلاوت کے گواہ چاند و سورج جس کے سجدوں کی شہادت حلیمہؓ کی بکریاں دیں۔ کیا وہ اب عبادتِ رحمانی نمازِ ربانی نیازِ عرفانی کو چھوڑ سکتا ہے لہٰذا ماننا پڑے گا کہ وَاْمُرْ اور وَاصْطَبِرْ میں اگرچہ ظاہری خطاب کا اشارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہے مگر حکم شرعی صرف امت کے لیے ہے۔ اور اصْطَبِرْ سے مراد تلقینِ نماز کی پابندی ہے۔ ششم یہ کہ نماز کی پابندی بندے کو اَخِل دنیا سے بے رغبت مولیٰ تعالیٰ سے بار غبت اور دنیا سازی و پرستی سے نفرت دلاتی ہے۔ ہفتم یہ کہ مومن سے حرص لالچ۔ دنیا طلبی رشک و حسد کی بیماریاں ختم کرتی ہے لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا۔ اے بندے ہم تجھ سے کوئی رزق نہیں مانگتے نہ خود تیرا رزق۔ نہ کوئی شاہی ٹیکس نہ خراج ان عبادات سے ہمارا کوئی مفاد نہیں بندوں کا ہی فائدہ ہے نہ ہم بادشاہوں کی طرح کسی رعایا کے ضرورت مند نہ ان سے کچھ لینے کے حاجت مند۔ نہ آقاؤں کی طرح غلاموں سے خدمت تجارت کرانے مکاتبت لینے کے خواہش مند اے انسانو ہم نے تو تمہارا رزق بھی تمہارے ذمہ نہیں ڈالا نہ تمہارے اہل و عیال بال بچوں کا رزق تمہاری محنت مزدوری عقل و فکر صنعت و حرفت تجارت کے بل بوتے پر چھوڑا وہ بھی ہم ہی دیتے ہیں اور اس طرح دیتے ہیں کہ دانا اندراں حیراں بماند بڑے بڑے ذی علم و عقل ہماری عطا پر حیران رہ جاتے ہیں۔ تمہارے رزق و ضروریات کی یہ ذمہ داری ہم نے اپنے ذمۂ کرم پر اس لیے لی ہے تاکہ تم اپنی یہ تھوڑی قیمتی زندگی حصولِ رزق میں برباد نہ کردو روز و شب دنیا کی ہوس اور زرق زرق و بک بک میں نہ خرچ کر دو۔ تمہارے ذمہ صرف جنتی بہاروں کا ابدی فضاؤں کا حاصل کرنا ہے اس کے لیے عبادت اور عبادت کے لیے نماز نماز کے لیے طہارت ظاہری باطنی اور طہارت کے لیے رزقِ حلال اگرچہ تھوڑا ہو اور جو وقتِ مہیا عبادت سے بچے ذکرِ الٰہی کے بعد ملے اس وقت تم محنتِ جانبازی صنعت سازی سے رزقِ حلال کے لیے دنیا میں چلو تو ممانعت بھی نہیں یعنی زندگی کا اولین مقصد عبادت ہو۔ روزی کمانا مقصدِ ثانیہ ہو۔ مقصدِ حیات نہ بنانا۔ ایسا نہ ہو کہ دکان سے فرصت تجارت سے فراغت نوکری سے رخصت ملی تو نماز پڑھی۔ غفلت و سستی۔ مارے باندھے کی عبادت کرلی۔ اٹھتے اٹھلاتے اُباسیاں بھرتے ریاضت پالی نہ ذوق نہ

شوق نہ اُلفت نہ محبت۔ سر کھلا ٹخنے ڈھکے بازو چڑھے۔ بھاگتے دوڑتے سجدے میں گرے رکوع میں جھکے فرض پڑھے اور مسجد و مصلّٰی میں آئے آخر بھاگے اوّل سنتوں سے کترا گئے نفلوں سے گھبرا گئے دعا سے شرما گئے۔ بدن نماز میں دل دکان میں گویا یہ دکان ہی مربّی ہے ملازمت ہی رازق ہے تجارت ہی روزی رساں ہے اور بھول گئے کہ نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ ہم ہی تجھ کو تیرا رزق دیتے بلکہ ہر ہر مخلوق کو اور ہر مربّی کے اہل و عیال کو بھی ان کی شمار کی برابر والدہ کو دودھ یا شیر خواروں کے برابر باپ کو روزی دی اولاد کے برابر، اُستاد کو شاگردوں کے برابر، پیر کو مریدانی لنگر خانے کے برابر بادشاہ کو رعایہ کے برابر اور اپنے محبوب محمد مصطفٰی قاسم نعمت رحمۃ للعٰلمین کو عٰلمین برابر کہ رب تعالٰی کی طرف سے وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغۡنٰى کی بشارت سنائی گئی نبی کی طرف سے اُوۡتِيۡتُ مَفَاتِيۡحَ خَزَآئِنِ الۡاَرۡضِ کی منادی کرائی گئی۔ اللہ تعالٰی نے فرمایا ہم رزق کے معطی ہیں۔ محبوب نے فرمایا اَنَا قَاسِمٌ میں رزق کا قاسم ہوں اے محبوب نَحۡنُ نَرۡزُقُكَ۔ ہم تم کو رزق دیتے ہیں تم ہماری مخلوق پر تقسیم کرتے ہو تا ابد یہ سلسلہ ہے۔ اے بندو اس کو نہ بھولنا یہ درسِ محبت سبقِ اُلفت۔ قانونِ پرورش طریقۂ تربیت ہی تقوے مومن ہے وَالۡعَاقِبَةُ لِلتَّقۡوٰى۔ اور دنیا و آخرت میں نیک انجام اچھا اِختتام بالخیر خاتمہ تقوے اور اہلِ تقویٰ کا ہی ہوتا رہا اور ہوتا رہے گا۔ یہی آیتِ الٰہی ہیں معجزاتِ مصطفائی ہیں یہی شریعت ہے یہی طریقت اے مسلمانو اسی عمل و عقیدے پر تا عمر مضبوطی سے قائم و کاربند رہنا کسی بد بخت کافر، بد نصیب فاسق، اور بنی نضیر کے کسی مغرور دولت مند یہودی یا قبیلہ بنی قریظہ کے کسی بے مراد عیسائی رئیس یا تا قیامت کسی منکرِ معجزاتِ رسالت اور منکرِ اختیاراتِ نبوت گستاخ کے کہنے میں نہ آنا وہ تو ہزارہا معجزے دیکھنے کے باوجود کہتے ہی رہتے ہیں۔ وَقَالُوۡا لَوۡلَا يَاۡتِيۡنَا بِاٰيَةٍ مِّنۡ رَّبِّهٖ۔ اَوَلَمۡ تَاۡتِهِمۡ بَيِّنَةُ مَا فِى الصُّحُفِ الۡاُوۡلٰى۔ کافر بولے یہ نبوت کا دعویٰ کرنے والے ہمارے پاس وہ نشانی آیت کیوں نہیں لاتے جو ہمارے مطالبوں کی ہے اپنے رب کے پاس سے تاکہ وہ بڑی آیت اُن کی نبوت کی دلیل اور ہماری خواہش بن جائے حالانکہ بچپن نبوت سے اب بڑھاپے تک بے شمار لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تقریباً چار ہزار پچاس معجزے اور آیتِ نبوت دیکھیں تھیں آسمان کا چاند چرنا دیکھا زمین سے چشمہ ابلتا دیکھا یہ معجزات دیکھ کر بھی ایمان نہ لائے بلکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کاہن کبھی شاعر کبھی کاذب کبھی ساحر کبھی مسحور کبھی مجنون کہتے رہے۔ ایک ہی معصوم ہستی کے متعلق اتنی متضاد باتیں کرنی تو خود کہنے والوں کی حماقت کی دلیل ہے مسحور بھی ساحر بھی مجنون بھی کاہن بھی ایک ہی وقت میں ایک ہی شخص نہیں ہو سکتا نیز زین

پر تو جادوگر کا جادو چل سکتا ہے مگر آسمان پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا نہ کسی عام کافر کا نہ جھوٹی نبوت کا نہ جھوٹی خدائی کا نہ آنے والے دجّال کا ان ضدی بیوقوفوں سے کوئی پوچھے۔ اَوَلَمْ تَأْتِهِمْ۔ کہ ان کے پاس وہ آیتیں نہیں آئیں جن کا ذکر پہلے صحیفوں کتابوں توریت زبور انجیل میں لکھا ہے۔ ان میں کفار کے مطلوبہ معجزوں کے آنے کا ذکر بھی ہے اور ہمارے اس محبوب نبی کی شان و قرآن کی بشارتیں بھی لکھی ہیں۔ تم لوگ دن رات اُن کو پڑھتے سنتے ہو تو کیا تم نے یا تمہارے بڑوں نے اپنے اُن مطلوبہ معجزات کو پاکر ایمان قبول کیا تھا اور کیا اُن تمہاری پسندیدہ کتابوں میں لکھی ہوئی بشارتیں ہمارے اس نبی کی نبوت قرآن کی صداقت پر دلیل نہیں ہیں! قلبِ فہیم اور عقلِ سلیم والے کے لیے تو یہ گھریلو دلیل بہت بڑی آیت و دلیل ہے۔ پہلے انبیاءِ کرام سے بھی تم اس طرح کہ غیر ضروری مطالبے ایمان لانے کی شرط پر کرتے رہے صالح علیہ السّلام سے اونٹنی کا مطالبہ کیا۔ حضرتِ موسیٰ سے عصا ید بیضا اور منّ و سلویٰ پتھر سے چشموں کا مطالبہ کیا حضرتِ ہود سے چشموں نہروں باغوں کا مطالبہ کیا اور یہ سب مطالبے پورے کیے گئے مگر وہ کفار پھر بھی نہ ایمان لائے نہ بندہ بنے۔ اس لیے وہ ہلاک کر دیے گئے۔ اب تم پھر اُسی قسم کے ہلاکت خیز مطالبے کر رہے ہو یہ سب تمہارے احمقانہ طفلانہ مطالبے بچگانہ باتیں ہیں۔ یہ اب اس لیے نہ مانے جائیں گے کہ اب رحمۃٌ للعالمین کا زمانہ ہے اور کیا یہ بھی حیران کُن معجزہ نہیں کہ ایک نبی اُمّی کی زبان سے قرآن مجید کے ذریعے وہ واقعات تم سن رہے ہو جو صُحُفِ اُولیٰ میں تم پڑھتے ہو کیا یہ آیت ربانی معجزاتِ نبوّت دلیلِ رسالت نہیں ہے کہ جس شخصیت نے تمہاری کتابوں کو دیکھا تک نہیں نہ کسی درس گاہ میں درس لیا نہ تم سے سنا نہ تمہارے کسی استاد سے جس کی پوری زندگی تمہارے سامنے گزری۔ وہ شخص تم کو وہ سب کچھ کھلا کھلا سنا رہا ہے جو تم اپنی ہی قوموں سے چھپاتے بتے رہتے ہو۔

مفسّرین کے مختلف اقوال

اَزْوَاجًا میں تین قول ہیں ۱ مختلف قسم کے کفار ۲ مختلف قسم کے اموال ۳ مختلف قسم کے حالات۔ اَهْلَكَ میں تین قول ہیں ۱ اصلی اہلِ بیت مراد ہیں یعنی ازواج و اولاد ۲ داخلی اہل بیت مراد ہیں۔ یعنی مربوب اور تعلق دار زیرِ تربیت و زیرِ پرورش۔ اسی لیے جب یہ آیت وَاْمُرْ اَهْلَكَ نازل ہوئی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم مولیٰ علی شیرِ خدا کو آٹھ ماہ یا ایک ماہ تک نمازوں کی تلقین فرماتے ہے اور فجر کی نماز کے لیے جگاتے رہے ۳ لاحقی اہل بیت مراد ہیں۔ یعنی متبع فرماں بردار قوم قبیلہ یہاں

آیت ۱۳۱ سے ۱۳۲ تک پانچ امر اور چار خبر ارشاد ہوئیں۔ ان کے خطابی مرجع میں تین قول ہیں ۱۔ لفظاً بھی خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے اور معناً بھی ۲۔ لفظاً تو خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے مگر معناً امت کو خطاب ہے ۳۔ لفظاً اور معناً صرف اُمتِ مسلمہ اور تا قیامت مسلمانوں کو ہی خطاب ہے اور یہ قانون ساز آیت ہیں۔ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا میں دو قول ہیں ۱۔ اس سے مراد دنیوی رونق چمک دمک ۲۔ یہ تشبیہی جملہ ہے اور کفار کی خوب صورت زندگی کو کلی سے تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح کلی کی تروتازگی چند دن کی ہوتی ہے اسی طرح کفار کے یہ ناز نخرے عیش و عشرت مال و دولت چند گھڑیوں کی ہے اور پھر جس طرح غنچہ کلی۔ اور کلی پھول اور پھول مرجھا کر کانٹا بن جاتا ہے اسی طرح اہلِ دنیا کافرین غافلین ناقلین کی زندگی و زندگی کی زیب و زینت چہل پہل قابلِ زوال و فنا ہے لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ کے معنی میں دو قول ہیں ۱۔ ہم دنیا میں ان کو آزما رہے ہیں ۲۔ یہ دنیوی عیش و آرام ان کے لیے اس میں فتنہ و مصیبت ہے کہ یہی ہر چیز قبر و حشر میں عذاب بن کر سامنے آئیگی۔ لَا نَسْئَلُكَ میں دو قول ہیں ۱۔ ہم اپنے لیے تم سے کچھ رزق نہیں مانگتے جس طرح دنیا کے سلاطین رعایہ سے ٹیکس جزیہ و خراج کا مطالبہ کرتے ہیں یا آقا اپنے غلاموں سے خدمت و مکاتبت مانگتے ہیں ۲۔ ہم تمہارا رزق تم سے نہیں مانگتے۔ ہم خود ہی تمہارا رزقِ تقدیری تم کو دیتے ہیں دیتے رہیں گے۔ نہ صرف اپنے نفع سفا و ترقیِ درجات اُخروی مقامات کے لیے اعمالِ صالحہ کرو وہ ہم نہ دیں گے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**۔ تمام عبادت میں اہم عبادت نماز ہے۔ یہ صرف عبادت ہی نہیں بلکہ ایمانی زندگی کا پورا نقشہ ہے اذان تکبیر، لباس طہارت، صفائی، والی زندگی کا لہجہ ہے۔ انسانی زندگی کو حیوانیت سے بچاکر ملکوتی زندگی بنا دیتی ہے۔ اسی لیے ہر والدین پر فرض ہے کہ اپنی سات سالہ اولاد کو نماز پڑھائے سکھائے اور تلقین کرے اور دس سالہ اولاد کو مار کر نماز پڑھائے۔ اسی دس سالہ عمر سے لڑکے لڑکی کا سونا جاگنا الگ کر دے خلوت پر نظر رکھے۔ دوستی سہیلیت کا دائرہ محدود کرے۔ یہ فائدہ وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ کسی مسلمان کو دنیا کی کسی چیز پر دل نہ لگانا چاہیے یہ اپنی آخرت برباد کرنا ہے۔ کیونکہ دنیا کی ہزار سالہ عمر والی زندگی بھی چند لمحات کی شل ہے۔ یہ فائدہ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ زہرہ کا معنی ہے کلی۔ اور تمام نباتات میں خوب صورت بھی کلی ہوتی ہے اور نازک بھی۔ اور اسی نازکیت کی وجہ سے جلدی فنا بھی **تیسرا فائدہ**۔ دنیا کی محبت انسان کو ہر طرح سے اندھا کر دیتی ہے۔ اور دنیا میں اندھا بن کر چلنا

اعمال میں ناکام و امتحانِ ابدی میں فیل کر دیتا ہے یہ فائدہ لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ فرمانے سے حاصل کہ فتنہ کبھی نفع نہیں دے سکتا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: غیر کا کسی کی چیز کو دیکھ کر انسان کی نظر و نیت میں تین چیزیں آتی ہیں ۱ حسد ۲ رشک ۳ غبطہ۔ ان میں فرق یہ ہے کہ حسد کا معنی ہے کہ یہ چیز اُس کے پاس نہ رہے مجھے مل جائے رشک یہ ہے کہ اسے یہ چیز یوں مل گئی نہ ملنی چاہیے تھی۔ غبطہ یہ ہے کہ یہ چیز مجھے بھی مل جائے۔ قانونِ شریعت کے مطابق دنیوی اشیا اور دنیا داروں کی چیزوں میں یہ تینوں حسد رشک اور غبطہ حرام ہیں۔ لَا تَمُدَّنَّ میں اسی کا ذکر ہے مگر دینی چیزوں میں حسد حرام رشک ناجائز اور غبطہ جائز ہے۔ بلکہ نظر و نیت کے علاوہ دینی امور پر غبطہ کرتے ہوئے اُس کے حصول کے لیے دعا مانگنا بالکل جائز و مستحسن ہے مثلاً یہ کہنا جائز ہے کہ یا اللہ مجھ کو حضرتِ عثمان رضی اللہ عنہ جیسی دولت و سخاوت عطا فرما۔ یہ مسئلہ لَا تَمُدَّنَّ میں اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ کے ذکر سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ کفار و فساق کی دولت زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہے اور عثمانِ غنی کی دولت خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ہے۔ **دوسرا مسئلہ**: اولاد بھی والدین کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک کڑا امتحان ہے۔ کامیاب والدین وہ ہیں جنہوں نے اپنی اولاد کو سچا پکا مسلمان بنا دیا جس کے لیے ضروری ہے کہ ماں باپ بچپن سے اپنی اولاد کو دینداری اسلامی تہذیب سکھانا شروع کر دیں تاکہ اسی عادت اور رنگ ڈھنگ میں اولاد پلے بڑھے۔ مثلاً استنجا کرنے کے لیے اسلامی آداب کعبہ معظمہ کی شناخت وضو کے طریقے نمازیوں والا لباس ٹوپی وغیرہ کی عادت ڈالیں۔ صحیح تلفظ بیاری ترتیب کے ساتھ نماز و تلاوت سکھائیں۔ طریقۂ ادا کی مشق کرائیں۔ غرضکہ ہر نماز کے وقت وضو لوٹے مصلے کی گہما گہمی سے ہر مسلمان کے گھر میں عید جیسی دھوم مچ جائے یہ مسئلہ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**: بعض خطیب اور ائمۂ مساجد دعا کو شروع کرتے وقت اولاً یہ کلمات پڑھتے ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ وَ الصَّلٰوةُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ یہ ترتیب غلط ہے۔ یہ کلمات اس طرح پڑھنے چاہئیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَ الصَّلٰوةُ وَ السَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ۔ وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ۔ یعنی حمد کے بعد صلوٰۃ ہو۔ پھر وَ الْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ہو یہ مسئلہ یہاں قرآنی ترتیب سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے آیت نمبر ۱۳۰ میں وَ سَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ فرما کر حمدِ الٰہی کا ذکر پہلے کیا۔ پھر آیت نمبر ۱۳۲ میں اوّلاً شروع میں بِالصَّلٰوةِ فرمایا۔ پھر آخر میں وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى یعنی

لِاَهْلِ التَّقْوٰی۔ فرمایا۔ شرعی زبان میں درود شریف کو بھی صلوٰۃ ہی کہتے ہیں نیز عاقبت کا معنیٰ ہی آخری انجام ہے تو اس کو آخر میں پڑھنا چاہیے یہی ادب ہے۔ یہ غلط ترتیب نہ معلوم کس احمق نے شروع کی تھی جو قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے۔ اور ادبِ نبوت کے بھی۔ **چوتھا مسئلہ**۔ ان آیت سے اسلام کی صحیح اور سچی تعلیم یہ ثابت ہوتی ہے کہ مسلمان صرف عبادت کے اوقات میں عبادت کریں۔ اُن کے علاوہ اوقات میں ہر طرح کا دنیوی جائز کاروبار تجارت محنت مزدوری کریں رزقِ حلال کمانا بھی عبادت ہے یہ مسئلہ یہاں وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ۔ اور آیت نمبر ۱۳ میں بیان کردہ نماز کے پانچ اوقات ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا کہ نہ ہر وقت نماز نہ ہر وقت دنیوی کام۔ اوقاتِ نماز کی یہ ترتیب ہی بتا رہی ہے کہ اے مسلمانو تم اپنی دنیا کو بھی دین بناؤ کہ ساری عمر یہ ہی دوڑ رہے کہ گھر سے مسجد مسجد سے دکان۔ دکان سے مسجد تاکہ تمہاری ساری تجارتی محنت مزدوری۔ وضو اور نماز کے غلافوں میں لپٹی ہو۔ جب مسلمان دکاندار، کلمہ کلام پڑھتے مسجد سے اُٹھ کر دکان میں جائے۔ باوضو سودا بیچے تو کب دل چاہے گا حرام بیچنے اور جھوٹ بولنے اور ملاوٹ کرنے دھوکہ فریب دینے کو۔ یہ چور بازاری رشوت خوری ملاوٹ دوزی ذخیرہ اندوزی تو بے نمازی ہی کرتے ہیں۔ اسی لیے وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ کا حکم ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ۔ یعنی کفار فساق کے مال دولت کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھو۔ حالانکہ آنکھ کا کسی چیز کی طرف اُٹھ جانا اس کو دیکھ لینا غیر اختیاری فعل ہے انسان کے بس کی بات نہیں آتے جاتے اچانک بھی نظر پڑ جاتی ہے تو اس غیر اختیاری فعل پر یہ پابندی کیوں لگائی گئی جواب یہ اعتراض تب پڑتا تھا جب کہ یہاں لَا تَنْظُرَنَّ یا لَا تُبْصِرَنَّ ہوتا۔ یہاں فرمایا گیا ہے لَا تَمُدَّنَّ یعنی قلبی چاہت طبعی دلچسپی رشک و تمنا کی نگاہ سے آنکھیں پھاڑ کر نظریں گاڑھ کر اور احساس کمتری کا شکار ہو کر مرعوب ہو کر کسی چیز کو دیکھنا اور دیکھتے ہی چلے جانا اس کو عربی میں مَدُّ العین کہتے ہیں انسان کے اپنے بس میں عقلی فکری اختیار میں ہوتا ہے ایسی نگاہ پر ہی لَا تَمُدَّنَّ سے پابندی لگائی گئی ہے یہاں غیر اختیاری یا اچٹتی نگاہ کا ذکر نہیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا۔ یعنی اے مسلمان تو صرف نماز پر قائم رہ نیز الیس یہی کام ہے ہم تجھ سے تیرا رزق نہیں بنتے بلکہ خود کھا خود ہی کھلا کیونکہ رزق دینا ہمارا کام ہے تجھے اس کے لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مسلمان کو تجارت محنت اور روزی کے لیے کام دھندہ کرنا منع ہے حالانکہ اس کے بغیر گزارہ نہیں نہ ایسا کوئی مشاہدہ ہے کہ کسی مسلمان کو مصلے پر

بیٹھے بیٹھے گھر کا خرچہ ملا ہو۔ **جواب** وَاصْطَبِرْ اور لَا نَسْئَلُكَ کا معنی و تفسیر وہ نہیں ہے جو معترض نے سمجھی وَاصْطَبِرْ کا معنی یہ ہے کہ اپنے اہل کو نماز کا حکم کرتا رہ اور اس حکم کرنے پر قائم رہ اس کا معنی یہ نہیں کہ مسلمان ہر وقت نماز ہی پڑھتا رہے۔ اس سے پہلی آیت میں نماز کے پانچ وقت بیان کر دیئے گئے کہ نماز صرف ان اوقات میں پڑھو باقی وقت میں کاروبار کرو لَا نَسْئَلُكَ سے دو باتیں سمجھائی ہیں ۱ یہ کہ تمہاری نمازوں عبادتوں سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ نہیں جس طرح رعایہ کے کاروبار سے بادشاہ کو ٹیکس عشر خراج اور جزیہ محصول سے مفاد ہوتا ہے یا غلاموں کے کاموں سے آقا کو فائدہ پہنچتا ہے۔ اس طرح کا کوئی فائدہ رب تعالیٰ کو بندوں سے نہیں۔ اللہ اپنے بندوں سے کچھ نہیں مانگتا عبادات سے خود بندوں کو ہی فائدہ ہے ۲ یہ کہ دنیوی کاروبار میں اتنا مشغول مت ہونا کہ آخرت و عبادت بھول جاؤ۔ تم کاروبار کو فقط ایک تدبیر و حیلہ سمجھنا اس کو اپنی تقدیر نہ سمجھ لینا۔ تقدیری رزق دینا ہمارا کام ہے اس پہ بھروسہ صرف ہم پر کرنا۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ مَتَّعْنَا بِهٖ یعنی ہم نے اُن کو متاع اور سامان دیا پھر فرمایا نَحْنُ نَرْزُقُكَ۔ یعنی اے مسلمانوں تم کو بھی ہم رزق دیتے ہیں۔ درمیان میں فرمایا گیا وَرِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ سوال یہ ہے کہ کفار کو متاع رب نے دیا اور جو چیز رب دے وہ رزق ہوتا ہے اور رزق کی شان ہے خَيْرٌ وَّاَبْقٰى۔ تو لازم آیا کہ متاعِ کفار۔ رزق ہے اور خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ہے۔ تو مومن و کافر کے مال میں فرق کیا رہا۔ **جواب**۔ اللہ تعالیٰ جس شخص کو بھی دنیا میں دولت و عزت دیتا ہے اُس کی تین کیفیتیں ہوتی ہیں ۱ وہ متاع ہے ۲ عارضی ہے ۳ امتحانِ ربانی ہے یہاں تک کہ دنیوی زندگی اور موت کا بھی یہ ہی حال ہے خواہ کافر و فاسق کو دولت عزت شہرت ملے یا مومن متقی کو سب ہی متاعِ عارضی و امتحانِ اُخروی ہے لیکن مومن متقی اپنی عبادت ریاضت حلال ذریعوں صدقہ خیرات سے اسی متاع کو رزق بنا لیتا ہے اور عارضی کو دائمی کر لیتا ہے اور لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ کو اَلْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ بنا لیتا ہے۔ مومن کی دولت و عزت کو رِزْقُ رَبِّكَ کا پیارا لقب مل جاتا ہے اور خَيْرٌ وَّاَبْقٰى کی سند مل جاتی ہے۔ کافر کی حماقت اور فاسق کی غفلت کافر کے غرور فاسق کے فتور کی وجہ سے اُس کی دولت و عزت آزمائشِ الٰہی میں ناکامی کی بنا پر متاعِ فانی ہی رہتی ہے۔ ایسی ہی نقصان دہ آخرت تباہ کرنے والی دولت عزت سے بچنے بچانے کا حکم اور لَا تَمُدَّنَّ کی نہی وارد ہوئی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ | وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ

وَ رِزْقُ رَبِّكَ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى۔ اے منزلِ مقصود کے سالکِ معرفت۔ خارزارِ عشق کے راستے میں تلبِ ذوق اور قالبِ شوق سے چلنے والے طیورِ نفس کے میلان سے زخارفِ دنیوی کی طرف نفسانی چاہتوں سے اپنی عیونِ عقلیہ نظورِ فکریہ اور بصارتِ بدنیہ بصیرتِ سریہ کو لمبا نہ کر کیونکہ یہ باغیچہ گیتی کھلیان تو بازیچۂ اطفالِ اہلِ دنیا ہے اور دنیا والوں کی ابتلاء و آزمائش کی صورتیں ہیں۔ تو فقط اپنے رب کے رزق کا متلاشی بن تیرے رب تعالیٰ کا رزق حقائقِ لاہوتیہ معارفِ اُخرویہ اور انوارِ وحدانیہ اسرارِ روحانیہ کا ایسا خزانہ ہے جو افضل و اعلیٰ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ہے۔ وَ اْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَ اصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْئَلُكَ رِزْقًا نَحْنُ نَرْزُقُكَ وَ الْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى۔ اے بندۂ محبوب اس دنیوی تمدنِ عینی سے بچنے بچانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ اپنے قوائے روحانیہ اعضاءِ جسمانیہ تفکراتِ نفسانیہ کو نمازِ حضوری مراقبۂ رکوعی انقیادِ سجودی کا حکم عطا فرما اور پھر اس حالتِ مجاہدہ کیفیاتِ مکاشفہ پر قائم رہ یہ جو کچھ تو نے کرنا ہے اپنے لیے کرنا ہے ہم تجھ سے جبلتِ سفلیہ کا کوئی رزقِ مفاد کسبِ معاد نہیں مانگتے نہ تیرے کمالاتِ حسیہ کا اور نہ تیرے مدرکاتِ نفسیہ کا ہم خود تجھ کو جنتِ علویہ معارفِ روحانیہ اور حقائقِ قدسیہ کا رزقِ ابدی دیتے ہیں۔ جاننا چاہیے کہ آخرتِ حمیدہ قربتِ محمودیہ اور خلوصِ رحیدہ کے لیے وہی اعمال بہتر ہیں جو اَلْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى بننے کے لائق ہوں کیونکہ تقویٰ ہی انجامِ صالح ہے۔ اور تقویٰ نام ہے اس بات کا کہ بندہ طالبِ بدنیہ حیثیتِ نفسانیہ غلاظتِ شیطانیہ نجاستِ طغیانیہ سے خالی ہو جائے جس کو تقویٰ مل گیا وہی کامیاب و کامران ہو کر وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ کے زمرے میں شامل ہو گیا۔ وَ قَالُوْا لَوْ لَا يَاْتِيْنَا بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ۔ اَوَ لَمْ تَاْتِهِمْ بَيِّنَةُ مَا فِي الصُّحُفِ الْاُوْلٰى۔ قدرت کی ہزارہا نشانیاں دیکھنے کے باوجود اہلِ کدورت اپنی خواہشات مطالبات کی ہی تلقین کرتے ہیں۔ فرما دے اے مرشدِ اسرارِ باطن کہ اے کدورتِ ذہینہ سِرّیہ والو کیا تمہارے پاس معرفتِ الٰہیہ کے وہ نشانات نہ آئے تھے جو صحفِ قلوب کے قرطاسِ عقول میں ظاہر ہوئے۔ معارفِ یقینیہ اور نفاستِ علویہ کی روحانی تحریروں میں (عرائس البیان و ابن عربی) حدیثِ پاک میں ارشاد ہے کہ دنیا سرسبز متاع ہے۔ صورۃً حسین ہے۔ لذۃً میٹھی ہے منظراً سرسبز ہے۔ نظراً تعجب ہے۔ عادتاً بے وفا ہے طبعاً دغاباز ہے فطرتاً زہرِ قاتل ہے۔ خلقتاً نقصان دہ ہے حقیقتاً فانی ہے اس لیے اس پر صرف بیوقوف حمقا ہی فریفتہ ہوتے ہیں۔ امام حسن نے فرمایا اگر بے وقوف لوگ نہ ہوتے تو دنیا ویران ہوتی۔ کیونکہ احمق لوگ ہی آخرت و عبادت سے غافل و بے پرواہ ہو کر دنیا سازی اور دنیا کو بنانے سجانے میں لگے رہتے ہیں عیسیٰ علیہ السلام

نے فرمایا کہ اے بندے تو دنیا کو اپنا رب نہ بنا ورنہ یہ دنیا تجھ کو اپنا بندہ اور بھاری بنا لیگی اور تو دنیا پرست بن جائے گا جس کا ادلین نقصان یہ ہے کہ شہواتِ نفوس کا غلبہ ہوگا اور اُس سے نورِ توفیق کی محرومی ملے گی اور یہ محرومی نَفْتِنَهُمْ فِيهِ کی مردودی و ناکامی ہے۔ لہٰذا اے مسافرِ منزلِ معرفت لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ تو اپنی دونوں نگاہوں کو یعنی نگاہِ بصارتِ نظری اور نگاہِ بصیرتِ قلبی کو دنیا کی چمک دمک پر نہ بڑھا یہ حکم تو تا قیامت ہر بندۂ مخلص کو ہے مگر نبوت کی معرفت دذریعے سے دیا گیا ہے اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام تین چیزوں میں مخصوص الخلائق ہیں۔ اولاً رویتِ حق میں دوم توحید باللسان میں سوم ذکر بالقلب میں نبی علیہ السلام کی معرفت اور وسیلے سے ہی دیگر اہلِ ایمان کو یہ دولتیں میسر آتی ہیں۔ دنیا میں تمدّنِ عینی اہلِ معرفت کے لیے شرکِ بصری و کفرِ باطنی ہے اور توحیدِ ایمانی میں شرک کی ملاوٹ ناگوار و مردود ہے۔ تمدّنِ عینی سے رویتِ حق کی محرومی ہے صوفیا کے نزدیک شرک چار قسم کے ہیں ۱ دنیا میں حسرت شرکِ رویتِ حق ہے ۲ ذکرِ زبانی توحیدِ لسانی کا شرک ہے ۳ حسرتِ قلبی ذکرِ قلبی کا شرک ہے ۴ خواہشِ عقلی شرکِ فہمی ہے شرک کوئی بھی ہو مردود ہے۔ اور اہلِ شرک کبھی مقبول نہیں ہو سکتا۔ ازواج تین قسم کے ہیں ۱ ازواجِ اہلِ دنیا ۲ اہلِ آخرت ۳ ازواجِ اہلِ حق۔ اور ان تینوں کی تین منزلیں ازواجِ اہلِ دنیا کی پہلی منزل جہالت دوسری مردودیت تیسری مغضوبیت۔ ازواجِ اہلِ آخرت کی پہلی منزل عقلیت دوسری منزل مسعودیت تیسری مسرورت اہلِ حق کی پہلی منزل کاملیت دوسری محمودیت تیسری منصوریت۔ اہلِ دنیا کا پہلا قدم مغروریت میں اٹھتا ہے دوسرا ہلاکت میں تیسرا اور آخری ذلتِ عاقبت میں۔ اہلِ آخرت کا پہلا قدم ممنونیت میں اٹھتا ہے دوسرا سالکیت میں آخری جلیلیت میں اہلِ حق کا پہلا قدم ماموبیت میں اٹھتا ہے دوسرا مالکیت میں تیسرا خلیلیت میں یہی آخری قدم انجامِ ابدی اور عاقبۂ ازلی ہے۔ اس لیے اے طالبِ سعادت راہِ محبت میں چلنے سے پہلے اپنی عینِ ظاہر و عینِ باطن کو عزتِ ابدی کے پانی سے اچھی طرح دھوئے تاکہ تیری دونوں آنکھیں رویتِ دنیا کے میل اور غفلتِ آخرت کے کھیل سے پاکیزہ ہو کر جمالِ ربانی کو دیکھنے کے لیے جلالِ نورانی کے سرمہ کی مستحق ہو جائیں اس دنیا میں حضرتِ جلال کے دروازے اہلِ دارین کے لیے سدا کھلے ہیں۔ مَتَّعْنَا أَزْوَاجًا مِّنْهُمْ اے لوگو ہم اس دنیاء دون میں ہر قسم کے بندے کو اس کے نصیب کا نفع دیرہے ہیں لِنَفْتِنَهُمْ فِيهِ تاکہ اپنی اپنی متاع میں مشغولیت سے یہیں پر ہر شخص کا امتحان ہو جائے کیونکہ اسی امتحان پر ابدی انجام کا دارومدار ہے امتحانِ ربانی کا پہلا پرچہ نماز ہے انسان اپنے جسم کا بادشاہ ہے اعضاءِ ظاہری اُس کے اہلِ بیت ہیں اعضاءِ باطنی اس کا لشکر ہیں یہ سب رعایا ہے آخرت میں اِن کے بارے میں بندے سے سوال ہوگا۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ متاعِ ذاتی

کو رزق نہ سمجھے اور وَخَیْرٌ وَّ اَبْقٰی کی تلاش میں لگا رہے۔ اے سالک راہ لاہوت ماضی کو بھول جا حال پر قناعت کر مستقبل کی فکر نہ کر۔ وَ اصْطَبِرْ عَلَیْھَا یعنی تا عمر اسی کیفیتِ قلبی پر قائم رہ کیونکہ صبر مقامِ مشاہدہ ہے۔ اصطبار مقامِ مجاہدہ ہے جو نفس پر ضربِ شدید ہے اور قلب پر واردات بلا ہے جس کی عاقبت و انجام سکونِ ابدی ہے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے رَدِّ بلا کے لیے تسبیح مفید تر ہے اور نماز اَبْقٰی ہے پہلی نمازِ جسمانی ہے یعنی فرائض واجبات سنن نوافل۔ دوسری نمازِ قلبی ہے یعنی دائمی مراقبہ لازمی محاصرہ قائمی محاضرہ واجبی محاسبہ۔ تیسری نماز نفسی ہے کہ نفسِ ذات کو خصائصِ بشریہ کے تنزل سے بچا کر صفاتِ روحانیہ پر عروج کرانا تاکہ جہنمِ مادی سے خروج اور جنتِ اشرفیت کے حضور میں دخول ہو۔ چوتھی نماز صلوٰۃِ اسرار ہے یعنی ماسوا اللہ سے بے توجہ ہو کر بحرِ مشاہدہ میں مستغرق ہو جانا۔ پانچویں نماز صلوٰۃِ روح کہ بندہ فنا فی اللہ ہو کر باقی باللہ ہو جائے۔ یہ پانچ معرفت کی نمازیں ہیں۔ اس نماز کے لیے تین کپڑے ضروری ہیں (۱) علمُ الیقین کی ٹوپی (۲) حقُّ الیقین کا کرتہ (۳) عینُ الیقین کا پاجامہ۔ نمازِ جسمانی کا مصداق ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ دَائِمُوْنَ ہے قلبی نماز کا مصداق ھُمْ فِیْ صَلٰوتِھِمْ خَاشِعُوْنَ ہے۔ نفسی نماز کا مصداق فَادْخُلِیْ فِیْ عِبَادِیْ ہے۔ نمازِ اسرار کا وَادْخُلِیْ جَنَّتِیْ ہے۔ نمازِ بصیرت کا مصداق نور فَاعْبُدِ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ ہے۔ نمازِ روح کا مصداق مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ ہے یعنی قلب و قالب پر نقشۂ مصطفیٰ سجا دینا یہی مقامِ فنا ہے اسی مقام میں بندے کو معراجِ مومن نصیب ہوتی ہے۔ بندے کا فنا فی نفسہٖ ہونا بقا بربہٖ کی منزل پا لینا ہے یہ نشاناتِ اعظم بَیِّنَۃُ مَا فِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی ہیں۔ جو ہر اہلِ مشاہدہ کے نفسی و نفسیات پر ظاہر و جلوہ افروز و غلبہ اندوز ہے۔ اے بندے تو ایسی پانچ نمازوں میں مشغول ہو جا۔ "تاکہ وَوَجَدَکَ عَآئِلًا فَاَغْنٰی کا انعام یافتہ بن کر عیالِ حبیب کے زمرے میں شمار ہو جائے۔ نفس کی تردید کر تا رہ ورنہ تو ہزار نشاناتِ عبرت علاماتِ بشرت دیکھ کر بھی۔ لَوْ لَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا۔ کے فضول طعنے اڑاتا ہے صورتِ نماز سیرتِ مصطفیٰ کا نقشہ ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ صفاتِ الٰہی ہیں اور قرآن و حدیث مظہرِ صفاتِ مصطفیٰ ہیں۔ اسی لیے اُمّ المومنین عائشہ صدیقہ نے فرمایا کہ نبی کریم کا خلقِ عظیم قرآن ہے۔ عارفین کے مشرب میں ہر بندے کا اہل اُس کا مزاجِ جسمانی ہے۔ مزاج کی سرشت کے مختلف اقسام ہیں کسی کی تخلیق میں مٹی کا غلبہ کسی تخلیق میں پانی کا کسی میں آگ کا کسی میں ہوا کا غلبہ جس بدن میں جس شی کا غلبہ ہوگا اسی طرح کی اس کی طبیعت ہوگی خاک میں غفلت آب میں رحلت نار میں نفرت باد میں نخوت ہوتی ہے۔ غفلت میں حیوانیت کا ظہور رحلت میں درندگی کا عروج نفرت میں شیطانیت کا فتور

نحوت میں نفسانیت کا شمول ہوتا ہے اگر جسمِ انسانی میں نورِ ربانی کی امانت نہ ہو تو وہ ہر طرح ظلمت کا ڈھیر ہے اگر نبوت کا سہارا نہ ہو تو انسان میں کبھی روحانی قوت نہ آسکے اس لیے کہ خلقتِ انسانی کا بڑا عنصر مٹی ہے اور مٹی میں آگ کی سرایت۔ شیطان آگ ہے انسان مٹی ہے جب آگ مٹی کا ملاپ ہوتا ہے تو مٹی ٹھیکری بن جاتی ہے یہ مٹی کی شیطانیت بے نور بے گداز ہے۔ رب تعالیٰ نے مٹی کی اسی شیطانی سختی کو ختم کرنے کے لیے نورِ نبی اور انوارِ قرآن سے انسان میں گدازِ عشق پیدا فرمایا۔ جب مٹی کو عشق کا ہل چلا کر نرم کر دیا گیا تو شریعت طریقت حقیقت معرفت کے غنچہ پھول پھل اور بیج نمودار ہوئے۔ غرضکہ اجسامِ انسانی میں نبوت کا ہی فیضان ہے۔ نبی کا وجود رب تعالیٰ کے مخفی لطف و عنایت کا عظیم خزانہ ہے جس طرح جب بارش برستی ہے تو ایک ہی سمت پر بہہ کر ندی نالے نہریں دریا بنتی بناتی چلی جاتی ہے اسی طرح فیوضاتِ ربانیہ صرف جانبِ مصطفیٰ بہہ کر تمام کائنات کو فیضیاب کرتے چلے جاتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا

اور اگر کہیں ہم ہلاک کر دیتے ان کو کسی آسمانی عذاب کے ذریعے اس کے پہلے ہی تو محشر میں کہتے کہ

اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے رسول کے آنے سے پہلے تو ضرور کہتے

رَبَّنَا لَوْلَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ

اے ہمارے رب کیوں نہیں بھیجا تو نے ہماری طرف کسی پیغمبر کو تاکہ ہم تب ہی اتباع کر لیتے

اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر

اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى ﴿۱۳۴﴾ قُلْ

تیری آیتوں کی اس سے پہلے کہ ذلیل اور رسوا ہوتے ہم۔ فرما دیجئے

چلتے قبل اس کے ذلیل و رسوا ہوتے تم فرماؤ

قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا ۚ فَسَتَعْلَمُوْنَ

کہ ہر شخص انتظار کر رہا ہے لہٰذا تم بھی انتظار کرو پھر عنقریب جانلو گے ہم

سب راہ دیکھ رہے ہیں تو تم بھی راہ دیکھو تو اب جان جاؤ گے

مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ

کہ کون درست راہ پر تھا اور کس نے

کہ کون ہیں سیدھی راہ والے اور کس نے

ع ۸ ۷ ۱۸

اهْتَدٰى ﴿۱۳۵﴾

منزل پائی

ہدایت پائی۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار کا انبیاء کرام کو نہ ماننے اور قسم قسم کے اعتراض کرنے کا بیان ہوا۔ اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم رسول نہ بھیجتے تب بھی ان کا یہ اعتراض ہوتا کہ اللہ تعالےٰ نے سمجھانے والا ہادی تو بھیجا نہیں اور ہماری گمراہی پر عذاب دے دیا **دوسرا تعلق**، پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفار کی تکالیف پر صبر کرنے کی ہدایت کی گئی اب اِن آیت میں کفار کو صبر اور انتظار کرنے کا کہا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ دنیا کی دولت کفار کو دی گئی ہے۔ اَب اِن آیت میں فرمایا گیا ہے کہ ایمان اور ہدایت کی دولت مسلمانوں اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلاموں کو دی گئی ہے۔

شانِ نزول تفسیر خزائن العرفان میں فرمایا گیا کہ ایک دفعہ مشرکینِ مکہ نے آپس میں کہا کہ یہ مسلمانوں کا شور و غوغا اور نبی و قرآن و اسلام کی باتیں چند دن کی ہیں۔ جب یہ نبی وفات پا گئے تو سب کچھ فنا و ختم ہو جائے گا۔ اس لیے اے کفارِ مکہ تھوڑا انتظار کرو ان پر مصائب تکالیف حوادث و اموات آنے دو پھر دیکھنا ان مسلمانوں کی تباہی بربادی اور

مٹنے کا تماشہ، تب یہ آیت نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا کہ تم کیا کس کی بربادی کا انتظار کروگے مسلمان خود تمہاری اُس حقیقی اور پوری ہلاکت کا انتظار کر رہے ہیں جو تم پر آنے والی ہے۔

تفسیر نحوی

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى

واؤ یہ جملہ لَو حرف حروف مجازات میں سے ہمیشہ دو جملوں پر داخل ہوتا ہے۔ ابتداء۔ اَنَّا۔ اَنَّ حرف تحقیق مشبہ بالفعل نَا ضمیر جمع متکلم اِس کا اسم ہے اَهْلَكْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِهلاکٌ بمعنیٰ فنا۔ تباہ کرنا۔ مارڈالنا بِ حرف جر سببیہ بمعنیٰ ذریعے عَذَاب اسم مفرد ثلاثی مزید فیہ کا مصدر ہے بروزنِ فَعَالٌ یہ اثبات منفی مصادر میں سے ہے کہ ظاہر اً مثبت۔ باطناً کسی چیز کی نفی اور زوال یہاں حاصل مصدر جامد عَذَابٌ سے ہے بمعنیٰ زندگی کی لذت ختم کر دینے والی سزا۔ یہاں دنیوی بربادی تباہی کی سزا مراد ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ جارہ بیانیہ قَبْلِ اسم ظرفیہ زمانیہ مضاف نکرہ ہے ہٖ ضمیر کا مرجع آیٰت یا بَیِّنَةٌ ہے ایک قول میں مرجع وحی ہے یعنی رسول نبی اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے یہی قول پسند فرمایا اور یہ زیادہ درست ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم اَهْلَكْنَا اپنے فاعل مفعول اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ۔ لام کے تاکید یہ بمعنیٰ ف جزائیہ ترجمہ ہے تو البتہ۔ قَالُوْا فعل بافاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبَّنَا۔ اصل میں یَا رَبَّنَا اے ہمارے رب رَبَّنَا۔ مرکبِ اضافی منادیٰ ہوا یا ندائیہ پوشیدہ کا۔ لَوْلَا۔ حرفِ تعریض شرطیہ یعنی عرض و فریاد التجا کرنے کے لیے یعنی عرض کو شرط میں لپیٹ کر کلام کرنا۔ اس کو تعریض شرطی کہتے ہیں اَرْسَلْتَ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر حاضر رَسْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بھیجا یہ مادہ ہمیشہ باب افعال میں استعمال کیا جاتا ہے یہ بذاتِ خود بھی متعدی ہے افعال میں بھی فعل کو متعدی ہی بنایا جاتا ہے۔ قرآنِ مجید میں کسی دوسرے باب کا کوئی مشتق نہیں آتا۔ لفظِ رسول مبالغے کا صیغہ بھی اسی باب سے ہے اس کا مصدر ہے اِرْسَال اور رِسَالَةٌ۔ آخر کی تَ واحد مذکر حاضر کی ہے۔ خیال رہے کہ عربی میں حرفِ تَ تین طرح مستعمل ہے (۱) کمل تَ اور (۲) ۃ (۳) تَ کا نشان (دو ندانہ) پہلی دو لفظ کے آخر میں ہوتی ہیں اور تیسری لفظ کے ابتدا یا درمیان میں اس کی تین قسمیں (۱) علامتِ مضارع (۲) افتعال کی (۳) مادے کی تَ یا عین کلمہ اور پہلی کمل تَ کی پانچ قسمیں ہیں (۱) واحد مذکر حاضر جیسے یہاں اور ہر ماضی میں (۲) واحد مؤنث غائب (۳) واحد مؤنث حاضر (۴) جمع مؤنث (۵) اصلی تَ مادے لام کلمہ کی

حرف ۃ کی تین قسمیں ۱ تانیث کی ۲ مصدریہ ۳ وحدت۔ اِلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق ہے رَسُوْلًا۔ باب افعال کا صیغہ مبالغہ بروزنِ فعول یہاں اسم جامد ہے بمعنی بھیجا ہوا صاحبِ شریعت نبی مفعول بہٖ اَرْسَلْتَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ فَ حرفِ جزا۔ تعلیلیہ ہونے کی وجہ سے لام کے تعلیلیہ کی مثل اس میں بھی اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوا نَتَّبِعَ۔ بابِ افتعال کا فعل مضارع تمنائی مثبت معروف۔ جمع متکلم بحالتِ نصب ہے اَنْ پوشیدہ کی فَ کی وجہ سے اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے بمعنی پیروی فرمانبرداری کرنا اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ نَحْنُ پوشیدہ ہے اُس کا مرجع کفار لوگ اٰیٰتِکَ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے۔ مِنْ جارہ زائدہ۔ یہ اگلے کلام میں عموم اور تاکید پیدا کرتا ہے یعنی اول اور قبل ہونا معیّن نہیں ہے۔ قَبْلِ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے اَنْ حرف ناصبہ نَذِلَّ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع متکلم ذُلٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنی ذلیل۔ رسوا عاجز فرماں بردار ہونا نیچا ہونا یا کرنا یہاں پہلے معنی ہیں ہے لازم یعنی ذلیل ہونا ذلیل اپنے آپ کو سمجھنا ذِلٌّ کا معنیٰ ہے قہر و غضب سے کسی کو نیچا کرنا اور ذُلٌّ پیش سے محبت و شفقت سے کسی کے لیے نیچے ہونا۔ اسی طرح خِزْیٌ اور خَزَایَۃٌ میں یہ فرق ہے کہ خِزْیٌ بمعنی مستحقِ رسوائی کو رسوائی پہنچنا اور خزایہ کسی کی حیا شرم میں خود اپنی رسوائی یعنی اپنا نقصان کر لینا۔ یہ فعل اپنے پوشیدہ ضمیرِ صیغہ نَحْنُ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ نَخْزٰی بابِ سَمِعَ مضارع جمع متکلم خِزْیٌ سے مشتق ہے بمعنی رسوا ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ ذِلَّتٌ اور خِزْیٌ میں فرق یہ ہے کہ برائی کی سزا ذلت ہے اور برائی کی مشہوری خِزْیٌ ہے یہ دونوں عطف مل کر مضاف الیہ قَبْلِ کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے نَتَّبِعَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے لَوْلَا۔ اَرْسَلْتَ کی دونوں مل کر جوابِ ندا پوشیدہ (کا ندا اپنے منادیٰ اور جوابِ ندا سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا قُلْ کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَمَنِ اهْتَدٰی۔ قُلْ بابِ نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف مذکر خطاب ہے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنی کہنا بولنا۔ تعظیم کے لیے فرماتا کے معنی میں ہوتا ہے فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ کُلٌّ اسم کُلِّی تاکیدی لفظاً واحد اور معناً جمع ہوتا ہے یہ واحد اور جمع مذکر اور مؤنث سب کے لیے مستعمل ہے یہاں واحد کے لیے آیا اس لیے کہ اس کے بعد مُتَرَبِّصٌ واحد ہے کُلٌّ کی دو قسمیں ہیں ۱ مجموعی بمعنی سب اعلیٰ حضرت نے اسی کو لیا ہے ۲ کل افرادی بمعنی ہر ایک ہم نے یہی ترجمہ کیا ہے اعلیٰ حضرت نے اس کو کل مجموعی قرار دیا اور اس کا مضاف الیہ

معرفہ یا معرفہ کی ضمیر کو محذوف مانا ہے کہ دراصل کُلّ الکفارِ یا کُلُّھُم تھا ہم نے اس کا مضاف الیہ انسان مانا ہے جو نکرہ ہے اس لیے کُل افرادی ہوا ہم نے کُلٌّ کے نکرہ اور مُتَرَبِّصٌ کے واحد نکرہ ہونے کا لحاظ کیا مگر اعلیٰحضرت نے سابقہ کلام کی روش کا خیال رکھا کیونکہ سابقہ اور موجودہ کلام میں کفار ہی کا تذکرہ ہے یعنی جس طرح سب کافر کسی انتظار میں پھنسے ہوئے ہیں تم بھی انتظار میں عمر برباد کرتے رہو۔ ہمارے نزدیک ہر انسان نیک و بد اپنے اپنے انجام کے انتظار میں ہے۔ مگر اعلیٰحضرت کا ترجمہ شاندار ہے کیونکہ انتظار میں شک صرف کفار کو ہے مومن کو اپنے اچھے انجام کا یقین کامل ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ قرآنِ مجید میں کُلٌّ معرَّف باللام نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے جب کُلّ خود نکرہ ہو یا نکرے کی طرف ظاہراً مضاف ہو تو اکثر افرادی زیادہ مستعمل ہے لیکن اگر کُلّ خود معرّف باللام ہو یا معرفہ کی طرف مضاف ہو یا معرفہ کی ضمیر کی طرف تو کُلٌّ مجموعی ہوتا ہے۔ یہاں کُلٌّ نکرہ ہے اور مضاف الیہ محذوف ہے کیونکہ کُلٌّ نکرہ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے کبھی مضاف الیہ پوشیدہ محذوف اور کبھی ظاہر جیسے کُلُّھُمْ وغیرہ یہ مبتدا ہے اس لیے مرفوع ہے۔ مُتَرَبِّصٌ بابِ تَفَعُّلٌ کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَرَبُّصٌ رَبْصٌ سے بنا ہے بمعنی اُمید یا شک والا انتظار کرنا۔ تربّص اور انتظار میں فرق یہ ہے کہ تربص میں شک یا تردد ہوتا ہے مگر انتظار عام ہے ہر قسم کی آس لگانے کو اردو میں دونوں کا ترجمہ انتظار کرنا ہی کیا جاتا ہے۔ تربّص کی دو قسمیں ہیں ۱؎ پچھلے حال کے ختم ہونے کا انتظار ۲؎ یا اگلی نئی حالت کی شروع ہونے کا انتظار۔ یہاں دوسری قسم مراد ہے۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مُعَے اور اس کا مرجع کل (افرادی) ہے اس لیے صیغہ اور اس کی مستتر ضمیر واحد ہے۔ فَ سببیہ عاطفہ۔ تَرَبَّصُوْا بابِ تفعل کا امر حاضر معروف جمع مذکر آخر میں اَلِف زائدہ فقط حشو (بھراؤ) کے لیے ہے اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہے یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ میں حرفِ تقریبی تَعْلَمُوْنَ بابِ سَمِعَ کا مضارع مستقبل مثبت معروف جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مَنْ اسم موصول اَصْحٰبُ اسم جمع مکسر نسبتی اس کا واحد ہے صاحب بمعنی والا جب یہ ضمیر کی طرف مضاف ہو تو معنی ہوتا ہے مالک یا ساتھی۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے۔ الصِّرَاطِ اسم موصول معرّف باللام جامد ہے بمعنی راستہ موصوف ہے اَلسَّوِیِّ اسم مفرد مؤنث لفظی اِس کی تصغیر ہوتی ہے صُرَیْطٌ بمعنی سیدھا باب افتعال کے اسم فاعل مُسْتَوِی۔ سَوِیّ کا ترجمہ ہے صاف ۱؎ درمیانی ۲؎ برابر ۳؎ راستہ مکمل ۴؎ سیدھا ۵؎ درست یہ خود صفت مشبہ ہے بروزنِ فَعِیْلٌ۔ ایک ترجمت میں مستوی ہے بمعنی بہت عمدہ عقل والا جس میں۔ اَفراط

ہو نہ تفریط (نہ زیادتی نہ کمی) اس کی جمع ہے اَسْوَاءُ صفت ہے اَلصِّرَاطِ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے
اَصْحٰبُ کا یہ مرکب اضافی صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنِ اسم موصول اِهْتَدٰی باب افتعال
کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِهْتِدَاءٌ دراصل اِهْتِدَائٌ تھا هُدًیٌ سے بنا ہے اسی سے
ہِدَایَتٌ بمعنی سیدھا راستہ پالینا یا منزل مقصود تک پہنچ جانا هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے
یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا مفعول بہ ہے تَعْلَمُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
ہوا تَرَبَّصُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مسبب ہوا کُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ مبتدا خبر کے جملے اسمیہ کا سبب اور
مسبب مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو کر مکمل ہوا۔ **اِن آیات کی مختلف قرأتیں**
۱؎ مشہور قرأت نُذِلَّ شاذ قرأت نُذَلَّ فعل مجہول ہے ۲؎ مشہور نَخْزٰی ہے شاذ نُخْزٰی مجہول ہے
۳؎ مشہور مَنْ تَقُوْلُ ہے شاذ قرأت میں فَتَمَتَّعُوْا ہے ۴؎ مشہور اَلسَّوِیِّ ہے شاذ اَلسُّوْئِی اور یا اَلسَّوَاءُ ہے
وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوْ اَنَّاۤ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْ لَاۤ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰی۔ اے محبوبِ عالمین ابتداءِ آفرینش سے ہمارے قانونِ عدل کا طریقہ
یہی رہا کہ نہ ہم کسی کو غفلت میں عذاب دیتے ہیں نہ ہدایت پہنچائے تبلیغ کئے بغیر ہلاک کرتے ہیں بلکہ
ہر طرح اپنے انبیا کے ذریعے وعظ نصیحت بشارت نذارت۔ کفر و ایمان کے احکام اچھے برے
کی پہچان کراتے رہے اس لیے کتب و صحائف اور رسول و مرسل بھیجتے رہے بلکہ ہم نے عالَمِ
انسانیت کی ابتدا ہی نبوت و رسالت سے فرمائی اور اپنے خلیفۃ فی الارض پہلے بشر کو ان کی نسلی قوم کا نبی
بنا دیا تھا تاکہ کوئی انسان بھی ہدایتِ حق۔ صفاتِ ربانی آیاتِ ایمانی سے بھولا بھٹکا نہ رہے۔ اگر ہمارا
عدلِ کریمانہ کا یہ فیصلہ نہ ہو چکا ہوتا اور کافروں منکروں کو ان کی خباثتِ کفر فساد فی الارض کی وجہ سے کسی
نبی کے بھیجے بغیر۔ رشد و ہدایت کا راستہ سمجھائے بغیر ہی کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے۔ یا ان کفارِ
مکہ کو آپ کی نبوت رسالت تبلیغِ قرآن کے بغیر ہی ہلاک کر دیتے۔ تو میدانِ محشر میں عدالتِ جبّاری
عدلیہ کے سامنے یہ تمام لوگ اپنے کفریہ شرکیہ عقیدوں پر قائم رہنے کا عذر پیش کرتے ہوئے ضرور کہتے
کہ اے ہمارے رب کیوں نہ بھیجا تو نے دنیا میں ہمارے پاس اپنا کوئی رسول کسی اپنی کتابِ احکام کے
ساتھ جو ہم کو تیری توحید بتاتا شریعت سکھاتا۔ آیات پڑھاتا۔ قانونِ ایمانی سناتا۔ راہِ ہدایت دکھاتا نیک
و بد سمجھاتا ہم کو سچا پکا مومن بناتا۔ قبر و حشر کی ذلت سے جہنم سے چھڑاتا جنت میں پہنچاتا۔ تو ہم یقیناً اس

نبی رسول کے ذریعے۔ اس کے فرمانے سمجھانے سے صحیح بندے بن کر تیری تمام آیتوں قانونوں کی دل وجان صدقِ لسان سے ہمہ تن پیروی کر لیتے اس سے پہلے پہلے کہ موت کے وقت ذلیل قبر میں حقیر اور آخ محشر میں خوار ہوتے۔ یا ابدی جہنم کے عذابِ الیم میں مبتلا ہوتے۔ کفار کی اسی عذر خواہی کو توڑنے کے لیے ہم نے اُن کے پاس اپنے انبیا بھیجے پھر ساری کائنات کے لیے آپ کو ابدی رسول و مرسل بنا کر بھیج دیا۔ یہ بات اور ہمارے رحم وکرم کا یہ انداز اور طریقہ بھی اِن کو سمجھا دو کہ دیکھو رب تعالیٰ نے مجھ کو رسول بنا کر کتاب دے کر تمہاری ہی بھلائی کے لیے بھیجا ہے۔ میں نے تم کو وہ تمام آیت سنا دیں جن کی تم کو ضرورت تھی اب ایمان نہ لانے کا عذر بہانہ تمہارے پاس باقی نہ رہا اس دنیا میں نہ وہاں محشر میں لہٰذا قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى ۔ اے حبیبِ مکرم نبیِّ محترم اِن کفارِ مکہ سے فرما دیجیے کہ ہم جانتے ہیں کہ تم کس چیز کے مُتَرَبِّصٌ ومنتظر ہو تم سب انتظار کر رہے ہو کہ کب نبی فوت ہوں تو اسلام وقرآن سے جان چھوٹے تم صحابہ کے ارتداد کے منتظر ہو ابوجہل کسی انتظار میں یہ کہتا پھر رہا ہے کہ اے نبوت کا دعویٰ کرنے والے از وجودِ تو حیاتم زار زار از حیاتِ تو وجودم پاش پاش فَتَرَبَّصُوْا۔ تو پھر کرتے رہو انتظار کون کب مرے گا کس حال میں مرے گا فَسَتَعْلَمُوْنَ عنقریب جان لو گے پہچان لو گے۔ عالمِ نزع میں یا قبر میں یا قیامت میں کہ کون تھا شروع دن سے دنیا میں سیدھے سچے صاف راستے جنتی صراط پر اور کس نے گمراہی بدکاری کفر شرک خباثت شیطانیت کو چھوڑ کر اللہ رسول قرآن وحدیث شریعت طریقت آیت وبیّنات کی صراطِ سوی کی ہدایت پالی سب جان لو گے کہ کس کی باتیں مفید نصیحتیں پیاری تبلیغیں صراطِ سوی تھیں اور کن لوگوں کا رویہ ہدایت یافتہ تھا۔ ابھی تو ہم سے متنفر ہمارے دین سے بیزار ہو کبھی پچھتاؤ گے ہماری باتیں حسرت سے یاد کرو گے۔ اکثر مفسرین نے ان آیت کی تفسیر میں یہی فرمایا کہ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ سے صرف کفار مراد ہیں۔ اگلے دونوں جمع مذکر حاضر کے صیغے فَتَرَبَّصُوْا و فَسَتَعْلَمُوْنَ بھی اسی تفسیر کی تائید فرما رہے ہیں مگر بعض فرماتے ہیں کہ كُلٌّ سے مراد تمام مومن و کافر ہیں۔ یعنی ہم اور تم سب انتظار کرنے والے ہیں۔ ایک دوسرے کے انجامِ کار کا۔ یا قبل موت بذریعے جنگ وجہاد دولت قوت حکومت کے ظہور کا یا بعدِ موت ثواب وعذاب کا اور سچے پر کرامت عزت اور جھوٹے پر ذلت و اہانت کے ورود کا۔ یا ایک دوسرے کے مرنے کا اے کافرو تم ہم سے بیزار ہم تم سے ناراض۔ تم صحابہ پر ناگہانی مصیبت کے آنے کے منتظر۔ ہم تمہاری اس ذلت وڈھیل کے خاتمے کے منتظر جو خدا تعالیٰ کی طرف سے تم کو ملی ہے۔

کافر اس بات کے منتظر ہیں کہ مسلمان پھر ہمارے ساتھ مل جائیں اور مومن اس بات کے منتظر کہ آج نہیں تو کل تم میں سے ہی کثیر لوگ مومن بن جائیں گے اگر تم کفر میں پکے شرک میں ضدی ہو تو کرتے رہو انتظار

مفسرین کے مختلف اقوال

اَهْلَكْنٰهُمْ میں دو قول ۱؎ ھُمْ ضمیر سے مراد تمام کافر قومیں گذشتہ موجودہ بھی ۲؎ ھُمْ سے مراد صرف کفارِ مکہ ابوجہل وغیرہ بِعَذَابٍ کے معنی میں چار قول ہیں ۱؎ اس سے مراد جہنم کا عذاب ۲؎ محشر کی رُسوائی ذلت ۳؎ وقتِ موت نزع کی سختی ملک الموت کا جھڑکنا ہیبت ناک شکل میں آنا ۴؎ جہادوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں قتلِ کفار اور قید کی ذلت کا عذاب مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ فرمایا گیا ہے اَهْلَكْنٰهُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ۔ یعنی نبی کے آنے سے پہلے ہلاک کر دیتے۔ حالانکہ جہادوں میں ہلاکت مِنْۢ بَعْدِهٖ ہے نیز فرمایا گیا لَوْ اَهْلَكْنٰا۔ اگر ہم ہلاک کر دیتے اور جہادوں میں ہلاکت تو واقع ہے وہاں اگر مگر نہیں آسکتا مِنْ قَبْلِهٖ میں چار قول ۱؎ ہر قوم میں اُس کے نبی بھیجنے سے پہلے ۲؎ کوئی کتابِ الٰہی آنے سے پہلے ۳؎ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے سے پہلے ۴؎ قرآنِ کریم کے آنے سے پہلے۔ پہلا قول مضبوط ہے۔ لَقَالُوْا۔ میں دو قول ہیں ۱؎ آخرت میں کہتے۔ یہ ہی قول درست ہے ۲؎ دنیا میں کہتے یہ قول غلط ہے۔ اَهْلَكْنٰا کے خلاف ہے۔ ہلاکت سے پہلے کہنے کا ذکر نہیں بعد کا ذکر ہے اور ہلاکت کے بعد تو آخرت میں ہی کوئی بول سکتا ہے اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا میں دو قول ۱؎ کوئی نبی ۲؎ صاحبِ کتاب نبی۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ میں دو قول ۱؎ یہاں ذلت سے مراد قبر یا حشر کی ذلت ہے ۲؎ دنیوی ذلت مراد ہے یعنی فتوحاتِ اسلامیہ بلادِ اسلامیہ سے نکالا جانا۔ مال لوٹا جانا مالِ غنیمت بن جانا غریب الوطنی کی ذلت مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ لَوْ اَهْلَكْنٰا میں ایک مفروضے کا ذکر ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کفار ایسا کہتے نہ ہلاک قبل ہوئے نہ ایسا کہیں گے۔ بلکہ اب تو کفار محشر میں کہیں گے۔ قَالُوْا بَلٰى قَدْ جَآءَنَا نَذِیْرٌ فَكَذَّبْنَا وَ قُلْنَا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ مِنْ شَیْءٍ (از سورۂ ملک آیت ۹) یعنی جب ان کا حساب کتاب لیتے وقت پوچھا جائے گا کہ بتاؤ تمہارے پاس دنیا میں ہمارے انبیا نذیر و بشیر بن کر آئے تھے یا نہیں تو کوئی کافر انکار نہ کر سکے گا بلکہ اعترافاً سب کہیں گے کہ ہاں آئے تھے مگر ہم نے ان کو جھٹلا دیا تھا۔ لہٰذا صحیح قول یہی ہے کہ اَنْ نَّذِلَّ سے مراد اُخروی ذلت ہے جو موت سے شروع ہو کر قبر حشر اور ابدی جہنم تک ہے نَخْزٰى سے مراد جہنم کا عذاب یا محشر کے حساب کا شرمناک نتیجہ اور اعمال کی بربادی ہے۔ فَتَعْلَمُوْنَ میں دو قول

۱ عنقریب تم جان لوگے ۲ عنقریب پہچان لوگے یعنی علم بمعنی معرفت ہے۔ مَنۡ اَصۡحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ میں، دو قول ہیں ۱ صحابہ کرام ۲ بچپن کے مومن جیسے کم عمر صحابہ یا تا قیامت خاندانی مسلمان جن پر کفر کا ایک لمحہ نہ گزرا۔ مَنِ اهۡتَدٰی میں دو قول ہیں ۱ نو مسلم لوگ صحابی یا بعد والے تا قیامت ۲ تحقیق و تفتیش اور جستجو کر کے کفر چھوڑ کر مسلمان ہونے والے لوگ ۳ بعض نے فرمایا کہ صراطِ سوی سے مراد ہے دینِ اسلام اور مَنِ اهۡتَدٰی سے مراد ہے اس کو مان لینا۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** اللہ تعالیٰ شک اور تردد و ریبیت سے پاک ہے۔ قرآن مجید میں جہاں کہیں شک والے الفاظ ہوتے ہیں وہاں یا تو نسبت بندوں کی طرف ہوتی ہے یا وہاں جھڑک مقصود ہوتی ہے یہ فائدہ مَنۡ اَصۡحٰبُ اور مَنِ اهۡتَدٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔ جو ظاہراً سوالیہ ہے مگر اصلاً جھڑک ہے۔ سوال ریبیت پیدا کرتا ہے مگر جھڑک ریبیت کو ختم کرتی ہے **دوسرا فائدہ** باطل کی حجت اور عذر تراشی کو پیشگی ختم کرنا بہت اچھا طریقہ اور حکمتِ حسنیٰ ہے۔ یہ طریقہ علم کا اعلیٰ معیار ہے اور اس حکمت کا اظہار بھی حکمتِ بالغہ ہے۔ مناظرین مبلغین اور دنیوی فیصلے کرنے والے کے لیے نہایت مفید و ضروری یہ فائدہ وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اپنی حکمت جاری بھی فرمائی اور ظاہر بھی، یہ سمجھانے کا بہترین طریقہ ہے۔ **تیسرا فائدہ** اللہ رسول کی بات ماننے سے دنیا جہاں اور آخرت کی عزت و مرتبہ ملتا ہے اور نہ ماننے سے دنیا قبر حشر کی ذلت ملتی ہے مسلمانوں کو ہر قول و عمل میں ہر وقت اتباعِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اہتمام سے خیال بھی رکھنا چاہیے اور تسلیم بھی کرنا چاہیے دنیا میں ہی اقرار و اتباع کرنا چاہیے اسی کا نام ایمان ہے یہ فائدہ فَنَتَّبِعَ اٰیٰتِكَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار یہی بات جو دنیا میں نہیں مانتے جب کہ ماننا مفید ہے کل قیامت میں اس حقیقت کو تسلیم کریں گے کہ اتباعِ رسول میں دنیا آخرت کی نجات و عزت ہے اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ آج دنیا میں ہی مکمل اتباع کر لیں۔

احکامُ القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں **پہلا مسئلہ** اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز لازم واجب نہیں یہ مسئلہ وَلَوۡ اَنَّاۤ اَهۡلَكۡنٰهُمۡ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو بغیر ارسالِ رسالت و نزولِ کتاب و احکام اور بغیر ہدایتِ نبی کے ہی بندوں کی نافرمانی پر ان کو ہلاک فرما دے تو یہ اُس کا خالقیت مالکیت والا حق ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں یہ محض اس کا کرم ہے کہ بڑے بڑے سرکشوں نافرمانوں کے پاس اپنے رسول کتاب

ہدایت بھیج کر ہزار ہا طریقوں سے سمجھاتا ہے۔ عیش و آرام کے ساتھ ڈھیل دیتا ہے حالانکہ یہ مہلت دینا اُس پر واجب نہیں **دوسرا مسئلہ** ہر ذی عقل بندے پر اپنی عقلی فکری اور فطری جبلی علم کی بنا پر توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان لانا واجب ہے اور کفر سے توبہ لازم خواہ کسی نبی کی تبلیغ پہنچے یا نہ پہنچے کتاب و شریعت کسی کو ملے یا نہ ملے۔ نبوت کا آنا محض رب تعالیٰ کا کرم ہے بندہ نوازی ہے یہ مسئلہ بَعْدَ اَب مِّنْ قَبْلِهٖ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہی امامِ اعظم کا حنفی مسلک ہے اور اسی آیت اور احادیثِ متعددہ سے استنباط ہے۔ امام شافعی اس کے خلاف ہیں مگر اُن کے دلائل کمزور ہیں امام اعظم فرماتے ہیں کہ اس آیت کے اشارۃُ النص سے ثابت ہوتا ہے کہ مِنْ قَبْلِهٖ۔ ہلاک فرما دینا اُس کو لائق تھا کیونکہ وہ خالق و مالک ہے رسول و کتاب ملنا بندوں کا حق نہیں۔ اور جن کو رسول اللہ کی تبلیغ کتاب یا شریعت نہ ملی جیسے جنات یا اہلِ فطرت انسان۔ تو اُن کی حق تلفی نہ ہوئی دیکھو نبوت شروع ہوئی آدم علیہ السلام سے جنات پہلے سے موجود آدم علیہ السلام کے بعد بھی کوئی نبی جنات کی طرف مبعوث نہ ہوئے نہ کسی نبی کی امت میں جنات شامل حضرت سلیمان علیہ السلام بھی صرف بادشاہ تھے جنات کے نہ کہ نبی صرف آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم جن و انس کے نبی ہیں بلکہ تمام مخلوق کے لیکن تمام کافر جنات جہنم میں جائیں گے وہ اپنا یہ عذر پیش نہ کرسکیں گے۔ کیونکہ جنات ذی عقل ہیں۔ اُن کو اپنی عقلی فہم سے توحیدِ باری تعالیٰ کو سمجھنا اور اس پر ایمان لانا چاہیے۔ یہی حکم اہلِ فطرت اور فاسقین کا ہے۔ کہ کوئی شخص قیامت میں اپنی بدکاری فسق و فجور کے عذر میں یہ کہنے کا حق نہیں رکھتا کہ مولیٰ مجھے دنیا میں کسی عالم نے بتایا ہی نہ تھا اس لیے میں گناہ کرتا رہا۔ کفار کو بھی لَوْلَآ اَرْسَلْتَ کہنے کا حق نہیں ہے مگر محض رب تعالیٰ کے کرم نے اُن کی اس عذر خواہی کا اہتمام فرمایا لیا۔ **تیسرا مسئلہ** قانونِ شریعت کے مطابق فاسق فاجر اور کافر مشرک بدعقیدہ گمراہ کی اہانت اور ذلت و خواری کرنا جائز بلکہ واجب ہے یہ جہاد ضرورت ذلتِ کفر کے لیے ہی تھیں اسی طرح فاسق کی توہین بھی واجب ہے اس کا جو بھی طریقہ اختیار کیا جائے جائز ہے۔ مثلاً مُعلِن فاسق کے پیچھے نماز نہ پڑھنا۔ اُس کو مصلّے سے ہٹا دینا یہ اُس کی ذلت ہی ہے اگر وہ سمجھے اور آئندہ کے لیے عبرت و غیرت کرے اور یہ توہینِ فاسق واجب و لازم ہے احادیث و فقہ سے بھی ثابت۔ اِنعقادِ محشر کا سبب دیگر ہزاروں حکمتوں کے علاوہ تذلیلِ کفار بھی ہے یہ مسئلہ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی سے مستنبط ہوا۔ غرضکہ عقائدِ ایمانی کے مخالف کی ذلت بھی واجب ہے۔ اور عملی مخالف یعنی فاسق کی ذلت کرنا بھی واجب ہے (رفقہ)

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا

گیا۔ نَقَالُوْا۔ یعنی اگر ہم ان کو ہلاک کر دیتے کسی عذاب سے انبیا بھیجنے تبلیغ و ہدایت پہنچانے سے پہلے تو کہتے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے ہلاک ہونے والا تو کچھ بول ہی نہیں سکتا جب کہ نَقَالُوْا کا لام بتا رہا ہے کہ وہ فوراً یہ کہتے ہلاک ہوتے ہی۔ **جواب**۔ تفسیر کبیر نے یہ جواب دیا کہ۔ لَوْ اَهْلَكْنٰهُمْ کا تعلق دنیوی زندگی سے ہے اور نَقَالُوْا کا تعلق میدانِ محشر سے ہے۔ اس لیے کہ اُن کا مقولہ ہے۔ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰی اور چونکہ ذلت و رسوائی ہلاک کے بعد قیامت میں ہی ہے اس لیے نَقَالُوْا بھی قیامت کا ہی مراد ہے جواب درست ہے۔ مگر میں کہتا ہوں کہ نَقَالُوْا۔ کا لام اکثر نحاۃ کے نزدیک فوریت پر دلالت نہیں کرتا۔ صرف ایک امام کسائی نے یہ کہا ہے جو معتبر نہیں اور اگر اس قول کو ہی مانا جائے تب بھی اعتراض غلط ہے۔ کیونکہ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ مرنے کے فوراً بعد جان جسم میں واپس آجاتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مقتولینِ بدر کفار کی لاشوں سے اُس کنوئیں کے کنارے کھڑے ہو کر گفتگو فرمائی جس میں اُن کی لاشیں پڑی تھیں۔ لہٰذا یہ ہو سکتا ہے کہ نَقَالُوْا کا تعلق قبر سے ہو۔ یا زمین پر پڑا ہوا مردہ رب سے کلام کرے مگر پاس کھڑے زندہ لوگوں کو سنائی نہ دے۔ منکر نکیر سے گفتگو کرنا تو مرنے کے چند لمحے بعد ثابت ہی ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِیِّ وَمَنِ اهْتَدٰی۔ اَصْحَابِ صِرَاطِ سوی اور مَنِ اهْتَدٰی تو ایک ہی چیز ہے پھر یہ دونوں لفظ کیوں ارشاد ہوئے؟ **جواب**۔ مسائل الرازی میں اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ اور تینوں کی بنیاد یہ ہے کہ معترض کا یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ ایک چیز نہیں بلکہ مختلف ہیں۔ ہاں البتہ ان کے معنی میں تین قول ہیں اسی کو تین جواب سمجھ لیے جائیں۔ (۱) اصحاب الصراط السّوی سے مراد ہیں صراط مستقیم پر چلنے والے نیک بخت اور مَنِ اهْتَدٰی سے مراد ہے منزلِ مقصود تک پہنچ جانے والے (۲) اصحابِ صراط سے مراد ہیں دنیا میں کامل مومن اور عاملِ متقی۔ اور مَنِ اهْتَدٰی سے مراد ہے آخرت میں کامیاب یعنی مُحْیِی الْحَقِّ فِی الدُّنْیَا اور فَائِزٌ فِی الْاٰخِرَۃِ۔ (۳) وہی جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کیا کہ شروع کے مومن اصحابِ صراط ہیں اور نومسلم مَنِ اهْتَدٰی ہیں۔ **تیسرا اعتراض**۔ کسی کی موت کا انتظار کرنا اخلاقاً بھی اور شرعاً بھی بری بات ہے تو یہاں كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ۔ کیوں فرمایا گیا کہ ہم تم دونوں یعنی کفار مسلمانوں کی اور مسلمان یعنی صحابہ اور نبی کریم کُفّار کی موت کے منتظر ہیں۔ **جواب**۔ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ کی چند تفسیریں کی گئی وہ سب اقوال ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کر دیے۔ صحیح اور مدلّل قول یہی ہے کہ كُلٌّ سے مراد صرف کفار ہیں۔ شانِ نزول سے بھی یہی ثابت اس قول میں تو اعتراض ہی نہیں پڑتا

لیکن دوسرے قول میں بھی یہ ضروری نہیں کہ مسلمان بھی کفار کی موت کے ہی منتظر ہوں۔ انتظار کی اور بھی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَ نَخْزٰى۔ اصلاحِ شریعت میں ہلاکت نام ہے قتلِ جسمانی کا مگر اصطلاحِ طریقت میں نام ہے قتلِ روحانی کا جب بندے کے افعال اقوال حرکات بند ہو جائیں تو وہ شرعی مردہ ہے۔ لیکن جب بندے کو توفیقِ خیر نہ ملے اور حجابِ ظلمت غشاوۂ غفلت سے انسدادِ فکرت طاری ہو جائے تو طریقت میں وہ بندہ مُردہ ہے۔ قلبِ جبروتی میں سے جو آوازِ لاہوتی نکلتی ہے وہ آیتِ الٰہیہ ہے جب قلب میں حرکت ہوتی ہے تو عقل کی فکر بیدار ہوتی ہے اور عقل کی بیداری سے ہی اعضاء ظاہر و باطنی کا سجدۂ شکر و فکر قائم ہوتا ہے۔ ہر بندۂ ناسوتی کو اس قلبی آواز سے نوازا گیا ہے اے راہِ معرفت کے مسافر! اگر ہم صوتِ ہادی کے بغیر بے توفیقی کے کسی عذاب سے ہلاکتِ غفلت میں ڈال دیتے تو وہ غافلینِ دنیا عذرِ غفلت میں ہنتے کہ ہماری جلاءِ روح کے لیے فکرِ ضمیر کا کوئی ہادی و مرشد کیوں نہ بھیجا گیا تاکہ ہم اس ذلتِ دنیوی اور ظلمتِ اُخروی آنے سے پہلے ہی راہِ معرفت پر چل پڑتے اہلِ معرفت کے نزدیک تین چیزیں ہلاکت اور تین چیزیں نجات دیتی ہیں۔ ہلاکت کی پہلی چیز بخل دوم خواہشِ نفس کی پیروی سوم خود پسندی یعنی خودی ہیں دوسرے نجات کی پہلی چیز یہ کہ ظاہر و باطن میں خدا سے ڈرنا دوم یہ کہ غمی و خوشی میں انصاف کرنا۔ سوم یہ کہ امیری غریبی میں کفایت شعاری کرنا۔ کسی کو دنیا میں ذلت یا خزیان ملنا اُس کی روحانی ہلاکت ہے قُلْ كُلٌّ مُّتَرَبِّصٌ فَتَرَبَّصُوْا فَسَتَعْلَمُوْنَ مَنْ اَصْحٰبُ الصِّرَاطِ السَّوِيِّ وَمَنِ اهْتَدٰى فرما دے اے محبوب لاھُوتی کہ اس دہر ناسوتی میں بجز اللہ رسول ہر شخص منتظر ہے کیونکہ جس نے حقیقتِ عاقبت کو جان لیا اُس کو انتظار کی حاجت نہیں انتظار وہی کرتا ہے جو بے خبر ہوتا ہے اللہ رسول سب کچھ جانتے ہیں باقی سب بے خبر ہیں اس لیے منتظر ہیں مگر کسی کا انتظار صبر ہے کسی کا کفر شیخ سہروردی فرماتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک جوہر ہوتا ہے۔ انسان کا جوہر عقل ہے عقل کا جوہر فکر فکر کا جوہر صبر اور صبر کا جوہر شکر ہے۔ شکر ہی وہ خنجر ہے جو نفس کو زیر کر سکتا ہے صبر سانس کی طرح بدن میں سرایت کرتا ہے۔ انتظار دو قسم کا ہے ۱؎ انتظارِ خیر ۲؎ انتظارِ شر مومن کا انتظار خیر ہے کہ وہ طالب کرامت ہے۔ کافر کا انتظار شر ہے کہ وہ طالبِ کراہت ہے

مومن غافل ہے کہ صبرِ انتظار میں بھی خدا آگاہی کی طرف بڑھتا رہتا ہے۔ کافر غافل ہے کہ وہ خود آگاہی اور خودی کے جال میں پھنسا رہتا ہے۔ فَانْتَظِرُوْا۔ اے غافلین منزلِ انتظار کئے جاؤ۔ فَسَتَعْلَمُوْنَ بہت جلدی ظاہر کو جان لوگے باطن کو پہچان لوگے کہ کون ہیں صراطِ سَوِی کے ظاہرا ایمان والے اور کون ہیں مَنِ اهْتَدٰی کے باطن عرفان والے کون سچے راستے کے سالکین ہیں اور کون وصلِ منزل کے عارفین ہیں۔ صبر کی بھی چار قسمیں ہیں اور صبر والے کی بھی ۱؎ صبر فی اللہ ۲؎ صبر للہ ۳؎ صبر مع اللہ ۴؎ صبر عن اللہ صبر کرنے والے کی چار قسمیں ۱؎ صابر ۲؎ صبیر ۳؎ متصبر ۴؎ صبّار۔ صبر فی اللہ والا صابر ہے صبر للہ والا صبیر ہے۔ صبر مع اللہ والا متصبر ہے۔ صبر عن اللہ والا صبّار ہے۔ کربلا میں اسی صبر کا مظاہرہ تھا کرامت یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے مومن کو ایمان سے ایمان کو عقل سے عقل کو علم سے علم کو صبر سے صبر کو شکر سے مزین فرمایا۔ صبر صراطِ سَوِی ہے اور اس کا انجام مَنِ اهْتَدٰی ہے اور ہدایت کی منزل گھر محبوب دامنِ مصطفیٰ ہے اس لیے کہ۔

راہ دان دراہ بین وراہبر　　　　در حقیقت نیست جز خیر البشر

صوفیا فرماتے ہیں کہ جو لوگ ماسوا اللہ سے جدا ہو کر حیاتِ دنیوی کی منزلیں عبور کرتے ہیں وہی وصل الی اللہ کے مُہتدین ہوتے ہیں روایت میں ہے عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ۔ فرمایا آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ قیامت میں تین قسم کے بندے باری تعالیٰ سے شکایت عرض کریں گے ۱؎ جن لوگوں کو کسی بھی نبی کی نبوت کا زمانہ نہ ملا۔ یہ عرض کریں گے یا مولیٰ ہم کو کسی نبی کی ہدایت نہیں پہنچی اگر ملتی تو ہم ضرور مومن بن جاتے ۲؎ بے عقل مجنوں قسم کے لوگ جو کفار کی نقل کرتے رہے۔ یہ عرض کریں گے کہ مولیٰ اگر ہم کو عقل و خرد ملتی تو ہم ضرور اتباعِ نبوت و ہدایت کرتے ۳؎ نابالغی میں کفار کے فوت شدہ بچے عرض کریں گے۔ یا مولیٰ اگر ہم بلوغت کی عمر پاتے تو ضرور انبیا علیہم السلام پر سچے دل سے ایمان لاتے ہمیں جنت سے کیوں محروم فرمایا گیا۔ ہمارا کیا قصور ان سب کی اس عرض پر رب تعالیٰ اُن کو عالمِ اَعراف سے نکال کر فرمائے گا کہ اچھا اب میری اطاعت میں داخل ہو جاؤ۔ تب ان میں سے اہلِ سعادت میدانِ اطاعت میں داخل ہو جائیں گے۔ لیکن اہلِ شقاوت غفلت یا انکار سے رُکے رہیں گے تو اُن سے خطابِ ربانی ہوگا کہ تم تو اب بھی میرے حکم کے مُنکر ہو رہے ہو۔ اگر نبوت کا زمانہ پاتے یا ہوش و عقل بلوغت پاتے تو میرے انبیاء سے کب صحیح رُویہ رکھتے اور اتباع کر کے ایمان لاتے۔ اس فرمان و آزمائش کے بعد اہلِ سعادت کو جنت میں اور اہلِ شقاوت کو پھر واپس اَعراف میں بھیج دیا جائے گا (تفسیر روح البیان) ایک روایت کے مطابق

عالمِ اعراف میں نیک جنات اور تمام مرفوع القلم لوگ رکھے جائیں گے یعنی جن پر شریعت مقدارِ نہ ہے جیسے مجنون بے عقل۔ اَصحابِ فطرت کفار، اور کفار کے نابالغ بچے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

سورۃِ طٰہٰ کے آٹھ رکوعوں کی مختصر تفسیر اور فضائل و عملیات و تعویذات پہلا رکوع

اس رکوع کی چوبیس آیت کا خلاصہ اس طرح ہے کہ فرمایا گیا اے محبوب آپ کی کثرتِ عبادت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے ہم فرماتے ہیں کہ ہم نے یہ قرآن آپ کو مشقت میں ڈالنے کے لیے نہ اتارا یہ قرآن مجید نصیحت ماننے اور خشیت (یعنی نرم قلبی) رکھنے والوں کے لیے عظیم تذکرہ ہے اس قدیم صفت کو اُسی قدیم ذات نے نازل فرمایا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا ہے ہم وہی رحمٰن ہیں جس نے عرش کو اپنا قرب بخشا۔ آسمانوں اور زمین میں اور زمین کے نیچے تک جو کچھ بھی ہے سب اُسی رحمٰن کا ہے۔ اللہ رحمٰن سب کی ہر بات جانتا ہے خواہ کوئی دل میں بھید رکھے ہو یا بہت ہی آہستہ بولتا ہو اس کو سنانے بلانے کے لیے اونچا بولنا ضروری نہیں۔ ساری کائنات میں کہیں بھی کوئی بھی اللہ کے سوا معبود نہیں ہے بس اللہ تعالیٰ ہی حقیقی دائمی ابدی ازلی معبود ہے اس کے ہزاروں اچھے اور پاکیزہ ذو معنیٰ نام ہیں۔ یہ تو آخری کتاب قرآن مجید ہے جو اپنے حبیب پر ہم نے نازل فرمائی۔ اس سے پہلے ایک پہلی کتاب توراۃ نازل فرمائی گئی جو حضرت موسیٰ پر اتری ان کی بات کچھ اس طرح ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ہمراہ مدین سے مصر واپس آرہے تھے کہ راستے میں کوہِ طور کے پاس ان کو دور سے آگ دکھائی دی انہوں نے اپنی زوجہ صاحبہ کو وہیں ٹھیرایا کہ تھوڑی آگ لے آؤں یا کم از کم وہاں موجود لوگوں سے راستہ ہی معلوم کر لوں۔ جب موسیٰ قریب پہنچے تو دیکھا کہ ایک درخت سے روشنی نکل رہی ہے اُس میں سے آواز آئی کہ اے موسیٰ میں تمہارا رب ہوں اپنی جوتیوں کو اتار دو کیونکہ میری تجلیات کی وجہ سے یہ وادی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے مقدس ہو چکی ہے۔ اور میں نے اپنے بہت سے کاموں کے لیے تم کو چن لیا ہے پس تم اب میرے پیغامات سنو۔ بے شک میں ہی تمہارا سچا معبود اللہ ہوں تم میری ہی عبادت کرتے رہو اور میری یاد کا بہترین طریقہ نماز ہے اس کو ہمیشہ قائم رکھنا تم یہ بات بھی یاد رکھنا کہ قیامت آنے والی ہے۔ اے

موسیٰ میں چاہتا تو یہ بات چھپا لیتا تاکہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ دیدیا جاتا مگر نہ چھپائی بلکہ قیامت کے حالات علامات واقعات اور آنے کا ذکر اپنے انبیا کے ذریعے سب ظاہر کر دیئے لہٰذا اب کوئی ایمان لائے یا نہ لائے تم اس کے اعلان سے باز نہ رہنا بلکہ قیامت کا اعلان کرتے ہی رہنا آپ کے بتانے سمجھانے کے بعد بھی اگر کوئی اپنی ہی نفسانی خواہشات کے پیچھے چلا تو وہ خود ہلاک ہوگا ہاں اے موسیٰ یہ تو بتاؤ کہ تمہارے اس داہنے ہاتھ میں کیا ہے آپ نے عرض کیا یہ میری لاٹھی ہے میں تھک جاؤں تو کھڑے کھڑے اس سے ٹیک لگا لیتا ہوں اور بکریاں چراتا تھا تو اس سے بکریوں کے لیے جنگلی درختوں کے پتے جھاڑتا تھا۔ اور اب بھی اس میں میری بہت سی ضروریات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے موسیٰ اس لاٹھی کو زمین پر ڈالو۔ جب آپ نے لاٹھی کو زمین پر رکھا تو وہ دوڑتا ہوا سانپ بن گئی حضرت موسیٰ کچھ دہشت گھبراہٹ میں آ گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس کو پکڑ لو ڈرو مت۔ تمہارے پکڑنے کے بعد فوراً یہ اسی پہلی حالت پر آ جائے گی یہ ایک معجزۂ نبوت ہوا۔ اور اب ایسا کرو کہ اپنا یہی داہنا ہاتھ اپنی بائیں بغل میں کر لو پھر نکالو تو یہ سفید چمکتا ہوا نور کی طرح نکلے گا۔ کسی بیماری کی طرح برانہ لگے گا۔ یعنی بیماری والی سفیدی کا داغ نہ ہوگا۔ یہ دوسرا معجزۂ نبوت ہے۔ یہ معجزے اس لیے ہم نے تم کو دیئے ہیں تاکہ اپنی قدرت کے بڑے بڑے نشان تم کو دکھائیں اب تم فرعون کے پاس جاؤ۔ وہ بہت سرکش وخبیث ہو چکا ہے۔ **دوسرا رکوع**

حضرت موسیٰ نے عرض کیا اے اللہ اگر اتنے بڑے بدبخت مغرور سرکش کی سرکوبی کے لیے مجھ کو چنا گیا ہے تو میرے کریم رحیم رب میرا سینہ کشادہ فرما دے اور علم حکمت معرفت ہمت وجرأت پیدا فرما دے اور اس مشکل کام کو تو میرے لیے آسان فرما دے اور میری زبان کی وہ لکنت دور فرما دے جو بچپن شیر خوارگی میں آگ کا انگارہ منہ میں رکھنے کی وجہ سے پڑ گئی تھی۔ تاکہ وہ سب کفار میری باتوں کو سمجھ لیں لکنت کی بنا پر مذاق نہ اڑائیں اور میری چوتھی عرض ودعا یہ قبول فرمالے کہ میرے ہی اہل خاندان میں سے میرے بڑے بھائی ہارون کو میرا وزیر بنا دے "تاکہ میرے بھائی کی ہمراہی کی وجہ سے میری ڈھارس بندھی رہے اور میرے تبلیغی کام میں معاون رہے۔ اس کے شکریئے میں ہم تیری بہت یاد مناتے رہیں گے اور بہت تسبیح پڑھیں گے۔ بے شک تو تو ہم کو ہر وقت دیکھ ہی رہا ہے۔ رب تعالیٰ نے ساری دعائیں قبول فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ نے چار نصیحتیں فرمائیں جو موسیٰ علیہ السلام نے مانیں اب موسیٰ علیہ السلام نے یہ چار دعائیں عرض کیں جو رب تعالیٰ نے قبول فرمائیں اور فرمایا کہ یہ دعائیں قبول کرنا ہمارا تم پر دوسری دفعہ احسان ہے۔ پہلا احسان بچپن میں اس وقت ہوا جب فرعون کے سپاہی

قتل کرانے کے لیے تجھ کو ڈھونڈتے پھرتے تھے ہم نے ہی دریا میں ڈالنے کا طریقہ تمہاری والدہ کو وحی الہام کے ذریعے سے بتایا تھا کس طرح تابوت میں رکھا اور دریا میں بہا یا دریا نے تابوت کو فرعون کے محل کے اندرونی نہر کے ساحل پر ڈالا اور اللہ کے دشمن اور خود حضرت موسیٰ کے جانی دشمن فرعون نے اس کو اٹھا کر اپنا بیٹا بنا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے موسیٰ علیہ السّلام کی محبت فرعون اور آسیہ زوجۂ فرعون کے دل میں ڈال دی۔ یہ سب کاروائی اس لیے ہوئی کہ ہمارا نبی ہماری ہی پرورش میں رہے اور ڈیوٹی دشمن کی ہو ہم نے تو اپنے نبی کو کسی کافرہ دائی کا دودھ بھی پینے نہ دیا تاکہ والدہ بھی جدائی میں ہلکان نہ ہو اُن کی بھی آنکھیں ٹھنڈی رہیں اے موسیٰ تیری ہی بہن سے ہم نے یہ سب تخبری و پیغام رسانی کرادی پھر ایک وقت وہ آیا جب تم جوان ہوئے تم نے ایک ظالم قبطی کو مُکہ مار کر قتل کر دیا ہم نے اُن فکروں سے تم کو نجات دی اور تم مدین کی طرف بھاگ گئے وہاں تم کو کئی سال رکھ کر امتحانِ نبوّت اور طرح طرح کی آزمائشوں سے مضبوط کیا گیا پھر خوب جانچنے کے بعد وہاں سے فیصلۂ الٰہیہ اور خدائی پروگرام کے مطابق تم واپس مصر آئے کیونکہ میں نے تم کو اپنے لیے بنایا۔ اب تم اور تمہارا بھائی میرے دیئے ہوئے معجزات کے ساتھ فرعون کے پاس جاؤ اور میری یاد میں کبھی بھی کمی نہ کرنا۔ اور اے موسیٰ تم جلال والے نبی ہو مگر تم دونوں ہمارے پیغامبر ہو اس لیے فرعون سے نرم انداز میں گفتگو کرنا تاکہ وہ بگڑ نہ بیٹھے اور اُس کو مزید سرکشی کا بہانہ نہ مل جائے بلکہ نصیحت پکڑے یا اللہ سے ڈرے۔ دونوں نے عرض کیا کہ ہم کو خدشہ ہے وہ فرعون ہماری بات سنے بغیر ہی ہم پر کوئی آفت نہ ڈھا دے یا ہم کو دربار میں ہی نہ آنے دے اور درباریوں سے شرارت کروائے گیا اُس وقت بھی ہم نرمی ہی کرتے رہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس بات کی تم فکر نہ کرو میں تمہارے ساتھ ہوں سب کچھ دیکھتا ہوں سنتا ہوں بے فکر ہو کر اُس کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ ہم دونوں تیرے رب تعالیٰ کے رسول ہیں تو بھی بندہ بن جا اس بات پر ایمان لے آ اور بنی اسرائیل پر ظلم نہ کر اُن کو ہمارے حوالے کر دے ہم معجزات لے کر آئے ہیں اگر تجھ کو ابھی ہماری نبوّت پر یقین نہیں آتا تو معجزات دیکھ لے۔ سلامتی صرف اُسی کی ہے جس نے اللہ کے سچے راستے کو پکڑا اور ہم کو وحیِ الٰہی سے معلوم ہو گیا ہے کہ جو حق کو جھٹلائے اور منہ پھیرے اس پر اَبدی عذاب ہے۔ فرعون بولا جب حضرت موسیٰ نے اُس کے بھرے دربار میں پہنچ کر رب تعالیٰ کے یہ سارے پیغامات پہنچائے کہ اے موسیٰ تم دونوں کا رب کون ہے۔ ان سب کا رب تو میں ہوں موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا ہمارا رب تعالیٰ وہ ہے جس نے ساری مخلوق کو اچھی شکل و صورت دی اس کی حیثیت کا جسم دیا اور ہدایت دی فرعون بولا موسیٰ تمہاری باتیں تو بڑی دلچسپ ہیں کچھ پہلے لوگوں کے قصّے کہانیاں تو سناؤ۔ اور ان نصیحتوں کو چھوڑ دو

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ قصے اور ان کا علم میرے رب کے پاس ہے ہیں وہ سنانے نہیں آیا۔ نہ میرا رب بھولے نہ بہکے۔ تو رب کیسے ہو سکتا ہے جو سب کچھ بھولا بیٹھا ہے۔ میرا رب ہی سب کا رب ہے اسی نے اپنی مخلوق کو پالنے کے لیے زمین کا گہوارہ بنایا اور تمہارے سفر و حضر کے لیے روزی غذا کھانے کے لیے راستے بنائے آسمان کی طرف سے بادل برسائے اُن کے ذریعے ہر جاندار کے لیے رزق پیدا کئے پس تم بھی کھاؤ اور اپنے جانوروں کو بھی کھلاؤ خود رب نہ بن بیٹھو۔ ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔ **تیسرا رکوع** ۔ اس رکوع کی بائیس آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے تم کو یعنی انسانوں حیوانوں کو نباتات جمادات کو اسی مٹی سے پیدا کیا ہے اور اسی میں پھر لوٹا دیں گے۔ اس کے بعد قصہ موسیٰ علیہ السلام شروع ہے فرمایا گیا کہ بذریعہ موسیٰ اللہ تعالیٰ کی نشانیاں معجزاتِ نبوت فرعون کو دکھائے گئے مگر اُس نے جھٹلایا انکار ہی کیا اور ان معجزات کو جادو سمجھا اور مُلک بھر کے دیگر تمام تقریباً اسّی ہزار جادوگر مقابلے کے لیے بلائے۔ اُس نے برملا خدشہ ظاہر کیا کہ موسیٰ (علیہ السلام) اپنے جادو کے زور سے ہم کو ملک و سلطنت سے نکالنا چاہتے ہیں۔ اور یہ بات ظاہر مشاہدے میں ہے کہ باطل دنیا پرست کو کرسی و سلطنت بڑی پیاری ہوتی ہے۔ اس مقابلے کے لیے جگہ اور دن مقرر ہو گیا تو اُس مقررہ دن میں سب جادوگر آگئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اُس بھرے مجمع میں نہایت شاندار تبلیغی وعظ فرمایا کہ اے فرعون و فرعونیو قبطیو جادوگرو تم پر افسوس اور ہلاکت ہے کہ تم اپنے خالق مالک رب تعالیٰ پر افترا باندھتے ہو ایسا نہ کرو ورنہ وہ مولیٰ تعالیٰ قادر و قیوم تم کو دائمی عذاب میں ہلاک فرما دے گا۔ جھوٹ بنانے افترا کرنے والا تو کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا نامراد ہی رہتا ہے اس تقریر سے متاثر ہو کر کچھ جادوگر مقابلہ کرنے سے ڈر گئے اور کچھ ڈٹے رہے انہوں نے سمجھایا کہ ساتھیو آج مقابلے سے مت ڈرو بلکہ خوب قوت سے مقابلے کرو کیونکہ آج جو جیتے گا وہ ساری عمر بلندی اور کامیابی والا ہوگا فرعون کی نظر میں محبوب و مقبول ہوگا۔ رہے یہ دو شخص تو یہ تو یہ دونوں موسیٰ و ہارون تو تم سب فرعون و فرعونیوں کو سلطنت و ملک سے نکال کر اور تمہارے اس فرعونی اچھے دین سے برباد کر دیں۔ لہٰذا اے ساتھیوں گھبراؤ مت اپنے سارے داؤ پیچ جمع کرو اور مقابلہ کرو اُدھر فرعون نے انعام و اکرام اور ڈرا دھمکا کر ان کو مقابلے پر مجبور کیا۔ تب آمادہ ہوئے اور سب بولے کہ اے موسیٰ ہم اپنا جادو پہلے ڈالیں یا تم پہلے ڈالو۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ تم ہی پہلے ڈالو دیکھیں تو کیا داؤ بازی کرتے ہو۔ انہوں نے جادو کیا تو ان کی تمام رسیاں بانس سامان سانپوں کی طرح چلتی نظر آنے لگیں۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی لگا سانپ ہی معلوم ہوئے تب موسیٰ

علیہ السلام فکر مند ہوئے کہ اب حق و باطل میں فرق کون کرے گا کس طرح ہوگا۔ آگے ارشاد ہے کہ ہم نے فرمایا اے موسیٰ فکر مند نہ ہو آج تم ہی غالب رہو گے اپنا عصا ڈالو وہ سب کھا جائے گا۔ یہ سانپ نہیں یہ تو جادو کا فریب ہے کبھی جادوگر بھی کامیاب ہوا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصا اتنا بڑا سانپ بن گیا کہ وہ سب کچھ نگل گیا یہاں تک کہ لوگوں کی طرف لپکا تب سب لوگ فرعون بھی ڈر کر بھاگ پڑے اور جادوگر مومن بن کر سجدے میں گر پڑے اور بولے ہم موسیٰ و ھٰرون کے رب پر ایمان لائے اُدھر جب ہوش آیا اور فرعون کو پتہ لگا کہ سب جادوگر موسیٰ پر ایمان لے آئے ہیں تو بہت غصہ سے بھرا اور جادوگروں کو دربار میں بلا کر جھڑکا قتل کی دھمکی دی مکار و فریبی دھوکے باز کہا کہ تم درپردہ پہلے سے اسی کے ساتھی و شاگرد تھے۔ جادوگروں میں ایمانی قوت آچکی تھی بولے جو تو چاہے کرے ہم تو اب مرتد نہ ہوں گے تیرا عذاب تو چند گھڑیوں کا ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے پچھلے گناہ بھی بخش دے گا اور یہ جادو بھی جو تو نے جبراً ہم سے کرایا ہے۔ اب ہم جان گئے ہیں کہ رب تعالیٰ کے حضور جو شخص مجرم بن کر جائے گا اس کے لیے دائمی عذاب کی جہنم ہے وہاں نہ مردوں میں ہوگا نہ زندوں میں۔ اور جو مومن بن کر اچھے اعمال لے کر جائے گا وہ جنت میں اعلیٰ درجے نہروں باغات اور پاکیزگی کی جزا پائے گا

چوتھا رکوع۔ اس کی تیرہ آیت میں جادوگروں کے اُس مقابلے اور فرعون کی ذلت آمیز شکست کے بعد بیس سال تک فرعون کو ہر طرح سمجھایا جاتا رہا جب وہ پھر بھی اپنی کفریات پر ڈٹا رہا تب رب تعالیٰ سے موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اور ہجرت کا حکم ہوا۔ جس طرح کہ ہمیشہ انبیاء کرام کو ہجرت کرنے کا وقت رات ہی میں بتایا جاتا ہے اسی طرح حضرت موسیٰ کو بھی رات میں ہجرت کرنے کا حکم دیا گیا۔ اس رکوع میں آٹھ باتیں بیان فرمائیں پہلی یہ کہ تمام بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر رات میں بغیر مشہور کیے خفیہ طور پر مصر سے ہجرت کر جاؤ۔ دوم۔ دریا میں راستہ بنانے کا حکم سوم فرعون اور لشکر کا صبح کے وقت پیچھا کرنا چہارم بنی اسرائیل کا دریا سے پار نکل جانا اور تمام فرعونیوں اور خود فرعون کا بھی ڈوب جانا۔ پنجم۔ فرعون کی گمراہ گری اور بے ہدایت ہونے کا ذکر ششم۔ موسیٰ اور فرعون کا یہ سارا واقعہ بیان کرنے کے بعد موجودہ تاقیامت بنی اسرائیل یہودیوں کو وہ احسانات یاد دلائے جا رہے ہیں جو اُن پر رب تعالیٰ نے اپنے انبیاء عظام علیہم السلام کے وسیلے سے کیے جو تقریباً تین تھے ۱۔ فرعون جیسے دشمن سے نجات ۲۔ طور پر بخشش و عزت کا وعدہ توریت دینے کا وعدہ ۳۔ من و سلویٰ کا نازل فرمانا۔ اور عام کھانے کے لیے دعوتِ عام اب اگر پھر تم بڑے ہو گئے پہلے بچھڑے کی پرستش کرنے کی طرح تو فرعون کی طرح تم پر بھی غضب آجائے گا۔ فرمایا گیا کہ جو بھی انسان میرے غضب میں آگیا

وہ گرگر فنا ہو جائے گا۔ لیکن توبہ کر کے نیک کام کرنے والے کو بہت بخشش بھی دی جائے گی۔ ہفتم۔ پھر واقعۂ موسیٰ علیہ السلام شروع کیا گیا۔ کہ اتنے احسانات کے باوجود چند دنوں کے بعد موسیٰ علیہ السلام کے طور پر جانے اور قوم سے غیر حاضر ہوتے ہی قوم گمراہ ہو گئی رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو قوم کی گمراہی کی خبر دیتے ہوئے فرمایا کہ اے موسیٰ تم جلدی کیوں جدا ہوئے۔ سامری نے قوم کو گمراہ کر دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے غضب ناک ہو کر واپس قوم میں آنے اور قوم کو جھڑکنے اور گمراہ ہونے کی وجہ دریافت کرنے اور باز پرس کرنے اور سب لوگوں کو سرزنش کرنے کا تذکرہ ہے اور ہشتم یہ کہ قوم نے اپنے گمراہ ہونے کی وجہ بتاتے ہوئے کیا جواب دیا اُس کا ذکر ہے۔ **پانچواں رکوع**۔ اس رکوع کی پندرہ آیات میں سات باتیں ذکر کی گئیں پہلی یہ کہ رب تعالیٰ نے حضرت ھٰرون کی تبلیغ کا ذکر فرمایا دوم حضرت ھٰرون کو قوم کا جواب بیان ہوا سوم یہ کہ حضرت موسیٰ نے ھٰرون علیہ السلام سے سخت لہجے اور سخت طریقے سے باز پرس کی حضرت ھٰرون نے اپنی مجبوری و برائت میں جو جواب دیا اُس کا ذکر ہے چہارم یہ کہ حضرت موسیٰ نے سامری کو سرزنش فرمائی اور اس کا فضول جواب سن کر آپ نے اس کے بُرے انجام کی پیش گوئی فرمائی کہ تجھ کو ایک بیماری لگ جائے گی اور تو لوگوں سے تا عمر یہ ہی کہتا رہے گا کہ مجھ کو ہاتھ نہ لگانا ورنہ میری بیماری زیادہ ہو جائے گی اور دوسرے کی بھی حالت خراب ہو گی۔ پنجم حضرت موسیٰ نے اس بچھڑے کا جو انجام کیا جس کو گمراہ قوم نے باطل معبود بنا لیا تھا۔ کہ دیکھو تمہاری آنکھوں کے سامنے ہم اس بچھڑے کو ذبح کر کے جلاتے ہیں پھر ریزہ ریزہ ہونے کے بعد اس کو دریا میں بہائیں گے۔ پھر آپ نے یہ کام ختم کر کے اللہ کی حمد بیان کی اور اُس کی سچی معبودیت کا ذکر فرمایا۔ ششم فرمایا گیا کہ اے محبوب ہم ہی آپ کو پہلوں کے قصے سناتے ہیں اور آپ کا اتنا بڑا علم اور یادداشت ہم نے آپ کو دیا ہے۔ پھر فرمایا گیا کہ جو بھی آپ کے علم اور فرمودات اور آپ کے اس عطائی ذکر سے منہ پھیرے گا۔ تو وہ کافر ہو کر اپنا پورا بوجھ اٹھائے گا تا ابد۔ یہ ہی قیامت میں اس کی بدبختی اور بُرا انجام ہے۔ ہفتم قیامت میں کفار کی تین حالتوں کا ذکر کیا گیا ۱۔ صور پھونکے جانے کا وقت ۲۔ مجرموں کے جمع ہونے کی حالت اور ان کی بگڑی صورتیں ۳۔ اُن کی آپس کی دنیا کے بارے میں گفتگو۔

چھٹا رکوع۔ اس کی گیارہ آیتوں میں تیرہ باتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ پہلی یہ کہ قیامت کی چند نشانیاں ذکر کی گئیں ۱۔ پہاڑوں کی تباہی ۲۔ زمین کی ایک میدان چٹیل ہموار ہو جانے کی حالت ۳۔ مجرموں کافروں فاسقوں کی حالت زار پھر شفاعت اور شفیع کا ذکر۔ ششم۔ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر پوشیدہ کو جانتا ہے ہفتم۔ لوگوں کا علم اللہ تعالیٰ کی کسی شان و صفات کو نہیں جان سکتا۔ ہشتم یہ کہ قیامت

کے دن سب کے چہرے خوف وندامت اور ھیبت وخشیت سے اُس کے روبرو جھک جائیں گے نہم۔ قیامت میں نامراد اور بامراد کا بیان۔ دہم۔ قرآن مجید کی عربی زبان اور اس میں وعدہ وعید کا تذکرہ اور عربی میں ہونے کی وجہ یازدہم۔ اللہ تعالیٰ کی حمد کا بیان دوازدہم۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید کے متعلق دو نصیحتیں ۱؎ یہ کہ قرآن مجید جلدی جلدی آگے آگے نہ پڑھا کریں ۲؎ اپنے علم کے زیادہ ہونے کی دعائیں مانگتے رہیں سیزدہم۔ حضرت آدم علیہ السلام کے جنتی وعدے اور اُن کے ٹوٹنے پر رب تعالیٰ کا فیصلہ کہ وہ جان بوجھ کر نہ توڑا گیا تھا وہ تو ایک بھول تھی۔ **ساتواں رکوع** اس کی تیرہ آیتوں میں آٹھ باتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی یہ کہ ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم ملا تو سب ملائکہ نے سجدہ کیا شیطان ابلیس نے انکار کرتے ہوئے نہ کیا۔ دوم یہ کہ آدم علیہ السلام کو بتا یا گیا تھا کہ شیطان تمہارا اور تمہاری بیوی کا دشمن ہے۔ کہیں وہ تم کو دھوکا فریب دے کر جنت سے نہ نکلوا دے اور تم کو دنیا کی مشقتیں اٹھانی پڑیں۔ سوم یہ کہ فرمایا گیا اے آدم جنت میں تم کو چار آرام میسر رہیں گے اور اُن آراموں کے لیے تم کو کوئی محنت مشقت دنیا کی طرح نہ کرنی پڑے گی ۱؎ تم دونوں خاوند بیوی جنت میں کبھی بھی بھوک محسوس نہ کرو گے ۲؎ نہ تم ننگے ہو گے ۳؎ نہ کبھی پیاس لگے ۴؎ نہ دھوپ اور گرمی لگے۔ چہارم یہ کہ فرمایا گیا شیطان نے حضرت آدم کو ظاہر ظہور آ کر وسوسہ دیا۔ اور بولا کہ کیا میں تم کو ایسا درخت نہ بتاؤں جس کو کھا کر تم جنت میں ہمیشہ رہو اور ایسی ابدی دائمی بادشاہت ملے کہ کبھی پرانی نہ ہو۔ پنجم یہ کہ آدم علیہ السلام ابلیس کے فریب میں آ گئے اور اُس درخت کا پھل کھا لیا تو اُن کا جنتی لباس اُتر گیا اور وہ جنت کے پتے لپیٹ کر اپنا ستر ڈھانکنے لگے یہ سب مصیبت اس لیے ہوئی کہ آدم علیہ السلام نے وعدہ خلافی کر دی۔ ششم یہ کہ آدم علیہ السلام نے اپنی بھول چوک والی غلطی سے توبہ کی جو کئی سال بعد قبول ہو گئی اور آپ کو برگزیدہ بندوں میں چن لیا گیا۔ ہفتم یہ کہ آدم علیہ السلام کے جنت سے نکلنے کے وقت رب تعالیٰ کا آدم علیہ السلام سے چند باتیں فرمانا ۱؎ تم دونوں آدم و حوا علیہما السلام باقی چیزوں کو ساتھ لے کر ایک دم اتر جاؤ ۲؎ دنیا میں تم سب ایک دوسرے کے دشمن بنے رہو گے ۳؎ پھر میری ہدایت نبوت اور دین و مذہب کی شکل میں آئے گی ۴؎ میری ہدایت کا پیرو کار نیک بندہ نہ گمراہ ہوگا نہ شقت میں پڑے گا نہ بد بخت و نامراد ہوگا اور میری ہدایت سے منہ پھیرنے والا دنیا میں تنگ اور بری زندگی والا ہوگا آخرت میں آنکھوں سے اندھا ہوگا۔ قیامت میں ہر شخص کو دنیوی زندگی یاد ہو گی اسی لیے یہ کافر و مجرم عرض کرے گا مولیٰ میں تو دنیا میں آنکھوں والا تھا اب کیوں اندھا ہوں

رب تعالیٰ کی طرف سے جواب کا ذکر ہے۔ ہشتم یہ کہ عبرت حاصل کرنے کے لیے پہلوں کی تاریخ جاننا چاہیے کہ ان نافرمانوں کی ہلاکتیں کس طرح ہوتی رہیں۔ فرمایا گیا کہ نصیحت صرف عقل والے پکڑتے ہیں۔

آٹھواں رکوع۔ اس رکوع کی سات آیت میں سات باتیں ذکر ہوئیں۔ پہلی یہ کہ کفار پر جلدی عذاب نہ آنے کی وجہ بیان ہوئی۔ دوم۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کو صبر کرنے کا ارشاد فرمایا جارہا ہے اور صبر کے لیے نماز کا ذکر ہے جس میں تسبیح بھی ہوتی ہے اور حمد باری تعالیٰ بھی اس جگہ چار نمازوں کا ذکر فرمایا گیا ۱۔ فجر ۲۔ عصر ۳۔ عشاء ۴۔ مغرب۔ سوم یہ کہ تا قیامت مسلمانوں کو کفار وفساق کے عیش وآرام اور دولت سے بے توجہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور حکم دیا گیا کہ ان چیزوں سے منہ پھیرو۔ یہ مال ودولت اُن کے لیے فتنہ ہیں۔ ہمیشہ باقی رہنے والا تو وہ رزقِ الٰہی ہے جو نبی کریم کی نسبت وتعلیم سے حاصل ہو۔ چہارم یہ کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ صرف خود ہی نیک اعمال نماز روزہ نہ کرے بلکہ اپنے گھر میں تمام رہنے والوں کو بھی پابندی کرائے۔ تمام زندگی رزق ڈھونڈنے میں برباد نہ کردے۔ یہ سب رزق تمہارے ہی لیے ہے ہم تم سے نہیں مانگتے پنجم یہ کہ فرمایا گیا آخرت کی کامیابی صرف تقوے سے ہے۔ ششم یہ کہ کفار کے جھوٹے اور فضول مطالبوں کا رد فرمایا جارہا ہے کہ اب جب کہ ہم نے اپنے کرم ورحم سے اپنے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کو مبعوث فرمادیا تو یہ طرح طرح کے ناجائز سوال ومطالبہ کررہے ہیں حالانکہ یہ نشانیاں کیا کم ہیں کہ پچھلی تمام کتابوں صحیفوں میں ہر نبی علیہ السّلام کی زبان پر ہمارے اس محبوب نبی کی بشارتیں نعتیں تذکرے آج تک موجود ہیں جس کو یہ سب کافر جانتے ہیں ہفتم اگر ہم انبیاء کرام علیہم السّلام کو نہ بھیجتے تو قیامت کی ذلت رسوائی اور عذاب کی سزا دیکھ کر یہی کہتے کہ اے اللہ تو نے ہمارے پاس اپنے رسول اور انبیاء کیوں نہ بھیجے کہ ہم اُن کی فوراً اتباع کرلیتے۔ ہفتم کفار مذاقاً کہا کرتے تھے کہ ہم اس نبی کے بتائے ہوئے عذاب کا انتظار کررہے ہیں یہاں آخری آیت میں اُس کا جواب دیا گیا۔

سورۃِ طٰہٰ کے عملیات

بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ جو شخص روزانہ سورۂ طٰہٰ کا وِرد کرے اول آخر گیارہ مرتبہ درود شفا شریف تو جادو کے نقصان واثر سے محفوظ رہے گا۔ اور رزق کی تنگی نہ ہوگی۔ ۲۔ جس لڑکی کا نکاح نہ ہوتا ہو وہ اول آخر درود شریف روزانہ گیارہ دن تک بعد نمازِ فجر ۱۲ دفعہ سورۃ طٰہٰ تلاوت کرے شروع تو بعد نماز فجر کرے ختم جب چاہے ہو۔ انشاء اللہ تعالیٰ نیک صالح صحت مند

مرد سے شادی کے رشتے آئیں گے۔ ۳ اولاد کے لیے بھی اس طرح کرے تو انشاء اللہ نیک اولاد کا حمل ٹھہرے گا۔ اگر پڑھ نہ سکے یا غلط پڑھتا ہے تو کسی نیک متقی عالم سے کسی پاکیزہ سبز ریشمی کپڑے پر لکھوا کر بمع زیر زبر خوشخط بالکل صحیح اس کو لپیٹ کر تعویذ کی طرح گلے میں ڈالے نکاح ہو جائے تب بھی گلے میں جب بچہ یا بچی پیدا ہو تو اس کے گلے میں ڈال دے ۴ اگر کسی عامل کامل سے اس کا تعویذ لکھوا کر گلے میں رہے تو ہر قسم کے جادو سے محفوظ رہے۔ اس سورۃ کے کل عدد بحساب ابجد ۳۹۹۲۸۳ اس کے تعویذ کا زائچہ حسب ذیل ہے اور تعویذ کی چال خانہ ۱۳ میں ہے تعویذ یہ ہے۔

۷۸۶

۹۹۸۲۰	۹۹۸۲۳	۹۹۸۲۷	۹۹۸۱۳
۹۹۸۲۶	۹۹۸۱۴	۹۹۸۱۹	۹۹۸۲۴
۹۹۸۱۵	۹۹۸۲۹	۹۹۸۲۱	۹۹۸۱۸
۹۹۸۲۲	۹۹۸۱۷	۹۹۸۱۶	۹۹۸۲۸

سورۃ طٰہٰ کے فضائل

سنن دارمی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں و زمین کی تخلیق سے پہلے دو ہزار سال قبل سورہ طٰہٰ و سورۃ یٰسین کو تلاوت فرمایا جب ملائکہ نے یہ تلاوت سنی تو کہنے لگے کہ مبارک ہے وہ امت جس پر یہ نازل ہوں گی اور مبارک ہیں وہ سینے جن میں یہ سورتیں حفظ ہوں گی اور مبارک ہیں وہ زبانیں جو ان کو قرأت کریں گی حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمام سورتیں قرآن مجید میں سے اٹھالی جائیں گی مگر سورۃ طٰہٰ و سورۃ یٰسٓ مومن سے نہیں لی جائیں گی ان کی تلاوت جنت میں مومنین کی زبانوں پر ہوتی رہیں گی۔

اس سورۃ مبارکہ کے فضائل میں ایک یہ بھی فضیلت بیان کی جاتی ہے کہ عمر فاروق جیسے متشدد اور سخت دل تُند خو جابر انسان کو اسی سورۃ کی تلاوت نے رقت آمیز نرم دل بنایا اور ایمان بخشا یہ سورت ایمانِ فاروقی سے ایک ماہ پہلے نازل ہوئی تھی۔ اس سورت پاک میں چار چیزیں بہت اہتمام خاص سے ذکر فرمائی گئیں۔ ۱ چونکہ یہ زمانہ کفارِ مکہ کے ہر قسم کے ظلم کے عروج کا تھا جس سے صحابہ کرام ہر وقت فکر مند اور غمزدہ رہتے تھے اس لیے قرآن پاک کی ان آیت میں بار بار تسلی تشفی فرمائی جارہی ہے۔ ۲ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا تفصیلی واقعہ فرعون کے ظلم و قتلِ عام سرکشی فتنہ فساد اور بالآخر انجام کار موسیٰ علیہ السّلام کے غلبے کا ذکر بھی اسی تسلی تشفی کے ضمن میں ہے کہ حضرت موسیٰ کو طفلگی بچپن جوانی اور آخر دم تک جو رب تعالیٰ فرعون سے محفوظ رکھ سکتا ہے وہ مولیٰ تعالیٰ اپنے نبی اور محبوب کے اُمتیوں کو

بھی غالب ہی رکھے گا۔ ۳ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے اتنے انعام مگر اُن کی گمراہی اور کفرانِ نعمت بھی کتنی
جلدی ظاہر ہوا۔ ۴ آدم علیہ السّلام اور ابلیس کا واقعہ بیان فرما کر تا قیامت مسلمانوں کی ایک بہت بڑی
اصلاح فرمائی جا رہی ہے کہ عاجزیٔ آدم اختیار کرنا اصل ایمان اور قُربِ الٰہی توفیقِ توبہ کا ذریعہ ہے
مگر جرم اور اکڑ بازی شیطان کا کام ہے جس سے مردودیت و ذلت و رسوائی و دوریٔ بارگاہ ہے
اس سے بچنا چاہیئے۔ لغزش کر کے بھی اگر مولیٰ کی بارگاہ میں گرے رہو تو وہ رحیم و کریم ہے تفسیر
خازن میں ہے بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کچھ سورتیں مجھ کو سابقہ کلاموں سے دی گئیں۔ جن میں سورۂ بقرہ کا کچھ حصّہ مجھ
کو توریت سے دیا گیا اور سورۂ طٰہٰ اور طواسین (یعنی وہ تین سورتیں جن کے اوّل میں حروفِ مقطعات
میں سے طسم آتا ہے ۱۔ سورۂ الشعراء ۲۔ سورۂ النمل اِس کی ابتدا طس۔ سے ہوتی ہے ۳۔ سورۃ
القصص یہ تینوں سورتیں توریت شریف کی اُن تختیوں میں تھیں جو اُٹھا لی گئیں تھیں) مجھ کو دی گئیں
اور فواتح القرآن۔ اور سورۂ بقرہ کی آخری آیت مجھ کو عرش کے نیچے دی گئیں شبِ معراج اور مفصل
کی سورتیں خصوصی طور پر مجھ کو ہی عطا فرمائی گئیں کسی سابقہ نبی کو نہ ملیں۔ باقی سورۃ بقرہ عالمِ ازل میں
مجھ کو دی گئی تمام مخلوق سے پہلے رب تعالیٰ نے نور کا ستون بنایا اور اس کا نام محمد رکھا تمام مخلوق
اس نور کی شعاعوں سے پیدا ہوئی۔ وہ ستونِ نور میں ہوں۔ پھر رب تعالےٰ نے سورۂ طٰہٰ کی تلاوت
فرمائی اور پھر سورۂ یٰسٓ کی تلاوت فرمائی۔ (از حاکم مستدرک۔ بیہقی عَنْ معقل بن یسار عَنْ ابنِ عباس
اس روایت سے اقتضاءً و اشارۃً ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام کائنات سے پہلے
نبی بنا دیئے گئے تھے اس لیئے کہ طٰہٰ میں بھی اوّلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بطریق ندا اسم مبارک
ہے اور سورۂ یٰسٓ میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مقدس ہے تمام فقہاء و علماء شائخ فرماتے ہیں
کہ لفظ طٰہٰ اور لفظ یٰسین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں۔ ننانوے اسماءِ مقدس میں شامل ہیں اور
ندا کے ساتھ ہیں۔ یٰسین میں تو ظاہراً یا حرفِ ندا موجود ہے۔ طٰہٰ کو بھی ندائیہ کہا گیا ہے مگر ان
اسماء کے ترجمہ اور معنی مطلب اللہ رسول ہی جانتے ہیں۔ اور ندا اُس کو کی جاتی ہے جو موجود
ہو۔ سورۂ طٰہٰ میں اسمِ اعظم بھی ہے آقائے دو جہان صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین سورتوں میں اسمِ اعظم تلاش
کرو ۱۔ بقرہ ۲۔ آلِ عمران ۳۔ طٰہٰ (از مستدرک حاکم طبرانی۔ ابن ماجہ عن ابی اُمامہ) سورۂ طٰہٰ میں ایک سو پینتیس آیات آٹھ رکوع
ایک ہزار تین سو ایک کلمات (الفاظ) اور پانچ ہزار دو سو بیالیس حروف ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

تمت بالخیر والعافیہ

اللہ تعالیٰ جلّ مجدہٗ کا کرم عظیم ہے کہ آج بروز پیر مبارک چھ جمادی الثانی ۱۴۱۶ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۹۵ء بعد نمازِ ظہر تفسیر نعیمی پارہ سولہ بمدۃ تین سال دس ماہ میں مکمل تصنیف ہوئی۔ اس کی ابتدا یکم جنوری ۱۹۹۲ء مطابق بیس شعبان ۱۴۱۲ھ بروز اتوار ہوئی تھی۔ تفسیر نعیمی میں ہر آیت مبارکہ کی تفسیر میں گیارہ چیزیں لکھی جاتی ہیں ۱ عربی کلام ۲ ترجمہ محاورے کا ۳ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی کا ترجمہ کنز الایمان ۴ تعلقات ۵ شانِ نزول ۶ تفسیر نحوی ۷ تفسیر عالمانہ ۸ فوائد آیت ۹ احکام القرآن فقہی مسائل ۱۰ اعتراضات جوابات ۱۱ تفسیر صوفیانہ تفسیر نعیمی کی تصنیف میں مندرجہ ذیل عربی کتب سے استفادہ کیا جاتا ہے ۱ تفسیر روح البیان ۲ تفسیر روح المعانی ۳ تفسیر صاوی ۴ تفسیر کبیر امام فخر الدین رازی ۵ تفسیر نیشاپوری ۶ تفسیر مظہری ۷ تفسیر جامع البیان ۸ تفسیر بیضاوی ۹ تفسیر مدارک ۱۰ تفسیر خازن ۱۱ تفسیر جلالین ۱۲ تفسیر ابن عباس ۱۳ تفسیر فتح القدیر ۱۴ تفسیر عرائس البیان ۱۵ تفسیر ابن عربی ۱۶ شرح جامی ۱۷ حیوٰۃ الحیوان ۱۸ عجائب المخلوقات ۱۹ الانصاف فی النحو ۲۰ ملا حسن ۲۱ حمد اللہ ۲۲ میبذی۔

فہرست مضامین تفسیر نعیمی سپارہ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ سولہواں پارہ

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	سولہواں پارہ سورۂ کہف کی آیت	۳	۹	قَالَ هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِيْ وَبَيْنِكَ	۱۲
	۷۵ سے شروع	〃		از آیت ۷۸ تا ۸۲	〃
۲	قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ از آیت ۷۵ تا	〃	۱۰	تعلقات، تفسیر نحوی	۱۴
	آیت ۷۷	〃	۱۱	لفظ اَمَّا چار طرح مستعمل ہے۔ دنیا	۱۵
۳	تعلقات، تفسیر نحوی	۴		میں انسان کی پانچ قسمیں	〃
۴	تفسیر عالمانہ	۷	۱۲	الف لام کی نو قسمیں	۱۶
۵	فائدے۔ احکام القرآن	۹	۱۳	تفسیر عالمانہ، تاویل، تحویل، تحریف، تغییر	۱۷
۶	اعتراضات	۱۰		توبیت تبدل کے معنی اور ان میں فرق	〃
۷	تفسیر صوفیانہ	۱۱	۱۴	باعتبار دولت بندوں کی چار قسمیں	۱۸
۸	علم، عمل۔ ادراک کل دو قسم کے ہیں۔	۱۲		ہیں۔	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵	غلام کا معنیٰ۔ اور خضر علیہ السلام کے شرعی	۱۹
	اختیارات	〃
۱۶	فائدے، احکام القرآن، مسکین کی شرعی	۲۰
	تعریف	〃
۱۷	اعتراضات، تفسیر صوفیانہ	۲۱
۱۸	ہر مومن کو چار علوم کی ضرورت ہے	۲۳
۱۹	وَاَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلٰمَيْنِ۔	۲۳
	از۔ آیت ۸۲ تا ۸۵	〃
۲۰	تعلقات، تفسیر نحوی۔ کنز کا معنیٰ	۲۵
۲۱	پختہ عمر کس کو کہتے ہیں اس میں چھ قول	۲۶
۲۲	قرن کے پانچ معنیٰ ہیں، تمکین کے معنیٰ	۲۷
۲۳	تفسیر عالمانہ	۲۸
۲۴	آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے لوگوں نے	۲۹
	تقریباً بیس سوال کئے جن کے جوابات	〃
	قرآن مجید میں دیئے گئے۔ اس کی تفصیل	〃
۲۵	ذوالقرنین کا واقعہ آپ کا نام نسب وطن	۲۹
	عمر، مزار۔	〃
۲۶	فائدے۔ احکامُ القرآن، اعتراضات	۳۱
۲۷	حضرت خضر انسان اور نبی تھے اس کی	۳۲
	مضبوط دلیل	〃
۲۸	تفسیر صوفیانہ۔ شریعت وطریقت	۳۳
	میں بلوغت کی عمر	〃
۲۹	حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَغْرِبَ الشَّمْسِ	۳۵
	از آیت ۸۶ تا ۸۹	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۶
۳۱	تراخی چھ قسم کی ہوتی ہے تفسیر عالمانہ	۳۹
۳۲	واقعۂ ذوالقرنین سے قرآنِ مجید کے	۳۹
	کلامِ الٰہی ہونے کا ثبوت	〃
۳۳	ذوالقرنین نے ایک سو اسی جنگیں لڑیں	۴۱
	ان جنگوں کا مقصد	〃
۳۴	فائدے۔ مَكَّنَّا لَهٗ قدرت کا عظیم	۴۲
	انعام ہے۔	〃
۳۵	احکامُ القرآن، اعتراضات	۴۳
۳۶	تفسیر صوفیانہ۔ چار بندوں کو چار چیزیں	۴۴
	چار مقاصد کے لیے دی گئیں۔	〃
۳۷	حَتّٰۤى اِذَا بَلَغَ مَطْلِعَ الشَّمْسِ	۴۶
	از آیت ۹۰ تا ۹۴	〃
۳۸	تعلقات۔ شانِ نزول، تفسیر نحوی	۴۷
۳۹	دُون کے آٹھ معنیٰ۔ اِس کا تلفظ	۴۸
	چار طرح ہے۔	〃
۴۰	سُدّ اور سَدّ میں فرق	۴۹
۴۱	خرج اور خراج میں فرق، تفسیر عالمانہ	۵۰
۴۲	دیوارِ چین سکندر ذوالقرنین نے	۵۱
	بنائی تھی۔	〃
۴۳	فتوحاتِ سکندری میں چار اہم قوموں	۵۲
	کا ذکر۔	〃
۴۴	قوم یاجوج ماجوج کا ذکر	۵۲
۴۵	فائدے	۵۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶	احکام القرآن۔ اعتراضات	۵۴
۴۷	تفسیر صوفیانہ	۵۵
۴۸	قَالَ مَا مَكَّنِّي فِيهِ رَبِّي از آیت	۵۷
	۹۵ تا ۹۸	〃
۴۹	تعلقات، تفسیر نحوی	۶۰
۵۰	عربی میں عدد بندی کے لیے چھ الفاظ ہیں	۶۲
	زبور کا ترجمہ	〃
	تفسیر عالمانہ	〃
۵۱	سکندر ذوالقرنین کے لشکر کی تعداد دیوارِ چین	۶۲
	بناتے وقت ایک لاکھ تھی۔	〃
۵۲	دیوارِ سکندری کی لمبائی چوڑائی۔ اور اس کی	۶۳
	اشیاء تعمیری۔	〃
۵۳	دنیا میں کُل دھاتوں کی تعداد اور تفصیل،	۶۳
	دیوارِ چین بناتے وقت سکندر کی عمر	〃
۵۴	دیوارِ چین، بحر اسود کے قریب علاقہ قفقاز	۶۴
	میں ہے۔	〃
۵۵	یاجوج ماجوج کے بائیس قبیلے ہیں اور	۶۴
	ان کی تعداد	〃
۵۶	انشاء اللہ تعالیٰ کہنے کا فائدہ نہ کہنے کا	۶۴
	نقصان، سکندر کی کرامت۔	〃
۵۷	فتوحاتِ سکندر کی تعداد کی تفصیل سکندر	۶۵
	کے زمانے میں موجود دنیا کی تفصیل	〃
۵۸	فائدے۔ احکام القرآن	۶۵
۵۹	اعتراضات	۶۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۰	تفسیر صوفیانہ۔ مرید کے لیے تین ہستیں	۶۷
	ضروری ہیں۔	〃
۶۱	وَتَرَكْنَا بَعْضَهُمْ يَوْمَئِذٍ از	۶۸
	آیت ۹۹ تا ۱۰۳۔ تعلقات	〃
۶۲	تعلقات، تفسیر نحوی	۷۰
۶۳	افعالِ قلوب کی تعداد اور خصوصیات	۷۲
	لفظِ دون مشترک ہے حروفِ سوالیہ	〃
	کی تعداد	〃
۶۴	تفسیر عالمانہ، قیامت کی نشانیوں کا	۷۳
	بیان، دجال اور یاجوج ماجوج چار	〃
	جگہ نہ جا سکیں گے۔	〃
۶۵	عَرَضْنَا جَهَنَّمَ کے تین معنیٰ	۷۵
۶۶	فائدے۔ قیامت میں جہنم کافر کو نظر	۷۶
	آئیگی مومن کو نظر نہ آئیگی۔	〃
۶۷	احکام القرآن۔ اعتراضات	۷۷
۶۸	تفسیر صوفیانہ	۷۸
۶۹	حُبِّ دنیا کے چار ناسور، عجیب تر	۷۹
	شخصیت انسان ہے۔	〃
۷۰	اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ	۸۰
	الدنیا۔ از آیت ۱۰۴ تا ۱۰۷	〃
۷۱	تعلقات	۸۱
۷۲	تفسیر نحوی	۸۲
۷۳	فردوس کے معنیٰ۔ تفسیر عالمانہ	۸۴
۷۴	خاسرین قیامت سات قسم کے لوگ ہیں	۸۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۵	دیوبندی مولویوں نے ہمیشہ ہندوؤں کا ساتھ دیا۔ پانچ قسم کے لوگوں کے اعمال کا وزن ہوگا۔	۸۶
۷۶	مختلف زبانوں میں جنت کے مختلف نام رب تعالیٰ نے تین چیزیں اپنے دست قدرت سے بنائیں۔ فردوس کا بیان	۸۷
۷۷	فائدے، احکام القرآن	۸۸
۷۸	کفار اور مسلمانوں کے اعمال کس طرح برباد ہوتے ہیں۔ اعتراضات	۸۹
۷۹	تفسیر صوفیانہ	۹۰
۸۰	اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کی چار نشانیاں	۹۱
۸۱	خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۔ از آیت ۱۰۸ تا ۱۱۰	۹۲
۸۲	تعلقات	۹۳
۸۳	شانِ نزول	۹۴
۸۴	تفسیر نحوی۔ حرفِ لَوْ سے تین چیزیں ثابت ہوتی ہیں۔	۹۵
۸۵	حرفِ لَوْ کی چھ قسمیں ہیں۔ مِدَاد کے معنیٰ	۹۶
۸۶	تفسیر عالمانہ، ہمیشگی چار قسم کی ہے۔	〃
۸۷	لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا میں تین چیزوں کا تعارف کرایا گیا۔	۹۷
۸۸	قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ آیت عظیم نعتِ مصطفیٰ ہے۔	۹۹
۸۹	انسان کی چار قسمیں	۱۰۳
۹۰	فائدے۔ صفاتی نام کس طرح بنتے ہیں	۱۰۳
۹۱	احکام القرآن۔ اعتراضات	۱۰۴
۹۲	تفسیر بالرائے کسے کہتے ہیں اور اس کا شرعی حکم۔	۱۰۵
۹۳	تفسیر صوفیانہ	۱۰۶
۹۴	اہلِ کشف کے سات سمندر، مسلمانوں کے مسلمانوں پر پانچ حقوق۔	۱۰۷
۹۵	سورۂ کہف کے عملیات فضائل تعویذ تلاوت کے فوائد۔	۱۰۸
۹۶	دوسری تفسیر صوفیانہ، علومِ عطائی کی چار قسمیں۔	۱۱۱
۹۷	دنیا میں اٹھارہ قسم کے علم مشہور ہیں	۱۱۲
۹۸	نیک و بد اعمال کی فہرست، سفرِ معرفت کے لیے چار چیزیں ضروری	〃
۹۹	قرب کی بارہ قسمیں	۱۱۳
۱۰۰	شروع سورۂ مریم كٓهٰيٰعٓصٓ	۱۱۴
۱۰۱	ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ۔ از آیات ۲ تا ۶	۱۱۴
۱۰۲	تعلقات، تفسیر نحوی	۱۱۵
۱۰۳	تفسیر عالمانہ حروفِ مقطعات چودہ جگہ ہیں۔	۱۲۰
۱۰۴	حضرت زکریا کے حالات	۱۲۱
۱۰۵	حضرت زکریا کی دعا کے وقت آپ کی اور بیوی صاحبہ کی عمر	۱۲۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۰۶	فائدے	۱۲۳
۱۰۷	احکام القرآن۔ اعتراضات	۱۲۴
۱۰۸	تفسیر صوفیانہ	〃
۱۰۹	عید کا بیان، عید وعیدہ کا فرق قرآن و	۱۲۶
	حدیث سے ثابت نہیں۔	〃
۱۱۰	یٰزَكَرِيَّا إِنَّا نُبَشِّرُكَ۔ از آیت تا	۱۲۷
۱۱۱	تعلقات، تفسیر نحوی۔ لفظ غلام کا معنیٰ	۱۲۸
۱۱۲	لفظ یحییٰ کی تشریح	۱۲۹
۱۱۳	تفسیر عالمانہ	۱۳۰
۱۱۴	رحم مادر کی تحقیق۔ اور بانجھ ہونے	۱۳۱
	کی وجہ۔	〃
۱۱۵	قانون اور قدرت میں فرق۔ آدم وحوا	۱۳۲
	کی خلقت۔	〃
۱۱۶	فائدے۔ اجسام نبوت اور اجسام	۱۳۴
	عوام میں فرق	〃
۱۱۷	احکام القرآن۔ ہمیشہ نام اچھے رکھنے	۱۳۵
	چاہئے۔	〃
۱۱۸	اعتراضات	۱۳۷
۱۱۹	حضرت یحییٰ کی خصوصی صفات، تفسیر	۱۳۸
	صوفیانہ	〃
۱۲۰	قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّي آيَةً۔ از آیت	۱۴۰
	۱۰ تا ۱۵	〃
۱۲۱	تعلقات	۱۴۱
۱۲۲	تفسیر نحوی۔ حب کے تین معنیٰ مجراب	۱۴۲
	کہنے کی وجہ	۱۴۲
۱۲۳	قوت کے دس معنیٰ	۱۴۳
۱۲۴	تفسیر عالمانہ	۱۴۵
۱۲۵	حضرت یحییٰ کی ولادت کی تاریخی حقیقت	۱۴۶
	آپ کی گیارہ صفات	〃
۱۲۶	یہودیوں نے کتنے انبیاء علیہم السّلام	۱۴۷
	قتل وشہید کئے اس کی تفصیل	〃
۱۲۷	یحییٰ علیہ السّلام کے قتل کا واقعہ اور	۱۴۸
	قاتلوں کا انجام	〃
۱۲۸	فائدے، احکام القرآن۔ صفات	۱۴۹
	کی تین قسمیں۔	〃
۱۲۹	اعتراضات، شہادت یحییٰ۔ رفعت	۱۵۰
	عیسیٰ سے پہلے ہے علیہما السّلام	〃
۱۳۰	تفسیر صوفیانہ۔ اہل طریقت کی تین	۱۵۲
	رائیں	〃
۱۳۱	وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مَرْيَمَ۔ از	۱۵۴
	آیت ۱۶ تا ۲۰	〃
۱۳۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ لفظ مریم	۱۵۵
	کا ترجمہ۔ اور تشریح۔	〃
۱۳۳	حرف نَ کی تین قسمیں۔ سات مقاصد	۱۵۶
	کے لیے مستعمل ہے۔	〃
۱۳۴	حرف بَ چودہ قسم کی ہے	۱۵۷
۱۳۵	تفسیر عالمانہ	۱۵۸
۱۳۶	عیسائی لوگ جانب مشرق کو متبرک سمجھے	۱۵۹

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	ہیں اس لیے اُن کے چرچ جانبِ	۱۵۹
	مشرق مغرب ہوتے ہیں۔	〃
۱۳۷	عورت نبی نہیں ہوسکتی۔	۱۵۹
۱۳۸	حضرت مریم کے سات خصوصیات	۱۶۰
۱۳۹	غلام زکیّاً کے معنیٰ۔ فائدے	۱۶۱
۱۴۰	احکام القرآن۔ عورت پر اسلام میں پردہ	۱۶۲
	فرض ہے۔ اعتراضات	〃
۱۴۱	تفسیر صوفیانہ	۱۶۳
۱۴۲	از آدم علیہ السّلام۔ ہر امتِ مومنین میں	۱۶۴
	غوث و قطب ہوتے رہے۔	〃
۱۴۳	اُمتِ مسلمہ کے چار سید الاولیاء ہیں	〃
۱۴۴	عرفانی منزلوں کے چار لباسِ معرفت ہیں	۱۶۵
۱۴۵	قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ	۱۶۵
	از آیت ۲۱ تا ۲۴	〃
۱۴۶	تعلقات	۱۶۶
۱۴۷	تفسیر نحوی	۱۶۷
۱۴۸	اسماءِ ظروف مکانی آٹھ ہیں۔	۱۶۹
۱۴۹	تفسیر عالمانہ	۱۷۰
۱۵۰	حضرت مسیح علیہ السلام کا آیتِ الٰہیہ	۱۷۱
	ہونا سات طرح سے ہے۔	〃
۱۵۱	حضرت مسیح کی ولادت کا واقعہ جائے	۱۷۲
	ولادت وغیرہ	〃
۱۵۲	فائدے۔ احکام القرآن۔ تقدیر کی قسمیں۔	۱۷۴
	قضاءِ مبرم نہیں بدلی جاسکتی۔	〃

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۵۳	عورت پر صرف انسانی مردوں سے پردہ	۱۷۵
	واجب نہ کہ جنات وحیوانات موت کی دعا کرنے کا	〃
۱۵۴	شرعی حکم۔ اعتراضات	〃
۱۵۵	تفسیر صوفیانہ	۱۷۷
۱۵۶	خودی کو بلند کرنے کی فکر شیطانی وسوسہ	۱۷۹
	اور جال ہے۔	〃
۱۵۷	وَهُزِّىٓ اِلَيْكِ بِجِذْعِ النَّخْلَةِ	〃
	از آیت ۲۵ تا ۲۸	〃
۱۵۸	تعلقات، تفسیر نحوی	۱۸۰
۱۵۹	ادغام کی دو قسمیں ہیں۔	۱۸۱
۱۶۰	تفسیر عالمانہ۔ خوشی اور غم کے آنسو	۱۸۴
	کا فرق	〃
۱۶۱	توریت اور انجیل کے نزول میں	۱۸۵
	زمانی فاصلہ	〃
۱۶۲	حیاتِ عیسوی کے تین حصے۔ پہلی	۱۸۵
	اُمتوں کے روزے کی قسمیں	〃
۱۶۳	ولادتِ مسیح کے وقت حضرت مریم	۱۸۸
	کی چھ عظمتیں ظاہر ہوئیں۔	〃
۱۶۴	احکام القرآن۔ بجز انبیاء و ملائکہ کسی کو	۱۸۹
	علیہ السّلام کہنا جائز نہیں ہے۔ یہ کہنا	〃
	شیعوں کی علامت۔ بعض گمراہ سنی	〃
	اس کو جائز مانتے ہیں وہ غلط ہے	〃
	اعتراضات	〃
۱۶۵	کھانا پہلے ہوتا ہے پینا بعد میں۔ یہی	۱۹۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	حکم قرآنی ہے اس کے الٹ کو عقیدہ یا علاج بنا لینا غلط ہے۔	۱۹۰
۱۶۶	حضرت مریم کو بوقتِ ولادتِ مسیح کھجور کھلانے کی تیرہ۱۳ وجوہ	۱۹۱
۱۶۷	کھجور کی اقسام، نام، غذائیت	۱۹۱
۱۶۸	تفسیر صوفیانہ معرفت کا روزہ کیا ہے	۱۹۲
۱۶۹	عارف کی چھ۶ نشانیاں فَاَشَارَتْ اِلَیْهِ از آیت ۲۹ تا ۳۳	۱۹۳
۱۷۰	تعلقات، تفسیر نحوی، اشارے کی دو۲ قسمیں	۱۹۴
۱۷۱	لفظِ کَیْفَ کا تفصیلی بیان	۱۹۵
۱۷۲	نومولود بچے کے چھ نام ہوتے ہیں اور انسانی عمر کے نام	۱۹۹
۱۷۳	حضرت مسیح کو اُن کی چار زندگیوں میں چار کتابیں پڑھائی گئیں۔	〃
	مبارک کے تیرہ معنیٰ۔	〃
۱۷۴	فائدے، تمام انبیا کو بچپن سے ہی اپنی نبوت کا پتہ اور علمِ غیب ہوتا ہے	۲۰۱
۱۷۵	قرآن مجید میں سابقہ انبیا علیہم السلام کا تذکرہ بھی نعتِ مصطفیٰ ہے۔	۲۰۲
۱۷۶	احکام القرآن۔ فوٹو تصویر، اور سجدہ تعظیمی ہر شریعت میں حرام رہا نبوت و رسالت کا فرق	۲۰۲
۱۷۷	کلمہ طیبہ میں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھنے کی وجہ	۲۰۲
۱۷۸	اعتراضات۔ عیسیٰ علیہ السلام کی بچپنے والی تقریر کی حکمت و مصلحت	۲۰۳
۱۷۹	تفسیر صوفیانہ	۲۰۵
۱۸۰	ہدایت مرشد تین قسم کی ہے انبیا علیہم السلام اولیاء اللہ کے ہادی ہیں، اور اولیاء اللہ عوام مسلمانوں کے ہادی۔	۲۰۶
۱۸۱	ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ از آیت ۳۴ تا ۳۷	۲۰۷
۱۸۲	تعلقات، حضرت عیسیٰ کا قرآنی تعارف	۲۰۸
۱۸۳	تفسیر نحوی، لفظ عیسیٰ کا لغوی معنیٰ	۲۰۹
۱۸۴	لفظ دین کے گیارہ معنیٰ، تفسیر عالمانہ	۲۱۲
۱۸۵	تعلق داری آٹھ قسم کی ہوتی ہے	۲۱۳
۱۸۶	آل، اولاد، عیال اور اہل بیت عترت ذریت کا فرق	〃
۱۸۷	پولوس یہودی نے عیسائی بن کر عیسائیوں کو دھوکہ دیا اور ان کا دین خراب کیا	۲۱۴
۱۸۸	عیسائیوں کے فرقے	۲۱۵
۱۸۹	قتل زکریا علیہ السلام کا واقعہ عیسیٰ علیہ السلام کے فضائل و حلیہ شریف	۲۱۶
۱۹۰	فائدے	۲۱۸
۱۹۱	دنیا کی سب سے بدتر مہلک چیز صحبت بد اور عیار دشمنی ہے۔	۲۱۸

نمبرشمار	مضمون	صفحہ	نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۱۹۲	بائبل میں حضرت عیسیٰ کی گستاخانہ برائیاں	۲۱۹	۲۰۹	یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ	۲۳۸
	ہیں۔	〃		از آیت ۴۳ تا ۴۵	〃
۱۹۳	احکام القرآن۔ اعتراضات	۲۲۰	۲۱۰	تعلقات	۲۳۹
۱۹۴	تفسیر صوفیانہ	۲۲۱	۲۱۱	تفسیر نحوی۔ عربی میں نون کی قسمیں	۲۴۰
۱۹۵	قالبِ انسانی میں گیارہ تمثیلیں ہیں۔	۲۲۲	۲۱۲	باب تفعیل کی چھ خصوصیات	۲۴۱
۱۹۶	اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ۔ از آیت	۲۲۳	۲۱۳	حضرت ابراہیم کو تبلیغِ نبوت کی اجازت	۲۴۳
	۳۸ تا ۴۰	〃		پچیس سالہ عمر میں ملی	〃
۱۹۷	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ اَفعالِ تعجب	۲۲۴	۲۱۴	حضرت ابراہیم نے تبلیغی کلام میں تین	۲۴۴
	کے دو صیغے۔	〃		چیزیں واضح فرمائیں۔	〃
۱۹۸	لکنْ دو قسم کا ہوتا ہے	۲۲۵	۲۱۵	ہدایت کی تین قسمیں۔ اور اُن کے نام	〃
۱۹۹	استحقاق کی قسمیں	۲۲۶	۲۱۶	یا اَبَتِ کہنے میں تین خوبیاں	〃
۲۰۰	تفسیر عالمانہ	۲۲۸	۲۱۷	آزر چچا کی دھمکی آمیز تقریر، والد اور	۲۴۶
۲۰۱	یوم قیامت کے ستّرہ نام	۲۲۹		چچا کی محبت میں فرق	〃
۲۰۲	صدیق کی چھ نشانیاں، چار گروہ کے	۲۳۱	۲۱۸	فائدے۔ عذاب و عتاب کا فرق	۲۴۷
	خصوصی انعام	〃		احکام القرآن۔	〃
۲۰۳	نسبت کی چار قسمیں۔ معبودیت کی	۲۳۱	۲۱۹	تبلیغ کے لیے ضروری چیزیں، ہر	۲۴۸
	ستّرہ خصوصیات	〃		شریعت میں ہر قسم کی تصویر تو حرام	〃
۲۰۴	فائدے۔ نبوت صدیقیت صالحیت	۲۳۲		رہی اور تا قیامت حرام ہے	〃
	شہیدیت میں فرق	〃	۲۲۰	اعتراضات، عبادتِ ابلیس کی نسبت	۲۴۹
۲۰۵	احکام القرآن، صرف عالم کو تبلیغ کرنا	۲۳۳		چھ وجہ سے	〃
	فرض ہے۔	〃	۲۲۱	ابراہیم علیہ السلام کی چچا کو تبلیغ تین وجہ	۲۵۰
۲۰۶	اعتراضات	۲۳۴		سے تھی۔	〃
۲۰۷	والد، عم اور اَبْ کا فرق	۲۳۶	۲۲۲	تفسیر صوفیانہ	〃
۲۰۸	تفسیر صوفیانہ	۲۳۷	۲۲۳	اخلاص کی تین قسمیں، حکیم الامت بدایونی	۲۵۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کا ایک شعر	۲۵۲
۲۲۴	پندرہ قوتوں کا نام میراث جسمانی ہے	۲۵۳
۲۲۵	قَالَ سَلٰمٌ عَلَیْکَ از آیت تا ثُمَّ نَھَارٌ	//
۲۲۶	تعلقات۔ مربّی کی پرورش اور رب تعالیٰ کی پرورش کا فرق	۲۵۴
۲۲۷	تفسیر نحوی، حَفِیًّا کے پانچ معنیٰ	۲۵۵
۲۲۸	عزازیل اور معتزلی کا معنیٰ	۲۵۶
۲۲۹	لفظِ لِسان کے چھ معنیٰ، تفسیر عالمانہ سلام کی تو قسمیں ہوتی ہیں	۲۵۸
۲۳۰	سلام کی تو قسمیں ہوتی ہیں	۲۵۹
۲۳۱	حضرت ابراہیم نے اپنا ملکیتی گھر چھوڑ دیا اس کی وجہ۔	۲۶۰
۲۳۲	حضرت ابراہیم کا آبائی وطن اور علاقہ	//
۲۳۳	حضرت آدم و نوح و ابراہیم علیہم السلام کے زمانوں کا فاصلہ، حضرت ابراہیم نے سات چیزوں سے علیحدگی فرمائی	۲۶۱
۲۳۴	حضرت ابراہیم اور آپ کے والدین کریمین کے مختصر حالات	//
۲۳۵	تاریخ ابراہیمی سے اپنے پرایوں کا ظالمانہ رویہ	۲۶۲
۲۳۶	والدین ابراہیم کے ایمان پر قرآنی دلائل	۲۶۳
۲۳۷	حضرت ابراہیم کی استغفار کی دو قسمیں	۲۶۵
۲۳۸	دوسری استغفار کا ذکر	۲۶۶
۲۳۹	حضرت ابراہیم کا شجرہ نسب حضرت تارخ کی عمر سارہ اور لوط علیہ السلام سوتیلے بہن بھائی تھے۔ حضرت سارہ کی عمر وفات قبر۔ حضرت ہاجرہ کی قبر حضرت تارخ کی قبر کا ذکر۔ دمشق کا پرانا نام	۲۶۸
۲۴۰	آزر کی قبر، سب سے پہلے نمرود کی لاش کو آگ میں جلایا گیا، وہیں سے ہندوؤں میں رسم چلی۔	۲۶۹
۲۴۱	حضرت ابراہیم کی ولادتِ پاک کا واقعہ	۲۶۹
۲۴۲	حضرتِ ہاجرہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے سچے حالات	۲۷۰
۲۴۳	فائدے۔ ہر شخص عالم غیر عالم کو بری صحبت سے بچنا چاہیئے بروں کی کتابیں بھی زہر ایمان ہیں۔	۲۷۲
۲۴۴	احکام القرآن۔ تقدیرِ مبرم انبیاء کی دعا سے بھی نہیں ٹلتی۔	۲۷۳
۲۴۵	انبیاء علیہم السّلام کا اپنے لیے بخشش مانگنے کا معنیٰ۔	۲۷۴
۲۴۶	انبیاء کو علیہ السّلام کہنا جائز دوسروں کو نا جائز اس کی وجہ	۲۷۵
۲۴۷	کافر، مومن اور انبیاء کرام کو سلام کرنے کا معنیٰ۔	//

نمبرشمار	مضمون	صفحہ	نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۲۴۸	اعتراضات، آزر کے لیے دعا توفیقِ	۲۷۵	۲۶۲	ہر مسافر کو چار چیزوں کی ضرورت ہے	۲۹۲
	ایمان ملنے کی تھی۔	″		اہلِ معرفت کے اہل چار قوتیں ہیں	″
۲۴۹	تفسیر صوفیانہ۔ صوفیا میں ملامتیہ	۲۷۶	۲۶۳	نفس امارہ کی تین قوتیں	۲۹۳
	گمراہ ہے	″	۲۶۴	وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ۔	″
۲۵۰	وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَىٰ۔ از آیت	۲۷۷		از آیت ۵۶ تا ۵۸	″
	۵۱ تا ۵۵	″	۲۶۵	تعلقات، تفسیر نحوی	۲۹۴
۲۵۱	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۲۷۹	۲۶۶	لفظ کان کی چار قسمیں۔ جملہ انشائیہ کے	۲۹۵
۲۵۲	ظاہری نسبتیں آٹھ قسم کی۔ قربت کی آٹھ	۲۸۱		مشتقات دس ہیں۔	″
	قسمیں	″	۲۶۷	معیت یعنی ہمراہی کی چھ قسمیں ہیں	۲۹۶
۲۵۳	تفسیر عالمانہ	۲۸۱	۲۶۸	حرفِ اِذَا کے ساٹھ استعمال	۲۹۷
۲۵۴	انبیاء کرام کی تین شانیں۔ نبی۔ رسول،	۲۸۲		تفسیر عالمانہ	″
	مرسل میں فرق اور اُن کی تعداد	″	۲۶۹	حضرت ادریس علیہ السلام چوتھے نبی تھے	″
۲۵۵	جمادات نباتات اور حیوانات کی	۲۸۳		آدم علیہ السلام پہلے نبی آپ کی نبوت	″
	سمتوں کی تعداد اور فرق	″		کی ایک دلیل۔	″
۲۵۶	حضرت اسماعیل اسحاق و یعقوب علیہم	۲۸۵	۲۷۰	حضرت ادریس کا نام۔ لقب اور	۲۹۸
	السلام سے سات طرح افضل ہیں۔	″		نسب نامہ و حالات، آپ کی گیارہ	″
۲۵۷	مرضیاً کے چار معنی۔ فائدے۔ چھ	۲۸۶		خصوصیات	″
	انبیا کو معراجِ جسمانی ہوئی۔	″	۲۷۱	سب سے پہلے ادریس علیہ السلام	۲۹۹
۲۵۸	معراجِ موسیٰ اور معراجِ مصطفیٰ میں	۲۸۷		پر جہاد فرض ہوا۔	″
	چھ طرح فرق۔ انبیا کی ہدایت تین	″	۲۷۲	حضرت ادریس کی ایجادات	۳۰۰
	طرح تقسیم ہوئی۔	″	۲۷۳	پہیہ اور ٹانگہ ادریس علیہ السلام	۳۰۱
۲۵۹	احکام القرآن۔ اعتراضات	۲۸۸		کی ایجاد ہے	″
۲۶۰	اقوامِ عرب کے تین کفریہ دین	۲۸۹	۲۷۴	ذریت کی چار قسمیں۔ فائدے۔	۳۰۲
۲۶۱	تفسیر صوفیانہ	۲۹۱	۲۷۵	قرآن مجید میں دس قسم کا رونا مذکور ہے	۳۰۳

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	احکام القرآن، سجدۂ تلاوت کا حکم اور	۳۰۳
	تعداد، بزرگوں کی نقل واجب ہے۔	″
۲۷۶	اعتراضات	۳۰۴
۲۷۷	حضرت ادریس کی تبلیغ کی مدت اور	۳۰۵
	ایمان لانیوالوں کی تعداد۔	″
۲۷۸	تفسیر صوفیانہ	″
۲۷۹	قرآن مجید میں پچیس انبیاء علیہم السلام کا اسم	۳۰۶
	مبارک مذکور ہے ان کے علاوہ چار	″
	انبیاء کرام کا صرف ذکر ہے نام نہیں	″
	یعنی کل ۲۹	″
۲۸۰	انعاماتِ قدسیہ دس ہیں۔	۳۰۷
۲۸۱	سجدے کی چودہ قسمیں ہیں	۳۰۸
۲۸۲	فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ	۳۰۹
	از آیت ۵۹ تا آیت ۶۳	″
۲۸۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۱۱
۲۸۴	اسماء و افعال کل سترہ ہیں	۳۱۳
۲۸۵	تفسیر عالمانہ	۳۱۴
۲۸۶	مومن کی تین چیزیں۔ پابندیِ نماز کے	۳۱۴
	فوائد اور ترک نماز کے نقصانات	″
۲۸۷	غیّا میں سات چیزیں مذکور ہیں۔ شہوات	۳۱۵
	کی قسمیں۔ شہواتِ محسوسات ہیں۔ حقیقت	″
	عبادت کی آٹھ حالتیں تہذیب کی	″
	پانچ قسمیں۔	″
۲۸۸	نماز کا مکمل لباس کیا ہے۔ ننگے سر نماز	۳۱۶
	پڑھنا مکروہ تحریمی ہے۔	۳۱۶
۲۸۹	چار قسم کے بندے جنت عدن میں	″
	نہیں جا سکتے۔ جنت کی پہلی نعمت	″
۲۹۰	دنیا میں ہر انسان کو نو نعمتیں ملیں	″
۲۹۱	قائمہ سے پہلا انسان بہت خوب صورت	۳۱۷
	اور اکمل الخلق تھا۔	″
۲۹۲	احکام القرآن۔ ہر مومن پر تین چیزیں	۳۱۸
	واجب ہیں۔	″
۲۹۳	اعتراضات۔ مکان کی سب سے بڑی	۳۱۹
	خوبی کیا ہے۔	″
۲۹۴	بے نمازی کافر نہیں ہوتا۔ منکرِ نماز	۳۲۰
	کافر ہے۔	″
۲۹۵	تفسیر صوفیانہ۔ توبہ کی تین قسمیں اور	۳۲۱
	چھ شرطیں ہیں۔	″
۲۹۶	حکایت۔ انسان چار قسم کے ہیں۔ قرآن	۳۲۲
	کریم کو سمجھنے کے پانچ طریقے۔ اعمال	″
	صالحہ پانچ قسم کے ہیں۔	″
۲۹۷	تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي از آیت	۳۲۳
	۶۳ تا آیت ۶۶	″
۲۹۸	تعلقات	۳۲۴
۲۹۹	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۳۲۵
۳۰۰	تفسیر عالمانہ۔ جنت تین طرح سے	۳۲۸
	ملے گی۔	″
۳۰۱	عوضی ملکیت اور ترابی ملکیت کا فرق	۳۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۰۲	حضرت جبریل کس نبی کے پاس کتنی بار آئے۔	۳۳۱
۳۰۳	فائدے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے بھول سے پاک ہیں۔	۳۳۲
۳۰۴	ایمان تقویٰ اور اعمالِ صالحہ کے فوائد	۳۳۳
۳۰۵	اعتراضات۔ جنتی رہائشی ملکیت تین قسم کی ہے۔	۳۳۴
۳۰۶	تفسیر صوفیانہ	۳۳۴
	نظیر اللہ اور نظیر احمد نام رکھنا منع ہے	۳۳۸
۳۰۷	اَوَلَا یَذْکُرُ الْاِنْسَانُ اَنَّا خَلَقْنٰہُ از آیت ۶۷ تا ۷۲	//
۳۰۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ حرفِ اَوْ کے گیارہ معنیٰ۔	۳۴۰
۳۰۹	شی کی چار قسمیں۔ حروف تین قسم ہیں	۳۴۱
۳۱۰	حرفِ اِنَّ کی چار قسمیں۔ تفسیر عالمانہ	۳۴۳
۳۱۱	ہر نیک و بد کو تین بار جنت دوزخ دکھائی جاتی ہے۔ کفار کا حشر پانچ بار کفر کی قسمیں	۳۴۵
۳۱۲	پل صراط پر تین قسم کے کانٹے اور کون کس طرح گزرے گا۔	۳۴۶
۳۱۳	فائدے	۳۴۷
۳۱۴	احکام القرآن۔ تقدیر کی دو قسمیں	۳۴۸
۳۱۵	اعتراضات	۳۴۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۱۶	تفسیر صوفیانہ	۳۵۱
۳۱۷	ثُمَّ نُنَجِّی الَّذِیْنَ اتَّقَوْا۔ از آیت ۷۲ تا ۷۵	۳۵۲
۳۱۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۵۵
۳۱۹	نسبتیں چار قسم کی ہیں۔	۳۵۶
۳۲۰	لفظِ کَمْ کی قسمیں	۳۵۷
۳۲۱	تفسیر عالمانہ	۳۵۹
۳۲۲	مقاماً میں تین چیزیں بیان فرمائی گئیں۔	۳۶۰
۳۲۳	فائدے۔ دنیا اور آخرت کے شر گناہوں گستاخیوں سے شکل منحوس ہو جاتی ہے۔	۳۶۲
۳۲۴	احکام القرآن۔ حرام غذا سے تین برائیاں پیدا ہوتی ہیں۔	۳۶۳
۳۲۵	اعتراضات۔ حکایت	۳۶۴
۳۲۶	تفسیر صوفیانہ	۳۶۵
۳۲۷	وَیَزِیْدُ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اھْتَدَوْا ھُدًی از آیت ۷۶ تا ۸۰ ایک آیت	۳۶۶
۳۲۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۶۷
۳۲۹	تفسیر عالمانہ۔ ہدایت کی قسمیں بندوں کے اعتبار سے	۳۶۸
۳۳۰	فائدے	۳۶۸
۳۳۱	احکام القرآن۔ اعتراضات	۳۷۰
۳۳۲	ایمان اور توفیق کی قسمیں۔ ہدایت اور ہدایت کی زیادتی میں فرق	//

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۳۳	اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا۔	۳۷۱
	از آیت ۷۷ تا ۸۲	〃
۳۳۴	تعلقات۔ شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۳۷۳
۳۳۵	غیب کی دو قسمیں	۳۷۴
۳۳۶	مفرد اور منفرد کی قسمیں	۳۷۵
۳۳۷	ضِدّ کی پانچ قسمیں	۳۷۶
۳۳۸	کَلّا کے چھ معنی ہوتے ہیں اور اس کی	۳۷۷
	دس قرأتیں	〃
۳۳۹	جہنم میں پندرہ قسم کے عذاب ہیں	۳۷۸
۳۴۰	دنیوی عزت کی سات صورتیں ہیں	۳۷۹
۳۴۱	فائدے۔ احکام القرآن	۳۸۰
۳۴۲	دلوں میں محبت پیدا کرنے کی دعا۔	۳۸۱
	اعتراضات	〃
۳۴۳	تفسیر صوفیانہ	۳۸۳
۳۴۴	وَلِیُّ اللہ کی دو قسمیں۔ ایمان کے	۳۸۴
	دو بازو۔	〃
۳۴۵	اَلَمۡ تَرَ اَنَّاۤ اَرۡسَلۡنَا الشَّیٰطِیۡنَ	۳۸۶
	از آیت ۸۳ تا ۸۷	〃
۳۴۶	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۸۷
۳۴۷	جملہ انشائیہ کی بارہ قسمیں۔ ان کے	۳۸۸
	علاوہ سب جملہ خبریہ ہیں۔	〃
۳۴۸	تفسیر عالمانہ	۳۹۰
۳۴۹	آخری سانس کی تین صورتیں ہیں	۳۹۱
۳۵۰	میدانِ محشر میں اہلِ ایمان اور کفار کی	۳۹۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	آمد کی نوعیت	۳۹۱
۳۵۱	آٹھ قسم کے بندے بغیر حساب کتاب	۳۹۲
	جنت میں جائیں گے۔	〃
۳۵۲	عہد نامے کے الفاظ۔ عہد کی چھ قسمیں	۳۹۳
	فائدے	〃
۳۵۳	احکام القرآن	۳۹۴
۳۵۴	قیامت میں اذنِ شفاعت کی	۳۹۵
	نوعیتیں	〃
۳۵۵	تفسیر صوفیانہ	۳۹۶
۳۵۶	بندے اور قربن کی قسمیں۔ حشرِ عرفانی	۳۹۷
	میں چار مقام	〃
۳۵۷	وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحۡمٰنُ وَلَدًا	۳۹۸
	از آیت ۸۸ تا ۹۵	〃
۳۵۸	تعلقات	۳۹۹
۳۵۹	تفسیر نحوی	۴۰۰
۳۶۰	اعلیٰحضرت بریلوی کے ترجمے کی	۴۰۱
	شان	〃
۳۶۱	گنتی کرنے کے لیے عربی میں تین	۴۰۳
	مصدر ہیں۔	〃
۳۶۲	تفسیر عالمانہ۔ کفار کا فرشتوں کو	〃
	بیٹیاں کہنے کی وجہ	〃
۳۶۳	عیسائیوں نے چار عقیدے بنائے	〃
	جن کا بطلان کیا گیا۔	〃
۳۶۴	کفار کا سب سے بڑا کفر کونسا ہے۔	۴۰۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	مومن وکافر کی حکومت میں فرق	۴۰۴
۳۶۵	فائدے۔ عبدیت کے پچیس فائدے ہیں۔	۴۰۵
۳۶۶	احکام القرآن	۴۰۶
۳۶۷	اعتراضات مع جوابات	۴۰۷
۳۶۸	حضرت مریم کے کنوارا ہونے کے دلائل	۴۰۸
۳۶۹	تفسیر صوفیانہ	۴۱۱
۳۷۰	وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا از آیت ۹۵ تا ۹۸	۴۱۳
۳۷۱	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی۔ اسماءِ تاکیدی کی تعداد	۴۱۴
۳۷۲	لفظِ لسان۔ لُدًّا۔ کَمْ اور اسماءِ کنایات کا بیان	۴۱۶
۳۷۳	ھَلْ استفہام کا بیان۔ تفسیر عالمانہ	۴۱۷
۳۷۴	ایمان کے ساتھ اعمال کے ذکر کرنے کی وجوہ	۴۱۸
۳۷۵	محبت کی چھ قسمیں۔ عبد الہٰی کے لیے ایک دعا	۴۱۹
۳۷۶	صرف صورتِ مصطفیٰ اور سیرتِ مصطفیٰ کا نام اعمالِ صالحہ ہے	۴۲۰
۳۷۷	فائدے۔ انسان کے بائیس کام۔ علامہ احمد حسن نوری کا ایک قول	۴۲۰
۳۷۸	احکامُ القرآن۔	۴۲۱
۳۷۹	اعتراضات مع جوابات	۴۲۲
۳۸۰	تفسیر صوفیانہ	۴۲۳
۳۸۱	بندے چار قسم کے ہیں۔ محبت کی پانچ قسمیں۔ فاروق اعظم کا ایک ارشاد	۴۲۴
۳۸۲	اہل بشارت اور اہلِ ندارت تین قسم کے ہیں۔	۴۲۵
۳۸۳	سورۃِ مریم کے چھ رکوعوں کی مختصر تفسیر فضائل عملیات	۴۲۵
۳۸۴	سورۃ مریم کے فضائل	۴۳۳
۳۸۵	سورۃ مریم کے عملیات، تعویذ اور کُل عدد	۴۳۴
۳۸۶	سورۃ مریم کے فیصلہ نہ الفاظ کی فہرست	۴۳۵
۳۸۷	شروع سورۃ طٰہٰ۔ از آیت ۱ تا ۸	۴۳۷
۳۸۸	تعلقات۔ شانِ نزول	۴۳۸
۳۸۹	تفسیر نحوی۔ حروف مقطعات کی تعداد	۴۳۹
۳۹۰	مفعول مطلق کی دو شرطیں۔ ثریٰ کا معنیٰ	۴۴۱
۳۹۱	تفسیر عالمانہ۔ لفظِ طٰہٰ کے معنیٰ میں مختلف اقوال	۴۴۲
۳۹۲	دنیوی شقاوت وسعادت کی تین قسمیں	۴۴۳
۳۹۳	استویٰ کے معنیٰ میں چار قول۔ عرش اعظم	۴۴۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کا بیان	۴۴۴
۳۹۴	سِر اور اَخفیٰ کا فرق۔ زمین کی چار قسمیں	۴۴۶
	فائدے	〃
۳۹۵	سورۃ طٰہٰ کی دو خصوصیات نکتۂ عجیبہ	۴۴۷
	احکام القرآن	〃
۳۹۶	آہستہ آمین کہنے کی ایک مضبوط تشبیہی دلیل	۴۴۸
۳۹۷	اعتراضات۔ جوابات	۴۴۹
۳۹۸	متقدی آٹھ قسم کا ہے	۴۵۱
۳۹۹	تفسیر صوفیانہ۔ حکایت	۴۵۲
۴۰۰	معجزاتِ خمسہ کے پانچ منظر	۴۵۳
۴۰۱	مفاد پرست کی چار نشانیاں	۴۵۴
۴۰۲	اَللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ لَہُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی	〃
	از آیت ۹ تا ۱۴	〃
۴۰۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ لفظ اللہ	۴۵۶
	کا بیان	〃
۴۰۴	مستثنیٰ کی تین قسمیں ہیں	۴۵۷
۴۰۵	اسم ظرف کی چار قسمیں ہیں	۴۵۸
۴۰۶	لفظ لمّا کی تین قسمیں ہیں مفاعلہ کی	۴۵۹
	تین خصوصیات	〃
۴۰۷	نونِ اعرابی کی پانچ قسمیں ہیں اسم کے	〃
	تام ہونے کا بیان	〃
۴۰۸	تفسیر عالمانہ	۴۶۰
۴۰۹	اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں کا بیان	۴۶۱
	اور تعداد	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۱۰	موسیٰ علیہ السلام نے پانچ وجہ سے کلامِ	۴۶۳
	الٰہی کو پہچانا	〃
۴۱۱	اَقِمِ الصَّلٰوۃَ سے چار باتیں ظاہر و ثابت	۴۶۴
	ہوئیں عبادت کی قسمیں	〃
۴۱۲	فائدے نقشۂ نعلین پر اللہ کا نام لکھنا	۴۶۵
	کفر یہ گستاخی ہے۔ احکام القرآن	〃
۴۱۳	اعتراضات۔ جوابات	۴۶۶
۴۱۴	تفسیر صوفیانہ۔ توحید کے چار درجے ہیں	۴۶۹
	موجودات تین قسم کے ہیں۔	〃
۴۱۵	آگ کی قسمیں	۴۷۰
۴۱۶	ذکر کی اٹھارہ قسمیں۔ اہل عقل کی قسمیں۔	۴۷۱
	اسم کی قسمیں	〃
۴۱۷	اِنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ۔ از آیت ۱۵ تا ۲۱	۴۷۲
۴۱۸	تعلقات	۴۷۳
۴۱۹	تفسیر نحوی	۴۷۴
۴۲۰	اسم مَا اور حرفِ مَا کی بائیس قسمیں۔ عصا	۴۷۵
	کا بیان	〃
۴۲۱	عصا۔ مِخصَرَۃ اور مِنسَاۃ کا فرق	۴۷۶
۴۲۲	تفسیر عالمانہ	۴۷۷
۴۲۳	بندے کی تین قسمیں۔ ہلاکت کی دس	۴۸۰
	قسمیں	〃
۴۲۴	مَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ میں یمین فرمانے	۴۸۱
	کی چار وجہ عصا کے استعمال	〃
۴۲۵	عصائے موسیٰ دس گز تھا	۴۸۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲۶	عصا کے سانپ بننے کی کیفیت	۴۸۳
۴۲۷	عصا کی دس کرامتیں	۴۸۴
۴۲۸	فائدے۔ ہر مخلوق میں ولی اللہ ہو سکتا ہے۔	۴۸۵
۴۲۹	احکام القرآن۔ انقلاب خلقت سے شرعی احکام بدل جاتے ہیں۔	۴۸۶
۴۳۰	اعتراضات۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں	۴۸۷
۴۳۱	ہر جاندار میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ تفسیر صوفیانہ	۴۹۰
۴۳۲	وَاضْمُمْ يَدَكَ إِلَىٰ جَنَاحِكَ از آیت ۲۲ تا آیت ۳۱	۴۹۰
۴۳۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ اُضمم کا معنیٰ اور ضمیہ کی وجہ تسمیہ	۴۹۱
۴۳۴	لفظ خیر۔ لفظ سوءٌ کا معنیٰ	۴۹۲
۴۳۵	لفظ فرعون کا معنیٰ	۴۹۳
۴۳۶	لفظ آزری اور انسانی پیٹھ کا بیان۔	۴۹۵
	تفسیر عالمانہ۔ معجزۂ عصا اور معجزۂ ید بیضا میں فرق۔	۴۹۵
۴۳۷	انشراح صدر سے سات نعمتیں قرآن مجید میں دس چیزوں کو نور فرمایا گیا۔	۴۹۶
۴۳۸	انشراحِ صدر کی پانچ علامتیں۔ نورِ آفتاب کی کمزوریاں	۴۹۶
۴۳۹	دعاءِ شرح صدر مانگنے کی وجہ	۴۹۷
۴۴۰	تقوے کی تین قسمیں	۴۹۸
۴۴۱	حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دستِ بیضا معجزہ تھا اس کے دلائل انسانی تکلم کی چھ خصلتیں۔	۵۰۰
۴۴۲	کلام چار قسم کا ہے۔ لفظ وزیر کا معنیٰ فائدے۔	۵۰۱
۴۴۳	زبان کا تعلق چھ چیزوں سے ترک کلام کے لیے چار الفاظ۔ دعاءِ وَاحْلُلْ عُقْدَةً کی چار وجوہ	۵۰۲
۴۴۴	احکام القرآن۔ رافضی شیعوں کی پانچ نشانیاں	۵۰۳
۴۴۵	اعتراضات۔ جوابات	۵۰۴
۴۴۶	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تمام جسم مقدس معجزہ ہے۔	۵۰۵
۴۴۷	تفسیر صوفیانہ	۵۰۷
۴۴۸	بندوں کے چار عمل۔ آسانیِ اعمالِ صالحہ کے لیے چار نعمتیں ملتی ہیں۔	۵۰۹
۴۴۹	قرآن مجید میں مسلمانوں اور کفار کے تقریباً سولہ عدد سوال مذکور ہیں بندوں کی سات قسمیں۔	۵۰۹
۴۵۰	محلِ عقلیات چار ہیں، شرح صدر سے بیش نعمتیں ملتی ہیں۔	۵۱۰
۴۵۱	وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي از آیت ۳۲ تا آیت ۳۹	۵۱۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۵۲	تعلقات، تفسیر نحوی	۵۱۳
۴۵۳	مَرَّۃً کا معنیٰ اور اشتقاق	۵۱۴
۴۵۴	یَمّ اور تیمم کا معنیٰ	۵۱۵
۴۵۵	تفسیر عالمانہ	۵۱۶
۴۵۶	حضرتِ موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا حُلیہ شریف	۵۱۷
۴۵۷	موسیٰ وہرون علیہما السلام کو اپنی نبوت کا بچپن سے ہی علم تھا۔	۵۱۸
۴۵۸	موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کو کِس قسم کی وحی تھی۔ القا کی قسمیں۔	۵۲۰
۴۵۹	موسیٰ علیہ السلام کی والدہ محترمہ کا نام مبارک	۵۲۱
۴۶۰	غیر ذوی العقول چیزوں کو انبیا علیہم السلام کے ادب کا حکم۔	۵۲۱
۴۶۱	فرعون کے دشمن ہونے کا معنیٰ	۵۲۲
۴۶۲	فائدے، تین چیزیں اللہ رسول کو پسند ہیں۔	۵۲۴
۴۶۳	مشورے کی عادت سے پانچ اچھائیاں ملتی ہیں۔	//
۴۶۴	احکام القرآن نبی صرف انسانی مرد ہوتا ہے وحی کے چار معنیٰ	۵۲۵
۴۶۵	اعتراضات، حضرتِ موسیٰ پر احساناتِ الٰہیہ کی تعداد	۵۲۶
۴۶۶	تفسیر صوفیانہ	۵۲۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۶۷	اِذْ تَمْشِیْٓ اُخْتُکَ فَتَقُوْلُ۔ از آیت ۴۰ تا آیت ۴۲	۵۳۰
۴۶۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۵۳۱
۴۶۹	نجات اور مناجات کا معنیٰ۔ فتنہ کے معنیٰ	۵۳۳
۴۷۰	تفسیر عالمانہ	۵۳۴
۴۷۱	بارہ مرتبہ موسیٰ علیہ السلام کی آزمائش فرمائی گئی۔	۵۳۸
۴۷۲	مصر اور مدین کا فاصلہ۔ مدین میں قیام کی مدت	۵۳۹
۴۷۳	حکایت	//
۴۷۴	اعلان اور تبلیغ نبوت کی مدت	۵۴۰
۴۷۵	اُخوت کی قسمیں۔ ذکرِ شرعی کی قسمیں	۵۴۱
۴۷۶	ذکر اللہ کے پانچ فائدے، فائدے	۵۴۲
۴۷۷	احکام القرآن۔ قتل کی چار قسمیں	۵۴۳
۴۷۸	اعتراضات۔ جوابات	۵۴۵
۴۷۹	تفسیر صوفیانہ	۵۴۶
۴۸۰	راہِ معرفت میں بندے کے تین مقام	۵۴۷
۴۸۱	ابتلاءِ رحمانی سے چار درجے حاصل ہوتے ہیں ذکر اللہ کی صورتیں	۵۴۸
۴۸۲	اِذْهَبَآ اِلٰی فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰی از آیت ۴۳ تا آیت ۴۸	//
۴۸۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ فرعون کا ذکر اور نام	۵۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۸۴	طغی کا معنی۔ نافرمانی کی قسمیں۔ ترجمہ	۵۵۱	۵۰۰	عربی میں بنیادی الفاظ واحد مذکر ہے اس	۵۷۰
	اعلیٰحضرت کی شان	〃		کی تبدیلیوں کی قسمیں اور اس سے تثنیہ	〃
۴۸۵	تفسیر عالمانہ۔ موسیٰ علیہ السلام کو مصر جاتے	۵۵۳		جمع۔ مؤنث بنانے کا طریقہ و قاعدہ	〃
	کا چار طرح حکم ملا۔	〃	۵۰۱	تفسیر عالمانہ۔ فرعون کے اپنی ربوبیت	۵۷۱
۴۸۶	حضرت موسیٰ کو نرم کلامی کے حکم کی وجوہ	۵۵۴		پر دلائل	〃
	آپ کا لباس	〃	۵۰۲	فرعون کے عقائد۔ ربوبیت الٰہیہ کے	۵۷۳
۴۸۷	اللہ تعالیٰ اور موسیٰ علیہ السلام کے کلام	۵۵۶		چھ ثبوت	〃
	طور کی تعداد	〃	۵۰۳	خلق اور بدی کی چند حکمتیں	۵۷۶
۴۸۸	سفر مصر میں حضرت موسیٰ کو پانچ دشواریاں	۵۵۷	۵۰۴	کلام طور میں پانچ قسم کی وحی	۵۷۷
	آپ نے فرعون سے تیرہ باتیں فرمائیں	〃	۵۰۵	علم مخلوق کی کمزوریاں لَا يَضِلُّ وَلَا	۵۷۸
۴۸۹	فرعون کی کل عمر	۵۵۹		يَنسَى میں چھ شانیں	〃
۴۹۰	بنی اسرائیل پر فرعون کے عذاب دس	۵۶۰	۵۰۶	ازواجاً اور شتّٰی کے معنی۔ نباتات چھ	۵۷۹
	قسم کے ہوتے تھے۔	〃		طرح مختلف ہوئے۔ اور ان کی اقسام	〃
۴۹۱	سلامتی کی قسمیں قلب انسانی کی کیفیات	۵۶۱		فائدے۔	〃
	فائدے۔	〃	۵۰۷	احکام القرآن۔ ایک حکایت	۵۸۱
۴۹۲	انجیل الٰہی کی پانچ باتیں	۵۶۲	۵۰۸	اعتراضات۔ جوابات	۵۸۲
۴۹۳	احکام القرآن۔ چھ قسم کے لوگوں کی غیبت	۵۶۳	۵۰۹	تفسیر صوفیانہ	۵۸۳
	کرنا جائز ہے۔	〃	۵۱۰	كُلُوا وَارْعَوْا أَنْعَامَكُمْ	۵۸۴
۴۹۴	اعتراضات۔ جوابات	۵۶۴		از آیت ۵۳ تا آیت ۵۵	۵۸۶
۴۹۵	تفسیر صوفیانہ	۵۶۵	۵۱۱	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ قوم آرائیں	۵۸۸
۴۹۶	إِنَّا قَدْ أُوحِيَ إِلَيْنَا۔ از آیت ۴۸ تا ۵۳	۵۶۶		کی وجہ تسمیہ	〃
۴۹۷	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۵۶۷	۵۱۲	ہمزہ سوالیہ کا بیان۔ ہمزہ کی قسمیں	۵۸۹
۴۹۸	تولّی کا اصل معنی اور معنی کی تبدیلی کا بیان	۵۶۸	۵۱۳	نباتات میں انسانوں جانوروں کا حصہ باجرہ	۵۹۰
۴۹۹	عہد کا معنی لغوی اور اصطلاحی	۵۶۹		اور دیگر غلوں میں فرق۔	〃

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۱۴	زمینی پیداوار سے انسانی منافع۔ چھ	۵۹۰
	چیزوں میں تفکر ایمان کے لیے ضروری ہے	〃
۵۱۵	دنیوی زندگی کے تین مرحلے۔ زمین کے چھ	۵۹۱
	نفع زمین سے سات چیزیں حاصل ہوتی ہیں	〃
	زمین آسمان سے نو طرح افضل ہے	〃
	مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ کی دو نوعیتیں جسم انسانی	〃
	کا مرکز ناف ہے۔ تیمم مٹی وغیرہ زمینی	〃
	جنس سے کرنے کی وجہ۔	〃
۵۱۶	فرشتہ انسانی نطفے پر تین چیزیں لکھتا	۵۹۲
	ہے	〃
۵۱۷	فرعون کو دس آیات دکھائی گئیں	۵۹۳
۵۱۸	فائدے۔ زمین ایک عجیب شاہکار	۵۹۵
	قدرت ہے	〃
۵۱۹	احکامُ القرآن	۵۹۶
۵۲۰	اعتراضات۔ جوابات	۵۹۷
۵۲۱	انکار کی صورتیں۔ اور طریقے	۵۹۹
۵۲۲	تفسیر صوفیانہ	۶۰۰
۵۲۳	غلبۂ نفسانی سے چار برائیاں ہوتی	۶۰۲
	ہیں۔	〃
۵۲۴	قَالَ مَوْعِدُكُمْ يَوْمُ الزِّيْنَةِ	〃
	از آیت ۵۹ تا آیت ۶۳	〃
۵۲۵	تعلقات، تفسیر نحوی	۶۰۴
۵۲۶	ویل کے نو معنی۔	۶۰۵
۵۲۷	لفظِ طَرِيْقَة کے پانچ معنی	۶۰۷

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
۵۲۸	تفسیر عالمانہ۔ زینت کی چھ قسمیں انسانی	۶۰۸
	عیدوں کا بیان	〃
۵۲۹	مسلمانوں کی چار عیدیں۔ دن رات	۶۰۹
	کے حصوں کے پندرہ نام	〃
۵۳۰	فرعونی جادوگروں کی تعداد	۶۱۰
۵۳۱	آسمانی برجوں کے مروجہ نام کفار کے	۶۱۱
	رکھے ہوئے ہیں۔ فرعون کا اصلی نام	〃
۵۳۲	فرعونیوں کے پانچ افترای۔ حضرت	۶۱۳
	موسیٰ کی تبلیغ کے مقاصد	〃
۵۳۳	فائدے۔ احکام القرآن	۶۱۶
۵۳۴	اعتراضات۔ جوابات	۶۱۸
۵۳۵	تفسیر صوفیانہ	۶۲۰
۵۳۶	نفس امارہ کی تین لذتیں	۶۲۱
۵۳۷	فَاَجْمِعُوْا كَيْدَكُمْ ثُمَّ ائْتُوْا صَفًّا	۶۲۳
	از آیت ۶۴ تا ۶۹	〃
۵۳۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۲۴
۵۳۹	عصا کی جمع میں چار قول	۶۲۶
۵۴۰	"تلقف" اور "بلع" کا فرق	۶۲۷
۵۴۱	تفسیر عالمانہ	۶۲۸
۵۴۲	فرعونی جادوگروں کی تعداد مختلف	۶۲۹
	اقوال	〃
۵۴۳	جادوگروں کو پہلے پھینکنے کی	۶۳۱
	سات وجوہ	〃
۵۴۴	لوگوں کی نگاہوں پر پورا جادو ہوگیا تھا	۶۳۲

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	مگر موسیٰ و ہرون پر صرف تخیل تھا۔	۶۳۲
۵۴۵	دنیوی نعمتوں کی چار نوعتیں ہیں	۶۳۴
۵۴۶	فائدے چھ قسم کے جادو دنیا میں مشہور ہیں۔	۶۳۵
۵۴۷	جادو کے نقصانات۔ جادو کرنے کے پانچ طریقے۔	۶۳۶
۵۴۸	احکام القرآن اَلْقِ مَا فِیْ یَمِیْنِکَ سے تین باتیں ظاہر ہوئیں۔	۶۳۷
۵۴۹	اعتراضات۔ جوابات	۶۳۸
۵۵۰	تفسیر صوفیانہ	۶۳۹
۵۵۱	فَاُلْقِیَ السَّحَرَۃُ سُجَّدًا، از آیت ۷۰ تا آیت ۷۱	۶۴۱
۵۵۲	تعلقات	۶۴۲
۵۵۳	تفسیر نحوی	۶۴۳
۵۵۴	کاٹنے جدا کرنے کی دو قسمیں	۶۴۴
۵۵۵	عربی لغت میں درختوں کی شاخوں کے نام اور ان کی قسمیں	۶۴۵
۵۵۶	تفسیر عالمانہ	۶۴۶
۵۵۷	فائدے	۶۵۰
۵۵۸	احکام القرآن۔ شناخت کی چند صورتیں ہیں۔ جادو سیکھنا کفر و حرام ہے۔	۶۵۱
۵۵۹	صولی کی سزا فرعونی ایجاد ہے۔ اعتراضات جوابات	۶۵۲
۵۶۰	فرعون نے صرف جادوگروں کو سزا سنائی	۶۵۴

نمبرشمار	مضمون	صفحہ
	اور دی اس کی تین وجہ	۶۵۴
۵۶۱	تفسیر صوفیانہ معرفت کی سیڑھی کے نو زینے	۶۵۵
۵۶۲	جادوگروں کو قرب الٰہی کا حصول تین وجہ سے ہوا۔	۶۵۶
۵۶۳	قرب نبوت کے تین تمغے	۶۵۷
۵۶۴	قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا از آیت ۷۲ تا آیت ۷۶	۶۵۸
۵۶۵	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۵۹
۵۶۶	خطا کی قسمیں اور معنیٰ۔ مصدر کی تین قسمیں جادو کیا ہے۔ سحر کا معنیٰ اور قسمیں	۶۶۱
۵۶۷	تفسیر عالمانہ۔ جادوگروں نے نو بینات دیکھیں	۶۶۳
۵۶۸	ذنوب کا معنیٰ ذنب سیئہ خطا کا فرق اَکْرَهْتَنَا کی صورتیں	۶۶۶
۵۶۹	موت کا بلاوا تین قسم کا ہے	۶۶۷
۵۷۰	فائدے۔ سچا آدمی بہادر ہوتا ہے اور جھوٹا شخص بزدل	۶۶۸
۵۷۱	احکام القرآن۔ سب سے بڑا کفر نبی سے مقابلہ ہے	۶۶۹
۵۷۲	دینی غیرت اور خودکشی کی ہلاکت میں فرق اعتراضات	۶۷۱
۵۷۳	تفسیر صوفیانہ	۶۷۲
۵۷۴	معافی قبول کرنے کے چار فائدے	۶۷۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	قبول کرنے کے چار نقصان	۶۷۴
۵۷۵	وَمَنْ يَّأْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ	〃
	از آیت ۷۵ تا ۸۲	〃
۵۷۶	تعلقات	۶۷۵
۵۷۷	تفسیر نحوی۔ جنت کے آٹھ حصے ہیں	۶۷۶
۵۷۸	حرفِ اَنْ پانچ قسم کا ہے	۶۷۸
۵۷۹	تفسیر عالمانہ	۶۷۹
۵۸۰	اہلِ جنت کی دو قسمیں	۶۸۰
۵۸۱	اعمالِ صالحہ کی گیارہ قسمیں۔ فرعونیوں پر	۶۸۲
	چھ قسم کے عذاب آئے	〃
۵۸۲	اَسْرِ بِعِبَادِیْ کی چار وجوہ	۶۸۳
۵۸۳	غرق ہونے والے فرعونیوں کی تعداد	۶۸۵
	غرق کا واقعہ حکایت۔	〃
۵۸۴	خوف و خشیت کا فرق	۶۸۷
۵۸۵	فائدے۔ جہاں بزرگ یا ان کی قبوریں ہوں	۶۸۹
	وہاں عذاب نہیں آتا۔	〃
۵۸۶	احکام القرآن	۶۹۰
۵۸۷	چار طرح رات ضائع ہوتی ہے اعمالِ	۶۹۱
	صالحہ کی تین قسمیں	〃
۵۸۸	اعتراضات جوابات	۶۹۲
۵۸۹	قرآن مجید میں فاسق کے پانچ نام	۶۹۳
۵۹۰	تفسیر صوفیانہ	۶۹۴
۵۹۱	وَاَضَلَّ فِرْعَوْنُ قَوْمَهٗ وَمَا هَدٰى	۶۹۷
	از آیت ۷۹ تا آیت ۸۲	〃

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۹۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۶۹۹
۵۹۳	اللہ تعالیٰ کے لیے جمع مذکر حاضر یا	۷۰۱
	غائب کا صیغہ بولنا شاید شرک ہے	〃
	اور گناہ کبیرہ ہے۔	〃
۵۹۴	ترانی کی دو قسمیں ہوتی ہیں	۷۰۳
۵۹۵	تفسیر عالمانہ	〃
۵۹۶	بنی اسرائیل پر انعامات کا تذکرہ	۷۰۵
۵۹۷	نعمت کاملہ کی چار صفتیں۔ فرعون کا	۷۰۶
	بنی اسرائیل کو چار قسم کی سزائیں دینے	〃
	کا بیان	〃
۵۹۸	میدان تیہ میں قید کی مدت اور شرعی	۷۰۷
	پابندیاں زحمتیں غضب کا اصلی معنیٰ	〃
	اور علامات	〃
۵۹۹	دنیوی اور اخروی ذلتوں کا بیان	۷۰۸
	غُفْرٌ کے معنیٰ	〃
۶۰۰	مغفرت کی چار کیفیات۔ دنیا میں	۷۰۹
	بندے کے تین حال	〃
۶۰۱	مغفرت کے بارے میں ہم عصر اکابر کا	۷۱۰
	بیان اہتدا کا بیان	〃
۶۰۲	فائدے اور صحبتِ بد کی چار صورتیں	〃
۶۰۳	چار چیزیں ہر مسلمان کے لیے ضروری	۷۱۱
	ہیں۔ احکام القرآن	〃
۶۰۴	امر و نہی کی سولہ قسمیں ہوتی ہیں	〃
۶۰۵	اعتراضات۔ جوابات	۷۱۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۰۶	گناہوں کی مغفرت تین قسم کی گناہ مٹنے کی تین صورتیں	۷۱۴
۶۰۷	دنیا میں دو راہبر ہوتے ہیں۔ ہدایت کے بارہ رستے	۷۱۶
۶۰۸	دلیلِ اسرار کی تین ضروری چیزیں ضربِ عصا سے بارہ چشمے	۷۱۷
۶۰۹	تیہِ طریقت کے بارہ منصب	۷۱۸
۶۱۰	توبہ کرنے والے تین قسم کے	۷۱۹
۶۱۱	وَمَآ اَعْجَلَكَ عَنْ قَوْمِكَ يٰمُوْسٰى از آیت ۸۳ تا ۸۴	〃
۶۱۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۷۲۰
۶۱۳	مفرد کی تین قسمیں۔ تفسیر عالمانہ	۷۲۱
۶۱۴	مَآ اَعْجَلَكَ کے خطاب میں حضرت موسیٰ اکیلے ہی طور پر گئے تھے۔	۷۲۳
۶۱۵	طور پر جانے کا صحیح واقعہ	۷۲۴
۶۱۶	جلد بازی کی اقسام	۷۲۵
۶۱۷	قَالَ فَاِنَّا قَدْ فَتَنَّا قَوْمَكَ۔ از آیت ۸۵ تا آیت ۸۶	۷۳۰
۶۱۸	تعلقات، تفسیر نحوی۔ لفظِ بَعْد کا بیان	۷۳۲
۶۱۹	لفظِ سامری کا بیان، غضبان، مغضوب اور غضبۃ کا فرق لفظ اُف کا بیان	۷۳۳
۶۲۰	طول کی قسمیں، عہد میثاق، اور وعدے کا فرق	۷۳۴
۶۲۱	تفسیر عالمانہ، فرعونی زمانے میں تیرہ بتوں کی پرستش ہوتی تھی	۷۳۵
۶۲۲	سامری کے حالاتِ زندگی	۷۳۷
۶۲۳	میقاتِ موسوی کی ماہانہ تاریخ۔ توریت کی تختیاں ملنے کی تاریخ اور تعداد اور سورتیں آیتیں۔	۷۳۹
۶۲۴	غلط کام سے جسم پر پانچ کیفیات طاری ہوتی ہیں۔	〃
۶۲۵	اللہ تعالیٰ کے تیرہ وعدے بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ کے وعدے	۷۴۱
۶۲۶	فائدے	〃
۶۲۷	احکام القرآن۔ اللہ تعالیٰ کی صفات و اسماء و آیت کا ادب کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔	۷۴۳
۶۲۸	بارگاہِ الٰہیہ سے انبیاء علیہم السلام کو تین مقام ملتے ہیں۔	۷۴۴
۶۲۹	حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا فرمان	۷۴۵
۶۳۰	کاسب اور خالق کا فرق	۷۴۶
۶۳۱	تفسیر صوفیانہ	۷۴۷
۶۳۲	عقلِ انسانی کے آٹھ حصے ہیں	۷۴۸
۶۳۳	ثابت قدمی کے لیے تین چیزیں	۷۴۹
۶۳۴	قَالُوْا مَآ اَخْلَفْنَا مَوْعِدَكَ از آیت ۸۷ تا آیت ۹۰	〃
۶۳۵	تعلقات	۷۵۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۳۶	تفسیر نحوی۔ لٰکِنَّ حرفِ مشبہ کا بیان	۷۵۲
۶۳۷	گائے کے نام بلحاظِ عمر	۷۵۲
۶۳۸	یقینی بات کے بیان میں اَنْ ناصبہ نہیں	۷۵۴
	آسکتا	〃
۶۳۹	ضَرًّا اور نفعًا کی قسمیں۔ تقدم کی قسمیں	۷۵۵
۶۴۰	تفسیر عالمانہ	۷۵۵
۶۴۱	بچھڑا بنانے کا واقعہ۔ شیطانی سازشیں	۷۵۶
	اور ان کی فہرست	〃
۶۴۲	عجلًا کے بارے میں غلط تفاسیر اور	۷۵۸
	اُن کا رد با دلائل۔	〃
۶۴۳	قرآن مجید میں لفظِ فتنہ کی تعداد اور	۷۶۰
	اُس کا معنیٰ	〃
۶۴۴	جاہل مفسروں کے بیہودہ دلائل اور	۷۶۱
	ان کا تردیدی جواب	〃
۶۴۵	ایک حکایت	۷۶۵
۶۴۶	فائدے۔ حکایت مشفق انسان ہی	۷۶۶
	تمام حقوق ادا کر سکتا ہے۔	〃
۶۴۷	احکام القرآن۔ غنیمت کا حکم	۷۶۷
۶۴۸	اعتراضات، جوابات	۷۶۸
۶۴۹	ھٰرون علیہ السلام اور حضرت علی کے وصی	۷۷۰
	ہونے میں فرق	〃
۶۵۰	تفسیر صوفیانہ	۷۷۱
۶۵۱	متاعِ دنیوی انسان کو چار طرح ملتی ہے	۷۷۲
۶۵۲	قَالُوْا لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ	۷۷۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	از آیت ۹۱ تا ۹۵	۷۷۳
۶۵۳	تعلقات	۷۷۴
۶۵۴	تفسیر نحوی	۷۷۵
۶۵۵	عربی میں اصولی الفاظ سات ہیں۔	۷۷۸
	تفسیر عالمانہ	〃
۶۵۶	بنی اسرائیل کے بچھڑا پوجنے کا طریقہ	۷۷۹
۶۵۷	بہن بھائی کی تین قسمیں ہوتی ہیں	۷۸۰
۶۵۸	فائدے۔ سب سے زیادہ ضروری چیز	۷۸۲
	ہدایتِ الٰہی ملنا ہے۔	〃
۶۵۹	بنی اسرائیل نے تیرہ دلائل دیکھے مگر	۷۸۳
	ہدایت نہ ملی	〃
۶۶۰	احکام القرآن۔ تقریبًا چالیس احادیث	۷۸۴
	سے فوٹو بنانے بنوانے کی حرمت	〃
	ثابت ہے۔	〃
۶۶۱	انبیاء کرام کی سنتیں امت پر لازم ہوتی	۷۸۵
	ہیں۔ سر کے بالوں کے نام	〃
۶۶۲	اعتراضات۔ جوابات	۷۸۶
۶۶۳	سچا اتحاد کیا ہے۔ اور باطل اتحاد	۷۸۹
	کیا ہے۔	〃
۶۶۴	تفسیر صوفیانہ	۷۹۰
۶۶۵	سچے درویش کی چار نشانیاں	۷۹۳
۶۶۶	قَالَ بَصُرْتُ بِمَا لَمْ یَبْصُرُوْا	〃
	از آیت ۹۶ تا ۹۹	〃
۶۶۷	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ قَبْضٌ اور قَبْصٌ کا	۷۹۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	فرق۔	۷۹۵
۶۶۸	پانی کے ذخیروں کے عربی زبان میں تقریباً پندرہ نام ہیں	۷۹۷
۶۶۹	تفسیر عالمانہ	۷۹۸
۶۷۰	حضرت موسیٰ نے سامری کو تین سزائیں سنائیں	۸۰۲
۶۷۱	فائدے۔ بارگاہِ الٰہی میں سب سے زیادہ عزت انبیا علیہم السّلام کی ہے	۸۰۴
۶۷۲	احکامُ القرآن۔ کفر کی دو قسمیں	۸۰۶
۶۷۳	اعتراضات۔ جوابات	۸۰۷
۶۷۴	تفسیر صوفیانہ۔ شرارت سے چار نقصان چار غضبوں سے بچنا چاہیئے۔	۸۰۸
۶۷۵	مرشدِ برحق کی چار ذمّہ داریاں	۸۰۹
۶۷۶	خراب اَخلاق کا بیان۔ سچے صوفی کی پہچان	۸۱۰
۶۷۷	كَذٰلِكَ نَقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ مَا قَدْ سَبَقَ۔ از آیت ۹۹ تا ۱۰۳	״
۶۷۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۸۱۲
۶۷۹	آہستہ بولنا چار قسم کا ہے حرفِ اِنْ چار قسم کا ہے	۸۱۴
۶۸۰	تفسیر عالمانہ	۸۱۵
۶۸۱	لفظِ ذکر کا معنیٰ اور قرآنِ مجید میں اس کی تعداد	۸۱۶
۶۸۲	قرآن کریم کو ذکر کہنے کی وجہ تین قسم کے لوگوں پر قیامت میں بوجھ ہوگا۔ اور بوجھ کی شکلیں۔	۸۱۷
۶۸۳	بوجھ کی سات قسمیں اور ان میں سات چیزیں اور ذلتیں	۸۱۸
۶۸۴	بدصورتی کے لیے تین الفاظ۔ فائدے اُمّی کا معنیٰ انبیاءِ کرام اور عوام کے اُمّی ہونے کا فرق	۸۲۰
۶۸۵	احکامُ القرآن	۸۲۱
۶۸۶	اعتراضات جوابات	۸۲۲
۶۸۷	تفسیر صوفیانہ	۸۲۳
۶۸۸	حقیقی ذکر اللہ کی پہچان۔ اس کے ترک سے بارہ بوجھ اور پانچ نقصان۔ ذکر ایمانی۔ ایقانی۔ عرفانی کے فائدے جلاءِ قلب کے لیے تین مفید ذکر	۸۲۴
۶۸۹	نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَقُوْلُوْنَ اِذْ يَقُوْلُ اَمْثَلُهُمْ۔ از آیت ۱۰۴ تا ۱۰۸	۸۲۶
۶۹۰	تعلقات۔ شانِ نزول۔ تفسیر نحوی اَمْثَلُهُمْ کا معنیٰ	۸۲۷
۶۹۱	عَنْ حرف جس کے چھ معنیٰ چھوڑنے کی پانچ قسمیں۔ قاعًا کی جمع اور اس کے معنیٰ	۸۲۸
۶۹۲	عوج کا معنیٰ اور قسمیں۔ اطاعت و اتباع کا فرق۔ خشوع خضوع اور ضروع کا فرق۔	۸۲۹

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٦٩٣	سرگوشی اور کھُسر پھُسر کا فرق۔ تفسیر عالمانہ	۸۳۰
٦٩۴	فائدے۔ آسمان بھی سات زمین بھی سات	۸۳۳
	اوران کی کیفیات	〃
٦٩۵	احکام القرآن۔ سچی اتباع کی پہچان	۸۳۴
٦٩٦	خوف کی چار قسمیں۔ اعتراضات،	۸۳۵
	جوابات۔	〃
٦٩٧	عوج اور عَوَج کا فرق اور دونوں کا	۸۳٦
	معنیٰ۔	〃
٦٩۸	پہاڑوں کا بیان، تعدادی فہرست اور	۸۳۸
	جائے مقام و پیمائش	〃
٦٩٩	دنیا کی اونچی چوٹیاں۔ پہاڑوں کے	۸۴۳
	فوائد۔	〃
۷۰۰	تفسیر صوفیانہ	۸۴۴
۷۰۱	جنتِ اَسرار چار قسم کی ہے۔ خودی اور	۸۴٦
	بیخودی کا فرق	〃
۷۰۲	یَوْمَئِذٍ لَّا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ اِلَّا مَنْ	۸۴۸
	اَذِنَ لَهٗ۔ از آیت ۱۰۹ تا ۱۱۱	〃
۷۰۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ احاطہ کرنا پانچ	۸۴۹
	قسم کا ہے۔	〃
۷۰۴	تفسیر عالمانہ	۸۵۰
۷۰۵	اصطلاحی شفاعت کی تین صورتیں	۸۵۱
۷۰٦	جرم کی قسمیں	۸۵۲
۷۰۷	شفاعت کا بیان۔ تعداد اور شرائط	۸۵۴
۷۰۸	شفاعت کے اٹھارہ طریقے	۸۵۵
۷۰۹	ظلم انسانی کی تین صورتیں۔ اسم اعظم	۸۵۸
	کیا ہے!	〃
۷۱۰	فائدے۔ احکام القرآن	۸۵۹
۷۱۱	اعتراضات۔ جوابات	۸٦۰
۷۱۲	تفسیر صوفیانہ	۸٦۲
۷۱۳	قیامت میں تین چیزیں بندے کو	۸٦۳
	ذلیل کریں گی۔	〃
۷۱۴	وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ	۸٦۴
	مُؤْمِنٌ۔ از آیت ۱۱۲ تا ۱۱۵	〃
۷۱۵	تعلقات۔ شانِ نزول	۸٦۵
۷۱٦	تفسیر نحوی	۸٦٦
۷۱۷	تفسیر عالمانہ۔ ظلم اور ہضم کا فرق	۸٦۹
۷۱۸	عربی زبان کی پانچ خصوصیات	۸۷۰
۷۱۹	لَا تَعْجَلْ فرمانے کی وجہ اور حکمت	۸۷۱
۷۲۰	نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام قرآن اور	۸۷۵
	علومِ قرآن کو عالمِ ازل سے جانتے ہیں	〃
۷۲۱	کاتبینِ وحی کے اسماءِ پاک	۸۷٦
۷۲۲	ایک وہابی کی غلط تفہیم و تفسیر کا رد	۸۷۷
۷۲۳	نزولِ قرآن مجید کا طریقہ الہیہ	۸۷۹
۷۲۴	آدم علیہ السلام کا واقعہ جنت آپ نے	۸۸۰
	ابلیس سے دھوکہ کیوں کھایا!	〃
۷۲۵	فائدے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم	۸۸۱
	کی انتہا کسی مخلوق کو معلوم نہیں۔	〃
۷۲٦	دس چیزیں نسیان پیدا کرتی ہیں۔	۸۸۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۲۷	احکام القرآن۔ جبریل علیہ السلام کو استاد کی	۸۸۳
	تشبیہ دینا غلط اور گستاخی ہے	″
۷۲۸	اعتراضات۔ نسیان کے چار معنیٰ۔	۸۸۴
۷۲۹	تفسیر صوفیانہ۔ مومن کی چار چیزوں سے	۸۸۵
	تکمیل ہوتی ہے۔	″
۷۳۰	عبادت کے چار حقوق	۸۸۷
۷۳۱	وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا	۸۸۸
	از آیت ۱۱۶ تا آیت ۱۲۰	″
۷۳۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۸۸۹
۷۳۳	مستثنیٰ کے اعراب کی قسمیں۔ انکار کی	۸۹۰
	قسمیں اور ابیٰ کا معنیٰ۔ دشمن کی قسمیں	″
۷۳۴	تفسیر عالمانہ	۸۹۲
۷۳۵	ابلیس کو حکمِ سجدہ میں کیوں شامل کیا گیا	۸۹۳
۷۳۶	آدم علیہ السلام کو سجدے کا استحقاق	۸۹۴
	ملنے کے نو وجوہ	″
۷۳۷	ابلیس کے انکارِ سجدہ کی چار وجہ ابلیس	۸۹۵
	کا غرور چار طرح کا اور چار طرح اس کا	″
	اظہار کیا۔ ابلیس کی چار گستاخیاں	″
۷۳۸	ابلیس کو چار ذلتیں ملیں۔ عداوتِ ابلیس	۸۹۶
	کی چار وجوہ	″
۷۳۹	بشریت کی تین کمزوریاں۔ ابلیس کے	۸۹۸
	چار وسوسے	″
۷۴۰	ابلیس نے چار چیزیں رب سے مانگیں	۸۹۹
	آدم علیہ السلام کو تین سو سال بعد نبوت ملی	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو ازل ہی	۸۹۹
۷۴۱	فائدے۔ افضل الخلق اشرف الخلق	۹۰۰
	اشر الخلق کا بیان	″
۷۴۲	سعادت و شقاوت کی دو قسمیں۔	۹۰۱
	احکام القرآن	″
۷۴۳	اعتراضات۔ جوابات	۹۰۲
۷۴۴	تفسیر صوفیانہ	۹۰۴
۷۴۵	جنتِ حوّا کی چار نعمتیں	۹۰۵
۷۴۶	سات ابلیسی حرکتیں	۹۰۶
۷۴۷	فَاَكَلَا مِنْهَا فَبَدَتْ لَهُمَا	۹۰۷
	از آیت ۱۲۱ تا ۱۲۳	″
۷۴۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۹۰۸
۷۴۹	افعالِ مقاربہ سات ہیں	۹۰۹
۷۵۰	غَوٰی کے چار معنیٰ۔ نفی اثبات کے	۹۱۰
	چار مصدر	″
۷۵۱	لفظِ اِمّا کے پانچ معنیٰ تفسیر عالمانہ	۹۱۲
۷۵۲	نافرمانی کی سات قسمیں	۹۱۳
۷۵۳	نبوت کے تین زمانے ہوتے ہیں۔ نبوت	۹۱۵
	کے بارے میں مسلک اہل سنت	″
۷۵۴	قرآن مجید میں انتیس قصے ہیں۔ قرآن کریم	۹۱۶
	میں نبوتِ آدم کا ذکر صراحتاً نہ ہونے	″
	کی وجہ	″
۷۵۵	واقعۂ آدم علیہ السلام سات سورتوں میں مذکور	۹۱۷
	ہوا اور ہر جگہ سات چیزیں بیان ہوئیں	″

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۵۶	حضرت آدم کی نبوت کے دلائل	۹۱۸
۷۵۷	آدم علیہ السّلام کی مکمل عمر شریف	۹۱۹
۷۵۸	مفسرین کے مختلف اقوال	۹۲۰
۷۵۹	شرافت تین چیزیں ہیں ہدایت کے فائدے اُترنے کی قسمیں۔ فائدے دنیا میں چار شخص بہت روئے	۹۲۱
۷۶۰	رونے کے فوائد۔ اور ہنسنے کے نقصان	۹۲۲
۷۶۱	احکام القرآن۔ اصل پردہ عورت کے چہرے کا ہے اور اس کی وجہ وحکمت	۹۲۳
۷۶۲	اعتراضات۔ جوابات	۹۲۴
۷۶۳	تفسیر صوفیانہ۔ معرفت کے چار لباس	۹۲۷
۷۶۴	آدم علیہ السّلام کی توبہ کے لیے چار دعائیں اور آخری وسیلہ	〃
۷۶۵	رب تعالیٰ کی ایک عجیب حکمت	۹۲۸
۷۶۶	شیطن تین طریقوں سے انسان کو ورغلاتا ہے۔ موجودہ قوالیوں سے پانچ خرابیاں ہیں۔	۹۲۹
۷۶۷	مَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِيْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا۔ از آیت ۱۲۴ تا ۱۲۷	〃
۷۶۸	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۹۳۱
۷۶۹	اسم اشارہ کذالک کی دو قسمیں ہوتی ہیں	۹۳۳
۷۷۰	تفسیر عالمانہ۔ امیر غریب کی بے سکونی کی چار وجوہ	۹۳۴
۷۷۱	عذاب قبر تین قسم کا ہوتا ہے	۹۳۵
۷۷۲	زندگی تین قسم کی ہے۔ فاسق کو تین تنگیاں مومن کے لیے تین انعام۔ کفار کی روز محشر گیارہ کیفیات	۹۳۶
۷۷۳	فائدے۔ رب تعالیٰ کی ناراضگی کی چار نشانیاں	۹۳۹
۷۷۴	احکام القرآن	۹۴۰
۷۷۵	اعتراضات جوابات	۹۴۱
۷۷۶	تشبیہ اکیس قسم کی ہوتی ہے	۹۴۲
۷۷۷	تفسیر صوفیانہ۔ دنیا کے آٹھ وبال	۹۴۳
۷۷۸	ابلیس کے چار ذکر۔ ذکر اللہ کی آواز چار قسم کی ہے	۹۴۵
۷۷۹	اَفَلَمْ يَهْدِ لَهُمْ كَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ۔ از آیت ۱۲۸ تا ۱۳۰	۹۴۶
۷۸۰	تعلقات	۹۴۷
۷۸۱	تفسیر نحوی۔ محذوف چیزیں ترکیب میں شامل نہیں ہوتیں۔ محذوف اور پوشیدہ کا فرق	۹۴۸
۷۸۲	تفسیر عالمانہ	۹۵۱
۷۸۳	کفار کو ڈھیل دینے کی تین حکمتیں۔ مفسرین کے مختلف اقوال۔ سات قوموں پر عذاب آئے۔	۹۵۲
۷۸۴	تسبیح و تحمید کا مکمل و بہترین نقشہ نماز اسلامی ہے پنجوقتہ نماز کی حکمتیں	۹۵۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۸۵	کفارِ مکہ کی ایذا رسانی۔ فائدے	۹۵۵
۷۸۶	رات میں پانچ خصوصیات۔ احکام القرآن	۹۵۶
	زمین مکمل ایک جگہ ساکن ہے۔	〃
۷۸۷	زمین کو سیارہ ماننے میں دو خرابیاں۔	۹۵۷
	پہاڑوں کی تعداد۔ اعتراضات، جوابات	〃
۷۸۸	رات کی عبادت میں چھ خصوصیات	۹۵۸
	تفسیر صوفیانہ	〃
۷۸۹	عقل اور قلب کی ہدایت کا فرق۔ عقل کے	۹۵۹
	ہزار حصے	〃
۷۹۰	حکایت۔ راہِ معرفت کی ہدایتیں	۹۶۰
۷۹۱	صبر اور بے صبری کی چار قسمیں نماز باجماعت	۹۶۱
	کے پانچ فائدے۔ غفلت کے نقصان	〃
	بلائیں چار طریقوں سے رد ہوتی ہیں	〃
۷۹۲	چار اعضا کو چار چیزوں سے بچانا ضروری	۹۶۲
۷۹۳	وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا	〃
	بِهٖ۔ از آیت ۱۳۱ تا آیت ۱۳۳	〃
۷۹۴	تعلقات، شان نزول، تفسیر نحوی۔	۹۶۴
۷۹۵	حیوٰۃ پانچ قوتوں کا نام ہے۔	۹۶۵
	زوج کا بیان	〃
۷۹۶	خیر کی قسمیں۔ رزق کے معنی	۹۶۶
۷۹۷	لفظ لَوْلَا کے چار معنی۔ تفسیر عالمانہ	۹۶۷
۷۹۸	انبیاء علیہم السّلام کو چھ چیزوں سے	۹۶۸
	نفرت ہوتی ہے۔	〃
۷۹۹	اہل بیت کی تین قسمیں۔ نماز کے سات	۹۷۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	فائدے۔	〃
۸۰۰	فائدے	۹۷۴
۸۰۱	احکام القرآن۔ حسد، رشک، اور	۹۷۵
	غبطہ کا فرق	〃
۸۰۲	اعتراضات، جوابات	۹۷۶
۸۰۳	دولت مند کی تین کیفیتیں۔ تفسیر صوفیانہ	۹۷۷
۸۰۴	اہلِ تصوف کے نزدیک شرک کی چار	۹۷۹
	قسمیں۔ ازواج کی قسمیں	〃
۸۰۵	معرفت کی پانچ نماز اور ان کے	۹۸۰
	لباس	〃
۸۰۶	وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ	۹۸۱
	مِّنْ قَبْلِهٖ۔ از آیت ۱۳۴ تا ۱۳۵	〃
۸۰۷	تعلقات، شان نزول۔	۹۸۲
۸۰۸	تفسیر نحوی۔ عربی میں حرف کے تین	۹۸۳
	استعمال۔ اور پانچ قسمیں	〃
۸۰۹	کُلٌّ کی دو قسمیں۔ اعلیٰحضرت کے	۹۸۴
	ترجمہ کی شان	〃
۸۱۰	تربّص کی قسمیں	۹۸۵
۸۱۱	تفسیر عالمانہ	۹۸۶
۸۱۲	مفسرین کے مختلف اقوال	۹۸۸
۸۱۳	فائدے۔ احکام القرآن	۹۸۹
۸۱۴	فاسق کافر مشرک کی توہین کرنا واجب	۹۹۰
	ہے۔ اعتراضات جوابات	〃
۸۱۵	تفسیر صوفیانہ۔ ہلاکت اور نجات	۹۹۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کئی تین تین چیزیں۔ انتظار کی قسمیں	۹۹۲	۸۱۸	سورۃ طٰہٰ کے عملیات	۱۰۰۱
۸۱۶	صبر اور صبر والے کی چار قسمیں۔ بروز	۹۹۳	۸۱۹	سورۃ طٰہٰ کا تعویذ۔ اور فضائل	۱۰۰۲
	قیامت بندوں کی شکایت	″	۸۲۰	تمت بالخیر	۱۰۰۳
۸۱۷	سورۃ طٰہٰ کے آٹھ رکوع کی مختصر تفسیر	۹۹۴	۸۲۱	فہرست مضامین	۱۰۰۴
	اور فضائل، عملیات	″	۸۲۲	آخری صفحہ	۱۰۳۲

صاحبزادہ اقتدار احمد خان کی تصانیف و تالیفات

۱
۱۔ تفسیر نعیمی از پارہ گیارہ آخری ربع تا پارہ ۱۶

۲۔ تفسیر نعیمی پارہ سترہ ۱۷ زیر تصنیف — قیمت تفسیر نعیمی پورا سیٹ از اول تا سولہ ۳۰۰۰

۳۔ العطایا الاحمدیہ فی فتاوی نعیمیہ جلد اول ۲۰۰ روپے

۴۔ جلد دوم ۲۰۰ روپے

۵۔ جلد سوم ۲۰۰ روپے

۶۔ جلد چہارم زیر تصنیف

۷۔ خطبات نعیمیہ مع مسائل ۲۰ روپے

ملنے کا پتہ: نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

مفسر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ

چوک پاکستان، گجرات

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ ۱۷

مفسّر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ ۔ چوک پاکستان ۔ گجرات

marfat.com

جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری محفوظ ہیں

نام کتاب ——— تفسیر نعیمی پارہ ۱۷ مکمل۔

نام مصنف ——— صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان یوسف زئی، بدایونی ابن حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان اشرفی قادری بدایونی

ناشر کتاب ——— نعیمی کتب خانہ محلہ مسلم آباد مفتی احمد یار خان روڈ گجرات پاکستان

تعداد پہلی بار ——— گیارہ سو عدد ۱۱۰۰

سن اشاعت ——— اکتوبر ۱۹۹۹ء اور ۱۴۲۰ ہجری جمادی الثانی

مطبع ——— لاہور

سرٹیفکیٹ

تین بار اس کی تصحیح کی گئی، اور عربی آیات کی تصحیح تین عدد قرآن مجید سے کی گئی ۱۔ مکتبہ قرآن کمپنی ۹/۶ ۲۔ تاج کمپنی ۵۲ پاکستان ۳۔ مثل تاج کمپنی مطبع دہلی انڈیا تین حضرات نے تصحیح فرمائی۔ ۱۔ صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان ۲۔ صاحبزادہ الحاج محمد عبد القادر خان۔ ۳۔ مولٰنا مولوی نذیر احمد مغل صاحب

التماس

حتی الامکان کوشش و جانفشانی سے حرفاً حرفاً، اس کی اردو عربی تصحیح کی گئی ہے لیکن اس کے باوجود اگر کسی صاحب کو اردو یا عربی کی کوئی غلطی نظر آئے تو براہِ کرم پورے حوالے کے ساتھ۔ یعنی صفحہ نمبر سطر نمبر لکھ کر ہم کو آگاہ فرمائیں ہم شکر گزار ہوں گے۔ اجر و ثواب کی اُمید رب تعالٰی کی بارگاہِ قدس سے ہے۔

شکراً مع الاحترام۔ ادارہ نعیمی کتب خانہ گجرات

کاتب ——— بسلسلہ شاہد حضرت کیلیانوالہ ضلع گوجرانوالہ

marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سورۃ الانبیاء کے سات رکوعوں کی مختصر تفسیر اور فضائل و عملیات اور اس کا تعویذ

پہلا رکوع۔ اس رکوع کی دس آیت میں پانچ باتوں کا تذکرہ فرمایا گیا۔ ایک یہ کہ قیامت بہت قریب آ گئی اور کفار و فساق غفلت میں بھٹکتے اور مست ہوئے پھر رہے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ قرآن مجید توریت و انجیل کے بعد نئی نصیحت بن کر آیا ہے مگر کفار اپنے پہلوں کی طرح اس کو بھی کھیل و مذاق میں ہی سنتے ہیں حالانکہ بتا دیا گیا کہ یہ آخری کتاب ہے دوم یہ کہ پچھلے کفار کی طرح یہ ہمارے عظیم الشان محبوب نبی مختارِ کل رسول کو بھی اپنے جیسے ایک معمولی اور کمزور انسان ہی سمجھ رہے ہیں اور نبی مکرم کے معجزات کو جادو سمجھتے ہیں اور لوگوں کو جادو جادو کہہ کر ورغلاتے روکتے ہیں سوم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جوابی گفتگو کا ذکر فرمایا گیا آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری سب باتیں بلکہ وہ تو آسمان اور زمین کی سب باتیں سنتا ہے۔ چہارم۔ کفار یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ نبی تو خوابوں جیسی باتیں یا شاعروں جیسی کہاوتیں سناتے ہیں اور اتنے کثیر معجزے دیکھنے کے باوجود پھر بھی نشانیاں طلب کر رہے ہیں۔ پہلے انبیاء کے معجزات اب تو تسلیم کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ان جیسے معجزے لاؤ مگر اس وقت کے کفار نے ان کو بھی نہ مانا جو تمہارے ہی بڑے تھے تو ہم نے ان کو ہلاک کر دیا تھا اور اگر تم کو اپنے پہلے باپ دادوں کی ہلاکت کا حال اور انبیاء سابقین کے معجزات، وحی کلامِ الٰہی کا پتہ نہیں تو اپنے پڑھے لکھے تاریخ دانوں سے پوچھ لو۔ پنجم کفار کے ایک بیہودہ سوال و اعتراض کا جواب دیا گیا۔ کفار کہتے تھے کہ یہ نبی ہیں تو ہماری طرح کھاتے پیتے کیوں ہیں ان کو وفات کیوں ہو گی، فرمایا گیا کہ ہم نے تو شروع سے آج تک کوئی جسم ایسا نہیں بنایا جو غذا نہ کھاتا ہو۔ نہ ہی کبھی کسی کو ہمیشہ زندہ رہنا ہے موت تو آخر ضرور ہی آنی ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ اچھے بندوں کی موت نجات ہے اور بُروں کی موت ہلاکت۔ ارے کم عقلوں تم قرآن کے انکاری ہوتے ہو۔ اس قرآن کریم سے تو تمہاری ذات تمہاری زبان لغت تمہارے ملک کی عزت تا قیامت سارے جہانوں بلکہ جنت میں ابدالا باد تک قائم ہوئی ہے۔

دوسرا رکوع۔ اس رکوع کی اُنتیس آیت میں حسب ذیل دس باتوں کا ذکر فرمایا گیا ایک یہ کہ فرمایا گیا کہ کتنی ہی بستیاں گزشتہ زمانوں میں ان کے ظلم و فساد مچانے کی وجہ سے ہم نے تباہ کر دیں اور ان کے علاوہ میں دوسری قومیں و نسلیں ہم نے پیدا فرما دیں اور ضروری نہیں کہ ہمارا عذاب آسمان کی طرف سے ہی آئے جنگ و جدال اور دشمن کے حملوں کی صورت میں بھی ہمارا عذاب پہلے ظالم لوگوں پر آتا رہا ہے تو جب ان

marfat.com

ظالموں نے جنہوں نے معصوم انبیاء پر ظلم کیا تھا ہمارا زمینی حملہ آوری عذاب آتا محسوس کیا تو منہ چھپا کر بزدل ہو کر بھاگنے لگے۔ تو کہنے والوں نے پکار کر کہا کہ اے گستاخو بے ادبو ظالموں نہتوں پر رعب جمانے والو بزدلو اب کیوں بھاگ رہے جاؤ اپنے اُن ہی گھروں کی طرف جہاں تم کو اتنے عیش و آرام دئے گئے تھے شاید تم کو کوئی تمہارا حال پوچھنے والا بھی نہ ملے۔ اس دنیوی عذاب کو دیکھ کر توبہ کرنے لگے مگر اب کیا فائدہ توبہ تو وہ اچھی جو نبی علیہ السّلام کی فرمانبرداری سے ہو۔ وہ توبہ اور معافی مانگتے ہی رہے مگر ہم نے دشمنوں کے حملوں کے ذریعے ان سب گستاخوں کو تہس نہس کر دیا۔ دوم فرمایا گیا کہ کوئی مخلوق بیکار نہیں پیدا کی گئی نہ آسمان نہ زمین نہ جمادات نباتات حیوانات۔ لہٰذا تم بھی صرف کھانے پینے عیش و عشرت کے لیے نہیں پیدا کیئے گئے بلکہ تم سے نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی غلامی و فرمانبرداری کرانی ہے سوم۔ بنی اسرائیل یہود و نصاریٰ کے اِبنیت والے عقیدہ کا بُطلان فرمایا جا رہا ہے کہ اگر ہم اپنے گھر کی رونق بنانے کے لیے اولاد بنانا چاہتے تو وہ اولاد حسبِ دستور ہمارے پاس رہتی ہم ان کو اپنے پاس ہی رکھتے نہ کہ تمہارے پاس یعنی عزیر علیہ السّلام وغیرہ جو یہود و نصاریٰ کے عقیدۂ کفریہ میں ابنُ اللہ ہیں وہ اللہ کے پاس ہی رہتے نہ کہ دنیوی عالم یا آسمانوں میں فرشتوں کے پاس۔ چہارم فرمایا گیا کہ ہم حق کے ذریعے باطل کو ہلاک و برباد فرماتے ہیں۔ پنجم فرمایا گیا کہ آسمان و زمین کی تمام مخلوق ہماری ملکیت ہیں نہ کہ حصّے دار شریک وارث ثابت فرمایا جا رہا ہے کہ ان میں کوئی اللہ کی اولاد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اولاد مملوک نہیں اور مملوک اولاد نہیں ہو سکتی۔ ششم مقربین بندوں کی صفات بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ کہ ان کی تین صفات اور شانیں ہیں ۱ عبادت کر کے مغرور نہیں ہوتے ہر دم عاجزی ہی کرتے ہیں ۲ عبادت سے کبھی نہیں تھکتے ۳ رات دن ہر کام عبادت بنا کر کرتے ہیں کبھی سُستی و غفلت نہیں کرتے ہر دم ہر کیفیت میں اپنے اللہ کی تسبیح پڑھتے ہیں اس فرمان میں بندوں کے تین گروہ کا تذکرہ ہے انبیاءِ کرام۔ ملائکہ۔ اولیاء اللہ۔ ہفتم فرمایا گیا کہ جب اتنی کثرت و قوت والی مخلوق ہر دم ہماری عبادت میں ہے تو یہ کفار ہم کو بھی مانتے ہوئے دوسرے دیوی دیوتا کیوں بنائے پھرتے ہیں حالانکہ سمجھنا چاہیئے کہ اگر اللہ کے سوا کوئی اور دوسرا معبود حقیقی بھی آسمان و زمین میں ہوتا تو یہ آسمان و زمین دونوں ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ٹوٹ پھوٹ جاتے لہٰذا مان جاؤ کہ عرشِ اعظم جیسی بڑی چیز کا رب ہی اللہ سُبحانَہ فقط معبود ہے اور اگلے پچھلے کفار کے عقیدے سب غلط ہیں اسی کی شانِ جلال ہے کہ اس سے کوئی شخص کسی بات کی پوچھ گچھ کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور ہر بڑے سے بڑے کو بھی محاسبے کا ڈر ہے۔ ان کافروں سے جھوٹے

marfat.com

معبود بنانے پر دلیل مانگو۔ ہشتم یہ کہ اگلی آیت میں قرآن مجید اور اُس کی وحی کا ذکر ہے اگلی پچھلی موجودہ امت کا ذکر ہے اپنی عبادت کرنے کا تذکرہ نہم بات یہ کہ۔ فرمایا گیا کفار تو انبیاء اور ملائکہ کو اللہ سبحانہ کی اولاد بنائے پھرتے ہیں مگر یہ اللہ کے نیک اور مقرب و مکرم بندے ہیں ان کی صفات ۱؎ اللہ کے سامنے دم نہیں مارتے اس کی اجازت بغیر بات نہیں کرتے ۲؎ اللہ تعالیٰ اُن کے اگلے پچھلے ہر حال کی خود خبر گیری فرماتا ہے ۳؎ وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے شفاعت بھی کرتے رہتے ہیں جس کی شفاعت کرنے کی اللہ خوشنودی و اجازت فرماتا ہے ۴؎ اور وہ مقرب بندے اللہ کے جلال سے ڈرتے و خائف رہتے ہیں۔ دھم فرمایا گیا کہ اگر مخلوق میں کوئی بھی یہ کہے کہ اے لوگو میں تمہارا معبود ہوں اللہ کے سوا تو ہم اُس کو جہنم کی سزا دیں گے اسی طرح ہم تمام ظالموں کو سزا دیتے رہتے ہیں۔ مثلاً نمرود، فرعون، ہامان، شداد، اور ابلیس وغیرہ شیاطین کو۔ تیسرا رکوع اس رکوع کی بارہ آیت میں آٹھ باتیں بیان فرمائی گئیں ۱؎ آسمان اور زمین کی شان و صفات بیان فرمائے گئے ۱؎ پہلے یہ دونوں بند تھے ان کے خزانے اِن کے اندر ہی چھپے اور بند تھے پھر ترتیب وار ان کے خزانے ظاہر ہوئے اور ہوتے رہیں گے ظاہری بھی جو آنکھوں سے دکھائی دیتے ہیں۔ باطنی بھی جو رویتِ قلبی اور سوچ و فکر سے معلوم ہوتے ہیں ۲؎ زمین کی بناوٹ اور ایک جگہ ٹھیرے ہونے کا ذکر ۳؎ آسمان کے ٹھہرے ہونے کا ذکر کہ اس کو محفوظ چھت فرمایا گیا کفار اِن آنکھوں دیکھی قدرتوں سے بھی منہ پھیرتے ہیں۔ دوم آگے فرمایا گیا کہ رات دن چاند سورج ایک فضا میں تیرتے پھر رہے ہیں۔ سوم۔ فرمایا گیا کہ کسی مخلوق کو دائمی بقا نہیں جو زمین پر آیا اس نے موت کا مزہ چکھنا ہے۔ لہٰذا کسی کی موت پر نہ خوشی مناؤ نہ کسی کی موت کا انتظار کرو۔ دنیوی زندگی تو اچھے برے کے امتحان و آزمائش کی گھڑی ہے چہارم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ یہ آپ کا ہی مذاق نہیں اڑاتے یہ تو رحمٰن اور اپنے رب سے منکر ہیں پنجم انسان کی جلد بازی کا ذکر ششم آئندہ قریبی وقتوں کی اللہ تعالیٰ کی خاص نشانیاں جو عقلِ انسانی کو حیرت میں ڈالیں وہ ظاہر کی جائیں گی یعنی اسلام کی بلا وسیلہ و اسباب ترقی و غلبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمگیر سلطنت و عروج وغیرہ۔ ہفتم انکار قیامت و عذاب الٰہی میں کفار کی گفتگو اور اُن کا جواب بیان ہوا۔ ہشتم۔ پہلے کافر بھی اپنے رسولوں کا مذاق و انکار ہی کرتے رہے اُسی مذاق بازی کی وجہ سے اُن پر ہلاکت کا عذاب آیا تھا۔ چوتھا رکوع۔ اس رکوع کی نو آیت میں سات باتیں مذکور ہوئیں۔ اولاً یہ کہ۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات جو ہر قسم کے بندے پر ہیں ان کا ذکر فرمایا گیا۔ اور اُس کے باوجود کفار کی ناشکریاں اور کفریات ہیں فرمایا گیا کہ کافروں کو

marfat.com

اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچا سکتا نہ بت نہ دیوی دیوتا۔ یہ زندگی اور عیش سامانیاں لمبی عمریں ہم نے
ہی عطا کیں ہیں نہ کہ بتوں نے۔ لیکن اب زیادہ مہلت و قوت نہیں دی جائے گی بلکہ دیکھیں گے کہ دن
بدن ان کی سلطنتیں بادشاہتیں حکومتی قوتیں اور زمین کے ملکیتی اور سلطنت کے حدود سرحدی کنارے کم
ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ دوم۔ تبلیغ احکام اور پیغامِ وحی کا ذکر فرمایا گیا۔ سوم۔ کفار کے نہ ماننے کی وجہ
بیان ہوئی کہ وہ بہرے ہیں۔ چہارم۔ فرمایا گیا کہ یہ بڑے شوق سے جلد بازی سے عذاب مانگا کرتے ہیں مگر
حالت یہ ہے کہ اگر عذاب کی ذرا سی پھنکار بھی ان کو چھو جائے تو چیخ اٹھیں کہ ہائے ہم ہلاک ہو گئے اور
اپنے سب ظلم و کفر کا اقرار کریں۔ پنجم۔ قیامت کے کچھ حالات بیان فرمائے گئے کہ حساب و کتاب کے
لیے میزانِ عدل قائم ہوگی وغیرہ وغیرہ۔ ششم۔ فرمایا گیا کہ توریت دی گئی جس میں تین چیزیں تھیں فرقان
یعنی قانونِ الٰہی شریعت اور ضیاء یعنی ایمانی روشنی اور ذکر یعنی نصیحت متقیوں کو۔ ہفتم متقیوں
کی نشانیاں بتائی گئیں کہ کون متقی ہوتا ہے۔ ہشتم آخر میں فرمایا گیا کہ اے توریت کو ماننے والو یہ
قرآن مجید بھی برکتوں والی نصیحت اور قانون ہے۔ اس کے منکر کیوں ہوتے ہو۔ پانچواں رکوع۔
اس رکوع کی پچیس آیت میں چار باتوں کا ذکر ہوا۔ پہلی یہ کہ آیت ۵۱ سے ۷۳ تک ابراہیم علیہ السلام
کا ذکر ہے اس قصے کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے دس باتیں ارشاد ہوئیں ۱ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام
بچپن سے ہی یا عالمِ ارواح سے تمام ہدایتوں کو پانے والے تھے رب تعالیٰ جانتا تھا کہ وہ ان تمام سعادتوں
کے لائق ہیں ۲ آپ نے چچا آذر کو جس طرح ایمان لانے کی تبلیغ و ترغیب فرمائی اس کا ذکر ہے ۳ اپنے چچا
کی قوم کو سمجھانا۔ بتوں اور کافروں کو برابر کش و نقصان دہ فرمانا ۴ قوم کی انکاری باتیں اور ابراہیم علیہ السلام
کا وعظ و نصیحت فرماتے ہوئے رب تعالیٰ کی حمد و ثنا فرمانا ۵ بتوں کی مخالفت اور ایک خاص موقعہ
پر ہر چھوٹے بڑے بت کی توڑ پھوڑ کرنا اور بڑے بت کے کندھے پر وہی ہتھوڑی رکھ دینا تاکہ
سمجھیں کہ بڑے بت نے یہ سب توڑ پھوڑ کی ہے اور کہا جا سکے کہ مجھ سے کیا پوچھتے ہو اس
اپنے بڑے بت سے پوچھ لو۔ اور ان کو اپنے ان بناوٹی خداؤں کی بے بسی پر شرمندگی ہو تاکہ وہ
مومن بن جائے ۶ قوم کا میلے میں جانا پھر واپسی پر اپنے بتوں کی حالت دیکھنا اور انتہائی غم و غصے
میں ابراہیم علیہ السلام سے پوچھ گچھ کرنا ابراہیم السلام کے جواب پر سب کا شرمندہ سرنگوں ہونا
اور دل میں اپنے آپ کو بے وقوف اور ظالم کہنا۔ اور بتوں کا حال بتانا لیکن کفر پر ہی قائم رہنا
حالانکہ دل میں جان گئے کہ بت نرے مجبور ہیں بول بھی نہیں سکتے ۷ حضرت ابراہیم کا دشمنوں
کے بھرے مجمع میں انتہائی بہادری سے تبلیغ فرمانا اور کفر کے نقصانات بیان فرمایا ۸ قوم کا

marfat.com

لاجواب ہو کر آپ کو آگ میں جلانے کا فیصلہ کرنا اور آگ میں ڈال دینا ۹ آگ کا سلامتی کے ساتھ ٹھنڈا ہونا ۱۰ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ نمرودی قوم کفار نے تو ہمارے ابراہیم کے خلاف بڑے بڑے مکر کئے مگر ہم نے کافروں کو ہی ذلیل و رسوا اور دنیا و آخرت کا گھاٹے نقصان والا کیا۔ دوم ارشاد ہوا کہ ہم نے ابراہیم اور لوط علیہما السّلام کو ہر کافر کے دغا فریب مکر و فساد اور دشمنی و ظلم سے نجات فرمائی جب تمام امتحانات میں کامیاب ہو گئے تو ہم نے اپنے خلیل کو بیٹوں پوتوں کی اولاد عطا فرمائی اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ اولاد کو صالح نیک متقی بلکہ اکثر کو نبی بنایا۔ یہ رب تعالیٰ کی بڑی کریمی ہے کہ اولاد نیک صالح ہو سرکش فسادی فاسق فاجر چور ڈاکو ظالم شیطان نہ بنے۔ اور مزید انعام یہ کہ حضرت ابراہیم کے اُن بیٹوں پوتوں کو علم کثیر دے کر اقوامِ عالم کا امام بنایا اور دنیا کا ہادی و مرشد بنایا سوم یہ کہ ہم نے اولادِ ابراہیم کو وحی اور الہام کی نصیحت بھیجی کہ ۱ ہمیشہ اچھے کام اعمالِ خیر کرنا ۲ نمازیں قائم رکھنا ۳ زکوٰتیں دیتے رہنا۔ ان نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے وہ ہمیشہ پابندی سے ہماری عبادت کرتے رہتے تھے چہارم۔ لوط علیہ الصّلوٰۃ والسلام کا تذکرہ ہے کہ ۱ ہم نے ان کو علم و حکمت عطا فرمائی ۲ ان کی گندگی اور خیانت والی قوم سے نجات بخشی ۳ اپنی خاص رحمت میں ان کو کرم سے داخل فرمایا بیشک وہ صالحین میں سے تھے۔ چھٹا رکوع۔ اس رکوع کی اٹھارہ آیت میں آٹھ باتوں کا بیان ہوا۔ اوّل نوح علیہ السّلام کا ذکر فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت نوح کو اُن کے دعا مانگنے التجا کرنے پر کافر قوم سے نجات دی اور تمام ضدی کفار کو سیلاب کے طوفان میں ڈبو دیا۔ دوم آیت ۷۸ سے آیت ۸۲ تک حضرت داؤد اور اُن کے فرزند حضرت سلیمان علیہما السّلام کا ذکر ہو رہا ہے یہاں سات چیزیں بیان ہوئیں ۱ بکریوں اور کھیت کے جھگڑے دونوں حضرات کا ایک فیصلہ اور سلیمان علیہ السّلام کے فیصلے کی تائیدِ ربانی ۲ حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے پہاڑوں اور پرندوں کو مسخر فرمایا گیا اس طرح کہ وہ سب حضرت داؤد علیہ السلام کے ساتھ باآوازِ بلند تسبیح اور حمدِ الٰہی کرتے تھے ۳ حضرت داؤد کو زرہ وغیرہ جنگی لباس بنانے کی صنعت اور کاری گری سکھائی گئی یہ ان کا معجزہ تھا۔ اس لیے کہ لوہے سے زرہ بنانا ایجاد فرمایا پہلے زرہ بنانا کوئی نہ جانتا تھا اور لوہا آپ کے ہاتھ میں جا کر موم ہو جاتا تھا آپ کو لوہاروں کی طرح تپانا نہ پڑتا تھا یہ جنگی لباس داؤد علیہ السلام کے طفیل سب انسانوں کو رب تعالیٰ نے عطا فرمایا لہٰذا سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے مسلم ہوں یا غیر مسلم ۴ سلیمان علیہ السلام کے لیے ہم نے آندھیوں اور تیز ہواؤں کو مسخر کر دیا کہ اس زمانے میں حضرت سلیمان کے حکم سے ہوائیں چلتی تھیں ۵ فرمایا گیا کہ ان تمام حالات سے ہم واقف ہیں ہمارے علم سے کوئی چھپ نہیں سکتی ۶ حضرت

marfat.com

سلیمان کے لیے جنات و شیاطین بھی مسخر فرما دئے گئے کہ وہ ان کے حکم کے غلام بن گئے تھے کہ سمندروں میں غوطہ لگا کر موتی نکالتے اور سلیمان علیہ السّلام کا ہر کام نہایت تابع داری سے کرتے تھے اور ہم نے ہی جنات کی سرکشی سے ہر چیز کو بچایا محفوظ رکھا ہوا تھا اور شیطانوں کو کام بگاڑنے سے روک رکھا تھا۔ سوم ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ وہ بیمار ہوئے تو انہوں نے کافی دنوں کے بعد اپنے رب تعالیٰ سے اپنی بیماری کا ذکر عرض کیا اور شفا کی طلب کی تو ہم نے ان کی دعا قبول فرمائی اور بیماری سے شفا دی بیماری کے زمانے میں حضرت ایوب اور اُن کی اولاد لونڈی غلاموں کا جانی مالی جتنا نقصان ہوا تھا سب وہ بھی دیا گیا اور اس کے علاوہ مزید بھی ہم نے عطا فرمایا۔ چہارم تین انبیاء علیہم السّلام کا ذکر فرمایا اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل علیہم الصّلوٰۃ والسلام فرمایا گیا کہ یہ تینوں بھی صابرین میں سے تھے اور ان کو ہم نے اپنی رحمت میں داخل فرمایا تھا یہ سب صالحین میں سے تھے۔ پنجم حضرت ذوالنون یعنی یونس علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ وہ کس طرح ناراض ہو کر اپنی قوم سے دور چلے گئے پھر دریا کی مچھلی نے ان کو نگلا اور وہ مچھلی کے پیٹ میں آیت کریمہ پڑھتے رہے ہم نے ان کی التجائیں فریاد اور اعترافِ لغزش قبول فرمایا تو ان کو نجات دی اور اسی طرح ہم اہلِ ایمان کو نجات دیتے ہیں۔ ششم آیت ۸۹ سے ۹۰ تک حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے نرینہ اولاد کے لیے دعا مانگی ہم نے ان کی دعا کو قبولیت کا شرف بخشا اور ان کو ایک اُولو العزم نبی رسول حضرت یحیٰی عطا فرمائے گئے۔ اولاد کے لیے ان کی بانجھ بیوی کو قابلِ اولاد بنایا یہ سب خاندان والے اہل خانہ والدین اور فرزند اچھے کاموں میں جلدی کرتے تھے اُمید و بیم سے ہم کو پکارتے تھے اور تقوے کے اعلیٰ مقام پر رہ کر ہمیں خشوع و خضوع سے یاد کرتے تھے۔ یہاں حضرت مریم کا اشارۃً ذکر فرمایا گیا کہ انہوں نے ہمیشہ اپنی پاک دامنی کی حفاظت کی تو ہم نے اُن کے جسم میں اپنی خاص روح پھونکی جس کے ذریعے ان کو قدرتِ الٰہی سے ایک بیٹا عطا فرمایا اور دونوں ماں بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے قدرت کی شاندار نشانی قرار دیا۔ ہشتم ہم نے فرمایا کہ ابتدا سے انتہا تک سب دین بنیادی اور اصولی طور پر ایک ہی توحید و عقائد والا ہے۔ اگرچہ نام مختلف ہوتے رہے اور میری ربوبیت تم سب کے لیے ہے لہٰذا سب کائنات پر فرض ہے کہ میری عبادت کرو۔ اور سب کو لوٹنا بھی ہماری ہی طرف ہے۔ ساتواں رکوع اس آخری رکوع کی اُنیس ۱۹ آیت میں بارہ ۱۲ باتیں ارشاد ہوئیں۔ اول۔ کفار کی بیہودہ امیدوں اور فضول تمناؤں اور خیالی عقیدوں کا رد فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ جو بھی دنیا سے ایک دفعہ ہلاک ہو کر مر گیا وہ دوبارہ پھر کبھی بھی لوٹ کر دنیا میں نہیں آسکتا۔ اُس کے لیے واپس آنا حرام و ناممکن ہے جو یہاں سے نیک صالح اعمال کر کے گیا اُس کے اعمال کی بے قدری بربادی نہ ہوگی سب بحفاظت لکھے جا رہے ہیں۔ دوم۔ قیامت کی ایک نشانی بتائی جا رہی ہے کہ یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور وہ تمام روئے زمین پر پھیل جائیں گے

marfat.com

سوم ۔ ارشاد ہوا کہ قیامت قریب آ گئی جو حق وعدہ ہے ۔ آج کفار منکر ہیں مگر جب آ پہنچی گی تو آنکھیں پھٹی رہ جائیں گی ۔ پھر ہائے ہائے کرتے سب کچھ مانیں گے اور اپنی غلطی تسلیم کریں گے ۔ چہارم ۔ کفار کا انجام بیان فرمایا گیا کہ تم اور تمہارے سب بُت اور معبود ان باطل جہنم کا ایندھن ہیں ۔ یہ ہی دلیل ہے بتوں کے جھوٹا ہونے کی ۔ پنجم جہنم میں ان کی کیفیت بیان کی گئی ۔ ششم جہنمیوں کے ذکر کے بعد جہنم سے دور رکھے جانے والے اور بچائے جانے والوں کا ذکر ہوا کہ وہ اتنے دور ہوں گے جہاں جہنم کی بھنک نہ پہنچے گی ۔ وہ جنت میں رہیں گے اور اُن کی جنتی زندگی کی شان بیان فرمائی گئی ۔ ہفتم ۔ آسمان اور زمین کو لپیٹنے کا ذکر ہوا ۔ اور دوبارہ زندگی ملنے کا تذکرہ ارشاد ہوا اللہ تعالیٰ اپنے وعدے ضرور پورے فرماتا ہے ۔ ہشتم ۔ زبور میں لکھا ہے کہ اس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوتے رہیں گے ۔ نہم ۔ فرمایا گیا کہ قرآن تمام دنیا کے لیے کافی ہے جو بھی اللہ تعالیٰ کا سچا بندہ عبادت گزار بننا چاہے تو اس کے لیے اب قرآن مجید ہی تا قیامت کافی ہے اس کو کسی آسمانی یا دنیوی کتاب کی ضرورت نہیں ۔ دہم ۔ اے پیارے نبی تم تمام جہانوں کے لیے رحمت کامل ہو ۔ گیارھویں حکم فرمایا گیا کہ ساری کائنات میں میری لاشریک اُلوہیت کا اعلان فرما دیجئے ۔ اور اقوام عالم کو دعوتِ اسلام دیجئے ۔ وہ مانیں یا نہ مانیں ۔ فرمایا گیا کہ قیامت کا فقط تذکرہ کرو حتمی وقت نہ بتاؤ کہ دور ہے یا نزدیک وغیرہ وغیرہ ۔ یہ بھی فرما دو کہ مولیٰ تعالیٰ تمہاری سب باتوں کو جانتا ہے ظاہر ہوں یا خفیہ ۔ فرما دو کہ یہ زندگی اور عیش و آرام تمہارے لیے ایک امتحانی ڈھیل اور عارضی مہلت بھی ہو سکتی ہے یہ کوئی قبولیت کی نشانی نہیں ۔ بارھویں ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا کا ذکر فرمایا گیا جو بدر و حنین کی شکل میں قبول ہوئی ۔ فرما دو کہ ہمارا رب رحمٰن ہی مددگار ہے تمہاری خرافات کے مقابل ۔ اس سورۃ پاک میں سات چیزیں خصوصیت اور اہتمام سے ذکر فرمائی گئیں ۱ کفر کے نقصانات ۲ ایمان لانے کے فوائد ۳ اس سورت میں سولہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے اسماءِ پاک مختصر ذکر کے ساتھ بیان فرمائے گئے اسماءِ مبارکہ علی الترتیب اس طرح ہیں ۔ موسیٰ علیہ السلام حضرت ھرونؑ ، حضرت ابراہیمؑ ، حضرت لوطؑ حضرت نوحؑ حضرت اسحٰقؑ ، حضرت یعقوبؑ ، حضرت داؤدؑ حضرت سلیمانؑ حضرت ایوبؑ ، حضرت اسماعیلؑ ، حضرت ادریسؑ حضرت ذوالکفلؑ ، حضرت یونسؑ حضرت زکریاؑ حضرت یحیٰؑ علیہم السلام ۴ اصلِ ایمان یعنی توحید باری تعالیٰ کے عقلی دلائل بیان فرمائے گئے ۵ اللہ تعالیٰ کی پہلی مخلوق یعنی فرشتوں کا ذکر اور شانِ بندگی کا ذکر فرمایا گیا جس سے کفار کے غلط عقیدوں کی تردید ہوئی ۶ توحید و رسالت کے بارے میں کفار کے غلط عقیدوں کی تردید ہوئی ۷ آخر میں نیک و بد انسانوں کے انجام کا ذکر فرمایا گیا ۔

سورۃِ انبیاءؑ کے فضائل جب یہ سورۃ نازل ہوئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت خوشی

marfat.com

کا اظہار فرمایا اور صحابہ کرام نے جشن منایا ۲ اس سورتِ پاک میں خصوصی طور پر ان انبیاء کرام کی شان و نعت بیان کر دی گئی جن کے متعلق عیسائی گستاخانہ عقائد رکھتے ہیں۔ مثلاً داؤد، سلیمان۔ اور لوط علیہم السلام۔ آج کی بائبل بھی ان کے متعلق گندے اور کفریہ عقیدوں سے بھری پڑی ہے ۳ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ پورے قرآنِ مجید کی صرف چار آیت ہیں جن کو اسم اعظم کہا گیا ہے اُن میں سے تین آیت اسی سورۃ میں ہیں پہلی آیت ۸۷ دوسری آیت ۸۳ تیسری آیت ۸۹۔ اسم اعظم کے درجہ والی چوتھی آیت پارہ ۲۴ سورۃ مومن (غافر) کی آیت ۴۴ ہے۔ (از ماخوذ عملیات شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) ۴ اس سورت کا بیشتر حصہ حرم شریف میں نازل ہوا اس کے ذریعہ حرم شریف کو یہ سعادت حاصل ہوئی یہ ہی پہلی سورت ہے جس کی کچھ آیت حرم شریف میں نازل ہوئیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ

سورۃ الانبیاء کے عملیات۔ صاحب عملیات فرماتے ہیں ہر مصیبت کی مشکلات دور کرنے کے لیے اس سورت کی آیت مندرجہ ذیل طریقے سے تلاوت کرے تو بڑی سے بڑی مشکل بھی دور ہو جاتی ہے تجربہ شدہ ہے بشرطیکہ بندے کی روزی و خوراک حلال و طیب ہو۔ اس طرح طریقہ ہے کہ اولاً تازہ غسل کرے خوشبو لگائے پاکیزہ صاف نئے یا دُھلے ہوئے کپڑے پہنے۔ اگر کسی وجہ سے غسل نہ کر سکے تو تازہ وضو کرے اور وضو میں دنیوی باتیں نہ کرے پھر یہ سب کام کر کے چار رکعات نفل ایک سلام سے پڑھے۔ پہلی رکعت میں ثنا اور سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بعد سو مرتبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَكَذٰلِكَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ پھر رکوع سجدہ حسبِ دستور۔ دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سو دفعہ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ پھر تیسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سو دفعہ پڑھے وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْۤ اِلَى اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ۔ پھر چوتھی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد سو مرتبہ پڑھے۔ قَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِیْلُ۔ پھر رکوع سجود التحیات کے بعد سلام پھیر کر، سورۃ قمر کی آیت ۱۰ سو مرتبہ پڑھے۔ رَبِّ۔ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ پھر اپنی حاجت اور حلِ مشکلات کے لیے گیارہ دفعہ دعا مانگے پھر یہ کپڑے اتار کر دوسرا کوئی جوڑا پہن لے یہ کام تین دن کرے بہتر ہے کہ بُدھ جمعرات اور جمعہ کی راتوں میں بعد نمازِ عشا کرے تینوں دنوں میں کپڑے وہی پہلے دن والے پہنے۔ انشاء اللہ تعالیٰ کام ضرور ہوگا۔ دوم۔ اگر کوئی شخص غمگین یا پریشان حال ہو تو سورۃ الانبیاء کو ہر روز پڑھے کسی بھی نماز کے بعد۔ اوّل آخر درود شریف گیارہ دفعہ اور درمیان میں سورۃ انبیاء پوری مکمل تین دفعہ انشاء اللہ تعالیٰ کوئی غم باقی نہ رہے گا پریشانی دور

marfat.com

ہو گی۔ سوم ۔ اگر کوئی شخص دشمنوں سے خائف ہو تو کسی عامل اور با اجازت صاحب تعویذات سے اس کا تعویذ لکھوا کر اپنے پاس رکھے خواہ گلے میں پہنے۔ تعویذ کا زائچہ یہ ہے۔ اس کے کل اعداد ۳۸۲۲۱۹ ہیں اور اس کی چال خانہ تیرھویں میں ہے

۲۸۶

۹۵۵۵۴	۹۵۵۵۷	۹۵۵۶۱	۹۵۵۴۷
۹۵۵۶۰	۹۵۵۴۸	۹۵۵۵۳	۹۵۵۵۸
۹۵۵۴۹	۹۵۵۶۳	۹۵۵۵۵	۹۵۵۵۲
۹۵۵۵۶	۹۵۵۵۱	۹۵۵۵۰	۹۵۵۶۲

چہارم اگر کوئی شخص چاہے کہ اس کا دل نورِ ایمانی سے روشن ہو جائے تو تاعمر روزانہ بعد نمازِ عشا باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر تین دفعہ تلاوت کرے۔ اول آخر درود شریف گیارہ دفعہ۔ (نوٹ) تمام تلاوتوں میں شرط لازمی ہے الفاظ حروف اور اعراب یعنی زیر زبر جزم پیش شد مد کی ادائیگی بالکل صحیح ہوا کرے۔ سورۂ انبیاء میں فقہی حنفی کے استنباط سے تقریباً تیراسی[۸۳] مسائل شریعت ظاہر ہو رہے ہیں۔ اور اس سورت آیت جلیلہ وعظیمہ سے تقریباً باسٹھ[۶۲] فوائد مسلمانوں کو حاصل ہو رہے ہیں اور شانِ نبوت کی ایک واضح جھلک جو اس سورت میں نظر آ رہی ہے کہ مختلف آیت میں آسمانی وزمین مخلوق کی شان وکمال بیان فرمانے کے بعد آخر میں محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی تمام جہانوں پر شانِ احسان بیان فرمائی، کہ کائناتِ مخلوق میں یہ جہان ہیں یہ جہان والے ہیں۔ اور ان سب کے لیے یہ ہمارے محبوب احمد مصطفیٰ محمد مجتبیٰ رحمت ہیں اور تمام جمادات نباتات حیوانات شمس وقمر کواکب وثمر، یہاں تک کہ انبیاء رُسل علیہم السلام کے لیے بس وہی ایک رحمتِ تامہ قائمہ دائمہ ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں تمام اولین آخرین انسانوں کے بے حساب قیامت کا ذکر اور حساب کے لیے شفاعت ضروری آیت ۴ میں آسمان وزمین کے علم کا ذکر آیت ۱۶ میں آسمان وزمین کی مخلوق کا ذکر آیت ۱۹ میں فرشتوں اور ان کی عبادت کا ذکر آیت ۲۵ میں ہر نبی کی تبلیغِ دین وتوحید کا ذکر، آیت ۳۰ میں پانی کی نعمت کا ذکر آیت ۳۱ میں زمین کے ساکن ہونے کا ذکر آیت ۳۲ میں آسمان کے چھت ہونے کا ذکر آیت ۳۳ میں رات دن سورج چاند کی نعمت پیدا کرنے کا ذکر آیت ۳۵ میں حیاتِ دنیوی کے امتحان ہونے اور فنا ہونے کا ذکر آیت ۴۳ میں جھوٹے معبودوں بتوں کی کمزوری بیان کی گئی آیت ۴۷ میں میزانِ قیامت کا ذکر آیت ۴۸ میں موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کو ضیاء فرقان وذکر ملنے کا بیان آیت ۵۰ میں قرآن مجید ذکر مبارک ہے آیت ۵۱ ابراہیم علیہ السلام کو رشد دیا گیا آیت ۶۳ میں ابراہیم علیہ السلام کی بُت شکنی آیت ۶۹ یانار کونی برداً وسلاماً آیت ۷۵ لوط علیہ السلام کی شان آیت ۷۷ نوح علیہ السلام کی شان آیت ۷۸ میں داؤد وسلیمان علیہما السلام کی شانِ عدالت آیت ۸۰ صنعتِ داؤدی کا ذکر آیت ۸۲ میں سلطنتِ سلیمانی کا ذکر آیت ۸۴ صبرِ ایوب علیہ السلام اور شان وانعام کا ذکر آیت ۸۶ میں اسماعیل وادریس وذی الکفل کی شان کا ذکر آیت ۸۸ میں واقعاتِ یونس علیہ السلام آیت ۹۰ زکریا ویحییٰ علیہما السلام کی شانِ کرامت کا ذکر آیت ۹۱ میں مریم وعیسیٰ علیہما السلام کی شان کا ذکر آیت ۹۴ میں مومنین کے انعامِ اُخروی کا ذکر آیت ۹۶ یاجوج ماجوج کے خروج کا ذکر آیت ۹۸ میں کفار کا دوزخ میں حال آیت ۱۰۱ اہل ایمان کی اُخروی بیرات آیت ۱۰۷ رحمۃً للعٰلمین

marfat.com

سُوْرَۃُ الْاَنْبِیَآءِ مَکِّیَّۃٌ وَّھِیَ مِائَۃٌ وَّاثْنَتَا عَشْرَۃَ اٰیَۃً وَّسَبْعُ رُکُوْعَاتٍ

سورۃ انبیاء مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اس کی ایک سو بارہ آیتیں اور سات رکوع ہیں اس کا ترتیبی ۲۱ اور نزولی نمبر ۷۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

شروع ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ

بہت ہی قریب آگیا لوگوں کے ان کا حساب اور وہ سب ہی پڑے ہوئے ہیں غفلت میں

لوگوں کا حساب نزدیک اور وہ غفلت میں منہ

مُّعْرِضُوْنَ ۚ ① مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ

منہ پھیرنے والے۔ کبھی نہ ہوا کہ آیا ہو ان کے پاس کلام ان کے رب کی طرف سے

پھیرے ہیں۔ جب ان کے رب کے پاس سے انہیں

مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۙ ②

نیا مگر سنا انہوں نے اس انداز سے کہ وہ مذاق ہی اڑا رہے ہیں

کوئی نئی نصیحت آتی ہے تو اسے نہیں سنتے مگر کھیلتے ہوئے۔

لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ ۗ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى ۖ الَّذِيْنَ

حال یہ ہے کہ مست ہیں ان کے دل۔ اور سرگوشی میں راز داری کی ان لوگوں نے

ان کے دل کھیل میں پڑے ہیں اور ظالموں نے آپس میں خفیہ مشورت

marfat.com

ظَلَمُوا ۖ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۚ اَفَتَاْتُوْنَ

جنہوں نے ظلم کیا۔ کیا نہیں ہے یہ نرا تم جیسا عام بشر ہی کیا پس ملنے آتے ہو تم

کہ یہ کون ہیں ایک تم ہی جیسے آدمی تو ہیں کیا

السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ③

ایک جادوگر کو حالانکہ تم سب کچھ سمجھتے ہو

جادو کے پاس جاتے ہو دیکھ بھال کر

تعلقات اس سورت پاک کا پچھلی سورۃ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی سورۃ طٰہٰ میں انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا۔ اب اس سورۃ پاک میں انبیاء کرام کی تعلیم و تبلیغ اور پاکیزہ اخلاق کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق پہلی سورۃ طٰہٰ کی آخری آیت میں قیامت اور عذاب سزا جزا کے انتظار کا ذکر کیا گیا۔ اب اس سورۃ کی ابتدائی آیت میں قیامت عذاب حساب کتاب کے انتظار کی گھڑی قریب آنے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی سورۃ طٰہٰ کی اکثر بیت میں کفار کی ضد حسد سرکشی اور اسلام سے منہ پھیرنے اور دولت کے عیش میں رہنے کا ذکر ہوا۔ اب اس سورۃ کی آیت میں اس کی وجہ بیان ہو رہی کہ وہ کفار غفلت میں زندگی بسر کرتے بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ چوتھا تعلق پچھلی سورۃ طٰہٰ میں فرعون موسیٰ کا تفصیلی ذکر ہوا کہ فرعون نے معجزات دیکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو جادوگر اور معجزوں کو جادو کہا تھا۔ اب اِس سورۃ میں اس واقعے کو تفصیل سے بیان کرنیکی وجہ بیان کی جا رہی ہے کہ جس طرح اُس نے معجزوں کو جادو کہا تھا اسی طرح اِس زمانے کا فرعون ابوجہل اور اُس کے ساتھی پیارے نبی آخر الزمان کے معجزات کو دیکھ کر بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ یہ سب جادو ہے۔

شانِ نزول مکے کے سرداران کفار انکارِ قیامت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ قیامت وغیرہ کچھ بھی نہیں ہوگا اور اگر آنی بھی ہے تو ابھی بہت زمانوں بلکہ صدیوں دراز مدتوں بعد بہت دور ہے لہذا ڈرنیکی کوئی بات نہیں ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے جواب میں یہ آیت ۱ تا ۳ نازل ہوئیں جس میں بتایا گیا کہ قیامت بہت ہی قریب ہے اور دن بدن قریب ہوتی جا رہی ہے۔ یہ سرکشی و غفلت سراسر نقصان دہ ہی ہے۔ (خزائن العرفان)

marfat.com

تفسیر نحوی

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِىْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۚ مَا يَأْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ ۔ اِقْتَرَبَ

باب افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب یہ ہمیشہ متعدی ہوتا ہے کبھی لام جارہ سے کبھی مِنْ سے یہاں لِلنَّاسِ یعنی لام سے متعدی ہے قُرْبٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِقْتِرَابٌ بمعنیٰ قریب آنا۔ قُرْبٌ بُعْدٌ کی ضد (نقیض) ہے لِلنَّاسِ۔ لام حرف جر تعدیہ بمعنیٰ لوگوں کا، لوگوں کے لیے یا بمعنیٰ عِنْدَ یعنی لوگوں کے پاس یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اس تقدم سے حصر اور متوجہ کرنے کا فائدہ حاصل ہوا حِسَابُهُمْ یہ مرکب اضافی فاعل ہے۔ واؤ حالیہ اس کا مابعد حال ہے حِسَابُهُمْ ضمیر کا هُمْ ضمیر جمع غائب مبتدا ہے فی جارہ ظرفیہ کیفیتی غَفْلَةٍ اسم حاصل مصدر آخر کی ۃ مصدریہ اور تنوین تعظیمی ہے بمعنیٰ سخت لاپرواہی۔ لاعلمی۔ بھول یہ جار مجرور متعلق مقدم مُعْرِضُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر کا باب افعال سے ہے اس کا مصدر ہے اِعْرَاضٌ بمعنیٰ منہ پھیرنا عَرَضٌ سے مشتق ہے هُمْ ضمیر صیغہ اس کا پوشیدہ فاعل ہے ان تمام بارز و مستتر ضمائر جمع غائب کا مرجع لِلنَّاسِ ہے۔ ایک قول ہیں۔ فی غَفْلَةٍ پوشیدہ وَاقِعُوْنَ اسم فاعل کا متعلق ہے اور یہ جملہ اسمیہ موصوف یا بیان ہے مُعْرِضُوْنَ کا مگر یہ غلط ہے مُعْرِضُوْنَ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی هُمْ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اِقْتَرَبَ کے متعلق نَاسِ کا یا حِسَابُهُمْ کی هُمْ ضمیر کا اِقْتَرَبَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ مَا حرف نفی زائدہ یعنی عمل نہیں کرتا نہ لفظی نہ معنوی خیال رہے کہ مَا حرف نفی تین قسم کا ہے (۱) وہ جو جملہ اسمیہ کے اوّل میں آئے وہ مشبہ بلَيْسَ ہوتا ہے اور فعل ناقصہ جیسا عمل کرتا ہے (۲) وہ جو فعل ماضی پر داخل ہو وہ معنوی عمل کرتا ہے کہ مثبت کو منفی فعل بنا دیتا ہے (۳) وہ جو فعل مضارع پر داخل ہو وہ مضارع کو منفی نہیں بناتا بلکہ اپنے معنیٰ (نفی) کو پورے جملے پر جاری کرتا ہے فعل بذاتِ خود اپنے صیغے میں مثبت ہی رہتا ہے۔ اردو میں اس کا ترجمہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ ایسا کبھی بھی نہ ہوا کہ یہ ہوا ہو مگر انہوں نے ضد نہ کی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس مَا کے بعد مضارع بمعنیٰ حال ہی ہوتا ہے۔ نیز کبھی اس کے بعد اِلَّا آتا ہے کبھی نہیں۔ يَأْتِيْ باب ضرب کا مضارع مثبت واحد مذکر غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا۔ ملنا یہاں بمعنیٰ ملنا ہے۔ هُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع نَاس ہے ایک قرأت میں تَأْتِيْهِمْ ہے واحد مؤنث۔ مِنْ جارہ زائدہ متعدی بنانے والا ذِكْرٍ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنیٰ نصیحت۔ آیت یا بمعنیٰ کلامُ اللہ ایک قول میں ذِكْرٍ سے مراد ذاتِ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے یہ جار مجرور محلاً مرفوع ہے کیونکہ باطناً فاعل ہے يَأْتِيْ کا موصوف مِنْ رَّبِّهِمْ

marfat.com

یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے۔ مُحْدَثٍ بابِ افعال کا اسم مفعول واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِحْدَاثٌ حَدَثٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نیا ہونا اسی سے ہے حادث بمعنیٰ نو پید جو پہلے نہ ہو (ممکن) قدیم اور واجب کا غیر اسی سے ہے حادثہ (اچانک ہونے والا کام) بحالت جرہ صفت ہے ذِکْرٍ کی دونوں مل کر مجرور ہوا جار مجرور مل کر متعلق دوم یا صفت دور فاعل معنوی (یا طنی) ہوا یَاْتِیْ کا۔ اِلَّا حرف استثنا مفرغ کیونکہ مستثنیٰ مِنْہُ مذکور میں اس اِلَّا نے سابقہ نفی کو توڑ دیا ایک قرءت میں مُحْدَثٌ پڑھا گیا ہے ذِکْرٌ کے محلی رفع کی وجہ سے اِسْتَمَعُوْہُ باب افتعال کا فعل ماضی جمع مذکر غائب بعض نحات کے نزدیک یہاں ذِکْرٌ مقدر ہے کیونکہ اِلَّا فعل پر داخل نہیں ہوتا۔ دراصل ہے اِلَّا ذِکْرًا اِسْتَمَعُوْہُ (الخ) یہاں آخر میں الف اس لیے نہیں آیا کہ حشو دہرائی جو الف سے کرنا تھا وہ ضمیر سے ہو گیا۔ سَمْعٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِسْتِمَاعٌ بمعنیٰ سننا متعدی ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع لِلنَّاسِ ہے ہُ ضمیر واحد مذکر غائب مفعول بہ ہے مرجع ہے ذِکْرٍ واؤ حالیہ ہُمْ ضمیر مبتدا یَلْعَبُوْنَ باب فتح کا مضارع جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے لَعِبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مذاق اڑانا مذاق و دل لگی کرنا۔ کھیلنا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اِسْتَمَعُوْہُ کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے یا یَاْتِیْہِمْ کے ہِمْ ضمیر مفعول بہ کا یَاْتِیْ فعل اپنے باطنی اور متعلق مفعول بہ وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا مگر ابھی مکمل نہیں ہوا۔ اگلی عبارت اس کا حال ہے لَاہِیَۃً قُلُوْبُہُمْ۔ لَاہِیَۃً باب نَصَرَ یا سَمِعَ کا اسم فاعل واحد مؤنث ہے لَہْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بے علمی نا واقفی ناسمجھی کی بنا پر کسی اچھی چیز سے منہ پھیرنا چھوڑ دینا بے رغبتی کرنا بعض کے نزدیک لَہْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کھیل مذاق میں مشغول رہنا۔ بحالت نصب ہے کیونکہ یہ پورا جملہ حال ہے قُلُوْبُہُمْ یہ مرکب اضافی فاعل ہے لَاہِیَۃً کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَلْعَبُوْنَ کے فاعل ایک قول میں لاہیۃٌ رفع سے ہے کیونکہ خبر دوم ہے ہُمْ مبتدا کی ۔ اگرچہ یہ پورا جملہ حال ہے اور اس پورے جملے کا محلی یعنی موقع محل کے لحاظ سے اعراب نصب ہے مگر چونکہ اصل جملہ عامل ہوتا ہے اس لیے جب کہ اس پر لفظی اعراب آسکتا ہو تو لفظی بھی ضرور آئے گا لیکن جب لفظی اعراب نہ آسکے جیسے مبنیات اور معرب مضارع تب صرف محلی اعراب ہوتا ہے۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ہَلْ ہٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۔ واؤ برجملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) یہ ہمیشہ زائدہ ہوتی ہے۔ اَسَرُّوْا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْرَارٌ سِرٌّ سے مشتق ہے مضاعف ثلاثی ہے ترجمہ ہے خفیہ اور نہایت آہستہ آواز سے

marfat.com

بات کرنا۔ بعض نے کہا ہے کہ اسی سے سُرُور اور سرور بمعنیٰ دلی پوشیدہ خوشی مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس کا مصدر سِرٌّ نہیں بلکہ سُرُورٌ (سُرٌّ) ہے بالضمہ اَلنَّجْوٰی۔ اسم جامد حاصل مصدر بمعنی راز بھید خاص بات قلبی ارادہ بعض نے فرمایا سِرّ اور نجویٰ ہم معنیٰ ہے یہاں دونوں کا ذکر تاکیدی مبالغے کے لیے ہے یعنی بہت ہی آہستہ فارسی میں اس کو سرگوشی اور اردو میں کانا پھوسی کہتے ہیں بحالتِ فتحہ تقدیری ہے مفعول بہ اَسَرُّوا کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے۔ نجویٰ کا مصدر نَجْوٌ یا نَجِیٌّ ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ظَلَمُوْا باب ضرب کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ ملکر بدلُ الکل ہوا اَسَرُّوا کے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل کا۔ اَسَرُّوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سِرّی قول ہوا۔ ھَلْ حرفِ استفہام ہے مگر چونکہ اس کے بعد اِلَّا استثنائی ہے اس لیے یہاں نفی سوالیہ کے لیے اردو میں ترجمہ ہے۔ کیا ایسا نہیں جب اِلَّا نے نفی توڑی تو مطلب ہوا کہ ایسا ہی ہے۔ ھٰذا اسم اشارہ قریبی بمعنیٰ یہ۔ مراد مشارالیہ ہے ذات اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اِلَّا حرف استثنا متصل بَشَرٌ اسم مفرد جامد مبتدا مِّثْلُکُمْ مرکب اضافی خبر ہے دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا ھٰذا کا دونوں مل کر معطوف علیہ اَفَ۔ دراصل ہے فَ اَ۔ سوال کو اہمیت دینے کے تقلیب عکسی کی جاتی ہے اس طرح تقلیب عکسی سے ایک موجودہ جگہ قرآن مجید میں اَفَ مذکور ہے فَ حرفِ عطف تعقیب کے لیے ہے آ حرفِ سوالیہ ہے تَاْتُوْنَ باب ضرب کا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اَتٰی سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا۔ لانا، یا چلانا یا جانا دراصل تھا تَاْتِیُوْنَ یٰ متحرکہ کے ثقل کی وجہ سے تعلیل نحوی میں یٰ محذوف ہوئی اور اس کا پیش (ضمہ) ماقبل کو واؤ کی مناسبت سے دیدیا گیا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ، پوشیدہ ہے جس کا مرجع النّاس ہے۔ اَلسِّحْرَ۔ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بحالتِ نصب مفعول لہٗ ہے یعنی جادو کے لیے اور تب اَتٰی بمعنیٰ جانا ہے ایک قول میں اَلسِّحْر بمعنی ساحر ہے یعنی جادوگر تب اَتٰی بمعنی ملنا ہے اور یہ مفعول بہ ہے۔ واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ۔ اَنْتُمْ، ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل کیونکہ مبتداء ہے تُبْصِرُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا۔ تَاْتُوْنَ کے فاعل کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے ھَلْ ھٰذَا پر دونوں عطف مل کر مقولہ سِرّی ہو کر قول مقولہ سِرّی ہوا قول مقولہ ملکر جملہ قولیہ ہو گیا بعض نے فرمایا ھَلْ ھٰذا کا پورا جملہ بدل ہے یا عطف بیانی ہے نجویٰ کا مگر پہلی ترکیب درست ہے۔

سورۃ انبیاء کا تعارف یہ سورۃ تمام آیت میں مکی ہے کیونکہ ہجرت سے پہلے نازل ہوئی اور جو سورت ہجرت سے پہلے نازل ہو وہ مکی ہوتی ہے اس کا نمبر نزول تہترواں ہے یعنی یہ سورۃ

marfat.com

بہتر سورتوں کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ ابراہیم کا نزول نمبر ۷۲ ہے اور اس کی ساتھ والی سورۃ حج کا نزول نمبر ۱۰۳ ہے سبحان اللہ قربان جاؤں علم مصطفیٰ کے کہ کس طرح آپ نے نزولی متفرق سورتوں آیتوں کو ترتیب الٰہی کی عرشی و آسمانی لڑی میں پرو دیا۔ اس میں سات رکوع۔ اور قراء کوفہ و مکہ کے نزدیک اس کی ایک سو بارہ آیتیں ہیں اور قراء مدنی و بصری کے نزدیک اس کی ایک سو گیارہ آیت ہیں۔ آیت ۶۶ میں اختلاف ہے پہلے قول میں قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ سے لَا یَضُرُّکُمْ تک ایک آیت ہے اور اُفٍّ لَّکُمْ سے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ تک ایک آیت ۶۷ ہے۔ اس طرح ایک سو بارہ آیتیں بنتی ہیں یہی جمہور کا قول ہے اور درست ہے۔ مشہور ہے۔ دوسرے قول میں قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ سے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ تک سب ایک ہی آیت ہے ۶۶ اس طرح تمام آیات ایک سو گیارہ بنتی ہیں۔ اس سورۃ کے کل الفاظ ایک ہزار ایک سو اٹھاسی ہیں اس کے حروف چار ہزار آٹھ سو ساٹھ ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس کے حروف چار ہزار آٹھ سو نوے ہیں تیس حروف زائد۔ غالباً انہوں نے کھڑی زبر کو بھی الف مانا ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ (تفسیر مدارک و ابن عباس)

اس سورۃ میں آٹھ چیزیں مذکور ہوئیں ۱ غافلین کو جھڑک ۲ رسول اور نبی علیہم السّلام کی معرفت اور پہچان کا غلط معیار اور صحیح معیار کا بیان اور یہ کہ انبیاء علیہم السّلام کو اپنی برابر سمجھنا طریقہ کفار ہے ۳ توحید باری تعالیٰ کی پہچان اور معرفت کے عقلی فکری انفاکی دلائل ۴ دنیوی زندگی کا بیان کہ وہ کھیل کود کے لیے بے نتیجہ نہیں دی گئی۔ بلکہ اگلی اخروی زندگی کی بڑی کامیابی یا ناکامی حاصل کرنے کے لیے دارالعمل ہے۔ اس لیے ہر شخص سے حساب لیا جائے گا۔ حیاتِ دنیوی کو کھیل کود عیاشی سمجھنا نظریہ کفار ہے ۵ فرشتوں کے متعلق کفار کے باطل عقیدے کا بیان اور اس کی تردید و بطلان ۶ مختلف آیات میں چند انبیاء علیہم السّلام کی سیرتِ طیبہ کا بیان تاکہ ہر بندہ ان کے طرزِ عمل اور زندگی کے ہر مرحلے ہر شعبے میں ان جیسا صبر، شکر، ثابت قدمی، استقلال اور لائحہ عمل اختیار کرے ۷ کفار کی اس غلط فہمی اور فریب خوردگی کا بطلان فرمایا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کے باوجود عذاب کیوں نہیں آتا اگر وہ سچے ہوتے تو مخالفوں پر عذاب آجاتا ۸ آخر میں تین چیزیں بیان ہوئیں۔ اولاً یہ کہ نیکی اور صداقت کی پیروی ہی کامیاب زندگی ہے اس حق پرستی میں لاخوف علیہم ہے اسی میں فرشتوں کی مرحبا کی دولت ہے اسی میں ایمان کی بقا ہے ثانیاً۔ پھر قرآن مجید کی شان بیان فرمائی گئی سوم اور پھر آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شان عظمت نبوت تامہ قائمہ اور رحمۃ عالمین کا ذکر فرمایا گیا۔ اس سورۃ کا نام سورۃ انبیاء ہے۔ اس کی وجہ یہ کہ اس میں سولہ انبیاء کرام علیہم السّلام کے اسماءِ مقدس۔ القابِ معظم، مختصر تذکرہ اور خصوصی شان انعاماتِ الٰہیہ کا بیان ہے از آیت ۴۸ تا آیت ۹۰ ۱ حضرت موسیٰ۔

marfat.com

۲ ھرون ۳ ابراہیم ۴ لوط ۵ اسحاق ۶ یعقوب ۷ نوح ۸ داؤد ۹ سلیمن ۱۰ ایوب ۱۱ ادریس ۱۲ اسمٰعیل ۱۳ ذوالکفل شیث ۱۴ ذوالنون یعنی یونس ۱۵ زکریا ۱۶ یحیٰی علیہم السلام چنانچہ فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا۔ اور ہم نے موسیٰ و ھرون کو فرقان اور روشنی و ذکر دیا۔ آیت ۵۱ میں ارشاد ہوا۔ اور ہم نے ابراہیم کو تمام عالم کی رشد و ہدایت دے دی۔ آیت ۷۱ میں فرمایا گیا۔ ہم نے اسحاق و یعقوب کو ہدایتِ ربانی کا امام بنا دیا۔ آیت ۷۴ میں ارشاد ہوا ہم نے لوط کو حکمت و علم عطا فرمایا آیت ۷۶ میں فرمایا گیا۔ ہم نے ان سب سے پہلے نوح کو مقبول الدعا بنایا اور ان کی ہر ہر دعا قبول فرمائی۔ آیت ۸۰ میں فرمایا گیا۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ۔ ہم نے داؤد کو لباس عجیبہ بنانے کا ہنر سکھا دیا۔ اور ان کے لیے پہاڑ و پرندے مسخر کر دیئے آیت ۸۱ میں ارشاد ہوا۔ ہم نے سلیمان کو حکمت و علم دیا اور پورے جہان کی ہوائیں مسخر کر دیں کہ ان کے حکم سے ہوائیں چلتیں، آیت ۸۴ میں ارشاد ہوا کہ ہم نے ایوب کو اٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا۔ اپنے پاس سے ان کو ان کے دگنے اہل و اموال کے ساتھ ساتھ رحمۃ عطا کی اور عابدین میں ان کا چرچہ قائم فرمایا۔ آیت ۸۵ میں ارشاد ہوا ہم نے اسماعیل اور ذی الکفل (شیث) کو اپنی رحمت میں داخل کر لیا۔ آیت ۸۷ میں ارشاد ہوا، ہم نے ذوالنون کو مقبول الدعا بنا دیا اور بھاری غم سے نجات دی۔ ان کو کائنات کے لیے اپنی قدرت کا عجیب نشان بنا دیا۔ آیت ۸۹ میں فرمایا گیا ہم نے زکریا کو مستجاب الدعوات بنا دیا اور ان کو یحیٰی جیسا سراپا رحمت بیٹا دیا۔ آیت ۹۰ میں فرمایا گیا۔ یحیٰی پر چار انعام تھے ۱ سُرعت فِی الخیرات ۲ رغبت فی الدعا ۳ رَھبت فِی الالتجا ۴ اور خشعت فِی الاعمال۔ پھر آخر میں اپنے محبوب کی شان بیان فرمائی کہ۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ چونکہ اس سورۃ میں از اول تا آخر صرف انبیاء کرام کی شان و انعام کا ذکر ہے اس لیے رب تعالیٰ نے اس کا نام سورۃ انبیا رکھا۔ ورنہ دیگر بہت سی سورتوں میں انبیاء علیہم السلام کے اعمال افعال اقوال اور القاب و اسماء مبارکہ اس سورۃ سے بھی زیادہ مذکور ہیں اور سورۃ انعام میں تو اٹھارہ ۱۸ انبیاء علیہم السلام کے اسماء پاک ہیں۔

تفسیر عالمانہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِیْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ مَا یَاْتِیْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ یَلْعَبُوْنَ۔ کیا عجیب ظلم و حماقت ہے ان کفار و منافقین اور فاسقین و فاجرین کا اپنی جانوں پر کہ قریب آگیا ان لوگوں کا یوم قیامت والا حساب جو کبھی نہ ٹل سکے اور وہ بدنصیب ہزار سمجھانے کے باوجود ابھی تک غفلت میں ہی پڑے ہیں اس طرح کہ اللہ تعالیٰ رسول کے دین ایمان اخلاص اطاعت اتباع اعمالِ آخرت سے منہ پھیرنے والے اور دنیوی افعال و کردار میں بڑی چستی چالاکی سے منہمک۔ کفار ظالم منافق بدقسمت اور تا قیامت فاسقین احمق

marfat.com

ہیں اور کفار و غافلین کا اعراض یہاں تک پہنچا ہوا ہے کہ کوئی بھی نیا ذکر یعنی بار وعظ نصیحت تبلیغ آیات و احادیث بذریعہ نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ان کے رب تعالیٰ کی طرف ایسا نہیں آیا جس کو وہ مان لیتے ہوں مگر وہ بے توجہی بے دھیانی کرتے ہوئے اس انداز میں سنتے ہیں کہ وہ گویا ان سب ایمانیات کو کھیل سمجھتے ہیں۔ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ أَفَتَأْتُونَ السِّحْرَ وَأَنتُمْ تُبْصِرُونَ۔ کیونکہ ان کے دل مذاق بازی میں لگنے والے ہیں خود دور کی غفلت میں پڑ گئے نہ آیت میں تدبر نہ فرمان احادیث میں تعقل نہ اپنے انجام میں تفکر نہ پچھلی عذاب زدہ ہلاک و تباہ شدہ اقوام قریات کی تواریخ و مشاہدات میں تفقہ خیال رہے کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان کو پانچ قوتیں عطا فرمائی ہیں پہلی قوت سماعت دوم اگر سماعت درست ہو تو بصارت حاصل ہوتی ہے ۳ بصارت درست ہو تو بصیرت ظاہر ہوتی ہے ۴ بصیرت ظاہر ہو تو تدبر پیدا ہوتا ہے ۵ تدبر کیا جائے تو تفکر نمودار ہوتا ہے ان پانچوں کو استعمال کیا جائے تو تفقہ بیدار ہوتا ہے۔ ان کو صحیح استعمال کے دو ذریعے ہیں۔ پہلا ہے توجہ قلبی۔ دوم تصلب عقلی یعنی قلب اگر سمجھنے پر آمادہ ہو تو عقل قائم ہو کر ڈٹ جاتی ہے۔ اس لئے کہ

عقل اندر حکم دل یزدانی است ۔۔۔ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

اگر عقل میں تصلب نہ ہو تو لعب ہے اور اگر دل میں توجہ نہ ہو تو لہو ہے۔ لہو سبب ہے یا علت ہے لعب کا۔ ہر دنیوی کام لعب ہے اور دنیا کو اہمیت دینا آخرت سے غافل ہو جانا لہو ہے یہاں اس سورۃ میں چار چیزوں کا اس ترتیب سے ذکر فرمایا گیا کہ پہلے غفلت کا ذکر پھر اعراض کا پھر لعب پھر لہو کا ذکر۔ نیز سورۃ محمد کی آیت ۳۶ میں بھی ارشاد ہوا کہ إِنَّمَا الْحَيَاةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَلَهْوٌ۔ یہ ترتیب اس لیے ہے کہ لہو علت ہے لعب کی اور لعب علت اور وجہ ہے اعراض کی اور اعراض علت ہے غفلت کی انسان کے قلب میں جب لہویت آتی ہے تو عقل میں لعبیت آجاتی ہے اور جب عقل میں لعب ہو تو طبیعت میں اعراض پیدا ہوتا ہے اور جب طبیعت میں اعراض ہو تو مزاج میں غفلت آجاتی ہے اور غافل انسان اپنی غفلت کی بنا پر ہر اچھائی اور مفید چیز کا تمسخر اڑاتا ہے تمسخر کا انداز استہزا ہے۔ استہزا سے ذھول اور ذھول سے سفاہت، سفاہت سے حماقت، حماقت کے تین درجے ہیں پہلا درجہ فسق اس سے اوپر چھپی منافقت اس سے اوپر کھلا کفر۔ ان مقامات و حالات میں انسان سے احساس نقصان و ضیاع ختم ہو جاتا ہے۔ وہ نہیں سمجھ پاتا کہ ہر گزر جانے والی ساعت دور ہو رہی ہے اور آنے والی ساعت قریب ہو رہی ہے۔ غافل لوگ گردش ایام کو عمر زیادہ ہونے کا نام

marfat.com

دیتے ہیں کہ فلاں کی عمر زیادہ ہو گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ۔

غافل تجھے گھڑیال یہ دیتا ہے منادی ؎ گردوں نے گھڑی عمر کی اک اور گھٹا دی

غافلین و فاسقین نے کبھی اِس فرمانِ نبوی پر غور نہیں کیا جو آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادِ مقدس فرمایا کہ۔ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ۔ یعنی میں اور قیامت اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دو انگلیاں یعنی مومن کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی۔ یا کافر کی سبابہ اور وُسطیٰ انگلی۔ اور قیامت بس صرف اتنا ہی زمانہ دوری باقی رہ گیا ہے جتنا اس بڑی چھوٹی انگلی کی درازی ہیں۔ یہ حدیثِ پاک تفسیر ہے اِقْتَرَبَتِ السَّاعَۃُ۔ کی کہ اے غافلو اب قیامت آنے اور حساب آخر قائم ہونے میں نہ مکانی بُعد ہے نہ زمانی۔ مکاناً بھی قیامت قریب ہے جیسے کہ دو انگلیاں بیچ کی انگلی میں جتنی معمولی تھوڑی سی درازی ہے بس موت اور موت کا فرشتہ بھی اتنا ہی دور ہے۔ اور موت سے قبر۔ قبر سے میدانِ حشر ملا ہوا ہے۔ زمانی قرب اس طرح کہ اب کوئی نبی کوئی کتاب نہیں۔ اب کسی کا زمانہ آئے گا اب تو نبوت کتاب ہدایت رحمت برکت عزت سب کچھ میرے ہی پاس ہے میرے بعد صرف قیامت کا انتظار ہے۔ رب اور قیامت بلا فاصلہ ملے ہوئے ہیں اے غافلو تم سمجھتے ہو کہ قیامت دور ہے۔ مگر رب تعالیٰ کے علم میں اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُھُمْ۔ ہے۔ اب مومن مسلمان عامل مکلّف عابد زاہد بننے کی مدت بہت تھوڑی رہ گئی ہے اور یہ صرف کفارِ مکہ کو ہی تنبیہ نہیں بلکہ تا قیامت ہر کافر کی مذمت کرتے ہوئے ہر فاسق گناہگار کو بھی جھڑک فرمائی جارہی ہے اور ذِکر سے مراد آیت احادیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وعظ نصیحتیں۔ اور اولیا علما کی بھی تبلیغیں ہیں۔ مُحْدَثٍ سے مراد پہلی بار یا بار بار آیت واحکام کا اُترنا اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا مختلف محافل ومجالس میں وعظ فرمانا بار بار سمجھانا ہے۔ اور کفر منافقت۔ فسق وفجور حرام و باطل عقائد و نظریاتِ لغویات سے روکنا ہے۔ لیکن اِن تمام مشفقانہ محبانہ نصیحتوں آیتوں معجزوں کو دیکھنے سننے کے باوجود وَاَسَرُّوا النَّجْوَی۔ اور بجائے عقل سے کام لے کر راہِ راست وطریقہ نجات پر آنے کے خفیہ اجتماعات اور محفلیں قائم کر کے ایسی سرگوشیاں اور آہستہ باتیں کرتے ہیں یہ اپنی جانوں پر ابدی اُخروی ظلم کرنے والے کفارِ مکہ یہ مجلسیں اور باتیں یا اس لیے ہیں کہ دیکھیں اگر یہ نبی ہیں تو ان کو ہماری خفیہ اجتماعی محفلوں اور آہستہ باتوں کا پتہ لگتا ہے یا نہیں اگر سچا نبی ہوگا تو اس کو علم غیب بھی ملا ہوگا جیسے کہ عیسیٰ علیہ السلام کو۔ ورنہ نہیں۔ حالانکہ اِن گستاخوں بدنصیبوں کافروں کو پتہ نہیں کہ ہمارے یہ محبوب نبیُّ الانبیا صلی اللہ علیہ وسلم تو بعد وصال تا قیامت کائنات کے ذرّے ذرّے

marfat.com

کے خفیہ آہستہ سلاموں کو بھی سن لیتے ہیں اسی لیے رب نے اُنجیات بیں سلام کو مخاطب اور آہستہ رکھا اور یا اِن کفار کی آہستہ خفیہ محفلیں اس لیے ہیں کہ اے سردارو، تم سب اپنے نوکروں خادموں، کمامیوں، غلاموں ماتحتوں ملازموں کو یہ باتیں سمجھاؤ کہ وہ گلی گلی کوچہ کوچہ ہر اپنے پرائے مسافر مقیم واقف واجنبی وغیرہ ہر اُس آدمی کو بتائے جو مسلمان ہونے کی طرف راغب ہو یا مسلمانوں کے پاس جاتا ہو اسلام کی باتیں سنتا ہو اس کو اسلام سے دور نبی سے نفور اور قرآن سے متنفر کرتے ہوئے کہو کہ هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے یہ جسنے نبوت کا دعوی کیا ہے، یہ نبی نہیں کیونکہ یہ تو ہر چیز بیں تمہاری برابر ہے۔ ذرہ بھر کسی خوبی طاقت قدرت بیں تم سے زیادہ نہیں کھانے پینے سونے جاگنے میں تمہاری طرح محتاج بیماری تندرستی لاغری ضعیفی میں تمہاری طرح کمزور بچپن جوانی بڑھاپے میں تمہاری جیسی عمر بال کمال جسم اعضا میں تمہاری ہم شکل غرضکہ زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس میں وہ تم پر کس طرح کی برتری حاصل کر سکے۔ جب یہ نہیں تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ نبی ہو جائے اور اس کو اللہ کے پیغام آتے ہوں ہاں البتہ یہ فصیحانہ کلام حیران کن باتیں اور وہ چند عجیب معجزات جو تم نے اُس کے ہاتھوں دیکھے مثلاً چاند چیر دینا جلی گٹھلی یا بے گٹھلی کے کھجور اگا دینا یا عمرو بن ہشام ابوجہل کے ہاتھ مٹھی کی کنکریوں سے اپنا کلمہ پڑھوا دینا وغیرہ وغیرہ تو یہ سب جادوگری ہے اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ۔ تو کیا تم اُس کے جادو میں پھنسنا چاہتے ہو ہمارے مشاہدے اور بتانے سمجھانے کے علاوہ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ اور یہ کہ تم خود بھی عقل مند اور بصیرت وبصارت والے ہو۔ اور یا اس لیے یہ لوگ خفیہ میٹنگیں، آہستہ بولیاں سرگوشیاں کھسر پھسر کرتے بولتے تھے کہ حقیقت میں سب کچھ سمجھتے تھے اور عقل و دماغ سے جانتے تھے کہ یہ ہماری طرح کا بشر نہیں بلکہ مافوق الفطرت شخصیت ہے۔ اسی لیے مِّثْلُكُمْ کی بات برملا کہنے کی جرأت نہ کرتے تھے نہ زور سے اظہار کر سکتے تھے کہ کہیں اپنے ہی ہم کو نہ جھٹلا دیں بلکہ ایک دفعہ ایکبار ایک شخص نے جب پوچھ لیا کہ تم اس شخص کو جادوگر کہتے ہو اور اس کے معجزوں کو جادو کلام کو سحر تو یہ تو بتاؤ کہ اس نے جادو سیکھا کس سے اور کب سیکھا۔ جب کہ اس کی ولادت سے اب تک بچپن جوانی بڑھاپا سب ہماری نظروں کے سامنے ہم سے کبھی جدا نہ ہوا تب وہ سب کفار اور بڑھ بڑھ کر باتیں کرنے والے لاجواب ہو گئے۔ نیز جادو تو صرف زمین پر چل سکتا ہے مگر اس نے تو آسمان کا چاند توڑ کر دکھا دیا تھا۔ ان سوالات کی بھرمار سے کھلی محفلیں اور بلند آوازی کے اعتراضات نہ کر سکتے تھے۔

مفسرین کے مختلف اقوال | اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ بیں تین قول ہیں ۱۔ اس سے مراد یوم قیامت ہے ۲۔ اس سے مراد وقتِ موت ہے، کیونکہ موت بھی

marfat.com

قیامتِ صغریٰ ہے موت سے دنیوی مہلت اور اچھے برُے اعمال بند۔ اور قبر کی زندگی متصل ہے قیامت سے جو مر گیا اُس کی قیامت قائم ہو گئی ۳ یا اس سے مراد زندگی کی ہر آنیوالی گھڑی ہے کیونکہ وہ حسابِ قیامت سے قریب کرنے والی ہے۔ غَفْلَةٍ۔ میں پانچ قول ہیں ۱ اس سے مراد کفر ہے ۲ یا مراد بھول نسیان ۳ یا مراد ہے حماقت جہالت کی لاپرواہی ۴ یا مراد ہے۔ دنیوی کھیل کود دکاروبار میں مشغولیت ۵ یا مراد ہے دنیا پرستی دنیاسازی۔ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد ہے ظاہری کمال والی اعضاء شکل وصورت والا۔ انسان ۲ یا مراد ہے باطنی اعضا عقل دل دماغ گردے کلیجی۔ سینے معدے والا انسان۔ کفار نے معرفتِ نبوّت کو عقل وشکل وصورت سے حاصل کرنا چاہا۔ حالانکہ نبوّت کی پہچان مُلکی انسانی بشری شکل وصورت سے نہیں بلکہ نبوت کی پہچان کا ذریعہ معجزات ہیں۔ اگر فرشتہ بھی نبی آجاتا تب بھی اس کی نبوّت کا ثبوت معجزہ ہی ہوتا معجزوں کو ان حمقاء نے جادو کہدیا۔ النّاس میں تین قول ہیں ۱ اس سے مراد کفارِ مکہ ۲ اس سے مراد تا قیامت کفار ۳ اس سے مراد ہر غافل انسان، کافر ہو یا منافق یا فاسق وفاجر۔ ذِکر میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد آیاتِ وحی ۲ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تقریریں وعظ نصیحت احادیث کیونکہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات۔ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ ہے۔ مُّحْدَثٍ میں تین قول ہیں ۱ اس سے مراد الفاظ وحروفِ قرآن ہے ۲ اس سے مراد ایک حکم کا بار بار نازل ہونا ۳ اس سے مراد نزولِ الفاظ ہے نہ کہ کلام اور معنی کلام خیال رہے کہ مفہوم کلام اور مدلولِ قرآن تین چیزیں ہیں۔ ۱ صفاتِ باری تعالیٰ یہ ہر طرح قدیم ہے قصص یہ واقعتاً حادث ہے ۲ منجمل جیسے کفار کے کفریات مثلاً۔ ما ۲ تَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ (صاوی)

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ منشاءِ اسلام یہ ہے کہ مسلمان دنیوی زندگی کے تمام معاملات میں کفار سے بالکل علیحدہ ہو جائیں مسلمان کی اپنی علیحدہ ہی شناخت ہو کسی چیز میں بھی کفار کی مشابہت نہ آنے پائے۔ یہاں تک کہ سوچ فکر اور لگن مگن مشغولیت میں بھی کفر واسلام کا فرق ظاہر ہوتا رہے۔ یہ فائدہ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان آیت میں کفار کی یہ نشانی بتائی گئی کہ تمام زندگی دنیا میں مشغول رہنا آخرت کی تیاری اور سوچ فکر تدبر تذکر تعقل کی طرف بالکل نہ آنا کفار کا طریقہ ہے مسلمان کو کفار کی دیگر مشابہتوں کے ساتھ ساتھ اس مشابہت سے بھی بچنا چاہیئے۔ یہ آیت کفار کی مذمت کر رہی ہیں اور مسلمانوں کو متنبہ وخبردار اور فاسقین کو زجر توبیخ فرما رہی ہیں۔ دوسرا فائدہ۔ جنت دوزخ عالمِ برزخ آج بھی موجود ہیں اور قیامت محشر برحق ہیں۔ جنت دوزخ زمین پر نہیں بلکہ اپنے اپنے مقام پر موجود اور بنی ہوئی ہیں یہ عبرت

marfat.com

آمیز فائدہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اُن احمق مفسروں مصنفوں کو عبرت پکڑتے راہِ راست پر آجانا چاہیئے جو خلقتِ جنت کا انکار کرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ جنت زمین پر ہی بنائی جائے گی، یا نیچری دہریہ قسم کے مصنوعی مسلمان جو قیامت کو عجیب صورت میں پیش کرتے اور بدعقیدگی بنائے پھرتے ہیں یہ آیت اسی قسم کے منکرین قیامت کی تردید میں نازل ہوئی بتایا یہ جارہا ہے کہ دنیا کی سرزمین نہ جنت ہے نہ دوزخ نہ اس کی گنجائش بلکہ یہ عالم دنیا عبادات کی کاشت اعمال کی محنت کی جگہ ہے اور آخرت پھل کھانے جزا لینے کی جگہ ہے نہ اس کو دارالجزا سمجھو نہ آخرت سے غفلت برتو۔ تیسرا فائدہ۔ آج کل کے بدعقیدہ گستاخ لوگ کفار مکہ سے بدتر ہیں کہ وہ تو آقاءِ کائنات حضور اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو برملا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہنے کی جرأت وہمت نہ کرتے تھے مگر یہ بدبخت ٹولہ برملا کہتا، لکھتا چھاپتا پھرتا ہے کہ نبی ہماری ہی طرح معمولی آدمی اور ہماری برابر بشر ہیں غرضکہ یہ لوگ کفار مکہ سے بڑے شیطان ہیں۔ ان کفار مکہ نے چونکہ اپنی آنکھوں سے بہت سے معجزات اور شانِ نبوتِ رسالت دیکھی تھی اس لیے برملا نہ کہہ سکتے تھے۔ مگر ان بدنصیب گستاخوں قلبی آنکھوں کے اندھوں نے کچھ دیکھا نہیں اس لیے اپنی برابری کا دعوے شیطنی کرتے پھرتے ہیں یہ فائدہ وَأَسَرُّوا النَّجْوَى سے حاصل ہوا۔ خیال رہے کہ قُلْ إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ نعتِ نبی ہے۔ اُس کا معنیٰ ہے۔ فقط میں ہی وہ بشر ہوں جو تم سب کی ہر شان ہر صفت، ہر قوت طاقت ہر عقلیت علمیت میں شامل ہوں۔ اس کا پورا تفصیلی بیان سولہویں پارے کی تفسیر نعیمی سورۃ کہف آیت ۱۱۰ میں دیکھئے۔ لیکن کفار کا هَلْ هَٰذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہنا۔ گستاخیِ نبوت ہے اور گستاخی کی نیت سے ہی وہ کفار یہ کہتے تھے۔ اس کا معنیٰ ہے کہ یہ شخص ہم سے زیادہ نہیں ہماری برابر ہی ہے ہماری طرح: یہاں زیادتی شان کی نفی ہے۔ اس لیے کفر وگستاخی ہے مگر وہاں مِّثْلُكُمْ میں شان قدرت قوت طاقت کی اجتماعی مجموعی زیادتی کا ثبوت ووجود ہے اس لیے وہ مثلکم نعتِ نبی عطاءِ الٰہی ہے اور ایمانِ مومن ہے۔

احکام القرآن

ان آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ: زندگی دو قسم کی ہے ایک کامیاب زندگی دوم ناکام زندگی۔ حلال طیب تمام حقوق کی حقیقی ادائیگی والی زندگی کامیاب زندگی ہے اور حرام وگناہوں کی لہو ولعب ڈھول۔ غفلت، اعراض افتراق والی زندگی، ناکام زندگی ہے۔ مومن کو چاہیئے کہ دنیا کے تمام حقوق میں اپنا حساب کتاب میزان درست رکھے یہ مسئلہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ جو علیم بھی ہے خبیر بھی ہے

marfat.com

وہ بھی قیامت میں باقاعدہ بروز قیامت میزانِ عدل قائم فرمائے گا اپنے علم وقدرت پر فیصلہ نہ فرمائے گا، تو انسان جو نہ علیم ہے نہ خبیر وہ کس طرح حقوق کا حساب ذمہ داریوں کی کتاب اور عدالتی تجارتوں کی ترازو غلط کرنے کی جرأت کر سکتا ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ قرآن مجید جب پڑھا جائے تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ خاموش رہ کر انتہائی غور و فکر سے سنے۔ قرآن مجید میں غور و فکر تین قسم کا ہے (۱) الفاظ قرآن کانوں سے (۲) تفسیر و معانی قرآن قلب سے اور مسائلِ قرآن عقل سے سننا فرض ہے۔ الفاظِ قرآن کا نام کتابُ اللہ ہے۔ معانیِ قرآن کا نام حدیثِ رسولُ اللہ ہے اور مسائلِ قرآن کا نام فقہ ائمہ اربعہ ہے۔ یہ مسئلہ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ سے مستنبط ہوا کہ قرآن مجید کے سننے سمجھنے سے غفلت کرنا۔ تفکر و تدبر نہ کرنا شور مچانا کفار کا طریقہ ہے کہ وہ ہر نئے حکم۔ کلام آیت شریعت طریقت کو کھیل کود مذاق میں ہی ٹال دیتے اور یہ مذاق و تمسخر دراصل انکار اسلام و شعائر اسلام کا ایک انداز ہے۔ آج یہ ہی حال اقبال آلودہ مسلمانوں کا ہو گیا ہے کہ ہر حکم قرآنی آیت رحمانی اور فقہ اسلامی کو ملّا کی فتوے بازی کا نام دے کر ٹالتے چلے جاتے ہیں اور شریعت پاک کی بڑی بڑی اہم باتوں کا مذاق اڑا دیتے ہیں۔ مسلمانوں کو ایسی حرکتوں خباثتوں۔ برہمنوں ہندو پنڈتوں کی اور کفار کی مشابہتوں سے بچنا اور عبرت حاصل کرنا چاہیئے۔ یہ سوچ لو کہ قیامت قریب۔ حساب نزدیک ہے وہاں تم کو کوئی لیڈر، فلسفی یا شاعر نہ بچا سکے گا۔ بلکہ وہ بے چارے تو خود وَهُمْ لَهُمْ مُحْضَرُوْنَ میں پھنسے ہوں گے۔ تیسرا مسئلہ قرآن مجید کلامُ اللہ ہونے میں قدیم ہے کیونکہ صفتِ باری تعالیٰ ہے۔ (اس کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا حصہ سوم میں دیکھئے) لیکن نزول میں حادث ہے یعنی قرآن کریم کا بندوں کی طرف اُترنا، آنا نازل ہونا حادث ہے یہ مسئلہ مُحْدَثٍ سے پہلے مَا يَاْتِيْهِمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی مُحْدَثٍ اور حادثِ ہونے کا تعلق یَاْتِيْهِمْ اور اتیان سے ہے نہ کہ ذِکْرٍ یا قرآن سے۔ اور اگر ذِکْرٍ سے بھی ہو تو معنی ہوں گے کہ قرآن کا نصیحت ہونا مُحْدَثٌ ہے نہ کہ قرآن اس لیے کہ قرآن کے کلام ہونے کا تعلق رب تعالیٰ سے ہے اور نصیحت بننے کا تعلق بندوں سے ہے اور چونکہ رب تعالیٰ قدیم ہے لہٰذا اس کی صفت کلام و قرآن بھی قدیم، اور چونکہ بندے حادث تو ان کے لیے نصیحت بننا بھی حادث۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ یعنی حساب قریب آگیا، حالانکہ اس آیت کو نازل ہوئے چودہ سو سال گزر چکے ہیں مگر ابھی تک دور دور حساب قیامت کا پتہ نہیں تو پھر قریب کب ہوا اور اِقْتَرَبَ کیوں فرمایا گیا؟ جواب۔ یہ اعتراض بعض کفار نے امام رازی کے زمانے میں کیا تھا اس وقت چھ سو

marfat.com

سال گزرے تھے اس لیے تفسیر کبیر رازی میں چھ سو سال گزر جانے کا ذکر کیا ہے۔ اب چونکہ چودہ سو سال گزر چکے ہیں اور کفار کا یہ اعتراض اب بھی سنا جا رہا ہے اس لیے ہم نے اس کا ذکر کرتے ہوئے یہی مدت لکھی امام رازی نے اس کے چار جواب دیئے ہیں۔ پہلا یہ کہ قرب آسمانی قرب ہے جہاں ایک دن ہزار سال کے برابر ہوتا ہے اور معترض کا بُعد اپنے زمینی اعتبار سے ہے۔ جو بہت زیادہ محسوس ہوتی ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ بَعِيْدًا وَّ نَرٰىهُ قَرِيْبًا۔ (سورۃ معارج آیت ۶) یعنی لوگ قیامت کو دور سمجھتے ہیں اور ہم اس کو قریب دیکھتے ہیں۔ اور یہ ثابت ہے کہ انسانی گنتی کے اگر ہزار سال ہوں تو رب تعالیٰ کی قدرت میں وہ ایک دن ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد ربانی ہے۔ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ (سورۃ ۲۲ حج آیت ۴۷) جواب دوم یہ کہ یہ قرب گزشتہ زمانوں کے اعتبار سے ہے۔ یعنی زیادہ مدت دنیا کی گزر گئی ہے اب بالکل تھوڑی مدت رہ گئی ہے۔ حدیث مقدسہ میں ہے کہ دنیا کی اب اتنی مدت رہ گئی ہے جتنی کہ کپڑے کا ایک دھاگہ۔ جواب سوم یہ کہ چونکہ ہر آنیوالا زمان و مکان دن بدن قریب ہوتا جاتا ہے اور گزرنے والا دور اس لیے اِقْتَرَبَ فرمایا گیا اور آیت کا معنیٰ ہے کہ لوگوں کا حساب قریب ہوتا جا رہا ہے جواب چہارم یہ کہ ہر شخص کے حساب سے مراد اُس کی موت ہے کیونکہ موت بھی قیامت ہی ہے کہ اعمال بند حساب شروع عذاب و ثواب کا دروازہ قبر میں ہی کھل جاتا ہے۔ یہ چاروں جواب درست ہیں اس لیے اعتراض ختم ہو گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ قرآن قدیم نہیں بلکہ حادث ہے دیکھو اللہ نے فرمایا مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ۔ لہٰذا اہل سنت کا اس کو مُحْدَث یعنی حادث نہ ماننا اور قدیم کہنا تعلیم قرآن کے خلاف ہے۔ استدلال اس طرح ہے کہ قرآن ہی ذکر ہے اور ذکر مُحْدَث و حادث فرمایا گیا لہٰذا قرآن حادث مُحْدَث۔ قرآن مجید کی مختلف آیات میں قرآن کو ہی ذکر فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ قرآن ہی ذکر ہے (۱) چنانچہ سورۃ ۳۸ ص آیت ۸۷۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ (۲) سورۃ ۴۳ زخرف آیت ۴۴ ارشاد ہے۔ وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ (۳) سورۃ ص آیت ۱ صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّكْرِ (۴) سورۃ حجر آیت ۹ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ (۵) سورۃ یٰسٓ آیت ۶۹ میں ارشاد ہے اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ وَّقُرْاٰنٌ مُّبِيْنٌ (۶) یہی سورۃ الانبیاء ۲۱ آیت ۵۰ هٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ۔ اور سورۃ شعراء آیت ۵ میں بھی ارشاد ہے۔ مَا يَاْتِيْهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنَ الرَّحْمٰنِ مُحْدَثٍ۔ ان تمام آیت میں ثابت فرمایا گیا ہے کہ قرآن ذکر ہے اور ذکر حادث تو قرآن حادث (معتزلی اب موجودہ وہابی فرقہ) جواب۔ قرآن مجید میں دو چیزیں سب کو تسلیم ہیں اولاً مضمون اور معانی کلام

marfat.com

دوم: الفاظ و حروفِ کلام۔ ہم اہل سنت صرف مضمون اور معانیِ قرآن کو قدیم اور کلام اللہ کہتے ہیں۔ الفاظ و حروف کو قدیم نہیں کہتے یہ تو ہماری شما کے منہ سے نکلتے ہیں معترض کی پیش کردہ چھ آیت میں قرآن مجید کو بندوں کی نسبت سے ذکر فرمایا گیا اور اس سے مراد الفاظ و حروف کی عبارت مکتوبہ و مقولہ ہیں جو ہمارے کاغذوں، زبانوں پر منقوشہ متلوہ ہیں۔ اور یاد رکھو کہ ذکر کہتے ہی اُس کو ہیں جس کا تذکرہ و تلاوت کیا جائے یا ذکر سے مراد نصیحت ہے تو بھی بندوں کی ہی نسبت سے کہ قرآنِ مجید بندوں کے لیے نصیحت ہے تو جب سے بندے تب سے یہ قرآنِ پاک نصیحت بنا اور بندہ حادث تو قرآن مجید کا نصیحت ہونا حادث یعنی قرآنِ مجید حادث نہیں بلکہ قرآن مجید کا ذکر اور نصیحت بننا حادث ہے خود قرآن کریم و کلام اللہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی اور سورۃِ شعرا آیت ۵ میں بھی مُحْدَثٍ سے پہلے یَاتِیْہِمْ۔ ارشاد ہوا یعنی ذکر اپنے وجود میں حادث نہیں بلکہ اپنے نزول اور آنے میں حادث ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ یہاں ذِکْرٍ مُحْدَثٍ سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی وعظ و تقریریں ہیں اور اُن کو مِنْ رَّبِّهِمْ۔ فرمانا اس لیے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول و کلام وَحیِ الٰہیہ ہے جس کا ثبوت وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى والی آیت میں ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى۔ اَسَرُّوا کے معنیٰ بھی ہیں خُفیہ اور نَجْوٰی کے معنیٰ بھی ہیں خُفیہ تو دو لفظ کیوں ارشاد ہوئے صرف اَسَرُّوا کہنا کافی تھا۔ جواب یہ کہنا غلط ہے کہ دونوں ایک ہم معنیٰ لفظ ہیں بلکہ دونوں لفظ اپنے معنیٰ کے اعتبار اور نوعیت کے لحاظ سے بالکل مختلف ہیں۔ اَسَرُّوا کا معنیٰ ہے خفیہ جگہ میں مجلس و محفل لگانا۔ لیکن نجویٰ کا معنیٰ ہے نہایت آہستہ گفتگو کان کے قریب منہ لاکر جس کو اردو میں کاناپھوسی اور فارسی میں سرگوشی کہتے ہیں۔ نیز کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اَسَرُّوا ہو مگر نجویٰ نہ ہو۔ اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ نجویٰ ہو مگر اَسَرُّوا نہ ہو۔ مثلاً کسی غار میں یا خفیہ مکان میں میٹنگ کی مجلس ہو لیکن حاضرین زور زور سے بول رہے ہوں اور یا مجلس عام کھلے مقام پر ہو مگر کچھ لوگ نہایت آہستہ سرگوشیاں کر رہے ہوں۔ جس کا بجز دو شخصوں کے کسی کو پتہ نہ چلے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ دونوں لفظ معنًا و نوعًا و کیفیتاً بالکل علیحدہ ہیں۔ لہٰذا دونوں کا ذکر کفار کی اُس مجلس کا پورا نقشہ کھینچنے کے لیے بہت ضروری تھا۔

تفسیر صوفیانہ اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِي غَفْلَةٍ مُّعْرِضُونَ مَا يَاْتِيهِمْ مِّنْ ذِكْرٍ مِّنْ رَّبِّهِمْ مُّحْدَثٍ اِلَّا اسْتَمَعُوْهُ وَهُمْ يَلْعَبُوْنَ لَاهِيَةً قُلُوْبُهُمْ۔ اے عالم ناسوت کے رہنے والو یاد رکھو کہ ہر شخص کا ہر مقام ہر قدم پر ہر وقت حساب زندگی قریب ہے یہ ابتلاء و حساب ہی بندے کی قیامت صغریٰ ہے مگر بد نصیبِ عقبیٰ اسباب کو

marfat.com

نہیں سمجھتے اور غفلت میں رہ کر بقاء ابدی سے منہ پھرائے پڑے ہیں۔ اشیاء فانیہ میں دلکو لگائے دین کو دنیا میں اُلجھائے مکروعیاری کی دکان سجائے گدی جمائے بیٹھے ہیں فکرِ لاہوتی، نورِ جبروتی۔ اسرارِ قدوسی آیتِ غفاری اور اصواتِ قہاری کے اذکارِ محدَث بار بار نزولِ اجلال ان کے ربِ جلیل کی طرف سے فرماتے ہیں۔ مگر یہ ہر راہ کے دشتِ خرست میں کھیل کود مذاق و مزاح سے ہی سنتے گزر جاتے ہیں۔ دین کا لبادہ بھی دنیا کے لیے اوڑھتے ہیں۔ معرفتِ سلوک میں بھی حرص و طمع کے قدموں سے چلتے ہیں۔ عبادت و ریاضت بھی دنیا کے لیے یہی وجہ ہے کہ نہ وہ سجدے رہے کہ روحِ زمین جس کی متلاشی تھی وہ نہ آہِ سحرگاہی رہی منبر و محراب جس کے پیاسے تھے۔ نہ کسی کے سینۂ قبریز سے اب کبھی یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلُ کی گونج سنائی دی نہ کسی کی زبانِ فیض سے وہ حکم قہاری جاری ہوا کہ کھڑاؤں اڑتی چلی جائے۔ بظاہر سجدے بھی ہیں اذانیں بھی نمازیں بھی

دعائیں بھی مگر قوتِ روحانیہ سے ہر طرح ہر جگہ محرومی نہ پیر میں نہ مرید میں نہ عالم میں نہ فقیہ میں نہ عدالت میں نہ تجارت میں نہ حاکم میں نہ محکوم میں نہ بادشاہ میں نہ وزیر میں نہ مسجد میں نہ محراب میں۔ یہ محرومیِ معرفت ہی ہمارا امتحان و ابتلا اور قربِ حساب ہے۔ جس پر بندے غور نہیں کرتے اور غفلت میں گنوا رہے ہیں۔ علماءِ شریعت کے نزدیک یہ آیت مبارکہ کفارِ مکہ کی بُری کیفیت حالت میں نازل ہوئیں مگر علماءِ طریقت کے نزدیک یہ آیتِ مبارکہ

ہر زمانے کے اہلِ ریا نام نمود کی جھڑک کے لیے اتریں۔ اہل طریقت کے مسلک میں توحید و شرک کی چار قسمیں ہیں ۱ توحید یہ کہ فقط اللہ کو معبود ماننا اس کا شرک یہ کہ بت پرستی ۲ اخلاصِ عبادت توحید ہے اس کا شرک ریاکاری ۳ تجارت میں امانت توحید ہے۔ اس کا شرک بد دیانتی۔ خیانت ملاوٹ ۴ لباس و رہائش وغذا میں حلال کمائی اور کمائی میں حلال ذریعے یہ توحید ہے اس کا شرک حرام کمائی۔ حرام کھلائی حرام برتائی۔ علماءِ شریعت کے نزدیک یوم حساب بعد موت سے شروع ہے۔ مگر علماءِ طریقت کے نزدیک مُوتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا ہے کہ مار دئے جانے سے پہلے اپنے نفس و نفسیات کو فنا کر کے خود مر جاؤ یعنی مثل مردہ تمہاری کوئی خواہش و چاہت باقی نہ رہے اور ہر قدم ہر عمل پر تمہارا ضمیر خود ہی تمہارا حساب لیتا رہے اور پتہ لگاتا رہے کہ بندوں کی نمازیں روزے چلّے وظیفے نوافل و تہجد انکو رومی و غزالی عطار و سعدی۔ رازی و شیرازی۔ جنید و بایزید کیوں نہیں بناتیں۔ کہیں ان کی توحید میں شرک اور حلال میں حرام کی ملاوٹ تو نہیں۔ اور یہ سب عبادتیں ریاضتیں جبہ و دستار تسبیح و گودڑی۔ لَاہِیَۃً قلوب دلوں کی مذاق بازی و تماشہ بینی و عیاری تو نہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اگر بندہ دنیا چمکانے اور دنیا داری سجانے کے لیے سجادہ نشین بن کر جبہ و دستار بنائے یا منبر و محراب پر قابض ہو جائے

marfat.com

تو اُس کے تمام اعمالِ صالحہ لَاهِيَةً قُلُوبُهُمْ یعنی دل کی عیاشیاں اور کھیل ہیں۔ کیا خطرناک زمانہ ہے کہ پیروں نے اپنے مریدوں سے پرورش اور مولویوں خطیبوں اماموں نے پیروں کو پرورش کا ذریعہ بنا لیا۔ اور اس خوف سے کہ کہیں یہ روزی رساں ادارے بند ہو جائیں۔ پیروں نے مریدوں سے طریقت کو مولویوں نے پیروں سے شریعت کو چھپانا شروع کر دیا اور ایک دوسرے کے لیے آسانیوں کی راہیں نکالنی شروع کر دیں۔ وَاَسَرُّوا النَّجْوَى الَّذِينَ ظَلَمُوا هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ۔ اور ان ہی راہِ سلوک کے بہروپیوں نے ظلمتِ نفس کی خفیہ گاہوں میں مخفی ادارے بنائے کہ وادیِ طریقت کلیہ سچا مرشد معرفت تمہاری ہی برابر ہے اس کو تم پر کوئی برتری نہیں۔ مگر اس کا ہر قول و فعل سحر و فسون ہے۔ ہرگز اس کی اتباع میں قدم نہ رکھنا ورنہ مکر و عیاری کے سحر میں پھنس جاؤ گے۔ اور تم خود ہی اہلِ نظر و عقل سمجھدار ہو۔ اُس کی عبادت بناوٹ ہے اس کی ریاضت ملاوٹ ہے اس کی کرامت کراہت ہے اس کا قرب گراوٹ ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اجسامِ کثیف کی یہ طلسماتی کشمکش عالمِ دہر سے جاری ہے اور جاری رہے گی، ہر نفسِ خبیث قوتِ روحانیہ کی اس طرح مخالفت کرتا ہے۔ لہٰذا ہر بندے کو اس سے بچنے کے لیے تین چیزوں پر تفکر و تدبّر سے اپنا محاسبہ کرنا چاہیے۔ پہلی یہ کہ غور کرے کہ میری عبادت قیام اور رکوع سجود سے مجھ میں وہ قوتِ روحانیہ کیوں نہیں آتی جس سے بندہ مقربِ بارگاہ بنتا ہے۔ دوم یہ کہ عبادت سے پہلے اپنے دماغ سے نمرودیت قلب سے فرعونیت اور زبان سے بوجہلیت کو دور کر دے اگر سجدہ کیا مگر اکڑ اسی طرح باقی کہ سچے مسائل بتانے والے علماء سے نفرت کج بحثی۔ قرآن سے فرار۔ احادیث سے بیزاری سنتِ نبی سے کسل مندی بے رغبتی تو ایسے سجدے بھی شرکِ خفی کے ملاوٹ والے ہوتے ہیں۔ ایسے متکبّرانہ مغرورانہ سجود و رکوع میں معرفت کی خوشبو نہیں ہوتی۔ سوم یہ کہ ہر آن غور و فکر رکھے کہ کہیں میرے کسی عمل میں حرام شامل تو نہیں ہو رہا ہے یہی چیزیں ترقی معرفت اور ذخیرۂ آخرت اور منزلِ قربت اور علمی دولت میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ بلکہ یہ حرام غذائیں تو اُخروی زندگی کے لیے زہرِ قاتل ہیں مگر اس کو معمولی سمجھا جاتا ہے اور پرواہ نہیں کی جاتی۔ یہی وجہ ہے کہ موجودہ مسلمان گیارہ نعمتوں سے محروم ہے سعادت، صداقت، شجاعت، لیاقت، کرامت، جرأت، ہمت، عدالت، فضیلت، عزت، مرقت صوفیا فرماتے ہیں کہ یہ گیارہ نعمتیں گیارہ اعمال سے ملتی ہیں، عاجزی سے سعادت ۲ صبر سے صداقت ۳ شکر سے شجاعت ۴ علم سے لیاقت ۵ پابندی سے کرامت ۶ مخالفتِ نفس سے جرأت، ۷ اتباع سے ہمت ۸ اطاعت سے عدالت، ۹ عبادت سے فضیلت ۱۰ خدمت سے عزت ۱۱ محبت سے مرقت ان تمام اعمال کا مجموعہ نماز ہے اس کی ادائیگی عدم ترکِ نماز میں دینی دنیوی نقصان کہ ترکِ فجر سے چہرے کا نور ختم ترکِ ظہر سے برکتِ رزق ختم ترکِ عصر سے تندرستی ختم ترکِ مغرب سے اولاد نافرمان ترکِ عشاء سے راحتِ شب ختم۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

marfat.com

قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ز

انہوں نے کہا میرا رب جان لیتا ہے ہر اس بات کو جو آسمان میں ہو اور زمین میں ہو اور

نبی نے فرمایا میرا رب جانتا ہے آسمانوں اور زمین میں ہر بات کو

وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۴﴾ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ

اور وہ سننے والا ہے جاننے والا ہے ۔ اس کے باوجود کفار نے کہا دیہ وحی) پریشان

سنتا اور جانتا ۔ بلکہ بولے پریشان خوابیں ہیں

اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ ۚۖ فَلْیَاْتِنَا

خوابیں ہی نہیں بلکہ انہوں نے خود بنا لیا ہے اس کو یہ نرے شاعر ہی تو ہیں ورنہ پھر لا دیں ہم کو

بلکہ اُن کی گھڑت ہے بلکہ یہ شاعر ہیں تو ہمارے پاس کوئی

بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۵﴾ مَآ اٰمَنَتْ

ایسا ہی کوئی معجزہ جیسا لائے وہ کہ رسول بنائے گئے پہلے لوگ ۔ نہیں ایمان لائے ان

نشانی لائیں جیسے اگلے بھیجے گئے تھے ۔ ان سے پہلے کوئی

قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۶﴾

سے پہلے اُن بستیوں والے ہلاک کیا تھا ہم نے جن کو تو کیا یہ ایمان لائیں گے بھلا ۔

بستی ایمان نہ لائی جسے ہم نے ہلاک کیا تو کیا یہ ایمان لائیں گے ۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِیْٓ اِلَیْهِمْ

اور کبھی نہیں رسول بنایا ہم نے آپ سے پہلے (زمانوں میں) مگر صرف اُن مردوں کو ہی کہ وحی بھیجتے رہے

اور ہم نے تم سے پہلے نہ بھیجے مگر مرد جنہیں ہم وحی کرتے تو

marfat.com

فَسۡـَٔلُوۡۤا اَهۡلَ الذِّكۡرِ اِنۡ كُنۡتُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ ۝۷

ہم جن کی طرف تو پوچھو تم پڑھے لکھوں سے اگر تم نہیں جانتے۔

اے لوگو علم والوں سے پوچھو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

تعلقات ان آیت مبارکہ کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی اُن گستاخانہ باتوں کا ذکر ہوا جو نبی علیہ السلام کے خلاف تھیں اب ان آیت میں نبی علیہ السلام کی طرف سے جواب ارشاد فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار اللہ تعالیٰ کے کلام پاک اور انبیاء کرام علیہم السلام کی باتوں کو جادوگری کہتے تھے۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ کبھی وہ کفار انبیاء کرام کی باتوں کو پریشان خوابوں اور کبھی شاعری کہتے تھے اور پھر آیتِ الٰہیہ کا مطالبہ بھی کرتے تھے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی بیہودہ لہو و لعب ہنسی مذاق کی باتوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں گزشتہ امتوں کی ہلاکت کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان ہی کفریہ حرکتوں پر کفار ہلاک کئے گئے جواب تم کر رہے ہو تو پھر سوچ لو کہ تمہارا انجام کیا ہونا ہے۔

شانِ نزول حضرت قتادہ تابعی روایت کرتے ہیں ایک دفعہ سردارانِ مکہ حاضر بارگاہِ نبوت ہوئے کہ اگر آپ چاہتے ہیں کہ ہم سب سردارانِ مکہ آپ پر ایمان لے آئیں تو پھر یہ ہمارے چند مطالبے پورے کر دیجئے جن میں ایک مطالبہ یہ تھا کہ وادیٔ مکہ کے اردگرد جو پہاڑ ہیں اُن کو سونے کا بنا دیں۔ تب یہ آیت لے کر حضرت جبریل حاضر بارگاہ ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک علیحدہ پیغام بھی دیا کہ اے پیارے محبوب! اگر آپ چاہتے ہیں تو یہ پہاڑ سونے کے بھی ہو سکتے ہیں لیکن اگر پھر بھی یہ ایمان نہ لائے تو حسب سابق دستورِ الٰہیہ کے مطابق ان کی ہلاکت یقینی ہو جائے گی جو آپ کی رحمتِ عالمینی کو منظور نہ ہوگی۔

تفسیر نحوی قَالَ رَبِّيۡ يَعۡلَمُ الۡقَوۡلَ فِي السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ بَلۡ قَالُوۡۤا اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍۭ بَلِ افۡتَرٰىهُ بَلۡ هُوَ شَاعِرٌ فَلۡيَاۡتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَاۤ اُرۡسِلَ الۡاَوَّلُوۡنَ۔ قَالَ۔ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ ایک قرأت میں قل امر ہے رَبِّیۡ مرکب اضافی مبتدا یَعۡلَمُ۔ باب سَمِعَ فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب علم سے مشتق ہے ہُوَ ضمیر

marfat.com

صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع ہے رَبِّی۔ اَلْقَوْلَ۔ اسم مفرد مصدر جامد (حاصل مصدر) بمعنٰی بات ہر قسم کی بری یا جہری۔ موصوف ہے فِی حرف جر ظرفیہ مکانیہ اَلسَّمَآءِ اسم مفرد جامد معرّف باللّام معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضِ اسم مفرد جامد مؤنث لفظی اس کی تصغیر ہوتی ہے اُرَیْضَۃٌ اَلسَّمَآءِ بھی مؤنث لفظی ہے اس کی تصغیر ہے سُمَیْئَۃٌ خیال رہے کہ عربی زبان میں مؤنث لفظی الفاظ کل تقریباً ستاسی عدد ہیں اور تقریباً سب ہی معنوی مؤنث ہیں اس لیے ان کی تانیث معلوم کرنے کے لیے ان کو مصغّر کرنا پڑتا ہے جس سے اصلیت ظاہر ہوتی ہے کیونکہ تصغیر اصلیت سے ہی ہو سکتی ہے تفصیل کے لیے ہمارا فتاوٰی جلد چہارم (ابھی زیر تصنیف) میں ملاحظہ فرماؤ یا قصیدہ لامام ابن حاجب صاحب کافیہ میں دیکھو اَلْاَرْضِ معطوف دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل کائن کے یہ اسم فاعل با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ (جس کا مرجع قول ہے) اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے اَلْقَوْلَ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے یَعْلَمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ هُوَ اسم ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے رَبِّی مبتدا ہے السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ دونوں اسم صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بروزن فعیلٌ سَمْعٌ اور عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنٰی ہر طرح سے ہمیشہ سننے والا جاننے والا۔ یہ دونوں دو خبریں ہیں هُوَ مبتدا کی ایک قول میں یہ دونوں موصوف صفت ہو کر ایک ہی خبر ہے۔ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے رَبِّی یَعْلَمُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ فعل کا دونوں قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ ایک قرأت میں قُلْ فعل ہے بہرحال دونوں صورتوں میں فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک ہے۔ بَلْ۔ حرف مفرد جامد۔ یہ اپنے مقسم کے اعتبار سے دو قسم کا ہے اور قسیم کے اعتبار سے تین قسم کا ہے۔ پہلی تقسیم میں اس کی قسمیں ۱۔ یہ حرفِ عطف ہے اور ہمیشہ درمیانِ کلام میں آتا ہے اس کے بعد ہمیشہ مفرد عبارت ہوتی ہے اس کا ماقبل معطوف علیہ مابعد معطوف ہوتا ہے اور یہ لیکن کی طرح استدراک کے لیے آتا ہے ۲۔ یہ حرفِ اضراب یہ درمیانِ کلام میں آتا ہے مگر ہمیشہ نہیں اس کے ماقبل اور مابعد جملہ ہی ہوتا ہے مفرد نہیں ہو سکتا اس صورت میں یہ عطف کرتا ہے لیکن اکثر یہ ابتداءِ کلام میں آتا ہے اس لیے عطف نہیں کرتا۔ قرآنِ مجید میں تقریباً اٹھانوے جگہ یہ لفظ ارشاد ہوا ہے اور سب جگہ ہی اضراب کے لیے ہے کیونکہ اس کے بعد ہر جگہ جملہ عبارت ہی ارشاد ہوئی اس کی تین قسمیں ہیں ۱۔ بَلْ اضرابی کا مابعد خود تو سچا اور حقیقی ہو مگر اس سے مقصود کسی کی برائی ہو یہی صورت یہاں ہے پہلے بَلْ قَالُوْا میں ہے یعنی واقعتاً کفار نے قرآن مجید کو پریشان دعوے کہا مگر یہ کہنا برا ہے دوم یہ کہ کبھی یہ بَلْ اضرابی مابعد عبارت کی برائی کے لیے ہوتا ہے اور ماقبل کی تصحیح

marfat.com

مقصود ہوتی ہے سوم یہ کہ ماقبل کی وضاحت کے لئے بَل بولا جائے یہاں دوسرا اور تیسرا بَل اسی قسم کا ہے پہلا بَل مقولہ ربانی ہے اور دوسرا و تیسرا مقولہ کفار ہے۔ پہلا ابتداءِ کلام میں ہے دوسرا جواب معنیٰ ہے کلام کو سختی تاکید سے ثابت کرنا، قَالُوْا فعل با فاعل پوشیدہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اَضْغَاثُ اسم جمع مذکر مکسر اس کا واحد ہے ضِغْثٌ لغوی ترجمہ ہے جھاڑو کی سینک (تنکا) اور یعنی چھوٹے بڑے اچھے برے جھاڑو کے تنکے اصطلاحاً وسوسوں کو اضغاث کہدیتے کہ وہ بھی منتشر خیالات اور اُلٹی پلٹی خوابوں کا مجموعہ ہوتا ہے مضاف ہے اَحْلَامٍ اسم جمع منفرد حُلُم کی جمع بمعنیٰ خواب مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے پوشیدہ تِلْكَ اسم اشارہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ عاطفہ اِفْتَرٰىهُ اِفْتَرٰی بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس میں ضمیر صیغہ هُوَ اس کا فاعل ہے مرجع نبی کریم کی ذاتِ پاک فَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھڑ لینا کسی کی نسبت کر لینا ہُ ضمیر واحد مذکر اور مرجع قرآن مجید مفعول بہ ہے یہ جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ ہوا بَلْ برائے عطف هُوَ مبتدا شَاعِرٌ اسم فاعل واحد مذکر شِعْرٌ سے مشتق بمعنیٰ مقفاً مسجع اور ہم وزن اور باتوں کو نظم یا نثر میں بیان کرنا سچی ہوں یا جھوٹی جب یہ لقب یا صفت بن کر آتا ہے تو جامد ہوتا ہے اور اس کی جمع شعراء ہوتی ہے اور مشتق کی جمع ہے شاعرون مگر یہاں جامد ہے۔ بحالتِ رفع خبر ہے هُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے بَلْ اِفْتَرٰی پر دونوں عطف مل کر اَضْغَاثُ کے جملے پر عطف ہوا سب مل کر مقولہ اول ہوا یا عطف ہے اگلی عبارت فَ حرف جزا اس سے پہلے شرط کا جملہ پوشیدہ ہے اردو میں ایسے جملے کا مخفف ہے ایسا نہیں یَاْتِنَا باب ضرب کا امر حاضر معروف واحد مذکر غائب بالام امر مکسور یا لام تاکید میں اَتٰی سے مشتق ہے بمعنی دنیا آنا لانا۔ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم مفعول بہٖ ہے بِ جارہ اٰیَةٍ نکرہ بمعنی کوئی آیَةٍ اسم مفرد مؤنث لفظی ت آخر کی تانیث یا وحدت کی ہے مجرور ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یَاْتِنَا کا۔ کاف جارہ حرفِ تشبیہ مَا اسم موصول ایک قول میں ما مصدریہ ہے اُرْسِلَ۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب اَلْاَوَّلُوْنَ اسم تفضیل جمع مذکر۔ اس کا واحد اَوَّلُ ہے وَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پہلے والے مراد ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام یہ نائب فاعل ہے اُرْسِلَ کا دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق دوم ہے یَاْتِنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے شرطِ مستتر کی دونوں مل کر مقولہ دوم ہوا قَالُوْا کا سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا ۚ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ مَآ اٰمَنَتْ بابِ اِفعال کا فعل ماضی

marfat.com

مطلق منفی واحد مؤنث غائب قَبْلَ اسم ظرفِ زمانی مضاف ھُمْ ضمیر مجرور متصل کا مرجع کفارِ مکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف ہے مَا اٰمَنَتْ کا مِنْ قَرْیَۃٍ۔ مِنْ حرفِ جر زائدہ تاکید کے لیے قَرْیَۃٍ اسم مونث لفظی آخر کی تَ تانیث کی اور تنوین (دو زیر) تنکیری ہے لفظاً مجرور ہے مِنْ کی وجہ سے لیکن محلاً مرفوع ہے فاعل ہونے کی وجہ سے اس لیے ظاہراً یہ جار مجرور متعلق ہے مگر حقیقتاً فاعل ہے موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ اَھْلَکْنٰا۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق جمع متکلم بمعنیٰ واحد متکلم کیونکہ مرجع ذاتِ واحد لاشریک لہٗ اللہ تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے۔ اِھْلَاکٌ ھَلَاکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فنا کرنا ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مجرور متصل مرجع ہے قریۃ مفعول بہ ہے اَھْلَکْنٰا فعل با فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی قریۃ کی اس لیے اس جملے کے بھی دو اعراب ہیں ۱ لفظاً مجرور ۲ محلاً مرفوع یہ مرکب توصیفی فاعل اور متعلق ہوا اٰمَنَتْ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَفَ۔ دراصل تھا فَ اَ۔ فَ حرفِ عطف تاکید کے لیے اَ ہمزہ سوال انکاری کے لیے یعنی ایسا نہیں ہوا اس تقدم و تاخر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اہلِ قریہ ہیں یُؤْمِنُوْنَ بابِ افعال کا فعل مضارع مثبت استفہامی (سوال انکاری) اِس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اٰمَنَتْ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ مَا اَرْسَلْنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم منفی فاعل پوشیدہ قَبْلَكَ مرکبِ اضافی ظرف ہے رِجَالًا اسم جمع مکسر منصرف نکرہ مستثنیٰ مفرغ ہے اِلَّا حرفِ استثنا کی وجہ سے اس کا مستثنیٰ منہ اَحَدًا۔ مذکور نہیں پوشیدہ ہے رِجَالًا اپنے پوشیدہ مستثنیٰ منہ سے مل کر مفعول بہ ہے۔ مگر پہلے رِجَالًا موصوف ہے۔ نُوْحِیْ بابِ افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم۔ ایک قرأت میں یُوْحٰی اسی باب کا مضارع مجہول واحد مذکر وَحْیٌ سے مشتق ہے وحی کا لغوی ترجمہ ہے اللہ تعالیٰ کا خفیہ پیغام اصطلاحی ترجمہ ہے انبیاء کرام علیہم السلام پر کلامِ الٰہی کا نزول اس کی بہت سی قسمیں ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیں گی اِلَیْھِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے نُوْحِیْ کا ھِمْ کا مرجع رِجَالًا ہے نُوْحِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے رِجَالًا کی یہ مرکب توصیفی مستثنیٰ ہے پوشیدہ کا دونوں مل کر مفعول بہ اَرْسَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ جزائیہ۔ اِسْئَلُوْا بابِ فتح کا امر حاضر معروف جمع مذکر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے اہلِ مکہ اَھْلَ اسم نسبتی بمعنیٰ والا مضاف ہے۔ اَلذِّکْرِ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ یادداشت۔ علم، معلومات۔ مراد ہے پڑھے لکھے تاریخ دان لوگ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فَسْئَلُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدم

marfat.com

ہوئی اس تقدم سے پوچھنے کی تاکید کا فائدہ ہوا اِنْ حرف شرط کُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی جمع مذکر حاضر اس کا اسم پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مرجع اہل مکہ لَا تَعْلَمُوْنَ باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بلا جمع مذکر حاضر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ ہے مرجع اہلِ مکہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ قٰلَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ بَلْ قَالُوْٓا اَضْغَاثُ اَحْلَامٍ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْیَاْتِنَا بِاٰیَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ۔ پیارے نبی مکرم نے فرمایا کہ میرا رب تعالیٰ ہر شخص کے ہر قول فعل کو ہر طرح جانتا ہے بولنے والا خواہ آسمانوں کی بلندیوں میں ہو یا زمین کی پستیوں میں شرقاً غرباً ہو یا شمالاً جنوباً غاروں میں ہو یا صحراؤں میں خفیہ محفلوں میں ہو یا آہستہ سرگوشی کے راز و نیاز میں اَسَرُّوا ہو یا نجویٰ مرفقہی نہیں وہ ہر زبان کی سننے والا ہے اور ہر دل کی جاننے والا۔ کیا یہ کافر سمجھتے ہیں کہ ان کی خفیہ مجلسیں آہستہ باتیں بیہودہ گفتگو الزام تراشیاں اسلام و قرآن کے خلاف منصوبہ بندیاں۔ اللہ رسول سے چھپی رہیں گی کفارِ مکہ نے اپنی خفیہ مجلسوں میں جو سرگوشیاں کیں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو سب کچھ بتا دیا کفارِ مکہ اسلام سے روکنے کے لیے پانچ باتیں کرتے تھے۔ یہی باتیں اُن کے اَسَرُّوا کا مقصد اور نجوی کا خلاصہ ہوتا تھا۔ اوّلاً کہتے تھے کہ یہ تو تمہاری طرح کا ایک بندہ بشر ہے۔ ثانیاً۔ یہ معجزات اور عجیب باتیں یہ سب کھلا جادو ہے ۳ اس کا فصیحانہ کلام جس کو یہ قرآن کہتا ہے وہ رات کو سوتے کی پریشان خوابیں اضغاث و احلام ہیں جس نے اِس کے دماغ کو پریشان اور دیوانہ کر دیا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ رب کی طرف سے ہے حالانکہ اَحلام تو شیطان کی طرف سے ہوتی ہیں وہی نیند کی خواب میں اضغاث پھیلاتا ہے اور پیدا کرتا ہے جس سے خواب احلام بن جاتی ہے۔ چہارم یہ کہ اس کا دعویٰ نبوت محض افتریٰ اور کذب بیانی ہے۔ پنجم یہ کہ اس کے کلام کی یہ فصاحت بلاغت جاذبیت مٹھاس اور لذت یہ سب شاعرانہ بناوٹ اور ہنرمندی ہے یہ بہت بڑا شاعر ہے۔ بھلا کبھی ان باتوں سے نبوت ثابت ہوتی ہے یہ باتیں تو ہمارے دوسرے شاعروں میں بھی ہیں۔ ہاں اگر یہ واقعی سچا نبی ہے اور اُس کا یہ قرآن بقول اُس کے اللہ کا کلام ہے تو فَلْیَاْتِنَا ہماری مطلوبہ نشانیاں ہمارے پاس لے آئے۔ جس طرح اللہ کے پہلے بھیجے گئے رسول اُمت کے مطلوبہ معجزات لاتے تھے۔ کیا شان تھی اُن کی واہ واہ جس قوم نے اُن سے جو مانگا انہوں نے فوراً لا دکھایا۔ کسی نے اونٹنی مانگی تو فوراً نکال دی۔ کوئی عصا لے کر آ رہا ہے دریا پھاڑ رہا ہے پار نکل رہا

marfat.com

ہے۔ پتھر پر مارتا ہے بارہ بارہ چشمے نکالتا ہے ہزاروں کی پیاس بجھاتا ہے۔ کوئی آتا ہے تو کوڑھیوں کو اچھا، اندھوں کو بینا بیماروں کو تندرست مُردوں کو زندہ کرتا چلا آرہا ہے یہ ہوئی نہ نبوت اور اس کا ہزاروں کو فائدے سچے نبی تو اس طرح اپنی قوم کی خواہش پوری کرتے اور مطالبے مانتے ہیں یہ نبی کیسا ہے کہ اب تک ہمارا ایک مطالبہ بھی پورا نہیں کیا۔ ہم نے مکے میں پانی کے چشمے بہا دینے۔ باغ لگا دینے غنچے کھلا دینے۔ کوہ صفا کو سونے کا بنا دینے کا کہا مگر نہیں کر سکا۔ بہت کیا تو اپنے جادو سے چاند توڑ دیا، پتھروں سے اپنے کلمے پڑھوا دئے۔ ہمارے بتوں سے اپنی گواہی دلوا دی۔ ہمیں اس سے کیا فائدہ۔ ہم تو تب اِس کے قرآن کو کلامُ اللہ اس کے اسلام کو دینُ اللہ اور اس کے دعوئے نبوت کو سچا مانیںگے اور جب ایمان لائیں گے جب ہمارے مطلوبہ معجزے دکھائے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہاں تین جگہ لفظ بل آیا ہے اور تینوں جگہ ابطال کے لیے ہے۔ خیال رہے کہ بَل تین معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے ۱ استدراک کے لیے ۲ انتقال کے لیے ۳ اِبطال کے لیے۔ استدراک کا معنیٰ ہے کثرت وزیادتی یعنی ایسا بھی ہے بلکہ ایسا بھی ہے۔ انتقال کا معنیٰ ہے منتقل ہونا یعنی ایسا ہے بلکہ ایسا ہے۔ یا اس اعتبار سے ایسا ہے بلکہ اِس اعتبار سے ایسا ہے۔ اور ابطال کا معنیٰ ہے کہ پہلے معنیٰ کی نفی کرکے دوسرے معنیٰ مراد لینا۔ ابطال کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اپنے ہی کلام کی نفی کی جائے دوم یہ کہ کسی کے پہلے کلام کی نفی کی جائے۔ لفظ بَل اِن تمام قسموں میں قرآنِ مجید کی مختلف آیت میں مستعمل ہے۔ یہاں بھی تینوں طرح استعمال ہو سکتا ہے۔ ہماری بیان کردہ پہلی تفسیر میں بَل انتقال کے لیے ہے۔ یعنی یہ مدعیِ نبوت خود تو یہ کہتا ہے مگر ہم نہیں مانتے بلکہ اس کی وحی اضغاثِ احلام ہے بلکہ اس کا دعویٰ نبوت افترا ہے۔ بلکہ اس کا کلام شاعرانہ ہے [illegible] ہے۔ [illegible] بلکہ وہ شاعر ہے اس کی باتیں کلامُ اللہ نہیں بلکہ اضغاث ہیں [illegible] کے دعوے سچے نہیں افترائی ہیں۔ جن مفسرین نے یہاں بَل برائے اِبطال مانا ہے وہ فرماتے ہیں کہ اِن آیت میں کفار کی پریشانی کا نقشہ کھینچا ہے کہ کبھی کہتے ہیں کہ اس کا ہر کام جادوگری ہے پھر خود ہی نفی کرکے کہتے ہیں کہ نہیں بلکہ اضغاثِ احلام ہے پھر کہتے ہیں یہ بھی نہیں بلکہ افترا ہے پھر کہتے ہیں یہ بھی نہیں بلکہ یہ شاعر ہے جس کی حقیقت کچھ نہیں صرف اپنی شاعرانہ ہنرکاری سے لوگوں کو مرعوب کیا ہوا ہے یہ ہی تمام شاعروں کا ہنر اور فنِ شاعری کا کمال اور اشعار کی خصوصیت ہوتی ہے اور جن مفسرین نے یہاں بَل بمعنیٰ استدراک لیا ہے وہ بھی کفار کی بدحواسی کو ثابت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کفار دن بدن شانِ اسلام کی ترقی سے گھبرا کر پریشان ہوتے تھے تو اپنی

marfat.com

اَسَرُّوا النَّجْوَى محفلوں میں یا تو سب یک زبان ہو کر یا اپنی اپنی بات کرتے ہوئے کہتے تھے کہ یہ مدعیِ نبوت تمہاری ہی مشابہت کا ایک معمولی بندہ بشر ہے۔ اس کو پریشانی کی خوابیں آتی ہیں جادوگر اور شاعر بھی ہے ان چیزوں نے اس کے مزاج میں جنون پیدا کر دیا ہے بلکہ کئی باتوں میں اِفتریٰ باندھتا ہے کفار اپنی بدحواسی سے یہ متضاد باتیں ایک ہی شخصیت میں جمع کر دیتے تھے حالانکہ یہ مختلف کیفیات ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتیں کیونکہ عام معمولی آدمی جادوگر نہیں ہو سکتا جادوگری کی اپنی ایک قوت لیاقت ہوتی ہے۔ اور اَضغاث و اَحلام والا مجنون ہوتا ہے جس میں کوئی لیاقت و عقل نہیں ہو سکتی پاگل و مجنوں شاعر بھی نہیں ہو سکتا۔ اور شاعر پاگل نہیں ہو سکتا۔ اِفتریٰ کرنے والا انتہائی چالاک ہوتا ہے چالاکی کے لیے بھی عقل و خرد کی ضرورت ہے۔ خیال رہے کہ خواب کی تین قسمیں ہیں ۱ مَنام ۲ اَحلام ۳ رویا۔ منام وہ خواب جو خود بخود ہر شخص کو آتی ہے خوش کن بھی ہوتی ہے پریشان کن بھی۔ اَحلام وہ جو دنیوی اُلجھنوں پریشانیوں یا روزمرہ کی عادتوں کی وجہ سے آجاتی ہیں۔ رویا وہ خواب جو نیک آدمیوں کو اُن کے تقوے طہارت یا ان کے وظیفوں استخاروں کی وجہ سے آتی ہیں۔ بشارت کے لیے یا اِنذارت یا اشارت کے لیے ایسی ہی خوابوں کو نبوت کا چالیسواں حصہ فرمایا گیا۔ اسی کو وحیِ الہامی بھی کہا جاتا ہے یہ خوابیں اشارۂ ربانی ہوتی ہیں یہ کسی خاص مقصد کے لیے رب کی طرف سے ہوتی ہیں۔ پہلی قسم کی خوابیں عام انسانوں کے علاوہ جانوروں کو بھی آجاتی ہیں یہ فطرتِ حیوانی کی وجہ سے ہیں۔ جانوروں کی خوابوں کا مشاہدہ علم الحیوان والوں کے تجربے سے ثابت ہے۔ دوسری قسم کی خوابیں اپنی حرکتوں یا شیطان کی طرف سے محض پریشان کرنے ڈرانے کے لیے ہوتی ہیں۔ ان خوابوں کی کثرت سے بندے کو تین طرح کا نقصان ہوتا ہے۔ یا خبطی یا شکی یا پاگل ہو جاتا ہے۔ ان ہی خوابوں کو احلام اور اضغاث کہا جاتا ہے۔ کفارِ مکہ۔ قرآن کریم کو اضغاث کہتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو احلام کہتے تھے۔ یعنی یہ کلام اور دعویٰ سب اضغاثِ احلام اور پریشان کن خوابیں ہیں جنہوں نے ان کو خبطی بنا دیا ہے (معاذ اللہ) اور اپنی نبوت کا ان پر خبط سوار ہو گیا ہے ان کے نزدیک سچی نبوت کی فقط ایک ہی دلیل تھی کہ فَلْيَأْتِنَا۔ ہمارے مطالبے کے معجزے لائے اور دکھائے تب ایمان لائیں گے۔ اگلی آیت ان کی ہی تردید فرما رہی ہے کہ مَا اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ اے محبوبِ کل یہ کفارِ مکہ عقل کے کچے اور ضد کے پکے اب جو فَلْيَأْتِنَا کے دعوے اور ایمان لانے کے وعدے کرتے ہوئے انبیاء سابقین سے اُن کی قوموں کے مطلوبہ

marfat.com

معجزوں کا ذکر کر رہے ہیں اور اپنے نئے مشیروں عیسائیوں یہودیوں سے سن سنا کر فضول اور نقصان دہ مطالبے کر رہے ہیں ذرا اپنے مشیرانِ مفسدین تخریب کاروں سے یہ بھی معلوم کریں کہ وہ قومیں پھر کیوں ایمان نہ لائیں تھیں اور وعدہ خلافی کرتے ہوئے جب وہ لوگ پھر کافر ہی رہے تھے تو ان کا انجام کیا ہوا تھا یہی کہ ہم نے اُن سب کو یعنی بستی اور اہلِ بستی کو ہلاک کر دیا تھا۔ اُجڑی بستی کے کھنڈرات ہی نشانِ عبرت رہ گئے تھے جو آج تک موجود ہیں۔ ۲ اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ تو کیا اب یہ کفارِ مکہ مطلوبہ معجزات و آیات مل جانے پر اپنا وعدہ ایمانی پورا کریں گے اور کفر شرک چھوڑ کر اللہ رسول پر ایمان لائیں گے۔ ہرگز نہیں کیونکہ یہ تو بغض عداوت مخالفت عناد دشمنی سرکشی میں پہلی قوموں سے بھی زیادہ بد بخت و بدتر ہیں۔ یہ مطلوبہ معجزات پورے کر دینے کچھ مشکل نہیں۔ انبیاءِ کرام کے پاس تو خداداد بہت قوتیں ہوتی ہیں وہ اپنے رب کی اجازت سے بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ مگر بات تو اُن کے ایمان لانے کی ہے۔ اگر سابقہ اُمتوں کی طرح یہ بھی ایمان نہ لائے تو ان کو بھی ہلاک کر دیا جائے گا۔ روایت ہے کہ جب کفار نے یہ اپنے مطلوبہ معجزات مانگے تو جبریل امین علیہ السّلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسُول اللہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے حبیب اگر تم چاہو تو یہ معجزات بھی کر دکھاؤ لیکن یہ ازلی بد بخت پھر بھی ایمان نہ لائیں گے ہم ویسا ہی کر دیں گے جیسا تم چاہو گے۔ اور یہ ایمان نہ لائے تو ہمارے قانونِ ازلیہ قدیمیہ کے مطابق ہلاک کر دئے جائیں گے۔ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اُن کی ہلاکت نہیں چاہتا۔ اِن کی حماقت کی کیا ہے یہ تو جسم کے اَحمق ہیں۔ رہا اِن کفار کا یہ کہنا کہ یہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ، ہی ہے لہٰذا یہ رسول نہیں ہو سکتا۔ یہ استدلال بھی غلط ہے بشر ضرور ہے مگر مِثْلُكُمْ اور اِن جیسا عام کمزور معمولی انسان نہیں ہے پوری کائناتِ مخلوق کے اختیار و قوت و صفات والا ہے۔ اے نبی انہیں یہ بتا دو کہ آپ سے پہلے ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے جن کا تذکرہ یہ یہود و نصاریٰ سے سُن چکے اور جن کے سچّا رسول نبی ہونے کے یہ اقراری ہو رہے ہیں۔ وہ سب کے سب آپ کی طرح قوتوں طاقتوں والے مرد ہی تھے اور مرد بشر ہی ہوتا ہے نہ فرشتہ نہ جن نہ عورت ہم انسانی بشری مردوں کو ہی ہمیشہ نبی بناتے رہے اور اُن کی طرف ہی وحی کرتے رہے۔ ان کا پیغام، کلام تبلیغِ احکام۔ قانون شریعت سب کچھ ہماری طرف سے وحی تھی نہ وہ جادو یا اضغاثِ اَحلام یا افتریٰ یا شاعری تھی نہ یہ۔ ہمارے اِس محبوب نبی کے پاس بھی وحیِ الٰہی ہی ہے وحی الٰہی کی گیارہ قسمیں ہیں ۱ وحیِ جلی لسانی ۲ وحیِ خفی لسانی ۳ وحیِ الہامی مناِمی ۴ وحیِ الہامی اِلقائی ۵ وحیِ الہامی ہدایتِ عقلی ۶ وحیِ تکلم ۷ وحیِ مکتوبی ۸ وحیِ قدسی ۹ وحیِ لاسلکی فی ۱۰ وحیِ سیِّری ۱۱ وحیِ صوتی۔ اگر تم اس حقیقت کو ہمارے نبی اور اُن کے صحابہ کی زبانی نہیں مانتے

marfat.com

تو فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اُن توریت زبور انجیل والے اَصل کتاب یہودیوں عیسائیوں سے پوچھ لو جو اِن کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے ذکر کرتے مانتے والے ہیں اور خاص فقط تمہارے اِس نبی کی عداوت میں تم سے دوستی کرتے بیہودہ مشورے دیتے اور غلط پٹیاں پڑھاتے والے ہیں اور تم بھی صرف عداوتِ نبی میں اُن کی اُلفت کا دم بھر رہے ہو اُن پر اعتماد کرتے ہو اُن سے مشورے لیتے ہو حالانکہ تمہارا اور ان کا دین جدا وہ تمہارے دین کے دشمن تم ان کے دین کے دشمن اور كَمَا اُرْسِلَ الْمُرْسَلُوْنَ ۔ کہنے کے باوجود تم پھر بھی انبیاءِ کرام پر ایمان نہیں لاتے۔ تمہاری بدنیتی کا تو اسی زبانی تعریفوں قلبی اِنکاروں سے اندازہ ہو رہا ہے۔ کل تک جس نبی کو تم امین اور صادِقُ الْوَعد یتیم پرور قول کا سچا اور صحیح کہتے تھے آج اگر اُس کی بات پر یقین نہیں رہا تو پھر اُنہی ذکر والوں سے پوچھ لو وہ ہزار قسم کے بددین اور جھوٹے سہی مگر تمہارے اِس سوال کا جواب مجبوراً یہی دینگے کہ وہ سابقہ تمام انبیاء اور كَمَا اُرْسِلَ الْمُرْسَلُوْنَ ۔ سب رسول انسانی بشر مرد ہی تھے۔ ہرگز نہ کہیں گے کہ ہمارے موسیٰ عیسیٰ داؤد ابراہیم صالح وغیرھم جن یا فرشتہ یا عورتیں تھیں۔ یہ فَاسْئَلُوْا کا حکم بھی اسی لیے دیا جا رہا ہے کہ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ اگر تم اتنی فطرتی اور آسان عام فہم بات بھی نہیں جانتے اور تمہاری عقل وشعور فہم وفراست یہ بھی نہیں سمجھ پاتی کہ نبی کا بشر ہونا ایک لازمی اور فطری امر ہے کیونکہ نبی انسانوں اور بشروں کو ہی سمجھانے سکھانے اور بندہ بنانے کے لیے آتے ہیں اور بشر ہی بشر کو زندگی کا پورا معاشرہ عملاً وقولاً سمجھا سکھا سکتا ہے۔ ہاں اَلْبَتَّہ تمہارا مِثْلُکُمْ کہنا یا اپنی جیسا سمجھنا یہ تمہاری بدعقلی کفر یہ گستاخی اور حقیقت کے خلاف غلط بیانی ہے۔ اس لیے کہ انبیاءِ کرام اپنی صفاتِ حمیدہ میں فرشتوں سے بھی مَافَوْقَ الْفِطْرَۃ شخصیات ہوتے ہیں واللہ اعلم بالصواب۔ فقط اللہ تعالیٰ ہی اُن کی حقیقت کو صحیح درست جاننے والا ہے سب سے زیادہ۔ اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اَقوال۔ قَالَ میں دو قول ہیں ۱ یہ قَالَ فعل ماضی ہے جملہ خبریہ یہی مشہور وجمہور قول ہے ۲ یہ قُلْ فعل امر ہے ہے اور عبارت جملہ انشائیہ ہے یَسْمَعُ ' یَعْلَمُ ' ہیں تین قول ہیں ۱ سننے والا ہر زبان کی جاننے والا ہر نیت کو ۲ سننے والا کفار کے کفریات کو جاننے والا ہے اپنے محبوب کی صداقت کو ۳ سننے والا ہے سب کی اور جاننے والا ہے سب کو۔ قَالُوْا میں چار قول ہیں ۱ سب کفار نے یہ سب باتیں کیں کیونکہ وہ سب خود اُلجھن میں تھے اور یہ اُلجھن ہی اُن کی جہالت کی دلیل تھی۔ کہ ہم اس نبی کو کیا کہیں اس لیے کبھی کچھ کہتے کبھی کچھ ۲ مختلف کفار نے یہ مختلف باتیں کیں ۳ یہ باتیں ایک ہی مجلس میں بطریقہ اَسَرُّوا النَّجْوٰی کہیں ۴ مختلف مجالس کی باتیں قَرْيَةٍ میں تین قول ہیں ۱ بستی اور بستی والوں کو ہلاک کر دیا کہ بستی اور

marfat.com

علاقہ کو بھی توڑ پھوڑ کر کھنڈر بنا دیا اور اشخاص کو مُردہ کر دیا ۲ صرف بستی والوں کو ہلاک کیا ۳ بستی کو تباہ اور بستی والوں کو ذلیل قیدی بنا دیا۔ یا دربدر غریبُ الحال کر دیا۔ جیسے کہ بنی اسرائیل سے بُخت نصر بادشاہ نے۔ اَھلَ الذِّکرِ۔ میں دو قول ہیں ۱ یہود و نصارٰی کے پڑھے لکھے اہل کتاب مراد ہیں ۲ اہل ذکر سے مومن صحابہ مراد ہیں۔ چنانچہ روایت ہے کہ مولیٰ علی سے کسی نے پوچھا کہ اہل ذکر ہے کون لوگ مراد ہیں تو آپ نے فرمایا نَحنُ اَھلُ الذِّکرِ۔ یعنی ہم (صحابہ و اہل بیت) اہل ذکر ہیں۔ مگر یہ قول ضعیف ہے اس لیے کہ کفار مکہ تو صحابہ پر اعتماد ہی نہ کرتے تھے تو اُن سے پوچھنے کا حکم بیکار تھا۔ اُس وقت تو کفار مکہ کو یہود و نصارٰی سے اندھی اُلفت تھی ہر بات ان سے پوچھ کر کرتے ان کی ہی مانتے تھے۔ اس لیے پہلا قول درست ہے۔ مولیٰ علی کا فرمانا کہ ہم اہل ذکر یہ کسی دوسرے موقعہ کی روایت ہے۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ ذاتی طور پر قدیمی ازلی سمیع و علیم ہے۔ لیکن عطائی طور پر رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہر وقت ہر طرح کا سمیع و علیم بنا دیا ہے کہ کفار کی وہ خفیہ باتیں بھی رب نے محبوب کو وحی خفی و جلی سے بتا دیں جو وہ آزمائشی طریقے پر اَسَرُّوا النَّجوٰی سے کرتے تھے۔ کہ دیکھیں ہماری خفیہ سرگوشیوں کا پتہ اِس مدعیِ نبوت کو لگتا ہے یا نہیں۔ یہ فائدہ اَسَرُّوا النَّجوٰی کی آیت اور اُس کے بعد یہاں قَالَ رَبِّی فرمانے سے حاصل ہوا۔ میں کہتا ہوں کہ یہ تو میرے آقا محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی شانیں اور حیاتِ طیبہ کی کیفیات ہیں۔ میرے رب کریم جَلَّ وعلیٰ نے تو ہر نمازی سے تاقیامت اِنتہائی خفیہ حاضر و مخاطب کے صیغے سے اَلسَّلامُ عَلَیکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ کے سلام پڑھوا کر واضح ثابت فرما دیا کہ ہمارا حبیب بعد وصال بھی ہر نمازی کے انتہائی آہستہ اَسَرُّوا النَّجوٰی۔ والے سلام کا بذاتِ خود سمیع و علیم ہے

دوسرا فائدہ۔ غلط جھوٹے اور فسادی آدمی کی بڑی نشانی یہ ہے کہ اُس کو خود اندرونی نفسیاتی طور پر اپنی بات کا اعتبار و اعتماد نہیں ہوتا نہ اُس کی یادداشت درست رہتی ہے۔ جیسا کہ فارسی کا مقولہ ہے۔ دروغ گورا حافظہ نہ باشد۔ یعنی جھوٹے کا حافظ نہیں ہوتا یہ فائدہ قَالُوا بَل اَضغَاثُ اَحلَامٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ جب کہ لفظ بَل کو برائے اِبطال لیا جائے یہ بدل بدل کر کفار کا اوندھے اُلٹے بناوٹی اِلزام لگانا اِسی کذب بیانی اور بدحواسی کی وجہ سے تھا۔ تیسرا فائدہ۔ افترٰی اور شاعری میں فرق یہ ہے کہ اِفترٰی جھوٹے کلام کو کہتے ہیں جس کا تعلق متکلم کی زبان سے ہے اور شعر کلام مؤثر کو کہتے ہیں جس کا تعلق سننے والے کے ذہن سے ہوتا ہے اِفترٰی کا مقصد اپنی بات منوانا ہے اور شعر و شاعری کا مقصد دلوں میں اثر

marfat.com

ڈالنا ہوتا ہے۔ افترا میں کذب اور تحقیر و غلط بیانی ہوتی ہے۔ مگر شعر میں رغبت، رہبت۔ شوق۔ سرور اور حزن و تعظیم ہوتی ہے افترا کی چار قسمیں ۱۔ اصل میں کذب ۲۔ نقل میں کذب ۳۔ ارادے میں کذب ۴۔ بلا ارادہ کذب۔ شعر کی بھی چار قسمیں ۱۔ غزل ۲۔ ہجو برائی ۳۔ مرثیہ تعزیت ۴۔ حمد و نعت (تفسیر مظہری) افترا علم رقیق ہے اور شاعری علم دقیق ہے یہ فائدہ بل افترٰی اور بل ھو شاعر، علیحدہ علیحدہ کہنے سے حاصل ہوا کفار کا اس طرح دو باتیں کہنے سے مقصد ایک طرح کا الزام لگانا تھا کہ اُن کے نزدیک افترا سے مراد صرف عامیانہ بولی کا جھوٹ تھا اور شاعر سے مراد بناسجا کر عیاری مکاری سے منفا مسجع جھوٹ بولنا تھا۔

چوتھا فائدہ۔ لفظِ رَجُلٌ و رِجال انسانی مذکر مردوں کو کہا جاتا ہے نہ کہ ملائکہ یا جنات یا عورتوں کو یہ فائدہ یہاں مطلقاً رِجَالًا نُّوۡحِیۡۤ الخ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام ہمیشہ مکمل قوت و طاقت بہادری اور اعلیٰ حسب نسب خاندان والے ہی ہوئے ہیں۔ ریختہ تو م یا کمزور بزدل لوگوں کو نبی رسول نہیں بنایا جاتا۔ لفظِ رجال میں تین قسم کی قوتوں کا اظہار ہے ۱۔ قوتِ جسمانی ۲۔ قوتِ روحانی و قلبی ۳۔ قوتِ خاندانی۔ سورۃ جن کی آیت ۶ میں بِرِجَالٍ مِّنَ الۡجِنِّ کے تین جواب دئے گئے ہیں ۱۔ یہ کہ یہ جنات کا قول نقل کیا گیا ہے کہ اُس نفرٌ مِّنَ الۡجِنِّ نے اپنے جنوں کو بھی رجال کہہ دیا۔ دوم یہ کہ یہاں رِجال سے مراد صرف مذکر ہونے کا اشارہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں مذکر انسان بحالتِ سفر۔ مذکر جنات سے پناہ پکڑتے تھے۔ نہ کہ عورتیں بچے۔ جنات کی عورتوں بچوں سے جواب سوم یہ کہ لفظ رَجُلٌ اور رِجَال جب مطلقاً ہوگا تو انسان مرد ہی مراد ہوگا اور جب کسی غیر کا ارادہ ہو تو لفظِ رِجال یا رجل کے ساتھ اس کا تذکرہ مقید کیا جائے گا تب وہ غیر مراد ہوگا۔ وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔

احکامُ القرآن

اِن آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** خوابیں اگرچہ تین قسم کی ہوتی ہیں۔ منام۔ اَحلام۔ رویا۔ مگر عام لوگوں کو اس کا پتہ نہیں لگ سکتا کہ کونسی خواب کسی حیثیت کی ہے اسی لیے فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ کسی بھی خواب کو کبھی برا نہ کہنا چاہیے اگرچہ کتنی ہی ڈراؤنی یا پریشان کُن ہو۔ نہ ہی کسی خواب کا کوئی معنیٰ مقصد اور تعبیر خود نکالنی چاہیے۔ بلکہ ہر کسی عام شخص کے سامنے بیان ہی نہ کرنی چاہیے۔ صرف علمِ تعبیر رکھنے والوں کو خواب سنانی چاہیے وہ ہی بتا سکتا ہے کہ یہ خواب منام ہے یا اَحلام ہے یا رُویا خوابِ رویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت یا ندامت ہوتی ہے اور خوابِ احلام شیطان کی طرف سے۔ یہ مسئلہ اَضۡغَاثُ اَحۡلَامٍ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ عاملین بزرگ حضرات پریشان کُن خوابوں

marfat.com

سے بچنے کے چند عمل بتاتے ہیں وہ جب خواب میں ڈر یا پریشانی آئے اور آنکھ کھُلے تو ایک مرتبہ لَا حَوْلَ وَ لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ پڑھ کر اُسی کروٹ تھتکار دے۔ پھر کروٹ بدل کر لیٹ جائے انشاءاللہ تعالیٰ اُس خواب کا اثر زائل ہو جائے گا۔ اور یہ خواب کسی سے بیان نہ کرے ۔۲ پریشانی کی خوابوں سے مستقل بچنے کے لیے یہ عمل مجرّب ہے کہ روزانہ سونے سے پہلے باوضو سورۃ کوثر ایک ہزار بار پڑھے اول آخر درود شریف گیارہ بار درود ابراہیمی نہ پڑھے کیونکہ وہ صرف نماز کیلئے ہے جیسا کہ مسلم کی حدیث پاک سے ثابت نماز کے علاوہ منع ہے یہ عمل چالیس دن کرے۔ دوسرا مسئلہ تقلید کرنا رب تعالیٰ کا حکم ہے لہٰذا اچھا اور ضروری ہے۔ خاص کر ائمہ مجتہدین کی تقلید۔ تو واجب ہے یہ مسئلہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ جس چیز کا پتہ نہ ہو اُس کو نہ تو چھوڑ دو۔ اور نہ اپنے اندازے تخمینے لگاؤ بلکہ اہلِ ذکر یعنی اہلِ علم و معلومات سے پوچھ لو مسلمانوں میں اہلِ ذکر صحابہ کرام تابعین مجتہدین فقہا ہیں۔ کسی نے امام اعظم سے پوچھا کہ اہل ذکر کون لوگ ہیں آپ نے جواباً فرمایا۔ اس زمانے میں اہل ذکر امام جعفر صادق ہیں۔ تیسرا مسئلہ۔ اسلامی شریعت کے قانون سے جن واقعات و مقامات کی خبریں کثرت اقوال و اطلاع کا تواتر پایا جائے تو وہ موجب علم و یقین ہوگا اگرچہ یہ اطلاعات اور خبریں کفار کی زبان سے ہوں یعنی کفار کی اس قسم کی خبر بھی مانی جائے گی یہ مسئلہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ کفار کو اہل ذکر فرمایا اور ان کی واقعاتی مقاماتی خبر و اطلاع کو معتبر قرار دیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا۔ یَعْلَمُ السِّرَّ اس لیے کہ پہلے فرمایا وَاَسَرُّوا النَّجْوَی۔ جیسا کہ سورۃ فرقان آیت ۶ میں ہے۔ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ وہاں سِرّ ہے تو یہاں بھی سِرّ چاہیئے تھا جواب سورۃ فرقان میں اور یہاں دو طرح فرق ہے اس لیے وہاں سِرّ کہنا درست ہے اور یہاں قول کہنا درست ہے۔ پہلا فرق یہ کہ سورۃ فرقان میں مطلقاً ذاتِ باری تعالیٰ کا وصف بیان فرمایا گیا جس طرح کہ رب تعالیٰ کی شان علام الغیوب اور عالم الغیب ہے اسی طرح یَعْلَمُ السِّرَّ بھی ایک شان بیان فرمائی گئی۔ مگر یہاں خاص اُن کفار کے اَسَرُّوا النَّجْوٰی کو جاننے کا ذکر ہے اور چونکہ اَسَرُّوا النَّجْوٰی قول ہی تھا اس لیے یہاں یَعْلَمُ الْقَوْلَ فرمانا عین درست ہے دوسرا فرق یہ کہ یَعْلَمُ السِّرَّ علم کی تاکید ہے اور یَعْلَمُ الْقَوْلَ میں زیادہ تاکید ہے اس لیے کہ جو یَعْلَمُ السِّرَّ کی شان والا ہو وہ قول کو بدرجہ اولیٰ جانتا ہے۔ نیز قول عام ہے سِرّی و جہری کو۔ دوسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ فرمایا گیا وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ سَمِیْع

marfat.com

کو پہلے بیان فرمایا گیا علیم کو بعد میں علیم کو پہلے ذکر کرنا چاہیئے تھا کیونکہ علم الٰہی قدیم ہے سماعت حادث ہے قدیم کا پہلے ہونا ضروری ہے جواب یہ اعتراض غلط ہے اس لیے کہ باعتبار صفت بالقوۃ کے تو دونوں ہی قدیم ہیں علم بھی سماعت بھی لیکن صفت بالفعل کے اعتبار سے معلوم و مسموع کی بنا پر دونوں ہی حادث ہیں البتہ یہاں سمیع کو پہلے اور علیم کو بعد میں ذکر فرمانا اَسَرُّوا النَّجْوَی اور اقوالِ کفار کے لحاظ سے ہے کہ ہر کلام کو پہلے سنا جاتا ہے بعد میں اس کے معنی مقصد کا علم حاصل ہوتا ہے اس بات کو سمجھانے کے لیے پہلے سمیع فرمانا بعد میں علیم فرمانا بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا فَاسْئَلُوا اَهْلَ الذِّكْرِ۔ یعنی اے مشرکین مکہ تم اہل کتاب سے پوچھو کہ پہلے گزشتہ امتوں کے رسول انسان تھے یا فرشتے یہ حکم کیوں دیا گیا حالانکہ کفار مکہ نہ پہلے رسولوں کو مانتے تھے نہ پہلی کتابوں توریت زبور انجیل کو مانتے تھے اور کہتے تھے لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِیْ بَیْنَ یَدَیْهِ۔ (سورۃ سبا آیت ۳۱) یعنی ہم ہرگز نہیں مانتے قرآن کو اور نہ پہلی کتابوں کو جب وہ مانتے ہی نہیں تو پھر اہل کتاب سے پوچھنے کی کیا ضرورت وہ کیوں یقین کرتے۔ جواب: یہاں کتابوں کے ماننے یا توریت وغیرہ پر یقین کرنے کا ذکر مراد نہیں ہے بلکہ اُن یہود و نصاریٰ سے پوچھنے کا ذکر ہے جو اس وقت اسلام دشمنی میں کفار مکہ کے پیشوا اور مشیرانِ خاص اور معتمد علیہ بنے ہوئے تھے کہ آج تم کو اُن سے بڑا پیار ہو رہا ہے۔ اسلام کے خلاف ہر بات ہر سوال اُن سے پوچھ پوچھ کر کر رہے ہو۔ تو یہ بھی اُن سے پوچھو تا کہ تمہیں یقین آئے۔ دوسری وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ انسانی فطری نفسیاتی طور پر یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ اگر ایک بات کا ایک دو آدمیوں سے سن کر یقین نہ آئے تو کثیر سے سن کر یقین آجاتا ہے اگرچہ وہ کثیر تعداد والے اس کے مذہبی مخالف ہی کیوں نہ ہوں۔ اس لیے نفسیاتی طور پر کفار مکہ کو اس بات کا یقین کرانے کے لیے فَاسْئَلُوْا کا حکم دیا گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ۔ مرشدِ باطنی لاہوتی نے آوازِ جبروتی سے فرمایا کہ میرا پروردگار ازلی قدیمی جانتا پہچانتا ہے ہر خفی جہری سری مخفی بات کو آسمانِ ارواح میں بھی اور زمینِ اجسام میں بھی اور وہی ہے ازلِ قدیم کا سمیع آشکار علیم افکار۔ سننے والا ہر ہر ذرّے کی زبان کو اور جاننے والا ہے تمام کی نیات اور سننے والا ہے اہلِ نفوس کی کفریہ آوازِ کریہہ کو جاننے والا ہے اہلِ قلوب کی ایمانیہ صداقت کو سننے والا ہے اہلِ دردِ عشق کی آہِ سحرگاہی کو جاننے والا ہے اہلِ امانت کے سینوں کو۔ وہی میرا رب امانت رکھنے والا ہے محبوبین و عشاق کے سینوں میں علم فکر عقل فہم فراست بصیرت سماعت کی قوتوں کو مگر اہلِ نفوس

marfat.com

اس کو نہیں سمجھتے۔ بَلْ قَالُوْٓا۔ بلکہ اپنی نادانی جہالت حماقت سے کہتے پھرتے ہیں کہ۔ اَضْغَاثُ اَحْلَامٍۭ بَلِ افْتَرٰىهُ بَلْ هُوَ شَاعِرٌ فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ یہ کشف ومراقبات کے دعوے وسواس کاذبی ہیں۔ راہ سلوک کے الہامات افتری ہیں اور یہ وادی معرفت کے راہ نورد محض اقوالِ لطیف کے کاریگر ہیں یہ دعو یداری محض بازی گری ہے دلیلِ صداقت نہیں ہوسکتی۔ سچائی یہ ہے کہ خلوت ومراقبات کو چھوڑ کر میدانِ ظاہر کی دنیوی نشانیاں لائیں جس طرح کہ فقہاءِ ظاہر علماءِ ماہر شائخ اکابر دلائل وبرہان کے جوہر دکھاتے رہے۔ اے ہادیِ انوار اور مرشدِ اَسرارانِ نفوس منکرین اور کافرین متعدین کو سنا دے۔ مَآ اٰمَنَتْ قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَفَهُمْ يُؤْمِنُوْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَاسْــَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اگرچہ یہ آیت ظاہرًا باطنًا کفارِ مکہ کی مذمت کے لیے اتریں مگر مسلمانوں میں بھی بعض ایسے نام نہاد مسلمان بدعقیدہ پیدا ہو چکے ہیں کہ اگر شریعت کو مانتے ہیں تو طریقت کے گستاخ اور اگر طریقت کو مانتے ہیں تو شریعت سے بیزار وغافل بلکہ متنفر ہر طرف سے چلے بنا کر جان چھڑانا چاہتے ہیں۔ کافرین تو انبیاء کے منکر مگر یہ گمراہ لوگ اولیاء اللہ کے منکر طریقت کی پاکیزہ محفلوں خلوتوں، چلوں وظیفوں مراقبوں کو مکر کا جال کہنے والے گستاخ ولایت۔ کفار تو معجزات کے اور یہ ضالین کرامات کے کفار نے انبیاء علیہم السلام سے ہمیشہ ناجائز وفضول مطالبے کئے مگر یہ گمراہ اولیاء اللہ سے ناجائز اور دنیا پرستی کے مطالبے کرتے ہیں بلکہ دنیا پرست اگر مرید بھی بنتا ہے تو دنیا طلبی کے لیے اور مرشد بیعت سے صرف دنیا سازی کے ہی مطالبے کرتا ہے۔ آج کل پیر کا معرف اور پیری مریدی کا مقصد صرف تعویذات کو سمجھ لیا گیا ہے پیر وہ پیارا لگتا ہے جو نماز روزے کا حکم نہ دے شرعی پابندیوں سے آزاد کر دے طریقت کے چلے وظیفوں مراقبات خلوات نفس کشی سے علیحدہ کر دے یہ آیت ایسے بدنصیب لوگوں کا بھی نقشہ کھینچ رہی ہیں کہ اگر ایک مطالبہ پورا کر دیا جاتا ہے تو پھر بھی بندگیِ الٰہی کی طرف توجہ نہیں آتی بلکہ ان دنیا دار اہلِ نفوس کے مطالبے بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں کہ فلاں پیر صاحب نے تعویذ دیا تو فلاں مرید مالا مال ہو گیا دولت مند بن گیا۔ تم پیر ہو تو تم بھی ہم کو ایسا ہی تعویذ دو جس سے دولت آئے اس کی پرواہ نہیں کہ حلال ہو یا حرام۔ فرمایا یہ جا رہا ہے کہ بیعت وارشاد پیری ومریدی دنیا سازی کے لیے نہیں ہوتی بلکہ آخرت بنانے کے لیے ہوتی ہے۔ جب اُس فلاں پیر نے فلاں مرید کو تعویذ دے کر دولت مندی دی تھی تو وہ کب عبادت وریاضت سے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آیا تھا جو اب تم آؤ گے۔ اولیاء اللہ بھی انسان ہی ہوتے ہیں کوئی دوسری مافوق الفطرت مخلوق نہیں ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کے الہاماتِ اَسرار سے ان

marfat.com

ہی اہلِ قلب وعقل پر نزول وورود فرماکر نوازا جاتا ہے جو بھی خلوصِ عمل سے ہماری بارگاہ میں آتا ہے ان کے پاس ہم اُن ہی مردانِ راہ کو اپنی ولایت کا تاج پہنا کر بھیجتے ہیں صرف نبوّت کا دروازہ بند ہوا ہے ولایت کا دروازہ تو ہر مسلمان کے لیے سدا کھلا ہوا ہے کیونکہ نبوّت وہبی عطائی ہے اور ولایت کسبی عطائی ہے اگر یہ باتیں تم ان غفلت وکسلت کو معلوم نہیں تو اُن ذکر والوں سے پوچھ لو جو ہر وقت رب تعالیٰ کی یاد اور ذکر فکر میں آخرت بنانے کے لیے عشقِ الٰہی محبت مصطفائی کی اتباع میں مصروف رہتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے نبوّت کو اور نبوّت کی بارگاہ سے ولایت کو ہر زمانے میں فیض ملتا ہی رہتا ہے یہ راہِ ولایت دنیا سازی کے لیے نہیں آخرت بنانے کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو شیطانی اثرات سے پاک وصاف کر دیا اور اُن کے اجسام بشریہ کو بشری نفوس سے جن کی بنیاد ہی ظلمت اور تاریکی پر ہوتی ہے جدا کر دیا اور اس میں نفوسِ قدسیہ ودیعت فرما دئے اسی وجہ سے انبیا علیہم السّلام کے حال اور امت کے حال میں بڑا فرق ہے۔ وہ صفات جو وجود انبیا میں موجود ہوتی ہیں جب اُن کا ظہور ہوتا ہے تو انہیں وحیِ خفی وجلی اور آیاتِ کلامِ الٰہی قدیم سے امداد ملتی ہے تاکہ دنیا زمانوں سے تاریکی صفات وکیفیات کا خاتمہ ہو۔ یہ انعامِ الٰہی انبیا علیہم السلام کے لیے خاص رحمت اور امتوں کے لیے عام رحمت ہوتی ہے۔ یہی شان سردارِ انبیا صلی اللہ علیہ وسلم کی تا ابد ہے کہ آپ کی مختلف صفات کے ظہور پر مختلف اوقات میں آیاتِ قرآنیہ واحادیثِ قدسیہ نازل ہوتی رہیں۔ جیسا کہ رب تعالیٰ نے ایک ارشاد فرمایا کہ کفار تو کہتے ہیں کہ قرآن ایک دم مکمل طور پر کیوں نازل نہیں ہوجاتا مگر ہم نے اس کو اسی لیے آیت آیت کر کے نازل فرمایا تاکہ اس سے تمہارے قلبِ مسعود کو مضبوط اور خوش رکھیں۔ اور امت پر آسانیاں قائم کریں چونکہ قلب اور نفس کے باہمی تعلق کی وجہ سے بشری صفات کے نمودار ہوتے پر نفس کی حرکت سے اضطراب پیدا ہوتا ہے اس لیے اس اضطراب کو دور کرنے کے لیے دل کو مضبوط کیا جاتا ہے اور دل مرکزِ قوّت ہے نفسِ امارہ مرکزِ ضُعف اور کمزوری ہے اس لیے انبیاء علیہم السّلام کا نفسِ امارہ مردہ کر دیا جاتا ہے۔ اور سرکارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا نفسِ امارہ تو نکال ہی دیا گیا اور اسی نکالنے کے لیے بچپن شریف میں سینہ چاک کیا گیا جس کا ظہور صرف ایک ہی دفعہ ہوا شبِ معراج کا شقِ صدر صرف خواب میں ہوا کہ جاگتے میں وہ معراج منامی تھی نہ کہ ستائیس رجب والی جسمانی معراج جن لوگوں نے جسمانی معراج کی شب بھی ظاہراً شقِ صدر مانا ہے وہ غلطی پر ہیں۔ امت کے اضطرابِ نفس کو دور کرنے کے لیے انبیاء علیہم السّلام کو مبعوث فرمایا جاتا ہے جو اعلیٰ اخلاق کا سبق دیتے ہیں اور کلامِ الٰہی کی آیات سناتے ہیں جن میں قلب وعقل۔ روح ونفس کا ذکر صراحتًا یا اشارۃً موجود ہوتا ہے

marfat.com

نزولِ آیت سے انبیا علیہم السّلام کی تسلی ۔ اولیا علما کی تشفی صالحین کی بشارت فاسقین کی نذارت کافرین کی ابدی ہلاکت کا ذکر ہوتا ہے تسلی سے قوتِ قلب کا ثبوت تشفی سے اضطرابِ نفس کی نفی بشارت سے خوشی نذارت سے خوف ہلاکت سے وعید ظاہر ہوتی ہے ۔ قرآنی آیت اِن صفات کے اظہار کے لیے مختلف اوقات میں نازل ہوئیں ۔ اسی لیے کلام الٰہی میں اخلاقِ محمدی کا تعلق قرآنِ حکیم سے قائم فرمایا گیا کہ قرآن مجید اور اخلاقِ نبوت کو عظیم کہا گیا اس طرح کہ زبانِ نبوت نے قرآن مجید کا پتہ دیا اور زبانِ قرآن نے خُلقِ عظیم کا یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مظہرِ صفاتِ الٰہی ہیں اور قرآنِ مجید مظہرِ مصطفیٰ ہے ۔ جسدِ انبیا علیہم السّلام میں صفاتِ بشریت اسی لیے قائم کی گئیں تاکہ امت کی مکمل اصلاح ہو سکے ۔ یہ اصلاح نہ ملکی صفات سے ممکن تھی نہ جنی نہ شیطانی ۔ بدیں وجہ تمام رُسل علیہم السّلام کو مرد بنایا گیا ۔ صفات نبوی کی تعلیم سے ہی تذکیہ نفسی وجلاءِ روح ہے ۔ تمام انبیا علیہم السّلام کا اخلاق اعلیٰ ہے اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اخلاق عظیم ہے اخلاق عظیم تکمیل ہے اخلاق حسنہ کی اولیاء اللہ کے اخلاق اشرف ہوتے ہیں عوام مومنین کے اخلاق شریفانہ غرض کے رب تعالیٰ کے پاس اخلاق حسنہ کے خزانے ہیں جب رب تعالیٰ کسی بندے سے بھلائی فرماتا ہے تو اُسے عطا فرماتا ہے ۔ انہی خزانوں سے تمام مخلوق کو ان کی وسعت قلبی کے اعتبار سے عطاءِ اخلاق ہوتی ہے چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خُلقِ عظیم کی عطا ہوئی یہ اکمل ترین ہے ۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے ۔
بُعِثْتُ اِلَیْکُمْ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ اَخْلَاقِ ۔ یعنی میں تمہاری طرف اس لیے بھیجا گیا ہوں تاکہ اَخلاقِ حسنہ کی تکمیل کروں ، دیگر انبیا علیہم السّلام کو خُلقِ اعلیٰ کی عطا ہوئی اولیاء علما کو اخلاقِ اشرف کی اہل ایمان کو خلق شریفانہ کی اور کفار کو خلقِ رذیلہ کی فاسقین کو خلق احمقانہ کی ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔

وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا

اور نہ بنایا ہم نے اُن کو ایسے بدن جو غذا نہ کھاتے ہوں اور نہ

اور ہم نے انہیں خالی بدن نہ بنایا کہ کھانا نہ کھائیں اور نہ

كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ﴿۸﴾ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ

وہ ہمیشہ دنیا میں رہنے والے تھے ۔ پھر پورا کر دیا ہم نے اِن کے وعدے کو کہ نجات دیدی ہم نے اُن کو

وہ دنیا میں ہمیشہ رہیں ۔ پھر ہم نے اپنا وعدہ انہیں سچا کر دکھایا تو انہیں نجات دی

marfat.com

وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ ⑨ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ

اور اُن تمام لوگوں کو جن کو پسند کیا اور فنا کر دیا ہم نے ناجائز کام کرنے والوں کو۔ البتہ بیشک نازل کی ہے

اور جن کو چاہی اور حد سے بڑھنے والوں کو ہلاک کر دیا۔ بیشک ہم نے تمہاری

اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ⑩ وَكَمْ ع ۱

ہم نے تم تک ایک عظیم ایسی کتاب کہ جس میں تمہارا چرچہ تذکرہ ہے تو کیا تم یہ بھی نہیں سوچتے حالانکہ

طرف ایک کتاب اتاری جس میں تمہاری ناموری ہے تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ اور کتنی

قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا

کتنی ہی فنا کر دیں بستی والی قومیں جو ظالم تھیں اور نئے سرے سے پیدا کر دیا

ہی بستیاں ہم نے تباہ کر دیں اور وہ ستمگار تھیں اور

بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ⑪ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ

ہم نے ان کے بعد ہی دوسری قوموں کو مگر جب اُن ظالموں نے محسوس کیا

اُن کے بعد اور قوم پیدا کی۔ تو جب اُنہوں نے ہمارا

اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ ؕ ⑫

ہمارے عذاب کو تب ہی وہ لوگ اس عذاب سے تیز بھاگنے لگے۔

عذاب پایا جبھی وہ اُس سے بھاگنے لگے۔

تعلقات ان آیات پاک سے سابقہ آیات پاک کا چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں انبیاء کرام کے انسان ہونے کی ایک دلیل پیش فرمائی گئی کہ وہ مرد ہی ہوتے ہیں اور ہوتے رہے اب ان آیات میں دوسری دلیل بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اپنے انسانی تقاضے کے

marfat.com

مطابق کھاتے بھی ہیں لہٰذا کفار کا اب یہ مطالبہ کہ نبی کوئی فرشتہ ہونا چاہیئے وغیرہ وغیرہ یہ جب پہلے کبھی نہ ہوا تو اب کیا ہوگا۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا تھا کہ اگر تم کو تاریخ اور نافرمانوں کی بستیوں کے انجام کا پتہ نہیں ہے تو ذکر والوں یعنی یہود و نصاریٰ با عزت دار نامور لوگوں سے اور پڑھوں لکھوں صاحبِ عقل حضرات سے پوچھ لو۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے بدنصیبو تمہارے لیئے تمہارے پاس اتنی عظیم اور مضبوط کتاب آچکی ہے کہ اگر تم اس کی غلامی فرمانبرداری میں آجاؤ تو تم خود تا قیامت ذکر والے بن جاؤ گے لوگ اور غیر قومیں تمہارے در کے سوالی بن جائیں گے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں نافرمان قوموں کی ہلاکت کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں ہلاکت کے بعد نئی مخلوق اور نئی قوموں کو ان بستیوں میں آباد کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شانِ نزول ایک مرتبہ کفارِ مکہ نے بہت شور مچایا کہ اگر تم سچے نبی ہو اور عذاب آنے کی خبر سچی ہے تو جرم پر جلدی عذاب نازل کرو اس پر یہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۱۱ تا ۱۲ ان میں ایک نافرمانوں کی تباہ شدہ بستی کا ذکر ہوا بستی کا نام حصور تھا ان ظالموں نے اپنے نبی علیہ السّلام کو قتل کر کے شہید کر دیا تھا تب غضبِ الٰہی سے اُن پر بخت نصر بادشاہ کے حملوں کی شکل عذاب و قہر مسلّط کیا گیا تھا جس نے بڑی بیدردی سے چن چن کر ان کافروں کو قتل کیا بلکہ اس کا قتل عام بڑھتا ہی گیا تو یہ ظالم کفار اس عذاب سے ڈر کر بھاگے فرمایا جا رہا ہے کہ اب تو عذاب کی بڑی جلدی مچا رہے ہو مگر جب آگیا تو اپنے اُن بڑوں کی طرح بھاگتے چھپتے پھرو گے (از خزائن العرفان)

تفسیرِ نحوی وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِيْنَ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَيْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَاۤءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِيْنَ

واوُ سرِ جملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) مَاجَعَلْنَا۔ بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم منفی معروف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متّصل مرجع ہے رِجَالاً مفعول بہ اوّل ہے جَسَدًا۔ اسم حاصل مصدر جامِد۔ لغوی ترجمہ مرکّب چیز یعنی ملاوٹ شدہ جَسَدَ کے پانچ اَجزاء ہوتے ہیں ۱ لمبائی ۲ چوڑائی ۳ موٹائی ۴ گہرائی ۵ رنگ اس کی جمع ہے اَجْسَادٌ۔ اسی معنیٰ میں جسم اور وجود ہے مگر فرق یہ ہے کہ جسم عام ہے ان چیزوں کو بھی جن کے رنگ نہیں ہوتے اس لیے پانی اور ہوا کو جسم تو کہہ سکتے ہیں جسد نہیں کہہ سکتے اور وجود اصطلاحًا اس سے بھی زیادہ عام ہے ان چیزوں کے لیے جن کی گہرائی موٹائی لمبائی چوڑائی بھی نہیں ہوتی جیسے خوشبو وغیرہ اسی فرق کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے لیے وجود کا استعمال ہو سکتا ہے لیکن جسد اور جسم کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لیے بولنا گناہ ہے۔ جسد اور جسم میں نسبت

marfat.com

عام خاص من وجہ ہے اور وجود ان کی جنس بعید ہے۔ اور یہ جسد جسم کی فصل قریب ہے۔ ترکیب نحوی جملہ موصوف ہے لَا یَاْکُلُوْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع منفی بِلا معروف۔ جمع مذکر غائب اَکْلٌ سے مشتق ہے بمعنی غذا کھانا اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے رِجَالًا۔ اَلطَّعَامَ۔ اسم مفرد مبالغہ بروزنِ فَعَالٌ غُلَامٌ وغیرہ طُعْمٌ سے مشتق ہے بمعنی تیار شدہ غذا اس کی جمع اَطْعِمَۃٌ یعنی کسی چیز کو ایسی حالت میں لے آنا کہ کھانے والا اس کو بسہولت مزے سے کھا سکے۔ عام ہے ہر جاندار کی غذا کو یہاں مراد ہے انسانی غذا خوراک مفعول بہ لَا یَاْکُلُوْنَ اپنے فاعل و مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صفت ہوئی جَسَدًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول دوم ہے مَا جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واو برجملہ کَانُوْا بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق منفی جمع مذکر غائب فعل ناقصہ ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم خَالِدِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب خبر ہے خُلْدٌ سے مشتق ہے بمعنی ہمیشہ رہنے والے۔ مَا کَانُوْا اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ ثُمَّ حرفِ عطف تراخی (دیر کرنے) کے لیے اس کا عطفی تعلق ہے نُوْحِیْ اِلَیْھِمْ سے یعنی ہم اپنے رسولوں کے پہلے وحی کے پیغامات بھیجتے رہے پھر بعد میں ہم نے ان سے کیے ہوئے وعدے سچے کر دئے۔ صَدَقْنٰا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم معروف مثبت بافاعلِ ھُمْ ضمیر مفعول بہ اوّل اَلْوَعْدَ مفعول بہ دوم یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ اَنْجَیْنٰا بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم بافاعل اس کا مصدر ہے اِنْجَاءٌ نَجٰیٌ سے بنا ہے بمعنی بچانا۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ اسم موصول جنسی جمع کے لیے نَشَآءُ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع متکلم شَیْءٌ سے مشتق ہے بمعنی چاہنا پسند کرنا یہ فعل بافاعلِ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا ھُمْ ضمیر کا دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا اَنْجَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ اَھْلَکْنَا۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِھْلَاکٌ ھُلْکٌ سے بنا ہے بمعنی فنا کرنا الف لام استغراقی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُسْرِفِیْنَ بابِ افعال کا اسم فاعل جمع مذکر مصدر ہے اِسْرَافٌ سَرَفٌ سے بنا ہے بمعنی ناجائز اور خلافِ قانون کوئی کام کرنا مراد ہے فضول خرچی بحالتِ نصب ہے، مفعول بہ ہے اَھْلَکْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَنْجَیْنَا کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہوا ثُمَّ صَدَقْنٰا کے جملے پر یہ دونوں عطف ہیں نُوْحِیْ کے جملے پر۔

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ کِتٰبًا فِیْهِ ذِکْرُکُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ وَکَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ کَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا

یَرْکُضُوْنَ۔ لَقَدْ۔ لام تاکیدیہ ابتدائیہ قَدْ اَنْزَلْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم مصدر ہے اِنْزَالٌ بمعنیٰ اُتارنا اوپر سے نیچے لانا نَزَلَ سے مشتق ہے بمعنیٰ اترنا یہاں ماضی قریب قربِ زمانی کو بتانے کے لیے ہے اِلیٰ جارہ انتہاءِ غایت کے لیے کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرجع کفارِ مکہ یہ ضمیر منتہا ہے غایت کی یعنی اے کفارِ مکہ یا اے اہلِ عرب فقط تم تک یہ کتاب آئی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے کِتَابًا اسم مبالغہ بروزنِ فِعال یہاں تنوین تنکیری نہیں کیونکہ کتاب سے مراد مخصوصِ ذہنی قرآن کریم ہے بلکہ یہ تنوین (دو زبر) تعظیمی ہے یعنی بڑی اور عظیم کتاب موصوف ہے فِیْہِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجُودًا اسم مفعول کا ذِکْرُ اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنیٰ تذکرہ مشہوری مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی نائب فاعل ہے مَوْجُوْدًا کا یہ اسم مفعول پوشیدہ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی کتابًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ ہے اَفَ دراصل ہے فَاَ یہ پورے قرآن مجید میں اسی عکسی (الٹے) طریقے پر تقریبًا ایک سو چودہ مرتبہ آیا ہے فَ عاطفہ اگلے جملے کا عطف ہے فِیْہِ ذِکْرُکُمْ کے جملے پر۔ اَ ہمزہ سوالِ انکاری و توبیخی کے لیے ہے یعنی جھڑک ہے کہ ایسی بے عقلی مت کرو۔ لَا تَعْقِلُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع معروف منفی بلاَ۔ جمع مذکر حاضر خطاب ہے اہل عرب کو یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف فِیْہِ ذِکْرُکُمْ کے جملے پر واؤ سے جملہ۔ کَمْ اسم کنایہ خبریہ بیانِ کثرت کے لیے بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہٖ مقدم ہے قَصَمْنَا بابِ ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم قَصْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ریزہ ریزہ کر کے فنا کرنا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ قَرْیَۃٍ اسم مفرد جنسی جمع یعنی لفظًا واحد معنًا جمع مراد ہے اہلِ قریہ یعنی بستی والے موصوف ہے کَانَتْ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ اِس کا مرجع قَرْیَۃٌ ہے یہ پوشیدہ ضمیر اسم ہے کَانَتْ کا ظَالِمَۃً بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی واحد مؤنث اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کَانَتْ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَاَنْشَاْنَا کا جملہ معترضہ علیحدہ ہے۔ واؤ سے جملہ اَنْشَاْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِنْشَاءٌ نَشْئَۃٌ یا نَشْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پیدا کرنا بڑھانا قد آور ہونا۔ پرورش کرنا۔ پیداوار میں اضافہ کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ بَعْدَھَا مضاف اور مضاف الیہ ظرفِ زمانی ہے ھَا ضمیر واحد غائب مؤنث کا مرجع قَرْیَۃٌ ہے قَوْمًا اسم مفرد لفظی لیکن معنًا جمع ہے موصوف ہے آخَرِیْنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم تفضیل جمع مذکر مگر یہ دیگر اسم تفضیل کے قاعدۂ کلیہ حکم سے مستثنیٰ ہوتا ہے یہاں مِنْ ظاہر یا پوشیدہ کی ضرورت نہیں نہ معرف باللام

marfat.com

ہونے کی ضرورت بحالتِ نصب کیونکہ صفت ہے قومًا کی چونکہ قومًا معنًا جمع ہے اس لیے آخرین جمع لایا گیا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے اَنْشَاْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَلَمَّآ۔ فَ عاطفہ بیانیہ لَمَّا حرفِ شرط۔ لَمَّا تین قسم کا ہوتا ہے ۱۔ نافیہ یہ مرکب ہوتا ہے لَمْ اور مَا سے ۲۔ لَمَّا استثنائیہ ۳۔ لَمَّا شرطیہ یہاں یہی ہے اَحَسُّوْا بابِ اِفعال ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِحْسَاسٌ بمعنیٰ محسوس کرنا۔ پتہ لگ جانا حَسٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے بَأْسٌ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے سخت نقصان دہ چیز اصطلاح میں جب اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت ہو تو عذاب مراد ہوتا ہے اور جب غیر کی طرف تو لڑائی جھگڑا دنگا فساد مراد ہوتا ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے بَاْسَنَا مرکبِ اضافی مفعول بہ ہے اَحَسُّوْا اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ اِذَا مفاجائیہ (بمعنیٰ اچانک) ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مِنْھَا یہ جار مجرور متعلق مقدم۔ یَرْکُضُوْنَ بابِ نصر کا فعل مضارع جمع مذکر غائب مثبت معروف رَکْضٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ روندنا۔ رگڑنا ٹھوکنا۔ پیر مارنا، تیزی سے دوڑ جانا۔ یہاں یہ آخری معنیٰ میں ہے یہ فعل با فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر معطوف ہوا کَانَتْ ظَالِمَةً کے جملے پر دونوں عطف مل کر صفت ہو گی مِنْ قَرْیَةٍ۔ خیال رہے کہ اِن آیت میں جمع متکلم کی تمام ضمیریں اور صیغے اللہ کی طرف لوٹتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا لَّا یَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خٰلِدِیْنَ ثُمَّ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ فَاَنْجَیْنٰهُمْ وَمَنْ نَّشَآءُ وَاَهْلَكْنَا الْمُسْرِفِیْنَ

کفار نے نبوت کو کبھی شاعری کبھی ساحری، کبھی جنون، کبھی فتون کبھی اِفتریٰ کبھی اَحلام کبھی آسیب زدگی جیسے گھٹیا الفاظ سے منسوب کیا اور تقاضا کیا کہ نبی کو تو فرشتہ ہونا چاہیے اس میں مَلکیت کی صفات ہونی چاہئیں نہ کھائے نہ پئے نہ شادی بیاہ کرے نہ بازاروں میں چلے پھرے نہ کبھی فوت ہو ان تمام لغو تقاضوں کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کفارِ مکہ بلا سوچے سمجھے ہمارے محبوب نبی کریم کی ہر بات ہر کام پر اعتراض تو کر دیتے ہیں مگر یہ غور نہیں کرتے کہ اس سے پہلے ہم نے کسی بھی جاندار کو ایسا نہیں بنایا جو کھانا نہ کھائے اور نہ کوئی ایسا جسم بنایا جو ہمیشہ زندہ رہے حیاتِ دنیوی میں بلکہ ہر جسم کو صفاتِ جسمانیہ دی گئیں اور صفاتِ جسمانیہ میں کھانا پینا اور فوت ہونا بھی ہے یہاں تک کہ جسمِ نبوت پر بھی یہ لوازماتِ بشریہ طاری فرمائے اور جو لوازماتِ انسانی

marfat.com

جاندار جسم کے لیے ازابتدآتاانتہا ضروری ہوتے ہیں وہ سب جسم انبیاء کے لیے ضروری ہیں۔ خواہ یہ ہمارے نبی محمد مصطفیٰ ہوں یا ان سے پہلے انبیا جن کی تم مثالیں دیتے ہو اور جن کو تمہارے مشیرانِ خاص مخالفت وعداوت والے یہود ونصاریٰ برحق نبی مانتے ہیں وہ بھی کھاتے پیتے بازاروں میں چلتے شادی بیاہ کرتے اور وفات پاتے رہے اُن کے مزارات وقبور موجود ہیں یہ کوئی حیران کُن انوکھی بات نہیں کہ نہ ماننے کا بہانہ لے کر اسی کی ضد لے بیٹھے نہ یہ کبھی نبوت کی نشانی رہی۔ نبوت کی نشانی تو یہ تھی کہ ثُمَّ صَدَقْنٰہُمْ۔ جب کبھی کافر اُمت اپنے نبی کی مخالفت عداوت اور اذیت رسانی میں انتہا کو پہنچی تو ہم نے اپنے انبیا کو وحی کے ذریعہ وعدہ دیا کہ اب اِس مردود وموذی قوم کو ہلاک کردیا جارہا ہے۔ اور اپنے انبیاء واہلِ ایمان کو جس کو ہم چاہتے پسند کرتے ہیں اس آسمانی ناگہانی عذاب سے نکال کر بچالیں گے۔ پھر ہم نے اپنے وعدہ کو پورا کردیا اس طرح کہ اس عذاب سے انبیاء کو بھی علیحدہ بچالیا اور جس جس کو چاہا اُن کے ایمان کی وجہ سے بچالیا اور اُن تمام مقبوحین مردودین کو ہلاک وتباہ کردیا جو ہر طرح کفر شرک ظلم ایذار سانی سرکشی غرور نافرمانی مخالفت دشمنی میں حد سے بڑھنے والے تھے اور اپنا ہی نقصان کرنے والے۔ نبی کو انسان اور مرد بنا کر بھیجنے میں اللہ تعالیٰ کی عین حکمت ومصلحت ہے جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مخلوقاتِ انسانیت کی ہر چیز عام جاندار حیوانات وجنات سے مختلف وممتاز فطری لازمی ہے یہاں تک کہ کھانے پینے جینے مرنے میں بھی مگر خود انسان میں باوجود ہزار طرح عقل وفن ہونے کے اس چیز کا شعور نہیں کہ جانوروں سے اپنے آپ کو ممتاز کرسکے اور حیوانی زندگی سے الگ ہو کر شرافت وتہذیب کی زندگی گزار سکے۔ وہ اگر گھلنے ملنے محبت کرنے پر آئے تو کتوں بلوں سوروں کے منہ چومتا ہے اور اگر تعظیم کرنے پر آئے تو چوہوں بندروں کو دیوی دیوتا سمجھ لیتا ہے اور لکڑیوں پتھروں درختوں کو خدا مان لیتا ہے۔ کھانے پر آئے تو بول براز، حرام اشیا غلاظت وگندگی سب کچھ کھا جائے۔ پینے پر آئے تو شراب وپیشاب تک پی جائے۔ مرنے پر آئے تو سڑکوں کے کنارے مرجائے منہ کتے چاٹیں۔ مرنے کے بعد آگ میں جلایا جائے بے گور وکفن مٹایا جائے۔ لہٰذا ضروری تھا کہ انسان کو انسانیت سکھانے کے لیے نبوت کی ایسی مخلوق بنائی جائے جو انسانیت کے لباسِ بشری میں نور کے سانچے میں عقلِ کُل شعورِ تمام لے کر اس عالم دنیا میں آئے اور انسانوں کو کھانا پینا جینا مرنا دفنانا سکھائے۔ اور چونکہ قول سے زیادہ عمل مؤثر ہوتا ہے اس لیے رب تعالیٰ نے کسی نبی کا جسدِ عنصری ایسا نہ بنایا جو قوم واُمت میں رہتے ہوئے نہ کھائے پیئے اور نہ فوت ہو نبوت کے اجسام پر یہ تمام واردات عین حکمتِ ربانی اور امتِ

marfat.com

انسانیت پر مہربانی ہے ورنہ رب تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ انبیاء علیہم السّلام دنیا میں لمبی عمر پائیں جیسے کہ زمین پر خضر و الیاس علیہما السّلام اور آسمانوں پر عیسیٰ و ادریس علیہما السّلام کہ یہ سب لمبی زندگی کے ساتھ بغیر کھائے پیئے آسمانوں پر موجود ہیں اور اصحاب کہف ہزاروں سالوں سے بغیر کھائے پیئے سو رہے ہیں۔ یہ تمام قدرت الٰہی کی نشانیاں ہیں۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكُمْ كِتٰبًا فِیْهِ ذِكْرُكُمْ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْیَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِیْنَ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا یَرْكُضُوْنَ ۔ اے اہل عرب تم پر ہمارا کتنا بڑا احسان و شفقت ہے کہ بے شک ہم نے نازل فرمایا تمہاری طرف ایسی عظیم پائیدار ابدی کتاب کو جس میں تمہارا ذکر و چرچہ ہے۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کے نزول سے اہل عرب پر تین طرح احسان ہوا۔ اولاً یہ کہ اے اہل عرب تمہاری زبان عربی میں یہ نازل ہوا یہ عربی کسی دوسری آسمانی کتاب کو نہ ملی ۔ اس قرآن مجید کی وجہ سے تمہاری عربی زبان ساری دنیا میں اپنوں پرایوں میں مشہور و مقبول ہوگئی۔ اور زبان کے ذریعے تم مشہور ہوئے اور پھر تمہارے ذریعے تمہاری تہذیب معاشرہ رسم و رواج تمدن تعلق دنیا میں عزت کی نگاہ سے دیکھے جانے لگے۔ دوم یہ کہ اس کتاب قرآن مجید نے تم کو شرافت بخشی۔ جہالت سے شہنشائیت تک پہنچایا۔ تمہاری تکلّم کی شان، جرأت کی آن، بہادری کی دھاک بٹھائی، سوم یہ کہ اس قرآن کریم میں لوگوں کے لیے تمہارا اچھا اور نیک تذکرہ اور تمہارے لیے دین دنیا چلانے کامیابی سے قائم رکھنے کے اصول قواعد قوانین، انسانیت کے مفید درس اور نصیحتیں ہیں۔ اتنی عظیم آسان نایاب اور تا قیامت باقی رہنے والی کتاب کو ماننے سمجھنے کے لیے بھی اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۔ تم ذرا عقل نہیں رکھتے نہ تدبّر کرتے ہو نہ تفکّر تاکہ غفلت کے غلاف سے نکلو شکر کرو اور احسان مانو ایمان لاؤ، حالانکہ تم سابقہ تحریروں کتابوں تاریخوں میں پڑھتے بھی ہو اور سنتے دیکھتے بھی رہتے ہو کہ تمہاری ہی طرح کی پہلی ضدی سرکش مغرور قومیں کتب الٰہیہ کو نہ ماننے والی انبیا کی توہین و گستاخی نافرمانی ایذا رسانی کرنیوالی کتنی ہی اُن بستیوں کو ہلاک کر دیا گیا جو اپنی ہی جانوں پر ظلم کرنیوالے لوگوں کی تھیں مع بستیوں کے اُن قوموں کو تباہ کر دیا۔ اس طرح کہ کسی بد ظالم و جابر بادشاہوں کو مسلط کر دیا گیا جنہوں نے قتال، تلوار، ہلاک، تیر سے اُن سرکشوں کا خاتمہ کر دیا۔ چونکہ یہ تسلط شاہی و لشکری بحکم الٰہی تھا اس لیے قَصَمْنَا جمع متکلم کا صیغہ ارشاد ہوا جیسا کہ بیت المقدس کی اسرائیلی ظالم قوموں کے ساتھ بخت نصر بادشاہ نے کیا۔ جب کہ اُن بد بخت اسرائیلیوں نے چند انبیا علیہم السّلام کو شہید کیا تھا تب رب تعالیٰ نے اُن ظالموں کو ہلاک کرنے کے بعد پھر قریب یمن ایک بستی حضور یا سحول میں ایک

marfat.com

دوسری قوم کو پیدا فرمایا پھر جب کچھ زمانے بعد انہوں بھی ظلم وغرور شروع کر دیا تو ان پر بھی قتال وخون ریزی کا عذاب بھیجا۔ انہوں نے محسوس کر لیا کہ اب ہم پر مصیبت تنگی اور قتلِ عام کی غارت گری کا عذاب آنیوالا ہے اس لیے وہ بستی سے نکل کر کسی جائے پناہ کی تلاش میں بھاگے کچھ پیدل کچھ سوار کہ شاید اس عذاب سے بچ جائیں۔ تفسیر صاوی نے یہ واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ علاقہ یمن میں ایک بستی جس کا نام حضور تھا یا سحول۔ وہاں ایک نبی موسیٰ بن میشاق بن یوسف بن یعقوب علیہم السّلام مبعوث ہوئے قوم نے ان کو قتل کر دیا جس کی وجہ سے اُن پر عذابِ الٰہی آیا اور بخت نصر نے ان پر حملہ کر دیا ہزاروں کو قتل کیا عورتوں کو قیدی بنایا۔ باقی لوگ بستی سے جان بچا کر بھاگے ان کا یہاں ذکر ہے کہ اے ظالمو انبیاء کے سامنے بڑے مغروری سے اکڑتے تھے اب کیوں بزدل ہو کر بھاگ رہے ہو اب بھی ٹھیرے رہو۔ یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے پہلے کا ہے۔ یہی بخت نصر بادشاہ جس نے پہلے بیت المقدس پر چڑھائی کی تھی اور وہاں کے کفار بدکار ظالم بنی اسرائیل کا قتلِ عام کیا تھا۔ کم قصمنا میں اسی پہلی قوم کا ذکر ہے "قصم" اور "فصم" کا فرق یہ ہے کہ قصم کا معنیٰ ہے "ٹکڑے کرکے ہلاک کرنا اور فصم کا معنیٰ ہے بغیر قتل موت دیدینا۔ یا "قصم" کا معنیٰ ہے مع بستی سب کچھ ہلاک وتباہ کر دینا۔ اور فصم کا معنیٰ ہے بستی سے نکال کر صرف لوگوں کو ہلاک کرنا۔ واللہ اعلم بالصواب۔ مفسرین کے مختلف اقوال ۔ جسد اور جسم میں یہ فرق ہے کہ جسد صرف جسمِ کثیف کو کہتے ہیں جس کا رنگ جوہر اور لمبائی چوڑائی موٹائی ہو مگر جسم ہر کثیف ولطیف کو کہدیا جاتا ہے لہٰذا ہوا وغیرہ کو جسم تو کہا جاتا ہے جسد نہیں کہا جاتا۔ اسی طرح جنات اور فرشتوں کا جسد نہیں جسم ہوتا ہے۔ صَدَقْنٰهُمُ الْوَعْدَ میں دو قول ہیں ۱ بذریعہ وحی انبیاء کرام علیہم السّلام سے وعدہ فرمایا ۲ اپنا فیصلۂ ازلی قدیمی سچا فرمایا۔ مُسْرِفِیْنَ میں دو قول ہیں ۱ اپنی جانوں پر حد سے بڑھنے والے ۲ اہلِ ایمان کی ایذاء رسانی میں حد سے بڑھنے والے۔ ذِكْرُكُمْ میں چار قول ہیں ۱ ذِکْرُکُمْ سے مراد عربی زبان ۲ شرافت اور اچھا تذکرہ مراد ہے ۳ نصیحت اور دینی اصول وقوانین مراد ہیں ۴ وعدے اور وعیدیں مراد ہیں۔ کَمْ قَصَمْنَا۔ اور اَنْشَأْنَا بَعْدَهَا۔ میں تین قول ہیں ۱ یہاں دو قومیں مراد ہیں پہلی قوم بیت المقدس والی کافر ظالم اسرائیلی دوسری قوم علاقہ عرب یمن کے اہلِ عرب سحولی یا حصوری بستی کے باشندے یہاں کا کپڑا بھی پہلے زمانوں میں مشہور ہوتا تھا ۲ یہ بستی حصور علاقۂ یمن میں ہے ۳ علاقہ حجاز میں ہے اب اس کا نام سحول ہے شام کے قریب ہے لفظ اَنشأ۔ اختراع۔ تکوین۔ تخلیق اور لفظ ایجاد قریب قریب ہم معنیٰ الفاظ ہیں ان کے نبی کے اسمِ مقدس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ ان کا نام موسیٰ بن میشا تھا۔ بعض نے کہا کہ اُن کا نام شعیب بن ذی

marfat.com

حضرم تھا اور ان کا مزارِ مقدس صنعانی پہاڑیوں میں ایک پہاڑی میں ہے علاقہ یمن کی سرحد پر مدین والے شعیب علیہ السلام دوسرے ہیں ۲ بعض نے کہا کہ ان کا نام حنظلہ بن صفوان تھا۔ یہی زمانہ حضرت ارمیاہ کا ہے ان کے زمانے میں بھی اختلاف ہے ایک قول میں یہ واقعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے کا ہے ۲ بعض نے کہا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے کئی سو سال بعد کا ہے۔ تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس عذابِ الٰہی والے حملے سے پہلے اس وقت کے ایک نبی ارمیہ علیہ السلام کو وحی آئی کہ بخت نصر اہل عرب پر حملہ کرنے والا ہے لہٰذا تم اپنے گروہ اہل ایمان کو اس بستی سے نکال کر لے جاؤ اور بارہ سالہ لڑکے معد بن عدنان کی خاص دیکھ بھال کرنا اس کو اپنے ساتھ اپنے براق پر بٹھا کر لے جانا۔ کیونکہ یہ نبی آخر الزمان کی اصل میں سے ہے اس کی صلب میں نبی آخر الزمان ہیں۔ ارمیاہ علیہ السلام نے بحکمِ الٰہی اُن کو نہایت شاندار تربیت عطا فرمائی اور جوانی تک ساتھ ہی رکھا اور پھر آپ کی شادی ایک شہزادی معانہ سے کر دی یہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے نویں دادا ہیں اور معانہ نویں دادی۔ عدنان دسویں دادا اس شادی کے بعد بخت نصر کا حملہ علاقہ حصور پر ثابت ہے۔ (از تفسیر روح البیان)

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ مسلمانوں کو رب تعالیٰ نے تا قیامت دو واعظ عطا فرمائے ایک واعظِ ناطق یعنی قرآن مجید دوم واعظِ صامت یعنی موت۔ اس لیے ہر مسلمان کو حکم ربانی ہے کہ مشکلاتِ دنیوی میں قرآن کی طرف رجوع کرو اور مشکلاتِ قلبی میں موت کو یاد کرو یہ فائدہ فِيهِ ذِكْرُكُمْ سے حاصل ہوا (روح البیان) جب کہ کُمْ ضمیر میں تمام مسلمانوں کو خطاب ہو۔ دوسرا فائدہ۔ انبیاء کرام علیہم السلام بشری اعتبار سے جسد ہیں کہ کھانے پینے چلنے پھرنے جاگنے اور تمام حاجاتِ انسانیہ کے ساتھ ہیں مگر نورانی اعتبار سے جسم ہیں کہ باعتبارِ اجسام لطیف ہیں کسی چیز اور لوازماتِ انسانیہ کے حاجت مند نہیں اس لیے انبیاء علیہم السلام کو اپنی برابر سمجھنا کفر ہے۔ یہ فائدہ وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ جَسَدًا فرمایا گیا نہ کہ جِسْمًا جسد اور جسم کا فرق تفسیر عالمانہ میں بتا دیا گیا۔ تیسرا فائدہ۔ معافی توبہ اور رجعت الی اللہ وہی مفید ہے جو نبی کی معرفت ہو اُن کے ہی سمجھانے فرمانے بتانے سے کی جائے خود اپنی عقل اپنے پچھتاوے اور ذاتی ندامت سے کرنا یا کسی فرشتے کی آواز سن کر توبہ کرنا فائدہ مند نہیں یہ فائدہ فَلَمَّا اَحَسُّوْا بَاْسَنَا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ کھانا پینا سونا

marfat.com

جاگنا۔ انسانی عیب نہیں ہیں بلکہ لوازمات انسانیہ میں سے ہیں لیکن اگرہر کھانا پینا سونا جاگنا چلنا پھرنا تعلیم نبوت کے خلاف ہو تو یہی سب گناہ عظیم بن جاتے ہیں۔ اور آگ کھانے کے برابر ہے اس لیے انبیاء کرام علیہم السلام کو کھانے پینے سونے جاگنے چلنے پھرنے والا بنایا تاکہ عملی تعلیم حاصل کر کے امت سنور جائے انسانیت نکھر جائے اس لیے ہر مسلمان پر افعال نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی واجب ہے اسی کو اتباع کہتے ہیں۔ لہٰذا جو بدبخت شخص اپنی تحریر یا تقریر میں یہ کہے کہ افعال نبی کی اتباع واجب نہیں وہ گستاخ قرآن شیطان ہے۔ یہ مسئلہ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ سب سے اہم اور بہت ضروری چیزوں کو پورا کرنا اور نبھانا ہے وعدہ خلافی ہر ایک کے لیے بہت بڑا عیب ہے یہ مسئلہ ثُمَّ صَدَقْنٰھُمُ الْوَعْدَ سے مستنبط ہوا کہ دیکھو رب تعالیٰ نے ایفاء وعدہ کیلئے خاص اہتمام سے ذکر فرمایا ہے حالانکہ وہ خالق و مالک ہے اس پر کچھ واجب نہیں۔ تیسرا مسئلہ قانون شرعی کے مطابق کسی عذاب یا مصیبت اور وبائی علاقہ میں جانا گناہ ہے۔ مثلاً طاعون زدہ وغیرہ علاقہ میں لیکن اگر اپنے رہائشی علاقے میں اچانک کوئی وبا یا طوفان آسمانی آجائے تو بھاگنا بھی منع ہے ہاں اگر آنے سے پہلے کوئی نکل گیا تو جائز ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا ھُمْ مِّنْھَا یَرْکُضُوْنَ سے مستنبط ہوا کہ ان لوگوں کا بخت نصر کے حملے کے اندیشے سے ڈر کر بھاگنا یا حملہ ہونے کی صورت میں بزدل بن کر بھاگنے کو برا کہا گیا۔ یہ حملہ ان کے ظلم و گناہ کی پاداش میں آسمانی عذاب ناگہانی آفت تھا، چاہیئے تھا کہ وہیں رہ کر سچی توبہ کر لیتے تو شاید معافی ہو جاتی اور عذاب الٰہی ٹل جاتا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَمَا جَعَلْنٰھُمْ جَسَدًا لَّا یَاْکُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا کَانُوْا خٰلِدِیْنَ۔ یعنی ہم نے کوئی جسم ایسا نہیں بنایا جو نہ کھاتا ہو یا جو ہمیشہ زندہ رہے فوت نہ ہو۔ حالانکہ بے شمار جسم ایسے ہیں جو کھانے پینے سے بے نیاز ہیں مثلاً ملائکہ اور جمادات نباتات بلکہ بعض انسان بھی جیسے کہ اصحاب کہف جو صدیوں سے بغیر کھائے پیئے سو رہے ہیں۔ تو پھر یہ آیت کیونکر درست ہوتی ہے دا ریہ ہندہ) جواب۔ اس کے دو طرح جواب دیئے گئے اولاً اس طرح کہ کفار کا اعتراض صرف انبیاء پر تھا کہ نبی وہ ہوتا ہے جو نہ کھائے پیئے نہ فوت ہو۔ جیسا کہ فرشتے نہ کھاتے پیتے ہیں نہ فوت ہوتے ہیں۔ ان کی تردید کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ نبی کی یہ جبلی فطرت ہے جبلاً ہم نے ان کا جسد بنایا نہ کہ فقط جسم اور جسد کی فطرت ہے کھانا بھی پینا بھی فرشتے جسد نہیں وہ جسم لطیف ہیں ان کی مثال دینا غلط ہے۔ اور جمادات کی تشبیہ اس لیے غلط ہے کہ وہ بے جان اشیاء ہیں۔ جواب دوم یہ کہ

marfat.com

یہاں جبلت اور فطرت کا ذکر ہو رہا ہے ہر انسان فطرتاً کھانے پینے کا ضرورت مند ہے۔ رہا اصحاب کہف کا اتنے عرصہ سے نہ کھانا پینا یہ قدرتی نیند کا اثر ہے یا بعض اولیاء اللہ کا چالیس دن تک نہ کھانا پینا یہ اُن کی ذاتی مشق ہے شاذ و نادر ہوتی ہے اور نوادرات پر قیاس کرنا غلط ہے یہی حال خلود کا ہے بلانا۔ کی دراز زندگی ضرور ہے مگر موت ان کو بھی آنی ہے، یہ نوادرات کا منجانب اللہ اظہار بھی شانِ نبوت و ولایت بتانے کے لیے ہے کہ انبیاء علیہم السلام باوجود جبلی فطرت کے مطابق ہونے کے پھر بھی مافوق الفطرت قوت کے مالک بنائے جاتے ہیں۔ صوم وصال بھی اسی قوت خداداد کے تحت ادا ہو سکتے تھے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ فِیۡهِ ذِکۡرُکُمۡ ظاہراً تو کہیں اہل عرب کا ذکر نہیں بلکہ تاقیامت ہر انسان کے لیے اس میں وعدے وعیدیں قانون بشارت و نذارت ہے تو یہاں ذِکۡرُکُمۡ۔ کیوں فرمایا گیا! جواب۔ سب سے بڑا ذکر اور چرچا تو یہی ہے کہ اُن کی لغت و زبان میں قرآنِ مجید آیا جو تا ابد باقی ہے یہ بڑی عزت افزائی ہے دوم یہ کہ رب نے ہر صیغے میں ان کو خطاب فرمایا باقی لوگوں کو ان کے واسطے سے سوم یہ کہ قرآن نے ساری دنیا کے سجدے رکوع نمازیں اُن کے کعبے کی طرف کرا کر سارے عالمِ اسلام کو ان کے جغرافیے کا محتاج و داتا بنیا بنا دیا۔ چہارم یہ کہ سارے عالمِ اسلام کی بڑی تجارتی منڈی ہر سال بلکہ پورا سال علاقہ عرب خاص کر شہر مکہ کو بنا دیا پنجم یہ کہ تمام دنیا میں اہل عرب کی عزت قرآن مجید کے ذریعہ ہوئی۔ رابطہ عالم اسلامی کے لیے قرآن مجید سب سے بڑا اور موثر ذریعہ ہے۔ دیگر زبانیں اس کے سامنے ہیچ ہیں۔ ششم یہ کہ لسانی جھگڑے قرآن مجید نے ختم کئے۔ ہر غیر عربی زبانِ عربی سیکھنے پر مجبور رہے کیونکہ اسی زبان پر ہر مسلمان کی عبادت و تلاوت کا مدار ہے اس کے علاوہ بھی ہزار ہا عزتیں اسی کتاب مبین کے ذریعے اہل عرب کو ملیں لہٰذا اُن پر فرض اولین ہے کہ قرآن کریم کے دامن میں صحیح طور سے آئیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَمَا جَعَلۡنٰهُمۡ جَسَدًا (الخ) اور نہ بنایا ہم نے اُن عالمِ اسرار والوں کو ایسے جسم جو نہ کھاتے ہوں۔ اور نہیں ہیں وہ اہل عالمِ رنگ و بو کی مصائب میں ہمیشہ کی زندگی والے پھر ازلی قدیم کا وعدہ ہم نے سچا کر دیا کہ ابتلاءِ ناسوتی سے اُن اسرار والوں کو بھی بچا لیا اور اپنے پسندیدہ لوگوں کو بھی اور راہ معرفت کے عیاروں کو ہم نے محرومی کی موت سے ہلاک کر دیا۔ انسان کو چار چیزیں عطا فرمائی گئیں (۱) جسد (۲) جسم (۳) روح (۴) قلب۔ جسد کی غذا کھانا پینا جسم کی غذا عبادت روح کی غذا اللہ رسول کا عشق۔ قلب کی غذا شکر کھانا پینا انسان کی عظمت ہے اس سے ہی اس کی اشرفیت ہے یہ نعمت فرشتوں کو بھی نہ ملی کھانے پینے کی دو قسمیں

marfat.com

ہیں ۱ غذاءِ رحمانی یعنی رزقِ حلال ۲ شیطانی غذائیں یعنی حرام رزق۔ شیطانی کھانوں سے شہوت حرص ہوس
اہلیت فسق و فجور سرکشی غرور پیدا ہوتا ہے حلال غذاؤں سے شوقِ عبادت ذوقِ محنت محبتِ ایمانی
عشقِ رحمانی لذتِ فراق وصل کی خواہش۔ کعبہ جمال کا قرب اور سیر الی اللہ کی قوت نصیب ہوتی ہے اگر
غذائیت نہ ہو تو ہدایت نہ ہو ہدایت نہیں تو خواہشات نہ ہوں۔ اگر سینۂ بندگی میں خواہشات نہ
ہوں تو تقابل نہ ہو اگر تقابل نہ ہو تو قربِ الٰہی کی تمنا نہ ہو تمنا نہ ہو تو ہمت نہ ہو۔ حلال غذا سے بندہ
اہلُ اللہ بنتا ہے اور حرام غذا سے اہل نفس و شیطنی بنتا ہے۔ غذائیت نے انسان کو گیارہ علم سکھائے
۱ علم ذوق ۲ علمِ لذت ۳ علم شہوت ۴ علم جوع ۵ علم عطش ۶ علم شکم سیری ۷ علم ہضم ۸ علم امراض
۹ علمِ طب ۱۰ علم ادویہ ۱۱ علم تاثیراتِ نباتات۔ سب سے بڑی عبادت کھانے پینے میں احتیاط
ہے لیکن حلال غذاؤں سے بچنا رہبانیت ہے جو گناہ ہے۔ حرام غذاؤں سے بچنا زہد ہے جو تعلیم اسلام
کی نیکی ہے اس تعلیم کے لیے انبیا علیہم السلام کو کھانے پینے والا بنایا۔ اور اسی بات کو سمجھانے کے لیے
لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْكُمْ كِتٰبًا (الخ) البتہ بے شک نازل کی ہم نے اے عرب لوگو تمہاری طرف یہ
کتابِ مبین جس میں تمہارا ذکر فکر نصیحت قوانین ہیں تاکہ تمہاری زندگی جانوروں سے ممتاز اور فرشتوں
سے اعلیٰ ذوقِ قرآنی شوق رحمانی قربِ عرفانی والی ہو جائے۔ کیا تم اس بات کو نہیں مانتے سمجھتے کہ کس چیز
میں فائدہ کس چیز میں نقصان ہے اے اہل نفوس چار چیزوں کی طرف رغبت نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے
۱ راہبانہ عبادت کی طرف ۲ زاہدانہ عقل کی طرف ۳ دنیوی ڈر سے تقوے کی طرف ۴ نابالغی کی طہارت
و عبادت کی طرف ان چیزوں کو کسی شمار میں نہ لانا چاہیئے جو شخص ان اعمال پر بھروسہ کرتا ہے وہ عمر اور
وقت ضائع کرتا ہے کیونکہ یہ چاروں کم عقل کے اعمال ہیں وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً
وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ۔ فَلَمَّآ اَحَسُّوْا بَاْسَنَآ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ۔
اور عالمِ ناسوت کی کتنی ایسی بے عقل وادیانِ باطنی کو ہلاک و ضائع کر دیا ہم نے جو ظلم کرنے والی تھیں
اپنی عاقبت کو خراب کر کے اور خباثت کی ہلاکت کے بعد ہم نے اجسامِ ناسوتی اور ابدانِ لاہوتی
و اجسادِ جبروتی میں نئے شعورِ تفکرات علومِ تصورات کو پیدا فرمایا اس طرح کہ جسم میں شعور بدن میں
تفکر جسد میں تصور قائم ہو گیا۔ پھر جب غفلتِ عملی کا عذابِ محرومی پہنچا اور انہوں نے جان لیا کہ مقابلۂ
عذاب مشکل ہے تو بجائے رجوع اِلی الحق اور توبۂ عرفانی کے حق سے فرار۔ عمل سے دوری اختیار کی
یہی اہل نفوس کی بدنصیبی ہوتی ہے اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ كُلِّ شَرِّ الشَّيٰطِيْنَ۔ اعمالِ
اُخروی کی درستگی کا راستہ اُن ہی خوش نصیب لوگوں کو دکھایا جاتا ہے جو اخلاقِ محمدی سے

marfat.com

منقسف ہونے کی صلاحیت رکھتے ہوں مگر گمراہوں کو دعوتِ عرفان نہیں دی جاتی اس لیے کہ یہ دعوتِ خداوندی ہے جو وہ اپنے مخصوص بندوں کو عنایت فرماتا ہے۔ اُمّ المومنین صدیقہ کا فرمان کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اَخلاق قرآنِ کریم ہے اس میں بہت راز پوشیدہ ہے اور اخلاقِ ربانیہ کی طرف مخفی اشارہ ہے چونکہ یہ کہنا ممنوع ہے کہ اخلاق الٰہیہ سے متصف ہیں اس لیے اسی معنی کا باادب لہجہ یہی ہے کہ اخلاق نبوۃ کو قرآنِ کریم کی طرف منسوب کیا جائے۔ یہی اخلاق اُمت کے لیے ذکر کم ہے۔

لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَ

اب بیکار مت بھاگو اور لوٹ پڑو اسی عیش و عشرت کی طرف جو دئے گئے تم اس

نہ بھاگو اور لوٹ جاؤ ان آسائشوں کی طرف جو تم کو دی گئیں نہیں اور

مَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ ﴿۱۳﴾ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا

بستی میں اور اپنے گھروں کی طرف تاکہ تم سے سوالات کئے جائیں بولتے جاتے تھے ہائے ہماری ہلاکت بیشک

اپنے مکانوں کی طرف شاید تم سے پوچھنا ہو۔ بولے ہائے خرابی ہماری بے شک

كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۱۴﴾ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى

ہم ہی ظالم تھے ۔ تو یہ ہی رہا اُن کا رونا دھونا ۔ یہاں تک کہ بنا ڈالا

ہم ظالم تھے ۔ تو وہ یہی پکارتے رہے یہاں تک کہ

جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ﴿۱۵﴾ وَمَا خَلَقْنَا

ہم نے اُن سب کو ایسی اکھڑی کھیتی جو جلی بجھی راکھ جیسی ہو۔ اور نہیں پیدا کیا ہم نے

ہم نے انہیں کر دیا کاٹے ہوئے بجھے ہوئے۔ اور ہم نے

marfat.com

السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ ﴿۱۶﴾ لَوْ

آسمان اور زمین اور ان کو جو ان دونوں کے درمیان ہیں ہیں کھلوتے۔ اگر ہم

آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے عبث نہ بنائے۔ اگر ہم

اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ ق صلے

ارادہ کرتے یہ کہ اختیار کریں ہم کھیل کی چیزیں تو یقیناً ہم رکھتے اُن کو اپنے ہی پاس

کوئی بہلاوا اختیار کرنا چاہتے تو اپنے پاس سے اختیار کرتے

اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ﴿۱۷﴾

اگر ہوتے ہم ایسے کام کرتے والے

اگر ہمیں کرنا ہوتا

تعلّقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں عذاب زمینی سے گھبرا کر کافروں کے بھاگنے چھپنے اور جان بچانے کا ذکر ہوا اب ان آیت میں ان کی اس بزدلی و گھبراہٹ پر طعن فرمایا جا رہا ہے کہ رحیم کریم ہنستے نبی کو شہید کرنے والو بزدلو بدبختو اب کیوں بھاگ رہے ہو جاؤ اپنی عیش پرستی میں لوٹ کر پھر مزہ دیکھو۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیتوں میں کفار کے ظلم و سرکشی کرنے کا ذکر ہوا۔ ان آیت میں مار کھا کر اقرار جرم کا ذکر کیا گیا عذاب سے پٹ کر پھر کہنے لگے کہ ہائے ہم ہی بڑے ظالم تھے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں سمجھایا گیا تھا کہ اس جہان میں سدا کسی نے نہیں رہنا ہمیں پر نیک بندے بن جاؤ عذاب آنے سے پہلے ٹھیک ہو جاؤ یہ مہلت اور درست ہونے کی قیمتی گھڑیاں ہیں پھر یہ مہلت کبھی نہ ملے گی۔ اب ان آیت میں فرمایا گیا کہ کفار نے مہلت و ڈھیل سے فائدہ نہ اٹھایا اور جب عذاب آگیا تو لگے روتے پیٹنے مگر پھر بات نہ بنتی گئی اور حصیداً خامدین بنا دیا گیا۔

تفسیر نحوی لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِیْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ

marfat.com

قَالُوْا یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۔ فَمَا زَالَتْ تِّلْکَ دَعْوٰھُمْ حَتّٰی جَعَلْنٰھُمْ حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ۔ لَاتَرْکُضُوْا ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل نہی حاضر معروف جمع مذکر حاضر رَکْضٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بیٹھ دکھا کر بھاگنا گھبرا کر یا ڈر کر تیز دوڑنا۔ یہ فعل نہی با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِرْجِعُوْا ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر، اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت (مقصد) کے لیے مَا اسم موصولہ۔ اُتْرِفْتُمْ ۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول جمع مذکر حاضر مصدر اِتْرَافٌ تَرَفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دنیوی عیش و آرام دنیا اس کا نائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اسم ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ کے لیے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع مَا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اُتْرِفْتُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ مَسٰکِنِ اسم جمع مکسّر مضاف ہے اس کا واحد مَسْکَنٌ اسم ظرف بمعنیٰ رہنے کی جگہ مراد ہے گھر کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہوا مَا کے پورے جملے پر دونوں عطف مل کر مجرور ہوا اِلٰی جارہ سے جار مجرور دونوں متعلق ہے اِرْجِعُوْا کا لَعَلَّکُمْ تُسْئَلُوْنَ باب فتح کا ماضی احتمالی مجہول جمع مذکر حاضر مثل ہموز العین سے مشتق ہے یہ احتمالی شک کے لیے نہیں بلکہ تعلیل و علت کے لیے ہے بمعنیٰ تاکہ اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی اِرْجِعُوْا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَاتَرْکُضُوْا کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عطفی ہو گیا۔ قَالُوْا باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یا حرفِ ندا مجازاً ندبہ (رونے پیٹنے) کے لیے ہے۔ وَیْلَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ہلاکت، تباہی بربادی۔ مضاف ہے اس لیے مبنی بر فتحہ ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع وہی کفار مذکورہ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے۔ اِنَّا۔ دراصل ہے اِنَّ نَا۔ اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم مرجع قَالُوْا کا فاعل کفار بھگوڑے۔ اسم ہے اِنَّ کا کُنَّا فعل ماضی مطلق ناقصہ جمع متکلم نون مشدد دو نون ہیں پہلی کُنْ مادے کی دوسری نَا ضمیر جمع متکلم مرفوع کی (ضمیر صیغہ) یہ اسم ہے فعل ناقصہ کا ظٰلِمِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ظَالِمٌ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے کُنَّا کی فعل ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم منصوب خبر مرفوع سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا ہے حرفِ ندا یہ قائم مقام ہوتا ہے اَدْعُوْ یا نَدْعُوْا) اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر مقولہ ہوا قَالُوْا اپنے مقولہ سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ مَا زَالَتْ فعل ناقصہ واحد مؤنث غائب تِلْکَ اسم اشارہ دَعْوٰی اسم

marfat.com

حاصلِ مصدر جامد بمعنی چیخ چیخ کر پکارنا۔ یہاں مراد ہے یُوَیْلَنَا۔ یُوَیْلَنَا کہنا اسم مقصورہ اس لیے تقدیری رفع ہے کیونکہ مشار الیہ ہے تِلْكَ مبنی مرفوع اسم کا مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مشار الیہ تِلْكَ کا دونوں مل کر اسم ہوا مَازَالَتْ کا۔ ایک قول میں هٰذَا پوشیدہ اس کی خبر ہے مگر ایک قول میں تِلْكَ اسم ہے اور دَعْوٰىهُمْ خبر ہے اور ایک قول میں اس کا الٹ وہ کہتے ہیں کہ جیسے فاعل مقدم مؤخر ہو سکتے ہیں ایسے ہی فعل ناقصہ کے اسم و خبر بھی مقدم مؤخر ہو سکتے ہیں حتّٰی حرفِ جر ماقبل فعل کی درازی کو روکنے کے لیے آتا ہے جَعَلْنَا بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اس کا فاعلِ ضمیر صیغہ مرجع خالق تعالیٰ جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بنانا، بدل دینا۔ کر دینا۔ هُمْ ضمیر منصوب متصل کا مرجع وہی جھگڑے کفار مفعول بہ اول ہے حَصِيدًا اسم صفت مشبہ صیغہ مبالغہ بروزنِ فَعِيلًا بمعنی محصودًا اسم مفعول حَصْدٌ سے مشتق ہے بمعنی کٹنا۔ کٹا ہوا ہونا۔ جڑ سے اکھڑ جانا یہاں اسی معنی میں ہے ہر مبالغہ کا صیغہ واحد اور جمع دونوں کے لیے مستعمل ہے یہاں جمع کے لیے ہے ذوالحال ہے خَامِدِيْنَ بابِ سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر خُمُودٌ سے مشتق ہے بمعنی بجھنا آگ کی راکھ بن جانا۔ انگاروں کو بجھا کر نہایت ہلکی راکھ کو خمود اور خمد کہتے ہیں موٹی راکھ کو عربی میں رِمَادٌ اور گرم راکھ یعنی بھوبھل کو دِمَانٌ کہتے ہیں عربی میں راکھ کے لیے چار لفظ ہیں ۱نسف نہایت باریک راکھ ۲ رماد موٹی راکھ ۳ دمان سخت گرم راکھ ۴ خمود چنگاریوں والی راکھ بحالت نصب ہے حال ہے حَصِيدًا کا یہ دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہوئے جَعَلْنَا کے ایک قول میں حَصِيدًا مفعول دوم ہے اور خَامِدِيْنَ مفعول سوم ہے مگر یہ ترکیب غلط ہے کیونکہ جَعْلٌ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے لہٰذا سہ مفعول نہیں ہو سکتا۔ جَعَلْنَا فعل فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا حتّٰی سے یہ جار مجرور متعلق ہے مَازَالَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ و اؤ بسر جملہ مَا خَلَقْنَا بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم صرف فصاحتِ کلام کے لیے۔ اس کی جمع ضمیر کا مرجع واحد اللہ تعالیٰ ہے خَلْقٌ سے مشتق بمعنی پیدا کرنا نیست سے ہست کرنا یعنی کچھ بھی نہ ہو تو اس کو بہت کچھ بنا دینا اسی لیے بجز اللہ تعالیٰ کائنات میں کوئی شخص کسی بھی چیز کا خالق نہیں السَّمَآءَ اسم مفرد معرف باللام جنسی مراد ہے تمام آسمان واؤ عاطفہ اَلْاَرْضَ اسم مفرد ذواحد، واؤ عاطفہ مَا اسم موصول بَيْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے هُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہے

marfat.com

مَا کا دونوں مل کر معطوف ہوا۔ اَلسَّمآءَ وَالْاَرْضَ کا پھر وہ دونوں آپس میں عطف ہیں سب عطف مل کر مفعول بہٖ ہوا۔ لٰعِبِیْنَ باب فتح کا اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ فتحہ مفعول لہٗ ہے یہاں یہ غیر عامل ہے لَعِبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کھیلنا بیکار اور فضول کام کرنا یہاں مراد ہے کسی چیز کو اُس کے مقصد اور اپنے فائدے کے خلاف استعمال کرنا جس کو اردو میں کھلونا کہا جاتا ہے۔ مَا خَلَقْنَا فعل اپنے تمام معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَوْ حرفِ شرط بمعنیٰ اگر یہاں لَوْ شرطیہ ثبوت شرط کے لیے ہے اَرَدْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم رَوْدٌ یا رُیْدٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِرْیَادٌ اور اِرَادَۃٌ بمعنیٰ ارادہ کرنا۔ ارادے کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ خواہش سے ارادہ کرنا ۲۔ پسند و چاہت سے ۳۔ بغیر خواہش ۴۔ بغیر چاہت ارادہ کرنا۔ یہاں عام ہے سب کو اَنْ حرف ناصبہ مضارع کو ہمیشہ نصب دیتا ہے نَتَّخِذَ۔ باب افتعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ اور اس کا مادہ ہے اَخْذٌ بمعنیٰ بنانا۔ اختیار کرنا۔ لَہْوًا اسم مفرد جامد نکرہ بمعنیٰ کھیل اور دل بہلاوے کی چیز یا بات۔ لَعِب اور لَہْو میں چھ طرح فرق جو ان شاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا یہ مفعول بہٖ نَتَّخِذَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہٖ ہوا اَرَدْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام کے برائے تحقیق و تاکید اِتَّخَذْنَا باب افتعال کا ماضی مطلق۔ جمع متکلم مصدر اِتِّخَاذٌ یہ فعل با فاعل ہُ ضمیر مفعول بہٖ مِنْ حرفِ جر زائدہ بیانیہ یعنی اپنے معنیٰ نہیں دیتا اور ابتدا کے لیے نہیں صرف بیان وضاحت کے لیے ہے لَدُنْ اسم تقریبی ظرفِ مکانی کے لیے جامد ہے ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اور اکثر مضاف الیہ ضمیر ہوتا ہے بمعنیٰ قریب نَا ضمیر جمع متکلم ان دونوں آیتوں کی تمام ضمائر جمع متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے کا اتَّخَذْنَا فعل با فاعل اور متعلق سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدم ہے۔ بعض نحویوں کے نزدیک یہ جزا ہے مَاقبل جملہ لَوْ اَرَدْنَا کی اور اگلا جملہ جو شرط ہے۔ اس کی جزا پوشیدہ ہے مگر یہ ترکیب درست نہیں ہے۔ اِنْ حرفِ شرط بعض نحات نے اس کو اِنْ نافیہ بتایا ہے۔ کُنَّا فعل ماضی مطلق ناقصہ جمع متکلم اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے فٰعِلِیْنَ۔ اسم فاعل جمع فاعل سے مشتق ہے اس کا باب عمومی ہے یہ مادہ مجرد کے ہر باب میں گردان ہو جاتا ہے۔ یہاں جمع کا صیغہ تعدد جمعیت کے لیے نہیں بلکہ کُنَّا کی جمعیت فصاحتی کی نسبت سے ہے۔ فٰعِلِیْنَ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے کُنَّا کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوئی جزاء مقدم سے مل کر جملہ شرطیہ ہو کر پھر جزا ہوئی لَوْ اَرَدْنَا کے جملے کی وہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ۔ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ۔ اس بستی کے اہل ایمان غربا عوام لوگوں نے ان کا مذاق وطنز کرتے ہوئے فرمایا کہ اے انبیاء علیہم السلام کی گستاخی کرنے والو غرباء مومنین پر ظلم کرنے والو۔ اب بزدل بن کر مت بھاگو اور لوٹو اپنی ان کھیل کود کی مستیوں اور گھریلو دولتوں جاگیروں کی طرف جس میں تم وسعت اور فراخی دیئے گئے ہو جن پر تم کو بڑا ناز و غرور تھا۔ اور ان رہائشی محلوں کی طرف جن کی خوب صورتی اور مضبوطی کے بھروسے پر تم بہتے ہے بس کمزور اہل ایمان پر ظلم کفر کماتے تھے تاکہ تم پھر شاید اپنے غلاموں ماتحتوں نوکروں فقیروں پر حاکم اور مسلط ہو کر مشغول بنا لیے جاؤ اور تم کو تمہاری سابقہ نام و نمود والی سرداری پھر مل جائے اور پھر حسب سابق بھکاری تم سے بھیک مانگیں اور تم محض دکھلاوے جھوٹی شہرت مقابلے بازی کے لیے بڑھ چڑھ کر سخاوتیں کرو۔ بعض نے فرمایا کہ لَعَلَّكُمْ تُسْــَٔلُوْنَ کا معنی ہے۔ تم کو قاضی یا جج بنا دیا جائے اور غریب لوگ تم کو فقط دولت کی بنا پر اپنا امیر یا سردار مان کر تم سے اپنے فیصلے کرائیں۔ لہٰذا لوٹ آؤ اے دولت شہرت۔ عزت کے پجاریو مغرورو اب بھی ظلم کرو۔ اب کیوں بھاگ رہے ہو اس عذاب ناگہانی ولشکر سلطانی ویلغار طوفانی سے بعض نے فرمایا کہ لَا تَرْكُضُوْا اور وَارْجِعُوْٓا کا کلام ملائکہ نے کیا۔ یا غیبی آواز میں یا ظاہری انسانی شکل میں مگر پہلا قول درست ہے۔ اور بزدل ہو کر بھاگتے ظالموں کو جب بخت نصر کی شاہی فوجوں نے پکڑ لیا تو قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ۔ بولے ہائے ہماری کمبختی بدنصیبی بے شک ہم پہلے بہت مغرور گستاخ اور ظالم بنے رہے کہ ہم نے اپنے مہربان مشفق معصوم پیارے مصلح ناصح نبی کو قتل کر دیا تھا۔ يٰوَيْلَنَآ میں مفسرین نے تین معنی بیان کئے ہیں ۱ ہائے ہماری بدبختی ۲ ہائے ہماری ہلاکت ۳ موت پڑے ہم پر۔ نسانہ قید و بند میں وہ کئی دن تک اپنے آپ پر یہی بد دعائیں دیتے رہے۔ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ۔ یہاں تک کہ ہم نے بنا دیا ان کو کٹی ہوئی کھیتی کی طرح تیر و تلوار سے مردہ ٹکڑے ٹکڑے نیست و نابود بالکل بجھی ہوئی راکھ جس میں فقط پھر ایک چنگاری کی بھی جان نہیں ہوتی، خیال رہے خمود اور ہمود دونوں کا معنی راکھ ہے مگر خمود وہ راکھ جو بالکل ہی بجھ کر ٹھنڈی ہو چکی ہو اور ہمود وہ راکھ جو ابھی گرم ہو اور اس میں کچھ چنگاریاں۔ وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ۔ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ اور نہ پیدا کیا ہم نے آسمانوں کو اور زمین کو اور ان تمام چیزوں کو جو ان کے درمیان میں ہیں۔

marfat.com

چاند سورج ستارے بادل پہاڑ دریا سمندر کھیت باغات جنگلات حیوانات چرند پرند مٹی ریت پتھر ٹیلے معدنیات دھات دولت گھر بار انسان جنات فرشتے حور و غلمان جنت دوزخ اعراف برزخ دنیا و آخرت کو فقط کھیل تماشے کے لیے۔ فرضاً اگر ہم کھیل تماشہ کرنے کا ہی ارادہ کرتے اور اپنے دل بہلاوے کے لیے بناتے تو پھر ہمیں علم عقل فہم نبوت نصیحت تفکر تدبر تعقل تذکر۔ سزا جزا پیدا کر کے انسانوں جنوں اور اُن کی موت و حیات کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ ہم اپنے پاس ہی سب کچھ حور و غلمان کو بیوی بچے اور ڈھیر سارے کھلونے بنا لیتے۔ اگر ہم کرنا چاہتے۔ لیکن ہم ایسی فضولیات کرنے والے نہیں ہیں۔ مفسرین کے مختلف اقوال۔ لَا تَرْكُضُوْا۔ میں تین قول ہیں ۱۔ غربا مومنین نے اُن بھگوڑوں ظالموں اُمراءِ کفار سے بطور طنز کہا یہ غربا اپنی عبادت گاہوں میں محفوظ و مطمئن تھے۔ رب تعالیٰ نے بخت نصر جیسے ظالم کافر بادشاہ کے دل میں اُن کے لیے رحم ڈالدیا تھا لشکری فوجیوں نے ان کو کچھ نہ کہا نہ قتل کیا نہ قید ۲۔ یہ کلام فرشتوں نے انسانی شکل میں ظاہر و غالب ہو کر کیا ۳۔ غیبی آوازیں آئیں فرشتوں کی یا جنات کی تاریخوں میں لکھا ہے کہ جب چنگیز خان نے خوارزم شاہ پر حملہ کیا تھا تب بھی غیبی آوازیں آتی تھیں کہ اَیُّهَا الْكُفَّارُ اُقْتُلُوا الْفُسَّاقَ یعنی اے کافرو فاسقوں بدکاروں کو قتل کر دو۔ خوارزم شاہ کے زمانے میں زنا عام تھا اور سزا اُنہیں ختم یہ ذلت و رسوائی اسی وجہ سے ہوئی تھی اس وقت بھی نیکوں نمازیوں کو بچا لیا گیا تھا۔ تُسْئَلُوْنَ میں تین قول ہیں ۱۔ تم کو اُسی طرح شان و عزت مل جائے گی تمہارے دروں پر بھکاری آئیں گے تم سے مانگیں گے ۲۔ لوگ تم سے اپنے فیصلے کرایا کریں گے تم کو اپنا سردار مانیں گے ۳۔ بخت نصر بادشاہ تمہاری قدر کرے گا تم سے مشورے لے گا۔ پہلا قول درست ہے۔ يٰوَيْلَنَا کے تین معنی کیے گئے ہیں ۱۔ ہائے ہماری ہلاکت ۲۔ ہائے ہماری کم بختی بدقسمتی ۳۔ ہم پر موت پڑے جلدی موت آئے تاکہ اس ذلت و مصیبت سے چھوٹ جائیں۔ پہلے معنی میں يٰوَيْلَنَا سے پریشانی اور گھبراہٹ کا اظہار ہے دوسرے معنی میں ندامت و پشیمانی پچھتاوا ہے تیسرے معنی میں۔ يٰوَيْلَنَا۔ کہنا بددعا ہے اپنے آپ پر اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ میں تین قول ۱۔ اپنے نبی کو قتل کرنے کا ظلم ۲۔ عام غریب مومنین کو مارنے ستانے کا ظلم ۳۔ اپنے نبی اور اپنے مبعوث نبی کے اُمتیوں اہلِ ایمان کی بات نہ مان کر ایمان نہ لا کر اپنی جانوں پر ظلم۔ دَعْوٰىهُمْ میں دو قول ہیں ۱۔ قتل ہونے تک اسی طرح اپنے آپ پر لعنت ملامت کرتے رہے ۲۔ ایک دوسرے پر الزام دھر کر آپس میں برا بھلا اور لعنت ملامت کرتے رہے۔ دعویٰ کا معنیٰ ہے بددعا خٰمِدِيْنَ۔ میں دو قول ہیں ۱۔ یہ دنیا اور سا اشیاء

marfat.com

دنیا لوگوں کے کھیل کود عیش و عشرت کے لیے نہ بنائی گئی۔ اس قول کی دلیل یہ کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بزمانہ بچپن ایک دفعہ لوگوں کو کھیلتے دیکھ کر فرمایا تھا۔ مَا خُلِقْنَا لِهٰذَا۔ اے لوگو ہم کھیل تماشوں کے لیے پیدا نہیں کیے گئے۔ دوسرا قول یہ کہ لٰعِبِیْنَ۔ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے لہو و لعب کے لیے یہ کھلونے نہ بنائے ہیں۔ اس قول کی دلیل اسی آیت کی اگلی عبارت ہے لہوا میں دو قول ہیں ۱ کھیل تماشہ ۲ بیوی بچے۔ اِنْ کُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ میں دو قول ہیں ۱ یہ اِنْ شرطیہ ہے ۲ یہ اِنْ نافیہ ہے۔ شرطیہ کا ترجمہ ہے۔ اگر ہوتے ہم کرنے والے۔ اِنْ نافیہ کا ترجمہ ہے۔ ہم ایسا کرنے والے نہیں۔

فائدے

ان آیتِ پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ مخلص مومن بندوں کی نیکیاں اور انبیاء علیہم السلام کا دامنِ حفاظت بندوں کو ہر قسم کے دنیوی عذاب سزا وبا اور مصائب و تکالیف سے بچا لیتی ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے نیک بندوں کی طرح خود حفاظت فرماتا ہے آیت و روایات اور تواریخ شاہد ہیں کہ جب کوئی عذاب آسمانی یا سلطانی کسی قوم پر آیا تو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے پیارے پسندیدہ بندوں کو بچا لیا بلکہ ظالم و جابر بادشاہوں کے دلوں میں اُن کی عظمت و محبت ڈال دی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ جیسا کہ ہلاکو اور چنگیز خانی حملوں سے اللہ کریم نے حضرت شیخ سعدی جیسے بزرگوں کو بچا لیا بلکہ ان بادشاہوں اور ان کی فوج کے دلوں میں ان کی اُلفت و احترام ڈال دیا۔ یہ فائدہ لَا تَرْكُضُوْا۔ (الخ) کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اُن بیوقوف لیڈرانِ قوم اور جھوٹے بیہودہ اتحاد کے پجاریوں کو عبرت پکڑنی چاہیے جو یہ کہتے پھرتے اور عوام کو گمراہ کرتے پھرتے ہیں کہ ہر فرقہ سچا ہر گروہ اچھا ہے ہر ایک سے اتحاد کرو اور ہر جھوٹے سچے کو ایک جیسا سمجھتے ہیں۔ دلیل یہ دیتے ہیں کہ اگر دشمن نے حملہ کیا تو نہ سنی بچے گا نہ وہابی نہ شیعہ اس اتحاد کے بہانے یہ لیڈران خطیبان حق کو باطل کی گود میں ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ اتحاد نہیں بلکہ ایمان فروشی ہے۔ اتحاد صرف وہی ہے جس کی تعلیم قرآن کریم نے عطا فرمائی کہ۔ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۰۳) رب تعالیٰ نے ہمیشہ اہلِ حق کی خود حفاظت فرمائی ہے حق والوں کو کسی باطل کی پناہ لینے کی ضرورت نہیں

دوسرا فائدہ۔ اعمال خواہ کتنے ہی اچھے سچے پکے ہوں۔ اور اپنوں۔ پرایوں اور خود اپنی ذات کے لیے ظاہراً ہر طرح مفید ہوں۔ لیکن اگر نبوت کے آستانے اور نبی کی تعلیم و اتباع سے ہٹ کر من مرضی سے کیے جائیں تو وہ اعمال بارگاہِ الٰہیہ میں کچھ قدر و قبولیت نہیں پاتے نہ کسی بدعقیدہ

marfat.com

کو کسی عذاب و سزا سے بچا سکیں۔ یہ فائدہ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا کہ وہ لوگ بہت سخی تھے اوران کی سخاوت عوام و خواص میں مشہور تھی غریبوں کو خیرات دیا کرتے تھے لوگ اُن سے حاجتیں مانگا کرتے تھے مگر شانِ نبوت کی گستاخی اور ذاتِ نبوت کی اذیت نے اُن کو ہر طرح ذلیل و تباہ کر دیا اُن کی یہ سخاوتیں اُن کے بالکل کسی کام نہ آسکیں۔ لہٰذا بدعقیدہ و بیہودہ مسلمانوں کو اپنی گستاخانہ حرکتوں سے بچنا چاہیے۔ تیسرا فائدہ ہر وہ کام یا وہ بات جو طریقۂ اسلام و تعلیم نبوت کے خلاف ہو وہ لہو و لعب اور فضول ہے اس لیے کہ اسلام کا ہر حکم کسی مقصد و حکمت کے تحت ہوتا ہے جو کام کسی مقصد کے نہ ہو وہ لہو و لعب ہے یہ فائدہ وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہ تمام مخلوق بچوں کے کھیل تماشوں کی طرح بے مقصد نہ بنائی جیسے کہ بچے یا بیوقوف گھروندے بناتے ہیں۔ اسی لیے قرآنِ مجید میں ہر دنیا دار دولت پرست کافر و فاسق کو بیوقوف اور سفیہ فرمایا گیا ہے۔ اس آیت میں آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کے منکرین کو بھی سمجھایا جارہا ہے کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی نہ ہوتے تو یہ اُن کے ہزاروں معجزات محض کھیل تماشہ اور شعبدہ ہوتے (تفسیر کبیر رازی)

احکام القرآن

اِن آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ بھیک مانگنا اگرچہ بعض موقعوں پر بعض لوگوں کے لیے ناجائز و گناہ ہے مگر بھیک دینا ہر وقت ہر شخص کے لیے ہر جگہ جائز ہے اگرچہ مسجد ہو کہ وہاں بھیک مانگنا تو حرام ہے مگر بھیک دینا جائز ہے یہ مسئلہ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ کے اُس تفسیری قول سے مستنبط ہوا جس میں تُسْئَلُوْنَ کا معنیٰ خیرات مانگے جانا کیا گیا ہے یعنی اے بھاگتے کافرو تمہارے یہ کام تو بہت اچھے تھے تو اب کیوں بھاگ رہے ہو لوٹو اپنی اُسی سرداری بڑائی اور سخاوت کی طرف۔ دوسرا مسئلہ۔ علماءِ اصولِ فقہ نے اَمر اور نہی کے سولہ سولہ معنیٰ کیے ہیں جن میں ایک معنیٰ تذلیل اور تعجیز کے بھی ہیں ان کا استنباط اسی قسم کی آیت سے ہے۔ مثلاً ذُقْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْكَرِيْمُ (سورۃ دخان آیت ۴۹) یہ امر تذلیلی ہے اور مثلاً فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۳) یہ امر تعجیزی ہے اور مثلاً وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۲۳) یہ امر بھی تعجیزی ہے وغیرہ وغیرہ اس طرح۔ لَا تَرْكُضُوْا۔ وَارْجِعُوْا کے صیغے امر اور نہی بھی حکم طنزی یا تذلیل ہے یہ قانونی اصولی مسئلہ اسی آیت سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ اسلام کی شریعت یعنی قرآن و حدیث میں ہر مسلمان پر ہر قسم کا کھیل حرام ہے موجودہ دور میں مسلمانوں کی کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ کھیل تماشوں کو ہی عزت

marfat.com

ملکی کا معیار و بنیاد سمجھ لیا گیا ہے آج کرکٹ، ہاکی، کبڈی جیسے فضولیات لہو و لعب اور کھیل میں حیاتِ دنیوی کے قیمتی لمحات اور قوم کا سرمایہ ضائع کیا جا رہا ہے نہ آخرت کی فکر نہ قبر کی تیاری حالانکہ بفرمانِ حدیث مقدسہ یہ تمام کھیل حرام باطل اور ضیاعِ وقت ہے یہ مسئلہ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ آسمان اور زمین اور ان کی چیزیں حیاتِ دنیوی وغیرہ کھیل تماشوں کے لیے پیدا نہ کی گئیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ پہلے زمانے کا ایک فرقہ جبریہ اور معتزلہ اپنی کتابوں میں لکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف خالقِ خیر ہے خالقِ شر نہیں دلیل یہ کہ دیکھو یہاں رب فرماتا ہے وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ (الخ) یعنی ہم نے کھیل کو پیدا نہ کیا۔ کھیل کود تماشہ شر ہے اس کے پیدا کرنے کی نفی فرمائی گئی (معتزلی)۔ جواب یہ اعتراض اس لیے نہایت احمقانہ ہے کہ معترض نے آیت پر غور نہیں کیا یہاں لعب کے پیدا کرنے کی نفی نہیں بلکہ مقصدِ خلقت بیان فرمایا جا رہا ہے کہ مخلوقِ الٰہیہ کا مقصد وہ نہیں ہے جو ان کافرین غافلین نے سمجھ رکھا ہے اسی لیے یہاں لٰعِبِيْنَ ارشاد ہوا نہ کہ لعب نیز شر صرف اشیا کا نام نہیں بلکہ بعض شخصیات بھی شر ہیں مثلاً ابلیس سب سے بڑا شر ہے اُس کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے جیسا کہ قرآن کریم میں خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ۔ خود ابلیس کا قول نقل کیا گیا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا الخ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ آواز فرشتوں نے دی تھی بعض نے فرمایا کہ مومن لوگوں نے دی تھی مگر سوال یہ ہے کہ اس آواز کا فائدہ کیا تھا جب کہ اُن کے علاقہ پر دشمن کا حملہ ہو چکا تھا قتل عام جاری تھا اب واپس آنے کا کیا طریقہ ہو سکتا اور کیا فائدہ ہوتا اور اگر فائدہ نہیں تو یہ بے فائدہ غیبی آواز کیوں دی گئی؟ جواب یہ آواز بے فائدہ نہیں تھی بلکہ عبرت دلانے اور اپنے ظلم یاد کرانے کے لیے تھی اور یہی وجہ تھی کہ اُن کو اپنے ظلم یاد آئے اور يٰوَيْلَنَآ۔ کہنے لگے یہ آواز اُن کی حرکت پر طنز اور ان کی بزدلی پر مذاق تھا۔ تیسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ اُن کفار کی توبہ کرنے رونے گڑگڑانے کے باوجود ان کو ہلاک کر کے حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ بنا دیا گیا چاہیے تھا کہ اُن کو توبہ قبول کر کے بچا لیا جاتا یہ سختی غفاریت رحیمیت کے خلاف ہے۔

جواب۔ تِلْكَ دَعْوٰىهُمْ سے ثابت ہو رہا ہے کہ انہوں نے نہ تو توبہ کی تھی نہ اللہ پر ایمان لائے تھے نہ توحیدِ الٰہی کا اقرار نہ رسالت و نبوت کی تصدیق صرف يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ کہتے رہے نیز یہ کہنا بھی اپنی ہلاکت کا یقینی عذاب دیکھ کر تھا نہ کہ پہلے اس لیے معتبر نہ ہوا یہ قتال

marfat.com

اُن کے بیے عذابِ الٰہی تھا۔ اور عذاب کے وقت کی توبہ بھی نامقبول ہوتی ہے خیال رہے کہ بخت نصر اپنے مفتوحین کو پانچ طرح برباد کرتا تھا ۱؎ مردوں کو قتل کرتا ۲؎ عورتوں کو قیدی بنا لیتا ۳؎ بستی کے مکانات توڑ دیتا ۴؎ پیلے اور نعشوں کو جلا دیتا ۵؎ بھگوڑوں کو پکڑوا کر بھوکا مارتا تھا مرتے تک قید میں رکھتا اور پھر زندہ یا مردہ قیدیوں کو جلا دیتا۔ تاریخ سے ثابت ہے کہ جنگی قید و جیل کا موجد بخت نصر ہے یہ اپنے قیدیوں کو غلام نہ بناتا تھا بلکہ بھوکا رکھ کر مارتا اور یا جلا دیتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ پانچ جرائم سے پانچ وبائیں پھوٹتی ہیں ۱؎ عہد شکنی سے دشمن کا غلبہ ۲؎ جو حکومت خلافِ شریعت فیصلے جاری کرے جو مفتی عالم غلط فتوے شائع کرے اُس پر غربت اور فقیری آتی ہے ۳؎ جب فحاشی عام ہو تو اموات زیادہ ہوتی ہیں ۴؎ جب ناپ تول میں غلط رَوِیہ ہو تو خشک سالی اور قحط پڑتا ہے ۵؎ جب زکوٰۃ نہ دی جائے تو بارشیں بند ہو جاتی ہیں یا بے وقت بارشیں ہو کر تباہی مچاتی ہیں (از تفسیر روح البیان) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْٓا اِلٰى مَآ اُتْرِفْتُمْ فِيْهِ وَمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تُسْئَلُوْنَ قَالُوْا يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ فَمَا زَالَتْ تِّلْكَ دَعْوٰىهُمْ حَتّٰى جَعَلْنٰهُمْ حَصِيْدًا خٰمِدِيْنَ ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اہلِ نفوسِ باطلین ظاہرا کتنے ہی آن شان بان والے نظر آتے ہوں مگر حقیقتاً مُردہ اور بزدل ہوتے ہیں۔ وہ حیاتِ دنیوی میں اعمالِ صالحہ کے فراری اشیاءِ دنیوی کی عیاشیوں آرام طلبیوں میں تو اُن کو نہ قلب کا ہوش ہوتا ہے نہ عقل کا جوش نہ نظر کا غور لیکن موت کے نقارے کی آواز اُن کو پکارتی ہے کہ اب کدھر بھاگ سکتے ہو اب رجوع الی الخالق کا وقت ہے لوٹو اُس انجام اخروی کی طرف جس کے لیے تم کو حیاتِ دنیوی کی لطافتیں اور مساکن ناسوتی کی مہلتیں دی گئیں تاکہ لمحاتِ زندگی اور اعمالِ در زندگی کا حساب و کتاب تم سے پوچھا جائے حساب لیا جائے عذاب دیا جائے تب عالم نزع میں اہلِ نفوس پکارتے ہیں یٰوَیْلَنَا ہائے ہماری غفلت بربادی ہم ہی ظالم ابدان بنے رہے۔ عمر گراں مایہ کو برباد و ویران کر گئے ایسے ہی زبانِ حال سے پکارتے ہیں یہاں تک کہ قبر کی گہرائیوں میں حَصِیْدًا خَامِدِیْنَ ہو کر بے نام و نشان کر دئیے جاتے ہیں۔ کٹی کھیتی جلی لکڑی بجھی راکھ کی طرح موت کی آغوش میں جا گرتے ہیں پھر نہ نماز کے لیے اُٹھ سکیں نہ مسجد کی طرف جا سکیں۔ نہ نیکیوں عبادتوں کی طرف چل سکیں نہ قرآنِ کریم کو پکڑ سکیں نہ تلاوت کے لیے زبان نہ دیکھنے کے لیے آنکھ کھول سکیں۔ پھر تمنائے عبادت ہوئی مسجدیں یاد آئیں تو کیا فائدہ۔ اے غافلو بدنصیبو یٰوَیْلَنَا۔ کہنے کا تو بہت دراز ابد الآباد تک وقت مل جائے گا مگر یا اللہ یا محمد یا رسول اللہ کہنے

پکارنے کے لیے یہی حیاتِ دنیوی کا تھوڑا سا وقت ہے وہ بندہ خوش نصیب ہے جس نے یا اللہ کی التجا یا
یا رسول اللہ کی آہیں اذان کی صدائیں اسی دنیا میں بھر لیں۔ کیونکہ ؎

عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو ۔ کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَیْنَهُمَا لٰعِبِیْنَ لَوْ اَرَدْنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّا
تَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّآ اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۔ اے عالمِ معرفت کے منکرو اور وادیِ سلوک کی طریقت
میں بھٹکنے والو ہم نے آسمانِ روحانی اور زمین جسمانی کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں عقل و شعور علم و فکر
قلب و جگر دست و پا کے باغات و عزائم اُن کے درمیان ہیں محض بازیگری اور کھیل تماشہ بنانے
یا دکھانے کے لیے پیدا نہیں کئے نہ فقط کھیلنے کھانے کے لیے بنائے اگر ہم اسی لَهْوًا کا ارادہ
کرتے تو ہمیں دنیا جہان اور انسان حیوان بنانے اور اپنی خلافتِ ارضی اُن کے سپرد کرنے کی ضرورت
نہ تھی ہم اپنے پاس ہی سب کھلونے بنا کر رکھ لیتے جس طرح ہر شخص کے پاس ہی اُس کی دل جوئی
کے لیے اُس کے بیوی بچے اور دل بہلاوے کی چیزیں ہوتی ہیں اِنْ كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۔ اگر ہم کرنے والے
ہوتے تو ہمارے لیے یہ کچھ مشکل نہ تھا۔ یہ فکر و تدبّر علم مکاشفہ مراقبہ خلوت و جلوت موت حیات
سزا و جزا۔ ولایت و امامت کے علیاّت سب کچھ عبرت سامانیاں ہیں اور امتحاناتِ عالمِ ناسوتی
ہیں۔ مولیٰ علی نے فرمایا اس سے پہلے کہ تمہارا احساب کیا جائے تم خود دن رات اپنا محاسبہ کر لیا کرو
اور اس سے پہلے کہ تمہارے اعمال کا وزن کیا جائے تم خود اپنے اعمال شریعت کی ترازو میں تول
لیا کرو۔ دنیاءِ فانی میں اندھا دھند لاتُرِ گھنوار مت بھاگو۔ بلکہ وَارْجِعُوْا کا آوازہ موت بلند
ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے حضور بڑی پیشی اور آخری رجوع کے لیے اپنے آپ کو خوب مزیّن
شریعت معطّر طریقت منوّر معرفت مُعَنْبر حقیقت میں آراستہ کر لو جب تم اُس دن حاضر بارگاہ ہو گے
تو کوئی بات تم سے پوشیدہ نہ رہے گی۔ محاسبہ چار چیزوں سے مکمل ہوتا ہے ا حِفْظُ اللِّسَان
۲ ضَبْطُ الْکَلَام ۳ پابندیِ اوقات ۴ ترجیح الصَّالحات۔ اس لیے بندۂ حق کو یہ بات ذہن نشین
رکھنی چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دن رات میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں وہ خوب جانتا
ہے کہ اُس کے بندے غفلت میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس لیے انہیں نفسانی خواہشات اور دنیوی
غلامی سے بچانے کے لیے مختلف اوقات میں یہ نمازیں فرض ہوئی ہیں۔ یہ پنج وقتہ نمازیں ایک
سلسلہ ہے جو بندوں کو حقِ ربوبیت ادا کرنے کے لیے زندگی کو مقامِ عبودیت میں جکڑ دیتا ہے
اس طرح بندہ ایک نماز سے دوسری نماز تک اپنا محاسبہ کرتا رہتا ہے اور اس محاسبے کے ذریعے

marfat.com

شیطان کے رستوں کی رکاوٹ و بندش کرتا ہے۔ گویا کہ پانچ نمازیں وہ پانچ دروازے ہیں جو ابلیس لعین
پر بند ہیں۔ ورنہ بندۂ ربانی ان میں محفوظ و مامون ہے نماز سے پہلے تکبیر، تکبیر سے پہلے استغفار
استغفار سے توبہ۔ توبہ سے پہلے اذان۔ اذان سے پہلے وضو۔ یہ وہ پانچ فعل ہیں جن کو دیکھ
کر شیطان بھاگتا ہے اور اپنے ہی اعمالِ بد کی قید میں پھنس کر حَصِیْدًا خٰمِدِیْنَ ہو جاتا ہے۔ استغفار توبہ
اذان وضو اس لیے ضروری کہ ان سے دل دماغ ضمیر و شعور کی گرہیں کھلتی ہیں۔ ان کو چھوڑ دیا جائے تو
ہر کام خلافِ شرع ہو جاتا ہے اور شریعت کے خلاف ہر کام و کلام حرکت و سکون قلب پر ایک سیاہ
داغ ڈال دیتا ہے۔ یہی قلب کی بندش ہے۔

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ

بلکہ ہم غلبہ دیتے ہیں ہر حق چیز کو باطل چیز پر تو وہ حق دماغ توڑ دیتا ہے

بلکہ ہم حق کو باطل پر پھینک مارتے ہیں تو وہ اس کا بھیجا نکال دیتا ہے

فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ ۭ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾

اس باطل کا تب ہی وہ فوراً فنا ہونے والا ہوتا ہے اور تمہارے لیے ہلاکت ہے اس وجہ سے جو تم بیان کرتے
تو جبھی وہ مٹ کر رہ جاتا ہے اور تمہاری خرابی ہے اُن باتوں سے جو بناتے ہو۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَنْ عِنْدَهٗ

اور اُسی کی ملکیت ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔ اور وہ جو اُس کے مقرب ہیں
اور اسی کے ہیں جتنے آسمانوں اور زمین میں ہیں۔ اور اُس کے پاس والے

لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾

نہیں متکبر بنتے اُس کی بندگی سے دور رہ کر اور نہ کمزوری محسوس کریں۔
اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور نہ تھکیں رات دن۔

marfat.com

يُسَبِّحُونَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ﴿۲۰﴾ اَمِ

وہ حالانکہ تسبیح پڑھتے رہتے ہیں رات و دن میں وہ تو کسی سستی کا اقرار نہیں کرتے ۔ بلکہ ان

اس کی پاکی بولتے ہیں اور سستی نہیں کرتے ۔ کیا

اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ ﴿۲۱﴾

کفار نے خود ہی ان کے نام کے معبودوں کو بنا لیا ہے زمین میں سے بھلا وہ کچھ زندہ کر سکتے ہیں ۔

انہوں نے زمین میں سے کچھ ایسے خدا بنائے ہیں کہ وہ کچھ پیدا کرتے ہیں ۔

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں کفار کا قول نقل فرمایا گیا کہ وہ عذاب دیکھ کر کہیں گے ہائے افسوس ہمارے لیے ویل ہے اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہاں واقعی تمہارے لیے دونوں جہان کا ویل یعنی خرابی و ہلاکت ہے دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے آسمان و زمین میں کوئی چیز بیکار و باطل پیدا نہیں کی بلکہ کسی مقصد کے لیے پیدا فرمائی گئیں ہیں اب ان آیت میں وہ مقصد بیان فرمایا گیا کہ ہر چیز اس کی عبادت کرتی ہے اور اُس کی ملکیت ہے ۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا ہم نے کوئی چیز عبث اور لعبین پیدا نہ فرمائی باطل اور بیکار چیز پیدا کرنا ہمارا کام نہیں ۔ اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم تو خود حق کے ذریعے باطل کو مٹا دیتے ہیں چوتھا تعلق پچھلی آیت میں لعب و لہو کی نفی فرمائی جس سے محتاجی کی نفی ہوئی اور غیر محتاجی سے قدرت کا ثبوت ہوا اب ان آیت میں لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ (الخ) فرما کر قدرتِ باری تعالیٰ کا ذکر فرمایا گیا پانچواں تعلق پچھلی آیت میں شرک کی برائی و عذاب کو بیان فرمایا گیا اب ان آیت میں لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ فرما کر شرک کے برا اور باعثِ عذابِ دائمی ہونے کی وجہ بیان ہو رہی ہے ۔

تفسیر نحوی بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۔ وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ بل حرف عطف ہے یہ لفظ قرآن مجید تقریباً ایک سو بار آیا اور تمام جگہ اضراب یعنی سابقہ کلام کی نفی اگلے کلام کے

marfat.com

ثبوت کے لیے ہی مستعمل ہوتا ہے اب یہاں مطلب ہوا کہ لہو لعب کا ارادہ نہیں بلکہ ہم تو باطل یعنی لہو و لعب کو فنا کر دیتے ہیں حق چیزوں کے ذریعے۔ نَقْذِفُ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم قذفٌ سے مشتق ہے بمعنی مارنے کے لیے کسی سخت چیز کو نشانے پر پھینکنا مجازی معنی ہے کسی چیز کو ڈال دینا اتار دینا۔ بوجھ ڈالنا اسی معنی میں تہمت کو قذف اور اس کی شرعی سزا کو حدِ قذف کہتے ہیں۔ یہاں حقیقی معنیٰ میں ہے بَ جارہ تعدیہ کی بمعنی کو۔ حَقِّ اسم مفرد جامد بمعنی حکمت و مصلحت والی چیز عَلٰی جارہ توقیت اَلْبَاطِلِ اسم مفرد معرفہ جامد بمعنی بیکار فضول یہاں مراد ہے لہو و لعب کی چیزیں یعنی شیطانی یہ جار و مجرور (بالحق و علی الباطل) دو متعلق ہیں نَقْذِفُ کے فعل با فاعل دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ فَ عاطفہ سببیہ تعقیبیہ (بعدیت) یَدْمَغُ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع بالحقِّ ہے دَمْغٌ سے مشتق ہے بمعنی گہری۔ اندرونی چیز یہ متعدی بھی آتا ہے اور لازم بھی یہاں متعدی ہے یعنی دماغ کچھ کرنا مراد ہے (دماغ توڑنا فنا کرنا) اور چونکہ دماغ توڑنے سے ہلاکت ہو جاتی ہے اس لیے یہاں ہلاک کرنے کے معنیٰ میں ہے جب یہ لازم ہو تو مراد ہوتا ہے مغز (بھیجہ) اسی معنی میں جنگی زرہ کو دمیغ اور سر کے شدید دماغی زخمی کو مَدْمُوْغ اور چھوٹے سر چھوٹے دماغ والے کو مَدْمَغ کہتے ہیں ہٗ ضمیر منصوب متصل مذکر کا مرجع ہے اَلْبَاطِلِ مفعول ہے یَدْمَغُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ عاطفہ بیانیہ تعقیبیہ اِذَا مفاجاتیہ یعنی اچانک ایک دم بہت جلدی۔ یہاں دوسرے دو معنی مراد ہیں ھُوَ اسم ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع ہے اَلْبَاطِلِ۔ زَاهِقٌ بابِ فَتَحَ کا اسم فاعل واحد مذکر زَهْقٌ سے مشتق ہے لازم بمعنی فنا اور نیست و نابود ہونے والا کسی کا زور ٹوٹ جانا غلبہ ختم ہو جانا یا پردہ چاک اور فاش ہو جانا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ خبر ہے یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا یَدْمَغُ کے جملے پر وہ دونوں عطف ہو کر معطوف ہوئے نَقْذِفُ کے جملے پر وہ معطوف سابقہ عبارت پر خیال رہے کہ فَ عاطفہ اصلاً تعقیب یعنی دیر کے لیے آتی ہے مگر جب اس کے بعد جملہ اسمیہ ہو تو تعقیب مَعَ الفور بتاتی ہے جیسے یہاں کیونکہ جملہ اسمیہ میں استمرار اور سرعتِ فعل ہوتی ہے۔ وَاوٗ برجملہ بیانیہ یا حالیہ لَکُمُ یہ جار مجرور متعلق پوشیدہ اسم فاعل ثابتٌ کے اَلْوَیْلُ اسم مفرد مذکر جامد اس کا مؤنث لفظی وَیْلَۃٌ ہے یہ ہمیشہ مبنی فتحہ پر ہوتا ہے کیونکہ اس سے پہلے معنوی فعل یا حرفِ ندا پوشیدہ مانا جاتا ہے اور یہ اس کا مفعول مطلق یا منادیٰ ہوتا ہے علیحدہ مفرد بھی ہوتا ہے اور اسم ظاہر یا اسم ضمیر مضاف بھی

marfat.com

ہوتا ہے ہر حال میں مفتوح ہوتا ہے اس لیے اس کا مذکر یا متکلم کا مضاف نہیں ہو سکتا مؤنث کو ی متکلم کا مضاف بنایا جاتا ہے مثلاً وَیْلَتِیْ۔ اس کا حقیقی و اصلی ترجمہ ہے ہلاکت بربادی ذلت۔ مجازاً جہاں بھی ہلاکت یا ذلت پائی جائے وہ وَیْل ہے اس لیے مفسرین نے اس کے بارہ معنی کیے ہیں ۱؎ عذاب اخروی ۲؎ پوری وادی جہنم ۳؎ جہنم ۴؎ جہنم کا ایک دروازہ ۵؎ جہنم کا کنواں ۶؎ ذلت ۷؎ شرمندگی ۸؎ حسرت ۹؎ سختی ۱۰؎ افسوس ۱۱؎ شر ۱۲؎ برائی ۱۳؎ کلمۂ جھڑک (زجر و توبیخ) یہاں ہلاکت مراد ہے جملہ خبریہ ہے نہ کہ بد دعائیہ انشائیہ یہ فاعل ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا مِنْ حرف جر زائدہ تعلیلیہ بمعنی وجہ سے مَا موصولہ۔ تَصِفُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارعِ حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر وصف سے مشتق ہے بمعنی کسی کی کیفیت کمیت اور حال چال رنگ ڈھنگ حلیہ بیان کرنا حقیقی ترجمہ ہے کسی کو کسی کی طرف نسبت دینا وہی یہاں مراد ہے توصیف کی دو قسمیں ہیں ۱؎ صحیح ۲؎ غلط یہاں غلط توصیف مراد ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اس کا اور تُکُمْ کا مرجع کفارِ مکہ ہیں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور اور متعلق دوم ہے پوشیدہ ثَابِتٌ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ بر جملہ مَمْلُوْکٌ اسم مفعول پوشیدہ لَہٗ جار مجرور اسی پوشیدہ کا متعلق ہے مَنْ اسم موصول۔ مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول فِیْ حرفِ جر اَلسَّمٰوٰتِ اسم جمع مؤنث سالم معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضِ اسم مفرد مؤنث لفظی معطوف ہے دونوں مل کر مجرور اور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا مَوْجُوْدٌ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُوَ نائب فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر نائب فاعل ہے مملوکٌ پوشیدہ اسم مفعول کا وہ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَمَنْ عِنْدَہٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِہٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ یُنْشِرُوْنَ۔ واؤ بر جملہ مَنْ اسم موصول مفرد جنسی جس میں جمعیت اور کلیت مراد ہوتی ہے عِنْدَ اسم ظرف تقریبی تین قسم کے قرب کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۱؎ قرب مکانی ۲؎ قرب زمانی ۳؎ قرب مدارج و مرتبہ و عظمت جس کو قربِ بارگاہ بھی کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی صلہ ہے مَنْ کا دونوں مل کر مبتدا ہوا۔ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ بابِ استفعال کا فعل مضارع منفی بِلَا معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِکْبَارٌ بمعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا تکبر و غرور کرنا کِبْرٌ سے مشتق ہے بمعنی بڑا ہونا یا بنانا یہ مادہ لازم و متعدی ہوتا ہے مگر استفعال میں اکثر متعدی ہی ہے اس میں ضمیر صیغہ ھُمْ جمع مذکر اس کا فاعل ہے مرجع مَنْ جنسی جمع عَنْ حرفِ جر زائدہ یعنی ہٹنے دور ہونے کے معنی میں عِبَادَتِ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ عَبْدٌ مادہ

marfat.com

ثلاثی مجرد سے بنا ہے اسی سے ہے عبودیت انتہائی عاجزی انکساری سے کسی ذات کو اپنا مالک حقیقی اور خالق سمجھ کر اس کی اطاعت وفرمانبرداری اور ثناخوانی کرنا عبادت ہے اگر عجز میں کمی ہو تو وہ عبودیت ہے عبادت کی دو قسمیں ہیں ۱ تسخیری شاید یہاں یہی مراد ہے ۲ اختیاری یہ انس وجن کو ملی ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے واؤ عاطفہ یا حالیہ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ باب استفعال کا مضارع نفی جمع مذکر غائب مصدر سے اِسْتِحْسَار حَسْرٌ سے بنا ہے لغوی واصلی حقیقی ترجمہ ہے کمزور ہو، قوت ختم ہونا یعنی ثلاثی مصادر یہ لفظ حسر اصلاً زوالی بھی کہتے ہیں یعنی کسی چیز کی نفی ہونا اثبات کی شکل میں۔ اس کے مجازی اور تبعی معنی ہیں ا پتے پر حسرت ۲ کسی پر حسرت یعنی ترس کھانا جب کچھ نہ کر سکے ۳ افسوس ۴ پچھتاوا ۵ عاجز رہ جانا ۶ بے بس، ۷ درد کے بغیر ہونا ۸ چراغ ۹ تھوکنا پانی ختم وخشک ہونا جھاڑو دھیر جانا۔ اسی معنی میں جھاڑو کو عربی میں مِحْسَرَہ بھی کہتے ہیں یہ فعل بافاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر حال ہوا ما سبق لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ کے فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ کا يُسَبِّحُوْنَ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے تَسْبِيْح سَبْح سے بنا ہے بمعنی پاکیزگی بیان کرنا تعریف وتوصیف وتذکرہ کرنا یہ ذکر صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اَلَّيْلَ وَالنَّهَارَ بمعنی رات اور دن مراد ہے مسلسل لگاتار بغیر وقفہ یہ دونوں معطوف علیہ ومعطوف مفعول فیہ ہے يُسَبِّحُوْنَ کا لَا يَفْتُرُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع منفی فَتْرٌ سے مشتق ہے بمعنی سستی کرنا سست ہونا لازم ومتعدی دونوں طرح مستعمل ہے یہاں متعدی ہے اس لیے سست ہونا غیر اختیاری اور کمزوری کی نشانی ہے اور یہ بات پہلے لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ میں بیان ہو چکی اس لیے متعدی ہوا تاکہ تحصیل حاصل نہ ہو جائے یعنی نہ کمزوری کی سستی ہے نہ جان کر۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر حال ہے يُسَبِّحُوْنَ کے فاعل کا۔ يُسَبِّحُوْنَ اپنے پوشیدہ فاعل اور اس کے حال اور اپنے مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر حال ہے لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ کے فاعل کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے پوشیدہ فاعل کا یا عطف ہے لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ کے جملے پر سب مل کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَمْ حرف عطف منقطعہ بمعنی بَلْ اضراب اور سوالِ انکاری کے لیے یہ انکار وقوع کے لیے ہے نہ کہ انکار واقعہ یعنی کفار تو معبود بناتے ہیں مگر حقیقت میں ایسا ہے نہیں اَمْ عاطفہ دو قسم کا ہوتا ہے ۱ متصلہ ۲ اَمْ منقطعہ اِتَّخَذُوْٓا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب هُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع سابقہ کفار مکہ اٰلِهَةً اسم جمع مکسر منصرف اِلٰهٌ کی بمعنی بت سے معبود مفعول بہ مِنْ جارہ بمعنی فِیْ جارہ ترجمہ ہے میں سے یہ جار مجرور متعلق ہے اِتَّخَذُوْا کا هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے اس کا مرجع اٰلِهَةً ہے۔ يُنْشِرُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب سوالیہ ہے یا اس لیے کہ اس کا

marfat.com

تعلق باعتبار صفتِ اٰلِهَۃً ہونے کے اَم منقطعہ سوالیہ سے ہے یا اس لیے کہ یہ کلام علیحدہ ہے اور یہاں ہمزہ سوالیہ پوشیدہ ہے دراصل تھا اَهُمْ اور حذف کی وجہ اَم کا دلالتی قرینہ ہے ایک قرأت یَنْشُرُوْنَ باب نصر سے ہے یہ فعل با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے اٰلِهَۃً کی وہ مرکب مفعول بہ ہے اِتَّخَذُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهٗ فَاِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَ لَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ ۔ وَ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یہ دنیا نہ لہو و لعب ہے نہ لہو و لعب کے لیے ہے بلکہ اس کی پیدائش اور خلقت میں یہ حکمتِ باری ہے کہ اس دنیا سے باطلیتِ ابلیسی فنا ہو بطلانِ نفسانی مغلوب ہو اُس کا طریقہ یہ ہے کہ ہم ہر آن ہر زمان ہر لمحہ ہر مکان میں حق پیدا فرماتے ہیں اور اُس حق سے ایسی سخت ترین ضرب لگاتے ہیں ہم ہر اُس سر اٹھاتے شور مچاتے ظلم کماتے باطل پر جو اُس وقت موجود ہو کہ وہ حق اپنی قوتِ خداداد سے باطل کا دماغ اڑا دیتا ہے اس انداز سے کہ یکدم باطل مغلوب اور اُس کی باطلیت فنا و تباہ ہونے والی ہو جاتی ہے یہ فیصلہ الٰہیہ کا ازل سے کرشمۂ قدرت ہے۔ کسی بھی باطل کو حق کے مقابل قرار نہیں سب کو قرار ہے۔ انبیاء علیہم السّلام حق ہیں منکرینِ نبوت باطل ہیں۔ تبلیغ انبیاء قذفِ حقانی ہے۔ باطل کا فرار شکست ہے اور شکست ہی دموغِ تباہی کا عذابِ فنا ہے۔ قرآن حق ہے شیطان باطل۔ اسلام حق ہے کفر باطل معجزات حق ہیں سحریات باطل ہیں۔ ایمانیات حق ہیں لغویات باطل ہیں۔ شریعت حق ہے۔ خباثت باطل ہے۔ عبادات حق ہیں۔ لہو یات باطل ہیں طریقت حق ہے شرارت باطل ہے۔ نیکی حق ہے گناہ باطل ہے اعمالِ صالحہ حق ہیں اعمالِ لایعنیہ باطل ہیں۔ تیاری آخرت حق ہے مشغولیتِ دنیا باطل ہے۔ صدیقیت حق ہے زندیقیت باطل ہے۔ مخلص حق ہے منافق باطل ہے علماء ربانی یعنی آئمہ اربعہ حق ہیں علماءِ سُوء باطل ہیں مقلدین حق ہیں غیر مقلدین باطل ہیں۔ اولیاء اللہ حق ہیں اولیاء من دونِ اللہ باطل ہیں وَلِیُّ ابنِ وَلی حق ہے وَلی ابنِ دلی باطل ہے۔ روح کا جسم سے نکل کر بھاگنا زھق ہے اور جسم کے ساتھ بھاگنا فرار ہے۔ حق کو قرار ہے باطل کو فرار ہے۔ حق کا زور ہوتا ہے۔ باطل کا شور ہوتا ہے۔ اہلِ حق کے لیے دنیا و آخرت کی نَیل ہے اور اہلِ باطل کے لیے دنیا و آخرت کی وَیل ہے۔ نَیل کا معنیٰ کامیابی تھا وَیل کا معنیٰ ناکامی فنا۔ اسی کفریاتِ باطل کی وجہ سے اے کفارِ زمانہ تم اپنے خود ساختہ دست کاشتہ مصنوعی دیویوں دیوتاؤں بتوں بھگوانوں کو خالقِ کائنات کے مقابل لاتے ہو اور یہ نہیں سمجھتے

marfat.com

کہ اُسی قدرتوں طاقتوں والے کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ وہ رَبِّ ذُوالجلالِ وَالمجدِ وَالکرام اِن سب کا خالق و مالک ہے۔ دنیا کی مخلوق چھ قسم کی ہے ۱ ولایت کی نسبت سے ۲ کفویت کی نسبت سے ۳ اہلیت کی نسبت سے۔ یہ تین نسبتیں مخلوق کی مخلوق سے ہیں ۴ خلقت کی نسبت یہ نسبت صرف بندوں کی اللہ تعالیٰ سے ہے ۵ ملکیت کی نسبت۔ اس نسبت کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بھی ہے مگر ذاتی اَبدی۔ اور مخلوقِ انسانی و جناتی سے بھی ہے مگر عطائی عارضی ۶ ایجاد کی نسبت یہ نسبت صرف انسانوں سے متعلق ہے یہیں سے ظاہر ہوتا ہے عبید و ولید اور حبیب و شریک کا فرق۔ مخلوق سب اللہ تعالیٰ کی مگر وَلَدًا کُفُوًا اَھْلًا اِیْجَادًا مِلْکًا کی نسبت و تعلق صرف وجودِ ظاہری سے ہے کوئی کسی کا خالق نہیں ہو سکتا بجز رب تعالیٰ۔ علماءِ لغت فرماتے ہیں کہ اِس آیت کریمہ میں رب کریم نے چھ چیزوں کو چھ چیزوں سے تشبیہ دی ہے ۱ حق کو تیکھے و مضبوط ہتھیار سے ۲ باطل کو ٹھوس اور کمزور جسمِ کثیف سے ۳ نزولِ حق کو اُس کے قذافی اور سخت حملے سے ۴ باطل کی ناکامی کو اس کی دماغی چوٹ سے ۵ حق کے غلبہ کو قیام و قرار سے ۶ باطل کے زُھُوق کو اُس کی تباہی و فرار سے۔ قرآنِ مجید میں تقریباً چھبیس چیزوں کو چھبیس چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے ۱ دینِ اسلام کو بادل سے ۲ قرآنِ مجید کو بجلی کی کڑک سے ۳ سزاءِ دنیوی کو ظلمات سے ۴ انعاماتِ الٰہیہ کو نور سے ۵ اللہ تعالیٰ کے نور کو مِصْبَاح سے ۶ نبوت کے آستانے کو زجاجہ سے مصباح کا معنیٰ چراغ کی لَو در روشنی بتی اور زجاجہ کا معنیٰ چمنی ۷ متقی بندے کو محنتی اور عاقل معتمد غلام سے ۸ کافر و فاسق کو نکمے بے عقل نقصان والے غلام سے ۹ حق کو مضبوط ہتھیار سے ۱۰ باطل کو کثیف و ضعیف جسم سے ۱۱ مالِ یتیم پر ظلم کرنے کو آگ سے ۱۲ گمراہی کو اندھیرے سے ۱۳ ہدایت کو روشنی سے ۱۴ نیکیوں کو گندم کی بالیوں سے ۱۵ برائیوں کو شجرِ خبیثہ سے ۱۶ کفار کی اچھی باتوں و عادتوں کو پتھریلی زمین پر بے فائدہ بارش سے ۱۷ مومن کے صدقہ و خیرات کو سرسبز کھیتی سے ۱۸ کافر کی خیرات کو ہوائی دھول سے ۱۹ مومن کو سمیع و بصیر بندے سے ۲۰ کافر کو اندھے بہرے گونگے بندے سے ۲۱ کفار کے اعمال کو مکڑی کے جالے سے ۲۲ اہل دنیا کو ہانپتے کتے سے ۲۳ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ کو بوجھل گدھے سے۔ ۲۴ کلمۂ طیبہ کو شجرِ طیبہ سے جس کا ظاہر خوب صورت دراز اور باطن مضبوط ۲۵ منافقت کو کمزور خاردار جھاڑیوں سے ۲۶ جنتی حور کو مکنون موتی سے وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَلَا یَسْتَحْسِرُوْنَ۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ۔ اور وہ لوگ جو اُس رب تعالیٰ کی بارگاہ کے مکرم و مقرب ہیں اور اُس کی پسندیدگی اور محبت کے

marfat.com

پاس ہیں ان کی شان وشناخت یہ ہے کہ وہ کبھی اپنے رب کی سجدہ ریزی عاجزی عبادت سے تکبر نہیں سمجھتے نہ بارگاہِ قدس کی انکساری حاضری سے خود کو بڑا سمجھتے ہیں خواہ وہ مقبولین ومقربین افضلیت واشرفیت کے اعلیٰ واکمل مقامِ نبوت ورسالت والے ہوں یا مقامِ علم وعقل کے ولایت والے ہوں یا افضلیت کے مقام قرب والے مدبرات امر کے فرشتے ہوں۔ اور وہ پیارے بندے عبادتِ الٰہی ریاضتِ ربانی میں کبھی بھی زندگی بھر کسی قسم کی کمزوری لاغری سُستی کسلمندی غفلت نہیں دکھاتے ہر طرح سے ہر قسم کی تسبیحیں اپنے مولیٰ تعالیٰ کے لیے پڑھتے اُن تمام وقتوں میں جو رات ودن میں اُن کے لیے اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائے ہیں انتہائی پابندی دلجمعی ذوق وشوق خشوع خضوع۔ لذتِ اہتمام سے۔ ذرا بھی بے رغبتی سُستی وغیرہ کا اختراع نہیں کرتے ہیں نہ تھکتے ہیں جس سے اُن کے غرور یا تھکاوٹ غفلت یا کمزوری کا اظہار ہو۔ وہ تو ہمیشہ ایسی عبادت واعمال سے بندگی کا ہی اقرار واظہار کرتے ہیں اور بندگی سے فقط عبدیت کا ثبوت ہوتا ہے نہ کہ معبودیت کا۔ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ بلکہ ان بدبخت کفار مشرکین نے خود ہی ان مقربین عابدین زاہدین تابعین کے ناموں پر زمین سے بت بنا کر اپنی مرضی کے سفری حضری موسمی معبود بنالئے ہیں کیا ان نام نہاد خودساختہ مصنوعی معبودانِ باطل میں یہ ہمت وطاقت قوۃ وکمال ہے کہ مُردوں کو زندہ کرسکیں حالانکہ معبودِ حقیقی کے لیے تین شانیں اور قوتیں لازمی ہیں ایک یہ کہ وہ پیدا کرسکے دوم یہ کہ وہ ہر ہر مخلوق کی ہر وقت ہر طرح پرورش وحفاظت کرسکے سوم یہ کہ وہ ہر مخلوق کو مار کر زندہ کرسکے۔ پہلی دو قوتیں صفاتی عمل میں پوشیدہ ہیں اس لیے کوئی بھی نمرودی حالت وفرعونی عادت والا یہ دعویٰ کرسکتا ہے مگر تیسری قوت وصنعت تو ظاہر ہے اسی لیے یہاں اسی تیسری صفت قوت وقدرت کا ذکر فرمایا گیا کہ هُمْ يُنْشِرُوْنَ اے مشرکو قبرستان موجود ہیں مُردے پڑے ہوئے ہیں دن رات میتیں ہورہی ہیں۔ کہو کسی دیوی دیوتا بُت مُورتی سے کہ کسی میت کو زندہ کردے۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ میں مفسرین کے تین قول ہیں ا۔ اس سے مراد صرف فرشتے ہیں اس کی دلیل یہ کہ فرمایا گیا۔ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ اور لَا يَفْتُرُوْنَ۔ یعنی ملائکہ نہ عبادت سے تھکتے سُست ہوتے ہیں نہ غافل وبے رغبت ہوتے ہیں نہ کبھی بند کرتے ہیں کیونکہ عبادت ان کے لیے ایسی ضروری ہے جیسی انسانوں حیوانوں کے لیے سانس اور غذا خوراک جس طرح سانس عبادت میں رکاوٹ نہیں بنتی اسی طرح ملائکہ کے کسی عمل سے عبادت بند نہیں۔ عبادت بھی ہوتی رہتی ہے اور دیگر امور واعمال بھی ۲۔ یہ کہ مَنْ عِنْدَهٗ سے مراد صرف انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ ہیں

marfat.com

کہ عبادت کی یہ شان و کیفیت انبیاء علیہم السلام اور ان کی اتباع میں اولیاء اللہ کے اعمالِ صالحہ میں ہے اس قول کی دلیل یہ فرمان ہے کہ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَ النَّھَارَ ۔ یعنی دن رات وہ تسبیح پڑھتے ہیں رات و دن کے اوقاتِ عبادت صرف انسانوں کے لیے ہیں اور اِن تمام وقتوں کی ہمیشہ ذوق و شوق سے پابندی کبھی بھی سُستی غفلت کسلمندی دیری نہ کرنا صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کے اولیاء اللہ کا شیوہ ہے ۔ عام انسان کی نہ یہ ہمت نہ شان نہ صفت نہ حالت نہ کیفیت ملائکہ کے پاس رات و دن نہیں وہ آسمانی مخلوق آسمان پر نہ دن نہ رات ۔ ۳ تیسرا قول یہ کہ مَنْ عِنْدَہٗ سے انبیاء کرام اولیاء اللہ اور فرشتے سب ہی مراد ہیں ۔ علیہم السلام یہ ہی قول زیادہ درست اور مقبول ہے کیونکہ اِس آیت میں پہلے دونوں قولوں کے دلائل کی مطابقت کرنے سے یہ تیسرا قول زیادہ مدلل ہو جاتا ہے ۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ مقربین انسان ہوں یا جنات یا ملائکہ اُن سے عبادت منقطع نہیں ہو سکتی ۔ اور دنیا کی کوئی چیز کسی وقت بھی ان کی عبادت میں رکاوٹ نہیں بن سکتی جیسے حیوانات کے لیے یہ ہوائیں فضائیں اُن کے تنفس اور سانس لینے کے لیے رکاوٹ نہیں بن سکتیں اور جس طرح کہ پانی کسی مچھلی یا آبی مخلوق کے لیے اُس کی سانس میں رکاوٹ نہیں بنتا یہ فائدہ لَا یَفْتُرُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ کہ یہ اللہ تعالیٰ کے بندے ترکِ عبادت پر قصداً جرأت نہیں رکھتے انبیاء کرام اپنی عصمت کی وجہ سے اور اولیاء مقربین اپنی حفاظتِ الٰہیہ کے انعام کی وجہ سے ۔ دوسرا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کو حق ہی پسند ہے ۔ باطل پسند نہیں ہے اگرچہ لوگوں میں وہ کتنا ہی مقبول و منظورِ نظر ہو جائے ۔ لہٰذا مسلمانوں کو رب تعالیٰ کا پیارا اور محبوب بننے کے لیے ہمیشہ حق کا ساتھ دینا چاہیے ۔ اَلْبِرُّ ۔ یعنی نیکی حق ہے اور اَلْاِثْمُ ۔ یعنی برائی باطل ہے ۔ یہ فائدہ ۔ بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ ۔ فرمانے سے حاصل ہوا ۔ تیسرا فائدہ ۔ رب تعالیٰ نے ہمیشہ ہی باطل کے مقابل حق کو پیدا فرمایا ہے ۔ چنانچہ شیطان کو مردودِ ازلی ابدی بنانے کے لیے آدم علیہ السلام کو ۔ قابیل کو رُسوائے زمانہ کرنے کے لیے حضرت ہابیل کو نمرود کو غارت کرنے کے لیے ابراہیم علیہ السلام کو ۔ فرعون کے دماغ توڑنے کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو ابوجہل کی طغیانیت کو فنا کرنے کے لیے آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیلمہ کذاب کو تباہ و قتل کرنے کے لیے صدیقِ اکبر کو ۔ یزید اور یزیدیت کو بھگانے کے لیے امام عالی مقام سیدُ الشہدا امام حسین کو دینِ اکبری کی تباہی کے لیے مجدد الف ثانی سرہندی کو طوفانِ وہابیت کو مٹانے کے لیے اعلیٰ حضرت

marfat.com

مجدد بریلوی کو، طغیان قادیانیت کو توڑنے کے لیے پیر مہر علی شاہ حضرتِ اعلیٰ گولڑوی کو ہندو اور انگریز کے فتنہ و فساد کو رد کرنے کے لیے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو۔ اور قائدِ اعظم کی تائید و حمایت مضبوطی و قوت کے لیے محدث علی پوری کو پیدا فرمایا۔ اس کی کروڑوں مثالیں ہیں۔ اور قیامت تک ایسا ہوتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں کو ہر دور میں باطل سے بچانے والا ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ علیٰ ذالِکَ۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ فقہ اسلامی کے مطابق ملکیت اور ابنیت جمع نہیں ہو سکتی، جو شخص بیٹا یا بیٹی ہوگا وہ عبد اور غلام یا لونڈی نہیں ہو سکتا جو غلام یعنی عبد یا اَمۃٌ ہو وہ بیٹا بیٹی نہیں ہو سکتا یہ مسئلہ وَلَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ لام ملکیت کا ہے اور مَنْ سے مراد ہر ذَوِی الْعُقُوْلُ ہے خاص کر انسان اِس آیت نے یہود و نصاریٰ اور مشرکین کی زبردست تردید فرما دی جو کہتے پھرتے ہیں کہ عُزَیْرُ بْنُ اللہ اور المسیح ابن اللہ اَلْمَلٰئِکَۃُ بَنَاتُ اللہ۔ دوسرا مسئلہ۔ دن رات میں رب تعالیٰ نے جو اوقات عبادت مقرر فرمائے ہیں وہ بہت مبارک ساعتیں ہیں، اُس وقت سُستی غفلت کسلمندی کرنا بدترین گناہ ہے۔ یہی اوقات تھکاوٹ و کمزوری کے اُس وقت نفس و شیطان کی مخالفت کر کے عبادت میں لگ جانا بندے کو مَنْ عِنْدَہٗ یعنی مقربین و محبوبین میں سے بنا دیتی ہے یہ مسئلہ۔ یُسَبِّحُوْنَ اللَّیْلَ وَالنَّھَارَ اور لَا یَفْتُرُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ فاسق و فاجر بدکار گناہگار فحاش کی ذلت کرنا یعنی اسلامی مناصب میں اس کو اونچا مقام نہ دینا پیچھے ہٹانا۔ پیچھے رکھنا۔ واجب ہے مثلاً امامت سے ہٹانا مصلّے سے اتارنا۔ امامت خطابت سے روک دینا یہ بھی ذلیل کرنے کی ایک قسم اور باطنی طریقہ۔ شرعاً لازم و واجب ہے فاسقِ مُعلِن کو عزت دینا یا شرعی احترام کرنا گناہ ہے اُس کے لیے کھڑا ہو جانا یا ہاتھ چومنا سخت ممنوع یہ مسئلہ نَجْعَلُ مَعَہٗ کی پوری آیت سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں کو ایسی چاپلوسی اور کاسہ لیسی والی سیاست سے بچنا چاہیئے اور ہر باطل کی علی الاعلان مخالفت و تردید و تحقیر کر دینا چاہیئے۔ اس لیے کہ فساق کو اسلامی منصبوں پر عزت دینا اسلام قرآن اور شریعت کی توہین و گستاخی بے ادبی ہے فاسقین کو اس طرح ذلیل کرنا یہ بھی بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَی الْبَاطِلِ کا ایک نقشہ ہے۔ باطل خواہ کسی بھی لباس میں ہو باطل ہی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا کہ ہم حق کی ایسی

marfat.com

چوٹ اور ضرب لگاتے ہیں باطل پر کہ اس کا دماغ ٹوٹ جاتا ہے اور ٹوٹنے سے تو موت واقع ہو جاتی ہے اور موت سے ہلاکت اور ہلاکت سے فنا ہو جاتی ہے۔ اس تشبیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ باطل ہمیشہ فنا ہو جاتا ہے۔ حالانکہ مشاہدہ اور ذاتی و تاریخی شواہد ہیں کہ اکثر مواقع پر باطل نے حق کو شکست دیدی۔ جیسے کہ ابلیس نے آدم کو قابیل نے ہابیل کو یزید نے حسین کو قتل و شہید کر کے فنا کر دیا۔ یعنی موت دیدی۔ وغیرہ وغیرہ۔ جواب۔ یہ اعتراض غلط ہے اس لیے کہ معترض نے باطل اور اہل باطل میں اسی طرح حق اور اہل حق میں فرق نہ جانا اور نَقْذِفُ وَيَدْمَغُ کا معنیٰ نہ سمجھا۔ ابلیس قابیل یزید وغیرھم اہل باطل ہیں نہ کہ باطل ان کے نظریات۔ عقائد۔ اور منصوبے باطل ہیں یونہی آدم علیہ السلام۔ ہابیل اور امام حسین وغیرھم اہل حق ہیں۔ ان کے نظریات۔ عملیات عقائد فکریات حق ہیں حق کو باطل پر مارا جاتا ہے نہ کہ اہل حق کو اہل باطل پر پھر باطل کا دماغ ٹوٹتا ہے نہ اہل باطل کا اور باطل زاھق ہوتا ہے نہ کہ اہل باطل دَمْغٌ کا معنیٰ ہے دائمی شکست ناکامی منصوبہ بندی بربادی تباہی اور زھق کا معنیٰ ہے ذلت و رسوائی۔ ذکر مٹ جانا۔ نسیاً منسیاً ہو جانا۔ اِنْقِذَاف اور نَقْذِفُ کا معنیٰ ہے حق کا بول بالا۔ منصوبہ نظریہ کامیاب ہو جانا۔ دائمی عزت ارادوں کی تکمیل ناموری کائنات اچھا چرچہ پیارا تذکرہ۔ لہٰذا ابلیس دھوکہ دے کر بھی ناکام اور ذلیل ہوا یہی اس کا دموغ و فنا ہے۔ آدم علیہ السلام دھوکہ کھا کر بھی آخر کار کامیاب و کامران ہوئے یزید قتل کر کے بھی ناکام و ذلیل پلید ہوا۔ امام عالی مقام شہید ہو کر بھی کامیاب و کامران ہوئے۔ شہادت یا قتل ہو جانا فنا نہیں۔ منصوبوں کی ناکامی باطل کی فنا ہے یہ آیت کریمہ یہی بتا رہی ہے۔ دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِحْسَار۔ جس میں مبالغہ یعنی شدت اور زیادتی کا معنیٰ پایا جاتا ہے یعنی پوری حسر اور زیادہ تھکاوٹ۔ تو آیت کا معنیٰ ہوا کہ وہ پورے نہیں تھکتے۔ گویا کہ تھوڑے تھک جاتے ہیں اور تھوڑا تھکنا بھی عیب ہے لہٰذا یہ لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ فرمانا تعریف و توصیف نہ ہوئی۔ جواب۔ یہ مبالغہ تھکنے میں نہیں بلکہ انقطاع میں ہے یعنی ان کی عبادت اور تسبیح میں کبھی بھی کہیں بھی قطعاً انقطاع نہیں ہوتا یعنی کبھی بھی بند نہیں ہوتی ہمیشہ جاری رہتی ہے ملائکہ کی مثل سانس کے اور انسانوں کی عبادت اُن کے ذوق و شوق اور پابندی سے اس طرح ہے کہ اعضاء کے عمل ہو تو زبان سے جاری زبان بند ہو تو سانس سے جاری رہتی ہے سانس کے تقلب ذکر تسبیح میں مشغول رہتا ہے یہی معنیٰ ہے هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ (سورۃ معارج آیت ۲۳) اس مبالغے کا ترجمہ اردو میں کیا جاتا ہے بالکل نہیں قطعاً نہیں۔ ایسا کام ہرگز نہیں ہوتا۔ وغیرہ وغیرہ تو اب لَا يَسْتَحْسِرُوْنَ کا معنیٰ اس طرح کیا جائے کہ وہ بالکل نہیں رکتے قطعاً نہیں تھکتے عبادت جاری رکھتے ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں

marfat.com

فرمایا گیا۔ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ملائکہ ہیں اور لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ اور لَا یَفْتُرُوْنَ۔ کا معنیٰ ہے کہ ایک آن کے لیے بھی اُن کی عبادت بند نہیں ہوتی حالانکہ تسبیح و عبادت کا تعلق زبان سے ہے جب کہ قرآن مجید میں ہی ہے کہ ملائکہ کے ذمہ اور بھی بہت سے کام و کلام ہوتے ہیں۔ مثلاً رُسُلِ ملائکہ اور مدبرات امر ملائکہ کے ذمہ اپنی رسالت کی ڈیوٹیاں کام و کلام انبیاء علیہم السلام کی بارگاہوں میں حاضری ان سے کلام گفتگو۔ بعض فرشتے کفار پر لعنت ڈالتے ہیں۔ تو جس وقت یہ ملائکہ امور ذمہ دارئیا لعنت کفار میں مشغول ہوں اُس وقت وہ تسبیح کیسے پڑھ سکتے ہیں زبان تو دیگر کاموں میں مصروف ہے لہٰذا تسلسل عبادت ٹوٹ گیا۔ جواب: اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر مَنْ عِنْدَهٗ سے مراد صرف ملائکہ ہیں۔ تو یہ بات بھی ذہن میں رکھی جائے کہ فرشتوں کو انسانوں پر قیاس نہیں کیا جاسکتا انسان کی زبان واقعی جب دیگر باتوں میں مصروف ہو تو اُس کی تسبیح عبادت ذکر اللہ رک جاتا ہے تسلسل ٹوٹ جاتا ہے اس لیے کہ ان کی ایک ہی زبان ہوتی ہے وہ اگر تسبیح و ذکر اللہ کریں تو دنیوی کلام بند اور اگر دنیوی کلام کریں تو ذکر اللہ بند مگر فرشتوں اور انسانوں میں دو طرح فرق ہے ایک یہ کہ فرشتوں کی بہت زبانیں ہوتی ہیں اس لیے اُن کی تسبیح خوانی اور عبادتِ رحمانی کبھی بند نہیں ہوتی ایک زبان سے تسبیح و ذکر دوسری سے امور رسالت تیسری سے کفار پر لعنت ملامت۔ دوم یہ کہ فرشتوں کی عبادت ان کے لیے ایسی لازمی ضروری ہے جیسے انسانوں کے لیے سانس اور غذا۔ انسان جو بھی کام یا کلام کرے اُس کی سانس بھی ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے اور غذا کھاتے ہیں تب بھی سانس جاری رہتی ہے نہ سانس کو چھوڑ سکتے ہیں نہ غذا کو یونہی فرشتوں کی عبادت ہر وقت چلتی رہتی ہے وہ اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ جواب دوم۔ یہ کہ اس آیت میں صرف ملائکہ کا ذکر نہیں بلکہ تمام مقربین بارگاہِ الٰہی بندوں کا ذکر ہے اور لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ۔ سے نفرت کی نفی ہے۔ لَا یَسْتَحْسِرُوْنَ سے کمزوری کی نفی لَا یَفْتُرُوْنَ سے غفلت کی نفی ہے لَیْلَ وَالنَّهَارَ۔ میں اوقاتِ معینہ کا ذکر ہے اور معنیٰ ہے کہ مقربین بارگاہ جو بھی ہوں نہ تو عبادت و تسبیح سے نفرت کرتے ہیں نہ شیطانی تکبر نہ کسی وقت عبادت سے اُن کو تھکاوٹ ہوتی ہے اوقاتِ عبادت کی پابندی سے کبھی غفلت کوتاہی نہیں برتتے نہ دیر لگاتے ہیں چوتھا اعتراض۔ بعض تفاسیر میں لکھا ہے کہ ملائکہ کی تسبیح خوانی مثل نفسِ انسانی ہے۔ جس طرح انسانی غذا اور کلام و گفتگو کے باوجود سانس چلتی رہتی ہے۔ اسی طرح ملائکہ کی دیگر کلامی اُن کی تسبیح خوانی کو نہیں روکتی۔ حالانکہ یہ بات غلط ہے قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ انسانی کلام اور غذا کا

marfat.com

راستہ اور آلہ اور ہے سانس کا راستہ اور تنفس کی رگ د آلہ و ذریعہ) دوسرا ہے مگر تسبیح و دیگر کلام کا راستہ ایک ہی ہے یعنی زبان تو سانس سے غذا اور غذا سے سانس واقعی نہیں رکتی مگر ایک کلام سے دوسرا کلام یقیناً رکتا ہے ایک چیز تو بند کرنی ہی پڑے گی بیک وقت دو مختلف کلاموں کا اجتماع محال ہے۔ جواب۔ یہاں مواظبت اور ہمیشگی سے مراد اوقات معینہ کی پابندی ہے نہ کہ تسلسل جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص یہاں ہمیشہ آتا ہے یا کہا جاتا ہے کہ آدمی ہمیشہ باجماعت نماز پڑھتا ہے تو وہاں بھی بلاناغہ پابندی مراد ہوتی ہے نہ کہ مسلسل مشغولیت۔ پانچواں اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ اَمِ اتَّخَذُوْٓا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ یعنی ان کفار نے زمین سے الٰہ بنا لیے ہیں تو کیا یہ ان کے بنائے ہوئے معبود مُردہ انسانوں کو زندہ کر سکتے ہیں اس آیت میں کفار مشرکین پر ایک تنقیدی اعتراض اور سوالِ انکاری ہے کہ چونکہ وہ تراشے ہوئے بُت کسی کو زندہ نہیں کر سکتے ہیں۔ حالانکہ کفار مشرکین پر یہ تنقیدی اعتراض تب کیا جا سکتا ہے جب کہ وہ مشرکین بھی معبود ہونے کے لیے یہ شرط و قوت مانتے ہوں وہ تو کسی بھی معبود کے لیے یہ قوت و قدرت مانتے ہی نہیں تھے کہ معبودیت کے لیے مُردوں کو زندہ کرنا ضروری ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کو بھی خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ ماننے کے باوجود مُردوں کو زندہ کرنے والا نہ مانتے تھے اور برملا کہتے تھے کہ مَنْ يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ (سورۃ یٰس آیت ۷۸) تو وہ اپنے بتوں کے لیے یہ دعویٰ کیوں کرتے۔ اور جب مشرکین کا اپنے بتوں کے لیے یہ دعویٰ نہیں تو پھر هُمْ يُنْشِرُوْنَ کا انکاری سوال و اعتراض کیوں کیا گیا۔ جواب۔ یہ سوالِ انکاری نہیں بلکہ الزامی ہے کہ اے کافرو مشرکو تم نے مٹی لکڑی دھات وغیرہ زمینی چیزوں سے بُت تراشے اور ان کو معبود بنا کر الٰہ سمجھ کر اُن کی عبادت کی عبادت کے لیے ثواب دینا ضروری اور ثواب کے لیے حشر ضروری حشر کے لیے نشر یعنی زندہ کرنا ضروری اور نشر کے لیے معبود کے پاس قوتِ نشور ضروری اور قوت کے لیے سچی معبودیت ضروری تو کیا تمہارے یہ مَن گھڑت تراشے ہوئے دستی سفری حضری موسمی بُت هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ اِن میں نشر اور زندہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں جو تم نے ان کو معبود بنا لیا ان کی عبادت کی اور ثواب کی امید لگائی۔ تم اگر اپنے منہ سے یہ کہتے پھرو کہ معبود کے لیے زندہ کرنا ضروری نہیں تو پھر ثواب کی امید نہیں تو پھر عبادت کیوں کرتے ہو۔ اور اگر یہ دنیا کی دولتیں سہولتیں انعامات کی بارشیں صحتیں تندرستیاں ہی عبادت کا ثواب ہے تو پھر غریب نادار بیمار مشرک پجاری کو کیا ملا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ

بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَى الْبَاطِلِ فَيَدْمَغُهُ فَإِذَا هُوَ زَاهِقٌ وَلَكُمُ الْوَيْلُ مِمَّا تَصِفُوْنَ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۔ حق کے تین مرتبے ہیں (۱) افعال (۲) صفاتِ حق (۳) ذاتِ حق، ہر مرتبے میں بندے کے لیے حق کی تجلی ہوتی ہے جس کے ذریعے بندے سے باطل ختم ہوتا جاتا ہے۔ یعنی اگر افعالِ حق کی تجلی بندے کے افعال پر وارد ہو تو بندے سے باطلِ افعال گناہ فسق مٹ جاتے ہیں اور اگر صفاتِ حق کی تجلی بندے کی صفات پر ہو تو بندے سے باطل صفات عادات مٹ جاتی ہیں اور اگر بندے کی ذات پر ذاتِ حق کی تجلی ہو تو بندہ آئینۂ حق نما بن جاتا ہے اور باطل کی ذات فنا ہو جاتی ہے پھر اگر بندہ ان تجلیات کو برداشت کرے تو مکاشفۂ معرفتِ روحانی میں مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی کا مقامِ اعلیٰ پا لیتا ہے ورنہ خرور وجذب طاری ہو جاتا ہے (تفسیر نیشا پوری) اَفعالِ حق شریعت ہے جس کی دو قسمیں امر اور نہی صفاتِ حق طریقت ہے اور ذاتِ حق حقیقت ہے اور اس کا آخری مقام معرفت ہے۔ عبداللہ ابن عمر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو دس جزوں میں پیدا فرمایا۔ نو جز میں ملائکہ اور ایک جز میں باقی مخلوق پھر ملائکہ کی دس جزیں فرمائیں۔ نو جز سے وہ تسبیح کرتے ہیں اور ایک جز سے مدبرات امری کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں۔ دیگر مخلوق میں دس جزیں فرمائیں جن میں نو جز جنات کی اور ایک جز میں انسان پھر انسان کی دس جزیں فرمائیں نو جز میں یاجوج ماجوج ایک جز میں بقیۂ انسان (از تفسیر جامع البیان) وَیل۔ وَلیس۔ وَیح کا فرق یہ ہے کہ ویل کا معنیٰ حسرت ناک تباہی۔ وَلیس کا معنیٰ ہے ذلت آمیز تباہی۔ ویح کا معنیٰ ہے رحم کی اپیل والتجا

وہ عدلِ الٰہی جس سے زمین وآسمان قائم ہیں وہ عالمِ کثرت میں ظلِ وحدت ہے اگر مرکبات عالم میں اعتدالِ مزاج کی طرح ھیئۃِ وحدانیت نہ ہو تو کائنات میں کچھ بھی باقی نہ رہے اور اگر ایک آن کے لیے بھی یہ شکل وحدت ختم ہو جائے تو فسادِ کائنات برپا ہو جائے (ابن عربی) یہی وہ قوت وحدت ہے جس سے بَلْ نَقْذِفُ کا ظہور ہے۔ اس وحدت میں کثرت کا عقیدہ بنانے سے وَلَكُمُ الْوَيْلُ ہے۔ اسی وحدت کا نقارۂ قدسی ہے کائنات میں کہ وَلَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحْسِرُوْنَ يُسَبِّحُوْنَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُوْنَ عبادت کی حلاوت نہیں ملتی مگر معرفتِ الٰہی تامہ کے بعد اور معرفتِ تامہ نہیں ملتی مگر شہودِ ربانیہ کاملہ کے بعد اس لیے کہ لذتِ مناجات باوجود قوتِ جسمانیہ کے انسان کی اُس تک پہنچ نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اہلِ حجاب کی عبادت۔ کلفت غفلت صعوبت اور فتور وغرور سے خالی نہیں ہوتی بخلاف اہلِ کشفِ ربانی کی عبادت کے ان کی عبادت مثلِ عادت ہے سہولتِ ادا دوامِ بقا۔ مقامِ قیام میں۔ فتور وہ سکون ہے

marfat.com

جو حدت شوق اور پابندی کے بعد ظاہر وغالب ہو۔ بعض نے فرمایا فتور وہ نرمی و سستی ہے جو شدت ذوق کے بعد پیدا ہو۔ یا وہ ضعف ہے جو قوت کے بعد آئے۔ جو خوش بخت لَا يَفْتُرُوْنَ والے ہو گئے وہ غفلت سستی کاہلی، ضعف وسکون سے محفوظ ہیں۔ حدیث پاک میں ہے لِكُلِّ عَامِلٍ شِرَّةٌ وَلِكُلِّ شِرَّةٍ فِتْرَةٌ فَمَنْ فَتَرَ اِلٰى سُنَّتِيْ فَقَدْ نَجَا وَاِلَّا فَقَدْ هَلَكَ۔ یعنی ہر عامل کے لیے ایک شر ہے اور ہر شر کے لیے ایک فترت ہے۔ اس طرح کہ باطل کی صولت ہوتی ہے جس کو زوال ہے اور حق کی دولت ہوتی ہے جس کو زوال نہیں (از روح البیان) اَمِ اتَّخَذُوْا اٰلِهَةً مِّنَ الْاَرْضِ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ عالم روح میں انوار لاثانی مشاہدات لافانی کی بے شمار بشارتوں کے باوجود بھی اہل نفوس نے زمین جسمانی سے خواہشات ولذات کے معبود و مسجود تراش لیے۔ یہ خواہشات ناموسیہ اور لذات دنیویہ کیا ان کو قیام ابدی اور بقاء دوام کی زندگی بخش سکتی ہیں ہرگز نہیں تو اے بندگان سفاحت غلامان حماقت، کیوں تم نے اپنے خالق وکریم جَلَّ مَجْدُہٗ کی بارگاہ قدس کی منزل معرفت سے منہ پھیرا اور وحدت قدیمی میں کثرت حادثہ کا شرک ملایا۔

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحٰنَ

اگر ہوتے ان دونوں آسمان و زمین میں کچھ معبود اللہ کے علاوہ تو البتہ ٹوٹ پھوٹ جاتے یہ دونوں بس چیز تو تسبیح پڑھتی ہے

اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا اور خدا ہوتے تو ضرور وہ تباہ ہو جاتے تو پاکی ہے

اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۲۲﴾ لَا يُسْـَٔلُ

اس اللہ کی پاکیزگی کی جو عرش کا بھی رب ہے ان شرکیہ باتوں سے جو یہ کفار منسوب کرتے پھرتے ہیں نہیں پوچھا

اللہ عرش کے مالک کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں۔ اس سے نہیں پوچھا جاتا

عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْـَٔلُوْنَ ﴿۲۳﴾ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ

جا سکتا اللہ کبھی بھی اس کام کے بارے میں جو کرتا ہے اور سب لوگ اپنے اعمال کے بارے پوچھے جائیں گے تو کیوں ان کفار

جو وہ کرے اور ان سب سے سوال ہوگا۔ کیا اللہ کے سوا اور

marfat.com

دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ ۚ هٰذَا ذِكْرُ

نے اس کے مقابل معبود گھڑ لیے ہیں فرماؤ کہ لاؤ اپنی مضبوط دلیل یہ کلام تو شریعت ہے اس

خدا بنا رکھے ہیں۔ تم فرماؤ اپنی دلیل لاؤ۔ یہ قرآن میرے ساتھ والوں کا ذکر ہے

مَنْ مَّعِیَ وَ ذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ ؕ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا

امت کے لیے جو میرے ساتھ ہے اور ان امتوں کے لیے جو مجھ سے پہلے والیوں سے ہیں

اور مجھ سے اگلوں کا تذکرہ بلکہ ان میں اکثر حق کو نہیں

یَعْلَمُوْنَ ۙ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۴﴾ وَ مَاۤ اَرْسَلْنَا

لیکن ان کفار میں اکثر نہیں سمجھتے حق کو اسی لیے وہ منہ پھیرتے ہیں اور نہیں بھیجا

جانتے تو وہ روگردان ہیں اور ہم نے تم سے پہلے کوئی

مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْۤ اِلَیْهِ اَنَّهٗ

ہم نے آپ سے پہلے کسی بھی رسول کو مگر وحی بھیجتے رہے ہم اس کی طرف یہ کہ بے شک کوئی بھی

رسول نہ بھیجا مگر یہ کہ ہم اس کی طرف وحی فرماتے کہ میرے سوا کوئی

لَاۤ اِلٰهَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴿۲۵﴾

معبود نہیں ہے سوائے میرے تو تم سب میری ہی عبادت کرو

معبود نہیں تو مجھی کو پوجو

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کفار جو جھوٹے معبود بنائے پھرتے ہیں کیا وہ کچھ پیدا کر سکتے ہیں! اب ان آیت میں ان کا تردیدی و انکاری جواب دیا جا رہا ہے کہ وہ کیا بتائیں گے۔

marfat.com

یا سنواریں گے۔ بلکہ آسمان و زمین میں ایک بھی معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ہوتا تو آسمانوں اور زمین میں بے انتہا فساد ہی برپا ہوتا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں کفار کے بناوٹی معبودوں کا ذکر ہوا اب ان آیات میں اُن سے اپنے ان بیہودہ عقیدوں پر دلیل طلب کی جا رہی ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جھوٹے معبودوں کی کمزوری کا ذکر ہوا کہ وہ کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے نہ ان کو کسی کے پیدا کرنے کی قوت ہے اب ان آیت میں سچے حقیقی معبود رب تعالیٰ کی قوت کا ذکر فرمایا گیا کہ اس سے تو کوئی شخص باز پرس کی ہمت نہیں کر سکتا۔

تفسیر نحوی لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً۔ لَوْ، حرف شرط الگا جملہ تامہ شرط و جزا ہے کان فعل تامہ ظرفیہ مکانیہ ھما ضمیر مجرور متصل تثنیہ غائب مرجع پچھلی آیت میں السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے کان کا اٰلِهَةٌ اسم جمع نکرہ مگر استغراقی جمع نہیں اس لیے اس کا ترجمہ ہے چند معبود اگر استغراقی ہوتا تو ترجمہ سب معبود ہوتا۔ موصوف ہے اِلَّا حرف استثنیٰ بمعنی غیر اس لیے حکماً و تقدیراً مرفوع ہے اور اعراب در رفع) کا ظہور ہوا اللہ پر، خیال رہے کہ بقاعدہ نحویہ اِلَّا بھی ما قبل اور ما بعد کی مغایرت یعنی غیریت کے لیے آتا ہے اور غیر بھی مگر دونوں میں تین طرح فرق ہے ۱۔ اِلَّا حرف ہے اور غیر اسم ہے ۲۔ اِلَّا غیر کے معنی میں آتا ہے مگر کم کیوں کہ حرف کی قوت کم ہوتی ہے اس لیے کسی کے اوپر قبضہ و تصرف تھوڑا کر سکتا ہے لیکن غیر اسم ہے اس لیے یہ اکثر اپنی اسمی قوت کی بنا پر اِلَّا کے معنی میں آجاتا ہے ۳۔ اِلَّا سے جو غیریت ہوتی ہے وہ اور اثبات میں ہوتی ہے یعنی ما قبل نفی ہو تو ما بعد میں نفی کو اور اگر ما قبل میں ثبوت ہو تو ما بعد میں ثبوت کو ختم کرتا ہے اسی کو استثنا کہتے ہیں لیکن غیر ذاتاً اور صفتاً مغایرت پیدا کرتا ہے۔ جب کبھی دونوں قسم کی جھلک ہو تو اِلَّا بمعنی غیر یا غیر بمعنی اِلَّا ہوتے ہیں یہاں جمہور نحات اِلَّا بمعنی غیر کہتے ہیں بجز مبرد نحوی اور وہ اِلَّا کو اپنے ہی معنی میں رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ موقوف صفت نہیں مُبْدَل مِنْهُ سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔ ترجمہ اس طرح ہوگا اگر ہوتے چند معبود کون جو اللہ کے سوا ہیں (از تفسیر روح المعانی) مگر صحیح یہ ہے کہ یہاں اِلَّا برائے استثنا نہیں بلکہ سوا یا غیر کے معنی میں ہے کیونکہ قانون نحوی ہے کہ جب اِلَّا کا ما قبل جمع نکرہ عمومی ہو اور کلام مثبت ہو تو استثناء منع ہے اس لیے کہ نکرے میں استغراق نہیں ہوتا لہٰذا مَا بَعْدِ اِلَّا مَا قَبْلِ اِلَّا میں

marfat.com

داخل نہیں اور جب داخل نہیں تو نکالنے کی کیا حاجت اور استثنا تو نکالنے کے لیے ہے لہٰذا جب دخول نہیں تو خروج نہیں اور استثنا ممنوع ہو گیا۔ یہاں اٰلِہَۃٌ میں کلام مثبت بھی ہے۔ اور الٰہ جمع نکرہ عموی بھی نیز اس لیے بھی استثنا ممنوع ہوا کہ حقیقت کے خلاف ہو گا کہ اگر استثنا کیا گیا تو معنیٰ ہو گا کہ اگر اللہ تعالیٰ جہانوں میں معبود نہ ہو دیگر معبود ہوں تب تو فساد پڑے لیکن اگر اللہ بھی ساتھ ہو تو فساد نہ پڑے۔ حالانکہ آیت کا منشا یہ نہیں ہے۔ اَللّٰہُ اِلَّا سے مل کر صفت ہے اٰلِہَۃٌ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے کَانَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر شرط ہے لام حرفِ زائدہ جزائیہ فَسَدَتَا بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف تثنیہ مؤنث غائب فَسَدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ٹوٹنا بگڑنا خراب ہونا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے بہرصورت لام مصدر ہے اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ انشائیہ ہو کر جزا ہوا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَ ترتیبیہ مابعد کو ماقبل پر ترتیب دینے کے لیے ہے کہ معبود اللہ ہے جس کی یہ یہ صفات اور قوتیں ہیں۔ سُبْحٰنَ۔ اسم مصدر ہے بمعنیٰ پاکیزہ ہونا۔ لازم ہے تَسْبِیْحٌ سے بنا ہے بروزنِ فُعْلَان اسی وزن سے مبالغہ پایا گیا یعنی بہت ہی ہر طرح کی ہر وقت پاکیزہ ہونا اب یہاں اسم جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ پاکیزگی یہ ہمیشہ فتحہ پر مبنی فرع ہوتا ہے اور ہمیشہ مضاف ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ ہمیشہ اسم مفرد مذکر ہوتا ہے خواہ اسم ظاہر یا اسم ضمیر غائب یا حاضر یہ مصدر غیر منصرفہ ہے اس سے کوئی مشتق نہیں بنتا اس کے مادے سے بابِ تفعیل بنتا ہے وہ منصرفہ ہے اس کے بارے میں علماءِ نحو کے اور بہت اقوال ہیں مگر مشہور مسلک یہی ہے اللہ موصوف ہے یا مُبْدَل مِنْہ رَبِّ الْعَرْشِ یہ مرکب اضافی صفت ہے یا بدلُ الکل ہے اللہ کا دونوں مل کر مضاف الیہ ہے سُبْحَانَ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے پوشیدہ فعل یُسَبِّحُ کا اگر سبحٰن کو حاصل مصدر مانا جائے۔ لیکن اگر یہ اصل مصدر ہی ہے تو مفعول مطلق ہے اسی فعل پوشیدہ کا عَنْ حرف جر زد الیہ مَا اسم موصول جنسی جمع استغراقی بمعنیٰ وہ تمام شرکیات۔ یَصِفُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب وَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ منسوب کرنا نسبتیں بنانا متعدی ہے مگر ماقبل مَا موصولہ کے قرینے سے مفعول نہیں آیا دراصل یُوْصِفُوْنَ واؤ کلمہ ماقبل فتحہ ثقیل کی وجہ سے گر گئی۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع کفار ہیں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور ہوا دونوں جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ فعل یُسَبِّحُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَا یُسْئَلُ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع منفی بلا مجہول واحد مذکر

marfat.com

غائب سُئِلَ سے مشتق ہے بمعنی پوچھنا۔ پوچھ گچھ کرنا اعتراض کرنا یہاں اعتراض کے معنی میں ہے اس کا نائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع ربُّ العرش ہے عَنْ جارہ زوالیہ بمعنی دوری۔ زائل یعنی اعتراض کہ کیوں ایسا کیا نہ کرنا چاہیئے تھا مَا موصولہ یَفْعَلُ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے لَا یُسْئَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل جمع مذکر غائب مرجع کفار مبتدا ہے۔ یُسْئَلُوْنَ باب فتح کا مضارع مجہول مثبت یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَمْ حرف عطف بمعنی بَلْ اضراب یعنی نفرت اور انکار کے لیے اِتَّخَذُوْا باب افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اِتِّخَاذٌ مصدر ہے اَخْذٌ مادہ ہے مصدر میں ہمزہ اصلیہ کو تاء افتعال سے تَ بنا کر مدغم کر دیا گیا یعنی بنانا۔ لینا، اختیار کرنا یہاں بمعنی عقیدہ بنانا ہے مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ دُوْنَ اسم ظرفی پانچ معنی مشترک ہے ۱ قریب ۲ سوا ۳ مقابل، حفاظت ۴ علاوہ ۵ نیچے (فوق کی نقیض) یہ معرب ہوتا ہے اس لیے تینوں قسم کے اعراب آجاتے ہیں (زیر، زبر، پیش) یہاں بحالت کسرہ ہے مضاف ہے ہ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اٰلِهَةً اسم منصوب مفعول بہ ہے اِتَّخَذُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یُسْئَلُوْنَ کے جملے پر۔ قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَكُمْ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِیْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ

قُلْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف با فاعل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا خیال رہے کہ انشائیت کل دس چیزوں سے ہوتی ہے ۱ امر ۲ نہی ۳ استفہام ۴ تمنی ۵ ترجی۔ ۶ عقود ۷ ندا ۸ عرض ۹ قسم ۱۰ تعجب ھَاتُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر در اصل تھا۔ اٰتُوْا۔ اِیْتَاءٌ مصدر ہے اَتْیٌ مادہ اٰتُوْا میں ہمزہ افعال کو حرف تنبیہ سے بدلا گیا ھَاتُوْا ہوا اس تبدیلی سے کلام میں سختی اور عتابیت پیدا ہوئی ایک قول میں ھَاتُوْا اسم فعل بمعنی امر حاضر ہے مگر یہ غلط ہے۔ آخر کا الف زائدہ حرف تفخیم یعنی بھراؤ کے لیے اَنْتُمْ صیغہ اس میں پوشیدہ اس کا فاعل مرجع کفار بُرْھَانٌ اسم معرب مفرد بمعنی مضبوط دلیل، دلیل برھان میں چند طرح فرق ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں بیان ہوگا۔ کُمْ اسم ضمیر نفسی مجرور متصل جمع مذکر حاضر بمعنی اپنی مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ھَاتُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ فعلیہ قولیہ ہو گیا۔

marfat.com

ھٰذَا۔ اسم اشارہ قریبی مبتدا ہے یہ مبنی اصل ہے ھا حرف کی وجہ سے اس کا مشار الیہ بِالْحَقِّ یعنی قرآن مجید ہے ذِکْرُ مضاف بمعنی تذکرہ۔ قانون، شریعت مَنْ اسم موصول جمع جنسی بمعنی اُن کا مراد ہے صحابہ کرام مَعَ اسم ظرف بمعنی ساتھ مضاف ہے یْ ضمیر واحد متکلم مرجع ہے قُلْ کا فاعل یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ مضاف الیہ ہے مَعَ کا دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ذِکْرُ کا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ اسی طرح کی ترکیب سے سب مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر پھر معطوف علیہ ہوا بَلْ حرف عطف اِضرابی اَکْثَرُ مضاف ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا۔ لَا یَعْلَمُوْنَ۔ باب سَمِعَ فعل مضارع منفی معروف جمع مذکر غائب فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع کفار ہیں اَلْحَقَّ اسم مفرد منصوب مفعول بہ ہے لَا یَعْلَمُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مبتدا ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر سبب ہوا فَ عاطفہ سببیہ ھُمْ ضمیر مبتدا۔ مُعْرِضُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر مصدر ہے اعراض بمعنی منہ پھیرنا انکار کرنا عَرْضٌ سے مشتق ہے اس کا معنیٰ ہے منہ سامنے ہونا لازم ہے جب افعال سے متعدی ہوا تو معنیٰ ہوا منہ سامنے سے ہٹانا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اسم فاعل یا فاعل مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف مسبّب ہے اَکْثَرُھُمْ کے جملے کا یہ سبب مسبّب معطوف ہے ذِکْرُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر مبتدا ھٰذا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ مَا اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم فاعل اللہ تعالیٰ مِنْ حرف جر زائدہ قَبْلِكَ مرکب اضافی مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ رَسُوْلٍ اسم مفرد نکرہ صفت مشبہ بر وزنِ فَعُوْلٌ رُسُلٌ سے مشتق ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اِلَّا حرف استثنا اس نے ما بعد جملے میں سے وہ نفی ختم کر دی جو ما قبل جملے میں ہے نُوْحِیْ، باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم مصدر ہے ایحاءٌ وَحْیٌ سے بنا ہے اِلَیْہِ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنَّ حرف تحقیق ہٗ ضمیر واحد مذکر کا مرجع رسول ہے اسم ہے اَنَّ کا لَا حرف نفی جنس اِلٰہَ مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثنیٰ متصل کے لیے ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مستثنیٰ دونوں مستثنیٰ منہ اور مستثنیٰ مل کر اسم ہوا لَا کا یہ اسم خبر مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ اُعْبُدُوْا باب نصر کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل نِ در اصل نِیْ ہے نون وقایہ یْ ضمیر متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے اُعْبُدُوْنِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف مسبّب ہوا لَا اِلٰہَ کے پورے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اَنَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہوا نُوْحِیْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا مَا اَرْسَلْنَا کے جملے کا سب

marfat.com

مل کر جملہ استثنائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا ۚ فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْأَلُونَ ۔ أَمِ اتَّخَذُوا مِنْ دُونِهِ آلِهَةً ۖ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ ۔ اے محبوب نبی ان بیوقوف کفار نے اتنے ڈھیر سارے معبود بناڈالے ہیں جو خود ان سے سنبھالے نہیں جاتے۔ حالانکہ اگر ان آسمانوں زمینوں اور بلندیوں پستیوں والے تمام جہانوں میں چند معبود یا ایک بھی اور دوسرا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا ہوتا تو یہ دونوں یعنی سب آسمان اور پوری زمین اپنی تمام بلندیوں پستیوں کے ساتھ ٹوٹ پھوٹ جاتے اور فسادِ عظیم مچ جاتا۔ اس لیے کہ وہ سب معبود یا آپس میں متفق ہوتے اور مل کر عالم کا نظام چلاتے سب کی طاقت بیک وقت خرچ ہوتی تب نظامِ عالم کی رفتار ضرورت سے زیادہ ہو جاتی اور زیادتی تیز رفتاری کی بنا پر ٹوٹ پھوٹ کا فساد ہی فساد ہوتا۔ اور یا اپنی باریاں مقرر کرتے اور ایک معبود بیکار بیٹھا رہتا یہ چیز شانِ معبودیت کے خلاف ہے اور یا یہ مختلف الرائے ہوتے اور اپنی اپنی مرضی سے مخالف طریق پر نظامِ عالم چلاتے تب بھی ٹوٹ پھوٹ ہو جاتی اور نظامِ عالمین میں اس مخالفانہ رویہ سے فساد مچ جاتا موجودات ٹکڑے ہو جاتیں۔ **حکایت**: ایک دہریہ کافر ایک دفعہ ایک چرخہ کاتتی بوڑھی عورت کے پاس سے گزرتے پوچھنے لگا کہ اے بی اماں۔ خدا کے بارے میں تمہارا کیا عقیدہ ہے اس کائنات میں کیا کوئی خدا اور کارساز ہے جو یہ نظام چلا رہا ہے یا یہ سب کچھ خود بخود ہوتا چلا آ رہا ہے اور اسی طرح ہوتا رہے گا اور اگر کوئی معبود ہے تو ایک ہے یا چند بوڑھی عورت نے جواب دیا کہ ساری کائنات کو پیدا کرنے اور چلانے والا ایک اللہ ہی معبود ہے کافر نے کہا اس کی دلیل۔ بوڑھی نے کہا میرا چرخہ۔ کافر نے کہا کہ ایک خدا ہے یا چند بوڑھی نے جواب دیا کہ ایک ہی معبود ہے چند ہو سکتے ہی نہیں۔ کافر نے کہا اس کی دلیل۔ بوڑھی نے کہا میرا چرخہ۔ دہریہ کافر بڑا حیران ہوا اور وہ بولا وہ کیسے مائی صاحبہ نے جواب دیا کہ اگر میں نہ ہوں تو یہ چرخہ نہیں چلتا۔ یہ چھوٹا سا چرخہ کسی چلانے والے کا محتاج ہے تو پھر آسمانوں زمین شمس و قمر ستاروں کا اتنا بڑا چرخہ خود بخود کیسے چل سکتا ہے یقیناً کوئی ذات وحدہٗ لاشریک ہے جو اس کو چلا رہی ہے۔ اور وہ خالقِ کائنات اللہ تعالیٰ ہی ہے اور پھر اگر میں اکیلی اس چرخے کو چلاؤں تو درست چلتا ہے اور فائدہ پہنچاتا ہے لیکن اگر میرے ساتھ کوئی دوسرا بھی چلانے میں شامل ہو جائے تو وہ دوسرا شخص اگر اپنی پوری طاقت سے میری موافقت میں گھمائے تو چرخہ

marfat.com

اتنا تیز چلے کہ کوئی فائدہ نہ پہنچا سکے سب وقت ضائع چلانا فضول اور اگر کم طاقت لگائے تو اس دوسرے کا وجود بیکار اور اگر میری مخالفت میں چرخہ چلائے تو چرخہ ٹوٹ پھوٹ جائے غرض کہ بغیر وجود اور ڈبل وجود دونوں صورتوں میں فساد ہی فساد ہے بڑھیا مومنہ کی یہ مدلل تقریر سن کر وہ کافر دہریہ لاجواب اور حیران پریشان رہ گیا۔ علما فرماتے ہیں کہ کسی چیز کا اعتدال یعنی حدِ معینہ سے ہٹ جانا فساد ہے اور حدِ اعتدال میں رہنا صلاح اور درستی ہے۔ فساد اور صلاح تین چیزوں میں جاری ہوتا ہے ۱ جان یعنی روح میں ۲ بدن میں ۳ اشیاءِ عالم میں یہ آیت کریمہ ظاہراً تو چند الفاظ کی ہے مگر باطناً و حقیقتاً علمیات عقلیات فکریات فہمیات میں معرفتِ توحید الٰہیہ کے دلائل و براہین کا بحرِ ذخار اور سمندر بیکراں اور میدانِ بے کنار ہے کہ ایمانیاتِ وحدت اور انتفاءِ کثرت پر اتنی عام ذہن اور آسان فہم حجتِ تامہ ہے جو ہر ذی عقل کے شعور میں سما جائے۔ علما نے اس کی تفسیر میں چھ چیزیں ظاہر فرمائیں۔ پہلی یہ کہ بندہ کیا ہے دوم یہ کہ بندگی کیا ہے سوم یہ کہ معبود اور الٰہ کون ہو سکتا ہے چہارم یہ کہ کون الٰہ نہیں ہو سکتا۔ پنجم یہ کہ کائناتِ مخلوق کے لیے معبود کیوں ضروری ہے ششم یہ کہ چند الٰہ یا دوسرا الٰہ کیوں نہیں ہو سکتے کیوں ناممکن۔ اوّلاً یہ سمجھنا ضروری ہے کہ ہر بندے پر دنیا میں پانچ چیزیں لازم ہیں ۱ عبادت ۲ اطاعت ۳ اتباع ۴ تقلید ۵ اقتدا۔ بندے کی دنیوی زندگی میں بندگی شدید لازم کیونکہ زندگی بے بندگی شرمندگی۔ اور بندگی یہ ہے کہ کسی کو معبود سمجھا جائے اور معبود سمجھ کر اس کا حکم مانا جائے اس کے فرمان پر خود کو جھکایا گرایا جائے معبود وہ ہو سکتا ہے جس کی ستائیس ۲۷ شان و صفات ہوں ۱ قدرتِ کاملہ والا ہو ۲ علمِ تامہ والا ہو ذرے ذرے سے باخبر ہو کوئی چیز اس سے چھپ نہ سکے ۳ بطشِ شدید والا ہو ۴ قبض مضبوط والا ہو ۵ خالقِ کائنات ہو ۶ مالکِ عالمین ہو ۷ اوّلیت والا ۸ کمال والا ۹ غنا والا ۱۰ عطا والا ۱۱ اختیار والا ۱۲ صفات والا ۱۳ غیر منتہی ۱۴ غیر محتاج ۱۵ لازوال ۱۶ ربوبیت والا ۱۷ حکمت والا ۱۸ وحدت والا ۱۹ ہر شان میں اکمل ۲۰ ہر چیز کا ذاتی مالک ۲۱ ہر صفت میں یکتا لاشریک ۲۲ ہر بلندی و پستی پر بادشاہی والا ۲۳ ہر فرد پر اس کی حکمرانی ہو ۲۴ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کی شان والا ہو ۲۵ موت دے سکے ۲۶ نیست کو ہست معدوم کو موجود اور مردے کو زندہ کر سکے ۲۷ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق کائناتِ شمس و قمر کو چلا سکے امام رازی نے فرمایا کہ جس ذات میں یہ صفات ہوں بس وہی الٰہ ہو سکتا ہے جس میں یہ صفات نہ ہوں وہ کسی کا معبود نہیں بن سکتا نہ اس کو سجدہ جائز نہ اس کی عبادت لائق اور یہ صفات صرف

marfat.com

اللہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیک میں ہیں۔ اب اگر اُس وَحْدَہٗ لاشریک کے سوا بھی کسی کو معبود سمجھ لیا جائے تو کائنات میں تقریبًا چودہ قسم کے فساد اور حماقتیں ظاہر ہوں گی۔ پہلی یہ کہ چونکہ اللہ کی شان یہ ہے کہ وہ پوری کائنات اور کائنات کے ہر ہر فرد ہر چیز کا مالک ہو اور ملکیت تامہ ہو۔ لہٰذا اگر چند معبود ہوں تو کیا آپس میں ایک دوسرے کے مالک ہوں گے یا نہیں اگر ہوں تو محال کیونکہ الٰہ بھی مملوک ہوا اور مملوک عبد ہوتا ہے اگر نہیں تو الٰہ کی ملکیتِ تامہ نہ رہی اور الٰہیت ناقص دوم یہ کہ الٰہ کے لیے واجب واجبُ الوجود ہونا شرط لازمی قدیمی ہے۔ اگرچہ چند معبود ہوں تو کیا واجبیت میں شریک ہیں یا ممتاز اگر شریک ہوں تو گویا ایک ہی وجود واجب سب کا ہوا تو وہ چند نہ رہے اور اگر علیحدگی اور ممتازیت ہو تو غیریت آگئی اور ہر الٰہ مرکب ہو گیا واجبیت اور غیریت سے۔ اور مرکب محتاج ہوتا ہے۔ اور محتاج الٰہ نہیں ہو سکتا کیونکہ محتاجی حدوث ہے جو وجوب کے خلاف ہے۔ قدیم ہونا الٰہیت کے لیے شرط ہے۔ قدیم ہی واجب ہو سکتا ہے۔ سوم یہ کہ اگر چند معبود ہوتے تو الٰہیت میں شریک ہوتے یا ممتاز اگر شریک ہوں تو تعدُّد نہ رہا ایک ہی الٰہیت تقسیم ہو گئی اور الٰہیت ناقص رہ گئی۔ اور اگر ممتاز ہوں یعنی ہر ایک کی الٰہیت علیحدہ ہو تو پھر ایسی صفت کی ضرورت ہے جو ممتاز کرے اور وہ صفت ہر ایک میں اکمل چاہیئے اور یہ محال کیونکہ اکمل ایک ہی ہو سکتا ہے دو طرفہ اکمل ہونا ممکن ہی نہیں اور اگر ایک اکمل ہو تو دوسرا الٰہ ناقص رہا چہارم یہ کہ اگر چند معبود ہوں اور اُن میں امتیازی نشان اور خصوصی صفت بھی ہو تو وہ امتیازِ صفت اور تبایُن فِی الْاِمْکَان ہو گی یا فِی الْوُجُوب یا فِی الزَّمَان یا فِی الْمَکَان اور یہ سب الٰہ میں محال لہٰذا امتیازی نشان ممنوع ہوا۔ پنجم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو کیا ہر ایک تدبیرِ عالَمِین نظامِ کائنات میں اکیلا کافی ہو گا یا ناکافی اگر اکیلا ہی کافی ہو تو باقی فضول اور اگر ناکافی ہو تو ناقص اور الٰہ ناقص بھی نہیں ہو سکتا ناکافی بھی نہیں فضول بھی نہیں۔ ششم یہ کہ ہر عقل جانتی ہے کہ حادث کا کوئی فاعل اور بنانے والا ہو اگر ایک ہی مدبّرِ عالَمِین مانا جائے تب تو کوئی الجھن دشواری نہیں لیکن اگر ہر حادث کے لیے علیحدہ فاعل مانا جائے تو دَور یا تَسَلسُل لازم آئے گا بے اِنتہا اور یہ سب محال لہٰذا بہت سے الٰہ محال۔ ہفتم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو کیا ہر معبود اپنی علیحدہ شان قائم کر سکتا ہے اگر کر سکے تو وہ خصوصی شان یقینًا محدثات میں سے ہو اور محدثات سے خصوصیت پیدا کرنا بھی حادث ہو گا اور یہ الٰہیت کے لیے محال ہے کہ اُس کی کوئی صفتِ بِالقُوَّۃ حادث ہو۔ اور نہ کر سکے تو عاجز ہوا اور الٰہ کا عاجز ہونا بھی محال ہے۔ ہشتم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو کیا ہر معبود اپنی کوئی چیز دوسرے الٰہ سے چھپا سکتا ہے یا نہیں اگر چھپا

marfat.com

سکے تو جس سے چھپایا وہ بے خبر الٰہ ہوا اور اگر نہ چھپا سکے تو یہ الٰہ عاجز ہوا۔ حالانکہ الٰہ کا عاجز ہونا اور بے خبر ہونا دونوں محال۔ نہم یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو یقیناً سب کی طاقت مل کر ایک کی طاقت سے زیادہ ہوگی۔ اور فرداً فرداً کی علیحدہ علیحدہ طاقت کم ہوگی تو پھر ہر ایک کی طاقت متناہی ہوئی اور مجموعہ دگنا متناہی ہوگا۔ یعنی انتہا اور اختتام والا تو کوئی مقام ایسا ضرور آئے گا جہاں الٰہ کی طاقت ختم ہو جائے۔ انتہاؤں کا مجموعہ بھی منتہی ہوتا ہے پس کُل کی طاقت کا متناہی ہونا ثابت ہوگا اور الٰہ کی کوئی صفت متناہی ہونا محال ہے کیونکہ متناہی کو زوال ہے اور زوال کو فنا۔ اور زوال و فنا حادث کی صفت ہے ثابت ہوا چند الٰہ ہونا محال ہے۔ دہم یہ کہ چند ہونا یا دو ہونا عدد ہے اور واحد کے سامنے تمام عدد ناقص کیونکہ سب عدد واحد کے محتاج واحد کسی کا محتاج نہیں نیز ہر ایک عدد اپنے پہلے عدد سے زیادہ ہوتا ہے۔ حالانکہ الٰہ کا محتاج ہونا بھی محال اور الٰہ میں زیادتی کمی ہونا بھی محال۔ ثابت ہوا کہ الٰہ واحد ہی ہو سکتا ہے۔ گیارھواں فساد یہ کہ اگر چند الٰہ ہوں اور کسی معدوم کو موجود کرنا چاہیں اور سب اس فعل پر قادر ہوں تو جو پہلے ایجاد کرے گا دوسرا اُس کی ایجاد سے عاجز ہوگا کیونکہ تحصیلِ حاصل محال ہے۔ اور اگر سب مل کر ایجاد کریں تو تعاون ہوا۔ اور تعاون کمزوری کا مظہر اور کمزوری محتاجی کا مظہر۔ اور اگر بعض قادر تو غیر قادر الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر واحد لاشریک لہٗ نے اپنی قدرت سے ایجاد کر لیا تو تو قدرت ثابت ہو گئی اب دوبارہ اُس کی ایجاد نہ ہو سکنا۔ قدرت کے منافی نہیں۔ مگر دوسرا الٰہ جب تک خود ایجاد نہ کرے اس کی قدرت و طاقت ثابت نہ ہوگی۔ بارھواں یہ کہ اگر چند معبود ہوں اور سب کے ارادے مختلف ہوں مثلاً ایک الٰہ کسی جسم میں حرکت پیدا کرنا چاہے دوسرا اُس میں سکون پیدا کرنا چاہے تو دونوں میں ایک ہار جائے گا ایک جیت جائے گا تو جو جیتے گا وہ غالب و قادر اور جو ہارے وہ مغلوب و عاجز اور جو عاجز وہ مقہور۔ لہٰذا وہ الٰہ نہیں ہو سکتا اور اگر سب معبود متفق ہوں تو اُنہوں کی تعداد بیکار۔ تیرھواں یہ کہ اگر چند معبود ہوں اور سب کا علم جمیع معلومات پر یکساں ہو تو مثلیت پائی گئی حالانکہ معبود وہ ہے کہ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ اس کی مثل کوئی ہو ہی نہیں سکتا نہ وہ کسی کی مثل، چودھواں یہ کہ اگر چند معبود ہوں تو سب الوہیت میں شریک ہوئے اور شرکت عیب ہے کیونکہ کمی اور غیر اختیاری کی مظہر، شریک نہ پورے کا مالک نہ اُس کو پورے پر اختیار۔ اور اگر مملوکہ چیز شرکا میں غیر منقسم ہو تو ہر شریک کو باقی شرکا سے اجازت کی حاجت اگر دوسرے شرکا اس مملوکہ چیز میں تصرف سے روک سکیں تو وہ غالب اور روکا ہوا الٰہ مغلوب

marfat.com

اگر نہ روک سکیں تو یہ قاہر وہ سب مقہور۔ لڑائی کا بھی امکان ہے۔ نیز اگر چند معبود ہوں تو یا ہر ایک دوسرے کا محتاج ہوگا یا مستغنی اگر محتاج ہو تو یہ ناقص مستغنی ہو تو وہ ناقص۔ لہٰذا کوئی بھی الہیت کے لائق نہ رہا یہ وہ تمام دلائلِ عقلیہ ہیں جو اس آیت پاک سے نکلے ان سب سے یہی ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ایک بھی دوسرا معبود نہیں ہو سکتا اگر ایک بھی کوئی دوسرا معبود ہوتا تو صرف زمین و آسمان ہی نہیں بلکہ پوری کائنات اپنی تمام بلندیوں پستیوں کے ساتھ تباہ برباد ہو جاتے نظامِ کائنات میں فساد مچ جاتا اور چونکہ ایسا نہیں ہوا لہٰذا بدلائلِ قاہرہ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور دوسرا معبود نہ ہو سکتا ہے نہ ہے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ اور جب عقلاً نقلاً، فکراً۔ ہر طرح کے دلائل و براہین سے ثابت ہو گیا اور کم سے کم ذہن والے دماغ میں بھی سما گیا اور ہر ایک کی سمجھ میں بآسانی آگیا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں کوئی معبود نہ ہے نہ ہو سکتا ہے تو سمجھ لو اے کائنات والو کہ سُبْحٰنَ اللّٰہ صرف اللہ تعالیٰ ہی سُبْحٰنَ ہے ہر اُس عیب و نقص سے اُس ذات جَلّ مجدہٗ کو نزہت و پاکیزگی ہے جو کفارِ زمینی اور مشرکین دنیوی اپنے تراشے خراشے چیلے بنائے مٹی پتھر کے بتوں بے عقلوں بے حسوں کو شریک الہیت بنائے بیٹھے پھرتے ہیں۔ بلکہ اُن تمام کمزوریوں سے بھی وہ ذاتِ علیٰ پاک ہے جن سے یہ کفارِ یہود و نصاریٰ اس کو موصوف کرتے ہیں کہ کبھی کفر بکتے ہیں کہ کبھی کہتے ہیں اُس کی بیوی ہے کسی کو ابن اللہ کسی کو بنت اللہ ٹھہرا دیا حالانکہ یہ سب اجسام کی صفات ہیں کہ بیوی بچے ہوں۔ اور جو خود جسم ہو وہ خالق جسم نہیں ہو سکتا اور جو خالق نہیں وہ الٰہ نہیں ہو سکتا وہ اللہ کریم تو ساری مخلوق سے بڑی چیز عرش عظیم کا بھی خالق مالک اور محافظ و رب ہے یہ بھی اُس کی وحدتِ شاہی کی دلیل اعظم ہے کہ فقط وہی واحد و یکتا عرش کا خالق کرسی کا مالک آسمانوں کا موجد زمینوں کا مربی لوح و قلم کا قیوم نور کا منبع ظلمت کا مخرج ذات و صفات کا مظہر جماد و نبات کا صانع انواعِ حیوانات کا ناشر ہے اس شان والا کہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ۔ ایسا قادر و قدیم داناؤ علیم۔ خبیر و حکیم قوی و قدیر ہے کہ اُس کی کسی بات کسی فعل میں کوئی اعتراضی سوال احتسابی کلام نہیں کیا جا سکتا۔ نہ کسی کی دنیا میں ہمت نہ آخرت میں جرأت جس کو جس طرح چاہے جب چاہے جہاں چاہے جو چاہے بنا دے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ کسی کو مقبول بنا یا کسی کو مردود۔ کسی کو خیر کسی کو شر کسی کو لذت کسی کو نفرت۔ کسی کو آرام دیا کسی کو الم کسی کو موت کسی کو حیات کسی کو صحت کسی کو بیماری کسی کو غنا کسی کو لاچاری اُس کے کسی فعل کو نہ سبب کی حاجت نہ علت کی ضرورت جب علت نہیں تو سبب نہیں

marfat.com

جب سبب نہیں تو عجز نہیں جب عجز نہیں تو حدوث نہیں ۔ حدوث نہیں تو تغیر نہیں تغیر نہیں تو ممکن نہیں اور جہاں امکان نہیں وہاں وجوب ہے اور جس کی ذات میں وجوب ہو اُس کی صفات میں حکمت ہوتی ہے ۔ جب حکمت ہے تو تدبیر اور جو تدبیر کا مالک ہو وہی تقدیر کا خالق ہو سکتا ہے اسی کے پاس سب قدرت و قوت و صحت ہوتی ہے اور جس کے ہر کام میں صحت و درستگی ہو تو اسی کے لائق حمد ہے ۔ اور جس کے ہر کام پر حمد ہے وہی اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے ۔ جو حمدِ کلی کا مستحق ہو اس کا کوئی قول و فعل مذموم نہیں اور جب مذموم نہیں تو لَا یُسْئَلُ ہے ۔ نہ اس کا کوئی کام غلط نہ کسی کو کسی اعتراض و سوال کا حق ۔ سوال سات قسم کے ہوتے ہیں ۱ سوالِ اعتراضی ۲ سوالِ احتسابی ۳ سوالِ اِلزامی ۴ سوالِ امتحانی ۵ سوالِ اطمینانی ۶ سوالِ معلوماتی ۷ سوالِ احتیاجی ۔ لَا یُسْئَلُ میں پہلے چار قسم کے سوالات مراد ہیں ۔ سوالِ اعتراضی ابلیس نے کیا مردود و ملعون ہوا ۔ سوالِ احتسابی حاروت و ماروت دو فرشتوں نے کیا مغضوب ہوئے سوالِ الزامی خلقت آدم علیہ السّلام پر تمام فرشتوں نے کیا تو سب سے علمی مقابلہ و مناظرہ کرا کر شکست دلوائی اور بذریعہ سجدہ معافی منگوائی سوالِ احتیاجی میں دعا اور بھیک مانگنا ہوتا ہے اس سوال میں سب مخلوق جن و انس ، انبیا اولیا ملائکہ علیہم السلام رب تعالیٰ کی بارگاہِ مقدس کے سائل ہیں چنانچہ ارشادِ قرآنِ مجید ہے یَسْئَلُہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (سورۃ رحمٰن آیت ۲۹) یعنی آسمانوں اور زمین کی تمام مخلوق اُس مولیٰ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں ۔ بھیک مانگتے ہیں ۔ سوالِ اطمینانی حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے عرض کیا مسعود ہو گئے سوالِ معلوماتی حضرت عُزیر علیہ السّلام نے عرض کیا مقبول ہو گئے ۔ افعالِ الٰہی کی غرض و غایت ، نفع و نقصان بندوں کے لیے ہوتا ہے نہ کہ رب تعالیٰ کے لیے ۔ کیونکہ اللّٰہ تعالیٰ فاعلِ مؤثر ہے اور سب مخلوق مفعولِ تاثیر ہے ۔ مفعول مملوک ہوتا ہے اور فاعل مالک اور مملوک کی ہمت و جرأت نہیں کہ مالک سے پوچھے لِمَا فَعَلْتَ کیوں کیا ۔ سوالِ اعتراضی میں ہوتا ہے کیوں کیا ۔ اور سوالِ اطمینانی و معلوماتی میں ہوتا ہے ۔ کیسے کیا ۔ سوالِ اعتراضی چھ وجہ سے کیا جاتا ہے ۱ یا اس لیے کہ فاعل بے عقل بے سمجھ ہو ۲ یا بے خبر ہو ۳ یا اپنے دائرۂ اختیار سے تجاوز کرے ۴ یا اس کام کو نہ جانتا ہو بے علم ہو ۵ یا کبھی اُس نے کام بگاڑا ہو ۶ یا بلا اجازت غیر کی ملکیت میں تصرف کیا ہو ۔ معترض تین قسم کے ہو سکتے ہیں ۱ وہ جو فاعل پر حاکم ہو ۲ وہ جو فاعل سے زیادہ علم و عقل والا ہو ۳ وہ جس کی ملکیت میں بلا اجازت فاعل نے کوئی کام کیا ہو ۔ بارگاہِ ذوالجلال میں نہ کوئی کسی بھی قسم کا معترض ہو سکتا ہے نہ کسی قسم

marfat.com

کا اعتراض وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ لیکن تمام مخلوق اپنے اپنے افعال کی جواب دہ ہے دنیا میں بھی اس طرح کہ ہر مالک اپنے مملوک سے ہر استاد اپنے شاگرد سے، ہر بڑا اپنے چھوٹے سے ہر عالم جاہل سے ہر عاقل بیوقوف سے ہر بادشاہ وزیر سے ہر امیر غریب سے ہر طاقتور کمزور سے ہر شریک اپنے ساتھی شریک سے ہر مخالف اپنے مقابل سے ہر دشمن اپنے دشمن سے ہر حساب لینے والا حساب دینے والے سے اعتراضاً یا احتساباً پوچھ سکتا ہے کہ تو نے یہ کام کیوں کیا۔ اور آخرت میں بھی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ سب بندوں کا حساب لے گا اور ان سے پوچھا جائے گا کہ نیکیاں کیا اور کتنی کیں اور گناہ کیوں کئے دنیوی سوالات اعتراضی ہوتے ہیں اُخروی سوالات احتسابی وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ اس لیے ہے کہ ہر بندہ اصلاً نسلاً خلقتاً ناقص ہے جو ناقص ہوتا ہے وہ کمزور ہوتا ہے جو کمزور ہو وہ مجبور ہوتا ہے جو مجبور ہو وہ محتاج ہوتا ہے۔ بندے کے افعال دل سے اور دل محتاج ہے اعضا کا اور اعضا محتاج ہیں عقل کے عقل محتاج تدبیر کی تدبیر تصنیع کی۔ تصنیع تعلیم کی تعلیم معلّم کی۔ معلّم محتاج ہے علم کا اور علم محتاج ہے شعور بے شعور کا۔ اور شعور فکر کا اور فکر محتاج ہے حکمت کا حکمت ناقص تو فعل ناقص اور فعل ناقص تو بندہ معتوہ اور جو معتوہ ہو وہ بیوقوف جو بیوقوف ہو وہ مذموم، اور جو مذموم ہو وہ دنیا میں قابلِ اعتراض اور آخرت میں قابلِ احتساب۔ اسی لیے بندے اپنے ہر فعل میں وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ ہیں کرنے میں بھی نہ کرنے میں بھی کیونکہ جو ناقص و محتاج ہوتا ہے اس میں تین کمزوریاں ہوتی ہیں ۱۔ اچھے کا پتہ نہیں ہوتا اس لیے اس کو امر کیا جاتا ہے کہ فلاں فلاں کام کرو ۲۔ برے کا بھی پتہ نہیں اس لیے نہی کی جاتی ہے کہ فلاں فلاں کام کلام مت کرو ۳۔ ترجیح دینے کی صلاحیت نہیں اسی لیے بندہ مکلف ہے، اسی امر و نہی اور ترجیح کا نام شریعت ہے اور بندہ شریعت کا مکلف بنایا گیا۔ مکلف کے لیے دینِ الٰہی ضروری دینِ الٰہی کے لیے آستانۂ نبوت سے شریعت اور شریعت سے امر و نہی و ترجیح کی پابندی ضروری۔ اگر یہ شرعی پابندی نہیں تو بندہ سراپا حماقت ہے اور حماقت ہو تو کفر ہی کفر ہے۔ اور ایسے ہی حُمقاء کفر نے اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً۔ اتنی عام فہم اور آسان ذکر دلیلوں کے باوجود کیا انھوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابل اور اس کے سوا بہت سے معبود بنا لئے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ہونے پر تو عقلاً نقلاً فکراً، فہماً اتنی کثیر دلیلیں ہیں کہ ہر وَرَقے دفتریست معرفتِ کردگار۔ عالم دہر کا پتہ پتہ معرفتِ خالق کا ایک عظیم دفتر تفہیم ہے۔ مگر ان کفار کے پاس ان پتھر مٹی لکڑی دھات کے بتوں مورتیوں کی اُلوہیت پر کوئی عقلی نقلی یا فکری دلیلِ کامل ہے۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔ اے

marfat.com

محبوب تم فرماؤ ان سے کہ تم بھی اپنے دستی تراشے خراشے پھیلے ہتھائے بناوٹی معبودوں کی معبودیت پر کوئی برہان یعنی مضبوط و کامل دلیل لاؤ۔ خیال رہے کہ کسی چیز کو ثابت کرنے کے تین ذریعے ہوتے ہیں ۱۔ دلیل ۲۔ حجۃ ۳۔ برہان۔ ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ اپنے ایک دعوے کو ایک پہلو سے ثابت کرنا دلیل ہے۔ جیسا کہ اشارہ کر کے یا روشنی کر کے کوئی چیز دکھانا ثابت کرنا۔ اور مخالف کے دعوے کو توڑ کر اپنے دعوے کو ثابت کرنا حجۃ ہے۔ مثلاً یہ کہنا کہ چونکہ مخالف کی بات ظاہر و موجود نہیں اسلیے میری بات ثابت ہے۔ جیسا کہ سورۃ طٰہٰ کی آیت ۱۳۴ میں ہے کہ اگر ہم رسول نہ بھیجتے اور بندوں کو رسول بھیجے بغیر ہی اُن کے کفر و شرک کی بنا پر ہلاک کر دیتے تو کفار کہتے قیامت میں کہ لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا۔ یا اللہ تو نے ہمارے پاس اپنا کوئی رسول کیوں نہ بھیجا۔ یہ کفار کی حُجت ہوتی اللہ تعالیٰ پر۔ چنانچہ سورۃ نساء آیت ۱۶۵ میں رب تعالیٰ نے فرمایا۔ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ۔ یعنی رسول اس لیے بھیجے گئے تاکہ کفار کو اللہ پر حجۃ و عذر بہانہ نہ رہے۔ اور اگر عقلاً، نقلاً۔ عملاً۔ قولاً۔ فکراً۔ قوۃً۔ علماً۔ الہاماً وزناً۔ تاکیداً ہر طرح ایک دلیل ہی مدعی کے تمام دعووں کو اس طریقے اور ایسے انداز سے ثابت کر دے کہ مخالف کو مجالِ انکار نہ رہے ماننے پر مجبور ہو جائے تو وہ برہان ہے۔ برہان وہ کامل اکمل مؤکل مکمل مؤکد ثبوت ہے جو عام فہم ہو اور ہر شخص کو آسانی سے سمجھ آ جائے جس کے بعد نہ کسی اور دلیل کی ضرورت رہے نہ حجت بازی کی نہ مکالمہ مناظرہ کی نہ بحث و مباحثہ کی نہ الباد دیا تیبا کی۔ بعض نے فرمایا دلیل وہ جو کامل ہو برُہان وہ جو اکمل ہو۔ حجۃ وہ جو غالب ہو۔ دلیل کی دو قسمیں ہیں ۱۔ دلیلِ اِنّی ۲۔ دلیلِ لِمّی۔ اگر علت سے معلول کو یا سبب سے مسبّب کو ثابت کیا جائے تو دلیل لمی ہے۔ جیسے آگ سے دھوئیں کو۔ یہ علت معلول ہے یا آگ سے گرمی کو ثابت کیا جائے یہ سبب اور مسبب ہے۔ اور اگر معلول سے علت یا مسبب سے سبب کو ثابت کیا جائے تو دلیلِ اِنّی ہے۔ جیسے دھوئیں سے یا گرمی سے آگ کا ثبوت۔ قرآنِ مجید میں لفظِ دلیل صرف ایک جگہ ارشاد ہوا ہے سورۃ فرقان آیت ۴۵ اور لفظِ برہان تین جگہ ۱۔ سورۃ نسا آیت ۱۷۴، ۲۔ سورۃ یوسف آیت ۲۴ ۳۔ سورۃ مومنون آیت ۱۱۷۔ لفظ برہانکم چار جگہ ارشاد ہوا ہے ۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۱۱ ۲۔ یہی مقام سورۃ انبیا آیت ۲۴ ۳۔ سورۃ نمل آیت ۶۴ ۴۔ سورۃ قصص آیت ۷۵۔ لفظ برہانان۔ ایک جگہ ارشاد ہوا سورۃ قصص آیت ۳۲۔ اور لفظِ حُجۃ سات جگہ ارشاد ہوا ہے ۱۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۵۰ ۲۔ سورۃ نساء آیت ۱۶۵ ۳۔ سورۃ انعام آیت ۱۴۹ ۴۔ سورۃ شوریٰ

marfat.com

آیت ۱۵ ۵ سورۃ انعام آیت ۸۳ ۶ سورۃ شوریٰ آیت ۱۶ ۷ سورۃ جاثیہ آیت ۲۵۔ غرضکہ یہ آیت پاک معرفتِ وحدت الٰہی میں اتنی مضبوط و اکمل برہانِ ربانی ہے کہ جب یہ نازل ہوئی تو تمام کفریات شرک متحیر مبہوت اور پریشان ہو گیا۔ اور سردارانِ کفر اتنے گھبرائے کہ اُن کو اپنا شرک بچانا مشکل ہو گیا اور آج تک اِس کفرستانِ عالم پر اس کی لرزہ براندامی طاری ہے۔ خیال رہے قرآن مجید کی پانچ آیت نے آج تک بُطلانِ کفر میں تہلکہ مچایا ہوا ہے۔ اور قرآن و اسلام کی حقانیت کی دھاک اور دبدبہ پھیلایا ہوا ہے کہ کفر کافراں و شرکِ مشرکان و بُطلانِ منکراں آج تک متحیر مبہوت متزلزل و مغلوب و سرنگوں ہیں۔ پہلی آیت سورۃ نزول ۵۰ اسرای مکیہ کی آیت ۸۸ قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ (الخ) اس میں تمام عالمِ کفر کو چیلنج کیا گیا ہے کہ تم کہتے ہو یہ انسانی کلام ہے تو پھر تم بھی اس قرآن جیسا قرآن لے آؤ جن و انس مل کر بھی نہیں لا سکتے دوسری آیت، سورۃ ہود مکیہ نزول نمبر ۵۲ کی آیت ۱۳ قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَیٰتٍ یعنی اگر یہ کفار منکرین کلامُ اللہ پورا قرآن نہیں لا سکتے تو اس کی مثل دس سورتیں ہی لے آئیں۔ جب اس چیلنج کو قبول نہ کر سکے اور تمام کفار پریشانُ گھبرائے رہنے کے باوجود منکر جاہلانہ ہی رہے تو تیسری آیت سورۃ بقرہ مدنیہ نزول نمبر ۸۷ کی آیت ۲۳ نازل ہوئی۔ وَاِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔ (الخ) یعنی اگر یہ عرب کے فصحا کفار دس سورتیں بنا کر بھی نہیں لا سکتے تو پھر ایک سورۃ ہی اس جیسی بنا کر دکھاویں اگرچہ چھوٹی سے چھوٹی سورت کی برابر ہو، خواہ مخواہ بلا وجہ جہالت اور ضد بازی ہٹ دھرمی سے شک میں پڑے رہنا تو انسانیت نہیں۔ اس مقابلے کو نہایت آسان کرنے اور جلدی قبول کرنے کے لیے ایک سب سے چھوٹی سورۃ۔ کوثر بھی پہلے ہی مکہ مکرمہ میں نازل کر دی گئی تھی جس کا نزول ۱۵ ہے۔ چوتھی آیت سورۃ نساء کی ۸۲ ہے۔ لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِیْهِ اخْتِلَافًا كَثِیْرًا۔ یہ سورۃ نساء مدنی ہے اور اس آیت میں یہود و نصاریٰ اور دنیا بھر کے کتابیوں کو ایک سخت ترین تنبیہ کرتے ہوئے کلام الٰہی کی نشانی اور سچی پکی علامت و پہچان بتائی گئی یہ نشانی سوائے قرآنِ مجید کے کسی اور کتاب مذہبی میں نہیں پائی جاتی۔ نہ بائبل میں نہ تالمود میں نہ وید میں نہ گرنتھ میں نہ گیتا میں نہ بدھا میں۔ یعنی اگر ہوتا یہ قرآن کسی غیر اللہ انسان، جن یا فرشتے کا اپنا کلام تو لوگ اس میں بھی بہت اختلاف کذبیات اور تضاد بیانیاں پاتے اس آیتِ پاک کے نزول سے بھی عیسائی، یہودی اور منکرین قرآن پریشان اور مبہوت ہو کر رہ گئے مگر اپنی کتب بناوٹی کو اس معیار و نشان کلامُ اللہ ثابت

marfat.com

نہ کر سکے کیونکہ ان تمام کی مصنوعی خود نوشتہ کتب مذکورہ بالا میں اتنی واضح اور صاف تضاد بیانیاں
کذب سامانیاں اور اختلافاتِ کثیرہ کی شرمناکیاں ہیں کہ اُن سب اہالیانِ کتب کے سر شرم سے
آج تک نگوں ہیں۔ اسی وجہ سے اپنی ندامت کو چھپانے شرم کو مٹانے ڈھٹائی کو دکھانے کے لیے
اس عظیم نشانی کو چھوڑ کر مختلف بیہودہ اور لغو قسم کی خود ساختہ نشانیاں بنائے پھرتے ہیں کہ اس
قرآن میں ربط نہیں ۲ تعلق نہیں ۳ اور پھر جھوٹ و مکر کرتے ہوئے قرآن مجید کے سچے تاریخی
موجودہ واقعات کو جھٹلاتے ہوئے جاہلانہ ہٹ دھرمی مچاتے ہیں کہ فرعون کی میت کہیں نہیں
ہے۔ سکندر ذوالقرنین سدِ سکندری والا نہیں اصحابِ کہف کہیں نہیں ہیں۔ وغیرہ وغیرہ۔ مگر ایڑی
چوٹی کا زور لگانے کے باوجود پورے قرآن مجید میں کہیں ذرہ بھر اختلاف و تضاد بیانی ثابت نہ
کر سکے اور نہ اپنی کتب کی ظاہر ظہور تضاد بیانیاں اور کذبیات و فحشیات چھپا سکے فالحمد للہ
علیٰ ذالک۔ پانچویں یہ آیت جس نے ان کفار کو آج تک لرزہ براندام حد تک مبہوت کیا ہوا ہے۔
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ
وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ
دنیا میں کسی بات کو منوانے کے دو ہی طریقے ہیں ایک یہ کہ عقلِ دنیوی اور ذہنِ فکری سے عقلی
دلائل کے ذریعے۔ دوم یہ کہ دینی ذہنوں سے نقلی و تحریری مکتوبی دلائل کے ذریعے اور دلیل
وہی مکمل ہے جو دونوں قسم کے ذہنوں کی مکمل تسلی کر کے لاجواب کر دے اس کلام پاک
کے پہلے جملے لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ ۔ الخ میں عقلی دلائل مذکور ہیں۔ اور اگلی اس عبارت
هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ الخ میں نقلی دلائل مذکور ہیں کہ اے کفار و مشرکین تمہارے پاس
اپنے دین و عقائد باطلہ مصنوعیہ کے حق میں تو کوئی بھی دلیل نہیں ہے نہ عقلی نہ نقلی۔ لیکن اہل ایمان
کے پاس معرفتِ وحدت کی بے شمار عقلی دلیلوں کے علاوہ یہ ذکر بھی برہانِ ربانی ہے اُن لوگوں کے
لیے جو اس وقت میرے ہم زمانہ ہیں۔ اس ذکر کو قرآن کریم کہا جاتا ہے اور وہ ذکر بھی ہے جو
مجھ سے پہلی اُمتوں کے لیے ہوتا رہا جس کو صحفِ آدم صُحُفِ ادریس صُحُفِ ابراہیم صحفِ موسیٰ
توریت زبور انجیل کہا جاتا تھا اُن تمام کتب سابقہ میں بے شمار نقلی منقولی تحریری مکتوبی دلائل
سے خود رب تعالیٰ نے اپنی وحدانیت اور وحدہٗ لاشریک الٰہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ چنانچہ
قرآن مجید میں تقریباً سات آیتیں واضح اور صاف ذکر فرمایا ہے کہ فقط ایک ہی اللہ تمام
مخلوق کا معبود ہے۔ پہلی آیت سورۂ حدید آیت ۳ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ھُوَ الْاَوَّلُ۔ الخ کی شان

marfat.com

یکتائی یہ ہے کہ وہ سب سے اوّل ہو۔ اور چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی اوّل ہے اس لیے فقط وہی سب کا الٰہ ہے۔ کیونکہ اوّل فردِ واحد کا نام جو اوّل ہو وہی واجب ہو سکتا ہے وہی قدیم، اور وہی خالق۔ دوم سورۃ انعام کی آیت نمبر ۵۹۔ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب ہے اسی کے پاس غیب کی چابیاں ہیں۔ عالم الغیب ہونا بھی الٰہ کی خصوصی صفت ہے اگر کوئی اور بھی الٰہ ہوتا تو وہ بھی عالم الغیب ہوتا اور پھر یہ صفت خصوصی نہ رہتی۔ اور اِلَّا هُوَ کہنا درست نہ رہتا۔ آیت اس طرح نہ ہوتی۔ سوم۔ قرآن مجید میں تقریباً سینتیس جگہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ہے اگر کوئی اور بھی معبود ہوتا تو ان آیات متعددہ کثیرہ میں یہ اِلَّا کی خصوصیت نہ ہوتی اور نہ فرمایا جاتا کہ فقط اللہ تعالیٰ ہی الٰہ ہے۔ چہارم سورۃ قصص کی آیت ۸۸ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ۔ یعنی کائنات میں تمام ہلاک ہونے والے ہیں سوائے اللہ کی ذاتِ پاک کے اس میں یہ دلیل ہے کہ اگر کوئی اور دوسرا بھی معبود ہوتا تو وہ بھی ہلاک نہ ہو سکتا کیونکہ الٰہ کو فنا نہیں ہو سکتی اور چونکہ بجز رب تعالیٰ سب کو ہلاکت و فنا ہے اس لیے بجز رب تعالیٰ کوئی معبود نہیں۔ پنجم۔ سورۃ انعام کی آیت نمبر ۴۶ میں ارشاد ہے قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ۔ اس میں یہ دلیل ہے کہ الٰہ وہ ہوتا ہے جو آنکھ کان اور دل دماغ دینے پر قادر ہو۔ لیکن تمام کائنات میں یہ کیفیت ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اے انسانو تمہاری آنکھوں کی بینائی کانوں کی سماعت مٹا دے تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو کون معبود ہے جو تم کو یہ نعمتیں پھر عطا کرے۔ ثابت ہوا کہ کوئی دوسرا معبود ہے ہی نہیں۔ ورنہ یہ فرمان نہ ہوتا۔ ششم سورۃ انعام آیت ۱۷ میں ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تجھ کو کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کو کوئی بھی پوری کائناتِ عالمین میں دور نہیں کر سکتا سوائے اس اللہ ہی کے۔ اس میں دلیل یہ کہ کوئی اور معبود ہوتا تو اللہ معبود کی بھیجی ہوئی مصیبت دور کر دیتا کیونکہ الٰہ میں طاقت ہوتی ہے مصیبت دور کرنے کی۔ مگر چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی فقط دور کر سکتا ہے اس لیے وہی الٰہ ہے۔ ہفتم سورۃ انعام کی آیت ۱۰۲ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ۔ دلیل یہ کہ خالق صرف اللہ تعالیٰ ہے اور پوری کائنات کی ہر ہر چیز مخلوق۔ لہٰذا الٰہ بھی صرف اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ الٰہ مخلوق نہیں ہو سکتا۔ نیز الٰہ ہی خالق بھی ہوتا ہے جب کوئی دوسرا خالق نہیں تو الٰہ بھی نہیں۔ الٰہ کے لیے خالق ہونا لازمی شرط ہے۔ یہ تھے وہ نقلیہ دلائل جو توریت و انجیل میں لکھے تھے اور جن کو یہود و نصاریٰ پڑھتے رہتے تھے۔ اس کے باوجود بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ

marfat.com

اکثر یہود و نصاریٰ اور مشرکین ان دلائلِ عقلیہ نقلیہ کی حقانیت کو نہیں سمجھتے۔ بے شک اے مشرکین مکہ تم اپنے ان مشیرانِ خاص سے پوچھ کر دیکھو پڑھتے یہ سب ہیں مگر چونکہ بے علم جاہل ہیں اسلیے مُعْرِضُوْنَ۔ منکرون ہیں کسی نے عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ بنا لیا کسی نے مسیح علیہ السلام کو اور ابن اللہ کہنا بھی دوسرا الٰہ بنانا ہے کیونکہ بیٹا باپ کی ہم نسل ہوتا ہے۔ جب باپ اللہ تو بیٹا بھی اللہ اور جب اللہ الٰہ تو بیٹا بھی الٰہ۔ یہ ان یہود و نصاریٰ کا شرکِ کبیر اور ظلم عظیم ہے۔ اور اے محبوب یہ دلائلِ عقلیہ و نقلیہ حکمیہ و ذہنیہ صرف اِن کتب و صحائف میں ہی نہیں۔ بلکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ہم نے آپ سے پہلے ایسا کوئی رسول نہیں بھیجا جس کو ہم نے اپنی وحدانیت الٰہیت کی وحی نہ بھیجی ہو کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ تمام جہانوں میں سوا میرے کوئی بھی معبود نہیں۔ ہر موجود شی مخلوق ہے اور مخلوق بندہ ہوتی ہے اور بندہ پر بندگی فرض۔ اس لیے تمام بندوں پر فرض ہے کہ فَاعْبُدُوْنِ صرف میری ہی عبادت کریں۔ خواہ عالم ہوں یا جاہل عاقل ہوں یا سفیہ (مفسرین کے مختلف اقوال) لَفَسَدَتَا میں چار قول ہیں (۱) بگڑ جاتے ہو جاتے (۲) بے عدلی بے انصافی ہوتی (۳) بد انتظامی کا فتنہ ہوتا (۴) لاقانونیت کا ظلم پھیلتا۔ فِيْهِمَا میں دو قول ہیں (۱) تمام آسمان کُل زمین (۲) ہر بلندی و پستی اور اُن کی اشیاء۔ اٰلِهَةٌ میں دو قول (۱) ہر قسم کی وہ شخصیات و اشیاء جن کو مشرکین نے الٰہ سمجھ لیا۔ خواہ انسان۔ یا جنات یا فرشتے یا جمادات نباتات کے تراشے ہوئے بت یہی قول درست ہے (۲) صرف بت مورتی دیوی دیوتا مراد ہوں کیونکہ یہ بے علم بے عقل بے خبر بے تدبیر ہیں۔ تدبیر عالم کو نہیں جانتے۔ هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ میں دو قول (۱) ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ سے مراد قرآن مجید اور ذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ سے مراد سابقہ کتب الٰہیہ و صحیفے (۲) دونوں جگہ ذکر سے مراد قرآن مجید ہے کیونکہ اس میں پہلوں کا ذکر ہے موجودہ کا بھی اور آئندہ کا بھی۔ مگر پہلا قول درست ہے اس لیے کہ یہاں دلائلِ منقولیہ کی کثرت مراد ہے نہ کہ اگلے پچھلوں کا تذکرہ۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام سے دنیا و آخرت میں کسی قسم کا کوئی سوال نہ ہوگا نہ اعتراض نہ احتساب یہاں تک کہ میدان محشر میں رب تعالیٰ بھی ان کا حساب نہ لے گا نہ کوئی شخص دنیا میں کسی نبی علیہ السلام کے کسی قول فعل پر اعتراض کر سکے اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی نبوت قوت علمیت حکمت۔ عملیت قولیت عقل خرد۔ رائے مشورہ۔ اختیار قانون فیصلہ۔ بلکہ سونا جاگنا چلنا پھرنا کھانا پینا سب کچھ رب تعالیٰ کی عطا تعلیم اور وحی سے ہے گویا کہ انبیا علیہم السلام کے افعال و

marfat.com

وا قوال علم وقدرت اللہ تعالیٰ کے افعال ہیں تو ان پر اعتراض کرنا اللہ تعالیٰ پر اعتراض کرنا ہے۔ یہ فائدہ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ کی تفسیر وتفصیل سے حاصل ہوا۔ **حکایت**۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ ایک محفل میں کسی بد بخت گستاخ نے کہا کہ نفسانی خواہشات سے کوئی انسان نہیں بچ سکتا اگرچہ نبی پاک ہی ہوں اور وہ حدیث پڑھی کہ۔ حُبِّبَ اِلَیَّ مِنْ دُنْیَاکُمْ ثَلَاثٌ۔ اَلطِّیْبُ وَالنِّسَاءُ وَقُرَّةُ عَیْنِیْ فِی الصَّلٰوۃِ۔ یعنی میری طرف تین چیزیں محبوب کی گئیں ۱۔ خوشبو ۲۔ عورت ذات ۳۔ اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے۔ اس محفل میں ایک بزرگ بھی بیٹھے تھے انہوں نے فرمایا۔ ارے کمبخت خبیث تجھے اللہ تعالیٰ سے حیا نہیں۔ تو کتنا اَجہل ہے کہ عربی الفاظ کا ترجمہ بھی تجھ کو صحیح نہیں آتا یہاں حدیث پاک میں حُبِّبَ ہے نہ کہ اُحِبُّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے میری طرف شرعاً وقانوناً تین چیزیں محبوب کی ہیں۔ وہ بے غیرت اُس محفل میں سخت ذلیل ورسوا ہوا۔ وہ بزرگ فرماتے ہیں کہ میں نے اُس کو لاجواب تو کر دیا مگر مجھ کو اُس کی اِس گستاخی کا اتنا رنج وغم ہوا کہ میں بے چین ہو گیا رات کو مجھے زیارتِ اقدس نصیب ہوئی اور فرمایا کہ تو غم نہ کر ہم نے اُس کا کام تمام کر دیا۔ دوسرے دن میں نے سنا کہ وہ نہایت ذلیل طریقے سے قتل کر دیا گیا۔ میں کہتا ہوں کہ لفظِ نساء سے فقط شیطانی گستاخی کا خیال دل میں لانا اور اُس کو خواہشاتِ نفسانی سمجھنا بدبختی ہے حالانکہ نساء میں تو ماں بہن بیوی بیٹی سب شامل ہیں اور معنیٰ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حُبِّبَ سے مراد ہے فطری انتظامی پسندیدگی میں یہ بھی شامل ہے کہ عورتوں کی حفاظت کرواؤں حفاظت۔ نگہبانی۔ پاسداری وتکریم کرواؤں حقوقِ اصلی دلواؤں مقامِ نسوانی سمجھاؤں۔ نکاحِ شرعی کے ذریعے بیوی بنا کر سڑکوں چوراہوں بازاروں چباروں کلبوں ٹھیٹروں تجارتوں مشقتوں سے بچا کر اور اسلامی طرز پر ماں بہن بیٹی بنا کر۔ جب کہ دنیا والوں نے عورت کو کہیں کتے بلے سے بدتر جانور سمجھا کہیں پیر کی جوتی سمجھا کہیں کلبوں کی زینت کہیں ٹھیٹر کی تجلیاں کبھی ننگا کیا کہیں نچایا کہیں نہ ماں کا احترام نہ بہن کا خیال نہ بیٹی کی شرم نہ بیوی کی غیرت کئی بد بخت تو پیسوں کی خاطر والدہ کو بیچ دیتے ہیں۔ بیوی کو لگا دیتے ہیں بیٹی کو سجا دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے اسلام کی اس حدیثِ مقدسہ اور قانونِ نبوی نے عورت کو صحیح مقام اور سچا انعام اور پکا تحفظ دیا ہے۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ کے تمام شان وصفات والے دعووں کی برہانِ قاطع اور دلیلِ اوّل صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ یہ فائدہ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ کی تفسیر میں برہان کی جامع مانع تعریف اور دلیل وحجۃ وبرہان کے فرق سے حاصل ہوا۔ کیونکہ حقیقی طور پر صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی رب تعالیٰ کی تمام صفات

marfat.com

کے مظہر و مثبت ہیں۔ برہان کی تعریف بجز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی دوسری شخصیت یا چیز پر صادق و قائم نہیں ہوتی معرفتِ وحدت کے دلائل تو بے حد و بے شمار ہیں مگر برہانِ الٰہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کوئی دوسری شی پوری کائناتِ عالم میں نہیں ہوئی رب تعالیٰ نے تمام کفار و مشرکین کو چیلنج فرمایا۔ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ لیکن اپنی معرفت کے لیے قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (سورۃ نساء آیت ۱۷۴) یہاں برہان سے مراد نبی کریم ہو سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ قرآنِ مجید بھی نہیں مراد لیا جا سکتا۔ بہت سی وجوہ کے علاوہ یہ بھی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس وقت قرآن مجید مکمل نہیں آیا تھا جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوری شان و کمال کے ساتھ مکمل تشریف لا چکے تھے اور قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ میں بھی پوری ہی برہان مراد ہے۔ تیسرا فائدہ فرمانِ حدیث پاک کے مطابق انبیاء علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہے۔ اور بھی اقوال ہیں مگر وہ اس لیے غلط ہیں کہ حدیث مقدسہ کے خلاف ہیں احادیث میں صرف یہی تعداد بیان فرمائی گئی مگر کلامِ الٰہی میں صحیفے چار سو اور کتابیں چار ہیں۔ باقی انبیاءِ کرام علیہم السلام پر زبانی پیغامات و احکامات بذریعے جبریل علیہ السلام آتے رہے کوئی نبی بھی بغیر وحی کے نہ تھے۔ یہ فائدہ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ۔ (الخ) سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شریعتِ اسلام میں سب سے بڑا عیب جہالت اور دینی معلومات سے جاہل رہنا ناقابل معافی جرم ہے اس لیے کہ جہالت کی وجہ سے ہی کفر ہوتا ہے اور جہالت سے ہی فسق و فجور یہ مسئلہ لَا یَعْلَمُوْنَ الْحَقَّ کے بعد فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ کی فَ تعقیبیہ سے مستنبط ہوا کہ ان اکثر کفار کا کفر لَا یَعْلَمُوْنَ کی جہالت کی وجہ سے ہے یہی حالت فساق کی ہے کہ دین سے بے علمی بے پرواہی ناواقفی کی وجہ سے مسلمان اپنی زندگی کو جہنمی بنا لیتا ہے ہر مسلمان کو دینی جہالت سے بچنا چاہئے۔ دوسرا مسئلہ۔ غیر اللہ کو سجدہ کرنا تعظیم یا تعذیر یا تعبیر یا تاویل کی نیت سے اگرچہ ہر شریعت میں حرام رہا بجز کچھ مخصوص موقعوں کے۔ مگر یہ سجدہ شرک و کفر نہیں ہے۔ شرک و کفر صرف عبادت کی نیت سے غیر اللہ کو سجدہ کرنا ہے حرام کام کرنے سے بندہ فاسق گناہگار ہوتا ہے۔ شرک کرنے سے کافر۔ یہ مسئلہ وَمَآ اَرْسَلْنَا۔ (الخ) کی پوری آیت سے مستنبط ہوا کہ کسی نبی علیہ السلام کی شریعت اور وحی میں کسی موقعہ پر شرک کی اجازت نہیں دی گئی نہ فرشتوں کو نہ جن و انس کو سب کے لیے یہی حکم ہے اور ہوتا رہا کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ اگر سجدۂ تعظیمی یا تعذیری تاویلی شرک ہوتا تو اس کا

marfat.com

بھی اجازت کبھی کسی کو نہ ملتی خیال رہے کہ تاریخ عالم کی کسی شریعت میں تعظیمی سجدے کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔ کبھی کسی نبی ولی نیک مومن جن انس فرشتے نے کبھی کسی کو تعظیمی سجدہ نہ کیا صرف دو سجدوں کا فقط ایک ایک بار ہونے کا ذکر ملتا ہے ۱ پہلا سجدہ تحذیری جو رب تعالیٰ نے خود فرشتوں سے آدم علیہ السلام کو کرایا عندا ور معافی کے لیے یہ تعظیمی سجدہ نہ تھا ورنہ مخلوق عرشی فرشی سے بار بار کروایا جاتا کیونکہ ہر مخلوق پر ہر نبی کی تعظیم ہمیشہ واجب ہے ۲ دوسرا سجدہ غیر اللہ یوسف علیہ السلام کو اُن کے بھائیوں اور والدین نے کیا یہ سجدہ خواب کی تعبیر پوری کرنا تھی چنانچہ یوسف علیہ السلام نے وضاحت فرمادی۔ ذٰلِكَ تَاْوِيْلُ رُءْيَايَ (سورۃ یوسف آیت ۱۰۰) یہ بھی سجدہ تعظیمی نہ تھا ورنہ یوسف علیہ السلام اپنے والدین کو کرتے اور برادران بار بار کرتے۔ جبکہ صرف ایک بار ہی نہیں ہوتی۔ تیسرا مسئلہ۔ اہل باطل کو ذلیل کرنے اور ان کا بطلان وجھوٹا ہونا ظاہر ومشہور کرنے کے لیے اُن سے دلیل طلب کرنی جائز ہے۔ لیکن اس خیال سے کہ شاید اس کا یہ دعویٰ صحیح ہو یا اُس کی عزت بڑھانے کے لیے جھوٹی سچی دلیل اور شعبدے دکھانے کا مطالبہ کرنا حرام ہے۔ یہ مسئلہ یہاں قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اور سورۃ بقرہ کی آیت ۲۳ میں فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ فرمانے اور کفار سے اُن کے دعوئے الٰہیت وشرک پر دلیل مانگنے سے مستنبط ہوا وہاں خود رب تعالیٰ نے دلیل طلب فرمائی اور یہاں اپنے محبوب سے فرمایا۔ قُلْ۔ اے نبی تم فرماؤ کہ اے کافرو اپنے بتوں کی معبودیت پر پکی ٹھوس مکمل دلیل یعنی برھان پیش کرو وہاں بھی کافر آج تک لاجواب اور ذلیل وخوار ہیں اور یہاں بھی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ۔ یعنی اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص کوئی سوال نہیں کر سکتا اُس سے اُس کے کسی کام پر۔ لیکن سورۃ رحمٰن آیت ۲۹ میں ارشاد ہے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یعنی آسمان وزمین میں ہر شخص اُس سے سوال کرسکتا ہے۔ قرآن کی یہ تضاد بیانی کیوں دمیانی؟ جواب اس کا جواب ہم نے تفسیر عالمات میں واضح کر دیا کہ سوال کرنا سات قسم کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے اعتراض۔ الزامی۔ احتسابی۔ امتحانی سوال کوئی نہیں کرسکتا یہاں لَا یُسْئَلُ میں یہی چار قسم کے سوالات مراد ہیں اگر کوئی اپنی غلطی سے کرے گا تو معذوب ملعون۔ یا معتوب اور مغضوب ہوگا۔ یہاں کلام کے سیاق وسباق سے یہی ثابت وظاہر ہے کہ یہاں اعتراضی وغیرہ قسم کے سوال مراد ہیں اس لیے کہ یہاں عَمَّا یَفْعَلُ فرمایا گیا۔ یعنی رب تعالیٰ کی کارکردگی پر سوال۔ اور نہ کر سکنے کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے

marfat.com

کہ یہاں خود اختیاری، شہنشاہی ربوبیتِ عرش شاہی اور الٰہیتِ وَحْدَهٗ لاشریک کا ذکر ہے۔ الٰہیت باطلہ کا بطلان اور تعالیٰ جائزہ ہے اور وہاں سورۂ رحمٰن کی آیت کے سیاق وسباق یعنی اوّل وآخر میں دینی دنیوی ملکی فکری آسمانی زمینی۔ رزقی۔ غذائی دولت وثروت کی نعمتوں اور معطی ومحتاج۔ سائل ومسئول کا ذکر ہے اس لیے یَسْئَلُهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ میں اللہ تعالیٰ سے دعائیں فریادیں التجائیں اور بھیک مانگنے سوالِ احتیاج کرنے کا ذکر ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ یعنی اے مشرکو تم اپنی دلیلِ شرک لاؤ اور میری دلیل توحید یہ ذکر یعنی قرآن ہے اور پہلوں کا ذکر یعنی توریت وانجیل وغیرہ ہے۔ حالانکہ مشرکین مکہ نہ قرآنِ مجید کو مانتے تھے نہ توریت وانجیل کو جب کہ دلیل وہ ہوتی ہے جو مخالف بھی مانے تو یہ آیت دلیلِ توحید کیسے ہوئیں (جواب)۔ اس کا جواب تین طرح دیا گیا ہے۔ ایک یہ کہ قرآنِ کریم اور کتبِ الٰہیہ اگرچہ تم نہیں مانتے مگر اس کا اعجاز اور معجزہ ہونا جس کے تمہارے عقل وذہن دماغ اندرونی طور پر قائل ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر دلیل ہے تم بھی کوئی ایسا معجزانہ کلام اپنے بتوں مصنوعی معبودوں کیلئے لاکر دکھاؤ۔ دوم یہ کہ تم اسلام کی ہر بات پر جو اعتراض کرتے ہو وہ یہود ونصاریٰ سے پوچھ کر کرتے ہو۔ اس وقت وہ تمہارے مشیر خاص بنے ہوئے ہیں تو یہ بھی اُن سے پوچھو کہ قرآن میں جس توحید کا ذکر ہے کیا توریت زبور انجیل وصحف میں بھی اسی توحید کا ذکر ہے وہ یقیناً کہیں گے کہ ہاں ہے تو یہ ہماری سچائی اور توحید اسلامی کی دلیل ہوگی جس کو مخالفین نے تسلیم کیا یہودیوں عیسائیوں نے اقرار کیا تو ان سے سن کر تم کو بھی ماننا لازم سوم جواب یہ دیا گیا کہ یہ قرآنِ مجید اور سابقہ آسمانی کتابیں صرف نقلی وتحریری مکتوبی منقولی دلائل ہی نہیں بتاتے دلائلِ عقلیہ بھی لاجواب انداز میں بیان فرماتے ہیں اس لیے یا تو ان کو مانو یا اپنی برہان بھی عقلی ونقلی پیش کرو۔ ورنہ عذابِ ابدی کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ۔ اگر آسمانوں کے اندر اور زمین کے اندر اللہ تعالیٰ کے علاوہ کچھ معبود ہوتے گویا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین میں ہے اس لفظِ فِیْ کی وجہ سے زمین وآسمان ظرف ہوئے اور اللہ مظروف اور مظروف ہمیشہ ظرف سے چھوٹا ہوتا ہے تو ظاہر ہوا کہ اللہ تعالیٰ آسمان اور زمین سے چھوٹا ہوا (جواب)۔ یہاں ذاتِ باری تعالیٰ جَلَّ مَجْدُهٗ کی مظروفیت نہیں بلکہ اُس کی صفتِ الٰہیہ اور معبودیت کا ذکر ہے فِيْهِمَا کا تعلق اٰلِهَةٌ سے ہے اور اسی کی مظروفیت ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ اگر زمین والوں کا آسمان والوں کا ان فلکیات وارضیات میں کوئی اور دوسرا الٰہ ہوتا اللہ کے سوا تو یہ دونوں ٹوٹ پھوٹ کر فنا اور نیست ونابود ہو جاتے۔ اور ٹوٹ پھوٹ تو ثابت نہیں معلوم

marfat.com

ہوگیا کہ دوسرا کوئی معبود ہی نہیں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی کی اس کائنات میں معبودیت ہے۔ یعنی تمام آسمانوں زمینوں میں اُسی ذاتِ وحدہٗ لاشریک کی عبادت ہوسکتی ہے اُس کے علاوہ اگر کوئی کسی کی عبادت کرے گا تو وہ جھوٹی اور باطل ہی ہوگی۔ لہٰذا۔ اب اعتراض غلط ہوگیا اور ذاتِ باری تعالیٰ مظروف نہ بنا نہ ہی الٰہیت کو مجسم کہا جاسکتا ہے۔ کیونکہ الٰہیت صرف صفت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اٰلِهَةً۔ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔ اگر ہوتے آسمانِ روحانیت اور زمینِ بشریت میں ہدایتِ ربانی کے علاوہ کوئی اور دیگر بہت سے مدبّراتِ جسمانیت۔ مثلاً عقل کو آسمانِ روحانیت کا مدبّر سمجھ لیا جائے اور ھواءِ نفسانی کو زمینِ بشریت کا مفکرِ عملیات بنا لیا جائے اور یہ عقیدۂ باطلہ اختیار کر لیا کر لیا جائے کہ عقل سے روحانیت کی اصلاح اور خواہشاتِ نفسانی کے کہنے پر بشریت کو استعمال کر کے اچھائی اور درستگی قائم رہ سکتی ہے تو مشاہدۂ کشف و مراقبہ اور تجربۂ دہر ناسوتیہ ہے کہ لَفَسَدَتَا دونوں ہی تباہ ہو جاتے نہ روحانیت باقی رہتی نہ بشریت جیسے کہ عقل و غوی کی تدبیرِ ضعیف سے فلاسفہ اور سائنسدہ شخصیات کا دماغِ روحانی اور اصلِ طبیعت کی خودی کا مزاجِ بشریت اور دہریوں کا تصورِ روحانیت اور فرقۂ ملحدین کا اعمالِ شریعت اور فرقۂ اباحیہ کا عقیدۂ روحانی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ اس طرح کہ ان کے قدم منزلِ توحید سے بھٹک گئے ان کے راستے صراطِ وحدانیت سے بدل گئے اور عقائدِ کفریہ اپنا لیے کہ عالم کو قدیم کہہ کر ربِ قدوس کا شریک بنا لیا نہ دعوتِ نبوی قبول کی نہ حق کی ہدایت یہی ہے آسمانِ روحانیت کا فساد اور زمینِ بشریت کی تباہی یہ ہے کہ پھسل گئے اُن کے قدم عبادت کے مصلے سے ہٹ گئے اُن کے سفرِ شریعت کے راستے سے مڑ گئے اُن کے چہرے حق کی اِتباع سے اور لگ گئے اُن کے اجسام طاغوت و شیطان کی عبادت میں۔ عارفِ کامل شیخ عثمان مغربی نے فرمایا کہ جس شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتِ مقدسہ کو اپنا امیر بنا لیا حاکم چن لیا اپنے لینے دینے بغض و محبت اور تمام دینی دنیوی معاملات میں تو اُس کے کلام سے حکمت کے پھول جھڑتے ہیں جن کی خوشبو سے پورا علاقہ معطر ہو جاتا ہے اور بندہ مدنی چمن کا عطار بن جاتا ہے۔ لیکن جس نے اپنے معاملات پر خواہشاتِ ابلیسیہ نفسانیہ کو امیر و حاکم عذاب بنا لیا اس کی زبان بدعت کے جھاڑ جھنکاڑ سے خار ہو جاتی ہے یہی فسادِ سماءِ روحانیت اور ارضِ بشریت ہے۔ لہٰذا راہِ معرفت کے سالک پر واجب ہے کہ وہ اپنے ہر سفرِ طریقت میں کتاب و سنت والا درسیاتی

marfat.com

راستہ اختیار کرے جو جنتِ محبوب کی طرف لے جانے والا۔ قربتِ ملکشوف کی طرف چلانے والا اور وصل محبوب تک پہنچانے والا ہے۔ اے راہِ حق کے متلاشیوں کوشش کرو کمالِ صدق کے حصول اور اعمالِ شریعت کے خلوص کی کیونکہ یہی مسافرانِ حقیقت کا زادِ راہ ہے۔ جس طرح اگر ایک منہ میں دو زبانیں ایک ایک جسم میں دو دل ایک بدن میں دو روحیں ایک آسمان پر دو سورج ہوتے تو عالمِ جسمانیت میں اور جہانِ رنگ و بو میں فساد مچ جاتا۔ اسی طرح بلکہ اس سے بھی شدید تر تباہی آجاتی اگر دو الٰہ ہوتے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ لَوْ حَلَّتِ الشَّمْسَانِ لَا نْطَمَسَتِ الْاَرْكَانُ عدل سے ہی عالمِ کثرت کا قیام و بقا ہے اور عدل ظلِ وحدت ہے اسی ظلِ وحدت سے آسمانوں کی اصلاح زمینوں کی فلاح ہے اگر مرکباتِ دہر میں حَیْثِیَتِ وحدانیت نہ ہوتی تو یہ کچھ بھی نہ ہوتا۔ اور اگر کبھی حیثیتِ وحدت ختم ہو جائے تو فساد برپا ہو جائے فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ۔ پس ثنا ہے اس رب تعالیٰ کی جو عرش کا خالق ہے اسی نے اس عرشِ اعلیٰ میں فیضِ دین کے معدن پیدا فرمائے اور فرشِ اسفل میں دنیا کے مخزن۔ سُبْحٰنَ ہے اس کی ذات برھان ہے اس کی صفات اور رحمٰن ہے اس کی عادات تمام وحدتیں اسی کے لائق وحدت میں ثنا ہے۔ ثنا میں حمد ہے اور تمام حمدیں اسی ذاتِ پاک جَلَّ وَعُلٰی کے لیے ہیں۔ منزہ ہے وہ ان تمام خرافات۔ تخیلات تصوراتِ نظریہ بدیہیہ سے۔ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ جن سے یہ کفار اس ذاتِ قدیم کو موصوف کرتے ہیں ؎

اے برتر از خیال و قیاس گمان و وہم ۔۔۔ واز ہر چہ گفتہ اند و شنیدند و کردہ اند

لَا يُسْئَلُ۔ اس کے کسی فعل پر نہ سوال ہے نہ حساب ہے نہ کتاب نہ مواخذہ نہ مطالبہ کیونکہ وہ خالق سب مخلوق وہ مالک سب مملوک وہ حاکم سب محکوم وہ غالب سب مغلوب وہ حاسب اور سب محسوب وہ قاہر سب مقہور لہٰذا۔ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ۔ وہ سب دنیا و آخرت میں پوچھے جائیں گے دنیا میں عتاب سے آخرت میں عقاب سے دنیا میں کتاب سے آخرت میں حساب سے یہ بھی امتحان وہ بھی امتحان۔ دنیا میں دیگر امتحان ہے آخرت میں لے کر امتحان ادھر بھی وہی حاکم وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ ادھر بھی وہی حاکم وحدہٗ لاشریک اَمِ اتَّخَذُوْا۔ کیا ان حمقاء رذیلہ کثیفہ نے بہت سے معبود بنا رکھے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شریعت میں غیر اللہ کی عبادت اس کو الٰہ ماننا ہے مگر طریقت میں غیر اللہ کا تصور و تخیل قائم کر لینا بھی اس کو الٰہ ماننا ہے۔ شریعت کا کلمہ لَا اِلٰہَ۔ اِلَّا اللہ۔ طریقت کا کلمہ۔ لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰه۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه دعویٰ ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه۔ اس کی برھان ہے قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔ اے محبوب فرما دو کہ الٰہ واحد کی برھان تو میں خود ہوں تم اپنے معبودوں کی برھان لاؤ اگر تم میں عقل و شعور ہمت و جرأت

ہے۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی برہان پوری کائنات انسانیت کے لیے محمد رسول اللہ ہیں یہی وجہ ہے
کہ رسول اللہ اگرچہ بے شمار ہیں مگر اِلَّا اللہ کے ساتھ ازل سے ہی محمد رسول اللہ ہے خواہ ساق عرش ہو
یا بابِ جنت۔ سینۂ غلمان ہو یا پیشانیِ حوران۔ اشجارِ بہشت ہوں یا اوراقِ طوبیٰ۔ ذکر قرآنی ہو یا بیانِ
انجیل۔ آیتِ توریت ہوں یا دعاءِ زبوری هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِىَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِىْ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ
الْحَقَّ فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِىْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ
اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔ اے غفلتِ ناسوتی میں نفسِ نادان کو معبود سمجھنے والو یہ سرِّ اسرار و کشفِ انوار
اور معرفتِ توحید کے وہ ذکر برہانی ہیں جو اب بھی میرے ساتھ ہیں ظاہر و آشکار اور مجھ سے پہلے انبیاء
امم کے پاس نورِ وحدت کے دلائل و اذکار تھے مگر اس دنیاءِ دون میں لاشعوری کی کثرت ہے لاشعوری
سے بے عملی اور بے علمی سے جہالت پیدا ہوتی ہے اور جہالت کی ظلمتوں میں حق کی پہچان محال ہوتی ہے
اس لیے فَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ اور جب انسانیت میں حق کی پہچان نہ رہے تو اعراض کے لکراض اور
نفرت کی بیماریاں افکار کی سرکشیاں عروج کرتی ہیں۔ فسق کفر شرک سب اسی جہالت کی خاردار جھاڑیاں
ہیں۔ پھول حق ہے اور خار باطل ہے خار سے اُنسیت و الفت وصل و قرب رکھنے والے پھولوں سے
مُعْرِضُوْنَ ہوتے ہیں خار و گل کا فرق بتانے والے حق و باطل کا نشان دکھانے والے وحدتِ معبود کو
تحقیق سے ثابت کر کے سمجھانے والے اور کثرتِ مخلوق کا مکاشفہ کرنے والے علماءِ محققین ہی ہیں
یہ علما ہی سیرِ مقامات و قطعِ منازلِ قربات میں اپنے نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ معیت اور
خدمتِ ہمراہی میں ہیں اسی لیے ارشادِ نبوی ہے عُلَمَاءُ اُمَّتِىْ كَاَنْبِيَآءِ بَنِىْٓ اِسْرَآئِيْلَ۔ کہ طلبِ
حق کی صداقت اور کونین سے علیحدگی توجہ اِلَی اللہ میں جو ذکر و عملیات مِنْ قَبْلِىْ انبیا علیہم السلام کا
تھا وہ ہی اب میرے ہمراہی علما کا ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ آسمان و زمین تو مخلوق کے لیے
اور مخلوق معرفتِ خالق کے لیے اور معرفت عبادت کے لیے اور عبادت شریعت کے لیے اور شریعت انبیاءِ کرام
علیہم السلام کے ذریعے اسی لیے تمام انبیا علیہم السلام کو صرف اسی وحی کے لیے مبعوث فرمایا کہ بندوں
کو بتا دیں کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا۔ اَللهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں حکمتِ بعثتِ انبیاء
علیہم السلام یہی سمجھانے کے لیے ہے کہ آسمانوں اور زمین کے اندر دو چیزیں قائم و ظاہر ہیں ایک توحید
بِالاِقرار دوم عبادت بِالاِخلاص ان دونوں کا فائدہ معرفتِ الٰہی ہے کیونکہ فَاعْبُدُوْنِ کا مقصودِ اصلی
يَعْرِفُوْنَ ہے۔ معرفت وہ امانت ہے جس کو صرف انسان نے قبول کیا۔ عبادت صراطِ معرفت ہے
اور معرفت صراطِ قرب ہے اور قرب صراطِ وصل ہے اور وصل صراطِ رویت ہے اور رویت اصل

marfat.com

منزل ہے اس لیے اعلیٰ ہے ہر طریقت سے لہٰذا عارفین مشتاق ہوتے ہیں منازلِ واصلین کے واصلین مشتاق نہیں ہوتے منازلِ عارفین کے منازلِ معرفت میں محنت مشقت اور تھکاوٹ پیدا ہوتی ہے مگر منازلِ وصل میں رویت ہے اور رویت سے سرور و رضا پیدا ہوتی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ معرفت الطف ہے۔ رویت اشرف ہے۔ معرفت اشد ہے۔ رویت الذ ہے۔ پس سالکین پر واجب ہے کہ معرفتِ توحید کی تحقیق اور رویت حمید مجید کے وصل میں کوشش کرتے رہیں۔ توحید کی تین قسمیں ہیں ۱۔ سالک مبتدی کی توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ۔ اس کی سیر منازلِ عالمِ اجسام ہیں ۲۔ سالکین وسطی کی توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔ اس کی سیر منازلِ عالمِ قرب روحانی ہے ۳۔ سالکینِ منتہی کی توحید لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ اس کی سیر وصل عالمِ حقیقت ہیں یہی معراج لامکانی ہے۔ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ اکثر لوگ اسلام و توحید کے مدعی بنتے ہیں مگر حق و باطل میں فرق اور تمیز نہیں کر سکتے۔ اسی لیے شرک کو توحید ریا کو خلوص خواہشات کو ریاضت، گستاخی کو ادب، بدعت کو تقویٰ، نجاست کو طہارت اور دنیا کو دین سمجھ کر سچائی صداقت و حقیقت و عدالت سے مُعْرِضُوْنَ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شریعت کی اتباع طریقت کی اطاعت معرفت کی ریاضات ان میں ختم ہوتی چلی جاتی ہے۔ اگر بندے میں وجدان حق کی استعداد و صلاحیت لیاقت ہو تو یقیناً اہل حق کا وصل پالیں اور اس طرح سالکین شریعت، حاملینِ طریقت، عارفینِ معرفت، واصلینِ حقیقت کی منزلیں پالیں۔ لیکن تارکینِ اصول کو وصول سے محرومی ہے اللہ تعالیٰ سے ہی توفیقِ ہدایت ہے اور اسی کی اعانت سے مقامِ صدق والتحقیق کا وصل ہے۔ عالمِ حیاۃِ ظاہری میں ہر طرف وَھُمْ یُسْئَلُوْنَ کی آوازیں ہیں۔ ہر بندہ خود ہی سائل اور خود ہی مسئول ہے جو خود اپنا محاسبہ کرتا ہے وہ کامران ہے مگر محاسبہ کرنے والا نماز کے لیے اپنے باطن کو ضبط کر کے اعضاء و جوارح کے ذریعے آمادہ کرتا ہے اور مقامِ محاسبہ کو مستحکم کرتا ہے۔ صاحبِ محاسبہ بندہ جب نماز پڑھتا ہے تو اس کا نور دوسری نماز تک اُس کے تمام اجزاء کو روشن رکھتا ہے اس طرح اس کی نماز اُس کے اوقات سے اور اُس کا باطن اُس کی نماز سے روشن و منور ہو جاتے ہیں۔ اور باطن کی چمک ظاہر پر جھلکتی ہے۔ یہ محاسبہ ہی سچی توبہ ہے اور بندۂ حق یہی توبہ کرنے کے بعد رجوع اِلی اللہ کرتا ہے یہ رجوع توبہ کا دوسرا درجہ ہے اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف صدقِ قلبی صفائی عقلی خلوصِ عملی سے رجوع کرتا ہے وہ ہر اُس چیز کو چھوڑ دیتا ہے جو اسے رب تعالیٰ سے غافل کرے جو بندہ اپنے محاسن و عیوب کو صدق و خلوص کے ترازو میں نہ تولے وہ کامل مردوں کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ لہٰذا اعمال کی خامیوں پر نظر رکھنا اور آئندہ کے لیے پختہ سچی پکی توبہ کے لیے ضروری ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ

marfat.com

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ

اور کفار نے ہمیشہ کہا کہ رحمن نے اولاد بنالی حالانکہ اس کو پاکیزگی ہے ایسی چیزوں سے بلکہ وہ سب ایسے

اور بولے رحمن نے بیٹا اختیار کیا۔ پاک ہے۔ وہ بلکہ بندے

مُّكْرَمُوْنَ ﴿۲۶﴾ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ

مقرب بندے ہیں کہ نہیں پہل کرتے وہ اس معبود سے بات میں اور وہ سب اپنے اپنے معبود کے ہی حکم

ہیں عزت والے۔ بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور اسی کے حکم پر

يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۷﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ

پر عمل کرتے ہیں جو جانتا ہے اس تمام کو جو ان کے سامنے ظاہر ہے اور اس تمام کو جو ان کے پیچھے پوشیدہ ہے

کاربند ہوتے ہیں۔ وہ جانتا ہے جو ان کے آگے اور جو ان کے پیچھے ہے

وَلَا يَشْفَعُوْنَ ۙ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ

اور سفارش تک نہیں کرتے مگر اس کی جو منتخب ہو چکا اور وہ

اور شفاعت نہیں کرتے مگر اس کے لیے جس کو جیسے وہ پسند فرمائے اور وہ اس کے

خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ

اس کے رعب سے کانپنے والے ہیں۔ اور جس ایک نے کہا کہ بے شک میں بھی

خوف سے ڈر رہے ہیں۔ اور ان میں جو کوئی کہے کہ میں

اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ ؕ كَذٰلِكَ

معبود ہوں اس اللہ کے سوا تو اس کفر پر بدلا دیں گے ہم اس کو جہنم کا۔ اسی طرح

اللہ کے سوا معبود ہوں تو اسے ہم جہنم کی جزا دیں گے۔ ہم ایسی ہی

marfat.com

نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۹﴾ ع

بدلہ دیتے ہیں ہم تمام ظالموں کو

سزا دیتے ہیں ستمگاروں کو

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اپنے پاس سے ذہنی اختراع سے معبود بنا لینے کا ذکر ہوا اب ان کی قسموں کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ اولاد بھی چونکہ ہم شکل ہوتی ہے تو گویا اولاد ماننا بھی معبود ہی بنانا ہے فرمایا گیا کہ یہ لوگ معبود نہیں یا اس کی اولاد نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے مکرم قابل تعظیم بندے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ سے کوئی شخص کسی کام۔ یا عمل پر پوچھ گچھ نہیں کر سکتا وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ اب ان آیات میں کفار کے خود ساختہ ذہنی معبودوں کے متعلق فرمایا جا رہا ہے کہ وہ ہر کام اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر اس کے حکم اس کی رضا و اجازت سے کرتے ہیں اپنی مرضی سے ایک کام بھی نہیں کر سکتے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافروں سے ان کے باطل معبودوں کے بارے میں دلیل مانگی گئی تھی کہ ھَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ۔ اب ان آیات میں عباد کی بندگی عاجزی اور تابعداری اور عبد ہونے کی دلیل دی جا رہی ہے۔ **شان نزول**۔ مکہ مکرمہ میں ایک قبیلہ بنی خزاعہ تھا جس نے اپنا عقیدہ یہ بنایا تھا کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں چونکہ فرشتے نظر نہیں آتے اس لیے وہ ان کو پردہ نشین بیٹیوں سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ بیہودہ عقیدہ بنائے پھرتے ان کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئیں از ۲۶ تا ۲۹۔ (از خزائن العرفان) یہودیوں کا ایک فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات سے نسبت سسرالی قائم کی اور جنّا تنیوں سے بطور بیوی ہم بستری کی تو فرشتے بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ قرآن مجید کی سورۂ صافات آیت ۱۵۸ میں ہے۔ وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا۔ (از تفسیر جامع البیان وکبیر) معاذ اللہ معاذ اللہ۔

تفسیر نحوی وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ۔ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ۔ واؤ بر جملہ قَالُوْا باب نصر سے فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اِتَّخَذَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ اَخْذٌ مہموز الفاء سے بنا

marfat.com

بنا ہے لغوی ترجمہ ہے کسی کا رکھنا حاصل کرنا خواہ تناول سے ہو یا قہر سے مصیبت آنے اور قید کرنے کو بھی اخذ کہا جاتا ہے جبرًا لینے کو مواخذہ اسی معنیٰ سے کہتے ہیں اِتّخاذ دراصل تھا اِاْتِخاذ ہمزہ ثانیہ مادیہ کو اولًا بنایا بوجہ ثقل پھر ی کو ت بنایا بوجہ قرب مخرج پھر دونوں ت کا ادغام کر دیا۔ اَلرَّحْمٰنُ باری تعالیٰ کا اسمِ خصوصی ہے بحالت رفع کیونکہ فاعل ہے وَلَدًا اسم مبنی مفرد بمعنیٰ حقیقی اولاد واحد جمع دونوں کے لیے ہے۔ بنسبت مذکر بمعنیٰ نطفہ کی اولاد ۔ بنسبت مؤنث بمعنیٰ پیٹ کی اولاد ابن اور ولد، اَبٌ اور والد میں سات طرح فرق ہے تفصیل تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہ مفعول بہ ہے۔ اَلرَّحْمٰنُ ذوالحال ہے سُبْحٰنَہٗ مصدر مضاف ہ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع اَلرَّحْمٰنُ ہے۔ یہ مجرور متصل ہے کیونکہ مفعول مضاف الیہ یہ مصدر مضاف اپنے مفعول مضاف الیہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر حال ہے اَلرَّحْمٰنُ کا دونوں مل کر فاعل ہے اِتَّخَذَ فعل اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ حرفِ عطف اِضراب یعنی مقولہ سابق کی تردید کے لیے، عِبَادٌ اسم جمع مکسّر تکثیری وَاحِدعَبْدٌ ہے مبتدا ہے مُکْرَمُوْنَ بابِ افعال کا اسم مفعول جمع مذکر مصدر ہے اِکْرَام اَکْرَمُ سے بنا ہے بمعنیٰ عزت دینا عزت لینا۔ مقربِ بارگاہ ہونا۔ ایک قرأت میں مُکَرَّمُوْنَ بابِ تفعیل سے ہے ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر موصوف لَایَسْبِقُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بِلَا جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع عِبَادٌ سَبْقٌ سے بنا ہے اس کا لغوی معنیٰ ہے قدم سے آگے بڑھنا اب اصطلاح میں ہر آگے بڑھنے کو سبق اور سبقت کہہ دیتے ہیں، یہاں قول و عمل میں آگے بڑھنا ہے ضمیر مفعول بہٖ مرجع اَلرَّحْمٰنُ بِ حرفِ جر بمعنیٰ فی یا بمعنیٰ مِنْ یا یہ بِ سببیہ ہے اَلْقَوْلِ الف لام معرفہ جنسی یا اِستغراقی قول اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بات یہ جار مجرور متعلق ہے لَایَسْبِقُوْنَ سب سے مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مبتدا بِ جارّہ تعدیہ کی اَمْرِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حکم مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے اَلرَّحْمٰنُ موصوف ہے۔ یَعْلَمُ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب اِس کا فاعل ہٗ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اَلرَّحْمٰنُ مَا اسم موصول جنسی یعنی تمام اشیا بَیْنَ اسم ظرف مکانی مضاف ہے اَیْدِیْ اسم جمع مذکر مکسّر اس کا واحد ہے یَدٌ بمعنیٰ ہاتھ مضاف ہے۔ بَیْنَ کا لغوی ترجمہ ہے ہاتھوں کے درمیان لیکن محاورۃً معنیٰ ہے سامنے ظاہر تا حدِ نگاہ ھِمْ اسم ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل مضاف الیہ مرجع ہے عِبَادٌ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے بَیْنَ کا یہ مرکب اضافی جملہ ہے مَا کا دونوں مل کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ مَا موصولہ خَلْفَ اسم مفرد بمعنیٰ پیچھے پوشیدہ

marfat.com

ناعلوم مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہے موصول صلہ مل کر معطوف ہے دونوں عطف
مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے بِاَمْرِہٖ میں ہ ضمیر کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ
ہے اَمْر کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے یَعْمَلُوْنَ کا۔ اس تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا ترجمہ ہو گیا
انہی کے حکم پر یَعْمَلُوْنَ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا
دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَشْفَعُوْنَ باب فَتَحَ کا مضارع منفی بِلَا۔ جمع مذکر
غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے عِبَادٌ۔ شَفْعٌ سے مشتق ہے بمعنی شفارش کرنا بخشوانا یہ فعل
بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ منہ ہوا اِلَّا حرف استثنا۔ لام جارہ نفع کا مَنْ اسم موصول برائے اہل عقول
اِرْتَضٰی باب افتعال کا فعل ماضی مطلق اس کا مصدر ہے اِرْتِضَاءٌ رِضًی سے بنا ہے بمعنی راضی ہونا
رضا حاصل کرنا۔ اِرْتِضَاءٌ کا معنی رضا کے لیے منتخب کرنا کر لینا یا منتخب ہونا یہاں مراد ہے شفاعت
کے لائق ہونا ہماری اس تفسیر سے یہ فعل لازم ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے
ایک قول میں مرجع اَلرَّحْمٰنُ ہے اور یہ فعل متعدی ہے تب ترجمہ ہو گا کہ جس کو اللہ نے شفاعت کے
لائقوں میں سے چن لیا پسند کر لیا۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر مجرور
متعلق ہیں پوشیدہ یَشْفَعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا لَا یَشْفَعُوْنَ کا دونوں مل کر
جملہ استثنائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ وَھُمْ مِّنْ خَشْیَتِہٖ مُشْفِقُوْنَ۔ واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مذکر غائب
مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع ہے عِبَادٌ مِنْ جارہ بیانیہ خَشْیَۃٌ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بمعنی
رعب و دبدبہ جلال ہیبت یہاں سب معنیٰ درست ہیں مضاف ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ مرجع اَلرَّحْمٰنُ
یہ مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے اس تقدم نے حصر کا فائدہ دیا مُشْفِقُوْنَ باب افعال کا اسم
فاعل جمع مذکر مصدر ہے اِشْفَاقٌ شَفَقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ایسا خوف ہونا جس کا اثر جسم پر ظاہر ہو
اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع عِبَادٌ ہے یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق
مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا لَا یَشْفَعُوْنَ کے
جملے پر وہ دونوں مل کر عطف ہوا وَھُمْ بِاَمْرِہٖ کے جملے پر وہ عطف ہوا۔ بَلْ عِبَادٌ کے جملے
پر وہ عطف ہوا اِتَّخَذَ کے جملے پر سب مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ وَمَنْ
یَّقُلْ مِنْھُمْ اِنِّیْٓ اِلٰہٌ مِّنْ دُوْنِہٖ فَذٰلِکَ نَجْزِیْہِ جَھَنَّمَ ؕ کَذٰلِکَ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ
واؤ برجملہ مَنْ اسم موصولہ شرطیہ مَنْ پانچ قسم کا ہے ۱ شرطیہ ۲ سوالیہ ۳ انکاریہ نافیہ ۴ موصوفہ
۵ موصولہ ان میں سے صرف شرطیہ مضارع پر آتا ہے اور اس کو جزم دیتا ہے دیگر کوئی جزم نہیں

marfat.com

دیتا یہاں مَنْ شرطیہ ہے اس کی اصلیت موصول ہونا ہے اس لیے یہ معنی ہر جگہ ساتھ رہیں گے۔ یَقُلْ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف انشائی واحد مذکر غائب بحالت جزم ہے دراصل تھا یَقُوْلُ مَنْ نے جزم دیا تو واؤ لام دو ساکن ہوئے واؤ حرف علت گر گیا۔ بمعنی ماضی ہے کیونکہ مجزوم مضارع ماضی مطلق کے معنی میں ہوتا ہے۔ لیکن فعل ماضی اور مضارع بمعنی ماضی میں فرق یہ ہے کہ حل ماضی میں صرف گذشتہ کا ذکر ہوتا ہے حال تک رہنے کا کوئی ذکر نہیں ہوتا لیکن مضارع بمعنی ماضی میں گذشتہ سے حال تک یا مستقبل تک کا زمانہ مراد و شامل ہوتا ہے۔ مثلاً قَالَ اس نے کہا پہلے زمانوں میں مَنْ یَقُلْ جس نے بھی کہا اور اب تک ایسا ہی اسی قول پر ہے۔ اسی طرح ماضی منفی اور مضارع نفی جحد بلم میں بھی فرق ہے مِنْھُمْ مِنْ جارہ تبعیضیہ ھُمْ ضمیر کا مرجع عِبَادٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یَقُلْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ یَقُلْ کا فاعل ھُوَ پوشیدہ مرجع مَنْ ہے اِنَّ حرف مشبہ ی ضمیر واحد متکلم اسم ہے اِنَّ کا۔ اِلٰہٌ موصوف ہے مِنْ جارہ زائدہ۔ بیانیہ دُوْنِ اسم نافیہ بمعنی بغیر سوا مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع اَلرَّحْمٰنُ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے صَادِقٌ اسم فاعل کے دراصل معنا اس طرح ہے اِنِّیْ اِلٰہٌ صَادِقٌ۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ واحد متکلم فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہوئی اِلٰہٌ کی دونوں مل کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا یَقُلْ کا دونوں مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی ف جزائیہ۔ یہاں ف جزائیہ واجب ہے کیونکہ جزاء ذَالِکَ اسم ہے۔ ایک قول میں فَعَلَیَّ ذَالِکَ ہے یعنی اسی جرم یا اسی کہنے پر۔ ذَالِکَ اسم اشارہ مذکر کے لیے ہے نَجْزِیْ باب ضرب کا فعل مضارع مثبت معروف بمعنی مستقبل جمع متکلم مرجع اَلرَّحْمٰنُ ہٖ ضمیر غائب مرجع مَنْ ہے پہلا مفعول بہ نَجْزِیْ کا جَہَنَّمَ مفعول دوم ہے مفعول فیہ ہے نَجْزِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مشار الیہ ہوا ذَالِکَ کا اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر مشبہ ہوا اگلی عبارت تشبیہی کا۔ کَذَالِکَ حرف تشبیہ نَجْزِیْ باب ضرب کا مضارع بمعنی حال جَزٰی جمہور اللام سے مشتق ہے بمعنی بدلا دینا جزا دینا ایک قرأت میں نُجْزِیْ باب افعال سے دونوں جگہ۔ اَلظّٰلِمِیْنَ اسم جمع کثرت مذکر سالم الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مفعول بہ ہے نَجْزِیْ کا سب مل کر جملہ ہو کر مشبہ بہ ہوا ذَالِکَ مشبہ کا دونوں مل کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ تولیہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ۙ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ۔ اور کچھ مشرکین نے

marfat.com

اپنے شرکیہ عقیدوں میں یہ کہا کہ رحمٰن نے اپنی رحمانیت پیار وشفقت سے اپنے لیے اولاد بنائی اصل اور سب سے بڑا شرک یہی ہے بلکہ معبودیتِ باری تعالیٰ کا سرے سے انکار ہے سات وجہ سے ایک یہ کہ الٰہ ضِد۔ نِد۔ کفو۔ وارث شرک سے بے نیاز ومنزہ یعنی سُبحٰنَ اللہ ہوتا ہے مگر وَالِد اِن چیزوں کا محتاج ہوتا ہے دوم یہ کہ بیٹا اپنے باپ سے کچھ چیزوں میں مشابہ ہوتا ہے کچھ چیزوں میں علیحدہ اور جس کی یہ کیفیت ہو وہ دو قسم کی چیزوں سے مرکب ہوا۔ الٰہ مرکب نہیں ہو سکتا کیونکہ مرکب اپنی ترکیب میں اجزا کا محتاج ہوتا ہے سوم یہ کہ اللہ تعالیٰ سُبحان ہے اور سبحان ہی معبود ہو سکتا ہے نہ کہ غیر سبحان۔ اسی لیے صحیفوں میں ایک ہزار بار۔ توریت میں بتیس ۳۲ بار زبور میں اکیاون ۵۱ بار۔ انجیل میں پچیس ۲۵ بار اور قرآن مجید میں اکتالیس بار لفظ سبحان ارشاد ہوا۔ لفظ سُبحٰنَ۔ اللہ تعالیٰ کی اتنی اہم خصوصی صفت ہے کہ بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ ہی الٰہ کیا ہے کسی کو بھی بجز رب تعالیٰ سبحان کہنا جائز نہیں۔ چہارم یہ کہ فرمایا گیا۔ بَلْ عِبَادٌ یعنی اے مشرکو جن ملائکہ کو تم اللہ تعالیٰ کی اولاد کہہ رہے ہو وہ سب اُس کے بندے ہیں۔ بندے اولاد نہیں ہو سکتے اور اولاد بندہ نہیں ہو سکتی تو اللہ تعالیٰ کو والد کہہ کر اُس کی معبودیت کا انکار ہے پنجم یہ کہ۔ فرمایا گیا مُکْرَمُوْنَ۔ ایک قرأت میں ہے مُکَرَّمُوْنَ۔ یعنی وہ فرشتے مقرب ومکرم ہیں اور تکریم وتقرب اطاعت سے اطاعت عبادت سے اور عبادت عبد سے ہوتی ہے نہ کہ اولاد سے عبدیت جس کی ہو وہ معبود ہے اور ولدیت جس سے ہو وہ باپ ہے مکرمون سے معبودیت ثابت اور وَلَدًا سے معبودیت کا انکار۔ ششم یہ کہ فرمایا گیا۔ لَا یَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ کسی بات میں بھی وہ فرشتے آگے بڑھتے اور پہل کرنے کی ہمت نہیں کرتے نہ کوشش کرتے ہیں نہ انھیں پہل کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ خیال رہے کہ سبقت کرنے کی سات وجوہ سے ضرورت پڑتی ہے ۱؎ جب بندہ محتاج ہو کھانے کا ۲؎ یا پینے کا ۳؎ یا نکاح کا ۴؎ یا لباس کا ۵؎ سردی گرمی سے بچنے کا ۶؎ بیماری سے بچنے کا آفات بلیات سے ڈرتا ہو۔ ۷؎ اِن علتوں سے بندہ گناہ بھی کر لیتا ہے تو گناہ کی معافی اور حاجات کی حصول کے لیے دعا کرتا ہے اور دعا میں سبقت ہے۔ مگر ملائکہ کو یہ کوئی علت نہیں اس لیے ان کو کسی دعا وغیرہ کی اور دعا میں سبقت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ہفتم وجہ یہ کہ ارشاد ہوا۔ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ یَعْمَلُوْنَ۔ یعنی ملائکہ صرف قول میں ہی تابع اور مطیع ومنتظر حکم نہیں بلکہ ہر ہر عمل میں بھی حکم کے بندے ہیں یہ ہی اُن کی شانِ بندگی اور جانِ عبدیت ہے۔ یہ چیز اولاد سے نہ ممکن ہے نہ میسر، تو اولاد کہہ کر عبدیت کا بھی انکار ہوتا ہے اور معبودیت

marfat.com

کا بھی خیال رہے کہ لفظ ابن اور ولد۔ اس طرح اَبٌ اور وَالِدٌ میں تقریباً سات طرح فرق ہے پہلا فرق یہ
کہ لغت عربی کے لحاظ سے ابن اسم نوعی ہے اس لیے اس کی مؤنث بِنتٌ ہے ولدٌ اسم جنسی ہے لہٰذا
یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے ولد کا مونث کوئی نہیں اسی طرح اَبٌ کی جمع ہوتی ہے والدٌ
کی نہیں ہوتی۔ دوسرا فرق یہ کہ ابنٌ اور اَبٌ نسبتی لفظ ہے جس کا اردو میں ترجمہ ہے والا مثلاً ابنُ السَّبِیلِ
راستے والا (مسافر) اور اَبُو تُراب یعنی مٹی والا وَلَدٌ اور والدٌ نسبی لفظ میں تیسرا فرق یہ کہ ابن کا معنیٰ پرورش
کیا ہوا اور اَبٌ کا معنیٰ ہے پرورش کرنے والا۔ لیکن وَلَدٌ کا معنیٰ ہے نسل بننے والا اور والدٌ کا معنیٰ ہے
نسل بنانے والا چوتھا فرق یہ کہ ابنٌ اور اَبٌ عام ہے نطفے اور غیر نطفے کو مگر وَلَدٌ کا معنیٰ نطفہ اور وَالِدٌ
کا معنیٰ نطفے والا۔ پانچواں فرق یہ کہ ہر سگا سوتیلا ابنٌ اور اَبٌ ہو سکتا ہے لیکن وَالِد اور وَلَد صرف
سگے باپ بیٹے کو ہی کہہ سکتے ہیں۔ چھٹا فرق یہ کہ ابنٌ اور وَلَدٌ میں اسی طرح اَبٌ اور والدٌ میں عام خاص
مطلق کی نسبت ہے کہ ہر وَلَد ابن ہے مگر ہر ابن وَلَد نہیں اسی طرح ہر والد اَبٌ ہے مگر ہر اَبٌ والد
نہیں ہے نسبتیں چار قسم کی ہوتی ہیں ۱۔ نسبتِ تساوی ہے کہ دونوں چیزیں ہر تعداد میں برابر ہوں
۲۔ نسبت تبایُن دونوں چیزیں بالکل جدا ہوں مثلاً آگ پانی اینٹ پتھر کوئی پانی آگ نہیں کوئی آگ
پانی نہیں ۳۔ نسبتِ عام خاص من وجہ۔ کہ بعض میں اشتراک بعض میں جدائی ۴۔ نسبت عام خاص مطلق
ساتواں فرق یہ کہ ابنیت اور اُبُوّت ختم ہو سکتی ہے مگر ولدیت اور والدیت کبھی ختم نہیں ہو سکتی لیکن
عام عربی اصطلاح میں ابن کہہ کر ولد اور ولد بول کر ابن مراد لیا جا سکتا ہے اس طرح اَبٌ بول کر
والدٌ اور والدٌ بول کر اَبٌ مراد لیا جا سکتا ہے بشرطیکہ کوئی قرینہ موجود ہو جیسا کہ قرآن مجید میں
ابنُ اللہ بول کر ولدُ اللہ مراد لیا جا سکتا ہے اسی آیت کے قرینے سے۔ اور اَبِیْهِ اٰزَر بول کر مولیٰ مراد
ہے نہ کہ والد رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ والی بڑھاپے کی دعا کے قرینے سے غرضکہ اس آیت
کریمہ نے اہل شرک کے دعوءِ اولادیت کا ایک ایسے عظیم الشان انداز میں بطلان فرمایا کہ چار
باتیں ظاہر ہوئیں ۱۔ ولدیت اور عبدیت کا فرق ۲۔ فرشتوں کی عبدیت ۳۔ فرشتوں کا بارگاہِ الٰہی
میں باادب اور مشفق اور رعب وخوف زدہ رہنا ۴۔ فرشتوں کا رب تعالیٰ کے نزدیک مقرب
ومکرم ہونا۔ ملائکہ اپنی رائے اور عقل اپنی تدبیر سے نہ کوئی کلام کرتے ہیں نہ کام نہ پہلے بولنے
کی جلدی کرتے ہیں۔ یہ بھی بارگاہِ الٰہیہ کا ادب ہے۔ یہ فرق ہے اولاد اور عباد میں اولاد سراپا نیک
ہوتی ہے۔ ذات وصفات میں عباد سراپا عجز و نیاز ہوتے ہیں۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا
خَلْفَهُمْ وَلَا یَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰی وَهُمْ مِّنْ خَشْیَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ رب تعالیٰ کے

marfat.com

معبودِ حقیقی اور لاشریک ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ رب تعالیٰ جانتا ہے ان تمام حالات کیفیات اقوال و اعمال۔ افعال و کردار کو جو ان ملائکہ کے سامنے موجودگی میں ہو رہے ہیں خواہ ان کے اپنے یا دیگر تمام جہانوں میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے اور وہ سب کچھ بھی جانتا ہے جو ان کی پیدائش سے پہلے تھا اور جانتا ہے اللہ جو کچھ کائنات میں ملائکہ کر چکے ہیں اور کر رہے ہیں یا آئندہ کرنے والے ہیں اور یہ کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ اس تمام کو جو ان کے سامنے قیامت میں ہونے والا ہے اور اس کو بھی جو دنیا میں گزر رہا ہے اور یہ کہ جانتا ہے رب تعالیٰ ان کو بھی جن کو یہ تمام ملائکہ بھی جانتے ہیں اور ان کو بھی جن کو ملائکہ بھی نہیں جانتے۔ اور ہیبتِ الٰہیہ میں اتنے مرعوب ہیں کہ اپنی مرضی سے کسی کی شفاعت نہیں کرتے سوا ان ایمان والوں کی جنہوں نے اپنا ایمان و عقیدہ صحیح طریقے سے مرنے تک بچائے رکھا۔ لیکن غفلت و سستی یا صحبتِ بد کی وجہ سے گناہِ کبیرہ و صغیرہ کرتے رہے اور کبھی توبہ کی طرف بھی متوجہ نہ ہو سکے تارک صلوٰۃ و زکوٰۃ و صیام و قیام ہی آخر تک رہے یا توبہ تو کی مگر حقوق اللہ کی قضا نہ کی ان تمام قسم کے لوگوں کی شفاعت ملائکہ بھی کریں گے اس لیے کہ اگرچہ یہ فاسق و فاجر تھے مگر ان کے توحید و رسالت پر سچا با ادب ایمان لانے کی وجہ سے رب تعالیٰ ان سے راضی ہے۔ کیونکہ اصل مضبوط اور شجرِ طیبہ تو اللہ رسول پر ایمان اور قیامت و شریعت پر سچا پکا درست عقیدہ بنا تا ہے۔ رہے گناہ و خطایا تو یہ بشری کمزوری کی وجہ سے ابلیسی خرمستیاں اور شیطانی جھاڑیاں ہیں جن کی شاخیں پتلی اور جڑیں کمزور ہوتی ہیں توبہ کی ہمت اور شفاعت کی محنت اور شفقت کی قوت سے اکھاڑ پھینکی جا سکتی ہیں۔ آسمان ہو یا زمین عرش ہو یا فرش دن ہو یا رات یہ تمام ملائکہ باوجود بے گناہ اور معصوم ہونے کے اپنے رب کی عظمت و تعظیم کے پُر جلال دبدبے سے ڈرتے ترسنے والے ہیں اور لرزہ براندام ہے اس لیے کہ وہ سچے بندے اور اللہ تعالیٰ سچا و احد حقیقی خالق و مالک و معبود ہے اور چونکہ ہر حال سے وہ باخبر ہے اس لیے رعب سے سرنگوں ہیں دم بخود ہیں۔ حکایت۔ تفسیر روح البیان و تفسیر امام رازی میں ہے کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شبِ معراج میں ہم نے جبرئیل کو عرش کے پاس ہیبتِ الٰہی سے کٹی ہوئی شاخ کی طرح گرا ہوا پایا۔ میں کہتا ہوں کہ عجیب نظارۂ قدرت ہے کہ سردار ملائکہ آج کی رات گری شاخ کی طرح ہیبت و خشیت سے لرز رہے ہیں لیکن سردارِ انبیاء مسکراتے ہوئے لامکان پر جا رہے ہیں وہ شانِ عبدیت کا اظہار ہے اور یہ شانِ محبوبیت کا ظہور۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔ اس آیت پاک میں بندوں کے عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ ہونے کی وجہ اور

marfat.com

طریقہ بتایا جارہا ہے کہ ۱۔ اللہ کو ہر وقت اپنے پاس قریب اور یَعۡلَمُ مَا بَیۡنَ (الخ) کی صفت ازلی والا سمجھنا بندے کو مکرم بنا دیتا ہے ۲۔ جتنا قرب زیادہ ہوتا ہے اتنی ہی ہیبت کی شان زیادہ ہوتی ہے جو بندہ جتنا زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اتنا ہی زیادہ مکرم ہوتا جاتا ہے اور جتنا مکرم ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ مقرب ہوتا ہے۔ لفظِ خوف مشترک ہے چار معنیٰ ہیں ۱۔ ہیبت کا رعب ۲۔ عظمت کا رعب ۳۔ خوف کا معنیٰ اندیشہ ۴۔ خوف بمعنیٰ تقویٰ ہیبت کے رعب کو اشفاق کہتے ہیں اور عظمت کے رعب کو خشیت۔ وَمَنۡ يَّقُلۡ مِنۡهُمۡ اِنِّىۡۤ اِلٰهٌ مِّنۡ دُوۡنِهٖ فَذٰلِكَ نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ‌ؕ كَذٰلِكَ نَجۡزِى الظّٰلِمِيۡنَ۔ یہ تمام حالات وعادات تو ہمارے مکرم بندوں کے ہیں اور اس لیے مکرم ہیں کہ عابد زاہد مطیع خاشعین مشفقین۔ ہر قول وعمل میں رب تعالیٰ کے حکم کے منتظر۔ بلا مرضیِ رب کسی بھی مغضوب علیہ اور ضال ومُضل کی شفاعت نہیں کرتے نہ دنیا میں دعا سے نہ آخرت میں التجا سے۔ وہ پیارے تو ہر آن بارگاہِ معلیٰ میں حقیقتاً کُلیتاً سرنگوں اور مراقب ہیں۔ لیکن اگر کوئی کبھی بفرضِ محال اپنے عمل یا قول سے یہ کہہ سکے میں ہی یا میں بھی الٰہ ہوں۔ عمل سے اس طرح کہ اپنے آپ کو کسی قسم کا سجدہ کرائے اور غیر اللہ کو سجدہ کرنے کرانے کے جواز کا قائل ہو جس طرح گمراہ پیر سجدہ تعظیمی کرالیتے اور جواز کی بیہودہ دلیلیں دیتے پھرتے ہیں۔ قولاً اس طرح کہ منہ سے اپنے معتقدین کو کہیں کہ ہم معبود ہیں ہماری عبادت کرو جیسا کہ سب سے پہلے زمانۂ نوح میں ابلیس نے کہا اور آج تک کہتا چلا آرہا ہے۔ یا جیسے نمرود نے اپنے زمانے میں فرعون نے اپنے زمانے میں کہا۔ یا کوئی بھی تا قیامت شیطانی پھندے میں آکر ایسی بات کہدے تو اُس کے تمام اعمالِ صالحہ برباد کر کے نَجۡزِيۡهِ جَهَنَّمَ اُس کو بہت بڑی جہنم کی سزا اُس کے اِس عملِ بد کے بدلے میں ہم دیں گے۔ اور کوئی ان کو چھڑا نہ سکے گا کیونکہ یہ فعلِ بد اور قولِ کفر سب سے بڑا ظلم ہے۔ اور ہر قسم کے ظالم کو جو اپنا ظلم میدانِ محشر تک اپنے ساتھ لیے چلا آئے ہم اس طرح سزا و جہنم کا بدلہ دیتے ہیں اے مشرکو تم تو اپنے اپنے شرکیہ عقیدے میں انبیا اور ملائکہ علیہم السلام کو ابنُ اللہ اور بَنَاتُ اللہ بنائے پھرتے ہو مگر ان مکرمین ومقدسین نے ہمیشہ یہی کہا کہ اَنۡتَ تَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِىۡ وَلَاۤ اَعۡلَمُ مَا فِىۡ نَفۡسِكَ یا اللہ میں کس طرح الٰہ یا ابنُ اللہ ہو سکتا ہوں مجھ میں تو الٰہیت کی کوئی بھی قوت یا نشانی نہیں ہے میں تو یہ بھی نہیں جانتا کہ تیرے ارادہ اور علم میں کیا ہے۔ لیکن اے اللہ تو میرے ہر حال وزمان کو ہر وقت جانتا ہے اس لیے تو ہی احد ہے صمد ہے لَمۡ يَلِدۡ ہے وَلَمۡ يُوۡلَدۡ ہے

وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ: یہ آیت پاک ظاہراً اور لفظاً تو صرف ملائکہ کی معصومیت اور شانِ عبادت کا ذکر فرما رہی ہیں مگر باطناً تا قیامت اہل ایمان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ بارگاہِ قدس کے مکرم و مقرب کے لیے تین عبادتیں کرنا ضروری ہیں ۱۔ یہ کہ بندہ کتنا ہی ذی عقل بن جائے مگر اللہ تعالیٰ سے کسی قول میں آگے بڑھنے کی کبھی بھی کوشش نہ کرے۔ نہ رسم و رواج نہ صرف و اصطلاح میں نہ عدالتی قانون نہ ملکی انتظام میں کسی بات میں اللہ تعالیٰ کی بات سے سبقت لے جانے کی کوشش نہ کرنی چاہیے اللہ تعالیٰ کی بات وحیِ الٰہی ہے اور انسانوں کے پاس اب وحیِ الٰہی صرف بذریعہ قرآنِ مجید اور حدیثِ پاک ہے اور ان فرمودات نے زندگی کے ہر ہر شعبے میں انسان کی راہیں روشن کر دی ہیں۔ سبقت کرنے کی جرأت وہ کر سکتا ہے جو اپنے قول و قانون کو زیادہ اچھا اور اونچا سمجھے اور یہ وہم ہی ابلیسیت ہے۔ یہ فائدہ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ اور وَهُمْ مُّشْفِقُوْنَ اور عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کتنے بدنصیب اور احمق ہیں وہ مسلمان جو اسلامی قانون کو چھوڑ کر انگریزی قانون کی غلامی میں اب تک جکڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں ہم انگریز سے آزاد ہو گئے۔ دوسرا فائدہ۔ سب سے بڑی نعمت اللہ تعالیٰ کا خوف و خشیت ہے اسی سے دینی دنیوی ابدی مرتبے حاصل ہوتے ہیں عظمت عزت کرامت تقرب حکمت اسی خشیتِ الٰہیہ کے ثمرات ہیں مگر اس کا حصول دو طرح سے ہے بعض خوش نصیبوں کو عبادت و ریاضت عاجزی انکساری اور محبتِ الٰہی سے یہ دولت حاصل ہو جاتی ہے جیسے ملائکہ اور انبیاءِ کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ و علماءِ ربانی اور عام لوگوں کو یہ دولت دہشتِ موت۔ سزاءِ قتل خوف محشر اور اسلامی سزاؤں حدود و تعزیرات قصاص و قطع کے ذریعے ملتی ہے۔ موت کا ڈر ہر جاندار کو فطری ہے یہ ختم نہیں کیا جا سکتا ہاں البتہ اگر یہ ڈر خشیت و اشفاقِ الٰہی کا سبب بن جائے تو یہی موت تمغہ مومن بن جاتی ہے اسلامی سزائیں اسی خشیتِ باری تعالیٰ کو پیدا کرنے کے لیے مقرر کی گئی ہیں ورنہ بدنصیب لوگ فسق و فجور کی وجہ سے نہ عجز و عبادت میں آتے ہیں نہ خوفِ الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ یہ فائدہ وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ نیک بندوں کی یہ نشانی ہے اور بُروں کو نیک بنانا بھی اشفاق سے ہوتا ہے۔ بعض گمراہ لوگ اسلامی سزاؤں کو وحشیانہ اور سزاءِ موت کو ظلم کہہ دیتے ہیں وہ بدعقل یہ غور نہیں کرتے کہ مجرم انسان وحشی ہی ہوتا ہے اور وحشی کو اسی کے

marfat.com

مطابق سزا ضروری ہے۔ بعض بدبخت اسلامی سزاؤں پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ان سزاؤں سے مجرم کو درست اور تائب ہونے کا موقعہ نہیں ملتا، جیل کی سزا مجرم کی اصلاح کے لیے مفید ہے میں کہتا ہوں مشاہدہ اس کے خلاف ہے معمولی مجرم بھی جیل سے بڑا مجرم بن کر نکلتا ہے۔ جھوٹے ڈرامے غلط افسانے بناوٹی کہانیاں سنا کر تو قوم کو ورغلایا جا سکتا ہے مگر حقیقت اور تجربہ اس کے خلاف ہے۔ بندوں کو مُشۡفِقُوۡنَ بنانے کے لیے موت کا ڈر ضروری ہے۔ جہاں بھی اسلامی قانون نافذ ہوا۔ وہاں کے بڑے بڑے ظالم مجرم فاسق و فاجر تصورِ سزا سے ہی وَهُمۡ مِّنۡ خَشۡيَتِهٖ کے گروہ میں خود بخود سابقہ سے تائب اور آئندہ سے شامل ہو گئے۔ نہ جرائم ہوئے نہ سزا کی نوبت آئی۔ انسانی فطرت وجبلت ہے کہ موت کا ڈر ہو گا تب رب تعالیٰ کا ڈر ہو گا۔ تیسرا فائدہ:۔ یہ قانونِ شریعت ہے کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر وارد نہیں ہوتا۔ جو کرے گا وہ ہی بھرے گا۔ یہ فائدہ بَلۡ عِبَادٌ مُّكۡرَمُوۡنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو کفار نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا یہ ان کفار کا بڑا کفر و ظلم تھا مگر ان کے اس ظلم کمانے اور کفر بکنے سے ملائکہ کی تکریم و تقرب میں کوئی فرق نہیں پڑا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ:۔ شریعت اسلامیہ کے علم الاخلاق میں سے بزرگوں کا ادب ہر مسلمان پر واجب ہے خاص کر دینی بزرگوں کا اور ادب واحترام میں سے یہ بھی ایک بہت اہم اور اخلاقی ادب ہے کہ بزرگوں کے سامنے بڑھ بڑھ کر باتیں نہ کی جائیں اسلام نے جن بزرگوں کا خاص طور پر اہتمام سے ذکر فرمایا ہے وہ سات ہیں (۱) والدہ (۲) والد (۳) استاد خاص کر دینی استاد (۴) دینی بزرگ (۵) اپنا پیشوا (۶) اپنا امام (۷) رشتے میں اپنے سے عمر میں بڑا اگرچہ کسی علم و فن میں وہ عمر والا اپنے اس چھوٹے سے کم تر ہو مگر چھوٹے پر پھر بھی ادب واجب ہے۔ بزرگوں کے سامنے بڑھ بڑھ کر چرب زبانی دکھانا یا ان کے بولنے سے پہلے بولنا اور دورانِ گفتگو ٹوک بازی کرنا بے ادبی کے علاوہ آدابِ محفل کے بھی خلاف ہے یہ مسئلہ لَا يَسۡبِقُوۡنَهٗ بِالۡقَوۡلِ۔ سے مستنبط ہوا کہ ملائکہ کے مؤدب اور باادب ہونے کی ایک یہ بھی نشانی ہے کہ وہ فرمانِ الٰہی کے صادر ہونے سے پہلے کوئی بات نہیں کرتے۔ بات کرنے کے بھی کچھ آداب ہوتے ہیں۔ یہاں تو بارگاہِ الٰہیہ میں بات کا طریقہ بتایا گیا۔ سورۂ حجرات کی آیت (۲) میں امت کو بارگاہِ نبوت میں بات کرنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔ اس طرح کے احترام کرنے سے بندے میں عاجزی پیدا ہوتی ہے اور عاجزی ہی سے دنیا و آخرت کی عزت ہے۔ جو شخص بزرگوں کے سامنے بڑ بڑ چر چر کرتا رہے وہ متکبر ہو جاتا ہے۔ دوسرا مسئلہ:۔ یہ بات ہر مسلمان کو ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ

marfat.com

کفار کے کسی بزرگ کے متعلق کفریہ عقیدے یا عقیدت کی بناء پر اس بزرگ کی بے ادبی اور گستاخی ہرگز نہ کی جائے۔ مثلاً یہودی عیسیٰ علیہ السلام سے بدعقیدگی کرتے ہیں اور عیسائی بدعقیدتی مگر مسلمانوں کو بہرحال عیسیٰ علیہ السلام کا ادب کرنا فرض ہے اسی طرح شیعہ لوگ حضرت علی کے متعلق کچھ بھی کفریہ عقیدت رکھتے پھریں مگر مسلمانوں کو لازم ہے کہ مولیٰ علی شیر خدا کی شرعی حدود و ضوابطہ کے مطابق ان کا احترام قائم رکھیں یہ مسئلہ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ کفار کے کفریہ عقیدے کے باوجود رب تعالیٰ نے فرشتوں کی شان ظاہر فرمائی۔ تیسرا مسئلہ۔ تمام ملائکہ معصوم ہیں اور معصوم سے گناہ سرزد ہو سکتا ہی نہیں۔ ان میں گناہ کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ یہی شان انبیاءِ کرام علیہم السلام کی ہے۔ یہ مسئلہ۔ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ (الخ) کے پورے کلام سے مستنبط ہوا کیونکہ لَا يَسْبِقُوْنَ اور بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ وَلَا يَشْفَعُوْنَ کی نسبت ملائکہ کی طرف فرمائی یعنی وہ ایسا نہیں کر سکتے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ۔ لیکن دیگر آیت میں فرمایا گیا سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ اس فرق کی کیا وجہ؟ جواب۔ شرک دو قسم کا ہے ایک شرک جو ہمسری اور برابری کا دوسرا شرک اولادیت کا۔ مشرکین پہلے شرک میں بتوں اور حیوانات چاند سورج کواکب شجرات حجرات کو صاف صاف برابر کا الٰہ مانتے ہیں اور ان کو اصلاً یا تصویراً سجدہ کرتے ہیں جبکہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں اُن کی کوئی تکریم و تعظیم نہیں۔ ان کی تردید کے لیے سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى (الخ) فرمایا گیا۔ وہاں صرف رب تعالیٰ کی شان اور مشرکین کا کفر بیان فرمایا گیا۔ بتوں اور ان جھوٹے معبودوں کی کسی حیثیت کا ذکر نہ کیا گیا۔ مگر دوسرے شرک میں رب کی اولاد ہونے کا عقیدہ بنایا گیا۔ یہ بھی اگرچہ شرک ہے۔ مگر اس میں اولاد کو الٰہ نہ کہا گیا نہ اُس اولاد کے بت بنا کر پوجے گئے۔ اگرچہ کسی کو اللہ کی اولاد کہنا بھی درپردہ اُس کو الٰہ ہی ماننا ہے کیونکہ اولاد والد کی مثل ہی ہوتی ہے۔ نیز اللہ کی تمام صفات بالقوۃ اور اللہ تعالیٰ کی الٰہیت بھی ذات باری تعالیٰ کی طرح قدیم ہے گویا کہ الٰہ ہونا بھی قدیم ہے۔ تو چونکہ جن کو اللہ تعالیٰ کی اولاد کہا گیا ہے وہ تمام بذاتِ خود عنداللہ مکرم ہیں۔ اس لیے یہاں اُن مشرکین کی تردید کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ کی شان بھی بتائی گئی اور اُن پیاروں کی تکریم بھی ظاہر فرمائی گئی۔ اس طرح کی طرزِ بیانی سے دونوں قسم کے شرکوں کی حیثیت بیان فرما دی گئی کہ پہلے شرک میں مشرکین اور اُن کے معبودانِ باطل دونوں جہنم کے ایندھن مگر دوسرے شرک میں صرف مشرکین جہنمی ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى۔ یعنی قیامت میں صرف

marfat.com

اُن کی شفاعت ہوگی جن سے اللہ تعالیٰ خوش اور راضی ہو۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ رب تعالیٰ فاسق وفاجر زانی چور ڈاکو شرابی فحاشی تارکِ نماز سے بالکل راضی نہیں لہٰذا اُن کی شفاعت بھی نہیں اور جس کی شفاعت نہیں وہ ابدی جہنم میں ہیں۔ ثابت ہوا کہ تارکِ صوم وصلوٰۃ اور گناہِ کبیرہ کے تمام فاسقین کافر ہیں۔ اور کافر کو ہی ابدی جہنم ہے (معتزلی اور موجودہ وہابی) جواب۔ معترض نے اپنے اعتراض میں ابدی جہنم کی خود ساختہ قید لگا کر یہ اقرار کر لیا کہ یہ اعتراض نہایت کمزور اور بیہودہ ہے اوّلاً تو یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ابدی جہنم صرف کفار کے لیے ہے۔ لیکن شفاعت کے نہ ملنے سے ابدی جہنم لازم نہیں اس لیے بہت سے بڑے بڑے متکبر فساق جن کو شفاعت نہ ملے گی وہ اپنے گناہ کی پوری جہنمی سزا بھگت کر پاک کر دئے جانے کے بعد جہنم سے نکال کر جنت میں پہنچ دئے جائیں گے۔ اگر فسق کبیرہ کفر ہوتا تو ان کو جہنم سے نہ نکالا جاتا دوم یہ کہ دنیا اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں یعنی جو درجہ بدرجہ پسندیدہ بندوں کو ملتی ہیں ان میں پہلی نعمت رضا ہے جب بندہ اللہ رسول قرآن وحدیث شریعت طریقت عبادت وقیامت پر ایمان لاتا ہے تو اُس کو اس ایمان کے بدلے میں رضاءِ الٰہی کی نعمت ملتی ہے اور صرف سچا پکا مومن بن جانے سے ہی مَنِ ارْتَضٰی کے زمرے میں داخل کر دیا جاتا ہے۔ پھر جب وہ اعمال بھی صالحہ کرے گناہوں سے قطعاً بچے تو اُس کو نعمتِ کرامت دیکر اکرام وتکرّم بنا دیا جاتا ہے اور وہ بندہ عِبَادٌ مُّکْرَمُوْنَ میں شامل ہو جاتا ہے اگر گناہ کرے پھر توبہ تو مغفرت کی نعمت ملتی ہے توبہ بھی نہ کر سکے۔ مگر نادم رہے تو شفاعت کی نعمت اگر گناہوں پر نادم وشرمندہ عاجز بھی نہ بنے تو جہنم کی سزا پوری کرنی پڑتی ہے۔ یہاں اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی میں پہلی نعمت کا ذکر ہے۔ جو صرف مومن مسلمان بننے سے مل جاتی ہے۔ تیسرا اعتراض۔ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد کا عقیدہ بنانا اگرچہ کفر اور بڑا ظلم واڈّا ہے مگر شرک نہیں۔ دیکھو رب تعالیٰ نے بت پرستی اور غیر اللہ کو سجدہ کرنا تو شرک بتایا ہے مگر اولاد ماننے والوں اور کسی کو ابن اللہ یا بناتُ اللہ کہنے والوں کو شرک نہ کہا۔ جیسے کہ یہاں بھی اور قرآن مجید کی دیگر بہت سی آیات میں جب سُبْحٰنَهٗ کے بعد بُت پرستوں کا ذکر ہوتا ہے تو عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ہوتا ہے۔ جب اولاد کا ذکر ہوتا ہے تو وہاں شرک کا ذکر نہیں ہوتا۔ بلکہ یا تو سُبْحٰنَهٗ پر کلام ختم کر دیا جاتا ہے جیسے یہاں اور یا عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ یا هُوَ الْغَنِیُّ فرمایا جاتا ہے۔ کیونکہ بُت پرستی میں غیر اللہ کو الٰہ بنانا ہے اور شرک صرف یہی ہے۔ اولاد ماننے میں اولاد کے لیے الٰہیت کا عقیدہ ضروری نہیں لہٰذا یہ عقیدہ شرک نہیں ثابت ہوا کہ عیسائی یہودی مشرک نہیں۔ جواب:۔ اصلی شرک تو اولاد ماننا ہی ہے بُت پرستی کی شرکت نقلی اور مصنوعی ہے

marfat.com

چاؤ وجہ سے ایک یہ اولاد کی شرکت ذات صفات اور ملکیت میں ہوتی ہے۔ لیکن بت پرستی کی شرکت صرف کار کردگی میں بتوں کو صرف شریکِ کار کہا جاتا ہے دوم یہ کہ اولاد کی شرکت خود بخود ہوتی ہے دوسروں کی کرائی جاتی ہے سوم یہ کہ اولاد کی شرکت ختم نہیں کی جا سکتی دوسروں کی شرکت ختم کی جاسکتی ہے۔ چہارم یہ کہ اولاد کی شرکت کے اظہار کی ضرورت نہیں اولاد ماننا ہی شریک بنانا ہے۔ دوسروں کی شرکت کا اظہار کرنے سے شرکت کا پتہ لگتا ہے۔ لہٰذا رب کے لیے صرف یہ عقیدہ بنانا کہ اس کی اولاد ہے سب سے بڑا شرک کرنا ہے۔ لیکن رب تعالیٰ نے اس کو شرک کے لفظوں سے اس لیے ذکر نہ فرمایا کہ اولاد کے دعویدار کفار نے اپنے منہ سے اس کو شریک نہ کہا بخلاف بت پرستوں کے کہ انہوں نے صاف طور پر کہا کہ ہمارے بت اور دیوی دیوتا رب کے شریک کار ہیں۔ اور اوپر والے الٰہ کی طرح الٰہ ہیں۔ ورنہ اولاد ماننا بھی الٰہ ماننا ہے اس لیے سورۃ مائدہ آیت ۱۱۶ اور سورۃ توبہ آیت ۳۱ میں اولاد ماننے کو الٰہ ماننا ہی فرمایا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا سُبْحٰنَهٗ بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ۔ اہلِ شر نے اہلِ خیر کو اپنے فساد میں شامل کرنا چاہا۔ کیونکہ اس دنیاءِ دون میں ہر شخص اپنے گروہ کی تعداد بڑھانا چاہتا ہے برے لوگ بروں کی اور اچھے لوگ اچھوں کی اہلِ شر کو ہزار خوشامدیں کرنی پڑتی ہیں۔ اہلِ شر نے ہی کہا کہ اہلِ خیر وارث الٰہیات ہیں اور مخلوق نہیں بلکہ مولود ہیں۔ ان کی تردید میں قلب مزکی پیغمبر اسرار کی آواز بلند ہوتی ہے کہ سُبْحٰنَهٗ۔ وہ ذاتِ باری ہر کمزوری سے پاک ہے اس کو کسی وارث کی حاجت نہیں نہ کسی مولود کی ہے۔ اہلِ خیر اپنی خیر خیرات کی بنا پر ایسے مکرم بندے ہیں کہ تعظیم الٰہی ہیبتِ ربانی کی وجہ سے اپنے کسی دینی دنیوی قول وعبادت میں جلد بازی اور خود رائی عقل اندازی نہیں کرتے۔ ان کی ہر بات وعبادت اور طریقہ و تعداد اوقات و نیات اللہ رسول کے فرمودات وارشادات کے عین مطابق ہوتی ہے اور ذرہ ذرہ اس کے حکم پر عمل کرتے ہیں۔ اہلِ خیر جانتے سمجھتے ہیں کہ اس نورِ قدیم سے کسی کی کوئی بات وحالات۔ کیفیاتِ سرات مخفی نہیں وہ خالق تعالیٰ جانتا ہے ان سب کے موجودات کو اور معدومات و مخفیات کو۔ اس وجہ سے شفاعت بھی نہیں کرتے بجز ان اہلِ ایمان لوگوں کی جو رب تعالیٰ کے پسندیدہ بن گئے کہ جن کا ایمان رب تعالیٰ کو پسند آگیا۔ اور مقربِ بارگاہ ہونے کی وجہ سے اس کی بے نیازی سے لرزنے کانپنے والے

marfat.com

سہمے رہتے ہیں۔ اور صبر سے سانس روکے ہوئے ہیں۔ مکرم وہ ہوتا ہے جس کو اخلاق الٰہیہ میں سے کوئی خلق عطا فرما دیا جائے۔ اور خُلق اُس کو دیا جاتا ہے جو دینِ رسول اللہ کی دعوت دیتا رہے۔ دعوت سے خُلقیت ہے خلقیت سے عبادت ہے عبادت سے کرامت ہے کرامت سے قربت اور قربت سے جنت وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّيْٓ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ۔ كَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ اہلِ دل کی صحبت ومحفل اگرچہ ہمہ خیال مفید ہی ہوتی ہے مگر اس محفل ومجلس کے اثرات وانوار کو قبول کرنے کے لیے عقل سلیم وقلب فہیم لازم ہے۔ ازلی بدبخت اور شریر وخبیث قالب والے ہزارہا پاکیزہ مجلسوں کے باوجود اپنی جبلی کیفیت کو بدل نہیں سکتے ظاہراً کتنے ہی عجز وسکون کے عابد ہوں مگر انجام کار اندرونی تکبر ورذالت ظاہر کر ہی دیتے ہیں ایسے ہی بدنصیبوں میں سے وہ بھی ہے جس نے عبد ہو کر معبودیت کا دعویٰ رچایا اور کمزور بندہ ہو کر اپنی الٰہیت کا شور مچایا اور خالقِ ارض وسما کے مقابل اپنی عبادت کا ڈھونگ رچایا چونکہ اس طرح کے ابلیس کے ساتھی قیامت تک مختلف لبادوں میں ہوتے ہی رہیں گے۔ کہ ابلیس اپنی ذریت کے سامنے۔ بادشاہ اپنی رعایہ کے سامنے وُزراء اپنے اُمراء کے سامنے اُمراء اپنے غرباء کے سامنے گمراہ پیر اپنے مریدوں کے سامنے متکبرانہ انداز میں اپنی ظاہری یا باطنی طرزِ عمل سے اپنی الٰہیت کا دعویٰ کریں گے۔ ذٰلِكَ وہ آوازۂ فخر اور دعوے دارئی شر اس انجام پر ہے کہ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ۔ ہم اس کو جہنم کی ابدی سزا دیں گے۔ اس لیے کہ الٰہیت کا جھوٹا دعویٰ یا اپنے آپ کو سجدہ کرانا ایک عظیم ظلم ہے اور ایسے ظلم کرنے والوں کو ایسا ہی بدلہ ہے کہ ابدی جہنم دی جائے اسی طرح ہم تمام ظالموں کو اُن کے ظلم کا بدلہ دیتے ہیں جب تک کہ سچی توبہ نہ کریں اور توبہ اُس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک کہ سچے دل سے مجاہدہ نہ کیا جائے۔ سچے دل کا مجاہدہ وہ ہے جس میں صبر و مستقل مزاجی پائی جائے۔ مجاہدہ نام ہے اپنے نفسِ امارہ سے جہاد اور لڑائی ومقابلہ کرنے کا ہر کام میں نفس کی مخالفت مجاہدۂ نفس ہے جس میں قلبی صبر اور عقلی تحمل ضروری ہی بندگی کا اقرار اور تکبرِ ابلیسی کا توڑ ہے سب سے پہلے جھوٹی اُلوہیت کا دعویٰ اور اپنی عبادت کا چرچہ ابلیس نے کیا اور ابدی جزاءِ جہنم پائی۔ اس صراطِ طریقت پر چلنے کے لیے بڑی احتیاط بڑا صبر بہت تحمل کی ضرورت ہے۔ بہترین صبر اور اعلیٰ تحمل وہی ہے جو رب تعالیٰ کی راہ میں کیا جائے کہ ہمہ وقت اور ہمہ تن صرف رب تعالیٰ سے ہی لگن رہے۔ اور مراقبۂ خلوت ایسا ہو کہ تمام شیطانی خیالات متکبرانہ تصورات دل سے نکال دے۔ صبر کی چار قسمیں ہیں ۱۔ حرام سے بچنا حلال وفرائض پر استقامت یہ صبر فضیلت

marfat.com

ہے ۱؎ مفلسی پر ۲؎ غم ومصائب پر صبر اس طرح کہ ذرہ بھر شکوہ نہ کرے ۳؎ نعمت پر صبر کہ مغرور نہ ہو حرام وناجائز جگہ خرچ نہ کرے۔ صبر اہل ایمان کا مقام اور جنت کا زیور ہے۔ رب تعالیٰ کا پسندیدہ ہے۔

اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ

کیا نہ غور کیا ان لوگوں نے جو کافر ہیں اس کو بے شک سب آسمان اور پوری زمین دونوں

کیا کافروں نے یہ خیال نہ کیا کہ آسمان اور زمین بند تھے تو

کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ

منہ بند ہوتے ہیں تو ہمیشہ ہم نے ہی منہ کھولے ان دونوں کے اور بنائی ہم نے پانی کے ذریعے ہر زندہ

ہم نے انہیں کھولا۔ اور ہم نے ہر جاندار چیز پانی سے بنائی تو کیا

شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ

چیز تو کیا اب بھی ایمان نہیں لاتے اور گاڑھ دیا ہم نے زمین کے

وہ ایمان لائیں گے اور زمین میں ہم نے لنگر ڈالے

رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ ۪ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا

اندر پہاڑوں کو کہ کہیں سرک پڑے ان لوگوں کو لے کر اور بنا دئے ہم نے ان پہاڑوں میں کھلے

کہ انہیں لے کر نہ کانپے اور ہم نے اس میں کشادہ راہیں

سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ

راستے تاکہ یہ لوگ منزلوں تک پہنچ سکیں اور بنا ڈالا ہم نے اس آسمان کو

رکھیں کہ کہیں وہ راہ پائیں اور ہم نے آسمان کو چھت بنایا

marfat.com

سَقْفًا مَّحْفُوْظًا ۚ وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۳۲﴾

مضبوط چھت حفاظت کی ہوئی اور یہ کفار اس میں موجود نشانیوں سے بے توجہی والے ہیں۔

نگاہ رکھی گئی۔ اور وہ اس کی نشانیوں سے روگردان ہیں۔

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی معبودیت کا ذکر ہوا کہ تمام مخلوق ملائکہ وغیرہ اس کو معبود تسلیم کرتے ہیں اب اس میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور تمام مخلوق کے لیے بلندی بنیادی کر کے آسمان سے رزق کے دروازے کھولنے کا ذکر ہے گویا یہ آیت پچھلی آیت کی دلیل ہے کیونکہ ربوبیت معبودیت کی دلیل ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ایک اگلے آنے والے زمانے کے جہان یعنی جہنم کا ذکر کیا جو سزا مجرم کے طور پر مجرموں کو بعد میں دی جائے گی اب اس آیت میں جہان موجودہ کی نعمتوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو سب کے لیے ہے۔ ... یہاں پر ہی انسان جہنم سے بچ بھی سکتا ہے اور جہنم میں جا بھی سکتا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی گمراہیوں کا ذکر فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ کے علاوہ دوسری مخلوق کو اپنی من پسندی سے معبود بنائے پھرتے ہیں حالانکہ وہ ملائکہ وغیرہ اللہ تعالیٰ کے مکرم بندے ہیں اسی کے حکم سے ہی کام کرتے ہیں اب ان آیات میں ان کاموں کی مختصری فہرست بیان فرمائی جا رہی ہے جو رب تعالیٰ فرشتوں کے ذریعے کرواتا ہے۔

تفسیر نحوی

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ ہمزہ استفہام سوالیہ واؤ عاطفہ زائدہ صرف ہمزہ کی تفخیم (دبراؤ) کے لیے ایک قرأت میں اَلَمْ يَرَ واؤ کے بغیر ہے ایک قول میں اَوْ حرف عطف تخییری اَو ہے چونکہ یہاں سوال انکاری کے لیے ہے یعنی رؤیت کی نفی کا انکار اور نفی کی نفی ثبوت ہوتا ہے لہٰذا واؤ پر زبر آیا۔ خیال رہے کہ اَوْ عاطفہ گیارہ معنی کے لیے مستعمل ہوجاتا ہے (۱) تخییر (۲) شک (۳) ابہام (۴) تفصیل (۵) اباحت (جواز) (۶) استثناء بمعنی واؤ وصل (اگرچہ) ان معنوں میں اَوْ سکونِ واؤ سے ہوتا ہے (۷) وضاحت (۹) ثابت کرتے (۱۰) تردید (انکار) (۱۱) سوال کے لیے ہو تو اَوَ بفتح الواؤ ہوگا۔ لَمْ يَرَ باب فتح کا فعل مضارع منفی جحد بلم معروف واحد مذکر غائب چونکہ فاعل اَلَّذِيْنَ جمع اسم ظاہر ہے اس لیے فعل عامل صیغہ واحد آیا لیکن معنًا جمع ہی ہے در اصل تھا يَرْاَیُ رَاَیٌ سے مشتق ہے بمعنی دیکھنا۔ پہلے طرف کی ی گر گئی ماقبل الف زائدہ کی وجہ سے يَرَا ہو گیا پھر لَمْ کے جزم کی وجہ سے آخری حرف علت الف گر گیا۔ اَلَّذِيْنَ اسم

موصول جمع مذکر کَفَرُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر فاعل ہے لَمْ یَرَ کا۔ اَنَّ حرف تحقیق اَلسَّمٰوٰتِ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے سَمَاءٌ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْاَرْضَ اسم واحد مؤنث لفظی سماعی دونوں یعنی سمٰوٰت والارض بحالت نصب ہے کیونکہ اسم ہے اَنَّ کا اور سمٰوٰت چونکہ معطوف علیہ ہے واحد الارض کا اس لیے یہ جمع بھی واحد کے درجہ میں ہے اور یہ دونوں تثنیہ کے درجہ میں ہیں بدیں وجہ کَانَتَا فعل ناقصہ تثنیہ آیا نہ کہ جمع کیونکہ دونوں کا کلیت مراد ہے یعنی پورے آسمان اور پوری زمین ھُمَا ضمیر پوشیدہ اسم ہے کانتا کا مرجع ہے۔ سمٰوٰتِ وَالارض رَتْقًا اسم مصدر بمعنی اسم مفعول مَرْتُوْقٌ۔ رَتْقٌ کے معنی ہیں پیدائشی اور ابتدائی وقت سے منہ بند ہونا۔ خیال رہے کہ سَدٌّ غَلْقٌ اور رَتْقٌ تینوں کے معنی بند ہونا مگر فرق یہ ہے کہ غلق بمعنی بعد میں بند کرنا اسی کو اسی کے جسم اور جز سے بند کرنا۔ مثلاً ہونٹ سی دینا یا کواڑ بند کر دینا۔ سَدٌّ بمعنی کسی دوسری چیز سے بند کرنا۔ یعنی آڑ لگا دینا رتقا آخر کا الف تنوین مفتوح کی وجہ سے ہے خبر ہے کانتا کی ایک قرأت میں رَتَقًا ہے ت کے زبر سے سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ فَ حرف عطف بمعنی ثُمَّ عاطفہ فَتَقْنٰا۔ باب ضَرَبَ یا نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم فَتْقٌ سے مشتق ہے بمعنی کھولنا دینا۔ چیر دینا جدا کرنا ٹکڑے کرنا ضمیر متکلم اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ھُمَا ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع ہے۔ سمٰوٰت وَالْاَرْضَ فَتَقْنٰا کی کیفیت کیا ہے اس میں تین قول ہیں۔ وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں کی جائیگی۔ یہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ جَعَلْنَا باب فَتَحَ کا ماضی جمع متکلم لفظ جَعْلٌ اگر متعدی بیک مفعول ہو تو بمعنی پیدا کرنا اگر بدو مفعول ہو تو بمعنی تبدیل کرنا یہاں بیک مفعول ہے معنی ہے ہم نے پیدا کیا پانی سے ہر اس کو جو ایسے موجودہ نظر آ رہی ہے اگر متعدی بدو مفعول مانا جائے تو حَیًّا پڑھا جائے گا اور معنی ہوگا کہ ہم نے باقی و زندہ رکھا ہر چیز کو پانی کے ذریعے کہ پانی کے بغیر کوئی چیز باقی اور زندہ نہیں رہ سکتی پہلی متعدی میں جعل بسیط ہے متعدی بدو مفعول ہو تو جعل مرکب ہے۔ مِنَ الْمَآءِ یہ جار مجرور متعلق ہے کُلَّ مضاف شَیْءٍ حَیٍّ موصوف صفت مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے کُلَّ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَتَقْنٰا کے جملے پر یہ دونوں معطوف پھر عطف ہیں کَانَتَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اَنَّ ہوئی اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَمْ یَرَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اَفَلَا۔ ہمزہ سوال تردیدی کے لیے یعنی یہ برا ہے ایسا نہ ہونا چاہیئے۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ اسی کی وجہ سے سابقہ پورے جملے پر عطف ہے مابعد کا دراصل تھا فَاَ مگر ثقل کی وجہ سے ہمزہ پہلے ہوئی لَا یُؤْمِنُوْنَ۔ باب افعال

marfat.com

کا مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع کفارِ مکہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِھِمْ وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ واؤ عاطفہ اس کے مابعد جملے کا عطف ہے ماقبل عبارت وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ پر۔ جَعَلْنَا جَعْلٌ سے مشتق ہے اور دس معنی میں مستعمل ہے ۱۔ ہر قسم کے نسبت سے ہست کرتے ہیں ۲۔ بدلنا ۳۔ ڈالنا ۴۔ مضبوط گاڑ دینا ۵۔ حالات پھیرنا ۶۔ ایجاد کرنا ۷۔ محیط کرنا ۸۔ نامزد اور مقرر کرنا ۹۔ بنانا ۱۰۔ سنوارنا ۱۱۔ پسند کرنا یہاں مراد ہے گاڑ دینا۔ فِی حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ اَلْاَرْضِ الف لام عہد خارجی یہ جار مجرور متعلق ہے رَوَاسِیَ۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے رَاسِیَۃٌ مونث نقل سماعی چونکہ غیر ذوی العقول کی جمع ہے اس لیے اس کی جمع مذکر بھی آسکتی ہے جیسے یہاں اور مونث بھی آسکتی ہے جیسے رَاسِیٰتٌ مفعول بہ ہے رَسُوٌّ سے مشتق ہے اسم فاعل ہے بمعنیٰ ایک ہی جگہ سخت مضبوطی سے ٹھہرنے والی چیز جمع مذکر سالم میں آکر یہ اسم جامد ہو گیا مراد ہے پہاڑ جو زمین کی کیلیں ہیں تاکہ زمین چل نہ سکے ایک جگہ ساکن رہے قرآنِ مجید میں تقریباً چوبیس مختلف آیت میں سکونِ زمین کا عبارۃً، اشارۃً، دلالۃً، اقتضاءً تذکرہ فرمایا ہے ہم ان شاء اللہ اس کی تفصیل عالمانہ تفسیر میں ذکر کریں گے۔ اَنْ حرفِ تعلیلیہ دراصل ہے لِاَنْ لَّا۔ (لِئَلَّا) اَنْ ناصبہ کے قرینے سے بمعنیٰ تاکہ نہ۔ لِئَلَّا کو حذف کر دیا گیا تَمِیْدَ۔ باب ضَرَبَ فعل مضارع واحد مونث غائب ھِیَ ضمیر صیغہ مرجع اَلْاَرْضَ مَیْدٌ سے مشتق بمعنیٰ ہلنا۔ سرکنا۔ چلنا اسی سے ہے مائدہ بمعنیٰ دسترخوان کیونکہ وہ بھی چلتا پھرتا ہے کہ اٹھایا بچھایا جاتا ہے بِ جارہ بمعنی مَعَ یعنی ان کے ساتھ یا تعدیہ کی ہے یعنی ان کو لے کر ھُمْ ضمیر کا مرجع تمام اہلِ زمین مخلوق مگر چونکہ اصل مخلوق انسان ہے اس لیے ضمیر جمع مذکر آئی یہ جار مجرور متعلق ہے تَمِیْدَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہوئی جَعَلْنَا کے جملے کی جَعَلْنَا اپنے ضمیر بارز فاعل اور متعلق۔ مفعول بہ اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ جَعَلْنَا فعل باضمیر بارز جمع متکلم فاعل فِیْھَا ھَا ضمیر کا مرجع اَرْض ہے یہ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا۔ فِجَاجًا اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے فَجٌّ بمعنیٰ پہاڑی راستہ۔ خیال رہے کہ فَجٌّ اور وادی دونوں ہی پہاڑی راستے ہیں مگر فرق یہ ہے کہ پہاڑوں کے درمیان گلی اور سڑک کی طرح راستہ فَجٌّ ہے لیکن پہاڑی علاقے میں میدانی جنگل کی شکل کا راستہ وادی ہے۔ یہ ترکیب نحوی میں مُبدَل منہ ہے سُبُلًا اسم جمع مکسر واحد ہے سبیل یہ جمع تعلیلی ہے۔ بمعنیٰ عام رستہ یہ بدل الکل ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہوا لَعَلَّھُمْ یَھْتَدُوْنَ باب افتعال کا ماضی احتمالی برائے تعلیل بمعنیٰ تاکہ اس کا مصدر ہے اِھْتِدَاءٌ ترجمہ ہے ہدایت پالینا منزل پر پہنچنا عقل و سمجھ آجانا۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا جَعَلْنَا کا جَعَلْنَا اپنے فاعل اور متعلق و مفعول بہ اور مسبب سے مل کر جملہ فعلیہ سببیہ ہو کر

marfat.com

معطوف ہوا دونوں عطف مل کر سابقہ کلام پر عطف ہو گیا۔ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ ۔ واؤ عاطفہ یا سر جملہ۔ سَقْفًا اسم مفرد اس کی جمع مکسر ہے سقوفٌ بعض نے کہا اس کی جمع ہے سُقُفًا جیسے وَھْنٌ کی جمع وُھُنٌ مگر صحیح یہ ہے سُقُفٌ جمع ہے سَقِيْفٌ بمعنی عارضی چھت کی جیسے کَثِيْبٌ کی کُثُبٌ ایک قول میں سُقُفًا جمع الجمع ہے یعنی سَقْفٌ کی جمع سُقُوْفٌ اور سُقُوْفٌ کی جمع سُقُفٌ ہے مگر پہلا قول درست ہے۔ یہاں جَعَلْنَا بمعنی اختیار کرنا یا بناوٹ کرنا یہ متعدی بدو مفعول ہے اَلسَّمَآءَ پہلا مفعول یہ مراد ہے دنیوی پہلا آسمان سَقْفًا ذوالحال ہے یا موصول مَحْفُوْظًا حال یا صفت ہے دونوں مل کر مفعول دوم ہے جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا یا سابقہ کلام پر عطف ہے واؤ سر جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا عَنْ اٰيٰتِهَا یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ ھَا ضمیر کا آسمانِ دنیا اور آیات سے مراد چاند سورج ستارے رات و دن جن کی تفصیل اگلی آیت میں آ رہی ہے اور نیلگوں رنگ وغیرہ آیت بمعنی نشانی یعنی دلالت کرنے اور کسی چیز کا پتہ بتانے والی مُعْرِضُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت رفع ہے کیونکہ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِن آیت میں قرآء کے اختلافی اقوال ۱۔ اَوَلَمْ يَرَ ایک قول میں اَلَمْ يَرَ ۲۔ رَتْقًا ایک قول میں رَتَقًا بفتحہ تَ ہے ۳۔ شَيْءٍ حَيٍّ ایک قول میں شَيْئًا حَيًّا نصب سے۔ یا صفت ہے کُلَّ کی یا مفعول دوم ہے جَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کا ۴۔ عَنْ اٰيٰتِ جمع ہے ایک قول میں عَنْ آيَتِ واحد ہے۔

تفسیر عالمانہ اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ باری تعالیٰ کی توحید و یکتائی پر اتنے دلائل دیکھنے سننے سمجھنے تاریخوں میں پڑھنے مشاہدہ کرنے کے باوجود بھی اگر یہ کفار ایک سچے معبود پر عقیدہ و ایمان نہیں لاتے تو کیا ان تمام لوگوں نے جو بلا دلیل صرف اپنے باپ دادوں کی اندھی پیروی اور لوگوں کے کہنے میں آ کر محض نادانی سے کافر بنے پھر رہے ہیں دن رات کے ان گزرتے زمانوں اور زندگی کے سامانوں میں اپنے دل و دماغ کی بصیرت اور آنکھوں کی بصارت سے یہ بھی نہ دیکھا باغور عبرت کے طور مشاہدہ نہ کیا کہ یہ پورے آسمان اور ساری زمین دونوں کس طرح ایک دم مکمل اپنی نعمتوں روشنیوں چاندنیوں بارشوں۔ اور کھیتوں سبزیوں پھل پھول کی۔ اترنے نکلنے اگنے سے بند ہو جاتے ہیں کہ ہر طرف خشک سالی کا دور قحط کا شور پڑ جاتا ہے ہر بندہ تڑپ جاتا ہے پھر اس وقت کوئی دیوی دیوتا بُت مورتی پتھر لکڑی کوئی بھی کسی کی مدد کو نہیں پہنچتا ان بندشوں کو نہیں کھولتا ان حالات میں بھی ہم نے ہی اُن دونوں زمین و آسمان کو کھولا اس طرح کہ آسمان سے دھوپ چاندنی اور

marfat.com

بارشیں ہوائیں بھیجیں جس نے مردہ زمین کو زندہ کیا اور زمین نے زندہ ہو کر اپنی کھیتیاں سبزیاں باغ کھلیان نباتات کھُل کر باہر نکال دیئے۔ اور آسمان کی طرف سے آنیوالی بارشوں کے پانی سے ہر زندہ چیز کو بنا دیا اور پانی سے ہی ہر چیز کو زندہ رکھا کہ زندگی کا وجود بھی پانی سے اور زندگی کی بقا بھی پانی سے۔ دوسری تفسیر کیا کفار نے اپنے عقل و شعور یا سابقہ کتبِ آسمانیہ کو پڑھنے والوں کی زبانی نہ سنا کہ سب آسمان اور پوری زمین پہلے دونوں ایک ہی جگہ جُڑے پڑے تھے۔ تو ہم نے ان کو چیر کر علیحدہ کر دیا آسمانوں کو سات عدد میں بلندیوں پر قائم و جامد کر دیا زمین کو وہیں پڑے رہتے دیا اور ہم نے پانی سے ہی ہر چیز کا وجود بنایا۔ اور اسی پانی سے زندگی بخشی اس طرح کہ سب سے پہلے قدرتِ کبریائی سے ایک جوہر پیدا ہوا پھر جلالِ کبریائی سے وہ جوہر پگھل کر پانی بنا اور پوری کائناتِ فضائی میں پانی ہی پانی ہو گیا یہ پہلی تخلیقاتی مخلوق ہے پھر رحمتِ کبریائی سے پانی میں حرکت پیدا ہوئی حرکت سے جھاگ بنے اور بخارات اُٹھے جھاگ جم کر زمین بن گئی اور بخارات اور پہاڑ سات آسمان بنا دیئے گئے پھر آسمانوں میں کواکب اور زمین میں نباتات شجرات حیوانات و انسان بنا دیئے گئے پیدائش کے بعد بھی یہ تمام مخلوقِ زمینی پانی کی حاجت مند اور پانی سے ہی زندہ موجود ہے ان تمام باتوں تعدلوں حکمتوں کو دیکھتے جانتے ہوئے بھی اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔ کیا پس یہ عقل کے ضدی ایمان نہیں لاتے نہ تدبر و تفکر کرتے ہیں کہ یہ دیوی دیوتا اور دیگر معبودانِ باطل جب کسی قدرت و قوت میں اُس کے مشابہ نہیں تو عبادت میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں۔ ذرا سی عقل والا بھی اس کو سوچ کر ایمان لے آتا ہے۔ اس سورۃ کی آیت ۲۲ میں ارشاد ہے کہ لَوْ کَانَ فِیْهِمَا اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ یہاں اِن آیت میں چھ طرح اس فرمان پر دلائل قائم کیے گئے ہیں اِس اندازِ لطیف میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ آسمان و زمین تو دن رات نئی نئی نعمتوں سے شاد آباد ہو رہا ہے اس کی خوشنمائی بڑھتی ہی جا رہی ہے فساد اور ٹوٹ پھوٹ سے بچے ہوئے ہیں یہ بات ثابت کر رہی ہے کہ ساری کائناتِ سمٰوٰتِ وَالْاَرْض میں صرف ایک اللہ تعالیٰ ہی معبود مُلکین ہے۔ پہلی دلیل۔ آسمانوں اور زمین کا بند ہونا اور اللہ تعالیٰ کا اُس کو کھولنا یہ آسمان و زمین کی سلامتی و آبادی ہے نہ کہ فساد اِس لیے ہے کہ معبود ایک ہے نہ کہ چند۔ دوسری دلیل۔ پانی سے ہی ہر چیز کو پیدا کیا گیا اور پانی سے ہی ہر چیز کو قائم و زندہ رکھا گیا۔ یہ بھی وَحْدَهٗ لاشریک اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے آسمانوں اور زمین کی تعمیر و آبادی ہے۔ پانی وہ عظیم نعمت ہے کہ ہر جاندار و نباتات اسکا ہر وقت سخت محتاج ہے اسی لیے جاندار و شجرات پر پانی بند کرنا ظلم عظیم ہے اس کا بڑا عذاب ہے تاریخِ عالم میں سب سے پہلے یزید پلید نے پانی بند کیا۔ یزید اگر کافر نہیں تو کفار سے زیادہ بڑا ظالم ضرور ہے۔ رعایہ اور فوج کو ظلم کی کھلی چھٹی دینا بھی بادشاہ کا ہی ظلم ہوتا ہے۔ تیسری دلیل۔ زمین پانی پر پڑی تھی مثل کشتی اس

marfat.com

کو آباد کرنے مخلوق کو بسانے کے لیے اس کا ایک جگہ ساکن وجامد ہونا ضروری تھا اس لیے رب تعالیٰ نے اس کے اندر پہاڑوں کی کیلیں ٹھونک دیں تاکہ نہ ہلے نہ چلے اگر یہ کیلیں نہ ٹھونکی جاتیں تو زمین پانی پر ہلتی رہتی اور ہوا کے زور اور دباؤ سے چل پڑتی۔ تو کوئی عمارت سلامت نہ رہتی کوئی مخلوق قیام ورہائش نہ رکھ سکتے۔ ویرانی بربادی اور ٹوٹ پھوٹ کا فساد مچ جاتا آبادی نہ ہو سکتی یہ زمین تو ذرا سا جزوی علاقائی زلزلہ برداشت نہیں کر سکتی مضبوط ترین عمارتیں بھی گر جاتی ہیں زمین میں دراڑیں پڑ جاتی ہیں جنگلات کھیت وکھلیان باغ بغیچے تباہ ہو جاتے ہیں تو مسلسل حرکت وگردش کب برداشت کر سکتی تھی اس کو ایک جگہ ساکن کر دینا سیارگی آوارگی سے روکے رکھنا بھی اُس کی سلامتی کے لیے ہے۔ اگر بجز باری تعالیٰ اور دوسرا بھی کوئی معبود ہوتا تو یہ سلامتی نہ رہتی کھینچا تانی شروع رہتی۔ اس لیے اس سلامتی کو جاننے کے لیے حس کا عقل وشعور مشاہدہ کر رہی ہے ایک معبود پر ایمان وعقیدہ ضروری ہے۔ بدنصیب وبدعقل ہیں جو اب بھی شرک کر رہے ہیں۔ چوتھی دلیل۔ رب تعالیٰ واحد ویکتا نے ہی پہاڑوں میں کھلے کھلے راستے بنا دیئے تاکہ لوگوں جانوروں مال برداری کی گاڑیوں کے چلنے میں آسانی ہو۔ زمین کی چہل پہل آبادی سفری تجارتی سہولت قائم رہے یہ پہاڑوں میں کھلے راستے قدرتِ وَحْدَهٗ لَاشَرِیْک کی بہت بڑی نعمت ہے ان راستوں کی مضبوطی وفراخی بھی عجیب شاہکار ہے اور یہ راستے ابتداءِ آفرینش سے ہی بنا دیئے گئے ہیں اِن راستوں میں انسانوں کے لیے بے شمار ہدایتیں ہیں۔ پانچویں دلیل۔ آسمانِ اول کو زمین کی بہترین مضبوط خوب صورت چھت بنا دیا گیا جو ہر طرح تاقیامت محفوظ ہے۔ یہ شاہکار بھی وحدہٗ لاشریک معبودِ عٰلمین کی ہی قدرتِ یکتائی ہے۔ چھٹی دلیل اگلی آیت ۳۳ میں بیان فرمائی گئی ہے اِن دلائل میں دو چیزیں سمجھائی جا رہی ہیں ایک یہ کہ زمین آسمان میں فساد نہیں بلکہ عجیب حصولِ ترتیب عالَم کی سلامتی وآبادی ہے اگر دو معبود ہوتے تو ایسی ترتیب وخوش نما رونق نہ ہوتی۔ دوم یہ کہ الٰہ اور عبادتِ بندگان کا مستحق صرف وہ ہے جو ان قدرتوں حکمتوں نعمتوں کا مالک ہو کسی غیر اللہ میں یہ طاقت کہاں لہٰذا کوئی غیر اللہ الٰہ نہیں ہو سکتا۔ اور عبادت کا حق دار بھی نہیں اسی لئے کسی غیر اللہ کو کسی قسم کا سجدہ جائز نہیں نہ سجدۂ عبادت نہ سجدۂ تعظیمی۔ پہلا کفر ہے دوسرا حرام تو اے بے عقلو تم کیوں فضول عبادتوں اور سجدہ ریزیوں میں زندگی برباد کر کے جہنم کما رہے ہو یہ بُت تو نہ ذرہ بھر نفع دے سکیں نہ نقصان کر سکیں غرضکہ یہ آیت سابقہ آیت کی تاکید ہے خیال رہے کہ شرکیہ سجدۂ عبادت بُت پرستی ہے اور سجدۂ تعظیمی پیر پرستی ہے آسمانوں اور زمین کا رتقا ہونا بھی عین مصلحت ہے اور فتق ہونا بھی رتق میں جنات اور ملائکہ کے فوائد تھے اور فتق ہونے میں انسانوں حیوانوں کی مصلحتیں نعمتیں اور فوائد۔ یہ سب ہی حی ہیں۔ حَیٌّ اور حیوانٌ میں فرق یہ کہ ہر حیوان حَیٌّ ہے مگر ہر حَیٌّ

marfat.com

حیوان نہیں۔ جیسے جنات فرشتے حور و غلمان حی ہیں حیوان نہیں۔ انسانوں سے پہلے یہاں ملائکہ اور جنات تھے ان کے لیے رتق ضروری و مفید پھر انسان پیدا کئے گئے تو ان کے لیے فتق ضروری۔ رتق کا زمانہ بھی ہزار سال اور فتق کا بھی خیال رہے کہ عربی میں بند کرنے کے معنیٰ میں پانچ لفظ ہیں ما لک کے مقابل کھولنے کے معنیٰ میں بھی پانچ ہی لفظ ہیں ۱۔ رتق۔ ڈاٹ لگ جانے سے بند ہونا اس کے ہٹ جانے سے کھل جانا فتق ہے بانجھ عورت کو اسی معنیٰ میں رتقاء کہتے ہیں کہ اس کے رحم پر جھلی یا گوشت کی تہ جم کر ڈاٹ لگ جاتی ہے آسمان و زمین جڑے ہونے کی وجہ سے پہلے ایک دوسرے کی ڈاٹ بنے ہوئے تھے پھر جدا کئے گئے اس لیے رتق اور فتق کا لفظ استعمال فرمایا گیا ۲۔ ختم رسی یا کنڈی سے باندھنا۔ فتح رسی یا کنڈی کھول دینا ۳۔ سد۔ آڑ کھڑی کر کے بند کرنا روکنا۔ آڑ ہٹا دینا کشف ہے ۴۔ غلق۔ موٹا پردہ یا غلاف چڑھا کر بند کرنا فجر وہ غلاف یا پردہ یا چھلکا اتار دینا ہٹا دینا ۵۔ التحام۔ موٹا ہو کر کسی جسم کا بند ہو جانا مثلاً گوشت پر گوشت چڑھ جانا فطر دبلا ہو کر وہ موٹاپے کی بندشیں ہٹ جانا۔ روزے کی افطار کو اس لیے افطار کہتے ہیں کہ ہونٹ اور منہ کھولا جاتا ہے وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ۔ اور اے انسانو یہ بھی سلامتی زمین اور آبادی جہان ہے کہ ہم نے زمین کے اندر بہت نیچے تک بڑی بڑی کیلیں ٹھونک دیں۔ یعنی زمین مثل کشتی ہے پانی پر زمین پر بوجھ بنا کر نہ رکھا گیا بلکہ اندر گہرائی تک یہ پہاڑوں کی کیلیں گڑھی ہوئی ہیں تاکہ یہ زمین اپنے رہائشی مقیموں اور ان کی عمارتوں اقامت گاہوں کو لے کر چل نہ پڑے کہیں زمین میں ٹوٹ پھوٹ کا فساد مچ جائے۔ اور ہم نے ہی ان پہاڑوں اور پہاڑی رواسی کے بیچ بیچ میں پہاڑوں کو ہٹا کر ایسے ایسے راستے بنائے ہیں جو کھلے بھی ہیں اور گہرے بھی تاکہ زمین میں رہنے والے آتے جاتے میں سفر کرنے چلنے پھرنے جانور چرانے کی راہ بری و راہنمائی کی ہدایت پائیں لفظ فی سے ثابت ہو رہا ہے کہ پہاڑ زمین کے اندر گہرائی تک ہیں پہاڑ اور پہاڑی راستے بھی قدرت کے عجیب شاہکار ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی پہاڑ بنا سکتا ہے نہ پہاڑی راستے۔ مولیٰ علی شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ سب سے سخت مخلوق کونسی ہے آپ نے فرمایا پہاڑ کہ ان کو رواسی یعنی کیلیں فرمایا گیا اُن سے زیادہ سخت لوہا کہ اس سے پہاڑ کو توڑا جاتا ہے لوہے سے سخت آگ کہ لوہے کو پگھلا دیتی ہے آگ سے زیادہ پانی کہ بجھا دیتا ہے پانی سے زیادہ بادل کہ پانی کو اٹھائے جاتے ہیں۔ بادل سے زیادہ ہوا کہ اڑائے پھرتی ہے ہواؤں سے زیادہ سخت انسان کہ ہواؤں پر غالب طوفانوں میں ثابت رہتا ہے انسان سے زیادہ غم کہ نڈھال کر دیتا ہے غم سے زیادہ نیند کہ غم ختم کر دیتی ہے اور نیند سے سخت

marfat.com

موت کو سب پر غالب ہے۔ پہاڑوں میں اٹھارہ قسم کے راستے ہیں ۱ غار نما ۲ وادی نما ۳ نالہ نما ۴ گہرا ۵ تنگ ۶ کھلا ۷ پگڈنڈی ۸ شرقی ۹ مغربی ۱۰ شمالی ۱۱ جنوبی ۱۲ فوقی یعنی سطحی ۱۳ تحتی یہ انسانوں حیوانوں اور گاڑیوں کے لیے ہیں ۱۴ پانی کے بہنے دریائی ۱۵ برساتی ۱۶ چشموں کی سرنگیں ۱۷ پنجر ملی راہیں ۱۸ نباتاتی فجاجا کو مقدم فرما کر حال ذوالحال بنا کر ثابت فرمایا کہ یہ تمام راستے شروع سے ہی خلقت جبال کے وقت ہی بنا دئے گئے تھے۔ ان راستوں کے پانچ فائدے ہیں ۱ ان کی وجہ سے تمام پہاڑ جدا جدا ہو گئے ۲ اس وجہ سے پہاڑوں کے نام رکھے گئے ۳ ناموں کی وجہ سے گنتی آسان ۴ گنتی سے شناخت آسان ۵ شناخت سے ہدایت سفر اور ان کے جانے کی رہنمائی آسان۔ یہ فجاجاً سبلاً بنانا انسانی طاقت سے باہر ہے۔ سائنسی مشینوں سے پہاڑوں کو کھود کھود کر چھوٹے چھوٹے راستے چھٹی ہوئی سڑکیں تو بنائی جا سکتی ہیں مگر پہاڑوں کو جدا جدا کر کے بڑے چھوٹے تنگ و فراخ راستے نہیں بنائے جا سکتے۔ اب بھی اگر یہ کفار احسان باری تعالیٰ نہ مانیں اور وحدانیت الٰہی پر ایمان نہ لائیں تو ان کی بدقسمتی وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ اور اپنے بندوں پر ہماری کتنی عظیم رحمت و شفقت ہے کہ ہم نے ان کے لیے بغیر ستونوں کے نہایت محفوظ بلند خوب صورت مضبوط ایک جگہ ساکن اور وسیع آسمان کی چھت بنا دی جو تا قیامت باقی و مزین منور ہے جو محفوظ ہے شیطانوں کی چوری چکاری سے خوب صورت ہے شمس و قمر ستاروں کی چمک دمک سے مضبوط ہے ٹوٹ پھوٹ کے فساد سے بلند اتنی کہ کسی بشر کی طاقت نہیں کہ افلاک کو اپنی زد میں لا سکے کسی انسان کی ہمت نہیں کہ وہاں تک پہنچ سکے ساکن ایسی کہ بلندیوں پر پہنچ کر بھی کروڑہا سال سے ایک جگہ قائم و موجود اس لیے کہ یہ آرہ نہ خود کسی غیر کی چھت بن سکتا ہے نہ اس کی کوئی دوسرا چھت بن سکتا ہے۔ فرش و سقف کا ساکن یا آپس میں جامد ہونا لازم ہے یہ وہ آیتیں اور نشانیاں ہیں جو بتا رہی ہیں کہ کائنات میں فقط ایک ہی الٰہ عالمین ہے اور یہ سب رونقیں۔ زینتیں۔ منفعتیں بلندیاں۔ پستیاں مضبوطیاں حفاظتیں، خوشنمائیاں راہنمائیاں توحید کی نشانیاں ہیں کہ سورج سے استمداء نوری چاند سے استضیاء یعنی ستاروں سے اضداء اور امطار سمائی سے جلوۂ ارضی قائم ہے تا قیامت اور جس طرح دنیا والے فرش مکان کو رنگ برنگ چپس۔ پلستر قالین فرنیچر ساز و سامان سے اور چھت کو عمارتی بلندی سے بلبوں کی روشنی سے فانوسوں کی چمک سے برقی مرچوں کی دمک سے۔ برقی پنکھوں کی سرسراہٹ سے ہیروں موتیوں کی جھلملاہٹ سے جھنڈیوں کی تزئین سے فلنگ کی

marfat.com

ترتیب سے سجاتے ہیں اور اس سجاوٹ سے اپنے دل کو خوش دماغ کو تازہ کرتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے بھی اپنے بندوں کو خوش وخرم مسرور کرنے کے لیے فرش زمین کو نباتاتی موسیاتی ہواؤں بہاروں سے اور آسمانوں کو چلتے پھرتے شمس وقمر کواکب سے سیاروں کی فضاؤں سے مزین فرمایا۔ لیکن کور چشم کفار کا حال یہ ہے کہ وَهُمْ عَنْ اٰيَاتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ ان دلیلوں عبرت ساعانیوں۔ کیفیات حرکات وتاثیرات بہارات۔ مغارب اشراق ومشارق انوار مطلع شموس واقمار۔ انفصال لیالی واتصال ایام اس ترتیب عجیب وحساب تقویم پر ذرا غور نہیں کرتے کہ یہ کارخانۂ عالمیان گہوارۂ آدمیان کس وَحْدَہٗ لاشریک کا دست قدرت چلا رہا ہے۔ بس اندھی عقل اور غافل دل ضمیر سست اور آنکھیں بند ہو کر مُعْرِضُوْنَ یعنی منہ پھیرنے توجہ ہٹانے شعور گھٹانے کفر بڑھانے جہنم کمانے جنت گنوانے والے بنے ہوئے ہیں نہ حکمت بالغہ کو جانتے ہیں نہ قوت باہرہ کو سمجھتے ہیں نہ قدرت کاملہ کو پہچانتے ہیں لہٰذا نہ انبیاء علیہم السلام کی مانتے ہیں کیسی نقصان دہ بات وبدنصیبی ہے۔ مفسرین کے مختلف اقوال سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کے رتق وفتق میں مفسرین کے چھ قول ہیں اول یہ کہ آسمان وزمین قحط سے بند ہو جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ہی ان کو کھولتا ہے آسمانوں کا رتق بارشوں فضاؤں کا بند ہونا ہے جس کا تعلق برجوں سیاروں سے اور سیارے سارے آسمانوں پر اس لیے قحط میں سب آسمان بند ہوتے ہیں زمین کا رتق نباتات کا نہ اگنا ہے قحط کا ختم ہونا دونوں کا فتق ہے۔ بارش سے زمین کا مردہ ہونا بنجر اور خزاں زدہ ہونا ختم ہو جانا ہے زمین کی بہاریں زمین کا فتق ہے۔ دوم یہ کہ رات چھا جانا زمین وآسمان کا رتق ہے دن نکل آنا فتق ہے۔ رات خود چھا جاتی ہے اور پہلے ہے دن بعد میں رب تعالیٰ نکالتا ہے چنانچہ سورۃ یٰسٓ آیت ۳۷ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ۔ ہم نکالتے ہیں اس رات میں سے دن کو تیسرا قول یہ کہ یہاں ابتداء خلقت کا ذکر ہے کہ پہلے آسمان وزمین دونوں ایک تختے کی طرح جڑے ہوئے تھے رب تعالیٰ نے ان کے درمیان ہوا بھیجی جس سے سب جدا ہو گئے زمین اپنی جگہ پڑی رہی اور آسمانوں کو سات عدد بنا کر بلندیوں پر قائم کر دیا گیا اس قول سے یہ بھی ثابت ہوا کہ زمین پہلے پیدا ہوئی آسمان بعد میں۔ چوتھا قول یہ کہ آسمان اور زمین کا رتق ہے مخلوق کا سو جانا خاص کر انسانوں کا کیونکہ انہی کو سنایا جا رہا ہے اور جاگ اٹھنا فتق ہے۔ بندہ سوتا خود ہے مگر جگاتا رب تعالیٰ اپنے کرم سے ہے اسی لیے مسلمانوں کو جاگ کر یہ دعا پڑھنے کا حکم ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ۔ پنجم یہ کہ آسمان وزمین کا ایک ایک ہونا رتق ہے اور سات سات ہونا فتق ہے ششم یہ کہ عدم ہونا رتق ہے۔ عدم سے وجود میں نیست سے ہست میں لَمْ یَکُنْ شَیْئًا

marfat.com

تدرّجاً سے یکُن میں سے آنا اور پیدا کر دینا فتق ہے یعنی یہ آسمان اور زمین پہلے نہ تھے پھر ہم نے ہی آسمانوں کو اوپر بلندیوں میں اور زمین کو نیچے پیدا فرما دیا یہ چھ اقوال ہیں مگر طرز بیان کے اعتبار سے پہلا اور دوسرا قول درست ہے اس لیے کہ فرمایا جا رہا ہے اَوَلَمْ یَرَ. کیا کفار نے یہ مشاہدہ نہ کیا. اور مشاہدہ تو صرف دو ہی چیزوں کا ہوتا ہے ۱ قحط و بہار کا ۲ یا رات و دن کا سونے جاگنے کا لیکن آسمان زمین کا بست و ہست ہونا. یا بست و کشادہ ہونا. یا جڑے ہونا پھر کھلنا جدا ہونا یا ایک ہونا پھر سات بنا یہ چیز بھی انسان کو نظر نہ آئی اور اَوَلَمْ یَرَ کے خلاف ہے. ان مفسرین قائلین نے اس کا جواب یہ دیا ہے اَوَلَمْ یَرَ کا معنی اَوَلَمْ یَعْلَمْ. یعنی کیا ان کفار مکہ نے توریت زبور انجیل پڑھنے والے یہود و نصاریٰ سے سن کر نہ جانا اور خود یہود و نصاریٰ نے پڑھ کر نہ جانا. اسلام دشمنی میں آج تو یہ بت پرست بھی عیسائیوں یہودیوں کے دوست بنے ہوئے ہیں. ان سے سنکر کیا یہ نہ جان لیا کہ یہ سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ پہلے کیا تھے پھر قدرتوں طاقتوں والے الٰہ واحد نے ان کو کیا بنا دیا. مگر یہ جواب دو وجہ سے کمزور ہے اولاً اس لیے کہ یَرَ کا ترجمہ بلاوجہ تبدیل کرنا پڑتا ہے. اپنے قول کو بچانے کے لیے کسی مفسر نے اَوَلَمْ یَرَ کا معنی اَوَلَمْ یَعْلَمْ. کسی نے اَوَلَمْ یَسْمَعْ کسی نے اَوَلَمْ یَتَفَکَّرْ کسی نے اَوَلَمْ یَسْتَقِرْ کے تاویلی معنی بنا ڈالے. ثانیاً اس لیے کہ آگے ارشاد ہو رہا ہے وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ یہاں مَاءٍ سے بارش ہی کا اشارہ مل رہا ہے اَنْ تَمِیْدَ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ اصل میں ہے کَرَاھَۃَ اَنْ تَمِیْدَ ۲ اور بعض نے کہا یہ اصل میں ہے لِئَلَّا تَمِیْدَ. لام اور لا کو تخفیف کے لیے حذف کر دیا کان کے حذف سے دو قول ہیں صیغے میں مشابہت یا ملابست کا کوئی اندیشہ نہ تھا. فِیْھَا کی ضمیر ھَا میں دو قول ہیں ۱ اس کا مرجع پہاڑ (رواسی)، یہی درست ہے ۲ اس کا مرجع ارض ہے لَعَلَّھُمْ میں دو قول ہیں ۱ تاکہ عقلی و قلبی ہدایت پائیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی ۲ تاکہ حسّی و طبعی ہدایت آنے جانے کے سفر کی دیگر شہروں کی طرف باسہولت یہ دونوں قول درست ہیں وَجَعَلْنَا فِیْھَا فِجَاجًا سُبُلًا. میں دو قول ہیں ۱ خلقت جبال کے وقت ہی ان میں کھلے راستے بنا دیئے گئے تھے. ان کی دلیل فِجَاجًا کو مقدم کرتے ہیں. موئی ۲ یہ راستے طوفانِ نوح کے بعد بنائے گئے (بروایت ابن عمر) مَحْفُوْظًا میں تین قول ہیں ۱ محفوظ اپنے معنیٰ میں ہے یعنی شیاطین سے حفاظت ۲ محفوظ بمعنیٰ ممسوک یعنی روکا ہوا ۳ محفوظ بمعنیٰ مضبوط. حفاظتِ سَمٰوٰت کے ذرائع میں دو قول ہیں ۱ بذریعہ ملائکہ ابلیسوں سے حفاظت ۲ بذریعہ شہاب ثاقب حفاظت.

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں. پہلا فائدہ. فلکیات میں تمام آسمان بھی

marfat.com

ایک جگہ ٹھہرے ہوئے ساکن ہیں اور پوری زمین بھی نہ آسمان سیارہ ہیں نہ زمین دونوں میں سے کوئی بھی ذرہ بھر کبھی بھی اپنی جگہ سے ہل جائیں یا تھرا جائیں تو ٹوٹ پھوٹ کا فساد برپا ہو جائے یہ فائدہ رَوَاسِیَ اور سَقْفًا مَّحْفُوْظًا کے تشبیہی و تخلیقی ارشاد سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ہوا و زمین و آسمان کے کسی اور کرّے میں کبھی کوئی جاندار مخلوق آباد یا مقیم نہ ہوئی نہ اب ہے نہ کبھی ہو سکتا ہے یہ فائدہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ (الخ) اور اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ اور وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا کے بعد لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ رہائش کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں ۱ پانی کا وجود ۲ اُس کرّے کا ایک جگہ ساکن اور ٹھہرا ہوا ہونا ۳ کھلے راستے اور ہوا دار گلیاں سڑکیں چلنے پھرنے کی آسان رہنمائی ان کے بغیر جاندار اشیا زندہ نہیں رہ سکتی یہ تینوں چیزیں صرف زمین و آسمان میں ہیں نہ کہ کسی دوسرے کرّے میں اگر زمین کے سکون کی بھی نفی کر دی جائے تو یہاں بھی جاندار مخلوق کا ٹھہرنا ناممکن ہو جائے نیز اگر سیّاروں میں ٹھہرنا زندگی بسر کرنا ممکن ہوتا تو اب بھی کسی دوسرے سیارے شمس و قمر مریخ زہرہ زحل عطارد مشتری میں بھی یہ چہل پہل موجود ہوتی مگر نہیں پس ثابت ہوا کہ کسی سیارے میں یہ مخلوق رہ سکتی ہی نہیں نہ ایک منٹ کے لیے ٹھہر سکتی ہے اس لیے سائنس دانوں کا یہ کہنا کہ فلاں خلائی راکٹ فلاں سیارے میں پہنچ گیا اور کسی مخلوق کے قدموں کے نشان دیکھے گئے بالکل جھوٹ ہے اسی طرح سائنسدانوں کے وہ تمام نظریات جو زمین اور سیاروں کے متعلق ہیں غلط ہیں اپنی دیوانگی غلط نظری میں بنائے پھرتے ہیں۔ سائنسدان آسمان کے تو وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ نیز کہتے ہیں کہ اربوں کروڑوں سال پہلے وہاں مخلوق آباد تھی یہ بھی کذب بیانی ہے میں کہتا ہوں کہ اتنے عرصے کے نشانات قدم اب تک قائم کیسے رہے اور کس قسم کے نشانات تھے ہاتھی گھوڑے کے یا انسانی قدم کے یا کسی اینٹ پتھر گرنے کے پھر یہ سالوں کا اندازہ کس طرح ہوا۔ اور پھر اب کیوں موجود نہیں سچ ہے کہ انسان اپنی دیوانگی میں نہ جانے کیا کچھ بولتا چلا جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ صرف زمین پر ہی پہاڑ ہیں اور پہاڑوں سے پانی یعنی چشمے چشموں سے دریا دریاؤں سے نہریں ندی نالے اور پانی سے ہوا یعنی دھواں بھاپ بخارات پھر اُن سے بادل اور پانی و ہوا سے انسانی حیوانی زندگی دوسرے کسی سیارے پر کوئی خشک یا سرسبز پہاڑ نہیں۔ یہ فائدہ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ زمین کو ٹھہرانے کے لیے پہاڑ بنائے گئے دیگر سیاروں میں جب پہاڑ نہیں تو پانی نہیں تو ہوا نہیں۔ یہ اشیا نہیں تو زندگی نہیں۔ زندگی کے لیے پہاڑ پانی ہوا اور ساکن ہونا ضروری ہے۔

احکامُ القرآن | ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ کسی بھی علم و

marfat.com

خاص مرد و عورت مسلمان کو جائز نہیں کہ بلا غور و تدبر اندھا بن کر کسی جاہل پاگل سائنسدان کی تقلید کرتے ہوئے اُس کے باطل و بیہودہ نظریات پر ایمان لائے۔ زمین و آسمان اور فلکیاتی سیّاروں کے بارے میں سائنسدانوں کے تمام نظریات محض فرضی اور لغو ہیں حقیقت کے خلاف ہیں۔ حقیقتاً نہ آسمان گردش میں ہے نہ زمین بلکہ دونوں ایک جگہ ساکن و قائم ہیں عقلاً نقلاً۔ آیتاً روایتاً اور سابقہ کتب آسمانیہ میں اس کے بے شمار دلائل ہیں۔ ہم نے اپنے فتاویٰ العطایا جلد دوم اور سوم میں تقریباً بائیس آیتوں اور چودہ عقلی دلائل سے نہایت حتمی و یقینی طریقے پر ثابت کر دیا ہے کہ زمین ایک جگہ ٹھیری ہوئی ہے بائبل میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔ یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ وَقُوْعٌ کا معنیٰ ہے گرنا اور زَوَالٌ کا معنی ہے سرکنا آگے بڑھنا اور مَسْکٌ کا معنی ہے رکنا، ٹھہرنا۔ اِمْسَاکٌ کا معنیٰ ہے روکنا بڑھنے نہ دینا۔ گرتی وہ ہے جو اونچی ہو رب تعالیٰ نے قرآن مجید میں بتایا ہے کہ آسمان اور زمین کو روک رکھا ہوا ہے۔ آسمان کا ذکر دو بار آیا ایک بار علیحدہ ایک بار زمین کے ساتھ علیحدہ فرمایا گیا۔ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ سورۂ حج آیت ۶۵ یعنی اللہ تعالیٰ نے آسمان کو زمین پر گرنے سے روکا ہوا ہے یہاں عَلَى الْاَرْضِ کا ذکر بتا رہا ہے کہ زمین ساکن ہے ورنہ فرمایا جاتا کہ اَنْ تَقَعَ عَلَى السَّيَّارَاتِ۔ دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا۔ (سورۃ فاطر آیت ۴۱) ان دونوں آیتوں میں تین طرح فرق ہے پہلی سَمَآءٌ واحد یہاں سمٰوات جمع ۲ پہلی میں اَرْضٌ نہیں یہاں ہے ۳ پہلی میں اَنْ تَقَعَ ہے یہاں اَنْ تَزُوْلَا ہے۔ یعنی وہاں گرنے سے روکنا ہے یہاں چلنے سے روکنا۔ کہ آسمان نہ چلتے ہیں نہ گرتے مگر زمین گری پڑی تو پہلے ہی ہے اس کو سرکنے سے روکا گیا۔ اگر زمین و آسمان بھی سیارہ ہوتے تو اَنْ تَقَعَ میں اُس کا بھی ذکر ہوتا اور اَنْ تَزُوْلَا والی آیت بالکل نہ ہوتی یہ مسئلہ لَعَلَّهُمْ کی ایک تفسیر سے اور جَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ کے بعد وَهُمْ عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ فرمانے سے مستنبط کہ مومن و کافر کی نشانی بیان فرمائی گئی کہ مومن اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے ہدایت لیتے ہیں اور لیتے رہیں گے کسی پاگل جاہل کی بات نہ مانیں لیکن کفار آیتوں حدیثوں سے منہ پھیرتے ہیں سائنسدانوں دیوانوں کی مانتے ہیں مسلمانوں کو فرمایا جا رہا ہے تم آیتوں کو چھوڑ کر گمراہ نہ بنو۔ کیونکہ فلکیات میں قدیم و جدید فلاسفہ کے نظریات فرضی اور غلط ہیں۔ دوسرا مسئلہ۔ فلکیات و ارضیات کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے تاکہ قرآن و حدیث کی سچی ہدایت ملے یہ مسئلہ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کی دوسری تفسیر سے مستنبط ہوا کہ زمین کے جغرافیائی اور سمٰوات کے کواکبی و تخلیقی بیان کے بعد ہدایت و علم حاصل کرنے کا ذکر ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو ہر قسم کے طیب و طاہر پانی کی

marfat.com

قدر کرنی چاہئے اور قدر کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر شکر کرتے ہوئے ان نعمتوں میں فکرو تدبر کریں۔ بے جا اسراف فضول خرچی بھی ناشکری ناقدری ہے۔ یہ مسئلہ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ (الخ) کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا جس میں بتایا گیا کہ پانی اتنی عظیم نعمت ہے جس کا ہر جاندار محتاج ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَوَلَمْ یَرَ۔ کیا کفار نے نہ دیکھا، یہاں رویت بمعنیٰ علم کرنا بھی غلط یعنی دیکھنا کرنا بھی غلط کیونکہ خلقتِ سموات وَالْاَرْض کے وقت کوئی انسان تھا ہی نہیں تو کون دیکھتا۔ اور علم کتب سے پڑھ کر یا کسی سے سن کر آتا ہے مگر کفارِ مکہ تو کسی کتابِ الٰہی توریت زبور انجیل کو مانتے ہی نہیں تو یہ خطاب ان کو کیوں ہوا جواب۔ تفسیر عالمانہ میں اس کے بارے میں مفسرین کے چند قول نقل کئے گئے لیکن سب سے درست قول یہ ہے کہ رتق سے مراد خشک سالی اور قحط سالی ہے اور فتق سے مراد ان کا دور ہونا ہے اور یہ سب کو نظر آتا ہے۔ لہٰذا اعتراض ختم ہوگیا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا۔ یہ عبارت عربی نحو کے قواعد کے اعتبار سے غلط ہے یا تو کُنَّ رَتْقًا چاہئے تھا۔ یا کَانَتَا رَتْقَیْنِ ہونا چاہئے۔ کیونکہ سموات جمع کے اعتبار سے کُنَّ فعل جمع چاہیئے اور کَانَتَا تثنیہ کی مناسبت سے رَتْقَیْنِ چاہیئے۔ جواب۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ سموات اب جمع ہے لیکن جب رتق تھا تو اس وقت ایک ہی تھا اور جنساً دو چیزیں تھیں ایک آسمان ایک زمین اور چونکہ بالکل جڑی ہوئی تھیں اس لیے یہ حالت بیان کرنے کے لیے رَتْقًا واحد ارشاد ہوا۔ اس لیے ترکیبِ نحوی میں رَتْقًا کَانَتَا کے اسم کی حالیہ خبر ہے یعنی وہ دو چیزیں جو آپس میں جڑی ہوئی تھیں۔ اگر یہاں کُنَّ ارشاد ہوتا تو اس وقت کی یہ حالت معلوم نہ ہوتی اور اگر رَتْقَیْنِ ہوتا تو آپس میں جڑنا معلوم نہ ہوتا بلکہ پتہ لگتا کہ الگ الگ دونوں رتق تھے۔ جواب دوم یہ کہ سموات اگرچہ عدداً جمع ہے مگر جنساً واحد ہے یہاں جنسیت کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اور پہلے قول کی صورت میں مراد ہے پورا آسمان پوری زمین جب قحط وخشکی میں آجاتے ہیں تو رب تعالیٰ ہی ان کو کھولتا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ فَفَتَقْنٰهُمَا۔ کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے کہ ہم نے بارش وغیرہ سے کھول دیا آسمانوں کو یعنی بارش برسا دی گئی اس تفسیر کو زیادہ درست بھی قرار دیا گیا ہے مگر اس پر اعتراض یہ ہے کہ بارش تو بادل سے برستی ہے نہ کہ آسمان سے یا زیادہ سے زیادہ ایک آسمان سے ہوسکتی ہے مگر آیت میں سموات جمع ہے تمام آسمانوں سے تو بارش نہیں آتی یہ تفسیر کیونکر درست ہوئی۔ جواب۔ بعض نے یہ جواب دیا

marfat.com

کہ سمٰوات سے مراد سمتِ سمٰوات ہے یعنی آسمانوں کی طرف سے بادل برستا ہے مگر یہ جواب کمزور ہے جوابِ دوم یہ کہ اگرچہ بارش بادل سے برستی ہے مگر اس میں اثرات مختلف موسمی ستاروں سے ہوتے ہیں اور ستارے مختلف آسمانوں میں لہٰذا بارش اور دیگر انعاماتِ الٰہیہ کے بندوں تک پہنچنے میں سب آسمانوں کا دخل ہے۔ جوابِ سوم یہ کہ بارشیں وغیرہ ملائکہ لے کر آتے ہیں جو مختلف آسمانوں میں ہیں فلاسفۂ قدیم نے لکھا ہے کہ دنیا کی مختلف نعمتوں کا زمین پر آنا آسمانوں کی ذاتی تاثیرات کی وجہ سے ہے بہرحال کچھ بھی ہو سب کچھ میرے رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے جب چاہے کھولدے جب چاہے بند فرما دے۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ۔ یعنی ہر چیز کو پانی سے پیدا کیا۔ بعض نے یہ ترجمہ کیا کہ ہر چیز پانی کے ذریعے اور پانی کی وجہ سے زندہ موجود ہے۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ ہر چیز پانی سے پیدا ہوئی اور نہ ہر چیز پانی کی وجہ سے زندہ اگر پانی سے نطفہ مراد لیا جائے تب بھی غلط کیونکہ ہر چیز نطفے سے نہیں بنی۔ ملائکہ۔ جنات اور خود آدم علیہ السلام، حضرت حوا پانی یعنی نطفے سے نہ بنائے گئے اسی طرح ریت پتھر پہاڑ۔ حور و غلمان پانی سے نہ بنائے گئے۔ نہ ہر چیز پانی سے زندہ مثلاً پتھر جمادات وغیرہ جواب۔ اس کے بھی دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں خلقتِ اول کا ذکر ہے کہ ہر چیز پانی سے بنی۔ زمین آسمان ملائکہ جنات اس طرح کہ پانی کے جھاگ سے زمین اُس کے بخارات سے سمٰوات پانی سے نطفہ اور نطفے سے تمام حشرات حیوانات، پانی سے شجرات، شجرات سے نار اور نار سے جنات پانی سے ہوا اور ہوا سے نور اور نور سے ملائکہ وغیرہ وغیرہ (تفسیر روح البیان) پانی سے سفید پوڈر اور پوڈر سے پتھر کنکر اور پتھروں سے ریت یہ تو عام مشاہدہ بھی ہے اور تجربہ بھی۔ جوابِ دوم یہ کہ یہ خطاب کفار سے ہے اس لیے حَيٍّ سے وہی اشیا مراد ہیں جن کو یہ لوگ دیکھ سکتے ہیں كُلَّ شَيْءٍ سے وہ چیزیں مراد نہیں ہیں جن کو یہ لوگ دیکھ نہیں سکتے اس لیے آدم و حوا ملائکہ وغیرہ مراد نہیں۔ اعتراض کی دوسری شق آیت کی طرزِ بیانی سے ثابت ہی نہیں اس لیے وہ اعتراض یہاں غلط ہے۔ اگر یہاں كُلَّ شَيْءٍ حَيًّا (زبر سے)، ہوتا تب دوسری شق درست ہوتی لیکن پھر پہلی شق غلط ہو جاتی۔ پانچواں اعتراض۔ یہ کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ فِجَاجًا سُبُلًا۔ (سورت نوح کی آیت ۲۰ میں فرمایا گیا سُبُلًا فِجَاجًا۔ جواب یہاں فِجَاجًا سُبُلًا میں فِجَاجًا کو حالِ مقدم بنایا گیا ہے اور بتایا یہ جا رہا ہے کہ جب سے پہاڑ ہیں تب سے راستے اور اُسی وقت سے کُھلے کُھلے ہیں بعد میں کھلے نہ کئے گئے۔ اور وہاں سُبُلًا فِجَاجًا میں فِجَاجًا صفت ہے۔ یعنی ایسے راستے جو بہت کُھلے فراخ ہیں چلنا آسان ہے

marfat.com

گویا کہ یہاں راستوں کی مدتِ عمر بتائی اور وہاں راستوں کی کیفیتِ شان بتائی گئی ہے اسی لیے وہاں ارشاد ہے لِتَسْلُكُوا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًا۔ یعنی چلنے کے لیے کھلے۔

تفسیر صوفیانہ

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُونَ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ مخلوق میں سب سے پہلے جوہرِ نور بشکل ستون پیدا فرمایا گیا اُس پر محبتِ الٰہی کا ورود ہوا جس کی گدازی سے وہ جوہر رحمت کا پانی بنا یا گیا اس آبِ رحمت کے کنارۂ اول سے ملائکہ تخلیق فرمائے گئے جانبِ یمین سے اَرواحِ مومنین اولیا علما پیدا ہوئیں جانبِ وسطی یعنی صدرِ قلبی سے اَرواحِ انبیا علیہم السلام (از آدم تا عیسٰی) تخلیق ہوئیں جانبِ یسار سے ارواحِ کفار پیدا کی گئیں یہ تخلیقات آسمانوں اور زمین کی خِلقت سے دو لاکھ سال قبل پیدا کی گئیں ایک روایت میں ہے چار ہزار سال پہلے۔ آسمانوں اور زمین کی خِلقت اَرواح کے سامنے مشاہدے میں ہوئی۔ آبِ رحمت کے جانبِ اسفل سے حیوانات حشرات دواب کی ارواح پیدا کی گئیں، یہ مشاہدہ روحانی تھا نہ کہ جسمانی اس لیے مَا اَشْهَدْتُّهُمْ کے خلاف نہیں، یہ مشاہدہ ہر انسان کی عقلِ روحانی تحتِ شعوری میں محفوظ رہتا ہے تا ابد۔ مگر کفر اور فسق کی وجہ سے ظلمت کے پردوں میں چھپ جاتا ہے اس لیے عام انسان و کفار اس شعورِ فطرت سے بے خبر رہتے ہیں ہاں البتہ مومن کے ایمان کے تپش ریاضت کی رگڑ عبادت کی چمک سے وہ پردے مٹ جاتے ہیں تو بندہ عارف پکار اٹھتا ہے کہ قَالُوا بَلٰى تے کل دی گل اسی پہلا ہی پریت لگا بیٹھے۔ ان آیت میں اسی شعور مدفونہ روحانیہ کی طرف متوجہ فرمایا جا رہا ہے کہ اِن کافرانِ ازلی نے اپنے شعورِ فطری سے اُس وقت کا مشاہدہ اقرار نہ کیا تھا جب آسمانِ انوار ارضیاتِ نار۔ صدیق و زندیق نیک و بد اعمال اَدنیٰ کَانَتَا رَتْقًا سب قسم کے لوگ مخلوط تھے فَفَتَقْنٰهُمَا پس ایمان کی ہواؤں سے اعمال کی فضاؤں میں ہم نے دونوں کو جدا کر دیا آسمانِ انوار کو اَسرار کی بلندیوں پر زمینِ عجز و نیاز کو مراقبۂ خلوت کی پستیوں میں قائم کر دیا تاکہ قلوبِ عارفین کی ارضِ مقدس میں ذکرِ الٰہی کی نباتات کے باغات لگیں اور عقل سالکین کے سموات سے اعمالِ صالحات کی بارشیں نازل ہوں ان ہی پانیوں سے ہم نے کائناتِ عرفانی کی ہر چیز زندہ کر دی۔ تو یہ کفر کے سُفَہا اور فسق کے حُمقا اس مشاہدۂ ازلیہ روحانیہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے تاکہ رویہ مشاہدہ سے جمال صانع تعالٰی کا ایقانِ عقلی اور دیدارِ قلبی حاصل ہو۔ حکایت۔ ایک مرتبہ آقاءِ کائنات حضور اقدس اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ علی شیرِ خدا کو اپنا لعابِ مبارک چٹا دیا تو آپ پر ساری کائنات روشن ہو گئی اور آپ نے ایک محفل میں فرمایا۔ پوچھ لو

marfat.com

آج مجھ سے جو چاہو ازل سے ابد تک توریت، انجیل تک۔ ایک یمنی نے عرض کیا میں کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا سمجھنے کے لیے پوچھ سکتا ہے طعن و تشنیع اور بحث کے لیے نہیں۔ اُس نے عرض کیا۔ کیا آپ نے رب کو دیکھا ہے، فرمایا جب عبادت میں ہوتا ہوں تو رب تعالیٰ کو عیونِ قلبی سے دیکھتا ہوں۔ کیونکہ اُس جمالِ یار کو رویۃِ اعیان سے آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ حقیقۃً ایمان سے صرف قلب دیکھتا ہے اگر بندے اُس کو دیکھنا چاہتے ہیں تو۔ اَفَلَا یُؤْمِنُوْنَ۔ اس حقیقت صادقہ پر ایمان کیوں نہیں لاتے کہ میرا رب تعالیٰ واحد ہے شریک کوئی نہیں احد ہے ثانی کوئی نہیں فرد ہے مثل کوئی نہیں صمد ہے کفو کوئی نہیں۔ نہ اُس کو گھیرے کوئی مکان نہ اُس کو پائے کوئی زمان نہ جانا جائے حواس سے نہ پرکھا جائے قیاس سے۔ وہی رَبُّ الْاَرْبَابِ ہے وہی مسببُ الْاَسباب ہے خالقِ جبال و ارضیات ہے اُسی کا فرمان ہے کہ وَجَعَلْنَا فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ اَنْ تَمِیْدَ بِهِمْ وَجَعَلْنَا فِیْهَا فِجَاجًا سُبُلًا لَّعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ وَجَعَلْنَا السَّمَآءَ سَقْفًا مَّحْفُوْظًا وَّهُمْ عَنْ اٰیٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ اور بنا دئے ہم نے زمینِ بشری میں اولیاءِ کاملین کے رَوَاسِی جوارض باطنی کے رَوَاسِی اَوْتَاد ہیں اور ارضِ ظاہری کے جبالِ اقطاب تاکہ یہ زمینِ بشری قَائِمُ اللَّیْلِ وَصَائِمُ الدَّهْرِ سالکینِ معرفت کو ہٹا نہ لے جائے ان کے بابرکت قیام وجود سے عالم میں انوار کی بارشیں چمنِ بہاری کی لطفتیں رزق کی نعمتیں اور تمام زمین کا قیام وسکون ہے (از تفسیر روح البیان) حدیث پاک میں ہے کہ جب سے دنیا قائم ہوئی ہے اُس وقت سے تا قیامِ قیامت زمین پر ستر ابدالِ زمین ہیں اپنے وقت کے صاحب شریعت رسول کے امتی ہو کر جن میں سے چالیس ابدال ملکِ شام میں جہاں تختِ محشر قائم ہوگا اور تیس ابدال زمین کے تنیس کونوں پر۔ اگر کہیں سے ایک ابدال فوت ہو جائے تو اُس کی جگہ فوراً کسی اور کو مقرر کر دیا جاتا ہے اُن رواسیِ زمینِ بشری میں ہم نے ہی کھلے راستے قائم فرمائے ہیں۔ جسم انسانی زمین ہے ایمانیات رواسی ہیں شریعت و طریقت فِجَاجًا سُبُلًا ہیں معرفت لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ہے قرآن و حدیث سقف محفوظ ہے صوفیاء فرماتے ہیں کہ ابدالین زمین کی گیارہ اخلاقی عادات حمیدہ سالکین معرفت کے لیے فجاجًا سبلًا ہیں (۱) سینوں میں سلامت (۲) مال میں سخاوت (۳) زبان میں صداقت (۴) عقل میں تواضع (۵) قلب میں شجاعت (۶) شدائد میں صبر (۷) خلوت میں گریہ زاری (۸) مخلوق سے نصیحت (۹) مومنین کے لیے رقت (۱۰) اشیاءِ عالم میں تفکر (۱۱) حالات سے عبرت ہر جبلِ طریقت میں گیارہ خزانے بنائے گئے ہیں (۱) صدیقی صداقت کا (۲) فاروقی عدالت کا (۳) عثمانی سخاوت کا (۴) حیدری شجاعت کا (۵) ابن مسعودؓ کی فقاہت کا (۶) حنفی اصول کا (۷) مالکی فروع کا (۸) شافعی تشخیص کا

marfat.com

۹ حنبلی تلخیص کا ۱۰ امام یوسف کی تحقیق کا ۱۱ امام محمد کی تائید کا۔ بشریت کے ان پہاڑوں میں نور کی گیارہ چوٹیاں ہیں ۱ حسنیت کی خلافت ۲ حسینیت کی شہادت ۳ امام عابدین کی گریۂ غم ۴ امام اصغر کی معصومیت ۵ امام اکبر کی شبابیت ۶ امام موسیٰ کی عبادت ۷ امام رضا کی ریاضت ۸ امام باقر کی ولایت ۹ امام تقی کی فراست ۱۰ امام نقی کی حلاوت ۱۱ امام جعفر کی امامت، ان گیارہویں کو محافلِ سالکیت میں اس لیے سجایا گیا کہ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُونَ۔ تاکہ قادریت کے ذکرِ قلبی نقشبندیت کے ذکرِ فکری، چشتیت کے ذکرِ جہری، سہروردیت کے ذکرِ سری کی ہدایتیں سب مسافرانِ راہ سلوک حاصل کر سکیں۔ اور خدا کے فضل سے سب پر ہو سایہ غوث اعظم کا۔ یہ سب کارخانہ ذوالجلال ہے اسی خالقِ ارض و سما نے بنایا ہے عقولِ علما اور قلوبِ اولیا کے آسمان کو زمینِ بندگی کے لیے محفوظ چھت۔ عارفین کے قلب محفوظ ہیں وساوسِ شیطانی سے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی کہ ہر وضو کے بعد تین مرتبہ یہ دعا پڑھنی چاہیئے۔ اَللّٰهُمَّ اعْمُرْ قَلْبِيْ مِنْ وَظَائِفِ ذِكْرِكَ وَاطْرُدْ عَنِّيْ وَسَاوِسَ الشَّيْطٰنِ۔ قلوبِ عارفین آیتِ الٰہیہ کے چمکتے ذرے ہیں جو معرفت کی چوٹیوں پر جگمگا رہے ہیں اور نفوسِ قدسیہ سے شیطانوں کو بھگا رہے ہیں غافلین کو جگا رہے۔ فاسقین کو بلا رہے ہیں۔ بس ان ہی درسگاہوں خانقاہ کی شاگردیوں بیعتوں کے دامنِ فِجَاجًا سُبُلًا میں علمیتِ شریعت اور عارفیتِ طریقت ہے۔ لیکن اہلِ دنیا عَنْ اٰيٰتِهَا مُعْرِضُوْنَ۔ ان تجلیاتِ حقیقیہ اور مراقباتِ ذوقیہ کی آیتِ نورانیہ سے منہ پھرانے والے ہیں اس لیے کہ نہیں پہچانتے شریعت کی قدر کو حکمت کے مقام کو منکر ہیں فضائلِ علما سے اور مدارجِ فقہا سے ناواقف ہیں حالاتِ صوفیا سے۔ یہ اہل دنیا چلتے ہیں تو عقلِ خشک کے راستے پر دیکھتے ہیں تو نقل کی مصنوعی آنکھ سے۔ حالانکہ عقل کا قدم صرف معقولات ہی میں ہی ہے۔ لیکن مکاشفاتِ الٰہیہ کی ہدایت اہل اللہ کی محافلِ سمٰوٰتِ وَالْاَرْض کے وسیع میدانوں میں ہے۔ کیونکہ وہی فجاجِ صحیحہ اور سُبُلِ مستقیم کے مرشد ہیں۔ ان ہی علماء کے علوم نسخ و تبدیلی سے محفوظ ہیں۔ پس عاقل پر واجب ہے کہ غافل سے بچے۔ ھَوٰی سے ہٹے ھُدٰی میں آئے اور اس وقتِ سقفِ محفوظ کے دامن میں پناہ لے جو عقل و نقل کشف و اسرار کے راستوں سے واقف ہو اور جمیع حالات میں اہل مشاہدات و تجربات کے فجاجًا سُبُلًا پر چلائے۔ مگر چلنے والے کو چار ہدایتیں اور چار اعراض چاہئیں تاکہ مرید باصفا کو لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ کی سعادت اور مُعْرِضُوْنَ کا تقویٰ حاصل ہو۔ عافیت پر شکر ہر وقت مصیبت پر صبر۔ عاقبت پر فکر نعمت پر ذکر یہ چار ہدایتیں ہیں۔ ۱ غرور سے نفرت بدخلقی سے کدورت بُروں سے عداوت فاسقوں کی گراوٹ

آرام کی برداشت مصائب پر صبر وتحمل سے بہتر ہے۔ اور ہر حالت میں اعتدال مومن کا خزانہ ہے
وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَ

اور وہ اللہ وہی ہے جس نے پیدا فرمایا رات اور دن اور سورج اور

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور

الْقَمَرَ ؕ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَمَا جَعَلْنَا

چاند کو ہر ایک ستارے ایک فلک میں تیر رہے ہیں۔ اور نہ بنایا ہم نے

چاند ہر ایک۔ ایک گھیرے میں پیر رہا ہے۔ اور ہم نے تم سے پہلے

لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ ؕ اَفَاۡىِٕنْ مِّتَّ فَهُمُ

کسی انسان کے لیے آپ سے پہلے ہمیشہ رہنا۔ کیا پس اگر آپ نے وفات پائی بھلا یہ

کسی آدمی کے لیے دنیا میں ہمیشگی نہ بنائی تو کیا اگر تم انتقال فرماؤ

الْخٰلِدُوْنَ ﴿۳۴﴾ كُلُّ نَفْسٍ ذَآىِٕقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَ

رہ جانے والے ہیں۔ ہر جاندار ہی موت کو چکھنے والا ہے۔ ہاں ہم

تو یہ ہمیشہ رہیں گے۔ ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور ہم

نَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً ؕ وَاِلَیْنَا

آزماتے ہیں تم کو سختی اور نرمی سے پورا آزمانا اور ہماری طرف ہی تم سب

تمہاری آزمائش کرتے ہیں برائی اور بھلائی سے جانچنے کو اور ہماری ہی طرف

marfat.com

تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۵﴾ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ

لوٹائے جاؤ گے ۔ اور جب بھی دیکھا آپ کو اُن لوگوں نے جو کافر ہوئے نہیں بنایا

تمہیں لوٹ کر آنا ہے۔ اور جب کافر تمہیں دیکھتے ہیں تو تمہیں نہیں ٹھہراتے

يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ۭ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ

انہوں نے آپ کو مگر مذاق ہی کہ کیا یہ وہ جو ذکر کرتا رہتا ہے

مگر ٹھٹھا ۔ کیا یہ ہیں وہ جو تمہارے

اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۶﴾

تمہارے معبودوں کا۔ حالانکہ یہ کافر تو رحمٰن کے ذکر کے ہی منکر ہیں۔

خداؤں کو برا کہتے ہیں اور وہ رحمٰن ہی کی یاد سے منکر ہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں زمین کی پیدائش اور اُس کو ایک جگہ ٹھہرانے کا اور اُن میں عقل انتہا کا ذکر فرمایا گیا اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ نے رات و دن پیدا فرمائے تاکہ تم کو سکون و راحت ملے یہ ہی انتہا ہیں یعنی زمین کا ایک جگہ ساکن ہونا بھی تمہارے آرام و سکون کے لیے ہے اور زمین کے دن رات بھی تم انسانوں ہی کے چین و راحت کے لیے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں زمین کے کُرۂ ارضی کے ساکن ہونے کا ذکر فرمایا گیا جو رہائش انسانی کے لیے بہت اشد ضروری تھا کیونکہ چلتی پھرتی چیز میں سکون کی مضبوط رہائش نہیں ہو سکتی اب ان آیت میں چلنے پھرنے والے کُرّوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو انسانی زندگی کے لیے اشد ضروری ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جہانِ دنیوی کی بناوٹ کا ذکر کیا گیا کہ ایسی زمین مضبوط بنائی گئی اور اس طرح پائیدار شاندار آسمان پیدا کئے گئے اب ان آیت میں جہانِ دنیا کی فنا کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں کسی کو ہمیشہ کی بقا نہیں ہر چیز نے خواہ وہ کتنی ہی مضبوط ہو فنا ہونا ہے۔ مرنا ہے۔ **شانِ نزول**۔ کفارِ مکہ جب بھی اسلام کی روزمرہ ترقی اور

marfat.com

اپنے ہر منصوبے کی بری طرح ناکامی سے سخت دل برداشتہ ہوتے تھے تو اپنی اور اپنے ساتھیوں کی جھوٹی تسلی کے لیے یہ کہا کرتے تھے کہ کچھ دن صبر کرو جب یہ محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) فوت ہو جائیں گے تو سب جھنجھٹ ختم ہو جائے گا نہ پھر اسلام رہے گا نہ مسلمان۔ تب ان کی تردید میں یہ آیت از ۳۴ تا ۳۵ نازل ہوئیں جس میں فرمایا گیا کہ وہ فوت ہو جائیں گے تو تم سدا کب زندہ رہنے والے ہو۔ (از خزائن و امام سیوطی) ۲۔ ایک دفعہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کہیں تشریف لے جا رہے تھے۔ راہ میں ابو جہل اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ کھڑا تھا وہ آپ کی طرف اشارہ کر کے ہنستے اور مذاق کرتے ہوئے کہنے لگا کہ دیکھو وہ ہیں عبد مناف کے نبی جو ہمارے بتوں کو برا کہتے ہیں لیکن مفسرین کے دو قول اور بھی ہیں ۱۔ بعض لوگوں کا خیال تھا کہ نبی کریم آخری اور خاتم النبیین ہیں اس لیے آپ کو وفات نہ آئے گی تاکہ آپ کی شریعت منسوخ نہ ہو اُن کی غلط فہمی دور کرنے کے لیے یہ آیت نازل ہوئی۔ تب یہ آیت ۳۶ نازل ہوئی۔ (از خزائن)

تفسیر نحوی

وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخَالِدُونَ۔ واؤ بیر جملہ هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع اللہ تعالیٰ الَّذِي اسم موصول واحد مذکر۔ بحالتِ رفع مبنیات میں سے ہے خَلَقَ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع الَّذِي ہے۔ اللَّيْلَ اسم مفرد جنسی معرف باللام بمعنیٰ رات اگر اس میں تِ تعظیمی لگا دی جائے تو بمعنیٰ سخت اندھیری رات یا لمبی رات مثلاً لَيْلَةٌ اس کی جمع ہے لَيَالِيْ۔ یا لَيَائِل اور أَلْيَال۔ بحالتِ نصب مفعول بہ ہے۔ واؤ عاطفہ النَّهَارَ اسم مفرد جنسی اس کی جمع مکسّر تکثیری أَنْهُر اور جمع مکسّر تقلیلی نُهُر اس کی جمع مؤنث ہے نَاهِرٌ اور نَهَارٌ۔ نُهُوْرٌ بروزنِ دُهُوْر بمعنیٰ بہت زیادہ روشن دن۔ واؤ عاطفہ الشَّمْسُ اسم معرفہ بمعنیٰ سورج اس کی جمع ہے شُمُوْسٌ اس کی تصغیر شُمَيْسَةٌ اس کی روشنی یعنی دھوپ کو شَمْسِيَّةٌ کہتے ہیں واؤ عاطفہ الْقَمَر۔ اسم مفرد جنسی یعنی پہلی تاریخ سے آخری تک جنسی نام ہے چاندنی کو قمراءُ کہتے ہیں لغوی ترجمہ ہے غالب آنا۔ چیخنا۔ غمناک آواز نکالنا بلا معاوضہ کسی چیز کو حاصل کرنا ان ہی معانی کے اعتبار سے بُلبُل کو قمری اور جوئے کو قمار کہتے ہیں یہ چاروں آپس میں معطوف علیہ معطوف مل کر مفعول بہ ہے خَلَقَ کا یہ سب فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا الَّذِي کا موصول صلہ مل کر خبر ہوئی هُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ كُلٌّ۔ اسم تاکیدی نکرہ۔ آخر کی تنوین عوضی ہے مضاف الیہ پوشیدہ کے بدلے میں مضاف الیہ کے حذف سے

marfat.com

اجتماعی کثرت کا فائدہ حاصل ہوا کہ مذکورہ دونوں کے علاوہ بھی باقی تمام کواکب آسمانی اگلے فعل کی حالت و کیفیت میں شامل ہو گئے۔ اور ترجمہ ہوا کہ تمام کواکب آسمانی فِیْ فَلَکٍ ہیں۔ اسی لیے صحیح قول میں یہاں مضاف الیہ وَاحِدٌ پوشیدہ اصل میں کُلُّ وَاحِدٍ تھا بمعنی ہر ایک فِیْ ظرفیہ مکانیہ فَلَکٌ اسم نکرہ غیر مختصہ (عموی) بمعنی گول دائرہ مراد ہے آسمان کا علاقہ (گھیرا) مدار۔ پانی کی بھنور کو بھی فلک ہی کہتے ہیں یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ یَسْبَحُوْنَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ لازم ہے سَبْحٌ سے مشتق ہے بمعنی تیرنا، سیر کرنا، تیز چلنا۔ چونکہ یہ فعل لازم ہے اور فعل کی نسبت کواکب کی طرف ہے اس لیے فاعلیت میں ذوی العقول کی مثل ہوئے لہٰذا فعل کا صیغہ اہلِ عقول کی طرح جمع مذکر آیا ھُمْ ضمیر پوشیدہ اِس کا فاعل ہے یہ فعل اور متعلق مقدم جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی کُلٌّ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول میں حال ہے اَلشَّمْسَ وَالْقَمَرَ کا۔ کُلٌّ کی اضافت میں تین قول ہیں ۱ کُلُّ وَاحِدٍ ہے اسی کو ترجیح ہے ۲ کُلُّھُمَا ہے ۳ کُلُّھُمْ ہے۔ واؤ پر جملہ کا جَعَلْنَا۔ باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق مثبت جمع متکلم جَعْلٌ سے مشتق ہے یہاں بمعنی قانون بنانا ہے لام جارہ نفع کا لِبَشَرٍ اسم مفرد بمعنی انسان موصوف ہے مِنْ حرفِ جر زائدہ قَبْلِکَ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے کائن تامہ پوشیدہ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہوئی بَشَرٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے مَا جَعَلْنَا کا۔ اَلْخُلْدُ اسم مصدر بمعنی ہمیشہ رہنا یہ مفعول ہے مَا جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اَفَ دراصل ہے فَاَ ف عاطفہ برائے تعلیق یعنی اگلے جملے شرطیہ کو پہلے جملے وَمَا جَعَلْنَا پر معلق کیا گیا، اس کو عطفِ تعلیقی کہتے ہیں۔ ا ہمزہ سوال انکاری کے لیے ہے۔ اِنْ حرفِ شرط مِتَّ باب ضَرَبَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مَیْتٌ سے مشتق ہے بمعنی فوت ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ واجب ہے کیونکہ جملہ جزائیہ اسمیہ ہے ھُمْ ضمیر مبتدا مرجع ہے کفارِ مکہ اَلْخٰلِدُوْنَ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ بمعنی کثرت یعنی وہ سب خَالِدُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب نَصَرَ خُلُوْدٌ سے مشتق ہے ھُمْ مبتدا کی خبر ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر جزا شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَۃُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ کُلُّ اسم تاکیدی کُلُّ مضاف ہے نَفْسٍ اسم مفرد مؤنث جامد بمعنی جاندار چیز حقیقی جان ہو جیسے حیوانات یا مجازی جان جیسے نباتات یا مراد ہے مخلوق یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ذَآئِقَۃُ۔ اسم فاعل واحد مؤنث باب نَصَرَ سے ہے ذَوْقٌ سے مشتق ہے بمعنی چکھنا محسوس کرنا۔ پا لینا۔ اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ ھِیَ ہے جس کا مرجع نَفْسٍ ہے وہ مؤنث ہے اس لیے یہ صیغہ مؤنث آیا یہ مضاف ہے اَلْمَوْتِ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی فنا انتقال ہلاکت وفات بحالتِ کسو

marfat.com

مفعول مضاف الیہ ہے ذَائِقَةُ فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ اسمیہ اضافیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ۔ نَبْلُوْ باب نَصَرَ کا مضارع جمع متکلم بَلْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آزمائش کرنا بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ۔ بِ جارہ سببیہ الف لام جنسی یا عہدِ ذہنی اَلْخَیْرِ اسم مفرد جامد دونوں اسم چار معنیٰ میں مشترک ہیں ۱۔ سختی نرمی ۲۔ بیماری تندرستی ۳۔ غریبی امیری ۴۔ اچھائی برائی یہاں پہلے معنیٰ میں ہے درمیان کا واؤ عاطفہ ہے یہ دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے نَبْلُوْ کا کُمْ ضمیر حاضر کا مرجع تمام انسان مفعول بہ ہے فِتْنَةً۔ اسم مصدر مفعول مطلق ہے نَبْلُوْ کا کیونکہ معنیٰ ہم جنس ہیں اگرچہ لفظاً جدا ہیں۔ ترجمہ دونوں کا ہے آزمانا فتنے کا لغوی معنیٰ ہے نکھارنا خالص کرنا جیسے کہ سونے کو پگھلا کر نکھارا جاتا ہے عن ابی امامہ نبی کریم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو مجرب و خالص کرتا ہے بلاؤ مصائب سے جیسے تم سونے کو خالص بناتے ہو آگ سے ایک قول میں یہ مفعول لہٗ ہے ایک قول میں کُمْ ضمیر کا حال ہے یا نَبْلُوْ کے فاعل ضمیر جمع متکلم کا حال ہے (روح المعانی) مگر پہلے قول کو ترجیح ہے نَبْلُوْ فعل اپنے فاعل مفعول بہ متعلق اور مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سرِ جملہ۔ اِلَیْنَا دراصل ہے اِلٰی حرفِ جر نا ضمیر جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ترجمہ ہے ہماری طرف (ہمارے پاس) تُرْجَعُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مجہول مثبت۔ جمع مذکر حاضر ایک قرأت میں ہے یُرْجَعُوْنَ جمع مذکر غائب مگر پہلی قرأت درست ہے یہ فعل با فاعلِ پوشیدہ ضمیر صیغہ اور اِلَیْنَا جار مجرور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ ۔ واؤ سرِ جملہ اِذَا حرفِ شرط۔ یہ ایسا حرفِ شرط ہے کہ اس کی کسی جزا میں فَ لانا ضرور نہیں باقی حروف شرط میں اگر کوئی دوسرا مانع نہ ہو تو فَ لانی واجب ہے۔ خیال رہے کہ فاءِ جزائیہ کی چار صورتیں ہیں کبھی جائز کبھی مستحب کبھی واجب کبھی ممنوع یہ جزا کو شرط سے اقتران یعنی ملانے کے لیے آتی ہے رَاٰ۔ باب فَتَحَ ماضی مطلق برائے استمرار بمعنیٰ جب بھی دیکھا۔ كَ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ ہے مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اَلَّذِیْنَ اسم موصول كَفَرُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر فاعل ہوا رَاٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی اِنْ حرف نفی یَتَّخِذُوْنَ باب افتعال کا فعل مضارع معروف مثبت جمع مذکر غائب اَخْذٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِتِّخَاذٌ دراصل تھا اِئْتِخَاذٌ۔ دوسری ہمزہ مادیہ اصلیہ کو تَ بنایا پھر تاءِ افتعال میں اِدغام (مشدّد) کر دیا ھُمْ پوشیدہ فاعل مرجع اَلَّذِیْنَ ہے كَ ضمیر مفعول بہ اِلَّا حرفِ متصل کیونکہ كَ ضمیر اس کا مستثنیٰ منہ مذکور ہے هُزُوًا۔ ایک قرأت میں هُزْوًا

marfat.com

جزم زال سے ہے دراصل ہے ھُزُءٌ ہمزہ کو واؤ سے بدلا گیا اسم حاصل مصدر جامد بمعنی مذاق۔ اَ ہمزہ استفہام استہزائیہ بیانیہ مابعد جملہ ماقبل ھُزُوًا کا بیان ہے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر مراد ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس یَذْکُرُ باب نَصَرَ مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ اٰلِهَةَ اسم جمع مکسر منصرف کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَذْکُرُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا دونوں مل کر مشار الیہ اسم اشارہ اپنے مشار الیہ سے مل کر بیان ہوا ھُزُوًا کا دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا ت ضمیر کا وہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَتَّخِذُوْنَ جمع کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی ۔ واؤ حالیہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے بِ جارہ ذِکْرِ اسم مفرد مصدر حامل جامد بمعنی نصیحت مراد ہے تذکرہ یا قرآن کریم یا دین اسلام مضاف ہے الرَّحْمٰنِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے دوسری ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب برائے تاکید مؤکد ہے پہلی ضمیر ھُمْ کا خیال رہے کہ جس طرح عامل و معمول میں فاصلہ جائز ہے اسی طرح تاکید مؤکد کے درمیان فاصلہ جائز ہے (روح المعانی) کٰفِرُوْنَ باب نَصَرَ کا اسم جمع مذکر ضمیر صیغہ اس کا فاعل یا اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی ھُمْ کی یہ مبتدا مؤکد اپنے مؤکد اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہوا کَفَرُوْا کے فاعل کا سب جملہ شرطیہ ہو گیا اپنی جزا سے مل کر۔

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ ۔ اور تمام جہانوں کا رب خالق مالک اور معبود صرف وہی ذات ہے جس نے تمام کائنات ارض پر پہلے رات کو پیدا فرمایا کہ یہ رات زمین کا ہی سایہ ہے اور بعد میں دن کو پیدا فرمایا اور دن کے لیے سورج کو رات کے لیے چاند کو پیدا فرمایا۔ اور یہ دونوں سورج اور چاند ہر ایک اپنے برجی دائرے علاقہ میں تیر رہے ہیں یعنی مسلسل تیز چل رہے ہیں۔ اس چلنے کو انسان کے تیرنے سے ذکر کیا گیا۔ اس لیے کہ انسان کا پانی میں تیرنا تسلسل اور تیزی کے ساتھ ہوتا ہے اور ایک سمت پر ہوتا ہے۔ بخلاف دریائی جانوروں مچھلی وغیرہ کے کہ وہ چونکہ پانی کے رہائشی ہوتے ہیں اس وجہ سے اُن کا پانی میں چلنا نہ تو مسلسل ہوتا ہے نہ ایک سمت میں لگاتار۔ یہ رہائشی زیادہ تر پانی میں سونے بیٹھنے یا شکار کرتے ہوئے مختلف سمتیں بدل بدل کر دوڑتے ہیں یَسْبَحُوْنَ۔ فرما کر چاند سورج اور دیگر کواکب سیارگان کا نقشہ و طریقہ سمجھایا گیا۔ فلک سے مراد فضاءِ آسمانی ہے نہ کہ آسمان۔ یَسْبَحُوْنَ کو جمع مذکر کے صیغے سے

marfat.com

سے ارشاد فرمانا انسان کے تیرنے سے مشابہت دینے کے لیے ہے ورنہ غیر ذوی العقول اشیاء کے لیے یہ صیغہ نہیں آتا۔ نہار سورج کی روشنی کو کہتے ہیں دھوپ نظر آئے نہ آئے سورج دن نکالنے والا سیارہ ہے۔ اس کے طلوع سے دن ہوتا ہے اس کے غروب سے رات اور اس کی کرنوں سے دھوپ سورج کے اور بھی بہت سے فوائد ہیں جو بے شمار ہیں چاند رات میں اپنی مدھم روشنی پھیلانے والا سیارہ ہے، اس کے وجود سے تاریکیاں اس کی کرنوں سے چاندنی اس کی چاندنی سے رات کی خوب صورتی ہے چونکہ چاند رات کو ظاہر ہوتا ہے اس لیے قمری تاریخ رات کے شروع ہونے سے بدلتی ہے۔ سَبَحَ کا حقیقی معنیٰ ہے پانی میں تیرنا مجازی معنیٰ ہوا میں اُڑنا ہے۔ عربی میں اُڑنے کے لیے طَیَرٌ کا لفظ ہے اور ہر تیرنے کے لیے اَعَوْ ہے۔ صرف پانی چلے تو اردو میں بہنا اور عربی میں سَیْلٌ یا سیلانٌ، فارسی میں سیلاب اگر پانی ساکن ہو اس میں کوئی چیز چلے تو اس کے لیے سَبَحَ کا لفظ ہے۔ اگر دونوں چلیں تو اُس کے لیے جَرْیٌ کا لفظ ہے۔ فلک کے بارے میں فلاسفۂ قدیم کے چند مختلف اقوال ہیں ۱ فلاسفۂ جدید یعنی سائنسدان تو آسمانوں اور ان کے فضائی علاقوں یعنی افلاک کا سرے سے انکار کرتے ہیں یہ اُن کا ایک کفر ہے ۲ بعض اسلامی فلاسفہ کہتے ہیں کہ فلک نام ہے آسمانی علاقہ کا۔ یہ ایک موجِ مکفوف کی طرف نرم اور برجی مدار ہے ہر سیارے کا مدار علیحدہ ہے اور سڑک یا لائن کی طرح اُس میں ہر سیارہ رب تعالیٰ کے مقرر و معیّن علاقہ میں بندھے اور مسخر غلام کی طرح دوڑتے پھر رہے ہیں یہ ہی قول و نظریہ درست ہے۔ آیاتِ قرآنیہ سے یہی ثابت ہوتا ہے ۳ فلک بذاتِ خود ایک ٹھوس کرہ ہے یہ کواکب اُس سے اِس طرح جڑے ہوئے ہیں جس طرح نگینہ انگوٹھی میں ۴ فلک ایک شفاف جسم ہے جو عالم پر محیط ہے ۵ فلک آسمان ہی کا دوسرا نام ہے ۶ فلک کشتی کی طرح ہے اس میں مسافر کواکب ہیں اسی وجہ سے اِس کا نام فلک یعنی کشتی ہے ۷ فلک ایک گول کرہ ہے خود چل رہا ہے اور اس میں کواکب بھی چل رہے ہیں ایک دوسرے کی مخالف سمت پر، کواکب تیز چلتے ہیں اس لیے ان کے چلنے کو سَبَحَ کہا گیا۔ فلک کی جمع افلاک ہے ۸ فلک خود ساکن ہے لیکن اِس کے اندر ساتھ ملے ہوئے کواکب چل رہے ہیں کوئی تیز کوئی آہستہ سب سے تیز سورج ہے ۹ اجرام فلکیہ کواکب سے اوپر ہیں کواکب اُس کے پیچھے چل رہے ہیں ۱۰ فلک چکی کی طرح گول ہیں اور ایک جگہ گھوم رہے ہیں کچھ کواکب ان پر ہیں جو مخالف سمت گھوم رہے ہیں اور کچھ اُن سے جڑے ہوئے ہیں اور کچھ علیحدہ ہیں اور

marfat.com

ساکن ہیں جیسے قطب جنوبی وشمالی، یہ تھے فلاسفہ کے مختلف اقوال اور بناوٹی مفروضے۔ صحیح قول وہی پہلا قول ہے جو قرآنِ مجید سے اشارۃً ثابت ہے کہ کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ۔ یہاں کُلٌّ کی تنوین ددو پیش) بھی بتا رہی ہے کہ ہر سیارہ علیحدہ اپنے اپنے مدار میں ایک مقرر لائن پر گول بہت بڑے دائرے میں گھوم رہا ہے یہ گھومتا چلتا ہے آگے بڑھتے ہوئے نہ کہ چکی یا لٹو کی طرح۔ سورج اور چاند کی رفتار میں سورج آگے ہے اور چاند پیچھے مقرر کردہ مستقر فاصلے پر نہ کوئی تیزی دکھا کر آگے بڑھ سکتا ہے نہ کوئی کسی کو پکڑ سکتا ہے۔ سیارہ کواکب اور بھی ہیں مگر یہاں صرف دو سیاروں کا ذکر ارشاد ہوا اس لیے کہ یہ ہر شخص کو نظر بھی آتے ہیں اور ان سے رات دن اور تاریخیں بھی بنتی ہیں فلک کی تعداد میں بھی فلاسفہ کا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں آسمانوں کی تعداد کے برابر سات ہیں۔ بعض کہتے ہیں چار ہیں بعض کہتے ہیں بُرجوں کی تعداد کے برابر بارہ ۱۲ ہیں۔ بعض اس آیت سے استدلال لے کر صرف ایک فلک مانتے ہیں کہ یہاں کُلٌّ فِیْ فَلَکٍ واحد ہے۔ مگر یہ استدلال غلط ہے اس لیے کہ یہاں جنسی لفظ ارشاد ہوا ہے نکرہ ہمیشہ یا اکثر جنس کے لیے ہی بولا جاتا ہے اس کا معنیٰ ہے کہ ہر فلک علیحدہ علیحدہ ہے۔ اور ثابت یہ کیا جا رہا ہے کہ ہر سیارہ علیحدہ اپنے اپنے فلک میں تیر رہا ہے۔ چنانچہ سورج چوتھے فلک پر چاند پہلے پر۔ اس طرح سات سیارے سات افلاک پر ہیں۔ آسمان اور فلک میں فرق یہ ہے کہ آسمان ایک جسدی مستقل کُرّہ ہے مثلِ زمین اور فلک اس کا فضائی علاقہ ہے جو وہاں کے سیارے کا مدار ہے کوئی سیارہ کسی فلک سے چپٹا یا لٹکا ہوا نہیں ہے۔ اہل نظر فرماتے ہیں کہ دنیا جہان کی ہر چیز بدلتا سیارہ ہے کسی چیز کی کسی حالت کیفیت جگہ مکان مقام شکل صورت حیثیت عمر کو بقا نہیں قرار نہیں اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے۔ اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے نہ رات کو بقا نہ دن کو نہ سورج میں ٹھہراؤ نہ چاند میں سکون۔ یہاں تک کہ وَمَا جَعَلْنَا (الخ) ہم نے تو کسی بشر کے لیے بھی اس جہان فانی میں ہمیشگی نہ بنائی حالانکہ یہ بشر انسان اپنی دنیا سازی جاگیرداری کے غرور میں اپنے لیے بڑے لمبے لمبے منصوبے بناتا پھرتا ہے۔ اور اپنے مخالفوں کے مرنے کی سوچ فکر تمنا وانتظار میں رہتا ہے مگر مرنا تو سب نے ہی ہے خواہ کوئی کتنی لمبی عمر پالے کتنا ہی ساز وسامان بنالے کتنی حفاظتیں جمالے۔ ان کی تو کیفیت یہ ہے کہ سامان سَو برس کا ہے پَل کی خبر نہیں۔ یہ ہمارا ازلی ابدی قانون ہے اس سے کسی کو مَفَر نہیں۔ یہاں کسی کو مَقَر نہیں، اے محبوب کریم آپ سے پہلے بھی کسی بندے بشر کو ہمیشہ کی زندگی نہ ملی۔ کوئی ایسی مثال نہیں تو پھر یہ احمق آپ کی وفات

marfat.com

کے انتظار میں جھوٹی خوشیاں کیوں خوش ہو رہے ہیں کیا اگر آپ نے وفات پانا ہے تو یہ احمق یہاں اس دنیا میں ہمیشہ رہیں گے ؟ ہرگز نہیں۔ اگرچہ ہم ایسی لمبی زندگی دینے پر بھی قادر ہیں اور ابدی بقا دینے پر بھی مگر ہماری دیگر قدرتوں کی طرح اس قدرت کا اظہار بھی فقط اجسامِ انبیاء کرام علیہم السّلام پر ہی ہوگا نہ کہ ان جیسے تخریب کار فسادی لوگوں پر۔ جیسا کہ زمین پر خضر و الیاس کو اور آسمانوں پر عیسیٰ و ادریس کو (علیہم السّلام) خیال رہے کہ رب تعالیٰ کی کوئی قدرت کبھی کسی غیر نبی بشر پر قائم نہ ہوئی۔ یہ کفار کیوں جھوٹی آسیں لگائے بیٹھے ہیں کیا ان کی زندگیاں ان کے اپنے اختیار میں ہیں۔ بحر العلوم میں ہے کہ خلود سے مراد لمبی زندگی ہے دوام ہو یا نہ ہو موت زندگی کا اختتام و کنارہ ہے۔ زندگی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ اور موت کی بھی ۱ جسم میں روح کا قائم و باقی رہنا زندگی ہے نکل کر جدا اور بے تعلق ہو جانا موت ہے ۲ جسم کا اپنے مقاصدِ اصلیہ خلقیہ پورے کرنا زندگی ہے۔ پورے نہ کرنا موت ہے۔ اس دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے سرسبز اور نباتاتی زمین کو زندہ کہا گیا اور بنجر زمین کو مردہ اسی طرح شہیدِ مقتول کو زندہ کہا گیا اور چلتے پھرتے کافر انسان کو مردہ اسی معنیٰ میں نیک متقی انسان کو صحت مند تندرست کہا جاتا ہے اور فاسق فاجر کو بیمار لاغر۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ اے لوگو یہ لیل و نہار کے خزانے یہ شمس و قمر کے زمانے یہ سانسوں کی ڈوری یہ زندگی کی لوری سدا بہار نہیں ہے اس پر اکڑ جمانا تکبر دکھانا فخر بنانا بیہودہ کھلکھلانا درست نہیں ہے اس لیے کہ ہر نفس و جان نے دیوی فنا کی موت کا مزہ چکھنا ہے۔ نفس کے تین معنیٰ ہیں ۱ نفس بمعنیٰ جان وہی یہاں مراد ہے ۲ نفس بمعنیٰ ذات اس معنیٰ میں ذاتِ باری تعالیٰ کو بھی نفس فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت ۱۱۶ میں حضرت مسیح علیہ السّلام کا قول نقل فرمایا گیا ہے۔ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِىْ وَلَاۤ اَعْلَمُ مَا فِىْ نَفْسِكَ ۳ نفس بمعنیٰ جسم اور بدن اس معنیٰ میں تمام جمادات نباتات کو بھی نفس کہا جاتا ہے مگر یہاں آیت میں بمعنیٰ جان ہے نہ کہ ذات یا جسم۔ اسی لیے مفسرین فرماتے ہیں کہ کُلُّ نَفْسٍ، عام مخصوص البعض ہے، یعنی ہر جان نے بذریعہ موت دنیا سے جانا ہے۔ پھر نہ رات کی راحت ملے نہ دن کی دولت نہ سورج کی رونق نہ چاند کی زینت نہ بچپن کی کلکاریاں نہ جوانی کی سنکاریاں نہ کُلٌّ فِىْ فَلَكٍ کی آزادیاں نہ یَسْبَحُوْنَ کی چہل قدمیاں۔ بس موت کا سناٹا اور قبر کا اندھیرا۔ یہ زندگی اس لیے دی گئی ہے کہ یہ امتحانِ بندگان ہے یہاں ہر ایک کے لیے شر بھی ہے اور خیر بھی۔ شدت وسختی کا شر ہے تو نرمی سہولت کا خیر ہے۔ بیماری کا شر ہے تندرستی کا خیر۔ غربی کا شر ہے مالداری کا

marfat.com

خیر یہاں بلا بھی ہے نعمت بھی تکلیف اور غم بلا ہے۔ تکالیف دنیا کو تین وجہ سے بلا کہا گیا ہے (۱) یہ تکلیفیں بدن پر مشقت ہیں اس لیے بلا ہیں (۲) یہ تکلیفیں بندے کو خبردار کرتی ہیں (۳) اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی بندے کے لیے بلا ہیں اور مصیبتیں بھی۔ فراوانی نعمت میں شکر کی آزمائش ہے اور تنگی و مصیبت میں صبر کی لہٰذا دنیا میں مِنحت اور محنت دونوں بلا ہیں مگر مِنحت اور عیش عشرت، مصیبتوں غریبیوں سے زیادہ سخت بلا ہے کیونکہ غریبی پر صبر آسان ہوتا ہے امیری کے شکر سے۔ فاروقِ اعظم نے فرمایا جو شخص عیش و آرام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش نہ سمجھے وہ دیوانہ ہے پھر فرمایا کہ لوگوں پر مصیبت پڑتی ہے تو صبر کر لیتے ہیں لیکن امیری دولت مندی آتی ہے تو شکر نہیں کرتے۔ اس دنیا کی فقیری بھی اَلَم بھی۔ لذت بھی نفرت بھی غرور بھی سرور بھی قہر بھی مہر بھی۔ فراق بھی وصال بھی۔ اقبال بھی اِدبار بھی۔ محنت بھی مِنحت بھی۔ عقوبت بھی عافیت بھی جہل بھی علم بھی انکار بھی اقرار بھی اجنبیت بھی معرفت بھی غصہ بھی لُطف بھی۔ جوانی کی طاقت بھی بڑھاپے کی کمزوری بھی رات کا اندھیرا بھی دن کی روشنی بھی۔ سورج کی تپش بھی چاند کی ٹھنڈک بھی بد بھی نیک بھی یہ زندگی ہر حال میں ہر طرح ہر ایک کے لیے امتحان ہی امتحان ہے ابتلاؤ آزمائش ہے کہ کون اِتباعِ نفس کے شر میں گرتا ہے اور کون ہدایت و اطاعت کی معاونت میں اُٹھتا ہے۔ کون نفرت و حقارت کے شر میں پڑا رہتا ہے اور کون عصمت و حفاظت کے خیر میں چلتا ہے یہاں کی حیات کافر کے لیے مِنحت یعنی عیش ہے مومن کے لیے محنت ہے فاسق کے لیے فتنہ ہے۔ اور یہاں کی موت کافر کے لیے وارنٹ فاسق کے لیے عدالت کا سمن مومن کے لیے شاہی دعوت نامہ۔ بہر کیف وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ تم سب کا لوٹنا ہماری ہی طرف ہے نہ غیر کی طرف نہ شریک کی طرف اس لوٹنے میں نہ شرکت ہے نہ غیریت کا دخل، موت وہ راستہ ہے جس کا آخری دروازہ ہماری ہی بارگاہ ہے۔ امام راغب نے فرمایا کہ قرآن مجید میں موت و حیات کی چھ قسمیں بیان فرمائی گئی (۱) انسان حیوان نباتات میں قوتِ نامیہ کا ہونا حیات ہے اس کا ختم ہو جانا موت ہے چنانچہ سورۃ حدید کی آیت ۱۷ میں ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یُحْیِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا۔ (۲) قوتِ احساس و شعور کا ہونا حیات ہے اس کا ختم ہو جانا موت ہے چنانچہ سورۃ مریم کی آیت ۶۶ میں ارشاد ہے۔ وَیَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَ اِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَیًّا (۳) قوتِ عقل و علم ہونا حیات ہے حماقت و سفاہت و جہالت ہونا موت ہے چنانچہ سورۃ نمل آیت ۸۰ میں ارشاد ہے۔ اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ (۴) خوشی حیات ہے۔ غم موت ہے۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم آیت ۱۷ میں ارشاد ہے وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ

marfat.com

یمیت ۵ بیداری حیات ہے نیند موت ہے چنانچہ ارشاد ہے سورۃ انعام آیت ۶۰ میں وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ۔ ۲ روح کا بدن میں موجود رہنا زندگی وحیات ہے اور جدا ہو کر قوتِ حیوانیہ کا ختم ہو جانا موت ہے۔ چنانچہ یہاں ارشاد ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ نفس وہ جوہر لطیف ہے جس میں تین قوتیں ہوتی ہیں ۱ قوتِ حیات ۲ قوتِ حس ۳ قوتِ ارادی۔ اسی معنی میں روح حیوانیہ کو نفس کہتے ہیں یہ قوتیں اجسام وابدان کو طلوع کی ترقی دیتی ہیں جس سے بدن میں روشنی پیدا ہوتی ہے اگر یہ روشنی ظاہر بدن سے بجھ جائے تو موت ہے چھپ جائے تو نیند ہے اسی لیے موت اور نیند ہم شکل ہیں فرق صرف یہ ہے کہ موت کلی جدائی ہو جاتی ہے اور نیند جزئی جدائی یعنی اگر جوہرِ نفس کی ضیا نہ ظاہر بدن سے جدا ہو نہ باطنِ بدن سے تو وہ بیداری ہے اگر صرف بدن سے جدا ہو تو نیند اگر ظاہر باطن دونوں سے جدا ہو تو موت۔ کیونکہ روحِ حیوانی کی ضیا کا کُلِّیَۃً ختم ہو جانا موت ہے۔ اسی روح کا دوسرا نام نفسِ ناطقہ ہے یہ جوہر فی ذاتہٖ مادۂ حیوانیہ سے خالی ہے مگر عملاً وفعلاً ملا ہوا ہے۔ بعض نے اس طرح فرمایا کہ روح وہ جسم لطیف ہے جو اجسام کو ہیئت اور ماہیت میں جدا کرنے والا ہے اور ابدان میں تصرف وحکمرانی کرنے والا ہے۔ اور روح بدن میں ایسی ہوتی ہے جیسی کسی بیج میں تیل، روح وبدن دونوں جڑے ہوں تو نام ہے کہ ماسمّاتو۔ میں ہم تم وغیرہ زید بکر۔ دونوں جدا ہو جائیں تو نام ہوتا ہے مُردہ رب تعالیٰ نے انسانی مٹی میں آٹھ قوتیں پیدا فرمائیں ۱ ملکی ۲ نورانی ۳ علوی ۴ قوتِ بقا یہ چار قوتیں صرف مومن کی انسانیت میں ہیں ان کو قوائے ایمانیہ کہا جاتا ہے ۵ قوتِ حیوانیہ یہ حیوانیت پانچ قوتوں کا مجموعہ ہوتا ہے قوۃ حاسّہ نامیہ شامّہ لامسہ ذائقہ ۶ ظلالی ۷ سفلی ۸ فانی۔ یہ چار ہر انسان میں ہیں، ان کو فنا بھی ہے جدائی بھی زوال بھی انہی کی فنا کا نام موت ہے۔ کافر کی روح پر موت آتی ہے فاسق کے دل پر اور مومن کے نفس پر۔ کافر کی موت فنا ہے فاسق کی موت ہلاکت متقی مومن کی موت وفات ہے۔ شہید کی وفات ہوتی ہے موت نہیں ہوتی۔ وفات نام ہے دنیوی زندگی کی سانسوں کھانوں پینوں کا مکمل پورا ہو جانا۔ وفات کا طریقہ یہ ہے کہ ہیکلِ جسمانی کی شکل منہدم ہو کر روح کا معدنِ غیبی کی طرف رجوع کرتے ہوئے مشاہدہ ربانی میں پہنچنا روح اپنی جوہریت اپنی تدبیر اپنے تصرف اپنے تجرد اپنی بقا اپنے دوام اپنے استقلال میں بدن کی محتاج نہیں لیکن بدن اپنے مظہر اپنے کمال اپنے اعمال اپنی قوت اپنی صورت میں روح کا محتاج ہے۔ یہ محتاجی اس عالمِ مشاہدہ کے اندر ہے کیونکہ روح

marfat.com

ہادی ہے علم فہم فراست شعور تربیت حقوق میں بدن کی امی ہے روح کا نام نفس ناطقہ ہے اس آیتِ پاک میں کُلُّ نَفْسٍ سے روح ہی مراد ہے روح موت کو صرف چکھتی ہے اور بدن پر موت طاری ہوتی ہے ان آگاہیوں خبرداریوں کے باوجود یہ کفارِ زمانہ اپنی چند روزہ زندگی پر اس حد تک اتنا غرور کرتے ہیں کہ۔ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ یَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ اور جب کبھی ایک دفعہ اے محبوب ان کافروں نے آپ کو دیکھ لیا تھا۔ جو ازل سے ابد تک جہنم کے کاذ بنے ہوئے ہیں تو انہوں نے آپ کی شانِ اقدس میں اس قسم کی بیہودہ باتیں کرتے ہوئے آپ کا مذاق ہی کیا تھا کہ اے لوگو یہ ہیں تم ہی عبد مناف کے نبی جو ہر وقت تمہارے پیارے بتوں معبودوں کا۔ برائی سے ہی ذکر کرتے رہتے ہیں۔ کہ یہ بت نہ کچھ بول سکتے ہیں نہ سن سکتے ہیں نہ دے سکتے ہیں نہ چھین سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں نہ مٹا سکتے ہیں نہ کسی کا نفع کر سکیں نہ نقصان، یہ تو محض مٹی پتھر دھات کے ٹکڑے ہیں جن کو خود ان کفار نے اپنی دستی فنکاری سے تراش خراش کر مورتی بنالیا ہے یہ نبی اسی طرح بتوں کی توہین اور ذلت کرتے رہتے ہیں۔ اے محبوب یہ کفار کتنے بدنصیب اور نادان ہیں کہ اس حقیقت بیانی کو برائی اور دشمنی کا ذکر کہتے سمجھتے ہیں اور اس اظہارِ اصلیت سے برا مناتے ہیں اور سچی بات سنانے والے اچھی سمجھ دلانے والے کا مذاق کرتے ہیں کہ دیکھو کیسی انوکھی و نرالی بات کہہ رہا ہے حالانکہ یہ کم بخت خود کائنات کے سچے حقیقی خالقِ مالک رازق معبود بندوں کا رحمٰن و رحیم جو نہایت شفقت و کرم سے بندوں کی ہر ضرورت کے انعامات دینے والا۔ راحتِ بندگان کے لیے رات اور تجارتِ بندگان کے لیے دن۔ کھیتیاں پکانے کے لیے سورج اور لذت بنانے کے لیے چاند کو اپنی قدرت سے پیدا کرنے والے رحمٰن کے ذکر اور ذات پر ایمان لانے سے کفر کرنے والے بنے ہوئے ہیں۔ اہلِ عرب کے نزدیک لفظِ ذکر ہر اچھے برے تذکرے کے لیے عام ہے اگر ذکر کو دشمن کی طرف منسوب کیا جائے تو مراد ہوتا ہے برا تذکرہ اور اگر دوست کی طرف منسوب کیا جائے تو مراد ہوتا ہے اچھا تذکرہ اسی محاورے کا لحاظ رکھتے ہوئے یہاں یَذْكُرُ سے برا ذکر مراد ہے اور بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ سے اچھا تذکرہ مراد ہے کہ یہ کفار اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کے اچھے تذکرے کے منکر و کافر ہیں ..بلکہ کہتے ہیں کہ ہم کسی رحمٰن کو نہیں جانتے پہچانتے کچھ کفار کہتے تھے کہ علاقہ یمامہ میں ایک شخص مسیلمہ ہے وہی رحمٰن ہے جو اس نام سے مشہور ہے۔ مسیلمہ کذاب کا نام پہلے عبدالرحمٰن تھا اور کفار اس کو صرف رحمٰن کہہ کر پکارتے تھے لہٰذا اس طرح مشہور ہو گیا

marfat.com

بعض مفسرین نے فرمایا کہ ذِکْرِ الرَّحْمٰن سے مراد قرآن مجید ہے یعنی یہ کفار اتنے متعصب اور بیوقوف ہیں کہ جھوٹے بتوں کی برائی سن کر تو بُرا مناتے ہیں مگر خود سچے کلام الٰہی قرآن مجید ذکرِ رحمٰن کے منکر بنے ہوئے ہیں حالانکہ بتوں کی ثنا گوئی ان کو کبھی مفید ہو نہیں سکتی جب کہ قرآن کریم تو ہمہ وقت مکمل طور پر ہر طرح تمام جہان والوں کے لیے مفید ہی ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ کوئی ستارہ کسی آسمان میں جڑا ہوا نہیں ہے، بلکہ ہر ستارہ آسمان سے جدا ہے سمٰوات علیحدہ ٹھوس جسم ہیں کوئی سونے کا کوئی زمرد کا کوئی کسی دھات کا وغیرہ وغیرہ اُن میں دروازے بھی ہیں اور ستارے علیحدہ ٹھوس جسم ہیں سیارہ ہو یا غیر سیارہ اپنے اپنے مدار میں تیر رہے ہیں کچھ ٹھیرے ہوئے ہیں کچھ چل رہے ہیں یہ سب قدرتِ الٰہی سے قائم ہیں کسی کو کسی غیر کے سہارے کی ضرورت نہیں نیز آسمان تو سب ٹھوس جسم ہیں مگر فلک آسمانی فضا اور علاقے کا نام ہے یہ فائدہ کُلٌّ فِیْ فَلَكٍ یَّسْبَحُوْنَ۔ کی تفسیر سے حاصل ہوا لہٰذا فلاسفۂ قدیم کا یہ نظریہ غلط ہے کہ کواکب اور چاند سورج آسمانوں میں جُڑے ہوئے ہیں اور آسمانوں کے چکر لگانے سے اُن ستاروں کا چکر لگتا ہے یہ نظریہ فضول اور بیکار بھی ہے۔ قرآنِ مجید کے خلاف بھی۔ دوسرا فائدہ۔ جس طرح رب تعالیٰ جوہریات اور جوہر کا خالق ہے وہ ربِّ قدیر جَلَّ وَعُلٰی تمام عرضیات کا بھی خالق ہے اگرچہ وہ غیر مرئی یا غیر محسوس ہوں یا کسی جوہر کا اثری نتیجہ جیسے سایہ مگر اپنے وجود میں جوہر کی طرح عرض بھی مخلوق ہے۔ یہ فائدہ وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو رات دن جسمانی چیز نہیں صرف سورج کے غروب و طلوع کا ثمرہ ہے مگر اس کو بھی خَلَقَ فرمایا گیا۔ اس سے ثابت ہوا کہ باری تعالیٰ قادر ہے اِس بات پر بھی کہ سورج غروب ہونے یا ناپید اور ختم ہو جانے کے باوجود بھی رات نہ ہونے دے دن نکلا رہے۔ اور قادر ہے اس پر بھی کہ سورج کی موجودگی میں بھی رات طاری ہے۔ تیسرا فائدہ۔ موت کافر کے لیے ہمیشہ نقصان دہ ہے کیونکہ اُس کی فنا ہی فنا ہے۔ لیکن مسلمان اور اہلِ ایمان کے لیے موت بھی مفید ہے اگرچہ فاسق ہو۔ فاسق کو اس طرح کہ گناہوں اور صحبتِ بد کی خباثتوں سے چھوٹ گیا۔ مومن کے لیے تو سدا بہار خوشحال اور قربِ الٰہی کا رجوعِ حضوری ہے ہی۔ یہ فائدہ موت کی تقسیم اور اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ شرعی نظام الاوقات

میں رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں۔ اسی لیے شرعی اسلامی تاریخ رات شروع ہوتے ہی بدل جاتی ہے۔ اگلا کل سورج غروب ہوتے ہی آگیا۔ لہٰذا اگر کوئی شخص اگلے کل کے متعلق قسم کھائے یا اگلے کل پر کوئی شرط لگائے یا کسی چیز کو معلق کرے تو شام ہوتے سورج مغرب میں چھپتے ہی اُس کا حکم شروع ہو جائے گا، مثلاً اگر کوئی شخص کہے کہ اللہ کی قسم کل میں فلاں کام نہ کروں گا۔ اور جب سورج شام کو غروب ہوا تب اُس نے وہ کام کیا تو فوراً اس کی قسم ٹوٹ گئی حانث ہو گیا اور کفارہ قسم دینا پڑے گا یہی حال طلاق وغیرہ کو معلق کرنے کا ہے یہ مسئلہ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ میں لیل کو مقدم فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ مرنے کے بعد کوئی انسان کسی چیز کا مالک نہیں رہتا۔ یہ تمام ملکیتیں عیش وعشرت دنیوی زندگی تک ہیں یہاں تک کہ قبر و مزار کی چادریں ہار پھول بھی صاحب مزار کی ملکیت نہیں جس طرح دنیوی تمام ملکیتیں تحفے تحائف بعد وفات وراثت بن کر وارثین کی ملکیت ہو جاتے ہیں اسی طرح بعد وفات جو نذر نیاز تحائف چڑھاوے مزار پر پیش کئے جاتے ہیں وہ سب وارثین اور جانشین کی ملکیت ہیں یہ مسئلہ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً کے بعد وَاِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آگاہی۔ خبرداری آزمائش دنیوی اشیاء دولت و مال دینے لینے میں ہے اور یہ سب کچھ اسی دنیوی زندگی میں ہے نہ کہ بعد وفات تیسرا مسئلہ۔ اسلامی شرعی عبادات عملیات کی حکمتیں اور طبی فوائد دنیوی خوبیاں بیان کرنا ممنوع ہیں جو خطبا اس قسم کی حکمتیں بیان کرتے رہتے ہیں وہ غلطی کرتے ہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ وضو کے یہ طبی فائدے کلی کے یہ ناک میں پانی چڑھانے کے لیے یہ فوائد۔ نماز کو ورزش کا نام دے کر سجدے رکوع کی مصلحتیں بیان کرتے ہیں کہ اس سے خون صحیح گردش کرتا ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب غلط ہے۔ کیونکہ اس سے دو نقصان ہیں۔ ایک یہ کہ یہ سب حکمتیں خود ساختہ بناوٹی بنا بنا کر بیان کرنی پڑتی ہیں۔ اللہ رسول نے کبھی بیان نہ فرمائیں اسی لیے یہ کذب بیانی بھی ہوئی اور غیر یقینی بھی۔ دوم یہ کہ انسان کو نہ اپنی نفسیات پر قابو ہے نہ وہمیات پر۔ ہزار روکنے پر نفسیاتی اور وہمی تصور جما رہتا ہے۔ لہٰذا عبادتِ الٰہیہ میں دنیوی فوائد ڈھونڈتے پھرنا یا دنیوی فائدوں کا تصور و تخیل بنانا عبادت کو تباہ کرنا ہے۔ عبادت صرف اللہ رسول کے حکم کی فرماں برداری کا نام ہے۔ خواہ اس میں بندے کا دنیوی فائدہ ہو یا نقصان، مومن تو فقط رب تعالیٰ کے حکم و رضا کے لیے عبادت کرتا ہے نہ کہ دنیوی فوائد کے حصول کے لیے اگر نماز میں بندہ ورزشی فائدوں کا تصور جمائے رہے تو وہ عبادت نہ بنی جب اس جھوٹے بناوٹی تصور سے نماز پڑھی جائیگی تو اس کو اللہ تعالیٰ کی عبادت

marfat.com

کس طرح کہا جا سکتا ہے کیونکہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ. نیت نام ہے قلبی ارادے اور ذہنی تصور کا کسی شخص کا اس طرح کے من گھڑت فائدے لوگوں کو سنانا اُن کی نیتوں اور تصورات عبدیت کو خراب کرنا ہے اس لیے اگر کوئی پوچھے کہ وضو کیوں کرتے ہیں۔ کلی اور ناک میں پانی سر کا مسح وغیرہ کیوں کیا جاتا ہے تو جواب یہی ہونا چاہیئے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے ہے۔ اُس کا فرمان ہے۔ فائدے اور نقصان سے ہمیں کچھ غرض نہیں، یہ مسئلہ وَنَبْلُوْكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً دا لح فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے تمام نعمتوں عبادتوں کا ذکر فرما کر حکمت صرف یہ بیان فرمائی کہ یہ بندوں کی آزمائش ہے اور اللہ تعالیٰ کا حکم و مرضی رب رسول نے کوئی دنیوی فائدہ نہ بیان فرمایا تو ہم کو کیا حق ہے کہ اُس کی عبادت میں اپنے تصورات دوڑاتے پھریں بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو دینی اُخروی فائدے بھی بیان نہ کیے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ صرف انسان ہی ذی عقل اور ناطق نہیں فلکیات و سیارات بھی ذی عقل و ناطق ہیں دیکھو قرآن مجید میں ہے كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ. یہ صیغہ جمع مذکر عقل والوں کے لیے مستعمل ہوتا ہے اس سے ثابت ہوا کہ چاند سورج بھی ذی عقل ہیں اور مثلِ انسان اپنی عقل سے چل رہے ہیں نہ کہ تسخیر سے اگر یہ غیر عقل والے ہوتے تو ان کے لیے جمع مونث کا صیغہ آتا۔ (بوعلی سینا)۔ جواب۔ یہاں جمع مؤنث کا صیغہ استعمال نہ کرنا جمع مذکر ارشاد فرمانا یہ بتانے کے لیے ہے کہ چاند سورج کا یہ فلکیات میں رواں دواں ہونا انسان کے تیرنے کی طرح ہے یعنی ذی عقل کے فعل کی مشابہت کو سمجھانے کے لیے ہے نہ کہ فاعل کی مثلیت یا ذی عقل ہونے کی وجہ سے چونکہ پانی میں تیرنا دو قسم کا ہے ایک آبی جانوروں مچھلی وغیرہ کا آبی جانور پانی میں رہتے ان کا تیرنا نہ ضروری ہوتا ہے نہ مسلسل ایک سمت کی طرف بلکہ وہ پانی میں ٹھہرتے بھی ہیں سوتے جاگتے رُکتے بھی شکار بھی کرتے ہیں اور بوقتِ شکار تیزی سے سمتیں بدلتے ہیں اوپر نیچے بھی ہوتے ہیں کبھی آہستہ کبھی تیز مگر انسان جب تیرتا ہے تو مسلسل ایک سمت پر رہتا ہے نہ رُکتا ہے نہ ٹھہرتا ہے اسی طرح چاند سورج اپنے اپنے فلک میں مسلسل ایک سمت پر چل رہے ہیں نہ اوپر نیچے ہوتے ہیں نہ ٹھہرتے ہیں نہ ہی آہستہ نہ تیز یہ قرآن مجید کی کتنی عظیم الشان طرز بیانی ہے کہ مختصر عبادت میں وسیع معانی بیان فرما دیتا ہے اسی طرح سورۃ یوسف کی آیت ۴ میں ارشادِ ربانی ہے کہ اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ لِيْ سَاجِدِيْنَ. یہاں اسم فاعل جمع مذکر ارشاد ہوا اس لیے کہ سجدہ کرنا صرف ذوی العقول انسان وغیرہ

marfat.com

کا فعل ہے اسی طرح سورۃ نمل آیت ۱۸ میں ارشاد ہے کہ اُدْخُلُوْا مَسٰکِنَکُمْ بھی جمع مذکر فعل امر ہے کیونکہ گھروں میں داخل ہونا انسانی فعل ہے۔ مگر فعلی مشابہت کی وجہ سے چیونٹیوں کے لیے یہ صیغہ ذوی العقول والا استعمال ہوا۔ دوسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے صرف شمس و قمر کا ذکر ہوا جو تثنیہ یعنی دو ہیں مگر اس کے بعد اگلی عبارت کُلٌّ بھی جمع ہے اور یَسْبَحُوْنَ بھی جمع۔ جواب۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ پہلے خَلَقَ ارشاد ہوا جس کے بعد چار چیزیں ذکر ہوئیں رات دن اور سورج چاند یعنی اللہ تعالیٰ ان چاروں چیزوں کا خالق ہے اور یہ چاروں چیزیں اپنے مدار میں بالکل نپے تُلے انداز میں تیر رہی ہیں اور مسلسل چل رہی ہیں۔ رات اور دن کو بھی غیر حسی تاثیراتی نظریاتی مخلوق مانا گیا ہے جیسے ہر چیز کا سایہ بلکہ رات بذاتِ خود زمین کا سایہ ہے، اس کے وجود کا فلک اور مدار یہ زمین ہے اسی طرح دن کا اگرچہ حسی وجود نہیں ہوتا مگر غیر حسی وجود ہے یہ زمین و آسمان میں چلتا ہے یہی اس کا فلک اور علاقہ ہے ان چاروں کی وجہ سے یَسْبَحُوْنَ جمع فرمایا گیا جواب دوم یہ کہ چونکہ شمس و قمر کے مطالع اور مغارب کثیر ہیں تاثیراً ہر مشرق و ہر مغرب کے لیے علیحدہ چاند سورج تصور کیا گیا ہے اس لیے یَسْبَحُوْنَ جمع فرمایا گیا۔ لیکن لفظ کُلٌّ سے مراد جمع نہیں بلکہ کُلِّیَّۃً علیحدہ ہونا مراد ہے جس کو اردو میں کہا جاتا ہے ہر ایک۔ گویا کہ لفظِ کُلٌّ کی دو حیثیتیں ہیں ۱۔ کلیت کی حیثیت ۲۔ جمعیت کی حیثیت اگر جمعیت مراد لی جائے تو معنی ہوتا ہے سب تمام۔ جوابِ سوم یہ کہ نام اگرچہ شمس و قمر دو سیاروں کا ہی لیا گیا مگر مراد سارے سیارے ہیں۔ لہٰذا کُلٌّ جمع بھی درست ہے اور یَسْبَحُوْنَ جمع بھی۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے حالانکہ ذائقہ عربی لغت میں کھانے پینے کی چیز کا ہوتا ہے۔ موت نہ مطعوم ہے نہ مشروب۔ تو اس کے لیے لفظِ ذائقہ کیوں ارشاد ہوا۔ جواب ذوق ایک ادراکِ خاص کا نام ہے جو جلدی آتا ہے اور جلدی چلا جاتا ہے۔ موت کا طاری ہونا اسی کے مشابہ ہے کہ جلدی آتی ہے اور فوراً مکمل ہو جاتی ہے وجود پر قائم و باقی نہیں رہتی اس مشابہت کو سمجھانے کے لیے مجازاً لفظ ذائقہ استعمال فرمایا گیا بخلاف زندگی کے کہ اس میں درازی ہوتی ہے۔ چوتھا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ نَبْلُوْکُمْ ہم تم کو آزماتے ہیں۔ آزمانا وہ ہے جو بے خبر ہو۔ رب تعالیٰ تو ازلِ قدیم سے ہر چیز کا علیم و خبیر ہے جواب۔ یہاں نَبْلُوْ کے معنی نَخْتَبِرُ ہے اور بَلَا سے مراد اختیار ہے یعنی ہم تم کو آگاہ خبردار اور متنبہ کر رہے ہیں۔ اب کوئی اعتراض نہیں۔ پانچواں اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَاِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ۔ ہماری ہی طرف لوٹائے جاؤ گے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا بھی اسی طرح جسم ہے جس طرح انسانوں کا کیونکہ لوٹنا کسی جسم کی طرف ہی ہو سکتا ہے اس لیے کہ لوٹنے کے لیے سمت، سمت کے لیے انتہا، انتہا کے لیے

marfat.com

مد اور حد کے لیے جسم ضروری لطیف ہو یا کثیف اور جسم کے لیے اعضا ضروری اور لباس وغیرہ لازم (فرقہ مجسمیہ) نیز اس تُرْجَعُوْنَ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہم پھر دنیا میں لوٹ کر آئیں گے۔ قیامت جنت دوزخ علیحدہ کوئی چیز نہیں موت ہی قیامت ہے راحتیں جنت ہے مصیبتیں دوزخ ہے۔ کیونکہ لوٹنا اس کو کہتے ہیں کہ جہاں سے چلے وہیں واپس آئے ہم دنیا زمین سے چلے وہیں پر پھر واپس آئے ہم دنیا میں سے وہیں پر پھر واپس آئیں گے (فرقہ تناسخیہ) جواب۔ خیال رہے کہ یہ دونوں فرقے ہندو مذہب میں اب بھی موجود ہیں بلکہ اکثریت کا مذہب یہی ہے انہی کی دیکھا دیکھی بعض جاہل گمراہ مسلمانوں نے بھی ایسا ہی سمجھ رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر لباس والا مجسم ہے (معاذ اللہ) اور بڑے بڑے کفریہ شعر بنائے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک شاعر لکھتا ہے ؎ میرے آنگن میں آ گئے اللہ میاں۔ کوئی لکھتا ہے کہ ع۔ اللہ میاں سو گئے چدریا تان کر۔ اسی طرح بانگ درا ص پر لکھا ہے۔ شعر ؎

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا — یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک

فرقہ مجسمیہ میں اللہ کو یزدان کہتے ہیں دیگر ہندو اللہ کو بھگوان کہتے ہیں اللہ تعالیٰ کو یزدان کہنا اور اس کے لیے دامن وغیرہ لباس ثابت کرنا درپردہ اس فرقے کی تائید ہے۔ یہ اعتراض ہم نے تفسیر کبیر رازی اور تفسیر نیشاپوری سے نقل کیا ہے وہی جواباً فرما رہے ہیں کہ یہاں لغوی رجوع مراد نہیں بلکہ حکمی واصطلاحی رجوع مراد ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ ہماری بارگاہ عدالت میں تم سب نے لوٹنا ہے نہ کہ ہمارے روبرو۔ دوسرے فرقے کا جواب یہ ہے کہ لوٹنا اپنے اصل کی طرف ہوتا ہے نہ کہ جگہ کی طرف اور مخلوق کی اصل بارگاہِ خالق تعالیٰ ہے وہیں سے سب آئے ہیں تو وہیں پر واپس جانا ہے فرق صرف یہ ہے کہ آتے کے وقت وہ بارگاہ خالقیت کے عمل کی تھی اب لوٹنے کے وقت وہ بارگاہ جزاء عدل کی ہوگی۔ یہ زمین نہ بارگاہِ خلقت ہے نہ مکانِ عدل، اس لیے نہ یہاں پہلے تھے نہ اب لوٹیں یہ تو منزلِ بارگاہ کا راستہ ہے جس میں چلنے پھرنے اور کچھ عمل کرنے کی مہلت ملی ہے کہ نہا دھو کر پاکیزہ ہو کر لائقِ بارگاہ بن کر لوٹو گے تو عزت پاؤ گے گندے ہو کر لوٹے تو جوتے کھاؤ گے۔

تفسیر صوفیانہ

وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ فِيْ فَلَكٍ يَّسْبَحُوْنَ وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ اَفَاۡئِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ

اے عالمِ ناسوت میں بسنے والو کیا تم یہ نہیں پہچانتے کہ وہ اللہ وہ ہے جس نے پیدا کیا زمینِ معرفت میں قبض وبسط کی شبِ ظلمات کو تاکہ سلطانِ جلال اہلِ ظلمت کے دماغ

marfat.com

غافل کو بدنِ ناری سے باہر نکال پھینکے۔ اور اسی ذاتِ کمال نے میدانِ بسط وکشا دمیں مشاہداتِ اسرار کا روزِ روشن پیدا فرمایا کہ میزبانِ جمال اس مسافرِ منزلِ شوق وطلب کو دسترخوانِ تجلیات سے نوالۂ قبولیت عطا فرمائے۔ اسی ذاتِ الٰہی نے نورِ وحدت کا چمکتا سورج پیدا فرمایا جو تمکین کی نعمت ہے اور صاحبِ توحید کا نشان ہے اور بارگاہِ شہود کا آراستہ کیا ہوا نہ گھٹے نہ بڑھے نہ رکے نہ تھکے نہ چھپے بندگی میں دائم رہے اُسی ذاتِ بابرکات نے قمرِ رحمت کو پیدا فرمایا جو اہلِ تلوین اور درویشانِ طریقت حقیقت کا نشانِ سلوک ہے کہ کبھی گھٹتا ہے کبھی بڑھتا ہے۔ جب بڑھتا ہے تو معرفت کا بدرِ منیر بن جاتا ہے اور جب کبھی گھٹتا ہے تو اسرارِ مخفیہ کا عرجونِ قدیم یعنی نخل پرانی ٹہنی کھجور کی شاخ بن جاتا ہے۔ حضرتِ سعدیؒ نے فرمایا

اگر درویش بر حالِ بماندے ہر دست از دو عالم برفشاندے

کہ کبھی وحدت کے نور کا مظہر اور کبھی رموزِ جامعیت کی چاندنی سے بدریت کے مرتبۂ کمال پر پہنچے والا۔ جس طرح عالمِ ظاہر کی رات دن سورج چاند ہر ایک اپنے اپنے فلک مدار و علاقۂ فضائی میں چل رہے ہیں کہ سورج کا فلک چوتھا آسمان دن کا مدار زمین کی بلندی چاند کا فلک پہلا آسمان لیل کا مدار زمین کی پستی اسی طرح عالمِ باطن کی رات و دن سورج و چاند بھی اپنے اپنے روحانی فلک اور فضاءِ ایمانی میں تیر رہے ہیں جن کے مشارق و مغارب مکہ و مدینہ ہیں۔ عشقِ بلالی کی رات محبتِ بوذر غفاری کا دن علمیتِ سلمان فارسی کا سورج فراستِ عثمانی کا چاند۔ كُلٌّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ۔ ہر ایک اپنے فلکِ عقیدت اور فضاءِ ارادت میں حالِ مستاں و چالِ خراماں ہے۔ اس جہان بے ثبات میں کسی ظاہری نام ونمود کی بشریت کے کسی حال کو مقام وکمال کی ہمیشگی نہیں ہر کمالے را زوال و ہر زوالے را کمال۔ اے بندۂ خطاب نہ تجھ سے پہلے نہ تیرے بعد جب تونے چلا جانا ہے تو باقی کسی نے بھی نہیں رہنا کیونکہ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً وَإِلَيْنَا تُرْجَعُونَ۔ ہر نفسِ جانی نے دنیاءِ فانی کے دنیوی فنا کا مزہ چکھنا ہے۔ یہاں سے سب نے جانا ہے لیکن کسی نے خالی ہاتھ کسی نے بھرے ہاتھ کسی نے اصل بن کر کسی نے نقل بن کر کسی نے ابدی فنا کے لیے کسی نے ابدی بقا کے لیے۔ کسی کے نفس امارہ کی موت ہے تو کسی کے قلبِ عبادہ کی موت کسی کے عقلِ مکارہ کی موت۔ جس نے نفسِ امارہ کی موت پائی اُسے حیاتِ بقا ملی جس نے قلب وعقل کی موت پائی اُسے مماتِ فنا ملی۔ حضرت جنید بغدادی نے فرمایا کہ مَوْتُ الْعَالِمِ مَوْتُ الْعَالَمِ۔ یعنی عالِم کی موت جہان کی موت ہے۔ اہلِ شریعت کے نزدیک موت یہ ہے

marfat.com

کہ انسان کی روحانی جان نکل جائے اور جسم کا جنازہ اٹھے مگر اہل طریقت کے نزدیک موت یہ ہے کہ حق بیانی کی جان نکل جائے اور غیرت کا جنازہ اُٹھے۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی یہ بات آج کل کے خطبا علما پر کتنی درست آتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر پر بیٹھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوۂ حسنہ طریقۂ شرعیہ کی مخالفت کی جا رہی ہے اور اپنی نفسانی شیطانی باتوں کو شریعت بنایا جا رہا ہے کوئی اٹھتا ہے تو عورتوں کے چہروں کا پردہ ختم کرا رہا ہے کہ صرف سر کے بال ڈھک لینا کافی ہے حالانکہ اصلی قرآنی پردہ تو چہرہ ڈھکنا ہے کہ اسی میں شناخت ہے اسی میں حُسن ہے اور حُسن میں ہی شہوت ہے اور شہوت روکنے کے لیے پردہ فرض ہوا ہے کوئی لئیم اٹھتا ہے تو داڑھیا چھوٹی کرا رہا ہے چار اُنگل شرعی حد کی نبوی داڑھی سے مخالفت کر رہا ہے کوئی زنیم اٹھتا ہے تو کہتا ہے کہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں پھر پڑھتے پڑھتے مِنْ ذَنْبِكَ کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں خود نبی کریم کے وہ گناہ مراد ہیں جو آپ سے سرزد ہوئے۔ کوئی جاہل کہتا پھر رہا ہے کہ کالا خضاب لگانا جائز ہے۔ پھر نشانِ قیامت یہ ہے کہ سب نبی کریم رؤف و رحیم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت آپ ہی کے منبر و مصلے پر بیٹھ کر کی جا رہی ہے اور لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دور کیا جا رہا ہے خود بھی شیطان کے قریب ہو رہے ہیں اور اپنے عقید تمندوں کو بھی قریب کر رہے ہیں پھر حیرت ہے کہ مولویت کے منبر و مصلے پر قابض ہو کر مولوی کہلانا پسند نہیں کرتے۔ کوئی علامہ کوئی ڈاکٹر کوئی پروفیسر بنا پھر رہا ہے۔ یہی ہے موتُ العالِم۔ منبر رسول کی حق بیانی تو یہ ہے کہ منبر پر بیٹھ کر صرف اور صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں لوگوں کو لائے اور سراپا اُسوۂ حسنہ و نمونۂ مصطفیٰ کو ہر مسلمان کے چہرۂ جسم پر بناتے ہوئے ہر مسلمان کو لائق بارگاہِ نبوت بنائے نہ خود بگڑے نہ کسی مسلمان کو بگاڑے۔ عالِم صرف وہ ہے جو اپنے آپ کو شریعت کا نوکر طریقت کا خادم اور درِ مصطفیٰ کا نمک حلال چوکیدار سمجھے یہ منبر و محراب صاحب زادگی پیرزادگی کی انانیت دنیا سازی نخرے بازی کے لیے نہیں دی گئی۔ اگر یہ نہیں تو عالِم نہیں خاک کا ڈھیر ہے۔ یہی وہ بدنصیب ہیں جن کے دو طرفہ قلب و عقل میں فنا ہے اور جن کی دو طرفہ فنا ہو وہ مرکر فانی ہے جس کی زندگی نفس کے لیے ہو اُس کی موت روح کا نکل جانا ہے لیکن جس کی زندگی اللہ تعالیٰ اور اُس کے پیارے حبیب رسول اللہ کے لیے ہو اُس کی موت بقا ہے وہ خوش بخت حیاتِ طبعی سے منتقل ہو کر حیاتِ اصلیہ کی طرف جاتا ہے اور یہی حیاتِ حقیقی ہے۔ بندہ حیاتِ حقیقی پا کر ولی اللہ بن جاتا ہے۔ حیاتِ اصلی اُس کو ملتی ہے جو موتِ اختیاری کو زندگی میں ہی اپنالے اور مُوتُوا قَبْلَ

marfat.com

اَنْ تَمُوْتُوْا کا نقشۂ تام بن جائے۔ موتِ اصل وُجود کا فقدان اور حرمان ہے حیاتِ اصلی وُجود کا حفظان ہے فقدان سے کراہتوں کا ظہور ہوتا ہے اور حفظان سے کرامتوں کا۔ بندگانِ مقبولان وہ ہیں جو خیر و شر کے فتنۂ آزمائشی و امتحانی میں بھی کامیاب و کامران ہوں ان کی موت صرف وفاتِ صُوری ہوتی ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ دنیا سب کے لیے ہمارا امتحان گاہ ہے آخر لوٹنا ہماری ہی طرف ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جس کسی نے صحراءِ عدم کی فضا کے دروازے میں وجود کا قدم رکھا اُس نے موت کی غذا اور فنا کا شربت ضرور چکھنا ہے۔ دنیوی زندگی میں آنا گویا لباسِ وفات پہننا ہے۔ صوفیا کی اصطلاح میں نفس جان کا نام نہیں بلکہ روحِ انوار کا نام ہے اسی معنیٰ میں رب تعالیٰ کے لیے بھی نفس کا لفظ بولدیا جاتا ہے رب تعالیٰ کے امتحان میں نفسِ دنیوی کی موت ہے اور قلبِ ایمانی کی حیات ہے۔ اِس دنیا میں محبوباتِ الٰہیہ خیر ہیں اور شہواتِ شیطانیہ شر ہیں۔ خوف بھوک، غریبی اور غم میں قلب کی زندگی اور نفس کی موت ہے۔ لیکن بال بچے مال و دولت عیش و عشرت میں نفس کی زندگی اور قلب کی موت ہے۔ جس نے نفس کی موت پر صبر کیا اُس کو حیاتِ قلبی کی بشارت ہے اُسی کا استحقاق ہے الطافِ ربانی کی طرف رجوع کرنے کا۔ اُس کا شر خیر میں بدل دیا جاتا ہے اور جس نے صبر نہ کیا اُس کو عذابِ اَلیم و سزاءِ شدید کی بشارت ہے اُس کا خیر شر میں بدل دیا جاتا ہے اور وہ مستحق بن جاتا ہے سَلَاسِلُ وَ اَغلال کی طرف رجوع کرنیکا۔ وَاِذَا رَاٰكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ يَّتَّخِذُوْنَكَ اِلَّا هُزُوًا ؕ اَهٰذَا الَّذِيْ يَذْكُرُ اٰلِهَتَكُمْ ۚ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ كٰفِرُوْنَ۔ ابتداءِ آفرینش سے باطل کا یہ طریقۂ عمل رہا ہے کہ اس نے اپنی عقلِ ناکارہ کے بلبوتے پر ہمیشہ ہر کام میں حماقتوں کو ہی کمایا بلکہ دنیا میں فساد مچایا۔ اور اس فساد کو عالم دہر میں پھیلانا چاہا پھر جب حد سے بڑھ کر شور مچایا تو اہلِ حق نے اُن کی باطلیت کو توڑ کر اصل حقیقت حال کو بتایا تو پریشان ہو گئے اور اہلِ حق کا مذاق اڑاتے ہوئے اپنے باطل کو بچانا چاہا ان آیت میں اشارۃً یہی بتایا سمجھایا جا رہا ہے کہ جو شخص اپنے کفر کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے محجوب ہو گیا وہ بد نصیب خواصِ حق کی طرف انکار کی آنکھ سے ہی دیکھتا ہے اور استہزا کی زبان سے بولتا ہے یہ خواصِ حق انبیا علیہم السّلام اور ان کی غلامی والے اولیا علما ہیں جو ان باطلین کو اُن کے اوہام دنیوی کے بناوٹی معبودوں شہواتِ دنیا کے الٰہوں اور جاہ و دولت کے پجاریوں کی نقصان دہ اصلیت بتاتے ہیں۔ اس حقیقت بیانی کو یہ باطل لوگ توہین و برائی سمجھتے ہیں۔ یہ غلط فہمی بھی اُن کی ایک حماقت ہی ہے اور بجائے راہِ راست پر آنے کے۔ وَهُمْ بِذِكْرِ الرَّحْمٰنِ

marfat.com

هُمْ كٰفِرُوْنَ اپنے حق تعالیٰ رحمٰن ورحیم شفیق وکریم علیم وخبیر کی شان وصفات کے منکر بن جاتے ہیں بلکہ ذاتِ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ کا انکار کر دیتے ہیں۔ پس عقلِ ایمانی اور قلبِ عرفانی والے پر واجب ہے کہ زبان کو بند رکھے ذکرِ عیوب سے اور ہر وقت کھولے ذکرِ علام الغیوب میں کیونکہ اُسی ذاتِ پاک نے رحمت کے دفتر کھولے ہوئے ہیں یہ ذکر ہی اُس کا شکر ہے، احدیثِ مقدسہ میں ہے کہ جس نے رب تعالیٰ کا ذکر کیا مطیع ہو کر اُس کا ذکر کیا جاتا ہے رحمت سے اور جس نے ذکر کیا انکار سے اُس کا ذکر ہوتا ہے لعنت سے اور سب سے افضل ذکر ہے کلمہ طیبہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اس کلمے کے پانچ فائدے ہیں ۱؎ اعراض ماسوا اللہ اقبال الی اللہ ۲؎ غیر اللہ سے نفرت اللہ سے اُلفت ۳؎ تمام اعمال بذریعہ ملائکہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچتے ہیں مگر اس کلمہ کا وِرد بلا وسیلہ خود بخود پہنچتا ہے ۴؎ اسی کلمہ سے زمین وآسمان قائم ہیں ۵؎ یہ کلمہ سب کلمات سے پہلے وجود میں آیا ہے اور تمام انبیاء نے اپنی اُمتوں کو سکھایا۔ اس کلمے کے آٹھ نام ہیں ۱؎ کلمہ طیب ۲؎ کلمۂ نجات ۳؎ کلمۂ نور ۴؎ کلمہ خلوص ۵؎ کلمۂ صدق ۶؎ کلمۂ صفات ۷؎ کلمۂ یقین ۸؎ کلمۂ اسلام۔ انہی آٹھ ناموں سے جنت کے آٹھ دروازے کھلتے ہیں اس کلمے کے آٹھ حقوق ہیں جو آستانۂ نبوت سے سکھائے جاتے ہیں ۱؎ اخلاقِ حسنہ یہ خُلقِ عظیم کا ایک قطرہ ہے ۲؎ انوارِ جلال کے مشاہدے کے لیے پاکیزگی حاصل کرنا ۳؎ توجہ مخلصانہ ۴؎ مراقبۂ خلوت ۵؎ حلال غذا ۶؎ صدقہ ۷؎ خواہشاتِ نفسانی اور محافلِ دنیوی سے پرہیز ۸؎ مخلوقِ الٰہی پر رحمت ونرمی۔ خیال رہے کہ نرمی اور ترس وہی پسندیدۂ بارگاہ ہے جو شریعت کے بتائے ہوئے طریقے پر ہو۔ شریعت سے ہٹ کر کوئی طریقہ بھی نہ نرمی ہے نہ رحمدلی نہ ترس بلکہ محض شیطانیت ہے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کے آٹھ خزانے ہیں ۱؎ سخاوت ۲؎ اُلفت ۳؎ شفقت ۴؎ نصیحت ۵؎ عبادت ۶؎ رحمت ۷؎ درگزر اور معافی یعنی اپنی ذات کے لیے انتقام نہ لینا ۸؎ احسان۔ یعنی سخاوت محتاج پر۔ اُلفت اللہ تعالیٰ سے شفقت بندوں سے نصیحت گندوں کو عبادت توجہ سے رحمت سب پر معافی اپنے دشمن کو۔

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ ؕ سَاُورِيْكُمْ اٰيٰتِىْ

بنایا گیا انسان زرا جلد باز۔	عنقریب دکھاؤں گا میں	تم کو	اپنی	طاقت
آدمی جلد باز بنایا گیا	اب میں تمہیں		اپنی	نشانیاں

marfat.com

فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ ﴿۳۷﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا

کی نشانیاں لہذا جلدی مت مچاؤ تم مجھ سے اور کہتے ہیں کافر کب ہوگا

دکھاؤں گا مجھ سے جلدی نہ کرو۔ اور کہتے ہیں کب ہوگا یہ

الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۸﴾ لَوْ يَعْلَمُ الَّذِيْنَ

یہ وعدہ اگر تم سچے ہو۔ بہتر ہے اب بھی جان لیں وہ لوگ

وعدہ اگر تم سچے ہو۔ کسی طرح جانتے

كَفَرُوْا حِيْنَ لَا يَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ

جو کافر ہیں اس وقت کو جب کہ نہ ہٹا سکیں گے اپنے چہروں سے آگ کو

کافر اس وقت کو جب نہ روک سکیں گے اپنے مونہوں سے آگ

وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

اور نہ اپنی پیٹھوں سے اور نہ ان کی مدد ہو۔

بَلْ تَاْتِيْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ

بلکہ آلگے گی وہ آگ ان کو اچانک پس بدحواس کردے گی وہ ان کو پھر نہ طاقت پائیں گے

بلکہ وہ ان پر اچانک آپڑے گی تو انہیں بے حواس کردے گی پھر نہ وہ پھیر سکیں گے

رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۴۰﴾

اس کو دور کرنیکی اور نہ وہ مہلت دئے جائیں گے۔

اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔

marfat.com

تعلقات ان آیاتِ مبارکہ کا پچھلی آیاتِ مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں رات دن اور چاند سورج کے پیدا کرنے کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیت میں انسان کے پیدا کرنے کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ہر نفس کے موت کا مزا چکھنے کا بیان ہوا کہ ہر شخص کی موت اُس کے معین وقت پر آ ہی جائے گی۔ اب ان آیت میں انسان کی جلد بازی کا ذکر ہے کہ انسان ہر بات میں جلد باز ہے یہاں تک کہ اپنی ہلاکت اور موت کی بھی طلب میں بھی بہت جلد بازی کرتا ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں انسانوں کی آزمائش کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں آزمائش میں فیل و ناکام ہو جانے والوں کا ذکر ہے کہ ان کا کتنا برا انجام و دائمی اٹل ٹھکانہ ہے

شانِ نزول۔ خزائن العرفان میں روایت ہے کہ ایک سردارِ مکہ نضر بن حارث کہا کرتا تھا کہ اگر ہم پر بقول مسلمانوں کے عذابِ الٰہی برحق و لازمی ہے تو پھر اب تک اترتا کیوں نہیں اس کے جواب میں یہ آیت ۳۷ تا ۴۰ نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ خُلِقَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت مجہول اس کی قرأت میں دو قول ہیں ۱۔ یہ اصل میں خَلَقَ الْعَجَلَ مِنَ الْاِنْسَانِ یعنی دنیا میں عجلت آئی ہی انسان سے ہے ۲۔ یہ خَلَقَ اللّٰہُ ہے الف لام جنسی اِنسان اسم مفرد جنسی ہے اس لیے عورت مرد بچے جوان بوڑھے سب مراد ہیں اِنْسٌ یا اُنْسٌ یا نَسْیٌ سے بنا اِنْسٌ کے معنی تعلق و رشتے داری ہونا اُنْسٌ کے معنی میل ملاقات محبت ہونا نَسْیٌ کے معنی بھولنا چونکہ یہ سب صفات انسان کو خصوصیات ہیں اس لیے اس کو انسان کہا گیا بحالتِ رفع ہے نائب فاعل ہے مِنْ حرفِ جر بمعنی سببیہ جزئیہ یا بمعنی عَلٰی عَجَلٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی جلد بازی یا بمعنی مٹی گارا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خُلِقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ سَ حرف تقریبی بمعنی عنقریب اُوْرِیْ بابِ افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد متکلم رَأْیٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِرْیَاءٌ اِرَاءَۃٌ بمعنی دکھانا اُوْرِیْ دراصل اُأَرْیِیُ تھا دوسری ہمزہ افعال کی پہلی ہمزہ علامتِ مضارع واحد متکلم کی ماقبل ضمہ کی وجہ سے دوسری کو واؤ سے بدلا تیسری ہمزہ عین کلمہ کو بوجہ ثقل گرا دیا گیا آخری یَ کو اتصالِ ضمیر کی وجہ سے ساکن کر دیا گیا۔ کُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ اول ہے اٰیٰتِیْ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے خطاب کفارِ مکہ سے ہے فَ عاطفہ سببیہ لَا تَسْتَعْجِلُوْنِ بابِ استفعال کا فعل نہی جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِسْتِعْجَالٌ۔ دراصل تھا لَا تَسْتَعْجِلُوْنَنِیْ پہلی نون لا نہی کے جزم

marfat.com

دینے سے گری اور یاءِ متکلم ماقبل نونِ وقایہ پر کسرہ کے قرینے سے پوشیدہ محذوف منوی ہوئی یہ عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جلدی کرنا جلدی مچانا تَعَجُّلٌ کا معنیٰ خود کرنا۔ اِستعجال کا معنیٰ طلب جلدی یعنی جلدی مچانا۔ یہ فعل یا فاعل اپنے مفعول بہ یاءِ متکلم محذوفہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مسبب ہوا اُوْرِیْ کا۔ یہ فعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور دونوں مفعول بہ اور مسبّب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ یَقُوْلُوْنَ فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مَتٰی اسم ظرفِ زمانی بحالتِ رفع مقدرہ کیونکہ مبنیات میں سے ہے خبر مقدم ہے ھٰذَا اسم اشارہ اَلْوَعْدُ الف لام عہدِ خارجی مراد ہے عذابِ الٰہی یا قیامت، مشارالیہ اسم اشارہ اپنے اس مشارالیہ سے مل کر مبتدا مؤخر ہوا۔ یہ دونوں مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزاءِ مقدم ہوئی۔ ایک قول میں یہاں فعل یاتی پوشیدہ ہے دراصل تھا مَتٰی یَاْتِیْ ھٰذَا الْوَعْدُ، مَتٰی ظرفِ مقدم ھٰذَا الْوَعْدُ اس کا فاعل مگر یہ غلط ہے۔ اِنْ حرفِ شرط کُنْتُمْ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی ناقصہ ضمیر پوشیدہ ۔ اس کا اسم صٰدِقِیْنَ اس کی خبر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر دونوں مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ۔ لَوْ حرفِ شرط ہے مگر نحویوں کے نزدیک شرط کے علاوہ بھی چند معنی میں مستعمل ہے یہاں تمنا کے معنیٰ میں ہے اس لیے اس کی جزا موجود نہیں ہے اگر یہ شرطیہ ہو تو ترجمہ ہو گا اگر لیکن تمنا کے لیے ہو تو معنیٰ ہو گا کاش تب یہ کلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہے کیونکہ باری تعالیٰ دعا۔ بد دعا اور التجا تمنا کرنے سے پاک ہے یَعْلَمُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی تمنائی اَلَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب بافاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر فاعل ہوا۔ حِیْنَ اسم ظرفِ زمانی مضاف ہے لَا یَکُفُّوْنَ کے جملے کا ایک قرأت حِیْنٌ ہے اَلْعَذَابُ پوشیدہ مبتدا اَلْخبر لَا یَکُفُّوْنَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع منفی بلا معروف۔ جمع مذکر غائب کَفٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ روکنا متعدی ہوتا ہے ہتھیلی کو کف اسی لیے کہتے ہیں انسان اپنے پر کسی حملے کو فوری طور پر اسی سے روکتا ہے پانی کو بھی اسی سے روکنے کی کوشش کرتا ہے۔ ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے عَنْ حرفِ جر زوالی یعنی دور کرنے کے لیے وُجُوْهِ اسم۔ جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے وَجْهٌ بمعنیٰ چہرہ مضاف ہے ھِمْ مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَلنَّارَ الف لام حرفی عہدِ ذہنی بمعنیٰ قیامت کی گرمی یا دوزخ کی آگ۔ نَار اسم مفرد جامد بمعنیٰ

marfat.com

آگ یا عذاب مفعول بہ ہے۔ عَنْ وُجُوْهِهِمْ معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا عاطفہ تاکید یہ ایک قول لَا مشبہ بلیس کا ہے ھُمْ اس کا اسم یُنْصَرُوْنَ کا جملہ اس کی خبر ہے۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ عَنْ جارہ۔ ظُهُوْرِ اسم جمع مل کر منصرف ظَهْرٌ واحد ہے بمعنی پیٹھ مضاف ہے ھِمْ ضمیر مضاف علیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر معطوف ہے عَنْ وُجُوْهِهِمْ یہ دونوں مل کر متعلق ہے لَا یَكُفُّوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لا نافیہ عاطفہ تاکید یہ ھُمْ ضمیر مبتدا یُنْصَرُوْنَ، باب نَصَرَ کا فعل مضارع منفی مجہول معنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف لَا یَكُفُّوْنَ کے جملے پر دونوں پھر معطوف علیہ ہوئے اگلی عبارت کے بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۔ بَلْ حرف عطف اِضْرَاب کے لیے اضراب کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱۔ تاکید کرنا ماقبل کی ۲۔ ماقبل کے اجمال کو دور کر کے وضاحت و تفصیل کرنا ۳۔ ماقبل کی کیفیات بیان کرنا ۴۔ ماقبل کی نفی کرنا یہاں کیفیت بیان کرتا ہے۔ تَاْتِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا ایک قرأت میں یَاْتِیْ ہے۔ اس میں پوشیدہ ھِیَ ضمیر صیغہ کا مرجع اَلْوَعْدُ ہے یا حِیْنَ مگر تَاْتِیْ ہو تو مرجع اَلنَّارُ یا قیامت یا مطلقاً عقوبت ہے ھِمْ ضمیر مفعول یہ خیال رہے کہ عامل فعل کی نسبت فاعل کی طرف کرنے کی ہوتی ہے اور مفعول بہ کی طرف ہونے کی مفعول لہٗ کی طرف توجیہ یا تعلیل کی مفعول معہٗ کی طرف قرب کی مفعول مطلق کی طرف تاکید کی ہوتی ہے۔ ہونے کی نسبت خواہ اس کو ہو یا اس پر ہو یا اس کے ساتھ ہو یا پاس۔ یہاں ھِمْ ضمیر میں تَاْتِیْ کی نسبت پاس ہونے یا اُن پر ہونے کی ہے بَغْتَةً اسم مصدر بمعنی مفعول مطلق یعنی اچانک ایک لغت میں بَغَتَةً ہے عین کے فتحہ سے اَنَا حال ہے تَاْتِیْ کے فاعل پوشیدہ کا۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ تَبْهَتُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب بَهْتٌ سے مشتق ہے بمعنی بدحواس ہو کر گھبرا جانا یہاں متعدی بیک مفعول ہے یعنی گھبرا دینا بدحواس کر دینا ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع وہی اَلنَّارُ یا وَعْدُ یا حِیْنَ ھُمْ ضمیر مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے فَ عاطفہ بیانیہ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ باب استفعال کا مضارع منفی جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع تمام کفار (اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا) مصدر ہے اِسْتِطْوَاعٌ اور اِسْتِطَاعَةٌ طَوْعٌ سے بنا ہے بمعنی طاقت رکھنا طاقت پانا۔ رَدَّ اسم مصدر ثلاثی مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع اَلْوَعْدُ یا اَلنَّارُ یا حِیْنَ۔ کوئی بھی ہو

marfat.com

مقصد ایک ہی ہے مجرور منفصل ہے کیونکہ مفعول مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ
کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ منفیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا حرف نفی مشبہ بِلَیْسَ هُمْ اس
کا اسم مرفوع منفصل ضمیر یُنْظَرُوْنَ بابِ نَصَرَ کا مضارع مجہول جمع مذکر غائب فاعل پوشیدہ
ضمیر صیغہ مرجع وہی کفار نَظْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مہلت دینا۔ دیکھنے دینا۔ غور سے دیکھنے کے
لیے وقت دینا۔ یہاں پہلے معنی ہیں ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَا مشبہ کی لَا
اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا ماقبل جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف
ہے بَلْ تَاْتِیْ کے جملے پر وہ عطف ہے لَا یَکُفُّوْنَ کے جملے پر یہ تمام عبارت معطوفہ مضاف
اِلَیْہ حِیْنَ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَوْ یَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تمنائیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ وَ یَقُوْلُوْنَ مَتٰی هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ کفار کی کفریات
میں جلد بازی اس لیے ہے کہ ہر انسان بہت زیادہ جلد باز پیدا کیا گیا ہے اس جلد بازی
میں وہ اپنے اصلی برے بھلے کی بھی نہیں سوچتا۔ یہ جلد بازی اس کے خمیر اور مٹی میں ہی شامل
ہے۔ یہ عجلت مچانا انسان کی وراثتی جبلت ہے آدم علیہ السلام نے بھی پیدا ہوتے ہی اٹھنے
کی جلد بازی کی تھی حالانکہ ابھی ان کے پیروں میں روح بھی نہ پہنچی تھی۔ اسی جبلی (پیدائشی) عادت
کی بنا پر اپنے کفر کی اس سزا کو بھی جلدی طلب کر رہے ہیں جس کی خبر میرے یہ محبوب ان کو
سناتے ہیں تو بجائے عذاب سے ڈرتے کفر سے ہٹتے بندہ بننے کے عذاب آنے کی جلدی
مچا رہے ہیں۔ اور ہمارے نبی کی ان عذاب والی وعیدوں خبروں کو غلط اور جھوٹا سمجھ
رہے ہیں اس لیے یہ جلد بازی مذاقاً کر رہے ہیں یہ مذاق ان کو مہنگا پڑے گا اور ایسا
سخت رسوا کرے گا کہ یہ لوگ جو آج بڑھ چڑھ کر تمسخر کر رہے خود ہی تاریخوں اور زمانوں
میں عبرتناک مذاق بن جائیں گے۔ اس لیے کہ عنقریب بہت ہی جلدی میں رب قہار جبار
اے منکرو عذاب کی اٹل خبروں وعیدوں کی تضحیک کرنے والو تم کو اپنی یہ نشانیاں دکھا دوں
گا۔ جو صرف دیکھنے کی حد تک ہی نہ ہو گا بلکہ تم پر وارد ہو گا جس سے تم کو پتہ لگ جائے گا کہ قہر
کا عذاب کتنا سخت اور نہ ٹلنے والا ہے جس کے بعد نہ مہلت ملے گی نہ زندگی نہ یہ زندگی کی آسائشیں
اے بیوقوفو اس مہلت کی قدر کرو اور ہمارے نبی مکرم کے پیار بھرے انداز میں سمجھانے
بتانے کو غنیمت جانو اور نفس و شیطان کے بہکاتے میں آکر جبلی خصلت نہ اپناؤ۔ پس جلدی

marfat.com

نہ مچاؤ۔ ان کفار کی تضحیک آمیز جلد بازی جہالت وحماقت کی اِس حد تک پہنچی ہوئی ہے کہ پچھلی نافرمان کافر اُمتوں کی تاریخی بدبختیوں عذابوں اُجڑی بستیوں سفر کے مشاہداتی نظاروں سے یکسر غافل واندھے بن کر کہتے ہیں کہ کب ہوگا ظاہر یہ عذاب آسمانی قہر الٰہی کا وعدہ روز کہتے ہو کہ تمہاری بُت پرستی شرک بالٰلہ کفرسازی کا عذاب آنے والا ہے۔ اگر تم مسلمان لوگ سچے ہو تو لے آؤ نہ کہیں سے ہم تو بار بار تمہارے اللہ سے کہہ رہے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ اِنْ کَانَ ھٰذَا ھُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِکَ فَاَمْطِرْ عَلَیْنَا حِجَارَۃً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ اے اللہ اگر یہی قرآن اسلام حق سچ ہے تیرے پاس سے تو ہم پر پتھر برسا دے آسمان سے یا ہمارے پاس دردناک عذاب لے آ۔ کفار کے اِس قول کو سورۃِ انفال کی آیت ٣٢ میں نقل کیا گیا ہے وہیں پر یہ جواب بھی ارشاد فرمایا گیا ہے کہ کفار پر باوجود اُن کے مانگنے کے عذاب اس لیے نہیں آتا کہ اے محبوب اَنْتَ فِیْھِمْ تم اُن میں موجود ہو جب تک تم کلے میں ہو عذاب نہ آئے گا۔ ہاں جب آپ یہاں سے ہجرت کر جاؤ گے پھر دیکھنا کہ بدر وحنین میں ان کی کتنی ذِلتیں ستائیں اور قبر کے عذابوں کی بھرمار ہوگی سَاُورِیْکُمْ کا نقشہ وہاں دیکھیں گے ابھی تک تو انھوں نے صرف سنا پڑھا یا گزرے عذاب کے نشانات کا مشاہدہ ہی کیا ہے بس یہ ہی سنا ہے کہ کسی کافر قوم پر پتھر برسے تھے یا وادیٔ محسّر میں کبھی عذاب کے کنکر پڑے تھے۔ ابھی کیفیت کو جانتے نہیں۔ لیکن لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا حِیْنَ لَا یَکُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْھِھِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُھُوْرِھِمْ وَلَا ھُمْ یُنْصَرُوْنَ یہ جلد بازی مچانے والے وہ کافر لوگ اگر کسی بھی طرح سے اُس عذابِ الٰہی کی کسی بھی حالت وکیفیت وشدت کے اُس وقت کو جان لیتے جب کہ نہ خود روک سکیں گے اپنے سامنے سے جہنم وعذاب کی آگ کو اور نہ اپنی پیٹھوں پچھواڑوں سے۔ اور نہ وہ کفار آگ وغیرہ کے عذاب سے بچائے جاتے ہیں کسی بھی طرف سے مدد کیے جائیں گے، نہ آگ بجھا کر نہ ان عذاب زدوں کو نکال کر نہ شفاعت سے نہ حمایت سے، دنیا میں تو ہر اچھے بُرے ظالم مظلوم کافر مومن کی ہر مصیبت میں مدد بھی مل جاتی ہے اور مدد کرنے والے بھی بلاامتیاز اپنے پرائے دوڑے چلے آتے ہیں مگر قیامت میں یا قبر وحشر میں یہ کچھ نہ ہوگا۔ وہاں تو ایمان والوں کی ہی مدد ہوگی اور ایمان والے ہی مددگار رہوں گے۔ خیال رہے کہ کسی اچھی بری چیز یا نعمت مصیبت کا علم پانچ طرح سے ہو سکتا ہے۔ ١ کسی کو گرفتارِ مصیبت اور چیختے چلاتے دیکھ کر ٢ یا مصیبت زدہ علاقے

marfat.com

کی تازہ خبریں یا آوازیں سن کر ۲ یا اپنے پر کسی مصیبت کا وُرود قبل ورد۔ جلن اور زخم محسوس کرکے ۳ یا تصویروں میں مصیبت زدوں کا حال دیکھ کر ۴ یا خواب میں جنگ وقتل اور جہنم وقیامت کو دیکھ کر ان ذریعوں سے کچھ نہ کچھ بندوں کو عبرت اور خوف پیدا ہوتا ہے کفارِ مکہ کو اس قسم کا کوئی بھی کبھی نظارہ نہ ہوا تھا اس لیے بے باک دیے خبر بنے ہوئے تھے اور اسی احمقانہ بے خبری کی بنا پر ہر چیز کا تمسخر وانکار کر دیتے تھے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ جہنم میں کفار کے چہروں پر پہلے آگ لگے گی پھر باقی جسم پر شاید اسی لیے یہاں وُجُوهِهِمُ کا ذکر پہلے کیا گیا ہے فاسق مومن کو سزاءِ جہنم میں پہلے پیروں کو آگ لگے پھر ان اعضا کو جن سے گناہ کرتا تھا۔ چہروں کو نہ لگے گی نہ زبان کو اس لیے کہ زبان سے کلمہ تلاوت ذکر وغیرہ مومن کا کبھی نہ کبھی جاری ہوتا ہی ہے۔ اور مومن کا چہرہ ماتھا وغیرہ سجدے کے لیے بنایا گیا ہے۔ ہر مصیبت کو پانچ طریقوں سے دور کرنے اور ختم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۱ اوّلاً بندہ خود مصیبت ہٹانے مٹانے کی کوشش کرتا ہے ۲ دوم اگر مٹائی یا ہٹائی نہ جا سکے تو خود وہاں سے بھاگنے کی کوشش کرتا ہے ۳ سوم اگر بھاگ بھی نہ سکے تو مدد کے لیے پکارتا ہے ۴ مدد نہ مل سکے تو مصیبت ٹلنے کے لیے سفارشی حمایتی ڈھونڈا جاتا ہے یا رشوت کا سہارا لیا جاتا ہے ۵ اور اگر کوئی مددگار بھی نہ آئے یا نہ آ سکے تب مصیبت ڈالنے والے سے مہلت مانگی جاتی ہے یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ یہ کفار جس عذابِ الٰہی کو بار بار طلب کر رہے ہیں، اگر یہ جان لیں کہ ان پانچوں طریقوں میں سے کسی طرح سے بھی کافر رہتے ہوئے اس عذابِ عظیم سے بچ نہیں سکتے ۱ لَا يَكُفُّونَ ۲ وَلَا عَنْ ظُهُورِهِمْ نہ پیٹھ دکھا کر بھاگ کر ۳ وَلَا هُمْ يُنْصَرُونَ ۴ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا۔ سفارش وحمایت سے واپس پھیرنے کی ہمت یا رشوت وغیرہ دیکر ۵ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ کتنا عظیم کرم اور کتنی کثیر شفقت ہے اُس ربّ تدبر کی کہ جس نے دنیا میں ہی یہ سب کچھ بتا دیا صرف آنے کا وقت نہ بتایا۔ اور آگاہ کر دیا گیا بتا دیا گیا کہ بَلْ تَأْتِيهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ فَلَا يَسْتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ۔ بلکہ وہ عذاب قبر میں موت میں یا قیامت یا جہنم میں۔ اُن کے اوپر ایسے اچانک آئے گا کہ نشانات سے اشارات سے علامات سے کسی طرح بھی ان کو چند گھڑیاں بھی پہلے معلوم نہ ہو سکے گا کسی کو تصور وخیال، دھمک یا بھنک بھی نہ ہو سکے گی اور مجرمین کو حیران ومبہوت کر کے رکھدے گا، اور جب یہ عذاب یا وقتِ عذاب آ جائے گا تو یہ لوگ کسی بھی حیلے بہانے اس کو واپس نہیں لوٹا سکتے۔ نہ کسی عذاب لانے والے کو بہلا پھسلا کر کچھ دیر کے لیے ٹال سکتے ہیں۔ نہ اُس وقتِ موت میں یا قبر حشر جہنم میں نہ ہی کچھ مہلت دیئے جائیں

marfat.com

نہ سوچنے سمجھنے کا وقت یہ مہلتیں ہوتیں سوچنے سمجھنے کی مدتیں تو یہاں دنیا میں ہر ایک کو بہت کچھ دیدی گئیں سمجھا دی کھول کھول کر سنا دی گئیں۔ اور اب بھی تا قیامت چڑھتے سورج ڈھلتے چاند آتے دن اور جاتی رات کسی کے جینے اور کسی کی موت سے احادیث کی روایات اور قرآن مجید کی آیت سے بار بار سمجھایا جا رہا ہے کہ۔

خبرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر   زاں پیشتر کہ بانگ بر آید فلاں نماند

یعنی۔ اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرے   اندھیرا پاس آتا ہے یہ دو دن کی اجالی ہے

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف تفسیری اقوال۔ خُلِقَ میں دو قول ہیں ۱ قدرتِ الٰہی سے پیدا کرنا مراد ہے جو ایک دفعہ ابتداءِ آفرینش میں ہوا ۲ قانونِ الٰہی سے پیدا کرنا مراد ہے جو ہر انسان کے پیدا کرنے کے لیے نطفہ علقہ مضغہ سے ہوتا ہے۔ اَلْاِنْسَانُ میں تین قول ہیں ۱ یہاں نوعی انسان یعنی آدم علیہ السلام مراد ہیں ۲ جنسی انسان یعنی عام انسان تمام مومن وکافر مراد ہیں ۳ شخصی انسان نضر بن حارث مراد ہے یہ دعائیں کرتا تھا کہ اگر مسلمان سچے ہیں تو ہم پر عذاب نازل کر دے اور پتھر برسا دے۔ اور بڑھ چڑھ کر باتیں کرتا تھا مِنْ عَجَلٍ میں چار قول ہیں ۱ یہ مِنْ بعضیت کا ہے اور عَجَل سے مراد زمین کی سخت مٹی، یعنی انسان پیدا کیا گیا ہے تھوڑی سی کڑک مٹی سے۔ عرب کے بنی حمیر قبیلے کے محاورۂ لغوی میں مٹی کو عجل کہتے ہیں۔ چنانچہ شاعر کہتا ہے۔

وَالنَّبْعُ فِی الصَّخْرَۃِ الصَّمَّاءِ بِنْبَتَۃٍ   تُنْبِتُ نَخْلٌ مِّنْ مَّآءٍ وَّمِنْ عَجَلٍ

یعنی حیرانی ہے کہ پانی کا چشمہ پھوٹتا ہے سخت چٹان اور کھجور کا درخت تھوڑے پانی سے سخت مٹی میں اگایا جاتا ہے ۲ عَجَل سے مراد جبلی اور پیدائشی عادت ہے ۳ عَجَل سے مراد آبائی اور موروثی عادت ہے اس طرح کہ آدم علیہ السلام سے یہ عادت وراثتی طور پر ہر انسان میں آئی ۴ مِنْ عَجَلٍ سے مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ساری مخلوق سے جلدی اور تھوڑے وقت میں انسان کو پیدا فرمایا۔ یعنی احادیث وروایات کے مطابق انسانِ اوّل کی پیدائش صرف ایک ساعت میں مکمل ہوئی۔ عصر کے بعد غروبِ آفتاب سے پہلے۔ یا یہ کہ آدم علیہ السلام جو انسانِ اوّل ہیں ان کو بغیر نطفہ بلا مدت مکمل خلقت خوب صورتی جسمیت روح اور بشریت خلافت علم معرفت انسانیت سب کچھ ایک تھوڑی سی ساعت میں بنا کر فرمایا۔ خَلَقْتُ بِیَدَیَّ۔ (سورۃ ص آیت ۷۵) بخلاف دیگر انسانوں کے کہ ان کو قانونِ

marfat.com

خِلقت سے پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظام پھر لحم پھر نشو نما ہڈی گوشت پوست پھر جاندار انسان اور آدمی بنایا جاتا ہے جس میں تقریباً چار ماہ تو شکمِ مادر میں لگتے ہیں پھر بعد ولادت بچہ پھر نابالغ پھر بالغ پھر نوجوان پھر جوان ہو کر مکمل ہوتا ہے۔ عَجَل کے معنیٰ میں چھ قول ہیں۔ ۱۔ کتبِ لغت میں عَجَلُ کا معنیٰ ہے وقت سے پہلے کسی چیز کو طلب کرنا ۲۔ قاموسُ اللُّغات میں لکھا ہے کہ غیر اور نامناسب جگہ کسی چیز کو رکھنا ۳۔ کسی کام کے پورا ہونے میں جلدی مچانا کہ ابھی فوری یہ کام ہو جائے چنانچہ حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ جب حضرت آدم کو پیدا کیا گیا تو ابھی آپ کی روح زبان میں تھی کہ آپ بول پڑے اور عرض کیا مولیٰ مجھ کو جلدی پیدا فرما سورج غروب سے پہلے، جب ناف میں روح آئی تو اٹھنے کی کوشش کرنے لگے، حالانکہ ابھی لاتوں پیروں میں روح نہ آئی تھی اور اُٹھ نہ سکتے تھے ۴۔ عجل کا معنیٰ جلد بازی کی کثرت اور صبر و تحمل و انتظار کی قلت۔ اسی لیے عَجَل اور عُجلت مذموم ہے۔ بزرگوں نے کہا ہے کہ اَلعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیطٰنِ۔ یعنی جلد بازی شیطان کی طرف سے ہے وہی بندوں کو جلد بازی کرنے میں ورغلاتا اُکساتا ہے ۵۔ عجل کا معنیٰ مٹی کا خمیر اور اُبلنا کھولنا ۶۔ عَجَل کا معنیٰ ہے کمزوری یعنی انسان فطرتاً کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ یہاں خُلِقَ اس لیے فرمایا گیا کہ آدمی میں استعجال اتنا زیادہ ہے۔ گویا پیدا ہی جلدی سے کیا گیا۔ اہل عرب کسی چیز میں اظہارِ کثرت کے لیے خُلِقَ استعمال کرتے ہیں، مثلاً خُلِقَ زَیدٌ مِنَ الکَرَمِ۔ یعنی زید اتنا کریم و سخی ہے گویا کہ پیدا ہی کرم سے کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ، اسی محاورے میں انسان کی کثرتِ عُجلت کو سمجھانے کے لیے خُلِقَ مِن عَجَلٍ فرمایا گیا۔ عربی لغت میں جلدی کے لیے تین لفظ استعمال ہوتے ہیں ۱۔ عجلت یعنی جلدی مچانا یہ مذموم ہے ۲۔ سُرعت یعنی کوئی کام جلدی کر لینا یا جلدی کر دینا یہ محمود ہے اور انبیا علیہم السّلام کی سنت ۳۔ فجائت۔ یعنی کسی کام کا یکایک ہو جانا۔ جلدی ہو جانا۔ یہ قدرتی چیز ہے اس میں بندہ بے اختیار رہے۔ سَاُورِیکُمْ اٰیٰتِی میں چار قول ہیں ۱۔ جنگِ بدر اور دیگر فتوحاتِ اسلامیہ کے قتال اور وہیں پر کفار کی موت کے عذابِ قبر تا قیامت مراد ہے ۲۔ حسابِ قیامت کے بعد اور میدانِ محشر کی سختی پُل صراط کا عذاب مراد ہے ۳۔ اس سے مراد توحید و رسالت کے دلائل ہیں۔ ۴۔ سَاُورِیکُمْ اٰیٰتِیْ سے مراد سابقہ کافر اُمتوں کی عذاب الٰہی سے اجڑی بستیاں و نشاناتِ عذاب دکھانا ہے۔ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ میں دو قول ہیں ۱۔ اگر تم سچے ہو ہم کفار پر عذاب آنے میں ۲۔ قیامت آنے میں حِیْنَ میں تین قول ہیں ۱۔ جنگ کا وقت

marfat.com

مراد ہے ۲ عذابِ قبر کا وقت مراد ہے ۳ حِیْنَ لَایَکُفُّوْنَ۔ جہنم کا زمانہ مراد ہے۔ ان آیت میں کفار کی تین جہالتیں بیان ہوئیں ۱ کفر ۲ اِسْتِہْزَا۔ یعنی مسلمانوں اور اسلام کی باتوں خبروں کا مذاق اڑانا ۳ استعجال نہایت حماقت و ڈھٹائی سے عذاب کی طلب اور عذاب آنے کی بددعائیں مانگنا۔ ان جہالتوں سے اُن لوگوں کو باز رکھنے بچانے اور بندہ بن جانے کے لیے سات طرح سے عذاب کی سختی بیان کی گئی ۱ وہ ایسا اٹل عذاب ہے کہ لَا یَکُفُّوْنَ جن پر آئے گا وہ اُس کو آنے سے روک نہ سکیں گے ۲ عَنْ وُّجُوْہِہِمُ اپنے سامنے سے بھی نہ روک سکیں گے ۳ وَلَا عَنْ ظُہُوْرِہِمْ۔ اپنے پیچھے سے بھی نہ روک سکیں گے نہ پیٹھ دکھا کر بھاگ سکیں۔ ۴ وَلَا ہُمْ یُنْصَرُوْنَ نہ کوئی مددگار ان کو چھڑا ائے نہ چھڑا سکے ۵ تَاْتِیْہِمْ بَغْتَۃً۔ اتنا خطرناک کے اچانک آئے گا ۶ فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ رَدَّہَا کسی میں طاقت نہیں کہ اُن کفار سے عذاب پھیر دے نہ خود عذاب کے اندر مبتلا کفار میں یہ طاقت ۷ وَلَا ہُمْ یُنْظَرُوْنَ نہ وہ ذرہ بھر مہلت دیے جائیں گے انسانوں پر موت آنے کے چار طریقے ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ علاماتِ موت ظاہر ہوتی ہیں دوم یہ کہ نشاناتِ موت ظاہر ہوتے ہیں ۳ اچانک موت بندے کے چلتے پھرتے آجاتی ہے ۴ بیماری سے آتی ہے۔

فائدے ان آیتِ پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ رب تعالیٰ نے موت کا وقت بجز انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اُن کی طفیل بعض بعض اَخصُّ الخاص اولیاءُ اللہ کے اور کسی بھی شخص اِنس و جن کو موت کا وقت نہیں بتایا۔ تاکہ بندہ ہر وقت نیکی عبادت توبہ اور موت کی تیاری میں لگا رہے اور زیادہ سے زیادہ سرمایۂ آخرت جمع کرکے عزت بڑھاپے کے مطمئن اور غافل ہو کر نہ بیٹھ رہے یہ فائدہ تَاْتِیْہِمْ بَغْتَۃً۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ دنیوی اعتبار سے وہ خوش بخت سمجھا جاتا ہے جس پر دنیوی مصائب اچانک اور ایک دم بہت سے نہ آئیں بلکہ آہستہ آہستہ آئیں بدل بدل کر۔ اچانک مصیبت آجانا بھی سخت تکلیف دہ ہوتی ہے اور کثرتِ مصائب بھی۔ تھوڑی تھوڑی صورت میں بندہ برداشت بھی کرتا جاتا ہے بچاؤ کی تدابیر سوچتا اور مہیا کرتا جاتا ہے اور عادی بھی ہوتا جاتا ہے ایک دم بہت ساری تکالیف کا جمع ہو جانا انسان کو پاگل یا اَدھ مُوا کر دیتی ہیں بلکہ اچانک ہونا بجاءِ خود ایک مصیبت ہے۔ اچانک تو بعض دفعہ خوشی بھی برداشت نہیں ہوتی۔ لیکن اُخروی اعتبار سے وہ بندہ خوش قسمت سمجھا جاتا ہے جس کو اچانک موت نہ آئے، کیونکہ اچانک موت کو

marfat.com

رب تعالیٰ کا عذاب اور ناراضگی کا نشان سمجھا گیا ہے یہ فائدہ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً (الخ) میں ھم ضمیر فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس ھم ضمیر کا مرجع کفار ہیں یعنی اُن کفار کے پاس موت اور قبر کا عذاب اچانک آئے گا۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندوں کے پاس اچانک موت نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیاروں کو علامات یا نشانات یا غیبی الہامات سے یا بیماریاں بھیج کر پہلے پہلے ہی موت کی خبر عطا فرما دیتا ہے۔ پھر بعض دفعہ جس کو ہم اچانک سمجھتے ہیں وہ اُن کے لیے اچانک نہیں ہوتی ان کو کئی دن پہلے موت کا پتہ لگ چکا ہوتا ہے۔ بعض بزرگ دیگر لوگوں کو بھی بتا دیتے ہیں بعض بزرگ اپنے دل ہی میں مخفی رکھتے ہیں۔ کسی نے حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے پوچھا کہ اچانک موت کیا ہے آپ نے فرمایا جس کی تیاری نہ ہو اگرچہ بیماری سے رگڑ رگڑ کر مرے اور جس کی تیاری ہو وہ اچانک موت نہیں اگرچہ بحالت تندرستی بیٹھا بیٹھا فوت ہو جائے۔ خود حضرت حکیم الامت علیہ الرحمۃ کو تقریباً اپنی وفات کا تین ماہ پہلے پتہ دے دیا گیا تھا اور آپ نے اپنے ایک خاص رازدار شاگرد قبلہ محترم حافظ صید علی صاحب مرحوم کو بتا دیا تھا جس کا ذکر حافظ صاحب نے مجھ سے کر دیا تھا مگر مخفی رکھنے کا حکم بھی دیا تھا۔ آج جس کو میں حضرت کی وفات کے چھبیس سال بعد مختصراً ظاہر کر رہا ہوں سُبْحَانَ اللهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللهِ الْعَظِیْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللهَ۔ یا اللہ امام احمد رضا بریلوی رضی اللہ عنہ کے اس دعائیہ شعر کے طفیل کہ واسطہ پیارے کا ایسا ہو کہ جو سُنّی مرے: یہ نہ فرمائیں تیرے شاہد کہ وہ ناجر گیا۔ میری موت بھی اچانک اور بغتۃً نہ ہو بلکہ آسان پیاری مسکراتی ہو۔ تیسرا فائدہ دنیا اور آخرت میں جہالت اور دینی اُخروی باتوں سے جاہل رہنا کفار کی حالت و علامت ہے مومن صالح متقی بحمدِ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کے صدقہ و طفیل میں بعض ایسی خبروں سے مُطلع ہو جاتے ہیں جو دوسروں کو پتہ نہیں لگ سکتیں یہ قرآن و حدیث کی برکتوں سے ہوتا ہے یہ فائدہ لَوْ یَعْلَمُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ اُخروی حالات کا کفار کو علم نہیں ہوتا اِس اَلَّذِیْنَ کی قید سے ثابت ہو رہا ہے کہ مومن مسلمان کو قبر حشر اور موت کے حالات و واقعات کا علم ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق دینی دنیوی ہر کام و کلام میں عجلت کرنی ناجائز ہے۔ اس طرح کہ بعض میں عجلت و جلد بازی، مکروہ تنزیہی بعض میں تحریمی بعض میں ممنوع بعض میں حرام، لیکن سُرعت دینی

marfat.com

کاموں میں جائز ہے دینی یا ضروری میں بھی جائز دنیوی غیر ضروری میں منع برے کاموں میں حرام دینی کاموں میں جواز کی چند صورتیں ہیں بعض میں بعض میں جائز بعض میں مستحب بعض میں واجب بعض میں فرض اسی فہرست میں فقہاء کرام گیارہ چیزیں ارشاد فرماتے ہیں ۱ گناہوں سے توبہ ۲ نمازوں کی وقت میں ادائیگی ۳ اچھا شرعی رشتہ ملنے پر لڑکی کی جلدی شادی ۴ میت کی تجہیز و تکفین و تدفین ۵ قرضہ کی ادائیگی ۶ قضا نمازوں کی جلدی ادا ۷ صحت و سہولت میں حج فرض ۸ قضاء روزوں کو جلدی ادا کرنا ۹ حصول علم دینی ۱۰ ناراض مسلمان بھائی کو راضی کرنا ۱۱ تمام حقوق العباد سے چھٹکارا حاصل کرنا۔ یہ مسئلہ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ کی مذمت اور عجلت و سرعت کے تغیری فرق اور دوسری آیت میں سرعت کی پسندیدگی کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ اخروی دہشت اور دہشت اور بَغْتَۃً یعنی اچانک ہونے سے صرف کفار مبہوت و حیران ہوتے ہیں بحمدہٖ تعالیٰ مومن متقی صالح قبر و حشر موت کی کسی چیز کے ہونے یا اچانک آجانے سے نہ مبہوت ہوں گے نہ حیران پریشان یہ مسئلہ فَتَبْهَتُهُمْ میں ھُمْ ضمیر جمع کا مرجع مراد کفار کے بنائے جانے اور خصوصیت سے اس حیرانی میں کفار کے ملوث ہونے سے مستنبط ہوا۔ نیز یہ بھی واضح ہوا کہ کسی بھی قدرتی امر یا معجزہ یا کرامت کے اظہار سے انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء اللہ کو کبھی نہ حیرت ہوتی ہے نہ گھبراہٹ لہٰذا ان جہلا مصنفین کو اپنی ان گستاخانہ عبارات سے رجوع اور توبہ کرنی چاہئے جو کہتے ہیں کہ، مجمع بحرین کے پاس تلی ہوئی مچھلی کے زندہ ہو کر پانی میں غوطہ لگا جانے اور وہاں پانی میں سوراخ بنا رہنے سے حضرت یوشع اور حضرت موسیٰ دونوں نبی حیران رہ گئے تھے یا کہتے ہیں کہ جب پہلی دفعہ عصاء موسوی سانپ بنا تو موسیٰ علیہ السلام گھبرا گئے تھے۔ یا کہتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے طور پر اس لیے سانپ کا معجزہ دکھا دیا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جب پہلی دفعہ موسیٰ فرعون کے سامنے عصا پھینکتے تو خود ہی گھبرا کر نہ بھاگ جائیں۔ یہ سب غلط باتیں ہیں نہ وہاں حیرانی ہوئی تھی نہ یہاں طور پر خوف کی گھبراہٹ ورنہ پھر ید بیضا کا معجزہ پہلے کیوں کر اکر دکھایا گیا۔ تیسرا مسئلہ جس طرح آباؤ اجداد کی مالی وراثت کا اثر اگلی نسل اور فروع آل اولاد میں ہوتا ہے مورث کا مال وارثین کو ملتا ہے اسی طرح اخلاق و عادات کی وراثت بھی اولاد اور نسلی خاندان میں چلتی آتی ہے اور خاندان پر جبلی آبائی عادتیں وراثۃً جاری و ساری ہوتی ہیں بلکہ خاندانی شعوب اور قبائل بنتے ہی ان موروثی جبلی عادات سے ہیں۔ یہ مسئلہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ شریعت

marfat.com

اور فقہ اسلامی میں بھی ان خاندانی اور موروثی جبلی عادات کا بحیثیت اعتبار منعقد ہے۔ خلافت امامت کی جانشینی سجادہ نشینی اور شادی بیاہ کے لیے کفو کا قانون۔ اسی جبلی عادات کے موروثی ہونے کی وجہ سے ہے۔ آبائی مال و دولت اگلی نسل کو مالدار اور دولت مند یا غریب بنا دیتی ہے اور آبائی علمیت فراست عقلیت اگلی نسل آل و اولاد کو اعلیٰ قوم و عقل مند علم دار صاحب فراست یا بیوقوف و جاہل کند ذہن اور تیخ قوم بنا دیتی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ۔ یعنی انسان جلد باز پیدا کیا گیا اس سے ثابت ہوا کہ جلد بازی انسان کی جبلی اور فطری عادت ہے۔ حدیث پاک میں آتا ہے کہ جبلی عادت ختم نہیں ہوسکتی تو پھر آیت میں اسی جگہ آگے کیوں فرمایا گیا۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔ یعنی جلد بازی مت کرو۔ جب یہ جبلی عادت ہے اور بفرمانِ حدیث مقدسہ جبلت میں انسان مجبور اور مجبوری سے انسان معذور تو پھر اس کی ممانعت کیوں کی گئی یہ تکلیف مَالَا یُطَاق ہے کہ جس سے انسان بچ نہ سکے اُس سے بچنے کا حکم باز رہنے کی نہی فرمائی جا رہی ہے یہ بات تحکمتِ حکیم کے خلاف ہے۔ جواب۔ جبلی عادت اگرچہ مضبوط ہوتی ہے اور اُس کو چھوڑنا مشکل ہوتا ہے مگر ترک کرنا ناممکن نہیں ہوتا نہ بندہ اس کے آگے مجبور ہوتا ہے، حدیث پاک کے ارشادِ مقدسہ کا معنی یہ ہے کہ آسانی سے یا خود بخود ختم نہیں ہوسکتی۔ لیکن اگر انسان کوشش کرے تو ختم ہوسکتی ہے اگر وہ جبلت بُری ہو تو اُس کے ترک پر ثواب ملتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں میں بہت سی جبلی عادتیں پیدا کی ہیں کچھ اچھی کچھ بُری مثلاً ۱ جلد بازی ۲ غصہ ۳ ہنسنا ۴ رونا ۵ مسکرانا ۶ فہم ۷ نطق ۸ حصولِ علم کی استعداد ۹ شہوت ۱۰ کنجوسی ۱۱ کمزوری۔ اور اُن سے رُکنے یا ان کو بدلنے کا حکم دیا گیا۔ اُن کے خلاف چلنے کو کہا گیا ہے ان عادات کا بیجا اور غلط استعمال شرعًا بُرا فرمایا گیا ہے۔ تبدیلی کا حکم اس طرح دیا کہ جلد بازی کے مقابل صبر۔ ہنسنے کے مقابل آخرت اور خوفِ خدا میں رونے کو ترجیح ہے۔ رونے کے مقابل ذکرِ الٰہی محبوب ہے طنزًا مسکرانے سے ممانعت ہے، دنیوی امور میں فہمی لیاقت خرچ کرنے سے بہتر ہے کہ قرآن و حدیث میں صرف ہو۔ دنیوی فضول گفتگو قصوں کہانیوں سے بہتر ہے خاموشی۔ دنیوی اور ذاتیات کے لیے غصہ کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے۔ اس طرح کے غصے کے ترک پر کثیر ثواب ہے شہوت کو حرام جگہ استعمال کرنا گناہِ کبیرہ اس کی حلال طریقہ سے استعمال کا حکم، کنجوسی کے مقابل سخاوت

marfat.com

کا حکم ہے۔ انسانی کمزوری کے باوجود جہاد کا حکم ہے حالانکہ یہ سب جبلی عادتیں ہیں مگر کسی کے ترک اور کسی کے بسنے کا حکم ہے انسان ان کے آگے مجبور نہ سمجھا گیا کیونکہ ان سب پر انسان کو قابو ہے لہٰذا معذور نہیں۔ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ عجلت اگرچہ جبلی عادت ہے مگر بری ہے شرافت و عقل کے خلاف اور نقصان دہ ہے اس لیے نہ کرو۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْهِهِمُ النَّارَ وَلَا عَنْ ظُهُوْرِهِمْ۔ یعنی وہ کفار اپنے چہروں اور اپنی پیٹھوں سے آگ نہ روک سکیں گے نہ ہٹا سکیں گے۔ تو کیا وہ اپنے سروں سے سینوں سے اوپر نیچے دائیں بائیں سے آگ ہٹا سکیں گے حالانکہ جہنم کی آگ تو ان کے سارے جسم پر ہو گی اور کہیں سے نہ ہٹا سکیں گے تو چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا۔ لَا یَكُفُّوْنَ عَنْ وُّجُوْدِهِمْ یا فرمایا جاتا۔ عَنْ اَجْسَامِهِمْ۔ یا عَنْ اَبْدَانِهِمْ۔ تاکہ اوپر نیچے دائیں بائیں سب کا ذکر آجاتا۔ جواب۔ اس کے تین جواب دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں پر وُجُوْهِهِمْ اور ظُهُوْرِهِمْ سے صرف چہرے اور پیٹھیں مراد نہیں بلکہ وجوہ سے مراد سامنا ہے اور ظہور سے مراد پیچھا ہے یعنی آگ کفار کے پوری طرح آگے بھی ہو گی اور پیچھے بھی اور نہ آگے سے ہٹائی جا سکے گی نہ پیچھے سے اس آگے اور پیچھے میں تمام جسم مع اوپر نیچے اور دائیں بائیں کے آگیا۔ اس لیے کہ جسم انسانی میں بڑی اور لمبی چوڑی جگہ آگا پیچھا ہی ہے۔ دائیں بائیں اوپر نیچے چھوٹی اور تھوڑی ہیں۔ جواب دوم یہ کہ بعض نے فرمایا وُجُوْهِهِمْ سے مراد چہرے ہی ہیں اسی طرح ظُهُوْرِهِمْ سے مراد پیٹھ ہی ہے چونکہ جسم کی عزت شہرت معرفت (پہچان) کرتے اور خوب صورتی میں چہرہ ہی سب سے زیادہ ہوتا ہے اسی کو انسان پہلے بچانے کی کوشش کرتا ہے اس طرح جسمانی قوت میں پیٹھ سب سے زیادہ معتبر سمجھی جاتی اس کو بچانا آسان بھی ہے اس کو بچا لینے سے تقریباً آدھے سے زیادہ جسم بچ جاتا ہے۔ اس کے بچانے کا دوسرا نام پشت پناہی ہے۔ اس لیے فرمایا جا رہا ہے کہ وہ حصے جسم کے جس کو انسان پہلے بچانا چاہتا ہے۔ اور جن کا بچانا آسان ہے۔ جب وہ ہی نہ بچا سکے گا تو بعد والی چیزوں کی طرف کب پہنچ پائے گا۔ جسم کے معتبر حصوں کا ذکر فرما کر آگ کی سختی کو ظاہر فرمایا گیا اور معتبر وُجُوہ وظہور ہی ہیں۔ جواب سوم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ محاورۃً وجوہ اور ظہور سے سارا جسم ہی مراد ہوتا ہے اس لیے یہاں آیت میں بھی سارا جسم مراد لیا گیا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ بَلْ تَاْتِیْهِمْ بَغْتَةً فَتَبْهَتُهُمْ جس کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ بلکہ آئے گی ان کے پاس اچانک تو ان کو مبہوت اور حیران کر دیگی۔

marfat.com

اگر یہاں جنگِ بدر مراد ہو تب تو وہ بَغۡتَۃً نہیں تھی۔ بڑی تیاری کافی دنوں کی منصوبہ سازی کے بعد تھی بہت عرصے سے دو طرفہ پتہ تھا کہ یہ جنگ ہوگی۔ کفار مکے سے لشکر بنا کر چلے اور مسلمان مدینے سے لہٰذا یہ اچانک نہ ہوئی جب اچانک نہیں تو مبہوت کرنے والی نہیں اور اگر یہاں قیامت کا آنا مراد ہے تو اگرچہ وہ اچانک تو ہوگی مگر یہ کفار اس وقت زندہ نہ ہوں گے ان کی ہڈیاں بھی خاک دھول غبار بن چکی ہوں گی تو پھر ان کے لیے تو یہ بَغۡتَۃً نہ ہوئی اور نہ ان کو مبہوت وحیران کرنے والی پھر یہ کیوں فرمایا گیا ؟ جواب۔ تَاۡتِیۡ فعل کے فاعل کا مرجع جو بھی مراد لیا جائے جنگِ بدر یا قیامت بالکل درست ہے۔ اور ہر صورت میں کفارِ مکہ کے لیے بَغۡتَۃً ہی ہے۔ اس طرح کہ اگر بَلۡ تَاۡتِیۡہِمۡ سے مراد جنگ بدر ہی ہو تو اس کی تیاری لشکر سازی مکے مکرمہ سے چل کر میدانِ بدر تک آنا اگرچہ اچانک نہ ہوا مکمل منصوبے اور معلومات کے ساتھ ہوا مگر اس جنگ کے ذریعے عذابِ الٰہی اچانک ہوا جو اُن کفار کے وہم وگمان تصور وخیال میں بھی نہ تھا کہ اتنے بڑے ہتھیار بند جوڑوں گھوڑوں سے مسلح لشکر کو بالکل چھوٹے نہتے بے سروسامان۔ روزے دار، بھوکے پیاسے لشکر سے ذلت آمیز شکست ہو جانا اور بڑے بڑے جابر ظالم سردارانِ مکہ کا چھوٹے چھوٹے ناتجربہ کار بچوں کے ہاتھوں قتل ہو کر موت وقبر میں چلا جانا، وہاں عذاب کا آنا یہ سب کچھ بَغۡتَۃً ہی ہوا جس نے کفار کو ذلت کے ساتھ حیران بھی کر دیا اور پریشان بھی، کفار کو یہ خیال تک نہ تھا کہ ہمارا یہ ہر طرح سے مضبوط لشکر ان غُرَباءِ صحابہ کے ہاتھوں شکست کھا جائے گا۔ اور ہم قبروں کے لیے عذابِ جہنم میں جا پڑیں گے وہ تو یہ سمجھ کر آئے تھے کہ ہم چند منٹوں کے اندر ان مٹھی بھر مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں گے۔ اور اگر یہاں قیامت کا آنا مراد لیا جائے تب بھی درست ہے اس لیے کہ قیامت جب آئے گی تو اتنی اچانک ہوگی کہ ہزاروں برس کے مُردہ کافروں کو بھی حیران کر دے گی اور اسی حیرانی میں وہ پکار اٹھیں گے۔ یٰوَیۡلَنَا مَنۡۢ بَعَثَنَا مِنۡ مَّرۡقَدِنَا۔ ہائے ہماری ہلاکت ہم کو ہماری قبروں سے کس نے اٹھا دیا، یہ اچانک کیا ہو گیا۔ (سورۂ یٰسٓ آیت ۵۲) یٰوَیۡلَنَا۔ کہنا بَغۡتَۃً کی حیرانی سے ہو گا۔ کفار قبر میں پہنچ کر بھی عذاب اور اس کی وجہ اور سبب سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور عذاب پر قبر میں بھی مبہوت ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بدر کے کوئیں میں پڑی لاشوں کو خطابِ نبوی والی حدیثِ پاک سے ثابت ہے۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ. سَاُورِیْكُمْ اٰیٰتِیْ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ وَیَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ۔ صوفیاءِ کرام کے نزدیک اِس آیت میں خُلِقَ الْاِنْسَانُ سے فَلَا تَسْتَعْجِلُوْنِ تک۔ چند معانی ہیں ایک یہ کہ اے کفریاتِ دنیوی میں مشغول ہو کر کفرانِ نعمت کرنے والو تم اپنی جہالت وضلالت کی وجہ سے طلبِ عذاب میں جلد بازی کر کے بڑی سخت حماقت کر رہے ہو اور تمہاری جلدبازی تین وجہ سے ہے جو تم کو بہت بڑا نقصان دینے والی ہے ۱ اس لیے کہ تم لوگ ہمارے نبی کی صداقت ونبوت کے منکر ہو ۲ اور یہ انکار محض عداوت کی وجہ سے ہے ۳ یہی وجہ ہے کہ قرآن اسلام کی ہر اُس بات کا مذاق بناتے ہو جو ہمارے نبی یا اُن کے صحابہ کی زبان سے سنو. اور میرے اس قانونی فیصلے کو سب جانتے ہیں کہ جس نے میرے ولیوں سے عداوت کی اُس نے گویا مجھ سے اعلانِ جنگ کیا۔ میرے محبوب کی تو شان وآن قدر ومنزلت ہی وراء بلکہ وَرَاءُ الْوَرَا ہے. اِس عداوت واستہزا کو معاف نہیں کیا جا سکتا تم جلدی کیا مچا رہے ہو۔ سَاُورِیْكُمْ میں خود تم کو بہت جلدی عذابِ الیم کی وہ وہ نشانیاں دکھاؤں گا کہ دنگ وتنگ ہو جاؤ گے اس لیے دشمنی وعداوتی استہزا کے ذریعے ایذا رسانی کرتے ہوئے مجھ سے دعائی بد دعائی لفظوں سے اپنے لیے ابھی عذاب کی جلدی مت مچاؤ۔ دوم یہ کہ روحِ انسانی عَجَل سے پیدا کی گئی یہ روح مخلوقاتِ دنیوی میں پہلی وہ مخلوق ہے جو قدرتِ ربانی سے متعلق ہے، سوم یہ کہ روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو کلمۂ کُنْ سے چھ دن میں پیدا فرمایا، لیکن آدم علیہ السلام کو اپنے دستِ قدرت سے بنا کر پیدا فرمایا۔ چالیس دن تک تو جسمِ آدم کی مٹی کا خمیر ہی بنا رہا۔ اُن چالیس دنوں کا ایک ایک دن ہزار سال کا تھا گویا کہ چالیس ہزار سال میں وہ مٹی تیار ہوئی جس سے آدم اور آدمیت کو پیدا فرمایا۔ اُس مٹی کا نام رکھا گیا عَجَل۔ اُس مٹی میں رب تعالیٰ نے گیارہ خزانے ودیعت رکھے۔ ۱ قوتِ عمل کا خزانہ ۲ سِرِّ خلافت کا خزانہ ۳ تجلّیِ ذات کی قابلیت ۴ مرآتِ صفات کا خزانہ ۵ کنزِ مخفی کا مظہر ۶ معدنِ معرفت کا خزانہ ۷ امانتِ الٰہی کا بوجھ ۸ صفاتِ کمالی کا خزانہ ۹ مظاہرِ آفاقی کے انعامات کا خزانہ ۱۰ تربیتِ انفاس کا خزانہ ۱۱ نبوتِ عظمیٰ اور ولایتِ کبریٰ کا خزانہ۔ پس اے منکرین مقاماتِ نبوت وکیفیاتِ ولایت اپنے نفوسِ ضعیفہ میں ان مقاماتِ عُلیا کے طلب کی جلدی مت مچاؤ نہ انکار کی جہنم کماؤ۔ پہلے قابلیتِ نفوس تو حاصل کر لو تب سَاُورِیْكُمْ کا جلوہ آشکارا ہوگا۔ طلبِ افکار نو عہد

marfat.com

سے لحد تک ہوتی ہے بلکہ ازل سے ابد تک مگر اَسرار کے مَنطِقُ الطَّیر تو صرف سلیمانِ وقت کو سکھائے جاتے ہیں عوام کو آفاق دکھائے جاتے ہیں خواص کو انفاس کا دیدار کرایا جاتا ہے۔ اَغیار کو فقط افلاک ہی گھما پھرا دیا جاتا ہے اس لیے وہ آسمانِ معرفت کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ اَبرار کو اَسرارِ انوار کا جلوہ کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ دو طرفہ اپنی اپنی استعداد کے مطابق حق ظاہر ہو جاتا ہے۔ صبر والا مقاصد پالیتا ہے، عُجلت والا ذِلّت پالیتا ہے۔ کیونکہ صبر میں شرافت ہے عُجلت میں ندامت ہے۔ اسی لیے فرمایا جاتا ہے کہ ہر کام توقف اور تفکر سے کرو۔ اُمورِ دنیوی ہوں یا مقاصدِ معنوی لیکن باطلین اس کو نہیں سمجھتے بلکہ حماقت سے عجلت کرتے ہوئے اہلِ حق پر غلط بیانی کا طنز کرتے ہیں اور صدق پر شک کرتے ہیں۔ لَوۡ یَعۡلَمُ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا حِیۡنَ لَا یَکُفُّوۡنَ عَنۡ وُّجُوۡہِہِمُ النَّارَ وَ لَا عَنۡ ظُہُوۡرِہِمۡ وَ لَا ہُمۡ یُنۡصَرُوۡنَ ۔ اگر اہلِ انکار جانتے پہلے سے اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ اُن پر جدائی اور قطعیت کا عذابِ حسرت کی جہنم۔ اور بُعدیت کی آگ نازل کرنے والا ہے تو اپنی ضد اور فسادِ باطنی سے مقامِ انکار پر کبھی قائم نہ رہتے مکانِ عداوت اور منازلِ استہزاء میں اور طلبِ عذاب کی عُجلت کی بجائے توبہ میں سُرعت کرتے اور طلبِ حق و ایمان بر حق کی طرف قلبی عقلی و بدنی رجوع کرتے کیونکہ طلبِ حق مقصدِ اعظم ہے اور وصولِ حقانیت منزلِ اعلیٰ ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں۔ ادبِ ظاہر یہ ہے کہ بندہ اپنی بصارۂ عینی و نظرِ چشمی کو راہِ مستقیم میں دائیں بائیں کی توجہ سے بچائے اسی طرح ادبِ باطن یہ ہے کہ بندہ اپنی بصیرتِ خاصہ و طبیعتِ مخلصہ کو ماسوا اللہ کی طرف نظر کرنے مائل ہونے سے بچائے اور روکے ورنہ اپنے وُجوہ و ظہور تحت و فوق دائیں بائیں سے نارِ فراق و عذابِ حرمان کو نہ روک سکے گا۔ اور یہ قوتِ کفوف و سعادتِ بندش۔ روکنے کی طاقت نہیں حاصل ہوتی مگر اُسی خوش نصیب بندے کو جسے راہِ سلوک میں نصرتِ مرشد کی مدد مل جائے۔ اس لیے کہ منزلِ شوق اور مدارجِ طلب کی ہدایت و ارشاد اہلُ اللہ سے ہی ملتی ہے۔ لہٰذا طریقِ مقصود میں فناءِ وجودی کی قوت ضروری ہے اور طلبِ مقام و نظارۂ افکار میں عُجلت منع ہے، جو کوئی بندہ مجنونِ صحراءِ حقیقت بنتا ہے تو لیلاءِ محبت کے ہاتھ سے فنا کا برتن ٹوٹ جاتا ہے۔ شرع۔ عقل۔ قلب۔ کشف کا یہ متفقہ عقیدہ ہے کہ یہ دنیا نشاتِ اُولیٰ ہے اور یہ دارِ حیات مقامِ قلیل و قیامِ اَدنیٰ ہے۔ اس لیے کمالِ رتبی و مقامِ قطبی کے حصول کے لیے دارِ بقا کی کثرت ضروری ہے۔ لیکن یہ چیز ملتی ہے نشاتِ ثانیہ سے۔ اور یہ نشاتِ دوم کا وصول و حصول بعدِ موت دارِ آخرت میں ہے۔ بَلۡ تَاۡتِیۡہِمۡ

marfat.com

بَغۡتَةً فَتَبۡهَتُهُمۡ فَلَا يَسۡتَطِيعُونَ رَدَّهَا وَلَا هُمۡ يُنظَرُونَ ۔ بلکہ موت ہی وہ وصل برحق ہے جو ہر ایک طالب کو اچانک ملتا ہے۔ یہ عمر وقت فرصت ہے اس کی گھر گرستی صحت و شباب ہے ان سب کو اے بندے غنیمت جان کیونکہ جب موتِ ناگہانی آگئی تو سب کو مبہوت کر دے گی پھر نہ گوش رہے گا نہ ہوش نہ قدرتِ عمل نہ تدارکِ عمر نہ قوتِ تاخیر نہ مہلتِ تفکر۔ ؎

غنیمت جان لو مل بیٹھنے کو جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے

اہلِ دنیا دنیا داروں سے ملنے کے لیے ظاہری بدن کو سنوارتے ہیں مگر اہل ایمان بارگاہ قدس کی حاضریِ بَغۡتَةً کے لیے ہر وقت روح و قلب کی خوب صورتی اور حُسن و جمال کی تقویت حاصل کرنے کی فکر میں لگے رہتے ہیں۔ بدن ظاہری کی خوب صورتی و خوشنمائی حُسنِ لباس و خوراک سے ہے مگر روح و قلب کی خوب صورتی حُسنِ اعمال و **اخلاق** میں ہے۔ حُسنِ اخلاق کی بیس قسمیں ہیں ۱ ہر حال میں سچ بولنا ۲ غرور میں نہ آنا ۳ تکبر نہ کرنا ۴ تعصب نہ کرنا ۵ تقلب میں ہمیشہ رہنا ۶ عداوت سے پرہیز ۷ استہزاء اور مذاق اڑانے سے بچنا ۸ عجلت سے پرہیز ۹ کارِ خیر کی سُرعت میں رہنا ۱۰ دنیا سے ناامیدی ۱۱ پیٹ بھر کر نہ کھانا ۱۲ غریب اور بھوکے پڑوسیوں کا بھی خیال رکھنا ۱۳ سائل پر نرمی اور بخشش کرنا ۱۴ احسانات کا بدلہ دینا ۱۵ امانت داری کرنا ۱۶ صلہ رحمی قائم رکھنا ۱۷ مہمان نوازی ۱۸ تمام حقوق ادا کرتے رہنا۔ بندے پر گیارہ قسم کے حقوق ہوتے ہیں حقوقُ اللہ، حقوقُ النبی، حقوقُ العباد، حقوقِ والدین حقوقُ النفس، حقوقِ قرابت، حقوقِ قرآن، حقوقِ حدیث، حقوقِ اسلام، حقوقِ دوست، حقوقِ پڑوس حقوقِ زوجیت قرابت میں شامل ہے اسی طرح حقوقِ اولاد بھی ۱۹ حیا اور غیرت مندی یہ حُسن اخلاق کی بنیاد ہے ۲۰ تقویٰ، دو چیزیں بندے کو جنت میں لے جاتی ہیں اور دو چیزیں جہنم میں، تقویٰ اور حسن اخلاق جنتی بنا دیتا ہے۔ خوشی اور غم میں شریعت کے خلاف رویہ اختیار کرنا جہنمی اس طرح کہ غم میں شکوہ خوشی میں بلوہ کرنا صفاتِ حمیدہ دو چیزوں کا نام ہے ۱ دنیا ضائع ہونے کا غم نہ کرو ۲ جو حاصل ہوا اس پر خوش رہو۔ یہ تمام نعمتیں مومن کو آستانۂ نبوت سے ملتی ہے مگر کفار اس سے محروم، کفر کی اصلیت بد اخلاقی ہے اور چار چیزوں کا نام بد اخلاقی ہے ۱ نیکوں سے عداوت ۲ مذاق بازی ۳ ایذا رسانی ۴ جلد بازی۔ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا دس چیزوں کا نام ہدایتِ اسلام ہے ۱ خوفِ الٰہی ۲ ایفاءِ عہد ۳ امانت داری ۴ پڑوسی کی حفاظت

marfat.com

۵ یتیم پر رحم ۶ نرم گفتگو ۷ تبلیغ قرآن وحدیث ۸ مسلمان عورت کے شرعی حقوق کی عزت و
حفاظت ۹ دنیوی امیدیں گھٹانا ۱۰ قرآن کریم میں تفکر تدبر تعقل تدبر کرنا۔

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ

اور البتہ مذاق اڑایا جاتا رہا ہے تمام رسولوں سے آپ سے پہلے اس لیے ہر طرح سے فنا کر دیا

اور بے شک تم سے اگلے رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا

بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَّا كَانُوا بِهِ

ان لوگوں کو تمسخر کیا تھا جنہوں نے ان میں سے اُس عذاب نے جس کا

تو مسخرگی کرنے والوں کا ٹھٹھا انہی

يَسْتَهْزِءُونَ ﴿٤١﴾ قُلْ مَنْ يَكْلَؤُكُمْ بِاللَّيْلِ ع ۳

مذاق بناتے تھے۔ اے محبوب فرماؤ کہ کون بچا سکتا ہے تم کو رات

کو ہے بیٹھا۔ تم فرماؤ شبانہ روز تمہاری کون نگہبانی

وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۗ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ

و دن کی ہر گھڑی میں اللہ رحمن سے پھر بھی وہ اپنے رب کی

کرتا ہے رحمن سے بلکہ وہ اپنے رب کی یاد

رَبِّهِمْ مُّعْرِضُونَ ﴿٤٢﴾ أَمْ لَهُمْ آلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ

یاد سے دور ہٹنے والے ہیں۔ کیا ان کے لیے کوئی ایسا معبود ہے جو محفوظ رکھے

سے منہ پھیرے ہیں۔ کیا اُن کے کچھ خدا ہیں جو ان کو

marfat.com

مِّنْ دُوْنِنَا ۭ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَ

ان کو ہمارے مقابلے سے بہ بت تو طاقت نہیں رکھتے اپنے آپ کی مدد کرنیکی اور

ہم سے بچاتے ہیں وہ اپنی ہی جانوں کو نہیں بچا سکتے اور

لَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ﴿۴۳﴾

نہ ہی ان کو ہماری طرف سے کچھ قرب دیا گیا ہے

نہ ہماری طرف سے ان کی یاری ہو

تعلقات اِن آیتِ مبارکہ کا پچھلی آیتِ مبارک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں جہنم کے عذابوں ذکر فرمایا گیا کہ وہ چہروں اور پیٹھوں سے ہٹ نہیں سکے گا۔ اب اِن آیت میں اُن لوگوں کی نشان دہی کی جا رہی ہے جو بدبخت اس عذاب کے مستحق بن جاتے ہیں یعنی انبیاءِ کرام علیہم السلام کا مذاق اُڑانے والے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ذکر ہوا کہ کفار لوگ عذاب جلدی مانگتے ہیں مگر ان کا یہ احمقانہ مطالبہ پورا نہیں کیا جاتا۔ اب اِن آیت میں اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ اللہ رحمٰن ہی تمہاری دن رات حفاظت فرما رہا ہے ورنہ اگر تمہارے جرموں خباثتوں کو دیکھا جاتا تو کب کے ہلاک ہو چکے ہوتے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی کمزوری بیان ہوئی کہ وہ اپنے آپ سے عذاب کو رد کرنے اور دور کرنے کی طاقت و ہمت نہیں رکھتے اب اِن آیت میں ان کے بتوں کی جن کو وہ اپنا معبود سمجھتے ہیں کمزوری بیان کی جا رہی کہ اے کافرو تم نے بتوں سے بڑی بڑی اُمیدیں لگائی ہوئی ہیں وہ تم سے عذاب کیا دور کریں گے وہ تو اپنی مدد نہیں کر سکتے۔

تفسیر نحوی وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ۔ واؤ ہر جملہ لام تاکید یہ برائے مضبوطی کلام قد استُهزِئَ باب استفعال کا فعل ماضی قریب مجہول مثبت واحد مذکر غائب مصدر ہے اِسْتِہْزَاءٌ ھُزْئٌ یا ھُزُوٌّ سے بنا ہے بمعنی مذاق اڑانا اس کی ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا نائب فاعل ہے مرجع خود مصدر اِسْتِہْزَاءٌ

marfat.com

بِ حرفِ جر بمعنی مَعَ یعنی ساتھ رُسُلٍ اسم جمع مکسّر ہے رَسُوْلٌ کی بمعنی پیغمبر صاحبِ وحی
یہ جار مجرور متعلق ہوا ہے مِنْ جارہ قَبْلِ اسم ظرف زمانی مضاف ہے کَ ضمیر مخاطب مرجع
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق دوم ہے فَـ اسْتُھْزِءَ
کا فَ حرف سببیہ ما قبل کے لیے سبب ہے ما بعد جیسے کا حَاقَ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق معروف مثبت
واحد مذکر غائب حَیْقٌ سے مشتق ہے ایک قول میں حَقٌّ سے مشتق جیسے ذَمٌّ سے ذَامَ اور زَلٌّ
سے زَلَّ مگر پہلا قول صحیح ہے ترجمہ ہے ہر طرف سے برباد کرنا یا ہر طرح سے ذلیل کرنا بِ جارہ
تعدیہ کی ب کی وجہ سے حَاقَ فعل متعدی اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر مراد ہیں کفار سَخِرُوْا باب
سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب سَخَرٌ سے مشتق ہے بمعنی مسخرہ پن کرنا
نقلیں اتارنا ہنسی اڑانا نیچا سمجھنا کمتر جاننا۔ ھُزْوٌ اور سَخَرٌ دونوں کے معنی ہیں مذاق کرنا مگر فرق
یہ ہے کہ باتوں سے اپنے برابر یا اپنے سے بڑے کا مذاق اڑانا اِستہزاء ہے اور عملاً نقل بناتے
ہوئے یا دوسروں کو ہنسانے کے لیے کسی کا مذاق یا کسی کو حقیر سمجھتے ہوئے اس کی بات نہ ماننا
یا اس پر کسی طرح دباؤ اور رُعب ڈالنا سَخَرٌ ہے کفار نے ہر طرح کا مذاق کیا تھا اس لیے دونوں
لفظ استعمال ہوئے اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے اَلَّذِیْنَ مِنْھُمْ
مِنْ جارہ بعضیت کا ھُمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے
سَخِرُوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ایک قول میں مِنْھُمْ کا مرجع رُسُلٌ ہے یعنی ان رسولوں
کا مذاق اڑایا (تفسیر معانی) سَخِرُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا موصول
صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے حَاقَ کا مَا اسم موصول ہے برائے تہویل (خوف دلانے کے لیے)
ہے اس لیے بہ میں ہ ضمیر کا مرجع مَا ہے ایک قول میں مَا مصدریہ ہے اور ہ ضمیر کا مرجع جنس
رسول کی طرف ہے پہلی صورت میں ترجمہ ہے کہ اس نے گھیرا جس کی بابت مذاق اڑاتے تھے
دوسری صورت میں ترجمہ ہوگا کہ ان کے مذاق اڑانے نے گھیرا ان رسولوں کا۔ کَانُوْا علامت
ماضی استمراری دراصل تھا کَانُوْا یَسْتَھْزِءُوْنَ۔ باب استفعال کا ماضی استمراری مثبت
معروف جمع مذکر غائب بہٖ جار مجرور متعلق ہے اسی فعل کا اس کو درمیان میں لانے سے
کلام کی اہمیت واضح ہوئی یہ فعل استمراری اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق سے مل کر جملہ
فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر فاعل ہوا حَاقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا وَلَقَدْ
کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ

marfat.com

اس کا فاعل مرجع مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں مَنْ اسم موصول یَکْلَؤُ. باب سَمِعَ یا فَتَحَ کا فعل مضارع مثبت معروف انشائیہ ہے مَنْ موصولہ سوالیہ کی وجہ سے۔ خیال رہے کہ دس چیزوں سے جملہ انشائیہ بنتا ہے ۱ امر ۲ نہی ۳ تمنی ۴ ترجی ۵ عقود ۶ نداء ۷ عرض ۸ استفہام ۹ قسم ۱۰ تعجب۔ یہ صیغہ واحد مذکر غائب کَلَؤٌ ناقص واوی یا کَلْءٌ مہموز اللام سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے حفاظت کرنا۔ بچاکر یا روکے رکھ کر اصطلاحًا دس طریقے سے مستعمل ہے ۱ دشمن سے بچانا ۲ بگڑنے سے بچانا ۳ بار بار دیکھنا نظر رکھنا ۴ پوری عمر بحفاظت آخر کو پہنچنا، ۵ قرض کی ادائیگی کو روک رکھنا ۶ ادھار لینا ۷ عمر دراز ہونا ۸ زمین سرسبز ہونا ۱۰ گھاس چرنا، ان تمام معانی میں لغوی معنیٰ حفاظت ہر جگہ قائم ہیں۔ یہاں لغوی معنیٰ میں ہے کُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع ہے کفار بِ جارہ بمعنیٰ فِی ظرفیہ بِ کا اپنا معنیٰ ہے الصاق یعنی ملانا فی ظرفیہ کی وجہ سے معنیٰ ہوا رات و دن کی ہر ہر آن میں لیل و نہار بمعنیٰ رات و دن دونوں میں الف لام استغراقی ہے بمعنیٰ ہر دن رات واؤ بیچ میں عاطفہ ہے یہ دونوں عطف مجرور متعلق اوّل ہے۔ مِن جارہ بمعنیٰ عَنْ زوالیہ تجاوز اور ہٹنے بچنے کے لیے مِنْ کو عَنْ کے معنیٰ میں کرنے سے دو معنیٰ حاصل ہوئے ۱ ابتداء ۲ اور زوال و دوری اور یہاں یہی مناسب ہے الرحمٰن اسم صفاتی نام ہے اللہ کا رَحْمٌ سے مشتق ہے یہ پوشیدہ کا مضاف الیہ ہے یہاں عذاب یا باس پوشیدہ لفظ مضاف ہے مگر ترکیب میں شمار نہیں کیونکہ یہ حکمی و معنوی اضافت ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یَکْلَؤُ فعل با فاعل اپنے مفعول بہ اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُعْرِضُوْنَ۔ بَلْ حرف عطف اضراب کے لیے ہے یعنی مَنْ یَکْلَؤُ کے مضمونِ جملہ کا اضرابی جواب ہے مابعد کا معطوفہ جملہ ھُمْ ضمیر مبتدا عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق مقدم ہے معرضون باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر، مصدر ہے اِعراض بمعنیٰ منہ پھیرنا۔ انکار کرنا عَرْضٌ سے بنا ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا ہوئی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہوا یَکْلَؤُ کے جملے پر دونوں عطف صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا اور جملہ قولیہ ہوگیا۔ اِن آیات میں دیگر اقوال. وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ میں ایک قرأت لَقَدُ اُسْتُھْزِئَ ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ قَدْ اصلاً ساکن دال ہے۔ اور نحوی قانون ہے کہ اَلسَّاکِنُ اِذَا حُرِّكَ حُرِّكَ بِالْکَسْرِ۔ لفظ یَکْلَؤُ میں تین قول ہیں ۱ یَکْلَؤُ ۲ یَکْلُوْ ۳ یَکْلَوْ۔

marfat.com

مگر پہلی قرأت مشہورہ جمہور یہ ہے۔ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ
نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ۔ اَمْ حرفِ عطف اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۱۔
متّصلہ ہمیشہ درمیانِ کلام میں عطف کرنے کے لیے آتا ہے بمعنٰی یا۔ اس کی ابتداءِ کلام میں ہمزہ
سوالیہ لازماً آتا ہے ۲۔ اَمْ منقطعہ اس کی دو قسمیں ہیں ۱۔ اَمْ بمعنٰی بَلْ اِضرابی یہ بھی ہمیشہ عطف کے
لیے درمیانِ کلام میں ہوتا ہے بمعنٰی بلکہ اضراب کے لیے آتا ہے اضراب کی مختصر اور جامع مانع
تعریف یہ ہے کہ ماقبل جملے پر یقین تھا مگر بَلْ کے آنے سے ماقبل پر یقین ختم ہوگیا اور مابعد
کلام میں یقین کا احتمال پیدا ہوگیا مثلاً دور سے دیکھ کر کہا زید ہی ہے بلکہ نہیں شاید وہ بکری ہے
اضراب کی ایک نوعیت یہ ہے کہ ماقبل کی یقینی کیفیت کو ختم نہ کیا جائے بلکہ کسی اور چیز کا اس میں
اضافہ کر دیا جائے مثلاً وہ چور ہے بلکہ سینہ زور ہے یہ تو بَلْ کی اپنی اصلی معنوی دو کیفیتیں ہیں ان
دونوں کو اضراب کہا جاتا ہے مگر کبھی حرفِ بَلْ لٰکِنْ کے معنٰی یعنی استدراک ہی کے لیے ہوتا ہے
استدراک یہ ہے کہ ماقبل کلام سے وہم ہوا بَلْ یا لٰکن کے ذریعے سابقہ کے وہم کو ختم کر کے مابعد
کا یقین کیا جائے ۲۔ اَمْ بمعنٰی ہمزہ سوالیہ بمعنٰی کیا یہ اکثر عطف کے لیے نہیں آتا اس لیے شروع کلام
میں آتا ہے یہاں یہی قسم ہے ان چار اقسام کے اعتبار سے اس کے اردو میں چار ہی معنٰی ہوتے
ہیں ۱۔ یا ۲۔ خواہ ۳۔ کیا ۴۔ بلکہ لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ اسم مفعول اپنے نائب
فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اٰلِهَةٌ اسم جمع مکسر آخر میں
تاءِ تانیث کی ہے کیونکہ غیر ذوی العقول کی طرف اشارہ ہے ایک قول میں یہ جنسی جمع ہے موصوف
ہے تَمْنَعُ باب فَتَحَ کا فعل مضارع واحد مؤنث غائب ھِیَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع
اٰلِهَةٌ جنسی جمع چونکہ غیر عقلی جمع کے لیے مؤنث کا صیغہ آتا ہے اس لیے یہ صیغہ و ضمیر و مؤنث
آئی ھُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع کُفّار مِنْ جارہ بمعنٰی عن جارہ دُوْنِ اسم مفرد و معرب مشترک ہے بہت
معنٰی میں یہاں بمعنٰی مقابل ہے۔ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی
مجرور ہو کر متعلق ہے تَمْنَعُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اٰلِهَةٌ کی یہ مرکب توصیفی مبتدا
مؤخر ہے اَمْ لَهُمْ کے جملے کا مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ایک قول میں یہ عبارت اس طرح
ہے اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ مِّنْ دُوْنِنَا تَمْنَعُهُمْ۔ اب اس ترکیب مِنْ دُوْنِنَا پوشیدہ
کا متعلق ہو کر پہلی صفت ہے اٰلِهَةٌ کی اور یہاں دُوْنِ کے معنٰی اب سوا ہوں گے تَمْنَعُهُمْ کا جملہ
دوسری صفت ہوگی۔ (معانی) لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ بابِ استفعال کا فعل مضارع منفی بلا

marfat.com

معروف جمع مذکر غائب مصدر ہے اِسْتِطْوَاعٌ واؤ کو تعلیل نحوی میں ی سے بدلا اِستِطیاعٌ ہوا طَوْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ طاقت رکھنا، اِسْتِطَاعَۃٌ بھی مصدر ہے ھُمْ ضمیر صیغہ اس میں پوشیدہ مرجع ہے اٰلِہَۃٌ یہاں جمعیت مراد ہے یعنی تمام کے تمام معبود۔ اور تَمْنَعُ میں جنسی وحدت مراد ہے یعنی کوئی بھی۔ نَصْرَ اسم مفرد مصدر ثلاثی مجرد استعمالاً مطرد یعنی بہت مستعمل ہے۔ مطرد کے کل پانچ باب ہیں مضاف ہے اَنْفُسِہِمْ مرکب اضافی بمعنیٰ اپنے آپ کی مفعول مضاف الیہ ہے مصدر کا شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ ہے۔ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا نافیہ حرف عطف برائے تاکیدِ عطف سابقہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے مِنَّا جار مجرور متعلق مقدم ہے یُصْحَبُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب لاء عاطفہ کی وجہ سے یہ فعل منفی ہو گیا ایک قول میں وَلَا ھُمْ کا لَا عاطفہ نہیں ہے بلکہ مضارع منفی بِلَا کا لَا ہے عبارت دراصل اس طرح تھی وَھُمْ لَا یُصْحَبُوْنَ مِنَّا یہ تقدم و تاخر کلام کی تاکید و سختی کے لیے مفید ہے صَحْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ساتھ رکھنا دوست بنانا ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل مرجع اٰلِہَۃٌ یہ فعل بافاعل اور متعلق مقدم سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدِ اسْتُھْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ. قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ. بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ اور اے محبوب آقائے کل نبی الانبیا آپ ان کمے والے کفار کی مذاق بازی اور ابوجہلی ھزو تمسخر اور مذاقِ جاہلانہ کا غم نہ فرمائیں بلکہ تسلی رکھیں یہ حماقتیں تو اِن کفار کی پرانی عادت ہے اس طرح کہ البتہ بے شک اِن منکرین کی طرف سے مذاق بنایا گیا اُن کثیر صاحبِ شریعت رسولوں کا بھی جو آپ سے پہلے گزرے اُن بدبختوں نے کبھی اُن کو اپنے جیسا کمزور بشر معمولی انسان بے اختیار سمجھا اور کبھی ان کو طاقتور جادوگر کہدیا کبھی شاعر کبھی کاہن کبھی مجنون کہدیا اور ان گستاخیوں کے پردے میں رسالت نبوت قوت وکمال شان و اختیار کا انکار کر دیا، اور مذاقاً تمسخرانہ لہجے میں قسم قسم اور طرح طرح کے بیہودہ سوال کرتے رہے مگر کسی طریقے سے بھی حق و حقانیت کو نہ مانا اور موت و قبر حشر و جہنم کے عذابِ آسمانی بلاؤں دنیوی ناگہانی مصائب کو جھوٹ سمجھتے ہوئے اپنے پر جلدی مانگتے رہے تو شروع سے ہی اِن گستاخیوں اور کفریات کا نتیجہ کیا نکلا۔ یہی کہ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ۔ نازل اور وارد

marfat.com

ہوگیا ہر اپنے اپنے دور میں ہر زمانے کے اُن منکرین پر جنہوں نے اُن میں سے مذاق کیا تھا وہی عذاب جس کو وہ مذاق سمجھتے تھے ٹھٹھے مار کر تالیاں بجا کر تمسخر اور ہنسی اڑایا کرتے تھے حالانکہ دنیا و آخرت موت و قبر حشر و جہنم کے عذاب الیم سے بجز رب تعالیٰ کسی کو کوئی نہیں بچا سکتا یہ تو آخرت کی بات ہے لیکن اے محبوب آپ اِن کفار سے ذرا یہ پوچھئے کہ کون تمہاری حفاظت کرتا ہے راتوں کو غفلت کی نیندوں میں جان و مال کی رحمٰن و رحیم کی طرف سے وارد کردہ ناگہانی آفتوں وباؤں زہریلے کیڑے مکوڑوں، جنات و حیوانات کی ایذاؤں سے۔ اور کون بچاتا ہے تم کو دنوں کے سفر و حضر کے حادثاتِ طوفانی مصائب سمندر کی لہروں سیلابوں کے تھپیڑوں قتل و غارات کے بکھیڑوں سے، یا اگر آپ رحمٰن نازل فرمانے کا ارادہ فرمائے یا ان کی کفریہ فسقیہ سرکشیوں کی وجہ سے اُن پر یہ دنیوی عبرت انگیز سزائیں وارد ہوجائیں اور ان کو گھیر لیں تو کون دوسرا بچا سکتا ہے۔ ذرہ بھر غور و تفکر سے ہر کس و ناکس عاقل و عالم کو معلوم ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن ہی اپنی صفتِ رحمانیت کا اظہارِ مشفقانہ اپنے بندوں پر فرماتے ہوئے رحمتِ عظیم عامہ کے انعام کرکے ہر مصیبت سے بچاتا ہے اور مہلتِ زندگی دیتا ہے۔ مگر کفار اس کرم کریمانہ کو کب مانتے ہیں۔ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ۔ بلکہ وہ تو اپنے رب کے ذکر کرنے سے ہی منہ پھیرنے چہرے موڑنے والے ہیں اُس حقیقی محسن کائنات کا یا اُس کے شکریئے کا کبھی خیال تک نہ آیا۔ نہ اُس کو رحمٰن مانتے ہیں نہ اُس کے قرآن کو اُس کا کلام سمجھتے ہیں نہ اُس کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحتوں کو تسلیم کرتے ہیں، حالانکہ حیات دنیا کے ہر ہر لمحے میں کتنے محتاج ہیں یہ لوگ حفاظتِ رحمانی کے اُس کی رحمت و حفاظت کے بغیر ایک آن زندہ نہیں رہ سکتے تو بجائے اس کا شکر کرنے احسان مند ہونے کے ایسے کریم پروردگار کی مخالفت کرتے ناراضگی لیتے ہیں۔ اس طرح کہ اُس کی توحید کا انکار اُس کے ساتھ شرک کا اقرار کرتے ہوئے کئی کئی سینکڑوں معبود بنا ڈالے ہیں جو ہر طرح فضول و بے فائدہ ہیں۔ اے محبوب اِن کفار کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے اِن سے یہ پوچھئے کہ جنات حیوانات درندوں پرندوں سانپ بچھو کیڑے مکوڑوں میں کتنے کتنے طاقتور اور زہریلے اور سخت خطرناک اِن کے دشمن ہیں اور یہ انسان کتنے کمزوریاں میں اور غافل ہیں۔ اگر رب تعالیٰ انسان کی حفاظت نہ فرمائے تو یہ طاقتور دشمن ہر جگہ پہنچ کر انسانوں کو ہلاک کر دیں وہی رب کریم ان موذیوں کے منہ موڑتا ہے۔ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ

marfat.com

مِّنْ دُوْنِنَا لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا یُصْحَبُوْنَ. کیا ان کے لیے کہیں کوئی ایسا معبود ہے جو اپنے پجاریوں کو دنیوی یا اُخروی عذاب اور مصیبتوں سے بچائے اور آفات و بلیات کو ان کے پاس آنے سے روک دے اور ہمارے بھیجے ہوئے طوفانوں سیلابوں یا آسمانی عذابوں کو ہمارے علاوہ ہمارے مقابل آکر پھیر دے اور اپنے پجاریوں پر نہ آنے دے۔ تاریخِ عالم میں کبھی کہیں اس کی کوئی مثال و شہادت نہیں ملتی، کفار پر طوفانِ نوحی آیا جس سے ہم نے اپنے سچے مومن نبی کے غلاموں کو بچا لیا مگر کوئی بُت اور جھوٹا بناوٹی معبود کسی بُت پرست پجاری کو نہ بچا سکا، قومِ عاد و ثمود اور قومِ ہود و لوط پر آسمانی عذاب آیا۔ اور قومِ فرعون و فرعون پر زمینی عذابِ غرق آیا کوئی بُت نہ بچا سکا۔ قوم یہود پر قتلِ بخت نصر اور قید و بند کا عذاب آیا کوئی دیوی دیوتا کچھ مدد نہ کر سکا۔ اس طرح کی بہت سی واقعاتی مثالیں، حقیقی تاریخیں، سچی حکایتیں سفر و حضر کی مشاہداتی عبرتیں عالمِ دہر میں بکھری پڑی ہیں نہ روک سکتے اور بتوں کی بے بسی بے کسی بے چارگی کے تو سینکڑوں واقعات گزر چکے ہیں جن کو جھٹلایا نہیں جا سکتا۔ مگر یہ کفار اپنے بتوں کی امداد اور بچا لینے کی کوئی ایک آدھ بھی مثال بتا سکتے ہیں یا ہرگز نہیں اور پھر یہ نادان اس پر بھی غور نہیں کرتے کہ یہ دستی تراشے خراشے زمینی بُت مورتی تو لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ۔ خود اپنے آپ کو بچانے اپنی مدد کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہمارے خلیل ابراہیم نے بتوں کو توڑا کوئی بھی بُت چھوٹا یا بڑا اپنے آپ کو نہ بچا سکا ہمارے نبی یوسف نے مندر سے بتوں کو چھپا کر نکال پھینکا مگر کوئی بُت دستِ یوسفی سے نہ بچ سکا موسیٰ کلیم اللہ نے سامری کے بچھڑے کو ذبح کر کے جلا دیا مگر وہ بھی باوجود جاندار جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ہونے کے ضربِ کلیم سے اپنے آپ کو نہ بچا سکا۔ محمود غزنوی نے ہندوستان کے سومناتھ مندر اور اس کے بڑے صنوبی بتوں کو پاش پاش کر دیا اور تمام ہندو دیکھتے رہے مگر کوئی بُت اپنے آپ کو نہ بچا سکا تو پھر یہ بناوٹی معبودانِ باطل کسی غیر کو کیا بچا سکتے ہیں حالانکہ حمایتِ نفس اور حفاظتِ خود ضروری بھی ہوتی ہے اور آسان بھی غیر کی حفاظت و حمایت سے یہ بت اتنے ضعیف کمزور و عاجز ہیں کہ اپنے منہ سے مکھی نہ اڑا سکیں۔ ان کو تو اپنے یا پجاریوں کے وجود کا بھی پتہ نہیں ہوتا۔ کتنا کرم ہے اس اللہ تعالیٰ رحمٰن و رحیم کا اور کیسا عظیم رحمِ الٰہی ہے ان کفار پر کہ ان کے شرک کے باوجود وہ رب تعالیٰ ان کا دن رات محافظ ہے اور یہ کفار اس کی بے شمار نعمتیں استعمال کر کے بھی اس کے ذکر سے ہی مُعْرِضُوْنَ اور دور ہیں نہ توحیدِ باری تعالیٰ

marfat.com

کے دلائلِ عقلیہ میں غور کرتے ہیں نہ نقلیہ میں نہ لطائفِ قرآنیہ میں تدبر کرتے ہیں نہ آیات قرآنیہ میں تفکر پوری حیاتِ دنیوی میں دو ہی تو وقت ہیں ۱۔ رات ۲۔ دن، رات کی گلائٹ کا نام حفاظت ہے اور دن کی گلائٹ کا نام حراست ہے، دنیوی مصائب سے بچانا رحمت ہے اور عذابوں سے بچانا مُہلت ہے۔ کوئی بچے نہ بچے اُس کی قسمت، ان حقائق میں غور کر کے بتائیں کہ مَنْ یَّکْلَؤُکُمْ کون ذات بابرکات ہر وقت ہر حال میں ہر جگہ تم کو بحفاظت ہر بلاؤ دبا سے تم کو بچا لیتا ہے ان کفار نے معبود بنانے میں عقل وشعور سے کچھ کام نہ لیا بلکہ نظر وسماعت کے بل برتے پر معبود بناتے چلے گئے جس کی بھی ہیبت ناک آواز اور چمک دار رنگت دیکھی اُس کو معبود سمجھ کر دیوی دیوتا بنا ڈالا اِسی بنیاد پر سورج اور چاند اور آسمانی کواکب کو بحسابِ رنگت چمک دمک معبود بنا لیا ہے حالانکہ چاند سورج بھی اپنے پر کچھ اختیار نہیں رکھتے نہ اپنی مرضی سے ٹھیر سکیں نہ اپنے آپ کو گرھن سے بچا سکیں نہ کسوف کو ٹال سکیں نہ خسوف کو نہ اپنے بچاریوں کی کسی طرح سے کچھ مدد کر سکیں بے شک ساری عمر اِن سے آسیں لگا کر آسن جما کر مندر میں جا کر بیٹھے رہیں۔ یہ تو اُن معبودِ اِن باطل بتوں اور دیوی دیوتاؤں کی دنیوی زمینی اور مشاہداتی تجرباتی حالت وکیفیت ہے لیکن آخرت وقیامت قبر وحشر میں بھی اِن بتوں وغیرہ سے کسی قسم کی آس وَاُمید لگانا بالکل بیکار ہے۔ اس لیے کہ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ یہ بُت دیوی دیوتا ذہنی وصمی اور دست کاری سے تراشے خراشے بُت دیوی دیوتا تو خود بھی جہنم میں مٹی کا کوڑا اور دوزخ کا ایندھن بنے پڑے ہوں گے نہ اُن کو صحبتِ بارگاہ میسّر نہ قربِ اکرام حاصل۔ قبر وقیامت میں تو صرف وہی مسعودین طیبین محمودینِ خاتمہ دے سکتے ہیں جو ہماری بارگاہِ رحمت وکرم سے صحبت یافتہ ہو کر مقرب ومکرم بن جائیں۔ فقط یہی لوگ جو حیاتِ دنیوی میں ازلی ابدی سعادتوں کے پانے والے مقربین ہماری رضا کی شفاعت وسفارش سے ہزاروں گناہگاروں کو قبر وحشر میں بچائیں گے اور ہر طرح امداد کریں گے۔ اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اَقوال ۱۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ (الخ) اس آیت کے وجہِ نزول میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی اور تسکینِ قلبی وحزن وملال غم وافسوس دور کرنے کے لیے نازل فرمائی گئی دوم یہ کہ صحابہ کرام اور تا قیامت مسلمانوں کی تسلی وتشفی کے لیے نازل ہوئی سوم یہ کہ آیت اگلے پچھلے موجودہ کفار کی کفریہ حرکات واحمقانہ عادات وگستاخانہ خصلات بیان کر کے مشہور کرتے اور سابقہ

marfat.com

انبیاءِ کرام علیہم السلام کی شانِ صبر و تحمل استقامت و تحمل ظاہر فرمانے کے لیے نازل ہوئی ۔ فَحَاقَ میں دو قول ہیں، ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے، تو وہ عذاب ایک دم نازل اور وارد ہو گیا۔ دوم یہ معنیٰ ہے کہ جب کفار اس عذاب کے مستحق ہوئے تب وہ عذاب اُن کے لیے ضروری ہو گیا ۔ مِنَ الرَّحْمٰنِ میں پانچ قول ہیں، ایک یہ کہ۔ اللہ رحمٰن کی طرف سے بھیجے ہوئے دنیوی حادثاتی مصائب سے کون بچاتا ہے۔ دوم یہ کہ خود اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے آسمانی عذاب سے بجز اُس کے کون بچاتا ہے۔ سوم یہ کہ موسمی ۔ ملکی سیاسی حادثات یعنی قتل قید اور جان لیوا بیماریوں طوفانِ بادوباراں حیواناتی حملوں سے کون بچاتا ہے رحمٰن کی مرضی کے بغیر چہارم یہ کہ خود اللہ سے کون بچا سکتا ہے نہ بھگا کر نہ چھڑا کر ۔ پنجم یہ کہ یہاں لفظِ رحمٰن کا ذکر فرمانا اشارہ ہے اُس کی صفتِ رحمانی کی طرف یعنی اُس کی رحمانیت ہی بچا سکتی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے کفر شرک ضد و جہالت کے باوجود دنیا میں تم پر رحمٰن ہی ہے ۔ ذِكْرِ رَبِّهِمْ میں پانچ قول ہیں پہلا یہ کہ رحمٰن کو نہیں جانتے پہچانتے مانتے ۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور یاد نہیں کرتے ۔ مانتے ہیں مگر شکر سے نہیں بلکہ شرک سے سوم یہ کہ اُس کی وحدانیت پر ایمان نہیں لاتے ۔ چہارم یہ کہ قرآن مجید کو کلامِ الٰہی نہیں مانتے ۔ پنجم یہ کہ نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے ۔ يُصْحَبُونَ ، میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ وہ معبودانِ باطل مقرب بارگاہ نہیں بنائے گئے۔ دوم مدد نہیں کئے گئے سوم یہ کہ کسی کی شفاعت کا اختیار یا حمایت کی جرأت نہ دئے گئے ۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں، پہلا فائدہ ۔ اللہ تعالیٰ کے نیک اور پیارے محبوب و مقبول بندوں کے حالاتِ زندگی سنانے سے بےچین دلوں کو چین اور تسلی حاصل ہوتی ہے دلوں کے غم دور ہوتے ہیں یہ فائدہ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ باری تعالیٰ نے سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تبلیغی زندگی اور ان سے کفار کی بدسلوکی کا ذکر فرما کر اپنے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اور صحابہ کو تسلی عطا فرمائی ۔ آج علماءِ اہل سنت و مشائخ عظام ، محفلِ گیارہویں ۔ بارھویں شریف عرس و محافلِ ذکر اسی لیے منعقد کرتے ہیں تاکہ اولیاءِ اللہ کے حالاتِ زندگی اور نقشۂ حیاتِ طیبات عوام کے سامنے سنا کر مسلمانوں کو دعوتِ عمل کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کو تسکینِ قلبی اور تسلی روحانی دے کر غم دور کئے جائیں جو دینی دشمنوں کے ستائے ہوئے ہیں ان محفلوں کا

marfat.com

مقصد صرف لنگر کھانا نہیں۔ لنگر شریف کا اہتمام تو غریب پروری ہے یا اس کے ذریعے لوگوں کو جمع کر کے ذکرِ بزرگان سنانا ہے۔ وہابی لوگ اس کو بلا سوچے سمجھے حرام کہہ دیتے ہیں یہ اُن کی حماقت ہے اور صرف دینے کو حرام کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ لیتے اور کھاتے وقت سب سے زیادہ کھا جاتے ہیں۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا میں سب سے بڑا کفر انکارِ نبوت اور گستاخیِ رسالت ہے اسی پر آسمانی عذاب آتے رہے۔ تاریخی واقعات و مشاہدات سے یہ بات ثابت ہے کہ بڑے سے بڑے کافر پر بھی اُس وقت تک عذاب نہ آیا جب تک اُس نے شانِ نبوت کی توہین نہ کی یہ فائدہ۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ، فرمانے کے بعد۔ فَحَاقَ بِالَّذِينَ۔ میں فَ تعقیبیہ سببیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیوی نعمتیں آرام و آسائش اور مصائب سے حفاظت حادثات و تکالیف سے حراست۔ صرف مومن سے خاص نہیں، اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں دنیا میں ہر شخص کے لیے عام ہیں کافر بھی دنیا میں اس سے فیضیاب ہو رہے ہیں بلکہ کئی علاقوں اور موقعوں میں کفار کو اہل ایمان سے بھی زیادہ حفاظت و آسائش حاصل ہے لہٰذا یہاں کی نعمت دولت حفاظت حراستلنا حقانیت۔ سچائی یا عنداللہ پیارا ہونے کی دلیل نہیں بنائی جا سکتی۔ یہاں کی ہر چیز مہلت عبرت ڈھیل اور امتحان ہے یہ فائدہ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ میں کُمْ ضمیر جمع فرما کر کفار کو مخاطب کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کی حیرت انگیز اور کفار کی عبرت انگیز زندگی اور واقعاتِ زندگی سے تسلی لینا اور تسلی دینا جائز ہے۔ لہٰذا موجودہ دور میں پریشان حال علماء مشائخ اور بدکاروں فاسقوں کے ہاتھوں ستائے ہوئے اہلُ اللہ۔ اگر سابقین کاملین متبحرین ولیین یا نبیین علیہم السلام کے مظلومانہ واقعات اور کفار و ملعونین کے گستاخانہ سلوک و معاملات کا ذکر بیان کر کے اور سن کے سنا کے خود کو اور دیگر مسلمانوں کو تسلی دیں تو بالکل جائز ہے اس سے پریشانی دور غم غلط اور آئندہ تبلیغی مشاغل کی جرأت و ہمت اور لگن پیدا ہوتی ہے۔ اس سے برابری کا اندیشہ ظاہر کرنا غلط اور بیکار ہے یہ صرف تمثیل ہوتی ہے نہ کہ مثلیت یہ مسئلہ۔ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ اسی طرح کسی اچھے نام سے یا اچھے کام سے مشابہ کرنا یا برے کو برے سے مشابہ کرنا بھی منع نہیں، مثلاً یہ کہنا کہ فلاں نیک بندے کے کام تو ولیوں جیسے ہیں۔ یا فلاں گستاخ تو ابوجہل کی طرح ہے۔ اس طرح کہنا جائز

marfat.com

ہے لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ یہ تشبیہ بھی حرام ہے وہ ہر طرح بے مثل ہستیاں ہیں۔ اس طرح کی تشبیہ سے بدذات لوگ ناجائز وگستاخانہ فائدہ اُٹھا سکتے ہیں۔ ہاں البتہ یہ کہنا جائز ہے کہ اے لوگو انبیا علیہم السلام کے نقشِ قدم پر چل کر اُن کی طرح کے پاکیزہ عمل کرو۔ دوسرا مسئلہ۔ بروں کی برائی اور کمزوریاں بیان کرنا تاکہ لوگ ان کی بری عادتوں ان کی گستاخانہ خصلتوں اور اُن کے دھوکے فریب سے بچیں۔ یہ غیبت نہیں بلکہ جائز ہے۔ یہ مسئلہ اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ کی پوری آیت ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تاکہ موجودہ و آئندہ لوگ کافروں اور اُن کے بتوں کی پُر فریب جھوٹی حکایتوں کے دھوکے میں نہ آئیں۔ یہ بات بھی ہر مسلمان ذہن میں رکھے کہ کوئی بُت دیوی دیوتا کسی بھی طاقت قوت یا اختیار کا حامل نہیں محض مٹی کے کھلونے لکڑی کے ٹکڑے یا دھات کے پتھرے ہیں نہ پہلے کبھی اُن میں کچھ تھا نہ اب نہ آئندہ ہندو اور دیگر مشرکین جو بناوٹی کہانیاں اپنے دیوی دیوتاؤں کے متعلق بناتے پھیلاتے پھرتے ہیں وہ محض جھوٹ ہے۔ بعض دیہاتی جہلا اور احمق مسلمان اُن باتوں کو سُن سنکر مندروں اور مورتیوں سے ڈرے سہمے رہتے وہ پاگل اور کمزور ایمان ہیں، اگر کبھی کوئی کسی بت وغیرہ کی طرف سے کچھ شرارت ظاہر ہوتی ہے تو یا تو کفار کی خفیہ شعبدہ بازی ہوتی ہے یا شیطانی جنات کی وہ بھی مسلمان کی اپنی غلاظت بے علمی فسق وفجور کی وجہ سے یا صحبتِ بد کا اثر ہوتا ہے۔ ورنہ نیک متقی پاکیزہ باعمل نمازی مسلمان کو کوئی جنات بھی ستا نہیں سکتا۔ تیسرا مسئلہ۔ حیاتِ دنیوی میں ہی مومن نیک متقی پرہیزگار عبادت گزار اللہ رسول کا فرمانبردار ہونا ہی صحبت یافتہ بارگاہِ قدس ہونا ہے اور يُصْحَبُونَ کا انعام ونعمت پانا ہے۔ یہ مسئلہ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُونَ، فعل مضارع مجہول کو یعنی فعل حال کرنے سے مستنبط ہوا کہ جو لوگ اِس دنیا میں يُصْحَبُونَ ہیں وہی خوش قسمت بندے دنیا میں حاجت روائی مشکل کشائی اور قیامت میں شفاعت وسفارش کرنے کی ہمت وصلاحیت رکھتے ہیں یہ شان صرف انبیاء کرام علیہم السلام اور اُن کے طفیل اولیا علماء صالحین اور ملائکہ کی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی و تشفی کے لیے اتاری گئی جس سے معلوم ہوا کہ کفار کے استہزا کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی نہ رہی اور تسلی نہ رہنا بے سکونی ہے اور بے سکونی تبلیغ امور میں رکاوٹ ہے۔ اور رہی کفار

marfat.com

کا مقصد تھا کہ تبلیغ اسلام بند ہو جائے تو کیا کفار اپنے مقصد میں کامیاب ہو رہے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبلیغ اسلام کم یا بند کر رہے تھے اس لیے جلدی جلدی یہ آیت نازل کی گئی تاکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی و سکون مل جائے اور تبلیغ جاری رکھیں اگر ایسا ہی تھا تو یہ شان نبوت کے خلاف ہے۔ جواب۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ آیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے ہی نازل ہوئی تھی اُن کے نزدیک جواب یہ ہے کہ تسلی دینے کی تین وجہ ہوتی ہیں ۱ کبھی مایوسی کو دور کرنے کے لیے ۲ کبھی تردد اور فکر کو دور کرنے کے لیے ۳ کبھی غم اور افسوس کو دور کرنے کے لیے اگر مایوسی کی حالت یا صورت ہو تو اس میں رکاوٹ ہوتی ہے جس سے تبلیغ بند ہو سکتی ہے۔ تردد کی صورت میں سُستی پیدا ہوتی ہے۔ مگر غم کی کیفیت میں کوئی رکاوٹ یا سُستی نہیں ہوتی آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ مایوسی تھی نہ تردد نہ فکر بلکہ کفار کے بد انجام پر غم اور افسوس تھا کہ یہ لوگ جانتے بوجھتے ابدی جہنم میں گر رہے ہیں کل قیامت میں پچھتائیں گے روئیں گے۔ آپ کا یہ غم بھی آپ کے رحمتِ عالمین ہونے کی وجہ سے تھا سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو یہ غم نہ تھا وہ کہتے تھے کہ مانو تو بہتر ہے ورنہ جاؤ جہنم میں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو انہیں کا تذکرہ فرما کر تسلی دی جا رہی ہے کہ اے محبوب آپ بھی اِن ضِدّیوں کا غم نہ فرمایا کریں۔ بعض مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں کہا کہ یہ آیت عام مسلمانوں کی تسلی اور موجودہ کفار کی تکذیب کے لیے نازل ہوئی نہ کہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی کسی تسلی کی ضرورت محسوس ہی نہ ہوئی نہ ضرورت پڑی اس قول میں یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ۔ یعنی آپ سے پہلے رسولوں کا بھی مذاق بنایا جاتا رہا اور پھر آگے ارشاد ہوا۔ مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ یعنی اُن کفار پر وہ عذاب نازل ہو گیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے۔ یہاں پہلی عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا مذاق بناتے تھے اور اس دوسری عبارت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار عذاب الٰہی کا مذاق اڑاتے تھے۔ یہ تو تضاد بیانی معلوم ہوتی ہے جو کلامِ الٰہی ہونے کے مخالف ہے نیز تفاسیر میں بھی بحوالہ روایات و تواریخ ہے کہ کفار انبیا علیہم السّلام کو کبھی جادوگر کبھی مسحور کبھی مجنون کبھی مخبوط کہتے تھے یہ گستاخانہ اقوال تو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہی مذاق ہوا نہ کہ عذاب کا۔ تو پھر۔ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ۔ کیونکر درست ہوا؟ جواب، کفار کی یہ سب باتیں دراصل انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی تکذیب اور ان کی نبوت کا انکار تھا،

marfat.com

نبوت کا انکار ان کی پوری تبلیغ کا انکار ہے اور یہی تکذیب انبیا علیہم السلام کی تمام تبلیغ امر و نہی کے احکام اور بشارت و نذارت وعدہ وعید کی خبر ہی دینا ہی ہوتی ہے۔ وعید نام ہے عذاب الٰہی کے آجانے کی خبر دینے کا تو چونکہ کفار انبیاء کرام علیہم السلام کے انکاری تھے اس لیے اُن کے امر و نہی سے مُعْرِضُوْنَ اور وعدہ وعید سے مُنْكِرُوْنَ ہوتے تھے اور اظہارِ انکار میں عذاب آجانے کی جلد بازی کر کے تمسخرانہ انداز اختیار کرتے تھے تو گویا کہ ساحر و مجنون کہنا انبیاء کرام کا مذاق ہے اور عذاب کی جلدی مچانا عذاب کا مذاق اڑانا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا مذاق پہلے ہوتا تھا عذاب کا بعد میں اس لیے فرمایا گیا کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی جن خبروں وعیدوں کا وہ کفار تمسخرانہ مذاق اڑاتے تھے وہ آگیا تھا۔ ایسا ہی یہ کفار کرتے ہیں تو اُن پر بھی کسی نہ کسی شکل میں یہ عذاب آہی جائے گا لہٰذا کوئی تضاد یا مخالفت نہیں بلکہ عام فہم بات ہے صرف سمجھنے کے لیے تھوڑی سی عقل کی ضرورت ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ۔ یعنی پوچھو ان کفار سے کہ کون بچاتا حفاظت کرتا ہے تمہاری رحمٰن سے اِس آیت کے ظاہری معنی تو یہی معلوم ہوتے ہیں کہ رحمٰن کوئی اور ہے بچانے والا کوئی اور دوسرا۔ رحمٰن کوئی جبار قہار یا ظالم شخصیت ہے اس لیے اُس سے کفار کو بچایا جاتا ہے ہٹایا جاتا ہے۔ یہاں لفظ مِنْ فرمانے سے دور کرنا ہٹانا ثابت ہو رہا ہے جب کہ رحمٰن تو اللہ تعالیٰ کی بہت مشفقانہ رحیمانہ اور رحمت والی صفت ہے۔ جواب۔ لغتِ عربی میں لفظ مِنْ تقریباً چودہ ۱۴ معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً ۱ ابتدا کے لیے بمعنیٰ طرف سے ۲ سبب بیان کرنے کے لیے بمعنیٰ وجہ سے ۳ عَنْ کے معنیٰ میں۔ یعنی ہٹانا بچانا ۴ علیٰ کے معنیٰ میں ۵ فی کے معنیٰ میں ۶ دور کرنے کے لیے ۷ حاصل کرتے کے لیے ۸ قریب نہ جانے کے لیے ۹ ملانے کے لیے ۱۰ بعضیت کے لیے ۱۱ کلیت کے لیے ۱۲ عبرت کے لیے۔ ۱۳ انجام کے لیے ۱۴ اختتام کے لیے۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے۔ یعنی رحمٰن ہی رحمٰن کی بھیجی ہوئی آزمائشوں مصیبتوں اور موذی مخلوق کی ایذاؤں سے تمہاری حفاظت فرماتا ہے۔ اے لوگو تم کو دنیا میں صفتِ رحمانیت ہی بچاتی ہے اور وہ رحمٰن صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جو سب کا رب ہے اس لیے وہی سب کا معبود ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ۔ قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ

marfat.com

مِنَ الرَّحْمٰنِ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ۔ اور البتہ بے شک حجبِ روحانیت کے محجوبین سے بھی زیادہ وہ سیاہ کار بدبخت مغرور ہیں جو بشریت کے پردوں میں محجوب اور پھنسے ہوئے ہیں۔ اور اپنے آپ کو زیادہ درست و باصلاحیت سمجھتے ہیں۔ اس لیے کہ پردۂ بشریت کی کی ظلمتوں میں پڑے ہوئے بدنصیب اپنے ہر قول وفعل سے اپنی جہالت کے اقراری ہیں اور اپنی حماقت کے مغرور بنے ہوئے ہیں، لیکن روحِ کثافت کے غلافوں میں جکڑے ہوئے ہیں وہی رذیل وخبیث اپنے رب کے ذکر سے مُعْرِضُوْنَ ہیں اور طلبِ حق سے مغرور ہیں اس لیے کہ لوازماتِ بشریت میں مشغول ہیں جو لوگ روحانیت سے پردوں میں ہو گئے وہ اپنے رب کے ذکر سے منہ پھیرنے والے ہیں اور معارفِ معقولات میں معرفتِ الٰہی سے علیحدہ ہیں۔ لہٰذا راہِ راست پر آنے کے لیے پہلے غرور کے بُت کو توڑنا چاہیئے کیونکہ اہلِ عشق کے دین میں ایک بُت توڑنا سو عبادتوں سے بہتر ہے ؎

بفکرِ نیستی ہرگز نمی اُفتند مغروراں ؎ اگرچہ صورتِ مقراض لا وارد گریباںہا

یعنی مغرور لوگ فنا کی فکر میں نہیں گرتے۔ اگرچہ لا کی شکل والی قینچی ہر وقت اُن کے گلے میں لٹک رہی ہے۔ اور اہلِ نفوس اہلِ قلوب کا ہمیشہ مذاق ہی کرتے ہیں تو اُن کے مذاق کا وبال ان پر ہی پڑتا ہے یہ نہیں سمجھتے کہ اس عالمِ لیل ونہار میں بجز رحمٰن جَلَّ وَعُلٰی کے کون ان کو مصائبِ فراق سے بچاتا ہے اور وصل کی پیاس بجھاتا ہے یہ نادانی اس لیے ہے کہ اپنے رب تعالیٰ کی یاد سے پردۂ کثافت اور بےعملی کے حجاب میں ہیں اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ تَمْنَعُهُمْ مِّنْ دُوْنِنَا لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ نَصْرَ اَنْفُسِهِمْ وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ۔ اے محبوب ان اہلِ نفس اور دنیا پرستوں سے پوچھئے کہ کیا ان کو یہ ان کے ڈھیر سارے جو معبود، دنیا، دولت تجارت امارت کے بنا رکھے ہیں اور اپنی قوتِ بازو پر ہی ہر طرح بھروسہ کئے پھرتے ہیں، کیا اُن کے اِن خود ساختہ معبودوں میں کوئی ایسا بھی ہے جو ان کو نفسِ امّارہ کی ہلاکت خیز شرارتوں ابلیسی طغیانیوں وسوسوں ورغلاہٹوں سے ہمارے علاوہ کوئی بچا سکے، یہ دنیوی دولت ثروت حکومت تو خود اپنی مدد نہیں کرسکتیں ہر آن فنا کی ہلاکت اِن پر مسلط ہے۔ اور نہ یہ اَشیاءِ ناسوتی ہمارے قرب کی پسندیدہ ہیں ہماری بارگاہ میں ان کی قدر ومنزلت گھاس کے تنکے کے برابر بھی نہیں ہے اگر ذرہ برابر بھی ان کی شان ہوتی تو ہمارے انبیاء علیہم السّلام کے آستانوں میں ان کا وجود ہوتا۔ ہمارے

marfat.com

انبیاء علیہم السّلام ہمیشہ ان سے کنارہ کش رہے اور غربت پر ہی خوشی کا صبر کرتے رہے، صبر کی اصل حقیقت کا اُس وقت اظہار ہوتا ہے جب نفس مطمئن ہو اور نفس اُس وقت مطمئن ہوتا ہے جب عبادت ریاضت کی فاقہ کشی سے نفس کا تزکیہ ہو۔ یہ تزکیہ دستِ نبوّت سے ملتا ہے اور مرید صادق کو آستانۂ مرشد پر سچی توبہ کرنے سے دستِ نبوّت کی غیبی اور امداد مل جاتی ہے۔ جب نفس پاکیزہ ہو جائے تو اُس کی نفسیاتی سرکشی دور ہو جاتی ہے۔ اور بے صبری نفس کی سرکشی و شرارت سے پیدا ہوتی ہے۔ مگر سچی توبہ نفس کو نرم کر کے اُس کی بدمزاجی کو دور کرتی بلکہ فنا کر دیتی ہے۔ جب بندہ اپنا محاسبہ اور قلب کا مراقبہ کرتا ہے تو باطنِ انسانی بالکل صاف ہو جاتا ہے یہاں تک کہ خواہشِ نفسانی کی جو نفس کی جبلّت کی بدولت اُس کے اندر مثل آگ بھڑکتی رہتی ہے وہ بجھ جاتی ہے، مرشد کا اصل کام یہی ہے کہ مرید کے باطنی معبودانِ باطل کو باطن سے نکال باہر پھینکے اور یہ مطمئن ہو کر رضا کے مقام پر پہنچ جائے اور قضاء و قدر کے فیصلوں پر شاکر رہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

بَلْ مَتَّعْنَا هٰۤؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى

بلکہ ہم نے ہی نفع دیا ہے ان کو اور اِن کے باپ دادوں کو یہاں تک

بلکہ ہم نے اُن کو اور اُن کے باپ دادا کو برتاوا دیا یہاں تک

طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى

کہ لمبی عمریں ہو گئیں اِن پر۔ کیا پس غور نہیں کرتے کہ بیشک ہم ہی لا رہے ہیں

کہ زندگی اُن پر دراز ہوئی۔ تو کیا نہیں دیکھتے

الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ

زمینی حکومتوں کو اس حال میں کہ کم کر رہے ہیں ہم اِن سابقہ سلطنتوں کو اُن کے کناروں سے تو کیا وہ کبھی

کہ ہم زمین کو اُس کے کناروں سے گھٹاتے آرہے ہیں تو کیا

marfat.com

الْغٰلِبُوْنَ ﴿۴۴﴾ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ ۖ وَ

یہ کفار غلبہ پانے والے ہو سکیں گے۔ آپ فرمایئے فقط میں ڈرا رہا ہوں تم کو پیغام الٰہی کے ذریعے ہاں بالکل

یہ غالب ہوں گے۔ تم فرماؤ کہ میں تم کو صرف وحی سے ڈراتا ہوں۔ اور

لَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ ﴿۴۵﴾

نہیں سنتا بہرہ آدمی کسی پکار کو جب کبھی ڈرائے جائیں

بہرے پکارنا نہیں سنتے جب ڈرائے جائیں

وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ

اور البتہ اگر چھو بھی جائے ان کو گرم ہوا آپ کے رب کے تھپیڑے سے عذاب کی تو

اور اگر انہیں تمہارے رب کے عذاب کی ہوا چھو جائے تو ضرور کہیں گے

لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۴۶﴾

چلا اٹھیں گے ہائے ہماری ہلاکت بے شک ہم ہی ہیں ظلم کرنے والے

ہائے خرابی ہماری بے شک ہم ظالم تھے۔

تعلقات ان آیات مبارکہ کا پچھلی آیات مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ ہماری طرف سے کفار کی کوئی بھی حمایت نہ ہو گی اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے بلکہ دنیوی زندگی بھی ان کے لیے اور ان کے باپ دادوں کے لیے چند دن کا عیش اور ڈھیل ہی ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ کفار سے یہ سوال کرو۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کسی طرح بھی ان کو حق سناؤ یا سمجھاؤ سوال کر کے یا جواب دے کر مگر یہ نہیں سمجھیں گے کیونکہ بہرا آدمی کبھی کسی کی نہیں سنتا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں کفار کی دنیوی ہنسی مذاق

marfat.com

اور قہقہے لگانے کا ذکر ہوا۔ اب اِن کی اُخروی ہائے تِلا کرنے اور رونے کا ذکر ہو رہا ہے ...

شانِ نزول ۔ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ اتقان للسیوطیؒ فرمایا کہ ساری سورۃ تو مکی ہے مگر یہ آیت مدنی ہیں اور آیتِ جہاد کے نزول کے بعد جب کہ جہاد فرض ہو چکا تھا اور کئی جنگیں بھی ہو چکی تھیں یہ آیت نازل ہوئیں اور اَفَلَا یَرَوْنَ میں اسلامی جہاد کی عظمت و شان و نتائج کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے۔ اس طرزِ نزول سے دیگر فوائد کے علاوہ یہ بتانا بھی مقصود ہے کہ ہمارے محبوب ازل سے ہی حافظِ قرآنی ہیں لہٰذا وہ جانتے ہیں کہ کونسی آیت کس سورۃ میں کس جگہ لکھنی ہے یہ انتہائی مشکل کام ہے غیر حافظ کے علاوہ کوئی نہیں کر سکتا۔

تفسیر نحوی بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ؕ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِى الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ؕ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ

بَلْ عاطفہ اس کا عطف ہے سابقہ جملے اَمْ لَهُمْ اٰلِهَةٌ (الخ) پر۔ اضراب کے لیے یعنی کفار کے اُن کفریہ وہمیات کے دفع اور نفی کرنے کے لیے جو ان کو اپنے دیوی دیوتاؤں کے بارے میں ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں تقریباً سَو جگہ یہ حرفِ بَلْ مذکور ہے اور ہر جگہ ہی اضراب کے لیے ہوتا ہے اور اکثر جگہ عطف بھی ہوتا ہے مَتَّعْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ مَتْعٌ سے بنا ہے مصدر تَمْتِیْعٌ بمعنیٰ نفع دینا تفعیل میں آ کر متعدی ہوا یعنی یک مفعول ہے لیکن کبھی متعدی بدو مفعول بھی ہوتا ہے یہ فعل یا فاعل پوشیدہ ہے هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ قریبی جمع مذکر کے لیے مگر تبعاً مؤنث بھی شامل مفعول بہ مبنی ہے اس لیے اعراب پوشیدہ ہے درمیانی واؤ تنبیلیہ ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰبَآءَ اسم جمع مکسر ہے اَبٌ کا۔ مراد ہیں باپ دادا چچا تایا اور ہر وہ خاندان والا جس کی پرورش میں بچہ بلوغت سے پہلے کی زندگی گزارتا ہے۔ صرف مذکروں کے لیے ہے اَبٌ سے مراد صرف والد نہیں ہو سکتا۔ هُمْ ضمیر کا مرجع کفارِ مکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکبِ اضافی معطوف ہے دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے۔ حَتّٰی حرفِ جر ہے۔ یہ حرف دو قسم کا ہے ۱۔ جارّہ یہ زیادہ مستعمل ہے اس کے اپنے اصلی معنیٰ ظرفیت شرطیت کے لیے ہیں لیکن دیگر معانی میں چار قسم کا ہے ۱۔ اِلٰی کے معنیٰ میں یعنی تک انتہاءِ غایت کے لیے ۲۔ کَیْ تعلیلیہ کے لیے بمعنیٰ تاکہ ۳۔ اِلَّا کے معنیٰ میں یعنی۔ یہاں تک کہ دیگر) ۴۔ ابتداءِ کلام کے لیے اس صورت میں ظرفیت اور شرطیت نہیں ہوتی بلکہ سببیت ہوتی ہے یہاں اسی معنیٰ میں ہے حرفِ جر ہے طَالَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد

marfat.com

مذکر غائب طُوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ لمبا ہونا لمبائی کی دو قسمیں ہیں ۱ مکانی ۲ زمانی یہاں زمانی مراد ہے علیٰ حرفِ جر بمعنیٰ لام جارہ نفع کا۔ چونکہ علیٰ کا معنیٰ بھی فوقیت کا موجود ہے اس لیے غیر اختیاری نفع مسلط ہونے کے لیے ہے ھم کا مرجع کفار یہ جار مجرور متعلق ہے اَلْعُمُرُ اسم مفرد جامد الف لام عہدی خارجی بمعنیٰ دنیوی زندگی زندگی کو عمر اس لیے کہتے ہیں کہ اس سے عمارتِ بدن قائم ہوتی ہے فاعل ہے طال کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے مَتَّعْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ اَفَ دراصل تھا فَ اَ۔ فَ زائدہ ہے حرفِ عطف تعقیب تراخی کے لیے آتا ہے مگر یہاں صرف تعقیب کے لیے ہے اَ ہمزہ سوالیہ۔ لَا یَرَوْنَ بابِ فتح کا فعل مضارع منفی بلا جمع مذکر غائب رَاٰیٌ مہموز العین سے مشتق ہے بمعنیٰ دل دماغ کی قوت سے بغور دیکھنا خواب کو بھی رویت اسی معنیٰ میں کہتے ہیں دراصل یَرْئَیُوْنَ تھا تعلیلِ نحوی سے یٰ حرفِ علت کو گرایا اور پھر ہمزہ ثقیل کو حذف کیا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اَنَّا دو لفظ ہیں اَنَّ اور نَا۔ ضمیر جمع متکلم اَنَّ اسم ہے اس لیے منصوب ہے اور متصل ہے نَاْتِیْ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع متکلم اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا لانا۔ یہاں متعدی ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے الف لام عہدِ خارجی اَرْضٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ علاقہ۔ مخصوص زمین مفعول بہٖ ہے نَنْقُصُ بابِ نصر کا مضارع جمع متکلم بمعنیٰ حال استمراری نَقْصٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کم کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ سابقہ تینوں جمع متکلم کے صیغوں کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ھَا ضمیر مفعول بہٖ ہے اس کا مرجع (مراد) اَلْاَرْضَ ہے مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے (یہ اس کے اصل معنیٰ ہیں) اَطْرَافِ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے طَرَفٌ بمعنیٰ ہلتا ہوا کنارہ یہ تمثیل ہے ویرانیِ کفار کی اور تصویر ہے عبرت کی۔ مضاف ہے ھَا ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ مرجع اَلْاَرْضَ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَنْقُصُ کا سب مل کر جملہ ہو کر حال ہے نَاْتِیْ کے فاعل کا نَاْتِیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَ ہمزہ سوالِ انکاری کے لیے فَ عاطفہ ھُمْ ضمیر مبتدا۔ الف لام اِسْمِی بمعنیٰ اَلَّذِیْنَ غَالِبُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر با فاعل پوشیدہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے نَاْتِیْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اَنَّ۔ اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہٖ ہے لَا یَرَوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ

دَ بِّکَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۔ قُلْ فعل بافاعل جملہ فعلیہ قول ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ
عملاً و معناً لغو (بیکار)، مگر یہاں مَا کافہ سے جڑ کر حصر کرنے کے لیے لایا گیا بمعنیٰ فقط اُنْذِرُ
باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد متکلم نَذَرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈرانا خوف دلانا
اس کا فاعل ضمیر واحد متکلم پوشیدہ کُمْ اس کا مفعول بِہٖ یہ ضمیر منصوب متصل ہے مرجع ہے کفارِ
مکہ بِالْوَحْیِ یہ جار و مجرور متعلق ہے واؤ حالیہ لَا یَسْمَعُ باب سَمِعَ کا مضارع منفی واحد مذکر غائب
سَمْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سننا یہ مشہور قرأت ہے لیکن شاذ قرأتیں تین ہیں ۱ لَا تُسْمِعُ الصُّمَّ
باب افعال واحد مذکر حاضر خطاب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ۲ لَا یُسْمَعُ باب سَمِعَ کا مجہول
۳ لَا یُسْمِعُ الصُّمَّ باب افعال مذکر غائب ضمیر صیغہ کا مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ الف لام
عہدِ خارجی یا جنسی۔ اعلیحضرت نے جنسی فرمایا تبھی اس کا ترجمہ جنسی جمع سے ہوا ہمارے ترجمہ
میں عہدِ خارجی ہے یعنی سخت قسم کا بہرہ۔ فاعل ہے اَلدُّعَآءَ اسم مصدر معرف باللام بمعنیٰ پکارنا
مفعول یہ ہے اِذَا اسم ظرفِ زمانی بمعنیٰ جب کبھی بھی مَا حرف زائدہ تاکید کے لیے یُنْذَرُوْنَ
باب افعال کا مضارع مثبت مجہول جمع مذکر غائب مصدر ہے اِنْذَارٌ نَذَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ
ڈرانا خوف دلانا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع ھٰٓؤُلَآءِ ہے یا اَلصُّمُّ جنسی جمع یہ فعل
بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر ظرف ہوا لَا یَسْمَعُ کا وہ سب فعل فاعل مفعول اور ظرف مل کر جملہ فعلیہ ہوکر
حال ہے کُمْ ضمیر کا اُنْذِرُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ
ہوگیا۔ واؤ بیر جملہ لام تاکید یہ اِنْ حرفِ شرط۔ مَسَّتْ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مؤنث
غائب مَسٌّ مضاعفِ ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ چھونا لگ جانا ھُمْ ضمیر مفعول یہ مرجع کفارِ مکہ
نَفْحَۃٌ اسم مفرد مونث لفظی بمعنیٰ گرم ہوا مراد ہے جہنم کا معمولی عذاب نَفْحَۃٌ کی تَ وحدت کی
ہے یعنی ایک بار۔ لغت میں پانچ معنیٰ ہیں ۱ ہلکی ہوا ۲ گھوڑے کو ایڑھ لگانا ۳ ہلکی خوشبو
۴ تھوڑا سا مال ملے ۵ آہستہ سے مارنا۔ یا دنیا کی بھوک پیاس کی سختی جو ایک مرتبہ کفارِ مکہ
پر وارد ہوئی تھی اور ابھی سابقہ سزا کا یہاں ذکر ہے یہ فاعل ہے مِنْ جارہ بعضیت کا یعنی
کچھ معمولی عذاب اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا۔ اصطلاحاً سزاءِ اُخروی کو عذاب کہا جاتا ہے اگرچہ
لغتاً ہر تکلیف و مصیبت کو عذاب کہا جا سکتا ہے مضاف ہے رَبِّکَ یہ مرکب اضافی
مضاف الیہ ہے یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے مَسَّتْ کا سب مل کر شرط ہوئے
لَیَقُوْلُنَّ ۔ باب نَصَرَ کا فعل مضارع لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ معروف۔ جمع مذکر غائب دراصل

marfat.com

تھا لَیَقُوْلُنَّ میں تین نون تھے (۱) نونِ جمع ۲ نونِ ثقیلہ ساکن ۳ نونِ ثقیلہ متحرک کیونکہ حرف مشدد
ہمیشہ دو حرف ہوتے ہیں پہلا ساکن دوسرا متحرک) بغیر فاصلہ کے جمع ہوئیں تو نونِ اعرابی جمع مذکر
گر گئی اب واؤ اور نون دو ساکن ہوئے لہٰذا واؤ حرفِ علت بھی گر گئی یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر
قول ہوا یَا حرفِ ندا برائے نُدبہ (کسی مصیبت یا میت پر رونے پیٹنے کے لیے) یہاں مصیبت
کے لیے ہے وَیْلَ۔ اسم مشترک ہے نو معنی میں ۱ ہلاکت ۲ عذاب قبر ۳ عذاب جہنم ۴
دوزخ کی ایک وادی ۵ حسرت وندامت ۶ ذلت ورسوائی ۷ تباہی بربادی ۸ دوزخ
کے ایک دروازے کا نام ۹ جہنم کے کنوئیں کا نام۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یہ ہمیشہ مفتوح
مبنی ہوتا ہے ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے ضمیر کی طرف بھی اضافت ہوتی ہے اور اسم ظاہر کی طرف
مگر قرآن مجید میں صرف ضمیر ہی کی اضافت ہے اگر یاءِ متکلم کی طرف مضاف ہو تو آخر میں تائے مصدریہ
یا تاءِ وحدت یا تاءِ تانیث لگائی جاتی ہے مثلاً وَیْلَتِیْ تاکہ لام کا زبر برقرار رہے۔ وَیْلَہٗ
ہر ضمیر کی طرف مضاف ہو سکتا ہے مگر وَیْلٌ یاءِ متکلم کی طرف مضاف نہیں ہو سکتا ورنہ لام کو
کسرہ کرنا پڑے گا جو ممنوع ہے اگر نُدبہ کو دراز کرنا ہو تو یاءِ متکلم میں یَا وَیْلَتٰی اور دیگر ضمائر
ظاہر میں یا وَیْلَاہُ مضاف الیہ محذوف منوی سے کہا جاتا ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع کفار مکہ
یا عام کفار نَا یا مرتے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے اِنَّا۔ حرفِ مشبہ ضمیر جمع متکلم
اسمِ اِنَّ کے ساتھ۔ کُنَّا فعل ماضی مطلق جمع متکلم ناقصہ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم یہاں تینوں۔ جمع
متکلم ۱ وَیْلَنَا ۲ اِنَّا ۳ کُنَّا ضمائر کا مرجع کفار ہیں ظٰلِمِیْنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم جمع مذکر بحالتِ
نصب ہے کیونکہ خبر ہے فعل ناقصہ کُنَّا کی یہ جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبرِ اِنَّ وہ سب مل کر جملہ
اسمیہ ہو کر جوابِ ندا حرفِ ندا (برائے نُدبہ) اپنے منادیٰ وجوابِ ندا سے مل کر مقولہ ہوا
قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو کر جزا ہوئی۔ یہاں فَ جزائیہ نہیں لائی گئی کیونکہ فعل مضارع
مثبت مستقبل ہے نہ لانا بہتر ہے اس لیے کہ جوابِ شرط یعنی جزا بنانا افضل ہے ہاں
البتہ مبتدا محذوف کی خبر بھی بن سکتی ہے اس لیے فَ آ بھی سکتی ہے اس لیے کہ حرفِ شرط
اس جملے میں اثر نہ کرے اور اصلاً اس طرح عبارت ہو سکتی ہے فَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ (الخ) یہ
شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ ۭ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِي الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا ۭ اَفَهُمُ

marfat.com

الْغٰلِبُوْنَ ۔ بُت پرست یہ سمجھتے ہیں کہ ان کو یہ دنیا کی نعمتیں سہولتیں صحتیں عیش و آرام ان کے بت
دیرہے ہیں یا اُن کے دین کا حصہ ہے حالانکہ یہ بات نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ہم نے ہی
چند گھڑیوں کے لیے اُن کو ہر طرح کا نفع دیا ہوا ہے اور ان سے پہلے اُن کے باپ دادوں
کو بھی ہم نے ہی نفع پہچایا تھا اور دنیوی عشرت و عزت دولت و شہرت عطا فرمائی تھی تو ہماری
اِس عطا میں وہ اتنے عیاش و بدمست مغرور ہوئے کہ ہر قدرت ندرت عبرت وانجام و امتحان
سے غافل ہو گئے اور نظری مشاہدے عقلی معائنے کے باوجود ہماری حکمتِ عطا اور فطرت
بقا سے منہ پھیرا۔ یہاں تک کہ جب ان پر اس آرام و عزت و حکومت کی عمر لمبی ہوئی تو سمجھنے
لگ گئے کہ یہ مہلتیں سہولتیں ہمیشہ ہمیشہ ہمارے پاس رہینگی اور یہ انعامات و اکرامات ہمارا
پیدائشی حق ہے اور ہماری سچائی کی نشانی ہے نہ بصارت کی نظر نہ تقدیر کی فکر نہ بصیرت کی
عقل بلکہ طولِ عمری پر غرّہ جب کہ یہ نعمتیں و تمام منفعتیں ہم نے اُن کو عبرت و مہلت اور تیاریِ
آخرت کے لیے دیں یہاں تک کہ اُن پر دنیوی زندگی کی یہ عمر ہمارے ہی حکم وارادے اور
تقدیری فیصلے سے لمبی ہوئی یہ درازیِ عمر اور فراوانیِ دولت دھوکہ کھانے ناجائز فائدہ اُٹھانے
کے لیے نہیں ہے مگر وہ نادان سمجھ بیٹھے کہ شاید یہ جہاں یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور
اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے اور جہانِ عزت اُن کا اپنا کمالِ کسب ہے اور ہم
سے کبھی جدا و فنا نہ ہو گا بلکہ ہماری ہی اصل و نسل میں منتقل ہوتا رہے گا، اور سرزمین دنیا
پر سدا ہمارا ہی غلبہ قوت و قبضہ حکومت رہے گا۔ تو کیا اب یہ کفار و بدکار ظاہری بصارت
رویتِ نظری سے دیکھ نہیں رہے کہ بے شک ہم انکی ملکیتی زمینوں سلطنتی سرحدوں کو ہر
چہار طرف کے کناروں سے کم کرتے لا رہے ہیں۔ اس طرح کہ مسلمانوں کا ان کے علاقوں
بستیوں محلوں مکانوں پر قبضہ ہوتا جا رہا ہے ان کا ختم ہونا جاتا جا رہا ہے۔ مسلمانوں
کی فتوحات بڑھتی جا رہی ہیں کفار کی شکستیں، مسلمانوں کی قوت ان کی ذلت۔ اہلِ اسلام
کی امارت ان کی حقارت ایمان والوں کی دولت ان کی کفر و شرک والوں کی غربت مسلمانوں
کی تعدادی افرادی طاقت سے بقا کی زندگی اور ان کی قتل و غارت سرداروں کی
موت مغروروں کی ہلاکت سے فنا کی موت بڑھتی جا رہی ہے۔ مسلمان دن بدن دولت
ہمت سلطنت ملکیت میں بڑھتے جا رہے ہیں اور یہ ہر اعتبار سے کم اور کمزور ہو
رہے ہیں ان کی اموات زیادہ املاک کم، اسلامی بستیاں محلے زیادہ ہوتے جا رہے ہیں

marfat.com

کہ اِن کے منع کرنے کے باوجود اِن کے ہی اپنے فوج در فوج تو مسلم ہوتے جا رہے ہیں اور کفرستان کو اسلام آباد بناتے جا رہے ہیں ان حالات سے بھی اِن کی آنکھیں نہیں کھلتیں سچائی کو نہیں دیکھتیں، حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ کفار مکہ نے اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مقابلہ وانکار کر کے اپنا سات طرح نقصان کیا ۱۔ فتوح بلدان ۲۔ اہل و اولاد کا نقصان کہ پیدائش کم اموات زیادہ ۳۔ مال میں برکت کا فقدان ۴۔ بستیاں ویران ۵۔ ہلاکت قتل عام ۶۔ جنگ وجدال میں اموات جانبازان وسپاہیان ۷۔ غربا کفار کا کثرت سے مسلمان ہو کر اسلامی تعداد میں زیادتی کرنا کفر کی تعداد میں کمی کرنا۔ اگر یہ نعمتیں راحتیں جاگیریں اِن کفار کو اُن کے بُت اور دیوی دیوتا دیر ہے ہیں تو اب مسلمانوں کے ہاتھوں سے کیوں نہیں بچا لیتے۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ کیا ان ذلت آمیز شکستوں حقارت آمیز مغلوبیت کے باوجود وہ اب بھی یہ ہی سمجھے بیٹھے ہیں کہ دنیا و آخرت میں وہ ہی غلبے والے ہیں اور غالب رہیں گے۔ کتنی بڑی بدنصیبی ہے کہ انسان ذلت کو عزت، کمزوری کو قوت، مغلوبیت کو غلبہ دشمن کو دوست اور دوست کو دشمن سمجھنے لگے۔ یہ زیست وحیات شکست و فتح محنت و بیماری جوانی و بڑھاپا تو نگاہِ عبرت کھونے سچا بندہ بننے اور آخرت کی تیاری کرنے کے لیے ہے۔ زمانے کا اُتار چڑھاؤ دیکھ کر یہ کہتے رہنا کہ کوئی بات نہیں یہ بھی گزر جائے گا، فکرِ فردا نہ کرو اور غم زیست نہ کھاؤ یہ نظریہ انتہائی نقصان دِہ احمقانہ ہے ایسی حرکت وغفلت اہلِ ایمان نہیں کر سکتے وہ جان لیتے ہیں کہ یہ سب کچھ بندہ بننے کے لیے امتحانِ ربانی ہے قُلْ اِنَّمَاۤ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْیِ وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ۔ فرما دو کہ اے مذاق باز واحمقو ایمان کے منکر و آخرت وعذاب کے کافرو یہ جو میں شروع دن سے نہایت پیار بھری شفقت ومحبت سے تم کو سمجھا رہا ہوں عبادتِ الٰہی کا حکم اور سنا رہا ہوں دنیوی نجاستوں سے نہی کر کے بتا رہا ہوں بشارت کے وعدے سنا رہا ہوں نذارت کی وعیدیں تو یہ تمام امر و نہی و عدو وعید اور ڈرانا، خوش خبری سنانا میری اپنی طرف سے اپنی مرضی سے تو نہیں، جو کچھ بھی نذارت و بشارت ہے وہ سب کچھ وحیِ جلی وخفی قرآن وحدیث سے ہے رب تعالیٰ ہی مجھ کو حکم فرماتا ہے تو تم کو تبلیغ اسلام کے ذریعے عذابِ اُخروی اور سزاء دنیوی سے ڈراتا ہوں۔ اس لیے کہ میری تبلیغ حکمت

marfat.com

تکوینیہ تشریعیہ ہے اور اُس پر ایمان لانا واجب ہے اور ایمان برہانی چیز ہے نہ کہ اعیانی مگر سب جانتے ہیں کہ اِن کفار کا بہرا بن کتنا سخت متعصبانہ ضدیانہ احمقانہ ہے کہ ویسے تو ہر بات سن لیتے ہیں مگر جب بھی حدیث و قرآن آیاتِ ایمان روایاتِ ایقان سنائی جائیں اور یہ کفار ڈرائے جائیں تو ہر کافر ایسا گونگا بہرا بن جاتا ہے کہ کسی آواز دعا و پکار کو سنتا ہی نہیں۔ اور اکڑتا اِٹھلاتا منہ موڑتا ناک سکیڑتا چہرہ پھیرتا گزر جاتا ہے۔ کفار سمجھتے ہیں کہ وہ باہمت جرأت قوت طاقت والے ہیں۔ ہر مصیبت و تکلیف تعذیب و تبدیل کو برداشت کرلیں گے لیکن اِن بیوقوفوں کی ناطاقتی کمزوری کا حال یہ ہے کہ عذابِ الٰہی کو دیکھ بھی نہیں سکتے اور البتہ اگر کبھی اِس دنیوی زندگی میں ان کو صرف ایک مرتبہ آپ کے رب کے عذاب میں سے بلکا تھوڑا سا چند منٹ کے لیے فقط چھو بھی جائے تو یقیناً بیچ پکار مچاتے ہوئے کہیں گے کہ ہائے ہماری ہلاکت ہم ہی بے شک ظالم تھے ابنیاء اولیا صحابہ کی نافرمانیاں کر کے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے۔ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ میں تین چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا گیا ۱ معمولی عذاب ۲ صرف ایک بار ۳ وہ بھی تھوڑی سی دیر۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیا کی بہت سی تکلیفیں بیماریاں انسان اپنی قوت ہمت اور تحمل۔ یا نفسیاتی تصور سے برداشت کرلیتا ہے۔ مگر عذابِ الٰہی کا ذرہ کمتر بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ یہ فائدہ مَسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ کے بعد يَقُولُنَّ فرمانے سے حاصل ہوا جیسا کہ ابھی اس آیتِ پاک کے تفسیری اشارے سے ظاہر ہوا لہٰذا کفار و فساق انسانوں کو اس عذابِ دنیوی و اُخروی سے بچنے کی ہر وقت کوشش کرتی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ دوسرا فائدہ۔ لمبی عمر رب تعالیٰ کا انعام نہیں بلکہ مومن کے لیے مہلت ہے غافل کے لیے عبرت ہے فاسق کے لیے مصیبت ہے اور کافر کے لیے بلا ہے گستاخ و ضدی کفار کے لیے وبال ہے اگر مومن متقی مسلمان بن کر دنیا سے گیا تو یہی لمبی عمر اُس کے لیے نعمت ہے۔ دیکھو لمبی عمر ابلیس کو بھی ملی دجال کو بھی فرعون کو بھی مگر تینوں کے لیے ان کی یہ لمبی عمر۔ بس وبال ہی تھیں کیونکہ اس لمبی عمر سے ان کی کفریہ سرکشی طغیانی و شیطانیت ہی بڑھی اور بڑھ رہی ہے۔ مگر حضرتِ آدم حضرتِ نوح حضرت خضر علیہم السلام کے لیے اُن کی لمبی عمر نعمتِ باری تعالیٰ ہے کہ ان کی حیاتِ طیبہ مقدسہ سے جہانوں کے لیے رزق رحمت برکت دعا فیت و نورانیت ہدایت ملتی رہی اسی طرح کفار کو لمبی

marfat.com

عمر ملنا ان کے لیے اور ساتھیوں کے لیے عذابِ الٰہی ہے کیونکہ اس سے اُن کا کفر ہی بڑھتا پھیلتا ہے
یہ فائدہ طَالَ عَلَیۡهِمُ الۡعُمُرُ فرمانے سے حاصل ہوا اور فرمایا یہ جا رہا ہے کہ اُن کفار کی لمبی
عمریں ان کی کفریہ حرکتوں کا باعث بنتی رہیں۔ لہٰذا مسلمانوں کو چاہیئے کہ لمبی عمروں کی دعا نہ
مانگیں بلکہ ایمانی اور عافیت کی عمر مانگنی چاہیئے۔ تیسرا فائدہ کفار صرف ظاہری اکڑ پھکڑ میں رہتے
ہیں ورنہ حقیقت میں انتہائی بزدل اور کمزور طبیعت واقع ہوئے ہیں یہ فائدہ وَلَئِنۡ مَّسَّتۡهُمۡ
(الخ) فرمانے سے حاصل ہوا جس میں کفار کی بُزدلانہ کیفیت کا اظہار فرمایا گیا کہ یہ کفار جو عذابِ
الٰہی اور اپنے پر آسمان سے پتھر اُترنے برسنے کی جلدی بازی مچا رہے ہیں ان کی قوت برداشت
کا اتنا کمزور حال ہے کہ عذابِ الیم یا آسمانی پتھراؤ تو درکنار اگر ان کو عذابِ الٰہی کا ہوائی
جھونکا بھی لگ جائے تو تڑپھڑا کر بھڑک جائیں اور یہ سب اکڑ بازی کی نعرہ زنی بھول جائیں
اور بُت پرستوں کی اِس قسم کی بزدلی کا تو عام مشاہدہ بھی ہے۔ یہ سانپوں کی پوجا اور ناگ کو دیوتا
سمجھنا شیر کو دیکھ کر سجدے میں گر کر اُس کے آگے گڑگڑانا۔ چوہوں کو سجدے کرنا بچھوؤں سے
فریادیں اُلوؤں کی آوازوں کو پیپل والی کی آواز کہہ کر لرز جانا ہے۔ کالی ماتا کہہ کر رونا۔ پیپل کو
سجدے کرنا بندروں کے آگے ہاتھ جوڑنا یہ سب ڈرپوک کی اسی بزدلانہ کیفیت کا مشاہدہ
ہے جب پہلی بار ہندوستان میں ریل گاڑی آئی اور اُس کا کالا انجن لائن پر چلا تو گاؤں
کے گاؤں ہندو نکل کر لائن کے دو طرفہ سجدہ ریز ہو گئے اور انجن مہادیو۔ انجن مہادیو
کی فریادیں کرنے لگے، اور ۱۹۶۵ء کی جنگ میں تو ہم نے خود نظارہ کیا کہ مجاہدینِ اسلام
کے ایک ایک نعرۂ تکبیر و رسالت و نعرۂ حیدری پر کفار کی ہتھیار بند نفری تھر تھر کانپتے
ہوئے ہتھیار ڈال کر اپنی گرفتاری پیش کر دیتے تھے اور ایک ایک مجاہد نے سو سو
ہندو فوجیوں کے دستے کو ہاتھ اُٹھوا کر آگے لگایا ہوتا ہے۔

احکامُ القرآن

ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ انبیاءِ کرام
علیہم السّلام کے کسی بھی قول فعل عمل حکم وعدہ وعید میں ذرہ بھر شک یا تردد
اور غیر یقینی کا شائبہ تک نہیں ہوتا کیونکہ ان پاک و مقدس ہستیوں کا ہر کام و قول وحیِ الٰہی کے
حکم سے ہوتا ہے اسی لیے ہر نبی علیہ السّلام کا ہر قول و فعل امت پر لازم العمل ہوتا ہے خواہ
عادۃً ہو یا عبادۃً مستحب ہو یا واجب و فرض یہ مسئلہ۔ قُلۡ اِنَّمَاۤ اُنۡذِرُكُمۡ بِالۡوَحۡیِ۔
ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اس میں ہر قسم کا عام عملی قولی انذار مراد لیا گیا ہے اور اس

marfat.com

کا اطلاق بتا رہا ہے کہ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر اِنذار ہی وحیِ الٰہی سے ہے خواہ آیت کے نزول سے ہو یا احادیث کے فرمودے سے۔ دوسرا مسئلہ۔ آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہر قول وفعل یہاں تک کہ آپ کا چلنا پھرنا سونا جاگنا لباس طیبہ اور سر مبارک داڑھی مقدس کی بناوٹ حجامت تراش خراش سب کچھ ہی شریعت ہے کہ کفار کے لیے ندارت ہے فاسقین کے لیے عبرت ہے مومنین کے لیے بشارت ہے اگرچہ سنت ہو مگر اس کا ثواب بعض فرائض سے زیادہ۔ ندارت اس لیے کہ آپ کے عمل شریف سے نفرت یا اُس کو ہلکا سمجھنا کفر ہے اور کفار کو ابدی جہنم کی ندارت ہے اور آپ کے کسی بھی قول وفعل مسنون کو بلا وجہ بلا مجبوری ترک کرنا فسق ہے اور فاسقین کو سزائے جہنم کی تنبیہ اور غضبِ الٰہی کی تخبیر ہے لیکن اُسوۂ حسنہ و نمونۂ قولی وفعلی کے نقشے کے مطابق زندگی گزارنے والوں کے لیے وفاءِ رحمٰن وخلودِ بہشت کی بشارت ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ میں کُمْ ضمیر کے مرجع کفار کی وعید سے مستنبط ہوا کہ پورا اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی عملی قولی اداؤں کا نام ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبادت بھی وحیِ الٰہی ہے اور عادت بھی آپ کی رائے بھی اور مشورہ بھی آپ کی خوشنودی وحیِ الٰہی ہے بلکہ آپ کی اداؤں میں مکمل طور پر ڈھل جانے کے نام متقی مسلمان ہوتا ہے اگر کوئی شخص ذرہ بھر حُلیہ لباس شباب ولحیہ کی تراش خراش میں اپنی من مرضی پر چلا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونۂ عظمیٰ کے مخالف ہوا تو وہ شیطانیت ہے ایمانیت نہیں خواہ پیر ہو یا خطیب۔ تیسرا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ میں کسی مسلمان کا چیخ دھاڑ کر رونا، پیٹنا اور کسی ماتم میں سینہ کوٹنا ہائے ہائے کرنا اور روتے ہوئے وَین کرنا حرام وَاَشَدّ حرام ہے یہ جو بعض شیعوں نے حضرتِ فاطمۃ الزہراؓ پر اتہام لگایا ہے کہ آپ نے وفاتُ النبی پر وَااَبَتَاہ کی آوازیں بلند کیں یہ سب غلط اور جھوٹ باتیں بناوٹی روایتیں ہیں۔ حضرتِ خاتونِ جنت نے تو صرف ایک بار چہرۂ انور کا دیدار کیا اور وہ بھی ایسی باپردہ خاموشی سے کہ بجز آپ کی چند ہمراہیوں کے کسی کو بھی آپ کے آنسوؤں کا پتہ نہ چل سکا۔ خاتونِ جنت کی ذاتِ اقدس وہ چادرِ مقدس ہے کہ جس کا آنچل چاند وسورج نے بھی نہ دیکھا بھلا اُن کی آواز کو کوئی کیا سن سکتا۔ اونچی آواز سے چیخ کر دھاڑنے رونے میں گردن اکڑتی ہے چہرہ بلند ہوتا ہے سینہ تنتا ہے بے پردگی کا مظاہرہ ہوتا ہے اسی لیے یہ کام شریعت وشرافت کے خلاف

marfat.com

ہے اور چیخنا روتا پیٹنا شریفوں کا کام نہیں بلکہ کفار و جہلا کا طریقہ ابلیسیہ ہے۔ یہ مسئلہ لَیَقُوْلُنَّ یٰوَیْلَنَآ اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ۔ یٰوَیْلَنَا میں کفار کے رونے اور چیخنے دھاڑنے کا ذکر ہے اور اِنَّا کُنَّا ظٰلِمِیْنَ میں ان کے روتے ہوئے وَین کرنے کا ذکر ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَلَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ۔ یعنی بہرا آدمی پکار کو نہیں سن سکتا جب وہ ڈر سنائے جائیں یا ڈرائے جائیں اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہرے لوگ صرف ڈر والی بات کو نہیں سنتے حالانکہ بہرہ انسان تو کسی بات کو بھی نہیں سنتا نہ ڈر والی کو نہ خوش خبری کو تو یہاں صُمٌّ فرما کر اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ کی تقیید و تقسیم کیوں فرمائی۔ جواب۔ اس لیے کہ یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ کفار پیدائشی اور تخلیقی بہرے نہیں ہیں ان کو خالق تعالیٰ نے بہرہ نہیں بنایا بلکہ یہ لوگ ضد تعصب اور ہٹ دھرمی و حماقت کے بہرے ہیں یعنی بناوٹی بہرے علماءِ نحو فرماتے ہیں کہ اَلصُّمُّ میں الف لام عہدی ہے نہ کہ جنسی جس کا معنیٰ یہ ہے کہ مخصوص قسم کا بہرہ نہ کہ عام اور یہ مخصوص بناوٹی بہرے جان بوجھ کر اس وقت زیادہ سخت بہرے بن جاتے ہیں۔ اِذَا مَا یُنْذَرُوْنَ۔ جب سزاءِ کفر و شرک سے ڈرائے جائیں نیز قانونِ نحوی سے اَلصُّمُّ اسم ظاہر ہے اور یُنْذَرُوْنَ غائب کا صیغہ ہے۔ اسم ظاہر کو غائب کی جگہ فرمانا بھی اسی جسارتِ کفریہ کی طرف اشارہ فرما رہا ہے کہ یہ ضدی کفار مصمم ارادے سے کان لپیٹ کر بند کر لیتے ہیں (تفسیر کبیر) دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ یعنی اگر ان کو عذاب چھوئے اور آگے فرمایا گیا لَیَقُوْلُنَّ۔ تو وہ کہیں گے اعتراض یہ ہے کہ اس طرح اگر مگر کر کے فرمانے سے نزولِ عذاب اور مسِ نفحہ اور کفار کا یٰوَیْلَنَا۔ کہنا سب کچھ مشکوک بن جاتا ہے حالانکہ کفار پر نزولِ عذاب بھی ضروری و یقینی ہے اور ان کا یٰوَیْلَنَا کہنا بھی یقینی ہے جیسا کہ دیگر آیت سے ثابت تو پھر یہاں اگر مگر کہہ کر کیوں ارشاد ہوا۔ جواب۔ دیگر آیت میں قبر حشر قیامت اور جہنم کا نقشہ کھینچا گیا ہے اور یہاں ان کفار کی اس جلد بازی کا تذکرہ ہے جس میں وہ کفار وعیدی عذاب دنیوی اور اپنے اوپر آسمانی پتھراؤ کی بد دعائیں مانگا کرتے تھے محض تمسخرانہ اور مذاق کرتے ہوئے اور عذاب آنے کی جلد بازی مچایا کرتے تھے ان کے متعلق فرمایا جا رہا ہے

marfat.com

کہ تم دنیا میں ہی اپنے پر عذاب مانگ رہے ہو جانتے بھی ہو کہ وہ کتنی سخت چیز ہے اگر اس کا جھونکا بھی لگ گیا تو چیخ پڑو گے تڑپ کر مر جاؤ گے۔ اس آیت میں یٰوَیْلَنَا مشکوک ہی ہے صرف مزید خوف دلانے کے لیے لیکن دیگر آیت میں چونکہ قبر و حشر کے یٰوَیْلَنَا کا ذکر ہے اس لیے وہاں مشکوک نہیں لہٰذا وہاں وَلَئِنْ اور اگر مگر کے الفاظ نہیں ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَفَلَا یَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا (الخ) یعنی کیا یہ کفار نہیں دیکھتے کہ ہم ان کی ملکیتی علاقائی زمین کو دن بدن کم کر رہے ہیں مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد فتوحاتِ اسلامیہ کے ذریعے کفار کی سلطنتی حکومتی زمینیں علاقے کم کر رہے ہیں حالانکہ یہ آیت مکی ہیں جب کہ فتوحات شروع ہوئی ہیں مدنی زندگی میں ہجرت کے بعد جواب۔ اس کے چند طرح جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ اگرچہ سورۃ انبیا مکی ہے مگر یہ تین آیت مدنی ہیں از آیت ۴۴ تا آیت ۴۶۔ اس قول میں یہ اعتراض درست ہی نہیں رہا۔ دوم یہ کہ اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ آیت بھی مکی ہی ہیں مگر یہاں نَنْقُصُ۔ سے مراد فتوحاتِ اسلامیہ نہیں بلکہ مال دولت کی غربت ہے اور غریب ہونے کی وجہ سے اپنی زمینیں فروخت کرنا ملکیتیں کم ہوتے جانا ہے یا کفار کے بڑے بڑے سرداروں اور افرادِ خانہ کا مرتے چلے جانا ہے۔ سوم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ اس نَنْقُصُ سے مراد مکہ مکرمہ اور اردگرد علاقوں کے لوگوں کا روز بروز کثرت سے مسلمان ہونا ہے جس کی وجہ سے کفار کے علاقے اور ملکیتیں گلی محلے کم ہوتے جا رہے ہیں مسلمانوں کی تعداد اور تعداد سے مکانات گلی محلے علاقے بڑھتے جا رہے ہیں اور گلی محلوں علاقوں بستیوں کا کم ہوتے جانا ذلت و کمزوری ہے۔ بڑھتے جانا عزت و قوت ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى طَالَ عَلَيْهِمُ الْعُمُرُ اَفَلَا يَرَوْنَ اَنَّا نَاْتِی الْاَرْضَ نَنْقُصُهَا مِنْ اَطْرَافِهَا اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔

اے عالم ناسوت کی کثافتوں میں پلنے بڑھنے زندگی گزارنے والو یہ تمہاری نرم سامانیاں تمہارے اپنے کسبوں ارادوں عقلوں فنکاریوں سے نہیں بلکہ ہم نے ہی عارضی طور پر تم کو اور تمہارے اجسام و ارواح کی اصل و آباؤ اجداد کو چند روزہ بہار زندگی کا نفع دیا ہے یہ تمہاری مغروریت اور فریب دھوکے میں پڑے رہنا اس لیے ہے کہ تمہاری عیش و عشرت والی دنیوی عمر کچھ دراز ہوتی چلی گئی اور تم اسی کو سب کچھ سمجھ بیٹھے حالانکہ نظر حقیقی اور دیدارِ بصیرتی میں یہ عیاشی خرمستی دولت دنیا کی فراوانی سچائی کی دلیل نہیں، کیا یہ کفار نگاہِ عبرت

marfat.com

سے یہ محسوس نہیں کرتے کہ دن بدن سستی کاہلی بے رغبتی بے توفیقی کی یلغار سے ہم تمہاری زمینِ اعمال صالحہ کردارِ شریفانہ عباداتِ بے ریانہ اور حسنِ افعالِ مخلصانہ کو کم کر رہے ہیں۔ کیا قہرِ الٰہی نہیں ہے کہ علماءِ مخلصین کم ہو رہے ہیں اور جُہلا خطیب زیادہ ہوتے جا رہے ہیں اہلِ حق اور علمِ ربانی سے بھرپور عُلما فضلا روپوش یا فوت ہوتے جا رہے ہیں۔ جابر اہل کار فاسق حکام ریاکار پیرِ ظاہریت کے مشائخ بڑھتے جا رہے ہیں، کرسییں عادلین حکام سے مصلّے حافظین ائمہ سے منبر خاشعین علماء سے۔ درس گاہ صادقین واعظین سے۔ سجّادے رہبرانِ متقین سے خالی ہوتے جا رہے ہیں۔ ہر طرف بداعمالی کی غربت گناہوں کی ظلمت بے غیرتی کی کثرت علما کی نفرت جہلا کی عظمت پھیلتی جا رہی ہے۔ صوفیاءِ عظام فرماتے ہیں جب عوام گمراہ اور بدکردار ہو جائیں تو نیک لوگوں میں کثرتِ اموات ہوتی ہے۔ قوم بے غیرت ہو جائے تو مخلص علما روپوش ہو جاتے ہیں۔ یہی قہرِ الٰہی ہے اور جس قوم پر قہرِ الٰہی ہو وہ کسی وقت بھی کسی طرح کا غلبہ حاصل نہیں کر سکتی بے پردہ منہ کھُلے عورتیں اور ان کے بے غیرت مرد مثل بھیڑ بکریوں کے ہیں اور بھیڑ بکریوں پر قصاب مقرر کر دئے جاتے ہیں جو ان کو فنا کی چھری سے ذبح کر دیتے ہیں قصائی بکریوں کی کثرت سے تیشہ شاخوں کی کثرت و جسامت سے اور شعلہ ایندھن کے ڈھیروں سے گھبراتا نہیں بلکہ سب کو کاٹ کر جلا کر رکھ دیتا ہے، تفسیر روح البیان نے ایک حدیث مقدسہ روایت فرمائی کہ ۱ سماحت، سخاوت ۲ شجاعت ۳ جمعیت قلبی ۴ بطشِ شدید سے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی۔ غلبہ اور نصرت رب تعالیٰ کی طرف سے منصب جلیل اور مرتبۂ شریف ہے یہ شان جُند اللہ کو ملتی ہے اور جند اللہ یعنی اللہ رب جلیل کا لشکر، انبیاءِ کرام علیہم السّلام، اولیاءَ اللہ اور علماءِ حق، صالحین مومنین ہیں۔ اسی کو سورۃ ۳۷ الصّافات آیت ۱۷۳ میں اس طرح بیان فرمایا گیا۔ وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو چار طرح دنیا پر غلبہ عطا فرمایا ۱ تمام عرب پر بذریعے قوت ۲ عجمی سلاطین پر بذریعے سلطنت ۳ کثیر ملکوں پر بذریعے فتوحات ۴ لوگوں کے دلوں پر بذریعے کردار اس غلبے سے مسلمانوں کو چار نعمتیں ملیں ۱ مشرق و مغرب کی شاہی ملکیت ۲ خزائنِ ارض پر قبضہ و تصرّف ۳ ظالم بادشاہوں کی سرکوبی کا تمغہ۔ تواریخ میں ہے کہ قیصر و کسریٰ کو جب اسلامی سپاہ سالار کے پاس گرفتار

marfat.com

کرکے لایا گیا تو وہ ذلت و تھرتھراہٹ سے کھڑے نہ ہو سکتے تھے (۲) زمینِ عرب و عجم کی شاہی خلافت۔ اہلِ ایمان کو اگر عارضی شکست ہوتی ہے تو وہ اُس کو تشدید محنت اور بلاءِ حسن کا درس و تربیت ہے جو اُس کو تجربے کا کندن اور تیاریِ مزید کا باعث بنا دیتی ہے۔ جس سے وہ بے ہمت نہیں ہوتا بلکہ عظیم قوت و جرأت ہمت و حوصلے کے ساتھ اُٹھ کر غلبۂ کثیر حاصل کرلیتا ہے۔ لہٰذا بندۂ مومن کو کسی بھی میدانِ عمل میں ضعفِ طبیعت نہ دکھانی چاہیئے بلکہ ہمیشہ رب تعالیٰ پر بھروسہ اور جہادِ ظاہری پر کمربستہ اور جہادِ باطنی پر قائم رہنا چاہیئے ہمت کمالِ مومن کا ہتھیار ہے، روایت میں ہے کہ مولیٰ علی شیرِ خدا نے اکیلے ہی خیبر کا وہ دروازہ اکھیڑ کر اٹھا کر زمین پر رکھ دیا جس کو بعد میں وہاں کے ستر قوی الجسم مزدور بہت محنت مشقت سے صرف کھڑا کر سکے۔ رَوَاہُ جَابِرٌ۔ ایک تاریخی روایت میں ہے کہ آپ نے وہ دروازہ ایک ہاتھ سے اٹھا کر بطورِ ڈھال بھی استعمال فرمایا، جب کسی نے اس حیرت انگیز جرأت کے بارے میں پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ میں نے یہ دروازہ قوتِ جسمانیہ اور حرکتِ غذائیہ سے نہیں اکھیڑا بلکہ قوتِ ملکوتیہ کی تائید اور نورِ ربانی کے غلبے سے اکھیڑا ہے۔ اس طرح کا غلبہ ہمت سے اور ہمت و حوصلہ ایمان سے ہوتی ہے۔ اَفَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ بھلا بے ایمان اور بے غیرت کب غالب ہو سکتے ہیں۔ اہلِ نظر فرماتے ہیں کہ پرندے پروں سے اڑتے ہیں اور عقل والے ہمتِ ایمانی سے قدوم کے لیے رِجلُ یعنی پیر ہونے چاہیئے اور حروب کے لیے رَجُلُ یعنی مرد ہوتے چاہیئے۔ غلبۂ عالم تعدادِ رِجل سے نہیں ملتا تعدادِ رَجُل سے ملتا ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اُنْذِرُكُمْ بِالْوَحْيِ وَلَا يَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ اِذَا مَا يُنْذَرُوْنَ۔ وَلَئِنْ مَّسَّتْهُمْ نَفْحَةٌ مِّنْ عَذَابِ رَبِّكَ لَيَقُوْلُنَّ يٰوَيْلَنَآ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ اس دنیاء دون میں فقط دو ہی قومیں ہیں (۱) نیکوں یعنی اچھوں کی (۲) بدوں یعنی بروں کی اور ان میں سے ہر ایک کا حصہ الگ الگ اچھے لوگ انبیاء علیہم السلام اور اولیاءُ اللہ و علماء ہیں ان کا حصہ جنابِ الٰہی سے اِنذار و نصیحت کرتا ہے اور بروں کا حصہ بے رغبتی حق سے اعراض اور بہرا بننا ہے۔ اس لیے کہ اچھوں پر رحمت ہے اور بروں پر لعنت ہے یہ تقسیم حصص ازلی ہے۔ اچھوں کو حضرتِ بارگاہ کے جوار کا قرب ہے مقامِ اعلیٰ تک اور بروں کو جوارِ بارگاہ کی دوری و بُعد ہے اسفلِ دنیا تک جس نے ان کے کانوں کو بہرہ اور آنکھوں کو اندھا بنا دیا ہے۔ یہ بیماری ان کو حبِّ دنیا اور طلبِ

marfat.com

شہواتِ زندگی سے ہے اسی وجہ سے۔ لَا یَسْمَعُ الصُّمُّ الدُّعَآءَ نہ سنتے ہیں نہ ڈرتے ہیں یہ فطرت ہے کہ جہاں خیر ہے وہاں معرفت ہے اور جہاں معرفت ہے وہاں سماعت بالحق یعنی حق سننا ہے لیکن جہاں شر ہے وہاں ظلمت ہے جہاں ظلمت ہے وہاں سماعت عن الحق یعنی حق نہ سننا ہے حالانکہ انذار وحی کے حکم سے ہوتا ہے مگر باطلین و باطنین کو جتنا بھی ڈرایا جائے وہ بہرے بن جاتے ہیں اور اہلِ دنیا جب تک عیش میں رہتا ہے تو حق کا مذاق اور عذاب کا مطالبہ کرتا رہتا ہے عقل و بصیرت سے مہلتِ حیات کو غنیمت و قدر سے نہیں جانتا مگر حالت یہ ہے کہ اگر ظلمتِ کثافت اور عذابِ رذالت کا چھینٹا بھی پڑ جائے تو بلبلا جائے۔ تب اپنی ضلالت کا اقرارِ لسانی خباثتِ ظلمانی کا واویلا زبانِ حالی سے کرنے لگے گا۔ اہل حقیقت کے دو حال اور دو قیام ہیں ۱ امید ۲ خوف ۳ رضا بر تقدیر ۴ شکر و صبر وہ دو بہترین حال ہیں یہ دو عمدہ مقام ہیں۔ یہ کیفیت بھی توبۃ النصوح میں شامل ہے کیونکہ خوف ہی توبہ پر بندے کو آمادہ کرتا ہے اور امید سے خوف پیدا ہوتا ہے گویا کہ خوف دروازۂ اُمید ہے اور اُمید کا آستانہ توبہ ہے توبہ سے رضا ہے اور رضا سے شکر اور شکر سے صبر پیدا ہوتا ہے۔ اور اصلِ صبر گناہوں سے رکنا ہے۔ اصلِ شکر عبادت کرنا ہے۔ فاسق کو کوئی عمل مفید نہیں ہے

وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا

اور قائم کردیں گے ہم بہت سی میزانیں انصاف والی قیامت کے دن تو نہ

اور ہم عدل کی ترازوئیں رکھیں گے قیامت کے دن تو

تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا ۭ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ

ظلم کیا جائے گا کوئی شخص کچھ بھی اور اگر ہو کچھ عمل رائی کے دانے کے برابر

کسی جان پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔ اور اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو

marfat.com

مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِهَا ؕ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِیْنَ ﴿۴۷﴾

تو حاضر لے آئیں گے ہم اُس کو اور کافی ہے اللہ یعنی ہم حساب کتاب کرنیوالے۔

توہم اُسے لے آئیں گے۔ اور ہم کافی ہیں حساب کو۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً

اور البتہ بے شک دیا ہم نے موسٰی اور ھرون کو قانون (شریعت) اور روشنی

اور بے شک ہم نے موسٰی اور ہارون کو فیصلہ دیا اور اُجالا

وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿۴۸﴾ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ

اور نصیحت دی ان متقیوں کو۔ جو مرعوب رہتے ہیں اپنے رب سے

اور پرہیزگاروں کو نصیحت۔ وہ جو بے دیکھے اپنے رب سے

بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَهٰذَا

اور وہی قیامت سے خوف زدہ ہیں۔ اور یہ بھی

ڈرتے ہیں اور اُنھیں قیامت کا اندیشہ لگا ہوا ہے۔ اور یہ ہے

ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ ؕ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۰﴾ ع

ذکر ہے۔ برکتوں والا نازل کیا ہم نے جس کو تو کیا تم اس کو نہ ماننے والے ہو۔

برکت والا ذکر کہ ہم نے اُتارا تو کیا تم اس کے منکر ہو۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کی محشر میں حاضری کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں محشر میں اُن کے حساب و کتاب کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ احکام

marfat.com

اور کفارِ مکہ کی سرکشی کا ذکر ہوا اب اِن آیت میں حضرت موسیٰ و ہارون کی تبلیغ کا ذکر ہے۔
تیسرا تعلق پچھلی آیت میں برے لوگوں کی نعمتیں دولتیں اور سلطنتیں گھٹانے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں متقی اور رب تعالیٰ سے خشیت رکھنے والے نیک لوگوں کو نعمتیں فرقان اور نور دینے کا بیان ہے۔

تفسیر نحوی وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

واؤ برحیلہ نَضَعُ باب۔ فتح کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم وضع مثال واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ اجماکر رکھنا مضبوطی سے قائم کرنا خاص کر دینا مقرر کرنا۔ یہاں ہر معنیٰ درست ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ اَلْمَوَازِيْنَ الف لام عہدِ ذہنی یعنی ہر شخص اُس کی حقیقت کو نہیں جانتا جس پر یہ الف لام آیا ہے۔ جمع مکسر منتھی الجموع ہے میزان کی اسم آلہ ہے وَزْنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے تولنے کا آلہ یعنی ترازو۔ موصوف ہے اَلْقِسْطَ الف لام استغراقی یعنی ہر قسم کا یا بمعنیٰ تمام کا تمام (پورا کا پورا) قِسْطَ اسم مصدر یہاں جامد حاصل مصدر ہے ایک قرأت پر قِصطٌ ہے ص سے بمعنیٰ انصاف (عدل) عدل اور قسط میں چند طرح فرق ہے جو تفسیر عالمانہ میں بتایا جائے گا ان شاء اللہ تعالیٰ چونکہ مصدر میں عمومیت اور مبالغہ ہوتا ہے اس لیے یہ اگرچہ واحد ہوتا ہے مگر جمع کی صفت بن سکتا ہے بعض نے کہا کہ الف لام استغراقی کی بنا پر اس میں بھی جمعیت ہے اس لیے یہ مَوَازِيْنَ (جمع) کی صفت بن گیا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے نَضَعُ کا۔ لام حرفِ جر بمعنیٰ فی ظرفیہ ایک قول میں لام تعلیلیہ خصوصیت کے لیے ہے يَوْمِ اسم ظرفی بمعنیٰ زمانہ (تمام وقت) الف لام عہدِ خارجی یا ذہنی قِيٰمَةِ اسم مفرد مصدر آخر میں ۃ مصدریہ ہے قَيْمٌ یا قَوْمٌ مادے سے بنا ہے بمعنیٰ کھڑا ہونا ثابت ہونا۔ اٹل ہونا۔ یہاں اسم جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ میدانِ محشر حشر نشر کا دن۔ فنا کے بعد بقا اور دوبارہ زندہ ہونے کا زمانہ۔ یہ مصدر مزید فیہ ہے جس کی گردان نہیں ہوتی اسی لیے جامد ہوا مضاف الیہ ہے يَوْمَ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَضَعُ کا فَ سببیہ ترتیبِ کلام کے لیے ہے لَا تُظْلَمُ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بلا مجہول واحد مؤنث غائب نَفْسٌ اسم مؤنث لفظی کیونکہ اِس کی تصغیر نُفَيْسَةٌ آتی ہے یہاں تاء تانیث مقدر (پوشیدہ) ہے لیکن بہت جگہ نَفْسَةٌ بھی آتا ہے یہ نائب فاعل ہے

marfat.com

لَا تُظْلَمُ کا یہ ظُلْمٌ سے مشتق ہے لغوی معنیٰ ہے بلاوجہ کسی کی مخالفت کرنا، اصطلاحاً سات معنیٰ میں مشترک ہے ۱ نقصان دہ کمی کرنا یا زیادتی کرنا ۲ گھٹانا ۳ کسی کا کچھ چھین لینا ۴ حقدار کو حق نہ دینا ۵ غیر مستحق کو دینا ۶ خلافِ قانون چلنا یا چلانا ۷ جزا و سزا میں کمی زیادتی کرنا۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ شَیْئًا اسم مفرد نکرہ ایک قرأت میں شَیْئًا ہے مراد ہے اعمال یہ مفعول بہٖ یا مفعول فیہ ہے یعنی کسی چیز کا ظلم یا کسی چیز میں ظلم، ایک قول میں یہ نکرہ مصدری معنیٰ میں ہے بمعنیٰ کچھ بھی لَا تُظْلَمُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہے نَضَعُ کے مصدری معنیٰ وُضِعَ کا یعنی مَوَازِیْنَ رکھنے کا سبب اور وجہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ اِنْ حرف شرط ایک قول میں اِنْ واؤ وصلیہ کے ساتھ ہو کر بمعنیٰ اگرچہ ہے شرطیت ختم ہے مگر یہ غلط ہے۔ کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ بعض نحات نے کہا کہ یہ کَانَ تامّہ ہے مگر یہ غلط ہے اس میں پوشیدہ ھُوَ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے مرجع شَیْئًا ہے جس سے مراد اعمال ہیں مِثْقَالَ اسم مفرد مصدر میمی ثِقْلٌ سے مشتق ہے یہاں جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ بوجھ وزن۔ برابر۔ مضاف ہے حَبَّۃٍ اسم مفرد مؤنث لفظی اس کا مذکر لفظی ہے حَبٌّ بمعنیٰ دانہ کسی غلے کا گندم جَو وغیرہ اس کی جمع ہے حبوب مضاف ہے لیکن اضافت مِنِّیَہ ہے اور مِنْ ظاہر ہے اس لیے اضافت کی ترکیب نہ ہو گی اس لیے تنوین یعنی دو زبر آگئی۔ مضاف الیہ ہے مثقال کی۔ جنہوں نے کَانَ کو تامّہ مانا ہے اُن کی قرأت میں مِثْقَالُ مرفوع ہے کیونکہ فاعل ہے کَانَ تامّہ کا مگر ناقصہ ہو تو مِثْقَالَ حَبَّۃٍ یہ مرکب اضافی خبر کَانَ ہے مِنْ جارّہ بعضیت کا یا بیانیہ ہے خَرْدَلٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ رائی (خشخاش) اس کا مؤنث لفظی ہے خَرْدَلَۃٌ یہ جار مجرور متعلق کَائِنٌ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ اسم فاعل با فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے حَبَّۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ پھر مرکب اضافی خبر کَانَ۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہوئی اَتَیْنَا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لانا یہاں ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے یقین کی بنا پر گویا کہ لے ہی آئے ایک قرأت میں آتَیْنَا بابِ مفاعلہ ہے اور ایک قرأت اَثَبْنَا ہے ثَوَابٌ سے۔ یہ فعل با فاعل ہے مرجع اللہ تعالیٰ۔ بِہَا بٌ جارّہ متعدی کی ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع مثقال ہے ضمیر کا مؤنث لانا حَبَّۃٍ کی وجہ سے ہے یہ جار مجرور متعلق اَتَیْنَا کا ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے کَانَ کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا نَضَعُ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ کَفٰی بابِ ضَرَبَ

marfat.com

کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ بَ زائدہ برائے تغیر اور وضاحت بمعنی یعنی نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مرجع اللہ تعالیٰ۔ کَفٰی بِنَا کا ترجمہ ہوگا۔ کافی ہے اللہ یعنی ہم۔ حَاسِبِیْنَ باب حَسِبَ (شاذ کا پہلا باب) کا اسم فاعل جمع مذکر۔ حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنی شمار کرنا۔ یہ حال ہے نَا ضمیر کا دونوں مل کر مجرور جار مجرور متعلق ہے کَفٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّ ذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ واؤ برجلہ لَقَدْ اٰتَیْنَا میں لام تاکید یہ قَدْ اٰتَیْنَا باب افعال ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم اَتٰی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِیْتَآءٌ بمعنی دینا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ آپس میں عطف ہے دونوں مل کر مفعول بہ اوّل ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر مرجع مخاطب اللہ تعالیٰ اَلْفُرْقَانَ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ فُرْقَانٌ اسم مشتق مبالغہ بروزن فُعْلَانٌ فَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنی فرق جدائی اور تقسیم کرنے والا آخر کا الف نون زائد ہیں معطوف علیہ واؤ عاطفہ بعض کے نزدیک واؤ زائدہ اور مابعد لفظ صفت ہے بعض کی قرأت میں واؤ نہیں ہے تب مابعد لفظ حال بنے گا ضِیَآءً اسم مصدر بروزن قِیَامًا یہاں حاصل مصدر جامد ہے بمعنی روشنی بعض نحویوں نے فرمایا کہ جمع مکسر ہے بروزن حِیَاضًا حَوْضٌ کی جمع۔ ضَیْئٌ یا ضَوْءٌ سے بنا ہے معتل عین (اجوف) یائی یا واوی اور مہموز اللام۔ اگر اجوف واوی ہو تو ماقبل کسرے کی وجہ سے واؤ کو یٰ سے بدلا گیا صحیح یہ ہے کہ یہ جمع نہیں بلکہ مصدر ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ یا زائدہ تب مابعد عبارت صفت بنے گی یا بغیر واؤ تب مابعد حال بنے گی پہلی ترکیب درست ہے ذِکْرًا۔ اسم مصدر بمعنی تذکرہ یا بمعنی نصیحت عامل ہے لِّلْمُتَّقِیْنَ یہ جار مجرور اپنے مابعد سے مل کر متعلق ہوگا ذِکْرًا مصدر عامل کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ یَخْشَوْنَ بابِ سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب خَشْیٌ سے مشتق ہے بمعنی ہیبت و احترام سے مرعوب ہونا کانپنا ڈرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ هُمْ ہے اس کا مرجع مُتَّقِیْنَ ہے رَبَّهُمْ۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے بَ حرف جر بمعنی بیانِ کیفیت کے لیے اَلْغَیْبِ الف لام عہدی حرفی غَیْبٌ اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنی پوشیدگی۔ دوری۔ یا بمعنی غائب اسم فاعل ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَخْشَوْنَ کا اس کا تعلق یا یَخْشَوْنَ کے فاعلِ مُتَّقِیْنَ سے ہے کہ وہ غیب یعنی خلوت میں بھی اللہ سے ڈرتے ہیں یا تعلق رب سے ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نا دیکھنے کے باوجود ڈرتے

marfat.com

ہیں یَخْشَوْنَ اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہوئی مُتَّقِیْنَ کی وہ جار مجرور ہو کر متعلق ہے ذِکْرًا مصدر کا وہ شبہ جملہ ہو کر معطوف سب عطف مل کر مفعول بہ دوم ہوا اٰتَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ عاطفہ ہے تب یہ عطف ہے یَخْشَوْنَ کے جملے پر یا واؤ پر جملہ استینافیہ ہے۔ اور ما بعد عبارت علیحدہ جملہ ہے۔ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا مِنَ السَّاعَۃِ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے مُشْفِقُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِشْفَاق شَفَقٌ سے بنا ہے بمعنی ابتداء سے ڈرنا خوف زدہ ہونا اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے متقین متعلق مقدم سے تخصیص کا فائدہ ہوا یعنی صرف متقی ڈرتے ہیں قیامت سے یا حصر کا فائدہ ہوا یعنی متقی صرف قیامت سے ڈرتے ہیں نہ کہ دنیوی تکالیف سے مُشْفِقُوْنَ جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَھٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ واؤ استینافیہ برائے وضاحت۔ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی بحالت رفع مبتدا ہے ذِکْرٌ حاصل مصدر جامد بمعنی نصیحت یا تذکرہ موصوف ہے مُبَارَکٌ اسم مفعول واحد مذکر باب مُفَاعَلَۃ سے بَرَکٌ سے مشتق ہے بمعنی حسن و خوبی و کثرت سے بھرا ہوا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی پھر موصوف ہے۔ اَنْزَلْنَا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم بافاعل ہ ضمیر مفعول بہ اس کا مرجع ذِکْرٌ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت مرکب توصیفی خبر مبتدا ہے۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَ۔ حرف ہمزہ سوالیہ تعجب دلانے کے لیے انکاری ہے یعنی ایسا مت کرو۔ اَنْتُمْ، اسم ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ لَهٗ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اس کے تقدم سے بھی تخصیص یا حصر کا فائدہ ہوا۔ مُنْكِرُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر برائے ضمیر جمع حاضر اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر اَنْتُمْ ہے اور دونوں اَنْتُمْ ضمیر کا مرجع کفار مکہ و مدینہ (یہودی عیسائی) ہیں یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ اَنْتُمْ ظاہر ضمیر مبتدا اپنی ہی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْـًٔا وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا۔ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

دنیا میں یہ کفار فساق اپنے پرایوں پر ہر طرح کا ظلم کرتے رہتے ہیں مگر آخرت میں کوئی کسی پر کسی قسم کا ظلم نہ کر سکے گا۔ ہم میدان محشر میں ہر اس بندے کے اعمال خیر و شر کے پورے

marfat.com

پورے صحیح حساب کے لیے عدل وانصاف کی ترازو قائم فرمادینگے جو بندہ حساب کے لائق وقابل ہے اور جس کا حساب ضروری ہے۔ یہ ترازو قیامت کے دن میدانِ محشر میں حسابِ اعمال کے وزن کرنے کے لیے پل صراط سے لاکر رکھ دی جائیگی آج وہ پل صراط کے پاس ہے۔ نبی کریم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے معراج میں یہ ترازو دیکھی ہے۔ حضرتِ داؤد علیہ السلام کی خواہشِ دید پر بھی ان کو دکھائی گئی تھی، دنیوی ترازوؤں کی طرح اُس کے بھی دو پلڑے ایک ڈنڈی اور ایک درمیانی کُھنٹی والی زبان ہے جس کو پکڑکر اٹھایا جاتا ہے۔ اُس کے پلڑے مشرق ومغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہیں اور مضبوطی و وسعت کا یہ عالم ہے کہ ان میں آسمانوں زمین کو تولا جاسکتا ہے اُس کے دائیں یعنی سیدھے پلڑے میں نیکیاں اور بائیں یعنی اُلٹے پلڑے میں گناہ اور بدیاں رکھی جائینگی دایاں پلڑا نور کا بنا ہوا ہے بہت چمک دار روشن یمینِ عرش کی جانب ہے۔ بایاں پلڑا سیاہ ظلمت کا بنا ہوا ہے۔ عرش کی جانب یسار ہے۔ میدان محشر میں جبرائیل امین علیہ السلام اس کو اٹھاکر اعمالِ بندگان کو تولیں گے اس لیے کہ وہی ثواب وعقاب کے لیے امر ونہی کے احکام لے کر آتے رہے لہٰذا آج محشر میں وہی تول کر حساب بھی کرائیں گے۔ اور میکائیل علیہ السلام اُس پر امین ہوں گے حساب وکتاب کے بعد اعمال کو تولا جائے گا۔ غرضکہ حساب وکتاب سے گنتی اور گواہی ہوگی اور تولنے سے اعمال کے بھاری اور ہلکے ہونے کا پتہ بتایا جائے گا اور وزن کئے جانے کے وقت تمام انسانوں جنوں کو وہاں حاضر کیا جائے گا صرف اعمالِ بندگان کا وزن ہوگا نہ کہ ایمان وکفر کا۔ کفار ومومنین سب کے اعمال کا وزن ہوگا۔ اور جن بعض لوگوں کا حساب نہ ہوگا اُن کے اعمال کا وزن بھی نہ ہوگا۔ وہ بلا حساب جنت یا جہنم میں بھیجے جائیں گے غرضکہ حساب وکتاب تو ایمان۔ کفر، اعمالِ خیر وشر سب کا ہوگا مگر وزن صرف اعمالِ خیر وشر کا۔ بلا حساب والے نیک لوگ وہ ہوں گے جن کی بدی کوئی نہ ہوگی اور بلا حساب والے برے لوگ وہ ہوں گے جن کی نیکی کوئی نہ ہوگی اہل ایمان کو دو ثواب ایک ثواب ایمان کا دوسرا ثواب اعمالِ صالحہ کا۔ اس طرح کفار کو دو عذاب ہوں گے ایک عذاب کفر کا دوسرا اعمال بد کا فساق مومنین کو یا شفاعت کی معافی ملے گی یا جہنم کی سزاءِ عدل۔ قسط اور عدل کا فرق یہ ہے کہ جس کا حساب وکتاب درست ہو وہ قسط ہے جس کی عطا درست ہو وہ عدل ہے۔ اسی لیے مَوَازِیْنَ الْقِسْطَ فرمایا گیا نہ کہ مَوَازِیْنَ الْعَدْلَ۔ قسط ترازو کا عمل ہے عدل رب تعالیٰ

marfat.com

کا فعل ہے، کفار کے اچھے اعمال کا بدلہ یا دنیا میں ہی دیدیا جائے گا یا جہنم میں عذابِ اعمال کی تھوڑی تخفیف کرکے اسی لیے حساب وکتاب کے بعد اچھے بُرے اعمال کو تولا جائے گا یہ تولنا عذابِ کفر سے نجات یا تخفیف کے لیے نہ ہوگا۔ تخفیف وغیرہ عذابِ اعمال میں ہوگی دونوں میں فرق یہ ہے کہ تخفیفِ عذابِ کفر مقامِ جہنم سے ہٹایا جانا ہے مگر کسی بھی کافر کو یہ نہ ملے گی ہمیشہ ابدالآباد تک ایک ہی مقام میں اپنی اپنی جگہ کفار پڑے رہیں گے۔ تخفیف عذابِ اعمال یہ ہے کہ بعض کفار کو اُن کے عذابِ الیم کی شدت میں کمی کر دی جائے گی، اس قول سے حضرتِ ابوطالب اور ابوجہل کی ایمانی کیفیت کا پتہ لگ جاتا ہے کہ حضرت ابوطالب کو جہنم سے نکال کر جھیرے میں کر دیا گیا اور ابولہب کو شدتِ عذاب میں تخفیف کر دی جاتی ہے جس سے ثابت ہوا کہ ابوطالب عنداللہ کافر نہیں بلکہ ساتر ہیں۔ اور ابولہب کا ایک اچھا عمل ہے جس کا بدلہ ان کو بعد موت دیا گیا۔ اگر ابوطالب کافر ہوتے تو اُن کو جہنم سے ہٹایا نہ جاتا میزانِ قیامت کے ایک پلڑے میں نیکیاں ہوں گی ایک میں بدیاں جس میں جتنا بوجھ اکا جھکاؤ ہوگا اتنا ہی اس کا بدلا دیا جائے گا نیکیاں روشنی کی شکل میں ہوں گی درجہ بدرجہ کم زیادہ اور بدیاں قبیح اندھیرے سیاہی کی شکل میں درجہ بدرجہ کم زیادہ۔ بعض نے لکھا ہے کہ اعمالنامے اور اہل اعمال لوگوں کو تولا جائے گا۔ مگر یہ قول ثابت نہیں۔ نیکیاں اور بدیاں جسمِ لطیف اور جوہر قائمہ کی کیفیت میں ہوں گی (تفسیر روح البیان وصاوی) یہ ایسا عدل وانصاف کا دن ہوگا کہ کسی بھی چھوٹے بڑے نیک وبد پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ ہوگا بلکہ ہر جان کو اُس کا پورا پورا حق دیا جائے گا نیک کو نیکی کا بُرے کو برائی کا بھلے کو بھلائی کا ظالم کو ظلم کا اور دنیا میں کسی کا کوئی بھی کہیں بھی کبھی بھی کیا ہوا عمل چھوڑا نہ جائے گا اگرچہ رائی برابر چھوٹے سے دانے کے وزن جتنا ہو اس کو بھی قیامت کی ترازو میں لے آئیں گے اور اُس کا بھی قسط وعدل ہوگا۔ دنیا کی ترازوؤں میں تین نقص ہوتے ہیں ایک یہ کہ وہ کبھی صحیح تولتی ہے کبھی غلط اگر صحیح تولے تو عدل ہے اگر غلط تولے تو ظلم ہے مگر میدانِ حشر کی یہ ترازو ہمیشہ ہر شخص کے اعمال کے لیے قسط ہی رہے گی نہ کبھی ٹیڑھی ہو نہ کبھی غلط نہ کوئی اس کو غلط کر سکے نہ خود کبھی خراب ہو اسی لیے کسی پر ظلم کا نہ کوئی شائبہ نہ اندیشہ یعنی نہ تولنے والے کو شائبہ نہ عمل والے کو اندیشہ۔ دوم یہ کہ دنیا کی بڑی ترازوئیں چھوٹی چیزوں کو نہیں تول سکتیں اگر تولی بھی جائیں تو صحیح وزن نہیں بتا سکتیں، سوم یہ کہ دنیا کی چھوٹی ترازوئیں بڑی چیزیں نہیں تول سکتیں اگر تولنے کی کوشش کی جائے تو ترازو ٹوٹ جائے۔ مگر میدانِ

marfat.com

محشر کی میزان میں یہ کوئی نقص اور عیب نہیں وہ ایک ترازو میں ہی بڑے سے بڑی اور چھوٹی سی چھوٹی چیز کو تول کر بالکل صحیح صحیح وزن بتادے گی حالانکہ ہے بے حد انتہا بڑی ہے۔ لیکن رائی کے دانے برابر عمل کو بھی صحیح تول دے گی اور کسی بھی وزنی چیز سے نہ گڑ بڑائے نہ ٹوٹے نہ خراب ہو ان تینوں عیبوں سے وہ ترازو پاک ہے۔ یہاں مَوَازِيْنَ الْقِسْطَ فرما کر ترازو کی پہلی شان بیان فرمائی گئی۔ اور۔ فَلَا تُظْلَمُ فرما کر دوسری شان بیان کی گئی اور۔ وَاِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ (الخ) فرما کر تیسری شان بیان فرمائی گئی اور چونکہ علم قدرت، حفاظت عدل ہمارے ہی پاس مکمل واکمل ہے اس طرح کہ ہمارا علم سب پر محیط ہماری قدرت سب پر ظاہر، ہماری حفاظت سب پر جاری ہمارا عدل سب پر قائم اس لیے وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ ہم ہی کافی ہیں سب کا حساب لینے والے کیونکہ محاسب میں چار چیزیں ضروری ہیں ۱ علم ۲ حفاظت ۳ قدرت ۴ عدل سچے صحیح حساب کے لیے ان قوتوں کی ضرورت ہے کہ وہ اعمال کو جانتا بھی ہو۔ عاملین کو پہچانتا بھی ہو۔ عمل کی حفاظت بھی کر سکتا ہو، عامل کی قیامت و حشر قائم کرنے کی قدرت رکھتا ہو۔ وہی محاسب ہو سکتا ہے جو قادر بھی ہو عالم بھی تب ہی عدل قائم کر سکتا ہے جب ذرے ذرے کا حساب و کتاب اور وزن قائم کر سکے تو جس ذاتِ کریم علیم و خبیر کی یہ شان ہو وہی سب کا حساب لے سکتا ہے۔ قیامت کا حساب چار طرح ظاہر ہو گا ۱ سزا میں تعدیل ۲ ثواب میں تفضیل ۳ گناہ میں عفو ۴ عطا میں تضعیف

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِيَآءً وَّذِكْرًا لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ اور البتہ بے شک ہم نے عطا فرمایا موسیٰ اور ہارون کو اپنے محبوب کے قرآن مجید کی مثل اپنا وہ کلام جو حق و باطل کفر و ایمان، کھوٹے کھرے میں ہر طرح فرق کر دینے والا فرقان ہے اور شریعت کی وہ روشنی عطا فرمائی جو قلب و جگر عقل و دماغ کو اس طرح روشن کرنے والی ہے کہ ظلمتِ کفر جہالت گناہ ضلالت بے عقلی اور سفاہت حیرت کو دور کر نے مٹا کر رکھ دینے والی ہے۔ اور دینی دنیوی قانون نصیحتیں طرق ھُدٰی۔ سُبُلِ نجات کا ذکر پاک عطا فرمایا یہ سب کلام الٰہی فقط ان کے لیے مفید تھا جو ہر قسم کے شرک و کفر فسق و گناہ سے بچنے والے ہیں اس لیے کہ وہ اپنے رب کے رعب جلال مقام اسرار و احترام جمال سے بن دیکھے تعارفِ نبوت پر ایمان لا کر غائبانہ اسی دنیا میں ڈرتے اور مرعوب رہتے

marfat.com

والے ہیں یعنی اُن نیک پاک لوگوں کا کفر شرک وگناہ سے بچنا اُن کی ذاتی عادت یا طبعی نفاست یا اثرِ ماحول کی وجہ سے نہیں بلکہ فقط خوفِ الٰہی کی وجہ سے ہے، دنیا میں تو اپنے سچے پکے یقینی ایمان باللہ کی وجہ سے غائبانہ خشیتِ ربانی ہیبتِ کبریائی میں رہتے ہیں اور وہی لوگ قیامت کی حاضریِ بارگاہ سے ڈرنے والے ہیں ان کا یہ ڈرنا صرف دبدبۂ جلال ہیبتِ کمال سے ہے۔ باری تعالیٰ نے اپنے محبوب کی تسلّی روحانی، صبرِ اطمینانی اور تقویتِ قلبی وسکونِ جسمانی اور اُمت کے زیادتی علم، کفار کو دعوتِ فکر کے لیے۔ یہاں چودہ انبیاء کرام علیہم السّلام کا تذکرہ فرمایا۔ پہلے موسیٰ اور ہٰرون علیہما السّلام اور آپ کی توریت کا ذکر فرمایا تین وجہ سے ایک یہ کہ توریت کلامِ الٰہی کی کتبِ اربعہ میں پہلی کتابِ مقدس ہے، دوم یہ کہ توریت کی شرعی تعلیم مثلِ تعلیمِ قرآنِ مجید تھی اگرچہ دو طرح توریت کے احکام نامکمل اور عارضی وقتی تھے ۱ توریت میں صرف شریعت تھی طریقت نہ تھی نہ دعائیں اور ذکرِ الٰہی کے اسباق تھے اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے زبور اور انجیل کو نازل فرمایا گیا اسی لیے حضرت مسیح نے فرمایا تھا کہ توریت کو منسوخ کرنے نہیں بلکہ پورا کرنے آیا ہوں متی کی انجیل باب ۵ آیت ۱۷ صفحہ ۴ نیا عہد نامہ مگر قرآن مجید میں تمام انبیاء علیہم السّلام کے علوم جمع ہیں بلکہ اس طرح کہنا زیادہ مناسب ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم کو قرآن مجید سے تعلیم دی گئی اور سابقہ امتوں کو توریت زبور انجیل سے۔ اسی تعلیمِ قرآنی کی وجہ سے عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اور اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَآءِ کے مقدس ارشادات ہوئے ۲ یہ کہ توریت صرف بنی اسرائیل کے لیے تھی مگر قرآنِ مجید اولین یعنی سابقہ انبیاء علیہم السّلام وآخرین یعنی امتِ مسلمہ کے لیے ہر طرح کامل مکمّل ابدی ہے سوم یہ کہ کفارِ مکہ کو ایمان علی القرآن کریم کی دعوت تھی کہ اے مکّے کے کافرو تم بھی اور تمہارے مشیرانِ خاص یہود و نصاریٰ جو توریت کو مانتے ہیں قرآن مجید اور صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کیوں نہیں لاتے حالانکہ وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ یہ قرآنِ مجید بھی تو وہی ذکرِ مبارک باعثِ برکت کثرتِ منافعت معاونِ اَخیار۔ انعاماتِ اَبرار۔ اَنوار اَسرار۔ مصلحِ اَفکار۔ معادنِ علوم نظم عجیب بلاغۃ بدیع اَدلّۂ عقلیہ بیانِ شریعت۔ خیرِ کثیر۔ رحمت عزت، عاقبت، طریقت، حقیقت، معرفت کے خزانوں سے بھرپور ہے اور اس کو بھی ہم نے ہی نازل کیا ہے جس طرح کہ توریت کو ہم نے ہی نازل کیا تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ توریت ایک وقت اور ایک قوم سے خاص مگر قرآن مجید تا قیامت تمام جہان کے لیے کَآفَّةً لِّلنَّاسِ ہے ۲ توریت

marfat.com

ایک اُمّت کے لیے اور قرآن ساری مدّت کے لیے ۳ توریت میں صرف ظاہری شریعت مگر قرآن مجید میں ظاہری شریعت باطنی طریقت بھی ۴ توریت تربیت جسمانی کے لیے۔ قرآن تربیتِ جسمانی وتعلیمِ روحانی کے لیے ۵ توریت منسوخ ہونے والی قرآن منسوخ کرنے والا۔ یعنی یہ ناسخ وہ منسوخ۔ ارے نادانو اتنے فائدوں اتنی شانوں والے قرآنِ مجید کے تم لوگ منکر ہو رہے ہو اپنا کتنا نقصان کر رہے ہو۔ اس ذکر کے بعد پھر ابراہیم علیہ السّلام پھر لوط علیہ السّلام پھر نوح علیہ السّلام پھر داؤد علیہ السّلام پھر سلیمان علیہ السّلام پھر ایوب علیہ السّلام پھر اسماعیل علیہ السّلام پھر ادریس علیہ السّلام پھر ذی الکفل (دیو شاء) علیہ السّلام پھر یونس علیہ السّلام پھر زکریا علیہ السّلام پھر عیسٰی ابن مریم علیہ السّلام کا ذکر فرمایا گیا۔ ان مقدس ہستیوں کے تذکرۂ مبارکہ کی وجہ سے ہی اس سورۃ کا نام سورۃُ الانبیاء رکھا گیا۔ مفسرین کے مختلف اقوال ۱ نَضَعُ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ ہم پُل صراط سے اٹھا کر میدانِ محشر میں رکھیں گے میزان بنی ہوئی ہے پُلصراط کے پاس رکھی ہوئی ہے دوم یہ کہ ترازو ابھی کوئی بنی ہوئی نہیں بروزِ قیامت ہی بنائی جائے گی۔ مگر پہلا قول درست ہے اس کے دلائل کثیر ہیں سوّم یہ کہ نَضَعُ فعل مضارع بمعنی مستقبل ہے یعنی ہم رکھیں گے چہارم یہ کہ نَضَعُ فعل مضارع بمعنی ماضی مطلق ہے۔ یعنی ہم نے رکھ دی ہوئی ہے۔ ۲ موازین کے جمع اور قسط کے واحد فرمانے میں تین قول ہیں ایک یہ کہ چونکہ بروزِ قیامت ہر انسان کی ترازو علیحدہ علیحدہ ہوگی اس لیے موازین فرمایا گیا اور عمل سب کا ایک ہی درست تولنا ہوگا اس لیے قسط واحد فرمایا گیا مگر یہ قول غلط ہے کسی حدیث سے ثابت نہیں۔ دوّم یہ کہ ترازو ایک ہی ہے مگر تعظیماً اور بڑائی کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا اس تعظیمی جمع کی قرآن مجید میں اور بھی بہت سی مثالیں آیتِ پاک میں موجود ہیں۔ مثلاً سورۃِ آلِ عمران آیت ۳۹ میں ارشاد ہے۔ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ یہاں ملائکہ جمع صرف ایک جبرئیل علیہ السّلام کے لیے ارشاد ہوا اور مثلاً سورۃ المومنون آیت ۵۱ میں ارشاد ہوا۔ يٰٓاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ۔ یہاں صرف آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو خطاب ہے مگر جمع کا لفظ اور جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ اور مثلاً جیسے سورۃ طلاق آیت نمبر ۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ نبی واحد فرما کر طَلَّقْتُمْ جمع فرمایا گیا۔ اہلِ ایمان کو تعظیم سمجھانے کے لیے۔ مگر یہ تعظیمی جمع اللہ تعالیٰ

marfat.com

کے لیے جائز نہیں وہاں تو ہر طرف وحدت ہی وحدت ہونا چاہیئے جو لوگ وہابیوں کی طرح اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک کا بھی عام لوگوں کی طرح جمع حاضر یا جمع غائب کے صیغوں سے ذکر کرتے ہیں وہ سب علم قرآن وحدیث سے جاہل ہیں قرآن وحدیث میں اس طرح جمع کے الفاظ کا اللہ تعالیٰ کے لیے کہیں ثبوت نہیں۔ انبیا علیہم السّلام سے زیادہ رب تعالیٰ کی کون تعظیم کرے گا مگر کسی نبی علیہ السّلام کی زبان مقدس پر کبھی بھی اللہ تعالیٰ کے لیے اَنتُمْ یا اِنَّکُمْ یا اِنَّھُمْ جمع کے صِیَغ وضمائر اگر یہ جمع اللہ تعالیٰ کے لیے بھی جائز ہوتا تو انبیاء کرام علیہم السَّلام کبھی بھی واحد کا صیغہ اللہ تعالیٰ کے لیے نہ بولتے۔ نہ معلوم اِن جُہلاءِ دیابنہ وَوَہابیہ کو کس شیطان نے یہ گستاخی توحید باری تعالیٰ سکھادی جو انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی قولی وفعلی تعلیم کے سراسر خلاف ہے۔ یہ لوگ زبان سے تو توحید کی رَٹ لگاتے ہیں اور بڑے دعوے سے توحید پرستی کے نعرے لگاتے ہیں مگر ظاہرًا اس قسم کے جمع کے اَلفاظ اللہ تعالیٰ کے لیے بول کر منکرِ توحید ہوتے ہیں۔ مَوَازِیْن کے بارے میں تیسرا قول یہ ہے کہ یہ لفظ اپنی جزئیت کی تعداد کے اعتبار سے جمع فرمایا گیا ہے نہ کہ عددی کُلّی اعتبار سے یعنی جس طرح ایک شلوار کو سَرَاوِیل سَرَاوَلَۃٌ کی جمع کا لفظ دیا جاتا ہے اسی طرح ایک میزان کو اُس کے پلڑوں۔ اس کی ڈنڈی اس کی درمیانی گھنڈی (لسان) کے اعتبار سے مَوَازِیْنُ جمع فرمایا گیا ہے اور قسط کو واحد فرمانا ترازو کی عددی وحدت بتانے سمجھانے کے لیے ہے۔ یہ قول سب میں زیادہ درست ہے ۳؎ لِیَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ میں چار قول ہیں، ایک یہ کہ اس سے مراد لِاَھْلِ یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ۔ ہے یعنی قیامت والوں کے لیے یہ ترازو قائم ہو گی دوم یہ کہ بعض نے لکھا ہے۔ لِجَزَاءِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ۔ سوم یہ کہ بعض نے فرمایا۔ یہاں لام بمعنی فِیْ ہے یعنی قیامت کے دن میں شروع سے آخر تک یہ ترازو رکھی رہے گی تاکہ پہلے یہ ترازو سب لوگ دیکھتے رہیں ڈرتے رہیں اور آخر میں وزنِ اَعمال ہو چہارم یہ کہ بعض نے فرمایا کہ یہ لام اپنے ہی معنیٰ میں ہے یعنی قیامت کے لیے ترازو رکھی جائے گی اس طرح کہ قیامت کا مقصد حساب وکتاب اور حساب وکتاب کی تکمیل ترازو سے ہے ۴؎ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ حَبَّۃٍ کا معنیٰ رائی کا دانہ دوم یہ کہ اس کا معنیٰ رتی بھر۔ سوم یہ کہ یہ عبارت تمثیل ہے بہت مختصر چیز کی۔ ۵؎ لفظِ قِسط میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ

marfat.com

ایک تمثیل ہے انصاف اور عدل کی اصل ترازو اور اس کا تولنا مراد نہیں یہ قول قطعًا غلط ہے
اسی قول کا سہارا لے کر بعض گمراہوں نے ترازو کے وجود کا ہی انکار کر دیا (معاذ اللہ)

دوم یہ کہ لفظِ قسط مبالغہ ہے جیسے کہ لفظِ عدل عادل کا مبالغہ ہے۔ اس قول میں قسط کا معنیٰ ہے سراپا قسط۔ سوم یہ کہ اصل ترازو ہی مراد ہے اور قسط کا معنیٰ ہے کبھی خراب اور غلط نہ ہونے والی نہ کی جا سکنے والی ہمیشہ درست اور صحیح مکمل تولنے والی۔ فرقان میں چار قول ہیں ۱ یہ کہ فرقان کا معنیٰ ہے سچے جھوٹے رب و ... کی فرق بتلانے والا دوم یہ کہ فرقان کا معنیٰ ہے کہ امتِ موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور قوم فرعون و فرعون میں بذریعہ نجاتِ مومنین اور غرق کفار فرق بتانے جدائی کرنے والی مدد نصرت سوم یہ کہ شبہات سے نکال کر یقینیات میں لا کر اہلِ شکوک و اہلِ یقین کو علیحدہ گروہ بنانے والی شریعت۔ چہارم یہ کہ دلائلِ توحید بیان فرما کر شرک کو مٹا دینے والا کلامِ الٰہی یعنی توریت مقدس۔ ضیاء میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ بعض نے فرمایا یہاں ضیاء سے مراد ظاہری آنکھوں میں عقل و فہم کی چمک پیدا کرنے والی۔ دوم یہ کہ بعض نے فرمایا۔ باطنی روحانی روشنی ۳ حاسبین۔ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ جن کی ایک بھی نیکی زیادہ وہ جنتی جن کی ایک بھی بدی زیادہ وہ جہنمی جن کی دونوں برابر وہ اعراف میں رکھے جائیں گے۔ دوم یہ کہ جن کی نیکی بدی دونوں برابر ہوں گی ان کی شفاعت ہوگی۔ یہ معنیٰ بیان فرمایا گیا ہے۔ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ کا ۹ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ۔ میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ ہر وقت اپنے رب تعالیٰ کے عذاب سے ڈرنے والے دوم یہ کہ خلوت و تنہائی میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرنے والے۔ سوم یہ کہ۔ رب تعالیٰ کو بنا دیکھے ہر وقت ہر حال میں خلوت و جلوت میں ڈرنے والے ۱۰ ذِكْرًا میں چار قول ہیں ایک یہ کہ بعض نے فرمایا کہ ذِكْرًا کا معنیٰ ہے۔ شریعت و طریقت کا مکمل مجموعہ یہ خصوصیت کتبِ اربعہ میں صرف قرآنِ مجید کو حاصل ہے۔ دوم یہ کہ ذِكْرًا سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام کے تاریخی تبلیغی حالات کیفیات ہیں۔ سوم یہ کہ اس سے مراد خیر برکت رحمت رافت و عافیت ہے۔ چہارم یہ ذکر سے مراد نصیحت قانون دینی دنیوی اسلامی طریقے ہیں۔

فائدے ان آیتِ پاک سے مسلمانوں کو چند فائدے دیئے جاتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ یہاں مسلمانوں کو مومن و کافر کا فرق بتایا جا رہا ہے کہ مومنِ غیب پر ایمان لاتا ہے اور کافر مشاہدے کا مطالبہ کرتا ہے اس لیے مومن کو بشارت ہے کافر کو نذارت ہے۔ یہ فائدہ۔ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَيْبِ۔ اور اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا جس سے کافر و مومن کا فرق ظاہر ہوا۔ تاکہ مومن لوگ کافروں کی علامات سے بچیں اور کفار مومن کی نشانیاں اختیار کریں۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کا خوف دو قسم کا ہے

marfat.com

۱ خوفِ بِالْغَیْبِ ۲ خوف بِالشَّہَادَہ مومن کا ایمان بھی بالغیب اور خوف وخشیت بھی بالغیب ہی عنداللہ مقبولِ بارگاہ ہے لیکن کافر ماناتا ہے دیکھ کر اور ڈرتا ہے مشاہدہ کرکے اس لیے اس کا خوفِ الٰہی کے باوجود مردود رہتا ہے۔ دیکھو ابلیس نے میدانِ بدر میں فرشتوں کو دیکھ کر کہا تھا اِنِّیْٓ اَخَافُ اللّٰہَ یعنی میں اللہ سے ڈرتا ہوں (سورۃ انفال آیت ۴۸) مگر پھر بھی ملعون ہی رہا اس سے ثابت ہوا کہ خوف وخشیت وہی معتبر ومحبوب ہے جو بالغیب ہو۔ یہ فائدہ یَخْشَوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَیْبِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ دنیا میں مسلمان کو بہت ہی احتیاط سے زندگی گزارنا چاہیے۔ ہر کام ہر کلام بلکہ ہر قدم ہر نظر ہر سمع ہر بصر میں احتیاط چاہیے کیونکہ ذرّے ذرّے کا حساب ہے۔ دنیا کی لاپرواہی بے احتیاطی قیامت میں مصیبت ڈال دے گی یہ فائدہ۔ وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّۃٍ اَتَیْنَا بِھَا سے حاصل ہوا۔ احتیاط کے لیے ضروری ہے کہ ہر بری محفل اور ہر بری کتاب سے بچے جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے سے ذرّہ بھر ہٹائے وہی مردود وخبیث ہے اور اُس کی کتاب زہرِ ایمان ہے اگرچہ وہ دیوانہ کوئی اپنا ہی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو احتیاط کی عادت اور محتاط زندگی عطا فرمائے۔ بروں اور بروں کی کتابوں محفلوں سے بچنا بھی خشیتِ الٰہی کی ایک قسم ہے۔

احکامُ القرآن

اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ معتزلی فرقہ لکھتا ہے کہ باری تعالیٰ بھی اگر کسی کے لیے مَوَازِیْنَ قِسْط قائم نہ فرمائے تو یہ اس کی جانب سے ظلم ہوگا۔ (معاذ اللہ) لیکن اہل سنّت جماعت فقہا علما فرماتے ہیں کہ موازینِ قسط اور حساب وکتاب کا قائم فرمانا رب تعالیٰ کی محض شفقت وکرم ہے کہ اُس نے بندوں کی فقط تسلّی کے لیے عدل کی ترازو قائم فرمائی ہے اگر نہ قائم فرماتا تب بھی اُس کی جانب سے ظلم نہ ہوتا، کیونکہ ظلم وہ ہوتا ہے جو کسی غیر کی ملکیت میں اُس کی اجازت کے بغیر تصرّف کیا جائے اور غیر کی چیز میں دخل اندازی کی جائے۔ بارگاہِ قدس میں یہ بات نہیں ہے اللہ تعالیٰ تو اَزلِ قدیم سے اَبدِ عمیم تک ہر چیز ہر مخلوق کا ہر اعتبار سے کُلّی مالک ہے۔ انسانوں کی اپنی اشیا پر ملکیت عارضی جُزئی اور فانی ہے اِس لیے اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق کے ساتھ کسی قسم کا بھی معاملہ فرمانا ظلم نہیں اس کو ظلم کہنا گمراہی وجہالت ہے یہ مسئلہ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا فرمانے سے مستنبط

marfat.com

ہوا۔ نیز ان گمراہوں کو یہ سمجھ نہیں کہ ظلم ہوتا ہے جہالت کی وجہ سے اور جہالت ہوتی ہے سفاہت سے اور سفاہت ہوتی ہے حماقت سے اور حماقت محتاجی سے اور محتاجی عِبَادِ میں ہوتی ہے کہ معبود میں اور اللہ تعالیٰ کے لیے معبودیت واجب ہے جہاں معبودیت اور الٰہیت ہو وہاں محتاجی محال بالذات ہے اور محال ناممکن چیز ہو سکتی ہی نہیں۔ محتاجی نہیں تو حماقت نہیں حماقت محال تو سفاہت محال اور جب سفاہت ناممکن تو ظلم ناممکن بالذات (امام رازی) تو گویا اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کو منسوب کرنا اُس کی الٰہیت کا انکار ہے۔ اور جس طرح الٰہیت کا منکر کافر ہے اسی طرح رب تعالیٰ کو ظالم کہنا اور سمجھنا بھی کفر ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کرنا جو ظلم کے معنی میں ہو وہ بھی کفر ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کو بخیل کہنا اور اس طرح کے اشعار بنانے کہ۔ سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم ؛ بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے۔ برابر کفر بہ گستاخی ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ حیاتِ دنیوی میں سب سے اہم کام ترازو درست کرنا ہے یہ درست ہو تو عدلِ عظیم ہے ترازو غلط ہو تو ظلم عظیم ہے۔ قومِ ہود پر اسی ظلم کا عذاب آیا تھا۔ باری تعالیٰ باوجود مالکِ حقیقی خالق قدیمی ہونے کے اوّل سے آخر تک ازل سے ابد تک میزانِ عدل قائم فرماتا ہے تاکہ اُس کے بندے میزانِ ظلم سے باز رہیں۔ میزانِ عدل اصلاح فی الارض ہے اور میزانِ ظلم فسادِ فی الارض ہے۔ یہ مسئلہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تیسرا مسئلہ۔ دینی اشیاء ہوں یا دنیوی حساب کرنے والے کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں ۱۔ قوتِ علم ۲۔ قوتِ حفظ ۳۔ قوتِ عدل اگر ایک چیز بھی نہ ہو تو حساب درست نہیں ہو سکتا۔ حساب کی غلطی ظلم کا دروازہ ہے۔ اِس لیے عدالت کی کرسی پر جہلا کو بٹھانا فائز کرنا حرام ہے۔ علم کے لیے قوتِ حفظ ضروری اور قوتِ حفظ کے لیے تقویٰ ضروری اس لیے کہ۔ فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنَ اللّٰهِ ؛ وَاِنَّ النُّوْرَ لَا يُعْطٰى لِعَاصٍ۔ یعنی علم اللہ تعالیٰ کا نور ہے اور نور متقی کو ملتا ہے نہ کہ عاصی فاسق گناہوں والے کو یہ مسئلہ وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا مَوَازِيْنَ۔ میزان کی جمع۔ اور سورۃ رحمٰن آیت ۷ میں ارشاد ہوا۔ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ۔ میزان واحد، حالانکہ دونوں جگہ آسمانی ترازو ہی مراد ہے پھر یہ فرق کیوں؟ نیز یہاں لفظ قسط واحد ہی ہے نہ کہ اَقْسَاط جمع۔ موازین

marfat.com

جمع کے لیے واحد لفظ کو صفت کیوں بنایا گیا؟ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ۱۔ بعض نے فرمایا کہ یہاں ۔ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ میں آسمانی ترازو قیامت والی مراد ہے اور وہاں سورۃ رحمٰن کی آیت ۷ وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ میں وہ زمینی ترازو مراد ہے۔ جو انسانوں کو دی گئی ۔ اس لیے کہ آگے ارشاد ہوا۔ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ ۔ یعنی اے بندو ہم نے اس لیے تم کو ترازو دی تاکہ تم ترازو کے ذریعے زمین پر حق و انصاف قائم کر کے اصلاحِ زمین کرو اور ترازو میں بد دیانتی بے اعتدالی کا ظلم نہ کرو نہ ہونے دو۔ اس جواب کے اعتبار سے نَضَعُ الْمَوَازِيْنَ اور وَضَعَ الْمِيْزَانَ ۔ کی عدم مطابقت کا اعتراض نہیں پڑتا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ بعض نے فرمایا، دونوں جگہ آسمانی ترازو ہی مراد ہے جو میدانِ محشر میں رکھی جائے گی مگر یہاں باعتبارِ عمل اس ایک کو ہی جمع فرمایا گیا یعنی میزان بمعنی تولنا اور چونکہ تولنا بار بار ہوگا اور ہر ایک کا ہوگا اس لیے مَوَازِيْن جمع فرمایا گیا۔ اور وہاں باعتبارِ عدد اس کو واحد میزان فرمایا گیا یعنی عدداً جسماً ذاتاً وجوداً ایک ہی ہے۔ اور اگلی عبارت اَلَّا تَطْغَوْا کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے آسمانی مِيْزَانِ عدل اور مَوَازِيْن قسط اس لیے قائم فرمائی تاکہ اے بندو تم اس سے ڈر کر دنیا کی اپنی اپنی ترازو درست رکھو غلط نہ کرو۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا۔ یعنی ہم قیامت میں عدل والی ترازو لا رکھیں گے کہ کسی شخص کا ذرہ بھر بھی ظلم نہ ہوگا۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار کا بھی حساب ہوگا لیکن سورۃ کہف کی آیت ۱۰۵ میں ارشاد ہے۔ فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ یعنی ہم اُن کفار کے لیے قیامت کے دن وزن قائم نہ کریں گے یہ تضاد بیانی معلوم ہوتی ہے اس کا حل کیا ہے؟ جواب، یہ تضاد بیانی نہیں صرف معترض کی سمجھ کی کمزوری ہے۔ تضاد تب ہوتا جب مثبت و منفی اور ثبوت و نفی کی دونوں آیتوں میں ایک جیسے الفاظ ہوتے اور دونوں جگہ صاف لفظوں میں کفار کا ذکر ہوتا۔ حالانکہ یہاں دونوں جگہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ یہاں مَوَازِيْن ہے اور وہاں وَزْنًا۔ یہاں نفس ہے وہاں لَهُمْ ہے۔ مفسرین نے اس کی وضاحت دو طرح کی ہے اور دونوں آیتوں کا معنیٰ مطلب بیان فرمایا ہے۔ ایک یہ کہ کفار کے اعمال کا وزن بالکل نہ کیا جائے گا اس لیے کہ کفار کے پاس کوئی نیکی ہی نہ ہوگی دنیا میں جو اچھے کام کفار کر لیتے ہیں ان کو نیکی نہیں کہا جاتا۔ شرعی اصطلاح میں نیکی صرف اس کام کو کہا جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لیے

marfat.com

اللہ تعالیٰ کے دین کے مطابق کیا جائے۔ اچھا کام وہ ہوتا ہے جو دنیوی عقل و فکر میں پسندیدہ ہو۔ نیکی کی جزا آخرت میں اور اچھائی کا بدلہ دنیا میں ہی۔ کفار کو اُن کی اچھائیوں کا بدلہ دنیا میں ہی صحت، دولت، عزت حکومت کامیابی، شہرت کی شکل میں دیدیا جاتا ہے۔ اور چونکہ قیامت کی ترازو میں عمل کو عمل سے تولا جائے گا نہ کہ باٹوں پتھروں سے تو چونکہ کفار کے پاس نیکی کے پلڑے میں رکھنے کے لیے کچھ نہیں لہٰذا اُن کا وزن نہ کیا جائے گا۔ یہی معنیٰ ہے فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا۔ کا یعنی یہ ترازو اُن کے لیے نہیں اور یہاں نفسٌ میں وہ لوگ مراد ہیں جن کے پاس دونوں پلڑوں میں رکھنے کے لیے نیکیاں بھی ہیں بدیاں بھی عدل بھی ہے ظلم بھی اعمالِ کفار کا حساب و کتاب تو ہو گا وزن نہ ہو گا۔ اس جواب میں یہاں لفظِ نفسٌ نکرہ عام مخصوص البعض ہے یعنی قیامت کی ترازو صرف اُن عام انسانوں جنوں کے لیے قائم کی جائے گی جن کے اعمال میں دونوں قسم کے کام ہیں۔ اس کے جواب میں بعض مفسرین نے یہ فرمایا کہ کفار کے تمام اعمال کا وزن کیا جائے گا۔ نفسٌ میں کفار و فساق سب شامل ہیں۔ مگر کفار کے اچھے اعمال مثلِ گندی روئی یا گھن شدہ لکڑی کے اُن میں بوجھ اور وزن نہ ہو گا بلکہ هَبَآءً مَّنْثُوْرًا۔ بالکل ہلکے پھلکے خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ ہوں گے اس وجہ سے اُن کی کوئی عزت اکرام قدر نہ ہوگی۔ اس جواب کے مطابق نفسٌ سے ہر کافر مومن کی جان مراد ہے اور فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ میں تولنے کی نفی نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ ہم قیامت میں کفار کے اعمال کی کچھ قدر نہ کریں گے۔ وَزْنًا سے مراد قدر و منزلت ہے۔ لفظِ وزن بہت جگہ استعمال ہوتا ہے مثلاً چیز کا وزن بات کا وزن، شعر کا وزن، لفظِ وزن مشترک ہے چند معنیٰ ہیں ۱ بمعنیٰ بوجھ ۲ بمعنیٰ مدلّل ۳ بمعنیٰ درست وغیرہ وغیرہ۔ اس آیت فَلَا نُقِيْمُ میں وزن بمعنیٰ عزت قدر منزلت ہے اور جس طرح گھن شدہ لکڑی یا سڑی زدہ داتوں میں نہ وزن ہوتا ہے نہ اُس کی کوئی عزت و قیمت ہوتی ہے نہ وہ کسی کے لیے مفید اسی طرح کفار کے اچھے اعمال کا نہ وزن اور نہ بوجھ یا ثقل ہو گا اور اسی وجہ سے نہ اُن کی کچھ عزت ہو گی نہ قدر و قیمت نہ وہ کسی کے لیے مفید نہ خود کفار کے لیے نہ اُن کے دنیوی ظلم کے شکار مظلومین کے لیے۔ لہٰذا اگرچہ تولے جائیں گے مگر کسی کو اور اُن کو فائدہ نہ دے سکیں گے بلکہ مزید رسوا کریں گے۔ ہاں کفر اور ایمان کو تولا نہ جائے گا کیونکہ ان کے ساتھ دوسرے پلڑے میں رکھنے کے لیے کچھ موجود نہ ہو گا غرضکہ یہ میزانِ قیامت صرف اعمال تولنے کے لیے ہے کیونکہ اچھے برے اعمال تو ایک شخص میں جمع ہو

marfat.com

سکتے ہیں مگر کفر و ایمان ایک شخص میں جمع نہیں ہو سکتے۔ تیسرا اعتراض۔ موازین اور میزان کوئی حقیقی ترازو نہیں ہے یہ صرف عدل کی ایک تمثیل ہے اور نہ ہی قیامت میں عمل تولنے کے لیے ترازو لانے کی ضرورت ہے اللہ تعالیٰ کوئی دکاندار نہیں جو ترازو لے کر بیٹھے۔ نیز یہ کہ قیامت میں عمل تولنے کا فائدہ نہیں ہے اس لیے کہ اہل ایمان تو بغیر تولے بھی رب تعالیٰ کے ہر فیصلے پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں مگر کفار ہر بات میں ہی شک و انکار پیدا کر دیتے ہیں۔ وہ قیامت میں کہہ سکتے ہیں کہ یہ ترازو غلط تول رہی ہے ہمارے بھاری اعمال کو بھی ہلکا بتا رہی ہے اور اوپر اٹھا رہی ہے (نیچری گمراہ فرقہ) جواب۔ میزانِ قیامت ایک حقیقتِ واقعی ہے اِس کا وجود موجود ہے پیدا ہو چکی ہے پُلصراط کے پاس رکھی ہوئی ہے بروزِ قیامت میدانِ محشر میں لائی جائے گی بعض نے فرمایا کہ وہیں رکھی رہے گی صرف ظاہر کر دی جائے گی قرآنِ مجید کی اِن آیات کے علاوہ متعدد احادیثِ مقدسات میں اس کی تفصیل اور ذکر موجود ہے۔ چنانچہ ایک حدیث پاک امام مبارک نے اپنی کتابُ الزُّھد میں اور محدثِ اُجری نے اپنی کتاب الشریعت میں روایت فرمائی عَنْ سَلْمَانَ وَعَنْ ابنِ عباس کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میزان موجود ہے اس کے دو پلڑے ایک ڈنڈی ایک لسان (پکڑنے کی گھنڈی) ہے۔ حدیثِ دوم، امام محدث ابن مَردَویہ عن عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ نبی پاک نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک ترازو پیدا فرمائی ہے جس کے پلڑے آسمان و زمین کے برابر ہیں۔ حدیث سوم، امام بیہقی نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے روایت کی (حدیث جبریئل) آنے والے نے عرض کیا یا رسولَ اللہ ایمان کیا ہے آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ ہے کہ ایمان لائے تو اللہ اور فرشتوں اور انبیاء و رسولوں پر اور جنت دوزخ میزان پر۔ اس حدیثِ مقدس سے ثابت ہوا کہ میزانِ قیامت پر ایمان لانا اتنا ہی ضروری ہے جتنا اللہ رسول پر اور میزان کا منکر اسی طرح کافر ہے جس طرح اللہ رسول کا منکر کیونکہ ایمانیات کی فہرست میں ایک ہی جگہ ان سب کا ذکر فرمایا گیا یہ حدیث شریف مشکوٰۃ شریف صلا پر بھی منقول ہے یہ حدیث شریف بحوالہ مشکوٰۃ بخاری میں بھی ہے مگر وہاں جنت دوزخ میزان کا ذکر نہیں ہے ہم نے یہ حدیثِ شریف تفسیر مظہری (دیگر جگہ) سے نقل کی۔ حدیثِ چہارم۔ مستدرک حاکم نے عَنْ سَلْمَان روایت فرمایا، کہ آقائے کائنات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اتنی بڑی ترازو رکھی جائے گی جو آسمانوں

marfat.com

اور زمینوں کو تولنے کی وسعت رکھتی ہے۔ حدیثِ پنجم۔ ترمذی شریف میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ فرمایا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں شفاعت کے لیے بروزِ قیامت آپ کو کہاں تلاش کروں فرمایا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اولاً پلصراط پر وہاں نہ ملوں تو میزانِ قسط کے پاس وہاں نہ ملوں تو حوضِ کوثر کے پاس، حدیثِ ششم محدثِ بیہقی اور حاکم نے روایت فرمایا۔ اُمّ المومنین صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت میں آپ کو کہاں تلاش کروں آپ نے فرمایا تین جگہ ۱ پلصراط پر ۲ میزان کے پاس ۳ حوض کے پاس، حدیثِ ہفتم۔ امام بغوی سے روایت ہے کہ ایک دفعہ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے مولیٰ تعالیٰ مجھ کو میزانِ قیامت کا دیدار کرا دے، دعا قبول ہوئی جب میزان کی لمبائی چوڑائی اور پلڑوں کی گولائی دیکھی تو غش کھا گئے جب ہوش آیا تو عرض کیا مولیٰ کون بندہ اتنی نیکیاں کر سکتا ہے جو یہ پلڑا بھر سکے رب تعالیٰ نے فرمایا اے داؤد جس بندے نے مجھ کو دنیا میں راضی کیا ہو گا تو میں اپنے فضل سے اُسکے پلڑے کو ثمراتِ اعمال سے بھر دوں گا اور بھی بہت احادیثِ مبارکہ ثبوتِ میزان میں وارد ہیں اتنے واضح دلائلِ آیت و احادیث کے ہوتے ہوئے اِس کو محض تمثیل کہہ دینا جہالت ہے رہا یہ کہنا کہ کفار پھر بھی کہیں گے کہ یہ ترازو غلط ہے، تو یہ ایک شیطانی وہم ہے وہاں ایسا کوئی نہ کہہ سکے گا اور پھر تو آپ اسی وہم کی بنا پر روزِ قیامت کے حساب و کتاب کا بھی انکار کر سکتے ہو کہ اُس کی بھی کوئی ضرورت نہیں مومنین تو ویسے ہی مانتے ہیں کفار وہاں بھی یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حساب غلط ہے مگر اہوں کو ابلیسی وسوسوں سے تو کبھی نجات مل سکتی ہی نہیں۔ نیز پھر تو دنیا کی ترازوؤں پر بھی اعتراض ہو سکتا ہے اور یہ بھی ہر عقل والا جانتا ہے کہ ترازو کی صرف دکاندار کو ہی ضرورت نہیں ہوتی ترازو کی تو ہر عدالت میں ضرورت ہوتی ہے بشرطیکہ تولنے کے لائق اشیاء ہوں رب تعالیٰ کا میزانِ قسط قائم فرمانا اپنے عدل و فضل عفو و کرم کو ظاہر کرنے کے لیے ہے تاکہ ایمان کی شان اور کفر کی ذلت معلوم ہو۔

تفسیرِ صوفیانہ وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَيْنَا بِهَا وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ

اے عالمِ رنگ و بو میں رہنے والو ہم رکھتے ہیں اس کائنات میں میزانِ تفصیل میزانِ

marfat.com

تفریق میزان تعدیل کی ترازوئیں اور موازین، اس طرح کہ اُنہی اہل فضیلت کے لیے میزانِ فضل قائم ہوگی جو اس کا مستحق ہوا۔ اِسی کو ظاہر فرماتے ہوئے سورۃ بقرہ کی آیت ۲۵۳ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ اِسی عدل کے لیے عالمِ ازل میں ہم نے مَوَازِیْنِ قِسط بنائی اور اہل فرقت کے لیے عالمِ حیات میں میزان تفریق و فرقان رکھی اور اہل قیامت کے لیے میزانِ اعمال عالمِ ابد میں قائم کریں گے۔ یہ ہی ہیں مَوازینِ قِسط کہ غیر مستحق کو بلا استحقاق کچھ نہ مل سکے اور کسی شخصیت پر کسی مقامِ ظاہر و باطن، سرو اسرار میں کمی بیشی کا ظلم نہ ہوا نہ ہوتا ہے نہ ہوگا اور اگر کسی کے حبّۂ قلب میں علم یا جہالت کا ذرہ ناچیز بھی ہوگا تو ہم اُس کو آشکار کردیں گے وہاں پردہ پوشی نہ فرمائیں گے کیونکہ پردہ پوشی عالمِ ناسوتی میں ہوتی ہے نہ کہ عالمِ لاہوتی میں اور ہم ہی علمِ قدیم۔ حفظِ کثیر، اور قوتِ شدید عدلِ عظیم وَخبرِ یقین کے مالک ابدی ازلی ہیں اس لئے وَكَفٰى بِنَا حٰسِبِيْنَ۔ پوری کائناتِ مخلوق کا حساب کرنے کے لیے کافی ہیں۔ یہ زندگی نوم ہے موت بیداری ہے یہاں کافرین مدہوش ہیں فاسقین نیند میں سب موت پر جاگیں گے پھر پتہ لگے گا کہ میزان عدل کیا ہے۔ اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ دنیا میں آٹھ قسم کی میزانِ ظاہری ہیں اور آٹھ قسم کی میزانِ باطنی ہیں ۱ میزانِ ریاضت ۲ میزانِ مراقبہ ۳ میزانِ اعتبارات ۴ میزانِ مقامات ۵ میزانِ محاضرات ۶ میزانِ مغیبات ۷ میزانِ معاملات ۸ میزانِ حقیقت اور نو قسم کی میزانِ محشر ہیں مَوازینِ باطنی کے پلڑے طریقت و شریعت ہیں اِن کی لِسان علمُ الیقین ہے ان کی ڈنڈی عدل ہے اس کی تقسیم کرم ہے۔ ظاہری ترازو یہ ہیں۔ ۱ میزانِ نفس ۲ میزانِ روح ۳ میزان قلب ۵ میزان معرفت ۶ میزانِ اسرار ۷ میزانِ اسخاط (ناراضگیوں والی) ۸ میزانِ رضا۔ مَوازینِ حشر یہ ہیں ۱ میزانِ شرافت ۲ میزانِ لطف ۳ میزانِ نور ۴ میزانِ سُرور ۵ میزانِ وصول ۶ میزانِ قبول ۷ میزانِ قرب ۸ میزانِ اِخلاص ۹ میزانِ صدق ترازوءِ نفس کے پلڑے شریعت کے احکامِ امر اور نہی ہیں۔ ترازوءِ روح کے پلڑے ثواب اور عقاب ہیں ترازوءِ قلب کے پلڑے وعدہ وعید پر ایمان لانا ہے ترازوءِ عقل کے پلڑے توحید و شرک ہے ترازوءِ معرفت کے پلڑے انوار و اخبار ہیں۔ ترازوءِ اسرار کے پلڑے ھرب اور طلب ہیں ترازوءِ اسخاط کے پلڑے نیکی اور بدی ہیں۔ میزانِ رضا کے پلڑے ریاضت و مجاہدہ ہیں۔ جس نے دنیا میں اپنے نفس کا وزن کیا ریاضت کی میزان

marfat.com

ہیں اور قلب کا وزن کیا مراقبے کی میزان میں اور عقل کا وزن کیا اعتبارات کی میزان میں اور روح کا وزن کیا مقامات کی میزان میں اور ضمیرِ سری کا وزن کیا محاضرات کی میزان میں۔ اور شعور کا وزن کیا مطالعۂ مغیبات کی میزان میں اور صورت کا وزن کیا حقیقت کی میزان میں سیرت کا وزن کیا معاملات کی میزان میں، تو کل بروز قیامت میں ایسے بندے کا نفس تولا جائے گا میزانِ شرافت میں، قلب تولا جائے گا میزانِ لطف میں عقل تولی جائے گی میزانِ زر میں روح تولی جائے گی میزانِ سرور میں شعور تولی جائے گی میزانِ وصول میں۔ صورت تولی جائے گی میزانِ قبول میں سیرت تولی جائے گی میزانِ قرب میں۔ اعمال تولے جائیں گے میزانِ اخلاص میں سچائی تولی جائیگی میزانِ صدق میں۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ جس خوش قسمت بندے کے وزن بڑھ جائیں گے۔ تو اُس کے نفس کو فراق سے امن کی جزا ملے گی قلب کو مشاہدۂ شرف کی جزا اسرارِ خفی کے خزانوں سے ملے گی اور اُس کی عقل کو مطالعۂ صفات کی جزا ملے گی اور اُس کی روح کو کشف انوارِ ذات کی جزا ملے گی، اور اُس کے شعور کو ادراکِ اسرارِ قدسیات کی جزا ملے گی، اور اُس کی صورت کو مجالس وصل میں بیٹھنے کی جزا ملے گی۔ اور اُس کی سیرت کو قربِ ابدی کی جزا ملے گی۔ صرف نیتِ خالص کی عبادت پسندیدہ ہے ورنہ بے مغز کے چھلکا ہے۔ اے بندے سچائی کی کوشش کرتا کہ تیری ہر سانس سے سورج کی روشنی نکلے کیونکہ جھوٹ سے چہرہ سیاہ ہوگا تو صبح محشر میں میزانِ صدق کے لائق نہ ہوگا جس کے اعمال صحبت ریا سے مصحوب ہوں وہ مقبول نہ ہوں گے۔ عبادت آبِ زر ہے اس کو غرور کی کیچڑ فخر کی گندگی میں نہ ڈال کیونکہ پھر صرّافِ دانا اِس کا خریدار نہ بنے گا جس کے احوال حیرانیوں پریشانیوں وہموں میں ملوث ہوتے ہیں ان کو رفعت شان میسر نہیں ہوتی اے بندے اپنے احوال کو دل کی حیرانیوں اور وہموں سے علیحدہ کر عملِ خالص سے توفیق کو خالص کر اگر تو چاہتا ہے کہ قیمتی معنیٰ والا ہو جائے تو پاکیزہ ترازو میں اپنی حالت کا وزن کر۔ جب تیری ترازو میں ٹیڑھ اور دغابازی ہوگی تو پھر تو جزاء راست کا طالب وخواہش مند کس طرح ہو سکتا ہے۔ اعمال کے لیے وزنی ہونا ضروری ہے پہلا عمل ذکرِ لسان ہے دوسرا عمل ذکرِ جنان یعنی ذکرِ قلبی، ذکرِ لسان چابی ہے ذکرِ قلبی کی ذکرِ قلبی خزانۂ ایمان ہے۔ ذکرِ لسانی میں سب سے اعلیٰ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ اس کے لیے ارشادِ نبوی ہے۔ كَلِمَتَانِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِي الْمِيْزَانِ

marfat.com

حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ ۔ اس لیے کہ ان کلمات میں صفاتِ سلبیہ سے بھی مدح ہے اور صفاتِ ثبوتیہ سے بھی۔ سُبْحَانَ صفتِ سلبیہ سے تنزیہ ہے اور بِحَمْدِہٖ صفاتِ ثبوتیہ ہیں۔ دوسری حدیثِ مقدس میں ہے کہ تسبیح سے آدھی میزان بھر جائے گی اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سے باقی آدھی اس طرح صرف ان کلمتان سے پوری میزان بھر جائے گی۔ اس سے بھی اعلیٰ کلمہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ہے۔ حدیث قدسی میں ہے کہ اگر ساتوں آسمان ساتوں زمین اور ان میں رہنے والی سب مخلوق ایک پلڑے میں اور لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ایک پلڑے میں رکھا جائے تو یہ کلمہ بھاری ہو جائے۔ کیونکہ یہ عمل نہیں بلکہ ایمان ہے اسی لیے ایمان کا وزن نہیں ہوگا اس لیے کہ اس کے مقابل کوئی عمل نہیں آسکتا، تو کس سے تولا جائے۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ۔ اس کی مثل تو کوئی شی ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ کفر و ایمان کا وزن نہ کیا جائے گا۔ اس لیے کہ کفر کے شر کی مثل اور ایمان کے خیر کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور قیامت کا وزن مثلیت میں ہوگا اور مثلیت صرف اعمالِ جوارح میں ہے۔ اعمالِ جوارح سات قسم کے ہیں ۱۔ اعمالِ سمع ۲۔ اعمالِ بصر ۳۔ اعمالِ ید (ہاتھوں کے) ۴۔ اعمالِ رجل (پیروں کے) ۵۔ اعمالِ بطن ۶۔ اعمالِ فرج ۷۔ اعمالِ لسان۔ یہ اعمالِ ظاہری ہیں ان کے خیر کو ان کے شر سے تولا جائے گا میزانِ محسوسی میں۔ اعمالِ باطنی بھی سات قسم کے ہیں ۱۔ اعمالِ عقل یعنی خیالاتِ حق و باطل ۲۔ اعمالِ قلب یعنی عقائدِ حق و باطل ۳۔ اعمالِ صدری یعنی تصوراتِ حق و باطل۔ ۴۔ اعمالِ شعور یعنی تفکراتِ حق و باطل ۵۔ اعمالِ مزاج یعنی ارادۂ حق و باطل ۶۔ اعمالِ طبعی یعنی عاداتِ حق و باطل ۷۔ اعمالِ شخصی یعنی مروجاتِ حق و باطل۔ ان کو میزانِ معنوی و حکمی میں تولا جائے گا غرضکہ اعمالِ محسوسی کو میزانِ محسوسی میں اور اعمالِ معنوی کو میزانِ معنوی میں ہر چیز کا مقابلہ اس کی مثل سے کیا جائے گا ذکر کی چار قسمیں ہیں ۱۔ ذکرِ لسان ۲۔ ذکرِ جنان ۳۔ ذکرِ خفی ۴۔ ذکرِ سری۔ ذکرِ خفی و سری توحید حقیقی و باطنی ہے ان کو کراماً کاتبین بھی نہیں جانتے اسی لیے یہ میزانِ صوری میں نہ تولے جائیں گے نہ یہ مکتوب نہ ان کا کوئی مثل لہٰذا نہ ان کا میزان میں دخول۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی وَهٰرُوْنَ الْفُرْقَانَ وَضِیَآءً وَّذِکْرًا لِّلْمُتَّقِیْنَ الَّذِیْنَ یَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَیْبِ وَهُمْ مِّنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ۔ آخرت کی موازینِ قسط سے پہلے ہم نے موسیٰ انوار و ہارونِ اسرار کو حقیقتِ اصلیہ کا فرقان طریقۂ معرفت کی ضیاء اور شریعتِ ظاہری کا ذکر عطا فرمایا تاکہ راہِ ناسوتی کے بیابان

marfat.com

حیات میں چلنے والے موازینِ حشر کی تیاری کرلیں۔ یہ تینوں نعمتیں اُن سالکینِ عقیدت کے لیے دی گئیں ہیں جو متقینِ یقین اور پرہیزگارانِ امین ہیں کہ ہر ممنوعہ سے بچنے والے ہیں یہی ہیں وہ مسعودینِ مقبولین جو خلوتِ مراقبہ کے غیب میں بھی اپنے رب کی ہیبتِ جلال و قہرِ کمال و حرمتِ بے زوال سلطنت بے مثال کی خشیت و رعب میں لرزتے ترسنے والے ہیں اور وہی متقین محجوبین جلوۂ بارگاہِ قدس میں حاضری کی ساعتِ پُر جبر و جمال سے ڈرنے والے ہیں ندامتِ نقصانِ عمل سے جھجکنے والے ہیں۔ اصطلاحِ صوفیا میں فرقان وہ نور ہے جو ظاہر ہو کر اشیاءِ حق اور اشیاءِ باطل میں فرق کردے اور وہ روشنیِ ایمانی ہے جو خالق و مخلوق، حادث و قدیم، واجب و ممکن میں فرق بتائے اس نور کو رب تعالیٰ امانت فرماتا ہے بندگانِ مخلصین کے قلوبِ منورین و مطہرین میں یہ شخصیات انبیاء و اولیا کا گروہِ مقدس ہے اور یہ نورِ فرقانی اُن علماءِ متبحرین کے سینوں فیض گنجینوں میں داخل کیا جاتا ہے جو علوم شریعت کی تکرار میں حیاتِ ناسوتی فانی کو وقف کردیتے ہیں اس لیے کہ علوم شریعت کی تکرار کے بغیر کوئی نور حاصل نہیں ہوتا۔ یہ وہ منزل ہے جہاں افکارِ عقلیہ بیکار ہیں ان ہی متقین کے لیے اُس نورِ فرقانی کی ضیا ہے جس میں وہ قدومِ ابدانی اُٹھاتے ہوئے عالمِ لاہوت کی سیرِ ملکوتی اور سفرِ جبروتی کا آغاز کرتے ہیں اور اُس ضیاءِ اسرار میں ذکرِ لاثانی ہے جس سے نصیحت لیتے ہیں۔ وہ متقی جو شرکِ خفی و جلی کفرِ ظاہری و باطنی سے بچتے ہیں وحدت سے لگتے ہیں اور شریعت میں طمع سے اخلاص میں ریا سے ذکرِ خالق میں ہمہ تن مشغولیت کی وجہ سے مخلوق سے بچتے ہیں۔ اور حصولِ عبادت میں انانیت کی مغروریت سے بچتے ہیں غیب کے پردوں میں ایمان بالغیب والوں کی تین قسمیں ہیں ۱۔ ایمان بالحجاب یہ عوام کا ایمان ہے اس ایمان کے باوجود گناہ بھی سرزد ہوتے رہتے اس ایمان میں عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے پر ہر طرح سے مطلع ہے بندے اور اُس کے کسی حال سے غائب نہیں لیکن انسان کا قلب و عقل اُس کو نہیں سمجھ سکتے یعنی اُدھر مشہودیت ہے اِدھر محجوبیت ہے ۲۔ ایمان بالمراقبہ یہ ہے کہ بندہ مراقبۂ الٰہیہ میں ہمہ مشاہدۂ بارگاہ کرلیتا ہے اِس طرح کہ اللہ تعالیٰ اُس کو دیکھتا ہے وہ اللہ کو نہیں دیکھتا اور بندہ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہے اور مولیٰ تعالیٰ اُس پر مطلع ہے ۳۔ ایمان بالمشاہدہ یہ کہ بندہ عینِ بصیرت سے مشاہدۂ ذات کرے۔ پہلا ایمان مقامِ ادنیٰ پر ہے دوسرا ایمان مقامِ اعلیٰ پر ہے یہ ایمانِ انبیاءِ کرام علیہم السلام ہے اور تیسرا ایمان

marfat.com

تمام مقاماتِ عُلیٰ سے اوپر مقامِ مشاہدۂ لامکان پر ہے۔ ربّ العٰلمین پر اس طرح کا ایمانِ شہودی کا ایمان فقط رحمۃ العٰلمین کا حصّہ ہے۔ ایمانِ اوّل کے مقام والے عوام اور عُلما اور اولیا صُلحا ہیں۔ یہی پاک باز مِنَ السَّاعَةِ مُشْفِقُوْنَ ہیں۔ قیامت کو ساعت چار وجہ سے فرمایا گیا ۱۔ ساعت بمعنیٰ وقت چونکہ قیامت ایک بہت اہم وقت ہے اِس لیے اس کی اہمیت بتانے کے لیے اِس کو مبالغۃً ساعت فرمایا گیا۔ جیسے زیدٌ عدلٌ کہنا مبالغہ ہے ۲۔ ساعت سعیٌ سے بنا ہے یعنی دوڑنا کوشش کرنا۔ چونکہ قیامت میں ہر شخص میدانِ محشر کی طرف دوڑے گا اس لیے اُس کو ساعت کہا گیا ۳۔ ساعت بمعنیٰ خفیف آناً فاناً جلدی ہونے والا یعنی وہ خفیف وقت جس میں عظیم حادثہ ہو جائے چونکہ قیامت بھی وہ عظیم و عجیب حادثہ ہے جو اچانک رونما ہوگا اور زمانے کی ایک جُز میں ہوگا اس لیے اِس کو ساعت کہا گیا۔ اسی معنیٰ میں منٹ سیکنڈ۔ گھنٹے کو ساعت کہا جاتا ہے کہ یہ بھی زمانے کی ایک جز ہے۔ ۴۔ ساعت بمعنیٰ سُرعت چونکہ قیامت میں تمام انسانوں جِنّوں جانوروں کا حساب بہت جلدی ہو جائے گا اس لیے اس کو ساعت فرمایا گیا۔ چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ اِنَّ اللّٰہَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۹۹) وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبٰرَكٌ اَنْزَلْنٰهُ اَفَاَنْتُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ۔ اور یہ خیر کثیر برکات کبیر سے بھرا ہوا ذکر بھی سینۂ اَخیار میں ہم نے ہی نازل فرمایا ہے۔ تو کیا اے ظلماتِ ناسوتی اور حادثاتِ فنا کے اندھیروں میں بھٹکنے والو تم اِس ذکرِ ذیشان کے منکر بنے پھرتے ہو۔ اور بجائے اِس کا ادب اِس پر عمل اِس کی فکر اس میں تدبّر اس سے تذکّر لینے کے اس کا انکار کرتے ہو۔ یہ مبارک ہے اُن کے لیے جو اس سے نصیحت لے اور نصیحت وہی لیتا ہے جو جانتا ہے کہ بے شک یہی وہ نور نصیحت ہے جس کو ہم نے مومنین کے سینوں عارفین کے قلبوں میں نازل کیا۔ یہ ذکر نتائجِ عقل اور نتائجِ فکر سے حاصل نہیں ہوتا۔ تو کیا تمہاری ہی یہ کم ظرفی بدبختی ہے کہ تم اِس کے نورِ ہدایتِ الٰہیہ ہونے کے منکر بنے پھرتے ہو حالانکہ اِس کا انکار کفرِ صریح ہے محققین فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید کا ادب کرنے سے پانچ وہ فائدے ہوتے ہیں جن کا کثیر مشاہدہ و تجربہ ہے ۱۔ دنیوی سلطنت و بادشاہت کا حصول اور سلطنتِ صالحہ عادلہ مضبوطہ کا ملنا بھی منجانب اللہ ہوتا ہے ۲۔ ادب سے سخاوت اور سخاوت بابِ مراد کی کنجی ہے ۳۔ ادب سے ہی رجوع الی اللہ ایمان باللہ قُربِ معِ اللہ کی نعمت ملتی ہے ۴۔ ادب کی تاثیر عظیم ہے کہ ہاتھوں میں شفا آنکھوں

marfat.com

ہیں ضیاء قلب میں جلا روح میں فضا پیدا ہو جاتی ہے۔ ۵ ادب قرآن میں رعایت کی توفیق ہے اور رعایت میں سلطنتِ صوری اور حکومتِ معنوی کا وہ حصول ہے جس کو فنا نہیں، ترکِ ادب زوالِ قوت، فناءِ شوکت، خاتمہ ذلتِ نفس کا سبب یقینی ہے۔ بے ادبی سے بہت گھر ویران ملک اجاڑ، اور شہر تباہ ہوتے دیکھے گئے ہیں قرآنِ مجید کو ہر طرح ماننا ادب ہے اس کا کسی طرح سے انکار کرنا بے ادبی ہے۔ یا اللہ اس ذکرِ مبارک قرآنِ مجید کو ہمارے دلوں کی بہار خزانۂ اعمال کی نکھار کانوں کی سماعت زبانوں کی تلاوت، سینوں کی حلاوت آنکھوں کی بصارت عقلوں کی بصیرت اجسام کی فضیلت، ارواح کی جلاوت، ایمان کی عقیدت، ارزاق کی برکت بنا دے۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ قرآنِ مجید فِیْ نَفْسِہٖ اپنی ذات میں مبارک ہے اگرچہ جہلا اس کو نہ مانیں نہ پڑھیں نہ سنیں لیکن بندۂ مومن اس کو پڑھتا بھی ہے سنتا بھی یعنی محبت سے پڑھتا ہے الفت سے سنتا ہے عقیدت سے عمل کرتا ہے۔ اور لقاءِ الٰہی کی امید سے ادب واحترام کرتا ہے تو وہی اس کے مضمون پر عمل کرتا ہے اشاراتِ قرآنیہ کی معرفت پاتا ہے۔ قلب میں اس کی حلاوت، دماغ میں اس کی خوشبو پاتا ہے، جب بندہ اس مقامِ سعادت پر پہنچتا ہے تب اس کے معدنِ مشاہدہ میں قرآنِ مجید کی برکتیں پہنچتی ہیں۔ قرآنِ مجید کی سب سے بڑی برکت ذاتِ قدیم وصفاتِ جلیل کی رویتِ قلبی و تکلمِ باطنی ہے۔ اگر بندہ دل کی گہرائیوں سے متوجہ ہو کر تلاوت کرے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تحتِ عرش ہو کر رب تعالیٰ سے ہمِ گفتگو ہے حدیثِ پاک میں ہے کہ جس کے جوفِ سینہ میں قرآنِ مجید کا کچھ حصہ نہیں ہے وہ ویران گھر کی طرح ہے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے گھروں کو تلاوتِ قرآن مجید سے خالی نہ کرو کیونکہ جس گھر میں تلاوتِ قرآن ذکرِ رحمٰن اور عبادتِ ایمان نہ ہو وہ گھر مشابہ قبرستان ہے۔ بعض روایت میں ہے کہ اپنے گھروں کو دارُالشرک وبیت الکفر اور کینہ نہ بناؤ شارحین کے فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اپنے گھروں کو فوٹوؤں تصویروں سے نہ سجاؤ نہ بُت خانہ بناؤ۔ بلکہ گھروں کو مصحفوں سے سجاؤ۔ علامہ خجندی فرماتے ہیں۔

دل از شنیدنِ قرآن بگیردت ہمہ وقت　　چوں باطلاں زکلامِ حقت ملولی چیست

یعنی اے بندے تیری کیفیت تو یہ ہونی چاہیئے کہ تیرا دل تجھ کو ہر وقت قرآن مجید سننے میں پکڑے رکھے باطل لوگوں کی طرح کلامِ حق تعالیٰ سننے سے تجھ کو ملال اور کلفت مصیبت

marfat.com

کیا ہے وازتفسیر روح البیان لہٰ الآیت میں شیخ اکبر محی الدین نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم قائم فرماتے ہیں کائناتِ عالم میں ظلِّ وحدت اور صفتِ لازمہ والی عدل اور عدالت کی موازینِ قسط جن سے قائم ہیں سمواتِ ارواح اور ارضِ اجسام و بقاءِ استقامت اگر یہ موازین قسط نہ ہوتیں تو ہرگز ہرگز امرِ وجود کسی بھی طریقۂ معیّنہ سے نسقِ محدود پر نہ ٹھہرتا۔ یہ شمس و قمر سماک و سمک یہ عرش و فلک، سب ہمارے ان ہی موازین قسط سے قائم و دائم ہیں یہ موازین ہر شی کو شامل ہیں اسی لیے ہر موجود شی کے وجود کو اس کا انصاف پہنچ رہا ہے اسی کے حال اور برداشت کے مطابق و مناسب اس اندازے کہ ہر چیز اپنے ہمراہی کی میزان بن گئی اور اشیاءِ عالم کی تعداد کے برابر موازین کی تعداد ہوگئی اور محجوبین کے لیے حیاتِ دنیا کے لمحات ہی قیامت صغرا بن گئے اور یہ زندگی اہل مکاشفہ کے اعتبارِ احوال سے قیامت کبرای ہے کہ فلا تظلم و کسی کا کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا اس لیے کہ ہر وہ عملِ خیر جو کر لیا گیا وہ حسنات کے پلڑے میں قلب کی جہتِ روحانی کی جانب سے ڈالے جائیں گے اور ہر وہ عملِ بد جو بندے سے عمل میں آئے وہ سیئات کے پلڑے میں نفسِ امارہ کی جانب سے رکھدیا جائے گا اگرچہ ذرۂ قلیل کی مثل ہو۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ قلب زبان کی میزان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حسنات کے پلڑے میں سفید چمکدار خوشنما جواہر ہوں گے اور سیئات کے پلڑے میں سیاہ بدنما جواہر اے بندۂ دنیوی ہم نے ہی عطا فرمایا موسیٰ قلب اور ھٰرونِ عقل کو ظاہر اور باطن کے علم تفصیلی و فہم کشفی کا فرقان یعنی ہم نے ان دونوں کو مقام قلب میں وہ علم دیا جو فرق کر دے حق و باطل کے درمیان حقائق ظاہرہ اور مقامِ معرفۃ کلیّہ سے۔ مقامِ روح میں ان کا مرتبہ وہ مشاہدۂ نور ہے جو ہر نور پر غالب ہے اور مقامِ نفس میں علوم جزئیات شریعت کی نصیحتیں و مواعظ حسنہ کے ذکر ہیں۔ یہی ان کا مرتبۂ صدارت ہے ایسے ہی مستعدو قابلِ سالکین کو یہ فرقان۔ ضیا و ذکر کا نفع دینے والے ہیں ان کے لیے ہی نورِ تامہ کی ضیا مشاہداتِ روحانیہ میں عطا ہوتی ہے اور ان متقین کے لیے ہی راہِ منزل کا تذکرہ اور ہدایت کی نصیحتیں ہیں جنہوں نے خباثت و رذائل سے اپنے نفوس کو خواہشات میں سے بچا لیا پاک کر لیا اور صفاتِ مجوبی سے بچ گئے تب چمک گئے طیباتِ عظمی کے انوار ان کے دلوں سے ان کے نفسوں پر جس کی وجہ سے ان کو تذکیۂ روحانی و صفائیِ جسمانی حاصل ہوگی۔ اور وصلِ منزل سے پہلے ہی حالِ غائبانہ میں حضورِ وحی قلبی کے مقام تک خشیۂ ربانی

marfat.com

پیدا ہو گئی یہی وہ باسعادت ہستیاں ہیں جو اپنی قوت سے قیامتِ کبریٰ پر ایمان بالغیب لاتے ہیں اور اُس سے خائف رہتے ہیں رقسمتِ عظیم والے ہیں وہ بندے جن کے لیے اُن کے قلبِ محبوب پر ہم نے نازل فرمایا خیرِ کثیر اور برکاتِ عمیم کا ذکر نازل فرمایا اس ذکر میں کشفِ ذاتی کی رحمتیں شہودِ حق کی برکتیں جمعیتِ عینی کے جامع کلمات ہیں برکت میں ہی نمود ہوتی ہے اور کثرت جو بندہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر تائب ہوتا ہے اور مغفرت کا امیدوار ہوتا ہے اُس کے لیے امید و بیم کی حالت میں سچی قسم کی توبہ مقبول ہوتی ہے۔ خوف کی تین قسمیں ہیں ۱ خشوع ۲ خشیٰ ۳ شفق۔ عقل سے خوف کرنے والے خاشعون ہیں۔ قلب سے خوف کرنے والے خاشیون ہیں اور جسم و روح سے خوف کرتے والے مشفقون ہیں جب ان میں سے کوئی خوف بندے میں پیدا ہوتا ہے تو وہ توبہ کرتے والا بن جاتا ہے اور توبہ کرنے والا اپنے اعضا کو برائیوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھا کر اس کی اطاعت کرنے لگتا ہے اس طرح وہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر بجا لاتا ہے۔ ہر بندے کے اعضاء اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ ان نعمتوں کا شکر یہ ہے کہ انہیں گناہوں سے بچا کر رب تعالیٰ کی اطاعت میں مصروف رکھا جائے۔ یہی اصل شکر گزاری ہے اور سچی توبہ سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں توبہ کی قبولیت کی نشانی یہ ہے کہ بندے کو توکل کی دولت نصیب ہوتی ہے توکل کی نشانی دنیا والوں سے کنارہ کشی، اور کنارہ کشی وہی کرتا ہے جسے رب تعالیٰ کے ہر وعدے پر کامل بھروسہ ہو اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر مطمئن ہونا ہی عین توکل ہے بندے کو چاہیے کہ جب قلب پر مسلط ہو اور اُس کے ساتھ شریعتِ مقدسہ کے مقرر کردہ مشاغل میں بھی لگا رہے تو سستی نہ کرے۔ توبہ کی دو قسمیں ہیں ۱ توبۂ انابت ۲ توبۂ استجابت، توبہ انابت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے اس لیے ڈرو کہ وہ تم پر قادر ہے توبہ استجابت یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ سے اس لیے شرم کرو کہ وہ تم سے قریب ہے یہ توبہ اگر کسی بندے کے دل میں جاگزیں ہو جائے تو اُس کو چاہیے کہ ہر حال و کیفیت میں بجز ذکر اللہ ہر تصور ہر وسوسے سے استغفار کرتا رہے توبہ استجابت کا معنیٰ یہ ہے کہ بندہ اپنی ہستی کو بھی مقامِ فنائیت میں سمجھے خودی کو مٹائے اُس کی بارگاہِ قدسی میں ہستیِ انا بھی گناہ تصور کرے اور اپنی ہستی اپنے وجود سے توبہ کرے۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری دینداری کا دارو مدار پرہیزگاری پر ہے

marfat.com

موازینِ قسط کی تیاری کے پیے گیارہ خصلتیں اختیار کرو ۱ آخرت کا اہتمام ۲ جنت سے محبت ۳ حسابِ آخرت کا خوف ۴ تواضع اور عاجزی سے دین دنیا کے کام ۵ کسی نیک انسان کو گالی نہ دو ۶ سچے آدمی کو نہ جھٹلاؤ. مومن سچا ہوتا ہے اور کافر جھوٹا اس لیے کہ اُس نے اپنے دین میں جھوٹ داخل کر دیا تو اب اُس کی کس بات کا اعتبار کیا جاسکتا ہے؟ ۷ کسی کافر فاسق و فاجر سے کبھی کسی بھلائی کی اُمید نہ رکھو ۸ حاکمِ عادل کی نافرمانی مت کرو ۹ زمین میں کسی بھی قسم کا فساد نہ پھیلاؤ ۱۰ ہر جگہ اللہ سے ڈرو اور ہر معاملے میں اُس کی طرف دھیان رکھو ۱۱ ہر گناہ پر جلدی توبہ کرو. علانیہ پر علانیہ پوشیدہ پر پوشیدہ. یہی ہے اسلامی زندگی اور با ادب شریفانہ بندگی قدر کرو رب تعالیٰ کے اُس فیصلۂ ازلی تقدیری کی کہ عالمِ ارواح میں ہی اُس ذاتِ رحیم و کریم نے تم کو اپنے محبوب کی امت اپنے قرآن کی اطاعت اپنے اسلام کی پیروی کے لیے منتخب فرمالیا تھا جب کہ نہ تمہاری کسی نے سفارش کی نہ دعاء اُس نے اپنی مرضی سے تم کو پسند کر لیا۔

اِس تفسیر کے ماخوذات . ۱ تفسیر معالم التنزیل ۲ ابن کثیر ۳ تفسیر نیشا پوری ۴ تفسیر بیان القرآن ۵ تفسیر نثر المرجان ۶ منجد ۷ لغات القرآن ۸ شرح جامی ۹ کافیہ ۱۰ تفسیر کبیر روح البیان ۱۲ روح المعانی. ۱۳ تفسیر صاوی ۱۴ تفسیر مظہری ۱۵ تفسیر فتح القدیر ۱۶ بیضاوی ۱۷ جلالین ۱۸ خازن ۱۹ مدارک .

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا

اور البتہ دیدی ہے ہم نے ابراہیم کو ان کی پوری صلاحیت زمانوں پہلے سے اس حال میں کہ ہم ہی تھے انکو

اور بے شک ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے اُس کی نیک راہ عطا کردی اور ہم

بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا

اپنے علم و حفاظت میں رکھنے والے . یاد کیجیے اُس وقت کو جب کہا انہوں نے اپنے مُرّبی اور اپنی قوم سے کیا

اُس سے خبر دار تھے ۔ جب اُس نے اپنے باپ اور قوم سے کہا

marfat.com

هٰذِهِ التَّمَاثِيلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ ﴿۵۲﴾

یہی ہیں وہ مورتیاں جن کے تم پکے معتکف ہو۔

یہ مورتیں کیا ہیں جن کے آگے تم آسن مارے ہو۔

قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَهَا عٰبِدِيْنَ ﴿۵۳﴾ قَالَ

بولے سب پایا ہم نے اپنے تمام باپ دادا کو ان کی ہی عبادت کرنے والے۔ فرمایا

بولے ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پوجا کرتے پایا۔ کہا بے شک

لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۴﴾

البتہ بلاشبہ ہو تم سب اور تمہارے سب باپ دادا ظاہر ظہور گمراہی میں۔

تم اور تمہارے باپ دادا سب کھلی گمراہی میں ہو۔

قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ ﴿۵۵﴾

وہ بولے کیا واقعی تو لایا ہے ہمارے لئے کوئی حق سچ بات یا تو مذاق کرنیوالوں میں سے ہے

بولے کیا تم ہمارے پاس حق لائے ہو یا یونہی کھیلتے ہو

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ و ھرون علیہما السلام کو فرقان دینے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو رُشد عطا فرمانے کا ذکر ہو رہا ہے وہ ہدایت بنی اسرائیل کے لیے تھی اور یہ ابراہیم والی نعمتیں تا قیامت امتِ مسلمہ کے لیے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نیک متقی لوگوں کا ذکر ہوا جو قومِ موسیٰ میں سے ہوئے ان آیات میں قوم ابراہیم کے سرکشوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ان چیزوں کا ذکر گیا جو زری ہدایت اور نور و روشنی ہی

marfat.com

دینے والی تھیں اب ان آیت میں اُن بری چیزوں یعنی تو ٹوڈوں تصویروں تمثیلوں کا ذکر ہو رہا ہے جو کفر و گمراہی و ظلمت ہی دینے والی تھیں۔

تفسیر نحوی

وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

واؤ ہر جملہ لام تاکید یہ بمعنیٰ بے شک اَلْبَتَّہ قَدْ اٰتَیْنَا۔ باب افعال کا فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم مراد اللہ تعالیٰ۔ وَحْدَهٗ لَا شَرِیْکَ کے لیے جمع متکلم کا صیغہ ارشاد ہونا صرف وضاحت (خوبصورتی) کلام کے لیے ہے نہ کہ تعظیم کے لیے ابراہیم اسم مفرد غیر منصرف کیونکہ عجمی (عبرانی) علم ہے مفعول یہ اول ہے۔ رُشْدَ ایک قول رَشَدَ ہے جیسے حُزْن بھی آتا ہے اور حَزَن بھی اسم مفرد (واحد) حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ صلاحیت لیاقت، بھلائی۔ ہدایت یہاں پہلے اور دوسرے معنیٰ میں ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مرجع ابراہیم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے خیال رہے کہ مفرد تین قسم کا ہے ۱ مفرد جو تثنیہ جمع نہ ہو ۲ مفرد جو مرکب نہ ہو۔ ۳ جو جملہ نہ ہو نہ ظاہراً۔ جیسے ضَرَبَ زَیْدٌ نہ معناً باطناً مستتر) جیسے اِضْرِبْ۔ مِنْ حرف جر زائدہ۔ قَبْلُ اسم ظرف زمانی مبنی فرع ہے ضمہ پر کیونکہ اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے یعنی ظاہراً نہیں ہے نیت میں باطناً ہے۔ اس کے منوی مضاف الیہ میں چار قول ہیں ۱ یعنی قَبْلَ مُوسٰی ۲ قبل ولادت صلب آدم یا والدہ کے بطن میں ۳ قبل بلوغت ۴ قبلِ بعثت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ مگر دوسرا قول زیادہ مناسب ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اٰتَیْنَا کا واؤ حالیہ کُنَّا۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ اسم ہے فعل ناقصہ کا بِ حرف جر تعدیہ کا ترجمہ کو یعنی اُن کو۔ ہٖ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے کُنَّا کا۔ ایک قول میں یہ متعلق مقدم ہے عٰلِمِیْنَ باب سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے عالِمٌ اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ نَحْنُ اس کا فاعل ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کُنَّا کی یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر حال ہوا اٰتَیْنَا کے فاعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عالمین عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا یہاں مراد ہے اپنے علم میں رکھنا یعنی حفاظت کرنا۔ اِذْ اسم ظرف زمانی یہ اگلی پوری عبارت عٰكِفُوْنَ تک ظرف ہے اٰتَیْنَا کا یا ظرف ہے رُشْدَهٗ کا یا ظرف ہے عٰكِفُوْنَ کا یا یہ علیحدہ جملہ ہے اور ظرف ہے

marfat.com

اُذْکُرْ فعل پوشیدہ کا اسی کو زیادہ ترجیح ہے قَالَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ابراہیم قَوْلٌ اَجْوَفْ واوی سے مشتق ہے لام حرف جر متعدی بنانے والا بمعنیٰ اُن سے ۔ اَبِیْ اَسماءِ سِتّہ مکبّرہ میں سے اس کی تصغیر نہیں ہو سکتی د بروزن فُعَیل نہیں آسکتا ، اَبٌ کا ترجمہ ہے پرورش کرنے والا یہ لفظ عام ہے ہر مربی کے لیے اس لیے والد کو بھی اَبٌ کہہ دیا جاتا ہے اور چچا تایا کو بھی یہاں مراد چچا ہے اس کا نام آذر تھا اسی نے آپ کی پرورش کی تھی اگر کسی کا والد اپنے سگے بیٹے سے لاتعلق رہے تو اس کو اَبٌ نہ کہا جائے گا ۔ بحالتِ کسرہ یٰ آتی ہے اس لیے اَبِیْ ہوا ۔ ہ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے واؤ عاطفہ قوم بمعنیٰ خاندان قبیلہ ہٖ کا مرجع ابراہیم ہے لفظِ اِبِیْ یہ مرکب اضافی معطوف ہے اَبِیہِ مرکبِ اِضافی معطوف علیہ دونوں مل کر مجرور متعلق ہے قَالَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ مَا اسم موصول سوال کے لیے ترجمہ ہے کیا یہ سوالِ استہزائی یا تجاہل عارفانہ کے طور پر ہے کہ ظاہراً پوچھتا ہے حقیقتاً بتاتا ہے ۔ ھٰذِہٖ اسم اشارہ قریبی ۔ اس کی بناوٹ اس طرح ہے کہ ھَا حرف تنبیہ اور ذِہٖ اسم اشارہ قریبی واحد مذکر مگر غیر ذوی العقول مونث کے لیے مستعمل ہے اس کا مونث ہے تہٖ اَلتَّمَاثِیْلُ ۔ الف لام عہد خارجی تماثیل اسم جمع منتہی الجموع یعنی آخری جمع کہ پھر اس کی جمع الجمع نہیں ہو سکتی بروزنِ تعاریر اس کا واحد ہے تِمْثَال یا تَمْثَال بروزنِ تبیان یا تکرار تذکار مِثْلٌ یا مِثَال ۔ بروزن قتالٌ سے بنا ہے اسی مِثْل سے ہے تماثل تمثل تمثیل ، مِثْل کا معنیٰ مشابہ ہونا لازم ہے تمثال متعدی ہے بمعنیٰ مشابہ کرنا مشابہ بنانا ۔ ہم شکل بنانا کسی جاندار یا غیر جاندار کی یہاں مراد ہے بت مورتی جن کو مشرک پوجتے ہیں خواہ انسان یا جانور یا چاند سورج ستاروں کی یا پیتل لوہے تانبے مٹی لکڑی کا یا کاغذ کپڑے پر قلم سے ، تِمْثَالٌ مصدر ثلاثی مزید فیہ ہے اس کے اول میں تاءِ مطاوعت لگائی گئی ہے جو لازم کو متعدی کر دیتی ہے عربی میں اس طریقے کے کل بارہ عدد مصدر مشہور ہیں ۱ تفعیل ۲ تفعّل ۳ تفاعل ۴ تَفَعْلُلْ رباعی ۵ تفعلل ثلاثی ملحق برباعی ۶ تَفَعْنَلٌ ۷ تمفعل ۸ تفعلۃ ۹ تفوعل ۱۰ تفیعل ۱۱ تفعول ۱۲ تفعل یہ تمام ثلاثی مزید فیہ ہیں بجز نمبر چار کے قرآنِ مجید میں لفظِ تماثیل صرف دو جگہ آیا ہے ایک یہاں اور دوم سورۃِ سبا پ ۲۲ رکوع ۳ آیت ۱۳ میں جاندار کی تصویر بنانا مومن انسان کے لیے ہر شریعت میں حرام رہی از حضرت آدم تا ایندم ۔ حرمتِ تصویر کی تفصیل تفسیر عالملنہ

marfat.com

میں ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ اَلتَّمَاثِیْلُ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول اَنْتُمْ ضمیر مبتداء لَهَا جار مجرور متعلق مقدم ہے عَاكِفُوْنَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل۔ جمع مذکر عَكْفٌ سے مشتق ہے بمعنی اعتکاف میں بیٹھنا معتقد ہونا یہاں اسی معنی میں ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مشار الیہ سوالیہ دونوں مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ ظرف ہوا اُذْكُرْ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ قَالُوْا وَجَدْنَا آبَاءَنَا لَهَا عَابِدِيْنَ قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ۔ قالوا فعل بافاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا وَجَدْنَا باب ضَرَبَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم برائے۔ جمع اس میں پوشیدہ بارز ضمیر صیغہ جمع متکلم اس کا مخاطب فاعل ہے وَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنی پانا پانے کی تین صورتیں ہیں ۱ محسوس کرنا ۲ مشاہدہ کرنا ۳ سمجھنا۔ یہاں مشاہدہ کے معنی میں مجازی معنی ہیں حاصل کرنا قبضہ کرنا۔ اسی سے ہے وِجْدَانٌ بمعنی قلبی معرفت ۲ وَجْدَانٌ بمعنی عشق۔ غم غصہ غضب ۳ وُجْدَانٌ بمعنی دولت مندی مالداری آبَاءَ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اَبٌ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ اول ہے۔ لام تعدیہ کا هَا ضمیر کا مرجع تَمَاثِیْلُ ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے عَابِدِيْنَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب ہے اس لیے آخر میں یٰ علامت کسرہ و نصب اور نون ہے عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنی عبادت کرنا اس میں ضمیر صیغہ جمع مذکر پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع اَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖ ہے یہ اسم فاعل فاعل اور متعلق مقدم مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مفعول بہ دوم ہوا وَجَدْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا دونوں قول مقولہ جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا اس کا فاعل حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں لام تاکیدی قَدْ كُنْتُمْ باب نَصَرَ کا فعل ماضی قریب معروف مثبت تامہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل برائے بیان و تاکید پوشیدہ ضمیر صیغہ کا اس کے بغیر كُنْتُمْ کی پوشیدہ ضمیر پر عطف نہیں ہو سکتا تھا اس لیے یہ اسی کی منفصل لائی واؤ عاطفہ آبَآؤُكُمْ یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف مل کر فاعل ہے قَدْ كُنْتُمْ کا فِیْ حرف جر ظرف مکانی کے لیے یہاں مجازی (معنوی حکمی) ظرفیت ہے ضَلٰلٍ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ ضَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گمراہ ہونا یہاں حاصل مصدر جامد ہے بمعنی گمراہی موصوف مُبِیْنٍ باب اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر بمعنی کھلی ظاہر اس کا مصدر ہے اِبْیَانٌ بمعنی ظاہر کرنا بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنی ظاہر ہونا۔ بحالت کسرہ کیونکہ صفت ہے۔ اصل میں مُبْیِنٌ بروزن مُكْرِمٌ یٰ پر کسرہ ثقیل تھا نقل کرکے

marfat.com

ماقبل سب کو دیدیا ایک قول میں مُبِیْنٌ مُّبِیْنٌ اسم مفعول بروزن مُکْرَمٌ ہے بمعنیٰ ظاہر کیا ہوا۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے لَقَدْ کُنْتُمْ کے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا قَالُوْٓا فِعل با فاعل جمع مذکر ضمیر پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَحرفِ ہمزہ سوالیہ سوالِ استفساری کے لیے جِئْتَ بابِ ضرب کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف انشائی واحد مذکر حاضر جَیْئٌ اَجوفِ یائی و مہموز اللام سے مشتق ہے بمعنیٰ لانا، آنا جب اِس کے بعد بَ جارہ ہو تو بمعنیٰ لانا ہوتا ہے اس میں ضمیر صیغہ اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب منفصل مفعول بہ ہے بَ تعدیہ کی بمعنیٰ کو اسی نے فعل کو لانا کے معنیٰ میں کیا ہے حَقٌّ اسم معرف باللام بمعنیٰ سچی بات یہ جار مجرور متعلق ہے جِئْتَنَا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَم حرف عطف برائے تردید یعنی مَاقبل اور مَابعد میں سے ایک غیر معین بات کو رد کرنا اور ایک کو ماننا۔ اَنْتَ اسم ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل فاعل ہے کُنْتَ تامہ پوشیدہ کا مرجع حضرت ابراہیم علیہ السّلام ہے مِنْ حرفِ تبعیضیہ بمعنیٰ میں سے۔ لٰعِبِیْنَ بابِ سمع کا اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ کسرہ لَعِبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مذاق کرنا بیکار کام کرنا یا چیز دینا کھیل کرنا۔ اسی سے ہے لُعاب (تھوک) کیونکہ وہ بیکار ہوتا ہے یا بیکار سمجھ کر پھینکا جاتا ہے اسی سے لُعْبَۃٌ بمعنیٰ گڑیا دکھلونا) یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ کُنْتَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا جِئْتَ کے جملے کا دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قول کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِیْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِیْلُ الَّتِیْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔

اور البتہ بے شک ہم نے دیا تھا ابراہیم علیہ السّلام کو اُن کا رُشد ان کی ولادت سے بھی پہلے شکم مادر میں اور ازلِ قدیم سے ہی ہم ان کی اس لیاقتِ رُشد و قابلیت کو جاننے والے تھے۔ ہماری یہ عطا بلا استحقاق نہیں تھی ہم نے جس کو جو دیا جو بنا یا وہ ہماری عین حکمت کے مطابق ہی ہوتا ہے لفظِ رُشد اپنے تین تلفظ کے ساتھ قرآن مجید میں دس بار ارشاد ہوا اور تقریباً بارہ معنیٰ میں مستعمل ہوا ہے تین تلفظ اس طرح ہیں ۱۔ رُشْدًا ۲۔ رَشَدًا ۳۔ رَشَدَ۔ سورۃ بقرہ آیت ۲۵۶ بمعنیٰ درستی سورہ اعراف آیت ۱۴۶ بمعنیٰ سیدھا راستہ سورۃ جن آیت ۲ بمعنیٰ ہدایت سورۃ نساء آیت ۶ بمعنیٰ قابلیت سورۃ کہف آیت ۱۰ بمعنیٰ آسانی آیت ۲۴ بمعنیٰ اچھائی سچائی آیت ۶۶ بمعنیٰ علم سورۃ جن آیت ۱۰ بمعنیٰ بھلائی آیت ۱۴ بمعنیٰ کامیابی آیت ۲۱ بمعنیٰ نفع اہل تحقیق کے نزدیک رُشد ایک جامع کمالات خزانہ ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے ہر نبی کو عطا فرماتا ہے مگر اظہار کسی خاص کے لیے ہوتا

marfat.com

ہے۔ ہر نبی علیہ السّلام نے اپنے اپنے رُشد کا باذنِ اللہ اپنے اپنے وقت کے مطابق اظہار فرمایا۔ چنانچہ حضرت آدم نے بوقتِ توبہ حضرت عیسٰی نے بوقتِ شیر خوارگی آغوشِ مادر میں کسی نے جوانی میں کسی نے بڑھاپے میں حضرت ابراہیم علیہم السّلام نے اپنی رُشدیت کا اظہار اپنی پانچ سالہ عمر میں فرما دیا تھا جب کہ آپ نے پہلی بار بچپنے کے غار سے نکل کر ستاروں اور اُن کے پجاریوں کو دیکھا اور دیکھتے ہی فرما دیا تھا کہ کیا یہ ڈوبتے ابھرتے مٹتے نکلتے بجھتے چمکتے میرے رب ہو سکتے ہیں لَا اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ میں ان ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا جن کو اپنے حالات پر قابو نہیں فنا و بقا میں بہتے چلے جا رہے ہیں وہ کسی کے رب کیسے ہو سکتے ہیں۔ رُشد میں تیس ظاہری باطنی خزانے ہوتے ہیں ۱ قوتِ قلبی ۲ شرح صدری ۳ کمالِ عقل ۴ حکمت ۵ تدبر ۶ تحمل ۷ صبر ۸ بصیرت ۹ فراست ۱۰ شعوری قوت ۱۱ جرأت ۱۲ حوصلہ ۱۳ سلیقہ ۱۴ حق و باطل میں تمیز کی قوت ۱۵ علم ۱۶ فہم ۱۷ توکل ۱۸ نبوت ۱۹ رسالت ۲۰ ہدایت ۲۱ خُلّت ۲۲ صلاحیت درستگی ۲۳ علمِ توحید ۲۴ قوتِ رہنمائی ۲۵ تقویٰ ۲۶ مُصلحِ ذات ۲۷ مُصلحِ صفات ۲۸ مظہرِ صفاتِ الٰہیہ ۲۹ اصلاحِ قوم کی طاقت ۳۰ تربیتِ انسانیت قرآنِ مجید میں ابراہیم علیہ السّلام کا نام تقریباً ستر بار مختلف آیات میں ہے جن میں آپ کے مختلف اوصاف و عادات اقوال و اعمال بیان فرمائے گئے۔ چنانچہ سورۃ بقرہ میں پندرہ بار ۲ سورۃ آلِ عمران میں سات بار ۳ سورۃ نساء میں چار بار ۴ سورۃِ انعام میں چار بار ۵ سورۃ توبہ میں تین بار ۶ سورۃ ہود میں چار بار ۷ سورۃ یوسف میں دو بار ۸ سورۃِ ابراہیم میں ایک بار ۹ سورۃ حجر میں ایک بار ۱۰ سورۃ نحل میں دو بار ۱۱ سورۃ مریم میں تین بار ۱۲ اسی سورۃ انبیاء میں چار بار ۱۳ سورۃِ حج میں تین بار ۱۴ سورۃِ شعرٰی میں ایک بار ۱۵ سورۃ عنکبوت میں دو بار ۱۶ سورۃ احزاب میں ایک بار ۱۷ سورۃ صافات میں تین بار ۱۸ سورۃِ صٓ میں ایک بار ۱۹ سورۃ شوریٰ ایک بار ۲۰ سورۃ زخرف میں ایک بار ۲۱ سورۃِ ذاریات میں ایک بار ۲۲ سورۃ نجم میں ایک بار ۲۳ سورۃِ حدید میں ایک بار ۲۴ سورۃ ممتحنہ میں دو بار ۲۵ سورۃِ اعلیٰ میں ایک بار ان پچیس سورتوں میں مختلف پہلوؤں سے آپ کے حالات بیان فرمائے گئے۔ مثلاً سورۃِ بقرہ کی آیت ۱۲۴ تا ۱۴۱ میں ابراہیم علیہ السّلام سے امتحانِ ربی اور آپ کی پھر انعاماتِ الٰہی میں امامت ملنا پھر تعمیرِ کعبہ کا ذکر اس کو پاک رکھنے۔ شہر مکہ کی آبادی کے لیے دعا مانگنے کا ذکر حج کی درستگی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی دعا کا ذکر ملتِ ابراہیمی کی شان نسل و اولادِ ابراہیم کو وصیت فرمانا۔ یہودیوں کا آپ کو یہودی کہنا اور اُس کی تردید کا بیان۔ اسی سورۃ کی آیت ۲۵۸ تا ۲۶۰ نمرود سے مناظرہ اور

marfat.com

نمرود کا مبہوت ہو کر شکست کھا جانا۔ چار پرندوں کا ذکر۔ سورۃ انعام کی آیت ۷۴ تا ۸۲ میں آزر کو تبلیغ ایمان۔ معراجِ ابراہیم سیرِ ملکوت کا ذکر۔ چاند سورج ستاروں کے پجاریوں کو عقلی دلائل سے تبلیغِ ایمان، قوم کی کج بحثی اور آپ کا جواب، ابراہیم علیہ السّلام کے بہادرانہ دلائل رب کی عطا تھے پھر اسماعیل و اسحاق کی عطا بھی رب تعالیٰ کا انعام تھے۔ سورۃ توبہ میں آیت ۱۱۴ میں آزر کے لیے دعاءِ استغفار کی وجہ بتائی گئی کہ آپ بہت حلیم و نرم دل تھے اور یہ دعا ایک وعدے کا ایفا تھی سورۃ ہود میں آیت ۶۹ تا ۷۶ بشارتِ اسحاق کا ذکر۔ آپ کو قوم لوط کے عذاب کی خبر ملنا یہاں آپ کی تین شانیں بیان ہوئیں ۱ آپ اَوَّاہ تھے ۲ حلیم تھے ۳ منیب تھے۔ سورۃ ابراہیم میں از آیت ۳۵ تا ۴۱ تین دعائیں مذکور ہوئیں، شہر مکہ کے لیے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السّلام کے لیے بتوں کے شر و فساد سے بچنے کی دعا بتوں کے نقصان کا ذکر۔ اپنے بڑھاپے کا ذکر اور بڑھاپے میں اولاد ملنے کا شکریہ اور بڑھاپے میں اپنے والدین کے لیے دعاءِ مغفرت کا ذکر یہ بھی دلیل ہے ایمانِ والدین کی۔ سورۃ حجر میں از آیت ۵۱ تا ۶۰ ابراہیم علیہ السّلام کے مہمانوں کا ذکر اور قوم لوط کے عذاب کا بیان، سورۃ نحل کی آیت ۱۲۰ تا ۱۲۲ میں ابراہیم علیہ السّلام کی چھ شانیں بیان ہوئیں ۱ آپ تنہا بھی پوری امّت تھے ۲ قانت تھے ۳ حنیف تھے ۴ شاکر ۵ مجتبیٰ ۶ صالح تھے۔ اس کے علاوہ مختلف جگہ پورے قرآنِ مجید میں آپ کے ساٹھ حالات بیان ہوئے اور اس طرح پورے قرآن کریم میں آپ کے رُشد کو ظاہر فرمایا گیا۔ چنانچہ ۱ ابتلا اور امتحان ابراہیم علیہ السّلام ۲ مقامِ ابراہیم ۳ عہدِ ابراہیم ۴ دعاءِ ابراہیم ۵ تعمیرِ ابراہیم ۶ ملّتِ ابراہیم ۷ وصیتِ ابراہیم ۸ اُسوۂ ابراہیم ۹ حنفیتِ ابراہیم ۱۰ صحفِ ابراہیم ۱۱ مذہبِ ابراہیم ۱۲ مناظرۂ ابراہیم ۱۳ وعظِ ابراہیم ۱۴ دلائلِ ابراہیم ۱۵ اسیر و سیاحتِ ابراہیم ۱۶ آلِ ابراہیم ۱۷ کفار کا انکار کرنا ۱۸ ایمانِ ابراہیم ۱۹ اتباعِ ابراہیم ۲۰ وحیِ ابراہیم ۲۱ صداقتِ ابراہیم ۲۲ بیناتِ ابراہیم ۲۳ حکمتِ ابراہیم ۲۴ پیغاماتِ ابراہیم ۲۵ تبلیغِ ابراہیم ۲۶ معراجِ ابراہیم ۲۷ غلبۂ ابراہیم ۲۸ دینِ ابراہیم ۲۹ قومِ ابراہیم ۳۰ استغفارِ ابراہیم ۳۱ برائتِ ابراہیم ۳۲ بشارتِ ابراہیم ۳۳ حلیمیِ ابراہیم ۳۴ اعراضِ ابراہیم ۳۵ انعاماتِ ابراہیم ۳۶ عدالتِ ابراہیم ۳۷ ضیفِ ابراہیم ۳۸ آپ اُمّۃً قانتاً للّٰہ حنیفاً تھے ۳۹ آپ نبی خلیل اور صدیق تھے ۴۰ معاشرۂ ابراہیم ۴۱ ذُرّیۂ ابراہیم ۴۲ رُشدِ ابراہیم ۴۳ شبابِ ابراہیم ۴۴ کارنامۂ ابراہیم ۴۵ نارِ ابراہیم ۴۶ بناءِ ابراہیم ۴۷ خاندانِ ابراہیم ۴۸ نصیحتِ ابراہیم ۴۹ مبشّراتِ ملائکۂ ابراہیم ۵۰ میثاقِ ابراہیم ۵۱ توکّلِ ابراہیم ۵۲ نداءِ ابراہیم ۵۳ سلامٌ علیٰ ابراہیم

marfat.com

۵۴ استقامتِ ابراہیم ۵۵ کفار سے بیزاریِ ابراہیم ۵۶ واقعاتِ ابراہیم ۵۷ قوتِ ابراہیم ۵۸ اسوۂ حسنہ ابراہیم ۵۹ رسالتِ ابراہیم ۶۰ جرأتِ ابراہیم ایسی زبردست عظیم کہ اے محبوب یاد کیجئے وہ وقت جب ہمارے ابراہیم نے اپنی نوجوانی کی چڑھتی عمر میں اپنے بوڑھے چچا مرتی اور اپنی قوم کے بڑے بڑے عمر رسیدہ بُت پرست لوگوں سے نہایت ہمت دلیری کے ساتھ فرمایا کہ کیا ہیں یہ تماثیل تصویریں فوٹو مورتیں اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ۔ تم جن کے لیے اپنی عمریں برباد کرتے ہوئے سارا سارا دن انکی عبادت کے اعتکاف میں اُن کے سامنے پڑے رہتے ہو ان ہی فضولیات میں تم نے اپنی عمریں گزار دیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے یہاں چار جرأتیں دکھائیں پہلی یہ کہ چھوٹی عمر کے ہو کر بوڑھے کفار کو سمجھانے کی کوشش کی۔ حالانکہ بوڑھے لوگ اپنے دین میں بڑے ضدی ہوتے ہیں کسی کے منہ سے بھی اپنے مذہب کی برائی برداشت نہیں کرتے خاص کر اپنے پروردہ اپنے قبیلے کے کسی نوعمر سے وہ اُس کی نصیحت کو بھی اپنی توہین سمجھتے ہیں اور مارنے پر اتر آتے ہیں ابراہیم علیہ السّلام اس بات کو جانتے تھے مگر پھر بھی تبلیغ ایمان سے نہ رکے لَاُرْجُمَنَّكَ سن کر بھی جان کی پرواہ نہ کی۔ آپ کی یہ قوم اہل بابل تھے بابل کا شہر علاقۂ عراق میں ہے۔ جس کا طول عبادان سے موصل تک (تقریباً دو سو میل) اور چوڑائی قادسیہ سے حلوان تک دریاءِ دجلہ و فرات کے کنارے (تقریباً ایک سو پچھتر میل) از روح البیان۔ دوسری یہ کہ سب سے پہلے اپنے چچا کو پکار کر کہا جس کی سخت گیری قوم کی لیڈری تکبر و غرور اکھڑپن کا پتہ تھا تیسری یہ کہ بتوں کو اُن کے اِلٰہ نہ کہا بلکہ تَمَاثِیْل جیسا حقیر لفظ استعمال فرمایا۔ خیال رہے کہ کسی چیز پر کسی قسم کا نقش بنانا عربی لغت میں اس کو تصویر کہتے ہیں خواہ کپڑے پر بنائے جائیں یا کاغذ پر زمین پر یا لکڑی لوہے دھات مٹی پتھر پر قلم سے بنائے جائیں یا پنسل برش انگلی سے یا کسی کیمرہ مشین سے ہر طرح سے بنا کیا ہر چیز پر بنانا ہر کام کا نقشہ بنانا تصویر ہے اسی کو انگریزی میں فوٹو کہتے ہیں تصویر کی پانچ قسمیں ہیں ۱ جاندار کی شکل صورت کسی چیز پر بنانا تمثال ہے حیوان کی شکل ہو یا انسان کی ۲ الفاظ و حروف کی شکل بنانا کتابت ہے ۳ درخت بیل بوٹے پھول پتے پھل وغیرہ بے جان اشیا کی شکل بنانا ترمیم اور رقم ہے اِس کو اردو میں نقش و نگار کہتے ہیں اور انگریزی میں پینٹری کہتے ہیں اُردو میں روپے پیسے اور کرنسی کو رقم اسی لیے کہتے ہیں کہ نوٹ اور سکے پر حکومت کی مہر کا نقشہ بنا ہوتا ہے ۴ کسی ایسی چیز کا نقشہ کاغذ یا کپڑے یا دیوار پر بنانا جس کو مشرک کافر پوجتے ہیں عربی اصطلاح میں اس کو صلیب کہتے ہیں اگرچہ اس کو پوجنے کے لیے نہ بنایا جائے ۵ اور اگر لکڑی یا دھات پر تراش خراش کر کسی جاندار کا نقشہ

marfat.com

بنایا جائے تو اُس کو عربی میں صنم اور اردو میں مورتی کہتے ہیں غرضکہ تصویر کی پانچ قسمیں ہوئیں ۱ تمثال ۲ مکتوب ۳ ترقیم ۴ تصلیب ۵ مورتی۔ آئینے وغیرہ میں کوئی چیز نظر آنا عکس ہے۔ تصویر اور عکس میں پانچ طرح فرق ہے پہلا یہ کہ تصویر بنائی جاتی ہے عکس خود بخود بن جاتا ہے دوم یہ کہ تصویر کو بقا ہے عکس کو بقا نہیں۔ سوم یہ کہ تصویر کی پوجا اور تعظیم ہوسکتی ہے عکس کی نہیں۔ چوتھا یہ کہ تصویروں کو گھر میں لگا سجا کر مندر بنایا جا سکتا ہے عکس کو نہیں کیونکہ بقا نہیں جب وہ شی آئینے کے سامنے سے ہٹ گئی تو عکس ختم ہوگیا۔ مگر تصویر میں یہ بات نہیں تصویر والا ہٹ بھی جائے بلکہ مر بھی جائے تب بھی تصویر باقی رہتی ہے۔ پنجم یہ کہ تصویر جیب یا بٹوے میں رکھی جاسکتی ہے عکس نہیں رکھا جا سکتا۔ جاندار کی تصویر کو تمثال اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مثیل و شبیہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذی روح مخلوق کی۔ شریعت اسلامیہ میں تمثال اور مورتی تصویر بنانا حرام ہے اس کی تعظیم گناہ کبیرہ ہے تصویروں کو لگانا سجانا ان کی تعظیم ہی ہے اس لیے یہ بھی منع تمثال و مورتی کے سامنے سجدہ کرنا یا ادب سے بیٹھنا شرک کفر یا مشابہ شرک ہے۔ عکس اور تمثالی و مورتی تصویر میں ایک شرعی فرق یہ بھی ہے کہ عکس کے سامنے نماز پڑھنا بالکل ہر طرح جائز ہے مگر کپڑے کاغذ کی تصویر تمثال اور مورتی کے سامنے نماز پڑھنا قطعاً حرام ہے۔ فوٹو تصویر تمثال کا پورا بیان ہمارے فتاوی العطایا الاحمدیہ جلد چہارم میں دیکھئے۔ ابراہیم علیہ السلام کی قوم کے مندروں میں اُس وقت بہتر بُت تھے کچھ سونے کے کچھ چاندی۔ پیتل۔ تانبہ لکڑی کے زیادہ تر پتھر کے تھے سب سے بڑا بُت شیر کی شکل کا سونے کا بنا ہوا تھا۔ آنکھوں میں سرخ یاقوت لگے تھے جو رات کو انگاروں کی طرح دہکتے چمکتے تھے شکل بھی نہایت ہیبت ناک بنائی تھی باقی بُت جسماً انسانی شکل کے تھے مگر ان کے چہرے تخیلاتی ستاروں چاند سورج کی شکلوں پر تھے کچھ مورتیں ہیبت ناک پرندوں درندوں کی شکلوں اور کچھ اصل انسانی شکلوں پر تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان بتوں کو تمثال فرما کر تین طرح ان کی تحقیر فرمائی۔ پہلی یہ کہ یہ بے جان پتھر مٹی کے ٹکڑے ہیں جو پیروں کی دھول روندی ہوئی حقیر چیز ہے۔ دوسری یہ کہ تم نے خود اپنی دستی تراش خراش اور توڑ پھوڑ سے جس طرح چاہا اوندھا سیدھا اُلٹا پلٹا کر کے بنا لیا۔ تیسری یہ کہ اے عقل کے اندھو تم خود بھی سمجھتے ہو اور حقیقت بھی یہ ہے کہ اگر آج ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے یا یہ خود گر کر ٹوٹ جائیں تو نہ یہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں نہ کسی کو مدد کے لیے پکار سکتے ہیں کیونکہ بے جان و بیکار تماثیل ہیں۔ اگر ٹوٹ پھوٹ جائیں تو نرا کوڑا کچرا ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی چوتھی جرأت۔ جب قوم نے ابراہیم علیہ السلام کا یہ دلیرانہ کلام سنا

marfat.com

اور حیران پریشان لاجواب ہو کر کوئی مضبوط دلیل نہ دے سکے تو قَالُوْا وَجَدْنَا آبَائَنَا لَهَا عَابِدِیْنَ فقط یہ کہہ سکے کہ مورتیوں کی یہ پوجا پاٹ عبادتی اعتکاف ہم اپنے باپ دادوں سے دیکھتے چلے آرہے ہیں ہم نے اپنے آباؤ اَجداد کو ان بتوں کی عبادت کرتے پایا اس لیے ہم بھی ان کی دیکھا دیکھی نقل کرتے چلے آرہے ہیں نہ ہم کو اس کے فوائد کا پتہ نہ نقصان کا نہ ہم نے اس پرستشِ بتاں کے دلائل اپنے بڑوں سے سنے نہ ہم کو معلوم ہیں نہ ہم نے کبھی عقل سے سوچا ہم تو لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں ہمارے بڑے بڑے اِن مورتیوں کو معبود واِلٰہ کہتے تھے ہم نے بھی کہنا شروع کر دیا۔ اس لیے ہم ان کے عقیدت مند بنے ہوئے ہیں کسی کی زبان سے اِن کی برائی نہیں سن سکتے۔ یہ بیہودہ احمقانہ معذرانہ جواب سن کر ابراہیم علیہ السلام نے دشمنوں سے بھرے مجمع میں نہایت دلیری بہادری و جرأت سے صاف صاف قَالَ لَقَدْ كُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ فرمایا۔ البتہ بے شک یقیناً تم سب بھی اور تمہارے تمام آباؤ اَجداد بھی جن کی تم یہ نقل کر رہے ہو سب کے سب ظاہر ظہور انتہائی کھلی گمراہی اور بد عقلی بے تمیزی میں ہو۔ نہ کبھی تم نے اپنی عقل و دماغ سے سوچا کہ یہ دستی بنائے ہوئے بھلا کسی کے معبود بن سکتے ہیں نہ تمہارے باپ دادوں نے سوچا ارے عقل کے اندھو یہ بُت تو اپنے بننے بچنے محفوظ ہونے صاف رہنے میں ہر آن تمہارے محتاج ہیں یہاں تک کہ گر پڑیں تو اُٹھ نہیں سکتے تو تم کو کیا نفع دے سکیں اور تمہارا کیا نقصان کر سکتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مدبرانہ محققانہ تقریر سن کر۔ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ بولے وہ سب حاضر موجود قوم کے بڑے قبیلے والے کہ اے ابراہیم تم نے جو ہمارے بتوں کی حقارت ہمارے آباؤ اَجداد کی ضلالت اور ہم سب کی حماقت بیان کی ہے اور سخت بیباکی دیدہ دلیری سے سب کچھ کہہ ڈالا تو کیا تم اپنی ذہنی عقلی لحاظ سے اپنی اِسبات کو صحیح و حق سمجھ رہے ہو یا کہ ویسے ہی آج تم دل لگی اور مذاق کے موڈ میں آئے ہوئے ہو۔ اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ہیں مِنْ قَبْلُ میں پانچ قول ہیں اوّل یہ کہ رُشدِ ابراہیم عالَمِ اَرواح کے بعد صلبِ آدم میں آپ کو عطا فرما دیا گیا تھا۔ دوم یہ کہ ولادت سے پہلے شکمِ مادر میں دیا گیا یہی قول درست و مدلّل ہے سوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کو ان کا رُشد حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور نزولِ توریت شریف سے پہلے فرمایا گیا یعنی صحیفے دئے گئے چہارم یہ کہ بلوغت سے پہلے رُشد دیا گیا۔ پنجم یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے اور نزول سے پہلے رُشد عطا فرمایا گیا ۲۔ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِیْنَ میں پانچ قول، اوّل یہ کہ حالاتِ ابراہیم کو جانتے

marfat.com

والے ہیں۔ دوم یہ کہ ان کے کمالات کو جاننے والے ہیں سوم یہ اُن کی صلاحیت وقابلیت کو جاننے والے ہیں۔ چوتھا قول یہ کہ کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ کا تعلق اگلی عبارت وَاِذْ قَالَ سے ہے یعنی ابراہیم کا اپنی قوم کفار سے بحث مباحثہ اور آپ کی تبلیغ قوم کی تحریف و مخالفت کو جاننے والے ہیں۔ پانچواں قول یہ کہ ہم ابراہیم کے صبر و تحمل برداشت اور توکل علی اللہ کو جاننے والے ہیں ۳؎ اِذْ قَالَ میں چار قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا تعلق وَلَقَدْ اٰتَیْنَا سے ہے یعنی ہم نے ان کو رُشد اس وقت دیا جب انہوں نے لِاَبِیْہِ کہا دوم یہ کہ اس کا تعلق صرف رُشد سے ہے یعنی رُشد یہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم اور اَبِیْہِ کو یہ فصیحانہ تبلیغ بچپن میں فرمائی۔ سوم یہ کہ اِذْ قَالَ کا تعلق کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ سے ہے یعنی ہم اُن کو جاننے والے تھے جب انہوں نے اپنی قوم کو تبلیغ میں یہ کہا۔ چہارم یہ کہ یہ علیحدہ جملہ ہے اور یہاں اُذْکُرْ پوشیدہ ہے یہ قول زیادہ درست ہے دیگر آیت کے سیاق و سباق کے ربط سے ۴؎ لَهَا عٰكِفُوْنَ کے لام میں تین قول ہیں ایک یہ کہ یہ لام بیان کا ہے یعنی ان تماثیل کی عبادت کے لیے تم معتکف ہو۔ دوم یہ کہ یہ لام تعلیل کا ہے یعنی ان مورتیوں کی وجہ سے تم معتکف ہو سوم یہ کہ یہ لام بمعنی علیٰ تعدیہ ہے یعنی ان بتوں کے پاس تم معتکف ہو ان کی عبادت میں قائم و دائم ہو کر۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ اشیا اقوال و شخصیات کی حقانیت دلائل و براھین سے ہوتی ہے نہ کہ کثرتِ اقوال و افراد سے۔ دیکھو قوم نمرود کے پاس افراد کی کثرت تھی باتیں بھی بہت تھیں مگر اپنے دین مذہب مسلک عقیدہ پر کوئی دلیل نہ تھی اس لیے سوائے وَجَدْنَا آبَآءَنَا کے کچھ نہ کہہ سکے اور باوجود پوری قوم پورے گروہ کے ایک اکیلے ابراہیم علیہ السلام کے سامنے گونگے لاجواب ہو گئے اور در پردہ سمجھ گئے کہ ہم باطل ہیں یہ فائدہ وَجَدْنَا آبَآءَنَا (الخ) سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ ہمیشہ حق میں دلیری اور زور ہوتا ہے باطل میں بزدلی اور شور ہوتا ہے یہ فائدہ ابراہیم علیہ السلام کے اس فرمان سے ہوا جو آپ نے قوم کو فرمایا کہ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ تیسرا فائدہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین مومن تھے یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا آذر کو تبلیغ فرمائی جس کا ذکر قرآن مجید میں کئی جگہ ہے مگر والدہ کو تبلیغ نہ فرمائی۔ والد تو فوت ہو چکے تھے لیکن والدہ موجود تھیں اگر والدہ نتلی بنتِ شارخ کافرہ اور دینِ نمرود پر ہو کر بت پرست یا نمرود پرست ہوتیں تو ابراہیم علیہ السلام اولاً ان کو تبلیغ فرماتے یہ فائدہ قرآن مجید میں ہر جگہ

marfat.com

صرف اَبِیْہِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور جب والدہ مومنہ تھیں تو آپ کے والد یقیناً مومن تھے کیونکہ مومنہ سے کافر کا نکاح کسی شریعت میں جائز نہ ہوا۔ یہاں تک کہ کفار بھی اپنی بیٹی کا نکاح غیر کافر سے نہیں کرتے ہاں البتہ مومن مرد کا اہل کتاب سے یا پہلی شریعتوں میں ہر قسم کی کافرہ عورت سے نکاح جائز رہا۔

احکام القرآن ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے۔ پہلا مسئلہ۔ مسلمان کے لیے ہر کھیل حرام ہے۔ یہاں تک کہ شطرنج نَرد، قمار جوا۔ اَزْلام۔ پرندوں کا کھیل مولیٰ علی شیر خدا نے شطرنج کو تمثال اور شطرنج میں مشغول ہونے والوں کو عَاکِفُوْنَ عَلَیْهَا فرما کر اس کی حرمت کا اظہار فرمایا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جس نے شطرنج یا نردشیر کے کھیل کھیلے اس نے خنزیر کے خون میں ہاتھ رنگے یہ دونوں مجوس کی ایجادات اور عبادات ہیں۔ اوّلاً امام شافعی شطرنج کے جواز کے قائل تھے اور فرماتے تھے کہ شطرنج سے جنگی چالیں سیکھی جاتی ہیں مگر وفات سے چالیس دن پہلے اپنے اس قول سے رجوع فرمایا اور امام اعظم ابوحنیفہ کے مسلک کی تائید فرماتے ہوئے شطرنج کھیلنے کو حرام فرمایا (از روح البیان) موجودہ زمانے میں بھی ہر وہ کھیل حرام ہے جو مثل شطرنج بیٹھ کر ہو لیکن بھاگ دوڑ کے ورزشی کھیل جائز ہیں بشرطیکہ عبادات میں رکاوٹ اور خلل نہ ڈالیں۔ دوسرا مسئلہ، عقائد میں تقلید منع اور ناجائز ہے مگر اعمال میں تقلید ضروری اور لازم ہے۔ اس لیے کہ عقائد اصول ہیں ان پر ایمان اور اسلام کا دارو مدار ہے۔ اور اعمال فروع و ثمرات ہیں۔ ان پر ایمان و اسلام موقوف نہیں۔ بندہ عقائد سے مومن بن جاتا ہے اعمال بعد کی چیز ہیں۔ بغیر اعمال جنتی ہو سکتا ہے بغیر عقائد جنتی نہیں بن سکتا۔ یہ مسئلہ وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کہ قوم ابراہیم علیہ السلام نے اپنے ایمان و عقائد میں اپنے باپ دادا کی تقلید کی تو اس کو ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ فرمایا گیا۔ اور اعمال میں تقلیدِ بزرگان اولیاء اللہ و علما کا حکم خود باری تعالیٰ نے عطا فرمایا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ ۱۔ فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورۃ نحل آیت ۴۳) ۲۔ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ۔ (سورۃ توبہ آیت ۱۱۹) تیسرا مسئلہ۔ تجاہلِ عارفانہ کے طریقے پر سوال یا اعتراض کرنا جائز ہے۔ تجاہلِ عارفانہ یہ ہے کہ شئے کو وہ شخص (سائل یا معترض) ہر طرح جانتا ہو مگر جان کر بھولا بن جائے اور ناواقف ظاہر ہو۔ تجاہلِ عارفانہ کے چار مقصد ہوتے ہیں ۱۔ تاکہ وضاحت طلبی کی جائے ۲۔ غلط آدمی پر طعن بازی کی جھڑک

marfat.com

کی جائے ۲۔ رسوا کرنے کے لیے تجاہل عارفانہ سے سوال کیا جائے ۳۔ کسی کو اس کی حماقت سمجھا کر راہ راست پر لانے کے لیے کیا جائے۔ یہ مسئلہ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السّلام اُن مورتیوں کو ہر طرح جانتے تھے مگر پھر بھی ناواقف بنتے ہوئے یہ سوال فرما رہے ہیں لہٰذا آج بھی ان مقاصد صحیحہ کے لیے استاد۔ شیخ مرشد۔ اور والدین یا کوئی بزرگ تجاہل عارفانہ کا کلام کر سکتا ہے شرعًا منع نہیں ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے قوم سے فرمایا۔ اَنْتُمْ لَهَا عَاكِفُوْنَ۔ اعتکاف کا معنی ہے کسی جگہ بیٹھا رہنا، تو یہ کام تو برا نہیں پھر اس کو برائی میں کیوں شمار فرمایا گیا۔ چاہیے تھا کہ اَنْتُمْ لَهَا عَابِدُوْنَ فرماتے۔ جواب۔ بعض نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ جس وقت یہ کلام فرمایا گیا اس وقت وہ لوگ صرف اُن بتوں کے پاس بیٹھے ہی تھے سجدہ وغیرہ نہیں کر رہے تھے اور کسی کو معبود سمجھ کر اس کے قرب میں بیٹھنا اعتکاف ہے اس لیے عَاكِفُوْنَ فرمایا۔ بعض نے یہ جواب فرمایا کہ مطلقًا ٹھیرنے کو قُعُوْدٌ کہتے ہیں اگرچہ کھڑا ہو یا لیٹا ہو اور کسی انداز میں بیٹھنے کو عربی لغت میں جَلْسَه کہتے ہیں۔ لیکن تعظیم اور عبادت کی نیت سے کسی جگہ رہنا رہائش کرنا اعتکاف ہے اس لیے شریعت میں اعتکاف عبادت ہے اور مسلمان کے لیے بجز پروردگار جَلَّ مَجْدُهٗ کسی کا اعتکاف جائز نہیں۔ مرد کے لیے مسجد اور عورت کے لیے گھر کا مخصوص مقام تو چونکہ یہ کفار اپنے بتوں کو معبود سمجھ کر ہی اُن بتوں کے پاس بیٹھے رہتے تھے اور یہ ان کا بیٹھنا ہی عبادت تھا اس لیے برائی کرتے ہوئے عَاكِفُوْنَ فرمایا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ چاہیے تھا کہا جاتا وَكُنَّا بِهٖ خَالِقِيْنَ۔ اس لیے کہ عٰلِمِيْنَ کہنے میں اشارۃً یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے علم بصیرت یا نظر بصارت سے صرف جانتا ہے۔ حالانکہ رب تعالیٰ تو ہر چیز کو بنانے پیدا کرنے والا ہے جسم کو بھی اور جسم کی عقلیت قابلیت یا فتنظریت کو بھی اور جو بنانے والا ہو وہ اپنی ہر بنائی ہوئی چیز کے ظاہر و باطن کو ہر طرح جانتا ہے اسے یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی کہ وہ جاننے والا ہے خَالِقِيْنَ کہنے میں عَالِمِيْنَ کے معنی خود بخود آجاتے ہیں مگر عَالِمِيْنَ کہنے میں خَالِقِيْنَ کے معنی نہیں آتے۔ جان لینا تو بندوں کی صفت بھی بن سکتی ہے۔ بندے بھی کسی شخصیت کے باطن کو اپنی فراستِ عقلی شعوری سے جان لیتے ہیں۔ جواب۔ اس کے چند جواب

marfat.com

دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں عٰلِمِیْنَ میں حصر ہے اسی لیے خالقین کے ہی معنی میں ہے یعنی چونکہ ابراہیم علیہ السلام کو بنانے پیدا کرنے والے ہی ہم ہیں اسی لیے ہم ہی جانتے والے ہیں کہ ان کی قابلیت ظرفیہ کیا ہے کیا چیز ان کو دی جا سکتی ہے کس چیز کو برداشت کر سکتے ہیں۔ جواب دوم یہ کہ عٰلِمِیْنَ بمعنیٰ حٰفِظِیْنَ ہے۔ یعنی ہم ہی اس بات کو سمجھنے والے ہیں کہ ہمارا یہ بندہ ابراہیم رُشد و نبوت کے بھاری بوجھ اور عظیم ذمہ داری کو سنبھالنے نبھانے کے لائق ہے۔ جواب سوم یہ کہ یہ آیت دراصل کفار کے اس اعتراض کا جواب ہے جو تقریباً ہر نبی پر ان کے زمانے میں کفار کرتے چلے آئے ہیں۔ اس طرح کہ جب کسی نبی نے اپنے وقت میں اپنی قوم کو فرمایا کہ ہم نبی ہیں تو قوم نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تم میں کیا خوبی ہے جو تم کو رب نے نبی بنا دیا۔ ہم کو کیوں نہ بنایا! تو رب تعالیٰ نے مختلف الفاظ میں ان کفار کو جواب دیا۔ کہیں فرمایا۔ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (سورۃ انعام آیت ۱۲۴) یعنی اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کہاں عطا کرے اپنی رسالت کو اور کس کو نبی بنائے اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ اے کافرو تم اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہو۔ یہی بات یہاں سمجھائی جا رہی ہے تو کُنَّا بِہٖ عٰلِمِیْنَ کا معنیٰ یہ ہوا کہ ابراہیم علیہ السلام کی قابلیت و لیاقت کو ہم ہی بہتر سمجھتے ہیں کہ رُشد کی عطا کے لائق ہے یا نہیں اسی طرح ہی ان نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہم ہی جانتے ہیں کہ ان کی قوت طاقت ہمت جرأت لیاقت قابلیت کتنی ہے اس لیے کہ ہم ہی خالق ہیں ہمیں ہی علم ہے کہ ہم نے کس کو کس چیز کے لیے کس قابلیت والا بنایا۔ یہ جامع مانع بات خالقین۔ کہنے سے حاصل نہ ہوتی۔ تیسرا اعتراض ابراہیم علیہ السلام نے قوم سے کہا تھا۔ اَنْتُمْ لَہَا عٰکِفُوْنَ۔ تم ان مورتیوں کے معتکف کیوں ہو قوم نے اس کے جواب میں کہا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَہَا عٰبِدِیْنَ۔ چاہیئے تھا کہ کہتے لَہَا عٰکِفِیْنَ۔ چونکہ سوال اعتکاف کا ہے تو جواب بھی اعتکاف کا ہوتا کیونکہ اعتکاف صرف پاس بیٹھنے کا نام ہے اور عبادت سجدہ ریزی کا نام ہے۔ جواب قوم نے عابدین کہہ کر یہ بتا دیا کہ ابراہیم کی بات ہم نے سمجھ لی ہے وہ ہماری بت پرستی کا سوال کر رہے ہیں نہ کہ فقط پاس بیٹھنے کا اور مندر سجانے کا۔ نیز چونکہ بت سازی، بت فروشی، بت کی تعظیم و ادب سے اس کے پاس بیٹھنا۔ اور بیٹھنے کے اوقات مقرر کرنا یہ سب کچھ عبادت ہی میں شامل ہیں اور عبادت کی نیت یا تعظیم کے ارادے سے کہیں بیٹھنا اعتکاف ہی ہے اسی لیے عٰکِفُوْنَ کے جواب میں عٰبِدِیْنَ کہہ کر عبادت کا ذکر کرنا بالکل درست ہے گویا کہ عٰکِفُوْنَ کا معنیٰ عٰبِدُوْنَ ہی ہے۔ اسی

marfat.com

بے شریعتِ اسلامیہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا اور اللہ رسول کے مقامات کے علاوہ کسی اور کے لیے اعتکاف بیٹھنا حرام ہے اور یا کسی مزار پر قبر کے پاس اعتکاف بیٹھنا گناہِ کبیرہ ہے یہی حکم طوافِ غیر اللہ کا ہے کہ بجز باری تعالیٰ کسی اور کے لیے کسی طرح طواف کرنا حرام ہے اور جس طرح اعتکاف کے لیے صرف مسجد ہے اسی طرح طواف کے لیے صرف کعبہ شریف ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

تفسیر صوفیانہ

وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِيْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ ۔

اے عالمِ ناسوت کے باشندو گوشِ عبرت و ہوشِ فطرت سے سمجھ لو کہ ہم نے ہی بے شک عطا فرمائیں ابراہیم روح کو اس کی وہ توفیقیں جو مخصوص ہیں اس کے لیے بے مثال طاقتیں اور وہ توحیدِ ذاتی ایمانِ صفاتی، مشاہدۂ مقام خلیلیہ جمال کا رشد و ہدایت ہے مِنْ قَبْلُ۔ عقل وقلب مراتب نورانیت و درجاتِ علویت سے پہلے عالمِ ارواحِ قدس میں جب کہ ابھی قلب و عقل پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ۔ اور ابراہیم روح کی قوتِ روحانیہ کمالِ ایمانیہ فضیلت عرفانیہ علوِ شانیہ کو صرف ہم ہی جاننے سمجھنے والے ہیں کہ کون کس چیز کے قابل و لائق ہے ہماری تقسیم اندھی بانٹ نہیں ہے ہمیں معلوم ہے کہ کس ظرفِ جسمانی میں روحِ نمرودی ڈالنی ہے اور کس ظرفِ جسمانی کو روحِ ابراہیمی عطا فرمانی ہے۔ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ اے محبوب اسرارِ حق اس وقت کی طرف توجہِ باطنی فرمایئے جب روحِ ازلی نے اپنے مربی کثیف نفسِ کلیہ وَقَوْمِهٖ اور نفوسِ ناطقہ سماویہ عقلیت سے فرمایا۔ مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ۔ اے نفسِ امارہ والویہ تو بتاؤ کہ یہ دنیوی معقولی صورتیں اور ظاہری عقلی اشیاء موجودات کے نقش و نگار چمک دمک کی تماثیل کیا ہیں جن کے تصوراتِ باطل اور تخیلاتِ فاسد میں مقیم و جامد رہتے ہو۔ اے دنیا پرستو! اے بے عقل اشیاءِ دنیوی میں اپنی قیمتی عمریں کیوں برباد کر رہے ہو روحِ مقدسہ کا یہ فرمانِ حکیمانہ اس وقت بلند ہوتا ہے جب روحِ مقدسہ کا مقام شباب کے عروج پر ہوتا ہے اور حجاباتِ نوریہ سے ظہور کا وقت ہوتا ہے توحیدِ ذات کی فضاؤں میں سیرِ ملکوت کرایا جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر روح منور فرماتی ہے اِنِّىْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ اس مقام سے روح کو خلوتِ مراقبہ میسر آتی ہے تو پکار اٹھتی ہے اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا۔ اے دنیاءِ ذلیلہ کے پجاریو۔ میں تمہارے تمام شرکِ ظاہری و باطنی سے بیزار ہوں۔ میں نے تو اپنے چہرۂ عبادت و جسمِ ریاضت اور ذاتِ حمایت، صفاتِ جمالت کو اس

marfat.com

ذاتِ قدیم جَلَّ مَجْدُہٗ کی طرف متوجہ کیا ہوا ہے جس نے قوتِ معرفت کے بلند آسمانوں اور زمین کی پستیوں کو ابدانِ مومنین میں ظاہر و پیدا فرمایا ہے۔ کیا شان ہے توکل ابراہیمی کی کہ اگر جبرئیل بھی تعاون کی پیشکش عرض کریں تو فرمان جاری ہوتا ہے اَمَّا اِلَیْکَ فَلَا اے جبرئیل تم سے کوئی حاجت نہیں اور کیا کمال توکل ہے کہ جب جبرئیل عرض کرتے ہیں کہ رب تعالیٰ سے کوئی حاجت ہے تو فرماتے ہیں کہ اس سے کہنے کی ضرورت نہیں وہ جانتا ہے۔

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے ؛ یہ بندہ جہانوں سے خفا میرے لیے تھا

باطلینِ دنیوی کے پاس ابراہیم روح کے اس سوالِ عبرت کا کوئی جواب نہیں ہوتا بجز اس کے کہ۔ قَالُوْا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا لَھَا عٰبِدِیْنَ۔ کہتے ہیں ہمارے تمام اعمال انکار وافعال واقوال کی دنیوی توجہ اور انہماکِ دنیا سازی صرف اس لیے ہے کہ ہم نے اپنے خاندان کو ساری عمر اس دنیا پرستی کی زق زق وبک بک میں دن رات پایا۔

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ؛ روز و شب در زق زق و در بک بک اند

ہمارے آبا نفوسِ امارہ کے عابدین تھے تو ہم ان کی جاگیروں میراثوں پر عاکفین ہو گئے۔ اور اس طرح دونوں اگلوں پچھلوں نے اپنی عمر بس برباد آخرت تباہ کر دی۔ اس طرح کہ ایک بندہ دنیا بناتا بناتا مرجاتا ہے تو دوسرا اس کے بعد والا اس کی بنائی ہوئی دنیا کو سنبھالتا سنبھالتا مرجاتا ہے آباؤ اجداد دنیا بنانے کے عابدین بنے رہے اور ان کے بعد والے ابناء و اولاد وارثین دنیا سنبھالنے میں عاکفون بن گئے اسی لیے اہل اللہ کو کہنا پڑتا ہے۔ قَالَ لَقَدْ کُنْتُمْ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ روحِ انوار ہر آن پکار پکار کر خبردار کرتی ہے کہ اے جسم وبدن کے رہائشیو، شیطان پرستی کرنے والو تم اور تمہارے نفسانی ارادے حق تعالیٰ کے نوری مقام سے حجاب کی گمراہی میں ہو تم ذاتِ جمال کے واصل نہیں ہو سکتے اور تم سب صفاتِ ذلیلہ وخواہشاتِ خبیثہ کے برزخوں میں اعتکافِ دنیوی میں پڑے ہوئے ہو اس لیے جب تک اس کیچڑ سے نہ نکلو گے کبھی بھی حقیقتِ ابدیت کی ہدایت نہیں پا سکتے اور امیدوں کی دلدلوں میں غرق ہوتے چلے جاؤ گے۔ قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا بِالْحَقِّ اَمْ اَنْتَ مِنَ اللّٰعِبِیْنَ دنیا پرستوں کا گمراہوں کا شروع سے یہ طریقہ اور وطیرہ رہا ہے کہ اہل حق کی باتوں کو مذاق سمجھتے رہے اور اسی بہانے سے انکارِ حق کا راستہ بناتے کی ہمیشہ ہی کوشش کرتے رہے کہ حق کو لعب ولہو کھیل کود اور حق والوں کو لٰعِبِیْنَ بناتے رہیں اسی طریقہ

marfat.com

فاسدہ کو پھیلانے کے لیے ہمیشہ ہر اہلِ حق سے یہ ہی کہا باطل دگرا، لوگوں نے کہ کیا تم کوئی نشانِ حق آیتِ حقانیت دلیلِ سچائی لے کر آئے ہو یا تم بھی اپنے پہلوؤں کی طرح ہم سے مذاق اور کھیل کی ہی شرارت کر رہے ہو۔ (از تفسیر ابن عربی) تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ ان آیات میں یہ اشارہ بھی مل رہا ہے کہ اہل دین جب نورِ ہدایت اور روشنی و رشد سے اہل دنیا کی طرف دیکھتے تو اُن کی بربادیِ عمر کی حماقتوں پر افسوس کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ کیا ہیں دنیا کی خواہشات و شہوت ولذات کی تماثیل اور مورتیں جن کی مشغولیت اور دنیا سازی میں تم عمر بھر اعتکاف کرنے والے ہو۔ اس دنیوی پھیلاؤ سے صرف وہی بچ سکتا ہے جس کو رُشد کا نور بارگاہِ ازلی قدیمی سے بواسطۂ رسالت مل جائے اگر بدقسمتی سے یہ نورِ رُشد نہ ملے تو جس طرح اہلِ ایمان اور صدق وصفا والے اور طالبِ معرفت کے خوش بخت دنیا کی خواہشات کو بُت مورتی اور تماثیل سمجھتے ہیں اور دنیا ساز دن دولت پرستوں کو لہو ولعب کے عاکفین سمجھتے ہیں اسی طرح دنیا دار بھی اہلِ ایمان اور صراطِ مستقیم والوں کو اَم اَنتَ مِنَ اللّٰعِبِینَ ہی کہتے ہیں اور دین وایمان وحق نوازی کو کھیل کود ہی سمجھتے ہیں اَلعِیَاذُ بِاللّٰہِ تعالیٰ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ بدنِ انسانی عالم ناسوت ہے جب اس پر نفسِ لوامہ کا قبضہ کاملہ ہو جاتا ہے تو وہ نمرودِ جسمانی کا دور ہوتا ہے۔ اور تمام اعضاء ردیئہ وخبیثہ قومِہ وَاَبِیْہِ کے مقامِ اسفل میں آجاتے ہیں۔ اس بے لبی بیکسی کے دور میں قلبِ خلیل کو رُشد شعور عطا فرمایا جاتا ہے۔ اور ارشادِ لامکانی ہوتا ہے کہ جس بدنِ عظیم اور جسمِ لطیف کو خَلَقتُ بِیَدَیَّ کے انعام سے نوازا گیا ہے اور اپنے دستِ مکرم قدرتِ معظم سے بنایا ہے اس مخلوق سفلیہ کثیفہ رذیلہ کے برابر نہیں رکھوں گا اور اُن کے قبضۂ سلطنت میں نہیں دوں گا جس کو فقط کلمۂ کُنْ سے پیدا کیا گیا۔ انسان کی اس قدر تعظیم وتکریم کرنے اور فرشتوں پر بھی ترجیح واشرفیت کے بارے جب معلوماتِ روحانی کا سوال آتا ہے تو عَلیَ الْاِعلان فرمادیا جاتا ہے کہ اے بشر تجھ کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے اگر علمِ روحانی معرفتِ ایمانی وقوتِ ایقانی کی طلب وتلاش ہے تو کسی صاحب رشد۔ ابراہیم زمان اور خلیلِ رحمٰن کی بارگاہ سے متصل ہو جا۔ سرزمینِ انسانی میں قلتِ علم کی وجہ سے نو ظلمتیں جاری ہوتی رہتی ہیں۔ کبھی ظلمتِ قابیلی، کبھی ظلمت کی کنعانی پھر کبھی ظلمتِ نمرودی، کبھی ظلمتِ شدادی۔ کبھی ظلمتِ فرعونی، کبھی ظلمتِ ہامانی کبھی ظلمتِ بولہبی، کبھی ظلمت بوجہلی، کبھی ظلمتِ یزیدی، ان تمام کے مقابل رب تعالیٰ بدنِ انسانی میں سرچشمۂ حیات پیدا فرماتا ہے کبھی حابیلِ مزاج کی لطافت کبھی نوحِ رقت

marfat.com

قلبی کا گداز۔ پھر کبھی روحِ ابراہیمی کا رُشدِ باطنی، کبھی شعورِ اسماعیلی کی نشانی، کبھی موسوی عقل کی تابانی کبھی ہارون علم وصبر کا معمارِ بدنی، کبھی فراستِ ضمیر کا عثمانِ وقت کبھی محبوبِ رحمت کا معدنِ علم اور سرچشمۂ حکمت کبھی جہانِ فانی کے میدانِ کرب وبلا کا حسین جرأت نمودار کیے جاتے ہیں۔ روح جسمانی قدرتِ الٰہی کی شئ عظیم ہے جس کا علم صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کی عطا سے رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے۔ روح وہ ایسا لطیف جسم ہے جو احساس اور لمس سے بہت بالا داعلیٰ ہے اسی لیے اَجسام سے پہلے اللہ تعالیٰ نے مختلف قوتوں کے ساتھ روحوں کو پیدا فرمایا پھر روح کی شان وقوت کے مطابق جسم کو پیدا فرمایا اور عین حکمتِ کاملہ اکملہ سے اسی جسم میں وہی روح ودیعت فرمائی گئی جو جسم اس روح کی قوت وشان کے لائق تھا۔ روح میں جسم ایسی سما جاتی ہے جیسے سانچے میں برتن۔ روح کی پیدائش نور لطافت سے ہے اور اس کی قوت نورِ عزت سے دیگر اَجسامِ لطائف ناری ونوری کی خلقت جلوۂ جلال سے مخلوقِ نوری پر پرتَوِ جمال کی چمک ہوتی ہے اور مخلوقِ ناری سے پرتَوِ جلال کے شعلے جب تک روح اپنے جسم سے ملی رہتی ہے اس وقت تک جسم کو زندہ رکھتی ہے۔ اگرچہ روح جسم سے افضل ہے کیونکہ جسم ظرف ہے اور روح مظروف چیز کے لیے برتن بنایا جاتا ہے۔ اس لیے چیز افضل ہوتی ہے برتن سے۔ اس افضلیت کے باوجود جب دونوں کو جدائی ملتی ہے تو دونوں کی موت واقع ہوتی ہے مگر فرق یہ ہے کہ روح کی موت اُس کی قید ہے اور جسم کی موت اُس کی فنا ہے عالمِ ناسوت میں اگر نفسِ امارہ کا غلبہ رہے تو روح سواری ہوتی اور جسم گھوڑا کہ جسم کی طاقت سے ہی روح کی رفتار رہے۔ لیکن اگر اس جسمِ ناسوتی کی سرزمین پر رُشدِ قلبی کا غلبہ ہو تو جسم سواری اور روح گھوڑا ہوتا ہے پھر انسان کی رفتار قوتِ روحانی سے ہوتی ہے۔ تب ہی آواز آتی ہے کہ اَنَا اٰتِیْکَ بِہٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْکَ طَرْفُکَ اور تب ہی کہا جا سکتا ہے کہ تو از ستارہ آمدی وَمَنْ از نجارا آمدم تا عمر ہر انسان کا شیطان اُس سے چمٹا رہتا ہے مگر جب بندہ ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو شیطان منہ پھیر کر پیچھے کھڑا رہتا ہے۔ اسی لیے تا عمر روح وجسم کی لڑائی اور مقابلہ سازی رہتی ہے۔ روح بھی ایک پہلوان ہے اور جسم بھی ان دونوں کی قوت بخش غذائیں بھی جدا ہیں۔ روح کی غذا ذکر اللہ عبادت ریاضت اور جسم کی غذا لذّاتِ غذائی دنیوی جس کو جو غذا ملے گی وہ طاقتور ہو گا، جسم کی قوت صرف عالمِ ناسوت تک ہے مگر روح کی قوت عالمِ لاہوت جبروت ملکوت تک ہے اگر روح بھوکی رہے تو روح کی موت جسم بھوکا رہے تو جسم کی عبادتِ الٰہی یہ ہے کہ دونوں کو زندہ رکھا جائے مگر عبادتِ شرک میں دونوں کی موت۔ اور عبادتِ

marfat.com

کفر ہیں صرف جسم کی زندگی ہے روح کی موت ہے اسی لیے عبادت شرک وکفر سے بچانے کے لیے وَلَقَدْ اٰتَیْنَآ اِبْرٰهِیْمَ رُشْدَهٗ کا لطف کریانہ فرمایا جاتا ہے حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ جو شخص ذکر اللہ سے منہ پھیرتا ہے ہم اس پر ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں جو اس کا ساتھی بن کر اس کو غفلتوں گناہوں اور گستاخیوں میں مشغول رکھتا ہے۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ

فرمایا بلکہ تم سب کا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے اسی نے وجود بنایا

کہا بلکہ تمہارا رب وہ ہے جو رب ہے آسمانوں اور زمین کا جس نے

فَطَرَهُنَّ ۖ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ ﴿۵۶﴾ وَ

ان کا اور میں ان تمام عقیدہ دل پر گواہ ہوں گواہوں میں سے اور قسم کہتا ہوں میں

انہیں پیدا کیا۔ اور میں اس پر گواہوں میں سے ہوں اور

تَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا

اللہ کی البتہ میں ایک چال کروں گا تمہارے سب بتوں سے اُس کے بعد کہ تم سب

مجھے اللہ کی قسم ہے میں تمہارے بتوں کا برا چاہوں گا بعد اس کے

مُدْبِرِیْنَ ﴿۵۷﴾ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا

جا چکے ہو گے پیٹھ پھیر کر۔ پھر بنا دیا اس نے اُن بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے مگر بڑے کو

کہ تم پھر جاؤ پیٹھ دے کر۔ تو اس نے سب کو چورا کر دیا مگر

لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ ﴿۵۸﴾ قَالُوْا مَنْ

اُن کے تاکہ وہ سب اسی کی طرف رجوع کریں۔ کافروں نے کہا کون ہے

ایک کہ جو ان سب کا بڑا تھا کہ شاید وہ اس سے کچھ پوچھیں۔ بولے کس نے ہمارے

marfat.com

فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ (۵۹)

وہ کیا جس نے یہ کام ہمارے معبودوں سے یقیناً وہ تو البتہ ظالم ہے ظالموں میں سے

خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا بے شک وہ ظالم ہے

قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ

کچھ لوگ بولے ہم نے سنا تھا ایک نوجوان کو جو ذکر کرتا تھا ان کا کہا جاتا ہے اسکو

اُن میں کے کچھ بولے ہم نے ایک جوان کو اُنہیں برا کہتے سنا جسے

اِبْرٰهِیْمُ (۶۰)

ابراہیم۔

ابراہیم کہتے ہیں

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت ابراہیم کی قوم کا ایک سوال منقول ہوا اب ان آیات میں اس سوال کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جب قوم نے کہا کہ اے ابراہیم کیا تم ہمارے دین ہمارے بتوں کی برائی حق بات کہہ رہے ہو یا مذاق کر رہے ہو تو آپ نے جواب دیا بلکہ یہ حق بات ہے کہ تمہارا رب اور آسمانوں زمین کا رب وہی اللہ ہے جس نے ان کو تم کو پیدا کیا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے حضرت ابراہیم کو رشد و ہدایت عطایت فرمائی اب ان آیات میں اس کا ایک ثبوتی واقعہ بیان فرمایا جا رہا ہے کہ حضرت ابراہیم نے ان کے مندر کے اندر والے سارے بت توڑ دئے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں بتوں کی ایک شکل بیان فرمائی گئی کہ وہ تماثیل ہیں یعنی بے جان مورتیں ان کی حقیقی حیثیت کچھ نہیں فقط تمثیل و مشابہتیں ہیں اصل میں نری مٹی ہی ہے اب ان آیات میں اُن بتوں کو جُذاذاً کیا جانے کا ذکر فرما کر اُن کے بے جان مٹی ہونے کی دلیل دی جا رہی ہے۔

تفسیر نحوی قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ

marfat.com

قَالَ قَوْلٌ سے مشتق اس کا فاعل حضرت ابراہیم ہیں یہ فعل با فاعل ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ بَلْ حرفِ زائدہ (عطف کے لیے نہیں) بمعنی لٰکِنْ ہے اس لیے اضراب مع استدراک ہوا یہ جب ہے جب کہ بل کے مابعد کا تعلق مَا ھٰذِہِ التَّمَاثِیْلُ کے پورے کلام سے ہو لیکن اگر اس مابعد مقولے کا تعلق لَعِبِیْنَ کے جملے سے ہو تو فقط اپنے اصلی معنیٰ اضراب کے لیے ہے بَلْ لٰکِنْ۔ لٰکِنَّ اور اِلَّا یہ سب دو جملوں کے درمیان آتے ہیں اور مابعد جملہ ماقبل جملے کی مخالفت کرتا ہے مگر نوعیتِ مخالفت میں فرق ہے نیز بل کے آگے پیچھے دونوں کلام کا متکلم کبھی فرد واحد ہوتا ہے کبھی مختلف دو شخص یہاں مختلف ہیں کہ ماقبل کا متکلم قوم والے اور مَا بَعْدَ رَبُّکُمْ کے جملے کا متکلم حضرت ابراہیم رَبُّکُمْ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبٌّ اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا۔ رَبٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے رَابِبٌ تھا ثقل کی وجہ سے الف گرا اور دونوں بَ کو مُدْغَم (مشدد) کیا گیا بمعنی بہت پالنے والا۔ ایک قول میں یہ مصدر مبالغہ ہے جیسے عدلٌ بمعنی عادل مبالغہ یعنی سراپا عدل وانصاف۔ ایک قول میں یہ خود مبالغے کا صیغہ ہے جیسے بَرٌّ بمعنی بارٌ خوب بھلائیوں والا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دونوں اسم مؤنث لفظی ہیں ایک ظاہر ایک پوشیدہ یہ دونوں عطف مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر۔ فَطَرَ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر "فَطْرٌ" سے مشتق ہے بمعنی پھاڑنا۔ چیرنا مراد پھاڑ کر کسی چیز کو ختم کرنا اور دوسری چیز بنا دینا اصطلاحی ترجمہ ہے معدومیت اور عدم کو ختم کر کے موجود کرنا نیست کو ھست کرنا یعنی پہلی بار ہی مکمل طور پر پیدا کرنا۔ صفت خصوصی ہے اللہ تعالیٰ کی ضمیر صیغہ ھُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع ہے رَبُّکُمْ ھُنَّ ضمیر اس میں پوشیدہ فاعل ہے مرجع زمین و آسمان ہے مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر صفت ہے ربّ السّموات کی یہ مرکب توصیفی خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واوٌ عاطفہ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے مرجع سیدنا ابراہیم علیہ السلام عَلٰی حرفِ جر بمعنی لام جارّہ یعنی حق میں گواہی کے لیے ذٰلِکُمْ اسم اشارہ بعیدی کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر جمع اس لیے ہے کہ سابقہ مشار الیہ جمع ہیں یعنی تماثیل کی معبودیت آبائکم کی پرستش کا باطل ہونا اور اللہ رَبُّ السَّمٰوٰتِ کا رَبُّکُمْ ہونے کی حقانیت یہ سب مشار الیہ ہے اور ضمیر حاضر ذی عقل کے لیے ہوتی ہے یہاں مشارٌ لہٗ یعنی قوم اہلِ عقول ہیں اس لیے یہ کُمْ ضمیر آئی۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے شَاھِدٌ پوشیدہ اسم فاعل کا مِنَ الشّٰھِدِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے اُسی شاہدٌ پوشیدہ

marfat.com

کا مشاہد اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَنَا مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَ حرف جر قسمیہ ابنِ اللہ سے ملنے کی وجہ تا ہوا خیال رہے کہ حروفِ قسم چار ہیں ۱ تَ ۲ بَ ۳ لامَ ۴ وَاوُ یہ سب حرفِ جر ہیں ان میں خصوصی حرف تَ ہے یہ صرف قسم ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے اس کی قسم میں تعجب اور سختی ہوتی ہے اللہ مجرور مُقسَمٌ بِہٖ ہے یہ جار مجرور متعلق اُقسِمُ پوشیدہ کا۔ لَاَکِیْدَنَّ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نونِ تاکید ثقیلہ مثبت معروف واحدِ متکلم کَیْدًا اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنی تدبیر کرنا تدبیر چاہنا۔ مکر کرنا، داؤ چلانا۔ یہاں مراد ہے تدبیر چلنا۔ کَیْدٌ اس عقلی کام کو کہتے ہیں جس کا کسی دوسری کو کرنے سے پہلے اور کرتے وقت پتہ نہ لگ سکے بعد میں پتہ لگے۔ کَیْدٌ، مکر، تدبیر کی قسمیں اور فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اَصْنَام اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے صَنَم بمعنی کھڑا ہوا بُت کسی ٹھوس چیز کا۔ اصطلاح میں ہر وہ تصویر جس کی پوجا کی جائے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ ہے یا مفعول لہٗ ہے بَعْدَ اسم مفرد نکرہ ظرفِ زمانی کے لیے مضاف ہے اَنْ حرف ناصبہ تُوَلُّوْا باب تفعیل کا فعل مضارع بمعنی مستقبل مثبت معروف جمع مذکر حاضر وَلْیٌ سے مشتق ہے دراصل تھا تُوَلِّیُوْا بروزنِ تُفَعِّلُوْا۔ اس کا مصدر ہے تَوْلِیَۃٌ بروزنِ تَفْعِیْلٌ آخری یَ کو حذف کر کے بدلے میں تَ مصدریہ لگا دی کیونکہ دو حرف ایک جنس کے ثقیل ہوتے ہیں پہلی یَ علامتِ مصدر ہے اس لیے وہ گرائی ہو گیا تَوْلِیَۃٌ ترجمہ ہے منہ موڑنا خواہ موڑ کر سامنے کیا جائے ماننے اور سننے کے لیے یا پھیرا جائے نہ ماننے یا دور ہونے یا جانے کے لیے یہاں جانے کے لیے منہ پھیرنا مراد ہے تُوَلِّیُوْا میں یَ پر ضمہ بوجھل تھا یَ کو گرا یا ما قبل لام کو ضمہ دیا یا بعد کا نقل کر کے واؤ کی وجہ سے اَنْ ناصبہ کے نصب نے آخر کی نون کو گرا دیا ایک قول میں تُوَلُّوْا باب تفعیل سے ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے۔ مُدْبِرِیْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت فتحہ ہے دُبُرٌ سے بنا ہے بمعنی پیٹھ پھیر کر چلے جانا۔ یہ حال ہے تُوَلُّوْا کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مضاف الیہ ہوا بَعْدَ کا یہ مرکب اضافی ظرف ہے لَاَکِیْدَنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جوابِ قسم ہوا۔ اُقسِمُ فعل اپنے فاعل متعلق اور جوابِ قسم سے مل کر جملہ فعلیہ قسمیہ ہو کر معطوف ہوا تینوں عطف مل کر مقولہ ہوا قال کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ۔ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۔ فَ عاطفہ تعقیبیہ بمعنی ثُمَّ اور

marfat.com

مابعد جملے کا عطف ہے بَلْ رَّبُّكُمْ (الخ) کے پورے مقولے پر ایک قول میں فَ یہ فَ عاطفہ
نہیں بلکہ بیانیہ ہے اور مابعد کا جملہ علیحدہ ہے جَعَلَ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ضمیر ہے
یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر
صلہ ہوا موصول صلہ مل کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ترجمہ ہے اَصنام جُذَاذًا اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے جُذَاذٌ جَذِيذٌ بمعنی ٹکڑا بروزن خُطام
حُطَیْمٌ یہ مصدر ہے اسم مفعول مَجْذُوذٌ یعنی ٹکڑے ٹکڑے کیا ہوا جُذَاذًا میں پانچ قرأتیں ہیں ایک یہی مشہور ۲ جِذَاذًا ۳ جَذَاذًا
یہ اسم جامد حاصل مصدر جنسی ہے بمعنی ٹکڑے ریزہ ۴ جُذُذًا جَذِيذٌ کی جمع ۵ جُذَذًا مفعول بہ دوم
ہے اِلَّا حرفِ استثنا برائے مستثنی متصل کیونکہ اس کا مستثنی منہ هُمْ یعنی اصنام مذکور ہے كَبِيرًا لَّهُمْ
کَرُمَ (ششم ثلاثی مجرد مطرد کا پانچواں باب) کا اسم فاعل صفت مشبہ بروزنِ کریم اس کی جمع کبیرین بھی ہے
بروزنِ کثیرین ۲ کُبَارٌ بھی ہے۔ اس کی مؤنث کَبِیرَةٌ ہے اور مؤنث جمع کَبَائِرُ بھی کُبَّارٌ یہ صیغہ
مبالغہ یعنی بڑائی کی زیادتی کے لیے اس سے بڑا مبالغہ کُبَارًا کے صیغہ میں ہے اور اس سے زیادہ
مبالغہ کُبَّارًا میں ہے بڑائی بہت قسم کی ہوتی ہے تعظیمی۔ مالی جسمانی عمری یہاں مراد جسمانی ہے یا تعظیمی
یا دونوں یہ اسم فاعل مبالغہ اپنے اندر پوشیدہ فاعل اور لَهُمْ جار مجرور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر
مستثنی ہوا هُمْ کا دونوں مل کر مفعول اول ہوا لَعَلَّ حرف مشبہ هُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا
اسم مرجع قوم والے ہیں اِلٰی حرف جر انتہاءِ غایت کے لیے ہٖ ضمیر کا مرجع کَبِیرًا ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے
يَرْجِعُونَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا پلٹنا
راغب ہونا یہاں اسی معنی میں ہے یہ فعل با فاعل متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے لَعَلَّ
کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معلول ہوا جَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ يَرْجِعُونَ سے
مراد دنیوی رجوع ہے مگر ایک قرأت میں يُرْجَعُونَ فعل مجہول ہے اور مراد دینی اُخروی رجوع ہے۔
قَالُوْا یہ مقولہ ہے اہلِ قوم کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا مَنْ اسم موصول واحد مذکر ذوی العقول کے لیے
ہوتا ہے یہاں بیانیہ ہے بمعنی وہ جو یا سوالیہ ہے بمعنی کون اور سوال توبیخی ہے فعل بابِ فتح کا
ماضی مطلق واحد مذکر غائب ہٰذَا اسم اشارہ قریبی اس میں ھَا حرفِ تنبیہ ہے سختیِ کلام کے لیے
ذَا اسم اشارہ عمومی ھَا نے اس کو قریبی بنایا۔ اس کا مشار الیہ لفظی نہیں معنوی ظاہری ہے
جو بت وغیرہ کے اشارے سے ہوتا ہے بِ جارہ بمعنی مَعَ یعنی ساتھ یا بمعنی مِنْ یعنی
سے اٰلِهَةِ اسم جمع مؤنث آخر میں تَ تانیث کی ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع قوم ہے یہ مرکب
اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے فَعَلَ کا اِنَّ حرفِ مشبہ ہٖ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے منصوب متصل ہے

marfat.com

کیونکہ اسم اِنَّ ہے لام گئے بمعنی البتہ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے ظالمٌ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے فَعَلَ کا ۔ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر ذوالحال ہے دونوں مل کر مقولہ ہوا قول سمیت جملہ قولیہ ہو گیا ۔ قَالُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ۔ سَمِعْنَا ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق بمعنی ماضی بعید مثبت معروف جمع متکلم ضمیر صیغہ مرجع توا کے کچھ چند لوگ سَمِعَ سے مشتق ہے بمعنی حواس ظاہری یعنی کانوں سے سننا خیال رہے کہ ظاہری حواس پانچ قسم کے ہیں اور سب کے افعال متعدی بیک مفعول ہوتے ہیں سَمِعَ کے بارے میں تین اختلافی قول ہیں ۱ متعدی بیک مفعول ہی ہوتا ہے ۲ بدو مفعول بھی ہوتا ہے ۳ اگر اس کے بعد وہ چیز ہو جو سنی جاتی ہے تو بیک مفعول متعدی ہو گا جیسے ہم نے بات سنی اور اگر اس کے بعد وہ چیز جو سنی نہیں جاتی تو بدو مفعول ہوتا ہے جیسے یہاں فتی ہے مگر یہ قول کمزور ہے ۔ فَتًی اسم مفرد جامد بمعنی نوجوان موصوف یَذْکُرُ باب نَصَرَ کا مضارع بمعنی ماضی استمراری ھُمْ اس کا مفعول مرجع اٰلِھَتَنَا ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع فتی ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت اول ہے بعض نے کہا یہ جملہ بدل کل یا اشتمال ہے ۔ یُقَالُ فعل مضارع مجہول لَہٗ جار مجرور متعلق ہے اِبْرَاھِیْمُ اس کا نائب فاعل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت اول ہے بعض نے کہا یہ جملہ بدل کل یا اشتمال ہے ۔ یُقَالُ فعل مضارع مجہول لہٗ جار مجرور متعلق ہے ابراہیم اس کا نائب فاعل یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت دوم ہے فَتًی کی سب مل کر مفعول ہوا سَمِعْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا قَالُوْا سب سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا ۔

تفسیر عالمانہ قَالَ بَلْ رَّبُّکُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَھُنَّ ۔ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ وَتَاللّٰهِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ ۔ ابراہیم علیہ السلام نے جواباً فرمایا کہ ان بتوں کی عبادت کی برائی میں مذاق نہیں کر رہا بلکہ ایک ٹھوس حقیقت بیان کر رہا ہوں کہ جن مورتیوں کو تم معبود بنائے بیٹھے ہو یا نمرود جو تمہارا رب بنا پھرتا ہے اور اپنی حماقت سے قیدی قتل کرنے کو مارنے اور چھوڑ دینے کو زندہ کرنا سمجھتے ہوئے رب تعالیٰ کے مقابل اَنَا اُحْیٖ وَاُمِیْتُ کے نعرے مارتا ہے وہ کسی طرح کسی وقت بھی کسی بھی چیز کسی شخص کے معبود بننے کے لائق اور رب نہیں بنتے کسی کی عبادت لینے کا نہ ان کا استحقاق نہ صلاحیت کیونکہ نہ یہ نفع دے سکیں نہ کسی پر کوئی اختیار رکھتے ہیں نہ پرورش کر سکیں نہ کچھ دے سکیں نہ لے سکیں نہ خالق نہ مالک نہ رازق نہ رب نہ

marfat.com

ان کو کسی کی کچھ خبر اللہ اور معبود تو وہ ہے جو تمہارا بھی رب ہے اور تمام آسمانوں پوری زمین کا بھی رب ہے تمہارے نفع نقصان کی ہر چیز کا رب ہے عالم اَرواح اور شکم مادر میں از مَہد تا لحد ہر طرح خبر گیری کرنے والا ہے خود ہی مشکلوں حاجتوں کو جاننے والا اور خود ہی مشکل کُشا حاجت روا ہے وہی تمہارے سجدوں کی عبادت اعتکافوں کی ریاضت کا حق دار مستحق ہے۔ تمہارا تو ہر عقیدہ ہر مذہب ودین کی ہر ہر بات ہی بے دلیلی اور اندھی تقلید اور دیکھا دیکھی کی پیروی ہے مگر وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ۔ اور میں اپنی اس بات میں اپنے اس عقیدے اس دین اور اپنے مولیٰ تعالیٰ کی نالقیت رازقیت ربوبیت معبودیت پر بڑی مضبوط دلیلوں سے گواہ اور مشاہدہ کرنے والوں میں سے ایک شاہد ہوں ہر طرح قوی دلائل سے ثابت کرسکتا ہوں اور پھر میرے رب تعالیٰ کی معبودیت پر تو سب آسمان وزمین گواہ ہیں آسمانوں کے چاند سورج کواکب میرے رب تعالیٰ کے ساجد فرش زمین کا ذرہ ذرہ، شجر زمین کا پتہ پتہ میرے رب کے عابد ہیں تمہاری طرح میں صرف آباؤ اجداد کی لکیر کا فقیر نہیں بے دلیل باپ دادوں کی پیروی کرنے والا نہیں۔ تم لوگوں کو باتوں کی دلیل سے قولی علمی طریقوں سے تو میں نے بتا ہی دیا کہ تمہارا دین غلط عقیدہ بھی غلط تمہاری یہ مورتیں تماثیل بُت کمزور کھلونے ہیں۔ ان کے پاس تمہارے اعتکاف بیکار تمہاری عمریں برباد ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی قسم ابھی چند دن بعد ایسی جرأت مندانہ عملی دلیل والی چال چلوں گا تم سے تمہارے ان بتوں کے بارے میں باوجود تمہاری ظالمانہ جابرانہ حکومت کی زور آوری اور رعب پردری کے اتنے تعجب خیز حیران کن کہ تمہاری اندرونی عقلیں تک سمجھ جائیں گی کہ یہ بت کچھ نہیں بیکار ناکارہ فضول مٹی کے پتھر کے ٹکڑے ہیں ان کی عبادت محض حماقت ان کے پرستار نرے بے وقوف ہیں یہ چال میں اُس وقت چلوں گا جب تم یہاں سے کبھی کچھ عرصہ کے لیے پیٹھ پھیر کر جاؤ گے۔ یہ بات ابراہیم علیہ السلام نے اپنے چچا اور قوم کے اُن آٹھ دس آدمیوں کے سامنے اس وقت کہی جب وہ اپنی بت ساز فیکٹری میں بت سازی کر رہے تھے اور عَاکِفُوْنَ اور لَاَکِیْدَنَّ کا اشارہ اُس وقت عبادت اور اُن بتوں کی طرف تھا جو یہاں سے بن کر مندروں میں سجائے جاتے پھر یہی مُحتفااِن اپنے ہی دستی تراشے ضراشے چھیلے چھلائے بتوں کے سامنے باادب معتکف ہوجاتے ابراہیم علیہ السلام کو معلوم تھا کہ چند دن بعد ان کی سالانہ عید مہرجان آنے والی ہے یہ سب جوان تندرست بوڑھے مرد عورتیں بچے تین میل دور وسیع میدان میں ایک بڑا میلا لگا کر سارا دن خوب کھیل کود تماشہ کرتے کھاتے پیتے دکانیں سجاتے، جب وہ دن آیا تو آذر چچانے

marfat.com

نے کہا کہ اے ابراہیم اٹھو اچھے کپڑے پہنو اور ہمارے ساتھ عید میلے میں چلو تا کہ وہ رونقیں دیکھ کر ہمارے دین کی شان معلوم ہو اس عید میلے میں چار کام ہوتے ہیں اوّلاً تو ہماری رسمیں۔ ۲ کھیل کود تماشہ سوم کھانا پینا میلے کی دکانوں سے خرید و فروخت، چہارم سارا سال تو بتوں کی پرستش ہوتی تھی مگر اس عید میں ایک جگہ بہت خوب صورت تخت سجایا جاتا اس پر بیچ و بیچ زرق برق لباس میں نمرود بادشاہ بیٹھتا اور تمام حاضرین میلہ چھوٹے بڑے عورت و مرد قطار بنا کر نمرود کو سجدہ کرتے پھر نمرود مختلف حیثیت کے لوگوں امیروں وزیروں خادموں کو انعامات بانٹتا پھر شام کو واپسی ہوتی تو سب مع بادشاہ و رعایہ پہلے مندر میں آتے اور وہ کھانے کھاتے جو جانے سے پہلے بتوں کے سامنے رکھ جاتے تا کہ ان میں برکت آجائے۔ جب آزر چچا نے ابراہیم علیہ السّلام کو چلنے اور تیار ہونے کا کہا تو حضرت ابراہیم نے آسمان کی طرف اس انداز سے دیکھا اور کچھ انگلیوں کے اشارے بھی کئے گویا نجومیوں کاہنوں جوتشیوں کی طرح ستاروں سے آئندہ کا حساب لگا رہے ہیں پھر کچھ دیر بعد فرمایا اِنِّی سَقِیْمٌ مجھے لگتا ہے میں بیمار ہو جاؤں گا بعض نے کہا کہ آزر کی یہ میلے میں چلنے والی گفتگو ایک دن پہلے شام کے وقت یا رات کو ہوئی اور دوسرے دن کی تیاری کے لیے اُس نے کہا تھا ابراہیم علیہ السّلام میلے میں دو وجہ سے نہ گئے اور اِنِّی سَقِیْمٌ فرما کر نہ جانے کا حیلہ کر لیا کیونکہ بیماروں کو میلے میں نہیں لے جایا جاتا تھا باقی تمام لوگ چلے جاتے صرف چند بوڑھے اور بیمار رہ گئے۔ تب حضرت براہیم اٹھے اور ہتھوڑا پکڑا اور شاہی بڑے مندر میں جا گھسے دیکھا کہ ہر چھوٹے بڑے بت کے سامنے بہترین کھانے اور مٹھائیاں پڑی ہیں۔ ابراہیم علیہ السّلام نے یہ دیکھ کر فرمایا اے تو تم یہ کھانے مٹھائیاں کھاتے کیوں نہیں۔ جب کوئی جواب نہ آیا تو آپ ہتھوڑا لے کر پل پڑے کسی کا سر توڑا کسی کا ہاتھ کسی کا کان کسی کی ناک کسی کا پاؤں کسی کو دو ٹکڑے کئے کسی کو تین کسی کو گرایا کسی کو بکھیرا اور تمام بتوں کو تہس نہس کر کے پھینک دیا اور بڑے شیر کی شکل والے بت کی گردن میں ہتھوڑا لٹکا دیا۔ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِيْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ ۔ اس طرح ابراہیم علیہ السّلام نے موقعہ پا کر تمام چھوٹے بڑے بتوں کو جو مندر میں ایک ترتیب سے رکھے تھے کہ ہر بڑے کے ساتھ ایک چھوٹا بت تھا ٹکڑے ٹکڑے کر دئے بلکہ بعض پر تو اتنا غصّہ آیا کہ اُن کو چورا کر دیا صرف بڑے بت کو کچھ نہ کہا کام سے فارغ ہو کر ہتھوڑا اِس انداز سے بڑے بت کے کندھے اور گردن میں لٹکا دیا جس طرح مزدور کام ختم کر کے کندھے پر ہتھوڑا یا کلہاڑا رکھتے ہیں اور اس انداز میں رکھنے سے تاثر یہ ملتا تھا کہ جیسے

marfat.com

ان بڑے صاحب نے اپنے ان چھوٹوں پر آج نہ جانے کب کا دبا غصہ نکالا ہے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ کام کیا بھی اسی لیے تھا کہ تاکہ کفار مشرکین واپس آکر لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ اپنے اس بڑے بُت سے پوچھیں اور اسی کی طرف متوجہ ہوں۔ پھر ان کافروں کو کچھ عقل آئے کہ ہم بیوقوفوں نے کن لکڑیوں پتھروں کو اپنا معبود بنا لیا ہے جو کچھ بول بتا سکتے ہی نہیں۔ پھر جب وہ لوگ شام کو لوٹے اور حسب قاعدہ پہلے مندر میں آئے تو مندر کا حال بد دیکھ کر چیخ پڑے اور چیختے دھاڑتے ہوئے۔ قَالُوا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى يَّذْكُرُهُمْ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ۔ بولے کس نے ہمارے معبودوں کا یہ حال کیا ہے بے شک وہ بدبخت سخت ظالموں میں سے ہے اس طرح کہ اس نے ہمارے معبودوں پر ظلم کیا ان کو توڑ پھوڑ کر اور اپنے پر ظلم کیا ہمارے بتوں کا عتاب لے کر اور ہماری ناراضگی غضب اور سزا کا مستحق بن کر جب یہ کفار اپنے عید میلے سے لوٹے تو بڑی خوشی خوشی مندر میں پہلے نمرود اور اس کے ساتھی وزرا اُمرا درباری داخل ہوئے اور پہلے انہوں نے ہی مندر کی یہ توڑ پھوڑ دیکھی اور ایک دم بارعب آواز میں اس شخص کی تحقیق تفتیش اور پوچھ گچھ شروع کر دی جس نے یہ کام کیا تھا تب قوم کے اُن لوگوں میں سے چند نے ابراہیم علیہ السلام کا پتہ بتایا جنہوں نے اُس دن آذر کے بُت خانے میں آپ کی دلیرانہ گفتگو سنی تھی نمرود سے کہا کہ ہم نے ایک نوجوان لڑکے کی زبانی کئی بار بتوں کی برائی سنی ہے جو اکثر لوگوں کے سامنے ہمارے معبودوں کو بہت برائی سے برا بھلا کہتا رہتا ہے اُس کا نام ابراہیم بتایا جاتا ہے ہمیں شک ہے کہ یہ ظالمانہ کام اسی کا ہے کیونکہ ایک بار اُس نے کہا تھا کہ میں کوئی چال چلوں گا۔ خیال رہے کہ ابراہیم علیہ السلام کی عمر اس وقت چودہ یا پندرہ سال تھی بہت خوب صورت کڑیل جوان لگتے تھے دراز قد تھے اہل لغت کے نزدیک عربی میں کسی طرح کی چال چلنے کے لیے چار لفظ مستعمل ہیں ۱ کید ۲ مکر ۳ تدبیر ۴ تعریض۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کید، مکر اور تدبیر عملی چال کو کہتے ہیں اور تعریض قولی چال کو۔ دوسرا فرق یہ کہ کید وہ چال ہے جو کسی کے لیے چلو مگر کسی دوسری چیز پر ہو جیسے یہاں لَاَكِيْدَنَّ۔ کفار کے لیے چال تھی مگر بتوں پر چلی گئی۔ مکر یہ ہے جس کے لیے چال چلنی ہو اسی پر چلی جائے۔ تدبیر یہ ہے کہ کسی کے لیے کوئی ایسا کام کیا جائے جس سے اُس شخص کو کوئی فائدہ یا نقصان ہو جائے اور اسی فائدے یا نقصان کا پہلے سے ارادہ ہو۔ تعریض یہ ہے کہ کوئی ایسی بات کی جائے جس کا ظاہری معنیٰ کچھ اور ہو۔ باطنی معنیٰ کچھ اور بولنے والا یہ بات کر کے

marfat.com

ایسی چال چلتا ہے کہ سننے والا اس کو ظاہر پر محمول کر کے ظاہری معنیٰ سمجھے اور بولنے والا باطنی معنیٰ مراد لیتا ہو۔ ظاہراً وہ جھوٹ ہو باطناً حق و سچ ہو۔ (ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال) ۱۔ فَطَرَهُنَّ کی هُنَّ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا مرجع سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے یعنی آسمانوں کو اور زمین کو پیدا کیا یہ ہی قول درست ہے۔ دوم یہ کہ اس کا مرجع تماثیل ہے ۲۔ عَلٰی ذٰلِكُمْ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ میں گواہ ہوں گواہوں میں سے ایک اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر دوم یہ کہ میں فَطَرَهُنَّ پر بہت سی دلیلوں کا مشاہدہ کرنے والا ہوں اور مجھے اس کی خالقیت پر حق الیقین ہے ۳۔ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ۔ میں چار قول ہیں اسبات میں کہ یہ قسم ابراہیم علیہ السلام نے کب فرمائی تھی۔ ایک یہ کہ یہ اس وقت فرمائی تھی جب مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ یعنی جب قوم اور آذر نے اَمْ كُنْتَ مِنَ اللّٰعِبِيْنَ کہا تھا تب آپ نے علی الاعلان نہایت دلیری سے فرمایا تھا قسم بول کر مگر قوم نے اسبات پر کان نہ دھرے یا ان کے ذہنوں سے یہ بات نکل گئی۔ دوم یہ کہ آپ نے یہ قسمیہ بات ایک آدمی سے خفیہ کی تھی پھر اس نے یہ بات اوروں سے بھی کر دی سوم یہ کہ آپ نے یہ بات اپنے دل میں آہستہ کہی تھی مگر کسی نے سن لی۔ چہارم یہ کہ آپ نے یہ بات میلے والے دن کی تھی چند لوگوں سے ۴۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا سے ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اس لیے بتوں کو توڑا تاکہ وہ میری طرف رجوع کریں اور مجھے بلائیں مجھ سے پوچھیں تو ان کو میں باطل دین سے ہٹانے بچانے اور سچے دین کی طرف آنے کی تبلیغ کر سکوں بتوں کی کمزوری اور بت پرستوں کی نادانی و حماقت ظاہر کر سکوں اس تبلیغ کا موقعہ مل جائے۔ دوم یہ کہ اس لیے بتوں کو توڑا تاکہ وہ کفار خود عقل سے سوچیں اور سچے دین کی طرف رجوع کریں توحید مانیں شرک چھوڑیں سوم یہ کہ بعض مفسرین نے فرمایا کہ لَعَلَّهُمْ اِلَيْهِ يَرْجِعُوْنَ کا تعلق اِلَّا كَبِيْرًا۔ سے ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے بڑے بت کو نہ توڑا اس کے گلے میں ہتھوڑا لٹکا دیا تاکہ مشرکین اس کی طرف رجوع کریں اور اس سے پوچھیں۔ اور وہ نہ بولے تو اپنی نادانی پر اپنے بیہودہ دین لغو عقیدوں پر شرمندہ ہوں۔ چہارم یہ کہ تاکہ وہ اپنے باطل عقیدوں اور غلط نظریات سے رجوع کر لیں ہٹ جائیں۔ پہلے تین قول میں اِلَيْهِ یا اِلَيْهِمْ پوشیدہ ہے۔ چوتھے قول میں مِنْهُمْ پوشیدہ ہے۔

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ پہلا فائدہ۔ منشاء قرآن مجید یہ بتانا ہے کہ ساری مخلوقِ کائنات میں انبیاءِ کرام علیہم السلام سب سے زیادہ بہادر اور دلیر ہوتے ہیں اور دلیری ہی شانِ تبلیغ ہے۔ یہ فائدہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ میں تاءِ قسمیہ فرمانے سے حاصل ہوا اس لیے

marfat.com

کہ تاءِ قسمیہ اُس قسم میں بولی جاتی ہے جو قسم ایسے کام پر بولی جائے جو کام نہایت بہادرانہ اور تعجب کی حد تک جرٔت مندانہ ہو۔ شاہی مندر کے بتوں کو توڑنا اور نمرود کا عتاب لینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ خیال رہے کہ اگرچہ حرفِ قسم بَ اور واؤ جارہ بھی ہے مگر ابراہیم علیہ السّلام نے وَاللّٰہِ یا بِاللّٰہِ نہ فرمایا۔ تَاللّٰہِ فرمایا تینوں میں فرق یہ ہے کہ اصل حرفِ قسم بَ جارہ ہے۔ کیونکہ یہ اسم ظاہر اسم ضمیر سب پر آجاتا ہے اور فعل کی مکمل تصریح کرتا ہے۔ اور تاءِ قسمیہ جارہ بَ کا نعم البدل ہے مگر واؤ قسمیہ بَ کے قائم مقام ہے کیونکہ دونوں کے درمیان مناسبت ہے کہ باءِ قسمیہ اور واؤ قسمیہ دونوں اِلصاق کے معنیٰ کا فائدہ دیتی ہیں اور ہمیشہ شروع کلام میں آتی ہیں اور بَ وتَ میں فرق یہ ہے کہ بَ عام ہے ہر قسم کی حلف کو۔ مگر تَ اکثر سخت اور تاکیدی جرٔت مندی تعجب خیز قسم کے لیے ہوتی ہے اور حیران کر دینے والی بات یا کام کے لیے بولی جاتی ہے۔ لیکن کبھی عام قسم کے لیے بھی تَ آجاتی ہے۔ یہاں ابراہیم علیہ السلام نے تَاللّٰہ فرما کر یہ ظاہر فرمایا کہ باوجود تم لوگ دولت طاقت اور گروہی اَفرادی قوت والے ہو حکومتی لشکر و ہتھیار تمہارے پاس ہیں اُس کے ہوتے ہوئے بھی میں نہ تم سے ڈرتا ہوں نہ گھبراتا ہوں نہ مرعوب ہوتا ہوں اور قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں یہ کام کروں گا۔ دوسرا فائدہ۔ چونکہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہر قول ہر کام ہر تقریر یعنی کسی کام یا قول کو ہوتے دیکھ کر خاموش نہ رہنا اللہ تعالیٰ کے حکم وَاِشارے سے ہوتا ہے اس لیے اُن کے قول فعلِ تقریر حکمت پر مبنی ہوتی ہے اگرچہ بعض کام ظاہراً جذباتی نظر آئیں مگر حقیقتاً ان میں بے شمار حکمتیں مصلحتیں اَسرار و رَموز پوشیدہ ہوتے ہیں۔ یہ فائدہ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ ظاہراً ابراہیم علیہ السّلام کے مندر کی توڑ پھوڑ ایک جذباتی کیفیت یا کھیل نظر آتی ہے مگر دراصل حق و باطل کی پہچان اور تبلیغِ دین کی بہت بڑی عملی دلیل تھی۔ تیسرا فائدہ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی سے اپنے دین کا کام لینا چاہتا ہے تو اُس بندے میں رب تعالیٰ کی طرف سے خدائی قوتیں غیبی طاقتیں ہمتیں جرٔتیں آجاتی ہیں جس کی بنیاد پر وہ بندہ ایسے کام کر لیتا ہے کہ جہان والوں کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں، دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے انتہائی بے سرو سامانی کے باوجود نمرودی قوتوں سے ٹکر لے لی اور عَلَی الْاِعْلَان ان کو مقابلے مناظرے مکالمے کی دعوت دیدی حالانکہ نمرود پوری دنیا کا بادشاہ تھا تمام دیگر سلاطین اُس کے باج گزار بن کر خراجِ شاہی ادا کرتے تھے کوئی بادشاہ اُس سے ٹکر نہ لے سکتا تھا۔ ایسے جابر و ظالم مطلقَ العنان بادشاہ کے معزز شاہی بتوں کو توڑنا کوئی معمولی کام نہ تھا سراپا موت کو دعوت دینا تھا۔ پھر آپ نے یہ کام چھپ کر کیا نہ کر کے چھپتے پھرے بلکہ تن تنہا بستی میدانوں اور عام لوگوں میں پھرتے پھراتے رہے یہ فائدہ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ کی ایک تفسیر سے

حاصل ہوا کہ ابراہیم علیہ السّلام نے بت شکنی کی ہی اس لیے تھی تاکہ یہ نمرودی لوگ آپ کو بلائیں اور بات کریں ایک بار مولیٰ علی شیر خدا کے ہاتھ میں روٹی کا سوکھا ٹکڑا تھا آپ اُس کو کھانا چاہتے تھے مگر نہ منہ سے ٹوٹتا تھا نہ ہاتھ سے تو آپ پانی میں بھگو بھگو کر کھانے لگے کسی دیکھنے والے نے عرض کیا حضرت یہ کیا بات ہے کہ جن ہاتھوں نے قلعۂ خیبر کا وزنی دروازہ توڑ دیا آج وہ روٹی کا سوکھا ٹکڑا نہیں توڑ سکتا جواباً فرمایا کہ خیبر میں خداداد روحانی قوت کا مظاہرہ تھا جو اُسی کام کے لیے ملی تھی اور یہاں جسمانی بدنی نفسی قوت ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کی قوت روٹیں توڑنے کے لیے نہیں ہوتی۔

احکام القرآن ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ تبلیغ دین کے کسی طریقے یا کسی کافر فاسق کو راہ راست پر لانے کے لیے کوئی حیلہ کرنا یا کوئی چال چلنا ہر شریعت میں جائز ہے جب کہ کسی قسم کا دھوکہ فریب نہ ہو نہ مقصد ہو۔ یہ مسئلہ تَاللّٰهِ لَاَكِيْدَنَّ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ دیکھو ابراہیم علیہ السّلام نے نبی ہونے کے باوجود فرمایا کہ میں تم سے کوئی چال چلوں گا حالانکہ عام قسم کی دنیوی اغراض کے لیے کسی سے کسی قسم کی چال چلنا ہر مسلمان کو حرام ہے چہ جائیکہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام وہ تو ہر عیب سے پاک و معصوم ہوتے ہیں۔ ثابت ہوا کہ دینِ الٰہی اور بندوں کو جہنّم سے بچانے کے لیے حیلہ کرنا عیب نہیں، دوسرا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق اگر کوئی مسلمان کسی مسلمان یا کافر کی وہ چیز توڑ دے جو صرف حرام کام میں استعمال ہوتی ہے تو توڑنے والے مسلمان پر اُس کا تاوان یا بدلہ جرمانہ واجب نہیں ہوگا۔ نہ توڑنے والا مجرم ہوگا اور یہ کام ناجائز اور غیر شرعی نہ ہوگا بلکہ جائز ہوگا۔ یہ مسئلہ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا سے مستنبط ہوا اور ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقہ ہے دیکھو حضرتِ ابراہیم نے نمرودیوں کے قیمتی بُت توڑ دئے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کام کی مذمت نہ کی گئی بلکہ شرعاً جائز فرمایا گیا اسی لیے بدلہ بھی نہ دلوایا گیا۔ اگر یہ توڑ پھوڑ شریعت میں ناجائز ہوتی تو ابراہیم علیہ السّلام اگرچہ چھوٹی عمر کے تھے اور آپ کی شریعت ابھی نافذ بھی نہ ہوئی تھی تب بھی نہ کرتے کیونکہ انبیاء علیہم السّلام بچپن سے ہی بے عیب اور معصوم ہوتے ہیں وہ کسی عیب پر مثل ملائکہ قادر ہی نہیں ہوتے۔ یہ شرعی حکم تا قیامت تمام لہویات لغویات لعبیات و فسقیات میں مستعمل اشیا کا ہے جب کہ اُن اشیا کا کوئی اور مصرف نہ ہو۔ تیسرا مسئلہ۔ قانونِ شریعت میں ہمیشہ پہلے قسم لی جاتی ہے پھر مُقْسَم علیہ کا وجود ہوتا ہے۔ مُقْسَمٌ عَلَيْهِ وہ کام ہے جس کے کرنے یا نہ کرنے پر قسم کھائی جائے پھر اگر وہ مُقْسَم علیہ پا لیا جائے تو قسم پوری ہو جاتی ہے۔ لیکن اگر اُس مدتِ قسم کے اندر مُقْسَمٌ عَلَيْهِ نہ پایا جائے تو قسم ٹوٹ جاتی ہے اور قسم ٹوٹنے کے بعد توڑنے والے پر کفارہ واجب ہوتا ہے

marfat.com

یہ ترتیب لازم ہے۔ لہٰذا اگر کسی شخص نے پہلے کام کر لیا پھر قسم کھائی تو وہ کام قسم میں شمار نہ ہوگا دوبارہ وہ کام کرنا پڑے گا۔ اگر نہ کرے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔ اسی طرح اگر کسی نے قسم کھا کر کفارہ دیدیا پھر قسم کو توڑا مقسم علیہ کام کر کے یا نہ کر کے تو دوبارہ کفارہ دینا پڑے گا یہ حنفی مسلک ہے۔ یہ مسئلہ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ فرمانے کے بعد فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا کی فَ جزائیہ تعقیبیہ جواب قسم سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ اَصْنَامَکُمْ یعنی میں تمہارے بتوں سے چال چلوں گا حالانکہ کَیْدٌ اور چال چلی جاتی ہے نقصان پہنچانے کے لیے اور نقصان ہوتا ہے جاندار اشیا کا کیونکہ نقصان کی پانچ صورتیں ہیں تکلیف۔ مصیبت غم فکر کمی اور یہ سب جان والے ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ بت تو مٹی پتھر دھات کے ہوتے ہیں پھر ان کو یہ نقصان۔ ایذا کس طرح ہوئی جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب فرمائے ہیں۔ ایک یہ کہ اس آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ تمہارے بتوں کے ذریعے چال چلوں گا جس سے تمہیں تکلیف بھی ہوگی اور تم کو اپنے بتوں کی کمزوری بے بسی کا پتہ بھی لگ جائے گا تو گویا بتوں سے چال چلنا کفار سے چال چلنا ہے، کہ کفار ہی کی متاع قیمتی کا نقصان اور انہی کی ذلت ہے۔ دوم یہ کہ اَصْنَامَکُمْ فرمانا اُن کفار کے عقیدے کے مطابق ہے کفار کا عقیدہ بتوں کے بارے میں یہ ہے اور تھا کہ وہ سب کچھ جانتے بوجھتے سمجھتے بولتے سنتے ہیں۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے بتوں سے ایک چال چلوں گا جس سے تمہارے تمام عقیدوں کا بھانڈا پھوٹ جائے گا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا کَبِیْرًا لَّهُمْ۔ دونوں جگہ هُمْ ضمیر جمع مذکر استعمال فرمائی گئی حالانکہ جمع مذکر کی ضمیر عقل والی شخصیات کے لیے استعمال ہوتی ہے جب کہ بت بے جان بے عقل چیزیں ہیں یہاں فرمانا چاہیے تھا فَجَعَلَهَا جُذٰذًا کیونکہ نحوی قانون کے مطابق غیر عقل والی چیزوں کے لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر لائی جاتی ہے۔ جواب۔ یہ بھی کفار کے عقیدے کے مطابق ان کو ستانے کے لیے فرمایا گیا کیونکہ کفار اپنے بتوں کو بہت عقل مند سمجھتے ہیں بلکہ نفع نقصان کا مالک۔ تیسرا اعتراض۔ تَاللّٰہِ لَاَکِیْدَنَّ کا کوئی فائدہ نہ تھا نہ بتوں کو توڑنے کی ضرورت تھی اس لیے کہ اگر وہ قوم نمرود عقل مند تھی تو خود ہی باطنی طور پر جانتی تھی کہ یہ بت مٹی کی چیزیں ہیں نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان کر سکتے ہیں نہ عقل والے نہ جان والے نہ سنتے بولتے ہیں نہ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں تو پھر کفار کو یہ دکھانے کے لیے توڑنا بیکار تھا کہ دیکھو یہ بت اپنے آپ کو نہ بچا سکے۔ اور اگر قوم نمرود احمق بیوقوف

marfat.com

نہ تو پھر اُس کے لیے اس طرح کی قولی و عملی دلیلوں کی ضرورت ہی نہ تھی کیونکہ بے وقوف شخص تو کوئی دلیل نہ مانتا ہے نہ سمجھتا ہے۔ جواب۔ اس کا جواب تفسیر روح البیان نے یہ دیا ہے کہ قوم عقل مند تھی اور سمجھتی تھی کہ یہ دستی بنے ڈھلے ہوئے مٹی پتھر کے بُت کچھ بھی قوت طاقت اور عقل نہیں رکھتے لیکن اُن کا عقیدہ تھا کہ یہ بُت آسمانی ستاروں کے اوتار ہیں اصل معبود ستارے ہیں یہ بُت زمین پر اُن کے نائب اور ٹھکانے ہیں ان بتوں میں ستاروں کی روحانیت ہے اگر ان کا ادب احترام پوجا پاٹ نہ کرو گے یا ان کو ستاؤ گے بے عزتی بے ادبی کرو گے تو آسمانی ستاروں کی طرف سے آفت مصیبت آجائے گی ابراہیم علیہ السّلام نے ان کی اس بدعقیدگی باطل نظریئے کی تردید کرنے کے لیے ان کو توڑا اور ثابت کر دیا کہ یوتو تو تمہارا یہ عقیدہ غلط ہے دیکھو۔ میں نے ان کو توڑا پھوڑا مگر مجھ پر کوئی آفت نہ آئی

تفسیر صوفیانہ قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰی ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ وَتَاللّٰهِ لَاَكِیْدَنَّ اَصْنَامَكُمْ بَعْدَ اَنْ تُوَلُّوْا مُدْبِرِیْنَ فَجَعَلَهُمْ جُذٰذًا اِلَّا كَبِیْرًا لَّهُمْ لَعَلَّهُمْ اِلَیْهِ یَرْجِعُوْنَ۔ فرمایا ابراہیم قلبی باطنی نے کہ اے گروہ باطلین حقیقت یہ ہے کہ معبود حقیقی وہ ہے جو چھ عناصر سے تمہاری ربوبیت فرماتا ہے ۱ ایجاد ہستی سے ۲ تقدیم جیدی سے ۳ تجرید بدنی سے ۴ حیاتِ عضوی سے ۵ ترقی ناسوتی سے ۶ تعلیم عقلی فکری سے اور وہ ہی تمہاری تمام عقلیاتِ آسمانی وَ فضلیاتِ زمینی کا رب ہے۔ نیست سے ہست معدوم سے موجود کرنے والا بھی وہ ہی ہے اور میں قلبِ اسرار اُس کی ربوبیتِ شہودی و ایجادِ وجودی پر گواہ ہوں بقا سے مشاہدہ کرنے والا ہوں میرا مشاہدہ شہودِ ذاتی نہیں بلکہ شہود صفاتی ہے کیونکہ شہودِ ذاتی میں مشاہدہ کی فنا ہے نہ وہاں اَنا رہتی ہے نہ عَلٰی نہ خودی نہ دوئی۔ وہ حق جو موحد کل ہے وہ تو ہر شے میں مُشعِر و مُبقِر ہے۔ ہر پتے میں مفہوم ہے سہ

بے حجابی یہ کہ ہر پتے میں جلوہ آشکار   اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

چونکہ حق کا شاہد میں ہی ہوں اس لیے لَاَكِیْدَنَّ میں ہی تمہارے اوہام باطل سے فنا کی چال چلوں گا اور اشیاءِ ظاہرہ سے افکارِ موجودات کو توڑ پھوڑ کر مٹا دوں گا۔ جن کی ایجاد و حفاظت اور تدبیر ثبات میں تم معتکف رہتے ہو اور وحدتِ ذاتِ حق سے اعراض کرکے باطل کی طرف متوجہ اور ثبات پر قیام کرتے ہو۔ قلبِ اسرار نے وعدہ پورا کیا جب خلوتِ مکاشفہ کا وقت آیا تو قہرِ ذاتی و شہودِ عینی کے ہتھوڑے سے توڑ کر اوھام باطل کے بتوں کو

marfat.com

قراٰنِ مثلاشیہ فانیہ بنا دیا کہ یہی اصنامِ غرور تھے مگر اُس نفسِ باطنی کو نہ توڑا جو یقین باطل میں ان سب سے بڑا تھا کر راہِ گمراہی پر سب سے پہلے اُکسانے والا تھا اور اوھامِ باطلہ کا توڑنا اس لیے ضروری تھا کہ اثباتِ صحیحہ کو قائم کرنے کے لیے یقینِ اوّل کی طرف رجوع کریں اور ضمیرِ خلیل و نورِ جلیل و علمِ جمیل کو مانیں صوفیا فرماتے ہیں کہ بندے تین قسم کے ہیں ۱ بدبخت ۲ خوش بخت ۳ اہلِ ذلت جو بندہ نفسِ امارہ کے سپرد کر دیا جائے وہ بدبخت ہے جیسے کہ آذرِ بُت تراش جو خلیلِ لطیف کو چھوڑ کر اصنامِ کثیف میں پھنسا رہا۔ اور جو بندہ تائیدِ ازلی و عنایتِ ابدی سے نوازا جائے وہ خوش بخت ہے کہ خواہشات کے بتوں کو توڑ پھوڑ دیتا ہے اور کسی بھی ملامتِ نمرودی و ظلمتِ طاغوتی سے نہیں ڈرتا جیسے ابراہیم خلیل اللہ اور اہلِ ذلت وہ بندہ ہے جو حق کو باطل اور سچ کی متانت کو لہو و لعب سمجھے اور باطل کو حق سمجھ لے۔ جیسے قومِ نمرود کہ بصارت کے باوجود بصیرت سے اندھے بنے رہے۔ قَالُوْا مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیْنَ ـ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًى یَّذْكُرُهُمْ یُقَالُ لَهٗۤ اِبْرٰهِیْمُ ـ جب قلبِ اسرار نے خواہشاتِ شیطانی لذاتِ دنیوی کے بتوں کو پاش پاش کر دیا تو اہلِ نفوسِ ذلیلہ باطلینِ خبیثہ نے زبانِ حال سے کہا کہ کس نے یہ حقیر و تذلیل کی ان دنیوی منصوبوں اور ارادوں کی جو ہماری محبتوں کے منبع اور ہماری عبادتوں کے مرکز ہیں یہ نسبتوں کا خفیہ پردہ کرکے اور عینِ فنا کی نظر کر کے قوتِ ظاہری سے کس نے ہمارے دنیوی الٰہوں کو توڑ پھوڑ کر ھَبَاءً منثورًا یعنی اڑتی دھول بنا دیا کتنا بڑا سخت اور عجیب خیز کام کیا اس لیے کہ وہ ظالم اپنا بھی نقصان کرنے والا ہے محرومیِ دنیا لے کر، اور دنیوی معبودانِ باطلہ اراداتِ واھیہ منصوباتِ فاسدہ خواہشاتِ مصنوعہ کا بھی ان کے حقوق کو ختم کر کے اور دنیاءِ دون کے تمام رشتوں کے وجود و کمالِ موجودہ کا بھی اس طرح کہ اس ظالم نے اپنے حق کو ثابت کرنے کے لیے ہمارے باطل کی نفی کر دی۔ اور ہمارا اس طرح نقصان کیا کہ حقوقِ نفسی کو قہر کے فنا میں توڑ پھوڑ کر بکھیر دیا جب نفسِ امارہ والے اس طرح کا شورِ باطل برپا کرتے ہیں تب بندے کے باطنی جانبِ یسار سے ایک آوازِ فاحش بلند ہوتی ہے کہ جانبِ یمین میں ایک قوتِ کاملہ شبابِ فاخرہ کا ہم نے چرچہ سنا ہے جو ہر دم اَغیارِ ماسوٰی اللہ پر آوازۂ قہر بلند کرتا رہتا ہے اور اپنے افکارِ طیبہ اور اعمالِ صالحہ کی سخاوت سے رذیل نفسوں ذلیل سالنوں کی برائی کر کے دنیوی خواہشات کی قدر و منزلت گھٹاتا ہے نسبتِ باطنی کی نفی و توہین کرتا ہے اور ان دنیوی طاقتوں قوتوں حکومتوں سرداریوں کو معدوم و فنا سمجھتا ہے۔ یہ ذکر کافرانِ دنیا کے لیے آوازۂ قہر ہے اور

marfat.com

مومنانِ آخرت کے لیے آوازۂ ہر ہے۔ یہ آواز کبھی غارِ صدیق سے بلند ہوئی کبھی حجرۂ فاروقی سے کبھی عبادتِ عثمانی سے کبھی ریاضتِ حیدری سے۔ کبھی سجدۂ شبیری سے۔ کبھی معتکفِ بایزید بسطامی سے کبھی نمازِ جنید بغدادی سے کبھی عطار و رومی کی آہِ سحرگاہی سے کبھی رازی و غزالی کے عشقِ بے پناہی سے کبھی سعدی کے افکار سے کبھی بریلی کے شاہکار سے کبھی نعیمی انوار سے۔ یُقَالُ لَهٗ اِبْرٰهِیْمُ اسی کو توحیدِ کبریائی کا ابراہیم کہا جاتا ہے۔ رسالتِ ابدیہ کا خلیل۔ یہی محبوبِ صدیق ہے یہی حق و باطل کا فاروق ہے سخاوتِ ایمانی کا غنی ہے۔ اور اسی کو ہی شجاعت کا حیدر جلالت کا صفدر کہا جاتا ہے۔ یہی ابراہیم قلب ہے۔ یہی خلیل اسرار ہے۔ اہلِ معرفت کی زبان میں اس کو بُرتِ ابرار کہا جاتا ہے یہ اپنے ذکرِ لاہوتی کے ذریعے کفر سے ہٹاتا ہے گناہوں سے بچاتا ہے آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ گناہ کرتا ہے تو ایک سیاہ داغ اُس کے قلب پر جم جاتا ہے۔ اس کا علاج یہ فرمایا کہ جو شخص گناہوں سے قلبی داغ میں مبتلا ہو جائے اُس پر سستی غفلت اور نحوست نقاہت کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اگر وہ کثرت سے توبہ و استغفار کرے تو وہ داغ قلب سے دُھل جاتے ہیں اور عبادت میں سستی غفلت دور ہو جاتی ہے نحوست نقاہت سیاہی سہو دور ہو جاتی ہے لیکن اگر وہ دوبارہ گناہ کرے تو وہ داغ بڑھتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ داغ اُس کے پورے قلب پر چھا جاتا ہے اور قلب سیاہ ہو جاتا ہے اور اس کی بداعمالی اُس پر مسلط ہو جاتی ہے۔ اُس کی نشانی ضد، تعصب، گستاخی و غرور ہوتی ہے۔ یا اللہ میں تیری پناہ مانگتا ہوں ان خرابیوں سے ملکوتی اور شیطانی تصورات میں وہ بندہ فرق محسوس کر سکتا ہے جو مندرجہ ذیل چار باتوں سے محفوظ کر دیا جائے پہلی یہ کہ بندۂ مومن کو نفسِ امارہ کی کمزوری یا نفس کی صفات و عادات کا پتہ ہونا چاہیئے۔ جو ان سے ناواقف رہا وہ کبھی اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے۔ دوم یہ کہ تقوے کے احوال کو جانے اور دنیوی خواہشات کو پہچانے جس نے یہ نہ جانا نہ پہچانا۔ وہ بھی محفوظ نہیں۔ سوم یہ کہ۔ دنیا و آخرت کی محبت میں امتیاز و تشانات جانتا ہو۔ جو شخص دنیا اور اُس کے جاہ و مال کی محبت میں ڈالا گیا۔ وہ بھی محفوظ نہ رہا۔ چہارم یہ کہ لوگوں میں قلبی عزت و احترام کا مقام حاصل کیا جائے اس کے لیے خوفِ الٰہی شرط ہے۔ عزت دو قسم کی ہے ۱۔ عزتِ قلبی ۲۔ عزت جسدی، عزتِ قلبی اہلِ ایمان کو ملتی ہے اور عزتِ جسدی دنیا دار کو ملتی ہے یہ چار دولتیں حجابات کو دور کر دیتی ہیں۔ لیکن اگر روزی حرام ہو اور اس شخص نے اپنی رضا و رغبت سے اس قسم کی روزی حاصل کی ہو تو اُس کی

marfat.com

یہ روزی ہی اُس کے ہر معاملے میں حجاب کا باعث بن سکتی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ شیطان جب کسی شخص کو کسی لغزش کی طرف آمادہ کرتا ہے اور وہ بندہ شیطان کی بات نہ مانے تو بھی شیطان اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا بلکہ دوسرا وسوسہ ڈالتا ہے اور پھر بھی نہ مانے تو بدل بدل کر وسوسے ڈالتا ہے کیونکہ شیطان کا مقصد وسوسے کی تخصیص نہیں بلکہ اصل مقصد بھٹکانا گمراہ کرنا ہے وہ کسی طریقے سے بھی ہو۔ اصلاً محفوظ وہی بندہ رہ سکتا ہے جو دامنِ نبوت اور پناہِ رسالت میں آگیا یہ عظیم خوش قسمتی ہے بزرگ فرماتے ہیں کہ توحید کے نور سے حقانی واردات کا استقبال کیا جاتا ہے اور نورِ معرفت سے خیالاتِ ملکوتی کا استقبال ہوتا ہے۔ نورِ ایمان سے نفس کو روکا جاتا ہے اور نورِ اسلام سے دشمنِ ازلی کو لوٹا جاتا ہے۔ اے بندۂ طالب ان چار نوروں کو حاصل کرنے کی ہمت کر۔ کہ یہی دنیا میں مقام ابراہیم ہے اِس کو اپنی ہر عبادت کا مُصَلّٰہ بنا لے۔ اور آخرت کا مقامِ محمود بھی یہی چار نور ہیں۔ یعنی نورِ توحید، نورِ معرفت، نورِ ایمان، نورِ اسلام، جو شخص ان حقائق سے ناواقف ہے گمراہ ہونا چاہتا ہے توراہِ معرفت میں دو قدم چلنا چاہیئے۔ پہلا قدم معیارِ شریعت پر اپنے ہر قول و فعل کو جانچے نوافل و فرائض پر عمل کرے دوسرا قدم پرہیز کا کہ حرام بلکہ مکروہ سے بھی پرہیز کرے مگر دونوں قدموں سے پہلے خواہشاتِ نفسانی کی مخالفت پر کمربستہ قیام ہمت ضروری ہے کیونکہ ہمت کا ہتھوڑا دنیوی بتوں کو توڑ پھوڑ کر سکتا ہے۔ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ۔

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ

سب نے کہا لہٰذا	پکڑ لاؤ	اُس کو	سامنے	قریب	ان	لوگوں	کے	
بولے	تو	اسے		لوگوں	کے	سامنے	لاؤ	شاید

لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ ﴿٦١﴾ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ

شاید یہ گواہ	بن جائیں		جھڑکتے ہوئے	کہا انہوں نے	کیا تونے کرہی دیا یہ کام
وہ گواہی	دیں		بولے	کیا تم نے	ہمارے

marfat.com

هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ ﴿۶۲﴾ؕ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ

ہمارے معبودوں کے ساتھ اے ابراہیم ۔ فرمایا بلکہ کیا ہو اس کو ان کے

خداؤں کے ساتھ یہ کام کیا اے ابراہیم ۔ فرمایا بلکہ ان کے اس

كَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۳﴾

اس بڑے نے تو ان سے ہی پوچھ لو اگر یہ بولتے ہیں۔

بڑے نے کیا ہوگا۔ تو ان سے پوچھو اگر یہ بولتے ہوں

فَرَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْۤا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ

تب مائل ہوئے وہ سب اپنے آپس میں ایک دوسرے کی طرف تو بولے یقیناً تم سب خود ہی اپنے پر

تو اپنے جی کی طرف پلٹے اور بولے بے شک تم ہی

الظّٰلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾ۙ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ ۚ

ظلم کرنے والے ہو۔ پھر الٹائے گئے اپنی بدعقلیوں پر

ستمگار ہو۔ پھر اپنے سروں کے بل اوندھائے گئے

لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ ﴿۶۵﴾

کہ البتہ تو نے پہلے سے جان ہی رکھا ہے کہ یہ بول نہیں سکتے۔

کہ تمہیں خوب معلوم ہے یہ بولتے نہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں قوم ابراہیم کا ابراہیم علیہ السلام پر بت توڑنے کا الزام لگانے کا ذکر ہوا اب

marfat.com

اِن آیت میں اس الزام کو ثابت کرنے کی کاروائی کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اتنے مخالفین اور دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود نڈر ہوکر فرمایا تھا کہ میں تمہاری ان مٹی کی مورتیوں بے جان چھوٹے معبودوں کا برا حال کروں گا اب ان آیت میں نہایت بہادری سے تمام قوم اور اُن کے بتوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے غور طلب جواب دینے کا ذکر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافر قوم کا اپنے بتوں کی ٹوٹ پھوٹ دیکھ کر غصے اور غضبناک ہونے کا ذکر تھا اب اِن آیت میں ذکر ہے کہ حضرت ابراہیم کا جواب سن کر قوم کسطرح شرمندہ اور ندامت سے واپس لوٹ گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو کچھ کہنے کی جرأت نہ کرسکی۔

تفسیر نحوی

قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۔ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ۔ قَالُوْا فعل ماضی مطلق باب نصر اس کا فاعل ھُم ضمیر صیغہ جمع مرجع ہے قوم کے سرکردہ افراد یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ف تعلیلیہ بمعنیٰ لہٰذا اِئْتُوا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اَتٰی سے بنا یہ لازم ہے بمعنیٰ آنا اس کا مصدر ہے اِتْیَانٌ یہ متعدی ہے بمعنیٰ لانا یہاں دو ہمزہ جمع تھی باب افعال کی اور مادہ کی ف کلمہ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے قوم کے وہ افراد جنہوں نے حضرت ابراہیم کا لَاَكِيْدَنَّ والا قسمیہ اعلان سنا تھا ب حرف جر متعدی کے لیے ہ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے عَلٰی جارہ بمعنیٰ عِنْدَ یعنی ظاہر ظہور سب کے سامنے (قریب نزدیک) اَعْيُنِ اسم۔ جمع مکسر منصرف عَیْنٌ واحد ہے مؤنث سماعی ہے بمعنیٰ آنکھوں۔ عَیْنٌ کا لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کے بننے اور خارج ہونے کی جگہ اسی اعتبار سے یہ لفظ چار معنیٰ میں مشترک ہے ۱ پانی کا چشمہ ۲ آنکھ یہی یہاں معنیٰ ہے ۳ سورج ۴ گھٹنے کی اندرونی قدرتی چکنی گریس، کیونکہ آنکھ سے روشنی چشمے سے پانی سورج سے دھوپ گھٹنے سے چکناہٹ جاری ہوتی ہے۔ مضاف ہے النَّاسِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ باب سَمِعَ کا فعل مضارع احتمالی۔ جمع مذکر غائب تَشْهَدُ سے مشتق ہے بمعنیٰ گواہی دینا، گواہ بننا۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع قوم کے موجود حاضر لوگ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر ملت ہوئی فائْتُوا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قالوا فعل با فاعل

marfat.com

جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ ہمزہ سوالیہ سوال توبیخی کے لیے اِس سے مقصد ثبوتِ فاعل ہے نہ کہ ثبوتِ فعل یعنی تو نے آخر کر ہی دیا یہ کام۔ اس سوال کی وجہ میں مزید تین قول ہیں ۱ یہ ثبوت نہیں بلکہ صرف سوال یعنی معلومات حاصل کرنا ہے اصلاً ۲ یہ سوال کرنا مراد نہیں بلکہ بطرزِ سوال صرف جھڑکنا مراد ہے ۳ یہ سوال الزام دینے کے لیے ہے اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر حاضر مرجع ابراہیم علیہ السّلام مبتدا ہے۔ فَعَلْتَ بابِ فَتَحَ کا ھٰذَا اسم اشارہ مبنی ہے بحالتِ نصب مفعول بہ ہے بِ جارہ بمعنیٰ مع (ساتھ) اٰلِھَتِنَا جمع ہے اِلٰہ کی آخر کی تَ تانیث کی ہے مگر یہاں ہمیشہ زائدہ ہوتی ہے عربی میں تَ کی آٹھ قسمیں ہیں ۱ قسمیہ ۲ مؤنث لفظ جامد کی ۳ مؤنث صیغے کی ۴ وحدت کی ۵ تَ مصدریہ ۶ نسبت کی ۷ واحد حاضر کی ۸ واحد متکلم کی۔ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے فَعَلْتَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر مبتداء اَنْتَ دونوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جوابِ ندا مقدم ہے یَا حرفِ ندا ابراہیم منادیٰ ندا اپنے منادیٰ اور جوابِ مقدم سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل با فاعل قول ہوا۔ بَلْ حرفِ اضراب برائے اِلزام یعنی مجھ سے کیوں پوچھتے ہو بلکہ خود غور کرو کہ کیا اِس بڑے نے کیا۔ بعض نے کہا یہ اضراب استہزائی ہے یعنی میں نے نہیں تو کیا اس بڑے نے کیا ہے۔ فَعَلَ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق فِعْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کرنا ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے ھٰذَا منصوب متصل ہے مفعول بہ ہے کَبِیْر اسم مشتق صفت مشبہ صیغہ مبالغہ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مجرور متصل مرجع چھوٹے اِلٰہ (بُت) یہ مرکبِ اضافی مشار الیہ مقدم ہے اِس تقدم نے حصر کا فائدہ دیا یا ھٰذَا اسم اشارہ قریب یہ دونوں مل کر فاعل ہے فَعَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ جزائیہ یا عاطفہ تعقیبیہ اِسْئَلُوْا باب فَتَحَ کا امر حاضر معروف۔ جمع مذکر حاضر سُؤَالٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پوچھنا اوّل ہے ہمزۂ اَمر فَ عاطفہ کے اتصال سے ثقل کی وجہ سے گرا دیا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع قوم کے سردار لوگ مخاطب موجود ھُمْ ضمیر منصوب متصل کا مرجع چھوٹے بُت مفعول بہ فَسْئَلُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاءِ مقدم ہے۔ اِنْ حرفِ شرط۔ کَانُوْا فعلِ ناقصہ ماضی مطلق جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم مرجع ہے چھوٹے اِلٰہ یَنْطِقُوْنَ بابِ ضَرَبَ مضارع حال جمع مذکر غائب نُطْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بولنا باتیں کرنا ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَانُوْا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرطِ مؤخر ہوئی دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف ہے بَلْ فَعَلَ پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ بعض نے کہا کہ کَانُوْا یَنْطِقُوْنَ

marfat.com

ایک ہی فعل ماضی استمراری ہے اور مراد ہے پچھلا تجربہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اگر یہ ایک فعل ہوتا تو کَانُوْا کے آخر میں اَلِفِ حشوی نہ ہوتا اس لیے کہ یہ الف آخر میں ہی ہوتا ہے جب کہ کَانُوْ فعل کا جز ہوتا ہے نیز اگر فعل کا کسی بھی اسم سے اتصال ہو جائے تب بھی یہ الفِ حشوی گر جاتا ہے جس طرح فَسْئَلُوْهُمْ میں فَسْئَلُوْا تھا ھُمْ کے اتصال سے الف گر گیا۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ۔ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔ فَ عاطفہ زائدہ تعقیبیہ یعنی عطف نہیں ہے حکایتِ کیفیت کا بیان ہے کہ تعقیب (بعد) میں ایسا ہوا کہ رَجَعُوْا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا واپس ہونا مائل ہونا متوجہ ہونا یہاں یہ ہی مراد ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے قوم کے سردار اِلٰی جارہ اپنے ہی معنی میں (انتہا کے لیے) بمعنی طرف اَنْفُسِ اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے نَفْسٌ یہ اسم جامد دس معنی میں مشترک ہے ۱ ذات ۲ شخصیت ۳ سانس ۴ اپنا آپ یعنی خود ۵ روح ۶ قلب ۷ امارہ ۸ مطمئنہ ۹ عقل ۱۰ نسبت۔ یہاں مراد ہے۔ آپس میں متوجہ ہونا ہِمْ ضمیر کا مرجع تمام قوم والے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے فَ سببیہ ما بعد جملہ قولیہ مسبب ہے ماقبل رَجَعُوْا کا قَالُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اِنَّ حرفِ مشبہ برائے یقین حروف عاملہ میں سے ہے کُمْ ضمیر متصل جمع مذکر حاضر مؤکد متبوع اَنْتُمْ ضمیر منفصل جمع مذکر حاضر تاکید تابع ہے دونوں منصوب ہیں کیونکہ متبوع تابع مل کر اسم ہے اِنَّ کا دونوں کا مرجع اہل قوم ہیں اَلظّٰلِمُوْنَ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ اسم موصول ظَالِمُوْنَ اسم فاعل۔ جمع مذکر بابِ ضَرَبَ کا ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی غلط بات یا غلط کام کرنا۔ بحالتِ رفع ہے کیونکہ خبر ہے اِنَّ کی۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مسبب ہوا رَجَعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا ثُمَّ حرفِ عطف زائدہ یعنی عطف کے لیے نہیں برائے تراخی (کافی دیر) کے لیے نُكِسُوْا بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب ایک قول میں نَكَسُوْا فعل معروف ہے اور ایک قرأت میں نُكِّسُوْا بابِ تفعیل کا ماضی مجہول ہے نَكْسٌ سے مشتق ہے بمعنی سر جھکانا یہاں مراد ہے شرمندگی سے سر جھکانا یا جھک جانا۔ یا جھکایا جانا یہ فعل متعدی بِعَلٰی ہے اور عَلٰی حرفِ جر اپنے معنیٰ میں ہے اردو میں ترجمہ ہے سروں کے بل رُءُوْسِ۔ جمع مکسر منصرف ہے رَأْسٌ کی لغوی ترجمہ ہے اصلی چیز اصطلاحی ترجمہ ہے سر جسمانی وہی یہاں مراد ہے مضاف الیہ ہے ہِمْ ضمیر جمع مذکر مجرور متصل۔ اس لیے کہ مضاف الیہ ہے اور اپنے عامل مضاف سے جڑی ہوئی ہے یہ مرکب اضافی

marfat.com

مجرور ہو کر متعلق ہے لام کے برائے تاکیدِ بیانی کے لیے یا لام تعلیلیہ ہے قَدْ عَلِمْتَ باب سَمِعَ کا فعل ماضی قریب واحد مذکر حاضر ضمیر صیغہ فاعل کا مرجع ابراہیم ہیں مَا حرفِ نافیہ مشبہ بلیس هٰؤُلَاءِ اسم مبنی اصل بحالتِ ضمۃ کیونکہ اسم ہے مانافیہ کا یہ اسم اشارہ جمع قریبی کے لیے ہوتا ہے یہاں مشار الیہ ذہنی ہے مراد ہیں آلِهَتَنَا يَنْطِقُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع بمعنیٰ حال نُطْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بولنا باتیں کرنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مرجع آلہہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مانافیہ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے قَدْ عَلِمْتَ کا یہاں عَلِمْتَ متعدی بیک مفعول ہے قد علمت سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بیان وضاحتی ہوا یا معلول ہے نُكِسُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ قَالُوْٓا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰٓاِبْرٰهِيْمُ۔ جب نمرود اور اُس کے درباری علماء نے یہ سنا کہ ابراہیم نام کا ایک نوجوان ہمارے دین و مذہب اور بتوں کی ہر دم برائی کرتا رہتا ہے اور ایک دن اُس نے اپنی برادری کے چند بڑوں کے سامنے یہ کہا بھی تھا کہ میں تمہارے بتوں سے کوئی چال چلوں گا یہ باتیں سن کر نمرود اور درباریوں نے یہ خبر سنانے والوں سے کہا کہ فوراً ابھی ابھی جہاں ملے اسے گرفتار کر کے پکڑ کر لے آؤ، تب وہ خبر دینے والے خود گئے یا اس خیال سے پولیس کے چند سپاہیوں کو بھی بھیجا گیا مبادا ابراہیم نہ آئے انکار کرے یا بھاگ جائے۔ جب وہ ابراہیم علیہ السّلام کو بلانے گئے اور بتایا کہ نمرود اس لیے بلا رہا ہے آپ تو پہلے ہی تیار بیٹھے تھے آپ نے یہ کام چھپنے یا بھاگنے کے لیے نہ کیا تھا نمرود کی طرف سے گرفتاری کا یہ حکم اس لیے تھا کہ فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰٓى اَعْيُنِ النَّاسِ تاکہ اس مجرم کو تمام لوگوں کے سامنے حاضر کیا جائے اور وہ اس مجرم کے اقرارِ جرم یا پھر کسی چشم دید گواہی کے بیان سے ثبوتِ جرم کے گواہ بن جائیں اور پھر گواہیوں کے بعد ہم جرم کی سزا سنائیں اور کوئی شخص یا خود مجرم ہمارے اس عدالتی فیصلے پر ظلم اور ظالمانہ کاروائی کا اتہام نہ لگا سکے۔ اور دیگر موجود لوگ سزا کا مشاہدہ کر کے عبرت پکڑیں اور کوئی شخص پھر اس طرح کی جرأت نہ کر سکے نمرود نے تو برسرِ عام مظاہرہ مکالمہ کرا کے اپنی عقلمندی سمجھی کہ ابراہیم علیہ السّلام کی رسوائی ہو گی مگر ابراہیم علیہ السّلام چاہتے ہی یہ تھے کہ اس بات کی تحقیق و تفتیش کھلے عام ہو تاکہ آپ کو بھی بتوں کی کمزوری اور ان سب بُت پرستوں کی جہالت و حماقت کے برملا اظہار کا موقعہ ملے جس طرح فرعون نے حضرتِ موسیٰ علیہ السلام

marfat.com

کے مقابلے میں بڑا مجمع بلا کر اپنی ہی اور اپنے دین کی ذلت و رسوائی کا سامان جمع کیا تھا اسی طرح نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے پوچھ گچھ کے لیے علاقہ کے لوگوں کو برسرِ عام جمع کر کے اپنی ہی ذلت اور اپنے دین کی رسوائی کا گویا انتظام اور مظاہرہ کر لیا، اور جس طرح فرعونیوں کو اپنی یقینی کامیابی اور حیثیت کا غرور تھا اسی طرح نمرود اور نمرودیوں کو بھی ابراہیم علیہ السلام کے لاجواب ہو کر یا شاہی رعب سے خوف زدہ ہو کر اقرار جرم کر لینے کا یقین تھا اسی لیے بڑے فاخرانہ متکبرانہ انداز میں۔ قَالُوْا سب بول پڑے ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا يٰۤاِبْرٰهِيْمُ۔ اے ابراہیم کیا تو نے یہ توڑ پھوڑ کی ہے. ہمارے ان معبودوں کے ساتھ کیا عجیب احمقانہ سوال ہے کہ اُن مورتیوں کو معبود بھی کہہ رہے ہیں اور ایک نوعمر انسان کے ہاتھوں اِن بتوں کے ٹکڑے ٹکڑے ہوتے کے مشاہدے و مظاہرے کا اقرار بھی کر رہے ہیں اور پھر بے عقلی کی اندھی عقیدت بھی لیے پھرتے ہیں، یہی حال آج تک ہر مشرک بت پرست کا ہے اسی حماقت و جہالت کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت دلیری سے دشمنوں میں گھرے ہونے کے باوجود بغیر ڈر خوف کے قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ فرمایا ارے کم عقلو اپنے ان اتنے ڈھیر سارے معبودوں کی اس بربادی کے بارے میں مجھ سے کیا پوچھتے ہو کیا تم کو خود معلوم نہیں ہوتا اور اور کیا حالات بھی یہ نہیں بتا رہے ہیں کہ اِن کے اس بڑے نے ہی اپنے ان چھوٹوں کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے کیا خبر اِس بڑے کو ان چھوٹوں پر کب کا غصہ تھا جو آج اُس نے اُتارا ہو سکتا ہے اس بڑے کو یہ غصہ ہو کہ ان چھوٹوں کو میری پوجا پاٹ میں کیوں شریک بنایا جاتا ہے۔ اے کافرو ذرا یہ سوچو تو سہی کہ جب اِس چھوٹے معبودوں کو اپنے شریک پسند نہیں اور اِن کو توڑ پھوڑ کر رکھدیا تو حقیقی خالق رازق مالک تعالیٰ کو تمہاری احمقانہ بناوٹی شرک بازی کب پسند ہوگی اور اُس کریم خلاقِ کائنات کے علم کا اندازہ لگاؤ کہ تم سب کو ڈھیل پر ڈھیل دیئے جا رہا ہے۔ لہٰذا مجھ سے نہ پوچھو بلکہ اپنے عقیدے کے مطابق۔ فَسْئَلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا يَنْطِقُوْنَ ان ٹوٹے پھوٹے اِن نکٹے کان کٹے لولے لنگڑے انہوں سے ہی پوچھو کہ تمہارے ساتھ یہ حال یہ سلوک کس نے کیا ہے۔ اور تم نے اُس کی مار سے اپنے آپ کو بچایا کیوں نہیں یا اگر اس بڑے نے یہ توڑ پھوڑ نہ کی ہے تو پھر اس نے ہی کیوں نہ بچایا۔ اگر یہ معبود بولنے کی ہمت طاقت قوت رکھتے ہیں تو ضرور بتائیں گے لیکن اگر ان میں بولنے کی طاقت نہیں اور یقیناً نہیں تو جو بول نہیں سکتا وہ سن کب سکتا ہے اور جو سن نہیں سکتا وہ اپنی ہی کیا مدد کر سکتا

marfat.com

ہے اور جو اپنی مدد نہیں کرسکتا وہ کسی کی کیا مدد کرسکتا ہے۔ اور اپنے یا اپنے پجاری کے دشمن کا کیا نقصان کرسکتا ہے۔ البتہ تو کائنات ارض وسما کی بڑی قوت کا نام ہے اِن عام فہم باتوں میں غور کرو اپنی عقل کے اندھے نہ بنو۔ جو نہ بول سکے نہ سن سکے نہ خود کو بچا سکے نہ دشمن سے انتقام لے سکے نہ نفع کی قوت نہ ضرر کی طاقت نہ بچنے کی ہمت نہ بچانے کی جرئت کیا ایسا ناکارہ خلائق کسی کا الٰہ ہو سکتا ہے ابراہیم علیہ السلام کا یہ چند لفظی جامع مانع فصیحانہ خطاب سن کر۔ فَرَجَعُوْٓا اِلٰٓی اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوْٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔ پس کچھ دن کے لیے تو اپنی عقلوں کی طرف لوٹے اور آپس میں ایک دوسرے سے بولے کہ بے شک تم خود ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہو کہ ایسا بیوقوفی کا دین بنا لیا اور ایسا لغو بیہودہ کمزور عقیدہ بنائے پھرتے ہو۔ اور الٰہ جیسی قوت طاقت اختیار راز قیت خالقیت مالکیت نافع اور بچا سکنے مٹا سکنے والی ذات وہستی کو اِن کمزور بے بس ناکارہ دستی تراشے خراشے بتوں مورتیوں کے کھلونوں میں موجود سمجھ لیا اور بالکل ہی عقلوں پر پردے پڑ گئے۔ ظالم تو اسے بدمذصبو تم ہو کہ، خدا تراش لیا اور بندگی کر لی اور کہتے یہ ہو کہ مَنْ فَعَلَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَآ اِنَّهٗ لَمِنَ الظّٰلِمِيْنَ، جنے ہمارے معبودوں سے یہ توڑ پھوڑ کا سلوک کیا وہ ہی ظالم ہے حالانکہ وہ تو تمہارا محسن خیر خواہ ہے کہ اس نے تو ان مورتیوں کو توڑ کر تم کو سچا سبق سکھایا، عقل پر پڑے ہوئے پردے پھاڑے دل کے دریچے کھولے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ عملی تبلیغی کارنامہ اور اس پر یہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا کا جرئت مندانہ استدلالی خطاب کوئی معمولی کام نہ تھا بڑے بھاری شاہی مندر کو توڑا تھا۔ چند دنوں کے لیے تو اس بہادرانہ کام نے پورے علاقے میں عجیب ہیبت ناک تھرتھلی سراسیمگی پھیلا دی بڑے بڑے پرانے بت پرست پجاری اپنے مذہب وعقیدے میں مذبذب اور پلپلے ہو گئے عوام میں بہت سے لوگ بتوں سے متنفر ہو گئے شرکیہ دین باطل سے بدعقیدہ اور اقوال ابراہیم کے گرویدہ ہو گئے۔ خود نمرود واہلِ دربار استدلالِ ابراہیمی کے سامنے لاجواب ہو کر آئندہ اپنے مذہب ودین کے لیے کچھ سوچنے پر مجبور ہوئے۔ لیکن پھر جب نمرود کو اپنی نمرودیت اور شاہانہ خدائی کی ساکھ مٹتی عزت لٹتی نظر آئی اور بت تراشوں کو اپنی تجارت گھٹتی۔ بند توں پروھتوں کو اپنے چڑھاووں چندوں کی دیوار گرتی دکھائی دی تو۔ نُكِسُوْا عَلٰی رُءُوْسِهِمْ اوندھا دیے اُلٹا دیے گئے اپنے سروں کے۔ بُرے دماغوں کے بل۔ نفسِ امارہ کے پھندوں

marfat.com

ابلیسی نزغوں شیطانی وسوسوں کی وجہ سے، تو نمرود نے اپنے اہلِ دربار وزیری عملے نثر. بری مشیروں کے زمرے کی مجلسِ مشاورت بلائی اور طے پایا کہ ابراہیم سے پھر بات کی جائے اور اس کو سزا سخت دینے اپنی عزت بچانے. بھٹکے لوگوں کو خوفناک عبرت دلانے کے لیے راہ ہموار کی جائے تو پھر بلایا گیا اور ابراہیم علیہ السّلام سے اُن ضدی احمقوں نے کہا. لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰۤؤُلَآءِ یَنْطِقُوْنَ. اے ابراہیم تو نے اُس دن ہم سبکو کتنا بے وقوف اور کس طرح پاگل بنا لیا ہم کو اپنی باتوں سے مبہوت کر دیا حالانکہ تو خود جانتا ہے سمجھتا ہے کہ یہ الٰہ اور بت تو بول سکتے ہی نہیں ہم ان سے کیا پوچھتے اور یہ ہم کو کیا بتاتے. اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ تاکہ وہ گواہی دیں ابراہیم کے اس قول یَذْكُرُهُمْ کی یعنی ابراہیم ہمارے سامنے بتوں کی برائی کرتا تھا. ایک قول یہ کہ گواہی سے مراد توڑ پھوڑ کے عمل کی گواہی دینا ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مندر میں توڑ پھوڑ کی تھی تو کوئی دیکھنے والا نہ تھا. تیسرا قول یہ کہ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ کا معنیٰ گواہی دینا نہیں بلکہ مشاہدہ کرنا ہے یعنی تاکہ عام لوگ مشاہدہ کریں ابراہیم کے اقرارِ جرم اور ہماری تجویز کردہ عبرتناک سزا کا اور عبرت پکڑیں اور کوئی شخص پھر کبھی اس طرح کی جرأت نہ کرے. ۲ ءَاَنْتَ فَعَلْتَ. میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ ہمزہ اقرارِ فاعل کے لیے ہے اور معنیٰ ہے کہ کیا تو نے کیا ہے یہ کام اے ابراہیم. دوسرا قول یہ کہ ہمزہ اقرارِ مفعول کے لیے ہے تب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے ابراہیم تو نے یہ کام بھی کر دیا زبانی تو بتوں کی برائیاں کرتا ہی رہتا تھا اب تیری اتنی جرأت بڑھ گئی ہے ۳ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِیْرُهُمْ هٰذَا میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس کا ترجمہ ہے بلکہ اِن کے اس بڑے بُت نے یہ کام کیا ہے. دوم یہ کہ اس کا ترجمہ اس طرح ہے بلکہ کیا ہے اس کام کو ان کے کسی بڑے ہمت والے آدمی نے کیونکہ عام آدمی بھی تمہارے ان اِلٰہوں سے بڑا ہے. سوم یہ کہ بلکہ مشاہدے سے تو یہی معلوم ہو رہا ہے کہ اِن کے اس بڑے بُت نے یہ کام کیا ہے کیونکہ اس کے کندھے پر ہتھوڑا ہے اس قول میں یہ عبارت سوالیہ ہے. پہلے قول میں خبر یہ ہے. چوتھا یہ کہ بلکہ کیا تو ہے جس نے بھی کیا ہے. ان کا بڑا تو یہ ہے خود اِن بتوں سے پوچھ لو اگر یہ بول سکتے ہوں مجھ سے کیوں پوچھتے ہو ۴ فَرَجَعُوْٓا میں دو قول ہیں. ایک یہ کہ پس رجوع کیا انہوں نے اپنی عقلِ سلیم کی طرف دوم یہ کہ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ پس لوٹے اور اپنے مشیروں کے نئے مشوروں کی طرف آپس میں گفتگو

marfat.com

یا ایک دوسرے کو بھی لعن طعن کرکے اور متفکر ہوئے اپنے پرانے آبائی دین کے بارے میں
۵ اَنۡتُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۔ کی تفسیر میں چار قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنی ہے تم ہی ظالم ہو بت پرستی
کی حماقت کرکے دوم یہ کہ تم ابراہیم کو اِنَّہٗ لَمِنَ الظّٰلِمِیۡنَ کہہ کر خود ہی ظالم ہو سوم یہ کہ تم ہی ظالم
ہو چار حماقتیں کرکے ، اوّلاً تم نے ابراہیم کو بر سر عام بلانے کی حماقت کی پھر اُس کی دلیلوں کے
سامنے تم سب لاجواب اور خاموش ہو گئے ۔ پھر تیسری حماقت یہ کہ تم عوام کے سامنے ذلیل و
شرمندہ ہوئے چوتھی حماقت یہ ہوئی کہ تمہاری ان حرکتوں سے عوام تمہارے دین سے مذبذب
ہوئے ۔ چہارم قول یہ ہے کہ تم اپنے الٰہوں کی حفاظت نہ کرکے ظالم ہوئے نُکِسُوۡا ۔ کی قرأت
میں چار قول ہیں ۱ ثُمَّ نُکِسُوۡا یہ ہی مشہور قرأت ہے ۲ ثُمَّ نَکَسُوۡا ۳ ثُمَّ نُکِّسُوۡا
۴ ثُمَّ نُکِسُوۡا ۔

فائدے ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں ۔ پہلا فائدہ ۔ ایمان صرف سوچ فکر
یا تفکر اور ندامت کا نام نہیں بلکہ سچے باطنیت دار ارادے سے اقرارِ لسانی و تصدیق
قلبی سابقہ کفریات سے توبہ کا نام ہے یہ فائدہ فَرَجَعُوۡۤا اِلٰۤی اَنۡفُسِہِمۡ (الخ) سے حاصل
ہوا کہ وہ قوم ابراہیمی کے کافرین و مشرکین ابراہیم علیہ السّلام کا مدلّل و مضبوط خطاب سن کر لاجواب
اور شرمندہ ہو گئے اور پھر سوچ و تفکر سے اپنے دین کو غلط بھی سمجھ لیا مگر پھر بھی اُن کو مومن ایک
آن کے لیے بھی نہ فرمایا گیا ۔ اور کفر کو غلط سمجھنا درپردہ دین ابراہیمی کی تائید تھی مگر درپردہ
حق کی تائید کرنا ایمان لانا نہیں ۔ ایمان لانے کی تو وہی شرطیں ہیں جو اوپر بیان ہوئیں کہ
برملا کفر سے توبہ اور سچے دین کا اقرار و تصدیق ہو ۔ دوسرا فائدہ ۔ ہر مرتد تو کافر ہوتا
ہے مگر ہر کافر مرتد نہیں ہوتا مرتد وہ ہوتا ہے جو پہلے صحیح طریقے سے مومن بنے اور اپنے
سچے دین و ایمان کا اظہار کرے ۔ اُس کے قول و عمل سے اس کا ایمان مشہور ہو ۔ پھر وہ بدبخت
ایمان کو چھوڑ کر کفر اختیار کرے اور کفر کو اپنے قول یا عمل سے ظاہر کرے یہ فائدہ ثُمَّ
نُکِسُوۡا عَلٰی رُءُوۡسِہِمۡ سے حاصل ہوا کہ اُن کفار ان قوم ابراہیمی کے اس ثُمَّ نُکِسُوۡا
کو مرتد ہونا نہ فرمایا گیا ۔ نہ اس کو ارتداد قرار دیا گیا ۔ لہٰذا مرزائی قادیانی اور لاہوری کھلے ابتدائی
کافر ہیں ان کو مرتد نہیں کہا جا سکتا ۔ ان کا کلمہ نماز پڑھنا بھی ان کو کفر سے نہیں بچا سکتا
تیسرا فائدہ ۔ کیسے ہی حالات اور کتنا ہی مخالفانہ ماحول کیوں نہ ہو سچائی کی خوشبو
دشمن کے دماغ تک بھی پہنچ ہی جاتی ہے اور جانی دشمن بھی اعترافِ حقیقت پر مجبور ہو

marfat.com

جاتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ کے قول سے حاصل ہوا کہ وہ کافر جو چند منٹ پہلے بڑے جوش سے ابراہیم علیہ السلام یا بت شکن کو ظالم کہہ رہے تھے اب خود اپنے آپ کو ظالم کہہ رہے ہیں اور توڑنے پھوڑنے والے کی نسبت ظلم کا انکار کر رہے ہیں کیونکہ اِنَّكُمْ اَنْتُمْ کی تکرار ضمیری سے حصر ثابت ہوا اور حصر سے اپنی طرف ظلم کا ثبوت اور دوسری طرف ظلم کی نفی ہوتی ہے معنیٰ یہ ہے کہ ابراہیم ظالم نہیں ہے تم خود بت پرست ہی ظالم ہو۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ حقوق العباد میں سب سے بڑا اور اہم حق عدل و انصاف ہے اور عدل و انصاف کرنے کا عمدہ طریقہ مکمل طریقے سے حالات واقعات کی چھان بین تحقیق و تفتیش اور گواہیاں حاصل کرنا ہے۔ بغیر تحقیق یکطرف فیصلہ کر دینا ظلم ہے عدل و انصاف نہیں۔ یہ مسئلہ لَعَلَّهُمْ يَشْهَدُوْنَ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا کہ دیکھو نمرود جیسے ظالم جابر بادشاہ نے اس موقعہ پر گواہی لینے کا اہتمام کیا تاکہ اس کو اور فیصلے کو کوئی بھی شخص ظالمانہ کاروائی نہ کہے اور تاریخ اس کو انصاف پسند بادشاہوں میں شامل کرے۔ دوسرا مسئلہ۔ کلام و خطاب کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ کلام اور بات صاف و صریح یعنی جو الفاظ ہوں وہی اس کے معنیٰ مراد ہوں ظاہر و باطن یکساں ہو۔ دوم یہ کہ کلام کنایہ ہو کہ الفاظ ایسے بولے جائیں جس کے دو معنیٰ بن سکتے ہوں۔ کلام کنایہ کی پھر دو قسمیں ہیں ۱ مستقر ۲ توریہ۔ مستقر کلام یہ ہے کہ دو معنیٰ والے الفاظ کا ایک معنیٰ مراد لیا جائے یا ایک مراد نہ لیا جائے اس میں متکلم کی نیت پر دار و مدار ہے۔ اور کلام توریہ یہ ہے کہ ظاہراً وہ کلام جھوٹ اور کذب نظر آتا ہے مگر متکلم کی مراد جھوٹ نہ ہو بلکہ وہ اپنی نیت میں دوسرے معنیٰ کو لے رہا ہے۔ یہ لفظاً ظاہراً اگرچہ ہر طرح جھوٹ معلوم ہو رہا ہو مگر ہر شریعت میں جائز رہا ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں بھی اس قسم کا جھوٹ جائز ہے۔ یہ مسئلہ بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ سے مستنبط ہوا دیکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ یہ توڑ پھوڑ اس ان کے بڑے نے کی ہے۔ ظاہراً ہر طرح جھوٹ ہے اور اس کو ہر لغت میں جھوٹ ہی کہا جائے گا مگر شرعاً جائز ہے گناہ نہیں اس لیے کہ کلام کنایہ توریہ ہے اور آپ نے یہ کلام قوم کے سامنے اس انداز میں فرمایا کہ قوم بھی آپ کے کلام کی نوعیت سمجھ گئی اسی لیے کسی نے کذب بیانی کا اتہام نہ لگایا بلکہ اپنی حماقت دین پر نادم و شرمندہ ہوئے آپ کا یہ انداز توریہ۔ اگلے کلام فَاسْئَلُوْهُمْ سے ظاہر ہوا۔ اسی لیے سب کفار خاموش

marfat.com

بلکہ شرمندہ ہو گئے۔ تیسرا مسئلہ۔ کسی مناظرے یا مکالمہ میں مدِمقابل شکست کھا کر اگر تھوڑی دیر کے لیے آپ کو یا اپنے باطل دین کو غلط بھی کہدے تب بھی اس کو حق پسند یا حقانیت پر ایمان لانے والا نہیں جا سکتا، اس لیے کہ یہ شکست کی گھبراہٹ کا اثر ہوتا ہے۔ جو صرف وقتی ہے نہ شریعت کے احکام اس پر جاری ہوں گے۔ ایک آریہ پنڈت نے ایک مناظرہ میں حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے شکست کھا کر اسلام کی حقانیت کو تسلیم کر لیا اور یہاں تک کہ عَلَی الْاِعْلَان اسٹیج پر ہی کہدیا کہ اسلام کو سچا سمجھتا ہوں اپنے دین کو غلط اور کمزور سمجھ گیا ہوں۔ مگر اس کو مسلمان نہ کہا گیا نہ اس پر اسلامی احکام نافذ ہوئے یہ مسئلہ فَرَجَعُوْۤا (الخ) اور اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا کہ کفار قوم کے پوچھنے پر حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے فرمایا بَلْ فَعَلَهٗ ۖ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا۔ یعنی یہ توڑ پھوڑ ان کے اس بڑے بُت نے کی ہے۔ یہ تو سراسر جھوٹ تھا اور جھوٹ بولنا گناہِ کبیرہ ہے حالانکہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہر صغیرہ کبیرہ گناہ سے معصوم ہوتے ہیں اور معصوم بندہ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتا جیسا کہ علماءِ اصول فرماتے ہیں۔ حدیث پاک میں بھی آتا ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنی زندگی میں تین جھوٹ بولے۔ ایک یہی بَلْ فَعَلَهٗ كَبِيْرُهُمْ دوم۔ اِنِّيْ سَقِيْمٌ۔ سوم سارہ بیوی کو اپنی بہن کہنا۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب بَدْءُ الْخَلْقِ وَ ذِكْرُ الْاَنْبِيَا فصل اول صفحہ ۵۰۶ پر بحوالہ بخاری مسلم۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے الفاظ سے یہ ہی بات لکھی ہے کہ ابراہیم علیہ السّلام نے تین جھوٹ بولے تمام مفسرین بھی یہ ہی لکھتے ہیں مگر ایک اردو کے مشہور وہابی مفسر اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ یہ حدیث بخاری اور مسلم جیسی صحاح ستہ کی کتب میں ہے اور سند بھی بالکل درست ہے مگر میں اس کے متن یعنی الفاظِ حدیث کو صحیح نہیں مانتا اور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا کہ نبی پاک صَلَّى اللّٰہ علیہ وسلم نے ابراہیم علیہ السّلام کی طرف تین جھوٹ منسوب کئے ہوں۔ اسی قسم کی روایتوں حدیثوں سے منکرین حدیث کو انکار احادیث کا موقعہ ملتا ہے۔ فرمایا جائے کہ کونسی بات درست ہے دیگر مفسرین کی یا اس دور کے ان اردو مفسر صاحب کی۔ جواب۔ گذشتہ سابقہ جمہور مفسرین کی بات درست ان مفسر صاحب کی بات اور موقف غلط ہے اگرچہ نیت درست ہے۔ اگر یہ نقصان دہ رواج پڑ جائے کہ جو حدیث اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے سمجھ نہ آئے تو جھٹ سے اس کا انکار کر دیا

marfat.com

جائے تو پھر قرآنِ مجید کی بعض آیات کے ساتھ بھی یہ سلوک کوئی کر سکتا ہے اور کفر سے دامن بھر سکتا ہے۔ اسی طرح اپنی کم عقلی اور جہالت و ناسمجھی کی بنا پر منکرینِ حدیث چکڑالوی اور پرویزی بہت سی احادیثِ مقدسہ کا انکار کرتے چلے جاتے ہیں۔ اِن مفسر صاحب نے بھی اس ایک حدیثِ مبارکہ کا انکار کر کے منکرینِ حدیث کا ہی وطیرہ و طریقہ اختیار کر لیا۔ منکرین حدیث بھی یہ ہی کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بات نبی کریم نہیں کہہ سکتے وہ بات نہیں کہہ سکتے وغیرہ۔ بلکہ قرآنِ مجید کے منکرین کفار بھی اسی طرح کہتے ہیں کہ یہ بات اللہ تعالیٰ نہیں فرما سکتا وہ بات نہیں فرما سکتا۔ دیکھو آریہ ھندو کی کتاب ستیارتھ پرکاش۔ اور آریہ پرچار۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ جس طرح آیتِ قرآنی کا انکار رب تعالیٰ کا انکار ہے اسی طرح سنداً صحیح حدیث کا انکار بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور فرمانِ نبوت کا انکار ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اپنے تدبر، تفکر، فہم و فراست، عقل و شعور سے حدیث مقدسہ کو صحیح سمجھا جاتا اور مطابقت پیدا کی جاتی انکار کرتے چلے جانا تو بڑا آسان ہے ہر جاہل ہر صداقت و حقیقت کا انکار کر سکتا ہے مفسر مذکور نے بھی حدیث پاک پر تدبر نہ کیا۔ اہلِ عرب کی اصطلاحات معروفات و رواجات کو نہ جانا بس لفظِ کذب کا ایک ہی پہلو دیکھ لیا کہ کذب گناہ ہوتا ہے۔ حالانکہ عربی لغوی اصطلاحات میں لفظ کذب بہت معنیٰ میں مستعمل ہے۔ اور اُن کے شرعی حکم بھی علیحدہ ہیں یہ ہماری اردو کی تنگ دامنی ہے کہ ہم ہر کذب کا ترجمہ جھوٹ کر دیتے ہیں حالانکہ عربی لغت میں ایسا نہیں۔ بہت سے کذبیات جھوٹ نہیں اور جو کذب ہمارے جھوٹ کے معیار کا نہیں وہ کذب گناہ بھی نہیں۔ اب اِس کی وضاحت اس طرح ہے کہ کذب اہلِ عرب کے نزدیک پانچ معنیٰ میں مشترک ہے اور بولنے کے اعتبار سے کذب کی چار قسمیں ہیں چنانچہ لغت کی مشہور و معتبر کتاب مجمع البحار جلد سوم پر ص۲۰ لکھا ہے کہ کذب بمعنیٰ تعجب ۱ ۲ کذب کا معنیٰ جُبن یعنی بزدلی کذب ۳ بمعنیٰ خطاء ۴ کذب بمعنیٰ تعریض یعنی اندازے سے ایسی چیز یا بات کے ہونے کا ذکر کرنا جو ابھی فی الواقعہ نہ ہو ۵ کذب بمعنیٰ جھوٹ یعنی سچائی کے خلاف جانتے بوجھتے کوئی غلط بات کرنا۔ ان معانی کے اعتبار سے کذب چار اقسام میں منقسم ہوتا ہے ۱ کذب مقابل صداقت یہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور اسی کا بولنا گناہِ کبیرہ یہ انبیاء علیہم السلام سے محال ہے ۲ کذب استہزائی ۳ کذبِ تعریض ۴ کذب توریہ۔ یہ تین قسمیں جملہ انشائیہ ہوتی ہیں ان میں جھوٹ کا احتمال یا شائبہ نہیں ان کا بولنا گناہ نہیں بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہو جاتا ہے۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۰۶ پر حدیثِ پاک میں ابراہیم

marfat.com

علیہ السلام کے جن تین کذبوں کا ذکر ان میں پہلا کذبِ تعریض ہے کہ آپ نے فرمایا اِنِّی سَقِیْمٌ یعنی اندازہ ہے کہ میں بیمار ہوں یا ہو جاؤں گا یہ آپ نے ستاروں یا آسمان کی طرف دیکھ کر قوم کے نجومیاتی عقیدے اور مومیاتی مسلک کی وجہ سے فرمایا قوم اِسی وہمی عقیدے میں بری طرح مبتلا تھی۔ دوسرا قول بَلْ فَعَلَهٗ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا۔ یہ کذبِ استہزائی ہے۔ تیسرا قول جس کا ذکر اسی حدیث پاک میں ملتا ہے کہ جابر ظالم مجوسی بادشاہ سے عزت و آبرو کے خوف سے اپنی بیوی کو اُختی دمیری بہن ہے، کہنا یہ کذب توریہ تھا کہ آپ نے ایمان کو مدِّنظر رکھتے ہوئے ان کو ایمانی بہن کہا اور یہ تینوں کذب شرعًا گناہ نہیں پہلے دو تو اس لیے کہ جملہ انشائیہ ہیں اور تیسرا اُختی کہنا اس لیے کہ جو معنی ابراہیم علیہ السلام نے مراد لیے وہ اپنی جگہ سچ اور ایک حقیقت ہے کیونکہ کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَةٌ۔ تمام مومن بہن بھائی ہیں۔ اس لیے یہ تینوں اگرچہ بقولِ حدیثِ پاک کذب ہیں مگر گناہ نہیں شرعًا جائز ہیں۔ اس لیے حدیث پاک بالکل برحق ہے عصمتِ انبیا پر زد نہیں پڑتی کسی وہابی مفسّر کا انکار کرنا اس کی ذاتی جہالت و نافہمی ہے۔ اُس حدیثِ مقدسہ نے تا قیامت ایک قانون بنا دیا کہ ہر شریعت کی طرح شریعتِ اسلامیہ میں بھی کذبِ تعریض۔ کذبِ توریہ۔ کذبِ استہزا جائز ہے گناہ نہیں نبوت کی زبان ہی شریعتِ الٰہیہ کا قانون ہوتا ہے یعنی ابراہیم علیہ السلام کا بولنا جواز کی دلیل ہے ہم بھی چونکہ ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں اس لیے خاص ابراہیم علیہ السلام کے ان جائز کذبوں کا ذکر فرمایا گیا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ دوسرا اعتراض یہاں لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ کیوں فرمایا گیا گواہی تو پہلے ہی مل چکی ہے جب قوم کے لوگوں نے کہا تھا کہ ابراہیم نام کا ایک جوان ہے جو بتوں کی برائی کرتا پھرتا ہے یہ اسی کا ہی کام لگتا ہے۔ جواب۔ اگر یَشْهَدُوْنَ کا معنی گواہی دینا ہی ہو تب یہ معنی ہے کہ تاکہ یقینی گواہی دیں۔ قَالُوْا سَمِعْنَا فَتًی کہنا مشکوک گواہی ہے لیکن یَشْهَدُوْنَ کا معنی مشاہدہ کرنا بھی کیا گیا ہے۔

تفسیر صوفیانہ قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ عَلٰۤی اَعْیُنِ النَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ قَالُوْۤا ءَاَنْتَ فَعَلْتَ هٰذَا بِاٰلِهَتِنَا یٰۤاِبْرٰهِیْمُ قَالَ بَلْ فَعَلَهٗ ۖ کَبِیْرُهُمْ هٰذَا فَسْـَٔلُوْهُمْ اِنْ كَانُوْا یَنْطِقُوْنَ۔ تب نفوسِ جابرہ وظلمتِ باطلہ نے صوتِ خفی سے پکارا لے آؤ اس دشمنِ ظاہری کو فکرِ ناسوتی کی نگاہوں میں کیونکہ باطل کبھی حق کو پسند نہیں کرتا یہ باطل کا بلانا حق کو یا حق کا قرب حاصل کرنا تائید کے لیے نہیں ہوتا بلکہ لَعَلَّهُمْ یَشْهَدُوْنَ۔ اس لیے تاکہ باطل کے سامنے حق کی کمزوریاں

marfat.com

ظاہر ہوں اور حق کی تردید کا بہانہ حاصل ہو۔ جب کبھی حق و باطل کا سامنا ہوتا ہے تو باطل کا شور بلند ہوتا ہے اور دولتِ دنیا کے پجاری ایمانی شرعی پابندیوں پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں اے عقلِ سلیم اور قلبِ مسعود کیا تو نے ہمارے ناجائز منصوبوں باطل معبودوں کو پامال کیا۔ ہمارا تو سب کچھ دین ایمان عبادت ریاضت یہی دولتِ دنیا ہے دنیا سازی ہی ہمارا الٰہ ہے اس شورِ باطل کے بعد حق کا زور بلند ہوتا ہے کہ مجھ سے نہ پوچھو اپنے ان جھوٹے منصوبوں باطل نظریوں سے پوچھو جنہوں نے تم کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ کیا یہ دنیا کی قوتیں دولتیں حق کے سامنے بول سکتی ہیں، جب موتِ برحق آتی ہے تو سارے منصوبے خاک میں مل جاتے ہیں۔ ہر شور غائب ہر قول باطل ہر فعل خاسر ہو جاتا ہے اور کثرتِ ندامت سے فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ فَقَالُوٓا اِنَّكُمْ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ لَقَدْ عَلِمْتَ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔ اپنے غلط کار ہونے ظلم کا کمانے کا احساس ہو جاتا ہے تو اپنی کوتاہیوں کی طرف پھر کر دیکھتے ہیں اور اپنی شرمندگی ظاہر کرتے ہوئے اقرارِ حالی کر کے کہتے ہیں کہ بے شک اے نفس کے پجاریو تم ہی اپنی دولت پرستی دنیا سازی سے اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے ہو۔ مگر یہ احساسِ ندامت صرف چند ساعتوں کے لیے ہوتا ہے پھر جب لذاتِ دنیا، شہواتِ نفسانیہ کا غلبہ ابھرتا ہے تو نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ شیطٰن وَخنّاس کے وسوسوں سے مغلوب ہو کر انہماکِ دنیا کے دلدلوں میں اوندھا دیئے جاتے ہیں۔ اور حق پر معترض ہوتے ہیں کہ اے قلبِ حقانی تو نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ہم کو ظاہر و خفی کے سامنے رسوا کیا۔ رب تعالیٰ نے عقلِ سلیم تو ہر انسان کو عطا فرمائی ہے مگر فَرَجَعُوٓا اِلٰٓى اَنْفُسِهِمْ کا مظاہرہ معاملہ کوئی کبھی کرتا ہے جو خوش بخت فَرَجَعُوٓا کی رغبت رکھ کر اپنی عقل کی طرف رجوع کرے تو وہ اپنے حال کی اصلاح اور فساد پر خبردار رہتا ہے جس کی وجہ سے ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ کے فتنے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن پھر بھی باوجود عقل کے پہچانتے کے کہ حق کیا ہے اور باطل کیا ہے اور فساد و صلاح میں تمیز کرنے کی طاقت رکھتے کے اگر نور اللہ کی تائید اور توفیق باللہ کی حمایت نہ ہو تب بھی کوئی بندہ اصلاح کے اختیار کرنے کی قدرت اور فساد سے بچنے کی قوت نہیں رکھتا بلکہ جبر و شر کے درمیان مبہوت کھڑا رہتا ہے۔ اور اس کو اس کی کوئی لیاقت و قابلیت فائدہ نہیں دیتی جیسے کہ قومِ نمرود جس نے حق کو پہچان لینے کے باوجود ثُمَّ نُكِسُوْا کی بربادی میں پڑ گئے خوش بخت ہے وہ جو مرشد و ہادی کی ماننے اور مصلح و راہنما کے راہِ رَوِ منزل کی پیروی میں لمحاتِ حیات گزار دے ؎

مگر ایں سعادت بزورِ بازو نیست ؎ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔

marfat.com

قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ

فرمایا کیا پس عبادت کرتے ہو تم اللہ کے غیر کی جو نہ فائدہ دے سکتا ہے تم کو
کہا تو کیا اللہ کے سوا ایسے کو پوجتے ہو جو نہ تمہیں نفع دے

شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ ﴿٦٦﴾ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ

کچھ بھی اور نہ نقصان کر سکتا ہے تمہارا۔ تباہی ہے تمہارے لیے اور اس کے لیے پوجتے ہو تم
اور نہ نقصان پہنچائے۔ تف ہے تم پر اور ان بتوں پر جن کو

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿٦٧﴾ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ

جن کو اللہ کے سوا۔ تو کیا تم بالکل ہی عقل نہیں رکھتے (لاجواب ہو کر) کہنے لگے جلا ڈالو
اللہ کے سوا پوجتے ہو تو کیا تمہیں عقل نہیں۔ بولے ان کو جلا دو

وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٦٨﴾ قُلْنَا

بھسم کر دو اس کو اور امداد کرو اپنے معبودوں کی اگر ہو تم کرنیوالے۔ ہم نے فرما دیا
اور اپنے خداؤں کی مدد کرو اگر تمہیں کرنا ہے۔ ہم نے فرمایا

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ﴿٦٩﴾ لا

کہ اے آگ ہو جا تو ٹھنڈ والی اور سلامتی والی ابراہیم پر۔
اے آگ ہو جا ٹھنڈی اور سلامتی ابراہیم پر۔

وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ ﴿٧٠﴾ ج

اور ارادہ کیا تھا ان سب نے اس کے ساتھ بڑی مکاری کا مگر ہم نے بنا دیا
اور انہوں نے اس کا برا چاہا تو ہم نے انہیں سب سے بڑھ کر زیاں کار کر دیا

marfat.com

وَنَجَّيْنٰهُ وَلُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ

ان کو ناکام اور بچالائے ہم ان کو اور لوط کو اس علاقے کی طرف برکتیں رکھی تھیں

اور ہم نے اُسے اور لوط کو نجات بخشی اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے

بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾

ہم نے جس میں تمام جہانوں کے لیے

جہان والوں کے لیے برکت رکھی

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتوں کی بے بسی پر قوم ابراہیم کی شرمندگی وندامت سے سرنگوں ہونے کا ذکر ہے اب ان آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان کو سچی تعلیم دینے اور حقیقی معبود پر ایمان لاکر آخرت کی شرمندگی وندامت سے بچنے کا طریقہ سکھانے کا ذکر ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں قوم گمراہ وسرکش کا ابراہیم علیہ السلام پر بت شکنی کا مقدمہ چلانے کا ذکر ہوا کہ گواھیاں لاؤ یہ کرو وہ کرو۔ اب ان آیت میں لاجواب وشرمندہ قوم کی انتہائی ہٹ دھرمی کا ذکر ہو رہا ہے کہ بغیر مقدمہ سزا دیدی جائے یعنی شرمندگی سے لاجواب ہوکر بجائے سیدھے راہ پر آنے اور اپنے ہاتھوں سے مزید بت توڑنے باطل دین سے منہ موڑنے کے حق ہی کی مخالفت کرتے ہوئے حضرت ابراہیم کو سزا دے کر اپنی لوٹی پھوٹی نکٹی کانی اندھی لولی لنگڑی مورتیوں کی ہی مدد کرنے کا فیصلہ کیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ اتنے باطل خدا ایک ابراہیم کی مارپیٹ اور ہتھوڑے سے اپنے آپ کو نہ بچا سکے اب ان آیت میں بتایا گیا کہ سچے معبود اللہ تعالیٰ نے ہزاروں دشمنوں کے گھیرے اور ان دشمنوں کی آگ سے اپنے ایک بندے کو بچالیا۔ اور ایک تنہا بندے کا وہ سب مل کر بھی کچھ نہ بگاڑ سکے۔

تفسیر نحوی قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ۔ اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ قَالَ فعل ماضی با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ ا ہمزہ سوالیہ فَ حرف زائدہ

marfat.com

بیانیہ تَعۡبُدُوۡنَ بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر حاضر عَبۡدٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے مِنۡ حرفِ جر زائدہ بیانیہ دونِ اسم مضاف اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے مَا اسم موصول جنسی یعنی افرادِ عام کے لیے ایک ہو یا سب لَا یَنۡفَعُ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع معروف منفی بلاَ واحد مذکر غائب نَفۡعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فائدہ دینا۔ اور فائدہ پہنچانا اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع مَا ہے کُمۡ ضمیر منصوب متصل مفعول بہ اول ہے شَیۡئًا اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ کچھ بھی مفعول بہ دوم ہے لَا یَنۡفَعُکُمۡ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَضُرُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع منفی بِلاَ معروف ضَرَرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نقصان دینا نقصان پہنچانا فاعل ضمیر صیغہ ہے کُمۡ ضمیر جمع مذکر حاضر مفعول بہ یہاں دونوں ضمیروں کا مرجع قوم ابراہیم یعنی نمرودی لوگ ہیں یہ فعل فاعل مفعول ملکر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہوا تَعۡبُدُوۡنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر مقولہ اول ہوا۔ اُفٍّ اسم مفرد جامد اَسمَاءِ اَصوات میں سے ہے لغوی ترجمہ ہے پھونک مارنے کی آواز کی نقل بعض علماء نے اس کو لفظِ تف پر قیاس کر کے اَسمَاءِ افعال بمعنیٰ امر حاضر یا بمعنیٰ ماضی کہا ہے یہ قرآنِ مجید میں صرف تین جگہ آیا ہے (۱) پ ۱۵ سورۃ اَسریٰ (۲) پ ۱۷ سورۃ انبیاء میں یہیں پر (۳) سورۃ احقاف پ ۲۶ میں اصطلاحًا اظہار تنگ دلی اور نفرت کے لیے بولا جاتا ہے دراصل ہے اُفُفٌ دونوں فَ میں ادغام کر کے اُفٍّ بنایا گیا اس کو اُفَّ اور اُفٌّ بھی پڑھا گیا ہے۔ ہر گھناؤنی چیز پر اُفٍّ کا لفظ بول دیا جاتا ہے ایک قول میں کٹے ناخن اُفٌّ ہیں اور ناخنوں کا میل تُفٌّ ہے ایک قول میں ہر ظاہری برائی اور میل کچیل اُفٌّ ہے اور باطنی میل کچیل و برائی تُفٌّ ہے لفظ تُف قرآن مجید میں نہیں آیا۔ یہ مبنی ہے اس میں چھ قرأتیں ہیں (۱) مشہور قرأت اُفٍّ (۲) اُفَّ (۳) اُفِّ (۴) اُفُّ (۵) اُفٌّ (۶) اُفًّا اور سب مبنی بحالتِ رفع فاعل ہے ثَابِتٌ یا وَارِدٌ یا نَازِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا لَکُمۡ جار مجرور معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ لام بمعنیٰ عَلٰی فوقیت کا مَا اسم موصول بمعنیٰ بُت تَعۡبُدُوۡنَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ عَبۡدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے عبادت کرنا یعنی کسی کو معبود سمجھ کر اس کی اطاعت کرنا یا اُس کے آگے سجدہ کرنا۔ مِنۡ حرف جر زائدہ دُوۡنِ اسم نکرہ معرب مضاف ہے۔ لفظ اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مِنۡ سے مجرور ہوکر متعلق ہے تَعۡبُدُوۡنَ کا وہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا دونوں مل کر مجرور ہوئے لام سے یہ جار مجرور معطوف ہے لَکُمۡ پر دونوں مل کر متعلق ہے نَازِلٌ

marfat.com

پوشیدہ کا سب مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہو گیا۔ ایک قول میں یہ سب جملہ انشائیہ اور معنی ہے تباہی ہو تمہارے لیئے۔ اَ۔ ہمزہ سوالیہ فَ عاطفہ زائدہ لَا تَعْقِلُوْنَ باب ضرب کا مضارع منفی یلا جمع مذکر حاضر مخاطب، خطاب ہے قوم (آل نمرود) کو یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ۔ وَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِيْنَ۔ قَالُوْا ماضی جمع مذکر غائب اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے قوم نمرود اہل دربار یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ حَرِّقُوْ باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے تحریق "حَرْقٌ" سے بنا ہے بمعنی جلا ڈالنا۔ باب تفعیل میں آ کر سختی کے معنی پیدا ہوئے یعنی پورا پورا جلا ڈالنا اَنْتُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہٗ ضمیر اس کا مفعول یہ معنی اس کو مراد ہے ابراہیم علیہ السّلام یہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُنْصُرُوْا۔ باب نصر کا امر حاضر معروف جمع مذکر۔ نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مدد کرنا۔ فاعل پوشیدہ ضمیر مرجع ہے دوسرے درباری یا آپس میں سب میٹنگ والے اٰلِهَتَكُمْ۔ مرکب اضافی بمعنی اپنے معبودوں یعنی بتوں کی مفعول بہ ہے۔ یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر جزاءِ مقدم ہوئی اِنْ حرف شرط كُنْتُمْ، فعل ناقصہ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت نصب خبر ہے كُنْتُمْ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر شرط مؤخر ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْنَا۔ قَوْلٌ سے مشتق ہے فعل ماضی نَا ضمیر صیغہ اس کا فاعل دونوں فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر　　قول ہوا یہاں ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ یَا حرف ندا نَارُ اسم مؤنث مفرد جامد بمعنی آگ منادیٰ ہے كُوْنِيْ باب نَصَرَ کا فعل امر ناقصہ حاضر معروف واحد مؤنث حاضر اَنْتِ　　ضمیر صیغہ اس کا اسم بَرْدًا اسم مفرد جامد حاصل مصدر جنسی مذکر و مؤنث دونوں کے لیے ہوتا ہے یہاں مؤنث کے لیے ہے معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ حالیہ سَلٰمًا اسم مبالغہ بروزن گرامًا مصدر سے مبالغہ میں کیا گیا۔ سلام دو قسم کا ہوتا ہے ۱ بمعنی قولی وہ دعا ہے اور بندوں کے کلام میں ہوتا ہے ۲ فعلی یہ رب کے قول میں ہوتا ہے خواہ امر کے لیے ہو یا عطا کے لیے یہاں امر کے لیے ہے یہ معطوف ہے بَرْدًا پر دونوں مل کر خبر ہوئی عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ یہ جار مجرور متعلق ہے كُوْنِيْ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا ہوا۔ یا ندائیہ سب سے مل کر جملہ

marfat.com

ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ واؤ سیر جملہ۔ اَرَادُوْا باب افعال کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے تمام نمرودی لوگ اس کا مصدر اِرْبادٌ اور اِرَادَۃٌ ہے رَیْدٌ یا رَوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دِلی منصوبہ بنانا ب حرف جر بمعنیٰ مع یا بمعنیٰ لام ہٖ ضمیر واحد غائب کا مرجع ابراہیم ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے۔ کَیْدًا اسم مصدر، یہاں جامد حاصل مصدر ہے بمعنیٰ چال بازی دھوکہ فریب چال یہاں بمعنیٰ چال ہے مفعول بہ ہے۔ اَرَادُوْا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ فَ عاطفہ زائدہ ہے یہاں برائے تعقیب ہے۔ جَعَلْنَا باب فتح کا ماضی مطلق جمع متکلم نا مل ضمیر صیغہ مرجع ہے رب تعالیٰ جَعْلٌ سے مشتق بمعنیٰ بنانا، کر ڈالنا، جب یہ مصدر متعدی بدو مفعول ہو تو بمعنیٰ بنانا پھیرنا۔ بدلنا ہوتا ہے اور ہر شخص ہر بندہ بھی اس کا فاعل بن سکتا ہے لیکن جب متعدی بیک مفعول ہو تو بمعنیٰ پیدا کرنا ہوتا ہے اور فاعل صرف اللہ تعالیٰ ہو سکتا ہے ھُمْ ضمیر مفعول بہ اول ہے اَلْاَخْسَرِیْنَ اسم جمع مذکر سالم کثرت اس پر الف لام استغراقی ہے اس کا واحد ہے اَخْسَرُ اسم تفضیل خُسْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھاٹے نقصان والا ہونا۔ ذلیل و شرمندہ و ناکام ہونا۔ یہاں ناکام ہونا مراد ہے بحالت فتحہ ہے مفعول بہ دوم ہے جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا وَنَجَّیْنٰہُ وَلُوْطًا اِلَی الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَکْنَا فِیْھَا لِلْعٰلَمِیْنَ۔ واؤ سیر جملہ بمعنیٰ ثُمَّ نَجَّیْنَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم معروف مثبت۔ اس کا مصدر ہے تَنْجِیَۃٌ اور تَنْجِیَۃٌ بمعنیٰ بچانا، نَجْیٌ سے بنا ہے ناقص یائی ہے اس کا فاعل ضمیر متکلم مرجع اللہ تعالیٰ ہٗ ضمیر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لُوْطًا۔ اسم جامد منصرف مذکر نام حضرت ابراہیم کے بھتیجے اللہ کے نبی کا علیہما السلام معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے اِلٰی جارہ انتہاء غایت کے لیے الف لام حرفی عہد خارجی اَرْض اسم مؤنث لفظی بمعنیٰ علاقہ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول مؤنث کے لیے بٰرَکْنَا۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اس کا مصدر ہے مُبَارَکَۃٌ۔ بَرَکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ غائبانہ زیادتی بڑھوتری۔ فضیلت فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع اَلْاَرْض ہے۔ لام حرف جر نفع کا عٰلَمِیْنَ اسم جمع مذکر سالم معرف باللام ہے اس لیے جمع کثرت ہے بحالت کسرہ ہے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے بَارَکْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ صفت ہوئی ارض کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نَجَّیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ۔ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّکُمْ

marfat.com

اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ - قَالُوْا حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا
اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ - جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ محسوس فرما لیا کہ یہ نمرودی کفار میرے
پیش کردہ دلائلِ توحید کے سامنے عاجز و لاجواب ہو گئے اپنی بت پرستی کو اپنی حماقت جانتے اور اپنے
آپ کو ظالم کہنے کے باوجود کچھ دیر بعد پھر اُسی طرح کفر شرک میں مبتلا بُت پرستی میں مشغول ہو کر انتہائی
ضد و جہالت سے کہہ رہے ہیں کہ ابراہیم تم جانتے ہو کہ یہ بُت بول نہیں سکتے پھر بھی تم ہم سے کہہ
رہے ہو کہ اِن بتوں سے پوچھو تب ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اب بھی تم لوگ اللہ تعالیٰ کی عبادت
کو چھوڑ کر غیر اللہ کی عبادت کر رہے ہو اور تم کو یہ سمجھ نہیں کہ جن کو پوج رہے ہو وہ تم کو ذرہ
بھر نہ نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان کر سکتے خواہ کتنی ہی عبادت کرو ساری عمر ان کی پرستش کرتے
رہو تم کو ذرہ فائدہ نہیں دے سکتے نہ کسی مصیبت سے بچا سکیں اور اگر نہ کرو بلکہ توڑ و پھوڑ دو
تب بھی تمہارا نقصان نہیں کر سکتے نہ تم کو سزا دے سکیں نہ تم سے بچ سکیں چاہے تم ان کے
منکر ہو جاؤ یا اِن سے غافل ہو جاؤ اتنی بات تم بھی سمجھتے ہو پھر بھی عقل نہیں کرتے تف ہے تم پر اور
تمہارے اِن بتوں جھوٹے معبودوں پر اگر اب بھی عقل سے کام نہ لو گے تو بہت جلدی تم کو اور تمہارے
خود ساختہ دستی خداؤں کی ہلاکت ہو گی یہ سب سخت باتیں سن کر نمرود اور اُس کے ساتھی سخت
غصے میں آ گئے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ ابراہیم کو ایسی سزا دی جائے جو سب سزاؤں
سے سخت تر ہو۔ اس میٹنگ میں کسی نے کچھ کہا کسی نے کچھ آخر میں ایک کُردی فارسی عجمی
شخص جس کا نام تاریخوں تفسیروں میں ۱ ضیون ۲ یا ضینوب ۳ یا ھدیر لکھا ہے اُس نے
کہا کہ ابراہیم کو آگ میں جلا ڈالو اِس سزا پر سب متفق ہو گئے اور نمرودیوں نے کہا ہاں یہ
سزا ٹھیک ہے ابراہیم کو آگ میں جلا دو اور اپنے اِن ٹوٹے پھوٹے معبودوں کی مدد کرو
اگر تم ان کی کچھ مدد کرنا چاہتے ہو تو یہ ہی کام کرو بس پھر کیا تھا سب تیار ہو گئے پورے
شہر بابل میں اعلان کر دیا گیا کہ بابل کے قریب کوثی گاؤں میں لکڑیاں جمع کرو اور اپنے بتوں
کو خوش کرو۔ یہ اعلان سن کر ہر مرد عورت بچہ جوان بوڑھا بوڑھی تندرست بیمار بڑی
عقیدت کے ساتھ ہر طرح کی لکڑی جمع کرنے لگے۔ یہاں تک کہ عورتوں نے منتیں مان لیں
کہ اگر ہمارا فلاں کام ہو گیا تو میں ابراہیم کو جلانے کے لیے اتنی لکڑیاں ڈالوں گی۔ بیماروں
نے اپنی شفا کی منت مان لی غریب لوگوں نے لکڑیں خریدنے کے لیے خصوصی مزدوریاں
کیں اور اپنی اُس مزدوری سے لکڑیاں خرید کر ڈالیں کچھ عورتوں نے چرخہ کات کر دھاگہ

بیچا اور اُس سے لکڑیاں خرید کر ڈالیں۔ غرضکہ نمرود کے اِس اعلان نے مذہبی جوش و جذبہ پیدا کر دیا۔ اور وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ کا نعرہ کام کر گیا۔ اِس کے علاوہ نمرود میں فوج پولیس بھی اس کام پر مامور کر دی گئی یہ لکڑیاں تقریباً چالیس دن تک جمع ہوتی رہیں اور ابراہیم علیہ السّلام کو اس بستی کے جیل کوٹی کے پاس مٹی لکڑی سے ساٹھ گز اونچا ایک کمرہ بنایا اس میں قید کر دیا فوج اور پولیس نے گھوڑوں اونٹوں خچروں گدھوں کے ذریعہ جنگلات سے لکڑیاں لانے کے لیے جمع کیں قدرتِ خداوندی سے گھوڑوں اونٹوں گدھوں نے لادنے سے انکارِ عملی کیا اس طرح کہ جب لادی جائیں تو اچھی طرح اچھل اچھل کر گرا دیتے بہت مار کھا کر بھی راضی نہ ہوتے نہ مانتے مگر خچروں نے انکار نہ کیا بلکہ زیادہ لادتے پر بھی راضی رہے گھوڑوں گدھوں پر باندھ کر رکھی گئیں تو چلتے ہی نہ تھے مار کھاتے رہتے۔ بزرگ فرماتے ہیں کہ اُس دن سے گھوڑے کو شاہی اور مجاہد کی سواری بننے کی عزت دی گئی، اونٹ کو ریگستان کا بادشاہ بنا دیا گیا اور براقِ زمینی کا لقب دیا گیا گدھے کو انبیا علیہم السّلام کی سواری کے لیے چنا گیا اور خچر کی اپنی نسل منقطع کر دی گئیں۔ ایک ماہ دس دن تک یہ لکڑیوں کے ڈھیر بنتے رہے ایک میل کے لیے چوڑے میدان میں ساٹھ گز اونچا لکڑیوں کا ایک پہاڑ لگ گیا جس میں ہر قسم کی لکڑی اور اس پر تقریباً موسن ہر قسم کا تیل گھی روغن ڈالا گیا اور سات دن تک اس کو ہر طرف سے آگ لگائی گئی اس کی روشنی تین تین میل تک اس قدر کہ عورتیں اُس کی روشنی میں چرخہ کات لیتیں گرمی کی تپش اتنی کہ جو پرندہ بھی اونچا فضا میں اُس کے اوپر سے گزرتا جل بھن کر گر جاتا اُس کے شعلے سو گز تک بلند تھے یہ آگ منگل کے دن لگائی گئی اسی لیے منگل کو خون اور آگ کا دن کہا گیا ہے قتلِ ہابیل اور نارِ نمرود کی وجہ سے، اب نمرودی دور کھڑے حیران تھے کہ ابراہیم کو اس میں کس طرح پھینکا جائے تو ابلیس ایک شیخ کی شکل میں آیا اور منجنیق گوپھن، گھمانی، بنانے کی ترکیب بتائی اور اس میں ابراہیم علیہ السّلام کو ڈال کر آگ میں پھینکنے کا طریقہ سکھایا ابلیس سے سیکھ کر اُسی کُردی نے منجنیق بنائی جس نے آگ میں پھینکنے کا مشورہ دیا تھا روایتوں میں آتا ہے کہ کچھ عرصہ بعد اُس کُردی کو زمین نے زندہ نگل لیا اور تا قیامت زمین کے اندرونی لاوے میں وہ جلتا جھلستا تڑپتا رہے گا۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو باندھ کر منجنیق میں رکھا گیا تو زمین و آسمان کے فرشتے بارگاہِ الٰہی میں چیخ پڑے کہ یا مولیٰ تعالیٰ زمین پر اس وقت ایک ہی تیرا بندہ ہے جس کو یہ کافر یہ دشمن آگ میں جلا رہے ہیں اے اللہ اگر

marfat.com

یہ بندہ نہ رہا تو زمین پر تیرا نام لینے والا کوئی نہ رہے گا اور زمین ذکرِ الٰہی سے خالی رہ کر تباہ و ویران رہ جائے گی اگر اجازت ہو تو ہم اس کی مدد کریں۔ آواز آئی کہ اگر وہ تم سے مدد مانگے تو ضرور کرو مگر ہم جانتے ہیں وہ تم سے مدد نہیں مانگے گا وہ میرا خلیل ہے میرا اس کے سوا کوئی خلیل نہیں میں اُس کا معبود ہوں میرے سوا اس کا کوئی معبود نہیں تب حضرت ابراہیم کے پاس باری باری فرشتے آئے پہلے بارش کا فرشتہ آیا اور منجنیق میں بندھے پڑے ابراہیم علیہ السلام سے عرض کی اگر حکم ہو تو میں آگ پر اتنی بارش برساؤں کہ آگ بجھ جائے آپ نے فرمایا مجھے تم سے کوئی حاجت نہیں، پھر ہواؤں کا فرشتہ آیا اور عرض کی اگر حکم ہو تو ایسی ہوا چلاؤں کہ سب آگ بجھ جائے اُڑ جائے آپ نے فرمایا مجھے تم سے بھی کوئی حاجت نہیں نمرودیوں نے آپ کے ہاتھ پیر باندھ کر آپ کو منجنیق میں رکھا تھا پھر دس آدمیوں نے مل کر منجنیق کو تیزی سے گھمایا اور آگ کی طرف اچھال دیا جیسے کمان سے تیر یا غلیل سے پتھر پھینکا جاتا ہے جب آپ آگ کی طرف اُڑے چلے جا رہے تھے تو راستے میں جبریل علیہ السلام ملے اور عرض کیا کوئی حاجت ہے آپ نے فرمایا مگر تم سے کوئی نہیں جبریل امین نے عرض کی رب تعالیٰ سے کچھ ہے تو عرض کیجیے فرمایا اس کا علم میرے ہر حال سے خبردار ہے وہ مجھے کافی ہے اُس کو کچھ کہنے بتانے کی ضرورت نہیں حَسْبِیْ مِنْ سُؤَالِیْ عِلْمُهٗ بِحَالِیْ جب حضرت ابراہیم آگ کے قریب ہوئے تو بہت سے ملائکہ نے آپ کو اپنے جھرمٹ میں لے لیا اور نہایت تکریم و آرام سے آپ کو درمیان آگ ایک جگہ بٹھا دیا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ٹھنڈے میٹھے پانی کا قدرتی چشمہ نکل آیا اور سرخ گلاب و نرگس کے خوبصورت پھول اُگ آئے۔ جبریل جنت سے قالین لے آئے، حکم ربانی ہوا۔ قُلْنَا یٰنَارُ كُوْنِیْ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ ۙ وَ اَرَادُوْا بِهٖ كَیْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ ۚ وَ نَجَّیْنٰهُ وَ لُوْطًا اِلَى الْاَرْضِ الَّتِیْ بٰرَكْنَا فِیْهَا لِلْعٰلَمِیْنَ

ہم نے آگ کو حکم فرمایا اے آگ ٹھنڈی اور سلامتی والی ہو جا تو ابراہیم پر، مفسرین فرماتے ہیں یہاں پانچ باتیں قابل غور ہیں ۱۔ قُلْنَا۔ یعنی ہم نے حکم فرمایا اگر یہ حکم نہ ہوتا تو یقیناً آگ ٹھنڈی نہ ہوتی ۲۔ یٰنَارُ كُوْنِیْ۔ یہ مطلقاً جنسِ آگ کو حکم تھا جس کی وجہ سے تمام دنیا کی آگ ٹھنڈی ہو گئی تھی کہ اُن کی روشنی باقی حرارت ختم ۳۔ بَرْدًا۔ یعنی ٹھنڈی ہونے کا حکم ہوا روایتوں میں آتا ہے ایک دم برف سے زیادہ ٹھنڈک ہلاک کرنے والی ہو گئی ۴۔ جب فرمایا وَ سَلٰمًا تو خوشگوار اور سلامتی والی ٹھنڈک ہو گئی تھی ۵۔ پھر جب فرمایا عَلٰۤى اِبْرٰهِیْمَ یعنی

marfat.com

صرف ابراہیم پر بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ہو جاتی باقی دنیا کی تمام آگیں اپنی اصلیت پر تپش والی ہو گئیں اور یہ نار نمرود بھی صرف جسم ابراہیم اور آپ کے لباس پر بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ہوئی نہ کہ باقی اشیاء پر اسی لیے آپ کا لباس نہ جلا۔ مگر نمرودیوں کی وہ رسی جل گئی جس سے آپ کو باندھا گیا تھا یہی حضرت ابن عباس رض سے مروی ہے (از تفسیر روح البیان مظہری، روح المعانی) چنانچہ جب نمرود اور نمرودیوں نے دیکھا کہ حضرت ابراہیم بالکل باخیریت درمیانِ آگ بیٹھے ہیں تب ان کو شک ہوا کہ کہیں یہ آگ جادو کی تو نہیں ہے اس خیال کے آتے ہی انہوں نے نمرود کے حکم سے اُسی بوڑھے آدمی کو پکڑ کر پکڑا کر گھمانی کے ذریعے آگ میں پھینکا جس نے پہلے لکڑی کو آگ لگائی تھی وہ تو اُس کے شعلوں سے ہی جل بھن کر گر پڑا مگر آگ ابراہیم علیہ السلام کے کپڑے بھی قطعاً جلا نہ سکی اور جب بدنصیب کھڑا بوڑھا جس کو آزمائشی طور پر آپ پھینکا گیا تھا جل کر راکھ ہو گیا تو ان کا یہ خیال ختم ہو گیا کہ یہ جادو کی آگ ہے مگر یکدم دوسرا خیال یہ آیا کہ شاید ابراہیم ایسی جگہ گرے ہیں جہاں یا تو لکڑیاں تھیں ہی نہیں یا جل کر ختم ہو کر ٹھنڈی ہو گئیں ہیں اب خالی جگہ ہے تب سوچنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے ابلیس پھر بوڑھے آدمی کی شکل میں ظاہر ہو کر آیا اور کہنے لگا کہ پریشان اور متفکر ہونے کی ضرورت نہیں اسی منجنیق کے ذریعے آگ اسی جگہ پھینکو تب ہر طرف سے آتش بازی کا کھیل شروع ہوا اور تماشائی لوگ ہر طرف سے آگ اُٹھا اُٹھا کر یا نئی لکڑیاں جلا کر اس جگہ پھینکنے لگے جہاں اُن کو حضرت ابراہیم علیہ السلام بیٹھے نظر آ رہے تھے آتش بازی کا شیطانی کھیل اسی وقت سے لوگوں میں شروع ہوا اور ابلیس اس کا موجد ہے خیال رہے کہ ابلیس تین چیزوں کا موجد ہے ۱ انسانی تصویر فوٹو اور انسانی شکل کی بت سازی کا ۲ منجنیق کا جس کو اردو میں گوپھن پنجابی لغت میں گھمانی کہتے ہیں ۳ آتش بازی کا۔ اس وقت حضرت خلیل ابراہیم کی عمر سولہ سال تھی اور نمرود کی عمر چار سو سال تھی یہ شعبان کا مہینہ تھا آپ آگ میں چالیس دن رہے باخیر و سلامتی سے بلکہ آپ فرمایا کرتے تھے جو راحت و سکون اُن چند دنوں میں ملا وہ پہلے کبھی نہ ملا نہ بعد میں اطمینانِ قلبی ہر وقت ملائکہ کی دلجوئی نعمتوں کی کثرت پھولوں کی معطر خوشبو سب سے بڑی نعمت رب تعالیٰ سے گفتگو کا شرف، قرآنِ مجید کے اس فرمان یٰنَارُ كُوْنِیْ پر غور و تدبر کرنے سے ثابت ہوتا ہے کہ آگ نے یہ اندازِ گلستان خود بخود اختیار نہ کئے تھے بلکہ قُلْنَا کے حکم ربانی سے یہ ہوا تھا کہ آگ کی تاثیر حرارت صرف ابراہیم علیہ السلام پر بدل گئی تھی اور دیگر تمام اشیا کے لیے آگ کی وہی تاثیر رہی یہاں تک کہ آپ کے ہاتھ پاؤں

marfat.com

کی رسی جل کر گر گئی اور راکھ بن گئی آپ کے کپڑے آگ نہ جلا سکی کیونکہ وہ آپ کے اپنے تھے نمرود کا کافر کے نہ تھے۔ اور اس لیے بھی تاکہ آپ کو ننگا ہونے کی اذیت بھی نہ ہو حضرت جبرئیل جنتی ریشم کی قمیص لائے وہ بھی بطور تعظیم آپ کو پہنائے جنتی قالین بچھایا گیا اُس پر آپ کو بٹھایا یہ سب انعام دعافیت صرف اس لیے ہوا کہ آپ رب تعالیٰ کے خلیل تھے پوری روئے زمین پر اُس وقت صرف آپ ہی نبی صاحب تبلیغ اور عابد تھے یہ نارِ نمرود آپ کا پہلا امتحان تھا آپ صبر شکر سے کامیاب ہوئے اور آپ کو بچا لیا گیا اسی لیے جبرئیل نے عرض کیا اے حضرت ابراہیم رب کریم فرماتا ہے کہ ہمارے محبوبوں کو آگ نقصان نہیں پہنچا سکتی یہ شان ہر مومن کو نصیب نہیں ہو سکتی اگرچہ اُس کا ایمان مثل ابراہیم ہی ہو۔ روایتوں میں آتا ہے کہ زمین و آسمانوں کی تمام مخلوق جمادات حیوانات ملائکہ آگ بجھنے کی دعائیں کرتے تھے ھُدھُد پرندہ اپنی چونچ میں پانی بھر کر لاتا اور دور فضا میں جاکر اوپر سے آگ پر گراتا کہ آگ بجھ جائے مگر گرگٹ خبیث دور بیٹھا ہوا پھونکیں مار رہا تھا تاکہ آگ تیز ہو، نہ ھُدھُد کے پانی سے آگ بجھی اور نہ گرگٹ کی پھونکوں سے تیز ہوئی مگر اندرونی قلبی شرافت اور شرارت، محبت اور عداوت طہارت اور خباثت کا پتہ لگ گیا کہ کس کے دل میں نبی کی حمایت ہے اور کس کے دل میں نبی کی مخالفت دونوں کو بدلہ یہ ملا کہ ھُدھُد کو سلیمان علیہ السلام کا وزیر اور تا قیامت پانیوں کا بادشاہ بنا دیا گیا عزت سے قرآن مجید اور سابقہ کتب الٰہیہ میں ذکر آیا تا قیامت اُس کے نام کو تلاوت میں شامل کر دیا گیا اور گرگٹ کو یہ سزا ملی کہ جہاں کہیں ملے اس کو جلدی سے مار ڈالو مارنے والے مسلمان کو ثواب ملے یعنی ھُدھُد کا ادب سے نام لینے میں مومن کو نیکیاں اور گرگٹ کو ہلاک کرنے سے نیکیاں ملتی ہیں کہ ایک ضرب سے مارنے میں ۱۰۰ نیکی اور دو ضرب میں مارنے سے پچاس نیکی تین ضرب میں مارنے سے اُس سے آدھی یہ قانون تا قیامت ہے۔ چالیس دن بعض کے قول میں دس دن حضرت ابراہیم آگ میں رہے تب ایک دن نمرود نے کسی ٹیلے پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام کو پکارا کہ اے ابراہیم کیا تم کو آگ میں تکلیف نہیں ہوتی۔ آپ نے فرمایا نہیں اُس نے کہا تم کھڑے ہو کر اس آگ کے اندر سے نکل کر باہر آ سکتے ہو آپ نے فرمایا ہاں تو نمرود کہنے لگا تو باہر آجاؤ آپ اسی آگ پر چلتے ہوئے باہر آ گئے وہ بڑا حیران ہوا اور بولا کہ تمہارا جادو بہت تیز ہے آپ نے فرمایا یہ جادو نہیں میرے رب تعالیٰ کا مجھ پر فضل و کرم ہے پھر نمرود بولا کہ اچھا بتاؤ کہ آگ میں وہ تمہارے ساتھ بالکل تمہاری ہم شکل کون تھا آپ نے فرمایا کہ رب کریم نے مَلَکُ الظِل کو

marfat.com

میری ہم شکل بنا کر میرے پاس بھیجدیا تھا تاکہ وہ میرا دل لگائے مجھے تنہائی اور غم محسوس نہ ہو حقیقت یہ ہے کہ نمرود اور نمرودیوں نے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ وہ قاتلانہ ظالمانہ مکرو منصوبہ چلایا تھا کہ جس کو کوئی مٹا نہ سکتا تھا، بدبختوں حبیثوں کو اسی چیز کا غم تھا کہ ہمارا منصوبہ خاک میں مل گیا اور لعنت کی پھٹکار پڑی ذلت بے شمار ہوئی وہی اپنے بیگانے دشمن جو پہلے دندناتے پھرتے تھے اب شرمندگی سے منہ چھپائے پھرتے ہیں فرمایا جارہا ہے کہ ہم نے ہی ان کے مکرو منصوبوں کو خاک میں ملا دیا اور ذلت سے اَخْسَرِیْنَ کر دیا یہ وہ کارنامۂ قدرت تھا کہ آج بھی عُقلا کی عقلیں حیران ہیں تاقیامت دشمنانِ انبیا ذلیل و خوار ہیں کہ جس کو وہ کفار دنیاوِ ہستی سے مٹانا چاہتے تھے اُن کی نگاہوں کے سامنے ہی اس کو بچالیا اور اُن کے ساتھ لوط علیہ السّلام کو بھی اُس بستی سے ہٹا لیا کیونکہ اس علاقے میں ایک قہر و قحط آنے والا تھا اور دونوں پیاروں کو اُس سرزمین میں پناہ عطا فرمائی جس میں ہم نے رزق و نعمت کی بے شمار برکتیں بھر دی تھیں اور آئندہ تمام جہانوں کے لیے دینی نعمتیں بھی بھرنے والے تھے اس طرح کہ زمین والوں کے لیے غذاؤں عمدہ موسموں سرسبز باغوں سے اور آسمانوں والوں کے لیے بعثتِ انبیا شریعتوں کے اجرا کی برکتیں عطا فرمائیں۔ لوط علیہ السّلام ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے تھے صرف یہ ہی اُس وقت آپ کے ساتھی اور خیر خواہ تھے، حضرت ابراہیم کا یہ سفرِ ہجرت اس طرح ہوا کہ بابل علاقۂ دمشق سے حَران پھر کچھ دن بعد حران سے مصر پھر مصر سے شام پھر فلسطین حضرت ابراہیم تو یہیں ٹھہر گئے مگر حضرت لوط فلسطین میں کچھ عرصہ رہ کر شہر مؤتفکہ میں رہائشی ہو گئے آپ اسی علاقہ کے لیے نبی معبوث ہوئے تھے حضرتِ تارخ کے تین بیٹے تھے بڑے بیٹے ہاران ان کو تفاسیر میں ھارانِ اصغر کہا گیا ہے اس لیے ان کے چچا یعنی تارخ کے چھوٹے بھائی کا نام بھی ہاران تھا فرق کرنے کے لیے ان کو ہارانِ اکبر کہا گیا ہے۔ ھارانِ اکبر کی ایک بیٹی کا نام سارا تھا اُن ہی سے ابراہیم علیہ السّلام کا پہلا نکاح ہوا تھا اس طرح حضرت سارا ابراہیم علیہ السّلام کی چچا زاد تھیں ھارانِ اصغر کے بیٹے لوط علیہ السّلام تھے اس طرح لوط علیہ السّلام ابراہیم علیہ السّلام کے بھتیجے ہوئے۔ بعض کم عقلوں نے ہارانِ اصغر اور ھارانِ اکبر کا فرق نہ جانا اور سارا کو حضرت ابراہیم کی بھتیجی سمجھ لیا اور حضرت لوط کو اُن کا بھائی کہدیا۔ اور بد بختوں نے یہ مسئلہ بنا لیا کہ حضرت ابراہیم نے اپنی بھتیجی سے شادی کر لی اور پھر خود ہی اندازہ لگا لیا کہ شریعتِ ابراہیم میں بھتیجی سے شادی جائز تھی یہ سب باتیں لغویات اور ناجائز ہیں اور بعض

marfat.com

بعض مفسروں کا اندھا پن خیال رہے کہ جو جو چیز یں شریعتِ اسلام میں حرام ہیں وہ تقریبًا ہر شریعت میں حرام ہی تھیں خاص کر شریعتِ ابراہیمی تو شریعتِ اسلامی سے بہت ہی ملتی ہے اس بنا پر مسلمان ملتِ ابراہیمی کے پیروکار ہیں۔ تارخ کا تیسرا بھائی آذر تھا حضرت تارخ بھی تین بھائی ہوئے حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تارخ کے دوسرے بیٹے کا نام ناخور تھا۔ اُدھر حضرت تارخ کے والد کا نام بھی ناخور تھا تو یہاں بھی ناخورِ اصغر اور ناخورِ اکبر کہہ کر فرق کیا جاتا ہے یعنی حضرت ابراہیم کے دادا ناخور اکبر اور درمیانی بڑے بھائی ناخورِ اصغر تھے ابراہیم علیہ السلام تارخ کے سب ہی چھوٹے بیٹے تھے حضرت تارخ ولادتِ ابراہیم علیہ السلام سے ایک ماہ پہلے فوت ہو گئے تھے۔ آزر چچا نے آپ کو پرورش کیا اس لیے اَبِیہ کہلایا۔ ابراہیم علیہ السلام آگ سے نکل کر تقریبًا دس دن بابل میں رہے اور آپ اس عرصے میں مکمل آزادی اور دلیری سے گلی بازار میں پھرتے تھے۔ کفار آپ کو دیکھ کر شرمندگی سے سر جھکا لیتے مگر کسی کے نصیب میں ایمان نہ تھا۔ تفسیر خازن میں ہے کہ نجات ابراہیم کو دیکھ کر بہت سے لوگ ایمان لے آئے تھے مگر نمرود کے خوف سے ایمان ظاہر نہ کیا نہ ہجرت کی جرأت کر سکے۔ دس دن بعد وہاں سے اکتا کر حضرت ابراہیم ہجرت کرنے لگے تو آپ نے اپنے ساتھ لوط علیہ السلام اور سارہ کو بھی اپنے ساتھ لے لیا کیونکہ ظاہر ظہور پوری روئے زمین پر صرف یہ ہی آپ کے دوساتھی اور حمایتی مومن تھے۔ یہ تینوں بابل عراق سے نکل کر ایک قریبی گاؤں کنعان میں دس سال رہے پھر وہاں سے منتقلًا علاقہ شام کے فلسطینی حصے میں آ بسے جہاں بیت المقدس ہے۔ اِس سرزمین کو برکتوں والی تین وجہ سے فرمایا گیا ۱۔ وہاں تمام دینی ایمانی سعادتیں ہیں ۲۔ وہاں تمام قدرتی کمالاتِ دنیوی ہیں ۳۔ تمام متبرک پانیوں کا سرچشمہ بیت المقدس ہے جو وہیں ہے حدیث پاک میں ہے کہ آبِ زمزم کا خزانہ بھی بیت المقدس میں ہے۔ سعادت دینی یہ کہ تمام انبیاءِ کرام۔ بنی اسرائیل کا مولد مسکن وہی سرزمین ہے ایمانی یہ کہ وہیں سے تمام شریعتیں نافذ ہوتی رہیں تمام آسمانی صحیفے اور تین آسمانی کتابیں وہیں نازل ہوئیں کمالاتِ دنیوی یہ کہ عمدہ شجر۔ حطب پھول ثمرات اور خوشبوئیں عطریات وہیں پیدا ہوتی ہیں، ہجرت ابراہیم کے بعد نمرود و اہلِ نمرود و کفار پر ذلتوں کا سلسلہ اس طرح ہوا کہ اوّلًا تو یہ سب کفار اپنی اس محنت و منصوبے میں ناکام ہوئے اور اپنے بتوں کی مدد نہ کر سکے یہ بھی ایک تاریخی ذلت تھی کہ سر اٹھانے کے قابل نہ رہے تھے بلکہ رب کریم سچے معبود کی اس شاہانہ امداد کی اور نجات کی سب پر دھاک بیٹھ گئی تھی دلوں پر رُعب طاری تھا ایک دفعہ نمرود نے

marfat.com

بہت مُلتجیانہ انداز میں ابراہیم علیہ السّلام سے کہا۔ اے ابراہیم تیرا معبود بہت قوّت والا ہے اگر بس اُس کے نام پر چار ہزار گائیں قربان کروں تو کیا مجھ پر بھی مہربان ہو جائے گا۔ آپ نے فرمایا کہ جب تک تو اُس اللہ پر سچے دل سے ایمان نہ لائے گا اپنے آپ کی سجدہ ریزی اور بُت پرستی نہ چھوڑے گا اس کو تیری کوئی قربانی نہ پسند ہے نہ قبول کیونکہ تو کافر ہے اور کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی وہ بولا میں اپنی سلطنت اور رعایہ چھوڑنے کی ہمّت نہیں پاتا اس کے کچھ دنوں بعد حضرت ابراہیم اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہاں سے ہجرت فرما گئے، پھر دوسری ذلّت یہ آئی کہ سخت قحط پڑا پھر اُس کے بعد تیسری ذلّت یہ ہوئی کہ پوری قوم پر مچھروں کا قہر و عتاب نازل ہوا ان سب سزاؤں کو فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَخْسَرِیْنَ فرمایا گیا۔ نمرود کی عمر تقریباً آٹھ سو سال ہوئی ہے آگ کے وقت چار سو سال عمر تھی۔ مچھروں کی یہ سزا ایسی سخت تھی کہ پوری قوم بیمار و محتاج لاغر و ذلیل بدشکل ہو گئی مچھروں نے ان کے اتنے خون پئے کہ گوشت خشک کھالیں سخت ھڈیوں کا ڈھانچہ بن گئے ایک مچھر نمرود کی ناک میں گھسکر دماغ میں چلا گیا اور وہاں ڈنگ مارنا شروع کئے جس کی اذیّت برداشت سے باہر تھی جب نمرود اپنے سر پر دو ضرب مارتا تو وہ ڈنگ مارنا چھوڑ دیتا۔ لہٰذا اس کا علاج یہ ہی سمجھ لیا گیا کہ نمرود پر ہر وقت چپت مارے جائیں چپت کے بعد پھر جوتوں کی باری آئی جب تک ہاتھ یا جوتے پڑتے رہتے آرام رہتا جب مارنے والے تھک کر چھوڑ دیتے تب تھوڑی دیر بعد پھر ڈنگ لگنا شروع ہو جاتے نمرود چار سو سال تک اس عذاب و قہرِ ربّانی کی بیماری میں مبتلا رہا تعجب ہے کہ اُس مچھر کی عمر بھی چار سو سال ہوئی بعض نے کہا کہ مچھر نہیں تھا بلکہ دماغ کے اندر ہی کوئی کیڑا پیدا ہو گیا تھا بہرحال اب نمرود سب سجدے کرانے بھول گیا اب تو اُس کے دربار کے تعظیمی آداب یہی تھے کہ جو آئے پہلے دس جوتے لگائے پھر کوئی اور بات کرے ایک بار نمرود کے دل میں یہ بات آئی کہ ابراھیم کو تلاش کر کے لاؤ اُس سے دعا کراتے ہیں تلاش کیا گیا تو پتہ لگا کہ ابراہیم علیہ السّلام تو وفات پا گئے ہیں۔ اسی حالت میں نمرود چار سو سال بعد مر گیا نہ کوئی بُت کام آیا نہ دیوی دیوتا۔ لواحقین نے سوچا کہ اگر اسی طرح اس کو دفن کر دیا تو یہ نہ ہو کہ بیماری نکل کر ہم کو چپٹ جائے بعض نے کہا کہ اگر بیماری نہ نکلی تو اس کی روح اسی طرح تڑپتی رہے گی لہٰذا نمرود کی لاش کو جلا دیا گیا۔ تاریخی لحاظ سے سب سے پہلے نمرود کی لاش کو جلایا گیا چونکہ اس نے ہی آگ کا سلسلہ شروع کیا اس لیے سب سے

marfat.com

پہلے اسی کو آگ سے جلایا گیا۔ وہاں سے یہ مذہب مصر میں آیا اور مصر سے ہندوستان میں۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی مِنْ ھٰذَا الْکُفْرِیَّاتِ۔ ہندو بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر لاش جلائی نہ جائے تو روح بے قرار رہتی ہے۔ اور چھوت کا مذہب بھی وہاں سے ہی ہندوؤں میں آیا کہ بیماری اڑ کر لگتی ہے۔ اسلام نے ان سب خیالات کی تردید فرمائی ہے۔ اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱؎ قَالُوْا حَرِّقُوْہُ۔ کے کہنے والے میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جلانے کا مشورہ ایک کردی نے دیا اور سب نے تائید کی دوم یہ کہ خود نمرود بادشاہ نے مشورہ دیا اور سب نے تائید کی نمرود کا شجرہ نسب اس طرح لکھا ہے۔ نمرود بن کنعان بن سنجاریب بن نمرود بن کوس بن حام بن نوح علیہ السلام ۲؎ قیام نار کی مدت میں چار قول ہیں ایک یہ کہ حضرت ابراہیم آگ میں سات دن رہے دوم یہ کہ دس دن رہے سوم یہ کہ چالیس دن رہے چہارم یہ کہ پچاس دن رہے زیادہ ترجیح یہ ہے کہ چالیس دن رہے اور یہ بھی آپ کا ایک امتحانی چلہ تھا آپ کا دوسرا امتحانی چلہ ذبح اسماعیل کے وقت جو یکم ذیقعدہ سے دس ذی الحج تک تحلیت قربانی کی خوابیں پوری کر کے کیا گیا تھا۔ آتش نمرود کی لکڑیاں اتنی کثیر تھیں کہ تقریباً تین ماہ تک جلتی رہیں ۳؎ قُلْنَا یٰنَارُ۔ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ رب تعالیٰ نے خود ہی آگ کو خطاب کر کے یہ حکم فرمایا اور آگ نے یہ حکم سنا سمجھا اور عمل کیا کیونکہ ہر شجر حجر جمادات نار و نور میں اللہ رسول کے حکم سمجھنے کی صلاحیت ہوتی ہے اسی قول کو ترجیح ہے دوم یہ کہ رب تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا اس ارادے کو قُلْنَا فرمایا گیا۔ سوم یہ کہ جبرئیل امین نے آگ کو حکم دیا اور جبرئیل کے قول کو اللہ تعالیٰ نے اپنا قول فرمایا مگر پہلا قول درست ہے مثنوی میں ہے۔

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس از حواس اہل دل

۴؎ اَلْاَخْسَرِیْنَ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جلانے کے منصوبے میں ناکام ہو کر شرمندہ و ذلیل ہوئے دوم یہ کہ اس کے بدلے میں بجز رسوائی اور ذلت کے ان کو کچھ حاصل نہ ہوا قحط بیماری مچھروں کا عذاب قہر سے ذلیل ہو کر سب کے سامنے ہلاک ہوتے رہے ۵؎ بَرْدًا وَّ سَلٰمًا میں تین قول ہیں، ایک یہ کہ آگ کی روشنی اور دھواں چمک شعلے حرارت تپش جلن سب باقی تھے فقط جسم ابراہیم کے لیے بَرْدًا وَّ سَلٰمًا ہوئی لباس ابراہیم کو بھی نہ جلا سکی یہ ہی قول درست ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق اور الفاظ و معانی کے مطابق ہے دوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے جسم میں وہ کیفیت اور قوت پیدا ہو گئی تھی کہ آگ آپ کو جلا نہ سکی تھی جیسے سمندل

marfat.com

کبڑا اور نعامہ پرندہ یا جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پر بچھا ہوا دستر خوان، سوم یہ کہ بعض نے لکھا ہے کہ آگ اور ابراہیم علیہ السلام کے درمیان رب تعالیٰ نے ایک غیبی پردہ ڈال دیا جس کی وجہ سے آپ کا لباس نہ جلا مگر یہ قول کمزور ہیں ان پر اعتراض پڑ سکتے ہیں۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ ابتدائی زمانوں سے ہی انسانی عقل و ذہن دین کے سمجھنے میں انتہائی احمق ثابت ہوئی ہے۔ اگر رب تعالیٰ نبوت کی روشنی نہ بھیجتا تو انسانیت و آدمیت جہالت کی ظلمتوں اندھیروں میں ہی بھٹکتی رہتی یہ فائدہ و انصُرُوٓا اٰلِهَتَكُمْ کے قول سے حاصل ہوا۔ کتنی حماقت ہے کہ بندہ اپنے معبود کی مدد کرے اور معبود اتنا بے بس مجبور ہو کہ خود اپنی مدد بھی نہ کر سکے۔ سب گذشتہ اور موجودہ کفار قائل ہیں کہ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔ یہ بت بول بھی نہیں سکتے اور تمام کفار ہر زمانے کے یہ بھی سمجھتے جانتے ہیں کہ یہ بت لَا يَنْفَعُكُمْ۔ ذرہ بھر نفع نہیں دے سکتے۔ ضرب ابراہیمی سے مشاہدہ بھی ہو چکا ہے کہ لَا يَضُرُّكُمْ کسی اپنے دشمن کا نقصان بھی کر نہیں سکتے نہ سزا دے سکتے ہیں عقل میں یہ بات بھی آ چکی ہے کہ اَنْتُمُ الظّٰلِمُوْنَ بے شک اے بت پرستو اس احمقانہ دین اور بد عقیدگی کی وجہ سے تم تو خود ہی اپنے پر ظلم کرتے والے ہو ان تمام باتوں کے باوجود ثُمَّ نُكِسُوْا عَلٰى رُءُوْسِهِمْ بنے پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم اپنے الہوں کی مدد کریں گے اس مظلومیت کی حالت میں ہمارے معبود ہماری مدد کے محتاج ہیں کیسی عقل انسانیت ماری گئی کہ اتنی آسان بات نہ سمجھ سکے کہ بندہ بھلا مولیٰ کی کیا مدد کر سکتا ہے اور وہ معبود ہی کیا جو اپنے بچاؤ کے لیے بندوں کا محتاج ہو اور خود ہر اگو نگا ہو کر لَا يَنْفَعُ وَلَا يَضُرُّ۔ ہو۔ اور کفار جب جھگڑا کرتے ہیں تو نبی کی نبوت ماننے میں ہزار شرطیں لگاتے ہیں کہ نبی ایسا نہیں ہو سکتا ویسا نہیں ہو سکتا۔ دوسرا فائدہ کفار کو کفر سے فساق کو فسق سے بچانے کے لیے مسلمہ اور متفقہ تسلیم شدہ بزرگوں کے حالات زندگی سنانا دینی ایمانی تبلیغ کا ایک اچھا طریقہ ہے ان واقعات کو سنانے کے لیے کتابیں لکھنی محفلیں سجانی مجلسیں لگانی عبادت ہے یہ فائدہ قرآن مجید کے اس طرز بیانی سے حاصل ہوا کہ رب تعالیٰ نے اہل عرب کو ان کے جدِ اعلیٰ ابراہیم علیہ السلام کا یہ کٹھن امتحانی واقعہ اور آپ کی ایمانی دلیری سنا کر بتایا کہ اے کفار عرب جس طرح حضرت ابراہیم کو ان کی قوم نے ستایا ہجرت کرایا مگر اس کے باوجود آخر کار وہی قوم

marfat.com

ذلیل و رسوا ہو کر ہلاک ہوئی اُن کی سلطنت حکومتی طاقت بُت پرستی اُن کے کچھ کام نہ آسکی نہ ذلت سے بچا سکی تو سنلو یہی کافرانہ طریقہ تم لوگوں نے اپنے اِس رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ واٰلہٖ وسلم سے شروع کر رکھا ہے۔ آخر کار تمہارا بھی یہی انجام ہوتا ہے اور تمہاری سرداری مغروری دولت تمہارے کچھ کام نہ آسکے گی۔ اُس زمانے میں خلیل کو وہ عزت ملی تھی اب حبیب کو اُس سے بھی زیادہ عزت ملے گی۔ **تیسرا فائدہ** انبیاء کرام علیہم السّلام کا وجود تمام مخلوق کے لیے باعث برکت ہے یہ فائدہ بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعٰلَمِيْنَ میں عالمین فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ عالمین میں تمام آسمانی زمینی عرشی فرشی مخلوق کائنات شامل ہے۔ اور لام نفع کا ہے یعنی تمام مخلوق کو اُس سرزمین ابراہیم سے اور بَارَكْنَا فِيهَا سے نفع ہے اور ظاہراً اگرچہ اس زمین میں حطب و رطب ثمرات و شجرات خوشبویات آبیات کی کثرت و فراوانی ہے مگر اِن اشیا کا فائدہ تو صرف زمین والوں کو ہے بلکہ صرف انسانوں کو یہ نعمتیں تو زمین کے اور حصوں کو بھی ملیں مثلاً کشمیر، پنجاب مگر ان کے لیے بَارَكْنَا فِيهَا نہ فرمایا گیا ماننا پڑے گا کہ اس سرزمین شام و فلسطین کو بعثت انبیا علیہم السلام اور مولد و مدفن انبیاء کا شرف حاصل ہوا ہے اس لیے بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعٰلَمِيْنَ کا لقب ملا انبیا علیہم السّلام کا وجود ہی عالمین کے لیے برکت ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

اَحکامُ القرآن اِن آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** شیطان ابلیس سے بچنا ہر مسلمان پر واجب و لازم ہے یہ ملعون ہر ایک کے پاس مفت اور بن بلائے مشورے دینے کے لیے ہر شکل میں آجاتا ہے۔ کبھی شیخ عجمی بن کر کبھی شیخ نجدی بن کر کبھی گمراہ گر پیر کی شکل میں کبھی جاہل خطیب کی شکل میں زمانہ نوحی سے لے کر آج تک ابلیس کی تخریب کاری و وسوسہ سازی حق سے بغاوت جاری ہے یہ مسئلہ قَالُوْا حَرِّقُوْهُ (الخ) کی تفسیر و ضاحت سے مستنبط ہوا کہ ابلیس نے ہی شیخ عجمی بن کر منجنیق بنانے اور بعدہ آتش بازی کرنے کا طریقہ بتایا تھا ابتداءً منجنیق اور کمند رسی میں لکڑی باندھ کر گھمائی جاتی تھی زیادہ آدمی مل کر گھمانے اور بڑی سے بڑی چیز یا آدمی کو ڈال کر دور پھینکنے کے لیے استعمال ہوتی تھی پھر یہ جنگوں میں استعمال ہوئی قلعوں پر پتھر پھینکنے کے لیے اس کے بعد کمان اور غلیل بھی ایجاد ہوئی داؤد علیہ السّلام نے کافر

marfat.com

بادشاہ جالوت کو چھوٹی منجنیق میں ہی پتھر رکھ کر مارا تھا۔ قوم نوح کو ابلیس نے شیخ رئیس بن کر فوٹوگرافی کا طریقہ سکھایا پھر شیخ نجدی بن کر ابوجہل کو بھڑکایا اور اب پیروں خطیبوں اور گمراہ لوگوں کی سرپرستی کر رہا ہے کسی پیر کو اپنی سجدہ تعظیمی کے چکر میں پھنسا یا خطیبوں کو فوٹوسازی میں اماموں کو کالے خضابوں میں۔ قوم کے رہبروں راہنماؤں کو داڑھیا چھوٹی کرانے ننگے سر نماز کے جواز کے فیشنوں میں ورغلاتا چلا جا رہا ہے خیال رہے کہ ابلیسی ہمشکلی کی علامت یہ ہے کہ کوئی شخص کسی شکل و صورت لباس میں آکر اُس راستے کے خلاف چلانے کی کوشش کرے جو راستہ حدیث و قرآن کا بیان کردہ ہو۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ عمل و قول کے مطابق ہو، یا حدیث و آیت کا ایسا مطلب بیان کرے جو منشاءِ باری تعالیٰ اور کلام کے سیاق و سباق۔ اور لغت و نحو علم عمل کے مخالف و جہالت ہو تو سمجھ لو کہ یہ شخص انسانی شکل میں شیطان ہے یہ دنیا اُسوۂ حسنہ کے سانچے میں ڈھل جانے اور از سرتاپا اتباع نبوت کے لیے ملی ہے مگر ابلیس چاہتا ہے کہ انسان میری اتباع میں رہیں اسی لیے شکلیں بدل کر ورغلاتا ہے مگر مسلمانوں کو اس کی ان چالوں سے ہوشیار رہنا چاہیے فی زمانہ کچھ لوگ پیر بن کر فوٹو تصویر کو جائز کر رہے ہیں کچھ سیاہ خضاب کو کچھ عورتوں کی بے پردگی کو کچھ جہلا داڑھی کی حدِ شرعی کی توہین کرنے کے لیے پیچھے لگے ہیں کچھ کہتے ہیں کہ نبی کریم کے صرف اقوال کو ماننا ضروری ہے عمل پاک کی اتباع ضروری نہیں۔ کوئی لکھتا ہے کہ انبیاء بھی جھوٹ بول سکتے ہیں کوئی یہ بھی بکتا پھر رہا ہے کہ ذَنْبِكَ سے مراد وہ گناہ ہیں جو نبی کریم نے کئے (معاذ اللہ) یہ سب لوگ شکل انسانی میں شیطان ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان خبیثوں سے مسلمانوں کو بچائے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ دینی معاملات میں کسی بھی مسلمان کو کسی لومۃ لائم۔ قوت قائم اور حماقتِ بہائم سے نہیں ڈرنا چاہیے یہ مسئلہ قَالَ أُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ کے کلامِ دلیرانہ سے مستنبط ہوا ہمارے اسلاف کا یہی طریقہ ایمانی چلا آرہا ہے۔ دیکھو ابراہیم علیہ السلام نے دینی معاملات بیان کرتے ہیں نہ حکومت کی پرواہ کی نہ قومیت کی نہ رشتے داری کی بالکل اسی طرح امام عالی مقامؓ نے یزید پلید بے دین کے مقابل میدانِ کربلا میں اور امام اعظم ابو حنیفہؒ نے دربارِ خلیفہ منصور عباسی میں۔ امام احمد بن حنبل نے دربارِ مامونی میں اس طرح باشجاعت مظاہرہ فرمایا کہ نارِ نمرود خاکِ کربلا قیدِ شاہی سزاءِ حکمرانہ ظالمانہ قبول کرلی مگر آوازِ حق میں کمزوری نہ آنے دی۔ تیسرا مسئلہ

برائی بدمعاشی فحاشی میں مشہور لوگوں کی بدکرداری برائی کو مشہور کرنا تاکہ لوگ اس سے بچیں شرعاً جائز ہے غیبت اور گناہ نہیں۔ یہ مسئلہ۔ مَا لَا یَنْفَعُکُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ دیکھو حضرت ابراہیم نے قوم کے سامنے نمرود اور ان کے بتوں کی برملا برائی بیان فرمائی مگر قرآنِ کریم نے اس بیان کرنے کو غیبت اور گناہ نہ فرمایا۔ یہ مسئلہ شریعتِ اسلام میں بھی تا قیامت جاری و جائز ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے بھی دعا نہ مانگی حالانکہ جبرئیل امین نے کہا بھی جب کہ رب تعالیٰ سے دعا مانگنا بہت بڑی عبادت ہے قرآن مجید میں دعا نہ مانگنے والوں کو متکبر کہا گیا ہے اور حدیث پاک میں دعا کو مخ العبادت فرمایا گیا ہے اتنی عظیم عبادت کو ابراہیم علیہ السلام کے چھوڑنے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ **جواب** دراصل انسانی زندگی اس دنیا میں منجانب اللہ چار حصوں میں تقسیم ہے ۱ ابتلائی زندگی ۲ امتحانی زندگی ۳ وبائی زندگی ۴ شفائی زندگی۔ جب زندگی میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے امتحان آجائے تو اس کے دفعیہ اور خاتمے کے لیے دعا مانگنی منع ہے امتحان میں ثابت قدم رہنا کامیابی کی دلیل ہے اور اس میں بڑی بہت قوتِ ارادی کی ضرورت اور یہ قوت صرف انبیاء کو حاصل ہے اس لیے صرف انبیاء علیہم السلام کا ہی امتحان ہوتا ہے اور وہی جانتے ہیں کہ کونسی مصیبت امتحان ہے کون سی بلا ہے۔ کونسی وبا ہے۔ ابتلا کی مصیبت میں بندے کا درست رہنا کامیابی ہے اس لیے درست رہنا ضروری ہے ابتلاءِ ربانی میں ابتلا کی دوری اور خاتمے کی دعا مانگنا مفید نہیں کیونکہ ابتلا تو ہونا ہی ہے۔ وبا کی مصیبت میں صبر ضروری ہے مگر وبا کے خاتمے کی دعا مانگنا جائز ہے بلا اور وبا ہر مسلمان کا ہوتا ہے اور شفا کی زندگی یعنی صحت تندرستی کی زندگی میں شکرِ الٰہی کرنا واجب ہوتا ہے۔ نارِ نمرود امتحانِ ابراہیم علیہ السلام تھا۔ میدانِ کربلا ابتلا تھا اور مصائبِ ایوب علیہ السلام وبا تھا۔ اس لیے ابراہیم علیہ السلام نے حضرت جبرئیل کے کہنے کے باوجود دعا نہ مانگی بلکہ جبرئیل امین کا یہ کہنا بھی آزمائش تھی۔ ابراہیم علیہ السلام نے اس میں کمال کامیابی حاصل کی۔ اسی طرح میدانِ کربلا میں امام عالی مقام حسین پاک کی ثابت قدمی انتہاءِ صبر تھی جو بے مثل ہے۔ **دوسرا اعتراض۔** اس کی کیا وجہ کہ نمرود اور نمرودیوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ختم کرنے کے لیے آگ میں جلا ڈالنے کی سزا تجویز کی حالانکہ ختم کرنے کے لیے اور بھی بہت سے طریقے تھے

marfat.com

مثلاً قتل وغیرہ جواب۔ مفسرین نے اس کی چار وجہ بیان فرمائی ہیں ایک یہ کہ تاکہ ابراہیم کا نام ونشان ہی دنیا سے مٹ جائے قبر بھی نہ بن سکے دوم اس لیے تاکہ سب مشورہ دینے والے اس سزا کے جاری کرنے میں شریک ہو جائیں اور سب لوگ خوشی خوشی بھاگ بھاگ کر لکڑیاں جمع کریں اور یہ سزا خوب مشہور ہو کر سب کے لیے آئندہ عبرت بن جائے سب لوگ اس سزا کو اپنے دین کی خدمت سمجھ کر زیادہ سے زیادہ دلچسپی سے حصہ لیں کوئی بھی اس کو ظالمانہ سزا نہ کہہ سکے سوم یہ کہ نمرود اور نمرودی عوام کو یہ بتانا سمجھانا چاہتے تھے کہ ابراہیم کا یہ بت شکنی والا جرم سب جرموں سے زیادہ سخت ہے اس لیے اس کی سزا بھی سب سے زیادہ سخت ہونی چاہیئے اور وہ جلانا ہی ہے۔ چہارم یہ کہ چونکہ نمرودی مذہب میں تین چیزوں کی پوجا ہوتی تھی سورج دیوتا کی مورتیوں کی اور آگ کی۔ ابراہیم علیہ السلام نے برملا [illegible] جن کی تم پوجا پاٹ اور عبادت کرتے ہو وہ نہ نفع کر سکتے ہیں نہ نقصان نمرودی لوگ عوام کو یہ بات بتانا چاہتے تھے [illegible] پرستش [illegible] سورج سے بھی نہ ہوتی اور مورتیوں سے بھی نہ ہوتی۔ تو انہوں نے اپنے تیسرے دیوتا کو سزا کے لیے مقرر کیا کہ ابراہیم نے بت دیوتاؤں ہی کو توڑا تو آگ دیوتا نے اس کو جلا ڈالا یہ لکڑیاں جمع کرنا وغیرہ تو فقط وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ ہے۔ اصل سزا تو آگ دیوتا نے دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب تعالیٰ نے آگ کو بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ بنا کر ان کے سارے منصوبے سارے عقیدے خاک میں ملا دئے اور ابراہیم علیہ السلام کا یہ نعرہ کہ لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْـًٔا وَّلَا يَضُرُّكُمْ کو سدا سلامت رکھا اس لیے یہاں بَرْدًا وَّسَلٰمًا بنانا ضروری تھا ورنہ کفار کا کفر اور مضبوط ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام پر صرف یہی آگ چند دن کے لیے بَرْدًا وَّسَلٰمًا ہوئی اس کے بعد کوئی آگ بَرْدًا وَّسَلٰمًا نہ ہوئی آپ کو ہمیشہ آگ کی تپش آتی محسوس ہوتی تھی موسم گرما و سرما میں آپ اپنے جسم پر حرارت محسوس کرتے تھے۔ اس جواب سے یہ سوال بھی اٹھ گیا کہ کیا وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تو آگ سے بچا لیا مگر زکریا و یحییٰ کو آرے سے نہ بچایا اور دیگر انبیاء علیہم السلام کو خنجر کی تلوار اور قتل سے نہ بچایا ایک بزرگ نے فرمایا کہ ڈاکٹر اقبال کا یہ شعر قطعاً اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی شان [illegible] ظاہر کرتا ہے کہ ؎

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا ؎ آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

marfat.com

غلط اس لیے کہ انبیاء اور غیر انبیا میں کچھ فرق نہ جانا اور نار کے گلزار بننے کو خلیل اللہ کی نبوت کا معجزہ نہ ماننا کی ظاہر کرتا اس لیے کہ گویا ڈاکٹر اقبال کے نزدیک کسی نبی کا ایمان بھی ابراہیم کے ایمان جیسا کامل نہیں ہے۔ حالانکہ تمام انبیاء کا ایمان کامل اکمل اور برابر و ہم شل ہوتا ہے ڈاکٹر صاحب کے تخیلات اکثر اشعار میں اسی طرح غلط ہوتے ہیں۔ جیسا کہ معراج کے بارے میں بھی اسی طرح ان کو غلط سبق ملا ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ قُلْنَا یٰنَارُ کُوْنِیْ۔ یہ آگ کو خطاب ہے حالانکہ آگ جمادات میں سے ہے اور جمادات کو خطاب کرنا تو عبث ہے کیونکہ جمادات نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں نہ سمجھتے ہیں یہ بات خود قرآنِ مجید سے ثابت ہے بہت سی آیات میں بتوں کی برائی کرتے ہوئے یہی فرمایا گیا ہے کہ یہ بُت جن کی تم اے کافرو پرستش کرتے ہو نہ سنتے ہیں نہ بولتے ہیں تو پھر یہاں آگ کو کیوں خطاب کیا گیا منکرین قرآن یا اس کو تضاد بیانی کہیں گے یا پھر سب جمادات کے خطابات کو بیکار کہیں گے۔ ہر کیف دونوں صورتوں میں قرآنِ مجید پر اعتراض ہوتا ہے۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ہو سکتے ہیں ۱۔ امام ابوبکر رازی نے یہ جواب دیا ہے کہ خطاب تین قسم کا ہوتا ہے ۱۔ خطابِ تکوینی ۲۔ خطابِ تحویلی ۳۔ خطابِ تکلم۔ پہلے دو کو مجازاً خطاب کہا جاتا ہے۔ مثلاً معدوم شی کو کہنا کہ ہو جا۔ یہ خطاب تکوینی ہے اس میں مخاطب کا بولنا سننا تو درکنار موجود ہونا ہی ضروری نہیں ہے۔ اور کسی موجود شی پر اپنا حکم جاری کرتے ہوئے اس کی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدلنے کو خطاب کرنا یہ خطاب تحویلی ہے اس میں اُس شی کا صرف موجود ہونا ضروری ہے مخاطب کی بات کو سننا سمجھنا ضروری نہیں جمادات سے خطاباتِ الٰہی اِسی قسم کے ہوتے ہیں اور مقصد یہ ہوتا ہے اُس چیز پر یہ حکمِ الٰہی جاری ہو گیا اور اُس نے یہ حکم اپنے پر بلا ارادہ لے لیا وہ لینے پر مجبور و مقہور ہے۔ لیکن خطابِ تکلم میں مخاطب چیز میں موجودگی بھی ضروری عقل فہم فکر تکلم ہونا بھی ضروری ہے اس کو خطابِ حقیقی کہتے ہیں یہ خطاب صرف جاندار اشیا سے ہو سکتا ہے لہٰذا کُنْ فَیَکُوْنُ کا خطاب تکوینی ہے یٰنَارُ کُوْنِیْ کا خطاب تحویلی ہے مگر میرے نزدیک یہ جواب کمزور ہے۔ صحیح اور مضبوط جواب یہ ہے کہ اشیاءِ عالَم عام انسانی علوم و عقلیات کے اعتبار سے تو بہت سی قسموں میں منقسم ہیں کہ اِن سے خطاب کرو اِن سے نہ کرو یہ جمادات ہیں یہ نباتات یہ حیوانات مگر اصل اللہ کی قوتِ علمیہ اور مشاہداتِ سمعیہ و تجرباتِ عملیہ میں تمام جمادات نباتات شجرات حجرات میں بھی قوتِ نطق و سماعت موجود ہے۔ چنانچہ ایک

marfat.com

حدیث پاک میں آتا ہے کہ مکہ مکرمہ کا ایک پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کے بچپن شریف میں آپ کو آتے جاتے سلام کیا کرتا تھا جس کی خبر خود آقاء دو عالم حضور اندس صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد فتح مکہ صحابہ کرام کو دی کہ یہاں ایک پتھر ہوتا تھا جو ہم کو سلام کرتا تھا باب المعجزات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک درخت کو بلایا تو دوڑتا ہوا چلا آیا پختہ پکے چاولوں کی تسبیح تو خود صحابہ کرام نے اپنے کانوں سنی. ذکر خیر کتاب میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ سائیں توکل شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہی معجزۂ درخت سناتے ہوئے ویسے ہی تمثیلاً ایک درخت کی طرف اشارہ فرمادیا کہ نبی کریم آقاء کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح فرمایا ہوگا کہ آجا. وہاں موجود مریدین نے دیکھا کہ حضرت سائیں صاحب کے اشارہ کرتے ہی وہ قریبی درخت بھی دوڑتا ہوا چلا آیا جس کی طرف محض تمثیلاً سائیں صاحب نے اشارہ فرمایا تھا مولاء روحی فرماتے ہیں ؂

نطق آب و نطق خاک و نطق گل ہست محسوس از حواس اہل دل

یہ انبیاء و اولیاء کی شان کیفیت ہے تو بارگاہ کبریائی میں کون جمادات رہ سکتا ہے وہاں تو سب کے کان حکم ربانی پہ ہمہ وقت لگے ہوئے ہیں. یہ بے عقل بے گوش بے ہوش جمادات حجرات ہونا تو ہم عوام کے ہے. رہا بتوں کو جمادات فرمانا نہ سننے نہ بولنے والا. لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ فرمانا عوام و کفار کے اعتبار سے ہے ان کی کمزوری بیقوتی اور بے فائدہ فرما دیکا رعبادت اور فضول آس لگانے سے منع کرنے کے لیے ہے. کفار یا عوام کا کسی جمادات کو پکارنا واقعی حماقت ہی ہے **چوتھا اعتراض** اسرائیلی تاریخوں اور اسلامی تفسیروں روایتوں میں لکھا ہے کہ نار نمرود جلانے کا مشورہ ایک عجمی کُردی نے دیا اور ایک قول کے مطابق سب سے پہلے آگ بھی اسی کردی نے لگائی منجنیق بنائی. اور تمام جانوروں میں صرف گرگٹ پھونکیں مارتا تھا تا کہ آگ تیز ہو وہ کردی بھی مر کر فنا ہو گیا اور وہ گرگٹ بھی مر گیا اب نہ وہ کردی رہا نہ گرگٹ تو کیا وجہ ہے کہ حدیث پاک کے ارشاد میں تا قیامت گرگٹ کے لیے سزا مقرر ہو گئی کہ اس کو مارنا ثواب ہے مگر ہر کُردی کے لیے نہیں اگر باعتبار جرم دیکھا جائے تو جیسے فقط اسی ایک کُردی کا جرم تھا تو اس طرح فقط ایک گرگٹ کا ہی جرم تھا نہ کہ تا قیامت سب کا اور اگر کہا جائے کہ یہ جرم تا قیامت جاری رہے گا تو پھر کُردی انسانوں کو بھی تا قیامت کچھ سزا ہونی

marfat.com

چاہیئے صرف گرگٹ کو سزا ملتی رہنا تو انصاف کے خلاف ہے۔ جواب۔ چار چیزیں وہ ہیں جو انسانوں اور جانوروں میں مشترک ہیں یعنی دونوں میں پائی جاتی ہیں مگر اس کے اسباب اور وجوہ مختلف ہیں ۱ محبت ۲ نفرت ۳ غصہ ۴ ایذا رسانی، انسانوں میں یہ چاروں چیزیں غیر فطری ہوتی ہیں بجز ماں کی ممتا کے یعنی والدہ اپنی اولاد سے محبت صرف یہ ممتا ہی انسانوں میں فطری چیز ہے۔ مگر تمام حیوانات میں چاروں چیزیں فطری جبلی (پیدائشی نسلی) ہیں۔ غیر فطری چیز عارضی ہوتی ہے اور فطری چیز دائمی ہوتی ہے دوسرا فرق یہ کہ فطری چیز جنسی ہوتی کہ پورے جہان کے ہر فرد میں وہ پائی جاتی لیکن غیر فطری عادت اور چیز شخصی اور انفرادی ہوتی ہے چونکہ یہ چاروں چیزیں حیوانات میں فطری ہیں اس لیے جنسی ہیں اور جو چیز جنس میں شامل ہو وہ اجتماعی اور ابدی ہوتی ہیں مثلاً انسان کی نفرت، محبت، غصہ اور ایذا رسانی فطری نہیں اس لیے ان کی جنس میں یہ شامل نہیں یہی وجہ ہے کہ انسانی نفرت محبت غصہ ایذا کے کچھ اسباب ہیں جو دنیوی زندگی میں عارضی پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ یہ اسباب و وجوہ۔ مذہب یا سیاست یا حماقت یا تکبر یا قومیت یا وطنیت یا رشتے داری کی وجہ سے ہوتی ہے۔ جانوروں میں محبت نفرت غصہ بزدلی، دلیری، ایذا رسانی فطری چیز ہے مذہب یا قومیت سیاست رشتے داری یا وطنیت کی وجہ سے نہیں بلکہ یہ خصائل ان کی جنس میں داخل و شامل ہیں۔ مثلاً کتا کسی ملک کسی زمانے کا ہو فطرتاً مالک سے محبت کرنے والا غیر سے نفرت کرنے والا ہے چوہا ہر دور ہر علاقہ میں موذی ہے کوا ہر زمانے میں ہر علاقہ کا ہشیار لومڑی ہر زمانے ہر علاقے کی عیار ہے جب یہ قاعدہ کلیہ حقیقیہ سمجھ لیا تو یاد رکھو کہ گرگٹ فطرتاً جنساً فاسق موذی اور نبی سے نبوت سے دشمنی رکھنے والا ہے یعنی مذہباً وہابی نہیں بلکہ فطرتاً وہابی ہے اس لیے اس کو سزا بھی جنساً ہوگی نہ کہ فرداً۔ مگر کرد انسان ہے اس کی کسی سے نفرت مخالفت دشمنی جنساً نہ تھی بلکہ اس کے کفر بے دین کی وجہ سے تھی اگر وہ مومن ہوتا یا ہو جاتا تو اس کو ایسا مشورہ دینے کی ہمت نہ ہوتی نہ وہ دیتا اور اگر بعد میں بھی اپنی زندگی کے اندر مومن و تائب بن جاتا تو یقیناً سزاء ابدی سے معافی مل جاتی اسی انفرادیت کی وجہ سے دوسرے کردوں کو اس سزا میں شامل نہیں کیا جا سکتا خواہ وہ مومن ہوں یا کافر ہاں البتہ بعد کے کفار اس کرد کے اس مشورے کو اچھا کہنے والے اسی طرح بد بخت ضرور ہوں گے

marfat.com

اور ان کو حکمائے شُنَنِ ابراہیم اور حمایتی نارِ نمرود ضرور کہا جائے گا جیسے کہ رب تعالیٰ نے قاتِلینِ انبیا یہود یوں
کو اچھا کہنے والے بہت۔ بعد کے یہودیوں کو بھی قاتِلینِ انبیا میں شمار فرمایا اور لِمَا تَقْتُلُوْنَ
(الخ) سے مخاطب کیا مگر سزا ان کی شل نہ دی گئی اور جیسا کہ یزید پلید کی حمایت کرنیوالے
دیوبندی بھی یزید کی طرح شرعًا بے دین ہے۔ اسی بنا پر گرگٹ کی عداوتِ ابراہیم اس کے مذہب
یا سیاست یا قومیت وطنیت کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ جنسی جبلّت فطرت کی وجہ سے تھی
جب جنس ایک تو فطرت ایک لہٰذا سزا بھی تاقیامت سب کو ایک۔ اگر چوہا نقصان کرے تو
سب کو زہر ڈالا جاتا ہے یہ بے انصافی نہیں ہوتی تو پھر فرمانِ حدیث بھی بے انصافی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَنْفَعُكُمْ شَیْئًا وَّلَا یَضُرُّكُمْ
اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ قَالُوْا
حَرِّقُوْهُ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِیْنَ۔ قلبِ مزکی نے فرمایا اے دنیوی
ضد تکبر کے بچاریو کیا تم اب بھی دینِ انوارِ عرفانی کے مقابل اب بھی ان بیہودہ رسومات
فانی کی تعظیم کرتے ہو ان کو بڑا سہارا سمجھتے ہو جو آخرت کے کسی مرحلے میں نہ تمہارا کچھ نفع کر سکتی
ہیں۔ نہ ترکِ لذات پر تمہارا کچھ نقصان کیونکہ نافع اور ضار ہادی و مُضل تو صرف خالق
اجسام ہے نہ کہ اس کا غیر اے بندہ نہ بننے والو اُلٹی عقلوں والو پس اب تمہارے وجود
بے سود کے لیے بیکسی کی تباہی ہے اور تمہاری ان ساری عاداتِ خبیثہ و رسوماتِ رذیلہ کے
وجود کو بھی اور ہر ماسوا اللہ غیر اللہ عدوُ اللہ کے وجود کو بھی اُفّ ہے تم پر کیا اب بھی گوشِ
ہوش کو نہ کھولو گے اور نفسِ مدہوش عقلِ بے ہوش سے نہ چھوٹو گے نہ سمجھو گے نہ سنبھلو
گے۔ کب جانو گے کہ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَا مُؤَثِّرَ اِلَّا اللّٰهُ۔ اس تقریر خوشگوار تبلیغ
آشکار باطنی اسرار کو سن کر بھی معاندینِ فطرت مخالفین نصرت نے پکارا کہ پھینک دو اس
کو نارِ عشق میں جلتا رہے اور بھڑکاؤ اس قلبِ مصلح پر ہر طرف سے آگ کو پہلے سے بھی زیادہ
ڈال دو اس میں اس کے حقائق کی لکڑیاں و معارف کے جلتے تیل یہی اس نارِ عشق کا ایندھن
ہے بہت دعوے کرتا پھرتا ہے یہ مَلَكُوْتُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کے دیکھنے کے اب
دیکھ لے یہ اس نارِ عشق میں اپنے پر تجلیاتِ جمال و جلال کو انوارِ صفات سے بھڑکتے
شعلوں کو اسرارِ اسمائیہ کی حرارتوں میں تمہاری آنکھوں کے پردوں کے پیچھے یہی ہم نمرودانِ
مجاز کا مقصود ہے اس آگ کے ظہور سے اور یہی ہمارے معبودانِ خواہشات کی مدد ہے

marfat.com

لہذا اے باطل توڑ دو۔ وَانْصُرُوْٓا اٰلِهَتَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ۔ مدد کرو بچاؤ اپنی لذاتِ دنیوی کے معبود کو شہواتِ معشوق کو اگر تم حصولِ دنیا چاہتے ہو تو سمجھ لو کہ نارِ فساد برپا کرنا ہی مددِ باطل ہے جتنی ہمت ہو سکے حق و صحیح کی مخالفت کرو اس کے خلاف سب کو ورغلاؤ بھڑکاؤ اکساؤ حق کو مٹاؤ صحیح کو ستاؤ (محی الدین ابن عربی) تفسیر روح البیان نے فرمایا ہے کہ بتوں سے مدد مانگنا ایسا ہی ہے جیسے قیدی قیدی سے رہائی مانگے اکابر صوفیا نے فرمایا کہ دردوالے سے مانگنا حماقت ہے۔ اور رَاِنِّیْ قَرِیْبٌ کا دعویٰ اور وعدہ بجز پروردگارِ عالم کسی کا نہیں اسی لیے اسی کی عبادت حق ہے ہر ما سوا اللہ عبث اور لہو ولعب ہے یعنی وجود میں عبث عمل میں لہو اور قول میں لعب ہے اور عَبَث ولَهْو ولعِب سے تعلق جوڑنا اُف اور تُف اور ہلاکت ہے (حکایت) خواجہ حسن بصری کے مرید حبیب عجمی کی بیوی نے اپنے خاوند سے شکایت و مطالبہ کیا کہ جاؤ کسی کی مزدوری کرو اور اس کی اجرت سے کچھ آٹا سالن لاؤ گھر میں فاقے ہو رہے ہیں حبیب عجمی باہر نکل گئے اور کسی مسجد میں جا کر عبادت کرنے میں مشغول ہو گئے اور رات تک عبادت کرتے رہے پھر رات کو اسی وقت گھر آئے جب مزدور آتے ہیں حالانکہ آپ کے پاس کچھ نہ تھا جب بیوی نے پوچھا کہ لائے کچھ نہیں تو آپ نے فرمایا کہ ایک عظیم کریم کے گھر مزدوری کی مگر اس سے کچھ مانگتے ہوئے مجھ کو شرم آئی۔ اسی طرح تین دن ہوتا رہا چوتھے دن بیوی نے کہا کہ یا تو تم اسی عظیم کریم سے اجرت طلب کرو یا کسی اور کا کام کرو یا پھر مجھے طلاق دیدو آپ صبح سے شام تک پھر نکل گئے اور عبادت کرتے رہے جب چوتھی رات کو گھر آئے تو دیکھا کہ گھر کھانوں اور نعمتوں سے بھرا ہوا ہے آپ نے بیوی سے پوچھا یہ کہاں سے آئے ہیں بیوی نے کہا جس کریم کے گھر تم تین دن کام کرتے رہے اُس نے یہ کھانے اور سونے سے بھری ایک تھیلی بھجوائی ہے اور لانے والے نے ہی بتایا کہ اُس کام والے نے بھجوائے ہیں، حبیب عجمی رو پڑے اور فرمایا کہ میں نے ان سب دنوں میں مسجد کے اندر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی ہے یہ سب کچھ اُسی کی بارگاہ سے آیا ہے جب بیوی نے یہ بات سنی تو اپنی پچھلی بات سے توبہ کی اور آئندہ گلہ نہ کرنے کی قسم کھائی اور خود بھی اسی کریم کے دروازے پر صبر و شکر کے سجدے میں گر گئی۔ اس حکایت سے تین باتیں معلوم ہوئیں ۱۔ دعا سے اتنا نہیں ملتا جتنا یادِ الٰہی وذکرِ مصطفائی سے ملتا ہے ۲۔ صبر کے ذریعہ ہی بندہ فتح و کامیابیٔ منزل تک پہنچ سکتا ہے

marfat.com

۳ جب کسی کو سچی معرفت کا عطیہ ملے تو اُس کو سچی توبہ کرنی چاہیئے سچی توبہ کے تین جز ہیں پہلا جز توکل دوم قناعت سوم عبادت پر لزوم ویابندی ، کامل عبادت کا نقشہ دو چیزیں ہیں ۱ اطاعتِ الٰہی ۲ اتباعِ مصطفائی۔ جو شخص برہان و معرفت کے بعد بھی حق سے اعراض کرے اُس نے اپنے سے خیانت کی اور حق کی اہانت کی جیسا کہ قومِ نمرود نے حق و صداقت کو جاننے کے بعد بھی ثُمَّ نُكِسُوا عَلٰى رُءُوسِهِمْ کا مظاہرہ کرتے ہوئے کفر پر اصرار و عبادتِ اَحجار کیا تو ہلاکت بِعُوضِ صغار پائی دنیا تو نافرمانوں کے لیے رب تعالیٰ کا قہر خانہ ہے اے بندے اگر تو قہر کرے گا تو قہر ہی دیکھے گا۔ قہر کی تلوار تو بحر و بر میں ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ باری تعالیٰ جس مخلص کو قربِ خاص میں بلانا چاہتا ہے اُس کا فدیہ بناتا ہے یہ امتحانِ نارِ نمرود فدیۂ خلّت تھا، اور بڑا امتحان راستے میں جبرئیل و ملائکہ کے سوالات تھے ابراہیم علیہ السّلام نے سب میں کامیابی حاصل کر کے چادرِ خلیلی کو غَشِّ بشری سے بچا لیا لہٰذا انعام یہ ملا کہ قُلْنَا يَا نَارُ كُونِي بَرْدًا وَسَلَامًا عَلٰى إِبْرَاهِيمَ ۔ وَأَرَادُوا بِهِ كَيْدًا فَجَعَلْنَاهُمُ الْأَخْسَرِينَ وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ ہم نے نارِ عشقِ حقیقی کو حکم دیا کہ سراپا ء ابراہیم محبت پر اپنی حرارت و حراقت کو ختم کر کے بَرْدًا وَسَلَامًا کی بقاءِ دائمی کی ٹھنڈک اور وصلِ ذات کی سلامتی والی ہو جا کیونکہ لذتِ وصول کی ٹھنڈک روحِ کامل کو مفید ہوتی ہے اور حادثاتِ ناگہانی کے نقصانات سے سلامتی مفیدِ قلب و قالب ہے۔ آفت یا امکانِ فنا نارِ عشق کی خاصیت ہے اعداءِ ناسوتی نے اِحراقِ فنائیت کا بڑا جال بچھایا تھا تو ہم نے ہی کُمَا لَأَ فَلَاخَارُتَبَأ تینوں طرح اہلِ ناسوت کو ناکام کر دیا اور قلبِ مرید کو بچا لیا ابراہیم باطن کی نارِ عشق کو گلزارِ وصل بنا دیا اسی لیے ابراہیم خلیل نے فرمایا تھا کہ جو لذت و نعمت راحت و اُلفت آگ میں رہنے والے دنوں میں حاصل ہوئی وہ کبھی نہ آئی اور بچا لیا ہم نے قلبِ عاشق کو بھی اور اُس کے ساتھ ہی لوطِ عرفانی کی عقل کو بھی گہوارۂ فنا سے وادیِ بقا کی جانب وجودِ حقانی دے کر طبیعۃِ عملیہ صالحہ کی اس سرزمین احکامِ الٰہیہ فرمانِ نبویہ کی طرف جس کو حکم ہم نے کمالاتِ عقلیہ ثمراتِ فکریہ آدابِ جسدیہ اُمورِ حسنیہ طرقِ مفیدہ شرائعِ نافذہ ملکاتِ فاضلہ کی نعمتوں کی برکت و کثرت عطا فرمائی معرفتِ ایمان و عقیدۂ ایقان کے تمام جہانوں کے لیے تاکہ تربیتِ رسول سے ہدایتِ وصول کے فیضِ قبول کی راہِ ہجرت پائیں اور استعدادِ خیر حاصل کرتے رہیں صوفیا،

marfat.com

فرماتے ہیں کہ جسم مومن میں قلب عرفانی ابراہیم عشق ہے اور نفسِ مطیع لوطِ برکات ہے تقویٰ اُس کی ہجرت ہے ہجرت اُس کی نفرت ہے طہارت اُس کی نعمت ہے نارِ اعداء غرور اُس کی خلوت اَرضِ بَارَکْنَا اس کی تجارت ہے جو مومن ہیں اور جن کا توکل قائم ہے ان کا کمال یہ ہے کہ اُن کا توکل اُن کے قلب کے دروازے کو کھٹکھٹاتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خوش بخت لوگ توکل علی اللہ کو مستقل طور پر اختیار کر لیتے ہیں۔ مردِ مومن عطاءِ فیوضات سے کبھی سیر نہیں ہوتا بلکہ چوکھٹِ کبریا پر ہمیشہ یہی دعا عرض کرتا رہتا ہے کہ ھَلْ مِنْ مَّزِیْدٍ ۔ اے رب مجھے اور برکتیں عطا فرما اَہلُ اللہ کو اگر روحانیتِ نبیٰی کلیمیتِ موسیٰ اور خُلتِ ابراہیم علیہم السلام کے آستانوں سے بھی فیضِ برکات کا کچھ حصہ مرحمت ہو جائے تب بھی وہ دستِ طلب اور کاسۂ گدائی آستانۂ کبریائی پر بلند ہی رکھیں عقل مند بندہ کثرت کا طالب نہیں ہوتا برکت کا طالب ہوتا ہے۔ کیونکہ فیضِ الٰہی برکت میں ہے نہ کہ کثرت میں اور اللہ تعالیٰ کے فیض کی انتہا نہیں ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ صفاتِ نبوت مخصوص ہوتے ہیں اَجسامِ انبیا میں کسی غیر کو حاصل نہیں ہو سکتے اس لیے اِس کی دعا مانگنا گناہ ہے لہٰذا بندے کو چاہیئے قوتِ روحانی کے فیض کو آستانۂ انبیاء علیہم السلام سے طلب کرتا رہے یہ طلب ہی فیضِ ربانی کا راستہ ہے۔ دنیا میں قناعت کرنی اچھی ہے مگر دین میں اپنے موجودہ حال پر قناعت نہ کرنی چاہیئے بلکہ مزید کی طلب کرتا رہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ ؕ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً ؕ وَ

اور بخشا ہم نے ان کو اسحاق پھر یعقوب بن مانگے۔ اور

اور ہم نے اُسے اسحاق عطا فرمایا اور یعقوب پوتا۔ اور

كُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِينَ ﴿٧٢﴾ وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً

ان تمام کو بنایا ہم نے بہت اچھے کام کرنے والا۔ اور بنایا ہم نے ان سب کو بڑے امام کہ

ہم نے اُن سب کو اپنے خاص قرب کا سزاوار کیا۔ اور ہم نے اُنہیں امام کیا

marfat.com

يَهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ

ہدایت دیتے رہیں ہماری شریعت کی اور وہ شریعت وحی کی ہم نے اُن کو

کہ ہمارے حکم سے بلاتے ہیں اور ہم نے انہیں وحی بھیجی اچھے

الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ ج

سب کی طرف نیکیاں کرنے اور نماز قائم رکھنے اور مالی صدقات دینے کی

کام کرنے اور نماز برپا رکھنے اور زکوٰۃ دینے کی

وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ﴿۷۳﴾ ج لا وَلُوْطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا

اور تھے وہ ہمارے لیے بہت عبادت کرنیوالے۔ اور لوط کو ان کو بھی ہم نے نبوت

اور وہ ہماری بندگی کرتے تھے۔ اور لوط کو ہم نے حکومت

وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ

اور بڑا علم دیا اور بچایا ہم نے ان کو ایسی بستی سے جو بہت سارے خباثت

اور علم دیا اور اُسے اُس بستی سے نجات بخشی جو

تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ط اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ

کے عمل کرتی تھی۔ اس لیے کہ بے شک وہ سب ہی بدعقیدہ نافرمانی کی

گندے کام کرتی تھی بے شک وہ بُرے لوگ

فٰسِقِيْنَ ﴿۷۴﴾ لا

حالت والے لوگ تھے۔

بے حکم تھے

marfat.com

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت ابراہیم کے امتحانات اور آزمائشوں اور موذیوں کی ایذاؤں کا ذکر اور ان سے بچالئے جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں امتحان میں کامیابی کے بعد انعامات ملنے کا تذکرہ ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں ذکر ہوا کہ حضرت ابراہیم اپنی کافر قوم کو کس طرح سے تبلیغ فرمایا کرتے تھے۔ اب ان آیات میں حضرت ابراہیم کی اُس شریعت اور قانونِ الٰہیہ کا ذکر ہے جس کی تبلیغ فرمایا کرتے تھے تیسرا تعلق۔ پچھلی آیات میں منکروں کو تبلیغ کا ذکر ہوا اب ان آیات میں اہل ایمان اور گھروالوں کو تبلیغ فرمانے کا ذکر ہوا چوتھا تعلق پچھلی آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان کا تعارف بیان فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ نَافِلَةً ۔ وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ۔ وَجَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ۔

واؤ سر جملہ۔ وَهَبْنَا۔ باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم معروف مثبت وَهْبٌ سے مشتق ہے بمعنی بخشنا عطا کرنا۔ اسی سے ہے وَهَّاب اللہ تعالیٰ کا ایک نام بروزنِ فعّال صیغہ مبالغہ بمعنی بہت ہی عطا کرنے والا۔ اگر اس کے آگے یاءِ نسبت لگا دی جائے تو وھابی بن جاتا ہے مگر مشہور دیوبندی وہابی فرقے کا لقب اس نسبت سے نہیں بلکہ وہ عبدالوھاب نجدی کی نسبت سے ہے جیسے کہ قادیانی مرزائیوں کا لقب احمدی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت پاک سے نہیں بلکہ غلام احمد قادیانی کی نسبت سے ہے مگر مسلمانوں کو جائز نہیں کہ ان کو احمدی کہیں بلکہ قادیانی یا مرزائی کہنا چاہیے لَهٗ یہ جار مجرور متعلق ہے اسحٰق اسم مفرد وغیرہ منصرف کیونکہ علَم و عجمی ہے زبان عبرانی کا لفظ ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ یعقوب اسم مفرد منصرف ہے کیونکہ عجمی علَم نہیں بلکہ عربی لفظ بروزنِ یعقوب عقبٌ سے بنا ہے ایک نبی علیہ السلام کا نام حضرت اسحٰق نبی کے بیٹے یہ صفاتی نام ہے کیونکہ یہ اپنے جڑواں بڑے بھائی عیصو کی ایڑی سے جڑے ہوئے پیدا ہوئے کھال کاٹ کر جدا کئے گئے ان کا عبرانی نام اسرائیل تھا اور ان ہی کی اولاد کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے یہاں تنوین سے مانع تابعِ عطفی ہے نہ کہ غیر منصرف ہونا۔ ایک

marfat.com

قول میں یہ عجمی علم ہے اس لیے غیر منصرف ہے۔ بحالتِ نصب ہے عطف کی وجہ سے ذوالحال ہے
نَافِلَةً اسم مصدر معرب بروزنِ عافیۃ۔ نَفَلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بن مانگے عطا یا طلب
سے زیادہ عطا تھی یہ حال ہے یَعْقُوْبَ کا دونوں مل کر معطوف ہوئے اسحاق پر دونوں
عطف مل کر مفعول بہ ہوا وَهَبْنَا کا یہ فعل بافاعل سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ایک قول میں
نَافِلَةً دونوں اسحاق و یعقوب کا حال ہے اور نفل بمعنیٰ عطا کرنا ہے۔ یعنی ہم نے دونوں عطا کئے
درانحالیکہ یہ دونوں ہماری طرف سے زیادتی کرم تھا ایک قول میں نفل بمعنیٰ عطا کرنا اور نَافِلَةً
مفعول مطلق ہے وَهَبْ کے ہم معنیٰ ہونے کی وجہ سے واؤ نیر جملہ كُلًّا اسم جمع تاکیدی كُلٌّ
بمعنیٰ تمام مراد ہے یا ہر ایک مراد ہے چار انبیاء علیہم السّلام مفعول بہ اوّل مقدم ہے نحوی
قانون میں اسماءِ تاکیدی تعدادی پانچ ہیں ۱ كُلٌّ ۲ اَجْمَعُ ۳ اَكْتَعُ ۴ اَبْتَعُ ۵ اَبْصَعُ
یہ پانچوں ہمیشہ اپنے حقیقی معنوں میں ہی رہتے ہیں ان کا نفاذ اپنی جزئیات کے اعتبار سے
ہوتا ہے مثلاً یہاں كُلًّا کے جزئیات چار ہیں ابراہیم، لوط، اسحاق یعقوب ان الفاظ کی قلت
کثرت زیادتی کمی اپنے مدخول کے اعتبار سے مکمل ہوتی ہے۔ بعض جہلا نے كُلٌّ کو بھی حقیقی
اور اضافی بنا ڈالا یہ ان کی جاہلانہ حماقت ہے۔ جَعَلْنَا بابِ فَتَحَ فعل ماضی جمع متکلم جَعْلٌ
سے بنا ہے بمعنیٰ کر دینا بنا دینا کسی صفت سے متصف کرنا خیال رہے کہ ان تینوں آیت میں
تمام ضمائر جمع متکلم کا مرجع رب تعالیٰ ہے۔ صَالِحِيْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے
صَالِحٌ صُلُوْحٌ یا صَلَحَ سے مشتق ہے بابِ ضَرَبَ میں گردان و اشتقاق ہوتے ہیں بحالتِ نصب
ہے کیونکہ مفعول دوم جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا واؤ سیر جملہ۔ جَعَلْنَا فعل
بافاعل هُمْ ضمیر مذکر غائب مرجع ہے ابراہیم لوط اسحاق، یعقوب علیہم السّلام۔ بحالتِ نصب
ہے کیونکہ مفعولِ دوم جَعَلْنَا سب سے مل کر جملہ خبریہ ہو گیا واؤ سیر جملہ۔ جَعَلْنَا فعل بافاعل هُمْ ضمیر
مذکر غائب مرجع ہے ابراہیم لوط اسحاق، یعقوب علیہم السلام بحالت نصب کیونکہ مفعول بہ اول ہے
اَئِمَّةً اسم جمع مکسر امام بروزنِ فِعَال کی جمع ہے بمعنیٰ افضل۔ پسندیدہ، مقتدا و قائد، راہنما
یہاں سب معنوں میں ہے۔ موصوف ہے يَهْدُوْنَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع حال
جمع مذکر غائب بمعنیٰ ماضی استمراری هُدًى وَهِدَايَةً سے بنا ہے بمعنیٰ
راہ دکھانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ بِ جارہ تعدیہ کی یا بمعنیٰ اِلیٰ۔ اَمْرِ اسم مفرد بمعنیٰ شریعت
نَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے يَهْدُوْنَ سب سے مل کر

marfat.com

جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَئِمَّۃً کی یہ مرکب توصیفی مفعول دوم ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ مکمل ہوا واؤ سر جملہ۔ اَوْحَیْنَآ۔ باب۔ افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم وَحْیٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِیْحَاءٌ دراصل اِوْحَاءٌ تھا الف کے کسرے کی وجہ سے واؤ کو یٰ بنا دیا گیا وحی کی چالیس قسمیں ہیں رب تعالیٰ کے کلام کو وحی کہا جاتا ہے اِلَیْھِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحَیْنَا کا ان دو آیتوں کے جمع غائب کے صیغوں وضمیروں کا مرجع یہی مذکورہ بالا چار پیغمبر علیہم السلام ہیں۔ فِعْلَ اسم مصدر مضاف الخیرات اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد خَیْرٌ یا خَیْرَۃٌ ہے چونکہ غیر ذوی العقول میں سے ہے اس لیے اس کی جمع مؤنث ہی ہو گی بمعنیٰ اچھے کام خیال رہے کہ دینی دنیوی لحاظ سے اچھے کام فعل خیرات ہیں اور فقط دینی اعتبار سے اچھے کام فعل الحسنات ہیں ایک قرأت میں یُفْعَلُ الخیرات فعل مجہول سے ہے۔ یہ لفظ مفعول مضاف الیہ ہے فِعْلَ کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِقَامَ باب افعال کا مصدر ہے دراصل تھا اِقْوَامَ، واو پر فتحہ ثقیل ساکن کیا دو ساکن جمع واو گر گئی ماقبل قاف کو فتحہ دیا مابعد الف کی وجہ سے یہ مصدر مضاف الصَّلٰوۃِ مفعول مضاف الیہ دونوں شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ حرف ہے اِیْتَاءَ باب افعال کا مصدر مضاف ہے اَتْیٌ سے بنا ہے دراصل تھا اِئْتَایٌ۔ اَلزَّکٰوۃِ اسم مفرد جامد حاصل مصدر لغوی ترجمہ ہے پاک کرنا مراد ہے مالی صدقہ فرضی یہ مفعول مضاف الیہ دونوں شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے خیرات میں نماز زکوٰۃ بھی شامل تھے مگر محض اہمیت کے لیے خاص کو عام پر عطف کیا گیا خیرات عام ہے ان میں خاص خاص کام نماز زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔ سب عطف مل کر مفعول بہ ہے اَوْحَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ کَانُوْا فعل ماضی ناقصہ جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے لام حرف جر ملکیت استحقاقی کے لیے یا زائدہ ہے یا مفعولیت (تعدیہ) کا نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل یہ جار مجرور متعلق ہے عٰبِدِیْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے عَابِدٌ بمعنیٰ عبادت کرنے والا۔ عَابِدِیْنَ بحالتِ نصب ہے کیونکہ خبر ہے کَانُوْا ناقصہ اپنے اسم خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ وَلُوْطًا اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا وَّ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ۔ واؤ سر جملہ لُوْطًا اسم مفرد جامد ہے عبرانی سے معرب ہے اس لیے منصرف معرب ہے عبرانی لغت میں ترجمہ ہے سجدے کرنے والا بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفسرِ مقدم ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ کا۔ اٰتَیْنَا

marfat.com

باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم نا فاعل ہ ضمیر مذکر غائب مرجع ہے لوطاً مفسر ہے دونوں مل کر مفعول بہ اول ہوا اٰتَیْنَا کا حُکْمًا اسم مفرد مصدر حاصل جامد حرب ہے تنوین تعظیمی ہے یعنی بڑا حکم بڑی بادشاہی مراد ہے نبوت کیونکہ بڑی اور سدا بہار ہمیشہ کی سلطنت انبیاء کرام کی ہی ہوتی ہے علیہم السلام۔ یہ لفظ مشترک ہے چار معنی ہیں ۱۔ حکومت ۲۔ حکمت ضد اداد (عقل مندی) ۳۔ فیصلے کرنے کا ملکہ ۴۔ نبوت۔ معطوف علیہ ہے واؤ حرف عطف عِلْمًا اسم مفرد جامد حاصل مصدر تنوین تعظیمی ہے بمعنی بڑا علم یعنی علم نبوت۔ (علم لدنی) معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہے اٰتَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا خیال رہے کہ حضرت لوط علیہ السلام ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے آپ کے بڑے بھائی حضرت ہاران کے بیٹے تھے واؤ سر جملہ نَجَّیْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق مثبت معروف۔ جمع متکلم نَجْیٌ سے بنا ہے بمعنی بچنا چھپنا۔ مناجات کرنا آہستہ آہستہ فریاد، یا دعا کرنا لازم ہے تفعیل میں آکر متعدی ہوا بمعنی بچانا نجات دینا دعا قبول کرنا یہاں پہلے معنی میں ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہ ضمیر کا مرجع لُوطًا ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے مِنْ حرف جارہ بمعنی عَنْ اور مقصد ابتداء غایت ہے اعتزال یعنی ہٹانا دور کرنا۔ اَلْقَرْیَۃِ الف لام عہد خارجی قَرْیَۃ اسم مفرد مؤنث لفظی بمعنی علاقہ بستی مراد ہے علاقے والے انسان موصوف ہے الَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث کَانَتْ تَعْمَلُ باب سَمِعَ کا ماضی استمراری واحد مؤنث غائب اس میں پوشیدہ ہی ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے اَلْقَرْیَۃِ اَلْخَبٰٓئِثَ۔ اسم جمع مُنْتَہَی الجموع اس کا واحد ہے خَبِیْثٌ، یا خَبِیْثَۃٌ بمعنی گندہ کام بے حیائی۔ بدفعلی مراد ہے لواطت یعنی مرد کا مرد سے وطی کرنا لِوَاطَتْ لُوْطٌ یا لَاطَ سے مشتق ہے۔ یہ مفعول بہ تَعْمَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا اِنَّ حرف مشبہ ہُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا اس کا مرجع ہے اہل قریہ یعنی لفظ قَرْیَۃ کی مراد۔ کَانُوْا فعل ماضی مطلق ناقصہ جمع مذکر غائب اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے مرجع ہے اہل قریہ۔ قَوْمَ اسم مفرد معنیً جمع ہے مضاف ہے سَوْءٍ اسم مصدر ہے سَاءَ فعل ذم کا مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ذوالحال ہے فٰسِقِیْنَ۔ اسم۔ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے فَاسِقٌ فِسْقٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی کسی پھل کا چھلکے سے خود بخود باہر نکل آنا۔ اصطلاح شریعت میں کسی انسان کا اپنے ایمانی لباس یعنی حدود شریعت سے باہر نکل جانا اس معنی میں

marfat.com

اس کی چھ قسمیں ہیں ۱۔ نافرمان ۲۔ گستاخ ۳۔ گناہگار ۴۔ بدعمل ۵۔ عملی انکار ۶۔ قلبی انکار یعنی بدعقیدہ ہونا۔ اسی کا آخری درجہ کفر ہے۔ یہی یہاں مراد ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے قوم کا دونوں مل کر خبر ہے گا نُوا ناقصہ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے نَجَّیۡنٰہُ کے جملے کی معلول علت مل کر صلہ ہوا اَلَّتِیۡ کا دونوں مل کر صفت ہے قَرۡیَۃِ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نَجَّیۡنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ایک قول میں اِنَّھُمۡ گانُوۡا کا جملہ علت نَجَّیۡنَا کے جملے کی وَاللّٰہُ اَعۡلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ

وَوَھَبۡنَا لَہٗۤ اِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ نَافِلَۃً ؕ وَکُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِیۡنَ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یَّھۡدُوۡنَ بِاَمۡرِنَا وَاَوۡحَیۡنَاۤ اِلَیۡھِمۡ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ وَاِیۡتَآءَ الزَّکٰوۃِ ۚ وَکَانُوۡا لَنَا عٰبِدِیۡنَ۔

اور اس نجات کے بعد ہماری راہ میں ہجرت کر کے اپنا سب کچھ چھوڑ دینے کے بعد ہم نے عطا فرمایا ان کو ان کی پرانی دعا قبول فرماتے ہوئے ایک اور بیٹا اسحاق اور بغیر دعا و طلب کے محض اپنے کرم اور رضا سے ایک پوتا یعقوب نافلہ یعنی زائد عطا فرمایا اور انعامات صرف یہی نہ فرمائے بلکہ اِن سب چاروں ابراہیم، لوط اسحاق و یعقوب علیہم السّلام کو ہر قسم کی قابلیت لیاقت و صلاحیت والا ہم نے بنایا کہ اپنی اصلاح رکھنے والے قوموں کی اصلاح کرنے والے تھے اور ہر قسم کے ظاہری باطنی قلبی نفسی جسمی فساد سے بچنے اور اپنی اپنی قوموں کو بچانے والے تھے اور مزید انعام ہم نے یہ فرمایا کہ اِن سب کو اتنا بڑا امام و مُقتدا بنایا کہ ہمارے امر ہماری شریعت کی اپنی اپنی اُمتوں کو ہدایت دیتے تھے اور ہم نے بذریعہ صُحُف کثیر و کبیر اُن کی طرف اپنا امر اور دین کے اچھے کام اعمال و اقوال کی وحی بھیجی کہ دنیوی زندگی میں انسانوں کے لیے یہ باتیں نیکیاں ہیں اور یہ کہ تمام اعمالِ آخرت میں سے اعلیٰ افضل عمل نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ اپنے شرائط پر پابندی سے ادا کرنا ہے یہ بات بھی ہم نے وحی کے ذریعے ہی بتا دی تھی اِس لیے کہ نماز میں عظمتِ معبود کبریائی مسجود کے سامنے نیاز بندگی ظاہر کرنا ہے اور زکوٰۃ میں شفقتِ عباد عطا کرنا ہے۔ اور تھے یہ سب چاروں نبی ہر وقت تمام زندگی امور دینی معاملاتِ دنیوی اور عبادت و ریاضتِ خلوت جلوت

marfat.com

حاجت مناجات ہیں ہمارے ہی بندے ہمارے ہی سامنے جھکنے مانگنے التجائیں فریادیں کرنے والے۔ کسی غیر کی طرف کسی ضرورت میں توجہ کرنے کا کبھی اُن کے دل میں خیال نہ آیا۔ ہم نے اُن سے ربوبیت کا وعدہ پورا کیا انہوں نے ہم سے عبدیت کا وعدہ پورا کیا اس طرح کہ ہم نے ربوبیت کے وعدہ میں پہلے ان کو صالحین قابلین لائقین بنایا پھر ان کو امام بنایا پھر ان کو اپنی وحی کر کے نبی بنایا یعنی قوموں کی طرف مبعوث فرمایا اور انہوں نے بھی ہماری ایسی بندگی ادا کی کہ دعا دعبادت کا حق پورا کر دیا اور اس عبادت گزاری سے ہمارے انبیا کی ہماری بارگاہ میں وہ شانِ عظمت ہے کہ خود ہم نے عالمین کو بتا دیا کہ گانُوْا لَنَا عَابِدِیْنَ۔ ہم فرماتے ہیں کہ یہ ہمارے عابدین تھے دیگر مخلوق خود اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے عابد و ساجد ہیں مگر انبیا کے حق میں خود رب تعالیٰ فرماتا ہے یہ ہیں میرے عابدین و ساجدین اس سے ثابت ہوا کہ انبیا کی عبادت بھی بے مثل ہے مختصر تاریخی واقعات کچھ اس طرح ہیں کہ حضرت تارخ خود بھی تین بھائی تھے ۱ تارخ ۲ حاران ۳ آزر۔ اور حضرت تارخ کے اپنے بیٹے بھی تین تھے ۱ ہاران ۲ ناحر ۳ ابراہیم۔ تارخ اپنے بھائیوں میں سب سے بڑے ابراہیم اپنے بھائیوں میں سب سے چھوٹے اس طرح تاریخ ابراہیمی میں دو ھاران ملتے ہیں ایک ابراہیم علیہ السّلام کے چچا اور ایک آپ کے بڑے بھائی مفسرین نے فرق رکھنے کے لیے چچا ہاران کو ہارانِ اکبر اور بھائی ہاران کو ہارانِ اصغر کا لقب دیا۔ ہاران اکبر کی اولاد میں صرف ایک بیٹی سارہ تھیں۔ آزر لاولد تھا۔ بعض نے فرمایا کہ آذر نے شادی ہی نہ کی تھی۔ ابراہیم علیہ السّلام نے نارِ نمرود سے نکل کر کچھ دن بابل وطن میں قیام کیا پھر گندے کفریہ ماحول سے اُکتا کر اپنے بڑے چچا ہارانِ اکبر کے گھر قریہ کنعان میں آ گئے ایک مشہور قول ہے کہ ھاران اکبر نارِ نمرودی کے واقعے سے پہلے ہی فوت ہو گئے تھے اور اُن کی بیوی سے ھارانِ اصغر نے نکاح کر لیا تھا۔ چچی اجنبیہ سے نکاح بیوہ یا مطلقہ ہو تو جائز ہوتا ہے چچا کی بیوی ابدی حرام نہیں ہوتی اس طرح سارہ لوط علیہ السّلام کی رشتے میں پھوپھی ہوئیں اور سوتیلی بہن بھی ہوئیں جو بابل شہر سے پانچ میل دور ہے یہاں آپ تقریباً دس سال رہے اسی شہر میں حضرت لوط علیہ السّلام آپ کے بھتیجے بھی رہتے تھے وہ آپ پر پہلے سے ہی اپنا ایمان ظاہر فرما چکے تھے آپ کی شریعت پر عامل تھے۔ لوط علیہ السّلام حضرت سارہ سے

marfat.com

سے دو سال چھوٹے تھے وہ لوط علیہ السّلام کی پھوپھی بھی تھیں ابراہیم علیہ السّلام کی چچا زاد حاران اکبر کی بیٹی ابراہیم علیہ السّلام سے پانچ سال چھوٹی تھیں جب ابراہیم علیہ السّلام کی بائیس سال اور حضرت سارہ کی عمر سترہ سال ہوئی تو اسی شہر میں حاران کی بیٹی سارہ کا نکاح ابراہیم علیہ السّلام سے ہوا اُدھر بابل کے علاقہ میں چار سالہ قحط پڑا تو نمرود نے اپنی رعایہ میں مفت گندم بانٹنی شروع کی جو اُس کے پاس گندم لینے جاتا اُس سے پوچھتا کہ بتا تیرا رب کون ہے وہ جواباً کہتا تو ہے رب اس سے سجدہ کراتا پھر اُس کو گندم دیتا اور کہتا کہ رب کا کام ہے پالنا دیکھ میں ہی سب کو پال رہا ہوں، حضرت ابراہیم کبھی یہ گندم لینے نہ گئے۔ ایک مرتبہ سارہ نے عرض کی کہ آپ بھی یہ مفت کی گندم لے آیئے تب بادلِ ناخواستہ بار بار سارہ کے کہنے پر گئے نمرود نے ابراہیم علیہ السلام سے بھی وہی سوال کیا آپ نے ایسا لاجواب مناظرہ فرمایا کہ نمرود گھبرا گیا اِسی مناظرے کا ذکر پارہ سوم سورۃ بقرہ آیت ۲۵۸ فَبُهِتَ الَّذِی کَفَرَ۔ میں مذکور ہے اور آپ بغیر گندم لیے واپس چلے آئے اور اپنی بوری میں کسی ضرورت کے تحت راستے سے ریت بھر کر لے آئے اور بغیر کچھ بتائے ایک کونے میں رکھدی خود جاکر سو گئے بیوی سارہ نے جب بوری کھولی تو دیکھا کہ نہایت عمدہ موٹی موٹی خوشبو دار بھینی سوندھاہٹ والی گندم سے بوری بھری ہوئی ہے صاف ستھری آپ نے تھوڑی نکالی پیسی گوندھی روٹیاں پکا رہی تھیں کہ ابراہیم علیہ السّلام بیدار ہو کر تشریف لائے اور پوچھا کہ یہ آٹا کہاں سے آیا۔ حضرتِ سارہ نے عرض کیا کہ اُس گندم میں سے تھوڑی پیسی گوندھی ہے جو آپ لائے تھے آپ نے بھی کھول کر بقیہ گندم کو دیکھا۔ سمجھ گئے کہ قدرتِ الٰہی سے وہ ریت گندم بنا دی گئی ہے۔ حضرت سارہ کو تمام واقعہ سنایا تب فوراً سب نے رب تعالیٰ کے کرم پر سجدۂ شکر ادا کیا وقت گزرتا رہا یہاں تک کہ آپ کو وحی آئی کہ اب اس قوم پر عذابِ ہلاکت آنے والا ہے اے ابراہیم اب تم مع اپنی بیوی کے یہاں سے فلسطین کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ اس ہجرت کے وقت ابراہیم علیہ السّلام کی عمر بتیس ۳۲ سال تھی، حضرت سارہ کی عمر ستائیس ۲۷ سال تھی۔ اُدھر حضرت لوط علیہ السّلام کو وحی آئی کہ تم بھی ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کر جاؤ۔ اس طرح یہ مختصر قافلہ تین افراد پر مشتمل بستی کنعان سے روانہ ہو کر شہرِ حیران میں آیا وہاں کچھ دن قیام فرما کر پھر وہاں سے مصر میں پھر کچھ دن بعد مصر سے شام پھر شام سے فلسطین میں مستقل قیام فرمایا لوط علیہ السّلام کو حکم ہوا کہ تم علاقۂ

marfat.com

مؤتفکہ کے لیے مبعوث فرمائے گئے ہو وہاں جاکر رہائش رکھو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے نکاح کے پندرہ سال بعد چھتیس ۳۶ سالہ عمر میں اولاد بیٹے کی دعا مانگی کہ۔ رَبِّ هَبْ لِي مِنَ الصّٰلِحِيْنَ (سورۃ صافات آیت ۱۰۰) یہ دعا دو بیٹوں کی عطا کی صورت میں دو مرتبہ قبول ہوئی پہلی مرتبہ دعا کے پچاس سال بعد جب کہ آپ کی عمر مبارک چھیاسی سال تھی اسماعیل علیہ السلام پہلے اور اکلوتے بیٹے کی شکل میں دعا کی قبولیت کا ظہور ہوا۔ پھر دوسری بار حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادتِ پاک سے قبولیتِ دعا کا اظہار ہوا اسی کا یہاں ذکر ہے اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیانوے سال تھی اور اسماعیل علیہ السلام دس سال کے تھے گویا پھر دعا ساٹھ سال بعد قبولیت میں آئی۔ لفظ اسحاق عبرانی ہے اس کا معنیٰ ہے بہت ہنسانے خوش رکھنے والا اصل میں یہ لفظ اَلضَّحَّاک ہے ضَحِکَ سے بنا ہے۔ لفظ اسماعیل بھی عبرانی ہے اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کا مطیع (تفسیر روح البیان) بعض نے فرمایا اس کا اصل مجموعہ ہے اِسْمَعْ یَا اِیْلُ یعنی اے اللہ سن لے حضرت اسحاق علیہ السلام کی شادی بھی اکیس سالہ عمر میں ہوئی اس وقت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک ایک سو سترہ ۱۱۷ برس تھی۔ اسحاق علیہ السلام کی شادی کے تین سال بعد آپ کے دو بیٹے پیدا ہوئے جو جڑواں تھے پہلے بیٹے کا عیصو یا عیص نام رکھا گیا عیصو کی ایڑھی سے دوسرے بیٹے کا سر جڑا ہوا تھا جو جدا کیا گیا۔ اس وجہ سے اس دوسرے کا نام یعقوب رکھا گیا جس کا معنیٰ ہے عقب یعنی ایڑھی سے لگا ہوا۔ یعقوب کو نَافِلَةً فرمانے کی دو وجہ ہے۔ ایک یہ کہ۔ آپ کی ولادت بغیر دعا مانگے محض کرم سے عطاءِ ربانی تھی نافلہ کا معنیٰ ہے زیادہ یعنی دعا بیٹے کی تھی زیادتی میں پوتا بھی مل گیا۔ دوم یہ کہ نافلہ کا معنیٰ ہے اچھا پھل یعنی بیٹے کا پھل۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ سارہ بیوی کو بہن کہنے کا واقعہ اسی سفر ہجرت میں پیش آیا تھا مگر یہ غلط ہے تین وجہ سے ۱۔ یہ کہ اس سفر ہجرت میں لوط علیہ السلام ساتھ ہیں مگر اس سفر میں حضرتِ لوط ساتھ نہ تھے ۲۔ سفر ہجرت کے وقت حضرتِ سارہ کی عمر ستائیس سال تھی مگر اس سفر کے وقت حضرتِ سارہ کی عمر پینسٹھ سال تھی ۳۔ اس سفر ہجرت میں اردن کا علاقہ شامل نہ تھا مگر اس سفر میں ابراہیم علیہ السلام صرف اپنی بیوی حضرتِ سارہ کے ساتھ اردن کے علاقہ سے گزرے تھے اور اردن کے ہی جابر ظالم بدمعاش

marfat.com

بادشاہ سادوق کے ساتھ ہی یہ واقعہ ہوا اسی کے پاس شاہ مغرب کی شہزادی حضرت ہاجرہ قید تھیں جو اُس بادشاہ نے حضرت سارہ کو یہ کہتے ہوئے دی تھیں کہ ایک جادوگرنی تیری طرح کی پہلے بھی میرے پاس قید ہے اس کو بھی ساتھ لے جا جس طرح حضرت سارہ کی کرامت بدمعاش بادشاہ نے دیکھی تھی اور پھر خوف سے آپ پر ہاتھ نہ ڈال سکا تھا بالکل اسی طرح حضرت ہاجرہ پر جب ہاتھ ڈالنا چاہا تب بھی قدرت الٰہی سے اُس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا۔ اسی طرح چار بار اُس وقت بھی بدنیت ہوا تھا پھر ڈر گیا مگر ان کو قید کر دیا تھا۔ وہی ہاجرہ اس وقت حضرت سارہ کو دیدی گئیں تھیں وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۔ اے محبوب کریم تذکرہ فرمایئے ہمارے نبی رسول لوطؑ کا اقوام عالم کے سامنے تاکہ تا قیامت دنیا میں اُن کی سچی شان۔ آن۔ قدر و منزلت، عزت۔ وجاہت۔ نبوت۔ رسالت طہارت۔ کرامت۔ ظاہر ہو اور لوگوں کو صحیح حقیقی سیرت۔ بصیرت، سوانح کایت۔ لگے اور یہودیوں عیسائیوں کی بد زبانی کو لگام لگے۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر قرآن مجید کا بیان اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان حضرت لوطؑ اور دیگر انبیا علیہم السلام کی شان بیان نہ فرماتی تو انبیا علیہم السلام کی شانِ اقدس میں یہودیوں کی تالمود اور عیسائیوں کی بائبل میں لکھی ہوئی گستاخیوں بدزبانیوں کا پردہ کبھی فاش نہ ہوتا اور جہان میں شانِ نبوت پوشیدہ رہتی۔ یہاں اِن آیت میں لوط علیہ السلام کی چار تابیں بیان ہوئیں ۱ ابراہیم علیہ السلام کا اُن کو ساتھی بنایا گیا ۲ رب تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے خود ان کو حکم عطا فرمایا یعنی حکمت فراست دیانت لیاقت طاقت جرأت صداقت غلبہ اور فہم کے خزانے عطا فرمائے۔ حق و باطل کا فرق کرنے سمجھنے مقدمات کا فیصلہ کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اور کثیر و عظیم علم بھی خود ہم نے ہی اُن کو عطا فرمایا کہ شریعت طریقت معرفت حقیقت۔ ظاہر۔ باطن، حاضر و غائب۔ جلی و خفی۔ اَسرار و اَنکار کے علوم سے ان کا قلب و قالب عقل و دماغ بھر دیا۔ رب تعالیٰ علم و حکمت کے اِن خزانوں کو ہر نبی رسول مرسَل کے اَجسام۔ بس امانت دائمی، وَدیعت ابدی عطا فرماتا ہے چہارم یہ کہ نجات دی ہم نے حضرت لوط اور اُن کی اہل یعنی دو بیٹوں ۱ زیتا ۲ زغرتا کو اُس گندی، غلیظ و ناپاک بستی سے جس کی سب آبادی نجس اور خبیثانہ کام کرتی تھی مرد بھی عورتیں بھی

marfat.com

ذلیل حرکتیں کرتے تھے۔ مرد عملاً اور عورتیں نظراً۔ ملحدًا رمنورۃ تعاونًا بے تنگ وہاں کے سب رہائشی عقیدۃً کافر قوم اور عملاً فاسق قوم تھی جانوروں سے بدتر تھے۔ روح المعانی میں ہے کہ قوم لوط کے خبیثانہ کام دس تھے ۱ سب سے بدتر باعث رجم لڑکوں سے بدفعلی ۲ حماموں میں عورتوں مردوں کا ایک ساتھ ننگے نہانا اور بے غیرتی کرتے ہوئے پانی سے کھیلنا ۳ ڈھول باجے تالیاں بجانا گھروں بازاروں گلیوں سڑکوں پر ناچنا شور مچانا ۴ شرابیں پینا ۵ داڑھیاں چھوٹی کرنا۔ کترا کر یا منڈوا کر ۶ مونچھیں بڑی بڑی رکھنا ۷ مرد ریشمی لباس پہنتے تھے ۸ محفلوں سڑکوں بازاروں میں گوز چھوڑنا پھر ہنسنا قہقہے لگانا یہ بھی بے غیرتی کی ہی مثل ہے ۹ بنوٹوں کنکریوں پتھروں سے کھیلنا ۱۰ راستوں میں پیشاب کرنا بے پردہ ان بے حیائی کے افعال کو خبائث۔ جمع فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ عربی لغت میں برے قول فعل کے لیے تین لفظ آتے ہیں ۱ خبیث ۲ قبیح ۳ شنیع۔ فرق یہ کہ جو کام یا بات فطری عقلی طبعی۔ شرعی ہر اعتبار سے ہر ایک کو برا لگے وہ خبیث ہے بے غیرتی بے حیائی بدمعاشی اور نقصان وہ تمام کام اس میں شامل یعنی خلقتاً اور مادہ مصدر کے اعتبار سے بدتر۔ خبیث کی تین قسمیں ۱ باطل فی الاعتقاد ۲ کاذب فی المقال ۳ ذلیل فی الافعال قبیح وہ ہے جو شرعاً حرام و ناجائز ہو اور نقصان دہ بھی ہو۔ شنیع وہ قول و فعل جس کو غلط طرز و طریقے سے برا بنا لیا جائے۔ قوم لوط کی بستی کا نام سدوم۔ علاقہ کا نام موتفکہ تھا سدوم صدر مقام تھا اس کے قصبات و قریات تقریباً چھ تھے یہ تمام پتھریلی عذاب سے تباہ کر دیے گئے مگر ایک۔ قصبہ زغرہ بچا لیا گیا وہاں لوط علیہ السلام کی مومن امت رہتی تھی حضرت لوط کو مع اہل خانہ رات کے وقت ہجرت کر کے یہیں چلے جانے کا حکم الٰہی ہوا تھا آپ سدوم سے نکل کر راتوں رات یہیں آ لیے تھے۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ نافلۃً میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے عطیہ دوم یہ کہ نافلہ کا معنیٰ ہے پھل، یا معنیٰ ہے زائد چیز یہ اس کا اصل معنیٰ ہے یعنی ہم نے ابراہیم کو ان کی دعا سے بھی زیادہ عطا فرمایا۔ بیٹے کے بعد پوتا۔ اسی قول کو ترجیح ہے ۲ کلاً میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد چاروں انبیاء ہیں ابراہیم۔ لوط۔ اسحاق، یعقوب علیہم السلام دوم یہ کہ اس سے مراد لوط علیہ السلام نہیں بلکہ تین نبی ابراہیم، اسحاق یعقوب علیہم السلام مراد ہیں ۳ صٰلحین میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے نیک یعنی ہر اعتبار

marfat.com

سے درست دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے صلاحیت اور لیاقت رکھنے والا یعنی ہر کمال کے لائق سوم یہ کہ اِس کا معنیٰ ہے اصلاح کرنے والا فساد مٹانے والا۔ یہ سب قول درست ہیں اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام میں بدرجہ اتم ہر شان موجود ہوتی ہے ۴۔ بِاَمْرِنَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ امر سے مراد حکم و اجازت دوم یہ کہ امر سے مراد شریعت اور وحی باعتبار پہلے قول کے ب بیانیہ ہے ترجمہ ہے وہ انبیا ہدایت دیتے تھے ہمارے حکم اور اجازت سے باعتبار دوسرے قول کے بِاَمْرِنَا کی ب تعدیہ کی ہے تب ترجمہ ہوگا ہماری شریعت کی ہدایت دیتے شریعت پر چلنے کا حکم و تبلیغ فرماتے تھے۔ اس قول سے ثابت ہوا کہ یہ سب انبیاء خود مستقل صاحب شریعت رسول تھے یہی قول درست ہے ۵۔ فعل الخیرات میں دو قول ہیں ایک یہ کہ لفظ فعل اسم جامد ہے بمعنیٰ کام اعمال تب ترجمہ ہوگا۔ ہم نے اُن کو وحی فرمائی خود اچھے کام کرتے رہنے کی اور امت سے اچھے کام کرا نیکی دوم یہ کہ لفظ فعل مصدر بمعنیٰ امر استمراری ہے اور ترجمہ ہے کہ ہم نے وحی فرمائی اُن سب کی طرف کہ کرتے رہو بھلائیوں والے کام خیال رہے کہ قرآن مجید میں امرِ استمراری کی اور بھی بہت مثالیں ہیں مثلاً ایک جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا۔ ترجمہ اے ایمان والوں ایمان لائے رہو۔ یعنی ہمیشہ اسی ایمان پر قائم رہو (سورۃ نساء آیت ۱۳۶) دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰہَ۔ یعنی اے نبی اللہ کا تقویٰ جاری رکھو یعنی کئے رہو۔ (سورۃ احزاب آیت ۱) اور ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَاسْعَوْا اِلٰی ذِکْرِ اللّٰہِ وَذَرُوا الْبَیْعَ (سورۃ جمعہ آیت ۹) ترجمہ۔ جب جمعہ کے دن اذان دی جائے تو فوراً بلا تراخی دوڑ پڑو اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف اور تجارت خرید و فروخت چھوڑے رکھو۔ یہ ذَرُوْا۔ امرِ استمراری ہے اس کا تعلق پورے یوم جمعہ سے ہے ورنہ اذان تو روز اس وقت نمازِ ظہر کے لیے ہوتی ہے اور تھوڑی دیر کے لیے تو روز تجارت چھوڑنا فرض مسجد میں آنا فرض ہے۔ پورے دن تجارت چھوڑنا جمعہ کی خصوصیت یہ جمعہ کے دن کا تقدس قائم فرمانا ہے نمازِ جمعہ کے بعد بھی انتشار فی الارض کا حکم تلاشِ فضل اللہ کے لیے ہے نہ کہ رزق اللہ کے لیے جیسا کہ آگے ارشاد ربانی وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْرًا کا حکم بتا رہا ہے۔ بہرحال یہ سب استمراری امر ہیں ۶۔ وَلُوْطًا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جن مفسرین نے کُلًّا میں تین نبی شامل مانتے ہیں وہ لُوطًا کو اس آیت سے صٰلِحِیْنَ میں شامل مانتے ہیں اور ترجمہ اس طرح کرتے ہیں کہ۔ اور تینوں کو ہم نے

marfat.com

صٰلحین بنایا اور لوط کو بھی۔ دوسرا قول یہ کہ جن مفسرین نے کُلًّا میں چاروں کو شامل مانا ہے وہ لوگ اس آیت کو علیحدہ جملہ مانتے ہیں۔ اور ترجمہ کرتے ہیں کہ اور اے محبوب ذکر فرمائیے لُوط کا اُن کے نزدیک یہاں اُذْکُرْ پوشیدہ ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ قُدس میں سب سے زیادہ عظیم الشان نعمت صرف وُجودِ انبیا علیہم السّلام ہے یہ فائدہ نَافِلَۃً فرمانے میں حاصل ہوا کہ دیکھو اسحاق علیہ السّلام کے جڑواں دو بیٹے پیدا ہوئے پہلے اور چند ساعت کا بڑا لڑکا عیصو تھا مگر بعد والے بیٹے یعقوب کو وَھَبْنَا فرما کر نَافِلَۃً کا انعام قرار دیا گیا۔ انہی کو عطاءِ الٰہی بنایا نہ کہ عِیصُو کو حالانکہ عیصو علیہ الرحمۃ نے بڑی عمر پائی صحابیِ رسول اور فرمانبردار تھے۔ اسی طرح اسماعیل علیہ السّلام کے بارہ فرزند ہوئے جن سے عرب کے بارہ قبیلے بنے ان میں سے چار فرزند ابراہیم علیہ السّلام کی حیاتِ طیبہ میں ہی پیدا ہو گئے تھے ان پوتوں نے بھی اپنے دادا کی خدمت کرنے کی کچھ سعادت حاصل کر لی یہ فرزند ولادتِ یعقوب سے پہلے تولد ہو چکے تھے مگر ان کو نَافِلَۃً نہ فرمایا گیا اس لیے کہ یہ سب پوتے نبی نہ تھے نہ عیصو نہ فرزندانِ یوسف۔ دوسرا فائدہ۔ تمام انبیا علیہم السّلام بچپن میں ہی نیک ہوتے ہیں۔ دیگر اشخاص اولیا علما صُلحا دنیا میں آکر اچھی پاکیزہ تربیت لے کر نیک پاک بنتے ہیں یہ فائدہ۔ وَھَبْنَا کے بعد۔ وَکُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِیْنَ فرماتے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ رب کریم نے انبیا علیہم السّلام کی ہر شان و مرتبے کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ خِلقت ولادت کو وَھَبْنَا فرمایا۔ صٰلحیت اور جعلیت کو بھی جَعَلْنَا کہہ کر بتا دیا کہ انبیا علیہم السّلام کا علم قدرت، شان آن۔ ایمان، اعمال کسی دنیوی تربیت سے نہیں سب کچھ ہماری عطا ہمارے بنانے سے ہے۔ تیسرا فائدہ۔ نیک اولاد بھی رب تعالیٰ کی بڑی نعمت ہوتی ہے جیسا کہ بد اولاد دنیا میں قہرِ الٰہی کا نمونہ ہے۔ یہ فائدہ وَھَبْنَا فرماتے کے بعد صٰلحین فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور صٰلحین فرما کر مفید ہوتے کا اشارہ ملا۔ یعنی صالح اولاد ہی نعمتِ الٰہی اور مفید و رحمت ہے بُری اولاد نعمت نہیں زحمت ہے۔ عطیہ نہیں فتنہ ہے مفید نہیں نقصان دہ ہے۔ چوتھا فائدہ ہر نبی اپنی اُمت کا با اختیار حاکم ہوتا ہے یہ فائدہ آتَیْنٰہُ حُکْمًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ یعنی ہم نے لوط کو اُن کی قوم پر با اختیار حکومت دی

احکام القرآن؛ ان آیتِ مقدسہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ

marfat.com

تمام عبادات میں نماز اور زکوٰۃ وہ عبادتیں ہیں جو آدم علیہ السلام سے تا قیامت ہر امت پر فرض رہیں اگرچہ اس کے طریقے اور تعداد مختلف شریعتوں میں مختلف ہوتے رہے۔ یہ مسئلہ وَاِقَامَ الصَّلٰوۃِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ دیگر تمام عبادات اور نیکیوں بھلائیوں سے زیادہ اہم نماز ہے اور زکوٰۃ۔ کیونکہ فِعۡلَ الۡخَیۡرٰتِ۔ میں اگرچہ نماز و زکوٰۃ بھی شامل تھی مگر پھر بھی خصوصیت اور اہتمام سے اس کا علیحدہ ذکر فرمایا گیا۔ اس لیے بعض نادان لیڈران مسلمانوں کا یہ کہہ کر نماز چھوڑ دینا کہ چونکہ ہم انسانی فلاح و بہبود اور انسانی خدمت میں مشغول ہیں اور انسانی خدمت۔ یہی سب سے بڑی عبادت ہے اسی خدمتِ انسانی کی بنا پر ہم کو نماز کا وقت نہیں ملتا اور یہ شعر پڑھ پڑھ کر دل کو تسلی دئے رہنا کہ۔ یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان ؛ کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں، سخت گناہ اور خود کو دھوکہ دینا ہے، قیامت میں یہ بہانہ ہرگز نہ چلے گا بلکہ یہ شعر اس طرح ہونا چاہئے، یہ بھی ہے عبادت یہ بھی حکم ایماں ؛ کہ کام آئے دنیا میں انساں کے انساں

پوچھو ان احمقوں سے کہ خدمتِ انسانی کی مشغولیت تم کو کھانا پینا نہیں چھڑاتی جو جسمِ فانی کی غذا ہے صرف نماز چھڑاتی ہے جو روح کی غذا ہے اور جس سے جسم کو بھی ابدی بقا ہے دوسرا مسئلہ کسی مسلمان کو یہ جائز نہیں کہ اپنے آپ کو یا کسی بھی مومن مسلمان کو خبیث کہے اس لیے کہ خبیث وہ ہوتا ہے جو اصلاً نسلاً خلقتاً ہر اعتبار سے برا ہو مسلمان خواہ کتنا بھی فاسق و فاجر گنہگار ہو مگر وہ اصلاً نسلاً خلقتاً برا نہیں ہو سکتا اس لیے کہ اس کے سینے میں ایمان قلب میں قرآن تو ہوتا ہی ہے فقط اعمال کا برا ہونا گراوٹ ہے خباثت نہیں یہ مسئلہ کَانَتۡ۔ تَعۡمَلُ الۡخَبٰٓئِثَ۔ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ بعض دیوبندی اکابر نے اپنی احمقانہ عاجزی میں سرشار ہو کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد کرتے ہوئے کہا ہے کہ یا اللہ میں بڑا خبیث ہوں۔ یہ اُن کی اپنی زبانی حقیقت بیانی ہے ورنہ شریعت میں اس طرح کہنا حرام ہے۔ تیسرا مسئلہ ہر عالمِ دین کو جائز ہے کہ کفار و فساق کے سامنے ان کے بڑے بزرگوں کی ایمانی نیکیوں کا ذکر کر کے ان کو بھی مومن اور نیک بننے کی تبلیغ کرے یہ مسئلہ وَجَعَلۡنٰهُمۡ (الخ) کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ دیکھو قرآنِ کریم نے اہل عرب کے سامنے ان کے تسلیم شدہ بڑوں کا تذکرہ فرمایا یعنی ابراہیم و اسحاق و یعقوب علیہم السلام کا اور سمجھایا کہ وہ تمہارے آباؤ اجداد تھے تم کو بھی اُن کے نقشِ قدم پر چل کر مومن اور نیک بننا چاہیے۔

اعتراضات:۔ یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا

marfat.com

وجہ کہ ابراہیم علیہ السلام کے پوتے یعقوب علیہ السلام کو رب تعالیٰ جل وعلیٰ نے نافلۃً یعنی بڑا عطیہ اور زائد نعمت فرمایا حالانکہ ابراہیم علیہ السلام اُن کو ان کی حیاتِ پاک میں ہی اور بھی خدمت گزار پوتے ملے تھے مگر بجز یعقوب علیہ السلام کسی دوسرے پوتے کو نعمتِ الٰہی اور نافلہ ہونے کا شرف حاصل نہ ہوا۔ **جواب۔** اس کا ایک جواب تو ہم نے فوائد میں بیان کر دیا۔ جواب دوم یہ کہ یہ سورۃ انبیاء ہے یہاں صرف اُن شخصیات کا تذکرہ حسنہ بیان کیا جا رہا ہے جن کو رب تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا۔ اور چونکہ یہ انعامات ابراہیم علیہ السلام کو بطور جانشین دیئے گئے تھے اس لیے پوتوں میں سے صرف یعقوب علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا کہ اسحاق اور اسماعیل کے بعد وہ ہی ابراہیم علیہ السلام کے جانشین تھے دیگر پوتوں کو جانشین کی شان نہ ملی۔ تیسری وجہ یہ کہ حضرتِ یعقوب نسلِ ابراہیمی کے وہ پھل دار شجرِ طیبہ ہیں کہ اُن کو ہی اَبُو الانبیاء ثانی کا لقب معظم عطا فرمایا گیا۔ غرضکہ یعقوب علیہ السلام کی چار خصوصی شانیں ہیں ۱۔ نبوتِ نافلہ ۲۔ جانشین ابراہیم ۳۔ نسلِ ابراہیمی کے امین ۴۔ اَبُو الانبیاءِ ثانی۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا وَكُلًّا جَعَلْنَا صٰلِحِيْنَ ہم نے ان چاروں کو صالحین بنایا اس فرمان کو اس خصوصیت سے ذکر فرمانے کی وجہ کیا ہے صالحین تو صحابہ اور اولیاء اللہ بھی ہوتے ہیں۔ **جواب۔** انبیاء کرام علیہم السلام اور غیر نبی کے صالح ہونے میں چار طرح فرق ہے۔ پہلا فرق یہ کہ انبیاء کرام کا صالح ہونا اُن کی عصمت ہے وہ مثل ملائکہ معصوم ہوتے ہیں گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے مگر غیر نبی اولیاء اللہ وغیرہم کا صالح ہونا اُن کی حفاظتِ الٰہی ہے وہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں یعنی گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں اور اگر کبھی کر لیں تو فوراً سچی پکی توبہ کر کے بخشوا لیتے ہیں۔ حفاظت اس طرح بھی کر دی جاتی ہے کہ ایک بار جنید بغدادی نفس کی خواہش پر ایک دنیوی لہو ولعب کی محفل میں چلے گئے تو رب تعالیٰ نے اُن پر نیند طاری کر دی وہ سب وقت سوتے رہے جب محفل برخواست ہوئی تو اٹھائے گئے اور آپ گھر چلے آئے آپ نے محفل کی کوئی بات نہ دیکھی نہ سنی اُن کی آنکھ کان کی رب تعالیٰ نے حفاظت فرمائی لیکن پھر بھی آپ نے چار سال تک سچی توبہ کی اور اپنے قلبی ارادے اور قدموں کی بخشش کرائی دوسرا فرق۔ انبیاء علیہم السلام کو رب تعالیٰ بغیر اعمالِ عبادت پیدائشی صالح بنا دیتا ہے پھر ان کو شکمِ مادر میں نبوت ملتی ہے ان کا صالحین ہونا پہلے نبی ہونا بعد میں دونوں نعمتوں کے عطیۂ الٰہی ہونے کے بعد پھر ولادت۔ جیسا کہ جَعَلْنٰهُمْ سے ثابت ہو رہا ہے مگر

marfat.com

اولیاء اللہ وَغیرھم دنیا میں آکر اپنے اعمال و توفیق الٰہی سے صالح بنتے ہیں۔ تیسرا فرق یہ کہ انبیاء کا صالح ہونا ان کی نبوت ہے اولیا کا صالح ہونا اُن کی ولایت ہے۔ چوتھا فرق یہ کہ انبیاءِ کرام کا صالح ہونا اصلی ابدی باقی ہے۔ اولیاء اللہ کا صالح ہونا عارضی غیر حتمی ہے جس کا پتہ انجام موت پر لگتا ہے۔ تیسرا اعتراض امامت نبوت سے اعلیٰ ہے کیونکہ قرآنِ مجید کی اس آیت سے ظاہر ہے کہ پہلے نبی بنایا جاتا ہے پھر اُس کو اونچا درجہ دے کر امام بنایا جاتا ہے۔ دیکھو یہاں پہلے فرمایا گیا وَ کُلًّا جَعَلۡنَا صٰلِحِیۡنَ۔ ہم نے اُن سب کو صالحین یعنی نبی بنایا۔ پھر فرمایا گیا۔ وَجَعَلۡنٰھُمۡ اَئِمَّۃً یعنی نبوت کے بعد ہم نے اُن کو امام بھی بنا دیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ امامت بلند اور اعلیٰ و اونچا مرتبہ ہے ہمیشہ اوپر کو ترقی دی جاتی ہے لہٰذا جس کو پہلے ہی امامت مل گئی اُس کا درجہ پہلے ہی نبوت سے اونچا ہوگیا۔ اس بنا پر ائمہ اہل بیت کا مرتبہ تمام انبیا سے زیادہ ہے (شیعہ رافضی) **جواب**۔ اِس کے دو جواب ہیں۔ ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ پہلے تم شیعہ لوگ اہل بیت کی امامت قرآن یا حدیث سے ثابت کرو۔ انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے تو یہاں اِس آیتِ مقدسہ میں اور دیگر کئی آیت میں بھی رب تعالیٰ جَلَّ مَجۡدُہٗ نے امام اور ائمہ بنائے جانے کا صراحتًا ذکر فرمایا مگر کسی اہل بیت کے لیے قرآنِ مجید کا کوئی بیان حدیثِ مبارکہ کا کوئی فرمان اِشارۃً یا کنایۃً تک نہیں صراحتًا تو درکنار۔ بلکہ صحابہ تابعین تبع تابعین کی زبان پر بھی کسی اہل بیت کے لیے یہ لقب ثابت نہیں۔ یہ لقب تو ما وشما نے بعد میں ائمہ دوازدہ کے لیے ازراہِ احترام وعظمتِ شان ظاہر کرنے کے لیے اختیار و استعمال کر لیا۔ اور ہم اہل سنت کہتے ہیں کہ امام حسن امام حسین امام حسن عسکری امام علی اکبر امام علی اصغر امام زین العابدین امام موسیٰ کاظم امام جعفر صادق ۹ امام تقی ۱۰ امام نقی ۱۱ امام علی رضا ۱۲ امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ اور مولیٰ علی کے ساتھ تو لفظِ امام سجتا بھی نہیں، یہاں تک کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے تو مولیٰ علی شیرِ خدا کو کبھی اپنے مصلّے کا بھی امام نہ بنایا۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ یہ اعتراض محض کم علمی کی وجہ سے ہے اس لیے قطعًا غلط ہے۔ کیونکہ نبوت ذات ہے اور امامت عملی صفات ہے۔ ذات پہلے ہی ہوتی ہے صفت بعد میں آتی ہے۔ مختلف صفات تو تا عمر پیدا ہوتی رہتی اور گھٹتی بڑھتی رہتی ہیں۔ صفت کا ادنیٰ یا اعلیٰ ہونا ذات کی نسبت سے ہوتا ہے اگر ذات اعلیٰ ہے تو اُس کی امامت بلکہ ہر صفت اعلیٰ ہوگی لیکن اگر ذات ادنیٰ ہے تو اُس کی

marfat.com

ہر صفت بھی ادنیٰ ہوگی مثلاً اگر کسی مسجد کا امام ولی کامل متبحر فقیہ اعظم ہو تو اس کی امامت اعلیٰ شان والی ہوگی لیکن اگر کسی مسجد کے مصلے پر جاہل فاسق کو امام بنا کر کھڑا کر دیا جائے تو اس کی امامت ادنیٰ بلکہ شرعاً مکروہ ہے۔ جب یہ قاعدہ کلیہ شرعیہ سمجھ لیا تو پھر اندازہ لگا لو کہ انبیاء علیہم السلام کی امامت کی کیا شان ہوگی غرضکہ نبوت کی وجہ سے امامت کی شان بڑھے گی نہ کہ اس کے الٹ مقام نبوت تمام کائنات مخلوق سے بلند ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ وَجَعَلْنٰهُمْ أَئِمَّةً يَهْدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلٰوةِ وَإِيتَاءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔

تاویلات صوفیا میں بدن انسانی کے اندر قلب مثل ابراہیم خلیل الٰہی ہے اس پر امتحانات ربانی کا ورود ہوتا ہی رہتا ہے۔ اسحاق مثل تمنا ءِ قالب ہے جو انعام مقام علیا ہے اور نفس مطمئنہ پاکیزہ مثل یعقوب ہے اور عقل سلیم مثل لوط ہے جو ہمیشہ قلب کی ساتھی ہے یہ انوار نبوت مومن کامل کے قالب بارکتا میں جلوہ گر ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جب قلب جسدی نے انکار دیری سے ہجرت خلوت کر لی تب ہم نے تمناءِ قلبی کا اسحاق اس کو عطا فرمایا تاکہ تکمیل خلقت کے لیے مقام اعلیٰ تک رجوع حاصل ہو اور بلاءِ ممتحنہ کے بعد صفات یعقوبی کا نفس مطمئنہ یقین رویت کا نافلہ بنا کر قلب خلیل کو ہم نے ہی عطا فرمایا یہ خاص ہماری وہ نعمت تامہ و رحمت عامہ تھی جو نور اسرار سے منور اور روشن تھی اور اس سے متولد تھی۔ اور ہم نے ان سب اعضاءِ رئیسہ بدنیہ کو ہدایت میں استقامت و تمکین والا بنایا اور ہم نے ہی ان اعضاءِ مومن کو عالم جمال کی تمام قوتوں اور طبیعت مستعدہ کا امام بنایا تاکہ نفوس ناقصہ کو ہمارے احکام اسرار کی ہدایت نیات صالحہ دیتے رہیں جس سے امت روحانی کے اعمال ظاہر اور مشاہدات و اسرار کے احوال پیدا ہوں اس طرح کہ دل میں معارفات عقل میں مکاشفات شعور میں سریات عیاں ہو جائیں اور اس ہدایت اسرار سے امت نفس کے اعمال اخلاق معاملات آداب درست ہوتے رہیں۔ فعل خیرات کی زکوٰۃ کا حکم ہم نے الہام فرمایا اعضاء ظاہر کے قیام کی نماز اور اعضاء باطنی کی زکوٰۃ کے ادا کرنے کا حکم فرمایا۔ قلب ابراہیم اور اس کی تمناءِ اسحاق اور لوط عقل یعقوب نفس مطمئنہ تو پہلے ہی كَانُوا لَنَا عَابِدِينَ۔ تجرید و تفرید خلوت و جلوت میں توحید کے عابدین اور عبودیت

marfat.com

حقہ کے عالمین تھے ارواح کی صفوں میں روحِ ابراہیمی کامل تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو
اولین مرتبوں میں منتخب فرمایا کیونکہ یہ روح فیض بخش تھی کمالاتِ دائمی کا ملکوت میں نقائص
باطنی کو مٹانے والی موجودات کے بتوں کو توڑنے والی یہی روح مادیات کے ممکنۃ الفنا کے
الٰہوں کو مٹانے والی اور نورِ توحید سے مجردات کو جگمگانے والی مراتبِ قبولیات کو طے کرنے
والی تھی، واعطینٰہ معرفت کے لیے صفاتِ الٰہیہ بتانے والی اور پردۂ اغیار کے محجوبینِ ذات
کے لیے دائرے، زاویے اور حدودِ تفریق قائم کرنے والی اور بتانے والی کہ یہ واقفینِ حق ہیں
اور وہ ناواقفینِ حق تب نمرودِ نفسِ امارہ نے اپنی سرکشی و نافرمانی کی طاغوتی قوتوں کے ساتھ
زر و قوت کی منجنیق توہمات کے ذریعے باندھ کر طبیعتِ زحمت کی نارِ حرارت میں اس روح
کو پھینک دیا لیکن رب تعالیٰ نے آفاتِ ناموتیہ کے اس مکر سے بچا کر نارِ حرارتِ نفس کو
کو بردًا و سلامًا بنا دیا اور منطقۂ روحانیات کا گلزار کھلا دیا اور نجات دی ہم نے روحِ ابراہیمی
کو اس سرزمینِ بدنی کی طرف جس میں ہم نے علوم و اعمال کے رزقِ حقیقی و اوصافِ کمالی
کی برکتیں دیں عالمین کے اہلِ حق کی تربیت ہدایت اور تکمیل کے لیے۔ شیخ محی الدین ابن عربی
سوفیا فرماتے ہیں کہ اولاد کی پیدائش کسبِ والدین کا ثمر ہے مگر وہب ربُّ العالمین کا ہے
اور صالحین ہونا بھی عظیم نعمتِ ربانی و مواہبِ رحمانی ہے اور حقیقی صلاحیت یہ ہے
کہ بندہ میں فیضِ الٰہی کے قبول کرنے کی استعدادِ فطری اور ہمت۔ یعنی جوہرِ ایمان کا حسن
ہے۔ جہان کی امامت ملنا بھی بندہ پر مواہبِ رحمٰن ہے۔ امامِ قوم وہی ہو سکتا ہے
جو امرُ اللہ کی ہدایت کرے۔ نفسِ طبیعت اور خواہشاتِ دنیوی کی پیروی نہ کرے۔
اسی ہدایتِ حق کا نام اصلِ ہدایت ہے یہ باطنی قوتیں اور ظاہری نشانیں ہیں جو صرف
وحیِ انبیاء اور الہامِ اولیاء سے حاصل ہوتی ہیں یہاں کسی انسان کے ذاتی کسبِ کمال
کا ذرہ بھر دخل نہیں ہے اس لیے کہ انسان پر نفس کا غلبہ ہے اور نفسِ امارہ تو "لَأَمَّارَةٌ
بِالسُّوْءِ" ہے یعنی برائی کا ہی حکم دینے والا ہے۔ بے شک یہ آیت قرآنیہ تنبیہ کرنے
والی اور جگانے والی ہیں اہلِ اخلاص کو عبادت کے ذریعے اور اہلِ غفلت کو اشارات
کے ذریعے۔ مخلص آدمی عبدِ مطلق ہے اور غافل آدمی عبدِ دنیا ہے اور فاسق آدمی عبدِ ہوا
ہے۔ روایت میں ہے کہ عبدِ دینار اور عبدِ درہم کی ہلاکت ہے اس لیے کہ یہ بندے دولتِ
خواہشات اور مالِ شہوات و لذاتِ دنیا کی تعظیم کرنے والے نمرودِ دہر ہیں اور یہ تعظیمِ دنیا

marfat.com

مثل عبادت غیراللہ ہے ۔ حضرت یحییٰ بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ بندے تین قسم کے ہیں ۱۔ بندۂ آخرت ۲۔ بندۂ دنیوی ۳۔ بندۂ حال ۔ بندۂ آخرت وہ جس نے معاش کو چھوڑ کر معاد کی فکر کی اور آخرت کی تیاری میں مشغول رہا ۔ بندۂ دنیوی وہ ہے جو معاد کو بھول کر چھوڑ کر معاش میں مشغول رہا آخرت سے غافل ہو کر عمر برباد کرتا رہا ۔ بندۂ حال وہ ہے جو معاد اور معاش دونوں میں مشغول رہا ۔ پہلا بندہ عابدین کے درجہ میں دوسرا بندہ ہالکین کے درجہ میں تیسرا بندہ خاطرین کے درجہ میں ہے ۔ ہر مومن خوش نصیب کے دماغِ روشن میں عقل مثلِ لوطِ انوار ہے ۔ وَلُوطًا اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّیْنٰهُ مِنَ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓىِٕثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِیْنَ ۔ اے مرشدِ عالمیان " تذکرہ فرمایئے قابِ مسعود کے ساتھی لوطِ عقلِ مُدنی کا جس کو عطا کی ہم نے جسمِ باطن کی حکمت جسمِ ظاہر کا علم باطن کی حکومت ظاہر کا غلبہ عقلِ ایماز بھی رب تعالیٰ کا عظیم و عجیب خزانۂ انعام ہے اسی لیے کہ یہ عقل اندر حکم دل ۔ یزدانی است ۔ چوں ز دل آزاد شد شیطانی است

اس عقل کو ہم نے ہی دل کا ساتھی بنایا خباثتِ نفسانی سے بچایا علاقہ شیطانی سے ہٹایا قریۂ جسمانی کے نفوس ذلیل شہواتِ فاسدہ لذاتِ مفسدہ کے خبیث و قبیح کام کرتے تھے ۔ اسی طرح مخالفتِ شریعت مطابقت حماقت والے فعل کرتے تھے اس وجہ سے دونوں جہان کے فاسقین ہو گئے تھے حالانکہ عقلِ شریعت اور فکرِ طریقت کی دشمنی صحبت بد سے ہے اسی سے دونوں جہانکی ذلت و رسوائی ہے ۔ دنیا میں بندے پر یہی قہرِ الٰہی ہے ۔ خوش نصیب ہے وہ بندہ جس کو وصلِ معرفت کی پہلی رات ہی بُری مجلس اور صحبتِ گندگی سے نجات مل جائے یہی مواہب رحمٰن اور عطیۂ بیکران ہے مخلصین کو قومِ فاسقین سے نجات کی دولت فرار کی ہدایت عطا فرمائی جاتی ہے (تفسیر روح البیان) فالحمدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ ۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس بندے کو مخلص فرمایا جو آستانۂ کبریا سے ہزار بار سعادتیں نعمتیں برکتیں رحمتیں پا لینے کے باوجود بھی صالحات پر قناعت نہ کرے بلکہ مزید فیوض و برکات حاصل کرنے کی ہمت اور دعا مانگتا ہی رہے ۔ سچی ہدایت یہ ہے کہ نہ تیری طلب بند ہو نہ رب کی عطا تجھ پر بند ہو ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی دن میرے علم میں اضافہ نہ ہو تو اس دن کی صبح کو میں اپنے لیے مبارک نہیں سمجھتا اسی لیے

marfat.com

قرآن مجید میں حکم ہے وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا۔ حضور غوث پاک فرماتے ہیں کہ جب بندہ طلب معرفتِ الٰہی میں اپنے تن، من، دھن، شوق، وقت، عزت لذت، قوت فطانت، ذھانت بصارت سے کمرِ ہمت باندھ لیتا ہے تو رب تعالیٰ اُس کی زمینِ قالب پر فتوحاتِ ملکوت کے گیارہ دروازے کھول دیتا ہے ۱ فیضانِ ابراہیمیت ۲ انعام اسحٰقیت ۳ برکاتِ یعقوبیت ۴ عرفان لوطیت ۵ کمالاتِ صلاحیت ۶ درجاتِ پیشوائیت ۷ امرِ الٰہی کی ہدایت ۸ فعل الخیرات کی الہامیت ۹ صلوٰۃِ عشق کی اقامت ۱۰ زکوٰۃِ باطنی کی طہارت ۱۱ مرتبۂ عابدین کی سعادت یا اللہ مجھ کو اور میری اولاد کو بھی یہ مکاشفاتِ ابواب عطا فرما۔ اور ہماری کمزوریاں دکھ دور فرما۔

وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ﴿۷۵﴾ ع ۵ ۵ ۵

اور داخل کر لیا ہم نے اُن کو اپنی رحمت میں بے شک وہ اچھے کام کرنیوالوں میں تھے۔

اور ہم نے اُسے اپنی رحمت میں داخل کیا بے شک وہ ہمارے قربِ خاص کے سزاواروں میں ہے۔

وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ

اور یاد کرو نوح کو جب کہ فریاد کی تھی انہوں نے بہت پہلے زمانوں میں دعا قبول کی تھی ہم نے ان کی

اور نوح کو جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اُس کی دعا قبول کی

فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۶﴾ ج

پھر بچا لیا تھا ہم نے اُن کو اور ان کے تمام متعلقین کو بہت بڑی دل تنگی سے۔

اور اُسے اور اُس کے گھر والوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا

اور مدد کی تھی ہم نے ان کی ایسی قوم کے مقابل جنہوں نے جھٹلایا تھا۔

اور ہم نے اُن لوگوں پر اس کو مدد دی جنہوں نے ہماری آیتیں

marfat.com

بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ

ہماری ظاہر نشانیوں کو بے شک وہ سب تھے بدعقیدہ قوم کے لوگ لہٰذا ہم نے غرق کر دیا

جھٹلائیں بے شک وہ برے لوگ تھے تو ہم نے اُن سب کو

اَجْمَعِيْنَ ﴿۷۷﴾ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ

ان تمام کے تمام کو۔ اور یاد کرو داؤد اور سلیمان کو جب دونوں اپنا اپنا فیصلہ فرماتے تھے

ڈبو دیا۔ اور داؤد اور سلیمان کو یاد کرو جب کھیتی کا ایک

فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ

ایک کھیت کے بارے میں کیونکہ رات میں گھس پڑی تھیں قوم کی بکریاں

جھگڑا چکاتے تھے جب رات کو اس میں کچھ لوگوں کی بکریاں چھوٹیں

وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ ﴿۷۸﴾

اور ہم تھے ان سب کے فیصلے کا مشاہدہ کرنے والے۔

اور ہم اُن کے حکم کے وقت حاضر تھے۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیات میں حضرت لوط علیہ السلام کا تعارف بیان فرمایا گیا اب ان آیات میں ان پر رب تعالیٰ کے انعامات کا ذکر فرمایا گیا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت یعقوب کے جدِ اعلیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہوا جو ابوالعرب ہیں اب ان آیت میں حضرت ابراہیم کے جدِ اعلیٰ نوح علیہ السلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو ابوالبشر ثانی ہیں نوح علیہ السلام دوسرے صاحبِ شریعت نبی رسول تھے اور ابراہیم علیہ السلام تیسرے صاحبِ شریعت نبی رسول تھے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں قوم لوط کی ہلاکت اور نیک

marfat.com

صالحین اور خود لوط علیہ السلام کو بچائے جانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں قوم نوح کی ہلاکت کا ذکر ہوا اور نوح علیہ السلام اور ان کے تمام ساتھیوں کو بچائے جانے کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ

واؤ سر جملہ۔ ایک قول میں واؤ عاطفہ ہے اور پچھلی آیت لوطًا اٰتَیْنٰهُ وَ نَجَّیْنٰهُ وَاَدْخَلْنٰهُ ان تمام جگہ واؤ عاطفہ ہیں یہ سب معطوف علیہ معطوف کے جملے ہیں اور لُوْطًا کا بدل اشتمال ہے اور لوطًا سب سے مل کر اُذْکُرْ پوشیدہ کا مفعول ہے مگر آسان ترکیب یہی ہے جو ہم نے کی ہے۔ اَدْخَلْنَا۔ باب اِفعال کا فعل ماضی با فاعِل اس کا مصدر ہے اِدْخَالٌ متعدّی ہے بیک مفعول ہے ہٗ ضمیر منصوب متصل اس کا مرجع ہے حضرت لوط مفعول بہ ہے فی حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ رحمت اسم مفرد جامد بمعنیٰ رحم و کرم یا بمعنیٰ قربِ الٰہی یہ ظرفیت حقیقی نہیں بلکہ مجازی ہے کیونکہ رحمت کسی مکان کا نام نہیں ہے مراد ہے چاروں طرف رحم ہونا۔ مضاف ہے نا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ مرکّب اِضافی مجرور متعلق ہے اَدْخَلْنَا کا اِنَّ حرفِ مشبّہ ہٗ ضمیر اُس کا اسم مرجع لُوطٌ ہے مِنْ جارّہ بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ یعنی میں سے الصّالِحِیْنَ اسم۔ جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے صَالِحٌ "صَلَحٌ" سے مشتق ہے بمعنیٰ اچھے کام کرنے والا۔ یہ لغوی ترجمہ ہے مگر اعلحضرت نے اس کا تفسیری ترجمہ فرما کر بہت بڑے فرق کو ظاہر فرما دیا کہ عوام کا صالح ہونا بمعنیٰ نیک ہونا ہے اور لائقِ ثواب لیکن انبیاء کرام علیہم السلام کا صالح بمعنٰا عوام کی شل نہیں بلکہ مخصوص قربِ الٰہی ہے جہاں فرشتے بھی دم نہ مار سکیں ہر جگہ صالح کا ترجمہ یہی فرمایا ہے جب کہ ہم نے لغوی ترجمہ کیا ہے۔ بحالتِ کسرہ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے کَانَ تامّہ پوشیدہ کا وہ فعل فاعِل متعلق مل کر جملہ تامہ فعلیہ ہو کر خبرِ اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے اَدْخَلْنَا کی۔ اَدْخَلْنَا فعل فاعل مفعول متعلق اور علت سے ملکر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ ان آیت میں جمع متکلم کی تمام ضمائر و صِیَغ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ واؤ سر جملہ نُوْحًا۔ اسم مفرد جامد عرفی لقب ہے بمعنیٰ بہت نوحہ کرنے والا یعنی روتے ہوئے عرض کرتے والا اور فریاد یا دعا) ایک قول میں زبانِ سریانی کا لفظ ہے بعد میں معرّب کیا گیا عربی لغت میں شامل کیا گیا بحالتِ نصب ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے اور مابعد کا مبدل منہ ہے اِذْ ظرفیہ زمانیہ نَادٰی بابِ مفاعلۃ"

کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب نَدٰیٌ سے بنا ہے اس کا مصدر مُنَادِیَۃٌ اور نِدَاءٌ ہے بمعنی پکارنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع نوح ہے مِنْ حرفِ جر قَبْلُ اسم ظرفیہ زمانیہ مبنی ہے جب یہ مضاف نہیں ہوتا تو ہمیشہ ضمہ پر مبنی ہوتا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے نَادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بدل اشتمال ہے نوحًا کا دونوں مل کر معطوف علیہ ہوا۔ ایک قول میں یہ جملہ ظرف ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کا۔ فَ عاطفہ سببیہ اِسْتَجَبْنَا۔ بابِ استفعال کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِسْتِجَابَۃٌ جو در اصل اِسْتِجْوَابٌ تھا تعلیل سے واؤ گر گئی کیونکہ خود متحرک ما قبل حرفِ صحیح ساکن تھا آخر میں ۃَ مصدریہ عوض میں لگی جَوْبٌ مادۂ مصدر ہے بمعنی قبول کرنا جواب عطا فرمانا یہ فعل با فاعل لَہٗ جار مجرور متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ عاطفہ سببیہ نَجَّیْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم نَجْوٌ مصدری مادہ ہے اور تَنْجِیَۃٌ اور تَنْجِیَۃ اس کا مصدر ہے بمعنی بچانا نجات دینا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع نوح ہیں منصوب متصل ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَھْلُ اسم مفرد جامد بمعنی اَھل تربیت افراد۔ یہ عام لفظ ہے یعنی متعلقین لوگ (آل اولاد بیوی شاگرد۔ مرید۔ امتی متبعین مطیعین) اَھْلَہٗ یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں مل کر مفعول بہ ہے۔ مِنْ حرفِ جر بمعنی بَ جارہ۔ اَلْكَرْبِ اسم مفرد جامد معرف باللام حاصل مصدر ہے۔ مشترک ہے پانچ معنی میں (۱) مصیبت میں ہونا (۲) زمین کھودنا (۳) غمگین ہونا (۴) ڈوبنا (۵) قریب ہونا اسی معنی سے یہ افعالِ مقاربہ میں شمار کیا جاتا ہے گَادَ کے مشابہ یہاں مراد ہے خاص قسم کی سخت مصیبت اَلْعَظِیْمِ اسم مبالغہ بروزنِ فَعِیْل یہ تاکیدی صفت ہے کَرْبِ کی۔ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نَجَّیْنَا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا فَاسْتَجَبْنَا کا اور وہ جملہ ہو کر معطوف ہے اِذْ نَادٰی کا سب مل کر اُذْكُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہوا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ واؤ برجملہ نَصَرْنَا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مدد کرنا ہمیشہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے لیکن اگر اس کے بعد مِنْ حرفِ جر ہو تو مدد نجاتی مراد ہوتی ہے یعنی صرف منصور و ممدود کو بچانا اور اگر اس کے بعد علیٰ ہو تو مدد انتقامی مراد ہوتی ہے یعنی دشمن کو ہلاک یا تباہ حال کر کے مظلوم کو بچانا۔ یہاں مِنْ جارہ بمعنی علیٰ جارہ ہے اور مراد انتقامی مدد اسی لیے طوفان سے ہلاکت کو اہلِ ایمان کی مدد قرار دیا گیا ہٗ ضمیر

marfat.com

منصوب متصل مرجع نوحاً ہے من جارہ بمعنی علی القوم موصوف اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کیونکہ لفظ
قوم معناً و افراداً جمع مذکر ہے کَذَّبُوْا۔ باب تفعیل ماضی مطلق جمع مذکر غائب کَذِبٌ سے بنا ہے
اس کا مصدر تکذیب بمعنی جھٹلانا، جھوٹا کہنا بِاٰیٰتِنَا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے کَذَّبُوْا کا۔ اِنَّ
حرف مشبہ ھُمْ منصوب متصل کا مرجع ہے قوم اسم ہے اِنَّ کا۔ کَانُوْا فعل ناقصہ جمع مذکر غائب
ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم ہے مرجع ہے القوم قَوْمَ مضاف ہے سَوْءٍ مضاف الیہ اس کو
اضافت صفاتی کہا جاتا ہے یعنی موصوف کی صفت کی طرف اضافت۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے کَانُوْا
کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ
تعلیلیہ اَغْرَقْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم ھُمْ ضمیر مؤکداً جمعین اسماء تاکید یہ میں سے
ہے بحالت نصب (زبر) کیونکہ تاکیدی تابع ہے ھُمْ ضمیر کا دونوں متبوع مؤکد اور تاکید
تابع مل کر مفعول بہ ہے اَغْرَقْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علت ہے
اِنَّ کے جملے کا وہ سب مل کر علت ہے نَصَرْنٰہُ کے جملے کی سب مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ
ہو گیا وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ یَحْکُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْہِ غَنَمُ الْقَوْمِ
وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۔ واؤ سر جملہ۔ ایک قول میں عاطفہ ہے اور مابعد جملے
کا عطف ہے نُوْحًا پر۔ دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ۔ یہ دونوں لفظ اسم پاک ہیں دو نبیوں کے
علیہما السلام۔ دونوں غیر منصرف ہیں کیونکہ عجمی علم ہیں زبان سریانی کے لفظ ہیں دونوں معطوف
علیہ معطوف ہو کر مفعول بہ ہیں اُذْکُرْ فعل امر پوشیدہ کا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ زمانیہ اَلْحَرْثِ اسم
مفرد معرفہ باللام (نکرہ مخصوصہ) حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ اُگی ہوئی کھیتی حقیقی زمینی
یہ جار مجرور متعلق ہے یَحْکُمٰنِ فعل تثنیہ کا باب نصر سے ہے حُکْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ فیصلہ کرنا
عدالتی حکم جاری کرنا۔ اِذْ اسم ظرف زمانی کے لیے۔ نَفَشَتْ باب نصر کا فعل ماضی مطلق واحد
مؤنث غائب نَفْشٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پھیلنا بکھرنا روئی یا اون دھننے کو بھی اسی معنیٰ میں
منفوش کہتے ہیں چار پایہ جانوروں کے چرنے کے لیے چراگاہ میں پھیلنے بکھرنے کو نفش
بھی کہتے ہیں وہی یہاں مراد ہے۔ عربی زبان میں چوپایہ جانوروں کے چرنے کے لیے
تین لفظ مستعمل ہیں ۱۔ رَعْیٌ۔ الجری یعنی راعی (جانوروں کا نگہبان)، خود اپنی نگاہ داشت میں
چرائے رات ہو یا دن، ۲۔ ھَمْلٌ۔ بغیر نگہبان جانور خود بخود چرنے کے لیے دن میں نکل
پڑیں ۳۔ نَفْشٌ، رات کے وقت جانور کھل جائیں اور کسی جگہ چرنے لگ پڑیں اور مالک

marfat.com

کو پتہ نہ ہو۔ یہی معنی یہاں ہیں۔ فِیْہِ جار مجرور متعلق ہے نَفَشَتْ کا غَنَمُ۔ اسم مفرد جنسی واحد ہے مگر مراد بہت سی بکریاں مضاف ہے اَلْقَوْمِ۔ الف لام عہدی تبعیضی مراد ہے قوم کے کچھ لوگ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے نَفَشَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا یَحْکُمٰنِ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ کُنَّا فعل ناقصہ جمع متکلم یا اسم۔ باب نَصَرَ سے ہے لام حرفِ جر تعدیہ کا بمعنیٰ کو حکم بمعنیٰ فیصلہ مضاف ہے ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع ہے داؤد، سلیمان اور مدعی اور مدعیٰ علیہم یہاں مزید چند قول ہیں ۱ ضمیر ھُمْ کا مرجع داؤد سلیمان ہیں فقط، اور ضمیرِ جمع سے مراد عظمت واحترام ہے ۲ جمع سے مراد جمع ہی ہے مگر جمع کم از کم دو ہے نہ کہ تین۔ مگر یہ غلط ہے ۳ ایک قرأت میں حُکْمِھِمَا ہے نہ کہ حُکْمِھِمْ۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے شٰھِدِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر مراد واحد ہے کیونکہ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع اللّٰہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ ہے اور یہ صیغہ جمع۔ کُنَّا جمع متکلم بمعنیٰ واحد متکلم کی مناسبت کی وجہ سے آیا اس کا واحد مذکر ہے شَاھِدٌ۔ شَھُدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مشاہدہ کرنے والا مکمل طور پر دیکھنے والا شٰھِدِیْنَ اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے کُنَّا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاَدْخَلْنٰہُ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّہٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ فَنَجَّیْنٰہُ وَاَھْلَہٗ مِنَ الْکَرْبِ الْعَظِیْمِ

اور داخل کر لیا لُوط کو ہم نے اپنی رحمت کی چادر میں کیونکہ بے شک وہ اس نعمت کی صلاحیت اور لیاقت رکھنے والوں میں سے تھا۔ خیال رہے کہ یہاں فِیْ رَحْمَتِنَا کی ظرفیت مجازی ہے اس لیے کہ رحمت غیر مرئی اور لطیف اشیا میں سے ہے جب کہ ظرفیتِ حقیقی کے لیے محسوس کثیف اور مرئی یعنی دکھائی دینے والی چیز ہونا شرط ہے مگر رحمت نہ محسوس نہ کثیف نہ مرئی اس لیے کہ رحمت عمل و فعل صفت ہے اور صفت ہمیشہ غیر مرئی ہوتی ہے خواہ قولی ہو یا فعلی۔ یہاں ظرفیت فرمانے کا معنیٰ یہ ہے کہ ہر طرف رحمت ہی رحمت اور ہر وقت رحمت وہ لوط علیہ السلام ہماری صفتِ رحمت سے مشرف رہتے تھے۔ قرآن مجید کی چھ سورتوں میں حضرت لوط علیہ السلام کی حیاتِ طیبہ کے چھ مختلف پہلوؤں کا ذکر فرمایا گیا اوّلاً سورۃ اعراف پارہ آٹھ آیت ۸۰ دوم سورۃ ہود پارہ بارہ آیت ۷۷ تا ۸۲ سوم

marfat.com

سورۃ شعرا پارہ اُنیس آیت ۱۶۰ تا ۱۷۵ چہارم سورۃ عنکبوت پارہ بیس آیت ۲۲ تا ۳۵ پنجم سورۃ تحریم پارہ اٹھائیس آیت ۱۰ ششم یہی سورۃ انبیا پارہ سترہ آیت ۷۱ تا ۷۵۔ آپ کی عمر شریف میں مؤرخین کے تین قول ہیں۔ صحیح و مدلل قول یہ ہے کہ آپ کی عمر مبارک پچاسی سال ہوئی دس سال آپنے اپنے رہائشی علاقہ مؤتفکہ میں دینِ ابراہیمی کی تبلیغ فرمائی جب آپ چالیس سال کے ہوئے تو آپ کو اپنی نبوت و شریعت جاری فرمانے کی اجازت ملی اور آپ کو بحیرۂ مُراد کے مشرق ساحلی کنارے کے علاقے والی بستی سدوم میں مبعوث فرمایا گیا۔ یہاں آپ نے تیئیس سال تبلیغ فرمائی اس بستی کے سات شہر تھے جو تمام صدر مقام شہر سدوم سے منسوب تھے کل آبادی چار لاکھ افراد پر مشتمل تھی عورت و مرد ملا کر جن میں سے صرف تین سو افراد مومن ہوئے وہ سب ایک علیحدہ بستی الزّغرہ میں مقیم تھے۔ جب قومِ لوط پر عذابِ رجم آیا تو آپ رات کے وقت بحکمِ رب تعالیٰ اِس بستی میں آ گئے تھے اور اُن ساتوں شہروں کو مع آبادی و عمارات کے تباہ کر دیا گیا کوئی مرد عورت یہاں تک کہ جانور چرند پرند کوئی بھی زندہ نہ رہا نہ چھوڑا گیا کچھ اڑ گئے کچھ بھاگ گئے بقیہ ہلاک ہو گئے۔ اس عذاب کے بعد حضرت لوط علیہ السّلام تقریباً پندرہ سال زندہ حیات رہے اِسی رحمتوں برکتوں عزتوں بے فکریوں والی اطمینانی زندگی کا یہاں ذکر ہے اس پندرہ سالہ دور میں آپ اپنی شریعت کی اصلاحی عملی تبلیغ فرماتے اور گندی تباہ و ہلاک شدہ قوم کے پلید و خبیث معاشرے سے بچ نکلنے نجات ملنے پر شکرِ الٰہی ادا کرتے رہے۔ آپ صاحبِ شریعت رسول ہوئے ہیں آپ کے دین کا نام بھی دین لُوطی ملّتِ ابراہیمی تھا بعض نے فرمایا کہ لفظ لوط آپ کا نام نہیں بلکہ لقب ہے اور معرّب ہے عبرانی زبان سے عبرانی میں اس کا ترجمہ ہے زمین پر لیٹنے یا لوٹنے والا۔ آپ ہمیشہ زمین پر بیٹھتے لیٹتے اور سوتے تھے جس کی وجہ سے اکثر آپ کے جسمِ مقدس اور لباسِ مبارک کو مٹی لگ جاتی تھی۔ اس لیے آپ کا یہ لقب ہوا۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کا یہ نام ہی تھا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ آپ کا مزارِ اقدس فلسطین کی ایک وادی۔ بستی خلیل میں ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام کے مزارِ اقدس کے کہیں قریب ہی۔ اس سورۃ مبارکہ کا تیسرا واقعہ اور ساتویں پیغمبر حضرت نوح علیہ السّلام کا مختصر ذکر ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ۔ اور اے محبوب یاد کیجئے وہ وقت جب اِسی گزشتہ واقعۂ ابراہیم اور تذکرۂ لوط سے بھی پہلے۔ ایک نبی رسول نوح نے

marfat.com

پکارا کبھی اجمالاً اس طرح کہ۔ فَدَعَا رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ۔ جیسا کہ سورۃ قمر آیت ۱۰ میں مذکور ہوا اور کبھی نوح علیہ السّلام نے تفصیلاً پکارا اس طرح کہ۔ بارگاہِ الٰہی میں عرض کیا۔ رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ دَیَّارًا جیسا کہ سورۃ نوح آیت ۲۶ میں ذکر ہوا۔ یعنی نوح علیہ السّلام نے اپنے رب تعالیٰ سے پہلے اپنے لیے دعا عرض کی کہ اے میرے پروردگار بے شک میں اس مغرور مالدار سرکش گمراہ ضدی کافر ظالم قوم کو تبلیغ دین سمجھا سمجھا کر مغلوب اور عاجز آ چکا ہوں کہ اتنا دراز عرصہ ہو چکا مگر بجز چند افراد کوئی شخص کفر شرک سے باز نہیں آتا لہٰذا اے میرے رب کریم اب تو میری مدد فرما اور مجھ کو ان کے کفریات سننے شرکیات دیکھنے نہ پڑیں یہ گستاخیِ ربانی میں حد سے بڑھتے ہی جا رہے ہیں اب ان کا وجود زمین اور اہل زمین کے لیے فساد ہی فساد ہے اس لیے اے میرے رب زمین پر جتنے بھی یہ مال و دولت گھر بار اونچے محلوں کے مغرور کنار دندناتے پھر رہے ہیں کسی ایک کو بھی زمین پر زندہ نہ چھوڑ سب کی نسلوں کو بھی تباہ فرما دے انہوں نے تیری بہت گستاخیاں کر لیں اب یہ گستاخیاں سننا میری برداشت میں نہیں۔ یہاں فرمایا گیا اِذْ نَادٰی یہ فرمان عام ہے دعا اور بددعا کے لیے۔ پہلا جملہ اپنے لیے دعا ہے اور دوسرا جملہ کفار پر بددعا ہے۔ اِذْ نَادٰی میں رَبِّ اِنِّیْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ بھی ہے اور بددعائیہ کلمات رَبِّ لَا تَذَرْ بھی ہے۔ دونوں التجائیں نَادٰی میں داخل خیال رہے کہ آدم علیہ السّلام کا لقب ابو البشر اوّل ہے۔ ابراہیم علیہ السّلام کا لقب ابُو العرب اوّل ہے۔ یعقوب علیہ السّلام کا لقب اَبُو الانبیا ہے۔ نوح علیہ السّلام کا لقب ابو البشر ثانی ہے کیونکہ طوفانِ نوح کے بعد جو نسلِ انسانی چلی وہ صرف نوح علیہ السّلام کے بیٹوں حَام سَام یافث اور اخنوخ یعنی ادریس علیہ السّلام سے چلی۔ اسماعیل علیہ السّلام کا لقب اَبُو العرب ثانی ہے۔ یہاں ابو العرب اوّل یعنی ابراہیم علیہ السّلام کے ذکر کے بعد ابو البشر ثانی یعنی نوح علیہ السّلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ نوح علیہ السّلام کے پانچ بیٹے تھے جن میں تین حَام سَام یافث اولیاء اللہ و صحابی تھے۔ چوتھے بیٹے اخنوخ جن کا لقب ادریس تھا وہ نبی تھے اور آپ کی دوسری بیوی سے چھوٹا بیٹا کنعان کافر ہو کر ہی غرق ہوا ادریس علیہ السّلام کی کثیر نسل آپ کے پوتے مَلِکْ بن مَتُوْشَلَخْ بن ادریس سے چلی (تفسیر روح المعانی)، تمام انبیا علیہم السّلام میں تبلیغی زندگی سب سے

marfat.com

زیادہ نوح علیہ السّلام کی ہے آپ کا پیدائشی نام عبد الغفار تھا۔ آپ کی کل عمر ساڑھے دس سو سال ہوئی اور چالیس سال کی عمر آپ کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال حیات رہے اس طرح آپ نے ساڑھے نو سو سال تبلیغ فرمائی جس سے صرف چار سو آدمی مومن بنے۔ طوفان کے وقت آپ کی اولاد اور اہلِ بیت و نسلِ اولاد کے علاوہ صرف ساٹھ مرد اور ساٹھ عورتیں جو اُن کی بیویاں تھیں بس یہ مومن زندہ تھے جو کشتی میں آپ کے ساتھ سوار ہوئے بعض مفسرین نے فرمایا کہ چالیس مرد اور چالیس عورتیں تھیں۔ یہاں اَهْلَهٗ سے مراد یہی سوارانِ کشتی مومنین اور مومنات ہیں۔ (تفسیر صاوی) جب نوح علیہ السّلام نے نداءِ دعا عرض کی فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ تو ہم نے اُن کی یہ دعا قبول فرمائی۔ فَاسْتَجَبْنَا کا لفظ بتا رہا ہے کہ ندا کے الفاظ دعائیہ تھے جو اپنے لیے دعا تھے اُن کفار کے لیے بددعا۔ اجابت استجابت کا یہی فرق ہے کہ قبول کرانا استجابت ہے اور معنیٰ یہ ہوا کہ نوح علیہ السّلام نے قبول کرانے کے لیے ندا کی تو ان کے لیے ہم نے قبول فرمائی، قبول کرنی اجابت ہے یعنی اگر یہاں نادٰی نہ ہوتا تو اَجَبْنَا ارشاد ہوتا اسی طرح اسلئے اِس کے بعد لَهٗ ہے، (تفسیر روح البیان) اور نداءِ نوح اس طرح قبول فرمائی کہ اُن کو اور اُن کے تمام اہل و عیال کو کربِ عظیم سے نجات دی یعنی اُس تمام غم و فکر تردّد پریشانی ایذا رسانی قلبی ذہنی تکلیف روحانی مصیبت جسمانی اذیت جو اُن کفار کے ظلم کیطرف سے شرک کفر اور مومنین پر ظلم کی صورت میں ساڑھے نو سو سال تک آپ کو دیکھنے سننے برداشت کرنے کو ملے اگرچہ کفار نوح علیہ السّلام کو بھی سخت ترین جسمانی تکلیفیں پہنچاتے تھے جس سے کئی دفعہ بے ہوش بھی ہوتے تھے مگر آپ نے اپنی جسمانی تکلیف کی شکایت کبھی بھی رب تعالیٰ سے عرض نہ کی بلکہ ہر طرح برداشت کی اور پھر بھی نہایت محبت بھرے انداز میں سمجھاتے ہی رہے جب کبھی خُبثاءِ قوم آپ کو مارتے اور آپ بے ہوش ہو جاتے جب ہوش آتا تو بارگاہِ ربّ العزت میں عرض کرتے کہ مولیٰ ان کو معاف فرما دے کیونکہ یہ مجھ کو پہچانتے نہیں میری سچی خیر خواہی کو جانتے نہیں بددعا اُس وقت مانگی جب آپ نے اپنے علمِ غیب سے معلوم کر لیا کہ یہ تمام کفار تقدیرِ ازلی مُبرم کے بدبخت اور ابدی جہنمی ہیں اِن کا اپنا ایمان تو درکنار اُن کی پشتوں نسلوں میں بھی ایمان نہیں ہے۔ خیال رہے تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام اسی دنیا کے لیے رحمت ہوتے ہیں لیکن آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تمام جہانوں کے لیے رحمت

marfat.com

ہیں۔ جب نوح علیہ السلام نے ندا عرض کی تو طریقہ قبولیت اس طرح ظاہر ہوا۔ وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اور کامل مدد فرمائی ہم نے اُس نوح کی ندا کرنے کی وجہ سے اس ندا کے بعد تاکہ کائنات عالمین کو دعاءِ نبوت کی شان ظاہر ہو اور تا قیامت معلوم ہو جائے کہ جن نجی اللہ نبی اللہ کی قوم کے دل میں ذرہ عزت نہیں تھی اُن کی بارگاہِ الٰہی میں کیسی عظیم عزت ہے کہ ہاتھ اُٹھنے لب ہلنے کی دیر تھی کہ اس ظالم قوم سے ہم نے اپنے نبی کو علیحدہ کر دیا جس قوم کے لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور نبی کو نہ مانا۔ بے شک وہ ایسی سخت بری قوم تھی کہ کافر مشرک ہونے کے علاوہ فاسق و فاجر ظالم و مغرور ضدی بھی تھے نافرمان بھی۔ اور یہ ہمارا ازلی قانون ہے کہ جو قوم اجتماعی طور پر شر فساد سرکشی پر مُصر منہمک اور مشغول ہی رہے اور تکذیبِ انبیاء پر عہد باندھ لے کسی طرح کسی وقت بھی سمجھانے سے نہ سمجھے کفر سے باز نہ آئے تو زمین سے اُن کی مفسدانہ گندگی کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے اُس پوری فسادی قوم کو ختم کر دیا جاتا ہے اُسی فیصلۂ ازلیہ کے مطابق۔ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ ہم نے اُن سب بڑے چھوٹے مذکر مونث کو ایک دم بلا مہلت پانی میں غرق کر دیا اور یہ غرق طوفانی ہی ان کی ہلاکت دفنا تھی اِس سے پہلے بہت دراز مہلتیں اُن کو دی گئیں اور سب کو سنبھلنے سمجھنے عذابِ الٰہی سے بچنے کی اتنی دراز مہلت و مُدتِ حیات کسی قوم کو نہ ملی۔ زمین پر یہ طوفان پہلا عذاب تھا قبولیتِ دعا کی خبر کے بعد نوح علیہ السلام کو طریقۂ عذاب بتا دیا گیا اور اہلِ ایمان کو بچانے کے لیے ایک بہت بڑی گیارہ منزلہ آبدوز کشتی بنانے کا حکم دیدیا گیا کشتی بنانے کا طریقہ نوح علیہ السلام کو کسی دنیوی کاریگر بڑھئی بجرب کار سے سیکھنا نہ پڑا بس حکمِ الٰہی ملتے ہی آپ نے کشتی بنانا شروع کر دی اور شاندار مضبوط خوب صورت بنائی کہ عقلِ انسانی حیران رہ گئی آپ کی یہ کشتی بھی آپ کی نبوت کا ایک معجزہ تھی جو رب تعالیٰ نے درس گاہِ ربانی سے خود تعلیم فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کا کوئی دنیوی استاد نہیں ہو سکتا یہ مقدس ہستیاں قبلِ ولادت ہی سب کچھ جانتی ہیں۔ کشتی بن کر تیار ہو گئی تو اس کے تقریباً تین سال بعد طوفان آیا جو بلندی میں پہاڑوں سے اونچا۔ بادلوں کے قریب تھا علاقائی پھیلاؤ کے اعتبار سے پوری میدانی زمین پر پانی ہی پانی تھا قبولیتِ دعا سے غرقابی تک تقریباً دس سال کا عرصہ لگا حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ صحابی

marfat.com

نے فرمایا کہ دو نبیوں کو سخت حسرت ہوئی۔ پہلے حضرت آدم علیہ السلام کو ابلیس کا کہنا مان کر پھر حضرت نوح علیہ السلام کو۔ لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ دَيَّارًا۔ کی بددعا مانگ کر۔ حسرت نوح کو رب تعالیٰ نے ختم فرمایا تقدیری فیصلے کی تسلی دے کر اور حسرت آدم کو ختم فرمایا توبہ قبول کر کے پھر نبوت دے کر اور یہ ظاہر فرما کر کہ وہ کمزوری آپ کی بشریت کی تھی اُس وقت آپ کے پاس نبوت کی قوت نہ تھی۔ نبوت میں یہ بشری کمزوری نہیں ہوتی انبیاء علیہم السلام کی تو بشریت بھی بے مثل و شاندار ہوتی ہے۔ جب طوفان ختم ہوا تو بجز کشتی والے نفوس کے زمین پر کوئی جاندار زندہ نہ تھا بجز ایک مومنہ بڑھیا کے جس کو معجزاتی طور پر بچالیا گیا تھا۔ کیونکہ نوح علیہ السلام نے اُس سے وعدہ کر لیا تھا کہ یہیں اپنے گھر بیٹھو تم کو طوفان کے وقت بلائیں گے مگر یہ وعدہ بھول گئے۔ یہ کشتی چالیس دن پانی میں رہی اکتالیسویں دن جودی پہاڑ پر ٹھیری یہ دن دس محرم شریف تھا۔ کشتی سے اتر کر جو پہلا کھانا کھایا گیا وہ حلیم تھی اُسی کی یادگار میں مسلمان یوم عاشورہ کو حلیم پکاتے ہیں۔ پھر اسی دن کو یوم کربلا بنا دیا گیا۔ حسن اتفاق سے آج جب میں یہ عبارت تفسیر میں لکھ رہا ہوں تو دس محرم الحرام یوم عاشورہ بروز اتوار ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۹۹۷ء بوقت بارہ بجے دن مقیم لندن ہمارے گھر میں بھی اس وقت برائے فاتحہ نوح علیہ السلام و اَھلہ اور شہداءِ کربلا علیہم السلام حلیم ہی پک رہی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ مولیٰ تعالیٰ آج کی اس فاتحہ اور عبادات اور اس تفسیر کو قبول فرمائے۔ وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِى الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِيْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ ۚ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۔ اے محبوب کریم شانِ انبیاء کی اس سورۃ عظیم میں ہمارے مُرسل برحق داؤد علیہ السلام اور نبی رسول سلیمان کا تذکرہ بھی اپنی اُمت عالمین کے سامنے فرمایئے تاکہ ان شخصیتوں کی بھی شانِ حقیقی تاقیامت لوگوں کے سامنے آجائے اور اُن کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی گستاخی آمیز بائبل و تالمود کی خرافاتی بناوٹی تحریروں کا پردہ فاش ہو نیز اُن کی شانِ علمیت و قوت فیصلہ اور قربِ بارگاہِ الٰہی کا ایک وہی واقعہ ذکر فرما دیجئے جب یہ دونوں فیصلہ فرما رہے تھے ایک کسان کا شت کار زمیندار کی اُگی ہوئی ایک کھیتی کا اور داؤد و سلیمان دونوں نے الگ الگ مختلف فیصلہ کیا تھا کیونکہ رات کے وقت کھُل پڑی تھیں اُس کھیتی میں اُسی قوم کے ایک شخص کی چند بکریاں اور ہم بہ نظر محبت اُن سب حاکم و محکوم کو یعنی مدعی و مدعٰی علیہ

marfat.com

وقاضیان حاکمان کے اُس فیصلے کا مشاہدہ فرما رہے تھے۔ داؤد علیہ السلام وہ رسول نبی اور دوسرے صاحب کتاب مُرسل جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو اناسی ۵۷۹ سال بعد پیدا ہوئے ایک قول میں پانچ سو ۵۹۹ ننانوے سال بعد ہوئے اور عیسیٰ علیہ السلام سے بارہ سو سال پہلے۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سترہ سو سال پہلے ہوئے آپ کو زبور کتاب ملی۔ آپ کی کُل عمر ایک سو ۱۰۰ سال ہوئی چالیس سال عمر میں قومِ بنی اسرائیل کے لیے مبعوث ہوئے آپ کی تبلیغ نبوت وشریعتِ زبور کا علاقہ فلسطین ہی تھا آپنے ہی پندرہ سالہ عمر میں کافر کو فند آور بادشاہ جالوت کو ایک پتھر سے قتل کیا تھا حضرتِ طالوت کے لشکر میں جنگ کرتے ہوئے۔ آپ کا شجرہ نسب اس طرح ہے۔ داؤد بن ایشا بن عوید بن باعر بن سلمون بن نخشون بن عمی بن یارب بن حضرون بن غارض بن یہودا بن یعقوب حضرت داؤد علیہ السلام کا حلیہ شریف اس طرح ہے سفیدی مائل سرخ چہرہ بڑا سر سفید جسم لمبا قد گھنی داڑھی مبارکہ سر مبارک اور داڑھی شریف کے بال سیاہ ہلکے کنڈل بہترین سریلی پیاری نرم آواز۔ مؤرخین لکھتے ہیں کہ آپ کا سراپا حلیہ مقدس فاروقِ اعظم کے حُلیہ شریف سے کچھ کچھ مشابہ تھا آپ کو یہ خصوصیت عطا ہوئی کہ آپ پہلے نبی ہیں جن کو اپنے علاقہ کی بادشاہت بھی ملی آپ کی حکومت ساٹھ سال رہی ایک قول ہے کہ چالیس رہی۔ آپ کو نبوت کی بعثت کے ساتھ ہی بادشاہ بھی بنا دیا گیا۔ اور دوسرے قول میں ہے کہ اعلانِ نبوت کے بیسویں سال یعنی ساٹھ سالہ عمر میں بادشاہ بنائے گئے اِس فیصلے کے وقت آپ کی عمر مبارک بہتر سال تھی اور سلیمان علیہ السلام کی عمر مبارک اُس وقت گیارہ یا تیرہ سال تھی داؤد علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہوئے حضرت سلیمان سب میں چھوٹے بیٹے تھے۔ اس فیصلے کے بعد حضرت داؤد اپنے ہر معاملے میں ذاتی ہوتا یا عدالتی اپنے اس فرزند کریم سے مشورہ لیتے تھے۔ خیال رہے کہ چار انبیا علیہم السلام ہیں جن کے بارہ بارہ بیٹے ہوئے تھے ۱ اسماعیل علیہ السلام ۲ حضرت یعقوب ۳ حضرت داؤد ۴ ایوب علیہم السلام سلیمان علیہ السلام کی عمر ترپن ۵۳ سال ہوئی۔ داؤد علیہ السلام کی وفات کے بعد ہی فرزند عظیم داؤد علیہ السلام کے جانشینِ سلطنت بھی ہوئے اور خلیفۂ نبوت بھی سلیمان علیہ السلام صاحبِ شریعت نبی رسول تھے۔ بعض نے فرمایا آپ کی کُل عمر تریسٹھ سال ہوئی (تفسیر صاوی مظہری روح المعانی)

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ فِیْ رَحْمَتِنَا۔ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ

marfat.com

رحمت سے مراد صفت رحیمی ہے تب یہ ظرفیت مجازی ہے دوم یہ کہ اس سے مراد نبوت ہے سوم یہ کہ اس سے مراد ثوابِ جنت ہے۔ اس قول میں یہ ظرفیت حقیقی ہے۔ پہلے دو قول میں ظرفیت مجازی ہے ۲ نادیٰ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ ندا اپنی مرضی اور ارادے سے کی تھی۔ اسی لیے بد دعا کرنے پر افسوس اور حسرت ہوئی۔ دوم یہ کہ رب تعالیٰ کے حکم سے یہ ندا عرض کی تھی یعنی وحی الٰہی آئی تھی کہ کفار کے لیے بد دعا کرو تب آپ نے بد دعا فرمائی مگر یہ قول قطعاً غلط ہے۔ پہلا قول درست ہے ۳ مِنْ قَبْلُ سے دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ قبل سے مراد ابراہیم علیہ السلام سے پہلے دوم یہ کہ اے محبوب آپ سے پہلے ۴ اَهْلَهٗ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اہل سے مراد نوح علیہ السلام کی ایک مومنہ بیوی چار بیٹے دو بیٹیاں ہیں۔ دوم یہ کہ اہل سے مراد تمام اس وقت کے زندہ موجودہ مومنین و مومنات ہیں ۵ کَرْبِ عَظِیْم میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ کرب عظیم سے مراد آیت الٰہی کی تکذیبِ کفار اور کفریہ ماحول ہر طرف شرک و بت پرستی کی گندگی۔ دوم یہ کہ کفار کا مومنین کو اذیت دینی مراد ہے اور مومنین کی ذلت و پریشانی کا غم و افسوس۔ سوم یہ کہ نوح علیہ السلام کو اپنی اذیت کا بھی غم تھا۔ مگر یہ قول غلط ہے دو قول درست ہیں اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام کو تبلیغی میدان میں کبھی بھی اپنی تکلیف کا غم تو درکنار احساس بھی نہیں ہوتا ۶ بِاٰیٰتِنَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ آیاتنا سے مراد کلام اللہ صحیفوں کی آیتیں وحیِ الٰہی۔ عذاب کی خبریں مراد ہیں دوم یہ کہ نبوت اور رسالت مراد ہے یہ دونوں قول درست ہیں کفار سب کی ہی تکذیب کرتے تھے کفار کی تکذیب کی ہمیشہ تین صورتیں ہوتی رہیں ۱ قولی انکار یعنی ایمان نہ لانا ۲ عملی انکار یعنی مخلفانہ کام کرنا حکم نبی کے برعکس ۳ نبی علیہ السلام کا مذاق اڑانا ہنسی کرنا ۷ فِی الْحَرْثِ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ موسمی کھیتی مراد ہے۔ دوم یہ کہ حرث سے مراد انگور کی بیلیں ہیں جن میں انگور کے پختہ گچھے لگے تھے وہ بکریاں سب گچھے کھا گئی تھیں کچھ خراب کر گئی تھیں مگر پہلا قول زیادہ درست ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قرآن مجید کے فرمانِ عالی کے مطابق بیوی بھی اہل بلکہ بیوی ہی اصل اہل بیت ہے اولاد وغیرہ بیوی کے تابع ہو کر اہل بیت بنتے ہیں یہ فائدہ یہاں اَهْلَهٗ فرمانے اور قرآن مجید کی دیگر آیت میں بیوی کو اَهْلَ الْبَیْتِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی میں آپ کی پہلی مومنہ بیوی اور اُس کی اولاد بھی سوار تھی آپ کی دوسری کافرہ بیوی اور اُس کا

marfat.com

کافر بیٹا کنعان پانی میں غرق ہو گئے تھے۔ بعض حو کے باز سُنی بنے ہوئے شیعہ لوگ اہل بیت میں بیوی کو داخل نہیں مانتے وہ جاہل وگمراہ ہیں کیونکہ منکر منشاءِ الٰہی وآیتِ قرآنی ہیں۔ دوسرا فائدہ، انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی دعائیں بارگاہِ رب العزت میں بڑی شان ومرتبہ رکھتی ہیں کبھی رد نہیں کی جاتیں یقیناً قبول فرمائی جاتی ہیں۔ اسی طرح انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی بد دعائیں بھی شانِ قبولیت کا اعلیٰ مقام رکھتی ہیں۔ اس لیے ہر مسلمان کو اُن کی دعائیں لینے اور اُن کی بد دعاؤں سے بچنا چاہیئے یہ فائدہ وَ نُوحًا اِذْ نَادٰی کے بعد۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ۔ یہ آیت مسلمانوں کو سبق دیتی ہیں کہ جس طرح ہر بندہ یہ خواہش کرتا ہے کہ اُس کا ظاہر خوب صورت خوشگوار اُجلا تروتازہ پاکیزہ رہے اس کے لیے ہر مسلمان کو اپنے رہن سہن کا اردگرد والا ماحول اور معاشرہ ایمانی پاکیزہ اور عرفانی خوشبو والا بنانا پڑے گا کوشش وہمت کے ساتھ ساتھ سچی دعائیں حقیقی ندائیں عاجزانہ التجائیں بھی بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتا رہے کہ مولا تعالیٰ مجھ کو کفر یہ گندگی شرکیہ پلیدگی گستاخوں کی محفلوں شیطانوں کی مجلسوں بے ادبوں کی کتابوں بے غیرتوں کی باتیں اللہ رسول کے دشمنوں کے قرب اور رہائشوں کے کربِ عظیم سے بچا یہ کوشش ودعا اس لیے بھی کرتی ہے کہ مومن متقی کے لیے اصل کربِ عظیم کافرانہ فاسقانہ گستاخانہ دہابیانہ ماحول ہی ہے یہ فائدہ۔ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ۔ کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ نوح علیہ السّلام نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا عرض کی تھی کہ مجھ کو اس کافرانہ ماحول سے بچا اسی ماحول کو کربِ عظیم فرمایا گیا۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ دینی دشمن کے لیے بد دعا کرنی جائز ہے اور جب کسی طرح بھی اُس کی اصلاح کی امید نہ رہے بلکہ اُس کی صحبت بد سے مزید نقصان ہونے کا اندیشہ ہو اور قابو سے باہر ہو جائے تو بد دعا کرنا واجب ہے یہ مسئلہ اِذْ نَادٰی (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ نوح علیہ السّلام نے ساڑھے نوسو سال ہر طرح سمجھانے تبلیغ فرمانے کے بعد جب اندازہ لگالیا کہ لَمْ یَلِدُوْا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا تب آپ نے اُن کفار اور دشمنانِ دین وایمان کے لیے ہلاکت کی بد دعا فرمائی جو قبول ہوئی۔ شریعتِ اسلام میں اس قسم کے ضدی اور مُوذی کفار و فساق دونوں کا یہ حکم ہے مگر ذاتی دشمن کے لیے بد دعاءِ ہلاکت کرنی ممنوع ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام وہ بے مثال اور اُولو العزم

marfat.com

ہستیاں ہیں جو اپنی ذاتی تکالیف اور کفار و فساق کی جانب سے ایذا رسانی پر کبھی بھی اپنے حق میں شکوہ شکایت یا بے صبری کو جائز نہیں رکھتے نہ کبھی بارگاہِ الٰہی میں اِن تکالیف کے دفعیہ کی دعا مانگتے بلکہ صبر و استقلال سے برداشت کرتے ہوئے اپنی پیغمبرانہ ذمہ داریوں تبلیغِ دین و ایمان پر قائم اور گامزن رہتے ہیں اگرچہ عام دیگر مسلمانوں کے لیے شریعت میں اِن ایذا رسانیوں کی دوری اور خاتمے کی دعا مانگنا جائز ہے مگر انبیا علیہم السّلام اِن تکلیفوں کو بھی لذتِ عشقِ الٰہی سمجھتے ہیں اور زبانِ حال سے کہتے ہیں کہ

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں ؛ جفا نہ ہو تو محبت میں کچھ مزہ ہی نہیں

یہ مسئلہ كَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کہ نوح علیہ السّلام نے کفار کے کفر اور تکذیب آیاتِ الٰہیہ کی گستاخیوں سے پریشانیوں اور نہ برداشتگی کی وجہ سے بددعاء ہلاکتِ کفار کی تھی نہ کہ ذاتی ایذا رسانیوں سے گھبرا کر۔ **تیسرا مسئلہ**۔ دینی امور کو حل کرنے یا دنیوی امور کو دین کے مطابق کرنے کے لیے علما فقہا کو فعلی ذہنی اجتہاد کرنا جائز ہے انبیاء کرام علیہم السّلام بھی دین و دنیا کے مسائل و مقدمات حل کرنے کے لیے اپنی عقل و فکر سے اجتہاد فرماتے رہے جس کی رب تعالیٰ نے تعریف و مدح فرمائی یہ مسئلہ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ کے ارشادِ باری تعالیٰ سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ حضرت داؤد و سلیمان علیہما السّلام کے فیصلے وحیِ الٰہی سے نہ تھے بلکہ ذاتی رائے اور عقلی اجتہاد سے تھے اسی لیے مختلف تھے اگر وحی سے ہوتے تو دو مختلف نہ ہوتے۔ اِن ہی جیسی آیت کے استنباط سے علماءِ شریعت نے مستند اور بڑے علماءِ متبحرین کو اصلی اور فروعی عملی مسائل میں اجتہاد کی اجازت دی ہے اصطلاحِ اصولِ فقہ میں ان کو قیاسی مسائل کہا جاتا ہے۔ جوازِ اجتہاد کے پورے دلائل اور بیان والد محترم کی کتاب جاء الحق حصہ دوم میں دیکھیے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَدَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ پھر فرمایا گیا۔ اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ فیصلہ کرنے والے حاکم صرف دو ہی تھے، داؤد اور سلیمان علیہما السّلام اس لیے يَحْكُمٰنِ صیغہ تثنیہ آیا مگر آگے ارشاد ہو رہا ہے۔ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شٰهِدِيْنَ۔ یہاں هم ضمیر جمع آگئی لِحُكْمِهِمَا ہونا چاہیے تھا۔ اِس ضمیر کی کیا وجہ؟ **جواب**، اس لیے ضمیر جمع ارشاد ہوئی کہ پہلے الفاظ میں صرف فیصلہ کرنے والوں کا تذکرہ ہے وہ دو ہی تھے۔ اور یہاں ذکر ہے

marfat.com

فیصلہ کرنے والوں اور کرانیوالوں کا۔ یعنی حضرت داؤد اور حضرت سلیمان اور مدعی ومدعیٰ علیہ کا تاکہ پتہ لگے کہ یہ فیصلہ خود نہیں کیا بلکہ کسی نے کرایا ہے۔ اس لیے وہاں تثنیہ صیغہ اور جمع ضمیر لانا ہی درست ہے۔ دوسرا اعتراض۔ آپ کا یہ جواب نحوی قواعد و قانون کے اعتبار سے غلط ہے اس لیے کہ فیصلہ کرنے والا حاکم ہے جو فاعل کے درجہ میں ہے اور ہمیشہ فعل فاعل سے قائم ہوتا ہے تو یہ حکم فاعل سے قائم ہے اور فیصلہ کرانے والا مفعول یہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ جس پر حکم واقع ہوتا ہے۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ فاعل ومفعول کو ایک حکم میں پرو دیا جائے۔ نحوی قانون کے مطابق ایک مصدر کی اضافت اور نسبت۔ بیک بار دونوں فاعل ومفعول میں جائز نہیں کیونکہ یہ دونوں مختلف معمول ہیں تو ایک عامل ایک وقت میں ایک ساتھ دو معمولوں کے لیے استعمال نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ عامل کی نسبت فاعلِ معمول کی طرف حقیقی نسبت ہے اور مفعول کی طرف مجازی نسبت ہے تو ایک عاملِ مصدر کو دو مختلف معمولوں کی طرف بیک وقت نسبت کرنا گویا حقیقت ومجاز کو جمع کرتا ہے۔ حالانکہ نحوی قانون میں کسی بھی جگہ ایک لفظ یا ایک ضمیر یا ایک صیغے میں حقیقت ومجاز۔ جمع نہیں ہو سکتے اس لیے لِحُكْمِهِمْ کی ضمیر جمع میں فیصلہ کرنے والے فاعل اور فیصلہ کرانے والے مفعول جمع نہیں ہو سکتے لہٰذا۔ یہ آیت نہ قانوناً درست رہی نہ قواعد میں۔ جواب یہ اعتراض اس لیے قطعاً غلط ہے کہ معترض نے صرف عامل اور معمولیت پر نظر رکھی مگر نوعیت اور جنسیت کو نہ دیکھا۔ یہ بات ہر عاقل کو ذہن نشین کرنا چاہیے کہ جب فیصلے کی نوعیت پر نظر رکھنا اور فقط طریقۂ فیصلہ دیکھنا مقصود ہو تب تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ فیصلہ کس طرح کیا جا رہا ہے۔ اگر یہ نحوی قانون ہے کہ ایک وقت میں ایک مضاف عاملِ کا ایک ہی قسم کا ہی معمول ہوتا ہے اور عامل معمول حقیقت مجاز کا جمع نہ ہوتا ہے تو یہ بھی قانون نحو کا ہی ہے کہ عامل صرف زبر زیر پیش دینے کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ عامل کے لیے کام کی نوعیت یا جنسیت یا صنفیت بتانا اصل مقصود ہوتا ہے۔ اور اس کی پہچان کے لیے بھی کچھ ضابطے قاعدے ہیں۔ مثلاً ضَرَبَ زَیْدٌ یا ضَرْبُ زَیْدٍ۔ یہ ضَرَبَ اور ضَرْبُ صرف زید کو پیش یا زیر دینے نہیں لائے گئے بلکہ مار کی نوعیت یا جنسیت یا صنفیت بتانے آئے کہ مار کس نوعیت یا جنسیت کی ہے اگر کہنے والا کہتا ہے کہ میں جانتا

marfat.com

ہوں زید کی ضرب کو تو مراد ہوگی نوعیت اور اگر کہے کہ جب زید کی مار واقع ہوئی اُس وقت کو میں جانتا ہوں تو یہاں جنسیت مراد ہوتی ہے۔ نوعیت میں فعل کی ایک کیفیت مقصود ہوتی ہے جنسیت میں پوری تفصیل جب یہ قانونِ نحوی سمجھ لیا تو سمجھ لو کہ کُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ میں حکم اور فیصلے کی نوعیت اور فقط کیفیت مراد نہیں بلکہ پوری تفصیل اور جنسیت مراد ہے اور اُس فیصلے کی جنسیت و پوری کیفیت میں تو حاکم محکوم یعنی دو فیصلہ کرنے والے اور دو مدعی و مدعٰی علیہ سب ہی شامل اس لیے ضمیر جمع لانا بالکل درست ہے۔ یہ اضافت حقیقت و مجاز کا با فاعل و مفعول کی معمولیت کا اجتماع نہیں بلکہ تفصیلِ فیصلے کی اضافت ہے۔ اور معنٰی یہ ہے کہ ہم اِس فیصلے کے ہر پہلو ہر کردار کے مشاہدہ کرنے والے تھے۔ اور یہ بات اِذْ یَحْكُمَانِ فرمانے سے ہی معلوم ہوئی تو جملہ ھُمْ ضمیر جمع کا قرینہ ہے اُسی کو بے کر معترض اعتراض کر رہا ہے یہ اس کا عدم تدبر ہے۔ پوری کیفیت یہی ہے کہ کس طرح فیصلہ کیا گیا کس نے کیا فیصلے کیا ہوئے واقعات کیا تھے مدعی کون مدعٰی علیہ کون۔ بکریاں کب کھلیں کب چلیں کب بڑیں مالکِ حرث نے کب دیکھیں کب موڑیں مدعٰی علیہ کو کب بلایا اور بتایا گیا کب دعویٰ کیا کس نے پہلے فیصلہ سنایا سب کچھ ہمارے مشاہدۂ علمی میں ہے لِحُكْمِهِمْ سے پورا مقدمہ مراد ہے نہ کہ فقط فیصلہ یا فقط دعویٰ اس لیے ھُمْ ضمیر جمع لا کر یکدم سب فاعل و مفعول و واقعات مراد لے لینا کسی نحوی قاعدے کے خلاف نہیں ہے اب یہ مصدر پورے مقدمے کا عامل ہوا نہ کہ فقط فاعل و مفعول کا اور چونکہ مقدمہ ایک اس لیے عامل ایک اور ایک مقدمے کے کردار جمع اس لیے معمول کے لیے ضمیر جمع ضروری نہ یہاں قیام اور وقوع کا اعتراض ہو سکتا ہے نہ حقیقت و مجاز کے اجتماع کا۔

تفسیر صوفیانہ وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَاؕ اِنَّهٗ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور ہم نے ابدی داخل فرما لیا اُس عقلِ سلیم کو صفتِ رحیمیت کی چادر میں اس طرح سراپا سلامتی میں لپیٹ لیا کہ وہ عقلِ سلیم بے شک دماغ عارفین میں تجلیِ صفات کے مقام پر ان صالحین و صلاحیت والوں میں سے ہو گئی جو کُلی استقامت میں ثابت قدمی سے ہر علم پر عمل کرنے والے ہیں۔ وَنُوْحًا اِذْ نَادٰی مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّیْنٰهُ وَاَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِیْمِ۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ بندۂ مومن کی عقلِ سلیم کے چار حصے ہیں ایک عقلِ فطری یہ مثلِ لوط نفسِ امارہ کو بے غیرتی اور

marfat.com

شہواتِ خبائث اور افعالِ فاحشہ سے روکتی ہے اسی کے پاس رحمت الٰہی کی چادرِ بقا ہے
وَاَدْخَلْنٰهُ فِیْ رَحْمَتِنَا کا ظہور اور جلوہ گری اس پر ہے اِسی عقل کی فرمانبرداری سے
بندۂ طالب پر رحمت و برکت ہوتی ہے۔ دوم عقلِ شعوریہ مثلِ نوح نفسِ امارہ کو صحبتِ دنیوی کے شرک، کفر اور عشقِ مجازی فانی کی بُت پرستی سے منع کرتی ہے
اسی عقل کو کشتی فلاح پر بٹھایا جاتا ہے اس کی فرمانبرداری سے کوہِ جودیِ عرفان کا سر بلندی نصیب ہوتی ہے سوم عقلِ نظری یہ مثلِ داؤد بندے کی کھیتی اعمال میں ذوقِ
شریعتِ طاہرہ کا فیصلہ فرماتی ہے اِس کی فرمانبرداری میں لذتِ شریعت ہے اِس کو زمینِ جسمانی کی
شہنشاہی عطا فرمائی جاتی ہے چہارم عقلِ علمی یہ مثلِ سلیمان قوتِ حیوانیہ کی غنم اعضا میں ذوقِ
علمی کے تقاضوں کا فیصلہ کرتی ہے اِس کی فرمانبرداری سے معراجِ روحانی کی تسخیر حاصل ہوتی
ہے اِس کو ایمانی ہواؤں کی بلندی پر تاجِ شاہی و تختِ معرفت عطا فرمایا جاتا ہے ان
آیات میں ان ہی چار عقلوں کی اطاعت کا اشارہ فرمایا گیا، عقلِ فطری کا مقام قلب ہے، عقلِ
شعوری کا مقام قُبلِ قلب ہے، عقلِ نظری کا مقام بلندیِ دماغ میں ہے۔ عقلِ علمی کا مقام سینۂ
عارفین ہے جب نفس کی شرانگیزیوں سے پریشان ہو کر ندا عرض کی فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ تو فریاد قبول
کی ہم نے اس طرح کہ استعداد کے تقاضے کے مطابق فیض کمالات پہنچایا ہم نے اور اُس کی
تمام قوتِ قدسیہ قوتِ فکریہ قوتِ فہمیہ قوتِ عقلیہ کو نفسِ امارہ کی اُن کرتوتوں سے بچالیا
جو اپنے وجود میں عظیم ہیں وَنَصَرْنٰهُ مِنَ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا
قَوْمَ سَوْءٍ فَاَغْرَقْنٰهُمْ اَجْمَعِیْنَ۔ اور ہم نے مدد فرمائی اِس عقلِ شعور کی کہ اِس کو
اُن نفسانی شرارتوں سے بچایا جو جھٹلاتی تھیں ہماری آیت معقولات اور حدودِ محرمات کے
نشانات کو بے شک یہ وسواسِ نفس کمالِ جلوت و تجرید خلوت کے ایمانیات سے روکنے
والی بری قوم تھی کیونکہ بوجہ تکذیب انوارِ باطنی اُن سے پردے میں ہی رہے اس لیے سب
صبنا نِ نفسِ امارہ کو غیرتِ ایمانی کے طوفانِ جسمانی میں غرق کر دیا۔ وَدَاوٗدَ وَسُلَیْمٰنَ اِذْ
یَحْكُمٰنِ فِی الْحَرْثِ اِذْ نَفَشَتْ فِیْهِ غَنَمُ الْقَوْمِ وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ
شٰهِدِیْنَ۔ اور یاد کر اے مرشدِ عرفانی اُس عقلِ نظری کے داؤدِ باطنی کو جو مقامِ اسرار
میں مقیم و جلوہ افروز ہے اور یاد کر عقلِ علمی کے سلیمان کو جو مقامِ صدر میں روشنی پھیلا رہا
ہے جب وہ دونوں عقلیں اعمالِ صالحہ کے خزانۂ زرعی کے بارے میں زمینِ استعداد کے
اندر کمالاتِ امانت کا فیصلہ فرماتی ہیں۔ اعمال کی یہ کھیتی فطرت کی زمین میں توجہ شرعی سے اُگی
تھی اور اس میں علم و عمل فکر و ریاضت کے پھل بھی لگ گئے تھے اور ادراک کی سبزی بھی

marfat.com

کہ اچانک طبیعتِ بدنیہ کے غلبے کی اندھیری رات میں صفاتِ نفسانیہ کی قوتِ حیوانیہ شہوانیہ کی فساد مچانے والی قوم عداوت کی بکریاں آپڑیں مرشد کی غفلت سے۔ پیرو مرید کے اس مقدمہ باطنی اور فیصلۂ ظاہری کا ہم مشاہدہ فرما رہے تھے اُن حالات و کیفیات کا جو ہمارے ہی حکم و ارادہ سے ہوا ہماری نظر میں تھا۔ پس عقلِ شعور کا فیصلہ ذوقِ سلیم کے مطابق یہ ہوا کہ قوتِ حیوانیہ کو صاحب اعمال قوتِ روحانیہ کے سپرد کر دیا جائے تاکہ وہ روحانی قوت غلبۂ قہر کی چھری سے قوتِ شہوانیہ جسمانیہ کو ذبح کر کے غذاءِ روحانی بنالے۔ لیکن عقلِ علمی سلیمانی کا فیصلہ تقاضاءِ شرعی ظاہری کے مطابق تھا وہ فیصلہ شہواتِ جسمانی حیوانی کو فنا نہیں ہونے دیتا غنم نفسانی کو ذبح و بربادی سے بچا لیتا ہے بلکہ شریعت کے قبضے میں دے کر اُن کے فطری دودھ عملی اُون اور کسبی نسل کے ثمرات سے فوائد حاصل کرتا ہے اور اُن پر قوتِ روحانیہ کو مسلط فرماتا ہے تاکہ علومِ نافعہ کے شیر اور ادراکِ جذبات کی اُون اور اخلاق و مَلکاتِ فاضلہ کی نسل حاصل کرے خدماتِ حقیقیہ کے صلے میں۔ غنم شہوات والے نفسِ امارہ کو اعمالِ صالحہ کی کھیتی کی حفاظت ریاضت مشقت میں لگا دیتا ہے جس کی وجہ سے نفس کی حیوانی قوتیں سرکشی آوارہ مستی کی بجائے تعمیرِ حرث ترقیِ زرع اور اَرضِ استعداد کی اصلاح میں لگ جاتی ہیں پھر ہوتا یہ ہے کہ اُس زمینِ بدنی میں عبادت اطاعت کے پھل شریعت کی شاخوں پر اَخلاق و آداب کے پھول کھل جاتے ہیں یہاں تک کہ گلشنِ طریقت میں بہارِ معرفت آکر کھیتیِ اعمال کو چمک دمک میں حدِ کمال تک پہنچا دیتی ہے پھر وقت آجاتا ہے کہ غنمِ نفسانی کو حصولِ کمال و لے نفس کی طرف واپس کر دیا جائے۔ عقلِ علمی کے اس تعجبی فیصلے سے روح و نفس، قلب و قالب غنم و حرث دونوں محفوظ و مامون ہو جاتے ہیں اس طرح کہ مومن کی کھیتیِ اعمال میں علم و حکمت کے پھل اور غنمِ نفسیات میں معارف، حقائق، انوارِ تجلیات بصیرتِ مشاہدات اور بصارتِ مکاشفات کی زینت آجاتی ہے (تفسیر محی الدین ابن عربی) تفسیر روح البیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومنین کو دعا مانگنے کی ایک عظیم نعمت عزت اجازت ملی جس سے قربِ الٰہی و ہمکلامیِ ربانی کے دروازے کھلتے ہیں۔ جب خلوصِ قلبی سے اِذْ نَادٰی کی فریادیں بلند ہوتی ہیں تب فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ، کی صدائیں قبولیت سے بلائیں لیتی ہیں بشرطیکہ بندے کی دعائیں عجزِ انبیا اور خلوصِ اولیا کے لباسوں میں ہوں۔ **حکایت**۔ روایت ہے کہ ایک دفعہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ صحابی مکۃ مکرمہ سے جانبِ طائف سفر پر نکلے ایک شخص کے ساتھ

marfat.com

آپ کو پتہ نہ تھا کہ یہ شخص منافق ہے جب ویرانہ میں پہنچے اور سونے کا ارادہ کیا تو منافق نے آپ کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے اور قتل کا ارادہ کیا آپ نے گڑگڑا کر دعا مانگی یَا رَحْمٰنُ اَغِثْنِیْ اے مولیٰ تعالیٰ میری مدد فرما تب منافق نے ایک غیبی آواز سنی کہ تیری ہلاکت ہو اس کو قتل نہ کر۔ منافق ڈرا اور ادھر ادھر دیکھا کچھ نظر نہ آیا اپنا وہم سمجھ کر پھر ارادۂ قتل کیا تو پھر آواز آئی اس طرح چار بار ہوا جب چوتھی بار منافق نے ارادۂ قتل کیا تو ایک گھوڑا سوار نے ظاہر ہو کر منافق کو قتل کر دیا اور حضرت زید کو کھول کر فرمایا کہ میں جبرئیل ہوں جب تم نے دعا مانگی اس وقت میں ساتویں آسمان پر اپنے مقام میں تھا مجھے رب تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ جاؤ میرے بندے کی مدد کرو سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِہٖ اس حکایت سے چار باتیں ثابت ہوئی ۱؎ مومن کو چاہیئے کہ دنیا و آخرت کے لیے اچھا ساتھی تلاش کرے خاص کر پیر و خطیب اچھا وہ ہے جو در نبی تک پہنچائے ۲؎ مخلصانہ دعا اسباب نجات میں سے ہے اسی کو فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ کا انعام ہے ۳؎ بندۂ مضطر و مظلوم کی دعا جلدی قبول ہوتی ہے جیسا کہ حضرت سفینہ کا واقعہ مشہور ہے ۴؎ اولیاء کاملین کو ملائکہ بشکل بشری اپنی زیارت کراتے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ کُنَّا لِحُکْمِهِمْ شَاهِدِيْنَ کا انعام ہر کامل مومن کے ساتھ تا قیامت ہے۔

فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا

تب ہم نے سمجھ داری بخشی فیصلہ کرنے کی سلیمان کو اور دونوں کو ہی دی تھی ہم نے بادشاہت

ہم نے وہ معاملہ سلیمان کو سمجھا دیا اور دونوں کو حکومت

وَّعِلْمًا ۫ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ

اور بہت علم اور تابع کر دیا تھا ہم نے داؤد کی ہمنوائی میں علاقائی سب پہاڑوں کو

اور علم عطا کیا۔ اور داؤد کے ساتھ پہاڑ مسخر فرما دیئے کہ

marfat.com

يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۭ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ ﴿٧٩﴾ وَ

تسبیح پڑھتے رہتے تھے اور پرندوں کو بھی حالانکہ ہم یہ سب کچھ کر سکنے پر قادر ہیں اور ہم نے ہی

تسبیح کرتے اور پرندے اور یہ ہمارے کام تھے ۔ اور

عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ

سکھایا ان کو وردی بنانا تم سب کے لیے تاکہ بچائے

اور ہم نے اُسے تمہارا ایک پہناوا بنانا سکھایا کہ تمہیں

مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ ﴿٨٠﴾ وَ

وہ وردی تم کو تمہاری جنگوں میں تو کیا تم اس وجہ سے شاکر بندے بنتے ہو۔ اور

تمہاری آنچ سے بچائے تو کیا تم شکر کرو گے ۔ اور

لِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ

تابع کیا سلیمان کے تیز ہوا کو چلتی تھی اُن کے حکم سے

سلیمان کے لیے تیز ہوا مسخر کر دی کہ اُسکے حکم سے چلتی

اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ۭ وَكُنَّا

اُن علاقوں تک برکت دی ہم نے جن میں اور ہیں

اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے برکت رکھی اور ہم کو

بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ ﴿٨١﴾

ہم ہر چیز کو جاننے والے ۔

ہر چیز معلوم ہے ۔

marfat.com

تعلقات اِن آیاتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کا ذکر ہوا کہ انہوں نے ایک فیصلۂ مقدمہ کیا تھا۔ اب اِن آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ سلیمان علیہ السلام کا فیصلہ صحیح تھا اور صحیح ہونے کی وجہ بتائی جارہی ہے کہ ہم نے وہ فیصلہ سمجھایا تھا۔ بذریعہ وحی یا الہام یا قدرتی ذہن میں ڈالا۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں ایک نبی مرسل حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہوا یہاں اِن آیت میں اُن پر انعاماتِ الٰہیہ کا ذکر ہوا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں حضرت سلیمان نبی و رسول علیہ السلام کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں اُن کے معجزات کا ذکر ہو رہا ہے جو نبوت کی اعلیٰ اور خداداد نشانی ہوتے ہیں۔

تفسیر نحوی فَفَهَّمْنٰهَا سُلَیْمٰنَ وَ كُلًّا اٰتَیْنَا حُكْمًا وَّ عِلْمًا وَّ سَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ یُسَبِّحْنَ وَ الطَّیْرَ وَ كُنَّا فٰعِلِیْنَ وَ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ فَ حرفِ عطف اور مابعد کا عطف یَحْکُمَانِ کے جملے پر ہے یا وَ کُنَّا لِحُکْمِهِمْ کے جملے پر فَفَهَّمْنَا۔ بابِ تفعیل کا فعل ماضی مطلق۔ جمع متکلم اِن آیت میں بھی تمام جمع متکلم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع حکم (شرعی فیصلہ) ہے ایک قرأت میں اَفْهَمْنَا بابِ افعال سے ہے ترجمہ دونوں کا ایک ہے کہ ہم نے سمجھا یا سجھایا کیونکہ دونوں متعدی بدو مفعول ہیں۔ اسی لیے کسی جھگڑے کو چکانے کے لیے عام طور پر کہا جاتا ہے افہام و تفہیم یہ غلط ہے تفہم و تفہیم کہنا چاہیے جس کا ترجمہ ہوتا ہے سمجھنا سمجھانا۔ کیونکہ بابِ تفعل لازم ہوتا ہے۔ سُلَیْمٰنَ اسم غیر منصرف بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعولِ دوم ہے یہ سب فعل با فاعل دونوں مفعول (ھَا ضمیر و سُلَیْمٰنَ) مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ بر جملہ كُلًّا، اسم تاکیدی بمعنیٰ ہر ایک، با تمام تثنیہ و جمع سب کے لیے مستعمل ہے بحالتِ نصب مفعول بہ مقدم ہے مراد ہے داؤد و سلیمٰن علیہما السلام۔ اٰتَیْنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِیْتَاءٌ بمعنیٰ دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ حُكْمًا وَّ عِلْمًا یہ دونوں معطوف علیہ معطوف ہو کر مفعول بہ دوم ہے ترجمہ ہے عقل فہم تفکر یعنی اجتہادی سمجھ داری۔ یا مراد ہے نبوت اور کتابِ الٰہی۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ بر جملہ (ابتداءِ کلام کے لیے) سَخَّرْنَا۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے

marfat.com

تسخیر "سخر" سے بنا ہے بمعنیٰ قابو میں کر دینا۔ کر لینا دبا دینا۔ تابع کر دینا۔ بے بس کرنا۔ یہاں پہلے معنیٰ
میں ہے مَعَ اسم مفرد مبنی مضاف ہے داؤد غیر منصرف مضاف الیہ ہے بحالت کسرہ ہے یہ
مرکب اضافی ظرف مکانی ہے سَخَّرْنَا کا اَلْجِبَالَ۔ الف لام عہد خارجی جبال اسم جمع مکسر منصرف
اس کا واحد ہے "جَبَلْ" بمعنیٰ پہاڑ مراد ہیں اُس علاقے کے قریبی پہاڑ چھوٹے بڑے سب
یہ ذوالحال ہے یُسَبِّحْنَ باب تفعیل کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری دراصل تھا کُنَّ یُسَبِّحْنَ
صیغہ جمع مؤنث غائب کُنَّ حذف کیا گیا سابقہ کُنَّا کے قرینے سے۔ اس کا مصدر ہے
تسبیح "سبح" سے بنا ہے بمعنیٰ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرنا اس کا فاعل هُنَّ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع
اَلْجِبَالَ ہے وَاوْ بمعنیٰ مَعَ اَلطَّیْرَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ پرندہ اسم جنس ہے لہٰذا جمعیت کے
معنیٰ میں ہے یعنی پرندے۔ یہ وَالطَّیْرَ مفعول مَعَہٗ ہے یُسَبِّحْنَ کا یہاں مزید تین قول
ہیں ۱ واؤ عاطفہ اور عطف اَلْجِبَالَ پر ۲ وَالطَّیْرُ بحالت رفع ہے عطف ہے یُسَبِّحْنَ
کی ضمیر پر مگر یہ غلط ہے کیونکہ ضمیر مستتر پر عطف تب جائز ہے جب کہ اسی قسم کی ضمیر بارز موجود
ہو اور فعل صیغہ واحد ہو مثلاً ہُوَ یُسَبِّحُ هُنَّ وَالطَّیْرُ مگر یہ ناممکن لہٰذا یہ بھی ناممکن ۳ واؤ سر جملہ
اور الطَّیْرُ خبر محذوف کا مبتدا ہے دراصل تھا۔ وَالطَّیْرُ مُسَخَّرَاتٌ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ
یُسَبِّحْنَ اپنے فاعل و مفعول مَعَہٗ سے جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے اَلْجِبَالَ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے
واؤ حالیہ کُنَّا فعل ناقصہ ماضی۔ جمع متکلم با اسم خود فَاعِلِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے فَاعِلٌ
بحالت نصب ہے خبر ہے کُنَّا اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر حال ہوا سَخَّرْنَا
کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ عَلَّمْنَا۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق
جمع متکلم مصدر ہے تعلیم "علم" سے بنا بمعنیٰ سکھانا ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل کا مرجع
ہے دَاوٗدَ۔ صَنْعَۃَ اسم مصدر جامد ہے یعنی حاصل مصدر یعنی کاریگری۔ صَنْعٌ "صَنْعٌ" سے بنا ہے
بمعنیٰ اچھا کام کرنا کوئی چیز بنانا۔ آخر میں ۃ مصدریہ ہے یا وحدت کی ہے۔ خیال رہے
کہ عربی میں بنانے کے لیے پانچ الفاظ ہیں ۱ جَعْلٌ ۲ یَجْدٌ ۳ اِیجَادٌ ۳ صَنْعٌ
۴ تَشَدُّدٌ ۵ خَلْقٌ۔ فرق یہ ہے کہ جعل کا معنیٰ حالت بدلنا مثلاً جاہل کو عالم بنا دینا۔ یَجْدٌ
کوئی شکل ڈھال دینا اسی سے ہے اِیجاد اور مُوجِد۔ اِیجاد کے بعد جو بنتی ہے وہ صنعت
ہے یا جو سکھائی جائے۔ نثر کو نظم بنانا تَشَدُّدٌ ہے۔ بعض جُہلا اردو شاعر شعر بنانے کو تخلیق
کہنے لگے ہیں وہ انتہائی جاہل اور بے ادب ہیں کیونکہ لفظ خلق اور تخلیق اللہ تعالیٰ کی

marfat.com

کی خصوصی صفت ہے کہ بندے کا اپنے کام کو تخلیق کہنا کفر یہ جہالت ہے صَنْعَةَ مضاف ہے۔
لَبُوْسٍ ایک قرأت میں لَبُوْسٍ ہے اسم مبالغہ بروزن فَعُوْلٌ یا فَعُوْلٌ بمعنی مَلْبُوْسٌ یعنی پہنا ہوا
پہننے کے قابل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے لَكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے
عَلَّمْنَا کا ایک قول میں محذوف ثابتٌ کے متعلق ہو کر صفت ہے لَبُوْسٍ کی کُمْ میں خطاب
ہے تمام انسانوں سے تاقیامت۔ لام تعلیلیہ بمعنی تاکہ تُحْصِنَ باب افعال کا فعل مضارع واحد
مؤنث غائب ہے اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ ہِیَ کا مرجع لَبُوْسٍ ہے اس کی مزید تین قرأتیں
ہیں۔ ۱ لِيُحْصِنَكُمْ مذکر غائب ۲ لِنُحْصِنَكُمْ جمع متکلم یہاں ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ
تعالیٰ ہے ۳ لِتُحَصِّنَكُمْ باب تفعیل سے اس کا مصدر ہے اِحْصَانٌ۔ حَصْنٌ سے
بنا ہے بمعنی حفاظت کرنا بچانا۔ دفاع کرنا فوج قلعے کو اسی معنی میں حِصْنٌ کہتے کُمْ ضمیر
مخاطب مرجع تاقیامت انسان لَبُوْسٍ سے مراد ہے جنگی ذرع (جنگی لباس) کُمْ منصوب
متصل مفعول بہ ہے مِنْ جارہ بمعنی عن زوالیہ یعنی دور کرنا۔ بَأْس اسم مفرد جامد بَأْسٌ کے چند
معنی ہیں۔ عذاب ۱ ۲ تکلیف ۳ دل تنگی اسی معنی میں ترجمہ ہوتا ہے معنا لغۃ خوف ڈر یعنی
ضیق قلبی لَا بَأْسَ میں یہی معنی لیے جاتے ہیں ۴ جنگ حرب۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔
ہو سکتا ہے کہ اردو میں بدبو کو باس اور پرانی روٹی سالن کو باسی کھانا اس لیے کہا جاتا
ہو کہ اس میں بدبو اور دل تنگی نفرت اور بیماری وغیرہ ہوتی ہے۔ یہ مضاف ہے کُمْ
مضاف الیہ دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے لِتُحْصِنَ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے
عَلَّمْنَا کی یا بدلِ اشتمال ہے لَكُمْ کا بہرکیف سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَ تعلیلیہ اس کا
مابعد سوالیہ علتِ دوم ہے عَلَّمْنَا کی هَلْ حرفِ استفہام (سوالیہ) اَنْتُمْ اسم ضمیر جمع
مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے شَاكِرُوْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے
شَاكِرٌ شُكْرٌ سے مشتق ہے بمعنی معترف ہونا احسان مند ہو کر محسن کی فرماں برداری کرنا
بحالت رفع خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ انشائیہ ہو کر علت ہے عَلَّمْنَا کی۔ وَلِسُلَيْمٰنَ
الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا
بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۔ واؤ سر جملہ ایک قول واؤ عاطفہ ہے اور یا بعد عبادت کا عطف
ہے مَعَ دَاوٗدَ پر۔ لام حرفِ جر نفع کا سُلَيْمٰنَ مجرور متعلق ہے سَخَّرْنَا پوشیدہ فعل کا اور
حذف کیا گیا تخفیف کے لیے پہلے سَخَّرْنَا کے قرینے سے اَلرِّيْحَ اسم مفرد جامد معرفہ

marfat.com

باللام عاصفۃً اسم فاعل واحد مؤنث عصفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اوپر کی فضا میں تیز چلنے والی ہوا خیال رہے کہ تیز ہوا کی تین قسمیں ہیں ۱۔ عاصفۃٌ جو اوپر یا دلوں کے علاقے میں تیز چلے ۲۔ زعزع جو نیچے زمین کے ساتھ تیز چلے ۳۔ ھیجٌ جو اوپر نیچے بیک وقت تیز چلے اس کو اردو میں طوفان یا کالی آندھی کہتے ہیں زعزع کو اردو میں آندھی کہتے ہیں نرم اور ہلکی ہوا کو رخاءٌ کہتے ہیں۔ الریحَ ذوالحال عاصفۃً حال نحاتِ بصرہ کے نزدیک موصوف صفت ہیں ان کے نزدیک معرف موصوف ہو سکتا ہے نکرہ کا۔ یہ حال ذوالحال مل کر مُبدل منہ ہے یا ہیر ذوالحلال ہے تجری بابِ ضرب کا مضارع معروف مثبت واحد مؤنث غائب بمعنیٰ ماضی استمراری در اصل تھا گا نث تجری جریٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کسی کے سہارے چلنا جاری ہونا بامرہٖ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اوّل ہٖ ضمیر کا مرجع سلیمانؑ ہے۔ الیٰ حرفِ جر برائے انتہاء غایت الارضِ اسم معرف باللام۔ بمعنیٰ علاقہ موصوف ہے التی۔ اسم موصول مؤنث ارض مؤنث لفظی کی وجہ سے۔ بارکنا بابِ مفاعلۃ کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم۔ خیال رہے کہ ان آیت میں جتنے بھی ماضی مطلق ہیں وہ سب بمعنیٰ ماضی بعید ہیں۔ یہاں باب مفاعلۃ اپنے اصلی معنی یعنی دو طرفہ عمل میں نہیں بلکہ مبالغے کے لیے ہے یعنی کثرتِ عمل کے لیے جیسے سافرتُ وعاقبتُ بارکنا کا مصدر ہے مُبارکۃٌ، برکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ خیر کثیر۔ بلا معاوضہ کسی چیز میں کثرت سے اچھائی پیدا ہونا۔ فیھا یہ جار مجرور بارکنا کا ھا ضمیر کا مرجع الارضِ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا التی کا موصول صلہ مل کر صفت ہے الارضِ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے تجری کا سب جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے الریحَ کا دونوں مل کر مفعول بہٖ سخرنا پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ مر جملہ کنا فعل ناقصہ جمع متکلم ضمیر صیغہ اس کا اسم بکل شیٍٔ ب جارہ تعدیہ کا کلّ اسم تاکیدی کُلی استغراقی بمعنیٰ تمام کے تمام شیٍٔ اسم نکرہ مؤکدہ ہے دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے کنا کا عالمین۔ اسم جمع متکلم مذکر برائے فصاحت، بحالتِ نصب خبر ہے کنا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ ففھمنٰھا سلیمٰن وکلًّا اٰتینا حکمًا وعلمًا وسخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر وکنا فعلین۔ تب ہم نے اس مقدمے کا صحیح تر اصلاحی فیصلہ اپنے الہام کو قلب سلیمان میں القا کر کے سلیمٰن کو سمجھایا

marfat.com

جس کی وجہ سے انہوں نے وہ فیصلہ سنایا جو مدعی اور مدعیٰ علیہ کے لیے زیادہ مفید تھا۔ اور صحیح تو داؤد کا فیصلہ بھی تھا مگر صرف حکمانہ تھا رحمدلانہ اور مصلحانہ نہ تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا فیصلہ صرف مدعی کے حق میں مفید تھا مگر مدعیٰ علیہ کیلئے حق سزا و جرمانہ تھا یہ عدل ہے اس لیے کہ قانوناً کھیتی والے پر دن میں اپنی کھیتی کی حفاظت واجب ہے۔ اور چرواہے یعنی اونٹ بکری گائے وغیرہ جانوروں کے مالک اور ذمہ دار پر واجب ہے کہ رات میں اپنے جانوروں کی حفاظت کرے ہر شریعت کے قانون کے مطابق اگر دن میں کسی کا جانور مالک یا چرواہے کے بغیر کسی کی کھیتی خراب کر دے تو جانور والے پر کچھ تاوان یا جرمانہ نہیں ہوتا کیونکہ دن کے وقت کھیتی والے پر واجب ہے کہ کھیتی کے پاس رہ کر اس کی حفاظت کرے تاکہ کوئی جانور خراب نہ کرے اگر کھیتی والا موجود نہیں تو یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔ ہاں اگر جانور والے کے ہوتے ہوئے اس کے جانور نے کسی کی کھیتی خراب کر دی تو جانور کے مالک پر سزا ہے دن ہو یا رات لیکن اگر رات کے وقت خود جانور کھل کر کسی کی کھیتی خراب کر دے تو یہ جانور والے کی غفلت اور غلطی ہے کہ اس نے اچھی طرح کیوں نہ باندھا لہذا اس کو تاوان دینا پڑے گا۔ بہرکیف اپنے اپنے حساب میں دونوں فیصلے درست تھے اور اپنے اپنے صحیح اجتہاد سے تھے اس لیے کہ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ داؤد و سلیمان علیہما السلام دونوں کو ہم نے دیا تھا نبوت کا شعور اور رسالت کی سمجھ ادراک کی حکمت تامہ اور عدالت شرعیہ کا علم فراست کاملۂ قاضیانہ حکمت اور مجتہدانہ علم۔ عطاءِ ربانی میں دونوں پیغمبر برابر کے فیضیاب و انعام یافتہ تھے۔ اس مقدمے کا تفصیلی واقعہ اس طرح ہے کہ پچھتر سالہ داؤد علیہ السلام اپنی نبوی عدالت میں تشریف فرما تھے۔ باہر دروازے میں گیارہ سالہ سلیمان علیہ السلام کھڑے تھے کہ دو آدمی آئے انہوں نے حضرت سلیمان سے پوچھا کہ داؤد علیہ السلام کہاں ہیں سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ اندر ہیں۔ وہ دونوں آدمی اندر چلے آئے اور داؤد علیہ السلام کی خدمت میں واقعہ عرض کیا کہ آج رات آدھی رات کو اس کی اتنی بکریاں میرے فلاں کھیت میں گھس پڑیں اور ساری برباد کر گئیں کچھ کھا گئیں کچھ خراب کر گئیں۔ آپ نے مدعیٰ علیہ سے پوچھا اس نے عرض کیا جی ہاں واقعی مجھ کو پتہ بھی نہ چلا نہ جانیں کب اور کیسے کھل گئیں۔ اسی نے بکریوں کو وہاں سے نکالا اور مجھے آکر بتایا تب ہم دونوں آپ سے فیصلہ شرعی لینے آئے ہیں

marfat.com

آپ نے کھیتی اور بکریوں کی پوری تفصیل سن کر اندازہ لگایا کہ جتنا کھیتی کا نقصان ہوا ہے اتنی ہی تقریبًا اور اندازًا بکریوں کی قیمت بنتی ہے آپ نے تفصیل میں مدعی سے چار باتیں پوچھیں کہ تیری زمین کیسی مضبوط ہے کھیتی کیا ہے کب اگائی تھی موسم کے مطابق تھی یا نہیں۔ کل کس حالت میں تھی۔ مدعیٰ علیہ سے اس کے بیان کی تصدیق کے بعد اس سے بھی چار باتیں پوچھیں ۱ بکریاں کتنی تھیں ۲ کس ملک کی تھیں ۳ کتنی بڑی اور کس عمر کی تھیں ۴ صحت کیسی تھی اس کی تصدیق مدعی سے پوچھی پھر فیصلہ فرمایا اس سے پہلے اس قسم کا مقدمہ آیا نہ تھا اس لیے آپ نے اپنے اجتہاد سے یہ فیصلہ سنایا کہ کھیتی والے کو سب بکریاں دیدی جائیں۔ دونوں حضرات اس فیصلے پر آمنّا کہہ کر باہر نکلے تو سلیمان علیہ السّلام نے پوچھا کہ اباجی نے کیا فیصلہ فرمایا، دونوں نے تمام ماجرا اور فیصلہ بتایا تو حضرت سلیمان علیہ السّلام نے فرمایا کہ اگر میں فیصلہ کرتا تو اس کے علاوہ کرتا۔ وہ دونوں پھر اندر گئے اور داؤد علیہ السّلام کو بتایا کہ سلیمان علیہ السّلام آپ کے فرزند یہ فرماتے ہیں آپ نے سلیمان علیہ السّلام کو اندر بلایا اور کہا کہ تمہیں واسطہ ہے میری ابوت (پدریت) اور نبوت کا تم مجھے بتاؤ کہ تم کیا فیصلہ کرتے آپ نے والدِ محترم کی خدمت میں عرض کیا کہ میں یہ فیصلہ کرتا کہ کھیتی والے سے کہتا کہ تو اتنے عرصے بکریوں پر قبضہ کر ان کی خوراک رہائش دوا دارو کا خیال رکھ اس کے عوض ان کا دودھ ان کی اُون بال اور ان کی نسل (پیدا شدہ بچے) حاصل کر۔ اور بکریوں والے سے کہتا تو اتنا عرصہ کھیتی کی حفاظت کر پانی دے فالتو جڑی بوٹیوں کو اکھیڑ (ذکر منافی کر نلائی گوڈی) کر چونکہ کھیتی کی جڑیں ابھی قائم ہیں اس لیے جب تک کھیتی میں دوبارہ پھل اور دانے اسی طرح نہ لگ جائیں جس طرح کل تھے اس وقت تک تو کھیتی میں محنت مشقت حفاظت کر۔ جب کھیتی بالکل اسی طرح درست ہو جائے جس طرح کل تک تھی تو بکریاں بکری والے کو واپس اور کھیتی کھیت والے کو۔ حضرت داؤد علیہ السّلام یہ فیصلہ سن کر بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ اب یہی فیصلہ نافذ ہوگا۔ اور دونوں مدعی اور مدعیٰ علیہ بھی بہت خوش ہوئے۔ اور آئندہ کے لیے داؤد علیہ السّلام نے اپنے بیٹے سلیمان علیہ السّلام کو اپنے ہر معاملے کا مشیر خاص بنالیا۔ اس کے علاوہ بھی سلیمان علیہ السلام کے اجتہادی فیصلے بہت مشہور ہیں مثلاً ایک مرتبہ دو عورتیں جنگل میں لکڑیاں چن رہی تھیں دونوں کے شیر خوار بیٹے تھے انہوں نے دونوں کو ایک درخت کے نیچے ایک چادر

marfat.com

پر لٹا دیا اور خود لکڑیاں چننے میں مشغول ہو کر دور چلی گئیں کچھ دیر بعد دونوں نے دیکھا کہ جنگل کا بھیڑیا ایک بچے کو اٹھائے بھاگے جا رہا ہے وہ دونوں دوڑی ہوئی بچوں کے پاس آئیں تو دیکھا کہ ایک بچہ غائب ہے۔ بڑی عورت نے کہا کہ بھیڑیا تیرا بچہ لے گیا ہے چھوٹی نے کہا کہ نہیں بلکہ تیرا بچہ لے گیا ہے۔ جب جھگڑا بڑھا تو دونوں داؤد علیہ السلام کے پاس حاضر ہوئیں آپ نے دونوں کے بیانات سے موجودہ بچے کی ہمشکلی پر اجتہاد فرما کر فیصلہ بڑی عورت کے حق میں فرمایا کہ یہ بچہ بڑی کا ہے۔ دونوں باہر نکلیں تو سلیمان علیہ السلام نے واقعہ پوچھا سن کر آپ نے ایک خادم سے فرمایا کہ اندر سے چھری لاؤ جب چھری آگئی تو آپ نے فرمایا کہ اس بچے کے دو ٹکڑے کرو اور دونوں کو ایک ایک دے دو۔ یہ فیصلہ سن کر بڑی تو خاموش رہی لیکن چھوٹی تڑپ اٹھی کہ نہیں بچہ اسی بڑی کو دیدو میں نہیں لیتی میں ویسے ہی کبھی دیکھ لیا کروں گی اس پر آپ نے فیصلہ چھوٹی کے حق میں کیا اور بچہ چھوٹی کو دلوا دیا وہ پھر واپس داؤد علیہ السلام کے پاس گئیں اور فیصلہ سلیمان سنایا آپ نے بلا کر پوچھا کہ تم نے یہ فیصلہ کیونکر کیا آپ نے فرمایا کہ اس بچے کی ممتا والی شفقت چھوٹی میں ہے بڑی میں نہیں ہے آپ سن کر بہت خوش ہوئے اور یہاں بھی فیصلۂ سلیمانی کو جاری فرمایا۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے ان دونوں کو اور بھی انعامات دئے جو خصوصی تھے کہ ایک کو والد بنایا دوسرے کو ولد نبی کا ہونا بھی سعادت ہے اور ولد ہونا بھی سعادتِ ربانی ہے پھر ایک کو مرسل بنایا اور ایک کو رسول۔ ایک کو مستقل، عادلانہ کتابِ الٰہی عطا فرمائی، اور ایک کو مکمل مصلحانہ شریعت عطا فرمائی۔ ایک کو ایسی عظیم تسبیح اور حمدِ الٰہی سکھائی کہ پہاڑ جمادات اور پرندے حیوانات بھی آپ کے ساتھ ہی مسحور و مسخر ہو کر ان کے ساتھ تسبیح پڑھتے رہتے جس کو سب لوگ سنتے لیکن سمجھتے نہ تھے کہ پرندے آپ کے پاس آکر کیا چہچہا رہے ہیں یا پتھروں کی گڑگڑاہٹ کیسی اور کیوں ہے اس طرح جنگل کے چوپائے بھی اپنی بولی میں لگاتار بولتے رہتے مگر داؤد علیہ السلام پہاڑوں کے پتھروں اور پرندوں کی بولیاں سنتے بھی اور سمجھتے بھی تھے کہ یہ جمادات حیوانات میرے ساتھ حمد و تسبیح کر رہے ہیں۔ وَكُنَّا فَاعِلِينَ، داؤد علیہ السلام کی یہ قوتِ علمی و فہمی اور جمادات و حیوانات کی یہ قوتِ گویائی و تسبیح خوانی۔ بارگاہِ داؤدی میں ان کی یہ تسخیر زمانی، ہمارے قدرتِ عطا کے نزدیک کچھ مشکل نہ تھی نہ اب ہے ہم جس کے لیے چاہیں

marfat.com

جب چاہیں جتنا چاہیں کُنَّا فٰعِلِیْنَ. سب کچھ کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں ہمارے ان محبوب محمد مصطفیٰ کے ہاتھوں میں کنکروں پتھروں نے کلمہ پڑھا اور سب نے سنا انہی محبوب کی صحبت با فتہ صحابہ کو یہ قوتِ سماعت ملی کہ جب صحابہ کے کھانے نے تسبیح پڑھی تو اُن صحابہ نے سنی۔ زہر آلود بکری کا گوشت دعوتِ خیبر میں خود پکارا کہ مجھ کو نہ کھاؤ مجھ میں زہر ہے یہ سب ہماری قدرت کے شاہکار ہیں ہماری قدرتوں کے ایسے واقعات عالمِ کائنات میں بے شمار موجود مشاہدہیں اے انسان تو تمہاری عقلوں کو یہ عجائب قدرت مشکل لگتے ہیں اور تم یا کوئی جن فرشتہ انسان نہ خود ایسا کر سکتا ہے نہ کسی کو سکھا پڑھا سکتا ہے۔ یہ ہم ہی کر سکتے ہیں اپنے انبیاء علیہم السلام کو سکھا پڑھا سکتے ہیں اپنی قدرت اور اُن کا معجزہ بنا سکتے ہیں۔ اور فقط یہی نہیں بلکہ۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ. اور ہم نے ہی داؤد علیہ السلام کو ایسے عظیم لباس بنانے کی کاریگری سکھائی جو قیامت تک اے انسان تمہارے ہی لیے مفید ہے ان سے سیکھ کر اپنے اپنے رواجوں ضرورتوں اور طریقوں سے بناتے استعمال کرتے رہو تاکہ تم کو تمہاری جنگوں لڑائیوں میں تیر تلوار نیزوں بھالوں کے مُہلک زخموں سے بچائے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو اس صنعت کا علم دو وجہ سے سکھایا گیا۔ پہلی یہ کہ روایتوں میں آتا ہے کہ ایک مرتبہ داؤد علیہ السلام کسی جگہ سے گزر رہے تھے تو دو آدمیوں کو آپ نے اپنے متعلق باتیں کرتے پایا ایک شخص کہہ رہا ہے کہ حضرت داؤد ہر طرح بہت ہی اچھے ہیں بجز ایک بات کے دوسرے نے پوچھا وہ کیا پہلے نے کہا وہ یہ کہ بیت المال سے تنخواہ لیتے ہیں اگرچہ بہت تھوڑی لیتے ہیں مگر پھر بھی یہ انکو زیبا نہیں دیتی۔ یہ دونوں شخص فرشتے تھے شکل انسانی میں۔ بعض نے فرمایا کہ خود داؤد علیہ السلام اپنے متعلق لوگوں سے پوچھتے نکلے کہ بتاؤ تمہارا بادشاہ داؤد ملک میں کیسا ہے تو جبرئیل امین شکلِ انسانی میں ملے تب آپ نے خود اُن سے اپنے متعلق پوچھا تو انہوں نے وہی جواب دیا جو اُوپر پہلے شخص کا مذکور ہوا۔ تو آپ نے واپس گھر آکر دعا مانگی کہ یا مولیٰ میری آمدنی اور کمائی میری گذر اوقات کے مطابق میرے ہاتھ کی محنت سے عطا فرما تو رب تعالیٰ نے صَنْعَةَ لَبُوْسٍ سکھائی دوسری وجہ یہ کہ داؤد علیہ السلام کا زمانہ لوہے تانبے اور جنگوں کا زمانہ تھا آپ کی سلطنت کا پھیلاؤ مشرقِ وُسطیٰ میں علاقۂ رُوم اور علاقۂ عزیہ تک پھیلا ہوا تھا اہی

marfat.com

علاقوں کے پہاڑوں میں لوہے اور تانبے کی کانیں ہیں جن سے بے شمار خام لوہا اور خام تانبہ نکلتا ہے
طالوت بادشاہ کے زمانے سے پہلے قوم جالوت کی حکومت ان علاقوں پر تھی اُن کی دو نسلوں ۱
قوم حتی ۲ اور قوم فلستی کو لوہا و تانبہ سازی میں بہت کمال حاصل تھا جب طالوت بادشاہ
کو فتح ہوئی تو بنی اسرائیل نے بھی لوہے کی کاریگری اور فنکاری میں کمال عروج حاصل کیا۔ طالوت
کی حکومت کا دور ۱۰۶۵ قبل مسیح ہے یہی زمانہ اقوام حتی، فلستی و جالوتی کی فنا زوال تباہی
کا ہے ۱۳۴۲ء قبل مسیح بنی اسرائیل کی حکومت فلسطین اُردن اور دو تہائی شام کے علاقے میں
قائم ہو چکی تھی اس کے بعد داؤد علیہ السلام کی حکومت ۱۰۱۱ء اور ۱۲۰۰ قبل مسیح قائم ہوئی۔ بنی
اسرائیل میں اُس وقت بہت دولت امیری کاریگری مشہور تھی لوہا تانبہ سازی میں اُن کی مہارت
کا شہرہ دور دور پھیلا تھا اس دولت اور فنکاری نے اُن کو دین و عبادت سے دور فن پر مغرور
کر دیا تھا اسی بنا پر گھمنڈ سرکشی گمراہی گستاخی میں مشہور کر دیا تھا ابلیسیت سے نافرمانی، نافرمانی
سے کفر پھیلا ہوا تھا۔ تب رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو ان میں مبعوث فرمایا اور بادشاہت
کا تسلسل دے کر لوہے کا ہی ایک معجزہ عطا فرمایا جس سے اُن سب مغروروں کا غرور فنکاری
خاک میں مل گیا اور حیران و متعجب ہوئے کہ کس طرح موم اور گندھی مٹی جیسا نرم کر کے
لوہے سے جو چاہے بنا لیتے ہیں ہر وقت اور بلا ارادہ نرم نہ ہوتا تھا بلکہ جو کچھ بنانا چاہتے
تو حسب منشا تانبہ لوہا نرم ہو جاتا تھا اس معجزے کے سامنے اُن کفار کی عظیم بھٹیاں لوہے
کو پگھلانے کے سارے کارنامے بے بس تھے۔ داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے چار معجزے
عطا فرمائے ۱ نشانہ بازی کا معجزہ ارہاص یہ بعثت سے پہلے ملا۔ اس طرح کہ جس کافر
کو دوران جنگ ایک بار نظر بھر کر دیکھ لیتے پھر کتنی بھی دور سے تیر تلوار نیزے بھالے
یا پتھر ڈھیلے سے نشانہ لگاتے جس جگہ کا بھی کبھی خطانہ جاتا اس معجزے کا ذکر قرآن مجید کی
سورۃ بقرہ آیت ۲۵۱ میں اس طرح مذکور ہے وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ۔ داؤد نے قتل
کر دیا جالوت کو جالوت قوم حتی و فلستی کا بادشاہ تھا یہ سب کافر تھے۔ طالوت بادشاہ
کے لشکر میں شامل ہو کر دوران جنگ داؤد علیہ السلام نے غلیل یا گھمانی سے اُس کے
گھٹنے پر پتھر مارا جس سے اُس کا گھٹنا ٹوٹ گیا وہ گرا اور مر گیا بادشاہ کے مرتے سے
سب لشکر کفار بھاگ گیا ۲ پہاڑوں کی تسبیح کا معجزہ ۳ پرندوں کی تسبیح کا معجزہ ان
دونوں معجزوں کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا گیا۔ ایک جگہ یہاں سورۃ انبیاء آیت ۷۹ میں پھر

marfat.com

سورہ ص آیت ۱۸ میں اس طرح ارشاد ہوا۔ اِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ وَالطَّيْرَ مَحْشُورَةً كُلٌّ لَّهُ أَوَّابٌ۔ سوم سورۃ سبا آیت ۱۰ میں اس طرح ارشاد ہے۔ يَا جِبَالُ أَوِّبِي مَعَهُ وَالطَّيْرَ۔ چوتھا معجزہ آپ کی آتی سریلی آواز کہ جب آپ خوش الحانی سے زبور شریف کی تلاوت فرماتے یا بلند آواز سے تسبیح و حمد خوانی کرتے تو پرندے آپ کے پاس جمع ہو کر بے خود ہو جاتے اور خود بھی اپنی اپنی زبان میں تسبیح خوانی کرنے لگتے چرندے سرمست ہو جاتے۔ بہتے پانی رک جاتے جنات و ملائکہ آپ کے پاس جمع ہوتے انسانوں کے دل گداز ہوتے اور کفار متحیر ہوتے اس کا مختصر تذکرہ حدیث مقدس میں اس طرح ہے کہ ایک مرتبہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابی حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی کی خوش الحان تلاوت سے خوش ہو کر فرمایا کہ۔ لَقَدْ أُوتِيَ مِزْمَارًا مِّنْ مَزَامِيرِ آلِ دَاوُدَ۔ یعنی ابوموسیٰ اشعری کو داؤد علیہ السلام کی خوش الحان سریلی رگوں میں سے ایک سریلی رگ عطا فرمائی گئی ہے یہاں آل داؤد میں لفظ آل یائے نسبت کی جگہ ہے یعنی داؤد والی صرف ایک رگ (خوش الحانی کا کچھ حصہ) لوہے کے معجزے کا ذکر سورۃ سبا کی آیت ۱۰ و ۱۱ میں اس طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَأَلَنَّا لَهُ الْحَدِيدَ أَنِ اعْمَلْ سَابِغَاتٍ وَقَدِّرْ فِي السَّرْدِ یعنی ہم نے اُس داؤد علیہ السلام کے لیے لوہے کو نرم کر دیا اور اُن کو سکھایا کہ اچھی طرح مکمل اور انداز کی زرہیں بناؤ اور صحیح طریقے کی ایک جیسی کڑیاں جوڑو کائنات انسانیت کے لیے رب تعالیٰ نے اپنی بارگاہ سے جتنے بھی علوم فنون۔ صنعت حرفت، قدرت، ندرت قوت و کمال دنیا میں بھیجے وہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی معرفت اور ذریعے سے ہی بھیجے یہاں تک کہ اُن میں سے بہت سے علوم ملائکہ کو بھی نہیں آتے بلکہ اُن کے نام تک کسی فرشتے کو نہیں آتے جیسا کہ مقابلہ آدم علیہ السلام کے وقت ظاہر ہو گیا تھا۔ رب تعالیٰ نے صرف اپنے انبیاء علیہم السلام کو پڑھایا سکھایا اور انبیاء کرام علیہم السلام سے اپنی ضرورتوں کے مطابق فرشتوں جنوں نے سیکھے اور حاصل کئے۔ حدیث پاک میں ہے کہ۔ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ كُلَّ صَانِعٍ وَصَنْعَةً۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہر کاریگر اور ہر کاریگری کو خیال رہے کہ صنعت و حرفت، فعل و عمل کا فرق یہ ہے کہ ہر کاریگری صنعت ہے۔ اُس کا تجربہ کرنا حرفت ہے۔ ابتدائی کام کرنا جس میں دور شاگردی اور سیکھنے کا زمانہ بھی

marfat.com

بھی شامل ہے فعل ہے۔ اور انتہائی فنکاری کا نام عمل ہے جس میں استادی بھی شامل اس بنا پر عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ میں داؤد علیہ السلام کی فعلیت اور شاگردی کا ذکر ہے۔ اور اِنِ اعْمَلْ میں آپ کی انتہائی فنکاری اُستادی کا ذکر ہے۔ یعنی رب تعالیٰ ان کا استاد اور وہ باقی انسانوں کے اُستاد ہر صنعت فعل ہے مگر ہر فعل صنعت نہیں روایتوں میں ہے کہ آدم علیہ السلام سے کھیتی باڑی کا علم زمین والوں کو ملا جس میں ہل بنانا ہل چلانا جوڑنا جوتنا۔ کھیت اگانے کا موسم معلوم کرنا۔ بجائی ترائی زمین کا کھیتی کے مناسب ہونے کا علم کہ کونسی زمین کس قسم کی زمین کس کھیتی کے لیے مناسب زمین کو کھیتی کے لائق بنانے کا علم زمین کی کھاد اور دواؤں کا علم وغیرہ شیث علیہ السلام سے کپڑا بننے دھاگہ بنانے کا علم روئی اور اون سازی کا علم ملا۔ ادریس علیہ السلام سے درس وتدریس لکھنا پڑھنا الفاظ وحروف کے نقشے بنانا کپڑا سینا لباس بنانے کا علم ملا۔ نوح علیہ السلام سے انسانوں کو لکڑی کاٹنے بنانے نجاری ترکھانی بڑھئی کی کاریگری کشتی، بحری جہاز آبدوز بنانے کا علم ملا، داؤد علیہ السلام سے دھاتوں کی نئی انوکھی کاریگری ملی۔ ابراہیم علیہ السلام سے کپڑے کی تجارت خرید وفروخت لپیٹنے کھولنے سنبھالنے ناپنے گز۔ فٹ بنانے کا علم ملا۔ سلیمان علیہ السلام سے لکڑی کے برتن اور ٹوکری چھوٹی بڑی بناتے درختوں کی شاخوں کو درست کرنے کا علم بانس سیدھا کرنے کا علم ملا۔ شعیب علیہ السلام سے انسانوں کو جانوروں کی دیکھ بھال نئے نئے علاج دوائیوں کا علم ملا۔ صالح علیہ السلام سے کمبل، دری اور قالین سازی کا علم ملا۔ موسیٰ علیہ السلام سے جوتی سازی کا علم ملا۔ یوشع علیہ السلام سے زیور سازی سونے چاندی کا علم ملا۔ ہوائی جہاز کا طریقہ لوگوں نے تختِ سلیمانی سے اور بحری جہاز کا خاکہ کشتیِ نوح سے حاصل کیا۔ آئینہ الیاس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ صابن کی ابتدا یوسف علیہ السلام نے فرمائی۔ صابن میں خوشبو ورنگ افلاطون کی اختراع ہے۔ اُسترہ قینچی چھری چاقو یونس علیہ السلام کی ایجاد ہے۔ غرضکہ انسانیت کا ہر علم وہنر آستانۂ نبوت سے ہی انسانوں کو ملا جو تا قیامت اے انسانو تم سب کو ہزارہا طرح مفید ہے۔ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ تو کیا تم اپنے رب کریم کی اتنی کثیر نعمتوں عنایتوں فائدے مند چیزوں کو دے کر اپنے رب تعالیٰ کا شکر کرنے والے بندے بنو گے۔ اور اے انسانو کیا تم جانتے ہو کہ رب تعالیٰ کا حقیقی سچا۔ صحیح شکر کیا ہے۔ تو سمجھ لو کہ کامل مکمل شکریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام انبیاء علیہم السلام پر تصدیقی اقراری قولی عملی اتباع اور اطاعت کے ساتھ کامل

marfat.com

ایمان لایا جائے۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو ماننا ہی رب تعالیٰ کا شکر ہے یہ تو داؤد علیہ السّلام کے معجزے تھے۔ وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖۤ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا ؕ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ۔ اور ہم نے سلیمان علیہ السّلام کو یہ معجزہ دیا کہ پوری تیز طوفانی ہوا کو ان کے لیے مسخر کر دیا ایسی تابع فرمان کہ چلتی تھی اُن کے حکم سے جب وہ چاہتے جس طرف اور جس انداز میں چلنے کا حکم دیتے وہ ہوا اسی انداز میں چلتی ہلکی تیز بلند و پست غرباً شرقاً وغیرہ اُس زمین کی طرف جس میں ہم نے اپنی تمام برکتیں رکھدی ہیں انبیاء علیہم السّلام کی بعثت و طیبت اور مزارات کے وجود سے۔ اور سلیمن علیہ السّلام کی اس شان و شوکت عزت عظمت بادشاہت حکومت حدودِ سلطنت زمین کی فضاؤں میں آنے جانے کو اور اُن کے حکم سے ہواؤں کے چلنے رُکنے چڑھنے اترنے کی ہر چیز ہر حالت ہر کیفیت کو ہر وقت ہم جاننے والے ہیں اس معجزے کی پوری وضاحت اس طرح ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السّلام نبی رسول بھی تھے اور بادشاہ بھی تھے آپ کی نبوت رسالت تو فقط قوم بنی اسرائیل کے لیے تھی مگر آپ کی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی پوری مخلوق پر تھی اور سلطنت کا پھیلاؤ پوری روئے زمین پر۔ آپ کا تخت بہت بڑا عظیم تین میل لمبا چوڑا فرلانگ مربعہ سونے کا بنا ہوا تھا۔ آسمانی فضاؤں میں مختلف مُلکوں کی طرف اڑتا پھرتا تھا ہوائی جہاز کی طرح نیچے لکڑی لگی ہوئی تھی یہ جنات نے بنایا تھا اس پر ایک جانب منبر رکھا جاتا تھا یہ بھی سونے کا تھا۔ اس پر سلیمان علیہ السّلام بیٹھتے تھے اور آپ کی دائیں جانب سونے کی تین ہزار کرسیاں اور بائیں جانب تین ہزار چاندی کی کرسیاں سونے کی کرسیاں اُن پر اُس زمانے کے انبیاء علیہم السّلام تشریف فرما ہوتے تھے چاندی کی کرسیوں پر ہر امّت کے اولیاء علما بیٹھتے بعض نے لکھا ہے کہ تین تین لاکھ سونے چاندی کی کرسیاں دائیں بائیں ہوتیں (مظہری) مگر یہ قول اس لیے غلط ہے کہ کُل انبیاء کی تعداد بھی تین لاکھ نہیں ہے چہ جائیکہ صرف سلیمان علیہ السّلام کے زمانے میں۔ پھر آگے منبر کے قریب موٹے ریشم کا فرش بچھا ہوتا جو اُس زمانے کے دیگر باج گزار بادشاہوں کے لیے ہوتا تھا اس کے پیچھے قالین بچھے ہوتے تھے اُس پر امرا وزراءِ ممالک بیٹھتے یہ تمام مومنین ہوتے تھے کسی کافر بادشاہ یا وزیر امیر کو تخت پر بیٹھنے کی اجازت نہ تھی آس پاس گول دائرے میں انسان ملائکہ اور جنات کھڑے ہوتے تھے۔ جب یہ سب

marfat.com

اپنی اپنی جگہ اس طرح حسب ترتیب آجاتے تو ہوا کو حکم دیا جاتا وہ اس تخت کو اٹھا کر حکم سلیمانی کے مطابق بلند کر کے اڑالے جاتی۔ چھوٹے بڑے پرندے سلیمان علیہ السلام کے حکم سے اوپر اڑتے جس سے سایہ ہوتا تاکہ دھوپ نہ پڑے بادل کسی بھی علاقے میں اُس وقت تک نہ برستا جب تک یہ تخت فضا میں رہتا ہوا کو حکم تھا کہ نیچے ہی رہے تخت کے اوپر نہ آئے تاکہ کسی کو ہوا نہ لگے۔ اس تخت کی رفتارِ سفر کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ جہاں تک گھوڑا یا اونٹ اپنی تیز رفتار سے ایک مہینہ میں پہنچے وہاں یہ تخت آٹھ گھنٹے میں پہنچتا تھا۔ عموماً یہ سفر زمین کے مندرجہ ذیل ملکوں میں ہوتا بوقتِ صبح روانہ ہو کر زوال تک ایک ماہ کی مسافت طے کر لیتا۔ یہ سفر آپ کے دار الخلافہ ملکِ شام کے شہر تدمر سے شروع ہوتا ۲ اور ملکِ اصطخر میں میں دوپہر کو پہنچتے وہاں قیلولہ فرماکر ۳ پھر کابل کی طرف روانگی ہوتی پھر وہیں سے وقت شام تک واپسی ہوتی ۴ پھر کبھی عراق کی جانب پرواز ہوتی ۵ وہاں سے شہر تمرذد ۶ پھر وہاں سے بلخ ۷ وہاں سے ترکستان ۸ وہاں سے چین ۹ پھر کبھی ساحلِ سمندر پر ۱۰ وہاں سے قندھار ۱۱ وہاں سے مکران ۱۲ وہاں سے کرمان ۱۳ وہاں سے فارس ۱۴ پھر وہاں سے علاقۂ کسکر میں قیام پھر وہیں سے واپسی اپنے ملک شام کے شہر دار الخلافہ تدمر میں۔ یہ سفر سال میں دو بار ہوتا اور اس سفر کے تین مقصد ہوتے ۱ ایک یہ کہ مفتوحہ علاقوں کا دورہ ملکی انتظام کی دیکھ بھال دوم نئی جگہوں پر تبلیغ دین پھیلانا سوم یہ کہ ضدی کفار پر قتال و فتوحات یا باج گزاری قائم کرنا۔ قتال میں صرف اپنی انسانی رعایہ کو ہی شامل فرماتے ازتفسیر روح المعانی۔ روح البیان تفسیر کبیر رازی، مظہری، حضرت سلیمان علیہ السلام کے ان معجزوں کا ذکر قرآن مجید میں تین جگہ فرمایا گیا۔ ایک یہیں سورۃ انبیا آیت ۸۱ میں دوم سورۃ سبا آیت ۱۲ اس طرح ارشاد ہوا وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَرَوَاحُهَا شَهْرٌ سوم سورۃ ص آیت ۳۶ میں اس طرح ارشاد ہوا۔ فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ۔ (حکایت) روایت ہے کہ ایک مرتبہ تختِ سلیمانی کسی سفر پر جاتے ہوئے جب ایک جنگل پر سے گزرنے لگا تو سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ تخت اتار لیا جائے چنانچہ تخت زمین پر آگیا آپ نے اپنے تمام ساتھیوں سے فرمایا کہ یہ گیارہ میل کا میدان سب لوگ پیدل ننگے پیر طے کریں جب میدان طے ہوگیا تو تخت لایا گیا سب لوگ دوبارہ تخت پر بیٹھے آپ نے اس جگہ

marfat.com

کچھ دیر قیام فرما کر ایک محفل قائم فرمائی جن میں آپ نے تقریر فرماتے ہوئے اس میدان کو پیدل ننگے پیر طے کرنے کی وجہ بیان فرمائی کہ ایک وقت آئے گا جب یہاں سرکارِ انبیا ختم المرسلین تشریف لائیں گے اس کو اپنا وطن بنائیں گے یہیں آپ کا مزارِ مقدس ہوگا پھر کچھ ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت خوانی فرمائی اور فرمایا کہ ساری مخلوق پر اس جگہ کا ادب واجب ہے اُس وقت آپ کے ساتھ ایک بادشاہ طبّع نام کے تھے انہوں نے عرض کیا کہ حضور اگر اجازت ہو تو میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ یہیں ٹھہر جاؤں سلیمان علیہ السلام نے اجازت دیدی اس طرح سب سے پہلے یہاں آبادی اور رہائش کی بنیاد ان ہی بادشاہ اور اُن کے ساتھیوں نے رکھی اور بادشاہ کے نام پر اس شہر کا نام طبّع یا طوبیٰ رکھا گیا جو بعد میں طیبہ کہلایا گیا، پھر اس کا نام ایک شخص کے لقب پر یثرب رکھا گیا۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا نام بدل کر مدینہ رکھا جس کو رب تعالیٰ نے منورہ بنا دیا اور طیبہ یا طوبیٰ نام باقی رکھا مگر یثرب نام ختم کر دیا اس لیے کہ یثرب کا ایک معنیٰ خراب بھی ہے یعنی تثریب اور بیماریوں والا۔ اب اس کو یثرب کہنا شرعاً گناہ ہے جو جان کر کہے گا وہ بد بخت جہنمی ہے۔ طبّع بادشاہ کا مکان وُہی تھا جس میں ہجرت کے وقت ابوایوب انصاری رض رہتے تھے۔ ابوایوب انصاری اسی بادشاہ کی اولاد میں سے تھے آج وہاں مسجد قبا شریف ہے۔ بادشاہ نے وفات کے وقت ایک رقعہ لکھا تھا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام کا یہ ادب تقریر عید میلاد النبی کی محفل اس سرزمین کا تعارف پھر اپنا یہاں ٹھہر جانا بستی آباد کرنا اس کا نام رکھنا اپنا غائبانہ ایمان لانا اور عشقِ مصطفیٰ میں اپنا حال اور ہر چیز کا تذکرہ لکھا وہ رقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام تھا نسل در نسل ہوتا ہوا اُس وقت حضرت ابوایوب انصاری کے پاس تھا جب اس گھر میں آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو خود فرمایا کہ لاؤ ہمارے نام لکھا ہوا خط تب ابوایوب انصاری رض نے حیران اور خوش ہوتے ہوئے وہ خط دیا۔ (حکایت) روایت ہے کہ ایک مرتبہ تختِ سلیمانی اڑا چلا جا رہا تھا تو نیچے زمین پر کھڑی ایک عورت نے کہا کہ قربان جاؤں اُس ماں پر جس کا ایسا شان و شوکت، عزت و عظمت والا بیٹا ہے آپ نے فرمایا کہ میری ماں سے بھی افضل ایک اور ماں دنیا میں آنیوالی ہے جو محمد مصطفیٰ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ماں ہوگی۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ

marfat.com

سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔
مفسرین کے مختلف اقوال ۱ فَفَهَّمْنَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ ہم نے بذریعہ وحی سمجھایا۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ سیاق و سباق اور درایت و روایت کے خلاف ہے اُس وقت حضرت سلیمان کی عمر گیارہ یا تیرہ سال تھی، اور اس عمر میں کسی نبی کو وحی نہیں آئی بجز عیسیٰ علیہ السلام کے۔ دوم یہ کہ اِس کا معنیٰ ہے کہ زیادہ اچھا فیصلہ ہم نے ذہن میں ڈالدیا یہ قول درست ہے۔ ۲ وَ كُلًّا میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ كُلًّا سے مراد تمام انبیاء علیہم السلام ہیں یعنی سب انبیاء کو ہم نے علم و حکمت دی دوم یہ کہ یہاں كُلًّا سے مراد صرف داؤد اور سلیمان علیہ السلام ہی ہیں، یہی قول درست ہے ۳ يُسَبِّحْنَ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ جب بھی داؤد علیہ السلام بآوازِ بلند تسبیح خوانی فرماتے تو وفورِ شوق ولذتِ ذوق سے پہاڑ بھی تسبیح کرنے لگتے اور پرندے بھی بلند آواز سے اور سب اپنی اپنی زبان میں جس کو داؤد علیہ السلام سنتے بھی سمجھتے بھی مگر دیگر لوگ صرف آواز سنتے اور حیران ہوتے یہی قول درست ہے۔ دوم یہ کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے آپ کے الفاظ اپنی آوازوں میں نقل کرتے جیسے طوطا مینا یہ قول زیادہ درست نہیں۔ سوم یہ کہ جب حضرت داؤد نماز پڑھتے تو پہاڑ اور پرندے اپنی اپنی نماز پڑھتے۔ تسبیح کا معنیٰ نماز ہے یہ قول غلط ہے۔ چہارم یہ کہ جب داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ گونجنے لگتے اور پرندے چہچہانے لگتے یہ قول قطعاً غلط بلکہ گمراہی ہے اور قدرتِ الٰہی کا انکار ہے اگر گونج ہی ہوتی تو قرآن مجید اتنی شان سے بیان نہ فرماتا پہاڑوں کی گونج تو آج بھی ہر مومن کافر کی اچھی بری آواز سے پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح پرندے بھی دن رات چہچہاتے رہتے ہیں کفار کے گھروں میں بھی اُس کو تسبیح خوانی تو نہیں کہا جا سکتا ۴ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ سوالیہ عبارت بمعنیٰ امر ہے یعنی تم شکر کرو تم پر شکر واجب ہے شکر کر کے بندے بنے رہو۔ دوم یہ کہ یہ سوال عجز ہے یعنی کیا تم میں طاقت ہے کہ تم اُس کی نعمتوں کا پورا شکر ہی کر سکو یا کر سکتے ہو معنیٰ یہ کہ ہمارا یہ انعام بھی اتنا عظیم ہے کہ تم تو اس کا پورا شکر بھی نہیں کر سکتے مگر پہلا قول درست ہے ۵ اَنْتُمْ ضمیر میں تین قول ہیں ایک یہ کہ اَنْتُمْ کا مرجع داؤد علیہ السلام کے گھر والے ہیں دوم

marfat.com

یہ کہ بنی اسرائیل مراد ہیں سوم یہ کہ تاقیامت سب انسان مراد ہیں یہ ہی قول درست ہے کیونکہ آپ کی یہ صنعتِ لَبُوس تاقیامت سب کے لیے مفید ہے ۲۔ وَلِسُلَيْمٰنَ ۔ کی ترکیب میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا تعلق اسی سابقہ سَخَّرْنَا سے ہے یہ واؤ عاطفہ ہے اور پورا معنیٰ یہ ہے کہ ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں و پرندوں کو مسخر کیا اور سلیمان کے لیے تیز ہواؤں کو مسخر کیا۔ دوم یہ کہ یہ واؤ سرِ جملہ ہے۔ اور اگلی عبارت نیا جملہ ہے اور ایک نیا فعل سَخَّرَ پوشیدہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلیمان کے لیے تیز ہواؤں کو مسخر کیا مگر یہ قول غلط ہے پہلا درست ہے کیونکہ فقہاءِ کرام فرماتے ہیں کہ بلاوجہ اور بلاقرینہ قرآن مجید میں کوئی لفظ مقدر ماننا گناہ ہے ۳۔ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ کی ہٖ ضمیرِ غائب کے مرجع میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ اہل سنت علما فرماتے ہیں کہ وَلِسُلَيْمٰنَ کی واؤ عاطفہ ہے اور عطف ہے سابقہ سَخَّرْنَا پر۔ اور ہٖ ضمیر کا مرجع سلیمان علیہ السلام ہیں معنیٰ یہ ہے کہ ہوا کو ہم نے مسخر کیا سلیمان کے تابعِ فرمان کر دیا اُن کے ہی حکم سے ہوا چلتی تھی۔ دوسرا قول دیوبندی وہابی حضرات کا ہے وہ کہتے ہیں کہ یہ واؤ سرِ جملہ ہے اور یہاں سَخَّرَ پوشیدہ ہے سَخَّرَ کا فاعل بھی اللہ تعالیٰ اور بِاَمْرِهٖ کی ہٖ ضمیر کا مرجع بھی اللہ تعالیٰ ہے اور معنیٰ یہ کہ اللہ نے سلیمان کے لیے ہوا کو مسخر کیا اور اللہ کے حکم سے ہوا چلتی تھی نہ کہ سلیمان کے حکم سے۔ یہ قول باطل لغو ضلالت و حماقت کے علاوہ حسد بغض تعصب اور شانِ نبوت، قوتِ رسالت سے جلا پے میں ہے کہ کہیں خداداد شان و عظمتِ انبیا ظاہر نہ ہو جائے۔ اہل سنت والجماعت علما کا قول قوی و مدلل ہے اُن کی دلیل سورۂ ص کی آیت ۳۶ ہے۔ وہاں تو صراحتاً ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّیْحَ تَجْرِیْ بِاَمْرِهٖ رُخَآءً حَیْثُ اَصَابَ ۔ یہاں تو دیوبندی حضرات نے اپنی بدعقیدگی کو ثابت کرنے کے لیے۔ واؤ کو سرِ جملہ کہدیا اور اپنی مرضی سے بلاقرینہ، اور بلاوجہ سَخَّرَ پوشیدہ مان لیا اِس بناوٹ سے ہٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف پھیر دیا مگر سورۂ ص میں کیا کریں گے وہاں بِاَمْرِهٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ کی طرف جا سکتا ہی نہیں۔ وہاں تو مجبوراً اہل سنت کا عقیدہ ماننا ہی پڑے گا کہ ہوا سلیمان علیہ السلام کے حکم سے چلتی تھی۔ لطیفہ ۔ ایک دیوبندی وہابی صاحب تقریر کر رہے تھے کہ اے لوگو سنی لوگوں سے بچو یہ تو خدا کے لیے کچھ بھی نہیں چھوڑتے کہتے ہیں کہ ہوا سلیمان کے حکم سے چلتی تھی۔ علمِ غیب کسی کو دے دیا۔ نور کسی کو بنا دیا۔ ہوائیں کوئی لے گیا

marfat.com

خزانوں کی چابیاں کس نے لیں رب کے یہاں بچا معاذ اللہ۔ بیچاروں کو خدا کی کتنی فکر لگی ہوئی ہے۔ سچ ہے۔ وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ۔

فائدے ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ اگر دو مجتہد فقیہ اپنے اجتہاد سے کوئی مسئلہ مستنبط کرتے ہیں تو اگرچہ ایک کا اجتہاد ہی صحیح اور مضبوط ہوگا مگر ثواب دونوں کو ملے گا۔ اور دونوں کو ان کی محنت تدبر تفکر اور خلوص کا ثواب ملے گا۔ جیسا کہ بخاری شریف میں بروایت عمرو ابن عاص اور ترمذی شریف میں بروایت ابوہریرہؓ ایک حدیث پاک منقول ہے کہ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر حاکم عالم اپنے اجتہاد سے کوئی فیصلہ یا مسئلہ استنباط کرکے نافذ کرتا ہے تو اگر صحیح اجتہاد کر لیا تب اُس کو دو ثواب ملیں گے ایک محنت کا دوسرا صحت کا۔ اگر اجتہاد غلط ہوگیا تو ایک ثواب فقہا فرماتے ہیں بشرطیکہ حاکم قاضی مجتہد کے پاس شریعت کا مکمل اور کثیر علم ہو اور علمی فکری فیصلہ کرنے کی قابلیت و لیاقت و استعداد اُس میں ہو۔ کوئی جاہل احمق اپنے جبر و ظلم سے علم شریعت سے ناواقف ہونے کے باوجود عدالت کی کرسی پر بیٹھ گیا تو اُس کا یہ حکم نہیں اُس کے غلط فیصلے میں اس کو جہنم کی وعید ہے چنانچہ ابوداؤد شریف اور ابن ماجہ میں بروایت حضرت بریدہ حدیث پاک منقول ہے کہ قاضی (جج) تین قسم کے ہیں جن میں دو قسم کے جہنمی اور ایک قسم کا جنتی جو حاکم و قاضی خفا بنت کو جانتے سمجھتے کسی وجہ سے غلط فیصلہ کرے وہ دوزخی ہے۔ اسی طرح وہ جج قاضی و مفتی بھی جہنمی ہے جو علم شریعت کے بغیر جہالت کے فیصلے کرے اور نالائقی کے باوجود کرسی عدالت پر قابض ہو جائے۔ یہ فائدہ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا دوسرا فائدہ۔ ان آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ شریعت اسلام نے انسانوں کی تقسیم باعتبار اخلاق کے تین طرح فرمائی ۱۔ بڑے علم و عقل والے ۲۔ بڑی عمر والے ۳۔ بڑے درجہ والے اس طرح کہ عند اللہ فضیلت علم اور ایمانی عقل والوں کی ہے لہٰذا ہر بڑے چھوٹے پر علما فقہا کا ادب و احترام واجب ہے۔ علم و عقل سے مراد دینی علم اور ایمانی عقل ہے۔ اور عمر رسیدہ بزرگوں کا احترام عزت لحاظ کرنا ہر شخص پر لازم۔ اور دنیوی اُمرا اور اہلِ مدارج کا دبدبہ ہر انسان کے لیے ضروری ہے یہ فائدہ فَفَهَّمْنٰهَا کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔ بزرگی از عقل است نہ بسال و تونگری از دل است نہ بمال روایت ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی عقل

marfat.com

دشعور اور عزت افزائی دیکھ کر دیگر بنی اسرائیل حسد کرتے تھے۔ تب رب تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کو بذ ریعہ وحی فرمایا کہ ہم نے زمین پر حکمت کے نوے حصے نازل کئے ہیں جن میں سے ستر حصے سلیمان علیہ السلام کو اور بقیہ بیس حصے عقلاء بنی اسرائیل اور دیگر اقوام موجودہ کو۔ تو یہ بنی اسرائیل ہمارے سلیمان سے حسد کیوں کرتے ہیں (از تفسیر روح البیان) تیسرا فائدہ قرآن مجید میں کئی جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ عَلَّمْنٰهُ۔ اٰتَيْنٰهُ۔ حُكْمًا وَّعِلْمًا۔ جَعَلْنٰهُ۔ عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ وغیرہ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ انبیا علیہم السلام کو سکھانے پڑھانے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ انبیاء علیہم السلام صرف رب تعالیٰ کے شاگرد ہیں۔ مگر وہابی لوگ ان آیت میں تدبر و تفکر نہیں کرتے اور احمقانہ رٹ لگائے پھرتے ہیں کہ جبرئیل نے یہ سکھایا۔ جبرئیل نے وہ سکھایا۔ حالانکہ جبرئیل علیہ السلام تو خود بار بار با ادب حاضر ہو رہے ہیں اور دوزانو بیٹھتے اور احکام اسلام پوچھ رہے ہیں یہ فائدہ فَفَهَّمْنٰهَا كُلًّا اٰتَيْنَا۔ اور عَلَّمْنٰهُ۔ کے ارشادات مختلفہ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ فقہاء کرام کامل و راسخ علما کو شرعًا اجازت ہے کہ وہ دینی یا دنیوی امور میں قرآن و حدیث کی آیت و روایت سے استنباط کر کے اجتہاد کریں یہ اجتہادی مسائل تمام مسلمانوں کے لیے قابل عمل اور خود مجتہد کے لیے باعث ثواب بھی۔ کیونکہ تدبر و اجتہاد فی المسائل سنت انبیاء کرام علیہم السلام اور قرآن و حدیث سے ثابت ہے یہ اجتہاد بھی وہ وراثت انبیاء ہے جس کا ذکر آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح بیان فرمایا۔ اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ۔ یہ مسئلہ فَفَهَّمْنٰهَا اور اس سے پہلے اِذْ يَحْكُمٰنِ فِي الْحَرْثِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ ان آیت میں رب تعالیٰ عزوجل نے اجتہاد نبوت کا ذکر فرمایا کہ داؤد اور سلیمان علیہما السلام نے اس مقدمے کے فیصلے میں اپنا اپنا اجتہاد ہی فرمایا تھا جس میں حضرت سلیمان کا اجتہاد زیادہ اچھا تھا اس لیے داؤد علیہ السلام نے اپنا اجتہاد چھوڑ کر سلیمان علیہ السلام کا اجتہاد نافذ فرمایا رب تعالیٰ نے فرمایا کہ سلیمان کو خود ہم نے اجتہاد کرنا سکھایا جس سے اجتہاد کا جواز ثابت ہوا۔ اس لیے اب بھی راسخین علما کو اجتہاد کرنا جائز ہے ہاں البتہ اجتہاد صرف عملیات میں ہو سکتا ہے عقائد میں نہیں ہو سکتا۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور علماء عظام کے اجتہاد

marfat.com

کا فرق یہ ہے کہ انبیاء کرام کا اجتہاد کبھی غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ انبیاء کرام علیہم السّلام دینی دنیوی ہر قسم کے معاملات میں خطا سے بھی معصوم ہیں خطا پر بھی قادر ہی نہیں، ہاں البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ ایک نبی علیہ السّلام کا اجتہاد زیادہ صحیح اور زیادہ مفید ہو۔ جیسے داؤد علیہ السّلام کا اجتہاد بھی صحیح اور شریعت کے قانون کے مطابق تھا لیکن سلیمان علیہ السّلام کا اجتہاد زیادہ صحیح اور زیادہ مفید تھا۔ مگر فقہاءِ عظام کا اجتہاد۔ انبیاء علیہم السّلام کے اجتہاد کے برابر یا زیادہ صحیح قطعًا نہیں ہو سکتا۔ بلکہ غلط بھی ہو سکتا ہے اور باعتبار استدلال و استنباط کمزور بھی مگر قبولیت سب کی۔ جیسا کہ امام یوسف اور امام محمد کے اجتہاد و استدلال امام اعظم کے مقابل اکثر نہایت کمزور ہوتے ہیں یہی کمزوریاں امام اعظم کے مقابل آئمہ ثلاثہ کے اجتہادات میں ہیں اس کی تفصیل و ثبوت ہمارے فتاویٰ العطایا کی چاروں جلدوں میں دیکھئے دوسرا مسئلہ امام اعظم ابو حنیفہ رض کے نزدیک اگر کسی شخص کا جانور کھل کر خود بخود کسی کی کھیتی میں پڑ جائے رات کے وقت یا دن میں تو مالک یا چرواہے پر تاوان یا جرمانہ واجب نہیں ہو گا۔ اور کھیتی والا اپنی کھیتی کا نقصان جانور والے سے نہیں مانگ سکتا، لیکن عدالت کا جج جانور والے کو اس کی غفلت اور کوتاہی کی بنا پر (کہ اس کا جانور کیوں کھل کر باہر نکلا) اس کو کوئی ایسی تعزیری سزا دے سکتا ہے جس سے کھیتی والے کو کچھ فائدہ ہو جائے ہاں البتہ اگر جانور والا ساتھ ہو یا اس کو جانور کے کھل جانے کا پتہ لگ جائے پھر بھی پرواہ نہ کرے اس صورت میں اگر دن ہے تو کچھ واجب نہیں کیونکہ کھیتی والے کی ذمہ داری ہے کہ وہ دن کے وقت اپنی کھیتی کی خود حفاظت کرے اور اگر یہ بات رات کے وقت ہو تو جانور والے پر کھیتی کے پورے نقصان کا بدلہ دینا پڑے گا کیونکہ گویا اس نے جان بوجھ کر اپنے جانور سے نقصان کرایا ہے امام اعظم کا یہ مسلک مستنبط ہے اسی آیت فَفَهَّمْنَاهَا سے۔ کہ رب تعالیٰ نے سلیمان علیہ السّلام کے فیصلے کی تائید و تعریف فرمائی اور اس کو اِلقاءِ ربانی فرمایا گیا، حضرت سلیمان کا یہی فیصلہ تھا کہ چرواہے کو تعزیری سزا کے طور پر کھیتی میں محنت کرائی جائے تاکہ کھیتی اسی پہلی حالت میں آ جائے یہ نگہداشت اور محنت برباد شدہ کھیتی کی قیمت یا عوض نہ تھی۔ تعزیری سزا تھی اور اس سزا سے بھاگ جانے کے اندیشے میں جانور پر کھیتی والے کا اتنا عرصہ قبضہ امانتًا کرایا گیا۔ اور جانور کے دودھ۔ اون بال اور نسل کو لینا یہ بھی کھیتی کا عوض نہ تھا بلکہ دورانِ قبضہ

marfat.com

جانور کی خوراک رہائش دوائی اور حفاظت کے عوض تھا دوسرے اُس مسئلے کا استنباط کہ اگر مالک جانور کیساتھ ہو بخاری و مسلم کے اندر منقولہ ارشادِ نبوی ہے کہ جَرْحُ الْعَجْمَآءِ جَبَارٌ، یعنی جانوروں کا کیا ہوا نقصان معاف ہے لیکن امام احمد بن حنبل اور امام شافعی رح کا مذہب یہ ہے کہ اگر دن میں جانور بغیر مالک کی موجودگی کسی کی کھیتی میں پڑجائے تو اُس کا کیا ہوا نقصان معاف ہے لیکن رات میں اگر خود بخود کھل جائے اور کسی کی کھیتی خراب کر دے تو پورے نقصان کا بدلہ جانور والے سے لیا جائے گا۔ ان کے دلائل میں بھی ایک اسی آیت سے استنباط ہے اور ایک روایت سے استدلال ہے استنباط تو یہ کہ داؤد علیہ السلام نے تاوان دلوایا۔ اور استدلال یہ کہ سنن میں منقول ہے کہ حضرت براء بن عازب رضی کی اونٹنی رات کے وقت کھل گئی اور ایک انصاری کے باغ کو کھا کر برباد کر دیا مقدمہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں پیش ہوا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دن میں کھیت اور باغ والے پر اپنے کھیت و باغ کی حفاظت واجب ہے اور رات کو جانور والے پر جانور کی حفاظت واجب ہے اس سے ثابت ہوا کہ رات کے نقصان کا بدلہ جانور والے سے لیا جائے گا۔ حنفی علما فرماتے ہیں کہ یہ استنباط اور استدلال دونوں کمزور ہیں۔ استنباط تو اس لیے کہ داؤد علیہ السلام کا فیصلہ تو خود داؤد علیہ السلام نے ہی ترک فرما دیا اور رب تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کے فیصلہ کو اچھا فرمایا۔ تو اب متروک فیصلے پہ عمل کیوں کیا جائے جس کو تائید ربانی بھی حاصل نہیں استدلال تین وجہ سے کمزور ہے ۱؎ یہ روایت سنداً ناقص ہے اور متناً مضطرب اور ایسی روایت سے دلیل لینا منع ہے ۲؎ اس روایت میں آئندہ احتیاط کرنے کا تو حکم ہے کہ آئندہ اُس پر یہ واجب کہ اس پر یہ واجب مگر نقصان کے بدلہ لینے دینے کا کوئی ذکر نہیں کہ براءؓ ابن عازب سے کیا تاوان دلوایا گیا ۳؎ اور یہ بھی مشہور ہے کہ اُس رات براءؓ بن عازب نے اپنی اونٹنی خود کھولی تھی تب تاوان واجب ہوا۔ لہٰذا اس واقعے پر جانور کے خود کھل جانے کو قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرا مسئلہ قانونِ شریعت میں جس طرح علوم اچھے بھی ہیں اور برے بھی اچھے علوم سیکھنا فَرِیْضَةٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَةٍ اور برے علوم سے بچنا واجب جیسے جادو۔ شعبدے کھیل تماشے چوری ڈکیتی کا علم اسی طرح تجارتوں کی اچھی بری تین قسمیں ہیں ۱؎ جائز اور حلال ۲؎ ناجائز و حرام ۳؎ مکروہ تحریمی

marfat.com

دنتر ہیں۔ فقہاءِ کرام نے تقریباً ساٹھ نوعیتیں تجارت کی بیان فرمائی ہیں جن میں کچھ جائز کچھ ناجائز۔ بعض تجارتیں عوام کے لیے جائز مگر علما، فضلا، شرفا مقتدا بزرگوں کے لیے مکروہ ہیں مثلاً کفن کی تجارت ۲ قبروں کی کھدائی کا کاروبار ۳ کسب خبیث یعنی گندگی روڑی کی خرید و فروخت ۴ کوڑے کی تجارت ۵ ردی اور گھٹیا ڈنی اشیاء ۶ خیانت والی تجارت ۷ سودی کاروبار ہر مسلمان کو حرام ۸ جوئے سٹہ بازی ۹ قصائی ۱۰ کاہن نجومی جوتشی رمالی کی کمائی ۱۱ حرام کھیل کے سامان کی تجارت مثلاً ڈھول طبلہ سارنگی ۱۲ چمڑے سازی ۱۳ حجامت سر کے بالوں کی مگر داڑھی مونڈنا ہر ایک کے لیے حرام ۱۴ مورتی اور بت فروشی بت سازی فوٹوگرافی ہر مسلمان کو حرام ۱۵ انسانوں کو بیچنا ۱۶ درختوں کو کاٹنے کی تجارت اس میں نحوست و بے برکتی ہے ۱۷ رنگریزی ۱۸ دلالی روایت ہے کہ سب سے پہلے دلالی ابلیس نے آدم علیہ السلام کے ساتھ کی یہ مسئلہ عَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ کے فرمان سے مستنبط ہوا بزرگ فرماتے ہیں کہ مردوں کے لیے بابرکت تجارت خیاطی یعنی درزی کی ہے اور عورتوں کے لیے غزالی یعنی چرخہ کاتنا ہے۔ تجارتوں کی مزید تحقیق و تقسیم معلوم کرنے کے لیے ہمارا فتاوی العطایا جلد اول کتاب البیوع اور جلد چہارم دیکھیے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ سَخَّرْنَا لَهٗ میں جِبَالَ کا ذکر پہلے فرمایا گیا طَيْرَ کا بعد میں جواب اس لیے کہ پہاڑ جمادات ہیں ان کا باآوازِ بلند تسبیح خوانی زیادہ تعجب خیز ہے اس لیے یہ بڑا معجزہ ہوا لہٰذا اس کا پہلے ذکر ہوا پرندوں کی تسبیح خوانی زیادہ حیران کن نہیں کیونکہ وہ حیوانات ہیں وہ تو ویسے ہی بولتے رہتے ہیں بلکہ بعض انسانی بولی کی نقل بھی کر لیتے ہیں جیسے طوطا مینا۔ اس لیے یہ چھوٹا معجزہ ہوا اس کا ذکر بعد میں۔ دوسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ تسخیرِ داؤد کے ساتھ مَعَ دَاوٗدَ ارشاد ہوا مگر تسخیرِ سلیمان کے ساتھ لام ارشاد ہوا کہ فرمایا وَ لِسُلَيْمٰنَ۔ جواب اس لیے کہ داؤد علیہ السلام کی تسخیر اور سلیمان علیہ السلام کی تسخیر میں فرق ہے کہ داؤد علیہ السلام کے لیے کسی پہاڑ یا پرندے کو تابعِ فرمان نہ کیا گیا تھا نہ آپ کو اس تابعیت کی ضرورت تھی صرف اتنا ہوتا تھا کہ داؤد علیہ السلام اپنے وقتِ عبادت میں بلند آواز سے تسبیحِ الٰہی پڑھتے تھے تو پہاڑ بھی اپنی تسبیح باآوازِ بلند پڑھ کر آپ کا ساتھ دیتے تھے اسی طرح پرندے بھی آپ کے قریب آکر

marfat.com

آپ کا ساتھ دیتے تھے۔ لیکن ہوائیں ہر وقت حضرت سلیمان کی تابع فرمان رہتی تھیں جیسے چاہتے جس وقت چاہتے ہواؤں کو حکم دیتے تو وہ اپنا رُخ اور انداز بدل لیتی تھیں اس لیے ارشادِ الٰہی میں وہاں مَعَ فرمایا۔ اور یہاں نفع کا لام جارّہ فرمانا تسخیر کے اس فرق کی وضاحت فرمانا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ حضرت سلیمان کا تخت بھی ایک ہی تھا اور ہواءِ فضائی بھی ایک ہی تھی تو اس کی کیا وجہ کہ یہاں ہوا کو عَاصِفَةً فرمایا گیا اور سورۃِ صٓ آیت ۳۶ میں رُخَآءً فرمایا گیا۔ عَاصِفَةً کا معنیٰ ہے صرف تیز ہوا۔ یعنی آپ کے لیے صرف تیز ہوا مسخر کی گئی اور لفظِ رُخَآءً سے ثابت ہو رہا ہے کہ آپ کے لیے صرف نرم ہوا مسخر ہوئی رُخَآءً کا معنیٰ ہے نرم ہوا۔ جواب۔ مفسرینِ عظام نے اس کی تین مختلف وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ ہوا تو سب ہی مسخر ہوتی تھی مگر تخت کو اٹھاتے وقت وہ عاصفةً ہوتی تھی اور تخت کو نیچے لاتے وقت وہ رُخَآءً ہوتی تھی یعنی پہلے تخت بن کر اٹھاتی تھی نیچے آتے وقت نہایت نرم ہوتی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ عَاصِفَةً اور رُخَآءً کہہ کر رب تعالیٰ نے ہوا کی تابعداری اور فرمانبرداری عاجزی کی وضاحت فرمائی ہے کہ جیسے سلیمان چاہتے تھے ہوا ویسے ہی چلتی تھی اگر تیز چلنے کا حکم دیتے تو فوراً ہوا عاصِفة بن کر چلتی اور کہیں پر آہستہ آہستہ جانا مقصود ہوتا تو ہوا کو آہستہ اور نرم چلنے کا حکم دیتے تب وہ رُخَآءً بن کر چلتی۔ بعض نے فرمایا کہ عَاصِفَةً فرما کر ہوا کی ذاتی نفسی اور جنسی کیفیت کا ذکر کیا گیا کہ ہوا ذاتی طور پر بوجہ لطیف ہونے کے تیز ہی ہوتی ہے اور رُخَآءً فرما کر اُس کی عملی کیفیت کا ذکر کیا گیا کہ جب حکمِ سلیمانی ہوتا تو اپنی مرضی سے نہ چلتی بلکہ تابع فرمان ہو کر چلتی اِس قول میں عَاصِفَةً اور رُخَآءً کا معنیٰ تیز اور نرم نہیں۔ بلکہ آزاد ہو کر اور تابع ہو کر چلنا مراد ہے۔

تفسیر صوفیانہ فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۚ وَكُلًّا اٰتَيْنَا حُكْمًا وَّعِلْمًا ۖ وَّسَخَّرْنَا مَعَ دَاوٗدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ ۚ وَكُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ اور ہم نے ہی سمجھائی ہیں عقلِ علمی کو دین و دنیا کی ساری تدبیریں اور بتا دیا کہ حکمت وہی معتبر ہے جو عملی ہو اور عمل وہی اچھا ہے جو تقوٰئے الٰہی سے ہو اور تقوٰی وہی مقبول ہے جو ریاضت سے ہو اور ریاضت وہی معتبر ہے جو شریعت کے مطابق ہو اسی میں تحصیل کمال کی بلاغت اور بلوغت ہے اور عمل کا ظہور فعل سے ہے مومن کے فعل کی پانچ صورتیں

marfat.com

ہیں ۱۔ علم کلی ضروری ہو ۲۔ فکر مضبوط ہو ۳۔ نظر دقیق ہو ۴۔ ذوق مستقیم و دائمی ہو ۵۔ کشت پائیدار ہو۔ یہ پانچوں افعال رب تعالیٰ نے عقلِ نظری کو بھی عطا فرمائے اور عقلِ علمی کو بھی ہر فعلِ صواب کی حکمت وعلم دونوں عقلوں کو اللہ تعالیٰ نے ہی عطا فرمایا اس لیے دونوں عقلوں کی رائے اور فیصلۂ فکر و تدبر حکمت علمیت عملیت مکاشفے اور معاملے میں درست ہوتا ہے۔ مومن کی دونوں عقلیں طلبِ کمال میں مضبوط اور کریم خصال کے حصول میں موافق ہوتی ہیں۔ اسی لیے رب تعالیٰ نے اعضاءِ ظاہری ایمانی کے پہاڑوں کو داؤدِ عقل کے ساتھ تابع کر دیا۔ جو زبانِ خصوصیہ سے تسبیح پڑھتے ہیں اور حجراتِ جمادیہ حیواناتِ پروازیہ کو سیرتِ عقل کا ساتھی بنا دیا کہ نہ مخالفت کر سکیں نہ ممانعت نہ رکاوٹ بلکہ عمل میں توکّل اور امر میں رجوعِ توبہ۔ اسی طرح قُواءِ روحانیہ کے پرندوں کو بھی عقل کا ساتھی وہمنوا بنا دیا کہ ارواحِ انوار کی فضاؤں میں اذکار کی تسبیح۔ افکار کی تحمید۔ اور طیران کی تہلیل والے کلمے پڑھتے رہیں۔ غرضیکہ بدنِ مومن پر قادر و کریم جَلَّ مَجْدُہٗ کی پوری قدرتِ کریمانہ قائم ہے یہ تسخیرِ عملِ صالح اور نیکیوں کا آسان ہونا گناہوں کا مشکل ہو جانا اسی قدرت کا توفیقی انعام ہے۔ وَعَلَّمْنٰهُ صَنْعَةَ لَبُوْسٍ لَّكُمْ لِتُحْصِنَكُمْ مِّنْۢ بَاْسِكُمْۚ فَهَلْ اَنْتُمْ شٰكِرُوْنَ۔ اور ہم نے ہی بندۂ مومن کی عقلِ نظری کو تقوئے شریعت وطہارتِ طریقت کا لباس بنانا سکھایا، جب بندے کو علم حکمت عطا ہوتی ہے تو اس کا ہر قدم رب تعالیٰ کی تائید سے ہوتا ہے اگرچہ ظاہرًا ایک قدم دوسرے کے مخالف لگتا ہے۔ اور قدم قانونِ شریعت کا ہو یا تقوئے طریقت کا راہِ معرفت میں ہو یا منزلِ حقیقت پر دونوں ہی صواب ومقبول ہوتے ہیں جب ذکرِ الٰہی پر سلطانِ ذکر کا غلبہ آتا ہے تو اس کے اعضاءِ جبال اور طیرانِ روحی کے وجود نور سے منور ہو جاتے ہیں اور بندۂ ذاکر کا قلب وروح جوہرِ ذکر سے قیمتی جوہر بن جاتا ہے یہاں تک کہ بہت دفعہ نورِ ذکر سے قلب کے آئینے منعکس ہو کر ہر حجر و حیوان پر پڑتا ہے تو وہ بھی صحبتِ انوار کی برکت سے حمد و تسبیح میں شامل ہو جاتے ہیں اور زبانِ قال سے ذکرِ الٰہی میں ہم زبان وہمنوا ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض صالحین کا پورا قالب جاری ہو جاتا ہے اور بعض کا قلب اور بعض کے اجزاءِ باطنی وجسمی جیسا کہ دستِ اقدس کی کنکریاں اور صحابہ کرام کے ہاتھوں میں کھانے کے نوالے اور خالی مکان کی دیواریں انوارِ قدس سے حمدِ باری تعالیٰ کے نغمے سناتے ہیں۔ جن

marfat.com

کا قلب جاری ہوتا ہے ان کی یہ نشانی ہے کہ اُن کے ساتھ حجر و شجر لگے وہ بھی ذکر الٰہی کرتا ہے اور یُسَبِّحْنَ کا اظہارِ عام ہوتا ہے خواص کو سنائی کر دیتا ہے فقط پہ تنان ہلانے کی مشق کر لینا ذکرِ جنانی نہیں مکرِ شیطانی ہے۔ (از کتاب تلبیس ابلیس) بندۂ مخلص کو جب نورِ قدیمی کے کمبل میں لپیٹ لیا جاتا ہے تو اُس کی ہر آواز پر جبالِ جمادات اور طیور حیوانات قوتِ حق کی نوری زبان سے لبیک کہتے ہیں۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے پہاڑوں کو مجذوبینِ بارگاہ کی تسکینِ خلوت و ذکرِ جلوت کے لیے پیدا فرمایا۔ خیال رہے کہ حُسنِ ظاہری نفس کا حصّہ ہے اور حُسنِ لسانی خوشِ الحانی قلب و روح کا حصّہ ہے۔ تقوئے شریعت کا لباس آستانۂ نبوت سے اس لیے دیا گیا تاکہ اے بندو وہ لباسِ حیا اور ملبوساتِ غیرت تم کو نفسِ امّارہ کے وہم و غضب اور شیاطین کے وسواسی حملوں اور بے حیائی بے غیرتی کے مُہلک زخموں سے بچائے۔ تو کیا تم بارگاہِ ربّانی کی طرف اطاعت و اتباعِ نبی علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے ذریعے کافی توجہ رکھ کر شریعت کی اِس نعمت اور طریقت کے انعام حقیقت کے اکرام، معرفت کے الہام کا شکرِ حقیقی ادا کرو گے۔ وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَارَكْنَا فِيهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ۔ سینۂ مومن میں عقلِ علمی کا وجود ہماری معمولی اور چھوٹی نعمت نہیں ہے۔ پوری کائناتِ جسمانی پر اس کی حکمرانی ہے سینۂ بنیان اور عرشِ نفس پر اسی کا تختِ نفاست ہے۔ خواہشات کی تیز آندھیاں شہوات کے گھٹا ٹوپ طوفان لذاتی ہوائیں اس کے لیے ہم نے اس طرح مسخر کر دی ہیں کہ اِس کے حکم سے تختِ شریعت کے نیچے ہو کر باطل کے مقابل عَاصِفَةً اور حق کے سامنے رُخَاءً بن کر چلتی ہیں۔ اُس زمینِ بدنی کی طرف جس میں ہم نے ادب و عبادت کی برکتیں بھر دی ہیں وہاں اَخلاقِ فاضلہ، ملکاتِ کاملہ اور اَعمالِ صالحہ کے پھول کھلتے اور پھل لگتے ہیں۔ کوئی خواہش سرکشی کا دَم نہیں مار سکتی۔ وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عَالِمِينَ۔ مومن و مخلص مرحوم و مقبول کے قلب و قالب کی ہر چیز ہر واردات کے اَسبابِ کاملہ علّتِ عاملہ کو فقط ہم ہی جاننے والے ہیں۔ برکاتِ الٰہیہ کا سب سے اچھا پسندیدہ پھل توبہ ہے۔ یہی عبادت کا بیج اور عملِ صالح کی اصل ہے بلکہ توبہ ہر مقام کی اصل بنیاد اور ہر روحانی حال کی کنجی ہے اس سچی توبہ کے ذریعہ مقاماتِ اَسرار کا آغاز ہوتا ہے۔ جس طرح عمارت کے لیے زمین پہلے ہونا ضروری اسی طرح عبادت کے لیے سچی اور مضبوط توبہ ضروری ہے۔ جس کے پاس زمین نہ ہو

marfat.com

وہ عبادت تعمیر نہیں کرسکتا۔ اسی طرح جس کے پاس توبہ نہ ہو وہ عبادت کی توفیق نہیں پا سکتا توبہ کے بعد پہلا قدم انتباہ نیکی کی رہنمائی اور توفیق کا آغاز ہے جب غافل غفلت سے جاگے تو یہ اس کو بیداری کی راہ تک پہنچاتا ہے اور بیداری راہ ہدایت تک

وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ

اور تابع کیا شیطانوں میں سے اُن جنات کو جو سمندر سے نکالتے تھے ان کے لئے اور

اور شیطانوں میں سے وہ جو اُس کے لیے

يَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ ۚ وَكُنَّا لَهُمْ

اور بہت سارے کام کرتے تھے کام کرنا اُس کے علاوہ اور ہم ہی تھے ان کو

غوطہ لگاتے اور اس کے سوا اور کام کرتے اور ہم انہیں

حٰفِظِيْنَ ﴿۸۲﴾ وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّيْ

قابو میں رکھنے والے۔ اور یاد کرو ایوب کو جب انہوں نے فریاد کی اپنے رب تعالیٰ سے کہ بیشک

روکے ہوئے تھے۔ اور ایوب کو (یاد کرو) جب اُس نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف

مَسَّنِيَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚ﴿۸۳﴾

پہنچی مجھ کو بیماری اور تو ہی سب رحموں کا رحیم ہے۔

پہنچی اور تو سب مہر والوں سے بڑھ کر مہر والا ہے

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ

تب ہم نے فریاد قبول کر لی اُن کی پھر ختم کر دی ہم نے وہ بیماری جس سے تکلیفیں تھیں

تو ہم نے اُس کی دعا سن لی تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اُسے تھی

marfat.com

وَاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً

اور دیئے ہم نے ان کو اُن کے تمام اہلِ خانہ اور ان کی برابر دیگر بھی انکے ساتھ انعام کرتے

اور ہم نے اُسے اُس کے گھر والے اور اُن کے ساتھ اتنے ہی اور عطا کئے اپنے پاس سے رحمت فرما کر

مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ﴿۸۴﴾

ہوئے اپنے پاس سے اور ذکر خیر نیکوں ہیں۔

اور بندگی والوں کے لیے نصیحت۔

تعلقات ان آیت کریمہ کا پچھلی آیت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں حضرت سلیمان کے معجزات کا ذکر ہوا جو ان کی نبوت ورسالت کی نشانی تھے اب ان آیت میں مخلوق الٰہی کی محکومی اور سلیمان علیہ السلام کی فرمانبرداری کا ذکر ہے کہ انسان تو درکنار جنات وسرکش شیطان بھی ان کے تابع فرمان تھے یہ ان کی حکومت وسلطنت کی نشانی تھی۔ یعنی پچھلی آیت میں سلیمان علیہ السلام کی نبوت کا ذکر تھا۔ یہاں حضرت سلیمان کی بادشاہت کا ذکر ہے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی نعمتوں برکتوں رحمتوں کا ذکر فرما کر بندوں کو ایک سوالیہ جملے میں شکر کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک محبوب بندے حضرت ایوب علیہ السلام کی شکر گزاری کا چرچہ فرمایا کہ تم لوگ تو عیش وآرام میں بھی مولیٰ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے مگر میرا وہ بندہ کمر توڑ جگر سوز مصیبتوں بیماریوں میں بھی میرا شکر کرتا رہا ایک آن غافل نہ ہوا۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں انبیاء کرام علیہم السلام کی اُن نعمتوں کا ذکر ہوا جو بغیر دعا کے ان کو عطا ہوئیں۔ اب یہاں اُن نعمتوں کا ذکر ہے جو نبی کی دعا سے فوراً ملتی ہے۔

تفسیر نحوی وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ۔ واؤ سے جملہ مِنْ جارہ تبعیضیہ الف لام استغراقی

marfat.com

بمعنیٰ تمام شَیٰطِین اسم مذکر۔ جمع سالم بحالتِ کسرہ اس کا واحد ہے شَیْطَانٌ مراد ہیں کافر جنات کیونکہ مومن جنات کو شیٰطین نہیں کہا جاتا ایک قول میں مطلقاً جنات مراد ہیں اور شیطان جسم لطیف کی نسبت کہا گیا ہے نہ کہ کفر کی وجہ سے مگر یہ قول درست نہیں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے سَخَّرْنَا پوشیدہ کا مَنْ اسم موصول مبنی یعنی واحد و جمع سب کے لیے آجاتا ہے یہاں جمع کے لیے ہے اس سے مراد شیٰطین ہیں بحالتِ نصب ہے کیونکہ یہ اپنے جملے سے مل کر مفعول بہ ہے ایک قول میں مرفوع ہے کیونکہ مبتداءِ مؤخر ہے ماقبل جملے کا یَغُوْصُوْنَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری جمع مذکر غائب غَوْصٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ سمندر میں نیچے اتر کر غوطہ لگا کر سمندری خزانے نکال کر باہر لانا، اسی سے ہے غَوَّاص اِصطلاحاً علمی سمندر کے نکتے نکالنے والے مفکر کو بھی غواص کہا جاتا ہے سنا گیا ہے اعلیٰحضرت مجدد بریلوی کو لقباً غَوَّاصُ القُرآن بھی کہا جاتا تھا اور یہ لقب اس دور کے کثیر علماء متبحرین نے دیا تھا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ جنسی جمع ہے لَہٗ یہ جار مجرور متعلق ہے یَغُوْصُوْنَ کا۔ یہ لام حرفِ جر ابتدائیہ ہے اور ہٗ ضمیر کا مرجع سُلَیْمَان ہے۔ یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَعْمَلُوْنَ بابِ سَمِعَ کا مضارع بمعنیٰ ماضی استمراری یہ دونوں فعل دراصل تھے کَانُوْا یَغُوْصُوْنَ اور کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہر قسم کا کام کرنا، عَمَلاً، اسم مصدر اپنے فعل (عامل) کا ہم معنیٰ اس لیے مفعول مطلق ہے دُوْنَ اسم جامد مضاف ہے بہت سے معنیٰ میں مشترک ہے یہاں معنیٰ ہے علاوہ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ اُس مضاف ہے اس کا مشار الیہ یَغُوْصُوْنَ کا مصدر غَوْصٌ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بِہٖ ہے یَعْمَلُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول ہوا سَخَّرْنَا پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ نحریہ جملہ کُنَّا فعل ناقصہ جمع متکلم با اسم ضمیر پوشیدہ لَہُمْ جار مجرور کُنَّا کا متعلق حٰفِظِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر۔ بحالتِ فتحہ (زیر) خبر ہے کُنَّا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ واؤ نحریہ جملہ اِذْ حرف نہیں جیسا کہ مفسرین نے کہا اسم ظرف مکانی ہے یہ اپنے مابعد مدخول علیہ سے مل کر اپنے ماقبل ظاہر یا پوشیدہ فعل کا ظرف ہوتا ہے اکثر اس سے پہلے اُذْکُرْ یا اُذْکُرُوْا واحد یا جمع کا صیغہ پوشیدہ ہوتا ہے یہاں اُذْکُرْ، امر حاضر واحد مذکر پوشیدہ بمعنیٰ یاد

marfat.com

یعنی اے نبی۔ اَیُّوْبَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے زبانِ عبرانی کا لفظ ہے نام ایک بہت بڑے رسولِ اکرم کا علیہ السّلام۔ بحالتِ فتحہ مفعول بہٖ اُذْکُرْ پوشیدہ اِذْ ظرفیہ زمانیہ نَادٰی بابُ مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید اس کا مصدر ہے مُنَادَاۃٌ وَنِدَآءٌ نَدٰیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ پکارنا بلانا فریاد کرنا یہاں اسی آخری معنیٰ میں ہے پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے جس کا مرجع ایوب ہے رَبَّہٗ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَنِّیْ، ایک قول میں اِنِّیْ ہے ان کے نزدیک یہ علیحدہ جملہ ہے اور اس سے پہلے قَالَ فعل یا قَائِلًا اسم فاعل پوشیدہ مگر یہ غلط ہے بلکہ یہ نادیٰ فعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے درمیانِ کلام میں ہے اور نادیٰ قائم مقام ہے حرفِ ندا کے اور یہ تمام جملہ جواب ندا ہے اس لیے اَنِّیْ زبر سے ہے نہ کہ اِنِّیْ۔ یہ دراصل اَنَّ یْ ہے ترجمہ ہے بے شک میں۔ یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل اس کا اسم ہے مَسَّ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی قریب واحد مذکر غائب مَسٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ چھو جانا۔ لگ جانا یہ لغوی ترجمہ ہے یہاں یہ ہی مراد ہے مگر اصطلاحًا اس کے مشتقات بہت معنیٰ میں مستعمل ہیں۔ نون وقایہ یْ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ہے اَلضُّرُّ اسم معرف باللام الف لام عہد خارجی یعنی اس کا مدخول علیہ عام مشہور ہے ضُرٌّ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ جسمانی تکلیف ایک قرأت میں اَلضَّرُّ ہے بمعنیٰ ہر قسم کی تکلیف بدنی مالی قلبی عقلی روحی وغیرہ مگر پہلی قرأت درست ہے کیونکہ یہاں صرف جسمانی بیماری کا ذکر ہے انبیاءِ کرام کو قلبی عقلی روحانی نقصان و تکلیف (بیماری) نہ ہو سکتی ہی نہیں اور مالی تکلیف کی پرواہ نہیں ہوتی علیہم السّلام۔ اَلضُّرُّ فاعل ہے مَسَّ فعل کا واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ اَنْتَ اسم ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے اَرْحَمُ اسم تفضیل واحد مذکر رَحْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نرمی و فضل کرنا، ترس کرنا۔ مصائب سے بچانا، ہر معنیٰ مناسب ہے مضاف ہے الرّٰحِمِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے اس کا واحد رَاحِمٌ ہے رَحْمٌ سے مشتق ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر بیانِ کیفیت ہے مَسَّ کے جملے کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ہے نادیٰ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرفِ زمانی ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ ..

marfat.com

بِمَنْ عِنْدِ نَا وَ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۔ فَ حرفِ زائدہ تعقیبیہ بمعنیٰ ثُمَّ تراخیہ ، اِسْتَجَبْنَا بابِ استفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم جَوْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جواب عطا فرمانا دراصل تھا اِسْتَجْوَبْنَا ۔ تعلیلِ نحوی سے واؤ گر گئی کیونکہ واؤ پر فتحہ (زبر بھاری) ثقیل تھا اس کا مصدر ہے اِسْتِجْوَابٌ تعلیل کے بعد اِسْتِجَابَةٌ ہو گیا بمعنیٰ قبول کرنا فریاد سننا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے مرجع اللہ تعالیٰ ۔ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے فَ عاطفہ تعقیبیہ کَشَفْنَا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق جمع متکلم کَشْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کھولنا ۔ ظاہر کرنا ، وسیع کرنا ، ننگا کرنا ، دور کرنا ، بچانا ۔ یہاں بمعنیٰ دور کرنا ہے متعدی ہے اگر بابِ سَمِعَ میں آئے تو لازم ہوتا ہے بمعنیٰ ھٹنا شکست کھانا مگر قرآنِ مجید میں سَمِعَ سے کوئی صیغہ نہیں ہے مَا اسم موصول بِ حرفِ جر سببیہ بمعنیٰ ذریعہ ۔ ہٖ ضمیر کا مرجع مَا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے حَصَلَ پوشیدہ فعل کا مِنْ جارہ بعضیت کا ضُرٍّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ بیماری یہ جار مجرور متعلق دوم ہے حَصَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے کَشَفْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰتَیْنَا فعل یا فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ اول اَهْلَهٗ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ مِثْلَهُمْ ۔ مِثْلَ اسم مفرد تمثیل بمعنیٰ مشابہ هُمْ ضمیر کا مرجع اَهْلَ ہے کیونکہ یہ جنسی ہے جو واحد کے لیے بھی ہوتا ہے اور جمع کے لیے بھی یہاں اہل سے مراد تمام سابقہ چیزیں اور مثل سے آئندہ ہونے والی سابقہ سے مشابہ مال دولت اولاد وغیرہ مِثْلَهُمْ یہ مرکب اضافی ذوالحال ہے یا موصوف ہے مَعَهُمْ یہ مرکب اضافی حال ہے یہ ذوالحال حال مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر مفعول بہ دوم ہوا کیونکہ اٰتَیْنَا فعل متعدی بدو مفعول ہے ۔ رَحْمَةً اسم مفرد مصدر بمعنیٰ انعام کرنا ۔ بلا معاوضہ فائدہ پہنچانا ۔ بلا طلب کچھ دینا ۔ مِنْ حرف ابتداءِ غایت کے لیے عِنْدِنَا مرکب مجرور متعلق ہے مصدر کے یہ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ذِكْرٰى اسم مصدر بروزنِ فِعْلٰى ذِكْرٌ سے یہ مصدر مبالغہ بنا یا گیا بمعنیٰ زیادہ یاد رکھنا عام چرچا کرنا ۔ لام جارہ بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ ۔ لام کا اپنا معنیٰ فِیْ ظرفیہ کے ساتھ ہونے کا مقصد ہوا کہ جہانوں میں اچھا تذکرہ لام نفع کا ہے اگر یہاں فِیْ بذاتِ خود ہوتا تو اچھائی کا پتہ نہ لگتا کیونکہ تذکرہ غیر مفید بھی ہو سکتا ہے جیسے فرعون

marfat.com

و نمرود کا تذکرہ عابدین اسم جمع مذکر واحد ہے عابدٌ۔ خیال رہے کہ اسم فاعل جب فاعلیت کے معنی میں ہوگا اور اشتقاقی صیغہ بن کر مستدل ہو تو اس کا جمع کا صیغہ ہیئۃ جمع سالم ہوگا لیکن جب اسم فاعل جامد ہو کر استعمال ہو تو اس کی شکل دوسرے وزن پر بھی ہو سکتی ہے مثلاً غریبٌ کی گردان والی اشتقاقی جمع غریبُونَ یا غریبینَ ہے مگر غریبٌ اسم جامد (علم یا صفت) کی جمع غرابا یا غرابیبُ ہے (المنجد) لِلْعٰبِدِیْنَ متعلق ہے مصدر کا ذکریٰ مصدر اپنے اس متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہوا رَحْمَۃً پر دونوں عطف مل کر مفعول لہٗ ہے اٰتَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا کَشَفْنَا کے جملے پر یہ دونوں عطف ملکر معطوف ہوا فَاسْتَجَبْنَا کے جملے پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ اور مسخر کیا ہم نے کافر جنات میں سے بہت سوں کو تو ان میں سے کچھ جنات سلیمان علیہ السلام کے لیے سمندروں میں غوطے لگا کر قیمتی موتی لؤلؤ اور مرجان یا سمندری جڑی بوٹیاں نکالتے تھے۔ اور کچھ جنات سلیمان کے تابع فرمان ہو کر بندوں اور غلاموں کی طرح بہت سے مختلف کام کرتے تھے۔ دُوْنَ ذٰلِكَ اس غوطہ خوری کے علاوہ۔ اور ان جنات کو ہر طرح قابو میں رکھنے حفاظت کرنے والے ہم ہی تھے اس طرح کہ نہ سلیمان علیہ السلام کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتے نہ اپنی بنائی چیز کو بگاڑ سکتے جیسا کہ خبیث جنات کی عادت ہوتی ہے۔ نہ سلیمان علیہ السلام کے سامنے کوئی شرارت کر سکتے بلکہ خوف سلیمانی سے تھر تھر کانپتے اور اگر کوئی شیطان جن کسی کی ایذا رسانی کی شرارت کرتا تو سلیمان علیہ السلام اس کو اس طرح قید کرتے زنجیروں میں جکڑ دیتے کہ نہ وہ خود چھوٹ سکتا نہ کوئی جن کسی جن کو چھڑا سکتا جیسا کہ سورۃ ص آیت ۳۸ میں ہے۔ نیز سورہ سبا آیت ۱۲ پ ۲۲ میں ہے۔ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَمَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ۔ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ۔ قرآن مجید کی ان تمام آیت سے ثابت ہوا کہ جنات نے حکم سلیمانی سے زمین پر بہت سی چیزیں بنائی جن کی فہرست مندرجہ ذیل ہے ان جنات نے علاقہ فلسطین

marfat.com

میں آٹھ مضبوط قلعوں کی عمارتیں بنائیں جو آج بھی موجود ہیں کچھ آباد کچھ ویران ۱۔ مسجد بیت المقدس ۲۔ دار الخلافہ کا قلعہ شہر تدمر ۳۔ قلعہ صرواح ۴۔ قلعہ مرواح ۵۔ قلعہ بلجین ۶۔ قلعہ سند صادر ۷۔ قلعہ قلتوم ۸۔ قلعہ عمدان ان ہی عمارتوں کو محاریب فرمایا گیا ۷۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے حکم سے جنات تماثیل بناتے یعنی شہروں اور ملکوں کے جغرافیائی نقشے ہمارے کچھ اکابر نے تماثیل کا معنی کیا ہے جاندار اشیاء کے فوٹو اور مجسمے اور اپنے اس معنی کو بچانے کے لیے ہی ساتھ ہی یہ مسئلہ بھی اسی قول سے مستنبط کر لیا کہ پہلی شریعتوں میں جاندار اشیاء کی تصویریں اور مجسمے جائز تھے۔ مگر میرے نزدیک یہ دونوں باتیں غلط نہ سلیمان علیہ السلام مجسمے اور فوٹو بنوایا کرتے تھے اور نہ کسی شریعت میں جاندار اشیاء کی فوٹو بنانا جائز تھی حضرت سلیمان علیہ السلام کا دامن ان فضولیات بنوانے سے پاک ہے۔ بلکہ تماثیل کا معنی اپنی سلطنت کی حدود کے شہری اور علاقائی نقشے بنوانا ہے۔ اور سلیمان علیہ السلام ہی کے زمانے سے زمینی علاقائی نقشے بنانے کا رواج قائم ہوا۔ اس مسئلے کی پوری وضاحت ہم انشاء اللہ تعالیٰ احکام القرآن میں کریں گے ۸۔ حضرت سلیمان جنات سے بہت بڑے بڑے جفان یعنی ٹب اور لگن ترواتے تھے جس کی لمبائی چوڑائی گا نجواب جوب اور حوض کے برابر ہوتی تھی کہ ایک لگن میں ہزار آدمیوں کا کھانا ڈالا جا سکتا تھا ۹۔ جنات سے ہی قدور راسیات انسانوں سے نہ اٹھ سکنے والی زمینوں کے برابر دیگیں اور لوہے تانبے کی ہانڈیاں بنواتے تھے جن پر سیڑھی لگا کر چڑھا جاتا تھا جفان اور قدور کو لانا۔ لے جانا اٹھانا دھونا سنبھالنا رکھنا چولہوں پر چڑھانا اتارنا جنات ہی کی ڈیوٹی ہوتی تھی۔ مگر کھانا پکانا دیگوں میں ڈالنا ٹبوں میں انڈیلنا مہمانوں کو کھلانا انسانوں کی ڈیوٹی ہوتی تھی

قرآن مجید کی آیت سے حضرت سلیمان علیہ السلام کے سات معجزے ثابت ہوتے ہیں پہلا معجزہ آپ کا تخت دوم ہوا کا مسخر ہونا، سوم جنات کا مسخر ہونا، چہارم سرکش جنات کو قید کر دینا پنجم پہاڑوں کی کانوں سے تانبہ نکل کر صاف ستھرا ہو کر بہنا۔ اور حسب الحکم وحسب ضرورت ہی بہتا ہوا نکلتا اس سے بذریعہ جنات دیگیں اور ٹب بنوانا، آپ کو بھٹی بنانے کی ضرورت نہ تھی نہ آگ سے پگھلانے کی اور وہ پگھلا تانبہ گرم نہ ہوتا تھا سانچوں میں جا کر جم جاتا تھا۔ آپ کا چھٹا معجزہ تمام دنیوی مخلوق جمادات، نباتات، حیوانات، انسانات، جنات، اور ملائکہ پر آپ کی بادشاہت اور سلطنت حضرت سلیمان علیہ السلام کا ساتواں معجزہ یہ تھا کہ آپ بغیر کچھ کھائے پیئے دو دو ماہ بیٹھے نماز پڑھتے رہتے یا قیام میں ہی کھڑے رہتے۔ آپ کا نام شریف قرآن مجید میں کل سترہ بار آیا ہے متعدد سورتوں میں یہ تھی انبیاء کرام علیہم السلام کی وہ دنیوی شان و عظمت جو داؤد اور سلیمان علیہما السلام پر ہم نے ظاہر فرمائی، اے ہمارے محبوب و حبیب اب آپ تمام اقوام عالم کے سامنے

marfat.com

انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے اُس صبرِ عظیم کا تذکرہ فرمایئے جس کا مظاہرہ ہم نے جسمِ ایوب علیہ السلام پر کرایا اس صبر کو دیکھ کر زمین و آسمان کی مخلوق حیران و ششدر تھی وہ مصائب جو ایوّب علیہ السلام پر پڑے اگر پتھریلے پہاڑ پر پڑتے تو وہ بھی تاب نہ لاتا برداشت نہ کرسکتا مگر ہم نے اپنے بندے عظیم ایّوب کو اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ (سورۃ ص آیت ۴۴) بے شک اتنا بڑا صبر کا پہاڑ شرافت کی کان، خودداری کی آن، قناعت کا منبع پایا کہ ابلیس آپ کو تکلیفیں دے دے کر تھک گیا پریشان، ذلیل، خائب وخاسر، رُسوا شرمندہ و سرنگوں ہو گیا کہ پہاڑوں میں منہ چھپاتا پھرے فرشتوں کا سامنا نہ کرسکے۔ لیکن ایوب علیہ السّلام نے اس کی ایک بھی آس و اُمید پوری نہ ہونے دی اور اَغیارِ عالمَ ابلیس و ابلیسیوں کو بتا دیا کہ کسی بھی میدان میں صبر کا ہو یا شکر کا قناعت ہو یا ہمت، و جرأت کا خودداری کا ہو یا شرافت کا، دولت مندی کا ہو یا غربت کا، بیماری کا ہو یا صحت کا انبیاءِ کرام کو آزمانا اور نبوّت سے ٹکر لینا آسان نہیں اِنَّهٗ اَوَّابٌ۔ بے شک وہ ہر حال میں ہی اَوّاب تھے اور ایسے حلیم و فہیم کہ اٹھارہ سال تک ہر طرح کے رنج و غم افسوس و اندوہ۔ بیماری و تکلیف سوز و گداز، غربت و افلاس جو جو ابلیس کرسکتا تھا اپنی اور اپنے پورے شیطانی جناتی حملے کے ساتھ ایڑی چوٹی مکر و قوت کا زور لگا کر دیکھ لیا مگر زبانِ ایوب سے سوائے حمدِ باری تعالیٰ اور شکرِ خالق تعالیٰ کچھ نہ سن سکا، اور بغیر عبادتِ حق تعالیٰ کچھ نہ دیکھ سکا، حالانکہ خوشیوں کے بعد غمی امیری کے بعد غریبی، عیش و عشرت کے بعد مصیبت و تنگ دستی فراخی کے بعد تنگی، روشنی کے بعد اندھیرا بڑا سخت اور کٹھن اور دشوار، برداشت سے باہر ہوتا ہے کہ بڑے بڑوں کے پائے استقامت ڈگمگا جاتے ہیں مگر ایوب علیہ السّلام ہر حال میں آستانۂ الٰہیہ پر ایسے قائم و دائم رہے کہ منہ سے اُف تک نہ کی۔ اور جب مکرِ ابلیس کو اپنی اہل پر آتے اور اُس کے ایمان کو متزلزل ہوتے محسوس کیا ہو تب ہی ہماری بارگاہ میں دعا عرض کی اے محبوب اُسی ندا کا تذکرہ فرمایئے جب انہوں نے اپنے ربِ کریم کو پکارا کہ بے شک میرے قلب و قالب کو تکلیف شدید پہنچی ہے۔ قلب کو آئندہ ابلیسی وسوسوں کی فکر و تشویش سے اور قالب کو بیماری نقاہت کمزوری کی مجبوری اور اِس کائناتِ عالمَ میں فقط تو ہی سب شفقت محبت، مروّت پیار کرنے والوں سے کہیں زیادہ ازلی ابدی دائمی رحم فرمانے والا ہے۔ اور میں جانتا ہوں کہ یہ مصیبت تکلیف بیماری تیرا عتاب یا عذاب نہیں ہے تیرا تو ہمیشہ مجھ پر رحم و کرم و انعام ہی رہا بلکہ یہ تو اَنِّیْ مَسَّنِیَ الشَّیْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ (سورۃ

marfat.com

۱۴ آیت ۱۴) بے شک مجھے شیطان ابلیس نے تکلیف اور بیماری لگائی ہیں اُس کی شرارتوں سے بیخبر نہیں، جب ہمارا بندہ ہر طرح ہر تکلیف غم و رنج کو نہایت بہادری سے برداشت کر کے کامیاب و کامران ہو گیا اور آخر میں دعا عرض کی فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّ اٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ۔ تو قبول فرمایا ہم نے ان کی اس دعا کو پھر کھول دیئے دور کر دیئے ہم نے وہ تمام ابلیسی مکر و فسون کے جال اور مصائب جسمانی اذیت اور بیماری والے اور نئے عطا کیے ہم نے ان کو پہلوں کی مثل اھل و عیال اور ان کی ہی برابر اور بھی بیٹے بیٹیاں رحمت کرتے ہوئے اپنے پاس سے۔ اور تا قیامت نیک لوگوں میں ان کا اچھا چرچہ اور نصیحت اور نمونۂ قدرت اہل ایمان کے لیے غرضکہ اُن کو ہم نے نبوّت کی شان رسالت کی پہچان بنا دیا۔

حضرت ایوب علیہ السّلام کے واقعات اور حالات

اس مضمون میں دس باتیں بیان کی جائیں گی ۱ آپ کی قومیت ۲ آپ کی نبوّت اور بعثت کا زمانہ ۳ آپ کا شجرہ نسب ۴ آپ کا حُلیہ مبارک ۵ آپ کا وطنِ ولادت ۶ آپ کی کُل حیاتِ طیبہ ۷ آپ کی اولاد ۸ آپ کی دولت مندی ۹ آپ کی خصائل مقدسہ ۱۰ آپ کی بیماری کا قصہ ۱ پہلا بیان یہ کہ ایوّب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی نسل سے تھے اور آپ کی قومیت رومی تھی، بیانِ دوم یہ کہ آپ کی بعثتِ نبوّت کے زمانے میں مورخین کے چار قول ملتے ہیں۔ پہلا قول یہ کہ آپ یوسف علیہ السّلام کے بعد رومی قوم میں نبی بنائے گئے دو ہزار سال قبل مسیح یہی صحیح قول ہے۔ بحوالہ بخاری شریف کتابُ الانبیا اور مورخ یعقوبی، و منقولاتِ سلیمان ندوی آپ کی نبوّت میں دوسرا قول یہ کہ آپ سلیمان علیہ السّلام کے بعد عرب قوم میں مبعوث ہوئے پندرہ سو سال قبل مسیح تیسرا قول یہ کہ دمشق کی ایک بڑی بستی نوی کے شہر بغوطہ کی طرف نبی بنائے گئے۔ یہیں آپ کا مزارِ مقدس زیارت گاہِ خاص و عام ہے عیسٰی علیہ السّلام سے ایک ہزار سال پہلے آپ بنی اسرائیل کے نبی تھے، چوتھا قول یہ کہ آپ کی نبوّت عرب اور فلسطین دونوں علاقوں میں ہوئی آپ کی اور آپ کے صحیفوں کی زبانِ قدیم اور ابتدائی اصلی اسماعیلی عربی تھی موسٰی علیہ السّلام سے پانچ سو سال پہلے ان چاروں اقوال میں آپ کی اُمتِ دعوت کی تعداد

marfat.com

تقریباً تین لاکھ بتائی گئی ہے۔ آپ صاحبِ شریعت رسول تھے آپ کی ملت ابراہیمی تھی آپ کو تین صحیفے ملے۔ پہلا صحیفہ قانون ہیں دوسرا صحیفہ عبادات ہیں، تیسرا احمد وثنا مناجات ہیں یہ تینوں عبرانی زبان میں تھے کیونکہ ایوب علیہ السّلام اور آپ کی اُمت کی زبان عبرانی تھی۔ بعض نے فرمایا کہ آپ کو ایک صحیفہ ملا اور وہ زبان عربی میں تھا موسیٰ علیہ السّلام نے اُس کو عبرانی میں ترجمہ فرمایا آپ پر صرف سو آدمی ایمان لائے۔ اور ان کے علاوہ آپ کے اپنے غلام پانچ سو اور پانچ سو لونڈیاں جوان غلاموں کی بیویاں تھیں اور سب اہل خانہ ایمان لائے۔ بیانِ سوم۔ آپ کا سلسلۂ نسب اِس طرح ہے۔ ایوب بن اَمرص بن زارح، یا تارخ بن روم بن یقظان بن عیص یا عیص بن اسحاق بن ابراہیم۔ آپ کی والدہ لوط علیہ السّلام کی بھتیجی پوتی تھیں۔ قرآن وحدیث میں آپ کا نام ایوب ہے۔ بائبل میں آپ کا نام جوب ہے اور تالمود میں آپ کو یوحاب کہا گیا۔ آپ کی صرف ایک بیوی تھیں اُن کا نام رحمت بنت افرائیم بن یوسف تھا۔ ایک قول میں رحمت بنت یوسف علیہ السلام تھا اور ایک قول میں ماخیر بنت میشا بن یوسف تھا۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ آپ کی دادی حضرت زلیخا تھیں۔ بیانِ چہارم۔ آپ کا قد مبارک لمبا جسم گٹھیلا اور مضبوط۔ بال سیاہ گھنگھریالے آنکھیں بڑی بڑی سیاہ خوب صورت بھنویں گھنی داڑھی مبارک چار انگل لمبی گھنی سیاہ گھنگھریالی، جسم مقدس پر کوئی بال نہ تھا، جسم شریف کا رنگ چمک دار سرخی مائل سفید، جیسا کہ آج کل بھی رومی شامی اور فلسطینیوں کا ہوتا ہے، چہرہ چوڑا دبدبہ اور وجاہت والا اور حسین مکھ۔ خندہ کشادہ پیشانی، آپ کے جسمِ اقدس پر کوئی تل یا داغ نہ تھا۔ آخری عمر تک آپ کی جوانی والی ہمت قوت، وجاہت، خوب صورتی برقرار رہی بیانِ پنجم۔ آپ کا وطن ولادت رہائش مغربی عرب فلسطین اور دمشق کا سرحدی علاقہ سرزمینِ عوض کا ایک شہر حَران تھا۔ بعض نے لکھا کہ یہی علاقہ قوم عاد کا مسکن تھا یہ شہر آپ کے تبلیغی وطن بستی، نوی سے تین سو میل دور شمالی دمشق میں ہے آج کل حوران بہت بڑی تجارتی منڈی ہے۔ بیانِ ششم آپ کی پوری دنیوی حیاتِ طیبہ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ کل عمر ایک سو اڑسٹھ سال ہوئی اُس طرح کہ اسی سال بیماری سے پہلے۔ اور اٹھارہ سال مالی مصیبتوں اور بیماری کے اور صحت کے بعد آپ ستر سال حیات رہے۔ (از تفسیر روح المعانی) بعض نے فرمایا کہ آپ کی کل عمر ایک سو پچیس سال ہوئی تیسرا قول یہ کہ آپ کی کل عمر ترانوے ۹۳ سال ہوئی مگر پہلا قول درست ہے آپ کی تکالیف اور بیماری کی مدت اٹھارہ

marfat.com

سال اس طرح بنتی ہے کہ سات سال تک آپ کے مال و مکانات ختم ہوئے پھر چار سال کے عرصے میں آپ کی اولاد ختم ہوئی اور کھیت باغات تباہ ہوتے رہے پھر سات سال تک آپ طرح طرح کی جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہوتے رہے۔ بیماری کے پہلے سال آپ اپنی بستی نوی میں ہی رہے اپنے مکان میں پھر ابلیس کے ورغلانے سے بستی کے لوگوں نے آپ کو بستی سے باہر ایک جھونپڑی بنا کر ڈال دیا اور چھ سال تک آپ اُسی جھونپڑی میں رہے جس کو عربی میں کنیسہ ھندی میں کٹیا کہا جاتا ہے سندھی میں جھگی، ہشتم بیان یہ کہ آپ کی اولاد، دو شقوں میں بٹی ہوئی ہے پہلی اولاد مصائب سے پہلے دوسری اولاد صحت کے بعد۔ پہلی اولاد میں سب کا اتفاق ہے کہ آپ کے سات بیٹے سات بیٹیاں تھیں اور ابھی کسی کی شادی نہ ہوئی تھی آپ کے بڑے بیٹے کا نام حرمل تھا (تفسیر روح المعانی) صحت کے بعد آپ کی اولاد میں چار قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ آپ کی اولاد میں چودہ بیٹے چودہ بیٹیاں ہوئیں اور سب نئے پیدا ہوئے پہلوں کو زندہ نہ کیا گیا یہی قول زیادہ درست ہے۔ اور اس آیت مبارکہ وَاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ کے مطابق ہے۔ دوم یہ کہ آپ کی پہلی اولاد بھی زندہ کی گئی کیونکہ وہ حقیقی اور تقدیری موت سے نہ مری تھی بلکہ آزمائشی موت تھی جیسے کہ عزیر علیہ السلام کی سو سالہ وفات۔ اور نئی اولاد میں نو بیٹے نو بیٹیاں پیدا ہوئیں کل ملا کر سولہ بیٹے سولہ بیٹیاں ہوئیں تیسرا قول یہ کہ پہلی اولاد بھی زندہ کی گئی اور نئی اولاد میں پانچ بیٹے پانچ بیٹیاں ہوئیں کل ملا کر بارہ بیٹے بارہ بیٹیاں ہوئیں۔ چوتھا قول یہ کہ نئی اولاد میں تین بیٹے تین بیٹیاں ہوئیں اور پہلی اولاد بھی زندہ کی گئی کل دس بیٹے بیٹیاں۔ مگر یہ سب اگلی پچھلی اولاد آپ کی ایک ہی بیوی رحمت بنت زلیخا سے ہوئی، حضرت رحمت حضرت زلیخا کی پوتی تھیں۔ بعد میں ایوب علیہ السلام نے اپنی سب اولاد کی شادیاں کیں اور اللہ تعالیٰ نے پوتے پوتیاں نواسے نواسیاں بھی کثرت سے عطا فرمائے ان کی بھی چہل پہل دیکھی خدمتیں لیں بیان ہشتم۔ گروہِ انبیا علیہم السلام میں آپ سب سے زیادہ امیر اور دولت مند ہوئے آپ کی دولت زیادہ تر صدقات و خیرات میں تقسیم ہوتی تھی۔ مصائب سے پہلے آپ کے پاس ہر قسم کا پالتو جانور۔ اور لونڈی غلام کاشتکاری کی بے شمار زمین کھیت اور باغات تھے۔ اس کے علاوہ مکانات مہمان خانے اصطبل طبیلے، عبادت خانے اور گھریلو ساز و سامان تھا۔ سونا چاندی سے آپ کی تجوریاں بھری تفاسیر و تواریخ میں ہے کہ آپ کے قصر نما مکانات قریبی علاقہ بلقا میں تھے آپ کے باغات علاقہ

marfat.com

خوارزم میں آپ کی کاشتکاری زمین علاقہ شام میں پھیلی پڑی تھی آپ کے جانوروں میں تین ہزار اونٹ نر و مادہ سات ہزار بکریاں، ایک ایک ہزار گائیں گھوڑے، گدھے نر و مادہ خچر، اور کھیتی باڑی کے لیے پانچ سو جوڑی بیلوں کی ان کا سامان اٹھانے کے لیے ہل پنجالی وغیرہ) گدھے ایک سو، اور بیلوں کھیتوں کی دیکھ بھال و کاشت کے لیے پانچسو غلام اور اتنی ہی لونڈیاں ان کی بیویاں، مختلف غلوں کے لیے گودام سونے چاندی کے لیے تجوریاں تھیں فالحمد للہ علی ذالک۔ بیانِ نہم، آپ کی سیرتِ طیبہ یعنی عادات و خصائلِ حمیدہ مندرجہ ذیل ہیں، اگرچہ آپ کی شریعت میں صرف ایک نمازِ ظہر دو رکعت فرض تھی، اور سابقہ تمام شریعتوں میں ایک ایک نماز ہی فرض جن کا ابتدائی وقت تو مقرر ہوتا تھا مگر انتہائی وقت کوئی مقرر نہ تھا۔ وقتِ معینہ پہ نماز شروع کرنے کے بعد جب تک چاہتے پڑھتے رہتے۔ بعض وقت تو انبیاء علیہم السلام اپنی یہ فرض نماز تین تین دن تک پڑھتے رہتے، اور دوسرے دن کا وقتِ معینہ آنے پر وہی نماز دوسرے دن کی بن جاتی، حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عصر کی نماز شروع فرماتے تو ایک ایک رکعت کا قیام دو دو ماہ تک قائم رکھتے بغیر کچھ کھائے پیئے یہ بھی آپ کا معجزہ تھا، حضرت ایوب علیہ السلام کی روزمرہ کارکردگی اس طرح شروع ہوتی کہ طلوع آفتاب سے تبلیغ دین درس و تدریس اور دنیوی کام، بوقتِ ظہر نماز شروع فرماتے تو یہ دو رکعت عشاء کے وقت ختم فرماتے پھر طعام و کلام اس کے بعد اہلِ خانہ کو تبلیغ و تعلیم فرماتے پھر کچھ دیر آرام فرماتے پھر ذکر و اذکار میں صبح تک مشغول رہتے جس میں صحف کی تلاوت بھی ہوتی یہ تلاوت ہر رکعت میں بھی ہوتی تھی آپ کی تبلیغ کا طریقہ یہ تھا کہ آپ روزانہ اپنے مہمان خانے میں لوگوں کو بلاتے کھانا کھلاتے اور تبلیغ بھی فرماتے اس طرح تقریباً ایک ہزار مہمان روزانہ آپ کے مہمان بنتے جن میں مسافر مزدور، بیوگان یتیم بچے بھی شامل ہوتے۔ اس کے علاوہ بھی آپ بیواؤں یتیموں کی بہت مدد فرماتے نیز جو سائل جو مانگتا جتنا مانگتا اتنا ہی دے دیتے، کبھی کسی سائل کو خالی نہ بھیجا۔ اتنی دولت مندی کے باوجود عاجزی مسکینی اتنی کہ نہایت انکساری سے فقیروں مسکینوں کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ تکبر و غرور کا دور دور تک نام و نشان بھی نہ تھا۔ آپ تمام زندگی کبھی کسی پر ناراض نہ ہوئے ہر شخص سے مسکرا کر ملتے عمدہ کھاتے پہنتے، برتتے اور عمدہ خیرات فرماتے بہت مشفقانہ انداز میں پیار بھرے لہجہ سے تبلیغ فرماتے۔ (از تفسیر خازن۔ مدارک، بیضاوی روح البیان روح المعانی، مظہری) دسواں بیان آپ کی مصائب کا قصہ اس طرح ہے کہ آپ کی کثرت

marfat.com

عبادت و ریاضت سے خوش ہو کر رب تعالیٰ نے بذریعے جبرئیل امین تمام آسمانوں میں اعلان فرمایا کہ ہر آسمان کے تمام فرشتے ایوب علیہ السلام پر کثرت سے رحمت کی دعائیں مانگا کریں یہ وہ زمانہ تھا جب ابلیس کو تمام آسمانوں پر گھومنے پھرنے کی اجازت تھی بلندیوں پر ابلیس کا داخلہ علی الترتیب اس طرح بند ہوتا رہا۔ اولاً آدم علیہ السلام کے وقت جنت میں داخلہ بند ہوا پھر ولادتِ عیسیٰ علیہ السلام سے اوپر کے تین آسمانوں پر داخلہ بند ہوا۔ پھر آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد میلاد سے تمام آسمانوں بلکہ ملائکہ کی باتیں سننے سے بھی ممانعت ہوئی زمانۂ ایوبی میں ایک مرتبہ ابلیس لعین آسمانوں پر گیا تو دیکھا کہ ہر فرشتے کی زبان پر حضرتِ ایوب علیہ السلام کا نام مقدس بڑی عزت و احترام اور دعاؤں کے ساتھ جاری ہے پس حسد کی آگ میں جل بھن گیا اور اس تذکرۂ ایوبی کی وجہ پوچھی، کسی فرشتے نے بتا دیا کہ رب تعالیٰ ایوب علیہ السلام سے خوش ہے اُن کی کثرت ریاضت عبادت قبول ہے اس بنا پر ہم سب فرشتوں کو ان کے لیے دعائے رحمت کرنے کا حکم ہے۔ ابلیس نے کہا کہ اتنی مال دولت اور عیش و عشرت میں تو عبادت اور شکر ہر شخص کر لیتا ہے مگر غریبی تکلیف مصائب میں بڑے بڑے گلے شکوے شکایت اور کفر و کفران کرنے لگتے ہیں ایوب کی عبادت ریاضت اور شکر گزاری بھی صرف دولت صحت مسرت کی وجہ سے ہے اگر ان سے بھی یہ سب عیش و عشرت چھین لیا جائے تو یہ بھی کفران و کفر کریں گے ملائکہ نے کہا ارے بدبخت تیری یہ بات غلط ہے یہ عام بشر نہیں یہ تو اللہ تعالیٰ کے نبی رسول ہیں انبیاء علیہم السلام ہر حال میں بے مثل مخلوق ہوتے ہیں یہ حضرات شکر و صبر کے پہاڑ اور برداشت و ہمت کی چٹان ہوتے ہیں تو ان کی حقیقتِ شان کو سمجھ ہی نہیں سکتا نہ ان کو تبدیلیِ حال سے فرق پڑتا ہے نہ امیری و غریبی صحت و بیماری عسرت و یسرت کے اتار چڑھاؤ سے، ابلیس کہنے لگا یہ غلط ہے نبی اور عام انسان میں کوئی فرق نہیں، نبی بھی علم و عمل شکران و کفران، صبر و شکایت گلے شکوے میں ہر بشر جیسا ہی ہوتا ہے۔ اگر مجھ کو ایوب کے مال و دولت پر تسلط مل جائے تو میں دیکھوں گا کہ ایوب غربت میں کس طرح عبادت کرتا ہے ایسی ناشکریاں بے صبریاں کرے گا کہ دنیا دیکھے گی اور سب کیا دھرا غارت ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ عزّ و جلّ کی طرف سے جواب آیا کہ ابلیس سے کہہ دو ہم نے اس کو ایوب کے تمام مال پر تسلط دیدیا جا تو اپنا شوق پورا کرے یہ پیغام اور تسلط کا اختیار پا کر ابلیس خوش ہو گیا اور زمین پر دوڑا واپس آیا اور تمام روئے زمین کے طاقتور

marfat.com

جنات کو جمع کیا اور بولا کہ مجھ کو ایوب کے مال پر تسلط ملا ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کا سب مال تباہ کر دیا جائے تم میری مدد کرو تب ایک بڑے عفریت نے کہا مجھ میں یہ قوت ہے کہ میں کسی جگہ میں پھونک ماروں تو آگ کے بڑے بڑے اعصار یعنی بگولے اٹھیں اور ارد گرد کی تمام اشیا کو جلا کر راکھ کر دیں۔ ابلیس نے خوش ہو کر کہا کہ جا اور اپنے اسی عمل سے ایوب کے تمام اونٹ اور چرواہے رہائش قبیلے وغیرہ تباہ کر دے وہ جن گیا اور آگ کے بگولوں سے یہ تمام اشیا جلا ڈالیں ادھر ابلیس خود ایک چرواہے کا بھیس بدل کر ایوب علیہ السّلام کو ورغلانے آیا اور نہایت غمزدہ صورت بنا کر بولا کہ آپ کے تمام اونٹ ان کے چرواہے قبیلے سب جل گئے صرف میں بچ نکلنے میں کامیاب ہوا ہوں اور یہ روئداد سنا کر خود ہی آپ کی ہمدردی اور اللہ تعالیٰ کی ناشکری کے الفاظ بولنے لگا تاکہ آپ بھی غمزدہ اور پریشان ہو کر ناشکری بے صبری والے الفاظ بولیں آپ اس وقت نماز پڑھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو اس کو جھڑکا اور فرمایا کہ یہ اللہ تعالیٰ ہی کی دی ہوئی نعمتیں تھیں اس نے لے لیں تو کیا ہوا بلکہ اچھا ہے ان کی رکھوالی کی فکر گئی عبادت کے لیے اور زیادہ وقت ملے گا اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ یا اللہ تیرا شکر و احسان ہے پہلے میں دن میں کچھ وقت اس مال کی محبت میں رہتا تھا اب یہ فکر نہ ہو گی۔ ابلیس ایوب علیہ السلام کی زبان سے اپنے لیے جھڑک و زجر رب تعالیٰ کے لیے صبر و شکر کے الفاظ سن کر غمزدہ اور پریشان ہو کر وہاں سے پلٹا اور پھر جنات کو جمع کیا اور اپنی پریشانی کا ذکر کیا اور بولا کہ میں ایوب کو ورغلا نہ سکا میرا داؤں غلط ہوا، لہٰذا اب پھر میری مدد کرو تب ایک بڑے دیو نے کہا کہ مجھ میں یہ قوت ہے کہ اگر میں چیخ ماروں تو دور تک کے جانداروں کی جان نکل جائے ابلیس نے خوش ہو کر کہا کہ تو ایوب کی بکریوں میں تباہی مچا دے وہ گیا اور چیخ ماری تو سب رکھوالے اور تمام بکریاں مر گئیں ابلیس خود چرواہا یعنی گڈریے کا بھیس بدل کر حضرت ایوب کے پاس آیا اور اسی طرح آ کر ورغلانے اور بکریوں تمام گڈریوں کی موت کا حال سنانے لگا اور بولا کہ صرف میں جان بچا سکا ہوں۔ ایوب علیہ السّلام نے وہی پہلا شکر و صبر والا جواب دیا اور نماز میں مشغول ہو گئے۔ ابلیس پھر ذلیل و ناکام ہو کر پلٹا پھر تمام جنات کو جمع کیا اور بولا کہ ایوب تو بڑا بہادر صابر و شاکر نکلا اتنی بڑی بربادیوں پر بھی اس کو کچھ غم نہ ہوا بلکہ اور زیادہ شاکر و عابد بن گیا ہے، میری پھر مدد کرو۔ ایک بڑے جن نے کہا کہ مجھ میں زبردست

marfat.com

طوفانی آندھی چلانے کی قوت ہے جب میں آندھی چلاؤں تو اِردگرد کچھ نہیں رہتا، ابلیس بہت خوش ہوا اور اس کو کہا کہ جا تو اب ایوب کے تمام کھیت باغات وغیرہ تباہ کر دے وہ جن گیا اور اپنی ایسی آندھیاں چلائیں کہ ایوب علیہ السلام کے تمام کھیت باغات بیل اور کاشتکار غلام لونڈیاں ہلاک ہو گئیں اور طوفانی آندھیوں نے سب کچھ اکھاڑ پکھاڑ کے برباد و ویران کر دیا، اِدھر ابلیس ایک ایک مزارع کا بھیس بدل کر آیا آپ اس وقت بھی نماز میں تھے۔ ابلیس رویا پیٹا اور اللہ تعالیٰ پر طعن کرتے ہوئے کہنے لگا کہ اسی نے آندھی طوفان چلا کر سب کچھ تباہ کر دیا۔ اُس نے بڑا ظلم کیا اور بھی بہت سی نازیبا باتیں رب تعالیٰ کی شان میں کرتا رہا تاکہ ایوبؑ بھی پریشان اور غمگین ہو کر کچھ ناشکری کی بات کر دیں یا منہ سے کوئی گلہ شکوہ ہی بول دیں تاکہ شیطان کی کچھ تو بات بن جائے اسی طرح اُس کا بھرم رہ جائے ایوب علیہ السلام نے نماز سے فارغ ہو کر اس کو سخت جھڑکا اور فرمایا کہ میں تو ماں کے پیٹ سے ننگا ہی پیدا ہوا تھا اور ایک کفن میں ہی جانا ہے میں کیا ہوں ایک عاجز بندہ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اسنے دولت شوکت عطا فرمائی یہ اس کی امانتیں ہیں جب چاہے وے جب چاہے لے لے ہم کو گلے شکوے کا کیا حق پہنچتا ہے۔ ابلیس پھر ذلت کا منہ لے کر بھاگ گیا اور انتہائی پریشانی مایوسی اور فکر کی حالت میں اپنے لشکروں کو پھر جمع کیا اور سخت پریشانی گھبراہٹ میں بولا کہ دوستو کچھ اور کرو۔ ایوب پر تو میرے کسی بھی داؤں اور وسوسانے ورغلانے اور کسی بھی مصیبت بربادی کا کچھ ذرہ بھر اثر نہیں ہوا میں سخت شرمندہ ہوں میں نے تو فرشتوں کو بڑے دعوے سے کہا تھا کہ میں ایوب کو ایک دم ورغلا کر گمراہی میں ڈال دوں گا یہ میری بڑی سوچی سمجھی اسکیم اور منصوبہ و منصوبہ بندی تھی۔ مگر حیرت ہے اُس کی شکرگزاری پر جنات پھر اُٹھے اور کبھی گھوڑوں، کبھی خچروں، کبھی گایوں کبھی گدھوں ہر قسم کے نر و مادہ کو بھر ساز و سامان سونا چاندی گھر دن غلّے کے گوداموں کو تباہ برباد کر دیا۔ غرضکہ سالانہ تباہی کر کے گیارہ سال کے عرصہ میں ۱ اونٹ ۲ بیل ۳ کھیت ۴ باغات ۵ بکریاں ۶ غلام ۷ لونڈیاں، ۸ گائیں ۹ گھوڑے ۱۰ گدھے ۱۱ خچر ۱۲ ساز و سامان ۱۳ چاندی ۱۴ سونا۔ سب کچھ تباہ کر کے حضرت ایوب کو بالکل غریب کر دیا اور ہر مرتبہ ہر طرح ورغلایا اور گمراہ کرنے کی کوشش کی مگر ایوب علیہ السلام کے پائے استقامت میں ذرہ بھر لغزش نہ آئی اور ہر بار ہی شکرِ الٰہی حمد و عبادت کی کثرت ہی بڑھائی اور بھیس بدلے ہوئے ابلیس کو وہی ایمان افروز جواب دیا جو پہلی بار دیا تھا۔ اب ابلیس کو

marfat.com

محسوس ہوا کہ نبوت کی شان رسالت کی برداشت اور انبیا علیہم السلام کا صبر جمیل کیا ہے۔ کتنا عظیم ہے۔ ان سے ٹکر لینا کوئی آسان نہیں۔ اب اُسے معلوم ہوا کہ وجودِ نبوت بھی قدرت کا عجیب زبردست شاہکار ہے لیکن ابھی ایک مرحلہ باقی تھا سوچنے لگا کہ یہ تو دولت اور جانوروں کی تباہی ہے۔ اس پر صبر کیا جا سکتا ہے ابھی قلبی رقت جگری ہمت اور شفقتِ پدری پر ہاتھ نہیں پڑا اب ذرا آنکھوں کی ٹھنڈک جگر کے ٹکڑوں اولاد پر تو ہاتھ ڈال کر دیکھوں یقیناً ان کی موت و جدائی برداشت نہ کر سکے گا اور کفران و کفر کر گزرے گا یہ سوچ کر آسمانوں پر گیا اور عرض کیا الٰہی مجھے ایوب کی اولاد پر بھی تسلط عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ تجھ کو ایوب کے اہل و عیال پر بھی تسلط دیدیا گیا جا یہ بھی اپنی حسرت پوری کرنے۔ ابلیس خوش خوش لوٹا پھر ایک دن ایک محل نما مکان میں ایوب علیہ السلام کی تمام اولاد اپنے بڑے بھائی حرمل کی دعوت پر جمع تھی۔ ابلیس نے اپنے جنات کی مدد سے وہ مکان گرا دیا سب بہن بھائی اور گھر میں موجود لوگ وغیرہ مر گئے۔ پھر ابلیس ان کے معلم کی شکل بنا کر زخمی چہرے خون آلود کپڑوں میں روتا پیٹتا خدمتِ ایوب علیہ السلام میں آیا اور نہایت دردناک مرثیے پڑھتا ہلاکت روئداد سنانے لگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے شکوے ناشکری بے صبری کی باتیں کرنے لگا اور خاک اٹھا اٹھا کر سر میں ڈالنے سینہ پیٹنے لگا، ایوب علیہ السلام اُس وقت بھی نماز پڑھ رہے تھے جب نماز سے فارغ ہوئے تو آپ نے ان حرکتوں سے اُس کو روکا اور حمدِ الٰہی کے بعد نہایت سکون سے فرمایا یہ سب اللہ تعالیٰ کی امانتیں تھیں جو آسنے واپس لے لیں بے شک ہم سب اُسی کے ہیں اور اُسی کی طرف لوٹنا ہے اور فرمایا کہ بدبخت ہے وہ انسان وہ بندہ جو اپنے رب کریم کی ناشکری کرتا ہے بندہ تکلیف اور بیماری و غم کو دیکھتا ہے۔ رب تعالیٰ کی کروڑں اُن نعمتوں کو نہیں دیکھتا جو اُس نے اپنی تمام مخلوق پر بکھیریں مجھے اولاد کے فوت ہونے کا غم ضرور ہے مگر ناشکری بے صبری نہیں حکمتِ باری پر ہوں راضی اور خوشی اس بات کی ہے کہ ایمان سلامتی سے گئے لہٰذا آخرت میں ملاقات ہو گی اس چند روزہ جدائی پر کیا گھبرانا کیا مچلنا تڑپنا پیٹنا کوٹنا۔ ایک شیعہ مفسر نے لکھا کہ وفاتِ اولاد کا سن کر ایوب علیہ السلام نے خوب ماتم کیا اور سر میں خاک ڈالی اسرائیلیات میں بھی یہاں بہت سی لغویات کذبیات لکھ دی گئی ہیں اُن کی دیکھا دیکھی ہمارے چند متقدمین مفسرین نے بھی ایوب علیہ السلام کے متعلق چند ایسی ہی باتیں لکھ ڈالیں اور اندھا قلم چلا دیا اور یہاں

marfat.com

تک لکھ دیا کہ ابلیس ایوب کی ناشکری بے صبری ماتم پیٹنا کوٹنا دیکھ کر بہت خوش ہوا کیونکہ اب اُس کی دلی مراد پوری ہو گئی تھی اور فوراً آسمانوں کی طرف بھاگا، ادھر ایوب جب رو دھو کر فارغ ہوئے تو اپنی ناشکری بدزبانی کی معافی مانگی توبہ کی جو قبول ہوئی اور ابلیس کے پہنچنے سے پہلے آپ کی توبہ پہنچ گئی، ابلیس نے فرشتوں سے کہا کہ ایوب نے یہ یہ کفریات کئے ہیں تب فرشتوں نے ابلیس کو ایوب کی توبہ اور اُس کی قبولیت کا ذکر سنا دیا تو ابلیس خائب و خاسر شرمندہ ہو کر لوٹا. مگر مفسرین کی یہ سب باتیں جاہلانہ احمقانہ لغویات کذبیات اور اندھا ظلم ہے. شانِ نبوت ان خرافات سے پاک ہے اگر خدا نخواستہ اس طرح ہوا ہوتا تو ابلیس آج تک اس پر اور اپنی کامیابی پر ناز کرتا پھرتا ایسی توبہ کو کچھ اہمیت نہ دیتا اور ویسے بھی گناہ کر لینے کے بعد توبہ کر لینا کوئی اہم بات نہیں یہ تو عام مومن بھی کرتا رہتا ہے دن رات اس کا مشاہدہ ہے معلوم ہمارے مفسروں کی عقل ایسے نازک مقام پر کیوں کام نہیں کرتی لکیر کے فقیر بن جاتے ہیں اچھی خاصی تفسیر لکھتے لکھتے ذراسی غلطی سے تمام نیکی برباد کر دیتے ہیں مگر حقیقت یہی ہے کہ اولاد کی وفات پر بھی ایوب علیہ السلام نے بعد حمدِ الٰہی اور صبر و شکر ہی کیا اور اب بھی ابلیس ذلیل و خوار ہو کر ہی بھاگا لیکن ابھی بھی اس کو سکون نہ آیا دل میں تڑپتا مچلتا اور نئے نئے منصوبے سوچتا ہی رہا ایک دن عرض کرتا ہے مولیٰ اتنے مصائب پر تو واقعی ایوب نہ ڈگمگائے نہ میرا ورغلانہ وسوسانہ اس کا کچھ بگاڑ سکا اس کی وجہ یہ کہ یہ غیروں کا معاملہ تھا جس میں صرف غم و افسوس ہی ہو سکتا ہے اور اُس کو برداشت کیا جاسکتا ہے سو ایوب نے بھی برداشت کر لیا مگر یقین سے کہتا ہوں کہ اگر تو مجھ کو اُس کے جسم پر تسلط دے تو اس کو میں ایسی تکلیفیں بیماریں پہنچاؤں کہ کبھی برداشت نہ کر سکے اور تڑپ تڑپ کر کفران کرے سب عبادت ریاضت چھوڑ دے. رب تعالیٰ کی طرف سے جواب آیا کہ اگرچہ تو اپنی پہلی اُس بات میں ناکام و ذلیل ہو چکا ہے کہ انسان عبادت صرف عیش و عشرت میں ہی کرتا ہے غربت مصیبت میں نہیں کرتا اور اب تجھے حق نہیں پہنچتا کہ تو نئے نئے مطالبے کرے لیکن اب اگر تیری یہ نئی خواہش ہے تو یہ بھی حسرت نکال لے اور تجھ کو ایوب کے جسم پر بھی تسلط دیا جاتا ہے. بغیر پانچ اعضا کے ۱ زبان ۲ آنکھیں ۳ قلب ۴ عقل ۵ آنتیں. اور ایوب کی روح پر بھی تیرا تسلط نہیں ہو سکتا ابلیس لعین خوش ہو کر پلٹا اور ایوب علیہ السلام کے پاس آیا دیکھا کہ آپ نماز پڑھ رہے ہیں جب آپ سجدے میں گئے تو ابلیس نے آپ کی ناک میں جادو کی ایسی پھونک ماری

marfat.com

کہ آپ کے خون میں آگ کی لہر دوڑ گئی آپ گرنے لگے مگر قوتِ ارادی سے سنبھلے بمشکل وہ نماز پوری کی اہل خانہ میں صرف بیوی رحمت ہی رہ گئی تھیں ان کو بلایا اور فرمایا اب مجھ پر بیماریوں کا دور شروع ہونے والا ہے اب میرا خاص خیال رکھنا ہے کہ کسی بھی حالت میں کوئی میری عبادت نہ رہنے پائے نہ کمی واقع ہو۔ آپ کی جسمانی بیماری کی ابتدا خارش سے شروع ہوئی۔ آپ اپنے ناخنوں سے کھجلاتے یہاں تک کہ چند دنوں میں آپ کے ہاتھوں کے تمام ناخن جھڑ کر گر گئے۔ پھر آپ کھردرے پتھروں اور لکڑی کے ٹکڑوں سے کھجلاتے جس سے آپ کو زخم بن جاتے اور جسم پر نا بل یعنی موٹے موٹے سیاہ آبلے پڑنے پھر رہ پھوٹتے اُن سے زہریلا پانی نکلتا خون بہتا یا پیپ بہتا اور جہاں جہاں لگتا آبلے بنتے چلے جاتے جو زخم برے ہوتے ان میں باریک باریک کیڑے پیدا ہونے لگے۔ یہاں تک کہ سارا جسم کیڑوں سے بھر گیا۔ ابلیس روزانہ مختلف دوستوں کی شکلوں میں آکر ورغلاتا اور مولیٰ تعالیٰ کی گستاخیاں کرتا اور بڑا ہمدرد بنتا مگر آپ شکرِ الٰہی ہی کرتے اور اس بیماری اور زخموں کے کیڑوں کو اللہ تعالیٰ کا مہمان کہتے یہاں تک کہ اگر کوئی کیڑا زمین پر گر جاتا تو اس کو اٹھا کر زخم میں رکھ لیتے ایک سال اسی طرح اپنے ایک بقیہ گھر میں بستی کے اندر ہی گزارا، ایک دن ابلیس نے شکلِ انسانی میں آکر بستی والوں کو ورغلایا کہ اگر یہ بیمار بستی میں رہا تو یہ بیماری تم سب کو بھی لگ سکتی ہے تب لوگ ڈر گئے اور آپ کے پاس آنا چھوڑ دیا اور کچھ دنوں بعد ہی خوف سے آپ کو بستی سے باہر ایک گندی جگہ ڈال دیا اور آپ کے لیے ایک چھوٹی سی جھونپڑی کینہ بنا دی یعنی چھپر ڈال کر جھگی۔ یہ عریشہ (چھپر) آپ کو دھوپ و بارش سے بچاتا۔ بعض لوگوں نے لکھا کہ ایوب علیہ السّلام کے جسم سے سخت بدبو کی وجہ سے آپ کو بستی کے باہر ڈالا گیا۔ مگر یہ قطعًا غلط اور اسرائیلی کذبیات میں سے ہے اس لیے کہ انبیا علیہم السّلام کے اجسامِ مقدسہ میں بدبو آ سکتی ہی نہیں بلکہ کوئی گھن والی قدرتی بیماری بھی نہیں لگ سکتی ایوب علیہ السلام کی یہ بیماری قدرتی یا موسمی نہ تھی یہ تو ابلیس کا جادو تھا، اجسامِ انبیاء ذکرِ الٰہی کے خوشبودار پھول ہیں۔ ان کے تو پسینوں میں بھی عطر و عنبر سے زیادہ خوشبو ہوتی ہے۔ چھ سال اسی طرح باہر جھونپڑی اور عریشہ (چھپر) میں گزر گئے صرف آپ کی بیوی رحمت ہی آپ کے پاس رہتیں یا ملائکہ زیارت کرنے سلام حاضری دیتے آپ کے جسم کا تمام گوشت کیڑوں نے کھا لیا تھا صرف اندرونی اعضا اور ہڈیاں کھال ہی رہ گئی تھی۔ تمام کھال پر آبلے اور زخم تھے اس

marfat.com

باوجود ایک آن کے بیلے بھی آپ کبھی ذکر الٰہی سے غافل نہ ہوئے۔ ایک دن بیوی نے عرض کیا کہ آپ رب تعالیٰ سے دعا مانگیں تاکہ آپ کو شفا عطا ہو آپ نے فرمایا میری گذشتہ عمر کتنی ہے بیوی نے عرض کیا تقریباً اسی سال تو آپ نے فرمایا کہ میں نے اسی سال رب جلیل کی نعمتوں میں گزارے اب اتنی تھوڑی مدت میں اس کی بھیجی ہوئی تکلیفوں سے گھبرا جاؤں مجھے شرم آتی ہے شفا کی دعا مانگتے ہوئے جب اسی سال بیماری کے بھی گذر جائیں گے تب بھی شفا کی دعا مانگنے کا سوچوں گا (اللہ اکبر کیا شان ہے انبیاء علیہم السلام کے صبر جمیل کی) جب سات سال بیماری میں گزر گئے تو ابلیس نے جو اپنی مکاریوں حیلوں وسوسوں سے ایک دن بھی چپ نہ بیٹھا تھا اُس نے پھر ایک دن تمام جنات کو جمع کیا اور کہا کہ دوستو میں سخت پریشان فکر مند ہوں کہ میں نے اب تک ایوب کے خلاف ہر طرح کی سازش کر لی برے سے برا سخت سے سخت سلوک کر کے دیکھ لیا جادو جناتی ہر قوت اس پر آزمالی ہر قسم کا غم پریشانی درد بیماری اذیت دے کر اپنی پوری قوتیں اُس پر خرچ کر دیں جو آج تک کسی انسان پر نہ پڑیں مگر حیرانی ہے کہ ایوب پر میرا کوئی مکر نہ چل سکا میں فرشتوں کے سامنے شرمندہ ہوں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا اگر ایوب کسی موقعے پر ایک لفظ بھی ناشکری بے صبری کا بول دیتے تو میری کچھ عزت رہ جاتی یہ تو اب میری انا کا مسئلہ بن گیا ہے۔ ایوب کو پھنسانے پھنسانے اُلٹا میں پھنس گیا ہوں یہ معاملہ اب میرے گلے پڑ گیا ہے۔ میری کچھ مدد کرو اور مجھ کو کوئی نیا حیلہ بتاؤ۔ مجھے پتہ نہ تھا کہ ایوب اتنا سخت جان ہوگا میں تو اس کو عام بشر کی مثل ہی سمجھتا تھا، جنات نے کہا اب ہم تیری کیا مدد کر سکتے ہیں جو کچھ ہم سے ہو سکا تھا ہم نے تیرے کہنے سے کیا ہم روئے زمین کی تمام جناتی سفلی طاقتیں مل کر بھی فقط ایک نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکے نہ اپنا اصل مقصد حاصل کر سکے تجھے کس نے کہا تھا کہ خواہ مخواہ بیٹھے بٹھائے نبوت سے ٹکر لینے کی ٹھان لی یہ تو شکر کر کہ اُس نے صبر و تحمل سے تیری ساری بدسلوکی برداشت کی اور جوابی کارروائی نہ کی ورنہ نبی کا تو ایک درد ہی ہم سب کو جلا کر بھسم کر دیتا۔ نبی کا تو غلام بھی اگر ہم کو جکڑ لے تو ہم اپنے آپ کو چھڑا نہیں سکتے اور کچھ کر نہیں سکتے، ایوب صرف صابر ہی نہیں حلیم بھی ہیں۔ ہاں البتہ اب ایک ہی آخری حربہ مکر رہ گیا ہے اُس کو بھی آزما کر دیکھ لے شاید تیری کچھ بات بن جائے اور عزت رہ جائے۔ یہ بتا کہ تو نے آدم کو جنت سے نکلوانے میں کس طرح کامیابی حاصل کی تھی۔ ابلیس بولا اس وقت اس کی بیوی حوا کو ورغلایا تھا تب بات بن گئی تھی جنات

marfat.com

نے کہا کہ بس اب بھی ایوبؑ کی بیوی کو ورغلا اور اُس کے ذریعے کفر پھیلا۔ ابلیس خوش ہو گیا اور کہا کہ ہاں یہ چال ٹھیک ہے۔ تب ایک دن ابلیس بہت خوب صورت دراز قد انسان کی شکل میں بہت بڑے گھوڑے پر سوار ہو کر آیا آپ کی بیوی جھونپڑی سے کچھ دور بیٹھی کھانا پکا رہی تھیں وہ گھوڑا سوار پاس آیا اور بولا اے بی بی تو مجھ کو پہچانتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں، تو کہنے لگا کہ میں زمین کا الٰہ ہوں تیرے خاوند ایوبؑ پر اس لیے اتنی مصیبتیں آئی ہیں مال تباہ اولاد فنا حسن و جوانی صحت برباد ہوئی کہ اُس نے آسمان کے الٰہ کی عبادت کی لیکن میری یعنی زمین کے الٰہ کی عبادت نہ کی، اگر اب بھی یہ اور تو دونوں میری بندگی کرلو تو پھر سب کچھ واپس مل سکتا ہے اور میری عبادت میں صرف چار کام کر لو ۱۔ اپنے خاوند سے کہو کہ وہ مجھ کو صرف ایک سجدہ کرے ۲۔ تو بھی مجھ کو سجدہ کر ۳۔ یہ بکری کا بچہ ہے اس کو میرے نام پر ذبح کر دے ۴۔ اس کو پکا کر بغیر بسم اللہ پڑھے اس کو کھا لو، صرف ایک دفعہ یہ چار کام کر لو تو وہ سب کچھ میں تم کو واپس دیدوں گا جو تم سے چھین لیا گیا ہے بیوی نے خوش ہو کر کہا کیا واقعی ایسا ہو سکتا ہے ابلیس نے کہا ہاں بلکہ بہت جلدی بیوی نے کہا اچھا میں ان سے ذکر کروں گی ابلیس بڑا مسرور ہوا کہ چلو اب شاید کام بن جائے اور ابلیس یہ کہہ کر غائب ہوا بیوی جلدی جلدی جھونپڑی میں آئی اور اسی جھانسے میں آ گئی کہ چلو اب اٹھارہ سالہ مصیبتیں تو ختم ہو جائیں گی اور بکری کا بچہ حضرت ایوبؑ کو دکھا کر ساری بات بتائی ایوب علیہ السّلام کو زندگی میں پہلی بار سخت غصہ آیا اور فرمایا ارے کم عقل وہ بدبخت ابلیس تھا جو بھیس بدل کر اب تیرا دین و ایمان بھی چھیننا چاہتا تھا، تو نے اسی وقت اُس پر لعنت کیوں نہ بھیجی میری تکلیف کے غم میں تو اصلیت کو میری تعلیم و تربیت کو بھول گئی اور شیطان کے فریب میں آ گئی اگر مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے شفا بخشی تو میں تجھ کو اس گناہ کی سزا میں سو کوڑے ماروں گا آپ نے یہ قسم فرما کر فرمایا جا ہٹ جا میری نظروں سے دور ہو جا میں تجھ سے ناراض ہوں اب میں تیرے ہاتھ سے نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ بیوی افسردہ غمزدہ اور پشیمان ہو کر اُس وقت وہاں سے چلی گئی تب اٹھارہ سال بعد آپ نے یہ دعا مانگی۔ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ یا اللہ اب تو یہ ابلیس ہمارے ایمانوں پر ظاہر ظہور حملے کرنے لگ پڑا اب وہ اوچھے ہتھیاروں پر اتر آیا یہ تکلیف مجھ سے برداشت نہیں ہوتی جو شیطان اپنے قول فعل کدورتوں جادوؤں میں بدترین ذلّت کے ساتھ ناکام ہو گیا کسی طرح مجھ

marfat.com

کو ورغلا نہ سکا اب میری بیوی کے ذریعے کفر پھیلا نا اس کا ایمان برباد کرنا چاہتا ہے لہٰذا اب تو جلدی ہم پر رحم فرما۔ دعا کے یہ عارفانہ سا برانہ الفاظ ہی بتا رہے ہیں کہ بیماری سے گھبرا کر یہ دعا نہ تھی۔ گھبراہٹ کی دعاؤں میں چیخ و پکار گلہ شکوہ شکایت بغاوت گڑگڑاہٹ، بلبلاہٹ ہوتی ہے مفسرین کرام نے اس دعا مانگنے کی وجہ میں تین قول اور بھی نقل فرمائے ہیں، ایک یہ کہ ایک مرتبہ چالیس دن تک آپ پر وحی نہ آئی تب گھبرا کر آپ نے یہ دعا مانگی کہ یا مولیٰ تیرے کلام کی لذات اور خوشی میں ہی تو میں یہ سب مصائب برداشت کرتا چلا آ رہا ہوں، تیری آواز ہی تو میری ڈھارس ہے، تیرا پیغام ہی تو میرا سہارا ہے، تیرے عشق نے ہی تو مجھ کو بچایا ہوا ہے اسی وحی کی طرف ہی تو میرے کان لگے رہتے ہیں اسی نے مجھ کو سنبھالا ہوا ہے، بے رخی کی تلخیوں کا کوئی اُسکے دل سے پوچھے جو نیاز کرتے کرتے عمر ہو گئی ہو۔ یا اللہ اگر اس سے بھی زیادہ اگر مصیبتوں کے پہاڑ آ جائیں، بلکہ اگر جفا و ظلم کی آندھی طوفان آ جائیں۔ ستانے کو میرے ابلیس اور شیطین آ جائیں تب بھی مجھے برداشت دگوارہ ہیں۔ مگر یہ برداشت نہیں کہ میں تجھے یاد کروں تو تو مجھے یاد کرے تو تو۔ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن ہے۔ بعض نے فرمایا کہ قوم کے کچھ لوگ جن کے نام تفاسیر میں اس طرح لکھے ہیں ۱۔ نغیر بیتی ۲۔ نلذر ثانی ۳۔ صافر دمشقی۔ یہ تینوں غیر بنی اسرائیل آپ کے مومن امتی بن گئے تھے مگر نبی کو اپنے جیسا بشر سمجھتے تھے انہوں نے ایک بار گستاخی کرتے ہوئے ایوب علیہ السّلام کو طعنہ دیا کہ اس شخص نے کوئی گناہ کر لیا ہے جس کی وجہ سے یہ بیماری اس کو لگی ہے (معاذ اللہ) میرے خیال میں دنیا کے اندر سب سے پہلے یہ ہی وہابی ہوئے کہ اپنے نبی پر ایمان بھی لائے ان کے امتی بھی بنے اور اس طرح کی گستاخیوں کا عقیدہ بھی بنا لیا آپ نے جب یہ سنا تب دعا مانگی کیونکہ اس گستاخانہ طعنہ سے عصمتِ نبوّت کا دامن داغدار ہو رہا تھا وہابیت پھیلنے کا اندیشہ تھا بعض نے فرمایا کہ یہ دعا آپ نے اُس وقت مانگی جب قوم کے کچھ کفار نے اللہ تعالیٰ کی گستاخیوں میں زبان کھولی اور آ کر کہنے لگے کہ ہم کو جس معبود کی طرف یہ شخص بلاتا دعوتِ ایمان دیتا ہے وہ معبود تو اتنا کمزور اور مجبور ہے کہ اس اپنے عبادت گزار کو بھی شفا نہیں دے سکتا۔ تب آپ نے رب سے عرض کیا کہ یا اللہ یہ کفریات سننا مجھ سے برداشت نہیں ہوتے ان کفریات سے اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ بے شک مجھ کو قلبی روحانی اذیت پہنچی ہے، تو رب تعالیٰ نے فوراً آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور اس انداز میں قبول فرمائی کہ قبولیت میں بھی شانِ نبوّت کا اظہار فرما دیا اور کائناتِ عالم کو بتا دیا کہ جو تکلیف درد مصیبت بیماری پوری سرزمین کے جنات و شیاطین ابلیس و خناثت نے اپنے تمام جادو فسون مکر و جنون

marfat.com

کے پورے زور لگا کر بھڑکائی اس کا توڑ اور اس کی شفا اس کا دفعیہ تو نبی کے قدم کی ایک ٹھوکر میں ہے، شفاءِ ظاہری بھی چشمۂ قدرت سے ہوئی اور شفاءِ باطنی بھی مگر وہ چشمہ نہ خود رب تعالیٰ نے جاری فرمایا نہ کسی فرشتے سے نکلوایا، بلکہ خود ایوب علیہ السلام کو فرمایا۔ اُرۡکُضۡ بِرِجۡلِكَ ۔ اے ایوب تم خود ہی اپنے پاؤں کی ٹھوکر مارو چشمہ نکلے گا۔ شفایابی میں یہ سات سال یا اٹھارہ سال کی دیری تو خود ایوب علیہ السلام کی وجہ سے ہوئی آپ نے خود ہی دعا نہ مانگی اگر پہلے مانگ لیتے تو یقیناً اسی انداز میں پہلے ہی قبول ہو جاتی اللہ رسول کے ہر کام کلام قدرت میں حکمت ہوتی ہے خواہ دیر ہو یا سویر۔ ایوب علیہ السلام نے حکم ربانی سنکر پاؤں رگڑا ٹھوکر ماری اور فوراً چشمہ جاری ہو گیا حکم ربانی ہوا کہ اس پانی سے غسل کرو۔ آپ نے غسل فرمایا۔ ایک دم عام ظاہری بیماری چھالے داغ دھبے زخم ختم ہو گئے پہلے سے بھی زیادہ خوب صورت جسم نکل آیا۔ تمام کیڑے جسم سے نکل کر قریبی شہتوت کے درخت پر چڑھ گئے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ چونکہ یہ کیڑے جسم نبی سے بنے پلے بڑھے تھے اس لیے ان کو ریشم کا کیڑا بنا دیا گیا اس سے پہلے زمین پر ریشم کے کیڑے نہ ہوتے تھے اِن کی تعداد بارہ ہزار تھی اور اللہ تعالیٰ کے قدرتی لشکر کی تعداد ہمیشہ بارہ ہزار ہی ہوتی رہی چنانچہ نمرود کو بارہ ۱۲ ہزار مچھروں سے ہی سزا دی گئی اور اصحاب فیل کو بارہ ہزار ابابیل سے ہی ہلاک کیا گیا، ظاہری تندرستی پاکر آپ چالیس قدم چلے پھر حکم آیا کہ اپنا پاؤں زمین پر پھر مارو آپ نے پھر مارا دوسرا چشمہ جاری ہوا حکم آیا اس کو پیو آپ نے پیا تو اندر کی تمام تکالیف اور بیماری ختم ہو گئی۔ جبریل امین جنتی حُلّے کر آئے آپ کو پہنایا آپ ایک قریبی چٹان پر بیٹھ گئے آپ کی شفایابی کا یہ دن جمعہ کا تھا عاشورہ محرم تھا وقت سحر تھا بعض نے فرمایا کہ زوال کا وقت تھا (از تفسیر روح البیان و تفسیر فتح القدیر) تھوڑی دیر بعد آپ کی بیوی اس خیال سے واپس آئیں کہ اب غصہ ٹھنڈا ہو گیا ہوگا۔ مگر جھونپڑی میں نگاہ کی دیکھا تو وہاں کوئی نہ تھا جھونپڑی خالی تھی بڑی پریشان ہوئیں طرح طرح کے خیال آنے لگے پتہ نہیں کہاں گئے کون لے گیا خود تو چل بھی نہ سکتے تھے کیا کوئی درندہ کھا گیا یا اللہ یہ کیا ہو گیا قریبی چٹان پر ایک بزرگ بیٹھا دیکھا پہچان نہ سکیں اُن ہی سے پوچھا اے بزرگ کیا آپکو معلوم ہے کہ اس چھپر میں ایک معذور شخص پڑے ہوئے تھے وہ کہاں گئے۔ بزرگ نے فرمایا وہ تیرے کیا لگتے تھے، حضرت رحمت بیوی نے کہا وہ میرے خاوند تھے، بزرگ نے فرمایا تو مجھ سے کیوں پوچھتی ہے کیا تو مجھ کو جانتی ہے۔ بیوی رحمت نے کہا نہیں میں آپ کو

marfat.com

نہیں پہنچاتی ہاں البتہ ان کی تندرستی والا حلیہ آپ سے ملتا تھا وہ آپ کے مشابہ تھے بزرگ یہ سن کر مسکرا پڑے تب بیوی صاحبہ نے آپ کے مسکرانے کے انداز سے آپ کو پہچانا بڑی خوشی ہوئی صحت ملنے کے واقعات سنے، پھر دونوں نے سجدۂ شکر کیا بستی میں واپس لوٹے، شکرِ الٰہی کا جشن منایا، عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ رب تعالیٰ نے وہ تمام چیزیں بلکہ اُس سے بھی زیادہ عطا فرما دیں آپ کو اور آپ کی بیوی کو اللہ تعالیٰ نے جوانی عطا فرمائی، دوبارہ خوب صورت اولاد ہوئی بارہ بیٹے یا سولہ اور اتنی ہی بیٹیاں اور آپ تندرستی کے بعد پھر مزید ستر سال حیات رہے یہ تھا صبرِ ایوب کا وہ سچا واقعہ جو قرآن وحدیث سے ثابت ہے اسی کے تذکرے کا اور بذریعہ قرآنِ مجید تا قیامت دنیا میں مشہور کرنے کا اپنے حبیبِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم فرمایا جا رہا ہے، کیونکہ یہود و نصاریٰ نے دیگر انبیا کی گستاخیوں کی طرح ایوب علیہ السّلام کے واقعات میں بھی گستاخیاں کرتے ہوئے بہت کذبیات ولغویات بھر دئے ہیں، یہود و نصارا تو ہیں ہی جہنم کے احمق و گمراہ افسوس تو اپنے اُن گذشتہ عربی مفسرین پہ ہے جنہوں نے اپنی تفاسیر میں اسرائیلی لغویات بلا تردید لکھ ڈالیں اور اندھا قلم چلا دیا ذرا عقل سے کام نہ لیا نہ آیاتِ قرآنیہ میں غور کیا نہ منشاءِ ربانی کو سمجھا حقیقت یہ ہے کہ رب تعالیٰ ہی سچی ہدایت دینے والا ہے۔ ان تفسیروں نے شخصیتِ ایوب کا ایسا غلط نقشہ کھینچا ہے کہ معلوم ہوتا ہے معاذ اللہ ایوب علیہ السلام نہایت بے صبرے ناشکرے رب کے گستاخ اور اپنی عبادت پر مغرور، اللہ تعالیٰ سے ہر وقت لڑنے والے گلے شکوے کرنے والے تھے۔ اور یہ کہ دورانِ بیماری انہوں نے کوئی عبادت نہ کی۔ قرآنِ مجید میں جن کی نبوت کا صراحتاً ذکر فرمایا گیا اُن میں ایوب علیہ السّلام دسویں صاحب شریعت نبی ہیں ان انبیا علیہم السّلام کی بعثت کی ترتیب اِس طرح حسب ذیل ہے ۱ ادریس علیہ السّلام ۲ نوح ۳ پھر ابراہیم ۴ پھر لوط ۵ پھر اسماعیل ۶ پھر اسحاق ۷ یعقوب ۸ پھر یوسف ۹ پھر ہود ۱۰ پھر ایوب ۱۱ پھر صالح ۱۲ پھر شعیب ۱۳ پھر موسیٰ ۱۴ پھر ہارون ۱۵ پھر الیاس ۱۶ پھر یسع ۱۷ پھر یونس علیہم السلام (از تفسیر روح المعانی بروایت ابن سعد عن کلبی)، مگر انہوں نے اپنی ترتیب میں دو جگہ غلطی کی ایک یہ کہ لوط علیہ السّلام کو یوسف علیہ السّلام کے بعد رکھا حالانکہ لوط ابراہیم السّلام کے بعد ہیں دوم یہ کہ حضرت ایوب کو حضرت یونس کے بعد رکھا حالانکہ ایوب علیہ السّلام کا زمانہ ہود علیہ السّلام

marfat.com

کے بعد ہے، یونس علیہ السّلام سے کہیں پہلے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قرآنِ مجید کی طرزِ بیانی اور انبیاء کرام علیہم السّلام کے بار بار تذکرۂ ایمانی سے منشاءِ باری تعالیٰ یہ ثابت و ظاہر ہوتا ہے کہ رب تعالیٰ مخلوقِ کائنات کو بتانا چاہتا ہے کہ میری مخلوق میں وجود انبیا میرا اعظیم شاہکار قدرت ہے اسی لیے انبیاکرام کی ہر ہر شان کسی نہ کسی انداز میں ظاہر فرمائی گئی۔ ایوب علیہ السّلام کے ساتھ تقدیر الٰہی کے اس فیصلے میں یہ حکمت بھی تھی کہ نبوت کی شان ایک عجیب اور نرالے طریق سے اقوامِ عالم کو بتانی دکھانی تھی۔ تمام قوتیں طاقتیں ہمتیں جرأتیں مختلف انبیا کے وجود پر ظاہر کی گئیں۔ مگر ایوب علیہ السّلام کے ذریعے صبر کی ایسی سخت کڑی مثال دکھائی گئی جو وجودِ نبوت کے سوا کسی میں نہیں ہو سکتی جو تکالیف ایوب علیہ السّلام کو پہنچیں اگر عوام میں سے کسی کو ان کا عشر عشیر بھی پہنچے تو بندہ تڑپ کر مر جائے اور خودکشی کرے۔ مگر یہ عصمتِ نبوت کی ہی شان ہے کہ پائے صبر میں ذرا لغزش نہ آئی اس واقعے نے بتا دیا کہ معصوم وہ ہوتا ہے جو گناہ خطا پر قادر ہی نہیں ہوتا۔ اُن سے گناہ محال بالعصمت ہے۔ ایوب علیہ السّلام کے تین معجزے قرآنِ مجید سے ثابت ہیں ۱۔ صبر ایوب ۲۔ داہنا پاؤں مبارک جس کی رگڑ اور ٹھوکر سے نہانے کا چشمہ جاری ہوا ۳۔ بایاں پاؤں جس کی رگڑ سے پینے کا چشمہ جاری ہوا۔ یہ فائدہ ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ کی تفسیر حاصل ہوا۔ اور ابلیس کا بھی تا قیامت سارا غرور تکبر گھمنڈ اور نبوت کے خلاف ساری چرب زبانی خاک میں مل گئی یہ شان بتانا ہی ذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ہے۔ ہمارے بعض مفسرین نے کہا کہ ذکریٰ کا معنیٰ نصیحت اور معنی یہ ہے کہ قیامت تک عابدین صالحین مصائب پر ایوب علیہ السّلام جیسا صبر کریں اور اُن جیسا ہی ثواب پائیں۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ محال ہے نہ انبیاءِ کرام جیسا کسی کا صبر یا کوئی عمل ہو سکتا ہے نہ انبیاء جیسا کسی کو ثواب مل سکے۔ **دوسرا فائدہ** انبیاء کرام علیہم السّلام کی ہر چیز کا رب تعالیٰ ذمے دار ہوتا ہے اور اسی لیے ان کو عصمت کی دولت عطا فرمائی جاتی ہے اور ان کا کوئی عمل کرنا یا کرانا بیکار اور فضول نہیں ہوتا اسی وجہ سے انبیا علیہم السّلام غلطی اور گناہ پر قادر ہی نہیں وہ غلطی اور لغو کام نہ کر سکتے ہیں نہ کرا سکتے ہیں یہ فائدہ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی سلیمان علیہ السّلام جنات سے جو کچھ بنواتے منگواتے تھے رب ان کا محافظ جنات کی تابعداری کا بھی اُن کے عملیات کا بھی۔ اللہ سے پتہ

marfat.com

لگا کہ سلیمان علیہ السلام ضروری اشیاء ہی بنواتے تھے اب اگر یہ کہا جائے سلیمان علیہ السلام اپنے جنوں سے مجسمے تصویریں بنواتے تھے تو یہ رب تعالیٰ پر اعتراض ہے کہ وہ بیکار و فضولیات کی حفاظت فرماتا تھا (معاذ اللہ) اولیاء اللہ کو رب کی طرف سے حفاظت کی دولت ملتی ہے عصمت و حفاظت میں فرق یہ ہے کہ حفاظتِ الٰہیہ کا معنیٰ ہے گناہ کر سکتے ہیں مگر کرتے نہیں اور اگر کریں تو فوراً سچی توبہ کر کے معافی مانگ لیتے ہیں اور گناہ مٹ جاتا ہے۔ عصمت یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہوتا۔ تیسرا فائدہ رب تعالیٰ نے اپنی پوری مخلوق علوی، سفلی، لطیف کثیف اپنے انبیاء کے لیے مسخر فرمادی ہے اگرچہ کسی نے اظہار فرمایا کسی نے نہ فرمایا یا کسی نے کسی طرح ظاہر کیا کسی نے کسی طرح مثلاً سفلیات میں لوہا پہاڑ پرندے، علویات میں چاند سورج فرشتے، لطائف میں ہوا جنات پانی بادل بارش، کثائف میں جمادات نباتات حیوانات اور اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تو تحتُ الثریٰ سے قابَ قوسین تک سب کچھ ہی مسخر کر دیا کہ کبھی شق القمر کبھی ردِ شمس، کبھی معراج کی فضائیں، یہ فائدہ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ واقعۂ سلیمانی میں لفظِ تماثیل کا معنیٰ مجسمہ مورتی کر کے ہمارے کچھ اکابر نے یہ استدلال کیا کہ سلیمان علیہ السلام جنات سے جاندار اشیاء کی فوٹو تصویریں مجسمے بنوایا کرتے تھے اور پھر اس پر یہ مسئلہ استنباط کر لیا کہ پہلی شریعتوں میں جاندار کی تصویریں بنانا بنوانا جائز تھیں فقط ہماری شریعتِ اسلامیہ میں فوٹو تصویر حرام ہوئی ہے مگر میرے نزدیک یہ استدلال بھی غلط اور کمزور ہے اور استنباط بھی، کسی بھی شریعتِ سابقہ میں کبھی جاندار کی فوٹو تصویر پر مجسمہ مورتی جائز نہ ہوا بلکہ ہر شریعت میں حرام ہی رہا اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی بھی کسی جن وغیرہ سے کسی جاندار کا مجسمہ مورتی یا فوٹو نہ بنوایا۔ میرے اس موقف کے پانچ دلائل ہیں پہلی دلیل یہ کہ اکابر کے پاس اپنے اس مسئلے پر بغیر تماثیلِ سلیمانی کے اور کوئی دلیل نہیں ہے جس سے ثابت ہو کہ پہلی شریعتوں میں جاندار کی فوٹو جائز تھی۔ دوسری دلیل یہ کہ تماثیل کا معنیٰ جاندار کا مجسمہ یا مورتی فوٹو نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے نقشہ خواہ جاندار کا ہو یا بے جان اشیاء۔ اسی معنیٰ کے اعتبار سے مولیٰ علی شیرِ خدا نے شطرنج کے گٹے کو تماثیل فرمایا تھا جیسا کہ ہم نے ابھی کچھ پہلے مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ کی آیت میں نقل کی

marfat.com

یہی معنی سلیمان علیہ السلام کی تماثیل کا ہے کہ آپ جنات سے اپنی محدود سلطنت کے جغرافیائی نقشے بنوایا کرتے تھے جس کو انگریزی میں میپ کہتے ہیں۔ تیسری دلیل یہ کہ احادیث مقدسہ میں حرمت تصاویر کی وجہ یہ فرمائی گئی ہے کہ ملائکہ جاندار کی تصویروں فوٹوؤں سے نفرت کرتے ہیں اور اُس گھر میں نہیں جاتے جس میں جاندار کی فوٹو ہو، ملائکہ کی یہ نفرت والی عادت تو پہلے بھی تھی اگر کوئی کہے کہ پہلے نہیں تھی تو اُس کو بادلیل ثابت کرنا چاہیئے کہ پہلے زمانوں میں فرشتوں کو جاندار کی تصویروں سے نفرت نہ تھی اور کیوں نہ تھی اب کیوں ہو گئی۔ جب علت ایک تو حکم بھی ہر شریعت میں ایک ہی ہو گا چوتھی دلیل یہ کہ اشیا کی حرمت شریعت کی سختی ہے اور چیزوں کا حلال ہونا شریعت کی نرمی ہے اور یہ بات با دلائل ثابت ہے کہ اسلامی شریعت تمام سابقہ شریعتوں سے نرم ہے اسی لیے یہ بات تو ثابت ہے کہ بہت سی چیزیں پہلی شریعتوں میں حرام تھیں مگر شریعت اسلام میں وہ اشیا حلال ہو گئیں مثلاً قربانی کا گوشت کھا لینا مال غنیمت لینا اور قسم کا کفارہ دے کر قسم توڑنے کے گناہ سے بچ جانا، پہلی شریعتوں میں کفارہ قسم نہ تھا۔ بلکہ قسم ہر حال میں پوری کرنا ضروری تھا، وغیرہ وغیرہ مگر یہ ثابت نہیں کہ کوئی بھی چیز پہلی شریعتوں میں حلال ہو اور اسلام میں حرام ہو گئی ہو۔ پانچویں دلیل یہ کہ قرآن مجید کی سورۃ سبا آیت ۱۳ میں ارشاد ہے یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ۔ یعنی سلیمان علیہ السلام کی چاہت سے وہ جنات محاریب و تماثیل بناتے تھے۔ اب اگر تماثیل کا ترجمہ جاندار کی تصویریں کیا جائے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام یہ بیکار اور فضول بیفائدہ کام کیوں کرواتے تھے نہ تو سلیمان بچہ تھے نہ عیاش طبیعت کے شوقین مزاج کہ ان تصویروں مجسموں سے گھر سجاتے آپ نبی تھے اور نبی کا ہر کام وحی الٰہی سے ہوتا ہے انبیاء کرام بے فائدہ کام نہیں کرتے نہ وحی الٰہی ان کو اجازت دیتی ہے یہ مسئلہ۔ وَ یَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ دنیا میں مومن مسلمان دینی کام کے لیے پیدا کئے گئے ہیں اور کفار دنیوی کام کے لیے۔ یہ مسئلہ وَ مِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے ان جنات کو شیاطین فرمایا جو سلیمان علیہ السلام کا دنیوی کام کرتے تھے اور شیطان ہمیشہ کفار کو کہا جاتا ہے جنات ہوں یا انسان مومن جن یا انسان کو شیطان نہیں کہا جاتا اسی لیے امام اعظم نے فرمایا کہ مسلمان شرارتی بچے کو بھی شیطان نہ کہا جائے (از تفسیر روح البیان۔ مدارک خازن، صاوی) اس سے وہ بیوقوف مسلمان

marfat.com

سبق لیں جو ہر وقت علما پر طعنہ زنی کرکے بکتے ہیں کہ ملا تو صرف مسجد تک پہنچتا ہے مگر سائنسدان کہاں تک پہنچ گیا بہر کیف رب تعالیٰ نے ہر وقت دنیوی کاموں میں مشغول رہنے والوں کو شیاطین ہی فرمایا ہے۔ تیسرا مسئلہ حلال روزی اور دولت رب تعالیٰ کی رحمت برکت اور عطیہ ہوتا ہے خواہ وسائل ظاہری سے حاصل ہو یا وسائل غیبیہ سے اس کے حصول کی خواہش اور حرص وطمع عین عبادت ہے۔ بندۂ مومن کو اس سے بے رغبتی استغنا یا بیزاری نہیں چاہیئے کیونکہ یہ رب تعالیٰ کا انعام ہوتا ہے یہ مسئلہ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ روایت ہے کہ تندرستی کے بعد ایوب علیہ السّلام کو اتنی کثیر دولت عطا ہوئی کہ جس بڑی کٹھیا (بھڑولے) میں آپ ستو رکھا کرتے تھے اس میں سونا بھر دیا گیا اور جس کٹھیا میں آپ چاول رکھتے تھے اس میں چاندی بھر دی گئی۔ اس کے باوجود آپ ایک دفعہ نہا رہے تھے کہ اوپر سے غیبی طور پر سونے کی بنی ہوئی مکڑی گری۔ آپ نے اسی حالت میں دوڑ کر پکڑ لی غسل سے فراغت کا بھی انتظار نہ فرمایا۔ جب فارغ ہوئے تو وحی الٰہی آئی کہ اے ایوب ہم نے تم کو اتنا دیا ہے ابھی بھی تم کو اتنی حرص وخواہش کہ غسل سے فراغت کا بھی انتظار نہ کیا عرض کیا مولیٰ تیری طرف سے آئی ہوئی برکت سے تو میں کبھی مستغنی اور بے پرواہ و بے رغبت نہیں ہو سکتا یہ تو اظہار گدائی ہے تیرے دروازے کا تو میں ہمیشہ گدا ہی رہوں گا سُبْحَانَ اللّٰہ یہ ہے انبیاء کرام علیہم السّلام کی شانِ عجزِ بارگاہی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض سورۃ ص آیت ۴۴ میں رب تعالیٰ نے فرمایا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا یعنی ہم نے ایوب کو بہت بڑا صابر پایا یہ تنوین تعظیمی ہے مگر یہاں فرمایا گیا اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ۔ یہ ندا شکوہ ہے اور شکوہ صبر کے خلاف ہے کیونکہ بے صبری ہے۔ جواب مفسرین نے اس کے جواب میں چار قول نقل فرمائے ایک یہ کہ الضُّرُّ سے مراد بیماری کی تکلیف نہیں بلکہ قوم کفار کی کفریہ گستاخیاں اور طعنے بازیاں یہ آپ سے برداشت نہ ہوا تو ندا عرض کی اور یہ چیز بے صبری نہیں دوم یہ کہ یہ ندای شکوہ نہیں بلکہ دعا ہے اور دعا صبر کے خلاف نہیں ہوتی اسی لیے رب تعالیٰ نے اِذْ نَادٰی کے بعد فَاسْتَجَبْنَا فرمایا یعنی ہم نے دعا قبول کر لی سوم یہ کہ اگر یہ شکوہ شکایت ہے تب بھی درست ہے اس لیے کہ شکویٰ وہ برا ہوتا ہے جو مخلوق کے سامنے اللہ تعالیٰ کا ہو مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی تکلیف کی شکایت اللہ تعالیٰ

marfat.com

کی بارگاہ میں عرض کرنی جائز ہے کیونکہ یہ تَلَذُّذًا بِالنَّجْوٰی ہوتی ہے یعنی رب سے مناجات کی لذت کے لیے لَا مِنْہُ تَفَنُّنًا یا لِتَشَکُّوْی یعنی اس عرض سے گلے شکوے کا نقصان نہیں ہوتا نیز شکایت اِلَیْہِ جائز ہے کیونکہ غایتُ القُرب ہے مگر شکایت مِنْہُ ناجائز کیونکہ یہ غایتُ البُعد ہے۔ نیز جب بندہ راضی برضاءِ الٰہی ہو اور پھر اپنی تکلیف کا ذکر کسی سے کرے یہ بھی جائز ہے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے کہ ایک مرتبہ جبرئیل امین نے پوچھا یا رسول اللہ کیا حال ہے آپ نے فرمایا بخار ہو گیا ہے یا ایک بار عائشہ صدیقہ نے کہا وَارَاسَاہُ، ہائے میرے سر کا درد اتفاقاً اس وقت آپ کی سر اقدس میں بھی درد ہو رہا تھا تو آپ نے بھی فرمایا وَارَاسَاہ، چوتھا قول یہ کہ یہ ندی بارگاہِ الٰہی میں ابلیس و شیطان کی شکایت ہے نہ کہ اللہ تعالیٰ کی شکایت جیسا کہ سورۃ صٓ کی آیت ۴۱ سے ثابت ہو رہا ہے۔ اور شریعت میں اللہ تعالیٰ کی شکایت کرنا منع ہے نہ کہ شیطان یا کسی بھی دشمن کی۔ دوسرا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ ابلیس کا داؤ مکر و وسوسہ آدم علیہ السلام پر چل گیا اور جنت سے نکلوا دیا جو اتنا سخت بھی نہ تھا مگر ایوب علیہ السلام پر ذرہ بھر نہ چلا حالانکہ یہ بڑا سخت تھا ابلیس نے اپنی پوری شیطانیت اور ذریت کا زور لگا کر سخت غم تکلیف بیماری درد اور بربادی تباہی مچا دی تھی، جواب قصۂ آدم اور قصۂ ایوب میں دو طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ آدم علیہ السلام اُس وقت نبی نہ تھے اشیطان کا داؤ صرف آپ کی بشریت پر تھا اس لیے بشری کمزوری کی بنا پر مکر چل گیا، دوم یہ کہ آدم علیہ السلام پر شیطان کا وسوسہ کفر یا ناشکری کا نہ تھا بلکہ صرف ایک پھل کھا لینے کا تھا اور وہ حیلہ وسوسہ بھی قسمیں کھا کر دوستی بنا کر کیا گیا تھا اس لیے حضرت حوا کے کہنے سمجھانے مُلکِ لَّا یَبْلٰی کا لالچ دلانے سے دھوکے میں آ گئے مگر ایوب علیہ السلام اُس وقت نبی تھے اور ہر نبی کی بشریت بھی بے مثل ہوتی ہے اور آپ کے خلاف ابلیس کی تمام حیلہ سازی تباہی بیماری کفر اور ناشکری کرانے کے لیے تھی اس لیے عصمتِ انبیا کے مقابل ابلیس ذلیل و رسوا ہو گیا، نبوت کامیاب و کامران اور ثابت قدم رہی۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا اور سورۃ صٓ آیت ۴۳ میں فرمایا گیا رَحْمَةً مِّنَّا۔ جواب اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ رَحْمَةً مِّنَّا میں صرف رحمت کا ذکر فرمایا گیا ہے اور چونکہ رحمت کی بہت قسمیں ہیں اس لیے یہاں مِنْ عِنْدِنَا فرما کر رحمت کی نوعیت کا ذکر فرمایا گیا کہ اپنے قرب کی رحمت، جوابِ دوم یہ کہ

marfat.com

وہاں سورۃ ص میں صرف دعا ہے اور یہاں دعا کے ساتھ حمد باری تعالیٰ بھی ہے جس کی وجہ سے کثرت ہوئی۔ اور کثرتِ دعا کی بنا پر قبولیت میں بھی کثرت رحمت کا ذکر فرمایا گیا۔ لفظِ عِنْدَ سے کثرتِ انعام اور مبالغۂ قرب کا بیان ہے۔ چوتھا اعتراض۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ نیک بندوں پر ابلیس کا تسلط نہیں چل سکتا نہ ہو سکے تو پھر ایوب علیہ السلام پر کیوں تسلط ہو گیا سورۃ حجر آیت ۴۲ اور سورۃ اسریٰ آیت ۶۵ میں ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ یعنی میرے بندوں پر تیرا تسلط نہیں ہو سکتا، سورۃ نحل آیت ۹۹ میں ہے۔ اِنَّهٗ لَیْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ یَتَوَكَّلُوْنَ۔ یعنی ابلیس کا تسلط اللہ کے متوکل مومن بندوں پر نہیں ہو سکتا سورۃ نحل آیت ۱۰۰ میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یَتَوَلَّوْنَهٗ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِهٖ مُشْرِكُوْنَ یعنی ابلیس کا تسلط صرف اُن فاسق لوگوں پر ہے جو اس سے دوستی لگاتے ہیں اور اُن کافروں پر ہے جو اُس کے کہنے سے مشرک بنے مگر سورۃ ابراہیم آیت ۲۲ میں ہے کہ قیامت میں ابلیس کفار سے کہے گا۔ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّاۤ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ۔ یعنی دنیا میں میرا تم پر کچھ تسلط نہ تھا۔ صرف اتنی بات تھی کہ میں نے تم کو بلایا اور تم نے میری بات مان لی۔ ان آیات سے ثابت ہو رہا ہے کہ نیک بندوں پر ابلیس کا قبضہ نہیں ہو سکتا مگر ایوب علیہ السلام کی ہر ہر چیز پر ہو گیا وہ تو نبی تھے۔ اس کی کیا وجہ جواب۔ تسلط کی چار قسمیں ہیں ۱ اعمال و ایمان وعقائد پر تسلط ۲ جان و مال جسم اولاد پر تسلط ۳ اذیت کا تسلط ۴ اِتباع کا تسلط ان آیت میں جس تسلط کی نفی فرمائی جا رہی ہے وہ ایمان اعمال پر تسلط ہے۔ یعنی ابلیس کا تسلط نیک بندوں کے ایمان اعمال وعقائد پر ہرگز کبھی نہیں ہو سکتا۔ فاسقین کا فرین کے ایمان و اعمال پر ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے۔ ایوب علیہ السلام کے ایمان و اعمال پر اس قسم کا تسلط قطعاً نہ ہوا تھا نہ ہو سکا حالانکہ ابلیس نے ہزار قسم کے زور لگائے بھیس بدل بدل وسوسے ڈالے ابلیس کا یہ تسلط بھی صرف ورغلانے اور وسوسے ڈالنے کی حد تک ہی ہے۔ اسی تسلط کے لیے اس نے لمبی عمر اور صحت تندرستی والی مہلت مانگی تھی۔ ابلیس کا یہ ہی تسلط صرف فاسقین کافرین پر قائم ہو جاتا ہے لیکن نیک بندوں پر قائم نہیں ہوتا۔ مگر جس تسلط کی نفی قیامت میں ابلیس کرے گا وہ اذیت دینے کا تسلط ہے یعنی کسی انسان پر جبر تشدد پکڑ گرفت بربادی بیماری دینے کا تسلط ابلیس کو کسی پر

marfat.com

حاصل نہیں۔ ایوب علیہ السلام پر اذیت کا تسلط ہو جانا یہ ایک مخصوص اور عارضی چیز تھی جو ابلیس نے صرف ایوب علیہ السلام کے لیے وقتی طور پر خود طلب کی تھی اور اسے کچھ دنوں کے لیے یہ تسلط دیا گیا۔ پھر ختم کر دیا گیا۔ نہ پہلے کسی پر تھا نہ اب کسی پر ہے۔ ابلیس نے مہلت مانگتے وقت کہا تھا۔ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ۔ یعنی میں صرف ورغلا کر راہِ حق سے اغوا کروں گا۔ (سورۃ ص آیت ۸۲ و ۸۳) ابلیس خود بھی جانتا ہے کہ میں صرف انسانوں کو وسوسے ڈال کر ورغلا سکتا ہوں جس کا اثر کسی کو ہوتا ہے کسی کو نہیں۔ اس تسلط میں تو ایوب علیہ السلام بلکہ ان کی بیوی کا بھی کچھ نہ بگاڑ سکا نہ ایمان نہ اعمال۔ پانچواں اعتراض۔ اِس کی کیا وجہ کہ قرآن مجید نے فرمایا۔ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا نِعْمَ الْعَبْدُ۔ یعنی ایوب بہت بڑے بے مثل صابر اور اچھے بندے تھے مگر کچھ مفسرین نے لکھا کہ ایوب علیہ السلام نے بہت بے صبری ناشکری کی سر پر خاک ڈالی خدا تعالیٰ کی خوب شکایت کی اپنی عبادت کا تذکرہ کر کے رب کی ناانصافیوں کا ذکر کیا معاذ اللہ پھر بعد میں توبہ کر لی۔ ان میں مطابقت کیونکر ہو۔ جواب۔ نہ مطابقت ہو سکتی ہے نہ کرنے کی ضرورت رب تعالیٰ کا کلام برحق ہے۔ مفسرین کے اقوال باطل گمراہ کن ردی میں جلانے کے قابل اُن مفسرین نے جو کچھ لکھا وہ سب عیسائیوں کی کتابوں سے نقل کیا اور عیسائی تو بجز عیسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء علیہم السلام کو گناہگار ثابت کرنا چاہتے ہیں تاکہ اُن کے کفارے کا مسئلہ اور اُلوہیتِ مسیح کا عقیدہ درست رہے جو پولوس یہودی نے عیسائی بن کر بنایا اور عیسائیوں کو دھوکہ دیا۔ دشمن لکڑی صلیب کو پجوالیا۔ عیسائی بے وقوف بن گئے یہودی جیت گئے۔ آج تک ایسا ہو رہا ہے۔ ہمارے مفسر بھی بعض دفعہ اس طرح کا دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنَ الشَّیٰطِیْنِ مَنْ یَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَیَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِیْنَ۔ اور وہم و تخیل کے شیاطینِ باطن میں سے کچھ طاغوتی قوتیں ہم نے عقلِ علمی کے لیے مسخر فرما دیں جو عقلِ علمی کے حکم سے ہیولۂ جسمانی کے سمندروں میں غوطے لگا کر جزئیاتِ اسرار کے معانی اور کلیاتِ ابرار کے موتی نکالتے ہیں اور یہی طاغوتی قوتیں جب عقلِ علمی کے قابو میں آجاتی ہیں تو اس کے علاوہ بھی ترکیبِ صالحات تفصیلِ عملیات، شریعت کی مصنوعات طریقت کے ملبوسات کے عمل کرتی

marfat.com

ہیں برے شیاطین کی ان اچھی افکار و اعمال کی حفاظت بھی ہم ہی کرتے ہیں اور کذب و باطل کی کھوٹ وملاوٹ سے بچاتے ہیں ورنہ یہ جسم انسانی کے وہم و تخیل بڑے بڑوں کو خراب کر دیتے ہیں ان ہی شیطانوں کی سرکشی سے بڑے بڑے عقل والے ڈرتے ہیں ان کے فساد سے ہی کفرو طغیان فسق و کفران کی فرقے اور مذہب سازی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ بدنِ مومن میں عقلِ علمی ایمانی کے لیے اِن قوتوں کو مسخر نہ فرماتا تو تمام جسم عقل و شعور کفر فسق ظلم ہی سے بھر جاتا۔ انسان کی کمالیت یہ ہے کہ وہ آستانۂ نبوت تک پہنچ جائے اور جب یہ سعادت کسی خوش نصیب کو میسر آجائے تو مُلک و ملکوت کی تمام علوی سفلی آشیا اُس کے لیے مسخر کر دی جاتی ہیں پھر اُس کے شیطان بھی اُس کے تابع ہو کر اُس کے لیے اچھے کام کرتے ہیں اور اُن اچھے کاموں کو بھی اُن شیطانوں کے لیے آسان اور مسخر کر دیا جاتا ہے ورنہ وہ شیاطین بھی باوجود طاقتور جنات ہونے کے یہ کام نہ کر سکتے۔ وَاَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّهٗۤ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ بدنِ انسانی میں نفسِ مطمئنہ ممتحنہ جسمانی ہے، قسم قسم کی مصیبتوں بلاؤں سے اُس کا امتحان لیا جاتا ہے، بدنِ مومن کا یہی صبر معرفت کا ایوب ہے ریاضتِ بالغہ کی مشقتوں اور کمالِ زکاء کے مجاہدوں میں اُس کو ڈالا جاتا ہے۔ اے مردِ مومن نفسِ ممتحنہ کی اس حالت کو یاد کر جب قوتِ شعور سے اس نے اپنے رب تعالیٰ کو شدتِ کرب کی وقت جدو جہد کی طاقت وُسعت بلوغت سے پکارا کہ یا اللہ نفسِ خبیثہ کے شر سے مجھ کو ضعف نقاہت کا عجز و انکسار پہنچ گیا اور یا اللہ تو ہی روح پر وسعتِ توفیق و بشریت ترغیب کا سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَیْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰی لِلْعٰبِدِیْنَ۔ تب قبول فرمایا، ہم نے نفسِ ممتحنہ کی اسی نداءِ التجا کو احوالِ روح کی گہرائیوں سے جو بلند ہوئی کمالِ اطمینان اور نزولِ سکینہ کے وقت اور کھول دیئے ہم نے اسرار کے تمام دروازے اور بچا لیا اُس کو مشقتِ ریاضت سے اور ظلمتِ کرب کو نورِ ہدایت کے ذریعے مٹا دیا۔ نورِ قلبی کو طلوع فرما دیا اور واپس لوٹا دیں ہم نے قوتِ نفسانیہ اور تمام مضراتِ ایمانیہ کو ریاضت کے پانی سے ہلاک کر دیا اور جسم مومن کو حیاتِ حقیقیہ کی جلا بخشی اور اسی قوتِ نفسانیہ کی مثل ہم نے اس کو قوتِ روحانیہ کی امداد اور صفاتِ قلبیہ کے انوار بھی عطا فرمائے اور مزید فضائلِ خلقیہ کے اسباب اُن پر وافر کئے اور علومِ جزئیہ نافعہ کے احوال بھر دئے یہ ہے نفسِ

marfat.com

مطمئنہ کی کامیابی پر رحمتِ لطائف کا انعام قربِ حضوری یہی ہے عالمِ معرفت میں تذکرۂ ابدی ۔ (محی الدین عربی) عارفِ صادق جب اپنی معرفت میں ثابت قدم اور مضبوط و متحقق ہو جائے تو مصائبِ راہِ طریقت اور مراحلِ منزل پر اس کا شکوا حقیقۃً انبساط اور اُس کی ندا حقیقۃً مناجات بن جاتی ہے اور بلاءِ محبوب کی تکلیف ذریعۂ قرب ہو جاتا ہے۔ حکایتِ حال کی زبانِ تضرع زبانِ عشق ہوتی ہے نہ کہ جزع فزع اور شکایت۔ اسی لیے ایوب علیہ السلام کی ندا اس حالتِ کرب میں بھی مَعَ اللہ تھی نہ کہ مَعَ غیرہٖ یہی دراصل شکر ہے یہ حالتِ اضرار باعتبارِ بشریت تکلیف و بیماری ہے مگر باعتبارِ روحانیت تائیدِ الٰہی سے مؤید ہوتی ہے اسی لیے بندہ نورِ الٰہی سے دیکھتا ہے اور مبتلاءِ بلا کو بھی کمالِ عنایت ربانی نظر آتی ہے اور ان مصائب میں تربیتِ نفس اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ چشمۂ رحمت سے مقامِ صبر تک پہنچ جاتا ہے اور نعمتِ عبدیت کا زینہ پا لیتا ہے۔ بندہ پکارتا ہے کہ مجھ کو بشریت کی مصیبت پہنچی اے ربِ کریم اپنے نورِ فضل سے تو ہی مجھ کو قوتِ صبر دے کر رحم فرمانے والا ہے سب مشفقوں سے زیادہ اور صفاتِ نفس کی بربادی تباہی مچانے بیماری لگاتے کو دور فرمانے والا ہے۔ اس لیے کہ صبر صفاتِ معبودیت میں سے ہے نہ کہ صفاتِ عبدیت میں سے کیونکہ رب تعالیٰ کا نام ہی صبور ہے۔ اکابر صوفیا فرماتے ہیں کہ ابتلاءِ مومن کے چار فائدے ہوتے ہیں اوّلاً ریاضاتِ شاقہ سے صفائی وجود، دوم قسم قسم کے مجاہداتِ بدنیہ سے مقاماتِ علیا کی تکمیل سوم زینِ نفسانی پر ترکِ دنیا کی ٹھوکر۔ چہارم اس ٹھوکر سے حیاتِ حقیقیہ کا پانی مجسّم ہو کر عالمِ مثال میں آجاتا ہے پھر جب اسی سے غسلِ معرفت کیا جاتا ہے تو جسم سے امراضِ عبدیت اور قلب سے امراضِ روحانیہ زائل ہو جاتے ہیں پھر جب بندۂ مومن اس مجاہدے میں کامیاب ہو جاتا ہے تب اُس کو صفائیِ استعداد ملنے کا وقت آجاتا ہے اور فیضِ الٰہی سے قابل ہو کر بارگاہِ روحانی سے ماءِ حیات کا ظہور ہوتا ہے جس کو پی لینے کا حکم ملتا ہے۔ اُس کے پینے سے بندے کے ظاہر و باطن سے وہ تمام کلفتیں مصیبتیں دور ہو جاتی ہیں جو حاضریِ بارگاہِ الٰہیہ کے لیے بُعد اور حجاب کا سبب بنی ہوئی تھیں پھر بندۂ صابر کی وہ شان ہوتی ہے کہ اُس کی صحبتِ پاکیزہ میں چند لمحات گزارنے والے نفسانیات کو بھی عزیزِ خلائق بنا دیا جاتا ہے اور ذلیل تر کو عزیز تر کر دیا جاتا ہے جیسا کہ اصحابِ کہف کا کتا۔ ایوب علیہ السلام کے کیڑے یونس علیہ السلام کی مچھلی

marfat.com

یہ قانون کلیہ ہے کہ عزیز کا مجاور بھی عزیز بن جاتا ہے اور ذلیل کا مجاور ذلیل۔ صبا کی ہوا چمن گلزار سے گزرے تو خوشگوار خوشبو دار۔ اگر گندگی سے گزرے تو ناپسند بدبو دار۔ یہی حال اچھی بری صحبت کا ہے۔ اور یہی فرق ہے اوصافِ نفس کے مصائب اور اخلاقِ روح کے مجاور میں کہ وہ اَسْفَلَ السَّافِلِین کی کراہتوں غلاظتوں میں گر پڑتا ہے اور یہ اَعْلیٰ عِلِّیِّیْن کی بلندیوں پر بٹھایا جاتا ہے۔ (از تفسیر روح البیان) حکما فرماتے ہیں جن کے جسم میں نفسِ امارہ زندہ ہو اُن کے بول و براز پسینے اور خون پیپ زخم میں بدبو ہوتی ہے، لیکن نفسِ امارہ مُردہ تو اُن میں بدبو نہیں ہوتی۔

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ

اور ذکر کرو اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کا

اور اسماعیل اور ادریس اور ذوالکفل کو (یاد کرو)

كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ ۚۖ ﴿۸۵﴾ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ

یہ سب ہی صبر والوں میں سے تھے۔ اور داخل کر لیا ہے ہم نے ان سب کو

وہ سب صبر والے تھے۔ اور انہیں ہم نے اپنی

رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَ

اپنی رحمت میں کیونکہ بے شک وہ سب اچھائی والے ہیں۔ اور

رحمت میں داخل کیا بے شک وہ ہمارے قرب کے سزاواروں میں ہیں۔ اور

ذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ

ذکر کرو ذوالنون کا جب گئے وہ سخت غصہ ہو کر تب یہ خیال کیا کہ

ذوالنون کو (یاد کرو) جب چلا غصے میں بھرا

marfat.com

اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ

ہرگز ہم باز پرس نہ کریں گے اس پر پھر فریاد کی اندھیریوں میں اس طرح

تو گمان کیا کہ ہم اُس پر تنگی نہ کریں گے تو اندھیروں میں پکارا

اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ

کہ نہیں کوئی معبود مگر تو ہی۔ پاک ہے تو۔ بے شک میں ہی ہوں

کوئی معبود نہیں سوا تیرے۔ پاکی ہے تجھ کو بے شک

كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۷﴾ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ ۙ

ظالموں میں سے۔ تب دعا قبول کرلی ہم نے اُس کی

مجھ سے بیجا ہوا۔ تو ہم نے اُس کی پکار سن لی

وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُنْجِي

اور بچا لیا ہم نے اس کو غم سے اور اسی طرح بچاتے رہیں گے ہم

اور اُسے غم سے نجات بخشی اور ایسی ہی نجات دیں گے

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾

ایمان والوں کو

ہم مسلمانوں کو

تعلقات اِن آیتِ کریمہ کا پچھلی آیتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے عبدین کے لیے ذکر عطا کیا اب اِن آیت میں اُن چند انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ذکر فرمایا گیا ہے جو لوگوں کو

marfat.com

کو عابدین بنانے والے ہیں۔ دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں اُن انبیاء کرام کا تذکرہ ہوا جو ساری عمر اپنی قوم کو تبلیغ فرماتے ہوئے ان کی نافرمانیوں کو برداشت کرتے رہے مگر آخر دم تک امت کو چھوڑ کر نہ گئے۔ اب اِن آیت میں اُن ایک نبی علیہ السلام کا ذکر ہو رہا ہے جو نافرمان اُمت سے ناراض ہو کر چلے گئے مگر پھر رب تعالیٰ کی قدرت سے واپس لائے گئے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہوا جن کو ابلیس نے آزمائش میں ڈال دیا اور بہت طرح سے نقصان پہنچایا پھر بہت عرصہ بعد انہوں نے شفا کے لیے دعا مانگی جس کی قبولیت اور نجات کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔ اِن آیت میں حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہوا جن کو خود رب تعالیٰ نے ایک آزمائشی مصیبت میں ڈالا پھر جب ان کو اپنی بھول کا احساس ہوا تو بارگاہِ رب العزت میں تکلیف سے نجات کی دعا مانگی جس کی قبولیت اور مصیبت سے نجات کا یہاں ذکر ہے۔

تفسیر نحوی وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِدْرِيْسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيْنَ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِيْ رَحْمَتِنَا اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ واوٗ سر جملہ یعنی ابتداءِ کلام کے لیے اسماعیل و ادریس یہ غیر منصرف ہیں کیونکہ عجمی عَلَم ہیں وَذَا الْكِفْلِ اَسماءِ ستہ مکبرہ میں سے ہے ذُوْ جب بحالت فتح ہو تو ذا ہوتا ہے مضاف ہے کفل اسم معرف باللام مضاف الیہ ہے مصدر ہے ترجمہ ہے کِفَالَۃٌ والا کفیل و ذمہ دار بننے والا۔ یہ لقب ہے ایک نبی علیہ السلام کا اور پہلے دونوں لفظ نام ہیں دو نبیوں کے عَلَيْهِمَا السَّلَام یہ تینوں عطف ہو کر مفعول بہ ہے اُذْكُرْ پوشیدہ امر حاضر معروف واحد مذکر کا کُلٌّ اسم تاکیدی واحد جنسی بمعنی تمام ہر ایک یہ مبتدا ہے مِنَ الصّٰبِرِيْنَ جار مجرور متعلق ہے۔ يَكُوْنُوْنَ فعل تامہ پوشیدہ کا یہ فعل فاعل (پوشیدہ) متعلق مل کر جملہ فعلیہ تامہ علت ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کی سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا واؤ سر جملہ اَدْخَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ہے فِيْ رَحْمَتِنَا۔ یہ مرکب اضافی جار مجرور ہو کر متعلق ہے اَدْخَلْنَا کا۔ اِنَّ حرف مشبہ هُمْ ضمیر اس کا اسم اس لیے یہ ضمیر منصوب متصل ہے۔ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ يَكُوْنُوْنَ تامہ پوشیدہ کا متعلق ہے یہ پوشیدہ فعل با فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے اَدْخَلْنَا کی سب مل کر

marfat.com

ہو۔ خلاصہ یہ کہ یہ خیال رب کی صفت ہونا ایک باطنی چیز ہے جملے کی ظاہری جز نہیں اس
لیے ان پر ان کلام میں داخل ہو کر کلام ہے بندا ان نہیں ہو سکتا۔ وَذَا النُّوْنِ
اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِي الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ
اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ واؤ پر جملہ اُذْکُرْ پوشیدہ ذا اسم
صفت ہے بمعنی صاحب مضاف ہے اَلنُّوْنِ ۔ الف لام عہد ذہنی یعنی پوشیدہ مخصوص نون عبرانی لفظ
ہے بمعنی مچھلی ترجمہ ہے مچھلی والا لقب ہے ایک نبی حضرت یونس کا مضاف الیہ ہے
ذا النون مرکب اضافی مفعول ہے اِذْ اسم ظرف زمانی ہے ذَهَبَ باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق
واحد مذکر غائب ذَهْبٌ سے مشتق ہے بمعنی جانا چلا جانا لازم ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر
صیغہ ہے اس کا مرجع ہے ذَا النُّوْنِ۔ مُغَاضِبًا باب مفاعلہ کا اسم فاعل واحد مذکر ایک قرأت
میں مُغْضَبًا ہے باب مفاعلہ سے یہاں مفاعلہ اپنے اصلی معنی میں نہیں یعنی دو طرفہ غضب مراد نہیں
بلکہ مبالغہ کے لیے ہے بمعنی سخت غصہ ایک قول میں مفاعلہ اصلی معنی میں ہے اور مراد ہے کہ
ذو النون اور ان کی قوم دونوں ایک دوسرے سے ناراض و غصے ہوئے مگر یہ غلط ہے کیونکہ ذَهَبَ
کی نسبت صرف ایک طرف غضب ثابت کرتی ہے یہ مغاضبا حال ہے ذَهَبَ کی پوشیدہ فاعل کا ذَهَبَ سے مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ف عاطفہ تعقیبیہ ظَنَّ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ظن مصدر
سے مشتق ہے بمعنی ذہنی خیال کرنا اندازہ کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مرجع ہے
ذوالنون۔ اَنْ حرف ناصبہ لَنْ نَّقْدِرَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع نفی تاکید بلن جمع متکلم۔ قَدْرٌ
سے مشتق ہے بمعنی تنگ دستی کرنا۔ قدرت ڈالنا۔ قابو میں کرنا۔ تنگی ڈالنا۔ طاقت آزمانا
زور پر کرنا یہاں اسی چوتھے اور آخری معنی میں ہے عربی لغت میں یہ مصدر تین طرح پڑھا
گیا ہے۔ قَدْرٌ بمعنی تنگی ڈالنا قابو میں کرنا جیسا کہ سورۃ فجر آیت نمبر ۱۶ قَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ
اس پر اس کا رزق تنگ کر دیا تھوڑا کر دیا اور سورہ رعد آیت نمبر ۲۶ میں ہے اَللّٰهُ يَبْسُطُ
الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ دوسرا قَدْرٌ بمعنی قدر کرنا مرتبہ پہچاننا جیسے سورۃ مرسلات
آیت نمبر ۲۳ اور سورۃ حج آیت نمبر ۷۴ اور سورہ زمر آیت نمبر ۶۷ میں ہے۔ وَمَا قَدَرُوا
اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ تیسرا قُدْرَتٌ۔ قَدْرٌ بمعنی قادر ہونا جیسے سورۃ نحل آیت
نمبر ۷۵ میں ہے۔ عَبْدًا مَّمْلُوْكًا لَّا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ۔ عَلَيْهِ یہ جار مجرور متعلق ہے
لَنْ نَّقْدِرَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ لَنْ نَّقْدِرَ کی مزید تین قرأتیں ہیں

marfat.com

۱؎ لَنْ نُقَدِّرَ باب تفعیل سے جمع متکلم ۲؎ لَنْ یُقَدَّرَ باب تفعیل سے مجہول مضارع واحد مذکر غائب ۳؎ لَنْ یُقْدَرَ باب ضرب سے مجہول مضارع واحد مذکر غائب واللہ اعلم۔ فَ حرف عطف نَادٰی باب مفاعلہ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب یہ مفاعلہ بھی مبالغے کے لیے ہے نہ کہ دو طرفہ عمل کے لیے اس کا مصدر ہے مُنَادِیَۃً، مُنَادَاۃً وَنِدَآءً۔ نِدٰی سے بنا ہے بمعنی فریاد کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے ذَاالنُّوْنِ فِی الظُّلُمٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے نَادٰی کا جمع مؤنث سالم ہے اس کا واحد ہے ظُلْمَۃٌ بمعنی اندھیرا، اندھیری۔ اَنْ حرف مشبہ مثقلہ سے مخففہ کیا گیا یہاں ضمیر شان پوشیدہ ہے دراصل تھا اَنَّہٗ۔ لَا حرف نفی جنس اِلٰہَ اسم مفرد نکرہ مبنی بر فتحہ اس کا اسم منصوب مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثنا متصل اَنْتَ اسم ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے سُبْحَانَ اسم مصدر بروزن فُعْلَانٌ غُفْرَانٌ بمعنی پاک ہونا ہر کمی کمزوری نقص وعیب سے یہ خصوصی صفت ہے اللہ تعالیٰ کی مضاف ہے کَ ضمیر مجرور متصل واحد مذکر حاضر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا کی۔ اَنْتَ اپنی اس خبر سے مل کر مستثنیٰ ہوا اِلٰہَ کا دونوں مل کر اسم ہے لَاءِ نفی کا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ لَا کی خبر ہے۔ لَا اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا ہوا بعض لوگوں نے اَنْتَ کو اِلٰہَ کا بدل البعض بنایا ہے واللہ اعلم۔ اِنِّیْ۔ اِنَّ حرف مشبہ ی ضمیر متکلم منصوب متصل اس کا اسم ہے کُنْتُ فعل ناقص بافاعل واحد متکلم مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ اَلظّٰلِمِیْنَ اسم فاعل جمع کثرت مذکر سالم مجرور ہو کر متعلق ہے کُنْتُ کے سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب دوم ہوا نَادٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے ظَنَّ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے ذَھَبَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر ظرف ہوا اُذْکُرْ پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَنَجَّیْنٰہُ مِنَ الْغَمِّ وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ فَ زائدہ تعقیبیہ یعنی پھر بعد بس کچھ دن بعد اِسْتَجَبْنَا باب استفعال کا ماضی مطلق۔ جمع متکلم بافاعل لَہٗ جار مجرور اس کا متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ عاطفہ زائدہ نَجَّیْنَا باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اس کا مصدر ہے تَنْجِیَۃٌ۔ تَنْجِیَۃٌ سے معتل ہے نَجْیٌ سے مشتق اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہ ضمیر مفعول بہ مِنْ حرف جر بمعنی عَنْ زوالیہ غَمٌّ اسم مفرد نکرہ معرب بمعنی قلبی تکلیف یہ جار مجرور متعلق ہے نَجَّیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ ہر جملہ ک حرف تشبیہ ذٰلِکَ اسم اشارہ

marfat.com

بعیدی مجرور ہے متعلق مقدم ہوا۔ نُنْجِی باب افعال کا فعل مضارع بمعنی مستقبل یا بمعنی حال نجی' ناقص یائی سے مشتق ہے ایک قرأت نُنَجِّی باب تفعیل سے ہے۔ ایک قرأت نُجِّی ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ دونوں نون میں سے پہلی علامت مضارع ہے اور دوسری نون ف کلمہ ہے اور کسی کو بھی حذف کرنا جائز نہیں ہے نہ علامت کو نہ ف کلمہ کو اَلْمُؤْمِنِیْنَ۔ الف لام اسمی استغراقی بمعنی تمام مومنین جمع مذکر سالم ہے مومن اسم فاعل کا۔ بحالت نصب ہے مفعول یہ ہے نُنْجِی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْکِفْلِ کُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وَاَدْخَلْنٰھُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا اِنَّھُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ۔ اور اے محبوب کریم تذکرہ فرمائیے اُن تمام اقوام عالم کے سامنے جو تا قیامت ہونے والی ہیں اُس عظیم الشان صبر انبیاء علیہم السلام کا بھی جو ہمارے اسماعیل اور ادریس اور ذی الکفل کے اجسام مقدسہ پر ظاہر ہوا تمام انبیا ہی صبر میں کامل شکر میں اکمل حلم میں مکمل ترین ہوتے ہیں ان تینوں نبیوں کا صبر تمام انبیا علیہم السلام کے صبر کا نمونہ عظمیٰ ہے اور ان سب کو بھی ہم نے اپنی رحمت کی چادر میں لپیٹ کر داخل کر لیا تھا اس طرح کہ ان کی ہر ادا ہر قول فعل عمل میں چاروں طرف دائیں بائیں اوپر نیچے آگے پیچھے ظاہر و باطن ہماری رحمت ہی رحمت رہی ان کی زندگی کا ہر پہلو ہر لمحہ ہر ساعت ہماری رحمت میں تھیں اور ان کی اُمتیں اُن کے وجود مسعود کی رحمت میں ہوتی تھیں۔ بے شک یہ سب ہماری رحمت تامہ عنایت کاملہ کی صلاحیت و قابلیت رکھنے والوں میں سے تھے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے قرآن مجید کے پارہ دوم سورۃ بقرہ کی آیت ۱۵۵ میں صبر کرنے کے آٹھ مقام بیان فرمائے پہلا مقام۔ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ یعنی اے ایمان والوں ہم کسی بھی طرح تم سب کو آزمائش میں ڈالیں گے۔ دوسرا مقام بِشَیْءٍ کسی بھی چیز سے۔ مقام سوم۔ مِنَ الْخَوْفِ دشمن یا دنیا کے خوف کے ذریعے۔ مقام چہارم۔ وَالْجُوْعِ اور اختیاری یا اضطراری بھوک سے۔ اختیاری بھوک مثلاً روزہ رکھنے کا حکم دے کر اضطراری مثلاً غربت کے فاقے دے کر۔ مقام پنجم۔ وَنَقْصٍ۔ اور کسی بھی قسم کا نقصان دے کر۔ مقام ششم۔ مِنَ الْاَمْوَالِ مال کے ذریعے دے کر یا لے کر مقام ہفتم۔ وَالْاَنْفُسِ۔ اور جانوں کے ذریعے اولاد دے کر یا لے کر۔ مقام ہشتم۔ وَالثَّمَرٰتِ اور باغ بغیچہ کھیت کھلیان کے پھلوں میں نقصان کے ذریعے۔ ان مقامات صبر کو بیان

marfat.com

کرنے کے بعد سورۃ احقاف آیت ۳۵ میں ارشاد ہوا۔ فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ اُولُوا الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ۔ اے بندۂ مومن صبر کے اِن تمام مقامات میں ایسا صبر کرنا جو مشابہت رکھے اُس صبر سے جیسا صبر کیا اُولُو الْعَزْم رسولوں نے۔ صبر کرنے کی چار صورتیں اور طریقے ہیں ۱ صبر استقامت ۲ صبر التزامت ۳ صبر ادامت ۴ صبر طمانیت۔ یعنی مصائب میں حقانیت پر ثابت قدمی یہ استقامت ہے۔ اور امر و نہی کی پابندی اطاعت یہ التزامت اور لزوم ہے۔ اوقاتِ عبادت میں تا حیات ہمیشگی یہ ادامت ہے۔ اور اپنے مصائب کا کسی کے سامنے شکوہ شکایت کا اظہار نہ ہونے دینا یہ طمانیت ہے۔ کُل کائناتِ انسانیت میں بارہ قسم کے صبر ہیں ۱ امیری کے بعد غریبی ملنے پر صبر ۲ سب اولاد کے ایک دم مرجانے پر ۳ بیماری پر صبر ۴ اپنی جان کی قربانی دینے پر صبر ۵ غریب الوطنی یعنی جبری ہجرت پر صبر ۶ وعدہ نبھانے پر صبر ۷ لوگوں کی اذیت پر صبر ۸ تبلیغ کی مشقتوں پر صبر ۹ جہلا کو پڑھانے سکھانے اُن کے ساتھ مغز ماری پر صبر ۱۰ تمام عمر روزے رکھنے کی کفالت پر صبر ۱۱ پوری زندگی ساری رات نماز پڑھنے کا وعدہ کر کے نبھانے پر صبر ۱۲ کسی پر غضب و غصہ نہ کرنے کے وعدہ ادا کرنے پر صبر اور بدلہ لینے کی قوت کے باوجود بدلہ نہ لینے پر صبر۔ اِن آیت میں ان ہی تمام قسم کے صبرِ انبیا کے چرچے کرنے کا حکم ہے تاکہ انسانوں کے سامنے انبیا کی یہ شان بھی ظاہر ہو۔ چنانچہ ابھی گزشتہ آیت میں صبر ایوب عَلَیْہِ السَّلَام کا ذکر ہوا اِن آیت میں یہ حکم دیا جا رہا ہے کہ اپنے علمِ غیبی نبوی کے بیان سے لوگوں کو بتایئے کہ اسماعیل علیہ السّلام کا صبر کس نوعیت کا تھا اور ادریس علیہ السّلام کا صبر کیسا تھا اور حضرت ذی الکفل کا صبر کیسا تھا۔ یہاں رب تعالیٰ نے خود صبر کی تفصیل نہ بتائی اس لیے کہ جس ذاتِ محبوب کو تذکرے کا حکم دیا جا رہا ہے وہ ذاتِ گرامی تمام اولین و آخرین کے ہر حال و مقال کو جانتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس اجمالی حکمِ ربانی کو سن کر حدیثِ پاک میں اِس کی تفصیل خود بیان فرما دی اور فرمایا کہ اسماعیل کے تین صبر مشہور ہیں پہلا صبر یہ کہ اپنے آپ کو ذبح کے لیے بلا تامل پیش کر دیا دوم یہ کہ بے آب و دانہ بیابان میں غریبانہ عمر گزار دی اپنے وطن سے دور تعمیر کعبہ اور آبادیِ مکہ کی مشقتیں برداشت کیں سوم یہ کہ ایفائے عہد میں کمال کو پہنچے۔ ادریس علیہ السّلام کے بھی تین صبر مشہور ہوئے ایک یہ کہ آپ نے تمام عمر اپنی قوم کی اذیتیں برداشت کیں بعثتِ رسالت سے رفعتِ آسمانی تک دوم یہ کہ قوم کے جہلا حمقا نا قدروں کو درس و تدریس دینے کی مشقت میں عمر گزار دی

marfat.com

سوم یہ کہ دن رات تبلیغ کی مشقت فرمائی کبھی بے صبری نہ دکھائی۔ ذی الکفل علیہ السلام کے بھی تین صبر مشہور ہوئے ایک یہ کہ ساری ساری رات تمام عمر ہر حال میں نمازیں پڑھنے میں گزاری کبھی بھی سستی یا غفلت نہ کی دوم یہ کہ تمام عمر ہر دن روزہ رکھنا۔ سوم یہ کہ تمام عمر کبھی کسی پر غصہ یا غضب نہ فرمایا اگرچہ کسی نے کتنی ہی غلطی یا حماقت کی ہو۔ ان آیت سے پہلے ابھی صبر ایوب علیہ السلام کا ذکر گزرا۔ صبر ایوب کا نام صبر جمیل ہے صبر اسماعیل کا نام صبر جلیل ہے۔ صبر ادریس کا نام صبر کثیر ہے۔ اور صبر ذی الکفل کا نام صبر کبیر ہے۔ ہر نبی کے پاس یہ سب صبر ہیں۔ اظہار کسی کسی پر فرمایا گیا اور شان سب کی بتائی گئی۔ کیونکہ۔ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (سورۃ بقرہ آیت ۲۸۵) فرمایا یہ جا رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا صبر بھی بے مثل ہوتا ہے حضرت اسماعیل کا ذکر پاک قرآن مجید میں سولہ جگہ آیا تین جگہ بغیر نام کے اور تیرہ جگہ نام مبارک کے ساتھ اور ان تمام سولہ آیت میں اسماعیل علیہ السلام کی زندگی کے پندرہ حالات بیان فرمائے گئے جو آپ کی اجمالی سوانح حیات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ چنانچہ سورہ صافات آیت ۱۰۰ میں فرمایا گیا۔ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ اس آیت میں آپ کی شان حلیمی بردباری اور تعمیر کعبہ کے وقت آپ کی عمر بیان ہوئی ۲۔ یہی سورۃ صافات آیت ۱۰۳ میں آپ کے ذبح کا واقعہ اور امتحانِ عظیم صبر اسماعیل اور فدیۂ عظیم کا تذکرہ ۳ سورۃ ابراہیم آیت ۳۷ میں آپ کے بیابانِ غیر ذی زرع میں ہجرت و سکونت کا تذکرہ ۴ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۵ میں آپ کا نام شریف اور آپ کو طہارتِ کعبہ کی ذمہ داری ملنے کا ذکر ۵ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۷ میں آپ کا نام اور تعمیر کعبہ کا ذکر ۶ سورۃ بقرہ آیت ۱۳۳ میں آپ کا نام پاک اور آپ کی اتباع کرنے اور آپ پر ایمان لانے کا تذکرہ آپ کی اُمت کو حکم دیا گیا ۷ سورۃ بقرہ آیت ۱۳۶ نام اور صُحُفِ اسماعیل کا ذکر ۸ سورۃ بقرہ آیت ۱۴۰ میں نام اور آپ کے بارے میں یہودیوں کی حاسدانہ لغویات کی تردید ۹ سورۃ آلِ عمران آیت ۸۴ میں شریعتِ اسماعیل کا ذکر ۱۰ سورۃ نساء آیت ۱۶۳ میں آپ کا نام اور وحیِ اسماعیل کا ذکر ۱۱ سورۃ انعام آیت ۸۶ میں آپ کا نام اور تمام جہانوں پر آپ کی فضیلت کا بیان ۱۲ سورۃ ابراہیم آیت ۳۹ میں آپ کا نام اور بڑھاپے میں ملی ہوئی لاڈلی اولاد ہونا ۱۳ سورۃ مریم آیت ۵۴ میں آپ کا نام اور صادق الوعد ہونے کا ذکر ۱۴ یہی سورۃ انبیآء آیت ۸۵ میں آپ کا نام اور صبرِ اسماعیل کا ذکر ۱۵ سورۃ صٓ آیت ۴۸ میں آپ کا نام اور اخیار میں

marfat.com

سے ہونے کا ذکر ہے ۱۶ سورۃ بلد آیت ۳ میں وَوَالِدٍ وَّمَا وَلَدَ۔ کی قسم فرمائی گئی۔ والد سے مراد ابراہیم اور وَلَدَ یعنی بیٹے سے مراد اسماعیل ہیں کیونکہ شہر مکہ کی آبادی کا تعلق ان دو سے ہی ہے۔ حضرت اسماعیل کی اولاد میں بارہ بیٹے اور دو بیٹیاں ہوئیں ان کے اسماء مبارکہ ترتیب ولادت کے لحاظ سے حسب ذیل ہیں۔ پہلا فرزند۔ حضرت نابت ان کی عمر ایک سو نوے سال ہوئی آپ کی ہی نسل بعد میں اصحاب حجر ہملائی دوم قیدار آپ کی عمر ۱۵۰ سال ہوئی ان کی نسل اور قوم کا نام اصحاب الرس مشہور ہوا سوم اوبئیل آپ کی عمر ایک سو سال ہوئی چہارم بیٹی سماۃ بسامہ پنجم ہشام آپ کی عمر ۶۵ سال ہوئی ششم فرزند شماع ہفتم فرزند رومہ ہشتم منشا۔ نہم فرزند ہدار دہم تیما۔ گیارھواں بیٹا یطور بارہواں بیٹا نافیش۔ تیرھواں بیٹا قیدما۔ چودھویں اولاد بیٹی محلات آپ کے یہ بارہ بیٹے اپنی اپنی نسل قوم کے بارہ رئیس ہوئے ان ہی سے عرب کے بارہ قبیلے بنے۔ ان کے یہ نام عبرانی لغت اور زبان کے تھے (از تاریخ طبری جلد دوم اور تاریخ عرب جلد اوّل) لفظ اسماعیل کا معنی ہے۔ مطیع اللہ اللہ تعالیٰ کا اطاعت گزار۔ بعض نے فرمایا کہ یہ لفظ مرکب ہے اسمع یا ایل سے یعنی اے اللہ سن لے میری فریاد۔ (از روح البیان) وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ آپ کا حلیہ شریف اس طرح لکھا ہے کہ لمبا قد سفید رنگت پتلا بدن خوب صورت نقش بڑی آنکھیں بہت تیز دوڑ لیتے تھے بال سیدھے داڑھی مبارک ہلکی جسم پر بہت کم بال آپ کا مزار شریف اپنی والدہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قریب حطیم کعبہ کے اندر زیر زمین پوشیدہ ہے۔ (طبری۔ ابن خلدون) آپ کی عمر ۱۳۶ سال ہوئی تفسیر صاوی نے فرمایا کہ آپ کی کل عمر ایک سو تیس سال ہوئی۔ ابراہیم علیہ السلام کی وفات کے وقت آپ کی عمر نوے سال تھی تاریخ ابوالفداء نے آپ کی کل عمر ۱۳۷ سال لکھی ہے آپ کی بعثت دو قوموں کی طرف ہوئی ۱۔ قوم یمن قدیمی ۲۔ اور قوم عمالقہ یہ دونوں قدیم قومیں تھیں اور آب زمزم کی وجہ سے مکہ میں آباد ہوگئیں یمن اور عمالقہ حضرت آدم علیہ السلام کے دو فرزند تھے بعض نے کہا یہ نوح علیہ السلام کے پوتے تھے دونوں بھائی تھے ان کے ہی نام سے ان کی نسلوں کا نام چلا۔ علاقۂ یمن بھی یمن کے نام پر ہوا۔ قوم یمن کی ایک لڑکی سے اسماعیل علیہ السلام کا دوسرا نکاح ہوا آپ کی ساری اولاد انہی کے بطن سے تھی اس قوم میں اولیاء اللہ بہت ہوئے۔

marfat.com

ادریس علیہ السلام کا مختصر واقعہ

آپ حضرت آدم کے چھٹے پوتے یعنی آدم علیہ السلام آپ کے چھٹے دادا۔ حضرت ادریس زمین پر تیسرے صاحب شریعت نبی رسول تھے نوح علیہ السلام سے ایک ہزار سال پہلے نوح علیہ السلام کے پڑدادا وفاتِ آدم علیہ السلام کے وقت آپ کی عمر سو سال تھی مگر ابھی مبعوث نہ ہوئے تھے۔ اُس وقت آپ شریعت آدم کے مبلغ عالم اور مدرس تھے دو سو سال کی عمر میں قوم عمالقہ کی طرف مبعوث ہوئے اور ڈھائی سو سال تبلیغ نبوت فرمائی۔ آپ کی زمینی عمر چار سو پچاس ہوئی آپ کا علاقہ رسالت بابل اور مصر ہے۔ آپ کو زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا آپ کی رہائش اب تک جنت میں ہے لفظ ادریس آپ کا لقب ہے آپ کا نام اخنوخ چونکہ اَلقاب میں کوئی صفت ہوتی ہے اس لیے قرآنِ مجید میں صاحبِ لقب انبیا کے اَلقاب ہی مذکور ہوئے آسمان پر جانے کا تفصیلی واقعہ سورۃ مریم آیت ۵۶ ، ۵۷ سولھویں پارے کی تفسیر نعیمی میں گزرا۔ آپ کا نسب نامہ اس طرح ہے ۱ ادریس ابن یارد ابن مہلائیل ابن قینان ابن انوش ابن شیث ابن آدم علیہم السلام ۲ ادریس علیہ السلام نے زمین پر اکیس علم پھیلائے اور درس دیے اسی لیے آپ کا لقب ادریس ہوا۔ یعنی بہت درس و تدریس فرمانے والے رسول ۱ علمِ قلم یعنی کتابت ۲ علم رمل ۳ علم کیمیا ۴ علم ریمیا ۵ علم سیمیا ۶ علم نجوم ۷ علم خیاطی یعنی سلائی ۸ علمِ قرأت (پڑھنے کا علم) ۹ علمِ تدریس یعنی پڑھانے کا علم ۱۰ علمِ تعبیرات ۱۱ علمِ حروفِ ابجد ۱۲ علم ہندسہ ۱۳ علم جغرافیہ ۱۴ علم توقیت ۱۵ خطوط ۱۶ علم حساب ۱۷ علم حکمت ۱۸ علم سیاست یعنی نظامِ حکومت ۱۹ علم سپاہ گری لشکر سازی ۲۰ علم شریعت ۲۱ علمِ منطق یعنی طرزِ تکلم کا علم اتنی محنت اتنے احسانات کے باوجود ہر کافر قوم نے ہمیشہ آپ کو اذیتیں ہی دیں جب قوم کفار کی اذیتیں آپ پر اور آپ کے اہل ایمان اُمتیوں پر حد سے بڑھ گئیں تب آپ کو مع مومنین بابل سے ہجرت کا حکم ربانی ملا آپ نے یہ حکم متبعین کو سنایا تو وہ عرض کرنے لگے کہ بابل جیسی سرسبز و شاداب علاقہ زمین چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا آپ نے فرمایا کہ جہاں ایمان کی شادابی اور آزادی نہیں وہاں رہنے کا کیا مزہ اور پھر جس رب تعالیٰ نے ہجرت کا حکم دیا ہے وہ شاید اس سے بھی اچھا علاقہ

marfat.com

تم کو عطا فرمائے اُس کی رحمت وسیع ہے یہ وعظ ونصیحت اورحکم سن کر سب لوگ ہجرت کے لیے تیار ہو گئے آپ ان کو لے کر مصر چلے آئے یہ علاقہ واقعی بابل سے بھی زیادہ سرسبز تھا اس لیے آپ نے مصر کا نام بابلیون رکھا۔ اسرائیلیات میں مصر کو اب بھی بابلیون ہی لکھا جاتا ہے۔ علاقہ مصر کا نام نوح علیہ السّلام کے پوتے مصر بن حام کے نام پر ہے۔ یاد رہے کہ دنیا میں جتنے بھی قدیم علاقہ ہیں وہ یا تو آدم علیہ السّلام کے بیٹوں پوتوں نے آباد کئے یا نوح علیہ السلام کے بیٹوں پوتوں نے اور جس شخص نے جس علاقہ کی بنیاد رکھی اُس علاقہ کا نام اسی شخص کے نام پر رکھا جاتا رہا۔ مثلاً۔ ہند، سندہ۔ یمن۔ مصر۔ ملتان، بلوچستان وغیرہ۔ آج کل ہند تین ملکوں میں تقسیم ہے۔ انڈیا۔ پاکستان، بنگلہ دیش۔ لفظ انڈیا، ہند کا سے بگڑا لفظ ہے آپ نے مصر میں بھی درس وتدریس تعلیم وتبلیغ کا وہی سلسلہ جاری فرمایا۔ صرف آپ ہی وہ نبی ہیں جو یکے بعد دیگرے دو قوموں کی طرف مبعوث فرمائے گئے یعنی قوم عمالقہ بابل میں اور دوسری قوم قبطی مصر میں۔ بابل اور مصر میں اُس وقت تقریباً بہتر زبانیں بولی جاتی تھیں آپ ہر قبیلے کو اسی کی زبان میں تبلیغ وتدریس فرماتے پڑھاتے اور سکھاتے۔ اسی طرح گویا کہ آپ کو انسانی زبانوں میں سے بہتر زبانیں آتی تھیں اس کے علاوہ بھی آپ کو اور بہت سی زبانیں یقیناً آتی ہوں گی اس لیے کہ جیسا بندہ آپ کے پاس آتا آپ اسی کی زبان میں اس سے ہم کلام ہوتے آپ کی رفعتِ آسمانی مصر سے ہی ہوئی۔

حضرت ادریس علیہ السلام کا حلیہ مبارکہ وعاداتِ لطیفہ

آپ گندمی رنگ کے تھے عام قد تھا۔ گھنی داڑھی چار انگل برابر رکھتے تھے۔ سر کے بال سیدھے اور ہلکے تھے شکل بہت ہی حسین ملاحت وجاہت والی ہڈی چوڑی جسم گٹھا ہوا بھرا ہوا مضبوط بازو۔ سرمگین چمک دار آنکھیں خاموشی پسند نگاہیں ہمیشہ نیچی رکھتے اکثر سوچ وفکر میں رہتے وعظ وتکلم کے وقت صرف شہادت کی انگلی سے اشارہ فرماتے۔

حضرت ذی الکفل علیہ السّلام کا مختصر واقعہ

سلسلہ ونبوت اس طرح ہے کہ موسیٰ علیہ السّلام کے خلیفہ یوشع علیہ السّلام اور یوشع علیہ السّلام

marfat.com

کے خلیفہ حزقیل علیہ السلام اُن کے خلیفہ الیاس علیہ السلام اور اُن کے خلیفہ اُن کے چچا زاد بھائی یسع علیہ السلام اور اُن کے خلیفہ ذی الکفل علیہ السلام ہوئے۔ حضرت ذی الکفل کا زمانہ موسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو سال بعد ہوا۔ اور عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو ستانوے سال پہلے ہوا۔ آپ کی بعثت عراق کے علاقہ دریائے خابور کے کنارے بستی دیر وشلم میں ہوئی آپ قومِ بنی اسرائیل کے نبی تھے۔ یہی زمانہ بخت نصر کی ظالمانہ حکومت کا ہے۔

آپ کی خلافت کا واقعہ

مسند ابن ابی حاتم میں بروایت ابو موسیٰ اشعری اور عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم ایک منقطع روایت نقل فرمائی اسی طرح تاریخ ابن جریر میں امام مجاہد تابعی کے حوالے سے ایک قصہ اس طرح بیان فرمایا کہ حضرت یسع نبی جب بوڑھے ہوگئے تو وحیِ الٰہی آئی کہ اب وفات قریب ہے اپنا خلیفہ مقرر کر دو جو تمہارے سب کام عبادت ریاضت تبلیغ قضا تمہاری عادت اور طریقے کے مطابق ادا کرتا رہے۔ حضرت یسع وہ خصوصی نبی تھے جو اپنی امت کے نبی رسول بھی تھے بادشاہ بھی اور عدالت کے قاضی بھی۔ بلوغت سے تا وفات ہر دن میں روزہ رکھا ہر رات میں ساری رات عبادت فرماتے سو رکعت نماز پڑھتے۔ وقتِ اشراق سے دوپہر تک عدالت کے فیصلے فرماتے اس کے بعد چار گھنٹے قیلولہ فرما کر سوتے پھر اُٹھ کر باوضو عدالت میں بیٹھتے صحفِ موسیٰ و توریت کی تلاوت فرماتے پھر دوبارہ عدالت لگاتے شام تک فیصلے فرماتے پھر عدالت ختم کر کے روزہ افطار کرتے اور پھر ساری رات کی عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ جو سحر تک جاری رہتی سحری کھا کر روزہ رکھتے۔ تبلیغ رسالت عدالت کے اوقات میں ہی جاری رہتی یہ تا عمر کے معمولات تھے۔ جب آپ کو وحی کا حکم ملا تب آپ نے ایک مخصوص محفل منعقد فرمائی اور حاضرین سے فرمایا کہ میری وفات قریب ہے اس لیے میں اپنا ایک ایسا خلیفہ مقرر کرنا چاہتا ہوں جو میرے بعد میری تمام ذمہ داریاں ادا کرے میرے دن رات کے معمولات کی پابندی کرے جس میں تمام عمر دن میں روزہ

marfat.com

شب بیداری کی عبادت تاحیات دو وقت عدالت کے فیصلے اور پھر تاعمر کسی پر غصہ نہ کرنا۔ اس بھاری ذمہ داری کی پابندی کی کسی میں ہمت نہ تھی اس لیے کوئی نہ بولا صرف ایک آدمی شبیر نامی نے عرض کیا کہ میں ان سب ذمہ داریوں کو تاعمر پابندی کے ساتھ نبھانے کا وعدہ کرتا ہوں۔ آپ نے اِس جوان کی بات کو کچھ اہمیت نہ دی اور مجلس برخاست فرما دی دوسرے دن پھر ایک مجلسِ عام منعقد فرمائی جس میں کچھ نئے لوگ بھی آئے آپ نے اسی طرح گفتگو فرمائی تب بھی کوئی شخص اس مشکل ترین پابندی نبھانے کی ہمت نہ کر سکا اور کوئی نہ بولا تب پھر یہی جوان کھڑا ہوا اور کل کی طرح پابندی کا وعدہ کیا حضرت یسع پھر خاموش رہے اور مجلس ختم فرما دی اسی طرح تیسرے دن مجلس بلائی گئی تب بھی کوئی نہ بولا بجز اِس جوان کے اس نے عرض کیا یا حضرت میں ان یانوں عبادتوں کی کفالت پابندی سے قبول کرتا ہوں تو حضرت یسع نے فرمایا کہ واقعی تم ہی ذی الکفل یعنی سچی کفالت والے ہو اور آپ کو اپنا خلیفہ مقرر فرما کر اعلان کر دیا کہ میرے بعد یہی تم لوگوں کا بادشاہ اور قاضی ہوگا۔ اس شبیر یا نبیر نامی جوان کو حضرت یسع نے ذی الکفل کا لقب دیا قرآنِ مجید میں اسی لقب سے آپ کا تذکرہ دو جگہ فرمایا گیا۔ ایک یہیں سورۃ انبیاء آیت ۸۵ میں اور دوسری جگہ سورۃِ صٓ آیت ۴۸ میں یہاں آپ کے صبر کی شانِ عظمت بتائی گئی اور وہاں آپ کو اَخیار میں شامل کرنے کا ذکر فرما کر آپ کی نیکیوں اور مقامِ اعلیٰ و تذکرۂ ملائکہ آسمانی کا اشارہ فرمایا گیا۔ ذی الکفل علیہ السّلام نے حضرتِ یسع کی موجودگی میں ان کی تعلیم و تربیت سے دو ماہ تک بات و عبادت اور عدالت کی تمام ذمہ داریاں بخوبی سرانجام دیں پھر حضرتِ یسع علیہ السّلام فوت ہو گئے حضرت یسع کا مزارِ مقدس شہر بیتسطین میں ہے۔ فلسطین کے اِسی شہر میں حضرتِ زکریّا اور آپ کی زوجہ محترمہ کے مزار مقدّس ہیں اب یہ شہر فلسطین کے اُس حصّے میں ہے جس پر اسرائیل حکومت ہے۔ جس وقت آپ کو حضرت یسع کی خلافت ملی اُس وقت آپ کی عمر تیس ۳۰ سال تھی اور دس سال بعد اسی قوم میں آپ کو نبی مبعوث فرمایا گیا۔ یعنی حسبِ قانونِ الٰہی چالیس سالہ عمر میں حضرت ذی الکفل کو تبلیغِ نبوّت کی اجازت ملی آپ کی بھی شریعت علیحدہ تھی حضرت یسع اور آپ کی چند خصوصیات آپ دونوں نبی رسول بھی تھے۔ ایک ہی امت کی

طرف دونوں مبعوث ہوئے۔ ۳ یہ دونوں بادشاہ بھی تھے نبی بھی ۴ عدالت کے قاضی بھی
۵ اور یہ کہ ان دونوں کی پوری امت مومن بن گئی کوئی بھی منکر و کافر نہ تھا۔ آپ کی امت
اس وقت کے بنی اسرائیل کا ایک قبیلہ تھا۔ جب آپ کو تبلیغِ نبوت سے سرفراز فرمایا گیا
اور آپ کا نام اخیار میں شامل کیا گیا اور ملائکہ کو آپ کے تذکرے کا حکم ملا تب ایک
مرتبہ ابلیس آسمانوں پر گیا۔ دیکھا کہ ہر فرشتے کی زبان پر ذی الکفل کا نام اور آپ پر سلام
جاری ہے۔ ابلیس جو عداوتِ نبوت گستاخیِ رسالت میں بدنام زمانہ ہے حسد میں جل
بھن کر پوچھتا ہے اس ذکرِ خیر کثیر کی وجہ کیا ہے تو کسی فرشتے نے ملعون کو بتایا کہ آپ
زمین پر صائم الدہر اور قائم اللیل، کاظمین الغیظ ہیں عافین عن الناس اور دراحین علی الامت
ہیں سے ہیں ان چیزوں کا آپ نے وعدہ کر کے ایسا سچا پکا کر دکھایا کہ اس پر قائم
و دائم ہیں اس لیے آپ کو اخیار میں شامل کر دیا گیا ہے اور ہر فرشتے کو آپ کی زندگی
بھر آپ پر سلام پڑھنے اور آپ کا تذکرہ خیر کرنے کا حکم ملا ہے۔ وہ زمین پر رب تعالیٰ کے
ذاکر ہم سب بحکم ربی آسمانوں پر ان کے ذاکر۔ ابلیس یہ سن کر جلتا کڑھتا زمین پر بھاگا آیا
اور اپنے تمام شیاطین جنات کو جمع کیا اور کہا کہ ذی الکفل کی نمازوں روزوں عبادتوں میں خلل
ڈالو اس سے یہ نیکیاں چھڑاؤ اس کو ہر طرح ورغلاؤ وسوساؤ۔ سلاؤ تاکہ اس کا نام اخیار سے مٹ
جائے اس کا تعلق رب سے کٹ جائے اور اس کا تذکرہ زبانِ ملائکہ سے ہٹ جائے
چالیس دن تک یہ جنات شیاطین حضرت ذی الکفل کو ستانے ورغلانے سلانے کی
کوشش کرتے رہے مگر ذرہ بھر آپ کے کسی عمل میں خلل نہ ڈال سکے اور تھک ہار کر
بیٹھ رہے۔ تب ابلیس نے خود آپ کو غصہ دلانے کا منصوبہ بنایا اسی لیے ایک دن
آپ کے قیلولے کے وقت ایک شیخ ضعیف کی شکل میں آیا اور کہنے لگا کہ میری
قوم نے میرا حق مار لیا ہے آپ فیصلہ فرمائیں اور ابھی فرمائیں اور اتنی لمبی کہانی سنائی
کہ آپ کے سونے آرام کرنے کا سب وقت ختم ہو گیا آپ نے بڑے پیار سے اس کو
سمجھایا کہ اب تھوڑی دیر بعد میں عدالت شروع کروں گا تو اپنے تمام مدعیٰ علیہان کو لے
کر میرے پاس آنا دو طرفہ بیان سن کر فیصلہ کروں گا اور اگر آج نہ آسکو تو کل سب
لوگ عدالت کے وقت میں آنا۔ آپ نے وقت بھی بتا دیا اور فرمایا کہ اس وقت نہ آنا
یہ میرے سونے کا وقت ہے۔ جب پچھلے پہر عدالت شروع ہوئی تو آپ نے دیکھا

marfat.com

وہ بڈھا نہیں آیا دوسرے دن بھی عدالت کے وقت نہیں آیا۔ اور جب قیلولے کا وقت ہوا تو پھر آگیا اور دربان سے جھوٹ بول کر کہا کہ انہوں نے اِس وقت مجھے آنے کو کہا تھا دربان نے راستہ دیدیا۔ اندر جاکر دروازہ بجایا جب آپ کمرے سے باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہی کل والا بڈھا کھڑا ہے اور اپنی مظلومیت کا رونا رو رہا ہے آپ نے بڑی نرمی سے فرمایا کہ نہ تم کل عدالت میں آئے نہ آج کے وقت آئے اور اب آئے ہو وہ بھی اکیلے کسی مدعیٰ علیہ کو نہیں لائے حالانکہ اِس وقت آنیکو میں نے منع کیا تھا، بوڑھا بولا حضرت میرے مدعیٰ علیہ بڑے مکار ہیں جب آپ عدالت میں بیٹھتے ہیں تو کہدیتے ہیں کہ ہم تیرا حق تجھ کو دیدینگے تو ہم پر مقدمہ نہ کر لیکن عدالت کا وقت گزر جانے کے بعد منکر ہو جاتے ہیں، اور آج بھی اتنی دراز باتیں کیں کہ سونے آرام کرنے کا سب وقت ختم ہو گیا۔ آپ نے فرمایا کہ چلو عدالت میں چل کر بیٹھو اور اپنے مدعیٰ علیہ کو بھی بلا لاؤ اگر وہ نہ آئیں تو ان کا پتہ بتانا ہم بلوالیں گے۔ مگر جب آپ عدالت میں آئے تو وہ بڈھا غائب تھا آپ نے تمام وقت انتظار کیا مگر نہ آیا دوسرے دن بھی عدالت میں نہ آیا تب آپنے عدالت سے فارغ ہو کر اپنے گھر آکر دربان سے فرمایا کہ آج یہ بڑا دروازہ کسی بھی ملنے والے کے لیئے کھولنا نہیں دو دن سے بے آرام ہوں۔ تھوڑی دیر بعد وہ بوڑھا آیا تو دربان نے کہا آج کسی کو اجازت نہیں دروازہ نہیں کھلے گا۔ ابلیس بوڑھا وہاں سے ہٹ کر پچھلی طرف گیا اور ایک روشندان کے ذریعے اندر آگیا اور آپ کے کمرے کا دروازہ بجانے لگا۔ آپ کھول کر باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ وہی بوڑھا ہے آپنے مسکرا کر دیکھا مگر دل میں سوچا کہ میں نے دربان سے کہا تھا کہ بڑا دروازہ کسی کے لیئے بھی نہ کھولنا پھر اُس نے دروازہ کیوں کھولا آپ اس سے پوچھنے کے لیئے جب بڑے دروازے کی طرف گئے تو دیکھا کہ دروازہ بڑی سختی سے بدستور بند ہے پھر آپنے سوچا کہ بند دروازوں کے باوجود یہ شخص اندر کیسے آیا آپ نے اُسی سے پوچھا کہ شیخ ضعیف صاحب آپ اندر کیسے آئے۔ بوڑھا کہنے لگا کہ آپ نے مظلوموں پر دروازے بند کروا دیئے خود اندر آرام کر رہے ہو باہر مظلوم دھکے کھا رہے ہیں غرضکہ بہت گستاخانہ انداز میں بڑی غصیلی باتیں کیں اور بولا کہ میں مجبوراً اس چھوٹے سوراخ سے یعنی روشندان کے ذریعے آیا ہوں تو آپ کو پتہ لگا کہ یہ کوئی انسان نہیں بلکہ جن ہے اور جان لیا کہ ابلیس یہ ہے تب آپ مسکرا پڑے اور فرمایا ارے او دشمن خدا کیا تو ابلیس

marfat.com

سے تو اُس نے اقرار کرتے ہوئے کہا ہاں میں ابلیس ہی ہوں اور بار بار آنے کا مقصد ورغلا کر آپ کو غضب اور غصہ دلانا چاہتا تھا تاکہ آپ کی وعدہ خلافی اور عہد شکنی ثابت ہو جائے مگر آپ جیت گئے میں ہار گیا اور اس سے پہلے میرے تمام جنات شیاطین بھی آپ کو ورغلانے بہکانے میں ناکام ہو چکے ہیں اور اس بات کا اقرار کرتے ہوئے بھاگ گیا کہ واقعی نبوت کی ہر ہمت طاقت عبادت عادت خصلت بے مثل ہے پوری جناتی ابلیسی قوت مل کر بھی کسی نبی کے کام کو بگاڑ نہیں سکتی۔ حضرت ذی الکفل کی حیات طیبہ اسی سال ہوئی آپ کا مزار اقدس فلسطین کے ایک شہر دامون میں ہے یہ شہر لبستی عکہ سے جانب مشرق تین میل دور ہے اب یہ سب علاقہ اسرائیل حکومت میں ہے۔ وَذَا النُّونِ إِذ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَّن نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادَىٰ فِي الظُّلُمَاتِ أَن لَّا إِلَٰهَ إِلَّا أَنتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنتُ مِنَ الظَّالِمِينَ۔ اور اے محبوب کریم رؤف ورحیم تذکرہ فرمایئے ہمارے ایک اور بندئے مجبوب و مخلص ذوالنون یعنی مچھلی والے کا ان کی زندگی کا صرف وہ واقعہ بیان فرما دیجئے جب وہ ہمارے ہی دین کی خاطر اپنی نافرمان قوم سے سخت ناراض غضب ناک ہو کر اس علاقہ سے چلا گیا تھا۔ جلد بازی صرف یہ ہوئی کہ اپنے ہی اجتہاد سے ہجرت کر لی ہمارے حکم اور اجازت کے بغیر اور ذہن و عقل میں یہی خیال بنا یا کہ یہ ہجرت درست ہے ہم اس کے اس اقدام پر ناراضگی اور گرفت نہ فرمائیں گے۔ لیکن جب ان کے ذہنی خیال و گمان کے خلاف ان پر تنگی ڈالی اور پھر گرفت کی تب پچھتائے گھبرائے اور ہماری بارگاہ میں روئے گڑگڑائے۔ اور اُن کثیر گہری اندھیریوں میں ہم کو ہی پکارا اور دعاؤ فریاد کی ندا کی کہ اے میرے قادر وقیوم رب بے شک اس تمام کائنات عالمین میں سوائے تیری ذات وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ کے کہیں بھی کوئی معبود اور عبادت کے لائق نہیں۔ تو ہی اِلٰہ ہے۔ تجھ سے بھاگ کر کوئی کہاں جا سکتا ہے۔ تو ہر عیب و نقص سے پاک ہے۔ بے شک میں بغیر تیری اجازت ہجرت کر کے اپنے آپ پر ظلم ہی کرنے والا تھا۔ اور بے موقعہ اپنے علاقہ سے نکل کر اپنی امت دعوت کو چھوڑ کر اپنا ہی نقصان کرنے والا تھا اپنے بندے کی فریاد تسبیح والی دعا تہلیل والی اِلتجا حمد والا کلام ہمیں اتنا پیارا لگا کہ فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ ۚ وَكَذَٰلِكَ نُنجِي الْمُؤْمِنِينَ۔ فوراً اپنے کرم و رحم سے ہم نے ان کی اس

marfat.com

فریاد والتجا کو قبول فرمایا اور مکمل طور پر ہر غم فکر سے اُن کو نجات بخشی۔ اور اُنہی کے اِن کلماتِ فریاد والفاظِ دعا کے طفیل ہم آئندہ بھی تا قیامت ہر مظلوم، مجبور، مقہور ایمان والوں کو نجات دیتے رہیں گے بشرطیکہ اِسی طرح عجز و انکسار ادب و احترام سے ہماری حمد و ثنا تسبیح و تہلیل کا سہارا پکڑ کر ہماری بارگاہ میں اپنی مظلومیت کا دامن پھیلا کر دعائیں مانگیں۔

حضرت یونس علیہ السّلام کا نام لقب، نسب، حُلیہ، زمانہ۔ علاقۂ بعثت امت کی تعداد اور مچھلی کا واقعہ

آپ کا نام مبارک یونس تھا آپ کا ایک لقب ذُوالنون اور دوسرا لقب صاحبُ الحوت تھا۔ نون مچھلی کا جنسی نام ہے ہر چھوٹی بڑی کو کہہ دیتے ہیں اِس کی جمع نینان اور انوان ہے حوت صرف بڑی مچھلی کو کہتے ہیں۔ لہٰذا صاحبُ الحوت کا معنی ہوا مچھلی کے اندر ساتھ رہنے والا آپ کا والد کا نام متی ہے بائبل میں آپ کو یوناہ بن اُمتی لکھا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام بدورہ تھا۔ (از تفسیر روحُ البیان اور بخاری شریف کتاب الانبیاء) آپ کا شجرہ نسب ہمیں معلوم نہ ہو سکا صرف اتنا لکھا ہے کہ آپ حضرت بنیامین کی اولاد سے ہوتے ہوئے ہود علیہ السّلام سے جا ملتے ہیں آپ خود بنی اسرائیل میں سے تھے مگر آپ کی امت قوم نینوی تھی۔ آپ بہت وجیہ خوب صورت لمبے چوڑے اور پہلوانی گٹھیلے جسم والے تھے۔ بعض نے فرمایا کہ پہلوانی اور گتکہ، بنوٹ کا فن آپ کی ایجاد ہے۔ بنوٹ کے فن کا ذکر قرآنِ مجید میں بھی آیا ہے۔ اس میں ہاتھ یا لکڑی ڈنڈے سے جوڑوں پر مارا جاتا ہے جس سے دشمن معذور ہو جاتا ہے یہ تینوں فن یونس علیہ السّلام کی ایجاد ہیں آپ اتنے طاقتور تھے کہ دس آدمیوں کو اپنے ہاتھوں اور کندھوں پر اٹھا لیتے تھے آپ کا جسمانی رنگ بہت سفید اور شفاف تھا بال سخت کنڈل اور گھنگریالے داڑھی مقدس گھنی اور چار انگل برابر رکھتے تھے سینے اور پنڈلیوں پر کثرت سے بال تھے۔ آپ کو غصہ بہت جلد آتا تھا اپنی قوم سے تین دفعہ ناراض ہو کر نکلے اس بار بار ناراض ہو کر نکلنے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے قرآنِ مجید میں مُغَاضِبًا فرمایا گیا باب مُفَاعلۃ سے کیونکہ جب مفاعلۃ اپنے اصلی معنی دو طرفہ فعل میں نہ ہو سکے تو یک طرفہ بار بار فعل مراد ہوتا ہے۔ جیسے سَافَرْتُ یعنی میں نے بار بار سفر کیا اور جیسے عَاقَبْتُ اللِّصَّ میں نے ناکام نامراد بھاگتے ہوئے چور کا ہر طرف

marfat.com

سے بار بار پیچھا کیا تعاقب کیا۔ آپ کا وطن ولادت و رہائش موصل تھا۔ موصل عراق کا ایک شہر ہے آپ کی بعثت کا زمانہ آٹھ سو سال قبل مسیح ہے یہی زمانہ حضرت حزقیل علیہ السلام کا ہے۔ چالیس سال کی عمر میں آپ کی نئی شریعت کے ساتھ نینوا قوم کی طرف بستی نینوی میں مبعوث فرما کر بھیجا گیا۔ آپ نے اس قوم میں چالیس سال تبلیغ فرمائی یہ بستی دریائے دجلہ کے کنارے موصل اور بابل کے درمیان فلسطین کی سرحد پر واقع تھی۔ مگر وفات یونس علیہ السلام کے سو سال بعد جب بعد والی تمام نسل کفر و ظلم میں مبتلا ہو گئی تو اس بستی پر عذاب آسمانی آیا اور یہ بستی تباہ کر دی گئی۔ اب اس کا نشان بھی نہیں ہے۔ اس وقت اس علاقے کا بادشاہ پرتھوی ہر اقل نامی ایک کافر شخص تھا۔ پوری قوم زحل ستارے کی پجاری تھی اور اخلاقی عیب یہ تھا کہ قرضے لیتے مگر واپس نہ لوٹاتے۔ اٹھائی گیر بھی تھے غریب قرضدار ٹال مٹول کرتے رہتے۔ اُمرا اور طاقتور لوگ اپنے قرض خواہ کو قتل کر دیتے یا کرا دیتے چالیس سال تک کسی ایک شخص نے بھی آپ کی کوئی بات نہ مانی ایک دفعہ وہاں کے بادشاہ نے قانون بنایا کہ کوئی شخص کسی کو قرضہ نہ دے اس قانون سے غریبوں کو بہت مصیبت پڑی تب آپ نے بادشاہ کو سمجھایا کہ یہ قانون نہ بنا بلکہ واپس کرنے کا قانون بنا اور واپس نہ کرنے کی سخت سزا مقرر کر دے۔ مگر ضدی بادشاہ نہ مانا۔ تو پہلی بار آپ ناراض ہو کر بستی سے چلے گئے مگر تیسرے دن واپس آ گئے اور تبلیغ شروع فرما دی پھر ایک دفعہ آپ نے بادشاہ سے فرمایا اگر تو مجھ پر ایمان لے آئے اور شرک کفر چھوڑ دے تو تیری حکومت کو مضبوطی اور درازی نصیب ہو گی مگر اس نے آپ کی بات نہ مانی بلکہ آپ کا مذاق اڑایا اور درباریوں کو آپ کے ستانے پر لگایا تب دوسری بار آپ بستی سے چلے گئے۔ اگرچہ آپ پر ایمان کوئی نہ لایا مگر آپ کی سچائی اور غریب پروری سے متاثر ہو کر قوم آپ کا احترام کرتی تھی جب کبھی آپ ناراض ہو کر بستی سے نکل جاتے تو سب لوگ آپ کو ڈھونڈتے پھرتے تھے دوسری بار بھی آپ دوسرے دن واپس آ گئے۔ جب چالیس سال تک آپ کی تبلیغ اور مشفقانہ انداز میں سمجھانے کے باوجود کوئی مومن نہ بنا تو آپ ان سے سخت ناراض اور مایوس ہو گئے اور ان کے گستاخانہ فاسقانہ ظالمانہ بدمعاشانہ مرکشانہ شرکیہ کفریہ باتوں سے سخت غمگین بھی ہوئے تو آپ نے بارگاہِ الٰہی میں عرض کی یا مولیٰ تیری شانِ اقدس میں ان کی گستاخیاں بے باکیاں مجھ سے برداشت نہیں ہوتیں نہ مجھ

کو ان کے ایمان کی کوئی امید رہی۔ ان پر عذابِ ذلت بھیج دے یعنی ہلاک نہ ہوں مگر دربدر ذلیل ہوتے پھریں۔ یہ بددعا قبول ہوئی اور وحیِ الٰہی آئی کہ تین دن بعد ان پر عذاب آئے گا بعض نے فرمایا کہ جبرئیل علیہ السلام نے آکر عذاب کی خبر دی تھی۔ خیال رہے کہ نینوٰی بستی ایک بڑی سلطنت تھی اردگرد کی اٹھارہ۱۸ حکومتیں اس کی باج گزار تھیں یہ اُن کا مرکزی علاقہ تھا اس لیے یہاں کے لوگ بہت امیر تھے یہی وجہ تھی کہ ایمان سے مغرور رہے یونس علیہ السلام نے عذاب کی خبر سن کر قوم کو بتادیا کہ تین دن بعد تم پر عذاب آجائے گا اور میں تم سے ناراض ہو کر جارہا ہوں۔ آپ یہ کہہ کر اُسی پہاڑی غار میں جا کر عبادتِ الٰہی میں مشغول ہوگئے جو آپ کا منتخب غار تھا۔ قوم نے اس خبرِ عذاب کی کچھ پرواہ نہ کی۔ تیسرے دن آسمان پر سیاہ بادل چھا گئے سب قوم نے مع بادشاہ یہ سمجھا کہ شاید یہ ہی عذاب ہے کیونکہ ایک دوبار یونس علیہ السلام نے بتایا تھا کہ ایک گذشتہ قوم پر سیاہ بادل کا عذاب آیا تھا اور آگ برسی تھی یہ دیکھ کر سب ڈر گئے اور حسبِ سابقہ بلکہ اس سے بھی زیادہ انہماک سے آپ کو تلاش کرنے لگی جب آپ نہ ملے تو اور بھی زیادہ خوف زدہ ہوگئے۔ اور گھر بار مال و دولت جانور آل اولاد چھوٹے بچے تک چھوڑ کر باہر ایک میدان میں نکل آئے ٹاٹ کے کپڑے لپیٹ لیے پالتو گھریلو جانوروں کو آزاد کھلا چھوڑ دیا اور ہر شخص نے توبہ معافی اور ایمان لانا شروع کر دیا بت بھی توڑ دے اور گڑ گڑا کر روتے فریاد کرتے ہوئے عرض کی یا اللہ آج ہمیں بچالے ہم شرک کفر سے سچی توبہ کرتے ہیں اور اپنے نبی کے حکم سے اللہ وحدہٗ لاشریک پر سچا ایمان لاتے ہیں یہ توبہ قبول ہوئی تھوڑی دیر کے بعد بادل ہٹ گیا یہ بادل عذاب نہ تھا مگر قوم نے اس کو عذاب سمجھا۔ عذاب اس کے بعد آنا تھا نامعلوم کس شکل میں آتا قوم خوش ہوگئی اور پھر یونس علیہ السلام کو تلاش کرنے لگی تاکہ ان کے ہاتھ پر ایمان کی بیعت کریں اور اُن کی تعلیم سے عبادتِ الٰہی کریں۔ اُدھر حضرت یونس علیہ السلام نے دیکھا کہ عذاب نہیں آیا تو آپ اس خیال سے کہ قوم میرا مزید مذاق بنائے گی رب تعالیٰ کی گستاخیاں کرے گی مجھے جھوٹا کہے گی اس شرمندگی اور لوگوں کی کفریات سننے سے بچنے کے لیے محض اپنی سوچ و فکر اور ذہنی اجتہاد سے آپ نے ارادہ کر لیا کہ میں کفار اور مغرور لوگوں میں واپس کیوں جاؤں بلکہ دریائے دجلہ کے اُس پار علاقہ یافا کے شہر ترسیس کی طرف ہجرت کر جاؤں۔ چنانچہ آپ دریا پر پہنچے وہاں کشتی تیار کھڑی تھی آپ بھی کرایہ

marfat.com

دے کر اس میں سوار ہو گئے۔ جب کشتی بیچ دریا میں پہنچی تو ٹھہر گئی بہت کوشش کی گئی مگر نہ چلی تب ملاح نے کہا کہ ہم بزرگوں سے سنتے چلے آئے ہیں کہ جب کوئی بھاگا ہوا غلام کشتی میں بیٹھا ہو تب ایسا ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں یا غلام کو دریا میں پھینک دیا جائے یا پھر کشتی ڈوب جائے گی اب سارے لوگوں کے ڈوبنے ہلاک ہونے سے بہتر ہے کہ ایک اسی بھگوڑے غلام کو دریا میں پھینک دیا جائے وہ ڈوبے یا تیر کر بچ نکلے، حضرت یونس نے فرمایا کہ میں ہی وہ بھگوڑا غلام ہوں لیکن آپ کی وجاہت شرافت دیکھ کر کسی نے آپ کی اس انکساری و عاجزی کو تسلیم نہ کیا تب قرعہ ڈالا گیا اور تین مرتبہ آپ کا ہی نام نکلا۔ لوگوں نے پھر بھی ہچکچاہٹ محسوس کی۔ مگر آپ نے خود دریا میں چھلانگ لگا دی، کشتی فوراً چل پڑی اُدھر ایک بڑی مچھلی منہ کھولے کھڑی تھی اُس نے آپ کو نگل لیا اور بہت نیچے دریا میں چلی گئی بلکہ دریا سے ہوتی ہوئی سمندر کی گہرائیوں میں چلی گئی۔ رب تعالیٰ نے مچھلی سے فرمایا اے مچھلی یہ تیری خوراک نہیں صرف قید خانہ ہے۔ بلکہ ان کے وجودِ مسعود سے تجھ کو بھی مزیّن بنانا ہے، سمندر کی گہرائیوں میں آپ نے کچھ آوازیں سنیں عرض کی مولا یہ آوازیں کیسی ہیں جواب آیا یہ سمندری جانوروں کی تسبیح کی آوازیں ہیں۔ جب اردگرد دیکھا تو ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا آپ نے گھبرا کر عرض کیا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ۔ اس ورد سے مچھلی کے پیٹ میں روشنی پیدا ہو گئی اس سے پہلے تین اندھیرے تھے ۱ رات کا اندھیرا ۲ سمندر کا اندھیرا ۳ مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا۔ فِى الظُّلُمٰتِ میں اسی کی طرف اشارہ ہے آپ مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے اور اتنا عرصہ یہ ورد کرتے رہے اور سجدے میں پڑے رہے گویا کہ آپ نے مچھلی کے پیٹ کو مسجد بنا دیا۔ اسی لیے روایتوں میں آتا ہے کہ حضرت یونس نے وہاں مسجد بنائی جہاں کوئی نہیں بنا سکتا۔ اس مسجد کے طفیل رب کریم نے اس مچھلی کے پیٹ کو عرشِ اعظم کی مثل افضل بنا دیا ایک بار فرشتوں نے رب تعالیٰ سے عرض کیا یا مولیٰ یہ عجیب سی نحیف سی آوازِ حمد و تسبیح کس بندے کی آ رہی ہے، جواب آیا ہمارے نبی یونس کی مچھلی کے پیٹ سے یہ ان کی معراج ہے جو ایک عتاب کی شکل میں دی گئی ہے۔ ملائکہ نے سفارش عرض کی یا اللہ ان کو مچھلی کے پیٹ سے آزاد کر دیا جائے رب نے یہ سفارش قبول فرمائی اور مچھلی نے وہیں آکر کنارے پر آپ کو اُگل دیا جہاں سے آپ نے کشتی لی تھی جب آپ زمین پر آئے تو بالکل نوزائیدہ بچے کی طرح نازک کمزور لتھڑے ہوئے جسم پر کوئی بال نہ تھا

marfat.com

کھال نرم ہو چکی تھی۔ قدرتِ الٰہی سے آپ کے پاس فوراً ایک کدو کی بیل اُگ گئی موٹی شاخوں والی بڑے پتوں والی اُس نے اُن پر چھتری یا جھونپڑی کی طرح سایہ کر دیا۔ ایک مشک نافہ والی خوشبودار ہرنی کو حکم ہوا وہ صبح شام آپ کو دودھ پلا جاتی یا دل کو حکم تھا اتنی جگہ نہ بڑے روایتوں میں آتا ہے کہ جس دن مچھلی نے نگلا وہ دس محرم بروز جمعہ تھا مگر ایک یہ روایت ہے کہ جس دن زمین پر اُگلا وہ دس محرم بروز جمعہ تھا یہی صحیح ہے، مچھلی کے پیٹ میں قیام کی مدت میں تین قول ۱۔ چالیس دن رہے یہی درست ہے ۲۔ سات دن ۳۔ تین دن۔ یہ سب واقعات احادیث میں مذکور ہیں اور چالیس دن قیام کا ذکر ہے کدو کی بیل کے نیچے اور ہرنی کے دودھ پلانے کی مدت بھی چالیس ہی دن رہی۔ جس کمزور حالت میں آپ باہر آئے وہ سات یا تین دن میں نہیں ہو سکتی اس لیے عقلاً بھی چالیس کا قول درست ہے جب آپ ہر طرح مکمل طاقتور ہو گئے تو آپ کو حکم ملا کہ اپنی قوم میں واپس جاؤ۔ آپ بستیٔ نینوای میں واپس تشریف لائے قوم آپ کو دیکھ کر خوش اور آپ قوم کی بدلی ہوئی ایمانی حالت دیکھ کر خوش ہو گئے۔ سب نے آپ کی بیعتِ ایمان کی پھر چالیس سال تک آپ نے نہایت اطمینان سے تمام قوم بادشاہ اُمراء وزرا کو شریعت و عبادت کی تعلیم عطا فرمائی اور سب کو عامل نیک متقی عُلما فضلا بنایا جب سب لوگ ہر طرح صاحب ایمان اور قابل علم و عمل ہو گئے، تب رب سے اجازت لے کر بستی الخلیل میں مزار ابراہیم پر مجاور بن کر خلوت نشین ہو گئے۔ یہیں پر دس سال بعد آپ کا وصال ہوا اور قریبی بستی حلحول میں آپ کا مزارِ مقدس ہے اب اس بستی کا نام حلحول ہے۔ بستی سے باہر مقام اُجمہ میں آپ کے والد حضرت متّٰی کا مزار ہے اور اس بستی سے دس میل دور بستی اکفرگنا میں آپ کی والدہ حضرت بَدُوہ کا مزار ہے اب یہ سب شہر اسرائیلی حکومت میں ہیں۔ اس وقت اسرائیلی یہودیوں کی غاصبانہ ظالمانہ حکومت فلسطین کے پینتالیس شہروں پر قائم ہے۔ عربوں کی بزدلانہ فرقے بازانہ حرکتوں کی وجہ سے۔ بعض لوگوں نے لکھا کہ آپ کا مزار نینوای شہر میں ہی تھا آپ نینوای بستی سے پھر آخر دم تک نہ گئے وہیں وصال ہوا وہیں مزار بنایا گیا۔ مگر یہ غلط ہے اس لیے کہ آپ کے وہاں سے چلے جانے کے بعد اسی مومن بادشاہ کی حکومت ستر سال رہی وہ قوم تو اپنے ایمان پر قائم رہی مگر نئی نسل میں کفر شرک پھر شروع ہو گیا۔ ایک نبی وہاں تشریف لائے مگر ان کا کہنا کسی نے نہ مانا یہاں تک کہ جب اُس

marfat.com

مومن بادشاہ پرتھوی ہراقل کا انتقال ہوا تو اُس وقت پرانے مومنین میں صرف بارہ بوڑھے آدمی زندہ موجود تھے باقی سب نئی نسل تھی اور صرف چند نوجوانوں کے تمام کافر تھے۔ اس کے بعد وہاں قتلِ عام کا عذاب آیا اور فاتح بادشاہ نے پورا شہر مکمل تباہ کر دیا جلا دیا۔ اب دنیا میں نینویٰ نام کی کوئی بستی نہیں ہے۔ اگر مزارِ یونس یہیں ہوتا تو اُس بستی پر عذابِ تباہی و قتال کبھی نہ آتا اور نیست و نابود نہ کیا جاتا۔ اس لیے کہ جہاں نبی کا وجود ہو وہ بستی علاقہ تو تا قیامت بَارَکْنَا حَوْلَہٗ ہو جاتا ہے۔

یونس علیہ السّلام کی چند خصوصیات

۱۔ آپ ایک ہی قوم میں دو دفعہ مبعوث ہوئے ۲۔ پہلی بعثت میں ایک بھی مومن نہ بنا دوسری بعثت میں سب مومن بن گئے کوئی کافر مشرک بلکہ فاسق بھی نہ رہا ۳۔ صرف آپ کی امت کی تعداد اور توصیف قرآن مجید میں بیان فرمائی گئی اَوْ یَزِیْدُوْنَ کی وضاحت میں ترمذی شریف کی ایک روایت نے بیس ہزار کا ذکر فرمایا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ ایک لاکھ یا کچھ زیادہ لوگ آپ کی اُمت تو م نینویٰ تھے۔ زیادہ کی وضاحت میں چار قول ہیں ۱۔ بیس ہزار ۲۔ دس ہزار ۳۔ چالیس ہزار ۴۔ ستر ہزار مگر پہلا قول اس لیے صحیح ہے کہ حدیث پاک نے فرمایا۔ یونس علیہ السّلام کی کُل عمر ایک سو تیس سال ہوئی۔ اس طرح کہ چالیس سالہ عمر میں پہلی بعثت پھر چالیس سال تبلیغ مگر کوئی مومن نہ بنا پھر مچھلی کا واقعہ پھر دوسری بعثت میں چالیس سال میں تعلیم، تربیت اور تدریس پھر دس سال خلوت نشینی یعنی ۴۰+۴۰+۴۰ پھر دس سال کل ۱۳۰) ۴۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر چھ سورتوں میں ہوا بحساب ترتیب تلاوت پہلی سورۃ نساء آیت ۱۶۳ پ ۶ یہاں گیارہ انبیاء کے اسماء میں آپ کا نام بھی شامل وحیِ الٰہی یعنی شریعت عطا فرمانے کا ذکر دوم سورۃ انعام آیت ۸۶ پارہ ۷ یہاں اٹھارہ انبیاء کے اسماءِ پاک کے ساتھ آپ کا نام شامل اور اُن سب کی فضیلت عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کا ذکر سوم۔ سورۂ یونس آیت ۹۸ پارہ ۱۱ یہاں قوم یونس کے ایمان لانے اور عذاب سے بچ جانے کا ذکر ہے دیگر کافر قوموں کو بھی قوم یونس کے اس اچھے کردار کی پیروی کرنے کی ترغیب دی جارہی ہے۔ چہارم سورۃ انبیا آیت ۸۷ پارہ ۱۷ یہی مقام یہاں آپ کا لقب ذَاالنُّوْنِ ارشاد ہوا۔ پنجم سورۂ صافات پ ۲۳ آیت ۱۳۹ تا ۱۴۸ یہاں پانچ

marfat.com

فضیلتیں بیان ہوئیں ۱ وَاِنَّ یُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۲ تبلیغ اُمت ۳ قوم کا عذاب سے بچ جانا ۴ مچھلی کا مختصر واقعہ ۵ اُمت کی تعداد۔ مِائَةِ اَلْفٍ اَوْ یَزِیْدُوْنَ ششم، سورۃ قلم آیت ۴۸ تا ۵۰ پ ۲۹، یہاں تین چیزیں ذکر ہوئیں ۱ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ۔ آپ کا دوسرا صاحب لقب صَاحِبُ الْحُوْتِ۔ ارشاد ہوا۔ اور آپ کی اجتہادی بے صبری جلد بازی کے فیصلے کا ذکر ہوا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصیحت کہ آپ کبھی اس طرح نہ ہونا۔ ۲ آپ پر رب کی نعمت کا ذکر ۳ اگر آپ ذکر الٰہی کر کے دعا نہ مانگتے تو نہ ہمارا انعام ہوتا نہ تمہارا مچھلی سے تاقیامت چھٹکارا۔ یعنی آپ بھی تاقیامت زندہ رہتے بغیر کھائے پیئے اور مچھلی بھی۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

وَاِسْمٰعِیْلَ میں دو قول ایک یہ کہ یہ واؤ عاطفہ ہے وَنُوْحًا پر۔ یعنی وَاذْكُرْ۔ دوم یہ کہ یہ واؤ سر جملہ ہے اور الگ عبارت ہے یہ بتانے کے لیے کہ یہ صابرین وصالحین میں سے تھے ان کو بھی رحمت خاص میں داخل کیا تھا۔ مگر یہ قول کمزور ہے اس لیے کہ ان کا قصہ بتا رہا ہے کہ سابقہ پر عطف ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے ذُوالْكِفْلِ میں نو قول ہیں۔ ایک یہ کہ آپ ایوب علیہ السلام کے بیٹے ہیں مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ ایوب علیہ السلام کے صرف چار بیٹوں کے نام تاریخ میں مشہور ہیں ۱ بڑا بیٹا حرمل ۲ عیش ان دونوں کے مزار فلسطین کی بستی بردوہ میں ہے ۳ روبین ۴ شمعون ان دونوں کے مزار فلسطین کے ایک شہر کالول میں ہے یہ دونوں شہر اب اسرائیل حکومت میں ہیں دوم یہ کہ یہ زکریا نبی علیہ السلام کا ہی لقب ہے ۳ یہ الیاس نبی کا لقب ہے۔ چہارم قول یہ کہ یہ یوشع بن نون نبی کا لقب ہے پنجم یہ کہ یہ یسع نبی کا لقب ہے، ششم، یہودی کہتے ہیں کہ حزقیل نبی کا لقب ہے، ساتواں قول یہ کہ اکثریت کے نزدیک آپ کا نام بشیر تھا آپ مستقل صاحب شریعت رسول تھے آپ کی نبوت پر چھ دلائل ہیں پہلی دلیل، قرآن مجید میں دوبار آپ کا لقب سے کر آپ کی فضیلت بیان فرمائی یہ خصوصیت صرف انبیاء کی ہے دلیل دوم قرآن مجید میں فرمایا گیا اے محبوب آپ ذی الکفل کا تذکرہ فرمایئے یہ خصوصیت بھی صرف انبیاء کو ملی دلیل سوم۔ انبیاء علیہم السلام کے ساتھ آپ کا ذکر کیا جانا کسی غیر نبی کی یہ شان

marfat.com

نہیں ہو سکتی نہ ایسی ہم شکلی قرآن سے کسی غیر نبی کے لیے ثابت دلیل چہارم۔ انبیا کے ساتھ ذکر فرما کر
ارشاد ہوا کُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِیْنَ یہ بھی آپ کی نبوت کو ثابت کر رہا ہے۔ غیر نبی انبیا کی مثل صابر نہیں ہو سکتا
دلیل پنجم سورۃ انبیا میں آپ کا ذکر ہونا۔ دلیل ششم دوسری سورۃ ۳۸ صٓ کی آیت ۴۸ انبیا کے
ساتھ ذکر فرما کر کُلٌّ مِّنَ الْاَخْیَارِ فرمانا یہ چھ دلائل ثابت کر رہے ہیں کہ آپ صاحبِ شریعت نبی رسول
تھے۔ قولِ ہشتم۔ بعض نے فرمایا کہ ذی الکفل نبی نہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ایک نیک مرد کا لقب تھا
جو کسی نبی کے خلیفہ بنے تھے۔ ان کی دلیل صرف یہ ہے کہ ان کی نبوت کا صراحتاً ذکر نہ قرآن میں ہے نہ
حدیث میں۔ مگر یہ قول اور استدلال کمزور ہے۔ نبوت پر مندرجہ بالا چھ دلائل اقتضاء النص ہونے
کے اعتبار سے مضبوط ہیں لہٰذا صحیح یہی ہے کہ آپ نبی تھے نیز آپ کی قوت وعدہ وفائی بھی نبوت
پر ایک ثبوت ہے۔ غیر نبی میں اتنا حوصلہ نہیں ہو سکتا۔ قول نہم زمانۂ ماضی قریب کے ایک آزاد
خیال اردو مفسر لکھتے ہیں کہ لفظ ذی الکفل معرب ہے ذی الکپل سے اور کپل کا معنیٰ ہے ملک
اور تاج و تخت اور ذی کپل کا معنیٰ ہوا حکومت تاج و تخت والا عربی میں اس کو ذی الکفل
کہا گیا۔ ذی الکپل گوتم بدھ کا شاہی نام تھا لہٰذا قرآن نے یہ گوتم بدھ کا ذکر کیا ہے اور یہ کہ
گوتم بدھ ایک نبی تھا۔ معاذ اللہ توبہ نعوذ باللہ۔ پوچھو اس جاہل و احمق مفسر سے کہ
کپل تو شاید کسی زبان کا لفظ ہو مگر اس کے ساتھ عربی کا ذی کیوں آگیا اسی زبان کا لفظ
کیوں نہ آیا۔ اور یہ کہ گوتم بدھ کا یہ نام کب کیوں اور کس نے رکھا۔ ان کی کتابوں میں تو اس
کا یہ نام اور لقب نہیں ملتا۔ اس کا اصلی پیدائشی نام سدھارتھ تھا۔ اس کا لقب گوتم
بدھ ساکھیا تھا، سنسکرتی زبان کا لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے نرم دل۔ نیز ہر نبی نے
اپنی تبلیغ میں توحید کے ساتھ نبوت پر بھی ایمان لانے کا حکم دیا ہے مگر گوتم بدھ کی تعلیم و
تبلیغ میں اولاً تو توحید کا ہی ذکر نہیں ملتا اس کا مذہب ترکِ دنیا تعلیم کسی جانور کو مت
مارو قربانی ظلم ہے خون نہ بہاؤ۔ اس کی تبلیغ میں کسی نبی رسول پر ایمان لانے کا ذکر تک
نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے دین میں نبوت کا منکر بھی اسی طرح کافر ہے جس طرح توحید کا منکر
یہی گمراہ مصنف زرتشت آتش پرست کو بھی نبی کہتا ہے (معاذ اللہ) نیز گوتم بدھ
نے جب ترکِ دنیا کی تو وہ کسی ملک کا بادشاہ اور تاج و تخت والا نہ تھا۔ نیز قرآن کریم
میں دنیوی شان و شوکت والے القابات کا ذکر نہیں فرمایا جاتا۔ ان اندھے مفسروں
کے پاس اندھے کی لاٹھی ہے جدھر چاہی گھما دی۔ اور مقصد ان خرافات کا یہ ہوتا ہے کہ

marfat.com

ہر قوم کو خوش کر کے اس سے چندے نذرانے کھاؤ۔ ان حبیبوں کے لیے ہی ارشاد قرآن ہے وَیَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰہِ ثَمَنًا قَلِیْلًا۔ اور یَاْکُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِھِمْ نَارًا۔ ذَاالنُّوْنِ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ مچھلی میں جلنے کا واقعہ بعثت سے پہلے ہے وہ کہتے ہیں کہ آپ کو کسی اور نبی کا مبلغ بنا کر قوم نینوی میں بھیجا گیا مگر آپ وہاں کے بادشاہ سے کسی بات پر ناراض ہو کر جبرئیل علیہ السلام کے کسی بات کا حکم دینے اور اس پر جلدی مچانے سے ناراض ہو کر تبلیغ کرنے نہ گئے بلکہ بارادۂ ہجرت دریا کی طرف چلے تب مچھلی کا واقعہ ہوا۔ ان کی دو دلیلیں پہلی یہ کہ سورۂ قلم میں مچھلی کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔ فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَ تعقیبیہ سے ثابت ہوا کہ بعثت اور نبوت کا اجتبا یعنی چناؤ بعد میں ہوا، دلیل دوم یہ کہ نبی معصوم ہوتے ہیں وہ گناہ کر سکتے ہی نہیں اس لیے نہ آپ مُغَاضِبًا ہو سکتے تھے نہ ظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ۔ کا گمانِ باطل کر سکتے تھے یہ دونوں غلطیاں بعثت سے پہلے ہوئیں بعثت سے پہلے نبی معصوم نہیں ہوتے۔ بعثت کے بعد ہوتے ہیں۔ مگر یہ قول غلط اور استدلال کمزور ہے۔ دوسرا قول یہ اکثر فقہا علما فرماتے ہیں کہ بعثت کے بعد مچھلی کا واقعہ ہوا۔ ان کی بھی دو دلیلیں ہیں پہلی یہ کہ سورۂ صافات کی آیت ۱۳۹ تا ۱۴۲ میں رسالت ملنے کا ذکر پہلے بیان ہوا۔ بعد میں مچھلی کا واقعہ ہونے کا ذکر ہے۔ دلیل دوم یہ کہ مُغَاضِبًا بھی گناہ نہ تھا اور ظَنَّ بھی گناہ نہ تھا۔ معترض کو مطلب سمجھنے میں غلطی لگی نیز انبیا تو شکم مادر میں ہی معصوم ہوتے ہیں، کوئی گناہ و خطا کر سکتے ہی نہیں۔ مُغَاضِبًا میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ بادشاہ اور قوم سے ناراض ہو کر چلے گئے یہی درست ہے دوم یہ کہ بعض نے کہا کہ ایک دن جبرئیل نے یونس سے کہا کہ قوم نینوی میں دین الٰہی کی تبلیغ کرنے جاؤ آپ نے کہا میں گھوڑا تیار کر لوں جبرئیل نے کہا جلدی جاؤ یہ تبلیغی کام گھوڑے کی تیاری سے زیادہ ضروری ہے تب آپ جبرئیل سے ناراض ہو کر چلے اور بجائے نینوی جانے کے دریا کی طرف چلے گئے یہ قول بالکل غلط اور اسرائیلیات سے ہے سوم یہ کہ بعض نے کہا کہ رب سے ناراض ہو کر گئے یہ قول کفریہ ہے کسی کافر گمراہ، یا مرتد نے بنایا ہے ظَنَّ میں تین قول ایک یہ کہ جملہ خبریہ ہے اور معنی ہے کہ انہوں نے واقعی یہ گمان کیا۔ دوم یہ کہ یہ جملہ سوالیہ انشائیہ ہے یعنی کیا انہوں نے یہ گمان کر لیا تھا؟ سوم قول یہ کہ یہ جملہ تشبیہی ہے۔ اور معنی ہے کہ یونس ایسے چلے گویا انہوں نے یہ گمان کیا فِی الظُّلُمٰتِ میں دو قول۔ ایک یہ کہ تین اندھیرے

marfat.com

تھے اس لیے ظُلُمَات جمع فرمایا گیا، ایک مچھلی کے پیٹ کا اندھیرا دوسرا سمندر کی گہرائی کا تیسرا رات کا اندھیرا۔ یعنی جب آپ نے آیتِ کریمہ کا وردِ شروع کیا تو اس وقت رات تھی پھر مسلسل آپ چالیس روز دن رات یہ وظیفہ پڑھتے ہی رہے اور تقریباً سوا لاکھ بار مکمل فرمایا۔ یا وہ مچھلی ایسی جگہ تھی جہاں مسلسل رات ہی تھی۔ قولِ دوم بعض نے کہا کہ اس مچھلی کو ایک بڑی مچھلی نے نگل لیا تھا۔ تو دو اندھیرے دو مچھلیوں کے اور تیسرا اندھیرا سمندر کا مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ حدیث و قرآن میں دوسری مچھلی کا ذکر نہیں اگر ایسا ہوتا تو آپ کو ذُوالنُّوْنَیْن اور صاحِبُ الحُوْتَیْن فرمایا جاتا ہے۔ سوم یہ کہ بعض نے کہا کہ ظلمات کا جمع خود آپ کے چوطرفہ ماحول کے اعتبار سے فرمایا گیا۔ یعنی آپ کے دائیں بائیں آگے پیچھے اندھیرے تھے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے

ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اس پوری سورۃ مقدسہ اور خاص کر ان آیت سے منشاءِ باری تعالیٰ یہ ہے کہ عالمِ انسانیت کے ذہن میں یہ بات اچھی طرح بیٹھ جائے کہ گروہِ انبیا وہ شاہکارِ قدرت ہے جو تمام مخلوق میں ہر اعتبار سے بے مثل ہے دینی، دنیوی عادت، عبادت فطرت ریاضت عمل فکر صبر شکر، قوت، ہمت جرأت، غرضکہ ہر ادا میں بے مثل ہے کوئی مخلوق انبیا کی برابری نہیں کر سکتی یہ فائدہ یہاں حضرتِ ذی الکفل علیہ السلام کا صبر بتا کر حاصل ہوا جس طرح کی آزمائشیں وجودِ انبیاء پر وارد ہو جاتی ہیں دیگر انسان تو در کنار پہاڑ اور پہاڑ کی چٹانیں بھی برداشت نہ کر سکیں اور ٹوٹ پھوٹ کر بکھر جائیں۔ مگر پائے نبوت میں ذرہ بھر لغزش تک نہیں آتی۔ خیال رہے کہ شکر کی طرح صبر کی بھی بہت سی قسمیں ہیں جن کے مختلف انداز ہیں، سورۃ انبیا میں صبر کے تقریباً تمام انداز و اقسام متعدد انبیاءِ عظام علیہم السلام کے اجسامِ مقدسہ پر آزمائے جانے کا تذکرہ ہے اور سب میں نبوت کامیاب دشمن کی چال ناکام ہوتی رہی صبرِ ذی الکفل بھی اپنے ایک نرالے انداز میں ظاہر ہو کر کامیاب ہو کر تا ابد عالمِ رنگ و بو میں جگمگاتا رہے گا دوسرا فائدہ ابلیس جو خباثت غلاظت ذلالت اور انبیا کی عداوت کا سپر پاور ہے وہ اپنی پوری جناتی طاقت لگا کر بھی نبوت کے کسی عمل کو خراب نہیں کر سکتا۔ عصمت ایک وہ قلعۂ ربانی ہے جس سے ٹکرا کر ہر طاغوتی طاقت پاش پاش ہو جاتی ہے جس طرح

marfat.com

فرشتوں کی عصمت ہے اسی طرح انبیا علیہم السّلام کی عصمت ہے یہ فائدہ، اِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَاالْکِفْلِ فرمانے سے حاصل ہوا ذِی الکفل کا لقب ارشاد فرمانا اُسی صبر آزما کفالت کا اشارہ فرما رہا ہے جس کو ابلیس نہ توڑ سکا۔ تیسرا فائدہ، یونس علیہ السّلام کی مچھلی کا واقعہ ظاہراً تو عتاب معلوم ہوتا ہے مگر حقیقتاً باطناً یہ بھی تمام انبیا علیہم السّلام کی ایک عظیم قوتِ شان بیان کرتی ہے یعنی اجسامِ انبیا کو دنیا کی کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی نہ آگ پانی مٹی ہوا۔ نہ ہتھیار نہ کوئی جانور درندہ ان عجائب مخلوق ہستیوں کے لیے جانوروں مچھلیوں کا وہ پیٹ جس کا معدہ ہڈیوں کو بھی ہضم کر جائے۔ معدہ نہیں رہتا مسجد بن جاتی ہے ان کے کپڑے تک گلتے بگڑتے نہیں۔ یہ فیض ان کی ہمراہی کا ہے۔ دیکھو حضرت یونس علیہ السّلام کا ہوش وحواس یادداشت عمل وفکر تک نہ بگڑا نہ بدلا۔ ورنہ بہادر سے بہادر آدمی ہوش وحواس کھو بیٹھتا ہے بلکہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ حضرت یونس کو شکمِ ماہی میں پہنچکر سب کچھ پتہ رہا کہ میں کون ہوں کہاں ہوں، بلکہ جو ان کے دامنِ غلامی یا جسمِ اقدس سے لگ جائے وہ بھی حفاظت کے قلعے میں سدا بہار ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ وَذَاالنُّوْنِ کا لقب ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ ذَاالنُّوْنِ سے ایک یہ بات بھی سمجھ آتی ہے کہ اُس وقت آپ مچھلی والے تھے یعنی مچھلی کے مالک وارث محافظ نہ کہ مچھلی آپ کی آپ کی مالک وارث دیکھو چالیس دن تک نہ آپ نے کچھ کھایا نہ مچھلی نے آپ کا ذکرِ الٰہی کرنا دونوں کی زندگی بچا گیا لہٰذا آپ ہی مچھلی کے محافظ اور محسن ہوئے۔ نیز مچھلی کو مسجد اور اس کے پیٹ کو منوّر بنا دیا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، دعا مانگنا اگرچہ عبادتِ الٰہی ہے۔ اور ہر مسلمان پر واجب ہے مگر دعا مانگنے کے انداز مختلف ہوتے ہیں اور یہ تمام طریقے وانداز درس گاہِ نبوت کی قولی عملی تعلیم سے ہی حاصل ہوتے ہیں۔ لہٰذا کسی بھی مصیبت کے وقت بارگاہِ ربِّ کریم میں صراحتاً عرض کرنے کے بجائے صرف حمد وثنا تسبیح وتقدیس کرنا بھی دعا کا ایک مقبولِ بارگاہ انداز ہے اور اس طرح ہر مسلمان کو دعا مانگنا بھی جائز ہے کیونکہ ربّ تعالیٰ تو بندے کے قلبی ارادوں کو بھی جانتا ہے۔ یہ مسئلہ اِذْ نَادٰی۔ اور لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ (الخ) کے بعد۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔

marfat.com

فرمانے سے مستنبط ہوا۔ فَاسْتَجَبْنَا۔ کا جملہ بتا رہا ہے کہ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ میں یہ وِرد کرنا دراصل مصیبت اور غم سے نجات کی دعا تھی جس کو آیتِ کریمہ کے نورانی غلاف میں آپ نے پوشیدہ کر دیا۔ اس طرح یہ دعا عبادت الٰہی بھی بن گئی۔ دوسرا مسئلہ۔ کسی مسلمان کو ہرگز جائز نہیں کہ کسی نبی علیہ السلام کے کسی قول فعل رائے مشورے عادت پر اعتراض کرتے ہوئے اس کو غلط گناہ یا خطا و کمزوری کہے یا سمجھے۔ جو مسلمان ہو کر ذرہ بھر ایسا فاسد خیال دل میں لائے اور ظاہرا عقیدہ بنائے وہ بدبخت اسلام سے خارج اور مرتد ہو جائے گا اس لیے کہ انسان اپنی طرف سے جو بدگمانی بھی کرے گا وہ اُس کی اپنی کم علمی بے عقلی ناسمجھی کی وجہ سے ہوگی۔ اور یہی ناسمجھی کی احمقانہ سوچ بارگاہِ نبوت میں کفر ہے۔ یہ مسئلہ۔ مُغَاضِبًا۔ اور ظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ فرمانے کے بعد۔ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالیٰ نے مُغَاضِبًا اور ظَنَّ کو غلط قرار نہ دیا نہ عتاب فرمایا۔ بلکہ عزت سے دعا قبول فرمائی۔ یہ جو عام جہلا مفسر ملا معنی نکالتے پھرتے ہیں وہ جہالت اور گمراہی ہے۔ ہاں البتہ دوسری آیت سے صرف اتنا اشارہ ملتا ہے کہ جلد بازی ان کی اپنی اجتہادی سوچ تھی نہ کہ وحی سے اس سے مچھلی کے ذریعے روکا گیا۔ کیونکہ اس سے آپ کی قوم اور اُمت کو نقصان تھا۔ تیسرا مسئلہ۔ قرآن مجید میں جس نبی علیہ السلام کے جس اُسوۂ حسنہ اور کسی عمل و طریقے کا ذکر فرمایا گیا ہے اُس کا مقصد یہی ہے کہ اس پر عمل کیا جائے لہٰذا ہر مسلمان پر عمل واجب ہے۔ اس عملی پیروی سے محبت ربانی اور ہر برکتِ روحانی اور رحمتِ رحمانی حاصل ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ وَكَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ فرمانے اور اس کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا۔ جب ایک صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہر مسلمان کو یہ آیت کریمہ کا ورد مفید ہے۔ تو آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہی آیت كَذٰلِكَ نُـْۨجِي الْمُؤْمِنِيْنَ تلاوت فرما کر فرمایا۔ ہاں مفید ہے۔
(ترمذی شریف)

اعتراضات۔ یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس کی

marfat.com

کیا وجہ کہ یونس علیہ السلام نے نبی ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ کی قدرت اور قادر ہونے کا انکار کیوں کیا۔ ظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ کا معنی ہے کہ ذوالنون یعنی یونس نے گمان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان پر ہرگز قابو نہیں پا سکتا۔ حالانکہ یہ گمان تو کفر ہے اور اگرچہ ظَنَّ کا اصلی لغوی معنیٰ تو خیال گمان اور اندازہ کرنا ہے مگر اس کا ایک اصطلاحی معنیٰ یقین کرنا بھی ہے۔ جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت ۴۶ میں ہے۔ اِلَّا عَلَى الْخَاشِعِيْنَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ۔ یعنی خاشعین مومن یقین کرتے ہیں کہ وہ بے شک اللہ سے ملنے والے ہیں تو اگر یہاں بھی ظَنَّ کا معنیٰ یقین کرنا کیا جائے تو یہ اشد کفر ہوگا۔ غرضکہ ہر طرح کفر ہی ہے مگر رب تعالیٰ نے بھی اس کو کفر نہ فرمایا نہ گرفت فرمائی۔ اس کی کیا وجہ؟۔ جواب یہ وجہ ہے کہ ظَنَّ کا معنیٰ تو جو چاہے کر لیا جائے مگر لَنْ نَّقْدِرَ کا معنیٰ وہ نہیں ہے جو معترض نے سمجھا۔ لَنْ نَّقْدِرَ بنا ہے قَدْرٌ سے اور قَدْرٌ کا معنیٰ ہے تنگی ڈالنا گرفت کرنا اسی معنیٰ میں یہ قرآن مجید کی دو جگہ آیا ہے۔ ۱ سورۃ رعد آیت ۲۶ اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ۔ یہاں بھی يَقْدِرُ کا معنی ہے رزق تنگ کرتا ہے ۲ سورۃ فجر آیت ۱۶ وَمَنْ قُدِرَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ۔ اور جس پر اس کا رزق تنگ ہو گیا۔ اسی معنیٰ میں یہاں لَنْ نَّقْدِرَ ہے کہ حضرت یونس ذوالنون نے یہ گمان کیا تھا ہم ہرگز اس پر تنگی نہ ڈالینگے اور ان کی اس اجتہادی ہجرت بلا اجازت کو برا نہ سمجھ لیں گے نہ گرفت کریں گے نہ پوچھ گچھ مگر چونکہ یہ عمل درست نہ تھا اور ان کا گمان ٹھیک نہ تھا لہٰذا ہم نے گرفت کی اور تنگی ڈالی۔ بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ ظَنَّ سوالیہ ہے۔ یعنی کیا اس نے یہ گمان کر لیا تھا۔ بعض نے کہا یہ ظَنَّ تنبیہی ہے۔ یعنی یونس ایسا چلا جیسا کہ وہ چلتا ہے جو یہ گمان کرے کہ لَنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ ہم اس پر تنگی نہ ڈالیں گے۔ دوسرا اعتراض۔ انبیا عصمت کے باوجود بھی گناہ کر لیتے ہیں۔ نبی اور غیر نبی کا فرق صرف یہ ہے کہ انبیا کا گناہ باقی نہیں رہتا فوراً معافی مانگ کر بخشوا لیتے ہیں۔ بس یہی عصمت کا فائدہ ہے مگر غیر نبی کا گناہ تا موت باقی رہتا ہے۔ اسی کی حشر میں شفاعت ہوگی۔ دیکھو حضرت یونس نے سات گناہ کئے۔ ۱ اللہ سے ناراض ہو کر گئے ۲ رب کی اجازت کے بغیر ہجرت کی ۳ اسی لیے اپنے

marfat.com

آپ کو مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کہا ۲ اسی لیے مچھلی کے پیٹ کی قید کی سزا ملی ۵ اسی لیے سورۃ صافات آیت ۱۴۲ میں اُن کو مُلِیْمٌ فرمایا گیا یعنی ملامت کے قابل ۶ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی صاحبُ الحوت والے گناہ سے روکا گیا کہ ارشاد ہوا۔ وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ یعنی اے نبی تم یونس کی طرح گناہ نہ کرنا (سورۃ قلم آیت ۴۸ ساتواں گناہ حضرت یونس نے اللہ کے حکم اور اجازت کی پرواہ نہ کی اپنی مرضی کرتے ہوئے بے صبری دکھائی اسی لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی سورۃ قلم کی اسی آیت میں اَوَّلًا فَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فرما کر صبر کی تلقین فرمائی گئی۔ حالانکہ یہ بے صبری جلد بازی سب گناہ ہے اور جب ایک نبی یہ سات طرح گناہ کر سکتا ہے تو دیگر انبیاء تو بھی کر سکتے ہیں بہر کیف گناہ ناممکن نہ رہے۔ ہاں البتہ یونس علیہ السلام نے آیت کریمہ کا ورد کر کے توبہ کر لی جو قبول ہوئی۔ یہی عصمت ہے (عیسائی اور بعض گمراہ مسلمان)

جواب معترضین نے جن سات گناہ کا ذکر کیا ہے وہ اُن کی اپنی جہالت بکبیر ابلیسیت اور ناسمجھی کی بنا پر ہے۔ خود غلط ترجمہ کرتے ہیں اور خود ہی اعتراض بنا کر بدعقیدگی بنا لیتے ہیں۔ عصمت کی تعریف بھی جاہلانہ ہے۔ یہ تعریف حفاظت الٰہیہ کی ہے جو اولیاء اللہ کو نصیب ہوتی ہے۔ عصمت کی صحیح تعریف یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ہی معصوم کے وجود سے ختم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے گناہ کا صدور اُن کی ذات سے ناممکن ہو جاتا ہے۔ انبیا اور ملائکہ اسی معنی میں معصوم ہوتے ہیں۔ معترضین کی پہلی بات اس لیے غلط ہے کہ وہ مُغَاضِبًا عَلٰی رَبِّہٖ نہ تھا۔ بلکہ قوم پر غضب وغصہ تھا اور اللہ تعالیٰ کے لیے تھا جو گناہ نہیں بلکہ عین ایمان ہے۔ دوسری بات یہ کہ آپ کی یہ ہجرت بھی گناہ نہ تھی بلکہ آپ کا اجتہاد تھا اور یہ اجتہاد ایسا ہی تھا جیسا داؤد علیہ السلام کا ایک کھیت میں اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرنا۔ وہ اجتہاد داؤد بھی زیادہ صحیح نہ تھا اور یہ بھی زیادہ صحیح نہ تھا اُس اجتہاد سے بکریوں والے کو نقصان تھا اِس سے قوم نینوای کو اُس فیصلۂ اجتہادی کو سلیمان علیہ السلام کے ذریعہ روکا گیا اور اس کو مچھلی کے ذریعے اِس تشبیہ اور مماثلت کا اشارہ سورۃ انعام کی آیت ۸۶ سے ملتا ہے کیونکہ وہاں داؤد علیہ السلام کے ساتھ آپ کی فضیلت عَلَی الْعٰلَمِیْنَ کا ذکر ہے اور فرمایا گیا کہ ہم نے دونوں کو ہدایت دی

marfat.com

یعنی دونوں نے ایسا اجتہادی فیصلہ کیا تھا جو زیادہ صحیح نہ تھا تو ہم نے صحیح طریقے کی ہدایت دی۔ تیسری بات بھی غلط ہے کیونکہ خود مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ کہنا گناہگاری کی وجہ سے نہیں بلکہ اظہارِ عجز ہے، گناہ تب ہوتا جب رب تعالیٰ فرماتا کہ وہ ظالم تھے۔ نیز انبیا علیہم السلام تو ترکِ مستحب کو بھی اپنے لیے ظلم سمجھتے ہیں مگر شریعت اس کو ظلم نہیں فرماتی۔ معترضین کی چوتھی بات بھی غلط، کیونکہ مچھلی کا پیٹ آپ کی سزا نہ تھی نہ آپ کو وہاں کوئی درد تکلیف ہوئی نہ بھوک پیاس نہ بیہوشی یہ پیٹ مسجدِ یونس بن گیا اور چالیس روز قیام معراجِ یونس اور لذتِ قربِ الٰہی کا سبب اور وِردِ عظیم و ذکرِ کریم کا قرعی موقعہ۔ پانچویں بات بھی غلط اس لیے کہ مُلیم کا معنی قابلِ ملامت نہیں بلکہ معنیٰ یہ ہے کہ یونس خود اپنے آپ کو ملامت کرنے والے اور اپنی اس ہجرت پر افسوس کھانے والے تھے اور یہ افسوس و ملامت نیکی ہے نہ کہ گناہ چھٹی اور ساتویں بات بھی غلط اس لیے کہ آقاءِ کائنات نبیِ آفاق صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف اجتہاد کرنے سے روکا گیا ہے نہ کہ گناہ سے یعنی اے محبوب تم مکے سے ہجرت بلا اجازت اپنے اجتہاد سے نہ کرنا بلکہ وحیِ الٰہی کی اجازت کا انتظار اور صبر کرنا۔

تفسیر صوفیانہ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ وَذَا الْكِفْلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِیْنَ وَاَدْخَلْنٰهُمْ فِیْ رَحْمَتِنَا ؕ اِنَّهُمْ مِّنَ الصّٰلِحِیْنَ

بدنِ انسانی میں رب تعالیٰ نے صبر کی تین قوتیں پیدا فرمائی ہیں ۱ صبر استقامت یہ اسماعیلِ باطنی ہے، ۲ صبر حلیمی یہ ادریسِ روحانی ہے۔ صبر ۳ استقلال یہ ذَا الْكِفْلِ اعمالِ صالحہ ہے پہلا صبر اوامرِ شریعت کرنے نواہی سے بچنے کی پابندی ہے دوسرا باوجود قوتِ انتقام کے اذیت کی برداشت کرنا۔ تیسرا صبر شیاطین سے اعضا کو بچائے رکھنا اور شریعت طریقت معرفت کے وعدوں کو پورا کرتے رہنا۔ پہلے صبر سے بندہ مطیع اللہ ہوجاتا ہے دوسرے صبر سے بندہ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِیًّا کا انعام پاتا ہے اور تیسرے صبر سے بندہ کفیل ایمانی کا مرتبہ پالیتا ہے۔ بندۂ مومن اپنی قوتِ ایمانی سے اِن تینوں صبروں کو اختیار کرتا ہے لیکن بندۂ فاسق اپنی بداعمالی کی بزدلی اور غفلتِ نفسانی سے ان کو ترک کردیتا ہے اور بندۂ کافر ان تینوں کو اپنی آتش میں جلا دیتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ دشمن کی سرکشی پر حلیمی صبرِ الٰہی ہے یہ صفتِ باری تعالیٰ ہے یہ حلیمی سرکش کے لیے ڈھیل یا

marfat.com

مہلت یا آزمائش ہے۔ اور اذیت پر حلیمی بندے کا صبر ہے۔ وہ بندہ رب تعالیٰ کی نعمت
کا مستحق ہو جاتا ہے جو عبادتِ الٰہی کے قائم کرنے پر تا عمر دلجمعی سے صبر کرے۔ اور اگر گناہوں
سے بچے رہنے کا صبر بھی کرے تو نعم العبد کا مرتبہ پا لیتا ہے۔ اور جو بندہ تباہیٔ احوال اموات
اولاد کی اذیت پر صبر برداشت کرے تو وہ دخولِ رحمت کی صلاحیت والا بن جاتا
ہے۔ تفسیر روح البیان نے فرمایا کہ انبیاء کرام علیہم السّلام گناہ کر سکتے ہی نہیں اُن سے
گناہ ناممکن اور محال یا لعصمت ہے عصمت کا معنیٰ ہی یہ ہے کہ گناہ کا مادہ ہی نہیں ہوتا
اور مومن متقی گناہ کر لیتے ہیں مگر فوراً توبہ کر لیتے ہیں اگر سچی پکی توبہ ہو تو قبول ہو جاتی ہے
گناہ مٹا دئے جاتے ہیں مگر اولیاءُ اللہ گناہ کر سکتے ہیں لیکن کرتے نہیں ان کی حفاظت کی
جاتی ہے وہ جائزُ الخطا ہوتے ہیں اگر کر لیں تو جلدی توبہ کی توفیق مل جاتی ہے جیسے حضرت
ماعز کی توبہ کہ اگر وہ تمام آسمانوں زمینوں والوں پر تقسیم کی جائے تو سب مقربِ بارگاہ ہو
جائیں اور توبہ پھر بھی بچ رہے۔ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ کا معنیٰ ہے صلاحیت اور قابلیت
والے صلاحیت کی ابتدا ہے بندے کا متوجہ الی اللہ ہونا اور انتہا یہ کہ اللہ تعالیٰ بندے
کی طرف متوجہ ہو۔ اپنی توجہ کا شرف بخشے۔ اس توجہ کی علامت یہ ہے کہ بندے کو عالم
رنگ و بو سے بے التفاتی ہو۔ یہی حقیقت میں مقامِ صدیقیت ہے۔ اصلاحِ الٰہی یہ ہے
کہ رب تعالیٰ بندے کو پیدائشی صالح بنا دے مثلِ اسماعیل اور کسی بندے کو ادریس
باطنی کی رفعت منزل بخش دی اُس کے وجودِ بدنی سے شر و فساد مٹا کر اور کسی کو کمالاتِ
روحانی کے لیے ازلِ حادث سے چن کر ذی الکفلِ ایمانی بنا دیا یہ خوش بخت ازل
سے ہی بلا کسب بلوغِ رفعت اور بلا عمل قبولِ فطرت ہیں۔ تمام اَفعالِ جلوت اور
اَفکارِ خلوت میں صبر عَلَی البَلَاسب سے اعلیٰ ہے کیونکہ جب بندہ قبر میں جاتا ہے تو یمین
میں نماز یسار میں زکوٰۃ و نیکیاں مثلِ سایہ دار چھت اس پر چھا جاتی ہیں لیکن صبرِ مومن
تمام حاجات کا کفیل بن جاتا ہے صبر افضلِ اَعمال اور راضی برضا رہنا اَجَلِّ صفات ہے
بلاءِ ناگہانی کفار کے لیے تعجیلِ عذاب ہے اور مومنین کے لیے تکمیلِ درجات ہے خیال رہے
کہ امر بمعنیٰ معاملہ کی جمع امور ہے اور امر بمعنیٰ حکم کی جمع اَوَامِر ہے۔ جیسے کہ غریب بمعنیٰ مفلس
و مسافر کی جمع غُربا اور غریب بمعنیٰ عجیب کی جمع غرائب اور غریب بمعنیٰ عاجز کی جمع غریبین
آتی ہے۔ وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ۔ فَنَادٰی

marfat.com

فِی الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اور تذکرہ فرما اے رازدارِ فطرت اس روحِ کمال کا جو اعضاءِ نفسانیہ سے ناراض غضب ناک ہو کر فراقِ بدنی کر گئی جب کہ اعضاءِ نفسانیہ اپنے شہوانی جذبات کی وجہ سے اصرار ہی کرتی رہیں۔ اس لیے کہ قوتِ نفسانیہ اپنے غرور میں آ کر ہمیشہ انکارِ حق ہی کرتی ہے۔ عجز و اطاعت کی عادت میں نہیں آتی۔ روحِ کمال کی ہجرتِ بدن بحرِ جبروت کی طرف اس لیے ہوئی کہ فکرِ مراقبہ میں ہی گمان کر لیا کہ سیرِ ملکوتی درست ہے اور لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْهِ کہ ہم اس کو بحرِ ظلمات کی ابتلاؤ آزمائش میں نہ ڈالیں گے لیکن چونکہ سیرِ عرفانی بغیر ابتلا ممکن نہیں لہٰذا آزمائش میں ڈالا گیا تب حوتِ رحمت نے اُس کو اپنی آغوشِ عظمت میں لے لیا تاکہ تعلقِ بدنی کا اِمکان قائم و ثابت رہے۔ یہی ہماری حکمت و راز ہے۔ اس دورِ ابتلا میں روحِ کمال نے زبانِ استعداد سے نِدٰی عرض کی مراتبِ ثلاثہ کے ظلماتِ کثیفہ میں سے ایک ظلمت بدنِ نباتاتی کی دوم طبیعتِ جسمانی کی تیسری ظلمت خصائلِ حیوانی کی یہ تین ظلمتیں ہر انسان میں ہیں۔ روحِ کمال ان تین ظلمتوں میں تین ندائیں کرتی ہے پہلی ندا۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ یہ توحیدِ ذاتی کا وہ اقرار ہے جو عہدِ اَلَسْتُ اور میثاقِ فطرت کی وقت سنایا تھا۔ یعنی اے میری جان و قلب سے بھی زیادہ قریب میرے ربِ کریم تیرے سوا پوری کائنات میں کوئی معبود نہیں بس تو ہی تو ہے۔ اِس کلمۂ طیبہ نے بندۂ مومن میں سات قوتیں پیدا کر دیں۔ پہلی قوت یہ کلمہ ہمت جرأت بہادری پیدا کرتا ہے کیونکہ اس کو سچے دل زبان عقل سے پڑھنے والا یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ پوری کائنات میں پالتے بچانے دیتے لیتے مارنے والا صرف ایک اللہ ہے اسی لیے مومن کسی غیر سے نہ ڈرتا ہے نہ کسی غیر کے سامنے جھکتا ہے۔ دوسری قوت اس کلمہ پر عقیدہ رکھنے سے بندے میں صبر توکل عزم حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور بندۂ مومن ہر کام کے لیے اس یقین کثیر سے اٹھتا ہے کہ اُس کے ساتھ زمین و آسمان کے زبردست بادشاہ کی طاقت ہے یہ تصور اُس کو چٹان سے زیادہ مضبوط بنا دیتا ہے اور اُس کے سامنے کسی باطل کی کوئی طاقت نہیں ٹھہرتی۔ تیسری قوت اس کلمے سے وسیع نظری پیدا ہوتی ہے اسی لیے مومن تنگ نظر نہیں ہوتا نہ خود غرض ہو سکتا ہے کیونکہ بندۂ مومن اُس وَحْدَهٗ لَا شَرِیْك معبود کا قائل ہوتا ہے جو اکیلا ہی خالق مالک رَبُّ الْعٰلَمِیْن ہے بندۂ مومن سب مخلوق کو ایک مالک کی مِلکیت

marfat.com

سمجھتا ہے اسی لیے ایک کو راضی کرتا ہے بہت سے معبودوں کے سامنے نہیں جھکتا ہے نہ ان سے ڈرتا ہے نہ ان کو راضی کرتا پھرتا ہے۔ ایک کو راضی کرنا آسان ہے، چوتھی قوت۔ یہ کلمہ بندے میں عزتِ نفس اور خودداری پیدا کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کائنات میں قوی قادر حیٌ وقیوم ایک ہی ہے اس لیے مومن دیگر تمام قوتوں سے بے نیاز بے پروا ہو جاتا ہے۔ پانچویں قوت۔ اس کلمے سے بندے میں عجز و انکسار کی قوت پیدا ہوتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ طاقت دولت عزت حکومت علم عقل ہنر دینے والا بس ایک اللہ تعالیٰ ہے جو سب کو دے بھی سکتا ہے چھین بھی سکتا ہے کسی بندے کے پاس اپنا کوئی کمال نہیں اسی لیے مومن کو اپنے عروج پر غرور نہیں ہوتا نہ تکبر آتا ہے۔ چھٹی قوت۔ یہ کلمہ بندے میں طہارت کی ہمت عبادت کی طاقت پیدا کرتا ہے کیونکہ وہ جانتا ہے کہ معبود صرف ایک ہے اور اس کی عبادت کے لیے رب کی خوشنودی ضروری اور خوشنودی کے لیے طہارتِ ظاہری باطنی ضروری ہے اُس کی بارگاہ میں صرف عملِ صالح سے نجات ہے۔ نہ قرابت داری کام آئے نہ دولت سفارش حمایت کام آئے۔ ساتویں قوت۔ اس کلمے کو اقرارِ لسانی اور صدقِ قلبی سے پڑھنے والے میں قوتِ یقین پیدا ہوتی ہے وہ کبھی کسی حال میں مایوس اور دل شکستہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ ایسے معبودِ واحد پر ایمان رکھتا ہے جو زمین و آسمان کے تمام خزانوں کا خالق بھی ہے مالک بھی جس کا فضل بے حد و بے حساب ہے وہ رحیم بھی ہے کریم بھی یہ مکمل عقیدہ بندۂ مومن کو تسکینِ عظیم بخشتا ہے۔ اس کلمے کو مان کر بندے کو کسی اور دوسرے کے دروازے پر جانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی کہ اُس کے اپنے حقیقی معبود کے پاس ہی سب کچھ ہے یہ قوتیں نہ مشرک کافر کے پاس ہیں نہ دہریا کافر کے پاس۔ یہی وجہ ہے کہ کفار کو بزدلی ہے بے یقینی مایوسی ہے اور جگہ جگہ خوف کھاتا سجدے کرتا پھرتا ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ افضل ہے اِلَّا ھُوَ سے۔ اس لیے کہ اَنْتَ میں قرب کا تصوّر ہے اور ھُوَ میں دوری کا گمان۔ اور لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اَفْضَلِ ایمان ہے کہ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ جس نے یہ کلمہ پڑھ لیا وہ جنتی ہو گیا۔ اس کلمے کی دو جزئیں ہیں۔ پہلی جز لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ دوسری جز مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پہلی جز توحیدِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہے۔ دوسری جز تخصیصِ رَحْمَۃٌ لِّلْعٰلَمِیْنَ ہے پہلی جز اُن سات قوتوں کی عطا کا خزانہ ہے۔ دوسری جز اُن سات قوتوں کی تقسیم کا

marfat.com

آستانہ ہے یعنی بندۂ مومن کے بیلے یہ توتیں آئیں گی خزانۂ قدرت سے مگر ملیں گی دروازۂ نبوت سے۔ اس کلمے کی پہلی جز قرآن مجید میں فرقانا ہے کیونکہ جدا جدا لکھی ہیں لیکن زبانِ نبوت میں قرآن ہیں یعنی ملی ہوئی۔ مگر ایمان لاتے وقت اَشْهَدُ کہنا پڑے گا کیونکہ یہ ابتداءِ ایمان ہے شہادت کی ضرورت ہے اور کلمۂ طیبہ انتہاءِ ایمان ہے۔ ابتدا میں شہادتِ ذات ہوگی تو انتہا میں مشاہدۂ صفات نصیب ہوگا۔ کلمہ شہادت شریعت کا درس ہے مگر کلمۂ طیبہ طریقت کا وِرد ہے۔ صحابہ کرام ایمان لاتے وقت کلمۂ شہادت پڑھا کرتے تھے لیکن وِرد کلمۂ طیبہ کا کیا کرتے تھے۔ جنت کے در و دیوار پر کلمہ طیبہ کی یہی دو جز میں لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ لکھی ہیں۔ یہ کلمہ طیبہ میں عجیب شاہکار ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہو تو قدرت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہو تو معجزہ ہے۔ اولیاء اللہ کے پاس ہو تو کرامت ہے علما کے پاس ہو تو فقاہت ہے۔ زندگی وہی مکمل ہے۔ جو سب کو حیران کردے جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کی کہ ایک ہی چٹائی پر بیٹھ کر عرش کی معراج والے۔ فرش کی سرکار والے۔ صفاتِ الٰہیہ کے اظہار والے مخلوق پر اختیار والے۔ بازار میں تاجر میدان میں مجاہد مسجد میں امامُ الانبیا، شریعت میں استاذُ العلماء طریقت میں مرشدِ اصفیا، گھر میں تربیتِ گھر بار فرما رہے ہیں۔ فیصلوں میں عدالت سمجھا رہے ہیں۔ عدالت میں قاضی بنا رہے ہیں۔ رات میں واصل باللہ۔ دن میں شاغل للہ زندگی کا ہر پہلو ہر لمحہ حیران کُن معجزہ، حیراں ہوں میرے شاہ کہ کیا کیا کہوں تجھے۔ روحِ کمال کی دوسری ندا تنزیہ الٰہی ہے سُبْحَانَكَ ہر ہر عیب سے پاک ہے تو ازلی قدیم ہے۔ روحِ کمال کی تیسری ندا۔ اعترافِ بندگی اور شانِ عجز بلند ہوتی ہے کہ۔ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ اے میرے پروردگار میں اپنے قواءِ ظاہری باطنی سے جدا ہو کر بارگاہِ بے نیاز سے دور ہو کر اپنا ہی نقصان کر بیٹھا تھا۔ عدالتِ شریعت سے ہٹ کر کیونکہ روح کے بغیر جسم مردہ ہوتا ہے۔ غور کر اے طالبِ منزل جب روحِ لطائف کشتی کثافت کی طرف جاتی ہے تو اس کو بحرِ دنیوی کا قالب حوت نگل جاتا ہے تب ظلماتِ نفس کی برائیوں سے گھبرا کر ندا کرتی ہے اور توادرات کی آواز آتی ہے کہ لے قالبِ انسانی یہ روح تیری خوراک نہیں بلکہ چند روزہ امانت ہے۔ قالب میں بن اندھیرے ہیں۔

marfat.com

۱ ظلمتِ نفس ۲ ظلمتِ دنیا ۳ ظلمتِ ابلیس اس کی روشنی بھی تین ہیں ۱ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اے اللہ اس حالتِ فساد و بلا میں کوئی معبود نہیں جو حفاظت کرے میری ظلمات سے اور بچائے مجھ کو آفات سے اور الہام فرمائے سچے ذکر کا مگر تو ہی ۲ سُبْحٰنَكَ پاک ہے تو ہر کمزوری سے ۳ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ۔ ظالم تو میں خود اپنے پر ہوں اگرچہ ہر عمل کا خالق رب تعالیٰ ہے مگر کاسب خود بندۂ ناسمجھ ہے۔ اسی ذکرِ ربانی کی روشنی سے یہی ظلمتوں بھری دنیا رنگ و بو کی قید معراجِ روح اور مشاہدۂ حق بنادی جاتی ہے اور یونسِ باطن کے لیے مقام نزلی بھی عرشِ علٰی بن جاتا ہے۔ جب ان تین نداؤں کی روشنی سے تین ظلمتیں ختم ہو گئی۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَ نَجَّیْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ وَ كَذٰلِكَ نُـْۨجِی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ تب ہم نے تین نعمتیں عطا فرما کر اُس کی دعا کو قبول فرمایا ۱ توفیق با سلوک ۲ تیسیر بالنور ۳ ہدایت اِلَی الوصول۔ اور نجات دی ہم نے روحِ کمال کو نقصان کے غم سے نورِ تجلیات سے حجابات ہٹا کر مشاہدہ عطا فرمائے۔ اور اسی طرح تا قیامت متبعینِ انبیاء کی روحِ کمالکو دنیوی لغویات سے نجات دیتے رہیں گے ایمانِ یقینی اور عرفانِ تحقیقی کی دولتوں کے ذریعے جیسا کہ اپنے نبی یونس کو نجات دی۔ تاکہ وہ روح روحِ کمال ایمان و تائید کے زیورِ انوار سے مزین ہو کر عالمِ اجساد کی ظلمتوں خباثتوں کے جھاڑ جھنکاڑ والے کوڑے کچرے سے علیحدہ ہو کر ذکرِ وحدت کا وِرد کرے جس طرح کہ عالمِ انوارِ ارواح میں کرتی تھی اور اپنے رب تعالیٰ کے اذن سے عالمِ غیب وَالشہادت میں حاکمِ متصرف اور خلیفۂ ربانی بن جائے حدیثِ مقدس میں ہے کہ جو کوئی مسلمان پریشان حال مصیبت و بیماری زدہ اس آیتِ کریمہ کا ورد کرتے ہوئے گناہوں سے سچی توبہ کرے۔ اپنی ظالمیت کا اقرار بھی کرے اور پھر نجات کی مناجات کرے اور التجاء نہ تاک تو رب تعالیٰ ضرور اس کی دعا قبول فرمائے گا۔ کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ یہ آیت کریمہ اسمِ اعظم بھی ہے۔ از مستدرک حاکم و تفسیر روح البیان اس کے کچھ عملیات اس سورۃ کے فضائل و ظائف میں بھی لکھ دئے گئے ہیں اس سورۃ میں جتنے انبیاء علیہم السّلام کے اسماءِ مبارکہ بیان ہوئے ہیں روزانہ ان اسماءِ پاک کا گیارہ مرتبہ ورد کرتے سے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ والی قوتیں مومن مسلمان میں پیدا ہو جاتی ہیں۔

marfat.com

وَزَكَرِيَّآ إِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ

اور ذکر کیجئے ذکریا کا جب دعا پکاری انہوں نے اپنے رب سے کہ اے میرے رب نہ چھوڑ تو

اور زکریا کو جب اُس نے اپنے رب کو پکارا اے میرے رب مجھے

فَرْدًا وَّأَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ ﴿٨٩﴾ فَاسْتَجَبْنَا

مجھ کو اکیلا اور تو ہی تمام وارثوں سے اچھا وارث ہے تب قبول کرلی ہم نے دعا انکی

اکیلا نہ چھوڑ۔ اور تو سب سے بہتر وارث تو ہم نے اس کی دعا قبول کی

لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَأَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ

اور بخشا ہم نے اس کو یحییٰ اور جوان کردیا ہم نے اس کیلیے اس کی بیوی کو

اور اُسے یحییٰ عطا فرمایا اور اُس کے لیے اس کی بی بی سنواری

إِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا

بے شک یہ سب بہت پہل کرتے رہتے تھے نیک کاموں میں

بے شک وہ بھلے کاموں میں جلدی کرتے تھے اور ہمیں پکارتے تھے

رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ﴿٩٠﴾ وَالَّتِىْٓ

اور ہم سے ہی دعائیں مانگتے تھے ہر نرمی گرمی میں اور رہتے تھے وہ ہم سے مرعوب اور ڈرنے والے

اُمید اور خوف سے اور ہمارے حضور گڑگڑاتے تھے اور اس عورت

أَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ

اُس عورت کا جس نے محفوظ رکھا اپنی پاک دامنی کو پھر ہم نے زندہ کیا اُس میں

کو جس نے اپنی پارسائی نگاہ رکھی تو ہم نے اُس میں

marfat.com

زَوْجِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۱﴾

اپنی روح کو اور بنا دیا ہم نے اُس عورت کو اور اُس کے بیٹے کو نشانِ قدرت تمام جہانوں کے لیے

اپنی روح پھونکی اور اُسے اور اُس کے بیٹے کو سارے جہان کے لیے نشانی بنایا۔

تعلقات ان آیتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی اُن دعاؤں کی قبولیت کا ذکر ہوا جو انہوں نے اپنی بیماریوں مصیبتوں کے لیے عرض کیا اور قبول ہوئیں۔ اَب اِن آیت میں حضرت زکریا علیہم السّلام کا ذکر ہو رہا ہے جنہوں نے اپنی اولاد کے لیے دعا مانگی جو قبول ہوئی اور بارگاہِ ربّ کریم سے بیٹے کی خوشخبری عطا فرمائی گئی۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا مبارک تذکرہ ہوا۔ اب اِن آیت میں اُن کے اعمالِ صالحہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ کس عشق و محبت سے وہ پیارے بندے اپنے ربّ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے ان نیک مردوں کا ذکر ہوا جن کو نبوت کا تاج پہنایا گیا اب اِن آیت میں ان نیک پاک پاکباز عورتوں کا ذکر ہو رہا ہے جن کو نبی کی والدہ ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

تفسیر نحوی وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِىْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ وَاوٗ سے جملہ۔ زَكَرِيَّا اسم عجمی علم ہے اس لیے غیر منصرف ہے سریانی زبان کا لفظ ایک نبی علیہ السّلام کا نام ہے بحالت فتحہ ہے کیونکہ اُذْكُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے اِذْ اسم ظرف زمانی نَادٰى بابِ مُفَاعَلَةٌ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب برائے مبالغہ مفاعلت میں آیا یعنی بہت گڑگڑا کر پکارنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے رَبَّهٗ مرکّب اضافی (مضاف و مضاف الیہ) مفعول بہ ہے نَادٰى کا رَبِّ۔ دراصل ہے يَا رَبِّىْ۔ یا حرفِ ندا محذوف منوی ہے مضاف ی ضمیر واحد متکلم مجرور متصل تخفیف کے لیے حذف کر دی اور کسرہ اُس کی نشانی باقی رکھی لیکن یہ

marfat.com

مضاف محذوف منوی ہے یعنی حقیقت میں موجود ہے یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یا پوشیدہ کا لَا تَذَرْنِیْ باب فَتَحَ یا ضَرَبَ کا فعل نہی معروف واحد مذکر حاضر وَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چھوڑنا دور کرنا تنہا کر دینا۔ اکیلا رکھنا یہاں آخری معنی ہے نون وقایہ (اعراب بچانے والی) یٰ ضمیر واحد متکلم بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے لَا تَذَرْنِیْ کا فَرْدًا اسم نکرہ بمعنیٰ اکیلا حال ہے نِیْ مفعول بہ کا واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ اَنْتَ اسم ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے خَیْرُ اسم مضاف حاصل مصدر جامد ہے بمعنیٰ اچھا بہترین مضاف اَلْوَارِثِیْنَ الف لام اسمی استغراقی وَارِثِیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے وَارِثٌ وِرْثٌ سے مشتق باب حَسِبَ ہیں سے ہے اس کے ہر باب مزید فیہ میں اس کی گردان ہو جاتی ہے۔ اس لیے اس کے بہت مصادر ہیں۔ ۱ مِیْرَاثٌ ۲ وِرَاثَتٌ ۳ اِرْثٌ ۴ تُرَاثٌ ۵ تَوَارُثٌ ۶ تَوْرِیْثٌ ۷ اِیْرَاثٌ۔ اس کے معنیٰ بھی بہت ہیں ۱ کسی کے فوت ہونے کے بعد اس کے کسی قریبی متعلق کا زندہ موجود رہنا ۲ بغیر معاوضہ کسی چیز کا مالکِ کامل بن جانا ۳ مالکِ حقیقی ہونا یہ معنیٰ صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں ۴ میت کا متروکہ مال کا حقدار بننا ۵ ایک صفت کا دوسرے موصوف میں منتقل ہونا جیسے اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَآءِ ۶ ہمیشہ باقی رہنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے یہاں یہی مراد ہے۔ اَلْوَارِثِیْنَ مضاف الیہ ہے خَیْر کا یہ مرکب اضافی خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے لَا تَذَرْنِیْ کے فاعل رَبِّ کا ذوالحال حال مل کر فاعل ہے۔ لَا تَذَرْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ہے یا حرفِ ندا پوشیدہ کا سب جملہ ندائیہ ہو کر جواب ہے نادٰی کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر ظرف اُذْکُرْ پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا

فَ زائدہ یا تفصیلیہ اِسْتَجَبْنَا فعل با فاعل لَہٗ جار مجرور متعلق یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ وَهَبْنَا۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم وَھْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عطا کرنا بلا معاوضہ دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے لَہٗ جار مجرور متعلق ہے یَحْیٰی۔ اسم مفرد جامد، یہ فعل مضارع تھا جس کو عَلَم بنا کر جامد کیا گیا۔ اشتقاقی ترجمہ ہے زندہ رہے گا۔ اسم مقصورہ ہے جیسے موسٰی عیسٰی وغیرھما۔ بحالتِ فتحہ ہے اعرابِ تقدیری ہے۔ مفعول بہ ہے وَهَبْنَا فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَصْلَحْنَا بابِ افعال ماضی مطلق معروف مثبت جمع متکلم

marfat.com

مصدر ہے نہ اِصْلَاحٌ بمعنیٰ اچھا کرنا، سنوارنا، تندرست کرنا اور اصلی حالت پر لانا یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ لَہٗ کی ضمیر کا مرجع زَکَرِیَّا ہے یہ جار مجرور متعلق ہے زَوْجَہٗ مرکب اضافی مفعول بہ ہے دراصل تھا زَوْجَتَہٗ ضمیر مذکر کے قرینے سے تخفیف کے لیے تاءِ تانیث گر گئی۔ اَصْلَحْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا وَھَبْنَا کے جملے کا دونوں مل کر معطوف فَاسْتَجَبْنَا کا سب عطف مل کر جملہ معطوف ہو کر تفصیل ہوئی نادیٰ کی سب مل کر اُذْکُرْ کا ظرف ہے۔ اِنَّھُمْ کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ وَ یَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّ رَھَبًا وَکَانُوْا لَنَا خٰشِعِیْنَ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل ہے کیونکہ یہ فعل کے دو معمولوں پر عمل کرتا ہے اور فعل کی طرح رفع و نصب کا اعراب دیتا ہے فرق یہ ہے کہ فعل کے دونوں معمولوں کا نام فاعل مفعول ہوتا ہے اور اس کے معمولوں کا نام اسم و خبر ہے۔ یہاں سے نیا جملہ شروع ہوتا ہے ایک قول میں یہ نیا جملہ نہیں بلکہ فَاسْتَجَبْنَا کی تعلیل ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب کا مرجع حضرتِ زکریا اور ان کے اہلِ خانہ بیوی اور یحییٰ علیہم السلام ہیں ایک قول میں اس کا مرجع سابقہ مذکور انبیا علیہم السلام ہیں وَاللّٰہُ اَعْلَمُ منصوب متصل ہے کیونکہ اسمِ اِنَّ ہے کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی استمراری۔ جمع مذکر غائب مثبت معروف مصدر ہے مُسَارَعَۃٌ سُرْعَۃٌ سے بنا ہے سَرُعَ اس کا مادہ ہے بمعنیٰ جلدی کرنا پہل کرنا۔ مفاعلۃ میں آکر مبالغہ پیدا ہوا یعنی بہت جلدی کرنا سب سے زیادہ پہل کرنا اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ ہے مرجع حضرت زکریا اور آپ کی بیوی بیٹا۔ فِیْ حرفِ جر ظرفیہ اَلْخَیْرَات اسم معرف باللام۔ جمع مؤنث سالم کثرت بمعنیٰ ہر قسم کا اچھا کام عمل نیکی اس کا واحد ہے خَیْرٌ مصدر اجوف یائی بروزنِ بَیْعٌ یہاں حاصل مصدر جامد ہے اسی لیے جمع ہو گیا ورنہ مصدر اور مادے کی جمع نہیں ہو سکتی یہ جار مجرور متعلق ہے کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَدْعُوْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع معروف مثبت جمع مذکر غائب بمعنیٰ ماضی استمراری اپنے سابقہ فعل معطوف علیہ کی وجہ سے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب ہے کیونکہ مفعول بہ ہے یَدْعُوْنَ کا ایک قرأت میں یَدْعُوْنَنَا ہے جمع مذکر اور جمع متکلم کی نون کو آپس میں مدغم (مشدد) کر دیا گیا۔ بعض نے اس کو یَدْعُوْنَا پڑھا ہے۔ جمع مذکر کی نون کو حذف کر کے دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دعا مانگنا رَغَبًا اسم مفرد مصدر بمعنیٰ خوش دلی۔

marfat.com

تمنا، محبت کرنا چاہنا، پسند کرنا (رغبت کرنا) نرمی ہونا عیش و آرام ہونا یہاں ہر معنی مناسب ہے واؤ عاطفہ ہے رَھَبًا اسم مفرد مصدر بمعنی ڈرنا۔ خوف زدہ ہونا مرعوب ہونا تنگ وست ہونا۔ اسی معنی میں مجازاً آستین کو رھب کہا گیا۔ کیونکہ غریب کے پاس تھوڑا مال ہوتا ہے اور پہلے زمانوں غریب لوگ اپنی آستینوں میں اپنا مال چھپاتے تھے جیسے آجکل جیب میں۔ یہ دونوں مصدر معطوف علیہ معطوف ہو کر حال ہے یَدْعُوْنَ کے فاعل کا ان کی تین قرئتیں کی گئی ہیں ۱۔ دَغَبًا وَ رَھَبًا ۲۔ دَغْبًا وَّ رَھْبًا ۳۔ دُغْبًا وَّ رُھْبًا مشہور پہلی ہے۔ یَدْعُوْنَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ کَانُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل ناقصہ ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم لَنَا جار مجرور اس کا متعلق خٰشِعِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے خَاشِعٌ۔ خُشُوْعٌ سے مشتق ہے بمعنی ہیبت اور رعب میں آنا بحالت نصب ہے کیونکہ خبر ہے کَانُوْا کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا یہ دونوں عطف مل کر معطوف کَانُوْا یُسٰرِعُوْنَ کا وہ دونوں مل کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَ جَعَلْنٰهَا وَ ابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ واؤ بیر جملہ اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث یہ ہمیشہ درمیانِ کلام میں آتا ہے یہاں بھی درمیان کلام ہے کیونکہ اس سے پہلے اُذْکُرْ فعل امر پوشیدہ ہے اَحْصَنَتْ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب مصدر ہے اِحْصَانٌ، حِصْنٌ سے بنا ہے بمعنی حفاظت کرنا۔ قید میں کرنا۔ قید سے آزاد کرنا۔ پاک باز ہونا عورت کا کنوارہ رہنا یہاں اسی معنی میں ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع اَلَّتِیْ ہے فَرْجَ اسم مفرد جامد بمعنی شرم گاہ عورت و مرد کی لغوی ترجمہ ہے کشادہ جگہ اس کی جمع ہے فُرُوْجٌ۔ مصدری معنی ہے پھاڑنا، سوراخ کرنا۔ یہ مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَحْصَنَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ تفضیلیہ بمعنی ثُمَّ تراخیہ نَفَخْنَا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم نَفْخٌ سے مشتق ہے بمعنی پھونک مارنا یہاں مراد ہے ڈالنا زندہ کرنا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ھَا ضمیر کا مرجع اَلَّتِیْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ رُّوْحِنَا یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق دوم ہے نَفَخْنَا کا سب

marfat.com

مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے فَنَفَخْنَا کے جملہ پر دونوں عطف مل کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ جَعَلْنَا بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم ھا ضمیر واحد مؤنث معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِبْنَ اسم مفرد جامد بمعنی وہ بیٹا جو اپنی پرورش میں ہو مضاف ہے ھا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں مل کر مفعول یہ اوّل ہوا اٰیَۃً اسم مونث نقل واحد ہے اس کی جمع آیات ہے یہ تنوین تعظیمی ہے بمعنی بڑی مراد ہے قدرت کی بڑی نشانی یہ مفعول بہٖ دوم لِّلْعٰلَمِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا۔ جَعَلْنَا متعدی بدو مفعول اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے سب عطف مل کر عطف تفصیلی ہے اَحْصَنَتْ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا الَّتِیْ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہٖ ہے اُذْکُرْ پوشیدہ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَزَکَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَہٗ وَوَهَبْنَا لَہٗ یَحْیٰی وَاَصْلَحْنَا لَہٗ زَوْجَہٗ۔ اور تذکرہ فرمائیے اے محبوب دنیا میں مبلغ اعظم آخرت میں گواہ اعظم بن کر ہمارے نبی زکریا کا تاکہ تمام انسانوں کو سچے حالات کا پتہ لگے اور یہود و نصاریٰ کی لغویات کا پردہ فاش ہو۔ وہ واقعہ سنائیے جب حضرت زکریا نے ایک ملتجیانہ مناجات میں اپنے رب کو پکارا کہ اے میرے رب کریم مجھ کو اس دنیا میں اکیلا بے وارث بے اولاد نہ چھوڑ بلکہ دنیوی وارث بھی عطا فرما جو میری وراثت نبوت علمیت روحانیت کا منصب سنبھال سکے۔ اور یہ تو میرا یقین صادق و ایمان کامل پہلے ہی ہے کہ تو تمام وارثوں سے اچھا وارث اور بہترین محافظ تو ہی ہے۔ اس لیے کہ وہ فانی ہیں تو باقی ہے وہ میت ہیں تو حَیّ ہے۔ وہ عارضی محافظ ہیں تو دائمی محافظ۔ وہ مجازی ہیں تو حقیقی ہے۔ وہ صرف ظاہر کے محافظ تو ظاہر و باطن کا محافظ۔ وہ صرف مال کے محافظ تو مال و اسباب ذات و صفات کا محافظ۔ وہ صرف بعد موت وارث تو بندوں کا موت و حیات میں وارث۔ وہ صرف حاضر حالات میں وارث تو حاضر و غائب میں وارث وہ ناقص وارث تو کامل وارث۔ وہ لے کر وارث تو دے کر وارث وہ صرف اپنی قرابت کے وارث ہیں تو اپنی تمام خلقت کا وارث۔ وہ صرف میرا وارث ہوگا مگر تو تمام کائنات

marfat.com

کا وارث۔ وہ میری امانت کا وارث ہوگا تو میری حفاظت کا وارث ہے۔ لہٰذا۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ۔ تو ہی سب وارثوں سے اچھا وارث ہے۔ تیری حفاظت کے ہوتے ہوئے مجھے کسی دوسرے محافظ کی ضرورت نہیں، وارث تو تو ہی کافی ہے مجھ کو تو صرف جانشین چاہئے جو میری نبوت۔ تبلیغ، تدریس، تعلیم و تربیت قوم میں میری جگہ، میرا مصلّہ، میری مسجد، میرا منبر سنبھال سکے اور ان کا حق ادا کر سکے صرف قابض ہی نہ بنے۔ مجھے اپنی موجودہ قوم اپنی برادری رشتے داروں میں کوئی بھی اس صلاحیت، لیاقت اہلیت قابلیت کا نظر نہیں آتا۔ اس لیے مجھ کو میری اولاد عطا فرما۔ اگرچہ میں بوڑھا ہوں شیخ فانی کی عمر کو پہنچ گیا ہوں ابھی تک لاولد ہوں میری بیوی اب بوڑھی بھی ہے اور شروع سے بانجھ بھی ظاہراً تو نہ میں اس قوت والا رہا نہ میری بیوی۔ مگر اے میرے رب بے موسم پھل دینے کی قدرتوں والے مجھ بوڑھے بے موسمے کو بھی اولاد کا ایک ہی پھل عطا فرما دے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ جب ہمارے زکریا نے ہماری بارگاہ میں اپنی یہ عظیم دعا اَلْکَلَامُ مَا قَلَّ وَدَلَّ والی التجا عرض کی تو ہم نے ان کے لیے اس خواہش کو جلدی ہی قبول فرما لیا کیونکہ ہم اپنے انبیا کی ہر دعا قبول فرما لیتے ہیں خواہ وہ دعا موسمی ہو یا بے موسمی ظاہری ہو یا باطنی، خفیہ ہو یا علانیہ، مناجات میں ہو یا مکالمات میں اور اس قبولیت میں خاص اپنی قدرت و حکمت سے ایک اچھی مبارک حیات والا یحییٰ بطورِ عطیۂ ربانی بخش دیا اور اس عطا کے لیے اُن کی بوڑھی اور پیدائشی بانجھ بیوی کو ہم نے اولاد کی صلاحیت والا بنا دیا۔ اس طرح کہ خاوند بوڑھا ہی رہا مگر ایک بیٹے کا نطفہ اس میں پیدا کر دیا گیا جس سے وہ قابلِ زوجیت ہو گیا۔ اور بیوی بھی اسی طرح بوڑھی ہی رہی صرف رحم کی خشکی دور کر دی گئی جو بانجھ پن کا سبب تھا۔ بانجھ پن دور ہو گیا اور صدر مادری میں بیضۂ ولادت پیدا کر دیا گیا۔ ہم اپنے تمام انبیاء و رُسل کی ہر دعا اس لیے بھی قبول فرما لیتے ہیں کہ وہ ہمارے پیارے معزز و معظم بندے ہر نیکی و خیرات کو بغیر کسی سستی و غفلت کے فوراً ادا کر لیتے ہیں نہ لغزش کرتے ہیں نہ غلطی نہ بے وقتی کرتے ہیں نہ بعد وقتی اور دوسری خوبی یہ ہے کہ اپنے ہر دینی دنیوی چھوٹے بڑے ذاتی صفاتی خبر خیراتی اقوال و اعمال اذکار و

marfat.com

اسباب میں ہم سے بھی دعائیں مانگتے ہیں۔ اُن دعاؤں کی شان یہ ہوتی ہے کہ ہم پر کامل یقین کی رغبت اور خوشی کے ساتھ اور انکسار و عجز کی رہبت کے ساتھ زبانِ نبوت سے ادا ہوتی ہیں۔ ان میں ہمارے جمال کی رغبت ہوتی ہے اور ہمارے جلال کی رہبت۔ حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ قیاماً دعا رغبت ہے قعوداً دعا رہبت ہے سینے تک ہاتھ اٹھا کر ہتھیلیاں جوڑ کر دعا مانگنا رغبت ہے اور ہاتھ بشکل سجدہ زمین پر رکھ کر سجدے میں رب تعالیٰ سے دعا مانگنا رہبت ہے اور ہمارے یہ انبیاء و مرسلین اتنی رغبت محبوبیت اور رَھبۃ مرعوبیت کے باوجود۔ کانوا لنا خٰشعین ہمارے قربِ حضوری میں کمالِ خشیت سے رہنے والے ہیں۔ ہماری رغبت اُن کے کلاموں میں۔ رہبت ان کی دعاؤں میں اور خشیت اُن کی اداؤں میں ہوتی ہے۔ کیونکہ رَغبت زبان میں اور رَہبت عقل میں خشیت قلب میں ہوتی ہے رغبت چہرے کی بشاشت میں رَہبت بدن کی تھرتھراہٹ میں اور خشیت سینے کی حرارت میں ہوتی ہے، اور اسی طرح رغبت صبر میں ہوتی ہے۔ رہبت شکر میں خشیت فکر میں ہوتی ہے رغبت طریقت میں، رَہبت شریعت میں خشیت معرفت میں ہوتی ہے۔ رغبت خلیل ہے رہبت کلیم ہے اور خشیت حبیب ہے، غرضیکہ تمام انبیا کا خلاصۂ حیاتِ مقدسہ یہی تین چیزیں ہیں۔ یہی تعلیم انبیا ہے یہی تبلیغ اور یہی تربیت ہے۔ یہی ریاضتِ عظیم عبادتِ کریم اور سعادتِ قدیم ہے۔ رغبت کی تین کیفیات ہوتی ہیں ۱ رغبت فیہ ۲ رغبت الیہ ۳ رغبت عنہ۔ اگر بندے کو اپنے ارادے کی طلب کثیر ہو تو رَغبۃ فیہ ہے اگر طلب اور خواہش پیہم اور مسلسل ہو تو رغبت اِلیہ ہے اور اگر بے توجہی عدم دلچسپی ہو تو رغبت عنہ ہے یعنی بے رغبتی ہے۔ اسی لیے دعا میں رغبت فیہ اور التجا میں رغبت الیہ چاہیئے تب ہی قبول ہوتی ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید کی چار سورتوں کی اٹھارہ آیتوں میں کیا گیا جن میں آپ کی شان کے مختلف پہلو بیان فرمائے گئے۔ مثلاً پہلی سورۃ آلِ عمران از آیت ۳۷ تا آیت ۴۱ ان پانچ آیتوں میں چھ باتیں فرمائی گئیں۔ اول کفالتِ مریم دوم حضرتِ مریم کے پاس بے موسمے پھل دیکھ کر اپنے لیے بیٹے کی دعا مانگنا سوم آپ کو ملائکہ کی بشارت

marfat.com

فرزند۔ چہارم بیٹے کی شان نام اور نبوت وعظمت کا ذکر پنجم۔ ولادتِ فرزند کے بارے میں آپ کا رب تعالیٰ سے سوال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے جواب ششم۔ ظہورِ بشارت کی علامات کا ذکر۔ دوسری سورۃ انعام کی آیت ۸۵ میں چار انبیا علیہم السلام کے ساتھ آپ کا اسم مبارک بھی ہے۔ اور صالحین میں سے ہونے کا ذکر۔ سوم سورۃ مریم کی دس آیتوں میں از ۲ تا ۱۱ میں ان ہی چھ باتوں کا ذکر ہے جو سورۃ آلِ عمران میں گزریں۔ صرف فرق یہ کہ وہاں ابتدا کی طرف اشارہ تھا یہاں انتہا اور تکمیل کا ذکر مزید یہاں عَبۡدَهٗ کا اعزاز بخشا گیا جو نبوت کا سب سے بڑا اعزاز ہے اور آپ کی دعاءِ اولاد کو نِدَآءً خَفِيًّا فرما کر تین چیزیں واضح فرمائی گئیں ہیں ۱ دعا کا طریقہ ۲ دعا کا مقام ۳ دعا کا وقت یعنی یہ دعا مناجات تھی خلوت میں آہستہ، رات کے وقت مانگی گئی۔ چوتھی یہی سورۃ انبیا از آیت ۸۹ تا ۹۰ دو آیتوں میں تین باتوں کا ذکر فرمایا گیا ۱ بیٹے کی طلب ۲ بشارتِ فرزند ملنے کا ذکر ۳ بوڑھی اور بانجھ بیوی کے قابلِ اولاد ہونے کا ذکر۔ ان چار سورتوں میں سات بار آپ کا نام مبارک آیا۔ آلِ عمران میں تین بار سورۃ مریم میں دوبار۔ انعام میں ایک بار۔ سورۃ انبیاء میں ایک بار۔ زکریا علیہ السلام کی پوری زندگی مبارک کے حالات میں سے قرآن مجید میں صرف آپ کے بڑھاپے کا ہی زیادہ تذکرہ ہے اور اسی تذکرے کا حکم دیا گیا کہ آپ سخت ترین بوڑھے ناقابلِ اولاد ہو گئے۔ اس عمر میں آپ نے اپنی بھانجی مریم کو گود لیا۔ اور کفالت فرمائی۔ بڑھاپے کا نقشہ اس طرح بیان فرمایا گیا۔ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا۔ اور وَهَنَ الۡعَظۡمُ یعنی سرتک ضعیفی بھر گئی ہڈیاں بھی سوکھ گئیں۔ اعضا کی کمزوری تو اس سے بھی زیادہ ہو گئی، اور جب مریم جوان ہوتی ہیں تو آپ اُن کے پاس کھڑے ہو کر بیٹے کے لیے دعا مانگتے ہیں۔ هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ان باتوں کے ذکر میں اور حکمتوں کے علاوہ غالبًا یہ حکمت بھی ہے کہ یہودیوں نے حضرت زکریا پر تہمت لگائی تھی کیونکہ وہ خلوت میں مریم کے پاس جاتا ہے اور اور اسی لئے آپ کو جنگل میں شہید کر دیا۔ بدبختوں نے یہ نہ سوچا کہ کہاں تیرہ سالہ چھوٹی بچی اور کہاں ایک سو بیس سال کا گھر بار بیوی والا بوڑھا جو اب اتنا بوڑھا کہ وَهَنَ الۡعَظۡمُ وَاشۡتَعَلَ الرَّاۡسُ شَيۡبًا ہو چکا ہے جس کی ہڈیاں پٹھے تک خشک اور ڈھیلے ہو گئے سر سے پیر تک بڑھاپا پھوٹا پڑ رہا ہے۔ وہ بھلا

marfat.com

کیا کر سکتا ہے اپنی اولاد ہی نہیں ہو سکتی۔ اے عقل کے اندھو اُس سے تہمت لگا رہے ہو اور نیک پاک باز اتنا کہ پورا معاشرہ جس کی ہمہ وقتی عبادت ریاضت تسبیح و حمد خوانی سے معطر و منور رہے۔ دراصل زکریا علیہ السلام کے ان ہی حالات۔ واقعات، کیفیات کا ذکر کرنا خُبثَاءِ یہود اور اُن کی تالمود، بائبل کی بکواسیات کا رد فرما کر اصل حقیقت اور شانِ رسالت ظاہر و مشہود فرمانا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

حضرت زکریا علیہ السلام کا حلیہ اور نسب نامہ

زکریا[1] علیہ السلام ابن[2] اُدن دیادان یا لَدن یا اُشْنَبہ، مختلف کتبِ تاریخ نے آپ کے والد کے نام میں یہ چار مختلف اقوال ذکر کیے ہیں)، ابن[3] برخیا ابن[4] مسلم ابن[5] صدوق ابن[6] جبشان ابن[7] داؤد ابن[8] سلمان ابن[9] سلم ابن صدیقہ[10] ابن برخیا ابن[11] بلعاط ابن[12] ماحور [13] ابن شلوم ابن[14] بہفاشاۃ ابن[15] ایامن ابن[16] رحعام ابن[17] سلیمان علیہ السلام ابن[18] داؤد علیہ السلام (از تاریخ ابن کثیر جلدِ دوم ص ۴۷) آپ نسلِ داؤدی سے بنی اسرائیل تھے۔ اور بیت المقدس کے منتظم اور خانقاہ صوفی جس کو عبرانی میں کاہن عربی میں مجاور کہا جاتا ہے لیکن نجومی جوتشی کو بھی عبرانی میں کاہن کہا جاتا تھا۔ آپ کی بیوی محترمہ کا نام ایشباع تھا بعض نے ایشاع لکھا ہے مگر موجودہ یہود و نصاریٰ اس لفظ کو بگاڑ کر ایلزبیھ لکھتے ہیں جیسے کہ داؤد کو ڈیوڈ موسیٰ کو موسز عیسیٰ کو جیزز سے بگاڑ دیا۔ حضرت ایشباع بہت بڑی ولیہ کاملہ عابدہ زاہدہ نیک متقی تھیں۔ بنی اسرائیل میں سے حضرت ہارون علیہ السلام کی نسل سے تھیں۔ حضرت ایشباع اور حضرت مریم کی والدہ حنہ دونوں سگی بہنیں تھیں عمران کی بیٹیاں ایشباع کی عمر دعاءِ فرزند کے وقت ننانوے سال تھی بعض نے کہا ہے کہ ستر سال تھی۔ واللّٰہُ اعلم۔ مشکوٰۃ شریف باب ذکر انبیا فصل اول ص ۵۰۹ میں بحوالہ مسلم، ابن ماجہ اور مسند احمد۔ ایک حدیث مقدسہ ہے۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ کَانَ زَکَرِیَّا نَجَّارًا۔ یعنی حضرت زکریا بڑھئی (ترخان) تھے۔ اور دروازے کھڑکیاں پیڑھی پٹلے چارپائیاں بنا کر بیچا کرتے تھے آپ نے کبھی کوئی پیسہ جمع نہ کیا گھر بلو خرچہ سے جو بچتا روز کے روز خیرات کر دیتے۔ یُسَارِعُوْنَ فِی الْخَیْرَاتِ میں اس طرف بھی اشارہ ہے دوسرے دن

marfat.com

کے لیے بھی کچھ نہ رکھتے آپ کا آبائی گھر تین کمروں پر مشتمل بالکل بیت المقدس کے ساتھ تھا آپ کے معمولات اس طرح تھے کہ آدھی رات سے اپنی عبادت شروع فرماتے بعد طلوعِ آفتاب بیت المقدس کے انتظامات اور ذمہ داریاں منتظمین کو بتاتے پھرتے پھر دوپہر تک اپنی چیزیں بناتے پچھلے پہر بعد قیلولہ تبلیغ کے لیے نکلتے غروبِ آفتاب تک بعد مغرب بیت المقدس میں لوگوں کے ساتھ تقریبًا دو ساعت عبادت فرماتے آپ کی شریعت میں صرف مغرب نماز فرض تھی۔ پھر گھر آکر چھ ساعت آرام فرماتے ایک دن چیزیں بناتے دوسرے دن بیچتے۔ آپ کی عمر میں چھ قول ہیں ۱ آپ کی عمر دعاءِ فرزند کے وقت اکہتر ۷۱ سال تھی ۲ نوے ۹۰ سال تھی ۳ بانوے ۹۲ سال تھی ۴ سو سال تھی ۵ ایک سو بیس ۱۲۰ سال تھی یہی قول درست ہے کیونکہ روایت سے ثابت ہے ۶ آپ کی کل عمر ایک سو پچیس ۱۲۵ سال ہوئی ولادتِ یحیٰی علیہ السلام سے تین دن پہلے آپ کی زبان دنیوی کلام بولنے سے بند ہوگئی تھی لیکن عبادت کے الفاظ بالکل درست ادا ہو سکتے تھے یہ حصرِ لسانی قدرتی نشانی تھی نہ کہ بیماری ولادت کے بعد یہ رکاوٹ ختم ہوگئی۔ بعض جہلا نے لکھا کہ آپ کی زبان میں خرس یعنی گونگے پن کی بیماری پیدا ہوگئی تھی مگر یہ غلط ہے کیونکہ گونگا تو کچھ بھی زبان سے نہیں پڑھ سکتا آپ کا تین دن تک نہ بولنا خرس نہ تھا بلکہ حصر تھا۔ کتبِ سیر میں آپ کا حلیہ شریف اس طرح لکھا ہے کہ آپ بچپن سے ہی دبلے پتلے باریک ہڈی والے تھے لمبا قد رنگ سفید زردی مائل آنکھیں سیاہ بڑی بڑی بینی مبارک اونچی بال مضبوط اور موٹے گھنے زلفیں کانوں تک رکھتے داڑھی مقدس گھنی تھی چار انگل برابر رکھتے تھے نہ کم نہ زیادہ داڑھی شریف کا چار انگل برابر رکھنا تمام انبیا کی سنت ہے علیہم السلام بڑھاپے میں آپ کی کمر جھک گئی تھی غالبًا وَهَنَ الْعَظْمُ کا اثر تھا انبیا میں صرف آپ کی کمر جھکی تھی۔ وَ اشْتَعَلَ الرَّاْسُ کا معنی ہے کہ آپ کے تمام بال بالکل سفید ہو گئے تھے چاندی کی طرح چمک دار دودھ کی طرح سفید تھے سر داڑھی مونچھیں پلکیں بھنویں سب اسی طرح سفید۔ چہرے پر بارعب وجاہت نکھرا حسن مکھ اکثر غمزدہ رہتے عشقِ الٰہی میں آنکھیں تر رہتیں یادِ الٰہی میں زبان جاری رہتی بہت کم سخن ہمیشہ آہستہ چلتے آہستہ بولتے سینے مبارکہ پر تھوڑے تھوڑے سفید بال۔ اکثر سبز رنگ کی ٹوپی پہنتے اور سفید رنگ کا اونی جبہ پہنا کرتے۔ آپ کے ہی پرانے جبے حضرتِ یحیٰی علیہ السلام نے تا عمر پہنے۔ حضرت یحیٰی کا قد بھی اپنے والد

marfat.com

کے برابر ہو گیا تھا۔ اور اسی طرح خوب صورت جسم وجاہت والا چہرہ، حضرت زکریا چوبیس گھنٹے میں صرف ایک روٹی تناول فرماتے۔ آپ کے جسم میں قدرتی خوشبو بھی یہ قدرتی خوشبو درجہ بدرجہ کم و بیش ہر نبی کے جسم میں ہوتی ہے علیہم السّلام۔ فرمایا مفتی امین الدین بدایونی علیہ الرحمۃ نے کہ دنیا کے خوشبودار پھول انبیاءِ کرام کے پسینوں سے پیدا کیے گئے۔ واللہُ اَعلَمُ۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس اور پسینے مبارکہ معطرہ کی خوشبو تو اُن سب سے کثیر وعظیم ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آپ جس گلی سے گزر جاتے وہاں کے درو دیوار معطر ہو جاتے۔ یہ تھے سورۃ انبیا میں انبیا علیہم السّلام کے شان وعظمت والے حالات کے تذکرے۔ وَالَّتِیۡۤ اَحۡصَنَتۡ فَرۡجَهَا فَنَفَخۡنَا فِیۡهَا مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنٰهَا وَابۡنَهَاۤ اٰیَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ۔ اور اُس نیک و پاکیزہ بی بی کا بھی سچا حال صحیح مقال بیان فرما دیجئے جس نے اپنی ظاہری باطنی فرج کی بہت اچھی طرح حفاظت فرمائی اور اپنے رحم کو حمل نبوّت کے لیے پاکیزہ رکھا محفوظ بنایا اور اس طرح نبی کی والدہ بننے کا شرف حاصل کیا اور کائنات عالم میں انبیا علیہم السّلام کی ماؤں کی طہارت، دیانت، امانت اور ایمان کا حسین نقشہ بنا دیا کہ تمام انبیا علیہم السّلام کی مائیں اسی طرح شرک کفر بے دینی۔ گمراہی فسق وگناہ۔ بغاوت۔ فحاشی، اور ہر قسم کی برائیوں کے ارتکاب سے پاکیزہ اور اپنے آپ کو بچائے رکھنے والی ہوتی ہیں۔ ان کے دامن ہمت عصمت و طہارت سے تو حوران بہشتی برکتیں حاصل کرتی ہیں نہ کوئی کافر انکا خاوند بن سکتا ہے نہ بدکار و فاسق۔ جب اُس پاکیزہ بی بی نے اپنی حفاظت قائم رکھی تب ہم نے اُس طاہرہ۔ مطہرہ، عابدہ زاہدہ نفیسہ بتولہ عورت کے پاکیزہ باطن میں اپنی روحِ نبوّت کو پھونک دیا جو قدرتِ الٰہی سے مجسم زندہ ہو کر اُس کا بیٹا کہلایا۔ روح پھونکنے کا معنیٰ ہے زندگی بخشنا۔ اور ہم نے اُس بی بی کو اور اُس نمونۂ قدرت والے خصوصی منفرد بیٹے کو تمام جہانوں کے لیے ایک عظیم تر نشانِ مخلوق بنا دیا۔ کیونکہ بلا خاوند کے اس طرح بغیر نطفہ پوری کائنات کے لیے قدرت کا بے مثال نمونہ ہے۔ جنم دینے والی والدہ بھی اور جنم لینے والا بیٹا بھی۔ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا مزار فلسطین کے ایک شہر اَرِیحا میں ہے۔ اور اس کے قریب ایک چھوٹی کَفۡرِ بَرِیۡکۡ بستی میں لوط علیہ السّلام کا مزار اقدس ہے یہ علاقے اب اسرائیلی حکومت میں ہیں۔ ان آیات میں مفسرین کے

marfat.com

اَقوالِ مختلف ہیں وَ اَصْلَحْنَا لَهٗ میں دو قول ہیں پہلا یہ کہ ہم نے ان کی بیوی کا ان کے لیے بانجھ پن ختم کر کے اُس کو قابلِ اولاد بنا دیا۔ دوم یہ کہ وہ بیوی بہت بداخلاق تھی ہم نے حُسنِ اَخلاق والا بنا دیا مگر یہ قول بالکل غلط اور جاہلانہ ہے اور حضرت ایشاع رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی گستاخی ہے کسی جاہل نے یہ گستاخی بنائی ہے اور کتنی بُری حرکت ہے کہ صرف اپنی نافہمی کم عقلی کی بنا پر بلا دلیل بلا اشارہ کنایہ خواہ مخواہ ایک نیک پاک ولیہ نبی کی بیوی جو تقریباً اسّی سال صحبتِ نبوّت سے سرفراز ہونے والی پاکیزہ عورت کو بَدْ اَخلاق کہدیا نہ آیت کا سیاق دیکھا نہ سیاق نہ لفظ لَهٗ پر غور کیا پوچھو اسی جاہل سے کہ اسّی سال بعد اب اَخلاق کی اصلاح کرنیکی ضرورت پیش آئی اور وہ بھی صرف لَهٗ، حضرت زکریا کے لیے اور کیا قبولیتِ دعا کے وقت ہی بَداَخلاقی کی اصلاح ضروری تھی پہلے نہ تھی۔ کتنی ظاہر بات ہے کہ بچے کی بشارت ہے بیوی بانجھ اور بوڑھی ہے اس وقت تو بانجھ پن کی اصلاح ضروری تھی زکریا علیہ السّلام بھی اسی بیماری کا بار بار ذکر عرض کر رہے ہیں۔ لہٰذا اَصْلَحْنَا لَهٗ فقط ان کے لیے ہے کیونکہ انہوں نے دعا کی تھی یہ معنیٰ کم سے کم عقل والے کو بھی سمجھ آنے والا ہے۔ لیکن تخریب کاروں کی تخریب کاری کو دیکھئے کہ قرآنِ کریم کے اتنے صاف کلام کو بھی اختلافی اُلجھنوں میں پھنسا دیا تو اسلام و قرآن کے دیگر مسائل ان کی بدفطرتی سے کب بچ سکتے ہیں اسی اندھی تخریب کاری سے بچنے کے لیے فقہاءِ اسلام نے ایک ضابطہ مقرر فرما دیا کہ جس مسئلے اور معنیٰ میں ائمہ اَربعہ کا اختلاف ہوگا فقط اُسی کو اختلافی مسئلہ کہا جائے گا۔ لیکن جس میں ان چار اَئمہ کا اتفاق ہوگا وہ تاقیامت متفق علیہ ہوگا۔ ورنہ جاہل لوگوں سے تو اسلام کا کوئی مسئلہ بھی سلامت نہ رہا، ہر کم عقل قلم لے کر دوڑا پھر رہا ہے اور بیہودہ اقوال کے نشتر چلا رہا ہے اسی تخریب کاری سے نئے نئے فرقے جنم لیتے ہیں اور ہر باطل کو ان اقوال جاہلانہ سے سہارا مل جاتا ہے بلکہ اس گندی بھرمار سے ہر مسلمان پریشان اور اُلجھا ہوا ہے فقہاءِ احناف نے تو امامِ اعظم کے قول کے ہوتے ہوئے امام محمد اور امام یوسف کے قول کو بھی متروک کر دیا ہے دیکھو فتاویٰ شامی جلد اوّل۔ مسئلہ عبادت کا ہو یا وراثت کا قضا کا ہو یا طلاق و نکاح کا۔ اس لیے کہ اگرچہ ان شاگردوں نے اپنے استاد سے تقریباً ہر مسئلے میں اختلاف تو کیا مگر دلائل سخت کمزور

marfat.com

خاص کر امام محمد صاحب کے دلائل تو نہایت کمزور ہوتے ہیں۔ بہر حال حضرت الیشاع کی بد اخلاقی کا ذکر کہیں نہیں ملتا اس لیے یہ قول مردود ہے ۲؎ اِنَّهُمْ کَانُوْا کے مرجع میں دو قول ایک یہ کہ تمام انبیا مراد ہیں۔ دوم یہ کہ صرف حضرت زکریا اور حضرت یحیٰی اور حضرت الیشاع علیہم السّلام مراد ہیں ۳؎ رَغَبًا کی قرٲت میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ رَغِبًا ہے یعنی رَاغِبًا صیغہ واحد دوم یہ رُغُبًا ہے راغب کی جمع جیسے خادم کی جمع خُدَم بھی ہوتی ہے یعنی راغبین سوم یہ کہ یہ رَغَبًا ہے مصدر مفعول مطلق اس کا فعل پوشیدہ ہے ۴؎ رَهَبًا میں بھی یہی تین قرٲتیں ہیں انہی تین معنوں میں مگر رَغَبًا کی پہلی قرٲت مشہور ہے اور رُهُبًا کی تیسری قرٲت ۵؎ اَحْصَنَتْ میں تین قول ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے حرام و حلال سے اپنے آپ کو کنوارہ رکھ کر اپنی فرج کی حفاظت کی یہاں یہ ہی قول درست ہے دوم یہ کہ اَحْصَنَتْ میں معنیٰ ہے حرام سے اپنی فرج کو بچایا۔ اس لیے کہ شادی شدہ پاکیزہ عورت کو بھی مُحْصِنَہ کہا جاتا ہے جیسا کہ سورۂ نور میں عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو رب تعالیٰ نے مُحصنہ فرمایا حالانکہ آپ کنواری نہ تھیں۔ سوم یہ کہ اَحْصَنَتْ کا معنیٰ ہے جبریل سے اپنے آپ کو بچایا جب تک کہ نہ پہچانا تھا مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ یہاں فَرْجَهَا ہے نہ کہ نَفْسَهَا۔ ۶؎ فَرْجَهَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ فرج سے مراد شرم گاہ ہے دوم یہ کہ فرج سے مراد گریبان ہے ۷؎ فَنَفَخْنَا میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے منہ سے پھونک مارنا دم کرنا اور جبریل کے فعل کو اپنی طرف نسبت فرمائی۔ دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے زندگی بخشنا اور اللہ تعالیٰ کا فعل ہی مراد ہے جیسے کہ آدم علیہ السّلام کے لیے ارشادِ باری تعالیٰ وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ ۸؎ لِلْعٰلَمِيْنَ دو قول ایک یہ کہ تمام جہانوں سے مراد تمام مخلوقِ ارضی و سماوی ہے یہی قول درست ہے بلاوجہ توڑ موڑ جائز نہیں دوم یہ کہ تمام جہانوں سے مراد صرف عالَمِ انسانیت ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ بلا دلیل ہے

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مقبول الدعا ہونے کے لیے یہ شرطِ لازمی ہے کہ بندہ ہر دینی دنیوی کام میں فقط انبیا علیہم السّلام کی اِتّباع کرے قرآن مجید میں انبیا علیہم السّلام کی حیاتِ طیبہ کا خلاصہ تین چیزوں میں بیان فرمایا گیا پہلی چیز يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یعنی ہر

marfat.com

نیکی میں جلدی اور پابندی، دوسری چیز۔ رغبت اور رہبت سے دعا مانگنا۔ تیسری چیز
حضورِ بارگاہ میں خشیتِ الٰہی۔ یہ فائدہ۔ فَاسْتَجَبْنَا۔ فرمانے کے بعد انبیاء علیہم السّلام
کی شان میں یہ تین چیزیں بیان فرمانے سے حاصل ہوا اور تمام مسلمانوں کو بتایا اور سمجھایا
جارہا ہے کہ چونکہ تمام انبیاء علیہم السّلام کے ہر دینی دنیوی قول و عمل رائے مشورے کی
یہی شان و کیفیت تھی۔ اسی لیے ان کی ہر عادت عبادت کی اتباع ضروری اور مفید
ہے قرآنِ مجید میں ان چیزوں کے تذکرے فرمانے کا مقصد بھی یہ ہے۔ دوسرا فائدہ
اس سورۃ میں رب تعالیٰ نے انبیاء کی تقریباً اکیس ۲۱ بے مثال تونیں اور خصوصی شانیں
بیان فرمائیں جن میں سے ایک شان اِن آیت میں یہ بیان فرمائی گئی کہ ان پاکیزہ ہستیوں
کو قربِ بارگاہ کا وہ اعزاز حاصل ہے کہ جب چاہیں جو چاہیں اپنے لیے دعا مانگیں
قبول ہوتی ہے کبھی نامنظور نہیں اگرچہ وہ دعا قانونِ فطرت کے خلاف ہو انبیاء علیہم السّلام
کی خوشنودی کے لیے قانون چھوڑ کر قدرت کا کرشمہ دکھا دیا جاتا ہے۔ یہ فائدہ
فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ اور اَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو خلقتِ انسانیت
کے لیے یہ قانون چھوڑ کر۔ انبیاء علیہم السّلام کے سوا کوئی کتنا ہی بڑے مرتبے والا ہو وہ اگر
کبھی اس قسم کی دعا مانگے تو کبھی قبول نہ ہو۔ نہ کوئی سابقہ مشاہدہ ہی ہے۔ مگر جب ایک نبی
زکریا علیہ السّلام نے ایسی خلافِ قانون دعا مانگ لی تو بھی رب تعالیٰ نے رد نہ فرمائی
قانون توڑ دیا ان کے لیے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ تیسرا فائدہ کسی بھی نبی علیہ السّلام کی والدہ
کافرہ فاسقہ نہ ہوئی نہ ہو سکتی ہے اس کی وجہ یہ کہ اُس والدہ کے جسم میں نبوّت کا نور
اور نبی کا وجود رکھا جاتا ہے۔ نبی کے وجود کی شان تو یہ ہے کہ جس قبر اور جس مٹی
میں رکھا جائے وہ یَا رَكْنَا حَوْلَهٗ کا مرتبہ حاصل کر لیتی ہے تو جس رحم میں امانت
رکھنا ہو وہ کسی گندگی سے پلید کیسے ہو سکتا ہے حالانکہ کفر و شرک سب سے بڑی
نجاستِ غلیظہ ہے۔ چنانچہ سورۃ توبہ آیت ۲۸ میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ
نَجَسٌ اور دوسری جگہ سورۃ حج آیت ۳۰ میں ہے۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ
الْاَوْثَانِ۔ یعنی بتوں کی گندگی سے بچو۔ دوسری وجہ یہ کہ والدہ کا ادب کرنا نبی
پر بھی لازم ہے لیکن کافرہ کا ادب کرنا گناہِ عظیم ہے۔ یہ فائدہ۔ سورۃ انبیاء میں
والدۂ عیسیٰ علیہ السّلام حضرتِ مریم کے تذکرے اور وَالَّتِیْۤ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا

marfat.com

کے بعد۔ فَنَفَخۡنَا فِيۡهَا کی فاءِ ترتیبیہ سے حاصل ہوا یعنی وہ عورت جس نے اپنی فرج کو ہر قسم کی گندگی سے بچائے رکھا تب ہم نے اس میں اپنی روح کو زندگی بخشی گویا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم اس میں اپنی روح کی امانت بھی نہ رکھتے۔ سورۃِ انبیا میں ایک غیر نبی شخصیت کے ذکر کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ تمام انبیا علیہم السّلام کی والدات کی شانِ طہارت و عظمتِ ایمان بیان فرمائی جائے اور دنیا میں نبی کی پہلی جائے رہائش کا بیان ہو ثابت ہوا کہ اس سورۃ میں تذکرۂ مریم بھی نبوت کی ہی ایک خداداد شان کا بیان و اظہار ہے اور یہ کہ کافرہ عورت نبی کی والدہ نہیں ہوسکتی اگرچہ نبی کی بیوی بن گئی ہو جیسے کہ حضرت نوح علیہ السّلام کی دوسری بیوی کافرہ تھی اس لیے ایک کافر بیٹے کو ہی جنم دے سکی لوط علیہ السّلام کی بیوی جو قومی محبت میں سرشار ہو کر اپنے خاوند نبی کی مخالفت کی وجہ آخری عمر میں کافرہ ہو گئی تھی یہ دونوں عورتیں نبی تو در کنار کسی ولی اللہ کو بھی جنم نہ دے سکیں اس لیے کہ بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں اور لَا نُفَرِّقُ بَيۡنَ اَحَدٍ مِّنۡ رُّسُلِهٖ۔ سے ثابت ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی یہ عطائیں سب انبیا پر یکساں ہیں اگرچہ قُربِ حضوری کی فضیلت میں۔ فَضَّلۡنَا بَعۡضَهُمۡ عَلٰى بَعۡضٍ کی تفریق ہے کہ کوئی صفی کوئی نجی کوئی خلیل کوئی ذبیح کوئی کلیم کوئی مسیح کوئی حبیب ہے۔ کوئی بَارَكۡنَا حَوۡلَهَا لِلۡعٰلَمِيۡنَ کوئی اٰيَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ اور کوئی رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ محققین کے نزدیک اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ نَجَسٌ میں ہر قسم کے کافر مراد ہیں اس لیے ظاہرًا اگرچہ کفر عام ہے شرک سے مگر حقیقتًا ہر کفر میں شرک داخل ہے یہودی ہو یا عیسائی هندو ہوں یا مرزائی۔ سکھ ہو یا دہریہ، اگرچہ اپنے منہ سے خود کو مُوَحِّد کہتے پھریں کیونکہ شرک نام ہے اللہ کی طرف کسی جھوٹی بات کی نسبت کرنا۔ وہ جھوٹی بات اولاد کی نسبت ہو یا بہت سے الٰہوں کی یا جھوٹی نبوت کے یا سچے انبیا کے انکار کی یا دہریت کے مؤثر ہونے کی لہٰذا زُرتشت کو گوتم بدھ کو غلام قادیانی کو نبی کہنے والے سب مشرک ہیں۔ خیال رہے کہ جس طرح ایمان شجرِ طیبہ ہے اور توحید و رسالت اس کے پھل ہیں اسی طرح کفر شجرِ خبیثہ ہے اور شرک و نجاست اس کے پھل ہیں۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: شریعت میں قانونِ دعا یہ ہے کہ ہر دعا رب تعالیٰ سے ہی مانگی جائے کیونکہ دعا عبادت

marfat.com

ہے اور ہر دعا کے اوّل و آخر حمدِ الٰہی ثناءِ کبریائی ضرور ہو۔ اور آدابِ دعا یہ ہے کہ الفاظِ حمد و ثنا دعا کے مطابق ہوں اگرچہ ظاہراً قدرے مختلف ہوں۔ یہ مسئلہ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا کی دعا کے ساتھ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ کے حمدیہ الفاظ عرض کرنے سے مستنبط ہوا۔ چونکہ دعا میں دنیوی وارث کی طلب تھی اس لیے حمد میں رب تعالیٰ کی دائمی و قائمی و حقیقی قدیمی وارثیت کا ذکر عرض کیا۔ جس طرح ایوب علیہ السلام نے شفاءِ بیماری کی دعا میں وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ کے الفاظ سے حمد عرض کی۔ ثابت ہوا کہ بندوں کو تعلیمِ دعا بھی آستانۂ نبوّت سے ملتی ہے دوسرا مسئلہ دینی خدمت کی نیت سے ہی ہر کام کی دعا مانگنی چاہیے خواہ دینی کام ہو یا دنیوی مسلمان کی نیت ہر دعا میں دینی خدمت کے لیے طلب کرنے کی ہونی چاہیے دنیوی اغراض کے لیے دعا مانگنا ممنوع ہے۔ یہ مسئلہ وَزَکَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ اور رَبِّ لَا تَذَرْنِیْ فَرْدًا۔ کی دعاءِ نبوی سے مستنبط ہوا۔ دیکھو ایک نبی دنیا کی چیز یعنی فرزند کی دعا مانگ رہے ہیں بیٹا بیٹی وغیرہ دنیوی چیزیں ہیں جیسا کہ سورۂ کہف آیت ۴۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ زِیْنَۃُ الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا۔ حالانکہ دنیوی اشیا کی طلب شانِ نبوت کے خلاف ہے مگر چونکہ نیت دینی خدمت۔ وِرَاثتِ نبوّت جانشینیٔ شریعت کی تھی اس لیے یہ طلب اور دعا جائز ہوئی بلکہ یہ دعاءِ زکریا علیہ السّلام تا قیامت مومن مسلمانوں کے لیے تعلیم ہے کہ اے بندو اپنی ہر دعا میں خدمتِ دین کی نیت کر لیا کرو تو دنیوی کام عبادت بن جائے گا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی دعاءِ فرزند تھی۔ لہٰذا اِس نیتِ خیر والی اولاد کی دعا سنّتِ انبیا ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ دیوبندی اور وہابی حضرات اللہ تعالیٰ وَحْدَہٗ لاشریک کا ذکر جمع کے لفظوں سے کرتے ہیں مگر اہلِ سنت والجماعت اللہ تعالیٰ کو توحید کے لفظ سے یاد کرتے ہیں اور موجودہ دور میں یہ طرزِ کلام وہابی سنّی فرق کا نشان بن گیا ہے۔ مثلاً دیوبندی وہابی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں گے تو کہیں گے۔ اللہ فرماتے ہیں۔ ہمارے معبود ہم کو دیتے ہیں۔ لیکن سُنّی لوگ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ہمارا معبود ہم کو عطا فرماتا ہے۔ ہماری دعائیں سنتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ علماءِ اہل سنت فرماتے ہیں کہ

marfat.com

رب تعالیٰ کو جمع کے الفاظ سے بلانا ناجائز اور گناہ ہے کیونکہ توحیدِ الٰہی کے خلاف اور مشرکوں کی گفتگو کے مشابہ۔ مثلِ شرک ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ جمع کے صیغوں سے ربّ تعالیٰ سے کلام و خطاب کرنا نہ قرآنِ مجید سے ثابت نہ احادیث سے۔ لیکن اہلِ سنّت کے طریقۂ گفتگو کے بہت ثبوت ہیں۔ یہ مسئلہ۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ سے مستنبط ہوا۔ ایک بار میں نے ایک بہت بڑے وہابی خطیب و شیخ الحدیث سے پوچھا کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کو جمع کے الفاظ سے خطاب کیوں کرتے ہو۔ یہ شرکیہ طرزِ تکلم کے مشابہ ہے کیا تمہارے چند معبود ہیں۔ وہ کہنے لگے کہ معبود تو ایک ہی ہیں مگر ہم ادب کے لیے جمع کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ میں نے کہا کہ پھر آپ لوگوں کے نزدیک واحد کے صیغے سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا تو بے ادبی ہوئی کہنے لگے بالکل سخت بے ادبی ہے۔ میں نے کہا کہ قرآن مجید میں آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو کے تذکرے موجود ہیں سب نے رب تعالیٰ کو اَنْتَ ہی سے خطاب کیا۔ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسیٰ علیہ السلام تک سب انبیاءِ کرام علیہم السلام کی دعائیں اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو کے تذکرے موجود ہیں سب نے رب تعالیٰ کے لیے واحد کا صیغہ ہی عرض کیا آدم علیہ السلام نے اَنْتَ کہا ابراہیم علیہ السلام نے بھی اَنْتَ کہا۔ ایوب علیہ السلام اَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ۔ یونس علیہ السلام۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنْتَ۔ زکریا علیہ السلام نے وَاَنْتَ خَیْرُ الْوَارِثِیْنَ کہا کیا یہ تمام انبیاء معاذ اللہ بے ادب تھے وہابی طرز کی گفتگو کا تو کہیں بھی ثبوت نہیں تو پھر آخر تم لوگوں نے یہ طرزِ تکلم کہاں سے سیکھی کچھ تو ثبوت دو۔ وہ لاجواب ہو کر کہنے لگے کہ واقعی آپ کی بات بڑی وزن دار ہے۔ میں اس کو تسلیم کرتا ہوں اور آئندہ میں اس طرح نہ بولوں گا فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی۔ میں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ میری بات کا اثر ان کے عقل و قلب پر اسی کے کرم سے ہوا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہے کہ دعا میں التجا۔ حرص۔ خواہش اور رغبت ہونی چاہیے کہ اللہ ہم کو یہ ضرور ضرور عطا فرما۔ اصرار کے ساتھ گڑ گڑا کر رو کر دعا مانگنے کا حکم ہے

marfat.com

اسی لیے دعا میں اِنْ شِئْتَ کہنا منع ہے یعنی یہ کہنا کہ یا اللہ اگر چاہے تو دے دے اگر نہ چاہے نہ دے۔ یہ ممنوع ہے کیونکہ اس میں بے رغبتی اور غرور لاپرواہی کی جھلک ہے۔ تو پھر حضرت زکریا نے۔ دعا کے ساتھ۔ وَاَنْتَ خَیْرُ الْوٰرِثِیْنَ کیوں کہا یہ بھی تو اِنْ شِئْتَ کے مشابہ ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ اے رب مجھ کو فرزند عطا فرما لیکن اگر نہ دے تب بھی میں راضی ہوں کیونکہ تو ہی سب وارثوں سے اچھا ہے۔ مجھے تو ہی کافی ہے بیٹا نہ ملے تو نہ سہی زکریا علیہ السلام کو یہ نہ کہنا چاہیئے تھا جواب یہ جملہ نہ بے رغبتی ہے نہ اِنْ شِئْتَ کے مشابہ ہے نہ ہم معنی بلکہ اعتماد علی اللہ اور اظہارِ رضا ہے یعنی اے میرے اللہ میری یہ دعا تیرے سپرد ہے تجھ سے بھی زیادہ میری ضرورت کو تو ہی جاننے والا ہے اور میری دعا کا محافظ اور وارث ہے مجھے کامل اعتماد ہے کہ میری دیگر دعاؤں کی طرح یہ دعا بھی تیری بارگاہ میں مقبول و محفوظ ہوگی مردود و برباد نہ ہوگی۔ یہ الفاظ گویا اصرار و طلب کی پختگی و رغبت ہے نہ کہ بے رغبتی اس کا جواب دوم ہم نے تفسیر میں بیان کر دیا کہ یہ الفاظ صرف حمدِ الٰہی ہے جو دعاءِ مقبول کے لیے ضروری ہوتے ہیں، اور چونکہ حمد کے الفاظ دعا کے لفظوں کے مطابق ہونے چاہئیں اگرچہ قدرے مختلف ہوں یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی دعا میں وارث و جانشین اور نسلی افراد کی زیادتی کی التجا و طلب کی تھی اس لیے حمد میں رب تعالیٰ کی حقیقی اصلی ابدی قائمی باقی رہنے والی وارثیت کا ذکر کیا۔

اعتراضِ دوم۔ یہاں پہلے فرمایا گیا فَاسْتَجَبْنَا پھر فرمایا گیا۔ وَوَهَبْنَا لَهٗ پھر فرمایا وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ یہ ترتیب کچھ ٹھیک نہیں لگتی۔ چاہیئے تھا کہ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ کے بعد وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ فرمایا جاتا پھر وَوَهَبْنَا لَهٗ فرمایا جاتا کیونکہ حقیقت بھی یہ ہی ہے کہ استجابتِ دعا کے بعد پہلے اصلاحِ زوجیت ہوئی پھر عطاءِ فرزند ہوئی۔ جواب۔ یہ ترتیب نہایت مناسب اور درست ہے اس لیے کہ دعا فرزند کے لیے تھی نہ کہ اصلاحِ زوجیت کے لیے اس لیے فرمایا گیا کہ ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور فرزند دیدیا اگر اس کے بعد اَصْلَحْنَا ہوتا تو بات غلط ہو جاتی اور معنی یہ ہو جاتا کہ ہم نے دعا قبول کر لی کہ بیوی کو درست کر دیا یعنی اصلاحِ زوجیت دعا کی قبولیت بن جاتی

marfat.com

حالانکہ یہ تو دعا ہی نہ تھی۔ فَاسْتَجَبْنَا کے بعد وَوَهَبْنَا کا ذکر بتا رہا ہے کہ دعا
یہ تھی۔ عطا کے بعد اصلاح کا ذکر کرنا۔ ذریعۂ قبولیت بتاتا ہے یعنی ہم نے فرزند
اس طرح دیا کہ اُن کی بیوی کو قابل اولاد بنا دیا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا
وَالَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهَا۔ هَا ضمیر واحد مؤنث غائب کے ساتھ
لیکن سورۃ تحریم آیت ۱۲ پ ۲۸ کی آخری آیت میں ہے۔ وَمَرْیَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ
الَّتِیْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِیْهِ مِنْ رُّوْحِنَا۔ فِیْهِ۔ کی ضمیر واحد
مذکر غائب کے ساتھ حالانکہ شخصیت اور واقعہ ایک ہی ہے بلکہ دونوں آیتوں کے الفاظ
بھی تقریباً ایک جیسے ہیں اور مقصودِ مضمون بھی ایک ہے تو یہ مذکر مؤنث کا فرق
کیوں؟ جواب۔ یہاں اس بات کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ ہم نے کس شخصیت
کو اپنی روح کی عطا فرمائی اور وہاں سورۃ تحریم میں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ہم نے کس
جگہ امانت رکھی یہاں هَا ضمیر کا مرجع الَّتِیْٓ ہے وہاں فِیْهِ میں ضمیر مذکر کا مرجع
فَرْج ہے۔ یہاں بتایا گیا کہ مسیح کے لیے ذریعۂ ولادت صرف اُن کی والدہ ہی تھیں
کسی والد کا دخل نہ تھا والدہ کو ہی ازلِ حادث یعنی عالمِ ارواح میں یہ امانت دی
گئی لہٰذا جب انہوں نے دیگر انبیا علیہم السّلام کی والداؤں کی طرح اپنے فرج کو ہر
قسم کی گندگی سے بچائے رکھا اور وہ امانتِ نبوّت کے قابل ہوئیں تو ہم نے ان کو
اپنی روح اُن کا بیٹا بنا کر دیدی بلا واسطہ خاوند زندگی بخش دی۔ یہاں نَفَخْنَا کا معنیٰ
ہے زندگی بخشی اور وہاں نَفَخْنَا کا معنیٰ ہے ہم نے بذریعہ جبرئیل گریبانِ مریم میں
پھونک ماری جبرئیل کی پھونک براستہ گریبان فرج میں پہنچی۔ وہ روح مجسّم ہو کر
ابنِ مریم بن گیا۔ چوتھا اعتراض۔ اِس کی کیا وجہ کہ یہاں پہلے فرمایا گیا
وَجَعَلْنٰهَا یعنی ہم نے بنا دیا اُس بی بی کو پھر فرمایا گیا۔ وَابْنَهَا۔ اور اُس کے
بیٹے کو بھی بنا دیا ہم نے پھر فرمایا گیا۔ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ ایک آیت تمام جہانوں
کے لیے۔ اٰیَةً واحد کیوں فرمایا گیا۔ جب کہ پہلے دو شخصیتوں کا ذکر ہے
چاہیئے تھا کہ اٰیَتَیْنِ فرمایا جاتا تثنیہ سے۔ جیسے دن رات کے لیے فرمایا گیا
سورۃ اسریٰ آیت ۱۲ میں۔ وَجَعَلْنَا الَّیْلَ وَالنَّهَارَ اٰیَتَیْنِ یعنی
ہم نے رات اور دن کو دو آیتیں بنایا۔ جواب۔ میرے نزدیک اِس کے دو جواب

ہیں۔ ایک یہ کہ حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام دونوں کا آیت ہونا ایک ہی چیز ہے وہ ہے ان کی قدرتی ولادت انوکھے اور نرالے انداز میں جنم ہونا جس کا تعلق دونوں سے ہے۔ ایک شخصیت آیت بنی جنم دے کر اور دوسری شخصیت آیت بنی جنم لے کر۔ اس لیے اگرچہ شخصیتیں دو ہیں مگر قدرت کی حیران کن نشانی دونوں میں ایک ہی ہے بغیر خاوند والدہ بننا اور بغیر والد بیٹا بننا۔ لہٰذا آیۃً واحد فرمایا گیا نیز جنم سے پہلے وہ ظاہرًا ایک ہی شخصیت تھی۔ بخلاف رات دن کے کہ یہ دونوں ہر وقت ہر اعتبار سے بالکل دو علیحدہ چیزیں ہیں کبھی ایک جسم میں جمع ہو سکتے ہی نہیں۔ اس لیے ان کو آیتین فرمایا گیا۔ **جوابِ دوم**۔ مریم اور عیسیٰ علیہما السلام کائنات کی بہت بڑی آیۃ ہیں اس لیے اس پر تنوین تعظیمی آئی اگر تثنیہ کیا جاتا تو تنوین نہ آسکتی اور آیت کی بڑائی ظاہر نہ ہوتی جیسے کہ سورۃ عصر کے لَفِي خُسْرٍ کو خُسُر پڑھنا تنوین بغیر فقہاء نے منع فرمایا ہے کیونکہ تنوین تعظیمی کو نہ پڑھنا مقصدِ کلام کے خلاف کرنا ہے۔ **جوابِ سوم**۔ بعض نے فرمایا کہ وَجَعَلْنٰهَا کے بعد آيَةً پوشیدہ ہے دراصل عبارت اس طرح ہے وَجَعَلْنٰهَا اٰيَةً وَّابْنَهَا اٰيَةً اور چونکہ یہ دوسری آیۃ قرینہ بن گیا پہلی آیۃ کا اس لیے پہلی کو پوشیدہ رکھا گیا مگر پہلا جواب زیادہ مضبوط ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَزَكَرِيَّآ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَيْرُ الْوٰرِثِيْنَ۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَوَهَبْنَا لَهٗ يَحْيٰى وَاَصْلَحْنَا لَهٗ زَوْجَهٗ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا ؕ وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ

صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جب بندہ مومن فی الایمان اور متقی فی الاعمال بن کر معرفتِ الٰہی حاصل کر لیتا ہے تو قالبِ مومن مرکزِ عروج کا بیت المقدس بنا دیا جاتا ہے اور افکارِ اسرار سے منور اعمالِ صالحہ سے معطر اور ترکِ شہوات کی قربانیوں کے لیے قربان گاہِ عشق بنانے والی زکریائے روح کو منتظمِ اعلیٰ مقرر کیا جاتا ہے تب یہ روحِ مزکی اپنی جانشینی کے لیے بارگاہِ ربوبیت میں قلبِ جانشین کے لیے دعاءِ طلب عرض کرتا ہے کہ رَبِّ لَا تَذَرْنِيْ فَرْدًا اے میرے کریم و رحیم

marfat.com

رب۔ قالبِ انسانی کی ترقی۔ تجلی۔ انتظامِ دنیوی اِنصرامِ اُخروی کے لیے میں اکیلا ہوں مجھ کو اکیلا نہ چھوڑ بلکہ نسلِ بدنی کا کوئی ایسا فردِ کامل عطا فرما جو سرمایۂ شریعت خزانۂ طریقت۔ معادنِ حقیقت کی دولتوں کو سنبھالنے اور قالب میں باقی رکھنے کے لیے میرا یکتا وارث اور سچا جانشین ہو۔ اور تو ہی میری اِن دعاؤں التجاؤں تمناؤں خواہشوں کا تمام خیر خواہوں سے اچھا خیر خواہ اور والی وارث ہے۔ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ۔ تب ہم نے زکریاءِ روح کی زبانِ استعداد سے مانگی ہوئی یہ دعا قبول فرمائی اور قالبِ مومن کے بدنِ مقدس کی نگہبانی کرنے کے لیے ایک یحییٰ ءِ قلب عطا فرمایا جو مقاصدِ جسمانی کو حیاتِ ابدی کی جِلا بخشنے والا ہے اُسی قلب کی صدا جسم کے گوشے گوشے میں ہے کہ کمالِ عمل کی بقا سے فنا فی اللہ کا مقامِ حال بہتر ہے۔ وجودِ قلب کے لیے ضروری تھا کہ پہلے نفسِ امّارہ کے بانجھ پن کو دور کیا جائے لہٰذا حیاتِ قلب سے پہلے زوجۂ نفس کو ہم نے روحِ عرفانی کے لیے درست فرمایا۔ کیونکہ تمام اَجسامِ معرفت۔ كَانُوْا يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ اُن مشاہدات میں سبقت لے جاتے ہیں جو خیرات وحسنات ہی ہیں۔ اور یہی عارفین مخلصین مکاشفاتِ قلبی میں کثرت کے لیے ہم سے دعائیں مانگتے ہیں کمال کی رغبت وخواہش اور زوال کی رہبت وخدشہ رکھتے ہوئے۔ یا لطف ورحمت کی رغبت اور قبض و بسط ظلمت وزحمت کی رَھبت کے ساتھ اور یہی لوگ ہمارے قربِ جلال کی خشیتِ قلبی اور دہشتِ جسمی رکھنے والے ہیں۔ وَالَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور اسی قالبِ ایمانی میں اُس روشن ضمیری کا بھی چرچہ ہے جس نے اپنی کتادگی کو تزکی تعلق اور مستعدیِ عبادت میں مشغول رکھ کر اپنی باطنی استعداد کو باطل کی تاثیر اور نفسیات کی ذلالت حماقت والی حرمتوں سے بچائے رکھا تب ہم نے اُس ضمیر پردہ نشین کے خزائنِ مخفیہ میں روحِ مقدس کی تاثیر جیا کو حیاتِ حقیقیہ کی جِلا بخشی اور ہم نے بنا دیا ضمیرِ روشن اور اُس کی تاثیرِ مسیحیتِ دائمی کو قواعدِ روحانیت کے سب عالمین کے لیے بڑی عظیم آیتِ واضحہ علامتِ ظاہرہ اور ہدایتِ صالحہ تاکہ تمام نفوسِ مستعدہ اور نظورِ مستنیرہ اِن دونوں سے حق کی طرف جانے والے

marfat.com

راستے کی ہدایت پائیں (محی الدین ابن عربی مع زیادت) تفسیر نیشاپوری میں ہے عارفین کاملین کی رغبت فنا فی اللہ میں ہے اور رہبت یعنی خوف اور دھڑکا لگا رہنا بقا مع الخلق میں ہے وجود عارف خشیت الٰہی میں لرزتا رہتا ہے قرب جتنا زیادہ ہوگا خشیت یعنی ہیبت اتنی ہی زیادہ ہوگی قالب کی خشیت اعمال شریعت میں ہے نفس کی خشیت تہذیب اخلاق میں ہے قلب کی خشیت اطمینان میں ہے۔ عقل کی خشیت کشف اسرار کے اجتہاد میں ہے روح کی خشیت جسم ظاہری کو اللہ رسول کی اطاعت میں لگانا ہے ضمیر کی خشیت اس کا فنا فی اللہ ہو کر مقام بقا تک پہنچانا ہے۔ تفسیر روح البیان میں ہے۔ وہ مریم نفس مطمئنہ جس نے قالب باطنی کے محراب قدس میں رہ کر اپنے قلب فراخ کو تصرفات کونین سے بچالیا اور خواہشات دنیوی سے ہٹائے رکھا تو ہم نے اس کو حیات ابدی سے بقاء وجود بخش دی اور نفس و قلب کو آیۃ الٰہی کا ستارۂ ہدایت بنا دیا ذریات علمین کے لیے۔ اس سورۃ انبیا میں انبیا علیہم السلام کی چھبیس ۲۶ قوتیں اور شانیں بیان فرمائی گئیں ۱ تمام انبیا کو رجال بنایا گیا اس میں بھی انبیا علیہم السلام کی عظمت قوت کی طرف اشارہ ہے شریعت میں اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ ہے مگر طریقت میں اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى الْخَلَآئِقِ ہے اہل طریقت کے نزدیک مرد وہ ہے جو صاحب فراست فقاہت اور صاحب اغنیا رہو ۲ وارث وحی الٰہی ۳ صاحب ضیاء ایمان ۴ رشد ربانی کے انعام یافتہ ۵ انبیا علیہم السلام کو کسی کے انتقام کی آگ بھی جلا نہیں سکتی ۶ کوئی چھری ذبح نہیں کر سکتی ۷ ہمت و جرأت دلیری کے خزانوں والے ہیں ۸ صاحب حلم عظیم ہوتے ہیں ۹ جہاں رہائش بنالیں وہ جگہ برکت لِلْعٰلَمِیْنَ ہو جائے ۱۰ صاحب علم و عقل ہوتے ہیں ۱۱ مالک حکمت و فصاحت بلاغت ہوتے ہیں ۱۲ ملک و ملکوت کے بادشاہ ہیں ۱۳ ان کی ہر ادا اور ہر دعا مقبول بارگاہ ہوتی ہے ۱۴ رحمت میں داخل ہوتے ہیں ۱۵ صاحب صبر ۱۶ صاحب شکر ۱۷ صاحب اجتہاد اور فکر و تدبیر کے مالک ہیں ۱۸ ہر صنعت و حرفت کے ماہر ۱۹ تسخیر عالم کی قوت والے ۲۰ زمینی فضائی ہوائی مخلوق پر حکمرانی فرمانے والے ۲۱ ضروریات انسانی کے موجد اول ۲۲ دنیا کا کوئی مہلک ان کو ہلاک نہیں کر سکتا ۲۳ کوئی جانور ان کو کھا نہیں سکتا ۲۴ ان کی ولادت شاہکار قدرت کا عجیب نمونہ ہونا ۲۵ انبیا علیہم السلام کے والدین بھی

marfat.com

بے مثل شان والے ہوتے ہیں ۲۶ ان کا معلم خود ربُّ العٰلمین، ان کا وجود برکت لِلعٰلمین
ان کا نشانِ اعظم آیۃً لِلعٰلمین اور ان کا امام رحمۃً لِلعٰلمین۔

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ

بے شک یہ شریعت تمہارا دین ہے جو اصلاً ایک ہی چلا آرہا ہے اور میں تم سب کا معبود رب ہوں

بے شک تمہارا یہ دین ایک ہی دین ہے۔ اور میں تمہارا رب ہوں

فَاعْبُدُوْنِ ﴿۹۲﴾ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ

اہلیے تم سب عبادت کرو میری ہی اور بہت سے لوگوں نے فرقے بازی کرلی

تو میری عبادت کرو۔ اور اوروں نے اپنے کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کرلئے

كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ

اپنے اعمال۔ بس آپس میں تمام ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں تو جو شخص عمل کریگا

سب کو ہماری طرف پھرنا ہے۔ تو جو کچھ بھلے کام کرے

الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ

نیکیوں والے حالانکہ وہ ایمان والا بھی ہو تو نہ ضائع ہوگی

اور ہو وہ ایمان والا تو اُس کی کوشش کی بے قدری نہیں

لِسَعْيِهٖ ۚ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾ وَحَرٰمٌ عَلٰى

اس کی محنت اور بے شک ہم اس کو بحفاظت لکھنے والے ہیں۔ اور ممنوع ہے اُن بستیوں پر

اور ہم اُسے لکھ رہے ہیں۔ اور حرام ہے

marfat.com

قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَآ أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿٩٥﴾

فنا کر دیا ہے ہم نے جن کو کہ بے شک وہ کبھی حق کی طرف نہ لوٹیں۔

اُسی بستی پر جسے ہم نے ہلاک کر دیا کہ پھر لوٹ کر آئیں۔

حَتّٰىٓ إِذَا فُتِحَتْ يَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ وَهُمْ

اس وقت تک جب کھولے جائیں گے قوم یاجوج ماجوج اور وہ ہر

یہاں تک کہ جب کھولے جائیں گے یاجوج وماجوج اور وہ

مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ﴿٩٦﴾

اونچی نیچی جگہ سے اترتے چلے آئیں گے

ہر بلندی سے ڈھلکتے ہوں گے

تعلقات اِن آیتِ پاک کا پچھلی آیتِ پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ذکر فرما کر نبوت کا تعارف کرایا گیا اب اِن آیت میں دین اور قانونِ الٰہیہ کا تعارف کرایا جا رہا ہے جو کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام اللہ تعالیٰ سے لے کر قوم کی طرف تشریف لاتے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اُن انبیاء علیہم السّلام اور اعمالِ صالحہ کا ذکر تھا جو بکھرے ہوئے انسانوں اور مختلف المزاج لوگوں کو اللہ کی ایک مضبوط رسی میں پرو کر مقبولِ بارگاہ بنانے والے تھے اب اِن آیت میں اُن بدبخت لوگوں کا ذکر ہو رہا ہے جو دروازۂ نبوت سے ہٹ کر ٹکڑیوں میں بٹ کر فرقے فرقے ہوگئے اس طرح مردودِ بارگاہ بنے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں اعمالِ صالحہ کا ذکر تھا۔ اب اِن آیت میں اُن اعمالِ صالحہ کی اُخروی شان وعزت کا ذکر ہو رہا ہے۔

تفسیر نحوی اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا

marfat.com

رَاجِعُوْنَ ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ کلام ابتدائیہ ہے یعنی سابقہ کلام سے بترکیب نحوی مرکب نہیں ہے ھٰذِہٖ اسم اشارہ قریبی تین لفظوں کے اتصال سے بنا (۱) ھَا حرفِ تنبیہ (۲) ذَا اشارہ (۳) ہٖ قربت کے لیے یا یہ دو لفظ ہیں ھَا ۔ ذِہٖ ۔ بمعنٰی یہ اس کا مشارالیہ ذہنی ہے ۔ مبنی ہے بحالتِ فتحہ اسم اِنَّ ہے اُمَّتُ اسم مفرد لفظاً واحد معنًا جمع ہے اصلی لغوی ترجمہ ہے قوم جماعت ایک نسل ۔ مگر چونکہ اصلی اور مضبوط قوم دین سے بنتی ہے اس لیے کبھی کبھی امت بمعنٰی دین بھی ہوتا ہے یہاں اسی معنٰی میں ہے قرآن مجید میں لفظِ امت نو معنی میں آیا ہے (۱) قوم (۲) جماعت (۳) نسل (۴) برادری (۵) آل (۶) تابع فرمان (۷) مدت (۸) طریقہ (۹) دین مذہب مضاف ہے کُمْ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع اس زمانے میں موجودہ کفارِ مکہ ۔ یہ مرکب اضافی ذوالحال ہے اُمَّۃً مبدل منہ وَاحِدَۃً بَدَلُ الکُلّ یا یہ موصوف صفت ہیں ۔ بہرحال یہ دونوں مل کر حال ہے اُمَّتُکُمْ کا دونوں مل کر خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ واؤ سرجملہ اَنَا ضمیر مرفوع منفصل واحد متکلم مرجع اللہ تعالٰی مبتدا رَبُّکُمْ مرکب اضافی رب سے مراد اللہ ہے یعنی معبود کیونکہ مابعد عبادت کا حکم ہے رب بمعنٰی اللہ سے دو مقصد حاصل ہوئے (۱) ربوبیت سے رحمت و محبت اور بمعنٰی اللہ سے لائقِ عبادت ہونا ۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ فَ عاطفہ تعلیلیہ اُعْبُدُوْ ۔ بابِ نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی عبادت کرنا ، نِ دراصل نِیْ تھا نون وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے اُعْبُدُوْ کا سب فعل با فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف رَبُّکُمْ ۔ پر دونوں مل کر خبر مبتدا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا ۔ واؤ حرجملہ تَقَطَّعُوْا بابِ تفعّل کا ماضی مطلق معروف مثبت جمع مذکر غائب تَقَطُّعٌ سے بنا ہے مصدر ہے تَقَطُّعٌ بمعنٰی ٹکڑے ٹکڑے کرنا فرقہ بازی کرنا ۔ یہاں مراد ہے حق سے علیحدہ ہو کر باطل کی ٹولیاں بنانے چلے جانا ۔ اَمْرٌ اسم مفرد مذکر معرفہ مصنوعی ۔ یعنی ضمیر کی اضافت سے معرفہ بنا ترجمہ ہے اعمال ، معاملات ۔ مراد ہیں دینی مذہبی معاملات اعتقادی رستہ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ بَیْنَھُمْ یہ مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے تَقَطَّعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا ۔ کُلٌّ اسم تاکیدی بمعنٰی تمام مبتدا ہے اِلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے رَاجِعُوْنَ ۔ اسم فاعل جمع مذکر بابِ ضَرَبَ سے ہے اس کا واحد رَاجِعٌ ہے رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنٰی لوٹنا ، واپس آنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ

marfat.com

ہے یہ اسم فاعل با فاعل اور متعلق مقدم سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا
فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ
وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ۔ فَ ترتیبیہ زائدہ مَنْ اسم موصول شرطیہ يَعْمَلْ باب سَمِعَ کا فعل
مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب بحالت جزم مَنْ نے دیا۔ اس کا فاعل
ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَنْ ہے مِنَ الصّٰلِحٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے واؤ حالیہ
هُوَ ضمیر مبتدا مُؤْمِنٌ اسم فاعل ہے باب افعال کا مصدر ہے اِیْمَانٌ خبر ہے مبتدا کی
دونوں جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے يَعْمَلْ کے فاعل کا۔ يَعْمَلْ اپنے سب معمولوں سے مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی فَ جزائیہ لَا حرف نفی جنس كُفْرَانَ اسم مصدر مزید فیہ
مبالغے کے لیے بروزن فُعْلَانَ بمعنی بیقدری کرنا۔ پھینکنا۔ نہ تسلیم کرنا اسم ہے لَا کا
لِسَعْيِهٖ۔ لام جارہ تعدیہ کا سَعْیٌ اسم مفرد جامد بمعنی کوشش محنت یہاں مراد ہے
اَعْمَالِ صالحہ مضاف ہٖ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو
کر متعلق ہے پوشیدہ کَائِنٌ اسم فاعل کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَاءِ نفی
جنس کی یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا واؤ میر جملہ
اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ اسم ہے اِنَّ کا۔ لام حرف جر مفعولیت
کے لیے بمعنی اس کو۔ ہٗ ضمیر مجرور متصل کا مرجع سَعْيِهٖ ایک قول میں مرجع مَنْ ہے
تب یہ لام نفع کا ہو گا بمعنی اس کے لیے یا اُس کے لیے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے كٰتِبُوْنَ
باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ہے لفظی جمع ہے معنًا واحد ہے کیونکہ مرجع اللہ تعالیٰ
ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے جملہ اسمیہ ہو کر خبر
اِنَّ ہوئی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا
اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰۤى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ
حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ ۔ واؤ سے جملہ حَرَامٌ اسم مصدر بمعنی اسم فاعل یعنی حرمت
والا یا بمعنی اسم مفعول یعنی ممنوع اس کی نو قرأتیں ہیں۔ حَرَامٌ، حِرْمٌ حَرُمَ۔ حَرِمَ
یہ سب مصدر بمعنی ممنوع ہے ۵ حَرِمَ باب سَمِعَ سے ماضی ۶ حَرُمَ باب كَرُمَ سے
ماضی ۷ حَرَمَ ضَرَبَ سے ماضی ۸ حَرَّمَ تفعیل سے ماضی مجہول ۹ حُرِّمَ تفعیل سے
ماضی معروف حرامت کی چار قسمیں ۱ تسخیری یعنی دل میں نفرت ڈال دینا کہ بندہ خود

marfat.com

بازر ہے ۲ قہری یہاں یہی مراد ہے ۳ ممانعتِ عقلی ۴ ممانعتِ شرعی یہ مصدر عامل
ہے عَلٰی قَرْیَۃٍ دراصل ہے عَلٰی اَھْلِ قَرْیَۃٍ ۔ قَرْیَۃٍ موصوف اَھْلَکْنَا
بابِ اِفعال کا ماضی مطلق جمع متکلم ایک قرأت میں ہے اَھْلَکْتُ واحد متکلم اس کا
مصدر ہے اِھْلَاکٌ بمعنٰی ایسا مارنا کہ نشان بھی باقی نہ رہے (فنا کرنا) ھَا ضمیر منصوب
متصل کا قَرْیَۃٍ مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے
قَرْیَۃٍ کی دونوں مل کر مجرور متعلق ہے حَرَامٌ مصدر کا سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مبتدا
ہے ۔ اَنَّ حرف مشبہ ھُمْ ضمیر کا مرجع قَرْیَۃٍ ہے کیونکہ یہ معنًا جمع ہے مراد ہیں سب بستی
والے اس لیے ھُمْ ضمیر جمع لائی گئی ۔ منصوب متصل ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا ۔ لَا یَرْجِعُوْنَ
بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بِلَا بمعنٰی مستقبل رُجُوْعٌ سے مشتق ہے بمعنٰی لوٹنا ۔ اصلیت
کی طرف آنا ۔ مراد ہے دینِ حق میں داخل ہونا مومن و مطیع بننا ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے
حَتّٰی حرفِ جر انتہا کے لیے بعض نے کہا یہ حَتّٰی نہ حرفِ جر ہے نہ عطف بلکہ ابتدائیہ
ہے اِذَا اسم ظرفِ زمانی فُتِحَتْ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق مجہول بمعنٰی مستقبل واحد مؤنث
غائب ایک قرأت میں فُتِّحَتْ بابِ تفعیل سے ہے یاجوج و ماجوج دونوں عبرانی کے
لفظ ہیں پہلے یہ یاغوغ و ماغوغ تھا ۔ پھر لوگوں کی زبان میں یاگوگ و ماگوگ ہوا پھر اہلِ
عرب نے گ کو جیم بنایا اس کی پوری تفصیل تفسیر عالمانہ میں کی جائے گی ان شاء اللہ تعالٰی
ایک قرأت میں یَأْجُوْجُ وَمَأْجُوْجُ الفِ ہمزہ سے ہے اور ایک قرأت میں یاجوج و اُجُوْج
ہے) یہ دونوں مبنی ہیں بر ضمہ کبھی مبنی بر فتحہ ہوتا ہے تنوین سے مانع ۔ ہوتا ہے غیر
منصرف نہیں کیونکہ ایک سبب ہے عُجْمہ دوسرا سبب نہیں ہے یعنی شخص کا نام نہیں بلکہ
پوری قوم کا نام ہے ایک قول میں یہ غیر منصرف ہے کیونکہ عجمی اور عَلَم ہے پہلے یہ ایک شخص
کا نام تھا ایک کا یاجوج دوسرے کا ماجوج ان کی نسل چلی تو یہی قومی نام بن گیا یہ دونوں
عطف نائب فاعل ہے واؤ حالیہ یا عاطفہ ھُمْ ضمیر مرفوع مبتدا ہے مرجع ہے یاجوج
ماجوج کی پوری قوم ایک قول میں مرجع ہے عام اہلِ قبور لوگ مِنْ حرفِ جر بمعنٰی
فِیْ ظرفیہ یا بمعنٰی عَلٰی فوقیت کا کُلِّ اسم تاکیدی کلی بمعنٰی ہر ۔ تمام مضاف ہے حَدَبٍ
اسم مفرد جامد اس کی تین قرأتیں ہیں ۱ حَدَبٍ بمعنٰی اونچی گھاٹی ۲ جَدَثٍ بمعنٰی
قبر ہیں ۳ جُدُدٍ بمعنٰی نیچی جگہ ۔ پہلی قرأت صحیح ہے ۔ مضاف الیہ لغت میں حَدَبٍ

marfat.com

کا معنی ہے کوہان دو کوہانوں والے اونٹ کو جمل الحدبین اور کبڑے آدمی کو حادب کہا جاتا ہے۔ یہاں زمین کی کوہانیں یعنی گھاٹیاں مراد ہیں یہ لفظ جنسی جمع ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے۔ یَنْسِلُوْنَ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب بمعنی مستقبل ایک قرأت میں یَنْسُلُوْنَ باب نَصَرَ سے ہے۔ نَسْلٌ سے مشتق ہے بمعنی قطار در قطار آگے پیچھے تیز بھاگ کر آنا۔ تسبیح کے دانوں کی طرح ڈھلکتے چلے آنا۔ نسل حیوانی و انسانی کو اسی لیے نسل کہتے ہیں کہ وہ دنیا میں آگے پیچھے پیدا ہوتے ہیں۔ یہ فعل با فاعل اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یا معطوف ہے یا جوج کا وہ سب عطف مل کر نائب فاعل ہے فُتِحَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا حَتّٰی کا یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یَرْجِعُوْنَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی اَنَّ اپنے اسم خبر کے ساتھ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے حَرَامٌ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گئے۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ﱙ وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ كُلٌّ اِلَیْنَا رٰجِعُوْنَ۔ چند انبیاء علیہم السلام کی عظمت شان بیان فرما کر ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاءِ کرام کی عظمتوں کا چرچہ فرما دیا اور بتا دیا گیا کہ بے شک یہ دین جو آپ اے مسلمانو تم کو ملا ہے یہ ہی دین ہمارے صفی آدم علیہ السلام سے شروع ہو کر ہمارے حبیب محمد رسول اللہ تک مکمل ہو گیا۔ جس طرح تمام انبیاء علیہم السلام کو سب قوتیں عظمتیں درجہ بدرجہ عطا فرمائی گئیں اسی طرح تمام انبیاء کا دین بھی ایک ہی ہے۔ ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ یہی وہ شجرۂ طیبہ ہے کہ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ اس دین مبارکہ کی جڑ توحیدِ الٰہی ابدِ قدیم سے ثابت و قائم موجود و مضبوط ہے اور اس کی شاخیں نبوتِ انبیاء آسمانِ رسالت میں لہلہاتی ہیں دین شجرِ عقائد کا نام ہے اور اس کے پھل توحید و رسالت ہے شروع سے ہی ہر نبی علیہ السلام نے اپنی اپنی امت کو اسی توحید و رسالت کی تبلیغ و تعلیم فرمائی کسی بھی نبی نے صرف توحید کی تبلیغ نہ فرمائی۔ از ابتداءِ دین تا قیامت جس طرح اے مسلمانوں تم پر فرضِ ایمانی ہے کہ وحدانیتِ معبود کے ساتھ ساتھ

marfat.com

تمام انبیاء کی رسالت نبوت پر بھی ایمان وعقیدہ رکھو اسی طرح سابقہ اُمتوں کے عقائد میں یہ عقیدہ موجود تھا کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر بھی ایمان لائیں اور تمام انبیا علیہم السّلام کی نبوت پر بھی ایمان لائیں۔ ایک بھی نبی کا انکار کرنا اسی طرح کفر ہے جس طرح توحید الٰہی کا انکار کفر ہے اور جس طرح ہمارے محبوب محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے انبیا علیہم السّلام کی تعداد بتا کر ان پر ایمان لانا فرض بتایا اسی طرح تمام پہلے نبیوں نے اپنی اُمتوں کو انبیا کی تعداد بتا کر ان پر ایمان کا حکم دیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ مسلمان کہتے ہیں کہ تمام گزشتہ انبیاء علیہم السّلام پر ہمارا ایمان ہے مگر سابقہ اُمتیں کہتی تھیں کہ گزشتہ وآئندہ انبیا علیہم السّلام پر ہمارا ایمان ہے۔ غرضکہ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً بے شک تمہارا یہ دین عقائد توحید ورسالت میں ایک ہی دین شروع سے چلا آرہا ہے اگرچہ شریعت عبادت اعمال واقوال اوامر ونواہی اور نام میں مختلف ہوتا رہا کہ اس دین کا نام کبھی شریعت آدم ہوا کبھی شریعت نوح کبھی ملت ابراہیم کبھی موسوی کبھی عیسوی اور اب آخر میں تکمیل ہو کر رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا (مائدہ آیت ۳) میں نے اپنی رضا سے صرف تمہارے لیے اس دین کا نام اسلام رکھدیا اور هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اسی رب تعالیٰ نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے رب کی طرف سے جو دین وایمان کی نعمت آدم علیہ السّلام سے شروع ہوئی وہ پوری تم پر ہوئی اسی لیے اب اس کا نام اسلام رکھا گیا یعنی منسوخ ہونے سے بھی سلامتی والا دین پہلے یہ نام اس وجہ سے نہ رکھا گیا کہ وہ منسوخ ہونے والے تھے اور اسلام منسوخ نہیں ہوسکتا یعنی اسلام نام ہے مکمل دین کا۔ غیر مکمل دین کا نام اسلام نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اے دنیا والو سمجھ لو کہ اب تمہارا دین صرف اسلام ہے۔ اب باقی تمام مذاہب بے دینی ہے وَاَنَا رَبُّكُمْ اور فقط میں ہی تمہارا رب ہوں فَاعْبُدُوْنِ۔ اس لیے فقط میری ہی عبادت کرو۔ اسی میں تمہاری کامیابی عزت عظمت قوت ہے۔ اے خوش قسمت مسلمانو کس شان کی ہے یہ تمہاری اُمت ملت کہ اس کا دین واحد شجر طیبہ اس کے پتے اعمال صالحہ اس کی شاخیں انبیا کی شریعتیں تمام انبیا اس کے خوشبو دار سدا بہار پھول اور پھولوں کی کلیوں کے غلاف میں توحید کا پھل۔ نبوت کے یہ پھول ہی صراطِ مستقیم ربانی ہے۔ جو صراطِ مستقیم سے ملے گی وہی بارگاہِ الٰہی میں مقبول وپسندیدہ

marfat.com

ہے کیونکہ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (سورۃ آلِ عمران آیت ۱۹)
جو توحید ان پھولوں سے ہٹ کر ملے گی وہ توحید نہیں ابلیس کی تلبیس ہے۔ شعر

نخلِ اسلام نمونہ ہے برومندی کا ؛ پھل ہے یہ سینکڑوں سالوں کی چمن بندی کا

جب اپنی پوری جوانی پر آگئی دنیا ؛ تو زندگی کے لیے آخری پیام آیا (محمد علی جوہر)

صراطِ مستقیم کی یہ شاہراہ صفی سے چلی حبیب تک پہنچی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسی صراط مستقیم کو امتِ واحدہ فرمایا گیا قسمتِ بیدار والے تو وہی ہیں جو اِس اُمت میں داخل اِس جماعت میں شامل اور اس لڑی میں پروئے گئے۔ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ اور بدبخت لوگوں نے اپنے دین کے معاملے کو انبیا علیہم السّلام کے دروازے سے علیحدہ ہوکر خود اپنی کم عقل کی سوچ و فکر سے آپس میں توڑ پھوڑ کر فرقے بازی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے کہ کوئی نمرود، شداد، ہامان، فرعون بن بیٹھا، کوئی زرتشت رام، گوتم بدھ بن بیٹھا، کوئی یہودی، عیسائی، مجوسی بن گیا۔ کوئی ہندو، سکھ، آریا اور دہریہ بن گیا کسی نے اپنے عقائد سے توحید کو نکالا۔ کسی نے رسالت سے منہ موڑا کسی نے اپنے دین کے بیے توحید و رسالت کی بجائے توحید و سنت کی بدعت ایجاد کرلی۔ کسی کو تاجدارِ ختم نبوت کے نعرے سے دکھ پہنچا تو اُس نے تاج و تخت ختمِ نبوت کے نعرے کو ختم دیا۔ گویا کہ تاجدار سے محبت نہیں تاج و تخت سے محبت ہے کوئی ظاہر پوشیدہ رافضی بنا اور کوئی خارجی معتزلی۔ کتنا بے دین و جاہل ہے وہ مفسر جو زرتشت اور گوتم بدھ کو بھی نبی مانتا ہے حالانکہ ان کی تعلیم و تبلیغ میں دور دور تک نبوت و رسالت کا اشارہ تک نہیں ملتا۔ جب کہ تمام انبیا علیہم السّلام کی تبلیغ میں دین الٰہی نام ہی مجموعۂ توحید و رسالت کا ہے اِسی مجموعے کی بنا پر۔ اِس آیت میں دین کو اُمّت فرمایا گیا۔ کیونکہ ایک مقصد پر جمع ہونے کو اُمّت کہا جاتا ہے۔ چند عقائد جمع ہوں تو امت بمعنیٰ دین ہے ایک دین کے سب قانون جمع ہوں تو اُمّت بمعنیٰ شریعت ہے۔ اگر ایک دین پر لوگ جمع ہوں تو اُمّت بمعنیٰ جماعت ہے اگر کسی بزرگ کے ایک دین کے مقتدی جمع ہوں تو امت بمعنیٰ امام ہے غرضکہ اُمّت کے چار معنیٰ کبھی امت کا معنیٰ جماعت کبھی دین کبھی شریعت کبھی امام بہرکیف یہ فرقے باز باطلین جتنی چاہیں حیاتِ دنیوی میں سرکشی اور فساد فی الْاَرْضِ مچالیں آخرکار

marfat.com

كُلٌّ اِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ ۔ اِن سب نے ہماری طرف ہی لوٹنا ہے ہم سے کہاں بھاگ سکتے ہیں فَمَنْ يَّعْمَلْ ۔ تو جو شخص عورت و مرد کالا گورا ، امیر غریب بیمار تندرست ،عربی عجمی عالم جاہل بلا امتیاز اپنی اپنی دنیوی زندگی شریعت کی مطابقت اقوالِ انبیا کی اطاعت اور افعالِ انبیا کی اِتّباع کرتے ہوئے کچھ اعمالِ صالحہ بھی کرے بشرطیکہ وہ توحید و رسالت پر ایمان لانے والے مومن و مخلصِ بے ریا بھی ہو تو اُس کی کسی بھی چھوٹی بڑی ظاہر و باطن خلوت و جلوت کی فرض واجبی نفلی نیکیوں کی کوششوں مشقتوں محنتوں کا کفران یعنی ضائع نا قابلِ ثواب نہ کیا جائے گا ، ہم رحیم وکریم رب ہیں اپنے انبیا کے تابع فرمان شکر گزاروں کی قدر و منزلت کرتے ہیں ہماری بارگاہ میں تو نیتِ خیر والے ناقص اعمال کو بھی قبول کر لیا جاتا ہے ۔ اِسی کرم نوازی کے لیے وَاِنَّا لَهٗ كَاتِبُوْنَ بے شک ہم ہر اچھے برے بندے کے ناقص و کامل اچھی بری سعیِ اعمال بذریعہ کراماً کاتبین بندے کے نامۂ اعمال لکھنے والے ہیں اِسی طرح کہ اہلِ شفاعت کے لیے لوحِ محفوظ میں کاتبون ہیں عمل والوں کے لیے اعمالناموں میں راجعون ہیں اور ہر ایک کے سب عمل میدانِ محشر میں حافظون ہیں ۔ ذرہ بھر ضائع ہونے کا کوئی خطرہ اندیشہ کسی کو نہ ہونا چاہیئے ۔ ہم نے اے لوگوں دنیا میں ہی تم سب کو سمجھا بتا دیا ہے اس لیے نبوت کی غلامی میں ہی زندگی گزار کر ہمارے پاس آنا ۔ خیال رہے کہ بندوں اور اُن کے اعمال کے تین حال ہیں ۱۔ کفران ۲۔ شکران ۳۔ حرمان ، بندے کی تین قسمیں یہ ہیں ۱۔ مکفور ۲۔ مشکور ۳۔ محروم ۔ ان میں فرق یہ ہے کہ کفران سے مراد ثواب نہ ملنا ۔ شکران سے مراد عطاءِ ثواب ہے اور حرمان سے مراد اعمال کی بربادی مکفور وہ بندہ جو ناشکرا ہو ۔ مشکور وہ بندہ جو شکر گزار احسان مند ہو محروم وہ بندہ جو قابلِ نفرت ہو ۔ یہاں مومن کے لیے فَلَا كُفْرَانَ فرمایا گیا اور سورۃ اسریٰ کی آیت ۱۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ مَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ كَانَ سَعْيُهُمْ مَّشْكُوْرًا ۔ لفظِ کفران ۔ شکران اور مکفور مشکور جب رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہوں تو کفران بمعنیٰ ثواب کے ناقابل کر دینا اور مکفور بمعنیٰ نا مقبول ، شکران بمعنیٰ قابلِ ثواب اور مشکور بمعنیٰ مقبول پسندیدہ یہاں آیت میں یہ الفاظ رب تعالیٰ کی طرف منسوب ہیں ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے

marfat.com

اَعمالِ مومنین کا کُفران نہ ہوگا۔ لیکن جو مومن نہ ہوں۔ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ اس آیت کی چار طرح تفسیر فرمائی گئی ہے چنانچہ امام رازی نے اس طرح تفسیر فرمائی۔ اور ازلِ قدیم میں یہ اٹل مبرم فیصلۂ تقدیر کر دیا گیا ہے کہ جس قوم اور بستی کو پچھلی گزشتہ امتوں میں سے کسی آسمانی یا زمینی عذاب سے ہلاک کر دیا گیا تھا یہ دنیوی عذاب اُخروی عذاب کا بدلہ نہ بنے گا۔ حرام اور ممنوع ہے اُس ہلاک کردہ بستی پر اور یہ بات نہیں ہے کہ وہ دائمی عذابِ جہنّم میں نہ لوٹیں کفار پر اس قسم کا کوئی رحم نہ ہوگا یہ رحم ان پر حرام کر دیا گیا ہے۔ ان کو تو دنیوی ذلت کے عذاب کے باوجود بھی آخرت کی دائمی ابدی ذلت و عذاب میں جانا ہی ہے حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ۔ **دوسری تفسیر۔** تفسیر روح المعانی نے فرمایا کہ تقدیری فیصلے میں جس قوم کا کفر پر مرنا ہلاک ہونا لکھا جا چکا ہے اب ان پر حرام ہے کہ وہ کسی کے سمجھانے سے توبہ اور ایمان کی طرف لوٹیں کبھی بھی نہیں لوٹیں گے۔ یعنی ہر نبی کے زمانے کے لیے یہ قانونِ فطرت شروع سے چلا آ رہا ہے کہ جس قوم کی تقدیر کفر پر ہی ہلاک کیا جاتا ہے اُن بدنصیبوں کو اُن کے نبی علیہ السّلام سمجھائیں یا اُن کے دین کے علما اولیا یا کتاب اور قرآن مجید سمجھائے یا حدیث پاک وہ ہرگز اللہ رسول کے ایمان اور کفر سے توبہ کرنے کی طرف نہ لوٹیں گے۔ توبہ اور ایمان کی توفیق ان پر حرام ہو چکی ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ۔ **تیسری تفسیر۔** روح البیان نے اس طرح فرمایا کہ اس آیت میں منکرینِ قیامت کا رد فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی کفار اس خوش فہمی میں مبتلا نہ رہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ ہم کو ظلم کی سزا اور کفر کا عذاب ملے ہم جو چاہیں دنیا میں فساد مچاتے ظلم کمانے کفر پھیلانے پھریں یہ خیالی تصور باطل و خام ہے اس لیے کہ تقدیر مبرم کے مطابق حرام ہے ہلاکت سے مرنے والے کفار منکرین پر یہ کہ نہ لوٹیں بھلا کیسے نہ لوٹیں گے بلکہ ضرور لوٹیں گے اور اپنے ظلم کفر فساد کی سزا میں جہنم کا ابدی عذاب ضرور پائیں گے اور اُن ہلاکت کے لائق سرکش کفار کی یہ انکارِ قیامت اُس وقت تک ہے جب تک قیامت کی علامات ظاہر نہیں ہوتیں لیکن حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ۔ **چوتھی تفسیر** امام نیشاپوری

marfat.com

اور تفسیر جامع البیان نے اس طرح فرمایا کہ۔ لَا یَرْجِعُوْنَ۔ کا لا زائدہ ہے اور معنیٰ ہے کہ حرام ہے ہر اس قوم پر کہ جن کو ہم نے دنیا میں ہلاک کر دیا ہے کہ پھر وہ دنیا میں لوٹ کر آئیں اور عزت دولت مرتبے کی دنیا پائیں یعنی کفر پر مرنے والے نہ دوبارہ دنیا میں لوٹ سکتے ہیں نہ دنیوی عزت پا سکتے ہیں نہ آخرت میں عزت کی زندگی پا سکتے ہیں نہ اس حیاتِ دنیا کی مہلت میں توبہ اور ایمان کی توفیق پائیں یہ سب دروازے ان بدنصیبوں پر بند ہو چکے ہیں اور حرام ہو چکے ہیں ابھی تو وہ اتنے بدمست ہیں کہ اس حیاۃُ الدنیا کی مہلت کو غنیمت سمجھتے ہیں نہ توبہ اور ایمانی کی توفیق مانگتے ہیں نہ چاہتے ہیں لیکن۔ پچھتائیں گے اس وقت حَتّٰٓی اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ یہاں تک کہ علاماتِ قیامت میں سے یہ پانچویں نشانی بھی ظاہر ہو جائے کہ سدِ سکندری کے اس پار سے یاجوج ماجوج کی دو انسانی وحشی قد آور قومیں سدِ سکندری توڑ کر عام انسانی آبادی کی طرف آنے کے لیے کھول دی جائیں اس وقت تک ہر قوم کے ضدی کافر ہزارہا معجزات کرامات مشاہدات عبرتیات بلکہ قیامت کی ابتدائی علامات دیکھنے کے باوجود ایمان کی طرف رجوع نہ کریں گے۔ لہٰذا اے محبوب اور تا قیامت مسلمانو تم ان کفار کی ضد بازی پر افسوس یا غم نہ کرو تمہاری تبلیغ دین و ایمان اور تمہارے سمجھانے بتانے میں کوئی کمزوری نہیں یہ ان کی ضد تو ان پر قہرِ الٰہی اور ان کی بدقسمتی ہے ان کے دلوں پر مہر آنکھوں پر پردے کانوں میں ڈاٹ ہمارے اسی ازلی قدیمی فیصلے کی بنا پر ہے۔ خیال رہے کہ ان آیت میں اہل ایمان کے لیے فَمَنْ یَّعْمَلْ (الخ) کا سدا بہار وعدۂ رحمانی ہے۔ اور وَحَرٰمٌ عَلٰی قَرْیَۃٍ کی پوری آیت میں کفار کے لیے قہر کی وعید ہے۔ بچے کھچے اس وقت کے کافروں کی ہلاکت اس وقت ہو جائے گی جب یاجوج ماجوج قومیں کھولی جائیں گی اور وہ سب نکل کر ہر اونچی پہاڑی چوٹی گھاٹی سے کثرت میں سیلاب کی طرح اور تیز بھاگنے میں وحشی بھیڑیے کی طرح نکل جائیں گے۔ نَسَلَ کا معنیٰ بھیڑیے کا بھاگنا ہے اور سب نکل کر پوری انسانی آبادی پر پھیل جائیں گے اس وقت آبادیوں بستیوں میں صرف کفار ہی ہوں گے مسلمانوں کو عیسیٰ علیہ السلام بحکمِ الٰہی پہاڑی غاروں لے جائیں گے۔ یاجوج وماجوج تمام مکانات توڑ ڈالیں گے۔ تمام دریاؤں کا پانی پی

marfat.com

جائیں گے تمام چھوٹے بڑے درخت اور جس انسان یا جانور کو دیکھیں گے کھا جائیں گے۔ مکہ مکرمہ مدینہ منورہ میں نہ جا سکیں گے کیونکہ وہاں امام مہدی کا قیام اور فرشتوں کا پہرہ ہوگا۔ یاجوج ماجوج زمین پر چالیس دن زندہ رہیں گے۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام ان پر ہلاکت کی بد دعا فرمائیں گے۔ تب ہر ایک کی ناک میں ایک کیڑا پیدا ہوگا جس سے سب مرنے چلے جائیں گے پھر عیسیٰ علیہ السلام دعا عرض کریں گے کہ یا اللہ ان نعشوں کو یہاں زمین سے ختم فرما۔ اس وقت پوری زمین ان کی نعشوں سے بھری ہوگی تب رب تعالیٰ شتر مرغ جیسے بہت بڑے پرندے بھیجے گا جو ان میتوں کو اٹھا کر نامعلوم جگہ لے جا کر پھینک دیں گے پھر ایک تیز بارش برسے گی جس سے وہ ساری زمین دھل جائے گی اور ان کی گندگی ختم ہوگی پھر ایک خوشبودار ہوا چلے گی جس سے ان مردوں کی پھیلی ہوئی بد بو ختم ہوگی تب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو غاروں پہاڑوں سے سب مسلمانوں کے ساتھ نکلنے کا حکم الٰہی ہوگا اور تمام اہل ایمان باہر آکر نئے سرے دنیا آباد کریں گے۔ باغات کھیتیاں لگیں گی عیسیٰ علیہ السلام کا نکاح ہوگا۔ اور کچھ عرصے بعد آپ کی وفات ہوگی روضۂ اقدس میں دفن کئے جائیں گے۔ حدیث پاک میں قیامت کی دس بڑی نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی دجال کی آمد۔ دوسری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا آسمان سے نزول اسی دن حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظاہر ہونا۔ تیسری نشانی دَابَّةُ الْاَرْضِ کا خروج بعض اکابر نے فرمایا یہ دابہ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کا وہی بچہ ہے جو پہاڑوں میں غائب ہو گیا تھا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ چوتھی نشانی پھر قدرتی دھوئیں کا تمام زمین میں پھیلنا۔ پانچویں نشانی یاجوج ماجوج کا کھلنا اور نکلنا۔ چھٹی نشانی پھر مغرب سے آفتاب نکلنا یعنی الٹا پھرنا۔ ساتویں نشانی علاقۂ مشرق میں زمین دھنسنے کا زبردست واقعہ آٹھویں نشانی پھر علاقۂ مغرب میں زمین دھنسنے کا عظیم واقعہ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ علاقۂ مشرق سے مراد ہندوستان ہے اور مغرب سے مراد یورپ ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ نویں نشانی پھر جزیرۂ عرب میں زمین دھنسنے کا خطرناک واقعہ۔ دسویں نشانی۔ پھر صورِ اوّل اور صورِ دوم اور پھر یمن کی جانب سے آگ نکلنے کا واقعہ صورِ اوّل سے سب زندہ اشیاء مر جائیں گی یہاں تک کہ ملائکہ بھی اور صورِ دوم سے سب زندہ ہو جائیں گے۔ اور یمن کی آگ بڑھتی آئے گی اور تمام انسانوں کو میدانِ محشر

marfat.com

کی طرف گھبرتی بھگاتی لائیگی۔ وفاتِ عیسٰی علیہ السّلام اور نفخہ صور اول کے درمیان ایک
سو بیس سال کا فاصلہ ہے مگر اُس وقت اُلٹے سورج کی تیز رفتاری ایسی ہوگی کہ ایک
سال ایک مہینے کے برابر ایک مہینہ ایک ہفتے کے برابر اور ایک ہفتہ ایک دن
کے برابر اور ایک دن اور ایک رات ایک ایک گھنٹے کی۔ یعنی سورج کے چوبیس گھنٹے
کا چکر اُس وقت دو گھنٹے میں پورا ہوگا۔ اور ایک سو بیس سال کی مدت موجودہ وقت
کے حساب سے بارہ سال بنتے ہیں۔ گویا سورج کی تیز رفتاری آج کل کے حساب سے
بارہ سال تک رہیگی۔۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

۱ اُمَّتُکُمْ کی کُمْ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ایک یہ کہ یہ خطاب صرف صحابہ
کرام کو ہے دوم یہ کہ یہ خطاب سب موجودہ تا قیامت مسلمانوں کو یا سب اہلِ عرب کو
ہے ۲ سَعْیِہٖ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ تمام اعمال کا ثواب مراد ہے دوم یہ کہ ایمان
اور اعمال کی قبولیت مراد ہے ۳ کَاتِبُوْنَ میں تین قول ہیں ایک یہ کہ لکھنے سے
مراد لوحِ محفوظ میں حفاظت کرنا ہے دوم یہ کہ کراماً کاتبین کے اعمالنامے میں لکھنا
سوم یہ کہ کَاتِبُوْنَ کا معنی مُثْبِتُوْنَ یعنی محشر تک باقی رکھنا ۴ وَحَرَامٌ میں دو قول
ہیں ایک یہ کہ حرام بمعنیٰ واجب ہے یعنی واجب ہوگیا ہے کہ وہ آخرت کی طرف
لوٹیں اور سزا پائیں دوم یہ کہ حرام بمعنیٰ ممنوع ہے ۵ وَ اَهْلَكْنٰهَا میں دو قول ایک
یہ کہ اس کا معنیٰ ہے کہ تقدیری فیصلے میں قابلِ ہلاکت ہوگئے دوم یہ کہ اَهْلَكْنَا
کا معنیٰ ہے ہم نے تقدیری فیصلے میں ان کو ہالِک بنادیا یعنی خود کو ہلاک کرنیوالے
کفر پر ڈٹے رہکر ۶ لَا یَرْجِعُوْنَ میں دو قول ہیں بعض نے کہا کہ یہ لَا نافیہ ہے اور
فعل مضارع مستقبل منفی ہے دوم یہ کہ یہ لَا زائدہ ہے اور یَرْجِعُوْنَ مضارع مستقبل
مثبت ہے ۷ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ ھُمْ
کا مرجع یا جوج ماجوج ہیں بعض نے کہا کہ اس کا مرجع قبروں سے زندہ ہونے والے
تمام انسان ہیں مگر پہلا قول درست ہے یہ غلط ہے ۸ حَدَبٍ میں تین قول ہیں
ایک یہ کہ اس کا معنیٰ اونچی پہاڑیاں اور معنیٰ ہے کہ یا جوج ماجوج پہاڑوں سے اترتے
جاگتے چلے آئیں گے اُن کی دلیل سورۃِ کہف کی آیت ۹۵ ہے وہاں ارشاد ہے

marfat.com

فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ رَبِّیْ جَعَلَهٗ دَكَّآءَ۔ یعنی جب رب تعالیٰ کا وعدہ قیامت کا ہوگا تو یہ سدِ سکندری توڑ دی جائیگی ۔ دوم یہ کہ یہ لفظ حَدَب جَدَث کے معنیٰ میں ہے جَدَث کا معنیٰ قبر ہے یعنی مُردے قبر سے نکل کر زندہ ہو کر میدانِ محشر کی طرف دوڑ یں گے۔ اِس قول کی دو دلیلیں پہلی یہ کہ ھُمْ ضمیر مذکر ہے حالانکہ یاجوج ماجوج کے لیے مؤنث ضمیر چاہیئے تھی جیسے کہ فُتِحَتْ مؤنث ہے دوسری دلیل یہ کہ سورۃِ لیٓس شریف آیت ۵۱ میں ہے۔ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ یَنْسِلُوْنَ وہاں بھی اَجْدَاث اور ینسلون ہے لہٰذا یہاں بھی معنًا جَدَث ہے بلکہ ایک قرأت میں لفظاً بھی مِنْ كُلِّ جَدَثٍ ہی ہے جب دونوں جگہ یَنْسِلُوْنَ ہے دونوں جگہ اَصل قبور ہی مراد ہیں مگر یہ دونوں دلیلیں کمزور ہیں پہلی تو اس لیے کہ فُتِحَتْ سے قبیلہ یاجوج ماجوج مراد اور قبیلہ مؤنث لہٰذا فُتِحَتْ مؤنث اور ھُمْ ضمیر سے افراد مراد ہیں یاجوج ماجوج افراداً مذکر ہیں لہٰذا ھُمْ مذکر لائی گئی۔ دوسری دلیل اس لیے کمزور ہے کہ وہ اور واقعہ ہے وہاں نفخِ صور کا ذکر ہے یہاں نہیں ہے ۔ دونوں جگہ یَنْسِلُوْنَ نے صرف یہ بتایا کہ دونوں دفعہ بھاگ دوڑ ہوگی لیکن کون بھاگے گا تو ظاہری الفاظ نے بتایا کہ فُتِحَتْ کے وقت یاجوج ماجوج اور نفخ کے وقت اہلِ قبور بھاگیں گے۔ دو مختلف واقعات کو صرف یَنْسِلُوْنَ کی وجہ سے ایک بنانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ نیز بلاوجہ ذہنی مرجع نکالنا بھی منع ہے۔ یہاں اہلِ قبور کا کوئی لفظ نہیں تو ذہنی مرجع ممنوع ہوا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دین نام ہے عقائد کا اور عقائد میں پانچ عقیدے بنیادی ہیں ۱۔ توحید یعنی اللہ تعالیٰ واحد لاشریک معبود ہے ۲۔ رسالت یعنی تمام انبیا کی نبوت پر ایمان ۳۔ تمام کلامِ الٰہی پر ایمان یعنی آسمانی صحیفے اور چار کتابیں ۴۔ قیامت اور اُس کی جزا سزا جنت جہنم کے وجود پر ایمان ۵۔ ملائکہ کے وجود پر انبیاء کی تعلیم کے مطابق ایمان لانا۔ اِن ہی پانچ عقیدوں کا نام اللہ تعالیٰ کا دین ہے آدم علیہ السّلام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام انبیا علیہم السّلام کی یہی تعلیم اور تبلیغ دین تھی یہ فائدہ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا جس مذہب والے کی تعلیم میں یہ پانچ

marfat.com

عقائد نہ ہوں گے ایک بھی کم ہو گا وہ کافر ہے۔ ماضی قریب کے ایک گمراہ اُردو مفسر نے ہری چند ہندو اور گوتم بدھ ساھارتھ بن سدھوان اور زرتشت بن کنھیا آتش پرستی کے بانی کو معاذ اللہ نبی کہا ہے۔ حالانکہ یہ سب مومن بھی نہیں نبوّت تو درکنار ہری چند ہر منت دیوتاؤں کا پجاری ہندو مذہب کا بانی۔ گوتم بدھ دہریہ خدا تعالیٰ کی ہستی کا منکر۔ ان لوگوں کو نبی کہنے والا وہ مفسّر خود کافر ہو گیا ایسے ہی جو کہے کہ ہندوؤں کو کافر نہ کہنا چاہیے وہ خود کافر ہو گیا کیونکہ کفار کو کفار نہ سمجھنا بھی کفر ہے اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ صرف توحید بھی اللہ تعالیٰ کا دین نہیں۔ بلکہ کفر ہے۔ اسی بنا پر سکھ مذہب کو کفر کہا جاتا ہے حالانکہ وہ توحید کے قائل ہیں۔ دوسرا فائدہ دنیا میں سب سے بڑی نقصان دہ چیز فرقے بازی ہے۔ انسانوں میں یہ فرقے بازی نوح علیہ السّلام کے زمانے سے شروع ہوئی اس وقت چھ فرقے بنے ایک برحق باقی کفریہ، ابراہیم علیہ السّلام کے زمانے میں ستر فرقے ایک برحق باقی کفریہ۔ موسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں بنی اسرائیل کے اکہتّر فرقے ایک برحق باقی کفریہ پھر عیسیٰ علیہ السّلام کے زمانے میں بہتّر فرقے ایک مومن باقی کافر (تفسیر صاوی روح البیان) مسلمانوں میں تہتّر فرقے ہوتے رہیں گے۔ كُلُّهُمْ فِى النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً (حدیثِ پاک) یہ فرقے متعدد زمانوں میں بنتے ختم ہوتے رہے نہ کہ ایک دم یہ فرقے بازی دینی عقائد کے مختلف ہونے کا نام ہے نہ کہ شریعتوں اور شرعی اعمال کے مختلف ہونے کا۔ یہ فائدہ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً جمع حاضر فرمانے کے بعد۔ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ جمع غائب فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی گمراہوں نے اُمّت یعنی دینی عقائد میں مَن مرضی کی توڑ پھوڑ کی نہ کہ فقط اعمال و اَفکار میں لہٰذا حنفی مالکی۔ شافعی۔ حنبلی اور قادری چشتی نقشبندی، سہروردی مختلف فرقوں کا نام نہیں یہ سب ایک ہی برحق گروہ اہل سنّت والجماعت کے جلوت والے شرعی اعمال کے مختلف مسلکی طریقوں اور خلوت والے اَفکارِ طریقت کے مختلف روحانی سلسلوں کے نام ہیں۔ **تیسرا فائدہ** یہ دین اگرچہ آدم علیہ السّلام سے شروع ہوا مگر اس وقت اس کا نام اسلام نہ تھا کیونکہ نامکمّل تھا۔ اور نامکمل کو سلامتی نہیں ملتی۔ نامکمل چیزوں کی شکل صورت حلیہ اور قد کو بقا نہیں ہوتی بلکہ بدلتی اور منسوخ ہوتی رہتی ہے اسی تبدیلی کی وجہ سے نام بھی بدلتے رہتے ہیں مثلاً

marfat.com

جب بیج اُگتا ہے تو اس کا نام کونپل پھر لٹا پھر بوٹی پھر پودا لیکن جب شکل اور قد میں مکمل ہوا تب نام ہوتا ہے درخت اسی طرح جب دین مکمل ہوا تب نام ہوا اسلام۔ یہ فائدہ۔ اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ (الخ) اور دوسری جگہ کہ رَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ نیکی وہی ہے جو انبیا علیہم السّلام کے لائے ہوئے دین پر سچا پکا دائمی ایمان لانے کے بعد کی جائے یہ مسئلہ اس آیت کی طرز ترتیب سے مستنبط ہوا۔ اس طرح اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ فرما کر تمام انبیاء کا ایک ہی دین بتایا گیا پھر فرمایا گیا فَمَنْ يَّعْمَلْ اس کی فَ تعقیبیہ نے بتایا کہ دین انبیا اختیار کرنے کے بعد جو اچھے عمل کرے۔ وَهُوَ مُؤْمِنٌ کی واؤ حالیہ نے بتایا کہ مرنے تک ایمان کی حالت پر رہے پھر فرمایا گیا فَلَا كُفْرَانَ یہاں بھی فَ تعقیبیہ ہے جس نے بتایا کہ فقط مومن نبوت کی نیکیاں اور عبادت وسعیِ اعمال کا کفران وضیاع نہ ہوگا۔ غیر مومن کے تمام اعمال آخرت میں برباد۔ دوسرا مسئلہ کوئی شخص دین وایمان لانے اور پھر اعمالِ صالحہ وعبادات میں سستی کوتاہی یا وقت سہولت کا انتظار نہ کرے نہ یہ سوچے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے نیک بننے عبادت کرنے میں۔ اس لیے کہ سرمایۂ آخرت جمع کرنے لیے فقط یہی دنیوی زندگی ہے اور موت کا وقت بھی اگرچہ عند اللہ معین ہے مگر کسی بندے کو پتہ نہیں۔ مشاہدہ بھی نہیں بتاتا کہ کس شخص نے کب مرنا ہے بچے۔ جوان بوڑھے سب ہی مرتے رہتے ہیں نہ ہی پھر کسی کو دنیا میں لوٹنا ہے۔ یہ مسئلہ وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ ظاہرًا اگرچہ یہ آیت اَهْلَكْنٰهَآ هُمْ کفار کے لیے ہے مگر وارداتِ موت کے یکساں ہونے سے عبرت سب مومن کافر کے لیے ہے کسی کو بھی دوبارہ دنیا کی یہ مہلت ملنا نہیں ہے۔ حرام بمعنیٰ ناممکن ممنوع ہے شرعی قواعد میں واجب بھی ایک طرح سے ممنوع ہے اور حرام بھی ممنوع ہے مگر فرق یہ کہ ترکِ فعل کا منع ہونا شرعًا واجب کہلاتا ہے اور عملِ فعل کا منع ہونا حرام کہلاتا ہے۔ واجب میں عمل پر ثواب ملتا ہے اور حرام میں ترک پر ثواب ہے آیت کا باطنی منشا یہ ہے کہ کسی کو بھی اس دنیا میں غفلت وسستی کی من مانیاں

marfat.com

کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ ہر شریعت میں مکلف بندے کو یہ سہولت ملتی رہی ہے کہ وہ حسب حال اور مطابق ہمت عملِ صالحہ کرے۔ ہمت طاقت سے زیادہ عملِ صالحہ کا مکلف نہ بنایا گیا یہ رب تعالیٰ کی عظیم کرم نوازی ہے یہ سہولت ہر بندے پر رب تعالیٰ کا احسان ہے۔ یہ مسئلہ۔ مِنَ الصّٰلِحٰتِ میں مِن تبعیضیہ فرمانے سے مستنبط ہوا لہٰذا تندرست مومن کے تندرستوں جیسے۔ سارے بیمار کے بیماروں جیسے۔ معذور کے معذوروں جیسے، مقیم کے مقیموں جیسے۔ مسافر کے مسافروں جیسے امیر کے امیروں اور غریب کے غریبوں جیسے ہی اعمالِ صالحہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول و منظور ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا وَ تَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَیْنَهُمْ۔ یعنی لوگوں نے اپنا اپنا دین مختلف بنا لیا اس کی برائی فرمائی جارہی ہے حالانکہ یہ کام تو انبیاء نے بھی کیا کہ ہر نبی کی شریعت مختلف ہوتی رہی۔ مگر اس کو اچھا کہا جاتا ہے اور دینِ حق۔ اس کی کیا وجہ جواب اس کا جواب تفسیر عالمانہ میں واضح کردیا گیا ہے یہاں اتنا اور سمجھ لو کہ انبیاء علیہم السّلام کی شریعتوں کا مختلف ہونا۔ دینی اختلاف نہیں بلکہ طریقۂ عمل کا اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف مُضر نہیں اس لیے کہ دراصل دین نام ہے عقائد کا اور شریعت نام ہے اعمال کا۔ عقائدِ حق کی مخالفت فرقے بازی ہے تَقَطَّعُوْۤا سے یہی مراد ہے اس کی برائی ہے کیونکہ فساد فِی الْاَرْض ہے۔ تمام انبیاء کرام علیہم السّلام کے عقائد بالکل ایک جیسے تھے ذرہ بھر اختلاف نہ تھا اسی کو اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ فرمایا گیا۔ اسی کی تعریف و ثنا فرمائی جارہی ہے یہ فرقے بازی نہیں شریعتوں کا اختلاف تو حالاتِ زمانہ اور عوام کے لحاظ سے ہوتا ہے۔ اعمال و عبادات تو وقت کے گزرنے سے ایک ہی شریعت میں بھی مختلف ہوجاتے ہیں جیسے عورت و مرد۔ بیمار و تندرست، معذور، درست امیر و غریب کے اعمال و عبادات اور طریقۂ ادا میں بے شمار اختلاف ہیں اور پچھلی ہر ایک شریعت میں ہوتے رہے اس ہی اختلافِ شرعی کو سہولیات کہا جاتا ہے نہ کہ فرقے بازی۔ دوسرا اعتراض

marfat.com

اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا وَ تَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ اور سورۃ مومنون کی آیت ۵۳ میں فرمایا گیا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ. عبارت اور مضمون ایک ہے مگر یہاں واؤ ہے وہاں فَ ہے اس کی کیا وجہ ؟ جواب اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں عوام اور ان کی عام عبادت و کردار کا ذکر کیا گیا عوام کے کردار فرقے بازی کا وقت نہ بتایا گیا۔ یہاں صرف یہ بتایا اور سمجھایا جا رہا ہے کہ اے یہودیو تم لوگ موسیٰ وہارون اور عزیر علیہم السّلام کو ماننے والے ہو اور اے عیسائیو تم عیسیٰ علیہ السّلام کو ماننے والے ہو۔ اور اے عربیو تم ابراہیم اور اسماعیل علیہما السّلام کو ماننے والے تم لوگ اسلام کی مخالفت اور انکار کیوں کر رہے ہو اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ۔ ہمارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ تمہارے پاس لایا ہوا دینِ اسلام اُمَّةً وَّاحِدَةً ابراہیم موسیٰ ہارون وعزیر وعیسیٰ والے دین ہی کی مثل ہے سب ایک ہی دین ہے۔ یہودیت مجوسیت اور عیسائیت اور بت پرستی تو بعض لوگوں کی ذاتی حرکت اور فرقے بازی کی توڑ پھوڑ ہے اس لیے وَ تَقَطَّعُوْٓا واؤ عاطفہ سے ارشاد ہوا یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے دین کی تو یہ شان کہ سب انبیا علیہم السّلام ایک ہی دین لے کر آئے اور کافر لوگوں کی یہ حرکت کہ انہوں اپنے اپنے دین مذہب بنا لیے لہٰذا جب تمہارا زبانی دعویٰ ہے اُن انبیا کو ماننے کا تو اُن کے لائے ہوئے دین کو بھی مانو جس کا ایک اسلام نام رکھا گیا ہے۔ مگر عملی طور پر تم فرقے بازوں اور اپنے باپ دادوں کی ماننے ہو لیکن سورۃ مومنوں میں اس فرقے بازی کا وقت بتایا گیا کہ اے گروہ انبیا اور اہل ایمان لوگو تم سب اپنے تقوے طہارت عبادت کی تعلیم تبلیغ اور عمل صالحہ پر قائم رہو کیونکہ سب انبیاء نے اپنے زمانوں میں تقوے کی ہی تعلیم فرمائی پھر اُن کے بعد لوگوں نے فرقے بازی شروع کر دی اس لیے وہاں فَ تعقیبیہ لائی گئی جس نے بعدیت کو بتایا۔ لہٰذا یہاں واؤ عاطفہ اور وہاں فَ تعقیبیہ بالکل درست ہے۔ تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں پہلے فرمایا گیا كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ. یعنی سب لوگ ہماری طرف لوٹنے والے ہیں پھر آیت ۹۵ میں فرمایا گیا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ. بے شک وہ نہیں لوٹیں گے۔ ظاہرا تو یہ تضاد معلوم ہوتا ہے جواب۔ بالکل تضاد نہیں۔ عبارت بالکل صاف ہے۔ صرف

marfat.com

معترض نے عقل سے غور و تدبر نہ کیا۔ پہلے رَاجِعُوْنَ کا تعلق اِلَيْنَا سے ہے یعنی سب لوگ قیامت کے دن ہماری طرف لوٹیں گے۔ اور لَا يَرْجِعُوْنَ کا تعلق حَرَامٌ سے ہے۔ یعنی لَا يَرْجِعُوْنَ حرام ہو چکا ہے۔ اور رُجوع اِلَى الله اتنا اٹل لازمی اور تقدیر مبرم ہے کہ کسی کے ٹالے نہ ٹلے روکے نہ رکے منکرینِ قیامت سن لیں کہ ان پر حرام و ممنوع ہے نہ لوٹنا۔ یعنی ضرور لوٹیں گے حساب و کتاب سنیں گے ظلم و کفر کا بدلہ پائیں گے جہنم میں جائیں گے غرضکہ رَاجِعُوْنَ فرمانا فیصلۂ ربانی کی خبر دینا ہے اور لَا يَرْجِعُوْنَ فرمانا فیصلے کی سختی اور مضبوطی کا بتانا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۖ وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ وَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ ؕ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ۔ فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ وَاِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ۔ اے سالکینِ حقیقت کے گروہ بے شک وہ توحید مخصوصہ کا طریقِ مستقیم جو سب انبیا کا صراطِ نور ہے اور اہلِ طلب کو مجاز سے نکال کر حقیقت کی طرف لے جانے والا ہے ایک ہی ہے نہ اس میں کمی ہے نہ کجی نہ موڑ ہے نہ بڑھ نہ حق سے فرار ہے نہ غیر کی طرف انحراف ہے نہ مخالفت کا میلان ہے نہ توجہ اس راہِ شوق کے سب راہ نوردوں کو یہی تعلیم و تدریس ہے کہ اَنَا رَبُّكُمْ ہر حال زمان میں میں ہی تمہارا مُربّی ہوں ارواح سے شکمِ مادر تک مہد سے لحد تک میرا ہی کام ہے تم سب کو پالنا اور تمہارا کام ہے بندگانِ مخلص کی طرح پلنا۔ میرے سوا کسی کو اپنا رب نہ سمجھو۔ اس راہِ عشق کی عبادت کے امر توجہ اِلَى الله ہے اور نہی غیر اللہ سے بے توجہی اور حق تعالیٰ سے دور و محجوب ہونے والے لوگوں نے منزلِ دین مقامِ ایمان مرتبۂ عرفان سے غافل و ناواقف ہونے کی وجہ سے اپنے راستوں کو جھوٹی دستار کی گفتار دنیا سازی کا جبہ اور چال بازی کا قبہ بنا کر خود ہی ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور مختلف اندھیرے رستوں میں بکھر گئے۔ اور ابلیس کے فریبی طریقوں کو اپنا اپنا دین سمجھ لیا اور خواہشاتِ مختلفہ سے ٹیڑھے راستے غلط منزلیں چن لیں۔ یہ نہ جانا کہ آخر کار سب نے آنا ہماری طرف ہی ہے دنیا میں جو چاہیں راستے بنائیں مقاصد اور سمتیں بنانے پھریں۔ ہر اچھے کو جزا ہر بُرے کو سزا تو ہم ہی دینے والے ہیں لہٰذا ہم

marfat.com

فرور ہر ایک کو اُس کے ایمان و اعمال کے مطابق ہی بدلہ دیں گے۔ خوش قسمت تو وہ ہے جو اِس حیاتِ دنیوی میں ہمارے پیچھے راستے پر چل کر صدقِ ایمانی کے ساتھ نیک کام کرے پس جو شخص کمالِ علمیہ سے متصف ہو کر عالمِ ظاہر و باطن بن جائے اور یقینِ کامل حاصل کر لے تو اُس کی راہِ طلب کی تمام کوششیں محنتیں مشقتیں مصیبتیں قیامتِ وُسطیٰ کے میدانِ حشر و نشر میں محرومیِ ثواب کے کُفران میں ہرگز ضائع اور برباد نہ ہوں گی بلکہ فطرۃِ اُولیٰ کے مقام تک مقبول و مشکور منظور رہوں گی اور بے شک ہم ہر بندے کے اِخلاص کے مطابق صحیفۂ قلب میں اُس کی یہ سعیٔ مشکور لکھ دینے والے ہیں۔ تاکہ تا اَبد ثابت و قائم باقی و دائم حافظ و راقم ہو جائے۔ لیکن جن سرکشوں کی ہلاکت کا فیصلہ اُن کی بد بختی شقاوتِ قلبی کی وجہ سے ازلِ اسرار میں ہم نے کر دیا ہے اُن پر حرام و ممتنع ناممکن و مستحیل ہو چکا ہے کہ وہ پھر دوبارہ حجاباتِ کُفران اور ظلماتِ کُفر سے نکل کر نشاۃِ دنیوی میں فطرتِ عرفانی کی طرف لوٹ سکیں۔ اس لیے کہ۔ وَحَرَامٌ عَلٰی قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ۔ جن لوگوں کو دوریٔ بارگاہ کے اندھیروں میں ہم نے ہلاک کر دیا۔ اُن پر تا ابد انعامِ سعادت حرام ہے۔ وہ پھر کبھی بھی چمنِ معرفت کی خوشبوؤں تازگیوں میں نہ لوٹ سکیں گے یہاں تک کہ قوتِ نفسانیہ کے یاجوج اور شہواتِ بدنیہ کے ماجوج پر انحرافِ مزاجی کے دروازے کھول دئے جائیں اور خواہشاتِ جسمانی کی ترکیب کا بندھن ٹوٹ جائے جو مرشدِ کامل نے باندھا تھا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جب کسی بد نصیب کی خواہشات و شہوات کے بندھ کھل جاتے ہیں تو وہ ہر عضوِ بدنی کی بلندیوں کے محلِ مغز اور مغز سے اترتے ہی چلے آتے ہیں۔ پھر بد معاشیوں کا ایسا یَنْسِلُوْنَ مچتا ہے کہ نہ آنکھ میں حیا۔ نہ کان میں شرفانہ ہاتھ میں قُوا۔ نہ پاؤں میں بقا۔ نہ قلب میں تقیٰ۔ نہ عقل میں بقا کچھ بھی کہیں بھی ایمانیات کے کھِل کھِلاتے باغات لہلہاتے کھیت نظر نہیں آتے۔ ہر طرف شیطانیات کی بکھیر ہوتی ہے۔ تب اِن بد بختوں کو ہوش آتا ہے اور کہتے ہیں ہائے ہماری ہلاکت، ہماری تو یہ غافلین سُفہا کے لیے۔ یہی عالمِ نامرت کے یاجوج و ماجوج ہیں (محی الدین ابن عربی) راہِ طلب کے تین فرقے پہلا طالب دنیا یہ کثیر ہیں دوسرا طالب آخرت یہ قلیل ہیں۔ تیسرا طالب مولیٰ یہ عظیم ہیں۔ لیکن کُلٌّ اِلَیْنَا

marfat.com

رَاجِعُوْنَ۔ سب ہماری طرف ہی لوٹنے والے ہیں۔ طالبِ دنیا صورتِ قہر کی طرف اور طالبِ آخرت صورتِ مہر کی طرف۔ قہر جہنم ہے اور مہر جنت ہے مگر ہمارے طالب انوارِ وحدانیت کی طرف لوٹنے والے ہیں۔ اہلِ شہوات اور گستاخیِ نبوت کی بدعات والوں کے دلِ اعتقاد کی بدنیتی اخلاق کی برائی مخالفتِ شریعت۔ عداوتِ طریقت۔ رقابتِ حقیقت کی وجہ سے ایمان کی طرف رجوع اور مولیٰ تعالیٰ کی طرف توبہ کر سکتے ہی نہیں کیونکہ انہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا لہٰذا۔ فَمَنْ یَّهْدِیْ مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ (سورۃ روم آیت ۲۹) یعنی کون ہدایت دے سکتا ہے اُس گمراہ کو جسے اللہ تعالیٰ نے فیصلۂ ازلیہ قدیمیہ تقدیریہ مُبْرَمَہ میں گمراہ کر دیا ہر توفیق کا دروازہ ان پر بند کھلنا حرام و ناممکن (روح البیان)، اے سالکینِ معرفت تم مقاماتِ علویہ عبور کر کے اپنے قلوب میں بقا باللہ اپنی عقول میں فنا فی اللہ کی متفرق دولتوں کو جمع کر لو گے تو تم خود اُمَّۃً وَّاحِدَۃً بن جاؤ گے یہ ہی تمہاری ابتدا ہے پھر تم کو رب تعالیٰ اپنی معرفت عطا فرمائے گا یہ ہی تمہاری سلامتی ہے پھر ارشاد ہوگا اَلْیَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِیْنَكُمْ۔ یہ تکمیل ہے اس کے بعد تمہارے اسی دین کا نام اسلام رکھا جائے گا یعنی منسوخیت سے سلامتی والا ختم نہ ہونے والا۔ پہلے اس دین کا نام اسلام اسی لیے نہ رکھا گیا کہ وہ درخت تو تھا مگر پودے کی شکل میں غیر مکمل اور غیر سلامتی والا منسوخیت سے۔ اَنَا رَبُّكُمْ تم کو پالنے والا صرف میں ہوں فَاعْبُدُوْنِ پس میری شریعت کی عبادت میری طریقت کی ریاضت کرو۔ اہلِ دنیا نے اپنے خُبثِ باطنی کی وجہ سے اس راہِ حقیقی کی طلب کو چھوڑ کر مختلف راستے بنا لیے۔ اہلِ کمال کی سعیِ اعمال کو محرومیِ انوار کے کفران میں نہیں ڈالا جاتا۔ وَحَرَامٌ۔ ہاں البتہ اُن خُبثِ باطن والوں پر جن کی ہلاکت و ذلالت کا قدیمی فیصلہ ہو چکا ہے غفلتوں سے نکلنا عظمتوں کی طرف آنا حرام و ناممکن کر دیا گیا ہے وہ بدقسمت یاجوجِ نفس اور ماجوجِ خباثت کے کھلنے تک دنیوی خواہشوں زمزموں بکھیڑوں میں ہی مبتلا رہیں گے یہی دنیا کے کافرانِ مطلق ہیں صوفیا کی اصطلاح میں احکامِ شریعت سدِّ سکندری ہے جس میں خواہشاتِ نفس کے یاجوج ماجوج قید ہیں اور مخالفتِ شریعت پیرویِ طبیعت اِن کا کھلنا ہے یاجوج معدنِ شہوات ہیں اور ماجوج حواسِ ظاہرہ کی بدعملی ہیں ان کا فساد قالبِ انسانی میں یَنْسِلُوْنَ ہے جو روح کی قلب و عقل والی آبادیوں بستیوں میں پھیل جاتا ہے۔ وَاللّٰهُ حَافِظٌ مِّنْ شَرِّهَا۔

marfat.com

وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَإِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ

اور جب قریب آئے گا الٰہی فیصلہ تو اچانک ایسی حالت ہوگی کہ کھلی رہ جائیں گی

اور قریب آیا سچا وعدہ تو جبھی آنکھیں پھٹ کر رہ جائیں گی

أَبْصَارُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ يَا وَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِي غَفْلَةٍ

اُن لوگوں کی آنکھیں جو کافر رہے کہ ہائے ہماری بربادی بے شک رہے ہم غفلت میں

کافروں کی کہ ہائے ہماری خرابی بے شک ہم اس سے غفلت میں تھے

مِّنْ هَٰذَا بَلْ كُنَّا ظَالِمِينَ ﴿٩٧﴾ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ

اس دن سے بلکہ ہم ہی تھے ظالم ۔ بے شک تم اور وہ چیزیں کہ پوجتے ہو تم

بلکہ ہم ظالم تھے ۔ بے شک تم اور جو کچھ اللہ کے سوا

مِن دُونِ اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنتُمْ لَهَا

اللہ کے مقابل ۔ دوزخ کا ایندھن ہیں تم سب اس میں

تم پوجتے ہو سب جہنم کے ایندھن ہو تمہیں

وَارِدُونَ ﴿٩٨﴾ لَوْ كَانَ هَٰؤُلَاءِ آلِهَةً مَّا

گرنے والے ہو ۔ اگر ہوتے یہ بت واقعی معبود تو یہ سب نہ گرتے

اس میں جانا ۔ اگر یہ خدا ہوتے جہنم میں نہ جاتے اور

وَرَدُوهَا ۖ وَكُلٌّ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٩٩﴾

اس دوزخ میں حالانکہ یہ سب ہی اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

ان سب کو ہمیشہ اس میں رہنا

marfat.com

لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا

ہوگی ان کی اس جہنم میں گدھے جیسی چیخ اور وہ اس میں

وہ اس میں رینکینگے اور وہ اس میں

يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

سننے کے قابل نہ ہونگے

کچھ نہ سنیں گے ۔

تعلقات ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق ۔ پچھلی آیت میں قرب قیامت کی ایک نشانی یعنی یاجوج و ماجوج کا نکلنا بیان ہوا ۔ اب ان آیات میں اس سچے وعدے یعنی قیامت کے آنیکو صاف صاف لفظوں میں فرمایا جارہا ہے کہ وہ بالکل قریب ہے ۔ دوسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ یہ کافر تو اس دنیا میں پھر آنے کی تمنا رکھتے ہیں مگر ان کا دوبارہ آنا حرام ہے اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ وہ جہنم کا ایندھن ہیں بھلا واپس دنیا میں کیسے آسکتے ہیں ۔ تیسرا تعلق ۔ گذشتہ آیت میں فرمایا گیا کہ کفار دنیا میں فرقے فرقے ہوگئے اور دینی اعتبار سے جدا جدا ہوگئے ۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ فرقے باز اب جہنم میں ہی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے كُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ ہوں گے یعنی وہیں اکٹھے ہوں گے ۔

تفسیر نحوی وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا هِيَ شَاخِصَةٌ اَبْصَارُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۔ يٰوَيْلَنَا قَدْ كُنَّا فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ

واؤ عاطفہ اس سے عطف ہے مابعد کا سابقہ فُتِحَتْ کے جملے پر ۔ اِقْتَرَبَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب بمعنیٰ بہت قریب ہوگیا یا آگیا حقیقتاً مستقبل کے معنیٰ میں ہے اس کا مصدر ہے اقتراب ۔ افتعال میں فعل کا مبالغہ (زیادتی وکثرت) ہوتی ہے قُرْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ قریب آنا ۔ یہاں یعنی قرب میں کثرت نہیں ہے ۔ افتعال میں لانے سے بہت کا معنیٰ پیدا ہوا اَلْوَعْدُ اسم مفرد معرفہ الف لام عہدی بمعنیٰ

marfat.com

فیصلہ (قیامت) موصوف ہے اَلْحَقُّ اسم مفرد جامد بمعنیٰ حق سچ صفت ہے یہ مرکب توصیفی فاعل ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا اِذَا فُتِحَتْ پر فَ زائدہ رابطے کے لیے اِذَا مفاجاتیہ فَ جزائیہ کے قائم مقام ہے یہاں فَ جزائیہ کی ضرورت نہیں کیونکہ جب جملہ اسمیہ جزا بنے اور اِذَا بھی ہو تو وہاں فَ جزائیہ کی ضرورت نہیں۔ ہِیَ ضمیر شان (ضمیر قصہ) کیفیت وحالت بیان کرنے والی مبتدا ہے۔ شَاخِصَةٌ بابِ فتح کا اسم فاعل واحد مؤنث شُخُوْصٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا یعنی ہیبت اور دہشت سے گھبرا کر مسلسل دیکھے جانا یہ خبر مقدم ہے اَبْصَارُ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد بَصَرٌ ہے بمعنیٰ نگاہ نظر والی آنکھیں مضاف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہے اَبْصَارُ کا یہ مرکب اضافی مبتدا مؤخر ہوا۔ شَاخِصَةٌ کا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ہِیَ مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو کر جزاءِ اوّل ہوئی۔ یَا حرفِ ندا وَیْلَ اسم مفرد معرب نکرہ معرفہ بنایا گیا ضمیر کی اضافت سے بمعنیٰ ہلاکت بربادی تباہی مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مرجع ہے۔ اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ مجرور متصل ہے کیونکہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے قَدْ کُنَّا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی قریب بمعنیٰ ماضی بعید تحقیقیہ یعنی بے شک تھے ہم۔ جمع متکلم کی ضمیر بارز اس کا فاعل یہ فعل تامہ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ غَفْلَةٍ اسم مفرد مؤنث نفظی بمعنیٰ نادانی سستی کاہلی بیوقوفی ناسمجھی حماقت مجرور ہو کر متعلق اوّل ہے مِنْ ھٰذَا یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی سے مراد قیامت یا دینِ حق قَدْ کُنَّا اپنے فاعل اور دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ حرف عطف برائے اِضراب (ماقبل کی نفی مابعد کا ثبوت) کُنَّا۔ فعل ناقصہ جمع متکلم کی ضمیر صیغہ اس کا اسم ظٰلِمِیْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب ہے خبر ہے کُنَّا کی یہ مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا قَدْ کُنَّا پر دونوں مل کر جوابِ ندائیہ سب مل کر جملہ ندائیہ ہو کر قَالُوْا پوشیدہ کا مقولہ ہو کر جزاءِ دوم ہے اِذَا فُتِحَتْ کا اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ اِنَّ حرفِ مشبہ کُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل مرجع کفارِ مکہ اور تمام بت پرست کفار معطوف علیہ واو عاطفہ مَا اسم موصول اَصْلًا غیر عقل والوں

کے لیے ہوتا ہے مگر کبھی صرف ذوی العقول اور کبھی ہر دو کے لیے ہوتا ہے یہاں اپنے اصلی
معنیٰ میں ہے مراد بُت ہیں ہر قسم کے خواہ کسی بھی شخصیت کے ہوں تَعْبُدُوْنَ باب نَصَرَ
کا فعل مضارع حال جمع مذکر حاضر عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بُت پرستی کیونکہ کفار کی مذہبی
عبادت صرف بتوں کی سجدہ ریزی ہے مِنْ جارّہ زائدہ دُوْنِ مضاف اَللّٰہِ مضاف الیہ
یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَعْبُدُوْنَ فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر
صلہ ہوا مَا کا ایک قول میں مَا مفعول بہٖ مقدم ہے یہ موصول صلہ مل کر معطوف ہوا دونوں عطف مل کر
معطوف ہوا دونوں عطف مل کر اسم اِنَّ ہے حَصَبُ اسم مفرد جامد اس کی پانچ قرأتیں ہیں ۱
حَصَبُ ۲ حَضَبُ ۳ حَصْبُ ۴ حَضْبُ ۵ حَطَبُ معنیٰ سب کا ایک ہے
ایندھن لکڑی کی مثل۔ خیال رہے کہ ایندھن کے لیے عربی میں پانچ لفظ ہیں ۱ وَقُوْدٌ یعنی
ہر قسم کی جلنے والی مثلاً لکڑی کپڑا پیٹرول۔ گیس تیل گھاس پھوس وغیرہ ۲ جَزْلٌ۔ پانی سے خشک
شدہ چیز ۳ دَعْرٌ سلگ سلگ کر جلنے والا ۴ خَوَاخٌ جلدی بھڑک کر جلنے والا ۵ جِدْلٌ
یا وَبِلٌ گٹھا ہوا مضبوط ایندھن یہ مضاف ہے جہنم اسم مفرد مُعَرَّبْ مضاف الیہ مرکب اضافی
خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَنْتُمْ۔ اسم ضمیر مبتدا ہے لام حرف جر بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ
یا بمعنیٰ عَلٰی فوقیت کا یہ جار مجرور متعلق ہے وَارِدُوْنَ کا باب ضَرَبَ سے اسم فاعل جمع مذکر
وَرْدًا سے مشتق ہے بمعنیٰ داخل ہونا گزرنا اوپر سے اترنا۔ قریب جانا یہاں پہلے
معنیٰ میں ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ
ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا
وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ۔ لَوْ حرفِ
شرط كَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق هٰٓؤُلَآءِ اسم اشارہ جمع مذکر مؤنث دونوں کے لیے
مبنی ہے بحالتِ رفع اسم ہے كَانَ کا اٰلِهَةٌ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے
اِلٰہٌ خبر ہے كَانَ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط ہے مَا وَرَدُوْا باب ضَرَبَ کا فعل
ماضی مطلق منفی جمع مذکر غائب وُرُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گرنا داخل ہونا اس کا فاعل
ضمیر صیغہ ہے مرجع مَا تَعْبُدُوْنَ ہے یعنی تمام بُت یا اس کا مرجع عابدین معبودین
سب ہیں اس لیے کہ اگر بُت سچے ہوں تو نہ بُت جہنم میں جائیں نہ ان کے پجاری
واؤ حالیہ بمعنیٰ حالانکہ كُلٌّ اسم تاکیدی یعنی تمام بُت و بُت پرست فِيْهَا یہ جار مجرور

marfat.com

متعلقِ مقدم ہے خٰلِدُوْنَ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر خَالِدٌ واحد ہے خُلْدٌ اور خُلُوْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہمیشہ رہنا ضمیر صیغہ اس کا فاعل اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا دونوں مل کر حال وَرَدُوْ کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ نافیہ ہوکر جزا ہے لَوْ کَانَ کی۔ دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا لَھُمْ یہ جار مجرور متعلقِ اوّل ہے پوشیدہ یَکُوْنُ فعل کا فِیْھَا یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے یَکُوْنُ تامّہ کا زَفِیْرٌ اسم مبالغہ بروزن فَعِیْلٌ زَفْرٌ سے مشتق بمعنیٰ رینکنا گدھے کا، یا گدھے کی مثل آواز کا نکالنا خواہ نقل کرتے ہوئے یا مجبوراً کسی بیماری و تکلیف سے یہاں آخری معنیٰ میں ہے زفیر خود بھی مصدر اور مبالغے کا معنیٰ ہے گدھے کی ابتدائی چیخ دار آواز کو کہتے۔ لغوی ترجمہ ہے اتنی زور سے آہ بھرنا کہ پھیپھڑے ہوا (سانس) سے بھر جائیں یہ فاعل ہے یَکُوْنُ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے فِیْ حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ ھَا ضمیر واحد مؤنث مجرور متصل اس کا مرجع ہے جہنم یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے۔ لَا یَسْمَعُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی جمع مذکر غائب سَمْعٌ سے مشتق ہے لازم بھی ہوتا ہے متعدی بیک مفعول بھی یہاں لازم ہے ترجمہ ہے سننے کے قابل ہی نہ ہوں گے یعنی مکمل گونگے اسی لیے اس کا مفعول بہ نہیں ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل فاعل اور متعلق مقدم مل کر جملہ فعلیہ منفیہ ہوکر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ فَاِذَا ھِیَ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یٰوَیْلَنَا قَدْ کُنَّا فِیْ غَفْلَۃٍ مِّنْ ھٰذَا بَلْ کُنَّا ظٰلِمِیْنَ۔ یہ تمام وہ قومیں جو کفر کرکے ہالک یعنی اپنے آپ کو ہلاک کرنے والی بن چکی ہیں اور فیصلۂ تقدیر میں ہلاک ہونے والی بن گئیں اس وقت تک غفلت سے نکل کر توبہ اور کفر کے پچھتاوے کی طرف نہ لوٹیں گی جب تک کہ علاماتِ قیامت میں سے دو بار یَنْسِلُوْنَ کا مظاہرہ نہ ہوجائے۔ ایک پہلا اس وقت اِذَا فُتِحَتْ یَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ جب کہ یاجوج ماجوج کھولے جائیں گے اور بھگدڑ مچائیں گے اور دوسری بار اس وقت جب کہ اِقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ نفخۂ دوم کے بعد قیامت کا یقینی وعدہ بالکل ہی قریب ہوجائے گا

marfat.com

اور تمام انسان زندہ ہو جائیں گے فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ
اور کفار اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف مُغادرہ کریں گے بھگدڑ مچ جائیں گے
فَاِذَا هِيَ تو جب وہ حق الیقین وعدہ اچانک ظاہر ہوگا تب کفار کی آنکھیں پھٹی اور
چڑھی رہ جائیں گی قبروں سے بھاگتے اور قیامت کے آنے کی دہشت کی وجہ سے
کہیں گے ہائے ہماری ہلاکت بے شک دنیا میں ہم بہت بڑی غفلت میں پڑے رہے
نہ انبیاء کی مانی نہ اولیا کی علیہم السلام۔ نہ قرآن کو سمجھا نہ اسلام کو پرکھا آج بروزِ حشر
ہم کو سب یاد آرہا ہے کس شفقت و محبت سے انبیا نے ہم کو سمجھایا قیامت کا
آنا سنایا جہنم سے ڈرایا۔ قرآن مجید نے بار بار قبر کا حال بتایا مگر ہم بدنصیب ک
سنتے کان دھرتے تھے اُن مُنْذِرِیْنَ مِنَ اللّٰہ کی ہم اِس سے غافل نہیں رکھے گئے تھے
بَلْ كُنَّا ظٰلِمِيْنَ بلکہ ہم سب سنتے جانتے عقل سے سمجھتے ہوئے بھی ضدی بن کر
خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے آج پچھتا کر توبہ کر رہے ہیں جب کہ کوئی
فائدہ نہیں۔ قرآن و حدیث نے تو ہم کو ہمارے پچھتاوے دنیا میں ہم کو بتا دی تھیں
مگر اس وقت ہماری کم بختی ہم نے اپنے خیر خواہ انبیا کی جو ہمارے ہی غم میں غمزدہ
رہتے تھے نہ مانی اور ان پیاروں کو ہی اپنا دشمن سمجھا۔ اور شیطان ملعون و مردود کو
اپنا دوست سمجھتے رہے۔ انبیا علیہم السلام نے اپنے اپنے زمانوں میں اپنی امت کو
ہمیشہ یہی سمجھایا کہ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ اَنْتُمْ
لَهَا وَارِدُوْنَ ۔ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا
خٰلِدُوْنَ ۔ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ ۔ اے بت
پرستی کر کے کفر پر دین پر مرنے والو بے شک تم سب بُت پرست بھی اور تمہارے
سب دیوتا دیوی چاند سورج ستارے اور نیک بزرگوں کے نام پر بنائے ہوئے
بُت بھی جہنم کا ایندھن بنا دئے جاؤ گے۔ اَنْتُمْ لَهَا وَارِدُوْنَ تم بچاری تو
جہنم میں جلنے کے لیے ہی پھینکے جاؤ گے لیکن یہ اینٹ پتھر دھات کی مورتیں تم
کو مزید ذلیل کرتے جلاتے کے لیے تمہارے پاس جہنم میں ڈالے جائیں گے اس
طرح کہ ان کو جہنم میں بے بسی کی ذلت سے پڑے ہوئے دیکھ کر تمہارے دل جلیں
گے کہ ہائے یہ وہی بت ہیں جن کی دنیا میں ہم پوجا کرتے تھے ان کو الٰہ سمجھتے عزت

marfat.com

کرتے تھے۔ اور جب یہ گرم ہو کر تمہارے جسموں سے لگیں گے تو تمہارے جسم جھلسیں گے جس سے تم کو مزید تکلیف اور جلن یعنی عذاب بڑھے گا اس لیے بذاتِ خود چاند سورج ستارے بھی جہنم میں ڈالے جائیں گے تاکہ ان کے پجاریوں کو ان کی گرمی کا بھی عذاب پہنچے۔ اسی طرح ہر وہ بدمعاش بھی تمہارے ساتھ جہنم کا ایندھن بنا دیا جائے گا جو دنیا میں اپنی عبادت یا تعظیمی سجدے کرایا کرتا تھا جیسے نمرود۔ فرعون یا تا قیامت کوئی بھی اپنے مریدوں سے تعظیمی سجدے کرانیوالا۔ یا ورغلا بہلا پھسلا۔ وسوسا کر لوگوں سے کسی کی عبادت کرائے جیسے ابلیس وسامری اور پنڈت پوپ پادری جوگی اور جو شخص اپنی جھوٹی معبودیت اور اپنے سامنے لوگوں کی سجدہ ریزی سے راضی اور خوش ہو وہ بھی کل بعدِ قیامت جہنم میں ایندھن بنا کر ڈالے جائیں گے۔ اے نادانو دنیا میں بھی تم کو سنایا سمجھایا جا رہا ہے اور آخرت میں تم کو دکھایا جائے گا کہ اگر یہ تمہارے دستی تراشے خراشے بُت اور نمرود و فرعون اِلٰہ ہوتے تو مَا وَرَدُوْهَا۔ آج یہاں جہنم میں ہزار ہا ذلتوں کے ساتھ نہ پڑے ہوتے اور پھر یہ ذلت و رسوائی کا جہنم ایک دو دن کی بات نہیں بلکہ وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ تم سب اور وہ تمہارے تمام دیوی دیوتا بُت مورتی تِمثال وَاَوْثَان اس عذابِ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہو گے نہ مرنے جیسے ہو گے نہ جینے جیسے اتنی دراز مدت کہ جس کی انتہا ہی کوئی نہیں اُس جہنم میں اُن جہنمیوں کی لمبی آواز گدھوں جیسی مکروہ چیخ وپکار اور منحوس اور اہلِ جہنم تا ابد اُس دوزخ میں کبھی کوئی خوشی کی آواز نہ سنیں گے نہ دلوں کو خوش کرنیوالی خوشخبری نہ کانوں کو خوش کرنے والی خوش الحانی نہ نفسِ امّارہ کو خوش کرنیوالی گیت سنگیت طبلہ سارنگی کی آواز۔ تو اے کم عقل انسانو تم کیوں حیاتِ دنیوی کی یہ چند قیمتی اور فانی نعمتوں کو اپنی ضد، سرکشی خرمستی سے ضائع اور خراب کر رہے ہو جلدی جلدی نبوت کے دامن کی امان قرآنِ مجید کے فرمان۔ ابدی ضمان میں آجاؤ۔ یہ تعلیم وتبلیغ ہر نبی علیہ السّلام نے اپنی اپنی اُمّت کو اپنے آسمانی صحیفوں اور کتبِ الٰہیہ سے پڑھ کر سنائیں جب قرآنِ مجید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں تو ایک دن آقا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حرمِ کعبہ میں تشریف لائے دیکھا کہ سردارانِ مکہ ابو جہل ابو لہب ولید بن مغیرہ وغیرہ۔ کعبے میں رکھے اور لگے ہوئے تین سو ساٹھ ۳۶۰ بتوں فوٹوؤں کی پوجا کر رہے

marfat.com

ہیں تب آپ نے اُن سب کفار کو یہ آیتیں سنائیں اس کا پورا واقعہ اگلی آیت ۱۰۱ کے شانِ نزول میں مذکور ہے۔

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

۱۔ اِقْتَرَبَ میں دو قول۔ ایک قرأت میں یہ اِقْتَرَبَ ہے بمعنیٰ بہت ہی قریب آگیا دوم یہ کہ ایک قرأت میں یہ قَرُبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ ہے۔ یعنی قریب آگیا سچا وعدہ۔ مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ ۲۔ وَاقْتَرَبَ کی واؤ میں تین قول ایک یہ کہ یہ عاطفہ ہے اور عطف ہے اِذَا فُتِحَتْ پر۔ دوم یہ کہ یہ جملہ ہے اور اگلی عبارت نیا جملہ ہے۔ سوم یہ کہ زائدہ ہے جیسے وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰۤاِبْرٰهِيْمُ کی واؤ۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ ۳۔ اَبْصَارُ۔ میں دو قول ایک یہ کہ یہ جمع ہے بصارت کی بمعنیٰ نظر۔ دوم یہ کہ یہ جمع ہے بصیرت کی مراد ہے آنکھیں ۴۔ وَمَا تَعْبُدُوْنَ۔ میں دو قول ایک یہ کہ یہ مَا موصولہ ہے اپنے ہی اصل معنیٰ میں اور اس سے صرف بُت مورتی غیر عقل والی دیوی دیوتا مراد ہیں دوم یہ کہ مَا عام ہے بے عقل اور عقل والے جھوٹے معبودوں کو یعنی تمام مَا تَعْبُدُوْنَ۔ بُت اور فرعون و نمرود وغیرہ ۵۔ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ میں دو قول ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے جہنم کا ایندھن دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے جہنم کے درخت مگر یہ غلط ہے۔ اس کی قرأت میں تین قول ایک یہ کہ یہ حَصَبُ ہے یہ ہی مشہور ہے دوم یہ کہ یہ حَطَبُ ہے بمعنیٰ جہنم کی لکڑی سوم یہ کہ یہ حَضَبُ ہے ض سے بمعنیٰ اکھورا یعنی چھوٹی چھوٹی لکڑیاں جس سے آگ شروع کی جاتی ہے ۶۔ لَهَا میں تین قول، ایک یہ کہ یہ لام بمعنیٰ عَلٰی ہے۔ یعنی جہنم پر۔ دوم یہ کہ لام بمعنیٰ فِیْ ہے یعنی جہنم میں سوم یہ کہ یہ لام اپنے ہی معنیٰ میں تعلیلیہ ہے یعنی جہنم کے لیے ۷۔ وَارِدُوْنَ میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ وَارِدُوْنَ بمعنیٰ سَاكِنُوْنَ یعنی اس میں رہنے والے دوم یہ کہ بمعنیٰ دَاخِلُوْنَ ہے ۸۔ مَا وَرَدُوْهَا۔ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ جھوٹے معبود مراد ہیں۔ یعنی یہ معبودانِ باطل جہنم میں نہ جاتے اگر سچے معبود ہوتے دوم یہ کہ پجاری کفار مراد ہیں یعنی اگر بت سچے معبود ہوتے تو ان کے پجاری جہنم میں نہ جاتے بُت ان کو بچا لیتے ۹۔ زَفِيْرٌ میں دو قول ایک یہ کہ زفیر کا معنیٰ ہے پھنکارنا سانس پھولنا دوم یہ کہ زفیر کا معنیٰ ہے گدھے کی طرح بری آواز سے رینکنا ۱۰۔ لَا يَسْمَعُوْنَ میں تین قول ایک یہ کہ وہ کچھ مدت کے لیے کمل

marfat.com

بہرے ہوں گے اس لیے بالکل کوئی آواز نہ سن سکیں گے دوم یہ کہ دوزخی لوگ صندوق در صندوق در صندوق بند ہوں گے صندوق آگ یا لوہے کی کیلوں سے ٹھکے ہوں گے اور بہت نیچے پڑے ہوں گے اس لیے کچھ نہ سن سکیں گے اور یہ بعض دوزخیوں کا حال ہوگا سب کا نہیں سوم یہ کہ خوش کن آواز نہ سنیں گے اور تمام کفار کا حال ہوگا تا ابد۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ، زمانہ نوحی سے تا قیام قیامت ہر زمانے میں ہر نبی کی کافر قوم میں صرف غیر ذوی العقول کی پوجا ہوتی رہی اور اب بھی ہندؤں میں ہوتی ہے کبھی بھی کسی دور میں مذہبی طریقے پر ذوی العقول کی بذات خود پرستش نہ ہوئی مثلاً پہلے زمانوں میں۔ بتوں مورتیوں چاند سورج ستاروں کی یا ایک وقت سامری کے بچھڑے کی پوجا ہوتی رہی اور اب ہندو لوگوں نے بت مورتی چاند سورج ستاروں کی بھی اور درختوں جڑی بوٹیوں یا نوروں کیڑے مکوڑوں دریاؤں اور زمینوں کو بھی پوجنا شروع کر دیا۔ درختوں میں پیپل اور املی کو پوجتے ہیں جڑی بوٹیوں میں تلسی کا پودا پوجتے ہیں جانوروں میں گائے اور بندر کو، کیڑوں میں سے چوہے اور ناگ کو دیوتا مان کر پوجتے ہیں۔ دریاؤں میں گنگا جمنا کو۔ زمین کو دھرتی ماتا کہہ کر پوجتے ہیں۔ پہلے زمانوں میں مشرکین صرف فلکی ستاروں اور ان کی تصویروں فوٹوؤں یا اپنے بزرگوں کی فوٹوؤں کو پوجتے مگر کسی درخت یا جانور کی پوجا نہ ہوتی تھی۔ آگ کی پوجا زرتشت سے اور پیپل کی پوجا گوتم بدھ سے شروع ہوئی۔ غرضکہ صرف غیر ذوی العقول کی ہی پوجا ہوتی تھی اور ہوتی ہے یہ فائدہ وَمَا تَعۡبُدُونَ کے لفظ مَا فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ یہ اصل معنی میں غیر عقل والوں کے لیے ہی آتا ہے۔ نمرود اور فرعون کی پوجا مذہبی طور پر بین الاقوامی نہ تھی بلکہ صرف اپنی حدود سلطنت میں اپنی اپنی رعایہ سے ہی کرائی حکومت کے زور پر نہ کہ مذھبًا اسی طرح یہودیوں کا شرک صرف عزیر ابن اللہ کہنا ہے یہودی عزیر علیہ السّلام کی تصویر یا مورتی نہیں بناتے نہ ان کو الٰہ کہتے ہیں نہ اُن کو سجدہ کرتے ہیں عیسائیوں کے دو شرک ہیں ۱۔ عیسیٰ ابن اللہ ۲۔ اُن کے فوٹو بنا کر سجدہ کرتے ہیں۔ اور فوٹو غیر ذوی العقول ہے اصل زندہ موجود عیسیٰ علیہ السّلام کی پرستش کبھی نہ ہوئی اسی طرح کفارِ مکہ کا قبیلہ بنی مُلیح بھی فرشتوں کی تصویریں

marfat.com

خیالی بنا بنا کر پوجتے تھے نہ کہ اصل فرشتوں کو بھی نہ کبھی انہوں نے کسی فرشتے کو دیکھا۔ دوسرا فائدہ اگرچہ میدانِ محشر میں سب نیک و بد انسانوں نے جانا ہے مگر ذلت سے جانا صرف کفار کے لیے ہے۔ یہ فائدہ شَاخِصَۃٌ اَبْصَارُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ کے تخصیصی ارشاد سے حاصل ہوا یعنی کفار کے لیے مرنے کے بعد تین ذلتیں پہلی عذابِ قبر کی دوسری مُنکرین کو تیسری شَاخِصَۃٌ کی۔ مومن کی یہ کوئی ذلت نہ ہوگی اُن کی تو روانگی محشر میں بھی عجب شان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

احکام القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ تلاوت قرآنِ مجید کی دس قرأتیں ہیں جن میں سے سات مشہور ہیں جن کو قرأتِ سبعہ کہا جاتا ہے اور تین قرأتیں شاذ ہیں یعنی بہت کم استعمال۔ شاذ و نادر۔ یہ تمام قرأتیں تین طرح کی تبدیلیوں سے پڑھی گئیں ۱ لفظ کی تبدیلی جیسے یہاں حَصَبُ۔ حَطَبُ۔ حَضَبُ کی تین قرأتیں ۲ تلفظ کی تبدیلی یعنی زبان کے موٹا ہونے کی وجہ سے وہ لفظ عربی لہجے میں زبان پر نہ چڑھے جیسے زنجانی اور حبشی اہلِ عرب جو شین کو سین پڑھتے ہیں ۳ زیر زبر کی تبدیلی جیسے لَدُنْ۔ لَدْنِ۔ لَدَنَ۔ لُدُنَ۔ لِدُنَ کی پانچ مختلف قرأتیں۔ یہ تمام قرأتیں آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں آپ کی اجازت سے جائز رکھی گئیں اور دورِ صحابہ کرام سے ہی عرب کے آٹھ علاقوں کے بارہ قبائل میں یہ دس قرأتیں جاری و جائز ہوچکی تھیں ان قرأتوں کے اختلاف میں اِس شرط کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ لفظ یا تلفظ یا زیر زبر بدلنے کے باوجود نہ معنیٰ غلط ہو نہ منشاءِ آیت کے مخالف ہو نہ غیر عربی حرف شامل ہو۔ ان دس قرأتوں کے علاوہ زمانۂ صحابہ کے بعد نہ کوئی گیارھویں قرأت بنائی گئی نہ بنی نہ اُس کی اجازت ہے۔ اس لیے اگر کوئی وہابی ضالین کو ظالین یا زالین پڑھے یا کوئی مصری قَالَ اللّٰہُ کو گال اللہ اور وَ تَعَالٰی جَدُّ رَبِّنَا کو وَ تعالیٰ گَدُّ پڑھے یا کوئی پنجابی قَالَ کو کَالَ۔ حَیَّ کو ہَیَّ پڑھے یا کوئی حیدر آباد دکن کا قَالَ کو خَالَ۔ قَدِیْرٌ کو خَدِیْرٌ پڑھے یا کوئی برطانوی غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ کو گَیْرِ الْمَگْضُوْبِ پڑھے تو اُس کو قرأتی اختلاف نہ کہا جائے گا بلکہ پڑھنے والا سخت گناہگار نماز ناجائز۔ غلط تلاوت کی حرمت قائم ایسے شخص کی امامت ممنوع اور مقتدیوں و امام کی نماز ٹوٹ جائے گی لہٰذا اے مسلمانو ہمت کر کے خود بھی اور اپنے بچوں کو بھی اچھے مستند قاری حضرات سے

marfat.com

قرآن کریم ناظرے تعلیم دلواؤ جو علم تجوید کے مطابق صحیح مخارج نکالنے کی محنت مشقت کرا کر پڑھائے یہ مسئلہ حَصَبُ کی تفسیری اقوالِ مختلفہ سے مستنبط ہوا، جب دنیوی تعلیم پر ہزاروں خرچ کرتے ہو تو دینی تعلیم پر بھی خرچ کرو ورنہ یاد رکھو قرآنِ مجید غلط پڑھنے سے دنیا و آخرت میں غریبی ذلت اور نحوست ملتی ہے۔ دورِ صحابہ کرام کے قراء اور ان کے تلاوتی لہجوں کے نام ۱ عبد اللہ ابن مسعود، لہجہ حجازی ۲ ابو درداء لہجہ مصری ۳ ابی ابن کعب، لہجہ یمنی ۴ امام ابو زید۔ لہجہ حبشی ۵ زید بن ثابت لہجہ عراقی ۶ امام حسن لہجہ حَسَنی ۷ امام حسین لہجہ حسینی۔ **دوسرا مسئلہ**۔ دینی ایمانی بات سمجھانے کے لیے عقلی مثال و دلیل دینی جائز ہے یہ مسئلہ لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا کیونکہ یہ آیت بت پرست کفار کو عقل فکر سے سوچنے کی دعوتِ عام دے رہی ہے۔ اور یہ زبردست عقلی دلیل ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا لَوْ كَانَ هٰٓؤُلَآءِ اٰلِهَةً یعنی اگر یہ بت معبود ہوتے تو جہنم میں نہ جاتے۔ یہ بات کس کو سنائی جا رہی ہے اگر مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہے تو بیکار ہے کیونکہ مسلمان تو پہلے ہی بتوں کو معبود نہیں مانتے اور اگر کفار کو سنائی جا رہی ہے تو بھی بیکار کیونکہ کفار مانتے ہی نہیں کہ یہ بت جہنم میں جائیں گے بلکہ کفار تو خود کو بھی جہنمی نہیں مانتے۔ تو اس عقلی دلیل کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ **جواب**۔ یہ دلیل مسلمانوں کو مفید ہے اور کفار کو بھی اگرچہ سنائی صرف کفار کو جا رہی ہے اگر وہ غور کریں تو در اصل بتلایا یہ جا رہا ہے کہ کل قیامت میں کفار کو یہ نظارہ دکھایا جائے گا تب وہ پچھتائیں گے آج دنیا میں ہی غور و فکر کر کے بندہ بن جائیں تو اچھا ہے۔ مسلمانوں کو کفار کا انجام سنا کر ان کی خوش قسمتی بتائی جا رہی ہے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے اس احسانِ عظیم پر خوشی کے سجدے کریں کہ ان کو کفار اور بتوں سے بچایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے فرمایا گیا۔ اِذَا فُتِحَتْ (الخ) پھر فرمایا گیا وَ اقْتَرَبَ الْوَعْدُ (الخ) پھر فرمایا گیا۔ شَاخِصَةٌ (الخ) اس ساتھ ساتھ ذکر سے پتہ لگتا ہے کہ یہ تینوں کام ایک دم ہوں گے۔ حالانکہ پہلی دو چیزیں علاماتِ قیامت سے ہیں۔ جو قیامت سے پہلے ہوں گی اور شَاخِصَةٌ قیامت آنے کے بعد ہو گا۔ **جواب** اگرچہ یہ تینوں چیزیں علیحدہ وقتوں میں ہیں مگر ان کو ساتھ ذکر کرنے میں ان کے بہت

marfat.com

قریب قریب ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا یعنی یہ تینوں اتنی جلدی جلدی ہوں گے گویا ایک ساتھ ہی ہوئے اسی لیے روایت میں ہے کہ فتح یاجوج کے بعد یہ محسوس ہوگا کہ بس قیامت آئی کہ آئی، دن میں خیال گزرا کرے گا کہ شاید ابھی رات کو آجائے رات کو خیال ہوا کرے گا کہ شاید صبح ہی صورِ اوّل پھونکا جائے۔ اللہ اکبر کبیرہ

تفسیر صوفیانہ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ۔ (الخ) دنیا پرست اُس وقت تک حجابات کو محسوس نہیں کرتے جب تک کہ خواہشاتِ نفسانیہ کے یاجوج شہواتِ بدنیہ کے ماجوج کھل کر زمینِ قالب پر یَنْسِلُوْنَ۔ مغادرہ کا فساد نہیں مچاتے اور قیامتِ صُغریٰ باطنیہ کا وَعدۂ حق نہیں آتا موتِ قلبی کے بعد تب اُس وقت بڑھاپے کی نگاہیں پھٹی رہ جائیں گی اُمراضِ کثیرہ کی ہولناک کمزوری سے۔ تو یہ مجبور ہو کر اپنے ظلم و قصور کا اعتراف کرتے ہوئے وَیل و ثبور ہلاکت و تنور کا رونا روئیں گے کہ ہائے

آگیا وقتِ اخیر نہ تجھے یاد آیا ؛ ڈھل گیا وقت کا سایہ تو تجھے یاد آیا

گئی جوانی آئی پیری لگے پیاں پیڑاں حُن کس کم محمد بخشا اُون جوین ہر پڑاں

مُرشدانِ کاملین علماءِ ناصحین نے کتنی بار سمجھایا تھا کہ اے دولتِ دنیا کے پجاریو مودود رخوت کے حواریو بے شک تم سب اور تمہارا یہ تمام بداعمالی کا سازوسامان جہنم عتاب وغضب کا ایندھن ہے۔ تم تو اُسی طبقات در طبقات دوری کی اندھیر یوں کے قہر میں گر نیوالے ہو اپنے بنائے ہوئے معبودانِ کردار کے ساتھ۔ اِس دنیا میں جس کی جتنی غفلت زیادہ اتنا ہی اُس پر اُس کی بدبختی کا عذاب زیادہ اور اتنی ہی معرفتِ ربانی مصلئہ ایمانی توفیقِ رحمانی سے دوری۔ اِس زق زق دیک بک کے شورِ شیطانی میں گھٹا ٹوپ گہرے پردوں کے المناک غم کا زفیر ہوگا مگر اُس میں پھر کبھی بھی نصیحت کی آواز شفقت کی صدا محبت کی پکار نہ سُن سکو گے ترس جاؤ گے رحمت کی میٹھی بات کو اس لیے کہ إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ أَنْتُمْ لَهَا وَارِدُونَ لَوْ كَانَ هٰؤُلَاءِ اٰلِهَةً مَّا وَرَدُوْهَا وَكُلٌّ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ وَّهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ۔ فاسقین پر دنیا میں قہر و عتاب کی شدتِ عذاب سے تین مصیبتیں آتی ہیں ۱ شوق دیدار سے محرومی کے اندھیرے ۲ محرومی کی طویل مدت ۳ فراق کی بے اطمینانی عبادات

میں بھی بے سکونی نہ کلامِ حق سُن سکیں نہ کلامِ نبوت کا سرور پا سکیں اِس کی تین وجہ ہیں ۱ دنیوی محبت کے موٹے پردے ۲ غفلت کی شدت ۳ جہالت کی قوت۔ اس لیے بصیرت کے انوار بصارت کی روشنی۔ نفسانی اندھیروں میں بدل جاتی ہے (ابن عربی) غافلوں کے دلوں کی موت اقترابِ قیامت کا صُورِ اوّل ہے۔ حکماء نے فرمایا کہ میّت پر مت روؤ اپنے پر روؤ کیونکہ جو مومن ہو کر فوت ہوا وہ تو تین صعوبتوں سے نجات پا گیا۔ پہلی مَلَک الموت کی خوفناک آمد سے دوم موت کی تلخی سے سوم خاتمے کے خوف سے۔ جو زندہ ہے وہی دراصل شَاخِصَةٌ أَبْصَارُ ہے کیونکہ اُس کیلئے ابھی تینوں مرحلے باقی ہیں۔ اے حیاتِ روحانی والو خبردار ہو جاؤ۔ کیونکہ یہ هڈیوں کا پنجرہ قید ہے اور جان اس میں مقید پرندہ ہے جس کا نام نفس ہے جب یہ پرندہ پنجرے سے نکلیگا اور پنجرہ لوٹے گا پھر کبھی دوبارہ شکار نہ ہو سکے گا۔ آج ہی غفلت کے گریبان سے سر باہر نکال لو ورنہ کل بوقتِ موت شرمندگی اور حسرت سے سرنگوں ہو گا۔

تمنّا ہے درختوں پر تیرے روضے کے جا بیٹھے قفس میرے بدن سے طائرِ بسمل کا جب ٹوٹے

اگر راہِ آخرت کا مسکین اور غافل عبادت مردہ بعدِ موت زبانِ تکلّم رکھتا تو آہ زاری سے شور مچا دیتا اور زندہ لوگوں کو بتا تا سمجھاتا ستاتا کہ اے زندہ لوگو ابھی تم خوش قسمت ہو، ابھی زندگی رکھتے ہو۔ چونکہ تم کو بدلنے کی قوت ہے لہٰذا ذکرِ الٰہی سے مُردوں کی طرح ہونٹ بند مت کرو۔ میرا زمانہ تو غفلت میں گزر گیا۔ تم ابھی زندہ ہو اپنی ان سانسوں صحتوں اور فرصت کے لمحات کو غنیمت شمار کرو۔ اے میرے کریم رحیم شفیق و رفیق ستر ماؤں سے زیادہ پیار کرنے والے میرے اللہ ہمارے آقا رسول صلے اللہ علیہ وسلم کو ہمارے لیے رحمۃٌ عالمین بنانے والے میری موت میرے پاس ایمان و عبادت والی خوشبوں خوشبوؤں کے ساتھ بھیجنا اور میرے دوستوں مریدوں اولاد کے پاس بھی آمین یَا رَبَّ الْعٰلَمِیْنَ بطفیل رَحْمَۃٌ لِّلْعَالَمِیْن۔ صوفیاءِ کرام کی یہ تفسیری تاویلات حقیقت میں کفّار کو رُلانے مومنین کو جگانے غافلین کو سمجھانے فاسقین کو عبرت دلانے مُتقین کا شوق عبادت بڑھانے کے لیے ہیں۔ اور اس تفسیر سے اہلِ ایمان کو بہت ہی فائدہ پہنچا ہے، سب سے سن ہجری ۵۹۰ھ اور عیسوی ۱۲۱۰ء میں محی الدین ابن عربی شیخ اکبر نے مکمل قرآنِ مجید کی تفسیرِ صوفیانہ لکھی پھر تفسیر عرائس البیان لکھی گئی سب علما فقہا نے اس کو پسند فرمایا صحابہ کرام میں حضرت ابوذر غفاری رض کے اقوال میں کلامِ تصوف کے اشارے ملتے ہیں پھر تمام عربی مفسرین نے تفسیرِ صوفیانہ کو شاملِ تفاسیر فرمایا۔ وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ وَنُوْرِ عَرْشِہٖ وَقَاسِمِ رِزْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ

marfat.com

إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُم مِّنَّا الْحُسْنَىٰ

بے شک وہ لوگ کہ پہلے ہو چکا ان کے لیے ہماری طرف سے اچھا فیصلہ فقط

بے شک وہ جن کے لیے ہمارا وعدہ بھلائی کا ہو چکا

أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ ﴿١٠١﴾ لَا يَسْمَعُونَ

یہی ہیں اس جہنم سے دور رکھے ہوئے نہ سن پائیں گے وہ اس دوزخ

وہ جہنم سے دور رکھے گئے ہیں۔ وہ اس کی بھنک نہ سنیں گے

حَسِيسَهَا ۖ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنفُسُهُمْ

کی سرسراہٹ کو بھی۔ اور وہ لوگ ان نعمتوں میں جن کی چاہت کریں گے ان کے دل

اور وہ اپنی من مانتی خواہشوں میں ہمیشہ رہیں

خَالِدُونَ ﴿١٠٢﴾ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ

ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہیں نہ پریشان کرے گی ان کو بڑی گھبراہٹ

گے۔ انہیں غم میں نہ ڈالے گی وہ سب سے بڑی گھبراہٹ اور

وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي

اور ان کی زیارت کو آئیں گے فرشتے اس پیغام کے ساتھ کہ یہ ہے تمہارا وہ دن جکا

فرشتے ان کی پیشوائی کو آئیں گے۔ کہ یہ ہے تمہارا وہ دن

كُنتُمْ تُوعَدُونَ ﴿١٠٣﴾ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ

وعدہ دیئے جاتے تھے تم وہ دن کہ لپیٹ دیں گے ہم ہر آسمان کو

جس کا تم سے وعدہ تھا۔ جس دن ہم آسمان کو لپیٹیں گے

marfat.com

كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ ۭ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ

بنڈل لپیٹنے کی طرح مسودہ کاپیوں کا جیسے بنانی شروع کی تھی ہم نے
جیسے سجل فرشتہ نامۂ اعمال کو لپیٹتا ہے۔ جیسے پہلے

خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ ۭ وَعْدًا عَلَيْنَا ۭ اِنَّا كُنَّا

پیدائش کی ابتدا میں ویسے ہی پھر کر دیں گے ہم اسی وعدہ پر جو ہم پر ہے جیسے تک
اسے بنایا تھا ویسے ہی پھر کر دیں گے یہ وعدہ ہے ہمارے ذمے ہم کو

فٰعِلِيْنَ ﴿۱۰۴﴾

ہم ضرور کرنیوالے ہیں۔
اس کا ضرور کرنا۔

تعلقات ان آیاتِ کریمہ کا سابقہ آیت مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں جہنم سے قریب ہونے والوں کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں ان نیک بندوں کا ذکر ہو رہا ہے جو جہنم سے دور رہنے والے ہیں۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جہنمیوں کے پورے حالات کا ذکر ہوا کہ دوزخ میں ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ اب اِن آیت میں اہلِ جنت کا ذکر ہو رہا ہے کہ بہشتِ بریں میں ان کی کیا شان ہوگی تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں جہنم کے شور و غل کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ شور و غل اہلِ جنت نہ سنیں گے وہ پُرسکون ہوں گے۔ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس رض روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ میں تشریف لائے وہاں دیکھا کہ ابوجہل اور بہت سے سرداران مکہ کعبے میں موجود تھے ۳۶۰ بتوں کو پوج رہے ہیں تب آپ نے وہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ۔ ایک سردار مکہ نے کچھ بات کرنی چاہی نبی کریم صَلَّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا تمہارے یہ سارے کام بدترین کفر ہے۔ سب

marfat.com

کفار لاجواب ہوکر چپ رہے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم واپس تشریف لے آئے تھوڑی دیر بعد اُن کفار کے پاس ایک سردارِ مکہ عبداللہ بن زِبَعرٰی سہمی آیا اُس کو ولید بن مغیرہ نے یہ سب گفتگو بتائی کہ نضر بن حارث اور ہم سب لاجواب ہو گئے۔ ابن زِبَعرٰی نے کہا کہ اگر میں ہوتا تو ایسی بحث کرتا کہ محمد لاجواب ہو جاتے لوگوں نے آدمی بھیجکر فوراً نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلالیا جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لائے تو ابن زِبَعرٰی سہمی کہنے لگا کہ آپ نے کہا ہے کہ جن کی کفار پرستش کرتے ہیں وہ سب حَصَبُ جہنم ہیں آپ نے فرمایا ہاں تو کہنے لگا کہ یہودی عزیر کو، عیسائی عیسٰی اور قبیلہ بنی مُلَیح کے لوگ فرشتوں کو پوجتے ہیں تو کیا یہ سب عزیر، عیسٰی وملائکہ بھی جہنم کا ایندھن ہیں۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ارے سہمی تو کتنا کم علم ہے کہ اپنی اصلی زبان عربی سے بھی ناواقف ہے۔ یہاں آیت میں فرمایا گیا وَمَا تَعْبُدُوْنَ اور لفظِ مَا اصلاً غیر ذَوِی العُقُول کے لیے آتا ہے لہٰذا اس میں عزیر و عیسٰی وملائکہ علیہم السلام شامل نہیں ان سے تو بھلائی کا وعدہ ہو چکا ہے۔ نیز یہودی وغیرہ ان پاکباز ہستیوں کو نہیں پوجتے بلکہ وہ شیطان کو پوجتے ہیں اس لیے کہ پرستش کی دو قسمیں ہیں ۱ یہ کہ جس کی پوجا ہو وہ یا اس کا بت سامنے ہو جیسے چاند سورج ستارے اور مورتیں۔ یا کوئی خود کہے کہ میری عبادت کرو جیسے نمرود فرعون۔ یا اس کے کہنے میں کوئی آکر کفر کرے جیسے شیطان کے وسوسے یا جنات کے احکام۔ یہاں ان میں سے یہ کچھ بھی نہیں نہ حضرت عزیر وعیسٰی ان کے سامنے ہیں نہ ان بزرگوں نے کہا کہ ہم کو پوجو نہ کوئی کفریہ بات منوائی۔ اِس پر ابن زِبَعرٰی ایسا چپ وشرمندہ ہوا کہ اُن کے ساتھیوں نے ہی اُس کا مذاق اڑایا تب یہ آیت از ۱۰۱ تا ۱۰۲ نازل ہوئی (امام سیوطی وخزائن) تفسیر صاوی اور روح المعانی میں ہے اِس کے بعد عبداللہ بن زِبَعرٰی مسلمان ہو گیا تھا وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ غالباً اپنی اسی جہالت اور سردارانِ مکہ کی مذاق بازی سے مغموم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی علمیت سے متاثر ہو کر مسلمان ہوا ہوگا۔ اس اعتراض میں ابن زِبَعرٰی کی تین جہالتیں ہیں ۱ اُس نے خطاب کی خصوصیت کو نہ دیکھا ۲ لفظِ مَا کے اصلی معنی کو نہ جانا ۳ موقعہ محل بھی نہ پہچانا۔ جُہلا کے اعتراض اکثر اسی قسم کے ہوتے ہیں۔ یہ خطاب اس وقت صرف کفارِ مکہ سے تھا اور وہ صرف بتوں کو ہی پوجتے تھے نہ کہ کسی ذوی العقول کو۔

marfat.com

تفسیر نحوی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰۤى اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ۔

اِنَّ حرفِ مشبہ عاملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر سَبَقَتْ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث لام نفع کا ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنَّا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے اَلْحُسْنٰی اسم تفضیل واحد مؤنث ۔ اس کا مذکر ہے اَحْسَنُ اسم مقصور رہ ہے اس لیے اعراب تقدیری رفع ہے فاعل ہے سَبَقَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا ۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ جمع مذکر بعید کے لیے یہاں مکانی یا رُتبی بُعد مراد ہے بحالتِ رفع مبتدا ہے عَنْ حرفِ جر زوالی یعنی دور کرنے ہٹانے کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع جہنم ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے مُبْعَدُوْنَ بابِ افعال کا اسم مفعول جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِبْعَادٌ بمعنی دور کرنا دور رکھنا بُعْدٌ سے بنا ہے اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ لَا یَسْمَعُوْنَ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بِلا ۔ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے حَسِیْسٌ اسم صفت مشبہ بروزنِ فعیل ، اس کی جمع حَسِیْسِیْنَ ہے بمعنی بھنبھناہٹ والی آواز یہاں مراد ہے جہنم کے شعلوں کی آواز جس کو بھنک (ہلکی آواز) کہتے ہیں ۔ مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ کا مرجع جہنم یہ مرکب اضافی لَا یَسْمَعُوْنَ کا مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بدلُ الاشتمال ہے مُبْعَدُوْنَ کا یہ حال ہے مُبْعَدُوْنَ کے نائب فاعل کا ۔ واوٗ یہ جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے فِیْ حرفِ ظرفیہ مکانیہ جارہ مَا اسم موصول ہے مراد ہے جنت کی چیزیں ۔ اِشْتَهَتْ بابِ افتعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث مصدر ہے اِشْتِہَاءٌ شَہْوَۃٌ سے بنا ہے بمعنی خواہش کرنا مراد ہے چاہت پسندیدگی مَا موصولہ سے مراد یہی معنی مصدر (حاصل مصدر) ہے ایک قول میں مَا سے مراد جنت ہے اَنْفُسُهُمْ مرکب اضافی ترجمہ ہے اُن کے دل ۔ یہ مرکب فاعل ہے اِشْتَهَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مجرور ہے فِیْ سے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے خٰلِدُوْنَ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھُمْ ظاہر ضمیر مبتدا کی دونوں مل کر

marfat.com

جملہ اسمیہ ہوگیا۔ لَا یَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ۔ لَا یَحْزُنُ باب فَتَحَ یا نَصَرَ کا مضارع منفی واحد مذکر غائب ایک قرأت میں لا یُحْزِنُ باب افعال ہے حُزْنٌ سے مشتق ہے بمعنی سخت غم کرنا متعدی بیک مفعول ہے ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اَلْفَزَعُ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی گھبراہٹ۔ (قلب وعقل کی ایک کیفیت جو کسی مصیبت کے وقت ہوتی ہے اور اس کا ظہور سارے جسم پر نمودار ہوتا ہے) موصوف ہے اَلْاَكْبَرُ اسم تفضیل واحد مذکر بمعنی بہت بڑی گھبراہٹ صفت ہے یہ مرکب توصیفی فاعل ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائیہ تَتَلَقّٰى باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث چونکہ ملائکہ جمع مکسر ہے مَلَكٌ کی اس لیے اس کا عامل فعل واحد مؤنث بھی آسکتا ہے اور واحد مذکر بھی۔ لَقْیٌ سے مشتق ہے بمعنی ملاقات کرنا ملنے آنا ھُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ اَلْمَلٰٓئِكَةُ اسم مکسر منصرف اسم ظاہر ہے اس کا عامل فعل واحد کا صیغہ آیا یہ فاعل ہے هٰذَا اسم اشارہ قریب بحالت کسرہ اصل میں تھا لهٰذَا یا مع هٰذَا یعنی فرشتے حاضری دیں گے اہل جنت کے پاس اس پیغام کے ساتھ یا اس پیغام سے یَوْمَ اسم مفرد زمانی بمعنی دن زمانہ مضاف كُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مشار الیہ ہے هٰذَا اپنے مشار الیہ سے مل کر موصوف اَلَّذِیْ اسم موصول كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ باب افعال کا فعل ماضی استمراری مثبت معروف جمع مذکر حاضر یا فاعل وَعْدٌ سے بنا ہے بمعنی وعدہ کرنا فیصلہ کرنا۔ یہ جملہ فعلیہ صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر صفت ہے یَوْمُكُمْ کی یہ مرکب توصیفی مبدل منہ ہے۔ یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَیِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَآ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ۔ یَوْمَ اسم مفرد جامد بمعنی دن اس کی ترکیب نحوی میں چھ قول ہیں ۱ یہ سب جملہ بدل الکل ہے ۲ بدل الاشتمال ہے ۳ ظرف ہے لَا یَحْزُنُ کا ۴ اُذْكُرْ پوشیدہ کا مفعول بہ ہے ۵ اَلْفَزَعُ مصدر معرفہ موصوف کا ظرف ہے ۶ ظرف ہے تَتَلَقّٰى کا۔ ہم نے پہلے قول پر ترکیب کی ہے۔ ظرف مقدم ہے نَطْوِیْ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل مثبت معروف جمع متکلم اس کی مزید دو قرأتیں ہیں ۱ یَطْوِیْ ضَرَبَ سے واحد مذکر غائب ۲ تُطْوٰی مجہول واحد مؤنث پہلی قرأت مشہور ہے اَلسَّمَآءَ اسم مفرد جامد بمعنی آسمان مفرد جنسی ہے مراد تمام آسمان یا الف لام استغراقی ہے یعنی علیحدہ

marfat.com

علیحدہ ہر آسمان مفعول بہ ہے۔ کاف حرفِ جر تشبیہ بمعنیٰ جیسے کہ طَیِّ اسم مصدر لفیف مقرون بمعنیٰ لپیٹنا مضاف ہے اَلسِّجِلُّ۔ اسم معرب مفرد جامد مذکر ہے مگر اس کی جمع مؤنث سالم ہوتی ہے یعنی سِجِلَّاتٌ یہ فارسی سے عربی بنایا گیا۔ اس کی بناوٹ اس طرح ہوتی رہی کہ پہلے زمانہ میں پتھر کی سِلوں پر لکھا جاتا تھا اس کو سنگِ گل کہا جاتا تیزیِ زبان نے سنگِ گِل کو سِجِّل بنایا عربی میں سِجِّل کو سِجِلُّ پڑھا اور لکھا گیا پھر ہر کاغذ کو اور لکھنے والی فائل رجسٹر کاپی۔ پٹوار کھاتہ کو بھی عربی میں سِجِل کہا گیا۔ یہاں مراد ہے بڑے لمبے جلد کا غذوں کا پلندہ جس کو پٹواری یا منشی وغیرہ لکھنے کے بعد گول شکل میں لپیٹ لیتے ہیں مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَطْوِیْ کا یہ فعل با فاعل اپنے متعلق اور ظرفِ مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر بدل اَلْکُلُّ ہوا یَوْمَکُمْ کا وہ دونوں مل کر مشار الیہ ھٰذَا کا یہ دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے تَتَلَقّٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ کَمَا۔ کاف حرف جر مَا مصدریہ ہے یا کافہ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے بَدَأْنَا باب فتح کا ماضی مطلق بمعنیٰ ماضی بعید جمع متکلم بَدْءٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ شروع کرنا اَوَّلَ اسم تفضیل واحد مذکر بمعنیٰ بہت پہلے والا مضاف ہے خَلْقٍ اسم مصدر بمعنیٰ اسم مفعول یعنی مخلوق ترجمہ ہے مخلوق کی ابتدا یا مخلوق کا پہلا فرد اگر مصدری معنیٰ ہو تو ترجمہ ہے پیدا کرنے کی ابتدا یہ مرکب اضافی مفعول فیہ بَدَأْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ بہ ہوا نُعِیْدُہٗ باب افعال کا مضارع۔ جمع متکلم عَوْدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لوٹنا لازم ہے باب افعال میں آ کر ترجمہ ہوا لوٹانا اس کا مصدر ہے اِعْوَادٌ تعلیل ہو کر ہوا اِعَادَۃٌ اس کا فاعل ضمیر جمع متکلم نَحْنُ پوشیدہ کا مرجع اللہ تعالیٰ وَعْدًا مصدر ثلاثی مجرد ہے عَلٰی حرف جر فوقیتِ لزومی کے لیے یعنی لازم و واجب ہونا۔ نَا ضمیر جمع متکلم مجرور ہو کر متعلق ہے وَعْدًا کا دونوں مل کر جملہ مشبہ ہو کر موصوف یہ اِنَّ حرفِ مشبہ نَا ضمیر اس کا اسم کُنَّا فعل ناقصہ جمع متکلم کی ضمیر اس کا اسم فٰعِلِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر بحالتِ نصب اس کی خبر کُنَّا دونوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صفتِ علتی ہوئی۔ یعنی چونکہ وعدہ ہے اس لیے بے شک ہم پورا کرنے والے ہیں۔ یہ ترکیبی صفت نہیں ہے اس لیے اَنَّ نہیں آیا ایک اعتبار سے یہ علیحدہ جملہ ہے لہٰذا اِنَّا ہے یہ تعلیلی (سببی) صفت اور موصوف مل کر مفعول لہٗ ہے نُعِیْدُ کا ہٗ ضمیر مفعول بہ کا مرجع خَلْقٍ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مشبہ ہے کَمَا بَدَأْنَا کے جملے کا دونوں مل کر جملہ تشبیہی ہو گیا۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰىٓ ۙ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا ۚ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ

اے کافران زمانہ تم نے اپنا اور اپنے بتوں جھوٹے بناوٹی معبودوں کا انجام حَصَبُ جَہَنَّم ہونا تو سن لیا۔ اب ہمارے عابدین محبوبین بندوں کا انجام بھی سن لو یہ سب وہ خوش قسمت لوگ ہیں کہ بے شک اُن کے لیے مرنے سے پہلے زندگی اور عالم ازل میں ہی یہ فیصلہ قسمت کر دیا گیا ہے کہ انعام الٰہی کا حُسنیٰ گیارہ نعمتوں کا خزانہ اُن کے نامۂ اعمالِ صالحہ وحیاتِ صادقہ میں عطا فرما دیا ۱۔ سعادتِ ایمانی ۲۔ قربِ ربانی ۳۔ خصائلِ عرفانی ۴۔ توفیقِ عبادت ۵۔ بشارتِ جنت ۶۔ عنایت کی ہدایت ۷۔ انتہائی ولایت ۸۔ مدارجِ جنت ۹۔ مراتبِ عزت ۱۰۔ کلمۂ توحید۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ ۱۱۔ کلامِ توصیفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں دی گئیں اس فیصلۂ الٰہی کے سبقت کی وجہ سے اُن کی حیاتِ دنیوی بھی طیبہ اُخروی بھی۔ دنیوی اس طرح کہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کی محبت عبادت و ریاضت۔ پابندیِ شریعت تحصیل معرفت مراطِ حقیقت، احکام طریقت کے طائعون۔ جلالِ الٰہی کے خائفون جمال ربانی کے تائبون۔ بارگاہِ صمدانی کے ساجدون بنے رہے۔ اور غرورِ جہالت وسفاہت اور اپنے پجاریوں کی پوجا سے کراہت یعنی نفرت کرتے رہے۔ کہ عزیر علیہ السّلام یہودیوں سے عیسیٰ علیہ السّلام عیسائیوں سے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سبائی شیعوں کے علی رب کہنے سے اور تفضیلی فریبی رافضی شیعوں کے ان کو علیہ السّلام کہنے صدیق وفاروق پر فضیلت دینے سے۔ غوثِ اعظم غوثیہ فرقے سے تمام عمر دنیا وآخرت میں نفرت وکراہت ہی کرتے رہے (خیال رہے کہ غیر انبیاء کسی بھی انسان کو علیہ السّلام کہنا قرآن وحدیث کے خلاف ہے) اور اُخروی زندگی اس طرح طیبہ ہے کہ محشر اور بعد محشر فیصلۂ الٰہی کے سبقت والوں کو پانچ نعمتیں ملیں گی ۱۔ اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ کے انعام ۲۔ لَا يَسْمَعُوْنَ حَسِيْسَهَا کے اکرام ۳۔ وَهُمْ فِيْ مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خٰلِدُوْنَ کے احسان ۴۔ وَلَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْاَكْبَرُ کی لذت ۵۔ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کے اعزاز۔ مُبْعَدُوْنَ یہ کہ یہ پاکیزہ لوگ مومنین وعاشقین جہنم سے بہت دور رکھے جائیں گے اس طرح کہ جب جنت میں جانے کے لیے بذریعہ پل صراط جہنم پر سے گزریں گے تو جہنم کی آگ اور اُس کی تپش اہلِ جنت سے دور بھاگے گی اور دوزخ پیچھے پکارے گی کہ اے نیک بندو جلدی گزر جاؤ تمہاری عبادت

marfat.com

کا نور اور اَجسام کی روشنی میری آگ کی تپش کو بجھا رہی ہے اسی لیے یہ اہل ایمان کوئی براق رفتار کوئی برقی رفتار کوئی تیز رفتار سواری کی رفتار سے حسبِ مراتب گزر جائیں گے۔ اور کئی حضرات کو تو جنت میں پہنچ جانے کے بعد بھی گمان نہ ہوگا کہ ہم جہنم میں ہو کر گزرے ہیں (از روح المعانی) اور جب اہلِ ایمان پُل صراط عبور کر کے جہنم کے علاقہ سے باہر نکلیں گے تو اُس جہنم سے اِتنی دور بہشت بریں میں پہنچ جائیں گے جو اعلیٰ علیین کی بلندیوں پر ہے اور جہنم اَسفل السافلین کی گہرائیوں تحت الثرائیوں میں ہزاروں سال کی مسافت سے دور۔ وہاں لَا یَسْمَعُوْنَ کا اکرام عطا ہوگا۔ شخصیاتِ اہل بہشت کی بارگاہِ الٰہیہ سے ایسی عزت وراحت ملے گی کہ زیرِ حشر اور جنت میں وہ محبوبین جہنم کی معمولی سرسراہٹ بھی نہ سنیں گے یہ اکرام اس لیے ہوگا کہ ان پیاروں نے اپنی دنیوی زندگی میں فاسقوں گمراہوں، منافقوں کافروں کے ہاتھ زبانوں سے اور اپنوں کا لبادہ پہنکر غیروں قریبیوں کے طعنوں نشتروں سے وہ دشنام وخشمناک باتیں سنیں اور ایذائیں برداشت کیں جو عام انسان برداشت نہیں کرسکتا مگر پھر بھی اِن بہادر باہمت انبیا اَولیا عُلَما صحابہ فقہا نے تبلیغ رسالت وراثتِ نبوت۔ پابندی عبادت میں اپنے آپ کو ہمیشہ سینہ سُپر ہی رکھا۔ ادائیگی حقوقِ شریعت میں نہ بزدلی کی پیٹھ دکھائی نہ سُستی کا منہ پھیرا نہ غفلت کی دیر لگائی۔ اگرچہ ابلیس وشیطین ہزار بھیس بدل کر وَر غلانے وَموسانے تخریبا کاری کرتے آتے رہے۔ نہ یہودی جیسے مکار دشمن سے گھبرائے۔ نہ عیسائیوں جیسے بے وقوف دوست کے ابن اللہ کہنے پر ازلائے ابلیس نے ہی یہود سے عزیر علیہ السّلام کو عیسائیوں سے عیسٰی علیہ السّلام کو ابن اللہ کہلوایا۔ شیعوں سے مولیٰ علی کو رب کہلوایا۔ بعض گمراہوں کی زبان سے غوثِ پاک کو انبیاءِ کرام علیہم السّلام سے بڑھایا مگر اِن محبوبانِ بارگاہ نے سب گمراہوں کو پاءِ حقارت سے ٹھکرایا۔ لہٰذا جنت میں اِن کے کان جہنم کی آواز نہ سنیں گے مَا اشْتَهَتْ کے خلود کا احسان ملے گا اور جنت کے اندر اس شان عظمت وقارِ نصرت سے رہیں گے کہ جو ان کی طبیعت کی خواہش ہوگی سدا وہی نعمت ولذت ملا کرے گی جو دل چاہیں گے وہ اطمینان جو روح چاہے گی وہ سرور ملے گا اور نفس وقلب وروح کے یہ اعزازات تا ابد رہیں گے۔ حسابِ محشر کے تمام کام مکمل ہونے کے بعد حضرتِ جبریل ایک بہت بڑا دنبا مینڈھا لے کر جنت دوزخ کے بیچ میں کھڑے ہو کر تمام اہلِ جنت وَاہلِ جہنم کو دکھا کر پوچھیں گے بتاؤ یہ کیا ہے

marfat.com

سب کہیں گے لَا نَعْرِفُهَا. ہم اس کو نہیں پہچانتے۔ تب آپ فرمائیں گے یہ موت ہے اس کو اب ذبح کر کے ختم کر دیا جائے گا یہ کہہ کر آپ خود ہی بحکم پروردگار اس کو ذبح فرما دیں گے پھر اعلان فرمائیں گے اب کسی کو کبھی موت نہ آئیگی۔ یہ اعلان سن کر جنتی تو بے انتہا مسرور ہوں گے اور دوزخی دہاڑیں مار کر روئیں گے پھر اعلان ہوگا کہ اب ہر شخص کو اپنے اپنے مقام میں ہمیشہ رہنا ہے یہ اعلان اس وقت ہوگا جب فاسقین بھی اپنی سزائیں بھگت کر یا شفاعت سے ختم کرا کر جنت میں پہنچ جائیں گے۔ یہ اعلان بھی ایک قسم کا ثواب اور عذاب ہوگا۔ یہ تیسری نعمت اہلِ ایمان کی صائم الدہری اور قائم اللیلی کے ثواب میں ہوگی۔ اہلِ جنت کے لیے چوتھی نعمت یہ کہ اہل بہشت مومنین کو کسی وقت کی بھی فزعِ اکبر پریشان اور غمزدہ نہ کریں گی۔ اس لیے کہ وہ دنیا کی زندگی میں اللہ تعالیٰ رسول کے عشق کے درد میں آخرت کی فکر میں اپنی قوم کے فسق و کفر کے غم میں رہتے تھے۔ لہٰذا آج ان کو نہ فزعِ اکبر کا غم ہو نہ فزعِ اصغر کا۔ نو مقام پر بعدِ موت گھبراہٹ ہے جن میں سے آٹھ مقام پر فزعِ اکبر ہے یہ صرف کفار کے لیے ہے ایک مقام فزعِ اصغر کا یہ کفار و فساق دونوں کے لیے مگر متقین صالحین دونوں سے محفوظ۔ پہلا مقام بوقتِ موت نزع کا دوم قبر کا سوم حشر کا چہارم یمین کی گھیرنیوالی آگ کا پنجم نفخۂ ثانیہ کا ششم پُل صراط کا ہفتم نارِ جہنم کا ہشتم عذابِ کفر کا تا ابد۔ نہم فزعِ اصغر سزاءِ کبائر ظلم وغیرہ کا۔ اہلِ جنت کے لیے پانچویں نعمت ملاقاتِ ملائکہ کی لذتِ اعزاز و استقبال چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ. یہ وہ خوش قسمت لوگ ہیں جن کو دنیا والے تو حقیر سمجھتے تھے دنیا پرست کہا کرتے تھے کہ یہ مُلّا ہے دو رکعت کا امام یہ خانقاہی صوفی یہ مسجد کا لوٹا یہ مسکین یہ دین کا طالبِ علم کم دماغ۔ مگر کل قیامت میں ان صوفی و مُلّا کی شانِ کرامت کا پتہ لگے گا جب قبر میں اعمال کے فرشتے میدانِ محشر میں آسمانوں کے فرشتے پُل صراط پر عرش و کرسی کے فرشتے جنت کے دروازوں پر لوح و قلم کے فرشتے اُن کا استقبال کریں گے اس طرح کہ قبر و مزار میں۔ نَمْ كَنَوْمَةِ الْعَرُوْسِ کی مبارک بادیاں محشر میں حساب و کتاب کی کامیابیاں پُل صراط پر ثواب کی خوش خبریاں دروازۂ جنت پر اشیاءِ جنت کے تحفے پیش کریں گے یہ استقبالِ ملائکہ اس لیے کہ چونکہ انہوں نے حیاتِ دنیوی کے دنوں میں حقارتوں کے خطابات سن کر بھی مسجدوں مصلوں مدرسوں چٹائیوں خانقاہوں تسبیحوں

marfat.com

کو ہی اپنے سینوں سے لگائے رکھا اس کے ثواب میں استقبالیہ نوری فرشتے خوش خبریاں سنائیں گے کہ اب دنیوی مظلومیت و مصائب کے دن بھول جاؤ۔ هٰذَا يَوْمُكُمُ الَّذِي كُنْتُمْ تُوعَدُونَ۔ تمہاری اچھائی، سچائی، قدر و منزلت صبر و تحمل کے بدلے اور ثواب کا تو یہ عظیم دن ہے جس کا تم، آیتِ قرآن، انبیا کی زبان اور احادیث کے فرمان میں وعدے دیئے گئے تھے تم نے باوجود عقلی فہمی قوت و قدرت استقامت و استطاعت کے صرف ہمارے دین کی خاطر دنیا کی چکا چوند نیرنگی، عالم سکولوں کالجوں یونیورسٹیوں کی سج دھج تمغات و انعامات کو چھوڑا مسجد و مصلے کو اپنایا رب تعالیٰ نے اُس کے بدلے میں جنت کی سج دھج عطا فرمائی۔ گمراہ لوگ اسی دن کا مذاق اڑاتے انکار کرتے تھے کہ دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے کافر کہتے ہیں کب ہوگا یہ دن تو سنو۔ يَوْمَ نَطْوِي السَّمَاءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَأْنَا أَوَّلَ خَلْقٍ نُعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ۔ کافرین کا بد انجام اور مومنین پر یہ انعام اُس دن ہوگا جب ہم ہر آسمان کو اس طرح گول لپیٹ دیں گے جس طرح کاغذاتِ کتب کا بنڈل لپیٹنا ہم قادرِ مطلق ہیں اس میں بھی کہ جیسے ہم نے مخلوق کو پیدا کر دیا تھا پہلی بار بغیر کسی نمونے اور بیج پھل پھول نطفے کے اسی طرح پھر اُس کو لوٹا دیں گے اور بے نام و نشان نیست و نابود انسانوں کو دوبارہ انہی شکلوں حلیوں ناموں والا پیدا کر دیں گے یہ دوبارہ زندہ کرنا میدانِ محشر میں لانا سزاؤ جزا کے لیے قیامت برپا کرنا ازلِ قدیم کا ایک وعدہ ہے جو ہم پر لازم ہے یہ تقدیرِ مبرم ہے اِس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا بے شک ہم اُس کو ضرور کرنے والے ہیں اگرچہ کفار اس کو ناممکن سمجھتے ہوئے اِس کا انکار کریں۔ (اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال) ۱۔ اِنَّ میں دو قول۔ ایک یہ کہ یہ حرفِ تحقیق ہے اپنے ہی معنیٰ میں ترجمہ ہے بے شک یقیناً اور اگلا جملہ علیحدہ عبارت ہے۔ دوم یہ کہ اِنَّ بمعنیٰ اِلَّا ہے اور استثنا ہے سابقہ کلام۔ اِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ (الخ) سے اور وہ مستثنیٰ منہٗ ہے مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ کُمْ سے مراد کفار ہیں جن سے مستثنیٰ متصل ناممکن اور منقطع بیکار ہے ۲۔ اَلَّذِيْنَ میں دو قول ایک یہ کہ اَلَّذِيْنَ سے تمام مومنین اولین و آخرین مراد ہیں اسی لیے مولیٰ علی نے یہ آیت پڑھ کر عشرہ مبشرہ مراد لیے۔ دوم یہ کہ اِنَّ الَّذِيْنَ سے حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ اور ملائکہ علیہم السلام

marfat.com

مراد ہیں اور اِنْ بمعنی اِلَّا حرفِ استثنا ہے اور مستثنیٰ مِنْهُ، مَا تَعْبُدُوْنَ ہے نہ کہ اَنْتُمْ ۔ ٣ سَبَقَتْ میں تین قول ایک یہ کہ اس سبقت سے مراد ہے عالم دنیا سے پہلے ازلی حادثات میں۔ دوم یہ کہ دنیوی زندگی میں مرنے سے پہلے سوم یہ کہ محشر سے پہلے مگر پہلا قول درست ہے ۔ ٤ اَلْحُسْنٰی کی مراد میں دس قول اور سب ہی درست ہیں اس لیے ہم نے تفسیر میں سب جمع کر دئے ۔ ٥ فَزَعِ اکبر میں آٹھ قول اور سب درست اس لیے ان کو بھی تفسیر میں جمع کر دیا ہے ۔ ٦ تَتَلَقّٰهُمُ کے استقبالیہ کام وکلام ومقام میں تین قول اور تینوں درست اس لیے تفسیر میں جمع کر دے ہیں ۔ ٧ اَلْمَلٰٓئِكَةُ میں تین قول کون سے فرشتے مراد ہیں تینوں درست لہٰذا تفسیر میں ہم نے تینوں شامل کر دئے ۔ ٨ سِجِلِّ میں تین قول ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے کاغذات کا گول بنڈل یہ جمہور علما یعنی اکثریت کا ہے یہی درست ہے یعنی جس طرح کاتب منشی اپنے رجسٹر پر روزنامچہ لکھ کر اس کو گول کر کے لپیٹتا ہے اس طرح تمام آسمان علیحدہ علیحدہ گول لپیٹے جائیں گے۔ منشاءِ باری تعالیٰ آسمانوں کو لپیٹنے کی شکل سمجھانا ہے اور تشبیہ میں ضروری ہے کہ مشبّہ بہ جس سے تشبیہ دی جاری ہے وہ مشہور ہو ہر سننے والا اس کو جانتا ہو تا کہ مشبّہ کو بھی جان لے کاتبوں منشیوں کے لیے بنڈل لپیٹنے کو ہر شخص جانتا ہے اس لیے اس کی تشبیہ سے آسمانوں کا لپٹا جانا ہر شخص کو سمجھ آجاتا ہے۔ دوم یہ کہ بعض نے کہا کہ سِجِلُّ ایک فرشتے کا نام ہے۔ جو نامۂ اعمال کی کتاب لپیٹ کرے جاتا ہے سوم یہ کہ بعض نے کہا کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک کاتب ہے جس کا نام سجل تھا جو آپ کے خطوط لکھتا تھا۔ مگر یہ دونوں قول دو وجہ سے مفسرین کے نزدیک غلط ہیں۔ پہلی وجہ یہ کہ نہ اس نام کا فرشتہ کوئی مذکور نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی کاتب اس نام کا کہیں منقول نہ کسی صحابی، تابعی۔ مؤرخ یا محدث نے اَسْمَآءُ الرِّجَال یا کتبِ حدیث میں ذکر کیا۔ نہ آپ اتنے خطوط لکھواتے تھے کہ جس کے بنڈل بنائے جاتے۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کاتبینِ وحی صرف تینتیس ٣٣ صحابہ تھے جن کے اسماءِ پاک مندرجہ ذیل ہیں۔ ان دونوں قولوں کے غلط ہونے کی دوسری وجہ یہ کہ اگر اس نام کا کوئی فرشتہ ہو بھی تب بھی اس کے عمل سے تشبیہ منشاءِ الٰہی کے خلاف ہے کیونکہ فرشتے کے لپیٹنے کو تو کوئی جانتا ہی نہیں تو سننے والے کو نَطْوِی السَّمَآءَ کا پتہ کیسے لگے گا حالانکہ سمجھانا ہی مقصود ہے اور علمِ اصول کا قانون بھی یہ ہے کہ مشبّہ بہ مشبّہ سے زیادہ مشہور ہو جانا چاہیئے (از تفسیر

marfat.com

روح المعانی یہی آیت) اسی طرح نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اگر اس نام کا کوئی کاتب ہو بھی اس کا لپٹنا کسی کو معلوم نہیں لہٰذا اس سے مشابہت بھی بیکار ہوئی۔ اس لیے درست پہلا قول ہی ہے۔ کاتبین وحی کے اسمائے مقدسہ ۱ خالدؓ بن سعید بن العاص یہ سب سے پہلے کاتب تھے ۲ صدیق اکبرؓ ۳ فاروق اعظمؓ ۴ عثمانؓ غنی ۵ علی مرتضیٰ ۶ عبیدہؓ بن جراح ۷ طلحہؓ بن عبید اللہؓ ۸ یزیدؓ بن ابی سفیان ۹ ابو حذیفہؓ بن عتبہ ۱۰ حضرت امیر معاویہؓ ۱۱ حاطبؓ بن عمروؓ ۱۲ ابو سلمہؓ بن عبد اللہ ۱۳ آبانؓ بن سعید بن عاص ۱۴ عبد اللہؓ بن سعد بن ابی سرح ۱۵ ابو سفیان بن حرب ۱۶ حویطبؓ بن عبد العزیٰ ۱۷ جُہیمؓ بن صلت ۱۸ علاؓ بن حضرمی ۱۹ سوید بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ سب صحابہ قریش قبیلے سے تھے ۲۰ زیدؓ بن ثابت انصاری ۲۱ سعد بن عبادہ ۲۲ اُسیدؓ بن حُضیر ۲۳ مولیٰ علی شیر خدا۔ یہ چار صحابہ کاملین میں سے تھے اہل عرب میں کاملین اُن لوگوں کو کہا جاتا تھا جن کو تین فن بہت اچھے طریقے آتے تھے ۱ تیرنا ۲ تیراندازی ۳ لکھنا پڑھنا۔ ایسے شخص کو انسان کامل کہا جاتا تھا زمانۂ نبوی میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں صرف بائیس افراد کاملین تھے جن میں یہ چار مسلمان تھے۔ کاتبینِ وحی میں بعض مؤرخین کے نزدیک مزید یہ مندرجہ ذیل حضرات بھی شامل ہیں ۲۴ عبد اللہؓ ابن مسعودؓ ۲۵ زبیرؓ بن عوام ۲۶ مغیرہؓ بن شعبہ ۲۷ حذیفہ بن کعب ۲۸ اُبیؓ ابن کعب ۲۹ عبد اللہ بن ارقم ۳۰ حصینؓ بن نمیر ۳۱ شرجیل بن حسنہ ۳۲ حنظلہؓ بن ربیع ۳۳ مُعیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لِلْكُتُبِ میں دو قول ایک یہ کہ یہ لفظ جمع ہے کتاب کا یہ ہی مشہور قرأت ہے دوم یہ کہ یہ لفظ لِلْكِتَابِ ہے اور معنًا مصدر ہے بروزنِ فِعَال اور ترجمہ ہے لکھنے کے لیے لپٹنا ۱ نُعِيْدُهٗ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ فوت شدہ کے اجزاء سے بعض اجزا کبھی فنا نہیں ہوتے جس کو بیجِ حیوانی کہا جاتا ہے وہی دوبارہ اُگیں گے۔ اس اُگنے کا اشارہ حدیث پاک میں بھی ملتا ہے دوم یہ کہ بالکل فنا ہو جائیں گے پھر قدرتِ الٰہی سے ازسرِ نو نیست سے ہست ہو کر پیدا ہوں گے آیت نُعِيْدُهٗ کا اشارہ اور مفہوم یہی بتاتا ہے ۱ عَلَيْنَا میں دو قول۔ ایک یہ کہ علیٰ بمعنیٰ واجب ہے دوم یہ کہ علیٰ بمعنیٰ لازم۔ دونوں میں فرق یہ کہ وجوب وقتی ہوتا ہے کبھی ہے کبھی نہیں لزوم دائمی۔ جیسے کہ والد کی خدمت بیٹے پر واجب ہے اور والدہ کی خدمت ہر حال میں بیٹے پر لازم ہے والدہ کو خدمت کی ضرورت ہو یا نہ ہو۔

marfat.com

فائدے ان آیات مقدسہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ والد محترم حضرت حکیم الامت بدایونی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد تمام انسان اپنی اپنی قبروں سے عُرَاةً حُفَاةً غُرْلًا پیدا ہوں گے۔ یعنی ننگے بدن ننگے پیر اور بے ختنہ یہاں تک کہ بقول حدیث پاک سب سے پہلے ابراہیم علیہ السّلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے اس قانون میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شامل نہیں آپ قبر اقدس سے لباس میں اٹھینگے اور ختنہ شدہ یہ فائدہ كَمَا بَدَأْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ سے حاصل ہوا۔ یعنی جو جیسا پیدا ہوا ہم اسی طرح اُس کو دوبارہ پیدا کریں گے آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی جب پہلے ولادت کی پیدائش ہوئی تو روایاتِ مشہورہ کے مطابق۔

لپٹے ہوئے حریر میں ختنہ کیا ہوا ؛ شانہ کیا ہوا تھا اور سرمہ لگا ہوا آپ کے علاوہ باقی تمام مومنین کافرین عُرَاةً حُفَاةً غُرْلًا پیدا ہوں گے مومن و کافر کی روانگی محشر میں صرف یہ فرق ہو گا کہ کفار عُرَاةً حُفَاةً غُرْلًا مُشَاةً ہوں گے یعنی پیدل۔ اور مومنین عُرَاةً حُفَاةً غُرْلًا رُكْبَانًا یعنی سواریوں پر۔ اگر نبی کریم کی اس خصوصی شان کو نہ مانا گیا تو نُعِيْدُهٗ کی یہ تشبیہ قرآنی کلامِ ربّانی کے خلاف ہو گا جو محال ہے دوسرا فائدہ۔ ہر مومن مسلمان کے لیے سب سے بڑی نعمت اور عظیم خزانہ دینِ اسلام پر ایمان ہے یہ ایسی انمول اور نایاب دولت ہے جو کہیں سے نہیں مل سکتی اہل ایمان پر یہ احسان ربّ کریم ہے محض رب تعالیٰ کے ندہبی فیصلے سے ہم کو تم کو ملی نہ اُس وقت کسی نے دعا مانگی نہ کسی نے ہمارے لیے سفارش عرض کی خود ہی پروردگارِ عالم نے عالمِ ارواح میں ہماری روحوں کا کروڑ ہا سال پہلے اپنے محبوب کی غلامی اپنے دین کی سلامی اپنی جنت کی دوامی کے لیے چن چن کر ہمارا انتخاب فرمالیا۔ اِسی کرم نوازیِ ربّ کریم پر اگر ہم ذرا غور کریں تو سجدۂ شکر سے ہم سر نہیں اٹھا سکتے۔ ورنہ سینکڑوں لاکھوں انسان ہم سے خوب صورت حسین وجمیل حَصَبُ جہنم بن کر کفر میں پڑے ہوئے ہیں۔ مجھے اپنا خود بنایا یہ کرم نہیں تو کیا ہے یہ فائدہ۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى میں مِنَّا فرمانے سے حاصل ہوا۔ اب اِس دولتِ بیکراں خزانۂ ایمان کو قبر تک بچائے رکھنا بری باتوں، کتابوں محفلوں برے لوگوں سے بچے رہنا ہمارا فرض ہے۔ اس لیے دل وجان سے رب تعالیٰ کی امداد کا وسیلہ مانگتے رہیں۔ اور اپنے مولیٰ تعالیٰ کا ہر وقت شکر ادا کرتے رہیں رب تعالیٰ کا شکر صرف یہی ہے کہ اُس کے

marfat.com

حبیب آقائے کائنات صلّی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اطاعت والی غلامی ہر ہر قول و فعل میں قائم کی جائے۔ تیسرا فائدہ ہر مومن کے لیے دنیا میں نفسانی خواہشات برائی اور گناہ کی علامت ہیں مگر جنت میں نفسانی خواہشات اچھائی اور نیکی خوش قسمتی ہے۔ اس لیے دنیا میں ان سے بچنا چاہیئے تاکہ جنت میں حصول ممکن و آسان ہو یہ فائدہ وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ اَنْفُسُهُمْ خَالِدُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکامُ القرآن ان آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ ہر بری چیز سے دور رہنا اچھی عادت ہے بلکہ یہ عادت دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے رب تعالیٰ نے اہلِ جنت کے انعامات میں سے یہ انعام بھی فرمایا کہ مومنوں کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے گا۔ اس لیے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ دنیا میں بھی اپنے آپ کو اور اپنی اولاد کو اہل و عیال کو بھی ہر بری چیز سے دور رکھے۔ یہ مسئلہ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ سے مستنبط ہوا فرمایا یہ جا رہا ہے کہ تم دنیا میں ہر بری چیز سے مُبْعِدُوْنَ بنے رہو تو کل بعدِ قیامت جنت میں تم کو مُبْعَدُوْنَ بنا دیا جائے گا۔ دوسرا مسئلہ۔ حیاتِ دنیوی میں نیک لوگوں کی دوستی ان سے ہی میل ملاقات رکھنا اچھی جگہوں پاکیزہ مقامات سے تعلق جوڑے رکھنا ہر مسلمان پر واجب ہے اور شریعتِ پاک کا حکم ہے یہ مسئلہ وَتَتَلَقّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ فرشتوں کی ملاقات و استقبال میل ملاپ بھی تمغاتِ جنت سے ایک تمغہ ہے۔ تو چاہیئے کہ دنیا میں بھی ایسے دوست بنائے جائیں جو فرشتوں کی طرح پاکیزہ ہوں ایسے دوست مل جانا بھی رب تعالیٰ کی عظیم رحمت و نعمت ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ تقدیر مبرم اٹل ہے اس کو کوئی بھی ٹال نہیں سکتا۔ یہ مسئلہ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ سے مستنبط ہوا۔ قرآن مجید میں اس طرح کے الفاظ سے تقدیر مبرم مراد ہوتی ہے۔ لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ تقدیر مبرم کو بھی ٹال دیتے ہیں غلط اور گناہ ہے۔ غوثِ پاک نے یہ بات اپنی کسی کتاب میں نہیں لکھی نہ کبھی کسی گفتگو میں فرمائی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اُولٰٓئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُوْنَ جس سے ثابت ہوا کہ اہلِ ایمان کو جہنم سے بہت دور رکھا جائے گا۔ لیکن سورۂ مریم آیت ۷۱ میں فرمایا گیا۔ وَاِنْ مِّنْكُمْ

marfat.com

اِلَّا وَارِدُھَا ۔ یعنی تم میں سے ہر انسان کو جہنم میں وارد ہونا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان بھی جہنم سے قریب بلکہ اس میں داخل ہوں گے ظاہراً یہ تضاد معلوم ہوتا ہے جواب اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ کوئی تضاد نہیں اس لیے کہ مُبْعَدُوْنَ سے مراد آوازِ جہنم اور عذابِ جہنم سے دوری ہے۔ اور وَارِدُوْنَ سے مراد ہے جہنم کے اوپر پُل صراط سے گزرنا ہے، اس گزرنے عبور کرتے میں اہل ایمان کو نہ عذاب چھوئے نہ تکلیف پہنچے نہ سرسراہٹ حسیس سنائی پڑے۔ جواب دوم یہ کہ مُبْعَدُوْنَ اور وَارِدُوْنَ میں زمانوں کا فرق ہے۔ مُبْعَدُوْنَ جنت میں پہنچنے کے بعد ابدًا لآ باد تک اور وُرودِ جہنم بہت پہلے پُل صراط سے گزرنے کے وقت ہوگا۔ اس لیے کوئی تضاد نہیں یہ دونوں جواب درست ہیں۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَھَا یعنی اہل جنت جہنم سے اتنے دور ہوں گے کہ جہنم کی ہلکی سرسراہٹ بھی نہ سن سکیں گے مگر سورۃ اعراف کی آیت ۵۰ میں ارشاد ہے۔ فَنَادٰی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ ۔ یعنی جہنمی لوگ جنتیوں کو پکاریں گے کہ ہم کو بھی پانی کا فیض پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ نے جو تم کو رزق دیا ہے اس میں سے کچھ ہم پر بھی خیرات کرو۔ اسی طرح سورۃ اعراف کی آیت ۴٧ میں ہے کہ جنتی بھی جہنمی لوگوں کو پکاریں گے یہ دونوں آیتیں بتا رہی ہیں کہ جنتی لوگ جہنم کے قریب ہیں اسی لیے دوطرفہ ایک دوسرے کی آواز سنیں گے یہ بھی تضاد معلوم ہوتا ہے اس کا حل کیا ہے۔ جواب۔ تینوں آیت اپنی اپنی جگہ ایک علیحدہ منشا پیش فرما رہی ہیں کوئی تضاد نہیں صرف معترض میں عقل و تدبر کا فرق ہے یہاں اس آیت میں جہنم کی پریشان کن آواز اہلِ جنت تک پہنچنے کی نفی فرمائی جا رہی ہے اور جنت کے اطمینان و سکون کا ایک نقشہ سمجھایا جا رہا ہے کہ چیخ و پکار تو درکنار وہاں کی سرسراہٹ کی آواز بھی نہ آسکے گی اور جہنم کی دوری بھی بتائی گئی۔ لیکن سورۃ اعراف کی دونوں آیتوں میں صرف دوطرفہ آواز سننے کا ذکر ہے جس سے نہ پریشانی کا سوال نہ دیکھنا ثابت نہ قرب ثابت ہوا۔ آواز تو فی زمانہ دنیا میں بھی لاکھوں ہزاروں میل سے سنی سنائی جا رہی ہے یہ ٹیلیفون۔ وائرلیس دور ترین آوازوں کو بالکل ایسا سنوا دیتے ہیں جیسے بالکل قریب ہوں۔ اور ٹیلیفون کرتے میں یہ مشاہدہ عام ہے کہ بجز ایک یا چند بولنے والوں کے اردگرد کی کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دیتی نہ دکھائی دیتی بلکہ اب تو ایسے ٹیلیفون بھی

marfat.com

بن گئے ہیں کہ بات کرنے والے ایک دوسرے کو دیکھ بھی سکتے ہیں حالانکہ دوری اسی طرح قائم ہوتی ہے جب انسانی ایجادات کی یہ حالت ہے تو قدرتِ الٰہی کی کیا شان و قوت ہوگی کیا خبر کس قسم کا انتظام ہوگا کہ سینکڑوں سال کی دوری پر واقع جہنم والوں کی بات چیت گفتگو کی گئی بہر حال۔ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا سے دوری ثابت اور نَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ سے قرب ثابت نہیں ہوتا۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ۔ مگر سورۃ نمل آیت ۸۷ میں ہے۔ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ یہ آیت مطلق ہے سب آسمانی زمینی مخلوق کو شامل یعنی سب گھبرا جائیں گے۔ اس کی کیا وجہ؟ **جواب**۔ ان دونوں آیتوں میں چار طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ یہاں گھبراہٹ سے غمگین ہونے کی نفی ہے۔ وہاں نحل میں گھبراہٹ والی چیز دیکھنے کا ذکر ہے مطابقت اس طرح کہ دیکھیں گے سب مومن و کافر مگر مومنین کو لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ۔ فزع اکبر غمگین نہ کرے گی۔ دوم یہ کہ یہاں بڑے فزع کی نفی ہے وہاں کسی معمولی اور چھوٹی گھبراہٹ کا ذکر ہے سوم یہ کہ یہاں اپنے لیے گھبرانے غمگین ہونے کی نفی ہے وہاں اپنوں کے لیے گھبرانے فکرمند اور غمگین ہونے کا ذکر ہے یعنی اہل جنت کو اپنی ذات کا غم کسی بھی گھبراہٹ سے نہ ہوگا۔ لیکن انبیاء اپنی گناہگار امت کے لیے فرشتے کمزور مسلمانوں کے لیے فکرمند و غمگین ہوں گے دعائیں مانگیں گے شفاعت فرمائیں گے چہارم یہ کہ۔ یہاں اس آیت میں گناہوں کی وجہ سے گھبراہٹ کی نفی ہے وہاں جلالِ کبریائی حاضریِ بارگاہ کی خشیت کی گھبراہٹ کا ذکر ہے۔

تفسیر صوفیانہ إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِنَّا الْحُسْنَىٰ أُولَٰئِكَ عَنْهَا مُبْعَدُونَ لَا يَسْمَعُونَ حَسِيسَهَا وَهُمْ فِي مَا اشْتَهَتْ أَنْفُسُهُمْ خَالِدُونَ

بے شک وہ خوش نصیب لوگ جن کے لیے سعادتِ حُسنیٰ کا فیصلہ عالم ازل میں پہلے ہی ہو گیا ہماری کرم نوازیوں کی طرف سے وہ لوگ ملاوٹ طبیعہ فاسدہ سے دور کر دئے گئے اتنی دور کہ نفسِ امارہ کی ابلیسیت والی سرسراہٹ بھی ان کو سنائی نہیں دے سکتی وہ تو نفسِ امارہ کی خواہش پر حلال چیزوں کو بھی ہاتھ نہیں لگاتے ان کے لیے نفس امارہ کی یہ دوری ان کے مراتبِ عقلی کی وجہ سے ہے وہ لوگ مشاہداتِ صفات اور قرباتِ ذات کی جنتوں کے اندر خواہش طبیعت مطالبۂ قلب روح کی چاہت میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ لَا يَحْزُنُهُمُ الْفَزَعُ الْأَكْبَرُ وَتَتَلَقَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ هَٰذَا يَوْمُكُمُ

marfat.com

الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ۔ نہ موتِ نفس سے اُن کو قیامت صغریٰ کا غم ہوگا نہ عظمتِ جلال
کی قیامتِ کبریٰ کی ہیبت و گھبراہٹ کیونکہ وہ ہمیشہ انوارِ خشیت کے لباس میں ملبوس
رہتے ہیں ان ہی خوش بختوں کو موتِ نفسانی کے وقت ملائکہ عرشی کی معرفت کا استقبال،
زیارت نصیب ہوتا ہے نجات و سلامت کی بشارتوں کے ساتھ اور رضوانِ بہشت کی
جانب سے خوش خبری ملتی ہے کہ یہی تمہارا وہ یوم رجوع الی اللہ ہے جس کا وعدہ مُوْتُوْا
قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا سے فَنَا فِی اللّٰہ کے وقت کیا گیا تھا سعادتِ تامہ استقامۃ حال سے
یَوْمَ نَطْوِی السَّمَآءَ كَطَيِّ السِّجِلِّ لِلْكُتُبِ كَمَا بَدَاْنَاۤ اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِیْدُهٗ وَعْدًا
عَلَیْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِیْنَ ۔ اہل معرفت کو یہ اعزاز۔ اکرام۔ انعام۔ احسان، دوام اُس دن
ملے گا جس دن آسمانِ نفس کو کتابِ اعمال کی طرح ہم لپیٹ دیں گے تاکہ صحیفۂ اخلاق
کے مقامِ صغیرہ میں حفاظتِ بقا سے رہے اور اُس آسمانِ قلب کو بھی لپیٹ دیں گے
جو مقامِ وُسطیٰ کے حکم میں ہے اُس میں علوم کا سورج معارف کا چاند اور صفاتِ حسنہ کے ستارے
معقولات کی کہکشاں ہے اور آسمانِ روح کو بھی لپیٹ دیں گے جو مقامِ بدن کے کبریٰ میں
ہے اُس میں مشاہدات کی بجلیاں۔ تجلیات کی رونقیں۔ زندگی ابدی کے آثار۔ ہم نشاۃ
ثانیہ کے وقت قالبِ فطرت میں پھر لوٹا دیں گے جس طرح نشاۃِ اوّل میں پیدا فرمایا تھا کہ بقا
کے بعد فنا اور فنا کے بعد پھر بقا یہ تیسری پیدائش ہے (ابن عربی) بے شک جن لوگوں
کے لیے قادر وقیوم کی طرف سے عنایتِ ازلیہ کا فیصلۂ حسنیٰ ہو چکا ہے وہ عاداتِ ذلیلہ
کی جہنم دنیوی سے بہت دور کر دیئے جاتے ہیں اور شریعت طریقت معرفت حقیقت
اطاعت عبادت ریاضت مشقت کی پُر بہار ہشت بہشت میں ان کا خلودِ حیات
ہوتا ہے جہاں وہ کبھی بدعتوں کی سرسراہٹ بھی نہیں سن سکتے۔ نارِ عصیان کی گھبراہٹ
اور حرق وغرق وسرق کا غم بھی ان کو نہیں پہنچتا جس دن اللہ تعالیٰ وجود انسانی کے آسمانوں
کو صفاتِ جلال کے دستِ یمین سے لپیٹ دے گا مراتبِ وجود کو ابتدا سے انتہا
تک فنا کر کے پھر وجودِ انسانیت کا اسی تدریج سے رجوع و اعادۂ خلقت فرمائے گا
جس طرح پہلے ظہورِ اجسام فرمایا تھا کہ پہلے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظام پھر لباس
لحم اسی طرح اعادہ ہوگا کہ پہلے حیوانیت نفس کا نطفہ پھر شریعت کا علقہ پھر طریقت
کا مضغہ پھر معدنیۂ معرفت کے عظام پھر عناصرِ حقیقت کا لحم پھر اس ناسوتی ڈھانچے میں

marfat.com

روحِ امری کا دخولِ خلوت ہوتا ہے۔ اِنَّا کُنَّا فٰعِلِیْنَ یہ وہ وعدہ ازلی کا فیصلہ مبرم ہے جو ہر عارف کے قالبِ مزکی سینہ مصفّٰی میں سجایا جاتا ہے (تفسیر نیشا پوری) انتخابِ ربانی میں آجانے والوں کے لیے عنایتِ سابقہ کا حسن ظاہری چار چیزوں میں ہے ۱ کونین سے بے رغبتی ۲ صرف رضاءِ الٰہی کی طلب۔ ۳ خلوص للّٰہ ۴ انوارِ الٰہی کا اندرونی ظہور۔ اسی طرح عنایتِ ازلیہ سابقہ کا حسنِ باطنی بھی چار چیزوں میں ہے ۱ ایجادِ ذاتِ عجیبہ ۲ علومِ غیبیہ کا انکشاف ۳ مکاشفاتِ قائمہ ۴ معارفِ کاملہ جس بندے میں ظاہری باطنی یہ چار حسن پیدا ہو جائیں وہ چار رتبوں کے ساتھ آفاق میں مشہور کر دیا جاتا ہے ۱ عاداتِ عندیہ میں ۲ علاماتِ مقربین میں ۳ نشاناتِ مخلصین ۴ خلافتِ سید المرسلین حضرت جنید بغدادی رضی اللہ عنہ نے فرمایا چار چیزوں کی توفیق ملنے کا نام حسنیٰ ہے ۱ توفیقِ عنایت ۲ توفیقِ ہدایت ۳ توفیقِ اختیار ۴ توفیقِ عطا۔ ان توفیقوں سے چار دولتیں ملتی ہیں ۱ عنایت سے کفایت کی ۲ ہدایت سے ولایت کی ۳ عطا سے حکمت کی ۴ اختیار سے رعایت کی۔ توفیقِ الٰہی کی نشانی استقامت ہے۔ عارفین کے نزدیک پانچ چیزیں دنیا میں جہنم تہر کی حسیس ہیں ۱ بدعت کے کام ۲ بد معاشی کے کلام ۳ فلسفی دلائل ۴ عقلِ خناسی کے الجھاؤ ۵ طبیعتِ خیانت کے خیالات اور ظلمت کے وصیات عارفین کو ان سے بچایا جاتا ہے۔ قیامت کا دن عابدین کا یومِ جزا ہے اور عارفین کا یوم مشاہدہ ہے۔ عاشقوں کا یومِ وصولِ جمالِ کبریا ہے۔ جنت میں چار مکان چار قسم کے لوگوں کے لیے ۱ مکانِ راحت ان کے لیے جن کو دنیا میں راہِ الٰہی میں مصائب ملے ۲ مکانِ غنا ان کے لیے جنہوں نے فضولیات کو چھوڑا ۳ مکانِ امن ان کے لیے جو تا عمر خوفِ الٰہی میں رہے ۴ مکانِ اشتہا۔ زاہدین کے لیے۔ عالمِ طریقت میں سینۂ عارف کے سات آسمان جو قیامتِ صغریٰ میں لپیٹ دیئے جاتے ہیں پہلا آسمان جیرانیت، دوم آسمانِ عناصر ازدوسوم آسمانِ ترکیب چہارم آسمانِ نامیہ نباتیہ پنجم آسمانِ روحانیہ ششم آسمان عملیہ ہفتم آسمانِ فکریہ وَعْدًا عَلَيْنَا یہ قیمتِ رحمانی کا وعدۂ ازلیہ لازمہ ہے اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ بے شک ہم ہر بندۂ مخلص کو دنیا آخرت میں اس کے مراتب دینے والے ہیں۔

(از تفسیر روح البیان)

marfat.com

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ

اور البتہ لکھ دیا ہے ہم نے زبور میں پوری شریعت کے بعد

اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھدیا

أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ ﴿١٠٥﴾

کہ بے شک یہ زمین مالک ہوں گے اُس کے میرے بندے نیکیاں پھیلانے والے.

کہ اُس زمین کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے.

إِنَّ فِي هَٰذَا لَبَلَاغًا لِّقَوْمٍ عَابِدِينَ ﴿١٠٦﴾

بیشک اِس قرآن میں بھی البتہ بہت علوم ہیں عبادت گزار بندوں کے لیے

بے شک یہ قرآن کافی ہے عبادت والوں کو

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ ﴿١٠٧﴾

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمۃ کرنے کے لیے تمام جہانوں کے لیے

اور ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر رحمت سارے جہان کے لیے

قُلْ إِنَّمَا يُوحَىٰ إِلَيَّ أَنَّمَا إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ

فرما دیجئے مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا معبود نہیں مگر ایک معبود

تم فرماؤ مجھے تو یہی وحی ہوتی ہے کہ تمہارا خدا نہیں مگر ایک اللہ

فَهَلْ أَنتُم مُّسْلِمُونَ ﴿١٠٨﴾ فَإِن تَوَلَّوْا فَقُلْ

تو کیا تم مسلمان بن جاؤ گے ۔ پھر بھی اگر یہ سب منہ پھیریں تو فرما دو کہ

تو کیا تم مسلمان ہوتے ہو. پھر اگر وہ منہ پھیریں تو فرما دو

marfat.com

اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ۭ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ

میں نے اطلاع برابر دیدی ہے تم کو اور میں کیا جانوں کہ قریب ہے

میں نے تمہیں لڑائی کا اعلان کردیا برابری پر، اور میں کیا جانوں کہ پاس ہے

اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ﴿۱۰۹﴾

یا دور وہ عذاب جس کا وعدہ دئے گئے ہو تم

یا دور ہے وہ جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بندوں کے اعمالنامے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا کہ آسمان اُس طرح لپیٹے جائیں گے جس طرح اعمالنامے لکھنے کے بعد لپیٹے جاتے ہیں۔ اب اِن آیت میں اللہ تعالیٰ کے وعدے لکھنے کا ذکر ہے کہ ہم نے سابقہ کتب آسمانی میں کیا وعدے لکھے تھے دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اہل جنت کو قیامت کی گھبراہٹ نہ پہنچے گی۔ اب اِن آیت میں اِس کی وجہ بیان ہو رہی ہے۔ کہ چونکہ انہوں نے اپنی سب زندگی قرآنِ مجید کے سائے اور رحمت عالمین کے دامن میں گزاری اس لیے اب ان کو کوئی گھبراہٹ نہ ہوگی اُس کرم والے دامن میں آکر بھلا کون پریشان ہو سکتا ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں لوگوں کو اہلِ جنت مسلمانوں کی شان بتائی گئی تھی اب اِن آیت میں لوگوں کو مسلمان بننے کی دعوت دی جا رہی ہے۔

تفسیر نحوی وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِى الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ واؤ سرجملہ لام گے برائے تاکید بمعنی اللہ یقینا قَدْ كَتَبْنَا۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم کَتَبْتُ یا کَتْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لکھنا ہر قسم کا یہاں قدرتی لکھائی یا وحی مراد ہے نا ضمیر جمع متکلم اِس کا فاعل مرجع ہے رب تعالیٰ فِی حرفِ ظرفیہ مکانیہ الف لام عہد ذہنی خارجی زَبُوْر اسم مفرد سُریانی زبان کا لفظ ہے

marfat.com

مراد ہے دوسری منزل کتاب جو حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل ہوئی ایک قول میں زُبُرٌ ہے عربی لفظ ہے زَبَر کی جمع بمعنی کُتُب رکتابیں) تب یہ الف لام جنسی ہے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ کَتَبْنَا کا ماضی کتاب کا تعین چاہتا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے کَتَبْنَا کا۔ مِنْ جارہ زائدہ راپنے معنی ابتداءِ غایت کے لیے نہیں صرف عامل ہے) بَعْدِ مضاف ہے اَلذِّکْرِ الف لام عہدِ خارجی ذکر سے مراد ہے تورات مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے اَنَّ حرفِ مشبہ بالفعل درمیانِ کلام ہے اس لیے اَنَّ ہے اَلْاَرْضَ الف لام استغراقی یعنی تمام اَرْض اسم مفرد جامد مؤنث لفظی سماعی۔ کل اٹھتر الفاظ عربی مؤنث لفظی رسماعی) ہیں جن کو قصیدہ ابن حاجب صاحب کافیہ میں منظم کیا گیا۔ مراد ہے جنت کی زمین نہ کہ دنیا کی لوگوں نے اور بھی بہت سی باتیں بنائی ہیں کہ دنیا کی زمین مراد ہے ۱۔ ساری زمین ۲۔ شام کی زمین ۳۔ بیتُ المقدس کی زمین ۴۔ یہ آیت آخیر زمانہ امام مہدی کا ذکر فرما رہی ہے ۵۔ نہیں بلکہ زمانۂ نبوت کا ۶۔ زمانۂ صحابہ کا ۷۔ مغل بادشاہوں کا دَور وغیرہ وغیرہ مگر یہ ذہنی باتیں ہیں اَلْاَرْضَ اسم ہے اَنَّ کا۔ یَرِثُ باب سَمِعَ کا مضارع معروف مستقبل واحد مذکر غائب وَرْثٌ سے مشتق ہے یعنی مالک ہو جانا ھَا ضمیر کا مرجع اَرْض ہے عِبَادِیْ جمع مکسر منصرف واحد ہے عَبْدٌ بمعنی عابد رعبادت کرنے والے بندے) مضاف ہے یْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی موصوف اَلصّٰلِحُوْنَ اسم جمع مذکر سالم واحد ہے صَالِحٌ بمعنی درستی و صُلح کرنے والے زمین کو فساد سے بچانے والے یہ صفت ہے عِبَادِیْ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے یَرِثُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی۔ اَنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے کَتَبْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ تاکیدیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ ابتداءِ کلام میں آیا اس لیے اِنَّ ہے فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ھٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ ذہنی ہے یعنی قرآن مجید یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا یا اسم مفعول اپنے نائب فاعل پوشیدہ ضمیر عبیعتہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی ایک قول میں ھٰذَا کا مشار الیہ یہ رتۃ انبیاء ہے رواللہُ اَعْلَمُ) لام گے تاکیدیہ بمعنی اَلْبَتَّہ۔ بَلٰغًا۔ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ بَلَّغَ سے بنا ہے بمعنی پہنچا دینا رتبلیغ کرنا) کافی ہونا۔ یہاں دوسرے معنی زیادہ مناسب ہیں کیونکہ لازم ہے نہ کہ متعدی لام حرفِ جر نفع کا قَوْمٍ اسم منکر معنًا جمع ہے بمعنی جماعت گروہ موصوف ہے عَابِدِیْنَ اسم جمع

marfat.com

مذکر سالم بحالتِ کسرہ صفت ہے قوم کی اس کا واحد ہے عَابِدٌ بمعنی شریعت کے مطابق کام کرنے والے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے بَلٰغًا مصدر کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر اسم مؤخر ہوا اِنَّ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خیال رہے کہ عربی لغت میں کل چھ لفظ ہیں جو معنًا جمع لفظًا واحد ہیں (۱) قوم (۲) رھط (۳) وفد (۴) کُلٌّ (۵) اَجْمَعُ (۶) وَلَدٌ وغیرہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ. قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. واؤ سرجملہ مَآ اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ بمعنی بھیجنا رُسُلٌ سے بنا ہے ہر دو متعدی ہوتے ہیں ہمیشہ یہ فعل با فاعل ہے لَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل مفعول بہ ہے اِلَّا حرفِ استثناء رَحْمَةً اسم مصدر آخر میں تَ مصدر یہ ہے بحالتِ نصب کیونکہ مستثنیٰ مفرغ (مفرغ لہٗ) اور بقاعدۂ نحوی جب مستثنیٰ مِنہٗ مذکور نہ ہو اور کلام غیر موجب یعنی منفی ہو اور مستثنیٰ اِلَّا کے بعد ہو تو مستثنیٰ کا اعراب (زیر زبر پیش) وہ ہوتا ہے جو عامل فعل اس کے مستثنیٰ مِنہٗ کو دیتا ہے چونکہ وہ تو موجود نہیں لہٰذا اس کے اعراب دینے سے فارغ ہو گیا اور اس مستثنیٰ کے لیے فارغ ہوا لہٰذا اب اس کو وہی اعراب دے گا یہاں مستثنیٰ مِنْهُ تھا عِلَّةً یا حَالًا۔ وہ مفعول لہٗ تھا اس کا اعراب زبر ہی ہوتا۔ اب وہ اعراب اور وہ درجہ رحمۃً کو مل گیا۔ آیت اس طرح تھی۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عِلَّةً۔ اِلَّا رَحْمَةً ترجمہ اور نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی مقصد کے لیے مگر رحمت کرنے کے لیے تمام جہانوں پر یہ رحمۃً مفعول لہٗ مستثنیٰ ہے لام نفع کا عٰلَمِيْنَ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے عَالَمٌ ترجمہ ہے تمام جہانوں کے نفع و فائدے کے لیے یہ جار مجرور متعلق ہے رَحْمَةً مصدر عامل کا یہ دونوں شبہ جملہ ہو کر مستثنیٰ مفعول لہٗ ہوا۔ مَآ اَرْسَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر با فاعل جملہ ہو کر قول ہوا اِنَّ حرف مشبہ مَا کافہ اس نے اِنَّ کو بے عمل کر دیا دونوں کا ترجمہ ہے فقط۔ يُوْحٰى باب افعال کا مضارع مجہول اِلَىَّ جار مجرور متعلق ہے اَنَّمَا۔ اَنَّ حرف مشبہ زائدہ (غیر عاملہ) مَا کافہ دونوں کا ترجمہ ہے فقط اِلٰهُكُمْ مرکب اضافی مبتدا۔ اِلٰهٌ موصوف وَاحِدٌ صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے اِلٰهُكُمْ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ هَلْ حرفِ استفہام تصدیقِ ایجابی کی طلب کے لیے یہ ہر جملے پر آ سکتا ہے۔

marfat.com

فعلیہ ہو یا اسمیہ منفی ہو یا مثبت حرف عطف اس سے پہلے آسکتا ہے اس کے بعد نہیں آسکتا اَنْتُمْ ضمیر مبتدا مُسْلِمُوْنَ مُسْلِمٌ اسم فاعل کا جمع مذکر ہے بمعنی اسلام لانے والے مسلمان ہونے یا بننے والے ہوں بحالتِ رفع خبر ہے مبتدا کی اَنْتُمْ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اَلْحُکْمُ کے جملے پر دونوں مل کر نائب فاعل ہے یُوْحٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا سب مل کر جملہ قولیہ ہوا ۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُکُمْ عَلٰی سَوَآءٍ وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ ۔ فَ ترتیبیہ بمعنی ثُمَّ اِنْ حرفِ شرط تَوَلَّوْا بابِ تَفَعُّلٌ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَوَلِّیْ بمعنی منہ پھیر لینا دوست نہ بننا، انکار کرنا، نہ ماننا یہ مثبت منفی مصادر میں سے ہے یعنی لفظاً مثبت ہے حقیقتاً و معناً منفی ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع کفار مکہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ حرف جزا قُلْ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا اٰذَنْتُ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد متکلم مصدر ہے اِیْذَانٌ بمعنی اجازت دینا، اجازت کی خبر دینا یہاں بمعنی اطلاع دینا بتانا اِذْنٌ سے بنا ہے متعدی بدو مفعول ہے اس کا پہلا مفعول یہ کُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل ہے مرجع ہے کفار مکہ اس کا دوسرا مفعول پوشیدہ ہے حَرْبًا یا عَذَابًا عَلٰی جارہ فوقیت کا سَوَآءٍ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنی برابری یہ جار مجرور قائم مقام حال ہے کُمْ مفعول بہ کا اور متعلق ہے اٰذَنْتُ کا یعنی تم سب کو برابر ایک جیسا بتا دیا ہے ۔ یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنْ حرفِ نفی بمعنی مَا نافیہ ماضی مضارع دونوں پر آجاتا ہے اور اسم مشتق پر یعنی جملہ اسمیہ فعلیہ دونوں پر لفظ اِنْ عربی میں چار قسم کا ہے ۱ اِنْ حرفِ شرط ۲ اِنَّ حرفِ تاکید ۳ اِنْ حرفِ مخففہ اِنَّ سے بدلا گیا ۴ اِنْ حرفِ نفی یہاں یہی ہے ۔ اَدْرِیْ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع غیر مثبت معروف واحد متکلم دَرْیٌ وَدِرَایَۃٌ سے مشتق ہے بمعنی اپنی ذاتی قوت سے جاننا یا کسی چیز کا پتہ چلا لینا ۔ خیال رہے کہ اِنْ نافیہ فعل کو منفی نہیں کرتا بلکہ اس سے علیحدہ نفی کا تذکرہ ہوتا ہے اِنْ اَدْرِیْ کا ترجمہ ہے ۔ نہیں ہے یہ بات کہ میں جانتا ہوں ۔ اور لَا اَدْرِیْ کا ترجمہ ہوتا ہے میں نہیں جانتا ۔ اَ ہمزہ سوالیہ قَرِیْبٌ اسم مصدر بر وزنِ فعیل برائے مبالغہ حاصل مصدر ہے اَمْ حرفِ عطف اختیاریہ بمعنی اَ بَعِیْدٌ اسم مصدر جامدِ حاصل مصدر یہ دونوں معطوف علیہ معطوف مل کر مبتدا مَا اسم موصول تُوْعَدُوْنَ بابِ افعال کا فعل مضارع

marfat.com

مثبت مجہول۔ جمع مذکر حاضر وُعِدَ سے مشتق ہے ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَدْرِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اٰذَنْتُ کے جملے پر دونوں مل کر مقولہ ہوا قُلْ۔ دونوں قول مقولہ مل کر جزا ہے اِنْ تَوَلَّوْا شرط کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ۔ اور البتہ بے شک ازلی قدیم کا ایک فیصلہ ہم نے زبورِ داؤد میں لکھ دیا تھا جو توریت موسیٰ کے بعد تھی کہ بے شک ابدی جنتی زمین کے بلا عوض مالک وارث میرے وہی نیک اور دانائی اور صلاحیت رکھنے والے بندے ہوں گے جو علم و فہم کے ساتھ فقط میری ہی عبادت کرنے والے قوموں کی اصلاح کرنے اور میرے انعامات کی لیاقت رکھنے والے ہیں۔ اے مسلمانو تم اِس قرآنِ مجید کو معمولی کتاب نہ سمجھنا اِس کی قدر جاننا اس کو پڑھنا سمجھنا سننا سنانا اقوام عالم کو بتانا اِسی سے عبادت کے قاری عدالت کے قاضی بننا اس کی ہر ہر سورت ہر ہر آیت ایک مکمل ضابطۂ حیات اور سرمایۂ حمایت ہے۔ اور خاص کر بے شک اِس ذکرِ نبوت والی سورۃ انبیا میں تو البتہ حیاتِ دنیوی بقیاتِ اُخروی کے پورے مکمل لائحۂ عمل و قول کے لیے کافی خزانۂ قدرت اور انعام فطرت ہے ہر اُس قوم کے لیے جو بارگاہِ قدس کے عابدین مخلصین ہیں یہ عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ مشرق میں مغرب میں شمال میں ہوں یا جنوب میں آسمان میں ہوں یا زمین میں۔ اعلیٰ علیّین میں ہوں یا تحت الثریٰ میں۔ اسی قرآنِ حکیم اور اس کی اس تذکرۂ انبیا والی سورۃ میں زندگی کے ہر موڑ کے لیے کفایتِ کُلّیہ ہے۔ اس لیے کہ انبیا علیہم السّلام کے واقعاتِ حیات انسانی زندگی کے لیے ہر وقت مشعلِ راہ اور ضیاءِ حیات ہیں۔ دنیوی زندگی اور اشیاء ارضیات سب امتحانِ الٰہی ہیں۔ اس لیے۔ اِسْتَعِيْنُوْا بِاللّٰهِ وَاصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔ (سورۃ اعراف آیت ۱۲۸) اِس دنیا میں اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو اور ہر حال میں صبر کرو دنیا میں تو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس زمین کا وارث مالک سلطان بنا دے۔ وہ بندہ کافر ہو یا مومن۔ نیک ہو یا بد۔ ظالم ہو یا عادل۔ رحمت والا ہو یا لعنت والا۔ دنیا کی زمینی

marfat.com

وراثت تو نمرود کو بھی ملے گی سلیمان علیہ السلام کو بھی سکندرِ اعظم ذوالقرنین کو بھی فرعون کو بھی۔ فاروقِ اعظم کو بھی چنگیز و ہلاکو کو بھی وہ اللہ جس کو چاہے دے دیتا ہے کہ یہ امتحان گاہ ہے مگر جنت انعام گاہ ہے وہاں کی حیات، ارضیات۔ ملکیات انعامِ الٰہی ہے وہاں صرف یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ ہاں البتہ اگر دنیا میں یہ بندے ہمارے حبیب محمد مصطفیٰ کے سچے پکے دائمی ہر قول و عمل اطاعت و اتباع پر قائم و ثابت قدم رہیں۔ تو وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ (سورۃ النور کی آیت ۵۵) جس طرح نبی کریم سے پہلے انبیاء اولیاء کو خلافت سلطنت دی گئی اسی طرح صدیق و فاروق عثمان و علی کو عرب میں تابعین کو عجم میں۔ تبع تابعین کو قبائل میں سلاطین اسلامیہ کو ہند و سندھ میں اسلام و قرآن قائم کرنے کے لیے زمینِ دنیوی پر خلافت دیتے رہیں گے۔ مومن کی حیاتِ دنیا امتحان اور حیاتِ آخرت انعام ہے اس لیے یہاں اتار بھی ہیں چڑھاؤ بھی حیاتِ دنیوی کے تقریباً بتیس ۳۲ زمانے ہیں ۱۔ حیاتِ شیر خوارگی ۲۔ حیاتِ طفلگی ۳۔ حیاتِ لڑکپن ۴۔ حیاتِ امردی ۵۔ حیاتِ نوجوانی ۶۔ حیاتِ جوانی ۷۔ حیاتِ درمیانی ۸۔ حیاتِ بڑھاپا ۹۔ حیاتِ سٹھیاپا ۱۰۔ حیاتِ غریبانہ ۱۱۔ حیاتِ امیرانہ ۱۲۔ غمگیانہ ۱۳۔ حیاتِ شادیانہ ۱۴۔ حیاتِ بیمارانہ ۱۵۔ صحت مندانہ ۱۶۔ حیاتِ بزدلانہ ۱۷۔ حیاتِ بہادرانہ ۱۸۔ حیاتِ مسافرانہ ۱۹۔ حیاتِ مقیمانہ ۲۰۔ حیاتِ شاکرانہ ۲۱۔ حیاتِ صابرانہ ۲۲۔ حیاتِ مجاہدانہ ۲۳۔ حیاتِ تاجرانہ ۲۴۔ حیاتِ عابدانہ ۲۵۔ حیاتِ صالحانہ ۲۶۔ حیاتِ عالمانہ ۲۷۔ حیاتِ عادلانہ ۲۸۔ عاقلانہ ۲۹۔ حیاتِ شاہانہ ۳۰۔ حیاتِ صانعانہ ۳۱۔ حیاتِ سخاوت ۳۲۔ حیاتِ شجاعت۔ انسانی زندگی ان ہی پہلوؤں پر گزرتی ہے منشاءِ باری تعالیٰ یہ ہے اشرف المخلوقات انسان اپنی اشرفیت کو باقی اور ثابت رکھنے کے لیے زندگی کا ہر زمانہ آغوشِ ایمانی میں گزارتا ہے اور آغوشِ ایمانی صرف نبوت کے اُسوۂ حسنہ میں ہے جو اس سے ہٹا وہ آغوشِ ایمانی سے نکل کر آغوشِ شیطانی میں گرا۔ اور اشرفیت گنوائی ذلت کمائی اسی لیے قرآنِ مجید میں بار بار ذکرِ حیاتِ انبیاء علیہم السلام فرمایا جا رہا ہے اور اسی تعلیم و تربیت کے لیے سورۃ انبیاء کا نزول ہوا جس میں زندگی کے یہ تمام شعبے احکامِ انبیاء بر وارد فرما کر ان کی پاکیزہ

marfat.com

اور کا بہاب زندگی کو انسانیت کے لیے اُسوۂ حسنہ اور نمونۂ اقوام بنا دیا گیا جیسا کہ سورۃ ممتحنہ کی آیت ۶ میں ارشاد ہے۔ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ۔ البتہ بے شک انبیاء کرام میں ہی اے انسانو تمہارے لیے شاندار نمونۂ حیات ہے۔ چنانچہ شیر خوارگی حضرت عیسیٰ کی طفلگی حضرت ابراہیم کی لڑکپن حضرت اسحاق کا، امردی حضرت اسماعیل کی نوجوانی حضرت شیث کی جوانی حضرت یحییٰ کی۔ ادھیڑ عمر حضرت یعقوب کی بڑھاپا حضرت نوح کا۔ سٹھیاپا حضرت زکریا کا غریبی حضرت موسیٰ کی حلیمی حضرت ہارون کی۔ امیری حضرت سلیمان کی غمگینی حضرت آدم کی شادیانی حضرت داؤد کی۔ بیماری حضرت ایوب کی صحت مندی تندرستی حضرت یونس کی بہادری حضرت صالح کی۔ تجارت حضرت ہود کی۔ عبادت حضرت خضر کی۔ صالحیت حضرت الیاس کی مسافرت حضرت عزیر کی۔ اقامت حضرت لوط کی شکر حضرت شعیب کا صبر۔ حضرت ذوالکفل کا۔ جہاد حضرت یسع کا۔ بادشاہی حضرت یوسف کی۔ علمیت حضرت ادریس کی عقل و حکمت حضرت سلیمان کی۔ صنعت حضرت داؤد کی۔ حرفت حضرت زکریا کی۔ سخاوت حضرت یوسف شجاعت حضرت ابراہیم کی، شرم و جالوط علیہم السّلام کی مردانگی رجلیت مرسلین کی۔ حمد و ثناءِ الٰہی یونس علیہ السّلام کی۔ عشقِ الٰہی یحییٰ کا۔ قرآنِ کریم میں یہ سب بیان ہوئے اس لیے کہ نمونہ ہیں مبلغین۔ معلمین صالحین صابرین، شاکرین، حامدین، اور بچوں جوانوں بوڑھوں، امیروں وزیروں بادشاہوں ججوں قاضیوں۔ عقلا، علما۔ فضلا کے لیے۔ اس کے علاوہ یہ کلام پاک دنیا میں رضاءِ الٰہی۔ قبر میں مونس، حشر میں وزنِ میزان جنّت میں ترقی درجات کا ذریعہ، اے محبوب کریم۔ یہ تذکرۂ انبیا صرف نمونۂ انسانیت ہے مگر زندگی تو کائنات کے ہر عالم میں ہے اور سب کو رحمت کی ضرورت، اس لیے ہم نے آپ کو تمام جہانوں پر رحم کرنے کے لیے ہی بھیجا۔ اسی لیے سب سے پہلے آپ کو پیدا کیا۔ ایک بار آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل سے پوچھا کہ تم کو بھی ہماری رحمۃ عالمینی کا فائدہ پہنچا۔ عرض کیا ہاں یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا کیا۔ جبرئیل علیہ السّلام نے عرض کیا کہ میں ہمیشہ اپنے انجام سے ڈرتا رہتا تھا لیکن جب آپ معراج میں آئے اور کچھ عرصہ مجھ کو آپ کے ساتھ رہنے خدمت کرنے کا موقعہ ملا تو رب تعالیٰ رحیم و کریم نے میری تعریف فرما دی ذِي قُوَّةٍ عِندَ ذِي الْعَرْشِ مَكِينٍ مُّطَاعٍ ثَمَّ أَمِينٍ۔ یہ اعزاز پہلے مجھے کسی کام سے نہ ملا

marfat.com

اے محبوب آپ کی رحمت کے سب حاجت مند ہیں مُتقدمین ہوں یا متاخرین عالمِ انسانیت ہوں عالمِ نبوت رسالت اگر نامِ محمد را نیاوردے شفیع آدم نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا۔ غرضکہ عالمِ نباتات۔ جمادات، حیوانات۔ عالمِ عرشیاں، فرشیاں۔ کفرستان اسلامستان عرب و عجم، جن و ملک حور و غِلمان سب کو رحمت کی ضرورت۔ اس لیے آپ کو رحمۃ عالمین کے لیے بھیجا۔ کفار پر بھی یہ رحمت ہی ہے کہ ہزارہا کفریات کے باوجود آپ اُن پر کوئی عذاب نہیں آتا نہ طوفان کا نہ خسف کا نہ مسخ کا نہ غرق کا نہ حرق کا نہ چیخ کا نہ ہلاکت کا نہ آسمان کا نہ زمین کا۔ امت مسلمہ پر کروڑہا رحمتوں کے علاوہ یہ رحمت بھی کہ آپ نے کبھی امت کو فراموش نہ فرمایا نہ مکہ مکرمہ میں نہ مدینہ منورہ میں نہ مسجد طاہرہ میں نہ حجرۂ طاہرہ میں نہ عرشِ اعلیٰ پر نہ قوسینِ بالا پر نہ نماز میں نہ معراج میں رحمۃ عالمینی کے سات طریقے ۱۔ رحمتِ مطلقہ ۲۔ رحمۃ تامہ ۳۔ رحمۃ شاملہ ۴۔ رحمتِ جامعہ ۵۔ رحمۃ کاملہ ۶۔ رحمۃ عامہ ۷۔ رحمۃ محیطہ۔ رحمتِ عالمینی کے آٹھ علاقے۔ اور ہر علاقہ دس ہزار عالم کا۔ کل علاقے اسی ہزار عالم ہیں ۱۔ عالمِ شہادۃ یعنی ظاہری مخلوق ۲۔ عالمِ غیب باطنی مخلوق ۳۔ عالمِ علمیہ ۴۔ عالمِ عینیہ ۵۔ عالمِ وجود ۶۔ عالمِ شہود ۷۔ عالمِ سابقہ ۸۔ عالمِ لاحقہ آٹھ قسم کی مخلوق کو رحمۃ عالمینی کا فائدہ پہنچ رہا ہے ۱۔ ذوی العقول کو ۲۔ غیر عقل والے حیوانات کو ۳۔ اہلِ برزخ کو ۴۔ ارواح کو ۵۔ اجسام کو ۶۔ اہلِ اعراف کو ۷۔ اہلِ جنت حور و غلمان کو ۸۔ جماداتِ عالم کو۔ رحمۃٌ للعلمین کے لیے سات صفات لازمی ہیں۔ ایک یہ کہ وہ عالمین سے افضل ہو دوم یہ کہ وہ خُلقِ عظیم والا ہو۔ سوم سب عالمین و اہل عالمین کو جاننے پہچاننے والا ہو۔ چہارم سب کا مشاہدہ کر سکنے کی طاقت رکھتا ہو۔ پنجم دور و نزدیک کی سننے کی قوت رکھتا ہو۔ ششم مُلک و ملکوت نفس و روح کے مزاجِ ظاہرہ طبیعۃ باطنی سے واقف ہو۔ ہفتم تمام عالمین کی ضروریات کے خزانوں کا مالک و مختار بنا دیا گیا ہو۔

قُلْ اِنَّمَا یُوْحٰۤى اِلَیَّ اَنَّمَاۤ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ ؕ وَ اِنْ اَدْرِیْۤ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ

اے رحمۃ عالمین ان مشرکین سے فرما دیجئے کہ میری طرف بار بار یہی وحی فرمائی جا رہی ہے کہ تم سب کا معبود فقط ایک ہی معبود ہے۔ خیال رہے کہ یہاں حصر کے لیے دو بار لفظِ حصر آیا پہلے۔ اِنَّمَا۔ پھر اَنَّمَا۔ دونوں میں فرق یہ کہ اِنَّمَا یُوْحٰى نے حکم

marfat.com

بِنی شَیٔ کو منحصر کیا۔ اور اَنَّمَآ اِلٰھُکُمْ نے شیٔ میں حکم کو منحصر کیا۔ وحی حکم ہے اور اِلَیَّ شَیٔ ہے۔ معنیٰ یہ ہوا کہ یہ ہی وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ دوسری جگہ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ شَیٔ ہے اور حکم اِلٰھُکُمْ ہے۔ اس کا حصری معنیٰ یہ ہے کہ ایک ہی ہے تم سب کا معبود۔ بعض جُہلا نے یہ معنیٰ کیئے کہ مجھے ہی وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا ہی معبود ہے اِلٰہ واحد یہ ترجمہ غلط اور گناہ ہے۔ مثلاً زَیْدٌ قَائِمٌ کا ترجمہ پہلی صورت میں ہے کہ زید صرف کھڑا ہی ہے۔ دوسری صورت میں یہ کہ زید ہی کھڑا ہے۔ تو آیت کا منشا یہ بیان کرنا ہے کہ معبودیت سے متعلق مجھے جب بھی وحی کی گئی تو یہی وحی کی گئی کہ ایک ہی معبود ہے تم سب مخلوق کا۔ فَھَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ تو کیا تم اب بھی مسلمان ہونے ہو یا نہیں۔ اب تو دینِ اسلام کو ماننا تم پر واجب ہو گیا ہے کیونکہ نبی کی زبان ہے توحید کا بیان ہے اسی کو دینِ الٰہی کہا جاتا ہے یہ بھی میری رحمت کا تم پر ایک کرم ہے کیونکہ ماننے میں تمہارا ہی بھلا ہے۔ فَاِنْ تَوَلَّوْا تو اے محبوب اگر اب بھی ان بدقسمتوں نے ایمان سے منہ پھیرا۔ اور شرک کفر نہ چھوڑا تو عَلٰی اِلَا عْلان فرما دیجئے کہ میرا کام یہی تھا عَلٰی سَوَآءٍ کہ میں شروع دن سے برابر تم سب عوام وخواص کو پوری ہر بات سمجھاتا چلا آ رہا ہوں۔ عَلٰی سَوَآءٍ میں تین چیزوں کی برابری بیان ہوئی۔ ۱ تبلیغ کی ۲ وقت کی ۳ افراد کی۔ یعنی میری تبلیغ ہر وقت سب کے لیے ایک جیسی ہے۔ نہ تبلیغِ احکام میں کمی زیادتی کہ امیروں کو کچھ بتا دیا۔ غریبوں کو کچھ اور بتا دیا نہ وقت میں کمی زیادتی کہ کسی کو خصوصی اور علیحدگی کا زیادہ وقت کسی کو تھوڑا اور عمومی وقت۔ نہ افراد میں کمی زیادتی کہ کسی کو بتایا سمجھایا کسی کو نہ بتایا سمجھایا۔ میرے دربار میں امیر غریب آقا غلام۔ کالے گورے۔ عجمی عربی کا کوئی فرق نہیں ہے نہ کبھی ہوا نہ ہوگا۔ مانتے ہو تو مانو نہیں مانتے تو جاؤ جہنم میں عذاب ابدی کا مزہ چکھو۔ میرے پاس بڑائی اور سرداریت سے کرمت آؤ انکساری اور صحابیت لے کر آؤ۔ میرے دل میں کسی کے لیے بھی عذاب قہر غضب وغصہ۔ گھمنڈ وغرور نہیں۔ یہاں تو سب عالمین کے لیے رحمت ہی رحمت ہے۔ کیونکہ میں اس دہر میں قہر وغضب بن کر نہیں آیا اور اے کفارِ مکہ یہ بھی سمجھ رکھو کہ میں جو کچھ جانتا اور تم کو بتاتا ہوں وہ سب اسی غیبی علم سے بتاتا ہوں جو مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے سکھایا۔ اور اتنا عطا فرمایا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (سورۃ نساء آیت ۱۱۳) اے محبوبِ کائنات

marfat.com

مَاكَانَ وَمَا يَكُوْنُ۔ کے جہانوں میں سے جو کچھ تم نہ جانتے تھے۔ ہم نے وہ سب تم کو سکھا دیا لہٰذا میری یہ سزا و جزا کی خبریں، اپنی عقلی درایت اور تصوراتی خیالات سے نہیں نہ عقلیں دوڑاتا ہوں اور نہ عقل سے جانتا ہوں وَاِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ اَمْ بَعِیْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اور عقلی اندازوں سے تو یہ بھی پتہ نہیں کہ وہ عذاب جس کی خبریں بارہا تم کو میں سنا چکا ہوں اور میری زبان چشمۂ علم و حکمت سے وعدہ و وعیدی کی صورت میں سن چکے ہو۔ خیال رہے کہ ہم اپنی اُردو زبان میں تو ہر عقلی فہمی فکری چیز کا ترجمہ جاننا ہی کرتے ہیں۔ مگر عربی لغت میں عقل فہم، ذہن، تخیل، تصور، وہم سے جاننے کو ادراک کہا جاتا ہے۔ مگر مشاہدے۔ تجربے کتابوں کے پڑھنے کسی کے پڑھانے، سکھانے، بتانے سمجھانے کو اور اِن ذرائع سے پتہ لگنے کو علم کہا جاتا ہے۔ درایت جو اپنی سوچ فکر اجتہاد کے اندازوں کا نام ہے اس میں غلطی ہو سکتی ہے مگر علم میں غلطی نہیں ہوتی خاص کر علم لدنی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حسب مراتب وضرورت صرف انبیاء کرام علیہم السّلام کو ملتا ہے اس میں تو قطعاً غلطی کا شائبہ تک نہیں ہوتا نہ ہو سکتا ہے اس وجہ سے قرآن مجید کی تقریباً انتیس۲۹ آیتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی درایت کی نفی فرمائی گئی کہیں مَا اَدْرِیْ کہیں اِنْ اَدْرِیْ۔ فرما کر اور کہیں وَمَا اَدْرَاکَ سے سوالیہ نفی فرما کر یہاں بھی عقلی تخیل اور درایت کے اندازے کی نفی فرمائی گئی۔ لیکن نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کی نفی کہیں کسی آیت سے ثابت نہیں نہ صراحتاً نہ اشارۃً نہ کنایۃً نہ اقتضاءً نہ دلالۃً۔ ہاں البتہ آپ کے علم مَاكَانَ وَمَا يَكُوْنُ کا ذکر و ثبوت قرآن مجید کی تقریباً چالیس آیتوں میں فرمایا گیا یہاں بھی یہی سمجھایا جا رہا ہے کہ میں حقیقت علمی سے تو تم کو ایک ایک بات کی خبر دے چکا ہوں جو خبریں وَاِنْ اَدْرِیْٓ۔ میری درایت سے نہیں بلکہ علم سے ہیں۔ اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱۔ زَبُوْرِ میں دو قول۔ ایک یہ کہ اس سے مراد داؤد علیہ السّلام کی زبور کتاب ہے۔ اس میں صرف حکمت کی باتیں اور دعائیں عبادتیں بشارتیں تھیں شریعت کے قانون کے لیے توریت پر عمل تھا۔ یہ قول ہی درست ہے کیونکہ ثابت و مشہور ہے۔ دوم یہ کہ زبور سے کتاب مراد نہیں بلکہ زبور بمعنی مزبور یعنی لکھی ہوئی باتیں جیسے حلوب بمعنی محلوب اور رکوب بمعنی مرکوب۔ اس کا واحد زبر ہے جیسے قشور کا واحد قشر ہے اور اس سے تمام آسمانی کتابیں۔ صحیفے بلکہ لوح محفوظ بھی مراد ہے ۲۔ ذِکْر

marfat.com

ہیں چار قول ہیں ایک یہ کہ اِس سے مراد توریت ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد لوحِ محفوظ ہے سوم یہ کہ اس سے مرادِ علمِ الٰہی ہے۔ چہارم یہ کہ اس سے مراد وہ نصیحتیں ہیں جو زبور میں ہی لکھی ہوئی تھیں یعنی نصیحتوں کے بعد یہ وراثتِ اَرضی کی بات لکھی گئی تھی۔ میرے نزدیک یہ چاروں قول درست ہیں مطابقت اس طرح ہے کہ اللہ کے علم سے یہ بات لوحِ محفوظ میں بھی توریت میں بھی زبور وانجیل اور صحیفوں میں بھی تھی اور قرآنِ مجید میں تو آپ یہ نظر آ ہی رہی ہے ۳ اَلْاَرْضَ۔ میں تین قول ایک یہ کہ اس سے مراد جنت کی سرزمین ہے یہی قول درست اس کی دو دلیلیں۔ پہلی دلیل یہ کہ آیت کے سیاق وسباق میں جنت و آخرت کا ذکر ہے۔ لہٰذا ارض سے علاقۂ جنت ہی مراد ہے۔ دوسری دلیل یہ کہ سورۃ زُمر کی آیت ۷۴ میں اِس کی تفصیل وتائید اس طرح ہے۔ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَآءُ۔ یعنی جنتی جنت میں جاکر یہ شکریہ ادا کریں گے کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ جس نے اپنا وعدہ صادق کیا اور ہم کو اس زمین کا وارث بنایا۔ نیز یہ قول اس لیے بھی درست ہے کہ وراثتِ اَرض کے لیے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ کی خصوصیت صرف آخرت میں ہے۔ دنیا میں تو ہر اچھا بُرا انسان زمین کا مالک وارث بادشاہ جاگیر دار بن جاتا ہے۔ دوسرا قول یہ کہ اس سے مراد سرزمین علاقۂ بیت المقدس ہے۔ سوم یہ کہ اِس وراثتِ ارض سے مراد فتوحاتِ اسلامیہ اور سائر اہلِ ایمان کے فتوحاتی علاقے ہیں ۴ عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد مومنینِ بنی اسرائیل امتِ داؤد وسلیمان ہیں۔ اُن کی دلیل سورۃ اعراف کی آیت ۱۳۷ ہے۔ وَاَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِیْنَ کَانُوْا یُسْتَضْعَفُوْنَ مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَهَا۔ یہاں بنی اسرائیل ہی کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ دوم قول یہ کہ ان سے مراد صحابہ کرام اور سلاطین اسلام ہیں۔ اِن کی دلیل سورۃ نور کی یہ آیت ۵۵ ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ مگر یہ دونوں قول بھی کمزور اِن کے استدلال بھی کمزور صحیح یہی ہے کہ یہ آیت جنتی زمین کے متعلق ہے اور عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ سے صرف آخرت میں اہلِ جنت مراد ہیں کسی بھی اُمت سے ہوں۔ اور دلیل میں ان دو قولوں کی آیتیں صرف زمین سے متعلق ہیں اِس

marfat.com

آیت کا اُن سے کوئی تعلق نہیں ہے وہ آیتیں اس کی تفصیل یا تفسیر نہیں، اور عبادت سے مراد، نماز روزہ۔ کلمہ حج زکوٰۃ ہے ۵ اِنَّ فِیْ هٰذَا میں دو قول۔ ایک یہ کہ اس سے مراد سورۂ انبیاء ہے۔ دوم یہ کہ اِس سے مراد پورا قرآن مجید ہے ۶ اٰذَنْتُكُمْ میں دو قول ایک یہ کہ اس سے مراد عذابِ قیامت کی آگاہی ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد کفر و اسلام کی جنگ ہے اور برابری سے مراد مکمل دو طرفہ تیاری کی مہلت ہے۔ بخت نصر کی طرح اچانک حملے سے محض مخالفین کی تباہی کرنا میرا مقصود نہیں اگر میں رحمۃ عالمین نہ ہوتا تو اٰذَنْتُكُمْ عَلٰی سَوَآءٍ نہ کرتا بلکہ دیگر سابقہ انبیاء علیہم السّلام کی طرح عذابِ ناگہانی کی بد دعا کرتا اور تم سب ہلاک کر دیئے جاتے کسی کو بھی سوچنے سمجھنے کی مہلت ایمان لانے کی توفیق ابدی کامیابی کی سعادت نہ ملتی یہ اٰذَنْتُكُمْ بھی تم پر میری رحمت کا ایک حصہ ہے ۷ سَوَآءٍ میں دو قول ایک یہ کہ اس سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ ہے دوم یہ کہ اس سے مراد جنگ و جہاد کی اطلاع دینا ہے تاکہ دو طرفہ برابر تیاری کریں کفار کو کوئی حسرت نہ رہے ۸ مَا تُوْعَدُوْنَ دو قول۔ ایک یہ کہ اس سے مراد دنیوی ذلت ہے جو مسلمانوں کے ہاتھوں جنگ میں اٹھاؤ گے۔ یہ غیبی سچی خبر ہے۔ دوم یہ کہ اس سے مراد قیامت کی ذلت ہے۔

فائدے اِن آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ قرآنِ مجید میں کیسی شان کی طرزِ بیانی ہے کہ اپنی ربوبیت عالمینی کا چرچہ و تذکرہ اپنے محبوب اور محبوب کی اُمت کی زبان سے کروایا کہ اے بندو تم کہو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔ مگر اپنے حبیب کی رحمت عالمینی کا چرچہ اور تذکرہ خود فرمایا وہاں بھی تمام جہانوں کا ذکر اور یہاں بھی تمام جہانوں کا ذکر فرما کر بتا دیا کہ جہاں تک میری ربوبیت کی وسعت ہے وہیں تک میرے حبیب کی وسعتِ رحمت۔ ہماری شہنشاہی ہمارے نبی کی وزارتِ مصطفائی ہے۔ نہ ربوبیت سے کوئی جگہ خالی نہ رحمت سے اظہارِ ربانیۃ عالمینی کے لیے بھی پوری ایک مکمل آیت اور اظہارِ رحمۃ علمینی کے لیے بھی ایک مستقل آیت۔ یہ فائدہ دونوں جگہ علمین فرمانے سے حاصل ہوا۔ مگر اتنی صاف واضح آیت و کلام کے باوجود وہابی دیوبندی اپنا جلا پا۔ عداوتِ نبوت حسد بغض گستاخی۔ جہالت بلکہ ابو جہلیت چھپا نہ سکے۔ آیت تو بدل نہ سکے کیونکہ وہ حفاظتِ الٰہی میں ہے۔ البتہ ترجمہ

marfat.com

و تفسیر میں عقربی ڈنگ اور احمقانہ نشتر چلا ہی دئے۔ چنانچہ تھانوی صاحب ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اور ہم نے ایسے مضامین نافعہ دے کر آپ کو اور کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں یعنی مکلفین پر مہربانی کرنے کے لیے (ترجمہ تھانوی طبع تاج کمپنی) میرٹھی وہابی ترجمہ اس طرح کیا گیا۔ اور ہم نے دنیا جہان کے لوگوں کے لیے رحمۃ بنا کر بھیجا ہے (عاشق الٰہی میرٹھی طبع تاج کمپنی)، محمود الحسن وہابی صاحب اس طرح ترجمہ کرتے ہیں۔ اور تجھ کو جو ہم نے بھیجا سو مہربانی کر کر جہان کے لوگوں پر۔ مودودی صاحب وہابی ترجمہ اس طرح کرتے ہیں۔ اے محمد ہم نے جو تم کو بھیجا ہے تو یہ دراصل دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے مودودی تفسیر۔ اور ہم نے تم کو دنیا والوں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ یہ تھے وہابی ترجمہ ان میں چار طرح خیانت اور بدنیتی ہے۔ عام طالب علم بھی جانتا ہے کہ یہ فقط جلاپا اور حسد کی عداوت ہے۔ پہلی خیانت، آیت کے الفاظ میں دنیا جہان کا لفظ نہیں ہے دوم آیت میں مکلفین لوگوں کا لفظ نہیں ہے یہ صرف انسانوں کو کہا جاتا ہے۔ سوم بنا کر بھیجا۔ آیت میں بنا کر کا لفظ نہیں ہے۔ اس خیانت نے بتایا کہ نبی کریم پہلے رحمت نہیں تھے جب بعثت ہوئی تب رحمت بنے۔ چہارم۔ دنیا والوں کے حق میں ہماری رحمت ہے۔ یہ الفاظ آیت میں نہیں۔ اس ترجمے کا مفہوم ہے کہ نبی کی ذات بالکل رحمت نہیں۔ ان کو بھیجنا ہماری رحمت ہے۔ اگر آیت کا یہی مقصود بیان ہوتا تو رَحۡمَۃً مِّنَّا ہوتا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر یہاں عالَمِین کا ترجمہ اپنی بددیانتی اور خیانت سے دنیا والے مکلفین کرتا ہے۔ یا یہ کہتا ہے کہ اور کسی بات کے واسطے نہیں۔ تو رَبُّ الْعٰلَمِیْن میں بھی عالَمین کا ترجمہ صرف دنیا والوں اور مکلفین لوگوں کا رب کہو، اور آدمی جہنم کیوں بنتے ہو پوری جہنم حاصل کرو۔ بہرکیف یہ علمی جہالت نہیں بلکہ حسد وعداوت کی جہالت ہے۔ دوسرا فائدہ عیسٰی علیہ السلام کے لیے فرمایا گیا رَحۡمَۃٌ مِّنَّا مِنۡ نسبتی کے ساتھ۔ ترجمہ ہے ہماری طرف سے رحمت ہے یعنی مہربانی روح اللہ کا آنا۔ مگر حبیب پاک صاحبِ لولاک کے لیے فرمایا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ، فرق یہ ہے کہ عیسٰی علیہ السلام کی بعثت رحمت ہے حبیب پاک کا وجود رحمت ہے۔ بعثت محدود ہے مبعوث اِلَیۡھِم میں۔ یعنی جن کی طرف بعثت ہے ان کے لیے رحمت، جب تک دین باقی بعثت قائم جب تک بعثت قائم امت موجود جب دین منسوخ تو بعثت ختم جب بعثت ختم تو امت نہیں جب

marfat.com

اُمت نہیں تو اُس کے لیے رحمت نہیں۔ لیکن رحمتِ عالمین کا جب تک وجود قائم تو عالمین کے لیے رحمت ہونا باقی۔ عالمین بھی غیر محدود اس لیے رحمت بھی غیر محدود جب تک عالمین کی بقا اس وقت تک رحمت کی بقا۔ عالمین ابد تک لہٰذا رحمت بھی تا ابد، کتنا عظیم فرق ہے اور کتنی عظیم و کبیر شان ہے۔ اسی شان سے ظالم گھٹ کر جلے مرے جاتے ہیں۔ دنیا کے لیے رحمت اس لیے کہ آپ سب سے پہلے وجود میں آئے باقی تمام مخلوق آپ سے ہی وجود میں آئی۔ عالمِ اجسام کے لیے رحمت اس لیے کہ آپ کا دین کبھی منسوخ نہیں اب وہ اسلام بن چکا ہے۔ آپ کی قوم یعنی امت کبھی ختم نہیں۔ عالمِ محشر کے لیے رحمت اس لیے کہ آپ کی شفاعت قائم و نافذ یہاں تک کہ آپ کی شفاعت انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے لیے بھی قربِ مراتب میں۔ عالمِ جنت میں رحمۃً اس لیے کہ آپ وجود و شہود کے لیے ہیں اَبداً۔ اَبداً۔ عالمِ ارواح کے لیے اس لیے کہ روح عمل کے لیے محتاج ہے جسم کی اور تمام روحیں مخلوقۃً۔ مطروحۃً۔ صورۃً منتظر تھیں وجودِ رحمۃِ عالمین کی آپ کے آنے سے عالمِ اجسام بنا جس سے عالمِ ارواح ظاہر و زندہ ہو گیا اپنے اپنے جسم کے ساتھ۔ (از روح البیان) اسی لیے نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ اَنَا رَحْمَۃٌ مُّھْدَاۃٌ (مستدرک حاکم) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کائنات کے لیے رحمۃ کا تحفہ ہوں۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ ابن قیم نے اپنی کتاب مفتاحُ السّعادت میں لکھا ہے کہ اگر کائنات میں نبوت نہ آتی تو عالم میں نہ علمِ نافع ہوتا نہ عملِ صالح نہ اِصلاحِ معیشۃ نہ قوامِ مملکۃ ہوتا نہ نظامِ سلطنت بلکہ سب لوگ بہائم کی طرح جانور اور عادی درندوں، اور دیوانے کتوں کی طرح ہوتے۔ ہر خیر آثارِ نبوت کے ظہور سے ہے اور ہر شر آثارِ نبوت کے چھپ جانے سے گویا کہ نبوت روح ہے اور عالم جسم ہے۔ جب دنیا سے نبوت بالکل بے تعلق ہو جائے گی تو دنیا پر قیامت آجائے گی۔ تیسرا فائدہ۔ بعض اکابر نے فرمایا کہ تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی بعثت سے عذابِ آسمانی کا پتہ لگا۔ چنانچہ سورۃِ اسریٰ آیت ۱۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ یعنی ہم عذاب دینے والے نہیں کسی بھی کافر قوم کو جب تک کہ ان میں اپنا کوئی رسول نہ بھیج دیں اور پھر وہ منکر ہوں لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے رحمت کا پتہ لگا۔ جیسا کہ یہاں ارشاد ہوا۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اور تاقیامت عذابِ آسمانی بند ہونے کا پتہ لگا چنانچہ

marfat.com

سورۃ انفال آیت ۳۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ یعنی اے حبیب کریم جب تک آپ ظاہراً یا باطناً اپنی امت میں موجود ہیں اُس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دے گا خواہ کتنا ہی ظلم وکفر کریں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تا قیامت موجود کیونکہ سراج منیر یعنی سورج ہیں اور سورج تو کبھی ڈوبتا ہی نہیں کسی کو دن نظر آئے یا رات۔ آپ اوّل بھی رحمت ہیں اور آخر بھی۔ حدیث قدسی میں ارشاد ہے۔ سَبَقَتْ رَحْمَتِيْ عَلٰى غَضَبِيْ۔ (جامع صغیر) یعنی میری رحمت پہلے ہے میرے غضب سے۔ رحمت کون ہے۔ یہی حبیب ازلی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اور آپ ہی آخر بھی اس طرح کہ آپ کا دین آخر آپ کی آمد آخر آپ کی کتاب آخر آپ کی اُمت آخر۔ یہ فائدہ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ میں اَرْسَلْنَا۔ ماضی مطلق فرمانے سے حاصل ہوا آپ کا ارسال قَبْلَ كُلِّ شَيْءٍ۔ آپ کی بعثت بَعْدَ كُلِّ رَسُوْلٍ۔ رُوْحُكَ شَرِيْفٌ وَجِسْمُكَ لَطِيْفٌ۔ نبی کریم حضور اقدس نے فرمایا کہ حَيَاتِيْ خَيْرٌ وَّمَمَاتِيْ خَيْرٌ۔ میری موجودگی بھی رحمت ہے اور غیر موجودگی بھی رحمت ہے اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ سَابِقًا نُوْرُهٗ وَاٰخِرًا ظُهُوْرُهٗ وَرَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ وُجُوْدُهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔

احکام القرآن ان آیات کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ رب تعالیٰ کے کلام میں سے انبیاء علیہم السلام پر چار کتابیں اور تین سو تیرہ ۳۱۳ صحیفے نازل ہوئے یہی حنفی مسلک ہے۔ جو مضامین تین کتابوں اور صحیفوں میں تقسیم ہو کر آئے اُن تمام کا خلاصہ مجموعہ قرآن مجید میں ہے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ قرآن مجید کے مضامین ان تین کتابوں اور صحیفوں کو حسب ضرورت تقسیم ہو کر ملے۔ کیونکہ كُنْتُ نَبِيًّا وَّاٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ کے مطابق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سب سے پہلے جب صاحب قرآن پہلے تو قرآن کا نزول قلبی پہلے۔ لہٰذا قرآن مجید میں سے توریت کو صرف شرعی احکام ملے۔ زبور کو صرف حکمت کی باتیں۔ نصیحتیں دعائیں ملیں۔ انجیل کو صرف طریقت وتصوف کے قوانین اور ورد وظائف ملے۔ یہ مسئلہ۔ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ (الخ) کے ایک تفسیری بیان سے مستنبط ہوا اسی وجہ سے بعض نے ذکر سے مراد قرآن مجید لیا ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ جس طرح خرید نے

marfat.com

سے خریدار چیز کا مکمل یا اختیار مالک ہو جاتا ہے اسی طرح وراثت مالی سے بھی وارث مکمل با اختیار مالک بن جاتا ہے۔ لیکن فتوحات سے ملکیت نہیں ہوتی بادشاہ یا خلیفہ مفتوحہ یا مقبوضہ ملک کا مالک نہیں بنتا بادشاہت صرف عدل وقانون نافذ کرنے کے لیے ملتی ہے نہ کہ کسی کے کسی مال پر قبضہ کرنے کے لیے۔ یہ مسئلہ یہاں یَرِثُهَا اور سورۃ اعراف آیت ۱۳۷ میں اَوْرَثْنَا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی یہاں جنتی زمین کی ملکیت کا ذکر اور اعراف میں دنیوی وراثت سے ملکیت کا ذکر ہے۔ اسی لیے سورۃ رعد کی آیت ۵۵ میں صرف خلیفہ بنانے کا ذکر ہوا۔ اَوْرَثْنَا۔ یا۔ یَرِثُهَا۔ نہ فرمایا گیا۔ لہٰذا سعودی بادشاہ کا یہ کہنا کہ میں سعودی سرزمین کا مالک ہوں اور کسی کو مالک نہ بننے دینا اسلام کے خلاف اور سراسر ظلم ہے تیسرا مسئلہ اہلِ جنت جنتی زمین کے با اختیار مالک ہوں گے۔ مگر جہنمی لوگ جہنم میں کسی چیز کے مالک نہ ہوں گے یہ مسئلہ یَرِثُهَا فرمانے سے ملکیت کا ثبوت ہوا۔ سورۃ زمر کی آیت ۷۴ میں نَتَبَوَّءُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ سے اختیار ثابت ہوا۔ مگر جہنمیوں کے لیے یہ کوئی بات کہیں نہ فرمائی گئی۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا ہے کہ نبی کریم رحمۃ عالمین ہیں۔ تو اگر یہ صحیح ہے تو پھر آپ نے تلوار کیوں اٹھائی جنگیں کیوں کیں لشکرِ خونخوار کیوں تیار کیا۔ (غیر مسلم) جواب (آپ کی تلوار بھی رحمت تھی اس نے تین کام کیے ۱؎ ظالموں سے مظلوموں کو بچایا زمین سے فساد مٹایا۔ جھگڑا چکایا کفر کو دبایا ۲؎ ضدی کافروں نے تلوار کے خوف سے اسلام قبول کیا اور ابدی رحمت کو پالیا مزید ظلم سے خود کو بچالیا۔ ۳؎ ازلی تقدیرِ مبرم والے کفار اور عارضی تقدیرِ معلق والے کفار میں تفریق کردی اسی طرح کہ عارضی کافر مسلمان ہو گئے۔ اور ازلی کافر یا قتل ہوئے یا ملک بدر کیے گئے یا دب گئے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفت صرف واحد ہونا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو بے شمار ہیں۔ یہاں اِنَّمَا نہ فرمانا چاہیئے تھا۔ جواب۔ یہ اعتراض دو وجہ سے قطعاً غلط ہے اوّلاً اس لیے کہ واحد ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ ذاتِ باری تعالیٰ واحد ہے نہ کہ صفاتِ باری تعالیٰ دوم یہ کہ یہ حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے اور اس کا مقصد شرکیہ عقیدے کی نفی وتردید ہے اور فعل اَنْتُمْ کی ف بتا رہی ہے کہ ف

marfat.com

کے ماقبل کو ماننا مابعد پر واجب ہے۔ یعنی اے مشرکو تم پر فورًا واجب ہے کہ تم جلدی بلا مہلت
اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے پر ایمان لاؤ۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّمَا یُوْحٰۤی اِلَیَّ
یعنی میری طرف صرف یہی وحی کی گئی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے حالانکہ وحی تو بہت سی قسم
کی کیگئی تھی۔ احکامِ شریعت، طریقت نصائح، حکمت دعائیں۔ وظیفے۔ قصص تصوف جواب
یہ حصر اس لیے فرمایا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اصلِ دین توحیدِ باری تعالیٰ ہے باقی احکام اس کی
فرع ہیں اِلَیَّ بتا رہا ہے کہ توحید وہی معتبر ہے جو رسالت کے ذریعے ملے۔ یعنی اسلام نام
ہے توحید و رسالت کا۔ دوم یہ کہ یہاں حصر شرک کے مقابل ہے۔ یعنی الٰہیت سے متعلق فقط یہی
وحی آتی ہے کہ ایک ہی معبود ہے۔ دیگر آیاتِ وحی۔ الٰہیت سے متعلق نہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ
اَعْلَمُ۔ اِن آیات کی تفسیرِ صوفیانہ آیت ۱۱۲ کے بعد ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ

بے شک وہ اللہ جانتا ہے بلند آوازوں کو اور جانتا ہے ان تمام کو

بے شک اللہ جانتا ہے آواز کی بات اور جانتا ہے

مَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ

جو کچھ تم چھپاتے ہو، اور میں کیا جانوں شاید یہ ڈھیل آزمائش ہی ہو

جو تم چھپاتے ہو۔ اور میں کیا جانوں شاید وہ تمہاری جانچ ہو

لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ

تمہاری اور نفع دینا کچھ مدت تک ، عرض کیا اے میرے رب ظاہر فرما دے

اور ایک وقت تک برتوانا، نبی نے عرض کی کہ اے میرے رب

marfat.com

بِالْحَقِّ ؕ وَ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ

حق کو اور ہمارا رب وہ رحمٰن ہے جس سے مدد مانگی ہوئی ہے

حق فیصلہ فرمادے اور ہمارے رب رحمٰن ہی کی مدد

عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع

ع النصف

اُن تمام بدعقیدگیوں پر جو تم بناتے پھرتے ہو

درکار ہے ان باتوں پر جو تم بناتے ہو

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیاتِ مبارکہ سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں بندوں کے ذاتی علم کی نفی فرمائی گئی کہ محبوب کی زبان سے کہلوایا گیا۔ کہ میں کیا جانوں وہ قیامت قریب ہے یا دور۔ اب اِن آیت میں رب تعالیٰ کے ذاتی علم کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ وہ مولیٰ تعالیٰ ظاہر و پوشیدہ کو جانتا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں قیامت کے علمِ ذاتی کی نفی کرائی گئی۔ اب اِن آیت میں دنیوی زندگی اور عیش و آرام کی وجہ کے علم کی نفی کرائی گئی۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں اُن باتوں کا ذکر ہوا جو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے فرمائیں اب اِن آیت میں ان باتوں کا ذکر ہے۔ جو پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مولیٰ تعالیٰ سے عرض کیں۔

تفسیر نحوی اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَھْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَ یَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ وَ اِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّہٗ فِتْنَۃٌ لَّکُمْ وَ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ۔ اِنَّ حرف مشبہ ہ ضمیر منصوب متصل کا مرجع اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ہے اسم ہے اِنَّ کا یَعْلَمُ بابِ سَمِعَ کا مضارع حال معروف مثبت واحد مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا، اَلْجَھْرُ اسم معرفہ باللام مصدر عامل ہے بمعنی زور سے بولنا۔ آواز کرنا، مِنْ حرفِ جر بیانیہ ہے یا زائدہ اَلْقَوْلِ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی باتیں الف لام استغراقی ہے یعنی تمام باتیں ہر قسم کی یہ جار مجرور متعلق ہے جَھْر۔ مصدر کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول بہٖ ہوا یَعْلَمُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ یَعْلَمُ فعل با فاعل مَا اسم موصول اصلاً

marfat.com

غیر قوم والوں کے لیے ہوتا ہے مجازاً اسرار کے معنی میں بھی اکثر آجاتا ہے یہاں اصلی معنی میں ہے مراد ہے پوشیدہ خفیہ آہستہ باتیں ما کام تکتمون باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر زمانۂ حال یا زمانۂ مطلقہ و حال مستقبل، کتم سے بنا ہے یعنی چھپانا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یعلم کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا پہلے یعلم کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ اِنْ حرفِ نفی۔ نفی اظہار کے لیے ہوتا ہے یہ حرف ہر جملہ پر آجاتا ہے مگر کسی مشتق کو (فعل ہو یا اسم) منفی نہیں بناتا نہ کسی جملے کی جز بنتا ہے نہ یہ عاملہ ہوتا ہے۔ یہ علیحدہ ہی نفی کا معنی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً اس کا لفظی ترجمہ اس طرح ہو گا کہ یہ بات نہیں ہے کہ میں جانتا ہوں کہیں ترجمہ ہو گا ایسا کچھ نہیں۔ یا ایسی کوئی بات نہیں کہ فلاں ایسا ہے۔ عام طور پر کسی راز کو چھپاتے کے وقت کسی مصلحت یا حکمت کی بنا پر یہ لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مجددِ بریلوی نے اردو میں جو اس کا ترجمہ (میں کیا جانوں) کیا ہے اس سے بہتر اور کوئی ترجمہ نہیں ہو سکتا گویا کہ بہت لمبی تشریح کو ایک فقرے میں سمو دیا ہے۔ سُبْحَانَ اللہ جن لوگوں نے اِنْ اَدْرِیْ کا ترجمہ نمیدانم یا میں نہیں جانتا۔ کیا ہے ان کی جہالت عیاں ہے انہوں نے۔ لَا اَدْرِیْ اور اِنْ اَدْرِیْ فرق نہیں جانا۔ خیال رہے کہ عربی میں حروفِ نفی آٹھ عدد ہیں مگر سب میں فرق ہے ۱ حرفِ مَا یہ ہر ماضی فعل کو منفی کرتا ہے ۲ لَا۔ یہ فعل حال کو منفی بناتا ہے ۳ حرفِ لَنْ فعل مستقبل کو منفی بناتا ہے تاکید کے ساتھ ۴ لَمْ فعل مستقبل کی ماضی زمانے سے نفی کرتا چلا آتا ہے اور نفی میں تجدید پیدا کرتا ہے یعنی جانتے بوجھتے گزشتہ سے آئندہ تک ایسا نہیں ہو گا ۵ مَا اسم مشتق یا جامد ناقص کو منفی بناتا ہے لَیْسَ ماضی کے مثا بہ ۶ حرفِ لَسْتُمْ بلیس۔ زمانۂ حال میں نفی ناقص کرتا ہے ۷ لائے نفی جنس کسی جامد کی پوری جنس و نسل کی نفی کرتا ہے اِن تمام حروف سے مابعد کی حقیقی واصلی نفی ہو جاتی ہے ۸ حرف اِنْ نافیہ اس سے مابعد مدخول کی حقیقی نفی نہیں ہوتی صرف اظہار کی نفی مقصود ہوتی ہے۔ واللہ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ اَدْرِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع واحد متکلم با فاعل پوشیدہ اس کا مادہ مصدر دَرْیٌ ہے اور دَرَایَتٌ یعنی عقل سے جاننا۔ محدثین کی اصطلاح میں بھی روایت کے ساتھ درایت کا لفظ مستعمل ہے وہاں معنی یہ ہے کہ صحیح روایت وہ جس کی سند یعنی سلسلۂ رُوات بالکل درست ہو۔ صحیح درایت وہ جس کا متن یعنی الفاظِ حدیث

marfat.com

بالکل درست یعنی قرآنِ مجید اور مشاہیر و متواتر احادیث کے مطابق ہو۔ علمِ اصولِ حدیث میں پندرہ چیزوں میں مطابقت ضروری ہے۔ لَعَلَّ حرف مشبہ ہ اس کا اسم اِس کا مرجع یَعِیْدُ ہے فِتْنَۃٌ اسم مصدر فَتْنٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ چھاننا، پرکھنا، اچھے برے کو علیحدہ کرنا اس لحاظ سے اصطلاح میں اس کے پانچ معنی ہیں ۱۔ آزمائش کرنا ۲۔ فساد ڈالنا ۳۔ کسی پر تسلّط و غلبہ کرنا ۴۔ خانہ جنگی کرنا ۵۔ مصیبت ڈالنا۔ ان تمام چیزوں سے قوم بٹ جاتی ہے اسلیے ان کو فتنہ کہا گیا یہاں بمعنی آزمائش ہے یہ مصدر عامل ہے لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے اسی مصدر کا دونوں شبہ جملہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَتَاعٌ اسم مصدر مزید فیہ مَتَّعٌ سے بنا بمعنی نفع دینا پہنچانا اِلٰی حِیْنٍ۔ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی زمانہ۔ مدت۔ مجرور ہوکر متعلق ہے مَتَاعٌ مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہوکر معطوف ہے فِتْنَۃٌ پر دونوں عطف مل کر خبر ہے لَعَلَّ کی لَعَلَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مفعول بہ ہوا اَدْرِیْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ قٰلَ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ ۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ۔ قٰلَ دراصل قَالَ ہے بابِ نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب قَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی کہنا فرمانا عرض کرنا یہاں بمعنی عرض کرنا ہے مصحفِ عثمانی میں اس کو کھڑے زیر اور حذفِ الف سے قٰل لکھا ہے اس لیے یہی لکھائی مشہور ہے مگر جائز دونوں طرح ہے ایک قرأت میں قُلْ امر ہے رَبِّ اصل میں یَا رَبِّیْ ہے اے میرے رب تخفیف کے لیے یَا ندائیہ اور یاءِ متکلم کو حذف کر دیا یاءِ متکلم کا قرینہ دلنشانی کسرہ ہے اور یا ندائیہ کا قرینہ ابتداءِ کلام کی اضافت ہے رَبِّ اپنے پوشیدہ مضاف کے ساتھ منادیٰ ہے ایک قرأت میں رَبُّ ہے ترکیب واصلیت یہی ہے اس لیے کہ منادیٰ معرفہ ہو تو مبنی ہوتا ہے ضمہ پر اُحْکُمْ بابِ نَصَرَ کا امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر ایک قرأت میں اِحْکَمْ بابِ ضَرَبَ کا امر حاضر حُکْمٌ سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ فرمانا۔ ظاہر کر دینا یہاں ظاہر کرنا ہے بِ حرف تعدیہ جارہ بمعنی کو الْحَقِّ۔ اسم مفرد معرفہ بمعنی فیصلہ حق بات یہ جار مجرور متعلق ہے اُحْکُمْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر جواب ندا ہوا۔ یاءِ ندائیہ پوشیدہ اپنے منادیٰ و جواب سے ملکر جملہ ندائیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَبُّ مضاف نا ضمیر جمع متکلم مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور دوسرے لوگ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اَلرَّحْمٰنُ موصوف اَلْمُسْتَعَانُ بابِ استفعال کا اسم مفعول واحد مذکر اصل میں ہے

marfat.com

اَلْمُسْتَعْوَنُ واؤ متحرک ماقبل حرف صحیح ساکن واؤ کی حرکت زبر ماقبل کو دی اور واؤ الف سے بدل گئی اس کا مصدر اِسْتِعْوَانٌ ہے تعلیل کے بعد ہوا۔ اِسْتِعَانَۃٌ بمعنی مدد مانگنا عَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی مدد دینا۔ لینا۔ ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا نائب فاعل۔ مرجع ہے رَحْمٰنُ عَلٰی حرف جر فوقیت کا مَا اسم موصول تَصِفُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع جمع مذکر حاضر وَصْفٌ سے مشتق ہے بمعنی متصف کرنا صفت اور کیفیت و حالت بیان کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع ہے کفارِ مکہ یا تمام کافر یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے مُسْتَعَانُ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے اَلرَّحْمٰنُ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا رَبُّنَا کی دونوں مل کر معطوف ہے رَبِّ کے جملہ ندائیہ پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ ایک قرأت میں ہے قَالَ رَبِّیْ اَحْکَمُ۔ اسم تفضیل مذکر ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ اِنَّہٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَیَعْلَمُ مَا تَکْتُمُوْنَ وَاِنْ اَدْرِیْ لَعَلَّہٗ فِتْنَۃٌ لَّکُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ میرے عقلی اندازوں کی تو نفی ہے لیکن میرے رب تعالیٰ کا علم قدیم بہت وسیع محیط ہے وہ خالقِ کائنات سب بلند آوازوں کو بھی جانتا ہے اور اے خفیہ منصوبے مشورے بنانے والو مشرکو کیا تم یہ سمجھ رہے ہو کہ تمہارے ظاہر پوشیدہ کرتوت کو وہ اللہ خبیر و علیم نہیں جانتا یہ بات یہ گمان باطل ہے۔ وہ تو تمہارے ان تمام قول و فعل کو بھی جانتا ہے جو تم بہت ہی چھپا کر سوچتے بناتے اور کرتے کہتے ہو انتہائی راز داری اسلام۔ قرآن۔ اللہ رسول اور اہلِ ایمان کے خلاف آپس میں باتیں کرتے ہو محلیں جماتے محفلیں سجاتے مشورے سناتے ہو۔ اتنی دشمنی مخالفت فتنہ سازی کے باوجود تم پر نہ عذاب آتا ہے نہ عتاب نہ قہر نہ زوال۔ تم لوگ نہ جانے اس ڈھیل کو کیا سمجھتے ہو جس کی بنا پر مغرور و مفرور ہوئے پھرتے ہو دین اور دین والوں کا مذاق اڑاتے ہو اور یہ دھوکہ کھائے بیٹھے ہو کہ اگر ہم غلط ہوتے تو ہم پر عذاب آجاتا۔ وَاِنْ اَدْرِیْ۔ اور میں نہیں سمجھتا کہ یہ دیریِ عذاب کیوں ہے۔ اُس ذاتِ کریم کی طرف سے شاید آزمائش ہے تمہاری یا ڈھیل ہے یا مہلت یا امتحان اور دنیا کے ساز و سامان پر کیا اترانا یہ تو صرف موت

marfat.com

تک تھوڑا سا نفع اور مزہ لیتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ فتنے کے چار معنی ۱۔ مہلت ۲۔ ڈھیل ۳۔ ابتلاء ۴۔ امتحان۔ فتنہ کسی کے لیے مفید ہو جاتا ہے کسی کے لیے نقصان دہ اگر آزمائش میں بندہ درست رہے تو فائدہ مند اگر ڈھیل ہو تو نقصان اگر فتنہ مہلت بن کر آئے تو رب تعالیٰ کی اس بندے پر مہربانی، اور اگر امتحان بن کر آئے تو بڑی احتیاط اور کامیابی کی کوشش اور دعا تاکہ ناکامی نہ ہو یہ دنیوی زندگی بہت محتاط رہنے کی گھڑی ہے کیونکہ ایک بار ہی ملتی ہے۔ قَالَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ ۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ ۔ اتنے سمجھانے کے باوجود جب پھر بھی سرداران مکہ اور دیگر کفارِ عرب کفر سے نہ رکے بلکہ اہلِ ایمان کے خلاف اُن کے ظلم ایذائیں شرارتیں بڑھتی ہی گئیں تب ہمارے نبی نے ہم سے دعا عرض کی کہ اے مولیٰ ان پر میری رحمت و شفقت والی تبلیغ اثر نہیں کرتی۔ اب تو ہی وہ حق فیصلہ فرما دے جس سے ان کو عقل آئے اور حیاتِ دنیوی کا فتنہ ان کے لیے مہلت مفیدہ بن جائے اور یہ بندے بن کر تیری وحدت میری رسالت کے آستانے پر آجائیں۔ اسلام کے دامن میں قرآن کے سائے میں پناہ لیں۔ اور کفار سے فرمایا کہ اے دنیا کے عیش و عشرت میں مبتلا لوگو تم کو تو اپنی سرداری، دنیا داری۔ ساز و سامانی، چرب زبانی۔ افرادی قوت امدادی دولت پر ناز و غرور ہے۔ مگر ہم کو صرف اپنے رب تعالیٰ پر بھروسہ ہے۔ اور ہمارا رب کریم رحمٰن بھی ہے مُستعان بھی ایسا کہ مہد سے لحد تک ہر مومن اُس سے مدد کا طلب گار ہے دعاؤں التجاؤں، فریادوں، آرزوؤں، تمناؤں میں اسکی طرف نگاہیں لگی ہوئی ہیں۔ تم جو اللہ رسول قرآن، اسلام کو اپنی لغویات کفریات وہمیات، تخیلات سے موصوف کرتے رہتے ہو اور اہلِ ایمان کا دل جلاتے دُکھ پہنچاتے ہو۔ ہم ان خرافات کو مٹانے کے لیے بھی اپنے رب رحمٰن سے معاونت مانگتے ہیں۔ وہ ذاتِ رحیم و کریم قدیر و قدیم ہمارا مستعان ہے۔ کفارِ عرب رب تعالیٰ کے لیے کہتے تھے کہ اُس نے اپنے بیٹے بیٹیاں بنالیں ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے کہتے کہ وہ شاعر و جادوگر ہیں۔ قرآنِ مجید کو قصے کہانیاں افسانے کہتے اسلام کے بارے میں کہتے پھرتے کہ یہ چند دن کا کھیل ہے جلدی ختم ہو جائے گا پھر ہمیں آرام ملے گا۔ اور ہمارا عروج سدا رہے گا۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۔ ۱۔ مِنَ الْقَوْلِ ۔ کے معنی ہیں

marfat.com

دو قول بعض نے کہا کہ اس کے معنیٰ ہیں صرف باتیں کرنا۔ مگر بعض نے کہا کہ اس سے قول و فعل دونوں مراد ہیں کیونکہ باتوں کے ذریعے ہی ہر کام کرایا جاتا ہے۔ زبانی مشورے پہلے ہوتے ہیں کام بعد میں۔ معنیٰ یہ کہ بلند آوازی کی باتیں مشورے اور مشوروں کے مطابق عمل سے ظاہری کام ۲ مَا تَكْتُمُوْنَ۔ میں دو قول۔ ایک یہ کہ ہر خفیہ کام کلام۔ دوم یہ کہ کفار کے خفیہ منصوبے۔ سازشیں ۳ اِلٰى حِیْنٍ میں تین قول ایک یہ کہ اس سے مراد ہر کافر کی طبعی موت دوم یہ کہ اس سے مراد اسلامی جنگ جہاد فتوحات تک کی مہلت ڈھیل پھر یا قتل یا ذلت کی زندگی۔ سوم یہ کہ اس سے مراد قیامت تک کی مہلت ہے مگر پہلا قول درست ہے ۴ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ کے قول مقولے میں دو قول۔ ایک یہ کہ یہ پورا جملہ کفار کے لیے دعا ہے یعنی ان کو عقل و ہدایت ملے دوم یہ کہ یہ جملہ کفار کے لیے بددعا ہے اس لیے کہ جہاد کی اجازت مانگی جا رہی ہے جس سے کفار کی ذلت و ہلاکت ہو۔ یہ بددعا قبول ہوئی اور جہاد کی اجازت ملی تب بدر، اُحد حُنین۔ خندق۔ وغیرہ جنگیں ہوئیں اور کفار کا آخری انجام ہوا۔ یہی فیصلہ بالحق تھا ۵ رَبِّ احْكُمْ میں دو قول۔ ایک یہ کہ پہلے قٰلَ فعل ماضی کا مقولہ ہے۔ جس سے مل کر قول مقولہ جملہ خبریہ ہے۔ یہی مشہور قرأت ہے دوم یہ کہ یہ قُلْ کا مقولہ ہے۔ دراصل عبارت یہ ہے۔ قُلْ رَبِّ احْكُمْ اور جملہ انشائیہ ہے کیونکہ قُلْ فعل امر ہے ۶ رَبِّ میں تین قرأتیں پہلی رَبِّ یہی مشہور ہے دوم رَبُّ مُنادیٰ مفرد ہے اس کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے اسی لیے ضمہ (پیش) آیا۔ سوم یہ رَبِّیْ ہے ۷ اُحْكُمْ میں تین قرأتیں ایک یہ کہ فعل امر ہے۔ یہی مشہور ہے دوم یہ کہ یہ اَحْكَمُ اسم تفضیل مذکر ہے۔ سوم یہ کہ اَحْكَمَ ہے باب افعال کا فعل ماضی ۸ بِالْحَقِّ کے معنیٰ میں دو قول۔ ایک یہ کہ اس کا معنیٰ ہے مضبوط اور آخری انجام والا تقدیر مبرم کا فیصلہ ظاہر و نافذ فرما دے دوم یہ کہ اس کا معنیٰ ہے عدل مگر پہلا قول درست ہے ۹ تَصِفُوْنَ۔ میں دو قول ایک یہ کہ یہ تَصِفُوْنَ ہے دوم یہ کہ یَصِفُوْنَ ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ دنیوی زندگی کفار کے لیے ڈھیل ہے اور فساق کے لیے عبرت ہے مُلحِدین کے لیے مہلت۔ لہٰذا۔ کافرین کے لیے باعث عذاب، فاسقین کے لیے یہ زندگی باعث عتاب اور صالحین کے لیے باعث ثواب کہ وہ اعمال خیر کا ذخیرہ آخرت جمع

marfat.com

کر لیں زیادہ سے زیادہ. یہ فائدہ اِنَّهٗ یَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ سے حاصل ہوا کیونکہ یہ جملہ ہر بندے کے لیے قول و عمل سے متعلق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی ہر بات کو جانتا ہے اس لیے اس عبارت میں سب مراد ہیں اور اگلے کلام میں کفار سے ہی خطاب ہے کیونکہ وہی لوگ خفیہ سازشیں کرتے تھے۔ یہاں مطلق الفاظ ہیں وہاں تَکْتُمُوْنَ خطاب کا صیغہ ہے لہٰذا ہر مسلمان کو یہ بات مدِ نظر رکھنی چاہیئے خاص کر فاسقین غافلین کو جو عقیدۃً تو اللہ تعالیٰ کے جاننے کو بھی مانتے ہیں اور اس کو حاضر و ناظر بھی سمجھتے ہیں مگر عملاً منکر ہیں اگر عملاً بھی مومن بن جائیں تو کبھی خفیہ بھی گناہ نہ کریں۔ دوسرا فائدہ۔ دنیا کی چیزیں صرف کفار کے لیے عارضی، وقتی، فانی متاع ہیں۔ مومن کے لیے یہی دنیوی اشیا دائمی ابدی متاع اور نفع بخش ہیں۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی کیونکہ مومن بندہ دنیا کی چیزوں کو اپنے لیے اسباب اعمالِ صالحہ اور ذریعۂ عبادت بنا لیتا ہے۔ تو رب تعالیٰ قبول فرما کر انہی دنیوی اشیاء کو آخرت میں باعثِ ثواب بنا دیتا ہے یعنی یہ متاعِ دنیا، مومن کے لیے دنیا میں اعمال کے لیے آخرت میں ثواب کے لیے یہ فائدہ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ میں لَكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی اے کافرو یہ دنیوی اشیا صرف تمہارے لیے مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ہے۔ مومنین اسی دنیا سے رب تعالیٰ کی رضا، جنت کی قضا حاصل کر لیتے ہیں۔ اس لیے تمہارے لیے یہ دنیا باعثِ فنا ہے اور ان کے لیے باعثِ بقا ہے۔

احکام القرآن ان آیات سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق دینی دشمن کے لیے بد دعا کرنی جائز جبکہ اس کی حرکتوں سے دین اور تبلیغِ دین کو نقصان پہنچ رہا ہو فتنہ فساد پھیل رہا ہو۔ اس لیے کہ ایسا دشمن موذی ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ ہر نفع دینے والی چیز شریعت میں متاع ہے۔ اور نقصان دینے والی چیز متاع نہیں ہے۔ خواہ دنیوی نفع ہو یا دینی۔ اسی طرح دینی چیز کہلاتی ہو یا دنیوی۔ اس دنیا میں عام استعمال کی چیزیں دو قسم کی ہیں۔ بعض حلال۔ بعض حرام حلال اشیا۔ فائدہ ہی دیتی ہیں دنیوی ہو یا دینی یہاں تک کہ کافر کو بھی مومن کو بھی اگرچہ کفار غور و فکر سے نہ سمجھیں۔ اور حرام اشیاء ہمیشہ ہر ایک کو نقصان ہی دیتی ہیں بندہ

marfat.com

کافر ہو یا مومن حرام چیزوں میں نہ شفا نہ نفع نہ رحمت نہ برکت اس لیے حرام اشیا کو متاع نہیں کہا جاتا۔ متاع کا لفظی معنیٰ ہے۔ نفع والا سامان یہ مسئلہ۔ مَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ دنیوی حلال چیزیں کفار کے لیے متاع ہیں۔ اگرچہ تھوڑی مدت کے لیے ہوتا یعنی مرتے تک۔ حرام اشیا کو متاع نہیں فرمایا۔ تیسرا مسئلہ علماء علم عقائد فرماتے ہیں کہ گناہ کرنا تو حرام ہے مگر گناہ کا عادی ہو جانا کہ علانیہ گناہ کرتا پھرے نہ خوف رہے نہ شرم وحیا۔ یہ حرام بھی ہے بدعقیدگی بھی اور گمراہی بھی۔ صرف گناہ سے بندہ فاسق بنتا ہے مگر عادتِ گناہ سے فاسق معلن اور گمراہ ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ دالخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ جو بدبخت انسان گناہ کرنے میں بے غیرت اور بے خوف ہو جائے اور علانیہ گناہ کرتا پھرے وہ یقیناً۔ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ۔ اور اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيْدٌ۔ پر عقیدہ نہیں رکھتا اور اپنے عمل سے اپنی اس بدعقیدگی کا اقرار کرتا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ مفسرین کے نزدیک یہ جملہ بددعا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو تمام کے لیے رحمت ہی ہیں۔ اور بددعا دینا رحمت کے خلاف ہے تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کفار کے لیے بددعا کیوں فرمائی۔ جواب۔ اولاً تو اس میں ہی اختلاف ہے کہ یہ جملہ دعا ہے یا بددعا کچھ علماءِ تفسیر فرماتے ہیں یہ جملہ دعا ہے جیسا کہ ہم نے تفسیر میں وضاحت کر دی۔ کچھ علماءِ تفسیر فرماتے ہیں کہ یہ بددعائیہ جملہ ہے۔ اگر پہلا قول مانا جائے تب تو اعتراض ہی ختم ہو گیا۔ لیکن اگر اس کو بددعا ہی کہا جائے تب بھی یہ بددعا رحمت ہونے کے خلاف نہیں بلکہ اس انداز کی بددعا میں بھی رحمت کی جھلک ہے۔ اس لیے کہ بددعا ہلاکت یا لعنت یا آسمانی ناگہانی عذاب کی نہیں بلکہ جہاد کی اجازت اور جنگ مسلط کرنے کی ہے۔ جس میں دو طرفہ تیاری کی مہلت دونوں طرف سے مقابلہ۔ قتال اور طاقت آزمائی ہوتی ہے۔ اور پھر اللہ تعالیٰ کی تائیدِ غیبی یہ فیصلہ فرماتی ہے کہ حق پر کون ہے۔ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ میں اسی تائیدی حق فیصلے کی طلب ہے اب چاہے تم اس کو دعا کہلو یا بددعا بہر حال جنگ میں دو طرفہ مکمل کھل کر تیاری لشکر سازی اور سوچنے سمجھنے کا موقع ملتا ہے ناگہانی کچھ نہیں ہوتا

marfat.com

اور کفار کو اس قسم کی جنگوں سے یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ حق یہ ہے جس کے ساتھ رب تعالیٰ کی تائید ہے اسی طرح ساز و سامان لشکر جرار والے کفار ان مسلمانوں کے ہاتھوں چند گھنٹوں میں ذلت آمیز شکست کھا گئے جو تھوڑے بھی تھے کمزور بھی نہتے بھی اور محض تائید الٰہی سے وہ فتح پا سکتے ہیں جو اسلام کو ماننے والے ہیں۔ اسی طرح کفر و ایمان کے درمیان فیصلہ بالحق ہو جاتا ہے۔ کہ اے کافرو اسلام سچا ہے تمہارا دین شرک باطل ہے یہی کچھ اس بد دعا میں تھا کہ فقط فیصلہ مانگا گیا تھا نہ کہ آسمانی عذاب یا ناگہانی ہلاکت اور یہی بات قبول ہوئی کہ جنگ بدر میں اسی انداز سے حق و باطل کا فیصلہ کیا گیا جس سے باقی ماندہ کفار کا دل دماغ قائل ہو گیا اور ان کی عقلوں نے تسلیم کر لیا کہ اسلام سچا دین ہے۔ اور پھر کیا نتیجہ نکلا یہی کہ یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا۔ فوجیں بن بن کر اللہ کے دین میں داخل ہونے لگے۔ ان کی عقلیں حیران تھیں کہ تھوڑے سے تین سو تیرہ افراد کا بے سر و سامان کمزور لشکر فتحیاب ہوتا ہے۔ اور کفار کا کثیر و مضبوط ہتھیار بند لشکر شکست کھا جاتا ہے سب جان گئے کہ یہ فتح طاقت کی نہیں بلکہ رَبِّ احْکُمْ بِالْحَقِّ کی قبولیت سے تائید الٰہی کی ہے اس شکست نے کفار کو بتا دیا کہ اسلام حق ہے اس بد دعا سے یہی مقصود تھا۔ اور یہ دعا بقیہ زندہ کفار کے لیے رحمت ہی تھی کہ ان کو اسلام قرآن رضاء رحمٰن کی دولت مل گئی۔ دوسرا اعتراض بیان فرمایا گیا۔ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ۔ ہمارا رب رحمٰن ہے۔ رحمٰن تو سب کا رب ہے پھر صرف اپنا رب کیوں کہا؟ جواب۔ اس کے دو جواب ایک یہ کہ رَبُّنَا سے مراد ہے ہم سب مخلوق کا رب اب اس میں کوئی اعتراض نہ رہا کیونکہ سب کافر مومن شامل ہو گئے۔ جوابِ دوم یہ کہ حقیقت میں تو رحمٰن، سب کا ہی رب ہے مگر یہاں ماننے والوں کا ذکر ہے کفار تو رحمٰن کو مانتے ہی نہیں۔ اس لیے ماننے والے تو اُن کے سامنے اپنا ہی رب کہیں گے۔ نیز اپنا رب یا ہمارا رب کہنے میں دوسروں کا رب ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔ لہٰذا ہر اعتبار سے یہ اعتراض غلط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ۔ اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ اور البتہ بے شک ہم نے ازلی قدیمی فیصلہ کُنْ فَیَكُوْنُ سے ہر مومن کے زبورِ قلب پر لکھ دیا ہے۔ توریتِ عقل پر لکھنے

کے بعد کہ بے شک اہلِ ایمان کی زمینِ بدنی رہی ہے جس کے وارث اعضاءِ صالحہ اور قواءِ منورہ ہوں گے نورِ سکینہ کے ہتھیاروں سے مزین ہو کر فاسقینِ جسمانی کو ہلاک کرنے کے بعد عبادات جلوت، ریاضاتِ خلوت کی فتوحاتِ مسلسل کے ذریعے اہلِ سلوک کے عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ سات بندے ہیں ۱ روحِ طاہر ۲ سرِ وافر ۳ قلبِ ماہر ۴ عقلِ شاطر ۵ نفسِ لاغر ۶ اعضاءِ سائر ۷ سالکِ ظاہرِ مستقیم فنا فی الوحدت۔ بے شک اسی کتابِ روحانی میں ہر طرح کی کفایت و معرفت ہے اس قومِ حقیقی کے لیے جس نے منزلِ مراد کی راہِ طلب میں ہر ہر قدم پر اپنے مولیٰ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں عمر گزاری اے حبیب ایسے مخلصین کے لیے ہم نے آپ کی رحمت بھیجی جو عٰلَمِیْن کے لیے ایسی رحمتِ عظیم ہے کہ مخلصین کو کمالِ مطلق کی طرف ہدایتِ عرفانی عطا فرمائے اور بارگاہِ رحمٰنِ قدیم کا قرب دلائے۔ عذابِ قہر و سزاء و عتاب سے بچائے یہ خزانہ قدرت ہے جس نے ہر غضب کو پیچھے کر دیا یہی وہ رحمت ہے جو سب پر سبقت اور غلبہ رکھتی ہے تا قیامِ قیامت اس لیے کہ اس رحمتِ عالمین کے پاس شریعتِ عدل بھی ہے۔ شریعتِ فضل بھی۔ شریعتِ عمل بھی۔ چنانچہ قرآنِ مجید سورۃ شوریٰ کی آیت ۴۰ میں ارشاد ہے جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا یعنی ہر برائی کا بدلہ اس کے برابر ضرور دو۔ تاکہ دنیا میں عدل قائم رہے یہ شریعتِ عدل ہے ظالم کو معاف کرنا بذاتِ خود ظلم ہے۔ آگے اسی آیت میں ارشاد ہے فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جو شخص معافی مانگنے والے ذاتی دشمن کو معاف کر دے اور عاجز و کمزور سے صلح کرے تو اس کا اجر قیامت میں اللہ کے پاس ہے یہ شریعت فضل ہے۔ یہاں ارشاد ہے اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ یعنی ہر خواہش مند عبادت کے لیے البتہ بے شک اس قرآن حکیم میں عملِ صالح کے لیے کفایتِ تامہ ہے۔ یہ شریعتِ عمل ہے صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ توریت میں صرف شریعتِ عدل تھی زبور میں صرف شریعت عمل تھی۔ انجیل میں صرف شریعت فضل تھی مگر قرآن کریم میں یہ تینوں شریعتیں اپنی تکمیل سالمیت کے ساتھ موجود ہیں چنانچہ قرآن کریم سورۃِ نحل آیت ۱۲۶ ارشادِ الٰہی ہے۔ وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ۔ یعنی اگر کسی ظالم کے ہاتھوں تم ایذا پہنچائے گئے ہو تو تم بھی طاقتور بن کر بالکل اسی ظلم کے برابر اس کا بدلہ لو۔ نہ بزدل بنو نہ کمزور۔

marfat.com

یہ شریعت عدلِ اسلامیہ تامہ ہے۔ اسی آیت میں آگے ارشاد ہے وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لِّلصَّابِرِيْنَ۔ یہ شریعت فضل ہے کہ عاجزی اور معافی مانگنے والے کو معاف کر دینا یا اگر مظلوم کو طاقت نہ ملے گی تو صبر کر لینا بھی بڑے اجر کا باعث ہے اور سورۃ بقرہ آیت نمبر ۲۸۰ میں ارشاد ہے۔ وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یعنی غریب تنگ دست قرضدار کو مہلت دینا تنگ دستی دور ہونے تک یہ بھی اسلام کی عملی عبادت ہے لیکن اگر تم امیر ہو اور سچے واقعی حقیقی تنگ دست کو قرضہ صدقہ کر دو تو تمہارے لیے بہت ہی اچھا ہے۔ یہ اسلام کی شریعت عمل ہے (محی الدین مع زیادت) اکابر نے فرمایا کہ سورۃ مائدہ کی آیت ۳ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ کی تفسیر ہے سورۃ انبیا کی یہ آیت اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ تفسیر نیشا پوری میں ہے کہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ۔ ہم نے اپنے قلمِ قدرت سے سینۂ عارف کے زبورِ عمل میں یہ لکھ دیا کہ بے شک وجودِ حقیقی کی زمینِ جنت میرے ان صالحین۔ لائقین۔ قابلین۔ عاشقین بندوں کے لیے ہے جن کے وجود آسمانی کو فطرت کی بلندیوں پر پھیلا یا گیا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جسمانیت غیر مستقر و غیر ثابت و قائم وجودِ مجازی کا آسمان ہے۔ اور روحانیات مستقر ثابت و قائم وجودِ حقیقی کی زمین پُرسکون ہے۔ وہ عارفین ہی اس کے لیے وارث و مالک ہیں جو ہر خواہش و لذت سے علیحدہ ہو کر دامنِ رحمۃ للعالمین۔ میں پردہ پوش ہیں۔ اے حبیبِ کریم ہم نے ہی آپ کو رحمتِ عالمیتی کے لیے بھیجا لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ تو نہ ہوتا تو نہ ہوتا۔ سب جہانوں کا نظام۔ اس لیے

کونین بنائے گئے سرکار کی خاطر ؛ کونین کی خاطر تمہیں سرکار بنایا

قُلْ اِنَّمَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ۔ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ اٰذَنْتُكُمْ عَلٰى سَوَآءٍ۔ وَاِنْ اَدْرِيْٓ اَقَرِيْبٌ اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ مسلکِ صوفیا میں جنت کے وارث دو قسم کے ہیں۔ ایک گروہ صالحین کا دوسرا گروہ عاشقین کا۔ صالحین باقی بالعبادت ہیں اور عاشقین فانی فی الوحدت ہیں۔ صالحین کی بھی چار قسمیں عاشقین کی بھی۔ صالحین ۱۔ عباد ۲۔ زہاد ۳۔ ابرار ۴۔ اخیار یہی خوش بخت برِ شُدہا کے انعام یافتہ ہیں اس لیے کہ یہی لوگ عوضِ ریاضت ثواب

marfat.com

عبادت درجاتِ جنت کے اہل ہیں عاشقین ۱ اہلِ معرفت ۲ اہلِ محبت ۳ اہلِ شوق ۴ اہلِ ذوق۔ جنت میں ان کی خصوصی میراث جلالِ ازلی کا مشاہدہ ہے اس لیے کہ حیاتِ دنیوی میں ہمیشہ تمام عمر ربوبیت کے مشاہدے میں رہتے ہیں۔ دیگر اہلِ جنت عبدیت کے مشاہدے میں رہتے ہیں کیونکہ ملحین یا لعبادت نے خود کو عبادتِ ریاضت کی طرف منسوب کر لیا اور لیاقت کے زیور سے آراستہ ہو گئے آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثِ قدسی کا ارشادِ ربانی بیان فرمایا کہ میرے لائق صرف وہ ہے جو خالص میرا ہو نہ کہ میرے غیر کا۔ منقول ہے کہ جنہوں نے اپنے سر کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ درست کر لیا اور غیر اللہ سے بالکل جدا ہو گئے یہی وارثینِ ارضِ اللہ اور لائقین لقاءِ اللہ ہیں۔ شیخ مغربی کا شعر ہے۔

بجو در دلِ ما غیرِ دوست زانکہ نیابی   چنانچہ در دلِ ایاز جز محمود نباشد

اِس سورۃ میں بارہ چیزیں بلیغا ہیں ۱ اخبار ۲ مواعظِ حسنہ ۳ دعاوے ۴ وعید یں ۵ توحیدِ الٰہی ۶ رحمتہ مصطفائی ۷ انبیا علیہم السّلام کا ذکرِ تمامی ۸ براھینِ الھامی ۹ کفالتِ دائمہ ۱۰ بشاراتِ قائمہ ۱۱ بلاغتِ کاملہ ۱۲ فصاحتِ راشدہ یہ دولتیں صرف ہمت والے عابدین حاصل کر سکتے ہیں اُن کے لیے ابدی کافی ہیں۔ نہ کہ عادت والے غافلین۔ اے مرشدِ عٰلَمین فرما دے اِن دنیوی سہاروں پر بھروسہ کرنے والوں سے کہ میری طرف یہی وحی فرمائی گئی ہے کہ تم سب کا سہارا۔ دادرس فریادرس فقط ایک ہی معبود ہے۔ اس لیے صرف زبانی نہیں۔ بلکہ کیا دل جان کے عمل و کردار قول واقرار سے مسلمان بنتے ہو۔ اگر اب بھی یہ غافلین دنیا پرست منہ پھیریں تو فرما دو کہ میں نے تم کو شریعت طریقت حقیقت معرفت کے سب راستے برابر دکھا دئے اور یہ بھی کئی بار سمجھا دیا کہ عقلی تخیلات سے مجھے پتہ نہیں لگتا کہ تمہارا انجام قریب ہے یا دور نہ تم اس فکر میں پڑو تمہارا کام ماننا اور عمل کئے جانا ہے اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ مِنَ الْقَوْلِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْتُمُوْنَ وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ۔ قٰلَ رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ وَرَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ اس دنیا میں ذاکر بندے چار قسم کے ہیں ۱ ذاکرِ جہری ۲ ذاکرِ سری خفی ۳ ذاکرِ بے ریا ۴ ذاکرِ ریاکار۔ ذکر کی چار قسمیں ۱ ذکرِ قولی ۲ ذکرِ قلبی

marfat.com

۳ ذکر بالنفس (سانس سے)، ۴ ذکر بالنسبت۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہر بندۂ ذاکر کے ہر ذکر کو جانتا ہے۔ کون کر رہا ہے کیوں کر رہا ہے۔ کہاں کر رہا ہے کیا ذکر کر رہا ہے اور اسے بند رجو کچھ تم خفیہ جگہ میں خفیہ طریقوں سے خفیہ وقت میں خفیہ کام و کلام سانسوں میں چھپا کر کرتے ہو اُن سب حالات۔ کیفیات و اقعات۔ توقعات کو بھی جانتا ہے بندے کی کوئی چیز اللہ تعالیٰ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی اِن جسمانی ھیکلوں ڈھانچوں کو روح بخشنے والا ہے اور روح کو عقل فہم علم و فکر خیر و شر۔ نفع نقصان تکلم و سماع۔ نگاہ و شمام۔ بطش و مشا قول و فعل کے اوصاف ودیعت فرماتا ہے۔ اس ذاتِ قدیم عَزَّ وَجَلَّ کے لیے مَا تَكْتُمُوْنَ اور مَا تُبْدُوْنَ علم ظہور میں سب برابر ہیں۔ غور کرو کہ جو بندہ شیشے اور روشندان والی چار دیواری میں رہتا ہو اُس کے قول فعل حرکات و سکنات کسی داتا و بینا حاضر و ناظر سے کب اور کیسے پوشیدہ رہ سکتے ہیں۔ اصطلاحِ صوفیا میں اسلام کے دعوے۔ ایمان کے نعرے۔ زاہدانہ اذانیں ظاہرانہ نمازیں۔ صلاحیت و عارفیت کا اقرارِ زبانی۔ مَا تَجْهَرُوْنَ ہے۔ اور صدقِ اخلاص۔ بے ریائی کی قلبی تصدیق مَا تَكْتُمُوْنَ ہے۔ راہِ سلوک کا فتنۂ دنیوی اعمالِ ظاہرہ ہیں اگر دکھلاوا ہیں تو مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ہیں اگر بے ریا ہیں تو مَتَاعٌ اِلٰى اَبَدٍ ہیں مرشدِ کامل بارگاہِ قدس میں عرض کرتا ہے کہ اے میرے رب مسافرانِ منزلِ معرفت کے لیے اُن کے عبادت میں حق سچ کا فیصلہ فرما دے کہ کن لوگوں کے کون سے اعمالِ صالحہ تجھ کو پسند ہیں۔ رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ۔ ہمارا رب تصرف اللہ رحمٰن ہے اُس کی رحمانیت دو طرح کی ہے ۱ صفت بالفعل ۲ صفت بالقوہ۔ پہلی عطا کی شکل میں۔ دوسری ارادۂ ایصالِ خیر کی شکل میں۔ رحمٰن کا معنی ہے بندوں پر بندوں کے ہر حال میں کثرتِ رحمت فرمانے والا۔ روح میں جسم میں شکم میں مہد میں لحد میں قبر میں حشر میں بندوں کا وہی مستعان ہے۔ بندے دو قسم کے ہیں ۱ مطیع ۲ عاصی۔ دونوں کو چاہیے اسی کی خواہش و طلب کریں جس کے وہ مستحق ہیں۔ مطیع بندے يُسَبِّحُوْنَ کی وحدت میں مستغرق ہیں اور عاصی نافرمان عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔ عاصی کی تین نشانیاں ۱ خَيَّبَ اٰمَالَهُمْ۔ اُن کی امیدیں ناکام ۲ وَغَيَّرَ اَحْوَالَهُمْ۔ اُن کے حالات بگڑے ہوئے ۳ وَخَسِرُوْا فِكَارُهُمْ۔

marfat.com

اُن کی سوچ و فکر نقصان دِہ یہ فیصلہ حکیم مطلق رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ کی طرف سے قانون ازل میں ہو چکا ہے ۔ رحمت کی تین قسمیں ہیں (حدیثِ پاک) عاقل کو چاہیئے کہ تین چیزوں پر غرور نہ کرے ۱ کثرتِ اولاد پر ۲ کثرتِ مال پر ۳ طولِ عمر پر ۔ کیونکہ یہ غرور کفّار کی خصلتِ ذلیلہ ہے مولیٰ علی رضؓ نے فرمایا کہ جس کے پاس کثرتِ مال اور وُسعتِ دنیا ہو اور وہ اُس کو امتحان نہ سمجھے وہ پاگل دیوانہ ہے ۔ ابراہیم ادھم علیہ الرحمتہ نے ایک شخص سے پوچھا کہ تجھے خواب میں ملنے والا ایک درھم اچھا لگتا ہے یا بیداری میں ملنے والا ایک دینار وہ بولا کہ مجھے وہ دینار اچھا لگتا ہے جو جاگتے میں مجھے کوئی دے ۔ آپ نے فرمایا تو جھوٹ بولتا ہے ۔ دنیا خواب ہے اور آخرت بیداری مگر تو اور تیرے جیسے یہ دنیا دار لوگ اس قلیل حقیر فانی دنیا کمانے کے پیچھے دن رات لگے ہوئے ہیں مگر آخرت کی فکر ہی کوئی نہیں ۔ سبحان اللہ کیا شاندار عبرت کی مثال ہے ۔ یہ سورۃ سورۃ انبیاء شروع ہوتی ہے تو ذکرِ خاتمُ الانبیا سے اور مکمل ہوئی تو اُن ہی کے ذکر پر ۔ توفیقِ الٰہی کی نشانی استقامت ہے اے بندے تیری کامیابی کی نشانی یہ ہے کہ پہلے اللہ تعالیٰ کی ارادت اپنے جسم پر دل کی محبت سے رکھ پھر اُس کے آستانے پر سجدہ کا سر رکھ ۔ کیا سوچتا ہے کہ تو نے یہ نیکی کرلی ، تو یہ نہیں سوچتا کہ توفیق تو اُسی رب کریم کی طرف سے ملی ۔ ارے بیوقوف بادشاہ کے باغ سے ہی پھل توڑ کر بادشاہ کو پیش کرتا ہے پھر فخر و غرور کا احسان جتاتا ہے اِتراتا پھرتا ہے ۔ عارفین کو اِس ریا سے بچایا جاتا ہے اور عابدوں سے کہا جاتا ہے کہ آخرت تمہاری جزا کا دن ہے اور عاشقوں سے کہا جاتا ہے کہ آخرت تمہاری بقا کا دن ہے ۔ یعنی عارفین کی بقا ۔ عابدین کی جزا ۔ عاشقین کے لیے مشاہدۂ جمال کا دن آخرت ہے ۔ نیکوں کو نعمت در نعمت ہے لیکن محبوبوں کو زیارت در زیارت ۔ تقوے کا بدلہ عطیۂ حور و غلمان ہے ۔ مگر عشق کا صلہ وصلِ جمالِ کبریا ہے اے عقل والے اطاعتِ مصطفیٰ میں جدّ و جُہد کر تا کہ مقامِ قُرب تک پہنچ جائے نفس کو دور کر دے اُس کی مخالفت و ذلّت کر کے تا کہ سزاؤں سے بچ جائے ۔ ترکِ دنیا سے ثوابِ آخرت ہے مگر ترکِ کونین سے وَصلِ مولیٰ ہے لہٰذا جو بندہ جنّت کی نعمتوں کا طالب ہے وہ لذّاتِ دنیا ترک کر کے دنیا سے منہ موڑے رشتہ توڑے اور جو مشاہدات کا طالب وہ غیر اللہ سے نظر پھیر لیں

marfat.com

؎ توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہدے
یہ بندہ جہانوں سے خفا میرے لیے تھا

(۱) حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بدایونی نے فرمایا کہ نماز وہ عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان تعلقات پیدا کرتی ہے اور نماز میں یَعۡلَمُ الۡجَہۡرَ کی شان بھی ہے اور یَعۡلَمُ مَا تَكۡتُمُوۡنَ کی شان بھی عیاں ہے اسی میں قیام جہری بھی ہے قعود کتمانی بھی نماز ہی سے رَبِّ احۡكُمۡ بِالۡحَقِّ کا ظہور ہے، نماز میں ہی بندے کا اقرار ثابت و ظاہر ہوتا ہے کہ رَبُّنَا الرَّحۡمٰنُ الۡمُسۡتَعَانُ۔ اسی لیے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوا اسۡتَعِیۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَ الصَّلٰوةِ اس لیے بندے کے لیے لازم و ضروری ہے کہ نماز میں خشوع خضوع اختیار کرے تاکہ عبودیت پر ربوبیت کا دبدبۂ جلال اور خشیت جمال قائم رہے۔ بندے کے لیے ذکر ہے اور ذکر کے لیے نماز ہے غفلت نماز کے لیے زہرِ قاتل ہے کیونکہ غفلت نشہ کی مثل ہے یعنی غفلت و عبادت دو متضاد چیزیں ہیں۔ اسی لیے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ نشے کی حالت میں نماز کے قریب بھی مت جاؤ۔ نشے والی کی نماز برباد ہے، ایسے ہی غفلت اور کسل مندی کی نماز ضائع اور خراب ہے نشہ غفلت ہے اور غفلت بیہوشی ہے۔ نماز قربِ الٰہی چاہتی ہے، اور قرب دھیان لگانے اطمینان بنانے سے ملتا ہے غفلت سے بے رغبتی اور بے رغبتی سے نفرت اور نفرت سے دوری اور دوری سے محرومی پیدا ہوتی ہے مومن متقی کی نماز راہِ بندگی کی شاہراہِ اعظم ہے اس میں حیا، حیبت انکساری، نیاز مندی، عاجزی ہوش مندی کے روحانی قدموں سے چلنا پڑتا ہے۔ روایت ہے کہ جب بندہ نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے۔ تو رب تعالیٰ بندے کی طرف توجہ رحمانیت فرماتا ہے۔ لیکن جب بندہ کا دھیان بھٹکتا ہے تو رحمت ہٹالی جاتی ہے اور فرمایا جاتا کہ یہ اپنے رب تعالیٰ کا خیال چھوڑ کر کس طرف متوجہ ہے کیا اس کو رب تعالیٰ سے بہتر کوئی ملے گا۔ اے غافل تجھے افسوس ہے کہ مولیٰ نے تجھ کو اپنا بنایا مگر تو نے کس کو اپنایا؟ اصل نماز دل و دماغ کی ہے باقی بدن ان کے آلات ہیں۔ انسان کی اشرفیت، افضلیت، عقلیت، علمیت، حُسنیت عبادت سے ہی ہے، عبادت کے بغیر ارذلیت احمقیت ہے، بشر عبادت سے مَلَک ہے بے عبادت حیوان ہے

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيۡرِ خَلۡقِهٖ وَ نُوۡرِ عَرۡشِهٖ وَ زِيۡنَةِ فَرۡشِهٖ وَ قَاسِمِ رِزۡقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوۡلَانَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰى آلِهٖ وَ اَصۡحَابِهٖ وَ بَارِكۡ وَسَلِّمۡ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ بِفَضۡلِ رَحۡمَةٍ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ۔

آج بروز ہفتہ سنیچر بعد نماز مغرب بیس۲۰ ستمبر ۱۹۹۷ء مطابق اُنیس ۱۹ جمادی الاولیٰ ۱۴۱۸ھ کو سُورۃِ انبیاء کی تفسیر مکمل ہوئی۔

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفسیر نعیمی

اَشْرَفُ التَّفَاسِیْرُ

۶۳ ـــــ ھ ـــــ ۱۳

سُوْرَۃ حَج

ترتیبِ تلاوت ۲۲ ترتیبِ نزول ۱۰۳

سیپارہ ۱۷ (نصف پارہ)

از آیت ۱ تا آیت ۷۸ آخری

از صفہ ۵۵۵

تا صفہ

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورۂ حج کی مختصر تفسیر اور اس سورت کے دس ۱۰ رکوعات کا خلاصۂ مضمون

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْکَرِیْمِ وَّرَءُوْفِ الرَّحِیْمِ ؛
اَمَّا بَعْدُ۔ تعارف اور پہلا رکوع۔ اس سورت میں ذرا تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حج اور ارکانِ حج کا ذکر ہے اسی بنا پر اس کا نام سورۃ حج ہے اس کے زمانے میں تین قول ہیں ۱ یہ کہ یہ سورت کُل کا مدنی ہے اور ۲ یہ کہ تمام آیت سے مکی ہے ۳ یہ کہ اس کی اکثر آیات مدنی ہیں اور چند آیت مکی ہیں۔ اکثر محققین ومفسرین نے اسی قول کو ترجیح دی ہے۔ اسی وجہ سے اس کو مدنی صورتوں میں شمار کیا گیا ہے پہلے رکوع میں مندرجہ ذیل چار ۴ چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے ۱ کافروں۔ غافلوں مغروروں کو سمجھانے بتانے عبرت دلانے بندہ بننے یقین دلانے کے لیے قیامت کے زلزلے اور ہیبت ناکی کا ذکر فرمایا گیا کہ مائیں اس دن دہشت سے شیر خوار بچوں کو چھوڑ بھاگیں گی اور حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے اور لوگ زلزلے سے نشے والوں کی طرح گرتے پڑتے ہوں گے ۲ جو لوگ رب تعالیٰ کے بارے انکاری جھگڑے کرتے ہیں وہ شیطان کے مُرید ہیں ۳ منکرین قیامت کو ایک عظیم اور حقیقی دلیل سے قیامت کا ثبوت سمجھایا جا رہا ہے کہ انسان کی پیدائش کس طرح ہوئی ہے اور زمین سے کھیتی اُگتی ہے پھر کٹتی پھر اُگتی ہے۔ ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے مارتا ہے پھر زندہ کرتا ہے۔ اور یہی قیامت کی حقیقت ہے لہٰذا قیامت بھی یقیناً آئے گی لَارَیْبَ فِیْھَا اور اللہ تعالیٰ سب مُردوں کو قبروں سے اٹھائے گا ۴ جو لوگ گمراہ کرتے ہیں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ اَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہیں فرماتا۔ دوسرا رکوع پہلے رکوع میں قیامت میں شک کرنے والوں کا ذکر ہوا۔ اب دوسرے رکوع میں بعض نومسلموں کا دین اسلام کے بارے شک کرتے کا ذکر ہے۔ اس دوسرے رکوع میں چھ باتوں کا ذکر ہے ۱ بعض کم عقل

marfat.com

مسلمان راحتوں نعمتوں پر تو خوش رہتے اور اسلام کو اچھا کہتے ہیں لیکن ذرا سی مصیبت پڑنے پر دین اسلام کے خلاف باتیں کرنے لگتے ہیں یہ لوگ دنیا و آخرت کے گھاٹے والے ہیں۔ اور جب تک انعامات اور دولتیں سہولتیں پاتے رہتے ہیں اسلام کے شیدائی بنے رہتے ہیں جب تکلیف یا بیماری غریبی آتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی عبادت چھوڑ کر بتوں وغیرہم کو پوجنے لگتے ہیں۔ جن کا نقصان زیادہ ہے فائدہ کم ہے اور فائدہ مشکوک ہے کہ شاید کافر لوگ ان مرتدوں کا کچھ وقتی عارضی خیال کر کے ان کی آؤ بھگت کریں اور انہیں دولت دیں یہ سب ساتھ اور حمایتیں جھوٹی اور بُری ہیں ۲۔ اہل ایمان اور ثابت قدم رہنے والوں کی تعریف اور ان کے انعامِ اُخروی دخولِ جنت کا ذکر ہے۔ ۳۔ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے گستاخوں اور حاسدوں کا ذکر ہے کہ اگر حسد کرتے کرتے مرمٹیں تب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہیں بگڑتا۔ بلکہ گستاخوں کی ہی ذلت آمیز فنا ہے نبی کریم کو تو جو روشن قرآنی آیت و معجزات ملتے ہیں وہ ہی کافی ہیں اور ان کی طرف سے ہدایت بھی فقط اس کو ملتی ہے جس کو رب تعالیٰ چاہے اور بارگاہِ رسالت کے لائق بنانے کا ارادہ فرمائے ۴۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ چھانٹ فرما کر اہلِ ایمان کو علیحدہ کر دے گا اور یہودیوں ستارہ پرستوں (صابیوں) اور عیسائیوں مجوسیوں (آتش پرستوں) اور بت پرستوں مشرکوں۔ کو علیحدہ کر دے گا کہ نہ دوستی قائم رہے گی نہ رشتے داری نہ ہمسائیگی۔ آج بھی سب کا حق و باطل اللہ کے سامنے ہے ۵۔ اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے والوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اگرچہ دنیا کے چند کافر بدبخت رب تعالیٰ کو سجدہ نہیں کرتے اس سے کیا فرق پڑتا ہے اور کسی کا کیا بگڑتا ہے میرے اللہ تعالیٰ خالقِ کائنات کو تو وہ سب مخلوق سجدہ کرتی ہے جو آسمانوں میں ہے یا جو زمین میں ہے یہاں تک کہ اے سورج کے پجاریو تمہارا سورج اور چاند کے پوجنے والو تمہارا چاند اور ستارہ پرستو تمہارے ستارے اور پہاڑوں کی ہیبت ماننے والو تمہارے یہ بلند و بالا پہاڑ اور درختوں پیپل وغیرہ اور جانوروں گائے بچھڑوں کو معبود سمجھنے والو یہ سب تو اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے اور اس کو ہر وقت سجدہ کرتے ہیں اور انسانوں میں بھی بہت سے اس مولیٰ تعالیٰ کو سجدہ کر رہے ہیں ہاں بہت سے بدبخت ایسے ہیں جن پر عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ پس جس کو اللہ ذلیل کرے اس کو تو کوئی بھی عزت

marfat.com

نہیں دے سکتا۔ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ۔ بے شک اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ دو گروہ کا ذکر ہے ایک کفار کا گروہ دوسرا اہلِ ایمان کا۔ کفار کو جہنم میں جو سزا ہوگی اس کا مختصر ذکر ہے ان کا لباس آگ ان کا غسل کھولتا پانی ہے جس سے جسم گل سڑ جائے۔ لوہے کے گرزوں سے پٹائی۔ نکل بھاگنے کی کوشش کریں گے مگر بھاگ نہ سکیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ ہمیشہ ہمیشہ جلنے مرنے کا عذاب چکھتے رہو۔ تیسرا رکوع۔ اس رکوع میں دو باتیں ذکر فرمائی گئیں ہیں ۱ دوسرا گروہ اہل ایمان کا ہے۔ ان کے ایمان اور اعمال کا بدلہ وجزا جنت اور جنت کی چیزیں ان کے جنتی لباس کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے اور جنتی زیورات کا بھی۔ اور یہ بھی فرمایا گیا کہ ان کے ایمان واعمالِ صالحہ کی وجہ یہ ہے کہ ان کو نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت ہدایت دی گئی ہے ۲ مسجد حرام یعنی خانۂ کعبہ شریف کا ذکر ہے۔ جو کفار یا جو حکومت کسی بھی بہانے مسلمانوں کو اللہ رسول کے ذکر سے روکے اور جو بھی کوئی ان مقامات مقدسہ میں گستاخی بے ادبی یا کفر کا الحاد پھیلائے توان کو ہم دردناک عذاب چکھائیں گے۔ کیونکہ یہ مسجد حرم شریف یا مقاماتِ مقدسہ تمام مسلمانوں کے لیے تا قیامت مکمل طور پر کھلے ہیں۔ کسی شخص یا کسی حکومت کی اجارہ داری یا کسی قسم کی پابندی جائز نہیں ہے۔ نہ پاسپورٹ اور ویزے کا بہانہ بنا کر نہ کسی بیماری کا بہانہ بنا کر کسی مسلمان کو حج یا عمرے اور دخولِ مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ سے روکنا حرام ہے۔ چوتھا رکوع اس رکوع میں ۹ نو باتیں مذکور ہوئیں ۱ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی قدرت سے سمجھایا کہ وہاں جا کر خانۂ کعبہ تعمیر کرو مین نصف النہار کے وقت بادل کا ٹکڑا سورج کے سامنے آیا جس کا سایہ اتنی جگہ پر پڑا اور ہوا نے اتنی زمین کوڑے سے صاف کر دی جتنی جگہ میں مع حطیم خانہ کعبہ بنایا گیا ۲ حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو تین حکم دئے گئے۔ پہلا یہ کہ یہاں اس سرزمینِ حرم شریف میں شرک نہ ہونے دو۔ دوم یہ کہ حرمِ پاک کو ہر قسم کی ظاہری باطنی گندگی وغلاظت سے پاک رکھو۔ تاکہ حاجیوں نمازیوں اور اعتکاف والوں کو سہولت سے ہر قسم کی عبادت کا موقعہ فراہم ہوتا رہے۔ سوم یہ کہ اے ابراہیم حج کے لیے چاروں سمتوں آوازیں دے کر تا قیامت مسلمانوں کو حرم پاک کی طرف بلاؤ۔ اے خلیل بلانا پکارنا اذن دینا تمہارا کام ہے اور لانا لوگوں کو ہر طرف سے ہمارا کام ہے تمہاری آواز پر لبیک کہتے ہوئے قیامت تک

marfat.com

یا ٹوٹ پھوٹ جائے۔ لوگ آتے رہیں گے ہر تنگی ترشی سہولت سے امیری غریبی میں ہرا دپنچے
نیچے میدانی پہاڑی علاقے سے۔ یہاں آکر لوگ دینی دنیوی فائدے پاتے رہیں گے۔ یہاں
آکر ذکرِ الٰہی کریں اور مخصوص دنوں میں حج کریں۔ اور جو ان کو حلال جانور چار پایوں کا رزق
ملا اس کا شکر کرتے ہوئے خود بھی کھائیں اور دیگر غربا و مساکین و فقرا مسافرین کو بھی
کھلائیں پھر حج و عمرے کے بعد خوب نہائیں غسل کریں اپنا میل کچیل اتاریں۔ واجبی منتیں پوری
کریں اور آخری زیارت کریں اور بیتِ عتیق (کعبہ معظمہ) کا طواف زیارت کریں۔ جو دسویں
ذی الحج سے بارھویں ذی الحج کی شام تک ہے۔ فقط یہ ہے حج ۳ اور جو شخص اللہ کی
عزت والی چیزوں کی تعظیم کرتا ہے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں خیر ہے۔ ۴ فرمایا
گیا کہ مسلمانوں کے لیے بہت جانور حلال کئے گئے ہیں سوائے اُن حرام جانوروں کے جو
پہلے سورۂ مائدہ کی آیت کی تلاوت میں حرام کئے گئے ۵ پھر فرمایا گیا کہ بتوں کی باطنی گندگی
سے بھی دور ہو جاؤ۔ ۶ اور جھوٹ بولنے سے جھوٹ سننے اور جھوٹ پر عقیدہ بنانے
سے بھی ہمیشہ بچتے رہو باز رہو۔ ۷ بس ایک اللہ تعالیٰ کے بن کر زندگی گزارو۔ مشرکین
میں سے نہ تو نہ مشرکوں کے مشابہ اس لیے کہ جو شرک میں پڑے گا اس کا انجام ایسا ہی ہوگا
جیسا کہ بلند آسمانوں کی طرف سے کوئی پرندہ پر توڑ کر گرتا ہے تو شکاری پرندے اس کو
چیر پھاڑ کر اچک لیتے ہیں۔ اسی طرح بہ شرک کرنیوالا اپنے ایمانی پر توڑ کر آسمانِ معرفت
و بلندیٔ شریعت سے گہرے کفر کے غار میں گرتا ہے تو شیاطین شکاری اس کو اُچک
کر برباد کر دیتے ہیں ۸ لیکن جو اللہ تعالیٰ کے نشانات کی تعظیم کرتا ہے تو اس
کو دل کا تقویٰ ملتا ہے ۹ حج کے دنوں میں ھَدیٰ کا جانور لے جاتا ہو تو اس جانور
سے ضرورۃً مقامِ ذبح تک پہنچنے سے پہلے پہلے نفع لینا جائز ہے۔ مثلاً اونٹ پر
سواری اور دودھ والے جانور سے دودھ دوھنے کا فائدہ۔ غرضکہ اس رکوع
سے حج کے احکام شروع ہوئے۔ ان ہی احکام کی بنا پر اس سورت کا نام سورت حج
رکھا گیا۔ پانچواں رکوع۔ اس میں آٹھ باتیں ذکر فرمائی گئیں ۱ پچھلی تمام اہل ایمان
امتوں پر بھی حج اور قربانی ہم نے لازم کی تھی وہ بھی قربانیاں دیا کرتے تھے ان پر بھی
قربانی اس لیے مقرر ہوئی تھی کہ وہ اپنے چوپایوں پر اللہ کا نام ذکر کر کے ذبح کریں ۲ تم
سب اگلی پچھلی اُمتوں کا معبود تو ایک ہی ہے تو اسی کے حضور میں اپنی گردنیں

marfat.com

جھکا دو۔ اور سب مخلوق انسانی اسی کا قانون تسلیم کرے ۲ فرمایا گیا کہ اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ان عجز و نیاز کرنے والوں کو خوش خبری سنا دو کہ جن کے سامنے جب بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا گیا تو ان کے دل خوف الٰہی ہیبت قرب سے کانپنے لگتے ہیں اور مصیبتوں آزمائشوں پر صبر کرنے والوں کو بھی خوشخبری دیجئے اور پنجوقتہ پابندی اور آداب کے ساتھ نماز کرنیوالوں کو بھی اور ان کو بھی جو ہمارے دئے ہوئے رزق سے صدقہ و خیرات کے طریقے سے خرچ کرتے اور صرف ہمارے دئے رزق کو ہی اپنے اور اپنے بال بچوں پر خرچ کرتے ہیں حرام طریقے سے رزق حاصل نہیں کرتے ۳ فرمایا گیا کہ ہم نے قربانی کے جانور کو (اونٹ وغیرہ) کو اے ایمان والو مسلمانو تمہارے لیے اللہ کی نشانیاں بنا دیا ہے اِن قربانی کے جانوروں میں تمہارے لیے دنیا و آخرت میں بہت خیر ہے اس لیے ان کی خوب دیکھ بھال کرو خوب کھلاؤ پلاؤ سجاؤ عزت کرو۔ ان کی بے عزتی اور مار پیٹ نہ کرو۔ بلا ضرورت ان پر سواری نہ کرو۔ نہ بھوکا رکھو۔ جب اِس قربانی والے اونٹ کو ذبح کرنے لگو تو نحر کرو ایک پاؤں اٹھا کر ران سے باندھ کر تین پاؤں پر کھڑا رہنے دو۔ تاکہ بھاگ نہ سکے پھر جب یہ مذبوحہ اونٹ یا دیگر قربانی کے جانور ٹھنڈے ہو جائیں جان ختم ہو جائے تو خود بھی کھاؤ اور اُن غربا مساکین کو خود جا کر دو جو مانگتے نہیں اور مانگنے والوں کو بھی گوشت دو ۴ فرمایا گیا کہ ہم نے یہ بڑے بڑے قوی ہیکل جانور تم جیسے کمزور انسانوں کے لیے اس لیے عاجز اور مسخر کر دئے ہیں تاکہ تم شکر گزار بندے بنو۔ ۵ فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ان قربانیوں کے گوشت یا خون نہیں آتے بلکہ اس کی بارگاہ مقدس میں تو تمہاری طرف سے تمہارے تقوے تمہاری نیک نیتیں آتی ہیں جن کا ثواب تم کو اور تمہاری طرف سے تمہارے وفات شدگان کو پہنچایا جاتا ہے ۶ اللہ تعالیٰ نے اِن جانوروں کو تمہارے قبضے اور ملکیت میں اس لیے کر دیا تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا چرچہ کرو اور اس طریقے سے تکبیریں پڑھو جس طرح تم کو رب تعالیٰ نے اپنے نبی کے ذریعے ہدایت عطا فرمائی ۷ فرمایا گیا کہ بے شک اللہ تعالیٰ مصیبتیں دور فرماتا ہے مسلمانوں سے ۸ اللہ تعالیٰ کسی بھی دغا باز غدار ظالم اور ناشکرے کو پسند نہیں فرماتا۔ چھٹا رکوع۔ اس میں نو باتیں ذکر ہوئیں ۱ جہاد کرنے کا اِذن دیا جا رہا ہے اور مظلوم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی جہاد میں مدد فرمانے کا وعدہ فرمایا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ مجاہدین اسلام

marfat.com

کی مدد فرمانے پر قادر ہے ۲ جہادِ مومن کی اہمیت اور فوائد کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد باری تعالیٰ سنایا جا رہا ہے کہ اگر مولیٰ تعالیٰ شروع زمانوں سے ہی بعض انسانوں کو بعض سے دور نہ کرتا یعنی کفار کو اہل ایمان سے دور دفع نہ فرماتا اور ظالم کو مظلوم سے دور نہ کرتا جہاد و قتال کے ذریعے اور جہادوں میں مدد فرما کر تو پہلے زمانوں کی عبادت گاہیں گرجے کنیسے اور یہودیوں عیسائیوں کی اس وقت کی قابل احترام عبادت گاہوں کو اور اب موجودہ قابل تعظیم مسجدیں کفار کے ظلم و جہالت کی بنا پر ڈھا دی جاتیں جن میں کثرت سے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے ۳ فرمایا گیا کہ اے مجاہدین اور مظلوم صحابہ اپنی بے سروسامانی سے فکر نہ کرنا ہر جہاد میں رب تعالیٰ ضرور مدد فرمائے گا ہر اس شخص کی جو اس کے دین کی مدد کرتا رہے گا بے شک اللہ تعالیٰ غالب قوت والا ہے ۴ فرمایا گیا کہ حاکم اسلام اور مسلمان بادشاہوں کا اصل کردار اور نشانی یہ ہے کہ اگر ہم ان کو زمین کی سلطنت حکومت عطا فرمائیں تو وہ اپنی شاہی قوت و قانون کے ذریعے علاقۂ سلطنت میں اللہ تعالیٰ کے قانون ہی جاری و نافذ کریں نماز قائم کریں زکوٰۃ دلوائیں اور اچھائیوں کا عدل و انصاف کا حکم جاری کریں اور برائیوں ظلم و فساد سے لوگوں کو روکیں اور ہر کام کا نتیجہ اللہ کے پاس ہے ۵ فرمایا گیا کہ اے محبوب کریم ان کفارِ مکہ کی تکذیب اور بغض و حسد مخالفت مخاصمت سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں کیونکہ یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے پہلی قوموں نے بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام کو جھٹلایا تھا۔ قومِ نوح۔ قومِ عاد۔ قومِ ثمود اور قومِ ابراہیم اور قومِ لوط اور مدین والوں نے اپنے اپنے انبیاء کو جھٹلایا۔ اور موسیٰ علیہ السلام فرعونی قوم سے جھٹلائے گئے اگرچہ ان کی اپنی قوم بنی اسرائیل نے ان کو نہ جھٹلایا۔ تو پہلے رب کریم نے ان کو ڈھیل اور مہلت اور چھوٹ دی لیکن پھر ایسا پکڑا کہ سب نے دیکھ لیا کہ کیا ہوا عذاب ۶ سافروں اور تاریخ دانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ تم لوگ تاریخ سے اور راہِ سفر میں دیکھتے اور جانتے سنتے چلے آرہے ہو کہ کتنی ہی عظیم بستیاں تھیں جن کو ہم نے مکمل طور پر ہلاک و تباہ برباد کر دیا کیونکہ ظالم تھیں تو وہ ابھی تک اپنی چھتوں کے بل اوندھی گری پڑی ہیں اور کتنے ہی اپنے اپنے وقتوں کے ہمہ وقت آباد کنویں اور بارونق محل اور قلعے برباد ویران اور بے آباد پڑے ہوئے ہیں کیا وہ کفار زمین میں سیر و سفر نہیں کرتے اور ان ویرانیوں

marfat.com

سے عبرت نہیں پکڑتے کہ ان کے سینوں میں دل پیدا ہوں جن کے ذریعے وہ سمجھ حاصل کریں
یا عقل و ہوش کے کان ہوں جن سے حقیقی بات کو سنیں۔ پس بے شک اصلیت یہ ہے
کہ آنکھیں اور جسمانی ظاہری بصارتیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ کفار کے وہ دل اندھے ہوتے
ہیں جو سینوں میں ہیں ۷ فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ آپ سے عذاب میں جلدی مچا رہے ہیں
ان کو خبردار فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ کبھی اپنا وعدہ خلاف نہ فرمائے گا۔ لہٰذا عذاب ضرور دیا
جائے گا ۸ فرمایا گیا عذاب کی جلدی کرنے والے قیامت کو نہیں جانتے وہ دن تو اتنا
بڑا ہے جتنے تمہارے گنتی میں ہزار سال ۹ فرمایا گیا کہ اے عذاب کی جلدی مچانے
والوں اللہ نے تم سے پہلے بھی جلدی مچانیوالی ظالم و کافر اہل بستی کو پہلے ڈھیل دی پھر
ان کو تباہ و برباد کر کے پکڑ بھی لیا۔ اور سب کا پلٹنا تو آخرکار اللہ تعالیٰ کی طرف ہی ہے۔
ساتواں رکوع۔ اس میں پانچ باتیں ذکر ہوئیں ۱ اشارۃً فرمایا گیا کہ ہمارے
نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں کے لیے رسول بن کر تشریف لائے اس
لیے فرمایا کہ اے نبی کہہ دیجئے کہ تمام انسانوں کے لیے نذیر مبین ہوں ایمان والوں اور
نیک عمل والوں کے لیے مغفرت اور اچھا رزق ہے۔ ہماری آیتوں میں بحث مناظرے
حجت بازی کج بحثی نہ کرو اور فقط اپنی جیت کی خاطر آیت کے ماننے نہ ماننے میں
جھگڑا مت کرنا۔ جو لوگ ایسا کریں گے یا کرتے رہتے ہیں وہ سب جہنم والے
ہیں ۲ یہاں فرمایا گیا کہ پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کے وقتوں میں بھی ایسا ہوتا رہا
اور اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں بھی یہ ہو سکتا ہے کہ ابلیس دوران
تلاوت یا وعظ مبارک۔ اپنی آواز میں کچھ بڑھا دے اور لوگ آواز میں فرق نہ
کر سکنے کی وجہ سے دھوکہ کھا جائیں اور اس شیطانی بات کو نبی پاک کی بات سمجھ
جائیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ شیطان کی اس چال کو مٹا دیتا ہے اور اپنی آیتوں کو محکم
فرما دیتا ہے۔ یہ شیطان کا کچھ اپنی طرف سے تلاوت میں ملاوٹ کرنا۔ لوگوں کی آزمائش
کے لیے ہے اور تاکہ اچھے برے کھوٹے کھرے انسان کی پرکھ ہو جائے جن کے
دل میں کفر شرک کی بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں وہ گمراہ ہو تے پھریں
اور بے شک ظالم لوگ ہی دور کے جھگڑالو ہیں ۳ اور شیطان کی اس حرکت سے
اہل ایمان کی مضبوطی استقامت کا پتہ لگ جائے اور اہل علم حضرات جان لیں کہ حق

marfat.com

کیا ہے اور اس حق پر ایمان اس کے لیے ان کے دل جھک جائیں اللہ تعالیٰ فقط اہل ایمان کو ہی سیدھی راہ چلاتا ہے کہ نیکیوں کی توفیق ملتی ہے۔ اور سچی سمجھ ۵ فرمایا گیا کہ کفار قیامت تک شک میں ہی پھنسے پڑے رہیں گے۔ اگرچہ ان پر قیامت ٹوٹ پڑے یا آخری دن کا عذاب ۵ اُس قیامت کے دن ظاہری باطنی ہر طرح سے صرف اللہ تعالیٰ کی ہی بادشاہی ہوگی رب تعالیٰ ان کے درمیان خود ہی فیصلہ فرما دے گا۔ نیک مومن بندوں کے لیے نعمتوں کے باغ ہیں۔ کفار اور مکذبین کے لیے جہنم کے ذلت والے عذاب ہیں ہمیشہ ہمیشہ آٹھواں رکوع۔ اس میں تین باتیں ذکر فرمائی گئیں ۱ مہاجرین کے لیے ایک قانون بیان فرمایا گیا کہ جو لوگ مسلمان بن کر دارالکفر میں نہ رہ سکیں وہ ہجرت کر کے دارالاسلام یا کسی دارالسلام کی طرف آ رہے ہوں اور اللہ کی رضا کی راستے میں ہوں۔ یا مجاہدین بن کر جہاد میں مشغول ہوں وہ شہید ہو جائیں یا بعد میں اپنی فطری موت وفات پائیں ان کے اجر میں کمی نہیں ہے۔ شہید کے مقابل کمی نہ ہوگی۔ ان کے لیے بھی جنت اور جنت کا رزق حسن ہوگا جیسا کہ ان کے شہدا ساتھیوں کے لیے اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ بے شک اللہ علم والا ہے ہر ایک کی نیتوں کو جاننے والا ہے ثواب تو نیتوں پر ملتا ہے اور وہ حلم فرمانے والا ہے سب کے انجام (کہ کس نے شہید ہونا ہے کس نے گھروں میں فوت ہونا ہے) رب تعالیٰ کے قبضہ و قدرت میں ہیں ۲ جہاد کا ایک قانون بیان فرمایا گیا کہ اگر کفار حملہ کریں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ دفاع کرتے ہوئے کفر کا منہ توڑ جواب دیں اس دفاع میں نہ محترم مہینوں کا خیال کریں نہ محترم مقامات کا لحاظ رکھیں بلکہ جہادِ جوابی شروع کر دیں۔ اور ہر طرح سے کفار کو شکست دے کر ہلاک کریں اور بھگائیں یہ نہ خیال کریں کہ اِس حرمت والے مہینے میں یا اس حرم شریف میں قتال کرنے سے کہیں رب تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو جائے اور جوابی کاروائی چھوڑ کر شکست کھا جاؤ اور ملک چھنوا بیٹھو۔ تمہاری اس دفاعی اور جوابی جہاد سے اللہ تعالیٰ ناراض نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ بے شک معاف فرمانے والا بخشنے والا ہے۔ اور اس سے بھی غمگین نہ ہونا کہ کبھی کفار کو فتح مل جائے یا تھوڑا غلبہ حاصل ہو جائے رب علم اور حکمت والا ہے وہ کبھی رات کو دن پر اور کبھی دن کو رات پر ڈالتا ہے غلبہ دیتا ہے یہ تو دنیوی حکمت الٰہیہ ہے بے شک وہ اللہ سمیع و بصیر ہے۔ وہی اللہ حق ہے۔ کفار کے بناوٹی معبود باطل ہیں۔ اسی وجہ سے

marfat.com

غور کر لو اللہ تعالیٰ ہی ہر وقت علی و کبیر ہے ۳ قیامت کی ایک دلیل سمجھائی گئی ہے کہ جس طرح وہ اللہ تعالیٰ جس نے آسمان کی طرف سے بادل کا پانی برسایا اور اس سے خشک مردہ زمین کو ہرا بھرا زندہ کیا وہ اپنی قدرتِ کاملہ سے مردہ انسانوں کو بھی زندہ کر کے میدانِ قیامت میں کھڑا کر سکتا ہے۔ بے شک آسمانوں زمینوں میں سب کچھ اسی اللہ کا ہے۔ انسانات. جمادات حیوانات سب اُس کی ملکیت مخلوق ہیں۔ اللہ غنی ہے اور حمد کے لائق و مستحق ہے حمدوں کا بھی مالک ہے۔ نواں رکوع۔ اس میں آٹھ باتیں ذکر کی گئیں ۱ چند قدرتوں کا ذکر فرمایا گیا ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کی تمام چیزیں انسان کے قابو میں کر دیں دوم یہ کہ سمندروں طوفانوں اور بڑی بڑی لہروں میں بھی کشتیاں اسی کے حکم سے چلتی ہیں اگر اس کا حکم نہ ہوتا تو پانی کے تھپیڑے کشتیوں کو ایک دم ڈبو دیتے بلکہ لکڑی بھی پتھر کی طرح ڈوب جاتی سوم یہ کہ بغیر کسی ستون کے اور بغیر ٹنگے ہونے کے اتنا بڑا عظیم آسمان اس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے روکا ہوا ہے۔ زمین پر گر نہیں پڑتا۔ ابھی آسمان کو گرنے سے اسی کی قدرت نے تھاما ہوا ہے۔ ہاں قریب قیامت بعد از حساب و کتاب جنتی، دوزخی فیصلے کے بعد یہ آسمان اس کی اجازت سے زمین پر گر پڑے گا ابھی یہ سب قدرتیں اور تسخیرات زمین کے خزائن کشتیاں ہوائیں فضائیں انسان کے لیے ہی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ انسانوں پر بہت ہی رؤف و رحیم ہے ۲ اگلی آیت میں قیامت کا ذکر فرما کر بتایا جا رہا ہے کہ اے انسانوں تم بھی مکمل طور پر ہماری قدرت کے قبضے میں ہو یہ دنیوی نعمتیں آسائشیں اور تسخیریں صرف قیامت تک ہیں اللہ نے ہی تم کو پہلے زندہ فرمایا نیست سے ہست کیا پھر وہی تم کو مار کر فنا کر دے گا پھر دوبارہ وہ تم کو میدانِ محشر اور قیامت کے لیے زندہ کر دے گا۔ اتنی نعمتیں سہولتیں عیش و آرام پانے کے باوجود پھر بھی انسان ناشکرا ہے ۳ فرمایا گیا کہ پچھلی تمام اُمتوں پر بھی عبادت اور قربانی ذبیحے وغیرہ کا قانون ہم نے بنا دیا تھا کہ اس پر ہی چلیں اپنے عقلی اختراعی اور سیاسی قانون نہ بنانے پھریں تو یہ احمق لوگ ذبیحے وغیرہ اور حلال حرام گوشت کے بارے میں کیوں جھگڑا کر رہے ہیں اور کیوں کہتے ہیں کہ جس کو رب تعالیٰ مارے وہ تو حرام ہو جائے اور جس کو یہ مسلمان چھری سے ذبح کر کے مار ڈالیں وہ حلال ہی رہے۔ اے محبوبِ کریم تم بندوں کو رب تعالیٰ کے قریبِ ذات کی طرف بلاؤ۔ اور سمجھاؤ کہ قانونِ الٰہیہ اور موت و حیات تو سب کی رب تعالیٰ کی قدرت میں ہے سب کو اللہ تعالیٰ ہی موت

marfat.com

دیتا ہے مگر حلال جانور اور پاکیزہ طیب و طاہر گوشت اُس کا ہے جس کا خون اللہ کے نام پر بہایا جائے۔ فقط موت ہی حلت وحرمت کا سبب نہیں ہے۔ اے محبوب آپ کی ہر ادا صورت وسیرت اللہ کی سچی ہدایت اور ہمیشہ قائم رہنے والا راہِ مستقیم ہے۔ اس لیے کہ اے محبوب نبی آپ ہمیشہ سے سیدھے راہ پر ہیں اور سیدھی راہ پر ہی ملتے ہیں ۴۔ کفار کے جھگڑوں کی پرواہ نہ فرمایئے بلکہ ایسے کج بحثوں کو جواب دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کام دیکھ رہا ہے اور جانتا ہے تمہاری بداعمالیوں گمراہیوں ظلم وستم کو وہ قیامت کے دن سچا فیصلہ فرما دے گا جن چیزوں میں تم جھگڑا اور اختلاف کر رہے ہو ۵۔ فرمایا گیا کہ اے انسان کیا تو ابھی تک نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ کا علم تمام کائنات پر محیط ہے وہ آسمان وزمین کی ہر چیز کو جانتا ہے اور باری تعالیٰ نے اپنے بندوں کو بھی یہ سب کچھ بتانے کے لیے لوح محفوظ کی کتاب میں بھی لکھ دیئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پر یہ سب کچھ ذرا مشکل نہیں ہے ۶۔ کفار کے پاس اپنے دین اپنی عبادت اور پوجا پاٹ بت پرستی وغیرہ کی دلیل میں کوئی سند نہیں نہ کوئی توریت اور نہ علم ہے بلکہ اتنی جہالت ہے کہ حقیقت حال کو یہ کفار خود بھی نہیں جانتے بس سنے سنائے معبود گھڑتے چلے جا رہے ہیں۔ اور یہ ظالم یہ بھی نہیں سوچتے کہ ظالموں کا تو کبھی کوئی کہیں بھی مددگار نہیں ہوتا ۷۔ کفار کی مکروہ شکلوں کو دیکھئے کہ جب ان کے سامنے ہماری آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کے چہروں میں نفرت اور انکار کے آثار نمودار ہوتے ہیں جو تم صاف پہچان سکو۔ عنقریب آیت قرآنیہ میں بیان کردہ جہنمی آگ کے عذاب ان پر لپٹ پڑیں گے ۸۔ حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا جا رہا ہے کہ اے محبوب ان کفار کو فرما دیجئے کہ کیا میں تم کو تمہارا وہ حال نہ بتادوں جو اس موجودہ زندگی کے حالات سے ہزار ہا گنا بدتر ہے (تو سنو) وہ جہنم کی ابدی دائمی آگ ہے جس کا وعدہ رب تعالیٰ نے کفار سے کر دیا ہے وَ بِئْسَ الْمَصِیْرُ وہ بدترین پھرنے اور لوٹنے کی جگہ ہے۔ دسواں رکوع۔ اس میں پانچ باتوں کا ذکر فرمایا گیا ۱۔ ایک حقیقی مثال بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اے کافرو تم جن لکڑی لوہے پتھر کے بتوں کو اپنا معبود بنا کر پوجتے ہو اور ان کے سامنے چڑھاوے چڑھاتے اور ان کو دودھ روغن شہد مکھن کھلانے کے لیے ان کے منہ سے ملتے ہو پھر مکھیاں ان کے پاس بھنبھناتی اور ان کے منہ سے شہد مکھن چاٹتی رہتی ہیں اور یہ بت اتنی

marfat.com

ہمت و جرأت بھی نہیں رکھتے کہ اپنے منہوں سے مکھیاں ہی اڑا دیں یا جو مکھیاں ان کے نذرانے اِن کے منہوں سے چھین کر بھاگ رہی ہیں ان سے اپنے نذرانے چڑھاوے ہی بچا کر رکھ لیں اور چھین لیں حالانکہ یہ مکھی کتنی کمزور ہے اور شہد مکھن وغیرہ کتنی ہلکی چیزیں ہیں یہ طالب و مطلوب دونوں ہی کمزور و نازک ہیں مگر تمہارے بت اِن کے آگے بھی بے بس مجبور ہیں کیا یہ معبود ہو سکتے ہیں۔ معبودِ کائنات تو خالقِ کائنات ہے مگر تمہارے بت تو ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ سارے مل کر بیٹھ کر اپنی پوری اجتماعی قوت صرف کر دیں اے انسانو اس مثال کو نہایت غور سے سنو اور عقل سے سمجھنے کی کوشش کرو۔ ۲ ان کفار بدکردار نے اپنے عظیم محبت کرنیوالے پیار سے پالنے والے خالق مالک سچے معبود اللہ تعالیٰ کی قدر و شان نہ جانی اُس کی قدر جاننے ماننے کے حق کے مطابق۔ اس لیے کہ انہوں نے رب تعالیٰ کو کمزور سمجھا اور ایک خدا تعالیٰ کے لیے اس دنیا کو سنبھالنا مشکل خیال کیا۔ اسی وجہ سے بتوں کو شریکِ کار بنا بیٹھے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بے انتہا قوتوں والا اور ہر شے پر غالب ہے۔ ایک جہان دنیا کیا وہ تو کروڑوں جہانوں کو پیدا کر سکتا ہے اور سنبھال سکتا ہے ۳ فرمایا گیا کہ بتوں کی تو طاقت ہی کیا ہے جن کو ان بدبختوں نے رب تعالیٰ کا شریک سمجھ لیا اتنے اتنے بڑی قوتوں والے فرشتے اور انبیاءِ عظام علیہم السّلام تو اس کی بارگاہ کے چُنے ہوئے رسول ہیں۔ اور یہ چناؤ رب تعالیٰ کی مرضی پر منحصر ہے جسے چاہا چُن لیا۔ قوت بخشی اور کارِ رسالت پر فائض کر دیا۔ یہ سب قوتوں والے ہاتھ باندھے اس کے حضور حاضر ہیں۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۔ بے شک سب کی سننے والا سب کو ہر آن دیکھنے والا وہی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْك اللہ ہے وہ سامنے موجودہ کو بھی جانتا ہے اور پچھلوں کو بھی۔ سب چیزیں اسی کی طرف لوٹنے والی ہیں۔ اس سے کوئی بچکر بھاگ نہیں سکتا ۴ آگے ارشاد فرمایا گیا۔ اے ایمان والو اے تانیامت میرے محبوب کی اُمّت والو دیکھو ساری کائنات میں سے ہم نے تم کو ہی اپنی شریعت طریقت قرآن و حدیث قانون و تبلیغِ اسلام کے لیے پسند کر لیا چُن لیا اور کتنا آسان دین تم کو دیا کہ کوئی تنگی سختی تم پر نہ رکھی۔ ورنہ تم سے اچھے اچھے اور خوب صورت دنیا میں موجود ہیں اُن کو چھوڑ کر تم کو اپنے لیے پسند کیا لہٰذا اب تمہارا فرض ہے کہ حق کا جھنڈا ہمیشہ بلند ہی رکھنا اپنے سینے سے توحید کی شمعِ رسالت کا چراغ بجھنے نہ دینا

marfat.com

اسلام اور غلامیٔ مصطفیٰ کی جو عزت تم کو نصیب ہوئی ہے اس کو تا عمر بلکہ تا ابد باقی رکھنے کا طریقہ یہی ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں ہمیشہ نمازیں پڑھتے رکوع کرتے سجدہ ریز ہوتے رہو۔ اور اس اصل عبادت کے علاوہ ہر چیز میں اندرونی۔ بیرونی ملکی قانونی ہر مقام پر اللہ کی ہی بندگی کرتے رہو۔ کفار کی طرح کوئی قانون بھی قانونِ الٰہیہ سے علاوہ یا خلاف اختیار نہ کرنا اور ہر میدان میں ہر اپنے پرائے کے ساتھ بھلائی کے کام ہی کرنا تاکہ تم دین دنیا میں کامیاب ہو جاؤ اور تمہارے دشمن ناکام رہیں رسیرتِ مصطفیٰ کے سانچے میں خود کو ڈھال کر ظاہر و باطن میں ایسے پاکیزہ اور بے داغ ہو جاؤ کہ تم سراپا حسنِ کردار سے صداقتِ اسلامی کے سچے ستھرے گواہ نظر آؤ اور اس کردار و اخلاق قانون و عبادت کو بچانے کے لیے اگر تم کو کفار و شیاطین سے جہاد بھی کرنا پڑے۔ تو جہاد کرنے کا حق ادا کر دو ۵ آگے ارشاد ہے کہ تم پر مزید یہ کتنا بڑا بے انتہا احسان ہے کہ تمہارے جدِّ اعلیٰ ابراہیم کا دین و ملت منسوخ نہ فرمایا ابھی تک قائم و نافذ ہے اور تا قیامت مسلمانوں کے لیے قابلِ عمل اور ضروری۔ یہ احسان بھی کم نہیں کہ صرف تم کو ہی دینِ اسلام عطا فرمایا گیا اور اللہ تعالیٰ رحیم و کریم مولیٰ پاک نے صرف تمہارا دینی نام پہلی کتابوں اور قرآنِ مجید میں مسلمان رکھا یہ نام تم سے پہلے کسی امت کو نہ ملا یہ انعامات اور فضائل اس لیے ہیں یا یہ تمام عبادات رکوع سجود جہاد وغیرہ اس لیے ہیں تاکہ ہمارا محبوب نبی اور تمہارا پیارا آقا رسول تمہاری حمایت اور مضبوطی و نجاتِ اُخروی کے لیے تمہارا گواہ ہو اور تم سب اس طرح عادل و زاہد صادق و شاہد بن جاؤ کہ کل بروزِ قیامت سب کے گواہ بن سکو پس فوراً خوب اچھی طرح نمازیں قائم کر لو خوب زکوٰۃ و خیرات ادا کرو اور اللہ کی رسی کو اتحاد و اتفاق سے سب اُمتی بیکدم مل کر پکڑ لو انتہائی مضبوطی سے۔ اور کسی بھی موقعہ پر کسی باطل کے مقابل نہ گھبرانا کیونکہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ تمہارا مولیٰ ہے۔ اے خوش بختو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیسی اچھی طاقت قوت والا مددگار ہے۔

سورۃ حج کے فضائل فوائد اور وظائف۔ عملیات اور تعویذات

علماءِ محققین نے اس سورت کے تین فضائل بیان فرمائے اوّلاً یہ کہ اس سورت کی تمام الحشر

آیتیں ہر قسم کے موقعے پر نازل ہوئیں یعنی کچھ آیت مکے میں کچھ مدینے میں کچھ حضر میں سفر میں گھر میں مسجد میں جہاد میں یہ خصوصیت و فضیلت صرف اسی سورۃ کو ملی دوم یہ کہ اس سورت پاک میں شریعت طریقت اور قانونِ الٰہیہ کے تمام مضامین موجود ہیں۔ مکی سورتوں کے خصوصی مضامین بھی اس میں موجود ہیں اور مدنی سورتوں کے مضامین بھی۔ مثلاً۔ ایمان، توحید انداز تخویف بعث حشر نشر جزا۔ قیامت کی ہولناکی۔ شرک بت پرستی کا ذکر یہ مکی مضامین ہیں اسی بنا پر بعض مفسرین نے اس کو مکی سورۃ کہا ہے۔ اور اذنِ جہاد۔ قوانین حج تذکرہ ھدیٰ قربانی تقویٰ۔ اور معاملات، بحث و میا حثہ سے بچنا یہ سب مدنی سورتوں کے مضامین ہیں اسی بنا پر اس کو مدنی سورت کہا گیا ہے غرضکہ یہ سورۃ علم و حکمت کی جامع ہے سوم یہ کہ امام شافعیؒ کے نزدیک اس کی فضیلت یہ بھی ہے کہ اس میں دو۲ سجدے ہیں مگر دیگر ائمہ دوسرے سجدے کو تسلیم نہیں کرتے اس کی وجہ اس آیت کی تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اس سورت کے نزول پر صحابہ کرام نے خوشی منائی۔

عملیات۔ عاملین صوفیا فرماتے ہیں کہ روزانہ اس کا وظیفہ ایک دفعہ صبح قبل فرائض فجر اور ایک دفعہ بعد نوافلِ مغرب تلاوت تو جس مقصد کیلئے کرے وہ گیارہ دن کے اندر اندر پورا ہو۔ مگر چلہ اکیس دن کا پورا کرے ۲۔ جو شخص غلافِ کعبہ کا ٹکڑا خواہ کتنا ہی بڑا ہو سامنے رکھ کر چالیس دن تین مرتبہ پڑھے اس کو حج مقبول و مبرور نصیب ہو ۳۔ جب کشتی پر سوار یا بحری جہاز پر۔ تو تین دفعہ سورۃ حج کی تلاوت کرے انشاء اللہ تعالیٰ کشتی سلامت رہے۔ اس سورۃ حروفِ ابجد واے کل اعداد یہ ہیں ۳۸۲۳۴۴۔ اس کا تعویذ کسی عامل اور متقی باعمل باشرع باجازت سے لکھوا کر اپنے پاس رکھے یا حفاظت تو تمام آفتوں سے بحمدہ تعالیٰ محفوظ رہے گا۔ واللہ تعالیٰ ورسولہٗ اعلم تعویذ کا نقشہ یہ ہے۔

۷۸۶

۱۲۷۴۴۹	۱۲۷۴۴۴	۱۲۷۴۵۱
۱۲۷۴۵۰	۱۲۷۴۴۸	۱۲۷۴۴۶
۱۲۷۴۴۵	۱۲۷۴۵۲	۱۲۷۴۴۷

marfat.com

سُوْرَةُ الْحَجِّ مَدَنِيَّةٌ وَّهِيَ ثَمَانٌ وَّسَبْعُوْنَ اٰيَةً وَّعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سورۃ حج مدنی ہے اور اس میں ۷۸ آیتیں اور ۱۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

ساتھ نام اللہ کے جو بخشنے والا ہے رحم کرنیوالا ہے

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ

اے انسانو خوف رکھو تم اپنے پروردگار کا، بے شک آخرت کا بھونچال

اے لوگو اپنے رب سے ڈرو۔ بے شک قیامت کا زلزلہ

السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ① يَوْمَ تَرَوْنَهَا

بہت بڑا حادثہ ہے۔ اُس دن میں دیکھو گے تم اس سب ساعت کو

بڑی سخت چیز ہے۔ جس دن تم اُسے دیکھو گے

تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ

کہ مارے دہشت کے بھول جائیگی ہر دودھ پلانے والی اُس کو جسے دودھ پلاتی ہو

ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی

وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى

اور پھینک دے گی ہر حمل والی اپنے حمل کو اور آپ دیکھو گے

اور ہر گابھنی اپنا گابھ ڈال دے گی اور تو

marfat.com

النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ

لوگوں کو نشہ چڑھا ہوا حالانکہ وہ نشہ چڑھے نہ ہوں گے اور لیکن

لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشے میں ہیں اور نشے میں نہ ہوں گے مگر ہے

عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝۲ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ

اللہ کا عذاب ہی سخت ہو گا۔ اور لوگوں میں سے ایک شخص ہے جو بحث کرتا پڑتا ہے

یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے۔ اور کچھ لوگ وہ ہیں

فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ۝۳

اللہ کے بارے میں جہالت سے اور اتباع کرتا ہے ہر شیطان ننگے بے غیرت کی

اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہیں بے جانے بوجھے اور ہر سرکش شیطان کے پیچھے ہو لیتے ہیں

تعلقات اس سورۃ حج کا پچھلی سورۃ الانبیاء سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی سورۃ میں تقریباً اُن تمام انبیاء کرام کا ذکر خیر فرمایا گیا جو آج دنیاءِ علم و معرفت میں پہچانے جاتے ہیں اسی مناسبت سے سورۃ حج میں ایک ایسے عمل کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر آقاءِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک سب انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عبادت میں ایک ہی طریقے پر شامل رہا۔ وہ عبادتِ حج ہے اسی مناسبت سے سورۃ انبیاء کے بعد سورۃ حج کی ترتیب بہت موزوں و درست ہے دوسرا تعلق۔ اس سورۃ حج میں سات چیزیں ذرا تفصیل سے بیان فرمائی گئیں ۱ ایمان ۲ توحید ۳ انذار ۴ تخویف ۵ قیامت حشر نشر ۶ جزا سزا ۷ قیامت کے مشاہدات و حالات اور ہولناکی وغیرہ۔ تقریباً یہی سات چیزیں سورۃ انبیاء میں اختصار سے بیان فرمائی گئیں اسی لیے سورۃ انبیاء کے اختصاری مضامین کے بعد سورۃ حج کے تفصیلی مضامین کے لیے اسی سورۃ انبیاء کے بعد اس سورۃ حج کا ہونا نہایت مناسب

marfat.com

درست ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی سورۃ انبیاء میں انبیاء کرام کا طریقہ سلطنت اور حکومت و بادشاہت
نیز عدل و انصاف کے فیصلے کرنے کے اصول و ضوابط بیان فرمائے گئے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے
رسولانِ کرام نے دنیا جہان میں کس طرح نیکی اور عدل انصاف اور نمازیں عبادتیں قائم فرمائیں۔ اب
اس سورۃ حج میں انبیاء کرام علیہم السلام کے اُمتیوں غلاموں کا ذکر ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ان کو کسی
ملک کی بادشاہی عطا فرماتا ہے تو وہ بھی اپنی سلطنت میں نماز و عبادت الٰہیہ اور شریعت انبیاء علیہم السلام کو جاری کرتے ہیں اور یہی حقیقی عدل و انصاف
ہے انبیاء کرام کی سلطنت اور فیصلے کا ذکر بھی اُس سورۃ انبیاء کے چھٹے رکوع میں ہوا اور نیک لوگوں
کی بادشاہت و عدل و انصاف کا ذکر بھی سورۃ حج کے چھٹے رکوع میں ہوا۔ حُسن اتفاق آج
مورخہ ۹۰/۱۱/۷ بروز بدھ کو جب میں یہ الفاظ لکھ رہا ہوں تو جنگ اخبار لندن کی خبر ہے
کہ پاکستان میں اسلامی جمہوری اتحاد کے سربراہ نواز شریف کو پاکستان کا وزیر اعظم بنا دیا گیا ہے
خدا تعالیٰ یہ حکومت قرآن مجید کی اس آیت کے مطابق ہو اخبار میں یہ بھی لکھا ہے کہ قومی اسمبلی
کا پہلا اجلاس سورۃ حج کی انہی آیت کی تلاوت سے شروع ہوا سنا ہے کہ اسمبلی میں تلاوت کی
عادت صدر ضیاء الحق مرحوم نے ڈالی تھی اللہ و رسولہٗ اَعلم خدا تعالیٰ پاکستان کی اس حکومت
کو سچی ہدایت اور نیک راہوں سے نوازے۔

شانِ نزول سردارانِ مکہ میں سے ایک شخص نضر بن حارث بہت جھگڑالو کج بحثی کرنیوالا
منکرین قیامت میں سے تھا۔ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتا تھا اور
قرآنِ مجید کو پہلوں کے افسانوی قصے کہتا تھا۔ مغرور اور احمق جاہل تھا۔ اُس کے رد میں
یہ آیت نازل ہوئی۔ از آیت ۳ تا ۱۰ (از خزائن و امام سیوطی) **نزول**۔ سورۃ حج اپنے
نزول کے اعتبار سے بارہ حصوں میں ہے۔ یہ مکی بھی مدنی بھی سفری حضری بھی لیلی بھی نہاری
بھی اس کی آیتیں کچھ جنگ و جہاد میں بھی نازل ہوئیں کچھ زمانہ امن میں بھی۔ اس کی چند
آیات ناسخ بھی ہیں اور چند منسوخ بھی کچھ آیات محکم ہیں کچھ متشابہ۔ اس لحاظ
سے یہ سورۃ عجیب تر ہے (تفسیر صاوی) گویا حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات
جامعِ کمالات آپ کا قرآن جامعِ کلامات اور یہ سورت جامعِ نزولات ہے خیال رہے
کہ سورتوں آیتوں کے شانِ نزول اور نزول میں یہ فرق ہے کہ کیوں نازل ہوئی یہ شان
نزول اور کب اور کہاں نازل ہوئی یہ نزول ہے۔

تفسیر نحوی: یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ اِنَّ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ

marfat.com

شَیْءٌ عَظِیْمٌ۔ یَا حرفِ ندا۔ اَیُّ اسم موصول مذکر ہے اِس کا مؤنث ہے اَیَّۃُ نکرہ اعرابی ہے (یعنی ہر اعراب ظاہر ہے)، اگر منادٰی معرف باللام ہو تو ندٰی و منادٰی کے درمیان فاصلہ کرنے کے لیے آتا ہے تاکہ حرفِ ندا مکمل یا مَدُّ قائم رہے اِس کے ساتھ ھَا حرفِ تنبیہ ضرور ہوتا ہے اگر ندا شروع کلام میں ہو تو حرفِ ندا ظاہر ہوتا ہے جیسے یہاں اگر ندا اثنہ درمیان کلام ہو تو حرفِ ندا حذف کر دیا جاتا ہے جیسے اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّھَا النَّبِیُّ۔ اَیُّ کے ساتھ حرفِ ندا صرف یا ندائیہ ہوتا ہے۔ اَیَا ھَیَا اَیْ وَ ہمزہ مفتوحہ نہیں آسکتے منادٰی مؤنث کے لیے اَیَّتُھَا آتا ہے۔ اَلنَّاسُ اسم معرّف باللام جنسی واحد شروع کلام کے لیے ہے اِس کو اُنَاسٌ بھی کہا جاتا ہے نَوْسٌ سے بنا یا گیا بمعنٰی حرکت کرنا اچھل کود کرنا تمام مخلوق میں سب سے زیادہ اچھل کود انسان کرتا ہے اس لیے یہ نام دیا گیا ایک قول میں یہ اِنْسٌ یا انسان کی جمع ہے منادٰی معرّف باللام ہے اِتَّقُوْا بابِ افتعال امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر رَبَّکُمْ مرکب اضافی مفعول بہ اس کا فعل پوشیدہ فاعل اور مفعول سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جوابِ ندا سب مل کر جملہ ندائیہ ہوا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ زَلْزَلَۃَ اسم حاصل مصدر جامد مضاعف رباعی مادہ ہے بمعنٰی زمین کا ہلنا بھونچال آنا مضاف ہے الف لام عہد خارجی سَاعَۃِ اسم مفرد مؤنث بمعنٰی وقت مراد ہے قیامت مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی اسم ہے اِنَّ کا شَیْءٌ اسم مفرد نکرہ بمعنٰی چیز موصوف ہے عَظِیْمٌ اسم مبالغہ بابِ کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ اس کی جمع اشتقاقی عَظِیْمِیْنَ عَظِیْمُوْنَ ہے اور اس کی جمع علی وصفاتی عُظَمَاءُ ہے بمعنٰی بہت بڑا صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا یَوْمَ تَرَوْنَھَا تَذْھَلُ کُلُّ مُرْضِعَۃٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ کُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَھَا وَتَرَی النَّاسَ سُکٰرٰی وَمَا ھُمْ بِسُکٰرٰی وَلٰکِنَّ عَذَابَ اللّٰہِ شَدِیْدٌ۔ یَوْمَ اسم مفرد جامد بمعنٰی دن مراد ہے زلزلے کا وقت یہ ظرفِ زمانی مقدم ہے تَرَوْنَ بابِ ضَرَبَ مضارع مستقبل مثبت معروف جمع مذکر حاضر رَأٰی سے مشتق ہے بمعنٰی دیکھنا محسوس کرنا اِس کا فاعل ضمیر صیغہ مخاطب ہیں یعنی عام لوگ ھَا ضمیر منصوب متصل مفعول فیہ ہے مرجع ہے یَوْمَ تَذْھَلُ بابِ فَتَحَ کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب ذَھْلٌ سے بنا ہے بمعنٰی شدّۃِ وحشت کی بنا پر بھول جانا ہوش نہ رہنا۔ ذہن سے اتر جانا کُلٌّ اسم کُلّی تاکیدی مضاف ہے مُرْضِعَۃٍ باب

marfat.com

افعال کا اسم فاعل واحد مؤنث غائب رَضْعٌ سے مشتق ہے بمعنی اپنا دودھ پلانا اپنے پستان سے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے عَمَّا اصل میں عَنْ مَا ہے عَنْ حرف جر مَا اسم موصول اَرْضَعَتْ باب افعال کا ماضی مطلق بمعنی مستقبل یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور ہے عَنْ سے جار مجرور متعلق ہے تَذْهَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَضَعُ باب فتح کا مضارع مستقبل واحد مؤنث غائب وَضْعٌ سے بنا ہے بمعنی رکھنا ڈالنا جننا حمل پھینکنا یہاں اسی معنی میں ہے كُلُّ مضاف ذاتِ اسماء ستہ مکبرہ میں سے ذُوْ کا مؤنث واحد ہے اس کی جمع ہے ذوات واحد مذکر ذُوْ کی۔ جمع ہے ذَوُوْ اس کا اعراب ذُو مذکر سے مختلف ہوتا ہے۔ بمعنی والی مضاف ہے حَمْلٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی بوجھ مراد ہے پیٹ کا بچہ انسان یا حیوان۔ مضاف الیہ ہے یہ ڈبل مرکب اضافی فاعل ہے تَضَعُ کا حَمْلَهَا مرکب اضافی ترجمہ ہے اپنا حمل۔ مفعول بہ ہے تَضَعُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تَذْهَلُ کے جملے پر دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَرَوْنَ کا یہ فعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل ظرف مقدم مفعول فیہ اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سے جملہ تَرَى باب فتح کا فعل مضارع مستقبل واحد مذکر حاضر اس میں اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع ہر مخاطب انسان یا خود نبی کریم آقائے کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اَلنَّاسَ اسم جمع جنسی مفعول بہ ہے اس کی مزید دو ترکیبیں ہیں ۱۔ یَرَى النَّاسُ ترجمہ۔ دیکھے جائیں گے لوگ ۲۔ تُرِى النَّاسُ ترجمہ ہے دکھلائے جائیں گے لوگ اَلنَّاسَ مفعول بہ اول ہے سُكٰرٰى۔ اسم جمع مکسر ہے سَاكِرٌ یا سُكْرٌ اسم فاعل یا صفت مشبہ بروزن فُعْلٌ کی۔ ایک قرأت میں سَكْرٰى ہے یہ مؤنث جمع ہے اس کا جمع مذکر سُكَارٰى ہے سُكْرٌ سے مشتق ہے بمعنی نشہ میں۔ لازم ہے سُكَارٰى کا آخری الف علامت تانیث الف ممدودہ ہے بشکل مقصورہ ایک قول میں الف مقصورہ ہے بروزن عُجَالٰى حُبَارٰى کُبَارٰى کُسَالٰى۔ یہ مفعول بہ دوم تَرَى واؤ حالیہ مَا حرف نافیہ مشبہ بلیس هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع متصل اسم ہے مَا نافیہ کا اس کا مرجع اَلنَّاسَ ہے بِ جارہ زائدہ سُكٰرٰى مجرور متعلق ہے کائنا پوشیدہ اسم فاعل تامہ کا یہ اسم فاعل با فاعل اور اپنے اس متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ کی یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اَلنَّاسَ۔ واؤ عاطفہ ایک قول میں اگلی عبارت معطوف نہیں اور یہ واؤ زائدہ تاکید کے لیے ہے لٰكِنَّ حرف مشبہ بمعنی بلکہ عَذَابَ اللّٰهِ مرکب اضافی اس کا

marfat.com

اسم شَدِیْدٌ صفت مشبہ برائے مبالغہ بروزنِ فعیلٌ اس کی خبر ہے لیکن سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف استدراکی ہے مَا هُمْ بِسُكٰرٰى ہر دونوں عطف مل کر حال ہوا اَلنَّاسَ کا دونوں مل کر مفعول بہ تریٰ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۔ واؤ برجملہ مِنْ تبعیضیہ یعنی سب نہیں بلکہ کچھ مراد ہے (ایک آدمی) اَلنَّاسِ اسم جمع۔ لفظاً واحد معناً جمع یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر متبدا ہے مَنْ اسم موصول يُجَادِلُ باب مُفَاعَلَةٌ کا فعل مضارع حال واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُجَادَلَۃٌ بمعنیٰ بحث کرنا جھگڑا کرنا یہ مصدر اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی کسی سے بحث کرنا (دوطرفہ) جَدْلٌ سے بنا ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ہے اس کا مرجع مَنْ ہے فِي اللّٰهِ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے يُجَادِلُ کا یہ سب فعل فاعل اور دونوں متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ يَتَّبِعُ باب افتعال کا فعل مضارع حال مصدر ہے اِتِّبَاعٌ، بمعنیٰ اَلنَّقْشِ قدم پر چلنا (پیروی کرنا) تَبِعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فرماں برداری کرنا ہر حکم ماننا کسی کا ہو رہنا، یہاں یہی معنیٰ ہیں اس کا فاعل بھی ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے كُلَّ اسم تاکیدی كُلَّ مضاف ہے شَيْطٰنٍ اسم مفرد مذکر مراد ابلیس موصوف ہے مَّرِيْدٍ باب کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ بروزنِ فَعِيْلٌ مَرْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اپنے لباس سے خالی ہونا یعنی ننگا ہونا مراد ہے نیکی بھلائی تقویٰ طہارت سے خالی ہونا، تقویٰ ہی ایمانی روحانی لباس ہے۔ یہ صفت ہے شیطان کی دونوں مل کر مضاف الیہ كُلَّ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے يَتَّبِعُ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے يُجَادِلُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر خبر متبدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔ اے دنیا بھر کے تاقیامت انسانو تم سب ہر وقت زندگی کے ہر حال ہر زمانے میں اپنے آپ اپنے رب تعالیٰ کی ہیبت وخشیت قائم رکھو تاکہ تمہاری عقل روشن دماغ تازہ اور دل بیدار رہے اور عقل وقلب روشن وبیدار سے قیامت کا تصور کر سکو۔ اور ہر گندگی بری چیز سے پرہیزگار بن کر متقی پاکیزہ لائق بارگاہ قابلِ امن وعافیت بنے رہو اس لیے کہ اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ مَقَامٍ اَمِيْنٍ (سورۃ دخان آیت ۵۱) بے شک صرف متقی لوگ ہی عذاب وعتاب قہر جلال غضب وغصہ کی مصیبتوں اور قیامت کی بڑی چھوٹی گھبراہٹ سے امن کے مقام میں رہنے اور بچنے والے ہیں ورنہ یاد رکھو کہ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ بے شک قیامت میں ہونے والا زلزلہ تمہارے وہم وگمان تصور وتخیل سے بھی بہت بڑا دہشت ناک اور خطرناک ہے پوری زمین اور زمین کی تمام اشیا نباتاتی جماداتی حیواناتی کو بار بار ہلا کر رکھ دینے والا اس زلزلے سے کبھی تو زمین ہچکولے کھاتی کشتی کی طرح ڈگمگائے گی جیسے پانی کے تھپیڑے جھنجھوڑ کر

marfat.com

رکھدیں اور کبھی تنکی موتی اُس لالٹین کی طرح جھولے گی جسے طوفانی آندھی کی ہوائیں جُھلاتی ہیں اور اُس کی لَو کو بھڑ بھڑاتی ہیں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ حدیثِ پاک نے اس وقت زمین کی یہ ہی دو حالتیں بیان فرمائیں اس زلزلے کی دہشتناکی کا اندازہ اس بات سے لگاؤ کہ یَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ۔ اُس دہشتناک دن میں تم اپنی آنکھوں سے دیکھو گے جو اس وقت زندہ موجود ہو گے کہ وہ ماں کی مامتا اور شفقتِ والدہ جو اپنے شیر خوار بچّے کی خاطر بڑے سے بڑے دشمن ہلاک کرنے والے درندے کے سامنے سینہ سپر ہوتے سے نہیں گھبراتی بڑی بڑی طاقتوں سے ٹکرا جاتی ہے، مگر مرغی اپنے بچوں کو بچانے کے لیے چیل پر اور بلّی پر، بھینس شیر پر ہرنی چیتے پر بکری بھیڑیے پر حملہ آور ہو جاتی ہے، عورت اپنے بچے کو بچانے کے لیے جلتے گھر میں داخل ہو جاتی ہے۔ مگر اُس دنِ قیامت کے زلزلے میں تھرتھراہٹ کی مدہوشی کی ماری ہر والدہ اپنے دودھ پیتے ہوئے بچے کو دودھ پلانا بھول جائیگی اور چھوڑ بھاگے گی اور اُس سے بھی زیادہ ہولناکی کا مظاہرہ یہ ہو گا کہ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔ صرف ظاہری حالت اور قلبی کیفیت پر ہی اس زلزلے کی دہشت وہیبت نہ ہوگی بلکہ ہر ایک کا باطن بھی پھٹنے لگے گا دل گردے کٹتے پتے پگھلتے محسوس ہوں گے حواس وہوائیاں خوف سے اُڑنے لگیں گی کلیجے پھٹنے لگیں گے رحم گھبراہٹ سے ڈھیلے پڑ جائیں گے اور ہر حمل والی اپنے کچے حمل ہی پھینک دیگی یعنی زلزلے کا ظاہری اثر طفل بے فطام اور باطنی اثر حمل ناتمام ہوگا یہ تو عورتوں کا حال ہو گا جو اُس وقت کے موجود لوگو تم دیکھو گے۔ لیکن اُس وقت بہادر دلیر پہلوان تمار اکو جھگڑالو مرد بھی اِس زلزلے میں اپنے ہوش وحواس کھو بیٹھیں گے۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ اور اے محبوب تم خود اپنی نگاہوں سے اُس دن بڑے بڑے شہ زور مردوں کو دیکھو گے کہ گرتے پڑتے بھٹکتے بہکتے پھر رہے ہیں ان کے ظاہری پاگل پنے کی کیفیت نشے والی لگے گی، حالانکہ وہ نشے والے نہ ہوں گے۔ خیال رہے کہ شراب کے نشے سے دو کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ باطن میں سرور ۲۔ ظاہر میں فتور، مگر زلزلۂ قیامت کا سُکر اس قسم کا ہو گا کہ نہ باطن سرور میں نہ ظاہر غرور میں بلکہ باطن میں بھی اضطراب و فتور اور ہلاکت خیز ہلچل مچی ہو گی، مگر مشاہدہ ظاہر کا ہو گا اور اندازہ باطن کا لگ جائے گا۔ یہ اُن مردوں کا حال ہو گا جن کو اپنی جوانی دلیری جنگجوئی اور ہمتِ مردانگی حوصلہ مندی پر بڑا ناز ہوتا ہے۔ اور بڑی سے بڑی گھن گرج کڑک چیخ چنگھاڑ، دھماکوں، زمین کے عام زلزلوں، گولیوں کی بوچھاڑ سے خوف زدہ اور متاثر نہیں ہوتے۔ مگر قیامت کا زلزلہ اُن کی بھی سب مردانگی بھسم کر دے گا۔ اس کی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کا وہ عذاب ہی اتنا شدید ہو گا کہ کوئی بڑے سے بڑا دل گردے والا بھی اُس کو برداشت نہ کر سکے گا اگر اُس وقت موت آنی ہوتی تو سب جاندار مر جاتے مگر فیصلۂ قدرتِ الٰہیہ کی وجہ سے باوجود سخت اذیت اور توڑ پھوڑ کے کوئی بھی مرے گا نہیں

marfat.com

اس زلزلے کو دو وجہ سے عذاب فرمایا گیا، ایک یہ کہ وہ زلزلہ شدتِ اذیت میں مثل عذاب ہوگا، دوم یہ کہ اُس وقت دنیا میں کوئی مومن مسلمان نہ ہوگا، سب بدکار، شریر، سرکش کافر ہی ہوں گے ایسے لوگوں پر ہی قیامت قائم ہوگی چنانچہ حدیث مقدس کا ارشاد ہے۔ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ اِلَّا عَلٰى اَشْرَارِ الْخَلْقِ۔ اور کفار کی ہر سزا و اذیت غیبیہ کو عذاب ہی کہا جاتا ہے دنیوی ہو یا اُخروی خواہ اُس سے کوئی مرے یا نہ مرے صرف ذلیل ہو۔ نیز لغوی اعتبار سے ہر تکلیف کو عذاب کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ زلزلہ قیامت کی ابتدا کا پہلا عذاب ہے آگے تو اِس سے بھی بڑے بڑے عذاب ہیں، اے منکرینِ قیامت جب یہی تم سے برداشت نہ ہو سکے گا اور گرتے پھرو گے تو قبر و حشر جہنم و صراط کے عذابِ الیم کو کیسے جھیل سکو گے۔ آج تو یار بار سمجھانے کے بھی بڑی اکڑ و غرور سے انکار کرتے پھرتے ہو۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۔ اور لوگوں میں سے کچھ لوگ تو ایسے ضدی اور جاہل ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں اور اُس کی ہر قدرت کے انکار میں بغیر علم کے جھگڑے کئے ہی جاتے ہیں کبھی مر کر دوبارہ زندہ ہونے کا انکار، کبھی قیامت قائم ہونے حشر و نشر کا انکار۔ علاماتِ قیامت زلزلۂ ساعت محشر کے حساب و کتاب جنت و دوزخ ہر ایک کے وجود کے منکر ہر قدرت و حقیقت کے کافر، اِن جیسے ہی بیہودہ لوگوں نے بھی لغو عقیدے بنا لیے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یہ عقیدہ اس وجہ سے بنایا کہ فرشتے عام انسانوں کو نظر نہیں آتے تو گویا وہ پردہ نشین ہیں چھپی رہتی ہیں یہ عقیدہ انتہا کی حماقت ہے اور پھر ایمان۔ اَخلاق عادات اَعمال اَقوال، کردار خصلت کسی چیز میں بھی انبیاءِ کرام علیہم السلام کی اتباع نہیں کرتے لیکن اِتباع کرتے ہیں تو اُس شیطان کی جو ہر اچھائی سے عاری ہر برائی میں ننگا۔ اور ظاہر ظہور بے غیرت ہے خیال رہے کہ قیامت کی ابتد انفخۂ اوّل سے ہوگی اور انتہا پُلصراط پر پہنچنے سے چنانچہ سورۃ الحاقہ آیت ۱۳ تا ۱۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ نَفْخَةٌ وَّاحِدَةٌ وَّحُمِلَتِ الْاَرْضُ وَالْجِبَالُ فَدُكَّتَا دَكَّةً وَّاحِدَةً فَيَوْمَئِذٍ وَّقَعَتِ الْوَاقِعَةُ۔ ابتداءِ قیامت میں چھ کام ہوں گے پہلا کام نفخۂ فزع اکبر دوم دوسرا نفخۂ صعق یعنی تمام جاندار بیہوش یہاں تک کہ قبر والے بھی اور عذابِ قبر بند ہو جائے گا۔ سوم۔ تیسرا نفخۂ قیام یعنی تین بار صور پھونکا جائے گا۔ چہارم میدانِ محشر میں جمع ہونا۔ پنجم حساب و کتاب اور فیصلۂ الٰہیہ ششم شفاعت کبریٰ و صغریٰ اور پھر پُل صراط کی طرف سب کی روانگی اس کے بعد قیامت ختم پُل صراط پر گزرنا شروع پھر جنتی جنت میں۔ یا اللہ مجھ کو اور میری اولاد اور میرے تمام محبوبوں پیاروں کو اپنے کرم سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے صدقہ ان ہی میں شامل فرمانا۔ اور جہنمی جہنم میں، کچھ سزا کے لیے کچھ رہائشی عذاب کے لیے۔ اَللّٰهُمَّ وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔

marfat.com

روایات سے ثابت ہے کہ نفخۂ فزع کے بعد سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ نفخۂ فزع سے پہلے جو کچھ عجائبات سے ہوگا وہ قیامت نہیں بلکہ علاماتِ قیامت ہونگی جن میں دس علامات بڑی بڑی ہیں، جن کا ذکر گزر گیا۔ حدیثِ پاک کی عبارت اور آیتِ پاک کی اشارت میں اِن تین نفخوں کا ذکر ہی ملتا ہے، چنانچہ سورۃ نمل آیت ۸۷ میں ارشاد ہے۔ وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ یعنی جس دن پہلی بار صور میں پھونکا جائے گا تو گھبرا جائیں گے وہ سب جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں آسمانوں والے جلال الٰہی کی ہیبت سے اور زمین والے زلزلۂ ساعت کے خوف سے یہ پہلا نفخۂ فزعِ اکبر ہے دوسرے نفخۂ صَعَق کا ذکر سورۃِ زمر کی آیت ۶۸ میں اس طرح ہے۔ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَاءَ اللّٰهُ یعنی جب دوبارہ صور میں پھونکا جائیگا تو بیہوشی میں فنا ہوجائینگے وہ سب بندے جو آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو زمین میں ہیں سوائے اُن کے جن کو اللہ تعالیٰ نے چاہ لیا وہ بچے رہیں گے، تیسرے نفخے کا ذکر اسی سورۃ زمر کی اسی آیت میں آگے ارشاد ہے ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ یعنی پھر جب آخری بار اُس میں پھونکا جائے گا تو سب لوگ جن و ملک انسان دوبارہ پیدا ہوکر کھڑے ہوجائیں گے شدت کے انتظار میں ہر طرف دیکھیں گے اسی تیسرے اور آخری نفخۂ صور کا ذکر سورۃ یٰسٓ آیت ۵۱ میں اس طرح ہے وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَاِذَا هُمْ مِّنَ الْاَجْدَاثِ اِلٰى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ یعنی جب آخری بار صور میں پھونکا جائیگا تو ایک دم سب انسان اپنی اپنی قبروں سے پیدا ہوکر اپنے رب تعالیٰ کی طرف بھاگ پڑیں گے، اور اسی تیسری بار صور پھونکنے کا ذکر سورۃِ مومنوں کی آیت ۱۰۱ میں اس طرح ہے فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ۔ یعنی جس دن قیام قیامت کا صور پھونکا جائے گا اُس دن نہ کوئی رشتے داریاں ہوں گی اُن لوگوں کے درمیان اور نہ کوئی کسی کو پوچھے گا۔

(حکایت) سورۃِ حج کی پہلی یہ دو آیتیں غزوۂ بنی مصطلق میں دورانِ سفر نازل ہوئیں واپس آتے ہوئے پندرھویں روز پچھلے رات کے وقت۔ اور جب اُسی رات نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے صحابہ کرام کو سنائیں تو تمام صحابہ پر قیامت کا اتنا خوف طاری ہوا کہ ساری رات غمگین اور متفکر اور کچھ لوگ روتے رہے صبح کو اسی غم سے نڈھال نہ کسی نے کھانے کا انتظام کیا نہ چلنے کی تیاری نہ چولہا جلایا تب آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے تمام کو جمع فرمایا اور پوچھا کہ بتاؤ وہ دن کیسا ہوگا صحابہ نے عرض کیا اللہ رسول ہی بہتر جانتے ہیں آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اُس دن رب تعالیٰ آدم علیہ السّلام سے فرمائیگا اے آدم اپنی اولاد میں سے دوزخیوں کو علیحدہ کرو اور جنت کا حصہ علیحدہ کرو آدم علیہ السّلام عرض کریں گے مولیٰ جہنم کا حصہ کتنا ہے۔ جواب آئے گا کہ ہزار میں نو سو ننانوے ۹۹۹ جہنمی ہیں ایک جنتی، یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

marfat.com

نے عرض کیا پھر نجات تو بہت مشکل ہے اس پر آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمام کفار اور یاجوج وماجوج ملا کر اہل ایمان کے مقابل وہ نو سو ننانوے ۹۹۹ ہی بنتے ہیں اور مومن ہزاروں حصہ بنتے ہیں، پھر ارشادِ مقدس و معطر فرمایا کہ قیامت میں جنتی لوگوں کی ایک سو بیس ۱۲۰ صفیں ہونگی جن میں میری امت کی اسی صفیں ہوں گی اس طرح اہل جنت میں دو تہائی میری امت اور ایک تہائی باقی امتیں، اس پر صحابہ کرام نے خوش ہو کر شکرِ الٰہی میں نعرۂ تکبیر بلند فرمایا (از مشکوٰۃ شریف ص ۴۸۱ تفسیر صاوی، خازن، معانی) سورۂ حج کی ابتدا قیامت کے ذکر سے دو وجہ سے ہوئی ایک یہ کہ اس سے پہلے سورۂ انبیا کی آخری آیت میں قیامت ہی کا ذکر ہوا مگر اجمالی مثلاً مَا تُوْعَدُوْنَ اور مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ اور رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ اب یہاں ذرا تفصیل سے ذکرِ قیامت ہے دوسری وجہ سورۂ حج کی آیت ۲۷ میں حج کا ذکر ہے اور حج کا نقشہ بھی نقشۂ قیامت کا مختصر نمونہ پیش کرتا ہے، خیال رہے کہ وہ کیفیتی صفات جو صرف عورت کو لاحق ہوتی ہیں اس میں عورت کے لیے مذکر لفظ بھی استعمال ہو سکتے ہیں اور مؤنث بھی جیسے، حیض، نفاس، حمل، طلاق، رضاعت وغیرہ مگر فرق یہ ہوگا کہ اگر مؤنث لفظ استعمال کیا گیا تو مراد ہوتا ہے بالفعل وہ حالت ہے اور اگر مذکر لفظ استعمال کیا گیا تو مراد ہوتا ہے بالقوۃ وہ اس کیفیت کے قابل ہے، مثلاً حائضہ اُس وقت کہا جائے گا جب حیض آ رہا ہو اور حائض اس عورت کو کہا جائے گا جس میں حیض آنے کی طاقت اور صحت ہو، بچپنے یا بڑھاپے یا بیماری کی وجہ سے حیض بند اور ختم نہ ہو گئے ہوں، اسی طرح حاملہ حمل والی اور حامل قابلِ حمل، نافسہ نفاس والی اور نافس قابلِ نفاس۔ مطلقہ جس کو طلاق ہو چکی ہو اور مطلق قابلِ طلاق یعنی خاوند والی، اسی طرح مرضعہ وہ عورت جو شیر خوار بچہ کو دودھ پلا رہی ہو، اور مرضع دودھ والی عورت یہاں مُرْضِعَةٍ اسی بتانے کے لیے ارشاد ہوا کہ مائیں زلزلہ قیامت کی ہیبت اس شدت کی محسوس کرینگی کہ دودھ پیتے ہوئے بچوں سے دودھ چھڑا کر بھاگ جائیں گی ایسی دودھ پیتی حالت میں بچوں کو چھوڑ بھاگنا ماؤں کی شفقتِ مامتا کے لیے بہت مشکل ہے یہ بھاگنا اپنی جان بچانے کے لیے نہ ہو گا بلکہ دہشت سے دماغ چل جائیں گے، ذَاتِ حَمْلٍ کا معنیٰ حمل کچا نہ ہو گا بلکہ مکمل بن جانیوالا بے جان حمل پختہ ہونے کے باوجود نکل پڑے گا یہ بھی اُس وقت کی سخت دہشت کے اُس اثر کی طرف اشارہ ہے جو ہر انسان کے باطنی جسم پر پڑیگا اس لیے کہ اس پختگی میں حمل نہیں گرتا حمل کی چھ حالتیں ہوتی ہیں۔ پہلی نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ پھر عظاماً پھر لحماً پھر مکمل جسم و اعضا اس کے بعد جان پڑتی ہے چار یا چھ ماہ بعد۔ پہلی حالت کا حمل معمولی اچھل کود سے گر جاتا ہے، دوسری حالت کا حمل اچھل کود سے نہیں گرتا ہاں گرم تاثیر کی دوائیاں کھانے سے گر جاتا ہے، تیسری حالت کا حمل دوائیوں گولیوں گرم خوراکوں سے بھی نہیں گرتا ہاں اٹھرا کی بیماری یا پرچھاویں اور جادو وغیرہ کے عملیات و تعویذات سے گر جاتا ہے یہ جنات کی شرارت ہوتی ہے، چوتھی حالت کا حمل بیماری اور جادو سے

marfat.com

بھی نہیں گرتا ہاں البتہ کسی دہشتناک خبر یا انتہائی غم پڑنے سے گر جاتا ہے مگر پانچویں اور چھٹی حالت کا حمل اس کیفیت سے بھی نہیں گرتا، اگر نکالنا پڑے بھی تو بہت دشواری یا چھوٹے بڑے آپریشن سے ہی نکالا جاسکتا ہے، اِن چھ حالتوں میں سے کسی بھی حالت کا حمل ہو تو والدہ کو حاملہ کہا جاتا ہے مگر جب پانچویں یا چھٹی حالت کا حمل ہو جائے تو والدہ کو ذاتِ حَمْل بھی کہا جاتا ہے اُس وقت بچہ سخت اور بچہ دانی بھر کر رحم مضبوط ہو جاتا ہے رحم کا منہ چھوٹا ہونے کی وجہ سے حمل گرنے کا کوئی اندیشہ نہیں رہتا لیکن قیامت کے اُس زلزلے کی شدت اتنی کرخت ہوگی کہ حمل والیاں اپنے اُس مضبوط حالت پر پہنچے ہوئے حمل کو بھی نہ روک سکیں گی اور سخت شدہ رحم بھی لرزہ براندامی جاں گدازی کی وجہ سے ڈھیلے پڑ جائیں گے اور منہ کھل جائیں گے حمل گر جائیں گے ذاتِ حَمْل فرما کر شدتِ زلزلہ کی کرختگی بتائی گئی، علماء کے نزدیک رحم کے بوجھ کو حَمَل فتحہ اور زبر سے، پیٹھ کے بوجھ کو حِمل کسرہ اور زیر سے کہا جاتا ہے۔ زلزلۂ ارض کے اسباب۔ زمین کے عام زلزلوں کے متعلق سائنسدانوں کے نو قول ہیں ایک یہ کہ زمین کے اندر جس جگہ آتشی گیس زیادہ مقدار میں جمع ہو جاتی ہے وہ جگہ گیس کی شدت کی وجہ سے پھڑپھڑاتی ہے اور اُس وقت تک پھڑپھڑاتی رہتی ہے جب تک گیس زمین کے دوسرے حصوں میں اِدھر اُدھر بکھر کر حسبِ ضرورت نہ رہ جائے اس پھڑپھڑاہٹ کی وجہ سے اتنے حصے میں زلزلہ محسوس ہوتا ہے یہ ایسے ہی ہے جیسے انسانی حیوانی جسم میں جب کسی جگہ اندرونی ہوا جمع ہو جائے تو جسم کا وہ حصہ پھڑپھڑاتا ہے جس کو ہم آنکھ ناک کان یا بازو اور کندھے کا گوشت پھڑکنا کہدیتے ہیں۔ دوم یہ کہ جب اور جس جگہ زمین کی اندرونی آتش فشانی پھٹتی ہے تو دھمک سے زمین لرز اٹھتی ہے ایسے زلزلے وہاں زیادہ آتے ہیں جہاں آتش فشاں پہاڑ ہوں۔ سوم یہ کہ قدرتِ الٰہی سے زمین کا اندرونی حصہ گرم رکھنے کے لیے بارود، گندھک پٹاس کے ذخیرے زمین کے اندر پیدا کئے گئے ہیں، جب کبھی اُن کی گرمی حدِ ضرورت سے زیادہ ہو جاتی ہے تو زمین میں پسینہ پیدا ہوتا ہے اس پسینے سے زمین کو جھرجھری آتی ہے اور مسامات کے ذریعے گرم پانی باہر نکلتا جس سے گرمی کم ہو کر ضرورت کے مطابق رہ جاتی ہے اس جھرجھری سے زمین مثلِ کشتی ہچکولے کھاتی ہے جس کو زلزلہ کہدیا جاتا ہے چہارم یہ کہ جب بڑے پہاڑ اندرونی یا بیرونی طور پر پھٹتے ہیں تو ان کی تمام جڑوں میں دھمک پیدا ہوتی ہے اور جہاں تک وہ جڑیں پھیلی ہوں وہاں تک کی زمین کانپ جاتی ہے اِس کو بھی زمینی زلزلہ کہا جاتا ہے پنجم یہ کہ جب سمندر میں اُبال آتا ہے تو اُس کے طوفانی اثرات کناروں تک پہنچتے ہیں تو جن شہروں یا علاقوں میں سمندری ساحل ہیں وہاں کی زمین میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے یہ سب سے ہلکا زلزلہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ زلزلے

marfat.com

کی سختی زمی زلزلے کے مرکزی مقام کے قریب و بعید ہونے کے اعتبار سے ہوتی ہے، ششم، فلاسفہ کہتے ہیں کہ جب زمین کے کسی ایک طبقے میں ارتعاش پیدا ہو تو زلزلہ آتا ہے، ارتعاش شدید گزرنے کی وجہ سے واقع ہوتا ہے اور زمین کو لرزہ قدرتی طاقتوں کی وجہ سے، اور مین وجہ سے ان طاقتوں کا ظہور ہوتا ہے، ایک یہ کہ زمین کی گہرائی میں درجہ حرارت بہت زیادہ ہے چونکہ زمین میں دھاتیں ہیں حرارت کی وجہ سے دھاتیں پگھلتی ہیں اور بنلی بن کر سرکتی ہیں تو زمین لرزتی ہے جس سے ارتعاش اور ارتعاش سے زلزلہ دوسری وجہ، چٹانیں قدرتی دباؤ سے کھنچتی اور پھر جھٹک پھٹتی ہیں تب لرزہ پیدا ہوتا ہے جس سے ارتعاش اور پھر زلزلہ، تیسری وجہ یہ کہ زمین میں اس کے اپنے مسامات سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں اس سے زمین میں رخنہ اور خلا پیدا ہوتا ہے جس کی وجہ سے لرزہ اور لرزے سے ارتعاش اور ارتعاش سے زمین جھومتی ہے اس کو بڑا زلزلہ کہتے ہیں۔ زیر زمین چٹانیں کمان کی طرح جھکنی شروع ہو جاتی ہیں۔ اور پھر جھکتے جھکتے ٹوٹ جاتی ہیں جب ٹوٹتی ہیں تو دھمک سے زلزلہ آتا ہے ہفتم۔ کچھ سائنسدانوں کا قول ہے کہ پوری زمین بلاک اور ٹکڑیوں کی شکل میں ہے۔ بعض جگہ ساتھ ساتھ اور بعض جگہ اوپر نیچے ان کو طبقات ارض کہا جاتا ہے یہ بلاک بعض وقت کسی نامعلوم وجوہ سے اوپر نیچے حرکت کرتے ہیں سپرنگ کی طرح تو جس علاقہ میں طبقات ارضی مثل سپرنگ متحرک اور جتنی دیر متحرک ہوں وہاں کی سطح زمین بھی متحرک ہو جاتی ہے اس کو ہلکا زلزلہ کہا جاتا ہے یہ حرکت چند منٹ ہی رہتی۔ بعض جگہ کی زمین اگر نرم ہو تو اس ہلکے زلزلے سے بھی عمارتیں گر جاتی ہیں۔ اصطلاح فلاسفہ میں اس بلاک کو نقطہ ارض کہا جاتا ہے، اور جس نقطہ میں حرکت پیدا ہوتی ہے اسے نقطہ ماسکہ کہا جاتا ہے، انگلش میں فوکس، اور جس طرف سے یہ حرکت شروع ہوتی ہے اس کو عربی میں منبع اور انگلش میں سینٹر کہا جاتا ہے، ہشتم۔ بعض سائنسدانوں کے نزدیک زمین کے تمام حصوں میں ہمیشہ گہرائی میں توڑ پھوڑ جاری رہتی ہے مگر جب اس توڑ پھوڑ میں کبھی شدت آجاتی ہے تو زمین کا وہی شدت والا علاقہ ہلنے لگتا ہے، اس توڑ پھوڑ کو سائنسی زبان میں ٹیکٹانک کہتے ہیں یہ بھی چٹانوں کے ایک دوسرے پر دباؤ کی وجہ سے ہوتی ہے۔ اکثر یہ جھٹکے بہت ہلکے ہوتے ہیں، نہم، ساحلی سمندری علاقوں میں جو زلزلے آتے ہیں وہ سمندری لہروں کے مدوجزر سے پیدا ہوتے ہیں، جن کو طوفان سونامی کہتے ہیں، ان کو ہندی میں سونامی طوفان یعنی سورج کی آتشی شعاعوں کی بنا پر پانی میں ارتعاش پیدا ہوتا ہے اہل علم فلکیات کے نزدیک جب آفتاب برج قوس میں جاتا ہے تب اس کی ترچھی شعاعیں سمندر پر پڑتی ہیں یہ طوفان سونامی بعض دفعہ چھ سو ستر میل فی گھنٹہ کے رفتار سے چلتا ہے، اس وقت لہروں کی اونچائی تین فٹ سے سو فٹ تک ہوتی ہے۔ اتنی تیزی سے پانی ٹکراتا ہے کہ پانی میں گرمی اور گرمی سے بجلی اور بجلی سے زمین دہلتی ہے، بعض وقت یہ لہریں اتنی خطرناک ہوتی ہیں کہ ان سے زمین بلکہ چٹانیں بھی دھنس جاتی ہیں اور

marfat.com

زمین پھٹ جاتی ہے۔ سائنسدانوں اور فلاسفہ کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ پوری روئے زمین پر سال میں تقریباً چھوٹے بڑے دس ہزار زلزلے آتے ہیں، جن میں اکثر اگرچہ معمولی نوعیت کے ہوتے ہیں مگر ان کا نقصان شدید ہوتا ہے، دنیا بھر میں ہر ہفتہ میں ایک بار کہیں نہ کہیں زلزلہ ضرور آتا ہے۔ آج سے ڈھائی سو سال پہلے سائنسدانوں نے زلزلوں کی پیمائش کے لیے ایک آلہ تھرمامیٹر ایجاد کیا تھا، جس کا نام سیزموگراف رکھا گیا، اس آلہ سے زلزلوں کی رفتار اور حرکت ناپی جاتی ہے یعنی کتنے سیکنڈ میں کتنی بار دائیں بائیں یا نیچے اوپر اس زلزلے میں زمین ہو رہی ہے، پیمائش کے نشاناتِ عددی کو، ریکٹر سکیل کہتے ہیں۔ یہ دس نمبروں تک بنائے گئے ہیں۔ مگر آج تک کسی زلزلے کی حرکت کی رفتار نو سکیل سے آگے نہ بڑھی سب سے شدید زلزلہ ۱۵۵۶ء میں چین کے علاقہ شن سائی میں آیا تھا اس کی پیمائش نو سکیل تک پہنچی تھی اور آٹھ لاکھ افراد ہلاک ہوئے ایک ہزار گاؤں صفحۂ ہستی سے مٹ گئے تھے، پھر اس کے بعد یکم نومبر ۱۷۵۵ء میں پرتگال کے علاقہ لزبن میں سوتامی زلزلے کے تین جھٹکے آئے جس سے تیس ہزار افراد ہلاک ہوئے، اور دو بڑے شہر تباہ ہو گئے، پھر یکم نومبر ۱۹۲۳ء کو ٹوکیو اور یوکوہاما جاپان میں زلزلہ آیا، جس سے ایک لاکھ افراد ہلاک ہوئے اور چالیس بستیاں تباہ ہوئیں، مالی نقصان کا اندازہ ہی نہیں، پھر ۱۹۳۵ء میں یکم اور دو اپریل کوئٹے میں آیا، بلوچستان کا دار الخلافہ اس میں بھی تقریباً بیس ہزار آدمی فوت ہوئے اور پورا شہر ٹوٹ پھوٹ گیا، فلاسفہ اور سائنسدانوں کے ان نو مختلف اقوال سے زلزلہ نو قسم کے ہوتے ہیں ۱۔ زلزلہ غازاتی یعنی زمین کا گیسی آتشی ۲۔ آتش فشانی زلزلہ یعنی قاز بہ جوار پہاڑ پھٹنے سے ۳۔ بارودی زلزلہ ۴۔ خسوفانی زلزلہ، اس میں زمین دھنستی ہے ۵۔ طوفانِ سمندری کا زلزلہ ۶۔ زلزلہ انشقاقی، اس میں زمین پھٹتی ہے ۷۔ دوّادی زلزلہ، اس میں زمین جھومتی یا جھولتی ہے اگر زلزلہ نرم ہو تو جھومتی ہے سخت ہو تو جھولتی ہے ۸۔ الجائی زلزلہ زمین کے اندر مد و جزر پیدا ہوتا ہے ۹۔ زلزلہ سوتامی، دنیا میں اب تک چار بڑے زلزلے آئے ہیں، ۱۔ چین ۲۔ پرتگال ۳۔ جاپان ۴۔ بلوچستان، وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔ مولیٰ تعالیٰ ہر زلزلے سے بچائے، اور یا اللہ ہمارے دین و ایمان میں زلزلہ نہ آئے یہ تھے وہ اقوال جو سائنسدانوں کے تحقیقی اندازوں سے کئے گئے دسواں قول وہ حقیقت جو حدیثِ مقدسہ سے ثابت ہے چنانچہ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ مستدرک حاکم ایک حدیث پاک نقل فرمائی کہ رب تعالیٰ نے زمین میں بے شمار رگیں پیدا فرمائی ہیں، اور وہ تمام رگیں کوہِ قاف میں جمع ہیں اسی لیے کوہِ قاف کو زمین کا پیر کہا جاتا ہے۔ اور کوہِ قاف پر ایک فرشتہ موجود ہے جس کے ہاتھ نے مثلِ لگام وہ تمام رگیں پکڑی ہوئی ہیں جب حکم الٰہی آتا ہے تو رگوں کو کھینچتا ہلاتا ہے اور جس علاقے کی رگ کو ہلانیکا حکم ملتا ہے صرف وہی رگ ہلائی جاتی ہے اس رگ

marfat.com

ہلنے سے اُسی علاقے میں زلزلہ آجاتا ہے اُس کو عام زلزلہ کہا جاتا ہے جب قیامت کا پہلا نفخہ ہوگا تو بحکمِ الٰہی وہ رشتہ تمام رگوں کو بیک وقت ہلائے گا جس سے زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ بن کر پوری زمین پھٹا ہوا ہو جائے گا۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ کَبِیْرًا۔ اسی زلزلے کا یہاں ذکر ہے۔ یہ تین وجہ سے شَیْءٌ عظیم ہوگا ۱ یہ کہ وہ پوری زمین پر ہوگا اور ظاہری باطنی زمین پر ہوگا ۲ پوری قوت وشدت سے ہوگا جس میں شور کثیر بھی ہوگا ۳ مسلسل چالیس ساعت رہے گا ماخوذات ہم نے آٹھ کتابوں سے یہ معلومات اخذ کی ہیں ۱ مستدرک حاکم ۲ تفسیر روح المعانی ۳ عجائب المخلوقات ۴ فلسفہ امام رازی ۵ ڈکشنری جغرافیہ ۶ کتاب خلائق کی تلاش ۷ انسائیکلو پیڈیا برطانیہ ۸ اَرْتھ اَلائیو انسائیکلو پیڈیا۔

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال، یٰاَیُّهَا النَّاسُ میں تین قول ہیں۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد صرف کفار ہیں۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد صرف اہلِ ایمان لوگ ہیں کیونکہ یہاں تقوے کا حکم ہے اور تقویٰ ایمان کے بعد ملتا ہے کفار کو ایمان کا حکم دیا جاتا ہے۔ پہلے قول کی دلیل یہ ہے کہ یٰاَیُّهَا النَّاسُ کا خطاب صرف کفار کو ہوتا ہے اسی لیے تفسیر مدارک میں ہے کہ مکی آیتوں سورتوں میں یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا خطاب نہیں ہے یہ دونوں طرح سے خطاب صرف مدنی آیتوں سورتوں میں ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ اس سے مراد سب انسان ہیں مومن بھی کافر بھی اور تقوے سے مراد پرہیزگاری وخشیت نہیں بلکہ رب تعالیٰ کے عذاب کا خوف ہے جو کہ ہر انسان کے لیے ضروری مومن ہو یا کافر اور یہی ایمان کا پیش خیمہ ہے گویا اِتَّقُوْا فرما کر ایمان ہی کا حکم دیا جا رہا ہے مومن کو ثابت رہنے کا اور کفار کو ثابت وقائم ہو جانیکا، جیسے فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ۔ مگر پہلا قول مضبوط ہے دو وجہ سے اوّلاً یہ کہ آگے عذابِ شدید کا ذکر ہے جو صرف کفار کے لیے ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی دوم یہ کہ قیامت کے وقت دنیا میں صرف کفار ہی ہوں گے لہٰذا اُس وقت سے ڈرانے کا خطاب بھی صرف انہیں سے ہے۔ اِتَّقُوْا میں دو قول بعض نے کہا خوفِ عذاب مراد ہے جو صرف کفار کے لیے ہے۔ بعض نے کہا، خشیتِ الٰہی مراد ہے جو صرف مومن کی شان ہے۔ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ کی اضافت میں تین قول بعض نے کہا یہ اضافۃ لامیہ ہے یعنی لِلسَّاعَةِ ترجمہ ہے قیامت کے لیے زلزلہ۔ بعض نے کہا یہ اضافۃ ظرفیہ ہے یعنی فِی السَّاعَةِ ترجمہ ہے قیامت میں زلزلہ۔ بعض نے کہا یہ اضافۃ حقیقیہ ہے یعنی قیامت کا زلزلہ مُرْضِعَةٍ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد صرف انسانی والدہ ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد ہر دودھ پلانیوالی ہے خواہ جانور دنیا والدہ ہو یا انسانی دائی مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ جانوروں میں رضاعتِ شفقت نہیں صرف دیکھنے کی شفقت ہوتی ہے اور دائی میں مامتا نہیں ہوتی۔ وَتَرَى النَّاسَ میں دو قول بعض نے فرمایا کہ تری میں خطاب نبی کریم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ہے کیونکہ تا ابد عالمین کا مشاہدہ فرمانیوالے نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی ہیں، نزولِ آیت کے وقت سے صرف آپ ہی اس شانِ خداداد کے مالک ہیں

marfat.com

جو قیامت کے اُس وقت کا مشاہدہ کر سکیں اور یَوۡمَ تَرَوۡنَ میں تمثیلی وفرضی خطاب ہے یعنی فرضاً اگر تم ہوئے تو دیکھو گے۔ لیکن بعض نے فرمایا کہ یہ مجازی خطاب ہے اور اُس وقت کے زندہ موجود لوگ مراد ہیں جو زلزلے کے وقت ایک دوسرے کو دیکھیں گے اور یَوۡمَ تَرَوۡنَهَا میں بھی مجازی خطاب ہے اور مراد اُس وقت کے زندہ لوگ ہیں جو موجود ہوں گے۔ سُکٰرٰی کی قرأت میں تین قول۔ مشہور قرأت میں سُکَارٰی ہے۔ شاذ قرأت میں سَکَارٰی، نادر قرأت میں سَکۡرٰی ہے مَنۡ یُّجَادِلُ میں تین قول بعض نے کہا اس سے مراد نضر بن حارث ہے۔ بعض نے کہا ابوجہل مراد ہے۔ بعض کے نزدیک اُبی ابن خلف مراد ہے کُلَّ شَیۡطٰنٍ میں دو قول بعض نے لکھا کہ اس سے مراد ابلیس اور اس کی جناتی ذریت ہے۔ مگر بعض نے لکھا اس سے مراد سردارانِ مکہ اور اُمراءِ کفر ہیں۔ تاریخوں میں ہے کہ سردارانِ مکہ کی تعداد ستر تھی جن کو نقیبُ الاَشراف کہا جاتا تھا۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ اَعۡلَمُ۔

فائدے ان آیات کریمہ سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مومن کی سب سے بڑی دولت اُس کا تقویٰ ہے کیونکہ تقوے سے چھ روشنیاں ملتی ہیں ۱۔ عقلِ سلیم ۲۔ حکمت ۳۔ شرحِ صدر ۴۔ تذکیۂ قلب ۵۔ طہارتِ روح ۶۔ کشفُ القلوب یہ فائدہ اِتَّقُوۡا رَبَّکُمۡ فرمانے سے حاصل ہوا حدیث مقدس میں ارشاد ہے۔ رَاسُ الۡحِکۡمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ۔ یعنی حکمت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہے، تقوے کی چار قسمیں ہیں۔ پہلا تقویٰ جسمانی، دوسرا روحانی، تیسرا عقلی، چوتھا تقوٰی القُلُوۡب یہ سب سے بلند اور بڑا تقویٰ ہے یعنی دل کا تقویٰ اسی سے قربِ الٰہی حاصل ہوتا ہے یہ تقویٰ ادب اور تعظیم سے ملتا ہے، گستاخوں کو نہیں ملتا۔ دوسرا فائدہ۔ بندے کو چاہیئے کہ اپنے ایمان میں ثابت قدم اور اعمالِ صالحہ میں مستقل مزاج رہے یک در گیر محکم گیر یعنی ایک دروازہ پکڑو اور محکم و مضبوطی سے تمام عمر کے لیے پکڑ و، جو شخص متزلزل مزاج متذبذب طبیعت والا ہو اپنے اعمال وعقائد میں اَدل بَدل کرتا رہے کہ کبھی حق کے ساتھ کبھی باطل کے ساتھ وہ ہمیشہ بے اعتبار اور نقصان میں ہی رہتا ہے، اُس کے انجام کی بنیادیں کبھی مضبوط نہیں رہ سکتیں۔ یہ لوگ کبھی سنی کبھی وہابی، کبھی شیعہ ایسے بدنصیب لوگوں کو زلزلۂ قیامت سے ڈرایا جا رہا ہے۔ یہ فائدہ۔ اِنَّ زَلۡزَلَةَ السَّاعَةِ شَیۡءٌ عَظِیۡمٌ۔ فرمانے کے اشارۃُ النص سے حاصل ہوا یعنی اے بندے اگر قیامت کے زلزلے سے محفوظ رہنا چاہتا ہے تو اپنے دین ایمان، اعمال، عقائد کو مزاجی تخریب کاری کے زلزلوں سے بچائے رکھ۔ ورنہ یہ قیامت کا زلزلہ قبر وحشر میں بھی تجھ کو نہ چھوڑے گا۔ تیسرا فائدہ۔ جو انسان اپنی بات منوانے اور جیتنے کے خاطر غلط اور جھوٹی باتیں کرے وہ دین دنیا کے اعتبار سے مفسد اور جھگڑالو ہوتا ہے اگرچہ پڑھا لکھا سمجھ دار ہو، اور جو بندہ ہمیشہ سچی اور صحیح بات کرے وہ مُصلح اور اصلاح کرنے والا ہوتا ہے اگرچہ اَن پڑھ ہو۔ وہی حق والا ہوتا ہے کیونکہ غلط بات پر ضد کرنا جہالت ہے اسی کو تعصب کہتے ہیں اور سچی اور صحیح بات

marfat.com

پرضد کرنا صداقت ہے اسی کو تصلّب کہتے ہیں۔ لہٰذا جاہل وہ جس کی بات جاہلانہ اور عالم و عاقل وہ جس کی بات سیدھی سادی سچی ہو جہالت اور تعصب بری چیز ہے اور صداقت و تصلّب اچھی چیز ہے۔ یہ فائدہ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق علم والے علما کی بحث مباحثہ مکالمہ، مناظرہ مجادلہ سب کچھ جائز ہے اگر تحقیقِ حق کے لیے ہو اگر دنیوی غرض کے لیے ہو تو ناجائز ہے لیکن بے علم جاہل انسان کے لیے تو بالکل ہی جائز نہیں کہ کسی دینی مسئلے میں کسی شخص سے مباحثہ کرے عام آدمی کے ساتھ بھی منع عالم کے ساتھ تو سخت گناہ ہے۔ مسئلہ پوچھنے کے لیے سوال اور سمجھنے کے لیے صرف مکالمہ کر سکتا ہے وہ بھی صرف دینی علما سے برابر کے آدمی سے وہ بھی منع ہے تاکہ دین کھیل نہ بن جائے دین کا وقار و احترام ہر مسلمان پر فرض ہے دین کے مسائل سے ناواقف انسان کا دینی مسائل میں کج بحثی کرنا توہینِ دین ہے۔ یہ مسئلہ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ کے ارشاد میں بِغَیْرِ عِلْمٍ کی قید سے مستنبط ہوا، اور ثابت ہوا کہ صرف بغیر علم مجادلہ ممنوع اور گناہ ہے اسی قید سے یہ بھی ثابت ہوا کہ علم والے تلاشِ حق کے لیے مجادلہ مناظرہ کر سکتے ہیں شرعاً جائز بلکہ کئی دفعہ ضروری ہوتا ہے۔ جیسا کہ سورۂ نحل کی آیت ۱۲۵ میں ارشادِ الٰہی ہے۔ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ۔ یعنی احسن اور علمی طریقے سے مجادلہ کرنا چاہیے، دینی علوم سے ناواقف اگرچہ دنیوی اعتبار سے کسی ملک کا حاضر ڈیوٹی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس بھی ہو اُس کو بھی کسی محقق مدقق متبحر عالم اور مفتیٔ اسلام سے کج بحثی کرنا جائز نہیں اگر کرے گا تو شرعی مجرم ہوگا۔ قیامت میں سزا پائیگا کیونکہ مستند عالم مفتیٔ اسلام بذاتِ خود اسلامی سپریم کورٹ کا چیف جسٹس ہے جس کی مرکزی عدالت مدینہ منورہ ہے اور حاکمِ اعلیٰ خالقِ کائنات اور اِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِیْدٌ۔ بحث کی چار صورتیں ہوتی ہیں ۱ مناظرہ ۲ مکالمہ ۳ مجادلہ ۴ مباحثہ، اور چاروں میں فرق یہ ہے کہ مکالمہ وہ سوال جواب جس میں ایک طرف سے سوال ہوتے ہیں دوسری جانب سے جواب اور مقصد صرف سمجھنا سمجھانا ہوتا ہے جیسے سبق پڑھتے ہوئے شاگرد اور استاد کے سوال جواب۔ مکالمہ عام بات چیت گھریلو یا بازاری یا صرف مسئلہ مسائل پوچھنا، اور دوطرفہ گفتگو۔ مناظرہ وہ گفتگو جو دوطرفہ ہو اور ہر شخص اپنی بات منوانے کے لیے یا دلائل ثابت کرنا چاہے دوسرا شخص اپنے فریقِ مخالف کے دلائل توڑ کر اپنے دلائل اپنی بات ثابت کرنے اور منوانے کی کوشش کرنے دوطرفہ خلوص ہو۔ مناظرے میں شرطیہ ہے دونوں بحث کرنیوالوں کا علم برابر ہو احادیثِ مبارکہ میں ایسی پُرخلوص بات چیت کو بَحْثٌ اُمَّتِیْ لَحِکْمَةٌ کے انعام نبوی سے نوازا گیا ہے۔ مجادلہ یہ ہے کہ دوطرفہ بادلائل گفتگو کر کے منوانیکی کوشش کرے مگر علم کی

marfat.com

برابری شرط نہیں تھوڑے علم والا بھی بڑے علم والے سے اپنے تجرباتی مشاہداتی دلائل سے بحث کر سکتا ہے دینی معاملہ ہو یا دنیوی مگر علم اور دلائل ہونے شرط ہیں۔ مباحثہ یہ ہے کہ کوئی بھی کسی سے کسی معاملے میں بحث کرے مگر دلائل دو طرفہ کسی کے پاس نہ ہوں۔ یہ دنیوی معاملات میں جائز ہے جیسے جاؤ طے کرنا وغیرہ مگر دینی معاملات میں دو طرفہ ناجائز۔ اس کو کج بحثی کہا جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو قَالُوْا سَلَامًا کہہ دیا جانا چاہیئے ایسے ہی لوگوں کو قرآنِ مجید میں جَاهِلُوْنَ فرمایا گیا۔ اگر ان چاروں میں ادب تمیز بڑوں کا احترام۔ لِلّٰہیت، تلاشِ حق یا احقاقِ حق یہی نیت ہو تو یہ سب مقبولِ بارگاہ باعثِ ثواب ہے۔ لیکن اگر دو طرفہ یا یکطرفہ ضد تعصب، حسد بغض شرارت وجہالت ہو تو اِتَّبَاعِ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ہے۔ شرعاً ناجائز گناہ ناپسندیدہ مردود بارگاہ باعثِ گناہ ہے **دوسرا مسئلہ**۔ شریعتِ اسلام میں چار چیزوں کا نام تقویٰ مومن ہے۔ پہلی خشیتِ جمالِ الٰہی اور ہیبتِ جلالِ کبریائی، دوم کفر فسق والی نافرمانی سے بچنا بُرے انجامِ اُخروی سے ڈرنا جہنم سے اپنے آپ کو بچانا، سوم شریعتِ مطہرہ کے تمام چھوٹے بڑے حکموں کو تا عمر محبت وخلوص کی پابندی سے پوری طرح ادا کرنا، یعنی عبادت کے فرائض، واجبات، سنتِ مؤکدہ وغیر مؤکدہ سنتِ عادت سنتِ عبادت نوافل، مستحبات افعال کی ادائیگی اور شکل وصورت لباس میں مکمل سرتاپا آقاءِ دو جہان نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اِتباع اور اطاعت کرتے رہنا ہی تقوے کا مقامِ رفعت ہے کتنا ہی بڑا عالم عابد زاہد ہو اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع نہیں تو وہ متقی نہیں خیال رہے کہ اطاعت قول میں ہوتی ہے اور اِتباع فعل میں، چہارم۔ شریعتِ مقدسہ کے تمام ممنوعات کو تا عمر چھوڑ دینا۔ مثلاً شرک، کفر، گناہ کبیرہ، صغیرہ لغویات۔ فسقیات، حرام مکروہ تحریمی، تنزیہی شریعت پاک میں مطعون اور ملعون ناپسندیدہ اشیاء، افعال اقوال، احوال، مقامات وعادات کو چھوڑ دینا یہ تقویٰ ہے۔ یہ مسئلہ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ۔ میں تمام انسانوں کو حکم ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا جس کی تفصیل نے بتا دیا کہ مومن کا تقویٰ کیا ہے اور کافر کا تقویٰ کیا ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ قانونِ شریعت کے مطابق جب مسلمان بیوی کے پیٹ میں حمل آجائے تو خواہ کسی حالت میں، ہو اس کو گرانا منع ہے۔ یہ مسئلہ تَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا۔ سے مستنبط کیونکہ حمل گرانے کو زلزلۂ قیامت کی نشانی بنا کر خطرناک نقصان قرار دیا گیا اور نقصان تو بُرا ہوتا ہے لہٰذا مسئلہ یہ ثابت ہو گیا کہ حمل گرانا برا ہے اور برا فعل شریعتِ اسلامیہ میں حرام وناجائز ہوتا ہے۔ اور حمل کا گرانا اور ضائع کرانا عذابِ الٰہی ہے کہ اس کو عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ فرمایا گیا، یعنی مومنہ عورت کا حمل نعمتِ الٰہی ہے اور نعمت کو ضائع کرنا عذاب ہے۔ **چوتھا مسئلہ** شریعت میں غیبت حرام ہے۔ اگرچہ کافر کی ہو، اور غیبت یہ ہے کہ کسی شخص کے غیر مشہور عیب اور گناہ کو اُس کی زندگی میں لوگوں کے سامنے ظاہر کرنا تحریراً یا

marfat.com

تفقیر بڑا اس کا مشہور نام لے کر لیکن بغیر نام لیے کسی کا عیب بیان کرنا اُس کی غیر موجودگی میں پس پشت یہ غیبت نہیں
اسی طرح مرنے کے بعد نام لے کر عیب بیان کرنا بھی غیبت نہیں اسی طرح عام مشہور شدہ عیب بیان کرنا نام لے کر
زندگی میں پس پشت یہ بھی غیبت نہیں اس لیے یہ جائز ہے یہ مسئلہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ الخ
فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے عیب تو بیان فرمائے مگر نام ظاہر نہ فرمایا، صحابہ کرام نے بھی اُس کا نام اُس کے
مرنے کے بعد ظاہر کیا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا يَوْمَ تَرَوْنَهَا جمع
مذکر حاضر کا صیغہ۔ یعنی تم سب دیکھو گے پھر فرمایا گیا۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى۔ واحد مذکر
حاضر کا صیغہ۔ یعنی تم اکیلے دیکھو گے وقت ایک زمانہ ایک حالت ایک تو پھر صیغے دو طرح کیوں آئے؟ جواب
وقت اور زمانہ اور واقعہ اگرچہ ایک ہے مگر حالت ایک نہیں ہوگی یہ جمع اور واحد کے دو علیحدہ صیغے دو حالتوں
کی وجہ سے ہیں۔ ایک حالت زلزلے کی اور دوسری حالت زلزلے میں مبتلا لوگوں کی تَرَوْنَ میں زلزلے کو
دیکھنے کا ذکر ہے جس کو سب دیکھیں گے۔ هَا ضمیر غائب کا مرجع زلزلہ ہے زمین پوری زلزلے کی لپیٹ
میں ہوگی۔ دوسری حالت زندہ موجود انسانوں کی ہوگی اور سب ہی سکاری جیسے ہوں گے بدحواس مدہوش
گرتے پڑتے بھٹکتے بہکتے اس حالت کا نظارہ سب نہ کر سکیں گے وہ تو اپنی خبر بھی نہ رکھ سکیں گے اُسی
حالت کا مشاہدہ نظارہ صرف وہی کرے گا جو خود اُس حالت میں نہ ہو اور وہ فردِ واحد ہی ہوگا یعنی آقاءِ
کائنات نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس وقت کوئی شاذونادر پاکیزہ ہستی اس لیے تَرَى واحد مذکر
حاضر ارشاد ہوا اور نبی پاک صاحب لولاک کو خطاب ہے، اور اگر یہ رویت فرضی ہے تب بھی یہ معنیٰ ہے
کہ زلزلے کو تو سب دیکھیں گے مگر سکاری کو کوئی ایک جو اُس وقت کسی سکاری کے قریب ہوگا۔ پہلا
قول صحیح ہے کیونکہ اُس وقت زمین پر صرف کفار ہوں گے اور وہ سب مثلِ سکاری کوئی کسی کا ہوش نہ
رکھے گا۔ دوسرا اعتراض۔ معتزلہ کہتے ہیں کہ معدوم بھی شی ہوتی ہے جس طرح کہ موجود چیز شی ہوتی
مگر اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ کسی معدوم کو شی نہیں کہا جا سکتا، معتزلہ کی دلیل یہ ہی آیت ہے کہ رب تعالیٰ
نے فرمایا اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ۔ یعنی بے شک قیامت کا زلزلہ عظیم شیٔ ہے حالانکہ نزولِ
آیت کے وقت بلکہ ابھی تک وہ زلزلہ معدوم ہے باوجود اس کے اُس کو شیٔ فرمایا گیا۔ معتزلہ کی اس بات
اور استدلال کا کیا جواب ہے۔ جواب۔ اس کے دو جواب، ایک وہ جواب جو اُس وقت کے امام اہلسنت
امام ابوالحسن اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر علماءِ اشاعرہ اہلِ سنت نے دیا وہ یہ کہ زلزلے کو شیٔ فرمانا نزولِ
آیت کے وقت کے اعتبار سے نہیں بلکہ وقوعِ زلزلہ کے وقت کے اعتبار سے ہے یعنی جب زلزلہ ہوگا، تو

marfat.com

اُس وقت شیٔ عظیم ہوگا آج یہ شیٔ نہیں ہے نہ زلزلہ ہے نہ شیٔ یہی وجہ ہے کہ اُس کو عظیم فرمایا گیا ورنہ معدوم کسی صفت سے متصف اور موصوف نہیں ہو سکتا۔ اس کو خود معتزلہ بھی مانتے تھے کیونکہ صفتیت تو کسی وجود پر ہی لاحق ہو سکتی ہے تو عظیم فرمانا بتا رہا ہے کہ ابھی زلزلے کو شیٔ نہیں فرمایا جا رہا۔ جواب دوم یہ کہ زلزلہ معدوم نہیں وہ تو ہوتا رہتا ہے ہر شخص اُس سے متعارف ہے ہاں زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ معدوم ہے تو یہاں صرف زلزلے کو شی فرمایا گیا یعنی جو زلزلہ ہوا کرتا ہے جب وہ قیامت میں ہوگا تو وہ عظیم ہوگا (تیسرا اعتراض۔ ان آیت میں قیامت کے زلزلے کا ذکر فرمایا گیا جس کا زمانہ یہی رہتی بستی دنیا اور یہی سرزمین ہے کیونکہ فرمایا گیا زلزلے کے وقت شیر خوار اور ان کی مائیں، شادیاں خانہ آبادیاں حمل اور حاملہ عورتیں سب کچھ اس طرح ہوگا جس طرح آج دنیا شاد و آباد ہے یعنی ماؤں کے شیر خوار، عورتوں کے حمل مردوں کا شغل سکری ہوتا ان تین چیزوں نے اُس وقت کی دنیا کا نقشہ سمجھا دیا پھر اس زلزلے کو عَذَابَ اللّٰهِ شدید فرمایا گیا۔ لیکن سورۃ انفال کی آیت ۳۳ میں وعدۂ ربانی ہے کہ۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ۔ یعنی جب تک اے محبوب ان میں آپ موجود ہیں اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو عذاب نہ دے گا مفسرین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی اور دنیا والوں سے آپ کا تعلق ابتداءِ بعثت سے تا قیامت رہے گا اور تجربے سے مفسرین کی یہ بات صحیح ثابت ہو رہی ہے کیونکہ واقعی کفریات ظلمات کے باوجود عذاب نہیں آتے تو پھر قیامت کا زلزلہ کیوں آئے گا وہ بھی عذابُ اللّٰہ شدید ہے یہ زلزلہ وعدۂ ربانی کے خلاف ہے۔ جواب اس کے تین جواب ہیں۔ ایک یہ کہ مَا كَانَ اللّٰهُ میں عذابِ مُہلک کی نفی ہے قیامت کا زلزلہ عذابِ مُہلک نہیں ہوگا صرف گھبراہٹ پریشانی اور ہلچل مچانے کے لیے ہوگا اس سے صرف زمینی توڑ پھوڑ ہوگی کوئی جاندار ہلاک نہ ہوگا۔ دوسرا جواب یہ کہ مَا كَانَ اللّٰهُ میں وَاَنْتَ فِيهِمْ۔ کی شرط ہے زلزلے کا عذاب اُس وقت ہوگا جب دنیا سے آپ کا تعلق بالکل ختم ہو جائے گا بلکہ نبوت کا کوئی اثر زمین پر باقی نہ رہے گا ہر طرف کفر ہی کفر ہوگا۔ اور اس وقت تَرَى النَّاسَ کا مشاہدہ تعلق والا نہ ہوگا بلکہ ویسا ہی ہوگا جیسے آپ ازلِ حادث سے علمِیّن کا مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ تیسرا جواب بعض نے کہا کہ دنیا اس وقت آباد نہ ہوگی نہ کوئی شیر خوار ہوگا نہ کوئی حمل و حاملہ۔ بلکہ یہ شدتِ زلزلہ سمجھانے کے لیے تمثیلاً و فرضاً ذکر فرمایا گیا، یعنی اگر اُس وقت شیر خوارگی اور حمل و ذاتِ حمل اُس وقت ہوتی تو ایسا ہوتا، اس وقت تَرَوْنَهَا اور تَرَى النَّاسَ بھی فرضی تمثیلی ہے۔ مگر یہ جواب کمزور ہے ورنہ سُکاری کا ظہور کیونکر ہوگا یہ تو تمثیلی نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا

marfat.com

اے عالَمِ رنگ و بو میں بسنے والے انسانو اپنے خالق تعالیٰ ربِ اعلیٰ کا تقویٰ اختیار کرو تاکہ تذکیۂ عرفانی سے قربِ بارگاہ حاصل کرسکو اور بچو اُس کے قہرِ عقاب سے اس طرح ہٹ جاؤ خصلتِ حیوانیہ کی ملاوٹ سے اور دور ہو جاؤ صفاتِ نفسانیہ کی حلاوت سے، بے شک عتابِ الٰہی کی قیامتِ صغریٰ میں زمینِ بدنی کے اضطرابِ مایوسی حالاتِ محرومی کا زلزلہ بڑی ہی کرخت تڑپا دینے والی چیز ہے جو اُس دن کی فکر نہ کرے اُس کو غم کے آنسوؤں کے سوا کچھ نہ ملے گا اسے عقلِ غرور فکرِ نفور کی قوتو تم سب اُس دن دیکھو گے روحِ مرضعہ اپنے اعضاءِ شیر خوار کو چھوڑ کر اپنی فکرِ بقا کے لیے بھاگے گی اور سب شفقتِ جسمانی بھلا دیگی اور قوتِ حافظہ اپنے رحمِ تفکر والے بطنِ تدبر سے فکرِ خیال، وہم مذاکرہ، معاملہ کے تمام حملِ ناتمام وقتِ تخیل۔ تَوَهُّمْ تذکر سے پہلے ہی پھینک دے گی۔ وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ۔ اے قلبِ جسمانی تو ضرور دیکھ لے گا کہ غافلین اعضا پر غفلت کی سکراتِ موت وارد ہوگی خمارِ نشہ کی غشی فنا کی مثل لیکن غشیِ حقیقی نہ ہوگی قہرِ الٰہی کا عتابِ بدنصیبی ہی اتنا شدید ہوگا کہ اکڑ و غرور کے تمام مغرورین دنیا پرست ہر چیز سے غافل و بے رغبت اور بے یقینی کے مریض ہو جائیں گے۔ اہلِ دنیا کو کبھی بھی کسی چیز سے سکون نہیں ملتا۔ یہ گرد و دھول حیرت و حسرت، حملِ اعضا کو برداشت کرنیکی قوتِ حاملہ کا نہ رہنا تحریک و استقلال کی ضعفِ عقیدت کی بنا پر ہوتا ہے اس طرح کہ نہ حملِ تخیل اعضا فی القوت نہ ہر ممکن کمال فساد و اسقاط میں بالقوت رہتا ہے اور نہ ہر صفت فضائل ہر عادت رذائل کے اظہار میں ثابت و قائم رہنے کی مِنَ الْقُوَّتِ نہ باقی رہے نہ دائم اُس کی کرختگی سے ہر چیز کی طاقت تباہ قوتِ ارادی برباد ہو جائیں گے، اُس دن اپنی خواہشاتِ دنیا کو بھولے گا لیکن آج وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّيَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ جسمِ انسانی میں صرف نفسِ امارہ ہی وہ ہے جو صراطِ ربانی کے ہر قدم میں بے عملی کا جھگڑا ابنا دیتا ہے ایسا جاہل ہر ننگے شیطان کی پیروی میں ہوتا ہے اسی لیے وہ دینی دنیوی ہر عادت سعادت ساعت قیامت اور ہر عقیدۂ ایمانی کا منکر۔ فَنَافِي اللّٰهِ سے بقا باللہ کی حیاتِ دوم کا بھی منکر اُس پر ہی حیاتِ مزاج کا جب زلزلۂ اضطراب آتا ہے تو ہولناکی سے عقلیں اُڑ جاتی ہیں، تمیزِ حق و باطل ختم ہو جاتی ہے۔ اے بندۂ طالب راہِ سلوک میں چار آگیں ہیں، دو جگہ یعنی ابتدا کی آگ اور دو جگہ قربِ انتہا کی آگ۔ پہلی آگ نارِ انقطاع یعنی بے تعلقی دوسری آگ نارِ فراق یعنی محبوب کی دوری بھی بے توجہی بھی سوم نارِ اشتیاق۔ چہارم نارِ فنا و بقا یعنی قربِ عشق میں فنا ہو کر بقا ملے علم و معرفت کے بغیر شان و قدرت کا صرف وہی بدبخت انکار کر سکتا ہے جو اپنی جہالت و حماقت سے کسی نامراد شیطان کی پیروی میں لگ جائے۔ سوائے انبیاءِ کرام علیہم السلام کے کسی بھی انسان کی قلبی کیفیت یکساں نہیں رہتی نہ رہ سکتی ہے بلکہ کبھی قربِ من اللہ

marfat.com

کبھی بُعد من اللہ، اور کبھی حضوری کبھی بے دوری، کبھی بست کبھی کشاد، کبھی جنت کا شوق کبھی دوزخ کا خوف۔ کبھی دنیا سے بے رغبتی کبھی آخرت سے بے توجہی، اس لیے کہ انسان میں بشریت بھی ہے اور ملکیت بھی اور دونوں عصمت الٰہی سے خالی، لہٰذا کبھی بشریت کی غفلت کبھی ملکیت کی رغبت، اگر بشریت غالب تو حقوق العباد کی تکمیل ہوتی ہے۔ اگر ملکیت غالب تو حقوق اللہ کی تعمیل ہوتی ہے اس لیے یہ دونوں ہی ضروری کہ اسی میں کمالِ بندگی ہے۔ اسی کا نام تقوٰے مومن ہے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں ؎

اگر درویش بر حالے بماندے سر دست از دو عالم بر فشاندے

یعنی اگر مومن ایک ہی حال پر رہتا تو یا حقوق العباد پورے نہ کر سکتا یا حقوق اللہ ادا نہ کرتا کامل متقی کے چار نشان ہیں ۱؎ جو اپنے لیے پسند کرتا ہو وہی دوسرے مسلمان کے لیے پسند کرے ۲؎ متقی شل بھکاری ہے جس کا ٹھکانہ دامنِ مصطفیٰ ہے اور جس کا آستانہ بارگاہِ کبریا ہے۔ اے بندے اس طرح مانگ جس طرح کسی دروازے پر کھڑا بھکاری مانگتا ہے کہ اپنے لیے دروازے والے سے اور دروازے والے کے لیے رب تعالیٰ سے تیری ہر بھیک کا دروازہ تجھے قرآن مجید کی اس آیت نے بتایا کہ بابِ رحمت عالمین ہے، ارشاد ہوا، وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ۔ یاد رکھ کہ عطیات کے خزانے ربِّ کبریا کے پاس ہیں مگر تقسیم کی کنجیاں محبوبِ مصطفیٰ کے پاس ہیں کیونکہ ارشاد ہوا، اُوْتِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ ۳؎ متقی وہ ہے جو یہ جانتا مانتا ہو کہ رب قدیر نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو پانچ قوتیں عطا فرمائیں ۱؎ رحمت ۲؎ نعمت ۳؎ قدرت ۴؎ ملکیت ۵؎ نفع نقصان کا اختیار بلکہ اپنی موت و حیات پر اختیار بخشا گیا جو بدعقیدہ گستاخ شخص نبوت کی ان شانوں کو نہیں مانتا وہ بھی يَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ۔ ہے ایسا بندہ ہزار عبادتیں کرے پھر بھی متقی نہیں ہو سکتا (از فرمودات خواجہ بہاؤالدین شہنشاہِ نقشبند) صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ شیطان چار قسم کے ہیں پہلا شیطان ابلیس اسی کی تین صفات ہیں پہلی صفت لعین، دوسری رجیم تیسری مرید، دوسرا شیطان خبیث جنات یہ ابلیس کی صفتِ لعنت سے موصوف ہوتے ہیں، تیسرا شیطان مُفسد اور تخریب کار انسان یہ ابلیس کی صفتِ رجیم سے موصوف کیا جاتا ہے۔ چوتھا شیطان بے غیرت انسان یہ ابلیس کی صفتِ مرید سے متصف کیا جاتا ہے۔

كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ

ازلی فیصلہ کر دیا گیا ہے اس اتباع پر کہ بے شک یہ شیطان جو بھی دوست سمجھے گا اس کو تو یقیناً وہ شیطان گمراہ کر دے گا اس شخص کو

جس پر لکھ دیا گیا ہے کہ جو اس کی دوستی کرے گا تو یہ ضرور اسے گمراہ کر دے گا

marfat.com

وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ ﴿۴﴾ يٰۤاَيُّهَا

اور چلائے گا اس کو جہنم کے عذاب کی طرف ۔ اے

اور اُسے عذاب دوزخ کی راہ بتائے گا ۔ اے

النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ

انسانوں اگر ہو تم اُس شک میں جو جی اٹھنے میں ہے

لوگو اگر تمہیں قیامت کے دن جینے میں کچھ شک ہو تو یہ غور کرو

فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ

تو بے شک ہم نے ہی پیدا کیا ہے مٹی سے پھر نطفے سے

کہ ہم نے تمہیں پیدا کیا مٹی سے پھر پانی کی بوند سے

ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ

پھر جمے خون سے پھر جاندار لوتھڑے سے اور کچھ بے جان ہی (نکل پڑے) تاکہ بتائیں ہم تم کو اور

پھر خون کی پھٹک سے پھر گوشت کی بوٹی سے نقشہ بنی اور

غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ ؕ وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ

ہم ٹھہرا دیتے ہیں رحموں میں جتنا چاہیں

بے بنی تاکہ ہم تمہارے لیے اپنی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور ہم

مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

مقرر مدت تک پھر ہم نکالتے ہیں تم کو

رکھتے ہیں ماؤں کے پیٹ میں جسے چاہیں ایک مقررہ میعاد تک پھر

marfat.com

نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا

بچہ بنانے کے لیے پھر البتہ پہنچ جاتے ہو تم اپنی جوانیوں کو

تمہیں نکالتے ہیں بچہ پھر اس لیے کہ تم اپنی جوانی کو

اَشُدَّكُمْ ۚ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ

اور کچھ تم سے فوت کر دئے جاتے ہیں اور تم میں سے کچھ

پہنچو اور تم میں سے کوئی پہلے ہی مرجاتا ہے اور

يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ

وہ ہیں جو رکھے جاتے ہیں بیکاری کی عمر تک تاکہ جاہل بن جائے بہت کچھ جاننے کے بعد

کوئی سب میں نکمی عمر تک ڈالا جاتا ہے کہ جاننے کے بعد

بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا ؕ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً

اور تم دیکھتے ہو زمین میں خشک سالی کی حالت کو پھر

کچھ نہ جانے اور تو زمین کو دیکھے مرجھائی ہوئی پھر

فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ

جب ڈالا ہم نے اس پر پانی تازہ ہوگئی اور ہری بھری ہو گئی

جب ہم نے اس پر پانی اتارا تر و تازہ ہوئی ۔

وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ ۝۵

اُگائی مختلف، قسم کے خوب صورت پودے

اور اُبھر آئی اور ہر رونق دار جوڑا اُگا لائی

marfat.com

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق، پچھلی آیت میں شیطان کی دوستی اور اس کی اتباع کی برائی فرمائی گئی تھی اب ان آیت میں اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ اس کی دوستی ہمیشہ نقصان ہی دیتی ہے کیونکہ وہ دوست بن کر بھی دشمن ہے گمراہ ہی کرتا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں یٰاَیُّھَا النَّاسُ کا خطاب فرما کر تقوے کا حکم اور قیامت کے زلزلے سے ڈرایا گیا۔ اب ان آیت میں یٰاَیُّھَا النَّاسُ کا خطاب فرما کر ہی منکرینِ قیامت کو ایک مضبوط دلیل سے قیامت کے ثبوت کا یقین دلایا جا رہا ہے جس سے ثابت ہوا کہ یٰاَیُّھَا النَّاسُ کے خطاب میں صرف کفار ہی مراد ہوتے ہیں۔ تیسرا تعلق، پچھلی آیت میں قیامت کے زلزلے کی ہیبت اور سختی کے نتائج میں ایک یہ بات بھی بیان ہوئی کہ حاملہ عورتوں کے حمل دہشت سے گر جائیں گے۔ اب ان آیت میں حمل کی حقیقت بیان فرمائی جا رہی کہ حمل کیا چیز ہے۔

تفسیر نحوی كُتِبَ عَلَيْهِ اَنَّهٗ مَنْ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ يُضِلُّهٗ وَيَهْدِيْهِ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ۔ كُتِبَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب كَتْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لکھنا یہاں مراد ازلی تقدیری لکھائی یعنی فیصلۂ الٰہیہ عَلٰی حرفِ جر بمعنیٰ لام جارہ یعنی اُس کے لیے ہٖ ضمیر کا مرجع مَنْ تُجَادِلُ کا مَنْ ہے یا اِتّباع ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیرِ شان ہے بمعنیٰ حالت کیفیت قانون یہاں بمعنیٰ لام جارہ یعنی اُس کے لیے ہٖ ضمیر کا مرجع یا یہ ضمیرِ صیغہ ہے بمعنیٰ وہ لیکن مرجع شیطٰن ہے یہ قول زیادہ درست ہے تب ترکیب میں یہ ضمیر اسم ہے اَنَّ کا مَنْ اسم موصول شرطیہ، تَوَلّٰی، بابِ تَفَعُّل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل اس کا مصدر ہے تَوَلِّیٌ، وَلْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ دوست بنا لازم ہوتا ہے یہ مادہ بابِ تَفَعُّل میں آکر متعدی بیک مفعول ہوا بمعنیٰ دوست بنانا اِس کا فاعل ضمیرِ صیغہ اس کا مرجع مَنْ ہے ہٗ ضمیر ظاہر مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہٖ اس کا مرجع شیطٰن ہے یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا یہ دونوں مل کر شرط ہوئی فَ حرف جزا اَنَّ حرفِ مشبہ ہٗ ضمیر کا مرجع شیطٰن ہے منصوب ہے کیونکہ اسم ہے اَنَّ کا يُضِلُّ بابِ افعال کا فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِضْلَالٌ بمعنیٰ گمراہ کرنا ضَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ گمراہ ہونا اور بھی اِس کے بہت سے معنیٰ ہیں یہاں گمراہی کے معنیٰ میں ہے مادہ لازم مگر بابِ افعال میں متعدی ہوا، اس کا فاعل ضمیر پوشیدہ ہے مرجع شیطٰن ہٗ ضمیر ظاہر کا مرجع مَنْ ہے یہ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ يَهْدِيْ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مستقبل هَدْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ راستہ دکھانا، راستے پر چلانا یہاں یہ ہی معنیٰ ہیں اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہٗ پوشیدہ کا مرجع شیطٰن ہے ہٖ ضمیر ظاہر کا مرجع مَنْ ہے یہ ضمیر منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اِلٰی جارہ انتہا کے لیے عذاب اسم مفرد جامد بمعنیٰ سزا، مصیبت، تکلیف

marfat.com

مضاف ہے السَّعِیر۔ اسم مفرد معرفہ مبالغہ صفت مشبہ یہاں جامد ہے دوزخ کے پہلے حصے کا نام جہاں طبقہ نار ہے سعیر بر وزن فعیل سُعُرٌ سے مشتق ہے بمعنی آگ بھڑکانا پورے دوزخ کا نام جہنم ہے اس کے حصوں کے مختلف آٹھ نام ہیں ١ سعیر ٢ لظیٰ ٣ حطمہ ٤ سقر ٥ جحیم ٦ زمہریر ٧ ھاویہ ٨ اَسْفَلُ السَّافِلِین، السعیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَھْدِیْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف یُضِلُّ پر دونوں مل کر خبر اَنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہوئی مَنْ تَوَلَّاہُ کی شرط و جزا مل کر خبر اَنَّ یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر نائب فاعل ہے کُتِبَ کا، وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنْ کُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَۃٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَۃٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَۃٍ مُّخَلَّقَۃٍ وَّغَیْرِ مُخَلَّقَۃٍ لِّنُبَیِّنَ لَکُمْ۔ خیال رہے کہ یہ آیت ٥ قرآن مجید کی بڑی آیت میں سے ایک ہے اس کے کل حروف دو سو آٹھ ہیں کل بڑی مختلف سورتوں میں اکتیس عدد ہیں، ان میں پہلی بقرہ کی آیت ٤٩ ہے اور آخری بڑی آیت سورۃ مدثر کی آیت ٣١ ہے۔ ان بڑی آیتوں میں سب سے بڑی آیت سورۃ بقرہ کی ٢٨٢ ہے جس کے حروف چار سو پینتالیس ہیں اور سب سے چھوٹی آیت بقرہ کی آیت ٢٥٥ آیت الکرسی ہے اس کے حروف ایک سو اسی ہیں۔ یا حرف نداء اَیُّھَا برائے فاصلہ تاکہ یاء علیحدہ رہے اور مکمل رہے یَنْ نہ پڑھا جائے اَلنَّاسُ یہ اسم جمع اِنْسَانٌ اس کا واحد کوئی نہیں یا اسم جنس ہے کہ واحد و جمع دونوں کے لیے ہے یہ منادیٰ معرفہ ہے۔ اِنْ حرف شرط کُنْتُمْ، فعل ماضی مطلق تامہ جمع مذکر حاضر مخاطبہ ضمیر صیغہ کا مرجع اَلنَّاسُ ہے فِیْ حرف جر ظرفیہ قلبی (مجاز مکانی) کے لیے رَیْبٍ اسم حاصل مصدر جامد نکرہ بمعنی وہم، ذہنی وسوسہ موصوف ہے مِنْ حرف جار بیانیہ اَلْبَعْثِ اسم مصدر معرف باللام الف لام عہدی بَعْثٌ بمعنی اٹھنا کہیں ضروری جانا مراد ہے قیامت کا اٹھنا یہ جار مجرور متعلق ہے کَائِنٌ اسم فاعل تامہ پوشیدہ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے رَیْبٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے کُنْتُمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر شرط ہے فَ حرف جزا۔ اِنَّا دراصل اِنَّ نَا ہے اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر بارز منصوب متصل اسم ہے اِنَّ کا خَلَقْنَا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع متکلم خَلْقٌ سے مشتق ہے بمعنی نیست سے ہست کرنا مادہ (میٹریل) بنانا یہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے اس کا کوئی مشتق کسی بندے کی طرف استعمال کرنا گمراہی و جہالت ہے حضرت عیسیٰ کا اِنِّیْ اَخْلُقُ کہنا روح اللہ ہونے کی بنا پر تھا اور آپ نے واقعی صفت الٰہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک پرندہ بنا کر پھر اس میں جان ڈالی تھی، کُمْ ضمیر کا مرجع اَلنَّاسُ ہے منصوب متصل مفعول بہ ہے مِنْ جارہ ابتداء غایت کے لیے یعنی ابتدا بتانے کے لیے تُرَابٍ اسم مفرد جامد نکرہ موصوف بمعنی زمینی مٹی، لغت میں زمین ہی کا نام تراب ہے یہ جار مجرور معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف

marfat.com

زانی یعنی ہیدر کے لیے مِن جارّہ ، آیت میں سب جگہ مِن اپنے معنیٰ (ابتداءِ غایت) کے لیے نُطْفَۃٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ عورت مرد کا مادہ منویہ جو ہر دو کی منی میں ہوتا ہے کسی مرد عورت میں نہیں ہوتا تو ان کی منی سے بچہ نہیں ہوتا لہٰذا ہر منی نطفہ نہیں اور ہر نطفہ کو منی بھی کہہ سکتے ہیں گویا ان میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے ثُمَّ حرف عطف مِن جارّہ عَلَقَۃٍ اسم مفرد جامد (مشتق نہیں) بمعنیٰ جما ہوا گیلا تازہ خون مراد نطفہ کا خون بننا ، ثُمَّ عاطفہ مِن جارّہ مُضْغَۃٍ اسم مصدر جامد مت مصدر یہ ہے موصوف ہے مُخَلَّقَۃٍ باب تفعیل کا اسم مفعول بمعنیٰ مخلوق بنایا ہوا پیدا کیا ہوا ، جان والا معطوف علیہ واؤ عاطفہ غَیْرِ اسم مفرد جامد مضاف ہے مُخَلَّقَۃٍ مضاف الیہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف صفت ہے مُضْغَۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر سب عطف ترتیب مل کر متعلق ہے خَلَقْنَا کا ، لام حرفِ تعلیل نُبَیِّنَ باب تفعیل کا مضارع جمع متکلم لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے یہ فعل با فاعل اور متعلق جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے خَلَقْنَا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ اپنے اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی اِنْ کُنْتُمْ کی یہ شرط و جزا مل کر جوابِ ندا ہوا سب مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا

وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّکُمْ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا ۔ وَتَرَی الْاَرْضَ هَامِدَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍۢ بَهِیْجٍ ۔ واؤ سر جملہ نُقِرُّ باب افعال مضارع جمع متکلم اِقْرارٌ مصدر قَرٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ قائم رکھنا فِی ظرف مکانی کے لیے اَلْاَرْحَامِ جمع مکسر رِحْمٌ مجرور متعلق ہے مَا اسم موصول بیانی بمعنیٰ جتنا یا جس کو مفعول فیہ یا مفعول بہ نَشَآءُ کا نَشَآءُ باب فتح کا مضارع جمع متکلم شَیٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ قائم رکھتا انتہا بتانے کے لیے اَجَلٍ اسم جامد بمعنیٰ مدت مُسَمًّی اسم مفعول باب تفعیل سے سُمُوٌّ یا سُمْیٌ سے بنا ہے مصدر ہے تَسْمِیَۃٌ بمعنیٰ مقرر کرنا صفت ہے اَجَلٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے نَشَآءُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مفعول بہ ہے نُقِرُّ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ نُخْرِجُ باب افعال کا مضارع جمع متکلم با فاعل پوشیدہ کُمْ ضمیر مفعول بہ طِفْلًا اسم مفرد جامد بمعنیٰ بچہ مفعول لہٗ ہے کُمْ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ نُخْرِجُ سب نے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ لام گے حرفِ تعلیل اس میں اَنْ ناصبِ مضارع پوشیدہ ہوتا ہے تَبْلُغُوْا باب نصر کا مضارع جمع مذکر حاضر بُلُوْغٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بالغ ہونا پہنچنا دراصل تَبْلُغُوْنَ تھا نونِ اعرابی فتحہ کی وجہ سے گر گئی ۔ اَشُدَّ اسم جمع مکسر شِدٌّ کی بمعنیٰ جوانی مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب مفعول بہ ہے تَبْلُغُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر عطف تعلیلی ہے نُخْرِجُ پر وہ دونوں مل کر معطوف ہے نُقِرُّ کے جملے پر سب مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا

marfat.com

واؤ بر جملہ مِنۡکُمۡ جار مجرور متعلق ہے یَکُوۡنُ فعل پوشیدہ یہ جملہ فعلیہ تامہ ہو کر مبتدا مَنۡ اسم موصول یُتَوَفّٰی باب تَفَعُّلٌ مضارع مجہول وَفیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ فوت ہونا عمر پوری ہونا، ختم ہونا یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ خبر مبتدا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مِنۡکُمۡ اسی طرح جملہ ہو کر مبتدا ہے مَنۡ موصولہ یُرَدُّ باب نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب رَدُّ سے بنا ہے بمعنیٰ حسبِ سابق ہونا، رد ہونا۔ پہلے حالات کی شل ہونا اِلٰی جارہ انتہا کے لیے اَرۡذَلِ باب سَمِعَ کا اسم تفضیل رَذۡلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھٹیا، کمزور موصوف یا مضاف ہے لفظ عمر اسم جامد ہے زندگی کو عمر اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس سے جسم کی تعمیر ہوتی ہے اَلۡعُمُرُ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یُرَدُّ کا لِکَیۡ لام مکسورہ تاکید یہ کے حرف تعلیل بمعنیٰ تاکہ لَا یَعۡلَمَ باب سَمِعَ کا مضارع منفی منصوب کے کی وجہ سے ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل بَعۡدَ عِلۡمٍ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے شَیۡئًا اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ کچھ مفعول بہ لَا یَعۡلَمَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے یُرَدُّ کی وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَنۡ کا موصول صلہ خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا پہلے مِنۡکُمۡ پر سب مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا، واؤ بر جملہ تَرَی باب فَتَحَ کا مضارع واحد مذکر حاضر رَاۡیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دیکھنا اَلۡاَرۡضَ بمعنیٰ کھیتی والی زمین ذوالحال ھَامِدَۃً حال یا دونوں دو علیحدہ مفعول بہ ہیں اسم فاعل واحد مؤنث ھُمُوۡدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنیٰ خشک بنجر یہ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے تَرَی فعل با فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، فَ زائدہ برائے تعقیب اِذَا حرف شرط اَنۡزَلۡنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مصدر ہے اِنۡزَالٌ بمعنیٰ اتارنا عَلٰی جارہ فوقیت کا بمعنیٰ اوپر ھَا ضمیر کا مرجع اَرۡض یہ جار مجرور متعلق ہے اَلۡمَآءَ اسم مفرد معرفہ بمعنیٰ پانی مراد ہے بارش مفعول بہ ہے اَنۡزَلۡنَا سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ اِہۡتَزَّتۡ بابِ افتعال ماضی مطلق واحد مؤنث غائب مصدر ہے اِہۡتِزَازٌ ھَزٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ جھومنا ترو تازہ ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ رَبَتۡ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب رَبۡوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ہرا ابھرا ہونا۔ بلندی میں بڑھنا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنۡبَتَتۡ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب اس کا مصدر ہے اِنۡبَاتٌ نَبۡتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اُگانا، اُگنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ ان تینوں فعلوں کے فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اَرۡض ہے مِنۡ حرف جر تبعیضیہ کُلِّ مضاف زَوۡجٍ اسم مفرد لفظاً واحد معناً جمع بمعنیٰ قسم قسم بَہِیۡجٍ بابِ کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ واحد مذکر بروزن فَعِیۡلٌ بَہۡجٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نفیس عمدہ، صفت ہے زَوۡجٍ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے کُلِّ کا یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے اَنۡبَتَتۡ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یہ تینوں عطف مل کر جزا ہے اَنۡزَلۡنَا کے جملے کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ کُتِبَ عَلَیۡهِ اَنَّهٗ مَنۡ تَوَلَّاهُ فَاَنَّهٗ یُضِلُّهٗ وَیَهۡدِیۡهِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیۡرِ

marfat.com

ابلیس شیطان کی تقدیری قسمت میں یہ لکھدیا گیا ہے کہ یہ کبھی کسی کا خیر خواہ نہیں ہے نہ کبھی تھا نہ کبھی ہوگا خواہ کسی بھیس کسی حلیے میں آکر کیسی ہی قسمیں کھاتا دوستی جتاتا آجائے اے انسانو ہمیشہ تمہارا بدخواہ اور اندرونی دشمن ہی رہے گا تمہارا نقصان ہی کرے گا تم چاہے عملی یا قولی کتنی ہی اس کی اتباع کرو اور دوستی بناؤ۔ لہٰذا تم کو خبردار کیا جا رہا ہے کہ دھوکہ میں نہ آنا، اس سے دوستی نہ لگانا نہ قولی نہ عملی نہ ظاہری نہ باطنی نہ ایمانی نہ عقائدی، کیفیت یہ ہے کہ جسنے بھی اس کو دوست سمجھا یا اچھا جانا خواہ ظاہراً باطناً کافر بن کر یا صرف باطناً فاسق بن کر کہ منہ سے تو برا کہتے رہے مگر مانی ہر بات ہر وقت اُسی کی دن کے وسوسے رات کی تھپکیاں اسی کی مانیں تو یاد رکھو کہ ایسے بیوقوف و بدنصیب دوستی لگانے والوں کو وہ ہمیشہ گمراہ ہی کرے گا اگرچہ عوام کو ظاہراً وہ بات اچھائی لگتی ہو یہ ظاہر و باطن کا فرق ہونا بھی شیطان کی مکاری اور بدبختی ہی ہوتی ہے اُس کی تو ہدایت بھی جہنم کے راستے کی طرف ہی ہوتی ہے اور ایسے بیہودہ لہو یات لعبیات لغویات بے حیائی بے غیرتی کے کفریہ فسقیہ کام کرواتا ہے جو عذابِ جہنم کے ہی اسباب بنتے ہیں یہ ہی حال انسانی شیطانوں کی دوستی کا ہے یہ سب اسی ابلیس شیطان مرید کی اتباع میں ہیں نہ تقوئے رب نہ شرمِ نبی نہ خوفِ قیامت بلکہ بلا علم بغیر تفکر تدبر قیامت اور قیامت میں دوبارہ اپنے پیدا ہونے اور سزا و جزا ملنے کی قدرت کا بھی انکار کئے پھرتے ہیں اگر یہ جہان کے آثار چڑھاؤ کمال و زوال پر غور نہیں کرتے تو کم از کم صرف اپنے آپ میں ہی غور کر لیں تو ان کی کبھی بھی خلقت ثانیہ کے انکار کی جرأت نہ رہے مگر شیطان کے پھندے میں ایسے گمراہ ہوتے ہیں کہ اپنے دوستوں کو بھی گمراہ کر دیتے ہیں اور اس گمراہی و گمراہ گری کو خیر خواہی سمجھتے ہیں۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ۔ اے ابلیس کی ماننے والو اور ہر قول و فعل و عقیدے میں شیطان مرید کے فرمانبردارو اگر تم تمام کو قیامت میں اپنے دوبارہ زندہ ہونے کا یقین نہیں آتا ریبیت میں ہی پڑے ہوئے ہو تو اپنی اس پہلی پیدائش میں ہی غور کر لو تو تم کو دوسری پیدائشِ قیامت کا یقین ہو جائے گا اور وہ شیطانی رَیب ختم ہو جائے گا جس کی بنا پر تمام قدرتوں خلقتوں کے منکر بنے ہوئے ہو، تو غور کرو کہ بے شک ہم نے تم سب انسانوں کو اسی زمینی مٹی سے پیدا کیا، اس طرح کہ مٹی سے بیج۔ بیج سے سبزیات، سبزیات سے غذائیات سے عورت و مرد میں نطفہ پیدا کیا، پھر مرد کی پشت سے عورت کی ترائبِ سینہ سے منتقل ہو کر رحمِ والدہ میں آیا۔ اس کو وہاں علقہ یعنی بنایا یعنی جما ہوا خون پھر اُس جمے خون کو مضغہ بنایا یعنی گوشت کا لوتھڑا، پھر گوشت کے

marfat.com

لوتھڑے میں شاخیں پھوٹیں جو ظاہری اعضا بن گئے اور باطنی ہڈیاں بن گئی انسانی جسم میں ہڈیوں کی تعداد دو سو چھ[۲۰۶] ہے پسلیوں کی تعداد ۲۴ ہے چہرے کی ہڈیوں کی چودہ[۱۴] ہے ریڑھ کی ہڈیوں کی گھنڈیں بتیس[۳۲] ہیں ہتھیلی کی ہڈیوں کی تعداد ستائیس[۲۷] ہے، سب سے سخت ہڈی دانتوں کی ہوتی ہے اور سب سے نرم مُرکنی چپنی ہڈی ناخن کی ہڈی ربڑ کی طرح نرم انسانی جسم میں تقریباً اسی ہزار[۸۰۰۰۰] مسامات (خلیے) ہیں کسی بھی ہڈی میں مسامات نہیں ہوتے اگر یہ مسامات بند کر دئے تو وہ حصہ سُن ہو جاتا ہے کچھ درد وغیرہ محسوس نہیں ہوتا سُن کرنے والا انجکشن مسامات ہی بند کرتا ہے۔ اطبا کے نزدیک تمام انسانوں کے خون صرف چار قسم کے ہوتے ہیں جسے انگلش میں گروپ کہتے ہیں۔ عام بلڈ پریشر ۲۰ سے ۲۰۰ تک ہونا چاہیئے۔ پھر کسی کو مخلقہ کر دیا یعنی روح ڈال کر مکمل مخلوق قابلِ پیدائش و ولادت بنا دیا تو وہ پورا آدمی بن گیا، اور کسی مُضغہ کو غیر مخلقہ ہی رہنے دیا، یا اس طرح کہ لوتھڑا ہی رہا۔ یا اس طرح کہ کچھ اعضا بن گئے، کچھ نہ بنے یا اس طرح کہ تمام اعضا بن گئے مگر جان نہ پڑی اور اسی طرح یہ سب غیر مُخلقہ رہ کر ہی ضائع ہو گئے۔ یہ درجہ بدرجہ تم انسانوں کی پیدائش عدم سے وجود میں اور نیست سے ہست میں لا ئیگئی اور یہ شکل وعقل ناک نقشہ کس بے مثال ترتیب وترکیب سے حسن وجمال والا اس قدرتوں والے خالق تعالیٰ نے اس وقت بنا دیا جب تم کچھ بھی نہ تھے یہ سب اس لیے ہوا کہ لِنُبَيِّنَ لَكُمْ، تاکہ تمہارے علم، فہم، عقل، شعور درست کرنے کے لیے اور تمہارے تفکر و تدبر کو قائم کرنے کے لیے ہم تمہارے لیے اپنی قدرت کی نشانیاں ظاہر فرمائیں اور تم ان میں غور کر کے اپنے خالق تعالیٰ کی قدرتِ عاملہ وقوتِ کاملہ پر صدقِ قلبی، تصدیقِ عقلی اور اقرارِ لسانی سے ایمان لاؤ۔

وَنُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ۔ اور ہم ہی تمہارے جسموں کو جان پڑنے کے بعد بھی کچھ مقررہ مدت کے دنوں تک رحموں میں ٹھہرائے رکھتے ہیں تاکہ ہماری قدرت کی یہ نشانیاں بھی تم سے پوشیدہ نہ رہیں اور تم اپنے حکیمانہ تجربوں طبیبانہ مشاہدوں ڈاکٹری طریقوں، سائنسی مشینوں ایکسروں خوردبینوں کے ذریعے انسانی پیدائش کے ان تمام مرحلوں، منزلوں بدلتی حالتوں جرثوموں، جراثیموں کی نشو ونما پاتی کیفیتوں کو غور وتدبر سے دیکھ لو یہ سب کچھ ہم نے ہی تم کو دکھایا ہے اگر ہم پردہ رکھنا چاہتے تو تم کچھ بھی نہ دیکھ سکتے سب کچھ تم سے چھپا رہتا تمہاری سائنسی طاقتیں مشینی قوتیں قبل اور ناکام ہو جاتیں اب بھی جتنا ہم چاہتے ہیں وہی تم دیکھ سکتے ہو جو نہ چاہیں وہ نہیں دیکھ سکتے مضغہ کو تم نے دیکھ لیا مگر اس سے آگے آج تک تم نہ جان سکے کہ رحمِ مادر میں یہ مضغہ کیا بن گیا نر یا مادہ، مذکر یا مؤنث یا خنثیٰ یا ناقص یا کامل سالم، اور یہ بھی تمہارے لیے غور وفکر کی ہماری ایک قدرت کی بڑی نشانی ہے کہ اُلٹے اور کھلے منہ والے رحم میں اُس مخلقہ اور غیر مخلقہ مضغے کو اُن کے رحموں میں جتنی دیر ہم چاہتے ہیں ٹھہرائے

marfat.com

رکھتے ہیں، ہر حمل کے لیے ایک مدت مقرر ہے مخلق حمل کی مدت قرار کم از کم چھ ماہ زیادہ سے زیادہ نو ماہ یہ عام ہے اور دو سال یہ شاذ ہے اور چار سال یہ نادر ہے، حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ مخلقہ حمل کی پیشانی یا سینے پر فرشتہ بحکم الٰہی سات چیزیں لکھ دیتا ہے ۱ عمر ۲ عمل ۳ رزق ۴ سعید یا شقی ۵ مقام وطنیت ۶ مقام موت ۷ مقام قبر یعنی کتنی اور کہاں ہے، پھر جب تمہاری رحمی مدت پوری ہو جاتی ہے تو تم کو طفل بنانے کے لیے نکال دیتے ہیں یعنی نہایت نازک لاغر، بے عقل بے علم بے فہم محتاج کمزور بچہ پھر ہم ہی رحم مادر سے نکال کر آغوش مادر کی مشفقانہ ماتا میں رکھتے ہیں تاکہ تم اپنی ظاہری باطنی جسمانی عضوی عقلی علمی فکری عملی کبھی بھرپور جوان قوت و شدت کو پہنچو۔ عمر اشد میں اطباء محققین کے پانچ قول ہیں ۱ اٹھارہ سالہ عمر ۲ پچیس سالہ ۳ تیس سالہ ۴ بتیس سالہ ۵ چالیس سالہ عمر، یہ آخری قول زیادہ صحیح ہے اسی عمر میں انسانی عقل فکر تجربہ مکمل ہو کر پختہ تر ہوتے ہیں۔ اور چالیس سال لوگوں میں مقبول مانا جاتا ہے، یہ عوام کی اشدِ عمر کا ذکر ہے۔ لیکن انبیاءِ کرام علیہم السلام بچپن میں ہی عقل و علم کے عروج پر پختہ تر ہوتے ہیں۔ اور چالیس سال کی عمر میں اذن نبوت ملنا عوامی مقبولیت ہونے کے اعتبار سے ہے تاکہ عوام کی نظر میں عمری نامقبولیت کا باعث نہ بنے کیونکہ عوام کی نظروں میں اس عمر سے پہلے چھوٹا اور غیر معتبر شمار ہوتا ہے۔ خاص کر بوڑھے لوگ اس کی بات کو چھوٹی عمر کا سمجھ کر رد کر دیتے ہیں اور اس کی نصیحت ماننے کو اپنے لیے عار سمجھتے ہیں اس عمرِ اشد کے بعد وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ یہ قدرت و حکمت کی ایک نشانی ہے جو عبرت آخرت کے لیے دن رات تم کو دکھائی جا رہی ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ اپنے بچپن بلوغت نوجوانی جوانی میں ہی اپنی عمریں پوری کر کے فوت ہو جاتے ہیں اور کچھ لوگ باقی رکھے جاتے ہیں کمزور اور نکمی عمر تک تاکہ پھر بچپن کی طرح بے علم بے عقل ہو جائیں کہ علم سے استفادہ نہ کر سکیں اور اپنی اس اصلی حقیقت کو جان لیں جو بچپن میں نہ جان سکے تھے اور اپنے علم و ہنر قوت و طاقت حسن و جوانی پر غرور کئے پھرتے تھے۔ ارذل عمر بڑی سخت چیز ہے یہاں تک کہ بعض سخت بڑھاپے میں لکھا پڑھا بھی بھول جاتے ہیں۔ علم پڑھنے ہنر سیکھنے کسب جاننے کے بعد پھر کچھ نہ کچھ جانتے کیا قدرت الٰہی ہے اللہ اکبر ؎

اگر چہ صد علم از بر بدانی چوں پیری شُد الف بَ تَ ندانی

اس تغیر تبدل میں حکمت ربانی یہ بھی ہے کہ کوئی بندہ اپنی کسی بلندی بڑائی بڑھائی پر ناز نخرہ بھروسہ اور غرور نہ کرے نہ عمر، قوت، طاقت پر نہ ہنر جوانی قدرت پر نہ علم عقل کسب پر نہ یہ سمجھے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے نیکی کرنے کے لیے بلکہ ؎

اُترنے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کرلے اندھیرا پاکھ آتا ہے یہ دو دن اُجالا ہے

marfat.com

کسی کو نہیں پتہ کہ اُس کی موت کب آجائے مَنْ يُّتَوَفّٰى والوں میں سے یا مَنْ يُّرَدُّ، والوں میں۔ سے

موت نہ دیکھے حسن و جوانی نہ یہ دیکھے بچپن خواہ ہو عمر اٹھارہ برس کی یا ہو جاوے پچپن

ویسے تو تمام مخلوق ہی قدرتِ الٰہی کا عظیم حیران کُن شاہکار ہے، مگر انسان کی خلقت خود انسان کے لیے ایک عجیب کرشمہ ہے، جب طب کی دنیا میں پہنچ کر اپنے آپ میں غور کرتا ہے بنظرِ بصارت اور فکرِ بصیرت سے تو قدرت کے شاہکار دریاؤں میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور فرطِ حیرت میں عاجز رہ جاتا ہے کہ خلاقِ کائنات نے جسمِ انسانی کے اندر کتنا بہترین اور زبردست مضبوط کارخانہ قائم فرمایا ہے جب انسان غذا کھانے لگتا ہے تو پہلے چھ جگہ اُس غذا کا معائنہ ہوتا ہے ۱ہاتھ نے اُس کی گرمی سردی کا معائنہ کر کے منہ کے قابل بنا دیا ۲پھر ہونٹوں نے اُس کی سختی نرمی کا اندازہ لگا لیا ۳پھر زبان نے اس کی لذت معلوم کر کے غذا کے نفع نقصان کا پتہ لگا لیا ۴پھر دانتوں نے اس میں کنکر پتھر ریت مٹی کو جان لیا ۵پھر حلق نے اس کی ملاحت و کسلاحت کو سمجھ لیا، جہاں بھی غذا میں نقصان اور غلطی ہوئی اُس معائنہ ٹیم اور طبی گروہ نے غذا کو آگے نہ بڑھنے دیا، ہاتھ نے نوالہ جھٹک دیا ہونٹوں نے پھینک دیا، زبان نے اُگلدیا، دانتوں نے قبول نہ کیا اور حلق نے اُبکائی کر دی ۶ ہونٹوں سے پہلے قدرت نے ناک کو قائم فرما دیا جس نے غذا کی بدبو، خوشبو، سڑاند بھساند کو جان لیا اور ہونٹوں کو غذا لینے سے منع کر دیا، جب ہر طرح سے درست بن کر غذا اندر پہنچی تو اندرونی مشینی کارخانے نے غذا کو پانچ حصّوں میں تقسیم کر دیا ۱فضلہ ۲عمدہ ۳بلغم ۴خون ۵نطفہ پھر اگلی قدرتی مشین نے نطفے میں پانچ چیزیں بنائیں پہلی جرثومہ کیا شانِ عظیم ہے قدرتِ خالق کی کہ ایک ہی غذا مرد کے اندر کچھ اور بنا رہی ہے عورت کے اندر کچھ اور یہ نطفہ مرد کی پیٹھ میں رہ کر عورت کے سینے میں ترائب کے اندر اور شکمِ مادر سے ہی رحم کے مخلقہ حملِ مذکر و حملِ مونث کے اندر اپنے اپنے مقام میں امانت رکھدیا، اسی جرثومے کو عربی میں نسمہ کہتے ہیں ولادت کے بعد سے بلوغت تک جرثومہ ہی رہتے ہیں بلوغت کے بعد مضبوط غذائیں کھا کر یہ جرثومے بڑے ہو جاتے ہیں اور اُن کو عربی ذُرّیت یا ذرّہ کہتے اُردو میں جراثیم جب یہ حالت ہوتی ہے تو بچہ بالغ اور بالغہ مانا جاتا ہے بلوغت سے پہلے نطفہ جرثومہ ہی رہتا ہے اور جرثومہ مخلقہ نہیں ہو سکتا، اسی لیے اگر کوئی نابالغ مذکر کسی بالغہ یا نابالغہ عورت سے صحبت کرے تو کبھی حمل نہیں ٹھہر سکتا جب نطفہ جراثیم بن جائے تب وہ حملِ نطفہ عَلَقَہ یا مضغہ اور مخلقہ یا غیر مخلقہ بن سکتا ہے۔ نطفے کی دوسری چیز، یہی جراثیم، تیسری چیز مادہ منویہ، یہ جراثیموں کی غذا ہے چوتھی چیز آبِ مذی یہ نطفے کو چلانے پھرانے اور آلہ تناسل تک لانے کے لیے ہے گویا یہ اُس کا رہائشی گھر ہے جیسے مچھلی کے لیے پانی پانچویں چیز ودی یہ نطفے کے راستے

marfat.com

کو رزم بنانے والی گرلیس ہے اگر یہ خارج نہ ہو تو جوشِ نطفہ سے رگیں پھٹ جائیں، حضرت آدم کو اُن کی پشت سے نکال کر یہی جرثومے اور جراثیم دکھائے گئے تھے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص۲۳ پر باب القدر میں ہے۔ مرد کا نطفہ جاندار جرثومہ اور جراثیم ہوتا ہے۔ عورت کا نطفہ بے جان چھوٹے انڈے کی شکل کا ہوتا، بے جان اور بیجانی روح سے نہیں بلکہ مثل نباتات نشوونما کی حرکت ہوتی ہے، عورت کا انڈا مثل جمادات بے نشوونما، مرد کے نطفے سے علقہ مضغہ اور اعضاءِ ظاہری و باطنی بنتے ہیں۔ عورت کے نطفے سے کھال بال بنتے ہیں۔ سورۃ طارق کی آیت ۵ تا ۷ میں اسی کا ذکر ہے۔ فَلْيَنْظُرِ الْإِنْسَانُ مِمَّ خُلِقَ خُلِقَ مِنْ مَّاءٍ دَافِقٍ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ۔ صُلب سے مُراد مَرد کی پیٹھ والی ریڑھ کی ہڈی ہے اور ترائب سے مراد عورت کے سینے کی پسلیاں ہیں، غذا سے یہ اشیا غذا کے چار ہاضموں کے ذریعے بنتی ہیں ۱ ہضم فضلہ معدہ میں ۲ ہضم تیزابیت سے ۳ ہضم گبدی کلیجی سے ۴ ہضم دموی خون سے، اہر غذا میں چار عنصر ہوتے ہیں۔ مٹی، پانی، آگ، ہوا، نطفہ جراثیم جب شکمِ مادر میں پہنچتا ہے تو اس میں نو تبدیلیاں ہوتی ہیں، پہلی تبدیلی وہ جراثیم بڑھتے بڑھتے علقہ یعنی منجمد خون بن جاتا ہے۔ دوسری تبدیلی وہ علقہ بڑھتے بڑھتے مضغہ بن جاتا ہے سوم پھر وہ بڑھتے بڑھتے لحمہ۔ چہارم پھر عظمہ پنجم پھر اعضاءِ ظاہری باطنی ششم، پھر حُلیہ شکل و صورت ہفتم باطن میں نفسِ امارہ، ہشتم پھر حُسن و جمال یا بے حُسنی، نہم نفسِ ناطقہ۔ نو چیزیں نفسِ ناطقہ میں بنتی ہیں۔ عقل، فہم، ادراک، شعور، فراست، بصارت، سماعت شمامت، حساسیت کی قوتیں یہ آخری چار قوتیں اگرچہ حیوانات میں بھی ہیں مگر وہ ناطقہ نہیں کیونکہ ان کی یہ قوتیں عقل و علم سے وابستہ نہیں لیکن انسان اپنی ان قوتوں سے بھی بہت سے علم حاصل کر لیتا ہے ان تبدیلیوں کے مکمل ہونے کے بعد اس جسم میں روح ڈالی جاتی ہے اور وہ مُخَلَّقَۃ ہو جاتا ہے پھر نُقِرُّ کچھ عرصہ رحم میں رکھا جاتا ہے۔ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا پھر اُس کو طفل بنانے کے لیے شکم مادر سے نکال کر آغوشِ مادر میں ڈال دیا جاتا ہے اِس دُنیا میں آکر پھر اس میں نو تبدیلیاں ہوتی ہیں۔ پہلی تبدیلی وہ طفل بن جاتا ہے دوم وہ صبی بن جاتا ہے سوم نابالغ چہارم اَمرَد پنجم بالغ، ششم مَردِ نوجوان بن جاتا ہے ہفتم جوان، ہشتم بڑھاپا یعنی ہرم، نہم سٹھیا یا یعنی خرف ارذل عمر، ثُمَّ يُتَوَفّٰى۔ یعنی پھر موت پھر آخرت کی نو تبدیلیاں، پہلے میت پھر لحد میں عذاب یا ثواب کے ساتھ ۳ برزخی قیام ۴ نفخہ فزع کا دور ۵ پھر نفخہ صعق کا زمانہ ۶ پھر نفخہ قیام کی ساعت ۷ پھر میدانِ محشر کی طرف روانگی ۸ پھر محشر میں حاضری ۹ پھر پُل صراط سے گزرنے کا زمانہ اور پھر جنتی یا دوزخی قیام ابدی، غرضکہ انسان پر تین زمانے گزرتے ہیں ۱ زمانہ شکمِ مادر ۲ زمانہ دنیا ۳ زمانہ آخرت اور ہر زمانے میں نو تبدیلیاں

marfat.com

انسان پر ہوتی ہیں کُل ستائیس ۲۷ تبدیلیوں سے گزر کر انسان اپنی آخری ابدی منزل پر پہنچتا ہے۔ اِن تمام مراحل کی اَصْلِ سمّی کو صحاح کی احادیث اور فقہاءِ کرام کے مشاہدات سے اس طرح بیان فرمایا ہے، پہلا دورِ حمل کی مدتیں چالیس دن تک نطفہ، پھر چالیس دن تک علقہ پھر چالیس دن تک مضغہ پھر چالیس دن تک لحمہ پھر چالیس دن تک عظام پھر چالیس دن تک مکمل مخلقہ پھر چار ماہ بعد نفخِ روح (صادی) پھر تقریبًا قرارِ شکم۔ اِس مدت میں ائمہ اربعہ کا اختلاف ہے۔ کم سے کم چھ ماہ اس میں سب کا اتفاق ہے زیادہ میں اکثریت نوماہ اِس سے زیادہ میں اختلاف ہے چنانچہ امام اعظم اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک دو سال امام شافعی کے نزدیک تین سال اور امام مالک کے نزدیک چار سال مگر یہ بہت شاذ و نادر ہے، حیاتِ دنیوی کی تبدیلیوں کی مدت ولادت کے بعد دو سال تک طفلگی بشیر خوارگی، سات سال تک صبی، دس سال تک نابالغ بارہ سال تک اَمرد۔ چودہ سال کی عمر تک بالغ پچیس سال تک نوجوان، چالیس سال تک جوان، پھر ادھیڑ عمر ساٹھ سال تک پھر بڑھاپا ستر سال تک، اِس کے بعد سٹھیا یا موت تک، تیسرا اور آخری دور یعنی اُخروی تبدیلیوں کی مدت، مرنے کے بعد دو یا تین دن تک زمین پر تجہیز و تکفین کے لیے، پھر قبر کی مدت نفخۂ اُولیٰ تک یہی برزخی قیام ہے، نفخۂ اُولیٰ سے نفخۂ ثانیہ صاعقہ تک چالیس ساعتیں، پھر نفخۂ ثانیہ سے نفخۂ ثالثہ تک بیہوشی کی مدت چالیس ساعتیں، پھر نفخۂ ثالثہ کے قیام سے یَنْسِلُوْنَ کی مدت میدانِ محشر تک چالیس ساعتیں، اِن ساعتوں کی حقیقت حدیث پاک میں ظاہر نہ فرمائی گئی، یا راوی بھول گئے تھے کہ ساعت سے مراد چالیس دن ہیں یا چالیس ماہ یا سال، پھر میدانِ حشر کا قیام ہزار سال کا ایک دن پھر پل صراط سے گزرنا پانچسو سال تک پھر اَبَدًا اَلْآبَاد تک اہلِ جنت کے لیے جنت اور اہلِ جہنم کے لیے جہنم۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ جَعَلَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۔ کیا قدرت کی شان ہے کیا عظیم احسان ہے انسان پر کتنا زبردست مضبوط انتظام فرما کر ایک ایک لمحہ حفاظت فرمائی، اب بھی اگر انسان اُس کو نہ مانے تو انسان کی کتنی بڑی بدنصیب احسان فراموشی ہے، اے انکارِ قیامت والے کفر کے بیمار دہریت کے مارے اپنی اِن غذاؤں کی پیدائش اور حیاتِ نشوونما پر کبھی غور و فکر کیا ہے اگر اے انسان زمینی نباتات کی زندگی میں تدبر کرے تو تجھے اپنی ابتدائی حیاتِ رحمی کا پتہ لگ جائے کہ تو کبھی نطفے سے مضغے تک مثل نباتات نشوونما سے بڑھتا رہا اُس وقت یہی تیری زندگی تھی اس لیے عقل کی نظر سے اگر تو زمین میں تدبر کرے تو تجھے بہت کچھ معلوم ہو جائے گا۔ وَتَرَى الْاَرْضَ هَامِدَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍۢ بَهِيْجٍ۔ اور تو دیکھے گا کہ زمین بالکل خشک مردہ بے جان پڑی ہے نہ سبزی نہ ہریالی نہ نشوونما کی خوبصورتی خوش نمائی تروتازگی کے کوئی آثار و نشان

نہیں کسی کو تصور بھی نہیں کہ کل یہاں کوئی خودرو گھاس نباتات اُگے گا، تو جب ہم نے اُس پر بارش کا پانی اُتارا۔ اِهْتَزَّتْ تو اسی زمینِ مردہ میں کیسی زندگانی کی ہلچل پڑ گئی۔ زمین میں پانی سے نرمی، نرمی سے گرمی، گرمی سے پھٹن، پھٹن سے اُبھار، اور اُبھار سے وَرَبَتْ، اور زمین پھول کر پھٹ پڑی اور لہلہا کر اپنی کونپلوں، کلیوں، شگوفوں غنچوں سے وَاَنْبَتَتْ اور اُگا دیا دیکھتے ہی دیکھتے اُسی زمین نے جس کو تم بے حس مردہ سمجھ رہے تھے اپنی مٹی سے ہر قسم کے خوب صورت حسین سرسبز شاداب چمکدار، خوشبودار پھول پھل پتے، گھاس جڑی بوٹیوں جھاڑیوں شاخوں کھیتوں کو کہ پھولوں سے تمہاری دماغی غذا پھلوں سے جسمانی غذا، جڑی بوٹیوں سے دوائی غذا، گھاس پھوس جھاڑیوں سے تمہارے جانوروں کی غذا، اگر زمینِ دنیا کی اِس خودرو قدرتی پیداوارِ نباتاتی میں ہی غور کرلو تو تمہارے سارے مشکوک اور برے عقیدے، انکارِ قیامت کے شیطانی وسوسے ختم ہو جائیں اور تمہاری عقلیں اس دلیل آفاقی کو مان لیں کہ جو رب تدبیر ذاتِ قدیم زمین سے اُس کی پوشیدہ بیجوں کو اُگا کر کھیتوں میں بدل سکتا ہے وہ تم کو بھی دوبارہ اسی طرح اِسی مٹی سے اُگا سکتا ہے، جس طرح اُس نے پہلے تم کو شکلِ نباتات ہی بیجان بے روح والے نطفے سے اُگایا تھا اسی اُگنے کا نام خلقتِ ثانیہ ہے اور یہی قیامِ قیامت ہے۔ اِن آیت میں قیامت کی پہلی دلیل نفسی ہے کہ انسان خود اپنی پہلی پیدائش میں غور و تدبر کرلے یہ دلیل علم و عقل بصیرت والے تجربہ مشاہدہ کرنیوالوں کے لیے ہے اور دوسری دلیل آفاقی ہے کہ ہر علم غیر علم والا صاحب بصارت اپنی نگاہوں سے زمین کی پیداوار کو دیکھ کر قدرتِ الٰہی کا نظارہ کرے اور کمالِ قدرت پر ایمان لائے یہاں خلقۃِ انسانی کے سات مرحلے بیان فرمائے گئے ہیں۔ پہلا مرحلہ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ۔ دوم۔ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ۔ تیسرا مرحلہ۔ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ، چوتھا۔ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ۔ پانچواں مرحلہ ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔ چھٹا۔ ثُمَّ لِتَبْلُغُوْٓا اَشُدَّكُمْ۔ ساتواں مرحلہ وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ۔

اِن آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ كُتِبَ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا یہ فعل مجہول ہے یہی مشہور قرأت ہے۔ بعض نے کہا یہ كَتَبَ، فعل معروف ہے۔ عَلَيْهِ کی ضمیر میں دو قول ہیں، بعض نے لکھا کہ اس کا مرجع اور مراد شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ ہے۔ یہی درست ہے مگر بعض نے کہا کہ مرجع مَنْ يُّجَادِلُ ہے سَعِيْرِ میں تین قول ہیں، بعض نے کہا اس سے مراد مطلقاً پوری جہنم ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد طبقۂ نار ہے جو ابلیس کا اصلی ٹھکانہ یعنی اپنے ٹھکانے کی طرف ہدایت دیتا ہے۔ بعض نے کہا اس سے مراد جہنم کا ایک خاص طبقہ ہے جس کا نام ہی سعیر ہے اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ میں دو قول ہیں بعض نے کہا اِس سے مراد تمہارے جدِ اعلیٰ آدم علیہ السلام کی پیدائشِ ذاتی ہے یعنی بلا تغیر و تبدل وہ مٹی سے پیدا کیے گئے پھر اُن کی

marfat.com

نسل بن کر تم سب پیدا کئے گئے اور وہ بلا واسطہ مٹی سے تم سب بلواسطہ مٹی سے۔ مگر بعض نے کہا کہ تم ضمیر سے مراد تم سب لوگ اور معنیٰ ہے ہر ایک اور تُراب کا معنیٰ ہے مٹی سے حاصل شدہ غذا۔ اور غذا سے نطفہ پھر درجہ بدرجہ مرحلہ وار تم پورے انسان پیدا ہو گئے یہی قول درست ہے۔ مُّخَلَّقَةٍ وَّغَيْرِ مُخَلَّقَةٍ. میں پانچ قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ سے مراد ظاہری باطنی مکمل اعضا والا حمل اور غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ غیر مکمل اعضا والا یا تو ہر عضو ناقص یا کوئی ایک عضو سرے سے ہی نہیں ۲۔ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ شکل و صورت والا اور غیر مخلقہ صرف لوتھڑا ۳۔ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ پختہ حمل غیر مخلقۃ کچا حمل ۴۔ بعض نے کہا مُخَلَّقَةٍ وہ حمل جو مدت پوری کر کے جنم لینے والا یعنی وقتِ مقررہ پر ولادت، غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ وقت سے پہلے گر جانے والا یا گرا دیا جانے والا حمل ۵۔ بعض نے فرمایا کہ شکل صورت اعضاءِ ظاہری باطنی طوالت، قوت، وزن میں بے عیب مُخَلَّقَةٍ ہے اور ان میں سے کس طرح کا عیبدار غیر مُخَلَّقَةٍ ہے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ جو مکمل ہو کر جنم لے اور زندہ رہے وہ مُخَلَّقَةٍ ہے جو زندہ نہ رہے ناقص پیدا ہو وہ غیر مُخَلَّقَةٍ ہے (مدارک)۔ نُقِرُّ، نَشَآءُ، نُخْرِجُ ان چاروں فعلوں کی قرأت میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ یہ چاروں فعل جمع متکلم کے صیغے ہیں جیسے کہ لکھے گئے۔ یہی مشہور قرأت ہے۔ دوم قرأت یہ کہ یہ واحد مذکر غائب کے صیغے ہیں یعنی لِيُبَيِّنَ۔ يُقِرُّ، يَشَآءُ، يُخْرِجُ أَرْذَلِ الْعُمُرِ میں تین قول بعض نے کہا یہ سٹھیا پے کی پچھتر ۷۵ سالہ عمر ہے جب انسان بے عقل ہو جاتا ہے بعض نے کہا کہ انسان کی اَرذلِ عُمر کفر اور فسق والی زندگی ہے اور اَشَدِّ عُمُر ایمان اور اعمالِ صالحہ والی زندگی ہے بعض نے کہا کہ اَشَدِّ عُمُر سے مراد صحت و قوت والی زندگی اور اَرذلِ عمر بیماری کمزوریاں معذوریوں والی زندگی۔ وَتَرَى الْأَرْضَ۔ میں دو قول ہیں بعض نے کہا اس سے عام خود رو گھاس پھوس جھاڑیوں جڑی بوٹیوں والی زمین مراد ہے یہی قول درست ہے، کیونکہ زمین کی قدرتی خود روئی ہی بتانا مقصودِ کلام ہے۔ بعض نے کہا اس سے کھیتی والی زمین مراد ہے اَلْمَآءَ میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا اس سے بارش کا پانی مراد ہے، اور بعض نے کہا اس سے ہر قسم کا پانی مراد ہے۔ نہری بحری چاہی بارشی، مگر پہلا قول درست ہے دو وجہ سے ایک یہ کہ اَنْزَلْنَا سے بارش ہی مراد ہوتی ہے دوم یہ کہ ہر میدانی پہاڑوں کی زمین میں صرف بارش ہی پہنچ سکتی ہے رَبَتْ کی قرأت میں دو قول، مشہور قرأت رَبَتْ ہی ہے، اور ایک شاذ قرأت میں رَبَأَتْ ہے (تفسیر روح المعانی)

فائدے ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ ان آیات میں شیطان کی تین چیزیں بیان ہوئیں۔ ایک جبلّت، ایک عادت اور دو خصلتیں جبلّت اس کی شیطنیت عادت اس کا مَرید اور ہر طرح ننگا بے غیرت ہونا پہلی خصلت دوست بن کر دھوکا فریب دینا

marfat.com

اور فَاَنَّہٗ یُضِلُّہٗ۔ دوستوں کو گمراہ کرنا، دوسری خصلت جہنّم کی طرف ہدایت دینا، ان کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اے مسلمانو تم یہ کوئی عادت خصلت اختیار نہ کرنا نہ دوستوں کو کبھی دھوکا دینا نہ جان بوجھ کر گمراہ کرنا نہ خود جہنمی بننا نہ کسی کو بنانا بلکہ ہر وقت ہر طرح شیطان سے بچنے رہنا نہ کسی طرح مَرِید ہونا مَرِید کا معنیٰ ہے ننگا اور خالی ہونا۔ اس کی سات کیفیتیں ہیں ۱ بے لباس ہونا اس میں سر بھی شامل ہے ننگے سر پھرنا یا ننگے سر نماز پڑھنا شیطانِ مَرِید ہونا ہے مؤطا امام مالک میں ایک حدیث ہے کہ ایک مرتبہ آقائے دو عالم حضور اقدس صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ایک شخص کو دیکھا جس نے بال بکھیرے ننگا سر کیا ہوا تھا تو آپ نے فرمایا جس نے شیطان کو دیکھنا ہے وہ اس کو دیکھ لے وہاں ثَائِرَ الرَّاس کا لفظ ہے جس کے معنیٰ بکھرے بال ننگا سر ہوتا ہے ۲ نیک عمل سے خالی ہونا بھی شیطانِ مَرِید ہونا ہے ۳ بے غیرت ہونا ۴ بے حیا ہونا، عملی بے شرمی بے غیرتی ہے اور قولی بے شرمی بے حیائی ہے ۵ بے تقویٰ ہونا ۶ بے تہذیب ہونا ۷ بے ادب اور گستاخ خاص کر انبیاء کرام علیہم السّلام کا گستاخ تو سب سے بڑا شیطانِ مَرِید ہے۔ یہ فائدہ کُتِبَ عَلَیْہِ (الخ) سے حاصل ہوا کہ جو اس شیطان سے دوستی لگائے گا وہ بھی ان ہی تمام بری خصلتوں سے دنیا و آخرت کا ننگا ہوگا۔ خیال رہے کہ جبلّت پیدائشی طبیعت کو کہتے ہیں۔ اور عادت جو خود بخود ہو جائے کسی ماحولی صحبت کی وجہ سے طبیعت بن جائے اور خصلت وہ اچھی یا بُری حرکت جو بندہ خود اختیار کرلے ۔ دوسرا فائدہ کہ مومن متقی کی دنیوی زندگی ہر اعتبار سے اَشَدِّ عمر ہے اگرچہ مومن متقی ظاہراً غریب بیمار کمزور معذور اور عمر رسیدہ ہو۔ اور کافر کی دنیوی زندگی ہر اعتبار سے اَرْذَلِ عمر ہے اگرچہ کافر ظاہراً امیر تندرست خوش حال مضبوط اور جوان نظر آتا ہو۔ یہ فائدہ اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی تفسیر صوفیانہ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اصل پائیدار عزت والی زندگی تو وہی ہے جس میں قبر حشر کی عزت و رحمت ملے۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے کہ دنیا و آخرت میں ہر طرف سے لعنت ہی ملتی رہے۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں پانی بھی ایک بڑی نعمت ہے۔ نہری ہو یا دریائی چشموں کا ہو یا کوؤں کا خاص کر بارش کا پانی تو بہت ہی عظیم و کثیر نعمت ہے اور نعمت کو ضائع کرنا گناہِ کبیرہ ہے۔ فضول خرچی بھی ضائع کرنا ہی ہے اور بلا ضرورت استعمال کرنا بھی فضول خرچی ہے یہاں تک کہ کوئیں نہر یا دریا کے پانی میں فضول خرچی بھی ناجائز ہے۔ وضو میں چار چار بار دھونا فضول خرچی ہے کھیتوں میں ضرورت سے زیادہ پانی دینا فضول خرچی بار بار برتن کو دھونے کا وہم فضول خرچی ہے یہ فائدہ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ بارش بھی ضرورت پڑنے پر نازل فرمائی جاتی ہے بلا ضرورت نہیں ہوتی بعض دفعہ ہم سمجھ جاتے ہیں کہ یہ بارش بلا ضرورت یا بے موقعہ ہے تو یہ ہماری اپنی ناسمجھی نادانی

marfat.com

ہے باری تعالیٰ کی اس میں بھی ہزار ہا حکمتیں ہوتی ہیں جو بندوں کی عقل و فہم سے بالاتر ہیں، اللہ تعالیٰ کے کسی کام میں اپنی رائے زنی کرنا گناہِ کبیرہ ہے، خاص کر موت و حیات و قدرت و حکمت۔ اور موسمیات کے تبدّل تغیّر میں، بعض جُہلا کہہ دیتے ہیں کہ فلاں بے وقت مر گیا ایسا کیوں ہو گیا نہ ہونا چاہیئے تھا اس قسم کی سب باتیں گناہ بلکہ کفر یہ ہیں، بارش اور دیگر پانیوں میں پانچ طرح فرق ہے ۱ بارش ہر اونچی نیچی جگہ پہنچتی ہے دوسرے پانی نہیں پہنچ سکتے ۲ بارش مل کر آتی ہے بلا محنت و خرچ انعام مفت ہے دوسرے پانی محنت مشقت اور خرچہ کر کے چلا کر لانے پڑتے ہیں ۳ بارش سے پتے دُھل جاتے ہیں کیڑے مر جاتے جڑوں میں پانی بھی اور غذائی کھاد بھی۔ دیگر پانیوں سے صرف سیرابی ہوتی ہے ۴ بارش رب تعالیٰ کی حکمت سے اور دیگر پانی بندوں کی صوابدید پر موقوف ہے ۵ بارش کے بعد کسی پانی کی ضرورت نہیں رہتی دیگر پانیوں کے بعد بھی بارش کی اشد ضرورت رہتی ہے وغیرہ وغیرہ

احکامُ القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ: قانونِ شریعت کے مطابق حمل جب تک رحم میں رہتا ہے وہ غیر ذوالعقول میں شمار ہوتا ہے اگرچہ انسان کا ہو اور اس کا بڑھنا مثل نباتات ہے یہ نشوونما روح کی وجہ سے نہیں روح تو بعد میں پڑتی ہے۔ ولادت تک مثل جانوران ہے خواہ نطفہ ہو یا علقہ یا مضغہ ذی روح ہو جائے یا بے روح مخلّقہ ہو یا غیر مخلّقہ یہ مسئلہ مَا نَشَآءُ کے مَا موصولہ سے مستنبط ہوا۔ اس لیے کہ حملِ انسانی کے تمام مدارج کے مکمّل ہونے کو بیان فرمانے کے بعد فرمایا گیا وَنُقِرُّ فِي الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ۔ یعنی جس کو چاہتے ہیں ہم رحموں میں ٹھہراتے ہیں، یہاں مَنْ نَّشَآءُ نہ فرمایا گیا۔ لفظِ مَنْ عقل والوں کے لیے ہوتا ہے اور مَا غیر عقل والوں کے لیے، اگر ولادت سے پہلے انسانی حمل ذی عقل مانا جاتا تو مَنْ نَّشَآءُ فرمایا جاتا۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر ذی عقل انسان کو اپنے مورث کی میراث ملتی ہے مگر پیدائشی مخبوطُ الحواس لاعلاج ناقصُ الخلقت بچے کو میراث نہیں ملے گی اگرچہ کتنا ہی عرصہ دنیا میں زندہ رہے۔ ایسا ناقصُ الخلقت بچہ غیر مخلّقہ ہے اور غیر ذی عقل میں شمار ہے مثل لوتھڑے کے صرف روح پڑنے کا نام انسانِ کامل نہیں جسم و ہوش و حواس مکمّل ہونا ضروری ہے یہ مسئلہ بھی مَا نَشَآءُ میں مَا فرمانے سے مستنبط ہوا، کیونکہ وہ حمل دنیا میں آکر بھی اُسی حالت میں رہا جس طرح پیٹ میں تھا پیٹ میں غیر ذی عقل تھا لہٰذا جب تک اُسی حالت پر دنیا میں رہے گا غیر ذی عقل ہی مانا جائے گا۔ اور کسی غیر ذی عقل کو تو میراث نہیں ملتی اس لیے ایسے بچے کو بھی نہ ملے گی، آگے ارشادِ باری تعالیٰ ہے ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا۔ یعنی پھر ہم نے تم کو طفل بنانے کے لیے نکالا یہ اُس کی نئی تبدیلی والی حالت ہے اس سے ثابت ہوا کہ اندرونی حالت سے تبدیلی ہو گی تو طفل ہو گا اور طفل باہر آکر بنے گا اشارۃً دلالۃً اقتضاءً بتایا گیا

marfat.com

اگر باہر آ کر بھی حالت تبدیل نہ ہو تو طفل نہ بنے گا۔ اس لیے طفل صرف انسانی دو سالہ شیر خوار بچہ کو کہتے ہیں۔ اور طفل بنتا یہ ہے کہ وہ بچہ انسانی نفسِ ناطقہ والا ہے۔ اگر ذی عقل ہے تو طفل ہے اگر ذی عقل نہیں تو طفل نہیں، اور طفل نہیں تو کسی کا وارث نہیں، اسی لیے حمل کی میراث موقوف رکھی جاتی ہے پیدا ہونے کے بعد فیصلہ ہوتا ہے کہ یہ مذکر ہے یا مؤنث یا مخنث یا مخبوط۔ تیسرا مسئلہ۔ علم نام ہے عقل، فہم، تدبر، تفکر، سمجھداری کا نہ کہ صرف لکھنے پڑھنے کا، لہٰذا اگر کوئی شخص پڑھا لکھا نہ ہو مگر اس کی عقل فہم فراست اور سمجھداری بہت شاندار ہو تو اس کو علم والا ہی کہا جائے گا، اور اگر کوئی آدمی پڑھ لکھ کر بھی بیوقوف اور احمق ہی رہے حماقت کے ہی کام کرے تو اس کو جاہل کہا جائے گا۔ یہ مسئلہ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْـًٔا فرمانے سے مستنبط ہوا قدرتی علم عطاءِ الٰہی ہے، اور پڑھنا لکھنا کسبی علم ہے۔ یہاں رب تعالیٰ نے ہر بوڑھے انسان کی اَرذلِ عمر میں علم کی نفی فرمائی ہے اس سے یہی قدرتی عطائی علم مراد ہے، فرمایا کہ وہ علم کے بعد کچھ علم نہ رکھے۔ حالانکہ ہر دور میں اَن پڑھوں کی کثرت رہی، پڑھے لکھے بہت ہی کم ہوتے رہے۔ اکثریت نے پڑھنا لکھنا نہ سیکھا مگر فطرتی عقل و فراست اور سمجھداری سے ایسے ہنر اور کام کر دکھائے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے بھی حیران اور مبہوت ہو گئے۔ یہی ہنرمند اور کاریگر دستکار ہی جب اَرذلِ عمر کو پہنچتے ہیں تو کچھ بھی عقل و ہنر فن و صنعت باقی نہیں نہ دماغی نہ زبانی نہ دستی، یہاں لَا يَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ۔ اسی عطائی علم عقل ہنر کے ختم ہو جانے کا ذکر ہے اسی فطری عقل علم کی بنا پر انسان کو حیوانِ ناطق کہا جاتا ہے اسی کی وجہ سے ہر انسان اَشرفُ المخلوقات ہے نہ کہ فقط لکھنے پڑھنے سے بلکہ لکھنا پڑھنا بھی عطائی علم سے آتا ہے بعض انگریزی پرست لوگ سمجھتے ہیں کہ علم صرف انگریزی سیکھنے میں ہے اسی پرستاری کے بدلے میں ان کو سرکا خطاب ڈاکٹر پروفیسر کے القاب مل جاتے ہیں حالانکہ جتنی جہالت انگریزی نے پھیلائی اتنی کسی نے نہ پھیلائی، کوئی مانے یا نہ مانے مگر حقیقت یہی ہے کہ علم عقل لیاقت صلاحت فراست صرف قرآنِ مجید کے نور اور حدیثِ مقدسہ کی روشنی سے ہی ملتے ہیں اسی سے انسان اَشرف و افضل و اکرم بن سکتا ہے قرآن و حدیث کو چھوڑ کر اَرزَل ہی اَرذل ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ یعنی اے کافرو اگر تم قیامت کے آنے اور دوسری بار مُردوں کے پیدا ہونے میں شک کرتے ہو حالانکہ کفار تو قیامت کے نہ آنے کے یقین پر ہیں، شک میں دونوں طرف کا گمان ہوتا ہے کہ شاید آ جائے یا شاید نہ آئے مگر کفار تو ایک ہی نہ آنے کے عقیدے میں پختہ ہیں کہ قیامت یقیناً نہیں آئے گی اور اس ایک جانب کی پختگی کو یقین کہا جاتا ہے نہ کہ شک تو یہاں فِيْ رَيْبٍ کیوں فرمایا

marfat.com

فِیْ یَقِیْنٍ فرمانا چاہیئے تھا رَیْبٌ کا معنیٰ تو شک کرنا ہے۔ جواب۔ شک بھی عربی لفظ ہے اور یقین بھی اور رَیْبٌ بھی مگر یہاں ریب فرمایا گیا اس کی وجہ یہ کہ ریب کی بہت سی نوعیتیں ہیں۔ جب کسی کا یقین حقیقت کے خلاف ہو تو ریب ہی کہا جاتا ہے اس لیے کہ رَیْبٌ مثلِ شک کمزور اور غلط ہوتا ہے کیونکہ حقیقت میں کچھ نہیں ہوتا، اسی طرح جو یقین کسی دلیل سے ٹوٹ جائے وہ مثلِ شک کمزور ہوتا ہے یہاں یہی سمجھایا جا رہا ہے کہ کفار کا یقین اور اس کی بدعقیدگی مثلِ شک کمزور اور غلط ہے اور مثل شک کمزور اور حقیقتاً غلط یقین کو لینے کو عربی لغت میں ریب ہی کہا جاتا ہے اگر یہ کفار ذرا بھی اپنے اندر غور کریں اور اپنی پہلی ابتدائی خِلقت اور زمینی پیداوار میں تفکر تدبر کریں تو ان کے یہ باطل نظریئے عقیدے اور سب یقینیاتِ باطلہ ٹوٹ جائیں۔ دوسرا اعتراض، یہاں فرمایا گیا وَنُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ یعنی اور ہم ٹھہراتے ہیں رحموں میں جس کو چاہیں، یہاں انسان کی پیدائش کا ذکر ہے جو ذی عقل اور اشرف المخلوقات ہے، ذی عقل کے لیے مَنْ آتا ہے نہ کہ مَا۔ تو یہاں مَا نَشَآءُ کیوں فرمایا گیا۔ مَنْ نَّشَآءُ چاہیئے تھا مَا کا لفظ نباتات جمادات حیوانات کے لیے بولا جاتا ہے۔ جواب۔ اس کے دو طرح جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ مَا سے مراد اَجَلٍ مُّسَمًّی ہے اور معنیٰ ہے کہ جتنی مدت ہم چاہتے ہیں رحموں میں حمل ٹھہراتے ہیں اور مدت چونکہ غیر ذی عقل ہے لہٰذا اب مَا لانے پر کوئی اعتراض نہیں، جواب دوم یہ کہ لفظ مَا کا تعلق حمل سے ہی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ جس حمل کو ہم چاہیں رحم میں ٹھہرا دیں مگر چونکہ حمل جب تک رحم میں رہتا ہے وہ غیر ذی عقل ہی ہے اس لیے مَا ارشاد فرمانا بالکل درست ہے بلکہ اسی لفظ مَا نے بتایا کہ انسانی حمل بھی جب تک رحم میں ہے۔ مثل نباتات غیر ذی عقل ہے ولادت کے بعد اگر ہر طرح مخلّقہ ہو تب ذی عقل ہے ورنہ ناقص حمل تو جنم لے کر بھی مثل حیوان غیر ذی عقل ہے۔ ہم نے اپنے ترجمے میں مَا کا تعلق مدت سے جوڑا ہے۔ اور اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں مَا کا تعلق حمل سے ہے۔ یہ عام انسانوں کے حمل کا حکم ہے لیکن تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور بعض اولیاءُ اللہ تو عالمِ اَرواح میں بھی سرتاجِ عُقَلا اور سرچشمۂ علم و حکمت منبۂ عقل و فراست ہوتے ہیں۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا ثُمَّ نُخْرِجُکُمْ طِفْلًا۔ کُمْ ضمیر جمع ہے تو اِس کا مفعول لَہٗ طِفْلًا واحد کیوں آیا، اَطْفَالًا جمع فرمانا چاہیئے تھا تاکہ مطابقت ہوتی۔ جواب اِس کے تین جواب دئے گئے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ کُمْ ضمیر جمع کا معنیٰ کُلّی نہیں بلکہ نکرہ عمومی جزئی ہے اور ترجمہ ہے ہر ایک نہ کہ تم سب۔ یعنی پھر تم ہر ایک کو طفل بنانے کے لیے ہم نکالتے ہیں۔ جواب دوم بعض نے فرمایا کہ لفظ طِفْلًا اِسم جامد بلکہ اسم مصدر ہے اور مصدر سب کے لیے ہوتا ہے۔ جمع ہو یا واحد یا تثنیہ، اور مقصد یہ ہے کہ جنم لے کر تم سب نے پہلے طِفْلًا یعنی نادان کمزور شیر خوار ہی بنتا ہے بعد میں تم سب ہماری

marfat.com

دی ہوئی قوت عقل دولت سلطنت سے جو چاہو بنتے پھرو نیک پاک بن کر ابدی زندگی خوشحالی پالو یا نمرود، شداد ہامان فرعون بن کر ابدی ذلت پالو۔ مگر یہ کفر و غرور شکر گزاری کے خلاف ہے اور نقصان تمہارا اپنا ہی ہے جوابِ سوم بعض نے فرمایا کہ لفظ طِفْلًا اسم جنسی ہے جو جمع کے لیے بھی آجاتا ہے اور واحد کے لیے بھی یہاں جمع کے لیے ہے۔ یعنی طِفْلًا کا معنی بچہ نہیں بلکہ بچے ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا۔ یعنی اَرْذَلِ عُمُر میں انسان بہت کچھ جاننے کے بعد پھر بے علم ہو جاتا ہے اور کچھ نہیں جانتا سب بھول جاتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا سٹھیاپے میں بھی انسان کو بہت کچھ یاد ہوتا ہے جانتا بھی ہے، اسی طرح دو تین سال کا بچہ بھی جانتا سمجھتا ہے یہاں تک کہ ایک دن کا بچہ بھی، مولانا رومی نے فرمایا ہے

طفلِ یکروزہ ہمیں داند طریق ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ که بگرید تا شود دایہ رفیق

یعنی ایک دن کا بچہ بھی اتنا علم رکھتا ہے کہ دایہ کو دودھ کے لیے کس طرح بلاتا ہے، تو یہاں شَيْئًا فرما کر کُلّی نفی کیوں فرمائی گئی۔ جواب، اس کے دو جواب دئے گئے ہیں ایک یہ کہ اس نفی کے بیان کرنے میں انسان کے اُن علوم کے بھول جانے کا ذکر ہے جو انسان اپنی محنت مشقت سے حاصل کرتا ہے اور جس پر اس کو اکڑ غرور اور ناز ہوتا ہے، کیونکہ ہر انسان کو تین علم ملتے ہیں پہلا علم عطائی یعنی عقل فہم ادراک یہ قدرتی عطا ہے بچپن سے شروع ہو کر بڑھاپے تک تدریجاً مرحلہ وار بڑھتا رہتا ہے یہ علم بچوں بلکہ جانوروں کو بھی ملا ہے مولانا روم کا اشارہ اسی علم کی طرف ہے۔ دوم علم کسبی جیسے ہنرمندی کاریگری، فنکاری، سوم علم معلوماتی، یہ علم پڑھنے لکھنے تجربوں مشاہدوں سے ملتا ہے لِكَيْلَا يَعْلَمَ میں انہی دوسری دو قسموں کے کسبی اور معلوماتی علم کی نفی ہے۔ نہ کہ عطائی قدرتی فطری علم کی کُلّی نفی یہ کسبی و معلوماتی دونوں علم سٹھیاپے کی اَرْذَلِ عُمر میں واقعی بھول جاتے ہیں اس کا بہت مشاہدہ ہے لیکن فطری علم کی کچھ قوتیں باقی رہتی ہیں جس سے جان پہچان بھوک پیاس بول براز کا پتہ رہتا ہے، جوابِ دوم۔ بعض نے فرمایا کہ علم نہ رہنے کا معنی ہے عقل نہ رہنا زائل و بیکار ہونا جس کی وجہ سے وہ بندہ بے علم ہی کے مشابہ ہو جاتا ہے کیونکہ عقل بند حافظہ خراب اور وہ انسان اپنے کسی علم سے نہ نفع لے سکتا ہے نہ دے سکتا ہے لہٰذا بے علم ہی ہوا خصوصاً اپنی جوانی کے مقابلے میں لَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ ہی ہوا۔ بس جتنا بچوں اور جانوروں کے پاس قدرتی علم ہوتا ہے اتنا ہی اس کے پاس رہ جاتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ فَأَنَّهُ يُضِلُّهُ وَيَهْدِيهِ إِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيرِ۔ دنیا میں شیطان دو قسم کے ہیں اور بندے تین قسم کے ہیں ۱ جناتی

marfat.com

شیطان ۲ انسانی شیطان، جناتی شیطان خفیہ وسوسوں ور غلاہٹوں اور شبہات میں ڈال کر گمراہ کرتے ہیں اور انسانی شیطان بدعتوں گستاخیوں بے ادبیوں زندیقیوں، فلسفوں، عقلیات کی اُلجھنوں دہریت کے نظریوں، غلط کتابوں جاہلانہ تقریروں، جھوٹی تبلیغوں سے باطل عقیدے سناتے سکھاتے بتاتے ہیں متقی بندہ اس لیے بچا رہتا ہے کہ وہ ان سب قسم کے شیطانوں کو اپنا حقیقی دشمن سمجھتا ہے، مگر فاسق انسان اُن کے فریب میں آکر ان کو دوست سمجھ لیتا ہے اور اُن کے قریب ہوجاتا ہے لہٰذا گمراہ ہوجاتا ہے۔ اور کافر انسان ان کے اتنا قریب ہوتا ہے کہ خود ہی شیطان اور مثلِ شیطان ہوجاتا ہے اس لیے کفار کو یہ شیاطین عذاب سعیر کی طرف اپنے ساتھ ہی لے جاتے ہیں غرضکہ یہ شیطان فاسقین کو یُضِلُّہٗ اور کافرین کو یَھْدِیْہِ اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ سے ابدی جہنم میں پہنچا دیتے ہیں، مگر مومن متقی انسان کا یہ کچھ نہیں بگاڑ سکتے اگرچہ ور غلاتے سب کو ہیں، متقی آدمی کا کمال یہ ہے کہ علومِ حقیقیہ میں چار مرتبے حاصل کرے ۱ اپنے نفس ونفسیات کی معرفت ۲ اللہ تعالیٰ اور اُس کی صفات کی معرفت ۳ دنیا کی اچھائی برائی کی پہچان حاصل کرے ۴ آخرت کے انعام اور امتحان کی معرفت حاصل کرے، متقین کی بلندیوں کے چار درجے ہیں پہلا درجہ بصارت وبصیرت کی اہلیت یہ درجہ سب سے بلند ہے، دوسرا درجہ اس سے نیچے اہلِ یقین ہونا، تیسرا درجہ اس سے نیچے اصلِ استدلال کا، چوتھا درجہ اس سے بھی نیچے اہلِ تقلید کا جو شخص ان درجوں سے ہٹ گیا وہ انقطاع کی گمراہی اور محرومی کے عذاب میں پڑ گیا سالکِ طلب کے لیے ضروری ہے کہ اہلِ بصیرت کے عین الیقین کا درجہ حاصل کرنے کی ہمت وکوشش کرتا رہے، اور یہ مرشدِ کامل کی اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہوتا کیونکہ مرشد کے بغیر اُس منزل تک کوئی نہیں پہنچ سکتا، اور جس خوش قسمت کو عین وبصیرت کا مرتبہ مل گیا وہ شیطان اور اُن کی دوستی سے بچالیا گیا، اب اُس کو کسی مجلس، کسی وعظ، کسی کتابِ دینوی اور کسی سے لکھنے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، یہ علم کتابوں سے نہیں ملتے محبوبِ دلدار کے دیدار سے ملتے ہیں۔ ؎

صد کتاب وصد ورق در نار کن — روئے دل را جانبِ دلدار کن

جب بغیر وسیلۂ دلیل ہی مدلولِ حقیقی تک پہنچ گیا تو اب کسی دلیل کی کیا ضرورت جو آسمان تک بلند ہوگیا اس کو کسی چھت کی بلندی کی کیا حاجت، جس کا آئینہ صاف وشفاف ہو اس کو صیقل کی کیا ضرورت، جو بندہ خود ہی بارگاہِ سلطان میں موجود ہو اس کو کسی قاصد ودربان نامہ وپیام کی کیا حاجت ہے، ان علوم حقیقیہ کو پالینے والا بندہ دو مصیبتوں سے بچ جاتا ہے ۱ مجادلۂ امام ۲ اتباعِ شیطان، صوفیاءِ کرام کی اصطلاح میں جناتی شیطان کو شیطانِ اسود کہا جاتا ہے یعنی کالا شیطان اور انسانی شیطان کو شیطان ابیض یعنی سفید

marfat.com

شیطان کہا جاتا ہے عاقل وہ ہے جو راتِ دن تذکیہ نفس میں ظاہری باطنی اجتہاد کرتا رہے کیونکہ یہی جہاد اکبر ہے اور نفسِ امّارہ جیسے بدترین دشمن کا مقابل اور مضبوط تلوار جو آدمی نفسِ امارہ کو دشمن سمجھے ابلیس اُس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا، شیطان صرف اپنے دوستوں کو ہی خراب کرتا اور منکرِ آخرت بناتا ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَیْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَیِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِی الْاَرْحَامِ مَا نَشَآءُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوْۤا اَشُدَّكُمْ۔ اے تقلیباتِ نفسانی میں اُلجھے ہوئے لوگو اگر تم اِس بدعقیدگی میں مبتلا رہو گے کہ کفر کی قلبی موت مرنے کے بعد ایمانی زندگی نہیں ہو سکتی اور نارِ فراق میں وصل کا گلزار، فسق کی خزاں میں تقوے کی بہار نہیں آسکتی تو اپنی خلقتِ باطنی پر غور کرو کہ بے شک ہم نے تم کو ازلِ حادث کی ابتدا میں تراب سے پیدا کیا ہے پھر عقل کے نطفے میں تم کو محفوظ کیا پھر اُس عقل کو تفکرات کا علقہ بنا دیا پھر تم کو علم و فہم کا مضغہ بنا دیا اور اس عقل فکر علم فہم کی قوتوں سے تم اشرفُ المخلوقات بن گئے پھر تم میں سے کچھ ایمان یقین اعمال عرفان کی افضیلت پاکر مخلقہ ہو گئے اور مقامِ افضل المخلوقات کا عروج اَشُدّ پالیا اور کچھ لوگوں نے فسق کفر شرک گمراہی سے غیر مخلقہ بن کر ارذلُ المخلوقات کا مقامِ زوال پالیا، یہ عروج و زوال، رفعت و سفلت، عقل و حماقت، علم و جہالت کے تغیرات اِس لیے ہیں کہ نُبَیِّنَ لَكُمْ تاکہ ظاہر کر دیں ہم تمہارے لیے نیست و ہست کے اسرارِ فنا و بقا کے مکاشفات موت و حیات کے مشاہدات کہ جو ذاتِ قدیم بغیر ظاہری دانے کے شجراتِ انسانی لگانے پر قدیر ہے وہ دانۂ قلبی سے فنا کو بقا بنا کر دوبارہ شجراتِ بجسم وعظیم بھی بنا سکتا ہے جس کی قدرت نے پہلے نابود کو بود کر دیا تھا وہ بود کو وجود بھی فرما سکتا ہے اس لیے کچھ مشکل نہیں لہٰذا اے منکرو ہماری عطا کردہ عقل سے اپنے اندر جھانکو سب معرفتیں حاصل ہو جائینگی کہ جو اوّل پر قادر وہ آخر پر بھی جو موت کی خزاں پر قادر ہے محبات اُخروی کی بہار پر بھی قادر ہے اے بندو وَ نُقِرُّ ہم جس کو جتنا چاہتے ہیں گمنامی کے رحموں عدم کے پردوں نیستی کے غلافوں میں ٹھیرائے رکھتے ہیں، اس استقرارِ اسرار کی اَجَلِ مُّسَمًّی اور مدتِ مقررہ کو ہم ہی جانتے ہیں ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ پھر مضغہ مخلقہ کو مدتِ مقررہ کے بعد رحمِ باطن سے نکال کر آغوشِ مرشدِ مربّی کی پرورش میں رکھتے ہیں طِفْلًا۔ انوارِ لطائف کی شیر خوارگی سے طفلِ شریعت ظاہرہ بنانے کے لیے پھر آغوشِ تربیت سے نکال کروا دیں طریقت کے سلوکِ معرفت میں ہم ہی پہنچاتے ہیں تاکہ تم طلبِ حقیقت میں آکر اشرفیت کے صبی بن جاؤ اور پھر مردِ کمال کا عروج پاکر مرتبۂ بلند کی بلوغت حاصل کرسکو اور تم کو اعمالِ صالحہ کی غذاؤں سے افضیلت کی قوت اکرمیت کی شدت حاصل ہو جائے۔ راہِ سلوک میں عارفین میں تو تغیرات ہوتے ہیں مگر عالمِ ناسوت کی طفلگی کمزوری

marfat.com

۲: پھر عالمِ جبروت کی صبیّت کا بچپنہ نا بالغی ۳: پھر ملک وملکوت کی بلوغت ۴: پھر عالمِ لاھوت کی مردانگی قوتِ جوانی ۵: پھر عالمِ قدس میں افضل الخلق ہونا، ۶: پھر عالمِ قرب کے اکرم الخلق جیسا کہ سورۂ حجرات آیت ۱۳ میں ارشاد ہے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ۔ یعنی بارگاہ قربِ الٰہی میں اکرم الخلق وہی ہے جو تقوے میں سب سے بڑا ہو ۷: پھر عالمِ انوار کی بزرگی ۸: پھر منزلِ عشق کی مدہوشی ۹: پھر فنا فی الذات کی آخرت۔ وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّتَوَفّٰی وَمِنْکُمْ مَّنْ یُّرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ لِکَیْلَا یَعْلَمَ مِنْۢ بَعْدِ عِلْمٍ شَیْئًا۔ اور تم میں بہت سے خوش قسمت وہ ہیں جو اعمال کی دولت ایمان کی طاقت پا کر تقویٰ خشیت طہارت ولایت علمیت فقاہت عبادت کی زندگی مکمل اور پوری پا لیتے ہیں اُن کی ہر چیز کو بقا ہے۔ اور تم میں سے بہت لوگ غفلت وفسق کی اَرْذَلِ عمر کی طرف مردود نامقبول ناپسندیدہ کر دئے جاتے ہیں تاکہ علم کے بعد جاہل عقل کے بعد احمق اور عمل کے بعد بے عمل ہو جائیں اور کچھ نہ پائیں ان کا کچھ باقی نہ رہے سب فنا ہو جائے کیونکہ علم سے پہلے جہالت دوزخ ہے اور علم کے بعد جہالت نارِ عشق ہے اس وجہ سے کہ علم سے پہلے جہالت حرص و لالچ کا سبب ہے اور علم کے بعد جہالت صبر و رضا کا سبب ہے اَرْذَلِ عمر وصل کے بعد فراق کی ساعتیں ہیں اس عمر میں راہِ طریقت کا مسافر احوالِ شریعت اور مقامِ حقیقت اور اعمالِ رفعت سے بے خبر ہو جاتا ہے عالمِ معرفت کی راہِ طلب میں سالکِ طالب کو چار قسم کی عمریں ملتی ہیں پہلی اشرفِ عمر پھر دوسری افضلِ عمر پھر تیسری اکرمِ عمر پھر چوتھی اَرْذَلِ عمر، ہر عمر میں تین چیزیں ملتی ہیں اشرفِ عمر میں علم وعقل فہم، افضل عمر میں ایمان اعمال افکار۔ اکرمِ عمر میں عرفان ایقان قُرب اَرذلِ عمر میں غفلت، جہالت بُعد، پہلی عمر عالمین عاقلین قابلین کی دوسری عمر عابدین عاملین فاتحین کی کی تیسری عمر عارفین عاشقین خاشعین کی چوتھی عمر خائنین کاسلین فاسقین کی ہوتی ہے پہلی عمر میں بندہ اشرف المخلوقات بنایا جاتا ہے دوسری میں افضل المخلوقات تیسری عمر میں بندہ اکرم المخلوقات چوتھی میں ارذل المخلوقات میں ہو جاتا ہے۔ پہلی بارگاہِ ربوبیت سے ملتی ہے دوسری عمر دامنِ نبوت سے تیسری عمر اعمالِ شریعت سے اور چوتھی عمر اپنی بد اعمالی اور صحبتِ شیطانی سے ملتی ہے۔ وَتَرَی الْاَرْضَ ھَامِدَۃً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَیْھَا الْمَآءَ اھْتَزَّتْ وَرَبَتْ وَاَنْۢبَتَتْ مِنْ کُلِّ زَوْجٍۭ بَھِیْجٍ۔ اے دنیوی دونوں خواہشوں کے پجاری اور قیامِ اُخروی کے منکر اور بھولنے والے اگر کبھی اپنے جسمِ نفسانی کی زمینِ باطنی پر نگاہِ عبرت سے تدبّر کرے تو دیکھے گا تو یہ کہ یہ زمینِ نفسانی جہالت وحماقت کی خشکی سے مردہ پڑی تھی نہ اس میں فضائل کے نباتات تھے نہ کمالات کے باغات تھے نہ ایمان کے پھول نہ اعمال کے پھل نہ شریعت کی شاخیں نہ طریقت کے پتے نہ حقیقت

marfat.com

کی کلیاں نہ معرفت کے غنچے نہ عبادت کے شگوفے نہ قرآنِ مجید کا سایہ نہ حدیثِ مقدسہ کی خوشبو غذاءِ روحانی اور سامانِ آخرت کے لیے کچھ بھی تو نہ تھا فقط عقلیاتِ دنیوی فکریاتِ گمراہی کے جھاڑ جھنکاڑ تھے اُگے دولت ہائے ثروت کے خار دار تھے تب ہم نے اپنے رحم و کرم سے شفقتِ نبوت کا بادل بھیجا اور تیری اُس مُردہ زمینِ باطن پر ابرِ روحانی سے علم و عرفان کا پانی برسایا تو وہ زمینِ خشک حیاتِ حقیقیہ سے زندہ ہوگئی اور مقاماتِ حسن کی ترقی و بلندیِ درجات کی چہل پہل سے چمک گئی وَاَنْبَتَتْ اور اُسی ناکارہ خلائق زمین نے اُگا دیے مِنْ کُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ ہر قسم کے حُسنِ کمالات کے گلشن مُثبتہ اور حسینِ اعمال کے فضائلِ مزینہ ایمان کے بیجوں اور ایقان کی جڑوں سے شاہِ نقشبند نے فرمایا کہ اعمالِ طریقت میں سالکِ طالب بر راہِ منزل میں سات تغیرات وارد ہوتے ہیں ۱؎ جب بے علم و عمل ہو تو بیکار و بے جان نطفہ ۲؎ جب قوتِ شعور بیدار ہو جائے تو عَلَقَہ ۳؎ جب طاقتِ ایمانی آجائے تو مضغہ ۴؎ علم و عمل کی تکمیل سے مخلقہ ۵؎ پھر خلوتِ مراقبہ کی ریاضتِ قرب کے لیے رحمِ رحمت میں قرارِ اَجَلِ مُسَمّٰی ۶؎ پھر جلوۂ مشاہدہ کے لیے آغوشِ رحمت میں طفلگی کی تربیت اور عرفان کی شِیر خوارگی ۷؎ پھر مقامِ قرب کی محبوبیتِ شدیدہ کی اَشُدِّ عمر اگر کوئی کم قسمت والا محبوبیت کی دولتِ اَشُد نہ پا سکا تو یُرَدُّ اِلٰٓی اَرْذَلِ الْعُمُرِ کی فنا ہے علم و عمل اور حقیقی عقل اور بے کسی فکر میں بہکتا پھرتا ہے کہ کبھی ابلیس بھٹکاتا ہے کبھی شریر بہکاتا ہے کبھی نفس اکساتا ہے کبھی شیطان ورغلاتا ہے صوفیا فرماتے ہیں کہ روح نورِ عزت سے پیدا ہوئی اور ابلیس آتشِ ذلت سے پیدا کیا گیا اور انسان خاکِ عجز سے، جب روح و جسم کا ملاپ ہوتا ہے تو دونوں کی زندگی ہے جدائی کا نام موت ہے اوّلاً روح ہر جسم سے افضل ہے جب روح اپنے جسم میں جاتی ہے تو جسم کو مخلقہ بنا دیتی ہے اگر جسم کی سرشت میں خاکِ عجز کی غالبیت ہے تو وہ گلشنِ روحانی ہے اور روح زندہ ہے اور اگر آتشِ ذلت کا غلبہ ہے تو وہ روح کا قید خانہ ہے اور اُس میں روح مُردہ ہے ابلیس و شیاطین کی روحیں مُردہ قیدی ہیں، اور ابلیس اپنے دوستوں کو بھی مُردہ بنانا چاہتا ہے اس لیے ہر بندے کے دل سے چمٹا رہتا ہے مگر جب بندہ ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو ابلیس و شیطان منہ پھیر کر بھاگ جاتا ہے اور روح تازہ ہو جاتی ہے موت و حیات، مُردے اور زندے چار قسم کے ۱؎ ظاہری ۲؎ باطنی ۳؎ کلی ۴؎ جزئی، مومن مخلقہ ہے، منافق غیر مخلقہ، متقی، اَشُدَّکُم ہے۔ فاسق لِکَیْلَا یَعْلَمَ ہے کافر اَرْذَلِ عُمُر ہے، مرتد مَنْ یُتَوَفّٰی ہے۔

marfat.com

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ

یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ بے شک وہ اللہ ہی حق ہے اور بے شک وہی زندہ کریگا

یہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور یہ کہ وہ

الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۶﴾

مُردوں کو اور بے شک وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

مُردے جِلائے گا اور یہ کہ وہ سب کچھ کرسکتا ہے۔

وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ

اور اس وجہ سے کہ بے شک قیامت آنے والی ہے نہیں ہے ذرا شک اس میں اور بے شک

اور اس لیے کہ قیامت آنے والی اس میں کچھ شک نہیں اور یہ کہ

اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ﴿۷﴾

اللہ اٹھا کھڑا کرے گا ان لوگوں کو جو قبروں میں ہوں گے۔

اللہ اُٹھائے گا انہیں جو قبروں میں ہیں۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیات میں قیامت کی دو نشانیاں بیان فرمائی گئیں ایک انسان کی زندگی نیست سے ہست کرنا نطفے سے بندہ بنانا دوم مٹی سے سبزیاں نباتات اُگانا مُردہ زمین کو زندہ کرنا۔ اب ان آیات میں دلائل کے بعد دعوے کی طرف متوجہ ہونے کیلئے کہا جا رہا ہے کہ جس طرح نطفے سے زندہ انسان اور مردہ مرجھائی زمین سے نباتات زندہ کر دیئے اسی طرح وہ اللہ مردہ انسانوں کو زندہ کرنے پر قادر ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں اُس زندگی کا ذکر فرمایا گیا جو ظاہر نظر آتی ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کرتا اب یہاں اس زندگی کا ذکر ہو رہا ہے جس کا نام قیامت کی زندگی ہے جس میں کفار شک اور اُس کا انکار کرتے ہیں۔

marfat.com

تفسیر نحوی

ذَالِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ

ذَالِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنٰی وہ یہ مبتدا ہے بحالتِ رفع، مبنیات میں سے ہے ب جارہ سببیہ اس سے پہلے لفظ مَوْجُوْدَاتٌ اسم مفعول جمع مؤنث پوشیدہ ہے اَنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اس کا اسم ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا مرجع اللہ تعالیٰ یہ ضمیر حصر کے لیے آئی بمعنٰی ہی اَلْحَقُّ الف لام عہد ذہنی حَقٌّ اسم مفرد جامد بمعنٰی سچا، ہمیشہ رہتے والا، قائم دائم، خبر ہے مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ یہ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ عامل ہٗ اس کا اسم منصوب متصل مرجع اللہ تعالیٰ۔ یُحْیِ باب افعال کا مضارع بمعنٰی مستقبل اس کا مصدر ہے اِحْیَاءٌ بمعنٰی زندہ کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ اَلْمَوْتٰی اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے مَیِّتٌ بمعنٰی مردہ، بے جان کیا ہوا یہاں الف لام استغراقی ہے بمعنٰی تمام مفعول یہ ہے یہ فعل یا فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر منصوب متصل اسم ہے عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے قَدِیْرٌ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بمعنٰی ہمیشہ سے ہمیشہ تک بہت قدرتوں طاقتوں والا بابِ کَرُمَ سے ہے یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَنَّ اللّٰہ کے عطفوں پر سب مل کر معطوف علیہ ہوا، واؤ عاطفہ اَنَّ حرفِ عامل اسم و خبر میں عمل کرتا ہے الف لام عہدِ ذہنی سَاعَۃٌ بمعنٰی وقت زمانہ مراد ہے قیامت ذوالحال ہے۔ لَا حرفِ نفی جنسی رَیْبَ اسم مفرد جامد اس کا اسم، فِیْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ ثَابِتٌ اسم فاعل کا وہ اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور اس متعلق ظاہر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لا نفی جنسی کی، یہ سب تینوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اَلسَّاعَۃُ کا بعض نحویوں نے لَا رَیْبَ کے جملے کو خبر ثانی بنایا ہے اَنَّ کا۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ یہ ذوالحال حال مل کر اسم اَنَّ۔ اٰتِیَۃٌ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مؤنث اس کا فاعل پوشیدہ ھِیَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلسَّاعَۃُ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ اَنَّ اپنے اس اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا، واؤ عاطفہ۔ لفظ اللہ اسم ہے اَنَّ کا یَبْعَثُ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع مستقبل مثبت معروف واحد مذکر غائب بَعْثٌ سے مشتق ہے بمعنٰی بھیجنا اٹھانا، یہاں مراد ہے زندہ کر کے اٹھانا، اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع اللہ تعالیٰ مَنْ اسم موصول اسم جنسی اس سے واحد بھی مراد ہوتا ہے اور جمع بھی یہاں مراد ہے بمعنٰی وہ تمام لوگ فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانیہ اَلْقُبُوْرِ۔ الف لام استغراقی بمعنٰی تمام قبریں قبور جمع ہے

marfat.com

قبر کی، لغوی ترجمہ ہے چھپنا، چھپانا، مراد ہے دفن کرنا، دفن ہونا، یہاں اگر لغوی معنیٰ لیے جائیں تو لفظِ قبور میں ہر مردہ شامل ہے خواہ وہ مدفون ہو یا جانور کھالے یا جلایا جائے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کے وہ پوشیدہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا، موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَبْعَثُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر اَنَّ ہے، یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَنَّ السَّاعَۃَ کے جملہ پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف بِاَنَّ اللّٰہَ کے عطفوں پر سب مل کر مجرور ہو کر معطوف ہے ذَالِکَ مبتدا کی یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ وَاَنَّہٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ وَّاَنَّ السَّاعَۃَ اٰتِیَۃٌ لَّا رَیْبَ فِیْھَا وَاَنَّ اللّٰہَ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ اے منکرینِ قیامت اور خلقتِ ثانیہ کا انکار کرنے والو وہ بے شمار زندگیاں جو اگرچہ تمہاری نگاہوں کے قریب ہیں اور کائناتِ ارض و اجسام میں قدم قدم پر بکھری پڑی ہیں مگر تمہاری عقل فہم شعور سے ذَالِکَ یعنی دور ہیں کیونکہ تم پر ظلم و جہالت کفر و ضلالت حماقت و تعصب کے پردے پڑے ہوئے ہیں، وہ سب زندگیاں خود بخود نہیں ہیں بلکہ زمین کی زندگی سے۔ بیج اُس سے جڑ پھر کونپل شگوفہ، غنچہ، پتے کلیاں پھول پھل دانے غذا اور نطفہ علقہ مضغہ پھر جسم و روح کی زندگیاں یہ نظامِ کائنات کی چہل پہل تر و تازگی اہلِ عقل و بصیرت کو پانچ باتیں سمجھا رہی ہے۔ پہلی بات بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ ہے کہ یہ اَزلی ابدی فناء و بقا موت و حیات دنیا و آخرت کا نظام اِس وجہ سے قائم و تا قدیم و ثابت چلا آرہا ہے کہ بے شک تمام موجودات میں اللہ تعالیٰ ہی حق سچ واجب الوجود علیم و خبیر قدیم و حکیم قوی جلیل ہے وہ ہی زندہ فرما رہا ہے ہر آن ایسے ایسے ذروں کو جن کی زندگی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، عقلِ عُقلا حیران ہے کہ مٹی میں کونسا ایسا مخفی بیج تھا کہ جس سے نباتاتِ کثیر اُگ گئے، صحراؤں، ریگستانوں بلکہ سمندروں کی تہوں میں کس نے بیج بکھیرے کہ ہر طرف زندہ کلیاں کھل اُٹھے۔ غذاؤں میں کونسی چیز ہے کہ غذا حیوان و انسان بن گئے پھر کیسی حیران کن قدرت ہے کہ ایک ہی مادہ آب علقہ مضغہ گوشت پوست ہڈی بال آنکھ ناک کان اور بینائی سماعت شامت ہاتھ پاؤں عقل دماغ بنتا چلا جارہا ہے اور بنتے بنتے پھر اُسی انسان میں وہی نسلِ اصلی کی ذریت بن رہی ہے، اور یہی غذا مرد میں نسلِ انسانی کے جراثیمی تخم اور عورت میں اصلِ انسانی کے انڈے بنا دیتی ہے جب دونوں ملتے ہیں تو ایک قوی ہیکل انسانی مخلوق بن جاتی ہے جو باپ کی نسل اور ماں کی اصل کہلاتی پھر یہی نباتات حیوانات انسانات اپنی تکمیل پر پہنچ کر مُردہ ہو کر زمین میں غائب ہو جاتے ہیں اتنا تا

marfat.com

کو تمہاری نگاہوں کے سامنے دوبارہ زندہ کر کے نکال لیا جاتا ہے مگر انسانوں کو قیامت میں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔ اُس وقت دوسری یہ بات ظاہر ہو گی کہ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى ۔ اور اللہ تعالیٰ ہی زندہ فرماتا ہے اب بھی اور بعد میں بھی اول بھی آخر بھی۔ کیا شاہکارِ قدرت ہے کہ آگ پانی مٹی ہوا کو زندہ کیا تو انسان و حیوان بن گئے اور لوہا چونا نمکیات گیسات کو زندہ کیا تو بڑے چھوٹے نباتات قدآور شجرات بن گئے جب ابتدا کی یہ شان ہے تو اعادہ کیوں مشکل ہو گا جس خلاق و رزاق نے زمینوں اور زمینوں کی فضاؤں ہواؤں میں بکھرے مخفی ذرّوں سے ایجاد کر کے تم کو اور تمہاری غذاؤں کو بارش کے چھینٹوں نطفے کی بوندوں سے بنا کر زندہ کر دیا اُس کے لیے دوبارہ قبروں سے جگانا مشکل نہیں کیونکہ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور بے شک صرف وہی اللہ تعالیٰ ہر مشیت ہر چاہت پر قادر ہے ہمیشہ تک تم کو نظر آئے یا نہ آئے سمجھ آئے یا نہ آئے وہاں تک کسی کی عقل پہنچے یا نہ پہنچے کوئی ایمان لائے یا نہ لائے، اپنی مشیت پر بھی قادر و قدیر ہے، اور جو بندہ چاہے اُس پر بھی وہی رب تعالیٰ ہی قادر ہے۔ بندہ صرف چاہ سکتا ہے بندے کو اپنی چاہت پر قدرت نہیں ہے، ہر ایک کی چاہت دعاؤں کی قبولیت پر قدیر و خبیر وہی وَحْدَهٗ لَاشَرِیْکَ ہے یہ تیسری بات بھی ہمیشہ یاد رکھو کیونکہ نہ اُس کی چاہت کی حد ہے نہ اُس کی قدرت کی نہ کوئی ذہن اُس کے لیے حد مقرر کر سکتا ہے یہ حد مقرر کرنا اور یہ کہنا کہ وہ یہ کر سکتا ہے یہ نہیں کر سکتا یہی کفر و شرک ہے، ان تینوں حقیقتوں پر ایمان لا کر پھر اِس چوتھی بات پر بھی ایمان لاؤ کہ وَاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَیْبَ فِیْهَا ۔ اے لوگو جب اتنی زندگیوں کو دن رات اپنی نگاہوں سے دیکھ رہے ہو تو سمجھ لو اور تدبیرِ عقلی سے کام لے کر مان لو کہ بے شک قیامت آنے والی ہے اِس میں ذرّہ بھر شک نہیں یہ اُس قدرتوں والے کا سچا پکا اٹل تقدیر مبرم کا وعدہ ہے اور جو ذاتِ قدیم و قدیر بھی ہو حکیم بھی وعدہ فرمانے والا بھی تو اُس کو وعدہ پورا کرنا نہ مشکل نہ کوئی رکاوٹ نہ تھکاوٹ جب وہ چاہے قیامت قائم فرما سکتا ہے۔ قیامت قائم فرمانے میں ہزارہا حکمتوں مصلحتوں کے علاوہ یہ حکمت بھی ہے کہ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ جس نے انسانوں کو عدم و نیستی کی قبروں صُلبِ و تَرائِب کے نطفوں بیج کو مٹی کی اور بکھری جڑوں کو زمین کی مخفی قبروں سے زندہ فرما کر اُگا دیا حالانکہ یہ سب مٹی میں مٹی ہی بن کر پوشیدہ تھیں۔ وہی اللہ جلّ وعلیٰ اُن تمام گلے سڑے جسموں، بوسیدہ و رمیم ہڈیوں بکھرے بالوں اُدھڑی کھالوں کو اُن کی ہی شکلوں حلیوں میں اُٹھائے گا جو قبروں میں مرے پڑے پوشیدہ ہیں۔ یہ پانچویں بات بھی یاد رکھو اس لیے کہ یہ دنیا فقط دار العمل ہے اِس تھوڑی سی زندگی میں بڑی بڑی جزا و سزا کی گنجائش نہیں۔ یہاں تو کسی نے ظلم کیا کسی نے عدل۔ کسی نے فضل کسی نے کرم، کسی نے دیانت، کسی نے خیانت

marfat.com

کسی نے عبادت کسی نے خباثت کسی نے ذہانت کسی نے حماقت کی لہٰذا ظالم مظلوم، عادل و معدول، حاکم و محکوم
خائن و امین، عابد و غافل عاقل احمق، شاکر و کافر، فاسق و صابر کا حساب و کتاب جزاء و سزا ضرور ہو گی نہ
بھلایا جا سکتا ہے نہ چھوڑا اسی حکمتِ عدل و فضل کے لیے قیامت ہے اور قیامت کے لیے تمام بندوں
کا زندہ ہو کر اٹھنا اور بارگاہ عدالتِ الٰہیہ میں پیش ہونا ہے۔ اِن آیت کی بیان فرمودہ پہلی تین باتیں علتِ
فاعلی ہیں اور دوسری دو باتیں علتِ غائی ہیں یعنی بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ ۳ وَاَنَّهٗ یُحْیِ الْمَوْتٰی ۳ وَاَنَّهٗ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ یہ علتِ فاعلی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کائنات کا فاعلِ الحق ہے، وہ ہی فاعلِ حیات
ہے وہ ہی فاعلِ قدیر ہے۔ اِن تین چیزوں کے اظہار و بیان کا مقصد و غایت یہ ہے کہ وہ قیامت بھی
قائم فرمائے گا اور مُردوں کو زندہ بھی فرمائے گا۔ دنیا سے مرنے کے بعد جو انسان جہاں جائے گا وہی
اُس کی قبر ہے خواہ مٹی میں دفن کیا جائے یا پانی میں

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں، پہلا فائدہ۔ عالمِ برزخ نام ہے موت کے بعد
روح کی قیام گاہ کا، اور قبر نام ہے اجسام کے قیام گاہ کا لہٰذا جلے مُردے کی راکھ۔ پانی میں
ڈوب کر مرنے والے کے ذرات، جانور کے کھانے سے مرنے والے کا بنا ہوا بول و براز جہاں جہاں
پڑا ہو گا وہی اُس کی قبر ہے، ہر چیز گل سڑ کر رمیم بن جاتی ہے مگر تخمِ صُلب وَالتَّرَائِب کے ذرات
والا نطفہ جرثومہ نسمہ کسی بھی چیز سے فنا نہیں ہو سکتا نہ آگ میں راکھ نہ مٹی میں خاک نہ پیٹ میں براز نہ
پانی میں ذراتِ فانی بنے وہ اپنی اصلیت پر باقی اُسی تخمِ انسانی سے قیامت کی خلقت و بعثت ہے یہ
فائدہ یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دنیا میں انسان مرتے مٹتے بہت طرح سے ہوتے
ہیں مگر سب کی بعثتِ ثانیہ کے لیے مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ ہی فرمایا گیا جس سے ثابت ہوا کہ قبر صرف قبرستانی
لحد کا نام نہیں ہے بلکہ ہر مردے کا آخری ٹھکانہ اُس کی قبر ہے۔ دوسرا فائدہ، جس طرح مادۂ منویہ
میں تمام مادہ تخمِ انسانی نہیں بلکہ اس کے اندر کا صرف جرثومہ ہی تخمِ انسانی ہے اسی طرح نباتاتی بیج بھی
اور پرندوں کا انڈا بھی پورے کا پورا تخم نہیں بلکہ بیج اور انڈے کے اندر بھی مثل جرثومہ بہت ہی باریک
ذرہ ہوتا ہے جو بجز خوردبین نظر نہیں آسکتا وہ ذرہ ہی اصل تخم شجر و پرند ہے، اس لیے جب کسی نئے پھوٹتے
پودے کو مٹی سے نکال کر دیکھو تو دانے کے اندر سے اوپر کی جانب سے اُس نسل کا پودا اور نیچے کی جانب
سے اصل اور جڑ کا دھاگا نکلتا نظر آتا ہے اور درمیان میں دانہ اسی طرح اپنے پورے جسم کے ساتھ موجود
ہوتا ہے صرف پھول کر موٹا ہو کر پھٹا ہوتا ہے ہمارے اساتذہ دورانِ سبق ہم سے یہ تجربے اور
مشاہدے کرایا کرتے تھے اور علمی اور تجرباتی اِن آیت کی تفسیر سمجھاتے تھے، حدیث ذرہ و نسمہ میں شارحین

marfat.com

بھی یہی فرماتے ہیں یہ فائدہ یُحۡیِ الۡمَوۡتٰی فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ مشکوٰۃ شریف ص۲۲ باب القدر میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اُن کی پشت میں سے اُن کی تا قیامت اولاد دکھائی گئی تھی وہ یہی جرثومے تھے اِن ہی کو حدیثِ پاک میں ذرّہ اور نسمہ فرمایا گیا عربی میں جرثومہ کو نسمہ اور جراثیم کو ذرّہ کہتے ہیں۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہر شئی کی پیدائشی کیفیت اور جرثوموں کی تفصیلی حالات کا ذکر فرمایا ہمارے فلاسفر اُن احادیث کی روشنی میں طبی تجربات و مشاہدات کر کے نباتاتی حیواناتی خِلقتِ درجہ بدرجہ کی کیفیت بیان کرتے ہیں، نبوت کی آنکھ وہ کچھ دیکھ لیتی ہے جو خورد بین سے بھی نظر نہیں آتا۔ جرثوموں اور نباتات کی حیات اُن کا نشو و نما اور بڑھنا مختلف شکلوں میں بدلنا جاتا ہے ان کی زندگی روح سے نہیں، روحانی زندگی تو مخلقۃٌ سے شروع ہوتی ہے اور روحانی زندگی صرف انسان حیوان جنّات و ملائکہ کی ہے حجرات کی زندگی ان کا ذکرُ اللہ ہے۔ یہ فائدہ یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی جس چیز میں اُس کی زندگی نہیں وہ اہلِ قبور ہیں انسان کی روح نہیں تو وہ اہلِ قبر۔ نباتات میں نشو و نما نہ رہے تو حجرات میں ذکرِ الٰہی نہ رہے تو وہ سب اہلِ قبور یعنی مردہ ہیں، پھر جب چاہے رب تعالیٰ ان میں ان کی زندگی ڈال دے تو وہ ہی یَبۡعَثُ مَنۡ فِی الۡقُبُوۡرِ ہے اور ان کا اپنی قبر سے نکلنا ہے، جب مردے جرثومے کو بعثتِ قبری کی زندگی ملی تو جراثیم اور علقہ مضغہ بن گیا۔ بیج اور جڑ کو بعثتِ قبری کی زندگی ملی تو وہ اپنی قبر سے نکل کر نباتات و شجرات بن گئے حجرات کو جب زندگی ملی تو وہ بے ذکری کی قبروں سے نکل کر ذکرُ اللہ کی زندگی میں آ گئے مردہ انسانوں کو جب حیاتِ اُخروی ملے گی تو وہ اپنی قبروں سے نکل کر میدانِ محشر کی طرف چلیں گے، سب کو اٹھانے جگاتے زندہ کرنے والا وہی ربّ قدیر ہے۔

اَحۡکَامُ الۡقُرۡآن اِن آیتِ پاک سے ایک مسئلہ مستنبط ہوتا ہے، مسئلہ کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ قدرتِ الٰہی اور علمِ مصطفائی کا انکار کرے کیونکہ قدرتِ الٰہی کا انکار کافرانہ خصلت ہے اور علمِ مصطفائی کا انکار خبیثانہ خصلت ہے، یہ مسئلہ وَاَنَّہٗ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے یہاں اپنی قدرت کو پانچ چیزوں کے اجمالی ذکر سے بیان فرمایا مگر اِن پانچوں کی تفصیل چشمۂ علم و حکمت والی زبانِ مصطفیٰ نے بیان فرمائی وہ اجمال بھی حیران کُن یہ تفصیل بھی حیران کُن، ہم نے جو اپنی تفسیر عالمانہ میں تفاصیل خمسہ بیان کی ہیں وہ احادیث پاک سے ہی نقل کی ہیں اور سچی بات بھی یہی ہے کہ اجمالِ قرآن کی تفصیل کے لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہی زبانِ اَقدس ہو سکتی ہے ورنہ ہم کیا سمجھتے کہ حق کیا ہے، حیات کیا ہے

marfat.com

قدرت کیا ہے، ساعت کیا ہے، بعثت کیا ہے۔ بلکہ ہم کیا سمجھے خدا کون ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے گئے پہلا اعتراض۔ اِن آیت میں منکرینِ قیامت کو قیامِ قیامت کا ثبوت پیش کیا جارہا ہے۔ اُس کے لیے انسانی پیدائش کا ذکر تو ٹھیک ہے کیونکہ انسانی پیدائش ہی دوسری بار ہوگی اور یہی انسان ہی دوبارہ زندہ ہوکر قیامت میں اُٹھ کر محشر میں حاضر ہوں گے مگر نباتات کی خِلقت کا ذکر یہاں کیوں فرمایا گیا، اُن کی پیدائش سے قیامت کا کیا تعلق ہے؟ جواب تین وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ قیامت کا برپا کرنا دو چیزوں پر منحصر ہے ایک یہ کہ تمام ممکنات پر قادر ہونا دوم یہ کہ تمام معلومات کا عالِم ہونا، یعنی اُس کی قدرتِ کاملہ اور علمِ کلیہ، کیونکہ کفار قیامت کے انکار میں یہی کہتے ہیں کہ نہ ہر چیز پر وہ قادر ہے نہ ہر چیز کا علیم ہے، تو یہاں کفار کے دونوں باطل عقیدوں کا رَد فرمایا جا رہا ہے کہ اے منکرو تم مُردہ انسانوں کی دوبارہ پیدائش والی قدرتِ الٰہی کو مشکل سمجھ رہے ہو، اللہ تعالیٰ تو وہ قدرتوں والا ہے جو مُردہ زمین کو زندہ فرما کر آنِ واحد میں دیکھتے دیکھتے کروڑوں شجرات و نباتات اُگا دیتا ہے اور علیم و خبیر ایسا کہ ہر چیز ہر معلومات پر ہر طرح ہر وقت ہر جگہ سے خبر رکھنے والا ہے، وہ اللہ قدیر ہر شی کو اُس کے مقام کو اُس کے وقت کو اُس کے بنانے مٹانے کے طریقے کو جانتا ہے۔ اس لیے آیت ۶ میں تین باتیں ارشاد ہوئیں جن میں عِلّتِ فاعلی کا بیان ہے ۱ وہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں حق ہے ۲ وہی مُردوں کو زندہ کر سکتا ہے ۳ ہر چیز پر قدیر ہے اور اُس کی فاعلیت علم و قدرت والی ہے، آگے آیت ۷ میں دو فرمان ہوئے جن میں اس فاعلیت کے اظہار کی عِلّتِ غائی یعنی مقصد بیان فرمایا گیا کہ اس علم و قدرت کی بنا پر قیامت بھی قائم فرما سکتا ہے اور قبروں سے مُردوں کی بعثت بھی دوسری وجہ یہ کہ نباتات کا تعلق خلقتِ انسانی سے ہے کہ مٹی سے دانہ، دانے سے پودا، پودے میں غذا غذا میں نطفہ، اس لیے ثبوتِ قیامت کے لیے خلقتِ انسانی اور خلقتِ انسانی کے ثبوت کے لیے پیدائشِ نباتات کا ذکر فرمایا گیا۔ تیسری وجہ یہ کہ چونکہ انسان کی حیاتِ دنیوی دو قسم کی ہے پہلی زندگی محض نشو و نما اور دوسری زندگی روح سے حیاتِ اول صُلبِ وَالتَّرَائِبِ سے ہوتی ہوئی رحمِ مادر میں آئی یہ زندگی حیاتِ نباتات کے مشابہ صرف نشو و نما سے ہے اس لیے جرثومے و جراثیم، علقہ پھر مضغہ کی زندگی کو ثابت کرنے کے لیے مُردہ زمین اور زمین کی زندہ نباتات کا ذکر فرمایا گیا کہ زمین و نباتات کی زندگی نشو و نما ہے اسی طرح انسانی پہلی زندگی نطفہ سے مضغہ تک فقط نشو و نما کا نام ہے روح تو بعد میں پڑتی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا مَنْ فِی الْقُبُوْرِ۔

marfat.com

مَنْ واحد ہے اور قُبُوْرِ جمع، حالانکہ نحوی قانون سے موصول وصلہ ایک جیسا ہونا چاہئے لہٰذا یا اسم موصول جمع ہونا یا قبور واحد ہوتا جواب، مَنْ اور مَا ہمیشہ اسم جنسی ہوتے ہیں اس لیے واحد کے لیے بھی آجاتے ہیں اور جمع کے لیے بھی ہیں چونکہ صلہ جمع ہے اس لیے یہاں مَنْ جمع ہے، اور ترجمہ اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ اٹھائے گا ان تمام کو جو قبروں میں ہیں، وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

تفسیر صوفیانہ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ. وَّاَنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا. وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ اصطلاحِ صوفیا میں منکرِ قیامت دو قسم کے ہیں ایک قولی جن کو کافرین کہا جاتا ہے دوم عملی جن کو فاسقین کہا جاتا ہے، کافرین اپنی بدعقیدگی سے غلط بات کرتے ہیں فاسقین اپنی بدعملی سے غلط کام کرتے ہیں۔ کافرین نے اپنی کفریہ بدعقیدگی سے کہا کہ اللہ بھی حق ہے ہمارے بُت دیوی دیوتا بھی حق فاسقین نے اپنی بدکرداری دنیا پرستی سے سمجھ لیا کہ اللہ بھی رب ہے اور دولتِ دنیا بھی رب اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید فرماتے ہوئے فرمایا۔ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ بے شک فقط اللہ تعالیٰ ہی حق اور سچ اور رب ہے وہاں بھی کا تصور ہی شرک ہے۔ وہاں ذات میں بھی صفات میں بھی ہی کا ہی مقام حصر ہے وہ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ ہے نہ اُس کی حقانیت میں کوئی شریک نہ ربوبیت میں نہ رزاقیت میں۔ کافرین نے اپنی بدعقیدگی سے کہا اللہ بھی زندگی دیتا اور ہمارے بُت دیوی دیوتا بھی زندگی دان کرتے ہیں۔ فاسقین نے اپنی بدعملی سے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ بھی زندگی و شفا دیتا ہے اور دنیا کے ڈاکٹر حکیم دوا دارو بھی زندگی اور شفا دیتے ہیں زندہ رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّهٗ يُحْيِ الْمَوْتٰى۔ اے کافرو فاسقو تمہارا قولی عملی فہمی عقیدہ و نظریہ غلط ہے اور بے شک فقط وہ اللہ تعالیٰ ہی مُردوں کو زندہ کرتا ہے جِلا دیکر اور وہی بیماروں کو زندہ رکھتا ہے شفا دے کر اُس کے سوا نہ کوئی کسی کو جِلا دے سکتا ہے نہ زندگی دان کر سکتا ہے نہ کوئی شفا دے سکتا ہے، دنیا میں لائق حکیموں طبیبوں ڈاکٹروں کے پاس صرف دَارُ الدَّوَا ہے دَارُ الشِّفَا صرف رب تعالیٰ کے پاس ہے چاہے تو بڑی جوہری دواؤں سے شفا مٹا دے چاہے تو مدینہ منورہ کی خاک میں شفا ڈال دے، کافرین نے بدعقیدگی سے کہا کہ اللہ بھی تو نوں قدرتوں والا ہے اور ہمارے بُت دیوی دیوتا بھی طاقتوں قدرتوں والے ہیں فاسقین نے اپنے فسق و فجور سے سمجھ لیا کہ اللہ بھی قادر ہے مگر ہم بھی اپنے اچھے برے پر قدرت و اختیار رکھتے ہیں۔ رب تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اور بے شک صرف وہ اللہ تعالیٰ ہی۔ ہر چاہت مشیت ہر شئی پر قادر و قدیر ہے، ہمیشہ سے ہمیشہ

marfat.com

تک اُس کے سوا نہ کوئی بت کسی قسم کی قدرت والا نہ کوئی انسان وہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیّت پر بھی قادر و قدیر ہے
اور ہر بندے ہر مخلوق کی چاہت پر بھی بندے مخلوق نہ اپنی چاہت پر قادر نہ کسی دوسرے کی چاہت پر
اور بُت دیوی دیوتا تو اپنی ذات اپنے آپ پر بھی کچھ قدرت نہیں رکھتے، وہ تو بالکل ہی بے بس بے خبر
ہیں۔ کافرین نے اپنی بدعقیدگی سے کہا کہ قیامت نہیں ہو سکتی قطعاً ناممکن ہے
اور یہ جہاں یونہی رجیگا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے
فاسقین نے اپنی بدعملی سے سمجھ لیا کہ یہ جہان ہتھا اکلا کسی ڈھٹھا، ان کی اِس دیدہ دلیری والی بدکرداری
چور بازاری سود خوری ظلم بازی بتا رہی ہے اور زبانِ حال سے کہہ رہی کہ حساب وکتاب سزاو جزا جنت
ودوزخ کچھ نہیں، دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے۔ اس لیے جور وجفا ظلم وستم حرام وگناہ
جو چاہو کرو۔ کھاؤ، کماؤ، مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّ السَّاعَةَ
اٰتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيْهَا۔ کافرو خوش فہمی میں نہ رہو، فاسقو بدمستی میں نہ آؤ، مظلومو نہ گھبراؤ، اور
بے شک یقیناً قیامت آنے والی ہے اس میں کوئی شک نہیں نہ رَیب ہے نہ تردد، ہر ایک کا پورا
پورا حساب اور محاسبہ ہوگا نہ کوئی بچ سکے گا نہ کوئی بھاگ سکے گا۔ کافرین نے اپنی بدعقیدگی سے کہا۔ مَنْ
يُّحْيِ الْعِظَامَ وَهِيَ رَمِيْمٌ۔ (سورۃ یٰسٓ آیت ۷۸) کہ انسان مر کر کبھی زندہ نہیں ہو سکتا، بھلا
کون زندہ کر سکتا ہے پھٹی کھالوں سڑے گوشتوں بھربھری رمیم بوسیدہ ہڈیوں کو خاک بنے اعضا
کو، فاسقین نے اپنی بدعملی، خرمستی بدمعاشی بداعمالی سے سمجھ لیا ہے گویا کوئی ہمیں پوچھنے روکنے
ٹوکنے والا نہیں اور جگا کر بٹھانے جلا کر اُٹھانے والا نہیں، نہ مظلوم کا بدلہ نہ بدعملی کا عتاب نہ بدمعاشی
کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں کی تردید کرتے ہوئے فرمایا۔ وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔
اے کفریہ نظریات اور فسقیہ تصورات والو کسی غرور و گھمنڈ میں نہ رہو نہ دھوکے میں اکڑو، اور بیشک
وہی اللہ تعالیٰ جس نے پہلے تم سب انسانوں کو بے جان مٹی سے جاندار۔ اَحْسَنِ تقویم اور نہایت
مضبوط خوب صورت عقل علم بصارت بصیرت والا بنا کر پیدا کر دیا۔ جب کہ۔ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا
(سورۃ دھر آیت ۱) وہ انسان کسی گنتی شمار اور تذکرے میں ہی نہ تھا۔ تو ذاتِ خلّاق قادر
وقدیم پر اعادہ کیا مشکل ہے۔ لہٰذا اے انسانو کافر و فاسق بن کر اپنا ابدی اور وقتی نقصان نہ کرو
بلکہ دل وجان عقیدۃً ایمان عمل وکردار سے مان لو کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ہر مُردہ انسان کو اُسی
جسم وشکل صورت وحُلیۂ بدنی میں زندہ کر کے قبروں سے اُٹھائے گا۔ کافر کا عذاب فاسق کا عتاب
ظالم کا حساب مظلوم کا کتاب ضرور ہوگا۔ یہ اعضا یہ ابدان، یہ زندگی یہ امان سب اللہ تعالیٰ کی

marfat.com

امانتوں کا امتحان ہے۔ جب دنیا کے لوگ امانتیں دے کر نہیں بھولتے حساب و کتاب کرتے ہیں امین کو انعام خائن کو سزا دیتے ہیں تو کیا عالمین کا علیم و خبیر رب قدیر اپنے بندوں کو امانتیں دے کر بھول سکتا ہے۔ ہرگز نہیں، انہی امانتوں کے حساب کے لیے قیامت بھی یقینی مُردوں کا زندہ ہونا بھی یقینی ہے۔ یہ اُس کا وعدہ ہے جو۔ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ہے۔

حضرت حکیم الامت بدایونی بانی تفسیر نعیمی کی ایک تقریر سے اقتباس

اللہ تعالیٰ پر یہ تمام ظاہری باطنی قدرتیں آسان ہیں اللہ تعالیٰ نے ظاہر میں عالم ارواح کی روح ڈال کر موت تک زندہ کر دیا اور باطن میں روح مصطفائی سے ابد تک زندہ فرمایا، علما کے نزدیک، جہاں جسم مصطفیٰ وہیں قدم مصطفیٰ لیکن صوفیا کے نزدیک جہاں نظر مصطفیٰ وہیں قدم مصطفیٰ۔ ظاہر صورت ہے اور باطن معنیٰ ہے۔ ظاہری صورت کو فنا ہے باطنی معنیٰ کو بقا ہے۔ معنیٰ اصل بہار ہے صورت فرع ہے اور فرع کو خزاں ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ

اور لوگوں میں سے ایک وہ ہے جو بحث کرتا ہے اللہ کے بارے میں بے

اور کوئی آدمی وہ ہے کہ اللہ کے بارے میں یوں جھگڑتا ہے کہ نہ تو

عِلْمٍ وَّلَا ھُدًی وَّلَا کِتٰبٍ مُّنِیْرٍ ﴿۸﴾ ثَانِیَ

علمی اور بے ہدایتی سے اور بغیر روشن دلیل اپنی

علم نہ کوئی دلیل اور نہ کوئی روشن نوشتہ حق سے اپنی

عِطْفِهٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ لَهٗ فِی

گردن دوسری طرف کرنیوالا تاکہ گمراہ کرتا پھرے اللہ کے رستے سے، مقدر ہے اسکے لیے

گردن موڑے ہوئے تاکہ اللہ کی راہ سے بہکا دے اس کے

marfat.com

الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

دنیا کی ذلت اور ہم چکھائیں گے اُس کو محشر کے دن میں

ہے دنیا میں رسوائی ہے اور قیامت کے دن

عَذَابَ الْحَرِيقِ ۝٩ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ

جلنے کی سزا۔ وہ سزائیں اُن اعمال کی وجہ سے ہیں جو آگے بھیجے ہیں تیرے دونوں

ہم اسے آگ کا عذاب چکھائیں گے یہ اس کا بدلہ ہے جو تیرے

يَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ۝١٠ ع

ہاتھوں نے اور بے شک اللہ تو نہیں ہے ذرہ بھر ظلم کرنیوالا بندوں پر

ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ قیامت کو ماننے والوں کے پاس قیامت کے ثبوت پر یہ دلائل ہیں ہدایت اور کتاب منیر بھی ہے اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ جو بدبخت کافر اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھگڑے کرتے ہیں اُن کے پاس نہ کوئی دلیل و ہدایت نہیں ہے نہ روشن کتاب ہی ان کو ملی۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کافرانوں کی ایک قسم بیان کی گئی۔ جو اللہ تعالیٰ کو تو کسی نہ کسی نام سے مانتے ہیں مگر قیامت کے منکر اب اِن آیت میں کافرانوں کی دوسری قسم کا ذکر ہو رہا ہے جو باری تعالیٰ کا ہی انکار کرتے ہیں تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے خود گمراہ ہونے کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں کفار کی دوسری حرکت کا ذکر کیا گیا کہ وہ دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ **شانِ نزول**۔ خزائن العرفان میں ہے کہ ابوجہل اور اُس کے ساتھی اللہ تعالیٰ کی صفات اور قدرتوں کے منکر تھے اور صحابہ سے راہ چلتے جھگڑے کرتے تھے ایک دفعہ چند نوجوان صحابہؓ نے اس کو گھیر لیا اور اُس سے اس کی بکواسیات پر دلیل مانگی تو گھبرا کر جان چھڑا کر بھاگا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی

marfat.com

از ۸ تا ۱۰ ۔

تفسیر نحوی

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ
واؤ سر جملہ یا حالیہ ہے اس کے بعد موجود اسم مفعول پوشیدہ ہے حرف مِنْ کے قرینے سے کیونکہ حرف جر کبھی ابتدا میں نہیں آسکتا اس سے پہلے کوئی عامل مشتق ضرور آتا ہے خواہ ظاہر حقیقی ہو یا حکمی یا پوشیدہ۔ یہاں پوشیدہ عامل ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ بمعنی بعض لوگ النَّاسِ مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول واحد مذکر کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا مَنْ اسم موصول يُجَادِلُ باب مُفَاعَلَةٌ فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُجَادَلَةٌ بمعنی ایک دوسرے سے بحث کرنا جھگڑا کرنا باتوں سے جَدَلٌ سے بنا ہے فِيْ حرف جر برائے ظرفیہ حکمی ترجمہ ہے بارے میں اَللّٰه اسم مفرد معرفہ مجرور ہو کر متعلق اول ہے يُجَادِلُ کا اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے مَنْ بِ حرف جار زائدہ غَيْرِ اسم مفرد مضاف مصدر ثلاثی بھی ہوتا ہے باب تفعیل و تفعّل میں گردان مشہور ہے بمعنی بدلنا جامد بھی آتا ہے بمعنی اجنبی اس کی جمع ہوتی ہے اَغْيَار اس کے علاوہ چار اور طرح مستعمل ہے ۱ فقط حرف نفی بمعنی نہیں (بغیر) یہاں اسی معنی میں ہے اسی لیے مضاف ہونا ضروری ہوا اور اس کا مضاف الیہ ظاہر ہوتا ہے۔ ۲ بمعنی اِلَّا ۳ کسی چیز کی ظاہری تبدیلی کے لیے ۴ کسی چیز کی مکمل تبدیلی کے لیے۔ قرآنِ مجید کے ہر پارے میں یہ لفظ ضرور آیا ہے کل تقریباً ایک سو تیرہ ۱۱۳ دفعہ آیا ہے۔ مضاف ہے عِلْمٍ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا حرفِ عطف تاکید کے لیے بمعنی غیر هُدًى اسم مصدر ثلاثی هُدًى بروزنِ ضَرَبَ وَقَتَلَ فُعَلٌ۔ هُدًى وَهِدَايَةٌ سے بمعنی رہنمائی کرنا۔ دلیل سمجھانا۔ بحالتِ کسرہ ہے اعراب تقدیری ہے دراصل تھا هُدَی اسم مقصورہ آخر کا الف واؤ سے جڑنے کی وجہ سے گر گیا اور زیر اس کی علامت نکرہ کی وجہ سے تنوین بن گئی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ لَا عاطفہ برائے تاکید كِتٰبٍ اسم مفرد مبالغہ بمعنی مکتوب یعنی لکھا ہوا موصوف مُنِيْرٍ باب اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر نُوْرٌ سے مشتق ہے بمعنی روشن کرنا، نور بنانا روشنی دینا، یہاں اسی معنی میں صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہے بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ۔ سب عطف مل کر متعلق دوم ہے يُجَادِلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ۔ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ ثَانِيَ باب ضَرَبَ کا اسم واحد مذکر ثَنْیٌ

marfat.com

سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے دو ہونا دوسرا ہونا، اسی سے ہے اِثنا کا عدد بمعنیٰ دو اور اسی سے ہے ثانی بمعنیٰ دوسرا اصطلاح میں ہر دوسری حالت کو ثنا کہا گیا، اچھائی کے بیان کو بھی ثنا اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ انسانی زندگی کی دوسری حالت ہے کیونکہ جب انسان پیدا ہوتا ہے تو اس میں کوئی وصف نہیں ہوتا جو اُس کی ثنا (تعریف و اچھائی) بیان کی جاسکے جب بڑا ہوتا ہے تب اس میں اچھے اوصاف پیدا ہوتے جن کو ثنا کہا جاتا ہے اب لفظ ثنا مطلقاً اچھائیوں کے تذکرے کو کہا جاتا، یہاں معنیٰ ہے موڑنا، پھیرنا اپنے آپ کو یہ بھی دوسری حالت ہوتی ہے کہ جب سیدھا چل رہا ہو تو یہ ایک حالت ہے اور پورا یا آدھا مڑا تو یہ دوسری حالت ہوئی اس لیے ثَانِیَ کہا گیا یعنی موڑنے والا یہ اسم فاعل مضاف عِطْفِ اسم مفرد جامِدُ، بمعنیٰ پہلو لچک دار یعنی جسم کا وہ حصّہ جس کو موڑنے پھیرنے سے سارا جسم پھر جائے موڑ کھا جائے مراد ہے، سر یا سینہ، کندھے، اگر اس کے بعد علیٰ جارہ ہو تو اُس کے معنیٰ ہوتے ہیں اُس کی طرف پھر نامڑنا یعنی شفقت و محبت کرنا اور اگر اُس کے بعد عَنْ ہو یا مطلقاً ہو تو معنیٰ مڑ کر دوسری طرف ہونا مراد پھیرنا نفرت کرنا اکڑ و غرور سے یہاں اسی معنیٰ میں ہے بعض نحات نے کہا عِطْفٌ کا معنیٰ اکڑ غرور، اور عَطْفٌ کا معنیٰ نرم اور شفقت محبت، یہ زیر، زبر کا فرق ہے ضمیر کا مرجع مَنْ ہے عِطْفِ مضاف ہٖ مضاف الیہ دونوں مل کر مضاف الیہ ہے ثَانِیَ کا یہ دونوں مل کر حال ہے یُجَادِلُ کے فاعل کا۔ یُضِلَّ۔ لَامِ تعلیلیہ عاقبت والا کام کے لیے یہ اگلا جملہ انجام کیلئے علّت عاقبت ہے یا یُجَادِلُ کی یا ثَانِیَ کی یعنی یا اس لیے بحث کرتا ہے کہ گمراہ کرے یا اس لیے منہ پھیرتا ہے کہ گمراہ کرے یُضِلَّ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف۔ بحالتِ نصب لام کے تعلیلیہ کی وجہ سے کیونکہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے عَنْ سَبِیْلِ اللہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُضِلَّ کا اس کا مصدر ہے اِضلَالٌ، بمعنیٰ گمراہ کرنا یہ متعدی ہے مگر اس کا مفعول یہ محذوف منوی ہے لام حرفِ جر برائے تعدیہ بمعنیٰ کو، ہٗ کے ضمیر کا مرجع مَنْ یُجَادِلُ ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے پوشیدہ اسم مفعول مُقَدَّرٌ کے بمعنیٰ تقدیری فیصلہ کیا ہوا، یا مُقَرَّرٌ کا بمعنیٰ ثابت کیا ہوا، فِی الدُّنْیَا۔ یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے اسی پوشیدہ کا اسم مفعول پوشیدہ اپنے نائب فاعل پوشید ضمیرِ صیغہ اور اپنے دونوں متعلقوں کے ساتھ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبرِ مقدم ہے اس نائب فاعل ضمیر کا مرجع خِزْیٌ ہے اِضمار قبل الذکر اس لیے نہیں کہ حقیقتہً مبتدا پہلے ہوتا ہے خبر بعد میں یہاں صرف عارضی پہلے آئی ہے برائے حصر، خِزْیٌ اسم مفرد جامِد بمعنیٰ سخت قسم کی ذلّت یہ مبتدا مؤخر ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ ہلکی اور تھوڑی و عارضی ذلّت کو "فضیحۃ" کہتے ہیں یہ ناحق بھی ہوتی لیکن سخت اور استحقاقی ذِلّت "خِزْی" ہے، واؤ برجملہ نُذِیْقُ بابِ افعال کا فعل مضارع جمع متکلم ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ذَوْقٌ اَجْوَفْ واوِی اس کا مادّہ بمعنیٰ چکھانا، تھوڑا سا پانا اس کا مصدر اِذَاقٌ

marfat.com

دراصل اِذْوَاقٌ تھا۔ پہلے واؤ کو یٰ سے بدلا پھر یٰ کو بھی گرا دیا اور آخر میں تاءِ مصدر یہ لگا دی اِذَاقَةٌ ہو گیا بمعنی چکھانا متعدی ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہٖ یَوْمَ الْقِيٰمَةِ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے نُذِيْقُ کا عَذَاب اسم مفرد جامد مضاف ہے اَلْحَرِيْقِ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبّہ بابِ کَرُمَ سے اسم فاعل اور اسم مفعول دونوں کے معنیٰ میں آجاتا ہے یعنی جلنے والا (جلا ہوا) اور جلانے والا یہاں اسم فاعل کے معنیٰ میں ہے مراد ہے جہنم کی آگ یا یہ مصدر ہے بروزنِ فعیل بمعنیٰ جلنا مضاف الیہ ہے حَرْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جلنا جلانا، لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی یہاں متعدی ہے، یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ دوم ہے نُذِيْقُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ وہ عذاب جو قیامت میں ہوگا یہ مبنی ہے بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے اس کی ترکیب نحوی میں مزید تین قول ہیں ۱؎ یہ کہ یہ تھا اَمْرٌ ذٰلِكَ ۲؎ یہ تھا فَعَلْنَا ذٰلِكَ ۳؎ یہ تھا مَعْقُوْلًا یا جَعَلْنَا ذٰلِكَ مگر یہ سب غیر ضروری باتیں ہیں۔ بِ حرفِ جر سببیہ مَا اسم موصول یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے قَدَّمَتْ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق معروف مثبت واحد مؤنث غائب يَدَا اسم تثنیہ بمعنیٰ دو ہاتھ اس کا واحد ہے يَدٌ اور جمع ہے اَيْدِيْ مضاف ہے اصل میں يَدَانِ تھا اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی گر گئی اور الف کو کھڑے زبر سے بدلا گیا کیونکہ مرکب ہو کر ایک لفظ کے حکم میں ہو جاتا ہے اور یہ رفع کا اعراب کبھی بیچ میں نہیں آسکتا كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مضاف الیہ اس کا مرجع مَنْ يُّجَادِلُ کا ئن ہے، چونکہ یہ جملہ ہر اعتبار سے بالکل علیحدہ ہے اس لیے یہاں ضمیر غائب کی بجائے كَ ضمیر حاضر لائی کیونکہ تنبیہ اور وجہ عذاب کی وضاحت مقصود ہے اس لیے خطاب میں وضاحت زیادہ ہے یہ مرکب اضافی فاعل ہے قَدَّمَتْ کا قَدَّمَتْ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ اَنَّ حرفِ مشبہ اَللّٰهَ اسم لَيْسَ فعل ناقصہ کَانَ کی طرح کبھی تامہ بھی ہوتا ہے یہاں تامہ ہے یہ فعل ماضی ہے اس کے پورے چودہ صیغے ہوتے ہیں لیکن اس کا مصدر اور دیگر مشتقات نہیں ہوتے یہ ماضی حال تک دراز ہوتا ہے یعنی اب بھی نہیں ہے دیگر افعال ناقصہ کی خبر ان پر مقدم ہو سکتی ہے مگر لَيْسَ کی خبر مقدم نہیں ہو سکتی ہاں البتہ اسم پر مقدم ہو سکتی ہے کبھی لَيْسَ بمعنیٰ اِلَّا بھی ہوتا ہے مگر یہ قول کمزور ہے لَيْسَ کو اسم نکرہ بھی بنا لیا جاتا ہے مثلاً لَيْسٌ اس وقت ترجمہ ہوتا ہے بے خبر آدمی اگر اس سے پہلے ہمزہ لگا دی جائے یعنی اَلَيْسَ تو نفی کی نفی یعنی ثبوت کا معنیٰ دیتا ہے۔ مگر یہ شاعرانہ شاذ باتیں ہیں عام گفتگو میں ایسا نہیں ہوتا اس لَيْسَ تامہ کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ کا مرجع اَللّٰهُ ہے بِ حرفِ جر زائدہ ظَلَّامٍ۔ اسم مبالغہ بروزنِ فَعَّالٍ جو اَدِ ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ظلم کرنا نقصان کرنا بلا وجہ ایذا دینا۔ خیال رہے کہ مبالغہ تین

marfat.com

قسم کا ہے ۱ مبالغہ فی الکیفیت ۲ فی الحالیت ۳ فی الکمیت۔ یہاں مبالغہ فی الکمیۃ مراد ہے یعنی اللہ تعالیٰ ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ فی الکیفیت کا معنیٰ ہے کہ زیادہ نہیں کرتا تھوڑا کرتا ہے اور فی الحالیت کا معنی کہ اس حال میں نہیں کرتا مگر اُس حال میں کرتا ہے یا اس پر نہیں کرتا مگر اُس پر کرتا ہے۔ کمیت کی نفی کا مطلب ہے کسی پر کسی حال میں کچھ بھی ظلم نہیں فرماتا۔ لام جارّہ بمعنیٰ علیٰ فوقیت عَبِیْدٌ اسم جمع مکسّر بروزنِ فعیل اس کا واحد ہے عَبْدٌ بمعنیٰ بندہ مراد ہے تمام مخلوق خیال رہے کہ بروزن فعیل اسم مبالغہ بھی ہوتا ہے (صفت مشبہ) اور مصدر بھی اور جمع مکسّر بھی۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ظَلَّام کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور متعلق ہے لَیْسَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر خبر اَنَّ ہے وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے قَدَّمَتْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے مبتدا ذَالِكَ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّجَادِلُ فِي اللّٰهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّ لَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ ثَانِيَ عِطْفِهٖ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۔ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّنُذِيْقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۔ دنیا میں ذہنی اعتبار سے انسان تین قسم کے ہیں ۱ کچھ وہ لوگ جو اتباع اور تقلید کرنے والے ہوتے ہیں ۲ کچھ وہ لوگ جو اپنی اِتّباع کرانے والے ہوتے ہیں ۳ کچھ وہ لوگ جو ہر وقت وسوسے میں پڑے رہتے ہیں کہ نا معلوم کون سچا کون جھوٹا پہلی قسم کے لوگ اپنے دین وعقائد اور اپنے پیشواؤں رہنماؤں کو بچانے سچا کہنے اور سمجھنے کے لیے مجادلہ مباحثہ کرتے ہیں، دوسری قسم کے لوگ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتے اپنا مقتدی مقلد اور پیروکار بنانے اور خود گمراہ رہنے کے لیے مخالفوں کو جھوٹا کرنے کے لیے مجادلہ مباحثہ کرتے ہیں۔ تیسری قسم کے لوگ اپنا دین وایمان موقوف رکھتے ہیں اور دنیوی عیش وآرام کی لالچ میں دین قبول کرتے ہیں ایسے لوگوں کو اگر دنیوی آرام سکون دولت عشرت ملے اور ملتی رہے تو وہ دین کو سچا سمجھتے رہتے ہیں اگر ذرا تکلیف آجائے تو دین کو بُرا سمجھنے لگتے ہیں بلکہ برگشتہ ہو جاتے ہیں پہلی قسم کے لوگوں کا ذکر آیت ۳ میں فرمایا گیا۔ اور یہاں آیت ۸ سے ۱۰ تک دوسری قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اور آگے آیت ۱۱ میں تیسری قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا پہلی قسم کے لوگ عوام ہیں، اگر سچا برحق دین کے لیے مباحثہ کریں اور سچے دین کی حمایت میں لڑ مٹ جائیں تو ان کا مجادلہ درست باعثِ ثواب ونجات اسی کو تصلّب کہتے ہیں اس مجادلے کے لیے صرف علم وعقل کافی ہے کیونکہ علم وعقل سمجھ داری سے مجادلہ کرنا جائز بھی ہے مفید بھی بے علمی بے عقلی کا مجادلہ سخت نقصان دِہ سچائی کی عزت ختم اور برحق آدمی کا بھی وقار برباد باعث دنیوی رسوائی، اور اگر جھوٹے دین کی حمایت

marfat.com

ہیں مجادلہ مناظرہ کرتا ہے تو جھوٹا اور جہنمی، جھوٹے دین کا آدمی کبھی بھی علم وعقل والا نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے پہلے صرف بغیر علم فرمایا گیا۔ ایسے لوگ گمراہ رہتے تو ہیں مگر کسی کو گمراہ کر نہیں سکتے۔ ان کے مجادلے کا مقصد صرف یہ بتانا ہوتا ہے کہ ہم جس دین پر ہیں وہ درست ہے کوئی مانے یا نہ مانے ہم تو اس دین پر قائم رہیں گے۔ ایسے ضدی لوگ کسی کے سمجھانے سے حقانیت کو نہیں مانتے وہ صرف متبع یعنی تابعدار مقتدی مقلد ہوتے ہیں وہ پیشوا اور گمراہ گر نہیں ہوتے اسی گمراہی کو تعصب کہا جاتا ہے۔ دوسری قسم کے لوگوں کے لیے تین چیزوں کی ضرورت ہے ۱۔ علم بدیہی یعنی عقلی سمجھداری ۲۔ علم نظری یعنی دلائل اور استدلال حاصل کرنے کی قوت ۳۔ کسی کلام الہٰی کی تائید اور حمایت در روشنی ملنا اگر تینوں چیزوں کی دولت اُن کے پاس ہے تو وہ برحق اور دنیا و آخرت میں خوش بخت کامیاب اُن کا مجادلہ درست اور لوگوں سے اپنی اقتدا و تقلید کرانا جائز۔ لیکن اگر تینوں چیزیں نہیں ہیں تو ان کا مجادلہ غلط اُن کی اِتباع گمراہی اور لوگوں کو اپنی اتباع میں لانا گمراہ گری اور ورغلانا جال میں پھنسانا ہے اور بحث مباحثہ کرنا کج بحثی اور غرور و تکبر و شیطانیت ہے۔ اسی لیے یہاں ایسے گمراہ کرنے والوں سے تینوں چیزوں کی نفی فرمائی گئی کہ گمراہ کرنے کے لیے مجادلہ تو کرتے ہیں مگر نہ علم نہ ہدایت نہ کتاب منیر یہ لوگ یُضِلُّ ہیں۔ تیسری قسم کے شکی مزاج لالچی لوگ اگر دنیوی امور میں وسوسہ وہم یا لالچ کریں تو اُس کو ذاتی احتیاط یا مفاد کہا جا سکتا ہے مگر دینی عقائد میں وسوسہ یا دین میں دنیوی مفاد کی لالچ کرنا گناہ، ناجائز بلکہ منافقت ہے۔ وہاں آیت ۳ سے تا آیت ۱۱ اُن ہی تین قسم کے بدبخت لوگوں کا ذکر ہے کہ جو شیطانِ مَرِید کے تابعدار ہیں وہ بغیر علم مجادلہ کرتے اور انہیں اپنے اس گمراہ رہنے پر فخر ہے کہ ہماری بُت پرستی درست اور انکارِ قیامت وانکارِ خلقتِ ثانیہ والے عقائد ٹھیک ہیں، اور یہاں آیت ۸ میں گمراہ کرنے والے لوگوں کے ذکر میں سات چیزوں کا بیان فرمایا گیا ۱۔ اُن کا مجادلہ ۲۔ ان کی ذاتی حالت و کیفیت ۳۔ اُن کے مجادلے کی وجہ ۴۔ مجادلے کا مقصد ۵۔ ان کا دنیوی برا انجام ۶۔ ان کا اُخروی برا انجام ۷۔ اُن کے اُخروی برے انجام کا سبب، چنانچہ ارشاد ہوا کہ وَمِنَ النَّاسِ اور لوگوں میں سے کچھ لوگ ایسے جاہل، مغرور، متعصب ضدی، اور اپنے پر گھمنڈ کرنے والے ہیں جو اپنے اللہ تعالیٰ کی قدرتوں قوتوں کے انکار میں بغیر علم و عقل کے اہلِ ایمان کے ساتھ جھگڑے کرتے رہتے ہیں، حالانکہ دن رات قدرتِ الٰہیہ کے بے شمار عجائباتِ واضحہ و ظاہرہ دیکھتے ہیں مگر اتنا علم بدیہی بھی نہیں کہ خود ہی ان پر عقل سے غور کر کے سمجھداری حاصل کر لیں، اور نہ اُن کے پاس کسی نظری علم کی ہدایت ہے کہ اُن کے دلائل یا خود

marfat.com

دلیل لے کر استدلال کر کے ہی حق کو سمجھ لیں اور شعور پالیں نہ کسی کی سنتے ہیں نہ مانتے ہیں نہ سمجھنے کی کوشش ورغبت کرتے ہیں کہ کسی طرف سے اُن کو ہدایت وفراست حاصل ہو۔ نہ اُن کے پاس کوئی سچی پکی روشن کرنے والی تحریر موجود ہے جس کے پڑھنے سمجھنے سے اپنی بحث پر دلیل بناسکیں یعنی نہ کوئی بدیہی دلیل نہ نظری نہ کسبی استدلال نہ کوئی سمعی تحریری برھان اِس کے باوجود اپنے آپ کو بڑا عقل مند سمجھتا ہے اور اہل علم سے کج بحثی کرتے ہیں اور چلتے راہیوں کو ورغلاتے ہیں۔ اُن کی ذاتی حرکت مجادلہ کر کے اپنی علمیت کا رعب جمانا ہے مگر ان کی کیفیت یہ ہے کہ نہ علم نہ ہدایت نہ کتابِ منیر کی روشنی اِس کے باوجود مجادلے کی وجہ سے ثَانِیَ عِطْفِہٖ، بڑے ناز نخرے اور اپنی دولت اُفرادی قوت قوم قبیلے پر سرداری کا گھمنڈ غرور کرتے ہوئے اچھے سچے ایماندار لوگوں سے منہ پھرائے گردن اکڑائے پھرتے ہیں اور اِس مغرورانہ مجادلے کا مقصد لِیُضِلَّ، تاکہ راہ چلتوں کو اسلام سے گمراہ کریں اپنے گروہ کے غریبوں غلاموں ماتحتوں مزدوروں پر اپنے علم کا رعب جمائیں اور گمراہی پر قائم رکھیں، حالانکہ اپنی بے علمی کم عقلی کو خود بھی سمجھتے ہیں اس سے بڑی حماقت کیا ہو گی تھوڑی سی عارضی چند دن کی عزت کے حاصل کرنے کے لیے وہ کتنا بُرا انجام لے رہے ہیں اس کو نہیں سمجھتے کہ لَہٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ۔ اس بدنصیب گروہ کے لیے دنیا میں ہی سب کے سامنے کتنی بڑی ذلتِ عظیم اور کثیر بدنامی، کیسی بربادی عنقریب ہونے والی ہے۔ نہ صرف یہی نہیں بلکہ اس کے بعد وَنُذِیْقُہٗ۔ اور قیامت کے دن ہم ایسا عذاب چکھائیں گے اس منکر جھگڑالو گمراہ گروہ کو جہنم کے جلانیوالے عذاب کا مزہ جو نزع سے شروع ہو کر قبر تک، قبر سے حشر تک حشر سے جہنم کے ابدی قیام تک ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، نزع میں دکھا کر، قبر میں جھلسا کر حشر میں تڑپا کر جہنم میں گرا کر ظاہر ہوگا۔ اور آخرت کے اس ابدی عذاب کا سبب، ذٰلِکَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰکَ وَاَنَّ اللّٰہَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ وہ اُخروی عذاب جو تیرے تصور و خیال سے کہیں زیادہ وحشت ودہشت والا الیم وعظیم ہوگا اُن بدکاریوں، گمراہیوں، شرکیہ کفریہ عقیدوں اور ظلم وستم جور و جفا کے بدلے میں ہوگا جو تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے ہیں تیرے یہ کفریات ہی اُس کا سبب ہے۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ بے قصور بندوں کو بے جا سزا دینے والا نہیں اُس کی ذات اقدس سے ذرہ بھر ظلم کا صدور نہیں ہوسکتا نہ کسی کی نیکیاں کم کر کے نہ گناہ بڑھا کر نہ کسی کے گناہ کسی پر ڈال کر، وہ باری تعالیٰ تو فضل وعدل، رحم وکرم ہی کرنے والا ہے۔ خیال رہے کہ اُن مجادِلین کو دنیوی ذلت اور تا قیامت نار بجی لعنت ملامت بدنامی جنگِ بدر میں ملی کہ ابو جہل اُبی ابن خلف نضر بن حارث، اخنس بن شریک وغیرھم کل چھوٹے بڑے اُمرا، اور سرداران مکہ اور دیگر

marfat.com

کفار ملا کر ستر افراد قتل ہوئے اُن کی کچھ لاشیں بدر کے کوئیں میں گلی سڑیں اور اکثر کو کتوں کوّوں نے کھایا، اور ستر لُما وسردار قید ہوئے اور باقی کفّار سب ذلیل وخوار ہو کر سامان چھوڑ کر بھاگ گئے گرتے پڑتے زخموں سے مرتے ہوکے پیاسے واپس لوٹے۔ یہ تھی لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ۔ اس بدبخت گروہ کی عبرت ناک ذلّتِ دنیوی

اِن آیات میں مفسّرین کے مختلف اقوال ۱ مَنْ یُّجَادِلُ میں تین قول۔ بعض نے لکھا کہ اس سے مراد وہی نضر بن حارث ہے جو پہلے آیت ۳ میں مراد ہوا، اور یہ دوبارہ ذکر مزید چار عیب بیان فرمانے کے لیے ہوا۔ یعنی پہلے مجادلہ کرنے۔ بغیر علم ہوتے، اتّباعِ شیطانی کرنے کا ذکر ہوا، اب مجادلہِ بغیر علم، بغیر ہدایت، بغیر کتابِ منیر، دنیوی اُخروی انجام بیان ہے۔ اس میں تاکیدی مبالغہ بھی ہے ۲ بعض نے کہا کہ اُس میں نضر بن حارث اور اس میں ابوجہل مراد ہے ۳ اور بعض نے کہا کہ آیت ۳ میں نضر بن حارث اور یہاں ابوجہل اخنس بن شریک ابی ابن خلف تینوں مراد ہیں بلکہ وہ سردارانِ مکہ جو بدر میں ذلیل ہوئے قتل ہو کر یا قید ہو کر یا بھاگ کر۔ مگر میرے نزدیک صحیح قول یہ ہے کہ اس آیت میں تمام وہ سردارانِ مکہ مراد ہیں جو بدر میں قتل ہوئے۔ نہ کہ قیدی یا بھاگنے والے اُن میں سے تو اکثر مسلمان ہو گئے تھے، نیز مَنْ کی وحدتِ لفظی اور یُجَادِلُ کی وحدتِ صیغہ اور یَدَاكَ کی وحدتِ ضمیری سے اعتراض نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ مَنْ موصولہ اسم جنس ہے جو واحد کے لیے آتا ہے اور جمع کے لیے بھی، یہاں یُجَادِلُ کے صیغے سے گروہ کی وحدت مراد ہے یعنی ایک گروہ یَدَاكَ کی ضمیر میں خطاب ایک اسی گروہ سے ہے۔ اس قسم کی وحدت کی مثالیں قرآن مجید میں اور بھی بہت ہیں۔ مثلاً جیسے کہ ابھی پہلے آیت ۷ میں یَبْعَثُ مَنْ فِی الْقُبُوْرِ مَنْ جمع کے لیے ہے اور تمام مُردے مراد ہیں اسی لیے بعد میں قُبُوْرِ جمع ہے، اور مثلاً جیسے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِیْنَ۔ (سورۃ بقرہ آیت ۸) وہاں بھی مَنْ جمع کے لیے ہے اسی طرح یَقُوْلُ کی وحدت میں گروہ کی وحدت مراد ہے اسی لیے آگے هُمْ ضمیر اور اٰمَنَّا جمع متکلم مُؤْمِنِیْن جمع اسم فاعل جمع ارشاد ہوا یعنی ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ ہم سب افراد اٰمَنَّا، ایمان لائے، حالانکہ وہ سب افراد مومن نہیں بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًی وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔ میں چار قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ علم سے مراد بولنے کا طریقہ، هُدًی سے مراد راہِ راست پر چلنے کی ہمّت کتابِ منیر سے مراد تہذیب وسلیقہ مندی، یعنی مُجَادِلِیْن میں یہ تینوں چیزیں نہیں پھر بھی جھگڑے کرتے ہیں ۲ بعض نے کہا کہ اِن تینوں سے مراد ضروری فطری علم۔ کَسْبی علم سے اِستدلال کرنا، اور کتاب سے سمعی علم مراد ہے

marfat.com

۳ بعض نے کہا کہ علم سے مراد عقلی دلیل بنانا ھُدٰی سے مراد کسی کی ماننا اور کتاب سے مراد منقولی دلیل ۴ بعض نے کہا کہ علم سے مراد اپنی عقل ھُدٰی سے مراد علم والوں کی عقلی بات اور کتابِ مُنیر سے مراد اللہ تعالیٰ کا کلام سابقہ کتب یا قرآن مجید، ثَانِیَ عِطْفِہٖ کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے کہا عِطْفِہٖ عین کے زیر سے ہے ترجمہ ہے، غرور سے گردن اور نفرت سے کروٹ پھیرنا ۲ مگر بعض نے کہا یہ عَطْفِہٖ زبر سے ہے عطف کا معنیٰ ہے نرم اور شفقت محبت، ثَانِیْ کا معنیٰ ہے دور ہونا منہ پھیرنا یعنی شفقت و نرم دلی سے دور ہونا، اُن کے دل میں کسی کے لیے محبت شفقت نہیں، لِیُضِلَّ کی قرأت میں دو قول ۱ ایک قرأت میں یہ لِیُضِلَّ بابِ اِفعال سے ہے، اور معنیٰ یہ ہے کہ تاکہ گمراہ کرے نو مسلموں کو دوبارہ مرتد بنا کر مسافروں کو اسلام سے دور رکھ کر اور اپنے کافر ساتھیوں کو کفر پر قائم رکھ کر ۲ بعض نے کہا یہ بابِ ضَرَبَ سے لِیَضِلَّ ہے اور معنیٰ یہ کہ تاکہ وہ گمراہ رہے۔ مگر پہلی قرأت مشہور و نافذ ہے خِزْیٌ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اِس سے مراد جنگِ بدر کا قتلِ کفار ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد لوگوں کی زبان پر تا قیامت ان کے لیے لعنت ملامت کی بڑی ذلّت اور خِزْیٌ کی تنوین تعظیمی ہے۔ نُذِیْقُہٗ کی قرأت میں تین قول ہیں ۱ یہ نُذِیْقُہٗ جمع متکلم ہے ۲ اُذِیْقُہٗ واحد متکلم ہے ۳ یُذِیْقُہٗ، واحد مذکر غائب ہے۔ پہلی قرأت مشہور و نافذ ہے۔ عَذَابَ الْحَرِیْقِ، کی ترکیبِ نحوی میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ اضافتِ حقیقی ہے اور معنیٰ ہے جہنم کا عذاب حَرِیْق ایک طبقۂ جہنم کا نام ہے ۲ بعض نے کہا یہ اضافتِ توصیفی ہے۔ معنیٰ ہے جلانے والا عذاب لفظ حریق عذاب کی صفت ہے ذٰلِکَ میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ اسم اشارہ اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی دور کے لیے معنیٰ یہ کہ دنیا میں ہی اُن کو بتا دیا کہ ہم قیامت میں عذاب چکھائیں گے ۲ بعض نے کہا کہ ذٰلِکَ۔ ھٰذَا کے معنیٰ میں ہے قریبی اشارے کے لیے۔ یعنی قیامت میں عذاب دکھا کر اُن سے یہ بات کہی جائیگی کہ یہ ہے وہ عذاب جو ہم تم کو چکھائیں گے اُس کا بدلہ جو اے گروہِ کفار تیرے دو، دو ہاتھوں نے یہاں آگے بھیجا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ، دنیا میں مومن کے لیے تین چیزیں عظیم ترین اور کثیر انعامِ ربّانی ہیں۔ علم، ہدایت، اور قرآن مجید، جس خوش قسمت کو یہ نعمتیں مل گئیں اُس کی ہر بات عقل والی ہے اور ہر بحث حکمت ہے اور ہر ادا پسندیدۂ بارگاہ ہے ہر عبادتِ ایمانی قبول، اگر یہ انعام نہ ہو تو اُس بد نصیب کی ہر بات مجادلۂ بغیرِ علم جس کا بُرا انجام بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ علم و ہدایت والی بحث کو مجادلہ کہا نہ جائے، کیونکہ چشمۂ علم و حکمت والی زبان

marfat.com

نبوت نے فرمایا بُعِثْتُ اُمّتی لِحِکْمَۃٍ۔ یہ فائدہ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ کے ارشادِ ربانی میں بِغَیْرِ عِلْمٍ (الخ) کی قید لگانے سے حاصل ہوا، دوسرا فائدہ۔ دنیا میں سب سے بری اور کمینی عادت غرور اور گھمنڈ کرنا ہے، ہر شخص اس کو ناپسند کرتا ہے۔ کافروں میں سے بھی بدترین کفار کی یہ خصلت ہے اور کفر سے بھی بری حرکت، اسی لیے عام کفار کی ایک سزا مگر مغرور کافر کی دو سزائیں کہ دنیا میں خزیٰ اور آخرت میں عذابِ حریق یہ فائدہ ثَانِیَ عِطْفِہٖ فرمانے سے حاصل ہوا، لہٰذا ہر مسلمان کو اس بُری عادت سے بچنا چاہیئے۔ تیسرا فائدہ اللہ تعالیٰ کے تمام کام، احکام فیصلے وقانون عین عدل وانصاف سے اور فضل وکرم ہے، اُس کی جزا فضل ہے اُس کی سزا عدل ہے، خواہ کسی کو جنت میں بھیجے یا کسی کو جہنم میں ڈالے، رب کریم کسی پر ذرہ بھر ظلم نہیں فرماتا نہ اس کا کوئی عمل وقانون ظلم ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ظلم کا معنیٰ ہے کسی کی چیز میں بغیر اُس کی اجازت مداخلت یا تصرف کرنا یا کسی چیز کو اُس کی اصل جگہ ومقام سے ہٹا کر بے موقع محل رکھنا جیسے کہ امانت میں خیانت وغیرہ مگر اللہ تعالیٰ کا کوئی بھی تصرف غیر کی ملکیت میں نہیں تمام کائنات رب تعالیٰ کی ہی ملکیت ہے، نہ کوئی بے موقعہ ہے ہر کام وقانون عین حکمت کے مطابق ہے بندوں کو سمجھ آئے یا نہ آئے یہ فائدہ لَیْسَ بِظَلَّامٍ فرمانے سے حاصل ہوا ظَلَّام۔ مبالغے کا صیغہ ہے۔ مبالغے کی تین قسمیں ہیں (۱) مبالغہ تعظیمی، سخت (۲) مبالغہ تکراری یعنی بار بار (۳) مبالغہ افرادی یعنی بہت سوں پر۔ یہاں ہر طرح کے ظلم کی نفی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کسی بھی قسم کا ظلم نہیں فرماتا نہ سخت نہ نرم نہ تھوڑا نہ زیادہ نہ ایک پر نہ چند پر نہ کثیر پر نہ قلیل پر نہ بڑا نہ چھوٹا، نہ دنیا میں نہ آخرت میں نہ قانون میں نہ مجرم پر نہ غیر مجرم پر، نہ اس کا عتاب ظلم ہے نہ قہر ظلم نہ عذاب ظلم اس کا قہر عدل ہے اُس کا مہر فضل ہے وہ جس بھی حال میں بندے کو رکھتا ہے عین حکمت کے مطابق ہے۔

احکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، مجادلہ چار قسم کا ہوتا ہے (۱) مجادلہ علمی (۲) مجادلہ بے علمی (۳) مجادلہ تصلّب (۴) مجادلہ تعصب قانونِ شریعت کے مطابق دو قسم کے مجادلے جائز ہیں کیونکہ مفید ہوتے ہیں، اور دو قسم کے مجادلے ناجائز ہیں کیونکہ نقصان دہ ہوتے ہیں، مجادلہ علمی اور مجادلہ تصلّب جائز ہیں یہ مجادلے اس لیے جائز اور مفید کہ اس میں تلاشِ حق یا حق کو قائم رکھنے کے لیے بحث مباحثہ ہوتا ہے، مجادلہ بے علمی وتعصبی اس لیے ناجائز ونقصان ہوتا ہے کہ اس میں کج بحثی باطل پرستی ضد بازی اور جہالت ہوتی ہے یہ مسئلہ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰہِ بِغَیْرِ عِلْمٍ اور لِیُضِلَّ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی ایسے مجادلے

marfat.com

کا مقصد صرف راہِ حق سے گمراہ کرنا ہوتا ہے، دوسرا مسئلہ ہر شریعت میں تین کام ہمیشہ حرام رہے۔ پہلا کام مجادلہ بغیرِ علم کے اور دوسرا کام ثَانِیَ عِطْفِہٖ، یعنی اچھائی سچائی سے منہ موڑنا غرور یا جہالت و ضد کی بنا پر تیسرا کام، گمراہ ہونا اور گمراہ کرنا اللہ تعالیٰ کے دین سے، یہ مسئلہ۔ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّ لَا ھُدًی (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو بچائے اس شجرِ خبیث کا بیج گستاخیِ نبوت اور اس کی جڑ توہینِ رسالت ہے یہ ابوجہل سے شروع ہو کر براستہ نجد ایشیا میں پہنچی جو بھی اس ناسور بیماری میں مبتلا ہوا، اس کے سینے میں بغیرِ علم کی جہالت ثَانِیَ عِطْفِہٖ کی اکڑ غرور، بغیر ہُدیٰ کی حماقت لِیُضِلَّ کی گمراہی ہے، گستاخوں نے توہینِ رسالت کا نام توحید رکھ لیا ہے۔ (لطیفہ) کسی گستاخ کی گفتگو سن کر ایک بزرگ نے کیا خوب فرمایا اور سچ فرمایا۔ ؎

توہین کی خیانت سینوں میں ہے تمہارے ۔ مٹ جائے گا جہاں سے نام و نشان تمہارا

تیسرا مسئلہ، دنیا میں کسی انسان پر جو بھی ذلت کی مصیبت پریشانی، بیماری، غربت بے سکونی آتی ہے وہ اُس کے گناہوں کی شامت ہوتی ہے اس لیے ہمارے بزرگ ایسی حالت میں کثرت سے استغفار پڑھنے کا اور توبہ کرتے نوافل کا حکم دیتے ہیں۔ یہ مسئلہ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ، فرمانے سے مستنبط ہوا، کہ لَهٗ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ، بھی مَا قَدَّمَتْ کی وجہ سے ہے اور قیامت کا عذابِ حریق بھی، دنیا کی خِزْيٌ اور ذلت بے سکونی ہر کافر فاسق کے لیے اور عذابِ حریق صرف کفار کے لیے، بعض علماء نے فرمایا کہ عذابِ حریق بھی کافر و فاسق دونوں کے لیے مگر فاسق کے لیے عارضی اور کافر کے لیے دائمی آج کل ملکوں میں انفرادی، اجتماعی، عوامی حکومتی، عدالتی، تجارتی، ملازمتی، ہر طرف پریشانی ہی پریشانی ہے کہ حکومت عدالت سے بدگمان اور عدالت حکومت سے نالاں، عوام دونوں سے پریشان، حکومت توہینِ عدالت کر رہی ہے اور عدالت توہینِ حکومت کر رہی ہے بعض سیاسی لیڈر اسلامی حکومت میں رہتے ہوئے توہینِ اسلام کر رہے ہیں، توہینِ عدالت پر عدالتیں مچل اُٹھتی ہیں از خود محاسبہ و گرفت کر لیتی ہیں، مگر ایک سرکردہ نسوانی سیاست نے اسلامی قوانین کو وحشیانہ کہا مگر کسی عدالت نے از خود کچھ نہ کہا، توہینِ عدالت کا قانون انتہائی حساس و نزاکت خیز بنا لیا مگر توہینِ رسالت پر کوئی گرفت نہیں، کتنے ہی گستاخِ نبوت زبان و قلم سے آزاد اور دندناتے پھر رہے ہیں اسی وجہ سے یہ پریشانیاں، دہشت گردیاں تخریب کاریاں۔ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ہیں، جو عملی قولی توہینِ رسالت اور بے ادبیِ اسلام فسق و فجور بے حیائی فحاشی کا ہی نتیجہ ہے۔ دعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان عدالتوں حکومتوں کو علم عقل ہدایت

marfat.com

اور کتابِ منیر قرآنِ کریم کی روشنی ملے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں، پہلا اعتراض۔ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ کہنے کے بعد وَلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيۡرٍ۔ کہنے کی کیا ضرورت تھی، بغیر علم میں ہی سب کچھ آگیا تھا کیونکہ علم سے ہی ہدایت ملتی ہے اور علم سے ہی کتاب کا فائدہ اگر علم نہیں تو کتاب کا ہونا کچھ مفید نہیں نہ ہدایت ملے، علم کی نفی سے دونوں کی نفی خود بخود ہو گئی تھی، جاہل کے پاس نہ کتاب ہوتی ہے نہ ہدایت جس خوش قسمت کے پاس علم ہوگا اسی کو کتاب بھی ملے گی اور ہدایت بھی، جواب، تین وجہ سے یہاں تینوں کی نفی فرمائی گئی۔ پہلی وجہ یہ کہ اس تذکرے سے وضاحت ہو گئی، دوسری وجہ یہ کہ علم تین قسم کا ہوتا ہے اور تین ذریعوں سے ملتا ہے، پہلا علم فطری، یہ قدرتی آجاتا ہے جیسے کہ ذاتی سمجھداری تجربہ اور مشاہدہ سے کچھ معلومات حاصل کرنا دوم وہ علم جو کسی کے بتانے سمجھانے سے آئے اسی کو ہدایت کہتے ہیں تیسرا علم جو پڑھنے سے آئے اس کے لیے کتاب کی ضرورت بعض لوگوں کے پاس پہلی قسم کا علم ہوتا ہے مگر دوسری تیسری قسم کا نہیں ہوتا کسی کے پاس دوسری قسم کا علم ہی ہوتا ہے کسی کے پاس تیسری قسم کا ہی۔ مگر یہاں یہ بتایا گیا کہ مَنۡ يُّجَادِلُ ایسا بڑا جاہل ہے کہ اس کے پاس کسی بھی قسم کا علم نہیں صرف بغیرِ علم کہہ دینے سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی۔ تیسری وجہ یہ کہ ھُدًی اور کتاب کا علیحدہ نہ کرنا اُن کی خصوصی شان ظاہر کرنے کے لیے ہے جس طرح کہ سورۃ بقرہ کی آیت ۹۸ میں ارشاد ہے، مَنۡ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبۡرِيۡلَ وَمِيۡكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلۡكٰفِرِيۡنَ۔ دیکھو یہاں لفظ مَلٰٓئِكَہ میں جبریل و میکائیل داخل تھے مگر پھر بھی علیحدہ ذکر کیا خصوصی شان کی وضاحت کے لیے بعض نے یہ جواب دیا کہ علم ہدایت اور کتاب منیر میں دلیل و استدلال کے اعتبار سے بہت طرح فرق ہے، جن کا ذکر تفسیر عالمانہ میں کر دیا گیا ہے، دوسرا اعتراض، یہاں فرمایا گیا، لِيُضِلَّ بابِ افعال سے اس کا معنیٰ ہے تاکہ وہ گمراہ کرے، ایک قرأت میں لِيَضِلَّ، بابِ ضَرَبَ سے ہے اس کا معنیٰ تاکہ وہ گمراہ رہے یا ہو جائے۔ لامِ تعلیلیہ فرما کر گمراہ ہونے کو مجادلے کی علت و مقصد بتایا کہ وہ جھگڑا اس لیے کرتا ہے تاکہ گمراہ ہو جائے، حالانکہ دونوں صورتوں میں یہ مجادلہ علت نہیں بن سکتا، کیونکہ پہلے معنیٰ میں وہ مجادلے کے ذریعے گمراہ نہ کرتا تھا نہ مجادلے کا یہ مقصد تھا، بلکہ اس مجادلے میں وہ یہ ظاہر کرتا تھا کہ میں قیامت اور دوبارہ زندہ ہونے کا منکر ہوں اسی بنا پر وہ اسلام و قرآن سے کافر تھا، دوسرے معنیٰ میں بھی علت نہیں بن سکتی کیونکہ وہ مجادلے سے گمراہ نہ ہوا

marfat.com

تھا وہ تو پہلے ہی گمراہ تھا یعنی گمراہی کی وجہ سے مجادلہ کرتا تھا نہ کہ مجادلے کی وجہ سے گمراہی اس لیے مجادلہ گمراہی کی علّت یا سبب نہ ہوا بلکہ ضَلَالَت و گمراہی علّت و سبب بنی مجادلہ کی نہ گمراہ ہوتا نہ مجادلہ کرتا، تو پھر لامِ تعلیلیہ کیوں ارشاد ہوا، جواب قِرأتِ مشہور لِيُضِلَّ بابِ اِفعال سے ہی ہے اور لامِ تعلیلیہ عاقبت وانجام بیان کرنے کے لیے ہے۔ اور معنًا یہ کہ اگرچہ مجادلہ ظاہرًا صرف انکارِ قدرت و قیامت کا ہے مگر اس کا انجام یہ ہے کہ وہ مَنْ يُجَادِلُ تین طرح لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے، نو وارد اجنبی مسافروں مہمانوں کو اسلام سے دور رکھ کر و رغلا کر گمراہ کر رہا ہے، نو مسلموں کو بہلا کر شکوک و شبہات و سوسے ڈال کر مرتد بنانے کی کوشش اور اپنے بے علم کافر ساتھیوں کو گمراہی پر ثابت و قائم رکھ کر، اور اگر لِيَضِلَّ بابِ ضَرَبَ سے ہو تب بھی لامِ تعلیلیہ فرمانا قطعی درست ہے اور معنًا یہ کہ اس لیے مجادلہ کرتا ہے تاکہ گمراہ رہے اور لوگوں کو فخریہ اپنی گمراہی بتائے اپنی مضبوطی پختگی ثابت کرے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ، یعنی یہ دنیوی ذِلّت اور اُخروی عذاب اُس کفر کی وجہ سے ہے جو اے گروہِ کفر تیرے ہاتھوں نے آگے بھیجے۔ حالانکہ کفریہ اعمال اور گناہ تو سارا جسم کرتا ہے صرف ہاتھ تو نہیں کرتے۔ اب اِس آیت کا معنًا یا تو یہ کرنا پڑے گا کہ دیگر اعضا جرم کرتے ہی نہیں یا کرتے ہیں مگر اُن پر پکڑ گرفت اور عذاب و ذلت نہیں وہ بری ہیں، دونوں سزائیں صرف ہاتھوں کے جرائم پر ہیں مگر یہ معنٰی دیگر آیات کے خلاف ہیں۔ جواب۔ جرائم تو سب اعضا ہی کرتے ہیں اور سب ہی بُرے قابلِ عذاب و ذلّت ہیں مگر صرف ہاتھوں کا ذکر دو وجہ سے فرمایا گیا، ایک یہ کہ انسانی ہاتھ تمام انسانی جسم کے ہر عضو کا ہر اچھے بُرے دینی دنیوی کام میں ہر وقت معاون و مددگار رہے تو گویا ہر عضو کا کام اُسی کا کام ہوا اور یہ سارے اعضا کا سردار ہوا اور بڑا کارگر، اسی لیے ہاتھ بول کر پورا جسم مراد لے لیا جاتا ہے دوسری وجہ یہ کہ ہر عضوِ انسانی کے ایک دو کام ہوتے ہیں مگر انسانی ہاتھ ایسے بہت سے کام کر لیتا ہے جو دوسرا کوئی عضو نہیں کر سکتا غرض کہ انسانی ہاتھ قدرت کا عجیب حیران کُن عظیم کرشمہ اور بہترین نعمت ہے۔ محققین فرماتے ہیں کہ انسانی ہاتھ تقریبًا چونسٹھ کام کر لیتا ہے۔ مثلاً ۱ ہاتھ چمٹا بھی ہے ۲ چمچہ بھی ۳ چاقو بھی ۴ چھری بھی ۵ خنجر بھی ۶ ہتھوڑا بھی ۷ قینچی بھی ۸ قمچی (چھڑی)، بھی ۹ پنکھا بھی ۱۰ کنگھا بھی ۱۱ کنگھی بھی ۱۲ جھاڑو بھی ۱۳ جھانوان بھی ۱۴ پڑیا بھی ۱۵ قلم بھی ۱۶ رسّی بھی ۱۷ مسواک بھی ۱۸ شکنجہ بھی ۱۹ ہتھوڑا بھی ۲۰ اشاروں کی زبان بھی ۲۱ تھرما میٹر اور نباض بھی ۲۲ مرچنا اور چٹکی بھی ۲۳ ڈاٹ اور بندھن بھی ۲۴ گرہ اور گانٹھ بھی ۲۵ پیالہ بھی ۲۶ پیالی اور پرچ بھی ۲۷ بچّے اور معذور کے لیے اگلے دو پاؤں بھی ۲۸

marfat.com

کھودنے والی کسّی بھی ۲۹ گز میٹر اور فٹ بھی ۳۰ گرہ اور انچ بھی ۳۱ تسبیح کے دانے اور گنتی کا آلہ بھی۔ یہ تو ہاتھ کے ذاتی کام ہیں اب اِس کے تعاوُن کی شان ملاحظہ ہو ۳۲ سر پر بوجھ اُٹھاؤ تو تمام راستہ ہاتھ مدد گار اگر ہاتھ مدد نہ کریں تو یا گردن نہیں یا بوجھ نہیں ۳۳ پیٹھ پر بوجھ لا دو تو ہاتھ پشت پناہ ۳۴ کندھوں پر کچھ اٹھاؤ تو ہاتھ سہارا ۳۵ آنکھ سے کچھ نہ دیکھنا چاہو تو ہاتھ کا پردہ ۳۶ ناک سے بدبُو روکنا ہو تو ہاتھ کی ڈاٹ ۳۷ کان سے نہ سننا چاہو تو ہاتھ کی انگلی کان کے اندر یا ہتھیلی کان پر ۳۸ کان سے غور سے سننا چاہو تو ہاتھ کان کے پیچھے ۳۹ اگر زور سے بولنا چاہو اذان وغیرہ میں تو ہاتھ کانوں کے اوپر ۴۰ سینے پر بوجھ رکھو اور ٹھیراؤ تو ہاتھ کا تعاوُن ۴۱ تیز چلنا چاہو تو پیروں کے آگے پیچھے ہاتھ بھی حرکت میں مصروف ۴۲ بات سمجھانی ہو تو ہاتھ کا اشارہ ۴۳ نغمات کی طرز اور سُرود کا راگ بنانا ہو تو ہاتھ کی تحریکِ نغمہ سازی ۴۴ ہر عبادت میں سب سے آگے، اِس طرح کہ اذان میں کانوں پر ۴۵ نماز کے قیام میں ناف پر ۴۶ اگر گھٹنوں پر آجائیں تو رکوع بن جائے ۴۷ کانوں تک اُٹھ جائیں تو تکبیرِ تحریمہ ۴۸ زمین پر رکھے جائیں تو سجدہ ۴۹ رانوں پر آجائیں تو قومہ یا جلسہ ۵۰ شہادت کی انگلی دستِ یمین میں ۵۱ لڑائی کی سبّابہ انگلی بھی بائیں ہاتھ میں ۵۲ آسمان کی طرف ہاتھ پھیل جائیں تو دعا ۵۳ زکوٰۃ خیرات صدقات تبرکات ہاتھوں سے ہی تقسیم کئے جاتے ہیں، یہ تھے اس کے دینی تعاون ۵۵ دنیوی صنعت حرفت کاریگری ہاتھ ہی سے کی جاتی ہے۔ ہر بُرے کام کفر شرک بدکاری میں بھی ہاتھ کا بہت دخل ہوتا ہے۔ شلاً ۵۶ سندھیوں میں لعنت کا بُجّہ ہاتھ سے بنایا جاتا ہے ۵۷ تماشے کے لیے تال ہاتھ سے ۵۸ اہلِ عرب میں گالی دینے کا اشارہ اُنگلی سے جسے سبّابہ کہتے ہیں ۵۹ قوالی کے اشارے ہاتھ سے ۶۰ ناچ کے زاویے ہلکارے ہاتھوں سے ۶۱ بُت پرستی کے نعرے ہاتھوں سے ۶۲ کفر کا حلف مورتی کے سر پر ہاتھ رکھ کر اٹھایا جاتا ہے ۶۳ شہوت رانی بھی ہاتھ سے ۶۴ ماتم میں سینہ کوبی ہاتھوں سے ہی ہوتی ہے۔ غرضکہ دینی، دنیوی اور شیطانی کاموں میں ہر جگہ بِمَا قَدَّمَتْ يَدَاكَ ہی کا ظہور ہے۔ چوتھا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ لَيْسَ بِظَلَّامٍ۔ ظَلَّامٌ اسم مبالغہ ہے جس کا معنیٰ ہے بڑا ظلم کرنے والا، یا ہمیشہ ظلم کرنے والا تو معنیٰ یہ ہوئے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بڑا، اور ہمیشہ ظلم کرنے والا نہیں۔ تو گویا چھوٹا ظلم اور کبھی کبھی ظلم کرتا ہے۔ اس طرح تو ظلّام میں بڑائی اور ہمیشگی کی نفی ہوئی کُلّی قطعی نفی نہ ہوئی چاہیے تھا کہ لَيْسَ بِظَالِمٍ فرمایا جاتا۔ اس طرح کُلّی و قطعی نفی ہوتی ہے۔ لَيْسَ ظَالِم کا معنیٰ ہے مطلقاً ظلم فرمانے والا نہیں، اس میں ہر قسم کا چھوٹا بڑا ہر بندے پر ہر زمانے میں ظلم شامل ہو گیا اور لَيْسَ کے فرمانے سے سب کی نفی ہو جاتی جو اب ظلّام فرمانے سے کُلّی اور قطعی ہر قسم کے ظلم نفی ہو رہی ہے کیونکہ مبالغہ جاد

marfat.com

قسم کا ہے ۱۔ مبالغہ فعلی یعنی کثرتِ فعل ۲۔ مبالغہ زمانی یعنی کثرتِ اوقات ۳۔ مبالغہ افرادی یعنی کثرتِ تعداد ۴۔ مبالغہ صنفی و نوعی یعنی کثرتِ اقسام، لفظِ ظلّام کی فاعلیت نے کثرتِ زمان و اوقات بتائی، کیونکہ اسم فاعل میں ماضی حال مستقبل تینوں زمانے ہوتے ہیں، اس کے مادۂ اشتقاق نے کثرتِ نوعی بتائی، اس کی اسمیت نے کثرتِ فعل بتائی، اس کی جمعیت نے جو لِلْعَبِیْدِ کی وجہ سے ثابت ہوئی کثرتِ افراد بتائی اس طرح ظلّام میں تمام کثرتیں آگئیں اور لَیْسَ نے ظلّام کی نفی فرما کر گویا تمام کی نفی فرما دی اور آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کسی بھی زمانے میں کسی بھی قسم کا ظلم کسی بھی طرح کسی بھی بندے پر نہیں فرماتا ظلّام فرمانے سے کلام ہر طرح جامع مانع ہو گیا۔ ظالم فرمانے سے یہ بات حاصل نہ ہوتی لہٰذا۔ بِظَلَّامٍ فرمانا عین درست ہے اور کلی نفی بھی۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّجَادِلُ فِی اللّٰهِ بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِیْرٍ۔ ثَانِیَ عِطْفِهٖ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَهٗ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ وَّ نُذِیْقُهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ یَدٰكَ وَاَنَّ اللّٰهَ لَیْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ۔ ان ہی انسانوں میں کچھ وہ لوگ ہیں جن کے پاس نہ مشاہدے کا علم نہ مراقبے کی ہدایت نہ کتابِ منیر کا آستانہ سراجِ منیر نہ ضمیر سینہ کی روشنی وہ نفسِ امارہ کا غلام جدال و فساد کا پیروکار، یہ بات وادیِ سلوک میں عیاں ہے کہ جس کا ظلم کثیر اس کی ہلاکت قریب اور فنا اس کا نصیب ظلم کی مدد اور مظلوم کی ذلت کرنا لوگوں کو بڑا شر ہے۔ شرکِ خفی ہو یا جلی اپنے پر ظلم ہے سب سے بڑا ظلم غیر اللہ کی عبادت ہے کیونکہ مقامِ عبادت سے جدا اور بے موقع ہے۔ محرابوں میں مصلوں پر سجدہ اس لیے درست ہے کہ رب تعالیٰ کے لیے وہی عبادت کا حق دار ہے اگر اس میں بھی خلوص نہ ہو تو وہ بھی شرکِ خفی ہے اور جدالِ سری۔ اہلِ نفاق و ریا، اور اہلِ شہوت و بدعت کا مجادلہ مذموم ہے کیونکہ محض فساد کے لیے ہے۔ لیکن اہلِ معرفت و اہلِ خلوص کا مناظرہ محمود ہے کیونکہ دفعِ شبہات اور طلبِ ہدایتِ صراط کے لیے ہوتا ہے۔ یہاں علمِ الٰہی کی توفیق اور ہدایتِ مصطفائی کی کتابِ منیر کھلی ہوتی ہے جس سے نورِ حق کا ظہور اور باطل کا خذول ہوتا ہے، جاہلِ ضلالت کا جدال کثرتِ قیل و قال ہے۔ مگر عالمِ معرفت کا جدال ثبوت۔ دعوتِ عمل، اور حصولِ حق ہے۔ جاہل انسان، ثَانِیَ عِطْفِهٖ کا مغرور اور مائلِ بدعت حق سے معزور ہوتا ہے لیکن بندۂ عارف طالبِ لطفہ اور شائقِ سنت ہوتا ہے۔ مجادلِ بے علم کے لیے وعیدِ شدید ہے۔ مناظرِ با معرفت کے لیے وعدۂ حمید ہے تین چیزوں میں احتیاط چاہیئے۔ طبیعت کی پہچان میں، مقارنت اور دوستی کے عرفان میں۔ امراض کے بطلان میں، کیونکہ طبیعتوں

marfat.com

ہیں قوتِ جاذبیت، مفارقت یعنی میل ملاقات میں قوتِ اثریت اور امراض میں قوتِ سرایت ہوتی ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ جسم انسانی میں تین مختلف قوتیں ہیں، قوتِ دنیوی، قوتِ دینی، قوتِ شیطانی قوتِ دنیوی کے پاس علم ہے، قوتِ دینی کے پاس کتاب منیر کی ہدایت ہے مگر قوتِ شیطانی بِغَیْرِ عِلْمٍ وَّلَا هُدًى وَّلَا كِتٰبٍ مُّنِيْرٍ اسی جاہل کے خیالات وہم قبیح ہے مگر علم بحج سے کشتہ مرزع ہے۔ مجادلِ مُبطل اور تابعِ مُغفل دونوں کے لیے خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا اور عَذَابَ الْحَرِيْقِ فِي الْاٰخِرَةِ کا وبال ہے۔ اور بد خصلتی تکبر ہے، سات عادتوں سے سات چیزیں ملتی ہیں ۱ تکبر سے ذلت ۲ عاجزی انکساری سے کثرتِ محبت ۳ اچھی باتوں سے تعظیم ۴ حلم سے مددگار دوستوں کی کثرت ۵ نرم دلی اور محبت سے قلبی خادموں کی کثرت یعنی عطف سے تلطف اور عطف اور کنف ملتا ہے ۶ وفاءِ محبت سے دوامِ اخوت ۷ صدقِ لسانی سے فضلِ ایمانی ملتا ہے۔ اگر دنیوی ذلت اور اخروی حرقت سے بچنا ہے تو رب تعالیٰ سے ہمیشہ دو چیزیں مانگتے رہو ۱ صفاتِ ذمیمہ سے تخلی یعنی خالی ہونا ۲ ملکاتِ جمیلہ کا تحلی یعنی زیور۔ (روح البیان)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اے بندے وہ غفلت قالب ہے سکونِ قلب کی ذلت و عذاب اُن خواہشات نفسانی کی وجہ سے ہے جو تعصب ضلالت کے تیرے ہاتھوں نے راہِ سلوک میں بکھیریں اور دامِ تزویر سے منزلِ معرفت میں بڑھائیں بغیر علم استدلالی اور بغیر ہدایت کشفِ وجدان اور بغیر کتاب فرمان بے شک اللہ تعالیٰ کسی بندے کو آستانۂ قدس سے ہٹانے کا ظلم نہیں فرماتا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ان آیات میں فاسقین عملی منکرینِ قیامت کو انیس باتوں میں غور و فکر کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے ۱ اے انسان تو صرف چند دنیوی اعمال کا حفظ کا سبب ہے نہ خالق نہ قادر ہر قدرت خلقت قبولیت میں اللہ تعالیٰ ہی حق ہے ۲ اُس کی ہی کمالِ قدرت سے ہر اُن مُردوں کو زندگی بخشی جا رہی ہے۔ جتنی بار چاہے کسی کو زندگی عطا فرما دے اس کے لیے کچھ مشکل نہیں ۳ یہ ذہن میں رکھو کہ جتنا چاہو فسق و ظلم شرارت و خباثت سے اپنی جانوں پر ظلم کما لوگے مگر اُس کی قدرتی پکڑ سے مفرور نہیں ہو سکتے لہٰذا دنیوی ڈھیل پر مغرور مت رہو ۴ یاد رکھو کہ تم کو مر کر ضرور زندہ ہونا ہے اور رتی رتی ذرے کے حساب کے لیے اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ بے شک قیامت آنے والی ہے ۵ تم نے زندہ ہونا ہے خواہ مر کر خاک جل کر راکھ ہو جاؤ ۶ ثبوتِ قیامت اور دوبارہ زندگی پر تین طرح غور کرو پہلے عقلی تجربے مشاہدے کر کے۔ اگر یہ نہ کر سکو تو علم والوں سے استدلال کی ہدایت اور کتاب منیر حجتِ قائمہ والی برہان حاصل کرو ۷ مشاہدہ یہ کہ اپنے میں غور کرو تم بالکل ہی معدوم تھے کس طرح پیدا ہو گئے ۸ حالاتِ عالَم نباتات کی خلقت میں تدبر کر کے ہدایت لو ۹ موت بھی دو بار اور زندگی بھی دو بار۔ پہلی موت حقیقت و صورت دونوں میں

تھیں۔ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (سورۃ دھر آیت ۱) دوسری موت۔ تغیر و فراق کہ صرف صورت معدوم مگر حقیقت موجود روپوش، پہلی زندگی خلقت ہے دوسری زندگی بعثت ہے۔ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ خلقت ایجاد ہے بعثت اعادہ ہے خلقت حقیقت بنانا ہے بعثت صورت بنانا ہے ۱۰ غور کرو کہ ہر انسان بلکہ ہر مخلوق میں ہر آن تبدیلی ہو رہی ہے نطفے سے ولادت تک ولادت سے قبر تک قبر سے حشر تک اس تغیر کا نام موتِ ثانیہ ہے یہ تغیر صرف صورت کو ہے حقیقت کو نہیں، صورت کو فنا ہے حقیقت کو بقا ہے ۱۱ حیاتِ بالقوۃ اور حیات بالفعل کا فرق، حیاتِ بالقوہ وجود ہے، حیاتِ بالفعل ظہور ہے نطفے اور علقے میں حیات بالقوہ ہے، مضغہ اور مولود میں حیات بالفعل ہے۔ بیج میں حیات بالقوہ ہے پودے حیات بالفعل ہے ۱۲ پتھر اور بیج کا فرق، پتھر میں زندگی کا جوہر معدوم ہے ۱۳ تراب اور قبر کا فرق، تراب میں زندگی کا جوہر مفقود و معدوم قبر میں موجود و مستور، اسی لیے تراب سے خلقت ہے قبر سے بعثت ہے تراب کی آغوش خالی ہے، قبر کی آغوش بھرپور ۱۴ کیفیتِ کائنات آٹھ چیزیں ہیں، مفقود، موجود، خلقت بعثت، حقیقت، صورت، تسکین، تغیر۔ ان سب کے لیے اَجَلِ مُسَمّٰی ہے ۱۵ احیا اور ظہور کا فرق، تراب سے وجودِ انسان ہے نطفہ سے ظہورِ انسان ہے اور ارض سے وجودِ نباتات ہے۔ پانی سے ظہورِ نباتات ہے۔ وجود حقیقت ہے، ظہور اس کا نشو و نما ہے ۱۶ رمیم اور بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی مفقود نہیں بلکہ مستور ہے، بوسیدہ اور رمیم ہڈی دیکھ کر مطالبہ نہ کرو کہ ہمیں ان میں زندگی دکھاؤ۔ اس کے لیے بھی اَجَلِ مسمّٰی ہے۔ نطفے میں انسان اور بیج میں پودا نظر نہیں آتا مگر ہر مسلم کافر تسلیم کر لیتا ہے۔ نطفے اور بیج کی زندگی ہزاروں سال سے بن دیکھے مانتے ہو۔ آج تم نے خورد بین سے مشاہدہ بھی کر لیا، اس میں تم کو نہ پہلے ریبت تھی نہ اب ہے۔ آئندہ وقتوں میں اَجَلِ مسمّٰی میں بعثتِ ثانیہ اور ساعتہ ساعت کو بھی دیکھ لوگے۔ ماضی کی دلیل سے مستقبل کو مانو۔ ایک وقت جب صرف نطفہ اور بیج دیکھ سکتے تھے اندر کا جوہر حیات نظر نہ آتا ہے پھر یہ وقت بھی آیا کہ تم نے خورد بین سے نطفے میں زندگی دیکھ لی مگر ابھی رمیم ہڈی میں کسی خورد بین سے بھی تمہیں حیات نظر نہیں آتے یا اس لیے کہ وہ جرثوموں سے بھی چھوٹے ہیں یا اس لیے کہ تم پہچان نہیں سکتے۔ ولایت و نبوّت کی آنکھ یہ بھی دیکھ لیتی ہے۔ لہٰذا اپنے ایمان کو اپنی بے علم و ہدایت والی نظر پر موقوف مت کرو بلکہ آستانۂ نبوت سے ولایت کی خورد بین لگا کر ایمان کی بنیاد دلیلِ علمی، استدلالِ ھُدًی اور برھانِ کتابِ منیر پر قائم کرو۔ تاکہ جان لو کہ اللہ ہی حق ہے وہی يُحْيِ الْمَوْتٰى ہے خلقتِ وجود اور اعادۂ ظہور فرما کر عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ

قدیر ہے اُس کے لیے نہ خلقت محال نہ اعادہ۔ جلدی مت مچاؤ بلکہ انتظار کرو بے شک قیامت آنے والی ہے سب کچھ دیکھ لوگے۔ اگر تبدیلی کا قانون مقدر ہے تو قانونِ اجل بھی مقرر ہے نہ وہ مٹ سکتا ہے نہ یہ بدل سکتا ہے نہ یہ بدلا سکتا ہے جب اجلِ مقرر آ یگی تو ہر مردہ قبر سے مثلِ نباتات اٹھ کھڑا ہوگا کوئی جزا کے لیے کوئی سزا کے لیے، ہر مُردہ صاحبِ قبر ہے خواہ موتِ کفر پہ مرے یا موتِ بدعیہ سے خواہ لحد میں پڑا ہو یا عیش و آرام کے لحاف میں سو یا ہو، خواہ موت سے جاگے دنیا میں یا بعثت سے بھاگے آخرت میں ۱۸ ہر غفلت کا نام موت ہے ہر بیداری کا نام زندگی ہے، ہر تغیر کی پوشیدگی موت ہے ہر تغیر کا تحقق زندگی ہے ۱۸ اے بندو یہ بھی یاد رکھو کہ انعدام فنا ہے خلقت حیوٰۃ ہے۔ تفریق موت ہے۔ اعادہ بقا ہے۔ تم دیکھتے ہو مانتے ہو کہ دنیا میں ہر قدم پر تغیر تبدل اور تجدد ہے۔ تو مان لو کہ اَجلِ مسمّٰی پر ایک اور تبدل و تجدد ہونے والا ہے جو آخری ہوگا۔ نظرِ بصارت سے دیکھ کر ماضی و حال کے تغیر کو مان لیا تو نظرِ بصیرت سے مستقبل کے تغیر کو بھی مان لو۔ اسی کا ماننا ایمان ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ خلقت کے بعد صرف صورت میں تغیر ہے وہی بیج اُگ جائے تو پودا بڑھ جائے تو درخت، کٹ جائے تو شہتیر، چر جائے تو تختہ، پھٹ جائے تو ایندھن جل جائے تو راکھ، اُڑ جائے تو ذرات، وہی راکھ و ذرات مٹی میں ملے بارش پڑی پھر اُگ گئے حقیقت وہی ہے شکلیں بدل رہی ہیں، ہم نے تو سوکھی مسواک اُگتی دیکھی ہے صحابہ نے جلی گٹھلیاں اُگتی دیکھیں یہ تبدل کب ختم ہوگا یہ تم نہیں جانتے کیونکہ وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا (سورۃ اسریٰ ۸۵) خود ہمارے علم میں کتنی تبدیلیاں کبھی صرف حواس سے کبھی صرف آنکھ سے کبھی خوردبین سے کبھی الیکٹرونک کا ہم وار سے آئندہ کیا ہوگا ابھی تم کو کچھ پتہ نہیں ۱۹ کائنات کے ہر گوشے میں تبدیلیِ صورت اور بقاءِ حقیقت کا قانون جاری ہے، بقاءِ حقیقت کی چار صورتیں اور حالتیں ۱ دانہ ۲ تخم ۳ نسمہ ۴ نطفہ ۵ ذرۂ حیات ۶ قطرۂ بقا موت کیا ہے؟ دامنِ قبر میں زندگی کے سو جانے کا نام موت ہے ؎

موت نے چپکے سے آکر کچھ کہا — زندگی خاموش ہو کر سو گئی

مگر تم اس نیند کو نیند کی آغوش کو نہیں جانتے نہ جان سکتے ہو۔ لہٰذا اپنے مشاہدے پر عقیدے کی بنیاد مت رکھو ورنہ ہزاروں حقیقتوں کا انکار کرنا پڑے گا کیونکہ تم بغیر علم ہو۔ اگر حواس ناکارہ ہوں تو ہدایتِ اِدراک سے کام لینا پڑتا ہے اگر یہ بھی نہ ہوں اور لاعلمی کا اندھیرا ہو تو رُک جاؤ کسی سراج منیر کے دامن میں کتابِ منیر کو تلاش کرو، وہ کتاب تم کو بتائیگی کہ تمہارے بدلتے موسموں بہار خزاں، سردی گرمی، خشکی، سیرابی کی طرح عرفانِ حقیقت کے عالم میں بھی تمہاری شکل و صورت پر ہزار ہا موسموں کی تبدیلی آنے والی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ تمہارا نظام الاوقات عالمِ صورۃ کے ایک چھوٹے سے کرّے

marfat.com

مگر عالم حقیقت کا تقویمی نظام اتنا لمبا کہ۔ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ (سورۃ معارج آیت ۴) یعنی ایک دن پچاس ہزار سال کا تمہارا موسم بدلتا ہے اور بارش ہوتی ہے تو اِهْتَزَّتْ کی حیات وَرَبَتْ کا تغیر۔ وَاَنْبَتَتْ کا تبدل اور مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيْجٍ کے تجدد کا یوم ظہور ہوتا ہے مگر عالم حقیقت کا جب نفخہ صور ہوگا تو يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُوْرِ کا یوم نشور ہو جائے گا۔ اس کتاب منیر کے بغیر تم کچھ بھی نہیں جان سکتے۔ تمہاری قلت علمی کو دور کرنے کے لیے فقط یہی کتابِ منیر قرآنِ مجید تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو تم بغیرِ علم بھی وَلَا هُدًى بھی اور تمہاری ہر بات مجادلہ جہالت ہے جس کا انجام خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا اور عذابِ حریق ہے چاہو تو دامن مصطفیٰ میں آکر بچ جاؤ، اور علم و ہدایت پالو۔ نہ چاہو تو نہ آؤ۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ (سورۃ بقرہ آیت ۲۵۶)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ

اور ان لوگوں میں سے ایک گروہ وہ ہے جو عبادت اختیار کرتا ہے اللہ کی ایک فائدے کیلئے

اور کچھ آدمی اللہ کی بندگی ایک کنارہ پر کرتے ہیں

فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ ِ اطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ وَاِنْ

اس لیے اگر اس کو پہنچتی رہے دنیوی اچھائیاں تب تو سکون ملے روز اگر

پھر اگر انہیں کوئی بھلائی پہنچ گئی جب تو چین سے ہیں اور

اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ ِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ ۚ قف

پہنچی اس کو کوئی مصیبت تو دین سے پھیر لیا اس نے اپنے سینے کو

جب کوئی جانچ آپڑی منہ کے بل پلٹ گئے

خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ۭ ذٰلِكَ هُوَ

گھاٹا پایا اس نے دنیا اور آخرت میں۔ وہ ہی بہت

دنیا اور آخرت دونوں کا گھاٹا یہی ہے

marfat.com

الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۱﴾ يَدْعُوْا مِنْ

ذلت والا ایں نقصان ہے جو ظاہر ظہور ہے۔ عبادت دعا مانگتا ہے

صریح نقصان اللہ کے سوا ایسے کو بلو جتے ہیں جو ان کا

دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهٗ وَمَا لَا يَنْفَعُهٗ ط

اللہ کے مقابل اُس چیز سے جو نہ نقصان کر سکے اُس کا اور جو نہ نفع دے اُس کو

بُرا بھلا کچھ نہ کرے یہی ہے دور کی گمراہی

ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِيْدُ ج ﴿۱۲﴾ يَدْعُوْا

وہی بہت دور پہنچ جانیوالی گمراہی ہے۔ دعائیں مانگتا

ایسے کو پوجتے ہیں جس کے نفع سے نقصان کی

لَمَنْ ضَرُّهٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ ط لَبِئْسَ

ہے ایسے معبود باطل سے کہ اُس کا نقصان زیادہ قریب ہے اُس کے نفع سے

توقع زیادہ ہے بے شک کیا ہی

الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ ﴿۱۳﴾

البتہ برا ہے وہ دوست اور البتہ برا ہے سرپرست

برا مولا اور بے شک کیا ہی برا رفیق

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق، پچھلی آیت میں انسانوں کی دوسری قسم کا ذکر ہوا جو کفار کا دہریہ منکر خدا ٹولہ ہے ان آیت میں انسانوں کی تیسری قسم کا ذکر ہوا جو صرف دنیوی مفاد کے لیے ایمان لاتے ہیں، دوسرا تعلق

marfat.com

پچھلی آیت میں کفر کی چند قسمیں بیان کی گئیں اب اِن آیات میں ان کی دنیوی اُخروی نقصان دِہ حالتوں کا ذکر ہو رہا ہے
تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں سچے معبود اللہ تعالیٰ کی قوتوں کا ذکر ہوا، اب اِن آیات میں جھوٹے معبودوں کی کمزوریوں کا
ذکر ہے۔ شانِ نزول۔ ایک دفعہ مکہ مکرمہ کے قریب ایک گاؤں کے کچھ لوگ مسلمان ہوئے اس ارادے سے
مسلمان ہوئے کہ ہم کچھ دنیا کما لیں گے مگر ہوا یہ کہ وہ بیمار بھی ہو گئے اور ان پر کسی وجہ سے غربت بھی آ گئی اور چند
ایک نومسلمان کے گھر لڑکیاں بھی پیدا ہو گئیں ایک شخص کی گھوڑی نے حمل گرا دیا تو وہ سخت پریشان ہوئے
اور اسلام کو برا بھلا کہنے لگے کہ معاذ اللہ یہ دین برا ہے۔ تب یہ آیت نازل ہوئی از ملا نا ص ۱۳ د از خزائن
و امام سیوطی)

تفسیر نحوی وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ
بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةَ
ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ ۔ واو سرجملہ اس کے بعد موجودًا اسم مفعول پوشیدہ ہے مِنَ النَّاس
اسی پوشیدہ کا متعلق ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ مَنْ اسم موصول یہ حرف ذوی العقول چیزوں کے لیے ہوتا
اکثر واحد کے لیے کبھی جمع کے لیے بھی آتا ہے یہاں واحد لفظی جمع معنوی کے لیے ہے بمعنیٰ ایک گروہ
يَعْبُدُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع حال واحد مذکر غائب عَبْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عبادت کرنا قلبی ہو یا عملی
یہاں قلبی مراد ہے یعنی ایمان لانا اَللّٰہ اس کا مفعول بہ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے
عَلٰی اپنے فوقیت کے معنیٰ پر۔ حَرْفٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ لغوی ٹکڑا حصہ جُز۔ اصطلاحی معنیٰ کنارہ ہے۔
لفظوں کو حروف اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ کلام یا کلمات کے اجزا ہوتے ہیں کسی چیز کے آخری حصے کو کنارہ
اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ چیز کا ایک جز ہے یہاں حرف بمعنیٰ ایمان کا ایک حصہ یا اپنے عقیدے کا ایک
مقصد، دنیوی یا اُخروی، یہاں دنیوی مقاصد مراد ہیں یہ جار مجرور متعلق ہے يَعْبُدُ کا۔ فَ حرفِ زائد
سببیہ تعلیلیہ اِنْ حرفِ شرط اَصَابَ باب افعال کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے
اِصْوَابٌ تعلیلِ نحوی ہو کر ہوا اِصَابَةٌ بمعنیٰ درستی ہونا۔ بھلائی پہنچنا، لگ جانا صَوْبٌ سے بنا ہے
ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے خَيْرٌ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ اچھائی
بھلائی مراد ہے دنیوی فائدہ یہ فاعل ہے۔ اَصَابَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے اِطْمَاَنَّ ثلاثی
مزید فیہ کا چوتھا باب اِفْعِلَّالٌ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِطْمِیْنَانٌ طَمْنٌ سے
بنا ہے بمعنیٰ دل کا سکون ملنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع مَنْ ہے بِهٖ جار مجرور مل کر متعلق ہے اَصَابَ
کا یہ فعل با فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِنْ اَصَابَ کے جملے کی دونوں جملہ شرطیہ ہو کر

marfat.com

معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنْ حرفِ شرط بمعنی اگر اَصَابَتْ بابِ افعال کا ماضی مطلق مُثبت معروف واحد
مؤنث غائب ہٗ ضمیر مفعول بہٖ مرجع ہے مَنْ، فِتْنَۃٌ اسم مفرد جامد بمعنی مصیبت فاعل ہے اَصَابَتْ
کا یہاں تلاوت میں چھوٹی نون ہے اس کو نونِ تنوین کہتے ہیں قُرّاء حضرات اِس کو نونِ قطنی کہتے ہیں پر مشدد
نون کو بھی نونِ قطنی کہا جاتا ہے کیونکہ قطن یعنی روئی کی طرح اڑتی اُچھلتی ہے حرفِ مشدد بھی اڑتا اچھلتا
ہے اَصَابَتْ فعل اپنے مفعول بہٖ فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا اِنْقَلَبَ بابِ افعال کا ماضی مطلق واحد
مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِنْقِلَابٌ قَلْبٌ سے بنا ہے بمعنی لوٹ جانا، بدل جانا، پھر جانا، یہاں ہر معنی
درست ہے اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ ہے مرجع ہے مَنْ عَلٰی جارہ فوقیت کا وَجْہٌ بمعنی اپنے چہرے اپنے
منہ مراد ہے ذات جسم، یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اِنْقَلَبَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے
اِنْ اَصَابَتْ کی دونوں مل کر معطوف ہوا اِنْ اَصَابَ کے پہلے پر دونوں عطف مل کر مسبب ہے یا معلول
ہے عَلٰی حَرْفٍ کا یَعْبُدُ فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر خبر ہے مبتدا
کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خَسِرَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب خُسْرٌ سے مشتق ہے بمعنی
نقصان پانا، اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ کا مرجع مَنْ ہے اَلدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ یہ معطوف علیہ معطوف ہو کر
مفعول فیہ ہے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل برائے
حصر بمعنی وہ ہی، مشار الیہ ہے ذٰلِکَ کا دونوں مل کر مبتدا اَلْخُسْرَانُ اسم مصدر بروزنِ فُعْلَانٌ مبالغ
کے معنی میں ہے ترجمہ ہے بہت ہی زیادہ ذلت آمیز نقصان اور گھاٹا ہونا یا یہ موصوف ہے اَلْمُبِیْنُ
باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا ذٰلِکَ ھُوَ کی دونوں
مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَمَا لَا یَنْفَعُہٗ۔ ذٰلِکَ ھُوَ
الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ۔ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّہٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ
الْعَشِیْرُ۔ یَدْعُوْا بابِ نَصَرَ کا مضارع حال واحد مذکر غائب دَعْوٌ سے بنا ہے بمعنی دعا
مانگنا کیونکہ دعا بذاتِ خود عبادت کی جز ہے اس لیے یہاں جز بمعنی کل ہے یعنی عبادت کرتے ہیں
اس کا فاعل مَنْ موصولہ سابقہ کی ضمیر ہے جو یَدْعُوْا کے صیغے میں پوشیدہ ہے مِنْ حرف جر زائدہ
دون اسم مفرد معرب بمعنی مقابل مضاف ہے اَللّٰہُ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق
ہے یَدْعُوْا کا مَا اسم موصول اصلاً غیر ذوی العقول چیزوں کے لیے آتا ہے یہاں اسی لیے ہے
مراد ہیں بت لَا یَضُرُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع زمانۂ حال منفی معروف واحد مذکر غائب ضَرٌّ مضاعف
ثلاثی سے مشتق ہے ترجمہ نقصان کرنا، مصیبت ڈالنا اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ جس کا مرجع ہے مَا ؛

marfat.com

ضمیر کا مرجع ہے مَنْ مفعول بہ ہے لَا یَضُرُّہٗ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصول لَا یَنْفَعُ باب فَتَحَ کا مضارع یا فاعل نَفْعٌ سے مشتق ہے (رہا ہے) بمعنیٰ فائدہ پہنچانا ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہے لَا یَضُرُّ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مفعول یہ ہے یَدْعُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ذَالِكَ هُوَ اسم اشارہ مُشار الیہ مل کر مبتدا ہے اَلضَّلَالُ اسم مصدر بمعنیٰ گمراہی موصوف ہے اَلْبَعِیْدُ اسم فاعل مبالغہ صفتِ مشبہ باب کَرُمَ کا بمعنیٰ بہت ہی دور والی جس میں واپس آنا مشکل ہو یا واپس پہنچنے تک مقصد ہی ہاتھ سے نکل جائے یہ صفت ہے ضَلَالُ کی۔ یہ مرکب توصیفی خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَدْعُوْا فعل با فاعل لام تاکیدیہ مَنْ اسم موصول اعتقادی معنیٰ مراد ہیں اس لیے ذوی العقول والا لفظ مَنْ لایا گیا کیونکہ کفار کے عقیدے میں بُت اُن کے معبود ہیں ان کے نزدیک تو بت عقل والے ہیں اس سے پہلی آیت میں مَا لَا یَضُرُّ اور مَا لَا یَنْفَعُ مَا آیا وہاں بتوں کی اصلیت کی طرف اشارہ ہے اور یہاں کفار کے عقیدے کی طرف مراد دونوں جگہ ہی بُت ہیں مٹی لکڑی لوہے پیتل کے یا آگ سورج ستارے گائے پیپل وغیرہ ضَرٌّ اسم حاصل مصدر جامد ضَرٌّ سے ہے مضاف ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے یہ مرکب اضافی مبتدا ہے، اَقْرَبُ اسم تفضیل واحد مذکر باب نَصَرَ سے ہے اس کا فاعل اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ هُوَ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے مِنْ نَفْعِہٖ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اَقْرَبُ کا اَقْرَبُ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا ضَرُّہٗ کی یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا وہ موصول صلہ مفعول بہ ہے یَدْعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لام کے بِئْسَ فعل ذم ماضی مطلق واحد مذکر غائب یہ لام جواب ہے قول کا یا قسم کا اس لیے ایک ترکیب میں یہاں یَقُوْلُ الْكُفَّارُ۔ پوشیدہ ہے اور بعض نحویوں نے یہاں وَاللّٰہِ پوشیدہ مانا ہے اور بعض نے یہاں اِنَّہٗ پوشیدہ مان کر یَقُوْلُ الْكُفَّارُ پوشیدہ مانا ہے بِئْسَ فعل ذم هُوَ ضمیر اس میں پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع صَنَمٌ (بُت) اَلْمَوْلٰی اسم مفرد مصدر میمی ہے وَلْیٌ سے مشتق ہے وَلَایَۃٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ذمہ دار ہونا یہ اس کا مصدر ہے۔ جمع اس کی مَوَالِیَ ہے یہ جمع مکسر منصرف ہے۔ جمع مؤنث موالات دراصل مَوْلَیٌ تھا ہے آخر میں یٰ پر حرکت ماقبل مفتوح لہٰذا یٰ کو اَلِف سے بدل دیا گیا مولیٰ یہ مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ہے یعنی ہر چیز کی ذمہ داری لینے والا مصدر کو مبالغے کے لیے لایا گیا جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ، اَلْمَوْلٰی مخصوص بالذم بِئْسَ اپنے فاعل اور مخصوص سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لامِ کے برائے شدت کلام بمعنیٰ سخت بُرا بِئْسَ فعل هُوَ ضمیر مستتر اس کا فاعل اَلْعَشِیْرُ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبہ باب کَرُمَ سے بروزن فَعِیْلٌ عِشْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ زندگی گزارنا اسی سے ہے

marfat.com

عِشّ و عِشرت، عشیر کا ترجمہ ہے ہر وقت ساتھ رہنے والا، یا ساتھ بیٹھنے والا مراد ہے پکا دوست، قرابت دار، اہل خانہ، یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یہ مخصوص بالذم، بِئْسَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا پہلے بِئْسَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا پوشیدہ یَقُوْلُ کے جملے پر سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِهٖ وَاِنْ اَصَابَتْهُ فِتْنَةُ نِ انْقَلَبَ عَلٰى وَجْهِهٖ خَسِرَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةَ ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِيْنُ۔ باعتبار دین چھ قسم کے لوگوں کا ذکر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے ۱ مومن ۲ کافر ۳ منافق ۴ ساتر ۵ مُذَبْذَب ۶ مُتَزَلْزِل، مومن وہ جو ظاہر باطن عملاً قولاً اسلام کو مانے، اس میں متقی اور فاسق شامل، کافر وہ ہے جو ظاہر باطن عملاً قولاً اسلام کو نہ مانے اس میں مشرک اور دہریہ بھی شامل منافق وہ جو باطن میں مکمل کافر ہو مگر ظاہراً قولاً عملاً، مسلمان اور مومن بنے، ساتر وہ جو باطن میں مکمل مومن ظاہر میں عملاً یا قولاً کافر ہو۔ اس میں وہ شخص بھی شامل جو اپنے اسلام کو چھپائے رہے مرنے تک جیسے حضرت ابو طالب اور حضرت آسیہ فرعون کی بیوی اور وہ بھی شامل جو پہلے ظاہر مسلمان ہو مگر کفار میں رہ کر جان بچانے کے لیے مرتد بن جائے مُذَبْذَب وہ شخص جس کا کسی بھی دین پر کامل بھروسہ نہ ہو نہ کفر پر نہ اسلام پر اور دل سے کوئی دین قبول نہ کرے۔ مُتَزَلْزِل، وہ شخص جو دنیوی لالچ کے لیے دین قبول کرے اسلام میں فائدہ اور عیش و آرام نظر آئے تو سچا پکا ظاہری باطنی مسلمان بن جائے اور اگر تکلیف آجائے تو اسلام چھوڑ دے اس تقسیم سے ساتر کی دو قسمیں ہو گئیں ۱ ساتر دائمی ۲ ساتر عارضی، مومنین کا ذکر يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سے فرمایا جاتا ہے۔ کافرین کا ذکر۔ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ سے فرمایا جاتا ہے۔ منافقین کا ذکر مُنٰفِقِيْنَ کے لفظ سے کیا گیا، ساترین دائمی کا ذکر سورۃ مومن آیت ۲۸ میں اس طرح فرمایا گیا وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗ۔ ساترین عارضی کا ذکر سورۃ نحل کی آیت ۱۰۶ میں اس طرح فرمایا گیا۔ مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖۤ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ مُذَبْذَبِین کا ذکر سورۃ نسا کی آیت ۱۴۳ میں اس طرح فرمایا گیا۔ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ مومن ایمان لاتا ہے عبادت کے لیے ساتر ایمان چھپاتا ہے حفاظت کے لیے۔ منافق ایمان لاتا ہے شرارت کے لیے مُذَبْذَب ایمان لاتا ہے آزمائش کے لیے مُتَزَلْزِل ایمان لاتا ہے لالچ کے لیے ان آیت میں ایسے ہی بیوقوف اور بدقسمت لالچی متزلزل

marfat.com

لوگوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے، اُس زمانے میں یہ لوگ قبیلہ بنی حلاف اور بنی غطفان کے بدوی اور کچھ اعرابی قبائل کے گنوار اور مؤلفۃ القلوب میں سے شیبہ ابن ربیعہ، اَقرع بن حابس عُیینہ بن بدر عباس بن مرداس جیسے نومسلم ان پڑھ لوگ تھے (از تفسیر روح المعانی و نیشا پوری) چنانچہ فرمایا جا رہا ہے کہ لوگوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں جو اسلام کو قبول تو کر لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی عبادت دل کی گہرائیوں عقل کی سچائیوں، باطن کے خلوص ظاہر کی محبت سے نہیں کرتے لالچی طبیعت مفاد پرستی کی عادت کے ایک کنارے پر رہ کر کرتے ہیں کہ ایک طرف نیا دین اسلام اور دوسری طرف پرانا دین کفر ہوتا ہے ہر وقت ہر حالت ہر مقام میں ان کی کیفیت ہوتی ہے کہ کچی عادت پریشان عقیدت مطلبی فطرت، پیٹ پرستی، ضَرًّا میں تزلزل اور سَرَّاء میں تذبذب ہی رہتا ہے، اگر اَصَابَهٗ خَیْرٌ دنیوی اچھائی بھلائی مال دولت آل اولاد عیش و آرام، عزت، نصرت ملتی رہے دل کی خواہشات پوری جانوروں کی نسل بڑھتی اولاد میں صرف بیٹے ہی پیدا ہوتے رہیں تو وقتی طور پر مطمئن اور اسلام پر ثابت و قائم رہتے ہیں مگر قلبی اطمینان پھر بھی نہیں ملتا ہر وقت دھڑکا لگا رہتا ہے کہ کہیں چھن نہ جائے کبھی لُٹ نہ جائے اس تذبذب میں نمازیں اسی فکر کی دعائیں، عیش ملتا رہے تو ان کے نزدیک اسلام سچا اور اگر اَصَابَتْهُ فِتْنَةٌ، کبھی ان کو آزمائشی مصیبت نقصان غربت، اولاد میں بیٹیاں، جانوروں میں خرابی نسل ہو جائے یا کبھی مخلص مسلمانوں کی طرح دین کی خاطر کسی قسم کی قربانی دینی پڑے یا اپنی ہی کسی حماقت سے کوئی دنیوی تکلیف ہو جائے تو دین کو منحوس و ملعون اور برا کہنے ہو گے۔ اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْهِهٖ سے اپنے پہلے دین پہلی صورت وحالت کفر کی طرف پلٹ جاتے ہیں۔ اسلام کو چھوڑ کر مرتد ہو جاتے ہیں نہ ایمان کی قدر نہ آخرت کی فکر، مگر اس پھر جانے پلٹ جانے سے کسی کا کیا بگاڑا اللہ رسول یا اہلِ ایمان کا کیا نقصان ہوا اپنی ہی خَسِرَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةَ۔ دنیا کا بھی نقصان اور خسارہ ہوا اس طرح کہ اسلام کی وجہ سے جو عزت، کرامت، اِمامت، لیاقت ملی تھی سب برباد۔ مال تباہ جان ضائع کیونکہ مرتد کی سزا قتل ہے۔ مالِ غنیمت بند تالیفِ قلبی ختم۔ آخرت بھی خراب اس طرح کہ نہ مقام ولایت نہ مرتبۂ شہادت نہ فائدۂ عبادت جو تھوڑے بہت عملِ صالحہ کئے تھے وہ ختم، عشرت کی اُمید ختم، وطن سے بھاگے تو بے وطن ہوئے۔ رہے تو قتل ہوئے، اور مر کر بھی چھٹکارا نہیں، قبر کا عذاب محشر کی ذلت جہنم کی سختی، دائمی مصیبت، ہائے نادان تو نے کیا پایا تھوڑی لالچ میں سب ہی گنوایا، ایسے متزلزل لوگوں کو آغوشِ اسلام کی کیا قدر۔ یہ بات نہ بے شکرے ابھر جلتے ہیں نہ بے صبرے غریب جانتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے ذٰلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ وہ ہی

marfat.com

سب سے بڑا ظاہر کھلا نقصان ہے اگر اسی حالت میں موت آگئی تو پھر معلوم ہوگا کہ اے انسان نے خود اپنا کیسا ہلاکت والا نقصان کر لیا، قربان جاؤں اپنے ربّ کریم عمیم پر کہ کس طرح شفقت و محبت سے اپنے نادان بندوں کو سمجھا رہا ہے۔ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَا یَضُرُّہٗ وَمَا لَا یَنْفَعُہٗ ذٰلِکَ ھُوَ الضَّلٰلُ الْبَعِیْدُ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّہٗٓ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِہٖ۔ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ۔ کتنا کم عقل ہے انسان کہ اپنے رب تعالیٰ رحیم و کریم مُنعم و محسن قادر و قیوم کو چھوڑ کر ان بے جان مورتیوں بتوں اینٹوں پتھروں اور چاند سورج ستاروں کو ناؤنی معبود سمجھ کر اُن کو دیوی دیوتا بنا کر اُن کی عبادت کرتا اُن سے دعائیں مانگتا ان کو کارساز حاجت روا سمجھتا ہے جو حقیقتاً قطعاً اِن پوجا کرنے والوں کا ذرّہ بھر نقصان نہیں کر سکتا اگرچہ پوجا نہ کریں بلکہ اِن کو توڑیں پھوڑیں اور حقیر مٹی سمجھ کر گندگی میں پھینک دیں اور یہ بے وقوف انسان ان بتوں کو پوجتا ہے جو ذرّہ بھر کسی کو کسی قسم کا نفع نہیں دے سکتے۔ اگرچہ یہ کفار ساری عمر ان کی عبادت میں ماتھا رگڑ رگڑ کر زندگی گزار دیں، اِن مُرتد مُتزلزل لالچی کفار کو سمجھ نہیں کہ وہ بُت پرستی کتنی دور کی گمراہی ہے اور گمراہ اپنی گمراہی میں بھٹکتا بیابان کفر میں اتنی دور نکل جاتا ہے کہ اُس کے واپس آنے سچے راستے پانے صحیح منزل پر پہنچنے کی کوئی اُمید نہیں رہتی، یہ دنیوی فائدہ کی خاطر مسلمان بننے والے اور دیگر کفار اور مصائب و جہاد سے گھبرا کر مرتد ہو جانے والے اُن بڑے کافروں سے آس لگائے عقیدہ بنائے ہوئے ہیں کہ یہ بڑے پنڈت پادری دنیا میں حاجت روا، آخرت میں شفاعت و سفارش کر کے بچانے والے ہیں ان ہی کے کہنے ورغلانے سے بتوں کو دنیا ہی میں معبود سمجھ لیا آخرت کا شفیع بنا لیا، لیکن اگر ذرا اپنے عقلی مشاہدے اور عملی تجربے سے خود ہی اندازہ لگائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ان کا نقصان تو اتنا قریب ہے کہ دنیا میں ہی دیکھ لیں گے۔ کہ جن کی باتوں میں آکر ان پر دنیا کی ذلت غربت ہلاکت پڑی وہ ان کو کسی بھی مصیبت سے نہ بچا سکے نہ عیش و اولاد دلا سکے، نہ ان کے یہ بت ہی کچھ نفع دے سکے ان کا نقصان تو اتنا قریب میں ہی مل گیا اور نفع اتنا دور کہ صرف تصور و خیال کی اُخروی آس اُمید میں کہ یہ قیامت شفاعت کر کے بچا لیں گے یعنی نقصان تو یقینی ہو ا بلکہ پالیا اور نفع صرف ایک وہم وہ بھی بہت دور آخرت میں یہ بھی بہت جلدی جان جاؤ گے کہ لَبِئْسَ الْمَوْلٰی، کتنا برا ہے وہ جس کو تم نے اپنا مولیٰ مددگار والی وارث سمجھ لیا تھا فقط اس کے زبانی کلامی وعدے و نعرے سن کر اور کتنا برا ہے وہ بے بس احمق دوست و سرپرست جس کے ساتھ لگنے سے ہمیشہ بے عزتی اور

marfat.com

نقصان ہی ملے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

۱۔ وَمِنَ النَّاسِ میں دو قول بعض نے کہا اِس سے مراد ایک یہودی ہے۔ مگر یہ قول غلط ہے، اس لیے کہ یہودی لوگ۔ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ نہیں ہوتے، ان کا کفر عزیز ابن اللہ، کہنا دین منسخ کرنا، قرآن اسلام اور نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وعیسیٰ علیہ السّلام کو نہ ماننا ہے۔ بعض نے فرمایا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ۔ سے مراد چند اعرابی اور بدوی کفار ہیں یہ ہی قول درست ہے ۲ عَلٰی حَرْفٍ میں تین قول، بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کنارے پر۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ شک پر، بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے شرط پر تینوں قول درست ہیں اور تفصیل یہ کہ یہ شکی مزاج شروع دن سے اِسی شرط پر مسلمان ہوئے تھے کہ ہم کو خوب دنیا ملے یہی وجہ ہے کہ ہر ہر معاملے میں ہٹے ہٹے ایک طرف رہتے ہیں محبت سے آگے بڑھ کر دین کے کسی کام میں دلچسپی نہیں لیتے ۳ بِہٖ کے مرجع میں دو قول بعض نے اس کا مرجع اسلام کہا۔ بعض نے کہا اس کا مرجع، دنیوی خیر ملنا ہے دونوں قول درست اور معنیٰ یہ ہوئے کہ اِس دنیوی خیر خیرات مال متاع ملنے کی وجہ سے دین اسلام پر مطمئن ہو گئے، اِنْقَلَبَ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ مصائب دیکھ کر اپنے چہرے کے بل اوندھے گر گئے یعنی حوصلہ ہار دیا دین کے کام چھوڑ دئے اور کہتے پھرے کہ ہم کفر میں ہی اچھے تھے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ مرتد ہو کر پھر بت پرستی میں مبتلا ہو گئے۔ یہی قول درست ہے وَجْہِہٖ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد پہلا کفریہ دین ۲ بعض نے کہا اس سے مراد منہ پھرانا خَسِرَ الدُّنْیَا کی قرأت میں تین قول ۱ یہ خَسِرَ فعل ماضی ہے ۲ یہ خَاسِرَ اسم فاعل ہے اِن دونوں قرأتوں میں اس کا فاعل مَنْ یَّعْبُدُ ہے اور اَلدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ظرف ہے اس لیے منصوب ہے ۳ یہ خُسْرَانُ الدُّنْیَا ہے۔ یہاں خُسْرَان مبتدا مضاف اور اَلدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ مضاف الیہ لہٰذا مجرور ہے۔ پہلی قرأت ہی مشہور اور جاری ہے۔ ترجمہ پہلی قرأت میں نقصان پایا اُس نے دنیا وآخرت میں دوسری قرأت میں ترجمہ نقصان پانے والا ہے دنیا وآخرت میں، تیسری قرأت کا ترجمہ، دنیا وآخرت کا نقصان، یَدْعُوْا دو جگہ ارشاد ہوا دونوں میں تین قول بعض نے کہا، پہلے کا معنیٰ عبادت کرتے ہیں، دوسرے یَدْعُوْا کا معنیٰ پکارتے ہیں ۲ بعض نے کہا دونوں کا معنیٰ عبادت کرتے ہیں ۳ بعض نے کہا کہ دونوں کا معنیٰ پکارتے ہیں مگر پہلا قول درست ہے۔ ذٰلِکَ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد کفار کی عبادت ہے ۲ بعض نے کہا اس سے مراد آخرت اور دنیا کا نقصان ہے، دونوں قول درست ہیں۔

marfat.com

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ یاد رکھو کہ ایمان مثل بھٹی ہے اس میں مصائب بھی ہیں آرام بھی مگر دونوں سے مومن کا امتحان ہے۔ منافق کے لیے یہ مصائب فتنہ ہیں مُتزلزل کے لیے کسوٹی ہے، اور مومن مخلص کے لیے پرچۂ امتحان، یہ فائدہ۔ اَصَابَتۡهُ فِتۡنَةٌ انۡقَلَبَ (الخ) سے حاصل ہوا، دوسرا فائدہ، شاندار عبادت صبر ہے، اور بدترین گناہ مایوسی ہے کیونکہ مایوسی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔ یہ فائدہ۔ اِنۡقَلَبَ عَلٰى وَجۡهِهٖ کی تفسیرِ عالمانہ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ یہ آیت مسلمانوں کو بتا رہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ہر بات پر یقینِ کامل رکھنا چاہیے نہ شک کرو نہ مایوسی، اللہ تعالیٰ کی بات انبیاءِ کرام علیہم السّلام اور اب تا قیامت آقاءِ کائنات حضور اَقدس صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے۔ نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بات صحابہ سے صحابہ کی تابعین سے تابعین کی تبع تابعین سے ان کی آئمّہ اربعہ سے ان کی بات اَب علماء محدّثین مفسّرین شارحین فقہاء سے لہٰذا اَب تکمیلِ ایمان کے لیے یقینِ قلبی سے اِن آستانوں سے پختہ تعلق ہی ایمان لانا ہے کہیں پر بھی شک ہوا تو ایمان ناقص ہے۔ یہ فائدہ خَسِرَ الدُّنۡيَا وَالۡاٰخِرَةَ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ قانونِ شریعت کے مطابق جو شخص ظاہراً مسلمان ہو اس کو ظاہری شریعت میں مسلمان ہی مانا جائے گا اور اُس پر اسلام کے پورے قوانین نافذ ہوں گے خواہ وہ شخص باطن میں منافق ہو یا مُذبذب یا متزلزل اسی طرح ساترِ شخص کو شرعاً ظاہراً غیر مسلم ہی مانا جائے گا اور اُس وقت تک اُس پر اسلام کا کوئی قانون نافذ نہ ہوگا جب تک وہ علانیہ یا دو گواہوں کے سامنے اپنا اسلام ظاہر نہ کرے ساتِر خواہ دائمی ہو یا عارضی، اگر کوئی کفار سے جان بچانے کے لیے ان کے جبر کرتے پر کافر بنا گیا اور اُس کا یہ کفر مشہور ہو گیا تو اگرچہ وہ باطن میں مسلمان ہی ہے اور بارگاہِ الٰہی میں وہ مرتد نہیں ہوگا مگر شرعاً اُس پر واجب ہے کہ کفار سے آزاد ہو تو پہلا کام یہ کرلے کہ اپنا اسلام اور اتنا عرصہ قلبی کیفیت کو مسلمانوں کے سامنے اپنے قول و عمل سے ظاہر کرے جب تک ایسا نہ کرے گا اس وقت تک گناہگار ہونے کے علاوہ شرعاً اس کو کافر و مُرتد ہی سمجھا جائے گا۔ یہ مسئلہ۔ مَنۡ يَّعۡبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرۡفٍ سے مستنبط ہوا، کہ باری تعالیٰ نے ایسے متزلزل شخص کے اسلام اور عبادت کا انکار نہ فرمایا بلکہ طریقۂ قلبی کو برا فرمایا، ایسا شخص شرعی کافر تب ہوگا جب اِنۡقَلَبَ کا ارتداد ظاہر ثابت ہوگا۔ مگر جب تک اِطۡمَاَنَّ بِهٖ کا ظہور رہے گا تو اگرچہ مخلص مومن کی طرح اُس کا اطمینان نہ ہو پھر بھی مسلمان ہی مانا جائے گا، عِنۡدَ اللّٰهِ منافق کافر ہے، اُس کے لیے

marfat.com

ابدی جہنم ہے۔ساتر ابدی مومن ہے اُس کے لیے قیامت میں یا بخشش یا تخفیفِ عذاب، مذبوب اور متزلزل اگر ایمان پر مرا تو ادنیٰ جنتی ہے ورنہ پکا کافر مرتد۔ دوسرا مسئلہ مسلمان کی وہی عبادت قبول ہے جو ذوق شوق محبت لگن الفت خلوص نیت صادقہ یقین کاملہ اور قلبی گہرائیوں سے کی جائے، مارے باندھے۔کسل مندی تھکاوٹ اینٹھتے انگڑائیاں لیتے، بہانے کرتے، سُستی دکھاتے غفلت لاپرواہی بے یقینی بے دلی مایوسی بے رغبتی سے، یا اسلام کو صرف ماتھے کا ٹیکہ سمجھتے ہوئے عبادت کرنا، نامقبول بلکہ مردود ہے اگر اسلام کو دل کی گہرائیوں سینے کی پنہائیوں عقل کی تنہائیوں اور شکل صورت لباس خوراک میں داخل اور شامل نہ کیا جائے تو ایسا عمل مردود ہے کل قیامت میں منہ پر مار دیا جائے گا یہ مسئلہ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ دالخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ہر شخص کی بے رغبتی والی عبادت عَلٰی حَرْفٍ ہے مسلمانوں کو ان روحانی ایمانی بیماریوں سے بچنا چاہیئے ۔ ننگے سر نماز پڑھنا بھی ابلیسیت ہے اور عیسائیت کا فیشن ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا کہ لَا یَضُرُّ وَلَا یَنْفَعُ یعنی بتوں سے نہ نقصان نہ نفع، پھر فرمایا گیا کہ نقصان قریب ہے نفع سے پہلے دونوں کی نفی فرمائی گئی پھر دونوں کا ثبوت یہ تضاد کیوں؟ جواب، یہ تضاد نہیں بلکہ پہلے اصل حقیقت کا بیان ہے پھر کفّار کی غلط عقیدت کا۔ یعنی اصلیت تو یہ ہے کہ نہ نقصان نہ نفع مگر کفار کی عقیدت بتوں کے متعلق یہ ہے کہ کفّار کی شفاعت کریں گے، فرمایا یہ جارہا ہے کہ جس شفاعت کی تم آس اُمید لگائے بیٹھے ہو وہ تو بہت دور، لیکن ان کا نقصان بہت جلدی دنیا میں ہی ذلّت و قتل و قید سے شروع ہو جائے گا اور پھر مرتے ہی ان کا نقصان شروع، دوسرا اعتراض ۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ اِنْ اَصَابَہٗ خَیْرٌ ۔ پھر فرمایا گیا۔ اِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃٌ۔ خَیْرٌ کے بعد شرٌّ ہونا چاہیئے تھا کیونکہ خیر کا مقابل شر ہوتا ہے نہ کہ فتنہ ، فتنہ کا معنیٰ ہے آزمائش دنیا کی تو خیر بھی آزمائش اور فتنہ ہے جواب ۔ یہاں خیر کے بعد بجائے شر فرمانے کے۔ فتنہ فرمایا گیا دو وجہ سے پہلی وجہ یہ کہ یہاں محاورے اور رواج کا لحاظ رکھا گیا ہے اور محاورے میں خیر کو فتنہ نہیں کہا جاتا بلکہ نعمت کہا جاتا ہے۔ فتنہ سے مراد شر ہی لیا جاتا ہے اِسی لیے فساد کے ہم معنیٰ فتنہ بولا جاتا مثلاً فلاں شخص نے فتنہ فساد مچا دیا، دوسری وجہ یہ کہ اگرچہ خیر بھی ایک آزمائش یعنی فتنہ ہی ہے ہر مومن و کافر کے لیے، مگر کفّار یہ نہیں سمجھتے۔ وہ دنیوی خیر یعنی امیری دولت مندی کو اپنی حقّانیت سمجھ لیتے ہیں، اور شر سے گھبراتے ہیں اسی کو فتنہ کہتے ہیں اسی لیے یہاں اِن آزمائشی

مصیبتوں اور اسلام کی خاطر قربانی دینے کو فتنہ فرمایا گیا، ایک روایت میں ہے کہ ایک یہودی مسلمان ہوا کچھ دنوں بعد وہ سخت بیمار ہو گیا، پھر کسی حادثے میں اس کا ایک بیٹا مر گیا، ایک دن اس کا گھوڑا بھاگ گیا، تو وہ یہ سمجھا شاید میرے مسلمان ہونے کی وجہ سے یہ مصیبتیں مجھ پر آ رہی ہیں، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں آ کر عرض کیا کہ میری بیعتِ اسلام واپس کر دیجئے میں مسلمان ہو کر بہت مصیبتوں میں گھر گیا ہوں، میں اسلام کو چھوڑنا چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اسلام کی بیعت نہیں ٹوٹتی اور تیری یہ مصیبتیں شاید تیری آزمائش ہوں، اسلام مثل بھٹی کھوٹے کو تپا کر رگڑا دے کر کھرا بناتا ہے، تو کچھ دن صبر کر۔ اُس نے صبر کر لیا تو واقعی پھر ہر طرح کا اطمینان مل گیا۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا یَدْعُوْا مَا لَا یَضُرُّهٗ ۔ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ' مَا موصولہ غیر عقل والوں کے لیے آتا ہے ثابت ہوا کہ بت مراد ہیں، لیکن پھر فرمایا گیا۔ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ ۔ مَنْ موصولہ عقل والوں کے لیے آتا ہے۔ حالانکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ دونوں جگہ بت ہی مراد ہیں، تو پھر یہاں مَنْ کیوں فرمایا گیا، بتوں کے لیے تو مَنْ نہیں آ سکتا، یا کہ یہاں بت مراد نہیں ہیں۔ جواب۔ دونوں جگہ بت ہی مراد ہیں مگر مَا و مَنْ استعمال فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ پہلے حقیقت کا بیان ہے۔ اور بعد میں کفار کی عقیدت کا اظہار ہے۔ یعنی حقیقت تو یہی ہے کہ تمام بت اور کواکب چاند سورج جانور درخت وغیرہ جتنی چیزوں کو کفار پوجتے ہیں وہ سب بے عقل چیزیں ہیں۔ لہٰذا مَا ارشاد ہوا۔ لیکن کفار اپنی عقیدت اپنے نظریے اپنے خیال میں ان کو بہت بڑا عقل والا دانا بینا سمجھدار سمجھ کر ان کو معبود بنائے پھرتے ہیں، اُن کے جھوٹے اور غلط عقیدے کے اظہار کے لیے۔ مَنْ ارشاد ہوا۔ بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ پہلے کلام میں بت مراد ہیں، مگر دوسرے کلام میں کافر لیڈر پنڈت پجاری اور کفر کے پیشوا مراد ہیں، اور یہ دوسرا جملہ پہلے جملے سے علیحدہ ہے اس دوسرے جملے کا تعلق۔ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَلَبِئْسَ الْعَشِیْرُ ۔ سے ہے۔ یعنی گمراہ کرنے والوں کو حاجت روا کارساز سمجھ کر پکارتے ہیں، بتانا یہ مقصود ہے کہ عبادت کرتے ہیں مَا کی اور پکارتے ہیں مَنْ کو معبود سمجھتے ہیں مَا کو شفیع سمجھتے ہیں مَنْ کو۔ یا مطلب یہ کہ کبھی مَا کو پکارتے ہیں کبھی مَنْ کو یا یہ کہ کچھ کفار مَا کو پکارتے ہیں کچھ مَنْ کو۔ یا اس طرح کہ بڑے کفار بتوں کو اور چھوٹے ان پڑھ جاہل غریب کفار بڑے کفار کو پکارتے بھی ہیں ان کی پوجا پاٹ کرتے ہیں، ان کو اپنا رب سمجھتے ہیں۔ ان مختلف کفریات کو ظاہر کرنے کے لیے پہلے مَا فرمایا

marfat.com

گیا پھر یہ ارشاد ہوا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر صوفیانہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّعْبُدُ اللّٰہَ عَلٰی حَرْفٍ فَاِنْ اَصَابَہٗ خَیْرُ نِ اطْمَاَنَّ بِہٖ وَاِنْ اَصَابَتْہُ فِتْنَۃُ نِ انْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ لوگوں میں کچھ ایسے مسلمان ہیں جو نام اور کام کے تو مسلمان ہوتے ہیں مگر نیت اور مقصد کے مکّار ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت تو کرتے ہیں مگر خواہشاتِ دنیا کے کنارہ پر کھڑے رہ کر ان کے ہر عمل و عبادت میں دنیا کی لالچیں بھری ہوتی ہیں، پیر بنتے ہیں تو گدّی بنانے کے لیے مرید بنتے ہیں تو دنیا کمانے کے لیے خطیب بنتے ہیں تو دنیا بجانے کے لیے مقتدی بنتے ہیں واقفی جگانے کے لیے امام بنتے ہیں تو روٹی کمانے کے لیے، اگر دنیوی دولتیں غرضیں اور من پسند خیرات و بھلائیاں ملتی رہیں تو پیر بھی اچھا مرید بھی پیارا خطیب بھی پسندیدہ مقتدی بھی شاندار مثلے مریدوں اور مقتدیوں کی مرضی کے اور ندلتے پیر و خطیب کی مرضی کے اور پیر سے مرید کی خواہشاتِ دنیوی کے تعویذات خطیب سے اپنی آزادی عیّاشی کے مسائل نہ ملے تو اقتداء ختم ہوئی بیعت ٹوٹ گئی، اِنْقَلَبَ عَلٰی وَجْھِہٖ کسی دوسرے پیر کی تلاش شروع، دوسرے خطیب کا چناؤ کیا جو شریعت کے سخت مسائل نہ بتائے جہنم سے نہ ڈرائے رشوت و سود کے مثلے نہ سنائے بلکہ ہر طرح کی آزادی دلائے، یہی وہ بدنصیب پیر مرید امام و مقتدی خطیب نمازی ہیں کہ خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ۔ جن کی دنیا بھی برباد آخرت بھی تباہ، سچی پیری مریدی، امامت و خطابت تو یہ تھی کہ دنیا سے بے رغبتی عبادت سے رغبتی شریعت کے معاہد سے طریقت کے مراقبے حقیقت کے مکاشفے میں کامیابیاں حاصل کی جائیں پیرِ کامل کا تو فرض ہے کہ مریدین کو دنیا پرستی سے ہٹا کر درِ مصطفیٰ پر گرا دیتا، خطیب اپنی تقاریر سے سینوں کو مدینہ بنا دیتا امام اپنی جماعت میں کعبہ دکھا دیتا، مگر فی زمانہ نہ پیر میں خلوص نہ مرید میں حصول تعویذ صرف اس لیے کہ دولت ملے نماز پ دعائیں اس لیے کہ امیر بن جائیں رب تعالیٰ کی بارگاہ کا تو کسی کو بھی شوق نہیں ذٰلِکَ ھُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِیْنُ۔ وہی تو سب سے بڑا صاف ظاہر نقصان ہے ارادات نفس تصوراتِ عقل خواہشاتِ قلب کا نام انسانِ باطن ہے ہر آدمی کے باطن میں چھ قسم کی انسانیت موجود ہوتی ہے پہلی انسانیت یقین محکم دوسری ربیت۔ سوم نفاق۔ چہارم انسانیتِ خفی و سری پنجم انسانیت وھم و تذبذب، ششم انسانیتِ تزلزل۔ قلب کی انسانیت یقین محکم نفس کی انسانیت ربیت شکوک و شبہات، عقل کی انسانیت مخفی و اسرار و رموز۔ نفسِ امارہ کی انسانیت

marfat.com

تفاق۔ طبیعت کی انسانیت تذبذب، دماغ کی انسانیت تزلزل ہے۔ اور باطن کے انسانوں میں کچھ
وہ انسان ہیں جو عقلی شکوک نفسانی شبہات طبعی شرائط کے کنارے پر رہ کر ہی اطاعتِ نبوی و عبادت الٰہی
کرتا ہے۔ اس طرح جو آیت و حدیث، عبادت وفا اُن اپنی عقل میں آجاتی ہے اُس کو مطمئن ہو کر تسلیم کر لیتا
ہے وہی اُس کو اچھی بچی خیر اور صحیح معلوم ہوتی ہے، اور اگر جاہلانہ عقل غافلانہ سمجھ میں نہ آئے تو منکر ہو کر
ترک کر دیتا ہے اور اپنی اندھی عقل کی مانتا ہے، ایسے ہی منکرینِ قرآن و حدیث کی دنیا بھی تباہ اور آخرت
بھی خراب وہ ہی یہ نقصانِ ایمانی ہے جو ہر ایک کے سامنے مُبینٌ اور صاف ظاہر ہے، کیونکہ ایسے شخص
کو دنیا میں جہالت کا اندھیرا قبر میں حماقت کی سزا اور آخرت میں ذلت کا عذابِ محرومی ایسے انسان
کی زبان کی کلامی عقل کی تباہی بن جاتی ہے اور قلم کی سیاہی قلب کی ظلمت بن جاتی ہے، اُس کی نشانی
یہ ہے کہ یَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهٗ وَمَا لَا یَنْفَعُهٗ، ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ
الْبَعِیْدُ۔ یَدْعُوْا لَمَنْ ضَرُّهٗۤ اَقْرَبُ مِنْ نَّفْعِهٖ لَبِئْسَ الْمَوْلٰى وَ لَبِئْسَ الْعَشِیْرُ۔
وہ بدبخت انسان اللہ تعالیٰ کے سوا دنیا کی ایسی چیزوں کا پجاری بن جاتا ہے اور غیر اللہ کی عبادت
و اطاعت میں لگ جاتا ہے، جو ذرہ بھر قوتِ ظاہری باطنی نہیں رکھتیں کیونکہ انسان آستانۂ نبوت
سے جدا ہو کر غیریت کے حجاب میں ہو جاتا ہے اور حق سے بہت ہی دور، اور پھر یہی عقل نفسانی
کا بندہ کر ایسے دنیوی سہاروں کو پکارتا ہے جن کی باطلیت مجوبیت کی ظلمت کا نقصان تو
پکارنے والوں کے قریب تر ہے مگر اُن باطلین کا نفع اتنا دور و معدوم کہ نظر و عقل بصیرت و
بصارت شعور و ضمیر سے بھی نظر نہیں آتا گویا کہ ہے ہی نہیں، ہزار ہا پردوں میں حق سے دور
ہونے والے اُن نابکار انسانوں زمانہ پرستوں، مطلب سازوں کا والی و موالی معین و مشیر اُن کا
شیطان ہوتا ہے اور اُن کے ساتھی برے یار خراب کتابیں، گمراہ کن تقریریں بیہودہ محفلیں ہوتی ہیں
اس لیے یقینی ہے یہ بات کہ وارث و ناظم کار مولیٰ مددگار بھی بُرا کیونکہ وہ معرفتِ الٰہی سے دور
کرتا ہے نور سے قریب کرتا ہے، اور ساتھی ہمراہی بھی بُرا اس وجہ سے کہ بُرے یار مثلِ مار،
خراب کتاب مثلِ عذاب بیہودہ محفل مثلِ مقتل، گمراہ کن تقریر دنیا و آخرت کی ذلت و تحقیر
اے انسان حیاتِ دنیوی میں تیرے پاس صرف دو چیزیں ہیں ۱۔ دنیا ۲۔ دین، ان سے نفع بھی ہے
نقصان بھی دنیا کو مان کر نقصان یہ اَقرَبُ ہے۔ دنیا کو نہ مان کر نفع یہ دور ہے مگر ابدی ہے، دین
کو مان کر نفع یہ اَقرَبُ ہے دین کو نہ مان کر نقصان یہ دور ہے مگر ابدی ہے دنیا کی پہلی حالت
متذبذب، آخری حالت متزلزل، کافر نے بتوں سے مانگا تو عذاب ملا، کیونکہ اُس نے اپنے

marfat.com

خالق تعالیٰ کو چھوڑا۔ مومن نے نبی سے مانگا تو ثواب ملا کیونکہ اُس نے حکم خالق تعالیٰ کو مانا، مومن و کافر کی کیفیات میں یہ فرق ہے کہ ضرّا میں صبر سرّا میں شکر مومن کی نشانی ہے، لیکن ضرّا میں تزلزل اور سرّا میں تذبذب کافر کی نشانی ہے، دنیوی لوگ مِنْ دُوْنِ اللّٰہ ہوتے ہیں، دینی لوگ اولیاءُ اللّٰہ ہوتے ہیں، کافر، مومن، مذبذب متزلزل کا فرق یہ کہ کافر اپنے کفر میں مست ہے مومن اپنے ایمان میں مطمئن مذبذب ہر حالت میں پریشان، اور متزلزل کبھی مگن میں کبھی لگن میں یعنی کبھی مطمئن کبھی پریشان اس کا اطمینان بھی عارضی کفران بھی عارضی ایمان نام ہے یقین و اُمّید کا، کفر نام ہے شک اور مایوسی کا سینۂ مومن میں اُمّید کا چراغ روشن ہوتا ہے یقین چراغ ہے اُمّید اس کی روشنی ہے یہی سرچشمۂ حیاتِ ابدی اور تقاضۂ ایمان کا پھل ہے اسی سے دنیوی اُخروی کامیابیوں کی دولت ملتی ہے زندگی اُمّید ہے مایوسی موت ہے اگر شمع حیات روشن ہے تو سعادت کا نور موجود ہے اور اگر یہ شمع بجھ گئی تو ہر طرف نامرادی کی ظلمت و اندھیرا ہے، یقین و اُمّید فتح مندی کی بنیاد ہے، بے یقینی مایوسی تذبذب تزلزل ویران کھنڈرات ہیں، اُمید وصلِ روح ہے یقین بقاءِ روح، وصل و بقا ہی حیاتِ مومن ہے۔ مایوسی فراقِ روح ہے شک فناءِ روح فراق و فنا ہی موتِ انسانی ہے، دینِ اسلام شریفانہ اخلاق و عمدہ آداب کی دولتوں سے بھرا ہوا ہے۔ کل قیامت کی میزان میں حسنِ اخلاق سے بھاری کوئی عمل نہ ہوگا، مومن اپنی خوش اخلاقی کی بدولت بہت سے بداخلاق عابدین زاہدین شب بیدار صالحین سے بلند مرتبہ پالے گا۔ حدیثِ مقدس میں ہے، کہ اے لوگو تواضع کرو، تواضع کی تین صورتیں ہیں پہلی یہ کہ کسی پر ظلم زیادتی نہ کرو ملنے والوں کو پہلے سلام کرو اور سلام کا جواب محبت سے دو۔ محفل میں کم درجہ پسند کرو اور اپنی تعریف و تعارف کی خواہش نہ کرو ؎ جو ملنے نہ آئے اُس کی خاطر تواضع کرو، دینی مسائل بتانا بری چیزوں سے آگاہ کرنا نیک مشورہ بھی خاطر تواضع ہے۔ احسان کی اُمّید نہ رکھو۔

إِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

بے شک اللّٰہ داخل کرے گا اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک

بے شک اللّٰہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور بھلے

الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

اعمال کئے ایسی جنتوں میں کہ بہتی ہیں جن باغوں کے نیچے

کام کئے باغوں میں جن کے نیچے

marfat.com

الْاَنْهٰرُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۱۴﴾

نیچے نہریں۔ بے شک اللہ کرتا ہے جو وہ ارادہ فرماتا ہے۔

نہریں رواں بے شک اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ

جو شخص یہ وہم کرتا ہے کہ ہرگز نہ مدد کرے گا ان کی اللہ

جو یہ خیال کرتا ہو کہ اللہ اپنے نبی کی مدد نہ فرمائے گا

فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى

دنیا اور آخرت میں تو چاہیئے کہ لٹکائے ایک موٹی رسی کسی خاص

دنیا اور آخرت میں تو اُسے چاہیئے کہ اوپر کو ایک

السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ

بلندی کی طرف پھر پھانسی پا جائے پس چاہیئے کہ غور کرے کہ کیا کچھ بگاڑ جائے گا

رسی تانے پھر اپنے آپ کو پھانسی دے پھر دیکھے کہ

كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ﴿۱۵﴾ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ

اُس کا یہ حیلہ اُس چیز کو جس کا یہ جلاپا کرتا ہے، اور اسی کی مثل یہ ہم نے نازل کی ہیں

اس کا یہ داؤ کچھ لے گیا اس بات کو جس کی اُسے جلن ہے اور بات یہی ہے کہ ہم نے یہ قرآن اُتارا

بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ ﴿۱۶﴾

تمام روشن آیتیں اور بے شک اللہ ہدایت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے

روشن آیتیں اور یہ کہ اللہ راہ دیتا ہے جسے چاہے۔

marfat.com

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں کفار کے نقصان وخسران کا ذکر ہوا، اب ان آیت میں ایمان والوں کے دائمی فائدوں کا ذکر ہو رہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار کے بُت کفار کی بالکل مدد نہیں کر سکتے اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ رب تعالیٰ اپنے محبوبِ پاک کی ضرور مدد فرمائے گا نہ ماننے والے نہیں مانتے تو نہ مانیں حسد و بغض سے گلے میں پھندا ڈال کر مر جائیں۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں برے لوگوں اوران کی بدعملیوں کے نتائج کا ذکر ہوا، اب ان آیت میں نیک لوگوں اور ان کے اچھے اعمال کا تذکرہ و نتائج کا ذکر ہو رہا ہے۔ **شانِ نزول**۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے بنی اسد اور بنی غطفان کی طرف اسلام لانے کا پیغام بھیجا تو ان کے سرکردہ لوگوں نے قاصدین صحابہ کرام کو واپسی پیغام دیا کہ نبی کریم کی دعوت تو عارضی ہے ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد نہیں نہ اللہ ان کی مدد کرے گا دنیا میں تو ہم دیکھ ہی رہے ہیں آخرت میں بھی ایسا ہی ہوگا اور ہمارے پرانے حلیف یہودی ہیں۔ ہم اسلام لاکر یہودیوں کو ناراض نہیں کر سکتے ورنہ کل جب اسلام شکست کھا گیا تو نہ ہم یہودیوں کو منہ دکھانے کے قابل رہیں گے نہ وہ ہم سے مروت و محبت کریں گے تب یہ پانچ آیت نازل ہوئیں از آیت ۱۴ تا آیت ۱۸ واللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

تفسیر نحوی اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ اِنَّ حرفِ مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم یُدْخِلُ بابِ افعال کا فعل مضارع بمعنی مستقبل زمانہ، مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ مصدر ہے اِدْخَالٌ متعدی بیک مفعول ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب مصدر ہے اِیْمَانٌ اَمْنٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اس کا اَلَّذِیْنَ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ عَمِلُوْا بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنی کام کرنا، اعضاء ظاہری کے کام کو عمل کہا جاتا ہے اصطلاح میں آخرت میں حساب و کتاب والے کاموں کو اعمال کہا جاتا ہے اچھے ہوں یا برے یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اَلصّٰلِحٰتِ الف لام استغراقی بمعنی تمام صالحات اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے صَالِحَۃٌ واحد مؤنث صَلَحٌ سے مشتق ہے بمعنی اچھا، مفید کام کرنا، چونکہ افعال (کام کاج) غیر ذو العقول ہوتے ہیں اسی لیے ان کے لیے مؤنث کے الفاظ آتے ہیں نیک اعمال کو بھی صالحۃ کہتے ہیں اور نیک عورت واحد و جمع کے لیے صالحہ اور صالحات

marfat.com

مُسْتَعْمَلُ ہے قرآن مجید میں یہ لفظ صرف ایک جگہ نیک عورتوں کے لیے آیا ہے باقی ہر جگہ نیک اعمال کے لیے ہی آیا۔ یہ بحالتِ فتحہ ہے تقدیری اعراب ہے۔ مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مفعول بہ ہے یُدْخِلُ کا جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے جَنَّۃٌ لغوی ترجمہ ہے چار دیواری وغیرہ میں گھرا چھپا ہوا باغ یہاں مراد آخرت کی جنت بہشتِ بریں جو ہر نگاہ سے پوشیدہ ہے بحالتِ فتحہ تقدیری اعراب ہے۔ موصوف ہے تَجْرِیْ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع بزمانۂ حال واحد مؤنث غائب جَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ بہنا مراد ہے دریا و نہر کا پانی چلنا مِنْ حرفِ جر زائدہ تحت اسمِ مبنی بمعنیٰ نیچے مُعْرَب مضاف ہے ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب اس کا مرجع ہے جَنّٰت جمع عربی میں غیر ذوی العقول اشیا کے لیے ضمیر واحد غائب آتی ہے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَجْرِیْ کا اَلْ اَنْھٰرُ اَلِف لام عہدِ ذہنی اَنْھٰارُ اسم جمع مکسّر منصرف واحد ہے نَھْرٌ بمعنیٰ خوب صورت پانی کی گزرگاہ یہاں مراد ہے خود پانی بہتا ہوا یہ فاعل ہے تَجْرِیْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے جَنّٰتٍ کی یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے یُدْخِلُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ اِنَّ وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اللہ اس کا اسم یَفْعَلُ بابِ فَتَحَ کا فعلِ حال مضارعِ مثبت معروف ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ مَا اسم موصول یُرِیْدُ۔ بابِ افعال کا فعل حال مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعلِ ضمیر صیغہ مرجع اَللہ اس کا مصدر ہے اِرْوَادٌ تعلیلِ نحوی ہو کر ہوا اِرَادَۃٌ، رَوْدٌ یا رَیْدٌ سے بنا ہے۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَفْعَلُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبرِ اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ اصل عربی مصدر ثلاثی مجرّد اور رباعی مجرّد ہوتے ہیں باقی تمام اِن سے بنے ہوئے الفاظ مشتقات کہلاتے ہیں اگرچہ مصدر مزید فیہ ہوں عربی میں مشتقات کل پندرہ قسم کے ہیں ۱ مصدر مزید فیہ ۲ مصدر میمی ۳ اسم فاعل ۴ اسم مفعول ۵ اسم ظرف زمان ۶ اسم ظرف مکان ۷ اسم تفضیل ۸ اسم آلہ ۹ صفت مشبّہ ۱۰ صیغہ مبالغہ ۱۱ اسمُ المرّہ ۱۲ اسمُ النوع ۱۳ فعل ماضی ۱۴ فعل مضارع، اسم مرّہ اور اسم النوع یہ دونوں مصدر مفعول مطلق کی دو قسمیں ہیں ۱ وحدت اور ۲ نوعیت کو بتاتے ہیں جیسے بیٹھا میں ایک بار بیٹھنا اور مارا اُس نے زور کا مارنا۔ مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ ۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍ ۭ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ

marfat.com

مَنْ اسم موصول شرطیہ کَانَ فعل ماضی ناقصہ ھُوَ ضمیر اس کا مرجع مَنْ ہے مَنْ سے مراد عام کفار تا قیامت یا کفارِ مکہ یَظُنُّ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب ظَنٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی گمان کرنا خیال کرنا گمان کی دو قسمیں ہوتی ہیں ۱ خالص وہم ۲ یقین ملا وہم جس کو احتمال کہا جاتا ہے کبھی کبھی یہ خالص یقین کے معنی میں بھی آتا ہے ۔ یہاں پہلے معنی یعنی وہم کرنا مراد ہے اُس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے اَنْ حرف مشبہ اصلاً اَنَّ تھا اس کے ساتھ ضمیر شان تھی جب اُس کو حذف کیا گیا تو اِس کو مخففہ کر دیا گیا۔ لَنْ یَّنْصُرَ باب نَصَرَ کا مضارع منفی نفی تاکید بِلَنْ سے ہے واحد مذکر غائب بمعنی مستقبل ہے نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنی مدد کرنا ہُ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل مرجع ذہنی ہے مُراد نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مفعول بہ ہے اَللّٰہُ فاعل ہے لَنْ یَّنْصُرَ کا فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃِ ۔ یہ دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے لَنْ یَّنْصُرَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَظُنُّ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَانَ ناقصہ کی یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صِلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرط ہے فَ حرفِ جزا لْیَمْدُدْ باب نَصَرَ کا فعل امر غائب معروف واحد مذکر غائب مَدٌّ سے مشتق ہے بمعنی پھیلانا ، لمبا کرنا تاننا ، لٹکانا ، یہاں اِسی معنی میں ہے ، حروف کو دراز کرنے کے لیے جو اعراب لگایا جاتا ہے اس کو بھی مَدّ کہتے ہیں اسی پھیلنے زیادہ کرنے کے معنی ہیں ۔ بقانونِ فصاحت برائی پھیلانے کے لیے مَدٌّ کو باب نصر میں لایا جاتا ہے اور اچھائی پھیلانے زیادہ کرنے کے لیے بابِ افعال میں لایا جاتا ہے اسی سے ہے مِداد بمعنی قلم کی سیاہی کو مِداد اسی لیے کہا جاتا ہے اس سے علم پھیلایا پڑھایا جاتا ہے ۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ھُوَ کا مرجع مَنْ ہے بِ جارہ متعدی کی بمعنی کو ، سَبَبٌ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر ہے اَسْبَاب ، بمعنی لغوی ذریعہ ، یعنی وہ چیز جس کے ذریعہ کوئی کام پورا انجام دیا جائے اصطلاح میں موٹی رسی سامان وغیرہ کو سبب کہا گیا کہ اس کے ذریعہ بھی بہت کام ہوتے ہیں ، یہاں مراد لٹکی ہوئی موٹی رسی جو کم از کم ایک آدمی کا بوجھ اٹھا سکے اِلٰی جارہ انتہاءِ غایت کے لیے اَلسَّمَآءِ اسم مفرد معرّف باللّام بمعنی بلندی مراد ہے چھت یا درخت یا آسمان اعلیٰحضرت کے ترجمہ میں مراد چھت ہے اور یہی مقصدِ کلام میں درست ہے یہ جار مجرور متعلق ہے فَلْیَمْدُدْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ اِنشائیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف بمعنی پھر لْیَقْطَعْ باب فَتَحَ فعل امر غائب معروف قَطْعٌ سے بنا ہے بمعنی کاٹنا ، اکھیڑنا ، یہ متعدی ہوتا ہے مگر یہاں لازم ہے کیونکہ سبب بول کر مسبّب مراد لیا جا رہا ہے ، اگر متعدی ہو تو یہاں عُنُقًا پوشیدہ ہوتا ہے ترجمہ

marfat.com

ہوتا ہے، کاٹنے گردن کو۔ اور لٹکی رسّی کے پھندے سے گردن کاٹنا سبب ہے پھانسی کا لہٰذا یہاں
پھانسی لینا مراد ہے اور یہ لازم ہے نہ کہ متعدّی یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ
ہے یا جزائیہ، اگر جزائیہ ہے تو مابعد جملہ جزاءِ دوم ہے مَنْ کَانَ کی مگر عاطفہ ہونا زیادہ درست
ہے لِیَنْظُرْ بابِ نَصَرَ کا امر غائب معروف واحد مذکر غائب نَظْرٌ سے بنا ہے بمعنٰی دیکھنا غور کرنا یہاں
دوسرے معنٰی میں ہے هَلْ حرفِ سوال یُذْهِبَنَّ بابِ اِفعال کا مضارع مستقبل با نون ثقیلہ واحد
مذکر غائب ذَهَبٌ سے بنا ہے بمعنٰی جانا لازم ہے اس کا مصدر ہے اِذْهَابٌ متعدّی ہے بمعنٰی لے
جانا کَیْدُہٗ اسم حاصل مصدر بمعنٰی مکر حیلہ فریب، مضاف ہے ہٗ ضمیر
کا مرجع مَنْ ہے مضاف الیہ یہ مرکّب اضافی فاعل ہے مَا موصولہ
یَغِیْظُ بابِ ضَرَبَ کا مضارع بمعنٰی ماضی یا بمعنٰی حال ہے غَیْظٌ اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنٰی سخت خشم
جلانا، یہاں دوسرے معنٰی میں ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے
یُذْهِبَنَّ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے فَلْیَنْظُرْ کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے لِیَقْطَعْ
کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر پھر عطف ہے فَلْیَمْدُدْ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر جزا ہے مَنْ کَانَ
کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ کَذٰلِكَ، اسم اشارہ تشبیہی بعیدی بمعنٰی اسی طرح مبنی ہے
بحالت رفع مبتدا ہے مابعد جملہ خبر ہے اس کا مشبّہ بہ مشار الیہ سابقہ آیات قرآنیہ ہیں یا اِنَّ اللّٰہَ
یَفْعَلُ کا جملہ ہے اَنْزَلْنَا بابِ افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم فعل با فاعل ہے ہٗ ضمیر مفعول بہ ذوالحال ہے
اٰیٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم موصوف بَیِّنٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم واحد ہے بَیِّنَةٌ مذکر ہے بَیِّنٌ صفت
مشبّہ بروزنِ فَیْعِلٌ دراصل تھا بَیْیِنٌ چونکہ اس طرح پڑھنا بوجھل تھا لہٰذا دونوں یٰ کا ادغام کر دیا بَیِّنٌ ہو گیا
یہ صفت تابع ہے اس لیے مفتوح ہے یہ مرکّب توصیفی حال ہے ہٗ ضمیر کا دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اَنْزَلْنَا
کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کَذٰلِكَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبّہ، اللّٰہ اس
کا اسم یَهْدِیْ بابِ ضَرَبَ کا مضارع واحد مذکر غائب با فاعل مرجع اَللّٰہُ مَنْ اسم موصول یُرِیْدُ بابِ افعال
کا مضارع زمانہ حال با فاعل یہ جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَهْدِیْ کا یہ سب
جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ ۔ اے دنیوی لالچ میں عبادت سے عَلٰی حَرْفٍ
اور دنیوی مصائب میں ایمان سے منحرف ہو جانے والے لوگو بے شک اللہ تعالیٰ داخل فرماتا ہے

marfat.com

ان ثابت قدم مخلص بندوں کو جو اپنی استقامت پسندی سے ایسا سچا پکا ایمان لائے رہے کہ نہ امیری دولت مندی کا عیش اُن کو غافل کر سکا نہ جنگ و جہاد نہ غربت عسرت کے آزمائشی مصائب اور فتنے ان کو دینِ اسلام سے منحرف یا متزلزل و متذبذب کر سکے اور بہر حال ہر مقام میں دشت میں دہر میں کوہسار میں میدان میں کڑکتی بجلیوں چلتی تلواروں، تڑپتی لاشوں میں بھی اپنے رب تعالیٰ کے ہر فرمان فرضی و اجبی نفلی پر پورا پورا محبت و اُلفت سے عمل کیا اور اپنے اعمالِ صالحات سے زمین و زمان مکین مکان کو جنتِ ارضی بنا دیا، ایسے ہی پیاروں کو اُن اُخروی جنتوں میں جن کے درختوں کے نیچے فرشِ زمین کے اندر محلوں مکانوں کے ساتھ بہت سی نہریں بہتی ہیں، لبنِ سردر، عسلِ شہور۔ ماءِ میرور، شراب طہور کی پاکیزہ خوشبو دار یعنی دودھ، شہد، پانی اور شرابِ طہور کی ٹھنڈی میٹھی نہریں بہتی ہیں، بے شک اللہ تعالیٰ وہ کرلیتا ہے جو ارادہ فرمائے اپنے حکم، مشیت، رضا میں حاکمِ مطلق ہے اپنے انبیا کو طاقت، اولیا کو کرامت نافرمانوں کو حقارت دیتا ہے نہ اُس کو کوئی روک سکتا ہے نہ ٹوک سکتا ہے، جس کو وہ دینا چاہے تو کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے وہ کچھ روکنا چاہے تو کوئی دے نہیں سکتا، ہاں اللہ تعالیٰ کے پیارے محبوب بندے اسی سے عرض کر کے اُسی کے دستِ قدرت سے دلوا بھی سکتے ہیں۔ اور رُکوا بھی سکتے ہیں جیسے کہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے عشرہ مبشرہ کو جنت دلوا دی اور حضرت نوح اور موسیٰ علیہما السلام نے کفار قوم کی زندگی اور مال و دولت عیش و عشرت امیری عیاشی رُکوا دی، اُس اللہ تعالیٰ نے جس کو چاہا صفی و نجی خلیل و ذبیح، کلیم و مسیح، حبیب و نبی بنا لیا، لہٰذا گوش و ہوش سے سن لے ہر وہ شخص یا گروہ، مَنْ كَانَ يَظُنُّ أَنْ لَنْ يَنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ إِلَى السَّمَاءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهُ مَا يَغِيظُ جو یہ وہم و تصور کئے بیٹھا ہے کہ ہرگز اللہ تعالیٰ اپنے دین یعنی نبی کریم، اسلام، قرآن، اور مسلمانوں کی مدد نہ فرمائے گا دنیا میں نصرت یسرت شہرت عزت غلبہ قوت کی فتوحات سے اور آخرت میں ثواب درجات عنایات انعامات عطیات کو جنات سے، کفارِ مکہ کبھی آپس میں کبھی راہ چلنے مسافروں سے کہتے تھے اور نو واردوں کو سمجھاتے تھے کہ اسلام کی یہ تہلکہ خیز اُٹھان چند دن کی ہے یہ مٹھی بھر مسلمان اسی طرح ہمارے ہاتھوں مصیبتیں پاتے ظلم اُٹھاتے ختم ہوتے چلے جائیں گے، دیکھو اتنے سال ان کو مکے میں اپنا دین پھیلاتے ہو گئے مگر نہ ان کو عزت ملی نہ دولت اِس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حق دین نہیں اللہ ان کی ہرگز مدد نہیں کرے گا اگر یہ سچے ہوتے تو اللہ ان کو ہمارے ہاتھوں سے بچا نہ لیتا، کوئی کافر کہتا کہ میں ایسے خدا سے ڈر نہیں سکتا کہ جو اپنے پیغمبر کی حفاظت

marfat.com

کر نہیں سکتا، کوئی کافر کہتا کہ جس خدا کو یہ مسلمان مانتے ہیں وہ تو ہمارے بتوں سے بھی کمزور ہے اسی لیے مسلمانوں کی مدد نہیں کر سکتا (معاذ اللہ) ہمارے دیوتاؤں کی کتنی برکت ہے کہ ہمارے پاس دولت عزت قوت سب کچھ ہے اے ناواقفو تم ہرگز اسلام نہ لانا اور اے نومسلمو تم جلدی سے اسلام چھوڑ دو. واپس اپنے دینِ سابقہ میں آجاؤ ورنہ جب یہ دینِ اسلام آہستہ آہستہ ختم ہو جائے گا تو پھر تم اپنی اس جلد بازی بیوقوفی پر پچھتاؤ گے۔ لیکن کفارِ مکہ کے اتنا زور لگانے شور مچانے کے باوجود جب کوئی مسلمان اُن کی بات نہ سنتا اور کوئی بھی آنیوالا، نیا مسلمان بننے والا اُن کی نہ مانتا بلکہ صرف محفل پاک میں آکر چہرۂ مقدس دیکھتے ہی قلب و زبان سے اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ پڑھ لیتا اور دھڑا دھڑ، گروہ در گروہ مسلمان بنتے چلے جاتے کثرتِ اہلِ ایمان ہوتی ہی جاتی۔ تو غیظ میں جل جاتے یے دیتوں کے دل۔ یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ اے بدنصیبو نبیٔ پاک سے دشمنی رکھنے والو ؛ عداوت میں گھٹ گھٹ کے مرجانے والو تم جیسے ہر شخص کو چاہیے کہ فَلْيَمْدُدْ، اپنی چھت کی طرف سے ایک رسی لٹکا کر اُس میں اپنے گلے کو پھندا لگالے اور سانس گھٹ کر مر جائے اور پہلے سوچ لے کہ کیا یہ حیلہ طریقہ، اللہ تعالیٰ کی اُس مدد کو ختم کر دے گا جس کے جلاپے اور حسد بغض سے جلا مرا جا رہا ہے اور کیا ہمارے حبیب و محبوب نبی کی عظمت قوت عزت قدرت نصرت ملکیت وشانِ شہنشاہی کو ذرہ بھر منقطع کر سکتا ہے اس کی وضاحت سورۂ آلِ عمران کی آیت ۱۱۹ میں اس طرح فرمائی گئی قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ فرما دو کہ مر جاؤ اپنے غیض و حسد بغض جلن میں بے شک اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے سینوں کی باتوں کو وہاں اُس آیت میں بھی نبی کریم آقاءِ کُل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے۔ کفارِ مکہ کے حسد بغض کا ذکر ہے کہ تم کافر لوگ نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے نعروں شانوں، نعتوں، جلسوں، جلوسوں چرچوں تذکروں کو دیکھ دیکھ کر عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ۔ غصے اور جلاپے میں دانتوں سے اپنے پوسے کاٹتے ہو۔ حسد و بغض کا یہ سلسلہ شیطانی گروہ میں تاقیامت رہے گا۔ اسی غیظ میں یہ حاسدین مرتے مٹتے رہیں گے۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۔ اور ہم نے اسی طرح جس طرح پہلے آیتِ قرآن ظاہر، نص مفسر محکم، خفی، مشکل، مجمل، متشابہ، الفاظ مقطعات کو اپنے حبیب کے لیے بیّنات یعنی آسان اور واضح بنا کر نازل فرمائیں۔ اب بھی بقیہ آیات کو اپنے نبی کے لیے فہم و علم میں آسان بیّنات کی طرح ہی نازل فرمائی ہیں، ہمارے

marfat.com

یہ نبی ہمارے تمام کلام کا ایک ایک حرف لفظ، کلمہ، کلام کا منشا معنیٰ، رموز و اسرار سمجھتے ہیں اور ازلی حادث سے ہم نے اپنے محبوب کے لیے قرآن مجید کے تمام علوم بیّن یعنی آسان کر کے بتا دئیے سکھا دئیے یہ قرآن لوگوں کے لیے کلام ہے لیکن محبوب کا معجزہ بھی ہے اس کے ایک ایک لفظ نقطے، اعراب کا اعجاز ہی بیّنات علوم نبوت ہے اس حقیقت کا ثبوت واضح ہے کہ یہ رب تعالیٰ کا کلام ہے، اے انسانو اگر تم چاہتے ہو کہ اس قرآن حکیم کی فہم و علم حاصل کر و تو، اُن کا دامن تھام لو جن کا محمد نام ہے۔ نبی کے آستانۂ علم و حکمت پر آجاؤ، ان کی زبان خزائن علوم کی چابی اور اُن کی احادیث معانی قرآن کے خزائن ہیں، مگر بلال بن کر آنا ابوجہل بن کر نہ آنا، دل کا برتن لے کر آنا عقل کی گٹھری لے کر مت آنا، اور یہ بھی یاد رکھو کہ آستانۂ مصطفیٰ تک آنا بھی اللہ تعالیٰ کا کرم اور اُس کی ہدایت ہے۔ وَاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی اس ہدایت دینے میں بھی صاحب اختیار و مالک مرضی ہے، جس کا ارادہ فرماتا ہے اُس کو آستانۂ نبوت کی ہدایت عطا فرما دیتا ہے، اسی کی یہ شان بے نیازی ہے کہ حسن زبصرہ بلال از حبش صہیب از روم کو ہدایت مل گئی۔ مگر ز خاک مکہ ابوجہل کو ہدایت نہ ملی۔ مکے کی مٹی سے پیدا ہونے والے ابوجہل کو ہدایت نہ ملی۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ، مِنْ تَحْتِهَا میں تین قول ہیں ۱ بعض نے فرمایا کہ جنت کی سطح زمین سے نیچے نہریں بہتی ہیں یہ قول ہی درست ہے کیونکہ محاورے میں سطح کو ہی زمین کہا جاتا ہے اسی کو کھودا جائے تو اس کا نام گڑھا کہا جاتا ہے اور نہر کھود کر ہی بنائی جاتی ہے، جنت سے مراد زمین اور تَحْتِهَا سے مراد ذرا نیچے ۲ بعض نے فرمایا تَحْتِهَا سے مراد شجرات زمین سے نیچے یعنی درختوں کے نیچے ۳ اور بعض نے فرمایا محلات زمین سے نیچے۔ یعنی جنت کی نہریں ہر مکان کے آگے اُن کی بالکونیوں چباروں شیڈوں کے نیچے سے گزرتی ہوں گی معنیٰ یہ کہ گھر اونچے نہریں نیچی، جیسے کہ حضرت مریم سے فرمایا گیا تھا تَحْتَكِ سَرِيًّا، جب کہ مریم اونچی جگہ بیٹھی تھیں اور نہر نیچی جگہ جاری ہوگئی تھی مَنْ كَانَ يَظُنُّ میں چار قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ مَنْ سے مراد بنی اسد اور بنی غطفان کا گروہ ہے جیسا کہ شان نزول سے ثابت ۲ بعض نے کہا مَنْ سے مراد سرداران مکہ کا گروہ ۳ بعض نے کہا مَنْ سے مراد وہی متزلزل لوگ ہیں جن کا ذکر پچھلی آیت ۱۱ میں گزرا ۴ بعض نے کہا اس سے مراد کچھ جلد باز قسم کے لوگ مسلمان ہیں جو مشرکین کی جلدی ہلاکت کی خواہش کرتے تھے اور غمگین رنجیدگی میں ایسی باتیں کرتے تھے ان کو مایوسانہ باتوں سے جھڑکا اور منع کیا جا رہا ہے۔ يَظُنُّ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے وہم کرتے

marfat.com

ہیں ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ خیال وگمان کرتے ہیں ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یقین کرتے ہیں، خیال رہے کہ قلبی اضطرابی حالت کے اندازے کو وہم کہتے ہیں، آثار کے مشاہدات کے اندازے کو گمان وخیال کہتے ہیں، اور کسی حتمی تجربے کی مطابقت کو یقین کہتے ہیں لَنْ یَّنْصُرَہٗ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہرگز مدد نہیں کرے گا ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ ہرگز رزق عطا نہیں کرے گا لَنْ یَّنْصُرَہٗ کی ہٗ ضمیر کے مرجع مراد میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں ۲۔ بعض نے کہا، اس کا مرجع مَنْ یَّظُنُّ ہے، یعنی گمان کرنے والا خود اپنے متعلق یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ خود اُس کی مدد نہیں کرے گا۔ اِلَی السَّمَآءِ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد اصلی آسمان ہے اور معنیٰ یہ کہ آسمان میں کسی رسی کے سبب سے پہنچ جائے ۲۔ بعض نے کہا کہ آسمان کا لغوی معنیٰ یعنی بلندی مراد ہے جیسے کہ گھر کی چھت وغیرہ جس سے لٹک کر پھندا ڈال مرے۔ ثُمَّ لْیَقْطَعْ۔ میں قرأت اور معنیٰ دو قول ۱۔ ایک قرأت میں لام امر ساکن ہے ثُمَّ کی میم سے جڑا ہوا کیونکہ ثُمَّ بھی واؤ عاطفہ اور فاءِ عاطفہ کی طرح لام سے جڑ جاتا ہے۔ یہی مشہور قرأت ہے ۲۔ بعض نے کہا جڑا نہیں ہے بلکہ لام امر مکسور ہے یعنی ثُمَّ لِیَقْطَعْ ۳۔ اس کے معنیٰ میں بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے اپنا گلا گھونٹ کر بند کر دے ۴۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی مدد وعطا کو بند کر سکتا ہے تو کر کے دیکھے۔ فَلْیَنْظُرْ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے آنکھوں سے دیکھے یعنی آسمان پر جا سکے تو جائے اور مدد ورزق وعطا بند کرا کے اور دیکھے کہ اُس کا یہ حیلہ اور محنت وہ مدد الٰہی بند کرا سکا جس کے غیظ میں یہ جلا مرا جاتا ہے ۲۔ بعض نے کہا فَلْیَنْظُرْ کا معنیٰ ہے، تصور کرے یعنی پھانسی لینے سے پہلے یا آسمان کی طرف اُڑان سے پہلے یہ غور وتصور کرے کہ کیا اس کا یہ حیلہ اس کا یہ مرن بھرت یا خودکشی، بھوک ہڑتال کی دھمکی کارگر ہو سکتی ہے۔ اور اِس پھانسی پا کر مر جانے سے کیا اللہ تعالیٰ کی عطائیں مددیں بند ہو جائینگی، اِن اختلافی اقوال سے اس آیت کی چھ تفسیریں ہو گئیں، پہلی یہ کہ مَنْ یَّظُنُّ جو یہ وہم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی پاک کی مدد نہ کرے گا وہ چھت سے رسی باندھ کر پھانسی لے لے، دوم جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو کچھ بھی عطا نہ کرے گا نہ دنیا میں نہ آخرت میں وہ کسی سبب سے آسمان پر چلا جائے اور اللہ تعالیٰ کی مدد بند کر کے دیکھ لے، تفسیرِ سوم، جس کو اپنی بدعقیدگی سے یہ یقین ہو گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی دنیا وآخرت میں مدد نہ فرمائے گا، وہ آسمان پر جا کر وحیِ الٰہی کو روک کر دکھائے، چوتھی تفسیر

marfat.com

جو جلد باز لوگ ہر کام میں جلد بازی مچاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو دیر لگانے کو نہیں سمجھتے جلدی مایوس و بددل ہو جاتے ہیں وہم کرتے ہیں کہ شاید اب اللہ تعالیٰ مدد نہیں فرمائے گا اور کفار کو سزا نہ دے گا بتاتے سمجھانے سے بھی مطمئن نہیں ہوتے ان کا علاج صرف یہی ہے کہ پھانسی لے کر مر جائیں اور غور کریں کہ کیا یہ حیلہ اُن کی آس پوری کر دے گا اور جلد بازی مچانے کا غیظ جاتا رہے گا۔ پنجم۔ جو یہ گمان کرتا ہے کہ اللہ مجھ کو دنیا و آخرت میں کوئی رزق یا ثواب نہ دے گا تو پھانسی سے مر جائے پھر دیکھے کہ کیا اس کا مقصد پورا ہوتا ہے یا نہیں، چھٹی تفسیر، جو بدعقل ظاہریت دیکھ کر یہ وہم کئے بیٹھا ہے کہ دنیا، آخرت میں اللہ تعالیٰ نہ رزق دے سکتا ہے نہ ثواب لہٰذا مسلمان ہونا عبادت کرنا سب بیکار ہے تو وہ خود آسمانوں پر جا کر اپنا رزق لینے اور فوراً دولت مند بننے کی کوشش کر دیکھے کیا اس حیلہ سازی سے اُس کی غربت ختم ہو جائے گی۔ وَكَذٰلِكَ میں دو قول ہیں ۱) بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جس طرح ہم نے موت و حیات قیامت حشر نشر اور ابتدائی زندگی، معدوم سے موجود حیات بعد الموت کے مسائل کے لیے بہت سی بَیِّن واضح دلائل کی آیات نازل کی ہیں اسی طرح تمام قرآنِ مجید بَیِّنَات اور واضح با دلائل آیتوں سے نازل کیا ہے تمام مسائل میں کامل بیان ۲) بعض نے فرمایا اس کا معنیٰ ہے کہ جس طرح ہم نے پندرہ ۱۵ قسم کی آیات وَالفاظِ قرآنی کو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے ہر طرح آسان کر کے نازل کیا ہے اسی طرح پورا قرآنِ مجید ہم نے اُن کے لیے روشن و آسان کر کے نازل کیا اُن کو ہر ہر لفظ و حرف کا معنیٰ آتا ہے آیاتِ مجمل مشکل متشابہ ظاہر نص مفسر ہو یا خفی و مقطعات ہو، وہ سب سے واقف ہیں جبرئیل علیہ السلام ناواقف ہو سکتے ہیں مگر اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ کی شان والا کس طرح ناواقف ہو سکتا ہے۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** یہ بات حقیقتِ ایمانی ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ دینا چاہے اس کو نہ کوئی روک سکتا ہے نہ منع کر سکتا ہے اور جس کو نہ دینا چاہے اس کو کوئی دے نہیں سکتا یہی تعلیم نبوت ہے کہ اَللّٰھُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا اَعْطَیْتَ وَلَا مُعْطِیَ لِمَا مَنَعْتَ۔ لیکن انبیاء کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ اقدس میں اپنی دعاؤں التجاؤں عرض و معروض کے ذریعے بندوں کو دلوا بھی سکتے ہیں اور رکوا بھی سکتے کفار کی زندگی ختم بھی کروا سکتے ہیں جیسا کہ حضرت خلیل علیہ السلام نے وادی غیر ذی زرع میں تا قیامت ہر قسم کا رزق اپنی فریاد و التجا سے دلوا دیا بلکہ رب تعالیٰ نے طائف کی پوری پھل دار و سرسبز و شاداب پہاڑی کہیں سے اکھیڑ کر وہاں رکھوا دی اسی لیے اس کا نام طائف

marfat.com

ہوا۔ عیسیٰ علیہ السلام نے مائدہ دلوایا، موسیٰ علیہ السلام نے فرعون و فرعونیوں سے سب کچھ رُکوا دیا نوح علیہ السلام نے اپنی کافر قوم کی زندگی بند کرا دی یہ فائدہ اِنَّ اللّٰہَ یَفۡعَلُ مَا یُرِیۡدُ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ آقاءِ کائنات نبی کریم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات صفات، شان، قوت، عزت، رفعت سے کفار اور گمراہوں گستاخوں کو ہمیشہ ہی غم غصہ جلاپا حسد و غیظ و طیش ہی رہا اسی میں گھٹ گھٹ کر جیئے اور جل جل کر مرتے رہے۔ اور تا قیامت مَنۡ کَانَ یَظُنُّ کا ایک گروہ اِسی کَیۡدُہٗ مَا یَغِیۡظُ کی قلبی وحتی بیماری میں مرتے دم تک رہے گا۔ مگر میں اپنے رب کریم کا شکر ادا کروں کہ اُس کا کرم و احسان ہے کہ کسی کے حسد بغض سے ہمارے آقا صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ کا ذرہ بھر کچھ نہیں بگڑتا بلکہ دن رات کا مشاہدہ ہے کہ، یہ سب منع کرن والے پڑے کریں کاں کاں :: پڑھنا ہی جاتا ہے ذکر اس کا تھاں تھاں، نہ نعت خوانی رُکی نہ میلاد نہ جلسے نہ جلوس نہ سلام نہ درود حالانکہ یہود، ہنود و سعود نے ہر طرح کا دامے درمے قدمے سخنے قانون زورِ حکم و حکومت لگا کر دیکھ لیا، مجھ سے ایک بزرگ نے فرمایا کہ دشمنوں کو اُس گھر کی حکومت ملی ہی اس لیے ہے کہ وہاں بادشاہت کر کے اپنی فوج و سپاہ کا زور لگا کر دیکھ لیں کہ ھَلۡ یُذۡھِبَنَّ کَیۡدُہٗ مَا یَغِیۡظُ۔ یہ فائدہ، فَلۡیَمۡدُدۡ بِسَبَبٍ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ، خیال رہے کہ علما فقہا کی علمی تقسیم سے قرآن مجید کی اُنیس قسم کی آیت ہیں ۱ ظاہر ۲ نص ۳ مفسّر ۴ محکم ۵ خفی ۶ مشکل ۷ مجمل ۸ متشابہ ۹ مفصّل ۱۰ مفسّرات ۱۱ مقطّعات ۱۲ قصص ۱۳ وعدے ۱۴ وعیدیں ۱۵ احکام ۱۶ ارشادات ۱۷ دلالات ۱۸ عبارات ۱۹ اقتضائات یہ تقسیم علماءِ اُمّت کے اعتبار سے ہیں کہ اُن کے لیے کچھ مشکل کچھ مجمل نا ممکن، مگر آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سب ہی بیّنات ہیں اور پوری تفصیلی معلومات کے ساتھ آسان ہیں اور قابلِ اظہار آیتوں کا احادیث میں اظہار بھی فرما دیا۔ ظاہری شریعت کو علما کے لیے باطنی اسرارِ طریقت کو اولیا صوفیا کے لیے، غرضکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا علم قرآنی بھی بے مثل و لاشریک ہے یہ فائدہ وَکَذٰلِکَ اَنۡزَلۡنٰہُ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی یہ پورے قرآنِ مجید کی تمام آیت صرف محبوب پاک کے لیے بیّنات ہیں مگر علما فقہا کے لیے تو کچھ مقطعات کچھ مشکل مجمل، نیز حقیقت یہ ہے کہ قرآنِ مجید کی سچی اور مکمل تفسیر تو زبانِ احادیث ہی ہے۔

احکام القرآن | اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ایمان کے ساتھ

marfat.com

اعمالِ صالحہ بے حد ضروری ہیں کیونکہ ایمان سے جنت ملتی ہے اور اعمالِ صالحہ سے جنت کی نعمتیں ایمانِ صادقہ بھی دو چیزوں کا نام ہے اور اعمالِ صالحہ بھی ایمانِ صادقہ اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السلام کو اقرار وصدق سے ماننا، اعمالِ صالحہ نام ہے اطاعتِ اقوال اور اتباعِ افعال کا یعنی ہر اُمت پر اپنے نبی علیہ السلام کے ہر قولی حکم اور فعلی نقل کو کرنا لازم ہے اطاعت سے بندہ مقبولِ بارگاہِ الٰہی بنتا ہے اور اتباع سے محبوبِ بارگاہِ الٰہی بنتا ہے، مومن پر نہ نبی علیہ السلام کی اطاعت کی خلاف ورزی جائز نہ اتباع کی جائز۔ اطاعت کی بھی پانچ قسمیں ۱ فرض ۲ واجب ۳ سنت ۴ نفل ۵ مستحب، اتباع کی بھی یہی پانچ قسمیں ہیں، یہ مسئلہ اٰمَنُوْا کے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ اٰمَنُوْا سے دخولِ جنت کا ذکر ہوا اور عَمِلُوْا میں صٰلِحٰت کی قید لگا کر۔ نبی علیہ السلام کی اطاعت و اتباع کا ثبوت ملا، جنت کو جمع فرما کر علاقۂ جنت کے باغوں کا ذکر ہوا، اور نہروں کا ذکر ہوا، اور نہروں کا تذکرہ نعمتوں کا بیان ہے۔ بہرحال ہر مومن پر نبی کریم صَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہر فعلِ مقدس کی اتباع اور شکل وصورت لباس کی نقل لازم ہے اگرچہ وہ فعل شریف عادۃً ہو یا عبادۃً سنتِ مؤکدہ ہو یا غیر مؤکدہ، صحابہ کرام تو آقاءِ دو عالم صَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وسلم کی مسکراہٹ کی بھی اتباع کرتے تھے اور اگر کوئی اُس بے موقعہ مسکراہٹ کی وجہ پوچھتا تو فرماتے کہ یہ بات ارشاد فرماتے وقت آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وسلم کسی بات پر مسکرائے تھے اس لیے ہم یہ حدیثِ مقدس سناتے وقت مسکراتے ہیں تاکہ اتباعِ پاک کا ثواب ملے۔ ایک بدبخت گمراہ شارح اپنی شرح میں لکھتا ہے کہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وسلم کی عملی اتباع ضروری نہیں اس کی یہ شیطانی بات قرآنِ مجید کے خلاف ہے، دوسرا مسئلہ، اللہ تعالیٰ کی مدد، نصرت، نعمت، برکت، رحمت، شفا اور وعدوں سے مایوس ہونا بدعقیدگی ہے اور یہ بدعقیدگی مشابہ کفر ہے، ہر مسلمان کو اِس سے بچنا چاہیئے سورۃِ یوسف کی آیت ۸۷ میں بزبانِ یعقوب علیہ السلام ایسی بدظنی کو کافروں کا عمل قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَلَا تَايْئَسُوْا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِنَّهٗ لَا يَايْئَسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۔ یہ مسئلہ مَنْ کَانَ یَظُنُّ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا، اس قسم کی مایوسی سے بہت قسم کی ایمانی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں، مثلاً جلد بازی، شکوک، شبہات، ایمان میں تزلزل تذبذب، اللہ تعالیٰ سے بدگمانی (معاذ اللہ) اعمالِ خیر، عبادت، ریاضت سے دوری بے پرواہی غفلت بے اطمینانی وغیرہ بلکہ آزادی، بے باکی بے غیرتی، تیسرا مسئلہ۔ قرآنِ مجید کے تمام مسائل میں فہم ادراک، تدبر، تفکر، تذکر، حاصل کرنے کے لیے شمع حدیث کی مقدس روشنی ضروری

marfat.com

ہے۔ بعض وہ مفسر جو آیاتِ قرآنی میں تفسیر احادیث کو چھوڑ کر اپنے عقلی تخمینے و اندازے لگاتے پھرتے ہیں اور اپنے اندازوں کو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ اگر اُن کے اپنے اس بیہودہ تفسیری اندازے کی تردید صحیح حدیثِ مقدس سے بھی ظاہر ہو جائے تو بھی حدیث پاک کو صحیح ماننے کے باوجود اپنے نظریئے کے مقابل حدیثِ مقدس کا انکار کر دیتے ہیں، ایسے مفسر لوگ جاہل و گمراہ ہیں، جیسا کہ موجودہ دور کے ایک اردو مفسّر صاحب جن کو اپنی تفہیم قرآنی پر بڑا ناز ہے اکثر جگہ ایسی ہی غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ مجید سے بار بار یہی ثابت ہو رہا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی فہم القرآن کی مثل کسی بھی شخص کی فہم نہیں ہو سکتی اور ہر طرح کی صحیح حدیث مقدس کا انکار سراسر فہمِ نبی کا انکار ہے اور یہی گمراہی کی آخری حد اور بڑی جہالت ہے۔ مخلوق میں صرف نبی علیہ السلام کی ذاتِ بابرکات ہی وہ ہستیِ بے مثال ہے جس سے کسی بھی قسم کی غلطی ناممکن ہے۔ یہ مسئلہ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں، پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ اکثر آیات میں اور یہاں بھی جَنّٰت۔ جمع فرمایا جاتا ہے اور اُس کے بعد تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ فرمایا جاتا ہے حالانکہ جنّت تو ایک مُلک اور علاقے کا نام ہے لہٰذا اس کو واحد ہی فرمانا چاہیئے اسی طرح جنّت میں تو اور بھی بہت سی نعمتیں ہیں مثلاً پھل پھول چشمے وغیرہ مگر زیادہ تر صرف نہروں کا ذکر کیا جاتا ہے ایسا کیوں! جواب دو وجہ سے ایک یہ کہ جنّت تو واقعی ایک علاقے کا نام ہے مگر اُس کی اندرونی کیفیت کا پتہ بتانے کے لیے اندر کے باغات کا ذکر لفظ جمع سے کیا جاتا ہے یعنی علاقۂ جنّت کے اندر بکثرت باغ ہیں، دوسری وجہ یہ کہ علاقۂ جنّت تو سب ایمان والوں کا مشترکہ علاقہ ہے مگر اُس کے باغات ہر جنتی کے درجہ بدرجہ علیحدہ علیحدہ ہوں گے، لہٰذا جہاں جنّت واحد ارشاد ہوا وہاں علاقۂ جنّت کا داخلہ مراد ہوتا ہے۔ انعام کی ملکیت کا پتہ نہیں لگتا، لیکن جنّت جمع بول کر باغات کے انعامات کی ملکیت کا اظہار فرمایا جاتا ہے اسی طرح نہروں کا ذکر کرنے سے جنّت کی تین مثالوں کا اظہار ہوا ۱۔ جنّت کی خوب صورتی ۲۔ جنّت کے چشموں کا اظہار کیونکہ نہریں چشموں سے ہی بنتی ہیں ۳۔ جنّت کی چار غذاؤں کا ذکر، پانی، شہد دودھ، شرابِ طہور۔ اور باغوں کا ذکر کرنے سے پھولوں پھلوں کا ذکر خود بخود ہو گیا کیونکہ باغ

marfat.com

ہی پھل پھول والے درختوں کا ہے بغیر پھل والے درختوں کا نام جنگل ہوتا ہے نہ کہ باغ۔ نیز جنتی نہروں
میں غذائیت بھی بھرپور ہے یعنی ہر نہر پیاس اور بھوک دونوں کے لیے ہے۔ بلکہ دنیا میں بھی بعض
پانی ایسے ہیں جس میں مکمل غذائیت ہے جیسے آبِ زمزم مگر کسی کھانے میں آبیت نہیں، اسی لیے بعض
دفعہ صرف پانی یا دودھ، شہد پی کر غذائیت تو حاصل ہو جاتی ہے مگر کبھی بھی صرف کھانا کھا کر بغیر پیئے
گذارہ نہیں ہو سکتا، ثابت ہوا کہ پانی دودھ شہد بڑی نعمتیں ہیں۔ بڑی نعمت کے ذکر میں چھوٹی نعمتیں
خود بخود آگئیں، دوسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ معنی یہ کہ اللہ تعالیٰ جو بھی
ارادہ فرماتا ہے وہ ضرور پورا کرتا ہے یعنی اُس کے ارادوں میں تبدیلی نہیں ہوتی۔ حالانکہ قرآن مجید
کی دیگر بہت سی آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ تبدیلی ہو جاتی ہے، مثلاً ذبحِ اسماعیل کا ارادہ
فرمایا مگر پورا نہ کیا، آدم علیہ السلام کو شجرِ ممنوعہ سے روکنے کا ارادہ فرمایا گیا یہ ارادہ پورا نہ ہوا۔
اسی طرح بہت سے انبیاء کرام علیہم السلام کو تبلیغ کے لیے بھیجا مگر وہ قتل کر دیئے گئے تو پھر یَفْعَلُ
مَا یُرِیْدُ۔ کا معنی مقصد کیا ہے؟ جواب معترض نے آیت کا معنی غلط کیا۔ آیت کا معنی یہ نہیں ہے
کہ بے شک اللہ تعالیٰ وہ کام ضرور کر دیتا ہے جو ارادہ کرتا ہے بلکہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کا
مالک ہے اپنی مرضی سے جو چاہتا ہے کرتا ہے ارادے کے کام بھی چاہے تو کرے نہ کرے ارادہ
کر کے چھوڑ دے۔ بغیر ارادے والے کام بھی چاہے کرے چاہے نہ کرے یہاں یُرِیْدُ کا معنی مشیت
و چاہت ہے، اور وہ مثالیں جو معترض نے پیش کیں اُس کے لیے خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کے
کام دس قسم کے ہیں ۱۔ ارادے والے ۲۔ رضا والے ۳۔ مشیت والے ۴۔ حکم والے ۵۔ تدبیر والے ۶۔
تقدیر والے ۷۔ حکمت والے ۸۔ محبت والے ۹۔ قانون والے ۱۰۔ قدرت والے۔ ذبحِ اسماعیل کا صرف حکم تھا
وہ بھی صرف امتحاناً ارادہ، رضا، محبت، مشیت کچھ نہ تھی اور حکمت کچھ اور ہی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام کے
شجرِ ممنوعہ میں ممانعت کی رضا تھی مگر حکمت و مشیت کچھ اور تھی۔ قتلِ انبیاء پر نہ حکم نہ ارادہ نہ رضا نہ محبت
بلکہ تقدیر تھی، ہاں البتہ مشیت و حکمت کے خلاف کوئی کام نہیں ہوتا بلکہ ہر ارادے بغیر ارادے، رضا بغیر رضا محبت
تقدیر، تدبیر میں حکمت و مشیت موجود ہوتی ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اَنْزَلْنٰہُ اٰیٰتٍ
بَیِّنٰتٍ۔ جس کا معنی ہے کہ ہم نے تمام قرآن کو بیّنات بنایا یعنی آسان اور آسان وہ کلام ہوتا ہے جو بغیر غور، فکر، تدبر
کی محنت مشقت کے سمجھ آجائے مگر دوسری جگہ سورۃ نساء کی آیت ۸۲ میں ارشاد ہے
اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ یہ لوگ قرآن میں غور فکر کیوں نہیں کرتے اس آیت میں تدبُّر
فِی الْقُرْاٰنِ۔ کی دعوت دی جا رہی ہے جس سے ثابت ہوا کہ قرآنِ حکیم بہت مشکل ہے اس کے

marfat.com

کے لیے تدبر کی محنت تفکر کی مشقت کرنی پڑے گی تب سمجھ آئے گا اور مشاہدہ بھی ہے کہ علماء فقہا طلبا بڑی محنتوں سے بہت علوم حاصل کرتے ہیں تب اُن کی مدد سے آیاتِ قرآنیہ سمجھ آتی ہیں، تو پھر ان کو بینات کیوں فرمایا گیا؟ جواب اس کے دو جواب دئے گئے ہیں، ایک یہ کہ بینات کا معنیٰ آسان ہونا نہیں ہے، بلکہ مدلل ہونا ہے، یعنی قرآنِ مجید کی ہر آیت ہم نے اس طرح مدلل نازل فرمائی جس طرح موت وحیات، حشر نشر، بعثت، قیامت کی آیات مدلل نازل فرمائیں، اور سورۃِ نساء کی آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ قرآنِ مجید سمندرِ عمیق اور بحرِ بیکراں ہے اس کے دلائل مثل موتی و یاقوت و جواہر ہیں اُن کو نکالنے حاصل کرنے کے لیے اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۔ دوسرا جواب وہ جو ہم نے تفسیر عالمانہ واضح کیا کہ بینات کا معنیٰ آسان ہونا ہی ہے مگر ہر ایک کے لیے نہیں بلکہ صرف اس کے لیے جس کو خود بخود رب تعالیٰ نے اپنے مدرسۂ قدرت میں پڑھایا سکھایا اور وہ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اُن کو قرآن مجید سمجھنے کے لیے نہ تدبر کی ضرورت نہ غور و تفکر کی حاجت اُن کے لیے قرآن مجید کا کوئی حرف کوئی لفظ نہ مشکل نہ مجمل نہ متشابہ، لیکن دیگر مخلوق انسان، جنات ملائکہ کے لیے یہ سب آیات انتہائی مشکل چراغِ نبوت کے بغیر کسی کو بھی سمجھ نہیں آسکتا، خیال رہے کہ یُسر کے معنیٰ بھی آسان ہونا اور بیّن کے معنیٰ بھی آسان ہونا مگر چار طرح فرق ہے ۱۔ جو کلام زبان پر آسان ہو وہ یُسر ہے جو فہم میں آسان ہو وہ بیّن ہے ۲۔ جو کلام حفظ کرنے میں آسان ہو وہ یُسر ہے جو قلب و سینے میں آسان ہو وہ بیّن ہے ۳۔ جس کا ظاہر آسان ہو وہ یُسر ہے اور جس کا باطن آسان ہو وہ بیّن ہے ۴۔ جس کلام کے الفاظ آسان ہوں وہ یُسر ہے جس کے معانی و اسرار آسان ہوں وہ بیّن ہے۔ قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے یُسر بھی ہے بیّن بھی لیکن دیگر اشخاص کے لیے صرف یُسر ہے۔ بیّن نہیں، اس کو بیّن بنانے کے لیے تدبر تفکر اور تعلیم نبوت کی ضرورت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ۔ جو بدقسمت لوگ دین واسلام تلاوت و عبادت مسجد و مصلٰی جبہ و دستار کو صرف دنیا سجانے دولت کمانے کا ذریعہ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں ان کو فانی عارضی دنیا تو مل جاتی ہے مگر انوارِ الٰہی کی باقی دائمی خوشنودی ربانی کی جنت اُن کو نہیں ملتی اس لیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ صرف اُن لوگوں کو داخل فرماتا ہے اسرارِ معرفت کی جنتوں میں جو توحید کبریائی اور نبوتِ مصطفائی پر خالص کامل یقینی ایمان لائے

marfat.com

اور اطاعتِ قول وَ اِتّباعِ فعل سے اچھے اعمال کرتا ہے اُن جنتوں کے نیچے شرابِ معرفت آبِ شریعت شہدِ حقیقت لبنِ طریقت کی نہریں بہتی ہیں یعنی آبِ طہور لبنِ سرور شرابِ طہور کی نعمتیں ہیں بے شک اللہ تعالیٰ عالَمِ ناسوت، جبروت لاہوت وملکوت میں جو چاہتا ہے حکمت ومشیت نافذ فرماتا ہے سعادت کے خزانے کی چابی اہل دل کی مقبولیت ہے یہ چابی اُس دِل میں نہیں رہتی جس میں شک تردد رَیبیت کا تزلزل یا تذبذب ہو وادیِ ایمن کی چرواہی تب ہی مراد کو پہنچتی ہے جب کہ چند سال کسی شعیبِ وقت کی خدمت مل جائے، مسلمان دو قسم کے ہیں ایک گروہ جو جہادِ اکبر میں مشغول ہے دوم وہ جو جہادِ اصغر میں مشغول ہے۔ پہلا گروہ باہمت لوگوں کا ہے اور طرفِ دین میں ہے دوسرا کمزور ایمان والوں کا علیٰ حرفٍ یعنی کنارۂ لشکر پر اگر ان کی دنیوی مرادیں پوری ہوتی رہیں تو بے فکر سینہ سپر رہتے ہیں، ورنہ پیٹھ توڑ کر مروڑ جاتے ہیں اس لیے اِن کو دنیا و آخرت کا خسارہ ہے کیونکہ اُن پر دنیا میں کفارِ نفس کا غلبہ، اور آخرت میں فتوحاتِ صدر مکاشفاتِ قلب، غنائمِ معانقہ اور وصل کی سعادتوں سے محرومی ہے لہٰذا غلبۂ مطلقہ کی ظفرمندی اور غنیمۂ نافلہ کی فتحمندی نصیب نہیں لیکن جو اہلِ دل مشقتوں پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرتے ہیں وہی جنّتِ ابدی میں داخل کئے جاتے ہیں مبارک ہے عُشّاقِ غمزدہ کا وقت جو دردِ فراق کا گھونٹ بار بار پیتے ہیں خواہ زخم دیکھیں یا مرہم غمِ عشق کتنا ہی کڑوا ہو وہ سانس روک کر پی جانے والے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ جو صبر اُس کی یاد میں ہوتا ہے وہ کڑوا ہی نہیں ہوتا کیونکہ جو دستِ دوست سے ملے وہ شہد سے زیادہ میٹھا صرف ایمانِ ظاہری بے خالص تقلیدی اور اعمالِ بے رغبتی والوں کو جنت وصل میں داخل نہیں کیا جاتا بلکہ اُن کو داخل فرمایا جاتا ہے جن کے قلوبِ صالحات پر قلمِ عنایت سے خلوص کا ایمانِ حقیقی لکھ دیا گیا ہے۔ اور لکین مَنْ كَانَ يَظُنُّ اَنْ لَّنْ يَّنْصُرَهُ اللّٰهُ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ فَلْيَمْدُدْ بِسَبَبٍ اِلَى السَّمَآءِ ثُمَّ لْيَقْطَعْ فَلْيَنْظُرْ هَلْ يُذْهِبَنَّ كَيْدُهٗ مَا يَغِيْظُ۔ وَكَذٰلِكَ اَنْزَلْنٰهُ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ وَّاَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ سینۂ انسانی میں چار شخص ہیں (۱) مَنْ كَانَ يَظُنُّ، یہ نفسِ خبیث ہے (۲) مَنْ كَانَ يَنْصُرُہٗ۔ یہ قلبِ حفیظ ہے (۳) مَنْ كَانَ يُوَسْوِسُ یہ عقلِ عیّار ہے (۴) مَنْ كَانَ يَلْعَبُ۔ یہ طبیعۃ طرّار ہے، عیّار و طرّار میں فرق یہ کہ جو دوسروں کی تخریب میں لگا رہے وہ عیّار ہے، جو اپنی تعمیر میں لگا رہے وہ طرّار ہے، عیّار کو اپنے نفع نقصان بننے یا بگڑنے کا کوئی فکر نہیں ہوتا دوسرے کا بہرحال نقصان چاہتا ہے۔ طرّار کو دوسروں کے نفع نقصان بننے بگڑتے کا کوئی خیال وملال

marfat.com

نہیں ہوتا وہ صرف اپنا بھلا چاہتا ہے تو جو شخص بدنِ ایمانی میں یہ تصور لئے بیٹھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قلبِ مومن مخلص کی مدد نہ فرمائے گا نہ عالمِ ناسوت میں نہ عالمِ لاھوت و جبروت و ملکوت میں، اس کے لیے ہلاکت نفی ضروری ہے وہ زنّارِ کفر سے بلندیٔ غرور پر نفسِ امّارہ کو ہلاک کر کے چشمِ عبرت سے دیکھے کہ کیا مدعائے شرو فساد پورا ہوتا ہے یا نہیں اے عالمِ ناسوت یعنی دنیا کے باشندو؛ زمینِ قالب میں فساد مچانے والو ہم نے اس قرآن مجید کو اس طرح ظاہر و باطن میں عبرت کے لیے بیّن نشانیاں نازل فرمایا ہے جس طرح فنا و بقا کو عبرت کا ایک نشان بنایا، مگر راہِ معرفت و منزلِ حقیقت کی طرف اس خوش بخت کو ہدایتِ کاملہ اور توفیقِ عاجلہ نصیب ہوتی ہے جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ تعالیٰ فرما لیتا ہے۔ اس کے ارادے کے بغیر کوئی کسی کو ہدایتِ قرب نہیں دے سکتا نہ یہ ہدایت پا لینا اپنا کسبِ کمال ہے، اس ذاتِ جَلَّ مَجْدُہٗ کی توفیقِ کرم دستگیر ہو تو کائنات کے ہر ذرے میں بندے کی ہدایت موجود و موجزن ہے لیکن اگر اس کی توفیق و حمایت نہ ملے تو قرآنِ مجید بھی ہدایت نہیں دیتا بلکہ دُر کار دیتا ہے، اور بندہ کہتا ہے

سائیں اکھیاں پھیر یاں میرا ویری ملک تمام ذرا سی جھاتی مہر کی تو لاکھوں کریں سلام

اسی لیے ذی عقل اور سعادت مندوں کا طریقہ یہ ہی ہوتا ہے کہ، دُر دُر کریں سہیلیاں میں مُڑ مُڑ دیکھوں تو ئے اہلُ اللہ جانتے ہیں کہ میری طلب بھی تمہارے کرم کا صدقہ ہے۔ قدم یہ اُٹھتے نہیں ہیں اٹھائے جاتے ہیں خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو آستانۂ مصطفیٰ کی ہدایت مل گئی اِنَّ اللّٰہَ یَفْعَلُ مَا یُرِیْدُ. ہر بندے کو دنیا میں چار رستے ملتے ہیں ۱ راہِ سعادت ۲ راہِ عبادت ۳ راہِ شہادت ۴ اور راہِ خیانت۔ فَلْیَمْدُدْ اِلَی السَّمَآءِ کا یہی آخری راستہ ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِیْنَ ھَادُوْا وَ

بے شک وہ لوگ جو مسلمان ہو گئے اور وہ لوگ جو یہودی ہی رہے اور

بے شک مسلمان اور یہودی اور

الصّٰبِئِیْنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الْمَجُوْسَ

ستارہ پرست اور عیسائی اور مجوسی ہیں

ستارہ پرست اور نصرانی اور آتش پرست

marfat.com

وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ

اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی عبادت میں شریک بنا یے بیشک اللہ فاصلہ کردیگا

اور مشرک . بے شک اللہ ان سب میں قیامت کے

بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ

ان کے درمیان قیامت کے دن کیونکہ بے شک اللہ ہر چیز پر

دن فیصلہ کر دے گا بے شک ہر چیز اللہ

شَيْءٍ شَهِيْدٌ ﴿۱۷﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ

مشاھدہ فرمانے والا ہے ، اے نبی کیا نہیں دیکھا تم نے اس چیز کو کہ بے شک اللہ سجدہ کرتے ہیں

کے سامنے ہے ، کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کے لیے سجدہ کرتے ہیں

لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ

اسی کو تمام وہ جو سب آسمانوں میں ہیں اور وہ سب جو پوری زمین میں ہیں

وہ جو آسمانوں اور زمین میں ہیں

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ

اور سورج اور چاند اور تمام ستارے اور تمام پہاڑ

اور سورج اور چاند اور تارے اور پہاڑ

وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ ؕ

اور سب درخت اور تمام جانور اور بہت سارے انسانوں میں سے بھی

اور درخت اور چوپائے اور بہت آدمی

marfat.com

وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ؕ وَمَنْ يُّهِنِ

اور ہاں کچھ لوگ وہ ہیں کہ واجب ہو گیا اُن پر بڑا عذاب ، اور وہ شخص جس کو رُسوا کرے

اور بہت وہ ہیں جن پر عذاب مقرر ہو چکا ، اور جسے

اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ

اللہ تو نہیں ہے اس کے لیے کوئی بھی عزت دینے والا بے شک اللہ کرتا ہے

اللہ ذلیل کرے اسے کوئی عزت دینے والا نہیں بے شک اللہ

مَا يَشَآءُ ؕ السجدۃ ﴿١٨﴾

جو چاہتا ہے ۔

جو چاہے کرے ۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق ، پچھلی آیت میں بہت دور سے دنیا کے اچھے برے لوگوں کی مذہبی قسمیں اور ان کی دنیوی اُخروی جزا سزا کا ذکر ہوتا چلا آ رہا تھا ۔ اَب اِن آیت میں مختلف قسم کے کفّار کا نام بنام ذکر فرمایا جا رہا ہے تاکہ مزید شناخت ہو جائے دوسرا تعلق پچھلی آیت میں لوگوں کی دنیوی زندگی کی کیفیت کا ذکر فرمایا گیا کہ یہاں سچے جھوٹے اور کھرے کھوٹے میں کوئی فرق نہیں ہوتا ۔ اب اِن آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ قیامت میں سب اچھے برے میں فاصلہ اور چھانٹ کر دی جائیگی ۔ تیسرا تعلق ۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے منکروں کا ذکر ہوا اب اِن آیات میں اس مخلوق کا ذکر ہو رہا ہے جو رب تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے ۔

تفسیر نحوی اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕيْنَ وَالنَّصٰرٰى وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَفْصِلُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ ۔ اِنَّ حرف مشبہ ۔ الَّذِيْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی

marfat.com

معلق جمع مذکر غائب اِیْمَانٌ مصدر سے مشتق ہے اور ایمانٌ امْنٌ سے مشتق ہے دونوں متعدی ہیں بمعنیٰ ایمان لانا، مان لینا یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر صِلَہ ہوا موصول صِلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ھَادُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا ماضی مطلق دراصل ھَادَوُوْا تھا جمع مذکر غائب ھُوْدٌ سے مشتق ہے یہ مادہ مصدر مصنوعی ہے کیونکہ لفظ یہود کو بگاڑ کر بنایا گیا ترجمہ ہے یہودی ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ الصّابِئِیْنَ یہ عبرانی لفظ ہے اس کا ترجمہ ہے بہت سی چیزوں کا مرغوبہ (ملیچھ) چونکہ یہ لوگ یہودی عیسائی اور مشرک لوگوں کے عقائد پر عامل تھے کچھ کہیں سے کچھ کہیں سے اور نیا دین بنا لیا اس لیے ان کو صابی کہا گیا اس کی جمع ہے صابئین یہ جمع عربی ہے بعض نے اس کا ترجمہ کیا بے دین کیونکہ ان کے دین کی ایسی کھچڑی ہوتی ہے کہ ہر دین والا ان کو بے دین سمجھتا ہے ایک قول میں یہ عربی لفظ ہے صَبُوٌّ سے مشتق اسم فاعل جمع مذکر اس کا صَابِی ہے یا صَبْوَۃٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ستاروں کا طلوع ہونا، چونکہ یہ ستارہ پرست بھی تھے اس لیے اِن کو یہ نام دیا گیا، ایک قول میں یہ صَبْغٌ سے مشتق صَابِغِیْ تھا یہ دن میں ہر تین گھنٹے بعد نہاتے اور ماتھے ہاتھوں پیروں پر پیلا اور سرخ رنگ ملتے ہیں اس لیے ان کا نام صابغی پھر صابی ہوا آج بھی ہندوؤں میں یہ فرقہ موجود ہے بحالتِ نصب ہے اَلَّذِیْنَ اسم اِنَّ کی وجہ سے یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمَجُوْسَ، یہ عجمی (غیر عربی) لفظ ہے بانی اس مذہب کا زرتشت تھا اس کا اصل بانی مجوس نامی تھا، یہ دو خدا کے قائل تھے اس مذہب کا وطن ایران تھا، ایک خدا روشنی اور دوسرا اندھیرا دونوں آپس میں لڑ رہے ہیں روشنی کا خدا آگ میں رہتا ہے، اس لیے یہ آگ کے پجاری تھے، ایک قول میں لفظِ عربی ہے اور مجوسی کی جمع ہے، معطوف ہے یہ چاروں ھَادُوْا صَابِئِیْنَ نصاریٰ مَجُوْسَ معطوف علیہ معطوف مل کر صِلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صِلہ مل کر معطوف علیہ واو عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول، اَشْرَکُوْا باب افعال کا ماضی جمع مذکر مصدر ہے اِشْرَاکٌ شِرْکٌ سے بنا ہے بمعنیٰ حق و باطل کو ایک جیسا اچھا و سچا سمجھنا، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ساتھ بتوں کو بھی ماننا، یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صِلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہوا پہلے اَلَّذِیْنَ پر سب عطف مل کر اسم اِنَّ ہوا، اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم، یَفْصِلُ باب ضرب کا مضارع مستقبل فَصْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جدا کرنا فاصلہ کرنا، یہ فعل با فاعل ہے بَیْنَھُمْ مرکب اضافی ظرف ہے یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے، اِنَّ حرفِ مشبہ اللہ

marfat.com

اس کا اسم عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ یہ مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق مقدم ہے شَہِیْدٌ بروزن فَعِیْلٌ اسم صفت مشبہ واحد مذکر غائب شُہُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی حاضر وناظر ہونا، مشاہدہ کرنا یہ اسم فاعل صفت مشبہ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر اِنَّ اور یہ سب جملہ اسمیہ ہوکر علت ہے یَفْصِلُ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی یہ جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے پہلے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ۔ اَ حرف ہمزہ سوالیہ لَمْ تَرَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر حاضر معروف بمعنٰی ماضی رَاْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی دیکھنا، نَظَرٌ اور رَاْیٌ میں یہ فرق ہے کہ رَاْیٌ آنکھ دل دماغ سے بغور دیکھنا اور نظر آنکھ سے دیکھنا غور ہو یا نہ ہو۔ اصل میں تھا تَرٰی لَمْ جازمہ کی وجہ سے آخر کی یٰ گر گئی لَمْ تَرَ رہ گیا اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے مرجع ہے آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کیونکہ یہ خطاب نبی کریم کو ہی ہو سکتا ہے صرف وہی کائنات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں اَنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اُس کا اسم یَسْجُدُ باب نَصَرَ کا مضارع حال واحد مذکر غائب سَجْدٌ سے مشتق ہے بمعنٰی زمین پر سر اور پیشانی رکھنا لَهٗ جار مجرور متعلق ہے فعل کا مَنْ اسم موصول فِی السَّمٰوٰتِ اسم معرف جمع مؤنث سالم بمعنٰی تمام آسمان یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ فِی الْاَرْضِ یہ سب موصول صلہ میں ہوکر معطوف ہے یہ دونوں عطف پھر معطوف اَلشَّمْسُ اور اَلْقَمَرُ اور اَلنُّجُوْمُ اور اَلشَّجَرُ۔ یہ سب آپس میں عطف ہوکر معطوف علیہ ہوا اَلشَّمْسُ بمعنٰی سورج قمر بمعنٰی چاند لغوی ترجمہ ہے غالب آنا، جوئے کھیلنے کو بھی قمار اور قمار کہتے ہیں کہ اس میں غلبے کا ارادہ یا حصول ہوتا ہے مطلقًا ہر چاند کو پورے ماہ کا، قمر کہا جاتا ہے بعض نے تیسری کے بعد والے چاند کو قمر کہا تاریخوں کے اعتبار سے چاند کے تین نام ہیں ۱۔ ھلال ۲۔ بدر ۳۔ قماک ۴۔ نجوم۔ جمع ہے نجم کی بمعنٰی ستارے جبال۔ جمع مکسر ہے جَبَلٌ کی شَجَرٌ اسم واحد مذکر اسم جنس مراد ہیں تمام درخت اس کی لفظی جمع ہے اَشْجَارٌ۔ اَلدَّوَآبُّ اسم جمع مکسر ہے دَابَّةٌ کی بمعنٰی زمین پر چلنے والا۔ بیرون سے باریک کر ہر جاندار کے لیے یہاں مراد صرف زمینی حیوانات ہیں ایک قول میں سمندری مخلوق

marfat.com

بھی اس میں شامل مگر صحیح یہ ہے سمندری مخلوق مَنْ فِی الْاَرْضِ میں شامل ہوگئی دبّ سے بنا ہے بمعنی زمین اکھیڑنا، رگڑنا، واؤ عاطفہ کَثِیْرٌ باب کَرُمَ کا اسم فاعل صفت مشبہ مِنَ النَّاسِ مِنْ جارّہ بعضیت کا یہ جار مجرور متعلق ہے کَثِیْرٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا، سب معطوف مل کر فاعل ہے یَسْجُدُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ حرف کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے۔ اَلَمْ تَرَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سے جملہ کَثِیْرٌ مبتدا، حَقَّ باب نصر کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب حَقٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنی سچا ہونا۔ لازم ہونا یہاں اسی معنی میں ہے عَلَیْہِ یہ مجرور متعلق ہے ہ ضمیر کی مرجع کَثِیْرٌ ہے یہ کَثِیْرٌ اپنے صیغے کے اعتبار سے واحد مذکر ہے اس لیے ضمیر واحد آئی ہے اگرچہ معنا جمع یعنی چند افراد مراد ہے اَلْعَذَابُ اسم مفرد معرفہ بمعنی اخروی سزا یہ فاعل ہے حَقَّ فعل فاعل متعلق سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کَثِیْرٌ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خیال رہے کہ یہاں پہلے کَثِیْرٌ سے کثرت اضافی مراد ہے یعنی بہت سارے لوگ اور دوسرے کَثِیْرٌ سے کثرت حقیقی مراد ہے یعنی کچھ لوگ چند لوگ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ واؤ سے جملہ مَنْ شرطیہ موصولہ یُهِنِ باب افعال کا فعل مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِهَانَةٌ هَیْنٌ سے مشتق ہے تعلیل نحوی سے پہلے اِهْیَانٌ تھا، ترجمہ ہے اہانت کرنا ذلیل و رسوا کرنا۔ یُهِنْ اصل میں یُهِیْنُ تھا مَنْ شرطیہ نے جزم دیا آخر کی نون ساکن ہوئی تو ی ساکن گر گئی پھر نون کو وصل ما بعد کی وجہ سے کسرہ (زیر) آیا۔ اللّٰہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ جزائیہ مَا حرف مشبہ بلیس نفی کے لیے لَهٗ جار مجرور مل کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ وہ جملہ اسمیہ ہو کر اسم مَا کا۔ مِنْ جارّہ زائدہ مُکْرِمٍ اسم فاعل ایک قول میں مُکْرَمٍ اسم مفعول ہے ایک قرأت میں مُکْرَمٍ مصدر میمی باب افعال کا مصدر ہے اِکْرَامٌ بمعنی تعظیم کرنا عزت کرنا دینا۔ کَرَمٌ سے مشتق ہے یہاں غیر عامل ہے مجرور ہو کر متعلق ہے کَائِنًا پوشیدہ اسم فاعل کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مَا نافیہ مشبہ بلیس کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اس کا اسم یَفْعَلُ فعل مضارع حال با فاعل پوشیدہ کا اسم موصول بمعنی جو کچھ یَشَآءُ باب فتح کا مضارع حال شَیْءٌ سے بنا ہے بمعنی چاہنا، یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے یَفْعَلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الۡمَجُوۡسَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ۔ بے شک وہ خوش نصیب لوگ جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ارادے میں منتخب ہو کر یَهۡدِیۡ مَنۡ یُّرِیۡدُ کے گروہ سعید میں داخل کر دیئے گئے اور آستانۂ نبوّت سے رب تعالیٰ کی ہدایت دے کر صدقِ قلبی، اقرارِ لسانی اور اظہارِ عملی سے سچے اچھے پکے مخلص مومن بنے رہے اور وہ لوگ جو یہودی دین والے ہوئے اور وہ لوگ اچھے سچے دین کو چھوڑ کر صابئی ویسے دین بن گئے اور وہ لوگ جو پہلی سچی عیسائیت چھوڑ کر بے دین گمراہ نصارٰی بن گئے اور وہ لوگ جنہوں نے مجوس وزرتشت کا مجوسی آتش پرستی کا دین اختیار کر لیا۔ اور وہ لوگ جو مورتیوں بتوں فوٹو تصویروں کو پوجکر شرکیہ دین بنا کر مشرک بن گئے بتوں کو معبودیت میں شریک مان لیا ان سب کا فیصلہ بے شک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا کیونکہ دنیا میں تو ہر دین والا خود کو اور اپنے دین کو سچا اور صحیح سمجھتا ہے۔ اگرچہ دنیا میں سچے جھوٹے کی کچھ علامات ظاہر ہیں جن کو اہلِ عقلِ سلیم ہی پہچانتے اور مانتے ہیں، مگر دنیا میں حالات ومقامات سے تفریق نہیں ہے۔ یہ تفریق اس فیصلۂ کبریا سے ہوگی جو بے شک یقیناً اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائے گا ان تمام سچوں جھوٹوں متذبذبوں اور متزلزلوں، کافروں مومنوں کے درمیان، اور نیکوں بروں کو انکا انجام سنایا جائے گا، اس طرح کہ ثواب عقاب، عتاب مقرر کرکے مقامات اور حالات میں سب علیحدہ کر دیئے جائیں گے۔ اہلِ ایمان متقین کو ثوابِ جنت اہل کفر کو عذابِ جہنم، بروں کو سزاؤ عتاب کے متفرق مقامات دے کر فیصلہ ہوگا، چونکہ یہ فیصلہ دنیوی زندگی میں نہیں ہو سکتا، دنیا اپنی علاقائی اور عمری حیثیت میں بہت چھوٹی اور تھوڑی ہے، ایمان کا کفر وفسق بہت بڑے جرائم ہیں اس لیے ان کے بدلے کے لیے علاقہ وزمانۂ آخرت ہی مناسب وبرابر ہے۔ اور مکمل و پائیدار فیصلہ صرف اللہ تعالیٰ فرما سکتا ہے۔ اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ شَهِیۡدٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر ہر وقت ہر طرح، ہمیشہ تک مشاہدہ فرمانیوالا ہے، ہر ذرّے کی ہر حالت، کیفیت، نیّت، عمل، کردار افعال سے واقف ہے، اسی لیے اس کے کسی فیصلے میں نہ حیف ہوتا ہے نہ حیف نہ توقف نہ تاسّف۔

دنیا کے دینوں کی مختصر تشریح محققین فرماتے ہیں، اشاراتِ قرآن مجید اور بیاناتِ احادیث

marfat.com

سے ثابت ہے کہ دنیا میں سب سے پہلے ایمانِ برحق کا دین آیا یہ دینِ برحق رب تعالیٰ نے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے ذریعے بھیجا دینِ حق کے بنیادی اُصول و قواعد توحید و رسالت کو ماننا ہے۔ جو بندہ ان دونوں چیزوں کو ان کی تمام فروعات کبیرہ و صغیرہ کے ساتھ دل کی تصدیق زبان کی تقریر اور اعضا کی تعمیل سے مانیگا وہ ہی مخلص مومن متّقی ہے تصدیقِ قلبی سے بندہ مخلص بنتا ہے۔ اقرارِ لسانی سے مومن اور اعمالِ اعضائی سے متقی بنتا ہے دینِ باری تعالیٰ بذریعہ آدم نبی اللہ دنیا میں بھیجا گیا، پھر دنیا میں ابلیس کی پہلی حرکتوں سے انسانوں میں فسق و گناہ شروع ہوا سب سے پہلے خود ابلیس نے فسق کیا چنانچہ سورۃ کہف آیت نمبر ۵۰ میں ارشاد ہے فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ۔ پھر سب سے پہلے انسانوں میں قابیل نے فسق کیا، خیال رہے کہ فسقِ صغیرہ پر اصرار یعنی ضد اور ہمیشگی کی جائے تو وہ فسقِ کبیرہ بن جاتا ہے اور اگر فسقِ کبیرہ پر ضد اور ہمیشگی کی جائے تو وہ کفر بن جاتا ہے۔ فسقِ صغیرہ کرنے والا شخص فاسق ہے۔ فسقِ کبیرہ کرنے والا فاسقِ مُعلِن ہے اور کفر کرنے والا کافر ہے، جب ابلیس نے اپنے فسق پر ضد اور تعصب برتا تو۔ کَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔ کافروں میں سے ہوگیا۔ (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۳۴) اور جب قابیل نے اپنے فسقِ کبیرہ پر ضد اور تعصب کیا تو وہ بھی کافر ہوگیا، دنیوی زندگی میں اپنی من مرضی کرنی فسق ہے اور نافرمانی کرنی کفر ہے یعنی خلافِ شریعت اپنی مرضی کے رسم و رواج اعمال اخلاق قائم کرنے اور ان کو صوفی ازم کا نام دیدینا جس طرح ترکیہ کے بعض پیروں نے اختیار کر لیے ہیں یہ سب فسق و گمراہی ہے، اگر نبی علیہ السّلام کی زبانِ اقدس یا پیغامِ مقدس سے اُن رسم و رواج کی ظاہرًا ممانعت ثابت ہو مگر فاسق شخص پھر بھی اُس کو نہ مانے تو وہ کافر ہوگا۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے اعمال اخلاق طریقوں و اقوال تعلیمات تبلیغات کلمات کو ماننا ہی دینِ برحق اور فرمانِ الٰہی ہے اس کے علاوہ سب اخلاقیات نظریات رسمیات رواجیات اور دین شیطانی ہیں شیطان ابلیس نے پانچ دین دنیا میں رائج کئے پہلے ۱ دینِ شرک پھر ۲ دینِ مجوس پھر ۳ دین یہود، پھر ۴ دینِ صابی ۵ پھر دین نصاریٰ یہ ہی بڑے اور مشہور ہوئے باقی ادیانِ باطلہ ان کی ہی چھوٹی بڑی تقریبًا اٹھتیس ۳۸ شاخیں ہیں جو تاریخِ عالم میں بنتی بگڑتی مٹتی فنا و نیست و نابود ہوتی رہیں اور ہوتی رہتی ہیں، ان پانچ باطل دینوں میں سب سے پہلے ابلیس نے شرک ایجاد کیا۔ شرک کا تعارف اور اس کی قسمیں: شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی معبود سمجھا جائے اور کسی غیر اللہ کو بھی اللہ تعالیٰ کے

marfat.com

کے ساتھ غیر اللہ کی بھی بندگی عبادت کی جائے، ابلیس نے سب سے پہلے اپنی عبادت کرائی اِس شرک میں کچھ جنات اور کچھ انسان شامل ہوئے یہ فرقہ قابیل کی اولاد سے شروع ہوا، اور آج تک ہندوستان کے بعض علاقوں میں موجود ہے جو ابلیس کے تصوراتی فوٹو، تصویر، اور مورتی کو سامنے رکھ کر سجدہ کرتے ہیں مصر میں اُس کا نام خالقِ شر، ایران میں اَھرَمَنَ ہندوستان میں کالی وَ تحط کا دیوتا رکھا گیا ہے، پھر ابلیس نے نیک لوگوں کی فوٹو تصویریں ایجاد کرکے اُن کی پرستش کرائی، اِس شرکیہ دین کی ابتدا ادریس علیہ السّلام یا شیث علیہ السّلام کے زمانے سے ہوئی اور نوح علیہ السّلام کے زمانے میں عروج کو پہنچی، اُس زمانے میں انسانوں نے خود مصوری اور دستکاری کرکے فوٹو اور بُت بنانے شروع کر دیئے، پھر اسی شرک میں کچھ فرقوں نے زندہ انسانوں کو اِلٰہ بنا لیا، اور سجدۂ تعظیمی شروع ہو گئے، زندہ انسانوں کو تعظیمی سجدے کی ابتدا نمرود سے شروع ہوئی، آج کل بُت پرستی کا مرکز صرف ہندوستان ہے، ہندوستان میں دو جگہ سے شرک آیا، ایران اور مصر سے، ایران سے آریہ مذہب، آتش پرستی شیطان پرستی آئی، اور مصر سے ستارہ پرستی یعنی کواکب چاند سورج کی بلا واسطہ یا ان ستاروں کی اور سیاروں کی مورتیں بنا کر، بابل سے مصر میں اور مصر سے ہندوستان میں اَب بِحَمْدِہٖ تعالیٰ فتوحات فاروقی سے وہ علاقے تو ہر قسم کے شرک سے پاک ہو کر اسلامی ریاستیں بن گئیں، مگر ہر قسم کے شرک کا گہوارہ اب صرف ہندوستان ہے یا مضافاتِ ہند نیپال تبت وغیرہ، ہندو قوم ہر قسم کے شرک میں مبتلا ہے یہ بُت پرست بھی ہے آتش، سورج چاند ستارہ، حیوانات، شجرات، حجرات، آبیات پرست بھی، کوئی فرقہ کواکبِ سیارگان کا پجاری اور کوئی فرقہ کواکبِ ثابتان کا، سیاروں میں سب سے بڑا دیوتا سورج اور ثابتان میں سب سے بڑا دیوتا قطب ستارہ سمجھا جاتا ہے، سیاروں کے پجاری سیاروں کی تعظیم کرتے ہیں ان کی طرف پیر نہیں کرتے تھوکتے نہیں، سورج کو دن میں طلوع کے وقت اور ستاروں کو ہر رات میں چاند کو بارھویں تیرھویں چودھویں پندرہ سترہ تاریخوں میں رات کو سجدہ کرتے ہیں، ثابتان کے پجاری قطب ستارے کی تعظیم کرتے ہیں اُس کی طرف تھوکتے نہیں پیر نہیں کرتے، اور جب نظر آئے تو ایک سجدہ کرتے ہیں۔ بعض جاہل مسلمان بھی قطب تارے کی طرف پیر کر کے نہیں لیٹتے یہ شرکیہ رسم ہندوؤں سے لی گئی ہے، غرضکہ بُت پرستی دس قسم کی ہوئی ۱ شخصیات پرستی مورتی بنا کر ۲ بناوٹی تصوراتی شخصیات کے تخیلاتی بت

marfat.com

بنا کر ۳ سیارہ ستاروں کی ۴ قائم اور ایک جگہ منجمد یا غیر سیارہ ستاروں کی ۵ آتش پرستی ۶ زندہ انسان پرستی ۷ قوت اور مادہ پرستی، ہر قوی اور دہشت ناک کے آگے سجدہ کر دینا ۸ فائدہ پرستی، جس میں ذرہ فائدہ دیکھا اس کو معبود بنا لیا اسی لیے ہندو لوگ جانوروں میں گائے، بندر، چوہوں کو اور درختوں میں، املی، پیپل، اور تلسی کے پودوں کو پوجتے ہیں ۹ حسن پرستی جس خوب صورت پھول پودے، رنگ چمک، روشنی کو دیکھا معبود بنا لیا ۱۰ نقصان اور خوف پرستی جس کیڑے مکوڑے، جانور، درندے نے مصیبت ناکی اور نقصان پھیلایا ایسے ہی موسم پرستی کہ جس موسم نے کچھ اپنا رنگ دکھایا ہندو نے اس کو اپنا معبود بنا لیا. پہلے زمانوں میں شخصیات کے بت ومورتی عرب میں لات ومنات، عزیٰ اور اب ہندوؤں میں، رام، لکشمن، کرشن یہ شخصیاتی بت ہیں اور گنیش، ہنومان، سورج دیوتا، چندرمان دیوی، اگنی دیوی، طوفان دیوتا، کالی آندھی دیوی لکشمی دیوی، شانتی دیوتا، گاؤ ماتا، دھرتی ماتا، کالی ماتا، ناگ دیوتا، شیر کو باگھ دیوتا وغیرہ عرب میں تخیلاتی بت جیسے، یعوق، ود، سواع، یغوث، نسر، زندہ انسانوں میں جیسے نمرود فرعون پہلے، اور اب ہند میں پنڈت پروہت گرو، قرآن پاک میں ان سب شرکیات کو بت پرستی اور کواکب پرستی فرمایا گیا ہے، اس بت پرستی کے بعد ابلیس نے مجوسیت پھیلائی.

دینِ مجوسیت کا نام وشناخت واقسام ۔ یہ دین طوفانِ نوحی بلکہ وفاتِ نوح علیہ السلام کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی بعثت یا ولادت سے تقریباً پانچ سو سال پہلے یافث کی اولاد میں ایک شخص پیدا ہوا جس کے پیدائشی بہت چھوٹے چھوٹے کان اور کانوں تک لمبے بال تھے اس وجہ سے اس کا نام. منج گوش رکھا گیا یعنی چھوٹے کانوں والا. بعض نے لکھا ہے کہ اس کا نام موگوش رکھا گیا یعنی لمبے بالوں والا کانوں تک، یہی لفظ منج گوش یا موگوش عربی میں معرب ہو کر اولاً منج جوس یا موجوس ہوا پھر استعمالِ زبانی کلامی میں مجوس ہوا، اس نے بڑا ہو کر اپنے آپ کو پیغمبر آسمانی یعنی اوتار کہنا شروع کر دیا. اور آگ کو مظہر الٰہی قرار دیا، اولاً ضرورتِ موسمی کے تحت ہر ایک سے آگ اور ایندھن منگواتا جس سے یہ لوگوں میں آگ والا نبی مشہور ہو گیا اس کے عقیدت مند اس کے پاس عقیدت سے آگ لاتے جلاتے اور تبرکاً اس کی بھٹی سے اپنے گھروں کو آگ لے جاتے اس طرح اس کی آگ اور اس گھریلو چولہے وآتش کدے کا چرچہ شروع ہوا، ہر وقت اس کا یہ چولہا جلتا اور سلگتا رہتا، اس چرچہ سے اس نے آگ کی تعریفیں شروع کر دیں یہاں تک آگ کو روشنی کا خالق کہنا شروع کر دیا اور اندھیرے کو

marfat.com

خالقِ ظلمت اس طرح اِس کے دین کا بنیادی عقیدہ دو خالق ماننا ہوا دِن کی آگ کا نام آتشِ نور اور رات کی آگ کا نام آتشِ ظلمت رکھا گیا، آگ کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیا گیا۔ یہی اُن کے لیے نیکی کا خالق منصور ہوا، ظلمت کو بدی کا خالق سمجھا گیا، انہوں نے اپنی عبادت کے لیے بدھ کا دن مقرر کر لیا صبح کی آگ کو صبح اور دوپہر پوجتے اور نارِ لیل کو شام اور آدھی رات کو پوجتے، جب شعلے بلند ہوتے تو پوجا کی جاتی انگاروں کی عبادت نہیں کرتے۔ شعلوں کے متعلق ان کا عقیدہ ہے کہ خالق جاگ رہا ہے، انگاروں کے متعلق عقیدہ ہے کہ خالق آرام کر رہا ہے سو رہا ہے۔ اُس وقت پوجا منع ہے کہ خالق کو بے آرام مت کرو اس سب آگ کے لیے ایک ہی آتش کدہ ہوتا، صرف ایندھن بدلتا۔ دن میں خوشبودار لکڑیاں جلائی جاتیں رات میں عام لکڑیاں، صندل کی لکڑی سے ابتدا کی جاتی پھر عام لکڑیاں اس خدا کو زندہ رکھنے کے لیے ڈالی جاتیں، اور اُس کو خدا کا کھانا کہا جاتا۔ یہ مجوس بابل کا رہنے والا تھا، پھر یہ مذہب ایران میں آیا اور اس کا نام گبر، رکھا گیا۔ اوّلاً یہ عوامی مذہب رہا پھر گستاشپ بادشاہ مجوسی نے اُس کو قانونی اور حکومت کا مذہب بنایا، اس بادشاہ کے ایک بڑے وزیر زُرتشت ابن پروشاکھیاؔ نے پیغمبر ہونے کا دعویٰ کیا زُرتشت کا زمانہ قبلِ مسیح چھ سو سال ہے ۶۰۰ ق، م زُرتشت نے ایک بڑا آتش کدہ بنوایا جو ہزار سال تک جلتا رہا اور آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی میلادِ پاک کے وقت ایک دم مکمل بجھ گیا اور ہزار کوشش کے باوجود نہ جل سکا یہ سب سے پہلا بڑا آتشکدہ تھا اِس کا نام آذرِ زُرتشت تھا زُرتشت اپنی قوم سے صفیں بندھوا کر آگ کی عبادت کراتا خود امام بنتا، بڑا دن بدھ ہی مقرر تھا، بدھ کی رات سے عبادت شروع ہوتی، پہلے بوقتِ شام پھر آدھی رات پھر بدھ کی صبح پھر دوپہر ان کی عبادت کا طریقہ پہلے سجدہ چند منٹ پر پھر کھڑے ہاتھ باندھے ہوئے دعا، پڑھتا، یہ سب اوقات و طریقے بانی مذہب مجوس نے جاری کئے تھے جو اب تک جاری ہیں کچھ تبدیلیوں کے ساتھ، زُرتشت ابن پروشاکیسا ایک سو سال زندہ رہا پھر اس کے مرنے کے بعد گستاشپ بادشاہ نے اپنے علاقے بلخ میں ایک دوسرا آتشکدہ بنوایا جس کا نام آذرِ گستاشپ رکھا گیا مگر جو شہرت اور درازمدت زُرتشتی آتش کدے کو ملی وہ کسی اور آتش کدے کو نہ ملی، زُرتشت نے ایک مذہبی کتاب بھی بنائی جس کا نام آزنھا رکھا، مذہبِ مجوسی میں کچھ نرما دتیاں اور پابندیاں شامل کیں۔ اسی وجہ سے اس کو بانی

marfat.com

دوم کہا جاتا ہے۔ اہل عرب نے اس دین کا نام مجوسی دین رکھا اب مجوسی پوری قوم کا نام ہے ایک مرد کو مجوسی عورت کو مجوسیہ۔ قدیم روما کے علاقہ ہیٹا میں اس کو خوب قوت و شہرت ملی پھر قدیم سائبیریا میں پھر وہاں سے امریکہ کے جزیرے میکسیکو میں پھیلا، اس کا تیسرا بانی صبراک نیٹس ہے یہ دو سو سال قبل مسیح ہوا، ان کے مندر کی شکل ایک بڑا کمرہ جس کے چار کونوں میں چھت پر چار مینارے ہوتے ہیں وہ چمنی کا بھی کام دیتے ہیں ان کے آتش کدوں کا نام آزر ہوتا ہے اور پورے معبد کا نام مندر ہوتا تھا اب ہند میں مندر ہوا۔ تاریخ میں اب تک بڑے مشہور آتش کدے سولہ عدد مشہور ہوئے ۱ ایران میں آزر زرتشت ۲ آزر گشتاسپ بلخ میں ۳ آزر آئینین ۴ آزر برزین ۵ آزر خروبن ۶ آزر فریدون یہ تینوں علاقہ طوس میں ۷ بخارا میں آزر بردسون ۸ آزر بہمن سجستان میں ۹ اصفہان آزر قبادان ۱۰ چین آزر کیخسرو ۱۱ آزر بارجان فارس میں ۱۲ آزر بلخان خوارزم میں ۱۳ آزر آفراسیاب کارشان میں ۱۴ آزر نوشیروان روم میں ۱۵ آزر شاپور ابن آزدشیر قسطنطنیہ میں ۱۶ آزر بوران بنت کسریٰ بمبئی انڈیا میں مجوسی دین میں آگ کی پوجا تین وجہ سے کی جاتی ہے ۱ آگ کائنات میں سب سے بڑی قوت ہے، ہر جگہ موجود ہے ۲ یہ دوزخ کی آگ سے بچائیگی ۳ باقی اشیا کی اسی سے تخلیق ہے یہ مظہر خدا ہے حالانکہ یہ سب باتیں غلط ہیں۔

مجوس کا مذہبی لباس و حلیہ یہ لوگ مذہبی حکم سے داڑھی منڈاتے ہیں، مونچھیں بڑی رکھتے ہیں سر کے بال کانوں تک لمبے اور ننگے سر رہتے ہیں، لمبا گون، اور کمر پر سرخ یا پیلا پٹکا باندھتے ہیں عربی میں جس کو زنار کہا جاتا ہے پیلے رنگ کی تعظیم کرتے ہیں (از انسائیکلو پیڈیا، تاریخ ادیان، تفسیر روح المعانی)

یہودی مذہب کا مختصر تعارف لفظ یہود، ھُوْدٌ، یا فعل ھَادُوْ سے نکلا ہے، اس کا لغوی ترجمہ ہے رجوع کرنا، لوٹنا (تفسیر روح البیان) یہ بنی اسرائیل قبیلے کا مذہبی نام ہے اور لفظ بنی اسرائیل ان کا قومی آبائی نام ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی نسل کا نام بنی اسرائیل ہے لفظ اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا اپنا ذاتی نام تھا یعقوب ان کا لقب تھا لفظ یہود افرادی جمع ہے، ایک مذکر فرد کو یہودی اور عورت کو یہودیہ کہتے ہیں مذہب کا نام بھی یہود مذہبی افراد کا نام بھی یہود، یہود اور بنی اسرائیل میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے یعنی ہر یہودی بنی اسرائیل ہے مگر ہر بنی اسرائیل یہودی نہیں، چنانچہ ہر افغان اور خاصکر یوسف زئی پٹھان

marfat.com

سب بنی اسرائیل ہیں یہ قبیلہ حضرت بنیامین کی اولاد سے ہے یہود کی نسبت پدری یعقوب علیہ السّلام کے بڑے بیٹے یہودا سے یہ مذہب یہود حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد وجود میں آیا اگرچہ اس کی ابتدائی بنیاد سامری کے بچھڑے سے نمودار ہو چکی تھی یہودیوں کا کفر یہ مذہب آٹھ بنیادی بدعقیدگیوں پر ہے ۱ اللہ تعالیٰ کو مجسّم اور انسانی شکل کا جسم والا مانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آسمانوں زمینوں میں پھیلا ہوا ہے ۲ انبیاء علیہم السّلام بجز موسیٰ و عزیر سب گناہگار ہیں ان کو تہمتیں لگاتے ہیں اسی وجہ سے اُن کو شہید کرتے رہے بحز یہود قتلِ انبیا کا کفر کسی نے نہ کیا ۳ تحریفِ توریت ۴ عزیر علیہ السّلام کو ابنُ اللہ کہتے ہیں اس کی وجہ یہ کہ آپ سَو سال بعد زندہ کئے گئے تھے ۵ عیسیٰ علیہ السّلام کا انکار اور گستاخی ایذا رسانی اور قتل کے درپے ہونا، اگرچہ قتل نہ کر سکے مگر اپنے گمانِ باطل میں آج تک یہی خیال کئے ہوئے ہیں کہ ہم نے صلیب پر مار ڈالا ۶ انجیل کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار ۷ آقاءِ کائنات ختم المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کا انکار ۸ قرآن مجید کے کلامِ الٰہی ہونے کا انکار اِن وجوہ سے یہ کافر ہیں۔

دین صابئی کی تقسیم و تعارُف لفظِ صابئ۔ صَبُوْ یا صَبْیٌ سے بنا ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے صَبُوْ کا معنیٰ ایک جگہ سے نکل کر دوسری جگہ بیٹھنا۔ صَبیٌ کا معنیٰ ہے اُنڈیلنا، اصطلاحی ترجمہ ہے بے دین ہو جانا یہ فرقہ یہودیوں سے نکل کر ایک نئے دین کا موجد ہوا تھا اور فارس کے بادشاہ ماتک طہمورث نے یہ دین شروع کیا، بعض نے لکھا ہے کہ اوّلاً یہ دین زمانۂ ابراہیم میں تھا پھر یہ نابود ہو گیا۔ طہمورث نے دوبارہ شروع کیا (وَاللہُ اَعلَمُ) انہوں نے ہی سب سے پہلے انبیاء علیہم السّلام کو شہید کیا مگر تلوار سے نہیں، بلکہ دھوکہ دے کر پانی میں گرا کر یا گڑھا کھود کر پانی خفیہ چھپ کر سر پر ڈال کر، یا گرم تیل میں دھکہ دے کر یا کوئی پتھر لڑھکا کر اِن کی دیکھا دیکھی اصل یہودیوں نے تو بہت ہی زیادہ ظلم کمایا اور انبیاء علیہم السّلام کو شہید کیا اسی لیے وہ وجہ سے ان کو صابی یا صابئی کہا گیا، عربی میں اِن کا یہ نام ہے صرف یہودیوں نے ان کو دیا ان کو فارسی میں ترسا، کہا جاتا ہے۔ آج کل یہ دین پہلی شکل میں مٹ چکا ہے اب یہ لوگ دہریہ کہلاتے ہیں یعنی ہر دین کے منکر، بعض لوگوں نے کہا کہ صابی دین یہ تھا کہ ہر دین کی مفید باتیں لے لیں نرم باتیں جن میں دنیوی اعتبار سے غیر مفید اور سخت باتیں چھوڑ دیں کچھ یہودیت کی کچھ نصاریٰ کی کچھ مشرکین کی کچھ مجوسیت کی اس طرح ہر دین والا ان کو بے دین کہتا تھا اس لیے ان کا نام صابی ہوا، صابئی دین کے پانچ فرقے تھے ۱ عراقی صابی یہ علاقہ اُن کا پہلا

marfat.com

اور مرکزی صدر مقام تھا یہ گروہ اصل ستاروں کی پوجا کرتا تھا۔ طلوع، غروب اور زوال کے وقت سورج کی پوجا، شروع رات میں چاند کی آدھی رات کو ستاروں کی اُن کی طرف منہ کر کے ان کا سجدہ کھڑے کھڑے سر جھکا دینا ہے صابئی دین کی ابتدا بھی عراق سے ہوئی ۲ دوسرا فرقہ رومی صابی صرف سیاروں کی پوجا کرتے تھے ۳ ہندوستان کے صابی ثوابت تاروں کی پوجا کرتے تھے ۴ چوتھا گروہ فرشتوں کا پجاری تھا یا تصوراتی شکل کا تخیل سامنے رکھ کر سجدہ کرتے یا خود ساختہ تصور کے بُت یا کاغذ پر فوٹو بنا لیتے، فرشتوں کے فوٹو اڑتے ہوئے پروں والے بچوں کی شکل پر بناتے ۵ پانچواں فرقہ چاند سورج کے بُت یا فوٹو بنا کر پرستش کرتا تھا اب اِن کے ایک فرقہ کو دہریہ کہا جاتا ہے، اِن کے آٹھ بنیادی عقائد تھے ۱ کائنات کے دو خالق ہیں ایک خالق خیر اُس کا نام یزدان ہے دوسرا خالق شر اُس کا نام اہرمن ہے ۲ عبادات کا قبلہ چاند، سورج، ستارے ۳ آسمان سے کوئی کلام نہیں اُترا۔ اللہ سب سے بڑا خالق ہے اس نے دو خالق پیدا کر دئے باقی مخلوق ان دو خالق خیر و شر کی مخلوق ہے ۴ صرف تین نبی دنیا میں آئے شیث، ادریس، اور نوح، ان کے علاوہ کوئی نبی سچا نہیں (معاذ اللہ) ۵ انسانی رہنمائی کے لیے کسی نبی اور کسی کلام کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ہر انسان کی اپنی روح اور عقل کافی ہے دینی سعادت خود اپنی عقلی و روحانی قوت سے حاصل کرو، اسی طرح دنیوی قوانین گھریلو و عدالتی، حکومتی بازاری، خود اپنی عقل سے بناؤ، سب سے پہلے اِسی فرقے نے توریت اور کتبِ الٰہیہ کے ربانی قوانین کو چھوڑ کر اپنے عقلی قوانین بنائے اور عدالتوں میں جاری کئے بعد میں ان کی ہی نقل میں انگریزوں اور فرنگیوں نے اپنے یورپی علاقوں میں اپنے عقلی خود ساختہ قانون بنائے اور قانون سازی کو اسمبلی کا نام دیا۔ آج کل پاکستان میں بھی یہی عقلی انگریزی قوانین جاری ہے خدا تعالیٰ اِس شرک سے بھی مسلمانوں کو بچائے، اندازہ لگاؤ کہ جس قانون کی بڑی عدالتوں سپریم اور ہائی کورٹ کا پہلا قانون ہی عوام ناظرین کو دھوکہ دینا ہے اُس عدالت سے انصاف کی کیا امید ہو سکتی، یعنی حکم ہے کہ ہر جج سفید رنگ کی وِگ لگا کر عدالت کی کرسی پر بیٹھے تاکہ بوڑھا اور تجربہ کار جہاندیدہ نظر آئے یہ دھوکہ دہی نہیں تو اور کیا ہے اسلام نے اسی لیے ہر قسم کی وِگ اور کالے خضاب کو حرام قرار دیا کہ یہ دھوکہ دہی ہے ۶ ستارے اس لیے معبود ہیں کہ خالق کے مظہر ہیں ۷ کبوتر، اونٹ اور پیاز حرام ہے ۸ یزدان دن میں حکومت کرتا ہے اور اہرمن رات میں اس لیے دن

marfat.com

خیر ہے اور رات شر ہے، صابئین کے ان عقائد کا اصل بانی ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں ایک شخص کلدائیین نامی عراقی شہر بابل میں تھا، نمرود بھی اس کا پیروکار تھا، یہی عقائد رکھتا تھا اور بادشاہ ہونیکی وجہ سے خود کو تعظیمی سجدہ کراتا تھا، کلدائیین کا یہ دین و عقائد صرف نمرود کے زمانے تک رہے پھر عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ سو سال پہلے تقریباً، اُن ہی گم شدہ عقائد کو لے کر صابئی دین اُبھرا نمودار ہوا۔

دین نصارٰی کا تعارف، لفظِ نصارٰی یا لفظِ اَنْصَارِیْ سے ماخوذ ہے یا ناصرہ بستی سے سچے عقائدِ عیسوی والوں کو بھی اُمتی نصارٰی کہا جاتا تھا اور بعد کے جھوٹے عقائد والے عیسائیوں کو بھی نصارٰی ہی کہا جاتا ہے، یا تو اس لیے کہ جب عیسیٰ علیہ السلام نے ایک بار اپنے حواریوں سے پوچھا تھا کہ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَى اللّٰهِ۔ یعنی اللہ کے لیے میری کون مدد کرے گا تو سب حواریوں نے عرض کیا تھا نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ۔ ہم مددگار ہیں دینِ الٰہی کے اُس دن سے اُن کا نام ہوا انصارٰی اور دوسری نسبت شہرِ ناصرہ سے ہوئی جو بیت المقدس کے قریب ہے یہ سب حواری وہاں کے باشندے تھے اس لیے شروع سے ہی اُن کو نصارٰی کہا جاتا تھا، دینِ مسیح رفعتِ آسمانی سے تین سال بعد تک بالکل درست سچا اور تعلیم عیسیٰ علیہ السلام کے مطابق رہا، پھر یہودیوں نے واقعۂ صلیب کی بنا پر آئندہ عیسائی دشمنی کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے ایک منصوبہ بنایا اُس کے تحت ایک یہودی پولُوس کو مصنوعی عیسائی بنایا گیا یہ پولوس زندگیِ مسیح میں عیسیٰ علیہ السلام کا سخت موذی دشمن رہا رفعتِ مسیح علیہ السلام کے تین سال بعد اچانک یہودی مذہب چھوڑ کر عیسائی بن گیا اور اُس نے آتے ہی اس دین کو کفر میں بدلنا شروع کر دیا، یہاں تک کہ عیسائی دینی اعتبار سے تباہ برباد ہو گئے اور پولوس کے کفریہ جال میں پھنستے اور بیوقوف بنتے چلے گئے اور آج تک بنتے چلے آ رہے ہیں، پولوس نے عیسائیوں میں آٹھ کفریہ عقائد پھیلائے اور عیسائیوں سے منوا کر ان کو کافر بنایا، اوّلاً یہ کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بیٹے تھے، دوم یہ کہ عیسیٰ دنیا میں تمام عیسائیوں کے گناہوں کا کفارہ بننے کے لیے زمین پر آئے تھے اس لیے وہ صلیب پر سولی پا کر مر گئے تمام عیسائیوں کے اگلے پچھلے سب گناہوں کا کفارہ بن گئے اور سب کے گناہ مٹا گئے اب کسی عیسائی کو شریعت پر عمل کرنے کی ضرورت نہیں ۳ یہ صلیب کی لکڑی تمام عیسائیوں کے لیے رحمت اور متبرک و نجات دھندہ ہے یہ وہ عیارانہ نعرہ تھا جس نے سب عیسائیوں کو پاگل بنا دیا

marfat.com

کہ جس لکڑی سے عیسائیوں کو نفرت اور دشمنی ہونا چاہیئے تھی اسی کو مکار دشمن نے اپنی جان بچانے کے لیے تاقیامت دنیا بھر کے عیسائیوں سے پیار کرالیا۔ سینوں پر سجا دیا، بلکہ سجدہ کرا لیا چہارم، پولوس نے کہا کہ اے عیسائیو عیسٰی نے تم کو شریعت کی لعنت سے چھڑا دیا، گویا کہ شریعت لعنت ہے (معاذ اللہ) پنجم مسیح الٰہ ہیں اور اُلوہیت مسیح کے اندر اس طرح موجود ہے جس طرح پھول میں خوشبو (توبہ نعوذ باللہ) ششم الٰہ تین ہیں ۱ باپ یعنی اللہ ۲ بیٹا یعنی مسیح ۳ رُوح القدس یعنی جبرئیل، بعض عیسائی کہتے ہیں روح القدس سے مراد مریم ہیں۔ غرضکہ اسی کو تثلیث کا عقیدہ کہتے ہیں۔ ہفتم یہ کہ مریم رب کی بیوی ہیں، آٹھواں کفر یہ کہ تمام انبیا گناہ گار ہیں، یہ ہیں وہ عقائدِ باطلہ جو پولوس نے عیسائیوں کو سکھائے منوائے۔ بعد میں اِن کفریات کو بچانے کے لیے عیسائیوں نے خود بھی کچھ ناجائز عقائد بنا لیئے ۱ مثلاً یہ کہ پادری دنیا میں گناہ بخش سکتا ہے ۲ اور مسیح آخرت میں ۳ پادری میں مسیحیت ہے اور مسیح میں اُلوہیت ہے ۴ نبی آخر الزمان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی نبوت کا انکار ۵ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کا انکار ۶ انجیل کی تحریف اور اپنی مرضی کی انجیل بنا ڈالی جس میں پولوس کے یہ تمام کفریات شامل کر لیے گئے ۷ ان مصنوعی اور بناوٹی انجیلوں میں انبیا کی گستاخیاں اور ان پر گندی تہمتیں اور دیگر ناولانہ افسانوں فحاشی کے قصے اس لیے ارشاد فرمایا گیا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر شخص کے ہر عمل وعقیدے کا مشاہدہ فرمانے والا ہے، شہید وعلیم وخبیر کا فرق یہ کہ امور ظاہر کو جاننے دیکھنے والا شہید ہے۔ علومِ تامہ مطلقہ کلیہ کو جاننے والا علیم ہے اور امور غیبیہ اشیاءِ باطنہ کو جاننے والا خبیر ہے۔ یہ کفار رحمۃ اللہ تعالیٰ کی کروڑ ہا نعمتیں استعمال کرکے بھی اس کو ایک سجدہ کرنا بھی گراں سمجھتے ہیں اور ہزار قسم کے شرک شامل کر رہے ہیں کبھی صنمیت کا کہیں اِبنیت کا کہیں اُلوہیت کا۔ اور اللہ تعالیٰ کی عبادتِ خالص کے سجدوں کے منکر بنے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو ان کے ٹوٹے پھوٹے گندے ملاوٹی سجدوں کی ضرورت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کو نہایت عمدہ خالص سجدہ کرنے والے تو کائنات میں بیشمار ہیں جن کو یہ کوئی شمار ہی نہیں کر سکتے۔ اے عالمین ارض وسمٰوات کے مشاہدہ فرمانے والے محبوب نبی، اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ وَكَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ

کیا تم نے اپنی نظرِ جسمانی وقوتِ عرفانی سے تمام کائنات میں نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ ذاتِ کبریائی والا کہ سجدۂ عبادت کرتا ہے اُس کو ہر وہ بندہ جو آسمانوں میں ہے اور ہر وہ سمجھدار جو زمین میں ہے یہ کفار جس چاند، سورج ستاروں، پہاڑوں، درختوں، جانوروں کو معبود سمجھے بیٹھے ہیں وہ سب تو ہر وقت اُسی خالق تعالیٰ کو عبادت و عجز کے سجدے کر رہے ہیں اس طرح کہ ہر منزل پر سورج، ہر تاریخ پر چاند، ہر مدار پر ستارے ہر حرکت پر پہاڑ، ہر اُتار چڑھاؤ پر چھوٹا بڑا درخت، ہر صبح شام تمام درندے چرندے پرندے کیڑے مکوڑے جانور اپنے اپنے طریقوں سے باطنی عجز کا اور ظاہری جسم کا سجدہ اُسی ذاتِ الٰہی کے لیے کر رہے ہیں، اور کچھ انسان بھی تعلیمِ نبوت سے اللہ تعالیٰ کو سچے سجدے کر رہے ہیں، اور کچھ منحوس بندے جنات اور انسانوں میں سے وہ بھی ہیں جن پر تقدیرِ ازلی کے فیصلۂ الٰہیہ میں عذابِ دائمی لازم و لاحق ثابت وقائم ہو چکا ہے وہ سجدۂ ظاہری جسمانی اور عبادتِ الٰہی کے منکر ہیں، یہ اُن کی مغرورانہ متکبرانہ بدنصیبی ہے اس بنا پر فیصلۂ عذاب کو نہ کوئی ٹال سکتا ہے نہ ذلتِ عذاب کو بدل کر عزتِ اُخروی دے سکتا ہے۔ وَمَنْ یُّهِنِ اللّٰهُ۔ اور اللہ جس ظالم کافر کو ذلیل کرے تو پورے جہان میں کوئی بھی اُس کو عزت وکرامت دینے والا نہیں ہے سب عزتیں تو اُسی کی بارگاہ سے ملتی ہیں بے شک اللہ تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہے وہ کرتا ہے سجدے دو قسم کے ہیں ایک جسمانی ظاہری دوم باطنی کیفیتی یہاں دونوں قسم کے سجدے مراد ہیں یعنی تمام مخلوق آسمانی اور زمینی، عقلی غیر عقلی سجدۂ ظاہری بھی، سجدۂ باطنی بھی، خوشی اور رضا کا سجدہ بھی اپنے جسموں، سروں کو جھکا کر زمین سے لگا کر رب تعالیٰ ہی کو کرتی ہے اور عاجزانہ حالت محتاجانہ کیفیت مجبوری ومقہوری کا باطنی سجدہ بھی اُسی ربِّ قدیم وقدیر کو کرتی ہے اُس کے حضور کسی کی کوئی اکڑ و نافرمانی نہیں چلتی سب عاجز و لاغر ہیں، اللہ تعالیٰ کے حکم و ارادے کے سامنے سب مخلوق کا عاجز رہ جانا لاغر ہو جانا چاہتے ہوں یا نہ چاہتے ہوں سرِ تسلیم خم ہو جانا یہی باطنی کیفیت کا سجدہ ہے اِس سجدے میں ہر شخص مومن ہو یا کافر جن ہو یا فرشتہ نباتات ہو یا جمادات ستارے ہوں یا سیارے، طوعاً ہوں یا کرہاً ہر وقت اُس کی بارگاہِ صمدیت میں سجدہ ریزی میں کسی کی کوئی مرضی نہیں چل سکتی کسی کو کچھ دم مارنے کی مجال نہیں موت وحیات، عزت وکمزوری، بیماری وتندرستی، امیری وغریبی، خوبصورتی وبدصورتی صغیری وکبیری مذکر ومونث ہوتے ہیں سب مخلوق بے بس ہے اپنی مرضی سے کوئی شخص زندہ

marfat.com

اپنے اندر تبدیلی نہیں کر سکتا جس کے ساتھ جو چاہتا ہے اللہ تعالیٰ سلوک فرماتا ہے مگر کچھ لوگ ظاہری جسمانی سجدے کے منکر و کافر ہو جاتے ہیں، اس کفر و انکار کی وجہ سے ان پر عذاب ابدی حق ہو گیا اور وہ عذاب کے مستحق ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اپنے انبیا علیہم السّلام کے لیے ایک خصوصی شان قائم فرمائی انبیاء کرام علیہم السّلام کے سجدے ظاہری جسمانی اتنے مقبول و پسندیدہ بارگاہ ہوئے کہ سجدے باطنی سے ممتاز و مستثنیٰ کر دئے گئے کہ جن مذکورہ کیفیات و حالات میں دیگر تمام آسمانی زمینی مخلوق بے بس و مجبور رہے۔ انبیا علیہم السّلام اُن میں بھی مختار بنا دئے گئے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ خیال رہے کہ اس آیت میں چھ چیزیں وضاحت سے بیان کی گئیں ۱۔ اَلَمْ تَرَ ۲۔ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ ۳۔ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ ۴۔ كَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۵۔ مَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ ۶۔ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ بعض نے لکھا کہ اَلَمْ تَرَ کا معنیٰ اَلَمْ تَعْلَمْ ہے، مگر یہ قطعاً غلط اور منشاءِ آیت کے خلاف ہے اَلَمْ تَرَ اپنے اصلی ہی معنیٰ میں ہے اور جسمانی آنکھ سے دیکھنا ہی مراد ہے خطاب آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے بلا وجہ معنیٰ تبدیل کرنا جائز نہیں بلکہ گناہ ہے نبی علیہ السّلام کی آنکھ وہ کچھ دیکھ سکتی ہے جو کسی دوسرے کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی، بلکہ احادیثِ مشہورہ صحیحہ سے تو ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر قوت ہی بے مثل ہے ذرا غور کرو کہ جس کی اُنگلی چاند چرا ئے، جس کا اَمر سورج لوٹائے، جس کا ہاتھ بارش برسائے، جس کا اشارہ درخت بلائے اور وہ درخت دوڑا چلا آئے اُس کی آنکھ مخلوق کی عبادت اور سجدے بھلا کیوں نہ دیکھ سکے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا مشاہدہ معائنہ اور سماعت تو بے مثل ہے ہی آپ کے تو صحابہ بھی کھانے کی تسبیح سُن کر پہچان لیا کرتے تھے، حدیثِ پاک میں ہے کہ فتح مکہ کے بعد ایک روز آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک راہ سے گذرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں ایک پتھر ہوتا تھا جب بچپن میں ہم یہاں سے گزرتے تھے تو وہ ہم کو سلام کیا کرتا تھا، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پتھر کی وہ آواز سنتے بھی تھے سمجھتے بھی تھے، لہٰذا ماننا پڑے گا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قوتِ نظر اور سمع آج بھی دن رات تمام مخلوق شجرات، حجرات، حیوانات، ارضیات و السّموات کے سجدے دیکھتے جانتے پہچانتے ہیں کہ کونسی چیز کس طرح سجدہ کرتی ہے کب کرتی ہے، مگر ہماری آنکھ نہ دیکھ سکے نہ سمجھ سکے، ہماری اس کمزوری کا ذکر سورۃ

marfat.com

اسریٰ کی آیت ۴۴ میں اس طرح ارشاد ہے۔ وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ۔ یعنی ہر چیز اسی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے مگر اے لوگو تم اس کو سمجھ نہیں سکتے بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ تیز ہواؤں سے پہاڑوں صحراؤں علاقوں گلی محلوں میں جو گونج کی آواز پیدا ہوتی ہے وہ اُن پہاڑوں چٹانوں علاقوں کی تسبیح خوانی ہی ہے، صوفیا کی اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا نہ اُس کو ہوا کی آواز کہا جا سکتا ہے کیونکہ ہوا کی اپنی کوئی آواز نہیں ہوتی، ہوا تو صرف آواز کا ذریعہ سبب ہے۔ یہ سیٹی، باجے، ڈھول، ستار کے تاروں کی آواز بلکہ خود ہماری ہر آواز ہوا کی وجہ سے ہے اگر کسی کے گلے میں کبھی ہوا نہ جا سکے گلا پھول جائے رگیں سوج جائیں گزرگاہ ہوا بند ہو جائے جس کو گلا بیٹھنا کہا جاتا ہے تو بندہ کتنا ہی زور لگائے آواز نہیں نکلتی، بہرکیف صرف انبیا علیہم السّلام ہی جانتے سمجھتے ہیں کہ مخلوق کے سجود و تسبیح کیا ہیں، کیسے ہیں، کب ہوتے ہیں۔ یَسْجُدُ کے معنیٰ اور حقیقت میں بھی بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ نباتات جمادات، حیوانات کا سجدہ ظاہری حقیقی نہیں (زمین پر جھکنے اور پیشانی رکھنے والا) بلکہ مجازی سجدہ مراد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے عاجز و بے بس ہیں اس کو باطنی سجدہ کہا جاتا ہے، میں کہتا ہوں یہ قول بھی غلط ہے۔ بلکہ آیت میں دونوں قسم کے سجدے مراد ہیں حقیقی ظاہری بھی، مجازی باطنی بھی اور ہر مخلوق سب تعالیٰ کو جسم کا حقیقی سجدہ کرتی ہے لیکن صرف انبیاء علیہم السلام کی آنکھ ان کو دیکھ سکتی ہے عقل جاتی ہے اوران کی قوتِ قلب ہی پہنچاتی ہے۔ صرف انبیا علیہم السلام ہی کو پہچان ہے کہ کس مخلوق کی کیا پیشانی ہے اور کس طرح کب عبادت میں جھکتی ہے، کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ زمینوں کے زلزلے پہاڑوں کا لرزہ چٹانوں کا گرنا اُن کا سجدہ ہے۔ ایک دفعہ نبی کریم صَلَّی اللہُ تعالیٰ علیہ وسلّم اور صدیق و فاروق کوہِ اُحد پر چل رہے تھے تو پہاڑ ہلنے لگا یہ ہلنا اس کا سَجدۂ شکرِ الٰہی تھا۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اُس پر پاؤں مارا تو وہ ٹھہر گیا، شاید ٹھوکر سے یہ سمجھایا ہو کہ ابھی رُک جا ابھی تیرے سجدے کا وقت نہیں آیا، روایتوں میں ہے کہ ہر دن ایک پہاڑ دوسرے سے پوچھتا ہے کہ کیا آج تجھ پر کوئی ذاکرِ الٰہی گزرا جب وہ جواباً ہاں کہتا ہے تو پوچھنے والا پہاڑ اس کو مبارک دیتا ہے، مولانا رومی فرماتے ہیں دنیا کی ہر چیز بولتی ہے، خواجہ اجمیری وطن سے اجمیر جاتے ہوئے دریائے راوی کا جواب سنکر ہی داتا صاحب کے مزار پر حاضر ہو کر چلہ کش ہوئے تھے آپ نے

marfat.com

راوی پر سے گزرتے ہوئے پوچھا کہ اے دریا کبھی تجھ پر سے کوئی مردِ خدا بھی گزرا، دریا سے جواب آیا، ڈھائی مرد، ایک جیلانی، ایک ہجویری، آدھا اجمیری سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ۔ یہاں سجدہ کرنے والوں میں دس چیزوں کا ذکر ہوا۔ ۱۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ یعنی ملائکہ، حور و غلمان ۲۔ مَنْ فِی الْاَرْضِ یعنی جنات وانسان ۳۔ سورج ۴۔ چاند ۵۔ ستارے ۶۔ تمام پہاڑ ۷۔ تمام درخت ۸۔ تمام جانور ۹۔ وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ صرف مومن مسلمان انسان ۱۰۔ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ۔ یعنی کافر جنات انسان، پہلی نو چیزیں تو حقیقی ظاہری جسمانی اور مجازی کیفیاتی عادت و عبادت دونوں قسم کے سجدے کرتے ہیں مگر آخری دسویں مخلوق حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ صرف باطنی سجدۂ ذلّت بے بسی عاجزی مجبوری کا جھکنا سرِ تسلیم خم کرنا تو کرتے ہیں مگر حقیقی ظاہری جسمانی عبادت کے سجدے کے منکر ان کو یہی بتانے کے لیے پہلی نو چیزوں کے سجدوں کا ذکر ہوا کہ اے بدبختو تم جن کو سجدہ کرتے ہو وہ تو خود ہمارے بندہ بن کر سب ہم کو سجدہ کرتے اِلٰہ واحد مانتے ہیں، عرب کے قبائل میں ۱۔ بنی اُفیر کے مجوسی ملائکہ کے پجاری تھے ۲۔ بنی اشعر جنات کی ۳۔ عیسائی عیسٰی کی ابن اللہ مان کر ۴۔ یہودی عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ مان کر ۵۔ بنی حِمْیر، سورج کو سجدہ کرتے ۶۔ بنی کنانہ چاند کی پوجا ۷۔ بنی تمیم کا صابئی فرقہ ستاروں کی ۸۔ بنی لخم، ثریا وعطارد ستاروں کی ۹۔ بنی اسد، مشتری مریخ سیاروں کی ۱۰۔ بنی غطفان عزّٰی مؤنث بت اور سمرہ درخت کی ۱۱۔ بنی ربیعہ شبر سانپ اور درندوں کی مورتیاں بنا کر ۱۲۔ مصر کے یہودی گائے کی ۱۳۔ اکثر عرب پہاڑوں کی اور پہاڑوں کے پتھروں سے بت تراش کر ۱۴۔ لیکن ہندوستان کے ہندو ان تمام کفریات کا مجموعہ ہیں پہاڑوں میں کوہ ہمالیہ کی پانیوں میں گنگا جمنا کی بادلوں میں کالی گھٹا اور کڑکتی بجلی کی، رنگین دھنک کی پوجا کرتے ہیں۔ زمین کو دھرتی ماتا کہہ کر، درختوں میں پیپل، املی، تلسی کی۔ (از مذاہب عالم جلد سوم تاریخ و تفسیر روح المعانی) یہاں دو جگہ فرمایا گیا۔ كَثِیْرٌ اس کی ترکیب نحوی میں دو قول ہیں۔ بعض نے کہا کہ ان دونوں کا تعلق یَسْجُدُ سے ہے یعنی انسانوں میں کچھ ساجدین ہیں کچھ منکرین۔ بعض نے کہا یہ علیحدہ جملہ اسمیہ مبتدا ہے اس کی خبر پوشیدہ ہے اصل عبارت ہے وَ كَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ مُثَابٌ وَ كَثِیْرٌ حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ یعنی ساجدین کو ثواب دیا جائے گا منکرین پر عذاب لازم ہو گیا۔ یہ دونوں كَثِیْرٌ کثرتِ اضافی کے لیے نہیں یعنی مقابلہ تعداد کے لیے نہیں کہ فلاں سے زیادہ بلکہ کثرتِ حقیقی کے لیے

marfat.com

ہیں یعنی کچھ لوگ ایسے اور کچھ ایسے جن پر عذاب واجب، اُردو محاورے میں کچھ کی جگہ بہت بھی بول دیا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے بہت آگئے بہت چلے گئے یعنی کچھ آگئے کچھ چلے گئے اضافی کثرت کا ترجمہ ہوتا ہے زیادہ، لفظ کثیر لفظاً واحد ہے معنًی جمع وحدت کا اعتبار کرتے ہوئے عَلَيْهِ واحد کی ضمیر لائی گئی عَلَيْهِمْ نہ فرمایا گیا۔

فائدے اِن آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ، تمام کفر و کفریات جنس عقائد کے اعتبار سے ایک درجہ کے کفر ہیں اسی لیے حدیث پاک میں فرمایا گیا اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ مگر نوعی اعتبار سے مختلف سب کفار آخرت کو مانتے ہیں مگر قیامت کے منکر یہود و نصاریٰ کی آخرت یہ ہے کہ میدانِ محشر ہوگا مگر حساب و کتاب کوئی نہیں دوزخی سیدھے دوزخ میں جنتی سیدھے جنت میں مجوس کی آخرت قبر میں اچھے لوگ یعنی ان کے عقیدے میں آتش پرست کو قبر میں آگ نہ جلائیگی دوسروں کو جلا دے گی صابئین کی آخرت مرنے کے بعد شروع اچھوں کو فرشتہ یا ستارہ بنا دیا جاتا ہے بروں کو کیڑہ مکوڑہ یا بھوت پریت ہندؤں کی آخرت دوسرا جنم آواگون، وغیرہ کوئی عداوت کا کافر جیسے یہودی انبیاء کی دشمنی میں کوئی عقیدت کا کافر جیسے نصاریٰ عقیدتِ مسیح میں ابن اللہ بنا بیٹھے اور کافر ہوئے۔ کوئی حماقت کا کافر کسی نے غیر اللہ کو معبود سمجھ کر فقط عزت کی اور کسی نے سجدہ بھی کیا، یہ فائدہ وَالَّذِيْنَ هَادُوْا (الخ) کے بعد وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا علیحدہ فرمانے سے حاصل کہ اگرچہ یہودی عیسائی مجوسی صابی سب ہی مشرک ہیں مگر ظاہر ظہور مشرک جو صاف طور سے غیر اللہ کو معبود بناتے ہیں وہ صرف بت پرست ہیں، باقی دیگر یہودی عیسائی ابن اللہ کہہ کر مجوسی مظہر کہہ کر۔ صابئی مرف خالق مان کر مشرک ہے مگر بت پرست اپنے بتوں کو برابر کا الٰہ مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا کروڑ کروڑ شکر ہے کہ ہم کو اپنے محبوبِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُمتی بنا کر ہر طرح کے شرک سے محفوظ رکھ لیا یا اللہ یہ نعمت باقی رکھنا، دوسرا فائدہ، اصل دینِ الٰہی انبیاء علیہم السّلام کو ماننا ہے، اصطلاح شریعت میں صرف وہی مومن ہیں جو تمام انبیا علیہم السّلام پر سچا اور صحیح ایمان لائیں نبوت کو ماننا ہی پورا دینِ ربانی ہے اس لیے کہ جب کہا نبی اللہ رسولُ اللہ تو اس میں توحید، قیامت ملائکہ جنت، دوزخ سب پر ایمان شامل ہوگیا ایمانِ نبوت تمام ایمانیات پر محیط ہے۔ بخلاف توحید کے کہ اللہ کو صرف واحد مان لینا تمام ایمانیات پر محیط نہیں دنیا میں بہت سی ایسی کافر قومیں تو ہیں جو توحید کو مانتی ہیں مثلاً آریہ ہندو

marfat.com

اور سکھ اِس کے باوجود یہ لوگ کافر ہیں عند اللہ شرعاً مومن نہیں، لیکن کوئی ایسی کافر قوم نہیں جو نبوت تامہ اور تمام انبیا کو مان کر بھی عند اللہ کافر ہو، یہ فائدہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ فرمانے کے بعد وَالَّذِیۡنَ هَادُوۡا (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا کہ اگرچہ یہودی عیسائی، اللہ تعالیٰ کو اور آخرت جنت دوزخ فرشتوں کو مانتے ہیں مگر چند انبیاء علیہم السّلام کو نہ ماننے کی وجہ سے ان کو مومن نہ فرمایا گیا اٰمَنُوۡا سے علیحدہ اِن کا ذکر و شمار فرمایا گیا۔ تیسرا فائدہ جہنم سے مکمل طور پر وہی بچ سکتا ہے جو مومن بھی ہو اور نیک متقی عابد ساجد عامِل کامِل بھی ہو، صرف مومن مسلمان ہو جانا، اعمالِ صالحہ، عبادت صلوٰۃ وصوم نہ کرنا نہ محبوبیت دلا سکتا ہے نہ عذابِ جہنم سے بچا سکتا ہے یہ فائدہ وَكَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمانے سے حاصل ہوا، کیونکہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ میں فاسق لوگ بھی شامل تھے اس لیے كَثِيۡرٌ مِّنَ النَّاسِ میں ساجدین عابدین کا ذکر فرماکر فاسقوں کو علیحدہ کر دیا گیا، اور اِس قسم کے بے عمل بدکردار پر بھی عذاب ہوگا اگرچہ عتاباً ہو نہ کہ سزاءً کافر و فاسق کے عذاب میں یہ بھی ایک فرق ہے خیال رہے کہ کافر و فاسق کی جہنم میں چار طرح فرق ہے ۱ کافر کی اَبدی رہائش فاسق کی عارضی وقتی ۲ کافر کا عذابِ الیم ہے فاسق کا عذاب اُس کی صفائی ۳ کافر کا عذاب سزا ہے فاسق کا عذاب عتاب ہے ۴ کافر جہنم کا ایندھن ہیں فاسق جہنم کا سلیم

اَحۡکَامُ الۡقُرۡاٰن اِن آیاتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ، دنیا و آخرت کی اصل و دائمی عزت و تکریم عبادت سے ہے نہ کہ دنیوی دولت اور شان و شوکت سرداری سے، لہٰذا مومن کتنا ہی غریب، ہو بیمار یا کمزور پھر بھی عزت والا ہے قیمتی ہے، کافر کتنا ہی دولت مند یا سرداری والا ہو اصلاً ذلیل ہے، یہ مسئلہ مَنۡ یُّهِنِ اللّٰهُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا، دیکھو اولیاءُ اللہ جھونپڑوں میں رہتے چٹائیوں پر بیٹھتے ہیں پھر بھی بڑے بڑے اُمرا وُزرا مسلم غیر مسلم اُن کے در کے بھکاری بنے پھرتے ہیں، دوسرا مسئلہ۔ اہلِ کتاب کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح جائز ہے۔ اگرچہ موجودہ اہلِ کتاب یہود و نصاریٰ میں کفر بھی ہے اِبنیت کا شرک بھی مگر چونکہ غیر اللہ کی کوئی ظاہری پرستش اور سجدہ ریزی ان میں نہیں ہے نہ آتش پرستی نہ ستارہ نہ بُت پرستی، اس لیے دیگر مشرکین سے اِن کا حکم جداگانہ ہے، دیگر کسی کافرہ عورت سے مسلمان مرد کا نکاح شرعاً جائز نہیں یہ مسئلہ هَادُوۡا، اور نَصٰرٰی فرمانے سے مستنبط۔ یعنی ان کو مشرکین میں شامل نہ کیا گیا نہ کوئی دوسرا کفریہ نام دیا گیا اِن کے وہی سابقہ صحیح ایمانی وقتوں والے نام ہی باقی رکھے گئے یہی ائمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے، یہود و نصاریٰ کو ابنُ اللہ کے باطل عقیدے کے باوجود

marfat.com

مشرکین سے علیحدہ ذکر کیا گیا، یہی وجہ ہے کہ ان کا ذبیحہ جو بہ اللہ کا نام لے کر ذبح کریں جائز ہے، ہاں البتہ آج کل جو یہود و نصاریٰ دہریہ اور لادین ہو کر اپنے دین سے بھی برگشتہ ہو چکے ہیں خنزیر خور اور شرابی جواری بن گئے ہیں ان کی اس قسم کی عورتوں سے نکاح جائز نہیں نہ ان کا ذبیحہ جائز، لیکن دیگر مشرکین صابئی، مجوسی بت پرست کا ذبیحہ و مناکحت بالکل حرام ہے اگرچہ مسلمانوں کی تکبیر پڑھ کر ذبح کریں۔ تیسرا مسئلہ سجدۂ تلاوت ہر مسلمان پر واجب ہے آیتِ سجدہ تلاوت کرنے والے پر بھی سننے والے پر بھی اگرچہ اس کا معنیٰ کوئی بھی نہ سمجھتا ہو۔ یہ مسئلہ کَثِیْرٌ مِّنَ النَّاسِ فرما کر ساجدین کی عظمت و ثواب ظاہر فرمانے، اور سجدہ نہ کرنے والے کثیر پر عذاب لازم و واجب فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی اگر مسلمان سجدۂ تلاوت نہ کریں معمولی سمجھ کر چھوڑ دیں تو حَقَّ عَلَیْهِ الْعَذَابُ میں شامل۔ اگرچہ یہ لزومِ عذاب فسق کی وجہ سے عارضی ہو، یہ امام اعظم کا مسلک ہے جو اس آیت سے مستنبط ہوا، مگر امام شافعی و امام حنبل سجدۂ تلاوت کو سنت کہتے ہیں ان کا مسلک کمزور ہے، تفسیر خازن اور مظہری میں اسی آیت کے تحت ہے کہ مذہب اہل سنت و ائمہ اربعہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کو جسمانی سجدہ و زبانی تسبیح کرتی ہے، موجودہ زمانے میں لاؤڈ سپیکر، ریڈیو، ٹیپ ریکارڈ کیسٹ پر آیت سجدہ سن کر سجدۂ تلاوت واجب ہونے میں موجود حنفی فقہاءِ امت کے مندرجہ ذیل اقوال ہیں ۱: اکثریت اکابر فقہا فرماتے ہیں کہ جب تک خود انسانی آواز سنائی نہ دے کسی بھی مشینی آواز سے سجدہ واجب نہیں ہوتا لہٰذا ان کے قول میں دور سے لاؤڈ سپیکر اور ریڈیو کی آواز سن کر سجدہ واجب نہیں ۲: بعض فقہا فرماتے ہیں کہ جس تلاوت میں پڑھنے والے پر سجدہ واجب ہو رہا ہے اس تلاوت کو سن کر ہر سننے والے مسلمان پر بھی سجدہ واجب ہے خواہ ہزاروں میل دور سے سنے یا نزدیک سے لہٰذا لاؤڈ سپیکر، ریڈیو، ٹی وی پر اگر کوئی قاری بیٹھا تلاوت کر رہا ہے تو ہر مسلمان سننے والے پر سجدہ واجب کیونکہ خود قاری پر بھی اسی وقت سجدہ واجب ہو رہا ہے۔ لیکن اگر لاؤڈ سپیکر یا ریڈیو یا ٹی وی پر ٹیپ ریکارڈ یا توا ریکارڈ یا ریڈیو کیسٹ سے آیتِ سجدہ کی تلاوت سنی تو سجدہ واجب نہ ہو گا کیونکہ اس وقت آواز والے پر بھی واجب نہیں ہو رہا، دونوں اقوال کا موقف یہ کہ پہلے قول میں وجوب وعدم وجوب کا اعتبار انسانی و مشینی آواز سے ہے، دوسرے قول میں سننے والے پر وجوب آواز والے پر وجوب سے ہے ۳: ہر قسم کی کیسٹ ریکارڈ، توا، وڈیو، کی آواز

marfat.com

پر کسی کے قول میں سجدہ واجب نہیں یہ متفق علیہ مسئلہ ہے ۲ اگر کافر آدمی آیتِ سجدہ تلاوت کرے تو قریب بیٹھے سننے والے پر پہلے قول میں سجدہ واجب ہے کیونکہ انسانی آواز سن رہا ہے۔ نہ کہ مینٹی اور دوسرے قول میں سننے والے پر سجدہ واجب نہیں کیونکہ آواز والے پر بوجہ کفر واجب نہیں ہو رہا ۵ طوطا مینا، یا گونج کی آواز سے سننے والے مسلمان پر سجدہ واجب نہیں اس میں بھی سب کا اتفاق ہے ۶ اگر بے غسل جنبی پلید مسلمان یا حائضہ نافسہ عورت سجدۂ آیت تلاوت کرے تو اگرچہ یہ کام ناجائز ہے مگر دونوں پر سجدہ واجب یعنی پڑھنے والوں پر بھی سننے والوں پر بھی پلید شخص پاک ہو کر سجدہ کرے عورت بھی جب بھی پاک ہوئے پاک مسلمان تلاوت کرے پلید آدمی مرد یا عورت سنے سجدہ واجب متفق علیہ ۸ نابالغ مسلمان مرد و عورت پڑھنے والا سننے والا کسی پر واجب نہیں، متفق علیہ ۹ نابالغ تلاوت کرے بالغ سنے پہلے قول میں سننے والے پر واجب ہے کیونکہ انسانی آواز ہے دوسرے قول میں سننے والے پر واجب نہیں کیونکہ قاری پر واجب نہیں لیکن میں کہتا ہوں کہ متفق علیہ اقوال پر تو اسی طرح عمل کرے جس پر موجودہ فقہا کا اتفاق ہے مگر اختلافی مسلک میں اِحتیاطاً سجدۂ تلاوت کرے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض، اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئِیْنَ وَالنَّصَارٰی اور سورۃِ مائدہ آیت ۶۹ میں بھی اِس ترتیب سے وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ وَالنَّصَارٰی ہے، یعنی ترتیب ذکری میں پہلے یہودیوں کا ذکر پھر صابئی پھر نصاریٰ کا مگر سورۃِ بقرہ آیت ۶۲ میں فرمایا گیا وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالنَّصَارٰی وَالصَّابِئِیْنَ پہلے یہود پھر نصاریٰ پھر صابئین کا ذکر یہاں ترتیب کیوں بدلی گئی؟ جواب۔ اس کی وجہ یہ کہ ان تینوں آیتوں میں تین نوعیتوں کی طرف اشارہ ہے، سورۃِ بقرہ کی ترتیب اہلِ کتاب اور غیر اہلِ کتاب کے لحاظ سے ہے، یہودی و نصاریٰ اہلِ کتاب ہیں، صابئین غیر اہلِ کتاب ہیں، سورۃِ مائدہ میں یہ اشارہ ہے کہ صابئی فرقہ یہود میں سے نکلا ہے نہ کہ نصاریٰ میں سے کہ وَالَّذِیْنَ ھَادُوْا وَالصَّابِئُوْنَ۔ یعنی وہ لوگ جو یہودی ہیں اور جو اُن میں سے نکلنے والے مگر یہاں سورۃِ حج کی اس آیت ۱۷ میں اِن تینوں فرقوں کی زمانی ترتیب بتائی گئی کہ پہلا زمانہ یہودیوں کا پھر صابئی فرقہ پیدا ہوا، پھر نصاریٰ فرقے نے جنم لیا دوسرا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا۔ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِی الْاَرْضِ۔ پھر بعد

marfat.com

ہیں فرمایا گیا وَ کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ یعنی جو زمین میں ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، اور کچھ انسان بھی سجدہ کرتے ہیں، جب کہ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ میں ہی انسان شامل تھے تو پھر علیحدہ کیوں ذکر فرمایا گیا۔ جواب۔ اس کی وجہ یہ کہ آسمانوں میں مَنۡ ملائکہ ہیں، اور زمین میں مَنۡ انسان ہیں جب مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ فرمایا گیا تو یہ حقیقت معلوم ہوئی کہ تمام ملائکہ ساجدین عبادت ہیں، اس اعتبار سے مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ میں بھی یہ وہم ہو سکتا تھا کہ انسان بھی سب ہی ساجدین عبادت ہیں اس وہم کو ختم کرنے کے لیے کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا گیا کہ انسان سب ساجدین عبادت نہیں بلکہ کچھ انسان ساجدین عبادت ہیں جو ثواب کے مستحق اور کچھ منکرین عبادت حَقَّ عَلَیۡہِ الۡعَذَابُ جو عذاب کے مستحق ہوئے، تیسرا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ فرمایا گیا وَ کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ یعنی مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ۔ کچھ انسان سجدہ کرتے ہیں اور کچھ انسان منکر ہو کر مستحق عذاب، حالانکہ زمین میں جنات بھی ہیں اور اُن کی بھی یہی دو قسمیں ہیں کہ کچھ جنات نیک مومن اور کچھ جنات کافر اور مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ میں شامل ذَوِی الۡعُقُوۡلِ ان کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا۔ جواب۔ اس کی دو وجہ پہلی یہ کہ کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ۔ کے الفاظ پر سجدۂ تلاوت واجب ہوتا ہے لیکن اس کا وجوب صرف انسان پر ہے صرف انسان مسلمان بالغ عاقل ہی سجدۂ تلاوت کا مکلف ہے، جنات اور فرشتے سجدۂ تلاوت کے مکلف نہیں جنات اور ملائکہ صرف سجدۂ عبادت و نماز کے مکلف ہیں اس لیے یہاں سجدۂ تلاوت کے وجوب سے اُن کو علیحدہ کرنے کے لیے اور یہ مسئلۂ شریعت ظاہر فرمانے کے لیے کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ فرمایا گیا۔ دوسری وجہ یہ کہ کَثِیۡرٌ مِّنَ النَّاسِ کا ذکر خصوصیت کے ساتھ علیحدہ اس لیے فرمایا گیا کہ سجدہ اپنی وجودیت کے اعتبار سے دو قسم کا ہے ایک نظر آنے والا اور ایک نظر نہ آنے والا جنات کا سجدہ کسی کو نظر نہیں آتا اس لیے وہ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ میں شجرات و حجرات کے ساتھ شامل و مذکور ہو گئے۔ انسان کا سجدہ سب کو نظر آتا ہے اس لیے صرف ان کا ذکر علیحدہ ہوا جنات کا سجدہ شجر و حجر کے مثل و مشابہ ہے باعتبار رویت کے بدیں وجہ ان کو علیحدہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، چوتھا اعتراض۔ یہاں فقط اہل ایمان کے لیے بھی کثیر فرمایا گیا کہ وہ بہت ہیں، اور کفار منکرین کے لیے بھی فرمایا گیا کہ وہ بہت ہیں۔ یعنی ثواب والے بھی کثیر اور عذاب والے بھی کثیر اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا میں کافرین مومنین کی تعداد برابر ہے۔ حالانکہ اس سے پہلی آیت میں کفار کے پانچ گروہ اور مومنین کی فقط ایک جماعت مذکور ہوئی، جب کہ مومنین میں

marfat.com

سے فاسقین بھی ساجدین عبادت نہیں وہ نکل جائیں تو ساجدین اور بھی کم ہوگئے، فاسقین نے کبھی سجدہ کیا ہی نہیں صرف ایمان ہی لے کر دنیا سے چلے گئے اور ظاہر بات ہے کہ پانچ گروہ کی تعداد ایک گروہ سے زیادہ ہے یعنی دنیا کے اندر ہر دور میں کفار زیادہ ہی رہے اور مومنین کی تعداد کم ہی رہی، سورۃ سبا کی آیت ۱۳ سے بھی یہی ثابت ہو رہا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ وَقَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔ میرے شکر گزار بندے تھوڑے ہیں۔ نیز تاریخ عالم کی مردم شماری سے بھی پتہ لگایا کہ دنیا بھر میں تمام قسم کے غیر مسلم مسلمانوں سے تعداد میں بارہ گنا زیادہ ہیں، ایک حدیث مقدس ہے کہ جہنم کا علاقہ جنت سے سات گنا بڑا ہے کیونکہ جہنمی زیادہ ہیں، تو پھر یہاں دونوں کے لیے ایک جیسا لفظ "کثیر" کیوں ارشاد ہوا۔ جواب اس کا ایک جواب تو وہ ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں واضح کیا کہ یہاں لفظِ کثیر اضافی اور تعدادی کثرت کے لیے نہیں بلکہ حقیقی کثرت کے لیے ہے اردو میں اس کا ترجمہ ہوتا ہے کچھ یا چند اور اس کا ترجمہ بہت بھی کر دیا جاتا ہے یعنی ایک دو سے زیادہ لفظِ بہت اور لفظِ کچھ ہم معنیٰ ہے تو آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ دنیا میں کچھ انسان مومن متقی عابدین ساجدین بن کر ثواب والے ہیں اور کچھ کافرین منکرین سجدہ ہو کر عذاب والے ہیں، کون زیادہ کون تھوڑے اس کا کوئی بیان تعداد نہیں ہے، اس وضاحت سے تو یہ اعتراض ہی ختم ہو گیا، مگر بعض لوگوں نے یہ جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ کو سجدۂ عبادت کرنے والے انسان تعداد میں بھی تمام دنیا کے کفار سے زائد ہیں اس لیے کہ انسانوں میں جنتی حور و غلمان بھی شامل ہیں جن کی تعداد تمام زمینی اچھے برے انسانوں سے ستر گنا زائد ہے حور و غلمان انسان ہی ہیں اگرچہ آدمی یعنی اولادِ آدم نہیں، اسی انسانیت کی وجہ سے ہی انکا نکاح مسلمان جنتیوں سے ہوگا ورنہ غیر جنس جانور و جنات وغیرہ سے انسان کا نکاح جائز نہیں نہ ہی ممکن ہے، حوریں اور غلمان تعداد میں اتنے زیادہ ہیں کہ ایک ایک مسلمان مرد کو ستر حوریں بیویاں اور ستر ہی غلمان خدمت کے لیے ملیں گے، گویا کہ کفار زمینی اعتبار سے زیادہ ہیں، اور مسلمان ساجدین آسمانی اعتبار سے کثرت میں ہیں۔ اور قَلِیْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ کا معنیٰ یہ ہے کہ شاکرین کا بھی شکر بحساب نعمتوں کے کم ہے۔ اور جہنم کا علاقہ اگرچہ بڑا ہے مگر تعداد اہل جنت کی زیادہ ہے تاریخ کی مردم شماری بھی دلیل نہیں بن سکتی کیونکہ یہ بے اعتبار ہے نہ معلوم کب مردم شماری ہوئی کس نے کی غلط کی یا صحیح کی پھر اگر صحیح بھی ہوئی تو مکمل ہوئی یا غیر مکمل، پھر بھی دنیا کی ہی ہوئی ہوگی نہ کہ جنت کی لہٰذا دونوں جگہ کثیر فرمانا بالکل

marfat.com

درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِئِیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْآ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ اے بندے جان لے کہ ایمان وکفر یہ دونوں قلب کی صفات ہیں قلب کے دو دروازے ہیں ایک کو علوی یعنی بلندی والا۔ دوم کو سفلی، علوی دروازہ روحانیت کی طرف کھلتا ہے اور سفلی نفس امارہ کی طرف، جب سفلی دروازہ بند ہوجائے تو بندہ نفس کی مخالفت کرتا ہے اور اگر خوش بختی سے علوی دروازہ کھل جائے تو روح کی طرف سے معارف الٰہیہ کے خزانے آتے ہیں دل میں، تب قلب مومن انوارِ معرفت سے منور ہوجاتا ہے اور بندہ حجابات نفس سے چھٹکارا پالیتا ہے لیکن اگر بدقسمتی سے نفسانی صحبتوں بری کتابوں کی وجہ سے سفلی دروازہ کھل گیا تو علوی بند ہوجاتا ہے اور قلب میں وساوس شیطانی ظاہر ہوتے ہیں، خواہشات کی بدعتیں پیدا ہوتی ہیں اور باطل دینوں کا ڈھیر لگ جاتا ہے ان خرافات وقساوات کو مختلف بھیسوں میں شیطان لاتا ہے اور نفس قبول کرتا ہے دل ان کی اتباع کرتا ہے اس وجہ سے دینِ حق وطریقۂ ایمانی سے گمراہ ہوجاتا ہے، اور دور ہوتا چلا جاتا ہے بندۂ نفس خواہشاتِ دنیوی کے بتوں کو اپنا معبود سمجھ لیتا ہے۔ تب عالم دنیا میں بندے دو قسم کے ہوجاتے ہیں ۱؎ دروازۂ علوی کے ہدایت والے ۲؎ اور دروازۂ سفلی کی گمراہی والے قیامت قہر سے رب تعالیٰ دونوں میں فیصلہ اور فاصلہ فرماتا ہے۔ کیونکہ جس طرح ایک دل میں ایمان وکفر جمع نہیں ہوسکتے اسی طرح ایک جگہ علوی وسفلی نہیں رہ سکتے، اچھے برے کا یہ فاصلہ برزخ صغریٰ خفیہ سے کیا جاتا ہے جس کو دنیا میں صرف اہلِ معرفت ہی پہچانتے ہیں مگر قیامت محشر میں اس کو ہر شخص ظاہر صوری حسی طور پر جان لے گا (روح البیان) بے شک اللہ تعالیٰ ہر امورِ ظاہر پر شہید ہے۔ علوم مطلق تامہ کلیہ میں علیم ہے۔ اور علم غیبیہ باطنہ پر خبیر ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ ہر قالب انسانی میں ایک ایمان ہے اور پانچ کفر ہیں، طبیعۃ قلبی ایمان ہے ۲؎ طبیعۃ عقلی اور عقیدۂ عداوت پر باطنی یہودیت ہے ۳؎ طبیعۃ خواہشی نفس عقیدتِ محبت یہ باطنی عیسائیت ہے ۴؎ طبیعۃ آوارگی آزاد خیالی یہ باطنی شیطانی صابئیت ہے ۵؎ طبیعۃ ریاکاری نام ونمود چاہتِ لذت یہ باطنی مجوسیت ہے ۶؎ طبیعۃ طمع ولالچ حرص وہوس حرام وحلال کی ملاوٹ یہ شرک باطنی ہے، زمین جسمانی پر

marfat.com

یہ چھ دین ہی پھیلے ہوئے ہیں، ایمانیات سے حُسنِ اَخلاق کا نور پھیلتا ہے، یہودیت سے بداخلاقی کی دشمنی فساد، صابئیت سے بے ادبی گستاخی کی وَبا، عیسائیت سے جھوٹی محبت اندھی عقیدت کفر کی دوستی مجوسیت سے اَشیاءِ حرام کی آگ پھیلتی ہے اور باطن کے شرک سے باطل پرستی دنیا سازی کی حماقت پھیلتی ہے۔ باری تعالیٰ راہِ معرفت کی ریاضتوں مشقتوں کے حشر قائم فرما کر اِن مختلف خصائل و عادت والوں کو انعامِ ثواب اور انتقامِ عذاب کے علیحدہ علیحدہ حالات و مقامات دے کر فاصلہ اور فیصلہ فرما دیتا ہے اہلِ نور کو مقبولیت۔ اہلِ نار کو محرومیت دے کر، بے شک اللہ تعالیٰ ہر قالب کی ہر کیفیت نیک و بد کا ہر وقت ہر طرح مشاہدہ فرمانے والا ہے۔ یہ طبیعاتِ خمسہ کے کفار اگر سجدۂ ربانی کے منکر ہیں تو ان کا اپنا ہی نقصان ہے، اس لیے کہ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔ اے قابَ قوسین کے محبوبِ اَبدی کیا تم نے سیرِ معراج میں تمام کائناتِ اَعلیٰ وَ اَسفل کو اپنی نظرِ بصارت سے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ کو ہی سجدہ کر رہے ہیں وہ تمام جو قالبِ آسمانی کے دماغوں میں ہیں اور وہ تمام جو ملکوتِ زمینی کے سینوں میں ہیں۔ اور آفتابِ قلب بھی ماہتابِ عقل بھی، نجومِ فکریات بھی تمام طبیعتوں کے پہاڑ بھی، تمام شجراتِ اَجسام بھی اور تمام حیواناتِ اعضا بھی اور کچھ وہ لوگ بھی جو معرفتِ الٰہی والے ہیں سَجدۂ اِنقیادِ عبادت اور سجدۂ عجز سجدۂ عادت بھی، اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہ کر دیتا ہے جب اللہ تعالیٰ ارادہ فرماتا ہے اَفعالِ خواص کا تو اُن پر اپنے امر کی تسخیر جاری فرما دیتا ہے اور اپنی مراد کی نافرمانی والوں کو مٹا کر قدرتِ جبر و قہر نافذ فرماتا ہے تب یہ مخلوق سجدۂ خضوع میں گرتی جھکتی ہے اور کسی کو اِمکانِ انکار نہیں رہتا، اور کچھ وہ قالبِ انسانی ہیں جو تابعِ شیطان ہیں صرف ظاہری اختیاری اَعمال میں ہی مگر اَسرارِ باطنی والے اَعمال میں وہ بھی معذورِ قدرت مجبورِ فطرت اور مقہورِ مشیت ہیں اُن پر صبحِ ازل سے حکمِ شقاوت لاحق ہو گیا اس طرح اُن پر شیطنیت کا غلبہ و ذلّت کا حملہ ہوا جس کو اللہ تعالیٰ رُسوا کرے۔ اپنے قہر کی ناراضی اور غضب کی سزا سے تو اُس کو کوئی بھی کہیں بھی کبھی بھی توفیقِ سعادت کی کرامت دینے والا نہیں ہے (محی الدین ابن عربی) بندۂ عارف کے تین سجدے، پہلا سجدۂ عبادت مثل سجدۂ ملائکہ۔ دوم سجدۂ عادت مثل سجدۂ جمادات

marfat.com

نباتات، سوم سجدۂ حاجت، جیسے سجدۂ دعا والتجا پہلے سجدہ سے آخرت درست دوسرے سے بندگی درست تیسرے سے دنیا درست ہوتی ہے، عابدین انسان تعداد میں قلیل ہیں مگر قوت میں کثیر ہیں اس لیے کہ پہلا کثیر جمال والا ہے، دوسرا کثیر جلال والا ہے جمال والا ایک بھی سوا دنیا ہے کیونکہ وہ ایک بھی مثل ہزار ہے، عذاب جلال والے کثرت تعداد میں بھی متاع قلیل ہیں، انسان کی دس قسمیں نو کافر ایک مومن پھر مومن کی دس قسمیں نو فاسق ایک مطیع، پھر مطیع کی دس قسمیں نو زاہد ایک عاشق، پھر عاشق کی دس قسمیں نو فرقت فصل والے ایک منزل وصل والا یہی تکریم رحمانی والا ہے کیونکہ اس نے خود کو ہمیشہ عشق ربانی کے جلال میں جلا ڈالا تو اس کو کرامت ابدی مل گئی اس کو کوئی بھی رسوا اور محروم نہیں کر سکتا، پھر اہل منزل دس قسم کے نو آستانہ مصطفیٰ تک آنے والے، ایک بارگاہ کبریا تک جانے والا عشق الٰہی نار کلفت و مشقت ہے اور عشق مصطفیٰ نور محبت، اللہ تعالیٰ کے عشق میں فنا ہے مصطفیٰ کے وصل میں بقا ہے اس لیے عشق کبریائی بہت مشکل ہے ؎

ایں مدعیاں در طلبش بیخبر انند آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

عشق مصطفیٰ آسان ہے یہ منزل معرفت کا پہلا قدم ہے یہی سجدۂ حقیقی ہے (روح البیان)

اہل حق ہرگز نمی باشد مہاں اہل باطل خوار باشد در جہاں

جو ساجدین حقیقی کی گستاخی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل کرتا ہے وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ۔

هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ ز

پس یہی دو گروہ ہیں جنہوں نے مباحثہ کیا اپنے رب کے بارے

یہ دو فریق ہیں کہ اپنے رب میں جھگڑے۔

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ

تو وہ لوگ جو منکر ہو گئے تیار کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے لباس

تو جو کافر ہوئے ان کے لیے آگ کے کپڑے

marfat.com

مِّنْ نَّارٍ ۭ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ

آگ سے ، مزید یہ کہ انڈیلا جائے گا اُن کے سروں کے اوپر سے

بیونتے گئے ہیں اور اُن کے سروں پر کھولتا پانی

الْحَمِيْمُ ⑲ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ

کڑکتا پانی اِس حالت کا کہ ٹکڑے کر دئے جائیں گے اُس پانی سے وہ اعضا جو انکے پیٹوں میں

ڈالا جائے گا ، جس سے گل جائے گا جو کچھ اُن کے پیٹوں میں ہے اور

الْجُلُوْدُ ⑳ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ㉑

ہیں اور کھالیں بھی اور ان کے لیے ہتھوڑے ہیں جو لوہے سے بنے ہوئے ہیں

اُن کی کھالیں ، اور اُن کے لیے لوہے کے گرز ہیں

كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ

جب بھی ارادہ کیا انہوں نے کہ نکل بھاگیں اس آگ سے

جب گھٹن کے سبب اُس میں سے نکلنا چاہیں گے

غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا ۤ وَذُوْقُوْا عَذَابَ

مصیبت کے باعث فوراً دھکیل دئے گئے اسی میں کہ چکھو جلانے

پھر اُسی میں لوٹا دئے جائیں گے اور حکم ہوگا کہ چکھو آگ

۲ع ۲ ۹ الْحَرِيْقِ ㉒ ع

والے عذاب کو

کا عذاب

marfat.com

تعلقات ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** سابقہ آیات میں کفر کے مختلف گروہوں اور مومنوں کا ذکر کیا گیا اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب قسم کے بہت سے مختلف گروہ دراصل فقط دو ہی متحارب گروہ ہیں ۱۔ تمام کفریہ فرقے ایک گروہ اور ۲۔ اہل ایمان مسلمان ایک گروہ۔ **دوسرا تعلق**، سابقہ آیت میں ذلیل کرنے کا ذکر ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے اس کو کوئی عزت نہیں دے سکتا۔ اب ان آیات میں ذلت کے سامان وعذاب کا ذکر ہے کہ کفار کو اس طرح ذلیل کیا جائے گا **تیسرا تعلق** گذشتہ آیت میں میدان محشر کا نقشہ کھینچا گیا اب ان آیت میں میدان جہنم اور دخول کفار کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔

شان نزول ان آیات کے شان نزول میں تین قول ہیں ۱۔ ایک مرتبہ چند اہل کتاب نے صحابہ کرام سے کہا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے زیادہ پیارے ہیں اس لیے کہ ہم کو تم سے پہلے کتاب ملی اور ہمارے نبی بھی تمہارے نبی سے پہلے ہوئے۔ جواباً صحابہ کرام نے فرمایا کہ ہم تم سے زیادہ اچھے ہیں کیونکہ ہم اپنے نبی آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور اپنے قرآن مجید پر بھی ایمان لائے اور تمہارے نبی علیہ السلام پر بھی اور تمہاری کتاب مقدس پر بھی ایمان لائے تب یہ آیت نازل ہوئیں ۱۹ تا ۲۴ ۲۔ ایک قول کے مطابق یہ آیت چھ اشخاص کے متعلق نازل ہوئیں حضرت امیر حمزہ، مولیٰ علی شیر خدا ۳۔ عبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہم ۴۔ شیبہ ۵۔ عتبہ ۶۔ ولید بن عتبہ جن کا مقابلہ ہوا ۳۔ ایک قول میں یہ آیت یوم بدر میں نازل ہوئیں ان چند صحابہ کرام کے بارے میں جو جہاد میں مقابلۃً بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اور مقابلے میں جھگڑا کرتے تھے مگر الفاظ آیت کو دیکھتے ہوئے مفسرین کرام نے پہلے قول کو ترجیح دی ہے وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ وَ رَسُوْلُہٗ۔ (از امام جلال الدین سیوطی فی کتاب لُبابُ النقول فی اَسْبابِ النُّزول)

تفسیر نحوی هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِیْمُ هٰذٰنِ اسم اشارہ تثنیہ اس کا واحد ہے ذَا، مذکر مشار الیہ کے لیے ہوتا ہے بحالت رفع مبتدا ہے آخر کا نون تثنیہ کا ہے بمعنی یہ دو۔ بعض نحویوں نے کہا کہ یہ تثنیہ نہیں اسم جنسی ہے جو صرف دو کے لیے آتا ہے جیسے کلا کلتا، اور آخر کی نون تثنیہ کی نہیں بلکہ اصلیہ ہے۔

marfat.com

ان کی دلیل یہ ہے کہ اضافت کے وقت یہ نون نہیں گرتی مثلاً ذَانِكَ ہی رہتا ہے، اگر یہ تثنیہ کی نونِ اعرابی ہوتی تو اس اضافت کے وقت گر جاتی ذَاكَ رہ جاتا۔ ہم کہتے ہیں یہ بات غلط ہے یہ تثنیہ ہی ہے اور ذَانِكَ میں اضافت نہیں کیونکہ اسماءِ اشارات کی اضافت ہوتی ہی نہیں، خَصْمٰنِ اسم تثنیہ ایک قول میں خِصْمَانِ ہے اس کا واحد ہے خَصْمٌ بمعنیٰ جھگڑا کرنے والا یہ مصدر ہے بمعنیٰ اسم فاعل مبالغے کے لیے جیسے زَیْدٌ عَدْلٌ بمعنیٰ عَادِلٌ، اس کی جمع پانچ طرح آتی ہے ۱۔ خُصُوْمٌ، ۲۔ خِصَامٌ، ۳۔ اَخْصَامٌ، ۴۔ خُصُوْنٌ، ۵۔ خُصْمَانٌ۔ اس میں اختلاف ہے کہ یہ جمع ہے یا بروزنِ عُثْمَانُ الف نون زائدتان ہے یہ موصوف ہے اِخْتَصَمُوْا۔ بابِ افتعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُمْ اس کا فاعل جس کا مرجع خَصْمٰنِ تثنیہ کے لیے جمع کا صیغہ اس لیے آیا کہ خَصْمٰنِ افرادی اعتبار سے جمع ہے ایک قرأت میں اِخْتَصَمَانِ تثنیہ ہی ہے، فِیْ رَبِّھِمْ۔ یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے، اِخْتَصَمُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے خَصْمٰنِ کی یہ مرکبِ توصیفی خبر ہے ھٰذَانِ مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا فَ زائد بیانیہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا بابِ نَصَرَ کا ماضی جمع مذکر غائب کُفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ منکرِ اسلام ہونا یا کسی بھی دینِ الٰہی کا منکر ہونا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر مبتدا ہوا، قُطِّعَتْ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مؤنث غائب اس کا مصدر ہے تَقْطِیْعٌ۔ قَطْعٌ سے بنا ہے ایک قرأت میں قُطِعَتْ بابِ فَتَحَ سے ہے ترجمہ ہے کپڑے تیار کرنا کاٹ چھانٹ اور سیکر، اردو میں اس کو بیونتنا کہتے ہیں یا یہ حقیقی معنیٰ میں ہے تب ماضی اپنے معنیٰ میں ہے یعنی دوزخیوں کے کپڑے تیار کر دیئے گئے ہیں، یا یہ مجازی معنیٰ میں یعنی آگ یا عذاب مثلِ لباس ان کو لپٹ جائے گا تب یہ ماضی بمعنیٰ مستقبل ہے اور ماضی کا آنا یقین کے لیے ہے گویا کہ ایسا ہی ہو گیا مگر پہلا قول قوی ہے دیگر آیت اس کی تائید کرتی ہے لَھُمْ، یہ لام جارہ استحقاقیہ ہے یا نفع کا یہ بمعنیٰ وجہ یا بمعنیٰ عَلٰی ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے قُطِّعَتْ کا ثِیَابٌ اسم جمع مکسر ہے ثَوْبٌ کی بمعنیٰ کپڑا یہاں مراد ہے لباس یعنی تیار شدہ کپڑا قابلِ جسم یہ فاعل ہے قُطِّعَتْ کا مِنْ نَّارٍ یہ جار مجرور متعلق ہے قُطِّعَتْ کا ایک قول میں یہ متعلق ہے پوشیدہ یَکُوْنُ فعل تامہ کا یا کَائِنٌ اسم فاعل کا اور وہ جملہ ہو کر صفت ہے ثِیَابٌ کی یعنی

marfat.com

ایسے کپڑے جو آگ سے ہیں، یہی ترجمہ اعلیٰحضرت کا ہے تب یہ مِنْ جارہ زائدہ ہے مراد ہے آگ کے کپڑے ہماری ترکیب میں مِنْ بیانیہ ہے یعنی تیار کیئے گئے ہیں آگ سے تب یہ متعلق ہے قُطِّعَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر اول ہے فَالَّذِیْنَ مبتدا کی یُصَبُّ اس جملہ کی ترکیب میں تین قول ہیں ۱ یہ خبر دوم ہے فَالَّذِیْنَ کی۔ یہ ترکیب زیادہ درست ہے، ۲ یہ علیحدہ جملہ ہے، ۳ یہ جملہ حال ہے لَہُمْ کی ھُمْ ضمیر کا، ہم نے پہلی ترکیب لی ہے یُصَبُّ بابِ نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب بمعنیٰ مستقبل صَبٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے بمعنیٰ اُنڈیلنا، ڈالنا، مِنْ فَوْقِ رُؤُسِہِمْ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُصَبُّ کا اَلْحَمِیْمُ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ کے لیے بابِ کَرُمَ سے ہے حَمٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے گرم ہونا مبالغہ میں آ کر معنیٰ ہے بہت ہی سخت گرم، یہاں مراد ہے بہت سخت کھولتا ہوا پانی اصطلاح میں جہنم کے پانی کا نام اِسی معنیٰ سے حمایت اور پکی دوستی کو بھی حمیم کہا جاتا ہے کہ وہاں بھی گرم جوشی ہوتی ہے حمیم بمعنیٰ گرم پانی جمع حَمَائِمُ ہے اور بمعنیٰ دوست کی جمع اَحِمَّاءُ ہے یہ نائب فاعل ہے یُصَبُّ کا

کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر دوم ہے فَالَّذِیْنَ اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ یُصْهَرُ بِهٖ بابِ افعال کا یا فتح کا مضارع مثبت مجہول واحد مذکر غائب ایک قرأت یُصَهَّرُ بابِ تفعیل سے ہے مبالغہ کے لیے کیونکہ بابِ تفعیل کی تعدی مبالغہ پیدا کرتی ہے صَهْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پگھلنا ٹکڑے ہونا نرم ہونا، یہاں دوسرے معنیٰ مراد ہیں یعنی ٹکڑے ہونا سسرالی رشتے کو صَهْرٌ یا صِهْرٌ نرم ہونے کے معنیٰ میں کہا جاتا ہے کیونکہ اغیار اور اجنبی لوگوں میں محبت اور نرمی صرف سسرالی وجہ سے ہوتی ہے۔ بِ جارہ سببیہ بمعنیٰ ذریعے ہٖ ضمیر کا مرجع حمیم ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یُصْهَرُ کا مَا اسم موصول فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے بُطُوْنِهِمْ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْجُلُوْدُ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے جِلْدٌ بمعنیٰ کھال معطوف ہے دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہوا یُصْهَرُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے اَلْحَمِیْمُ کا، یہ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے یُصَبُّ کا، واؤ عاطفہ لام

marfat.com

حرفِ جر استغراقیہ یعنی وہ کفار مستحق ہیں اس کے ہُم ضمیر کا مرجع فَالَّذِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا مَقَامِعُ اسم آلہ جمع باب فتح سے اس کا واحد ہے مِقْمَعٌ یا مِقْمَعَۃٌ بمعنی ہتھوڑا، گرز قَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی کوٹنا مضاف اس کو اضافت مِنْیَہ کہتے ہیں اصل میں تھا مقامعُ حدید بمعنی لوہے کا گرز حرفِ مِنْ جارہ بیانیہ ہے جس نے بعضیت کو بیان کیا حَدِیْدٌ اسم مفرد مذکر بمعنی لوہا یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَصْنُوْعٌ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر مضاف ہے مَقَامِعُ کا یہ مرکبِ اضافی نائب فاعل ہے مُوْجُوْدٌ پوشیدہ کا اسم مفعول اپنے نائب فاعل متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ بعض نے ترکیب اس طرح کی ہے کہ لَهُمْ موجودٌ سے مل کر خبر مقدم ہے اور مَقَامِعُ مرکبِ اضافی مبتدا مؤخر ہے یہ بھی درست ہے کُلَّمَا۔ یہ یہ دو لفظوں کا مجموعہ ہے کُلُّ اسم تاکیدی جمع جنسی لفظاً واحد معناً جمع بحالتِ نصب ہے کیونکہ ظرفِ زمانی ہے مَا مصدریہ ہے یا تنکیریہ بمعنی وقت کُلَّمَا، بمعنی تمام وقت یہاں استمراری معنیٰ میں ہے یعنی جب کبھی، جب بھی یہ اکثر ماضی سے پہلے آتا ہے اور شرط کے معنی پیدا کرتا ہے یہ ظرف مقدم ہے اَرَادُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب بمعنی مستقبل اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع فَالَّذِیْنَ ہے اَنْ ناصبہ یَخْرُجُوْا باب نصر کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب خَرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنی نکلنا اصل میں تھا یَخْرُجُوْنَ آخر سے نونِ اعرابی علامت رفع اَنْ ناصبہ نے نصب دے کر گرا دی اس کی جگہ بھرنے کے لیے اَلِف حشوی لگا دیا گیا مِنْ جارہ ابتداءِ غایت کے لیے ھَا ضمیر کا مرجع نَار ہے ایک قول میں ثیاب ہے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ حرفِ جر تعلیلیہ بمعنی وجہ سے غَمٍّ اسم فعل۔ یعنی اسم جامد بمعنی فعل غیر منصرفہ اسم) لغوی ترجمہ ہے چھپانا، گھٹانا، اندھیرا ہونا، رنجید گی ہیں چونکہ عقلی تاریکی ہیں دل گھٹتے ہیں اور طبیعت چھپتے ہی ہوتی ہے اس لیے رنج کو غم کہا گیا ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے یَخْرُجُوْا کا۔ علماءِ نحو کے نزدیک یہ جار مجرور مِنْھَا کے بَدَلُ الْاِشْتِمَال کے درجہ میں ہے۔ بعض نے کہا یہ جار مجرور مفعول لَهٗ کے حکم میں ہے اور یہ زیادہ ٹھیک ہے یَخْرُجُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَرَادُوْا کا وہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوا اُعِیْدُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول۔ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِعَادَۃٌ دراصل تھا اِعْیَادًا یا اِعْوَادًا سے تعلیل ہوا بمعنی لوٹانا، لوٹایا جانا۔ عَوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا، اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے فِیْ ظرفیہ مکانیہ

marfat.com

ہے ایک قول میں یہاں رُدُّوا ہے ھَا ضمیر مرجع نَار یا ثِیَاب ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اُعِیْدُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ذُوْقُوْا۔ باب نَصَرَ کا امر حاضر معروف جمع مذکر ذَوْقٌ سے مشتق ہے بمعنی چکھنا تھوڑی تھوڑی لذت پانا، یہاں چکھنا سے مراد ابتدا اور انتہا کے اعتبار سے یا دن بدن عذاب کے زیادہ ہونے کے لحاظ سے ہے کہ پہلا عذاب دوسرے اگلے عذاب کے مقابل تھوڑا ہوگا۔ عَذَابَ الْحَرِيْقِ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ذُوْقُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا پوشیدہ يُقَالُ کا وہ جملہ قولیہ ہو کر معطوف ہوا اُعِیْدُوْا کا یہ دونوں عطف مل کر جزا ہے كُلَّمَا کے جملے کی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

هٰذَانِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ وَالْجُلُوْدُ۔ دنیا میں ہی وہ چھ دینوں والے ہیں جو عملی اعتقادی زبانی قلبی، اختلافی، اتفاقی، دوستی، عداوت، تقابل، تعاون کے اعتبار سے مد مقابل مخالفت ہیں دو گروہ ہیں ہر امت کے تمام اہل ایمان ایک ملت ہیں اور ہر قسم کا کفر ملت واحدہ ہے، مومن کسی بھی شریعت کا ہو دین آدم علیہ السلام کا ہو یا حضرت نوح، ابراہیم، موسیٰ، داؤد اور عیسیٰ علیہم السلام کا یا مومن مسلمان دین اسلام کا ہو سب ایک گروہ ہے، کفر قابیل کا ہو یا نمرود شداد، فرعون ہامان کا، یا یہودی صابئی نصاریٰ مجوسیہ شرکیہ دہریہ تمام اَلْكُفْرُ مِلَّةٌ وَّاحِدَةٌ، دنیا میں از ابتدا تا قیامت ان دونوں گروہوں کا ہی وجود نمود ہے، ان کا ہی جھگڑا ان کا ہی فساد ان کی ہی خصومت مناظرہ مجادلہ مکالمہ، گویا کہ زمین جلسہ گاہ دنیا اسٹیج ایک طرف اہل ایمان کی ایک جماعت دوسری طرف اہل کفر کے پانچ گروہ ایک طرف ذکر و شکر کی چہل پہل دوسری طرف باطلیت کا شور و غل ایک طرف حج و زکوٰۃ زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم، دوسری طرف ناقوس ڈھول و طبلہ و سارنگیوں کا شور، ادھر ایک حق اُدھر پانچ باطل، اِدھر ایک علم اُدھر پانچ جہالتیں، عیسائی نے کہا، ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ، مومن کو حکم ملا۔ قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ مشرک نے کہا بت اللہ کے مددگار ہیں، مومن نے کہا، اَللّٰهُ الصَّمَدُ، اللہ تعالیٰ کو کسی کی مدد کی ضرورت نہیں وہ بے نیاز ہے۔ مجوسی نے کہا، آگ کی بڑی قوت ہے مومن نے کہا لَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ یہودی نے کہا عُزَیْرُنِ ابْنُ اللّٰهِ مومن نے کہا لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ صابئی نے کہا، فرشتے اللہ کی بیٹیاں اور قرابتدار ہیں مومن نے کہا وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ۔

marfat.com

اللہ تعالیٰ کا کوئی رشتے دار نہیں ہے، سب اُس کی مملوک و مخلوق ہے، رب تعالیٰ سب کا خالق و مالک ہے۔ غرضکہ، دونوں طرف سے اِخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّهِمْ اپنے رب تعالیٰ خالق اعلیٰ مالکِ بالا کی ذات میں، صفات میں قوت میں شان میں دین میں ایمان میں جھگڑا کیا جاتا رہا، کیا جاتا ہے کیا جاتا رہے گا۔ کوئی دوست بن کر کوئی دشمن، کبھی وجوبیت کا انکار کبھی وجودیت کا، کبھی شہودیت کا، کبھی ربوبیت کا، کبھی معبودیت کا انکار یہ دنیا کی ھنگامہ خیزی ہے، کفر میں نہ تدبر نہ تفکر نہ تذکر نہ تعلم نہ تشکر، ہر ایک اپنے آپ کو سچا کہہ رہا ہے ان سب کفریات کا جواب سورۃ اخلاص ہے۔ اسی کا فیصلہ قیامت میں ہوگا، تو وہ لوگ جو ان پانچ قسموں میں سے کسی بھی قسم کے کافر ہوں گے اُن سب کو جہنم میں پانچ قسم کے عذاب ہوں گے، پہلا عذاب اُن کے جسموں کو آگ کا لباس ایک ہی لمبا کرتا کندھوں سے پیروں تک دوسرا عذاب، اُن کے ننگے سروں پر ایسا کھولتا کڑکتا گرم پانی ڈالا جائے گا جس کی کیفیت حدیثِ پاک میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے کہ اگر اس پانی کا قطرہ پہاڑ پر ڈالا جائے تو پتھر پگھل جائے۔ تیسرا عذاب اُس لباسِ نار اور آبِ حمیم کا باطنی اثر یہ ہوگا کہ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِهِمْ تمام آنتیں چربی، دل، گردے، پھیپھڑے کلیجی ایک دم جل بھن کر کوئلہ سیاہ راکھ ہو جائیں گے عذاب چہارم، وَالْجُلُوْدُ۔ اور نارِ لباس وماءِ حمیم کا ظاہرًا اثر یہ ہوگا کہ پوری کھال بھی جل بھن کر راکھ بن جائیگی دردِ تکلیف سے چیخیں گے دھاڑیں گے ڈکرائیں گے، مگر شنوائی کوئی نہ ہوگی۔ وَلَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِیْدُوْا فِیْهَا وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِیْقِ۔ اور عذاب پنجم یہ ہوگا کہ ان کے لیے ملائکہ زبانیہ کے پاس لوہے کے ایسے مضبوط اور بھاری ہتھوڑوں کی مثل گرز ہوں گے جس کی کیفیت حدیث پاک میں اس طرح بیان ہوئی کہ اگر ایک گرز زمین پر پھینکا جائے تو تمام انسان تمام جنات مل کر بھی اس کو اٹھا نہ سکیں، یہ گرز اور ہتھوڑے اس لیے ہوں گے کہ جب کبھی یہ تڑپتے پھڑکتے جہنمی کفار انتہائی درد وغم سے گھبرا کر ارادہ کرکے نکل بھاگیں گے نچلے طبقہِ جہنم سے اوپر کی جانب اس خواہش میں کہ شاید پوری جہنم سے ہی باہر نکل جائیں تو پھر اُن ہی گرزوں کی مار سے لوٹائے جایا کریں گے اُسی احاطہِ عذاب میں اور گرزوں کی اُس مار دھاڑ کے دوران اُن سے کہا جایا کرے گا کہ اب کیوں بھاگتے ہو، پیٹ بھر کر چکھتے رہو اُس جلانے والے عذاب کو دنیا میں بہت بھاگ لئے تھے

marfat.com

نبی کے بلانے سے اسلام کے آستانے سے قرآن کے خزانے سے عُلما کے سمجھانے سے اُس وقت حیاتِ دنیوی میں اپنی اکڑ اپنے غرور کر کے اُن پیار کرنے والوں عافیت دینے والوں سے بھاگتے سب سے اَب عذاب سے بھاگنے نہیں دئے جاؤ گے، یہ بھاگ دوڑ پکڑ دھکڑ، دھکم پیل، مار دھاڑ وقفے وقفے سے جہنم میں تا ابد ہوتی ہی رہیگی، یہ سب کچھ پانچویں عذاب کی ہی شکل ہو گی کہ کفّار عذابِ حریق سے اِدھر اُدھر دوزخ کے اندر ہی چھپتے پھرینگے مگر ملٰئکہ پھر انہیں مارتے گھسیٹتے روندتے اُسی مقامِ عذاب میں لے آیا کریں گے۔ تفاسیر کی روایت میں ہے کہ سب سے پہلے یہ ثیابِ نار ابلیس کو پہنایا جائے گا پھر یہود کو پھر صابئین کو پھر نصارٰی کو پھر مجوسی کو پھر بُت پرستوں کو وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب ہو سکتا ہے یہاں پچھلی آیت کی ترتیب ذکری اسی وُرودِ عذاب کے اعتبار سے ہو۔ لباسِ نار آگ کی ایک چادر کی لپیٹ ہو گی جو کندھوں سے پیروں تک مثل چادر ہر کافر کے اردگرد لپٹی ہو گی اور۔ کُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا کے وقت اُسی ثیابِ نار سے کچھ دیر کے لیے باہر ہو جایا کرینگے، سب کافر ایک دم نہیں بلکہ کبھی کوئی کبھی کوئی جس کو بھی ذرا موقعہ ملا کرے گا۔ (اَعُوْذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی)

اِن آیات میں مفسّرین کے مختلف اقوال۔ خَصْمٰنِ میں چار قول ہیں ایک یہ کہ بعض نے کہا اس سے مراد پچھلی آیت میں بیان کردہ چھ دینی گروہ ہیں ایک مومنین کا اور دوسرا پانچ باطل مذکورہ دین والوں کا کیونکہ تمام باطل دین جنسی اعتبار سے ایک ہی گروہ ہے اگرچہ نوعی اعتبار سے مختلف ہیں ۲ بعض نے کہا یوم بدر کے وہ دو گروہ مراد ہیں جنہوں نے پہلے جنگ کی مسلمانوں کی طرف سے حضرت حمزہ مولیٰ علی شیرِ خدا اور حضرت عُبیدہ بن حارث رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہم اور کفار کی طرف سے ربیعہ کے دو بیٹے ایک پوتا، عتبہ شیبہ، ولید ابن عتبہ ۳ بعض نے کہا اِس سے مراد، ایک یہودی اور ایک مسلمان کا مکالمہ کرنا ایک دفعہ ایک یہودی نے کہا ہم تم سے افضل کیونکہ ہمارا دین ہمارے موسیٰ ہماری کتاب پہلے ہے مسلمان نے کہا کہ ہم تم سے افضل کیونکہ ہمارا سب انبیا اور سب کتب پر ایمان ہے اور تم یہودی لوگ حسد سے ہمارے نبی اور قرآن مجید کو نہیں مانتے حالانکہ جانتے ہو کہ اسلام قرآن سچا ہے ۴ بعض نے کہا کہ اس سے مراد جنّت اور دوزخ کی آپس کی گفتگو ہے اِخْتَصَمُوْا میں چار قول ۱ ایک یہ کہ اس سے مراد

marfat.com

تاقیامت مومنین کافرین کے دینی مناظرے ہیں، دوم یہ کہ بعض نے کہا کہ یوم بدر کی پہلی مقابلے بازی کی بات چیت مراد ہے۔ تین کافروں کے مقابل اولاً تین انصار صحابی نکلے ایک صحابیہ عفراء کے دو بیٹے عوف بن حرث ۱ معوذ بن حرث ۲ عبداللہ بن رواحہ تو مقابل میں آنے والے تینوں کفار نے کہا تم ہم سے کمتر ہو ہمارے مقابل کے مکی قریشی بھیجو تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے علی، حمزہ، عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھیجا حضرت حمزہ نے آتے ہی پہلے ہی وار میں عتبہ کو مولیٰ علی نے تیسرے وار میں شیبہ کو قتل کر دیا۔ حضرت عبیدہ اور کافر ولید کا کچھ دیر مقابلہ رہا اور دونوں سخت زخمی ہو کر گر پڑے ولید کو تو قتل کر دیا گیا اور عبیدہ کو اٹھا کر بارگاہ رسالت لے آئے آپ کے پیر کی ہڈی کٹ چکی تھی مینگ اور خون بہہ رہا تھا، آپ کی شہادت ہوئی یہ اسلام کے پہلے شہید ہیں، یہاں یہ ہی گفتگو مراد ہے سوم قول ایک یہودی اور مسلمان کی مندرجہ بالا باتیں چہارم یہ کہ بعض نے کہا اس سے مراد جنت و جہنم کا وہ مکالمہ ہے جو معراج میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سنا، جنت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوں، جہنم نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا قہر ہوں، جنت نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا جمال ہوں جہنم نے کہا میں اللہ تعالیٰ کا جلال ہوں۔ مگر پہلا قول زیادہ درست ابو ذر غفاری قسم بول کر کہتے تھے کہ اِخْتَصَمُوْا سے یوم بدر کا مکالمہ مراد ہے، ہو سکتا ہے چاروں واقعات کے بعد آیت اتری ہو اور یہ سارے مکالمے ہی مراد ہوں فِیْ رَبِّہِمْ میں تین قول ۱ اس کے معنی اللہ تعالیٰ کے دین میں ۲ اس سے مراد اللہ تعالیٰ کی صفات میں ۳ فِیْ رَبِّہِمْ سے مراد اللہ کی ذات میں جھگڑا مناظرہ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ میں دو قول بعض نے لکھا کہ آگ ہی لپیٹی جائیگی مثل لباس۔ بعض نے کہا کہ انگارے کی طرح سرخ و گرم تانبے کی چادر سارے جسم پر لپیٹی جائیگی، دونوں قول درست ہیں، اس طرح کہ کسی کو یہ کسی کو یہ یا کبھی کبھی یہ لَہُمْ کے لام میں چار قول ۱ یہ لام استحقاقی ہے یعنی وہ کافر اس لباس نار کے مستحق ہیں ۲ یہ لام فائدے اور بدلیت کا ہے یعنی یہ کافرین کا بدلہ ہے ۳ یہ لام توجیہ کا ہے یعنی یہ ثیاب نار ان کے کفر کی وجہ سے ہے ۴ یہ لام بمعنی علیٰ ہے یعنی یہ لباس نار قُطِّعَتْ لَہُمْ، ان کے جسموں پر فٹ کیا جائے گا۔ لَہُمْ مَّقَامِعُ کی ھُمْ ضمیر کے مرجع میں دو قول بعض نے کہا اس کا مرجع کفار اور لام کا معنی لیے بعض نے کہا اس کا مرجع دوزخی فرشتے ہیں اور لام کا معنی عِنْدَ یعنی پاس۔ اَنْ یَّخْرُجُوْا میں تین قول ۱ بعض نے کہا اپنے مقام عذاب سے نکل کر

marfat.com

دروازۂ جہنم کی طرف ۲ بعض نے کہا اپنے لباس سے نکلینگے، اُن کی دلیل اُعِیۡدُوۡا فِیۡهَا ہے ۳ بعض کے وہ جہنم سے نکلنے کا صرف ارادہ کریں گے نکلیں گے نہیں ان کی دلیل سورۃ مائدہ کی آیت ۳۷ ہے وَمَا هُمۡ بِخَارِجِیۡنَ مِنۡهَا. مگر پہلا قول درست ہے اسی لیے اُعِیۡدُوۡا ہوگا۔ کیونکہ صرف ارادے کے لیے اُعِیۡدُوۡا نہیں ہو سکتا اور کُلَّمَا اَرَادُوۡا کا معنیٰ ارادۂ عملی ہے نہ کہ فقط ارادۂ قلبی اور سورۃ مائدہ میں اَور کسی وقت کا ذکر ہے مِنۡهَا کی ھا ضمیر کے مرجع میں تین قول ہیں ۱ اس کا مرجع عذاب ہے ۲ اِس کا مرجع لباس ہے ۳ اِس کا مرجع جہنم ہے۔ مگر پہلے دو قول درست ہیں۔

فائدے ان آیاتِ پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** دنیا میں ایمان کی بھی بہت قسمیں ہیں کفر کی بھی بہت قسمیں ہیں، مگر ایمانیات اپنی تمام اَقسام کے ایک مجموعے کا نام ہے، ایمانیات مندرجہ ذیل ہیں ۱ توحید ۲ رسالت یعنی تمام انبیاء علیہم السّلام کو ماننا ۳ تمام کلام الٰہی کو ماننا ۴ تمام فرشتوں کو اُن کی صفاتِ عطائیہ کے ساتھ ماننا ۵ قیامت حشر و نشر دوزخ، جنّت کو ماننا ۶ نیست سے ہست اور ہست سے نیست کی موت و حیات کو ماننا ۷ خِلۡقَتِ اُوۡلیٰ وَبَعۡثَتِ آخرت کو ماننا ۸ تمام عبادات کی تعداد اور اُن کے اوقات کو ماننا۔ یہ سب ایمان کا ایک مجموعہ اور نظامِ اَنبیاء علیہم السّلام کا گلدستہ ہے جو بندہ اِن سب چیزوں کو اقرارِ لسانی اور صدقِ قلبی سے مانیگا بس وہی مومن ہے ایک چیز کا انکار بھی شرعی مومن نہ بننے دے گا۔ یہ اَشیا ایمان کے اَعۡضاءِ اَصۡلِیَہ ہیں مگر کفر میں یہ بات نہیں وہاں مجموعہ اور اجتماع ضروری نہیں بلکہ تمام کفریات میں سے ایک کفر کو بھی مان لیا تو اسی طرح مکمل کافر ہو گا جس طرح سب کفریاتِ خمسہ وغیرہ کو باقی کفریات کو مانے یا نہ مانے اسی طرح اجزاءِ ایمان میں سے ایک جز کا بھی انکار مکمل کفر ہے۔ ایمان مثل اجزاء کے ہے جن سے مل کر کُل بنتا ہے۔ مگر کفریات سب مُتفرِّق کُل ہیں، کفر مثل اَفراد ہے یعنی یہود، مجوسی وغیرہ سب علیحدہ علیحدہ مکمل کفر ہیں۔ یہ فائدہ ھٰذانِ خَصۡمَانِ کے صیغۂ تثنیہ کے بعد اِخۡتَصَمُوۡا۔ جمع فرمانے سے حاصل ہوا، یعنی تمام ایمانیات ایک اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا ہیں اور کفریات، یہود وہنود و مجوس، صابئی نصاریٰ علیحدہ مستقل مکمل **دوسرا فائدہ** جنّت اور دوزخ اور ان کی تمام چیزیں پیدا ہو چکی ہیں ہر نیک بندے کے ثواب کی چیزیں اور برُے بندے کے عذاب

marfat.com

کی چیز بن چکی ہیں جو بعد قیامت ملیں گی یہاں تک کہ اہلِ جنت کا لباسِ نور اہل جہنم کا ثیاب نار بھی ہر ایک کے جسم کے مطابق بنایا جا چکا ہے، دنیا کی طرح بارگاہِ الٰہیہ میں ناپ لینے کی ضرورت نہیں وہاں پر نیک و بد کے ناپ و پیمائش پہلے ہی موجود ہیں اگرچہ انسان دنیا میں علی الترتیب پیدا ہوتے فوت ہوتے رہتے ہیں۔ یہ فائدہ قُطِّعَتْ۔ ماضی مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔

تیسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں سب سے زیادہ طاقت والی مخلوق ملائکہ ہیں صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ فرشتوں کی جسمانیت اور جسمانی قوت اتنی زیادہ ہے کہ اگر ایک فرشتہ چاہے تو تمام انسانوں اور تمام جنات کو اپنے ایک ہاتھ میں جکڑ لے، روایت میں ہے کہ چاہے تو پوری زمین کو اپنی ہتیلی پر اٹھا لے، طائف کا پورا پہاڑ بحکم الٰہی جبرئیل علیہ السلام ہی کہیں سے اٹھا کر لائے تھے، سورۃ بقرہ کی آیت ۹۳ میں فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ۔ یہ بھی جبرئیل علیہ السلام نے طور پہاڑ اٹھا کر بنی اسرائیل پر کیا تھا یہ فائدہ۔ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِیْدٍ۔ کی تفسیر نبوی سے حاصل ہوا۔ حدیث پاک میں ارشاد ہے کہ یہ لوہے کے گرز اتنے بھاری ہیں کہ اگر ان میں سے کوئی زمین پر رکھ دیا جائے تو ثقلین یعنی تمام جنات اور تمام انسان مل کر بھی اس کو نہ اُٹھا سکیں وہ گُرز زبانیہ فرشتے ہر ایک، ایک گرز کھلونے کی طرح اٹھائے پھرے گا۔ اور احادیث سے ہی یہ بھی ثابت ہے کہ روحانی قوت میں انبیا علیہم السلام ملائکہ علیہم السلام سے بھی زیادہ ہیں موسیٰ علیہ السلام کے ایک تھپڑ کی طاقت کا عزرائیل علیہ السلام کو پتہ ہے اور نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی طاقت کا سیرِ معراج میں سدرہ سے آگے لامکان تک جانے پر جبرئیل علیہ السلام کو پتہ لگا۔

احکام القرآن ان آیاتِ مقدسات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** لباس انسانی میں کندھوں سے ٹخنوں تک جسم انسانی شامل ہے مگر سر اُس لباس میں شامل نہیں۔ لہٰذا اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ زید کو کپڑوں کا لباس دوں گا اور وہ صرف کرتا پاجامہ دو کپڑے دیتا ہے مگر عمامہ یا ٹوپی یا سر کا رومال نہیں دیتا حانث نہیں ہوگا۔ قسم پوری ہوگئی یہ مسئلہ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ۔ فرمانے کے بعد یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی پورے جسم پر لباس ہونے کے باوجود سر ننگا ہوگا۔ اس طرح اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ اپنے جسم پر پانی نہیں ڈالوں گا یعنی نہاؤں گا نہیں وہ صرف اپنے سر پر پانی ڈالتا ہے تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اگر سارے جسم پر پانی

marfat.com

ڈالے صرف سر نہ دھوئے تو حانث ہو جائیگا قسم ٹوٹ گئی کفارہ واجب نہانا پایا گیا۔ اصطلاحًا بھی جسم سے مراد کندھوں سے ٹخنوں تک ہوتا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ فلاں شخص پسینے میں نہا گیا تو کندھوں سے ٹخنوں تک ہی شرابور ہونا مراد لیا جاتا ہے سر اور جسم کا یہ اصطلاحی فرق اسی آیت سے مستنبط ہوا۔ نیز یہ بھی ثابت ہوا کہ جہنم کا پانی جہنم کی آگ کو نہیں بجھا سکتا۔ حالانکہ دنیا کا پانی دنیا کی آگ بجھا دیتا ہے۔ یہ فرقِ دنیا و آخرت بھی اسی آیت سے ظاہر ہوا، کہ جسم پر آگ ہوگی سر پر پانی ڈالا جائے گا جو یقینًا نیچے لباس پر آئے گا مگر لباس کی آگ نہ بجھے گی۔ **دوسرا** مسئلہ کفر کی سابقہ پانچ قسموں کے علاوہ چھٹی قسم یہ ہے کہ ایمان کی آٹھ اجزا میں سے جو شخص ایک کا بھی انکار کرے وہ مکمل کافر ہے اور جہنم میں وہی عذاب خمسہ جو ان کفار خمسہ کو دئیے جائیں گے وہ اس کو بھی اَبدًا اَبدًا دئیے جائیں گے یہ مسئلہ ھٰذٰانِ خَصْمَانِ کی تفسیر سے مستنبط ہوا کہ کسی بھی ایمانیات کا انکار دراصل ایمان سے جھگڑا اور مناظرہ مجادلہ کرنا ہے۔ بعض گمراہ مسلمان مفسر بن نے گوتم بدھ اور زرتشت کو نیک انسان بلکہ معاذ اللہ پیغمبر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کا یہ جاہلانہ قول قطعًا کفر یہ ہے۔ زرتشت اور گوتم بدھ وغیرہ میں اوّلًا تو ایمانیات کی ایک ذرہ بات بھی نہیں تھی ہر بات ہر تبلیغ ہر عمل و کردار میں شرک ہی شرک تھا ثانیًا اگر ذرہ بھر کسی طرف سے توحید الٰہی کا اشارہ ملتا بھی ہو تو ایمان کے باقی اجزا رسالت، قیامت وغیرہ کا ذکر اشارتًا بھی اُن کی تبلیغ اور تعلیم و تعلم میں نہیں ملتا، اس لیے یہ خود اور اُن کے عقیدت مند ہرگز ہرگز مومن نہیں، گوتم بدھ کے دین میں بت پرستی ظاہرًا موجود اور زرتشت آتش پرست اس نے ایران میں ایک اتنا بڑا آتش کدہ بنوایا تھا جو ہزار سال تک جلتا رہا۔ اور عید میلاد النبی کے دن ایک دم۔ بجھ گیا تھا پھر ہزار کوشش پر بھی نہ جل سکا۔ زرتشت آگ کو طاقت کا سرچشمہ اور مظہر الٰہ مانتا تھا۔ لہٰذا یہ سب کفار میں شامل۔ **تیسرا مسئلہ** حدیث پاک میں اسی آیت کریمہ کی تفسیر نبوت کے تحت مذکور ہے کہ جو دنیا میں کپڑے کے ریشم کا لباس پہنیگا کل قیامت کے دن جنت میں ریشمی لباس سے محروم رکھا جائے گا ایسے ہی جو مسلمان مرد دنیا میں سونے چاندی کا زیور۔ کنگن، انگوٹھی وغیرہ پہنے گا جہنم میں اُس کو آگ کا زیور پہنایا جائے گا۔ مسلمان مردوں کو ریشم و سونا چاندی حرام ہے۔ یہ مسئلہ قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ (الخ) کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا۔ دنیا میں صرف مسلمان عورتوں کو ریشم و زیور جائز ہے وہ بھی فقط سونے چاندی کا بقیہ دھاتوں کا زیور عورتوں کو بھی حرام ہے

marfat.com

اعتراضات | یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا خَصْمَانِ تثنیہ کا صیغہ یعنی دو جھگڑا کرنے والے مگر آگے ارشاد ہوا اِخْتَصَمُوْا جمع کا صیغہ جس کا معنیٰ ہے بہت سے لوگوں نے جھگڑا کیا، حالانکہ مفسّرین فرماتے ہیں اور کلام کی روش سے بھی ظاہر کہ اِخْتَصَمُوْا کا فاعل خَصْمَانِ ہی ہے، تو تثنیہ کا فعل جمع کیوں لایا گیا چاہیئے تھا کہ اِخْتَصَمَا، فرمایا جاتا۔ **جواب**۔ خَصْمَانِ تثنیہ ہے خَصْمٌ کا اور یہاں لفظ خَصْمٌ لفظاً واحد ہے اور معنیً جمع ہے کیونکہ خَصْمٌ سے ایک قسم کے افراد کے اعتبار ایک گروہ مراد ہے تو اصل معنی یہ ہوئے کہ دو گروہ کے افراد نے جھگڑا کیا ہے ایک گروہ مومنین کا دوسرا گروہ کفّار کا چونکہ گروہ اپنے اجتماع کے اعتبار سے واحد ہوتا ہے افراد کے اعتبار سے جمع لہٰذا اختصمان میں گروہی وحدت کے اعتبار سے دو گروہ کے لیے تثنیہ ارشاد ہوا اور گروہی افراد کے اعتبار سے اِخْتَصَمُوْا فرمایا گیا بات اِخْتَصَمَا فرمانے سے ظاہر نہ ہوتی بلکہ فرداً بھی دو ہی شخص معلوم ہوتے۔ اس لیے دونوں صیغے عین حکمتِ اظہار کے مطابق ہیں **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ ۔ چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا قُطِّعَتْ لَهُمْ لِبَاسُهُمْ۔ کیونکہ کپڑے کو کاٹنے کا مقصد کپڑے کو کوئی دوسری چیز بنانا ہوتا ہے یا لباس یا غلاف وغیرہ۔ کپڑے کو کاٹنے کا مقصد کپڑا بنانا نہیں ہوا کرتا۔ موجودہ الفاظ میں آیت کا ترجمہ یہ ہوا کہ کاٹا گیا اُن کے لیے کپڑا بنانے کے لیے آگ سے یا آگ کو اور یہ معنیٰ درست نہیں۔ اگر لِبَاسُهُمْ مِنْ نَار ہوتا تو ترجمہ یہ ہو جاتا کہ ان کے لیے کپڑا کاٹا گیا لباس بنانے کے لیے یہ ترجمہ قابلِ فہم ہے اس لیے درست ہے۔ اس اُلجھن کا حل کیا ہے۔ **جواب** یہاں ثِیَابٌ فرمانا ہی عین درست ہے۔ اس لیے کہ کپڑے کا استعمال جسم پر تین طریقے سے ہوتا ہے ۱ پہنکر ۲ لپیٹ کر ۳ اوڑھ کر۔ پہننے کے لیے کپڑا کاٹ کر پیمائش کے مطابق سیا جاتا ہے عرفِ عام میں صرف اسی کو لباس کہا جاتا ہے۔ لیکن لپیٹنے یا اوڑھنے کے لیے کپڑا صرف کاٹا جاتا ہے، سیا نہیں جاتا، اور اُس کو عرفِ عام میں لباس نہیں کہا جاتا بلکہ چادریں یا تہبند اور دھوتی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ جیسے احرام کی چادریں وغیرہ، یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ ان جہنّمیوں کے جسم پر آگ کا سِلا لباس نہیں ہوگا بلکہ کھلی چادروں کی شکل میں اُن کے جسم کے مطابق آگ کی یا تپتے تانبے کی چادریں ہوں گی اسی لیے قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ فرمایا گیا۔ لِبَاسُهُمْ نہ فرمایا گیا کیونکہ سِلے ہوئے کرتے پیجامے نہ ہوں گے۔ یہ صرف اُن کفّار کا حال بیان فرمایا گیا جو اِخْتَصَمُوْا کے جھگڑالو ہیں

marfat.com

دیگر کفار کا حالِ عذاب مختلف ہوگا بعض نے یہ جواب دیا کہ قُطِّعَتْ کا معنیٰ کاٹا گیا نہیں، بلکہ جسموں پر فٹ کیا گیا۔ یہ معنیٰ لباس کے لیے بھی ہو سکتے ہیں اور کھلی چادروں کے لیے بھی اب اعتراض ختم ہو گیا۔ **تیسرا اعتراض**۔ جہنم کی نار شر ہے یا خیر ہے؟ **جواب**۔ جہنم کی آگ کے متعلق بعض نے فرمایا نہ یہ شر ہے نہ خیر ہے بلکہ عذابِ الٰہی اور حکمتِ ربانی ہے بعض نے فرمایا کہ دوزخ کی آگ کسی کے لیے خیر ہے مثلاً فسّاق کبھی کیلئے شر کسی کے لیے عذاب، کسی کے لیے عتاب، جیسے حاکم کے ہاتھ میں کوڑا، جو نافرمان کو بندہ بنانے والا درست کرنے والا خیر ہے کہ دیکھ کر سن کر ہی جرم سے باز آجائے، اور مجرم بدکار کے لیے سزا کا شر ہے۔ کہ کسی کی سزا سن کر دیکھ کر ڈر جاتا ہے یہ دنیا میں ہے آخرت میں یہ آگ مثل نارِ نمرود ہے کہ نمرود نمرودیوں کی نگاہ میں وہ ابراہیم علیہ السّلام کے لیے شر تھی مگر حقیقتاً وہ بَرْدًا وَّسَلَامًا کا خیر تھی، یونہی گناہگاروں کے لیے نارِ جہنم ان کو پاکیزہ کرکے گناہ جلاکے گلزارِ جنت کے لائق بنانے والی خیر ہے یا جیسے وَبَاءِ طاعون کو مومنین کے لیے صبر و شہادت کا خیر کہ صبر کریں تو اجر پائیں گے طاعون سے فوت ہو جائیں تو شہادت پائیں مگر کافرین کے لیے یہ نارِ جہنم عزت دلانے ڈرانے کفر سے بچانے کے لیے دنیا میں مہلت کا خیر ہے ورنہ قبر و حشر و جہنم میں عذابِ الیم کا شر ہی شر ہے۔ نارِ جہنم دنیا میں سنائی گئی قبر میں دکھائی گئی اور جہنم میں پہنچائی گئی، جو شخص دنیا میں سن کر بھی عبرت نہ پکڑے اچھا بندہ نہ بنے تو اس کے لیے یہ آگ ہر جگہ شر ہی شر ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ۔ یعنی جب وہ کفار ارادہ کریں گے نکلنے کا اس جہنم سے غم کی وجہ سے تو اُعِيْدُوْا فِيْهَا تو اسی جہنم میں لوٹا دیے جائیں گے۔ سوال یہ ہے کہ کفار صرف نکلنے کا ارادہ کریں گے نکلیں گے نہیں ارادہ فقط نیت کا نام ہے نہ کہ عملی اِقدام کا۔ اِس لفظ سے ثابت ہوا کہ نکلیں گے نہیں اور سورۂ مائدہ کی آیت ۳۷ سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ نکلیں گے نہیں چنانچہ ارشاد ہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِيْنَ مِنْهَا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ۔ تو پھر یہاں اُعِيْدُوْا کیوں نکر فرمایا گیا، لوٹانا تو تب ہو سکتا ہے جب نکلنا پایا جائے بغیر نکلے اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ کیسے ہو سکتا ہے۔ **جواب**۔ ارادہ دو قسم کا ہوتا ہے ایک ارادہ ظاہری دوم ارادہ باطنی ہر شخص کا اپنا ارادہ باطنی ہوتا ہے لیکن جب دوسرا کوئی بیان کرے تو وہ پہلے اُس پر ظاہر ہو گا تب ہی بیان کیا اور لوگوں

marfat.com

کو دکھایا سنایا جا سکتا ہے باطنی ارادے کا نام ارادۂ قلبی ہوتا ہے اور ظاہری ارادے کی تین صورتیں یا تو ارادے والا خود بتائے کہ میرا یہ ارادہ ہے یا اس کے انداز بتائیں، یا اس کا عملی اقدام بتائے یہاں کفار کے ظاہری ارادے کا ذکر ہے کہ وہ عملی اقدام بھی کریں گے اور نکل بھاگیں گے ان کا پورا ارادہ تو جہنم ہی سے نکلنے کا ہوگا مگر ابھی وہ مقام عذاب یا ثیاب عذاب سے ہی نکلے ہوں گے کہ اُعِیْدُوْا فِیْھَا۔ مار پیٹ کر ابھی جگہ اور اُسی ثیاب نار میں لوٹا دئے جائیں گے اور سورۂ مائدہ کی آیت ۳۷ میں پوری جہنم سے نکلنے کی نفی جا رہی لہٰذا دونوں آیتیں دو مختلف نکلنے کا ذکر فرما رہی ہیں یہاں جو نکلنا پایا گیا اُسی کے بیلے اُعِیْدُوْا فرمایا گیا ہے اس بیلے اعتراض ختم ہوگیا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ هٰذٰنِ خَصْمٰنِ اخْتَصَمُوْا فِیْ رَبِّھِمْ فَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَھُمْ ثِیَابٌ مِّنْ نَّارٍ یُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِھِمُ الْحَمِیْمُ یُصْهَرُ بِهٖ مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ وَالْجُلُوْدُ۔ عالم ابدان میں یہ دو ہی قوتیں ہیں جو ہر وقت بر سر پیکار اور متقابل رہتی ہیں ایک قوت روح مومن یہ حق کی طاقت ہے دوم قوۂ نفس کافرہ۔ یہ باطل کا شور ہے، دونوں کا جھگڑا کفر اور ایمان میں شکر اور کفران میں، صبر اور شکوان میں ہے پس جو نفس کافرہ کی قوتیں ہیں اُن کے بیلے مخالفت شریعت مطابقتِ طبیعۃ کی بنا پر غضب الٰہی کے تانے اور قہر جباری کے بانے کی نار فراق سے اُن کی صفاتِ منحوسہ عاداتِ منکوسہ کے مطابق شکل وھیئت کے کپڑے بنا دئے۔ اور اُن کے خصائلِ متکبرانہ کے سروں پر شہواتِ شیطانیہ اور حُبِّ دنیا کا کھولتا پانی کڑکتا ماءِ حمیم جہل مرکب کا تیزابِ فنائیت غالب و بلند کر کے ڈالا جائے گا اور اعتقادِ فاسدہ کے قطرے اُن کی ظاہر خواہشوں خفیہ مکروں منصوبوں کو مغلوب کر کے یہ قہر الٰہی کا ایسا پانی کہ تمام خیالاتِ فاسدہ کی آتشِ عذاب دل دماغ عقل و ہوش پر اس طرح پڑے گی کہ تمام عباداتِ حمیدہ عاداتِ صالحہ یُصْهَرُ جل کر تباہ و سیاہ ہو جائیں گی مَا فِیْ بُطُوْنِھِمْ کے اعمالِ حسنہ اور غیرت ایمانی کی جُلُوْد پگھل کر بکھر جائیں گے یعنی ظاہر بھی تباہ باطن بھی برباد فساد فی الارض بدنی کی تمام استعدادِ باطنی خفی جلی قوتیں خاک و راکھ ہو جائیں گی، اُن کی صفاتِ انسانیت و کیفیتِ بشریت صورتًہ و معنًا تبدیل ہو جائیں گی کیونکہ اہل نفسانیت اللہ تعالیٰ سے اُس کے دین سے اس کے قانون کلام حدود، انبیاء علیہم السّلام کی صورت و سیرت اطاعت و اتباع سے

marfat.com

دور وجُدا رہتے ہیں اور دعوت انبیا علیہم السّلام کے انکار اور اُس کی مخالفت و رُوگردانی میں لگے رہتے ہیں، اِتّباعِ خواہشات وطلبِ شہوات میں مشغول تب خبّاطِ قضا وقدر ان کی اہلیت کے قدر برابر اُن کے اُوپر محرومیِ عرفانی کی نارِ غضب کی چادریں آتشِ فراق کے کپڑے ڈال دیئے جاتے ہیں جس سے انکی عقلوں کی قوۃ شعور ولطافت پگھل کر ختم ہوجاتی ہے اور وہ حُمقاء بن کر ظاہر اچھائیوں کو بُرائیاں اور برائیوں کو اَچھائیاں سمجھنے لگتے ہیں اور قہرِ عذاب کا پانی اس طرح اُن پر غلبہ کر لیتا ہے کہ اُن کی باطنی کیفیات اور ظاہری جلوات کے حالات بگڑ جاتے ہیں۔ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ۔ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ اور ان ہی شیطانی خصلتوں کے لیے آیتِ قرآنیہ کا نزول اور اثراتِ ملکوتیہ کا صدور شریعتِ ایمانیہ کا قانون مثل ہتھوڑا اور گرزِ حدید دھماکہ خیز ہیں جو اَجرام سماویہ کے لشکر ملائکہ زبانیہ فرشتے لے کر آتے ہیں بارگاہِ قدس سے۔ نفس کی مادی طاقتوں کی غلاظتوں کو ختم کرنے کے لیے۔ كُلَّمَا جب کبھی فطرتِ انسانی کے دعویدار استعدادِ اَزلی کے گھمنڈ میں حدودِ فطری سے باہر نکلنے لگتے دنیوی محرومی کے غم سے اور اس آتشِ فراق سے بھاگنے لگتے ہیں کوششِ کثیفہ سے اُن اندھیری عذاب سیاہ کی مجلسوں میں سے نکل کر مراتبِ انسانی کی چڑھتی فضاؤں ڈھلتی فضاؤں کی جانب کھسکتی ہیں تو دھکاتِ مردودیت کے کرب اور دردناک گرزوں کی کڑک مُہلک ضربوں کی بھڑک بھیانک عذابوں کی تڑپ میں پھر لوٹا دیئے جاتے ہیں اور صحراءِ غیب کی صداؤں سے ان کو کہا جاتا ہے ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ۔ غفلت کی زندگی کے عذاب کا مزہ موتِ حقیقی تک چکھتے رہو۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بیابانِ معرفت میں دَوْ خَصْمَانِ ہیں۔ ایک عدم کا، دوم وجود کا۔ عارفین کے مسلک میں وجود خیر محض ہے اور عدم شر محض ہے۔ اس لیے کہ وجود میں حکیم مطلق عزّوجلّ کی صفتِ قدرت کا اثر ہے لہٰذا کسی بھی چیز کا وجود باطل نہیں، اَشیا کا فاسد ہو کر شر بن جانا اَعمالِ مخلوق اور اَثراتِ ملکوت کی وجہ سے ہے۔ باری تعالیٰ اپنی مِلکیت میں يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۱۴ کی شان والا ہے اور اپنے حکم میں يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ۔ کی حکمت والا ہے، آگ مظہرِ جلال ہونے کی بنا پر خیر محض ہے اور تعلقِ انسانی کی بنا پر کسی کے لیے شر کسی کے لیے خیر ہے۔ آتشِ دنیوی کو اس لیے بھی پیدا فرمایا گیا تاکہ ذی عقل مخلوق خالق تعالیٰ کی قدرِ جلال

marfat.com

کبریائی کو جانے مانے پہچانے، آگ میں خصمان ہیں ایک خصم قوت دوم خصم کمزوری، قوت یہ کہ ہر چیز
کو راکھ کر دے کمزوری یہ کہ خوفِ الٰہی کے آنسو سے بجھ جائے، آگ میں الفت کا غلبہ بھی ہے
اور کلفت کا عنصر بھی، محققین فرماتے ہیں کہ جیسے ایک شخص دعوتِ عام کا اعلان کرتے ہوئے
کہتا ہے۔ جو لوگ میری دعوت میں آئیں گے انعام و اکرام پائیں گے جو لوگ نہ آئیں گے وہ قید
و عذاب کی سزا پائیں گے، تو دوسرا شخص رحم و کرم شفقت و الفت پیار و محبت میں پہلے شخص
سے زیادہ اکمل و اکرم اور اَتم و اَرحم شفیق و حلیم ہے کہ جو کوئی بندہ اس کی دعوت لینے آستانۂ
نبوت میں آگیا اس کے لیے ثواب و رضا ہے جو نہ آیا اس کے لیے عذاب و قضا ہے۔ اس لیے
عقل مند تو وہی بندہ ہوا جو دعوت لینے آگیا۔ یہ دنیوی جنگ و جہاد اور اخروی سزائے
عذاب کا ابھی سے اِس دنیا میں ہی قرآن و حدیث سے بار بار سنایا جانا ظہورِ الفت ہی ہے
ظاہراً کلفت ہے باطناً الفت ہے۔ ظاہراً مصیبت ہے۔ باطناً شفقت ہے۔ ظاہراً
زحمت ہے باطناً رحمت ہے۔ اے بندے ابھی جب کہ اَجَلِ مقدّر نے تیرے دستِ
عمل کو بند نہیں کیا نہ قدرت کے پاؤں کو باندھا جلدی جلدی دونوں ہاتھوں کو پھیلا کر
پاؤں کو چلا کر دارِ محشر کی دعوتِ شریعت و طریقت میں لبیکِ حقیقی پڑھتا ہوا حاضر ہو
جا سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکھٹا لے کیونکہ سزاءِ نار کے اندر آجانے کے بعد شور و
فریاد بیکار ہے بلکہ فرعونیت کا نمونہ ہے۔ گناہ کرتے میں اپنے رب سے ایسی شرم کر جیسی اپنوں
اور پڑوسیوں سے، دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا کہ قیامت میں کسی سے نہ ڈرے۔ پھل
وہی پاتا ہے جو جڑ لگاتا ہے۔ خرمن و کھلیان وہی اٹھالے جا سکتا ہے جو موسم حیات
میں بیج بکھیرتا ہے۔ (از تفسیر نیشاپوری) ابن عربی، روح البیان، شیخ سعدی) حیاتِ
دنیوی موسم بہار ہے زندگی کی سانسیں سرزمین کھیت کھلیان، ایمان چمنستانِ مصطفائی ہے
اعمالِ صالحہ بیج ہیں۔ اِن کو بر وقت ادا کرنا بیجوں کی بکھیر ہے۔ یہ لمحاتِ زندگی مہلت
و فرصت کی گھڑیاں ہیں، جو بندہ اپنے نفس کی پوشیدہ باتوں کو پہچان لیتا ہے وہ غرور سے
سربلندی نہیں کرتا بلکہ عجز و انکسار کی راہ پر چلتا ہے اور جو کوئی اس کی بدخواہی یا مذمت
کرے وہ اس سے بھی جھگڑا نہیں کرتا بلکہ تواضع کرتا ہے اور جو کوئی اس کی تعریف و ثنا کرے
تب بھی فخر بڑائی نہیں کرتا بلکہ شکرِ کبریائی کرتا ہے ہر شخص کی سواری ہوتی ہے اور عمل کی
سواری عاجزی و تواضع ہے۔ عاجزی کا پہلا نشان غریبوں مریدوں بیماروں کے ساتھ

marfat.com

بیٹھ کر کھانا کھلانا اور خود بھی وہی غریبوں والی خوراک کھانی، دوسرا نشان سچ بولنا تیسرا نشان سخاوت، چوتھا نشان عبادت پانچواں نشان لوگوں کو اذیت سے بچانا، چھٹا نشان خود تکلیف برداشت کر جانا، عاجزی کے باطنی نشان بھی چھ ہیں ۱ اپنے رب تعالیٰ سے حیا ۲ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے وفا ۳ فصل وجدائی کا خوف طاری رہنا ۴ وصل وقربت کی آرزو رکھنا ۵ اپنے آپ پر ندامت ۶ گناہ پر نفرت، تواضع تین قسم کی ہے پہلی عیب کو ختم کرنے کے لیے نفس کو ذلیل کرنا دوم توحیدِ الٰہی کی رغبت کے لیے نیکوں کی تعظیم فساق کی توہین کرنا سوم ہر ایک سے حق قبول کرنا، خلوت وجلوت میں نصیحتِ علما اصفیا کو ماننا، تکبر وغرور خود پسندی سے پیدا ہوتا ہے اور خود پسندی اپنی ناواقفیت سے آتی ہے اس قسم کی جہالت انسانیت کی مخالفت ہے عارف وہ ہے جس نے اپنے آپ کو پہچانا جس نے خود کو پہچانا اسی نے اپنے رب تعالیٰ کو پہچانا، اسی لیے شریعتِ اسلام نے تکبر کی ممانعت اور غرور کی مخالفت فرمائی ہے، غرور کی پانچ سزائیں ۱ نارِ فراق کے حجابات ۲ ماہ جہیم کے عذابات ۳ محرومیت کے عتابات ۴ مقامعِ حدید کے الزامات وقہربات ۵ اُعِيدُوا فِيهَا کی عودات عالمِ ناسوت کا بھی عَذَابُ الْحَرِيقِ ہے (اللہ ہم کو بچائے)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا

بے شک اللہ داخل فرمائے گا ان لوگوں کو جو مومن بن گئے اور عمل کئے اچھے

بے شک اللہ داخل کرے گا انہیں جو ایمان لائے اور اچھے

الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

ہی ایسی جنتوں میں کہ جاری رہتی ہیں جن کے نیچے

کام کئے بہشتوں میں جن کے نیچے

الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ

نہریں اس شاندار حالت میں کہ زیور پہنائے جائیں گے ان میں سونے کے

نہریں بہیں اُس میں پہنائے جائیں گے سونے کے کنگن

marfat.com

ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا ۭ وَلِبَاسُهُمْ فِيْهَا حَرِيْرٌ ﴿۲۳﴾

کنگن کا اور موتیوں کا اور ان کا لباس اُن جنتوں میں ریشم ہے۔

اور موتی۔ اور وہاں اُن کی پوشاک ریشم ہے۔

وَهُدُوْٓا اِلَى الطَّيِّبِ مِنَ الْقَوْلِ ښ وَهُدُوْٓا

ہدایت دئے گئے تھے وہ کلمہ طیب کی اور ہدایت دئے گئے تھے

اور انہیں پاکیزہ بات کی ہدایت کی گئی۔ اور سب

اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِيْدِ ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اللہ حمید کے دین کی طرف، بے شک وہ لوگ جو کافر ہو گئے

خوبیوں سراہے کی راہ بتائی گئی، بے شک وہ جنہوں نے کفر کیا

وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ

اور رکاوٹ ڈالی انہوں نے اللہ کے راستے سے اور اُس مسجد

اور روکتے ہیں اللہ کی راہ اور اس ادب والی مسجد سے

الْحَرَامِ الَّذِيْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَاۗءَ

حرام سے بنایا ہم نے جس کو کھلے عام مسلمانوں کے لیے کہ برابر ہیں

جسے ہم نے سب لوگوں کے لیے مقرر کیا کہ اس میں ایک سا حق ہے

الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ ۭ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ

وہاں کے باشندے اور باہر سے آنے والے اُس میں اور جو شخص ارادہ کرے گا اِس حدودِ حرم

وہاں کے رہنے والے اور پردیسی کا اور جو اس میں کسی زیادتی کا

marfat.com

بِاِلۡحَادٍۭ بِظُلۡمٍ نُّذِقۡهُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ﴿۲۵﴾ ع

بیدینی پھیلانے کا کسی ظلم کے ذریعے مزہ چکھا دینگے ہم اس کو دردناک عذاب کا۔

ناحق ارادہ کرے ہم اسے دردناک عذاب چکھائیں گے۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں اہل نار کا عذاب بیان کیا گیا۔ اب ان آیت میں اہل بہشت کا ثواب بیان کیا جارہا ہے۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں سزاءِ اُخروی کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیت میں اس کی وجہ بیان کی جارہی ہے کہ ان کو عذاب اس وجہ سے ہوگا کہ وہ کفّار بھی تھے اور یصدون وق بھی۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں ذکر فرمایا گیا کہ کفار جہنّم سے نکل بھاگنے کی کوشش کرتے رہیں گے مگر نکل نہ سکیں گے اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ کفار زندگی میں مقدور بھر لوگوں کو مسجدِ حرم شریف سے نکالتے رہے اور منع کرنے روکتے رہے کعبہ شریف حرم پاک اور مکہ مکرمہ کو اپنی ذاتی جائداد سمجھتے رہے۔ اُس کی پاداش میں اب جہنم ان کی ذاتی جائداد بنادی گئی۔

شانِ نزول حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی مقام پر عبد اللہ بن اُنیس نومسلم کے ساتھ دو آدمیوں کو بھیجا۔ ایک مہاجر تھا ایک انصاری ان دونوں میں بات چیت کے دوران حسب نسب پر فخر کرتے ہوئے جھگڑا ہوا۔ نومسلم عبد اللہ بن اُنیس کو غصہ آیا اُس نے انصاری کو قتل کر دیا اور خود مرتد ہو کر مکّے کو بھاگ گیا تب یہ آیت ۲۵ نازل ہوئی۔ (از خزائن) دوسرا قول ابوجہل وغیرہ امیر لوگوں اور مسلمانوں کو تو حرم کعبہ میں بڑی عزت دلاتے اور کعبہ کھول کھول کر دکھاتے پذیرائی کرتے مگر غریب صحابہ کرام کو روکتے طواف سے منع کرتے ایک دفعہ چند نادار مفلس مسلمانوں کو اس لیے مارا کہ وہ سردارانِ مکّہ کی موجودگی میں کیوں کعبے کے پاس آئے ہیں ان صحابہ نے بارگاہِ رسالت میں فریاد کی تب یہ آیت نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی اِنَّ اللّٰهَ يُدۡخِلُ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ يُحَلَّوۡنَ فِيۡهَا مِنۡ اَسَاوِرَ مِنۡ ذَهَبٍ وَّلُـؤۡلُـؤًا ؕ وَلِبَاسُهُمۡ فِيۡهَا حَرِيۡرٌ۔ اِنَّ حرفِ مُشَبّہ۔ اَللّٰہُ اس کا اِسم یُدۡخِلُ

باب افعال کا فعل مضارع منتقبل با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اَللّٰہُ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر
اٰمَنُوْا۔ باب اِفعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اَلَّذِیْنَ یہ فعل
با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق با فعل ضمیر صیغہ
مرجع اَلَّذِیْنَ اَلصّٰلِحٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بحالت نصب مفعول بہ ہے عَمِلُوْا کا
جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم موصوف ہے تَجْرِیْ ضَرَبَ کا فعل مضارع واحد مؤنث
غائب تَجْرِیْ سے مشتق ہے بمعنی بہنا، مِنْ حرف جر زائدہ یا ابتدائیہ تَحْتُ اسم سمتی بمعنی نیچے
ظرف مکانی کے لیے فَوْقُ کا ضد اَسْفَلُ کا ہم معنی مگر فرق یہ ہے تَحْتُ منفصل کے لیے آتا ہے
مثلاً وزیر بادشاہ سے نیچے ہے یہاں تحتُ استعمال کیا جائے گا۔ اور کندھا نیچے سے سر
سے نیچائی مقامی ہو یا رتبی سب کے لیے تَحْتُ آتا ہے لیکن اَسْفَلُ صرف مکانی و مقامی
نیچائی کے لیے ہوتا ہے اکثر مضاف ہوتا ہے بغیر مضاف الیہ ہو تو مبنی مضموم ہوتا ہے
یہ مضاف ھَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَجْرِیْ کا اَلْاَنْھٰرُ اسم جمع
مکسر یہ فاعل ہے تَجْرِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے جَنّٰتٍ کی یہ مرکب توصیفی مفعول
فیہ ہے یُدْخِلُ کا۔ یُحَلَّوْنَ باب تفعیل کا مضارع مجہول جمع مذکر غائب اس کا مصدر تَحْلِیَۃٌ
ہے تعلیل تجری ہو کر ہوا تَحْلِیَۃٌ، حَلْیٌ سے مشتق ہے بمعنی زیور پہننا۔ تفعیل متعدی ہیں معنی ہے
زیور پہنانا، یُحَلَّوْنَ اصل میں تھا یُحَلَّیُوْنَ دوسری یعنی اصل مادے کی ی کو گرا دیا گیا۔ اس میں
ضمیر صیغہ نائب فاعل فِیْھَا جار مجرور متعلق اوّل ہے۔ یُحَلَّوْنَ کی مزید دو قرأتیں ہیں ۱ یَحْلَوْنَ
معروف فتح سے ۲ یُحْلَوْنَ باب فَتَحَ سے مجہول اس باب میں یہ فعل لازم ہے اور ترجمہ ہے
خوب صورت لگیں گے۔ مِنْ جارّہ زائدہ ہے یا بعضیت کا یا بیانیہ یا اپنے اصلی معنی ابتدائیہ
میں پہلے دو قول درست ہیں اَسَاوِرَ اسم جمع مذکر مکسر مُنصرف واحد ہے سِوَارٌ بمعنی کنگن
زیور مراد ہیں کنگن صرف ہاتھوں میں ڈالنے کا زیور یہ مضاف ہے اس کو اضافت مِنْیہ
کہتے ہیں مِنْ بیانیہ ہے یا ابتدائیہ۔ یا بعضیت کا ذَھَبٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی سونا۔ اس کی
جمع ہے ذُھُوْبٌ۔ ذُھْبَانٌ۔ اَذْھَابٌ یہ لفظ ذھب بمعنی جانا سے اِستعارہ ہے کیونکہ
سونے کی دھات سب سے جلدی پگھلتی ہے یا اس لیے کہ یہ دھات اصل دولت ہے
جلدی آتی جاتی ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مصنوعٌ کا مصنوعٌ اسم مفعول سب سے
مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ اَسَاوِرَ کا یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے دوم یُحَلَّوْنَ کا واؤ

marfat.com

عاطفہ ہے اور ما بعد کا جملہ معطوف ہے اَسَاوِرَ کے محل پر اور وہ مَحَلاً منصوب (زبر والا)
اس لیے یہ ظاہراً منصوب ہوا، ایک قول میں واؤ زائدہ ہے اور ما بعد جملہ محذوف موصوف
کی صفت ہے یا یہاں یُؤْتَوْنَ فعل پوشیدہ ہے اور یہ عبارت اس کا مفعول بہ ہے مگر
ہماری ترکیب زیادہ صحیح و آسان ہے۔ لُؤْلُؤٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ موتی جنسی جمع ہے یعنی ہر قسم
ہر جنس کا موتی اِس کی لفظی جمع ہے لَآلِی۔ اس کو لُؤْلِیًا، لِیلِیًا، لُؤْلُؤٍ اور لُؤْلِ بھی پڑھا گیا
ہے یہ معطوف ہے مَحَلاً اَسَاوِرَ پر یُحَلَّوْنَ اپنے اِن تمام معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
علیہ واؤ عاطفہ اور ما بعد جملہ معطوف ہے یُحَلَّوْنَ کے جملہ پر۔ ایک قول میں کہ ما بعد جملہ حالیہ ہے
یہی ترکیب نحوی زیادہ مقبول آسان اور معتبر ہے بعض نحویوں ایک اور بھی ترکیب
کی ہے۔ بہر کیف یہ جملہ حال ہی ہے یُحَلَّوْنَ کے نائب
فاعل کا۔ لِبَاسُهُمْ یہ مرکب اضافی مبتدا فِیْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ یا مَوْجُوْدٌ پوشیدہ
حَرِیْرٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ ہر قسم کا ریشم یہ لفظ ریشم کا جنسی نام ہے فاعل ہے ثَابِتٌ کا
یا نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لِبَاسُهُمْ، مبتدا کی یہ دونوں
جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے یُحَلَّوْنَ پر دونوں عطف مل کر حال اَلَّذِیْنَ کا یہ دونوں مل کر مفعول
بہ ہے یُدْخِلُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَهُدُوْٓا اِلَى
الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْٓا اِلٰى صِرَاطِ الْحَمِیْدِ اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَیَصُدُّوْنَ
عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰهُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ ﰳ نِ الْعَاكِفُ
فِیْهِ وَالْبَادِ۔ واؤ سے جملہ هُدُوْٓا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول دراصل هُدِیُوْا
تھا ی پر ضمہ ثقیل تھا ما قبل کو دیا دو ساکن جمع ہوئے ی حرف اصلیہ (مادے کا حرف)
ہے اس لیے گر گئی واؤ نہیں گر سکتی کیونکہ علامت جمع ہے بقا نون نحو علامت نہیں گر سکتی
هُدٰی سے مشتق ہے بمعنیٰ ہدایت دینا تعلیم دینا، اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ مرجع
اَلَّذِیْنَ ہے اِلَى الطَّیِّبِ یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے مِنَ الْقَوْلِ یہ جار مجرور متعلق دوم
ہے هُدُوْٓا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا هُدُوْٓا اگر اپنے ماضی کے معنیٰ میں ہو تو
طَیِّبٌ سے کلمہ طیبہ اور پورا دین اسلام۔ اور اگر مستقبل کے معنیٰ میں ہو تو طیب سے مراد
اہل جنت اور ملائکہ کی پاکیزہ گفتگو، واؤ سے جملہ هُدُوْٓا فعل با نائب فاعل اِلٰى جارہ انتہاء
غایت کے لیے بمعنیٰ تک یا طرف صِرَاطِ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کھلا راستہ مضاف ہے اس کو

marfat.com

اضافۃ بیانیہ کہتے ہیں اصلاً صفت موصوف ہے حمید بمعنیٰ محمود جیسے کہ حبیب بمعنیٰ
محبوب ہوتا ہے اسم صفت مشبہ ہے باب کَرُمَ سے یا دونوں سے مراد جنت ہے
اگر ھُدُوْا بمعنیٰ مستقبل ہو یا صراط سے مراد راستہ حمید سے مراد جنت لیکن اگر ھُدُوْا
اپنے ماضی کے معنیٰ میں ہو تو صراط سے مراد راستہ حمید بمعنیٰ اسلام یا ایمان، دین الٰہی،
یا دونوں سے مراد اسلام اور دین الٰہی ہے۔ یہ ھُدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا
اِنَّ حرف مشبہ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول کَفَرُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ
ایک قول واؤ حالیہ ہے اور ما بعد حال ہے پوشیدہ ھُمْ ضمیر مبتدا کی خبر ہو کر، اور ایک
قول میں یہ واؤ زائدہ ہے اور جملہ بذات خود حال ہے ہماری ترکیب پہلے قول پر ہے یَصُدُّوْنَ
باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب صَدٌّ سے مشتق ہے یعنی صَدٌّ مضاعف ثلاثی
سے بمعنیٰ روکنا رکاوٹ ڈالنا۔ عَنْ جارہ زوالیہ دور کرنے ہٹانے کے لیے سَبِیْلِ اللّٰہِ مرکب اضافی معطوف
علیہ واؤ عاطفہ اَلْمَسْجِدِ الْحَرَامِ یہ مرکب توصیفی موصوف ہے یہاں مسجد حرام سے پورا شہر
مکہ حرم شریف ہے اَلَّذِیْ اسم موصول مذکر جَعَلْنٰهُ فعل ماضی با فاعل جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ
متعدی بدو مفعول ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مسجد ہے مفعول بہ اول ہے لِلنَّاسِ یہ جار مجرور متعلق ہے
مُبَاحًا اسم مفعول پوشیدہ کا یہ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ذو الحال ہوا، سَوَآءً اسم مصدر بمعنیٰ برابر ہونا
پورا ہونا، بیچ میں ہونا، یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اور برابری رتبی مراد ہے نہ کہ مکانی اس
کی ترکیب میں چار قول ہیں ۱ یہ ما قبل لِلنَّاسِ کے جملے کا حال ہے ۲ یہ خود مفعول دوم ہے
جَعَلْنٰهُ کا ۳ یہ حال ہے ہٗ ضمیر کا ۴ سَوَآءٌ مبتدا مرفوع ہے اَلْعَاكِفُ سب اس کی خبر پھر
جملہ اسمیہ ہو کر مفعول ثانی یا حال ہے ہم نے پہلی ترکیب کو اختیار کیا ہے سَوَآءً مصدر عامل
بمعنیٰ مُسْتَوِیْ اسم فاعل اَلْعَاكِفُ اسم فاعل واحد مذکر با فاعل ضمیر صیغہ فِیْهِ جار مجرور
متعلق ہے عَاكِفٌ کا عَكْفٌ سے مشتق ہے باب ضَرَبَ سے بمعنیٰ ٹھہرنا اعتکاف کرنا
یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ اَلْبَادِ، اسم فاعل بَدْوٌ سے مشتق ہے
بمعنیٰ گاؤں (دیہات) میں رہنے والا مراد ہے ہر مسافر اصل بَادِیْ آخر کی یٰ بحالت
رفع گر گئی تقدیری ضمہ آیا بشکل تنوینی کسرہ پھر الف لام کی وجہ سے تنوین بھی ختم ہو گئی
یہ معطوف اَلْعَاكِفُ پر دونوں عطف مل کر فاعل سَوَآءً مصدر بمعنیٰ اسم فاعل کا یہ جملہ اسمیہ
ہو کر حال ہوا مُبَاحًا پوشیدہ کا وہ دونوں مل کر مفعول دوم ہے جَعَلْنٰهُ کا یہ سب مل کر

marfat.com

صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ دونوں مل کر صفت ہے مَسْجِدِ کی یہ مرکب توصیفی معطوف سَبِیْلِ پر دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے یَصُدُّوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کَفَرُوْا پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں اسم اِنَّ کا اِس کی خبر کا جملہ وَ نُذِیْقُهُمْ ۱ لْعَذَابَ پوشیدہ ہے سابقہ آیت ذُوْقُوْا ۱ لخ کے قرینے سے بعض نے کہا۔ کَفَرُوْا تک اسم اِنَّ وَیَصُدُّوْنَ کا واوٗ زائدہ اور تمام جملہ خبر اِنَّ۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ نُّذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ واؤ ہر جملہ مَنْ موصولہ شرطیہ مضارع کو جزم دیتا ہے۔ یُرِدْ۔ باب افعال کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب۔ یُرِیْدُ سے یُرِیْدُ پھر مَنْ جازمہ نے جزم دیا تو ہوگیا یُرِدْ کیونکہ دال ساکن ہوئی تو دو ساکن ہوئے ی گر گئی فِیْهِ جار مجرور پہلا متعلق بِ تعدیہ کی اِلْحَادٍ باب افعال کا مصدر بمعنی بے دینی پھیلانا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم بِ حرف جر سببیہ بمعنی ذریعے ظُلْمٍ اسم مصدر مجرور یہ جار مجرور تیسرا متعلق ہے یُرِدْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی نُذِقْ باب افعال کا مضارع مستقبل بحالت جزم اسی مَنْ کی وجہ سے پہلے نُذِیْقُ تھا۔ یا فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ مرجع مَنْ ہے مِنْ زائدہ عَذَابٍ اَلِیْمٍ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے نُذِقْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ اِنَّ اللّٰهَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ یُحَلَّوْنَ فِیْهَا مِنْ اَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَّلُؤْلُؤًا۔ وَلِبَاسُهُمْ فِیْهَا حَرِیْرٌ۔ وَهُدُوْا اِلَی الطَّیِّبِ مِنَ الْقَوْلِ وَهُدُوْا اِلٰی صِرَاطِ الْحَمِیْدِ۔ اے نگاہ عبرت رکھنے والو تم لوگوں نے کافران گروہ خمسہ کا اُخروی انجام مقام عذاب ثیاب نار مقامع حدید۔ عذاب حریق غم شدید کے حالات تو سن لیے۔ اب اہل ایمان خوش نصیبوں کا بھی انجام سنو کہ آخرت میں اُن کا حال۔ معال۔ مقال۔ کمال۔ مقام لباس کیا ہوگا بے شک اللہ تعالیٰ بہترین عزت اور شان کے ساتھ داخل فرمائیگا اُن ایمان والوں کو جنہوں نے حیات دنیوی میں تمام عمر تعلیم نبوت کے مطابق اعمال صالحہ کئے اور ہر عمل قول کردار عادات اخلاق میں اپنے اجسام و حالات۔ معاملات معاشرات اوقات۔ پر صورت نبی اور سیرت نبوی کا پورا نقشہ قائم کئے رکھا اُن جنتوں میں جن کے محلوں مکانوں درختوں زمینوں کے نیچے نیچے

marfat.com

ما، سرور، شراب طہور اور لبن لذیذ و عسل کثیر کی نہریں بہہ رہی ہیں اُن جنتوں کے اندر وہ جنتی لوگ جنت کے سونے اور قدرتی لعل و یاقوت کے مصفا مجلّا زیوروں کے کنگن پہنائے جائیں گے اور ان کا لباس قدرتی ریشم کا ہوگا مومن مردوں کا بھی مومنہ عورتوں کا بھی ان کی خوش نصیبی دنیا میں بھی ہوئی کہ ان کو ایمان عرفان قرآن کی راہ. کلمہ طیبہ تلاوت عبادت کی ہدایت ملی یہ لوگ عالم ارواح سے ہدایت دیئے گئے اور نبوت اور رسالت کی غلامی کے لیے منتخب کیے گئے اور محمود جل و علیٰ کی راہ قرب کی بھی ہدایت دیئے گئے اور آخرت میں بھی کہ ہر وقت ذکر الٰہی شکر کبریائی نعت مصطفائی کی توفیق سعید پاتے رہیں گے اس طرح کہ جب جنت کو پل صراط سے دیکھیں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ ھَدَانَا لِھٰذَا۔ تمام حمدیں ہمارے اُسی رحیم و کریم اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے محض اپنے کرم سے ہم کو اس جنت کی ہدایت دی اور جب یہ اہل ایمان جنت کے اندر داخل ہوں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَذْھَبَ عَنَّا الْحَزَنَ۔ تمام حمدیں اسی ذات قدیم و علیم خبیر اللہ جل و علا تعالیٰ کیلئے ہیں جس نے ہم سے اپنا فضل کرتے ہوئے غم دور فرمایا اور جب اپنے جنتی گھروں میں داخل ہوں گے تو کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَہٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ۔ تمام تعریفیں اُسی اللہ تعالیٰ کے لیے جس نے اپنا وعدہ کرم و غفاریت سچا فرمایا ہمارے لیے اور ہمیں مالک بنایا زمین جنت کا جنتی زیور صرف کنگن ہوں گے جو ہاتھوں میں پہنائے جائیں گے جسم کے کسی دوسرے مقام پر کوئی زیور نہ ہوگا۔ حدیث پاک میں ہے کہ جہاں تک وضو میں کلائی دھوئی جاتی ہے وہاں تک کنگن ہوں گے ایک کنگن سونے کا ایک چاندی کا اور ایک لعل و یاقوت کا، اسی کو عربی میں لُؤلُؤ کہا جاتا ہے یعنی جواہر۔ ریشم کا لباس اور جنتی زیور اُس مومن کو ملے گا جس نے دنیا میں ریشم اور زیور کو اپنے لیے حرام سمجھا اور کبھی بھی استعمال نہ کیا، دنیا میں یہ دونوں چیزیں ہر مومن مرد کو حرام قطعی ہیں۔ یہی اہل ایمان ازلی قسمت اور تقدیری فیصلے سے دنیا و آخرت میں رب محمود کے صراط مستقیم کی ہدایت دیئے گئے۔ کہ دنیا میں آستانۂ نبوت کی حاضری، شریعت کی اطاعت طریقت کی اتباع حقیقت کی عبادت معرفت کی منزل ملی، اور آخرت میں قبر کی راحت، حشر کی عزت، پل صراط کی رفتار جنت کی گفتار ملی، دنیا میں رب حمید کی فرماں برداری آخرت میں رب حمید کی

marfat.com

خوشنودی، دنیا میں رب تعالیٰ کی ماننے کی سعادت و توفیق اور آخرت میں اُس سے ملنے کی نعمت و تکریم دنیا میں تین قسم کے انسان تین قسم کے کام کرتے ہیں اُن کو آخرت میں تین قسم کا بدلہ ملے گا۔ مومن ایمان لایا اس کا بدلہ جنت ملی عبادت کی اس کا بدلہ نعمتیں و نہریں ملیں ہر حرام کو چھوڑا اُس کے بدلے ریشم و زیور ملا، فاسق نے گناہ کئے اُس کے بدلے سزا ملی ظلم کئے اُس کے بدلے نیکیاں چھنیں، عبادت سے بھاگا تو ذلت ملی، کافر نے کفر کیا تو جہنم کی رہائش ملی۔ غرور کا لباس پہنا تو آگ کے کپڑے ملے۔ لوگوں کو ورغلایا۔ دینِ کبریائی نعتِ مصطفائی سے بھگایا کفر کی طرف لوٹایا تو مقامع حدید کی مار سے مقامِ عذاب میں لوٹایا گیا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَ یَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ الَّذِیْ جَعَلْنٰہُ لِلنَّاسِ سَوَآءَ نِ الْعَاکِفُ فِیْہِ وَ الْبَادِ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُّذِقْہُ مِنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ۔ اِن کفار میں وہ لوگ جو شروع زندگی کے کافر ہے۔ اب اُن کی خباثتِ طبعی یہ ہے کہ لوگوں کو دینِ حق اَقوالِ طیب اور صراطِ حمید سے روکتے ہیں اور ان کا صرف یہی ظلم نہیں بلکہ حرم مکہ میں عمرہ کرنے اور مسجد حرام میں عبادت تلاوت طواف کرنے سے بھی روکنے لگے حالانکہ یہ شہر مکہ اور مسجدِ کعبہ وہ جگہ وہ عبادت گاہ ہے جس کو ہم نے تا قیامت تمام اہلِ ایمان انسانوں کے لیے بنایا ہے۔ یہاں طواف و عبادت عمرہ و حج کے لیے سب مقیم و مسافر شہری و دیہاتی، آبادی و آفاقی اہلِ حل اہل حرم، اہل میقات اہلِ آفاق، شمالی جنوبی، مغربی مشرقی، سب برابر ہیں۔ مقیم اپنے گھروں میں مسافر اِس کی پوری سرزمینِ مکہ میں جہاں چاہیں خیمہ لگائیں، ڈیرہ جمائیں کوئی دوسرا شخص اُن کو اُن کی منتخب زمین سے بلاوجہ ظلماً ناحق اُٹھا نہیں سکتا نہ حکومت کے زور پر نہ امیری دولت مندی کی دھونس پر نہ کسی سیاسی مخالفت کے رعب پر نہ مقیم مسافر کو نہ مسافر مسافر کو نہ کوئی بادشاہ، وزیر، مشیر اہلِ حکومت کسی عابد حاجی طائف کو کسی وقت کسی منٹ کسی موسم میں۔ صبح شام رات دن، سردی گرمی میں نہ کسی بیمار کو روکنا جائز نہ کسی تندرست کو سال بھر تا عمر نہ کوئی وُرودِ مکہ سے روکے نہ دخولِ مسجد سے۔ یہ شہر یہ مسجد تمام دنیا میں اس خصوصی شان والا ہے کہ سب کے لیے مالکِ ارض و سما کی طرف سے وقف خصوصی ہے۔ یہاں کسی کو ملکیتِ حکومت صرف انتظام و انصرام کے لیے دی جاتی ہے نہ کہ ملکیت جتانے ظلم کمانے کے لیے۔ ہاں اَلبتہ اگر کسی وقت کسی جگہ سے کسی

marfat.com

شخص کو اٹھانا ضروری ہو جائے تو نہایت دل جگہ دے کر معذرت و اخلاقِ حسنہ گفتارِ حمیدہ طریقۂ رشیدہ کے ساتھ اُس کو اُٹھانا جائز ہے مثلاً کسی اجنبی نے غلطی یا نا واقفی سے سرِ راہ رہنے کا خیمہ یا ٹھہرنے کا ڈیرہ یا سونے کا بستر لگا لیا تو اُس کو دوسری نزدیکی جگہ پہنچا نا یہاں سے اٹھانا جائز ہے تاکہ نہ اس کو کوئی تنگی و نقصان ہو نہ کسی راہ گیر کو یہ قانونِ ربانی تا قیامت ہر شخص ہر مقیم، ہر حکومت کے لیے ہے، خبردار اس کی خلاف ورزی نہ کی جائے کیونکہ یہ شہرِ جلال ہے اگر یہاں کی ایک نیکی لاکھ برابر ہے تو یہاں کا ظلم و گناہ بھی لاکھ برابر یہاں تو ارادۂ گناہ بھی گناہِ عظیم ہے۔ لہٰذا۔ وَمَنْ يُّرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ۔ اور تا قیامت جو شخص بھی اس مسجدِ حرام اور حرم مقام میں بے دینی کی طرف مائل ہو کر عمداً ارادۃً کسی ظلم کا ارادہ بھی کرے گا۔ کفر شرک کا یا کسی کے قتلِ انتقام کا یا نقصان کا یا جھوٹی اور لغو قسمیں کھانے کا یا بغیر احرام حدودِ حرم میں عمرے و حج کے لیے، داخل ہونے قدم رکھنے کا یا یہاں کے شکار کا یا بلا ضرورت کوئی گھاس بوٹی کاٹنے اکھیڑنے کا یا یہاں کے مقیمین و زائرین کا کھانا پانی غذاء جسمانی، ضروریاتِ زندگانی روکنے کا یا اپنی حکومت چکانے سیاست پھیلانے، ڈرانے دھمکانے دہشت وحشت بھڑکانے، مارنے اکسانے ورغلانے کا یا گالی و دشنام طرازی کا یا ممنوعاتِ احرام و حرم کا تو۔ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ۔ ہم اس کو ایسا عذابِ الیم چکھائیں گے جو دنیا میں عبرت ناک قبر میں حیرت ناک حشر میں حسرت ناک جہنم میں دردناک ہوگا۔ اصحابِ فیل کو دنیا میں ہوا، کفارِ مکہ کو بدر و قبر میں۔ یزید پلید کو قبرِ برزخ میں ہو رہا ہے بہت سے دیکھنے والوں نے بشکلِ آگ و دھواں دیکھا یہ تو شہرِ امن ہے یہاں انسان حیوان نباتات جمادات سب کو امن ہے۔ یہاں اُس ظالم کو بھی نہیں مار سکتے جو باہر کسی پر ظلم کر کے یہاں پناہ لے لے، ہاں البتہ حدودُ اللہ کی سزاؤں سے یہاں بھی نہیں بچ سکتا مرتد ہو کر یا چوری ڈکیتی کر کے یا کسی کو قتل کر کے زنا و شراب پی کر یہاں پناہ لے لے تب شرعی عدالت سے نہیں بچ سکتا، حکومتِ وقت یہاں سے بھی پکڑ کر اُس پر حدِ شرعی جاری کرے گی، رجم و قصاص کی پوری سزائیں دی جائیں گی۔ آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فتحِ مکہ کے دن غلافِ کعبہ میں چھپے ہوئے مرتد و قاتل عبداللہ بن خطل اَنیس مردود کو وہیں سے نکلوا کر قتل کروا دیا تھا یہ شخص ایک سفر میں کسی جھگڑے کی بنا پر ایک انصاری مسلمان کو قتل کر کے مرتد ہو کر مکے میں بھاگ آیا تھا (از مشکوٰۃ شریف ص۲۲۸

marfat.com

بحوالہ متفق علیہ) یصدون کا واقعہ اس طرح ہوا کہ آقاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے ۶ھ میں عمرے کی ادائیگی کا ارادہ فرمایا تو ماہ ذیقعد میں آٹھ تاریخ کو مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی بیرِ علی پر احرام باندھا۔ جب مقام حدیبیہ پر پہنچے تو ابوسفیان نے جو اُس وقت کافر تھے اپنے ساتھیوں کے ساتھ آکر روک دیا اور کہا کہ اس سال تم مکے میں نہیں آسکتے۔ صحابہ کرام کو بہت غصہ آیا اور فرمایا کہ اگر ہم احرام میں نہ ہوتے تو پھر ہم دیکھتے کہ تو کس طرح ہم کو روکتا ہے تم سب کی لاشیں ہی یہاں سے جاتیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حکمت ربانی بیان فرما کر صحابہ کا غصہ ٹھنڈا کیا اور آئندہ سال کے لیے صلح ہوگئی اسی کا نام صلح حدیبیہ ہے۔ یہ مقام مکہ مکرمہ سے چھ میل دور جانب مدینہ منورہ ہے، پھر ۷ھ میں اسی صلح کے مطابق ماہ ذیقعدہ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے مع تمام صحابہ عمرہ ادا فرمایا، یہ اسلام کا پہلا عمرہ تھا۔ حج اسلام ۹ھ ماہِ جمادی الاول میں سورۂ مائدہ کی آیت ۲۷ سے فرض ہوا، اسی ۹ھ میں زکوٰۃ فرض اور سود حرام ہوا، یہ آیت بروز جمعہ نازل ہوئی، حجۃ الوداع ۱۰ھ میں ادا فرمایا۔ ۲۶ ذیقعدہ کو مدینہ منورہ سے روانگی ہوئی چار ذی الحج کو مکہ مکرمہ میں داخلہ ہوا، پھر آٹھ ذی الحج سے ارکانِ حج شروع ہوئے، ۹ ذی الحج کو میدانِ عرفات میں اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ۔ کی آیت مقدسہ نازل ہوئی، ۱۹ ذی الحج کو مکہ مکرمہ سے واپسی ہوئی اور چھبیس ذی الحج کو مدینہ منورہ واپسی ہوئی، اسی دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے دوسرے بیٹے سیدنا سیدا براہیم چار سال کی عمر میں فوت ہوئے چند دن بخار میں رہ کر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو یہ بہت لاڈلے پیارے تھے انہی کی وفات پر آپ کے چند آنسو نکلے۔

کعبہ شریف اور مسجد حرم شریف کے کچھ تاریخی حالات: کعبہ معظمہ ابتداء سے اب تک تیرہ بار تعمیر ہوا پہلی بار ملائکہ نے جنتی سفید چمکدار موتیوں سے بنایا جس کی لمبائی مع حطیم تیس شرعی گز یعنی ۴۵ فٹ، پھر رفعتِ آدم علیہ السلام کے وقت آپ کے ساتھ ہی جنت میں یہ پوری یاقوتی عمارت بھیجا دی گئی اسی میں بیٹھ کر آپ وہاں عبادت کیا کرتے تھے۔ جب آپ جنت سے اُتارے جانے لگے تو آپ نے اک یاقوت کو بوسہ دیا جس کے ساتھ آپ ٹیک لگایا کرتے تھے پتھر نے عرض کیا مجھ سے جُدائی برداشت نہ ہوگی مجھے

marfat.com

بھی ساتھ لے چلئے تب آپ باجازتِ الٰہی اس یاقوت کو اپنے ساتھ ہی لے آئے اُسی کا نام بعد میں حجرِ اسود ہوا، دوسری بار انہی بنیادوں پر آدم علیہ السّلام نے تعمیر کیا، یہ کعبہ سدرہ کے بیت المعمور کے بالمقابل زمین پر ہے اُتنا ہی لمبا چوڑا، حجرِ اسود کو کعبہ کی شرقی وشمالی دیوار کے کونے میں خود آدم علیہ السّلام نے لگایا زمین سے چار فٹ اونچا اُس وقت باب کعبہ زمین کے برابر رکھا گیا تھا، چھت نہ بنائی گئی۔ بابِ کعبہ مشرقی دیوار میں ہی ہمیشہ رہا حجرِ اسود اور بابِ کعبہ کے درمیان دو فٹ جگہ ہے اس کا نام مُلتزَم ہے یعنی سینہ لگانے کی جگہ یہ تعمیر حضرتِ آدم علیہ السّلام نے اپنے تیسرے بیٹے حضرت شیث علیہ السّلام کے ساتھ مل کر فرمائی کہ شیث علیہ السّلام گارا مٹی اور اینٹ پتھر پکڑاتے آدم علیہ السّلام تعمیر فرماتے یہ کعبہ ہمیشہ اسی جگہ رہا جہاں آج ہے ذرّہ آگے پیچھے نہ ہٹایا گیا، اس کی وجہ یہ کہ رب تعالیٰ نے آسمانوں زمین سے پہلے ایک نور کا ستون پیدا فرمایا عرش سے تحتُ الثّریٰ تک پھر اُس کے آس پاس سات آسمان پیدا فرمائے، ساتویں آسمان پر سدرۃُ المنتھٰی کے پاس اس ستون میں ملائکہ سے اُن کا کعبہ بیت المعمور بنوایا اس کے دو ہزار سال بعد زمین پیدا کی گئی زمین پر جنّات کو بسایا، اُس کے دو ہزار سال بعد۔ بیت المعمور کے نیچے زمین پر اسی ستون میں فرشتوں سے کعبہ بنوایا جو جنتی جواہر سفید سے بنایا گیا۔ اس کے دو ہزار سال بعد آدم علیہ السّلام کو پیدا فرمایا زمین پر سجدہ کرایا اور بہت عرصہ جنّت میں رکھا جب جنّت سے نیچے تشریف لائے تو توبہ کی مقبولیت کے تین سو سال بعد مکہ مکرمہ تشریف لائے اور وہاں آپ سے زمین کی پہلی تعمیر، کعبہ معظمہ بنوایا گیا، یہ تعمیر دو ہزار سال تک قائم رہی اتنی مضبوط بنائی گئی تھی پھر طوفانِ نوح میں یہ کعبہ شہید ہوا، تب تیسری بار حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے اکلوتے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السّلام کے ساتھ اُن ہی بنیادِ آدم اور لمبائی چوڑائی کی پیمائش پر تعمیر کعبہ فرمائی۔ یعنی لمبائی پنتالیس فٹ اور چوڑائی چوبیس فٹ، اس کی شکل جانبِ جنوب محراب نما گول بنائی جاتی رہی یہی شکل بیت المعمور کی ہے جانبِ شمال دو کونے بنائے گئے تھے اب جن کا نام رکن یمانی اور رکن اسود ہے۔ تعمیرِ کعبہ کے بعد اسماعیل علیہ السّلام نے اپنی علاقائی قوم جرہم کے ساتھ مل کر مطاف کی چار دیواری بنائی اسی دیوارِ مطاف میں بابِ کعبہ کے مقابل مقامِ ابراہیم کا پتھر رکھا گیا، اس کچی دیوار کی اونچائی تقریباً تین فٹ تھی، تمام انبیاء علیہم السّلام اس کا طواف کرتے تشریف لاتے

marfat.com

رہے۔ حج ہر اُمت پر فرض رہا۔ چوتھی بار قوم عمالقہ نے تعمیر کی پانچویں بار قوم بنی جرہم نے کی چھٹی بار تعمیر کعبہ قصی بن کلاب سردارِ مکہ نے اپنی قوم کے ساتھ مل کر کی۔ اس وقت کعبہ کے نقشے اور پیمائش میں کوئی تبدیلی نہ کی گئی، وہی آدم وابراہیم علیہما السلام والا نقشہ و پیمائش قائم رہا کہ نہ چھت بنائی گئی نہ ہی دروازہ بدلا گیا بلکہ حسب سابق زمین کے ساتھ ہی رکھا گیا ساتویں بار بنی قریش نے تعمیر کیا اور چھ تبدیلیاں کی گئیں ۱۔ کعبہ معظمہ کی چھت ڈالی گئی لکڑی کے بالے شہتیر اور لکڑی کے چھ ستون بنائے گئے اوپر سے چھت پختہ کی گئی ۲۔ بارشوں سیلابوں سے بچانے کے لیے دروازۂ کعبہ چھ فٹ اونچا بنایا گیا ۳۔ حجرِ ابراہیم جس پر چڑھ کر ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ فرماتے رہے جس کا نام مقامِ ابراہیم ہے اس پتھر کو مطاف کی دیواریں بابِ کعبہ کے سامنے جوڑا نصب کیا ۴۔ دیواریں بھی پختہ بنا دی ۵۔ پیسہ کم ہونے کی وجہ سے کعبہ کو چھوٹا کر دیا اور سات فٹ حطیم بنا دی گئی، اور کعبے کے چار کونے بنا کر چوکور کر دیا گیا ۶۔ اور حطیم میں شرقاً غرباً دو دروازے بغیر کواڑ رکھے گئے جیسے آج کل ہے۔ کعبہ شریف کے بھی شرقاً غرباً دو دروازے رکھے گئے مگر چند سال بعد دوسرا یعنی مغربی دروازہ بند کر دیا گیا۔ آج کل کعبہ وحطیم کعبہ اسی نقشے پر ہے مسلم شریف جلد اول ص ۴۲۹ پر ہے کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تین خواہشیں تھیں ایک یہ کہ کعبے میں مدفون خزانہ نکال کر فی سبیل اللہ خیرات کر دیا جائے دوم کعبے کا دروازہ نیچے زمین کے ساتھ کر دیا جائے، سوم حطیم کعبہ کعبہ معظمہ میں شامل کر دی جائے۔ قرآن مجید میں کعبہ شریف کے تیرہ ۱۳ نام مذکور ہوئے ۱۔ کعبہ یہ اسم ذاتی ہے باقی نام صفاتی ہیں ۲۔ بیت امن ۳۔ بیت عتیق ۴۔ بیت اللہ ۵۔ بیت حرم ۶۔ بیت الحرام ۷۔ بیت الحریم ۸۔ بیت متشابہ ۹۔ قبلہ ۱۰۔ اول بیت ۱۱۔ مکان البیت ۱۲۔ مبارک ۱۳۔ ھدیٰ، آٹھویں تعمیر عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حجاز نے نقشۂ ابراہیم علیہ السلام پر تعمیر کیا اور حطیم کو شاملِ کعبہ کر دیا اور بابِ کعبہ زمین کے برابر رکھا بلندی ختم کر دی، ۶۴ھ ہجری میں یزید پلید کے حملے کے بعد جس سے کعبہ معظمہ کو نقصان پہنچا تھا۔ یہ تعمیر پندرہ جمادی الثانی کو شروع ہو کر ستائیس رجب معراج کی شب کو مکمل ہوئی یعنی ایک ماہ بارہ دن میں۔ تعمیر نہم، حجاج بن یوسف نے پہلے خود ہی کوہِ صفا سے اپنی فوج کے ذریعے کعبہ پر پتھر بازی اور آتش بازی کی تاکہ

marfat.com

اہلِ حکومت وہاں موجود ڈر کر بھاگ جائیں۔ پھر ایک سال بعد ۷۴ھ میں عبد الملک بن مروان کے حکم سے خود ہی تعمیر کروائی۔ اور نقشۂ قریشی کے مطابق حطیم کو خارج کر دیا باب کعبہ کو اونچا کر دیا۔ چھت ڈالدی گئی اس دلیل پر کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے جس نقشے کو نہ بدلا تو ہم کیوں بدلیں یہ نقشۂ کعبہ یادگارِ زمانۂ نبوی ہے۔ دسویں تعمیر۔ سلطان مراد رابع ابن سلطان محمد کی تعمیر اسی نقشۂ قریش و حجاج بن یوسف کے مطابق۔ گیارھویں تعمیر۔ آلِ عثمان کی، بارھویں تعمیر ۱۹۹۶ء مطابق ۱۴۱۶ھ میں آلِ سعود کی تعمیر اسی نقشے پر ہوئی یہی تعمیر آج ہے حجرِ اسود ایک بار دیوارِ شمالی کے بوسیدہ ہونے کی وجہ سے باہر گر گیا تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارک میں رکھ کر تمام سردارانِ مکہ سے چادر پکڑوا کر چادر کو اُٹھوایا تاکہ حجرِ اسود نصب کرنے کا شرف سب کو حاصل ہو جائے پھر اپنے دستِ اقدس سے اُس کی جگہ پر رکھدیا اس وقت آپ کی عمر مقدس پچیس سال تھی تبلیغِ نبوت سے پندرہ سال پہلے۔ تیرھویں تعمیر اُس وقت ہوگی جب ایک حبشی کافر یہودی جس کا لقب ذو سویقتین ہوگا کعبہ معظمہ کو شہید کر دے گا پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کو تعمیر فرمائیں گے، پھر زلزلۃ الساعۃ کے وقت یہ تعمیر مسیح علیہ السلام زمین سے اٹھا کر جنت میں پہنچا دی جائے گی، جنت میں آٹھ چیزیں جائیں گی ۱ اُحد پہاڑ ۲ کعبہ معظمہ کا کمرہ تعمیر مسیح والا ۳ سگِ اصحاب کہف ۴ ناقۂ صالح علیہ السلام ۵ خرِ عیسیٰ ۶ قصواء اونٹنی ۷ ستونِ حنانہ ۸ عصاءِ موسیٰ علیہ السلام، سب سے پہلے کعبہ معظمہ پر غلاف ڈالنے والا یمن کا بادشاہ قبیلۂ بنی حمیر کا تبان اسعد ابو کرب تھا، یہ خود اور اُس کی سب قوم پہلے بُت پرستی تھی، رفعت مسیح علیہ السلام سے ایک سو اٹھائیس سال بعد اس کا زمانہ ہے پھر یہ یہودی بن گیا اور سولہ عدد یمنی چادریں جو سیاہ ریشم کی دھاری دار تھیں ان کو جوڑ کر غلافِ کعبہ تیار کیا اور کعبہ معظمہ پر چڑھایا یہ واقعہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے تقریباً چار سو سال پہلے کا ہے۔ اس وقت سے اب تک کبھی بھی کعبہ بلا غلاف نہ رہا اس وقت متولی کعبہ معظمہ سردارانِ مکہ قریش تھے۔ کعبے میں سب سے پہلے بُت لانے والا قوم عمالقہ یا بنی خزاعہ کا عمرو بن لحی تھا اس کا اصلی نام عمرو بن ربیعہ بن حارثہ بن عمرو بن عامر ازدی تھا یہ شخص علاقۂ شام میں گیا اور وہاں

marfat.com

کے ایک شہر بلقاء سے پانچ بُت لایا اور کعبے میں رکھے اس نے عرب میں بُت پرستی پھیلائی، قومِ عمالقہ کا یہ پہلا متولی کعبہ تھا اور حجاز کا حاکم۔ بعض نے لکھا ہے یہ قریش سے تھا۔ (از سیرت النبی توکلی)، اسی نے بنی خزاعہ کے قصی بن کلاب سے تولیتِ مکہ کو چھین کر خود متولی کعبہ بن گیا قصی بن کلاب نے چار بار کعبے کی تعمیر کی تھی تبدیلی کوئی نہ کی قریش نے تین بار تعمیر کیا اور پہلی بار ہی چھ مذکورہ تبدیلیاں کردی تھیں یمنی زبان میں غلافِ کعبہ کا نام قصوٰی تھا اور بابِ کعبہ کے پردے کا نام بُرقعہ تھا یہ زمانہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا تھا جب پہلی بار غلاف چڑھا یعنی اسلام سے پانچ سو سال پہلے زمانۂ قریش میں دوسری تعمیر کا سبب بھی غلاف کعبہ بنا اس طرح کہ ایک عورت نے اپنی کوئی منت پوری کرتے ہوئے لوبان سے کعبے کو دھونی دینی شروع کی تو غلافِ کعبہ کو آگ لگ گئی، جس سے سارا غلاف اور باب کعبہ اور چھت کا کچھ حصہ جل گیا انجیل میں کعبے کو بیت الایل کہا گیا ہے۔ اب بھی غلافِ کعبہ سولہ چادروں پر بنا کر جوڑا جاتا ہے غلاف کی اونچائی کی جانب سے چوڑائی پندرہ گز نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس کے بعد یہ غلاف مصر سے بن کر آتا رہا پہلا مصری غلاف شاہِ مصر الصالح اسماعیل بن ناصر بن عون نے بنوایا اُس نے اُس پر لکھائی کی ابتدا کی نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلم کے زمانۂ اقدس میں یہ لکھائی نہ تھی یہ ۷۲۰ھ میں شروع ہوئی لکھائی کلمہ طیبہ اور چند آیات تھیں۔ اب اس پر کتابت کی پٹی پچیس انچ چوڑی ہوتی ہے اوپر سے چار فٹ نیچے ہے سونے سے ملمع کرکے چاندی کے تاروں کا دھاگہ بنایا جاتا ہے اس سے کڑھائی کی جاتی ہے پورے غلاف کی لمبائی پچاس گز یعنی ۴۸ میٹر ہوتی ہے اور بابِ کعبہ کا پردہ آٹھ گز (۷ میٹر) اور چوڑائی ستره ۱۷ فٹ ایک ہزار سال تک مصر سے غلافِ کعبہ بن کر آتا رہا پھر جب مصری صدر کرنل ناصر سے سعودیہ کے سیاسی اختلاف شدت اختیار کر گئے تو شاہِ فیصل نے ان کا غلاف لینا بند کردیا، پھر ایک سال پاکستانی حکومت نے بنایا مگر مودودی صاحب نے عوامی چندہ وصول کرنے کے لیے اُس غلاف کو پورے ملک میں پھرایا بذریعہ ٹرین۔ اور چندہ سے اپنا منصورہ بنوایا واللہ اعلم، حکومتِ سعودیہ نے اس بات کو ناپسند کرتے ہوئے آئندہ کے لیے پاکستانی حکومت کو غلاف بنانے سے منع کردیا اور خود بنانا شروع کیا جو اب تک جاری ہے

marfat.com

آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے زمانۂ اقدس میں کعبہ کی پیمائش اس طرح تھی، قریش کی تیسری تعمیر تھی حطیم باہر تھی باب کعبہ کندھوں تک لمبا تھا ساگوان کی لکڑی کا بنا تھا اندر چھ ستون لکڑی کے کعبے کی بلندی سوا ستائیس شرعی اسلامی گز ۲۴ انگلی سبابہ کے برابر ایک شرعی گز ہوتا ہے۔ دیواروں کی چوڑائی۔ رکن یمانی سے رکن اسود تک پچیس گز اور اتنی ہی رکن عراقی سے رکن شامی تک باب کعبہ کی بلندی نچلی چوکھٹ سے چھ گز دس انگلی اور چوڑائی چار گز مشرقی دیوار میں اس پر چاندی کی پتی پیتل کی کیلوں سے جڑی ہوئی، دروازہ زمین سے تقریباً چھ فٹ بلند۔ دروازے اور حجر اسود کا درمیانی فاصلہ جس کو مُلتزم کہا جاتا ہے چار گز۔ حجر اسود زمین سے تین گز سترہ انگل بلند بند کردہ دروازہ جانب مغرب پشت کعبہ میں رکن یمانی سے چار گز شرعی دور جانب رکن عراقی موجودہ مشرقی دروازے کے بالمقابل، حطیم کے تین نام تھے ۱ حطیم ۲ حظیر ۳ حجر۔ حطیم کے بیچ میں کعبہ کی چھت کا بارشی پرنالہ میزاب رحمت، مسدود باب کی چوڑائی ساڑھے تین گز تھی۔ اور لمبائی (بلندی) پانچ گز ایک بالشت حطیم نصف دائرے کی شکل میں رکن عراقی وشامی کے درمیان دیوار حطیم سے دیوار میزاب تک فاصلہ سات گز تھی۔ اور لمبائی (بلندی) پانچ گز ایک بالشت، حطیم نصف دائرے کی شکل میں رکن عراقی وشامی کے درمیان۔ دیوار حطیم سے دیوار میزاب تک فاصلہ سات گز آٹھ انگل حطیم کے دو دروازے ایک رکن عراقی کے پاس ایک رکن شامی کے پاس درمیانی فاصلہ بیس گز بیرونی فاصلہ ۲۵ گز۔ دیوار حطیم کی چوڑائی (موٹائی) دو فٹ اور بلندی دو گز۔ آدم اور شیث وابراہیم سے لے کر قصی بن کلاب کی تعمیر تک حطیم کعبے کے اندر تھی اور کعبہ کی اندر سے کل لمبائی اڑتیس گز اور بیرونی اکتالیس گز تھی۔ مطاف کا صحن ایک سو تینتیس گز (از تفسیر روح المعانی سورۃ حج یہی آیت) کعبہ معظمہ کی موجودہ صورت حال۔

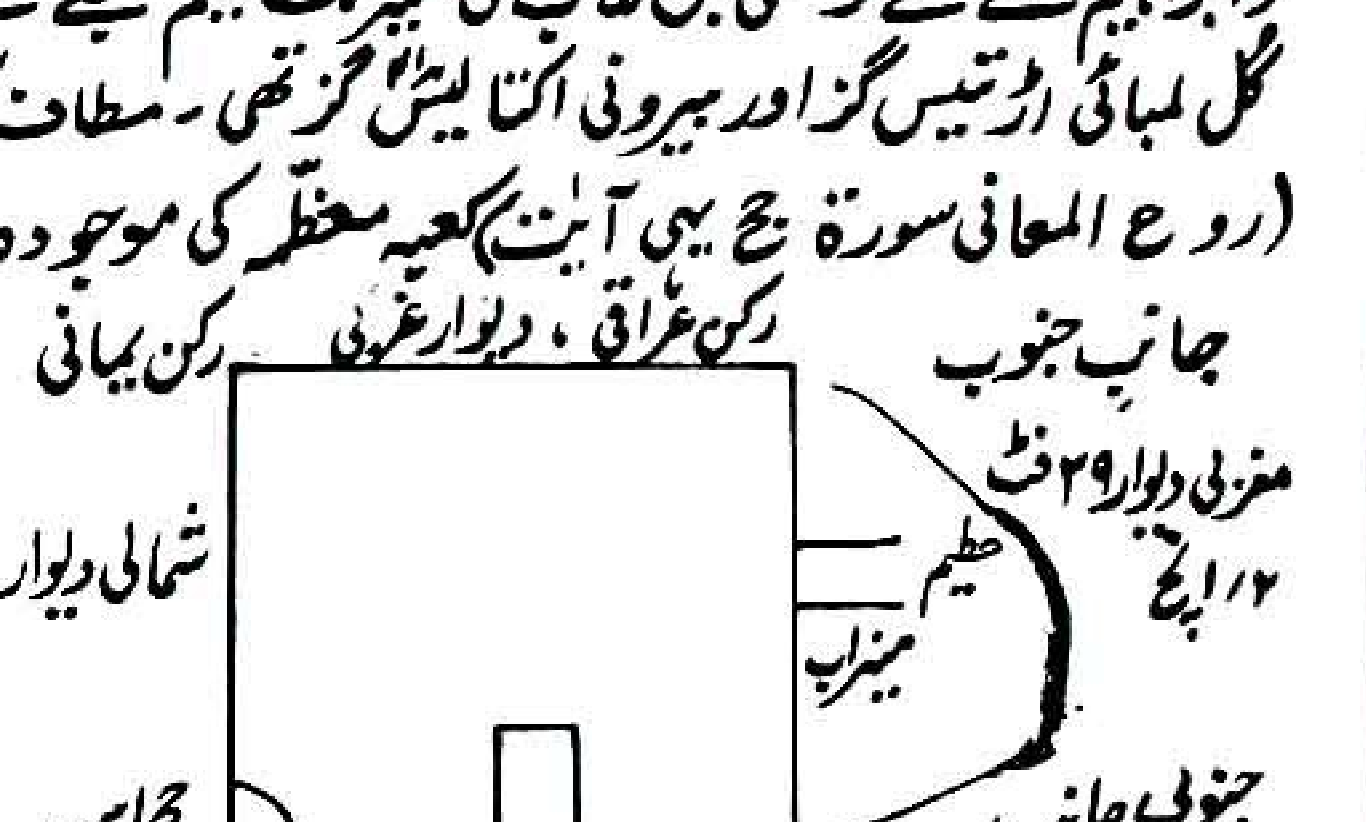

کعبہ شریف کی بلندی ۴۹ فٹ شرقی دیوار کی چوڑائی ۲۹ فٹ ۲ انچ شمالی دیوار ۳۳ فٹ ۵ انچ جنوبی دیوار کی چوڑائی داہیں باہیں ۳۳ فٹ۔

marfat.com

ایک عجیب غلطی، جو شیعوں نے بنائی اور جاہل سنیوں نے اپنائی۔ یہ کہ مولیٰ علی شیر خدا کعبے میں پیدا ہوئے یہ ایک ایسی جاہلانہ اور پاگلانہ بات ہے کہ جس کا ثبوت نہ عقل میں نہ نقل میں نہ کتابی تاریخات میں نہ علاقائی مشہورات میں، کہیں سے ایک شعر بنالیا ہے۔ جس کو خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمۃ کی طرف منسوب کیا ہوا ہے۔ کہ،

کسے را میسر نہ شد این سعادت   بہ کعبہ ولادت بہ مسجد شہادت

اوّلاً تو یہ شعر خواجہ علیہ الرحمۃ کا ثابت ہی نہیں، اگر اُن کا ہی ہو تب بھی یہ مولودِ کعبہ ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔ کیونکہ یہ ایک ہی شعر مشہور ہے اور اس میں تو دونوں باتوں کی نفی ہے یعنی دنیا میں کسی کو یہ سعادت میسر ہی نہیں ہے کہ اُس کی ولادت کعبے میں ہوئی ہو اور شہادت مسجد میں واقع ہو جائے۔ یک شخص یہ دونوں سعادتیں کسی بھی شخص کو دنیا میں حاصل نہ ہوئیں نہ مولیٰ علی کو نہ کسی اور کو۔ دوم یہ بات عقل کے بھی خلاف ہے کیونکہ مولیٰ علی کی ولادت دن میں بوقتِ اشراق ہوئی۔ شیعہ کہتے ہیں کہ آپ کی والدہ فاطمہ بنتِ اسد زوجۂ ابوطالب طواف کر رہی تھیں وقتِ ولادتِ علی قریب آیا تو دیوارِ کعبہ پھٹی آپ اندر چلی گئیں اور ولادت ہو گئی۔ حالانکہ کعبے کی سطح اور دروازہ چھ فٹ اونچائی بغیر سیڑھی کوئی جا ہی نہیں سکتا مسلم شریف جلد اوّل صفحہ ۴۲۸ میں ہے کہ فتح مکہ کے دن رَتَبَتُ الدَّرَجَۃَ میں سیڑھی کے ذریعہ کعبے میں گیا اور صفحہ ۴۲۹ میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خواہش بتائی کہ لَجَعَلْتُ بَابَھَا بِالْاَرْضِ، میں چاہتا ہوں کہ اس کا دروازہ زمین کے ساتھ نیچا کر دوں، ثابت ہوا کہ دروازہ اونچا تھا، تو والدۂ علی بغیر سیڑھی ایسی نازک حالت میں کس طرح چڑھیں۔ نیز کعبے پر موٹا غلاف تھا کعبہ ہر طرف سے ڈھکا ہوا۔ جیسا کہ مشکوٰۃ ص ۲۲۸ پر متفق علیہ حدیثِ انس سے ثابت کہ عبد اللہ ابن خطل استارِ کعبہ میں چھپا ہوا تھا اور جب کعبے پر غلاف تھا تو فاطمہ بنت اسد کو کعبے پھٹنے کا پتہ کیسے لگا کہ کہاں سے پھٹا ہے کتنی اونچی بلندی پر دیوار پھٹی غرض کہ کیسے جانا کیسے چڑھیں کہاں سے پردہ اُٹھایا کون سیڑھی لایا کسی اور نے کیوں نہ دیکھا، پھر کیسے اتریں، فرشِ کعبہ کس طرح صاف کیا۔ نیز اُن زمانوں میں دروازۂ کعبہ سارا دن کھلا رہتا تھا لوگ آتے جاتے داخل ہوتے رہتے تھے، باری باری چندہ گیری کے لیے متولیانِ کعبہ بیٹھے رہتے تھے زائرین سے چندہ نذرانہ وصولی کے لیے۔ اتنی بے پردگی میں یہ ولادت کیسے انجام پائی نہ نقلاً بھی یہ کہیں ثابت

marfat.com

نہیں اتنا انوکھا واقعہ کانوں کان کسی کو خبر نہ ہوئی نہ کسی دائی کو نہ عورت کو نہ خاوند ابوطالب کو نہ خود فاطمہ بنت اسد سے کوئی روایت منقول، تاریخات و مشہورات سے بھی کوئی ایسا ذکر نہیں ملتا بلکہ تاریخ مکہ، اور علاقائی لوگوں کی زبانی مشہورات سے یہ بتایا جاتا ہے کہ کوہ صفا کے پاس حضرت ابوطالب کا گھر تھا وہی مولد علی تھا۔ ۱۹۷۳ء تک یہ گھر موجود تھا ہم نے خود اس بیت گھر کی زیارت کی ایک معلم حجاج کے قبضے میں خود معلم نے ہم کو بتایا کہ یہ گھر اور یہ کمرہ مولیٰ علی کی جاء ولادت ہے بلکہ اس کمرے پر اوپر کی جانب لکھا ہوا تھا هٰذَا مَوْلِدُ الْعَلِیِّ۔ ہم نے اس معلم سے کہا کہ پاکستان میں تو بکعبہ ولادت مشہور ہے تو وہ حیران ہو کر کہتا ہے کہ اِنِّیْ لَا اَعْلَمُ بَلْ هٰذَا قَوْلُ الْجُهَلَاءِ۔ بس ایک جاہلانہ بنائی بات مشہور کر دی گئی نہ بتانے والے نے عقل سے یہ باتیں سوچیں نہ جاہل سنیوں خطیبوں نے بمسجد شہادت بھی درست نہیں بلکہ مَوْلیٰ عَلِی کی شہادت کوفے کی مسجد کے دروازے پر شروع ہوئی اور گھر میں جاکر وفات ہوئی۔

<u>مسجد حرم شریف کے تاریخی حالات</u> مسجد حرم شریف کی گیارہ خصوصیات ۱۔ اس کے لیے احرام باندھا جاتا ہے ۲۔ اسی میں عمارت کعبہ ہے ۳۔ اسی میں طواف ہوتا ہے ۴۔ یہ مسجد تمام زمین کے لیے قبلہ ہے ۵۔ سب سے پہلے اعتکاف اسی مسجد سے ہوا ۶۔ عبادت حج یہیں سے شروع ہوتا ہے ۷۔ یہی اسلام کا معبد اول ہے ۸۔ عبادت عمرہ یعنی حج اصغر یہیں پر ہوتا ہے ۹۔ اس میں حطیم ہے ۱۰۔ یہیں آب زمزم ہے ۱۱۔ اسی میں مقام ابراہیم منصوب وموجود ہے زمین پر سب سے پہلا گھر کعبہ اور حرم مکہ اسی مسجد کے اندر ہے ہر تین تین میل تک، شہر مکہ سے باہر باہر چاروں طرف ہے مسجد حرم شریف اب تک پانچ بار بڑی کی گئی ۱۔ دور فاروقی میں ۲۔ پھر دور عثمانی میں ۳۔ پھر عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین نے اپنے دور حکومت ۶۳ھ میں ان کے زمانوں میں مسجد حرم شریف مربع شکل رہی یعنی چاروں طرف طول وعرض میں برابر ۴۔ پھر عبد الملک بن مروان نے اپنی دور سلطنت میں صرف دیواریں اور پتھر کے ستون بنائے وسعت نہ کی ۵۔ پھر سلطان منصور زنگی ترکی نے جانب شام مسجد میں وسعت کی اور برآمدے وستون بنائے جس سے اس مسجد کی لمبائی چار سو چار گز ہوگئی اور چوڑائی تین سو گز ہوئی ۶۔ پھر خلیفہ مہدی نے دو مرتبہ وسعت کی اس سے کعبہ ایک سمیت ہوگیا، تب اس نے چاہا کہ کعبہ ہر طرف

marfat.com

سے درمیان میں ہی حسبِ سابق رہنا بہتر ہے تو انہوں نے جانب مُصلّٰے حنفیہ تیسری بار وُسعت کرنے کے لیے دارُالنّدوہ تک تمام عمارات خرید کروہ جگہ مسجد میں شامل کر دی جس سے کعبہ شریف وسط میں ہو گیا، یہ وُسعت دورِ سلطنت عثمانی تک رہی ہے پھر سُلطان نورُالدین زنگی نے اپنے دور میں وسعت دی ہے پھر اب ۱۹۵۷ء میں سعودی حکومت نے تھوڑی وُسعت دی اور مسجد شریف کو گول کر دیا۔ زیب و زینت کی۔ گول برآمدے بنائے اور بلندی میں تین منزل تک بنا دیا۔ آرام دہ ٹھنڈا سنگِ مرمر لگایا۔
ان آیت میں مفسّرین کے مختلف اقوال، اَسَاوِرَ میں دو قول ۱ ہر جنتی کو تین تین کنگن پہنائے جائیں گے دونوں ہاتھوں میں ایک سونے کا ایک چاندی کا ایک یاقوت کا ۲ مگر بعض نے کہا ایک ہی قسم کا کنگن ہو گا جس میں سونا بھی ہو گا اور چاندی بھی اور پر موتی یا قوت جڑے ہوئے اور کہنیوں تک پہنائے جائیں گے، مگر پہلا قول درست ہے حدیث پاک میں یہی ارشاد ہے اور تین کنگنوں سے ہی کہنی تک بھر جائے گی ہر کلائی۔ وَھُدُوا اِلَی الطَّیِّبِ میں چار قول ۱ اس سے مراد زندگی میں کلمہ طیبہ پڑھتے رہنا اور تعلیم قرآن و تدریس حدیث کی سعادت ملنا ۲ بعض نے کہا اس سے اُخروی بشارت میں جنت دیکھ کر شکر و حمد کی دعائیں پڑھنا ہے ۳ اس سے مراد ملائکہ کی استقبالیہ مبارکبادیاں اور آتے جاتے سلام کرنا ۴ بعض نے کہا اس سے مراد اہلِ جنت کی آپس میں پاکیزہ گفتگو اور حمد و نعت صِرَاطِ حمید میں دو قول ۱ حمید بمعنی محمود ہے جیسے کہ حبیب بمعنی محبوب ہوتا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا نام اُقدس ہے۔ یا اس سے مراد پسندیدہ دین ہے اور اضافت توصیفی ہے ۲ اگر محمود اللہ کا نام ہو تو اضافت حقیقی ہے یعنی اللہ تعالیٰ حمید و محمود ہے اُس کا راستہ ہر طرح سچائی و بقا کی راہ۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں دو قول ۱ اس سے مراد ہے دینِ اسلام سے روکتے ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد صحابہ کو ایذائیں دیتے ہیں تاکہ وہ گھر وطن سے مہاجر ہو جائیں۔ مَسْجِدِ حرام میں فقہاء کرام کے چار قول ۱ امامِ اعظم نے فرمایا اس سے پورا حرم مراد ہے یعنی کعبہ مسجد مکہ مکرمہ پورا علاقہ ۲ امام مالک نے فرمایا اس سے صرف شہر مکہ مراد ہے ۳ امام احمد بن حنبل نے فرمایا اس سے مراد مکہ کا روکنا مراد ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو اور ایک ہزار چار سو صحابہ کرام کو عمرے سے روکنا ۴ امام شافعی نے فرمایا اس سے مراد صرف

marfat.com

مسجدِ حرام شریف ہے مگر امام اعظم کا قول زیادہ مضبوط ہے اور با دلائل ہے۔ سَوَآءً میں دو قول ہیں ۱ امام اعظم نے فرمایا اس حکم میں پوری زمینِ مکہ شامل ہے نہ کہ گھر بلو عمارتیں یعنی مسجدِ حرام سب کے لیے ہر وقت عبادت نماز تلاوت اعتکاف، طواف کے لیے برابر وقف ہے اور زمینِ شہر مکہ حج وعمرے میں ٹھیرنے کے لیے کسی خطۂ زمین کا کوئی مالک نہیں کوئی بھی زائر مسافر جہاں چاہے خیمہ لگائے منیٰ عرفات مزدلفہ بھی اس میں شامل کسی جگہ کا کوئی شخص نہ مالک ہے نہ بیچ سکے نہ کرایہ لے سکے ہاں جس مقیم نے جہاں عمارت بنائی ہو تو وہ عمارت میں ٹھیرانے کا کرایہ لے سکتا ہے یہی امام احمد کا قول ہے ۲ امام شافعی اور امام مالک فرماتے ہیں کہ یہاں سَوَآءً سے مراد صرف مسجد ہے جو ہر عبادت میں سب مقیم ومسافر کے لیے برابر کی وقف ہے مگر شہر مکہ کی زمین ہر مکی مقیم کی ذاتی ملکیت ہے خواہ موروثی ہو یا خریدی ہوئی۔ اُن کی تین دلیلیں ہیں۔ پہلی دلیل یہ کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد مرحوم سیدنا عبداللہ کے گھر ٹھیرے اور اس کو اپنا موروثی ملکیتی گھر قرار دیا۔ حضرت ابوطالب کا گھر اُن کے دو بیٹوں علی اور جعفر کو نہ دیا وہ عقیل کی ملکیتِ موروثی میں دیدیا اور فرمایا کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔ عقیل وفات ابوطالب کے وقت تک مومن نہ بنے تھے ابوطالب مومن ہو کر فوت ہوئے۔ مگر علی وجعفر اُس وقت مومن تھے اس لیے وہ غیر مومن والد کے وارث نہ بن سکے تو اگر زمینِ مکہ کی ملکیت نہ ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے والد عبداللہ کے گھر کے وارث ومالک کیوں بنتے۔ اور عقیل اپنے والد کے گھر کے ثابت ہوا کہ زمینِ مکہ سَوَآءً میں داخل نہیں ملکیت ثابت کرایہ وخرید وفروخت جائز۔ امام شافعی وامام مالک کی دوسری دلیل فاروقِ اعظم نے مکہ مکرمہ کا ایک گھر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا تھا اگر زمینِ مکہ کی ملکیت جائز نہ ہوتی تو یہ خرید وفروخت بھی ناجائز ہوتی اور فاروقِ اعظم ناجائز کام کے مرتکب ہرگز نہیں ہو سکتے ماننا پڑے گا کہ سرزمینِ مکہ سَوَآءً نہیں ہے۔ تیسری دلیل قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ (سورۃ آلِ عمران آخری رکوع آیت ۱۹۵) دیکھو یہاں مِنْ دِیَارِهِمْ فرما کر رب تعالیٰ نے ثابت فرما دیا کہ مکے والوں کے گھر اُن کی ملکیت ہیں۔ دِیَارِهِمْ کا ترجمہ ہے اُن کے گھر اس فرمانِ الٰہی سے بھی ثابت ہوا کہ یہ اضافت محض رواجی یا رسمی نہیں بلکہ حقیقی ملکیتی اضافت ہے

marfat.com

اس سے بھی ثابت ہوا کہ مکۂ مکرمہ کی زمین سَوَآءً نہیں۔ سَوَآءِ نِ الْعَاكِفُ وَالْبَادِ سے صرف مسجدِ حرم شریف مراد ہے۔ یہ تھے امام مالک۔ اور امام شافعی نے دلائل اُن کے اپنے مسلک پر بظاہر کتنے مضبوط معلوم ہوتے ہیں مگر بحمدہٖ تعالیٰ امام اعظم کے ایک قول سے یہ سب دلائل تارِ عنکبوت کی طرح ٹوٹ گئے۔ اور سب منہ دیکھتے رہ گئے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سب واقعات، وراثت۔ ملکیت، ، خرید فروخت اور دیارِ حرمؐ کی نسبت عماراتِ مکّہ کے لیے ہیں نہ کہ سرزمینِ مکّہ کے لیے اور ہماری گفتگو خالی زمین کے بارے میں ہے خالی زمین کی فروخت، وراثت ملکیت کہیں ثابت نہیں۔ عمارات تو مثل خیمہ ہوتی ہیں اس کا ملبہ جب چاہو اُٹھوا دو۔ یہی حال کھیت کھلیان باغات کا ہے۔ حضرت سیدنا عبد اللہ رضؓ، اور حضرتِ ابو طالبؓ کے گھر سے مراد اوپر کی عمارتیں ہیں نہ کہ زمین۔ لہٰذا جس جگہ کوئی عمارت نہ بنی ہو وہ خالی میدان عاکف و بادی کے حق میں برابر ہے سبحان اللہ امام اعظم کے ہر مسلک کی یہی شانِ قوت ہے۔ بِاِلْحَادٍ۔ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد شرک کفر ہے ۲ ہر کفر۔ فسق وگناہ مراد ہے۔ بِظُلْمٍ میں دو قول ہیں ۱ اس سے مراد کسی انسان یا جانور کو ستانا تڑپانا مارنا بھگانا، پریشان کرنا یا زبردستی اُس کی جگہ سے اُٹھانا یا ممنوعاتِ احرام کام کرنا ۲ بعض نے کہا اس سے مراد کسی کو ناحق قتل کرنا یا چوری ڈکیتی کرنا۔ یہ دونوں قول درست ہیں اور ہر وقت یہ سب بُرے کام مکۂ مکرمہ میں سخت بُرے بلکہ اُن کا ارادہ بھی ظلم ہے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ مکۂ مکرمہ شہر جلال ہے یہاں جلالِ کبریائی کا ظہور ہے ہر مسلمان کو بہت احتیاط چاہیے حضرت عبد اللہ ابنِ عباسؓ نے اپنا گھر خشیتِ الٰہیہ کے باعث مکۂ مکرمہ سے ہٹا کر طائف میں بنالیا اور عبد اللہ ابن عمر کو جب دورِ عثمانی میں گورنرِ مکہ بنایا گیا تو آپ نے ایک جھونپڑی حدودِ حرم سے باہر بنوائی ایک شہر میں کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا شہر کی عبادت کے لیے ہے اور باہر کی مقدمات و بیانات سننے کے لیے کیونکہ دورانِ مقدمہ جھوٹی باتیں لغو قسمیں، غموس یمین منہ سے نکلتی رہتی ہیں تو کہیں وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ کے زمرے میں نہ آجائیں حل میں تو معافی مل جاتی ہے حرم میں تو ارادے پر بھی پکڑ ہے۔ آدابِ حرم کے خلاف بھی ہے اور نُذِقْهُ کی وعیدِ شدید بھی۔ یہ فائدہ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ (الخ) فرمانے

marfat.com

حاصل ہوا گستاخانِ رسول اللہ کو خوف آنا چاہئے جو دن رات مسجدِ حرم میں بے ادبیٔ انبیاء کی کفریہ تقریریں کرتے اور اہل سنت عوام کو ورغلاتے رہتے ہیں۔ اس شہر جلال کا اثر وہاں کے باشندوں پر بھی ہے اس لیے حاجی صاحبان کو وہاں کے لوگوں کا بھی ادب کرنا چاہیے اور ان کی تلخ کلامی کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیئے دوسرا فائدہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے والد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومن تھے۔ یہ فائدہ سَوَآءَنِ الْعَاكِفُ (الخ) کی تفسیر سے حاصل ہوا کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مسلک پر ایک دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ فتح کے دن آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنے والد کا گھر اپنی ملکیت وراثت میں لے لیا اگر حضرتِ عبداللہ مومن نہ ہوتے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آپ کے مکان کے وارث نہ ہوتے، جیسے کہ مولیٰ علی و حضرت جعفر اپنے والد ابوطالب کے وارث نہ بنے (از تفسیر مظہری یہی آیت) تیسرا فائدہ دنیا میں اہل ایمان ہی ہر طرح سب سے زیادہ خوش قسمت ہیں کیونکہ دنیا و آخرت میں ان کو قولِ طیب اور صراطِ حمید کی ہدایت دی گئی دنیا میں عبادت طہارت تلاوت کی لذتیں، آخرت میں اسا ورِ جنت کی نعمتیں یہ فائدہ وَهُدُوٓا اِلَى الطَّيِّبِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ شہر مکہ کی یہ خصوصی شان ہے کہ اس کی پوری زمین مسجد کی طرح زمین وقف للہ ہے یہ فائدہ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ (الخ) فرمانے اور شانِ نزول و تفسیر حنفی سے حاصل ہوا کیونکہ کفارِ مکہ نے مقامِ حدیبیہ پر صحابہ کرام کو حج و عمرے و ذبح ھدی کے لیے شہر مکہ سے ہی روکا تھا جس کو مسجد سے روکنا فرمایا گیا۔ اور آئندہ تا قیامت سب کے لیے پورا شہر برابر قرار دیا گیا۔ وقف ہی سب کے لیے برابر ہوتا ہے۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مسلکِ حنفی کے مطابق اگر عمرہ یا حج کا ارادہ نہ ہو بلکہ کسی ذاتی کام کی غرض سے مکہ شریف میں جانا ہو تو بلا احرام جانا جائز ہے، لیکن اگر حج یا عمرے کے ارادے سے جانا ہو تو بغیر احرام دخولِ مکہ حرام ہے یہ مسئلہ وَمَنْ يُّرِدْ فِيْهِ بِاِلْحَادٍ۔ میں تفسیری اقوال سے مستنبط کیونکہ بغرض عمرہ و حج بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ الحاد میں شامل ہے۔ ہاں ذاتی یا تجارتی غرض سے دخولِ مکہ بغیر احرام جائز۔ آقائے دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ فتح مکہ کے دن بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تھے۔ اس سفر میں آپنے کبھی

marfat.com

سیاہ عمامہ باندھا کبھی مغفر ٹوپی پہنی۔ جیسا کہ مشکوٰۃ شریف ص ۲۳۵ پر مغفر کی حدیث عن انسؓ متفق علیہ مذکور ہے اور سیاہ عمامہ شریف کا ذکر نسائی شریف جلد دوم ص ۲۵۵ پر ہے مگر آدابِ حرم شریف یہ ہے کہ اگر کبھی کبھی حرم شریف جانا ہو تو ضرور احرام باندھ چلے اور عمرہ ادا کرنے کی نیت کرے پھر آکر پہلے عمرہ ادا کرے پھر اپنا کام کرے لیکن جن کو بار بار یا روز آنا ہوتا ہے وہ بغیر احرام آسکتے ہیں۔ یہ اجازت تا قیامت فتح مکہ کے دن ہی عملِ نبوی سے مسلمانوں کو ملی یہی مسلک باقی ائمہ ثلاثہ کا ہے مگر صرف امام محمد فرماتے ہیں کہ کبھی بھی کسی کو بھی بغیر احرام مکہ مکرمہ میں داخلہ جائز نہیں فتح مکہ کے دن آقائے دوعالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا بغیر احرام تشریف لانا آپ کے لیے صرف اس دن کی خصوصیت تھی۔ مگر امام محمدؒ کا یہ قول نہایت کمزور بلا دلیل اور اُن کی ذاتی رائے سے ہے۔ اس دن تو کسی صحابی کا احرام بھی ثابت نہیں۔ نہ یہ مسلک کسی حدیث و آیت سے ثابت۔ دوسرا مسئلہ۔ دنیا کے دیگر مقامات اور مکہ مکرمہ میں ایک یہ فرقِ عظیم بھی ہے کہ دیگر کسی جگہ اگر کسی گناہ کا ارادہ کر لیا تو صرف ارادے پر کوئی پکڑ نہیں نہ یہ لکھا جائے جب اِرتکاب ہوگا تب لکھا جائے گا لیکن مکہ مکرمہ میں اگر کسی گناہ کا ارادہ بھی کر لیا تب بھی پکڑ اور عذاب ہے یہاں کا صرف قلبی ارادہ و نیت بھی عمل ہے کر لینے کا علیحدہ گناہ خواہ کہیں رہ کر ارادہ کرے مثلاً کسی شہر میں بیٹھ کر یہ ارادہ کرے کہ میں مکے میں جاکر یہ گناہ چوری ڈکیتی وغیرہ کروں گا یا وہاں کا کبوتر پکڑوں گا ارادہ کرتے ہی گناہ لکھ دیا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ وَمَنْ یُّرِدْ فِیْہِ بِاِلْحَادٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اَللّٰہُ اَکْبَر بہت نازک معاملہ ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ اِلحَاد کی تین قسمیں ہیں ۱۔ اِلحَاد بِاللّٰہ یعنی شرک کفر ۲۔ اِلحَادِ بِالاَسْبَاب یعنی حقوقُ العِباد میں ظلم ۳۔ اِلحَادِ بِالاَعْمَال یعنی فسق و فجور گناہ۔ پہلے الحاد سے بندہ کافر بن جاتا ہے دوسرے سے بیدین۔ جیسے یزید پلید۔ تیسرے سے فاسق بنتا ہے۔ یہ مسئلہ بِاِلحَاد کے لغوی معنیٰ سے مستنبط ہوا۔ چوتھا مسئلہ۔ مسلک حنفی میں حدودِ حرم کی زمین بیچنا اس کا کرایہ زائرین سے وصول کرنا ممنوع ہے کیونکہ اس زمین کا کوئی انسان قطعاً مالک نہیں سب زمین وقف ہے لہٰذا سب کے لیے اس سے نفع لینا برابر ہے ہاں اَلبتہ اس پر گھر بنانا اور عمارت بیچنا یا عمارت کا کرایہ اور گھر بلو اشیاء بستر فرنیچر برتن وغیرہ کے استعمال

marfat.com

کا کرایہ لینا جائز ہے۔ اس طرح چار دیواری میں ٹھیرانے زائرین اور اُن کے مال سامان کی حفاظت کا کرایہ لینا بھی جائز یہ مسئلہ سَوَآءَ نِ الْعَاكِفُ فِيْهِ وَالْبَادِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا فِيْهِ کی ضمیر کا مرجع تمام زمین مکہ ہے مسجد حرم شریف بھی اس میں شامل نہ کہ عمارات مکہ وہ تو گرتی بدلتی بنتی بگڑتی رہتی ہیں، نیز عمارتی اَشیاء تو لگنے سے پہلے یقیناً لگانے والے کی ملکیت ہیں تو لگنے کے بعد ملکیت کیوں ختم ہو گی۔ یہی حکم درختوں اور کھیتوں کا ہے کہ زمین کا کوئی مالک نہیں باقی اشیا میں جو محنت کرے گا وہ ہی مالک ہے وہ بیچ بھی سکتا ہے کرائے پر بھی دے سکتا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ اس کی کیا وجہ کہ پہلے كَفَرُوْا فعل ماضی فرمایا گیا پھر يَصُدُّوْنَ فعل مضارع فرمایا گیا دونوں جگہ ماضی یا دونوں جگہ مضارع کیوں نہ فرمایا گیا۔ جواب۔ تفسیر کبیر نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ہم یہاں وضاحت سے بیان کرتے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ اس طرح ماضی و مضارع فرمانے سے استمرار یعنی ہمیشگی و بار بار کا فائدہ ظاہر ہوا کہ یہ کفارِ مکہ اکثر ہی بلکہ جب سے کافر ہوئے ہیں اس وقت سے شہر مکہ اور مسجد حرم اور کعبہ معظمہ پر اپنی اجارہ داری سمجھتے آ رہے ہیں اور جب تک خود کو قابض سمجھتے رہیں گے تب مالک بنے بیٹھیں گے دوسروں کو روکتے رہیں گے، یہ استمرار اس طرح ثابت ہوا کہ تین ہی زمانے ہوتے ہیں، ماضی، حال مستقبل زمانہ ماضی۔ تو كَفَرُوْا میں آ گیا۔ اور حال و مستقبل۔ يَصُدُّوْنَ فعل مضارع میں ترجمہ اس طرح ہے کہ بے شک وہ لوگ جب سے کافر ہوئے تب سے روکتے چلے آ رہے ہیں عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بھی اور مسجد حرام سے بھی۔ اس کی مثال سورۃ رعد کی آیت ۲۸ میں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ بے شک وہ لوگ جو مومن بن گئے اور اُن کے دل اُسی دن سے اللہ تعالیٰ کے ذکر کی وجہ سے مطمئن اور چین میں ہو گئے ہیں۔ دوسرا جواب یہ کہ دراصل یہاں کفارِ مکہ کی تین حالتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ پہلی حالت اسلام کے آنے سے پہلے دوسری اسلام کے آجانے کے بعد کی تیسری حالت ہجرت کے بعد مسلمانوں کی قوتِ شان دیکھ کر جلاپے اور حسد کی۔ پہلی حالت میں وہ كَفَرُوْا ہیں۔ پہلے سے کافر جب اسلام آیا تو يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور جب اس میں کامیابی نہ ہوئی تو جلاپا تعصب

marfat.com

کرنے کے لیے ظاہر کرتا پھرے تاکہ مال و جاہ شان و شوکت عیش و عشرت نام و نمود پائے اور شہوات حسیہ، فرحاتِ نفسیہ کی مباشرت و ملاپ پائے اور یہ خیال و حمیہ بنائے کہ یہی چیزیں دارین کی بھلائیاں اور کامیابیاں ہیں۔ اور نفاق اور ریا کو ہی اصل تعمیر ذات یا تقابل ترقیِ صفات سمجھنے لگے تو۔ نُذِيقُهُ مِنْ عَذَابِ الْحَرِيقِ۔ ہم اُس کو جہنم خناسی کا عذاب مایوسی اور ناکامی کا درد چکھائیں گے۔ (ابن عربی) اس عالمِ رنگ و بو میں نفوسِ مغرور اور ارواحِ مرتدہ کے حالات ہمیشہ حقانیت کے منکر اور حق سے اعراض و نفرت ہی کرتے رہے۔ طالبینِ انوار، شائقینِ اسرار کو راہِ الٰہی طریقِ صداقی سے ہر وقت روکنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کبھی انکارِ کافرہ کے سبب اور کبھی اعتراضاتِ فاسدہ کے ذریعے مرشدانِ ہدایت کے آستانوں سے طالبانِ دینِ حق کو روکتے ہیں مسافرانِ منزل کا راستہ کاٹتے دور رکھتے ہیں تاکہ وہ مریدانِ شوق طلبِ حق میں عرفاتِ معرفت اور منیٰ ءِ طریقت سے رُک جائیں اور سینۂ انوار کی مسجدِ حرام اور حرم شریعت میں نہ آسکیں قلبِ مرشد بھی حرم اسرار ہے۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے ہی محترم بنایا ہے ہر مرید عاکف و بادی کے لیے ہی۔

در راہِ عشق وسوسۂ اہرمن بسی است   ہشیار گوشِ دل بہ پیامِ سروش کن

یعنی اے بندئے راہِ عشق میں ابلیسِ آہرمن کے بہت وسوسے ہیں۔ اگر تو بچنا چاہتا ہے تو ہوش رکھ اور کان کو دل کو آتی ہوئی آواز و پیغام پر لگائے رکھ۔ جان کا دشمن قلب کا عزاف ہے۔ گداءِ فقیر کا دشمن صرف سگ نفس ہے۔ اے طالبِ حق اگر تو چاہتا ہے کہ گلزارِ یار کے پھولوں کی خوشبو تجھے آئے تو دماغِ باطنی کو انکار کی غلاظت سے خالی و مصفّا رکھ مقامِ قلب کے حرم و حریم میں عالی و موالی اوّلین و آخرین منتہی و مبتدی واصلین و فاصلین سب برابر۔ یہاں کوئی کسی پر اپنے کو افضل نہ سمجھے یہاں قدموں سے نہیں کرموں سے فضیلت ملتی ہے وجود سے نہیں سجود سے قُرب ملتا ہے۔ جلوس سے نہیں خلوص سے مقام ملتا ہے۔ منزلِ قدس کے انداز نرالے ہیں ساری عمر کے عاکف و مقیم بے نیت پردہ انکشافات و مشاہدات نہ ہوں جو بادی لحظہ بھر اور مسافر چند ساعت پر ہو جائیں وہ ذات صمد اور وہاب و کریم ہے اُس کی بارگاہِ بے نیاز میں عاصی عاجز و تائب کی زیادہ قدر ہو جاتی ہے اُس مطیع

marfat.com

مغرور و مقیم سے بڑھ کر جس نے طاعتِ بے عجزی یا فخری میں عمر بسر گزار دی ہوں۔ روح قدس کا فیض اگر مدد کرنے پر آجائے تو وہ کچھ کرسکتا ہے جو مسیحا کرتے تھے قسمت کی یاوری میں ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ بندہ شامِ عصیاں میں گردِ نفسانی ہو اور صبح کی توبۂ نصوحہ صادقہ سے عربی قلب ہوجائے۔ لیکن وَمَنْ یُّرِدْ فِیْهِ بِاِلْحَادٍۭ بِظُلْمٍ۔ جس بدنصیب فطرت نے میلانِ قلبی اور محبتِ عقلی کا ارادہ غیر حق کی طرف کر کے ظلم جسمانی وروحانی کرلیا تو اللہ تعالیٰ اُس کو بُعدِ فرقت اور بارگاہ کی قطعیت کا ایسا عذابِ نفرت وانقطاع چکھاتا ہے جو اَبد تک دردناک ہے۔ اس لیے کہ قلبِ انسان تو محبتِ الٰہی وَاُلفتِ مصطفائی کا کعبہ بنایا گیا ہے جو خزانۂ معرفت اور معدنِ حقیقت ہے مگر وہ سرکش و نامراد بندہ اس میں محبتِ غیر بھر نے سجدۂ شرک کرنے کا ظلم الحادی کرتا ہے جس کی سزا فراق کی تڑپ اور مایوسی کا عذابِ اَلیم ہے۔ حضرت سعدی نے فرمایا۔

دِلم خانۂ مہرِ یار است و بس ؛ ازاں می نگنجد درو کینِ کس

یعنی میرا دل صرف محبوب کی محبت کا گھر ہے۔ اس لیے اس میں کسی کا کینہ نہیں سما سکتا۔ اے بندے اپنے دل میں، یا دوست کو رکھ لے یا خیالی عیش و عشرت کو ایک گھر میں دو طبعی مخالف نہیں سما سکتے۔ قلبِ مومن میں توجہِ الٰہی عشقِ کبریائی اور اُلفتِ مصطفائی کے علاوہ کسی غیر کی محبت نہیں آسکتی نہ گنجائش، محبتِ الٰہی کا لباس حریرِ اُلفتِ مصطفائی ہے جو اِس لباس و غلاف کے بغیر محبتِ الٰہی کا دعویٰ کرے وہ کاذب و ننگا شیطان ہے (تفسیر روح البیان) نجدِ ابلیس ویرانۂ اشرار ہے وہاں انکار و الحاد، وسواس و رغلاہٹ کے کچرے اِن کچرے کی ڈھیریوں میں گستاخیوں کی سڑاند ہے یہی یَصُدُّوْنَ کے حجاباتِ مکر اور دامِ حیلہ و مکاری ہیں (اللہ تعالیٰ ہی بچانے والا ہے)

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِیْمَ مَكَانَ الْبَیْتِ

اور یاد کیجئے جب ہم نے نشاندہی کرائی ابراہیم کو بیت اللہ کی جگہ کی

اور جب کہ ہم نے ابراہیم کو اس گھر کا ٹھکانا ٹھیک بنا دیا

marfat.com

أَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْـًٔا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ

اس لیے کہ نہ شرک ہونے دے میرے ساتھ کچھ بھی اور پاک کردے میرے گھر کو

اور حکم دیا کہ میرا کوئی شریک نہ کر اور میرا گھر

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ

طواف کرنے والوں اور ٹھہرنے والوں کے لیے اور رکعتیں پڑھنے والوں

ستھرا رکھ طواف والوں اور اعتکاف والوں اور رکعتیں پڑھنے والوں

السُّجُوْدِ ﴿۲۶﴾ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ

اور سجدے کرنے والوں کے لیے، اور آوازہ لگا دے آئندہ نسلوں میں حج کے بارے میں

سجدے والوں کے لیے، اور لوگوں میں حج کی عام ندا کردے

يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ

تو وہ سب تیری اس جگہ پیدل چل کر اور سوار ہو کر تیز سواریوں پر

وہ تیرے پاس حاضر ہوں گے پیادہ اور ہر دبلی اونٹنی پر

مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ ﴿۲۷﴾ لِّيَشْهَدُوْا مَنَافِعَ

جو آئیں ہر طرف کے دُرّوں سے تاکہ حاضر ہو کر پالیں کثیر نفعوں کو

کہ ہر دور کی راہ سے آتی ہیں، تاکہ وہ اپنا فائدہ پائیں

لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْٓ اَيَّامٍ

اپنے لیے اور بسم اللہ کا ذکر پڑھیں وہ سب چند معلوم

اور اللہ کا نام لیں جانے ہوئے دنوں میں

marfat.com

مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ

دنوں میں ان ذبیحوں پر جو رزق دیں ہم نے ان کو حلال چوپایہ

اس پر کہ انہیں روزی دی بے زبان چوپائے، تو

الْاَنْعَامِ ۚ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ

جانوروں سے، پھر تم کھا بھی لو ان ذبیحوں سے اور پکا کر کھلاؤ بھی محتاج

ان میں سے خود کھاؤ اور مصیبت زدہ

الْفَقِيْرَ ﴿۲۸﴾

فقیروں کو

محتاج کو کھلاؤ

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کافر لوگ مسجد حرم شریف سے روکتے ہیں جو سخت ترین جرم ہے۔ اب ان آیت میں اس کی وجہ بتائی جا رہی ہے کہ یہ مسجد تو ابراہیم علیہ السلام نے بنائی ہی اس لیے تھی کہ اس میں کھلے عام ہر شخص اللہ تعالیٰ کی عبادت طواف و اعتکاف کر سکے اس پر کسی بھی شخص یا سلطنت حکومت کی اجارہ داری نہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی رکاوٹوں کا ذکر کیا گیا کہ وہ کس خباثت و شیطانیت سے لوگوں کو مسجد وحرم میں آنے سے روکتے ہیں اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے خلیل ابراہیم کو حکم دیا تھا کہ سب کو دور دور سے پکار کر اس مسجد میں بلاؤ اور ہر طرف کے لوگوں کو اذنِ عام و دعوت تا قیامت دو۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں بعد قیامت اہل ایمان کے جنت میں داخلے کا ذکر ہے اب ان آیت میں بعدِ ایمان اہل ایمان کے مسجد حرم شریف داخل ہونے کا حکم واذن عام کا ذکر ہے۔

تفسیر نحوی | وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ

marfat.com

بِیْ شَیْئًا وَّ طَهِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَ الْقَآئِمِیْنَ وَ الرُّکَّعِ السُّجُوْدِ وَ اَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ ۔ واؤ سے جملہ اِذْ اسم ظرف زمانی بَوَّاْنَا ۔ باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم بَوَّاْ ، اجوف واوی مہموز اللام ہے مشتق اس کا مصدر تَبْوِیَۃٌ بعد تعلیل نحوی ہوگیا تَبْوِئَۃٌ بمعنی جگہ دینا ، جگہ لینا ، جگہ اور مقام بتانا نشان دہی کرنا یہ فعل با فاعل لِاِبْرَاهِیْمَ لام نفع کا یہ جار مجرور متعلق ہے مَکَانَ الْبَیْتِ یہ مرکب اضافی ہے ۔ مَکَانَ باب نصر کا اسم ظرف مذکر مَکْوَنٌ تھا کَوْنٌ سے مشتق ہے بمعنی ہونا مَکَانٌ بمعنی جگہ یہ مرکب ظرف ہے بَوَّاْنَا کا ۔ اَنْ حرف تفسیر یہ برائے علیت (سبب) ثقیلہ اَنَّ سے خفیفہ ہوا لَا تُشْرِکْ ۔ باب افعال کا فعل نہی واحد مذکر حاضر مصدر ہے اِشْرَاکٌ شِرْکٌ سے مشتق ہے متعدی ہے باب افعال میں آکر تعدی تاکیدی یعنی سخت متعدی ہوا بمعنی شرک نہ کرنا نہ ہونے دینا ۔ یہاں دوسرے معنی میں ہے ایک قرأت میں لَا یُشْرِکْ ہے بِیْ یہ جار مجرور متعلق ہے شَیْئًا مفعول بہ ہے لَا تُشْرِکْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ طَهِّرْ باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر اس کا مصدر ہے تَطْهِیْرٌ ، طُهْرٌ سے بنا ہے بمعنی پاک کرنا متعدی ہے بَیْتِیَ مرکب اضافی مفعول بہ ہے ترجمہ ہے میرا گھر مراد ہے خانہ کعبہ شریف یہ اضافت ملکی ہے نہ کہ نفعی لام جارہ نفع کا اَلطَّآئِفِیْنَ یہ الف لام جارہ کے اتصال کی وجہ سے گر گیا ۔ الف لام معرفہ کا اسمی ہے بمعنی اَلَّذِیْنَ طَآئِفِیْنَ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْقَآئِمِیْنَ ۔ الف لام اسمی قَآئِمِیْنَ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ کیونکہ معطوف تابع ہوتا ہے ماقبل کا واؤ عاطفہ اَلرُّکَّعِ باب فتح کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد ہے رَاکِعٌ دراصل رَاکِعِیْنَ تھا برائے مبالغہ بر وزن فُعَّلٌ کیا گیا بمعنی بہت رکعتیں ، نمازیں پڑھنے یا بہت رکوع کرنے والے یا بہت عاجزی انکساری سے جھکنے والے ۔ اس طرح اَلسُّجُوْدِ بر وزن فُعُوْلٌ جمع ہے سَاجِدٌ کی یہ چاروں اسم فاعل جمع مذکر آپس میں عطف ہوکر مجرور ہوکر متعلق ہے طَهِّرْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَذِّنْ باب تفعیل کا امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَاْذِیْنٌ بمعنی لغوی کان کریدنا اصطلاحی ترجمہ ہے کان میں انگلیاں ڈال کر زور سے آواز دینا اسی سے ہے نماز کی اذان چونکہ اذان دینے

marfat.com

کا مطلب و مقصد بلانا ہے اس لیے اجازت کو بھی اذن کہا جاتا ہے یہاں مراد ہے آواز دینا بلانا، فِی ظرفیہ مکانیہ اَلنَّاسِ بمعنیٰ انسان یعنی روح و جسم۔ مگر یہاں عالمِ ارواح کی روحیں مراد ہیں اِذْنِ کی قبولیت کے عملی وقت کا اعتبار کرتے ہوئے یہ جار مجرور متعلق اوّل ہے بِالْحَجِّ یہ متعلق دوم ہے بِ جارّہ بمعنیٰ لامِ تعلیلیہ بمعنیٰ حج کے لیے اسی لفظ کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۃِ حج رکھا گیا۔ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ يَاْتُوْ بابِ ضَرَبَ کا مضارع جمع مذکر غائب يَاْتُوْنَ سے تعلیل ہو کر يَاْتُوْنَ ہوا پھر اَذِّنْ امر کا جواب ہونے کی بنا پر آخر کی نونِ اعرابی جزم کی وجہ سے گر گئی۔ اَتْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ آنا یہ بمعنیٰ مستقبل ہے كَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل ظرفِ مکانی حکمی یعنی آپ کے پاس اس جگہ۔ كَ بول کر جگہ مراد لی گئی بوجہ خطاب امر حاضر کے معنًا یہ دراصل بَيْتَكَ یا مَقَامَكَ ہے رِجَالًا اسم مشتق جمع اسم فاعل اس کا واحد ہے رَاجِلٌ رِجْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیروں والے یعنی پیدل چلنے والے یہ ہمیشہ مفرد نکرہ ہوتا ہے اگر مضاف ہو تو وہ رَجُلٌ کی جمع مکسر ہوتی ہے بمعنیٰ مرد یہ اسم فاعل یا فاعل جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَلٰى جارّہ فوقیت کا ترجمہ ہے پر، اوپر كُلِّ اسم تاکیدی جنسی مراد ہیں بہت سی۔ ضَامِرٍ۔ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر ضُمْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دبلا ہونا جسم کا یہاں مراد ہے تیز رفتار اونٹ لغوی اعتبار سے مراد ہے دُبلا اونٹ چونکہ دبلا حیوان یا انسان تیز چلتا ہے اس لیے اب تیز رفتار کو ضامر کہا جاتا ہے یہ واحد جنسی ہے اس لیے ایک اور بہت نر و مادہ (اونٹ۔ اونٹنی) سب کو شامل ہے یہ موصوف ہے اور جمع مؤنث مراد ہے اسی لیے يَاْتِيْنَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مستقبل جمع مؤنث غائب آیا عام طور پر اہلِ عرب سفر میں اونٹنی استعمال کرتے ہیں تاکہ سفر کی سہولت کے ساتھ ساتھ دودھ سے خوراک کی سہولت بھی ہوتی رہے یہی وجہ ہے کہ زیادہ سفر کی وجہ سے اونٹنی ہی زیادہ تر دبلی اور تیز رفتار ہوتی ہے۔ بدیں وجہ یہاں ضامر سے مؤنث مراد ہیں مِنْ جارّہ ابتداءِ غائت کے لیے فَجٍّ اسم مفرد نکرہ بمعنیٰ پہاڑی درّہ پہاڑوں کے درمیان اونچا نیچا کھلا راستہ اس کی جمع فِجَاجٌ ہے موصوف ہے عَمِيْقٍ اسم صفت مشبہ (اسم فاعل) واحد مذکر بابِ کَرُمَ سے ہے عُمْقٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گہرا ہونا۔ مبالغے میں ترجمہ ہوا بہت زیادہ گہرا، جب کہ آس پاس اونچے پہاڑ ہوں صفت ہے یہ مرکب

marfat.com

توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے یَاْتِیْنَ کا وہ سب فعل با فاعل ضمیر صیغہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے ضَامِرٍ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ کُلِّ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل رَاکِبًا کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے رِجَالًا پر دونوں مل کر حال ہے یَاْتُوْ فعل کے فاعل کا۔ لِیَشْهَدُوْا۔ باب فتح کا مضارع جمع مذکر غائب لِیَشْهَدُوْنَ تھا۔ لام لئے تعلیلہ نے اَنْ ناصبہ پوشیدہ کے ذریعے اس کو نصب دیا اس لیے آخر کی نون اعرابی علامتِ رفع گر گئی شُهُوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی حاضر ہونا اور آ کر کسی چیز کو پانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مَنَافِعَ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے مَنْفَعَةٌ بمعنی نفع مفعول بہ ہے لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے لِیَشْهَدُوْا کا لَهُمْ کا ترجمہ ہے اپنے لیے لام جارہ نفع کا هُمْ ضمیر نفسی بمعنی اپنے یہ سب جملہ ہو کر معطوف علیہ وَیَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ۔ واؤ عاطفہ یَذْكُرُوا باب نصر کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب خیال رہے کہ ان پانچوں فعلوں یَاْتُوْ لِیَشْهَدُوْا یَذْكُرُوا فَكُلُوْا اور اَطْعِمُوْا۔ کا مرجع النَّاسِ ہے اِسْمَ اللّٰهِ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے فِیْ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق اول ہے عَلٰی حرف جر بمعنی ب سببیہ مَا اسم موصول رَزَقَ باب نصر کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب متعدی اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ رزقٌ سے مشتق ہے بمعنی نفع والی چیز مراد ہے قربانی کا گوشت هُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ مِنْ بعضیت کا بَهِیْمَةِ اسم صفت مشبہ واحد مؤنث بروزن فعیلۃ باب کرم سے بُهْمٌ سے مشتق ہے بمعنی پوشیدہ خفیہ نامعلوم مراد ہیں بے زبان جانور جن کی بات کسی کی سمجھ نہیں آتی اسی سے ہے اِبْهَامٌ وَمُبْهَمٌ اس معنی کے لحاظ سے تمام چرند و پرند درند کیڑے مکوڑے بہیمہ ہیں چونکہ انسانوں کو زیادہ حلال گھریلو چوپایوں سے واسطہ پڑتا ہے اس لیے اب اصطلاح میں صرف گائے اونٹ وغیرہ کو کہا جاتا ہے اس لیے اس کو انعام کی طرف اضافت کیا گیا۔ مضاف ہے اَلْاَنْعَامِ اسم جمع مکسر منفرد نَعَمٌ واحد ہے لغوی ترجمہ ہے نعمت مراد ہے اونٹ جب یہ جمع بولی جائے تو اونٹ کے علاوہ دیگر حلال چوپائے بھی مراد ہوتے ہیں اور یہ لفظ جمع ہی مستعمل ہے یہ مضاف الیہ ہے بَهِیْمَةِ دونوں مل کر دوسرا متعلق ہے رَزَقَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر

marfat.com

معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ بمعنیٰ اس لیے کُلُوْا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر خطاب ہے حاجیوں کو غائب کے بعد فوراً حاضر کے صیغوں سے تاکیدِ اباحت ہے کہ حج ذبیحہ تمام امتوں کے لیے تھا۔ اباحتِ اطعام صرف اب موجودہ کے لیے ہے مِنْھَا یہ جار مجرور متعلق ہے کُلُوْا۔ اَکْلٌ سے بنا ہے دراصل اُؤْکُلُوْا تھا دوم ہمزہ گر گئی تخفیف کے لیے یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَطْعِمُوْا باب اِفعال فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مصدر ہے اِطْعَامٌ معنیٰ ہے پکا کر کھلاؤ یعنی کھانا بنا کر، یہ دونوں امر استحبابی ہیں اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اَلْبَائِسَ باب فتح کا اسم فاعل واحد مذکر بَاْسٌ سے مشتق ہے بمعنی بھوک۔ تنگی، غربت، لڑائی، جھگڑا۔ مضائقہ خوف ڈر۔ یہاں صرف پہلے معنیٰ میں ہے یعنی بھوکا یہ موصوف ہے اَلْفَقِیْرَ اسم فاعل صفت مشبہ بمعنیٰ غریبی والا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے اَطْعِمُوْا سب۔ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کُلُوْا پر یہ دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے یَذْکُرُوْا کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لِیَشْھَدُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر علت ہے یَاْتُوْکَ کی یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر جواب امر ہے اَذِّنْ کا، یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے طَھِّرْ کے جملے پر وہ دونوں معطوف لَا تُشْرِکْ کے جملے پر یہ سب مل کر مفعول لہٗ ہے بَوَّاْنَا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے اُذْکُرْ فعل پوشیدہ کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰھِیْمَ مَکَانَ الْبَیْتِ اَنْ لَّا تُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا وَّطَھِّرْ بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ وَالرُّکَّعِ السُّجُوْدِ۔

اے رحمۃ للعالمین یاد کرو اس آنکھوں دیکھے واقعے کو اور بتاؤ سناؤ ان اولاد ابراہیمی کفار کو جو کعبہ و حرم سے عابدین طوافین کو روکتے ہیں حج و عمرے سے جب کہ ابراہیم کو نشاندہی فرمائی تھی ہم نے بیت اللہ کے مکان بنانے کی اس عہد کے ساتھ کہ اے ابراہیم یہاں میرا شرک نہ ہونے دینا کسی بھی چیز سے کسی بھی طریقے کا نہ ارادے کا نہ عقیدے کا نہ جلی نہ خفی نہ عملی نہ قولی نہ ظاہری نہ باطنی نہ قلبی نہ عقلی نہ بت پرستی کا نہ دنیا پرستی کا شرکِ جلی بت پرستی ہے شرکِ خفی غلط نظریات ہیں شرکِ ظاہری غیر اللہ کو سجدۂ تعظیمی ہے شرکِ باطنی اللہ سے مایوسی اور غیر اللہ سے کچھ

marfat.com

اُمیدیں لگانا شرکِ قلبی غیر اللہ اور عدو اللہ کی تعظیم کرنا، شرکِ عقلی تقدیر کو نہ ماننا اپنی تدبیر پر بھروسہ کرنا، بُت پرستی یہ ہے کہ دیوی دیوتا اور ستاروں کو موسموں کو تقدیر میں شریکِ کار سمجھنا، دنیا پرستی یہ ہے کہ رب تعالیٰ سے غافل و فاسق ہو جانا، سچا مومن وہ جو حیاتِ دنیوی کے ہر مقام میں حِل میں حرم میں ہر قسم کے شرک سے بچا رہے یہاں تک کہ اپنے اعمال میں نام و نمود کی خواہش بھی نہ رہے اگر کوئی تعریف بھی کرے تو حمدِ الٰہی کرنی چاہیئے اپنے پر فخر نہ کرو اور اے ابراہیم جب یہ بیتُ اللہ تعمیر میں مکمل ہو جائے تو ہر قسم کی حقیقی حکمی، غلیظہ، خفیفہ گندگی سے میرے اِس گھر کو پاک صاف ستھرا رکھنا طواف اعتکاف نماز کا قیام رکوع سجدہ کرنے والوں عابدین کے لیے اس آیت کی تفصیل و تفسیر اللہ تعالیٰ کے چشم دید گواہ شاہدًا کے خطاب والے نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے اس طرح فرمائی کہ جب رب تعالیٰ نے حضرتِ خلیل کو حکم فرمایا کہ جاؤ وادیِ غیر ذی زرع میں بیتُ اللہ کی تعمیر کرو تو آپ نے چاہِ زمزم کے پاس پہنچ کر عرض کیا یا مولیٰ تعالیٰ کس جگہ بیتُ اللہ بناؤں، تو رب تعالیٰ نے ایک ہوا بھیجی جو اُس جگہ عین مقامِ کعبہ کے اوپر ستون کی شکل گول بل کھاتی ٹھیر گئی جس طرح بگولہ اور وَاوَرولا ہوتا ہے جس کو عربی میں جوج کہتے ہیں اور وہیں پر سانپ کی طرح گھومتی رہی فارسی میں اس کو غول بیابانی کہتے ہیں۔ یہی ہوا سمندر میں آئے تو اس کو ورطہ یا بھنور کہتے ہیں اس ہوا سے جگہ کا تو پتہ لگ گیا مگر لمبائی چوڑائی والے رقبے کا پتہ نہ مل سکا ہا تو رب تعالیٰ نے کچھ بلندی پر فضا میں ایک بادل بھیجا جو بالکل رقبۂ کعبہ کے برابر تھا اس میں سے آواز آئی کہ اے ابراہیم میری پیمائش کے برابر بیتُ اللہ کی تعمیر فرماؤ تب آپ نے اور حضرت اسماعیل علیہما السّلام نے کھدائی شروع کی تھوڑی کھدائی پر بنیادِ آدم ظاہر ہوگئی۔ بادل اور ہوا غائب ہو گئے۔ پھر آپ کوہِ صفا سے ایک بڑا پتھر اٹھا لائے جس کو بطور میز استعمال فرمایا اس پر چڑھ کر آپ نے تعمیر شروع فرمائی اسماعیل علیہ السّلام اینٹ نما پتھر اور گارا دیتے جاتے آپ لگاتے جاتے، دیواریں جتنی اونچی ہوتی جاتیں پتھر بھی اتنا اونچا ہوتا اور آگے کی طرف چلتا بھی جاتا یہ اس پتھر کی کرامت رب تعالیٰ کی قدرت کا ظہور اور قدم ابراہیم علیہ السّلام کا معجزہ تھا یہی پتھر اب مقامِ ابراہیم میں تمام اہلِ ایمان کا مصلّٰہ ہے اس تعمیر میں تین پہاڑوں کے

marfat.com

پتھر لگائے گئے ۱ کوہِ صفا ۲ کوہِ مروہ ۳ کوہِ ابُو قُبیس آٹھ ذی الحج سے تیرہ ذی الحج تک چھ دن میں یہ تعمیرِ کعبہ مکمل ہوئی اس تعمیر میں حسبِ سابق چھت نہیں بنائی گئی حطیم شامل کعبہ تھی اور مشرقی جانب دروازہ رکھا گیا جب تعمیر مکمل ہوگئی تو حکم الٰہی آیا۔ وَاَذِّنْ فِی النَّاسِ بِالْحَجِّ یَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ یَّاْتِیْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ اور اے ابراہیم اذان دیدو پوری دنیا کے تا قیامت انسانوں میں حج کی ابراہیم علیہ السّلام نے عرض کیا مولیٰ میری آواز اُن تک نہیں پہنچے گی۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے ابراہیم آواز دینا تمہارا کام ہے آواز کو سب تک پہنچانا ہمارا کام ہے۔ تمہاری اذان پر آتے رہیں گے لوگ تا قیامت شوقِ زیارت میں پیدل بھی اور ہر دبلی پتلی تیز رفتار اونٹنی پر بھی نہ تھکاوٹ کی پرواہ ہوگی نہ کمزوری کی نہ راہ کے مصائب کی اور پیدل وسوار جماعتیں ہر اونچی نیچی دور قریب پہاڑی میدانی دریائی صحرائی ریگستانی علاقوں سے۔ تب آپ اُسی پتھر پر کھڑے ہوئے وہ پتھر پہاڑ برابر بلند ہوگیا بعض نے فرمایا کوہِ صفا پر کھڑے ہوکر بعض نے فرمایا کوہِ ابو قبیس پر کھڑے ہوکر اذان دی دونوں کانوں میں ہاتھ رکھے اور فرمایا یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ۔ اَلَا اِنَّ رَبَّكُمْ قَدْ بَنٰی بَیْتًا۔ وَكَتَبَ عَلَیْكُمُ الْحَجَّ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ فَاَجِیْبُوْا رَبَّكُمْ وَحُجُّوْا بَیْتَهُ الْحَرَامَ۔ یُثِیْبُكُمْ بِهِ الْجَنَّةَ وَیُجِیْرُكُمْ مِنَ النَّارِ۔ ترجمہ۔ اے لوگو۔ خبردار ہو جاؤ، بے شک تمہارے رب تعالیٰ نے ایک گھر بنایا ہے۔ اور تم پر حج فرض فرمایا ہے بیتِ عتیق کا لہٰذا اپنے رب تعالیٰ کے اس بلاوے کو قبول کرو۔ اور حج کرو اُس کے بیتِ حرام کا۔ تاکہ تم کو اُس کے بدلے جنّت کا ثواب عطا فرمائے۔ اور بچائے تم کو جہنم کے عذابِ نار سے آپ کی اُس اذان میں سات کلمات تھے زمین پر یہ پہلی اذان تھی آپ نے یہ اذان ایک سو بارہ ۱۱۲ مرتبہ ادا کی۔ رب تعالیٰ نے آپ کی اِس آواز کو معجزہ بنا دیا اس لیے یہ آواز پوری کائنات میں پھیل گئی اور ہر انسان حیوان روح وجسم شجر حجر مدر جنّ ملک نے سُن لی۔ اور انسانوں میں سے نیک روحوں اور جسموں نے اُس آواز پر لَبَّیْكَ اَللّٰهُمَّ لَبَّیْكَ کہا۔ عالمِ ارواح میں بھی سعید روحوں نے اور عالمِ اجسام کے اس وقت موجود سعید مومن جسموں نے روایتوں میں ہے کہ سب سے پہلے اہل یمن نے لَبَّیْكَ کہا اسی لیے سب سے زیادہ حاجی یمنی ہوتے ہیں اُن کے لیے آفاقِ کائنات

marfat.com

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشادِ مقدس ہے۔ اَلْاِیْمَانُ یَمَانٌ۔ یعنی سب سے زیادہ اونچی شان والا ایمان یمن والوں کا ہے یمن کے لیے ہی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے بہت دعائیں فرمائیں اور حدیث پاک میں ہے کہ جس نے جتنی دفعہ لَبَّیْكَ کہا اس کو اتنی بار ہی حج کی سعادت نصیب ہوگی اس اذان کے بعد آئندہ سال حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام نے پیدل حج ادا فرمایا یعنی مکّہ مکرمہ سے منیٰ تک پھر منیٰ سے عرفات اور واپس منیٰ و مکّہ مکرمہ تک طوافِ کعبہ معظمہ آپ نے جوتا اُتار کر ادا کیا۔ ایک دوسری حدیثِ مقدس میں ہے کہ جو مومن پیدل حج کرے گا اس کو ہر قدم پر مسجدِ حرم شریف کی نیکی کے برابر سات سو نیکی کا ثواب ملے گا۔ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ مسجدِ حرم کی نیکی کیسی ہے فرمایا ایک لاکھ نیکی کے برابر۔ گویا پیدل حاجی کو ہر قدم پر سات سو لاکھ نیکی ملے گی۔ اور سواری کے ہر قدم پر ستّر نیکیاں۔ اس سے ثابت ہوا کہ پیدل حج افضل ہے۔ پیدل کی چار صورتیں ہیں ایک یہ کہ گھر اور وطن سے پیدل دوم یہ کہ مدینہ منورہ سے پیدل سوم یہ کہ بحری جہاز یا ہوائی جہاز سے اُتر کر جدہ شریف سے پیدل چہارم یہ کہ مکّہ مکرمہ سے منیٰ و عرفات میں پیدل۔ خیال رہے کہ رِجَالًا اور عَلٰی كُلِّ ضَامِرٍ فرما کر سمندری راستہ بھی اس میں شامل فرما لیا گیا ہے کیونکہ سمندر سے تو صرف جدہ شریف تک ہی آ سکتا ہے اُس سے آگے مکّہ مکرمہ تک رِجَالًا یا ضَامِرًا ہی ہوگا اسی طرح ضَامِرًا فرما کر موجودہ و سابقہ و آئندہ ہر قسم کی سواری اس میں شامل فرما لی گئی کیونکہ ہر سواری گھوڑا خچر گدھا اور بس ٹرک کار۔ حج تک پہنچتے پہنچتے ضامر یعنی دبلی پتلی بوسیدہ و خراب ہو ہی جاتی ہے اور دور درازکی بسیں تو ایسی ضامر ہوتی ہیں کہ خدا کی پناہ۔ جن لوگوں نے پاکستان ہندوستان، افغان و ایران سے براستہ خشکی سفر کیا ہے اُن سے اِن مشکلات کا پوچھو۔ بعض فقہا فرماتے ہیں کہ اس آیت سے مسلمانوں پر حج فرض ہوا اور اَذِّنْ میں خطاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو ہے مگر یہ قول اس لیے غلط ہے کہ آیت کے سیاق و سباق کے خلاف ہے اس کا عطف ہے اَلَّا تُشْرِكْ اور طَهِّرْ بَيْتِیَ پر ہے وہاں پر تو ابراہیم علیہ السلام کو خطاب ہے تو یہاں تبدیلیِ خطاب بلا وجہ کیوں ہو سکتی ہے مسلمانوں پر حج فرض ہوا ہے سورۃ آلِ عمران کی آیت ۹۷ سے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ

marfat.com

اِلَیْہِ سَبِیْلاً۔ ۹ھ میں ماہِ رجب بروز پیر مدینہ منورہ میں وہ آیت نازل ہوئی پھر اگلے سال ۱۰ھ میں پہلا حج اسلام ہوا جس کو حجۃ الوداع کہا جاتا ہے۔

حج کا ذکر

حج کی عبادت میں تین فرض ہیں ایک شرط اور دو رکن ۱ احرام شرط ہے ۲ وقوفِ عرفہ ۳ پھر طوافِ زیارت، حج میں پچیس ۲۵ کام واجب ہیں ۱ باہر سے آنے والوں کے میقات سے احرام باندھنا ۲ سعی کرنا ۳ صفا مروہ کے درمیان سبز میلین میں صرف مردوں کو دوڑنا عورتوں کو دوڑنا منع ہے ۴ سعی کی ابتدا کوہِ صفا سے کرنا ۵ غروبِ آفتاب تک عرفات میں ٹھیرنا ۶ شام یا رات کو عرفات سے واپس ہونا ۷ مزدلفہ میں دسویں رات گزارنا ۸ مغرب وعشا کی نمازیں مزدلفے میں جمع کر کے عشا کے وقت پڑھنا ۹ دسویں ذالحج کو صرف جمرۂ عقبہ پر اور گیارھویں۔ بارھویں کو تینوں جمروں پر رمی کی کنکریاں مارنا ۱۰ دسویں کی رمی سر منڈانے سے پہلے ہونا ۱۱ قِران اور تمتع والوں کو قربانی دینا ۱۲ رمی میں ایّام کی پابندی کرنا ۱۳ اَیّامِ نحر میں رمی اور حلق ہونا ۱۴ ایامِ نحر اور منیٰ میں قربانی دینا ۱۵ عرفات کے بعد اَیّامِ نحر میں ہی طوافِ زیارت یعنی طوافِ اِفاضہ کرنا ۱۶ ہر طواف حطیم سے باہر ہونا ۱۷ داہنے ہاتھ یعنی داہنی طرف سے طواف شروع کرنا ۱۸ تندرست کے پیدل طواف کرنا ۱۹ باغسل اور باوضو طواف کرنا، بے غسل اور ناپاکی سے طواف کرنا کفر ہے بے وضو حرام ہے ۲۰ ہر طواف میں پورا ستر چھپانا ۲۱ طواف کے بعد نفل واجب ہیں مکروہ وقت نہ ہو تو اُسی وقت پڑھے ورنہ بعد میں جلد از جلد پڑھے جب بھی پڑھے گا ادا ہی ہوگا قضا نہیں ۲۲ حج کے تمام اُرکان میں ترتیب واجب ہے۔ یعنی پہلے رمی کرے پھر قربانی والا حاجی قربانی کرے۔ پھر سر منڈا کر اِحرام سے کھلے نہائے دھوئے پھر طوافِ زیارت کرے ۲۳ آفاقی یعنی باہر سے آنے والوں پر طوافِ وِداع یعنی طوافِ صدر کرنا ۲۴ احرام کے تمام ممنوعات سے بچنا واجب یعنی نہ سلا لباس پہنے نہ موزے نہ دستانے نہ سر منہ ڈھکے۔ عورتیں صرف منہ نہ ڈھکیں ۲۵ آٹھویں ذی الحج سے طوافِ زیارت تک بیوی سے صحبت نہ کرنا ہر واجب کے ترک کرنے پر دَم یعنی ذبیحہ واجب ہے۔ حج کی بارہ ۱۲ سنتیں ہیں ۱ آفاقی پر طوافِ قدوم ۲ ہر

marfat.com

طواف حجر اسود سے شروع کرنا ۳ ہر طواف قدوم کے پہلے تین چکروں میں رمل کرنا ۴ ساتویں نویں گیارھویں ذی الحج کو مکہ مکرمہ اور عرفات و منیٰ میں امام حج کا خطبہ سننا ۵ آٹھویں ذی الحج کو بعد فجر منیٰ کو روانگی ۶ نویں کی رات منیٰ میں گزارنا ۷ نویں ذی الحج بعد طلوع آفتاب عرفات کو روانہ ہونا ۸ وقوف عرفات کے لیے غسل کرنا ۹ بعد عرفات مزدلفہ میں پوری رات گزارنا اور وہاں سے ہی کنکریاں چننا ۱۰ طلوع آفتاب کے بعد مزدلفہ سے منیٰ کو روانہ ہونا ۱۱ دسویں گیارھویں بارھویں تاریخیں منیٰ میں گزارنا ۱۲ وادی محصّب میں تھوڑی دیر ٹھہرنا، میقاتیں آٹھ ہیں ۱ مدینہ منورہ سے جانے والوں کے لیے بیر علی ذوالحلیفہ ۲ عراق کی طرف سے آنے والوں کے لیے ذات عرق ۳ شام کی طرف سے آنے والوں کے لیے مقام رابغ یعنی جحفہ ۴ نجد کی طرف سے آنے والوں کے لیے قرن ۵ یمن کی طرف سے آنے والوں کے لیے کوہ یلملم پاکستانیوں ہندوستانیوں کو براستہ سمندر یہی میقات ملتی ہے ۶ اہل حل کی میقات اُن کا گھر ہے ۷ اہل مکہ کی میقات برائے حج حدود حرم شریف یعنی ان کا گھر یا مسجد حرام یا شہر کے کسی جگہ سے ۸ اہل مکہ کی میقات برائے عمرہ مسجد تنعیم ہے جو باہر تقریباً تین میل دور، میقات وہ جگہ ہوتی ہے جہاں سے حج یا عمرے کے لیے احرام باندھا جاتا ہے اُس سے آگے بغیر احرام آجائے تو دم واجب ہو جاتا ہے۔

اَفعالِ حج کی ترتیب

پہلے احرام، پھر طواف پھر منیٰ میں آنا پھر عرفات میں جانا، پھر واپسی پر مزدلفہ میں ٹھہرنا پھر وہاں منیٰ میں آنا پھر جمرۂ عقبیٰ کی رمی یعنی کنکر مارنا پھر قربانی کرنا پھر سر منڈا کر احرام سے کھلنا، پھر مکہ مکرمہ جاکر طواف زیارت (افاضہ) کرنا، اگر آٹھویں کو منیٰ آنے سے پہلے طواف قدوم کی سعی نہ کی تھی تو اب طواف اِفاضہ کے بعد کرے، امام اعظم کے نزدیک ترتیب وار کرنا واجب ہے اگر ترتیب ٹوٹ گئی کسی بھی کام میں تو دم واجب ہے یعنی بکری ذبح کرنی پڑے گی۔ ارکانِ حج کی ترتیب توڑنے سے گناہ بھی ہے اور جرم بھی گناہ کی سزا آخرت میں اور جرم کی سزا دنیا میں کہ دم دینا پڑے گا۔ اگر بھول کر ترتیب ٹوٹ گئی تو فقط جرم ہوا لہٰذا دم واجب گناہ نہیں ہوگا۔

marfat.com

حج کی بھول میں ذبیحہ مثل نماز کی بھول میں سجدۂ سہو کی طرح ہے۔ نماز کا سجدۂ سہو بھی ترک واجب کی سزا ہے۔ یہی فرق ہے گناہ اور جرم میں حج کے ڈھائی مہینے ہوتے ہیں ۱؎ پورا شوال ۲؎ پورا ذیقعدہ ۳؎ ذی الحج کے پہلے تیرہ دن پہلے دو ماہ حج کے احرام باندھنے کے لیے اس سے پہلے احرام حج باندھنا جائز نہیں مگر ارکان حج آٹھ ذی الحج سے شروع ہوتے ہیں اور اصل حج وقوف عرفہ اور طواف زیارت ہے نو اور دس ذی الحج۔ آقائے دو عالم حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے چار ہی حج ادا فرمائے اور چار ہی عمرے تین حج نفلی فرضیت سے پہلے قبل ہجرت۔ اور ایک حج بعد فرضیت جس کو حَجَّۃُ الْوَدَاع کہا جاتا ہے، ہجرت کے دسویں سال، اور عمرے تمام ہی ہجرت کے بعد ادا فرمائے۔ آخری عمرہ حَجَّۃُ الْوَدَاع کے ساتھ اور تین اس سے پہلے۔ پہلا عمرہ ۶ھ میں، دوسرا ۸ھ میں حج اسلام کی بے شمار حکمتوں، مصلحتوں کے علاوہ اہل ایمان پر اس لیے بھی حج ضروری ہے کہ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِیْمَةِ الْاَنْعَامِ فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْبَآئِسَ الْفَقِیْرَ تاکہ حاضر ہو کر پائیں، ایمان والے اپنے وہ منافع جو ان کے لیے وہاں ہیں، دینی دنیوی، ملکی سیاسی، میل ملاقاتی تعارفی، ثقافتی ہر دنیوی فکر و مشغولیت سے علیحدہ ہو کر نہایت اطمینان اور یکسوئی سے اور ان چند معلوم دنوں میں اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کریں دعاؤں، قربا دوں ورد وظیفوں تلبیوں، تسبیحوں میں اور زور زور سے تکبیریں پڑھیں ان گھر یلو جانور کے ذبح پر جو رب تعالیٰ نے تم کو رزق عطا فرمایا ھدی بنا کر بَهِیْمَةُ الْاَنْعَام، اونٹ گائے بھیڑ بکری جو پالیوں کا۔ بذریعہ خریداری، کمائی ملکیتی اور پھر صحیح و پاکیزہ طریقوں سے نحر یا ذبح کر کے ان کا گوشت خود بھی کھاؤ اور غریبوں، یتیموں، مسکینوں، ہر قسم کے مصیبت زدہ محتاجوں معذوروں بیواؤں کو بھی کھلاؤ، دیگر یا پکا کر طعام بنا کر اس ذبیحے پر کبھی کسی شریعت میں ممانعت نہیں ہوئی۔ کفار مکہ اور زمانۂ جاہلیت کے حج کرنے والے حج کی ان ھدی ذبیحوں کو دیگر مقامات کی سوختنی قربانیوں پر قیاس کر کے نہیں کھاتے تھے مگر قرآن پاک نے ان کے اس قیاس کی تردید فرماتے ہوئے بتا دیا کہ اس ذبیحے اور سوختنی قربانی میں زمانۂ ابراہیم سے فرق چلا آ رہا ہے۔ قربانی کا گوشت تو کھانا کھلانا پہلی امتوں کو ممنوع تھا کسی اونچی جگہ پہاڑی وغیرہ پر رکھ دیا جانا، جس کی

marfat.com

قربانی قبول ہوتی اُس کو قدرتی غیبی آگ جلا جاتی جس کی نامقبول ہوتی پڑی گلتی سڑتی رہتی جانور پرندے بھی نہ کھاتے۔ مگر حج کی ھدیٰ کے ذبیحوں کا یہ حکم نہ تھا وہ عام روزمرّہ کے ذبیحوں کی طرح کھانا کھلانا جائز تھا۔ بلکہ ذبح کے بعد اس کی ملکیت ہی ختم کردی گئی کہ جو چاہے پورا ذبیحہ لے جائے، ھدیٰ والا خواہ خود تقسیم کرے یا ذبح کرکے چھوڑ دے محتاج فقراخود لے جائیں جتنا چاہیں کوئی روک نہیں سکتا، ہاں البتہ برباد کرنا مٹی میں دبا دینا منع ہے کہ نہ خود کھائے نہ کھانے دے یہ حرام ہے جیسا کہ پہلے کفار مشرکین اور یہود و نصاریٰ کرتے تھے اِس آیت پاک نے جاہلیت کے اسی نظرئے کو توڑا اور فرمایا کہ خوب کھاؤ کھلاؤ۔ کھانا مستحب کھلانا واجب ہے۔ یاد رہے کہ شریعتِ اسلامیہ میں نو قسم کی وجہ سے جانور ذبح کئے جاتے ہیں ١ قربانی تمام دنیا کے مسلمان علاقوں کے مسلمان ٢ حجِ قِران کا ذبیحہ منیٰ میں ٣ حجِ تمتع کا ذبیحہ منیٰ میں ۴ کوئی شخص اِحرام حج یا اِحرام عمرہ باندھ کر حج یا عمرے سے روک دیا جائے تو وہ جہاں روکا جائے وہیں تب اپنے اِحرام سے کھلے گا جب جانور ذبح کرے اس کو دم اِحصار کہتے ہیں یہ چاروں ذبیحے واجب ہیں، حج میں تین ذبیحوں کے جانوروں کو ھدی بھی کہا جاتا ہے۔ یعنی دم قِران دمِ تمتع، دمِ احصار ۵ حج افراد کا ذبیحہ بھی منیٰ میں یہ ذبیحہ مستحب ہے ٦ کسی جُرم کا کفّارہ دینا اُس ذبیحہ کو دمِ کفارہ کہتے ہیں یہ سکتے شریعت میں کر سکتا ہے ۷ حج کا کوئی واجب چھوٹ جائے ذبیحہ واجب ہے ۸ حج کا یا احرام کا کوئی ممنوعہ کام کر لیا تب ذبیحہ واجب مثلاً محرِم نے جنگلی شکار کر لیا چرندہ یا پرندہ یا درندہ ۹ صدقہ واجبی منّت وغیرہ ذبیحہ اس کے لیے منیٰ ضروری نہیں جو حاجی اپنے واجب ذبیحہ سے پہلے احرام سے کھلے گا اُس پر بھی دم واجب ہے، تمام فقہاءِ کرام کا اس مسئلے میں اتفاق ہے کہ دمِ کفّارہ (کسی بھی جُرم کا ذبیحہ) اور صدقۂ منّت کا گوشت صرف غریبوں کو کھانا جائز ہے، خود ذبیحے والا اور امیر لوگ نہیں کھا سکتے۔ حج اور احصار کے ذبیحوں میں فقہاءِ مجتہدین میں اختلاف ہے یہ ان شاء اللہ تعالیٰ اَحکامُ القرآن میں بیان کیا جائے گا۔ ان تمام مذکورہ بالا نو قسم کے ذبیحوں میں سات قسم کے گھریلو جانور قربانی کی عمر برابر ذبح کئے جا سکتے ہیں اونٹ مذکر مؤنث ٢ گائے مذکر

marfat.com

مؤنث ۳ بھینس مذکر مؤنث اگر مل جائے۔ عرب میں بھینس نہیں ملتی ۴ بکری ۵ بھیڑ ۶ دنبہ ۷ مینڈھا سب مذکر مؤنث اونٹ گائے بھینس میں سات حصے جائز باقی میں صرف ایک حصہ چگنے والے گھریلو جانور کسی بھی ان ذبیحوں میں جائز نہیں مثلاً مرغی، بطخ، ہنس۔ سالانہ قربانی اور حج کے ذبیحوں میں تین طرح فرق ہے پہلا فرق یہ کہ قربانی ہر مسلمان اپنے وطن میں دیتا ہے اور یہ ہی مستحب ہے۔ لیکن حج کے یہ تمام ذبیحے مکہ شریف یا منیٰ میں ہوتے ہیں دوم یہ کہ سالانہ قربانی صرف امیر دولت مند صاحب نصاب پر واجب ہے۔ مگر حج کے ذبیحے حج کی وجہ سے ہوتے نہ کہ امیری کی وجہ سے وہ غریب پر بھی لازم ہیں۔ سوم فرق یہ کہ سالانہ قربانی خود واجب ہے مگر صدقہ نفلی ہے اس لیے ہر امیر، غریب اور خود قربانی والا بھی کھا سکتا ہے۔ مگر حج کے ذبیحے تین قسم کے ہوتے ہیں ۱ ذبیحہ مستحب صدقہ بھی مستحب۔ جیسے حج مفرد کا ذبیحہ یہ سب کھا سکتے ہیں ۲ ذبیحہ واجب مگر صدقہ نفلی جیسے حج قران اور حج تمتع کا ذبیحہ سب کھا سکتے ہیں ۳ ذبیحہ واجب صدقہ بھی واجب یہ صرف غربا کھا سکتے ہیں۔ جیسے منت کے ذبیحہ اور جرائم کے کفارے۔

ان آیات میں مفسرین کے اختلافی اقوال۔ اَلَّا تُشْرِكْ بِیْ شَیْـًٔا میں دو قول ۱ اس کا معنیٰ ہے بت پرستی نہ ہونے دینا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ عبادت حج وعمرہ میں کوئی دنیوی مفاد شامل وشریک نہ کرنا طَهِّرْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کفر کی گندگی سے پاک کرنا ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے ظاہری گندگی سے ہر طرح پاکیزہ رکھنا۔ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْقَآئِمِیْنَ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ باہر سے آنے والے طائفین اور باشندے قائمین ۲ بعض نے کہا کہ طواف کرنے طائفین ہیں اور نماز واعتکاف کرنے والے قائمین ہیں یہی درست ہے پہلا قول غلط ہے کیونکہ صفائی تو خود باشندوں پر فرض ان کے لیے کون کیوں صفائی کرے۔ اَذِّنْ فِی النَّاسِ میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ حکم ابراہیم علیہ السّلام کو تھا اور بِالنَّاسِ سے تاقیامت موجودہ وآئندہ انسان مراد ہیں۔ یہی قول درست ہے ۲ مگر بعض نے کہا یہ حکم نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تھا اور النّاس سے مراد امتِ مسلمہ ہے۔ بِالْحَجِّ میں دو قول ۱ بعض

marfat.com

نے فرمایا کہ اس ہی لفظ کی وجہ سے اس سورۃ کا نام سورۃ حج رکھا گیا ۲ مگر بعض نے لکھا کہ نہیں بلکہ از آیت ۲۵ تا آیت ۳۳ حج کے ابتدائی کچھ امور کا ذکر ہے اس لیے اس کا نام سورۃ الحج ہوا۔ اور از آیت ۳۴ تا آیت ۳۷ میں دیگر علاقوں کی قربانی کا ذکر و حکم ہے۔ یَاْتُوْكَ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنٰی ہے کہ آپ کے پاس آپ کے جیتے جی آنا شروع ہو جائیں گے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنٰی ہے کہ آپ کی یہ آواز اذان عرش و فرش پر تمام کائنات میں پہنچے گی اور عالم ارواح کی روحیں بھی لبیک کہیں گی پھر تا قیامت پیدا ہو کر بڑی ہو کر آتی رہیں گی ۳ یہ کہ اس کعبے کے پاس آتے رہیں گے اور كَ خطابی کا معنٰی آپ کی اس جگہ کے پاس یہی دو قول درست ہے۔ عَمِيْقٍ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنٰی ہے دور دراز علاقہ اور فَجٍّ کا معنٰی ہر طرف سے ۲ بعض نے فرمایا عَمِيْقٍ کا معنٰی میدانی علاقہ اور فَجٍّ کا معنٰی پہاڑی علاقہ یہ دونوں قول درست ہیں اور چاروں قسم کے علاقے مراد ہیں یعنی دور قریب مغربی شمالی جنوبی اور میدانی پہاڑی، رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ میں دو قول ۱ بعض نے کہا پیدل حج کا زیادہ درجہ ہے کیونکہ اس کا پہلے ذکر کیا گیا ۲ بعض نے فرمایا سواری پر حج افضل و مفید ہے اس کے تین فائدے پہلا یہ کہ بندہ جلدی حرم شریف میں پہنچ کر عبادت کا زیادہ وقت حاصل کر سکتا ہے دوم یہ کہ ہزار ہا مصائب و تھکاوٹوں سے بچ کر باصحت پہنچ سکتا ہے تھکاوٹ و بیماری مانع ارکان ہو سکتی ہے سوم یہ کہ حصولِ سواری میں شکرِ الٰہی زیادہ ہے۔ یعنی سواری میں کثرتِ شکر ہے۔ پیدل میں کثرتِ صبر ہے اور خود مصیبت میں پڑنا ہے۔ یہ امام مالک کا قول ہے۔ مَنَافِعَ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد دنیوی فوائد ہیں گوشت حاصل ہونا اور تجارت میل ملاقات وغیرہ ۲ بعض نے کہا اس سے مراد اخروی فوائد ہیں۔ بخشش۔ رضاءِ الٰہی۔ تمام گناہوں کا خاتمہ معافی ۳ بعض نے کہا اس سے دینی دنیوی، اخروی ہر قسم کے تمام فوائد مراد ہیں۔ یہی قول درست ہے اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ میں پانچ قول ہیں ۱ امام اعظم نے فرمایا اس سے مراد صرف ذی الحج کے پہلے تیرہ ۱۳ دن ہیں ۲ امام مالک اور امام احمد حنبل کا قول ہے کہ اس سے مراد صرف پانچ ایام تشریق ہیں۔ یعنی نو ۹، دس ۱۰، گیارہ ۱۱، بارہ ۱۲، تیرہ ۱۳ ذی الحج۔

marfat.com

۳؎ امام شافعی نے فرمایا۔ اس سے مراد نحر کے تین دن ہیں یعنی دس گیارہ، بارہ ذی الحج اَئِمّہ ثلاثہ کے مسلک اِن دنوں میں ہر وقت ذبح کرسکتا ہے رات میں بھی دن میں بارہویں کی عصر تک لیکن امام مالک کے نزدیک کوئی جانور کسی جگہ بھی رات میں ذبح کرنا منع ہے بوجہ اندھیرا غلطی کے اندیشے کی بنا پر خواہ قربانی کا ذبیحہ ہو یا حج کا کوئی۔ یا عام روزمرہ کا۔ ۴؎ کچھ فقہا نے فرمایا اس سے مراد حج کے ڈھائی ماہ ہیں ۵؎ بعض فقہاء نے لکھا کہ اس سے مراد ذی الحج کے پہلے دس دن ہیں لیکن جامع مانع قول امام اعظم کا ہے۔ کُلُوْا میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا یہ امر استحبابی ہے۔ کھاؤ یا نہ کھاؤ ۲؎ بعض نے کہا یہ امر وجوبی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ قربانی کی طرح اس گوشت کو بھی ضائع نہ ہونے دینا بلکہ کوئی بھی مسلمان اس کو لے جائے اور کھائے۔ یا تین حصوں میں تقسیم کر کے بانٹ دے اَطْعِمُوْا میں دو قول ۱؎ اَئِمّہ اَربعہ نے فرمایا کہ یہ امر وجوبی ہے، اور معنیٰ یہ کہ صاحبِ ذبیحہ کا کھانا مستحب ہے مگر غربا فقراء کو دینا واجب ہے۔ پکا کر یا کچا اس میں اختیار ہے کسی کو منع کرنا گناہ ہے ۲؎ بعض دیگر فقہائے فرمایا یہ امر بھی استحبابی ہے۔ مگر پہلا متفقہ قول درست ہے۔

فائدے ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ دنیا بھر کی ہر مسجد کو پاکیزہ صاف ستھرا رکھنا اُس کی روزانہ صفائی کرنا جوتے اتار کر آنا واجب ہے اگرچہ نئے جوتے ہوں مسجد کے اندر جوتے پہن کر آنا مسجد کی بے ادبی گستاخی ہے کیونکہ جوتا بذاتِ خود اپنے نقشے میں معیوب و حقیر ہے اسی لیے نبی کریم آقائے کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اور صحابہ کرام اور سابقہ مغفورین مومنین مُتبِّعین ہمیشہ ہر وادیٔ مُقدّس و پاکیزہ مقامات میں جوتا اُتار کر ہی گئے۔ اسی طرح کسی مسجد میں تھوکنا یا وضو کے چھینٹے ڈالنا ٹپکانا گناہِ کبیرہ ہے۔ یہ فائدہ وَطَہِّرْ بَیْتِیَ سے حاصل ہوا۔ اس لیے کہ طَہِّر کی عِلّت قَائِمِیْنَ کو بھی بنایا گیا اور قَائِمِیْنَ کا قیام نماز و رکوع سجود تو ہر مسجد میں ہوتا ہے جب ہر مسجد میں قیامِ عبادت کی عِلّت موجود تو حکم طَہِّر بھی موجود، طہارت کی تین صورتیں ہیں۔ ایک ظاہری گندگی سے پاکیزگی کوڑے کچرے سے صفائی۔ دوم ادب سوم احترام ادب یہ ہے کہ گندا بے غسل اگندے پلید کپڑے لے کر مت آئے۔ بدبودار چیزیں کر اور کھا کر

marfat.com

نہ آؤ احترام یہ ہے کہ مسجد میں یا مسجد کے قریب جھوٹ فسق کفر کھیل تماشہ شور وغل ڈھول باجہ اور شیطانی کام مت کرو صرف ذکرِ الٰہی کی آوازیں بلند ہوں یا پھر خاموشی سے بیٹھو بلکہ جلالِ کبریائی دربارِ الٰہی کی ہیبت و خشیت اپنے دل دماغ پر قائم رکھو۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو توفیق سعادت عطا کرے مسجد میں خوشبو اور چراغاں کرنا بھی مسجد کا احترام۔ اللہ تعالیٰ کا کیا یہ کم احسان ہے اُس نے ہم کو اپنے گھر میں آنے کی اجازت وسعادت بخشی۔ دوسرا فائدہ۔ حج کے سفر میں ہر جگہ تجارت خرید وفروخت اور مزدوری کاریگری اُجرت پر کام کرنا سب کچھ جائز گھر سے چلتے ہوئے اِس محنت مزدوری تجارت کی نیت بھی جائز ہے۔ اور دورانِ حج گھریلو ضروریات خریدنا جائز بلکہ زیادہ بہتر ہے اِس خریداری کی گھر سے نیت کرنا بھی مستحب بلکہ کارِ ثواب ہے حضرت حکیم الامت فرمایا کرتے تھے میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں حج یا عمرہ کرنے جاؤں تو اتنی اشیا خریدوں کہ میرے گھر کا ہر کمرہ مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کی چیزوں سے بھر جائے جاپان و لندن میں یہود ونصاریٰ کی دکانوں کی خریداری سے بدرجہا بہتر ہے کہ مسلمانوں کی تجارت کو فروغ دیں بعض بدعقل جاہل وبیوقوف حج میں خریداری کو بُرا اور تقوے کے خلاف سمجھتے ہیں اور منافیِ عبادت تصور کرتے ہیں۔ یہ اُن کی بد دماغی ناسمجھی ہے بلکہ ضرورتِ زندگی کی اَشیا مکہ ومدینہ حرمین شریفین سے خریدنا بھی عبادت ہے تاکہ مسلمانوں کی تجارت کو فروغ اور مضبوطی حاصل ہو۔ ہر زمانے میں تجارت ہی قومی ملکی مضبوطی کا ذریعہ رہا۔ یہود وہنود تجارت ہی پر چھاتے کی کوشش کرتے ہیں اور پھر اپنا سرمایہ اسلام دشمنی میں خرچ کرتے ہیں اور یہ احمق مسلمان اس بات کو سمجھتے ہی نہیں اور اپنے جاہلانہ نظریات کو سناتے پھیلاتے پھرتے ہیں۔ یہ فائدہ لِیَشْهَدُوْا مَنَافِعَ لَهُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ رب تعالیٰ تو ہر حاجی مسلمان کو خرید وفروخت کی تجارت اور محنت مزدوری سے کمائی حاصل کرکے منافع کمانے کا حکم عطا فرمارہا ہے۔ لہٰذا اگر کوئی نائی، قصائی، راج مستری معمار۔ لوہار ترخان بڑھئی۔ گھر سے ہی اپنے سفری سامان کے ساتھ اپنی کاریگری کے اَوزار تھیا راس نیت کے ساتھ لے جائے کہ فارغ وقت میں وہاں اتنے دنوں مزدوری بھی کرلوں گا تو اس آیت کے تحت یہ نیت وارادہ بھی عبادت میں شامل ہے اور باعثِ ثواب ہے کیونکہ اس کی کاریگری سے حجاج کو

marfat.com

بھی فائدہ اور اس کا اپنا بھی منافع، مگر ہر کاری گر کو یہ خیال رکھنا چاہیئے کہ اس کے ارکان حج۔ نماز تلاوت طواف اور عبادات میں کوتاہی و سستی غفلت نہ ہونے پائے۔ تیسرا فائدہ۔ حج میں تمام ذبیحوں کے گوشت کا خاص خیال رکھا جائے برباد ہونے سے بچایا جائے حجاج تو اکثر مسافر ہوتے ہیں ان کے پاس تو اپنے جانور کے گوشت سنبھالنے کا نہ وقت ہوتا ہے نہ اسباب نہ سہولت یہ کام مقامی لوگوں بلکہ حکومت کا ہے کہ اس گوشت کو دنیا بھر کے مسلمان غربا فقرا کو پہنچائے صاحب ذبیحہ کو تو جائز نہیں کہ اس کو بیچے مگر غربا اس کو لے کر بیچ بھی سکتے ہیں تاکہ کسی نہ کسی طریقے سے مسلمان اس کو کھالیں۔ یہ فائدہ کُلُوْا کے امر استحبابی اور اَطْعِمُوْا کے امر وجوبی سے حاصل ہوا اب سنا بلکہ دیکھا ہے کہ حکومت سعودیہ گوشت کا بہت اچھا انتظام کرتی ہے گوشت برباد نہیں ہونے دیا جاتا۔ مقصد باری تعالیٰ صرف خون بہا کے چھوڑ دینا نہیں بلکہ کُلُوْا اَطْعِمُوْا۔ بھی حج کے افعال میں سے ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند فقہی حنفی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ اس مسئلے میں ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ محرم اگر خشکی کا جانور شکار کرے تو اس جرم میں اس پر جو ذبیحہ واجب ہوگا۔ اس کا گوشت نہ خود صاحب ذبیحہ کھا سکتا ہے نہ کوئی امیر آدمی اگرچہ ذبیحہ والا خود بھی غریب ہو۔ صرف دیگر غربا ہی کھا سکتے ہیں ان ہی کا حق ہے کیونکہ یہ ذبیحہ شکار کا بدلہ اور کفارہ ہے جب شکاری محرم اپنا شکار نہیں کھا سکتا اور اس پر یہ گوشت حرام ہے تو اس کا بدلہ بھی حرام ہے۔ ایسے ہی منت اور نذر مانی ہو تو اس کا ذبیحہ بھی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک کوئی امیر اور صاحب ذبیحہ نہیں کھا سکتا مگر امام مالک فرماتے ہیں کہ منت و نذر کا ذبیحہ سب کھا سکتے ہیں۔ اور ایسے ہی ائمہ ثلاثہ کے نزدیک حج کے جرموں اور حج بگاڑنے کے کفاروں کے واجباتی ذبیحوں کا حکم ہے کہ صاحب ذبیحہ اور امیر لوگ نہیں کھا سکتے صرف غربا کو دیدیا جائے۔ لیکن امام احمد بن حنبل کے نزدیک حج کے مجرموں اور حج بگاڑنے کے ذبیحہ امرا و صاحب ذبیحہ نہیں کھا سکتا باقی تمام واجبی ذبیحے سب امیر غریب اور خود صاحب ذبیحہ کھا سکتے ہیں امام حنبل کے نزدیک محظورات و ممنوعات کے کفارے مثل قربانی ہیں لیکن دیگر ائمہ کے نزدیک

marfat.com

مثل کفارہ شکار ہیں۔ جب شکار کا بدلہ حرام تو دیگر کفارے بھی حرام۔ اور منتی کا ذبیحہ اس لیے صرف غربا کے لیے کہ وہ سب ذبیحہ للہ صدقہ واجبہ ہے لہٰذا حاجت مند کو ہی دیا جائے گا۔ یہ مسئلہ یہاں مَا رَزَقَهُمْ (الخ) فرمانے سے اور سورۂ مائدہ کی آیت ۹۵ میں فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی كُلُوا اُن ذبیحوں میں ہوگا جو رب تعالیٰ تم پر واجب فرمائے یا جن کا ذبیحہ رب تعالیٰ نے مستحب فرمایا مثلاً قربانی قِران، تمتع، اِفراد کا ذبیحہ۔ لیکن جو خود تم نے اپنے جرموں، کفاروں، منتوں سے اپنے پر واجب کر لیے وہ تم نہیں کھا سکتے، وہ تمام ذبیحے تمام اجزاء کے ساتھ، اَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ کے حکم سے خیرات ہی کرنا پڑینگے۔ اس لیے کہ شکار کا بدلہ شکار کی مثل، اور چونکہ شکار جرم ہے تو دیگر جرائم بھی اسی جرم کی مثل ہوا اور منت کا ذبیحہ خود واجب کردہ ہے تو وہ بھی دیگر واجب کردہ کفاروں کی مثل ہوا۔ دوسرا مسئلہ ایّامِ حج کے تین ذبیحے اور دنیا بھر کی قربانی کا ذبیحہ تمام ائمہؒ کے نزدیک ہر امیر غریب کو کھانا جائز اور کھلانا بھی جمع کر کے رکھ لینا بھی۔ یہ مسئلہ۔ یہاں اس آیت كُلُوا مِنْهَا (الخ) سے مستنبط ہوا، اور مشکوٰۃ شریف میں بیان کردہ حدیث متفق علیہ سے بھی مستنبط ہوا۔ چنانچہ ارشادِ نبوی ہے عَنْ سَلَمَةَ ابْنِ الْاَكْوَعِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ كُلُوا وَاَطْعِمُوا وَادَّخِرُوا۔ ترجمہ، سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا۔ یہ گوشت تم سب کھاؤ بھی کھلاؤ بھی اور جمع بھی رکھ سکتے ہو۔ جب تک چاہو جتنا چاہو۔ تیسرا مسئلہ امام اعظم، امام مالک اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ دمِ قِران و تمتع کا گوشت تمام امیر غریب اور خود صاحب ذبیحہ کو کھانا جائز ہے یہ ذبیحے مثل قربانی ہیں یہ مسئلہ فَكُلُوا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا (الخ) سے مستنبط اور حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث حجۃ الوداع سے بھی کہ آقائے دوعالم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حج قِران فرمایا مہاجرین انصار نے تمتع اور کئی صحابہ نے حجِ اِفراد بعدِ حج آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے سو اونٹ اپنے حج کے ذبح فرمائے تریسٹھ اپنے دستِ اقدس سے غالباً اپنی عمر مبارک کی طرف اشارہ فرمایا۔ اور باقی سینتیس اونٹ مولیٰ علی شیرِ خدا نے اپنے دستِ اقدس سے کَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَجْهَهٗ بعدِ ذبح نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

marfat.com

تے باورچی صحابہ کرام کو فرمایا کہ ہر اونٹ سے تھوڑا تھوڑا گوشت لے کر پکاؤ وہ ہم سب لوگ کھائیں گے اور باقی گوشت غربا مساکین میں تقسیم کر دو۔ صحابہ کرام سے فرمایا تھا کہ تم اپنے ذبیحوں کا گوشت کھاؤ کھلاؤ۔ جمع کرو سکھاؤ یا تقسیم کر دو اور یہ مسئلہ تا قیامت ہر حاجی مسلمان کے لیے مقرر ہو گیا۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قران و تمتع اور دیگر تمام واجبات کے ذبیحے امرا اور صاحب ذبیحہ کو کھانا ممنوع ہیں خواہ شریعت نے واجب کئے ہوں یا خود حاجی اپنے پر منت یا جرم کر کے واجب کرے مگر یہ مسلک کمزور اور اس آیت پاک و اس حدیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ معلوم امام شافعی علیہ الرحمۃ والرضوان کی دلیل کیا ہے۔ حج میں شرعی واجب صرف دو ذبیحے ہیں قران و تمتع کا باقی واجبات تو دو کر دہ ہیں جو تقریباً بارہ ہیں۔ اس کے علاوہ ایک منت کا (تفسیر مظہری)

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَلَّا تُشْرِكْ بِيْ (الخ) مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں اَنْ تفسیری ہے اور لَا تُشْرِكْ کا جملہ ماقبل جملے بَوَّاْنَا کی تفسیر کر رہا ہے علت بیان کرتے ہوئے حالانکہ بَوَّاْنَا کی تفسیر و تعلیل لَا تُشْرِكْ نہیں ہو سکتی کیونکہ اس کا ترجمہ اس طرح بنتا ہے ہم نے ابراہیم کو مکانِ بیت کا نشان بتایا یعنی شرک نہ کرو۔ یا تاکہ شرک نہ کرو۔ جواب۔ یہ اَنْ۔ بَوَّاْنَا کی تفسیر نہیں بلکہ مقصد بَوَّاْنَا کی تفسیر ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ ہم نے ابراہیم کو اس لیے مکانِ بیت کا نشان بتایا تاکہ وہ تعمیر کریں وہاں بیت اللہ بنے توحید الٰہی قائم ہو شرک کا خاتمہ رہے۔ اور یہ کام ابراہیم علیہ السلام سے اس لیے کرایا کہ اُن ہی کی نسل و اولاد نے یہاں رہنا بسنا تھا ان کو اپنے جدِ اعلیٰ کی پیروی لازمی کرنی چاہیئے نافرمانی سے شرم آنی چاہیئے کہ جدِ اعلیٰ نے یہاں کیا کیا۔ اور اے عربو تم کیا کرتے پھر رہے ہو۔

دوسرا اعتراض:۔ ابراہیم علیہ السلام تو پہلے ہی مشرک نہ تھے پھر اُن کو لَا تُشْرِكْ کی نہی کیوں فرمائی گئی جواب اس کے دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ لَا تُشْرِكْ کا معنیٰ ہے شرک نہ ہونے دینا، دوسرا جواب یہ کہ یہاں شرکِ مجازی مراد ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اس بیت اللہ کے پاس آکر سوائے عبادتِ الٰہی کے اور کوئی دنیوی مقصد بھی نہ رکھنا خواہ جائز غرض ہو یا ناجائز سوائے رب تعالیٰ کسی سے کوئی سوال دعا عرض و معروض بھی نہ کرنا کسی غیر اللہ سے کوئی امید بھی لے کر یہاں نہ آنا جو کچھ دین دنیا مانگنا ہو بس

marfat.com

اپنے رب تعالیٰ سے ہی مانگتا اس کو دنیوی گھروں جیسا بھی نہ سمجھنا کہ دنیوی گھر بنانے میں انسان کے کئی مقاصد ہوتے ہیں مثلاً۔ گھر سنی بھی عبادت بھی رہائش بھی استعمال کے برتن بھی عبادت کے مصلے بھی مگر بیت اللہ شریف کے مقاصد میں بجز عبادت تلاوت۔ طواف، اعتکاف اور کوئی مقصد شامل و شریک نہ ہو۔ دونوں جواب درست ہیں۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا بَوَّاْنَا یعنی مکان البیت تعمیر کرنے کے لیے جگہ کی نشاندہی فرمائی اور اس جگہ پہنچایا، پھر اسی وقت وَطَهِّرْ بَيْتِيَ میرے گھر کو پاک کرو، ابھی تو گھر بنا ہی نہیں تو پاک کس کو کیا جائے گا یہ حکم بَوَّاْنَا کے ساتھ کیوں دیا گیا۔ جواب، اس لیے کہ بَيْتِيَ سے مراد پوری مسجد و مطاف ہے کہ بنانا تو صرف کعبے کی عمارت ہے مگر آج سے ہی یہ سب جگہ پاک رکھو نہ یہاں گندگی ہونے دو نہ رہنے دو نہ جوتے پہن کر کسی کو آنے دو مطلب یہ ہے کہ آئندہ پاک رکھنا، یا مطلب یہ ہے کہ جب تعمیر ہو چکے تو تب سے ہی ہر طرح کی طہارت شروع کر دی جائے۔ طَهِّرْ کا عطف لَا تُشْرِكْ پر ہے کہ نہ شرک ہونے دینا نہ کسی قسم کی گندگی پلیدی بے حرمتی ہونے دینا۔ یا یہ داؤ تفسیر یہ ہے یعنی لَا تُشْرِكْ کا معنی ہے پاک رکھنا بتوں سے اس لیے کہ شرک بھی نجاست ہے اور مشرکین نجس ہیں یہ ہیں مفسرین کے مختلف جوابات۔ **چوتھا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ۔ لیکن سورۃ بقرہ کی آیت ۲۰۳ میں فرمایا گیا ہے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ۔ حالانکہ یہاں بھی حج کے دنوں کا ذکر ہے اور وہاں بھی آیت ۱۹۶ سے آیت ۲۰۳ تک حج کا ہی ذکر ہے اور ایام سے حج کے دن ہی مراد ہیں تو کیا وجہ کہ یہاں مَعْلُوْمٰتٍ ہے اور وہاں مَعْدُوْدٰتٍ ہے۔ مَعْلُوْمٰتٍ اور مَعْدُوْدٰتٍ میں کیا فرق ہے؟ **جواب**، یہاں لوگوں کی علمیت کی طرف اشارہ ہے اور حج کے تمام دن یکم ذی الحج سے تیرہ ۱۳ ذی الحج یا پورے ڈھائی ماہ ان دنوں مہینوں کا علم رکھنا بحکم حدیث پاک فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔ اس لیے مَعْلُوْمَةٍ فرمایا گیا یعنی ہر مسلمان کی علمی معلومات والے دن، خیال رہے کہ پانچ قسم کے علوم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے (۱) مسائل نماز کا علم (۲) مسائل زکوٰۃ کا علم (۳) مسائل صیام رمضان کا علم (۴) مسائل ایام حج کا علم (۵) مسائل طہارت۔ تو یہاں معلومات کا معنی ہے، علوم اہل اسلام

marfat.com

کی ضروری معلومات والے دن۔ اور وہاں معدودات فرماتے ہیں دنوں کی مقدار کا ذکر ہے
کہ وہ چند ہی ہیں معدودات کا ترجمہ ہے گنتی کے چند دن اور مراد ہیں ایام تشریق وغیرہ
اور ذکر سے مراد، تلبیہ، دعائیں، حمد و نعت، درود، وظائف، ذبح کی تکبیر، تلاوت وغیرہ
تسبیح تہلیل۔ یادِ الٰہی۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذْ بَوَّاْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِيْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔ یاد کرو اس وقت کو جب ہم نے روحِ خلیل کو بیتِ قلبی کے کمال و اخلاق کے
تعمیر کی نشاندہی فرمائی اور اعمالِ صالحہ کی وہ بنیادیں جو طوفانِ جہالت کے وقت
خناثیت کی موجوں سے لذات و شہوات کی مٹی کیچڑ کی دلدل میں پوشیدہ ہو گئی تھیں
رحمت کی سانسوں کی ہواؤں اور کرم توفیق کے بادلوں سے ظاہر فرمادیں تب حیثیتِ نفسانیہ
کا تمام ماحول اور طبیعتِ انسانیت کا سب غبارِ لا دینیت سب ہٹ گیا اور ان
ہی علمی فکری عقلی عملی چار بنیادوں پر فطرتِ انسانی کے گارے اور کردارِ صالحہ کی اینٹ
پتھروں سے اور حکمِ الٰہی کے نقشہ پر بیتِ قلبی کو تعمیر و مزین اخلاقِ حسنہ کے مقام
پر کھڑے ہو کر شعورِ اسماعیلی کے تعاون سے بنایا اور فرمایا ہم نے ابراہیمی روح اور
اسماعیلی قالب کو کہ یہاں مطافِ قلبی میں خلوص وحدت کے ساتھ اغراضِ نفسی کی
شمولیت کا شرکِ خفی مجازی نہ ہونے دینا اور بیتِ قلب کو جو میری تجلیات کا
گھر ہے اس کو نجاساتِ وہمیہ سے پاک رکھنا ان قوائے اعضائی کے لیے جو قلب
مومن کے ماحولِ نورانی کے طواف اور اخلاقِ فضیلت کے اعمال عبادت میں قائم
و راکع۔ ساجد و عاجز ہوں اور اعضاءِ روحانیہ کی قوت سے انقاءِ معارف میں
قائم ہوں اور معانی حکمتِ ربانی کے رکوع میں جھکنے والے اور زمینِ بدنیہ پر عجز کے
ایسے سجدوں میں گرنے والے کہ عبادت کی صورت شریعت کے آداب اور عقلیت کی
ہدایت ملتی رہے طالبین بصارت متعلمین بصیرت، مجاہدین سلوک عابدین خشوع زاہدین
خضوع کو وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ
مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ۔ اے روح لطیف اعضاءِ نوبہ کو حجِ عرفاتِ معرفت کی
دعوتِ اذان بلند فرما، تو صفاتِ نفس کی وادیوں کو چھوڑ کر پیدل بھی حاضری دینگے

marfat.com

اور ریاضتِ شاقہ سے کمزور و تھکی طبیعتوں کی سواریوں پر بھی ہر الفت بیدار کی گہرائیوں اور عشقِ بلند کے حوصلوں کی فج عمیق سے اور دوریِ منزل کی فکرِ عمیق سے لِیَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ فَكُلُوا مِنْهَا وَأَطْعِمُوا الْبَائِسَ الْفَقِيرَ۔ تاکہ پا بیں بہ رِجال دسوار فوائدِ علمی قربِ قلب سے مستفید ہو کر اور انوارِ تجلیات و مکاشفات کے اَیّامِ معلومات میں وردِ اسم ذات وصفات کا ذکر کریں جب کہ مجاہدات و مخالفات کی چھری سے حیوانِ نفسانی کو ذبح کریں پھر حقیقتِ اصلیہ کے معنیٰ میں اکلِ حلال سے غذاءِ روحی خود بھی کھائیں۔ اور نفسانیت کے مصیبت زدہ مریدانِ مبتدی منحفِ دماغی کے فقیروں اور تعلیم و تربیت کے محروموں محتاجوں کو تہذیب و تادیب کی غذائیں کھلائیں (ابن عربی) اے بندۂ مومن تیرا دل ملکیت کبریا کا گھر ہے اس کو اغراضِ دنیوی کے شرک سے بچا۔ آنسوؤں کے پانی سے دھو کر آتشِ عشق سے سکھا، اور اغیار کی گندگی سے پاک رکھ ؎

خوش آں آتش کہ در دل برفروزد ؎ بجز حق ہر چہ پیش آید بسوزد

اے مومن کعبۂ حرم کو اُمیدوں کے اَصنام و اَوثان، تمناؤں کے اَمثالِ خواہشات کے تمثال سے پاک کیا جاتا ہے اور کعبۂ دل کو اَرباب، اَوحام، حسد کینہ کھوٹ ملاوٹ سے پاک کیا جاتا ہے۔ توحید کا پھول اس زمین میں نہیں اُگتا جس میں شرک حسد۔ غرور، ریاکاری اور کینہ پروری کے کانٹے ہوں۔ اے بندہ آقا کا مسکنِ انوار جان کی ہمت و محبت سے طلب کیا جاتا ہے کیونکہ مسکن محبوب اگر ہے تو فقط مخلص و مسکین کا دل ہے۔ لَا تُشْرِكْ بِي ہے کہ قلب مومن کو اغیار سے بچایا جائے اور طَهِّرْ بَيْتِيَ خواہشات کا نکالدینا ہے لِلطَّائِفِينَ واردات حقانی کا آنا ہے۔ اور قائمین قیام عرفانی ہے اور عبادت میں رغبت رکوع طریقت ہے۔ اہلِ خوف واُمید عطاءِ کبریا رحمت الٰہی اس راہِ معرفت کے رُکّع ہیں اور قبض و لبسط ہیبت وانسِ جمالِ الٰہی والے وَالسُّجُودِ ہیں۔ جس بندۂ خوش قسمت کو کعبۂ عشق کا طواف نصیب ہو گیا اسی کو قربِ رُکنِ یمانی کا چومنا نصیب ہوتا ہے جو بندہ قلب کو بیت اللہ اور عقل کو مقامِ ابراہیم نہ بنائے وہ محبوبین میں سے نہیں ہو سکتا۔

marfat.com

(تفسیر روح البیان) حج ہی وہ عبادتِ خصوصی ہے جس میں بندے کو اپنا تمام قلب و قالب مشغول اور مال و متاع خرچ کرنا پڑتا ہے۔ رب تعالیٰ جل مجدہٗ نے جب کائناتِ عالم کی تخلیق فرمائی تو سب سے پہلے ارواحِ انسانی کو پیدا فرمایا۔ اور ان ہی روحوں کا نام انسان رکھا گیا۔ ان کی ابتدائی رہائشی وطن کو عالمِ ارواح کا نام دیا گیا پھر جب منتقلی کا وقت آیا تو سب سے آخر میں اس روحانی انسانیت کو بشری جسم کا لباس پہنا کر سرزمین دنیا پر یکے بعد دیگرے اُتارا گیا اور اس مجسّم انسانیت کا نام آدمی رکھا گیا اور اس مخلوق مجسّمی کی ڈیوٹی اور ذمہ داری لگائی گئی کہ تو نے اپنے جسم اور روح کی خود حفاظت کرنی ہے اور اس کی غذائی ضرورت کو پورا کر کے اس کی قوت طاقت شان و شوکت عزت و عظمت بڑھانی ہے اس کو فنا سے بچا کر دائمی بقا میں لا کر پھر اپنے رب تعالیٰ کے حضور پیش کرنا ہے۔ اور عالمِ ارواح میں تمام روحوں کو بار بار اقراری تعارف کرایا گیا کہ ہم ہی خالق تعالیٰ تمہارے رب ہیں۔ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى کیا ہم ہی تمہارے رب تمہارے پالنے والے نہیں ہیں تمام ارواح نے عرض کیا۔ ہاں اے اللہ تو ہی ہمارا رب ہے اچھا تو ہمارا حکم یہ ہے کہ دنیا میں جا کر تم نے اپنی جسمانی قدروں اور روحانی قوتوں کو بڑھانا ہے اور اس سلسلے میں ایک دوسرے کا تعاون کرنا ہے وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ نیکی اور تقوے سے تعاون کرنا ہے گناہ اور برائی کی مدد نہیں کرنی۔ اس مضبوط وعدے کے بعد انسان کو دنیا میں مبعوث فرمایا گیا۔ مگر اس دنیا میں آ کر انسانوں کے چار گروہ ہو گئے۔

۱: وہ گروہ جن کو رب تعالیٰ نے خود ہی اپنی درس گاہِ ربانی میں روحانیت اور جسمانیت کے درس پڑھا دیئے اور قوت روحانی و جسمانی کے سارے طریقے سکھا دیئے ان کو دنیا میں آ کر کسی سے سیکھنے پڑھنے یا کسی کی نقل کرنے اور کسی کے نقش قدم پر چلنے کی ضرورت نہیں۔ اس گروہِ عظیم کا لقب ہے انبیاءِ کرام علیہم السلام۔

۲: چاہیئے تو یہ تھا کہ تمام انسان دامن نبوت میں ہی پناہ لیتے اور تعلیم نبوت سے اپنی روحانی ترقی کے منازل طے کر کے تزکیۂ نفس اور قوتِ روح حاصل کرتے مگر انسانیت اور آدمیت تین گروہ میں تقسیم ہو گئی۔ ایک طبقے نے اپنے اپنے نئے دین بنا کر اپنی روحانی

marfat.com

اِرتقا اور قوت روحانیہ کے لیے اپنے ذھن سے ترکِ دنیا وغیرہ طریقے منتخب کرلیے۔

۲۔ بعض لوگ روحانیت کو بالکل چھوڑ کر صرف مادہ پرستی اور تن سازی میں ہی عمریں برباد کر گئے انہوں نے کسی دین سے کوئی لگاؤ نہ رکھا۔

۳۔ چوتھا گروہ اس دنیا میں اہل ایمان کا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب سعادت مند جماعتِ مبارکہ ہے جس نے خالص منشاءِ الٰہیہ کے مطابق قوتِ روحانیہ اور تزکیۂ نفس پانے حاصل کرنے کے لیے تعلیم نبوّت کا دامن تھاما۔ اِسی جماعتِ مبارکہ نے قوتِ روحانیہ کی صحیح غذائیں اور سچی لذتیں اور اَبدی بقا کی نعمتیں حاصل کیں اس لیے کہ انبیاءِ کرام علیہم السلام ہی رب تعالیٰ کی درس گاہِ قدیم سے علم وعرفان حقیقت ومعرفت شریعت وطریقت کے ہدایت یافتہ ان کی پاکیزہ حیاتِ طیبات ہی مشعلِ راہِ سعادت ہے ان کی نقل کرنے کا نام ہی عبادتِ الٰہیہ ہے۔ ان کی اِتّباع ہی رب تعالیٰ کی شریعت ہے اِن کے اَقوال ہی قانونِ الٰہی ہے۔ ان کا خوب صورت نظام ہی اصل روحانی قوت ہے۔

حج وزکوٰۃ وزُہد وعبادت صلوٰۃ وصوم ہرچند دلفریب نظامِ محمد است

روح انسانی کو جِلا نفسِ آدمیت کو تزکیہ اتّباعِ رسالت ہی سے ہے۔ اِن قدسی آستانوں کو چھوڑ کر کوئی بھی ریاضت یا زُہد کیا جائے روحانیت کی جِلا میسّر نہیں آسکتی۔ انبیاءِ کرام کے وہ اعمال جو انہوں نے کبھی بھی عادۃً یا عبادۃً اختیار فرمائے آنے والی تا قیامت نسلوں کے لیے وہی اَعمال واَفعال عبادتِ الٰہیہ قرار پائے۔ اَنبیاءِ علیہم السّلام کے ذاتی اور وقتی کام جو کسی وقت کسی بھی حالت میں اِن نفوسِ قُدسیہ سے صادر ہوئے وہ اُمّت کے لیے قانونِ شریعت کی حیثیت ہو گئے اِن اعمال کی نقل ہی عبادت وریاضت ہے اِن ہی کو فرض سنّت ونفل اور واجب کا درجہ دیا گیا اِن اعمال واقوال کی نقل کرنے کو ہی نماز روزہ حج وعمرے کا نام دیا گیا۔ اِن اَعمالِ صالحہ سے ہی جسم وجان کی قوت اور ازلی ابدی شان و بقا ہے۔ یہ نقشِ قدم ہی بندے کی روحانی طاقت کو اتنا عظیم کر دیتا ہے کہ وَلی اَبدال وَاَوتا د اور غوث وقطب بن جاتا ہے۔ اِسلام کی بہت سی عبادات ہیں نماز، روزہ زکوٰۃ خیرات صدقات قربانی، وِرد وظیفہ چِلّہ مراقبہ حج وعمرہ وغیرہ۔ ان تمام سے ہی روحانی قوتیں حاصل ہوتی ہیں مگر حج ایک ایسی عظیم عبادت ہے کہ اس عبادتِ مقبول سے اتنی شان والی روحانی قوت حاصل ہوتی ہے جو کسی اور عبادت سے حاصل نہیں یہ عبادت

marfat.com

جسم کی تمام آلائشوں اور روح کی تمام کثافتوں۔ اور اعضاء و جوارح کے گناہوں لغزشوں خطاؤں اور نجاستوں کو اس طرح مٹا دیتی ہے کہ بفرمانِ حضور اقدس آقاءِ کل صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم حج کے بعد بندہ اپنی روح و جسم میں ایسا پاکیزہ طاہر و منزہ ہو جاتا ہے کہ گویا آج پیدا ہوا ہے۔ یہ ہی وہ جسمانی تزکیہ اور روحانی قوت ہے جو صرف حج کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ حج اور دیگر عبادات میں چند طرح فرق ہے۔ پہلا یہ کہ اگرچہ بندے کی سب عبادات ہی انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی یادگاریں اور نقل ہیں مگر نماز روزہ وہ اعمالِ طیبات ہیں جو انبیاءِ کرام علیہم السّلام نے خود عبادت کے طور پر ادا فرمائیں مگر حج وہ عبادت ہے جو انبیاءِ کرام اور رب تعالیٰ کے محبوب بندوں نے اپنی ذاتی ضرورت کے تحت وقتی طور پر ادا فرمائی، اگر غور کیا جائے تو بجز طوافِ کعبہ باقی تمام ارکان ہی کسی نہ کسی پیارے کی یادگاریں ہیں مثلاً احرام اُس لباس کی یادگار ہے جو آدم علیہ السّلام جنّت سے پہن کر زمین پر آئے اور عرفات کے میدان میں اسی لباس کے ساتھ آئے اور اس کا سفید رنگ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ وتعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی پسندیدگی کی یادگار ہے۔ قربانی ابراہیم کے تذکرہ اور اسمٰعیل علیہما السّلام کے فدیے کی یادگار اسی طرح عرفات مزدلفہ مِنیٰ کا قیام اُن ہی انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی یادگاریں ہیں جن کو روحانی قوت اور روحانیات کی تمام طاقتیں خود رب تعالیٰ نے اِس انداز سے سکھائیں پڑھائیں اور بخشیں کہ ان کی ہر عادت و عبادت کی نقل و اتباع ہی مومن کے لیے روحانی قوت کا درسِ عظیم اور حصول و دستیابی کا مرکزِ اتم ہے آبِ زم زم پینا صفا مروہ کی سعی یہ سب بزرگوں کے ذاتی اور وقتی اعمال ہی تو ہیں۔ جو سب ایمان والوں کے لیے عبادت اور ذریعۂ معرفت و روحانیت بنا دئیے گئے مومن کے لیے روحانی قوت کا حصول اس لیے بھی ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان کی روح نے عالمِ ارواح میں قالوا بلیٰ کا وعدہ لیا تھا مگر دنیا میں آکر انسان بھول گیا یہ روح کی کمزوری ہے اور مومن کے لیے روحانی قوت کا حصول اس لیے بھی ضروری ہے کہ رب تعالیٰ نے ہر انسان کو دو چیزیں عطا فرمائیں ۱۔ جسم اور ۲۔ روح۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں یہ دونوں اس دنیا میں گھوڑے اور سوار کی مثل ہیں۔ جو قوت و طاقت میں زیادہ ہو گا وہی گھوڑا بن کر دوسرے کا بوجھ اٹھائے گا۔ اہلِ دنیا اپنے جسم کی

marfat.com

زیادہ فکر کرتے ہیں ہر طرح کی جسمانی غذائیں جائز و ناجائز بلا پرہیز کھاتے چلے جاتے ہیں اور جسم کی تن سازی میں عمر گراں مایہ برباد کر ڈالتے ہیں۔ اس لیے ان کی رفتار، گفتار۔ دیکھنا سننا، چلنا پھرنا، اٹھنا، بیٹھنا یہاں تک کہ علم و حکمرانی سب جسمانی طاقت کی حدود میں رہتی ہیں گھوڑے نے تو اپنی ہی طاقت کے مطابق چلنا دوڑنا ہے سوار تو اس کا ساتھ دینے پر مجبور ہے بلکہ گھوڑے سے بھی کمزور ہے اگر روح میں قوت ہوتی اور اس کو روحانی ایمانی عرفانی غذاؤں سے طاقتور کیا ہوتا تو بدن پر سواری کی نوبت ہی نہ آتی بلکہ روح خود جسم کو اٹھائے پھرتی اور پھر وہ اپنی قوت سے چلتی۔ اہل اللہ اور عاشقانِ رسول اللہ اپنی روح کی فکر زیادہ کرتے ہیں اور ہر طرح کی عبادت سے روحانی غذائیں حاصل کرتے رہتے ہیں، جن میں حج و عمرہ اور روضۂ اقدس کی زیارت حصولِ قوتِ روحانی کے سب سے بڑے ذریعے ہیں بلکہ ایک سچی زیارۃِ روضۂ اقدس سات حج و عمرہ سے زیادہ روحانیت کے لیے مفید ہے کیونکہ۔۔۔

ہوتے کہاں خلیل و بنا کعبہ و منیٰ ⁂ لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

اُن کے طفیل حج بھی خدا نے کرا دیا ⁂ اصلِ مراد حاضری اِس پاک در کی ہے

جب بندہ حج عمرہ زُہد، عبادت، ریاضت تقویٰ طہارت، روزہ، نماز، زکوٰۃ اور تمام حقوق العباد و حقوق اللہ کی پوری ادائیگی کر کے تزکیۂ نفس و اجسام اور قوتِ روحانیہ اکمل مکمل حاصل کر لیتا ہے تو پھر عالمِ ناسوت میں روح کی ہی شہنشاہی و حکمرانی ہوتی ہے اور جسم انسانی لاغر سوار کی طرح ہوتا ہے، پھر بندہ زمین پر ہوتا ہے، مگر نگاہیں عرش تک پہنچتی ہیں، رفتار بندے کی ہوتی ہے اور تختِ بلقیس اٹھا چلا تا ہے۔ آواز فاروق اعظم کی ہوتی ہے اور اُس کی گونج نہاوند کی پہاڑیوں میں حضرت ساریہ کے کانوں تک پہنچ جاتی ہے۔ حکم نامہ خلیفۃُ المسلمین کا ہوتا ہے اور دریاءِ نیل قیامت تک کے لیے جاری ہو جاتا ہے کرامت عبدالقادر غوث اعظم کی ہوتی ہے اور پرانے مردے زندہ ہوتے چلے جاتے ہیں، ایک عام لکڑی کی کھڑاؤں چند دن خواجہ چشتی کی صحبت قدم میں رہ کر وہ قوت پا لیتی ہے کہ فضاؤں میں اڑ کر جادوگر کا تمام جادو تباہ کر دیتی ہے۔ یہ سب روحانی قوت ہی تو ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تو یہ تمام روحانی قوتیں — بیک جنبشِ نگاہِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

marfat.com

وسلّم اور صحبتِ پاک کی برکت سے مل جاتی تھیں لیکن ما بعد شما کو تو یہ طاقت عبادت کی محنت مشقّت سے ہی حاصل ہو گی جس میں حج اسلامی سب سے اعلیٰ ذریعہ ہے۔
حج اور دیگر عبادات میں دوسرا فرق یہ کہ ہر عبادت یا صرف بدنی ہے یا مالی یا صرف لسانی مگر حج تمام بدنی مالی لسانی عبادات کا مجموعہ ہے۔ تیسرا فرق۔ حج مساواتِ اسلامیہ کا اعلیٰ نمونہ ہے یہاں پہنچ کر محمود و ایاز غلام و آقا کی یکجائی کا پتہ لگتا ہے اسلامی اتحاد اور ترک دنیا یہ ہے کہ تمام دنیا بھر کے مسلمانوں میں سے ایک امیر غریب آقا غلام کی چھانٹ کوئی نہیں کر سکتا، چوتھا فرق یہ کہ دیگر عبادات اوّل سے آخر تک محض عبادت ہی ہیں، عبادت ہی پہلے بزرگوں نے کی اور بعد والوں نے اس کو عبادت کے طریقے پر ہی نقلِ بزرگاں ادا کی مگر حج وہ عبادت ہے جو اپنے ابتدائی وقت میں عبادت نہ تھی۔ جیسے احرام سعی، قربانی، آبِ زمزم پینا، عرفات مزدلفہ سعی وسعی میں دوڑنا منیٰ کا قیام حضرتِ اسماعیل کا کنکریاں مارنا۔ منیٰ و عرفات تک جانا آنا۔ مقامِ ابراہیم وغیرہ اُن ابتدائی اَدوار میں جب یہ اعمال انبیاء اور اللہ کے محبوب بندوں علیہم السّلام سے صادر ہوئے عبادت نہ تھے بلکہ بہت زمانہ بعد مومن کو قوتِ روحانی بخشنے کے لیے یہ نقلِ بزرگاں عبادتِ الٰہیہ بنا دی گئیں۔ اس قانونِ الٰہیہ سے دو باتیں ثابت ہوئیں ۱ یہ کہ روحانی غذائیں اور قوتِ روحانی صرف عبادت الٰہیہ سے حاصل ہوتی ہیں ۲ یہ کہ عبادتِ الٰہیہ صرف نقلِ بزرگاں اور اتباعِ انبیا علیہم السّلام ہی کا نام ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ

پھر دور کریں اپنے میل کچیل کو اور ضرور ہی پورے کریں اپنے ذمہ واجبات کو

پھر اپنا میل کچیل اتاریں اور اپنی مَنّتیں پوری کریں

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿٢٩﴾ ذٰلِكَ

اور ضرور طوافِ وداع کریں سب کے سب پرانے ابتدائی پہلے گھر کا، اُس کی تعمیل کریں

اور اس آزاد گھر کا طواف کریں ۔ بات یہ ہے

marfat.com

وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ

اور وہ حاجی جو اچھی طرح خیال رکھے اللہ کی قابلِ احترام چیزوں کا تو وہ اچھا ہے اس کے لیے

اور جو اللہ کی حرمتوں کی تعظیم کرے تو وہ اُس کے لیے اس کے

عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا

اس کے رب کے پاس، اور حلال کر دئے گئے تمہارے لیے چوپائے سوائے اُن کے

رب کے یہاں بھلا ہے اور تمہارے لیے حلال کئے گئے بے زبان چوپائے سوا

مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ

جو پہلے پڑھ دیا گیا تمہارے سامنے۔ لہٰذا بچو تم گندگی سے جو

اُن کے جن کی ممانعت تم پر پڑھی جاتی ہے تو دور رہو

الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ ۙ (۳۰)

بتوں سے ہے اور بچو تم جھوٹی باتیں کرنے سے

بتوں کی گندگی سے اور بچو جھوٹی بات سے

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں کو مسجدِ حرم خانۂ کعبہ اور مکہ مکرمہ میں آ کر حاضری دے کر کچھ کام کرنے کا حکم و اذن دیا گیا۔ اب اِن آیت میں مزید کچھ اور کام کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں حج سے متعلق حقوق العباد کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں حج سے متعلق حقوق اللہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں چند شرعی اوامر اور کرنے والی چیزوں کا ذکر ہوا۔ اب اِن آیت میں چند شرعی نواہی اور ممنوعہ چیزوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ اِن اِن کاموں سے بچو۔

marfat.com

تفسیر نحوی ثُمَّ لْيَقْضُوْا تَفَثَهُمْ وَلْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ۔ ذٰلِكَ ، وَمَنْ يُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ ثُمَّ حرفِ عطف تاخیر ترتیبی یعنی ما قبل جملے سے مابعد کلام کو دور یا دیر کرنے کے لیے تاخیر کی چار صورتیں ہوتی ہیں ۱۔ عملی تاخیر مثلاً یہ کام کیا پھر یہ کام کیا ۲۔ رتبی تاخیر مثلاً بادشاہ پھر وزیر پھر سردار ۳۔ وضعی تاخیر مثلاً امام پھر مقتدی ۴۔ زمانی تاخیر مثلاً باپ، پھر بیٹا پھر پوتا یا آج کل، پرسوں، یہاں زمانی تاخیر مراد ہے اگر تاخیر دراز ہو جائے تو اس کو تراخی کہا جاتا ہے ثُمَّ کے مابعد جملہ عَتِيْق تک ما قبل فَكُلُوْا پر معطوف ہے۔ ایک قول میں ثُمَّ ہے بمعنی یہاں ہی اور یہ اگلی مابعد عبارت علیحدہ جملہ ہے لْيَقْضُوْا باب ضَرَبَ کا فعل امر غائب معروف جمع مذکر غائب قَضٰی سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے دور کرنا یہاں یہی مراد ہے اصطلاح میں قولی و عملی فیصلے کو بھی قضا کہا جاتا ہے اس لیے کہ فیصلے کے بعد مدعی مدعیٰ علیہ اور جھگڑے کو دور اور ختم کیا جاتا ہے۔ اوّل میں لام مکسورہ امر کا ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اَلنَّاسِ تَفَثَ، اسم مفرد جامد بمعنی بدنی جسمانی میل کچیل مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لْيَقْضُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ لْيُوْفُوْا۔ بابِ اِفعال کا فعل امر غائب معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِيْفَاءٌ بمعنی پورا کرنا وَفِیٌّ سے مشتق ہے بمعنی پورا ہونا یہ لازم ہے افعال میں آ کر متعدی ہوا نُذُوْرَ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَذْرٌ، بمعنی لازمی واجبی چیز جس کے نہ کرتے پر سزا ملے، اسی معنی میں منت ماننے کو نذر کہا جاتا ہے یہاں مراد ہیں واجباتِ حج۔ ڈرانے والے کو نذیر اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ واجبات و فرائض کے ادا کرنے کا حکم اور نہ کرنے کی سزا کا ذکر کرتا ہے یہ مضاف ہے هُمْ مضاف الیہ یہ دونوں مفعول بہ ہے لْيُوْفُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ لْيَطَّوَّفُوْا بابِ تَفَعُّلٌ کا امر غائب معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَطَوُّفٌ طَوْفٌ سے بنا ہے بمعنی چکر لگانا (طواف کرنا) اصل میں تھا لْيَتَطَوَّفُوْا۔ تفعّل کی ت کو ہم مخرج ہونے کی بنا پر ط بنا یا اس کا اُلٹ نہیں ہو سکتا کیونکہ ط حرفِ اصلی ہے (مادّے کا حرف) اس کا

marfat.com

فاعل ضمیر صیغہ یہ تینوں افعالِ امر کے فاعل ضمائر کا مرجع اَلنَّاس ہے بَ حرفِ جر متعد یہ بمعنیٰ کا یا کو۔ اَلْبَیْتِ۔ اسم مفرد جامد بمعنیٰ گھر چھت والا یعنی کمرہ بیت کا لغوی ترجمہ ہے رات گزارنا، اصطلاح میں مطلقاً کمرے کو بیت کہا جاتا ہے اینٹ پتھر لوہے سیمنٹ کا ہو یا مٹی گھاس پھونس کا یا خیمہ شامیانے کا یہاں مراد ہے کعبہ شریف یہ حاصل مصدر ہے موصوف ہے اَلْعَتِیْقِ۔ اسم فاعل صفت مشبہ ہے بروزنِ فعیل باب کَرُمَ کا عِتْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پرانا ہونا ایک قول میں یہ عِتْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آزاد ہونا اب یہ عتیق بمعنیٰ مُعْتَقٌ اسم مفعول ہوگا معنیٰ آزاد شدہ یعنی کسی کی ملکیت سے آزاد شروع سے آزاد جب سے زمین بنی ہے اس لیے صرف کعبہ شریف کی یہ صفت و لقب ہے نہ کسی مسجد کی نہ بیتُ المقدس کی کیونکہ یہ سب مسجد بننے سے پہلے غیرُاللہ کی ملکیت رہے ہیں یہ مرکب توصیفی مجرور ہوکر متعلق ہے یَطَّوَّفُوْا۔ کے یہ سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف لِیُوْفُوْا پر وہ معطوف لِیَقْضُوْا کا یہ تینوں عطف مل کر معطوف فَکُلُوْا کے جملے پر ذٰلِکَ اسم اشارہ مبنی ہے بحالتِ نصب ہے مفعول بہ ہے پوشیدہ فعل لِیَعْلَمُوْا کا ذٰلِکَ کا مشار الیہ ماقبل تمام فعل امر ہیں یعنی تعمیل کرو تم اُن تمام حکموں کی یہ فعل فاعل اور مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ واؤ سے جملہ مَنْ اسم موصولہ شرطیہ۔ یہ جنسی لفظ ہے معنیٰ ہے تمام لوگ ہر ایک (جو بھی) یُعَظِّمْ باب تفعیل کا مضارع معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَعْظِیْمٌ بمعنیٰ عزت کرنا احترام کرنا، بڑا سمجھنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے مَنْ حُرُمٰتِ اسم۔ جمع مؤنث سالم بحالتِ فتحہ اس کا واحد ہے حُرْمَةٌ بمعنیٰ قابل احترام چیز یہ مضاف ہے اللّٰہ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یُعَظِّمْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر شرط ہے فَ جزائیہ هُوَ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا خَیْرٌ اسم مصدر عامل لَهٗ جار مجرور متعلق ہے عِنْدَ رَبِّهٖ یہ ذیل مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے خَیْرٌ کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہوکر جزا ہوئی مَنْ یُّعَظِّمْ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ خیال رہے کہ تعظیم سے مراد علم اور عمل کرنا ہے اور کاربند رہنا۔ حُرُمٰت سے مراد حج کے اعمال مقامات ہیں خَیْرٌ سے مراد قبولیت ہے وَاُحِلَّتْ لَکُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ وَاؤ سے جملہ اُحِلَّتْ باب اِفعال کا ماضی مطلق مثبت مجہول واحد مؤنث غائب

marfat.com

مصدر ہے اِحْلَالٌ حَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ حلال اور جائز ہونا۔ لام حرفِ جر نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متصل یہ جار مجرور متعلق ہے اُحِلَّتْ کا اَلْاَنْعَامُ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے نَعَمٌ بمعنیٰ چوپایہ جانور گھریلو یا شکاری (جنگلی) مستثنیٰ مِنْہٗ ہے اِلَّا حرف استثنا۔ یہاں استثنا متصل ہے مَا اسم موصول اپنے اصلی معنیٰ ہے۔ یعنی برائے غیر ذوالعقول۔ یُتْلٰی بابِ نَصَرَ کا مضارع مجہول بمعنیٰ ماضی ہے یا اپنے ہی معنیٰ میں ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے عَلَیْکُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے یُتْلٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا اَلْاَنْعَامُ کا، دونوں مل کر فاعل ہے اُحِلَّتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ اگلا کلام علیحدہ جملہ ہے یا سابقہ امر کے فعلوں پر عطف ہے اُحِلَّتْ کا۔ جملہ بیچ میں معترضہ ہے اِجْتَنِبُوْا باب افتعال کا فعل امر حاضر معروف۔ جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِجْتِنَابٌ جَنْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بچنا پرہیز کرنا، ایک طرف ہٹنا، ہٹ جانا، کروٹ کو جنب اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ ہٹنے کے لیے کروٹ پھیرنی پڑتی ہے گویا سبب کو مسبب کا نام دیا گیا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اَلرِّجْسَ اسم مفرد معرف باللام بمعنیٰ گندگی پلیدی اس کی جمع ہے اَرْجَاسٌ عام ہے ظاہری باطنی کو یہاں مراد ہے باطنی یہ مفعول بہ ہے مِنَ حرف جر بیانیہ الف لام حرفی عہد خارجی اَوْثَانِ۔ جمع مکسّر ہے وَثَنٌ کی معنیٰ ہے پوجا کرنا۔ یہ مصدر جامد حاصل مصدر ہے اب اصطلاحاً مصدر بمعنیٰ اسم مفعول ہے یعنی پوجا کیا ہوا مراد کفار کے جھوٹے معبود یہ جار مجرور متعلق ہے اِجْتَنِبُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ پر جملہ یا عاطفہ اِجْتَنِبُوْا فعل با فاعل قَوْلَ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بات گفتگو یا مصدر جامد بمعنیٰ بات۔ یعنی بولنا کہنا مضاف ہے اَلزُّوْرِ اسم مفرد مصدر لغوی معنیٰ انحراف کرنا، یعنی حق بات سے ہٹنا، اسی معنیٰ میں جھوٹ کو زُوْر کہا جاتا ہے کِذْب اور زُوْر میں چند طرح فرق ہے تفصیل تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائے گی۔ اِنْشَاءَ اللہ تعالیٰ، مضاف الیہ ہے ایسی اضافت کو اضافتِ بیانیہ کہا جاتا ہے۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِجْتَنِبُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ قَوْلَ الزُّوْرِ کو اَلرِّجْسَ پر عطف نہ کیا گیا بلکہ علیحدہ فعل با فاعل جملہ بنایا۔ تاکہ پتہ لگے کہ جھوٹ بولنا بھی بت پرستی اور گندگی پلیدی کی طرح سخت بری چیز ہے۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ ۔ ذٰلِكَ ۔ وَمَنْ يُعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۔ اے اہلِ سعادت حاجیو عرفات و مزدلفہ میں قیام کے بعد پھر حج کے بقیہ واجبات میں ترتیب کا سختی سے خیال رکھتے ہوئے ادا کرو اپنے ذمّے واجباتِ حج کو اُن ہی واجبات میں اپنے آپ کو احرام سے کھول کر ہر طرح صاف ستھرا کرنا ہے اس ترتیب سے کہ مزدلفہ میں رات گزار کر خود اپنی کنکریاں چن کر صبح کو منیٰ میں آتے ہی سارا دن میں کسی بھی سہولت کے وقت غروبِ آفتاب سے پہلے پہلے جمرۂ عقبہ کی رمی کرو پھر قربانی کرو۔ جب قربانی ہونے کا یقین ہو جائے یا اس طرح کہ خود اپنی نگاہوں کے سامنے چھری پھرو یا کسی معتبر دیانت دار شخص کو قربانی کرنے کا اِذن دو جب وہ تم کو آکر بتا دے کہ قربانی فلاں وقت ہو گئی ہے تب سر منڈاؤ پھر نہاؤ اور جسم سے دیگر بال صاف کرو خوب مَل مَل کر میل صاف کرو ناخن کاٹو۔ اَب احرام سے کھُل گئے لہٰذا کپڑے پہن لو خوشبو لگاؤ اور اپنی سب نذریں یہیں سرزمینِ مکّہ اور ایّامِ حج میں ہی پوری کرو۔ نُذُوْر جمع ہے نذر کی اس کا معنیٰ ہے حج کی واجبات چیزیں خواہ شریعت نے واجب کی ہوں جیسے حج و عُمرہ کے واجب کام، نذر کا لغوی معنیٰ ہے واجب کیا ہوا کام، یا حاجی شخص نے خود اپنے اوپر وہ کام واجب کر لیا اس کی دو صورتیں ہیں ۱ منّت مان لی ہو۔ یا کوئی حج میں غلطی کر لی ہو جس کا کفّارہ واجب ہو گیا اِن تینوں قسموں کے واجب کو دَورانِ حج ایّامِ حج میں پورا کرنا بھی یہیں پر واجب ہے اس طرح نُذُوْرِ حج تین قسم کی ہو گئیں پہلی واجباتِ حج جو شریعت نے واجب کیں دوم منّتیں سوم کفّارے یہ چیزیں بندہ خود اپنے پر واجب کرتا ہے منّتیں آٹھ قسم کی ہیں ۱ قسم کھا کر کوئی کام اپنے پر واجب کرنا ۲ منّت بالشّرط یعنی اگر مگر سے کوئی کام معلّق کرنا ۳ کسی جائز کام کی مَنّت مان لینا ۴ یا ناجائز کام کی منّت مان لینا ۵ مشکل کام کی منّت مان لینا ۶ ناممکن کام کی مَنّت مان لینا ۷ فضول کام کی مَنّت مان لینا ۸ کسی جگہ یا کسی وقت یا کسی طریقے سے کام کرنے کی مَنّت مان۔ ان سب مَنّتوں کو اس وقت پورا کرنا واجب ہے جب وہ مراد پوری ہو جائے پہلے نہ کرے جائز کام کی منّت بِعَيْنِهٖ اسی طرح مکمّل پوری کرے جس طرح مانی ہے، ناجائز کام کی مَنّت

marfat.com

میں وہ ناجائز کام نہ کرے بلکہ اس کا کفّارہ دیدے، کفّارہ بھی مَنّت کی مراد ہو جانے کے بعد واجب ہے پہلے کفّارہ نہ دے اگر پہلے دیا تو جب مراد پوری ہوگی دوبارہ کفّارہ دینا پڑے گا۔ اگر مشکل کام کرنے کی مَنّت مانی تھی تو جب اس کی مَنّت مراد پوری ہو تو وہ مشکل کام ہمت کر کے ادا کرے اگر نہ ہو سکے تو اس کا بھی کفّارہ ادا کرے اگر کسی چیز کی مَنّت پر ناممکن کام کرنے کی شرط لگائی تھی تب بھی مَنّت والی چیز ملنے کے بعد اُس ناممکن کام کا کفارہ دیدے اور توبہ بھی کرے کیونکہ ناممکن کام پر مَنّت ماننا گناہ ہے۔ اگر فضول کام کر نیکی منّت مانی تھی تو جب اللہ تعالیٰ اس کی مراد پوری فرما دے تو اصل کام کرے فضولیات کو چھوڑ دے۔ کیونکہ اصل کام پورا ادا کرنا واجب ہے فضول قیدیں پوری کرنا ضروری نہیں۔ مثلاً منّت مانی ہے اگر میری یہ مراد ہو جائے تو میں آدھی رات دریا میں پانی کے اندر کھڑا ہو کر دو رکعت نماز پڑھوں گا۔ تو جب مراد ہو جائے تب کسی بھی وقت مسجد میں کھڑے ہو کر دو رکعت نماز پڑھے منّت پوری ہو جائے گی دریا اور وقت کی قیدیں فضولیات ہیں۔ اور ناممکن بھی کیونکہ پانی میں سجدہ نہیں ہو سکتا۔ منّت کا کفارہ وہی ہے جو قسم کا ہے۔ چنانچہ تفسیر مظہری جلد دہم ص۲۸۹ میں بحوالہ مسلم، نسائی مستدرک حاکم بیہقی شریف ہے۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلنَّذْرُ یَمِیْنٌ وَکَفَّارَتُہٗ کَفَّارَۃُ یَمِیْنٍ۔ حج کے کفّارے جرائم حج کی تعداد کے مطابق بارہ۱۲ قسم کے ہیں۔ چھ۶ جرم ترکِ واجبات سے اور چھ۶ جرم ممنوعہ کام کر لینے سے وَلْیَطَّوَّفُوْا۔ اور پھر طواف زیارت کرو یہ فرض ہے اس کا نام اِفاضہ بھی ہے یعنی حج وعرفات سے و مزدلفہ سے لوٹنے کا طواف کرو بیتِ عتیق خانۂ کعبہ کے پاس جاکر عتیق کے تین معنیٰ ہیں ۱ سب سے پہلا زمین پر بنا ہوا کمرہ (گھر) سورۃ آل عمران آیت ۹۶ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ۔ یعنی گھر اللہ کا ہے لیکن بنا لوگوں کے سجدوں نمازوں طوافوں کے لیے ۲ عتیق کا معنیٰ ہے سب گھروں عمارتوں سے زیادہ محترم مکرّم ۳ ہر شخص کی ملکیت تسلّط اور غلبے سے آزاد ہے طواف کی چار قسمیں ۱ نفل طواف جو ہر وقت پورا سال بغیر احرام کیا جائے ۲ طوافِ سُنّت جب کوئی وہ مسلمان جو حدودِ حرم سے باہر رہتا ہو جس کو آفاقی کہا جاتا ہے جب کبھی بھی کام سے مکّے میں آئے تو نیّتِ عمرہ

marfat.com

احرام باندھ کر آئے اور آتے ہی پہلے طواف کعبہ کرے اس کو طواف قدوم کہتے ہیں
پھر وہ خواہ اپنا کام پورا کرے یا عمرہ پہلے ادا کرے عمرے کا فرض طواف اس
کے علاوہ ہے ہاں اگر ایک ہی طواف میں دونوں کی نیت کر لی تب بھی جائز ہے
اس صورت میں سعی کر کے پھر کوئی اور اپنا ذاتی کام کرے، یہ اس آفاقی کے لیے
ہے جو کبھی کبھی مکے میں آئے لیکن جس کو بار بار آنا پڑتا ہے وہ بغیر احرام بھی آسکتا
ہے مگر آتے ہی بغیر احرام اوّلاً طواف سنّت ضرور کرے۔ یہ تحیتِ مکہ ہے ۳ طواف
زیارت یہ حج کے فرضوں میں ہے ہر حاجی پر فرض ہے آفاقی ہو یا مکی ۴ طوافِ وداع
یہ واجب ہے باہر سے آنیوالے حاجیوں پر ہے۔ مکی پر نہیں ہے۔ اس کو طواف
صدر بھی کہتے ہیں۔ نفل طوافِ کعبہ ہر شخص کے لیے نفلی عبادت ہے مکی ہو یا آفاقی
حاجی ہو یا عمرے والا۔ اپنے فارغ وقت میں جب چاہے باوضو اور پاکیزہ ہو کر، طوافِ
قدوم آنے کا طوافِ وداع جانے کا صرف آفاقی کے لیے۔ طوافِ زیارت ہر حاجی کے لیے
ہر طواف میں نیّت فرضِ شرط ہے اور سات چکر فرضِ رکن ہے یہ سات چکر مثلِ رکعاتِ
نماز ہیں۔ مگر نماز سے دو طرح فرق ہے ۱ طواف میں اچھی اور ضروری باتیں کر سکتا ہے،
بلا ضرورت اور بری بات کرنا مکروہ تحریمی مگر نماز میں کوئی بھی بات نہیں کر سکتا، بات
کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے طواف نہیں ٹوٹتا، دوسرا فرق، طواف کے چکروں میں
جماعتِ نماز میں شریک ہو کر فاصلہ کر سکتا ہے: پنجوقتہ ہو یا نمازِ جنازہ مگر نماز کی
رکعتوں میں فاصلہ ہرگز نہیں کر سکتا۔ طواف کا دوسرا فرضِ رکن حجرِ اسود کے پاس سے
دائیں طرف کو چلے، تیسرا فرض رکن مسجد کے اندر طواف کرنا، اگر مسجد کے باہر
باہر چکر لگائے گا تو طوافِ کعبہ نہ بنے کا طوافِ مسجد بن جائے گا اور ناجائز ہو گا۔
طواف چونکہ عبادت ہے اس لیے سواءِ کعبہ کے کسی عمارت کسی قبر کا جائز نہیں
ہے۔ غرضکہ ہر طواف کے چار فرض ہیں ایک شرط تین رکن طواف کے واجبات بھی
چار ہیں ۱ غسل ہونا ۲ وضو کرنا ۳ ستر ڈھانپنا ۴ بدن بھی پاک ہونا اور لباس بھی۔
ہر طواف کی سنتیں دو ہیں ۱ ایک دم پورا طواف کرنا طواف کو بیچ میں چھوڑنا خلاف
سنت ہے اگر بالکل چھوڑ دیا تو قضا کرنا واجب ہے اگر تسلسل بلا وجہ شرعی توڑا
تو گنا ہگار کسی نماز کی وجہ سے توڑا تو خلافِ سنت اس لیے مستحب یہ ہے کہ

marfat.com

ایسے وقت طواف کرے جب کہ درمیان میں کوئی نماز نہ آئے، ہر طواف کے پانچ مستحبات ہیں ۱ تکبیر سے شروع کرنا یعنی اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ وَ اللّٰہُ اَکْبَرُ۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ۔ پڑھ کر ۲ پھر کلمہ پڑھے ۳ ایسے وقت میں طواف شروع کرے جب کسی نماز با جماعت آجانے سے طواف توڑنا یا چھوڑنا نہ پڑے ۴ طواف میں دعائیں مانگنا عربی میں یا اپنی زبان میں دنیوی باتوں سے مکمل پرہیز کرنا سب سے بہتر ہے کہ درود شریف پڑھتا رہے بلاوجہ اِدھر اُدھر توجہ نہ کرے جدھر جا رہا ہے ادھر ہی دیکھے ۵ دونوں رکنوں کا اِستلام کرے۔ امام اعظم نے فرمایا دونوں رکنوں کا استلام مؤکدہ سنت ہے تارک گناہگار ہوگا۔ سنت طوافِ قدوم میں دو اختیار جائز ہیں ایک یہ کہ طواف عمرہ کے ساتھ بھی اُس کی نیت کرسکتا ہے یعنی دو طوافوں کی نیت سے ایک طواف کرے

اگر ایک ساتھ نیت نہ کی تو طوافِ قدوم پہلے کرنا مستحب ہے اگر پہلے طوافِ عُمرہ کرلیا تو پھر عمرہ کی سعی کرکے پھر طوافِ قدوم کرے۔ بغیر نیت خود بخود طوافِ قدوم شامل نہیں ہوسکتا آقائے کائنات حضورِ اَقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں طوافِ عمرہ میں ہی طوافِ قدوم کی نیت کرلی دوسرا اختیار یہ کہ طوافِ قدوم چھوڑ بھی سکتا ہے مگر کچھ تھوڑا سا صدقہ دیدے تاکہ سنتِ مؤکدہ کے ترک کا بوجھ معاف ہو جائے۔ طوافِ زیارت کسی حاجی مرد یا عورت سے معاف نہیں کیونکہ یہ حج کا تیسرا اور آخری فرض رُکن حائضہ غسل کرنے کے بعد طوافِ زیارت (افاضہ) کرے نفاس والی اُس سال حج ہی نہ کرے اسی طرح قریب ولادت والی بھی حج نہ کرے فراغت کے بعد پھر رب موقعہ دے تو کرے استحاضہ والی وضو کرکے ہر طواف کرے مسجد میں حاضری دے سکتی ہے کیونکہ استحاضہ سے بے غسلگی نہیں ہوتی یہ ایک بیماری ہے۔ طوافِ وِداع واجب ہے کسی آفاقی حاجی مرد سے معاف نہیں اگر چھوڑے گا تو دَم واجب مگر حائضہ سے معاف ہے اگر طوافِ وداع کرنے کے بعد پھر کچھ دن مکہ مکرمہ میں ٹھیرنا پڑ گیا تو دوبارہ کرنا ضروری نہیں وہ پہلا ہی کافی ہے واجب ادا ہوگیا اَئمہ ثلاثہ کا یہ ہی مسلک ہے مگر امام شافعی کے نزدیک دوبارہ کرنا واجب ہے (مظہری) طوافِ نفل اگر شروع کرکے توڑ دیا کسی عذر سے یا بلا عذر تو پورے طواف کی قضا واجب ہے۔ کیونکہ ہر نفلی عبادت شروع کرنے سے پورا کرنا واجب ہوتا ہے۔ طوافِ قدوم اَئمہ ثلاثہ کے

marfat.com

نزدیک سنت ہے مگر امام مالک کے نزدیک واجب ہے، طواف زیارت سب کے
نزدیک فرض ہے، طواف وداع ائمہ ثلاثہ کے نزدیک واجب ہے مگر امام مالک کے
نزدیک سنت ہے۔ ذٰلِکَ۔ وہ ہی بیان ہے حج کا جو ابھی گزرا وہ ہی منشاء باری تعالیٰ
ہے۔ حج کے وہ سب کام تم ضرور کرو۔ چھوٹے ہوں یا بڑے فرض واجب سنت
مستحب ذٰلِکَ وہ حج و طواف نماز ہی مقصد تعمیر کعبہ ہے ذٰلِکَ، وہی حکم الٰہی ہے
ذٰلِکَ کا مشار الیہ پوشیدہ ہے اس لئے حصر پیدا ہوا۔ خیال رہے کہ پانچ چیزیں
حصر پیدا کرتی ہیں ۱ عامل کو مؤخر کرنا ۲ معمول کو مقدم کرنا ۳ عامل یا معمول کی تکرار
۴ تاکید کرنے سے ۵ عامل یا معمول یا مشار الیہ کو پوشیدہ رکھنے سے۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ
حُرُمٰتِ اللّٰهِ۔ اے بند و قوانین ربانی اللہ تعالیٰ کی حُرمات ہیں۔ اور جو مسلمان
اللہ تعالیٰ کے حُرمات کی تعظیم کرے تو وہ بندہ بہت ہی اچھا سچا پیارا ہے اپنے
رب کی بارگاہ میں۔ تعظیم حرمات کے چھ معنی۔ پہلا یہ کہ تمام حکموں کو ذوق و شوق اور
دل و جان سے مان کر ان پر عمل کرنا، دوم یہ کہ تمام ممنوعہ چیزوں سے بچنا، حرام ہوں
یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی۔ مشکوک ہوں یا شبہ والی، حرم کعبہ میں ہر قسم کے شرک سے بچنا
کسی کو مکہ مکرمہ اور مسجد و کعبہ کے پاس طواف عبادت ذکر اللہ حج و عمرہ سے نہ روکنا
بے وضو بے غسل ننگے ہو کر طواف نہ کرنا یہ سب پابندیاں تعظیم حُرمت میں شامل سوم
یہ کہ اللہ تعالیٰ کی تمام چیزوں کا ادب کرنا بے ادبی نہ کرنا چہارم یہ کہ اے مسلمانو تم
صرف اللہ تعالیٰ کے اس قانون کو ماننا جاری کرنا جو قرآن و حدیث کی شریعت
بنائے عبادتی قانون ہوں یا عدالتی دکورٹ کچہری کے)، غیر اللہ کے قانون سے
عدالتیں بنانا کچہری سجانا بھی شرک ہے۔ قیامت میں اس کی سخت سزا ہے
کوئی وزیر مشیر جج و جسٹس نہ بچ سکے گا۔ پنجم یہ کہ شریعت، طریقت، کعبہ و مساجد
شعائر و مقابر مقامات و تبرکات کی توہین نہ کرنا نہ ہونے دینا۔ ششم یہ کہ اللہ تعالیٰ
اللہ رسول کی کسی بات کے مقابل اپنی عقل کو دخل نہ دینا، حُرمت کی دو قسمیں ہیں
۱ قابل عزت تمام اشیاء۔ وہ تقریباً تیرہ ہیں ۱ حرم مکہ مکرمہ ۲ حرم مدینہ منورہ
۳ بیت حرام کعبہ معظمہ ۴ ماہ حرام یعنی حج کے ڈھائی مہینے ۵ مسجد حرام ۶
مشعر حرام یعنی مزدلفہ کا پہاڑ جس پر کفار دسویں ذی الحجہ کی ساری رات آگ جلاتے باپ

marfat.com

دادوں کا ذکر کرتے فخریہ اشعار پڑھتے، اسلام نے ان بُری رسموں سے منع فرمایا اور ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا، جیسا کہ سورۃ بقرہ آیت ۱۹۸ میں ارشاد ہے فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۷ مسجد نبوی ۸ بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ ۹ کوہ صفا ۱۰ کوہ مروہ ۱۱ عرفات کا پورا میدان ۱۲ مزدلفہ کا پورا علاقہ ۱۳ منیٰ پورا۔ حُرمات کی دوسری قسم، شریعت کی تمام ممنوعہ چیزیں اور کام، مثلاً حج اور عمرے کی تمام ممنوعات حرم کی تمام ممنوعہ چیزیں۔ ان سے بچنا ہی تعظیم حُرمت ہے اور مسلمان کے لیے خیر ہے۔ یعنی باعث ثواب لائق تقویٰ قابل مرتبہ اور موجب قرب بارگاہ ہے وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ کتنے کرم ہیں اے انسانو تم پر تمہارے پروردگار کے کہ حج و زکوٰۃ و زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم کی روحانی غذاؤں قلب کی دواؤں کے علاوہ تمہاری جسمانی غذاؤں کے لیے بھی بے شمار نفعے۔ نعمتیں۔ فائدے عطا فرمائے وَاُحِلَّتْ اور حلال کئے گئے تمہارے لیے گھریلو چرندے چوپائے جن کی تعداد کا بیان سورۃ انعام کی آیت ۱۴۳ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ سے فرمایا گیا ۱ اونٹ مذکر، مؤنث ۲ گائے مذکر مؤنث ۳ بکری مذکر مؤنث ۴ اون والے چوپائے مذکر مؤنث، یہ آٹھ قسمیں ہوئیں، بھینس گائے میں شامل، اور اونی جانور کی تین قسمیں بھیڑ، دنبہ مینڈھا، اس طرح کل مذکر و مؤنث ملا کر چودہ قسم کے حلال گھریلو چوپائے بنتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تمام تا قیامت حلال فرما دیئے۔ کفار عرب اپنے بتوں کے نام پر کچھ جانور چھوڑتے تھے جن کے نام ۱ بحیرہ ۲ سائبہ ۳ وصیلہ ۴ حام تھا بحیرہ وہ اونٹنی جو پانچ بار بچہ جنتی پانچویں بار نر بچہ جنم دیتی تو اُس کا کان چیر کر بتوں کے نام مندر پر چڑھا دی جاتی وہ پھرتی چرتی رہتی اس کا گوشت حرام اور اس کا دودھ صرف مندر کے راہب (پنڈت) کے لیے ہوتا، سائبہ وہ اونٹنی جس کی منت مان لی جاتی کہ اگر فلاں کام ہو گیا تو یہ اونٹنی بتوں کو چڑھا دی ہے جب کام ہو جاتا تو بت کے نام پر آزاد چھوڑ دی جاتی یہ بھی کھانا حرام سمجھی جاتی اور دودھ صرف پنڈت پروہت کے لیے اس کو ہندو۔ بچار کہتے ہیں ہندوستان میں ہندو بھی بڑے بڑے قد آور بیل بچار کر کے چھوڑتے ہیں جو آزاد پھرتے ہیں ہندو کا فر ہر شخص اس کی عزت کرتا

marfat.com

ہے اس کو کھانا دانہ کھلانا ہے اس کو ذبح کرنا گوشت کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ وصیلہ وہ بکری جو سات بار بچہ جنے اور ساتویں بار اگر نر مادہ جوڑے کو جنم دے تو کان پر چیرا لگا کر بتوں کے نام پر مندر میں چڑھا وا کر دی جاتی تھی۔ حام وہ اونٹ جو گیارہ بار اونٹنیوں کو حمل کرے اس کو بھی بتوں کے نام پر چڑھاوا کر دیا جاتا۔ کفار کا عقیدہ ہے کہ بتوں کے نام کا جانور کھانا حرام ہے۔ اسلام نے اس بد عقیدگی کی بھی تردید فرمائی کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شخص کسی چیز کو حرام نہیں کر سکتا۔ لہٰذا مسلمانوں کے لیے یہ جانور بھی حلال فرمائے گئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرو اور کھاؤ۔ چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت ۱۰۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے کسی جانور کو بحیرہ سائبہ وصیلہ اور حام نہیں بنایا یہ سب بھی اے مسلمانوں اُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ میں شامل ہیں خیال رہے کہ اَنعام گھریلو چوپایوں کو کہا جاتا ہے۔ اس کی دو قسمیں ۱ ماکولات ۲ مرکوبات ماکولات کو بَهِيْمَہ کہا جاتا ہے۔ جنگلی چوپایوں کی بھی دو قسمیں ۱ چرندے ۲ درندے چرندے حلال ہیں اُن کو صید اور شکاریات بھی کہا جاتا ہے۔ مثلاً ہرن، نیل گائے جنگلی بھینس جنگلی اونٹ یعنی زرافہ، وغیرہ، پرندے سب جنگلی، اور چگندے سب گھریلو سوائے شتر مرغ کے پرندوں کی بھی دو قسمیں ۱ چگندے (چگنے والے) ۲ درندے شکاری، چگندے سب حلال درندے سب حرام، اے مسلمانو تم پر سب اَنعام جانوروں کا گوشت کھانا حلال ہے وہابی، یہودی، عیسائی، مشرکین کے حرام حرام کہنے سے کچھ حرام نہیں ہوتا ہاں اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ۔ مگر اے مسلمانو تم پر صرف وہ ہی جانور کھانا حرام ہیں جو قرآنِ مجید اور حدیث پاک میں عبارۃً، دلالۃً، اِقتضاءً، اشارۃً تلاوت کر دئے گئے۔ چنانچہ سورۃ نحل کی آیت ۱۱۵، اور سورۃ اَنعام کی آیت ۱۴۵ میں کچھ اختصار سے اور سورۃ مائدہ کی آیت ۳ میں ذرا تفصیل سے ارشاد فرمایا گیا حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ۔ ترجمہ اور حرام کئے گئے ہیں اے مسلمانو تم پر مُردار، اور بہکر نکلنے والا خون اور خنزیر اور وہ حلال جانور جو غیر اللہ

marfat.com

کے نام پر (بغیر بسم اللہ اور تکبیر پڑھے) ذبح کر دیا جائے اور گلا گھٹ کر مرنے والا، خواہ کوئی انسان گلا گھونٹے یا کوئی درندہ یا دھوئیں سے یا پانی سے یا بیماری سے گلا گھٹ جائے اور مر جائے اور لاٹھی، گولی، غلے سے مرنے والا اور پہاڑی وغیرہ سے گر کر مرنے والا اور کسی بڑے جانور کے سینگ سے مرنے والا اور وہ حلال جانور جس کو کسی گھر بلو یا جنگلی درندے نے تھوڑا سا کھا لیا ہو لیکن اگر اس کو مرنے سے پہلے درندے سے چھڑا کر ذبح کر لیا تو وہ کھانا حلال ہے۔ اور وہ جانور جس کو مشرکین نے بتوں کے نام پر چھوڑا ہو اور بتوں کے نام پر کوئی بھی ذبح کرے حرام ہے۔ یہ دس قسم کے جانور اور چیزیں کھانا قرآن مجید میں رب تعالیٰ نے حرام فرمائیں۔ سورۃ انعام کی آیت ۱۴۳ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ نے دلالۃً بیان فرمایا کہ گھوڑا، خچر، گدھا، مذکر مؤنث کا گوشت دودھ مسلمانوں کو کھانا پینا حرام ہے اور اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ۔ میں شامل ہے۔ باقی حرام جانور وحشی، شکاری، درندے ہوائی اور بری بحری اور کیڑے مکوڑے حدیث نے بیان فرمائے۔ مثلاً شکاری میں گھر بلو کتا بلا۔ جنگلی میں درندے شیر چیتا، ریچھ بھیڑیا جنگلی کتا، گیدڑ، لومڑی وغیرہ، شکاری پرندے مثلاً باز، عقاب، شکرہ، چمگادڑ چیل کوا، الو۔ دریائی سب جانور حرام سوائے مچھلی کے، جھینگا ایک کیڑا ہے۔ مچھلی نہیں بعض جہلا اس کو مچھلی کہتے ہیں مگر یہ سب شیطانی جہالتیں ہیں جھینگا کھانا بھی حرام ہے، وحشی مثلاً ہاتھی، زیبرہ، بندر، بن مانس، لنگور وغیرہ، احرام باندھ کر شکار بھی اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ۔ میں شامل ہے مگر محرم کا شکار حلال، صرف غربا کھا سکتے ہیں نہ خود شکاری کھائے نہ کوئی امیر آدمی کیونکہ یہ شکار حج و عمرے کے ممنوعات میں سے ہے نہ کہ محرمات میں سے، ذبیحہ دو قسم کے ہیں ۱۔ نحر، گردن کی لمبائی میں رگوں کو کاٹنا یہ ذبیحہ صرف اونٹ اونٹنی میں ہوتا ہے ۲۔ عقر، گردن کی چوڑائی میں رگیں کاٹنا یہ ذبیحہ گائے بھینس بکری دنبہ مینڈھا اور تمام شہری، جنگلی حلال جانوروں چرندوں چگندوں، پرندوں میں ہوتا ہے۔ لہٰذا اے مسلمانوں اللہ رسول کی بتائی ہوئی حلال وَطیب چیزیں استعمال کرو فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ۔ اے بندو گندگی سے پرہیز کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چھ چیزوں سے پرہیز کرنے کا حکم فرمایا اول سورۃ زمر آیت ۱۷ میں اور سورۃ نحل آیت ۳۶ میں طاغوت سے دوم

marfat.com

سورۂ نسا آیت ۳۱ اور سورۂ شوریٰ آیت ۳۷ اور سورۂ نجم آیت ۳۲ میں گناہِ کبیرہ سے سوئم سورۂ حج میں یہیں آیت ۳۰ میں رِجْسْ سے، چہارم سورۂ حج اسی آیت ۳۰ میں قَوْلَ الزُّوْرِ سے۔ پنجم سورۂ حجرات آیت ۱۲ میں بدگمانی سے، ششم سورۂ مائدہ آیت ۹۰ میں عَمَلِ الشَّیْطٰنِ سے۔ یہ بچنا اس لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ذمے تین چیزوں کی حفاظت لگائی ہے۔ قالب کی قلب کی۔ روح کی اس حفاظت کے لیے تین چیزوں کا حکم دیا۔ غذا کھانے کا، علاج کرانے کا پرہیز کرنے کا۔ غذا بھی تین قسم کی ہوتی ہے، کھانے پینے۔ لگاتے کی۔ علاج بھی تین قسم کا، کھانے پینے، لگاتے کا اور پرہیز بھی تین قسم کا بچنے، ھٹنے، چھوڑنے کا، غذا، دوا، پرہیز، دنیوی بھی ہے اور دینی بھی، دنیوی غذا یعنی کھانا پینا، دنیوی دوا یعنی جڑی بوٹی دنیوی پرہیز، موذیات سے ھٹنا، زہریات سے بچنا، اور کمی زیادتی کو چھوڑنا۔ کیونکہ غذا اور دوا میں زیادتی کمی (افراط و تفریط) بیماری لاتی ہے۔ کمزوری بڑھاتی ہے، دینی غذائیں عبادات ہیں، دینی دوائیں تعظیمات ہیں، اور دینی پرہیز شرعی ممنوعات ہیں، چنانچہ غذاء روحانی کے لیے حکم ہوا وَاعْبُدُوا اللّٰہَ اللہ تعالیٰ کی خوب عبادت کرو (سورۂ نساء آیت ۳۶) دوا کے لیے ارشاد ہوا۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ (الخ) اور فرمایا گیا وَتُعَزِّرُوْہُ وَتُوَقِّرُوْہُ (سورۂ فتح آیت ۹) اور سورۂ اسریٰ آیت ۸۲ ارشاد ہے۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا ھُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَۃٌ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ۔ فاسق اور کافر انسان صرف اپنے بدن جسم قالب کی حفاظت میں لگا رہتا ہے، ساری زندگی تن سازی۔ پہلوانی، خوبصورتی اور فیشن پرستی میں گزار دیتا ہے، سردی گرمی بیماری میں صرف جسم کو بچاتا ہے۔ اور کافر اپنے کفر و شرک سے روح و قلب کو قتل کرتا ہے۔ رِجْسٌ مِّنَ الْاَوْثَانِ روح و قلب کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ اور فاسق اپنے فسق و گناہ سے قلب و روح کو بیمار و کمزور کرتا ہے تمام گناہ کبائر ہیں، اور کبائر رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ ہیں، لیکن مومن متقی قالب کی بھی حفاظت کرتا ہے اور قلب و روح کی بھی اس طرح کہ وہ اپنی دنیوی غذا دوا پرہیز شریعت حقیقت کے حکم سے کرتا ہے، اور دینی روحانی غذا، دوا پرہیز طریقت و معرفت کے حکم سے کرتا ہے دین و دنیا کو شریعت حقیقت اور طریقت معرفت کی حدودِ حرم میں رکھتا ہے۔

marfat.com

یہی مومن مخلص کی پہچان ہے۔ کیونکہ پرہیز اور اجتناب غذا میں ضروری ہے اور دوا میں بھی، بدپرہیزی سے نہ دوا کا فائدہ نہ غذا کا دینی دنیوی پرہیز تین قسم کے ہیں دنیوی پرہیز یہ کہ صحیح غذا میں زیادتی کمی سے بچنا مضر غذا سے ہٹنا، دوا میں زیادتی کمی سے بچنا غلط دواؤں سے ہٹنا، دینی پرہیز یہ کہ عبادات میں زیادتی کمی سے بچو۔ اور حرام مکروہ مشکوک، رجس، قولَ الزّور۔ طاغوت، کبائر، عملُ الشیطٰن سے ہٹے رہو گندی چیز چار قسم کی ہے ۱ وسخ یعنی میل کچیل ۲ قذر یعنی گھناؤنی چیز ۳ نجس ۴ رجس۔ ان چاروں میں فرق یہ ہے کہ میل کچیل عقلاً گندی چیز۔ قذر طبعاً گندی چیز ہے اگرچہ یہ دونوں پاک ہوں، جیسے بلغم تھوک وغیرہ، نجس شرعاً گندی چیز۔ ظاہری ذاتی بلیدی، اس کی آٹھ قسمیں ۱ غلیظہ ۲ خفیفہ ۳ حکمی ۴ حقیقی ۵ ذاتی ۶ صفاتی ۷ ~~حقیقی ۷ مجازی ۸~~ ۹ ذاتی ۱۰ صفاتی ۱۱ دائمی ۱۲ کلی ۱۳ جزئی ۱۴ عارضی ان کے نقصانات وسخ سے دل گھبراتا ہے، قذر سے جی متلاتا ہے۔ نجس سے عقل بگڑتی ہے۔ رجسِ اَوثان سے روح مُردہ ہوتی ہے اور رجس شیطٰن سے دل مُردہ ہوتا ہے، دنیوی وسخ میل کچیل، دنیوی قذر گھناؤنی اشیا دنیوی نجس ظاہری بلیدی دنیوی، رجس باطنی پلیدی، مگر دینی وسخ جھوٹ کذبیات، دینی قذر مکروہاتِ شریعت تحریمی ہوں یا تنزیہی، دینی نجس بدعقیدگی، گمراہی، دینی رجس کفر شرک بُت پرستی ہے۔ کفار کا عذابِ قبر حشر جہنم یہ رِجسٌ مِّنَ الْاَوْثَانُ ہے اور فساق کا عذابِ قبر، حشر جہنم رِجسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنُ۔ اسی لیے ارشاد ہوا۔ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ رِجسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ کا علاج سچی پکی توبہ کے الفاظ و اعمال اور ندامت کے آنسو ہیں۔ رِجسٌ مِّنَ الْاَوْثَانِ کا علاج، اللہ رسول پر اقرارِ زبانی و تصدیقِ قلبی کا ایمان اور حرمت اللہ کی تعظیم ہے اَوْثَان۔ جمع ہے وَثَنٌ کی وثن کی تین قسمیں ۱ صنم ۲ تمثال ۳ طاغوت۔ انسانی حیوانی شکل کے بنائے ہوئے لکڑی پتھر مٹی، دھات کی مورتی صنم ہے اور یہی نقش و شکل کپڑے، کاغذ پر بنائی یا کسی دھات و لکڑی پتھر پر کندہ کی گئی یا کشیدہ کاری قلمکاری، فوٹو گرافی سے تصویر بنائی گئی وہ تمثال ہے اور بغیر تراشے خراشے، پتھر، پہاڑ چٹان، درخت یا جانور کی پوجا کرنا، اور جھوٹا معبود بنا لینا یہ طاغوت ہے۔ بعض نے کہا کہ بغیر

marfat.com

شکل والے بُت ذہن ہیں، اور ٹھوس مجسم شکل، یا کپڑے کاغذ پر جاندار کی شکل بنانا صنم ہے
اور جس کی بھی کفار پوجا کریں وہ طاغوت ہیں خواہ اصل کی یا بناوٹی شکل کی یا تراش
خراش کی۔ مثلاً گائے بندر پیپل، کواکب، اور مورتی، اے لوگو تو تم ان تمام گندگیوں
سے بچو۔ وَ اجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ اور ہر جھوٹی بات سے بھی بچو۔ جھوٹ کی پانچ قسمیں
ہیں ۱ کِذب ۲ زُور ۳ بُہتان ۴ اِتہام ۵ اِفک، ان میں فرق یہ ہے جھوٹا
کلام کِذب ہے، جھوٹا کام زُور ہے، جھوٹی حقیقت کذب ہے (حقیقت سمجھ لینا)
جھوٹی عقیدت زُور ہے، حقیقت اصلیہ کے خلاف ہونا کِذب ہے عقیدتِ اصلیہ
کے خلاف ہونا زُور ہے۔ فسق کذب ہے کفر زُور ہے، شرک بہتان ہے۔ کفار
تلبیہ میں شرکیہ الفاظ کا زُور بولتے تھے۔ اور حج کے ذبیحوں کو بحیرہ سائبہ وصیلہ
حام کو، اور بعض انعام کو کھانا حرام سمجھتے تھے یہ ان کا کذب تھا اور کہتے تھے کہ
ننگے طواف کرنا اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ یہ اُن کا بُہتان تھا، اصطلاح میں کسی مرد پر
کوئی الزام لگانا بہتان ہے، اور کسی عورت پر کوئی الزام لگانا اِفک ہے، زُور کا
لُغوی معنیٰ ہے منحرف ہونا، کروٹ بدلنا، چنانچہ سورۃ کہف آیت ۱۷ میں ہے
وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ۔ یعنی اے محبوب آپ
یہ تو دیکھتے ہی ہو کہ جب بھی کسی بھی موسم میں سورج طلوع ہوا تو منحرف ہو جاتا ہے ان
کے غار سے اس طرح کہ ہٹ کر گزرتا ہے۔ مگر یہاں زُور سے مراد ہے حق وسچ
سے اِنحراف کرنا، اور کذب کا معنیٰ باطل میں اِنہماک کرنا، بہتان کا معنیٰ ہے، جانتے
ہوئے کسی کے متعلق غلط اور حقیقت کے خلاف بات کرنی اسی لیے تمام کفریہ شرکیہ
اقوال بہتان ہیں اور کفریہ اعمال زُور ہیں۔ اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال
ثُمَّ لْيَقْضُوْا کے معنیٰ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اِس کا معنیٰ ہے اپنے بدن
کی صفائی کریں، یہی قول درست ہے ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ ارکانِ حج
ادا کریں۔ مگر یہ قول غلط ہے۔ ثُمَّ کے خلاف ہے کیونکہ ارکانِ حج تو آٹھویں
ذی الحج سے شروع ہو چکے ہیں۔ اِن آیتوں میں تین امر ارشاد ہوئے پہلا ثُمَّ
لْيَقْضُوْا۔ دوم۔ وَلْيُوْفُوْا۔ سوم۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا۔ اِن تینوں کی قرأت میں دو قول ہیں ۱
بعض کی قرأت میں ثُمَّ اور واؤ، ہر ایک اپنے اپنے لام سے مجزوم ہے، اور لام

marfat.com

امر ساکن ہے، یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا یہ سب جدا ہیں اور لام امر متحرک مکسور ہے تَفَثَهُمْ. میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنی ہے میل کچیل بال ناخن یہی قول درست ہے، حرفِ ثُمَّ کی وجہ سے ۲ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اپنے ارکانِ حج، یہ قول غلط ہے وَلْيُوفُوا۔ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے ادا کریں ۲ اور بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے پورا کریں نُذُوْرَهُمْ میں دو قول بعض نے کہا اس کا معنی ہے واجباتِ حج ۲ بعض نے کہا اس کا معنی ہے۔ کوئی مانی ہوئی مَنّت دونوں باتیں ٹھیک ہیں کیونکہ دونوں چیزیں واجب ہیں اور سب کا پورا کرنا لازم ہے۔ وَلْيَطَّوَّفُوا۔ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ طوافِ زیارت کرو ۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے کہ ہر طواف فرضی، واجبی۔ نفلی، سنّت، صرف کعبۂ معظمہ کا ہی کرو، دونوں قول درست ہیں بَيْتِ عَتِيْقِ کے معنی میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس کا معنی زمین پر سب سے پہلا گھر۔ بہت پرانا ۲ بعض نے کہا اس کا معنی ہر شخص کی ملکیت، تسلّط حملے و غلبے سے آزاد ۳ بعض نے لکھا کہ عتیق کا معنی ہے متبرک مکرّم مبارک ذَالِكَ کی ترکیب نحوی میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ پوشیدہ خبر کا مبتدا ہے اور مرفوع ہے۔ اصل عبارت یہ ہے۔ ذَالِكَ مَقْصُوْدُهٗ ۲ بعض نے کہا یہ خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی اور مرفوع ہے۔ اصل عبارت یہ ہے اَلْحَجُّ ذَالِكَ ۳ بعض نے کہا یہ فعلِ پوشیدہ کا مفعول بہٖ ہے اور منصوب ہے اصل عبارت اِس طرح اِفْعَلُوْا ذَالِكَ۔ اور مشار الیہ ارکانِ حج ہے، حُرُمٰتِ اللہ میں دو قول ۱ بعض نے کہا حُرُمٰت کا معنی ہے قابلِ احترام چیزیں۔ یعنی اَدب کے لائق ۲ بعض نے کہا حُرُمٰت کا معنی ہے حرام کردہ چیزیں اور تعظیم سے مراد یہ کہ اُن سے بچو۔ اِلَّا میں دو قول۔ بعض نے کہا کہ یہ استثنا منفصل ہے اور تمام حرام جانوروں حرام چیزوں کا استثنا ہو رہا ہے، یعنی تمام شکاری درندے پرندے اور وحشی و گھریلو چوپائے اور بہتا خون وغیرہ جو قرآن و حدیث نے بیان فرمائے سب حرام ہیں ۲ بعض نے فرمایا یہ استثنیٰ متصل ہے۔ اور یہاں صرف حرام چوپائے (جو درندے) مراد ہیں مثلاً مُردار کی پانچوں قسمیں اور خنزیر۔ کُتا بلا ہاتھی، گینڈا، بندر وغیرہ کیونکہ اَنعام صرف چوپایوں کو کہا جاتا ہے ان میں کچھ حلال

marfat.com

کچھ حرام۔ حلال کا ذکر اُحلّت میں کیا گیا، حرام کا یہاں استثنا ہو گیا۔ اور بذریعہ استثنا اُحلّت سے نکال دئے گئے۔ مگر پہلا قول درست ہے یُتلیٰ میں دو قول ہیں ۱ دیوبندی وہابی اور شیعہ حضرات کہتے ہیں کہ اس سے مراد صرف قرآن مجید ہے یعنی قرآن مجید نے جو جانور ذکر فرمائے۔ ۲ علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ اس سے مراد قرآن مجید اور حدیث پاک دونوں ہیں، تلاوت کا لفظ عام ہے حدیث و قرآن کو۔ تلاوت کا لغوی ترجمہ ہے سمجھ کر پڑھنا یا سمجھنے سیکھنے کے لیے پڑھنا، اصطلاحی ترجمہ ہے مطلقاً پڑھنا، یہی قول درست ہے۔ قَوْلَ الزُّوْرِ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد ہر قسم کا جھوٹ اور غلط بیانی ہے، قولی، عملی، عمدی، نسیانی، جہلی، عنبیدۃً، یا عادۃً یا شہادۃً، یا بہتاناً اتہاماً۔ اُفکاً۔ طوعاً کرھاً، مجبوراً، یا مرضی سے ہر جگہ تا قیامت اجتناب اور پرہیز کا حکم ہے ۲ بعض نے کہا اس سے مراد کافرانہ عملی قولی وہ جھوٹ ہیں جو دورانِ حج کفار بولتے بکتے تھے اور فَاجْتَنِبُوْا میں خطاب فقط اس وقت کے مسلمانوں سے ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔

فائدے

ان آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اللہ تعالیٰ کی تمام منتخب چیزوں اور مقرر کردہ احکام و ممنوعات قانون کا احترام و تعظیم اور ادب عبادات کی اصل اور قلب و روح کی دوا و شفا ہے اسی ادب سے ہی تمام عبادات مقبول بارگاہ ہوتی ہیں اگر ادب و تعظیم نہیں تو تمام عباداتِ صحیحہ بھی مردود و ناپسندیدہ ہیں یہ فائدہ وَمَنْ یُّعَظِّمْ حُرُمٰتِ اللّٰہِ (الخ) سے حاصل ہوا، جس میں بتایا گیا کہ بندہ کتنی ہی عبادت، عبادت میں ریاضت اور ریاضت میں مشقت کو سجدہ رکوع کرے مگر خیر اور باعث ثواب اور لائقِ جنت نہیں، عمل باعث ثواب اور عامل لائق جنت تب بنے گا جب حُرُمٰتِ اللہ کی تعظیم کرے گا۔ دوسرا فائدہ کسی چیز کو حرام و حلال کرنا صرف اللہ رسول کا کام ہے۔ جو سب کچھ قرآن و حدیث میں ذکر ہو چکا اور فقہاء ائمہ اربعہ نے استنباط کر کے واضح اور ظاہر فرما دیا اب نہ کسی کے اجتہاد کی ضرورت نہ کسی کے حلال کرنے سے کچھ حلال ہو سکے نہ کسی کے کچھ حرام کرنے سے کوئی چیز حرام ہو سکے یہ فائدہ اِلَّا مَا یُتْلٰی عَلَیْکُمْ (الخ) کے استثنا اور آیت کی تفسیری تفصیل سے حاصل ہوا۔ کفار نے

marfat.com

بحیرہ سائبہ وصیلہ حام کو حرام کہنا شروع کر دیا ھندؤں نے گائے اور چھوڑے ہوئے بجار کو حرام کہنا شروع کر دیا، یہودیوں، عیسائیوں نے اونٹ کا گوشت اور ہر جانور کی چربی کو حرام کر لیا۔ شیعوں نے خرگوش مؤنث کو حرام سمجھ لیا، دہابیوں نے گیارھویں شریف کا بکرا حرام کر لیا، اور ختم شریف کے دیگر تبرکات کو حرام حرام کہنا شروع کر دیا یہ سب باطل خرافات، لغو نظریات اور گمراہی کے عقائد ہیں۔ اُحِلَّتۡ لَكُمُ الۡاَنۡعَامُ فرما کر تا قیامت اِن سب کی تردید فرمائی جا رہی ہے۔ اور ان حنفا کی حماقت ظاہر کی جا رہی ہے۔ تیسرا فائدہ۔ شریعتِ اسلام میں مَیۡتَۃَ یعنی مُردار جانور صرف پانچ قسم کے ہیں ۱؎ مروضہ، جو جسمانی بیماری سے مرے اس میں بیمار مچھلی بھی شامل اس کو طافی کہتے ہیں یعنی مرکر پانی کے اوپر آجانیوالی ہر مروضہ مُردار کا کھانا حرام ہے ۲؎ مُنۡخَنِقَةُ ۳؎ موقوذہ ۴؎ مُتَرَدِّیَہ ۵؎ نَطِیۡحَۃَ، یہ فائدہ۔ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡكُمۡ کی اِشَارَۃُ النَّصِّ سے حاصل ہوا۔ اِن الفاظ نے دیگر اُن آیت و احادیث کی طرف اِشارہ فرما دیا جن میں تفصیل سے حرام جانوروں کا ذکر قرآن مجید کے بیان اور نبوتِ عظیم کی زبان سے تلاوت کیا گیا۔ غرضکہ مروضہ قدرتی میتہ ہیں اور باقی چار مُنۡخَنِقَہ وغیرہ سبی مَیۡتَۃَ ہیں۔

اَحکامُ القرآن | ان آیت مقدسہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ ائمہ اربعہ کا متفقہ مسئلہ ہے کہ قربانی کرنے کے بعد حاجی اپنے اِحرام سے کُھل جاتا ہے اِحرام سے کھلنے کے بعد وہ تمام کام حاجی کے لیے جائز ہو جاتے ہیں جو احرام کی وجہ سے منع ہو گئے تھے۔ مثلاً سر منڈانا، ناخن کاٹنا جسم کے ممنوعہ بال صاف کرنا، کپڑے لباس پہننا، سر ڈھکنا، سوائے بیوی سے ہم بستری کے وہ ابھی جائز نہ ہوا۔ وہ جائز ہوگا طوافِ زیارت کے بعد یہ مسئلہ ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا کی ثُمَّ حرفِ ترتیب سے مستنبط ہوا جب کہ پچھلی آیت میں ذبح کرنے کا ذکر ہوا۔ یعنی ذبحِ ھَدی سے پہلے کوئی حاجی قارن اور متمتع ہرگز ہرگز احرام نہیں کھول سکتا، آج کل جن ظالموں نے حجاج سے ذبیحے کے پیسے لوٹنا شروع کئے ہیں اور ذبح کا پتہ نہیں چلتا کہ یہ لٹیرے ظالم اُس حاجی کی طرف سے ذبح کرتے بھی ہیں یا نہیں، مگر وہ پیسے اور ذبیحے کی قیمت دیدینے والا حاجی فوراً اپنے اِحرام

marfat.com

سے کھل جاتا ہے اور بغیر ذبح اپنا حج خراب کر لیتا ہے کہ مال بھی گیا اور حج بھی، مولیٰ تعالیٰ اُن ظالموں سے بچائے۔ دوسرا مسئلہ۔ جھوٹی گواہی بھی شرک باللہ ہے کسی بھی عدالت یا کورٹ کچہری میں کسی کے خلاف ہو یا کسی کے حق میں، اس لیے کہ جھوٹی گواہی بھی ظلم ہے اور شرک بھی ظلم ہے۔ چنانچہ سورۂ لقمان آیت ۱۳ میں ارشاد ہے اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ اور حدیث مقدس میں ارشاد ہے۔ عَنْ اَيْمَنَ ابْنِ خُرَيْمٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ بَعْدَ صَلٰوةِ الْفَجْرِ خَطِيْبًا فَقَالَ اَيُّهَا النَّاسُ شَهَادَةُ الزُّوْرِ عُدِلَتْ بِالشِّرْكِ بِاللّٰهِ۔ ثَلَاثًا۔ ثُمَّ قَرَءَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ ترجمہ۔ ابن خریم فرماتے ہیں کہ ایک بار بعد نمازِ فجر آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا، اے لوگو جھوٹی گواہی دینا بھی شرک کفر کے برابر ہے یہ تین بار فرمایا اور یہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی کہ رب تعالیٰ نے قول زُور سے اجتناب کو بتوں کی گندگی سے اجتناب کے ساتھ برابر کیا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ ہر جھوٹے گواہ کو پانچ سزائیں دیا کرتے تھے ۱ پہلے اس کو چالیس کوڑے لگواتے ۲ پھر اس کا منہ کالا کرواتے ۳ پھر اس کو بازار میں پھراتے ۴ پھر اس کی لوگوں میں مشہوری اور لوگوں سے اُس کی ذلت کرواتے ۵ پھر اس کو قید میں ڈال دیتے اس وقت تک کے لیے! جب تک کہ سچی توبہ نہ کر لیتا۔ یہ مسئلہ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا آج کل کورٹ کچہری میں یہ بیماری عام ہے، کرائے کے گواہ مل جاتے ہیں بلکہ یہ روزگار بنا لیا گیا ہے اس پر کوئی حکومت گرفت نہیں کرتی کسی کو دل میں خوفِ خدا نہیں رہا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض۔ علم نحو کا یہ متفقہ قانون ہے کہ حرف ثُمَّ بھی ترتیب کے لیے اور حرف فَ بھی، فرق صرف تراخی وغیر تراخی کا ہے کہ ثُمَّ ترتیب مع تراخی اور حرف فَ ترتیب بلا تراخی اور حرف واؤ تابع عطفی کے لیے یہاں پہلے۔ ثُمَّ لْيَقْضُوْا فرمایا گیا، پھر وَلْيُوْفُوْا۔ پھر۔ وَلْيَطَّوَّفُوْا ہے پھر وَاُحِلَّتْ۔ ہے پھر فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ ہے پھر۔ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ فرمایا گیا، اس ذکری، ترتیب سے

marfat.com

ثابت ہو رہا ہے کہ یہ سب کام ترتیب وار کرنے چاہئیں۔ یعنی پہلے صفائی بدن پھر منتیں پوری کرنا پھر طواف کرنا، پھر اُحِلَّتْ سے ذبح کرنے کا اشارہ ملتا ہے، پھر اِجتنابِ رجس پھر اِجتنابِ قولِ الزُّور مگر یہ ترتیب نہ مفسرین نے بوضاحت سے بیان فرمائی نہ حدیث پاک نے نہ حقیقتاً ضروری ہے بلکہ منتوں کی ادائیگی دورانِ حج بحالتِ احرام بِیَقْضُوْا سے پہلے بھی ہو سکتی ہے اسی طرح ذبیحہ تو ہوتا ہی صفائی بدن سے پہلے ہے، اور بتوں سے یا قول زور سے بچنا تو زندگی میں ہر وقت ضروری ہے اوّل بھی آخر بھی تو پھر یہ ترتیبِ نحوی وَذِکری کیوں بیان فرمائی گئی؟ جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں، پہلا یہ کہ یہ ترتیب بالکل درست وضروری ہے کیونکہ یہاں جتنے بھی کام مذکور ہیں وہ حج کے دنوں میں ہی کرنے والے ہیں اور حج سے ہی متعلق ہیں۔ یہاں تک کہ منتیں بھی اور کفارے بھی وہ ہی مراد ہیں جو احرام سے کھل کر کرنے واجب ہیں اسی طرح رِجسُ الاَوْثَانِ اور قولَ الزُّور بھی وہ وہی مراد ہیں؛ جو اسلام سے پہلے کفار حج وَتلبیے میں بُت پرستی اور کذبیات کرتے تھے۔ اس لیے ترتیب ضروری ہے۔ حج کی ھَدیٰ ذبح کرنے سے پہلے کوئی بھی ذبیحہ جائز ہی نہیں ہے، دوسرا جواب یہ کہ حج کا بیان وَلْیَطَّوَّفُوْا۔ پر ختم ہو گیا وہاں تک ترتیب ضروری تھی ذٰالِكَ نے بھی بتایا ہے کہ وہ پہلے بیان کردہ کام حج تھا اور یُوْفُوْا نُذُوْرَھُمْ سے حج کے واجبات ہی مراد ہیں جو ذبیحۂ حج کے بعد احرام سے کھل کر کرنے ہیں اور طوافِ زیارت سے پہلے، لیکن اُحِلَّتْ لَکُمْ۔ یہ نیا اور علیحدہ تا زندگی کا حکم ہے نہ کہ فقط حج کے لیے اسی طرح اِجتناب کے احکام بھی عام زندگی کے احکام ہیں۔

دوسرا اعتراض مفسرین نے فرمایا کہ بیتِ عَتِیْق کا معنیٰ یہ ہے کہ کعبہ معظمہ پر تا قیامت کسی کا غلبہ تسلّط اور تخریب کاری کا حملہ وغلبہ نہیں ہو سکتا، تو پھر کیا وجہ کہ یزید نے کعبے پر حملہ کیا اور تھوڑا نقصان بھی کعبے کو پہنچا یا اسی طرح حجاج بن یوسف ثقفی نے بھی کعبے پر حملہ کیا اور کعبے کو کچھ نقصان پہنچا نیز احادیث میں آتا ہے کہ قریبِ قیامت ایک حبشی امیر جس کا نسب ذُوسویقتین ہوگا وہ کعبے کو شہید کر دے گا۔ یہ حملے غلبے تسلّط کیوں؟ اور پھر بیت عتیق کا کیا معنیٰ کیا جائے گا۔ جواب، حملہ، غلبہ اور تسلّط کا معنیٰ یہ ہے کہ کعبے کی دشمنِ

marfat.com

اور مخالفت میں کعبے پر حملہ کر کے کعبے کو اپنی تخریب کاری کا نشانہ بنائے، اس میں کوئی بد بخت کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا نہ کوئی ایسا حملہ غلبہ پاکر کعبہ معظمہ کو ڈھا سکے جیسا کہ اَبرَھہ کافر محض کعبے کی دشمنی میں لشکرِ ہاتھیان سپاھیان لے کر کعبے پاک کو شہید کرنے آیا مگر خود ہی مع ہاتھیوں سپاھیوں کے ابابیل پرندوں سے کعصفٍ مّاکولٍ ہو کر ہلاک ہوا، یزید پلید، اور حجّاج بن یوسف ثقفی کا حملہ کعبہ معظمہ پر نہ تھا بلکہ اُس فوج پر تھا جو اُس کی باغی ہو کر وہاں پوشیدہ ہو چکی تھی، مگر اُس کی اندھی آتش بازی اور پتھراؤ سے کعبہ معظّمہ کو بھی کچھ نقصان پہنچا، یزید تو ناکام ہو کر بھاگ گیا اُس کو درست کرنے کا موقعہ ہی نہ مِلا اور مر گیا مگر حجاج نے کامیابی کے بعد خود ہی کعبہ معظّمہ کو درست کرا دیا جلا ہوا دروازہ بدلوا دیا۔ اور حبشی ذوسویقتین کا واقعہ وہ بھی محض کعبے کی دشمنی میں نہیں ہو گا۔ بلکہ اُس خزانے کے حصول کی لالچ میں ہو گا جس کے متعلّق مشہور ہے کہ صدیوں پرانا کوئی خزانہ کعبے کے نیچے دفن ہے۔ اس خزانے کو نکالنے یا لینے کے لیے وہ حبشی امیر و حاکم کعبے کو شہید کرے گا۔ نیز یہ حملہ بھی غلبہ یا تسلّط کا نہیں ہو گا بلکہ علاماتِ قیامت میں سے ایک نشانیِ قیامت ہے حبشی کی نیت صرف خزانہ نکالنا ہو گا جب اُس کو خزانہ مل جائے گا تو وہ لے کر چلا جائے گا مزید عمارتِ کعبہ نہ گرائیگا، اس گری ہوئی دیوار کو حضرت عیسٰی علیہ السّلام درست کروائیں گے۔ یہ جواب اُس صورت میں ہے جب کہ بیت عتیق کا معنٰی غلبے حملے تسلّط سے آزاد ہونے والا کئے جائیں مگر بیتِ عتیق کے دو معنٰی اور بھی مفسّرین بیان فرماتے ہیں بعض نے کہا، اس کا معنٰی سب سے پہلا گھر بعض نے کہا محترم مکرّم گھر اس معنٰی کی صورت میں یہ اعتراض ہی نہیں پڑتا وَاللہُ وَرَسُولُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

ثُمَّ لْيَقْضُوا تَفَثَهُمْ وَلْيُوفُوا نُذُورَهُمْ وَلْيَطَّوَّفُوا بِالْبَيْتِ الْعَتِيقِ، ذَٰلِكَ، وَمَن يُعَظِّمْ حُرُمَاتِ اللَّهِ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهُ عِندَ رَبِّهِ۔ جب قلب و روحِ مومن عارف خزانۂ معرفت کا احرامِ ارادہ باندھ کر اعمالِ سلوک کا حج مکمل کر لیتا ہے تو احرامِ خلوت کو اتارنے کا حکم ملتا ہے کہ اے قلب و روح محبتِ الٰہی کے پانی سے غسلِ تطہیر کر کے غصّہ

marfat.com

باطنی کے چہرے غضبِ نفسانی کے ناخن فضولیاتِ دنیوی کے بیل، فُضلات کے کچیل اور شہواتِ لغویات کے بال مونڈ دو، لالچِ دنیا کے تمام خبائث دور کر دو پھر معانیِ اسرار و کمالاتِ ابرار کی وہ مَنّتیں پوری کرو جو منزلِ سلوک میں حُجّاجِ محبوبین کے سینۂ مدینہ فیضِ گنجینہ میں امانت رکھی گئی ہیں، اسی قضاءِ تفث اور ایفاءِ نذور میں تزکیۂ قلب و روح اور حصولِ معارف کا زیور ہے، پھر عارفینِ اسرار کو حکم دیا جاتا ہے کہ اب تم سیرِ ملک و ملکوت کا طواف زیارتِ کعبۂ انوار کرو۔ اور افاضۂ عرشِ اللہ المجید میں واپس لوٹو۔ ذَالِکَ، وُہی انوارِ قلب کا کعبہ ہے وہی مقصدِ ازلی ہے، جو بندۂ طالب نے اپنے عقلِ قلب سے ممنوعات و محذوراتِ شریعت کی تعظیم کی اس طرح کہ ذبیحۂ نفس کر کے تطہیرِ روحانی پائی اور مناسکِ فضائل و اجتنابِ خبائث کو حاصل کر لیا۔ فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ، تو وہ تجلیاتِ انوار کے حاصل ہونے صفاتِ حمیدہ سے متصف ہونے، ترقّیِ مقامات کی سعی میں مقصدِ قُربِ بارگاہ تک پہنچنے کے لیے بہت شان و آن عزّت و تکریم کی خیرِ ابدی ہے۔ اس کے رب کے پاس، ایسے باکمال بندوں کے لیے بشارتِ عظمٰی ہے کہ وَاُحِلَّتْ لَكُمُ الْاَنْعَامُ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ۔ اے قلب و روح اب تمہارے لیے نفوسِ سلیم کے اَخلاقِ حسنہ اعمالِ مُطمئنّہ کا نفع حلال و ظاہر کر دیا گیا ہے، اب اِحرامِ حرم کے پردوں کی خلوتِ طریقت سے نکل کر جلوتِ شریعت کے منٰی میں آجاؤ اور حقوقُ العباد کے عُمرے و حقوقُ اللہ کے حج کا قِران اور حقوقِ ذات کا تمتع حاصل کرو۔ کیونکہ حدودِ شریعت کے منٰی میں خواہشاتِ نفس کے اِنعام حلال کر دیئے گئے ہیں، ہاں اَلبتّہ حدودِ شریعت سے باہر جنگلاتِ ابلیسیہ میں تلاوت کر دی گئیں وہ ابدی حرام ہی رہیں گی۔ کیونکہ یہ قالبِ عارف کے لیے موذی جانور ہیں لہٰذا اِن گندگی کے بتوں سے بچو اور تاحیات بچنے رہنا، اِن لذّاتِ خواہشات، شہوات، شبہات کو معبودِ زندگی نہ سمجھ لینا نہ ان کی پرستش کرنا، اور زُخرفات، وھمیات، تخیّلات، جدلیات، اختلافات، مغالطات، مغروریات، لغویات کے قَوْلَ الزُّوْر سے بھی بچنا، اس لیے کہ یہ ہی ایمانیات کے زہر اور عقائدِ حقّانیہ کے قاتل ہیں، اخلاقیات کے ڈاکو ہیں (محی الدین ابن عربی) اہلِ دل لوگ

marfat.com

قافلۂ صبر کے امیر ہیں اُن کے پاس ہی کشادگی کی کنجی ہے اُن کو چاہئے کہ نہایت خوش دلی سے اس قافلۂ صبر کو حجِ عرفانی کے بیتِ عتیق تک لے آئیں۔ ابرار کا حج زیارتِ کعبہ ہے مگر اخیار کا حج گھر والے کی زیارت، کعبے کا حج کرنے والے جنت میں مگر کعبے والے کا حج کرنے والے عِنْدَ رَبِّهٖ کے مَقْعَدِ صِدْقٍ میں آتے ہیں لہٰذا جس خوش بخت نے اپنے وجودِ نیاز سے ہر قسم کا تفث اور وسخ اُتار دیا، اور ہر سمت سے اعراض و علیحدگی کر لی اس کا قبلہ ذاتِ حق اُس کا حرم صفاتِ حق، اُس کے کام کمالاتِ حق اُس کا وجود آیاتِ حق اور وہ خود باقی مخلوق کا قبلہ ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت آدم علیہ السّلام کو ان کو رب تعالیٰ نے عَلٰی صُوْرَتِهٖ پیدا فرمایا ان پر اپنی صفات کا حُسن اور اپنے مشاہدے کا نور ڈالدیا اور اُن کو اپنے جلال کا لباس پہنا دیا، اپنے جمال کی چادر اُڑھادی اس لیے وہ قبلۂ ملائکہ بن گئے اور عبد و معبود کے درمیان وسیلۂ حق، چونکہ ذاتِ احدیت کا سورج بیتِ محرم ہے اور حق سبحانہ کی طرف جانے کے لیے اسرارِ حرم کی حدود سے پہلے طریقت کا لباس احرام میقاتِ آستانۂ مرشد سے باندھنا پڑتا ہے اسی لیے ارشاد ہوتا ہے وَ لِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ۔ یعنی بیت میں بیتوتت (رات گزارنا) ہے اور بیت ہیں رات ہے اور رات میں ہی بندوں کے لیے تجلیِ انوار ہے۔ رات ہی مظہرِ غیب ہے۔ رات ہی میں قالبِ مومن پر نزولِ حق ہوتا ہے غیبِ ربانی، تجلیِ وحدانی کا مظہر، رحمتِ رحمانی کا منبع بیتِ عتیق ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے جب اہلِ زمین کے لیے صفتِ رحمت کی تجلی فرمائی تو پہلے وہ رحمت کعبۂ بیتِ عتیق پر نازل ہوئی اور کعبہ سرِ وحدت کا حق ہو گیا تب وہاں سے تقسیمِ رحمت ہوئی، اسی لیے احرام حج اور طواف حرم صرف کعبے کا ہوتا ہے اور کعبے کو تمام مکاناتِ ارضی و مقاماتِ فرشی سے افضل بنا دیا گیا۔ باقی تمام جگہ کے انوار یہیں سے مقتبس و منتخب ہوئے اسی کے طفیل بلدِ مکہ اُمُّ الْقُرٰی بن گیا۔ اسی کی شعاعوں سے حدودِ حرم مقرر ہوئیں۔ قالب مومن زمین ہے۔ نفسِ انسانی فجِ عمیق ہے اور قلبِ عارف بیتِ عتیق ہے۔ کیونکہ یہی مخزنِ صفاتِ قدیم ہے لہٰذا اے بندو۔ وَ لْيُوْفُوْا نُذُوْرَهُمْ۔ اپنی صدقِ طلب واردات صالحہ، نیاتِ خالصہ کے تمام دعدوں، عہدوں کی منتیں متوجہ الی اللہ ہو کر پوری کر دو۔ وَ لْيَطَّوَّفُوْا۔ اور ہر جانب سے ہٹ کر اسی کعبۂ تجلیاتِ مرکزِ صفاتیات

marfat.com

قلب ایمانیات کا طواف کرو، اُس کے ہی آس پاس رہو۔ کیونکہ، حرمِ معرفت کی حدودِ باطنی میں سالکین احرام کے لیے ذاتِ قدیم کا وہی بیتِ عتیق ہے۔ اور اُن وعدوں میں قولِ الزُّور سے بچتے رہو، ہر وہ بات جس کی دل میں گنجائش نہ ہو وہ قولِ زُور ہے وعدہ دل سے ہوتا ہے اظہار زبان سے اور ایفا اَعضا سے جو شخص طلب صدق کا وعدہ کرے پھر پورا نہ کرے رِجْسَ مِنَ الْاَوْثَانُ ہے، وہی قولَ الزُّور ہے حج معرفت میں سب کے لیے منافع کثیر ہیں۔ قالب کے منافع قبولِ اطاعت، اعضاءِ قالب کے منافع ظہورِ آثار ہیں۔ یہ بھی شَعَآئِرُ اللہ میں سے ہیں۔ قلب کے منافع اِیفاءِ عہد ہے نفس کے منافع تبدیلی اَخلاق ہے کہ ذمیمہ رذیلہ وخبیثہ کو چھوڑ کر حسینہ وجمیلہ، طیّبہ اختیار کر لے۔ اللہ تعالیٰ ہی سب کو توفیق سعادت بخشنے والا ہے۔ (از تفسیر روح البیان)

حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۗ وَمَنْ يُّشْرِكْ

ایسی حالت وشان سے کہ ہر ایک سے علیحدہ ہونے والے ہو اللہ کے لیے نہ شرک کرنے والے ایک اللہ کے ہو کر کہ اُس کا ساجھی کسی کو نہ کرو۔ اور جو اللہ کا شریک

بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ

ہواُس کا۔ اور جو شرک کرے گا اللہ کا تو گویا یقیناً وہ گر پڑا بلندیوں کی طرف سے پھر چاہے جھپٹ لے جائے اُس کو

کرے وہ گویا گرا آسمان سے کہ پرندے اسے

الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ

کوئی پرندہ یا پھینک دے اس کو ہوا دور کہیں ویرانے میں

اسے اُچک لے جاتے ہیں یا ہوا اُسے کسی دور جگہ

سَحِيْقٍ ﴿۳۱﴾ ذٰلِكَ ۗ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ

غور میں رکھو اس کو۔ اور جو شخص تعظیم کرے اللہ کے نشانوں کی تو

پھینکتی ہے۔ بات یہ ہے کہ جو اللہ کے نشانوں کی تعظیم کرے

marfat.com

اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ ﴿۳۲﴾ لَكُمْ

بے شک یہ تعظیم سبب بننے والی ہے دلوں کے تقوے کی تمہارے لیے

تو یہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ تمہارے لیے

فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ

ان شعائر میں نفع حلال ہیں مقررہ مدت تک پھر اُس کا

چوپایوں میں فائدے ہیں ایک مقررہ میعاد تک، پھر

مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ ﴿۳۳﴾ ع

پہنچ جانا ہے دنیا کے پہلے پرانے گھر (کعبہ معظمہ) تک۔

ان کا پہنچنا ہے اُس آزاد گھر تک۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت سے کچھ اعمالِ حج کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں اُن اعمالِ صالحہ کے اندر خلوص و للہیت پیدا و ظاہر کرنے کا درس دیا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں۔ بتوں اور بتوں کی باطنی گندگی سے بچنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں اس کے وبال اور مصیبت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ بتوں کی پرستش اور اللہ تعالیٰ کا شریک بنانا گویا آسمان سے گر کر فنا و ہلاک ہونے کے مشابہ ہے۔ **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی محترم چیزوں کی عزت و تعظیم کرنے اور اُس کے خیر و بھلائی ہونے کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں ان دونوں باتوں کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے کہ حُرُمٰتُ اللّٰهِ شَعَآئِرُ اللّٰهِ ہیں اور خیر یہ ہے کہ اُس سے دل کا تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔

تفسیر نحوی حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ ۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ

marfat.com

ذٰلِكَ حُنَفَآءَ اسم جمع مکسر اس کا واحد حَنِیْفٌ ہے خیال رہے کہ حنیف بروزن فعیل کی جمع دو طرح ہوتی ہے اگر صفت مشبہ کا اشتقاقی (اسم فاعلی) معنیٰ مقصود ہو تو جمع مذکر سالم حنیفین یا حنیفون ہوگی لیکن اگر معنیٰ وصفی یا علمی مقصود ہوں تو جمع مکسر ہوتی ہے۔ مثلاً نبیٌّ کی نبیین بھی آتی ہے اور انبیاء بھی اسی طرح غریبٌ کی غریبین بھی غُرَبَا وغیرہ بھی یعنی اگر غریب سے مراد غربت والا ہے تو جمع غریبین ہوگی اور اگر غریب سے مراد محتاج فقیر ہے تو جمع غُرَبا ہوگی۔ یہ اگلی عبارت حال ہے سابقہ اِجْتَنِبُوْا کا یعنی بتوں کی گندگی پلیدی سے اور جھوٹے کفریہ اقوال سے بچو اس حالت وشان کے ہو کر یہ صفت مشبہ ہے حنفیۃ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پاکیزہ ایک طرف ہو کر ہر چیز سے علیحدہ ہو کر لِلّٰهِ جار مجرور متعلق ہے حُنَفَاءَ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر موصوف ہوا۔ ایک قول میں یہ ذوالحال ہے اگلی عبارت حال ہے ایک قول میں علیحدہ جملہ حال ماقبل کا وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ غَیْرَ مضاف ہے بمعنیٰ لا نافیہ مُشْرِكِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر باب افعال سے ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ بہ جار مجرور اس کا متعلق ہے یہ جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی صفت ہے حُنَفَآءَ کی یہ مرکب توصیفی حال ہے سابقہ اِجْتَنِبُوْا کے فاعل کا، واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصول شرطیہ یُّشْرِكْ باب افعال کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِشْرَاكٌ شِرْكٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ شریک بنانا برابر کرنا، سمجھنا یہاں مراد کفر کرنا باللّٰہ یہ جار مجرور متعلق ہے یُشْرِكْ کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع مَنْ ہے اُسی نے یُشْرِكْ کو جزم دیا۔ اصل میں یُشْرِكُ تھا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط فَ حرف جزا كَاَنَّمَا حرفِ مشبہ آخر میں مَا کافہ اس لیے یہ لغو ہو گیا یعنی عامل اسم وخبر نہ رہا اب حرف مشابہت کے لیے اس کا مشابہ لہٗ مُشرک ہے۔ اور مشابہ بہٖ مابعد خَرَّ کا جملہ ہے خَرَّ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب خَرٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ زور سے سنسناتے ہوئے گرنا۔ ایک دم گرنا کہ سنبھلنے کا موقعہ نہ ملے یا ہوش نہ رہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع مَنْ ہے مِنَ السَّمَآءِ یہ جار مجرور متعلق ہے خَرَّ کا۔ یہاں سَمَآءِ سے مراد بلندی ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بمعنیٰ ثُمَّ یعنی پھر بلاتراخی ترجمہ ہے فوراً بعد تَخْطَفُ باب فَتَحَ یا سَمِعَ سے فعل مضارع واحد مؤنث غائب مثبت معروف خَطْفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ ہوا میں سے گرتی چیز کو اُچک لینا یا جھپٹنا، جھپٹا مارنا، ہٗ ضمیر منصوب متصل کا مرجع مَنْ ہے اَلطَّیْرُ اسم معرف باللام (یعنی بمعہ مخصوصہ) مراد ہے بڑا شکاری پرندہ یہ فاعل ہے تَخْطَفُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف اختیاری نحوی باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف

marfat.com

واحد مؤنث غائب ھَوْیٌ سے مشتق ہے بمعنی تیز چلنا، چلانا۔ لازم بھی مستعمل ہے اور متعدی بھی یہاں متعدی ہے غالباً اردو میں ہوا کا نام یہیں سے لیا گیا ہے بِہٖ بِ جارہ متعدی کے لیے یہ جار مجرور متعلق ہے اَلرِّیْحُ اسم مفرد جامد اس کا جمع ہے رِیَاح، یہ فاعل ہے تَھْوِیْ کا فِیْ ظرفیہ مکانیہ مَکَانٍ اسم ظرف واحد مذکر اس کا مؤنث مَکَانَۃٌ ذی مؤنث لفظی موصوف سَحِیْقٍ۔ اسم صفت مشبہ اسم فاعل بابِ کَرُمَ سے برائے مبالغہ (زیادتی شدت) سُحْقٌ سے بمعنی دور ہوتا، مبالغہ سے معنی ہوا بہت ہی دور، یہاں ظرفیۃ کا معنیٰ ہے یعنی بہت دور جگہ، یہ صفت ہے مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے تَھْوِیْ کا اِلَیْہٖ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تَخْطَفُ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے گا تَھَا کے جملے پر سب عطف مل کر جزاء ہے مَنْ یُّشْرِکْ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا ذالِکَ اسم اشارہ بعیدی بحالتِ نصب، کیونکہ مفعول بہ ہے پوشیدہ اُبْصُرُوْا فعل امر کا بمعنی یا دیکھو یا غور کر لو ان سابقہ باتوں اور انجام کو یہ فعل با فاعل پوشیدہ اپنے اس ظاہر مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ایک قول یہ کہ ذالِکَ بحالت رفع ہے کیونکہ خبر ہے پوشیدہ مبتدا کی دراصل تھا۔ اَلْاَمْرُ ذَالِکَ۔ اعلیٰحضرت نے یہی ترجمہ اختیار فرمایا۔ یعنی بات یہ ہے، اور ذالِکَ کا تعلق مابعد سے قائم فرمایا ہے مگر ہماری ترکیب میں ذالِکَ کا تعلق ماقبل کلام سے ہے یعنی بات وہی ہے وہی ہوتی ہے جو مومن و مشرک کے بارے میں ابھی پہلے گزری۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰہِ فَاِنَّھَا مِنْ تَقْوَی الْقُلُوْبِ لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ثُمَّ مَحِلُّھَاۤ اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ۔ واؤ سر جملہ مَنْ شرطیہ یُعَظِّمْ بابِ تفعیل کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب مصدر ہے تعظیم عَظْمٌ سے بنا ہے بمعنی بڑا سمجھنا احترام و عزت کرنا ان کے حکم و لوازمات کا خیال رکھنا یہاں ہر معنی مناسب ہے اس کا فاعل پوشیدہ ہے شعائر اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد شَعِیْرَۃٌ ہے بروزن فَعِیْلَۃٌ یا شَعَارَۃٌ، شعیرۃ کے معنی ہیں نشان شَعَارَۃٌ کا معنیٰ ہے علامت حاصل کرنا نشان کے بارے میں علما کے آٹھ قول ہیں ۱۔ شعائر سے مراد اللہ کا دین ۲۔ عبادتِ الٰہی ۳۔ ہر وہ جگہ جہاں جانا اور کچھ کرنا عبادت بنا دیا گیا ہو ۴۔ حج ۵۔ مقاماتِ حج ۶۔ ہر ذبیحہ اور اس کی تعظیم یہ ہے کہ قیمتی اور خوبصورت جانور ذبح کیا جائے ۷۔ حج کے مہینے ۸۔ سال بھر کی عبادتیں فرضی، یہ مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ جار مجرور متعلق ہے یُعَظِّمْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے فَ جزائیہ اِنَّ حرفِ مشبہ ھَا ضمیر منصوب متصل اسم ہے اِنَّ کا اس کا مرجع تعظیم کا حاصل مصدر جامد تعظیم مِنْ جارہ زائدہ بیانیہ تقویٰ اسم حاصل مصدر جامد اس کا مادہ اشتقاق وَقْیٌ یا تَقْوٌ ہے۔ پہلا قول درست ہے بابِ افتعال میں آکر ہوا اِوْتِقَیٰ، واؤ کو ت کیا اور ت کا ت میں ادغام ہوا اِتَّقٰی اسم جامد بنانے کے لیے تَقْوِیَۃٌ بروزن تَفْعِلَۃٌ کا مصدر بنایا تخفیف کے لیے آخر کی بار ثقیلہ

marfat.com

تَ سے بدل گئی اور تَ مصدر بہ حذف ہوئی۔ تقویٰ ہوگیا بمعنیٰ حفاظت، پرہیزگاری مضاف ہے قُلُوْبٌ جمع مکسّر ہے قَلْبٌ کی بمعنیٰ دِل مضاف الیہ ہے تقویٰ کا یہ مرکّبِ اضافی مجرور ہوکر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل مسبّب یا واجدٌ کا یعنی تعظیم کرکے پانے والا ہے دِل کے تقوے کو یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر اِنَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہوکر جزا مَن یُعَظِّمْ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ لام حرفِ جر نفع کا چونکہ حرف جر کبھی ابتدا میں نہیں آتا اِس لیے قرینہ ہے کہ اس سے پہلے کوئی فعل یا حرف پوشیدہ ہے لَکُمْ جار مجرور متعلقِ اوّل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا فِیْ حرفِ جر ھَا ضمیر کا مرجع شعائر ہے یا تعظیم یا حج کے ارکان یا شعائر کی ایک چیز یعنی قربانی اور درست یہی ہے کیونکہ اگلی عبارت اسی کی تائید کر رہی ہے یہ جار مجرور متعلقِ دوم مَنَافِعُ اسم جمع منتهی الجموع اس کا واحد ہے مَنْفَعَةٌ یہ نائب فاعل مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا اِلٰی حرفِ جر انتہاءِ غایت کے لیے اَجَلٍ اسم مفرد جامد بمعنیٰ مدّت وقت موصوف ہے مُسَمًّی بابِ تفعیل کا اسم مفعول واحد مذکر سُمُوٌّ سے مشتق بمعنیٰ مقرر کیا ہوا وقت مدّت۔ منافع سے مراد ہے ھَدْیٌ کے جانور سے نفع حاصل کرنا ھَدِیْ سے پہلے یا مجبوری جس کی تفصیل تفسیرِ عالمانہ میں کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ مُسَمًّی صفت ہے اَجَلٍ کی دونوں مجرور ہوکر متعلقِ سوم ہے اَجَلٍ مسمًّی معطوف علیہ ہے ثُمَّ عاطفہ مَحِلٌّ اسم مصدر میمی حَلَّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے بمعنیٰ موجود ہونا پہنچ جانا یہاں دوسرے معنیٰ میں ہے ھَا ضمیر مرفوع متصل ہے عملاً، اور حکماً و لفظاً مجرور متصل ہے کیونکہ یہ فاعل مضاف الیہ اس کا مرجع شعائر، یا تعظیمات یا ھَدِیْ کا جانور اِلَی الْبَیْتِ الْعَتِیْقِ یہ مرکّب اضافی جار مجرور ہوکر متعلق ہے مصدر مضاف کا یہ مصدر اپنے فاعل مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہوکر معطوف ہے اَجَلٍ پر دونوں عطف مجرور ہوکر متعلقِ سوم مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اپنے نائب فاعل اور تینوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَیْرَ مُشْرِکِیْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّیْرُ اَوْ تَهْوِیْ بِهِ الرِّیْحُ فِیْ مَكَانٍ سَحِیْقٍ۔ ذٰلِكَ ق

اے بندو، ہر دینِ باطل ہر چاہتِ دنیا ہر خواہشِ نفسانی سے علیحدہ ہوکر بس اپنے رب تعالیٰ کے ہو جاؤ، ہر عبادت کو ریا۔ غرور اور فخر سے دور کرکے خالص کرلو، ہر گمراہی کے بجکر حق تعالیٰ کی راہِ مستقیم کی طرف میلانِ قلبی سے گامزن ہوکر مومن بنا ہی حُنَفَآءَ لِلّٰهِ ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے والے مشرکین نہ بنو۔ عبادت ریاضت، آس، اُمّید، شفا، دوا، حاجت، عادت میں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ سمجھو، کیونکہ جو بدبخت بدعقل کسی کو رب تعالیٰ کا شریک کرتا بناتا سمجھتا ہے۔ اُس کی ایسی حالت و ہلاکت ہوتی ہے گویا وہ آسمانِ بلندی سے سخت۔ تڑتڑاہٹ یا سرسراہٹ

marfat.com

یا پھڑ پھڑاہٹ یا تھر تھراہٹ کے ساتھ گر پڑا، شر شراہٹ کا معنی یہ کہ گرنے والا چیختا ہوا گرے سرسراہٹ کا معنی تیز گرنے کی آواز، پھڑ پھڑاہٹ کا معنی طوفانی ہواؤں کی آواز تھر تھراہٹ کا معنی اُلٹتا پلٹتا قلابازیاں کھاتا ہوا اس طرح گرے کہ کوئی ذرہ بھر روک یا سہارا کہیں نہ ملے، غرض کہ یہ چار نوعتیں ہیں اور پھر گرتے ہوئے کوئی شکاری پرندہ اس کو راستے میں ہی جھپٹ لے جو اُس کو نوچ نوچ کر ٹکڑے کر کے کھائے اور یقینی ابدی فنا کے پیٹ میں بھرے۔ یا ایسی وسوسوں کی ہوا اُس کو اُڑا کر کسی خوف و ذلت کی گہری بتھریلی گڑھے والی دلدلی زمین میں جا پھینکے۔ اس تشبیہی جملے میں سات چیزیں ذکر ہوئیں ۱۔ خَرَّ ۲۔ مِنَ السَّمَاءِ ۳۔ فَتَخْطَفُهُ ۴۔ الطَّيْرُ ۵۔ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ ۶۔ الرِّيْحُ ۷۔ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ یعنی شرک کرنے والا گویا گر پڑا وہ گرنے کی چار صورتیں ہوتی ہیں ۱۔ بہت زیادہ تیز پانی کو شر شراہٹ کی طرح ۲۔ تھوڑے جاری پانی کی طرح تھر تھراہٹ کی آواز سے ۳۔ ہلکی چلتی ہوا کی سرسراہٹ والی آواز کی طرح ۴۔ تیز طوفانی ہوا کی آندھی جیسی پھڑ پھڑاہٹ کی آواز سے۔ خَرَّ میں یہ سب معنی پائے جاتے ہیں اور خَرَّ فرما کر یہ بتایا جا رہا ہے کہ ایسا بے یار و مددگار ہو کر گرے کہ ذلیل و خوار ہو جائے کوئی بچانے، چھڑانے یا اٹھانے والا نہ ہو۔ دوم مِنَ السَّمَاءِ اس سے مراد اُس دینِ فطرت کی اوج بلندی ہے جو دین میں ہر انسان کو عالمِ ارواح سے ہی اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ کے جواب میں قَالُوْا بَلٰى کے اقرار سے ملی۔ اسی لیے۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ کی بشارۃِ نبوی عطا ہوئی یہ يُهَوِّدَانِهِ وَيُنَصِّرَانِهِ وَيُمَجِّسَانِهِ کا کفر شرک الحاد تو دنیا میں آکر ملتا ہے۔ سوم فَتَخْطَفُهُ سے مراد ورغلانا، وسوانا، پھنسانا، میٹھی زہریلی آوازوں سے دوست بنانا غفلت کی نیند سلانا، چہارم۔ الطَّيْرُ سے مراد برے ساتھی، بری محفلیں، صحبتِ بد، گمراہ کرنے والی کتابیں۔ پنجم۔ تَهْوِيْ بِهِ، خفیہ وسوسے نفسی وھمیات تَذَبْذُبْ، تَزَلْزُلْ کے شکوک و شبہات۔ بدعقیدگی کے تھپیڑے گمراہی کے۔ نظریات، ضد۔ تعصب کی ہوائیں۔ غرور بے دینی کی بلائیں افکارِ دہریت، ششم، الرِّيْحُ سے مراد شیطان نفسِ امارہ، ہفتم فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ اس سے مراد دنیا کی بے اطمینانی بے سکونی بے ثباتی، خوف و ڈر موت کی ذلت، قبر کا عذاب جہنم کی گہرائی ضلالت کی کھائی۔ ہلاکت کی گہرائی، اس تشبیہ سے مشرک دو قسم کے ہوئے۔ پہلی قسم افکارِ فاسدہ تعصب لاحقہ والے ایسے ضدی مشرکین کی توبہ کی کوئی اُمید نہیں ہوتی ان کا حال تَخْطَفُهُ الطَّيْرُ ہو جاتا ہے بری صحبتیں ان کی عقل و شعور قوت فہم و فراست کے ٹکڑے کر کے اپنی خواہشات کے پوٹوں میں بھر لیتی ہیں۔ اسی کو کہا جاتا ہے۔ یارِ بد بدتر بود از مارِ بد۔ بُرا یار بُرے سانپ سے زیادہ

marfat.com

مُرلہے۔ دوسری قسم کے شرکِ نفسانی اندرونی خبیہ وَسوسوں، شیطانی اُلجھنوں سے گمراہی کی گہرائی میں گرنے والے۔ اِس کی توبہ کی اُمید ہوتی ہے شاید یہ بچ جائے پہلی قسم کا مشرک مذبذب، اس کے اعضاءِ ایمانی ٹکڑے ٹکڑے ہو کر وحمیات کے غاروں، بُری صحبتوں کے پیٹوں میں فضلاتِ ابلیسی بن کر فنا کی فضاؤں میں بکھر گئے۔ بے علمی بے عقلی میں اُلجھ کر گئے۔ دوسری قسم کا مشرک دینِ باطل کی دَلدَل میں معتم ہوتا ہے، اور ثابت ہر ایمانِ حق بلندی کا آسمان ہے اور ہر کفر پستی کی سیحق خضیض ہے، سیحق کا لغوی معنیٰ ہے لمبا ہونا، حضرت اسحاق کا نام اسحاق اسی لیے رکھا گیا تھا کہ آپ بوقتِ ولادت عام مولود بچوں سے دگنا لمبے تھے، کھجور کے سیدھے اور لمبے درخت کو نخلِ سحوق کہتے ہیں۔ اے انسانو کان کھول کر ہوش سنبھال کر سُن لو کہ وہ انجام اٹل ہے، لہٰذا خبردار ہو کر دنیا میں شرک سے بچ جاؤ۔ وَمَنۡ يُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَى الۡقُلُوۡبِ لَكُمۡ فِيۡهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَاۤ اِلَى الۡبَيۡتِ الۡعَتِيۡقِ

اور وہ خوش قسمت بندہ جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرتا ہے اپنے عمل، قول، اقرار، پابندی اور استقامت خوش اسلوبی اور احسن طریقے پورا ادا کرکے ادب واحترام کرکے تو بے شک یہ تعظیم دلوں میں تقوٰی پیدا کر دیتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی چیزوں کو بڑا سمجھنا ہی دل کی گہرائیوں کا تقوا ہے شعائر اللہ ہر وہ چیز ہے جسکی تعظیم وحرمت کرنا اللہ تعالیٰ کی عبادت بن جائے شعائر جمع شعر کی اس کا لغوی ترجمہ ہے پہچان اور معرفت تو شعائر اللہ کا معنی ہوا کہ وہ چیز اور وہ شخصیات جن کو دیکھ کر رب تعالیٰ کی ذات صفات، قدرت کمال کی معرفت حاصل ہو، شعائر کا اصطلاحی معنیٰ ہے محبوب اور پسندیدہ اور ضروری اشیا و شخصیات، قرآن مجید اور متعدد احادیثِ مقدسات میں پانچ قسم کی چیزوں کو شعائر اللہ فرمایا گیا ہے۔ ۱ اعمال ۲ اوقات ۳ مقامات ۴ شخصیات ۵ اور اشیاء۔ اعمال مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، عمرہ و دیگر عبادات یا دکار۔ اوقات مثلاً ان عبادات کی شمسی ساعتیں قمری تاریخیں قمری مہینے، شمسی ایام۔ مقامات مثلاً کعبہ معظمہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، منیٰ دنیا بھر کی مسجدیں، صفا مروہ بیت المقدس، عرفات، چشمہ زمزم مزدلفہ، مزاراتِ اولیاء اللہ وصحابہ کرام، شخصیات، مثلاً، انبیا علیہم السلام، صلحا، علما، مجتہدین، اشیا مثلاً قرآنِ مجید، حدیث پاک حج کی ھَدی، بُدنہ، اور ذبیحہ جانور، آبِ زمزم کل تنتیس اِن تمام شعائر اللہ کی تعظیم جداگانہ ہے نماز کی تعظیم یہ ہے کہ ہر طرح پاکیزہ ہو کر با اطمینان خوش دلی سے مکمل وصحیح ادا کرنا، صیام کی تعظیم یہ کہ پابندی سے ادا کرنا مکروہات وممنوعات سے بچنا فحش کلامی۔ بدنگاہی سے بچنا۔ حج کی تعظیم یہ کہ خوفِ الٰہی کے ساتھ حاضری ارکان پوری ترتیب سے ممنوعات سے بچتا رہنا۔ اسی طرح عمرے کی۔ زکوٰۃ کی تعظیم یہ کہ پورے حساب سے ہر سال کے بعد مستحقین کو دینا، اوقاتِ عبادت کی تعظیم یہ ہے کہ ہر منٹ کا خیال رکھ کر مستحبات و قمتوں میں عبادت کرنا نہ پہلے جلد بازی سے

marfat.com

نہ بعد میں غفلت سازی سے۔ کعبے کی تعظیم یہ ہے کہ طواف، نماز سجدہ رکوع ہر طرح پاکیزہ ہو کر اُسی کی طرف کرنا، اُس کی طرف پیر نہ پھیلانا۔ حرم کی تعظیم یہ کہ ممنوعات سے بچو۔ نہ حیوانات کو ستاؤ نہ نباتات کو اکھیڑو مساجد کی تعظیم یہ ہے کہ ان کو پاکیزہ آباد اور مزین رکھو، خوشبو لاؤ بدبو سے بچاؤ۔ صفا مروہ کی تعظیم یہ کہ یادگار ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو مناتے ہوئے پاکیزہ ہو کر سعی کرو۔ پاکیزہ رکھو گندگی نہ پھیلاؤ وہاں رہائشی بستر نہ لگاؤ۔ مسجد نبوی اور بیت المقدس کی تعظیم یہ ہے کہ اس کی زیارت کرو اور خوب عبادت کرو۔ آبِ زمزم کی تعظیم یہ ہے کہ کوئیں کی حفاظت کرو پانی کھڑے ہو کر پیو اُس سے گندگی صاف نہ کرو نہ استنجا نہ جنابت، خوب جی بھر کر پیو۔ اُس کے پاس جانا اس میں جھانکنا اور اُس وقت دعائیں مانگنا یہ سب اُس کی تعظیم ہے منیٰ کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں حج کے واجبات ادا کرو کھیل تماشوں لغویات سے بچو۔ عرفات کی تعظیم، سارا دن، عبادت و دعاؤں، ذکرِ الٰہی نعتِ مصطفائی میں گزارنا، مزدلفہ کی تعظیم یہ ہے کہ مغرب کو عشا کے وقت پڑھو اور ساری رات ذکرِ الٰہی کرو صرف تہجد بنانے کے لیے تھوڑی دیر سونا، مشعر حرام کے پاس ذکر و تلاوت کرنا۔ مزارات کی تعظیم یہ ہے کہ وہاں جا کر تلاوت دعائیں وسیلے کی التجائیں، ایصالِ ثواب کی ادائیں اپنی بخشش کی فریادیں رب تعالیٰ سے کرنا وسیلہ صاحبِ مزار کا پکڑنا، محرمات و ممنوعاتِ شریعت سے بچنا۔ قبور کو بت نہ بنانا، ڈھول قوالی طبلہ سارنگی سے بچنا، سجدہ تعظیمی کو حرام سمجھنا یہ ہر شریعت میں حرام ہی رہا۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی تعظیم یہ ہے کہ خالق کا بندہ خلق کا آقا کہو انہیں، اور ان کے ہر قول کی اطاعت ہر فعل کی اتباع کرو۔ اس لیے کہ ان کی اطاعت متقی بناتی ہے اور ان کی اتباع محبوب اولیاءُ اللہ کی محبت، صُلحا کی نقل، علما کی تقلید یہ ہی اُن کی تعظیم ہے۔ قرآنِ مجید کی تعظیم یہ کہ اس کو سمجھنا، اس کی تلاوت اُس کی تعلیم۔ اس کا مکمل قانون نافذ کرنا، عوام اپنے جسم پر خواص اپنے معاشرے پر حکومت اپنے ملک پر نافذ کرے۔ قرآن کریم کا قولی، عملی ادب کرنا، بلند جگہ سب کے اوپر رکھنا نہ اس طرف پاؤں کرنا نہ پیٹھ۔ حدیث پاک کی تعظیم یہ ہے کہ اُس کو قرآن حکیم کی تفسیر سمجھنا۔ اُس کے سامنے اپنی عقلوں کو معدوم کر لینا۔ کیونکہ قرآن مجید محفوظ ہے اور حدیث پاک معصوم ہے اس کی طرف بھی پاؤں اور پیٹھ نہ کرنا۔ ادب سے ہر چیز کے اوپر رکھنا، کیونکہ کائنات میں قرآنِ مجید کے بعد حدیثِ پاک ہی کا درجہ ہے ہَدی کے جانور کی تعظیم یہ ہے کہ اُس کی دیکھ بھال حفاظت خوراک صحت عمر کا ہر طرح خیال رکھنا۔ بلا ضرورت اُس سے کوئی نفع نہ لینا، نہ ستاؤ نہ مارو، نہ بھگاؤ نہ تھکاؤ قیمتی اور خوب صورت خریدو، یہ تمام تعظیمات ہر مسلمان پر واجب ان کی خلاف ورزی گستاخی ہے اور گستاخی بے دینی ہے اور ہر بے دینی گمراہی

marfat.com

ہے۔ تعظیم سے تقویٰ، تقوے سے خشیت، خشیت سے مخافت، مخافت سے حکمت، حکمت سے ولایت ولایت سے محبوبیت حاصل ہوتی ہے۔ لَكُمْ فِيهَا مَنَافِعُ۔ اے تعظیم کرنے والو تمہارے لیے اِن تعظیماتِ شعائر اللہ میں دینی دنیوی، اُخروی بے شمار فائدے ہیں اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى۔ مقررہ مدت تک یعنی سفرِ حج کی ابتدا سے انتہا تک پھر یوم ترویجہ سے یوم افاضہ تک ھَدْی لینے سے اُس کے ذبح تک، پھر اے بندو تمہاری تمام زندگی سے موت تک، موت سے قبر تک، قبر سے حشر تک حشر سے پلصراط تک، پلصراط سے جنت تک ابدالآباد۔ مومن کو ہر جگہ اُس کی عادتِ تعظیم کی وجہ سے نفع ہی نفع ہے۔ بے ادب گستاخ کو نقصان ہی نقصان، سفرِ حج میں عبادات کے نفع، ایام تشریق میں (یوم ترویجہ سے یوم افاضہ تک) گناہوں سے بالکل پاک ہوجانے کے منافع ھدی کے جانور میں اُون، دودھ نسل، سواری گوشت، کھال وغیرہ کے خود استعمال کا دنیوی اور صدقہ کر دینے کا اُخروی منافع ادب کرنے والے کو تا عمر ہر عملِ صالحہ کے منافع، قبر میں راحت وروشنی کے فائدے۔ پلصراط پر ثوابِ عزت رفتارِ عظمت کے فائدے، جنت میں رضاءِ صمدی سلامِ ملکی کے منافع ثُمَّ مَحِلُّهَآ، پھر ان تمام شعائر کا اصل موقع، محل، مقام و مقصد اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيقِ خانہ کعبہ تک پہنچنا ہے یہ قربِ کعبہ ہر جگہ ہے نمازوں میں مسجدِ حرم ہے سعی میں صفا و مروہ، واجباتِ حج میں منیٰ میں ہے، فریضۂ حج میں پورا میدانِ عرفات مَحِلُّهَا ہے، واپسی میں مزدلفہ کا پورا میدان مَوقف ہے رمی میں جمرات میں ذبیحوں میں منیٰ کا مذبح و منحر ہے فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔ اَللّٰهُمَّ يَسِّرْ لِيْ قُرْبَ الْكَعْبَةِ وَوَفِّقْنِيْ لِطَوَافِ كعبه وَزِيَارَةِ كَعْبَةِ الْكَعْبَةِ۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ حُنَفَآءَ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ ہر باطل دین سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے علیحدہ ہو جانا فقط اسلام کو مانو۔ اور یہ خطاب تاقیامت ہر انسان سے ہے اور شرک سے ظاہری شرک مراد ہے ۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے ہر عبادت خالص کرو ریاکاری اور دکھلاوے سے پاک صاف، اور خطاب تاقیامت مسلمانوں سے ہے۔ اور شرک سے خفی مراد ہے۔ وَمَنْ يُّشْرِكْ کے مَنْ میں دو قول ۱۔ یہ شرطیہ ہے بمعنیٰ اگر کوئی شخص، اور مراد صرف مرتدین ہیں ۲۔ بعض نے کہا۔ یہ مَنْ موصولہ ہے بمعنیٰ جو شخص بھی اور مراد ہر کافر و مرتد ہے فَكَاَنَّمَا میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ تشبیہ مرکب ہے ایک ہی کافر شخص کی تین حالتیں بیان کی جا رہی ہیں۔ پہلی حالت اُس کا گرنا، دوسری اُس کا

marfat.com

نیست و نابود ہو جانا درستی کی کوئی اُمید نہیں سوم۔ اُس کا کسی گہرے اندھیرے غار میں چلے جانا جس میں بچ جانے درست ہو جانے کی کچھ امید ہوتی ہے ۲۔ بعض نے کہا یہ مسلمانوں کو مفرد وانفرادی تشبیہ سے سمجھایا جارہا ہے کہ ایمان آسمانِ بلندی ہے اگر کوئی مومن بن کر پھر مرتد ہو گیا کسی بھی قسم کے کفر میں شریک بن کر تو وہ گویا آسمانِ عزت سے گر گیا۔ اب کسی مرتد کی حالت تَخْطَفُہُ کی فنا سے ہوگی اور کسی حالت تَہْوِیْ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ کی ذلت آمیز ہلاکت سے ہوگی یہ قول درست ہے فَتَخْطَفُہُ کی قرأت میں چار قول ۱۔ یہ بابِ فتح کا مضارع معروف ہے یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے ۲۔ تَخْطَفُہُ بغیر فاءِ تعقیبیہ کے ہے ۳۔ فَتَّخَطَّفَہُ، ہے بابِ تفعل کا ماضی مطلق ۴۔ یہ فَتُخَطِّفُہُ ہے بابِ تفعیل کا فعل مضارع مؤنث اس کے معنی میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا خَطْفٌ کے معنی اُچک لینا پکڑ لینا ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے چیر پھاڑ کر ٹکڑے کر کے کھا لینا، لفظ۔ اَوْ۔ عاطفہ میں دو قول ۱۔ یہ تخییری ہے یعنی کافر مشرک کی حالت یا یہ ہوگی یا یہ ہوگی۔ نہ دونوں حالتیں ختم ہو سکیں نہ دونوں جمع اسی کو علم نحو میں مَانِعَۃُ الْخُلُوْ۔ اور مَانِعَۃُ الْجمع کہتے ہیں، یہاں مَانِعَۃُ الْخُلُوْ بھی ہے مَانِعَۃُ الْجَمْعِ بھی ۲۔ بعض نے کہا یہ اَوْ تنویعی ہے اور مَانِعَۃُ الْخُلُوْ ہے مَانِعَۃُ الْجمع نہیں یعنی تینوں حالتیں ختم نہیں۔ ہاں البتہ تینوں حالتیں ایک کافر میں جمع ہو سکتی ہیں اس طرح کہ پہلے وہ گرے پھر اُس کو راستے میں سے پرندے نے اُچک لیا پھر اس سے چھوٹ جائے اور کسی گہرے مکانِ سحیق میں گر پڑے پھر وہاں پرندہ نوچ پھاڑ کر کھائے۔ یا ایک ایک حالت ہو کہ یا یہ یا یہ مگر پہلا قول درست ہے اَلرِّیْحُ کی قرأت میں دو قول ۱۔ یہ الرِّیْحُ ہے جنس واحد ۲۔ یہ الرِّیَاحُ ہے۔ پہلی قرأت مشہور مکتوب ہے۔ مَکَانٍ سَحِیْقٍ میں تین قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے گہری جگہ۔ یعنی لغوی معنیٰ ہے اسی کو اکثریت نے ترجیح دی ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے پتھریلی زمین ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنی دلدلی زمین ہے تمام معنیٰ درست ہیں۔ کیونکہ کفر میں گہرائی بھی ہے اندھیرا بھی پتھر بھی دلدل بھی۔ کفریات بہت سے ہیں ذٰلِکَ کے مشار الیہ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا اس کا مشار الیہ ما قبل جملہ۔ فَکَاَنَّمَا خَرَّ ذا لخ ہے اور معنی یہ ہے کہ کافر و مرتد کا انجام وہی اٹل ہے کہ یا تَخْطَفُہُ یا تَہْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ کا ہلاکت خیز گرنا ۲۔ بعض نے کہا اس کا مشار الیہ لفظ اَمْرُ اللّٰہِ پوشیدہ ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے وَاَمْرُ اللّٰہِ ذٰلِکَ۔ یا ذٰلِکَ اَمْرُ اللّٰہِ۔ وَمَنْ یُّعَظِّمْ کے مَنْ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ مَنْ شرطیہ ہے ترجمہ ہے اگر کوئی ۲۔ بعض نے کہا یہ موصولہ ہے ترجمہ ہے۔ جو

marfat.com

کوئی، شَعَآئِرَ اللّٰہِ میں تین قول ہیں (۱) بعض نے کہا اس سے مراد ھَدِیُ کے جانور بُدنہ ہیں (۲) بعض نے کہا اس سے مراد تمام وہ ذبیحے جو اللہ کے لیے ذبح کئے جائیں مثلاً حج کی ھَدِیُ والے۔ اور عام قربانی والے، اور بچوں کے عقیقے والے اور منتوں کے صدقے والے جرائمِ حج کے کفارے والے مراد ہیں ہیں) (۳) بعض نے کہا اس سے مراد حج و عمرے کے اَفعال مراد ہیں، بعض نے کہا اس سے مراد تمام شعائر ہیں یعنی عبادات اوقات شخصیات، مقامات ذبیحات وغیرہ منقولہ غیر منقولہ تعظیم میں تین قول ہیں (۱) بعض نے کہا اس سے مراد اللہ کے ذبیحے جانور کی تعظیم مراد ہے یعنی قیمتی و خوب صورت خریدنا محبت و پیار سے دیکھ بھال کرنا، ذاتی نفع بلا ضرورت نہ لینا عقیدت سے ذبح کر دینا (۲) بعض نے کہا اس سے مراد عبادات کی تعظیم ہے۔ یعنی صحیح اور پاکیزگی و پابندی خوشدلی سے ادا کرنا (۳) بعض نے کہا اس سے مراد۔ مقامات و شخصیات کی تعظیم ہے۔ یعنی اُن کا ادب احترام کرنا۔ یہ قول درست ہے کیونکہ جامع مانع ہے۔ مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ کے مِنۡ میں تین قول (۱) مِنۡ ابتداءِ غایت کے لیے ہے۔ یعنی تعظیم سے ہی تقویٰ پیدا ہوتا ہے اصل تقویٰ دل سے ہے باقی تقوے اُس کی فرع ہیں دل کا تقویٰ سب سے بڑا اگر یہ نہیں تو کوئی بھی تقویٰ نہیں ملتا نہ عقل کا نہ جسم کا نہ اَعضا کا، اور قلبی تقویٰ صرف تعظیم و اَدب سے اگر تعظیم نہ ہو تو کسی عبادت سے کوئی تقویٰ نہیں ملتا (۲) بعض نے کہا یہ مِنۡ تعلیلیہ ہے اور معنیٰ ہے کہ تقویٰ ہو تو تعظیم ہوتی ہے، جس شخص میں تقوئے قلبی نہیں ہے وہ کسی شعائر اللہ کی تعظیم کر سکتا ہی نہیں ساری زندگی گستاخ و بے ادب ہی رہتا ہے اور تقوئے قلبی رب تعالیٰ کی عطا ہے جو کسی کسی خوش قسمت کو دیا جاتا ہے، تو پہلے قول میں تعظیم سے تقویٰ ملتا ہے اور دوسرے قول میں تقوے سے تعظیم کی توفیق ملتی ہے۔ پہلے میں تعظیم سبب ہے تقوے کا، تعظیم پہلے تقوئے قلبی بعد میں دوسرے قول میں تقوئے قلبی علت ہے تعظیم کی تقویٰ پہلے تعظیم بعد میں (۳) بعض نے کہا۔ یہ مِنۡ بعضیت کا ہے، یعنی تقویٰ قلبی کی بہت سی قسمیں ہیں جن میں سے ایک تعظیم بھی ہے لہٰذا پہلے قول میں عادتِ تعظیم ملی آستانۂ نبوت سے سینہ بسینہ اچھی صحبتوں سے اور تقویٰ ملا تعظیم سے دوسرے قول میں تقویٰ ملا عطاءِ ربانی سے اور تعظیم کی توفیق ملی تقویٰ سے تیسرے قول میں، تقویٰ درخت ہے تعظیم اُس کا پھل لَکُمۡ فِیۡہَا کی ھَا ضمیر میں تین قول (۱) بعض نے کہا اس کا مرجع شعائر اللہ یعنی تمام شعائر اللہ میں تمہارے لیے منافع ہیں (۲) بعض نے کہا اس کا مرجع ھَدِیٰ و قربانی کے جانور ہیں (۳) بعض نے کہا اس سے مراد حج و عمرے ہیں، مَنَافِع میں دو قول (۱) بعض نے کہا اس سے

marfat.com

دنیوی نفع مراد ہے۔ یعنی حج میں تجارت کے فائدے اور ھَدی کے جانوروں میں دودھ اون، سواری حصولِ نسل اور گوشت کے منافع ۲ بعض نے کہا اس سے اُخروی منافع مراد ہیں۔ یعنی حج، عمرے، قربانی کا ثواب اَجَلٍ میں تین قول ۱ اس سے ابتدا اور انتہاءِ ایامِ حج مراد ہے ۲ بعض نے کہا اس سے ھَدی کے ذبیحے کا وقت مراد ہے ۳ بعض نے کہا اس سے حج کے مقامات تک پہنچنا مراد ہے پہلے خانۂ کعبہ تک پھر منیٰ پھر عرفہ پھر مزدلفہ پھر مَنحر و مَذبحہ منیٰ پھر واپس حدودِ حرم میں مُسَمًّی میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد ذبیحہ جانوروں کا نام رکھنا ہے مثلاً ھَدیٔ قربانی، بُدْنَہ دمِ کفارہ، عقیقہ، اور ان پر نشانات لگانا۔ یا ہار ڈالنا۔ ۲ بعض نے کہا اس سے مراد ذبیحوں کو مذبحہ خانے تک پہنچانا منیٰ وغیرہ میں ۳ بعض نے کہا اس سے مراد موت کے بعد ثواب تک پہنچنا ہے مَحِلُّهَا میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ اسم ظرف ہے یعنی جگہ ۲ بعض نے کہا یہ مصدر میمی ہے بمعنیٰ واجب ہونا ۳ بعض نے کہا مَحل بمعنیٰ مقصد۔ یعنی مقصدِ حج و منشاءِ ذبیحہ اِلیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ انتہا کے لیے ہے بمعنیٰ تک ۲ بعض نے کہا یہ سمتیت کے لیے ہے بمعنیٰ طرف ۳ بعض نے کہا یہ قرب کے لیے ہے بمعنیٰ پاس پہلے قول میں معنیٰ ہے بیتِ عتیق یعنی کعبے تک، دوسرے قول میں اس کی طرف جانا، خواہ مسجد حرم ہو یا منیٰ عرفات مزدلفہ تیسرے قول میں کعبے کے پاس یعنی حدودِ حرم بیتِ عتیق میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد کعبہ معظمہ ۲ بعض نے کہا اس سے مراد پورا حرم شریف تین، تین میل تک چاروں طرف کعبہ معظمہ سے ۳ بعض نے کہا اس سے مراد پورا علاقۂ حج ہے۔ یعنی مکہ مکرمہ، منیٰ عرفات مزدلفہ۔

فائدے

ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** مومن کا تقویٰ دل میں ہوتا ہے منافق کا تقویٰ نفسِ امارہ میں۔ تقوے کی چار قسمیں ہیں پہلا تقویٰ قلبی پھر تقویٰ اعضاءِ ظاہری کا پھر اعضاءِ باطنی کا پھر تقوےٰ لسانی۔ تقوےٰ قلبی اولیاء اللہ کا اس کی تین علامتیں ۱ خشیتِ جمال ۲ ھیبتِ جلال ۳ خوفِ کمال، دوسرا تقویٰ عابدین زاہدین کا اس کی بھی تین علامتیں ۱ اطاعتِ اقوال ۲ اِتباعِ افعال ۳ اجتنابِ ممنوعات تیسرا تقویٰ عوام مومنین کا اس کی بھی تین نشانیاں ۱ عبادت میں غفلت ۲ ممنوعات میں بدپرہیزی ۳ اطاعت کے قریب اتباع سے دور چوتھا تقویٰ منافقین کا اس کی بھی تین نشانیاں ۱ زبان پر خشیت ۲ دل میں بناوٹ ۳ عقل میں مکاری کر ذِیَابٌ فِی ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی۔ پہلا تقویٰ، حقیقی، صادق، کامل، دوسرا، مجازی، صادق، کامل، تیسرا عارضی، صادق ناقص، چوتھا، ناقص کاذب، خادع۔ یہ تقسیم فائدہ، تقوی القلوب کی اضافۃ خصوصیہ سے

marfat.com

حاصل ہوا۔ ان میں سے تقوائے قلبی سب سے بڑا اور اہم و مقبولِ بارگاہ ہے مولیٰ تعالیٰ مجھے بھی نصیب ہو۔ **دوسرا فائدہ** کافر بھی جانوروں سے محبت کرتا ہے اور مشرک بھی مومن بھی مگر فرق یہ ہے کہ کافر کی محبت تغفّل ہے مشرک کی محبت تعبّد ہے لیکن مومن کی محبت تحفّظ ہے تغفّل یہ ہے کہ جانوروں کی محبت میں نہ حرام کی پرواہ رہے نہ پاکی پلیدی کی نہ دین کی نہ شریعت کی محبت میں دیوانہ ہو جانا جیسے یہود و نصاریٰ کتوں کی محبت میں۔ تعبّد یہ کہ جانور کو معبود سمجھ لینا جانور کی پوجا کرنے لگ جانا جیسے ھندو کی محبت گائے بندر چوہے سے سانپ، بچار سانڈھ سے لیکن مومن کی جانور سے محبت صرف یہ ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور جاندار سمجھ کر اُس کی دیکھ بھال تحفظ رحم دلی ہمدردی کرے۔ یہ فائدہ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ الخ فرمانے سے حاصل ہوا کہ مسلمانوں کو ھدیٰ قربانی اور بدنہ کی تعظیم کا حکم ہوا مگر دیکھ بھال تحفّظ کی حد تک اس کو بزرگ نہ سمجھ لو بلکہ بوقتِ ضرورت اس سے ہر طرح کا نفع حاصل کرو اور پھر اجلِ مسمّٰی آئے تو اپنے رب تعالیٰ کے نام پر اُس کو ذبح کر ڈالو گوشت کھا لو، مشرکین کی طرح جانور سے دل نہ لگاؤ۔ اُشۡرِبُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِھِمُ الۡعِجۡلَ کی مثل نہ بن جاؤ۔ سواری بھی کر سکتے ہو چلانے کے لیئے مار بھی سکتے ہو اُس کی کوھان میں زخم کر کے نشانِ خون بھی لگا سکتے ہو۔ یہ یُعَظِّمۡ کے خلاف نہ ہو گا **تیسرا فائدہ** اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عبادت اس کے محبوب بندوں اور پسندیدہ چیزوں کی تعظیم و ادب ہے۔ جس کے پاس تعظیم اور ادب کی دولت ہے اُس کو انعام بھی بڑا ملتا ہے تقوائے قلبی بڑا انعام ہے۔ اسی سے ولایتِ اکمل اور محبوبیتِ اقرب نصیب ہو جاتی ہے، بے ادبی سے گستاخی جنم لیتی ہے اور گستاخ کی کوئی عبادت قبول نہیں ہوتی تمام عبادتیں برباد ہو جاتی ہیں جیسے کہ ابلیس کی تمام عبادتیں مردود ہوئیں، مومن کو اطاعت سے تقوائے بدنی ملتا ہے اتباع سے تقوائے عقلی اور تعظیم شعائر اللہ سے تقوائے قلبی ملتا ہے۔ شعائر اللہ صرف محبوب بندے اور ان کی نسبت والی یادگار چیزیں ہیں۔ جیسے صفا اور مروہ حضرتِ ہاجرہ کی یادگار اور بدنہ قربانی حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کی یادگار یہ فائدہ فَاِنَّھَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ کی ف جزائیہ سے حاصل ہوا۔ یعنی اگر مومن تعظیمِ شعائر کرے گا تو اُس کو تقوائے قلبی کا انعام ہو گا۔

احکام القرآن ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ قربانی یا ھدی جانور خرید کر پھر بیچنا منع ہے کیونکہ اسی نیت سے خریدتے ہی وہ شعائر اللہ

marfat.com

بن جاتا ہے اور شَعَائِرِ اللہ کو بیچنا تعظیم شعائر اللہ کے خلاف ہے لہٰذا گناہ ہے شعائر اللہ ہونا مثل وقف ہے، جس طرح وقف لِلّٰہ کو تبدیل کرنا منع ہے اسی طرح تبدیلیِ شعائر اللہ بھی منع ہے۔ حَجَّۃِ الوِدَاع میں فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بہت ہی خوب صورت جانور بنیّتِ ھَدِی تین سو دینار کی انتہائی بھاری قیمت سے خریدا۔ پھر کچھ سوچکر بارگاہِ نبوی میں عرض کیا یارسول اللہ کیا میں اِس کو بیچ کر اس کی قیمت سے زیادہ جانور خرید کر ھَدِی کر سکتا ہوں آقائے دو عالم حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا نہیں اسی ایک کو ہی ھدی کرنا پڑے گا یہ مسئلہ ائمہ اَربعہ کے متفقہ مسلک ہیں۔ وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰہِ کے فرمانِ الٰہی اور اس مندرجہ بالاحدیث پاک کے فرمانِ نبوت سے مستنبط ہوا۔ دوسرا مسئلہ۔ ھَدِی اور قربانی کے جانور میں پانچ چیزیں اور پانچوں کے حکم شریعت میں مختلف ہیں ۱۔ خود جانور ۲۔ اس کی زندگی والے تمام منافع ۳۔ ذبح کے بعد اُس کی کھال ۴۔ اُس کے ساتھ خریدی ہوئی رسی یا زنجیر اور اُس کے لیے خریدا ہوا کوئی جُل یا کھانے کا توبڑا وغیرہ ۵۔ اُس کا گوشت، جانور کا شرعی حکم یہ ہے کہ خوبصورت اور قیمتی پوری شرعی عمر کا خرید و ایک دن بھی کم نہ ہو ادنی جانور مجبوراً چھ ماہ کا موٹا تازہ اونچا سال برابر لگنے والا خریدنا جائز ہے بلا مجبوری جائز نہیں یعنی اگر سال کے ملتے ہوں تو چھ ماہ کا جائز نہیں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اونٹ ذبح فرمائے سب ہی بہت خوبصورت پانچ سالہ اور موٹے تھے ایک اونٹ کی ناک میں سونے کی موٹی بالی تھی اس کو بھی عکرمہ بن ابوجہل سے خریدا، اس کو ذبح کر کے سب کچھ صدقہ فرما دیا یہ بالی والا اونٹ ابوجہل کا ذاتی تھا اون بال دودھ، نسل کا نفع بلاضرورت خود استعمال نہ کرے بلکہ صدقہ کر دو۔ ضرورۃً جائز ہے۔ اُونٹ یا گائے بیل بھینس مذکر مؤنث پر بلاضرورت سواری نہ کرو ضرورۃً جائز ذبح کے بعد اُس کی کھال رسی یا زنجیر جو اُس کے ساتھ ہی آئی ہو بلاضرورت استعمال نہ کرو بلکہ سب کچھ صدقہ غربا پر کر دو، ضرورۃً بعینہٖ وہی اشیا استعمال کرنی جائز لیکن اِن اشیا کی قیمت ہر حال میں غربا پر صدقہ ہی کرنا پڑے گا نہ خود استعمال کر سکتا ہے نہ مسجد نہ کسی ادارے نہ قبرستان ہسپتال نہ مدارس پر۔ اگر سخت ضرورت پڑ جائے تو غریب سے حیلہ شرعی کرانا پڑے گا۔ جیسے کہ زکوٰۃ اس کا پورا با دلائل بیان ہمارے فتاویٰ العطایا میں دیکھئے۔ ہاں البتہ اس کا گوشت ہر طرح کھا بھی سکتا ہے کھلا بھی اور بانٹ بھی خیرات بھی، حضرت عبد اللہ بن عمر کا یہی فتویٰ اور حکم ہے خود بھی قربانی و ھَدِی کی کھال جُل رسی وغیرہ غریب کو صدقہ فرما دیا کرتے تھے۔ امام اعظم رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کا یہ مسلک وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ

marfat.com

کی آیت اور مندرجہ بالا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اِس روایت سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ** امام اعظم فرماتے ہیں کہ قربانی اور ھدی کے جانور سے بلا ضرورت نفع لینا جائز نہیں۔ مثلاً بنیتِ قربانی یا ھدی جانور خریدا اور اُس کے بچہ پیدا ہوگیا تو وہ صدقہ کردے ایسے ہی اُس کا دودھ اون بھی صدقہ کر دے لیکن اگر قربانی والے کو خود ضرورت ہے تو خود استعمال کرنا جائز ہے بچے سے بچا ہوا دودھ خود پی لے۔ لیکن بیچ کر پیسہ خود استعمال نہیں کر سکتا وہ پیسہ خیرات کر دے سواری بھی بلا ضرورت نہیں کر سکتا، ضرورۃً کر سکتا ہے۔ لیکن ائمہ ثلاثہ، امام مالک امام حنبل، امام شافعی فرماتے ہیں، کہ ہر وقت ہر طرح نفع لینا سواری کرنا جائز ہے ضرورۃً بھی بلا ضرورت بھی یہ ائمہ اپنے قول پر دو دلیلیں پیش فرماتے ہیں۔ پہلی دلیل یہی آیت وَلَكُمْ مَنَافِعُ۔ یہ ارشاد مطلق ہے اور مطلق کی وجہ سے ہر قسم کا نفع ہر حالت میں لینا جائز ہوا ضرورۃً ہو یا نہ ہو۔ دوسری دلیل۔ حضرت جابر کی حدیث پاک۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ، رَأَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا يَسُوقُ بُدْنَةً جَهْرًا فَقَالَ اِرْكَبْ عَلَيْهِ۔ قَالَ هٰذَا هَدْىٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ وَيْلَكَ اِرْكَبْ عَلَيْهِ۔ ترجمہ حضرتِ جابرؓ نے فرمایا کہ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو ھدی کے بُدنہ اونٹ کو بڑی مشقت سے کھینچتے ہوئے لئے جا رہا تھا تو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو فرمایا اِس پر سوار ہو جا۔ اُس نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ یہ تو ھدی کا متبرک جانور ہے آپ نے جھڑکتے ہوئے فرمایا تیری خرابی ہو اس پر سوار ہو جا اور سوار ہو کر چلاتا ہے جا تب وہ سوار ہوگیا۔ ائمہ ثلاثہ اس سے دلیل لیتے ہیں کہ مطلقاً نفع لینا جائز ہے۔ امام اعظم کی دلیل یہی آیت ہے، رب تعالیٰ نے یہاں آیت ۳۲ میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم فرمایا اور تعظیم کی شان بنائی اور آگے آیت ۳۶ میں بُدنہ کو شعائر اللہ میں شامل فرمایا جس سے بدنہ کی تعظیم ہر مومن پر لازم ہوگی۔ جب بُدنہ جانور کو ھدی یا قربانی کے لیے خرید لیا تو شعائر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کی چیز بن گئی اور خریدار کی ملکیت ناقص ہوگئی۔ اب وہ اس کا نفع نہیں لے سکتا نہ بیچ کر قیمت کے منافع سے نہ کرائے پر دے کر نہ دودھ اُون بچہ بیچ کر۔ اب تو اُس کی تعظیم لازم ہے اور دنیوی نفع کمانا تعظیم کے خلاف ہے۔ امام فخر الدین رازی شافعی اور علامہ فیروز الدین قمی نیشاپوری نے اس حنفی دلیل کو کمزور بتایا ہے اور فرمایا کہ امام اعظم نے فرمایا کہ چونکہ بیچ نہیں سکتا کرائے پر نہیں دے سکتا لہٰذا ثابت ہوا کہ ملکیت تامہ ختم ہوگئی یہ بات درست نہیں کیونکہ بیچ نہ سکنا ملکیت کی نفی نہیں کرتا۔ دیکھو اُمِ وَلَد لونڈی کو مولیٰ بیچ نہیں سکتا مگر اُس کی

marfat.com

ملکیت قائم رہتی ہے اسی لیے مولیٰ اُم ولد سے ہر طرح کا نفع لے سکتا ہے ضرورۃً بھی بلا ضرورت بھی، اسی طرح ھدی وقربانی کے بدلنے میں ہے۔ میں کہتا ہوں کہ امام رازی اور علامہ قمی صاحب کی اپنی سوچ کمزور اور جلد بازی کا نتیجہ ہے۔ اُم ولد پر قیاس تو خفی دلیل کی قوت ہے کہ اُم ولد، وہ لونڈی ہوتی تھی جو مولیٰ کی اولاد کو جنم دے، اس لیے کہ ام ولد کی ملکیتِ تامہ بھی ختم ہو گئی اور مُدبّرہ کی بھی وہ اُم ولد بن کر یہ شعائر اللہ، نہ ام ولد بک سکے نہ میراث بن سکے بلکہ مولیٰ کے مرتے ہی خود بخود آزاد، ایسے ہی نہ مُدبّر بک سکے نہ کرائے پر دیا جا سکے، ائمہ ثلاثہ کی دونوں دلیلیں بھی نہایت کمزور اور غلط ہیں، کیونکہ ائمہ ثلاثہ کا استدلال حدیث وآیت کو مطلق ماننے کی وجہ سے ہے حالانکہ نہ یہ آیت مطلق ہے نہ وہ حدیثِ جائز۔ آیت میں اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی کی قید ہے اور حدیث پاک میں جھدًا کی قید ہے۔ یعنی لَکُمْ مَنَافِعُ مُسَمًّی تک ہے جب جانور کا مُسمّی ھدی ہو گیا یا قربانی ہو گیا، اب نفع کی عام اجازت نہیں ہے مُسمّی کا معنیٰ ہے نام رکھ دیا گیا۔ جب تک تم نے جانور کو ھدیٰ کے لیے وقف نہ کیا تھا نہ قربانی کے لیے تو تم اپنے اس جانور سے ہر طرح نفع لے سکتے تھے۔ مگر ھدیٰ یا قربانی کی نیت کر لینے کے بعد اس جانور کا نام ہو گیا قربانی یا ھدیٰ رب تعالیٰ نے اس کو بنالیا شعائر اللہ اب اس کی تعظیم لازم عام نفع ممنوع اب تو صرف جُھدًا ضرورۃً، مشقۃً نفع لے سکتے ہو۔ یہی حدیثِ پاک میں ہے کہ وہ شخص نہایت مشقت تھکا ماندہ ہو کر لے جا رہا تھا اس لیے سوار ہونے کا حکم نبوی ارشاد ہوا۔ ائمہ ثلاثہ نے۔ نہ آیت کی اِلٰی اَجَلٍ مُّسَمًّی پر غور فرمایا نہ حدیث مقدس کے جُھدًا پر، یہ شانِ تفکر تو صرف امام اعظم کو ودیعت ہے۔ یہی حال دیگر منافع کا ہے کہ بلا ضرورت قربانی والے کو جائز نہیں نیز لَکُمْ فِیْهَا مَنَافِعُ سے ائمہ ثلاثہ کا دلیل لینا بھی ظنی ہے کیونکہ فِیْهَا کی ضمیر کے مرجع میں کئی قول، کسی نے کہا اس کا مرجع شعائر ہونا اور منافع سے مراد اُخروی نہ کہ دنیوی منافع۔ کسی نے کہا

marfat.com

اس کا مرجع تعظیم کرنا یعنی تعظیم نفع ہے اور تعظیم شعائر عبارۃُ النص سے ثابت، امام اعظم کی دوسری دلیل سورۂ مائدہ کی آیت ۳ میں ارشاد ہے۔ لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ اللّٰهِ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے شعائر کو اپنے لیے ہر طرح بلا ضرورت حلال نہ سمجھ لو۔ اس سے ثابت ہوا کہ بلا ضرورت نفع لینا ناجائز ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ ابھی اس سے پہلے فرمایا گیا فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ اس میں ہر شرک سے بچنے کا حکم ہے تو پھر یہاں غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ۔ کیوں فرمایا گیا **جواب**: یہاں ۳ وجہ سے غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ فرمایا گیا پہلی وجہ یہ کہ وہاں ہر انسان مسلم غیر مسلم کو بتوں تو ثوں کی گندگی سے بچایا جا رہا ہے تاکہ کوئی مسلمان کسی جاہل گمراہ کی باتوں میں آکر تصویروں کو جائز سمجھ کر گھروں کو مندر نہ بنائے۔ اور یہاں کفار کو پرستش سے روکا جا رہا ہے۔ **دوسری وجہ** یہ کہ وہاں بتوں کی پہچان کرائی جا رہی ہے یہاں حُنَفَآءَ کا تعارف کرایا جا رہا ہے تیسری وجہ وہاں اجتناب کا حکم ہے یہاں انحراف کا حکم ہے۔ وہاں پرہیز کا حکم ہے یہاں پرہیز کا طریقہ بتایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا فَكَاَنَّمَا۔ یہ تشبیہ ہے بلندی پر ہونے کی اگر یہاں عام کفار مراد ہیں تو تشبیہ درست نہیں لگتی کیونکہ وہ تو پہلے ہی پستی میں گرے پڑے ہیں اور اگر مرتدین مراد ہیں تو معنیٰ یہ ہوا کہ اگر کوئی مومن ایمان سے ہٹ کر مشرک بنا تب گویا آسمان سے گرا لیکن کسی دوسرے کفر میں گیا تو گرنا نہ پایا گیا۔ اس کا کیا حل ہے اس تشبیہ کا کس سے تعلق ہے۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب ایک یہ کہ مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ اگر کوئی مومن کسی قسم کا مرتد ہوا تو گویا آسمان سے گر گیا چونکہ ہر کفر ہی شرک ہے اس لیے کفر کی اصلیت بتائی گئی۔ جواب دوم یہ کہ مراد عام کفار ہیں اور آسمان کی تشبیہ سے بلندی مراد نہیں بلکہ گرنے کی سختی مراد ہے۔ یعنی جہاں سے گرا اتنا سخت گرا گویا آسمان سے گرا ہے۔ اور گرنے کی سختی کا اثر یہ ہوگا کہ یا تَخْطَفُهُ کی طرح فنا ہو جائے گا۔ یا تَهْوِيْ کی طرح، قریب الفنا ہو جائے گا۔ **تیسرا اعتراض** بُدنہ جانور کو شعائر اللہ کیوں بنایا گیا اور اس کی تعظیم کی اتنی شان کہ تقوئے قلبی کا حصول ہو گیا۔ کسی اور عبادت کی یہ شان نہیں اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب**۔ اس کی چار وجہ۔ پہلی یہ کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی قربانی کی یادگار ہے اور پیاروں کی یادگار بھی پیاری۔ دوم یہ کہ اس میں اہل ایمان کے دینی و اخروی سب فائدے یہ مجموعۂ فوائد ہے۔ سوم یہ کہ اس سے کافر و مومن کے ذبیحوں میں فرق کیا گیا جس سے کفر و اسلام کا فرق معلوم ہوا۔ چہارم یہ کہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کرنے کی شان اور اس کی نیکی کا مرتبہ سمجھایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ

marfat.com

فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِىْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ۔ اے طالبانِ معرفت، اگر معرفتِ الٰہی چاہتے ہو تو ہر طرح فاسدہ و علوم باطلہ سے ہٹ کر بری محفلوں خلوتوں سے بچ کر۔ ہر طرف سے منہ پھیر کر خلوتِ اسرار میں چلے آؤ۔ اگرچہ دیوی کمالیت ظاہری زینت چھوڑنی پڑے کیونکہ یہی مادیات انوارِ حقیقت کے بیچ ہوئے پردے ہیں تلاشِ معرفت کے لیے غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ۔ مَاسِوَا اللّٰہ سے نظریں اور مَاعَدَا سے توجہ کو ہٹالو۔ کسی بھی چیز کو خیال، تصور، تفکر، تذکر، تخیل کو اس کا شریک نہ بنانے والے ہی آسمانِ ولایت پر قدم پہنچاتے ہیں۔ لیکن جو کم عقل عرفاتِ کبریائی کے موقف میں طلب صفاتِ واحد کے ساتھ طلبِ غیر کی طمع کو بھی شریک کر لیتا ہے اور میلانِ عقلی کا شرکِ باطنی کرتا ہے فَكَاَنَّمَا خَرَّ۔ وہ گویا آسمانِ روحانی سے ذلتِ سفلیہ میں گر گیا۔ پھر یا اُس کو نفسانی درندہ پھاڑ کھانے والا پرندہ خواہشاتِ شیطانی کا شکاری اُس بدنصیب گرتے ہوئے کو اس طرح اُچک لیتا ہے کہ عقیدت کے بازو محبت کے قدم عشقِ ناتمام کی تو تیں ٹکڑے کر کے بطنِ عدم اور فنا کے پیٹ میں سما جاتی ہیں، اور یا پھر شہوات کی ہوائیں اُڑا کر ہلاکت کی بعید وادی حقانیت سے اندھیری کھائی کی مکانِ سحیق میں پھینک دیتی ہے۔ ذٰلِكَ، وہ ہی بدبختی اُس کا مقدرِ ازلی اور مُبرمِ ابدی ہے۔ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ مَحِلُّهَآ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ۔ اور جو طالبِ معرفت، شائق نائقِ حقیقت لائقِ عبدیت نفسِ مطمئنہ نوریہ توفیقِ سعادت کے قدموں سے چل کر اسرار کو اغیار سے چھپا کر اشرار سے بچا کر تعظیم حفاظت کر لیتا ہے اور اپنی عقل و شعور کو قربان گاہِ بارگاہ کا بُدنہٴ ھدی و قربانیِ ابدی بنا کر منیٰ عشق میں اسمِ ذات پر ذبح کر دیتا ہے۔ فَاِنَّهَا۔ تب اُس کو تحصیلِ کمال، مخزنِ اعمال کا تقویٰ لازوال کا قلبی خزانہ مل جاتا ہے، اور وہ بندہ صفاتِ نفسانی عاداتِ ظلمانی سے خالی بداخلاقی سے عاری کر دیا جاتا ہے خالصتاً للہ ہو کر، اے راہِ طلب میں آنے والو۔ لَكُمْ فِيْهَا، تمہارے لیے ان شعائرِ الٰہی نشاناتِ راہِ معرفت میں کمالاتِ علمیہ، افعالِ عقلیہ اور اعمالِ نوریہ اخلاقِ عملیہ کے بے شمار منافع ہیں عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی میں منزلِ فنا کی اَجَلِ مُسَمّٰی تک، کیونکہ عارفین کی فنا فی الذات ہی اُن کی بقا فی الجلوۃ ہے۔ ثُمَّ مَحِلُّهَا، پھر قربان گاہِ خواہشات کا مقامِ نحر و قیامِ عقر حرمِ سینہ تک کعبۂ دل کے مطافِ اسرارِ حبابت وصفات کے احرام میں ملبوس پہنچنا ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ تعظیم شعائر چار چیزیں ہیں (۱) توکل (۲) تفویض (۳) تسلیم و رضا (۴) صبر و شکر، اسرارِ ولایت کے یہی شعائر اللہ ہیں، جب بندہ ان کو بڑا جانتے ہوئے ہر چیز سے زیادہ اہمیت ہر چیز پر زیادہ فوقیت دیتا ہے تو رب تعالیٰ اس کے ظاہر کو فنونِ آداب سے مزین فرما دیتا ہے ابراہیم علیہ السلام کو ایک پتھر ملا جس پر قدرتی تحریر میں چار سطریں

marfat.com

لکھی تھیں۔ پہلی سطر میں تھا۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِیْ۔ اور دوسری میں لکھا تھا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مُحَمَّدٌ رَسُوْلِیْ طُوْبٰی لِمَنْ اٰمَنَ عَلَیْہِ وَ اتَّبَعَہٗ۔ تیسری میں لکھا تھا اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا مَنْ تَوَکَّلَ عَلَیَّ نَجَا۔ چوتھی سطر میں تھا۔ اِنِّیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا۔ اَلْحَرَمُ لِیْ وَالْکَعْبَۃُ بَیْتِیْ مَنْ دَخَلَہٗ فَقَدْ اٰمَنَ مِنْ عَذَابِیْ۔ ترجمہ۔ ۱ بے شک میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں اس لیے صرف میری ہی عبادت کرو تم انسان ۲ بے شک میں ہی اللہ ہوں کوئی معبود نہیں بجز میرے اور محمد میرے رسول ہیں بس مبارک ہے وہ شخص جو ان پر ایمان لائے اور ان کی اتباع کرے ۳ بے شک میں ہی اللہ ہوں پوری کائنات میں کوئی معبود نہیں مگر میں ہی معبود ہوں، جس نے مجھ پر بھروسہ کیا تو وہ نجات پا گیا ۴ بے شک میں ہی اللہ ہوں کہیں کوئی معبود نہیں سوائے میرے، تمام حرم میری عبادت و تعظیم کے لیے ہے اور کعبہ معظمہ میرا ہی گھر ہے، تو جو اس میں آگیا وہ میرے عذاب سے بچ گیا۔ حدیثِ مقدس میں ہے کہ ایک حج کے طفیل اللہ تعالیٰ تین بندوں کو جنت میں داخل فرمائے گا پہلا شخص اپنے حج کی وصیت کر کے فوت ہونے والا دوم وہ وارث جو اس کی وصیت پوری کرتے ہوئے کسی شخص کو حج بدل پر بھیجے۔ تیسرا وہ شخص جو حج بدل کرنے کے لیے روانہ ہوا اور ہر طرح صحیح حج ادا کر کے لوٹا۔ زمانۂ جاہلیت میں کفار کسی عورت کو حج نہ کرنے دیتے تھے، نہ ماں بہن کو نہ بیوی بیٹی کو اس لیے اپنے آپ کو حنفاء کہتے سمجھتے تھے اور خوب شرک کرتے تھے یہ عورتوں پر زور چلانا ہی ان کی حنفیت تھی۔ یہاں اسی کی تردید فرمائی گئی۔ اور بتایا گیا کہ حُنَفَآء وہ لوگ ہیں جو شرک نہ کریں۔ حدیثِ قدسی میں ہے کہ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ کبریائی میری چادر ہے۔ عظمت میرا لباس ہے۔ جس نے ان میں سے کوئی چیز لینے کی کوشش کی اُس کو پاش پاش کر دیا جائے گا۔ اور اُس کا ٹھکانہ ابدی ذلت کی جہنم ہے مشرک کی چار نشانیاں ۱ زمین پر اکڑ ۲ اکڑ سے ظلم ۳ ظلم میں بے دردی بے رحمی ۴ اہل اللہ کی گستاخی بے ادبی۔ حالانکہ انسان اکڑ کر کے نہ پہاڑ سے اونچا ہو سکتا ہے نہ ظلم کر کے زمین کو پھاڑ سکتا ہے۔ انسان کا اصل مقام تو پستی ہے، اپنی اصلیت پر پہنچنا ہی بندے کی معراج ہے۔ انسان کی ابتدا گندے نطفے سے اِس کی انتہا ایک بے بس لاش سے اور زندگی بھر گندگی کو اٹھائے پھرنے والا ہے ذرا سی تکلیف برداشت نہیں مچھر سے زیادہ محتاج پھر اکڑ کس بات پر۔

marfat.com

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا

اور تمام اُمتوں کے لیے بنایا تھا ہم نے قربانی گاہ تاکہ تکبیر پڑھیں

اور ہر اُمت کے لیے ہم نے ایک قربانی مقرر فرمائی کہ

اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ

اللہ کے نام کی اُن کے ذبح پر جو رزق دیا ہم نے اُن کو بعض

اللہ کا نام لیں اُس کے دیئے ہوئے بے زبان

الْاَنْعَامِ ؕ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا ؕ

چوپایہ حلال حیوانوں میں سے اس لیے کہ تمہارا معبود وہ معبود ہے جو واحد ہے لہٰذا اسی کیلئے جھک جاؤ

چوپایوں پر۔ تو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اُسی کے حضور گردن رکھو

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ ﴿۳۴﴾ لا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ

تم اور اے محبوب بشارت دیجئے۔ اُن ہمہ وقت عبادت کرنے والوں کو جن کے سامنے جب اللہ

اور اے محبوب خوشی سنا دو ان تواضع والوں کو۔ کہ جب

اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى

اللہ کا ذکر کیا گیا تو لرز گئے ان کے دل، اور جو صبر کرنے والے ہیں ان تکلیفوں پر

اللہ کا ذکر ہوتا ہے ان کے دل ڈرنے لگتے ہیں اور جو افتاد پڑے

مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ۙ وَمِمَّا

جو پہنچی اُن کو اور قائم رکھنے والے ہیں نماز کو اور اُس سے ہی

اُس کے سہنے والے اور نماز برپا رکھنے والے اور

marfat.com

رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿٣٥﴾

جو رزق دیا ہم نے ان کو خرچ کرتے ہیں۔

ہمارے دیئے سے خرچ کرتے ہیں۔

تعلقات اس آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں کو حج کے احکام و قواعد سمجھائے و بتائے گئے۔ اب اس آیت میں سابقہ گذشتہ مومن امتوں کا ذکر کیا گیا کہ حج و قربانی عموماً کے شرعی احکام اُن کے لیے بھی نافذ العمل تھے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں قربانی عمومی اور ہدیٰ کے جانوروں کا ذکر فرمایا۔ کہ ان سے ذبح کرنے کے پہلے فائدہ لے سکتے ہو۔ اب اس آیت میں اُن کی قربانی کرنے کا طریقہ و ذکر سکھایا جارہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیت میں شعائر اللہ کی تعظیم کرنے والوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں دیگر عبادات یعنی صبر اور نماز قائم کرنے والوں کا تذکرہ ہو رہا ہے۔ گویا کہ پہلی آیت میں مسببات کا ذکر ہوا اب یہاں اسباب و عِلَل کا تذکرہ ہے۔

تفسیر نحوی وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۔ واؤ بر جملہ لِكُلِّ اُمَّةٍ امت لفظاً واحد معناً جمع ہے یہاں معنیٰ مراد ہے یعنی امتوں یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلقِ مقدم ہے جَعَلْنَا کا اور اس تقدم سے حصر کا فائدہ ہوا جَعَلْنَا بابِ فتح کا فعل ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع رب تعالیٰ ہے مَنْسَكًا باب کَرُمَ کا اسم ظرف ہے واحد مذکر اس کا جمع ہے مَنَاسِكُ نُسُكٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لغوی قربانی کرنا اصطلاح میں ۱ قربانی کی جگہ ۲ قربانی کرنا ۳ ذبح کرنا خون بہانا ۴ عبادت کرنا مطلقاً ہر قسم کی ۵ حج کرنا ۶ عبادت خانہ ۷ حج کی جگہ ۸ مذہب دین، یہ مختلف آٹھ اقوال ہیں لفظِ منسکا۔ ایک قول میں مصدر میمی ہے۔ یہ مفعول بہ ہے لام کئے برائے تعلیل (دوجہ) اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے یا یہ خود اَنْ ناصبہ کی طرح مضارع کو نصب (زبر) دیتا ہے يَذْكُرُوا۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب بحالتِ نصب ہے اس لیے آخر سے اعرابِ رفع کی نون گر گئی دراصل يَذْكُرُوْنَ تھا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع النَّاسِ ہے اِسْمَ اسم مضاف بمعنیٰ نام مراد ہے ذبح کی تکبیر یہ مرکب اضافی مفعول بہ

marfat.com

ہے عَلٰی جارہ فوقیت کا مَا اسم موصول اپنے معنیٰ میں (برائے غیر ذوی العقول) رَزَقَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ہُمْ ضمیر مفعول بہ اس لیے منصوب متصل ہے مرجع وہی اَذِّنْ فِی النَّاسِ مِنْ تبعیضیہ بمعنیٰ کچھ، تھوڑے، بعض، بَھِیْمَۃِ۔ اسم مفرد جنسی لفظاً واحد مونث ہے معناً جمع ہے۔ مضاف ہے اَلْاَنْعَامَ اسم جمع مکسّر منصرف بمعنیٰ حلال چوپایہ حیوانات کے جانور یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے رَزَقَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ برائے تعلیل یعنی ما بعد علت ہے ما قبل لِیَذْکُرُوْا کی۔ اِلٰھُکُمْ۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے اِلٰہٌ اسم نکرہ توصیفی موصوف ہے وَّاحِدٌ باب سَمِعَ سے اسم فاعل اسم عددی ہے اکائی کا خیال رہے کہ واحد کی چار قسمیں ہیں ۱۔ واحد حقیقی یہاں مراد یہی ہے کہ نہ اُس کے پہلے کوئی ہو نہ اُس کے بعد کوئی اس کا نہ کوئی عدد ہو نہ جنس نہ نوع ۲۔ واحد جنسی جو جنسیت میں اپنے اگلوں پچھلوں سے منفرد ہو ۳۔ واحد نوعی جو نوعیت (صنفیت) میں اپنے اگلوں پچھلوں سے منفرد ہو ۴۔ واحد عددی جس سے پہلے کوئی نہ ہو سب اُس کے بعد ہوں، اللہ تعالیٰ اپنی شان میں واحد حقیقی ہے، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی شان و وجود میں واحد عددی ہیں وَاحِد صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ برائے ترتیب لَہٗ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہوا اَسْلِمُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مصدر ہے اِسْلَامٌ بمعنیٰ ماننا تسلیم کرنا، جھک جانا، دین اسلام قبول کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ، مرجع فِی النَّاسِ کا اَلنَّاسِ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے فَاِلٰھُکُمْ کے پہلے پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے رَزَقَ کے صلہ موصول پر سب مل کر مجرور ہے عَلٰی سے اور یہ جار مجرور متعلق ہے لِیَذْکُرُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے۔ جَعَلْنَا کی جَعَلْنَا فعل با فاعل اپنے متعلق مقدم اور علت، مفعول بہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ بَشِّرِ باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا مصدر ہے تَبْشِیْرٌ بمعنیٰ خوش خبری سنانا، آئندہ زمانے میں ہونے والا کوئی اچھا خوش کن کام یا بات اس کو عربی میں بشارت اردو میں خوش خبری کہتے ہیں۔ بِشْرٌ یا بَشْرٌ یا بُشْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ظاہری کھال کا کھل اٹھنا، چونکہ اچھی خبر سے انسان کے ظاہری جسم پر خوشی کے آثار ظاہر ہوتے ہیں اس لیے اس کو بشارت کہتے ہیں اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اَلْمُخْبِتِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِخْبَاتٌ بہت ہی انہماک سے کوئی کام کرنا اس طرح سے کہ اِدھر اُدھر کا کوئی ہوش و فکر نہ رہے یعنی کھانے پینے تک کا خیال نہ آئے اسی کو اردو میں خبت یا خبط سوار ہونا کہتے ہیں۔ اس کا مادہ ہے خَبْتٌ اصطلاحاً

marfat.com

ترجمہ ہے انتہائی عاجزی سکینی خشوع خضو سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا، اور ہر وقت ہر کام ہر حالت میں اسی کی عبادت کا خیال رہنا۔ یعنی اُس کی عبادت میں مخفی ہو جانا۔ نرم زمین کو اَرْضُ الْخَبْتُ کہتے ہیں وہاں بھی زمین کی عاجزی ہی مراد ہے یہ موصوف ہے۔ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ وَ الْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ وَمِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اِذَا ظرفیہ شرطیہ، اس کی مابعد عبارت ایک قول میں جملہ ہو کر ظرفِ مقدم ہے اگلی عبارت کا اور ایک قول میں یہ جملہ شرط ہے ہم نے اسی کو اختیار کیا ہے۔ ذُکِرَ اللّٰہُ۔ ذُکِرَ فعل مجہول ماضی اللہ اُس کا نائب فاعل اصل فاعلِ معنوی ذہنی پیارے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ پاک ہے۔ یہ فعل با نائبِ فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے وَجِلَتْ بابِ سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق واحد مؤنث غائب خیال رہے کہ قُلُوْبُ غیر ذوی العقول جمع مذکر اسم ظاہر ہے اسی لیے اس کا عامل فعل واحد مؤنث غائب کا صیغہ آیا۔ وَجِلٌ مثال واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ ایک دم ڈر جانا خوف زدہ ہو جانا، دبک جانا یہاں اللہ تعالیٰ کا ڈر مراد ہے قُلُوْبُھُمْ یہ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے یہ فعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی اِذَا ذُکِرَ کی یہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلصّٰبِرِیْنَ اسم فاعل۔ جمع مذکر بابِ ضَرَبَ سے ہے صَبْرٌ سے ہے مشتق ہے بمعنیٰ برداشت کرنا جھیلنا، سہارنا، اپنے آپ کو روکے رکھنا ڈٹے رہنا، راز رکھنا، یہاں پہلے معنیٰ میں ہے یعنی مصیبت برداشت کرنا اس کا مقابل ہے جزع فزع بمعنیٰ گھبرا کر شکوہ شکایت چیخ و پکار کرنا، اس کا فاعلِ ضمیر صیغہ عَلٰی جارہ بمعنیٰ بِ سببیہ ترجمہ ہے اس بنا پر مَا اسم موصول اپنے اصلی معنیٰ میں اَصَابَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا فاعلِ ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَا ہے صَیْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مصیبت تکلیف آنا پہنچنا ھُمْ ضمیر مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اَلصّٰبِرِیْنَ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمُقِیْمِی، بابِ اِفعال کا اسم فاعل جمع مذکر اصل میں تھا اَلْمُقِیْمِیْنَ مضاف ہونے کی وجہ سے نونِ جمع اعرابی گر گئی یہ مضاف ہے ایک قرأت میں اَلْمُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ ہے واحد مذکر کے صیغے سے بحالتِ فتحہ ہے اَلصّٰبِرِیْنَ پر عطف تابع ہونے کی وجہ سے اور وہ منصوب ہے اَلَّذِیْنَ پر عطف تابعی کی وجہ سے اور وہ منصوب ہے اَلْمُخْبِتِیْنَ کی تابع صفت کی وجہ سے اَلصَّلٰوۃِ اسم معرف باللام مضاف الیہ ہے بمعنیٰ نماز پانچ وقتہ پر مرکبِ اضافی معطوف علیہ۔ اس کی ترکیب اس طرح ہے کہ اسم فاعل مضاف ضمیر صیغہ پوشیدہ ھُمْ اس کا فاعلِ اَلصَّلٰوۃ مفعول مضاف الیہ واؤ عاطفہ مِمَّا۔ اصل میں مِنْ مَا ہے موصول یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے رَزَقْنَا بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع

marfat.com

متکلم با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُم ضمیر اس کا مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ یُنْفِقُوْنَ باب اِفعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی۔ اس کا مصدر ہے اِنْفَاقٌ بمعنی خرچ کرنا، خیرات کرنا۔ نَفَقٌ سے بنا ہے مادہ لازم ہے اور مصدر متعدی ہے۔ یہ مبتداء خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَلْمُقِیْمِی کے جملے پر وہ معطوف ہے اَلصّٰبِرِیْنَ کے جملے پر وہ معطوف اَلَّذِیْنَ کے جملے پر سب عطف مل کر صفت ہے اَلْمُخْبِتِیْنَ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے بَشِّرْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْۢ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ

حج کے نام ذبیحوں کے اجمالی ذکر کے بعد اب عام سالانہ قربانی کا ذکر فرمایا چنانچہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے اور ہر امت کے بیلے ابتداءِ آدمیت سے آج تک اور آج سے تا قیامت جتنے بھی اہلِ ایمان ہوئے یا ہوتے رہیں گے۔ مختلف زمانیات، شخصیات، مقامات اور ضروریات کے لیے ہر شریعت میں ایک منسک اور قربانگاہ کا مذبح و منحر ہم نے مقرر اور واجب فرما دیا اللہ تعالیٰ کے نام پر جانور کی قربانی اے مسلمانو صرف تم پر ہی واجب نہیں ہوئی یہ عبادت ہر شریعت میں ہر امت پر واجب کی گئی تاکہ ہر مومن اپنے علاقہ میں اللہ تعالیٰ کے حلال کئے ہوئے بہیمہ جانوروں چوپایوں کو اُس کے ہی نام پر اُضحیہ کیا کریں۔ یہاں وَلِكُلِّ اُمَّةٍ کے الفاظ پہلے ارشاد فرمانے میں حصر کا اظہار ہوا یعنی کوئی بھی امت اس حکم قربانی سے علیحدہ نہ ہوئی اگرچہ قربانی کی تاریخیں اور طریقے ہر شریعت میں مختلف ہوتے رہے۔ دسّ ذی الحج کی تاریخ حضرت ابراہیم کے واقعۂ ذبح اسماعیل علیہما السلام کے بعد سے مقرر ہوئی آپ کی یادگار قائم کرنے کے لیے کہ حاجی لوگ منیٰ میں اور باقی مومنین اپنے علاقوں اور گھروں میں قربانی کریں۔ اس قربانی کا مقصدِ اصلیہ یہ ہے کہ اُن حلال چوپایہ جانور کو صرف اللہ تعالیٰ کا نام لے کر یعنی بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَر پڑھ کر ذبح کیا کریں جو جانور ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے عطا فرمائے۔ یہاں آیت میں چار چیزیں بیان فرمائی گئیں پہلی یہ کہ اللہ کے نام پر ذبح ہو۔ اس سے کافروں مشرکوں کے ذبیحوں کو حرام کیا گیا۔ اور اہلِ ایمان کا ذبیحہ ہی حلال رکھا گیا۔ دوم عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ۔ اس میں حلال مِلکیت کا ذکر کیا گیا۔ تاکہ مومن حرام ملکیت سے بچے چوری، ڈکیتی یا حرام کمائی سے جانور حاصل نہ کرے۔ سوم بَهِيْمَةِ۔ یہ دلیل الشی حلال جانور کی ہی ہمیشہ قربانی ہر شریعت ہر امت میں جائز رہی۔ چہارم۔ اَلْاَنْعَام یعنی چار پاؤں والے۔ خلاصہ

marfat.com

یہ کہ قربانی میں چار حلتوں کا حکم ہے اور چار حُرمتوں سے بچایا گیا، ۱ حلال ملکیت سے حاصل کرکے ۲ حلال طریقے سے ۳ حلال جانور کو ۴ حلال چوپائے کی قربانی واجب ہے اور حرام ملکیت سے، حرام طریقہ ذبح سے۔ حرام جانور، حرام چوپائے کو ذبح کرنے سے بچو۔ یہ حلال کے کرنے اور حرام سے بچنے کا حکم اس لیے کہ۔ اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ تم انسانوں کا ہر زمانے کی ہر امت کا ایک ہی معبود ہے، کوئی شخص اس کی ذات صفات قوت، قدرت ملکیت میں قطعًا ذرہ اس کا شریک نہیں۔ لٰہذا اے لوگو ہر کام ہر کلام ہر عادت ہر عبادت میں اپنا سر عجز و نیاز خلوص و انکسار، رضا و خشیت سے اس کی بارگاہِ جلال و جمال، قہر و قدس میں ہر وقت جھکائے رکھو سرِ تسلیم خم کردو۔ تاکہ دنیا سے بت پرستی کی گندگی ختم ہو اور ہر علاقے گلی محلے علاقے شہر، گاؤں میں اسمِ الٰہی تکبیر کبریائی کی صدائیں بلند ہوں اللہ تعالیٰ کے جانور اللہ تعالیٰ کے نام پر ہی ذبح ہوں، اور اقوامِ عالم کو پتہ لگ جائے کہ مومن و کافر کے ذبح میں بھی فرق ہے۔ کافر کا ذبح بتوں کے نام پر اس کا نام عبیر، عتیرہ، بھینٹ، مومن کا ذبح خالق تعالیٰ کے نام پر اس کا نام ھَدِی، قربانی عقیقہ۔ کافر کا ذبح بھی شرک و کفر و حرام۔ مومن کا ذبح بھی عبادت، ریاضت و حلال۔ حرام کو مردار کہا جاتا ہے اور حلال کو ذبیحہ کہا جاتا ہے۔ ہر عبادت کی طرح ہر ذبیحے میں بھی، فرائض، واجبات، مستحبات اور سنت ہیں چنانچہ ذبح کے تین فرض ان میں ایک شرط ہے۔ یعنی بسم اللہ اللہ اکبر پڑھنا۔ اور دو رکن ۱ حلقوم اور تین رگوں میں سے دو رگوں کا کٹنا۔ حلقوم کی ایک جانب دو رگیں ہوتی ہیں جن کو وَدَجان کہتے ہیں یہ دونوں خون کی ہیں ان کا کٹنا ضروری ہے۔ دوسری جانب ایک رگ جس کو مِری کہتے ہیں یہ سانس کی رگ ہے۔ رکن سوم۔ سر کی جانب سے تقریبًا ایک انچ نیچے سے گردن کاٹنا فرض ہے۔ اگر بالکل سر کے قریب گردن کاٹی جس طرح یہودی عیسائی کاٹتے ہیں تو ذبیحہ حرام ہو جائے گا۔ کیونکہ اس طرح حلقوم نہ کٹے گا اور گھنڈی (نرخرہ کا کچھ حصہ بھی) سینے کی جانب ہوگا۔ گردن کی جانب نہ ہوگا یہی نشانی ہے حلقوم نہ کٹنے کی، اور ایک رگ وَدَج بھی نہ کٹی مِری اور ایک وَدَج کٹ گئی۔ ذبح فرض رہ گیا، خون پورا نہ نکلا اس لیے ذبیحہ حرام۔ ذبح کے دو واجب پہلا یہ کہ تکبیر زور سے پڑھی جائے کہ پاس کھڑا انسان سن لے، دوم یہ کہ گردن کا اکثر حصہ کاٹا جائے تاکہ حلقوم سے نیچے بھی کچھ کٹ جائے اور دل کا خون بھی نکل جائے تاکہ جلدی جان نکل جائے۔ بعض لوگوں کا ہاتھ ہلکا ہوتا ہے۔ ان سے کم گردن کٹتی ہے اس لیے دل میں کچھ خون موجود رہتا ہے تو جان دیر سے نکلتی ہے۔ ذبح کی تین سنتیں پہلی یہ کہ ذبح سے پہلے جانور کو دانہ پانی دکھا دو تاکہ کچھ کھا پی لے۔ کھائے پیئے یا نہ کھائے پیئے قریب رکھنا سنت ہے، دوسری سنت یہ کہ اونٹ

marfat.com

کو کھڑا کر کے ایک پیر اٹھا کر گھٹنے تک موڑ کو اچھی طرح باندھ کر تین چھری والے نیزے سے گردن کی لمبائی کی جانب سے نحر کرنا۔ گائے بھینس کے چاروں پاؤں باندھ کر لٹا کر عقر کرنا یعنی چوڑائی میں گردن کاٹنا خیال رہے کہ نحر کرنا سنتِ قولی بھی ہے عملی بھی مگر گائے میں عقر صرف قولی سُنت ہے اور بھینس میں قیاسی سنت ہے۔ اس لیے کہ نحر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے خود بھی فرمایا حکم بھی دیا گائے کے عقر کا حکم اور ترغیب فرمایا، بھینس کے ذبح کو فقہا نے گائے پر قیاس کیا۔ باقی چھوٹے چوپائے بکری دُنبہ وغیرہ۔ پاؤں قابو کر کے عقر کرنا سنتِ قولی ہے بعض نے فرمایا عملی بھی ہے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ایک بکری خود ذبح فرمائی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ ذبح کے تین مستحب ہیں ۱ نحر اور عقر میں جانور کو اس طرح باندھا یا لٹایا جائے کہ اُس کا منہ قبلہ رُخ ہو۔ ۲ تیز چھری کے ساتھ ایک دم تیزی اور قوت سے ذبح کیا جائے ۳ ذبح کرنے والا اپنا داہنا گھٹنا جانور کے کندھے پر سینے کی کروٹ پر رکھے۔ یہاں بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ فرمانے سے واضح ہوا کہ انعام کی چار قسمیں ہیں ۱ بہیمہ یعنی حلال چوپائے ۲ رُکوب یعنی سواری والے چوپائے ۳ جنگلی چرندے ۴ جنگلی درندے۔ ان میں سے گھریلو بہیمۃ کو ہی صرف ھدی، قربانی اور عقیقے کا ذبیحہ بنایا جا سکتا ہے۔ سواری والے گھریلو چوپائے مثلاً گھوڑا، گدھا، خچر یہ حلال نہیں کیونکہ بہیمۃ نہیں صرف انعام ہیں۔ لفظ بہیمہ کا لغوی معنیٰ ہے بُدھو بیوقوف، بزدل بہیمہ جانور سات قسم کے ہیں۔ اونٹ گائے، بھینس، بکری، دُنبہ بھیڑ، مینڈھا۔ مذکر مؤنث سورہ یٰسٓ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَمِنْهَا رَكُوْبُهُمْ وَمِنْهَا يَاْكُلُوْنَ۔ ترجمہ، دنیا میں کچھ انعام صرف سواری کے لیے کچھ صرف کھانے کے لیے ہیں یٰسٓ آیت ۷۲ اس تقسیمِ قرآنی سے ثابت ہوا کہ سواری والوں کو کھانا ممنوع اور کھائے جانے والوں پر سواری ممنوع، کھانا ممنوع ہونا حرام ہوتا ہے اور سواری ممنوع ہونا مشکل ہوتا ہے، بہیمہ کو جب ھدی یا قربانی یا عقیقہ بنا لیا گیا تو نام ہوا قَرَابِيْنُ، جنگلی چوپایوں پر گھریلو چوپایوں کی مشابہت سے حکم لگایا جاتا ہے، مثلاً ہرن، بارہ سنگھا، نیل کنٹھ۔ یہ بکری کے مشابہ، نیل گائے کے مشابہ، ذرافہ اُونٹ کے مشابہ، زیبرہ، گدھے کے مشابہ، ہاتھی سواری و مال برداری میں گھوڑے و خچر کے مشابہ جنگلی بھینس ہر قسم کی بھینس کے مشابہ ان سب کا حکمِ شرعی یہ ہے کہ حلال کے مشابہ حلال ہیں اور حرام کے مشابہ حرام، جنگل کے بقیہ چوپائے مثلاً۔ ریچھ، لومڑی، گیدڑ، بھیڑیا، بندر، شیر، چیتا یہ سب درندے ہیں اس لیے حرام۔ یہ جسمانی روحانی، قلبی، عقلی، غذائیں تو دنیا میں اہلِ ایمان کے لیے رب تعالیٰ کی نعمتیں ہیں وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۔ اے حبیبِ کریم خوشخبری عطا فرما دیجیے اُن مقبولِ

marfat.com

بارگاہ کو جو اپنے رب تعالیٰ کے قرب میں مُخْبِتِیْنَ ہو گئے۔ ایسے کہ حقوق اللہ کی ادا میں مخلص، سجدوں میں عاجز۔ حقوق العباد کی ادا میں نرم دل، دنیا میں پُرسکون، عبادت میں بے ریا۔ مشکلات میں صابر و راضی برضا اعمال میں باہمت اقوال میں بااخلاق، ایمان میں محبت والے بارگاہِ رسالت میں تعظیم والے ہیں۔ اُن کی چار نشانیاں اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ۔ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَ الْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یہی وہ خوش نصیب لائقِ بشارت لوگ ہیں کہ جب بھی ان کے سامنے رب تعالیٰ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل جلال کبریائی کے رُعب سے تھرتھرانے لگتے ہیں اور یہی لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر آنے والی مصیبت تکلیف بیماری پریشانی، ناگہانی وبا تنگی ترشی غریبی پر نہایت خندہ پیشانی سے صبر کرنے والے ہیں۔ اور یہی لوگ ہیں جو ہر حال میں بہت اچھے سچے اور صحیح طریقے سے خشوع خضوع عجز و خلوص کے ساتھ وقت کی پابندی سے ہر نماز قائم رکھنے والے ہیں۔ یہ لوگ مسجدوں میں نمازوں کی زینت اذانوں کی رونق، تکبیروں کی صدائیں، گھروں میں تلاوتوں کی آوازیں۔ ذکر اللہ کی بہاریں جاری رکھنے والے ہیں اور ہر قسم کی جانی مالی وقتی، بدنی جسمانی عقلی۔ قلبی عبادت کرنے والے۔ اور اُسی رزقِ حلال طیب مال سے خرچ خیرات صدقات کرنے والے ہیں جو ہم نے اُن کو دیا کسی شیطانی رستے میں حرام مال نہیں لیتے۔ صرف حلال ذریعے سے ہی رزق حاصل کرتے ہیں۔ یہی رب تعالیٰ کا عطیہ ہے۔ غرضکہ ان مخبتین پر اجبات کے چار اثر ہوتے ہیں ۱ وَجِلَتْ کی خشیت ۲ صبر کا تقویٰ ۳ شکر کی نمازوں کا قائم کرنا ۴ زکوٰۃ و خیرات و صدقات خمات پر مداومت، عبادات کی استقامت اپنے رب تعالیٰ کی محبت میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے نہ جان کی نہ مال کی نہ آل کی نہ اولاد کی نہ عزت کی نہ کاروبار کی نہ تجارت کی نہ امارت کی۔ لہٰذا اُن کے لیے ہی ثوابِ جزیل اور عطاءِ جمیل وخطابِ جلیل کی بشارتیں ہیں مُخْبِتِیْنَ وہ لوگ ہیں جو غرورِ کفر کو چھوڑ کر سرورِ ایمان پا لیں۔ اللہ تعالیٰ کی بندگی میں تَذَبْذُبِ نفسی اور تزلزلِ وہمی کی بے اطمینانی کو چھوڑ کر تصمیم قلبی کا اطمینان اختیار کریں اس طرح کہ رب تعالیٰ کے ہر ظاہری باطنی، تقدیری، تدبیری۔ تشریعی تکوینی فیصلے پر خوشی دلی سے راضی رہیں۔ کفار نے چھ کفر ایجاد کیے جس کی وجہ سے زمین پر فساد ہوا۔ اُن کے کفر کی غلاظت کو دھونے کے لیے اور کفریات کو توڑنے اور اصلاحِ زمین کے لیے ایمان والوں کو چھ عبادتیں دی گئیں۔ پہلی یہ کہ کفار نے بتوں کو سجدہ کیا مومنوں کو جامع عبادات نماز دی گئی ۲ کفار نے اللہ تعالیٰ کے رزق کو بتوں پر چڑھاوا کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کو صدقہ خیرات زکوٰۃ، خفقات سے غربا پروری کا حکم فرمایا، سوم کفار

marfat.com

نے بتوں کے لیے فاقے، مرن بھرت، اور ترکِ دنیا کا سنیاس لیا اسلام نے مسلمانوں کو فرض نفلی روزوں اور اعتکاف کا انعام دیا۔ چہارم۔ کفار نے بتوں کی یاترا۔ گنگا کفر و شرک کے میلے لگائے اور سفر کئے۔ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حج عمرہ حاضریِ کعبہ زیارتِ روضۂ اقدس کے سفر کرائے طواف وسعی کی رونقیں سجائیں ذکرُ اللہ کی محفلیں سجوائیں۔ پنجم۔ کفار نے بتوں کے نام پر جانور بھینٹ چڑھائے ایمان والوں کو ھدیٰ و قربانی پر ذکر اللہ کا حکم دیا گیا۔ ششم۔ کفار نے عُزّیٰ اللہ کی تعظیم کی مسلمانوں کو شعائرُ اللہ کی تعظیم کا حکم دیا گیا کفار کا ہر کام شرک باللہ مومن کا ہر کام عبادت للہ۔ مال کا خرچ کرنا پانچ قسم کا ہے جن میں صرف ایک طریقہ حق ہے چار طریقے باطل ہیں۔ پہلا طریقہ حق اِنفاق۔ یعنی حلال رزق ہو۔ حلال جگہ ہی خرچ کیا جائے اس کی آٹھ صورتیں ہیں ۱ اپنی ضروریات پر ۲ اپنی آل پر ۳ اپنی اولاد پر۔ ۴ قرابت داروں کی صلہ رحمی پر ۵ محتاجوں، پڑوسیوں پر ۶ مساجد و مدارس پر ۷ عبادات و ضروریاتِ دین پر مثلاً حج، عمرہ زیاراتِ مزارات، قتالِ جہاد پر۔ دینی کتب کی خریداری پر ۸ صدقاتِ جاریہ پر مفادِ عامہ پر یہ سب انفاق فی سبیلِ اللہ ہے قرآن مجید میں تقریباً چالیس جگہ انفاق کا حکم اور اس کی تحسین و تعریف فرمائی گئی۔ خرچ کرنے کی دوسری قسم اِسراف یعنی فضول خرچی ہے یعنی حلال رزق ناجائز جگہ فسق و فجور لغویات لہویات لعبیات، کھیل کود عیاشی تماشوں میلوں میں برباد کرنا سورۃِ آل عمران کی آیت ۱۳۰ میں اِس خرچ سے مسلمانوں کو منع فرمایا گیا یہ خرچ بھی باطل ہے ۳ تبذیر۔ یہ ہے کہ حرام کمانا، حرام جگہ خرچ کرنا، سورۃِ اسریٰ کی آیت ۲۶ اور ۲۷ میں اس کمانے خرچ کرنے کو شیطانی کام اور شیطانی خرچ فرمایا گیا۔ خرچ کی چوتھی قسم بخل یہ کہ نہ ضروریات پر پورا خرچ کرے نہ فی سبیل اللہ خرچ کرے نہ کرنے دے۔ اور اگر مجبوراً خرچ کرنا پڑ جائے تو رو، رو کر۔ جل بھُن کر جھوڑ کر ہی مر جائے سورۃِ نساء کی آیت ۳۷ میں اس کی سخت برائی فرمائی گئی۔ پانچویں قسم، اِشحاح یہ ہے کہ دولت کی لالچ، خرچ میں تنگ دلی، عیاشی میں فراخ دلی بہت سی آیت میں اس کی برائی فرمائی گئی۔ سورۃ نساء آیت ۱۲۸ سورۃِ حشر آیت ۹ سورۃِ تغابن آیت ۱۶ سورۃ احزاب آیت ۱۹ میں۔ اس سے سختی کے ساتھ منع فرمایا گیا خلاصہ یہ کہ خرچ کی پانچ قسمیں ۱ اِنفاق ۲ اِسراف ۳ اِبذار ۴ ابخال ۵ اِشحاح پہلا طریقہ مومن کا باقی طریقے کافرین و فاسقین کے۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

لِکُلِّ اُمَّۃٍ میں دو قول ۱ بعض نے فرمایا اس سے تمام سابقہ مومن امتیں مراد ہیں یہی قول درست ہے

marfat.com

(۳) بعض نے فرمایا کہ اس سے تمام مسلمان تا قیامت مراد ہیں یعنی ہر علاقے کے ہر گروہ ہر صاحبِ نصاب پر قربانی واجب ہے کہ اپنے اپنے شہر علاقے گھر میں قربانی کریں۔ اور اس طرح ان گمراہوں کا رد ہے جو کہتے ہیں کہ قربانی صرف حج میں واجب ہے مَنْسَكًا کی قرأت میں تین قول (۱) یہ اسم ظرفِ زمانی ہے سین کے فتحہ سے مَنْسَكًا بمعنیٰ قربانی کا وقت (۲) یہ اسم ظرف مکانی مَنْسَكًا ہے بمعنیٰ قربانی کی جگہ (۳) مصدر میمی مُنْسَكًا ہے بمعنیٰ قربانی کرنا۔ مَنْسَكًا کے مقام میں دو قول (۱) بعض نے کہا اس سے مراد منیٰ کا مذبح ہے، مگر یہ قول روشِ کلام کے خلاف ہے اس لیے غلط ہے (۲) بعض نے کہا اس سے مراد دنیا بھر کا ہر اسلامی علاقہ ہے۔ جہاں مسلمان قربانی کریں یہی قول درست ہے۔ فَاِلٰهُكُمْ اور فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا کی فَ میں دو قول ہیں (۱) بعض نے کہا یہ فَ تعلیلیہ ہے اور اِلٰهُكُمْ وَاحِدٌ ہونا علت ہے جَعَلْنَا مَنْسَكًا کی اور آیت کا معنیٰ ہے کہ ہم نے ہر امت کے لیے ایک قربان گاہ بنا دی اس لیے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے بس اُسی کے نام پر قربانی کرو۔ (۲) بعض نے فرمایا کہ یہ فَ ترتیب کی ہے اور آیت کا معنیٰ اس طرح ہے کہ ہم نے ہر امت کے لیے ایک مَنْسَكًا بنایا۔ پس اسی لیے سمجھ لو کہ تمہارا ایک ہی معبود ہے۔ ایک طرح کی سب کا قربانی کرنا دلیل ہے ایک معبود ہونے کی اَلْمُخْبِتِيْنَ کے معنیٰ میں چھ قول (۱) اس کا معنیٰ عاجزی والے (۲) اِس کا معنیٰ یہ حقوقُ اللہ میں نرم دل، حقوقُ العباد میں رحم دل (۳) اس کا معنیٰ مطمئن دل والے (۴) اِس کا معنیٰ بے ریا مخلصین (۵) اس کا معنیٰ ہے، کوشش ہمت محبت سے عبادت کرنے والے (۶) بعض نے کہا اِس کا معنیٰ ہے اللہ تعالیٰ کی ہر تقدیر تدبیر، تحکیم و تشریع پر خوش اور راضی رہنے والے۔ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ میں چار قول (۱) بعض نے کہا یہ لفظ مُقِيْمِي الصَّلٰوةِ ہے، مُقِيْمِي اسم فاعل جمع مذکر مضاف ہے، الصَّلٰوةِ مفعول مضاف الیہ دراصل تھا مُقِيْمِيْنَ، نونِ جمع اضافت کی وجہ سے گر گئی۔ یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے (۲) بعض نے کہا یہ مُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ ہے (۳) بعض نے کہا یہ وَالْمُقِيْمِ الصَّلٰوةِ ہے۔ اسم فاعل واحد مذکر (۴) بعض نے کہا یہ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةَ ہے صَلٰوةَ پر زبر ہے اور مفعول بہ ہے يُنْفِقُوْنَ میں تین قول (۱) بعض نے کہا کہ يُنْفِقُوْنَ کا معنیٰ ہے زکوٰۃ دیتے ہیں، کیونکہ نماز کے ساتھ ہمیشہ زکوٰۃ کا ہی ذکر ہوتا ہے۔ اور حکم بھی دونوں کا ایک ہے کہ دونوں فرض ہیں (۲) بعض نے کہا اس سے مراد یہ کہ ہر طرح خرچ و خیرات کرتے رہتے ہیں فرضی واجبی نفلی کیونکہ يُنْفِقُوْنَ مطلق ہے یہی قول زیادہ مناسب ہے (۳) بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے حج و عمرے میں خرچ کرتے ہیں کیونکہ اس سے پہلی آیت میں حج و

marfat.com

وعمرے ہی کا ذکر ہے مگر یہ قول درست نہیں کیونکہ حج وعمرے کا ذکر آیت ۳۳ میں بَیْتُ الْعَتِیْقِ پر ختم ہو گیا۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ۔ قربانی عبادت ہے جو اپنے طور طریقوں کے اعتبار سے تمام اُمتوں پر ایک جیسی فرض و لازم واجب رہی اور ہر مومن کو اپنے اپنے علاقوں میں قربانی کرنے کا حکم ملا۔ یعنی ہر مومن کا گھر قربان گاہ بنتا رہا۔ از آدم علیہ السلام تا **اسلام** ہر شریعت نے قربانی کا حکم دیا۔ ہاں البتہ ادائیگی میں دو فرق تھے ایک یہ کہ پہلی اُمتیں قربانی کو کھا نہیں سکتی تھیں۔ پس جانور پر چھری چلائی اور کسی اونچی پہاڑی پر جانور رکھوا دیا گیا مع کھال، ذبحِ مقبول کو آگ کھا جاتی اور نامقبول پڑی رہتی سڑتی گلتی رہتی جانور بھی نہ کھاتے۔ لیکن مسلمانوں کو گوشت کھانے کی اجازت ملی دوم یہ کہ ابراہیم علیہ السلام کی قربانیِ اسماعیل علیہ السلام کے واقعے کے بعد سے دسّ ذی الحج قربانی کا دن مقرر کیا گیا اور دو دن مزید سہولت کے لیے دئے گئے لیکن اس سے پہلے ہر شریعت کا دن صرف ایک تھا اور اپنا اپنا علیحدہ اس کے علاوہ جانور، اور اُن کی عمریں، اور سال بعد ہونا پہلے بھی ایسا ہی تھا جیسا اسلام میں ہے یہ فائدہ وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ مومن مسلمان کی ہر عبادت میں عقیدۂ توحید کا تصور اور اظہار لازم ہے۔ بدنی عبادت ہو یا مالی قلبی ہو یا عقلی، ہو یا عملی لسانی ہو یا اعضائی سفری ہو یا حضری۔ یہ فائدہ لِیَذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ کے لامِ تعلیلہ اور امرِ تاکیدیہ اور صیغہ جمع فرمانے سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ جس طرح تمام فرضی، واجبی، نفلی عبادات نماز، روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ، کا مقصد ذکرِ الٰہی، توحیدِ کبریائی کا چرچہ کرنا ہے۔ اسی طرح قربانی کا مقصد بھی سارے جہان کے ہر علاقہ میں ذکرُ اللہ، تکبیر و بسم اللہ کی دھومیں مچانی رونقیں بنانی ہیں۔ اِسی لیے جس طرح تمام عبادتوں کا وقت اور طریقہ فرائض واجبات مستحبات سنن کے ساتھ مقرر ہے اسی طرح قربانی کے لیے بھی یہ تمام چیزیں شریعتِ مقدسہ نے مقرر فرمائیں۔ وقت و طریقہ بھی، فرائض و واجبات بھی لہٰذا جس طرح نماز، روزہ، زکوٰۃ کسی علاقہ سے خاص نہیں بلکہ دنیا بھر میں نماز روزہ، زکوٰۃ اذان وکلمہ جاری وجائز اسی طرح قربانی بھی دنیا بھر میں ہر مسلمان کے گھر ہونا جاری وجائز ہے۔ یہ فائدہ جَعَلْنَا مَنْسَکًا میں اسم ظرفِ زمانی فرمانے سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن اِن آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ امام اعظم نے فرمایا کہ گھوڑا، گدھا، خچر کا گوشت مسلمانوں کے لیے حرام ہے۔ یہ مسئلہ یہاں بَہِیْمَۃِ الْاَنْعَامِ

marfat.com

دالخ) فرمانے سے اور مشکوٰۃ شریف ص۳۶۱ بحوالہ ابوداؤد و النسائی شریف پر ہے۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ وَلِیْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَھٰی عَنْ اَکْلِ لُحُوْمِ الْخَیْلِ وَالْبِغَالِ وَالْحَمِیْرِ۔ سے مستنبط ہوا۔ بھیمہ کی اضافت توصیفی سے انعام کی دو قسمیں ہو گئیں ایک ماکولی انعام ۲ رکوبی انعام۔ ماکولی چوپایہ حلال ہے رکوبی حرام سورۃ یٰسٓ کی آیت ۷۲ نے بھی گھریلو چوپایہ کی یہی دو قسمیں فرمائیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گھوڑے کا گوشت حلال مانتے ہیں مگر ان کا یہ مسلک آیت وحدیث کے استنباط کے خلاف ہے۔ دوسرا فائدہ جو مصیبتیں تکلیفیں اللہ کی طرف سے آئیں ان پر صبر کرنا ہر مسلمان پر واجب ہے لیکن جو مصائب ظالم انسان یا موذی جوان کی طرف سے آئیں ان میں صبر کرنا واجب نہیں بلکہ ہر طرح دفاع کرنا ضروری اور لازم ہے یہ مسئلہ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰی مَآ اَصَابَھُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی ان مصائب پر صبر کرنا مُخْبِتِیْنَ کی نشانی ہے جو مَآ اَصَابَھُمْ۔ یعنی خود بخود قدرتی ناگہانی آجائیں جیسے وبائی بیماریاں طوفانی، تحملی مصائب وغیرہ تیسرا مسئلہ تمام عبادات خاص کر پنجوقتہ نماز پابندیِ وقت اور طریقۂ شرعی کے مطابق نہایت سکون آرام اطمینان سے سفر وحضر میں فرائض، واجبات، نوافل وسنن کو شوق ومحبت الفت وہمت کے ساتھ ادا کرنا ہی نماز قائم کرنا ہے اور یہی مُخْبِتِیْنَ عاشقین کی ایک نشانی ہے یہ مسئلہ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ کی ترتیب بیانی سے مستنبط ہوا۔ بارگاہِ الٰہی میں مُخْبِتِیْنَ کا بہت درجہ ومرتبہ اور مقام ہے۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ذوق وشوق مُخْبِتِیْنَ میں سے بننے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ فَاِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ۔ لفظ اِلٰہ دوبار ارشاد ہوا۔ کیا ایک بار ہی، اس طرح کہنا کافی نہ تھا۔ فَاِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ۔ جواب: نہیں اس لیے کہ فَاِلٰھُکُمْ میں ذاتِ باری تعالیٰ مراد ہے اور دوبارہ اِلٰہ کہنے میں صفتِ الٰہیت ومعبودیت مراد ہے۔ اور معنی یہ ہے کہ پس تمہارا اللہ تعالیٰ ہی ایک معبود ہے۔ اس کے علاوہ کوئی بھی الٰہ نہیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ کی صفتِ الٰہ کو واضح بیان کرنا مقصود ہے۔ اور اِلٰھُکُمْ میں۔ کُمْ کی نسبت واضافت یہ ہوا کہ اے مسلمانو جو تمہارا معبود ہے بس وہی پوری کائنات کا معبود ہے۔ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ میں صفتِ الوہیت ذکر ہوئی۔ اگر صرف اِلٰھُکُمْ وَاحِدٌ۔ فرمادیا جاتا تو صرف ذات کا بیان ہوتا، یعنی ذاتِ الٰہ ایک ہے لیکن صفتِ الوہیت کی وحدت لاشریک کا بیان نہ ہوتا، دوبارہ تاکیداً بیان فرماکر

marfat.com

یہ بتایا گیا کہ تمہارا معبود صرف ذاتًا ہی ایک نہیں بلکہ صفتِ الوہیت اور حقِ معبودیت میں بھی یکتا ہے۔ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ ہے دوسرا اعتراض، یہاں فرمایا گیا۔ وَ الْمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ یہ عبارت مقدسہ ترکیبِ نحوی کے اعتبار سے اَلْمُقِیْمِیْ اسم فاعل جمع مذکر مضاف ہے۔ اَلْمُقِیْمِیْنَ تھا اضافت کی وجہ سے نونِ اعرابی جمع آخر سے گر گیا اور اَلصَّلٰوۃِ اس کا مفعول مضاف الیہ ہے یہاں سوال یہ ہے کہ قانون نحوی کے مطابق مضاف پر الف لام نہیں آسکتا تو پھر یہاں مضاف پر الف لام کیوں آگیا۔ وَمُقِیْمِی الصَّلٰوۃِ ہونا چاہئیے تھا بغیر الف لام کے غالبًا اسی قانونِ نحوی کی وجہ سے بعض قُراء حضرات نے اس کو وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ پڑھا ہے بغیر اضافت کے مگر وہ مشہور و مکتوبی قرئت نہیں ہے جواب۔ نحو کا یہ قانونِ کلی اسم جامد مضاف کے لیے ہے۔ کیونکہ اسم جامد مضاف میں صرف اضافت ہوتی لہٰذا نسبت سے تخصیص پالی گئی معرفہ بنا کر تخصیص کرنے کی ضرورت نہیں مگر اسم مشتق کے لیے یہ قانون نہیں ہے اس لیے کہ اسم مشتق مضاف میں دو چیزیں ایک اضافت دوم عاملیت، اس کا مضاف الیہ اس کا معمول بھی ہے اس لیے یہاں دو طرح تخصیص بھی ہو سکتی ہے مضر نہیں ایک تخصیص اضافت سے دوسری الف لام سے نیز اہلِ عرب کے نزدیک مشتق مضاف پر الف لام کا آنا جائز و جاری و مشہور ہے۔ چنانچہ تفسیر روح المعانی نے اسی جگہ ایک شعر لکھا ہے۔

اَلْحَافِظُوْ عَوْرَۃِ الْعَشِیْرَۃِ ٭ لَا یَاْتِیْھِمْ مِنْ وَّرَائِھِمْ نُطَفٌ

دیکھو اَلْحَافِظُوْ اسم مشتق مضاف ہے اور اس پر الف لام آگیا دراصل یہ اَلْحَافِظُوْنَ اسم فاعل جمع مذکر ہے نون اعرابی اضافت کی وجہ سے گر گیا، اس کا مفعول مضاف الیہ عَوْرَۃِ الْعَشِیْرَۃِ ہے ثابت ہوا عرب شُعَرَا کے نزدیک مشتق مضاف پر الف لام آسکتا ہے تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جاتے تو ان مُخْبِتِیْنَ لوگوں کے دل ڈر سے تھرتھرانے کانپنے لگتے ہیں لیکن سورۃ رعد کی آیت ۲۸ میں ارشاد ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ خبردار۔ اللہ تعالیٰ کے ذکر سے دلوں کو چین سکون اطمینان ملتا ہے دل پُر سکون و مطمئن ہو جاتے ہیں۔ وَجِلَتْ میں کپکپاہٹ خوف و ڈر ہوتا ہے، اطمینان میں بے خوفی اور سکون ہوتا ہے یہ دونوں آپس میں متضاد نقیضین ہیں، تو ذکرُ اللہ سے یہ تضاد کیوں۔ جواب۔ اس دنیا میں دو قسم کے بندے ہیں ۱ اچھے ۲ برے اور ان کی دو قسم کی ہی زندگی ہے ۱ دینی زندگی ۲ دنیوی زندگی، اطمینان بھی دو قسم کا اور وَجِلَۃٌ

marfat.com

بھی دو قسم کا ایک دینی اطمینان ایک دنیوی اطمینان اور ایک دینی وَجلَۃ اور ایک دنیوی وَجل، دونوں آیتوں میں فرمایا جارہا ہے، دنیوی اِطمینان تو کسی کو بھی میسّر نہیں نہ اچھوں کو نہ بروں کو بلکہ جتنا جتنا دنیا میں زیادہ پھنستے جائیں اتنی ہی پریشانی بے اطمینانی بڑھتی ہی جاتی ہے اور اہل دنیا روز وشب در زَرقَرَق و در رنگ بَک اند۔ جس نے دنیوی زندگی میں سکون اطمینان لینا ہے تو یاد رکھو کہ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ بے چین اور پریشان دلوں کو چین و سکون صرف ذکرُ اللہ میں ہی ملے گا، اُس آیت میں دینی دنیوی اطمینان کا ثبوت اور دنیوی وَجلَۃ کی نفی فرمائی جارہی ہے یہاں اِس آیت میں اللہ تعالیٰ کی خشیتِ رُعبِ جلال اور ہیبتِ قرب کی وَجلت کا ثبوت ہے نہ کہ دنیوی خوف کا یعنی مقرّبین و مخبتین بندے جب ذکرِ الٰہی کو سنتے ہیں یا کرتے ہیں تو خشیتِ کبریائی سے دل لرزتے ہیں آنسو بہتے ہیں، غرضکہ وہاں اور نوعیت کا بیان ہے یہاں دوسری نوعیت کا بیان۔

تفسیر صوفیانہ

وَ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗ اَسْلِمُوْا وَ بَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۔ بدنِ انسانی کی ہر قوت ایک علیحدہ اُمت ہے اور ہم نے ہر اُمتِ قویہ کے لیے اُس کی قربان گاہِ عبادت کا ایک مَنسک عمل بنادیا تاکہ جسم انسانی کی ہر قوتِ ذکر و فکر اپنے اپنے مَنسک و مَسلک کے مطابق عباداتِ ذکریہ فکریہ، نیتِ مخفیہ میں مشغولِ اعمال ہوجائے اور مظاہرۂ توحید کی توجہِ کمال سے رزقِ حلال پر ذکر اِسمُ اللہ کی چھُری چلادے یہ نفسِ امارہ ہی بدنِ انسانی میں حیوانِ بھیمہ ہے، اے نفوسِ مطمئنہ والو سن لو کہ تم سب کا معبود و مسجود ایک ہی اِلٰہِ واحد ہے پس عقل، شعور، ضمیر تمیز، قلب و فواد کی سادی قوتوں کو اُسی خالق تعالیٰ کی بارگاہ بے نیاز میں جھکادو۔ اے مرشدِ لاہوتی محبوبِ جبروتی، تمام اَعضاءِ جسمانیہ قواءِ بدنیہ کی قوۃ مسکینہ عجز و نیاز کو فیضِ الٰہی عطاءِ رحمانی برکتِ ایمانی رحمت عرفانی کے قابل ہونے کی خوشخبری سنادے (ابن عربی) سالکینِ معرفت کی چار اُمتیں، صدیقی، فاروقی، عثمانی، حیدری ہر قوت کے چار منسک، قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی، ہر مَنسک کے چار ہی مَسلک، حنفی، مالکی، شافعی حنبلی، بنادیے گئے یہ سب معرفتِ الٰہی کی منزلیں ہیں اِن طبقاتِ مختلفہ کے راستوں پر ہر ایک ہی طلبِ مولیٰ کے لیے قربانیِ فکریات و نظریات وعقلیات پیش کرتا ہے مگر سب کا طریقہ اور راستہ جداگانہ ہے صالحین طریقِ معاملات میں طلبِ مولیٰ کر رہے ہیں عابدین طریقِ مجاہدات

marfat.com

میں مگن ہیں، مخلصین طریقِ مشاہدات میں مسرور ہیں، اور عاجزین مکاشفۂ انوار میں محو ہیں ہر ایک کو حکمِ ربانی ہے کہ بہیمۂ نفسانی پر قہرِ ذکر کی چھری چلا دو کیونکہ وہ ہی بغاوتِ الٰہیہ کا وحشی ہوتا ہے۔ حالانکہ تم سب کا معبود ایک ہی معبود ہے اسی کی جستجو میں مقاماتِ صبر و شکر کو عبور کر کے حصولِ کمالات کرو کہ یہی فَلَهٗۤ اَسْلِمُوْا کا حکمِ ربانی ہے۔ اسلام بمعنیٰ اخلاص ہے اور اخلاص کا پہلا قدم آفتوں سے اعمال کو پاک و صاف کرنا ہے، دوسرا قدم کدورتوں سے اخلاق کو پاکیزہ رکھنا، تیسرا قدم التفاتِ غیر سے احوال بچانا چوتھا قدم انفاس کو اغیار سے دور کر لینا۔ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ اور بشارت ہو طالبین، مخلصین صادقین عاملین کاملین کو سعادتِ لقاءِ انوار کی (روح البیان) الَّذِیْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِیْنَ عَلٰى مَاۤ اَصَابَهُمْ وَالْمُقِیْمِی الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ۔ یہی ہیں اہلِ قدم کہ جب ذکرِ حاضریِ اللہ کیا جائے تو قربِ فیض سے ان کے دل کانپ جاتے ہیں اور قبولِ فیض میں سرشار ہو جاتے ہیں، اور مخالفات و مجاہدات میں ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ نمازِ مشاہدات کو قائم رکھنے والے ہیں، اور یہی وہ خوش کردار بندے ہیں جن کو ہم نے کمال و فضائل کا رزق عطا فرمایا وہ اسی رزق کو راہِ فنا کی قربانیوں اور مقامِ بقا کی منزلِ عرفاتِ حج میں خرچ کرتے ہیں اور طالبینِ سعادت کو عطیے دیتے ہیں (ابنِ عربی) سالکینِ طلب وہ عاشق ہیں جو خود چاہتے ہیں کہ مصائبِ محبوب میں گھر جائیں تاکہ قربِ مطلوب نصیب رہے تکالیفِ تقدیری سے نکلنے کی کبھی تمنا نہیں کرتے وہ اُن تکالیف و مصائب در دو آہ کو وسیلۂ یاد سمجھتے ہیں۔ اس لیے آرام اور کشودگی و فراخی کی کبھی چاہت نہیں کرتے۔ بلکہ اپنی خوشی سے اپنے آپ کو سپردِ بلا کر دیتے ہیں، مثلِ پروانہ اور بلبلِ ویرانہ، اور یہی کہتے ہیں کہ ؎

میرے مولیٰ تیرے پتھر بھی اچھے ؛ غبارِ راہ اور کانٹے بھی اچھے

تمنائے قرب میں عرض کرتے رہتے ہیں۔ اے آقا اگر لطف سے بلالے تو مزید مہربانی اور جو تو قہر سے ہٹا دے تو قضاءِ آسمانی۔ آقا کے منہ پھیر لے سے آزردہ و مایوس نہیں ہوتے۔ بے توجہی کے باوجود درِ آستانہ سے چمٹے رہتے ہیں اور اپنے احوال کی پرواہ کئے بغیر اسرارِ محبت کی نماز میں مشغولیت و حفاظت کرنے والے ہیں۔۔ یہی وہ عاشقین ہیں جو نمازِ دائمی کی مناجاتِ ربانی میں مقیم ہیں نہ راحت کی تمنا نہ روح کی فکر۔ بس آرزو یہی ہے کہ طالب بولتا رہے مطلوب سنتا رہے۔ یہی مخلصین ہیں جو صیامِ دہر و قیامِ لیل کی وجہ سے جنت میں نہ جائیں گے بلکہ صلاحِ صدر، زکاءِ قلب سخاءِ نفس سلامتیِ عقل، نصائحِ خلق کی وجہ سے رضاءِ خالق کی جنتِ قرب میں

marfat.com

داخل کئے جائیں گے، کیونکہ یہ لوگ مال وجود سے خدمتِ مولیٰ کرنے والے ہیں، یہی عادت دنیا کی عبادت اور عقبیٰ کی سعادت ہے، مخبتین وہ ہیں کہ جب رب تعالیٰ نے عالمِ ازل حادث میں، بندوں پر حکومت کی قوت اور سخریت کی نعمت تقسیم فرمائی تو کچھ بندوں نے عرض کیا یا مولیٰ ہمیں سخریت کی نعمت نہیں خدمت کی سعادت عطا فرما۔ عاملین چاہتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ سَخِّرْ لَنَا الْاَشْیَاءَ اے اللہ ہمارے لیے چیزیں مسخر اور نرم فرما دے مگر عارفین چاہتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ کُنْ لَنَا۔ اے مولیٰ تو خود ہمارا ہو جا، کیونکہ وہ اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ رب راضی تو سب راضی ہے

تو ہم گردن از حکم داور مپیچ — کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ (سعدیؒ)

اے بندے تو رب تعالیٰ کے حکم سے گردن مت پھیر، تو کوئی چیز تیرے حکم سے گردن نہیں پھیرے گی۔ تو اَللّٰھُمَّ سَخِّرْ لِیْ اَلْاَشْیَاءَ کی دعا نہ کر، بلکہ خود اس کے آستانے پر مسخر ہو جا۔ اس عالمِ ناسوت میں تین قسم کی چیزیں ہیں۔ تین قسم کے بندوں کو ملتی ہیں پہلی چیز عزت یہ بندۂ رحمٰن کو دی گئی، دوسری چیز تکبر یہ بندۂ شیطان کو ملی۔ تیسری چیز غرور یہ بندۂ نفسانی کو ملی، عزت والے مُخْبِتِیْن ہیں۔ تکبر والے مفسدین ہیں اور غرور والے سفیہین یعنی بے وقوف ہیں، کوئی مومن خود کو ذلیل نہ سمجھے، عزتِ دائمی یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو پہچانے، احترامِ آدمیت یہ ہے کہ اُسے دنیا کے عارضی مفاد کے لیے استعمال نہ کرے، تکبر یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ سے ناواقف رہے، غرور یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اپنے مقامِ اصلیہ حقیقیہ سے بالا تصور کرے، اچھے بندے کی نشانی یہ ہے کہ ہر عمر میں جہاں بھی جس حال میں بھی ہو خلوت جلوت میں اپنے رب تعالیٰ سے ڈرتا رہے، بُرے بندے کی نشانی یہ ہے کہ اُس کی بدکلامی بدلگامی کے ڈر سے لوگ دور ہو جائیں اچھا وہ ہے جو باوجود قوتِ انتقام کے برائی کا بدلہ نیکی اور حسنِ سلوک سے دے، خوشِ اخلاقی مومن کا زیور ہے مگر موذی کو معاف کرنا مخلوق الٰہی پر ظلم کرنا ہے، ہر نیکی دنیا میں ایک برائی کو مٹاتی ہے جس طرح ایک روشنی ایک اندھیرے کو مٹاتی ہے، جس بندے کو نرم دلی کی نعمت ملی اُس کو بھلائی ملی جسے نرم دلی یعنی رقتِ قلبی نہ ملی وہ دنیوی اُخروی بھلائی سے محروم رہا۔ اگر بندے کو رب تعالیٰ کی نعمتیں ملیں تو ایثار کرے اور اگر نہ ملے تو نہ شکوہ کرے نہ حسد نہ رشک۔ بلکہ محروم پر صبر اور موجود پر شکر کرے کسی چیز کو اپنی ملکیت نہ سمجھو کیونکہ اس سے حقداری کا غرور پیدا ہوتا ہے (از صدیق اکبر)

marfat.com

وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ

اور موٹے تازے اونٹ ہی ہیں کہ بنایا ہم نے جن کو تمہارے لیے اللہ کے نشانات سے

اور قربانی کے ڈیلدار جانور (اونٹ اور گائے) ہم نے تمہارے لیے اللہ کی نشانیوں

لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ ۖ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا

تمہارے لیے ان میں خیر ہی خیر ہے تو پڑھو تم اللہ کا نام اس پر

سے کئے تمہارے لیے اُن میں بھلائی ہے تو اُن پر اللہ کا نام لو

صَوَآفَّ ۚ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا

پاؤں بندھے حالت میں پھر جب بے جان ہو کر گر جائیں اُن کی کروٹیں تو خود بھی کھاؤ

ایک پاؤں بندھے تین پاؤں سے کھڑے پھر جب اُن کی کروٹیں گر جائیں تو ان میں سے خود کھاؤ

مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ ۚ كَذٰلِكَ

اُس سے اور کھانا دو مانگنے والوں محتاجوں کو اور گداگروں کو۔ اور

اور صبر سے بیٹھنے والے اور بھیک مانگنے والے کو کھلاؤ ہم نے یونہی ان کو تمہارے

سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۳۶﴾

قابو میں دیدیا ہے ہم نے اِن کو تمہارے تاکہ تم شکر کرو۔

بس میں دیدیا کہ تم احسان مانو۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا

نہیں پہنچیں گے اللہ کو ان کے گوشت نہ ان کے خون،

اللہ کو ہرگز نہ اُن کے گوشت پہنچتے ہیں نہ اُن کے خون

marfat.com

وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ۭ كَذٰلِكَ

اور لیکن پہنچتی ہے اُس کی بارگاہ میں نیک نیتی تمہاری طرف سے۔ اسی طرح

ہاں تمہاری پرہیزگاری اُس تک باریاب ہوتی ہے۔ یونہی ان کو تمہارے

سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۭ

قابو میں کر دیا ان کو تمہارے تاکہ تکبیر پڑھو تم اللہ کی اس طریقے پر جو ہدایت دی اُس نے تم کو

بس میں کر دیا کہ تم اللہ کی بڑائی بولو اس پر کہ تم کو ہدایت فرمائی

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ

اور بشارت دیجئے نیکوں کو کہ بے شک اللہ دفاع فرماتا ہے

اور اے محبوب خوشخبری سناؤ نیکی والوں کو۔ بے شک اللہ بلائیں ٹالتا ہے

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ

اُن لوگوں کا جو مومن بن گئے بے شک اللہ پسند نہیں فرماتا ہر قسم کے

مسلمانوں کی۔ بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا ہر بڑے

خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ﴿۳۸﴾ ع

خائن اور ناشکرے کو

دغا باز ناشکرے کو

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں قربانی کے چھوٹے جانوروں کا ذکر ہوا جو دنیا کے ہر خطے علاقے میں پائے جاتے ہیں۔ اب اِن آیت میں قربانی کے اُس بڑے چوپائے کا ذکر فرمایا گیا جو زیادہ تر عرب میں

marfat.com

پایا جاتا ہے دوسرا تعلق، گذشتہ آیت میں شعائر اللہ اور ان کی تعظیم کرنے کا ذکر ہوا تھا۔ اب ان آیت میں اونٹ کے شعائر اللہ میں سے ہونے کا ذکر ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اس میں بھی تمہارے لیے خیر ہے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں چھوٹے چوپایوں کو قربانی میں ذبح کرنے کا ذکر اور اشارہ طریقہ بیان فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں اونٹ کو ذبح کرنے کا طریقہ بیان فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول زمانہ جاہلیت میں کفار اپنی قربانیوں کے خون کعبہ معظمہ کی دیواروں سے ملتے تھے اور یہ عقیدے بناتے تھے کہ اس طرح کرنے سے اللہ کی بارگاہ میں ہماری یہ قربانی پہنچ جائیگی۔ فتح مکہ کے بعد بعض ناسمجھ مسلمانوں نے بھی اس کی اجازت مانگی تب یہ آیت نازل ہوئیں ۳۶ تا ۳۸ اور اس طرح گندگی پھیلانے سے منع فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ واؤ سیر جملہ اَلْبُدْنَ اسم معرف باللام الف لام حرفی عہد خارجی بُدْنَ جمع مکسر ہے بَدَنَةٌ کی موٹے جسم والے اونٹ کو کہا جاتا ہے مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے۔ یہ سفر کے لیے زیادہ استعمال نہیں کئے جاتے زیادہ تر گوشت اور دودھ کے لیے ہوتے ہیں، ایک قول میں اس میں موٹی گائے بھینس بھی شامل مگر بعض نے کہا یہ درست نہیں اسی آیت میں لفظ صَوَآفَّ سے اس قول کی تردید ہو رہی ہے یہ مفسر ہے تاکید کے لیے ایک قول میں یہ مفعول مقدم ہو کر مفسر ہے اور تقدم سے تاکید واہمیت مقصود ہے ایک قول میں یہ پوشیدہ فعل جَعَلْنَا کا مفعول بہ ہے در اصل تھا وَجَعَلْنَا الْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا مگر پہلا قول زیادہ واضح وآسان ہے جَعَلْنَا فعل با فاعل ھَا ضمیر مفسَّر ہے اَلْبُدْنَ کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے لَکُمْ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ تبعیضیت کا شعائر اللہ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق دوم ہے جَعَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَکُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا فِیْهَا۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے ھَا ضمیر کا مرجع شعائر ہے خَیْرٌ اسم مصدر جامد حاصل مصدر) بروزن بَیْعٌ یہ نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ کا سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا فَ زائدہ بیانیہ اُذْکُرُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف۔ جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِذْکَارٌ ذِکْرٌ سے بنا ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مرجع وہی فی النَّاسِ اسم اللہ مرکب اضافی اس کا مفعول بہ عَلَیْهَا یہ مجرور جار متعلق ہے، ھَا ضمیر واحد مؤنث برائے جمع مؤنث غیر عقل والی جمع چیزوں کے

marfat.com

لیے واحد مؤنث غائب کی ضمیر ہی آتی ہے ذوالحال ہے صَوَافَّ اسم جمع مُنتہی الجموع بروزنِ دَوَابّ صَافَّۃٌ کی باب نَصَرَ کا اسم فاعِل جمع مؤنث، دراصل صَافِفَۃٌ تھا ف کا ف میں اِدغام کر دیا۔ اس کی اشتقاق اور صیغے کی جمع صَافَّاتٌ ہے۔ یہ صَوَافُّ جمع مُنتہیٰ ہے صَفٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ صف بنا کر کھڑی ہونے والیاں یہاں تشبیہ کے لیے ہے حقیقتاً معنیٰ مراد نہیں مراد ہیں وہ قربانیاں یعنی قربانی کے اونٹ جس کے ایک ایک پیر باندھ کر نَحر (ذبح) کرنے کے لیے تیار کھڑا کیا جاتا ہے حقیقی صف بندی مراد نہیں مجازاً کہا گیا کہ جس طرح صف باندھنے والے لوگ اپنی جگہ سے چل نہیں سکتے بوجہ عبادت یہ جانور بھی چل نہیں سکتے بوجہ بندھنے کے اگرچہ دُور دُور آگے پیچھے بندھے ہوں یہ حال ہے، اس کی قرأت میں مزید دو قول ہیں ۲ یہ صَوَافِنَ ہے جمع صَافِنَۃٌ کی ۳ صَوَافِیُ ہے جمع منتہی الجموع صَافِیَۃٌ کی یہ ذوالحال مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے فَاذْکُرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تنبیہ اِذَا اسم ظرفِ زمانی کے لیے یہ نیا جملہ ہے علیحدہ یہاں شرط کے لیے ہے بعض نے اس کو ماقبل کا ظرف بنایا ہے۔ وَجَبَتْ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مؤنث غائب وَجُبٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے واجب ہونا ضروری ہونا یہاں ارشاد ہوا عربی میں گرنے کے لیے چار مصدر اِس کے علاوہ ہیں اور ہر ایک میں نوعی فرق ہے ۱ طَرْحٌ ۲ سَقْطٌ ۳ ھَوِیٌّ ۴ حَطْطٌ، جُنُوْبُ اسم جمع مکسر ہے جَنْبٌ کی بمعنیٰ کروٹیں مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ مرجع وہی ہے شعائر جانور قربانی کے یہ مرکبِ اضافی فاعل ہے وَجَبَتْ کا یہ فعل فاعِل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے انسان کے علاوہ ہر جانور بے جان ہو کر کروٹ کے بَل ہی گرتا ہے اس لیے جنوب کو فاعِل بنایا گیا۔ اور گرنے کو بے جان ہونے سے تعبیر کیا گیا یہ انتہائی فصاحتِ ادب ہے فَ جزائیہ کُلُوْا فعل امر با فاعِل جمع مذکر حاضر مِنْہَا جار مجرور متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اور اَطْعِمُوْا فعل امر با فاعِل پوشیدہ جمع مذکر حاضر اَلْقَانِعَ بابِ فَتَحَ کا اسم فاعِل واحد مذکر حاضر قَنْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ صابر و شاکر نہ مانگنے والا راضی بر رضا غریب محتاج یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمُعْتَرَّ باب افتعال اسم فاعِل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِعْتِرَارٌ، عُرٌّ سے بنا ہے بمعنیٰ جھگڑا کر کے گداگری کرنا۔ یعنی جھگڑالو گداگر۔ لغوی ترجمہ کھجلی خارش کرنا چونکہ معترض بھی کسی عطا سے خوش نہیں ہوتا اگر بول نہ سکے تو کم از کم کسمسانا ضرور ہے اِس معنیٰ میں جھگڑالو کو مُعْتَرّ کہا گیا۔ دراصل مُعْتَرِرٌ تھا دونوں رَ کو ہم جنسی کی وجہ سے اِدغام کیا گیا یہ معطوف ہے دونوں عطوف مل کر مفعول ہے اَطْعِمُوْا کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کُلُوْا کے

marfat.com

جملے پر وہ دونوں مل کر جزا ہے وَجَبَتْ کے جملے کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ واؤ سر جملہ كَذٰلِكَ یہ صرف تشبیہ جار مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے سَخَّرْنَا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع متکلم ہے اس کا مصدر ہے تَسْخِیْرٌ یہ فعل با فاعل اس کا مفعول بہ ھَا ضمیر ہے لَكُمْ جار مجرور اس کا متعلق ہے لَعَلَّ حرف مشبہ کُمْ ضمیر اس کا اسم تَشْكُرُوْنَ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر لَعَلَّ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر علت ہے سَخَّرْنَا کی، سَخَّرْنَا فعل با فاعل اپنے مفعول بہ متعلق مقدم اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ لَنْ يَّنَالَ باب سَمِعَ کا مضارع منفی تاکید بلن واحد مذکر غائب نَيْلٌ سے مشتق ہے بمعنی پہنچنا، پانا، زمانہ مستقبل کی تاکید کے لیے ہوتا ہے لُحُوْمٌ جمع مکسر ہے لَحْمٌ کی۔ لغوی ترجمہ ہے مکمل چیز اصطلاح میں گوشت کو کہتے ہیں کیونکہ اس میں غذائیت مکمل ہوتی ہے مضاف ہے ھَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا حرف عطف تاکید کے لیے اس سے لَنْ يَّنَالَ کی نفی کی تاکید تکراری ہوئی دِمَاءٌ، اسم جمع مکسر ہے دَمٌ کی بمعنی خون مراد ہیں قربانی کے خون یہ مرکب اضافی معطوف ہے لُحُوْمُهَا پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے لَنْ يَّنَالَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ لٰكِنْ حرف عطف يَنَالُ فعل مضارع واحد مذکر غائب ہٗ ضمیر واحد مذکر مرجع اللہ تعالیٰ ہے مفعول بہ ہے اَلتَّقْوٰى اسم مصدر عامل مِنْكُمْ جار مجرور اسی مصدر کے متعلق ہے، یہ متعلق ہے يَنَالُ کا دونوں ترکیبیں درست ہیں التَّقْوٰى شبہ جملہ ہو کر فاعل ہے يَنَالُ کا اس لیے مرفوع ہے مگر اعراب تقدیری (پوشیدہ) ہے کیونکہ اسم مقصور ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَنْ يَّنَالَ کے جملے پر دونوں مل کر جملہ معطوفہ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ اسم اشارہ مجرور متعلق مقدم ہے سَخَّرَ کا اس کا مشار الیہ جَعَلْنٰهَا کا جملہ ہے سَخَّرَ فعل ماضی ھَا ضمیر مفعول بہ ہے سَخَّرَ کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے لام حرف تاکید (لامِ کَے) بمعنی تاکہ یہ مضارع کو اَنْ ناصبہ کی طرح نصب دیتا ہے تُكَبِّرُوْا باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف انشائی، کیونکہ ترجی ہے واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مفعول بہ کُمْ ضمیر ظاہر ہے هَدٰى فعل فاعل اپنے باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب هُدًى سے مشتق ہے بمعنی راستہ بتانا طریقہ سکھانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مفعول بہ کُمْ ضمیر ظاہر ہے هَدٰى فعل فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں

marfat.com

مل کر مجرور متعلق ہے لِتُکَبِّرُوا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہے سَخَّرَ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال ہے کہ جملہ انشائیہ صرف دس قسم کے ہیں امر، نہی، استفہام، تمنی، ترجی، عقود، ندا، عرض، قسم، تعجب واؤ سے جملہ بَشِّرِ فعل امر حاضر معروف با فاعل واحد مذکر اَنْتَ ضمیر مرجع آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اَلْمُحْسِنِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع ملکر بحالت فتحہ مفعول بہ ہے بَشِّرِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ۔ اِنَّ حرف مشبہ اللہ اس کا اسم یُدٰفِعُ باب مُفَاعَلَۃ کا مضارع معروف مثبت واحد مذکر غائب یہاں باب مُفَاعَلَۃ مبالغے کے لیے ہے بمعنی بہت زیادہ دفاع اور حفاظت فرمانے والا اس کا مصدر ہے مُدَافَعَۃ دَفْعٌ سے بنا ہے بمعنی مصیبت اور دشمن کو دور کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ عَنْ حرف جر زوالیہ یعنی مابعد سے ماقبل کو ہٹانا بچانا دور کرنا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے موصول صلہ مجرور متعلق ہے یُدٰفِعُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اِنَّ حرف مشبہ اللہ اُس کا اسم لَا یُحِبُّ باب اِفعال کا مضارع منفی بلا بمعنی حال مصدر ہے اِحْبَابٌ حُبٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے ترجمہ ہے پسند کرنا، اچھا سمجھنا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اَللّٰہ کی کُلَّ اسم تاکید ہے بمعنی تمام مضاف ہے ہر قسم کے خَوَّانٍ اسم مفرد مبالغہ بروزن جَبَّارٍ خَوَّانٍ خَیْنٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے دوست بن کر دشمنی کرنے والا، اصطلاح میں ہر قسم کی خیانت کرنے والے دغاباز فریبی کو خائن کہا جاتا ہے خائن اسم فاعل کا مبالغہ بنایا گیا تو ہوا خَوَّانٍ موصوف ہے کَفُوْرٍ اسم مفرد مبالغہ بروزن فَعُوْلٍ کافر سے مبالغہ بنایا گیا۔ کُفْرٌ اور کُفْرَانٌ سے مشتق ہے بمعنی ناشکرا سخت مطلب پرست یہ صفت ہے موصوف صفت مل کر مضاف الیہ کُلَّ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَا یُحِبُّ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰھَا لَکُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا صَوَآفَّ۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُھَا فَکُلُوْا مِنْھَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ کَذٰلِکَ سَخَّرْنٰھَا لَکُمْ۔ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ اور اے مسلمانوں ہم نے تمہاری قربانی کے لیے لحیم، شحیم، عظیم، جسیم، ثمین حلال وطیب، بُدنہ جانوروں کو یعنی پختہ عمر والے اونٹ اور گائے کو شعائر اللہ بنا دیا کہ ان کو اللہ کی چیز سمجھ کر نیت خالص تقوٰئے قلبی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کر ڈالو۔ بُدنہ کا لغوی معنیٰ ہے بڑے بدن والا شرعی معنیٰ ہے سات حصوں والا قربانی کا بھیمہ جانور چوپایہ اور اصطلاحی معنیٰ ہے نر مادہ اونٹ

marfat.com

بُدْنٌ سے ماخوذ ہے بمعنی عظیم اور بڑا بدن۔ بُدْنَہٌ جمع ہے بَدَانَۃٌ واحد ہے عمر کی پختگی یہ ہے کہ اس کے نطفے سے حمل ٹھہرے اونٹ نر مادہ میں پانچ سال، گائے بھینس میں دو سال اور بکری دُنبے میں ایک سال ہی، قربانی ھَدِی عقیقے کے لیے صحیح عمر یں لازم و معتبر ہیں ایک دن کم نہ ہونا چاہئے ان سے زیادہ ہو تو جائز ہے۔ ذبیحہ جانوروں کی سات قسمیں ہیں ۱ بُدْنَہ۔ یعنی اونٹ گائے بھینس نر و مادہ ۲ ھَدِی، حج کے تمام ذبیحے چھوٹے بڑے اور نر و مادہ ۳ دمِ کفّارہ، واجباتِ حج کے ترک پر جرمانے کا ذبیحہ ۴ اُضحیہ۔ یعنی قربانی کے لیے ہر چھوٹا بڑا نر و مادہ بھیمہ چوپایہ اُون یا بال والا جانور، اُون والا جانور بھی ایک سال کا لازم ہے لیکن بامرِ مجبوری کہ اگر ایک سالہ موجود نہ ہو تو چھ ماہ کا ایسا موٹا تازہ قدآور جو دیکھنے میں سال برابر لگے جائز ہے لیکن اگر سال بھر کے موجود ہوں تو ترجیح سال والے کو ہے۔ صرف نرم گوشت کی نیت سے چھ ماہا خریدنا قربانی کو مکروہ کر دے گا اس لیے کہ للّٰہیت کا خلوص نہ رہا گوشت کی نیت رہ گئی۔ اے ایمان والوں جانوروں کو صرف تمہارے لیے شعائر اللہ بنایا جا رہا ہے۔ لہٰذا ان کے ذریعے دنیوی عبادت اور اُخروی ثواب حاصل کرو اور اس کی دیکھ بھال حفاظت اس سے پیار محبت اللہ تعالیٰ کی عبادت سمجھ کر کرو۔ کیونکہ اس کے ہر کام پر تم کو ثواب ہے یہاں تک کہ اس کے ذبح پر ثواب گوشت بنانے تولنے تین حصے کرنے کھانے کھلانے یا بانٹنے پر بھی ثواب جانور کی صحت صحت مندی، اعضا کی سلامتی، جسم کی تازگی خوب صورتی قیمتی ہونے پر بھی تم کو ثواب ہے۔ بیمار دبلا، کٹے اعضا والا جانور جائز نہیں۔ پانچویں قسم منّت کا ذبیحہ ۶ عام روزمرّہ کا ذبیحہ یہ چھ اقسام ان کو ہی بھیمۃُ الانعام کہا جاتا ہے۔ اُردو میں گھریلو حلال چوپایہ، ہفتم، شکاریات کا ذبیحہ، ان کو صَیدُ الانعام کہا جاتا ہے۔ اُردو میں حلال شکار۔ لَکُمْ فِیْھَا خَیْرٌ۔ اے مسلمانو تمہارے لیے ان قربانیوں میں دینی، دنیوی بہت بھلائیاں ہیں۔ خیر کی چار نوعتیں ۱ بھلائی ۲ منافع ۳ نیکی ۴ رزق۔ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْھَا۔ پس اے بندو تم ان قربانی کے جانوروں پر شریعت کے مقرر کردہ دنوں میں اللہ تعالیٰ کا نام پڑھ کر ان کو ذبح کرو، قربانی کرتے وقت تین بار ذکر پڑھنا ضروری ہے۔ اوّلاً جب جانور کو ذبح کے لیے قابو کر چکو اس وقت صاحبِ قربانی خود یہ پڑھے۔ اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ۔ پھر اس کے بعد خود صاحبِ قربانی پڑھے۔ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَاِلَیْکَ۔

marfat.com

ترجمہ: اے ہمارے کریم رحیم رب تو نے ہی یہ جانور ہمارے قابو میں کر کے ہمیں عطا فرمایا اور اب ہم اس کو تیرے ہی نام پر قربان کر رہے ہیں ۳ پھر ذبح کی چھری چلانے والے بلند آواز سے پڑھے بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اور فوراً تیز چھری سے ذبح کر دے۔ اُس وقت کوئی دنیوی بات نہ کرے تاکہ نہ توجہ بٹے نہ ذکر اللہ سے غفلت یا بھول چوک ہو صَوَافَّ کا معنیٰ ہے جانور کو اچھی طرح قابو کرنا، اونٹ کا صَوَافَّ یہ ہے کہ کھڑے اونٹ کا اگلا دایاں یا بایاں پاؤں اٹھا کر گھٹنا موڑ کر ران سے اچھی طرح باندھ دینا، گائے کا صَوَافَّ یہ ہے کہ اُس کو لٹا کر چاروں پاؤں اچھی طرح باندھنا۔ بکری بھیڑ کا صَوَافَّ ہمت سے قابو رکھنا ہے، مستحب ہے کہ ہر جانور کا منہ ذبح کے وقت قبلہ رُخ ہو۔ صَوَافَّ کا لغوی معنیٰ ہے قابو کرنا، اونٹ کے ذبح میں نحر کرنا سنت ہے۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھڑا کر کے تین چھری والا نیزہ اوپر گلے میں مارے پھر نیزہ نیچے کو کھینچ لے اور گردن کو لمبائی میں ذبح کرے۔ عقر بھی جائز ہے۔ باقی جانوروں میں صرف عقر جائز ان میں نحر ہو سکتا ہی نہیں۔ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا۔ پھر ذبح کے بعد جان نکل جانے سے جانور جب خود ڈھیلا پڑ کر ڈھیر ہو جائے۔ اس طرح کہ اونٹ کسی کروٹ پر گر جائے اور گائے بھینس بکری اسی کروٹ پر ٹھنڈی ہو جائے تڑپنا ختم ہو جائے۔ وَجَبَتْ کا لغوی معنیٰ ہے زمین پر ڈھیر ہو جانا نیچے گر کر یا پھڑکنا بند ہو کر۔ اصطلاحی معنیٰ ہے جان نکل جانا زمین سے چمٹ جانا، جانور کا وَجَبَتْ زمین سے لگنا اور حکم کا وَجَبَتْ بندے سے چمٹنا لگنا، جانور کی جان نکل جائے بندے کا اختیار نکل جائے۔ یعنی جب جانور زمین پر ٹھنڈا ہو جائے تب اُس کی کھال اُتارو، گوشت کاٹو۔ کچھ کھاؤ کچھ کھلاؤ کچھ خیرات کرو۔ قانع وہ محتاج جو مانگتا نہ ہو مُعْتَر وہ محتاج جو گداگر ہو، قربانی کا گوشت سب کو کھلاؤ، مِنْهَا کی مِنْ تبعیضیہ سے تقسیم گوشت کا ثبوت ملا۔ كُلُوْا کا امر مستحب ہے اور اَطْعِمُوْا کے امر میں دو قول اکثریت نے فرمایا یہ بھی مستحب ہے لہٰذا سب گوشت خود بھی کھا سکتے ہیں اور بانٹ بھی اور سب خیرات بھی کر سکتے ہیں سنت یہ ہے کہ تین حصے کئے جائیں ایک خود ایک احباب کو اور ایک قانع و مُعْتَر فقرا کو بعض فقہائے نے فرمایا اَطْعِمُوْا کا امر وجوب کے لیے ہے یعنی فقرا کو دینا واجب ہے۔ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ۔ اے لوگو اس میں غور کرو کہ اتنے اتنے بڑے جانور قوت و طاقت والے جو ظاہر و باطن میں ہمت و قوت میں تمہارے سامنے بڑھ کر ہیں مگر تمہاری خدمت و صیبت میں صَوَافَّ کیوں بنے پھرتے ہیں تو یاد رکھو کہ اسی طرح ہم

marfat.com

نے ان کو تمہارے لیے عاجز و مسخر کیا ہے لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ تاکہ تم اس عزت افزائی پر ہر دم اپنے رب تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو۔ قربانی کی نعمت اور شکر کا ثواب حاصل کرتے رہو اگر ہم ان کو مسخر نہ فرماتے تو تمہارے تعقل تدبّر کی طاقت نہ تھی کہ ان کو رسیاں باندھ کر قابو کر لیتے اور یہ چپ چاپ بندھواتے رہتے، تم تو چھوٹے سے وحشی جانور کو قابو نہیں کر سکتے۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ اللّٰهَ يُدٰفِعُ عَنِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ۔ اے مسلمانو تم یہ بات یاد رکھو کہ ان قربانیوں ہدیوں کا گوشت اور خون اللہ تعالیٰ کے پاس نہیں جاتا نہ وہ تمہارے ان جانوروں کے گوشت وخون سے خوش ہوتا ہے، اس کی بارگاہِ مقدّس میں صرف تمہارا تقویٰ اور خلوصِ نیت احترام شریعت کی خشیت کا درجہ پہنچتا ہے۔ زمانۂ اسلام سے پہلے کفار ایامِ حج میں کچھ جانور منیٰ میں اپنے بتوں کے پاس ذبح کرتے ان کا خون بتوں سے لیپتے اور گوشت بتوں کے پاس چھوڑ آتے اور سمجھتے کہ اس سے بت خوش ہو جاتے ہیں، اور کچھ جانور کعبے کے پاس ذبح کرتے ان کا خون دیواروں سے خون لیپتے، اور گوشت کعبے کے اندر اور حطیم میں رکھ دیتے اور سمجھتے کہ یہ اللہ کا حصّہ ہے اللہ اس سے خوش ہوتا ہے۔ کہتے کہ اللہ کا حصّہ اللہ کے پاس پہنچ گیا اور بتوں کا بتوں کے پاس، جب مسلمان صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم پہلی بار حج کرنے آئے تو بعض نے عرض کیا کہ ہم ذبح میں کیا کریں ان کو سمجھایا گیا کہ قیامت تک کے لیے اس بات کو سن لو کہ کسی بھی ذبیحے کا گوشت یا خون اللہ عزّ وجلّ کی بارگاہ میں نہیں پہنچتا، اے میرے بندو تم شرکیہ کفریہ باتوں رسموں اور گندے طریقوں سے بچو وہ سب کفار کی احمقانہ باتیں تھیں، تمہیں تو چاہیئے کہ اپنے ہر کام ہر عادت ہر عبادت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے آستانۂ تعلیم گاہِ قدسیاں سے تقوئے قلبی، عقلی، جسمی، عملی حاصل کرو تمہاری طرف سے اس ذاتِ جلّ مجدہٗ کی بارگاہ میں صرف تقویٰ ہی پہنچتا ہے۔ شریعت میں تقویٰ پانچ چیزوں کا نام ہے ۱ نیّت خالص ۲ اعمالِ صالحہ ۳ طبیعت عاجزہ ۴ عقلِ سلیم کی عقیدت ۵ قلبِ فہیم کی محبّت اور شکوک وشبہات سے پرہیز۔ جادوگر انسانوں اور شیطانی جنات نے کفار کے ذہنوں عقیدوں میں یہ وسوسہ ڈالا ہوا ہے کہ دیوی دیوتاؤں کو

marfat.com

خوش کرنے کے لیے ان کی مورتیوں پر گوشت اور خون کی بھینٹ اور چڑھاوے چڑھاؤ تب وہ راضی رہتے ہیں اگر نہ چڑھاؤ گے تو دیوی دیوتا کا غضب نازل ہوگا۔ اس شیطانی وہم و تصور سے مسلمانوں کو منع کیا جا رہا ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ قربانیوں سے تمہارے ہی دینی، دنیوی ایمانی، عرفانی فائدے ہیں اس میں عقیدۂ توحید، عبادتِ تکبیر اور عادتِ ذکرُ اللہ ہے، مومن کی صدی اور قربانی کفر توڑ شرک سوز اور طلبِ رضا ہے، کیونکہ قربانی ہے ذکرُ اللہ اور ذکر سے فکر فکر سے تدبُّر، تدبُّر سے تذکُّر، تذکُّر سے عبادت عبادت سے خلوص، خلوص سے خشیت، خشیت سے تعظیم تعظیم سے تقویٰ۔ تقوے سے محبت سے قرب اور قرب سے فضیلت ملتی ہے نیتِ خلوص کے بغیر کوئی بھی کام مقبول نہیں، لہٰذا اے بندو اپنے آپ کو عبادت میں ایسے مسخر کر دو۔ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ۔ جس طرح رب تعالیٰ نے دنیا کے تمام جانوروں کو تمہارے لیے مسخر فرما دیا۔ اسی تسخیر کی وجہ سے تم نہایت آسانی سے اُن کو پکڑ لیتے خرید لیتے ہو مالک بن کر ان سے ہزار طرح کے نفعے حاصل کرتے رہتے ہو۔ مال برداری، اپنی سواری، نعمتِ غذائی رب کا کرم نہ ہو تو مصیبت ہے زندگی، اُس کا ہی کرم ہے تو سہولت ہے زندگی۔ ان چیزوں میں غور کرو۔ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کی کبریائی پر اس طرح ایمان لاؤ جس طرح تم کو ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ اور تعلیم سے ہدایتِ کاملہ ملی۔ اور کفریہ طریقے چھوڑ کر بتوں کے بجائے اپنے تمام ذبیحوں پر اللہ تعالیٰ کی تکبیر پڑھو۔ اور یہ بھی یاد کرو کہ ربِّ قدیر خالق کبیر نے تم کو کیسے عمدہ خوبصورت اعلیٰ و بالا نفع بخش جانور عطا کئے۔ جو تخلیق میں ایسے سخت کہ دیواریں توڑیں اور زنجیریں ایسے نرم کہ تمہارے حکم سے کبھی گردن نہ موڑیں، غُصّہ میں آجائیں تو پہلوان بھی ان کو نہ کھینچ سکیں اور سُرور میں آئیں تو تمہارا ایک بچہ بھی لیے پھرے۔ اللہ تعالیٰ کے ان احسانات کو ماننے سمجھنے والے ہی محسنین ہیں۔

وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِيْنَ۔ اے محبوب کریم اپنے اُمتیوں میں نیک، محبین عاملین مخلصین متقین کو آئندہ زندگی کی بشارت دیجئے۔ خیال رہے کہ بشارت آئندہ چیز کی ہوتی ہے اور تصدیق گذشتہ کی، بے شک اللہ تعالیٰ مدافعت فرماتا ہے اُن لوگوں سے جو رب تعالیٰ پر سچا مصمم ایمان لاتے ہیں کافروں ظالموں سے بچا کر بھی اور کفار کو شکستگی و کمزوری دے کر بھی صحابہ کرام پر دو وقت ایسے گزرے جب انہوں نے اپنے آقا حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے قتالِ کفار کی اجازت مانگی، پہلی بار مکہ مکرمہ میں کفار کے ظلم برداشت کرتے ہوئے اُس وقت

marfat.com

عرض کیا یا رسول اللہ ہم کو بھی اجازت فرمایئے کہ جو ہم پر ظلم کرے ہم بھی اُس کو ماریں کوٹیں قتل کریں
آقا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ابھی رب تعالیٰ کی طرف سے اجازت نہیں ملی ابھی صبر کرو
اس صبر میں تم کو ثوابِ عظیم اور جزائے کثیر ہے ابھی ذاتی انتقام کا وقت نہیں آیا مومن کا کوئی کام
ذاتی نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ رب تعالیٰ کی اجازت سے ہو۔ اجازتِ الٰہی کا کام عبادتِ الٰہی ہے اور
عبادت پر ثواب ہے دوسری بار اُس وقت اِذنِ قتال طلب کیا جب کفارِ مکہ کی شرارتیں مدینہ منورہ
تک بھی پہنچنے لگیں کبھی ڈاکو بن کر آنے کبھی چور، پھر یہاں تک کہ تمام مہاجرین وانصار صحابہ کرام بلکہ
خود آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عمرے اور زیارتِ کعبہ سے روکا تب سب
صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اگر حکم ہو تو اِن روکنے والوں کو ہم روکنے کا مزہ نہ چکھا دیں فرمایا ابھی
صبر کرو۔ ابھی رب تعالیٰ کی اجازت نہیں ابھی تم احرام میں بھی ہو، ابھی ہاتھ اُٹھاؤ گے تو ذاتی
انتقام بنے گا۔ میں چاہتا ہوں کہ مومن کا ہر کام، عقلی قلبی، غیض، غضب غصہ محبت دوستی دشمنی
اللہ تعالیٰ کے لیے ہو اُسی کی اجازت سے ہو۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اے حبیب کریم اِن
محسنین صحابہ اور تا قیامت عابدین زاہدین متقین کو خوشخبری سنا دو کہ اِنَّ اللّٰہَ یُدَافِعُ
عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بے شک اللہ تعالیٰ پوری پوری حمایت اور مدافعت فرماتا رہے گا بار بار
ایمان والوں کی، کفار کے مقابل۔ اِذنِ قتال سے پہلے بھی اور بعد میں بھی پہلے مومنوں کو کفار کے
ہاتھوں بچا کر اور بعدِ اذن جہاد میں مومنوں کے ہاتھوں کفار کو ہلاک کر کے شکست دے کر اور
ایمان والوں کو قوت طاقت ہمت جرأت اور فتح دے کر یہاں۔ یُدَافِعُ عَنِ الَّذِیْنَ فرمانے
سے دو باتیں ثابت ہوئیں پہلی بات یہ کہ باب مُفَاعَلَۃٌ سے بار بار ہونے کا اظہار فرمایا گیا
دوم یہ کہ لفظ عَنْ ارشاد فرما کر حمایت کا اظہار فرمایا نحوی قانون ہے کہ جب دَفْعٌ کو اِلٰی سے
متعدی کیا جائے الٰی بعد میں ہو تو دَفْعٌ کے مشتقات کا معنیٰ ہوتا ہے پہنچانا جیسا کہ سورۃ
نساء آیت ۶ میں ارشاد ہے فَادْفَعُوْٓا اِلَیْھِمْ اَمْوَالَھُمْ یعنی یتیموں کو ان کے
مال پہنچا دو۔ اور اگر عَنْ سے متعدی کیا جائے تو معنیٰ ہوتا ہے دفاعی حمایت جیسے یہاں
حمایت کی بشارت کو مبالغے سے بیان فرمانا دو وجہ سے ہے ۱ سخت حمایت ۲ بار بار
حمایت، ایمان والوں کی یہ ربانی حمایت اس لیے بھی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ کُلَّ خَوَّانٍ کَفُوْرٍ
بے شک اللہ تعالیٰ کبھی بھی کسی خیانت کرنے والے کو کسی چیز میں خائن کو پسند نہیں فرماتا
اور نہ کسی ناشکرے انسان کو پسند فرمائے خواہ فاسقین میں سے ہو یا کافرین میں سے۔ اور

marfat.com

حمایت کرنا پسندیدگی کی نشانی ہے۔ جب حمایت ہے تو محبت ثابت، محبت نہ ہو تو غضب
غصہ نفرت ہوتی ہے کسی میں رغبت کرنا محبت ہے کسی سے رغبت نفرت ہے۔ محبت ہو
تو رضا ہے، محبت نہ ہو تو ناراضگی، خَوَّان بھی مبالغہ کا لفظ ہے اور کَفُور بھی۔ اس لئے خَوَّان
کا معنی ہے کہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی ظاہری باطنی امانت سخت ترین بدترین۔ بددیانتی کرنے والا
امانت ہو یا دیانت اعمال ہوں یا افکار۔ عبادت ہو یا اُن کے اوقات یا ان کی تاریخوں میں تبدیلی
غرضکہ شریعت کے کسی بھی امر یا نہی میں تغیر، تبدل کرنے والا خَوَّان ہے۔ کَفُور کا معنی ہے، ہر نعمت
کی ہر وقت ناشکری کرنے والا، کفر و شرک کر کے یا فسق و گناہ کر کے۔ حدیث مقدس میں ہے
اِنَّ اللّٰہَ یُبْغِضُ الْمُتَفَحِّشَ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ بغض فرماتا ہے بے حیائی بے غیرتی سے
یہاں بغض بمعنی نفرت ہے اللہ تعالیٰ کے محبت نہ کرنے کی تین نشانیاں ہیں ۱ توبہ کی توفیق
نہ ملنی ۲ عبادت سے سستی ۳ اولیاء اللہ سے کدورت، خیانت اور کفران سے محبتِ الٰہی
ختم ہو جاتی ہے جب محبت ختم تو سعادت ختم اور سعادت سے ہی توفیقِ توبہ نصیب ہوتی
ہے۔ اور توبہ سے محبت اور محبت سے دعاؤں کی قبولیت اور قبولیت سے نعمت ملتی ہے
خَوَّان و کَفُور اُس سے محروم ہے نہ اُنہیں اِنعام اِکرام نہ اُن سے کوئی وعدہ نہ اُن کو بشارت
یہ وعدے صرف پاکباز لوگوں سے ہیں۔ جو بندہ چار چیزوں سے بچ گیا وہ پاک باز ہو گیا
اول کفر دوم منافقت سوم فسق، چہارم گستاخی، یہ سب خیانت و کفران کی شاخیں ہیں
حق کی معاونت امانت داری اور دیانت داری ہے لیکن حق کی مخالفت کرنا ایک قسم کی بڑی
خیانت اور بددیانتی ہے۔ اسی لیے کفر شرک منافقت، خیانتیں ہیں اور کافر مشرک منافق
خَوَّان ہیں۔ کیونکہ جان، جسم عقل قلب، نفسیات اعضا اور اُن کی قوتِ اعمال سب امانت
الٰہی ہیں۔ قیامت میں ان سب کا حساب اور جواب طلبی ہو گی، چنانچہ سورۃ اسریٰ آیت ۳۶
میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ
مَسْئُوْلًا۔ یعنی قیامت میں پوچھا جائے گا کہ اے لوگو تم نے ہماری دی ہوئی عقل و قلب
گوش و ہوش اعضاء و بدن کی امانتوں کو کہاں استعمال کیا۔ حیاتِ دنیوی میں ان نعمتوں
کو کس طرح برتا۔ صوم و صلوٰۃ، طہارت، عبادت، یہ شریعت کی امانتیں ہیں۔ ان کی ادا ظاہری
امانت داری ہے ان پر ایمان باطنی امانت داری، اور ان کا عملی ترک ظاہری خیانت ان کا
انکار باطنی خیانت ہے، ادا میں سستی، غفلت، بے وقتی بے علمی، بے دلی یہ فاسقانہ

marfat.com

خیانت ہے مثلاً طلوعِ فجر کے یقین پر سحری کھاتے رہنا۔ اور طلوعِ آفتاب پر سوتے رہنا، نماز نہ پڑھنا غروبِ آفتاب سے پہلے افطار کر لینا یہ سب خیانت بھی ہے اور کفرانِ نعمت بھی بزرگوں نے تو یہاں تک بھی فرمایا ہے کہ وردِ وظائف یا نوافل سُنن میں مشغول رہ کر فرائض چھوڑ نا بھی، خیانت و کفران کا خسارہ ہے۔ حقوق اللہ کی کوتاہی کفور ہے اور حقوق العباد کی کوتاہی خوّان ہے۔ ناپ تول میں کمی بھی خیانت ہے۔ کفران سے خود انسان کی اپنی تباہی ہے اور خیانت سے دین ایمان ملک وقوم کی تباہی ہے۔ اہلِ ایمان سے وعدۂ الٰہیہ ہے کہ اُن کو کفار کی خیانت سے بھی بچایا جائے گا اور کفور کے مکر سے بھی اس لیے کہ مومن سے محبت ہے اور محبت سے مدد ہے اور مدد میں مدافعت خوّان و کفور سے لَا یُحِبُّ اللّٰہ محبت نہیں تو مدد نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی مدد محض انتقام کے لیے نہیں ہوتی، بلکہ زمین سے برائیوں کا فساد روکنے کے لیے ہوتی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام نے اذنِ جہاد کے بعد قیامت تک چھ برائیوں کو ختم فرمایا۔ پہلی یہ کہ کفارِ مکہ عابدین کو حرم میں عبادت سے روکتے تھے۔ اس ظلم کو ختم فرمایا دوم کعبہ معظمہ کو خون و گوشت سے گندا کرتے تھے۔ اس سے کعبے کو بچایا اور بری رسم کو مٹایا، سوم، بتوں کے نام پر ذبح کرتے کعبے کو بُت خانہ بناتے۔ چہارم، حرم شریف کے خوّان تھے، پنجم عبادتِ الٰہیہ کے کفور تھے کہ نہ کرتے تھے نہ کرنے دیتے تھے، ششم، گوشت کی بدبو، کفر کی نجاست شرکیہ رسموں کی حماقت پھیلاتے تھے اِذنِ قتال اور فتح مکہ سے یہ برائیاں ختم کی گئیں۔ کسی صحابی نے نہ اپنی سابقہ اذیتوں کا انتقام لیا نہ اپنے گھر واپس چھینے بلکہ اب ان کو مکہ مکرمہ میں رہنا ہی ممنوع کر دیا گیا، یہ تھی سچی امانت داری اور شکرانِ نعمت، خوّان اور کفور کی پانچ صورتیں ہیں ۱۔ امر میں ترک، نہی میں ارتکاب، کفر میں ضد، گستاخی میں دیدہ دلیری ۲۔ لوگوں کی امانتوں میں بددیانتی ۳۔ اللہ تعالیٰ کی امانتوں میں خیانت نعمتوں کے عیش میں تکبر یہ بھی کفران ہے ۴۔ ہر شخص سے بُرا اور ناحق سلوک یہ بھی خیانت ہے ۵۔ ہر اچھائی سے نفرت ہر برائی سے اُلفت یہ بھی خوّان و کفور کی علامت ہے۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال | وَالْبُدْنَ۔ کی قرأت میں تین قول ۱۔ یہ وَالْبُدْنَ ہے یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے ۲۔ یہ وَالْبُدُنَ ہے ۳۔ یہ وَالْبُدُّنَ ہے۔ صَوَآفَّ کی قرأت میں تین قول ۱۔ صَوَآفَّ یہی مشہور و مکتوب ہے اس کا معنیٰ ہے قابو کیا ہوا ۲۔ صَوَافِنَ اس کا معنیٰ سخت بندھا ہوا ۳۔ صَوَافِیَ۔ اس کا معنیٰ ہے۔ خالص اللہ تعالیٰ کے لیے اِذَا وَجَبَتْ کے معنیٰ میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اِذَا سَقَطَتْ یعنی جب زمین پر گر جائے

marfat.com

۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اِذَا مَاتَتْ یعنی جب جان نکل جائے ۳ بعض نے کہا اِس کا معنیٰ ہے اِذَا فَرَغَتْ ۔ یعنی جب تڑپنا پھڑکنا ختم ہو جائے ۔ پہلے قول میں بُدْنَہ کا معنیٰ صرف اونٹ کیا جائے گا کیونکہ وہی کھڑے سے گرتا ہے، دوسرے دونوں قولوں میں بُدنہ سے مراد اُونٹ گائے بھینس سب بڑے جانور ہوں گے اَلْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَ کے معنیٰ میں پانچ قول ۱ بعض نے کہا قَانِعَ وہ محتاج جو گدا گر نہ ہو مُعْتَر، جو گداگر ہو ۲ بعض نے کہا اَلْقَانِع جو شرم سے ہاتھ نہ پھیلائے مگر ضرورت مند ہو۔ اَلْمُعْتَرّ وہ شخص جو ضرورت مند ہو اور مانگنے میں شرم نہ کرے ۳ بعض نے کہا اَلْقَانِع وہ محتاج جو نہ آئے نہ مانگے، مُعْتَرّ وہ جو آئے اور مانگے ۴ بعض نے کہا قانع وہ محتاج حقیقی مسکین ہو، مُعْتَر وہ ضرورت مند جو صاحب نصاب اور قربانی والا نہ ہو ۵ بعض نے کہا قانع حرم شریف کے فُقَرا اور مُعْتَر، باہر سے آئے ہوئے فقراء مُعْتَر کی قرأت میں دو قول ۱ اَلْمُعْتَرّ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ مُعْتَرِی یہ شاذ و متروک ہے لَنْ یَّنَالَ کی قرأت میں دو قول ۱ یہ لَنْ یَّنَالَ ہے ۔ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا لَنْ تَنَالَ ہے ۔ عَلٰی مَا ھَدٰکُمْ کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا، اس کا معنیٰ ہے، تم کو اللہ تعالیٰ نے ہدایتِ اسلام دی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ و تعلیم کے ذریعے ۲ بعض نے کہا اِس کا معنیٰ ہے کہ تم کو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کے قول و عمل کے ذریعے قربانی کے اَیّام اوقات کے تعیّن اور ذبح کے طریقہ نحر و عقر کی ہدایت دی، دونوں قول مناسب ہیں کیونکہ سب ہدایت اللہ تعالیٰ کی عطا اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تقسیم سے ہی ہیں ۳ بعض نے کہا کہ ھَدٰکُمْ کا معنیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو جانور تم کو عطا کئے اُن پر تکبیر پڑھ کر اُن کو ذبح کرو۔ ھَدٰا کا معنیٰ عطا ہے ۔ تینوں قول درست ہیں ۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ مسلمانوں پر قربانی واجب کرنے کی تین وجہ پہلی یہ کہ جس طرح مسلمان پر مالی جانی، جسمی عضوی بلکہ اپنے اوقات وَاَیّام کی زکوٰۃ نکالنا لازم ہے اسی طرح مسلمانوں پر منافع اور فوائد کی زکوٰۃ بھی واجب ہے تو یہ قربانی گویا فوائد کی زکوٰۃ ہے ۔ اور یہ زکوٰۃ صرف خون بہانا ہے گوشت اس کا دنیوی اجر ہے اور قبولیت کا شرف اُخروی اجر و ثواب قربانی کی دوسری وجہ یہ کہ مسلمان دنیا بھر میں تکبیر و بسم اللہ سے یادِ الٰہی مناکر شکرِ الٰہی کمائیں، اور بتوں کے ذبیحوں کی کفریہ شرکیہ رسمیں مٹائیں، تیسری وجہ، حجاج کے ساتھ دنیا کے تمام مسلمان مل کر شریک عبادت ہو جائیں

marfat.com

اور یادگارِ خلیل و ذبیح عَلَیْہِمَا السَّلَام تازہ کریں یہ بھی اتحاد و یکجہتی کا ایک شاندار نمونہ و اظہار ہے۔ فوائد کی زکوٰۃ اس طرح کہ جانوروں سے مسلمان دودھ مکھن گھی کی غذائیں اور نسل کی تجارتیں، تجارتوں سے امیری دولت مندی، اور امیری سے شان و شوکت حاصل کر رہے ہو ان کو اپنے اللہ تعالیٰ معبود و مسجود کی راہ میں اُس کے نام پر قربان بھی کرو۔ اور قلب و کردار سے اس عطیۂ ربانی کا اظہارِ شکر کرو۔ کہ مِنْکَ وَاِلَیْکَ یا اللہ رب کریم تیری چیز تیرے ہی نام پر قربان، یہ فائدہ لَعَلَّکُمْ تَشْکُرُوْنَ۔ فرمانے کی علتِ غائی سے حاصل ہوا، کیونکہ جانور میں قربانی ہے، قربانی میں شکر ہے، شکر میں تکبیر ہے، تکبیر میں اعترافِ کبریائی ہے اور اعتراف ہی عبادت ہے اگر ذرا دیدہ غور کرے تو ہر عبادت میں قربانی کا عنصر موجود ہے۔ اور اسلام کے ہر کام میں قربانی کا جذبہ ہے بلکہ بذاتِ خود اسلام لانا بھی اپنی عقل و مزاج، نفس و اجسام کی قربانی ہی پیش کرنا ہے۔ اس لیے کہ اسلام کا پہلا درس ہی یہ ہے کہ عقل قرباں کُن بہ پیشِ مصطفیٰ، اِس چوکھٹ پر صدیق کی عقل فاروق کا شعور عثمان کی فراست، مولیٰ علی کا علم ائمہ اربعہ کا اجتہاد حکما کی تدابیر عُقلا کے مشورے سب قربان، اسلام ہی زندگی بھر کی اگلی تمام قربانیوں کے لیے بندۂ مومن کو تیار رکھتا ہے۔ یہ قربانیاں نظامِ مصطفیٰ کا ایک خاکہ ہے۔

حج و زکوٰۃ و زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم ☆ جنگ و جدال عملِ قتالِ لیال و یوم

یہ سب مختلف انداز میں حیاتِ اسلامیہ کی قربانیاں ہی ہیں دوسرا فائدہ قربانی سے دنیا کی بے رغبتی کا اشارہ ملتا ہے۔ کیونکہ کافر جب جانور سے محبت کرتا ہے تو یا اُس کو معبود بنا لیتا ہے یا معشوق۔ مگر مومن جانور سے محبت کرتا ہے تو اس کو اپنے رب تعالیٰ کی مخلوق سمجھ کر اور مومن کو یہی حکم ہے کہ اپنے پیار سے پالے ہوئے، قیمت سے خریدے ہوئے بے شمار منافع و فوائد والے جانور کو اپنے رب تعالیٰ کے نام قربان کر دے تاکہ رب تعالیٰ کی چیز رب تعالیٰ کے نام پر جائے، اس قربانی میں ہر طرح کے کفر کی مخالفت ہے۔ گذشتہ یہود و نصاریٰ مشرکوں کی اور موجودہ ہندو مشرکوں کی کیونکہ بنی اسرائیل نے بچھڑے کو ہندوؤں نے گائے کو پوجا۔ یہ فائدہ فَاذْکُرُوا اسْمَ اللّٰہِ عَلَیْہَا (الخ) اور فَکُلُوْا مِنْہَا (الخ) سے حاصل ہوا کہ ذبح کرکے گوشت بنا کے خوب کھاؤ کھلاؤ، اور مشرکین کو جلاؤ تیسرا فائدہ۔ ہر مومن مسلمان کو چاہیے کہ اپنے اعمال کو مقبولِ بارگاہ اور محصولِ آخرت بنانے کے لیے اپنے اندر عقلی، قلبی اور بدنی تقویٰ حاصل کرے کیونکہ بغیر تقویٰ سب عبادات بیکار ہیں، ہر تقوے کے تین بنیادی رکن ہیں۔ پہلا

marfat.com

نیتِ خالص دوم صحیح ومکمل طریقہ سوم، عبادت میں ہمت محبت۔ جو عمل غفلت، سستی، کسلمندی، مارے باندھے یا دنیوی لالچ یا ناموری کے لیے کیا جائے وہ مقبول وپسندیدہ نہیں ہوتا یہ فائدہ وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى فرمانے سے حاصل ہوا۔ حدیثِ مقدسہ میں ارشاد ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ. اِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ اِلٰى صُوَرِكُمْ وَلَا اِلٰى اَلْوَانِكُمْ وَلٰكِنْ يَّنْظُرُ اِلٰى قُلُوْبِكُمْ وَاَعْمَالِكُمْ (مشکوٰۃ شریف) ترجمہ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور تمہارے رنگ کو مقبولیت نہیں بخشتا، بلکہ وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے۔ یعنی دل سے رب تعالیٰ کی برتری مانو عمل سے اظہار کرو۔

احکام القرآن اِن آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ امامِ اعظم کے نزدیک بُدنہ سے مراد اونٹ اور گائے ہیں، یہی امام محمد کا قول ہے۔ لیکن امام شافعی اور امام یوسف کے نزدیک بُدنہ سے صرف اونٹ مراد ہے۔ امامِ اعظم کے نزدیک یہ مسئلہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا سے مستنبط ہوا، بُدنہ کا لُغوی معنیٰ ہے۔ لحیم، جسیم، سمین، شحیم، یہ اونٹ بھی ہے اور گائے بھی اس لیے بُدنہ کا لفظ دونوں پر بولا جائے گا۔ دوسری دلیل مسلم شریف کی حدیثِ جابر ہے۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَشْتَرِكُ فِى الْاِبِلِ وَالْبَقَرِ كُلَّ سَبْعَةٍ مِّنَّا فِىْ الْبُدْنَةِ. ترجمہ، حضرت جابر رض نے فرمایا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہم لوگ ہر اونٹ اور گائے کے بُدنے میں سات آدمی شریک ہوتے تھے۔ امام شافعی رض نے اپنے قول کی دلیل تین اِستدلال پیش فرمائے۔ پہلا استدلال اِسی آیت سے کہ یہاں فرمایا گیا صَوَآفَّ اور آگے ہے فَاِذَا وَجَبَتْ صَوَآفَّ کا معنیٰ ہے کھڑا کرکے پاؤں باندھا جائے یہ صرف اونٹ میں ہوتا ہے۔ ثابت ہوا کہ بُدنہ سے مراد صرف اونٹ ہے۔ وَجَبَتْ کا معنیٰ ہے۔ بعدِ ذبح زمین پر گرنا، گرتا وہی ہے جو کھڑا ہو اِس سے بھی ثابت ہوا کہ بُدنہ سے مراد صرف اونٹ ہے، دوسرا اِستدلال ترمذی شریف میں ہے۔ عَنْ جَابِرٍ قَالَ نَحَرْنَا عَامَ الْحُدَيْبِيَةِ الْبَقَرَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبُدْنَةَ عَنْ سَبْعَةٍ ترجمہ، حضرتِ جابر نے فرمایا کہ حُدیبیہ کے سال ہم نے گائے بھی نحر کی سات کی طرف سے اور بُدنہ بھی سات کی طرف سے۔ یہاں بُدنہ کو علیحدہ بیان کرنا بتا رہا ہے کہ بُدنہ صرف اونٹ ہے۔ تیسرا اِستدلال۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کسی قربانی کے موقعہ پر فرمایا تھا۔ اَلْبُدْنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرُ عَنْ سَبْعَةٍ یعنی بُدنہ بھی سات آدمیوں کی طرف سے

marfat.com

اور گائے بھی سات کی طرف سے یہ تعزیتی فرمانِ مقدس بھی ثابت کرتا ہے کہ بُدنہ اور ہے بقرہ اور
ثابت ہوا کہ بُدنہ صرف اونٹ ہے، حنفی علما فرماتے ہیں کہ یہ تینوں استدلال نہایت کمزور
ہیں۔ پہلا اس طرح کہ صَوَافَّ کا معنیٰ باندھنا نہیں بلکہ قابو کرنا ہے جس طرح ہو سکے کھڑا کر کے
یا لٹا کر یا بٹھا کر۔ اس عام معنیٰ کو لیتے ہوئے اونٹ کو کھڑا کر کے بھی ذبح جائز ہے اور
بٹھا کر بھی نحر بھی جائز عقر بھی جائز۔ اگر بقولِ امام شافعی صَوَافَّ کا معنیٰ صرف کھڑا کر کے باندھنا
ہی ہو تو اونٹ میں صرف نحر ہی واجب ہوگا۔ حالانکہ اِس کا کوئی قائل نہیں، نحرِ اونٹ واجب
نہیں بہتر ہے بٹھا کر بھی جائز ہے۔ نیز وَجَبَتْ کا معنیٰ بھی گرنا نہیں بلکہ جان نکلنے کے بعد
ڈھیر ہو جانا ہے۔ اس کی وضاحت ایک حدیث پاک میں اس طرح فرمائی گئی۔ کہ مَا قُطِعَ مِنَ
الْبَهِيمَةِ وَهِيَ حَيَّةٌ فَهُوَ مَيْتَةٌ (ابو داؤد ترمذی) یعنی ذبح کے بعد جب تک پوری جان نہ
نکلے نہ کھال اتارو نہ گوشت کاٹو، کیونکہ جو ٹکڑا جانور سے کاٹا گیا جان نکلنے سے پہلے تو وہ
ٹکڑا مردار ہے (کھانا حرام) حضرتِ جابر کی پیش کردہ حدیث مَتناً موضوع اور بناوٹی معلوم
ہوتی ہے کیونکہ یہاں ہے کہ ہم نے گائے کو سات کی طرف سے نحر کیا۔ حالانکہ گائے کی نحر تو
ہو سکتی ہی نہیں۔ تیسرے اِستدلال میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بُدنہ کو علیحدہ ذکر فرمانا
لغوی اعتبار سے ہے۔ اور اَلْبُدْنَةُ عَنْ سَبْعَةٍ کا معنیٰ ہے کہ ہر بڑے جسم والا جانور سات
کی طرف سے ہو سکتا ہے اور بعد میں اَلْبَقَرُ فرمانا اِصطلاحی وضاحت اور سمجھانے کے لیے یعنی گائے
بھی بڑے جسم والا جانور ہے لہٰذا وہ بھی سات کی طرف سے، دوسرا مسئلہ، ہر چھوٹے بڑے چرند
پرند چگند حلال جانور پر قربانی، ھَدِی، دمِ کفارہ منّت عقیقہ اور عام روزمرہ کے ذبیحے پر
بسم اللہِ اللہُ اکبر۔ پڑھنا فرض رکھی ہے، اگر بغیر یہ تکبیر پڑھے جان بوجھ کر چھوڑ دینے کے
ذبح کر دیا تو جانور حرام ہو گا۔ یہ مسئلہ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ عَلَيْهَا اور لِتُكَبِّرُوا الله
کے اَمر فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللهِ سے بسم اللہ کا ثبوت لِتُكَبِّرُوا الله
سے اللہُ اکبرُ کہنے کا ثبوت اور عَلَيْهَا سے فرضیت کا ثبوت ہوا کیونکہ حرفِ عَلیٰ وجوب فرضیت
کے لیے آتا ہے۔ جیسے کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ۔ سورۃ بقرہ آیت
۱۸۳ کی اِس آیت کے عَلَيْكُمُ سے بھی فرضیتِ روزہ ثابت ہے۔ تیسرا مسئلہ امام اعظم اور
امام محمد جن کو فقہا طرفین کہتے ہیں۔ اِن کے مسلک میں اگر کوئی شخص یہ منت مان لے کہ اللہ تعالیٰ
کے لیے بُدنہ ذبح کروں گا تو جب اُس کا منت والا کام پورا ہو جائے تو جس علاقے میں

marfat.com

گائے بھی ذبح کر دے گا تو اُس کی منت پوری ہو جائے گی ۔ یہ مسئلہ بُدنہ کے لغوی معنیٰ سے مستنبط ہوا کیونکہ طرفین کے نزدیک گائے بھی بُدنہ ۔ یعنی بڑے بدن والی ہے ۔ لیکن امام یوسف کے نزدیک مکہ مکرمہ میں جا کر اونٹ ذبح کرے گا تب منت پوری ہو گی کیونکہ بُدنہ کو شعائر اللہ فرمایا گیا اس لیے مکہ مکرمہ سے مخصوص ہو گیا اور اُن کے نزدیک بُدنہ صرف اونٹ کو کہتے ہیں ۔ ہاں البتہ اگر منت میں جزور ذبح کرنے کی منت مانتا تو کسی بھی علاقہ میں گائے ذبح کر دیتا تو منت پوری ہو جاتی ، احناف نے جواب دیا کہ بُدنہ بھی ثواب میں جزور یعنی عام جانور کی مثل ہے ۔ اور ہر قربانی کا جانور شعائر اللہ ہے لہٰذا نہ بُدنہ اونٹ سے خاص نہ شعائر اللہ مکہ مکرمہ سے خاص جیسا کہ قربانی مکہ مکرمہ سے خاص نہیں ، بُدنہ سے مراد قربانی کا بڑا جانور ہے چوتھا مسئلہ ۔ قانونِ شریعت کے مطابق ہر علاقہ میں ہر اُس مسلمان پر قربانی واجب ہے جو زکوٰۃ دیتا ہو یعنی صاحبِ نصاب ہو یہ مسئلہ فَاذْكُرُوا (الخ) اور عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ۔ کے عمومی حکم سے مستنبط ہوا بعض گمراہ مسلمان کہتے پھرتے ہیں کہ قربانی صرف مکہ مکرمہ کے حاجیوں پر واجب ہے ۔ اس کے علاوہ قربانی جائز نہیں بلکہ فضول خرچی ہے ۔ اُن کی یہ بات غلط اور جاہلانہ ہے ۔ قربانی دنیا میں ہر جگہ لازم آیت سے بھی ثابت احادیث سے بھی اور اجماعِ امت سے بھی عملِ صحابہ سے بھی ، آیت فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ سے اور حدیث پاک میں ہے ۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ عَشْرَ سِنِيْنَ فَيُضَحِّيْ كُلَّ سَنَةٍ ۔ یعنی آقاءِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مدینہ منورہ میں دس سال رہے آپ نے ہر سال قربانی دی ۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا ۔ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ ۔ اگر فَاذْبَحُوْا بِسْمِ اللّٰهِ ۔ فرمایا جاتا تو زیادہ وضاحت ہو جاتی اور کسی منکرِ قربانی کو اِس آیت میں انکارِ قربانی کا استدلال نہ ملتا ، نہ کوئی بہانہ بنتا ، ابھی تو وہ کہہ سکتے ہیں کہ فَاذْكُرُوا سے مراد بوقتِ ذبح نہیں بلکہ ویسے ہی اللہ نام کی خیرات مراد ہے **جواب** ، فَاذْكُرُوا ۔ فرمانا بہت جامع کلام ہے اور اِس سے ذبح کا اسلامی ایمانی اور شرعی طریقہ بیان فرمانا مقصود ہے ۔ نہ کہ فقط ذبح کا حکم ذبح تو کفار بھی کرتے ہیں ۔ اگر فَاذْبَحُوْا فرمایا جاتا تو اسلامی قربانی اور غیر اسلامی و اسلامی عام ذبیحوں کا فرق ظاہر نہ ہوتا ۔ اِس آیت میں چار طرح اسلامی فریضۂ قربانی کی وضاحت ہو رہی ہے ۔ مثلاً جانور کو بُدنہ فرمانا ۔ بدنہ کو شعائر اللہ اور اسمُ اللہ کو عَلَيْهَا فرمانا ، پھر صَوَآفَّ فرما کر ۔ باندھنے کا طریقہ بتانا ، وَجَبَتْ سے کھال اتارنے

marfat.com

گوشت کاٹنے کا وقت بتانا۔ پھر فَکُلُوْا وَاَطْعِمُوْا سے قربانی کے گوشت کو تین حصوں میں تقسیم کا حکم
فرمایا جارہا ہے۔ یہ سب کھلی کھلی وضاحتیں صرف قربانی کے لیے ہیں، نہ عام ذبیحوں کے یہ احکام ہیں
نہ غیر مسلموں کے ذبیحوں کے۔ اتنے صاف انداز میں دنیا بھر میں اسلامی قربانی کا حکم عطا فرمایا جارہا ہے
اب بھی کوئی نہ سمجھے تو اس کی جہالت وگمراہی ہے نیز سورۃ کوثر کی آیت ۲ میں تو اس سے بھی زیادہ
وضاحتِ عام سے قربانی کا حکم دیا جارہا ہے کہ ارشاد ہوا فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ یعنی نماز پڑھ کر
نحر کرو۔ دنیا میں وہ ذبیحہ جس کا تعلق نماز سے ہو وہ سوائے عالمِ اسلامی کی قربانی کے اور کوئی
ذبیحہ نہیں ہو سکتا نہ حجِ قِران و تمتع کا ذبیحہ، کیونکہ حاجیوں پر عید کی نماز جائز ہی نہیں، نہ دم
کفارہ نہ منت کے ذبیحے نہ دنیا کے عام ذبیحے۔ پس ثابت ہوا کہ فَصَلِّ، دنیا بھر کی عِیْدُ الْاَضْحٰی ہے
اور وَانْحَرْ، دنیا بھر کی قربانی ہے۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں بُدنہ کیوں فرمایا گیا اُضحیہ فرمانا چاہیئے
تھا تاکہ بھیڑ بکری دُنبہ مینڈھا بھی قربانی کے شعائر اللہ ہونے میں شامل ہو جائے۔ ان کی قربانی
بھی تو اللہ تعالیٰ کے لیے ہوتی ہے۔ بلکہ اصل یادگارِ خلیل و ذبیح علیہما السلام تو دُنبہ ہی ہے
جواب۔ بھیڑ، بکری، دنبہ مینڈھا، اگرچہ قربانی کے جانور ہیں مگر وہ تین وجہ سے شعائر اللہ
نہ بنائے گئے، اولاً اس لیے کہ یہاں جانور کی عظمت و منفعت بتانا بھی مقصود ہے اور یہ صرف
لحیم شحیم سمین جسیم جانور میں ہے وہ صرف اونٹ اور گائے بھینس میں ہی ہے۔ ثانیاً۔ اس لیے
کہ لفظ شعائر، شعر یا شعار سے ماخوذ ہے اور شِعار کا معنیٰ ہے نشان لگانا، یہ صرف اونٹ
گائے کی ھَدی میں لگایا جاتا ہے۔ اُس کی پیٹھ پر زخم کر کے کوہان کا خون لیپ دینا یا گلے
میں چمڑے کا ہار ڈال دینا تاکہ سب کو پتہ لگ جائے کہ ھدیٰ ہے پہلے زمانوں میں اسی طرح
کیا جاتا تھا اور مکے کے راستے پر چھوڑ دیا جاتا تو چلتا چلاتا یا ھنکتا ھنکاتا۔ منیٰ میں اس نشانی
کی بنا پر پہنچا دیا جاتا۔ بکری دنبے میں یہ بات نہیں ہو سکتی تھی تو وہ خوف کی وجہ چلتی ہی نہ
تھی یا کسی کے گھر گھس جاتی یا کوئی جانور کھا لیتا یا کوئی چوری کر کے چھپا لیتا، اس لیے
اس پر شعار نہ لگایا جاتا نہ اب لگایا جا سکتا ہے۔ ثالثاً، اس لیے کہ اونٹ گائے میں
سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں یہ سستا بھی ہے، اس میں عام متوسط لوگوں کا فائدہ ہے
جب کہ بکرہ دنبہ مہنگا بھی اور صرف ایک کی طرف سے لہٰذا بڑے جانوروں کا ذکر فرمایا گیا
تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ قربانی کر سکیں اور گھر بیٹھے یادِ خلیل علیہ السلام کی سعادتیں اور
حج کی رونقوں برکتوں منافع میں شامل و شریک ہو سکیں۔ اس طرح کہ حاجی وہاں تلبیہ

marfat.com

پڑھتا ہو۔ دیگر مسلمان یہاں تکبیر تشریق پڑھتے ہوں حاجی لوگ عرفات سے منیٰ کو آتے ہوں اور دیگر مسلمان گھروں سے عیدگاہ کو جاتے ہوں، حاجی صاحبان احرام سے کھلتے ہوں یہ لوگ اپنے گھر میں نہا دھو کر عید کا لباس پہنتے ہوں، حاجی لوگ وہاں حج کی ھدی کا جانور ذبح کرتے ہوں یہ مسلمان یہاں قربانی کا جانور ذبح کرتے ہوں حاجی لوگ طوافِ زیارت کرتے ہوں اور یہ لوگ یہاں نمازِ عید پڑھتے ہوں، حاجی لوگ وہاں سر منڈائیں یہ لوگ یہاں غفلتیں مٹائیں، حاجی لوگ وہاں شیطان کو مار بھگائیں یہ لوگ یہاں یادگاریں منائیں۔ تیسرا اعتراض۔ مسخر کرنے کا ذکر دو بار کیوں فرمایا گیا پہلے كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ، پھر كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ۔ جواب۔ پہلی تسخیر سے مراد مسلمانوں کے لیے قربانی کے بُدْنَ جانوروں کو مسخر کرنا اور لَكُمْ میں خطاب قربانی کرنے والوں کو ہے كَذٰلِكَ کا مشار الیہ صَوَآفَّ ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے لیے اُسی طرح بندھنے کے لیے جانور کو مسخر کر دیا کہ تم ذبح کے لیے باندھتے ہو اور وہ چُپ چاپ بندھتے چلے جاتے ہیں۔ اگر منجانب اللہ یہ تسخیر نہ ہو تو تم قطعًا نہ باندھ سکو، دوسری تسخیر سے مراد عام جانوروں کی ہمہ وقتی مراد ہے اور لَكُمْ میں خطاب تمام انسانوں سے ہے مسلم غیر مسلم۔ كَذٰلِكَ کا مشار الیہ پہلی تسخیر ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اے انسانو جس طرح ذبح کے لیے ہم نے جانوروں کو مسخر فرما دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہی تم سب انسانوں کے لیے ہر قسم کا چھوٹا بڑا چوپایہ جانور مسخر کر دیا۔ اسی لیے تم اُن کے مالک اور سوار بن جاتے ہو، ان پر مال لادتے ہو، گاڑی میں لگا کر سارا دن روزانہ بھگاتے اور مارتے پیٹتے ہو وہ کچھ نہیں کہتے اشاروں پر چلتے ہیں، اے انسانو یہ تسخیر اس لیے ہے تاکہ تم بھی اپنے رب تعالیٰ کے حضور مسخر ہو جاؤ اور اے کفار کفر چھوڑ کر ذاتِ الٰہی کی تکبیر بولو اس کی عظمتِ کبریائی پر ایمان لاؤ، اور مسلمانوں تم غفلت چھوڑ کر اعمالِ صالحہ سے تکبیرِ الٰہی کا اظہار کرتے رہو۔ اور هَدٰىكُمْ سے مراد تمام انسانوں کو ان جانوروں کا عطیہ کرنا ہے اور اہلِ ایمان کو تعلیمِ نبوی کے ذریعے سچا راستہ دکھانا ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ مِّنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ لَكُمْ فِيْهَا خَيْرٌ فَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا صَوَآفَّ فَاِذَا وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا فَكُلُوْا مِنْهَا وَاَطْعِمُوا الْقَانِعَ وَالْمُعْتَرَّ كَذٰلِكَ سَخَّرْنٰهَا لَكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ۔ اور ہم نے جسمِ مومن کو نفسِ عظیم کا بُدْنِ شریفہ بنا دیا، اور دنیا و آخرت میں قدر و منزلت کا مقام قبولیت عطا فرما کر شعائر اللہ میں شامل و شمار کر لیا گیا اب یہی ہدایتِ معلّمہ کا نشانِ علیا ہے اے

marfat.com

عام و خاص انسانوں تمہارے لیے ان وجوہ سے دین میں سعادت و کمال کی خیر ہے لہٰذا اگر تم بھی کامیابی کے طلب گار اور متلاشی ہو تو ان کی صفات و عادات کی مطابقت اور نقشۂ عبادات پر ذکر اسمِ اللہ کی یاد مناؤ اور ان کی شانِ عظیم پر اسم الٰہی کا وِرد کرو تاکہ تمہارے اخلاقِ ذمیمہ کا نحر اور عاداتِ رذیلہ کا ذبح ہو جائے، اور عباداتِ ربانیہ کی پابندی میں اپنے اجسام صوافّ کر کے جکڑ لو اس طرح کہ شریعت کی رسی سے خواہشاتِ دنیوی کے پیر باندھ لو اور آدابِ طریقوں میں دلوں کو قابو کر لو۔ دل بدست آور کہ حج اکبر است۔ پھر جب حرکاتِ نفس اور اضطراب طبیعت میں سکون و وُقوف آجائے اور نفسِ امارہ حیاتِ شہوات کی زمین ذلت پر گر کر ختم ہو جائے اور سب تڑپ پھڑک اکڑ ہٹ جائے تو وجودِ مومن کے فضائل اعمال سے خود بھی فائدہ حاصل کر لو روحانی غذائیں پا لو۔ اور مریدینِ صادقین اور طالبین و سالکین کو لذاتِ روحانیہ کا فائدہ پہنچاؤ جس طرح ان پر آسانیاں فرمائیں نہیں اے ایمان و اخلاص والو اسی طرح اسلام کی ہر عبادت ریاضت زہد و تقویٰ چلہ، مراقبہ خلوت جلوت انتہائی آسان اور مسخر کر دی ہم نے تم سب بندوں کے لیے تاکہ تم سب اطمینانِ جسمانی، سکونِ روحانی، فوائدِ ایمانی کا شکر اطاعت کر سکو اور نعمۂ ہمت سعادتِ الفت، توفیق استعمال کی حمایتِ فی سبیل اللہ پالو (ابن عربی) نفسِ انسانی بھیمہ ہے یہ خواہشات شہوات، حرص و لالچ کے چار پاؤں والا چوپایہ ہے اس کو کعبۂ قلب کی قربان گاہ میں لے جا کر عشقِ الٰہی محبتِ مصطفائی کی رسیوں سے جکڑ کر باندھو تاکہ یہ شعائر اللہ میں سے ہو جائے اور اس پر اعلام دین و اہلِ صدق اور طلبِ خلوص کے شعائر و نشان لگ جائیں پھر جلالِ کبریائی کی چھری سے اس کو ذبح کر دو اسی میں تمہارے لیے دنیا و آخرت کا خیر و فیضان ہے لَنْ یَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ یَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ ؕ كَذٰلِكَ سَخَّرَهَا لَكُمْ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ ؕ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ ۔ اِنَّ اللّٰهَ یُدٰفِعُ عَنِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۔ اے بندو گوش ہوش سے سن لو کہ کسی بھی عابد و زاہد کے عملیات کے لحوم باطنی اور کمالات عقلیات کی خواہشاتی غذاؤں کے خون منزل قرب و قبول تک نہیں پہنچتے۔ بلکہ تجردِ خالص کا تقویٰ اور نیت ہے ریا کی صفاتِ حسنات کا زہد اس کی بارگاہِ قدس تک پہنچتے ہیں، کیونکہ وصول الی اللہ کا سبب فقط فنا فی اللہ کا تجرد خالص ہے نہ کہ مکانِ رذائل میں حصولِ فضائل، جس طرح تمام نفسانی قوتوں کو

marfat.com

ریاضتِ عبدیت سے مسخر فرمایا اس طرح ان تمام دنیوی قوتوں کو بھی رب تعالیٰ نے تمہارے لیے مسخر فرمادیا تاکہ تم ہر جلوتِ رنگ و بو سے علیحدہ ہٹ کر اور بحرِ اَلَسْتُ میں ہمہ تن غرقاب ہو کر نعرۂ قَالُوْا بَلٰی کی تکبیریں بولو اسی تعلیم مصطفائی اور طریقۂ مجتبائی کے مطابق جو تم کو تمہارے رب تعالیٰ نے زبانِ محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ذریعے ہدایت کی کہ ہدایت کبریائی ہے زبان مصطفائی ہے۔ اے محبوبِ جلوت اور حبیبِ خلوت بشارت فرما دے میرے اُن مُحْسِنِیْن فی العبادت اور مُشاہدین فی المحبۃ اور مشغول فی العبدیت و مشہور فی الحُسنیت کو بقا فی الفنا اور حالِ استقامت مقالِ تمکین کی کہ سب کو فنا ہے مگر شہیدانِ جمال کو بقا ہے، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ایسے ہی ایمان والوں سے نفسانیت کی ظلمت کا دفاع فرما کر حمایتِ قوتِ روحانی کی توفیق دیتا ہے، کیونکہ ہر نفسِ اَمَّارہ خَوَّانِ امانت ہے اور ہر عقل آزاد کفورِ نعمت ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ نہ خائنِ ذلیل کو پسند فرماتا ہے نہ کَفُورِ لعین کو، نفسِ خائن نے وعدۂ قَالُوْا بَلٰی سے غداری کی اور عقلِ کفور نے نعمتِ فہم و شعور کو معصیتِ دنیوی میں استعمال کر دیا (ابن عربی) مُحْسِنِیْن وہ ہیں جن کی عبادت میں رویتِ جمال ہوا ور دیدارِ جمال میں خشیتِ حق ہو یہ بندے صرف فضلِ رضوان کے طالب ہوتے ہیں۔ اے بندو نہ ہر مالِ حرام نہ رب بننے کی صلاحیت رکھتا ہے نہ ہر دل خدمتِ رب تعالیٰ کی لیاقت رکھتا ہے تو تو جلدی کر اپنے اعمال کی توبہ میں اور مال کی سخاوت میں جلدی کر ورنہ تیرا مال صرف تیرے نفس کے لیے اور تیرا مال صرف تیرے بدن کے لیے ہو جائے گا اور تو مُحْسِنِیْن سے خارج کر دیا جائے گا کیونکہ مُحْسِنِیْن کا مال برائے مہمان اور جان برائے قربان ہوتی ہے اور قلب برائے رحمٰن ہوتا ہے، سچی قربانی طہارتِ قلب ہے اس کا سچا نفع تجلیاتِ انوار کا مشاہدہ ہے، مجاہدے کی چھری اور فنائے وجود کے نیزے سے نفسِ اَمَّارہ کا نحر و عقر بھی ذبحِ عظیم ہے وہ جان جو قربان نہ ہو وہ مردار ہے، جو شمشیرِ دوست سے کشتۂ ذبح نہ ہو وہ لاشۂ بے جان سے بدتر ہے۔ تکبیر یہ ہے کہ بندہ راہِ کبریا میں قربانی پیش کر دے اے بندو جانوروں پر تکبیرِ ذبح پڑھتے ہو کبھی اپنے احوال پر تکبیرِ ذبح پڑھو تاکہ شہوات و خواہشات کے ٹکڑے ہوں بندے کو چاہیے کہ تکبیر و بسم اللہ سے نماز میں بسمل ہو جائے۔ جسم کو مثلِ اسماعیل بنالو اور جان کو مثلِ ابراہیم بنالو جو رضا کی چھری اور بقا کی تکبیر جسم نبیل پہ چلا دے اور جانِ خلیل کا نذرانہ بارگاہِ جلیل میں بھیج کر وَجَبَتْ جُنُوْبُهَا کا نظارۂ عشق آشکار کر دے تاکہ گناہِ گذشتہ اور جرائم مکتوبہ کی وجہ سے لَبَّیْکَ وَسَعْدَیْکَ کا جواب لَا لَبَّیْکَ وَلَا سَعْدَیْکَ لَکَ نہ ملے بڑا نازک مقام ہے کوئی ورلیں موتی لے تریاں۔ (تفسیر روح البیان)

marfat.com

أُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ

اجازت دیدی گئی ہے اُن لوگوں کو جو قتل کیے گئے۔ اس لیے کہ وہ ظلم کیے گئے ہیں

پروانگی عطا ہوئی انہیں جن سے کافر لڑتے ہیں اس بنا پر کہ اُن پر ظلم ہوا

وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ (۳۹) الَّذِيْنَ

اور بے شک اللہ اُن کی مدد پر بہت جلدی اظہارِ قدرت فرمانے والا ہے۔ وہ لوگ

اور بے شک اللہ اُن کی مدد کرنے پر ضرور قادر ہے۔ وہ جو اپنے

اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ

جو نکالے گئے ہیں اپنے گھروں سے بغیر کسی وجہ کے مگر اس وجہ سے کہ وہ

گھروں سے ناحق نکالے گئے صرف اتنی بات پر کہ انہوں نے کہا

يَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ

کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اگر نہ دفاع کرنا ہوتا اللہ کا لوگوں کو

ہمارا رب اللہ ہے۔ اور اللہ اگر آدمیوں میں ایک کو دوسرے سے

بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ

اُن کے بعض کو بعض سے تو یقیناً گرائے جاتے رہتے، کنیسے اور گرجے

دفع نہ فرماتا تو ضرور ڈھادی جاتیں خانقاہیں اور گرجا

وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ

اور عبادت گاہیں اور اب مسجدیں۔ ذکر کیا جاتا ہے جن میں

اور کلیسے اور مسجدیں جن میں اللہ کا بکثرت نام لیا جاتا ہے

marfat.com

اللّٰہِ کَثِیۡرًا ؕ وَ لَیَنۡصُرَنَّ اللّٰہُ مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ ؕ

اللہ کا نام کثرت سے اور یقینا اللہ مدد کرے گا ہر اس شخص کی جو ساتھ دے گا اس کا

اور بے شک اللہ ضرور مدد فرمائے گا اُس کی جو اُس کے دین کی مدد کرے گا

اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ ﴿۴۰﴾

بے شک اللہ البتہ قوت والا غلبے والا ہے۔

بے شک ضرور اللہ قوت والا غالب ہے۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی آیت میں مسلمانوں کو اللہ تعالٰی کے نام پر جانوروں کا خون بہانے اور قربانی کرنے کا حکم وطریقہ بیان ہوا۔ اب اِن آیت میں مسلمانوں کو حکم واِذن دیا جا رہا ہے کہ اللہ تعالٰی کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے بھی خون جان ومال قربان کرو اور جہاد کے ذریعے کفار کے بھی خون بہاؤ۔ دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں زمانۂ جاہلیت کے کفار کا ذکر ہوا جو وہ قربانیوں کے خون سے کعبے کی دیواروں کو گندا کرتے تھے اَب اِن آیت میں موجودہ کفار کے مسلمانوں کے ساتھ برے سلوک کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یعنی رب تعالٰی کی خوشنودی کے لیے یہ کافر کعبے کو گندے خون سے لتھیڑتے تھے اب اسی رب تعالٰی کا نام لینے والوں کو کعبے اور اس کے شہر مکہ سے نکالتے ہیں۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالٰی نے کمزور انسانوں کے بس میں اتنے بڑے بڑے جانور اونٹ گائے بھینس کر دئے تاکہ شکر کرتے ہوئے اللہ تعالٰی کی بڑائی کا وِرد کریں اور عبادت کریں اب اِن آیت میں وہ مقامات بیان فرمائے جا رہے ہیں جہاں رہ کر مومن شکر وعبادت اور تکبیریں بلند کریں۔

شانِ نزول کفارِ مکہ تقریبًا روزانہ ہی صحابہ کرام کو ہاتھوں اور زبانوں سے ایذا پہنچاتے کفار کی یہ تکلیفیں جھیل کر صحابہ کرام فرمانِ نبوت کے اتباع میں صبر سے کام لیتے لیکن کبھی کبھی حد سے بڑھی ہوئی تکالیف پر مظلوم صحابہ کرام بارگاہِ اقدس میں فریادیں کرتے تب آقائے کائنات صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہ وسلم مزید صبر کی تلقین فرماتے کہ ابھی مجھ

marfat.com

کو جہاد کی اجازتِ ربانی نہیں ملی، پھر جب مدینہ منورہ کو ہجرت ہوئی تب یہ آیت نازل ہوئیں از عہ۲ تا ۲۴ ان میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار سے جہاد کی اجازت ملی اور یہ آیت اس سورۃ کی مدنی ہیں۔

تفسیر نحوی أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ۔ اُذِنَ بابِ سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب اس کا نائب فاعل اسی کا مصدر اِذْنٌ حاصلِ مصدر جامد ہے ترجمہ ہے اجازت دی گئی۔ لام جارہ نفع کا متعدی کے لیے بمعنی کو اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع۔ یُقَاتَلُوْنَ۔ بابِ مُفاعلۃ کا فعل مضارع مجہول جمع مذکر غائب قَتْلٌ سے مشتق ہے مصدر ہے مُقَاتَلَۃٌ بمعنی جنگ کرنا ایک دوسرے کو قتل کرنا یہاں مفاعلت مبالغے کے لیے ہے یعنی خوب ظلماً ایک طرف سے قتال ہونا بہتوں کو مارا گیا، یا مراد ہے ایک طرف سے ظلم اور قوت سے قتال ہوا دوسری طرف سے اپنے دفاع اور بچاؤ میں قتال ہوا۔ اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر پوشیدہ ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ایک قرأت میں اَذِنَ اور یُقَاتِلُوْنَ دونوں فعل معروف ہیں یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اُذِنَ کا بَ حرفِ جر سببیہ برائے علت اس کا مابعد جملہ علت اور وجہ ہے اُذِنَ کی بعض نے کہا یہ بیان ہے یُقَاتَلُوْنَ کا اور بَ بیانیہ ہے یعنی قتل کئے گئے وہ اس طرح سے کہ ظلم کیے گئے مگر پہلا قول درست ہے اَنَّ حرفِ مشبہ ھُمْ ضمیر اس کا اسم ظُلِمُوْا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مجہول یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر اَنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور متعلق ہے اُذِنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ اِنَّ حرفِ مشبہ اَللّٰہُ اس کا اسم عَلٰی جارہ نوعیت کا نَصْرِ مصدر مضاف ھُمْ ضمیر مفعول مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی شبہ جملہ ہو کر مجرور متعلق مُقدَّم ہے لامِ تحقیقی بمعنی بیشک یقیناً یا یہ لام ظرفیہ زمانیہ ہے بمعنی بہت جلدی۔ اور قَدِیْرٌ اسم فاعل صفتِ مشبہ کا معنی قدرتِ فعلی ہے نہ کہ بِالقُوَّۃِ مگر پہلا قول درست ہے قَدِیْرٌ دراصل قَدِیْرٌ ہے اگلی عبارت سے وصل کے لیے تنوین بشکل نون ہو گئی۔ قَدِیْرًا اپنے پوشیدہ ضمیر فاعل متعلقِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہوئی یہ سب اسم خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے۔ ایک قول میں بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ بیان یا صفت ہے یا بدلُ الکُل ہے لِلَّذِیْنَ کا ایک قول میں بحالتِ نصب ہے کیونکہ مفعول بہ مقدم ہے ان کے نزدیک اُخْرِجُوْا فعل

marfat.com

معروف ہے وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ اُخْرِجُوْا بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب ضمیر صیغہ اس کا نائب فاعل مِن جارہ ابتداءِ غایت کے لیے دِیَار اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے دَارٌ بمعنی چار دیواری مراد ہے پورا گھر مضاف ہے ہِم ضمیر مضاف الیہ یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلقِ اول ہے اُخْرِجُوْا کا بِ جارہ زائدہ غَیْرِ اسم نافیہ مضاف ہے حَقٍّ مُستثنیٰ مِنہُ اِلَّا حرفِ استثنیٰ، اَنْ حرفِ ناصبہ یَقُوْلُوْا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبُّنَا مرکب اضافی مبتدا ہے اللّٰہُ اس کی خبر ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا یہ دونوں قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر مستثنیٰ منفصل ہوا حَقٍّ کا دونوں مل کر مضاف الیہ غَیْر کا یہ مرکبِ اضافی مجرور ہو کر متعلقِ دوم ہے اُخْرِجُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَلَّذِیْنَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

واؤ بر جملہ لَوْ حرفِ شرط لَا حرفِ نفی متصل ہو کر ایک لفظ بن گیا اور عربی میں چار طرح مستعمل ہے ۱ لَوْلَا امتناعیہ۔ یعنی اگر ایسا نہ ہوتا تو یعنی یہ مانعت ورکاوٹ ہوئی ہے اور فائدہ پہنچا ہے یہاں یہی صورت مراد ہے ۲ لَوْلَا توبیخیہ ۳ تحضیضیہ (آمادہ کرنے کے لیے)، ۴ استفہامیہ بمعنی کیوں نہیں (دوافعی!) (۵ لَوْلَا نافیہ اس میں اختلاف ہے دَفْعُ مصدر (مصدر مضاف) اللّٰہ فاعل مضاف الیہ النَّاس مبدل منہ بَعْض مضاف ھُم ضمیر مضاف الیہ کا مرجع اَلنَّاسَ جمع ہے یہ مرکب اضافی بدلُ البعض ہے اَلنَّاس دونوں مل کر مفعول بہ ہے بِبَعْضٍ یہ جار مجرور متعلق ہے دَفْعُ مصدر مضاف کا سب مل کر شبہ جملہ ہو کر شرط ہے۔ لَهُدِّمَتْ لام برائے جزاءِ تحقیقیہ ھُدِّمَتْ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مؤنث غائب۔ اس کا مصدر ہے تَهْدِيْم، ھَدْمٌ سے بنا ہے بمعنی ڈھا دینا، گرا دینا ویران، بے آباد کرنا یہاں سب معنی مناسب ہیں صَوَامِعُ اسم جمع منتہی الجموع غیر منصرف اس کا واحد ہے صَوْمَعَۃٌ بر وزنِ فَوْعَلَۃٌ یا فَعْلُوْلَۃٌ بمعنی وہ مکان جس کی چھت لمبے گول مینارے کی طرح جیسے اونچا لمبا مندر عیسائی اپنے گرجا د چرچ) کو بھی اسی طرح گھنٹہ گھر کے مشابہ بناتے ہیں اس لیے اُس کو صومعہ کہتے ہیں یعنی کان منہ جڑے ہوئے سخت بہرہ کو اُصمّ اسی معنی میں کہتے ہیں کہ اُس کے کان منہ سے جوڑ کر بات کی جاتی ہے۔ اصطلاح میں عیسائیوں کے عبادت خانے کو کہتے ہیں مراد ہیں

marfat.com

پہلے زمانے کے سچے عیسائی واؤ عاطفہ بِیَعٌ جمع مکسر ہے بِیْعَۃٌ کا بمعنی کنیسہ یہودیوں کا عبادت خانہ واؤ عاطفہ صَلَوٰتٌ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے صَلوٰۃ، بمعنی نماز مراد ہے نمازوں کی جگہ عبادت گاہ گویا کہ صَوَامِعُ اور بِیَعٌ عام بڑی عبادت گاہیں اور صَلَوٰۃ سے مراد چھوٹی گھریلو یا محلے وار عبادت گاہیں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے کیونکہ نماز یعنی عبادتِ جسمانی وجہ ہے عبادت گاہ بنانے کی واؤ عاطفہ مَسَاجِدُ اسم جمع منتہی الجموع غیر منصرف اسی لیے صَوَامِعُ اور مَسَاجِد پر تنوین (دو پیش) نہیں آئی۔ یہ چاروں لفظ معطوف علیہ معطوف ہو کر موصوف ہیں۔ ایک قول ہیں صرف مَسَاجِدَ غیر منصرف ہے یُذْکَرُ باب نَصَرَ کا مضارع مجہول واحد مذکر غائب فِیْھَا جار مجرور متعلق ہے یُذْکَرُ کا ھَا ضمیر کا مرجع یہ چاروں عبادت خانے ہیں اور عبادت خانے پہلے زمانے کے مراد میں جب کہ یہودی عیسائی اللہ تعالیٰ کی سچی عبادت کرتے تھے اپنے اپنے زمانوں میں اِسْمُ اللّٰہِ مرکب اضافی ذُوالحال کَثِیْرًا۔ اسم صفت مشبہ واحد مذکر اس کی جمع ہے کَثِیْرِیْنَ مذکر یہ دونوں مل کر نائب فاعل ہے یُذْکَرُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے صَوَامِعُ کے پورے عطف کی یہ مرکب توصیفی نائب فاعل ہے ھُدِّمَتْ کا وہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی لَوْلَا کی دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ بہر جملہ لَیَنْصُرَنَّ، بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ واحد مذکر غائبِ معروف اللہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر جزاء مقدم ہے مَنْ اسم موصول شرطیہ یَنْصُرُ فعل مضارعِ مثبت معروف خیال رہے کہ مَنْ شرطیہ مضارع کو جزم دیتا ہے مگر یہاں تاخر کی بنا پر مضارع کو جزم نہ آیا۔ اور اس لیے کہ یہ حقیقی شرط و جزا نہیں اس میں توصیفیۃ کے معنیٰ پنہاں ہیں، یَنْصُرُ کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہٗ ضمیر منصوب بہٖ اس کا مرجع اللہ تعالیٰ مراد ہے اللہ کا دین یا اُس کے علما اولیا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ۔ موصول صلہ مل کر شرط مؤخر ہے لَیَنْصُرَنَّ کے جملے کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ اللہ اسم۔ لامِ کے تاکید یہ بمعنی اَلْبَتَّہ (یقیناً)، قَوِیٌّ، بروزنِ فَعِیْلٌ اصل میں قَوِیْیٌ تھا قُوَّۃٌ سے مشتق اسم صفت مشبہ واحد مذکر، عَزِیْزٌ اسم صفت مشبہ، بروزنِ فَعِیْلٌ ان دونوں موصوف صفت کی جمع قَوِیِّیْنَ اور عَزِیْزِیْنَ مذکر سالم ہے، عزیز کی جمع اَعِزَّۃَ بھی آتی ہے مگر خلافِ قیاس صرف سماعی۔ یہ مرکب توصیفی خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ایک قول

marfat.com

ہیں قَوِیٌّ اور عَزِیْزٌ دونوں علیحدہ علیحدہ دو خبریں ہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ اب اجازتِ جہاد دیدی گئی ہے اُن مظلوم صابرین، شاکرین متقین، بہادر باوفا مسلمانوں کو جو اپنی زندگی کے دراز عرصے تک کافرین ظالمین مغرورین کے ظالمانہ قتال مصائب میں محض مظاہرۂ صبر و تحمل برداشت و بُردباری کرتے ہوئے پھنسے رہے اور بیشک اللہ تعالیٰ ہر وقت اُن کی ہر قسم کی مدد پر قادر و قدیر ہے۔ یہ وہی مظلومین ہیں جو ناحق رُلائے تڑپائے ستائے اور نکالے گئے اپنے وطن کے گھروں سے ایذائیں دے دے کر اس طرح نکالنے کا کوئی حق اور وجہ نہ تھی، سوائے اِس کے کہ وہ مظلومین لوگ قلب و زبان عقل و ایمان، شعور و عرفان سے یہ کہتے تھے کہ ہمارا رب صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ وہی مالک وہی مسجود ہے وہی معبود ہے وَحْدَهٗ لَا شَرِیْكَ ہے اور محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ رَبُّنَا اللّٰهُ کا معنیٰ ہے پورا دین اسلام، اور اسلام نام ہے توحید و رسالت کا کفار کا انہوں نے کوئی نقصان نہ کیا تھا، اُن کو دُکھ اور بغض مسلمانوں کا صرف یہ کہنا تھا کہ ہم کسی بُت دیوی، دیوتا، لات و منات کو نہیں مانتے، یہ ہمارا فطرتی یقین ہے اور اپنے اِس یقینِ محکم پر ہمیں قدرتی حق ہے۔ اب فرمایا جارہا ہے کہ اتنی صبر آزما کشمکش کے بعد اُن کے لیے اِذنِ جہاد کے ساتھ ساتھ اِنعامِ نصرت کا بھی وعدہ ہے ابتداء آفرینش سے دینِ حق کا یہ طریقہ کار چلا آرہا ہے کہ اپنے ماننے والوں کی دو شانیں اَقوامِ عالَم کے سامنے پیش فرماتا ہے، پہلی شانِ صبر دوم شانِ شکر۔ صبر اس طرح کردکہ باوجود قدرتِ انتقام اور قوتِ مُدافعت کے ہمتِ صبر کا مظاہرہ کرو تاکہ پختگی ایمان کے ساتھ ساتھ کھوٹا کھرا بھی نکھرتا چلا جائے اور اچھوں سچوں میں قوتِ مزید پیدا ہوجائے، دینِ حق کی نعمتیں آرام طلبی میں نہیں ملتیں، تیرہ سال تک تاریخ عالَم کو مسلمانوں کی شانِ صبر کا مظاہرہ کرایا گیا اور باوجود انتقام و مُدافعت کی اجازت طلب کرنے کے آستانۂ نبوی سے اجازت نہ ملی کوہ صفا کی پہلی تبلیغ سے لے کر ہجرت والی آخری رات تک کونسا ایسا ظلم جبر قہر اذیت تکلیف تھی جو کفارِ مکہ نے مسلمان صحابہ کو نہ پہنچائی ہو۔ مسافر، غربا اور غلام صحابہ تو ایک طرف بڑے رئیس اور امیر زادے اہلِ خاندان، اہلِ وطن اپنوں

marfat.com

ہی کے ہاتھوں جبر و ظلم کی چکی ابذا کی مصیبت میں پیسے جا رہے ہیں۔ اگر بلال کو غلام، یاسر کو غریب سلمان فارسی کو مسافر سمجھ کر بھوک سے تڑپایا، دھوپ میں لٹایا، مار سے پھڑکایا، ستایا جا رہا ہے، تو عثمانِ غنی بن عفان اور ابو بکر صدیق جیسے اہلِ خاندان اُمرا و سردارانِ قوم کو بھی ناقابلِ برداشت طرح طرح سے دردناک و غمناک اذیتیں دی جا رہی ہیں، بجز فاروقِ اعظم اور امیر حمزہ کے تقریباً تمام صحابہ کرام کو جی بھر کر ستایا گیا ظلم ڈھایا گیا رَضِیَ اللہُ تعالیٰ عنہم اَجمعین ان دونوں حضرات کی تو پُرجلال شکل دیکھ کر ہی بڑے سے بڑے کافر سردار کی روح فنا ہوتی پتہ پگھلتا تھا۔ ان کے علاوہ ہر صحابی مسلمان کو قولی، فعلی، مار دھاڑ، لہو لہان، طعن و طنز مذاق و تمسخر رکاوٹ و کھچاوٹ، پیٹ کر گھسیٹ کر لٹا کر پٹا کر گالی گلوچ، دشنامی بد کلامی چھین کر لوٹ کر فرداً، اجتماعاً غرضکہ جتنے بھی ظلم و جفا شرارت و بربریت کے ہتھکنڈے ممکن ہو سکتے تھے وہ مسلمانوں پر کئے اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ کفارِ مکہ اور سردارانِ کفر بہت طاقتور، جنگجو، تندخو، دلاور و بہادر تھے یا مسلمان بہت کمزور، بیمار، بزدل تھے نہیں نہیں، بلکہ وجہ صرف یہ تھی کہ وہ مسلمان اپنے آقا نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ربّ عَزَّوَجَلَّ کی اجازت کے بغیر انتقام کا ہاتھ اور مدافعت کی تلوار نہ اٹھا سکتے تھے، کئی دفعہ غلام وغیرہ صحابہ نے بھی اپنے زخم دکھا کر اجازتِ انتقام طلب کی مگر ہجرت سے قبل تک ہر بار زبانِ نبوت سے یہی جواب ارشاد ہوتا رہا۔ اُصْبُرُوْا وَلَمْ اُؤمَرْ بِقِتَالٍ۔ یعنی ابھی اور صبر کرو۔ ابھی مجھے اجازتِ قتال، جہاد نہیں اِن ظالم کفار کی بزدلانہ بربریت ظاہری بہادری ہتھوں پر ظلم کاری ہاتھ چلا کی کا بھانڈا تو ایک دن ایک بار اُس وقت پھوٹا۔ جب کہ امیر حمزہ ابھی بحالتِ کفر تھے۔ آپ باہر تشریف فرما تھے تو کسی نے ان کو خبر دی کہ آج ابو جہل نے تمہارے بھتیجے محمد کو بہت برا بھلا کہا اور گالیاں دی ہیں۔ امیر حمزہ کو خونی رشتے کا طیش آ گیا چہرہ غصے سے لال ہو گیا اور ابو جہل کو ڈھونڈنے کعبے کے پاس آئے وہ اُس وقت بہت سے لوگوں اور سردارانِ مکہ کے درمیان بیٹھا تھا، آپ نے جاتے ہی ابو جہل کے سر پر اس زور سے کمان ماری کہ وہ لہو لہان ہو گیا سر پھٹ گیا، لیٹ کر تڑپنے لگا پھر پیٹ میں اس زور سے لات ماری کہ بلبلا اٹھا، سارے سردار اور موجود لوگ اس ناگہانی حملے سے خوفزدہ ہو کر بھاگ گئے آپ کا چھوٹا بھائی ابو لہب، ابو جہل کی حمایت میں کچھ بولا تو آپ نے ابو لہب کی طرف ایسی زہر آلود غضبلی نگاہ سے دیکھا کہ ابو لہب ملعون تاب نہ لا سکا اور بھاگ گیا پھر آپ نے ابو جہل سے کہا کہ آج تو نے میرے بھتیجے کی شان میں گستاخی کی ہے جس کا

marfat.com

یہ سزا ہے اگر آئندہ کی تو زبان کاٹ لوں گا۔ ابو جہل کو اُسکے لوگ اٹھا کر گھر لے گئے امیر حمزہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے اے بھتیجے آج میں نے ایسا کام کیا ہے کہ تم خوش ہو جاؤ گے۔ نبی کریم صلے اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے پوچھنے پر بتایا کہ آج میں نے ابو جہل سے آج کی گستاخی بدتمیزی کا بدلہ لے لیا ہے۔ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یَا عَمِّیْ اِنِّیْ لَا اُحِبُّ بِانْتِقَامِكَ وَلٰكِنِّیْ اُحِبُّ بِاِیْمَانِكَ۔ یعنی اے میرے چچا جان میں تمہارے انتقام لینے سے خوش نہیں ہوتا، مجھے تو آپ کا ایمان لانا خوش کرے گا تب آپ اسی دن یا چند دن بعد مسلمان ہو گئے تھے۔ بہر حال اس واقعے کی دھشت کفار کے دلوں پر اتنی طاری ہوئی کہ آٹھ دن تک کوئی سردارِ کفر گھر سے باہر نہ نکلا ان ہی دنوں میں ایک دن ابو جہل روتا ہوا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہنے لگا اے محمد

از وجودِ تو حیاتم زار زار۔ از حیاتِ تو وجودم پاش پاش۔ یعنی تیرے وجود سے میری زندگی زار زار روتی ہے اور تیری زندگی سے میرا وجود ٹکڑے ٹکڑے، تو نے تو دوست کو دوست سے لڑا دیا عجیب فساد مچا دیا (معاذ اللہ) اسی طرح فاروق اعظم کے مسلمان ہونے کا واقعہ ہے کہ آپ جب مسلمان ہونے کے لیے درِ اقدس پر پہنچے تو دروازہ بند تھا۔ اندر کچھ صحابہ کرام اور خود سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تھے۔ ابو جہل کے دار الندوہ سے اُٹھ کر تو حضرتِ عمر کسی غلط ارادے سے آئے تھے اور ننگی تلوار لے کر نکلے تھے اسی حالت میں آپ یہاں آ گئے۔ ہاتھ میں اگرچہ وہی تلوار مگر اب حالت وہ نہ تھی جب دروازہ کھٹکھٹایا تو کسی صحابی نے کواڑ کی دراڑ سے باہر دیکھ کر بتایا کہ باہر عمر ہیں ہاتھ میں ننگی تلوار ہے۔ کچھ صحابہ نے غصہ سے کہا کہ عمر کی یہ جرأت کہ یہاں آئے، پھر امیر حمزہ بولے خیر سے آیا تو آنے دو۔ وگرنہ اس کی ہی تلوار ہوگی اُس کی گردن پر۔ غرضکہ کفارِ مکہ کا یہ جور و جفا برداشت کرنا مسلمانوں کی بزدلی کمزوری کی بنا پر نہ تھا بلکہ عشقِ ایمانی کی آزمائش ۲؎ صبرِ عظیم کا مظاہرہ ۳؎ اطاعتِ نبوی کا ثبوت ۴؎ اور اقوامِ عالم کو بتانا تھا کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ حسنِ اخلاق اور عشقِ بے تاب سے پھیلا، تلوار تو مدافعت کے لیے بھی تبلیغِ اسلام سے چودہ سال بعد اُس وقت ملی جب ظلمِ کفر حدود سے باہر ہو گیا۔ اور ظالم کفار کو اپنے ظلم پر غرور اور مسلمانوں کی برداشت سے غلط فہمی ہونے لگی، سنِ میلادی کے ترپن ۵۳ سال اور سنِ بعثت کے تیرہ ۱۳ سال جب ہوئے اور کفارِ مکہ کا ظلم و ستم کسی طرح کم

marfat.com

ہوتے ہیں نہ آیا اور مسلمانوں نے جہاد کی اجازت مانگی تو بعثت کے تیرھویں سال یکم محرم یا دس محرم کو ہجرت کی اجازت ملی لہٰذا بہت سے مسلمان وقتاً فوقتاً قافلہ، قافلہ ہو کر پہلے حبشہ پھر مدینہ منورہ ہجرت کر گئے۔ یہ ہجرت قولی سنت تھی، پھر خود آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہجرت کی اجازت ملی اس کی تاریخ میں اختلاف ہے بعض نے کہا ہے کہ یکم ربیع الاول کو اجازت ملی اور تین دن بعد ہجرت فرمائی اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ ابوجہل نے اپنے دارالندوہ میں سب سرداران مکہ کو جمع کیا اور مشورہ ہوا کہ تین دن بعد رات کے وقت سب مل کر سونے کی حالت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر یک دم حملہ کرکے قتل کر دیں۔ اس پر سب کا اتفاق ہوا اُسی دن حضرت جبرئیل نے رب تعالیٰ کا پیغام پہنچایا کہ پرسوں رات آپ یہاں سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کر جاؤ۔ جبرئیل امین علیہ السلام کا یہ پیغام وحی خفی تھا بعض نے لکھا ہے ہجرت اجازت کے لیے سورۃ مزمل شریف کی آیت ۱۰ فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَاهْجُرْهُمْ هَجْرًا جَمِيْلًا۔ سے ہجرت کی اجازت ملی دونوں قولوں کی مطابقت اس طرح ہے کہ اس آیت سے اذنِ ہجرت ہوئی اور پیغامِ جبرئیل سے حکم اور وقتِ ہجرت ملا، آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد تمام مکی مسلمانوں پر ہجرت کرنا فرض ہو گیا ہجرت کے بعد بھی کفارِ مکہ کی شرارتیں کم نہ ہوئیں بلکہ یہاں مزید یہودیوں کی خفیہ سازشیں کفارِ مکہ سے جاسوسی مخبری اور منافقین کا تعاونِ کفر بھی شامل غرضکہ تین قوتیں مسلمانوں کے خلاف جمع ہو گئیں پہلی کفارِ مکہ دوم یہودیوں کی سوم منافقین کی۔ اگر اسلام سچا دین نہ ہوتا تو اس یلغار کی طاقت نہ پاتا، اور اگر نبی کریم رحمۃ عالمین نہ ہوتے تو ان تینوں گروہوں پر عاد و ثمود سے بھی سخت عذاب آتا۔ کفار مکہ کی اب شرارتیں اس قسم کی ہوتیں کہ کبھی ڈاکو بن کر مزدوروں چرواہوں سے جانور چھین کرلے جاتے۔ کبھی چور بھیروپیہ بن کر مسلمان بنتے پھر موقعہ ملتا تو کسی کی چیزیں یا جانور چرا کر بھاگ جاتے یا کسی اکیلے غافل کو قتل کر کے بھاگ جاتے یا کبھی کوئی وفد منافقانہ مسلمان ہو جاتا اور صحابہ کو ورغلاتا وسوسا تا اس اسلام سے بہکاتا۔ تب ۲ھ میں عید الاضحیٰ کے دن بعد نماز عید۔ اس آیت کریمہ کے نزول سے مسلمانوں کو کفار سے جنگ کرنے کی اجازت ملی اور فرمایا گیا۔ اُذِنَ لِلَّذِيْنَ۔ یہ مسلمانوں کی پہلی نماز عید با جماعت تھی پھر سات ماہ بعد ستائیس رجب ۲ھ میں سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۰ نازل ہوئی غزوۂ بدر سے تقریباً دو ماہ پیشتر وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

marfat.com

اِس آیتِ پاک سے حکم جہاد ملا۔ اور اِس آیت سے جنگ مومن کا نام جہاد رکھا گیا، پھر اِس کے بعد جہاد کے مختلف طریقوں کو بیان کرنے کے لیے وَقتاً فَوَقتاً حکم جہاد کی تقریباً تیئیس ۲۳ آیت نازل ہوئیں۔ اس اِذنِ قتال کی آیت اور سورۂ توبہ کی آیتِ سیف سے۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا وَاصْبِرُوْا کی تقریباً بہتر ۷۲ آیتیں منسوخ ہوئیں۔ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا وَاصْبِرُوْا یعنی معافی دینے، درگزر کرنے، صبر رکھنے کی اِن سب آیتوں سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام بزدل نہ تھے۔ انتقام کی ہمت اور مدافعت کی قوتِ خداداد تھی اِس کے باوجود صبر کی تلقین میں حکمتِ ربانی تھی ورنہ کمزور کو وَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا نہیں کہا جاتا۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا۔ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ اور اگر انسانوں کو اللہ تعالیٰ کی مدافعت نہ ملتی کہ بعض لوگوں کو کچھ لوگوں کے ذریعے بچا لیا جائے۔ اللہ تعالیٰ ربّ العزت کی طرف سے بندوں کو مدافعت اور حفاظت کی چھ ۶ صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے ایمان والوں کو عذابِ آسمانی سے بچا لینا، دوم یہ کہ مومنین کے ذریعے ذمی کفار کو ہر ظالم سے بچا لینا اور سلطنتِ اسلامیہ کی حدود میں کفار کی عبادت گاہیں بدخواہوں سے بچانا، سوم یہ کہ مجاہدین کے ذریعے ملک اور عوام کی حفاظت چہارم یہ کہ عادل حکام کے ذریعے مظلومین کی جان و مال کا بچاؤ اور اُن کے حقوق کی حفاظت، پنجم یہ کہ شرعی حدود و قصاص و تعزیرات کے ذریعہ جرائم کی روک تھام۔ ششم یہ کہ اِذنِ قتال و دِفاع کے ذریعے ظالم و فسادی کفار کی شکست و ہلاکت، غرضکہ نبیّین نے مومنین کی، مومنین نے ذمیین کی مجاہدین نے معذور قاعدین کی۔ عادلین نے مظلومین کی حاکمین نے مجبورین کی مدافعت و حفاظت فرمائی اِس کے علاوہ نیکوں کی دعاؤں، دن کے روزوں رات کی نمازوں نے سخیوں کی سخاوت نے زکوٰۃ صدقات خیرات خیرات کے ذریعے غافلوں فاسقوں کنجوسوں کی ناگہانی آفتوں بلاؤں، وَباؤں سے مدافعت کی یہ مدافعتیں ربّ تعالیٰ کی ہی حفاظتیں ہیں ورنہ لَّهُدِّمَتْ برباد ویران متعطّل و ممنوع یا توڑ پھوڑ کر دیئے جاتے گذشتہ و آئندہ کی تمام اُمتوں کے عبادت خانے۔ صوامع، یہودی کنیسے بِيَعٌ عیسائی گرجے صَلَوٰتٌ خانقاہیں مساجد۔ جیسا کہ پہلے زمانوں میں بختِ نصر بادشاہ نے تمام عیسائی خانقاہیں گرجے توڑ دیئے۔ یہودیوں صابیوں کے کنیسے اور صابیوں نے مجوسیوں کے آتش کدے توڑے، مجوسیوں

marfat.com

نے انتقاماً یہودیوں صابیوں کے پھر انگریزوں نے یہودی صلوٰتوں کو اور ہندوؤں نے ایک بابری مسجد کو کمال پاشا نے ترکیہ کی تمام مساجد کو مقفّل کر دیا تھا اِن میں نماز ممنوع آج بھی ترکیہ میں مساجد و اسلامیات پر پابندی ہے جیسا کہ جنگ لندن $\frac{3}{90}$ ۳ صۓ کالم ۵ مختصر خبروں میں خبر شائع ہوئی ہے صوامع یہود و نصاریٰ تارک الدنیا کی جنگلی خانقاہیں، بِیَعٌ شہری گرجے، صَلَوَاتٌ یہودی اور صابئین کے شہری مَعْبَدَ۔ اور مسلمانوں کی مسجدیں، سابقہ اُمتوں نے اپنی خصوصی عبادات کے لیے دنوں کا انتخاب بھی کیا تھا اور اپنے اپنے عبادت خانوں کے یہ نام بھی خود رکھے۔ مگر مسلمانوں کے لیے دِن کا انتخاب یومِ جمعہ بھی رب تعالیٰ نے خود اپنے کرم سے مقرر فرمایا اور اسلامی عبادات کے لیے عبادت گاہ کا نام مسجد بھی اللہ تعالیٰ نے خود رکھا۔ اس آیت میں معبدوں کی یہ ترتیبِ لفظی دو وجہ سے ہے ۱ یا اس لیے کہ شریعت کے بعد اشرف کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ کہ صَوَامِعُ شرافت، والی جگہ اور بِیَعٌ اُس سے بھی زیادہ شرافت والی جگہ اور بِیَعٌ سے بھی زیادہ شرافت والی جگہ صَلَوَاتٌ اور صَلَوَاتٌ سے بھی زیادہ شرافت والی جگہ مَسٰجِد اور شرافت کی زیادتی عبادت کی کثرت کی بنا پر۔ اس سے ثابت ہوا کہ اگرچہ اپنے اپنے وقتوں اور زمانوں میں اِن دینوں کے منسوخ ہونے سے پہلے سب معبدوں میں صحیح اور سچی عبادتِ الٰہی ہوتی تھی اور وہ معبد اپنے شرعی دینی زمانوں میں درجہ بدرجہ شریف و اشرف تھے مگر تا قیامت سب میں زیادہ ہر طرح ہر وقت اشرف و افضل اور اکثرفی العبادت صرف مساجد ہی اس لیے کہ تا قیامت صحیح سچی عبادت و طہارت صرف مسجد میں ہی ہوتی رہے گی جو عَدَدًا۔ اَدَبًا، وَقتًا کثیر ہو گی ۲ اِس ترتیب کی دوسری وجہ ان کا زمانۂ تعمیر وجود ہے۔ اس طرح کہ سب سے پہلے دنیا میں زمین پر صَوامِع بنائے گئے پھر بِیَعٌ پھر صَلَوٰتے، پھر دین اسلام کی بعثت پر مسجدیں لَہُدِّمَتْ سے عبادت گاہوں کو رب تعالیٰ نے پہلے زمانوں میں اہلِ ایمان کو قتالِ محاربین کا حکم دے کر۔ قتال کی دو قسمیں کر دیں ایک مدافعت کی صورت میں اپنی جگہ رہ کر دردم مقابلے اور حملے کی صورت میں آگے بڑھ کر، پھر اسلامی زمانے میں سلطنتِ اسلامیہ کو پھیلا کر بھی مُشرکین دشمنوں سے بچایا۔ اسلام میں رب تعالیٰ کا حکم ہے کہ کسی مذہب کا معبد تباہ مت کرو نہ کرنے دو۔ بلکہ اہلِ ذمہ کی عبادت گاہوں کی حفاظت کرو۔ اسی لیے آج بھی اسلامی ریاستوں میں غیر مسلموں کے صَوامِع۔ بِیَعے صَلوٰتے۔ کنیسے، گرجے مندر، گُردوارے سب محفوظ و امن میں ہیں، ہزار سالہ مُغلیہ دَور میں دَورِ شاہی، اس پر شاہد ہے۔ ہاں البتہ جس

marfat.com

جس مسجد کو سیاسی اڈہ اور اسلحہ و شرارت و جاسوسی مخبری کا مسلمانوں کے خلاف سازش خانہ بنا لیا جائے گا اُس پر یلغار کرنا جائز و ضروری ہے جیسا کہ سومناتھ کا مندر محمود غزنوی کے زمانے میں اِس کے علاوہ کوئی مثال اور واقعہ نہیں ملتا۔ کسی مندر۔ معبد کو کوئی خطرہ نہیں نہ انتقامی نہ سیاسی، نہ مذہبی، بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی مدد پر ہر وقت قادر ہے۔ کوئی چیز اُس کے لیے رکاوٹ نہیں۔ عزیز بزرگ جلیل و غالب ہے نہ اُس کو کوئی روک سکے نہ ٹوک سکے اُس کی ہر حکمت جاری و نافذ ہے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال: ۱۔ اُذِنَ کی قرأت میں دو قول۔ پہلا یہ کہ اُذِنَ فعل ماضی مطلق مجہول ہے۔ یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے۔ دوم یہ کہ یہ اَذِنَ فعل معروف ہے معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اجازت دیدی۔ اِذنِ جہاد کے سلسلے میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا اسی آیت سے اجازت ملی ۲۔ بعض نے کہا کہ اِس آیت سے اجازت نہیں ملی بلکہ اجازت دیئے جانے کی اطلاع ملی۔ اصل اجازتِ جہاد سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۰ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ سے دی گئی ۳۔ بعض نے کہا کہ اصل اجازتِ جہاد سورۃ توبہ کی آیت ایک سو گیارہ ۱۱۱ اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ۔ سے ملی، کچھ بزرگوں نے فرمایا کہ اِذنِ جہاد سورۃ توبہ کی آیت ۵ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ سے ملی۔ مگر پہلا قول درست ہے کہ اِذنِ قتال سورۃ حج کی اسی آیت سے ملا۔ یہ اُذِنَ فرمانا اطلاع نہیں بلکہ اصلِ اذن ہے، اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۹۰ میں جہاد کا طریقہ اور سورۃ توبہ آیت ۱۱۱ میں جہاد کا مرتبہ اور ثواب بتایا گیا۔ اور سورۃ توبہ کی آیت ۵ میں انتہائی جہاد کا ذکر فرمایا اور کچھ آیت میں مدافعانہ قتال کا حکم ہے، دو قسم کی جہاد کی اجازت دی گئی ہے پہلی مدافعانہ دفاع کرتے ہوئے، پھر انتقامانہ آگے بڑھ کر علاقۂ کفر میں جاکر حملہ یلغار کرتے ہوئے اور پھر تبلیغی جہاد۔ اس طرح مسلمانوں کے جہاد تین قسم کے ہوئے ۱۔ مدافعانہ ۲۔ انتقامانہ ۳۔ مبلغانہ۔ یُقَاتَلُوْنَ کی قرأت میں دو قول ۱۔ یہ فعل مضارع مجہول ہے ۲۔ یہ یُقَاتِلُوْنَ فعل مضارع معروف ہے۔ دِیَارِھِمْ کے معنی میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد شہر مکہ مکرمہ ہے ۲۔ بعض نے کہا اِس سے مراد بستی مکہ میں مسلمانوں کے ذاتی ملکیتی گھر ہیں۔ اِلَّا کے حکم میں تین قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ مستثنیٰ متصل کے لیے ہے بمعنی مگر اور بقولِ کفار مسلمان چونکہ توحید و رسالت کو ماننے والے بن گئے اس لیے اخراج کے مستحق

marfat.com

ہو گئے۔ اور بُت پرستی کا آبائی دین چھوڑ کر توحید باری ماننے کی پاداش میں مسلمانوں کو ستانا کفارِ مکہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا حق بنتا ہے ۲ بعض نے کہا یہ استثنیٰ منقطع ہے بمعنیٰ لیکن یعنی اہل ایمان مکہ مکرمہ سے نکالے جانے کے مستحق نہ تھے بلکہ حقیقت میں تو یہی مومن ہی مکہ مکرمہ میں رہنے کے حقدار تھے کیونکہ کعبۂ وحرم تو بنا ہی توحید اور عبادتِ الٰہی کے لیے تھا نہ کہ بُت پرستی اور شرک کفر کے لیے، تو گویا فتح مکہ حق بحقدار رسید کا مظاہرہ تھا۔ اِلاَّ لیکن محض توحید کی دشمنی میں یہ ایمان والے ناحق نکالے گئے، بعض نے کہا اِلاَّ مستثنیٰ منقطع ہے اِس کا معنیٰ ہے سوائے، یعنی کفارِ مکہ کو ظلم ڈھانے کا کوئی بہانہ نہ ملا سوائے مسلمانوں کے رَبُّنَا اللّٰہ۔ کہنے کے (کلمہ پڑھنے کے) لَوْلَا دَفْعُ اللّٰہِ کی قرئت میں دو قول ہیں ۱ دَفْعُ اللّٰہِ ۲ دِفَاعُ اللّٰہِ۔ باب مفاعلۃ کا اسم مبالغہ اور معنیٰ یہ کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں مومنوں کی کفار سے مدافعت اور حفاظت کرنے والا ہے بار بار لَّهُدِّمَتْ کی قرئت میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ باب تفعیل کا ماضی شرطیہ مجہول ہے بمعنیٰ بالکل ڈھا دئیے جاتے۔ لَّهُدِّمَتْ یہی مشہور و مکتوب قرئت ہے ۲ یہ هُدِمَتْ ہے۔ بغیر تشدید۔ باب ضَرَبَ ماضی مطلق مجہول اور معنیٰ ہے کہ ویران بے آباد مقفل کر دئے جاتے، داخلہ بند عبادت ممنوع۔ بِيَعٌ۔ صَلَوٰتٌ کے معنیٰ میں تین قول ہیں ۱ بِيَعٌ عیسائیوں کا عام گرجا۔ صَلَوٰتٌ خلوت کی عیسائی خانقاہیں صَوَامِعُ یہودیوں کے معبد کنیسے ۲ بعض نے کہا کہ صوامع مجوسیوں کے، بیع نصاریٰ کے صَلَوٰتٌ یہودیوں کے معبد ۳ بعض نے کہا صَوَامِعُ یہودیوں کے۔ بیع نصاریٰ کے صَلَوٰتٌ صابئین کے معبد مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ مجوس کے معبد کو بیتِ ناریہ (آتشکدہ) کہا جاتا ہے۔ اور صابئین کے معبد کو کنیسہ، صَوَامِعُ کا واحد صامعہ ہے۔ بِيَعٌ کا واحد بِيْعَةٌ ہے صَلَوٰتٌ کا واحد صَلَوٰۃٌ ہے یہ عبرانی لفظ ہے۔ صَلَوٰتٌ کی قرئت میں دس قول ہیں ۱ صَلَوٰتٌ، یہی مشہور اور مکتوبی ہے ۲ صُلُوْتٌ ۳ صَلَوَاتٌ ۴ صُلُوْتٌ ۵ صَلَوَاتٌ ۶ صُلُوْتٌ ۷ صِلْوِيْتَا ۸ صَلَوَاتٌ ۹ صِلَوَاتٌ ۱۰ صُلُوْبٌ۔ اس کا واحد صَلِيْبٌ بروزنِ ظَرِيْفٌ۔ يُذْكَرُ فِيهَا کی هَا ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اِس کا مرجع یہ چاروں عبادت خانے ہیں یعنی صوامِع، بِيَعٌ، صَلَوٰتٌ۔ ان میں بھی پہلے اپنے وقتوں میں صحیح، عبادت اور ذکرُ اللہ ہوتا تھا۔ اور مسجدوں میں تا قیامت انشاء اللہ تعالیٰ ہوتا رہے گا ۲ بعض نے کہا۔ هَا کا مرجع صرف مساجد ہیں کیونکہ نزولِ آیت کے وقت صحیح ذکرُ اللہ کا مقام صرف مساجد ہی تھیں۔ یہی قول درست ہے۔

marfat.com

فائدے ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ دنیا میں جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہوگا وہ کام ہمیشہ مفید بھی ہوگا اور جائز بھی لیکن جو کام اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کرایا جائے وہ نقصان دہ یا بے فائدہ کام، خواہ دینی ہو یا دنیوی اس لیے کہ اجازت والے کام میں رب تعالیٰ کی رضا شامل اور رضا میں ارادہ وحکم وحکمت داخل۔ اور جس کام میں رب تعالیٰ کی حکمت شامل اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد بھی شامل۔ یہ فائدہ۔ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ اور لَنَصْرِ ھِمْ لَقَدِیْر کی بشارت سے حاصل ہوا غرضکہ اذنِ الٰہی اجازتِ ربانی مل جانے سے بندے کو مزید چار نعمتیں مل جاتی ہیں۔ رضا۔ ارادہ۔ حکم، حکمت، یہاں تک کہ ارادۂ الٰہی بندے کے لیے اتنا مفید ہے کہ بندے کی اس بھول میں سینکڑوں فائدے مل جاتے ہیں جو بھول رب تعالیٰ کے ارادۂ حکمت سے ہو دیکھو ایک دفعہ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سفر کی ایک نماز میں بھول گئے تو سجدۂ سہو کا مسئلہ ظاہر ہوا۔ اور ایک سفر میں اُمُّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہار بھول گئیں تو تیمم کا مسئلہ ظاہر ہوا۔ لیکن اگر کسی کام میں اللہ کی اجازت نہ ملی ہو اور وہ ہو جائے تو اس کو شیطان کی طرف منسوب کیا جاتا ہے سورۂ قصص کی آیت ۱۵ میں موسیٰ علیہ السلام نے ایک مُکّے سے قبطی کے مرجانے کو فرمایا۔ قَالَ ھٰذَا مِنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ یعنی یہ کام نہ رب کی اجازت سے ہوا نہ میرے ارادے سے بلکہ شیطان کی شرارت سے اسی طرح ایک سفر میں یوشع علیہ السلام نبی مچھلی کے زندہ ہوکر پانی میں کود جانے کا واقعہ موسیٰ علیہ السلام کو بتانا بھول گئے تو اس بھول کو بھی شیطان کی طرف منسوب فرمایا۔ چنانچہ سورۃ کہف آیت ۶۳ میں ہے۔ وَمَآ اَنْسَانِیْہُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ۔ اس لیے کہ قبطی مارنے اور مچھلی بھولنے کے دونوں واقعات سے نقصان ہی ہوا فائدہ کچھ ظاہر نہ، وہاں مدین کی مشقتیں اٹھانی پڑیں اور یہاں سفر دریا دراز ہوگیا۔ **دوسرا فائدہ**۔ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں اپنے بندوں کا دفاع فرماتا ہے، مردودین سے مقبولین کو بچاتا ہے اور باطل سے حق کو۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام کو نارِ نمرود سے، اور ابراہیم علیہ السلام کے ذریعے ایمان والوں کو نمرود سے بچایا موسیٰ علیہ السلام کے ذریعے فرعون سے بنی اسرائیل کو بچایا۔ اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ذریعے مسلمانوں کو یزید سے بچایا۔ اور ہر جگہ رجالِ غیب کے ذریعے جنگل صحرا یا کسی مصیبت میں پھنسے ہوئے مسلمان محتاجین کو اُس ناگہانی مصیبت سے۔ اسی طرح اولیاءِ باطنی کے ذریعے لشکرِ کفار سے۔ لشکرِ اسلام کی مدد فرمائی۔ جیسے جنگ بدر میں ملائکہ کے ذریعے مدد پہنچائی اور

marfat.com

چند صند وسلم گذشتہ جنگوں میں سبز پگڑیوں والے غیبی اولیاء اللہ کے ذریعے مجاہدین اور مُلکی سرحدوں کا دفاع فرمایا گیا۔ اور جیسے دجال کے وقت حضرت مسیح علیہ السلام کے ذریعے مسلمانوں کو دجال سے بچایا جائے گا یہ فائدہ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ ۔ سے حاصل ہوا۔ تیسرا فائدہ۔ ہر مسلمان کو ہر وقت، دو چیزوں کا اپنے اہر عمل میں خیال رکھنا چاہیئے۔ اطاعتِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آپ کے احکام و اقوال میں اور اتباع آپ کے ہر عمل مقدس میں۔ اس لیے کہ اس اطاعت اور اتباع کی برکت سے مسلمان کے کسی دینی دنیوی کام میں کبھی کوئی پریشانی تکلیف رکاوٹ یا شکست نہ ہو گی، اسی وجہ سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہر مصیبت، رکاوٹ، پریشانی کے وقت یہی غور کرتے تھے کہ کہیں ہم سے کوئی قولی یا عملی ترکِ سنّت کا ارتکاب تو نہیں ہو رہا جس کی وجہ سے یہ پریشانی اور مصیبت رکاوٹ آگئی اگر ایسا ہوتا تو فوراً اس سنّت مقدسہ پر عمل شروع کر دیتے اور وہ پریشانی دور ہو جاتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام کے اس کردار سے وہ قلعے فتح ہو جاتے جو مہینہ بھر لشکرِ اسلام کے محاصرے سے فتح نہ ہو سکے تھے یہ فائدہ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ کے وعدۂ ربانی سے حاصل ہوا۔ اس وعدۂ ربانی کے باوجود بھی بعض دفعہ مسلمان، کفار اور فساق سے کیوں شکست کھا جاتے ہیں اس کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ مسلمان یا اطاعت میں کوتاہی کر جاتے ہیں یا اتباع میں، کیونکہ وعدۂ ربانی تو ہر حال میں برحق اور موجود ہے لیکن ناکامی مسلمانوں کی اپنی کوتاہیوں کا خمیازہ ہوتا ہوتا ہے۔ حضرت حکیم الامت سالک بدایونی کا شعر ہے۔

اُن کے جو ہم غلام تھے خلق کے پیشوا رہے ☆ اُن سے پھرے جہاں بھر آئی کمی وقار میں

ثابت ہوا اطاعت و اتباع بھی مَنْ یَّنْصُرُهٗ کی ایک صورت ہے۔

احکام القرآن اِن آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ امام اعظم کا مسلک ہے کہ مرتد مرد کو قتل کیا جائے اگر وہ توبہ کی مہلت میں توبہ نہ کرے خواہ وہ مرتد مرد جوان، ہو یا بوڑھا یا معذور، لیکن مرتدہ عورت کو قتل نہیں کیا جائے گا جوان ہو یا بوڑھی یا معذورہ لیکن تا توبہ قید کی سزا دی جائے گی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلام میں مرتد ہونے پر اور دین اسلام چھوڑنے پر کوئی گرفت اور سزا نہیں شریعتِ اسلام نے دین پر کوئی پابندی نہیں رکھی۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ دین میں کوئی جبر نہیں، سورۂ بقرہ آیت ٢٥٦ اگر کوئی دین اسلام سے مرتد ہو کر کافر ہوتا

marfat.com

ہے تو اُس کو صرف سمجھایا جائے گا۔ صرف مرتدہ ہونے کی بنا پر قتل نہ کیا جائے گا۔ لیکن ائمۂ ثلاثہ امام مالک امام حنبل اور امام شافعی کا مسلک ہے کہ ہر مرتد کو قتل کیا جائے مرد ہو یا عورت جوان یا بڑھاپا یا معذوری میں ہو۔ ائمۂ ثلاثہ فرماتے ہیں، وجہ قتل ارتداد ہے اور وہ سب میں برابر۔ امام اعظم نے اپنے اِس مسلک کو اِس آیت اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّھُمْ (الخ) سے مستنبط کیا۔ امام اعظم فرماتے ہیں دین اسلام خوشبوں محبتوں کا دین ہے یہ جبراً کبھی نہیں ٹھونسا گیا، دینِ اسلام تلوار سے نہیں پھیلا نہ کوئی دین تلوار سے پھیل سکتا ہے کیونکہ تلوار کا قبضہ صرف جسم پر ہوتا ہے جب کہ دین کا قبضہ دل پر ہوتا ہے۔ تلوار ہیبت پھیلاتی ہے دین اُلفت پھیلاتا ہے تلوار بادشاہ تو بنا دیتی ہے مگر قلبی محبوب نہیں بنا سکتی جب کہ دین و ایمان محبوبیت چاہتا ہے۔ اِس آیت میں فرمایا گیا کہ ایمان والوں کو اِس لیے قِتال کی اجازت دی گئی ہے کہ ظالم کا ظلم بند کیا جائے اور جو مسلمانوں سے قِتال کریں یا جن سے آئندہ کسی وقت قِتال کا خطرہ ہو اُن سے قِتال کر کے اِس حد تک کمزور کر دو کہ وہ قتال کی جرأت نہ پائیں۔ مرتد مرد سے قِتال کا چار طرح خطرہ ہے ۱ جوان مرتد کفار کے لشکر میں شامل ہو کر قوتِ کفر اور جاسوسی بڑھائیگا مسلمانوں کی مخبری اور اسلام کے خلاف جنگ میں شامل ہوگا۔ اس خطرے کے پیشِ نظر اوّلاً اُس کو دلائل اور حُسنِ اَخلاق سے سمجھایا جائے گا اور توبہ کرائی جائے گی اگر توبہ نہ کرے تب قتل کیا جائے گا۔ ۲ بوڑھا اور معذور مُرتد اپنی عقل اور سیاسی شوروں سے یا مالی امداد سے کفار کی جنگی قوت بڑھائے گا۔ ۳ یا بیٹھا بیٹھا کفر کی تبلیغ کرے گا، مسلمان نسل کو اسلام سے بہکائے وَرغلائے گا ۴ ہر مرتد مرد لشکرِ کفر کا جسمًا، مالاً، عقلاً، دامے درمے سخنے تعاون کرنے میں جوشی و تیزی دکھائے گا۔ اور مرتد کی تبلیغ زیادہ نقصان دِہ ہے عام کافر کی تبلیغ سے اِن وُجوہ کی بنا پر مرتد مرد کو قتل کیا جائے گا تاکہ یہ تمام خطرات جڑ سے ختم ہو جائیں قتلِ مرتد کی وجہ صرف یہ تعاونی خطرات ہیں نہ کہ ارتداد۔ لیکن ایک گھریلو مرتدہ عورت سے پہلے تین خطرات نہیں وہ نہ جسمًا قتال کر سکتی ہے نہ مالی نہ عقلی جنگی چالوں سیاسی فارمولوں کی اس لیے اُس کو قتل نہ کیا جائے گا۔ ہاں البتہ اُس سے تبلیغِ کفر اور بہکانے وسوسانے کا خطرہ ہے اِس خطرے سے بچنے کے لیے مرتدہ کو دراز مدت تک قید کر دیا جائے گا یا اسی کے گھر میں نظر بند۔ رب تعالیٰ نے صرف اُن کفار کو قتل کرنے کی اجازت دی ہے جو مسلمانوں سے جنگ کرتے ہیں یا کبھی کر سکتے ہیں، چنانچہ سورۂ بقرہ آیت ۱۹۱ میں ارشاد

marfat.com

اِرشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا۔ اے مسلمانو صرف ان کو قتل کرو جو کسی وقت تم سے جنگ کر سکتے ہوں۔ اور جن سے جنگ کا خطرہ ہو۔ اور حد سے نہ بڑھو۔ یعنی جن سے کسی قسم کی (مالی جسمی، عقلی، سیاسی) جنگ کا خطرہ نہیں ان کو قتل نہ کرو اس آیت کی تفسیر حدیث پاک میں اس طرح ارشاد ہوئی کہ فرمایا آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہ اے تا قیامت مسلمانو کسی بھی جنگ وجہاد میں دفاعی جنگ ہو یا خطرۂ جنگ کفار کے پیش نظر پیش قدمی کی جنگ ہو بچے بوڑھے، معذور، اور عورت کو قتل نہ کرو (مسلم بخاری) اس حدیث پاک کی شرح میں شارحین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد وہ بوڑھے معذور اور عورت مراد ہے جو جنگ میں کفار لشکر کی کوئی مدد نہ تو کرتے ہوں نہ کر سکتے ہوں۔ نہ مالی نہ عقلی و سیاسی نہ مشاورتی۔ یہ حکم حدیث بھی عام بوڑھے و معذور کافر کے لیے ہے نہ کہ مرتد بوڑھے و معذور کے لیے اس لیے کہ عام بوڑھے اور معذور کافر سے خطرۂ قتال نہیں ہے مگر مرتد ہونے والے بوڑھے و معذور سے سیاسی و مالی تعاون کا خطرہ یقینی ہے کیونکہ اس کا مرتد ہونا بلاوجہ نہیں ہو سکتا نہ مرتد اپنی شرارتوں کفر نوازیوں میں چپ بیٹھ سکتا ہے۔ لہٰذا مرتد مرد کو ہر حال قتال کیا جائے کہ یہ راستے کا خطرناک کانٹا ہے۔ مسلم بخاری، ابو داؤد میں ہے عَنْ اَنَسٍ اور عَنْ رِبَاحِ ابْنِ رَبِیْعٍ ہے عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں۔ چار شخصوں کو قتل مت کرو (۱) عورت، (۲) بوڑھا (۳) معذور (۴) مذہبی لیڈر۔ (راہب، پادری، پنڈت) کیونکہ یہ کسی طرح بھی جنگ میں شریک نہیں ہوتے لیکن جو عورت یا بوڑھا، یا معذور اور پادری راہب پنڈت جسماً۔ یا مالاً، مشورۃً۔ یا سیاستاً جنگ کرے یا کروائے اس کو قتل کیا جاوے گا۔ بچوں کو بالکل قتل نہ کیا جائے۔ یہ مسئلہ بِاَنَّھُمْ ظُلِمُوْا سے مستنبط ہوا۔ ائمہ ثلاثہ کے دلائل (۱) حدیث بخاری میں ہے مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ یہاں مَنْ عام ہے مرتد اور مرتدہ کے لیے، حنفی علما جواب دیتے ہیں کہ یہ عموم ظنی ہے اور ظنی دلیل سے قتل کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ حدیث (۲) عَنْ جَابِرٍ۔ دارِ قطنی میں ہے کہ اُمِّ مروان مرتدہ ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا اس سے توبہ و رجوع کرواؤ اگر توبہ کرے تو ٹھیک ورنہ قتل کر دو۔ حنفی علما جواب دیتے ہیں کہ یہ روایت عمرو ابن رواحہ ضعیف راوی کی وجہ سے ضعیف ہوگئی اور ضعیف روایت سے قتل کا حکم ثابت نہیں ہو سکتا۔ تیسری حدیث از دارِ قطنی، عَنْ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یومِ اُحد ایک عورت مرتدہ ہوگئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ اس سے توبہ

marfat.com

کرواؤ اگر کرے تو ٹھیک ہے ورنہ قتل کردو۔ تفسیر مظہری نے جواب دیا کہ یہ روایت محمد بن عبدالملک نے روایت کی حالانکہ محدثین کے نزدیک یہ راوی حدیثیں بنانے میں بدنام ہے اس لیے یہ حدیث بھی یقیناً بناوٹی ہے۔ لہٰذا ائمہ ثلاثہ کا مسلک کمزور اور اس آیتِ قرآن مجید کے خلاف ہے غرضکہ امام اعظم کا مسلک یہ کہ ارتداد وجہ قتل نہیں بلکہ خطرۂ قتال مرتد کو قتل کر دینے کا سبب ہے یہ مسلک قرآن مجید سے مستنبط اور ثابت ہے ائمہ ثلاثہ کا مسلک کہ ارتداد ہی وجہ اور سببِ قتل ہے یہ مسلک خلافِ قرآن ہے۔ دوسرا مسئلہ۔ سابقہ تمام شریعتوں میں کفار سے مدافعانہ انتقام لینا جائز رہا کسی نبی علیہ السلام نے اپنی امت کو کفار سے بدلہ لینے کے لیے منع نہیں کیا اسی لیے پہلی امتوں میں ہر طرح دینی دنیوی امن قائم عبادت گاہیں سلامت رہیں، عبادتیں ہوتی رہیں، صرف دفاع کے انتقام اور کفار کے حملے سے بچاؤ کے لیے پیش قدمی کی اجازت ہر مظلوم امت کو عطا فرمائی گئی اس اجازتِ قتال کی بدولت ہی دنیا میں امن قائم رہا اور سب کے دین وعبادت معبد و کنیسے محفوظ رہے اور ہیں، یہ مسئلہ۔ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا عیسائیوں کا یہ کہنا کہ ہمارے عیسیٰ علیہ السلام دنیا میں صرف امن سلامتی صلح اور محبت لے کر آئے تھے اور حضرت مسیح کی تعلیم یہ تھی کہ اگر کوئی شخص دشمن تمہارے ایک رخسار پر چپت مارے تو دوسرا رخسار بھی اس کی طرف کردو اور کہو کہ ادھر بھی مار لے یہ بالکل غلط بات ہے عیسیٰ علیہ السلام نے یہ کبھی نہ فرمایا نہ اس تعلیم کا فائدہ نہ دنیا میں رہنے کے لیے اس پر عمل ہو سکتا ہے نہ کسی عیسائی نے آج تک اس پر عمل کیا ہے نہ کر سکے بلکہ جتنا ظلم اپنی جنگوں میں عیسائیوں نے مظلوموں نہتوں پر کیا۔ اس کی تو کسی اور قوم میں مثال نہیں ملتی صلیبی جنگیں اور ہندوستان میں انگریز عیسائیوں کا ظلم اس کے گواہ ہیں۔ عیسائی جنگوں میں تو بچوں بوڑھوں معذوروں عورتوں کو بھی معاف نہ کیا گیا، سب پر قتلِ عام کیا گیا حالانکہ کسی شریعتِ نبوی نے اس طرح کے ظلم کی اجازت کبھی نہ دی۔ مگر ان صلح محبت کے دعویداروں کی تاریخ ظلم سے بھری پڑی ہے۔ تیسرا مسئلہ۔ یہ شرعی قانون تاقیامت جاری و نافذ ہے کہ مجاہدین، صرف ان عورتوں، بوڑھے مردوں، اور معذور، اور مذہبی رہنماؤں کو دورانِ جنگ امن دیں قتل سے بچائیں جو جنگ میں کسی طرح حصہ نہ لیں اور تمام بچوں کو بھی امن دیں لیکن جو کافر عورتیں یا بوڑھے معذورین، مذہبی لیڈر اپنے مال و

marfat.com

مشوروں سے جنگی کفار کو تقویت دیرہے ہوں، یا جنگی چالیں سمجھا رہے ہوں، یا مخبری جاسوسی کا تعاون کررہے ہوں۔ ان کو قتل کیا جائے گا یہ مسئلہ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا۔ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ ظُلِمُوْا والے مسلمانوں کو اِذنِ قتال دیا گیا ان کے خلاف جو ظالم کافر ہیں، اور سیاسی مشیرہ تو اصل جنگی فوجیوں سے بڑے ظالم ہوتے ہیں کیونکہ جنگ کراتے ہیں۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ جو اپنے گھروں سے نکالے گئے حالانکہ مسلمان تو خود نکلے تھے۔ ہجرت کی اجازت رب تعالیٰ نے ہی عطا فرمائی تھی اور اس نکلنے پر خوش تھے کسی کافر نے نہ نکالا تھا تو اُخْرِجُوْا۔ کیوں فرمایا گیا؟ **جواب** نکالنے کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ زبان سے کہا جائے نکل جا، جس طرح آذر چچا نے، ابراہیم علیہ السلام سے کہا وَاهْجُرْنِيْ مَلِيًّا۔ اے ابراہیم میرے پاس سے دور ہجرت کر جا (سورۃ مریم آیت ۴۶) دوم یہ کہ ظالم زبان سے کچھ نہ کہے مگر مظلوم کو اتنا ستائے ظلم و تشدد کرے کہ مظلوم گھبرا کر خود ہی نکل جائے یہ گویا باطناً نکالنا ہی ہے، سوم یہ کہ مظلوم اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور نبی علیہ السلام سے التجائیں عرض کرے کہ یا اللہ مجھے ان ظالموں سے بچا یہاں سے اور وہاں پہنچا جہاں میں آزادی سے دل بھر کر تیری عبادت، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و اتباع کرسکوں کوئی رد کنے ٹوکنے والا نہ ہو۔ کفار مکہ نے مسلمانوں کو اسی قسم کا نکالا تھا۔ زبانی کلامی یا ہاتھ پکڑ کر نہ نکالنا تھا، مگر حالات ایسے پیدا کر دیئے تھے کہ مجبوراً مظلوم مقہور مسلمانوں کو وہاں سے نکلنا پڑا اور اللہ تعالیٰ سے اجازتِ ہجرت مانگنی پڑی۔ اسی ظلم و ستم کے اظہار کے لیے یہاں اُخْرِجُوْا فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ یعنی بے شک اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی مدد کرنے پر قوی (قادر) اور عزیز و غالب ہے، تو پھر بعض دفعہ مسلمان کفار سے شکست کیوں کھا جاتے ہیں، جیسے کہ جنگِ اُحد میں مسلمانوں کی فتح، شکست میں بدل گئی اگرچہ وہ شکست عارضی اور وقتی ہی تھی، خوارزم شاہ چنگیز سے۔ خلیفۂ بغداد ہلاکو سے اور مشرقی پاکستان میں نوے ہزار ہتھیار بند مسلمان فوجی ھندوؤں کے قیدی بن گئے، بہادر شاہ ظفر مغل بادشاہ اور سلطان ٹیپو انگریز کفار سے شکست کھا گئے کیا وجہ۔ **جواب**۔ رب تعالیٰ کا یہ وعدہ ہر وقت بالکل سچا ہے، مگر مطلق نہیں بلکہ مقید و مشروط ہے، یہاں، مَنْ يَّنْصُرُهٗ، کی قید اور شرط ہے اور سورۃ آلِ عمران کی آیت ۱۳۹ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ

marfat.com

اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ۔ یعنی اُن مومنین کی مدد ہو گی جو اُس کے دین کی مدد کریں گے۔ اور اے مسلمانو ہر کفر پر تم ہی غالب رہو گے بشرطیکہ مومن بن کر رہو۔ مسلمان ہونا سچے عقائد کا نام ہے اور مومن ہونا سچے اعمال کا نام ہے اور سچے اعمال آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی پوری اطاعت اور پوری اِتّباع کا نام ہے اگر مسلمان اِس اطاعت و اتّباع میں مضبوطی سے ہر وقت قائم رہیں تو کبھی شکست نہ ہو۔ جیسا کہ خُلفاءِ راشدین کی فتوحات صلیبی جنگوں میں اسلامی فتوحات اور ہندوستان پر ہزار سالہ مغل شہنشاہی دَور۔ لیکن جب بھی مسلمانوں نے دینی مدد میں کمزوری دکھائی اور اطاعت وَ اتباعِ نبوی، عشقِ الٰہی، محبتِ مصطفائی میں کمی دکھائی یا فرمانِ نبوت سے بے پرواہی برتی تو فوراً شکست کھائی۔ جنگِ اُحد کی وقتی شکست بھی اسی لیے تھی کہ درّے پر بٹھائے اُن بارہ صحابہ نے فرمانِ نبوت کی پرواہ نہ کرتے ہوئے، فتح دیکھ کر بلا اجازت درّہ چھوڑ دیا حالانکہ حکم تھا جب تک ہم خود نہ بلائیں درّہ نہ چھوڑنا بارہؐ میں سے دس نے بلا اجازت درہ چھوڑ دیا۔ اس معمولی نافرمانی نے بھی فوراً اثر دکھایا اور فتح شکست میں بدل گئی۔ مگر پھر دعاءِ نبوت اور فراستِ رسالت نے حالات سنبھال لئے۔ اور دوبارہ فوراً فتح مل گئی، خوارزم شاہ کی شکست کی وجہ مسلمان حکومتوں کی آپس میں نا اتفاقی بے اتحادی بلکہ کفر نوازی اور مخبری غدّاری کفار کی دھشت کا سہ لیسی تھی۔ بغداد کی شکست کمزور سیاست اندرونی دشمن کرسی کے لالچی رافضی وزیر پر اندھا اعتماد اور خلیفہ کی احمقانہ روشن تھی اور مخلص دوستوں پر بے اعتمادی، سلطنتِ ہند ظفر شاہ اور میسور کی شکست بھی بدعملی ھندو نوازی اور مسلمانوں کی اندرونی غداری تھی، مشرقی پاکستان میں اتنی بڑی مسلمانوں کی فوج کا ھندوؤں کا قیدی بن جانا، قوت کی شکست نہ تھی۔ بلکہ اپنوں اور غیروں کی ملی بھگت سے سیاسی عیّاری کر کے قیدی بنوایا گیا تھا اور دو طرفہ ووٹوں سے منتخب نومولود وزارتوں کا یہ نعرہ تھا کہ تم اُدھر ہم اِدھر۔ مسلمان فوج جنگی قیدی نہ تھے بلکہ عیارانہ غدار سیاست کے قیدی تھے۔ خوارزم۔ بغداد پاکستان میں بھی مَنۡ یَّنۡصُرُہٗ کا مظاہرہ کب کیا گیا۔ دینِ اسلام کی یہ مدد وَتعاون والی شرط اور قید کیا ہمارے عوام وَاہلِ حکومت میں نظر آتی ہے۔ ہر طرف اَعمال کردار۔ شکل وصورت کورٹ کچہری قانون میں نقشۂ کفار ہی نظر آتا ہے تو پھر نصرتِ الٰہی کی توقع کیوں کی جاتی ہے۔ جب مسلمانوں نے بھی مُلک لے کر کفر کی ہی پرچار کرنی ہے تو اُن کو فتح مندی کیوں دی جائے۔ جب میں کہتا ہوں کہ

marfat.com

جب میں کہتا ہوں کہ یا اللہ میرا حال دیکھ ؏ حکم ہوتا ہے کہ اپنا نامۂ اعمال دیکھ

تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ۔ سبعہ صحیحہ قرأتوں میں سے ایک قرأت یُقَاتِلُوْنَ۔ فعل معروف سے ہے یہ قرأت بہت صحابہ اور قراءِ مکہ نے اختیار فرمائی، اِس قرأت سے آیت کا معنیٰ ہوا کہ اجازت دیدی گئی اُن مسلمانوں کو جو قتال کرتے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں کا قتال تو اذن سے پہلے تھا ہی نہیں، فرضاً اگر تھا تو پھر اب اذن کی ضرورت نہیں تھی اور اگر یہ قتال پہلے نہ تھا تو قراءِ صحابہ نے یہ فعل معروف والی یُقَاتِلُوْنَ کی قرأت کیوں اختیار کی اور اِس قرأت کو صحیح بھی کہا۔ اب کیوں؟ جواب مشہور اور مکتوب تو پہلی قرأت یُقٰتَلُوْنَ فعل مجہول ہی سے ہے۔ یعنی اہلِ ایمان ظلماً۔ قتال کئے جاتے ہیں اور ظالم کفار مکہ قتال کرتے ہیں قتال سے مراد ہلاکت کی حد تک بے دریغ اذیت، تشدد مار پیٹ، باب مُفاعلۃ سے بیان کرنے کا مقصد بار بار ظلم کرنا۔ اِس قرأت پر تو اعتراض ہی نہیں، دوسری شاذ قرأت میں معنیٰ یہ ہے کہ مسلمان باوجود تھوڑے اور مظلوم ہونے کے بزدل و کمزور نہ تھے بلکہ اپنی روحانی جسمانی صدری قلبی بے مثالی و لاجواب قوت کی بنا پر بار بار آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اجازتِ قتال طلب کرتے تھے لیکن حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہر بار اُن کو صبر اور مزید انتظار کی تلقین فرماتے تھے۔ انتقام تو درکنار دفاع کی اجازت نہ ملتی تاکہ امتحانِ صبر کے آزمائشی پرچے پورے ہو جائیں۔ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی تو اس میں بتایا کہ اُن بہادروں کو اجازتِ قتال دیدی گیا جو پہلے ہی بار بار اذنِ قتال مانگتے رہتے تھے اور ہر وقت جہاد کے لیے تیار رہتے تھے۔ اِسی طلبِ اذن کو مجازاً یا تمثالاً قتال ہی فرمایا گیا گویا اُن کا اذنِ قتال مانگنا اِس جرأت، ہمت، شدت اور بے خوفی سے تھا کہ گویا وہ راہِ حق کے جہاد میں ہی مصروف ہیں۔ بس عطاءِ اجازت کے لیے زبانِ نبوت ہلنے کی دیر ہے کہ ابھی ٹوٹ پڑیں گے اور اُن ہی کے ہتھیاروں سے اُن کو ہلاک کر دیں گے۔ غرضکہ اِس قرأت میں جرأتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کی شان بیان فرمائی جا رہی ہے۔

تفسیر صوفیانہ اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۨ الَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ حرم قالب میں اُن صابرینِ قلب شاکرینِ عقل ذاکرینِ لسان کو ظالمینِ نفوس کے ظلم سے بچنے انتقام یعنی اپنا دفاع کرنے کے لیے مجاہداتِ نماز اور

marfat.com

مشقاتِ صیام کے تیر و تلوار کے ذریعے مجالسِ فکر کے میدانوں میں قتالِ خواہشات کی اجازت دیدی گئی جو پہلے نفس کی ظالمانہ رذالتوں خباثتوں کے قتالِ بلا میں مبتلا کئے گئے۔ اس وجہ سے کہ نفس کی بدنیتی کا ظلم کئے گئے تھے اور اعضاءِ روحانیہ پر وہم و بد خیالی کے یلغاری حملوں کا قتال کئے گئے۔ اب اراداتِ قلبیہ کے اہلِ ایمان کو قوتِ نفسانیہ کے ساتھ جہاد کی اجازت اس لیے دی گئی کیونکہ اہلِ نفوس کی طرف سے غلبۂ امارہ کی فحاشیوں اور صفاتِ غضبیہ کی بدمعاشیوں کے ظلم کئے جاتے رہے اور بے شک خالقِ قلب مالکِ روح اللہ تعالیٰ اہلِ روحانیت کی مدد پر ہمیشہ سے ہمیشہ تک قادر ہے۔ یہ وہی مظلومینِ باطنی مجبورینِ خفی ہیں جو اپنی جلوت کی عبادتوں خلوت کی ریاضتوں اور ذکرُ اللہ کے منصبوں سے نکالے گئے۔ حریم ذکر قبلۂ فکر کے اطمینانِ وطنی سے دور لذاتِ دنیوی کی ہجرتوں میں بھٹکائے ستائے گئے ناحق کیونکہ قلب اور اہلِ قلب کا وطنِ اصل تو یادِ محبوب کی محفلیں ہیں۔ اصلی حق تو یہی شکر کی مجلسیں ہیں۔ اہلِ دل اس سے بھٹکائے اور ورغلائے وسوسائے جانے کے مستحق نہ تھے۔ اس ظلمِ امارہ اور مخالفتِ نفس اور اذیتِ شیطانی کا سبب صرف یہ تھا کہ قلبِ مسعود توحیدِ ایمانی، تمجیدِ عرفانی، تعظیمِ ربانی، تمکینِ اعمالی توقیرِ صمدانی، تحقیقِ وجدانی میں رہ کر حق کی طرف متوجہ اور باطل سے متنفر و علیحدہ تھا کافرِ نفس کو اگر بحکمِ شریعت قتل و قید کیا جائے تو اذنِ الٰہی سے ہی ہے شریعت کے مطابق صرف فرمانِ نبوت میں ہے اور اجازتِ شریعت کا وقت احکامِ فقہا میں بعد بلوغت ہے اور احکامِ صوفیا میں راہِ سلوک میں قدمِ بلوغت رکھنے کے وقت ہے شریعت کی بلوغت بعمر چودہ (۱۴) سال اور طریقت کی بعمر چالیس (۴۰) سال ہے، بلوغت کے بغیر کسی قتال و جہاد کا مکلف نہیں ہو سکتا کیونکہ بلوغت شخصیتِ انسانی کی تکمیل چاہتا اُس مجاہدے کے زیور سے ہے جو شریعت کا لباس ہے اسی لیے بندہ بلوغت سے پہلے مکلف نہیں ہوتا کیونکہ اُس وقت قالبِ انسانی پر نفس امارہ کا ظلم و تشدد نہیں ہوتا مجاہدہ وہی معتبر ہے جو مدینۂ شریعت کے حدودِ حرم کی طرف مکمل ہجرت کر کے ہو۔ تاکہ نفس کے اوپر جہاد انتقام اور دفاعِ قتال میں نہ افراط ہو نہ تفریط نہ کمی نہ زیادتی دونوں طرفین غلطی سے محفوظ رہیں کہ جتنا ظلم نفس نے قلب پر کیا تھا بس اتنا ہی انتقام ہو۔ نفسِ امارہ نے قلب مومن پر چار ظلم کئے پہلا یہ کہ نقصان کا غلبہ کیا۔ دوم یہ کہ مخالفتِ شریعت میں مشغول کیا سوم یہ کہ مطابقتِ طبیعت کی شہوات میں پھنسایا چہارم یہ کہ دنیا کی لذت میں ڈالا اذنِ قتال کے بعد قلب کا انتقام اور مدافعت یہ ہے

marfat.com

کہ گناہوں سے ہجرت کرکے ضربِ الا اللہ سے نفس کا قتال کیا جائے نمازوں کی الفت بھوک کی کلفت
سے نفسِ ملعون پر حملہ ہو۔ نفس کے ظلم سے قلب پر تین اذیتیں آتی ہیں ۱۔ آئینۂ قلب پر اندھا
پن ۲۔ گناہوں کے زنگ کی سیاہی ۳۔ غفلت سستی کمزوری، اس کے انتقام بھی تین اوّلاً مخافتِ
ذمیمہ سے دوری دوم شریعت کے قلعے میں ہجرت، سوم طبیعت کا ترک اور ذکرُ اللہ میں اطمینان
قلبی رُجوع الی اللہ کا جذبہ، محفلِ اہل اللہ کی رغبت اگر ملے ورنہ مطالعۂ کتبِ اہلُ اللہ۔ وَلَوْلَا
دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ
يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ۗ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ
عَزِيْزٌ۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خزانۂ نور نہ ہو تو بندہ نہ نفس پر قدرت رکھتا ہے
نہ جہادِ عدل سے تذکیۂ روح کی قوت رکھتا ہے مگر نصرۃِ الٰہی کی طرف سے ہٰذا اے بندے
جب تونے خدمت کا چہرہ زمینِ عبادت پر رکھدیا تو اس خوش قسمتی پر رب تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا
رہ اِس توفیقِ سعادت اور ہجرت الی شریعت کو اپنی ہمت نہ سمجھ اس لیے کہ اگر مولیٰ تعالیٰ
کی طرف سے توفیقِ خیر نہ پہنچے تو بندہ کب اس کی اذن کے بغیر کسی خیر پر پہنچ سکتا ہے اگر
اللہ تعالیٰ کی طرف سے خزانۂ انابت کا بچاؤ نہ ہوتا کہ نفس کی بعض شہواتِ غضبیہ کو
دور کرکے بعض روحانی قلبی عقلی قوتوں فراستوں کے ذریعے تو البتہ برباد ہوجاتے اَبرارِ قلب کے
بلند صوامع اور نصارائے روحانی کی خلوت گاہیں اور عبادت کی مجالس کے بِیَعِ اور فکریاتِ سینہ
کے سَلوتے، اور نورِ ایمانی کے معبد، روحِ مومن کی سجدہ گاہیں اور مشاہداتِ فنا فی اللہ کی نمازیں
عجزِ عرفانی کی نیازیں جن میں تخلیقِ اَخلاق وَاِتّصاف صفات فناءِ ذات تحقیقِ اَسرار کا ذکرِ کثیر کیا
جاتا ہے۔ سالکینِ وادیِ معرفت کے لیے یہی اسمُ اللہِ اعظم ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ فرود
مدد فرماتا ہے اپنے اظہارِ نور وعطیۂ سرور کی نعمتوں کے ذریعے دفعیۂ شرور سے اُس مُوحّدِ
مخلص کی جس نے میدانِ عبادت میں اپنے آپ کو سینہ سپر کردیا اور مخالفتِ اَعداء سے
اَماناتِ الٰہیہ کی مدد اور حفاظت کی۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے قہر پر قادر وقوی ہے اور اپنے
مہر پر عزیز وغالب ہے۔ اگر مولیٰ تعالیٰ قلوبِ مومنین سے غلبۂ نفوس وخصائلِ نفور کو دور نہ
فرماتا تو ارکانِ شریعت کے بلند وظاہر صَوامع اور آدابِ طریقت کے خلوتِ مخفیہ والے
بِیَعِ اور مقاماتِ حقیقتِ اَبدیہ کے صَلوٰتے اور قوائے روحانیہ کی وہ تمام مساجد بے آباد
ویران ہوجاتیں جن میں ذکر، فکر شکر، صبر کے کثیر تذکرے ہوتے ہیں، اور ذکرِ کثیر صرف اسی

marfat.com

قلبِ وسیع میں ہوتا ہے جو نور اللہ سے منور ہو جائے۔ جب کبھی حریمِ قالب میں نفس و قلب کا مقابلہ و قتال ہوتا ہے تو کبھی کبھی نفس غالب اور قلب مغلوب ہو جاتا ہے تب کرمِ کریم سے اُس وقت دفاعِ الٰہیہ کی مدد سے جذبۂ قلب اُبھرتا ہے اور جوشِ اعمال کی طاقت و مشقتِ عبادات کے جذبے سے پھر غلبۂ جلال حاصل کر لیتا ہے اور وقتی مغلوبیت کی پریشانی اور عشق کی قوت سے محنت مشقت کی فراوانی ہی اس کا کفارۂ سیئات بن جاتا ہے۔ اس لیے عالمِ دنیا میں اہلِ ایمان کی وہ عارضی شکست بھی کسی وقت، دنیوی کفار فساق کے ہاتھوں جھیلنی پڑتی ہے جو مومن کا کفارۂ سیئات اور ذریعۂ حسنات و وسیلۂ ترقیات بن جاتی ہے یہ سب نظامِ قدرت اٹل ہے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ مگر مومن کے لیے یہ سب کچھ نصرتِ الٰہی ہے کوئی بلا واسطہ کوئی بالواسطہ کوئی ظاہر کوئی باطن کوئی جسمانی کوئی روحانی، کوئی فراستِ عاقل کی صورت میں کوئی لیاقتِ کامل کی صورت میں بندے کو اللہ تعالیٰ کی مدد سے چار فائدے ۱؎ کسی کو قلبی انعام ۲؎ کسی کو عقلی انعام ۳؎ کسی کو بدنی انعام کسی کو اُخروی انجام، اللہ تعالیٰ کی نصرت اور امدادِ ظاہری باطنی مومن کے لیے انعام ہے کافر کے لیے انتقام ہے مومن ہر مومن کا مددگار ہوتا ہے۔ مدد کرنا بھی قوت ہے اور قوت ہے قوت میں زندگی ہے اس لیے مومنِ کامل بعد وفات بھی اپنے مومن صادق بھائی کی مدد کرتا ہے۔ اہلِ ایمان کی مدد کرنا بھی نیکی ہے یہاں تک کہ کسی کے خالی برتن میں کوئیں سے پانی نکال کر بھر دینا بھی نیکی ہے اور اس خیال سے کہ کہیں کسی مسلمان کو یہ کانٹا نہ چبھ جائے اس پتھر سے کسی مسلمان کو ٹھوکر نہ لگ جائے راستے کا کانٹا پتھر ہٹا دینا بھی نیکی یہ سب دَفعُ اللہ کی صورتیں ہیں، دو چیزوں سے اسلام نے ہر مسلمان کو منع فرمایا ۱؎ تکلفاتِ ذاتی سے ۲؎ خوشامد سے۔ تکلف سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور خوشامد سے بےغیرتی پیدا ہوتی ہے حیثیت سے بڑھ کر کوئی کام کرنا تکلف ہے حیثیت سے گھٹ کر کوئی کام کرنا خوشامد ہے (تفسیر روح البیان، محی الدین ابن عربی (تفسیر نیشاپوری) حضور قطبِ ربانی نے فرمایا کہ بندۂ عارف جب عشق کے مقامِ بیخود پر پہنچتا ہے تو نفس کی ہر جائز ناجائز خواہش اُس کو اذیت ناک ظلم لگتا ہے اور اپنے رب سے ہر خواہشِ نفسی پر قتال کی اجازت طلب کرتا ہے مگر ہر بار اُس کو لسانِ الٰہی محبوبِ کبریائی کے آستانۂ قدس سے جواب آتا ہے لَا رَهْبَانِيَّةَ فِی الْاِسْلَامِ۔ اے بندے ابھی تو شریعت کی حدود میں رہ اسلام میں شریعت والوں کے لیے ترکِ دنیا جائز نہیں مگر جب خواہشات کی اذیتیں برداشت کی حد سے گزر جاتی ہیں تو پہلے

marfat.com

پروازِ لاہوتی کی ہجرتِ عالمِ قدس ملتی ہے پھر اُذِنَ لِلَّذِیْنَ، خواہشات پر حملہ و قتال کی اجازت دی جاتی ہے اور مسجدِ خلوت میں بٹھا کر ترکِ دنیا کا اعتکافِ عمری کرایا جاتا ہے، بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا اس وجہ سے کہ خواہشات کی آمد سے اس پر بندۂ ظلمِ شدید ہوتا ہے وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرٌ۔ ترکِ اللذات کی خلوت نشینی ہی اِن کی نصرتِ ربانی ہے کیونکہ دنیا کی ہر چیز سے ان کو اذیت پہنچتی ہے اَلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ۔ دنیا داری مجالسِ محبوبیت سے دور کرتی ہے حالانکہ اِن کا حقِ عرفانی ذکرِ محبوب کی محفل میں جانشینی ہے لیکن دنیا داری غفلت کی طالب ہے اور ذکرِ مولیٰ سے مغرور اس کو قلبِ محمود کا رَبُّنَا اللّٰهُ کہنا پسند نہیں۔ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ۔ اور اگر عشقِ الٰہی کی تائیدی مدافعت و حفاظتِ قلبی نہ ہوتی تو فکری صوامع ذکری بیعِ شکری صلوٰتے، اور روحانی مسجدیں سب ویران ہو جاتیں، یہ ذکرِ کثیر اور سینۂ عارف کی عبادت گاہیں امدادِ کبریائی کی وجہ سے قائم ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا

وہی ہیں یہ لوگ کہ اگر ہم طاقت دیں ان کو زمین میں تو

وہ لوگ کہ اگر ہم انہیں زمین میں قابو دیں

الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ

نمازیں جاری کرادیں اور زکوٰتیں دیں اور قانون بنا دیں اچھی باتوں کا

تو نماز برپا رکھیں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں

وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ ﴿۴۱﴾

اور روک دیں ہر برائی کو اور خاص ہے اللہ کے لیے تمام معاملات کا آخری فیصلہ

اور برائی سے روکیں۔ اور اللہ ہی کے لیے ہے سب کاموں کا انجام۔

marfat.com

وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ

اور اگر جھٹلا رہے ہیں یہ کفار آپ کو تو جھٹلایا ہے ان سے پہلے قوم

اور اگر یہ تمہاری تکذیب کرتے ہیں تو بے شک ان سے پہلے جھٹلا چکی ہے نوح

نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ ﴿۴۲﴾ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَ

نوح عاد اور ثمود ۔ اور قوم ابراہیم اور

کی قوم اور عاد اور ثمود ۔ اور ابراہیم کی قوم

قَوْمُ لُوْطٍ ﴿۴۳﴾ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ

قوم لوط ۔ اور مدین کے علاقے والوں نے ۔ اور جھٹلائے گئے

اور لوط کی قوم ۔ اور مدین والے ۔ اور موسی کی

مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ

موسی ۔ اس وقت بھی ڈھیلیں دی تھیں میں نے ان تمام کفار کو پھر پکڑ تھا میں نے ان کو

تکذیب ہوئی تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر انہیں پکڑا

فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۴﴾

تو کیسا ہوا تھا میرا عذاب ۔

تو کیسا ہوا میرا عذاب ۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں مسلمانوں کو کفار سے جہاد کی اجازت حاصل ہونے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ مسلمانوں و تحسین کی نشانی کیا ہے کہ ۔ قیامت یہ تحسین حکومت و سلطنت کرے

اللہ تعالیٰ کے دین کی سرفرازی کرتے ہیں۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ کفار نے مسلمانوں کو ان کے گھروں سے نکالا اور مظلوم غریب مسلمانوں سے برا سلوک کیا۔ اب ان آیت میں بتایا جا رہا ہے کہ کفار تو پہلے زمانوں سے انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی ہمیشہ برا ہی سلوک کرتے رہے اُن کی تکذیب اُن کا مذاق کرتے رہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ ہمیشہ اس کی مدد فرماتا ہے جو اس کے دین کی مدد کرے۔ اب اِن آیت میں اس قانون الٰہیہ کے کچھ ثبوت سابقہ اُمتوں کے ذکر سے بیان فرمائے جا رہے ہیں کہ مولیٰ تعالیٰ نے کِس کِس زمانے میں اپنے بندوں کی امداد فرمائی اور ان کے دشمن کافروں کو ہلاک فرمایا۔

تفسیر نحوی اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ

اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر یہ اپنے مابعد صلہ کے ساتھ مل کر اَلَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا کی صفت یا بدل ہے (روح المعانی) اِنْ حرف شرط مَكَّنَّا باب تفعیل کا ماضی جمع متکلم اس کا مصدر ہے تَمْكِيْنٌ اور تَمْكِنَةٌ مَكْنٌ سے بنا ہے بمعنی جگہ دینا قوت و حکومت سلطنت دینا، مکان دینا اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِيْنَ مفعول بہ ہے فِي الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے مَكَّنَّا کا اَرْضِ بمعنی زمین سے مراد علاقہ ہے یہ فعل فاعل مفعول متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے اَقَامُوْا باب افعال ماضی مطلق۔ جمع مذکر غائب مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِقْوَامٌ تعلیل نحوی سے اِقَامَةٌ ہے قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنی قائم کرنا جاری کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ الصلوٰۃ اسم مفرد واحد بمعنی نماز (بدنی عبادت) جنسًا جمع کے لیے ہے یعنی ہر قسم کی نماز نفل سنت واجب اور فرض یہ مفعول بہ ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰتَوْا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِيْتَاءٌ اَتٰى سے مشتق ہے بمعنی دینا دلوانا ادا کرنا خیال رہے کہ مطلقًا دینا بَذْلٌ ہے بلا معاوضہ دینا عطا ہے اور مستحق کو دینا اِيْتَاءٌ ہے اَلزَّكٰوةَ اسم مفرد حاصل مصدر جامد زَكْوَةٌ سے تعلیل ہو کر زکوٰۃ ہوا لغوی ترجمہ ہے بڑھنا، پاک ہونا صاف کرنا چونکہ کسی چیز کو پاک صاف کرنا اس کی بڑھائی اور زیادتی کا سبب ہے اس لیے سبب مسبب دونوں اِس کے لغوی معنیٰ ہیں اصطلاح میں سال بعد مال کے نصاب سے شریعت کے مقرر کردہ مال کو خیرات کرنا زکوٰۃ فرضی کہلاتی ہے وہی یہاں مراد ہے

marfat.com

یہ مفعول بہٖ ہے یہ فعل با فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَمَرُوْا باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب بَ حرفِ جر تعدیہ کا اَلْمَعْرُوْفِ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر عُرْفٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے پہچانا اصطلاح میں ہر وہ چیز (بات یا کام یا شخصیت) جس کو دین ومذہب کی عقیدت کے علاوہ عقلِ سلیم بھی اچھا سمجھے اور جس میں دین دنیا کی بھلائیاں ہوں یہ جار مجرور متعلق ہے اَمَرُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ، نَهَوْا بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ نَهْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ منع کرنا روکنا کہ نہ ہونے دینا عَنْ حرفِ جر زوالیہ یعنی دور کرنے ہٹانے کے لیے اَلْمُنْكَرِ باب افعال کا اسم مفعول واحد مذکر جنس وحدت ہے مراد ہے ہر قسم کا برا کام نُكْرٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِنْكَارٌ یعنی ہر وہ چیز (قول یا فعل یا شخصیت) جس کو عقل سلیم بھی بُرا سمجھے یہ جار مجرور متعلق ہے ہے نَهَوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ اَقَامُوْا کے جملہ پر یہ چاروں معطوف جملے مل کر جملہ جزا ہے یہ شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِيْنَ کا دونوں موصول صلہ مل کر بدل ہے سابقہ لِلَّذِيْنَ کا خیال رہے کہ یہ چاروں فعل اَقَامُوْا ۔ اٰتَوُا ۔ اَمَرُوْا ۔ نَهَوْا ۔ فعل مضارع مستقبل کے معنیٰ میں ہیں اور ماضی کو لانے سے یقین کا فائدہ گویا کہ ایسا ہو ہی گیا۔ واؤ سیر جملہ لِلّٰهِ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے پوشیدہ اسم مفعول مخصوصٌ کا یا اسم فاعل خَاصَّةٌ کا یہ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ سے اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مبتدا ہے عَاقِبَةُ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ آخری فیصلہ۔ آخری حساب کتاب، مضاف ہے اَلْاُمُوْرِ اسم۔ جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے اَمْرٌ بمعنیٰ کام فیصلہ۔ اعمال یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی خبر ہے، مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سیر جملہ اِنْ شرطیہ تحقیقیہ یعنی جملہ مابعد اگرچہ شرط ہے مگر یقینی ایسا ہو چکا ہے اس کو مجازی شرط کہتے ہیں۔ اس سے محض سمجھانا تسلی دینا مقصود ہوتا ہے یعنی اگر ایسا ہو رہا ہے اور ایسا ہونا ہی ہے یُكَذِّبُوْ بابِ تفعیل کا مضارع جمع مذکر غائب مصدر تَكْذِيْبٌ بمعنیٰ جھٹلانا، كِذْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جھوٹ بولنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے ذھنی مراد ہیں کفارِ مکہ كَ ضمیر متصل منصوب واحد مذکر حاضر اس کا مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس یہ مفعول بہ ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے

marfat.com

يُكَذِّبُوْنَ تھا اِنْ شرطیہ کی وجہ سے آخر کو جزم ہے لہٰذا آخر کی نون گر گئی۔ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ ثَمُوْدُ وَقَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ف جزائیہ قَدْ كَذَّبَتْ۔ باب تفعیل کا فعل ماضی قریب معروف مثبت واحد مؤنث غائب اس کا مصدر ہے تَكْذِيْبٌ بمعنی جھٹلانا کسی کو جھوٹا کہنا قَبْلَهُمْ یہ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے قَدْ كَذَّبَتْ کا ہُمْ کا مرجع کفارِ مکہ ہیں قَوْمُ اسم مفرد لفظی معناً جمع ہے یہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے آجاتا ہے اس لیے اس کا صیغہ قَدْ كَذَّبَتْ واحد مؤنث آیا مذکر بھی آسکتا ہے بعض نے کہا کہ قوم سے مراد اُمت یا قبیلہ ہے اور وہ مؤنث ہے اس لیے صیغہ فعل مؤنث آیا مگر یہ تاویل کچھ ضروری نہیں، مضاف ہے نُوْحٍ اسم مفرد معرفہ عَلَم ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَادٌ اسم مفرد نکرہ واؤ عاطفہ ثَمُوْدُ۔ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَمْ پہلے یہ ثمود بن عابر کا عَلَم تھا پھر اس کی اولاد ونسل کا قومی نام بھی ہوگا۔ ایک قول میں عربی لفظ ہے ثَمَدٌ سے مشتق ہے بروزنِ فَعُوْلٌ بمعنی گڑھے میں بارش کا تازہ اور تھوڑا پانی مگر پہلا قول صحیح ہے معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَوْمُ اِبْرٰهِيْمَ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَوْمُ لُوْطٍ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَصْحٰبُ اسم جمع مکسّر منصرف ہے صاحب کی بمعنی والا۔ مضاف ہے اَصْحٰبُ مَدْيَنَ مَدْيَنَ مَدْيَنُ اسم مفرد معرفہ نام ایک علاقہ کا جو وادیِ سینا سے فرات تک پھیلا ہے اس کا نام معان بھی ہے غیر منصرف ہے مجرور ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی معطوف ہے قَوْمُ نُوْحٍ پر یہ سب عطف مل کر فاعل ہے كَذَّبَتْ کا یہ فعل متعدی ہے مگر اس کا مفعول بہٖ محذوف منوی ہے۔ یعنی نَبِيَّهُمْ (اپنے نبی کو) كَذَّبَتْ فعل اپنے تمام معمولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واو عاطفہ كُذِّبَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب مُوْسٰى اسم مقصورہ نام پاک ہے ایک مُرْسَل علیہ السلام کا بحالتِ رفع ہے کیونکہ نائب فاعل ہے اعراب تقدیری ہے یہ فعل نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے كَذَّبَتْ کے جملے پر دونوں معطوفی جملے مل کر معطوف علیہ بھی ہے۔ فَ عاطفہ سببیہ اَمْلَيْتُ باب اِفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد متکلم مرجع اللہ تعالیٰ۔ اس کا مصدر ہے اِمْلَاءٌ مَلْیٌ سے بنا ہے بمعنی ڈھیل دینا مُہلت دینا، کتابت کرنا فیصلہ لکھنا لمبی اُمیدیں دلانا یہاں پہلے لغوی معنی ہیں ہے۔ لِلْكٰفِرِيْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے اَمْلَيْتُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر

marfat.com

معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ اَخَذْتُ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق واحد متکلم فاعل اللہ تعالیٰ ھُم ضمیر مفعول بہ اَخْذٌ سے بنا ہے متعدی بیک مفعول ہے۔ ترجمہ ہے میں نے پکڑ لیا۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اَمْلَیْتُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف تعلیلی ہے ہے تَدْ کَذَّبَتْ کے جملے پر یہ معلول وعلت جزا ہے اِنْ یُّکَذِّبُوْا کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ تحسین کلام کے لیے کَیْفَ اسم مبہم غیر متمکن مبنی آٹھ طریقوں سے مستعمل ہوتا ہے ۱؎ کبھی ظرفیت زمانی کے لیے ۲؎ کبھی ظرفیتِ مکانی کے لیے مگر اس کی ظرفیت مجازی ہوتی ہے ۳؎ کبھی شرطیہ ہوتا ہے ۴؎ کبھی استفہام یعنی سوالِ حقیقی کے لیے ۵؎ کبھی استفہام (سوال) تعجب کے لیے ۶؎ سوالِ توبیخ کے لیے ۷؎ سوالِ تنبیہ یعنی متنبہ اور خبردار کرنے کے لیے یہاں اسی معنی میں ہے اور سوال مجازاً ہے ۸؎ کبھی تحسین کلام اور وضاحت کے لیے مَا اَحْسَنَ یا مَا اَشَدَّہٗ کے معنی میں ترکیباً یہ کبھی مفعول بہ دوم کے درجہ میں ہوتا ہے کبھی مفعول سوم کے درجہ میں کبھی مفعول مطلق کے درجہ میں کبھی حال کے درجہ میں کبھی خبر مبتدا کے درجہ میں کبھی خبر کَانَ کے درجہ میں یہاں کَیْفَ خبرِ مُقدم ہے کَانَ فعل ناقصہ نَکِیْرِ اسم مصدر جامد (حاصل مصدر) بروزنِ فَعِیْلٌ، مضاف معنوی ہے دراصل تھا نَکِیْرِیْ نُکْرٌ سے مشتق ہے بمعنی انکار کرنا، ناپسند کرنا بمعنی اسم مفعول مُنْکَر ہے یعنی انکار اور ناپسند کیا ہوا مراد ہے عذابِ دنیوی یاءِ متکلم کو بوجہ آخر میں ہونے کے حذف کر دیا گیا اور اس کے بدلے میں تنوین کسرہ لگا دی گئی بحالتِ رفع ہے تقدیری اِعراب یاءِ متکلم کے منوی ہونے کی بنا پر اسم ہے کَانَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ۔

دینِ ربانی کے مدد کرنے والے یہی وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمینی ملکوں میں حکومت سلطنت عطا فرما دیں تو اقوامِ عالم اور اقوالِ تاریخ میں ظاہر و ثابت فرما دیں کہ یہ ہوتی ہے اسلامی سلطنت۔ اور نقشۂ مبارکہ قائم فرما دیں عدالتِ اسلامیہ کا حاکم اسلامی کی چھ نشانیاں ہوتی ہیں ۔ پہلی یہ کہ حکامِ اسلامی کا وجودِ مسعود عدلِ اسلامی کا روشن ظہور ہے، دوم یہ کہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ۔ کسی بھی منصب مرتبے پر پہنچ جائیں یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہوتے تخت ہو یا تختہ دریا رِ فاروقی ہو یا کربلاءِ حسینی ہو اور پھر مُصَلِّیْنَ صلوٰۃ ہی نہیں بلکہ مُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوۃَ ہیں مُصَلِّیْنَ وہ ہوتے ہیں جو نماز پڑھے مگر نماز کے حقوق ادا نہ کریں اور مُقِیْمِیْنَ صَلٰوۃ وہ ہوتے

marfat.com

ہیں کہ دشت ہو یا دامنِ کہسار ہو میدان ہو یا بیابان ہو۔ غار ہو یا مصیبتوں کا غار ہو ایسی حُسن ادا سے نماز پوری کریں کہ نماز کے تمام حقوق پورے ہو جائیں اور نماز خود عرش پر جا کر عرض کرے کہ اے رب مجھے تیرے بندۂ مخلص نے ادا کیا ہے نماز کے چھ حقوق ہیں ۱ پوری طہارتیں حاصل ہوں۔ طہارت کی پانچ قسمیں، اوّل با غسل دوم باوضو سوم ظاہری پلیدی سے جسم پاک لباس پاک پنجم جگہ پاک ۲ قبلہ رُخ ۳ پابندیِ وقت ۴ فرائض واجبات، سنن مستحبات کے ساتھ آہستہ آہستہ نہایت اطمینان اور سکون سے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرنا یعنی تعدیلِ ارکان کرنا، بھاگ دوڑ یا چھینا جھپٹی نہ محسوس ہو ۵ نماز سے عشق کی طرح الفت و محبت ہو خشوع اور خضوع سے ۶ اور جو کچھ نماز میں رب تعالیٰ سے وعدے کئے ہوں ان کو پورا کرنا۔ مثلاً وتر کی دعاءِ قنوت میں ہر نمازی وعدہ کرتا ہے وَ نَخْلَعُ وَ نَتْرُكُ مَنْ يَّفْجُرُكَ یعنی اے اللہ ہم ان تمام رشتے داروں، دوستوں، ساتھیوں کو چھوڑتے ان سے دور ہوتے ہیں جو تیرے نافرمان ضدی گناہگار فاسق مُعلِن ہیں اور ہر رکعت نماز میں ہر نمازی عرض کرتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ اُسی اللہ کی عبادت اُسی اللہ سے مدد مانگنے کا وعدہ کرتے ہیں اِن حقوق کے اعتبار سے صرف نماز ہی پوری زندگی کا اسلامی نمونہ ہے مصلین وہ ہیں جو نماز پڑھیں مگر اِن حقوق کی پرواہ نہ کریں۔ ایسے نمازیوں کے لیے ہی ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ یعنی ہلاکت ہے اُن نمازیوں کے لیے جو نماز کے حقوق ادا نہ کریں مُصلّین نماز تو بہت ہیں مُقِیمِین نماز بہت تھوڑے، مُصلّین کثیر ہیں مُقیمین قلیل ہیں حاکم اسلامی کی تیسری نشانی یہ کہ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ یعنی جب اُن مومن حکام کو دولت کا نصاب ملے تو زکوٰۃ دیں اور ملک کے خزانے ملیں تو ملک اور ملک کی رعایہ پر خیرات کریں اُن کی حفاظت پر نثار کریں عبادات پر خرچ کریں غربا پر تقسیم کریں۔ مخلوقِ الٰہی کو آرام پہنچائیں بھوکوں کو کھلائیں اپنے ذاتی عیش و آرام میں نہ لگائیں اور سمجھیں کہ یہ سب سلطنت و دولت رب تعالیٰ کی امانتیں ہیں اللہ تعالیٰ کی زمین پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنے کے لیے مخلوق خدا کو دینے انصاف دلانے کے لیے اُمرا سے زکوٰۃ دلوائیں مانعینِ زکوٰۃ کو سزا دیں چوتھی نشانی وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ۔ جہاں تک ان کی سلطنت کی حدود ہوتی ہیں وہاں تک عدالتِ اسلامی کا قیام و ظہور ہوتا ہے مُلکی عدالتیں ہوں یا وکالتیں، کفالت، ہو یا نظامت عبادت

marfat.com

ہو یا ریاضت ہر طرف شریعتِ قرآن وحدیث کے اَمر بالمعروف کی شانِ معظم نظر آتی ہے اسلام میں ہر وہ چیز معروف ہے جو عادۃً، عبادۃً، شرعًا، عُرفًا، عِلمًا، عقلاً، شعورًا۔ اصطلاحًا اچھی ہو۔ اور اچھی وہ ہے جو مفید ہو۔ اس لیے کہ دنیا کی ہر اچھائی صرف اسلام نے ہی سکھلائی دیگر کسی دین نے نہ سکھائی۔ یہاں تک کہ بعض کفار کی اچھی عادتیں بھی جو غیر مسلموں نے اپنائیں وہ انہوں نے بھی اسلام سے ہی نقل کیں ہیں اُن کی کتب میں تو یہ اَخلاقیات نہیں ملتے۔ گویا کہ دنیا کی ہر اچھائی اسلام میں اور پورا اسلام قرآن مجید میں اور پورا قرآن فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ میں ہے۔ پورے اسلام کا خلاصہ رسولُ اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اطاعت وَاتباع میں ہے کہ اقوالِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وَآلہٖ وسلم کی اطاعت فرض اور، اَعمالِ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی اتباع واجب، اسی اطاعت واتباع کا نام اسلام ہے۔ یہی امر بالمعروف ہے۔ پانچویں نشانی یہ کہ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ حُکّامِ اسلام اپنی سرزمین سلطنت میں سے ہر قسم کی دینی، دنیوی اَخلاقی۔ اعمالی برائیوں کو ختم کرتے ہیں یعنی ظلم، بدکاری، گستاخی، فسق وفجور، فحاشی، عیاشی سے پوری رعایہ کو روکتے، منع کرتے ہیں رعایہ اکثریت کی ہو یا اقلیت کی مسلم ہو یا غیر مسلم مُلکی نظام میں سب رعایہ کو برابر حقوق دیتے دلواتے ہیں، یہی اسلام ہے کہ اَمن کو قائم کیا جائے فتنہ فساد ختم کیا جائے مُنکَرْ ہر وہ چیز ہر وہ کام وَکلام ہے جو شرعًا، عقلاً طبعًا، فطرتًا بُرا ہو۔ جو چیز عقل اور طبیعت کو بری لگے وہ بھی اسلامی محرّمات وَممنوعات میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اسلام دینِ فطرت کہلاتا ہے، دوسری کسی دینِ دنیوی میں یا کسی دنیوی قانون میں یہ خوبی نہیں۔ حاکم اسلامی کا فرض ہے کہ اپنی کورٹ۔ کچہری عدالت، تجارت، اَمارت میں صرف اسلام کا نظامِ عادلانہ فیاضانہ نافذ کرے دنیوی لوگوں غیر مسلموں کے بنائے ہوئے قانون کو اپنی حدودِ سلطنت سے مٹائے، کیونکہ دنیوی بنے ہوئے قوانین غیر منصفانہ اور ظالمانہ ہیں۔ بلکہ رب تعالیٰ کے قانون کے ہوتے دنیا داروں کے قانون جاری کرنا شرک بھی ہے اور ظلم بھی۔ حُکّام اسلامی کی چھٹی نشانی، اسلامی سلطنت کا سب سے عظیم اور امتیازی نشان یہ ہے کہ وہاں امیر غریب، بادشاہ، فقیر وزیر، رعایہ، سُلطان، قانون میں سب برابر، سب پر یکساں قانون نافذ ہیں۔ اَعمال اعتقاد، عبادت، عدالت، فرضیت واجبیت کی ادائیں سب ایک ہی صف میں ہیں۔ سب کے سر نیاز اپنے رب تعالیٰ کے حضور عجز وانکسار خشیتِ جلال، رُعبِ کمال سے جھکے ہوئے ہیں۔ حکایت۔ سلطان ہارون رشید نے جب مُلکِ مصر فتح کیا تو سب سے پہلے وضو کر کے تختِ شاہی پر ایک طویل سجدہ کیا

marfat.com

اور قدرے باآوازِ بلند بہت دیر تک نہایت خشوع خضوع عجز و انکسار سے کپکپاتی آواز میں پڑھتے
رہے۔ سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، جب سر اٹھایا تو تخت کا قالین اُس جگہ آنسوؤں سے تر تھا
اور چہرہ خوفِ الٰہی سے زرد کسی نے پوچھا۔ یا امیر اِس وقت سجدہ کیوں کیا۔ جواب دیا کہ
ایک وقت تھا جب اِسی تخت پر بیٹھ کر فرعون نے اِس چھوٹی سی سلطنت کے غرور و گھمنڈ
میں خدائی کا دعوٰی کرتے ہوئے کہا تھا۔ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰی۔ اس لیے میں نے اُس کے کفر
کے خلاف شیطٰن کے فرار۔ اپنے عجز و انکسار بندگی کے اظہار کے لیے زبان کے اقرار قلبی
کی تصدیق سے عرض کیا ہے کہ میں کچھ نہیں، سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی، میرا پاک پروردگار ہی کائنات
و موجودات میں اعلٰی، سُبْحَانَ اللہ سُبْحَانَ اللہ ماشاء اللہ یہ ہے تعلیماتِ اسلامی کا بادشاہ اے
میرے رب کریم مجھ بندہ بیمار۔ عاجز اقتدار معذور و لاچار کو بھی ایسا ہی سجدۂ مقبول عطا
فرما۔ اور میرے قلم کو مَكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ کا انعام عطا فرما۔ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ۔ اور اے
لوگو تم بھی اور تاریخ عالم بھی مشاہدہ کرے گی کہ یہ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ۔ صرف جملہ شرطیہ ہی نہ
رہے گا بلکہ ظہور مَكَّنّٰا کی چار سو زمیں تا دیر عالمِ دہر پر جلوہ گر ہوں گی اَوَّلًا، صحابۂ مہاجرین
میں سے خلفاءِ راشدین، اور صحابۂ انصار و مہاجرین میں مجاہدین، پھر تابعین پھر تبع تابعین
کے سلاطین، پھر اِس کے بعد کئی صدیوں تک ہم اپنے محبوب کی امت میں سے عابدین،
زاہدین، عاشقین، عادلین، قابلین، لائقین کو مَكَّنّٰا فِی الْاَرْضِ کی شہنشاہی عطا فرمائیں گے
جو زمین کو عدلِ اسلامی کے نور سے بھر دیں گے اور کفر یہ قوانین کو اُکھاڑ پھینکیں گے۔ اور
اللہ تعالٰی کے قبضۂ قدرت میں ہی ہے ہر کام کا پورا انجام نہ کوئی اُس کو روک سکے نہ ٹوک
سکے نہ بدل سکے۔ بھلائی برائی اِس کے ہی قبضے میں اُس سے کوئی بھاگ نہیں سکتا، کس کو
کس وقت کتنا کب تک زمین کا تسلّط بخشتا ہے یہ فیصلہ بھی اُس کی قدرت و حکمت کے
قبضے میں ہے مگر حمقا، جہلا، سفہا اِس بات کو نہیں سمجھتے۔ اُن کی دماغی فرعونیت اپنی
وقتی عارضی تھوڑی سی سلطنت و تسلّط سے دھوکہ کھائے ہوئے ہے نہ اپنا انجام
سمجھ پاتے ہیں نہ اپنے پہلوں کا، یہی وجہ ہے کہ اے حبیب کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ
و آلہٖ وسلم آپ کی ہر نصیحت رحمت، مروت، مودت سے باغی و طاغی ہوئے پھرتے
ہیں۔ وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّثَمُوْدُ وَقَوْمُ
اِبْرٰهِيْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّاَصْحٰبُ مَدْيَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَيْتُ لِلْكٰفِرِيْنَ

marfat.com

ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ، فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ۔ اور اگر یہ کفارِ مکہ کے باغی وطاغی آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو اے محبوب آپ اپنی کافر قوم کے جہنم کمانے سرکش ہونے کافر رہنے پر افسردہ غمزدہ نہ ہوئیے کیونکہ ہر کافر قوم کا شروع زمانوں سے یہی وطیرہ اور طریقۂ بدچلا آ رہا ہے کس کس نبی علیہ السلام کو ان بدبختوں نے نہیں جھٹلایا، سب کو ہی جھٹلایا اور اپنے پر عذاب بلایا، قومِ نوح نے نوح علیہ السلام کو قومِ عاد نے اپنے نبی ھُود علیہ السلام کو اور قبیلہ ثمود نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کو اپنے منہ مانگے ناقۂ معجزہ ملنے کے باوجود جھٹلایا حالانکہ اونٹنی کے ملنے پر نبوتِ صالح کی تصدیق اور ایمان لانے کا وعدہ خود قوم نے کیا تھا۔ اسی طرح قومِ ابراہیم نے ابراہیم علیہ السلام کو جھٹلایا حالانکہ نارِ نمرود کو گلزار بنتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے۔ اور قومِ لوط نے لوط علیہ السلام کو جھٹلایا کسی بھی نصیحت، مفید مشورے اور کلام حقانی نصیحتِ ایمانی کو نہ مانا، اور مَدْيَن والوں نے اپنی بستی کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی۔ مَدْيَن نام تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایک پوتے کا یعنی مَدْيَن ابن اسحاق ابن ابراہیم، پھر پوری نسلی قوم کا نام مَدْيَن ہوا پھر ان کی رہائشی بستی کا نام بھی مَدْيَن ہو گیا شعیب علیہ السلام دو قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے ایک قبیلہ اَيْكَه دوم علاقۂ مَدْيَن کے لوگ۔ اَيْكَه والوں نے آپ کی بات مان کر ایمان قبول کر لیا۔ مگر مَدْيَن والوں نے تکذیب کی۔ اس لیے قومِ شعیب نہ فرمایا گیا، اور موسیٰ علیہ السلام بھی جھٹلائے گئے حالانکہ موسیٰ علیہ السلام نے تو ظاہر ظہور اور بڑے بڑے نو معجزے دکھلائے تھے۔ یہ سب ضدی قومیں اپنی ہلاکت تک اپنے کفر پر ڈٹی رہیں، یہاں بھی قوم موسیٰ نہ فرمایا گیا، کیونکہ آپ کی قومِ بنی اسرائیل نے آپ کو نہیں جھٹلایا تھا بلکہ قومِ فرعون قبطیوں نے جھٹلایا تھا ظلم کفر، غرورِ شرک اور حماقتِ دنیا والے پہلے زمانوں سے ایسا کرتے چلے آ رہے ہیں اگر اہلِ باطل کے دل اندھے عقلیں مفلوج، فہم معذور خرد مجبور نہ ہوتی تو ایک دوسرے کی انجام کار عاقبت سے عبرت پکڑتے سبق حاصل کرتے بندہ بن جاتے مگر ایسا نہیں ہوا بلکہ زیادہ تر نے دینِ حق کا مذاق ہی اڑایا لہٰذا اے رحمت والے نبی رؤف ورحیم رسولِ برحق آپ نہ ان کی ذلت پر غم نہ ہلاکت پر افسوس نہ ان کے ایمان کی حرص فرمائیے ہم نے پہلے کفار کو بھی بہت ڈھیل ومہلت عطا فرمائی تھی پھر جب اُن کفار کے ظلم وکفر کا پیمانہ اور ایمان والوں کی برداشت وصبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تب اَخَذْتُهُمْ ہم نے اُن ضدی سرکش ظالم کفار کو ایسا پکڑا اور پکڑ کر ایسا جکڑا جو آپنے اے

marfat.com

محبوب عالمِ ازل حادث ہیں دیکھا ہی تھا کہ ۔ کَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ ۔ میری پکڑ، کڑا عذاب جس نے ان کی وجودِ ہستی کا حُلیہ بگاڑ دیا تھا، چنانچہ پہلا عذاب طوفانِ نوحی کا آیا، پھر قومِ عاد پر ہوائی طوفان کا پھر قومِ ثمود پر صیحِ چنگھاڑ کا، نمرودیوں پر مچھروں کا، اور مکانات دھنسنے کا قومِ لوط پر پتھروں کے رجم کا مدین والوں پر سیاہ بادل کی آگ وانگاروں کا قبطیوں فرعونیوں پر دریاءِ قلزم کی غرقابی کا یہ اَخذِ الٰہی تھی جس نے نِعمت کو مِحنتِ حیات کو ہلاکت، عزت کو ذلت، کثرت کو قِلتِ بقا کو فنا عمارات کو خرابات بنا دیا، سزاءِ قائمی عذابِ دائمی بنگئی۔ اَخذ کا معنیٰ ہے پکڑنا اور نکیر کا معنیٰ ہے جکڑنا، تو جب اِن کفار مکہ کا بدکردار اور ظلم اُن پہلی عذاب والی قوموں جیسا ہے تو سمجھ لو کہ ان کا انجام بھی اُن جیسا ہی ہوگا، اور جب پہلی مومن اُمتوں نے وقت کا انتظار صبر کا اقرار کیا تو اے حبیب آپ کے صحابہ کو بھی صبر و شکر انتظار چاہیئے، جو انعاماتِ صبر اُن پر ہوئے تھے وہ انکے پر بھی کیئے جائیں گے، خیال رہے کہ سزا کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱ سزاءِ تعزیر یعنی مُلکی قانون کی صوابدید پر مقرر کردہ سزا ۲ سزاءِ حد یعنی شریعت کی مقرر کردہ سزا ۳ سزاءِ شدید یعنی ظلم کے مطابق موقع محل کی سزاءِ ھنگامی وقتی ۴ سزاءِ نکیر مجرم کی سرکشی ضد غرور کے مطابق سزا۔ غرضکہ قانونی سزا۔ شرعی سزا سخت سزا۔ کڑی سزا۔ کفار کو ایسی سزا ملی کہ کہیں بھی عزت وامن نہ ملی اور صحابہ کرام کو ایسی عزت وجزا ملی کہ مکہ مکرمہ میں جان بچائی گئی اور مدینہ منورہ میں آن بچائی گئی اور پوری دنیا کی فتوحات میں شان دلائی گئی مدد کی بھی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ اور یہ سب صحابہ کرام کو رب تعالیٰ نے عطا فرمائیں اس طرح کہ تخلیصِ مکہ سے، تھجیرِ مدینہ سے تغلیبِ فتوحات سے تملیکِ نعمات سے لہٰذا مسلمانوں پر ہر حال میں رب تعالیٰ کے حضور صبر و رضا و تسلیم واجب ہے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال ۱ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ کی ترکیبِ نحوی میں دو قول ہیں، بعض نے کہا کہ اَلَّذِیْنَ منصوب ہے اس لیے کہ یہ موصول ہے سابقہ جملے مَنْ یَّنْصُرُہٗ کا ۲ مگر بعض نے کہا کہ یہ مجرور ہے اس لیے کہ عطف تابع ہے سابقہ لِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا کا۔ اَلَّذِیْنَ کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا۔ اس سے مراد خلفاءِ راشدین ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد تمام صحابہ مجاہدین ۳ بعض نے کہا اس سے مراد تمام سلاطین نکیر کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ نَکِیْرِ ہے بغیر یاءِ متکلم، یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا یہ نَکِیْرِیْ ہے یاءِ متکلم کے ساتھ ترجمہ دونوں کا ایک ہے یعنی میری کڑی سزا۔ فَکَیْفَ کے سوال میں تین قول ۱ یہ سوالِ تعجیب ہے ۲ یہ سوالِ تھویل، ھولناکی کو بتانے والا ۳

marfat.com

ع۳ یہ سوال تقریری ہے۔ یعنی ایسا یقیناً ہوا تھا مَّكَّنّٰهُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ ہم نے ان کو نیا وطن دیا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے ہم نے ان کو بہت حکومتیں دیں فِی الْاَرْضِ میں تین قول ۱ بعض نے کہا زمینِ مدینہ منورہ مراد ہے ۲ بعض نے کہا زمینِ مکہ واپس دینا مراد ۳ بعض نے کہا زمینِ فتوحات مراد ہے۔ قوم سے مراد میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اس سے مراد اُمّتِ دعوت کے کفار مراد ہیں۔ یہی قول صحیح ہے۔ لفظ قوم اسم جنسی ہے اس کے لیے مذکر مؤنث دونوں صیغے آ سکتے ہیں ۲ بعض نے کہا قوم کا معنیٰ قبیلہ ہے یہ لفظ مؤنث ہے اس لیے كَذَّبَتْ مؤنث کا صیغہ آیا۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ اِن آیتوں سے مسلمانوں کو یہ سبق ملتا ہے کہ ہر حاکمِ اسلامی کو اپنی حکومت کے ذریعے ہر عالم خطیب کو اپنے قلم و کلام کے ذریعے، ہر پیر و مرشد کو اپنے عمل کے ذریعے چار کام کرنے چاہئیں۔ پہلا کام اپنی رعایہ اپنے مقتدیوں اپنے مریدوں میں اَمر بالمعروف جاری کرے۔ دوم نہی عَنِ الْمُنْكَرِ سختی سے قائم کرے اور بار بار برائیوں سے بچنے کی تقریر و تلقین کرے سوم نماز کو نافذ کرے چہارم زکوٰۃ کی ادائیگی پر پابندی کرے کرائے۔ یہ فائدہ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ (الخ) کی تفسیرِ عالمانہ سے حاصل ہوا۔ دوسرا فائدہ۔ اِن آیت میں اَقوامِ عالم کو سنانے اور اسلامی حُکّام اور اسلامی بادشاہوں وزیروں امیروں کو سکھانے کے لیے اسلامی سلطنت کا نقشہ کھینچا جا رہا ہے۔ اور اسلامی حاکموں کی ذمّہ داری بتائی گئی ہے تاکہ تا قیامت مسلمان بادشاہ اپنے مفتوحہ علاقوں میں اس طرح کی عادلانہ عاملانہ نظام قائم کریں یہ فائدہ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ (الخ) سے حاصل ہوا تیسرا فائدہ: خلفاءِ راشدین کی خلافت حکومت فتوحات سب برحق اور منجانب اللہ تھی جو اس کا منکر ہے وہ گمراہ ہے یہ فائدہ۔ اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ میں ھُمْ ضمیر جمع ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ اِن آیت پاک میں رب تعالیٰ نے ایک وعدے کا ذکر فرمایا کہ آئندہ ایسا ہوگا اور ان صحابہ کو بطریقۂ خلافت جہاد اور بطریقۂ جہاد فتوحات اور بطریقۂ فتوحات عالَمِ اسلام ملے گا جس سے اسلامی سلطنت کا نفاذ ہو گیا۔ یہ وعدۂ ربانی خلفاءِ راشدہ کے ذریعہ پورا فرمایا گیا جنہوں نے خلیفہ بن کر ان آیت کا بیان کردہ سلطنتِ اسلامیہ کا نقشہ جاری و طاری فرمایا۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ نمازی دو قسم کے ہوتے ہیں ایک مصلّینِ صلوٰۃ دوم مقیمینِ صلوٰۃ، مصلّین بننا آسان ہے اس لیے

marfat.com

ان کی اکثریت ہے۔ ان میں کوئی آٹھ کے نمازی یعنی صرف جمعہ کی نماز پڑھنے والے کوئی تین سو ساٹھ کے نمازی یعنی عیدین کی نماز پڑھنے والے کوئی کھاٹ کے نمازی یعنی صرف نمازِ جنازہ پڑھنے والے اور کوئی ہارٹ کے نمازی یعنی دل آگیا تو پڑھ لی نہ آیا تو نہ پڑھی، غرضکہ مصلّین کی چار قسمیں۔ لیکن مقیمین صلوٰۃ بننا ہمت و محبت کا کام ہے اور کچھ مشکل بھی ہے۔ مگر بارگاہ الٰہی میں مقبولیت و محبوبیت صرف مقیمین کی ہے نہ کہ مُصلّین کی بلکہ مصلّین کے لیے وَیل کی وعید ہے یہ مسئلہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ کہنے اس پیاری نشانی سے مستنبط ہوا جو رب تعالیٰ نے یہاں اور دیگر بہت سی آیت پاک میں اپنے مقبول بندوں کی پہچان بتائی۔ ایسے ہی نمازیوں کو ٹھاٹھ کا نمازی کہا جاتا ہے۔ دوسرا مسئلہ قانونِ شریعت یہ ہے کہ پہلے خود حکام اور علما ائمہ و صاجزادگان اور پیران کو حاصل کامل نمازی متقی ہونا چاہیے پھر عوام و رعایا اور دوسروں کو حکم دینا چاہیے۔ اُسی میں عزت و وقار ہے اور اسی میں ان کے حکم کا احترام اور تبلیغ کا اثر ہے بے عمل کی نہ عزت نہ وقار نہ حکم و تبلیغ کا اثر یہ مسئلہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ (الخ) کی ترتیبِ ذکری سے مستنبط ہوا اس طرح کہ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ کا ذکر پہلے ہوا جو ہر بندے کا ذاتی عمل ہے اور ہر مسلمان کا فریضہ، پھر بعد میں امر بالمعروف اور نہی عَنِ الْمنکر کا ذکر ہوا جو دیگر عوام کی تربیت و تبلیغ کے لیے، غرضکہ شریعتِ اسلام کا تقاضا ہے عمل کرنے میں اوّل خویش بعد درویش ہو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ پہلے فرمایا گیا کَذَّبَتْ، اور اس میں تمام بڑی قوموں کا ذکر کیا گیا، لیکن موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا۔ وَکُذِّبَ مُوْسٰی۔ یا تو پہلے بھی فرمایا جاتا۔ کُذِّبَ نُوْحٌ وَّھُوْدٌ وَّ صَالِحٌ (الخ) اور یا نذکرہ موسیٰ علیہ السّلام کو بھی اسی کَذَّبَتْ کے ساتھ کر دیا جاتا۔ اس تفریقِ تذکرہ کی وجہ کیا ہے۔ جواب۔ مفسرین نے اِس کی وجہ بیان فرمائیں جس کا مختصر ذکر ہم نے تفسیرِ عالمانہ میں کر دیا۔ ایک وجہ یہ کہ امت تین قسم کی ہوتی ہے ۱۔ امتِ دعوت ۲۔ اُمتِ اجابت ۳۔ امتِ ارشاد و تبلیغ، امتِ دعوت کو قوم کہا جاتا ہے جس میں کافر مومن سب شاملِ جو ایمان لے آئیں وہ امتِ اجابت اور جن کفار کو کوئی نبی علیہ السّلام بغیر اُن کی طرف بعثت کے راہِ حق کی ہدایت دیں وہ اُمتِ ارشاد ہے۔ جیسے یوسف علیہ السّلام کا قیدیوں کو تبلیغ فرمانا جیسے عزیر علیہ السّلام جو ساری عمر سفر میں رہے آپ جس قوم سے گزرتے تھے وہاں کے کفار کو دینِ حق اور توحیدِ الٰہی کی تبلیغ فرما کر آگے روانہ ہوتے حالانکہ وہ کفار آپ کی قوم

marfat.com

نہ تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اپنی قوم بنی اسرائیل تھے مگر آپ نے قومِ قبط کو بھی تبلیغ فرمائی آپ، کو آپ کی قوم نے نہ جھٹلایا بلکہ قومِ فرعون قبطیوں نے جھٹلایا، قوم نے نہ جھٹلایا اس لیے نہ پہلے گَذَّبَتْ قَوْمُ میں اس کو شامل کیا گیا نہ علیحدہ گَذَّبَتْ قَوْمُ مُوْسٰی فرمایا گیا، دوسری وجہ یہ کہ یہ کُذِّبَ مُوْسٰی کا جملہ تعجب کا ہے۔ اور فرمایا جا رہا ہے کہ کفار کی ضد اور بدعقلی تو یہاں تک بڑھی ہوئی کہ موسیٰ علیہ السلام جیسے نبی بھی جھٹلا ئے گئے جن سے اُن فرعونیوں نے اتنے عظیم و کثیر معجزے دیکھے تھے اُن کو نہ ماننے کا تو کوئی عذر یا بہانہ بھی نہ تھا کیونکہ قبطیوں نے معجزے دیکھے بھی مانگے بھی ایمان لانے کے وعدے بھی کئے مصیبت ٹلنے کی دعائیں بھی منگوائیں جو قبول ہوئیں مگر پھر بھی نہ وعدہ پورا کیا نہ ایمان لائے آپ کی قوم بنی اسرائیل نے آپ کو نہ جھٹلایا۔ صرف کبھی کبھی بعض جلدباز نوجوانوں کی طرف سے گمراہی و اد باشی صادر اور ظاہر ہو جاتی جس کی جلدی توبہ بھی کر لیتے اور توبہ میں اپنی جان بھی پیش کر دیتے۔ قومِ قبط اگر اُمتِ اجابت بن جاتی تو ان کے لیے اچھا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے دیکھ کر از خود صرف چار سو قبطی تقریباً مومن ہوئے تھے جن میں فرعونی جادوگر اور حضرت آسیہ زوجۂ فرعون بھی شامل تھیں۔ باقیوں نے اپنا ایمان فرعون کے ڈر سے ظاہر نہ کیا غرقِ فرعون کے بعد ظاہر کیا۔ دوسرا اعتراض۔ یہاں سابقہ کافر قوموں کے عذابوں کو نکیر کیوں فرمایا گیا۔ آسمانی ناگہانی فرما دیا جاتا۔ جواب تین وجہ سے ۱ وہ سب عذاب صَادِعًا لِلْقَوْمِہٖ تھے، یعنی کفار کے لیے سزائے ابدی ۲ اور وہ عذاب رَادِعًا لِغَیْرِہٖ تھے یعنی دوسروں کے لیے عبرت ۳ اور کارِھًا لِلّٰہِ تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسندیدہ تھے، سخت ناپسندیدہ عذاب کو بھی نکیر کہا جاتا ہے آئندہ دیکھنے سننے والوں کے لیے عبرت دلانے والے عذاب کو بھی نکیر کہا جاتا ہے اور عذاب والوں کے لیے سخت کڑے پکڑ دھکڑ والے عذاب کو بھی نکیر کہا جاتا ہے عذابِ نکیر ہر وہ عذاب ہے جس سے شخصیات کا وجودِ ہستی مٹ جاتا ہے، بستیوں کا حلیہ بگڑ جاتا ہے نسلیں ختم ہو جاتی ہیں، نشانات فنا ہو جاتے ہیں اُن مذکورہ آسمانی عذابوں میں یہ سب چیزیں موجود تھیں اس لیے اُن کو نکیر فرمایا گیا۔

تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ۔ یہ اِنْ حرفِ شرط ہے اور پورا جملہ شرطیہ بن گیا شرطیہ میں جزا کا پایا جانا ضروری جب تک جزا نہ پائی جائے فعل مشکوک ہوتا ہے یہاں فعل تکذیب ہے جملہ شرطیہ سے ظاہر ہوا کہ کفارِ مکہ کا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھٹلانا مشکوک ہے۔ حالانکہ وہ کفارِ مکہ تو ظاہر ظہور ہر ہر بات کو جھٹلا رہے تھے تو پھر یہاں اِنْ شرطیہ

marfat.com

کیوں ارشاد فرمایا گیا؟ جواب شرط دو قسم کی ہوتی ہے ۱ شرط معلق بالجزا ۲ شرطِ معلق بالامر۔ شرط معلق بالجزا کا تعلق انجام سے ہے یعنی اگر ایسا ہو یا ایسا ہوا تو ایسا ہو جائے گا۔ لیکن شرط معلق بالامر کا تعلق مخاطَب کے آئندہ عمل سے ہے اور مخاطِب اپنے مخاطَب کو کسی کام کا حکم دیتا ہے، اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں کبھی شرط و امر کا زمانہ حال ہوتا ہے مثلاً اگر ایسا ہو رہا ہے تو تم بھی ایسا کرو، کبھی دونوں میں زمانہ مستقبل ہوتا ہے مثلاً اگر کبھی ایسا ہوا تو تم بھی ایسا کرنا، اور کبھی شرط میں زمانہ ماضی ہوتا ہے اور امر میں زمانہ حال یا مستقبل، مثلاً اگر پہلے ایسا ہوا تھا تو تم بھی ایسا کرو، یا ایسا کر لیا کرو۔ یہاں آیت وَاِنْ يُّكَذِّبُوْكَ میں یہی تیسری صورت ہے معلق بالامر شرط ہیں جملہ شرطیہ حقیقۃً نہیں بلکہ حقیقۃً یہ جملہ خبریہ ہوتا ہے اور کسی چیز کی خبر دی جاتی ہے صرف امر کو اس پر معلق کرنے کی وجہ سے اس کی شکل شرطیہ جیسی بنا دی جاتی ہے لہٰذا اس آیت یہ بتایا جا رہا ہے کہ اے نبی کریم، اگر یہ کفار آپ کی تکذیب کر رہے ہیں تو آپ کو غم نہ کرنا چاہیئے بلکہ صبر اور انتظار کرنا چاہیئے اس امر کے لیے تمہیداً یہ بات بتائی گئی کہ پہلے زمانوں میں بھی کفار ایسا کرتے رہے ہیں اُن انبیاء علیہم السّلام نے انتظارِ فیصلہ کیا تھا تو آپ بھی ایسا ہی کرو۔ کفارِ مکہ کے اِس اِرتکابِ تکذیب پر ایک اَمر معلق کیا گیا اور فقط كَذَّبَتْ سابقہ جملے اِنْ يُّكَذِّبُوْكَ اور اگلے امر کی وجہ بیان ہوئی یہ امر و شرط و توجیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دینا ہے اور غم دور کرنا۔

تفسیر صوفیانہ اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ وَلِلّٰهِ عَاقِبَةُ الْاُمُوْرِ قلبِ منورہ کی نشانی یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ طالبینِ رضا کے دلوں کو ارضِ بشریت میں قوتِ سلطانی عطا فرمائے تو وہ قلوبِ معرفت مُواصلاتِ عبادت میں ہمیشگی کرتے ہیں ہمیشگی دکھاتے ہیں اور احوالِ قبض و بسط کی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اس طرح کہ دن رات چوبیس گھڑیوں میں دھڑکنوں کا چالیسواں حصہ مخلوقِ الٰہی پر خرچ کرتے ہیں اور باقی ساعتوں کی قلبی دھڑکنیں ذکرِ الا اللہ کی ضرب میں کرکے اپنے خزانۂ اعمال میں جمع کرتے ہیں، ہر دھڑکن حیاتِ دنیوی کی ایک سانس ہے اغنیا کی زکوٰۃ مال کا چالیسواں حصہ فقرا کی دولتِ قلبی مالِ اعمال اور طیب سانسیں ہیں امرا دولتِ دنیوی کے نصاب سے اور قلبِ عارف اپنی سانسوں کے حساب سے زکوٰۃ دیتے ہیں امرِ الٰہی کی مخالفت کرنے سے اپنے حواس کو بچانا یہ قلبِ مومن کا امر بالمعروف ہے منعمِ تعالیٰ

marfat.com

کا ذکر پاسِ انفاس (سانسوں کا وِرد) یہ شکرِ باطنی ہے اور اعضا کو سُستی، غفلت معذوریت ریاکاری سے بچانا یہ نہی عَنِ الْمُنکَر ہے قالب عارف کی دولت شورِ اِلَّا اللہ قلبِ مومن اسی کا خواہش مند ہے مگر دنیادار حوض و چمن، نہر و بحر کا طالب ہے اور ہر طالب حق تعالیٰ سے اپنی اپنی خوشگواری مانگتا ہے حضرت ابن عباس رض کی روایت ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ قیامت کی علاماتِ صُغریٰ میں سے یہ پانچ باتیں بھی ہیں ۱۔ نماز کو ضائع کرنا ۲۔ شہوات کے پیچھے لگنا ۳۔ دنیوی خواہشات کی محبت اور اہمیت ۴۔ اُمَراء خائن ۵۔ وُزراء فاسق ہو جائیں گے، یہ وہ وقت ہوگا جب اہلِ ایمان کے دل غم سے اس طرح پگھلیں گے جس طرح پانی سے نمک۔ مگر مومن میں تبدیلیِ حالت کی قوت نہ ہوگی اگر بولے تو مارا جائے اگر چپ رہے تو غم سے مر جائے۔ مومن کامل کا وجود زمین پر رب تعالیٰ کا سایہ ہے اے بندے اگر بادشاہ محسن ہو تو شکر کر اور اگر بُرا ہو تو صبر کر۔ ایک ساعت کا عدل ستر سال کی عبادت سے بہتر ہے حافظ شیرازی نے فرمایا کہ بادشاہ کو سال کی عبادت سے وہ ایک گھڑی بہتر ہے جس میں عدل قائم کر جائے ظلم مٹا جائے۔ حضرت سعدی نے فرمایا کہ اے وہ لوگو جو بادشاہ یا حاکم بنائے گئے ہو اگر تم چاہتے ہو کہ تم سے نفرت نہ کی جائے نہ تمہارے پیچھے نہ تمہارے بعد تو ہر دم اپنے منصب اور مرتبے کے مطابق نیکی پھیلاؤ۔ یعنی عدل قائم کرو اور مظلوم کی آہ سے بچو۔ رعایہ کو چاہیئے کہ اچھائی کو اختیار کرے اور برائی سے بچے ورنہ ذاتِ بے نیاز اللہ الصمد کا قانون ہے کہ جس قوم کی نیکی اس کو پسند ہو اُس قوم پر عادل نیک حاکم اور بادشاہ کو مقرر کیا جاتا ہے اور اچھوں کو تسلط بخشا جاتا ہے اور اگر کسی قوم کے گناہوں کی بنا پر مُلک کو ویران کرنا چاہے تو ملک ظالم کے قبضے میں دیدیا جاتا ہے فرمایا بزرگوں نے کہ بادشاہ صرف لشکر سے ہے اور لشکر صرف مال سے ہے مال صرف آبادیوں سے ہے اور آبادیوں کی رونق و کثرت صرف عدل سے ہے اور عدل صرف اسلام سے ہے اور فرمایا کہ سلامتی سے عدل، عدل سے حسنِ سیاست حسن سیاست سے قوتِ ریاست ہے (از تفسیر روح البیان) اور یہی وہ اہلِ سعادت لوگ ہیں جن کو اگر وجودِ حقانی کی سعادت ہم عطا کر دیں تو وہ زمینِ قالب پر مراقبۂ خلوت اور مشاہدۂ جلوت کی نمازیں قائم فرمادیں اور علومِ حقیقیہ معارفِ یقینیہ کی زکوٰۃ ادا کریں، دولتِ مکاشفات کے نصاب سے اور تقسیم کریں مریدین طالبین میں مستحقینِ انوار کو محتاجینِ اسرار کو اور تقویٰ نفسانیہ

marfat.com

کا امر بالمعروف کریں، نفوسِ ناتسہ کو اعمالِ شریعت کا حکم دیں اور اخلاقِ مرضیہ کی تلقین کریں مقامِ مشاہدہ میں لے جا کر شہواتِ بدنیہ لذاتِ حسیّہ و رذائل معاملاتِ مردیہ کے منکرات و مکروہات سے منع کریں اور سب کا رجوعِ آخری اللہ تعالیٰ ہی طرف ہے اس لیے بندوں کو چاہیے کہ حیاتِ دنیوی میں اس کی بارگاہ کی حاضری کی تیاری کرلیں (ابن عربی) وَاِنْ یُّکَذِّبُوْکَ فَقَدْ کَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّعَادٌ وَّ ثَمُوْدُ وَ قَوْمُ اِبْرَاهِیْمَ وَقَوْمُ لُوْطٍ وَّ اَصْحٰبُ مَدْیَنَ وَكُذِّبَ مُوْسٰى فَاَمْلَیْتُ لِلْكٰفِرِیْنَ ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَیْفَ كَانَ نَكِیْرِ۔ حدیثِ پاک میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا فرمانِ اقدس ہے کہ عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ كَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَآئِیْلَ۔ اس کی شرح میں محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ انبیاءِ بنی اسرائیل کے تین گروہ ہیں پہلا گروہ انبیاء علیہم السلام کا دوسرا گروہ مبارکہ رُسُل علیہم السلام کا اور پہلے رسول یوسف علیہ السلام، تیسرا گروہ مرسلین کا بنی اسرائیل کے پہلے مرسل موسیٰ علیہ السلام، دوسرے داؤد علیہ السلام تیسرے عیسیٰ علیہ السلام۔ قوم بنی اسرائیل یعقوب علیہ السلام کی نسل ہے آپ سے پہلے سات انبیاء علیہم السلام ہوئے نبی وہ ہے جو اپنے سے پہلے رسول نبی کی شریعت پر تبلیغ فرمائے خود نئی شریعت والا نہ ہو، رسول وہ ہے جو نئی شریعت اور صحیفہ لے کر تبلیغ فرمائے۔ مُرسَل وہ نبی ہیں جن کو رب تعالیٰ نے نئی شریعت نئی کتاب اور نیا صحیفہ عطا فرمایا ہو۔ یا صرف نئی شریعت نیا صحیفہ ملے پہلے صاحبِ صحیفہ اور نئی شریعت والے مرسل آدم علیہ السلام پھر نوح پھر ابراہیم وغیرہ علیہم السلام پہلے صاحبِ کتاب و صاحبِ صحیفہ حضرتِ موسیٰ پھر حضرت داؤد پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی آقاءِ کائنات سید المرسلین حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو تمام کتب اور تمام صحف کے علاوہ وحیِ خفی، وحیِ منامی وحیِ نطق بھی عطا فرمائی گئی۔ غرضیکہ آپ کو پانچ قسم کی خصوصی وحی عطا فرمائی گئی ۱۔ وحیِ جلی د قرآنِ مجید بذریعہ جبرئیل علیہ السلام ۲۔ وحیِ خفی حدیثِ قدسی بلا واسطہ کلامِ الٰہی کا عطیہ ۳۔ وحیِ منامی خواب میں پیغاماتِ الٰہی ۴۔ وحیِ نطق۔ یعنی تمام احادیثِ مبارکہ۔ یہی آپ کے صحیفے ہیں ۵۔ سابقہ کتب و صحف کا علم، تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کفار اور گمراہوں کے لیے ہی ہوتی رہی۔ چونکہ آقاءِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ

marfat.com

وآلہٖ وسلم کے بعد نبوّت کا سلسلہ تو بند ہوگیا مگر کفر و گمراہی بدستور دنیا میں ہوتا رہے گا اس لیے تبلیغ کا سلسلہ علماءِ اُمّت کے ذمّہ ہے اور گا بِنْبیاءِ کی تشبیہ اس بات میں ہے کہ جس طرح ان انبیا علیہم السّلام کے پاس نہ نئی شریعت تھی نہ نیا کلام صرف تبلیغ کی ذمہ داری تھی اسی طرح علماءِ امت کے ذمے بھی صرف تبلیغِ اسلام ہے علماءِ امّت کے بھی تین گروہ ہیں ۱ فقہاءِ مجتہدین ۲ علماءِ مقلّدین عاملینِ شریعت ۳ صوفیاءِ طریقت، انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی بعثت کفار کی طرف علماءِ اُمّت کی آمد فساق کی طرف انبیا علیہم السّلام کی تکذیب کی کفار نے. علماءِ امت کی تکذیب کی فساق نے انبیاء علیہم السّلام کی تکذیب ہوتی رہی علماءِ اُمّت کی تکذیب ہوتی رہے گی۔ انبیاءِ کرام علیہم السّلام نے کمال وجمال کا صبر کیا تو اے گروہِ فقہا، علماء اولیا تم بھی صبر کرو۔ انبیاء علیہم السّلام کی بھی نصرت کی گئی تھی تو اے گروہِ اولیا علما تم بھی یقینِ کامل رکھو کہ تمہاری بھی نصرت ومدد فرمائی جائیگی۔ اَنبیاءِ بنی اسرائیل اور انسے پہلوں کی تکذیب. قومِ نوح ۲ قوم ہود ۳ قوم صالح ۴ قوم ابراہیم ۵ قومِ لوط ۶ اَصحابِ مدین ۷ قومِ فرعون کرتی رہی اور فقہا علماء اولیا کی تکذیب وتوہین ۱ دنیا پرست ۲ تصویر سازیت فروش ۳ فحاش وبدمعاش ۴ دنیا کے فنکار رود النشور کھلا نے فخر غرور کرنے والے ۵ آزاد خیال، آوارہ ذہن، دہریت والے ۶ خائن، بے ایمان تاجر، ناشکرے فساق لوگ ۷ اُمرا وُزرا، عیاش سلاطین کرتے رہیں گے۔ کفار کے پاس تکذیبِ انبیاء کے لیے وَجَدْنَا آبَآءَنَا، کا بہانہ تھا اور اب اِن فسّاق وعیّاش کے پاس بری رسمیں طبلہ وسارنگی بجانے کے لیے وَجَدْنَا قَبِیْلَتَنَا کا بہانہ ہے وہ کفار آبائی دین کو نہ چھوڑتے تھے۔ یہ فساق رشتے داری قرابت داری کی رسمیں نہیں چھوڑتے اسی لیے نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا علماءُ اُمّتی، میری امت کے علما فقہا، علما، صوفیا۔ تبلیغ کی جانفشانی مخالفین کی ایذا رسانی اور صبر وتحمل کی فراوانی میں گا بِنْبیاءِ. بنی اسرائیل ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اجتہاد والے فقہاءِ اَئمّہ صاحبِ کتاب ہیں۔ طریقت والے اولیا، صوفیا صاحبِ صحیفۂ قلبی وَاِلہاماتِ صدری ہیں اور علماءِ شریعت صاحبِ تبلیغ وتقلید ہیں۔ تکذیبِ انبیا سے عذابِ نکیر آتے رہے اور تکذیبِ علماء اولیا سے وَبَاءِ کبیر اور بلاءِ کثیر آتے ہیں۔ حیاتِ دنیوی خزانۂ عظیم ہے اس کا چور ابلیس ہے اس کا محافظ پاسبان آستانۂ مرشد ہے۔ عذابِ نکیر سے وہ بچا جو دامنِ نبوت میں پناہ گیر ہوا۔ بلاءِ کثیر سے وہ بچے جو براستہ مرشد آستانۂ مصطفیٰ پر آجائے۔ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلَّمْ۔

marfat.com

فَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ

تو کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے برباد کر دیا ہے ہم نے ان کو حالانکہ وہ بہت ظلم کرنیوالی تھیں

اور کتنی ہی بستیاں ہم نے کھپا دیں کہ وہ ستمگار تھیں

فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ

پھر وہ گری پڑی ہیں اپنی چھتوں کے بل اور کتنے ہی کوئیں ایسے جو نا قابلِ استعمال

تو اب وہ اپنی چھتوں پر ڈھی پڑی ہیں اور کتنے کوئیں بیکار پڑے

وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ ﴿۴۵﴾ أَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْأَرْضِ

اور خوب صورت محلات بھی ۔ تو کیا یہ آتے جاتے نہیں ہیں اُن علاقوں میں

اور کتنے محل گچ کئے ہوئے تو کیا زمین میں نہ چلے کہ

فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَا أَوْ

کہ ہوں اُن کے دل سمجھیں وہ اُن کے ذریعے یا کان ہوں

ان کے دل ہوں جن سے سمجھیں یا کان ہوں

اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَإِنَّهَا لَا تَعْمَى

کہ سن سکیں وہ جن کے ذریعے ۔ کیونکہ بے شک حقیقتاً نہیں اندھی بنتی ہیں

جن سے سنیں تو یہ کہ آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ

الْأَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ

آنکھیں اور لیکن اندھے ہو جاتے ہیں وہ دل ہی جو

وہ دل اندھے ہوتے ہیں جو سینوں میں

marfat.com

فِی الصُّدُوْرِ ﴿۴۶﴾ وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ

سینوں میں ہیں اور بڑی جلدی مچا رہے ہیں یہ لوگ آپ سے عذاب کی

ہیں اور وہ تم سے عذاب مانگنے میں جلدی

وَ لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ ؕ وَ اِنَّ یَوْمًا

حالانکہ ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ اپنے وعدے کو اور بے شک ایک دن ایسا بھی ہے

کرتے ہیں اور اللہ ہرگز اپنا وعدہ جھوٹا نہ کرے گا۔ اور بے شک تمہارے رب کے یہاں ایک دن ایسا ہے

عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ ﴿۴۷﴾

آپ کے رب کے پاس اُن ہزار سال کے برابر جس سے تم گنتی کرتے ہو۔

جیسے تم لوگوں کی گنتی میں ہزار برس۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ ہر چیز کا انجام رب تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے اَب اِن آیات میں بعض قوموں کے دنیوی انجام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیات میں چند ہلاک شدہ قوموں کا تاریخی تذکرہ فرمایا گیا اب اِن آیات میں اُن کی اُجڑی بستیوں کا جغرافیائی نقشہ اور محلِ وقوع سمجھایا جا رہا ہے تیسرا تعلق پچھلی آیات میں انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی نصیحتیں نہ ماننے والی قوم کا ذکر ہوا اَب اِن آیات میں نہ ماننے کی وجہ کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ وہ بے عقل بہرے و اندھے ہیں۔

تفسیر نحوی فَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَ هِیَ ظَالِمَةٌ فَهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا وَ بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّ قَصْرٍ مَّشِیْدٍ۔ فَ زائدہ یا عاطفہ بعد کلام علیحدہ جملہ ہے یا ماقبل کَیْفَ کَانَ کا بدل ہے کَاَیِّنْ اسم مُبہم مبنی ہمیشہ شروع کلام میں آتا ہے اکثر خبر دینے کے لیے ہے کبھی سوال کے لیے بھی آجاتا ہے کثرت پر دلالت کرتا ہے اور مابعد کے اِبہام (پوشیدگی) کو دور کرتا ہے یہ ممیز کے درجہ میں ہوتا ہے اور اس کے بعد مِنْ جارہ

marfat.com

سے اس کی تمیز ہوتی ہے لیکن یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے کبھی مِنْ نہیں ہوتا ہے۔ اگر یہ مبتدا ہو
بن کر آئے تو اس کی خبر مرکب ہوگی مفرد نہیں ہوسکتی خواہ جار مجرور ہی ہو۔ مرکب سے مراد
مرکب تام ہے یعنی جملہ اسمیہ ہو یا فعلیہ یہاں فعلیہ ہے اس سے پہلے حرف جر نہیں
ہوسکتا جیسے کہ بِكَأَيِّنْ نہیں ہوسکتا یہاں كَأَيِّنْ بمعنیٰ کثیر ہوکر عامل ہے مِنْ تبعیضیہ قَرْيَةٍ
اسم مفرد نکرہ مراد ہے اَصل قریہ یہ جار مجرور متعلق ہے كَأَيِّنْ کا یہ سب مل کر شبہ جملہ ہوکر
مبتدا اَهْلَكْنَا۔ بابِ افعال کا فعل ماضی مطلق۔ جمع متکلم ایک قرأت اَهْلَكْتُ ہے واحد متکلم،
اَمْلَيْتُ اَخَذْتُ اور نَكِيْرِ کی مناسبت سے اِهْلَاكٌ مصدر ہے بمعنیٰ تباہ و برباد
نیست نابود کرنا کہ نشان بھی باقی نہ رہے هَا ضمیر کا مرجع قَرْيَةٍ مفعول بہ واؤ حالیہ هِيَ مبتدا
ظَالِمَةٌ اسم فاعل واحد مؤنث خبر ہے یہ مبتدا خبر جملہ اسمیہ ہوکر حال هَا ضمیر کا وہ ذوالحال
حال مل کر مفعول بہ ہے اَهْلَكْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ فَ عاطفہ تعقیبیہ
ترتیبیہ هِيَ ضمیر واحد مؤنث مرفوع منفصل مبتدا ہے خَاوِيَةٌ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد
مؤنث خَوَىٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گھُل کر یا پگھل کر یا ٹوٹ کر ڈھے جانا زمین پر۔ بیٹھنے
اور زمین کے ساتھ لگتے چلے جانا جس کو زمین بوس ہونا کہتے ہیں یا اوندھے منہ گرنا لغوی
معنیٰ ہے کھوکھلا ہونا اندر سے خراب و خالی ہونا یہ سبب ہے گرنے کا یہاں سبب
بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے یعنی گرنا۔ اِس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے
قَرْيَةٍ عَلٰى حرفِ جر اپنے ہی معنیٰ میں (برائے فوقیت) عُرُوْشِ اسم جمع مکسر منصرف
اس کا واحد ہے عرش بمعنیٰ چھت اصطلاح میں عرش بمعنیٰ عزت کا مقام اسی معنیٰ میں
تختِ شاہی کو عرش کہتے ہیں لغت میں ہر منتقلی کمرہ جو صرف بیٹھنے اُٹھنے کے لیے بنایا
گیا اور اٹھا کر دوسری جگہ رکھا جا سکے۔ یعنی چھت والا لکڑی وغیرہ کا مکان یہاں صرف
چھتیں مراد ہیں مضاف ہے هَا ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب مجرور ہوکر متعلق ہے خَاوِيَةٌ
کا یہ سب جملہ اسمیہ ہوکر خبر مبتدا هِيَ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے
اَهْلَكْنَا پر یہ سب مل کر خبر مبتدا ہے واؤ عاطفہ بِئْرٍ اسم مفرد مؤنث لفظی لغوی ترجمہ کھودا
ہوا مبالغے میں ترجمہ ہوا بہت گہرا کھودنا بِئْرٌ بروزن فِعْل اسم مصدر مبالغہ بمعنیٰ مفعول یعنی
گہرا کھدا ہوا کھود کر بنایا ہوا اردو میں ترجمہ ہے کنواں موصوف ہے مُعَطَّلَةٍ بابِ تفعیل کا
اسم مفعول واحد مؤنث اس کا مصدر ہے تعطیلٌ بمعنیٰ معطل کرنا بیکار کرنا معطلہ ہر وہ چیز یا کام

marfat.com

یا شخصیت جس کا کام فائدہ اور نفع ختم ہو جائے یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف علیہ واؤ عاطفہ قَصْرٌ اسم مصدر حاصل مصدر جامد۔ لغوی ترجمہ ہے روکنا۔ اصطلاح میں شاہی محل کو قصر اسی لیے کہتے ہیں کہ ہر عام شخص اس میں نہیں جا سکتا روکا جاتا ہے یہ اپنے مصدری معنی میں مستعمل ہے اسی سے ہے حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ اور قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ۔ وغیرہ وغیرہ۔ یہاں مراد ہے شاہی محل موصوف ہے مَشِيْدٍ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مذکر مَشْيُوْدٌ تھا تعلیل نحوی سے مَبِيْعٌ کی طرح مَشِيْدٌ ہو گیا۔ شَيْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے لیپنا پوتنا پلستر کرنا چنائی کرنا، اونچا کرنا یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہے بِئْرٍ پر وہ معطوف ہے قَرْيَةٍ پر اسی لیے مجرور ہے یہ سب عطف مل کر مجرور ہے وہ متعلق ہے كَاَيِّنْ کا۔ وہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ مقصد بیان یہ ہے کہ کتنی ہی بستیاں اور کتنے ہی بیکار کنوئیں اور کتنے ہی شاندار محل جن کو برباد کر دیا ہم نے ان کے ظلم کی وجہ سے۔ اَفَ۔ دراصل ہے فَاَ۔ فَ عاطفہ لغو عطف کے لیے نہیں ہے) اَ ہمزہ سوالیہ۔ ترجمہ ہے تو کیا۔ لَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَآ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ

لَمْ يَسِيْرُوْا باب ضَرَبَ کا مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل سَيْرٌ اجوف یائی سے مشتق ہے بمعنی سیر کرنا چلنا پھرنا آنا جانا فِي الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے فَ تعلیلیہ سببیہ بمعنی تاکہ تَكُوْنَ فعل مضارع تامہ واحد مؤنث غائب ایک قرأت میں يَكُوْنَ ہے واحد مذکر بحالت نصب ہے کیونکہ جواب استفہام ہے کما یہاں اَنْ ناصبہ مصدریہ پوشیدہ ہے ترجمہ ہے دلوں کی سمجھ کے لیے لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے تَكُوْنَ کا قُلُوْبٌ اسم جمع مکسر ہے قَلْبٌ کی بمعنی دل موصوف ہے يَعْقِلُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب عَقْلٌ سے بنا ہے بمعنی سمجھنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے قُلُوْبٌ بِهَا یہ جار مجرور متعلق ہے يَعْقِلُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قُلُوْبٌ کی مرکب توصیفی معطوف علیہ اَوْ حرف عطف اختیاری اٰذَانٌ جمع مکسر ہے اُذُنٌ کا بمعنی کان جسمانی مراد ہے قوت سماعت یعنی سننا موصوف ہے يَسْمَعُوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع جمع مذکر غائب بِ جارہ سببیہ ترجمہ ہے ذریعے هَا کا مرجع اٰذَانٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے يَسْمَعُوْنَ کا یہ سب فعل با فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اٰذَانٌ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے قُلُوْبٌ پر

marfat.com

ہر دونوں عطف مل کر عامل ہے فَتَكُوْنَ کا وہ جملہ فعلیہ تامہ ہو کر مسبب ہے لَمْ يَسِيْرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَ زائدہ اِنَّ حرف مشبہ ھَا ضمیر قصہ یعنی ماقبل کی کیفیت بتانے والی ہے یعنی شان یہ ہے کہ حالت یہ کہ اسی لیے اس ضمیر کا کوئی مرجع نہیں ہوتا اور اِنَّ لغو ہو جاتا ہے اور ضمیر اس کا اسم نہیں بن سکتی لَا تَعْمَى باب سَمِعَ کا فعل مضارع منفی بلا معروف واحد مؤنث غائب اَلْاَبْصَارُ اسم جمع مکسر منصرف بَصَرٌ واحد ہے بمعنی آنکھ نگاہ فاعل اسم ظاہر ہے اس لیے فعل عامل واحد کا صیغہ ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لٰکِن عاطفہ اِستدراکیہ نہیں یعنی ماقبل کی نفی نہیں کرتا تَعْمَى مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب اَلْقُلُوْبُ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مؤنث فِی الصُّدُوْرِ فِی ظرفیہ مکانیہ اَلصُّدُوْرِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے صَدْرٌ بمعنی سینہ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّتِیْ کا۔ یہ موصول صلہ مل کر صفت ہے اَلْقُلُوْبُ کی یہ مرکب فاعل ہے تَعْمَى کا خیال رہے کہ لَا تَعْمَى اور تَعْمَى دونوں عَمًى سے مشتق ہیں بمعنی اندھا ہونا دونوں آنکھوں کا یہاں مراد ہے مکمل اندھا تَعْمَى سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَا تَعْمَى کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر ایک قول میں علت ہے لَمْ يَسِيْرُوْا کی اور ایک قول میں یہی جملہ معطوفہ مکمل ہے واؤ سر جملہ يَسْتَعْجِلُوْنَ، باب اِستفعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر اِستعجال بمعنی جلدی مچانا جلد بازی کرنا۔ جلدی چاہنا عَجَلٌ سے بنا ہے بمعنی جلدی کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع کفار مکہ كَ ضمیر منصوب متصل واحد مذکر حاضر اس کا مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ یہ مفعول ہے بِالْعَذَابِ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ واؤ حالیہ لَنْ يُّخْلِفَ باب افعال کا فعل مضارع نفی تاکید بِلَنْ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِخلاف بمعنی خلاف کرنا متعدی خُلْفٌ سے بنا ہے بمعنی خلاف ہونا یہ لازم ہے اللّٰہُ اس کا فاعل وَعْدَهٗ اسم حاصل مصدر جامد مضاف ہے بمعنی عَهْدَهٗ ضمیر نفسی بمعنی اپنا مرجع ہے اللہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَنْ يُّخْلِفَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر حال سببی ہے کَ ضمیر کا یعنی آپ سے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں کہ آپ اللہ سے مانگوا یا نہ ہو کہ اللہ نہ بھیجے یہ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ يَسْتَعْجِلُوْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَاِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَاَلْفِ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ۔ واؤ سر جملہ ایک

marfat.com

قول میں عاطفہ ہے اور مابعد کا عطف ہے وَلَنْ يَسْتَعْجِلُوْنَ کے جملے پر مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ پہلا جملہ حالیہ اور یہ حالیہ نہیں ہو سکتا اس لیے عطف جائز نہیں جو عاطفہ کہتے ہیں اُن کے نزدیک پہلا سابقہ جملہ حالیہ نہیں بلکہ معترضہ (درمیان میں علیحدہ بے تعلق جملہ) ہے اِنَّ حرفِ مشبہ۔ يَوْمًا موصوف عِنْدَ اسم ظرفِ مکانی مضاف ہے رَبِّكَ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے عِنْدَكَ یہ ڈبل مرکب اضافی ظرف ہے مُسْتَقَرًّا یا مُقَرَّرًا پوشیدہ اسم مفعول کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے يَوْمًا کی یہ مرکب اسم اِنَّ کاف حرفِ جر تشبیہی یہاں برائے مساوات (برابری) کے لیے ہے۔ اَلْفِ اسم عددی۔ اس کا لغوی ترجمہ جُڑنا پیوست ہونا، متحد ہونا، چونکہ تینوں اصولی عدد ہزار میں آکر ایک جگہ جُڑ جاتے ہیں۔ یعنی اکائی۔ دہائی، سیکڑہ اس لیے اس کو اَلْف کہتے ہیں۔ گہری قلبی محبت کو بھی اُلْفَتٌ اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ دو یا تین شخصیتیں جڑ جاتی ہے مضاف ہے سَنَۃٍ اسم مفرد نکرہ اس کی جمع مذکر ہے سِنُوْنَ اور جمع مؤنث سالم ہے سَنَوَاتٌ۔ یا سَنَهَاتٌ۔ اس کی اصلیت میں اختلاف ہے ۱ یہ سَنُوَنْهَا ۲ یہ سَنَۃٌ یہ زیادہ درست ہے کیونکہ قرآن مجید کا لفظ لَمْ يَتَسَنَّهْ اسی کی تائید فرما رہا ہے اس کا معنیٰ ہے ایک سال یہ زمانے کی سب سے بڑی مُدت کُل مدتیں پانچ قسم کی ہیں ۱ دن ۲ دن رات ۳ ہفتہ (سبت) یعنی سات دن ۴ مہینہ ۵ سال۔ بارہ مہینے۔ عربی میں عَامٌ بھی سال کو کہتے ہیں اور سَنٌ (سَنَۃٌ) بھی مگر ان دونوں میں عام خاص کی نسبت سے فرق ہے کہ ہر عامٌ سنۃ ہے مگر ہر سَنَۃٌ عامٌ نہیں ہوتا دنوں کے مجموعے کا نام سَنَۃٌ ہے کہ کسی طرح بھی سال کے دن جو تقریباً تین سو چونسٹھ ۳۶۴ ہیں وہ گزر جائیں۔ خواہ کوئی موسم کتنے حصے کا آئے لیکن عامٌ موسموں کے مجموعے کا نام ہے جب چار موسم مکمل طور پر گزر جائیں یعنی سردی ۱ گرمی ۲ بہار ۳۔ خزاں ۴ اس بنا پر عامٌ کبھی کبھی سَنَۃٌ سے بڑا ہوتا ہے یہ مضاف الیہ ہے۔ ایسی اضافت کو اضافت توصیفی کہتے ہیں یہ مرکب اضافی موصوف ہے مِنْ جارہ بعضیت کا مَا موصولہ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے تَعُدُّوْنَ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر حاضر عَدَدٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گننا۔ فعل با فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَلْفِ سَنَۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے مُسَاوٍ اسم فاعل پوشیدہ کا جو دراصل مُسَاوِیٌ بحالتِ رفع ہے یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو

marfat.com

کر مکمل ہوا۔

تفسیر عالمانہ فَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَّقَصْرٍ مَّشِيْدٍ۔ اے زمانہ انسانوں تو کیا تم لوگ عبرت نہیں پکڑتے اُن تاریخی راہ سفر کے مشاہداتی گذشتہ قوموں کے واقعات سے کہ گزرے زمانوں میں بہت دفعہ ایسا ہوا کہ کتنی ہی اُن بستیوں کو جو ہر قسم کا ظلم کفر شرک فساد پھیلانے والی تھیں ہم نے اجاڑ کر ویران اور برباد کر دیا۔ تمام اہل بستی کو ہلاک کر کے۔ بغیر ظلم و فساد کے کبھی کسی بستی کو ہلاک نہ کیا گیا اگرچہ کتنا ہی کفر شرک یا فسق کیا، ہلاکت و بربادی اُس وقت آتی ہے اور آتی رہی جب کفار نے انبیاء علیہم السّلام اور مومنین پر ظلم و تشدد کیا جب مظلومین کی زبانی آہیں قلبی بد دعائیں آسمان تک بلند ہوئیں تب مختلف آسمانی و ناگہانی طوفانی و سُلطانی قتال و عذاب آتے رہے، جن سے بندے بھی جانور بھی مر کر تباہ ہوتے رہے اور علاقائی بستیاں اور بستیوں کے گھر خالی اور ویران ہوتے رہے۔ یا ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈرات بنتے رہے کیونکہ انسانوں سے کفر ہوا کفر سے ظلم ہوا۔ اور ظلم سے فساد، فساد سے ہلاکت ہوئی جانداروں کی ہلاکت اُن کا مرنا ہے۔ اور بستیوں کی ہلاکت ان کا ویران و برباد ہونا ہے یا کھنڈرات و اُجاڑ ہونا ہے بے گناہ جانوروں کی ہلاکت کفار کی ملکیت اور اُن کے کھونٹوں سے بندھے ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ جب ظالموں کے ظلم کی وجہ سے عذاب آیا اور اہلِ بستی کو موت آگئی تو بستیوں کی ہلاکت فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا کی صورت میں ہوئی انسانوں کے ظلم کی وجہ سے اُس علاقے کی چار چیزوں پر ہلاکت آئی۔ پہلی ہلاکت خود ظالم انسانوں پر۔ پھر ان کے جانوروں پر ان دونوں پر موت سے ہلاکت ہوئی، پھر بستیوں کی تمام نباتات پر پھر بستیوں کی عمارات پر۔ ان دونوں کی ہلاکت خَاوِيَةٌ سے ہوئی خَاوِيَة کی ہلاکت تین طرح ہوئیں کہ باغات اُجڑ گئے کھیت و کھلیان بکھر گئے چمن سوکھ گئے۔ عمارات ٹوٹ پھوٹ کر کھنڈر بن گئیں یا کھڑی کھڑی خالی اور ویران ہو گئیں کہ مضبوطی اور خوبصورتی قائم رہی مگر ویرانی سے بے رونقی کی اُداسی و نحوست چھا گئی اور ہلاک کر دیا ہم نے کنوؤں کو۔ اس طرح کہ کوئی اُن سے پانی نکالنے پینے والا نہ رہا۔ اجاڑ بیابان بن کر رہ گئے۔ رونقیں ختم ہو گئیں۔ چہل پہل کم ہو گئی۔ نہ چرخی کی چرچراہٹ نہ رسی کی سرسراہٹ نہ ڈول کی پھڑپھڑاہٹ نہ پرندوں کی چہچہاہٹ نہ گھڑوں کی گھڑگھڑاہٹ نہ آنے جانے پینے پلانے والوں کی آہٹ، نہ قدموں کی کھڑکھڑاہٹ

marfat.com

وَ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ ۔ اور ہلاک کر دیئے ہم نے کتنے ہی خوب صورت مضبوط سجے سجائے قلعے جن کی مضبوطی پر بنانے والوں کو ناز تھا اور سجانے والوں کو فخر ہوا کرتا تھا اور بسنے رہنے والوں کو غرور ہوتا تھا۔ نہ بنانے والے رہے نہ سجانے والے نہ بسانے والے جن میں کبھی خوشی کے شادیانے، رونقوں کی شہنائیاں، اور آمد و رفت کے نقارے بجتے تھے وہاں اب ایسی ویرانی ہوائیاں اڑ رہی ہیں کہ ع بوم نوبت میزند بر گنبدِ افراسیاب، اُلوؤں کے گھونسلے، مکڑیوں کے جالے چمگادڑوں کے بسیرے گیدڑوں کی آوازیں ہیں یہی انجام ہے کفر کے غرور کا اور ظلم کے ظہور کا۔ قَرۡیَۃٍ، بِئۡرٍ، قَصۡرٍ یہ تینوں الفاظ جنسی جمع ہیں اور گذشتہ تمام کفار کی عذاب والی بستیوں کا ذکر ہو رہا ہے اور کَاَیِّنۡ کا تعلق اِن تینوں سے یعنی عاد ثمود، قوم نوح قوم ابراہیم قومِ لوط۔ اَصحابِ مَدۡیَن اور فرعونیوں کی بستیاں کوٹھیں، محلات مراد ہیں۔ مگر یہ بھی کہا گیا ہے کہ کَاَیِّنۡ کا تعلق صرف قَرۡیَۃٍ سے ہے جن میں تمام عذاب والی بستیاں شامل اور ہلاکت سے مراد جانداروں کی موت عمارات کی ویرانی یا ٹوٹ پھوٹ مگر بِئۡرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّ قَصۡرٍ مَّشِیۡدٍ سے مراد شہر حضر موت کا مضبوط اور خوب صورت قلعہ اور حاضورا بستی کا کنواں ہے۔ واقعہ اس طرح کہ جب حضرت صالح علیہ السّلام مع اپنے چار ہزار مومن اُمتیوں کے ساتھ باذنِ الٰہی بستیِ ثمود سے ہجرت کر گئے اور عذابِ ثمود سے بچائے گئے تو آپ ایک پہاڑ پر مع ساتھیوں کے خیمہ زن ہو گئے کچھ عرصہ بعد وہیں اُن لوگوں نے ایک خوب صورت پتھریلا شہر آباد کر لیا۔ وہیں پر حضرت صالح علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اُس شہر کا نام ہی حضر موت رکھا گیا جو آج تک جاری ہے۔ اِسی پہاڑ کے نیچے دامن میں ایک گاؤں آباد تھا اس کا نام حاضورا تھا۔ وہ اب مٹ چکا ہے۔ وہاں میٹھا پانی نہ تھا، قومِ صالح کے اولیاءَ اللہ نے ایک کنواں کھودا تو نیکوں کی دعاؤں اور برکت سے میٹھا پانی نکل آیا۔ صالح علیہ السلام کی وفات شریف تو اسی شہر میں ہوئی مگر آپ کی تدفین وصیت کے مطابق علاقہ شام کے شہر عکّہ میں کی گئی صالح علیہ السّلام نے وفات کے وقت تمام نیک اور بزرگ لوگوں کو جمع فرمایا۔ اور کہا اب میری موت حاضر ہو گئی ہے۔ حَضَرَ مَوۡتٌ۔ اس لیے تم کو آئندہ زندگی کے لیے وصیتیں کرتا ہوں جن میں تدفین کی وصیت بھی شامل اور منہ کے نکلے الفاظ مبارک جانتے ہوئے شہر کا نام ہی حَضَرَ مَوۡتٌ رکھا گیا۔ میٹھے پانی کی سب کو بہت خوشی تھی اس کو بھی معجزۂ صالح سمجھا گیا اور یقیناً یہ حقیقت بھی ہوگی۔ سب بستی والے بلکہ اِردِ گرد بستیوں والے وہیں

marfat.com

نے پانی بھرتے تھے اور کنویں پر بڑی رونق رہتی۔ اُس کے قریب پانچ چھوٹی حوضیں بنائی گئی تھیں۔ ایک انسانوں کے لیے ایک اونٹوں کے لیے ایک گایوں کے ایک بکریوں کے اور ایک پرندوں کے لیے کچھ عرصہ بعد جلیس ابن جلاس بادشاہ کی حکومت قائم ہوئی اور نئی نسل گمراہ کافر ہوئی، تب ان میں ایک نبی مبعوث ہوئے ان کا نام روایت میں حنظلہ بن صفوان بن تحافر آتا ہے آپ کو صرف خواب میں وحی آتی تھی نہ کہ جاگتے میں خیال رہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام کو تقریبًا گیارہ طرح سے وحی آتی ہے ۱ بعض کو صرف جاگتے ہیں ۲ بعض کو صرف سوتے ہیں ۳ بعض کو بذریعہ صحیفہ ۴ بعض کو کتاب ہیں ۵ بعض کو خلوت ہیں ۶ بعض کو جلوت ہیں ۷ بعض کو صرف سفر ہیں ۸ بعض کو صرف حضر ہیں ۹ بعض کو صرف بذریعہ جبرئیل علیہ السّلام ۱۰ بعض کو بلاواسطہ غیبی آواز سے ۱۱ بعض کو القاءِ ربّانی سے لیکن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ہر طرح بلکہ اِس سے بھی زیادہ تقریبًا چالیس طریقے سے وحی آتی رہی۔ مذکورہ نبی حضرت حنظلہ نے بہت تبلیغ فرمائی مگر کوئی ایمان نہ لایا بلکہ آپ کی دشمنی میں اتنے بڑھے کہ آپ کو شہید کر دیا بعض بزرگوں نے فرمایا کہ یہ پہلے شہید نبی ہیں اور زکریا علیہ السلام آخری شہید نبی ہوئے۔ حضرت حنظلہ کی شہادت سے اُس قوم پر دھوئیں کا عذاب آیا اور تمام افراد دم گھٹ کر مر گئے رات کو عذاب آیا صبح کو سب مرے پڑے تھے اور قصرِ مَّشِیْدٍ آناً فاناً ویران اور وہ کنواں معطّل ہو کر رہ گیا ایک ہی رات میں پورے علاقہ پر ویرانی کا سناٹا چھا گیا نہ کوئی گھر میں رہا نہ بازار میں نہ کوئیں پر چہل پہل رہی نہ شہر میں رونق، جغرافیائی اعتبار سے بستی کی چھ قسمیں ہوتی ہیں ۱ مدینہ ۲ قریہ ۳ بدوہ ۴ قصبہ ۵ حصن ۶ قصر۔ مدینہ کا معنیٰ بڑا کھلا شہر، قریہ کا معنیٰ مطلقًا آباد علاقہ، بدوہ چھوٹا گاؤں، قصبہ بڑا گاؤں حصن حفاظتی قلعہ، قصر شاہی محل۔ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ يَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا ۚ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ۔ اے حبیب کریم کیا یہ کفارِ مکہ اُن قوموں کے عذاب والے علاقوں کی سیر و سیاحت نہیں کرتے اِس آیت میں دو قسم کے لوگوں کو دو قسم کی دعوتِ عام دی جا رہی ہے ۱ مقیمین لوگوں کو سفر کرنے کی ۲ اور مسافروں کو دورانِ سفر غور و فکر اور بنظرِ بصیرت حالات کا جائزہ لینے کی دعوتِ فکر کی طرف متوجّہ کیا جا رہا ہے اور دونوں گروہوں کو رغبت دلانے عبرت پکڑنے بندہ بن جانے کا حکم ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ کیا

marfat.com

اِن کے پاس ایسے روشن دل موجود ہیں جن کے ذریعے ہر چیز میں عقل استعمال کرتے اور قلبی عقل سے غور و فکر کرتے۔ ہر انسان کی چار آنکھیں ہوتی ہیں۔ دو آنکھیں سر میں اور دو دل میں اگر سر کی آنکھیں اندھی ہوں مگر دل کی روشن و بینا ہوں تو کوئی نقصان نہیں ہوتا نہ دنیوی نہ اُخروی لیکن اگر دل کی آنکھیں اندھی ہو جائیں تو اگرچہ سر کی آنکھیں روشن ہوں مگر نقصان ہی نقصان دنیوی بھی اُخروی بھی نہ دینی نفع ملے نہ دنیوی ایسا بدنصیب انسان دنیوی اعتبار سے بے وقوف، احمق، بُدھو اور اُخروی اعتبار سے گمراہ و خائب و خاسر دنیوی نقصان یہ ہے کہ بندے کی دنیا اس کو ابدی جہنم میں لے جائے اور دنیوی نفع یہ ہے کہ بندے کی دنیا بھی دین بن جائے۔ سر کی آنکھیں دیکھتی ہیں دل کی آنکھیں سوچتی ہیں سر کی آنکھوں میں بصارت ہے اس لیے وہ دنیا دیکھتی ہیں، دل کی آنکھوں میں بصیرت ہے اس لیے وہ دین و ایمان دیکھتی ہیں۔ سر کی آنکھیں اوپر کا چھلکا دیکھتی ہیں مگر دل کی آنکھیں اندر کا مغز دیکھتی ہیں سر کی آنکھیں ظاہر ہیں، دل کی آنکھیں باطن ہیں۔ سر کی آنکھیں مجاز دیکھتی ہیں، دل کی آنکھیں حقیقت دیکھتی ہیں بصیرتِ قلبی کی تین صورتیں ہیں اولاً جذبات ثانیاً خیالات۔ ثالثاً احساسات، علم کی اصل جگہ دل ہے اور دل کی جگہ سینہ ہے۔ قلبِ مومن بیدار ہے اور بیدار دل روشن ہے اور روشن دل گیارہ خزانوں کا مدینہ ہے اور اُن خزانوں کو دیکھنے والی آنکھیں سینے میں ہیں، زندہ دل والی آنکھوں کو ہر طرف آیاتِ قدرت نظر آتی ہیں کیونکہ ہوشیار ہیں

برگِ درختانِ سبز در نظرِ ہوشیار ⁂ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

اور دماغ دروازہ ہے ان خزانوں کا اور گیارہ خزانوں کے گیارہ راستے ہیں خزانے یہ ہیں ۱ اِدراک ۲ عقل ۳ حواس ۴ فہم ۵ شعور ۶ فراست ۷ فکر ۸ علم ۹ تدبر ۱۰ حفظ ۱۱ حلم، یہ سب خزانے اسی ترتیب سے جسم انسانی میں ودیعت رکھے جاتے ہیں۔ پہلے چار خزانے شکم مادر کے اندر بچے کو مقامِ قلب میں امانت دیدئے جاتے ہیں، پھر پیدا ہونے کے بعد بوقتِ بلوغت تین خزانے امانت کئے جاتے ہیں۔ شعور فراست و فکر ان تینوں خزانوں کا نام ہی بلوغت ہے یہ سات خزانے بلا کسبِ انسانی عطاءِ ربانی ہے پھر انسان اپنے کسبِ تعلّم اور حصولِ تدرّس کے ذریعے بارگاہِ الٰہیہ سے چار خزانے ودیعت پاتا ہے یعنی علم۔ تدبر۔ حفظ۔ حلم یہ عام بندوں کی کیفیتِ باطنی ہے ان میں علما حکما اولیا۔ عقلا شامل ہیں۔ مگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کو یہ سب خزانے شکمِ مادر میں سکھا دیے

marfat.com

جاتے ہیں اور آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تمام خزانے اور اتنے ہی اور مزید خزانے عالمِ ازل حادث میں رب تعالیٰ نے بلا واسطہ عطا فرما دئے تھے اس لیے صرف آپ نے فرمایا۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَّآدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ وَفِيْ رِوَايَةٍ بَيْنَ الطِّيْنِ وَالْمَاءِ۔ ہر انسان کو یہ خزانے ملے یہی اشرفِ مخلوقیت ہے یہی بشریتِ اعلیٰ ہے۔ نبوت کی اصل تو ہیں اِن سے بھی وراءُ الوَرا ہیں۔ کفار کے اِن خزانوں میں نہ چمک نہ روشنی نہ نورانیت سب اندھے شیشے۔ مومن کے اِن خزانوں میں ایمان کی چمک ہوتی ہے۔ اولیاء صالحین علماءِ عابدین کے اِن خزانوں میں محبوبیت کی روشنی بھی ہوتی ہے۔ اور انبیاءِ کرام علیہم السّلام کے یہ سب خزانے اصلاً نور ہیں۔ اور آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے یہ تمام خزانے منبر ہیں یعنی نور بنانے والے آفتاب کائناتی ہیں۔ ان خزانوں کے گیارہ راستے ہیں ۱۔ آنکھیں ۲۔ باطنی بینائی ۳۔ قوتِ تفریق ۴۔ طاقتِ امتیاز ان کے چار ہی دروازے ہیں ۵۔ دماغ کی پچھلی طرف روشنی کا خزانہ جس میں چالیس تاریں انسانی بال کی شکل جن کے وسیلے اور مدد سے رنگ اور اشیا، اندھیرے اجالے کا فرق سمجھ کر سکتا ہے ۶۔ کان باطنی سماعت کا دروازہ ہے ۷۔ ناک قوتِ شامہ کا دروازہ ہے ۸۔ باطنی سماعت کا مرکز دماغ کے وسط میں ہے کان اور دماغ کے درمیان گیارہ تاریں باریک بال کی طرح چھ تاریں ایک کان کی طرف اور پانچ ایک کان کی طرف اس لیے ایک کان سے زیادہ سنائی دیتی ہے۔ ایک سے کم ۹۔ ناک میں قدرت نے دو پردے قائم فرمائے ایک خوشبو سونگھنے والی ایک بدبو سونگھنے والی ۱۰۔ قوتِ کلام کا دروازہ زبان اور حلق ہے اس کے معاون دانت جبڑے ہونٹ ہیں۔ زبان میں ہی قوتِ ذائقہ ہے ۱۱۔ قوتِ احساس کا راستہ مسامات ہیں۔ اگر کسی کے مسامات بند ہوں یا بند کر دیئے جائیں سن کر کے یا بے ہوش کر کے تو کچھ محسوس نہیں ہوتا۔ جسم کے ہر حصہ کی قوتِ حس مختلف ہوتی ہے۔ فلاسفۂ متقدمین و متاخرین اور اسلامی فلاسفہ کا اِسیات میں اختلاف ہے کہ علم و عقل کا مرکزی مقام کہاں ہے فلاسفہ متقدمین کہتے ہیں کہ مرکزی مقام علم و عقل دونوں کا دماغ انسانی ہے۔ متاخرین کہتے ہیں کہ عقل کا مقام دماغ ہے اور علم کا مقام دل ہے مگر اسلامی فلاسفہ کہتے ہیں کہ دونوں کا مقام دل ہے۔ اور دماغ دروازہ ہے اعضاءِ جسم راستے ہیں یہی قول درست اور مدلل ہے۔ پہلی دلیل۔ سورۂ قٓ کی آیت ۳۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى

marfat.com

لِمَنْ کَانَ لَهٗ قَلْبٌ۔ ترجمہ، بے شک اُس قرآن مجید میں البتہ عقل اور نصیحت ہے صرف اُس شخص کے لیے جس کا زندہ قلب ہے۔ دلیلِ دوم۔ سورۃ حج کی یہی آیت ۴۶ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَآ۔ ترجمہ، تو کیا اُن کے دل زندہ ہیں جس سے وہ عقل رکھیں۔ دلیلِ سوم۔ سورۃ محمد کی آیت ۲۴ میں ارشاد ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ ترجمہ، تو کیا یہ لوگ قرآنِ مجید میں تدبّر نہیں کرتے یا اِن کے دلوں پر تالے ہیں دلیلِ چہارم۔ حدیثِ مقدّس میں ہے کہ جسم انسانی میں ایک مضغہ یعنی گوشت کا ٹکڑا ہے ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو تو سارا جسم درست ہے اگر وہ فاسد تو سارا جسم فاسد وَهُوَ الْقَلْبُ اور وہ دل ہے گویا کہ اگر دل زندہ ہے تو سارا جسم اور جسم کی ساری قوتیں زندہ اور درست ہیں اگر دل بینا تو تمام قوتیں بینا اگر دل اندھا تو سب قوتیں اندھی، دل بیدار تو سب بیدار، دل خفتہ تو سب خفتہ دل صحت مند تو ساری قوتیں صحت مند طبی اعتبار سے بھی شرعی اور روحانی اعتبار سے بھی ان دلائل سے ثابت ہوا کہ عقل بھی دل میں اور علم بھی دل میں ہوتا ہے فلاسفۂ اسلامی فرماتے ہیں کہ علم و عقل میں تین طرح فرق ہے۔ پہلا فرق۔ علم عام ہے کسبی بھی ہوتا ہے۔ عطائی بھی عقل خاص ہے صرف عطائی ہوتی ہے، دوسرا فرق علم کتابوں مدرسوں، استادوں سے حاصل بھی ہو جاتے ہیں اور عطاءِ ربّانی سے حصول بھی مگر عقل نہ کتابوں سے نہ کالج کے ہے درسے پیدا۔ بلکہ بے عقل کے لیے تو کتابیں اور مدرسے ہی بیکار۔ تیسرا فرق۔ عقل وہ روحانی نور ہے جس کے ذریعے علومِ فطری نظری و ضروری حاصل کیے جاتے ہیں، جسم انسانی میں پانچ حواس گِنے گئے ہیں مگر کوئی بھی تدبّر قلبی کے بغیر مفید نہیں نہ بصارت نہ سماعت نہ شامت نہ ذائقہ نہ حساست۔ اگر یہ کفارِ مکہ سیر و سیاحت سفر تجارت نہیں کر سکتے تو اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا۔ کیا اُن کے ایسے کان ہیں جن سے وہ لوگ اِن عبرت ناک خطرناک عذاب کی تاریخی واقعاتی خبریں ہی سن لیا کریں اور سن کر اپنے انجام سے ڈریں اور ڈر کر سچے نیک بندے بنیں۔ لیکن وہ تو یہ خبریں سننا بھی نہیں چاہتے اور اگر کبھی کوئی سنائے تو توجہ ہی نہیں دیتے۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ وہ بہرے گونگے اندھے ہیں، نہیں نہیں۔ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ۔ پس بے شک اُن کی آنکھیں اندھی نہیں ہیں۔ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ۔ بلکہ وہ دل اندھے ہیں جو سینے میں ہے اور دل کا اندھا ہونا دل کی موت ہے۔ دل مُردہ تو سب مُردہ۔ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ وَاِنَّ یَوْمًا

marfat.com

عِنۡدَ رَبِّکَ کَاَلۡفِ سَنَۃٍ مِّمَّا تَعُدُّوۡنَ ۔ اور اے محبوب آج تو یہ کفارِ مکہ نضر بن حارث اور اُس کے ساتھی عذاب کی آپ سے جلدی مچا رہے ہیں آپ سے مذاق تمسخر اور عذاب کا انکار کرتے ہوئے وہ عذاب مانگ رہے ہیں جس کا آپ نے ذکر ان کو سنایا قہرِ الٰہی سے ڈرایا حالانکہ یہ سب جانتے ہیں کہ عذاب دینا رب تعالیٰ کا کام ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے کسی بھی وعدے کو کبھی خلاف نہیں فرماتا خواہ وہ وعدہ بشارت کی نوید ہو یا نذارت کی وعید ہو۔ استعجال یہ ہے کہ کسی چیز کو اُس کے وقت سے پہلے طلب کرنا۔ کفار کے لیے کوئی پیشگی خبر وعیدِ سزا ہے اور مومن کے لیے کوئی پیشگی خبر نویدِ جزا ہے۔ لغت میں وعید اور نوید دونوں کو وعدہ کہا جاتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ وعید اس پر ہوتی ہے جس کا چھوڑنا بحکمِ الٰہی بندے پر ضروری ہو مگر بندہ نہ چھوڑے اگو یا بندے پر مولیٰ کا حق ہے۔ اس حق مارنے پر ہی وعید ہے اور وعدہ وہ حق ہے جو مولیٰ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم پر لے لیا ہے اپنے نیک فرمانبردار بندے کے لیے اُس بات کا یہاں ذکر فرمایا جارہا ہے کہ اے منکرو ہر وعدے کا پورا کرنا رب تعالیٰ پر حق ہے جس کو یقیناً پورا کیا جائے گا۔ خلاف نہ ہوگا اگر اُس کے وعدۂ وعیدی سے بچنا چاہتے ہو تو تم ترکِ وعیدی کو نبھاؤ اور اپنا حق پورا کرو۔ ہاں البتہ یہ ضرور ہے کہ ہر وعدہ اپنے وقت پر پورا ہوگا۔ تمہارے مچلد بازی مچانے کی وجہ سے پہلے نہیں ہو سکتا اور اُس کا وقت بھی تمہاری گھڑیوں، تمہارے نظامُ الاوقات کے مطابق نہیں نہ تمہارے سال و ماہ دنوں ہفتوں کے مطابق۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا دن بھی اُس کے ہی نظامُ الاوقات کے مطابق ہے اس طرح کہ اُس کا ایک دن تمہاری گنتی سے ہزار سال برابر ہے جو عذاب آتے ہیں آتا۔ اور جانے ہیں فانا ہوتا ہے، دنیا کے دن بندوں کی گھڑیوں اور گھڑیوں کی سوئیوں کے حساب سے ہوتے ہیں مگر آخرت کا دن قدرت و حکمت کے حساب سے دنیا کے دن بھی دو قسم کے ہوتے ہیں اور آخرت کے دن بھی دو قسم کے ہوتے ہیں، دنیا کے عام دن حساب والے خاص دن احساس والے حساب والے دن بارہ گھنٹے کے۔ اور احساس والے دن اگر آرام کا ہو تو لمبا دن بھی لمحہ برابر لگتا ہے اور اگر تکلیف کا ہو تو تکلیف کے لمحات بھی پہاڑ جیسے دن برابر لگتے ہیں۔ آرام کا وقت گزرتے دیر نہیں لگتی مگر تکلیف کا وقت ایک منٹ بھی لمبے دن برابر اہلِ عرب کہتے ہیں سَنَۃُ الۡوَصۡلِ کَالۡیَوۡمِ وَیَوۡمُ الۡفِرَاقِ کَالسَّنَۃِ بے شک تمہارا ایک دن اور تمہاری گنتی کا ہزار سال اُس کی بارگاہ میں برابر ہے اُس کی پکڑ یا عفو میں نہ کوئی فرق نہ کوئی

marfat.com

نہ کوئی رکاوٹ نہ بھول نہ چوک. لہٰذا اے کافرو اپنے دن رات کے حساب اور گھڑی کی رفتار سے رب تعالیٰ کے فیصلوں کی جلدی یا دیر کا اندازہ مت لگایا کرو. اُس کے فیصلے اُس کی قدرت پر ہوتے ہیں نہ کہ تمہاری عُجلت پر وعید و نوید کی دو قسمیں ۱ وعیدِ انشائی ۲ وعید خبری. اسی طرح نوید انشائی اور نوید خبری. مثلاً وعیدِ انشائی. جیسے تَبَّتْ یَدَا ۱. (الخ) وعیدِ خبری جیسے وَلَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ. نویدِ انشائی جیسے. لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ. نویدِ خبری جیسے رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمْ

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال. فَكَاَیِّنْ کی ترکیب میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ منصوب ہے اَهْلَكْنَا کا مفعول بہ مقدم ہے ۲ بعض نے کہا یہ مرفوع ہے کیونکہ مبتدا ہے اور اگلا جملہ اَهْلَكْنَا اس کی خبر ہے. پہلے قول میں ترجمہ ہے. پس کتنوں کو ہلاک کیا ہم نے دوسرے قول میں ترجمہ ہے. کتنے ہی تھے کہ ہلاک کر دیا ہم نے ان کو یہی قولِ دوم درست ہے کیونکہ مفعول بہ تو ھا ضمیر موجود ہے. اَهْلَكْنَا. کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے فرمایا یہ جمع متکلم ہے یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ بعض نے کہا یہ اَهْلَكْتُ ہے اَمْلَیْتُ اَخَذْتُ کی مناسبت سے مُعَطَّلَةٍ. کی قرأت میں دو قول ۱ باب تفعیل سے تشدید کے ساتھ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ مُعْطَلَةٍ. بغیر تشدید. فَتَكُوْنَ لَهُمْ کی قرأت میں دو قول ۱ صیغہ مذکر غائب کا ۲ تَكُوْنَ لَهُمْ. صیغہ مؤنث غائب کا یہی مشہور و مکتوب ہے. مِمَّا تَعُدُّوْنَ. میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ یہ جمع مذکر حاضر ہے یہی مشہور قرأت ہے ۲ مِمَّا یَعُدُّوْنَ. جمع مذکر غائب ہے (از معانی) فَكَاَیِّنْ کے معنی میں دو قول ۱ یہ بمعنی کَمْ سوالیہ ہے یعنی کتنے ہی ۲ یہ بمعنی رُبَّ ہے. یعنی بہت دفعہ وَیَسْتَعْجِلُوْنَكَ میں دو قول ۱ یہ جمع مذکر غائب ہے یہی مشہور و مکتوب قرأت ہے ۲ وَتَسْتَعْجِلُوْنَكَ جمع مذکر حاضر. كَاَلْفِ سَنَةٍ میں چار قول ۱ حضرت ابن عباس رض کا فرمان ہے کہ یہاں یوم سے مراد وہ چھ دن ہیں جن میں زمین و آسمان بنائے گئے ۲ بعض نے فرمایا میدانِ محشر کا دن مراد ہے جو ہزار سال کے برابر ہوگا. بعض نے فرمایا پوری قیامت ایک دن ہے اور وہ ایک دن پچاس ہزار سال برابر. اور صرف میدانِ محشر کا دن ایک ہزار سال برابر اس کی دلیل ابو داؤد شریف و ترمذی شریف کی وہ حدیث پاک ہے جس میں آقاءِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ارشادِ مقدس فرمایا کہ غُرَباءِ مومنین جنت میں اُمَراءِ مومنین سے آدھا دن یعنی پانچسو سال پہلے جائیں گے ۳ بعض نے کہا کہ اصلاً دراز نہ ہوگا بلکہ عذاب کی ہولناکی سختی کی وجہ سے ہزار سال برابر لگے گا مگر یہ جاہلانہ قول ہے ۴ بعض نے کہا کہ اِس کا معنی ہے

marfat.com

کہ اے کافرو عذاب کی جلدی مت مچاؤ۔ کیونکہ اگر ایک دن یعنی ہزار سال بعد بھی آیا تب بھی آکر رہے گا اس لیے کہ رب تعالیٰ نہ بھولنے والا ہے نہ وعدہ خلاف۔ اَهْلَكْنٰهَا کے معنی میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے لکھا کہ ہلاک سے مراد غیبی دھوئیں سے گھٹ کر مرنا ہے ۲۔ بعض نے کہا کہ بخت نصر ظالم بادشاہ کی جنگ سے قتل ہونا مراد ہے بِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ لفظ جنسی جمع ہے اور معنی ہے۔ کتنے ہی کوئیں۔ کَاَیِّنْ کے ماتحت ہے قَرْیَةٍ پر عطف ہے ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ واحد ہے اور ایک خاص کنواں مراد ہے۔ یہ حضر موت شہر کے قریبی گاؤں حاضورا میں تھا۔ جب یہاں کے سب باشندے کافر ہو گئے اور انہوں نے اپنے نبی حضرت حنظلہ بن صفوان کو شہید کر دیا تب ان پر ہلاکت کا عذاب آیا اور سب مر گئے کنواں معطل ہو کر رہ گیا۔ قَصْرٍ مَّشِيْدٍ۔ میں دو قول ۱۔ یہ جنسی جمع ہے اور مراد ہیں عام ویران قلعے ۲۔ بعض نے لکھا کہ یہ واحد لفظ ہے اور مراد ہے قلعہ حضر موت جو اس وقت دور نبوی میں ویران پڑا تھا، عذاب ناگہانی سے سب باشندے مر گئے تھے۔ اس کو بنانے والوں کے متعلق چار قول ۱۔ اس کو قوم صالح نے بنایا تھا ۲۔ شداد بن عاد بن ارم نے ۳۔ اس کو بہرام گور نے حمدان کے قریب بنایا ۴۔ اس کو قوم ثمود نے علاقہ عدن میں بنایا۔ بعض نے لکھا کہ اس کا نام حضر موت اور لقب حاضورا تھا، یا اس کے برعکس مَشِیْدٍ کے چار معنی کیے گئے ہیں ۱۔ مضبوط اور گہری بنیادوں والا ۲۔ خوب صورت ۳۔ اونچا دو منزلہ ۴۔ پھیلاؤ میں زیادہ بہت لمبا چوڑا علاقہ۔ قلعے کے اندر ہی رہائشی آبادی اور کھیت باغات۔

فائدے ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ خوش قسمت ہے وہ انسان جس کا دل روشن اور بینا ہو۔ آنکھوں کی بینائی تو صرف دنیا دیکھنے کے لیے عارضی ہے۔ حقیقی بینائی تو دل کی ہوتی ہے آنکھوں کی بینائی مجازی ہوتی ہے یہ فائدہ فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ ایک بار حضرت عبداللہ ابن ام مکتوم نے عرض کیا۔ یارسول اللہ قرآن مجید میں ہے کہ جو دنیا میں اندھا وہ آخرت میں بھی اندھا تو کیا میں آخرت میں اندھا اٹھوں گا۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ آیت مقدسہ میں حقیقی اندھا ہونا مراد ہے نہ کہ مجازی۔ دل کا اندھا ہونا حقیقی اندھا پن ہے آنکھوں کی نابینائی مجازی ہے یعنی جو دنیا میں دل کا اندھا ہو گا وہ آخرت ظاہری بھی اندھا ہو گا اور یہی آیت پاک ان کو سنائی۔ دوسرا فائدہ اسلامی فلاسفر کہتے ہیں

marfat.com

کہ تمام عقلی کُلّی جزئی تمام علومِ مادّی کا مرکز دل ہے۔ اِن علوم وعقول کی تقریباً دس قسمیں ہیں پانچ ظاہری علوم اُن کو حواسِ ظاہری کہا جاتا ہے۔ اور پانچ باطنی علوم ہیں ان کو حواسِ باطنی کہا جاتا ہے۔ فلاسفہ اسلامیہ کا یہ قول۔ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ سے حاصل ہوا فلاسفہ متاخرین کہتے ہیں کہ علومِ کلیّات و جزئیات کا محل و مقام نفسِ ناطقہ مطلقہ ہے۔ اور فلاسفہ متقدّمین کہتے ہیں تمام عقلیات وعملیات کا محل دماغ ہے مگر یہ دونوں قول غلط ہیں نمبر۴ فائدہ حیاتِ دنیوی میں کفّار کو بھی وعید ہے اور فُسّاق کو بھی۔ مگر تین طرح فرق ہے پہلا فرق یہ کہ وعیدِ کفار میں نہ شرطِ رحم نہ غفّاریت نہ شفاعت مگر وعیدِ فُسّاق میں رحم بھی غفّاریت بھی شفاعت بھی۔ دوسرا فرق یہ کہ وعیدِ کفّار دائمی مگر وعیدِ فُسّاق وقتی تیسرا فرق یہ کہ وعیدِ کفار میں کسی طرح کا خلاف نہیں ہے مگر وعیدِ فسّاق میں رحم وکرم، عفو و درگزر ستّاری و غفّاری، شفاعت وَالُفت سے تبدیلی ہوسکتی ہے۔ بلکہ ہوگی۔

احکامُ القرآن اِن آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ۔ شریعتِ اسلامیہ میں ہر مفید اور معلوماتی سفر سیر و سیاحت جائز ہے مگر اِس جواز کے درجے مختلف ہیں۔ بعض سفر سیر و سیاحت فرض ہیں۔ بعض واجب بعض سنّت۔ بعض مستحب جن کی تفصیل کتبِ فقہ میں موجود ہے۔ یہ مسئلہ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِی الْاَرْضِ (الخ) کے سوالِ حکمی سے مستنبط ہوا۔ اِس میں حصولِ عبرت کے لیے کفار کو سیر و سیاحت کے سفر کا حکم دیا جا رہا ہے بطرزِ سوالِ استفساری یعنی ضرور سفر کریں۔ نکلیں اور عبرت پکڑیں تاکہ سچے بندہ بنیں۔ دوسرا مسئلہ۔ ہر چیز، ہر کام، ہر عمل کا دارومدار اور اعتبار دل پر ہے۔ اور دل کے ارادے کا نام ہی نیّت ہے۔ حدیثِ پاک میں اِسی کا بیان ہے کہ اَلْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ تمام اعمال کا تعلق نیت سے ہے نیت اچھی تو ظاہراً برا کام بھی عِندَ اللہ اچھا ہے۔ لیکن اگر دل کا ارادہ وَ نیتِ بری ہے تو اچھا کام بھی رب تعالیٰ کی بارگاہ میں برا ہے۔ یہ مسئلہ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ سے مستنبط۔ کہ دل اندھا ہو تو اُس کی عبادت اور کلمہ گوئی بھی منافقانہ کردار بن جاتا ہے۔ تیسرا مسئلہ شریعتِ اسلام نے ہر مسلمان کو جلد بازی کرنے اور جلد بازی مچانے سے سخت منع فرمایا۔ قرآن مجید نے اس کو کفار کی نشانی بنایا ہے اور احادیثِ مقدّسہ نے اِس کو (جلد بازی اور جلدی مچانے یعنی کرنے) کو کارِ شیطان فرمایا ہے۔ کیونکہ جلد بازی کرنے سے کام بگڑتا ہے اور مچانے سے مقصد حاصل نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ

marfat.com

وَ یَسْتَعْجِلُوْنَكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا قُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ یعنی وہ دل جو سینوں میں ہیں یہ بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ دل ہوتے ہی سینوں میں ہیں تو پھر اَلَّتِیْ اسم موصول کے ساتھ اس کے سینے میں ہونے کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ اسم موصول تو تقسیم کا متقاضی ہوتا ہے جیسا کہ علماءِ نحو کا کہنا ہے۔ **جواب** بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ فرمان صرف تاکید کے لیے ہے اور تاکید کا فائدہ صرف متنبہ کرنا ہے مگر بعض نے جواب دیا کہ یہ فرمان یہ بتانے کے لیے کہ دل سے مراد وہی گوشت کا لوتھڑا ہے جو سینے میں بائیں جانب ہوتا ہے وہی اگر خوش نصیب ہو تو ایمان کی روشنی سے بینائی والا ہوتا ہے وہی اگر بدنصیب ہو تو کفر کے گھٹا ٹوپ اندھیرے سے نابینا ہوتا ہے۔ اور وہی جب اندھا ہوتا ہے تو سارے حواس اندھے ہوتے ہیں۔ تو یہ اَلَّتِیْ تقسیم کے لیے نہیں بلکہ توضیح کے لیے ہے۔ اور رہا ہر شخص کا یہ جاننا کہ دل صرف سینے میں ہی ہوتے ہیں تو وہ صرف یہ جانتے ہیں کہ دل ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ وہ قلب کی اصلیت و حاکمیت و باطنیت کو نہیں جانتے۔ یہاں یہ ہی بتایا جا رہا ہے کہ وہ ہی دل جو سینے میں ہیں۔ وہ محض گوشت کا ایک عضو نہیں بلکہ تمام خیر و شر کا مرکز ہے۔ دل بھی قدرت کا عجیب و عظیم شاہکار ہے۔ ابلیس نے حضرت آدم کے پورے جسم کو دیکھ کر حیرانی نہیں کی مگر دل کو دیکھ کر سمجھ نہ سکا کہ یہ کیا ہے۔ اور حیران و ششدر کھڑا رہ گیا۔ یہ قلبِ آدم ہی تھا جس نے فوراً تمام اسماء کے نام بتا دیئے اور فرشتوں سے جیت گئے۔ یہی مخزنِ علوم و عقول ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں وَ لٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ۔ فرمانے اور قرآن مجید کی دیگر آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ عقل کا محل و مقام دل ہے مفسرین و فلاسفہ اسلامی بھی یہی فرماتے ہیں مگر تجربہ اور مشاہدہ بتاتا ہے کہ عقل کا مقام دماغ ہے اس لیے کہ اگر دماغ میں سخت چوٹ لگے تو عقل ماری جاتی ہے۔ کند ذہنی کو دماغی مرض بتایا گیا ہے۔ یہی بات کہ طبی اور ڈاکٹر حکیم لوگ کہتے ہیں۔ یہی بات قدماءِ فلاسفہ اور موجودہ سائنسدان کہتے ہیں۔ نیز دیوانگی، مجنونیت مجذوبیت سب دماغی امراض میں شمار ہیں کند ذہنی دیوانگی مجنونیت میں طبیب لوگ سر پر علاج کرتے تالو کھولتے۔ لیپ کرتے مالش کرواتے ہیں۔ تو درست کونسا قول ہے یا دونوں میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب** اس کا تفصیلی جواب ہم نے تفسیرِ عالمانہ میں دیدیا ہے کہ قلب محلِ عقل ہے مگر دماغ دروازہ ہے نہ کہ محل و مقام، دروازہ صرف نکلنے استعمال ہونے کے لیے ہے

marfat.com

ہوتا ہے گندھی مجنونیت، دیوانگی بیہوشی شراب نوشی میں دماغ بند ہو جاتا ہے۔ اور عقل و علم فہم و بصیرت باہر نہیں نکل سکتی اس لیے دماغ کا علاج کیا جاتا ہے تاکہ دروازہ کھل جائے۔ چوٹ لگنے سے بھی دماغ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے عقل ختم نہیں ہوتی۔ اگر اس بنا پر اطباء یا حکما۔ یا ڈاکٹر۔ فلسفی۔ سائنسدان یہ کہنے لگیں کہ دماغ محل وقوعِ عقل ہے تو یہ اُن کی اپنی کم عقلی ہے بہر حال خالقِ کائنات جَلَّ مَجْدُہٗ دماغ و دلِ بنانے پیدا کرنے والا عقل کے بارے میں دل ہی کا تذکرہ فرماتا ہے نہ کہ دماغ محل دقوع وہی معتبر ہے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَلٰکِنْ تَعْمَی الْقُلُوْبُ۔ یعنی کفار کے دل اندھے ہیں۔ لیکن دوسری جگہ سورۃ نمل کی آیت نمبر ۸۰ میں ارشاد ہے اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی۔ یعنی اے نبی کریم آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ یہاں بھی موتیٰ سے مراد کفار ہیں۔ اور کفار کے مُردہ ہونے کا معنیٰ ہے کہ اُن کے دل مُردہ ہیں۔ تو یہاں کی آیت نے بتایا کہ مُردہ نہیں صرف اندھے ہیں کیونکہ آدمی زندہ ہو تب ہی اُس کو اندھا کہا جاسکتا ہے اور وہ آیت بتا رہی ہے۔ اندھے نہیں بلکہ مُردہ ہیں۔ لہٰذا یا تو یہاں چاہیے تھا کہ تَعْمَی الْقُلُوْبُ نہ فرمایا جاتا بلکہ۔ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ فرمایا جاتا۔ یعنی ان کے دل مُردہ ہیں۔ اور یا وہاں فرمایا جاتا۔ کہ آپ اندھوں کو نہیں دکھا سکتے۔ جواب امام رازی نے اس کا جواب یہ دیا کہ کفار اپنے کفر کے اعتبار سے مختلف حالتوں میں ہیں بعض کفار پر کفر نے اتنا زبردست قبضہ جمایا کہ وہ لوگ مثل مردہ کفر کی قبر میں بے بس پڑے اور مُردے کی طرح ان کی تمام قوتیں فنا ہو چکی ہیں۔ سورۃ نمل کی اُس آیت نمبر ۸۰ میں ایسے ہی مُردہ کفار کا ذکر ہے اور یہاں اُن کفار کا ذکر ہے جن پر کفر نے دل کے اندھاپن تک ہی اثر کیا ہے۔ کفر کا پورا قبضہ نہیں۔ کسی بھی وقت اُن کی یہ بے نوری دور کی جاسکتی ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ اُس آیت میں روحانی مُردے اور یہاں قلبی بیمار مراد ہیں۔ ہر کافر روحانی طور پر مردہ ہے اور قلبی طور پر اندھا ہے۔ وہاں کفار کی ایک حالت کا ذکر ہے۔ یہاں دوسری حالت کا ذکر ہے۔ غرضکہ شخص ایک ہے اور حالتیں دو ہیں۔

تفسیر صوفیانہ فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَہْلَکْنٰھَا وَھِیَ ظَالِمَۃٌ فَھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَۃٍ وَّقَصْرٍ مَّشِیْدٍ اور قالبِ انسانی کی کتنی ہی نفسانی بستیوں کو ہم نے غفلت دشمنی قبض و بسط کی موت مار کر ہلاک کر دیا اور فنا کی مٹی میں ڈھیر کر دیا۔ اس وجہ سے کہ اپنے اعضاء مجبور بن پر گمراہ اور بداعمالی کا ظلم کرنے والے تھے تو وہ دنیوی۔ اُخروی

marfat.com

ذلت کے گڑھوں میں شل ناکارہ اوندھے پڑے رہ گئے۔ شریعت سے عاری طریقت سے خالی حقیقت سے باغی معرفت سے طاغی دینی بلندیوں سے نیچے گر گئے اُن کی آنکھوں کے کوئیں معطل نہ یادِ الٰہی کی لہریں نہ عشقِ ربانی کو بہریں نہ خوفِ کبریائی کے آنسو نکلے نہ محبتِ مصطفائی کی چشم پُرنم۔ نہ لذتِ تنہائی نہ آہِ سحرگاہی اور جسم مزین و لباسِ فاخرہ سے سجائے جانے والے وہ قالبِ بشری کے کتنے ہی ہیولانی ڈھانچے موجود رہ گئے مگر روح کی رونقیں نہ رہیں جسمانی سجاوٹ رہ گئی ایمانی لگاوٹ نہ رہی قوی جثہ رہ گیا ایمانی حصہ نہ رہا۔ اگر جسمِ انسانی میں عبادتوں کی رہائش نہ رہے تو وہ ویران قلعہ ہے اہلِ ظلم کے دل ویران بستیاں ہیں کیونکہ ظلم سے ظالم کی بستیاں اجڑتی ہیں اور وادیٔ خرابات بن جاتی ہیں اولاً راحت ختم ہوتی ہے پھر سکون تباہ پھر بے اطمینانی کی یلغار وحشت کی بھرمار پھر سینے کی تنگی اور بداخلاقی کی خلفشار پھر غیظ کی افراط عیش کی تفریط یہی وہ باطنی سزائیں ہیں جو گھن کی طرح بندے کو ہلاکت کی صحرا میں ڈال دیتی ہیں۔ اور اسی کے ظلمِ وجودی کی وجہ سے لاحق ہوتی ہیں۔ اسی کو ظلم کی ویران بستی کہا جاتا ہے ظلم والا کبھی تاخیر چاہتا ہے۔ کبھی جلدی مچاتا ہے قالب کی خرابی عبادت کا تعطل اور ترک ہے اور یہ ترک و تعطل ظلم کی نحوست سے ہے۔ قلب کی ویرانی و خرابی اُس پر غفلت کا پردہ پڑ جاتا ہے خاص کر نمازوں کی جلوت اور ذکروں کی خلوت میں۔ اَفَلَمْ یَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَتَكُوْنَ لَهُمْ قُلُوْبٌ یَّعْقِلُوْنَ بِهَاۤ اَوْ اٰذَانٌ یَّسْمَعُوْنَ بِهَا فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِی الصُّدُوْرِ۔ کیا ان نفس کے بندوں نے غفلت کے منحوس عشرت کے ویران خاک کے ڈھیر ظلمات کے اندھیر جسموں کی سیر و سیاحت نہ کی جن کے باہر تو زرق برق فیشن کی عیاشی مگر باطن میں ظلمت کی فحاشی ہے تاکہ ان کے دل کو عبرت اور کانوں کو حیرت آنکھوں کو غیرت آتی۔ اصلیت یہ ہے کہ آنکھیں بے نور نہیں ہوتیں دل ہی بے نور ہو جاتے ہیں جاہلوں کی آنکھیں بصارتِ ظاہری سے دیکھتی ہیں مگر ان کے دل اشیا کی اُن حقیقتوں سے پردوں میں رہتے ہیں جو ذات و صفات کے انوار میں ہیں۔ اپنے اعضا پر گمراہی کے ظلم کرنے والوں کو رب تعالیٰ غفلت کے غشاوہ اور شہوت کے حجاب کی کور چشمی سے اندھا کر دیتا ہے۔ سیرِ قلبی سے بصیرتِ قلبی ملتی ہے اور بصیرتِ قلبی سے شہوات و خواہشات پر غلبہ ہو جاتا ہے۔ جب دل کی روشنی اور بینائی ختم ہو جاتی ہے۔ تو شہوت غالب اور غفلت متواتر تب بدن گناہوں میں ملوث اور حق سے دور ہو جاتا ہے صفائی قلب سے عقلِ حقیقی حاصل ہوتی ہے۔ اور حواس کی صفائی سے قلب کی صفائی ملتی ہے

marfat.com

نہ اندھاپن باقی رہتا ہے نہ بہرا پن جس کا دل بصیرت اور سماعت میں صحیح ہو گیا اُس کے تمام اوصاف درست ہو گئے اور تمام ادراکات کا درست ہونا ہی قلب کی زندگی ہے اُس وقت بندہ نورِ یقین سے دیکھتا ہے اور نورِ اقبال سے جانتا ہے۔ اور خوشبوئے ایمان و عبادات کو سونگھتا ہے۔ قلبِ بیدار کی کیفیت یہ ہوتی ہے کہ کرتہ مصر سے چلتا ہے خوشبو کنعان میں آجاتی ہے یہ سونگھنا ظاہر کے ادراک سے نہیں بلکہ اسرارِ باطنی کی قوتِ شامہ سے جو قلب میں ہے اگر عارف بنتا ہے تو تین اجتہاد کرو۔ پہلا صفائی باطن کا یہ کثرتِ ذکرُ اللہ اور حرام اشیا سے بچنے سے حاصل ہوتی ہے دوم تحلّی و تجلّی اور زینتِ قلب کا یہ کثرتِ درود شریف سے حاصل درود تاج شریف کے وِرد سے۔ سوم حجابات دور کرنے کا یہ نعمت رات کی تہجد، صبح کی استغفار اور دن کی تلاوت سے ملتی ہے، عیسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا اے لوگو! اللہ تعالیٰ کے ذکر کے علاوہ زیادہ باتیں نہ کیا کرو ورنہ قلب کھوٹا ہو جائے گا اور کھوٹا دل بارگاہِ الٰہی سے دور کر دیا جاتا ہے اور دل والے کو پتہ بھی نہیں لگتا مخلوق کی باتوں میں مشغولیت سے چار نقصان ہوتے ہیں۔ اوّلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ کی باتوں اور اللہ والوں کی محفلوں میں دل نہیں لگتا۔ ثانیاً یہ کہ اعمالِ صالحہ قلیل ہو جاتے ہیں۔ ثالثاً یہ کہ دل اندھا اور پژمردہ ہو جاتا ہے چوتھا یہ کہ عمل و لمحاتِ عمر ضائع۔ حدیث مبارکہ میں ہے کہ ہر چیز کی پالش ہوتی ہے اور دل کی پالش ذکرُ اللہ سے پانچ چیزیں دل کی دوا ہیں ۱ نیکوں کی محفل ۲ تلاوتِ قرآنِ مجید ۳ پیٹ کو خالی رکھنا ۴ قیامِ لیل یعنی تہجد کی نماز ۵ سحر کے وقت اپنے گناہوں اور اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد کر کے رونا آنسو بھرنا۔ وَيَسْتَعْجِلُونَكَ بِالْعَذَابِ وَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ وَعْدَهُ وَإِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّكَ كَأَلْفِ سَنَةٍ مِمَّا تَعُدُّونَ۔ دنیا میں کچھ لوگ اہلِ نفس ہیں کچھ لوگ اہلِ دل ہیں۔ اہلِ نفس کی طبیعت میں تیزی، تندی جلد بازی حماقت لیکن اہلِ دل کی طبیعت میں اطمینان، سکون، استقلال، لیاقت، استقامت۔ اہلِ نفس اپنی خباثتِ باطنی اور حماقتِ ظاہری سے حق کی امن و عافیت کو چھوڑ کر قہر و عذاب کی جلدی مچاتے ہیں حالانکہ جانتے ہیں کہ قہر میں عذاب ہے اور عذاب میں ہلاکت ہے۔ ہلاکت میں فنا ہے۔ اس لیے اہلِ دل کو اُن کی صحبت بد اور قربتِ نقصان سے بچنا چاہیئے بارگاہِ ربانی اور تقدیرِ صمدانی میں ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔ ہر چیز کا فیصلہ جداگانہ ہے کسی کو وعید ہے کسی کو نوید ہے کسی کو آنا کسی کو فانا وہاں نہ دیر کو دیر کہا جاتا ہے

marfat.com

نہ جلدی کو جلدی نہ وعدے کا خلاف نہ وعید کا زوال۔ اس راز و اسرار کو صرف اہل اللہ جانتے ہیں۔ مگر دنیادار ہر کام میں جلد بازی چاہتا ہے اور جلد بازی ہمیشہ نقصان دہ۔ قدرت کے فیصلوں کے واقعات حکمت کے نظام اُلاد فات سے بنائے گئے ہیں۔ باطن کا ایک دن ظاہر کے ہزار سال کے برابر اس لیے طالب معرفت کو منزل کی جلدی نہ مچانی چاہیے۔ ہر بندے کے لیے تین کام ضروری ہیں ۱۔ انتظار ۲۔ اضطبار ۳۔ امہلال یعنی انتظار کرنا۔ صبر بنانا۔ مہلت لینا۔ اسی کا نام استقلال ہے اور استقلال میں کامیابی ہے۔ جلد بازی میں بربادی ہے۔ کیونکہ کسی کی جلد بازی تقدیر کے وقت نہیں بدل سکتی۔ جو وعدہ رب تعالیٰ نے فرمالیا وہ پورا ضرور ہوگا خواہ ایک دن میں ہو یا ہزار سال میں اس دیری کو وعدہ خلافی نہ سمجھنا چاہیے ورنہ منکروں میں داخل کردئے جاؤ گے (العیاذ باللہ تعالیٰ) منکرین کی چار قسمیں ہیں ۱۔ منکر ایمانی ۲۔ منکر لسانی ۳۔ منکر جنانی ۴۔ منکر روحانی، ہر بندے کے نفس میں تکلف ہوتا ہے، قلب میں تاسف اور زبان میں تکلم تکلف ہمیشہ برا ہے۔ کیونکہ اس میں ظاہریت، غرور اور خوشامد ہے تاسف دنیوی برا ہے اُخروی اچھا ہے۔ تکلم ایمانی اخلاقی اچھا ہے۔ لیکن بد کلامی ہر طرح کی بُری، حسنِ کلام کی تین صورتیں حیا۔ نرمی۔ مٹھاس، یہی لسانِ مومن کی شان اور اُخروی ثواب کا باعث۔ باتوں کی کثرت سے تین بیماریاں پیدا ہوتی ہیں ۱۔ قلبی موت ۲۔ خوشامد ۳۔ نفاق۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ

اور کتنی ہی ہیں بستیوں میں سے کہ مہلت دی میں نے ان کو

اور کتنی بستیاں کہ ہم نے اُن کو ڈھیل دی اس حال پر

ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا ۚ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ ﴿۴۸﴾ ع

حالانکہ وہ ظلم کرنے والی تھیں پھر پکڑا میں نے ان کو اور میری طرف ہی پھرنا ہے۔

کہ ستمگار تھیں پھر میں نے انہیں پکڑا اور میری ہی طرف پلٹ کر آنا ہے

marfat.com

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ

فرما دیجئے اے کائنات کے لوگو فقط میں ہی ہوں تم کو صحیح صحیح ڈرسنانے

تم فرما دو کہ اے لوگو میں تو یہی تمہارے لئے صریح ڈرسنانے

مُّبِيْنٌ ۝٤٩ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

والا ۔ تو لوگوں میں سے جو ایمان لائے اور نیک کام کئے

والا ہوں ۔ تو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝٥٠ وَالَّذِيْنَ

اُن کے لیے موجود ہے بخشش اور خالص رزق ۔ اور وہ لوگ جنہوں نے

اُن کے لیے بخشش ہے اور عزت کی روزی۔ اور وہ جو کوشش کرتے ہیں

سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ

زندگی بھر کوشش کی ہماری آیتوں میں بحث مباحثہ کرتے ہوئے وہی لوگ

ہماری آیتوں میں ہار جیت کے ارادے سے

اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝٥١

ہیں جہنم والے ۔

وہ جہنمی ہیں ۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق۔ پچھلی گذشتہ آیت میں اُن لوگوں کا ذکر کیا گیا تھا جن کو رب تعالیٰ نے دنیا میں مہلت دی تو انہوں نے زمین پر جلائی پھیلائی اَب اِن آیت میں اُن لوگوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن کو قدرت

marfat.com

کی طرف سے ڈھیل مہلت قوت دولت سرداری اور لمبی عمر ملی مگر انہوں نے زمین پر بدکاری و فساد ہی پھیلایا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ ہم نے ظالم و کافر قوموں کو ہلاک و فنا کر دیا۔ اب اِن آیۃ میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہم نے بغیر مہلت دئے اور بغیر بتائے سنائے سمجھائے ہلاک نہ فرمایا بلکہ بڑی مہلتیں دی اور اپنے انبیا اولیا کے ذریعے سالوں اور عمروں سمجھایا۔ تب بھی ظلم و کفر سے باز نہ آئے تو انتہا پر ہلاک کیا گیا۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اے محبوب یہ کفار تم سے عذاب مانگتے ہیں کہ تم ہم پر عذاب جلدی جلدی نازل کر دو اب اِن آیت میں کفار کی اُسی جلد بازی کا جواب دلوایا جا رہا ہے کہ فرما دیجئے میں عذاب نازل کرنے والا نہیں ہوں تو فقط تم کو وقت سے پہلے تمہارے بھلے کو ڈرا رہا ہوں کہ پہلے ہی بندہ بن جاؤ عذاب کی نوبت ہی نہ آئے۔

تفسیر نحوی

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ۔ قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ واؤ سرِ جملہ كَاَيِّنْ اسم مبنی مُبہمات میں سے ہے بمعنی کثیرٌ اسم مشتق کے قائم مقام ہو کر عامل ہے مِنْ قَرْيَةٍ یہ جار مجرور متعلق ہے كَاَيِّنْ بمعنی کَثِیْرٌ کا كَاَيِّنْ اصل کتابت میں کَاَیٍّ ہوتا ہے اِس کی تنوین (دو کسرہ) کو اصلی شکل میں نون بنا دیا گیا یہ سب شبہ جملہ ہو کر مبتدا ہوا اَمْلَيْتُ باب افعال کا ماضی مطلق واحد متکلم مصدر ہے اِمْلَاءٌ مَلْیٌ سے بنا ہے بمعنی مہلت و ڈھیل دینا اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ لام جارّہ تعدیہ کا ھَا ضمیر کا مرجع قَرْيَةٍ ذو الحال ہے واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ ھِیَ مبتدا ظَالِمَةٌ اسم فاعل واحد مؤنث ظُلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی ظلم کرنا یہاں اِس فقرے کا مقصود اہلِ قریہ کی قوت کا اظہار ہے کیونکہ ظلم وہی کر سکتا ہے جس کے پاس مظلوم سے زیادہ قوت ہو۔ ظَالِمَةٌ اسم فاعل بافاعل جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ھَا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے اَمْلَيْتُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف اَخَذْتُ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد متکلم اَخْذٌ سے بنا ہے بمعنی پکڑ لینا قابو میں کرنا ھَا ضمیر واحد مؤنث کا مرجع قَرْيَةٍ ہے مفعول بہ ہے یہ فعل بافاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِلَيَّ دراصل اِلٰی یٰ تھا ترجمہ ہے میری طرف یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے الْمَصِيْرُ اسم مصدر میمی صَارَ فعل ناقصہ کا صَيْرٌ سے مَصِيْرٌ بنایا گیا مصدر عامل اپنے متعلق مقدم سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اَخَذْتُ پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے اَمْلَيْتُ کے جملے پر سب مل کر خبر ہے مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو گئے۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف بافاعل ضمیر

marfat.com

صیغہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا یَا حرفِ ندا اَیُّھَا برائے فاصلہ اَلنَّاسُ اسم معرّف باللّام مراد ہیں تمام اگلے پچھلے انسان تا قیامت منادیٰ مفرد معرفہ ہے اس لیے ضمّہ (پیش) پر مبنی ہے۔ اِنَّ حرفِ مشبّہ بفعل ہے عامل کیونکہ ساتھ ما کافہ ہے۔ حصر کے معنیٰ میں ہے یعنی فقط ہی۔ اَنَا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل مبتدا ہے لَکُمْ لام حرفِ جر نفع کا کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر مجرور متعلق ہے مقدم ہے نَذِیْرٌ اسم فاعل صفت مشبّہ برائے مبالغہ واحد مذکر باب کَرُمَ سے نَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ڈرانا ترجمہ ہے خوب ڈرانیوالا ڈرسنانے والا یہ اسم فاعل اپنے فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنَا اور متعلقِ مقدّم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر موصوف مُبِیْنٌ باب اِفعال کا اسم فاعل واحد مذکر اِبَانٌ مصدر ہے بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ کھولنا بیان کرنا ظاہر کرنا یہ صفت نَذِیْرٌ کی مرکّب توصیفی خبر مبتدا اَنَا کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جوابِ ندا حرفِ ندا اپنے منادیٰ وجوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَھُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ۔ فَ حرفِ عطف زائدہ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ ھُمْ مستتر مرجع اَلنَّاسُ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا فعل ماضی با فاعل الصّٰلِحٰتِ مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر مبتدا ہے لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول سے مُقَرَّرٌ یا مُقَدَّرٌ یا مَوْجُوْدٌ کا مَغْفِرَةٌ اسم مصدر میمی ہے غَفْرٌ سے بنا ہے بمعنیٰ بخشنا، چھپانا مٹانا۔ یہاں حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بخشش معطوف واؤ عاطفہ رِزْقٌ اسم مفرد نکرہ مخصوصہ بمعنیٰ نفع کی چیز۔ موصوف ہے کَرِیْمٌ اسم صفہ مشبّہ بمعنیٰ خالص یہ صفت ہے یہ مرکّب معطوف ہے مَغْفِرَةٌ پر دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہے پوشیدہ اسم مفعول کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا ہے دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مکمل ہوا وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ واؤ بر جملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر سَعَوْا باب فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب سَعْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کوشش کرنا تیزی دکھانا، دوڑنا۔ قصد کرنا۔ کمائی کرنا۔ تیز لپک کر چلنا۔ یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ فِیْ حرفِ جر ظرفیت مجازی کے لیے آیات اسم جمع مؤنث سالم بحالتِ جر ہے فِیْ کی وجہ سے مضاف ہے بمعنیٰ آیتیں قرآنِ مجید کی نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ ہے اس لیے مجرور اور اپنے عامل مضاف سے جڑی ہے

marfat.com

اس لیے منفصل ہوئی یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے سَعَوْا کا مُعٰجِزِیْنَ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا اسم فاعل جمع مذکر۔ ایک قرأت میں مُعَجِّزِیْنَ باب تفعیل سے ہے اور ایک قرأت میں مُعْجِزِیْنَ باب افعال سے ہے۔ عِجْزٌ سے مشتق ہے بمعنی عاجز کرنا۔ عاجز کرنے کی کوشش کرنا، ہرانا باتوں سے۔ کج بحثی کرنا یہاں یہی آخری معنی ہیں۔ مُفَاعَلَتٌ اپنے اصلی معنی میں ہے یعنی دو طرفہ ہرانے کی کوشش کرنا اگرچہ ایک سچائی پر ہو اور دوسرا باطل پر یہاں باطل والے جھگڑالو لوگ مراد ہیں یہ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے سَعَوْا کے فاعل کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر مبتدا ہوا۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہی لوگ اس کا مشار الیہ وَالَّذِیْنَ ہے یہ بحالتِ رفع ہے کیونکہ مبتدا ہے مَا بعد کا مبنیات میں سے ہے (اسماءِ متمکنہ) اس لیے اس کا اعراب ظاہر نہیں ہے اَصْحٰبُ اسم جمع مکسّر ہے صاحب کی بمعنی والا ہمیشہ مضاف ہوتا ہے معربات میں سے ہے مضاف ہے۔ صَحْبٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی ساتھ رہنے والا رساتھی۔ اصطلاح میں مالک کو رہائش والے کو اور کسی بھی نسبت والے کو صاحب کہہ دیا جاتا ہے اَلْجَحِیْمِ اسم معرّف باللام مفرد بمعنی دوزخ بروزن فَعِیْلٌ جَحْمٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بھڑکتی آگ۔ بلند شعلے جس کی سرسراہٹ کی آواز بھی نکلتی ہو اصطلاح میں جہنم کے آٹھ طبقوں (حصوں) میں سے طبقۂ نار کا نام ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے اُولٰٓئِكَ مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو کر پھر خبر ہے وَالَّذِیْنَ مبتدا کی سب مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا۔

وَكَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ اَمْلَیْتُ لَهَا وَهِیَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا

تفسیر عالمانہ

وَاِلَیَّ الْمَصِیْرُ۔ قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ۔

اور چونکہ رب تعالیٰ اپنے کسی بھی وعدے کے خلاف نہیں فرماتا یہ قانونِ الٰہی بھی ازلی ابدی کلّی ہے اس کی بارگاہ میں دیر ہے اندھیر نہیں ہے اس قانون کے تحت گزشتہ زمانوں میں کتنی ہی بستیاں اور ان میں بسنے والے ایسے ہوئے کہ میں نے ان کو لمحاتِ زندگی کا بہت وقت دیا کسی کو مہلت دے کر کسی کو ڈھیل دے کر۔ یہ عمر کی سانسیں حیات کے اوقات تندرستی کی آسائشیں دولت کی مہرنیں عبرت لینے والوں کے لیے مہلتِ عملیات ہے کفر و نفس کی غفلت والوں کے لیے ڈھیل ہے۔ اے انسانوں میری طرف سے یہ گرفت کی دیر بلکہ دنیا کی ہر نعمت سہولتِ اِمہال ہے۔ مگر حتّیٰ، جہلا کفار ونادان اس عارضی مہلت کو

marfat.com

دائمی اِمہال یعنی جھوٹ اور آزادی سمجھ لیتے ہیں وَهِيَ ظَالِمَةٌ اور اسی دھوکے میں گذشتہ بستیاں بھی ظلم کرنے والوں کی اندھیر نگریاں بن چکی تھیں یہ غلط فہمی بھی ان کا ایک ظلم ہی تھا ظالم کسی کو اَذِیّت دے کر یہ سمجھتا ہے کہ میں نے فلاں پر ظلم کیا ہے اور اسی غرور میں اکڑتا ہے کہ یہ میرا حق تھا حالانکہ درحقیقت وہ خود اپنے پر ظلم کرتا ہے کیونکہ ہر ظلم میں دو چیزیں ہوتی ہیں پہلی چیز اَذِیّت دوم اس کا وبال، اذیت مظلوم پر ہوتی ہے۔ وبال ظالم پر اذیّت عارضی ہوتی ہے، وبال دائمی، اَذِیّت والے کو کم نقصان ہوتا ہے مگر وبال والے کو بہت زیادہ اذیّت کی تکالیف ختم ہو جاتی وبال کی تکلیف ختم نہیں ہوتی۔ گذشتہ قوموں کے ظلم و جبر کی اذیّت جب انتہا کو پہنچی ثُمَّ اَخَذْتُهَا۔ تب میں نے اُن ظلم کرنے والی بستیوں کے تمام باشندوں کو ہر طرح سے پکڑ لیا۔ تمام ظالموں کو اسی طرح پکڑا جاتا ہے اور پھر حسب سابق وبال کی تکلیف شروع ہوتی ہے کیونکہ ظلم بندے کی طرف سے ہوتا ہے۔ اَخذ رب تعالیٰ کی طرف سے اس طرح کہ ظالموں کی کثرت کو قلت میں تندرستی کو بیماری میں امیری کو غریبی میں۔ شاہی کو اسیری میں۔ امن کو قتال میں۔ فراخی کو تنگی میں۔ حیات کو موت میں حفاظت کو ہلاکت میں عمارات کو خرابات میں تبدیل کر دیا جاتا ہے۔ یہ تو دنیوی وبال ہے اور آخرت میں اِلَیَّ الْمَصِیْرُ مرتے ہی دنیوی زندگی ختم ہوتے ہی سانسوں کی ڈوری ٹوٹتے ہی سب کا میری طرف لوٹنا ہے اچھوں کا بھی بُروں کا بھی مہلت والوں کا بھی ڈھیل والوں کا بھی اذیّت والوں کا بھی وبال والوں کا بھی اب مرتے ہی مُہلت بھی ختم ڈھیل بھی ختم۔ قبر میں نہ مہلت نہ ڈھیل، پھر قبر اور نشر سے حشر میں بھی میری ہی طرف لوٹنا ہے۔ کسی غیر اللہ کی طرف نہ لوٹنا نہ رجوع کرنا نہ ٹھکانا نہ بہانا، نہ استقلالاً نہ شرکتاً، پھر اُس وقت میں ہی اُن سب ظالموں اور مظلوم سے اپنی حکمت اُن کی قسمت اپنی قدرت اُن کی ظلمت کے مطابق فیصلہ اور معاملہ فرماؤں گا کسی کو سزا دے کر کسی کو جزا دے کر کسی کو شفاعت دے کر کسی کو حقارت دے کر کسی کو اصحاب جحیم بنا کر کسی کو اصحاب نعیم بنا کر اس لیے اے حُمقاءِ کفر ابھی دنیوی زندگی میں ہی عذاب کی جلدی نہ مچاؤ۔ ابھی یہ استعجالِ عذاب بیکار بھی ہے نقصان دہ بھی اور پھر اے نادانو اگر عذاب مانگنا ہی ہے تو مجھ سے مانگو، میرے محبوب رؤف رحیم سے کیوں مانگتے ہو۔ وہ تو رحمتِ عالمین ہیں۔ تمہارے لیے ایمان و امن کے حریص ہیں۔ کیا دیوانگی ہے کہ رحمت سے زحمت اور شفا سے بیماری اور دوا سے داء مانگ رہے ہو۔ قُلْ۔ اے حبیبِ کریم فرما دو۔ يَا أَيُّهَا

marfat.com

انّاسُ اے کفر کرنے والے انسانو تم اپنے پر عذاب لانے کی جلدی مجھ سے ہی مچا رہے ہو مجھ سے ہی عذاب مانگ رہے ہو۔ اِنَّمَآ اَنَا نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ ۔ بس تو تم کو فقط ڈرانے والا ہوں اُس عذابِ اَلِیم سے جو اللہ تعالیٰ نازل فرمانے والا ہے تم جیسے ظالموں بدکاروں کافروں پر یہی وہ عذاب ہے جو سابقہ زمانوں میں پہلی قوموں پر اترتا رہا۔ کفر و ظلم تمہاری خصلت۔ عذاب بھیجنا اُس اللہ تعالیٰ جبار و قہار کا قانون ہے۔ میں تو اس دھر میں قہر و غضب بن کر نہیں آیا میں سراپا رحمۃ للعالمین ہوں یہ میرا ڈرانا اور وقت سے پہلے تم کو بچانا زندگی کا اصل مقصد بتانا یہ سب کچھ میری رحمت عالمینی کی وجہ سے ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یَآ اَیُّھَا النَّاسُ سے مراد کفارِ مکہ ہیں۔ قرآن مجید کی اصطلاحِ بیانی میں عام مشرکین کفار سے اَیُّھَا النَّاسُ۔ ارشاد فرمایا جاتا ہے یہ خطاب کرنے کی طرز ہے مگر لفظِ انسان بول کر اس کی نوعیت ساتھ ہی بیان فرما دی جاتی ہے اس نوعی قید لگ جانے سے پھر کوئی دوسری شخصیت مراد نہیں لی جاسکتی۔ مثلاً خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ عَلَّمَهُ الۡبَيَانَ یہاں انسان سے صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہی مراد ہو سکتے ہیں کیونکہ بذاتِ خود اللہ تعالیٰ نے صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہی سکھایا۔ عام مومنین کو مُؤۡمِنُوۡنَ اور اَیُّھَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا۔ اس خطاب میں تاقیامت مسلمان مراد ہوتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کو اہلِ کتاب کا لقب دیا گیا۔ اور لفظِ نبی رسول اب خاص ہو چکا ہے آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے اسی طرح صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ بھی نبی کریم محمد مصطفیٰ آقاءِ دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کیلئے خاص ہو چکے ہیں دیگر انبیاء علیہم السلام کے لیے اور ملائکہ کے لیے لفظِ علیہ السلام مخصوص ہو گیا ہے۔ روافض نے اہلِ بیت کے لیے لفظ علیہ السلام بولنا شروع کر دیا۔ صرف نبوت کی برابری ثابت کرنے کے لیے اور بعض وہابیوں نے دیگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے لیے صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔ اپنی مطبوعہ کتبِ احادیث میں لکھنا شروع کر دیا۔ صرف حسد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم میں نَذِیۡرٌ مُّبِیۡنٌ کا معنیٰ ہے ظاہر ظہور نذیر کہ جس کا قول۔ عمل۔ وعظ۔ نصیحت بلکہ سرتاپا وجود ہی عالمِ انسانیت کے لیے نذیر ہو۔ جس کا آنا۔ جس کا فرمانا۔ جس کا زمانہ ایسا نذیر کہ علامتِ قیامت بن جائے تو اَنَا لَکُمۡ نَذِیۡرٌ کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے لوگو جس قیامت سے میں تم کو ڈرا رہا ہوں۔ میری بعثت بھی اُس قیامت کے نزدیک ہونے کی ایک نشانی ہے۔ سابقہ انبیاءِ کرام علیہم السلام اپنی نافرمان اُمتوں کے نذیر تھے۔ مگر آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نذیرِ مبین ہیں اب دوسرا

marfat.com

کوئی نذیر نہیں آسکتا۔ نذیر صفتِ خصوصی ہے انبیا علیہم السلام کی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آخری نذیر ہیں آپ کے بعد میں قیامت ہی آئے گی اور قیامت میں نشر، نشر میں حشر، حشر میں حساب وکتاب اور حساب کے بعد یا ابدی جنت یا ابدی جہنم جنت ملی تو مغفرت بھی اور رزقِ کریم بھی جہنم ملی تو اُعذ بھی اصحابِ جحیم بھی۔ لیکن یہ چناؤ اور تقسیم دنیا میں ہی ہو جاتی ہے۔ یعنی جنت یا جہنم ملنا آخرت میں مگر جنتی یا جہنمی بننا دنیا میں ہی لہٰذا اے انسانو دنیا میں دو ہی راستے ہیں اور آخرت میں اُن کی دو ہی منزلیں ہیں ایک راستہ ایمان کا اس پر چلنا اعمالِ صالحہ کا ایمان کی منزل جنت اور اعمالِ صالحہ کا انعام رزقِ کریم، دوسرا راستہ کفر کا اس پر چلنا ظلم وجہالت کا کفر میں شرک وگستاخی اور ظلم میں مُعاجزین بننا کفر کا نتیجہ اغتہ ہے۔ اور ظلم کا نتیجہ اصحابِ جحیم بنایا جانا، بخاری ومسلم میں ہے بروایت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میری بعثت اور نزولِ قرآنِ کریم اور قرآنِ مجید کی وعید ونوید کی مثال یوں سمجھو کہ ایک شخص اعلانِ عام کرتا ہے اے لوگو میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکرِ جرار تمہاری بستی کی طرف آتے دیکھا ہے وہ لشکر بڑا ہے خونخوار ہے مضبوط ہے ہتھیار بند ہے۔ اِس بستی کو ویران اور بستی والوں کو ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ صبح تک پہنچنے والا ہے۔ تمہارے لیے بس ایک رات کی مہلت ہے۔ لہٰذا جلدی اپنا ضروری اور اچھا سامان اٹھا کر اس بستی سے نکل چلو اور میرے مضبوط قلعے کی حفاظت میں آجاؤ۔ دیکھو۔ اِنَّمَآ اَنَا لَكُمۡ نَذِيۡرٌ مُّبِيۡنٌ۔ اِنِّیۡ نَذِیۡرُ عُرۡیَانًا۔ میں نذیر مبین یعنی ظاہر ظہور ہوں میری نذارت عریاں ہے بیچ میں کوئی آڑ نہیں اب قیامت ہی قیامت ہے اُس مصیبت کی گھڑی آنے سے پہلے ڈرا رہا ہوں اُس اعلان کو سن کر کچھ لوگ تو رات کی مہلت سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں اعلان والے کی مان کر اُس کے پیچھے چل پڑتے ہیں وہ تو بچ جاتے ہیں مگر کچھ لوگ اعلان والے کو جھٹلا کر انکار کر دیتے ہیں۔ اعلان کا مذاق اڑا دیتے ہیں۔ اور مہلت کی اُس ایک رات کو غفلت، سُستی، بدمعاشی، خرمستی میں گنوا دیتے ہیں یہاں تک کہ صبح ہوتے ہی وہ لشکرِ جرار اُن سب کو ہلاک کر دیتا ہے۔ اب نہ بچنے کی ہمت نہ بھاگنے کی طاقت نہ وقت کی مہلت نہ مقابلے کی جُرئت۔ بس ہلاکت ہی ہلاکت۔ بس سمجھ لو کہ میں اعلان کرنے والا ہوں، قرآن مجید وعید ونوید کا اعلان ہے۔ حیاتِ دنیوی ایک رات کی مہلت مسلمان مومن گروہ ہیں، دینِ اسلام مضبوط ومحفوظ قلعہ ہے۔ رات کی تیاری اعمالِ صالحہ اول رات کے مسافر صحابہ کرام آخر رات کے مسافر تا قیامت مسلمان ضروری واچھا سامان عبادات و

marfat.com

عملیات، نہ ماننے والے کفار اُن کا نہ ماننا یہ انکار و مذاق ہے پستی و ظلمت پر پڑے رہنا ان کی بدعملی ہے۔ یہ راتِ حیات مومن کے لیے مہلت ہے کافر کے لیے ڈھیل ہے۔ صبح کا انکر جزار عذابِ الٰہی کا نزول ہے، کفر کرنا ظلم ہے، کفر پھیلانا مُعاجزین ہے۔ اصحابِ جحیم ہونا ہلاکتِ قتال ہے۔ اے لوگو، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صورۃً تمہاری طرح ہیں مگر سیرتاً تم کو اپنی طرح بنانے والے ہیں، مُحسن کے لیے بشیر ہیں مُسئی کے لیے نذیر ہیں، محسن کی چار نشانیاں ہوتی ہیں، دو امر میں دو نہی میں۔ اگر امر ملے تو اطاعت و احسان کرے۔ اگر نہی ملے تو نافرمانی سے ڈرے، فسق و فجور سے بچے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِیْمٌ۔ وَالَّذِیْنَ سَعَوْا فِیْٓ اٰیٰتِنَا مُعٰجِزِیْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ۔ پس وہ خوش نصیب لوگ جو ایمان لائے اور ہر وقت تا عمر ہر قسم کے اچھے اعمال کئے اقوال میں اطاعت کرکے افعال میں اتباع کرکے اور اس طرح انہوں نے اپنی دنیا کو دین، عادت کو عبادت بنا لیا۔ دل میں تصدیق سے طبیعت میں عقیدت سے زبان میں اقرار سے ان کے لیے دنیا میں مغفرت برائیوں، گناہوں، صغیرہ، کبیرہ، لغزشوں خطاؤں کی معافی ہے۔ مغفرت کے چار معنی ہیں ۱ گناہوں کو مٹانا ۲ خطاؤں کو بخشنا ۳ نیکیوں کو قبول کرنا ۴ نیکی والوں کو رحمت کی چادر میں چھپانا، متقین کو دنیا میں مغفرت، قبر میں عزت جنت میں رزقِ کریم۔ کریم کا معنیٰ ہے ہر قسم کی فضیلت والا۔ قرآنِ کریم کی متعدد تقریباً ستائیس آیت میں لفظِ کریم ارشاد فرمایا گیا۔ اللہ کریم کا معنیٰ ہے کہ ہر قسم کی فضیلت عطا فرمانے والا ۲ رسولِ کریم کا معنیٰ ہے کہ ہر قسم کی فضیلت بانٹنے والے ۳ جبرئیل السلام کو ۴ قرآنِ مجید کو ۵ عرشِ عظیم کو ۶ عمدہ غذاؤں کو ۷ خوبصورت کھیتوں کو ۸ پھلوں کو ۹ متبرک مقامات کو ۱۰ انبیاءِ کرام علیہم السلام کی تحریر و کتابت کو ۱۱ اُخروی اجر و ثواب کو ۱۲ باادب بات اور گفتگو کو ۱۳ جنتی رزق کو کریم فرمایا گیا۔ یعنی جبرئیل علیہ السلام سب فرشتوں میں قرآن مجید سب کلاموں میں عرش سب آسمانوں میں۔ زمینی پیداوار سب غذاؤں میں مقام متبرک سب علاقوں میں تحریرِ نبوی سب کتابوں میں جنتی ثواب تمام اجروں میں۔ باادب بات تمام باتوں میں اور جنتی رزق سب رزقوں میں ہر قسم کی فضیلت والے ہیں۔ رزقِ کریم کی گیارہ فضیلتیں ہیں۔ پانچ منفی (سلبی) اور چھ ثبوتی (موجبی) منفی یہ کہ جنتی لوگوں کو جنتی رزقِ کریم کے حصول میں نہ کسب کمائی نہ مشقت نہ اُگانے کی نہ کاٹنے کی نہ اٹھانے کی نہ بنانے کی نہ ذلت نہ گناہ نہ

marfat.com

ملاوٹ. دنیا میں حصولِ رزق کے لیے یہ مصیبتیں کی جاتی ہیں کیونکہ کوئی حرام کما رہا ہے کوئی حلال کوئی امیری کی عزت سے کوئی بھکاری کی ذلت سے۔ ثبوتی فضیلتیں یہ کہ ۱ کثیر ہے ۲ ابدی ہے ۳ خالص ہے ۴ تعظیم کے ساتھ ملے گا ۵ ہر طرح ہر وقت ہر جنتی کو مفید ہی ہو گا جس سے خوشی ہی ملے گی۔ نہ رنج نہ بیماری۔ یہ رزقِ کریم اور مغفرتِ عظیم پانے والے وہی خوش نصیب لوگ ہیں جو ایسا شان دار ایمان لائے اور ایسے پیارے اَعمال کئے کہ نذارت کی وَعید اُن کے لیے بشارت کی نَوید بن گئی۔ وَالَّذِیۡنَ سَعَوۡا۔ اور وہ لوگ جو کفر کی جہالتِ ضد و حماقت میں ہی رہے اور اسی کفر و جہالت میں رہ کر تا عمر بھر قول و فعل حربے منصوبے سازش و مکر سے بھی کوشش کی اور اپنی تمام عقلی فکری تحریری، تقریری قوتیں اسی میں خرچ کیں کہ ہماری آیتوں۔ قرآن مجید کی عبارتوں قیامت کی نشانیوں۔ قدرت کی علامتوں انبیاء کی عظمتوں اسلام کی نعمتوں کو جھٹلائیں۔ نیچا دکھلائیں۔ یہی لوگ دائمی جہنم والے ہیں مُعَاجِزِیۡنَ کے تین معنی ۱ قدرتوں آیتوں کی تکذیب کرنے والے ۲ باتوں کے مناظروں، مصائب کے مجادلوں اور مظالم کے مقابلوں سے غریب مسلمانوں کو عاجز کر دینے والے ۳ دینِ اسلام سے روکنے والے کفار و معاجزین کی پندرہ حرکتیں ہوتی تھیں ۱ قرآنِ کریم کو کبھی جادو کہا ۲ کبھی شعر و افسانہ کہا ۳ کبھی کہا یہ قرآن اختراعی و افترائی قصّے کہانیاں ہیں ۴ کبھی کہا یہ نجومیوں کاھنوں کی باتیں ہیں ۵ قرآنِ مجید کے کلامُ اللہ ہونے کا انکار کیا ۶ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی ساحر کہا ۷ کبھی مسحور کہا ۸ کبھی شاعر کہا ۹ کبھی مجنون کہا اس طرح نبوّت کا انکار کیا ۱۰ اللہ تعالیٰ کو تین چیزوں میں عاجز سمجھا (معاذ اللہ) دوبارہ زندہ کرنے میں ۱۱ حشر نشر۔ قیامت لانے میں ۱۲ حساب و کتاب لینے میں ۱۳ مسلمانوں سے جھگڑے مناظرے کرنا ۱۴ نومسلموں کو اسلام سے ورغلانا گمراہ کرنا ۱۵ نووارد مہمانوں مسافروں کو اسلام سے روکنا کفّار کا کافر بنا ظالمین ہونا۔ ہے اور کفر پھیلانا مُعاجزین بنا ہے

اِن آیت میں مفسّرین کے مختلف اقوال: کَاَیِّنۡ کے معنی میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کتنی ہی۔ یہ سوالیہ عددی ہے ۲ بعض نے کہا یہ خبریہ ہے اور اس کا معنیٰ ہے بہت سی۔ اَخَذۡتُھَا میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس سے مراد دنیوی پکڑ ہے یعنی عذابِ آسمانی یا قتالِ سلطانی ۲ بعض نے کہا اس سے مراد اُخروی پکڑ ہے۔ جو قبر سے حشر تک پھر تا ابد مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ سابقہ اُمتوں پر وہی آیا۔

اُخروی پکڑ تو تا قیامت ہر کافر کے لیے۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ میں دو قول ہیں ۱۔ بعض نے کہا یہ خطاب صرف کفّارِ مکہ سے ہے ۲۔ بعض نے یہ کہا یہ خطاب تا قیامت تمام کفار سے ہے۔ فِیْٓ اٰیٰتِنَا۔ میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد قرآن مجید کی آیتیں ہیں۔ بعض نے کہا اس سے مراد قیامت۔ حشر، نشر، حساب وکتاب، جنّت۔ دوزخ اور عذابِ الٰہی کی علامات و نشانات مُعَاجِزِیْنَ کی قرأت میں تین قول ۱۔ ایک قرأت میں یہ مُعَاجِزِیْنَ ہے بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا اسم فاعل جمع ۲۔ ایک قرأت میں مُعْجِزِیْنَ ہے بابِ افعال کا اسم فاعل جمع ۳۔ ایک قرأت میں مُعَجِّزِیْنَ ہے بابِ تفعیل کا اسم فاعل ہے۔ مگر پہلی قرأت مشہور ومکتوب ہے جَحِیْمِ میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا جحیم جہنّم کے ایک طبقے کا نام ہے ۲۔ پوری جہنّم کا ایک نام ہے۔ جہنم کے کل آٹھ نام مشہور ہیں۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دنیوی زندگی اور دنیا کی ہر چیز۔ دولت، عزت، قوت حکومت، حیات، لمحات ہر ایک کے لیے امتحانِ ربّانی ہیں۔ اس طرح کہ غافل انسان کے لیے مہلت ہے کافر انسان کے لیے ڈھیل ہے اور مومن متقی کے لیے نعمت ہے۔ ہر سانس امتحان ہے کہ کون اِس کو اِمہال یعنی مہلت سمجھتا ہے اور کون اِس کو اِہمال یعنی چھوٹ سمجھتا ہے۔ اور کون اَعمالِ صالحہ کا ذخیرہ بنا کر نعمت وغنیمت سمجھتا ہے۔ یہ فائدہ اَمْلَیْتُ لَھَا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اَمْلَیْتُ عام ہے بمعنیٰ اَمْھَلْتُ اور بمعنیٰ اَھْمَلْتُ کو۔ مہلت بندہ بننے سمجھنے کے لیے ہوتی ہے۔ اور ڈھیل کا معنیٰ یہ ہے کہ یہ شخص بگڑے جتنا بگڑنا چاہتا ہے۔

دوسرا فائدہ جس طرح ہر انسان کو ہر وقت ہدایت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح ہر انسان کو ہر وقت نِذارت کی بھی ضرورت ہے کیونکہ ہدایت راستہ ہے اور نذارت اُس پر چلنے کا طریقہ ہے۔ یہ فائدہ۔ اَنَا لَکُمْ نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ سے حاصل ہوا۔ انسان کتنا ہی متقی اور ذی عقل ہو۔ مگر ابلیس ہر راستے پر موجود ہے اس لیے اُس سے بچانے ڈرانے والے کی ہر وقت ضرورت ہے حدیث پاک میں آتا ہے کہ انسان موت تک بھٹک سکتا ہے اور کسی وقت بھی جہنّم میں گر سکتا ہے، اِسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور آپ کی نذارت کی ہر وقت ضرورت۔ نذارت کی تین قسمیں ہیں پہلی کفار کے لیے عذابِ دائمی اور قہرِ الٰہی سے۔ دوم منافق کے لیے ابلیس وشیطان سے سوم۔ متقین

marfat.com

کو بجا رہتے کی تلقین فرماکر تیسرا فائدہ ، ایمان ایک علیحدہ چیز ہے اور اعمال دوسری چیز ایمان اوّل ہے اعمال اُس کے بعد یہ فائدہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کے درمیان واؤ عاطفہ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا ۔ کیونکہ واؤ عاطفہ مغایرت کو چاہتی ہے اور دو مختلف چیزوں کے درمیان آتی ہے ۔ اس آیت سے فرقہ معتزلہ ضالہ مضلہ کا رد ہے وہ کہتے ہیں کہ ایمان اور اعمال صالحہ ایک ہی چیز ہے ایمان نہ لانا بھی کفر ہے اور اعمالِ صالحہ نہ کرنا بھی کفر ہے ۔ اسی بنا پر وہ بیوقوف کہتے تھے کہ بے نمازی کافر ہے ۔ ان کا یہ جاہلانہ مسلک قرآنِ مجید کی اِس قسم کی تمام آیتوں کے خلاف ہے ۔

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق قَرْیَۃٍ ہر بستی کو کہا جاتا ہے چھوٹی ہو یا بڑی بستی شہر ہو یا قصبہ یا گاؤں ۔ لہٰذا غیر مقلدین کا قریہ کا معنیٰ گاؤں کرنا اور اس غلط ترجمہ کی آڑ میں ہر گاؤں میں جمعہ وعیدین فرض ماننا اور دو دو صفوں کی مسجدوں میں جمعہ جاری کرتے پھرنا ۔ اُن کی حماقت اور دھوکہ کھانا ہے ، دیکھو سورۃ یوسف میں مصر جیسے عظیم شہر کو قریہ فرمایا گیا یہ مسئلہ ۔ فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَمْلَیْتُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا ۔ کیونکہ یہاں قَرْیَۃٍ سے عاد وثمود کی بستیاں مراد ہیں اور وہ بڑے بڑے شہر ہی تھے ۔ غیر مقلدین اپنی دلیل میں بخاری ابو داؤد شریف کی وہ حدیث پاک پیش کرتے ہیں کہ نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ایک قریہ میں جمعہ ادا فرمایا ۔ فقہا علما فرماتے ہیں کہ وہ قریہ بہت بڑا شہر تھا (دیکھو کتب فقہ وجاء الحق دوم) دوسرا مسئلہ ۔ رزق کی دو قسمیں ہیں ۱۔ رزق کریم ۲۔ رزقِ خبیث مومن متقی کے لیے رب تعالیٰ نے دنیا میں بھی رزق کریم عطا فرمایا اور آخرت میں بھی ۔ دنیا میں حلال روزی رزقِ کریم ہے اور آخرت میں جنّتی نعمتیں رزقِ کریم ہے ۔ فرق صرف یہ ہے کہ دنیا کا رزقِ کریم کسب ومشقت اور شرعی حدود وقیود میں قلیل وعارضی ہے ۔ لیکن آخرت میں بلا کسب ومشقت کثیر ودائمی ہے ۔ لہٰذا جو مسلمان دنیا میں رزقِ کریم ہی کھائے کمائے گا فقط اُسی کو آخرت میں رزقِ کریم ملے گا ۔ کافر کے لیے دنیا میں بھی رزقِ خبیث ہے اور آخرت میں بھی ۔ دنیا میں تمام حرام اور ناپاک چیزیں رزقِ خبیث ہی ہے ۔ چوری ڈکیتی غصب رشوت سود سے حاصل شدہ کمائی رزقِ خبیث ہی ہے ۔ مسلمانوں کو تاعمر اس سے بچنا چاہیے یہ مسئلہ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا (الخ) کی پوری آیت سے مستنبط ہوا ۔ جس مسلمان کو آخرت میں

marfat.com

رزقِ کریم کی خواہش ہے وہ دنیا میں رزقِ خبیث سے بچے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بچائے۔ تیسرا مسئلہ۔ شریعتِ اسلام اور اسلام کی مخالفت کرنے والوں کی تین قسمیں ہیں فاسقین۔ ضالین، کافرین اور یہ سب ہی مُعاجزین ہیں جو مسلمان ہو کر قانونِ قرآنی ذکرِ رحمانی، عبادتِ کبریائی نعتِ مصطفائی میں رکاوٹ پیدا کرے وہ ضالین معاجزین ہیں اور جو دن رات معاشرے میں گناہ اور بدکاری پھیلائیں وہ فاسقین مُعاجزین ہیں۔ جو کفر و شرک پھیلائیں اور ابلیسیت پر اُکسائیں وہ کفار مُعاجزین ہیں۔ یہ مسئلہ مُعاجِزِیْنَ کے مطلق فرمانے سے مستنبط ہوا اسلام کی کسی چیز میں رکاوٹ پیدا کرنا معاجزین میں سے ہے۔ گناہ کرنا بھی گناہ پھیلانا ہے، اور گناہ پر دوسروں کو اُکسانا۔ نیکی سے دور کرنا سب ایک ہی لڑی کی کڑی ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض اس کی کیا وجہ کہ دیگر آیت میں بشیر و نذیر فرمایا جاتا ہے مگر یہاں صرف نذیر فرمایا گیا کہ ارشاد ہوا اِنَّمَآ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ اِنَّمَا کے حصر نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف نذیر ہی ہیں۔ اس حصر سے بشیر ہونے کی نفی ہوتی ہے حالانکہ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو بشیر بھی ہیں۔ جواب اس کے دو جواب دئیے ہیں بعض نے فرمایا کہ یہاں بَشِیْرٌ پوشیدہ ہے اور اصل عبارت اس طرح ہے۔ نَذِيْرٌ وَّ بَشِيْرٌ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (الخ) مگر بعض نے فرمایا کہ چونکہ یہاں خطاب صرف کفار سے ہے اور لَكُمْ ضمیر کا مرجع صرف کفار ہیں اور کفار کے لیے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف نذیر ہی ہیں لہٰذا یہ حصر بھی درست ہے نفی بھی درست ہے اور فقط نذیر ارشاد فرمانا بھی درست بشیر ہونے کی نفی صرف یہاں ہے۔ قرآن مجید کی اصطلاح میں یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ سے خطاب کفار کو ہی ہوتا ہے نیز یہاں پچھلی چند آیت میں کفار کا ہی ذکر چلا آ رہا ہے اور بتایا جا رہا ہے کہ اے کافرو تمہارے لیے میں صرف نذیر ہوں اور جس عذاب سے تم کو ڈرا رہا ہوں وہ تمہارے لیے عذابِ جحیم کی وَعید ہے اگر تم کافر ہی رہے۔ لیکن جو لوگ تم میں سے ایمان لے آئیں گے اور اچھے اعمال کریں گے تو میری یہی وَعید اُن سب کے لیے دنیا کی مغفرت اور آخرت کے رزقِ کریم کی نوید بن جائیگی۔ دوسرا اعتراض یہاں ابھی پہلے آیت ۵۲ میں ارشاد ہوا اَنْكَاثِیْنَ فَ کے ساتھ، پھر یہاں آیت ۵۸ میں ارشاد ہے وَكَاَيِّنْ واؤ کے ساتھ اس کی کیا وجہ۔ حالانکہ لفظِ کَاَیِّنْ کا معنی مفسرین کے نزدیک دونوں جگہ ایک

marfat.com

جیسا ہے یعنی کتنی ہی یا بہت سی، تو اس فرق کی وجہ کیا ہے۔ جواب۔ یہ فرق کَاَیِّنْ کے معنی کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ کَاَیِّنْ کے مَاسَبَقَ کی وجہ سے کیا گیا۔ پہلی آیت میں فَکَاَیِّنْ سے پہلے ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی کڑی پکڑ۔ لَبَطْشٌ شَدِیْد۔ سزاء نکیر کا بیان ہے اور معنی یہ ہے کہ پھر جب میں نے اُن کو پکڑا تو آپ نے دیکھا کہ کیسی ہوئی میری پکڑ کی سزا کہ کتنی ہی بستیوں کو ہلاک کر دیا ہم نے۔ تو چونکہ وہ فَكَاَيِّنْ بدل الکل ہے كَيْفَ نَكِيْرِ کا یعنی نَکِیْرِ کیا ہے۔ یہی کہ فَكَاَيِّنْ بہت سی نافرمان ظالم بستیوں کو ہلاک کر دیا ہم نے اس لیے بدلیت ظاہر کرنے بتانے کے لیے وہاں فَ لانا بہت ہی درست ہے لیکن یہاں وَكَاَيِّنْ سے پہلے۔ يَسْتَعْجِلُوْنَ ہے اور لَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ اور يَوْمًا كَاَلْفِ سَنَةٍ ہے۔ اس میں کفار کے جلدی مچانے رب تعالیٰ کے وعدہ خلافی نہ کرنے اور عذاب کے آنے میں دیر لگنے کی وجہ لمبا دن ہونا بتائی جا رہی ہے۔ اس کی وضاحت کے لیے وَكَاَيِّنْ فرمایا گیا کہ عذاب کی دیر صرف ان کفارِ مکہ پر ہی نہیں یہ ڈھیل فیصلۂ قدرت کے مطابق پہلی سرکش نافرمان قوموں کو بھی ملتی رہی۔ وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا۔ اور کتنی ہی بستیوں کو ہم مہلت ڈھیل دیتے رہے ہیں تو چونکہ یہاں كَاَيِّنْ کی سابقہ عبارت اور بعد کی عبارت اَمْلَيْتُ کی ہی ایک صورت و نوعیت ہے اس لیے دونوں کو جمع کرنے کے لیئے واؤ عاطفہ لائی گئی واؤ عاطفہ ہمیشہ جمع کرنے کے لیے لائی جاتی ہے اور قانون ہے کہ جب ایک چیز کی دو قسمیں ہوں تو دونوں کو جمع کرنے کے لیے درمیان میں واؤ عاطفہ لگا دی جاتی ہے ایسا ہی یہاں کیا گیا ہے۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کریں ان کے لیے مغفرت ہے۔ حالانکہ مغفرت کی ضرورت تو برے لوگوں گناہگاروں کو برے کاموں اور گناہوں کی وجہ سے ہوتی ہے۔ مغفرت کی بشارت تو اُن کو ملنی چاہیئے۔ اچھے کام والوں کو بخشنے بخشوانے اور مغفرت کی ضرورت ہی نہیں ہوتی تو یہ کیوں فرمایا گیا۔ جواب۔ اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ اعمالِ صالحہ سے مراد پُر خلوص عبادت ہے اور ہر بندہ کتنا ہی مخلص فی العبادت ہو مگر پھر بھی اُس میں خطا۔ لغزش بشری کمزوری، بھول چوک، کوتاہی سرزد ہو ہی جاتی اور ہوتی رہتی ہے۔ تو آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو بندہ عبادتِ الٰہی میں سچے خلوص، اچھی لگن و محبت سے لگا رہے اُس کی خطاؤں لغزشوں کمزوریوں کوتاہیوں سے درگزر فرمائی جاتی ہے اور

marfat.com

تمام کمزوریوں کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ دوسرا جواب یہ کہ یہاں مغفرت سے مراد نیک بندے کے سابقہ کبیرہ، صغیرہ گناہوں کی بخشش ہے۔ ایمان اور اعمالِ صالحہ کی وجہ سے یہ مغفرتِ گناہ اس کو عطا فرمائی جاتی ہے۔ جواب سوم یہ کہ مغفرت کے چار معنی ہیں ۱ بخشنا ۲ مٹانا ۳ چھپانا ۴ قبول کرنا۔ یہاں مغفرت کا معنی یہ ہے کہ جو لوگ ایمان لائیں اور اعمالِ صالحہ کریں ان کی تمام نیکیاں قبول ہوں گی اور اُن نیک بندوں کو رحمت و کرم کی چادر میں چھپا لیا جائے گا تینوں جواب درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَمْلَيْتُ لَهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ ثُمَّ اَخَذْتُهَا وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ. قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ.

بہت سے وہ کینہ پرور سینے جو اولیاءِ کاملین سے عداوت اور علماءِ وارثین سے بغاوت عناد و فساد رکھتے ہیں اُن کو اِس عالَمِ ناسوت کی دندناتی دنیا میں مہلت اور ڈھیل دی گئی ہے۔ لہٰذا کسی سزا کی جلدی نہ مچاؤ نہ ظالم کسی مذاق کے طریقے پر اپنے لیے جلدی مچائے نہ مظلوم ظالم کے لیے سزا آنے کی جلدی مچائے نہ ظالم کو پھلتا پھولتا دیکھ کر افسردہ یا مایوس ہو۔ بے پھل کا کانٹے دار درخت جتنا لمبا ہوگا ایندھن ہی بنے گا دیر تک جلے گا کبھی چمن کی زینت نہیں بن سکتا ظالم انسان بے پھل اور کانٹوں والا درخت ہے اس کی درازیِ عمر میں اس کی مصائب کی کثرت ہے۔ انسانِ بدفطرت کا سب سے بڑا ظلم عداوت و بغاوت ہے زمینِ دلی بد غرور تکبر گستاخی، بے ادبی کا بیج عداوت و بغاوت ہی ہے۔ یہی وہ شجرِ خبیث ہے جس کی مصیبت و نحوست خود اپنے مالک کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے۔ اہلِ خباثت کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ ہے اِس پکڑ کی چار ظاہر نشانیاں ہیں ۱ اولاً دل کی سختی ۲ دوم گناہ کرنے کی سہولت ۳ سوم ہر عبادت میں غفلت و رکاوٹ، چہارم مقبولانِ بارگاہ سے دوری و دشمنی، یہاں تک کہ وَاِلَيَّ الْمَصِيْرُ کا وقت آجائے۔ رب تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو نذیر بنا کر بھیجتا رہا۔ اور اب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے آستانۂ اقدس سے علماءِ وارثین و اولیاءِ کاملین کو نذیر بنایا جاتا ہے جو تا قیامت غافلین و کاہلین کے لیے نذیر بنتے ہیں علماءِ وارثین کے اقوال اور اولیاءِ کاملین کے افکار ندامت کی وعید ہیں اور بشارتوں کی نوید ہیں جس نے وعید کو نوید بنا لیا اور وہ خوش بخت ہیں۔ اور انتہائی بد بخت ہیں وہ لوگ جنہوں نے نوید کو اپنے

marfat.com

لیے وعید بنا لیا یہی لوگ دربار آخرت کے نقصان والے ہیں کیونکہ سعادت کے خزانوں کی چابی
تو اہلِ دل کی پسندیدگی اور قبولیت ہے۔ اور قبولیت بھی عقیدت سے حاصل ہوتی ہے
اس لیے کہ عقیدت میں یقین ہوتا ہے اور بدعقیدگی میں بے یقینی شک و تردد، تزلزل و تذبذب
اور شک والوں کو پسند نہیں کیا جاتا ایسا کور بخت ہر جگہ سے دُرکارا جاتا ہے۔ وصلِ
ربانی اور قربِ رحمانی کے لیے چار قدم چلنے پڑتے ہیں۔ پہلا قدم حُسنِ اعتقاد کا دوسرا قدم
مباشرۃ الاسباب کا سوم سختیوں کی برداشت کا آسانی کی عادات کا چہارم استمداد کا یعنی اہلِ
ارشاد سے مانگنے کا اور نیلِ مراد کی آس و اُمید کا۔ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ۔ وَالَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ
اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۔ پس جو سالکینِ راہِ حقیقت حُسنِ اعتقاد محبتِ العقاد والے ایمان کے
ساتھ اعمالِ باطنی کے چار قدم چلے وہی قرب کی منزل پر پہنچے۔ منزلِ قرب میں چار انعام ملتے
ہیں پہلا انعام مغفرتِ قبولیت کا دوم مغفرتِ رحمت کی چادر کا سوم عاداتِ خبائثہ سے
دوریِ نجات اور پاکیزگیِ حسنات کا چہارم رزقِ کریم اور لذاتِ عمیم کی غذاؤں کا لیکن
جو بدنصیب ہوئے اور انہوں نے حق و حقدار کے خلاف مکر کے جال جھوٹے مقال کے
جال پھیلائے اور اہلِ ارشاد سے طلبِ استمداد نہ کی بلکہ عناد کی آگ فساد کی راکھ پھیلانے
کی کوشش میں لگے رہے۔ اور مقابلۂ حق و باطل میں باطل کا ہی ساتھ دیے کر ضلالت کے
معاجزین، ذلالت کے معاذنین عداوت کے موافقین، بغاوت کے ظاہرین بنے رہے یہی
بدنصیب فطرتی ازلی نقصان اور بے توفیقی کی جہنم والے ہیں۔ معاجزینِ طریقت کے
لیے دنیا میں چار آگیں ہیں ۱ آتشِ خباثت ۲ آتشِ جہالت ۳ آتشِ حماقت ۴ آتشِ
ذلالت آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایسا
ہی بھروسہ کرو جیسا کہ اُس کے توکل کا حق ہے تو وہ تم کو ایسا رزق دے گا جیسا اُن پرندوں
کو رزق ملتا ہے جو صبح کے وقت بھوکے نکلتے ہیں اور شام کے وقت سیر ہو کر آتے ہیں
پھر فرمایا کہ تھوڑی اور کافی چیز بہتر ہے اُس کثیر چیز سے جو رب تعالیٰ سے غافل کر دے
کامیاب انسان وہ مسلمان ہے جس کا رزق اُس کے لیے کافی ہو۔ اور وہ اس پر صبر بھی
کرے حریص و حاسد، رشک و طامع نہ ہو جس شخص کو دنیوی زندگی میں تین چیزیں
ملتی رہیں اُس نے گویا پوری دنیا کا احاطہ کر لیا ۱ امن ۲ تندرستی ۳ ایک دن کی روزی

marfat.com

تبلیغ میں میری جانب سے کوئی شخص اس وقت تک

... تک اس کا دل اور زبان درست نہ ہو اور اس وقت تک مومن

... تک اس کا پڑوسی اس کی شرارت سے محفوظ نہ ہو۔ ایک فرمان

... مسلم ہو یا غیر مسلم جب اسلام کی خصوصی تعلیم یہاں تک

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ

... آپ سے پہلے کوئی بھی رسول اور نہ کوئی نبی مگر وہ ایسا بھی ہوا کہ

... رسول یا نبی بھیجے سب ہی کو یہ واقعہ پیش آیا

اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ

جب ... شروع کی تو ... ملا دیا شیطان نے ان کی تلاوت میں تو مٹا دیتا ہے

کہ جب ... نے پڑھا تو شیطان نے ان کے پڑھنے میں لوگوں پر کچھ اپنی طرف سے ملا دیا

فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ

... ان تمام ملاوٹوں کو جو ڈالتا ہے شیطان پھر مضبوط فرما دیتا ہے

... دیتا ہے ... اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو

اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ (۵۲) لِّيَجْعَلَ

... آیتوں کو اور ... سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے کہ بنا دے

... اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔ تاکہ

مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ

... کو جو ... کرتا ہے شیطان آزمائش ان لوگوں کے لیے جن کے

شیطان کے ڈالے ہوئے فتنہ کو کر دے اُن کے لیے جن کے

marfat.com

قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ ۭ

دلوں میں بیماری ہے اور ان کے لیے کہ زنگوالے ہیں اُن کے دل

دلوں میں بیماری ہے اور جن کے دل سخت ہیں

وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۢ بَعِيْدٍ ﴿۵۳﴾

اور بے شک ظلم کرنے والے البتہ دور والی بدبختی میں ہیں۔

اور بے شک ستمگار دہر کے جھگڑالو ہیں۔

تعلقات اِن آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام ہمیشہ قوموں کو ڈراتے سمجھاتے ایمان کی طرف بلاتے رہتے ہیں اب اِن آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ شیطن ہمیشہ لوگوں کو کفر پر بڑھاتا ہی رہا اور ہر ہر حربے سے کفر میں پھنساتا رہا۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اہلِ ایمان کے لیے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی باتیں مغفرت کے باغ ہیں۔ اب اِن آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ کفار کے لیے شیطان کی باتیں فتنے کے دروازے ہیں تیسرا تعلق حیاتِ دنیوی سے دو ہی چیزیں حاصل کی جاسکتی ہیں یا اچھی یا بری تو پچھلی آیت میں اچھی چیز کا ذکر ہوا یعنی رزقِ کریم۔ اب اِن آیت میں بری چیز کا ذکر فرمایا گیا یعنی شِقَاقٍ بعید۔

شانِ نزول ۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب سورۃِ نجم نازل ہوئی تو آقاءِ کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے حسبِ عادت کریمہ سورۃِ نجم مکیہ کو بھی حرم کعبہ شریف میں بیٹھ کر بہت ٹھیر ٹھیر کر تلاوت فرمائی تاکہ سننے والے غور سے سمجھ سکیں اور یاد کرنے والے یاد کرسکیں جب آپ اس آیت پر پہنچے۔ اَفَرَءَيْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰى وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰى۔ اور وقفہ فرمایا تو ابلیس نے قریب بیٹھے ہوئے کفار کے کانوں میں ایک جملہ کہدیا۔ تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ یہ الفاظ صرف کافروں کو سنائی دیئے لیکن مسلمانوں نے یہ آواز نہ سنی وہ تو چہرۂ مصطفیٰ کو دیکھ رہے تھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہونٹ تو خاموش ہیں کفار سمجھے کہ یہ الفاظ صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ

marfat.com

علیہ وآلہ وسلم نے ادا فرمائے ہیں۔ بہت خوش ہوئے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آج پہلی دفعہ ہمارے بتوں کی تعریف فرمائی ہے اور اس خوشی میں اتنے سرشار و مسرور ہوئے کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے آخری آیتِ سجدہ پڑھ کر سجدہ کیا تو صحابہ کرام نے سجدۂ تلاوت کا سجدہ کیا لیکن تمام کفار نے بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سجدہ کیا۔ یہ دیکھ کر صحابہ کرام حیران ہوئے کہ کفار نے آج سجدہ ہمارے ساتھ کیوں کیا۔ جب ان کافروں سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ آج تمہارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارے بتوں کی ان لفظوں سے تعریف کی ہے وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ: والی آیت پڑھنے کے بعد صحابہ کرام نے انکار کیا کہ ہم نے تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبانِ پاک سے یہ الفاظ نہ سنے حالانکہ ہم تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے قریب تھے۔ آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شیطان کی اس حرکت کا پتہ لگ گیا اور آپ کو کفار کی خوش فہمی سے قلبی رنج ہوا۔ تب یہ آیتیں از ۵۲ تا ۵۲ نازل ہوئیں (خزائن و سیوطی) بعض جہلا و حمقا نے یہ کہہ دیا کہ اَلْقَی الشَّیْطٰنُ عَلٰی لِسَانِکَ مگر یہ غلط ہے امام سیوطی نے اس قول کو نقل فرما کر خود ہی فرمایا کہ یہ باطل ہے صحیح قول یہ ہے کہ۔ وَاَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْ اٰذَانِھِمْ۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ مگر مفسرین کی اکثریت اس تمام شان نزول کا انکار کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِى الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ۔ واؤ برجملہ مَآ اَرْسَلْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق منفی معروف۔ جمع متکلم مِنْ حرفِ جار ابتدائیہ قَبْلِكَ مرکب اضافی مجرور متعلق اوّل ہے مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ یہ سب معطوف علیہ معطوف مجرور متعلق دوم ہے یہاں مِنْ زائدہ استغراقیہ ہے یہ دونوں معطوف علیہ معطوف مستثنیٰ منہ اِلَّا حرفِ استثنیٰ منقطع اِذَا حرفِ شرط تَمَنّٰی باب تفعّل کا فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَمَنِّیْ مُنًی سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے دل یا دماغ سے اندازہ لگانا۔ اصطلاح میں ہر عقلی یا قلبی خواہش کو تمنا کہا جاتا ہے۔ چونکہ بات کرنے تقریر یا تلاوت کرتے والا بھی اپنے کلام نظم نثر تلاوت کے وقت خیالی اندازے لگاتا جاتا ہے اس لیے یہاں بھی لفظ تمنّی استعمال

marfat.com

کر لیا جاتا ہے۔ لہٰذا تَمَنّٰی بمعنی اندازہ لگا کر تلاوت کتاب الٰہی۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ
ھُوَ جس کا مرجع ہے رَسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ اَلْقَی۔ باب
اِفعال کا فعل ماضی مطلق مصدر ہے اِلْقَاءٌ بمعنی ڈالنا۔ ملاوٹ کرنا۔ ذہن یا وسوسے میں
اِلقا کرنا لَقْوٌ یا لَقْیٌ سے ہے دراصل اِلْقَائٌ یا اِلْقَاوٌ تھا۔ اَلشَّیْطٰنُ اس کا فاعل ہے فِیْ حرفِ
جر ظرفیہ مکانیہ اُمْنِیَّۃٌ اسم مصدر مزید فیہ اصل میں تھا اُمْنُوْیَۃٌ بروزن اُفْعُوْلَۃٌ واؤ کو یٰ
کیا اور دونوں کو اِدغام کر دیا۔ نون کے ضمہ کو بوجہ مناسبت کسرے بدل دیا بمعنی اندازے
والی تلاوت مضاف ہے ہ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع رسول ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر
متعلق ہے اَلْقَی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جملہ ہے شرط در جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف
علیہ فَ عاطفہ یَنْسَخُ باب فتح کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب نَسْخٌ سے
مشتق ہے بمعنی مٹانا ختم کرنا اللہ اس کا فاعل مَا اسم موصول۔ یُلْقِی الشَّیْطٰنُ۔ باب افعال
کا مضارع معروف واحد مذکر غائب اَلشَّیْطٰنُ اس کا فاعل یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ
ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یہ یَنْسَخُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ
ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف تراخی یعنی کچھ دیری کے لیے یُحْکِمُ باب افعال کا مضارع
مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر اِحْکَامٌ حُکْمٌ سے بنا ہے بمعنی سخت مضبوط ہونا
اَللّٰہُ اس کا فاعل اٰیٰتِہٖ۔ مرکب اضافی اس کا مفعول بہ یُحْکِمُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف
ہوا یَنْسَخُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے اِذَا تَمَنّٰی کے جملے شرطیہ پر یہ
دونوں عطف مل کر مستثنیٰ منقطع ہے مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ کا یہ دونوں مل کر متعلق ہے
مَا اَرْسَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ عاطفہ یہ جملہ زائدہ۔ اَللّٰہُ مبتدا عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ
دونوں اسم صفت مشبہ مبالغہ کے لیے واحد مذکر اس کی جمع اشتقاقی عَلِیْمِیْنَ حَکِیْمِیْنَ
اور اس کی جمع صفاتی یا عُلَمَاءُ حُکَمَاءُ ہے عِلْمٌ و حِکْمٌ سے مشتق بمعنی جاننے والا حکمت والا حکمت
سے مراد ہے ہر چیز کی وجہ اور حقیقت جاننا۔ دونوں خبریں ہیں مبتدا کی سب مل کر جملہ
اسمیہ ہو گیا۔ لِیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَۃً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِہِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَۃِ
قُلُوْبُہُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ۔ لام تعلیلیہ اور مابعد کلام معلول ہے
یُحْکِمُ کا اور وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ بیان ہے یُحْکِمُ کا یَجْعَلُ باب فتح کا مضارع مثبت معروف
جَعْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بنانا، پھیرنا بدلنا۔ پیدا کرنا مگر یہاں پہلے معنی ہیں آخری معنی ہو ہی

marfat.com

نہیں سکتے کیونکہ یہ متعدی بدو مفعول ہے اور پیدا کرنا متعدی بدو مفعول نہیں ہو سکتے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع اَللّٰہ تعالیٰ ہے مَا موصولہ یُلْقِیْ باب افعال کا مضارع اَلشَّیْطٰنُ اِس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہٖ اوّل ہوا لِیَجْعَلَ کا یہ مضارع مفتوح ہے لام کَے تعلیلیہ کی وجہ سے فِتْنَۃً اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ آزمائش مفعول بہٖ دوم ہے لام جارّہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر فِیْ قُلُوْبِهِمْ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ یا اسم مفعول عامل مَوْجُوْدٌ کا مَرَضٌ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ بیماری فاعل ہے پوشیدہ عامل سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْقَاسِيَةِ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مؤنث اِس کی جمع ہے قَاسِيَاتٌ بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ لِلَّذِیْنَ کا عطف تابع ہے قُلُوْبُهُمْ یہ مرکب اضافی فاعل قَاسِيَةِ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا اَلَّذِیْنَ پر قَاسِيَةِ۔ قَسْوٌ یا قَسْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سخت، بدبخت، زنگ خوردہ، بیکار، کھوکھلا۔ یہاں سب معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر مجرور متعلق ہے لِیَجْعَلَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا ماسبق کا واؤ ہر جملہ اِنَّ حرفِ مشبّہ اَلظّٰلِمِیْنَ اسم جمع مذکر سالم اس کا واحد ہے ظَالِمٌ نصب کی حالت ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ کا لام کَے تاکید یہ فِیْ حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ شِقَاقٍ اسم مصدر الغہ بر وزنِ فِعَالٍ حِجَابٍ، شَقٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ چیرنا پھاڑنا، چرنا، پھٹنا، بدبخت ہونا، شَقٌّ مضاعف ثلاثی ہے موصوف ہے بَعِيْدٍ اسم فاعل مبالغہ صفت مشبّہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول پوشیدہ کا وہ سب جملہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ یہ آیت اور اس طرح کی بہت سی آیات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی تسلی تشفی کے لیے نازل فرمائی گئیں کیونکہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کفارِ مکہ کی بے دینی ضد بازی اسلام سے دوری بلکہ اسلام کی ہر چیز پر انکار، مذاق اور اعتراضات سے رنجیدہ و افسردہ ہوتے تھے کہ یہ بدنصیب اپنے انجام بد سے خوف زدہ کیوں نہیں ہوتے جہنم میں جانے کی کیوں کوشش میں لگے

marfat.com

رہتے ہیں۔ جب ذبح کا مسئلہ بتایا گیا تو کفار نے بیہودہ اعتراض کیا کہ جو ہم چھری سے ماریں قتل کریں وہ حلال و طیب ہو جائے اور جس کو اللہ تعالیٰ مارے وہ حرام و پلید ہو جائے یہ کیسا اسلام ہے۔ اور جب سورۃ بقرہ کی آیت ۲۷۵ اَحَلَّ اللّٰہُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰو۔ نازل ہوئی تو کفارِ مکہ نے اعتراض کیا کہ یہ کیا اسلام ہے کہ بیع کو حلال کیا اور سود کو حرام کر دیا حالانکہ دونوں ایک چیزیں ہیں اور جب سورۃ انبیاء کی آیت ۹۸ نازل ہوئی۔ اِنَّکُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ حَصَبُ جَہَنَّمَ۔ تب کفار نے اعتراض کیا تو پھر تو ملائکہ بھی اور عیسیٰ و عزیر بھی حَصَبُ جَہَنَّمَ ہوئے۔ تقریباً ہر آیت پر اس طرح کے جاہلانہ اعتراض کرتے رہتے۔ یہاں تسلی دیتے ہوئے فرمایا جا رہا ہے کہ اے محبوبِ کریم آپ ان بیہودہ لوگوں کی کفریات سے دل افسردہ نہ ہوں یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے شیطان ابلیس ان کو اس طرح کے اعتراض سکھاتا رہتا ہے۔ آپ سے پہلے ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ہم نے کوئی رسول یا نبی بھیجا ہو تو جب بھی اس ہمارے پیارے رسول یا نبی علیہم السلام نے ہمارے کلام کی تلاوت فرمائی یا تبلیغِ دین اور کفار کے سچے پکے مومن بندہ بننے کی تمنا کی تو شیطان نے ان پیاروں کی تمنائیں۔ یا ان کی تلاوتوں میں کفار کے دلوں اور ذہنوں میں وسوسے انتشار کی خلل اندازی شامل کر دی اور اس طرح کی ورغلاہٹوں اور وسوسوں سے بحث ومناظرے کر کے اہلِ ایمان کے لیے مُعَاجِزِیْنَ بنتے رہے۔ کفار سمجھتے ہیں کہ ہمارے یہ اعتراض نفرت کی بنا پر ہیں حالانکہ ان کفار کا یہ طریقہ بھی شیطان کی طرف سے ہے۔ ابلیس ہی بھیس بدل کر کبھی شیخ نجدی بن کر یہ اعتراضات سکھاتا ہے۔ کفار نے ہمیشہ ہی بجائے دینِ حق اور کلامِ رب، پیامِ الٰہی ماننے کے اُلٹے جاہلانہ اعتراض کئے تاکہ کلامِ الٰہی بگڑ جائے اور ایمان والوں کے دل بدل جائیں۔ لیکن شیطان اور کفار کی ہزار کوششوں کے باوجود اللہ تعالیٰ تباہ و برباد فرما دیتا ہے نیست و نابود کر دیتا ہے اُن تمام منصوبہ بندیوں، تخریب کاریوں خلل اندازیوں کو جو شیطان ڈالتا ہے اس طرح کہ اہلِ ایمان کے دل مضبوط، عقل روشن ایمان پختہ، عقیدہ کامل، فہم راسخ شعور اعلیٰ یقین بالا ہو جاتا ہے اور وہ مومنین اُن معاجزین کفار کے وہمیات لغویات اعتراضات، سوالات کے منہ توڑ جگر پھوڑ جوابات دیتے ہیں، پھر اللہ تعالیٰ اپنی آیتوں کو کلام میں تلاوت کے لیے مسائل میں قانون کے لیے۔ عقلوں میں سمجھ کے لیے۔ قلبوں میں ایمان کے لیے سینوں

marfat.com

بیں عرفان کے لیے محکم و مضبوط فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شخص کی ہر اچھی بری چیز کو
ہر وقت جاننے والا ہے اور ہر قدرت میں حکمت والا شیطان کو اتنی ڈھیل دینے میں بھی
اس کی حکمتِ عظیم ہے۔ تمنّیٰ کا معنی تلاوت کرنا بھی ہے جس کی واحد اُمْنِيَة ہے اور جمع اَمَانِیّ ہے
جیسا سورۂ بقرہ کی آیت ۷۸ میں ارشاد ہے۔ وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ
اِلَّآ اَمَانِيَّ۔ یعنی کفار میں بہت سے اُمّی ہیں جو صرف کلام و کتاب کی لفظی تلاوت کر جاتے
ہیں۔ اس آیتِ پاک سے چار باتیں ثابت ہوئیں پہلی یہ کہ حکمتِ الٰہی کے مطابق ابلیس و شیطان
کو نبوت کے شروع زمانوں سے اہلِ ایمان میں تخریب کاری اور کفار میں وسواسانے فساق
میں ورغلانے کی مہلت و ڈھیل ملتی رہی دوم یہ کہ رسول اور نبی میں فرق ہے۔ سوم یہ
کہ باطل اور شیطانی باتیں خواہ کتنی ہی شور و غل والی ہوں مگر انہیں مضبوطی اور زور و بقا ہی
نہیں ہوتا۔ چہارم یہ کہ شیطان کو القا کرنے وسوسے ڈالنے کی ڈھیل دینے میں رب تعالیٰ
کی بہت بڑی حکمت ہے جس کا کچھ بیان اگلی آیت میں آرہا ہے علماءِ محققین آیات و
احادیث کی روشنی میں انبیاء علیہم السلام کے تین گروہ بیان فرماتے ہیں ۱ انبیاء علیہم السلام
ایک لاکھ چوبیس ہزار ۲ اُن میں سے ہی تین سو تیرہ رسولانِ عظام علیہم السلام اور ۳ ان تین
تین سو تیرہ میں سے چار مُرسَل علیہم السلام تعدادِ نبوت کی اَحادیث مقدسات تقریباً آٹھ کتبِ
اَحادیث میں مروی ہیں ۱ بخاری شریف ۲ مسلم شریف ۳ مشکوٰۃ شریف ۴ مسند امام احمد
۵ مستدرک حاکم ۶ مسند امام ابن راہویہ ۷ مسند امام ابوامامہ ۸ مسند امام ابن حبان
(از تفسیر روح المعانی) ان کا تعارف اس طرح مذکور ہے کہ انبیا علیہم السلام وہ پیغمبر ہیں جو
صرف صاحبِ تبلیغ ہوں اور اپنے سے پہلے رسول علیہ السلام کے قانون و شریعت کی
تبلیغ فرمائیں خواہ اُن صاحبِ شریعت رسول علیہ السلام کی موجودگی میں اپنی دوسری قوم
کو یا ان کی بعد وفات اُن کی وراثت و جانشینی کی حیثیت سے یا نائب ہو کر یا مستقل
بعثت سے انبیا علیہم السلام کے پاس پیغامِ الٰہی خواب میں آتا ہے اور عام فرشتے ان
کی زیارت کو حاضر ہوتے ہیں۔ رسول علیہم السلام وہ ہیں جن کو کلامِ الٰہی کا صحیفہ ملا ہو
اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے ان کو پیغاماتِ الٰہی ملتے ہوں اور اُن سے تمام فرشتے
ملاقات کرتے ہوں۔ قرآن مجید میں جتنے انبیاءِ کرام علیہم السلام کا ذکر ہوا ہے وہ تمام رسول
بھی تھے ہر رسول کی شریعت علیحدہ ہوتی رہی مگر معتزلہ فرقہ کہتا تھا کہ نبی رسول میں

marfat.com

کوئی فرق نہیں اگرچہ وہ چند لغوی دلیلیں پیش کرتے ہیں مگر ان کا یہ قول اِس آیتِ کریمہ اور بیشمار احادیث کے خلاف ہے۔ اور مُرسل علیہم السّلام وہ ہیں جن کو کتاب اللہ بھی ملی ہو صحیفے بھی اور نئی شریعت بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کتاب قرآن مجید ہے آپ کے صحیفے تمام احادیث خصوصًا احادیث قُدسیہ۔ اور آپ کی شریعت آپ کے اقوال و افعال ہیں یہاں تک کہ آپ کا سونا جاگنا کھانا پینا بھی امت کے لیے شریعت اسلام ہے صحابہ کرام کی تعداد و ترتیب بھی اِسی طرح تین حصوں میں منقسم ہے کہ تمام صحابہ کرام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار اِن میں سے ہی تین سو تیرہ اصحابِ بدر اور اصحابِ بدر میں سے چار خلفاءِ راشدین۔ اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِہٖ کے واقعے میں مفسّرین کے چار قول ہیں پہلا قول ایک بے دین معتزلی مفسّر ابو مسلم اصفہانی کا جس کی تردید امام رازی نے فرمائی اُس نے لکھا کہ ایک دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے دل میں سوچا کہ کاش اب کوئی ایسی وحی نازل نہ ہو جس سے سردارانِ کفّار کا دل ناراض ہو اور یہ لوگ ایمان سے دور ہو جائیں کیونکہ آپ اُن کے ایمان پر حریص تھے تب ایک دن جب کہ آپ بہت صحابہ کرام کے ساتھ حرم شریف میں بیٹھے تھے۔ تقریبًا تمام سردارانِ مکہ بھی حرم میں بیٹھے تھے تب سورۃ نجم نازل ہوئی۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے نزول پر بہت خوشی فرمائی اور آپ نے اُسی وقت باآوازِ بلند سورۃِ نجم کو تلاوت فرمایا جس وقت آپ آیت ۱۹ لَقَدْ رَاٰی مِنْ اٰیٰتِ رَبِّہِ الْكُبْرٰی اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ وَالْعُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ الْاُخْرٰی۔ پر پہنچے تو آپ نے یہ الفاظ بھی تلاوت کئے۔ تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ الْعُلٰی وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰی یعنی یہ غرانیق بلندیوں پر اُڑنے والے بُت لات وعُزّٰی منات وغیرہ۔ بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جاتی ہے قیامت میں۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ سن کر وہاں موجود تمام کفّار بہت ہی خوش ہوئے اور جب تلاوت آخری آیت ۶۲ پر پہنچی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور سب صحابہ نے سجدۂ تلاوت کیا لیکن کفّار نے بھی خوشی میں سجدہ کیا۔ بجز دو بڑے کافروں کے یعنی ولید ابن مغیرہ اور سعید بن عاصی ابی اُمیّہ یہ دونوں بوڑھے کمزوری سے سجدہ نہ کر سکے تھے اُنھوں نے قریب سے مٹی کا ڈھیلا اٹھا کر ماتھے سے لگا لیا گویا یہ ان کا سجدہ تھا، کچھ

marfat.com

دیر بعد حضرت جبریل آئے اور کہا کہ آپ نے وحی کی تلاوت میں وہ الفاظ تلاوت کیوں کئے جو میں لے کر ہی نہیں آیا تھا تب نبی کریم بہت غمزدہ بھی ہوئے اور خوف زدہ بھی آ گئے یہ خبیث مفسر لکھتا ہے کہ یہ الفاظ ابیض یا ابیاض نامی شیطان جن نے آپ کی زبان پر القا کر دئے تھے اور آپ اس کو دیکھ نہ سکے یا ظاہر ہو کر یہ الفاظ بتائے مگر نبی کریم اسکو وحی کا فرشتہ ہی سمجھے (یعنی جبریل) یہ تھا وہ کفریہ قول اور جاہلانہ تفسیر جو ابو مسلم زندیق نے نامعلوم کس بے دین کی صحبت بد کے تحت کئے، پھر اس کی تائید میں بعد کے چند جاہل بے عقل معتزلین کر دی۔ جنمیں ایک جلال الدین محلی ہیں جو ابن تیمیہ صاحب کے پیروکار اور جلال الدین سیوطی صاحب کے استاد تھے ان کی تفسیر میں اور بھی بہت غلطیاں گمراہیاں ہیں۔ محققین علما ایسی تفسیروں کو اندھی تفسیر کہتے ہیں تفسیر جلالین محلی کی اکثر باتیں آیت قرآن و احادیث مبارکہ کے بلکہ عقل کے بھی خلاف ہیں۔ ایسی ہی تفسیروں نے زمانے میں وہابیت پھیلائی ہے۔ اس قول کو نقل کرنے کو دل تو نہیں چاہتا تھا۔ مگر تردید ضروری ہے۔ دوسرا قول۔ بعض نے لکھا کہ جب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے یہ آیت ۱۹ تلاوت فرمائی تو آپ سانس لینے ٹھہرے اس خاموشی کی ساعت میں شیطان نے یہ الفاظ تلک الغرانیق (الخ) پڑھے جو صرف کفار نے سنے نہ صحابہ کرام نے سنے نہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے سنے اور کافر سمجھے کہ شاید یہ الفاظ بھی نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم نے پڑھے ہیں اس لیے بہت خوش ہوئے اور آپس میں کہنے لگے کہ اب اس نبی سے ہمارا کوئی گلہ دشمنی نہیں یہ ہمارے دین میں آ گئے ہمارے بتوں کی تعریف کرنے لگ گئے ہیں۔ تیسرا قول۔ کچھ تفاسیر نے لکھا ہے کہ تلک الغرانیق العلیٰ (الخ) یہ پہلے منزل تھی اور اس کا معنی ہے کہ بے شک غرانیق ملائکہ بلندیوں والے ہیں۔ بے شک ان کی شفاعت کی امید کی جائے گی بروز قیامت چونکہ سورۃ نجم کی آیت ۲۷ میں ملائکہ کا ذکر ہے کفار ملائکہ کو بنات اللہ یعنی اللہ کی بیٹیاں کہہ کر ان کا نام مونث رکھتے تھے یہ ان کی توہین تھی اس لیے اگلی آیت میں ملائکہ کی شان بیان کی گئی۔ غرانیق جمع ہے غرنوق بروزن فردوس یا غرنوق بروزن عصفور۔ کی غرنوق کا معنی ہے وہ دریائی پرندہ جس کا سفید رنگ لمبی چونچ دراز لاتوں اور بڑے جسم والا بگلے کی نسل کا مچھلی کا شکاری، ہوائی جہاز کی طرح زمین پر

marfat.com

بھاگ کر اڑنے والا، بہت بلندیوں پر اڑتا ہے اہلِ عرب فرشتوں کو غرانیق کہتے تھے پھر کفار نے اپنے
بتوں کو بھی غرانیق کہنا شروع کر دیا۔ اس وحی میں غرانیق سے مراد ملائکہ تھے مگر کفار نے سمجھا بتوں
کی تعریف ہے۔ اس بنا پر یہ الفاظ منسوخ کئے گئے۔ اسی طرف اشارہ ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي
الشَّيْطٰنُ الخ (تفسیر صاوی و دیگر چند تفاسیر)، چوتھا قول کچھ تفاسیر نے لکھا کہ جب نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اس آیت ۱۹ پر پہنچے تو ابلیس بذاتِ خود ایک انسانی بوڑھے کی
شکل میں آیا اور کفار میں بیٹھ کر یہ الفاظ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ والے لفظ کہے اُس کے ساتھ
مل کر کفار نے بھی یہ الفاظ کہے اور خوب شور مچایا مگر جب ابلیس چلا گیا تو کفار کو یہ الفاظ بھول
گئے اسی بھول کی طرف اشارہ ہے فَيَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) سے مگر یہ چاروں قول قطعاً غلط بیہودہ
اور بہت بعد کی بناوٹ ہے۔ چنانچہ امام رازی، امام محمد بن اسحاق خزیمہ نے ان سب باتوں
کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ یہ باتیں بے دینوں زندیقوں کی بنائی ہوئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ
یہ واقعہ روایتاً، آیتاً، درایتاً عقلاً، نقلاً، دیانتاً، حقیقتاً واقعتاً ہر طرح لغو ہے روایتاً
اس طرح کہ امام بیہقی نے فرمایا یہ واقعہ کسی حدیث پاک سے ثابت نہیں بخاری شریف نے سورۃ
نجم کا ذکر فرمایا مگر اس میں تِلْكَ الْغَرَانِيقُ کا ذکر تک نہیں کچھ تیمیائی مفسرین نے
صُمٌّ بُكْمٌ ہو کر اس کی تائید کر دی۔ آیتاً اس طرح غلط ہے کہ آیتِ قرآن مجید سے ثابت ہے
کہ آقائے کائنات نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی مرضی سے کبھی بھی کوئی کلام نہیں
فرمایا آپ کا ہر ہر قول وحیِ الٰہی سے ہوتا ہے چنانچہ سورۃ نجم کی ہی آیت ۳ میں ہے وَمَا
يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُّوحٰى۔ دوسری جگہ سورۃ الحاقہ آیت ۴۴
میں ہے وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ الْأَقَاوِيلِ لَأَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا
مِنْهُ الْوَتِينَ۔ یعنی اگر یہ نبی ہم پر ذرا سی بات کا اختراع کرتے اور اپنی طرف سے
کوئی بات بنا کر کچھ دیتے تو ہم اُن کو سخت قوت سے پکڑتے اور پھر اُن کی وتین (شہ رگ)
کاٹ دیتے۔ سورۃ اسراء آیت ۷۴ میں ارشاد ہے وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ
تَرْكَنُ۔ یعنی اگر ہم تم کو اے نبی ثابت و مضبوط نہ رکھتے تو ہو سکتا تھا کہ تم کسی طرف
جھک جاتے یہ تینوں آیتیں بتا رہی ہیں کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کسی بات میں بھی کبھی
غلط نہ ہوئے سورۃ مائدہ آیت ۶۷ میں ارشاد ہے بَلِّغْ مَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ یعنی اے حبیب
مکرم تم صرف اُس کی تبلیغ فرمائیے جو آپ کی طرف وحی کیا گیا ہے نہ کچھ دوسرا تو جس طرح

marfat.com

کلام اللہ میں کمی کی ممانعت ہے اس طرح زیادتی کی بھی ممانعت ہے اور بھی بہت سی آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کبھی کسی قسم کی خطا کر سکتے ہی نہیں درایتاً یہ سب قول اس لیے غلط ہیں کہ آیت صریحہ کے خلاف ہیں۔ عقلاً بھی یہ سب غلط ہیں کیونکہ اگر معاذ اللہ ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ کی زبان پر شیطان اِلقاء کر سکتا یا کوئی شیطان اُبیض آپ کو کوئی کلام سنا سکتا اور آپ اُس کو جبریل سمجھ لیتے اس شیطان کو پہچان نہ سکتے تو پھر سارا قرآن مجید ہی مشکوک ہو جاتا ہے، دوسری عقلی دلیل یہ کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم تو بتوں کی نفرت دلانے کے لیے مبعوث ہوئے ہیں آپ کو کفر شرک اور کفار سے ہمیشہ نفرت رہی آپ ہر انسان کے ایمان پر حریص اور خواہش مند ضرور تھے مگر لچک اور نرمی دکھا کر نہیں۔ اور پھر ان عقل کے اندھے مفسّروں کو یہ سمجھ نہیں رہی کہ اسی سورۃ نجم کی اوّل آخر ہر ہر آیت میں بتوں کی برائی بیان کی جا رہی ہے تو پھر بیچ میں ایک ذرا سا بے جوڑ ٹکڑا بتوں کی تعریف میں کیسے آ سکتا ہے اور اس عارضی تعریف سے کفار کس طرح خوش ہو سکتے ہیں جب کہ اس کے بعد اگلی آیت میں پھر بتوں کی برائی ہے۔ تیسری عقلی دلیل کہ یہ شیطان کا تسلّط تو عام اولیاء اللہ اور علماءِ راسخین پر نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سورۃ نمل آیت ۹۹ میں ہے لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ اور سورۃ حجر آیت ۴۲ میں ہے۔ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ۔ تو بھلا نبی کریم صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وہ ملعون کس طرح اِلقاء تسلّط کر سکتا ہے۔ نیز اولیاءِ کاملین شیطان کو پہچان لیتے ہیں تو یہ کیسے ہو سکتا ہے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نہ پہچان سکیں چوتھی دلیل یہ کہ آج تک کوئی شیطان کسی دیگر شخص پر اس طرح اپنے کلام کا اِلقاء نہ کر سکا نہ مشاہدہ نہ مطالعہ نہ تجربہ نہ دید نہ شنید۔ پانچویں دلیل یہ کہ اگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اِن لفظوں کی تلاوت فرماتے تو تمام پاس بیٹھے ہوئے صحابہ کرام بھی سنتے حالانکہ یہ معترض بھی قائل ہے کہ کسی صحابی نے نہ سنا صرف کفّار نے سنا چھٹی عقلی دلیل یہ کہ اگر اس قولِ اوّل کو درست مانا جائے تو دو خرابیاں لازم آئیں گی ۱۔ یہ کہ نبی کریم فرشتے اور شیطان میں فرق نہیں کر سکتے ۲۔ یا یہ کہ معاذ اللہ نبی کو وحی میں خائن ماننا پڑے گا۔ اتنی وجوہ کے ہوتے ہوئے پھر ان اندھوں نے یہ قول بنا ڈالا یہ تفسیر نہیں بلکہ اسلام کے خلاف ایک سازش ہے بعض مردودوں نے یہاں تک لکھ دیا کہ نبی کریم شیطان کو ہی فرشتہ سمجھ گئے۔ بھلا یہ کیونکر

marfat.com

ممکن ہے کہ کوئی نبی وحی کے وقت فرشتے اور شیطان کا فرق نہ جانے شیاطین تو اولیاءُ اللہ سے نہیں چھُپ سکتے دوسرا قول اس لیے غلط ہے کہ شیطان آپ کی مثل آواز نہیں بنا سکتا آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ہر چیز بے مثل ہے اس کی کوئی نقل و شبیہ بھی نہیں بنا سکتا چنانچہ حدیثِ پاک میں ہے لَا یَتَمَثَّلُ بِیَ الشَّیْطٰنُ۔ ترجمہ میری کسی چیز کی مثل شیطان نہیں بن سکتا نہ حُلیے کی نہ آواز کی، دوسری حدیثِ مقدسہ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جسنے مجھے دیکھا (خواب یا مراقبے یا مکاشفے میں) اُس نے مجھے ہی دیکھا۔ حق اور سچ ہی دیکھا تیسری حدیث پاک لَا یَجْرِیْ عَلٰی لِسَانِیْ اِلَّا الْحَقُّ۔ ترجمہ میری زبان پر صرف حق ہی جاری ہوتا ہے یعنی باطل کلام جاری ہو سکتا ہی نہیں تیسرا قول اس لیے غلط ہے کہ لفظِ غرانیق کفارِ عرب میں بتوں کے لیے مشہور تھا تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ یہ لفظ ہی رب تعالیٰ فرشتوں کے لیے ارشاد فرماتا اور پھر دس سال بعد سورۂ حج کی اِس آیت فَیَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) میں اُس کو منسوخ فرمایا نہ رب تعالیٰ کسی تخریب کاری سے بے خبر ہے نہ ہی وہ بندوں کو کسی اُلجھاؤ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ چوتھا قول اس لیے غلط ہے کہ اِس کا بھی کہیں ذکر نہیں نہ اَحادیث میں نہ تاریخ میں اگر ایسا ہوتا تو ضرور آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صحابہ کو بتا دیتے اور اَحادیث میں آجاتا، نیز ابلیس کی یہ جرأت نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں کسی شیخ کا بھیس بدل کر کافروں میں آبیٹھے۔ جب کہ وہ ابلیس تو یَفِرُّ مِنْ ظِلِّ عُمَرَ۔ فاروقِ اعظم کے سایہ سے ڈرتا ہے ہاں دور سے اور غیر موجودگی میں کفار کی مجلس میں آکر اِلقا کرتا ہی رہتا تھا۔ جیسا کہ جنگِ بدر میں شیخ نجدی بن کر آیا اور کفار کو جنگ پر اُکسایا تھا جس کا ذکر نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کو بتا دیا۔ اور اَحادیث میں آگیا۔ لیکن وہاں بھی میدانِ بدر میں ابھی کفار دور ہی تھے کہ ابلیس نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور فاروقِ اعظم و دیگر ملائکہ کو دیکھتے ہی بھاگ گیا تھا۔ اس واقعۂ سورۂ نجم کے بارے میں صحیح قول یہ ہے کہ بعثت کے پانچویں سال ۲۷ رمضان المبارک آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ حرم شریف میں تشریف فرما تھے کہ سورۂ نجم پوری نازل ہوئی اور آپنے باآوازِ بلند تلاوت فرمائی۔ نبی پاک کی زبان ہو قرآن مجید کا کلام ہو رحمٰن کا فرمان ہو حرم کعبہ کا مقام ہو پھر کیا شان ہوگی۔ اس بے مثال تلاوت کی روایتوں میں آتا ہے کہ ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ تمام صحابہ مجذوبیت میں اور اُس وقت موجود کفار و سردارانِ کفار

marfat.com

مہوتیت میں سرشار ہو گئے اور جب آخری آیتِ سجدہ تلاوت کی گئی تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام نے سجدۂ تلاوت فرمایا لیکن تمام کفار اپنی اسی مہوتیت میں صحابہ کے ساتھ ہی بلا ارادہ سجدہ میں گر گئے اسی سال ماہِ رجب میں صحابہ کرام کو ہجرت کی اجازت ملی تھی اور کچھ صحابہ کرام حبشے کی طرف ہجرت کر گئے تھے پھر اسی سال ماہِ شوّال میں کچھ مہاجرین صحابہ کو کفار کے سجدہ کرنے کی خبر وہیں حبشے میں ملی تو وہ اس خوشی میں واپس مکہ مکرمہ آ گئے کہ شاید کفارِ مکہ بھی مسلمان ہو گئے ہیں۔ بہرکیف اِن آیت میں شانِ نزول سے منقول یہ چاروں قول بالکل غلط ہیں سراسر بناوٹی ہیں۔ سورۃ نجم کا اِن آیت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ سورۃ نجم بعثت کے پانچویں سال مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی اور سورۃ حج اور اُس کی آیت تقریباً دس سال بعد، ہجرت کے دوسرے سال نازل ہوئی، اگر سورۃ نجم میں ان لفظوں کے القاءِ شیطانی کے ینسخ اللہ کا ذکر ہی یہاں سورۃ حج میں ہوتا تو اتنے عرصے بعد یہ آیتیں نازل نہ ہوتیں، نیز اِن مفسّرین کے کہنے کے مطابق کہ جبرئیل نے آکر نبی کریم سے کہا کہ آپ نے یہ الفاظ کیوں پڑھے۔ مگر اِن آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی عطا فرما رہا ہے کہ کوئی فکر کی بات نہیں ہے کیا تعجب خیز بات ہے۔ لہٰذا ماننا پڑے گا کہ کسی گستاخ نے گستاخیِ نبوت کا راستہ نکالنا تھا جو نکال لیا مگر بات پھر بھی نہ بنی کیونکہ دس سال پہلے والے واقعہ کا تعلق دس سال بعد نازل ہونے والی سورت سے سابقہ کی تردیدی انداز میں جوڑنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے یہ ہی اُس مفسّر کی ظاہری حماقت ہے حالانکہ یہاں اِن آیت میں صرف یہ بتایا جا رہا ہے کہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی جب بھی یہ تمنّا اور خواہش ہوئی کہ رب تعالیٰ کے دین و ایمان کی باتیں قوم تک پہنچیں اور قوم کفر کو تبلیغ کرنے کے لیے جب انبیاءؑ و رسُل علیہم السّلام نے اپنے پر منزّل کلامُ اللہ کی تلاوت فرمائی تو شیطان نے کفار کے کانوں دلوں، عقلوں، ذہنوں میں قسم قسم کے شبہات، سوالات، اعتراضات بھر دیئے اسی کام کے لیے ابلیس نے مردود اور رجیم ہوتے وقت لمبی عمر اور لمبی ڈھیل مانگی تھی کیونکہ ابلیس شیطان ہر نبی کا دشمن ہے چنانچہ سورۃ انعام کی آیت ۱۱۲ میں ہے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا۔ اور سورۃ انعام کی آیت ۱۲۱ میں ہے وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ

marfat.com

اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۔ یعنی ہر نبی علیہ السلام کے دشمن ہوتے رہے شیطانی جنات اور انسان جو آپس میں ہی بعض بعض کو ورغلاتے پیغامات پہنچاتے دینِ حق سے شبہات ڈالتے ہیں۔ اور صرف اپنے ہی دوستوں کو اِلقا کرتے ہیں تاکہ کفار اے ایمان والو تم سے جھگڑے کریں، رب تعالیٰ نے اُس وقت اُس کی عرض منظور کی تھی اس کو لمبی عمر قوتِ رفتار طاقتِ وسواس، اور مہلت و ڈھیل دی تھی، کیونکہ وہ رب تعالیٰ ہی علیم و حکیم ہے ازازلِ قدیم تا ابدِ طویل ہر چیز کو جاننے والا ہے اور ہر قدرت کے راز کا حکمت والا ہے ابلیس کو ڈھیل دینے اور قوتِ القاء بخشنے میں بھی یہ حکمت تھی کہ لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍۭ بَعِيْدٍ۔ تاکہ بنائے اللہ تعالیٰ اُن تمام شیطانی شبہات ابلیسی اعتراضات وسواسی سوالات کو جو تا قیامت اللہ رسول کے کلام اسلام کے قانون شریعت کے احکام کے بارے میں کفار کے دلوں جہلا کی عقلوں گمراہوں کے ذہنوں میں اِلقا کرتا، وسوسے ڈالتا پھرے گا فِتْنَةً اور آزمائش و امتحان بنا دے اُن منافقین کے لیے جن کے دلوں میں تزلزل عقلوں میں تذبذب، شک تردد ضعفِ ایمانی منافقتِ بے ایمانی کی بیماری ہے اور ذلتِ دنیوی عذابِ اُخروی کا فتنہ بنا دے اُن کافرین کے لیے جن کے دل سخت کھوٹ والے ہیں اور یہ سب لوگ منافق ہوں یا کافر ظالم ہیں۔ اور بے شک ظالم لوگ البتہ یقیناً بہت دور کی بدبختی، دشمنی، مخالفت میں پھنسے ہوئے ہیں اور بھٹکنے والے ہیں جن کا راہِ راست پر آنا کچھ آسان نہیں اُن کی بدمستی کی بیہوشی اور خرمستی کا نشہ باتوں سے نہیں اُترے گا۔ خلاصہ یہ کہ ابلیس و شیاطین کو ڈھیل ملنا اور اُس کے اِلقا کا انا نح کرنا، اور آیت کا احکام اس لیے ہے تاکہ دنیا کے ہر ظاہری باطنی باطل کا امتحان ہو جائے۔

تِلْكَ الْغَرَانِيْقُ الْعُلٰى (الخ) کے واقعے کی مردودیت کے دلائل۔ پہلی دلیل دورِ صحابہ سے آج تک عربی فارسی اُردو میں بیسیوں تفاسیر لکھی گئی مگر کسی نے بھی اس واقعے کی تائید نہیں کی بلکہ اکثریت نے اس کا ذکر تک نہیں کیا نہ اس جگہ سورۃِ حج میں نہ سورۃِ نجم میں اور اگر کسی نے کیا بھی تو اس کی تردید ہی فرمائی اور اِس واقعے کو غلط، بناوٹی اور بے دینی، گمراہی جہالت، حماقت کی گستاخی و مردود قرار دیا۔

marfat.com

سوائے چھ تفسیروں کے جن میں پہلی ابو مسلم اصفہانی کی تفسیر دوم۔ محدث حافظ ابن حجر کی تفسیر سوم علامہ فقیہ ابو بکر جصاص کی تفسیر، چہارم۔ علامہ منطقی فلسفی زمخشری صاحب کی تفسیر پنجم امام علامہ ابن جریر مورخ کی تفسیر ششم۔ علامہ امام جلال الدین محلی کی تفسیر جلالین۔ ان معترضین کے پاس بھی اس واقعہ کی سچائی پر کوئی مضبوط دلیل نہیں بجز اس کے کہ کسی نے پہلے معتبر کی دیکھا دیکھی تائید کر دی عقل سے خود نہ سوچا، اور کسی نے ایک جھوٹی بناوٹی روایت کے راویوں کی کثرت سے مرعوب ہو کر تائید میں سرِ تسلیم جھکا دیا اور صرف یہ کہتے ہوئے اس کفر یہ عبادت کی بناوٹ کو مان لیا کہ اگرچہ یہ روایت سنداً ضعیف اور منقطع ہے اور متناً مضطرب ہے مگر چونکہ بہت طریقوں سے یہ منقول ہوئی اس لیے یہ غالباً درست ہی ہوگی۔ دوسری دلیل۔ ان مذکورہ بالا چھ مفسروں نے جس روایت کے بل بوتے اور اور جس کثرتِ راویان کے رعب میں آکر اسے صحیح مان لیا اُن راویان و روایت کا حال ملاحظہ ہو، سلسلۂ رُواۃ میں پہلی سند چلتی ہے۔ محمد بن قیس سے دوسری محمد بن کعب قرظی سے تیسری ابو العالیہ زُہری سے چوتھی سند عُروہ بن حنظلہ سے پنجم ابو بکر بن عبد الرحمن بن حارث سے چھٹی سند امام معتزلہ سُدّی سے۔ ساتویں سند سعید ابن جبیر سے آٹھویں سند۔ امام ضحاک سے۔ نویں امام محمد قتادہ سے، دسویں سند مجاہد قتوی سے۔ گیارھویں امام کوفہ ابن شہاب سے۔ بارھویں سند علامہ زنبری سے اُس ایک روایت کی یہ بارہ سندیں ہیں یعنی ان مندرجہ بارہ شخصوں نے اِس کو روایت کیا۔ مگر علماءِ اسماء الرجال کے محدثین کی تحقیق و تفتیش میں یہ سب راوی نہایت ضعیف اور ان کی روایتیں مسترد اور کمزور ہیں ان میں کوئی راوی متروک ہے کوئی مردود ہے کوئی خراب حافظے والا کوئی اختراع اور بناوٹ میں مشہور، کوئی کاذب کوئی خائن مشہور ہوا، پھر یہ کہ ان سندوں میں کوئی صحابی شامل نہیں۔ اب غور کرو کہ ایسی روایت پر اعتقاد کرنا فریبِ ابلیس نہیں تو اور کیا ہے۔ تیسری دلیل۔ اَحادیثِ مقدسات کی کسی معتبر کتب یا صحاح ستہ میں اس واقعے کا نام و نشان بھی نہیں ملتا نہ ہی احادیثِ ثقہ کی فہرست میں اس روایت یا اس کے راویوں کو شامل کیا گیا اگر ذرا بھی اس روایت میں کوئی بات ہوتی تو محدثین اس کو بھی شامل تحقیق کر لیتے ثابت ہوا کہ یہ روایت دورِ تفسیر کی پیداوار ہے جو اسلام کا چوتھا دور شمار کیا جاتا ہے پہلا دور

marfat.com

نزولِ قرآن کا دوسرا جمعِ قرآن کا تیسرا فقہ اجتہاد کا چوتھا تفسیر کا ثقہ حدیث میں نہ کوئی اضطراب ہوتا ہے نہ انتشار نہ سقم اس کا دوسرا نام متواتر ہے اور متواتر حدیث پاک کو اس طرح ماننا فرض ہے جس طرح آیتِ قرآن پاک کو کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے بعض منکرینِ حدیث ثقہ روایت کے بھی اس لیے منکر ہو جاتے ہیں کہ اُن کی سمجھ میں نہیں آتی یہ اُن کی جاہلانہ حماقت ہے چوتھی دلیل۔ یہ روایت متناً اتنی مضطرب ہے کہ ہر روایت کا متن دوسری سند کی روایت سے قطعاً متضاد ہے اور یہ ہی تضاد بیانی اِس کے جھوٹا ہونے اور بناوٹی بننے کے لیے کافی ہے ۱؎ مثلاً ایک راوی اپنی روایت کا متن اس طرح لکھتا ہے کہ سورۂ نجم کی تلاوت کے درمیان شیطان نے نبی کریم کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دئے اور نبی کریم نے یہ الفاظ بلا اختیار پڑھ دئے اور بتوں کی تعریف بیان فرمائی (معاذ اللہ) ۲؎ دوسرے راوی نے یہی واقعہ اس طرح بیان کیا کہ چونکہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ایک دن خواہش ہوئی تھی کہ کاش اللہ تعالیٰ کوئی ایسی وحی نازل فرمائے جس سے یہ کافر خوش ہو جائیں اور خوش ہو کر مجھ پر ایمان لے آئیں تب اُس خواہش کے تحت سورۂ نجم کی تلاوت کے دوران لات و عزّٰی کے ذکر پر آپ کی زبان سے سہواً یہ الفاظ نکل گئے تھے (معاذ اللہ) یہ دونوں باتیں کفریہ ہیں اس کو گھڑنے بنانے اور ماننے عقیدہ بنانے والا اصر بجا کافر ہے نبی کریم صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم صرف اہلُ اللہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے گمراہ پیروں کی طرح آپ کو تعدادِ دُنیا بڑھانے کی خواہش نہ تھی کہ آپ کسی قسم کی بے دینوں کی رعایت فرماتے یا اسلام میں ذرہ بھر لچک پیدا فرماتے ۳؎ کسی نے اس طرح روایت بنائی کہ تلاوتِ نجم کرتے ہوئے آپ کو اونگھ آ گئی تھی اور اونگھ میں آپ کے منہ سے یہ الفاظ تِلْكَ الْغَرَانِيقُ (الخ) والے نکل گئے تھے ۴؎ ایک راوی نے اس طرح بناوٹ کی کہ یہ الفاظ استفہام انکاری کے طور پر ہیں اور نبی کریم نے یہ قصداً ادا فرمائے۔ یعنی کیا یہ تمہارے مٹی پتھر کے بُت جن کو غرانیق اُلعُلیٰ۔ بلندیوں پر اڑنے والے پرندے کہتے ہو کیا اِس لائق ہیں کہ ان سے شفاعت کی اُمید کی جائے جیسا کہ تم نے ان کے متعلق عقیدۂ فضول و بیہودہ بنایا ہوا ہے ۵؎ کس نے روایت اس طرح بنائی کہ یہ الفاظ نبی کریم نے اپنی زبان سے نہیں کہے بلکہ آپ نے کچھ وقفۂ تلاوت فرمایا تو شیطانِ اَبیض نے آپ کی آواز جیسی آواز بنا کر کفار کو یہ الفاظ سنائے مگر نہ نبی کریم

marfat.com

نے بعض نہ صحابہ کرام نے صرف کفار نے ہی یہ الفاظ سنے اور سمجھا کہ نبی کریم نے ہی یہ الفاظ کہے ہیں
۶ کسی نے اس طرح روایت بنائی کہ یہ الفاظ نہ شیطان نے کہے نہ نبی کریم نے بلکہ کسی مشرک لعنتی
نے ہی ان میں سے کہے اور دیگر مشرکین سمجھے کہ شاید یہ الفاظ نبی کریم نے کہے ۷ کسی نے
اس طرح بناوٹ کی کہ جب نبی کریم نے لَاتَ و عُزّٰی وَمَنٰوةَ الثَّالِثَةَ کے الفاظ ادا
کئے تو وہاں بیٹھے ہوئے مشرکین نے اپنے بتوں کی تعریف اِن الفاظ میں کرنی شروع
کردی۔ غرضکہ جتنے منہ اتنی باتیں یہ سراسر اسلام کے خلاف سازش ہے ایسی بے سروپا
مضطرب روایات کے بہانے کوئی مفتری اپنا عقیدہ بد بنانا پھرے تو یہ اُس کی گمراہی ضدبازی
عناد سازی کے سوا اور کیا ہے۔ پانچویں دلیل سورۂ حج کی یہ آیت اپنے سیاق وسباق
اور مدتِ نزول کے دس سالہ دراز مدت کے اعتبار سے نجم سے اس کا کوئی تعلق نظر
نہیں آتا لہٰذا اندھی عقل سے اِن آیات کو دس سالہ پہلے کی نازل شدہ سورۂ نجم کی آیت
۱۹ کا شانِ نزول بنانا نری حماقت ہے اور حماقت کو ماننا جہالت ہے۔ ضد کرنا گمراہی ہے
چھٹی دلیل۔ سورۂ نجم کی آیت ۱۹ اپنے سیاق وسیاق کے اعتبار سے اِن الفاظِ شیطنی
کے ساتھ کوئی مطابقت نہیں رکھتے۔ کفارِ مکہ مشرک ہونے کے ساتھ ساتھ اہل عرب
بھی تھے کیا وہ سورۂ نجم کی اگلی آیت کو نہیں سمجھتے تھے کہ آخری آیت تک تو بتوں کی برائی
بت پرستوں کی گمراہی بیان ہو رہی ہے تو درمیان میں ایک بے جوڑ فقرے سے وہ کیونکر
خوش ہو سکتے تھے۔

فائدے اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ کوئی جن فرشتہ
ابلیس شیطان آقاءِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کسی چیز کی شکل
نقل نہیں بنا سکتا نہ ذات کی نہ صفات کی نہ آواز کی نہ شکل وصورت کی یہ فائدہ اِلَّآ اِذَا
تَمَنّٰٓی اَلْقَی الشَّیْطٰنُ فِیْٓ اُمْنِیَّتِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا، کہ شیطان دورانِ تبلیغ فقط اپنی
آواز یا ابہام کا اِلقا کفار کو کر سکتا ہے مگر نقل بن کر نہ آ سکتا ہے نہ سنا سکتا ہے ابلیس
وشیاطین کے اِلقا دو قسم کے ہوتے ہیں خفی اور صوتی، خفی وسوسے ہر ایک انسان کو
ڈالتا رہے گا تا قیامت لیکن صوتی اور آواز سے صرف کفار کو القا کر سکتا ہے
ابلیس بدل کر اولیاءِ کاملین کے پاس آ سکتا ہے دھوکے ورغلانے کے لیے
مگر اولیا کی بارگاہ میں ناکام ونامراد ہو جاتا ہے۔ فساق وکفار کے پاس کامیاب ہو جاتا

marfat.com

ہے۔ **دوسرا فائدہ** سچائی کا معیار باطل کی دخل اندازی نہیں نہ ابتدائی شور و غل ہے بلکہ سچائی کا معیار حق و باطل کے آخری انجام سے ہے اس طرح کہ آخر کار باطل کو شکستِ فنا ہوتی ہے اور حق کو فتحِ بقا حاصل ہوتی ہے یہ فائدہ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** کافر کسی بھی قسم کا ہو کسی مسلمان کا کبھی دوست نہیں ہو سکتا، اگر کبھی کسی مسلمان سے کوئی کافر دوستی دکھائے بھی تو وہ فقط ظاہراً منافقت یا سیاست کی عیارانہ چال ہو گی مگر باطن میں ذاتی مفاد پرستی ہی ہو گی۔ لہٰذا کسی مسلمان کو کبھی کسی کافر کی نہ چاپلوسی کرنا چاہیے نہ عیاری میں آنا چاہیے نہ جلد بازی میں کچھ رُو رعایت کی ضرورت بلکہ بہت محتاط قدم بڑھانا چاہیے۔ یہ فائدہ وَاِنَّ الظّٰلِمِيْنَ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ عام طور پر کفار کا ورغلانا مسلمانوں کو تین طرح ہوتا ہے ۱ نوکری سے ۲ چھوکری سے ۳ ٹوکری یعنی مالی امداد سے۔ مگر قرآنِ مجید نے تا قیامت ہر مسلمان کو اِن آیات کے ذریعے ہر طرح متنبہ کر دیا ہے شِقَاقٍ بَعِيْدٍ کا معنیٰ ہے دور کی حسد جلن بغض اندرونی دشمنی دِل پھٹا ہی رہنا۔ مثل سانپ ہمیشہ زہر بلا ڈنگ ہی چلانا۔

احکام القرآن اِن آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ** معتزلہ فرقہ کہتا تھا کہ نبی رسول اور مرسل میں کوئی فرق نہیں ہر نبی رسول بھی ہوتا ہے اور مُرسَل بھی مگر یہ قول غلط ہے اور احادیث و آیات کے خلاف ہے۔ صحیح مسلک یہی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السّلام پیغمبرانہ شان میں تین مدارج پر ہیں پہلا گروہ صرف نبی، دوسرا گروہ نبی رسول تیسرا گروہ نبی رسول مُرسَل جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں وضاحت کر دی گئی ہے احادیث سے بھی یہ تقسیم ثابت ہے یہ مسئلہ یہاں مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ (الخ) فرماتے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** کوئی شخص جن یا انسان کسی بھی نبی علیہ السّلام کی آواز کی مثل آواز بھی نہیں بنا سکتا اس کی وجہ یہ کہ جس طرح انبیا علیہم السّلام کی شکل و صورت حُلیے پر سچی تبلیغ دین کا انحصار ہے اسی طرح انبیاء کرام علیہم السّلام کی آواز پر بھی تبلیغِ دین و احکام الٰہی کا دار و مدار ہے اسی لیے انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی ہر چیز بے مثل بنائی گئی اور نہایت شاندار انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی آواز میں تو گلا بیٹھنے کی بیماری بھی نہیں آسکتی تاکہ ذاتی مشہور آواز بھی نہ بدلے۔ لہٰذا شیطین نہ شکلِ نبوت کا بھیس بدل سکے نہ آواز کی نقل اُتار سکے نہ جاگتے میں نہ خواب میں یہ مسئلہ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ (الخ) سے مستنبط ہوا کہ باری تعالیٰ شیطان کی ہر چال آواز کی

marfat.com

فریب کاری کو تباہ کر دیتا ہے۔ تیسرا مسئلہ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نسخ کے تین معنی ہیں ۱. تبدیل کرنا جیسے احکام کی آیت کا منسوخ کیا جانا اور اُس کی جگہ دوسرا حکم نازل ہونا یعنی اللہ تعالیٰ ایک حکم کو بدل کر دوسرا قانونی حکم نازل فرمائے ۲. نسخ کا دوسرا معنیٰ مٹانا جیسے تنسیخ نکاح تنسیخ خرید فروخت یعنی نکاح و بیع ختم کرنا مٹانا ۳. تیسرا معنیٰ ہے تباہ و برباد کرنا۔ یعنی رب تعالیٰ باطل اشیاء کو منسوخ فرماتا ہے تباہ و برباد اور فنا فرماتا ہے اسی تباہی کو ذھوق بھی کہا جاتا ہے یہ مسئلہ اور معنوی تقسیم فَیَنْسَخُ اللّٰہُ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ سے مستنبط ہوا یہاں نسخ کا معنیٰ تباہ کرنا ہلاک ہے اور فنا کرنا ہے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراضات کیئے جاتے ہیں۔ پہلا اعتراض، یہاں فرمایا گیا وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِیٍّ۔ اَرْسَلْنَا کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ ہر نبی رسول بھی ہے کیونکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا اس کا ترجمہ ہے اور نہیں رسول بنایا ہم نے کسی رسول کو اور نہ کسی نبی کو مگر جب (الخ) لیکن وَلَا نَبِیٍّ کی واؤ عاطفہ چونکہ غیریت اور تفریق کو بیان کرتی ہے اس لیے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اور نبی میں فرق ہے اور دونوں مدارج و ذمہ داریوں میں علیحدہ مقام رکھتے ہیں۔ نیز سورۃ بقرہ کی آیت ۲۸۵ میں ارشاد ہے لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ یعنی ایمان والوں کو اقرار ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں فرق نہ کریں گے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی کبھی فرمایا گیا یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ، اور کبھی فرمایا جاتا ہے یٰٓاَیُّھَا الرَّسُوْلُ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر نبی رسول بھی ہے اور ایک ہی شخصیت کے دو لقب ہیں، تو پھر یہاں واؤ عاطفہ کیوں ارشاد فرمایا گیا جس سے مغایرت ظاہر ہوئی۔ **جواب**۔ یہ بات تو بہت سی آیات و احادیث سے ثابت ہے کہ نبی اور رسول میں فرق ہے۔ مفسرین، شارحین اور فقہا نے بھی یہ بیان فرمایا لیکن اس اعتراض کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے اصل میں آیت اس طرح ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّمَا کَانَ مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّآ اِذَا (الخ) یعنی نہیں رسالت دی ہم نے آپ سے پہلے کسی رسول کو اور نہیں ہوا کوئی نبی مگر جب بھی اُسنے تلاوت کی (الخ) اَرْسَلْنَا کا تعلق صرف رَسُوْلٍ سے ہے نہ کہ نَبِیٍّ سے۔ مگر یہ جواب کمزور ہے ۲. صحیح اور مضبوط جواب یہ ہے کہ یہاں کوئی عبارت پوشیدہ نہیں ہے۔ اور اَرْسَلْنَا کا تعلق دونوں سے ہے وَمَآ اَرْسَلْنَا

marfat.com

کا ترجمہ وہ نہیں ہے جو معترض نے کہا۔ یعنی اَرْسَلْنَا کا معنیٰ رسول بنانا نہیں ہے۔ بلکہ بھیجنا مراد ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول اور کوئی نبی مگر جب بھی انہوں نے تلاوت فرمائی ڈالا (الخ) اس سے ثابت ہوا کہ نبی و رسول کے درجوں اور ذمہ داریوں میں فرق ہے مگر دونوں کو اللہ تعالیٰ ہی اپنی قوم میں بھیجتا ہے۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ کا معنیٰ یہ ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے مدارج میں فرق نہیں کر سکتے نہ ہماری یہ جرأت نہ ہمارا یہ کام۔ اور نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو نبی کہہ کر کبھی رسول کہکر خطاب ارشاد فرمانا یہ ثابت کرتا ہے کہ آپ نبی بھی ہیں رسول بھی مُرسَل بھی کیونکہ ہر رسول نبی ہوتا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چونکہ مرسل ہیں اس لیے رسول بھی ہیں نبی بھی ہیں نبی رسول مُرسَل کی تعداد و تعریف ہم نے تفسیر عالمانہ میں بیان کر دی

دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا۔ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ اس کی کیا وجہ کہ یہاں دونوں جگہ بیمار دل والوں اور قاسیہ دل والوں کا نام نہیں لیا گیا کہ کون بیمار دل والے ہیں اور کن لوگوں کے دل قاسیہ ہیں۔ جواب: یہ آیت تین قسم کے بندوں کو سنائی گئی ہے۔ مومنین، منافقین اور منظاہرین کو مومنین تو جانتے ہیں کہ کون بیمار دل والے ہیں اور کون ضدی اور سخت و تنگ دل والے ہیں لیکن منافقین ومنظاہرین کفار کو سوچنے، سمجھنے اور تفکر و تدبر کی دعوت دی جا رہی ہے اس کی وجہ یہ کہ جو چیز اپنے تفکر و تدبر سوچنے سے حاصل ہوتی ہے وہ زیادہ پختہ اور ذہن نشین ہوتی ہے اگر انسان کے اپنے سوچنے سمجھنے سے اپنی بیماری کا پتہ لگ جائے تو اُس کو دوسرے کے بتانے کے مقابل زیادہ محسوس بھی ہوتی اور زیادہ یقین بھی بتایا یہ جا رہا ہے کہ اے کافرو منافقو تم خود اندازے لگاؤ سوچ و فکر کرو کہ مردہ دل کس کے ہیں۔ ظاہری کافرو تم بھی غور کرو کہ ضدی مغرور ایذا رسان و سنگی دل والے کون لوگ ہیں اگر بیماریِ دل کی نشانی تم اپنے اندر پاؤ تو اس کا علاج توبہ ہے لہٰذا سچی توبہ کرو اور اگر ظاہری کافرو تم اپنے دل میں قساوت کی نشانیاں پاؤ تو سمجھ لو کہ تم ہی قاسیۃ قلوب ہو اور تم بھی ایمان کی نرمی سے اس کا مداوا کرو۔ بیمار دل کی نشانی تزلزل تذبذب بزدلی شبہات خدشات کا جمع ہونا ہے۔ اور قساوت قلبی کی نشانی ضد، غرور، اکڑ، فخر، ظلم بے رحمی کنجوسی ہے۔ ہر شخص اپنے ضمیرِ دل کی کیفیت کو جانتا پہچانتا سمجھتا ہے منہ سے تسلیم زبان

marfat.com

سے اقرار کرے یا نہ کرے۔ اکثر فساق کی بھی یہ حالت نہیں ہو جاتی ہیں۔ خیال رہے کہ اولاً دل میں قساوت پیدا ہوتی ہے پھر بیماریِ دل پھر فسق و فجور۔ تیسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ یعنی ان کے دلوں میں بیماری ہے، سوال یہ ہے کہ بیماری دل میں کب ہوتی ہے وہ تو جسم میں ہوتی ہے اور جب جسم میں بیماری ہو تو بیماری تمام ظاہری۔ باطنی اعضا میں پھیل جاتی ہے اور دل بھی باطنی اعضا میں سے ہے۔ لہٰذا یہاں کہنا چاہیئے تھا کہ ان کے قالب میں بیماری ہے۔ جواب جس چیز کو عربی لغت میں مرض اور فارسی اردو میں بیماری کہا جاتا ہے اس کی لغوی تعریف یہ ہے کہ ایسی کمزوری ہو جانا جس کی وجہ سے مقصد پورا نہ ہو سکے یا ہو تو بہت مشکل سے ہو۔ اس معیار کے اعتبار سے ہر عضو کی علیحدہ بیماری ہوتی ہے۔ جسمانی بیماری ظاہری مرض کو کہتے ہیں جو ڈاکٹر حکیم کو معلوم ہو جاتی ہے اندرونی ہو یا بیرونی محسوس ہو جاتی ہے۔ مگر روحانی بیماری باطنی مرض کو کہتے ہیں، جو اکثر خود بیمار کو بھی معلوم اور محسوس نہیں ہوتی اس کو صرف اہل اسرار اولیاء اللہ، مرشدِ برحق، شیخ کامل ہی جانتا ہے ہاں البتہ ظاہری بیماری کی طرح باطنی روحانی بیماری کی بھی کچھ نشانیاں ہیں جو قرآن مجید کی آیت احادیثِ مقدسات کے فرمودات نے بیان فرما دیں، ان نشانیوں پر ہی غور و فکر تدبر کرنے کی دعوت اس آیت میں اور دیگر آیت میں دی گئی ہے چنانچہ سورۃ ذاریات کی آیت ۲۱ میں ارشاد ہوا۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ یعنی اے انسانوں تم اپنے باطن میں کیوں نہیں دیکھتے تاکہ قدرت کی صناعی کے ساتھ ساتھ تم کو اپنی اندرونی روحانی بیماری یا تندرستی کا بھی پتہ لگے اور احساس ہو یہاں فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ میں اسی روحانی بیماری کا ذکر ہے جو دل کے لوتھڑے پر نہیں بلکہ دل کی روحانیت پر ہے جس کی وجہ سے تمام روحانی قوت کمزور یا ختم ہوتی چلی جاتی ہے، جب بالکل ختم ہو جائے تو اسی کو مردہ دل کہا جاتا ہے بیمار دل توبہ کی دوا سے شفایاب ہو جاتا ہے۔ مگر مُردہ جسم کی طرح مردہ دل کسی دوا سے ٹھیک اور زندہ نہیں ہو سکتا۔

تفسیر صوفیانہ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰٓى اَلْقَى الشَّيْطٰنُ فِيْٓ اُمْنِيَّتِهٖ ۚ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ۔ قالب انسان ایک بستی ناسوتی ہے۔ اعضاءِ ظاہری اس بستی بدنی کی رہائشی قوم ہے قلبِ انسانی نورِ نبوت و شمع رسالت کا مخزن ہے قلب کی ایمانی

خواہشات اُس کی تلاوتِ کلام ہے۔ اعمالِ عبادت کے دوران وسواسِ رحمانی اِلقاءِ شیطانی ہے نفسِ امارہ مجلس ومرکزِ ابلیس ہے، ابلیس ہی شیر نفس ہے جو وہ نفس کو سکھاتا ہے اور نفس امارہ عقل کو ستاتا ہے اور عقل شعور کو شبہات وشکوک میں ڈالتا ہے یہ ایک دوبار نہیں ہوتا بلکہ جب بھی کسی قلب سے نورِ نبوت یا شمع رسالت کی شعاعیں ظاہر ہوئیں تو نفس امارہ نے اُس میں رخنہ اندازی کی کیونکہ نفسِ ظلمانی ہر وقت ظلمت وسیاہی پھیلانے کا خواہش مند رہتا ہے اور ابلیس حجابات کا خواہش مند رہتا ہے۔ ہر اہل معرفت جانتا ہے کہ ہر رسول اور ہر نبی صاحبِ معجزہ بھی ہوتا ہے صاحبِ امتِ دعوت بھی صاحبِ تبلیغ بھی رسول ونبی میں فرق نئی شریعت اور صحیفے یا کتاب ملنے میں ہوتا ہے کہ ہر رسول علیہ السلام کو نئی شریعت اور نیا صحیفہ عطا فرمایا جاتا ہے اور مرسل نبی کو نئی شریعت نیا صحیفہ، نئی کتاب، نیا قانون عطا فرمایا جاتا ہے۔ اس لیے رسول تین سو تیرہ اور مرسل صرف چار ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ شریعتیں اور صحیفے تین سو تیرہ ہوئیں۔ بڑی کتابیں صرف چار۔ اور صرف نبوت والے انبیاء علیہم السلام اپنی اُمت کو سابقہ رسول علیہ السلام کے صحیفے وشریعت کی تبلیغ فرماتے ہیں یا سابقہ کتابِ منزل کی بھی جس طرح دنیا میں کفار حکومتیں اسلامی حکومتوں میں اپنے اڈے بنانا چاہتی ہیں اسی طرح ابلیس نفسِ امارہ میں اپنا اڈا بنانا چاہتا ہے تاکہ قالبِ مومن کو محکوم مغلوب اور کمزور وخراب کرتا رہے۔ ابلیس شیطان نفسِ امارہ کو اپنے وسوسوں کا محل بنا لیتا ہے اور اپنے اِلقاءِ پیغامات کا مرکز۔ فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مگر اللہ تعالیٰ قلب وقالب اور اہل قلب کی مدد فرماتا ہے اس طرح کہ وسواسِ شیطانی کی یلغار کو تباہ فنا کر کے قلب پر نورِ روح کا سورج طلوع فرمایا جاتا ہے اور قلبِ عارف نورِ معرفت کا مشرق بن جاتا ہے پھر تائید قدسی کے ذریعے ظہورِ نفس کی ظلمت کا ازالہ ہو جاتا ہے اور فریبِ نفس کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور القاءِ ملکی نکھر کر خُلو کے جُلو سے ممتاز و مرتاز نظر آنے لگتے ہیں۔ نفس کی عیاری، ابلیس کی شراری فریب کاری کے پردے بوسیدہ و مضمحل نظر آتے ہیں آخر الامر تباہ ہو جاتے ہیں اور الہامات ملائکہ مستقر ومستقل اور قائم رہتے ہیں ثُمَّ يُحْكِمُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ تب قلب مومن میں ہر قسم کی تمکین وقوتِ تسکین وقدرت سے آیاتِ الٰہیہ نشانات رحمانیہ علامات ربانیہ محکم ومضبوط فرما دی جاتی ہیں اور بندہ مرید شیخ سے مرادِ شیخ بن جاتا ہے وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ اور اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ خوب جاننے والا ہے شیطانی اِلقاءات کو بھی اور

marfat.com

اُس کے نسخ کرنے کے طریقے کو بھی حکیم" وہ اللہ حکمتوں قدرتوں والا ہے اپنی وحی کے بیان فرمانے میں اس طرح کہ اپنی آیت کو اپنی حکمت سے سینۂ مومن میں سجا دیتا ہے اور تقاضاءِ حکمت کے مطابق محکم فرماتا ہے کائنات میں ہر خیر و شر اس کی حکمت سے پنپ رہے ہیں اس لیے لِّیَجْعَلَ مَا یُلْقِی الشَّیْطٰنُ فِتْنَةً لِّلَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ وَّالْقَاسِیَةِ قُلُوْبُهُمْ وَاِنَّ الظّٰلِمِیْنَ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ۔ تاکہ رب تعالیٰ کی ہزارہا حکمتوں کے علاوہ یہ حکمتِ ازلی قدیمی ظاہر ہو کہ نفسِ امارہ کی مہلتِ حیات اور ابلیس و شیطان کی کی ذیلی ڈھیل اور شہوتِ القاءات در غلاطوں وسوسوں کی کھلی اجازت راہِ سلوک کے محجوبین کے لیے فتنہ آزمائش بن جائے۔ یہی لوگ منافقینِ باطن اور شاکین متذبذبین مخفی ہیں اور دل کی قساوت والوں کے لیے قبولِ حق کی اڑ اور بہانہ بن جائے شک کرنے والے کا شک محجوبین کا حجاب زیادہ ہوتا رہے اور یہ سزاءِ محرومی ہی اُن کے نفوسِ ظلمانیہ اور اُن کے قلوبِ قاسیہ کے مناسب ہے اس لیے کہ اہل نفوس بجز القاءِ شیطانی کچھ بھی قبول نہیں کرتے۔ جیسا کہ سورۃ شعراء کی آیت ۲۲۱ میں ارشاد ہے هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّیٰطِیْنُ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِیْمٍ۔ ترجمہ کیا میں بتاؤں تم کو یہ شیطین کہاں اترتے ہیں تو سنو یہ اترتے ہیں ہر بے غیرت فاسق پر۔ اسی وجہ سے یہ لَفِیْ شِقَاقٍ بَعِیْدٍ۔ ہیں یعنی بہت دور کی بدبختی اور شقاوت میں گرے پڑے ہیں اس لیے بھلا وہ کس طرح قبول کر سکتے ہیں حق کو (روح البیان وابن عربی) اور کیسے ممکن ہے کہ جس کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہوں سمعیت کے کان بہرے ہوں اور تلاوت کی زبان گونگی ہو وہ حق کا نور سچ کی آواز قبول کرنے کا اقرار ظاہری کرے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جسمانی بیماری سے بدن مردہ ہو جاتا ہے اور قلبی روحانی بیماری سے دل مُردہ ہو جاتا ہے۔ قالبِ انسانی میں آنکھ، ناک، کان منافق بدنی بن جاتے ہیں اور ہاتھ پیر بازو مظاہرین بدنی ہیں کیونکہ آنکھ بیک وقت کئی طرف پھر جاتی ہے اور ہر بُری اچھی چیز دیکھ لیتی ہے۔ کان بیک وقت اچھی بری آواز سن لیتا ہے۔ ناک بیک وقت اچھی خوشبو بدبو سونگھ لیتی ہے۔ مگر ہاتھ پاؤں ایک وقت میں ایک کام ہی کرتے ہیں۔ یا اچھا یا برا (از روح البیان) اب یہ بندے کا کام و کمال ہے کہ اپنے آنکھ ناک کو منافقت باطنی سے بچائے ایمان مقبول بدلگائے اور

marfat.com

اپنے ہاتھ پاؤں کو حماقت سے بچائے رفاقت پر لگائے لیاقت پر چلائے حدیث مقدس میں ہے کہ نیک بندے کا پہلا درجہ مسلمان ہونا ہے دوسرا درجہ مومن ہونا ہے۔ مسلمان کی نشانی یہ ہے کہ اُس کا دل اور زبان درست ہو۔ ایک مرتبہ آقاء کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم چند لوگوں کے پاس سے گزرے جو بھاری پتھر اٹھانے کی کوشش کر رہے تھے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے سوال فرمایا یہ کیا کر رہے ہو، انہوں نے عرض کیا ہم جسمانی قوت کی ورزش کر رہے ہیں مگر یہ پتھر بہت بھاری ہے ہم سے کوئی بھی ابھی تک اٹھا نہیں سکا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ روحانی ورزش پر زیادہ توجہ اور وقت دیا کرو روحانی ورزش کے پتھر اس سے بھی زیادہ بھاری ہیں، جسمانی پتھر بازوؤں پر بھاری ہوتے ہیں روحانی پتھر عقل و دماغ، نفسانی طبیعت اور انانیت پر بھاری ہوتے پھر فرمایا، جو شخص اپنے مومن بھائی سے ناراض ہو مگر صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے اپنے نفس شیطان پر غالب آکر مومن بھائی سے راضی ہو جائے اُس نے گویا بھاری پتھر اُٹھایا، فرمایا آقاء دو جہان صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کہ تین چیزیں باعث ہلاکت ہیں اور تین چیزیں باعث نجات ہیں ۱ طبعی بخیلی ۲ دنیوی خواہشات کی پیروی ۳ خود پسندی یہ تینوں باعث ہلاکت ہیں، باعثِ نجات چیزیں ۱ ظاہر و پوشیدہ میں رب تعالیٰ سے ڈرنا ۲ غصہ اور خوشی میں انصاف کرنا ۳ مفلسی اور تونگری دونوں حالتوں میں کفایت شعاری اور سخاوت قائم رکھنا صوفیا فرماتے ہیں کہ صرف علماء ربانی ہی ہر حالت میں انصاف کر سکتے ہیں اس لیے کہ علم نور ہے۔ اس سے ظلمتِ نفس مٹتی ہے اور نفس پر ایسا قابو ہوتا ہے کہ ہوش وعقل اور بیدار مغزی بطریقۂ احسن استعمال کر سکتا ہے۔ علماء علم قرآن وحدیث ہی رب تعالیٰ کے محاسبے کا خیال رکھتے ہیں۔ ایک حدیث مقدس میں ارشادِ نبوی ہے مومن کی نشانی یہ ہے کہ وہ لوگوں سے محبت کرتا ہے اور نیک لوگ اُس سے محبت کرتے ہیں لیکن ایسا شخص جو لوگوں سے محبت نہ کرے اور اہل ایمان لوگ اس سے محبت نہ کریں بلکہ اُس کی عادتوں سے نفرت کریں اس میں کوئی ایسی خوبی نہیں کہ اچھا مسلمان کہا جائے مسلمانوں کی آپس میں محبت وہ ہے جو رب تعالیٰ کے لیے کی جائے نہ کسی رشتے داری کے واسطے سے ہو اور نہ کسی لالچ کے لیے بارگاہِ الٰہی میں محبت کی اطاعت و اتباع کا درجہ بہتر ہے ضعف کی اطاعت و اتباع سے اس لیے کہ محبت کی اطاعت کا تعلق اندرونِ قلب

marfat.com

سے ہوتا ہے اور خوف کی اتباع و اطاعت کا تعلق باہر سے ہے۔ دیکھو پتوں پھلوں پھولوں پر خزاں آجاتی ہے مگر جڑ پر کبھی خزاں نہیں آتی۔

وَّلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّهُ الْحَقُّ

اور تاکہ جان لیں وہ لوگ جو دئے گئے علم کہ بے شک وہ منسوخ و محکم ہونا حق ہے

اور اس لیے کہ جان لیں وہ جن کو علم ملا کہ وہ تمہارے رب کے پاس سے حق

مِنْ رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فَتُخْبِتَ لَهٗ قُلُوْبُهُمْ ؕ

آپ کے رب کی طرف سے لہٰذا ایمان لے آئیں اس پر پس آمادہ ہو جائیں ایمان لانے کے لیے اُن کے دل

تو اس پر ایمان لائیں تو جھک جائیں اُس کے لیے اُن کے دل

وَاِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِلٰى صِرَاطٍ

اور بے شک اللہ البتہ ہدایت دینے والا ہے اُن لوگوں کو جو ایمان لا چکے سیدھے

اور بے شک اللہ ایمان والوں کو سیدھی راہ چلانے

مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۵۴﴾ وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِيْ

راستے کی طرف اور نہ ہٹیں گے یعنی پڑے رہیں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے جھگڑا آمیز شک میں

والا ہے۔ اور کافر اس سے ہمیشہ شک میں رہیں گے

مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً

اس صراطِ مستقیم کی حقانیت سے یہاں تک کہ آجائے ان کے پاس قیامت اچانک یا آجائے

یہاں تک کہ اُن پر قیامت آجائے اچانک یا اُن پر ایسے دن کا

marfat.com

أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ ﴿٥٥﴾ اَلْمُلْكُ

اُن کے پاس بانجھ کرنے والے (بے فائدہ کرنے والے) دن کا عذاب خالص بادشاہی

عذاب آئے جس کا پھل اُن کے لیے کچھ اچھا نہ ہو۔ بادشاہی

يَوْمَئِذٍ لِلّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ؕ فَالَّذِينَ آمَنُوا

اُس دن اللہ کے لیے ہے فیصلہ فرما دے گا اُن تمام انسانوں کے درمیان تو وہ لوگ جو ایمان لاتے رہے

اُس دن اللہ ہی کی ہے وہ انھیں فیصلہ کر دے گا۔ تو جو ایمان لائے

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِي جَنّٰتِ النَّعِيمِ ﴿٥٦﴾

اور عمل کیے نیک رہائش کریں گے وہ نعمتوں والے باغوں ہیں۔

اور اچھے کام کیے وہ چین کے باغوں میں ہیں۔

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں ابلیس شیطان کو کچھ ہاتوں میں ڈھیل دینے کی حکمتوں کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں چند دوسری حکمتیں و مصلحتیں بیان کی جارہی ہیں **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں دو حکمتوں کا ذکر فرمایا گیا اب اِن آیت میں اُن حکمتوں کے فوائد بیان ہوئے کہ مومن اور کافر میں تھوڑی چھانٹ دنیا میں ہی ہوگی۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی تین خصلتیں بیان ہوئیں ۱۔ دل میں بیماری ۲۔ قلبی سختی ۳۔ بڑے جھگڑالو۔ اب ان آیت میں ان کی چوتھی خصلت کا ذکر ہو رہا ہے جو سبب ہے اُن تین کیفیتوں کا یعنی شک کی بیماری یہ لاعلاج ہوتی ہے۔

تفسیر نحوی وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ۔ واؤ پر جملہ لام کے تعلیلیہ یہ اَنْ ناصبہ کی طرح فعل مضارع کو نصب دیتا ہے اور مابعد جملے کو ماقبل عبارت کی علت بناتا ہے۔ یَعْلَمَ فعل مضارع مثبت معروف

marfat.com

واحد مذکر غائب باب سمع سے عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاننا، متعدی بیک مفعول ہے اَلَّذِيْنَ اسم موصول مبینات میں سے ہے بحالت رفع ہے کیونکہ فاعل ہے يَعْلَمَ کا اُوْتُوْا باب افعال کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب مثبت مجہول مصدر ہے اِيْتَاءٌ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ دینا اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع ہے اَلَّذِيْنَ اَلْعِلْمَ اسم معرفہ باللام الف لام حرف عہد خارجی تعظیمی مراد ہے بڑا علم خصوصی علم یعنی دینی علم یہ مفعول بہ ہے اُوْتُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِيْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر فاعل ہے يَعْلَمَ کا اَنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم۔ اَلْحَقُّ اسم معرفہ موصوف ہے مِنْ رَّبِّكَ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے اَنَّ کی اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے يَعْلَمَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ سببیہ يُؤْمِنُوْا باب افعال کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ بحالت نصب ہے يَعْلَمَ کے عطف کی وجہ سے دراصل تھا يُؤْمِنُوْنَ آخر کی نون اعرابی مرفوع گر گئی نصب کی وجہ سے اس کا مصدر ہے ایمانٌ بِ جارہ بمعنیٰ علیٰ فوقیت والا، ہٖ ضمیر کا مرجع سابقہ اَفْعَالِ اِلٰہِیَّہ منسوخ و محکم کرنا یہ جار مجرور متعلق ہے۔ يُؤْمِنُوْا کا یہ فعل با فاعل اپنے اس متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ بمعنیٰ واؤ عاطفہ تُخْبِتَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مونث غائب خَبْتٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عاجز ہونا۔ مائل ہونا جھکنا یہاں ہر معنیٰ مناسب ہے مصدر ہے اِخْبَاتٌ باب افعل میں آکر متعدی باللام ہوا۔ لام حرف جر ملکیت ہٗ کا مرجع ایمان لانا ہے یا اللہ تعالیٰ ہے قُلُوْبُهُمْ یہ مرکب اضافی فاعل ہے تُخْبِتَ کا یہ تُخْبِتُ بحالت فتحہ ہے فَيُؤْمِنُوْا پر عطف تابع کی وجہ سے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے فَيُؤْمِنُوْا پر دونوں عطف مل کر معطوف يَعْلَمَ کے جملے پر وہ سب عطف مل کر علت ہے ماقبل ثُمَّ يُحْكِمُ کی عبارت پر واؤ سر جملہ اِنَّ حرف مشبہ لفظ اللہ اس کا اسم۔ لام حرف تاکید ھَادِ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل واحد مذکر دراصل تھا ھَادِیٌ۔ آخر کی یٰ تخفیف (لفظ ہلکا کرنے) کے لیے اتصال با اسم موصول کی وجہ سے گر گئی اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے ھُدًی سے مشتق ہے بمعنیٰ راستہ دکھانا یا راستے تک پہنچانا یا منزل مقصود تک پہنچانا۔ یہاں پہلے دو معنیٰ بن سکتے ہیں۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول جمع مذکر آمَنُوْا باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف

marfat.com

جمع مذکر غائب اس کا فاعل ہُم ضمیر جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ اِلٰی جارہ انتہا کے لیے صِرَاطٍ
ایک لغت سِرَاطٍ بسین سے ہے۔ صَرْطٌ سے مبالغے کا صیغہ ہے بروزن فِعَالٍ بمعنیٰ نگلنا چونکہ
راستہ گلی کوچہ شاہراہ بھی راہ رَو کو اپنے اندر نگل یعنی سما اور چھپا لیتا ہے اس لیے رستے
کو صراط کہا گیا۔ یہ موصوف ہے مُسْتَقِیْمٍ۔ باب استفعل کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا
مصدر ہے اِسْتِقَامَۃٌ، جو دراصل اِسْتِقْوَامٌ تھا تعلیل کے بعد استقامۃٌ ہوا قَوْمٌ سے بنا
ہے بمعنیٰ کھڑا ہونا، بالکل سیدھا قیام کر سکنا، ہر صاف ستھرا سیدھا اور ضرورت کے مطابق کھلا راستہ
مستقیم ہوتا ہے کہ چلنے والے اُس پر نہایت آسانی فراخی سے چل سکتے ہیں۔ یہاں مراد ہے شریعت
کا راستہ۔ باب استفعال میں طلب کے معنیٰ پائے جاتے ہیں تو گویا کہ معنیٰ یہ ہوئے کہ یہ راستہ
اپنے متوازن معتدل اور ہموار رہنے کی وجہ سے خود چاہتا ہے کہ مجھ پر چلا جائے۔ یہ صفت
ہے اس لیے مجرور ہے یہ مرکّب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے ھَادٍ اسم فاعل کا سب مل کر اسمیہ
ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ اسماء مبنیات
میں چار قسم کے الفاظ مبہمات کہلاتے ہیں یعنی ان کا ترجمہ تو ظاہر ہوتا ہے مگر معنیٰ مراد پوشیدہ
اور غیر معین ہوتی ہے (۱) اسماء ضمائر (۲) اسماء کنایات (۳) اسماء موصولہ (۴) اسماء اشارات
ان کے معنیٰ میں ابہام ہوتا ہے بدین وجہ ان کو مبہمات کہتے ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم
بِالصَّوَاب۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ السَّاعَۃُ
بَغْتَۃً اَوْ یَاْتِیَھُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ یَحْکُمُ
بَیْنَھُمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ وَلَا جملہ
لَا یَزَالُ۔ باب فتح کا فعل مضارع منفی بلا معروف واحد مذکر غائب۔ زَوَالٌ سے مشتق
ہے ترجمہ ہے اپنی جگہ سے ہٹنا، سرکنا، جدا ہونا۔ بدلنا، ختم ہونا۔ پہلی حالت کا ختم ہونا
حقیقتاً یہ خود منفی ہے پہلی حالت کی لاء نافیہ نے آکر نفی کی نفی کر دی۔ یعنی ختم و جدائی و تبدیلی
نہ ہوگی اور چونکہ نفی کی نفی ثبوت ہوتا ہے اس لیے اب معنیٰ ہوا کہ رہیں گے۔ یا ایسا ہی
رہے گا اَلَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا فعل با فاعل فِیْ حرف جر ظرفیۃ مکانیہ کے لیے مِرْیَۃٍ
اسم مصدر مِرْیٌ سے بنا ہے بمعنیٰ شک کرنے میں کسی کو جھٹلانا یا طعنہ دینا یا غلط کہنا۔ عربی میں
شک کرنے کے لیے چھ لفظ ہیں (۱) رَیْبٌ (۲) تَرَدُّدٌ (۳) شَکٌّ (۴) ظَنٌّ (۵) وَھْمٌ

marfat.com

۶ مِرْیَۃٍ اس میں تفصیلی فرق تفسیرِ عالمانہ میں بیان کیا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ یہاں حاصلِ مصدر جامد ہے مجرور ہو کر متعلقِ اوّل ہے لَا یَزَالُ کا کَفَرُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر فاعل ہے لَا یَزَالُ کا مِنْ جارّہ ابتداءِ غایت کے لیے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع صراطِ مستقیم ہے یا منسوخ و محکم آیات ہیں یہ جار مجرور متعلقِ دوم ہے لَا یَزَالُ کا ایک قول میں متعلق ہے مِرْیَۃٍ مصدر کا لَا یَزَالُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے حَتّٰی حرفِ عطف۔ یہ حرفِ جر بھی ہوتا ہے مگر یہاں عاطفہ ہے کیونکہ حَتّٰی جارّہ اسم مفرد پر آسکتا ہے جملے پر نہیں آتا۔ حتیٰ عاطفہ ہو یا جارّہ پانچ معنیٰ کے لیے مستعمل ہوتا ہے ۱ انتہاءِ غایت کے لیے۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۲ ابتداءِ کلام کے لیے ۳ تعلیلیہ بمعنیٰ تاکہ ۴ اِلَّا حرفِ استثنا کے معنیٰ میں بمعنیٰ مگر ۵ حتیٰ عاطفہ بمعنیٰ واؤ عاطفہ۔ تَاْتِیَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مؤنث غائب بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ حَتّٰی میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ مانا گیا ہے ھُمْ ضمیر منصوب متصل مفعول بہٖ ہے اَلسَّاعَۃُ اسم معرفہ باللّام بمعنیٰ قیامت فاعل ہے تَاْتِیَ کا اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا بَغْتَۃً اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ اچانک۔ ایک دم آنا یہ حال ہے اَلسَّاعَۃُ کا یہ ذوالحال حال مل کر فاعل ہے تَاْتِیَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ یَاْتِیَ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا ھُمْ اس کا مفعول بہٖ۔ یہ دونوں ضمیریں ۱ تَاْتِیَھُمْ ۲ یَاْتِیَھُمْ منصوب متصل ہیں ظرفِ مکانی ہیں یا مفعول فیہ یا مفعول بہٖ ترجمہ ہے ۱ ان کے پاس ۲ ان میں ۳ ان کو پہنچے عَذَابُ اسم مفرد جامد یا صفت مشبہ مبالغہ بروزن فَعَالٌ عَذْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سزا مراد ہے اللہ تعالیٰ کی سزا دنیوی یا قبر کی یا حشر کی یا دوزخ کی مضاف ہے یَوْمٍ اسم مفرد نکرہ مخصوصہ مراد ہے زمانہ یا مخصوص وقت یا دن ہی مراد ہے موصوف ہے عَقِیْمٍ۔ اسم صفت مشبہ بروزن فَعِیْلٌ عُقْمٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے جڑ کٹا درخت اصطلاح بانجھ مرد اور بانجھ عورت کو عقیم کہا جاتا ہے مذکر مؤنث کے لیے مستعمل ہے ایک قول میں مؤنث کے لیے عقیمۃ ہے۔ اصطلاح میں ہر اس چیز کو عقیم کہا جاتا ہے جو بے فائدہ ہو نہ خود دے نہ کسی سے فائدہ لینے دے چونکہ قیامت کا دن کسی کو بھی نسلی اصلی ایمانی دینی دنیوی فائدہ نہ خود دے گا

marfat.com

نہ اُس دن ایمان لانے سے کسی کو فائدہ پہنچے دے گا اس لیے اس کو یوم عقیم کہا گیا ہے یہ صفت ہے یَوْمٍ ۔ یہ مرکب توصیفی مضاف ہے عذاب کا یہ مرکب اضافی فاعل ہے یَاْتِیَ کا سب مل کر جملہ ہو کر معطوف تَاْتِیَ کے جملے پر وہ دونوں عطف معطوف ہیں لَا یَزَالُ کے جملے پر سب عطف مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا اَلْمُلْکُ ۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام ملک اسم مفرد جامد معرف باللام مراد ہے تمام علاقہ تمام کائنات ۔ علاقہ بادشاہت حکومت یَوْمَئِذٍ مرکب اضافی ظرف زمانی لِلّٰہِ جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ یا کَائِنٌ یا ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا ۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل ظرف مقدم اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ۔ اَلْمُلْکُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ یَحْکُمُ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل مثبت معروف واحد مذکر غائب اس میں پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے وہ ہی فاعل ہے بَیْنَہُمْ مرکب اضافی ظرف مکانی ہے یَحْکُمُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا ۔ فَ حرف تعقیب زائدہ ہے (تعقیب کے لیے نہیں ہے) یہاں اس کا مابعد جملہ بیان ہے یَحْکُمُ کا اَلَّذِیْنَ اسم موصول اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ ہو کر معطوف علیہ ہوا ۔ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ الصّٰلِحٰتِ اسم ۔ جمع مؤنث سالم بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے عَمِلُوْا کا فِیْ حرف جر ظرفیہ مکانی کے لیے جَنّٰتِ اسم جمع مؤنث سالم بحالت کسرہ خیال رہے کہ جمع مؤنث کا اعراب بحالت رفع تاء تانیث آخر کی مرفوع ہوتی ہے اور بحالت فتحہ و کسرہ (زبر زیر) مجرور ہوتی ہے ۔ اس کا واحد جَنَّۃٌ ہے یہ مؤنث ہی ہے اس کا مذکر نہیں ہوتا ترجمہ ہے چھپا ہوا باغ یہ موصوف ہے النَّعِیْمِ اسم معرف باللام صفت مشبہ ہے مبالغے کے لیے بروزن فعیل بمعنیٰ بیشمار نعمتوں اور آرام والا یہ صفت ہے ثابت ہوا کہ نکرہ کی صفت معرفہ ہو سکتی ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ فعل یَسْکُنُوْنَ کا وہ سب جملہ فعلیہ خبر ہے مبتدا کی اٰمَنُوْا اور عَمِلُوْا کا جملہ معطوف علیہ معطوف ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مبتدا ہوا ۔ اور اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔

تفسیر عالمانہ وَّلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ اَنَّہُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَیُؤْمِنُوْا بِہٖ فَتُخْبِتَ لَہٗ قُلُوْبُہُمْ وَاِنَّ اللّٰہَ لَہَادِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ اور دنیا کے ہر مکان میں، حیاتِ دنیوی کے ہر زمان میں یہ شور و

marfat.com

طرب یہ لہو ولعب کے جھاڑ جھنکاڑ، اعتراضاتِ شیطانی کی بھرمار شبہاتِ طغیانی کی یلغار اس لیے ہے
تاکہ جان لیں اور قلب و عقل سے سمجھ لیں اور فراستِ ایمانی کا شعور پا لیں وہ خوش بخت لوگ جو بارگاہ
قدس سے علم کا نور دیئے گئے یہ بات کہ عالمِ دہر میں یہ سب اُتار چڑھاؤ تَرَقّی تنزّلُ. نفسا نفسی
افرا تفری، ظُلمت و شمعت باطل کی یلغار حق کی تلوار ایک حکمتِ ربانی کے تحت کسی مقصدِ باطنی کے لیے
سب کچھ حق ہو رہا ہے، اے بندے اس میں تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے کسی کی چھانٹ ہے
کسی کی بانٹ ہے، کسی کے لیے ذِلت کی دوری ہے کسی کے لیے عزت کی حضوری ہے، دوری والوں
کے لیے یہ اِلقاء و شبہات فتنۂ کفر ہے لہٰذا وہ بدبخت کفر و منافقت کی قساوت و بیماری میں اور
زیادہ دھنستے دور ہوتے چلے جاتے ہیں. لیکن نورِ عالم کی روشنی والے اپنے نبیِ اکرم، اسلام
قرآن، فرمان احکام پر مزید ایمان لے آتے ہیں پھر اس پختگیِ ایمان اور دولتِ ایقان کے ذریعے
ان کے دل اپنے رب تعالیٰ کے خوفِ جلال، شوقِ جمال، ذوقِ قُرب میں خشوع و عجز کے
اندر رہتے ہیں اس دولت و نعمت کے لیے عجز خضوع عبادتِ خلوص سے لبریز ہو جاتے
ہیں اور بے شک ایسے ہی پاک باز عقل ساز مقبولِ بارگاہ بندوں کو اللہ تعالیٰ ہر طرح کے علم
عقل فکر تدبر تحمّل تجمّل کی قوتِ جرأت مناظرے مقابلے فہم و شعور تفقہ فی الدین کی ہدایتِ
کاملہ نصرتِ عاجلہ غلبۂ دائمہ عطا فرمانے والا ہے جو بندے اُس ذاتِ کریم پر اور
اُس کے ہر کام ہر کلام اور تمام احکام پر صدقِ اقرار، عملِ اظہار سے ایمان لا چکے ہیں، وہ ہدایت
پانے والے جو ہدایت پکے، سیدھے. مقیم مستقیم راستے کی طرف ہے جس میں نہ اعتراضات
کے جھاڑ نہ شبہات کے جھنکاڑ نہ منافقت کا تزلزل نہ حماقت کا تذبذب نہ اِلقاءِ شیطانی
کا خوف نہ وساوسِ ابلیسی کا نقصان ہدایتِ الٰہیہ وہ پاکیزہ سمجھ ہے جو صرف علماءِ ربانی فقہاءِ ایمانی
کو ہی نصیب ہوتی ہے. اسی ہدایت کے ذریعے سچی اور صحیح تفسیرِ آیات و تشریحِ روایات
کر سکتے ہیں. یہ سچی سمجھ اور پکی نظر ہی صراطِ مستقیم ہے. آیات و روایات کا ترجمہ تو ہر ایک لفظی
اپنی زبان میں ہی کرتا ہوتا ہے مگر ہدایتِ الٰہی کے پا لینے والے علماءِ حق ایسا ترجمہ کرتے
ہیں جو الہامِ ربانی معلوم ہوتا ہے اور ایک ایک لفظ سے منشاءِ کلام روشن ہوتا ہے
لیکن اگر اُسی آیت و روایت کا ترجمہ بے ہدایتے علماءِ سوء کریں تو سراسر اِلقاءِ شیطانی
ہوتا ہے، اور بجائے منشاءِ رحمانی کے منشاءِ شیطانی بیان کر جاتے ہیں. ہدایت کے
علمِ عطائی والے علماء اِلقاءِ شیطانی کے وسوسوں سے پریشان نہیں ہوتے. بلکہ آیتِ قرآنی

marfat.com

کی سمجھ میں ان کے دل اور زیادہ مضبوط ہو جاتے ہیں اور ایمان پختہ عقیدہ پاکیزہ و مضبوط ہو جاتا ہے۔ رب تعالیٰ کی ہدایت تین قسم کی ہے ۱۔ علم کا مضبوط و کثیر ہونا ۲۔ عالم کا بے خوف اور بے طمع ہونا ۳۔ راستہ احکام صاف و فراخ ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جن کی وجہ سے بندہ خود بھی شیطنت سے بچا رہتا ہے اور تمام اہل سعادت کو بھی بچا لیتا ہے اور بارگاہِ قدس تک لے جاتا ہے اور طالبِ منزل کو مقصود و مطلوب تک پہنچا دیتا ہے۔ اس ہدایتِ الٰہیہ کو پانے کے لیے بندے میں تین چیزیں ہونا ضروری ہیں۔ ایمانِ کامل۔ نگاہِ بلند عمل پیہم۔ یہ نعمتیں ملتی ہیں احترام نبوت سے اور احترام نبوت نصیب ہوتا ہے احترام ولایت سے اگر یہ نعمتیں نہ ہوں تو ہدایت ربانی کا انعام نہیں ملتا اور انسان کفر شرک گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے ایسوں کو سچائی پر کبھی یقین نہیں آتا یہی وہ خبثاء انسانیت ظلماء بشریت ہیں جو اللہ تعالیٰ سے دور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے مغرور۔ ایمان سے مغرور ہی رہتے ہیں ایسا بندہ کبھی کسی صداقت کے نور کو نہیں مانتا خود محروم ہوتا ہے اس لیے دوسروں کو بھی محروم رکھنا چاہتا ہے۔ یہی وہ انسان ہیں جو مثل شیاطین شک کے دلدل میں گرتے چلے جاتے ہیں کیونکہ وہ ازل کے کافر ہیں۔ وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي مِرْيَةٍ مِّنْهُ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً أَوْ يَأْتِيَهُمْ عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيمٍ۔ اور کبھی نہ زائل ہوں گے۔ نہ ہٹیں نہ نکلیں وہ لوگ جو کافر ہوئے اُسی شک میں سے جو ان کو اسلام کی حقانیت قرآن مجید کی صداقت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بارے میں پڑا ہوا ہے اگرچہ ہزار بار دینِ اسلام کی خوبیاں قرآنِ حکیم کی قدرتیں اور نبی پاک کے حیران کن معجزے اپنی نظروں مشاہدوں تجربوں سے دیکھتے رہیں نوعیت میں شک شخصیت میں شک نبوت کی حقانیت میں شک اور یہ شک اس وقت تک رہے گا یہاں تک کہ افراد کو ساعتِ موت آجائے اور اجتماع کو قیامت کا عذاب آجائے یعنی ہر کافر اپنی موت تک شک میں مبتلا رہے گا اور موت آنے پر تمام قوتوں طاقتوں اور ہر قسم کی بیماری کے ساتھ ساتھ شک کی بیماری بھی ختم ہو جائے گی یہ ان کی افرادی کیفیت ہے لیکن اجتماعی طور پر تمام کفار میدانِ محشر میں اسلام کی آن قرآن کی جان اور محبوب کی شان دیکھ کر ہی یقینِ حقانیت کریں گے تب ان کا شک مٹے گا مگر وہ دن ہر طرح ان کفار کے لیے عقیم ہوگا بانجھ ایسا کہ ہر چیز اصل نسل جدا منحوس ایسا کہ لا خیر فیہ اس دن کفار

marfat.com

کے لیے کوئی بھلائی نہ ہوگی۔ اُس دن کے بعد رات نہ ہوگی نہ آرام کا وقت عقیم ایسا کہ ایک ساعت پر ٹھیرا رہے گا تپتی دوپہر جلاتی دھوپ تڑپاتی گرمی، اُس دن میں نہ سحر کی تازگی نہ صبح کی ٹھنڈک نہ پچھلے پہر کی نرمی نہ شام کا سکون نہ رات کا آرام عقیم کا اصل معنی وہ بانجھ عورت ہے جو پیدائشی ناقابل اولاد ہو کیونکہ وہ ساری عمر ایک ہی حالت پر رہتی ہے اُس کے عورت ہونے کے مقصد میں کوئی بھلائی اور فائدہ نہیں ہوتا نہ جنم دینے کی قوت نہ اولاد کی دولت نہ ماں بننے کی محبت نہ مامتا، قیامت کا دن کفار کے لیے ہر طرح مثل بانجھ عورت بے فائدہ بلکہ منحوس ہوگا اسی لیے یوم قیامت کو کفار کے لیے یوم عقیم فرمایا گیا کہ نہ اُس دن اُن کو خیر ملے نہ کسی طرف سے پیار ملے عذاب ہی عذاب ہوگا۔ خیال رہے کہ ہماری اُردو زبان میں بے یقینی کے لیے صرف ایک لفظ شک مستعمل ہے مگر عربی زبان میں بے یقینی کے لیے آٹھ الفاظ مستعمل ہیں ۱ شک ۲ تردد ۳ ریب ۴ ظن ۵ تذبذب ۶ وہم ۷ وسوسہ ۸ مِرْیَۃ ان میں فرق اس طرح ہے کہ شک گویا بے یقینی کا درخت ہے، تردد اُس کا تنہ، ریب اس کی شاخیں، ظن گویا اُس کے شگوفے تذبذب اس کا پھل۔ وہم اُس کے پتے وسوسہ اُس کے کانٹے۔ مریۃ اُس کی جڑ۔ جس طرح درخت کا اوپری ظاہری حصہ کبھی خزاں سے ختم کبھی کانٹ چھانٹ سے کبھی ہواؤں سے۔ کبھی موسمی فضاؤں سے لیکن درخت کی جڑ تاعمر شجر قائم رہتی ہے اُس کو نہ خزاؤں کا اثر نہ فضاؤں کی فکر نہ ہواؤں کا ڈر نہ کانٹ چھانٹ کا خطرہ اسی طرح کفر کا مریۃ ہے، لَا یَزَالُ تاعمر کافر کبھی ختم نہیں ہوگا۔ یہ شک مثل جڑ کفار کی تہوں میں دھنسا ہوا ہے۔ اس لیے کفار کے اس شک کو مِرْیَۃ فرمایا گیا ایسے کفار کو نہ کسی نصیحت کا اثر نہ کسی مصیبت کی فکر۔ آج دنیا میں خرمست و بدمست ہیں مگر قبر میں تڑپیں گے حشر میں روئیں گے مگر اُس رونے سے کچھ فائدہ نہ ہوگا۔ اَلْعِیَاذُ بِاللّٰہِ تَعَالٰی۔ آج دنیا میں تو کہیں کفر کی طاقت کہیں ان کا ظلم، کہیں جبر کہیں ملکیت کہیں حکومت کہیں ان کا قانون کہیں توڑ کہیں پھوڑ، کہیں تخریب کہیں تحریک۔ کہیں قتال کہیں فساد، کہیں زور دکھائیں کہیں شور مچائیں، کہیں ان کا ظلم طاری کہیں حکم جاری مگر قیامت کی ساعت میں اُن کا یہ سب کچھ فنا نہ کر نہ فر نہ بڑائی نہ چڑھائی کیونکہ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ ۔ یَحْکُمُ بَیْنَھُمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ۔ اُس دن جب کہ پوری سرزمین دنیا پر قیامت قائم ہوگی اور تمام مخلوقِ انسانیت کا حشر بھی ہوگا نشر بھی۔ اور حیاتِ دیوی

marfat.com

کے حکما وزرا عقلا، امرا غربا یہ سب حیاتِ ثانیہ ابدیہ سے زندہ ہو کر ایک میدان محشر میں جمع ہوں گے تب پوری کائنات ارض و سما میں ظاہری بھی باطنی بھی کلی بھی جزئی بھی فقط اللہ تعالیٰ کی بادشاہت ہو گی اور اُسی کا سب ملک ہو گا نہ کسی کی ملکیت نہ سلطنت نہ عارضی نہ جزئی نہ ظاہری، اُس دن ہی فیصلہ فرمائے گا اللہ تعالیٰ اُن تمام انسانوں کے درمیان جو آج اِس حیاتِ دنیوی میں ظالم ہیں یا مظلوم، جابر ہیں یا مجبور، حاکم ہیں یا محکوم، عادل ہیں یا سرکش، تندرست ہیں یا معذور، عامل ہیں یا معمول سالم ہیں یا ناقص، عاقل ہیں یا بے عقل، بالغ یا نابالغ، مسلم یا کافر، مشرک یا موحد عاجز ہو یا مغرور، نیک یا بد بنے پھر رہے ہیں، یہ فیصلۂ حق و باطل اُس دن اِس لیے ہو گا کہ دنیا صرف دار العمل ہے۔ اے انسانو یہاں ہر انسان کو مہلت یا ڈھیل کی مدتِ حیات ہے کھلی چھٹی کی چھوٹ رہی ہے جو چاہو کرتے پھرو، جنت کماؤ یا جہنم بناؤ مومن متقی بنو یا فاسق و کافر۔ لیکن یہ بات سب لوگ ذہن نشین کر لیں کہ وہ لوگ جو اِس دنیوی زندگی میں مرتے تک پکے سچے مومن بنے رہے۔ اور شریعت کے عاملِ امر و نہی کے مطیع، نبوت کے متبع، اعمالِ صالحہ کے متقی تا عمر بنے رہے تو وہ آخرت کی ابدی زندگی محض اپنے خالق مالک رازق رحیم کریم رب تعالیٰ کے فضل و کرم، محبت و مہربانی سے نعمتوں والی جنت میں گزاریں گے محققین فرماتے ہیں کہ اَلْمُلْكُ میں الف لام استغراقی ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ آج دنیا میں بھی اگرچہ ساری کائنات رب تعالیٰ کا ہی مُلک و مِلک ہے لیکن اُس دن ساری کائنات میں اللہ تعالیٰ کی بادشاہت اِس شان کی ہو گی کہ حیاتِ دنیوی میں تو زمین کے کچھ حصوں پر کچھ انسانوں کی عارضی و جزئی ملکیت سلطنت حکومت قائم بھی ہے جس پر کچھ دنوں اُن کی من مرضی کا صحیح یا غلط حکم و قانون چلتا بھی ہے مگر يَوْمَئِذٍ اُس قیامت کے دن میں یہ عارضی جزئی وقتی ملکیت و حکومت بھی کسی کی کچھ بھی نہ ہو گی۔ حقیقی شرکت تو آج بھی کسی کی نہیں ہے لیکن ظاہریت سے معمولی مجازی شرکت کا دھوکا لگتا ہے مگر اُس دن یہ مجازی دھوکہ بھی نہ ہو گا اُس وقت تو صرف۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ کی شان کا جلوہ آشکار ہو گا۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ وَبِحَمْدِهٖ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال: اَنَّهُ الْحَقُّ میں تین قول ہیں (۱) بعض نے کہا ہٗ ضمیر کا مرجع فَيَنْسَخُ اللّٰهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطٰنُ ہے یعنی شیطانی القا کا منسوخ و ملیامیٹ فرمانا حق ہے (۲) بعض نے کہا۔ اِس کا مرجع قرآن مجید کی آیات ہیں۔ یعنی سب

marfat.com

قرآن مجید حق ہے ۳ بعض نے کہا اس کا مرجع القا کی قوت ڈھیل کی مدت اور وسوسے ڈالنے کی طاقت بخشنا شیاطین کو لمبی عمریں عطا فرمانا ہے یعنی یہ سب کچھ رب تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے اس لیے بے شک یہ سب حق ہے۔ میرے نزدیک تینوں قول درست ہیں کیونکہ ساری کائنات رب تعالیٰ کی ملک ہے اور اسی کا ملک ہے جیسے چاہے تصرف فرمائے وہ سب حق ہی حق ہے۔ لَهَادِ کی قرأت میں تین قول ۱ یہ لَهَادٍ ہے اسم فاعل بلا تنوین الَّذِیْنَ سے جڑا ہوا ۲ لَهَادٍ الَّذِیْنَ ہے تنوین سے الَّذِیْنَ سے جدا ۳ ایک قرأت میں لَہَادِیْ ہے یٰ کے ساتھ مگر پہلی قرأت مشہور و مکتوب ہے۔ فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ کی ہٗ کے مرجع میں تین قول ۱ اس کا مرجع قرآن مجید ہے یعنی کفار قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے میں تا عمر اور تا قیامت شک کرتے ہی رہیں گے ۲ اس کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پاک ہے یعنی کفار نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت میں شک کرتے رہیں گے ۳ بعض نے کہا اس کا مرجع سورۃ نجم کا یہ واقعہ تِلْکَ الْغَرَانِیْقُ ہے۔ یعنی تا قیامت کفار اس واقعے میں شک کرتے رہیں گے کہ یہ القاء شیطانی کیوں اور کیسے تھا، مگر یہ قول قطعاً غلط ہے کیونکہ یہ شک کفار کو نہیں بلکہ چند مفسرین کو ہے کہ ایک گمراہ شخص نے بنا دیا دوسرے اندھے بن کر پیچھے چل پڑے آج کے کفار کو تو پتہ ہی نہیں جب کہ آیت میں تا قیامت شک ہونے کا ذکر ہے لہٰذا پہلے دو قول درست ہیں۔ اَلسَّاعَۃُ بَغْتَۃً۔ میں دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا اَلسَّاعَۃُ سے مراد وقتِ موت ہے ۲ بعض نے کہا اس سے علاماتِ قیامت مراد ہیں دونوں قول درست ہیں کیونکہ پہلے قول میں انفرادی حیثیت مراد ہے۔ یعنی جو کافر مرتا ہے۔ اس کی مِرْیَۃٍ ختم ہو جاتی ہے اس لیے کہ جب موت سے عقل قول فکر سمجھ ختم تو مِرْیَۃٍ بھی ختم، دوسرے قول میں اجتماعی حیثیت مراد ہے۔ یعنی تا قیامت کافر ہوتے رہیں گے اور قرآن اسلام، نبوت میں شک کرتے رہیں گے۔ یہاں تک کہ قیامت کی علاماتِ کبریٰ ظاہر ہوں تب کفر بلکہ نسل انسانیت کا ہی سلسلہ بند لہٰذا اس ذات مِرْیَۃٍ کا کفر ختم ہوگا۔ یَوْمٍ عَقِیْمٍ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ یوم بدر کو یوم عقیم فرمایا گیا ہے چار وجہ سے یا اس لیے کہ عقیم کا معنی ہے بانجھ اور بے اولاد عورت، تو یوم بدر میں بہت کفار مر گئے ان کی مائیں بے اولاد رہ گئیں یا اس لیے کہ جنگی سپاہیوں کو ابناء حرب کہا جاتا ہے گویا جنگ اس بانجھ عورت کی مثل ہے جس کی اولاد نہ رہے اس معنی میں یوم بدر کفار کے لیے یوم عقیم ثابت ہوا ۳ یا اس لیے کہ عقیم کا مجازی معنی ہے لَاخَیْرَ فِیْہِ جس میں کوئی بھلائی و خیر خیریت نہ ہو، اسی معنی میں خزاں کی خشکی لانے والی ہوا کو اہل عرب ریح عقیم کہتے ہیں۔ یوم بدر میں بھی کفار کے لیے کوئی بھلائی یا خیریت نہ تھی لہٰذا یوم بدر بھی کفار

marfat.com

کے لیے یوم عقیم ہی تھا، یا اس لیے کہ عقیم کا معنیٰ ہے بوجھل دشوار اس معنیٰ سے یوم بدر کفار کے لیے بہت ہی عقیم تھا اس دن ایک عظیم کام یہ ہوا تھا کہ فرشتوں نے قتالِ کفار میں حصہ لیا اس بنا پر یوم عقیم فرمایا گیا کہ یہ دن کفار پر بہت دشوار اور بوجھل تھا۔ مگر یہ قول اس لیے غلط ہے کہ آیت میں مِرْيَة کو یوم عقیم تک دراز فرمایا گیا جس کے بعد مِرْيَة ختم ہو جائے گی حالانکہ یوم بدر کے بعد بھی کفار کو مریہ موجود رہا۔ اور اب تک کفارِ زمانہ کو ہے ۳ بعض نے کہا کہ یوم عقیم سے مراد قیامت کی آخری ساعتیں ہیں یہ ہی قول درست ہے وہ دن ہر طرح بانجھ ہے اس میں کفار کے لیے کوئی بھلائی نہیں، وہ دن پچاس ہزار سال تک مسلسل ایک طرح رہے گا نہ رات نہ کوئی تبدیلی مثل بانجھ عورت جو تا عمر ایک جیسی بے اولاد رہتی ہے اور اس دن ہر حاملہ اپنا حمل پھینک کر عقیم اور بانجھ ہو جائے گی پھر کبھی کسی کو دنیوی حمل نہ ہوگا۔ اَنَّهُ اور بِهٖ اور لَهٗ تینوں ضمیروں کے مرجع میں دو قول ہیں ۱ بعض نے لکھا ہے کہ ان تینوں کا مرجع قرآن مجید ہے ۲ بعض کے نزدیک تینوں کا مرجع متفرق ہے۔ یعنی اَنَّهُ کا مرجع ابلیس کو ڈھیل اور لمبی عمر وسوسانے کی طاقت دینا بِهٖ کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ لَهٗ کا مرجع قرآن مجید۔ لِهَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا میں ایمان والوں سے مراد میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد مسلمان ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد ہر امت کے ایمان والے ہیں۔ یہی قول درست ہے۔

فائدے اِن آیاتِ مقدسہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** دنیا میں جہالت بہت زیادہ ہے۔ علم بہت تھوڑا ہے اس لیے کہ ہر قسم کا کفر بھی جہالت ہے اور ہر قسم کا فسق بھی جہالت ہے۔ جہالت ظلمۃ ہے اور علم روشنی ہے یہ فائدہ یہاں وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ کی تخصیص اور اگلی آیت وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا کے عموم سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ یہاں وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا نہ فرمایا گیا ایمان والوں میں سے صرف علم والوں کی تخصیص فرما کر لِيَعْلَمُ اللّٰهُ اَنَّهُ الْحَقُّ۔ کی شان بیان فرمائی ظاہر ہوا کہ سب اہل ایمان علم والے نہیں ہیں اور اگلی آیت میں کفار کی تخصیص یا چھانٹ نہ فرمائی گئی بلکہ مطلقاً ہر قسم کے کافر کی یہ کیفیت بیان فرمائی گئی کہ ہر کافر ہر وقت تا قیامت جب بھی کبھی پیدا ہوگا وہ تا عمر جہالت کی وجہ سے شک میں مبتلا رہے گا۔ اس لیے کہ کفر کی وجہ سے جہالت اور جہالت کی وجہ سے شک گویا کفر شجرِ خبیث ہے جہالت اس کی شاخیں اور شک اس کا پھل، یہی حال فسق کا ہے کہ فسق کی وجہ سے جہالت بڑھتی ہے اگرچہ کفر کی

marfat.com

جہالت زیادہ گہری اور سخت ہے اِس کا یقین شک ہے۔ **دوسرا فائدہ** علم دو قسم کے ہیں۔ ایک علم کسبی دوم عطائی دونوں میں فرق یہ ہے کہ علم کسبی کبھی مفید کبھی نقصان دِہ کبھی حجاب اکبر کبھی خیلاو اکبر اور کبھی دنیا میں پھنسائے کبھی دین میں لے جائے۔ مگر علم عطائی ہمیشہ مفید ہی مفید ہوتا ہے یہ فائدہ اُوْتُوا الْعِلْمَ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی وہ لوگ جن کو رب تعالیٰ کی طرف سے علم عطا فرمایا گیا نہ کہ درس و تدریس محنت و مشقت مطالعۂ کتب شاگردی اُستادی سے حاصل، محض عطاءِ الٰہی سے پایا اسی علم عطائی کا دوسرا نام روشن **ضمیری** ہے۔ یہی علم وراثتِ نبوت ہے۔ علمِ کسبی پڑھ کر انسان کبھی گمراہ بھی ہو جاتا ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا میں اسی علم کسبی کی طرف اشارہ اسی علم کسبی کو صوفیا نے فرمایا اَلْعِلْمُ حِجَابُ الْاَكْبَرُ دنیا میں فرقے بازی اسی علمِ کسبی سے پھیلی۔ ہاں البتہ اگر بندہ فسق و فجور سے بچے اور اصلِ نسل کا پاکیزہ ہو تو علم کسبی خوش قسمتی سے ذریعہ بن جاتا ہے علمِ عطائی کا عام انسانوں کو دنیا میں دونوں قسم کے علم حاصل ہو سکتے ہیں مگر انبیاءِ کرام علیہم السلام کے تمام دینی دنیوی علوم صرف عطائی ہوتے ہیں۔ انہیں کسی کسبی علم کی ضرورت ہی نہیں ہوتی بلکہ وہ تو خود آسمانی و زمینی مخلوق کو علم تقسیم فرماتے ہیں **تیسرا فائدہ** شیطانی حرکتیں اگرچہ ہمیشہ بری اور نقصان دِہ ہی ہوتی ہیں لیکن اگر رب تعالیٰ کا بندئہ مومن پر کرم ہو تو شیطانی حرکتیں بھی اُس کے ایمان کی قوت کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔ دیکھو شیطان ہر آیت کے نزول پر کفار کو طرح طرح سے ورغلاتا وسوسا تا اور قسم قسم کے اعتراضات سمجھاتا شبہات میں ڈالتا تھا اور آج تک بلکہ قیامت تک کفار اور گمراہوں کے ساتھ ایسا ہی کرتا رہے گا۔ مگر شیطان کی یہی حرکتیں ایمان والوں کے ایمان کو مزید مضبوط کر دیتی تھیں اور کرتی رہیں گی کیونکہ اُن کو اپنے علم عطائی روشن ضمیری اور خداداد فراست و بصیرت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ شبہات اور وسوسے ابلیس کی طرف سے ہیں اور یہ کہ ابلیس پہلے بھی سابقہ انبیاء علیہم السلام کے زمانوں میں بھی ایسا کرتا رہا ہے اور قیامت تک کرتا رہے گا اُس سے بچنا ہی بچا رہنا ہی مومن متقی کا کردار و کارنامہ ہے یہ فائدہ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ اور فَيُؤْمِنُوْا بِهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اِن آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**، کافرین اور فاسقین اگرچہ دونوں ہی جہالت میں ہیں مگر فرق یہ ہے کہ فاسق انسان دلائلِ ایمان مان لیتا ہے اور مان کر فسق سے نکل کر سچا مومن بن جاتا ہے لیکن کافر ایسا سخت ظلمتِ جہالت میں پھنسا ہوتا ہے کہ آخر عمر تک جہالت کے اندھیروں سے نہیں نکل پاتا اور مرتے

marfat.com

دم تک شک میں پڑا رہتا ہے۔ تا قیامت ہر قسم کے کافر کا یہی حال رہے گا۔ کوئی دلیل کوئی مسئلہ کوئی مسلک کوئی آیت کوئی حدیث کوئی مشاہدہ کوئی تجربہ تاریخ اُس کے کفر یہ شک کو نہیں توڑ سکتا یہ ہی تجرباتی مشاہدہ ہے یہ مسئلہ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ (الخ) سے مستنبط ہوا، فاسق کی جہالت کا اندھیرا دن کے ہلکے بادل کی طرح ہے اور کافر کی جہالت کا اندھیرا اندھیری سیاہ رات کے گھٹا ٹوپ، کالے بادل کی طرح ہے **دوسرا مسئلہ**: قانونِ شریعت کے مطابق بارگاہ کبریائی میں دو چیزیں نامقبول ہیں (۱) موت کے وقت کی توبہ کفر و فسق اور (۲) عذابِ قیامت دیکھ کر ایمان لانا یہ دونوں چیزیں مردود و نامقبول ہیں۔ یہ مسئلہ حَتّٰی تَاْتِیَھُمُ السَّاعَۃُ (الخ) اور اَوْ یَاْتِیَھُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہی حال توبہ فسق کا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ ان دونوں وقتوں میں توبہ کفر، اور ایمانِ کفار بالکل نامقبول، اور توبہ فسق دونوں وقت یعنی بوقتِ موت اور بروزِ قیامت کی ناپسندیدہ حَتّٰی تَاْتِیَھُمْ میں حتّٰی کے لفظ نے بتایا کہ موت کے وقت بعض کفار اور اکثر فساق توبہ کرتے ہیں جیسے مرتے وقت کی فرعون کی توبہ اور روزِ قیامت اکثر کفار کا ایمان لانا کفر کی یہ ضد بازی اور کفار کا دینِ حق قبول کرنے سے غرور و نفور صرف دنیوی زندگی کی خرمستیوں تک ہی رہتی ہے۔ لہٰذا تمام مسلمانوں کو چاہیے کہ اسی لہلہاتی زندگی اور ایامِ شباب اور بہارِ جوانی میں ہی سچی پکی اور مضبوط دائمی توبہ کرلیں ایسی ہی توبہ بارگاہِ کریم جَلَّ مجدہ میں پسندیدہ اور محبوب ومقبول ہے، کیونکہ در جوانی توبہ کردن حکم پیغمبر ہدیست ۔ بوقتِ پیری گرگ ظالم می شود پرہیزگار۔ اس شعر میں یہ تبدیلی ہم نے کی ہے مشہور اس طرح ہے۔ در جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبریست یہاں شیوۂ پیغمبری کہنا گستاخی نوٹ ہے شیوہ کا معنی ہے طریقہ یعنی جوانی میں توبہ کرنا انبیاء کا طریقہ۔ یہ کہنا اس لیے گستاخی ہے کیونکہ انبیا علیہم السّلام کو توبہ کی ضرورت ہی نہیں ہوتی انبیاء کرام علیہم السّلام اپنے لیے استغفار کی دعا عرض کرتے ہیں اور انبیا علیہم السّلام کی استغفار کا معنی بھی رحمت کی چادر میں چھپانا ہے توبہ گناہ سے ہوتی ہے اور انبیا علیہم السّلام گناہ خطا لغزش سے معصوم ہوتے ہیں جیسے ملائکہ بلکہ ان سے بھی اعلیٰ، معصوم کا معنی ہے گناہ و خطا کا محال ہونا۔ بہر کیف یہ شعر کسی جاہل نے بے سوچے سمجھے بنا دیا۔ **تیسرا مسئلہ** جنت اور جنت کے درجوں جنت کی نعمتوں کا حصول تین طرح سے ہے (۱) مومن بننے سے جنت (۲) متقی بننے سے جنت کے درجہ (۳) اور

marfat.com

اعمالِ صالحہ سے جنت کی نعمتیں اگر اعمالِ صالحہ نہ ہوں تو اللہ رسول سے عشق کی حد تک محبت
سے اُخروی نعمتیں اور محبت و ادب سے ہی شفاعت ملتی ہے اس حصول کو حصولِ کسبی کہا جاتا
ہے۔ حصولِ جنت کا دوسرا ذریعہ حصول عطائی ہے۔ اس میں نہ ظاہری ایمان شرط ہے نہ
اَعمال صالحہ کی ضرورت جیسے نابالغی میں فوت شدہ بچے اور پیدائشی وہ مجنون یا مجذوب
دیوانے جو اسی حالت میں فوت ہو جائیں ان کو جنت کا ملنا کہ نہ اُن کے پاس ظاہری ایمان
نہ اعمالِ صالحہ ایسے مرفوع القلم انسانوں کو اُس ایمانِ نظری باطنی روحانی کی بنا پر جنت اور
وہاں کی نعمتیں ملیں گی جو ایمان عالمِ ارواح میں قَالُوْا بَلٰی سے ملا تھا، مگر دنیا میں عقل کے
ساتھ آنے والوں کے لیے عقل فکر علم والا قلبی تصدیق اور زبانی اقرار والا ایمان معتبر ہوتا ہے
اسی کو ایمان ظاہری کہتے ہیں غرضکہ حصولِ جنت کے لیے دو قسم کا ایمان ہے اہل عقل کے لیے
ایمانِ ظاہری قلبی اور بے عقلوں کے لیے ایمانِ باطنی روحانی معتبر نابالغ بچوں مجنون و مجذوب
شخصوں کے پاس نہ عقلی فکر نہ قلبی علم اس لیے اُن کا ایمانِ فطری ہی ذریعہ نجات کے لیے
کافی ہے کیونکہ اِن بچوں، دیوانوں، مجذوبوں، مجنونوں کے پاس کفر و فسق بھی نہیں ہوتا جو
مانعِ جنت یا مستحقِ جہنم ہو یہ مسئلہ، يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ اور فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ بَيْنَهُمْ کی هُمْ ضمیر میں تمام انسان شامل ہیں
یعنی بروزِ قیامت تمام انسانوں کے درمیان رب تعالیٰ فیصلہ فرما دے گا اور انسان دس
قسم کے ہیں ۱ عاقل ۲ بالغ ۳ نابالغ ۴ مجنون ۵ مجذوب ۶ مومن ۷ منافق ۸ کافر ۹ ساتر
۱۰ مخدوش۔ ان سب کا ہی فیصلہ قیامت میں ہوگا، کسی کو عطائی جنت کسی کو کسبی جنت۔ مگر جہنم صرف
کسبی ہوتی ہے وہ عطائی نہ ہوگی۔ جنت عمل ۱ سے ایمان ۲ کے طفیل سے شفاعت ۳ سے کرم ۴ سے
عطا ۵ سے۔ لیکن جہنم صرف کسب سے نہ بدلے میں نہ طفیل میں۔ احادیثِ مقدس میں نابالغ اور مجنون
و مجذوب کے متعلق یہی ارشادِ اقدس ہے جو یہاں اوپر بیان ہوا۔ اس طرح جنت کے حصول
کی یہ پانچ قسمیں بھی احادیثِ مقدسہ سے ثابت ہیں۔ امامِ اعظم نے فرمایا کہ کفار کے نابالغی
میں فوت شدہ بچے بھی جنت میں جائیں گے بَيْنَهُمْ میں وہ بھی شامل اور نابالغی میں مسلم کافر
سب برابر ہیں۔ امام شافعی اور امام احمد حنبل اس کے خلاف ہیں مگر ان کا یہ مسلک اس
آیت کے خلاف ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

اعتراضات | یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا حتّٰی

marfat.com

تَأْتِیَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً۔ پھر فرمایا گیا۔ اَوْ یَاْتِیَهُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ ساعت کا معنیٰ بھی قیامت ہے اور یوم عقیم کا معنیٰ بھی قیامت تو پھر یہ تکرار کیوں فرمائی گئی۔ **جواب** یہ تکرار نہیں بلکہ وضاحت ہے اس طرح کہ ساعت سے مراد عام اور پورا زمانۂ قیامت ہے یعنی کفار یا تو قیامت کی علامات کبریٰ دیکھ کر ابتدا میں ہی توبہ کرتے ہوئے اسلام قرآن کی حقانیت کا اقرار کر بیں گے۔ اور کہنے لگیں گے کہ نبی کریم حق ہیں ہمارا شک غلط اور بیوقوفی نادانی کی بنا پر تھا یا بڑی بھی دیر لگی تو عذاب دیکھ کر تو ختم ہو ہی جائے گا۔ یہ اُن لوگوں کا جواب ہے جو اَلسَّاعَت کا معنیٰ قیامت کرتے ہیں۔ لیکن جنہوں نے ساعت سے مراد موت کا وقت لیا ہے اور یوم عقیم سے اصل قیامت مراد لیا ہے اُن پر یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ پہلے قول میں ساعت سے مراد بڑی بڑی علاماتِ قیامت اور یوم عقیم سے خاص میدانِ محشر میں جمع ہونے کا وقت جب کہ قیامت کی گرمی اور انتظارِ شدید کا عذاب محسوس کریں گے اور تپش سے تڑپیں گے

دوسرا اعتراض۔ نحوی قانون ہے کہ جہاں لفظ یَوْمَئِذٍ بولا جاتا ہے وہاں کوئی جملہ پوشیدہ ہوتا ہے اور یومئذ کی تنوین یعنی آخر کی دو زیریں اُس پوشیدہ جملے کے عوض ہوتی ہے یومئذ کے بعد جو جملہ پوشیدہ ہوتا ہے علماء نحو اُس کی تمثیل عمومی اس طرح بیان کرتے ہیں کہ یَوْمَئِذٍ اصل میں تھا۔ یَوْمَ اِذْ کَانَ کَذَا۔ اس کا ترجمہ ہے۔ وہ دن جب کہ ایسا ہوگا تو اب سوال یہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ تمام ملک اُس دن اللہ تعالیٰ کا ہوگا فرمایا جائے کہ یہاں کونسا جملہ پوشیدہ ہے اور چونکہ ہر پوشیدہ کی کوئی نشانی ہوتی ہے جس کو قرینہ کہا جاتا ہے جس سے پوشیدہ چیز کے وجود کا یقین و تعین ہوتا ہے لہٰذا یہ بھی بتایا جائے کہ یہاں اُس پوشیدہ جملے کا قرینہ کیا ہے۔ **جواب**۔ امام رازی نے اس کا یہ جواب دیا ہے کہ نحوی قانون بالکل درست ہے اور یہاں بھی موجود ہے یَوْمَئِذٍ۔ کے بعد ایک جملہ پوشیدہ ہے اصل عبارت اس طرح ہے۔ اَلْمُلْکُ یَوْمَ اِذْ تَزُوْلُ مِرْیَتُهُمْ لِلّٰهِ۔ یعنی مکمل شہنشاہی اُس دن جب کہ اُن کفار کا شک زائل ہوگا اللہ تعالیٰ کی ہے اور اس پوشیدہ جملے کا قرینہ اس سے پہلے والی یہ عبارت ہے۔ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْهُ حَتّٰى تَاْتِیَهُمُ السَّاعَةُ۔ **تیسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ کہ یہاں اس آیت ۵۶ میں یَحْکُمُ بَیْنَهُمْ کی تفصیل بیان فرماتے ہوئے اہلِ ایمان کے متعلق ارشاد ہوا۔ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ۔ لیکن اگلی آیت ۵۷ میں کفار کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ

marfat.com

مُّهِيْنٌ ۔ یہ لفظی تفریق کیوں ہے کہ ایمان والوں کے ثواب کا ذکر کرتے ہوئے نہ حرف فَ ارشاد ہوئی نہ اُولٰٓئِكَ ۔ مگر جزاءِ کفار کا ذکر کرتے ہوئے فَ جزائیہ بھی ارشاد ہوئی اور اُولٰٓئِكَ بھی ۔ **جواب** ۔ الفاظِ کلام کی یہ تفریق یہ بتانے کے لیے ہے کہ مومنوں کو جنت اور جنت کی نعمتیں اور درجے محض رب تعالیٰ کے رحم وکرم اور فضل کی وجہ سے ملے گی نہ کہ اعمالِ صالحہ کے استحقاق سے مگر کفار کو جہنم و عذاب جہنم محض اُن کے کفر کی وجہ سے اور اعمالِ کفریہ کے استحقاق سے ملے گی احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی وضاحت فرما دی گئی ہے اور حقیقت بھی یہ ہے کہ ہمارے اعمال خواہ کتنے ہی کثیر ہوں اور بے حد خشوع خضوع خلوص والے ہوں جنت کے مستحق نہیں ہو سکتے تین وجہ سے ایک یہ کہ ہم اگر دنیا میں اچھے کام کرتے ہیں تو دنیا میں رب تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں بھی پاتے ہیں نیز ہماری نیکیوں میں سہولت وسعادت کی توفیق بھی اسی ربِّ کریم کی جانب سے ہے دوم یہ کہ ہمارے اعمال صرف عمر کے چند لمحات ہیں مگر جنت و اشیاءِ جنت ابد تک تو تھوڑی سی چیز اتنی بڑی چیز کی مستحق کیسے ہو سکتی ہے ۔ سوم یہ کہ ہمارے اعمال ہماری سو طرح کی غفلتوں سستیوں، کمزوریوں، بیماریوں، اُلجھنوں، پریشانیوں اور شیطانی وسوسوں کی وجہ سے ناقص ہو جاتے ہیں لیکن جنت و اشیاءِ جنت ہر طرح کامل تو ناقص عمل کامل جنت کا مستحق کیسے ہو سکتا ہے ۔ رہا یہ سوال کہ پھر کفار کو اُن کے تھوڑے اعمال اور تھوڑی عمر کے کفر و شرک کے بدلے میں ابدی جہنم کیوں ملی ؟ تو اس کی وجہ یہ کہ اعمالِ کفر و شرک اگرچہ مدت کے اعتبار سے تھوڑے وقت میں ہیں مگر شدتِ ظلمیت وہلاکتِ ابدی میں اتنے زیادہ ہیں اور عظمیت میں اتنے شدید ہیں کہ کفر کا زنگ ابداً لاباد تک کبھی نہ اترے اسی کفر و شرک کو سورۃِ لقمان کی آیت ۱۳ میں فرمایا گیا ۔ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ اور اہلِ ایمان کے اعمالِ صالحہ کے لیے فرمایا گیا سورۃِ سبا کی آیت ۱۳ میں وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُوْرُ ۔ یعنی کفر شرک اور کفر شرک کے اعمال ظلمِ عظیم ہیں اور ایمان کے اعمال یعنی مومن بندوں کا شکر بہت قلیل ہیں رب تعالیٰ کی نعمتوں کے مقابل، خیال رہے کہ ہر کفر میں شرک شامل ہے بت پرستی ہو یا یہودیت نصرانیت یا مجوسیت لہذا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ ۔ میں سب کفار شامل اور سب کو ابدی جہنم ۔ **چوتھا اعتراض** یہاں فرمایا گیا فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ اس سے ثابت ہو رہا ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ والوں کو جنت نعیم ملے گی گویا کہ جنت ایمان و اعمال کا بدلہ ہے لیکن کتب احادیث میں تقریباً چھ حدیثیں ایسی ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ جنت اور جنت کی نعمتیں کسی ایمان یا اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ

marfat.com

محض رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملے گی چنانچہ بخاری شریف نے بروایت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک حدیث پاک اور مسلم شریف نے حضرت جابر سے مسند امام احمد بن حضرت ابو سعید سے طبرانی میں ایک حدیث مقدسہ امام ابو موسیٰ اشعری سے دوسری حدیث پاک حضرت شریک بن طارق سے تیسری حدیث حضرت اسامہ بن شریک سے روایت فرمائی سب کا مضمون یہ ہے کہ بندہ اپنے عمل کے بدلے میں جنت میں نہ جائے گا بلکہ رب تعالیٰ محض اپنے فضل و رحم سے ایمان والوں کو جنت میں داخل فرمائے گا ایسا ہی تمام مفسرین فرماتے ہیں لیکن سورۃ نحل کی آیت ۳۲ میں ارشاد ہے۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ۔ یعنی قیامت میں رب تعالیٰ کی طرف سے فرمایا جائے گا کہ اے ایمان والو داخل ہو جاؤ تم جنت میں اُن اعمالِ صالحہ کے بدلے جو تم دنیا میں کرتے تھے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اعمال کے بدلے میں ہی جنت ملے گی اور یہی ایمان و اعمالِ پاکیزہ استحقاقِ جنت ہیں۔ لہٰذا آیت اور احادیث مندرجہ بالا مقدسہ اور اقوالِ مفسرین میں تعارض ہے مطابقت کس طرح ہو گی۔ **جواب** اس کے دو جواب ہیں۔ تفسیر مظہری نے یہ جواب دیا کہ سورۃ نحل کی آیت بِمَا كُنْتُمْ کی بَ سببیہ ہے مفسرین کا قول بھی درست ہے احادیث کے فرمودات بھی برحق ہیں۔ مطابقت اس طرح ہے کہ حصولِ جنت کی تین صورتیں ہیں۔ پہلی چیز جنت کا داخلہ یہ محض رب تعالیٰ کے فضل و کرم سے دوسری چیز جنت کے درجوں کا ملنا یہ اعمال پر موقوف ہے تیسری چیز جنت کی نعمتیں یہ بندے کے خلوص پر موقوف ہیں۔ امام حمّاد نے فرمایا، حضرت عبد اللہ رضی ابن مسعود سے مروی ہے کہ پُل صراط سے گزرنا عفو اللہ کے طفیل اور جنت میں دخول رحمۃ اللہ کے طفیل اور تقسیم منازل و مدارجِ جنت اعمالِ صالحہ کے سبب سے (از کتاب الزہد) مگر اس جواب میں کچھ کمزوری ہے کیونکہ نحل کی آیت میں مطلقاً دخول جنت کو بِمَا كُنْتُمْ سے منسلک فرمایا گیا ہے۔ میرے نزدیک مضبوط جواب یہ ہے کہ مفسرین کے اقوال بھی درست ہیں کیونکہ احادیث مطہرات کے مطابق ہیں اور بِمَا كُنْتُمْ کا فرمانِ اقدس بھی درست ہے مگر بِمَا كُنْتُمْ کی بَ سببیہ نہیں بلکہ انعامیہ ہے یعنی اعمال سببِ استحقاقی نہیں بلکہ سببِ انعام ہیں اور اس آیت اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ کا معنیٰ یہ ہے کہ داخل ہو جاؤ جنت میں اُن اعمال و ایمان کے انعام میں جو تم نے کیے احادیث کے بیان کا مقصد بھی یہ ہے کہ اے ایمان والو جنت کا ملنا ایمان یا اعمال کی اُجرت نہیں بلکہ انعام ہے۔ انعام میں شان ہوتی ہے اُجرت میں کوئی شان نہیں۔ صبح سے شام تک مزدور کام کرتا ہے شام کو مالک سے مزدوری

marfat.com

کی اُجرت لے لیتا ہے مگر نہ کوئی شان نہ اعلان ۔ لیکن ایک آدمی کوئی کارنامہ کرتا ہے اُس کو انعام ملتا ہے تو ملک بھر میں اعلانات ہوتے ہیں تمغے سجائے جاتے ہیں شانیں بیان کی جاتی ہیں تو یہاں اِس آیت میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے بندو تمہارے ایمان و اعمال سے رب تعالیٰ کی خوشنودی اور خوشنودی سے رب تعالیٰ کا فضل وکرم اور فضل وکرم سے جنّتِ نعیم کا انعام اور وہاں اُس آیت میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کا انعام دخولِ جنّت ہے ۔ قرآنِ مجید کی تقریباً بہتر آیات میں اجرِ آخرت کا ذکر ہے وہاں اجر بمعنیٰ ثواب ہے نہ کہ اُجرت ۔ اُجرت و اجر میں فرق یہ ہے کہ اُجرت استحقاق سے ملتی ہے اور اجر اِستحسان سے ملتا ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَيُؤْمِنُوا بِهِ فَتُخْبِتَ لَهُ قُلُوبُهُمْ وَإِنَّ اللَّهَ لَهَادِ الَّذِينَ آمَنُوا إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ یقینِ معرفت والے اہلِ مراقبہ وصاحبِ مکاشفہ کے لیے منزلِ حقیقت مقامِ طریقت کے علم سے معلومات فراہم کرنے کے لیے عالمِ بدنی میں قدرت وحکمت کی جانب سے بے شمار شبہات کے اُتار وہمیات کے چڑھاؤ، تنزل کے اُلجھاؤ، تفکر کے خلفشار اس لیے آتے رہتے ہیں تاکہ یہ اُلجھنیں فتنہ بن جائیں جہالت کی کمزوری والوں کے لیے اور آزمائش بن جائیں قساوت کی ہلاکت والوں کے لیے ۔ اور بشارت بن جائیں علم کی قوت والوں کے لیے اور جان لیں یہ اہلِ علم، نظرِ بصارت وفکرِ بصیرت سے کہ بے شک اِلقاءِ شیطانی کی جبلتِ طغیانی میں اَسرارِ خلوت کی حکمت اور اظہارِ جلوت کی قدرتِ الٰہی ہے ۔ پس وہ ایمان لائیں عقل ولسان کے کمال سے اور سمجھ رکھیں کہ عالمِ جبر وقدر و ناسوت ولاھوت میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ سب صنّاعِ عالم کے فیصلہ ازلیہ قدیمیہ کا نفاذ ہے اور اُس ایمانِ کُلی عرفانِ جُزئی سے نورِ سکینہ حاصل ہو جس سے اُن کے قلوبِ مرحومہ عجز وانکسار میں مطمئن ہو جائیں اور قوتِ علمِ لدُنیہ کی شعاعوں سے وہ خوش نصیب لوگ اِلقاءِ شیطانی و اَسرارِ روحانی کے درمیان فرق کر سکیں اور جان لیں کہ بے شک ہر آن ہر مکان میں اللہ تعالیٰ ہی حق استقامت کے راستے کی ہدایت عطا فرمانے والا ہے ۔ اس فکرِ امتیاز اور لیاقتِ تمیز ۔ قابلیتِ تفریق کے سبب اُن کے اقدامِ معرفت راہِ طلب میں متزلزل نہ ہوں اور کسی دھوکے میں آکر اِلقاءِ شیطانی کے قبولیت پر مائل نہ ہو سکیں اور فراستِ بصیرت سے اِلقاءِ شیطانی کو جان جائیں اور صرف اُسی کو قبول کریں جو اِلقاء من جانبِ الٰہی ہو ۔ یہ پہچان تجلیات کی شفافیت

marfat.com

صفائی، شدتِ نورانیت اور ضیاء بُرھانی کی وجہ سے ہوتی ہے (ابن عربی) بے شک اللہ تعالیٰ مبتلا فرماتا ہے مخلص مومن کو فتنے۔ بلا اور وَبا کے امتحان سے اور آزمائش فرماتا ہے اہلُ اللہ کی اور سالکین راہ معرفت کو حُسن بصیرت کا رزق عطا فرماتا ہے اُسی بصیرت کے ذریعے بندۂ طالب حق و باطل کے درمیان تمیز و تفریق کر سکتا ہے۔ ایسے روشن ضمیر بندوں پر شک کے بادل سایہ نہیں کر سکتے یا کہ آفتابِ عمل کی تپش سے چھٹ کر دور ہو جاتے ہیں اور غفلت کے پر دے سمٹ جاتے ہیں پھر اُن میں فتنے، بلا فساد و وَبا کا دھواں اثر نہیں کرتا۔ جس طرح زمین کثافت کا غبار سورج کی شعاعوں کو متاثر نہیں کرتا اور دن کی بلندی کے وقت ارتفاع ہدایت کا سورج چمکتا رہتا ہے اِس لیے کہ بے شک ظاہر و باطن، سِرّی و خفی، قربِ منزل، وَصلِ انوار کی ہدایت دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور اسی کی تائید سے صراطِ مستقیم میسر ہوتا ہے، نہ کہ انسان اور اُس کی طبیعتِ صالحہ کی طرف سے اُسی ہدایت کے فیض کی وجہ سے بندۂ معرفت شکوک و شبہات کے کانٹوں سے بچتا ہوا نکلتا چلا جاتا ہے منزلِ حقیقت کی طرف۔ وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ مِرْیَۃٍ مِّنْہُ حَتّٰی تَاْتِیَہُمُ السَّاعَۃُ بَغْتَۃً اَوْ یَاْتِیَہُمْ عَذَابُ یَوْمٍ عَقِیْمٍ۔ اور بے شک وہ بد بخت و بد قسمت لوگ جن کی بد طینتی، بد عملی، رذالت، خباثت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اُن کو ان کے نفسِ امارہ کے سپرد کر دیتا ہے اور اُن کی طبیعت کی وجہ سے ان کو رُسوا کر دیتا ہے اُن سے شک اور وہم کبھی بھی ختم نہیں ہوتا۔ نہ کبھی زائل ہو، ایسے کفار ہر ایمانیات صالحات میں اپنی ضلالت و حماقت جہالت و سفاہت سے شک ہی کرتے رہیں گے۔ اگرچہ علما صُلحا ان کو بچانے کی ہر کوشش کر لیں ہر اُلجھن ہر شبہ کا علم و فکر کے تسلی بخش جواب دیتے رہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں غبی مثل قارون ہے قارون فطری کو جب زمین عبرت اپنے اندر کھینچتی ہے تو کوئی بھی موسیٰ و ہارون اُس کو نہیں بچاتا، فرماتے ہیں کہ جس کی ناک ہی بند ہو کر مٹ گئی اُس کو عطار کیا فائدہ دے سکتا ہے، آئینے کے زنگ کو پتھر کی رگڑ سے تو صاف کر سکتے ہیں مگر پتھر کو آئینہ نہیں بنا سکتے پس عاقل پر واجب ہے کہ قرآن مبین کے امر پر تسلیم و رضا کا سجدہ کرے اور اصلاحِ نفس کی کوشش کرتا رہے اور موتِ یقینی کے آنے تک قائم فی اللیل ہو جائے کیونکہ نفسِ امارہ سحار بھی ہے مکار بھی۔ حیلہ باز بھی ہے بہانہ ساز بھی ہے غدار، ناز بھی ہے فساد کار بھی (از تفسیر روح البیان) ابلیسیت کے پردوں میں چھپنے والے، شک و شبہات کے حجاب میں ہی رہتے ہیں یہاں تک کہ ایسے وقت کا عذاب بعدو

marfat.com

مایوسی یا ٹل ہو جائے جس کی حقیقت ہی نہ جانی جا سکے اور اُس کی حقیقت کا بیان نہ ہو سکے یا شدتِ ہولناکی کی وجہ سے یا ایسے وقت کی وجہ سے جس کی شدت اور کرختگی بے مثال ہو اور اسی میں پورا زمانہ کسی طرح کی خبر نہ ہو۔ اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ۔ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ ۔ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ۔ کیا شدتِ کمال وحشتِ عروج کی وہ گھڑی ہو گی جب واقع ہو جائے گی یومِ فراق کا عذاب اور قائم ہو جائے گی حسابِ افکار کی قیامتِ اِضطراب صغرای، اُس دن قلب وقالب پر ظاہری باطنی، حقیقی مجازی، کُلی جزئی، دائمی ابدی سلطنت صرف اللہ تعالیٰ، جبّار و قہار۔ عادلُ غالب، غفار وستار کی ہو گی ہر نفس کی ہر قوت فنا ہو جائے گی کوئی رد کرنے منع کرنے والا نہیں رہے گا کیونکہ اُس خالقِ کائنات کے سوا کسی کی کوئی قدرت قوت طاقت سلطنت حکم قانون نہ ہو گا نہ رہے گا، اُسی دن مقامِ قرب و بعد، اور منزلِ سعادت وشقاوت کا فیصلہ وہی غالب وعزیز جَلَّ وعلا، ہر لطیف وخبیث، کثیف وکسیل، کثیر وقلیل کے درمیان فرمائے گا تب یقینِ طریقت۔ کے ایمان والے اور عدالتِ شریعت کے اعمال والے صفاتِ رحمانیہ کی جنّاتِ قرب و وصل میں نعمتیں پاتے والے ہوں گے۔ اہلِ طریقت کے نزدیک ایمان باللہ ہی ایمان حقیقی ہے اور ایمانِ حقیقی وہ ہے جس میں کسی قسم کی منافقت نہ ہو اور اعمالِ صالحہ وہ ہیں جس میں ریاکاری یا نام ونمود نہ ہو۔ اور عمل اگرچہ کم ہو مگر دائمی ہو۔ روایتِ پاک میں ہے کہ جنّتِ نعیم میں سب سے پہلے وہ بندے جائیں گے جو ثنا خوان ہیں اور ثنا خوان وہ ہیں جو ہر حال میں رب تعالیٰ کی ثنا کریں محبوبین کی تعریف وتوصیف بھی ثنائے کبریائی ہے، جو شخص چھینک مارتا ہے یا ڈکار لیتا ہے پھر نہایت خوشی وفرحت سے کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى كُلِّ حَالٍ۔ یعنی اے میرے اللہ ہر حال میں تیری حمد وشکر ادا کرتا ہوں۔ باری تعالیٰ بہتر بیماریاں اُس بندے سے دور فرما دیتا ہے۔ اگر کسی بندے کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے کوئی نعمت ملے اور وہ بندہ حمدِ الٰہی کرے تو یہ حمد بروزِ قیامت اُس بندے کے لیے دنیا کے بہتر قرآنوں سے بہتر ہے۔ اس لیے کہ حق تعالیٰ شکر اور شاکرین کو بہت ہی پسند فرماتا ہے۔ اور حمدِ الٰہی دنیا کی ہر نعمت سے افضل، تو معنیٰ یہ ہوئے کہ بندے نے رب تعالیٰ کی دی ہوئی نعمت دنیاء فانی میں خرچ کی اور شکریہ میں حمد وثنا کر کے آخرت کے خزانے جمع کر لیے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی سے کچھ فائدہ حاصل کر کے اُس کو یہ دعا دے کہ جَزَاكَ اللّٰهُ خَيْرًا یعنی اے میرے مومن بھائی اِس فائدے کے بدلے میں اللہ تعالیٰ تجھ کو اس سے اچھا بدلا دے۔

marfat.com

تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد ہے اگر بندہ سالہاسال ریاکاری سے عمل کرے اور ان اعمال کے ذریعے دنیا میں بہت اثر و رسوخ اور بلند مرتبہ حاصل کرے تو وہ آخرت میں کسی ثواب کی اُمید نہ رکھے کیونکہ اُس کو دنیا میں بدلہ مل گیا۔ ریاکاری کی توبہ یہ ہے کہ اتنے ہی عرصے خلوص کے اعمال کرے ورنہ کرے اور اُس اثر و رسوخ اور بلند مرتبے سے منہ موڑے بلکہ دور ہٹ جائے جو اعمالِ ریا سے اُس کو حاصل ہوا۔ اور اپنی جان کو تکالیفِ آخرت اور ذلت کو ذلتِ آخرت سے بچانے کے لیے روپوش ہو کر نفلی اور مخلص ہو کر فرضی عمل کرتا رہے یہاں تک اُس کو موت آجائے

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ

اور وہ لوگ جو کافر بنے اور جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پس اسی وجہ سے موجود ہے

اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتیں جھٹلائیں اُن کے لیے

۷۵۴ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٥٧﴾ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ

ان کے لیے ذلیل کرنے والا عذاب۔ اور وہ لوگ جنہوں نے مکمل ہجرت کر لی اللہ

ذلت کا عذاب ہے اور وہ جنہوں نے اللہ کی راہ میں

سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ

کے راستے میں پھر قتل کیے گئے یا فوت ہو گئے البتہ ضرور رزق دے گا انکو اللہ بہت ہی اچھا رزق

اپنے گھر بار چھوڑے پھر مارے گئے یا مر گئے تو اللہ ضرور انہیں اچھی روزی دے گا

اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ

اور بے شک اللہ البتہ وہی ہے تمام رزق دینے والوں سے اچھا

اور بے شک اللہ کی روزی سب سے

marfat.com

الرّٰزِقِیْنَ ﴿۵۸﴾ لَیُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا

رزق دینے والا۔ البتہ ضرور داخل کرے گا وہ اللہ ان کو ایسے پاکیزہ گھروں میں کہ وہ لوگ

بہتر ہے۔ ضرور انہیں ایسی جگہ لے جائے گا جسے وہ

یَّرْضَوْنَهٗ ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ﴿۵۹﴾

بہت ہی پسند کریں گے ان کو اور بے شک اللہ البتہ بہت جاننے والا ہے حلم سلوک کرنے والا۔

پسند کریں گے اور بے شک اللہ علم اور حلم والا ہے۔

ذٰلِكَ ۚ وَ مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ

تقدیر الٰہی کا فیصلہ یہی ہے۔ اور جس نے سزا دی اسی کی برابر جو پہلے ایذا دیا گیا تھا

بات یہ ہے۔ اور جو بدلہ لے جیسی تکلیف پہنچائی گئی تھی۔

بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ

جس سے پھر بھی زیادتی کی گئی اس پر البتہ ضرور مدد کرے گا اس کی اللہ بے شک

پھر اس پر زیادتی کی جائے تو بے شک اللہ اس کی مدد فرمائے گا بے شک

اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ﴿۶۰﴾

اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پچھلی آیت میں مومنین کے اُخروی ٹھکانے جنت کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں کافرین کے اُخروی ٹھکانے عذابِ مُہین کا ذکر فرمایا جا رہا ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو سیدھی

marfat.com

راہ چلانے والا ہے یہی سیدھی راہ اللہ کا راستہ ہے۔ اب فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں چلنے والوں کے لیے دنیوی مصائب و تکالیف بہت ہیں **نیز التعلق**۔ پچھلی آیت میں فرمایا گیا اللہ تعالیٰ ہدایت دینے والا ہے۔ اب اِن آیت میں ہدایت کی نوعیتیں اور کیفیتیں بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ **شانِ نزول**۔ ایک دفعہ چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں عرض کیا یا رسول اللہ جو مسلمان جہادوں میں شہید ہو گئے اُن کے مرتبے تو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت زیادہ ہیں ہم بھی آپ کے ساتھ ہر جہاد میں شامل رہیں گے لیکن اگر ہم کو شہادت نہ ملی اور بعد میں بے شہادت موت آئی تو ہمارا بارگاہِ الٰہیہ میں کیا حال ہوگا۔ اُن کے جواب کریمانہ میں یہ آیت نازل ہوئیں از ۵۸ تا ۵۹)

تفسیر نحوی وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ واؤ عاطفہ اس کے مابعد کلام کا عطف ہے ماقبل فَالَّذِیْن کے جملے پر ایک قول میں واؤ ہر جملہ اور اگلی عبارت مبتدا و خبر ہو کر بنا جملہ ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا بابِ نصر کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ کَذَّبُوْا بابِ تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَکْذِیْبٌ بمعنی جھٹلانا جھوٹا کہنا کِذْبٌ سے بنا ہے بمعنی جھوٹ بولنا جھوٹا ہونا یہ مادہ مصدر لازم ہے تفعیل میں آکر متعدی بیک مفعول ہوا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اَلَّذِیْنَ ہے ب حرفِ جر تعدیہ کی بمعنی کو اٰیٰتِنَا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے کَذَّبُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے کَفَرُوْا پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا فَ سببیہ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعیدی مبتدا ہے لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا عَذَابٌ اسم مفرد جامد عَذْبٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے روکنا یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے میٹھے اور ٹھنڈے وافر پانی کو عَذْبٌ اسی معنی میں کہتے ہیں کہ وہ پیاس کو روک دیتا ہے عدالتی سزا کو عذاب اس لیے کہتے ہیں کہ اِس کے سبب سے مجرم جرموں سے رک جاتا ہے یہاں اُخروی سزا مراد ہے۔ بلحاظ تذکرے کے اُس کو عذاب کہا گیا ہے کہ تاکہ بار بار اس کی یاد دہانی سے بندے شرعی جرائم فسق و فجور شرک و کفر سے باز آجائیں یہ موصوف ہے مُهِيْنٌ بابِ افعل کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِهَانَۃٌ هَوْنٌ سے بنا ہے بمعنی ذلیل و رسوا کرنا۔ تعلیل سے پہلے اِهْوَانٌ

marfat.com

تھا یہ صفت ہے عَذَابٌ کی یہ مرکب توصیفی غائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی اُولٰٓئِکَ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر سبب ہے وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا۔ وائو سرجملہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ھَاجَرُوْا باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُھَاجَرَۃٌ۔ یہ مفاعلہ تکرار دو طرفہ کے لیے نہیں بلکہ مبالغے کے لیے ہے یعنی مکمل سب کچھ ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا۔ اور اگر تکرار کے لیے ہو تو معنیٰ یہ ہوگا کہ مومن نکلنے والے کفار نکالنے والے اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ فِیْ حرف جر ظرفیۃ مکانی کے لیے سَبِیْلِ۔ اسم مفرد مبالغہ جمع ہے سُبُلٌ سَبْلٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے لٹکنا لٹکانا چونکہ راستہ اپنی لمبائی کے اعتبار سے منزل تک لٹکا ہوتا ہے اس لیے اس کو سبیل کہتے ہیں یا مسافر کی زندگی منزل آنے تک لٹکی رہتی ہیں یا ہر کام لٹکا رہتا ہے اس لیے بھی راستے کو سبیل کہتے ہیں۔ یہ لفظ مذکورہ مذکر مؤنث دونوں کے لیے مستعمل ہے اردو میں اس ترجمہ راستہ بھی ہے یہ مذکر ہے اور راہ بھی یہ مؤنث ہے یہ مضاف فِیْ ہے اللّٰہِ مضاف الیہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے ھَاجَرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف تعقیب تراخی کے لیے یعنی بہت دیر بعد قُتِلُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول مثبت جمع مذکر غائب قَتْلٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جان سے مارنا، جان نکال دینا۔ خواہ کسی طرح سے بھی ہو۔ اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ اختیار۔ یہ یعنی ما قبل اور ما بعد میں سے ایک ہو یا دونوں مَاتُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مَوْتٌ اجوف واوی سے مشتق ہے بمعنیٰ مرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف قُتِلُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر پھر معطوف ہے ھَاجَرُوْا کے جملے پر سب عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مبتدا۔ لَیَرْزُقَنَّ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ واحد مذکر غائب رِزْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ روزی دینا۔ ھُمْ ضمیر منصوب متصل اس کا مفعول بہ اللّٰہُ اس کا فاعل رِزْقًا مفعول مطلق بمعنیٰ مفید چیزیں غذائیں وغیرہ موصوف ہے حَسَنًا اسم نکرہ اس کی تنوین تعظیمی ہے یعنی بہت زیادہ حَسَنٌ کا معنیٰ ہے پاک صاف طیب حلال خوب صورت۔ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہٖ دوم ہے لَیَرْزُقَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے وَالَّذِیْنَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ حسن اور حُسن کا لغوی معنیٰ چیز میں تناسب توازن اور اعتدال پیدا ہونا وہی اشیا مفید ہوتی ہیں جن میں یہ تینوں باتیں (خوبیاں) ہوں اگر ان میں سے ایک بھی نہ رہے تو

marfat.com

چیز بیکار بلکہ نقصان دہ بن جاتی ہے ان ہی تینوں خوبیوں سے اشیا رزقِ حسن بن جاتی ہیں۔ واؤ برِ جملہ اِنَّ حرفِ مشبہ۔ اللہ اس کا اسم۔ لام کے برائے تاکید۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ خَیْرُ۔ اسم مصدر مضاف بمعنی اسم فاعل۔ لفظ خیر چار قسمیں ہیں ۱۔ شرارت کے مقابل ۲۔ ادنی اور گھٹیا کے مقابل ۳۔ نقصان کے مقابل ۴۔ فتنہ کے مقابل۔ لفظِ خیر نو معنی میں مشترک ہے ۱۔ برتری ۲۔ بلندی، ۳۔ شرافت، ۴۔ فضیلت، ۵۔ کرم، ۶۔ ترجیح، ۷۔ تناسب، ۸۔ فائدہ مند، ۹۔ بخشش کرنے والے یہاں اسی آخری معنی میں ہے۔ الرّٰزِقِیْنَ، اسم فاعل جمع مذکر یہ فاعلِ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے ھُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا لَیُدْخِلَنَّھُمْ مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ وَاِنَّ اللّٰہَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ذٰلِكَ۔ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِہٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْہِ لَیَنْصُرَنَّہُ اللّٰہُ اِنَّ اللّٰہَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔ لَیُدْخِلَنَّ باب افعال کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مثبت معروف واحد غائب اِدْخَالٌ مصدر ہے بمعنی داخل کرنا، اندر بلانا یا بھیجنا، رہائش دینا دَخْلٌ سے مشتق ہے یہ مادہ مصدر لازم ہے بمعنی داخل ہونا ھُمْ، ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ ہے مُدْخَلًا اسم ظرف واحد مذکر بمعنی داخل ہونے کی جگہ ایک قول میں یہ مصدر میمی ہے پہلے قول میں یہ ظرفِ مکانی ہے لَیُدْخِلَنَّ کا دوسرے قول میں یہ مفعول مطلق ہے موصوف یَرْضَوْنَ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب رِضًی ناقص یائی سے بنا ہے دراصل یَرْضَیُوْنَ تھا۔ تعلیل نحوی سے یاءِ اصلیہ گر گئی۔ پہلے الف سے بدلی گئی پھر دو ساکن کی وجہ سے الف گر گیا واؤ نہیں گر سکتی کیونکہ وہ علامت جمع ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے رَضِیَ کے معنی ہیں خوش ہونا پسند کرنا متعدی بیک مفعول ہے ہ ضمیر اس کا مفعول بہ یَرْضَوْنَ فعل با فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول ہے لَیُدْخِلَنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ برِ جملہ اِنَّ حرفِ مشبہ بالفعل (عمل میں) اللہ اس کا اسم لام کے برائے تاکید عَلِیْمٌ عِلْمٌ سے اور حَلِیْمٌ حِلْمٌ سے مشتق ہے عَلِیْمٌ اسم فاعل مبالغہ واحد مذکر اس کی اشتقاقی جمع عَلِیْمِیْن ہے اور لفظی صفت مشبہ مبالغے کی جمع عُلَمَاءَ ہے اسی طرح حلیم کی جمع ہے عِلْمٌ کا معنی جاننا خبر رکھنا حِلْمٌ کا معنی لغوی ہے کسی چیز کا اپنی انتہا کو پہنچانا اصطلاح میں ہر بختگی کو حلم کہا جاتا ہے اور علاماتِ بلوغت کو احتلام کہتے ہیں بلوغت انسانی حیوانی زندگی کی ترقی کی انتہا ہے پھر بڑھاپے کی طرف تنزلی شروع ہو جاتی ہے لفظِ حلیم مخلوق کی صفت بھی ہے اور خالق تعالیٰ کی بھی یہاں خالق تعالیٰ کی صفت ہے اور ترجمہ ہے قانون ساز۔ قانون کے مطابق ہر بندے

marfat.com

سے برتاؤ کرنے والا نہ کہ جذبات و جلد بازی سے بدلہ و سزا دینے والا جب مخلوق کی صفت ہو تو معنی ہوں گے بردبار تحمل مزاج منکسر۔ یہ دونوں لفظ دو خبریں ہیں اِن کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ذالِکَ اسم اشارہ بعیدی بمعنیٰ وہ مبتدا ہے یہاں لفظ اَمْرٌ پوشیدہ ہے یعنی فیصلہ یا تقدیر الٰہی، در اصل ہے اَلْاَمْرُ ذَالِکَ، یعنی تقدیر الٰہیہ کا فیصلہ وہی ہے ایک قول میں ہے ذَالِکَ الْاَمْرُ۔ یعنی وہی فیصلہ تقدیری ہے پہلی صورت میں خبر مقدم اور ذَالِکَ مبتدا مؤخر ہے دوسری صورت میں اپنے اپنے مقام پر ہے بہر کیف یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائیہ مَنْ موصولہ شرطیہ عَاقَبَ۔ باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت معروف عقبٌ سے بنا ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے بعد میں ہونا اصطلاح میں نتیجہ اور بدلے کو عاقبہ کہتے ہیں کیونکہ یہ بھی بعد میں ہوتا ہے۔ بِ جارہ زائدہ مثل اسم تمثیل و تشبیہ مضاف ہے مَا اسم موصول عُوْقِبَ باب مفاعلۃٌ کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر غائب عقبٌ سے بنا ہے یہاں عقب اپنے مجازی معنیٰ میں ہے تشبیہ عقاب کی وجہ سے اِس کو بھی عتاب کہا گیا ورنہ حقیقتاً یہ بعد میں نہیں بلکہ یہ پہلے ہیں اور اسی کا بدلہ میں لینے کا تذکرہ ہے بِہٖ یہ جار مجرور متعلق ہے عُوْقِبَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف بُغِیَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت مجہول بَغْیٌ یا بُغُوٌّ سے مشتق ہے بمعنیٰ زیادتی کرنا ظلم کرنا بغاوت کرنا یہاں پہلے معنیٰ میں ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے حد سے بڑھنا اسی کے ماتحت اصطلاحاً یہ لفظ آیا گیارہ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ بگڑ جانا ۲ طلب کرنا ۳ لشکر کی حدود سے نکل کر ہر اول دستہ بن جانا ۴ تکبر کرنا ۵ بدکاری کرنا ۶ ظلم و زیادتی کرنا یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۷ کوشش کرنا ۸ حاصل ہونا ۹ آسان ہونا ۱۰ مناسب ہونا ۱۱ ترجیح پانا اس کا نائب فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ مرجع مَنْ ہے اسی طرح عُوْقِبَ کا نائب فاعل ہے عَلَیْہِ جار مجرور متعلق ہے بُغِیَ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے عُوْقِبَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مضاف الیہ مِثْل کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے عَاقَبَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَنْ کا موصول صلہ مل کر شرط ہوئی۔ لَیَنْصُرَنَّ باب نَصَرَ کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مثبت معروف اس کا فاعل اَللّٰہُ لفظ جلالہ ہے نَصْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مدد کرنا ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے یہ منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے لَیَنْصُرَنَّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ تاکیدیہ ہو کر جزائے شرط۔ دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا اِنَّ حرفِ مشبہ اللّٰہَ اس کا اسم لام کے تاکیدیہ عَفُوٌّ اسم مصدر بمعنیٰ اسم فاعل ترجمہ ہے سزا کو ختم کر دینا یا اس طرح

marfat.com

کہ شروع ہی نہ ہو یا شروع ہو چکی ہو باقی کو ختم کر دیا جائے اس طرح کہ سزا پوری ہو چکی ہو مگر اس کے اثرات ونشانات ختم کر دے اور سابقہ مرتبہ وعزت بحال کر دی جائے یہ خبر اول ہے اِنَّ کی عَفُوٌّ اسم مبالغہ بروزنِ فَعُولٌ عَفْوٌ سے بنا ہے بمعنی چھپانا ڈھکنا، بخشنا، سزا معاف کرنا۔ اس طرح کہ شروع سے ہی سزا نہ دی جائے نہ طعن نہ احسان جتانا نہ برا بھلا کہنا نہ جھڑکنا۔ یہ خبر دوم ہے اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ سزا معاف کرنے کے لیے ۔ انبسر الفظ ہے صَفْحٌ ۔ یعنی سزا کو اس طرح معاف کیا جائے کہ صرف مجرم معلوم کرے کہ میں واقعی قابل سزا تھا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَکَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِکَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰہُ رِزْقًا حَسَنًا وَاِنَّ اللّٰہَ لَهُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ و ابدی اُخروی کی کیفیت اہلِ ایمان کے لیے وہی ہے جو ابھی بیان ہوئی۔ لیکن اور وہ لوگ جو کسی بھی قسم کے کفر میں تا عمر کافر بنے رہے۔ ظاہری باطنی شرعی قانونی نامی گرامی اور اُسی کفر پر مرے۔ ہماری دینی آیتوں اُخروی علامتوں اسلام کی کرامتوں، رب تعالیٰ کے قرآن نبی آخر الزماں کے فرمان صحابہ کرام کے ایمان کے مکذب اور منکر ہی بنے رہے اس طرح کہ کفر کرتے بھی رہے کافر بناتے بھی رہے گمراہی میں پھنساتے کسی کو بہکاتے رہے کسی کو ورغلاتے رہے۔ بے شمار معجزوں قدرتوں کرامتوں کو دیکھنے کے باوجود ہمیشہ جھگڑتے اور بگاڑتے ہی رہے کوئی منظاہر بن کر کوئی منافق بن کر تو وہ ہی لوگ ہیں جن کے لیے ہر قسم کا ذلیل کرنیوالا بڑا اور ابدی عذاب ہے کفر کی وجہ سے عذاب اور کفر کی عظیمت کی وجہ سے ابدیت، لفظ مُهِیْنٌ عام ہے ہر قسم کی ذلت کو۔ ذلت کی چھ قسمیں ہیں ۱ ذلت سے لایا جانا ۲ ذلت کی رہائش ۳ ذلت کی خوراک ۴ ذلت کا کلام سننا یعنی لعنت پھٹکار جھڑک ۵ بدبو پھیلی ہونا ۶ درد اور تکلیف کی چیخ و پکار مفسرین فرماتے ہیں کہ ہر کفر میں شرک موجود ہوتا ہے اسی لیے ہر کفر ظلم عظیم ہے۔ عذابِ مہین وہ ہوتا ہے جو خواری میں بھی عظیم ہو۔ رسوائی میں بھی عظیم ہو۔ دردناکی میں بھی عظیم ہو۔ ذلت آمیز گفتگو تا خواری ہے اور ذلت کی رہائش ملنا رُسوائی ہے ظلم عظیم کا عذاب مہین ہوتا ہے اِس عذاب کا اثر یہ ہو گا کہ جسم کی عزت سر کا غرور عقل کا نفور، نفس کی اکڑ سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ ایسا عذاب کہ آج دنیا میں اُس کا

marfat.com

تصور بھی نہیں ہو سکتا نہ اُس کی حقیقت بیان ہو سکے یہ فیصلہ عدل ہے اس لیے نہ ملتوی ہو نہ منسوخ نہ کمی ہو جس طرح دنیا میں تمام کفر و شرک مختلف عقائد و مذاہب و افعال کے باوجود دوستی، تعاون نصرت، اخوت، کفریت، غرور، تعصب میں مِلّۃٌ واحدہ ہے اسی طرح آخرت میں مختلف مقام و طبقات ہونے کے باوجود سب کا عذاب ایک جیسا مُھِین ہو گا اہل ایمان کے اعمالِ صالحہ جتنا ایک ہیں مگر شانِ خلوص میں مختلف ہیں اس لیے وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا۔ اور وہ مسلمان جنہوں نے اولاً وطن اور قرابت چھوڑ کر مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کو ہجرت کی اور پھر مدینہ منورہ میں رہ کر فتوحاتِ اسلامیہ کی مشقتوں سفر میں مصیبتوں میں اپنی زندگی کے اکثر لمحات گزار دئے دورِ نبوی کے سرایا و غزوات کی جنگوں سے لے کر دورِ صحابہ تک اور دورِ صحابہ سے دورِ تابعین تبع تابعین تک اور دورِ تبع تابعین سے تا قیامت اشاعتِ قدرت، نصرت، اسلام نبوت کی شان شریعت کی آن کا چرچہ کرنے اُجاگر کرنے میں ہی عمر گزار دی نہ قتال کا خوف نہ جان کی فکر نہ آبرو کی تمنا نہ آرام کا خیال نہ حکومت کی چال نہ حکومت کرنے کی خواہش نہ غنیمت کا لالچ ہر وقت ہر طرح فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ کا خلوص اپنے اللہ تعالیٰ کے راستے میں ہی جفاکشی کرتے رہے پھر وہ رضاءِ الٰہی کے طالب نامِ مولیٰ تعالیٰ پر قربانی جان میں قتل کر دئے گئے دشمنانِ دین کے ہاتھوں یا وہ راہِ ہجرت اور سفرِ جہاد میں فوت ہو جائے، خیال رہے کہ قتل اور موت میں تین طرح فرق ہے ۱ قتل کوئی کرتا ہے موت خود آتی ہے ۲ قتل مظلومیت ہے جس کا مُرتکب ظالم ہے اور مقتول یعنی مُرتکب مظلوم یا مرتکبِ عادل ہے اور مقتول مجرم ہے ۳ قتل میں جسم سے روح کا نکلنا بالواسطہ ہے اور موت میں بلا واسطہ ہے جو بندہ مومنِ راہ حق میں ہو وہ قتل کیا جائے یا فطری موت سے وفات پائے دونوں کا اُخروی ثواب ایک جیسا ہے کہ لَیَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا اُن سب مجاہدین شہدا اور مجاہدین اموات کو ایک جیسا رزق حسن دیا جائے گا آخرت میں بھی، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ مومن کو رزقِ حسن عطا فرماتا ہے جنت میں عطا فرمائے گا۔ دنیا میں ہر حلال اور پاکیزہ طیب چیز رزقِ حسن ہے، جنت کے رزقِ حسن کی بارہ صفات ہیں ۱ خوشنما ۲ خوش وضع ۳ خوشگوار ۴ خوش مزہ ۵ خوش بو ۶ خوش رنگ ۷ کثیر ۸ ابدی ۹ جنت میں ہر جگہ ۱۰ ہر قسم کا ۱۱ نہ حصول میں مشقت ۱۲ نہ طلب میں تنگی نہ لجاجت نہ قباحت اور بے شک اللہ تعالیٰ تمام رزق دینے والوں سے اچھا رزق دینے والا ہے کیونکہ خالق بھی ہے مالک بھی غفور

marfat.com

بھی رحیم بھی رب العلمین بھی ایسا کہ دیکر خوش ہونے والا کھلا کر راضی ہونے والا۔ عالم ارواح
سے شکمِ مادر تک جنم سے مہد تک، مہد سے لحد تک، لحد سے حشر تک یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ
بِغَیْرِ حِسَابٍ۔ بغیر حساب رزق دیتا ہے۔ بندہ بھی رزق دیتا ہے بندے کو مگر بندے کی
دین اور اللہ تعالیٰ کی عطا میں نو طرح فرق ہے ۱ بندہ بندے کو رزق لے کر دیتا ہے مگر اللہ
تعالیٰ رزق بنا کر دیتا ہے دوسرا فرق بندہ صرف اپنوں کو دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ سب کو دیتا ہے
تیسرا فرق بندہ صرف ظاہری دیتا ہے رب تعالیٰ ظاہری بھی دیتا ہے باطنی بھی۔ چوتھا فرق۔ بندہ
بندے کو صرف جنم سے لحد تک دیتا ہے رب تعالیٰ حشر تک حشر سے ابد تک دیتا ہے۔ پانچواں فرق
یہ کہ بندہ اُجرت سے دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ شفقت سے دیتا ہے، چھٹا فرق یہ کہ بندہ اپنے نفع
کے لیے دیتا ہے مگر رب تعالیٰ بغیر منفعت کے، ساتواں فرق یہ کہ بندہ غفلت سے دیتا ہے
مگر مولیٰ تعالیٰ حکمت سے دیتا ہے، یعنی بندہ نہیں جانتا کہ اس رزق سے دوسرے کو فائدہ ہوگا
یا نقصان، اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے آٹھواں فرق یہ کہ بندہ بندے کو عارضی دیتا ہے مولیٰ
تعالیٰ دائمی دیتا ہے، نہم یہ کہ بندہ قلیل دیتا ہے مولیٰ تعالیٰ کثیر دیتا ہے۔ اس لیے مولیٰ تعالیٰ ہی
ہی خیرُ الرازقین ہے، رزق کا لغوی معنیٰ ہے فائدہ مند چیز اور اصطلاحی معنیٰ ہے عطاءِ جاری
دنیوی ہو یا دینی یا اُخروی اس لیے ہر دنیوی خوراک لباس رہائش رزق دیتا ہے، اور ہر عبادت
تلاوت دینی رزق ہے اور جنت کی ہر چیز رزقِ اُخروی ہے، رزقِ دنیوی شکمِ مادر سے شروع ہوتا
ہے، رزقِ دینی بلوغت سے شروع ہوتا ہے اور رزقِ اُخروی قبر سے شروع ہوتا ہے۔ لَیُدْخِلَنَّهُمْ
مُّدْخَلًا یَّرْضَوْنَهٗ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِیْمٌ حَلِیْمٌ ذٰلِكَ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ
بِهٖ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْهِ لَیَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ۔ ان راہِ حق اور سبیلِ الٰہی کے
مہاجرین و مسافرین کو ایسے عظیم الشان بہترین خوب صورت مضبوط مکانات میں داخل فرمائے
گا وہ رب تعالیٰ کہ دنیا کے مظلومین، دشمن کے مقتولین وطنوں کے تارکین اپنے ربِ کریم
کی عطا سے راضی ہو جائیں گے۔ آج اُن گھروں کی بناوٹ سجاوٹ نہ کسی آنکھ نے دنیا میں دیکھی
نہ کسی کان نے سنی نہ کسی عقل نے سوچی نہ کسی قلبِ بشر میں تصور ہی آیا، اور بے شک اللہ تعالیٰ
علیم ہے اپنے بندوں کا حلیم ہے اپنے دشمنوں پر، علیم ہے نیکوں پر حلیم ہے بروں پر علیم
ہے آخرت پر حلیم ہے دنیا پر علیم ہے ہر مومن کے ہر حال پر حلیم ہے ہر کافر کی ہر حرکت
پر علیم ہے قابلیت اور لیاقت پر حلیم ہے دنیا والوں کی قباحت اور خباثت پر بے شک

marfat.com

اللہ تعالیٰ علیم ہے کیونکہ ہر مخلوق کو حکمت سے نعمت دیتا ہے، حلیم ہے کیونکہ جلدی سے عقوبت نہیں
دیتا۔ علیم کے بھی تین معنیٰ ہیں ۱۔ بہت اور ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا ۲۔ ہمیشہ سے ہمیشہ تک
بہت خبر رکھنے والا ۳۔ بہت حفاظت کرنے والا حلیم کے بھی تین معنیٰ ۱۔ بہت درگزر فرمانے والا
۲۔ بہت ڈھیل دینے والا ۳۔ بہت مہلت دینے والا۔ علیم ہے ظاہر کا، خبیر ہے باطن کا، حفیظ ہے
سب کا۔ حلیم فاسقین سے درگزر فرمانے والا، کافرین کو دنیا میں ڈھیل دینے والا، مومنین متقین
کو مہلت دینے والا، ایک روایت میں ہے کہ ایک بار صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ مقتولین
شہداء کے حالات مقامات درجات و عطیات کا تو ہم کو بتا دیا گیا ہے۔ لیکن مجاہدین مہاجرین
جو راہِ جہاد میں جہاد سے پہلے فوت ہو جائیں قتلِ شہادت نہ پا سکیں ان کا
کیا مقام ہے۔ آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ایسے مہاجرین
و سفرِ جہاد کے مسافرین مقتولین ہوں یا میتین، اجر و عطیاتِ اُخروی میں شریک ہیں یعنی
برابر ہیں اور پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی، دوسری روایت میں ہے کہ
فضالہ بن عبید اللہ انصاری صحابی رض کے پاس سے دو جنازے گزرے تو آپ نے
پہلے میت کا جنازہ ادا کیا اُس کو دفن کیا اور اُس کی قبر کے پاس کچھ دیر
کھڑے پڑھتے رہے پھر شہید کی نماز پڑھی اور تدفین کی کسی نے عرض
کیا کہ آپ نے شہید کو پیچھے رکھا میت کو مقدم فرمایا اس کی کیا وجہ حالانکہ لوگوں
کا ہجوم شہید کی زیارت میں زیادہ تھا، آپ نے جواباً فرمایا کہ یہی بتانے کے
لیے کہ اے لوگو یہ میت بھی کوئی عام میت نہیں یہ مسافر جہاد کی میت ہے
اس کا مقام اور اجر و ثواب بارگاہِ الٰہی میں شہید کے برابر ہے کیونکہ دونوں
راہِ جہاد اور تیاریِ قتالِ فی سبیل اللہ میں مکمل اور برابر تھے کسی کو قتلِ شہادت
نصیب ہوا کوئی پہلے ہی اپنی فطری طبعی موت سے وفات پا گیا تو جس طرح یہاں
نصرتِ حق میں دونوں جسماً، نیتاً، سفراً، ہجرتاً برابر کے شامل اسی طرح وہاں آخرت
میں انعامات حق تعالیٰ میں بھی ہر طرح برابر ہیں۔ رزقاً، اجراً، مقاماً، اور پھر یہی آیت
پڑھی، ہم کہتا ہوں کہ ایک عظیم کرم ہے کہ خالق و مالک ہو کر بھی اپنے بندوں پر انعام
فرمانے میں علیم ہے مہلت و مہولت دینے میں حلیم ہے۔ بعض لوگوں نے حلیم کا معنیٰ بُردبار
کیا ہے معنیٰ غلط اور اللہ تعالیٰ کی بے ادبی گستاخی ہے کیونکہ لفظ بُرد بار لغتِ فارسی کا اسم

marfat.com

فاعل سماعی ہے برُدن سے بنا ہے اس کا ترجمہ ہے لے جانا اٹھانا۔ بار کا معنیٰ ہے بوجھ۔ بُردبار کا اُردو میں ترجمہ ہے۔ بوجھ اُٹھانے لے جانے والا، اُردو فارسی میں یہ لفظ اُس انسان کے لیے بولا جاتا ہے جو مزاج کا ٹھنڈا اور برداشت کے مادے والا ہو، رب تعالیٰ کے لیے مزاج یا برداشت کے الفاظ استعمال کرنا سخت بے ادبی ہے۔ اللہ ہدایت دے۔ ذٰلِكَ، اے محبوبِ کریم وہ ہی اٹل فیصلۂ اُخروی ہے جو آپ کو بتا دیا گیا ہے، ہر انسان کا فرو مومن نیک و بد سے وہ ہی معاملہ ہونے والا ہے کہ نیکوں کا یہ اَجر بُروں کی یہ سزا قبر سے حشر تک کوئی شان کوئی حال چھپا کر نہ رکھا گیا لہٰذا اے بندو اپنی اپنی فکر کرلو اس لیے کہ اپنی کرنی اپنی بھرنی ہے قرآن و حدیث نے جو بیان فرما دیا وہ ذٰلِكَ اور اٹل فیصلہ ہے۔ ذٰلِكَ یہ ایک پورا جملہ اسمیہ ہے ماقبل کے ثبوت کے لیے اور مابعد کی تنبیہ کے لیے کہ جس نے اپنے پر یا اپنوں پر ظلم کرنے والوں کو اسی ظلم کے برابر سزا دی یا دِلوائی جتنی تکلیف وہ مظلوم دیا گیا اور ظلم کا پورا پورا بدلہ دیا اس طرح کہ قتال کا بدلہ قتال سے قتل کا قتل سے قصاص کا قصاص سے زخم کا زخم سے اذیت کا اذیت سے، ذلت کا ذلت سے بذریعے ہاتھ یا ہتھیار یا زبان یا عدالت یا جہاد، کوئی زیادتی نہ کی ظلم سے زیادہ سزا نہ دی لیکن پھر دشمن کی جانب سے اس انصاف پسند بندۂ نیک پر بغاوت اور زیادتی کی گئی بغاوت وہ ظلم ہے جو ضرورت سے بھی زیادہ، کو حد سے بھی اور عدالت سے بھی بغاوت کی چار صورتیں ہیں ۱ ایک یہ کہ اِرادۃً حد سے تجاوز ہو، دوم یہ کہ بلا ارادہ حد سے تجاوز ہو سوم یہ کہ مقدار میں تجاوز ہو، چہارم یہ کہ کیفیت میں تجاوز ہو یعنی ظلم میں حدِ انصاف سے بڑھنا۔ طلب میں حدِ وجوب سے بڑھنا، غضب میں حدِ حقوق سے بڑھنا کسی بھی مسلمان پر کسی بھی کافر دشمن کی طرف سے کسی بھی قسم کی بغاوت کی گئی تو اُس مظلوم مومن کو گھبرانا نہ چاہیئے نہ پریشان ہو، اس لیے کہ وعدۂ ربانی ہے لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ۔ البتہ بے شک ضرور مدد فرمائے گا دنیا میں بھی دین میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے اُس نیک پاک منصف و مظلوم بندے کی۔ اللہ تعالیٰ کی دنیوی مدد بھی تین قسم کی ہے اور اُخروی مدد بھی تین قسم کی ہے طبیعت کا صبر، جسمانی قوت قلبی جرأت و ہمت یہ رب تعالیٰ کی طرف سے بندے کو دنیوی مدد ہے۔ اَجر دینا قیامت میں مومن مظلوم کو بدلہ ملنا ظالم کو سزائے ذلت اور عذاب جہنم دینا یہ مومن

marfat.com

کی اُخروی مدد ہے یہ وعدہ ربانی بھی اٹل ہے۔ دنیا میں مشاہدے تجربے سے ثابت اور آخرت میں لامحالہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے عُفُوٌّ بھی ہے غَفُوْرٌ بھی ہے اس طرح کہ اگر کوئی بندہ کسی مجرم پر بلا ارادہ زیادتی کر دے پھر توبہ کرے معافی مانگے اس کو معاف فرما دینے والا اور اپنے اُن بندوں کو جو اُس کی بارگاہ جمال و جلال میں عاجزی مسکینی سے عابد و زاہد ہیں بخشنے والا چادرِ رحمت میں چھپانے والا ہے۔ اور عَفُوٌّ ہے معافی مانگنے والوں کے لیے غَفُوْرٌ ہے توبہ کرنے والوں کے لیے معافی اور توبہ میں فرق یہ ہے کہ سابقہ اغلاط کی معافی ہوتی ہے۔ آئندہ بچے رہنے کی توبہ ہوتی ہے۔ معافی کا لغوی معنیٰ ہے بخش دینا، توبہ کا لغوی معنیٰ ہے رجوع کرنا۔ اشارہ ہے اس بات میں کہ اے انتقام کی قدرت والو انتقام سے معافی دینا بہتر ہے لیکن اگر معافی نہ دو یا نہ دے سکو اور ظالم سے ظلم کے برابر انتقام لے لو تو وہ رب کریم بخشنے والا ہے غور کرو کہ جب قادرِ مطلق قدرتِ کاملہ والا معافی عطا فرماتا ہے تو ثابت ہوا کہ معافی اللہ تعالیٰ کو پیاری ہے۔ رضاءِ الٰہی کے لیے معافی دینے سے بندے کو تین فائدے ہوتے ہیں۔ پہلا یہ کہ معافی دینے والے کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ دوسرا یہ کہ معاف کرنے والے کے درجات بلند ہوتے سوم یہ کہ دنیا میں وقار، آخرت میں نہ گناہوں کا حساب نہ قیامت میں شرمندگی بلکہ گناہ کے بدلے معافی اوصعافی کا ثواب ملے گا۔ چنانچہ سورۂ فرقان کی آیت ۷۰ میں ارشاد ہے اُولٰٓئِكَ یُبَدِّلُ اللّٰهُ سَیِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ۔ رب تعالیٰ عَفُوٌّ ہے مستحقِ ناراضی کو رضا دے کر۔ غَفُوْرٌ ہے مستحق ہے عقوبت کو بخشش دے کر عَفُوٌّ پہلے گناہ مٹا کر غَفُوْرٌ سے گناہ چھپا کر مٹانے میں عزت کی بقا ہے چھپانے ذلت کی فنا ہے۔ عَفُوٌّ خاص کرم ہے۔ غَفُوْرٌ عام کرم ہے اسی لیے عَفُوٌّ کا ذکر پہلے ہوا غَفُوْرٌ کا بعد میں رب تعالیٰ بھی عَفُوٌّ، غَفُوْرٌ اور اُس کے محبوب نبی محمدِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی۔ رب تعالیٰ گناہوں کا عَفُوٌّ غَفُوْرٌ ہے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم خطاؤں کے عَفُوٌّ غَفُوْرٌ ہیں لہٰذا اے بندے تو بھی اپنے ذاتی حقوق کے ظالم پر عَفُوٌّ غَفُوْرٌ ہو جا کیونکہ ؎

بدی را بدی سہل باشد جزا ٭ اگر مردی اَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَاءَ

marfat.com

(حضرت سعدی رحمۃ اللہ علیہ) یعنی برائی کا بدلہ برائی تو آسان ہے اگر مرد ہے تو برے سے نیکی کر، سورۃ شوریٰ کی آیت ۴۰ میں معافی کا ایک فائدہ اس طرح بیان فرمایا گیا۔ فَمَنْ عَفَا وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ یعنی جس نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا اور مسلمان بھائی سے صلح کر لی پس اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر ہے۔ مُدْخَلاً، مصدر میمی ہے اور اسم ظرف مَدْخَلٌ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ مَدْخَلٌ سے مراد جنت کے یاقوت سفید کے شاندار خیمے ہیں جن میں نہ کسُمٌ ہے نہ وَصْم۔ یعنی نہ بد صورتی نہ کوئی عیب و کمزوری، اور اتنے بڑے ہیں کہ ایک ایک خیمے میں ستر ہزار مصراع۔ یعنی کواڑ ہیں۔ گویا اگر ایک کواڑ کا دروازہ ہے تو ستر ہزار دروازے ہوئے اگر دو کواڑ کا دروازہ ہے تو پینتیس ۳۵

ہزار دروازے ایک خیمے میں وَمَنْ عَاقَبَ کا عقاب بمعنی سزا ہے یہ عقاب کا اصلی و حقیقی معنیٰ ہے اور مَا عُوْقِبَ کا عقاب بمعنی جرم و ظلم ہے اِس کو عقاب کہنا مجازاً ہے صرف ہم شکلی کی وجہ سے۔ جیسے سورۃ شوریٰ کی آیت ۴۰ میں۔ جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا یہاں پہلا سَیِّئَةٌ اپنے حقیقی معنیٰ میں ہے اور دوسرا سَیِّئَةٌ مجازی معنیٰ میں ہے۔ ترجمہ ہے کہ برائی کا بدلہ اُس کی ہم شکل ہے۔ **ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال**۔ مُّهِیْنٌ کے معنیٰ میں تین قول

۱ ذلت آمیز عذاب ۲ شدید و مسلسل عذاب ۳ تکلیف دہ دردناک عذاب تینوں قول درست کیونکہ عذابِ مہین میں یہ تینوں چیزیں ہوں گی۔ ہَاجَرُوْا میں چار قول ۱ بعض نے فرمایا کہ وہ مہاجرین صحابہ مراد ہیں جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف... نکلے اس ارادے سے کہ وہاں آسانی سے عبادت و تبلیغ کر سکیں گے تو کفارِ مکہ نے ان کا تعاقب کر کے کچھ کو قتل کر دیا کچھ کو گرفتار کر کے اذیتیں دینے واپس لائے کچھ راہِ سفر میں فوت ہو گئے سب کا اجر ایک جیسا ۲ بعض نے فرمایا وہ انصار و مہاجرین صحابہ مراد ہیں جو مدینہ منورہ سے برائے جہاد نکلے اور ان میں سے کچھ مجاہدین جاتے ہوئے راستے میں وفات پا گئے۔ کچھ شہید ہوئے، کچھ واپسی میں فوت ہوئے کچھ گھر آکر اسی ساز و سامان کی حالت میں فوت ہو گئے سب کا اجر و مرتبہ برابر ہے

marfat.com

۳ بعض نے فرمایا کہ یہاں ہجرت اپنے لغوی معنی میں ہے یعنی چھوڑ دینا قطع تعلق کر لینا اور وہ صحابہ
کرام مراد ہیں جو مکہ مکرمہ میں رہتے ہوئے کفار کی اذیتوں سے فوت ہوئے یا کفار کے ہاتھوں
قتل ہوئے اور وہ صحابہ کرام جنہوں نے نصرت اللہ رسول کی خاطر اپنے کافر رشتے داروں کو اور
ذاتی مفادات کو چھوڑ دیا۔ اِن سب کا اجر برابر ہے ۴ بعض نے فرمایا کہ تا قیامت پر جہاد کے
شہدا مراد ہیں یا ہر سفر جہاد میں آتے جاتے راستے میں طبعی موت فوت ہو جانے والے اور ہجرت
سے مراد تا قیامت بنیتِ جہاد فِی سبیل اللہ نکلنا۔ قُتِلُوْا کی قرأت میں دو قول ۱ یہ قُتِلُوْا ہے باب
نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب، یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ یہ قُتِّلُوْا ہے باب
تفعیل کا ماضی مطلق مجہول جمع مذکر غائب قُتِلُوْا کے معنی میں بھی دو قول ہیں ۱ قتل کیئے گئے
جہاد کرتے ہوئے ۲ قتل کیئے گئے ظلماً وطن اور گھر میں ہی۔ رِزْقًا حَسَنًا میں تین قول ۱ بعض
نے کہا اس سے مراد مالِ غنیمت ہے جو اَب امتِ مسلمہ پر شریعتِ اسلام نے حلال فرمایا پہلی شریعت
میں مجاہدین پر حرام تھا ۲ بعض نے فرمایا اس سے مراد علم و فہم ہے ۳ بعض نے کہا اس سے
مراد جنت کی نعمتیں ہیں یہی قول درست ہے کیونکہ رزقِ حسن کا ملنا قتلِ شہادت یا راہِ جہاد
کی طبعی موت کے بعد ہے اور وہ صرف جنت میں ہی ملے گا۔ مُدْخَلًا کی قرأت میں دو قول ۱
بعض کے نزدیک یہ مصدر میمی ہے ضمۂ میم کے ساتھ اور ترکیب نحوی میں مفعول مطلق ہے
یُدْخِلَنَّهُمْ کا ۲ دوسری قرأت میں مَدْخَلًا ہے میم کے زبر سے اور اسم ظرف ہے یُدْخِلَنَّهُمْ
کا مراد ہے جنت کا یاقوتی خیمہ مگر پہلی قرأت مشہور و مکتوب ہے۔ ذٰلِكَ میں دو قول ۱
بعض نے کہا یہ مبتدا ہے اِس کے بعد اس کی خبر پوشیدہ ہے اور ترجمہ ہے وہ جو پہلے
نیک و بد کا حالِ اُخروی بیان ہوا وہ اٹل فیصلہ ہے ۲ بعض کے نزدیک یہ خبر ہے اِس سے
پہلے مبتدا پوشیدہ ہے اور ترجمہ اس طرح ہے، جو کچھ بیان ہو بس وہی کچھ ہونا ہے وَمَنْ
عَاقَبَ کے واقعے میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ ایک بار صحابہ کرام کی ایک بستی پر کفار نے
بارادۂ جنگ محاصرہ کیا۔ صحابہ نے کفار سے کہا کہ یہ حرمتِ جنگ کے ماہِ محرم کی اٹھائیس
تاریخ ہے ہم دو دن بعد جنگ کریں گے مگر کفار نہ مانے کیونکہ ان کا عیارانہ منصوبہ ہی یہ تھا
مجبوراً صحابہ کرام بھی میدانِ جنگ میں آگئے رب تعالیٰ نے مدد فرمائی تمام کافر قتل ہوئے بعد میں
صحابہ کرام کو بہت خوفِ الٰہی ہوا کہ ہم نے حرمت والے مہینوں میں کیوں جنگ کی تب حاضر بارگاہ
ہوئے اور اپنی مجبوری بیان کرتے ہوئے سب واقعہ سنایا۔ آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

marfat.com

نے فرمایا تم پر کچھ گناہ نہیں اور یہ ہی آیت پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے لَیَنْصُرَنَّ کا وعدہ پورا فرمایا اس لیے تم کو فتحِ عظیم و مبین حاصل ہوئی، خیال رہے کہ شریعت آدم علیہ السلام سے لے کر تا شروع اسلام چار ماہ حرمتِ جنگ کے مقرر تھے پھر سورۂ توبہ کی آیتِ سیف یا صحابہ کرام کی اِس جنگ سے یہ حرمت منسوخ ہوئی۔ وہ چار ماہ محرم۔ رجب، ذیقعد ذی الحج تھے یعنی سن ہجری کا پہلا، ساتواں گیارھواں بارھواں۔ کفار بھی اِن مہینوں کا احترام کرتے ہوئے جنگ نہ کرتے تھے اگر دورانِ جنگ یہ مہینے شروع ہو جاتے تو فوراً جنگ بند کر دیتے تھے پتہ نہیں یہ کون سے بدبخت کفار تھے ۲؎ بعض نے فرمایا کہ مَنْ عَاقَبَ میں اُن مظلوم صحابہ کرام کا ذکر ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ کی طرف گئے اور وہاں قوتِ بدلہ لینے کے قابل ہوئے پھر جنگ بدر میں بدلہ لیا، اور جنگِ اُحد میں پھر بُغِیَ عَلَیْہِ کا ظہور ہوا۔ اور لَیَنْصُرَنَّ کا وعدہ الٰہی پورا ہوا ۳؎ بعض نے کہا مَنْ سے مراد عدالتِ اسلامی کا جج اور قاضی ہے اور عَاقَبَ سے مراد حدود و قصاص یا تعزیراتِ اسلامی کا نفاذ ہے تاریخی اعتبار سے یہ تینوں قول درست ہیں۔

فائدے اِن آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** جنایت اور جرم جس طرح ارتکابِ حرام سے ہوتا ہے اسی طرح ترکِ واجب بلکہ ترک مندوب سے بھی ہوتا ہے اگرچہ تینوں کی سزا میں فرق ہے ارتکابِ حرام کی سزا حَدّ یا تعزیر ہے ترک واجب کی سزا تعزیر ہے، اور ترکِ مندوب کی سزا زجر عتاب یعنی جھڑک ہے یہ فائدہ ثُمَّ بُغِیَ عَلَیْہِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ ارتکاپ حرام اور ترکِ واجب بھی اسلام سے بغاوت کی ایک قسم ہے اور جرم کبیرہ **دوسرا فائدہ**۔ شرعی اصطلاح میں رزق صرف حلال روزی اور حلال اشیا کا نام ہے کسی بھی حرام چیز کا نام رزق نہیں ہے۔ حرام غذاؤں اور چیزوں کو دنیوی مال و اسباب تو کہا جا سکتا ہے رزق نہیں کیونکہ رزق کا معنیٰ ہے فائدہ مند چیز۔ اور حرام چیزیں نہ دنیوی اچھائی اور فائدہ نہ اُخروی نفعفان ہی نقصان ہے۔ یہ فائدہ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ رب تعالیٰ نے اپنی تمام دنیوی عطاؤں کو رزق فرمایا۔ حالانکہ رب تعالیٰ صرف حلال اور طیب اشیا ہی عطا فرماتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**۔ سفرِ جہاد میں نکلنے والے لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں ۱؎ مہاجرین جو گھر بار چھوڑ کر نکل پڑے ۲؎ معاونین ۳؎ مجاہدین ۴؎ مقتولین شہداء آخرت میں سب کا ثواب و مقام ایک جیسا کیونکہ نیت اور حالات مشکلات سب کی ایک جیسی ہوتی ہیں، دین اسلام کی مدد و اشاعت سب کی نیت ہے۔ یہ فائدہ ثُمَّ قُتِلُوْٓا اَوْ مَاتُوْا (الخ)

marfat.com

فرمانے سے حاصل ہوا۔

اَحکامُ القرآن ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ مجاہدین میں سے مقتول یعنی شہدا ہو جانے والوں اور طبعی موت سے راستے میں فوت ہو جانے والوں کا ثواب اگرچہ ایک جیسا ہے مگر درجات میں فرق ہے۔ حدیث مقدسہ میں سات طرح فرق فرمایا گیا ہے ۱ آقاءِ کائنات حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ مقتولِ جہاد اہراقِ دم اور اعقارِ اعضا کی وجہ سے غیر مقتول مجاہد سے افضل ہے ۲ شہید کے خون کی خوشبو مشک سے اعلیٰ ہو گی اور یہ خوشبو اُس کے جسم سے ہمیشہ تا ابد آتی رہے گی ۳ صرف شہید ہی دوبارہ دنیا میں آنے راہِ مولیٰ اور میدانِ جہاد میں سر کٹانے کی تمنا کرے گا ۴ شہید کی شہادت سے ہی تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں ۵ صرف شہید کا خون پاک ہے۔ اس طرح کہ جو اُس کے کپڑوں میں لگا وہ خون پاک ہے جو ویسا ٹپک گیا وہ پاک نہیں اگر خون آلود کپڑا پانی میں گرا تو پانی ناپاک نہ ہو گا لیکن اگر جسم سے قطرہ ٹپک کر پانی میں گرا تو پانی پلید ہو جائے گا ۶ شفیعِ روزِ جزا کی فہرست میں شہید بھی شامل صرف شہادت کی بنا پر ۷ شہید ہی وہ خوش بخت ہے جو خون خشک ہونے سے پہلے جنت اور جنت کی نعمتوں کو و حورانِ جنت کو دیکھ لیتا ہے یہ سعادتیں نہ تھا جو کو ملیں نہ مجاہد کو۔ یہ مسئلہ۔ لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ یہاں شہید اور فوت شدہ مجاہد کی شرکتِ برابری صرف رِزْقًا حَسَنًا میں بیان ہوئی اور حدیث پاک میں شہید کے درجات کی کیفیت بیان ہوئی۔ دوسرا مسئلہ۔ حنفی مسلک یہ ہے کہ مجرم اور ظالم سے کسی بھی قسم کا بدلہ عدالتی فیصلے میں صرف فوجی ہتھیار سے لیا جائے گا۔ مثلاً تلوار، خنجر یا تیر، بندوق سے اگرچہ مجرم نے قتل کر کے یا غرق یا حرق یا گلا گھونٹ کر کسی آدمی کو مارا ہو مگر امام شافعی کا مسلک یہ ہے کہ جس طرح کا جرم ہو گا اُسی طرح سے بدلہ لیا جائے گا یعنی قتل کا قتل سے غرق کا غرق سے حرق کا حرق سے وغیرہ وغیرہ، دونوں کے مسلک اسی آیت مَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ سے مستنبط ہیں شوافع فرماتے ہیں کہ یہاں رب تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے کہ اسی کی مثل سزا دو جس طرح مجرم کی طرف سے ظلم کیا گیا لیکن احناف فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ استنباط کمزور ہے کیونکہ بِمِثْلِ کا تعلق طریقۂ جرم سے نہیں ہے بلکہ سزاءِ جرم سے ہے یعنی قتل کی سزا قتل کر کے۔ زخم کی سزا زخم ہے۔ اعضا کاٹنے کی سزا اعضا کاٹنا ہے۔ قتل سے مراد جان لینا ہے نہ کہ طریقۂ قتل، نیز حنفی مسلک کا دوسرا استنباط یومِ اُحد کے اُس واقعے سے بھی ہے کہ کچھ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ

marfat.com

ہم کو اجازت عطا فرمایئے تاکہ ہم بھی کفار کا مُثلہ کریں یعنی مقتولین کفار کی آنکھ ناک کان کاٹ ڈالیں کیونکہ کفار نے بھی بعض شہدا کا مُثلہ کیا ہے۔ مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرما دیا کہ قتل کا بدلہ صرف قتل ہے۔ آپ کا یہ فرمانِ مقدس تا قیامت ہر مجرم کی سزا کے لیے قانون بن گیا لہٰذا ثابت ہوا کہ قاتل مجرم نے خواہ کسی جہالت سے قتل کیا ہو گا مگر اسلامی عدالت صرف جان لے گی تیسرا مسئلہ قانونِ شریعت کے مطابق رازق غیر خصوصی صفت ہے۔ اس لیے غیر اللہ کو بھی کہا جا سکتا ہے لیکن خالق کسی غیر اللہ کو نہیں کہا جا سکتا یہ رب تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے بعض جاہل شاعر اپنے آپ کو شعروں کا خالق کہدیتے ہیں اور اپنے شعروں کو اپنی تخلیقات کہدیتے ہیں یہ سراسر جہالت و گمراہی ہے یہ مسئلہ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ سے مستنبط ہوا قرآن مجید میں اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ فرمانا، یا عیسیٰ علیہ السلام کا۔ اِنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ۔ فرمانا وہاں خَلْقٌ کا معنیٰ جَعْلٌ ہے مگر اشعار وغیرہ کے لیے جَعْل بھی نہیں ہو سکتا

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں پہلے فرمایا گیا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا۔ پھر بعد میں فرمایا گیا۔ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا۔ حالانکہ رزقِ حَسَن سے مراد بھی جنتی رزق ہے اور لَيُدْخِلَنَّ سے مراد بھی دخولِ جنت ہے اور قانونِ کُلیہ وقاعدہ اُٹل ہے کہ دخولِ جنت پہلے ہوگا رزق بعد میں ملے گا تو چاہیئے تھا کہ لَيُدْخِلَنَّهُمْ پہلے فرمایا جاتا اور لَيَرْزُقَنَّهُمْ بعد میں فرمایا جاتا۔ جواب لَيَرْزُقَنَّهُمْ پہلے فرمانا عین درست ہے کیونکہ جنتی رزق قبر سے شروع ہو جاتا ہے اور دخولِ جنت بعد قیامت۔ غرضکہ رزقِ جنتی اوّل بھی ہے آخر بھی قبر میں بھی جنت میں بھی بلکہ میدانِ محشر میں بھی دخول سے پہلے بھی دخول کے بعد بھی دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ اس سے پہلے فرمایا گیا لَيُدْخِلَنَّهُمْ ظاہرًا تو دخولِ جنت اور علیم و حلیم کا آپس میں کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا جنت میں داخل فرمانا تو رب تعالیٰ کا رحم و کرم ہے تو چاہیئے تھا کہ رَحِيْمٌ، كَرِيْمٌ فرمایا جاتا نہ کہ عَلِيْمٌ، حَلِيْمٌ جواب: دراصل یہاں چار آیتوں میں چار قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا ۱؎ وہ لوگ جنہوں نے کفر کا فساد بھی کیا اور تکذیبِ آیات کی تخریب کاری بھی ان کی سزاءِ اُخروی عذابِ مہین ہے ۲؎ مظلومین مہاجرین جن کو کفار نے ظلمًا صرف اسلام دشمنی میں قتل کر دیا اُن مظلوم صحابہ کا اُخروی اجر رزقِ حسن ہے ۳؎ وہ مظلومین صحابہ جو ظلمِ کفار سے تنگ آکر مہاجر بنے وطن سے بے وطن ہو کر راہ خدا میں بے یار و مددگار نکل پڑے اور راستے کی مصیبتوں میں ہی فوت ہو گئے اُن کی اُخروی جزا بھی رزقِ حسن ہے ۴؎ وہ مسلمان جنہوں نے ظالموں کافروں سے اپنے ظلم کا برابر و مثلی بدلہ لے لیا مگر ان پر پھر ظلم کی بغاوت کی گئی تو اُن کی جزاءِ اُخروی، لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا ہے۔ کفار کہہ سکتے تھے کہ یہ سزا و جزا غلط اور نا انصافی ہے ان کی پیشگی تردید فرماتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ یہ سزا و جزا بے سوچے

marfat.com

سمجھے اندھا دھند نہیں نہ کرم و رحم کی جزا جذباتی محبت ہیں نہ عدل کی سزا کسی جذباتی غصہ میں بلکہ عین علم و حکمت کے مطابق ہی کرم کی جزا اور عدل کی سزا ہے کیونکہ بے شک وہ اللہ تعالیٰ اپنے ہر فعل میں علیم ہے اور ہر فیصلے میں حلیم ہے۔ وہ خوب جاننے والا ہے کہ کون کرم کے لائق کون فضل کا مستحق کون رحم کا محتاج اور وہ ذات جَلَّ مَجْدُہٗ سزا دینے میں بھی جلد باز نہیں بلکہ حلیم ہے خوب درگزر فرمانے والا وہ خبیر ہے کہ کس کو اعمالِ صالحہ کی مہلت اور توبہ کاملہ کی فرصت دیتی ہے اور کس کو سرکشی کی ڈھیل دیتی ہے۔ جب جس کا جامِ ظلم لبریز ہو جائے تب سزا دیتی ہے۔ اس وجہ سے یہاں علیم و حلیم فرمانا بالکل درست ہے۔ کریم و رحیم فرمانے سے سزا و جزا کی یہ حکمت ظاہر نہ ہوتی اور صرف رحم و کرم کا پتہ لگتا عدل کا پتہ نہ لگتا۔ تیسرا اعتراض یہاں پہلے تو قُتِلُوْا اَوْ مَاتُوْا فرمایا گیا جس کا تعلق آخرت سے ہے پھر بعد میں فرمایا گیا وَمَنْ عَاقَبَ (الخ) جس کا تعلق دنیا سے ہے تو چاہیئے تھا کہ وَمَنْ عَاقَبَ پہلے فرمایا جاتا کیونکہ دنیوی مدد تو پہلے ہوتی ہے آخرت اور اُخروی جزا بعد میں تو اُس کا ذکر بعد میں ہونا چاہیئے تھا اس ترتیب کو الٹ کیوں فرمایا گیا اور اس مذکورہ و موجودہ ترتیب میں مَنْ عَاقَبَ (الخ) کا تعلق مَا قَبْل کلام قُتِلُوْا (الخ) سے کیا ہے ظاہراً تو بے ترتیبی معلوم ہوتی ہے۔ جواب۔ یہ ترتیب اولیت یا بعدیت کی بنا پر نہیں بلکہ اعلیٰ و ادنیٰ کی بنا پر ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے ایمان والوں کو تین انعام دیے جانے کا ذکر ہو رہا ہے دو انعام اُخروی اور ایک دنیوی تو چونکہ اُخروی انعامات کثیر بھی ہیں عظیم بھی طویل بھی اس لیے اُن کا ذکر پہلے فرمایا گیا ان کے بعد دنیوی انعام کا ذکر فرمایا گیا اور بتایا گیا ایمان والے دنیا میں بھی بے یار و مددگار نہ چھوڑے جائیں گے بلکہ ہر ایک کی رب تعالیٰ مدد فرماتا رہے گا۔ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ جَلَّ وَعَلَا ان کی ضرور پوری مدد فرمائے گا۔ تو گویا کہ لَيَرْزُقَنَّهُمُ (الخ) میں مجاہدین قُتِلُوْا کا انعامِ اُخروی بیان ہوا جو قبر سے شروع اور لَيُدْخِلَنَّهُمْ میں اَوْ مَاتُوْا والے مجاہدین کا انعام اُخروی بیان ہوا جو بعد قیامت شروع۔ اور لَيَنْصُرَنَّ میں مجاہدین مَنْ عَاقَبَ کا دنیوی انعام کا ذکر ہوا تین ہی قسم کے مہاجرین فی سبیل اللہ ہیں اُن تینوں کے تین انعاموں کا ذکر فرمایا گیا اس لیے مَنْ عَاقَبَ (الخ) کی یہ ترتیب نہایت اعلیٰ و مناسب ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا لَیَرْزُقَنَّهُمُ

marfat.com

اللہ رِزْقًا حَسَنًا وَ اِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ۔ اور وہ لوگ جو کفر کے موٹے اور گاڑھے پردوں میں ذات کبریا وصفات مصطفیٰ سے محجوب ہیں اور آیاتِ حقیقیہ کی تکذیب کرنے والے ہیں۔ تکذیبِ آیات کی ایک صورت یہ بھی ہے صفاتِ الٰہیہ خصوصیہ کو غیر اللہ کی طرف نسبت کی جائے جیسے کہ کفار نے بتوں کو رازق سمجھا کسی نے گروکو کسی نے اپنے آپ کو لوگوں کا رازق و مالک سمجھ لیا کسی نے اپنے صرف اپنی قابلیت اور دستی محنت، کاریگری کو اپنا رازق سمجھ لیا یہی کافران مطلق لوگ روز و شب در رزق زق و بک بک کے عذابِ نفسانی وصفاتِ شیطانی کے عذابِ مہین و صیئہ ذلت کی مسیبت میں پھنسے ہوئے رہتے ہیں ان کی دنیا بھی جہنم ہے کیونکہ عزتِ الٰہی عظمت کبریائی و نعتِ مصطفائی سے حجاب میں کر دئیے گئے ہیں اور اُن کے چہرے توحید حقیقی سے پھیر دیئے گئے کہ گستاخیٔ نبوت کو توحید سمجھ بیٹھے ان کے اوپر یہی قہر ربانی ہے۔ لیکن وہ اہل ایمان جنہوں نے راہِ طریقت میں مشقتِ ذکر انفاس و مخالفتِ نفس امارہ کی محنت سے ہجرتِ خواہشات کا ترک کیا اور نفوس خبیثہ کی آماجگاہ سے نکل کر وطنِ مالوف اور تمناء عزیزہ کو چھوڑا، قرابتِ سفلیت سے منہ موڑا ہر رشتہ گناہگار کو توڑا، جلوتِ دنیا سے ہٹ کر خلوت فی سبیل اللہ میں سب عیش و طرب، شغل و شغب، لہو و لعب قربان کر دیا پھر یا تو وہ سالکینِ معرفت ریاضت کی تلوار شوقِ الٰہیہ کے عشقِ کامل کے خنجر سے قتل کر دیے گئے اور فنا ہو کر مقامِ بقا پر مشرف ہو گئے یا پھر لذتِ ذوق و ارادۂ شوق سے مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا۔ کے ذائقہ الوصل کو پا گئے البتہ بے شک اُن ہی محبوبین بارگاہ کو اُن کا ربِّ قدیر، مولاءِ قدیم علومِ مکاشفات اور فوائدِ تجلیات کا رزقِ حسن عطا فرماتا ہے۔

حکایت: حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹے کو وعظ فرمایا کہ اے بیٹے نیند مثلِ موت ہے اور بیداری مثلِ حیاتِ اُخروی ہے اگر تجھے یہ گمان ہے کہ تو اپنی موت کو ٹال سکتا ہے تو پہلے اپنی نیند ٹال کر دکھا، یا چند لمحوں کے لیے اپنے سے دور اور ختم کر کے دکھا جب تو نیند ختم نہیں کر سکتا تو موت کو کس طرح روک سکتا ہے اور اگر تجھ کو دوسری زندگی حیاتِ اُخروی میں شک ہے تو جاگنے اور بیداری کو اپنے سے روک کر بتا اور ہمت ہے تو بیداری نہ آنے دے حالانکہ تجھ کو نہ نیند پر قابو ہے نہ بیداری پر نہ نیند روک سکتا ہے نہ بیداری لہٰذا سمجھ لے کہ تیرا ہاتھ و تیری ذات وصفات و اوقات کسی اور ذاتِ قوی و قادر کے قبضے میں ہے جس بندے نے اپنے مرنے سے پہلے اپنے امرِ موت کو پہچان لیا اس نے کبھی نہ ختم ہونے والی ابدی عزت

marfat.com

کو پالیا تو وہ آخرت کی ہی عزت ہے اور ایسا بندہ ہی کلّیۃً کامیاب ہے (حکایت) ایک عابد نے حضرت سلیمان علیہ السلام کو تخت شاہی پر بیٹھا دیکھ کر عرض کیا یا ابنِ داؤد اللہ تعالیٰ نے کسی شان کی عزت وشاہی اور ملکِ عظیم آپ کو عطا فرمائی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ سن کر فرمایا کہ قسم ہے خالقِ عالم کی۔ ایک بار سچے دل کے ساتھ رب تعالیٰ کی تسبیح پڑھنا میرے اس تمام ملک عظیم، تخت شاہی سلطنتِ عالم سے بہتر ہے کیونکہ اس تمام سلطنت وحکومت کو فنا ہے مگر تسبیح وحمد و ذکر الٰہی کو فنا نہیں اور ذکر اللہ وہ دولت عظیم ہے جو تا قیامت ہر مومن کو عطا فرمائی گئی۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ جب ایک تسبیح پڑھنے کی یہ شانِ اعلیٰ ہے کہ ملک سلیمانی سے افضل ہے تو پھر تلاوتِ قرآنِ مجید کی کیا شان ہوگی جو تمام کائناتِ انسانی کی کتابوں سے افضل کتاب ہے یہی وہ کلامِ الٰہی ہے جو ہم خوش قسمت مسلمانوں کے پاس باقی ہے اور یہی وہ امانتِ الٰہی ہے جو دنیا میں ظاہر ہے اور جس کی وجہ سے زمین وآسمان باخیریت قائم ہیں خوش قسمت ہے وہ گھر جس میں صبح وشام تلاوت کی آوازیں بلند ہوں۔ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی نے فتوحاتِ مکیہ میں فرمایا کہ دیکھ کر صحیح تلفظ کے ساتھ بلند آواز سے سطور پر انگلی پھیر کر تلاوت کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں چار عبادتیں اور اُن کے چار ثواب ہیں ۱) آنکھوں سے دیکھنے کی عبادت ۲) زبان سے بلند پڑھنے اور صحیح ادائیگی کی عبادت ۳) کانوں سے سننے کی عبادت ۴) ہاتھ سے کلامِ الٰہی کو چھونے کی عبادت، مسلمانوں کو اس تلاوت کی توفیق وسعادت عطا فرمانا بھی رب تعالیٰ کی شانِ خیر ارزانی ہے، دنیا میں تلاوتِ قرآنِ مجید مومن کے لیے سب سے بڑا رزقِ حسن ہے یہ ہی آنکھ زبان، کان، اور ہاتھ کی عبادت ہے، تلاوتِ قرآنِ مجید دنیا میں رزقِ جنت ہے کہ جس طرح جنتی رزق کی تین صفات ہیں۔ پہلی صفت بغیر مشقت ملنا دوم یہ کہ بغیر کلفت کھانا پینا کہ یہ نہ کھانے میں نفرت نہ تکلیف سوم نہ ہاضمے میں بیماری نہ علت، نہ خروج کی مشقت نہ فکر نہ پریشانی غرضکہ جنتی غذائیں کھانے میں لذت، ہضم میں عفت، بقا میں یسرت وفرحت اسی طرح تلاوتِ قرآن کریم سے زبان میں لذت سینے میں فرحت، مزاج میں ٹھنڈک۔ قلب میں الفت، علماءِ شریعت فرماتے ہیں کہ جب مجاہد اپنے گھر سے تیاری جہاد کے لیے نکلتا ہے تو اُس وقت سے ہر قدم، ہر حرکت پر اس کا ثواب شروع ہوجاتا ہے گویا کہ وہ جہاد میں ہی ہے اور صوفیا فرماتے ہیں کہ جب نمازی تیاریِ نماز کے لیے نیت کر کے کروٹ بھی بدلتا ہے تو اس کا ثواب شروع ہوجاتا ہے۔ اسی لیے مکبّر کو حکم ہے کہ نماز کے قائم کے ہونے سے پہلے ہی تکبیر میں

marfat.com

کہے قَدْ قَامَتِ الصَّلٰوۃُ ۔ یعنی نماز کھڑی ہو چکی ہے۔ لہذا مبارک ہو بندے کو کہ اُس کا وضو کے لیے اُٹھنا بھی اقامتِ صلوٰۃ ہے۔ وضو کرنا بھی نماز، مسجد کی طرف آنا بھی نماز، انتظارِ جماعت بھی نماز، مسجد میں بیٹھنا بھی نماز، بلکہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا بھی نماز ہے اور هُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ دَائِمُوْنَ کا ایک نقشۂ اعظم ہے (از سورۃ معارج آیت ۲۳) اسی لیے حکم شرعی ہے کہ اگر نمازی شخص ادائیگی میں شروع ہونے سے پہلے فوت ہوگیا تو اس کا اجر وثواب نماز پڑھ لینے والے کے برابر مشابہ ہے یہی شان رستے کے حاجی کی ہے اور زیارتِ حج کی ہے۔ یہی شان مجاہد کی اور سفر جہاد کے مہاجر کی کہ۔ لَيُدْخِلَنَّهُمْ مُّدْخَلًا يَّرْضَوْنَهٗ ۔ وَاِنَّ اللّٰهَ لَعَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ۔ ذٰلِكَ ۔ وَمَنْ عَاقَبَ بِمِثْلِ مَا عُوْقِبَ بِهٖ ثُمَّ بُغِيَ عَلَيْهِ لَيَنْصُرَنَّهُ اللّٰهُ ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَعَفُوٌّ غَفُوْرٌ ۔ بے شک وہ اللہ تعالیٰ داخل فرماتا ہے اُن مقبولینِ بارگاہ ومقتولین فی سبیل اللہ مہاجرینِ للہ میتین فی اللہ کو مقام رضا میں۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک جاننے والا ہے ہر شخص کو کہ کون مدخلِ کریم کے لائق اور مقامِ رضا کے قابل ہے۔ علیم وہ اللہ ہے اِستعداد کے درجوں کا اور استحقاق کے مرتبوں کا اور پہچاننے والا ہے ہر نیتِ خلوص کو۔ جاننے والا ہے اس بات کا کہ کیا واجب ہے کمالِ مخلصین کے انعامِ فیوضات میں سے حلیم ہے کہ کسی بھی غافلِ کاہل نامراد و بے مراد کی جلدی پکڑ نہیں فرماتا نہ عتابِ ریاکار سے نہ عقابِ ناہنجار سے نہ سزاءِ بدکار سے نہ عذابِ دنیا دار سے، حلیم و درگزر فرمانے والا ہے اطاعت وعبادت کی کوتاہیوں غلطیوں پر اور مجاہداتِ راہِ طلب کی تفریط اور کمی پر اور منع فرما دیتا ہے بلاؤں کو روک دیتا ہے شامتِ اعمال کی اُن آفتوں کو جن کا تقاضہ کرتے ہیں اُن کے حالاتِ گناہ حلیم ایسا کہ باوجود غفلتِ غافلین کے مہلتِ ممکنہ عطا فرماتا ہے تاکہ فاسقین غافلین کو قبولیت مہلت اور اعمالِ صالحہ کا وقت اور توبۂ دائمی کا زمانۂ حیات نصیب ہو سزا کے بجائے عدل وحلم کا راستہ پسند فرماتا ہے۔ ذالِكَ، وہ راستہ ہی اسرارِ حکمت کی منزل ہے، پھر میلان فرمایا انتقام کی طرف نہ کہ ظلم کی طرف اس لیے کہ حکمتِ الٰہیہ میں ملکوتی امداد کی تائید واجب ہے اور وارداتِ جبروت کی نصرت واجب بابِ عدالت میں احتیاط یہ ہے کہ ظلم کو ختم کیا جائے اور اسی طرف سب بندوں کا میلانِ قلبی ہو نہ کہ ظلم کرنے کی طرف۔ آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اے

marfat.com

بندو ظالم نہ بنو مظلوم بنو اگرچہ تم پر کتنی ہی بغاوت کی جائے اس لیے کہ رب تعالیٰ کی نصرت ہمیشہ مظلوم کی طرف آتی ہے نہ کہ ظالم کی طرف، بے شک اللہ تعالیٰ قادر و قیوم ہے معاف فرمانے والا ہے اور معافی کو ہی پسند فرماتا ہے معافی کا ہی حکم فرماتا ہے، سزا کو درگزر فرمانے والا بندوں سے بھی درگزری و حلیمی کو پسند فرمانے والا، جو بندہ ظلم ظالم کو برداشت کرتا ہے اُس کو بخشنے والا ہے، جو برداشت نہ کر سکے اور مَنْ عَاقَبَ بدلہ لے لے اُس ظلم کے برابر جو اُس پر ہوا معافی دینے پر ہمت نہ پائے اس کو بھی معاف فرمانے والا ہے راہِ طریقت کا مجاہد وہ ہے جو طبیعتِ بشری کے وطن سے نکل کر لسانی، نظری، عقلی لذتوں کی رشتے داریاں چھوڑ کر طلبِ حقیقت میں سفرِ روحانی کے لیے نکل کھڑا ہوا اور پھر یا میدانِ کرب و بلا میں صدقِ محبت کی تلوار سے قتل ہو جائے یا اوصافِ بشریت کی موت مر جائے ایسے ہی اہل معرفت کو قبورِ خلوت میں رزقِ معنوی دیا جاتا ہے۔ قلب کا رزق معرفت کی حلاوت ہے اور رزقِ اسرار مشاہداتِ جمال ہے۔ اَرواحِ قدسیاں کا رزقِ حسن مکاشفاتِ جلال ہے۔ بہت سے شہداءِ عشق الٰہی اہلِ دنیا کی نظروں میں مُردہ اور بے حس لگتے ہیں مگر اصلیت و حقیقت میں زندہ ہیں اور عالمِ بالا کی سیرِ لاہوتی میں سیرِ عرفانی کے محو پرواز ہیں۔ بہت سے وہ اَجسام جن کے ظاہر بکھر گئے مگر باطن زندہ ہو کر چلے اور منزلِ قرب پر جا پہنچے۔ انسانِ کامل مثلِ بھرے دریا ہے کہ جو بھی ظلم و جفا اذیت کے پتھر اُس میں پھینکے جائیں تو غضب و غصے اور جوشِ انتقام میں نہ مکدر ہوتا ہے نہ بپھرتا ہے نہ خراب ہوتا ہے بلکہ حلم و شفقت کی تلاطم خیز گہرائی میں مجرم کی تمام منصوبہ بندی کو پسپا کرتے ہوئے معافی کی ٹھنڈک عطا فرماتا ہے، دنیا میں انسانِ کامل اور بندۂ عارف کے لیے آستانۂ نبوت مَدْخَلٍ یَّرْضَوْنَهٗ ہے، بے شک اللہ تعالیٰ علیم و خبیر ہے اس کا کس کو آستانۂ رحمت، جمالِ معرفت بلد مکرم شہر مقدس مدینہ منورہ تک پہنچاتا ہے۔ کون اس آستانہ مکرمہ کی حاضری کے لائق ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُس زیارت گاہِ قدسیاں تک اُسی کی رسائی ہوتی ہے جس پر رب تعالیٰ کا کرمِ عمیم اور فضلِ عظیم ہو۔ اللہ تعالیٰ حلیم و درگزر فرمانے والا ہے اُس کم عقل نادان کی اُن غفلتوں کوتاہیوں بے توفیقیوں سے جو آدابِ بارگاہ میں کمی، سستی کسلمندی کی وجہ سے سرزد ہوئیں لیکن یہ حلیمی اُس عاجز و مخلص بندے پر ہو گی جو کہ اپنی اِن کمی کمزوریوں کا اقرار بھی کرتا ہو اور عرض کرتا رہے کہ ؎

marfat.com

سرکار ہم گنواروں کو طرزِ ادب کہاں ÷ ہم کو تو بس تمیز فقط بھیک بھر کی ہے

آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھے اچھی طرح ادب سکھایا پھر رب تعالیٰ نے شریفانہ کریمانہ اخلاق کا حکم دیا اور فرمایا کہ درگزر کیا کرو، نیک کام کا حکم دو اور جاہلوں سے کنارہ کشی کرو۔ دنیا میں اہلُ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے تین نعمتیں عطا فرمائی۔ علم، حلم، عمل۔ علم کے ذریعے حلم ملتا ہے اور حلم کے ذریعے عمل، اور عملِ صالحہ کے ذریعے آدب واحترام اور آداب بزرگان سے تقوٰی اور تقوے سے قُربِ بارگاہ کی ہدایت عارف باللہ کی اصل دولت حکمت ہے اور حکمت سے ہی زُہد حاصل ہوتا ہے اور زُہد سے آخرت کا شوق اور شوقِ آخرت سے دنیا کی بے رغبتی اور قربِ الٰہی، ظاہری ادب باطنی ادب کی نشانی ہے۔

ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ يُولِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَ

وہ سب کچھ (کفر و ایمان) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ شامل کرتا ہے رات کو دن میں اور

یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ رات کو ڈالتا ہے دن کے حصے میں اور

يُولِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَأَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ

شامل کرتا ہے دن کو رات میں اور بے شک اللہ سب کی سننے والا ہے

دن کو لاتا ہے رات کے حصے میں اور اس لیے کہ اللہ سنتا

بَصِيرٌ ﴿٦١﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ أَنَّ

سب کو دیکھنے والا۔ وہ (دن رات کا ادل بدل) اس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ ہی تو حق والا ہے اور بے شک

دیکھتا ہے۔ یہ اس لیے کہ اللہ ہی حق ہے اور اُس کے سوا

مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ

وہ سب بت کہ پوجتے ہیں یہ کفار اُس کے مقابل وہ ہی بیکار نکمے کمزور ہیں اور بے شک

جسے پوجتے ہیں وہی باطل ہے اور اس لیے کہ

marfat.com

اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ ﴿۶۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ

اللہ ہی غلبے والا بڑائی والا ہے۔ کیا تم نے غور نہ کیا کہ بے شک اللہ نے

اللہ ہی بلندی بڑائی والا ہے۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نے

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ

نازل کیا آسمان کی طرف سے پانی تو صبح ہوتے تمام علاقہ

آسمانوں سے پانی اُتارا اور صبح کو زمین

مُخْضَرَّۃً اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ ﴿۶۳﴾ لَہٗ مَا

سرسبزہ ہو گیا۔ بے شک اللہ ہر چھوٹی بڑی ظاہر باطن کو جاننے والا خبر رکھنے والا ہے۔ اسی کا ہے وہ تمام

ہریالی ہو گئی۔ بے شک اللہ پاک خبردار ہے۔ اسی کا مال ہے جو کچھ

فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰہَ

جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور بے شک اللہ البتہ

آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور بے شک اللہ

لَھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ ﴿۶۴﴾

وہ ہی سب کو کافی ہے ہر حمد کے لائق ہے۔

ہی بے نیاز ہے سب خوبیوں سراہا۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ حرمت والے مہینوں میں دفاعی حملہ کرنے کی مسلمانوں کو اجازت دی گئی تھی۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ رات دن پھیرنا اللہ تعالیٰ کے

marfat.com

قبضۂ قدرت میں ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ تمام کافروں کو عذاب مہین ہے مگر مومنوں کو عذاب مہین سے دور رکھا گیا ہے۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ چونکہ کائناتِ عالم میں ہر آن حق صرف اللہ ہی ہے اس سے دور ہو کر حق اور حقانیت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اس لیے اس کی ذات وصفات اور اس کی آیات کا انکار سراسر کفر ہی ہے جس کی سزا یہ ہے کہ ایسے ناشکرے ناحق شناس کو عذاب مہین دیا جائے اور حق پرستوں کو بچایا جائے۔ تیسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں نیک لوگوں کے اخروی رزقِ حسن کا ذکر کیا گیا ان آیات میں تمام لوگوں کے دنیوی رزق کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ شانِ نزول۔ حضرت مقاتل سے روایت ہے کہ مشرکین کا ایک لشکر عین حرمت والے مہینے میں حملہ آور ہوا اور اسی لیے جنگ کے لیے حملہ آور ہوا کہ مشرکین کو پتہ تھا کہ مسلمان حرمت والے مہینوں میں جنگ وقتال نہیں کرتے۔ مسلمانوں نے ان حملہ آوروں کو منع بھی کیا کہ ان مہینوں میں جنگ مت کرو مگر وہ تو چاہتے ہی یہ تھے کہ ہم نہتے مسلمانوں کو ہلاک کر دیں۔ تب یہ آیت نازل ہوئی جس میں ایسے بدبختوں سے جنگ کرنے کی اجازت دی گئی بلکہ آئندہ حرمت والے مہینوں میں پچھلی شریعتوں کی جنگ نہ کرنے کی پابندی ختم کر دی گئی۔ اجازت ملنے پر مسلمانوں نے یہ دفاعی حملہ اتنا سخت کیا کہ ایک کافر بھی بچ کر نہ بھاگ سکا گھیر کر سب کو قتل کر دیا گیا۔ اس موقعہ پر آیت ۶۰ تا ۶۳ نازل ہوئی (از خزائن وامام سیوطی رح)

تفسیر نحوی ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ يُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ بَصِيرٌ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ وَأَنَّ مَا يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ هُوَ الْبَاطِلُ وَأَنَّ اللَّهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيرُ

ذٰلِكَ اسم اشارہ مبتدا ہے۔ بَ جارہ زائدہ یعنی اپنے اصلی ومستعاری معنی میں سے کسی معنی میں نہیں ہے مگر عامل ہے ایک قول میں ب سببیہ ہے کہ ماقبل کلام مسببیہ ہے اور مابعد سبب ہے اَنَّ مشبّہ بالفعل اللہ اس کا اسم یُولِجُ بابِ افعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ وَلَجَ مادہ لازم سے بنا ہے بمعنی آہستہ آہستہ غیر محسوس طریقے سے کسی شخص کا گھر میں داخل ہونا اس کا مصدر ایلاج یہ متعدی بیک مفعول ہے بمعنی داخل کرنا۔ اَللَّيْلَ اسم مفرد مؤنث لفظی اس کی جمع لَيَالِي یہ مفعول بہ ہے فِي جارہ ظرفیہ

marfat.com

اَلنَّھَارِ اسم مفرد جامد مذکر بمعنی روشن دن یہ جار مجرور متعلق ہیں یُوْلِجُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یُوْلِجُ فعل با فاعل اَلنَّھَارَ اس کا مفعول بہٖ فِی الَّیْلِ جار مجرور متعلق اس دوسرے یُوْلِجُ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر خبر ہے اَنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور ہے بَ سے جار مجرور متعلق ہے حَاصِلٌ پوشیدہ اسم فاعل کا یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ لفظ لَیْل عبرانی سے معرب ہے عبرانی زبان میں مطلقاً ہر اندھیرے کو لیل کہا جاتا تھا مگر عربی میں اس لفظ کو صرف حقیقی رات کے لیے لیل کہا جاتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ۱ حقیقی رات، غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک ۲ شرعی رات غروب آفتاب سے فجر صادق تک یہاں حقیقی رات مراد ہے نَھَار عربی لفظ ہے نَھْرٌ سے بنا ہے بمعنی لغوی کھولنا، کھلنا، کھلا ہونا اسی کے ماتحت نو عدد مجازی معنی ہیں مشترک ہو گیا ۱ گھروں کے سامنے کچھ کھلی بیکار زمین جہاں کوڑا وغیرہ بیکار اشیاء ڈالی جاتی ہیں ۲ تنگ دل ہونا ۳ جھڑکنا ۴ خون بہانہ (ذبح کرنا) ۵ پانی جاری ہونا ۶ روشنی ہونا ۷ دن ہونا ۸ بادل کھلنا ۹ حقیر جاننا، ان تمام اصطلاحی (مجازی) معنی میں کھلنے کے معنی موجود ہیں۔ واؤ ابتدائیہ ہے یا عاطفہ اور مابعد کلام کا عطف ہے ماقبل پر اَنَّ پر اور یہ ہی درست ہے کیونکہ اَنَّ مفتوح ہے اَللّٰہَ اس کا اسم سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ یہ دونوں اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ دو خبریں ہیں اَنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا، ذٰلِکَ مبتدا بَ سببیہ اَنَّ حرف مشبہ اللّٰہ اس کا اسم ھُوَ ضمیر مبتدا اَلْحَقُّ اس کی خبر یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ مشبہ بالفعل، مَا اسم موصول مراد ہیں بت لکڑی پتھر دھات کے اور نو لٹو تصویریں یَدْعُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنی پکارنا۔ بلانا، دعوت دینا پوجنا عبادت کرنا، پوجنا اردو کا لفظ اس کا معنی ہے **سجدہ** کرنا۔ کافر بتوں سورج چاند اور ستارہ اور آگ کو پوجتا ہے مگر مسلمان اللہ کو پوجتا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ اسم مفرد مشترک بمعنی سوا مقابل مضاف ہے ہٖ ضمیر مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب مجرور ہو کر متعلق ہے یَدْعُوْنَ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر اسم اَنَّ ہے ھُوَ ضمیر مبتدا اَلْبَاطِلُ اسم معرف باللام بمعنی جھوٹا بیکار خبر ہے مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر خبر اَنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے بِاَنَّ کے جملے پر دونوں عطف مجرور ہو کر

marfat.com

متعلق ہے ثابتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا ذالِکَ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ عاطفہ حالیہ بمعنٰی اور حالانکہ یہاں ما بعد کلام کا عطف ھُوَ الْحَقُّ پر یا عطف ہے ھُوَ الْبَاطِلُ کے جملے پر اَنَّ۔ عملاً مشبہ بالفعل اللہُ اُس کا اسم ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر غائب مرجع اللہ تعالیٰ الْعَلِیُّ اسم مبالغہ بروزنِ فَعِیلٌ بمعنٰی بہت ہی غالب ہونے والا یا غالب کرنے والا۔ عَلِیٌّ یا عَلُوٌّ سے مشتق ہے یا عَلِیٌّ سے یہ خبر اول ھُوَ مبتدا کی اَلْکَبِیْرُ اسم مبالغہ کِبَرٌ سے مشتق ہے بمعنٰی بہت بڑائی والا۔ خبر دوم ھُوَ کی یہ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ اَ۔ ہمزہ۔ سوالِ اقراری کے لیے لَمْ تَرَ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی جحد بلم معروف واحد مذکر حاضر بمعنٰی ماضی رَاْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی غور کرنا، غور سے دیکھنا۔ قلبی عقلی نگاہ کرنا بحالتِ جزم لَمْ جازمہ کی وجہ سے اس کا فاعل ضمیرِ صیغہ ہے عوام سے خطاب ہے اَنَّ۔ عملاً مشبہ بالفعل اللہُ اُس کا اسم اَنْزَلَ بابِ افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب نُزُلٌ سے مشتق ہے بمعنٰی اترنا نازل ہونا لازم ہے اِس کا مصدر مزید فیہ اِنْزَالٌ ہے بمعنٰی اتارنا یہ متعدی بیک مفعول ہے مِنْ حرفِ جر ابتداءِ غائت (ابتداءِ مقصود) کے لیے بمعنٰی طرف سے اَلسَّمَآءِ اسم مفرد مؤنث لفظی اِس کی جمع ہے سموٰت یہ جار مجرور متعلق ہے اَنْزَلَ کا مَآءً اسم مفرد جامد بمعنٰی پانی یہ مَہٌ سے مشتق ہے مِہٌ کا لغوی ترجمہ ہے جھگڑا فساد کرنا اصطلاح میں پانی کو مَاءٌ اور سَو عدد کو مِائَۃٌ اسی لغوی بنیاد پر کہتے ہیں کہ پہلے عرب میں اکثر فتنہ فساد بلکہ قتل تک یا پانی پر ہوتے تھے۔ یا سَو برابر دولت پر اُمَرا غریبوں کو قتل کرا دیتے تھے یہ مفعول بہ ہے اَنْزَلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ فَ سببیہ اور ما بعد کلام مسبب ہے ما قبل اَنْزَلَ کا یا مَآءً کا۔ تُصْبِحُ بابِ افعال کا مضارع مثبت معروف واحد مؤنث صُبْحٌ سے بنا ہے بمعنٰی صبح ہونا اس کا مصدر ہے اِصْبَاحٌ صبح کرنا صبح تک ہو جانا۔ حالت بدل جانا یہ فعل ناقصہ ہے اس کا اپنا اصلی معنٰی ہے صبح کو ہونا یا صبح ہو جانا، لغوی ترجمہ ہے سرخ ہونا، تو چونکہ پہلے بوقتِ صبح آسمان کے کناروں پر شفق پھیلتی ہے بعد میں شام کو اس لیے ابتداءِ یوم کو صبح کہا گیا اِسی لغت کے تحت چراغ کو مِصباح کہتے ہیں یہ فعل ناقصہ کبھی کَانَ ناقصہ اور کبھی کَانَ تامہ کے معنٰی میں بھی ہوتا ہے۔ اَلْاَرْضُ

marfat.com

الف لام یا استغراقی ہے یا عہدِ خارجی اَرض سے مراد کھیت کھلیان والی زندہ زمین یہ اسم ہے ناقصہ کا مُخْضَرَّۃٌ بابِ اِفْعِلَالٌ کا اسم مفعول واحد مؤنث اس کا مصدر ہے اِخْضِرَارٌ ۔ ثلاثی مزید فیہ ملحق (مشابہ) رباعی خَضَرٌ سے مشتق ہے اس باب میں مبالغہ کے معنیٰ ہوتے ہیں یعنی بہت زیادہ چیز ہونا ترجمہ ہے پورے علاقہ کا سرسبز ہونا۔ یہ اسم مفعول خبر ہے ناقصہ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مسبب ہے ماءً کا وہ سبب مسبب مل کر مفعول بہٖ ہے اَنْزَلَ کا اِنَّ حرفِ مشبہ اللہ اس کا اسم لَطِیْفٌ اسم صفت مشبہ لُطْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نرمی کرنے والا ۲ مہربانی والا ۳ دقیق اور باریک اشیا کو بھی جان لینے والا یہاں یہی معنیٰ ہیں ۴ غیر محسوس عمل کرنیوالا۔ یہ اِنَّ کی پہلی خبر ہے خَبِیْرٌ اسم مبالغہ بروزنِ فعیل خبر دوم ہے اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَهٗ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل ثَابِتٌ کا مَا ء اسم موصول فِی السَّمٰوٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول موجودٌ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَا موصولہ فِی الْاَرْضِ متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہے پہلے مَا پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا۔ وہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا واؤ سر جملہ اِنَّ حرفِ تحقیق۔ اسی کا نام حرف مشبہ بالفعل بھی اللہ اس کا اسم لام کے تاکید یہ هُوَ ضمیر مبتدا۔ الف لام اسمی تخصیصی غَنِیٌّ۔ اسم مبالغہ بروزنِ فعیلٌ۔ لغوی ترجمہ ہے خوش حال ہونا۔ یا صلاحیت ہونا۔ یہ لازم ہے اسی لغوی معنیٰ کے لحاظ سے یہ لفظ اصطلاحی مجازی چھ معنیٰ میں مشترک ہے ۱ بے نیاز ہونا ۲ امیر دولت مند ہونا ۳ آسودہ حال ہونا ۴ محتاج نہ ہونا اس کی جمع ہے اغنیاء ۵ کافی ہونا یہاں اسی معنیٰ میں ہے یعنی اللہ تعالیٰ اپنی سب مخلوق کو کافی ہے کسی بھی شخص کے لیے جائز نہیں کہ اللہ تعالیٰ کا دروازہ چھوڑ کر کسی غیر کے آگے ہاتھ پھیلائے ۶ فائدے مند ہونا۔ باب افعال میں یہ متعدی ہوتا ہے۔ کبھی علیٰ سے کبھی مِنْ سے کبھی عَنْ سے یہ هُوَ کی خبر اول ہے۔ اَلْحَمِیْدُ۔ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغہ بروزنِ فعیل، حَمْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ اچھائی بیان کرنا حمید کا ترجمہ ہے حمد کے لائق اور قابلِ ہونے والا یہ خبرِ دوم ہے هُوَ مبتدا کی یہ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ کسی کی اچھائی بیان کرنا ثنا ہے اس کی دو قسمیں ہیں ۱ حمد کسی کے محسوس ہونے اور نظر آنے والے اختیاری اور مکمل نفع بخش کام

marfat.com

وعمل یا قول وصنعت کو دل کی گہرائیوں اور یقین عقلی سے پسند کرتے ہوئے اس کو اچھا کہنا تعریف کرنا حمد ہے ۲ اگر ان گیارہ شرائط میں سے ایک بھی نہ ہو اور پھر بھی تعریف اور اچھا کہا جائے تو وہ مدح ہے حمد نہیں۔ یہ مندرجہ بالا شرائط صرف اللہ تعالیٰ کے قول و فعل و صنعت میں ہی ہو سکتے ہیں اس لیے حمد صرف اللہ تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے۔ کسی بھی مخلوق کی حمد نہیں ہو سکتی بس اللہ ہی حمد کے لائق ہے۔ دوسرا کوئی بھی حمد کے لائق نہیں۔

تفسیر عالمانہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَیُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِیُّ الْكَبِیْرُ۔ وہ تمام وعدے جو رب تعالیٰ نے مومنین سے فرمائے اور تمام وعیدیں جو ربِّ ذو الجلال نے کفار کو سنائیں کہ اُن کے ظلم کا بدلہ عذابِ مُہین ہے۔ مومنین کو دنیا میں مُدْخَلًا یَّرْضَوْنَہٗ کا متقین صالحین کو رزقِ حَسَن کا۔ آخرت میں عفوت معافی و غفران کا عطیہ اور ظلم کا مقابلہ کرنے والے بہادروں مجاہدوں کو لَیَنْصُرَنَّہُ اللّٰہُ کی مدد کے سب وعدے پورا کرنے پر قادر و قوی ہے ذٰلِكَ، اُس کا ثبوتی سبب اور دلیل وہ بھی ہے کہ بِاَنَّ اللّٰہَ بے شک اللہ تعالیٰ ہی وہ قدرتوں طاقتوں والا ہے جو سارے جہان کی ہر رات کو کبھی دن میں ڈال کر دن کو چھوٹا، رات کو بڑا کر دیتا ہے اور کبھی دن کو ڈالتا ہے ہر علاقے کی رات میں جس سے رات چھوٹی ہو جاتی ہے اور دن بڑا ہو جاتا ہے۔ اس طرح کہ کبھی سورج کا طلوعی راستہ اور راستے کا چکر قلیل کر دیا جاتا ہے تب سورج جلدی غروب ہو جاتا ہے، دیر میں طلوع ہوتا ہے اِس وجہ سے جن ساعتوں میں پہلے دن ہوتا تھا اُن میں اب رات ہو جاتی ہے۔ یہ ایلاجِ لیل فِی النَّھار ہوا اور کبھی سورج کا طلوع راستہ اور مدارِ فلکی والا چکر طویل کر دیا جاتا ہے تو سورج جلدی طلوع کر دیا جاتا ہے اور دیر میں غروب تب جن ساعتوں میں پہلے رات ہوتی تھی اب ان میں دن ہو جاتا ہے یہ ایلاجِ نھار فی اللیل ہوا۔ اس طرح پورے سال ہر دن و رات کا مشرق بھی علیحدہ اور مغرب بھی علیحدہ، علماءِ علم توقیت فرماتے ہیں کہ ایک سال میں تقریباً تین سو مشرق ہیں اور تین سو مغرب، اور یہ سب قدرتیں صرف رَبُّ الْمَشَارِقِ وَالْمَغَارِبِ کے فعل کمال سے ظاہر ہیں کسی بھی مخلوق میں اِس ایلاجِ لیل وَالنَّھار کی تبدیلی و تصرُّف کی طاقت نہیں، اس قوت و قدرت کے اظہار سے تین باتیں سمجھائی جا رہی ہیں پہلی یہ

marfat.com

کہ اے دنیا کے شاہو، بادشاہو، امیرو، وزیرو، ظالمو، جابرو، زمین دنیا میں ظلم و فساد مچانے پھیلانے والو یہ بات کان کھول کر سن لو کہ نہ سدا کسی کے ظلم کا سورج طلوع رہ سکتا ہے نہ کسی کی مظلومیت کا سورج غروب رہ سکتا ہے جس طرح رب تعالیٰ کبھی رات کا عروج فرماتا ہے کبھی دن کا عروج، کبھی آفتابِ آسمانی کمالِ بلندی پر ہے، کبھی زوالِ پستی میں اسی طرح دنیوی طاقتیں بھی کبھی بقا کی بلندیوں پر کبھی فنا کی پستیوں میں، دوم یہ کہ دنیا کے آثار چڑھاؤ دنیا کی بے ثباتی کو ثابت کر رہے ہیں دن رات کی یہ کمی بیشی بتا رہی ہے کہ دنیا جہان کی کسی چیز کو نہ قرار ہے نہ ثبات ہے، اے دنیا پر مغرور ہونے والو سنبھل جاؤ سمجھ جاؤ، تیسری بات یہ کہ جو اللہ تعالیٰ رات کے ذریعے چڑھنے دن کو اور دن کے ذریعے پھیلتی رات کو مٹانے پر قادر ہے وہ اللہ جَلَّ جَلالُہٗ مظلوموں کے ذریعے ظالموں کو مٹانے پر بھی قادر ہے۔ لہٰذا اے مکے کے ظالم کافرو آج اگر تم ان مومن صحابہ کرام پر ظلم کر رہے ہو تو عنقریب ان کے ذریعے ہی تم کو مجبور، مقہور اور مقتول بنا کر صفحۂ ہستی سے مٹا دیا جائے گا، اُس ذاتِ قدیم کے لیے فنا کرنا بھی آسان ہے بقا دینا بھی آسان زمین اور زمین کی مخلوق کیا چیز ہے وہ تو آسمان کے سورج پر بھی غالب و حاکم ہے جب چاہے جہاں چاہے دن کو گھٹائے یا رات کو مٹائے اور جو ذاتِ پاک رات کے اندھیرے میں سے دن نکال سکتا ہے اور دن کی روشنی پیدا کا اندھیرا لا سکتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اس پر بھی قادر ہے کہ آج جن کفار کی بادشاہی چمک رہی ہے اُن کفار کے زوال کی رات بھی دنیا جہاں اور ایمان والے جلدی دیکھیں گے آج اگر اہلِ ایمان پر ظلم و اذیت کی رات پھیلی ہے تو عنقریب ان کا روشن دِن کفر کی سیاہ رات پر غالب آجائے گا۔ ایلاجِ لیل و نہار دلیلِ قدرت ہے اور قدرت میں دلیلِ نصرت ہے اور نصرت میں دلیل رضا ہے، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے ہمیشہ تک سننے والا بھی ہے دیکھنے والا بھی، مخلوق کی سننے والا عالمین کو دیکھنے والا، مظلوم کی سننے والا ظالم کو دیکھنے والا اقوال کا سمیع اعمال کا بصیر ہے۔ دعاؤں کو سننے والا، دعا والوں کو دیکھنے والا، ایمان والوں کی سننے والا کفر والوں کو دیکھنے والا انعام والوں کی سننے والا۔ عذاب والوں کو دیکھنے والا، نہ کوئی اس کی سماعت کے زمرے سے دور رہ سکتا ہے نہ کوئی اُس کی بصارت کے گھیرے سے نکل سکتا ہے تمام مخلوق کی بے شمار زبانوں لغتوں کو بھی اور ایک زبان کے بے شمار لہجوں طریقوں طرز بیانیوں کو بھی بیک وقت سننے والا اس کو حاجت روائی مشکل کشائی فرمانے والا

marfat.com

اور تمام مخلوق کی بے شمار مختلف شکلوں صورتوں حلیوں کو دیکھنے پہچاننے والا نہ اُس کی عدالت بہری ہے نہ اُس کا قانون اندھا ہے ذٰلِکَ وہ یُوْلِجُ الَّیْلَ وَالنَّھَارِ، کی قدرتیں سماعت کی عظمتیں بصارت کی رفعتیں اس وجہ سے ظاہر و غالب ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی اپنی ذات صفات، قدرت قوت، معبودیت، مسجودیت، مطلوبیت، بقا، عُلیٰ، قانون، قول فعل، قدیم ہوتے ابدی رہتے ہیں حق اور واجب الوجود ہے اُس کی ہر چیز حق ثابت، قائم، دائم، باقی ہے اُس کا دین حق، کلام حق، قانون حق شریعت حق، انبیا حق ان کی شان آن حق اور ہمیشہ باقی رہنے والی، رب تعالیٰ کی کسی چیز کو نہ زوال نہ فنا یہی وجہ ہے کہ ؎

جہاں میں اہلِ ایمان مثلِ سورج باقی رہتے ہیں ؎ اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اللہ تعالیٰ کی چیز وہ ہے جس کا رب تعالیٰ نے اِصطفا اِجتبا، اور اصطناع فرمایا۔ وَاَنَّ مَا یَدْعُوْنَ اور بے شک وہ بُت دیوی دیوتا جن کو دنیا کی یہ کفار پوجتے پکارتے ہیں اللہ تعالیٰ خالق مالک رازق حقیقی معبود سے مِنْ دُوْنِ ہو کر منہ پھرا کر اُس کی خالص عبادت چھوڑ کر بس وہ ہی باطل و فنا ہیں دنیا میں بھی آخرت میں بھی، دنیا میں بے بس آخرت میں بے کس لغو و کذب لہو و لعب، بے ثبات و بے وقار، زائل و زاہق ہیں نہ بقا نہ قرار نہ نفع دے سکیں نہ نقصان پہنچا سکیں نہ خود کو دشمن مخالف سے بچا سکیں۔ کفار اپنے بتوں سے بہت آسیں امیدیں لگائے بیٹھے ہیں۔ حالانکہ وہ نرے باطل ہیں اُن کی کچھ اصلیت و حقیقت نہیں محض فضول ٹکڑے ہیں ان کی پوجا بیکار۔ وَاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْعَلِیُّ الْکَبِیْرُ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک بلندی بزرگی، غالبیت حاکمیت، تسلط حکومت جلال و جمال و کبریائی والا ہے۔ اس لیے کہ وہ ہی علی ہے وہی کبیر ہے۔ علی ہے قاہر و مقتدر ہو کر، کبیر ہے تدبر و عظیم ہو کر علی ہے نفع نقصان دینے میں کبیر ہے وسعتِ سلطنت و حکومت میں علی ہے ہر شی پر کبیر ہے ہر ایک سے نہ کوئی برابر ہے اُس کے نہ کوئی شریک ہے اُس کا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّۃً۔ اِنَّ اللّٰہَ لَطِیْفٌ خَبِیْرٌ۔ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰہَ لَھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ اے مخاطب انسان کیا تو نے آسمان کی طرف سے کئی بار بارش اترتے نہیں دیکھی یاد رکھ اور یقین کر کہ بے شک وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ نے ہی اُتاری کیونکہ وہ ہی ایسی عظیم قوتوں قدرتوں والا ہے چاہے تو دن رات کو گھٹا بڑھا کر فضاءِ عالم کی سنگت تبدیل کر دے۔ چاہے تو بارش برسا کر زمینِ دنیا

marfat.com

کی رنگت کو بدل دے اس طرح سے کہ کسی بھی وقت آسمان کی طرف سے رب تعالیٰ نے پانی اتارا تو تھوڑی مدت بعد تمام زرعی زمین ہرے رنگ کی تروتازہ ہوگئی۔ کہیں گھاس، کہیں پودے کہیں سبزی ترکاری اُگ کر ابھر آتی۔ اور کیا کبھی اب بھی تو نے نہ دیکھا کہ بعض زرعی زرخیز علاقوں میں رات کو اللہ تعالیٰ نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا تو صبح کو تمام زرعی زمین نباتات سے ہری بھری ہوگئی اور دیکھتے ہی دیکھتے کچھ دنوں میں وہی خشک پڑی زمین گل و گلزار بن گئی اِن آیت میں سمجھایا یہ جا رہا ہے کہ آج یہ ملکِ عرب جس پر کفر کی رات چھائی ہوئی ہے اور شرک کی خشکی پھیلی ہوئی ہے اے اہلِ کفر و شرک مغروری نہ کرو اور اے منافقو مشکوک نہ بنو اور اے مسلمانو مایوس و پریشان نہ رہو۔ اے ایمان والو نہ گھبراؤ۔ نورِ نبوت سِرَاجًا مُنِیرًا طلوع ہو چکا ہے آسمانِ کرم کی طرف سے نزولِ آیت کی بارش ہو رہی ہے عنقریب یہی اندھیر نگری آفتابِ عالمتاب کی شعاؤں سے ایسی جگمگا جائے گی کہ نہ کسی آنکھ نے ایسی چمک دیکھی ہوگی نہ سنی ہوگی، اور آسمان و زمین والے پکار اٹھیں گے ؎

ہے جہاں میں جن کی چمک دمک ہے چمن میں جن کی پہل پہل ؛ وہی اک مدینے کا چاند ہے سب اُسی کے کرم کی بہار ہے

(حکیم الامت سالک بدایونی) آسمان کے سورج میں تو کبھی ایلاجِ لیل کبھی ایلاجِ نہار مگر عرب کی سرزمین پر شبِ کفر کا ایلاج پھر کبھی نہ ہوگا اور تم دیکھتے جاؤ کہ اسی عرب کے جھاڑ جھنکاڑ بحر و بیابان میں دین و ایمان شعائرِ اسلام نشاناتِ عرفان آیاتِ رحمٰن کا ایسا گلزار کھلے گا کہ کائناتِ انسانیت کی چشمِ بصارت نے اس سے پہلے دیکھا نہ ہوگا یہ سب کچھ ایسے طریقے ہوتا چلا جائے گا کہ نہ عقلا کی عقل محسوس کر سکے نہ علما کا علم، اس لیے کہ اِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ہر فعل میں لطیف ہے، ہر چیز سے خبیر ہے۔ ابتداءِ فعل پر لطیف ہے۔ انتہاءِ انجام پر خبیر ہے اپنے افعال میں لطیف ہے۔ بندوں کے اعمال پر خبیر ہے لطیف ایسا کہ اُس کے کسی کام کو کوئی محسوس بھی نہیں کر سکتا۔ خبیر ایسا کہ کائنات کا ایک ذرہ بھی اُس سے مخفی نہیں۔ کون جانتا تھا کہ خفیہ غار میں پرورش پانے والا یتیم ابراہیم آئندہ دنوں میں پوری دنیا پر مسلط شاہِ نمرود کی بادشاہی کو پوری قوم کے سامنے ذلیل و مبہوت کر دے گا اسی طرح کون جانتا ہے کہ آج کفار کے ہاتھوں اذیتیں برداشت کرنے والے نہتے مسلمان کل پورے عرب و عجم پر چھا جائیں گے۔ اور اَن پڑھ بدّو کل اسلام کا جھنڈا لے کر قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت کے قابض و فاتح ہو جائیں گے۔ آج زمینِ نیاز پر بیٹھنے

marfat.com

والے کل عرشِ ناز پر جلوہ گر ہوں گے کون جانتا تھا کہ آج مکے کی گلیوں میں چلنے پھرنے والا دریتیم کل اُس کے ہی غلام دنیا کے امام ہوں گے۔ یہ سب اُس کی قدرت کے کرشمے ہیں جو لطیف ہے زمین والوں پر خبیر ہے آسمان والوں پر کیونکہ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ اُسی خالقِ علیم و مالکِ قدیم کا ہے جو کچھ تمام آسمانوں میں ہے اور جو کچھ پوری زمین میں ہے۔ خلقًا وملکًا وعبیدًا مخلوق و مملوک ہو کر بھی بندے ہو کر بھی۔ ظاہری اشیا بھی اور باطنی بھی اسی لیے سب اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں اسی کے تصرف میں ہر وقت ہر شخص اُسی کا محتاج اس کے دروازے کا فقیر ہے وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ ہی تمام کائنات سے غنی ہے کسی سے کسی چیز کا طالب نہیں وہ ہی حمید ہے اپنی ذات وصفات میں ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر حمد والا ہے ہر وقت حمد والا ہے ہر زبان سے حمد والا ہے۔ زبانِ قال سے بھی زبانِ حال سے بھی، زبانِ اسرار سے بھی۔ زبانِ ظاہر سے بھی، زبانِ باطن سے بھی، زبانِ خفی سے بھی۔ زبانِ جلی سے بھی، زبانِ جمادات نباتات، حیوانات سے بھی۔ زبانِ علم سے بھی، زبانِ عقل سے بھی، زبانِ جہل سے بھی، ہر فعل بھی حمد والا ہر قول میں حمد والا کوئی انسان زبان سے حمد کرے یا نہ کرے اُس کی حمد ہر حال ومقال سے خود بخود ہو رہی ہے۔ لطیف کے پانچ معنی ہیں ۱ فضل و کرم و شفقت فرمانے والا ۲ غیر محسوس ہونے والا افعال، اقوال ارادے میں ۳ ہر دقیق وجلیل وظہیر کو جاننے والا ۴ رزق دینے لطف فرمانے والا ۵ نباتات اُگانے میں حیوانات چلانے میں جمادات بنانے میں، آسمانوں کو ٹھیرانے میں زمین کو پھیلانے میں لطیف ہے۔ خبیر کے تین معنی ۱ بندوں کی تدابیر کا خبیر ہے ۲ بندوں کی نیتوں ارادوں، آس ویاس واصلاح کی خبر رکھنے والا ۳ حاجاتِ مخلوق کو جاننے والا پہچاننے عطا کرنے والا۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ سے بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ کے چھ دلائل بیان فرمائے گئے دو دلیلیں یہاں بیان ہوئیں دلیل اول۔ بے شک وہ اللہ حق ہے کیونکہ وہی بارش برساتا نباتات اگاتا ہے۔ دلیل دوم۔ وہ اللہ حق ہے کیونکہ اُسی کا ہے جو کچھ آسمانوں زمین میں ہے۔ چار دلائل۔ اگلی آیت میں ہیں۔ دلیل سوم۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہی مَا فِي الْاَرْضِ کا مسخر ہے۔ دلیل چہارم وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہ ہی کشتیوں جہازوں کو چلانے، بچانے اور انسانوں کے قبضے میں دینے والا ہے۔ دلیل پنجم وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہی آسمانوں کو چلنے اور گرنے سے روکے ہوئے ہے۔ دلیل ششم وہ اللہ تعالیٰ ہی حق ہے کیونکہ وہ ہی زندہ کرتا ہے وہ ہی مارتا ہے

marfat.com

وہ ہی دوبارہ زندگی دینے والا ہے۔ حیات و ممات پر اُسی کا قبضۂ قدرت ہے۔ اِن آیات میں
مفسرین کے مختلف اقوال (۱) اَلَمْ تَرَ کے معنیٰ اور مرجع میں دو قول ۱؎ بعض نے کہا کہ اس کا
معنیٰ ہے۔ کیا تو نے نہیں دیکھا رویت اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی غور و فکر سے دیکھنے اور
تَرٰی کی ضمیر پوشیدہ اَنْتَ کا مرجع ہر مخاطب سننے والا ہے یعنی یہ کہ اے انسان کیا تو نے
اپنی ظاہری نگاہ اور غور و فکر سے بارش برستے اور اُس کے ذریعے زمین کو سرسبز ہوتے نہ دیکھا
اس قول کی دلیل یہ ہے کہ چونکہ صرف ظاہری بارش دکھانا اور اُس سے سبزی اگنے کا نظارہ
کرانا مقصود ہے اس لیے ہر ظاہر بین کافر و مومن کو خطاب ہے ۲؎ بعض نے کہا تَرٰی کا مرجع نبی کریم
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ اور تَرٰی کا معنی ہے اے محبوب کیا آپ نے یہ
نہ جانا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اُتارا آسمان سے پانی تو ہو گئی زمین سرسبز۔ یہاں روئیت کا معنیٰ ہے
عِلْم یعنی جاننا، اُن کی دلیل یہ ہے کہ یہاں صرف بارش دکھانا مقصود نہیں نہ زمین کی سرسبزی دکھانا
ہے بلکہ اِن دونوں میں ربِ تعالیٰ کی فاعلیت بتانا مقصود ہے۔ اور وہ دیکھنے میں نہیں آتی اُس کا
تعلق علم سے ہے ربِ تعالیٰ کی فاعلیت کا حقیقی علم صرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اور دیگر
تمام انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو ہے۔ انبیا علیہم السّلام کے علاوہ کسی کو بھی نہیں، کفار بے خبر ہیں اس
لیے منکر، اہل ایمان انبیاء علیہم السّلام کے بتانے سے بالغیب باخبر اور معتقد۔ دونوں قول درست
ہیں اور خطاب سب کو ہے۔ انبیا علیہم السّلام کو علم کا خطاب، مومنین کو عقیدے کا کفار کو ایمان
لے آنے کا۔ یعنی اے انبیا کیا تم کو علم نہیں اور اے مومنین کیا تمہارا یہ عقیدہ نہیں ہے اور کفار کیا
تم اس پر سچا ایمان نہیں لاتے کہ اَنَّ اللّٰہَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ میں دو قول ۱؎ آسمان سے مراد حقیقی
آسمان ہے ۲؎ بعض نے کہا اَلسَّمَآءَ سے بلندی مراد ہے۔ فَتُصْبِحُ کے معنیٰ میں دو قول ۱؎ بعض نے
کہا کہ فَتُصْبِحُ فعل ناقصہ اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی صبح کو ہونا ۲؎ بعض نے کہا کہ یہ صَارَ ناقصہ کے
معنیٰ میں ہے یعنی کسی وقت بھی زمین پر تبدیلی ہو جانا خواہ جلدی یا بدیر۔ مُخْضَرَّۃً کی قرأت میں
دو قول ۱؎ ایک قرأت میں یہ اسم مفعول ہے۔ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲؎ دوسری قرأت میں مَخْضَرَۃً
اسم ظرف ہے یعنی سبزی کی جگہ یہ قرأت شاذ ہے۔ مُخْضَرَّۃً کے معنیٰ میں دو قول ۱؎ بعض نے
کہا اس کا معنیٰ ہے نباتات کا اُگنا ۲؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے ہرا رنگ کی ہوئی زمین
دونوں قول درست ہیں کیونکہ مقصد دونوں کا ایک ہے۔ وَاَنَّ اللّٰہَ کے اَنَّ اور اَنَّ کے
اَنَّ میں دو قول ۱؎ بعض نے کہا کہ یہ دونوں اَنَّ مفتوحہ ہیں اس لیے کہ درمیان جملے میں ہیں اور

marfat.com

عطف ہے اپنے اپنے ماقبل یا اَنَّ پر ۲ بعض نے کہا یہ دونوں اِنَّ مکسورہ ہیں کیونکہ یہ معطوف نہیں بلکہ ابتداءِ کلام میں ہیں۔ پہلا قول درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب قرأت یہی ہے۔ یَدْعُوْنَ کی قرأت میں دو قول ۱ مشہور و مکتوب قرأت یَدْعُوْنَ ہے۔ جمع مذکر غائب ۲ شاذ قرأت تَدْعُوْنَ۔ جمع مذکر حاضر هُوَ الْبَاطِلُ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد بُت ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد شیطان ہے۔ پہلا قول درست ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق کے مطابق ہے

فائدے

اِن آیت کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ**۔ اگرچہ سرزمین دنیا پر اس حیاتِ دنیوی میں بے شمار سلطنتیں، حکومتیں، وزارتیں، صدارتیں، عدالتیں قائم ہیں۔ مگر تمام عالم پر سچی حقیقی ذاتی مضبوط مستحکم ابدی، مؤثر نظامِ کائنات اُسی رب قدیر جلیل و کریم کا ہی جاری و نافذ ہے۔ اس طرح کہ رات، دن، چاند، سورج، موسم فضاؤں ہواؤں جمادات نباتات، حیوانات قلب و قالب روح، و جان پر اُسی ذوالجلال کا غلبہ قہر و مہر ہے دنیوی بادشاہ کی بادشاہت صرف عاقل بالغ و سمجھ دار انسان کے جسم پر ہوتی ہے نہ قلب پر نہ روح پر نہ مکھی پر نہ مچھر پر نہ چرند و پرند یہاں تک کہ ایک نابالغ بچہ اور مجنون انسان بھی کسی بادشاہ، وزیر کے حکم کی کوئی اہمیت و حیثیت نہیں سمجھتا، یہ فائدہ۔ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ (الخ) فرماتے حاصل ہوا کہ ساری زمین پر لیل و نہار کا غلبہ اور لیل و نہار پر اللہ تعالیٰ کی سلطنت قائم اُس کے حکم کے خلاف کوئی دم نہیں مار سکتا۔ **دوسرا فائدہ**، اِن آیت سے مسلمانوں کو ایک یہ بھی سبق ملتا ہے کہ دنیا میں صرف اسلام و قرآن کا قانون ہی حق سچ مضبوط اور عادلانہ دائمانہ ہے دیگر انسانی بنائے ہوئے تمام قوانین نہ حق نہ سچ نہ عادلانہ دائمانہ بلکہ اندھے بہرے اور ظالمانہ قانون ہیں، حق سچ اور عادلانہ قانون کی چھ نشانیاں ہیں ۱ قانون بہرہ نہ ہو ہر ایک کی سنے ۲ قانون اندھا ہو امیر غریب بادشاہ وزیر سب پر نظرِ انصاف رکھے ۳ قانون بے علم جاہل نہ ہو ہر ظالم و مظلوم کو پہچانتا ہو ۴ قانون کمزور اور پست نہ ہو بلکہ ہر ایک پر غالب سب پر بلند ہو کسی قسم کی لچک یا جھکاؤ نہ ہو ۶ قانون وقتی ھنگامی اور ناقص نہ ہو بلکہ دائمی اور کامل مکمل ہو۔ قانون میں یہ صفات تب پیدا ہو سکتی ہیں جب قانون بنانے والے میں یہ شان و صفات ہوں، لیکن جب قانون ساز حکومت چھوٹی و کمزور ہو تو اُس کا قانون بھی چھوٹا اور کمزور ہوتا ہے جیسا کہ آج کل احمقانہ جمہوریت کا نظام جو یہود و نصاریٰ انگریز کا پیدا کردہ ہے۔ چونکہ موجودہ جمہوریت کی کرسی کمزور ہوتی ہے اس لیے اس کا بنایا ہوا کوئی بھی قانون مضبوط نہیں ہوتا اور

marfat.com

ملک دبیرونِ ملک کوئی حیثیت واہمیت نہیں رکھتا مخالف گروہ (اپوزیشن) کی طرف میں اُس کی
کوئی عزت نہیں ہوتی۔ مگر قرآنِ مجید کے قانون کو مضبوطی بھی ہے دوام بھی اچھائی بھی غلبہ بھی
اسی لیے کہ اُس کو بنانے والا ہر شان وقوت کا مالک ہے۔ یہ فائدہ اِن آیت میں باری تعالیٰ کی نو صفات
بیان فرمانے سے حاصل ہوا ۱ وہ سمیع ہے ۲ وہ بصیر ہے ۳ وہ ہی حق ہے اس کے سوا سب بڑے
بننے بنانے والے باطل ہیں قانونِ کلیہ ہے کہ حق کی ہر چیز حق ہے باطل کی ہر چیز باطل ہوتی ہے ۴
وہ علی ہے ۵ وہ کبیر ہے ۶ وہ لطیف ہے ۷ وہ خبیر ہے ۸ وہ غنی ہے ۹ وہ حمید ہے۔
تیسرا فائدہ۔ مِنۡ دُوۡنِہٖ صرف وہ چیزیں اور وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں اور دشمنوں
کی دینی مذہبی چیزیں مثلاً بُت، فوٹو، تصاویر، صلیب، مندر، گرجا وغیرہ یہی سب غیر اللہ
ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ ربُّ العزت کے دوست اولیا، علما، صُلحا، اور تمام انبیاء کرام علیہم السّلام اور اُن
کے تبرکات، قرآنِ مجید احادیث مقدسات۔ کعبہ شعائر اللہ یہ تمام نہ مِنۡ دُوۡنِہٖ ہیں نہ غیرُ اللہ
لہٰذا ان کو بلانا پکارنا وسیلہ پکڑنا، اُن کے وسیلے وطفیل سے مولیٰ تعالیٰ سے دعائیں مانگنا نہ کفر نہ
شرک نہ گناہ تمام مِنۡ دُوۡنِ اللہ باطل ہیں اور تمام مِنَ اللہ حق ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ حق ہے یہ فائدہ
بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الۡحَقُّ، سے حاصل ہوا۔ اور حق سے مانگنا بھی حق سچ اور جائز ہے۔

احکام القرآن اِن آیتِ پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ قانونِ
شریعت کے مطابق ہر وہ چیز جس کو دنیا کے کفار پوجتے ہیں وہ باطل ہے
خواہ کسی بھی علاقہ کا اور کسی بھی قسم کا کافر ہو اور کسی بھی طرز وطریقے پر پوجا کرتا ہو لفظ باطل
کے چار معنیٰ اور چاروں معنیٰ کے اعتبار سے باطل غلط اور فضول کو ہی کہا جاتا ہے ۱ باطل بمعنیٰ
بیکار ۲ باطل بمعنیٰ قابلِ فنا ۳ باطل بمعنیٰ جھوٹ اور جھوٹا ۴ باطل بمعنیٰ نقصان دہ نیز دنیا
بھر کے کفار صرف دنیا کی موذیوں بتوں اور غیر عقل والی چیزوں کو ہی پوجتے ہیں کسی بھی
زمانے میں کفار نے کسی زندہ ذی عقل انسان کی دینی عقیدے یا مذہبی دائمی عبادت سمجھ
کر پوجا پرستش نہ کی، نمرود وفرعون کو سجدہ عارضی شاہی تعظیم اور اُس کے رُعب وخوف کی
بنا پر تھا نہ کسی دین کی بنا پر، دینی اعتبار سے تو وہ خود بھی اور اُن کی قوم بھی سب بت
پرست تھے۔ اسی طرح نہ کبھی عیسیٰ علیہ السّلام کی پرستش ہوئی نہ عزیر علیہ السّلام کی بلکہ ان کے
بعد وفات بعض قوموں نے اِن انبیا علیہم السّلام کی خیالی تصویروں فوٹوؤں کی پرستش شروع
کردی، یہی کیفیت فرشتہ پرستی کی ہوتی رہی کہ کچھ کفار نے فرشتوں کی ذہنی خیالی بنا ڈالی

marfat.com

تصویریں بنائیں اور اُن تصویروں کو پوجا پکارنا اور اُن سے دعائیں مانگنا شروع کر دیا۔ لہٰذا حضرت عیسٰی حضرت عزیز علیہما السلام کو یا فرشتوں کو باطل نہیں کہا جا سکتا نہ یہ حضرات کسی طرح باطل ہیں بلکہ یہ سب حق ہی حق ہیں۔ یہ مسئلہ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ ۔ میں مَا فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ** قانونِ شریعت کے مطابق دنیا میں ہر شخص کو ہر قسم کا پانی بیچنا جائز ہے بارش کا ہو یا کوئیں، نلکے، دریا، نہری، تالاب، یا قدرتی جوہڑ۔ ندی نالے کا۔ بوتلیں بھر کر ہو یا گھڑے، پیپے، کنستر۔ مٹکے، مشکیزے۔ یا ٹینک بھر کر یا نالیوں، سوؤں، کھائیوں کے ذریعے یہ مسئلہ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ رب تعالٰی نے یہاں بارش کے نزول کو عجائباتِ قدرت اور فیوضاتِ رحمت میں شامل فرمایا نہ کہ انعامات میں۔ انعام کو بیچنا ممنوع یا معیوب سمجھا جاتا ہے۔ جیسے جنگلی خودرو پھل جڑی بوٹی نباتات وغیرہ وہاں اُن میں صرف اپنی محنت کی قیمت لینا جائز ہوتی ہے نہ کہ شی کی یا پانی کی تجارت بغیر محنت بھی جائز۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک متفقہ ہے۔ اہلِ عرب میں پانی کی تجارت عام مروج ہے۔ بلکہ اب تو عالمی تجارت بن چکی ہے۔ بارش کا پانی بڑے بڑے پہاڑی تالابوں میں جمع کر کے گھر گھر پہنچانے اُس پر پیمانوں کے میٹر لگا کر فروخت کرنا تجارت کی ہی ایک صورت ہے نہری پانی کا مالیہ وصول کرنا بھی پانی کی قیمت ہے۔ شریعتِ اسلام نے اس خرید و فروخت کو ناجائز نہ فرمایا، اگرچہ مفت بانٹنے کا اجر و ثواب بہت فرمایا گیا ہے۔ **تیسرا مسئلہ**۔ لفظ غنی اللہ تعالٰی کی غیر خصوصی صفت ہے بندوں کو بھی غنی کہنا جائز ہے۔ لیکن اَلْغَنِيُّ۔ الف لام استغراقی کے ساتھ رب تعالٰی کی صفتِ خصوصی ہے۔ لہٰذا کسی بندے کو اَلْغَنِيُّ کہنا منع ہے غنی کا معنٰی ہے امیر اور دولت مند جو شخص مال و دولت میں کسی شخص کا محتاج نہ ہو۔ اور اَلْغَنِيُّ۔ کا معنٰی ہے۔ تمام کائنات کے خزانوں کا مالکِ ابدی ہر طرح ہر وقت ہمیشہ سے ہمیشہ تک مالکِ مکمل، یہ مسئلہ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِيُّ (الخ) میں لَهُوَ۔ کے تاکیدی حصر فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اَلْغَنِيُّ سے مراد ہر وقت دولت کا خالق مالک اور کسی بھی طرح کسی بھی چیز میں کسی بھی وقت کسی کا بھی محتاج نہیں۔ غنی بندہ وہ ہے جو ایک دولت کا عارضی مالک اور صرف اسی دولت میں کسی کا محتاج نہ ہو۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ فَتُصْبِحُ چاہیئے تھا کہ سابقہ فعل ماضی اَنْزَلَ کی طرح یہاں اَصْبَحَتِ الْاَرْضُ فعل

marfat.com

ماضی فرمایا جاتا زیادہ بہتر تھا اس کا ترجمہ یہ ہوتا کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی نازل فرمایا تو زمین سرسبز ہو گئی جواب فَتُصْبِحُ فرمانا ہی عین مناسب ہے اس بنا پر کہ فعل ماضی میں فعل کی وحدت ہوتی ہے۔ مضارع میں فعل کی کثرت و تکرار ہوتی ہے۔ تو فرمایا یہ جا رہا ہے کہ جب بھی رب تعالیٰ نے بارش نازل فرمائی تو اس کا اثر یہ ہوتا ہے کہ کافی زمانوں تک زمین سرسبز رہتی ہے مثلاً بارش کسی بھی وقت چند گھڑی ہوئی تو اس کا اثر مہینوں سرسبزی کی شکل میں نظر آتا رہتا ہے۔ یہ معنی اور اظہارِ مقصد فَاَصْبَحَتْ ماضی کہنے میں نہ ہوتا۔ نیز فَتُصْبِحُ کے فرمان نے یہ بھی بتایا کہ بارش پہلے ہوتی ہے اور زمین کی ہریالی کچھ دنوں یا کچھ دیر بعد ہوتی ہے، اَصْبَحَتْ فعل ماضی کا معنی یہ ہوتا کہ ابھی بارش ہوئی اور اسی وقت زمین سرسبز ہو گئی حالانکہ یہ بات منشاءِ باری تعالیٰ کے بھی خلاف ہے قانونِ قدرت کے بھی تجربے اور مشاہدے کے بھی۔ لہٰذا اعتراض غلط ہے اور فَتُصْبِحُ فرمانا بالکل درست ہے **دوسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ فَتُصْبِحُ پر ضمہ آیا حالانکہ زبر آنا چاہیئے تھا، کیونکہ اس کی فَ عاطفہ ہے۔ اور یہ اَلَمْ تَرَ سوالیہ جملے کے جواب میں آئی۔ قانونِ نحو یہ ہے کہ جو فَ سوال کے جواب میں آتی ہے اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اور اَنْ ناصبہ ظاہر ہو یا پوشیدہ مابعد مضارع کو نصب دیتا ہے، تو یہاں نصب کیوں نہ آیا۔ **جواب**۔ یہاں دو وجہ سے پیش آنا بہت ضروری تھا پہلی وجہ یہ کہ یہ فَ اَلَمْ تَرَ کا جواب نہیں بلکہ اَنْزَلَ پر عطف ہے لہٰذا یہ فَ جوابیہ اور جزائیہ نہیں بلکہ سببیہ ہے اور فَ سببیہ میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ نہیں ہوتا، دوم وجہ یہ کہ اگر فَ کا عطف اَلَمْ تَرَ پر ہوتا تو یہ سوالِ انکاری بن جاتا۔ اور آیت کا معنی ہو جاتا کہ کیا تو نے نہیں دیکھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی اتارا، فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً تو کیا ہوتی ہے زمین سرسبز لیتی نہیں ہوتی حالانکہ یہ سوالِ اقراری ہے اور معنیٰ یہ کہ جب بھی اللہ تعالیٰ نے پانی اتارا تو زمین سرسبز ہو جاتی ہے اس لیے یہاں تُصْبِحُ کو نصب نہیں آ سکتا جب آتا ہے تو سوالِ انکاری پر آتا ہے۔ جیسا کہ سورہ یوسف کی آیت میں ارشاد ہے۔ اَفَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوا۔ یہاں فَيَنْظُرُوا بحالتِ نصب ہے اسی لیے آخر کی نون اعرابی گر گئی، دراصل تھا فَيَنْظُرُوْنَ اور وہاں سوالِ انکاری ہے۔ مگر یہاں اَلَمْ تَرَ میں یہ بات نہیں نہ یہ سوالِ انکاری نہ یہاں نصب جائز۔ اہل عرب میں یہ بات مشہور و مروج ہے کہ اگر جواب کو نصب دیا جائے تو سوال انکاری بن جاتا ہے۔ مثلاً اگر کوئی کہے کہ اِنِّی اَنْعَمْتُ عَلَيْكَ فَتَشْكُرَ۔ تو اس کا معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ کیا میں نے تجھ پر اس لیے

marfat.com

انعام نہ کیا تھا کہ شکریہ ادا کرتا۔ یعنی تو نے ادا نہ کیا اور اگر جواب کو پیش دیا جائے تو تَشْکُرُ کا معنی ہوتا ہے کہ تُو تو بہت شکریہ ادا کرتا ہے یہاں چونکہ زمین کے سرسبز ہو جانے کا اظہار مقصود ہے اس لیے فَتُصْبِحُ کو رفع یعنی پیش آیا اگر یہاں زبر آتا تو معنی الٹ ہو کر غلط ہو جاتا کہ منشاء باری تعالیٰ ثبوت ہریالی ہے اور نصب لگانے سے ہریالی کی نفی ہو جاتی **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پہلے فرمایا گیا اَلَمْ تَرَ۔ اس میں دیکھنے کا ذکر ہے، پھر فرمایا گیا فَتُصْبِحُ، اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ فَتُصْبِحُ کی فَ سببیہ ہے حالانکہ بارش کو دیکھنا زمین کی سرسبزی کا سبب کیسے ہو سکتا ہے دیکھنا تو نہ ثبوت کا سبب ہے نہ نفی کا تو یہ فَ سببیہ کیسے ہوئی۔ **جواب** اس کے دو جواب دئیے گئے ہیں ایک یہ کہ بعض نے کہا یہ فَ سببیہ ہی ہے مگر ما بعد جملہ اَلَمْ تَرَ کا مسبب نہیں بلکہ نزولِ بارش کا مسبب یعنی بارش ہوتی ہے تب تُو دیکھتا ہے کہ زمین سرسبز ہو جاتی ہے یہ نزولِ بارش ظاہری مسبب ہے اور اللہ تعالیٰ کا بارش کو نازل فرمانا یہ رویت علمی و ایمانی عقیدۃً و بصیرۃً ہے پھر اس کے بعد ہریالی کا سبب بارش ہونے اور بارش کے ذریعے زمین کی ہریالی کے مشاہدے کی رویت ہے۔ **جواب دوم** یہ کہ یہ فَ سببیہ ہی ہے اور اس کا سبب اَلَمْ تَرَ ہی ہے اور یہ سببیت کنایۃً تشبیہی ہے یعنی رویت سے ہی علم آتا ہے اور اسی رویت سے مِنَ اللہ ہونے کا عقیدہ بنتا ہے۔ رویت سے ہی نزولِ بارش اور زمین کی ہریالی کا پتہ لگتا ہے رویت کی سببیت صرف علمی ہے نہ کہ وجودی، کیونکہ رویت سے نزول و سرسبزی کا وجود نہیں ہوتا وجود کا علم ہوتا ہے۔ وجودِ اخضرار کا سبب نزولِ بارش ہے، اور نزولِ بارش کا سبب حکمِ الٰہی، غرضکہ رویت علم کا سبب، علم ایمان کا سبب ایمان عقیدے کا سبب، نزولِ بارش ہریالی کا سبب، قدرتِ باری تعالیٰ نزول و اخضرار کا سبب ہے۔ **چوتھا اعتراض** یہاں پہلے فرمایا گیا یُوْلِجُ الَّیْلَ پھر فرمایا گیا یُوْلِجُ النَّھَارَ اس اولیت آخریت سے اقتضاءً ثابت ہو رہا ہے کہ قمری تاریخیں رات پہلے ہوتی ہے پوری کی پوری اور دن پورا کا پورا بعد میں یعنی آفتاب غروب ہوتے ہی دوسری اگلی تاریخ شروع ہو جاتی ہے آج ختم کل شروع ایک آیت میں ارشاد ہے اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ رات تک روزہ پورا کرو۔ حرفِ اِلٰی نے پوری رات روزے سے خارج کر دی ثابت ہوا کہ پہلا دن اور اگلی رات دو مختلف چیزیں ہیں۔ مگر پہلی رات اور اگلا دن دونوں ایک چیز ہیں، روزے کے اسی قانونِ قرآنی کی بنا پر علماء احناف فرماتے ہیں کہ سورج ڈوبتے ہی روزہ افطار کرنا لازم ہے، جیسے مغرب کی نماز کے بعد روزہ

marfat.com

افطار کیا اُس نے گناہ کیا اور اپنا روزہ مکروہ کیا، کیونکہ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ کے حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے رات کا کچھ حصّہ بھی اپنے روزے میں شامل کر لیا۔ حالانکہ بحکمِ ربانی رات کا ذرّہ حصّہ بھی رات میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ بعض احمق لوگ افطار میں دیر لگاتے ہوئے بعد نمازِ مغرب افطار کرتے ہیں اور اس کو احتیاطی تقوٰے سمجھتے ہیں وہ خود گناہگار اور اُن کے روزے مکروہ ہو جاتے ہیں یہ تقویٰ نہیں بلکہ کمزوریِ ایمان کا تقوٰی ہے۔ اس آیتِ یولج۔ اور حکم اتموا سے ثابت ہوا کہ اسلامی قانون میں سورج ڈوبتے ہی کل شروع اور تاریخ بدل گئی۔ اعتراض یہ ہے کہ حدیث پاک میں سحری کے بعد روزہ بند کرنے کی دعا اس طرح مذکور و مشہور ہے۔ وَبِصَوْمِ غَدٍ نَّوَيْتُ۔ اس کا ترجمہ علما نے یہ لکھا ہے۔ اور کل کے روزے کی میں نے نیت کی، عربی زبان میں گذشتہ کل کو امس اور آئندہ کل کو غدٍ کہتے ہیں، اور آئندہ دوسری اگلی تاریخ کو ہی کل آئندہ کہا جاتا ہے، جب وہ تاریخ آئندہ اور غد شروع رات سے ہی شروع ہو گیا تھا تو اب سحری کے بعد آخری وقت غد کیوں اور کس کو کہا گیا، یا پھر اسی دعاءِ مشہورہ سے ثابت ہوتا ہے کہ رات سے نہ تاریخ بدلی نہ کل شروع ہوا جب کل کی ابتدا سحری کے بعد تو لازمی بات ہے کہ نئی تاریخ کی ابتدا بھی سحری کے بعد ہی ہوگی۔ یُولِجُ الَّيْلَ اور اَتِمُّوا الصِّيَامَ کی آیتوں نے کچھ بتایا یا دعاءِ حدیث نے کچھ بتایا۔ اس اُلجھن کا حل کیا ہے راز سید افتخار احمد شاہ ابن سید حکیم بہار شاہ صاحب) جواب: یہ بات بھی بالکل درست ہے کہ قمری تاریخ سورج ڈوبتے ہی بدل جاتی ہے۔ اور یہ بھی درست ہے کہ حرفِ اِلٰی انتہاءِ غایت کے لیے آتا ہے اور اگر اِلٰی کا ماقبل اور مابعد ایک جنس کے نہ ہوں تو مابعد ماقبل میں داخل وشامل نہیں ہوتا اِلٰی کے ماقبل کو غایت کہتے ہیں اور مابعد کو مُغَیّا کہتے ہیں اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ میں صیام غایت ہے لَیْلَ مغیا ہے۔ تاریخی اعتبار سے چونکہ صیام اور صیام والے وقت کی جنس اگلی رات سے جدا ہے اس لیے روزے کا کوئی حصّہ ذرّہ برابر رات میں داخل نہیں ہو سکتا اسی وجہ سے کسی روزے دار کو جائز نہیں کہ روزہ دیر سے افطار کر کے رات کا کچھ حصّہ روزے میں شامل کرے یہ حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی اور باعثِ گناہ ہے چونکہ سورج ڈوبتے ہی تاریخ تبدیل ہو جاتی ہے اِس قانونِ ربانی سے ثابت ہوا کہ رات کی جنس دن کی جنس سے علیحدہ ہے، تاریخ اور کل میں فرق یہ ہے کہ تاریخ دن و رات کے مجموعے کا نام ہے مگر کل ہر زمانی مختلف جنس کو کہا جاتا ہے۔ اس طرح لفظِ کل اور لفظِ غدًا میں فرق ہے اُردو میں کل پوری تاریخ کو بھی کہا جاتا ہے اور دن کو بھی۔ یعنی صبح سحر شام غروب تک بھی مگر

marfat.com

عربی میں لفظ غدًا تین معنی میں مستعمل ہے ۱ رات دن کی پوری تاریخ بھی غدًا ہے ۲ فجرِ صادق سے غروبِ آفتاب تک پورا دن بھی غدًا ہے ۳ طلوعِ آفتاب سے اشراق تک بھی غدًا پہلے غدًا کا نام تاریخی غدًا دوسرے غدًا کا نام جنسی غدًا تیسرے غدًا کا نام اصطلاحی غدہ ۔ اصطلاحی غدًا کی ہر چیز کو اہل عرب غدًا کہہ دیتے ہیں ۔ یعنی اُس وقت کے کھانے پینے سونے جاگنے چلنے پھرنے کو غدًا کہہ دیا جاتا ہے ہم اُس وقت کے کھانے کو ناشتہ کہتے ہیں اہل عرب ناشتے کو غدًا کہتے ہیں ۔ دعلم حدیثِ پاک وَ بِصَوْمِ غَدٍ میں غدًا جنسی مراد ہے نہ کہ تاریخی یا زمانی اصطلاحی غدًا ، دن رات تک پندرہ حصے ہیں جن کے عربی نام اس طرح ہیں ۱ وقتِ مغرب ۲ وقتِ شام ۳ وقتِ عشا ۴ نصفِ لیل ۵ ثُلثُ اللیل ۶ آخِرُ اللیل ۷ وقتِ سحر ۸ وقتِ صبح ۹ وقتِ اشراق ۱۰ وقتِ چاشت ۱۱ نصفُ النہار (دوپہر) ۱۲ وقتِ ظہر ۱۳ وقتِ عصر ۱۴ آخر الیوم (پچھلا پہر) ۱۵ وقتِ صفر الآفتاب (جب دھوپ پیلی پڑ جائے) وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ ۔

تفسیر صوفیانہ

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ يُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَيُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَاَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ بَصِيْرٌ ۔ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ۔ وہ تمام قبض وبسط ترقی و تنزل زوال وکمال ، ثواب وعتاب ، شریعت کا رنگ طریقت کی خوشبو ، غیروں کی عداوت اپنوں کی عدالت ، عالمِ ناسوت کے ہر زمان ومکان میں اس وجہ سے جاری وساری ہے کہ خالقِ قالب مالکِ قلب قابضِ ارواح مولیٰ تعالیٰ ہی شبِ فراق اور لیلِ دیجور کو داخل فرماتا ہے طویل بناتا ہے یومِ وصل وَنہارِ مکاشفہ میں ، اور وہی ربِّ قدیر داخل وطویل فرماتا ہے یومِ وصل وَنہارِ قربت کو لیلِ فراق وشبِ دیجور میں بے شک وہی مولیٰ تعالیٰ اہلِ درد کی شبِ تنہائی کی آہیں لیلِ خلوت کی فریادیں سننے والا ہے اور اہلِ وصل کو یومِ جلوت اور منزلِ قرب میں دیکھنے والا ہے ، وہ غفران وبخشش جو عاقبت میں ظہورِ نفس کے وقت ہوئی یا وہ تائید ونصرت جو عدل کی وقت ہوئی اُن کسرۂ ثانیہ کی ہمراہی میں جن میں گہرا انظلام اور پورا اندھیرا ہے اِس سبب سے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ظلمتِ نفس کی رات کو نہارِ قلبِ مزکّیٰ کے نور میں ڈالتا ہے اسطرح کبھی یومِ قلبی کو کم کر دیتا ہے نفسِ اَمّارہ کی حرکاتِ خبیثہ کی وجہ سے کیونکہ طبیعتِ درویش پر کبھی نفس کا غلبہ ہو جاتا ہے یہی راہِ سلوک کا ایلاجِ لیل ہے کہ نہارِ قلبی پر لیلِ نفسانی کی بغتتِ عاقبت طاری ہو جاتی ہے ، اور کبھی مزاجِ درویش پر نہارِ قلب کے نور کو

marfat.com

داخل فرماتا ہے جس سے ظلمتِ نفس کی رات میں کمی ہو جاتی ہے۔ یہی معارفی سیّات کا عِلاجِ نہار ہے سہ

اگر درویش بر جائے بماند ے ؎ سر دست از دو عالم بر فشاند ے

اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی تقدیر حکمت اور تصرفاتِ قدرت سے ہے، بے شک وہ سننے والا ہے اُن کی دلی نیتوں کو اور بصیر ہے تمام اعمال کا اُن کے ساتھ اُن کے اعمال و نیات کے مطابق ہی معاملہ فرمائے گا، سمیع ہے ظلمانی راتوں میں بصیر ہے عرفانی دنوں میں، سمیع ہے پکارنے والوں کا۔ بصیر ہے راہِ طلب میں چلنے والوں کا۔ نہ فراق والوں سے بےخبر نہ وصل والوں سے بے بصر ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ۔ وہ اِس وجہ سے ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہی جلی و خفی میں حق و حق والا ہے اُس کی طلب حق، طلب والے حق، اُس کی یاد حق اُس سے فریاد حق اُس کا وصل حق وصل والے حق وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ۔ اور بے شک یہ اہلِ نفوس جن اغیار و اشرار کے پرستار و طلب گار و ہر دم پکارتے پھرتے ہیں، روز و شب اسی کے والۂ و شیدا ہیں وہ سب فانی و باطل ہیں نہ عالم کو بقا نہ عالم کی رنگ و بو بہار و خزاں کو بقا، اور بے شک وہ اللہ تعالیٰ ہی ہر تہہ و بالا ہر اعلیٰ وَ اَدنیٰ، ہر سیاہ و سفید، ہر مرید و مخلص پر عَلِی ہے۔ غالب ہے کبیر ہے عظیم ہے۔ علی ہے رات والوں پر کبیر ہے دن والوں پر، شریعت والوں پر علی ہے طریقت والوں پر کبیر ہے۔ جَلوت والوں پر علی ہے خَلوت والوں پر کبیر ہے، خلوص والوں پر علی ہے، ریا والوں پر کبیر ہے نہ وہ آ سکے قبضے سے باہر نہ یہ اُس کے غلبے سے دور، بے شک اللہ تعالیٰ علی ہے اُن تمام چیزوں سے جن کو طالبین ابتدائی پائیں، کبیر ہے اُن تمام سے جن کو واصلینِ منتہی بھی نہ جان سکیں، اُس کی شان علی ہے اس کا امر کبیر ہے اس کا جمال علی ہے اُس کا جلال کبیر ہے اُس کی ذات علی ہے اُس کی صفات کبیر ہیں۔ کوئی شی اُس سے کسی شان، آن، قال، حال۔ علویات، سفلیات، محسوسات معقولات میں اعلیٰ نہیں۔ امامِ غزالی نے فرمایا۔ علویت اور کبیریت دو قسم کی ہے ۱ علویت و کبیریتِ مطلقہ ۲ علویت و کبیریتِ اضافیہ۔ عَلیِ مطلق ہونا، واجبُ الوجود کی شان ہے علویتِ اضافیہ وجودِ ممکن کی شان ہے۔ کبیرِ مطلق وہ ہے جو کبریائی والا ہو۔ کبیریت اضافیہ یہ کہ بندہ کبریائی کا محتاج ہو۔ کبریائی نام ہے کمالِ وجود کمالِ ذات کمالِ صفات کا، کمال یہ ہے کہ ہر وجودِ ممکن کی شان ہے۔ کبیرِ مطلق وہ ہے جو کبریائی والا ہو، کبیریت اضافیہ یہ کہ بندہ کبریائی کا محتاج ہو۔ کبریائی نام ہے کمالِ وجود کمالِ ذات کمالِ صفات کا، کمال یہ ہے

marfat.com

کہ ہر موجود اُس سے صادر وہ خود ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہو۔ ہر ممکن ناقص ہے اس لیے کہ دو عدموں سے فنا ہے ایک پہلا عدم ایک بعد والا عدم یعنی نیست سے حیات، حیات سے موت، اِسی لئے اُس انسان کو کامل وکبیر کہا جاتا ہے جس کی مدتِ وجود اور مدتِ بقا طویل ہو یعنی کبیرُ السن نہ کہ عظیمُ السن یہی کبیر وعظیم کا فرق ہے، پس بندوں میں کبیر وہ ہے جس کا کمال اُس کی ذات تک محدود محفوظ نہ ہو بلکہ ہم نشین تک پہنچے۔ بندگانِ کاملین کا کمال ان کی عقل علم تقوےٰ اور عمل میں ہے لہٰذا بندوں میں کبیر وہ ہے جو عالِم، عاقِل، عامِل، مرشدِ عباد و مصلحِ خلائق ہو تاکہ اُس کے انوارِ علم سے چراغِ ہدایت روشن کئے جاسکیں۔ عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا جس نے علم پایا اور پڑھایا عمل کیا کرایا وہ ملکوتِ سموٰت میں عظیم وکبیر کا لقب پا گیا۔ عرض کیا گیا یا روحُ اللہ ہم کس کے پاس بیٹھا کریں آپ نے فرمایا اُس کے پاس جس کی گفتگو تمہارے علم کو، جس کا دیدار تمہارے ذکرُ اللہ کو اور جس کا عمل تمہاری رغبتِ آخرت کو زیادہ کرے۔ آپ نے فرمایا ہر ماسوا اللہ باطل ہے کیونکہ وجودِ ذاتی میں غیر موجود ہے اللہ تعالیٰ کا فضل چھایا ہوا بادل ہے ہر مُلک اس کی مِلک ہے، اس کی ذات مالک ہے، اُس کی صفات خالق ہے اُس کے سوا ہر شی ہالک ہے، وہی رب تعالیٰ لیلِ بشری کو نہارِ تجلی میں اور نہارِ اُنسیت کو لیلِ ہیبت میں داخل فرماتا ہے، اور لیلِ قبض کو نہارِ بسط وکشاد میں اور نہارِ عطا کو لیلِ لقا میں داخل فرماتا ہے اس طرح کہ عابدین پر عطا، عاشقین پر لقا، مجذوبین پر وصل وکُشاد، محرومین پر قبض وفراق زیادہ کرتا ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَتُصْبِحُ الْاَرْضُ مُخْضَرَّةً اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْغَنِىُّ الْحَمِيْدُ۔ اے بندۂ نفس کیا تو نے بصارتِ ظاہری سے نہ دیکھا، اور اے بندۂ مولیٰ تعالیٰ کیا تو نے یقینِ علمی کی بصیرتِ باطنی سے نہ جانا۔ اور بندۂ عشق کیا تو نے نگاہِ محبت سے عقیدہ نہ بنایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے آسمانِ قلب سے حکمت کا پانی نازل فرمایا تو زمین بشریت شریعت کے غنچوں سے اور زمین قلبی اسرار کے پتوں سے اور زمین ارواح علوم کے پھولوں سے اور زمین عقل مکاشفات کی نباتات سے اور زمینِ آدمیت انوارِ معرفت کی کلیوں سے سرسبز وشاداب ہو گئی، اِنَّ اللّٰهَ، بے شک اللہ تعالیٰ لطیف جمال ہے اس کا لطف تمام قلب وقالب کی طرف اس طرح پہنچتا ہے کہ کسی نفسِ نفیس وطبع دقیق کو بھی محسوس نہیں ہوتا وہ رب کریم ہی سالکینِ معرفت اور طالبینِ سعادت کی ہر آن ہر مکان میں خبر رکھنے والا ہے کہ کون کس تدبیر ظاہر کے لائق ہے، کون کس تقدیر باطن کے قابل ہے اسی ربّ قدیر کا ہے جو کچھ کہ سموات عبادت میں اور زمین ریاضت میں ہے، جو کچھ کہ سمواتِ رفعتِ اعلیٰ اور

marfat.com

زمین عجز قلبی میں ہے اور جو کچھ سموٰاتِ شریعت اور زمینِ حقیقت میں ہے سب اُسی کا ہے، اور بیشک اللہ تعالیٰ غنی ہے کیونکہ خالقِ سموات مالک درمیات ہے، غنی ہے عابدین کی عبادت اور زاہدین کے زہد سے نہ کسی کی حاجت نہ ضرورت، عطا میں ایسا غنی کہ تمام مخلوق کو دیکر بھی اُس کی غِنا میں ذرہ کمی نہیں آتی، وہ حمید ہے ذاتِ وحدت میں صفاتِ کثرت میں، ہر حامد سے مستغنی ہے۔ محمود ہے ہر فعل میں لِنَفْسِہٖ حمید ہے ازل میں، لِعِبَادِہٖ حمید ہے ابد میں جمال، جلال، کمال، علویت کبریت کی وہ تمام صفات اسی طرف لوٹنے والی ہیں جو ذاکرینِ الٰہی کے ذکر اللہ سے منسوب ہیں اوصافِ کمال کا ذکر کمال ہونے کی حیثیت سے کرنا بھی حمد ہے اِسی کو حمد کہا جامع مانع تعریف کہتے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ (از تفسیر روح البیان، روح المعانی، نیشاپوری)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ

کیا تم نے غور نہ کیا کہ بے شک اللہ نے تابع فرمان بنایا تمہارے لیے اُن تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں

کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے بس میں کر دیا جو کچھ زمین میں ہے

وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ ؕ وَ

اور کشتی کو جو رواں دواں رہتی ہے سمندر میں اُس کے حکم سے اور

اور کشتی کہ دریا میں اُس کے حکم سے چلتی ہے اور

یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ

وہی روکتا ہے آسمان کو گرنے سے زمین پر مگر گرے گا

وہ روکے ہوئے ہے آسمان کو کہ زمین پر نہ گر پڑے

اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ

اس کے اذن سے بے شک اللہ لوگوں پر بہت ہی مہربان ہے اور نعمتیں دے کر بھی

مگر اُس کے حکم سے بے شک اللہ آدمیوں پر بڑی مہر والا

marfat.com

رَّحِيْمٌ ﴿٦٥﴾ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ

مہربان ہے ۔ اور وہی اللہ وہ ہے جس نے زندہ کیا تم سب کو پھر فوت کرے گا تم سب کو

مہربان ہے ۔ اور وہی ہے جس نے تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں مارے گا

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ؕ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ

پھر زندہ کر دے گا تم سب کو ، بے شک انسان البتہ اِن نعمتوں کا ناشکرا ہے ۔ ہر

پھر تمہیں جلائے گا ، بے شک آدمی بڑا ناشکرا ہے ۔ ہر

اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا

اُمت کے لیے بنایا ہم نے عبادت کا طریقہ ۔ وہ سب عبادت کریں اسی میں لہٰذا

اُمت کے لیے ہم نے عبادت کے قاعدے بنا دیئے کہ وہ اُن پر چلے تو

يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ ؕ

نہ جھگڑا کریں وہ آپ سے دین میں ۔ اور آپ بلاتے رہیں اپنے رب کی طرف

ہرگز وہ تم سے اس معاملے میں جھگڑا نہ کریں اور اپنے رب کی طرف بلاؤ

اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ ﴿٦٧﴾

بے شک آپ ہی البتہ سچی سیدھی ہدایت پر ہو ۔

بے شک تم سیدھی راہ پر ہو ۔

تعلقات اِن آیات کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے ۔ پہلا تعلق پچھلی آیت میں بندوں کو بادلوں اور بارشوں میں غور و فکر کرنے کی دعوتِ شعور دی گئی اب اِن آیت میں زمین کی چیزوں بحری کشتیوں اور آسمان کی بلندی و مضبوطی میں غور و فکر کی دعوت دی جا رہی ہے

marfat.com

دوسرا تعلق۔ پچھلی آیت میں زمین کو نباتات سے زندہ کرنے کی شانِ قدرت کا اظہار فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں بندوں کو زندہ فرمانے کا ذکرِ قدرت فرمایا جا رہا ہے۔ تیسرا تعلق پچھلی آیت میں زمین کے موسموں رات ورات و دن کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اِن آیت میں ان آسمانوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو رات و دن بنانے کا مرکز ہے۔ شانِ نزول۔ امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب اسبابُ النزول میں فرمایا کہ ایک دفعہ بدین ورقا اور بشر بن سفیان یزید بن خنیس نے چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے سوال کیا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ جن جانوروں کو تم ذبح کر کے مار ڈالو وہ تو حلال وطیب سمجھ کر کھا لیتے ہو۔ لیکن جن کو رب تعالیٰ بغیر ذبح کے مار ڈالے اُس کو حرام و پلید سمجھ کر نہیں کھاتے تب یہ آیت نازل ہوئیں۔ از آیت ۶۵ تا ۶۷۔

تفسیر نحوی اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَیُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ ہمزہ استفہام (سوالِ اقراری) کے لیے تَرَ بابِ فَتَحَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم واحد مذکر حاضر رُؤْیٌ سے مشتق ہے بمعنی قلب وعقل کی نگاہ سے دیکھنا اَنَّ ضمیر صیغہ اِس کا فاعل اَنَّ حرفِ عاملہ اسم و خبر میں نصب و ضمہ سے عمل کرتا ہے اللہ اس کا اسم سَخَّرَ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ ہے اِس کا مصدر ہے تَسْخِیْرٌ۔ متعدی ہے سَخَرٌ سے بنا ہے لغوی معنیٰ ہے ذلیل سمجھنا حقیر کرنا۔ اصطلاح میں اسی لغت کے ماتحت تین معنیٰ ہیں ۱ مذاق اڑانا ۲ تابع اور عاجز کرنا ۳ کسی کو اپنے یا کسی کے قبضے میں بنا یا دینا یہاں اسی معنیٰ میں ہے لام حرفِ جر نفع کا یا ملکیت یا مجازی کا کُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر حاضر مرجع تمام انسان تا قیامت یہ جار مجرور متعلق ہے سَخَّرَ کا مَا اسم موصول فِی الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہوا واؤ عاطفہ۔ اَلْفُلْكَ اسم واحد مؤنث ہے یا مذکر اِس کی جمع مکسّر بھی فُلْكٌ ہے بروزن اُسُدٌ۔ اور یہ واحد بروزن قُفْلٌ ہے بمعنیٰ کشتی (بیڑی بحری جہاز) موصوف تَجْرِیْ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مؤنث غائب جَرْیٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ رواں ہونا۔ بہنا۔ چلنا۔ فِی الْبَحْرِ یہ جار مجرور قائم مقام ظرفِ مکانی متعلق ہے اوّل تَجْرِیْ کا بِاَمْرِهٖ یہ مرکبِ اضافی مجرور متعلقِ دوم ہے تَجْرِیْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَلْفُلْكَ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے مَا موصولہ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے سَخَّرَ کا

marfat.com

سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یُمْسِکُ باب افعال کا مضارع حال واحد مذکر غائب ضمیر صیغہ فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے اِمْسَاکٌ متعدی بدو مفعول مَسْکٌ سے بنا ہے۔ بمعنیٰ روکنا، رُکنا۔ یہ اس کا لغوی ترجمہ ہے متعدی اور لازم ہو کر یہاں یہی مراد ہے اصطلاح میں شکنجے کو، کھال کو، بخیلی کو، اور مُشک نافہ (خوشبو) کو پکڑتے۔ چمٹ جانے کو بھی اسی لغوی معنیٰ کے اعتبار سے مِسْك کہا جاتا ہے کیونکہ سب میں روکنے کے معنیٰ پائے جاتے ہیں۔ اَلسَّمَآءَ اسم مفرد جامد بمعنیٰ آسمان مفعول بہ ہے اَنْ ناصبہ مصدریہ، یہ حرف مضارع کو نصب بھی دیتا ہے اور مصدر کے معنیٰ میں بھی کر دیتا ہے۔ لہٰذا اَنْ تَقَعَ کا ترجمہ ہے یہ کہ گرے اُن کی وجہ سے ترجمہ ہوا، گرنے سے تَقَعَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع مفتوح مثبت معروف واحد مؤنث غائب وَقُوْعٌ سے بنا ہے بمعنیٰ گرنا واقع ہونا۔ (بچھانا) عَلَى الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے تَقَعَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ مِنْہُ ہوا اِلَّا حرفِ استثنا متصل بِ حرفِ جر عاملہ سببیہ یا تعلیلیہ اِذْنِ اسم مفرد مضاف بمعنیٰ اجازت، حکم، فیصلہ ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَقَعَ فعل پوشیدہ کا پہلے فعل تَقَعَ کے قرینے سے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا دونوں مل کر مفعول بہ دوم ہوا یُمْسِکُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے سَخَّرَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے اَنَّ کی۔ یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہوا دونوں مل کر مفعول بہ دوم اِنَّ حرفِ مشبہ اللہ تعالیٰ اس کا اسم بِالنَّاسِ یہ جار مجرور متعلقِ مقدم ہے رَءُوْفٌ کا، یا رَحِیْم کا۔ رَءُوْفٌ پہلی خبر ہے اِنَّ کی اور رَحِیْمٌ اسم مبالغہ اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلقِ مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر دوم ہے اِنَّ کی اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا خیال رہے کہ رَءُوْفٌ بروزنِ فَعُوْلٌ اسم مبالغہ اور رَحِیْمٌ، بروزنِ فعیل اسم فاعل مبالغہ رَأْفٌ اور رَحْمٌ سے بنے ہیں دونوں کے معنیٰ مہربانی کرنا، راحت و آرام پہنچانا ہیں مگر فرق یہ ہے کہ رَأْفٌ کا معنیٰ ہے نقصان دہ چیزیں اور رکاوٹیں ہٹا کر آرام و راحت پہنچانا، رَحْمٌ کا معنیٰ ہے مفید اور نفع بخش چیزیں دے کر راحت و آرام پہنچانا۔ گویا کہ رَءُوْف وہ ہے جو سلبی طریقے سے آرام پہنچائے اور رحیم وہ ہے جو ایجابی طریقے سے آرام پہنچائے۔ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَكَفُوْرٌ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِی الْاَمْرِ وَادْعُ اِلٰى رَبِّكَ اِنَّكَ لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ۔ واو سرِ جملہ ھُوَ ضمیر مرفوع منفصل کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے مبتدا ہے اَلَّذِیْ اسم موصول واحد

marfat.com

مذکر اَحْیَا، باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب مثبت معروف فاعل مصدر ہے اِحیاءٌ بمعنی زندہ کرنا، لاموجود سے موجود کرنا (نیست سے ہست کرنا) حَیّیٌ سے بنا ہے اسی سے ہے حیٰوۃ بمعنیٰ زندگی اس کا لغوی ترجمہ ہے قوت پانا۔ اصطلاحی زندگی کے لیے پانچ قوتوں کا ہونا ضروری ہے۔ ۱ قوتِ احساس ۲ قوتِ نامیہ (بڑھنے کی قوت) ۳ قوتِ عقل ۴ قوتِ علم ۵ قوتِ عمل، اظہارِ قوت بھی زندگی کا ثبوت ہے مثلاً ہلنا چلنا سکڑنا پھیلنا، سانپ کو حَیَّۃٌ اور شرم کو حیا اسی اصطلاح سے کہتے ہیں کہ شرم سے سکڑنا پایا جاتا ہے یا کیڑے مکوڑے سانپ بچھو چلتے سکڑتے ہیں جب کہ زندہ ہوں۔ کُمْ ضمیر مفعول بہٖ یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ یُمِیْتُ بابِ افعال کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب با فاعل مَوْتٌ سے بنا ہے بمعنیٰ مرنا فوت ہونا اس کا مصدر ہے اِمَاتَۃٌ یا اِمَیَاتٌ۔ زندگی کی نقیض ہے کُمْ ضمیر مفعول بہ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ ثُمَّ حرفِ عطف یُحْیِیْ بابِ افعال کا مضارع مستقبل واحد مذکر غائب کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل مرجع ہے عام موجود انسان یہ مفعول بہ۔ یُحْیِیْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یُمِیْتُ کے جملے پر وہ عطف ہے اَحْیَا کے جملے پر سب عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر خبر ہے ھُوَ مبتدا کی، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اَلْاِنْسَانَ۔ اسم معرف باللام مراد ہیں کفار و فساق، اسم ہے اِنَّ کا۔ لام کَ براۓ تحقیق بمعنیٰ البتہ (بے شک) کَفُوْرٌ اسم مبالغہ بروزنِ فَعُوْلٌ، کُفْرٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ ناشکرا ہونا اسی سے کُفْرَانٌ، یہ خبر ہے اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا، کفر اور کفران کا لغوی ترجمہ ہے چھپانا، چونکہ انکار اور کسی نعمت کا تذکرہ نہ کرنے سے نعمت کے فوائد اور نعمت کا پتہ نہیں چلتا اس لیے انکار ناشکری کو کفر اور کفران کہا گیا شکر کا سب سے بڑا طریقہ نعمت کا تذکرہ اور چرچہ کرنا ہے۔ لام حرف جر نفع کا کُلِّ اسم تاکیدی یعنی ہر (تمام) مضاف ہے اُمَّۃٍ اسم مفرد مؤنث بمعنیٰ جماعت گروہ (ٹولہ) مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مقدم جَعَلْنَا کا۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق جمع متکلم با فاعل ضمیر صیغہ مَنْسَكًا اسم ظرف نُسُكٌ سے بنا ہے اس کی جمع ہے مَنَاسِكُ جمع منتہی الجموع ہے۔ نُسُكٌ کا لغوی ترجمہ پاک صاف ستھرا کرنا، اسی معنیٰ کے اعتبار سے یہ اپنے تین اصطلاحی معنیٰ میں مشترک ہے ۱ عبادت یہاں اسی معنیٰ میں ہے ۲ ارکانِ حج ۳ قربانی (جانور کو حلال و طیب کرنے کے لیے خون بہانا) یہ مفعول بہ جَعَلْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ھُمْ ضمیر مبتدا نَاسِکُوْ بابِ مُفَاعَلَۃٌ کا فعل امر جمع مذکر حاضر نُسُكٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے مُنَاسَکَۃٌ بمعنیٰ

marfat.com

خوب اچھی عبادت کرتا یہ مُنَاعَلَۃٌ اپنے اصلی معنیٰ تکرارِ طرفین کے لیے نہیں بلکہ مبالغے کے لیے ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ، فَ حرفِ تعلیلیہ مابعد کلام معلول ہے نَاسِکُوْ کا۔ لَا یُنَازِعُنَّ فعل نہی غائب معروف با نون تاکید ثقیلہ، باب مُنَاعَلَۃٌ سے ہے نَزْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جھگڑا کرنا۔ یہ صیغہ جمع مذکر غائب ہے دراصل یُنَازِعُوْنَ تھا۔ نون ثقیلہ کی وجہ سے نونِ اعرابی اور لاءِ نہی کے جزا سے واو جمع گر گئی کَ ضمیر کا مرجع نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں ہر مسلمان تاقیامت فِیْ ظرفیہ مجازیہ اَلْاَمْرُ اسم معرفہ بمعنیٰ معاملہ، یا مراد ہے دینِ اسلام یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُنَازِعُنَّ کا سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ہوا، نَاسِکُوْ کا سب مل کر جملہ انشائیہ ہو گیا۔ وَاُدْعُ جملہ اُدْعُ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اِلٰی رَبِّکَ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے اُدْعُ کا اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ تحقیق کَ ضمیر اس کا اسم لَ لام کے تاکید و یقین کے لیے عَلٰی جارہ ھُدًی اسم مصدر حاصل جامد، موصوف ہے مُسْتَقِیْم باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر اس کا مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ، تعلیل نحوی کے بعد اِسْتِقَامَۃٌ، قَوْمٌ سے مشتق ہے صفت ہے یہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے موجود یا قائم پوشیدہ کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖؕ وَ یُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ۔ اے انسان کیا تو نے اپنی نظر بصارت سے زمین میں اور فکرِ بصیرت سے آسمان میں دن رات کے مشاہدے میں یہ نہ دیکھا اور نہ سمجھا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے مسخر و آسان فرما دیا تمہارے لیے اُن تمام چیزوں کو جو زمین میں ہیں، کتنی ہی قوتیں ہیں زمین کے اوپر اور کتنی ہی ثروتیں ہیں زمین کے اندر جن کو رب تعالیٰ نے انسان کے قابو میں دیدیا، اور بروئے روئے زمین کی ہر چھوٹی بڑی ظاہر باطن اشیا کو فطرتِ انسانی و طاقتِ جسمانی کے مطابق و موافق کر دیا۔ مگر انسان غافل ہے اپنے خالق تعالیٰ کی قدرتوں اور اُن نعمتوں سے جو رات دن کے انقلاب سے ظہور میں آتی رہتی ہیں۔ اگر یہ نعمتیں اور ان کی مطابقت موافقت نہ ہوتی بلکہ اَشیاءِ زمین انسانی فطرت و ترکیب کے مخالف ہوتیں تو انسانی زندگی زمین پر محال تھی چہ جائیکہ کوئی انسان اُن سے نفع پا سکتا، یعنی اگر حرارتِ ارضی کے درجات ترکیبِ انسانی جسمانی سے مختلف

marfat.com

ہوتے اور ہواؤں کا پھیلنا غذاؤں کا پھلنا، پانی کی نرمی اور پھسلنا نہ ہوتا تو ایک لمحہ بھی انسان زندہ نہ رہتا اسی طرح اگر کثافتِ بدنی اور کثافتِ زمینی آپس میں مختلف ہوتیں تو قدمِ انسانی زمین پر نہ ٹھہر سکتے بلکہ یا اُڑتا پھرتا ہوا ہیں یا ڈوبا رہتا ٹریں میں یا بھٹکتا ہوتا فضا میں کتنے کرم ہیں مولیٰ تعالیٰ کے کہ مسخر فرمایا اُس نے اپنے کمزور بندوں کے لیے قوت والے جمادات پتھروں کو اور شدت والے دھاتیات لوہے کو جھلکات اور آتشی لاوے کو ہمت والے حیوانات چرندو پرندو درندکو، کثرت والے نباتات گل وگلزار کو، بپھرے ہوئے مائیات سمندروں کو اور کتنا آسان بنا دیا اللہ تعالیٰ نے ثمرات ثمرات غذائیات کے حاصل کرنے کو انسان کو جسمانی طاقاتِ ظاہری اور عقل کی ادراکات باطنی عطا فرما کر اسی قوت وادراک کے ذریعے انسان لمحہ بہ لمحہ زمین سے دولتِ عدیدہ وخزائن جدیدہ آسانی کے ساتھ نکال رہا ہے۔ اگر رب تعالیٰ کی یہ تسخیر نہ ہوتی تو انسان اتنی آسانی سے نہ پانی پی سکتا نہ قوتِ جسمانی سے زمین کھود سکتا، کیا راحت ورحم ہے کہ انسان کے لیے پہاڑوں کو کھدوا دیا پانی کو بہا دیا ہواؤں کو چلا دیا جانوروں کو ایسا مرعوب کر دیا کہ قوی ہیکل کو بچہ بے ہیکل کے قبضے میں دیدیا پانی کو ایسا مشروب کر دیا کہ کوئی پتلی چیز اس کی مثل نہیں اور ان سب سے زیادہ سخت مہلک حیران کن سمندر کی بپھرتی لہر چڑھتے طوفانوں مچلتی ہواؤں پھڑکتی فضاؤں میں نازک کشتی بحری جہاز کو مسخر کر دیا اس طرح کہ ہواؤں کی طبیعت کو سمندر کی طبیعت کے مطابق فرما دیا اور سمندر کی تمانت کو کشتی کی تراوت کے مخالف نہ ہونے دیا، اور انسانوں کو جہازرانی کا طریقہ سکھا دیا کہ رب تعالیٰ کے حکم وارادے سے انسان اپنے علم وفن کے ذریعے سمندروں میں دوڑتا دوڑاتا پھر رہا ہے کہ کشتی پار لگا رہی ہے انسان پار لگ رہا ہے، کشتی نفع دے رہی ہے انسان نفع لے رہا ہے زمین پر تو رب تعالیٰ کے یہ انعامات ہیں مگر آسمانوں میں اس سے بھی بڑا اکرم ہے کہ اُن سب کو اپنی قدرت سے روکا ہوا ہے تاکہ زمین پر نہ گر پڑے اُس وقت تک جب تک اُس کی اجازت نہ ہو جب بروزِ قیامت اس کی اجازت ہوگی تب گر بھی پڑے گا، کیونکہ آسمان بھی تمام اجسام کی مثل ایک جسم ہے اور ہر جسم کا فطرتی خاصہ نیچے گرنا ہے اور جتنی بڑی اور بوجھل چیز ہوگی اتنی ہی جلدی گرے گی اور تیزی وسختی سے نیچے آئے گی مگر شانِ قدرت ہے کہ زمین سے کئی گنا بڑے بڑے آسمان بے ستون وبے سہارا ہزار ہا مدتوں سے فضا میں معلق ہیں۔ قدرتِ قہار کا یہ کتنا بڑا احسان ہے انسانوں پر، اگر آسمان گر پڑے زمین پر تو تمام انسان واشیاءِ زمین ہلاکت وفنا میں نیست ونابود ہو جائیں یہ تمام احسانات وفیوضات کرامات وانعامات صرف اس لیے

marfat.com

ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ہمیشہ رؤف ہی ہے اور رحیم ہی ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ دنیا میں سب انسانوں پر آخرت میں سب مسلمانوں پر۔ رؤف ہے تسخیرِ زمین فرما کر رحیم ہے امساکِ آسمان فرما کر۔ رؤف ہے انعام دے کر رحیم ہے آرام دیکر، رؤف ہے برّیات میں رحیم ہے بحریات میں رؤف ہے دن کے جگانے میں رحیم ہے رات کے سلاتے ہیں، رؤف ہے اپنے پیاروں کو عبادت دے کر رحیم ہے اپنے بندوں کو حفاظت دے کر، رؤف ہے مصائب و مضرّات دور کر کے رحیم ہے مصلحتیں اور آسائشیں قریب کر کے رؤف ہے اور چونکہ مصائب و مشکلات و موذیات دور کرنا زیادہ اہم و ضروری ہے آسائش مہیا کرنے پہنچانے سے اسکیلے رؤف کو مقدم فرمایا رحیم پر۔ یہ زمین کی تسخیر اور آسمان کا امساک اس وقت تک ہے جب تک ضروریات انسانی موجود ہیں اور ضروریات اُس وقت تک جب تک حیاتِ دنیوی قائم۔ اور حیاتِ دنیوی اُس وقت تک جب تک دنیا قائم، جب دنیا ختم تو دنیوی حیات ختم جب حیات ختم تو قیامت قائم اور قیامت سے ارض بھی اشیاءِ ارض بھی امساک بھی ختم قیامت میں آسمان گرنے کی پانچ صورتیں پہلی انشقاق یعنی آسمانوں کا پھٹنا دوم انفطار یعنی بکھر جانا سوم کالمہل یعنی مثل روئی ہو جانا چہارم۔ کالدھان، یعنی آسمانوں کا ریزہ ریزہ ہو جانا، پنجم کطیّ السجل، یعنی زمین پر سب کا گرنا پھر جڑنا پھر رجسٹر کے بنڈل کی طرح لپیٹا جانا، آسمان کو قائم رکھنا زمین والوں پر کرمِ عظیم ہے۔ تفسیر روح البیان نے اسی جگہ دو پرندوں کا ذکر کیا ایک پرندہ ساری رات درخت پر اپنے گھونسلے میں اپنے پاؤں آسمان کی طرف کئے رہتا ہے یا اس لیے کہ دعا مانگ رہا ہے کہ یا اللہ آسمان نہ گرے۔ یا اس لیے کہ اپنے خیال میں وہ آسمان روکے ہوئے ہے اس کا نام تونس ہے، دوسرا پرندہ گرگی ہے وہ زمین پر ایک پیر سے چلتا ہے اس گمان میں کہ کہیں دونوں پیروں کے بوجھ سے زمین دھنس نہ جائے۔ یہ تو بے عقل پرندوں کا خوفِ الٰہی ہے مگر انسان بے فکرا ناشکرا ہے حالانکہ وَهُوَ الَّذِي أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا هُمْ نَاسِكُوهُ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ۔ اور وہی اللہ ہے کہ جب تمام زمین پر اے انسانو صرف تمہارے لیے نعمتوں، غذاؤں لذتوں، دواؤں کے دستر خوان بچھا دئے اور تمہاری ہی خوشنودی کے لیے پرندے اڑا دئے اور تمہاری خوراک سواری مال برداری خدمت گزاری کے لیے چرندے پھیلا دئے پھر عظیم عزت و شان کے ساتھ أَحْيَاكُمْ، تم تمام انسانوں کو مہمانِ خصوصی بنا کر زندہ کیا اور زمین پر بسا دیا اور ملکوں، علاقوں، خطوں کا مالک بنا دیا

marfat.com

اور دنیا کی ساری بری، بحری، فضائی، علاقائی، عزتوں کا وارث بنا دیا، یہ شانیں عزتیں تو تمہیں
تم کو کس نے دیں۔ کیا تم نے کبھی سوچا غور و تدبر کیا، کہ سب جہاں تیرے لیے ہے۔ تو ہے کس کے
واسطے، اسی بات کو بتانے یاد کرانے سمجھانے کے لیے ہم نے عالمِ قدس سے اپنے انبیاء علیہم السّلام
کو اور ان کے ساتھ اپنے کلام کو بھیجا انہوں نے بتایا کہ وہ اللہ وہی ہے جو رافتہ ورحمت دینے
والا کرم وکرامت کرنے والا وہی ہے جس نے تم کو نیست سے ہست کر کے مٹی سے نطفہ
کر کے۔ نطفے سے مضغہ کر کے مضغے سے علقہ کر کے علقہ سے صبیہ کر کے اَحْیَاكُمْ، باری باری
تم کو زمین بسانے سجدوں سے سجانے اعمال سے سنوارنے نورِ ایمانی پھیلانے، فساد مٹانے امن
ایمانی، عافیتِ عرفانی سے دنیا کی نعمتیں کھانے برتنے کے لیے زندہ کیا، اگر یہ زندگی نہ ہوتی تو
اِس دنیا سے تم کچھ بھی فائدہ حاصل نہ کر سکتے، نہ آنکھوں کے نظارے ملتے نہ کانوں کے نقارے
سنتے نہ زبان کے چٹخارے۔ یہ زندگی بھی عجیب وغریب معجزۂ قدرت اور سرِ الٰہی ہے کہ
عقلِ عُقلا ذہنِ فضلا ورطۂ حیرت میں ڈوبے ہوئے ہیں کہ جسم کے ہر بال میں کھال کے ہر مسام
میں خون کے ہر قطرے میں بدن کی ہر رگ میں موجود مگر مجال ہے جو کوئی دوربین، خوردبین سے
بھی دیکھ سکے پھر جس انسان کے لیے دنیا کی ہر چیز مسخر وہ خود اپنی زندگی میں بے بس نہ کوئی
دے سکے نہ کوئی لے سکے نہ بیچی جا سکے نہ خریدی جا سکے نہ گھٹائی جا سکے نہ بڑھائی جا سکے
بس وہی اللہ ہے جب تک چاہے زندہ رکھے ثُمَّ يُمِيتُكُمْ پھر وہ تم کو مار دیتا ہے موت
بھی قدرت کا حیران کن شاہکار ہے، دنیا کے لیے زندگی بنائی آخرت کے لیے موت بنائی
زندگی سب کے لیے نعمت ہے موت صرف ایمان والوں کے لیے نعمت ہے، کیونکہ زندگی
نعمت بنا دی گئی ہے لیکن موت کو نعمت بنانا پڑتا ہے۔ زندگی ملنے کا اصل مقصد یہی ہی
ہے کہ بندہ اپنی موت کو نعمت بنائے، موتِ مومن نعمت ہے قبر کی، قربِ منزل کی وصلِ
الٰہی کی رضاءِ کبریائی کی، موت ہی دروازہ ہے دوسری زندگی کا۔ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ پھر وہ اللہ تعالیٰ
ہی تم کو دوبارہ زندہ فرمائے گا قیامت میں، حیاتِ دنیوی مَبْدَءِ وجود ہے، موت مقرب
موعود ہے، دوسری زندگی موصلِ مقصود ہے زندگی نام ہے جسم و روح کے ملنے جڑنے کا موت
نام ہے ان دونوں کی جدائی کا۔ زندگی دو قسم کی ہے پہلی دنیوی دوسری اخروی قبر کی مدت میں بیداری
ہوتی ہے نہ کہ وصلِ روح و بدن کی حیات لہٰذا حقیقت یہ ہے کہ دنیا بھی نعمت دنیا کی زندگی
بھی نعمت، موت اور مدتِ قبر اور حیاتِ اُخروی کو نعمت بنانے کے لیے پس چاہیئے تو یہ تھا

marfat.com

کہ ان ظاہری نعمتوں پر انسان اتنا شکرِ الٰہی کرتا کہ اُس کی موت اور مدتِ قبر و حیاتِ اُخروی بھی اُس کے لیے نعمتِ ابدی بن جاتی مگر۔ اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَکَفُوۡرٌ بے شک کافر اور مشرک منافق انسان یقیناً البتہ بہت بڑا ناشکرا ہے کہ ایمان باللہ کا، اطاعت لِلّٰہ کا۔ اتباعِ نبوت کا۔ احکامِ شریعت کا۔ نصرتِ قرآن کا، عظمتِ فرمان کا، عصمتِ اسلام کا سب کا ہی منکر ہے۔ محسنوں کو یاد رکھنے والا ہے۔ نعمتوں کو بھول جانے والا ہے، شکران ایمان ہے، کُفران کُفر ہے رب تعالیٰ کا حقیقی شکر انبیا علیہم السّلام پر ایمان لانا ہے۔ اور شکرِ الٰہی کا اظہار اعمالِ صالحہ کرتا ہے اور اعمال صالحہ اتباعِ نبوّت کا نام ہے اس ایمان و اتّباع کو چھوڑ کر نہ کوئی شاکر ہے نہ صالح اگرچہ عابد بحر و بر بن جائے۔ اسی شکر کو کرانے اور کفر کو مٹانے کے لیے شروع زمانۂ انسانیت سے لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلۡنَا مَنۡسَکًا۔ ہر امت کے لیے ہم نے ان کے زمانے میں ان کے نبی علیہ السّلام کے ذریعے ایک ایک شریعت بھیجی، اسی طرح کہ نبی علیہ السّلام سے کلام، کلام سے احکام، احکام سے شریعت، شریعت سے عبادت عبادت سے عبادت گاہ۔ عبادت گاہ سے طریقۂ عبادت۔ نازل و نافذ، جاری وساری فرمایا۔ مفسرین نے منسکا کے نو معنیٰ کیے ہیں ۱ شریعت ۲ عبادت ۳ عبادت گاہ ۴ مذبح خانہ ۵ ذبح کرنے کا طریقہ ۶ حج کے ارکان ۷ ہر قوم کی پسندیدہ اور مالوفہ رہائش گاہ ۸ عید گاہ جہاں دینی مذہبی خوشیوں کے لیے قوم جمع ہو ۹ خیر وشر اور تماشوں کا مقام یعنی میلے کا میدان اور وہ امت والے اپنے اپنے نبی علیہ السّلام پر ایمان لاکر ھُمۡ نَاسِکُوۡہُ وہ سب اہل ایمان اپنے اپنے وقتوں میں اپنے اپنے دین کی عبادت کرتے رہے احکام مانتے اطاعت کرتے رہے شریعت کے بعد شریعت بدلتی رہی پچھلی شریعت منسوخ ہوتی اور اگلی منسوخ کرتی رہی یہ سلسلہ حضرتِ آدم سے چلا حضرت ادریس تک ادریس علیہ السّلام سے حضرت نوح تک آپ سے حضرت ابراہیم تک ایسے ہی موسیٰ علیہ السلام تک پھر موسیٰ علیہ السلام سے توریت کی شریعت اور توریت کے بعد زبور کی پھر انجیل کی شریعت اس طرح کہ توریت کی عبادات زبور کی دعائیں مناجات اور انجیل کی حکمتیں نصیحتیں ہر اُمت کے لیے جاری رہیں، پھر ہر کلام و ہر کتاب منسوخ کر دی گئی نفوذِ قرآن و نزولِ فرقان سے یہ ناسخ و منسوخ کے سب فیصلے تو ہمارے ہیں ہم ہی بنانے والے ہم ہی اُٹھانے والے ہم ہی دین و قانون شریعت و منہاج کو نازل و نافذ فرمانے والے ہم ہی بند کرنے والے فَلَا یُنَازِعُنَّکَ فِی الۡاَمۡرِ۔ تو اے محبوب کریم یہ یہود و نصاریٰ مجوس و مشرک کیا حق رکھتے ہیں اسلام، قرآن، قوانین

marfat.com

احکام، شریعت و ایمان میں آپ سے جھگڑا کرنے کا کہ یہ حکم کیوں ہے اور یہ قانون کیسے ہو سکتا ہے
اور کفار مشرکین کون ہوتے ہیں یہ اعتراض کرنے والے کہ اے مسلمانو تمہارے اسلام کا یہ کیا قانون
ہے کہ تم ذبح کر کے جانور مارو تو وہ حلال و پاکیزہ ہو۔ لیکن جس کو اللہ طبعی موت سے مارے وہ
حرام و پلید ہو جائے، اِن بیوقوف کفار کو یہ حق ہرگز نہیں کہ اس طرح کے ناسمجھی والے اعتراض
کرتے پھریں اور بحث مناظرے جھگڑے مجادلے بناتے پھریں۔ لہٰذا اے محبوب آپ ان
جھگڑے میں نہ آئیں بلکہ یہ امتناعی فرماتے ہوئے دھتکار دیں ان جہلا کو اور ہٹ جائیں ان خبثا
سے تاکہ جھگڑا طول نہ پکڑے اور کفار یہود و نصارٰی و مشرکین کو مزید بیہودگیوں کا موقع ہی نہ
ملے نہ آپ اس طرف توجہ دیں نہ کوئی مسلمان، اور یہی قاعدہ ہے کہ جب ایک طرف سے جوابی کاروائی
نہ ہو تو مخالف طرف سے خود بخود جھگڑا ختم ہو جاتا ہے۔ وَادْعُ اِلٰی رَبِّکَ، اور بلاتے رہیئے
اچھے بندوں کو پاکیزہ دلوں کو ماننے والی عقلوں کو ستھری طبیعتوں کو اپنے رب تعالیٰ کی طرف
سے دعوتِ اسلام دیتے ہی رہیئے۔ کیونکہ بے شک اے حبیب تم ہی ہمیشہ رہنے والی ہدایت
پر ہو۔ یہ وہ قائم دائم ہدایتِ مستقیم ہے کہ نہ اسے نسخ کا خطرہ نہ فسخ کا نہ تبدل کا نہ تغیر کا
یہ دینِ مستقیم ہے پوری کائنات کے لیے ایک ہی دین نہ یہ علاقے سے خاص نہ زمانے سے نہ
کسی قوم سے نہ قبیلے سے یہ کَآفَّةً لِّلنَّاسِ ہے اِلٰی یَوْمِ الْقِیَامَة ہے بلکہ یہ دین تو زمین
و زمان، مکین و مکان عرشیوں فرشیوں کے لیے ھُدًی مُّسْتَقِیْم ہے مستقیم وہ دین ہوتا ہے
جو سب زمانوں سب علاقوں سب قبیلوں سب مکینوں کے لیے کافی، شافی ہو سب سے
اچھا، سب سے مضبوط سب سے صاف سب سے کھلا سب سے سیدھا ہو اور سب کی
ضروریات، فطریات، نظریات، عادات و رسومات رواجات طبیعاتِ شریفانہ کا ساتھ
نبھا سکے اور ہر لحظہ ہر لمحہ مفید ہی مفید ہو۔ ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال
اَلَمْ تَرَ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ یہ اپنے ہی معنی رویۃ میں ہے یعنی آنکھ سے
بغور دیکھنا اور خطاب تاقیامت ہر انسان سے ہے ۲ بعض نے کہا کہ اَلَمْ تَرَ بمعنی رویۃ
اور آنکھ سے دیکھنا ہی ہے مگر خطاب صرف تا قیامت کفار سے ہے ۳ بعض نے کہا رویۃ
کا معنی عِلْم، یعنی جاننا اَلَمْ تَعْلَمْ کے معنی میں اور خطاب حضرت آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم کو ہے، ترجمہ یہ ہے کہ اے نبی کریم آپ نے تسخیرِ اَرضی تو دیکھی ہے کیا آپ نہیں جانتے
کہ اللہ تعالیٰ نے سب اشیاء مسخر فرمائیں بجز اس کے کون مسخر کر سکتا ہے رویت کو بمعنی علم

marfat.com

کرنا اس لیئے ہے کہ یہاں کی روئیتی چیزوں کو صرف دیکھنا دکھانا مقصود نہیں بلکہ تسخیر من اللہ ہونے کو جاننا مراد ہے۔ وَالْفُلْكَ کے اعراب میں بھی دو قول اور وجہ اعراب میں دو قول، بعض نے کہا یہ فُلْكَ. جمع بحالت زبر ہے مَا فِي الْأَرْضِ پر عطف ہے ۲ بعض نے کہا کہ زبر کی حالت اس لیے ہے کہ اَنَّ پوشیدہ کا اسم ہے دراصل اس طرح ہے۔ وَاَنَّ الْفُلْكَ ۳ بعض نے کہا اَلْفُلْكُ ہے بحالت ضمہ (پیش) اس لیے کہ فُلْكُ مبتدا ہے وَيُمْسِكُ کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ روک کے رکھنا ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ منع کرنا یعنی حکم دینا کہ نہ گر یہی قول درست ہے اِس کی دلیل سورۃ زمر کی آیت ۳۸ ہے جس میں ارشاد ہے هَلْ هُنَّ مُمْسِكَاتُ رَحْمَتِهِ کیا وہ اُس کی رحمت کو روکنے والی ہیں، نیز اہلِ عرب بخیلی کو امساک اور بخیل کو مُمسک کہتے ہیں ۳ بعض نے کہا کہ یہاں اِمساک کے معنیٰ حفاظت کرنا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آسمان کی حفاظت فرماتا ہے اس لیے وہ زمین پر نہیں گرتا۔ اَلْإِنْسَانُ میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا اِس سے مراد صرف کفار ہیں ۲ بعض نے کہا اس سے مراد ہر غافل انسان ہے ۳ بعض نے کہا کہ اِس سے مراد مخصوص کفار ہیں یعنی ابوجہل اور اسود بن عبد الاسد اور اُبَی ابن خلف۔ مَنْسَكًا کی قرئت میں تین قول ہیں ۱ بعض نے کہا کہ اس سے مراد ہر نبی علیہ السّلام کی شریعت اور یہ مصدر میمی ہے اور مراد ہیں عبادتیں اور یہ لفظ مِنْسَک ہے ۲ مَنْسَكًا اسم ظرف زمانی ہے بمعنیٰ عبادت کرنے کا وقت ۳ بعض نے کہا یہ اسم ظرف مکانی ہے بمعنیٰ عبادت کرنے کی جگہ، یہی قول مشہور اور یہی قرئت مکتوب ہے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ کی قرئت دو قول ہیں ۱ بعض نے کہا یہ باب مفاعلہ کا مضارع منفی با نون ثقیلہ ہے یہی مشہور و مکتوب قرئت ہے ۲ بعض نے کہا کہ فَلَا يَنْزِعُنَّكَ باب افعال کا مضارع منفی با نون ثقیلہ ہے۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ کے فاعل میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ یہاں جھگڑالو کفار سے مراد بُدیل بن ورقاء اور بِشر بن سفیان، یزید بن خُنَیس ہیں جو اکثر اسلامی مسائل میں مسلمانوں سے بحث مباحثہ کرتے رہتے تھے ۲ بعض نے کہا کہ اس سے مراد عام کفار عرب ہیں یعنی تمام مسلمانوں کو ہر کافر جاہل کی بحث سے منع کیا گیا کہ ان خبیثوں کو دھتکار دو بحث کا جواب ہی نہ دو۔

فائدے اِن آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ دنیا کی تمام نعمتیں جن سے انسان اپنی دینی، دنیوی معاملات میں فائدہ حاصل کرتا رہتا ہے۔ ظاہری، باطنی، علمی، عقلی فکری، غذائی، دوائی، تجرباتی، مشاہداتی، سائنسی، فلسفی، منطقی، لسانی

marfat.com

زمینی آسمانی، بحری، بری، فضائی سب اللہ تعالیٰ کی تسخیر سے ہی انسان کو میسّر ہوتی ہیں۔ بظاہر اگرچہ انسان اُس کو اپنی محنت مشقت مزدوری، پڑھنے، پڑھانے، درس و تدریس، سکول و کالج کی تفہیم یا دینی مدارس کی تعلیم سے ہی حاصل کر رہا ہو، مگر حقیقت یہ ہے کہ اگر مولیٰ تعالیٰ انسانوں کے لیے عقول و علوم و فنون و سکون کی نعمتیں آسان و مسخر نہ فرمائے تو ہزار ہا درس و تدریس کی محنتیں شفقتیں کتب بینی کی مغز مارئیں بیکار اور دھری کی دھری رہ جاتی ہیں اور انسان کو کچھ علم و شعور حاصل نہیں ہوتا دن رات کا مشاہدہ ہے کہ بڑے بڑے علماء فضلا کے صاحبزادے جاہل بے عقل رہ جاتے ہیں اور گنوار والدین کی اولاد شاندار عاقل و عالم بن جاتی ہے۔ نابیناؤں کے سینوں میں علم و شعور کے خزانے کتابی علم کے نور، فراست و لیاقت کے انبار لیکن بیناؤں کے سینے خالی، یہ فائدہ سَخَّرَ لَکُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ میں مائے عموم مطلق سے حاصل ہوا۔ یعنی زمین کی نعمتیں صرف جمادات نباتات، دھاتیں حجرات، شجرات، حیوانات، معدنیات ہی نہیں بلکہ ہر دینی دنیوی علم و فن، صنعت و حرفت بھی رب کائنات کی نعمتیں ہیں اور یہ بھی رب تعالیٰ کے آسان کرنے سے مسخر فرمانے سے ہی انسانوں کو ملیں۔ **دوسرا فائدہ** یہ آسمان بھی دیگر اجسامِ کائنات کی طرح ایک ساکن و منجمد جسم ہے اور اپنی جگہ ٹھہرا ہوا ہے نہ یہ سیارہ ہے نہ متحرک ہے۔ لہٰذا سائنسدانوں اور فلاسفۂ قدیم کے نظریات بیہودہ اور لغو و غلط ہیں۔ سائنسدانِ موجودہ تو سرے سے آسمانوں کے وجود کا ہی انکار کرتے ہیں۔ فلاسفۂ گزشتہ کہتے تھے کہ آسمان بھی گھوم رہا ہے۔ بعض فلاسفہ کہتے ہیں کہ تیزی سے ایک طرف رواں دواں ہے۔ مگر یہ سب غلط نظریات و اقوال ہیں۔ یہ فائدہ وَیُمْسِکُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَی الْاَرْضِ اور اِلَّا بِاِذْنِہٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ باری تعالیٰ نے آسمان کے ٹھہرے رہنے اور زمین پر نہ گرنے کو اپنی قدرت کا کمال و کارنامہ فرمایا کہ آسمان کا نہ گرنا تیز گھومنے یا تیز اڑنے یا ہوا کے ٹھہرانے کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک جگہ ٹھہرا ہے اس کے باوجود محض اللہ تعالیٰ کے روکنے حکم دینے کی وجہ نہیں گرتا۔ اگر رب تعالیٰ نہ روکے تو عام چیزوں کی طرح یہ بھی گر پڑے۔ خیال رہے کہ روکنے سے مراد پکڑے رکھنا نہیں بلکہ رکے رہنے کا حکم دینا ہے۔ **تیسرا فائدہ** مومن مسلمان کے لیے دنیا و آخرت کی ہر چیز ہی اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے یہاں تک کہ زندگی بھی موت بھی، بقا بھی، فنا بھی قبر بھی، حشر بھی، نشر بھی، قیامت کا حساب و کتاب بھی، مگر کفار کے لیے صرف دنیا کی فانی چیزیں ہی نعمت ہیں یہ فائدہ ھُوَ الَّذِیْ اَحْیَاکُمْ (الخ) کے بعد اِنَّ الْاِنْسَانَ لَکَفُوْرٌ فرمانے سے حاصل ہوا کہ مومن کے لیے اَحْیَاکُمْ بھی

marfat.com

نعمت، ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ بھی۔ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ بھی نعمت اور لَكَفُوْرٌ کا معنیٰ ہے ناشکری کرنے والے۔ یعنی بے شک کافر انسان ناشکرا ہے اور ناشکری کا تعلق نعمت سے ہی ہوتا ہے، جس سے ثابت ہوا کہ کافر کو نہ حیات کی قدر نہ موت کی قدر وہ دونوں کا ناشکرا اور ناشکری کر کے موت کو اپنے لیے عذاب بنا لیتا ہے جو حقیقتاً نعمت و رحمت تھی اس کو مصیبت و زحمت بنا لیا۔

احکام القرآن

اِن آیاتِ مقدسہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ زمین کی طرح آسمان بھی ایک ساکن کرہ ہے۔ بعض گمراہ مسلمان سائنسدانوں کی اندھی تقلید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آسمان و زمین چلتے پھرتے بلکہ اڑتے ہیں ایسے لوگ گمراہ ہونے کے علاوہ جاہل بھی ہیں۔ یہ مسئلہ، اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ فرمانے کے ساتھ اِلَّا بِاِذْنِهٖ فرمانے سے مستنبط ہوا یہاں يُمْسِكُ نے سکونِ آسمان کو ثابت فرمایا اور اَنْ تَقَعَ نے زمین کا سکون ثابت فرمایا اگر یہ دونوں سیارہ ہوتے تو عَلَى الْاَرْضِ نہ فرمایا جاتا بلکہ مَعَ الْاَرْضِ فرمایا جاتا، کیونکہ سیارہ پر کوئی اُس سے بھی بھاری چیز گرے تو اُس کو بھی ساتھ گرا لاتی ہے۔ اور اِلَّا بِاِذْنِهٖ سے ثابت ہوا کہ ایک وقت آئے گا جب تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ کا مظاہرہ ہوگا مگر فقط عَلَى الْاَرْضِ کا نہ کہ مَعَ الْاَرْضِ کا، اگر آسمان چلتے ہوتے تو کبھی بھی گرنے کا مظاہرہ نہ ہوتا، سکون زمین کے پورے دلائل اور تفصیلات ہمارے فتاویٰ جلد دوم سوم میں دیکھئے۔ دوسرا مسئلہ حضرتِ آدم علیہ السّلام کے زمانۂ مبارکہ سے قرآنِ مجید کے نزول تک بہت سے دین اور بہت سی شریعتیں رب تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جلوہ گر ہوئیں ہر ایک کے قوانین عبادتیں اور طریقے بلکہ عبادت گاہیں بھی مختلف ہوتی رہیں وہ سب دین اور شریعتیں انبیاء کرام علیہم السّلام کے ذریعے ہی آئے۔ اسی لیے کوئی دین بھی نبوت کے تذکرے و ایمان رسالت سے خالی نہیں ہر امت کے ہر مومن پر تمام اولین آخرین انبیاء علیہم السّلام پر اس طرح ایمان لانا فرض تھا۔ جس طرح توحید پر کیونکہ ہر دین کے پانچ رکن ہوتے رہے، توحید رسالت قیامت عبادت اور ملائکہ پر ایمان اسی لیے ہر شریعت میں شدت اور اصرار کے ساتھ ان پانچوں پر ایمان لانے کا ذکر ہوتا تھا اور تھا بھی توحید و رسالت رب تعالیٰ کے دین کی پہچان ہے جس دین میں انبیاء کرام علیہم السّلام پر ایمان لانے کا ذکر نہیں وہ دین باطل اور کفریہ شیطانیہ ہے، اور ہر دین کی شریعت و نبوت پر اس وقت کی امت کے لیے مکمل ایمان لانا و عمل کرنا لازمی و اجبی فرض تھا، جو بھی قانون اور طریقہ ہوتا تھا کسی کو اپنے اپنے دین میں نہ جھگڑا

marfat.com

کرنے کی اجازت تھی نہ بحث مناظرہ کرنے کی، اور نہ ایک شریعت والوں کو دوسرے نبی علیہ السلام کے قوانین یا شرعی طریقوں پر کوئی اعتراض کرنے کا حق تھا۔ بجز کفار کبھی کسی مومن نے کسی بھی دین حق اور شریعتِ نبوی پر اعتراض و جھگڑا نہ کیا، جب تک کوئی دین منسوخ نہ ہوتا ہر مومن کو اُس پر ایمان اور ہر اُمتی کو اس پر عمل واجب ہوتا، اور اس کا منکر کافر اور اُس سے بے عمل فاسق گناہگار کہلاتا تھا۔ یہ قانون رب تعالیٰ کے ہر دین کے لیے ہوتا رہا اور اب بھی تا قیامت یہی حکم دین اسلام کے لیے ہے مگر چونکہ اس دینِ اسلام نے کبھی منسوخ نہیں ہونا لہٰذا قیامت تک اس کا منکر کافر ہے اور اس سے بے عمل فاسق و فاجر ہوگا۔ دوسرا فرق یہ کہ پچھلی امتوں کا ایمانِ نبوت اس طرح ہوتا تھا، کہ ہم لاتے ہیں تمام اگلے پچھلے رسولوں اور نبیوں پر یعنی جو گزر گئے اور جو آنے والے ہیں مگر مسلمانوں کا ایمانِ نبوت اس طرح ہے کہ ہم ایمان لاتے ہیں تمام گذشتہ انبیا اور اپنے نبی محمد مصطفیٰ پر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اجمعین، یہ مسئلہ۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا هُمْ نَاسِكُوْهُ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا بزرگوں نے فرمایا ہے

خدا کو مانتا ہو جو مگر منکر نبوت ہو ۔ کبھی وہ عمر بھی وَاللّٰہ مومن ہو نہیں سکتا

لہٰذا جن بے دین مفسروں نے، زرتشت اور گوتم بدھ کو پیغمبر اور ان کے دین کو سچا کہا ہے وہ مفسر خود کافر ہو گیا کیونکہ اولاً تو ان دینوں میں توحید ہی نہیں ہے شرک ہی شرک ہے لیکن اگر فرضاً توحید ہو بھی تب بھی یہ دین حق نہیں نہ یہ بانیان پیغمبر ہو سکتے ہیں نہ ان کی کتاب کلام الٰہی کیونکہ ان کی تعلیمات میں نبوت کا ذکر نہیں تیسرا مسئلہ ہر وہ شخص جو غلط اور باطل بات کہے اور اُس پر ضد بازی سے بحث و تکرار کرے شرعاً و قانوناً وہی جھگڑالو ہے، حق بات کہنے والا جھگڑالو نہیں ہوتا اگرچہ بحث مباحثے اور مناظرے میں برابر کا شریک ہو، حق والے کو جھگڑالو کہنا شرعاً جائز نہیں ہے یہ مسئلہ۔ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْاَمْرِ فرمانے سے مستنبط ہوا اس طرح کہ لَا يُنَازِعُنَّكَ بابِ مفاعلۃ کا مضارع منفی ہے جس کا اصل معنیٰ دو طرفہ ایک جیسی حیثیت ہوتا ہے۔ یعنی دو طرفہ جھگڑا مگر یہاں کَ ضمیر مخاطب کو مفعول بہ بنا کر یہ بتا دیا کہ صرف کفار ہی جھگڑالو ہوتے ہیں کیونکہ وہ خود باطل اس کی ہر بات بھی باطل اور اے نبی آپ حق ہیں لہٰذا آپ کی ہر بات حق ہے اگرچہ جواباً مناظرے کی شکل میں ہی ہو آیت کا معنیٰ ہے کہ کفار آپ سے جھگڑا نہ کریں، غرضکہ کفار کی بحث ہی جھگڑا ہے مومن کی بحث جھگڑا نہیں اسی وجہ سے مسلمانوں کو کفار کی بحث سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور کفار

marfat.com

کی باتوں کو جھگڑا فرمایا جا رہا ہے یہ حکم تا قیامت ہے ہر مسلمان کے لیے۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں پانچ قدرتی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا پہلی نعمت سَخَّرَ لَكُمْ دوم وَالْفُلْكَ تَجْرِىْ سوم وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ چہارم وَهُوَ الَّذِىْٓ اَحْيَاكُمْ پنجم۔ لِكُلِّ اُمَّةٍ تو اس کی کیا وجہ کہ پہلی چار نعمتوں کے بیان کے درمیان واؤ عاطفہ آئی لیکن پانچویں نعمت لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا۔ میں واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی اسی طرح سورۃ مائدہ کی آیت ۴۸ میں ارشاد ہوا۔ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا۔ سے پہلے بھی واؤ عاطفہ نہیں لائی گئی جب کہ اس آیت میں بھی پہلے تین جگہ واؤ عاطفہ لائی گئی ہے اور فرمایا گیا۔ وَاَنْزَلْنَآ پھر ارشاد ہوا وَمُهَيْمِنًا پھر فرمایا گیا۔ وَلَا تَتَّبِعْ لیکن اس کے بعد وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا نہ فرمایا گیا، اس کی کیا وجہ ہے۔ **جواب** اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلی چار نعمتیں وہ ہیں جن کو ہر شخص مومن و کافر نعمت سمجھتا ہے اس لیے ان کو واؤ عاطفہ سے مرتب و مربوط کیا گیا، لیکن شریعت وہ نعمت ہے جس کو صرف اہلِ ایمان نعمت سمجھتے ہیں کفار اس کو نعمت نہیں سمجھتے بلکہ عیسائیوں کے خود ساختہ مصنوعی عیسائی پولس نے تو شریعت کو لعنت تک کہدیا اور تمام عیسائیوں سے کہلوا کر ان کو پاگل و بیوقوف بنایا اور گمراہ کیا اسی طرح دیگر کفار و گمراہ لوگ بھی شرعی احکام کو اپنے آپ پر ایک بوجھ اور مصیبت و زحمت سمجھتے ہیں، نعمت ہونے کے اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے یہاں واؤ عاطفہ نہ لائی گئی یہی کیفیت وہاں سورۃ مائدہ کی آیت میں ہے کیا اوّلاً صرف قرآنِ مجید کا ذکر ہے کہ اَنْزَلْنَا بھی قرآنِ مجید اور مُهَيْمِنًا بھی قرآنِ مجید اور وَلَا تَتَّبِعْ میں بھی یہی فرمایا گیا کہ غیر قرآن کی اتباع نہ کی جائے یہ تینوں ایک ہیں پھر شریعت کا ذکر فرمایا جو عام ہے ہر دین کی شریعت کو، شِرْعَةً کا معنی شریعت اور مِنْهَاجًا کا معنی راہِ عمل و طریقہ عمل، **دوسرا اعتراض**۔ یہاں یہ کیوں فرمایا گیا لِكُلِّ اُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنْسَكًا۔ مَنْسَكَ کا مشہور معنیٰ ہے ذبح کرنے کا طریقہ یا مذبح عرفِ عام میں بھی یہی مشہور ہے۔ چاہیئے تھا کہ شریعةً یا دیناً یا منهاجاً فرمایا جاتا جیسا کہ سورۃ مائدہ میں فرمایا گیا، اور یہاں آیت کے سیاق و سباق سے بھی یہی پتہ لگتا ہے کہ یہاں پوری شریعت مراد ہو نہ کہ فقط ذبح خانہ اور ذبح کا طریقہ۔ **جواب**۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہاں مَنْسَكْ بمعنیٰ مَذْبَحْ ہی ہے اور یہاں یہ لفظ اس لیے ارشاد ہوا کہ کفارِ مکہ مسلمانوں پر اکثر یہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ کیسا دین ہے کہ خود قتل یعنی ذبح کرکے

marfat.com

جانور ماریں تو جانور پاک طیب بھی اور کھانا حلال بھی رہے لیکن اگر اللہ تعالیٰ موت سے مارے تو کھانا حرام جانور پلید۔ یہ حمقا و جہلا ذبح کی حکمت کو ہی نہ سمجھتے تھے نہ اس پر غور کرتے تھے کہ ہر جان کو مارتا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے ذبح سے ہو یا قتل سے طبعی موت سے بلکہ آج تک دنیا بھر کے کفار جن میں عیسائی بھی شامل ذبح کو کوئی اہمیت نہیں دیتے ہر مردار کھا جاتے ہیں اور مرغی وغیرہ چھوٹے جانوروں پرندوں کو تو ذبح کرتے ہی نہیں گلا گھونٹ کر مارتے اور کھا جاتے ہیں انگریزوں کی اکثر دکانوں پر گلا گھونٹے مردار خرگوش اور پرندے دیکھے جاتے ہیں، کفارِ مکہ بھی مردار کھا جاتے تھے بلکہ یہاں تک بربریت دکھاتے کہ زندہ جانور کی ٹانگ کاٹتے اور پکا کر کھاتے کھلاتے جانور بیچارا چیختا چلاتا تڑپتا مچلتا رہتا یا مر جاتا، زندہ اونٹوں کی یا بیلوں کی کوہانیں چیرتے کاٹتے پکا لیتے اس ظلم و بربریت کو اسلام نے ہی ختم فرمایا اور اس طرح کے تمام گوشتوں کو حرام اور مردار فرمایا اس آیتِ پاک میں کفار کے اُسی احمقانہ اعتراض کا جواب دیا جا رہا ہے کہ شروع زمانوں سے ہر دین ہر امت کے لیے ذبح کا ایک یہ ہی طریقہ ہم نے بنایا مقرر فرمایا جو اسلام نے بتایا، هُمْ نَاسِكُوْهُ اور وہ سب اُمتیں از آدم تا عیسیٰ علیہم السلام اور یہودی عیسائی اسی طرح ذبح کرتے تھے فَلَا يُنَازِعُنَّكَ، تو اب بھی یہ لوگ مشرکین یہود و نصاریٰ، مجوسی صابی اس طریقہ اسلام پر انکار کرتے ہوئے جھگڑا مناظرہ اور تمسخرانہ اعتراض نہ کریں نہ ان کو اس کا حق پہنچتا ہے، اور اگر کریں تو اے نبی کریم اور اے مسلمانو ان کو منہ نہ لگاؤ نہ جواب دو بلکہ دھتکار دو۔ جوابِ دوم ہے کہ مَنْسَكًا کا معنی صرف ذبح یا مذبح نہیں بلکہ اس کا معنی عام عبادات اور طریقہ عبادات ہے یعنی حج، نماز، روزہ، زکوٰۃ، ذبح، صدقہ وخیرات ہیں، چنانچہ مسلم بخاری بابُ الحج میں ارکانِ حج کو بھی مناسک فرمایا گیا۔ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ علیہ وسلم خُذُوْا عَنِّیْ مَنَاسِكَكُمْ یعنی اے مسلمانو مجھ سے اپنی عبادات کے طریقے سیکھ لو۔ لہٰذا یہ اعتراض غلط ہے کیونکہ صرف عبادات کا بتانا مقصود ہے نہ کہ پورے دین یا پوری شریعت کا لہٰذا مَنْسَكًا فرمانا ہی عین درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَيُمْسِكُ السَّمَآءَ اَنْ تَقَعَ عَلَى الْاَرْضِ اِلَّا بِاِذْنِهٖ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ اے نفس امارہ اعضاءِ جسمانی کو اعمالِ باطل کا حکم دینے والے کیا تو اس احسانِ ربانی کو نہیں دیکھتا کہ تمام زمینِ قالبِ انسانی میں جو کچھ بھی

marfat.com

ظاہری باطنی اعضا میں سے ہے اللہ تعالیٰ نے وہ تم سب نفس و نفوس کے لیے مسخر کر دیے اور کشتیٔ اعمال کو بے حد آسان کر دیا کہ بحرِ ظلمات کی طغیانیوں میں وہ کشتی بڑے بڑے اعمالِ دینی و دنیوی کے لیے نہایت آسانی سے اُس کے حکم سے رواں دواں ہے اور اعدادِ بحر و بر دشمنانِ خشک و تر مصائبِ برگ و ثمر کے آسمانِ و بادِ بلا کو زمینِ قالب پر گرنے سے اسی رب قدیر نے روکا ہوا ہے ورنہ قالبِ انسانی میں گناہ و کفر نفاق و شرک کے اتنے دھماکے ہوتے ہیں کہ آسمانِ بلا پر طغیان و سرکشی کی یلغار سے وہ ٹوٹ کر گر پڑتے اور قالب فنا ہو جاتے، ہاں مگر ایک وقت ایسا آئے گا جب اس زمینِ بدنی پر اُسی ربّ ذوا الجلال و القہار کی اجازتِ قہر و جلال سے آسمانِ بلا پھٹ پڑے گا، جب گناہوں کی کثرت ہوتی ہے تو فضاؤں کی چٹانوں میں دھماکے پیدا ہوتے ہیں لیکن کثرت کے باوجود انشقاق و انخرام اور انشقاق و انقطاعِ آسمانی نہیں ہوتا اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہر انسان کے لیے اِس عالمِ ناسوت میں رافۃ و نرمی فرمانے والا ہے البتہ یقیناً ہمیشہ رؤف ہے رحمت و آسانی پہنچانے والا ہے رحیم و کبیر ہے (ابن عربی رض) اے غافل انسان کیا تو یہ نہیں جانتا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے محض کرم کریمانہ و فضلِ رحیمانہ سے مسخر فرما دئے تم سب کے لیے وہ تمام جو زمینِ بشریت میں صفاتِ حیوانیت و خصائلِ شیطانیت میں سے ہیں اگر وہ قوتیں مسخر نہ کی جاتیں تو انسان بھی مثلِ جانور راہِ شیطانیہ پر چلتا ہی رہتا، اور اسی ربّ قدیر نے وارداتِ مغیبات کی کشتیٔ ارادات و نیات بھی مسخر فرما دی جو بحرِ قلب میں اُسی رب تعالیٰ کے حکم سے چلتی ہے۔ اور اُسی خالق و مالک نے آسمانِ عقل کو روک رکھا ہے کہ کہیں زمینِ بشریت پر گر نہ پڑے اور گناہوں کی دلدل برائیوں کی کیچڑ میں دھنس کر صفاتِ نفسِ امّارہ سے متصف و ملوّث نہ ہو جائے۔ ہاں مگر اُس بد بختی و بد نصیبی کے وقت جب بدکاری انسان تجرباتِ آدمیت کی بنا پر قہر قہاری کی اجازت ہو جاتی ہے۔ یا جب کہ انسان کو ضروریاتِ زندگی کے لیے آسمانِ نعمت و رزق کی اشیاء اجازتِ شریعت سے حدودِ شریعت کی مقدار میں اجازتِ استعمال ملتی ہے بغرضِ خوراک لباس، رہائش وغیرہ کے لیے شریعت کی اجازت کے بغیر کسی انسان کے لیے عطیاتِ آسمانی کا استعمال جائز نہیں، ضروریاتِ حیات مثل آسمان ہیں اس کی شرعی اجازت گرنے نازل ہونے کی مثل ہیں۔ رب تعالیٰ اپنے بندوں سے حرام کو روکتا ہے اور جسمِ بشریت کی پرورش کے لیے حلال اشیا کو جائز و نافذ فرما دیتا ہے لیکن بد بختوں ذلیلوں جنسی شیطانوں کے لیے اشیاءِ حرام کو بھی گرنے کی اجازت دیدیتا ہے، اور

marfat.com

وہی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے تم کو زندہ فرمایا روحِ ایمان کو قالبِ بشری میں ودیعت اور ملاپ
فرماکر پھر وہ اللہ تعالیٰ تمہاری بشریت میں صفاتِ حیوانیہ ڈال کر تم کو اخلاقی موت مار دیتا ہے
پھر تم کو صفاتِ رحمانیہ کے نور سے زندہ فرما دیتا ہے۔ اے عالمِ مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کے
علم رکھنے والے حبیب یہ بندگانِ شکوک و شبہات تمہارے معاملاتِ اسرار میں جھگڑا نہ کریں
کیونکہ تمہاری خلوتِ مشاہدہ وجلوتِ مکاشفہ میں خاص تمہارے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا
وقت مخصوص ہے جس میں تمہارے پاس نہ کوئی مَلَکِ مقرب آنے کی ہمت کر سکتا ہے نہ کوئی
نبی مرسل۔ لِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا۔ راہ معرفت میں ہر فرد و قوم کے لیے علیحدہ راستہ و مرتبہ
مقام ہم نے بنا دیا ہے۔ کوئی بھی اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔ (تفسیر نیشاپوری) وَهُوَ الَّذِي
أَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ ۗ إِنَّ الْإِنسَانَ لَكَفُورٌ لِّكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا
هُمْ نَاسِكُوهُ ۖ فَلَا يُنَازِعُنَّكَ فِي الْأَمْرِ ۚ وَادْعُ إِلَىٰ رَبِّكَ ۖ إِنَّكَ لَعَلَىٰ هُدًى مُّسْتَقِيمٍ
اور وہ رب کریم رؤف و رحیم وہ ہے جس نے اپنی معرفت سے تم کو حیاتِ عظیم عطا فرمائی پھر
فترتِ غفلت کے اوقات میں تمہاری اپنی غفلت سے تم کو موتِ بُعدیت سے مار دیا، پھر
جذبِ قبولیت اور وصلِ قربت کی زندگی دیگر زندہ کر دیتا ہے فترتِ کسلت کے بعد پھر وہ
اللہ تعالیٰ تم کو اپنی شفقتِ خاص سے نوازتا ہے) اور تم کو اپنا بندۂ خاص بنا کر تمام اپنوں پرایوں
سے منقطع فرما کر اپنی معرفت کا وصلِ منزل عطا فرماتا ہے لیکن انسان اپنی بشریت ناقصہ کی
وجہ سے حقیقتِ عبادت ناقص العمل اور کامل الغفلت ہو کر ناشکرا بن جاتا ہے کہ اپنی
نعمتیں لینا دعائیں التجائیں کرنا یاد رکھتا ہے مگر اپنے ذمہ کے حقوق ادا کرنا بھول جاتا ہے
اے بندۂ کفور جان لے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے ہی مکرم کیا انسان کو اور معظم کیا خود اس کی
شان کو کہ خاص دستِ قدرت کے ذریعے منتقل کیا اس کو عالمِ جماد سے عالمِ نباتات کی
طرف پھر عالمِ نباتات سے عالمِ حیوانات کی طرف پھر حیوانیتِ محضہ سے نکال کر اس کو ناطق
بنایا اور نعمتِ صوری و نعمتِ معنوی کے خزانوں کا اس کو فیض بخشا اور موجوداتِ ظاہری
کو اس کا خادم بنا دیا اسی لیے ہر آن ہر انسان پر شکرِ نعمت واجب ہے ظاہراً بھی باطناً بھی
ظاہری شکر اتباعِ مصطفائی ہے اور باطنی شکر ایمانِ کبریائی ہے۔ ظاہری نعمت کا اظہار
کرنا اور باطنی نعمت کا انکشاف کرنا ہی شکرِ الٰہی ہے۔ نعمتِ مصطفائی اظہارِ نعمت ہے
اور حمدِ باری تعالیٰ انکشافِ نعمت ہے اس کی نقیض کفران ہے۔ نعمت کو چھپانا چرچہ نہ

marfat.com

کرنا ایمان سے دور اعمال سے نعوذ ہی ناشکری ہے، ہر نعمت معرفت کا راستہ ہے اس لیے کہ معرفتِ الٰہی سے ہی نعمت کا وجود ہے لہٰذا معرفتِ الٰہی نعمت کا اثر ہے۔ پس لازم ہوتا ہے کہ اثر کا نشان و استدلال مؤثر پر ہو یہی اہلِ معرفت کا ایمانِ یقینی ہے اسی وجہ سے عاقل بندہ نعمتوں اور دولت مندیوں پر مغرور نہیں ہوتا بلکہ ہر دم توفیقِ الٰہی کا احسان مند رہتا ہے، اے قوی الجسم والے اپنی قوتِ بدنی پر اکڑمت دکھا اگر تیری قوت تیرے اپنے کمال سے ہے تو اپنے آپ سے اپنی موت کو مٹا کر دکھا، اے علم وعقل والو اپنی عقل وعلم پر مغرور مت ہو اگر تم کو اپنے علم وعقل پر غرور ہے تو اپنے علم سے اپنی اَجلِ اَخیر یعنی موت کا پتہ لگالو کہ کب ہے، اور اے دولت والو اپنی دولت پر تکبر نہ کرو اگر دولت پر تکبر کرتے ہو تو رب تعالیٰ کی کسی ایک قسم کی مخلوق کو صرف ایک وقت کا ہی کھانا کھلا کر پیٹ بھر کر دکھاؤ حالانکہ ہر انسان عاجز ہے، قوی اپنی قوت میں، علم والا اپنے علم میں دولت مند اپنی دولت کے حصول میں بس اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قدیر ہے۔ اسی کی طرف سے ہر ایک کو ہر دم ہر نعمت ملتی ہے مخلوق صغیر ہو یا کبیر عاقل ہو یا بے عقل سبل ا۔

ادیم زمین سفرۂ عام اوست ۔ بریں خوانِ یغما چہ دشمن چہ دوست

بلکہ علم وعقل بھی اسی کا عطیۂ خسروانہ ہے۔ صوفیاءِ کرام فرماتے ہیں کہ اعضاءِ انسانی میں سے ہر ظاہری باطنی عضو کے لیے رب تعالیٰ کی اطاعت وعبادت مخصوص کر دی گئی تو اگر بندہ اپنے عضو کو اُسکی اطاعت وعبادت میں نہ لگائے اور اُس کے مناسب خدمتِ الٰہی میں نہ چلائے تب ہی اُس پر ناراضگیِ ربانی نازل وعارض ہوتی ہے، فرمایا کہ مقبول الی اللہ بندے کی تین خصلتیں ہوتی ہیں نمبر١ اوّلاً یہ کہ اس کا قلب ہر دم صفاتِ الٰہی اور اُمورِ آخرت کی فکر میں رہتا ہے دوم یہ کہ اس کی زبان ذکر وشکر میں رہتی ہے، سوم یہ کہ اُس کا بدن ہمیشہ خدمت فی سبیل اللہ میں لگا رہتا ہے اور اُس بندے پر مرتے تک اِن خصائلِ ثلاثہ میں تغیر وفتور نہیں آتا، ہم بھی اپنے خالق مالک رب تعالیٰ سے اُس کی اطاعت کی توفیق مانگتے ہیں اور خدمت دین کی سعادت چاہتے اور جنتِ وصل وقرب کی شرافت طلب کرتے ہیں (تفسیر روح البیان) سب سے بڑی عبادت ادب ہے۔ اور سب سے بڑی حکمت خوفِ الٰہی ہے سب سے بڑی سیاست غلامیِ مصطفیٰ ہے کہ اس سے ساری دنیا کی حاکمیت نصیب ہو جاتی ہے اولیاء اللہ کے پاس اسی عبادت، سیاست، اور حکمت کے خزانے ہیں اسی لیے انکا دلوں پر راج ہوتا

marfat.com

ہے، مگر نفسِ امارہ بے ادبی کا عادی ہے لیکن بندۂ حق کو ادب اختیار کرنے کا حکم ہے اس لیے نفس اپنی روش کے مطابق مخالفت کے میدان میں دوڑتا ہے اور بندۂ حق اپنی کوشش و صلاحیت سے نفس کو حسنِ ادب کی طرف لوٹاتا ہے لیکن جو بندہ نفسِ امارہ کو اس کی خواہش پر مدد کرے وہ نفس کی حرکت میں شریک ہے کیونکہ بندگی کے لیے ادب ضروری اور سرکشی بے ادبی ہے مولیٰ تعالیٰ ہر مسلمان کو بے ادبی سے بچائے۔

وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا

اور اگر تجھ سے بحث کریں آپ سے تو فرما دیجئے کہ اللہ سب جانتا ہے اس کو

اور اگر وہ تم سے جھگڑیں تو فرما دو کہ اللہ خوب جانتا ہے

تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۸﴾ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

جو کچھ تم کر رہے ہو۔ اللہ فیصلہ فرما دے گا، تمہارے درمیان قیامت کے دن

تمہارے کوتک۔ اللہ تم پر فیصلہ کر دے گا قیامت کے دن

فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ

میں اُن میں جن میں تم اختلاف کرتے تھے۔ کیا تم نے نہ جانا

جس بات میں اختلاف کر رہے ہو۔ کیا تو نے نہ جانا

اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ

کہ بے شک اللہ تعالیٰ جانتا ہے اُن سب کو جو آسمان میں اور زمین میں ہیں

کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے۔

marfat.com

اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ

حالانکہ یہ بات لکھی ہے کتاب میں کہ بے شک وہ علم اللہ تعالیٰ پر بہت

بے شک یہ سب ایک کتاب میں ہے۔ بے شک یہ اللہ پر

یَسِیْرٌ ۝۷۰ وَ یَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ

ہی آسان ہے۔ اور سجدے کرتے ہیں یہ لوگ اللہ کے مقابلے میں اُن بتوں کو کہ نہ

آسان ہے۔ اور اللہ کے سوا ایسوں کو پوجتے ہیں جن کی کوئی سند اُس نے نہ

یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّ مَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌؕ

اتاری اس نے اس سجدہ ریزی پر کوئی غالب دلیل اور اُن بتوں کی کہ نہیں ان کفار کو اس کا کوئی علم

اُتاری اور ایسوں کو جن کا خود انہیں کچھ علم نہیں

وَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ ۝۷۱

اور نہیں نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار۔

اور ستمگاروں کا کوئی مددگار نہیں۔

تعلقات ان آیات کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے پہلا تعلق پچھلی آیت میں باری تعالیٰ کی کچھ قدرتوں کا ذکر فرمایا گیا جن پر ایمان لانا ہر انسان کو باعتبار مخلوق ہونے کے ضروری ولازم ہے۔ اب ان آیت میں ایمان کے منکروں کے جھگڑے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور مسلمانوں کو ان کفار کے ساتھ کج بحثی سے روکا جا رہا ہے۔ دوسرا تعلق پچھلی آیت میں زمین آسمان دریا سمندر۔ انسان کی موت زندگی پیدا کرنے کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ سب کام اللہ تعالیٰ پر بہت آسان ہیں تیسرا تعلق پچھلی آیت میں دلائل خالقیت سے رب تعالیٰ کی معبودیت کو ثابت فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں بتایا گیا کہ کفار

marfat.com

جن کو پوجتے ہیں ان کی معبودیت پر تو ایک معمولی سی دلیل بھی میسر نہیں۔

تفسیر نحوی

وَاِنْ جَادَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اِنَّ ذٰلِكَ فِيْ كِتٰبٍ۔ واؤ بر جملہ اِنْ حرفِ شرط جَادَلُوْ، باب مُفَاعَلَۃٌ کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف انشائیہ جمع مذکر غائب جَدَلٌ سے مشتق ہے بمعنٰی جھگڑا کرنا ہمیشہ ہر بات میں یہ متعدی ہوتا ہے اس کا مصدر ہے مُجَادَلَۃٌ بمعنٰی دوطرفہ باہمی بحث مباحثہ کرنا یہ مفاعلۃ کے اصلی معنیٰ ہیں یا بمعنی خوب خوب (بہت زیادہ) کج بحثی کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے خیال رہے کہ عربی لغت میں جھگڑے کے لیے تین لفظ ہیں مگر بہت فرق کے ساتھ ۱ بَحْثٌ اس کا لغوی ترجمہ ہے کریدنا، اصطلاح میں جھگڑا کرنے کو اس لیے کہتے ہیں کہ کسی حق بات کو جاننے سمجھنے تلاش کرنے کے لیے آپس میں مناظرانہ، مکالمانہ باتیں کی جائیں اور اپنی اپنی سمجھ کے مطابق تردید یا تائید کی جائے ۲ نَزْعٌ اس کا لغوی ترجمہ ہے چھینا جھپٹی کرنا اصطلاح میں اسی جھگڑے کو کہتے ہیں جس میں مدمقابل مخالف فریق دوسرے کی ہر بات کو سننا بھی گوارا نہ کرے اور درمیان سے ہی اچک لے چھین لے اور اپنی بات ٹھونسنے غالب کرنے کے لیے بولنا شروع کر دے اس جھگڑے کا مقصد صرف فتنہ و فساد اور غلبہ حاصل کرنا ہوتا ہے اگرچہ باطل ہو ۳ جَدَلٌ لغوی ترجمہ ہے لمبا ہونا۔ اسی لیے بٹی ہوئی رسی کو جدیل کہتے ہیں کہ وہ دراز اور مستحکم ہوتی ہے جُدالہ پگڈنڈی (دفتر پانچ) کو کہتے ہیں اس کی لمبائی کی بنا پر۔ جھگڑے کو جدال اس کی دراز گفتگو کی وجہ سے کہتے ہیں۔ یعنی صرف باتوں سے جھگڑا کرنا کسی کو جھوٹا کہنا، یہاں اسی معنیٰ میں ہے كَ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جَادَلُوْكَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا فَ حرفِ جزا قُلْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ اَللّٰهُ اِسم ذاتی ہے مبتدا۔ اَعْلَمُ اسم تفضیل جمع مذکر بِ حرفِ جر متعدی کے لیے مَا اسم موصول تَعْمَلُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے مشتق ہے بمعنٰی کام کرنا، قول و فعل سب کو شامل ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع کفارِ مکہ یہ فعل با فاعل جملہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے اَعْلَمُ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اللہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ

marfat.com

اوّل ہوا قُلْ کا، اَللّٰہُ اسم ذاتی بحالتِ رفع کیونکہ مبتدا ہے یَحْکُمُ باب نصر کا مضارع مستقبل واحد
مذکر غائب پوشیدہ فاعل کا مرجع اللہ تعالیٰ حُکْمٌ سے بنا ہے بمعنی فیصلہ فرمانا بَیْنَ اسم ظرفی مکانی
مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یَحْکُمُ کا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یہ مرکب اضافی
مفعول فیہ ہے یَحْکُمُ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مَا اسم موصول کُنْتُمْ تَخْتَلِفُوْنَ یہ ایک فعل ماضی استمراری ہے
بیچ میں جار مجرور نے حصر پیدا کیا۔ باب افتعال سے ہے اس کا مصدر ہے اختلافٌ خَلْفٌ سے
مشتق ہے۔ ایک قول میں کُنْتُمْ علیحدہ فعل ناقصہ ہے فِیْہِ جار مجرور متعلق مقدم ہے تَخْتَلِفُوْنَ
فعل مضارع حال کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کُنْتُمْ کی اور پوشیدہ ضمیر صیغہ اسم ہے کُنْتُمْ کا یہ فعل
ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ ناقصہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے یَحْکُمُ
کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قُلْ کا قول اپنے دونوں
مقولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اَ۔ ہمزہ
سوال اقراری کے لیے لَمْ تَعْلَمْ، باب سَمِعَ کا فعل مضارع نفی جحد بلم بمعنیٰ ماضی منفی واحد مذکر
حاضر اَنْتَ ضمیر صیغہ اِس کا فاعل مرجع ہے عام انسان۔ اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اِس کا اسم یَعْلَمُ
باب سَمِعَ کا فعل مضارع نفی مثبت معروف اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ مَا اسم موصول
فِیْ حرفِ جر ظرفیہ مکانیہ کے لیے اَلسَّمَآءِ الف لام جنسی مراد ہیں تمام آسمان معطوف علیہ واؤ
عاطفہ اَلْاَرْضِ اسم مفرد مؤنث لفظی جنسی معرفہ مراد ہے تمام زمینیں معطوف ہے یہ دونوں عطف
مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مفعولِ
بہ ہے یَعْلَمُ کا اِنَّ حرفِ مشبہ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی بحالتِ نصب ہے کیونکہ اسم ہے اِنَّ
کا فِیْ کِتٰبٍ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ موجودٌ مفعول کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ ہے
اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یَعْلَمُ کا یعنی عِلْمُ اللہ کا، یَعْلَمُ سب سے مل کر
جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَمْ تَعْلَمْ کا سب مل کر
جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ ذٰلِکَ اس کا اسم۔ عَلَی اللّٰہِ جار مجرور متعلق مقدم ہے
یَسِیْرٌ اسم فاعل صفت مشبہ مبالغے کے لیے یُسْرٌ سے مشتق ہے بروزنِ فعیل بمعنیٰ آسان ہونا
مبالغے میں ترجمہ ہوا بہت آسان ہونے والا یہ صفت مشبہ اپنے متعلق مقدم سے مل کر
جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَا لَمْ
یُنَزِّلْ بِہٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَھُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ واؤ سرحلہ

marfat.com

يَعْبُدُوْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا ہے مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ اسم استثنائی بمعنی سوا مقابل مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے يَعْبُدُوْنَ کا مَا اسم موصول غیر ذوی العقول کے لیے ہوتا ہے مراد ہیں بت، کیونکہ ذوی العقول لوگ کبھی بھی مذہبی طور پر دائمی نہ پوجے گئے یعنی ان کے سامنے سجدہ نہ کیا گیا۔ نمرود فرعون ہامان وشداد حکماً درباری سجدہ کراتے رہے مگر مذہباً نہ پوجے گئے اور باقی نیک لوگوں کے بت اور فوٹو تصویریں پوجی گئیں نہ کہ وہ خود لَمْ يُنَزِّلْ بابِ تفعیل کا مضارع نفی جحد بلم معروف واحد مذکر غائب نُزُوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی اترنا نازل ہونا یہ لازم اس کا مصدر ہے تنزیلٌ بمعنی اتارنا، متعدی ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ بِہٖ جارہ بمعنی علیٰ ترتیب کا ہٖ ضمیر کا مرجع ہے عبادت یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ يُنَزِّلْ کا، سُلْطٰنًا اسم صفت مبالغے کے لیے بروزنِ فُعلان عثمان سَلْطٌ سے مشتق ہے آخر میں الف نون زائدتان ہے۔ سَلْطٌ وسُلْطَانٌ کا لغوی ترجمہ غالب کرنا، غالب آنا، شدت کے ساتھ اصطلاح میں ہیں حکومت بادشاہت اور قابو پانے یا سخت مضبوط دلیل کو بھی سلطان کہا جاتا ہے کیونکہ ان تمام میں بھی غلبے کے معنیٰ ہوتے ہیں یہ مفعول بہ ہے لَمْ يُنَزِّلْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول، لَيْسَ فعل ماضی مطلق ناقصہ واحد مذکر غائب اس ناقصہ کا صرف ماضی مطلق ہی چودہ صیغے ہوتے ہیں دوسرا کوئی مشتق نہیں ہوتا لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ کا یہاں لام جارہ بمعنی عِنْدَ ہے هُمْ کا مرجع بت پرست کفار ہیں بِہٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ کا یہاں بِ جارہ کی ہے اور ہٖ ضمیر کا مرجع بت پرستی ہے مَوْجُوْدًا پوشیدہ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا، واؤ ہر جملہ مَا حرفِ نفی مشبہ بِلَیْسَ۔ لام جارہ نفع کا اَلظّٰلِمِيْنَ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ ہے لام جارہ کی وجہ سے ظُلْمٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے حقدار کو حق سے ہٹانا غیر مستحق کو وہاں قائم کرنا رکھنا اس لغت کے تحت اصطلاحاً آٹھ معنی میں مشترک ہے ۱ حدود کو توڑ کر آگے بڑھنا ۲ کسی کو پورا حق نہ دینا ۳ دین کی مخالفت کرنا ۴ اندھیرا ہونا یا کرنا ۵ سیاہ کالا ہونا ۶ ناحق ستانا ۷ کسی کا حق چھیننا ۸ غلط راہ چلنا، یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدًا اسم مفعول کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم علی اسم ہے مَا نافیہ کی مِنْ حرف جار تبعیضیت کا نَصِيْرٍ اسم فاعل مبالغہ بروزنِ فعیل بمعنی خوب زیادہ جیسے مدد کرنے والا یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ نَاصِرٌ اسم فاعل کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر اسم مؤخر ہے مَا نافیہ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ لفظ تَحْكُمُوْا حُكْمٌ سے مشتق ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کو مضبوطی سے باندھنا۔ اسی طرح

marfat.com

سے کہ وہ کسی غلط راستے پر نہ چل سکے یعنی پابند کر دینا۔ اسی لغوی ترجمہ کے اعتبار سے اس کے مجازی اور اصطلاحی گیارہ معنیٰ ہو گئے۔ اور اُن معنیٰ کے لیے مختلف صیغہ بنائے گئے۔ چنانچہ ۱ گھوڑے کی لگام اور چمڑے کی بندھنی کو اَلحکمۃ کہا جاتا ہے ۲ عدالتی فیصلے کو حُکم کہا جاتا ہے کہ وہ مدعی و مدعی علیہ کو اُن کے حقوق بتا کر اپنی اپنی حدوں میں روک کر پابند دیتا ہے ۳ عدل وانصاف کو حکمت و حُکم اسی معنیٰ میں کہا جاتا ہے ۴ عدالتی فیصلے کو حُکم توازن پیدا کرنا حکمتِ عملی کہلاتی ہے ۵ طبیب کو حکیم اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ مریض کے مرض کو صحیح شناخت کر کے ایسی دوائیاں علاج و پرہیز تجویز کرتا ہے جس سے بیماری رُک جاتی ہے یہاں تک کہ ختم ہو جاتی ہے ۶ دانائی کو بھی حکمت کہا جاتا ہے اس لیے کہ وہ جہالت اور کم عقل اور بیوقوفی کو روکتی ہے ۷ بادشاہت با عدالت کو حکمت اس لیے کہا جاتا ہے کہ صحیح فیصلہ کرنے کا علم اور پھر فیصلے کو نافذ کرنے کی قوت اُس کے پاس ہوتی ہے جس سے ظلم رُک جاتا ہے ۸ کسی چیز کو کسی جگہ اس طریقہ سے روک رکھنا کہ وہاں سے ہٹائی نہ جا سکے اُس کو مستحکم کہتے ہیں ۹ دانا انسان کو حکیم اس لیے کہتے ہیں کہ وہ ہر چیز کو اس کا جائز اور حق دار اصلی مقام دیتا ہے اور اسی استحقاقی مقام پر روکنے کا فیصلہ کرتا ہے ۱۰ قرآنِ مجید کی کچھ آیات کو محکم آیت اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ قانون اور واقعات بیان کرتی ہیں جن کی عدالت و حقانیت پر مومن کو یقینِ قلبی کے ساتھ رکنا پڑتا ہے ۱۱ حکمت کو اس لیے بھی حکمت کہتے ہیں کہ وہ قانونِ الٰہیہ کا مقصد و غایت اور نتیجہ بیان کرتی ہے اور دین کی یہی آخری حد ہے۔

تفسیر عالمانہ وَاِنْ جٰدَلُوْكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِىْ كِتٰبٍ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔ اور اگر یہ کفار ناہنجار، اتنے واضح دلائل اتنے مضبوط براہین اتنے آسان اور عام فہم بیانات اتنی روشن تبلیغ اتنے پیار و محبت اُلفت و شفقت سے سمجھانے کے باوجود بھی حق و حقانیت کو نہ مانیں اور آپ سے اے محبوبِ مقدس مجادلانہ جھگڑا ہی کریں تو آپ ان ضدی جاہلوں سے جوابی جھگڑا نہ فرمائیں نہ ہی مزید سمجھانے میں وقت ضائع کریں بلکہ فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح جاننے والا ہے اُن تمام حرکتوں، بدعملیوں کو جو تم دن رات۔ صبح شام، ظاہر و خفیہ، محفلوں، مجلسوں، مشوروں میں کرتے رہتے ہو خیال

marfat.com

رہے کہ تنازع اور منازعت و نزاع میں فرق یہ ہے کہ مخالفت کرنا نزاع ہے۔ مخالفت کرانا تنازع ہے اور دو طرفہ ایک دوسرے کی بات نہ ماننا منازعت ہے خواہ دونوں طرف جہالت و ناواقفیت ہو یا ایک طرف، نزاع و تنازع کی تین قسمیں ہیں ۱ مناظرہ ۲ مباحثہ ۳ مجادلہ، اگر دونوں طرف علمی دلائل ہوں تو مناظرہ ہے اگر دونوں طرف جہالت ہو دلائل کسی طرف نہ ہوں تو منازعت کا نام مباحثہ ہے اسی کو کج بحثی کہتے ہیں، اور اگر ایک طرف حقانیت، علمی عقلی، نقلی دلائل ہوں اور دوسری طرف صرف جہالت و شرارت ہو تو منازعت کا نام مجادلہ ہے۔ یہاں آیت میں اسی صورتِ حال کا بیان ہے آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو مسلمانوں کے لیے ایک قانون ساز کا حکم دیا جا رہا ہے کہ ایسی جاہلانہ گفتگو نہ سنو نہ ایسے ضدی جاہلوں کو عالمانہ دلائل سناؤ۔ بلکہ ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہوئے اُن کو اپنے پاس سے ہٹا دو یا خود اُن کے پاس سے ہٹ جاؤ اور فرما دو کہ اللہ تعالیٰ ہی فیصلہ فرمائے گا تم سب کافر و مومن عالم و جاہل نیک و بد کے درمیان بروزِ قیامت اُن تمام باتوں میں جن میں تم اختلاف کرتے ہو بار بار۔ اور اے محبوب پاک کیا تم نے زمانوں پہلے یہ بات نہ جان لی تھی کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جانتا ہے اُن تمام چیزوں کو جو آسمان میں اور زمین میں ہیں، آسمانوں میں جو کچھ پیدا کر دیا اور جو کچھ آئندہ پیدا کرنا ہے زمین میں بھی جو کچھ پیدا کر دیا گیا اور جو پیدا کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے آسمانوں کی جاندار و بے جان مخلوق زمین کی جاندار و بے جان مخلوق کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے آسمانوں کی خبر کو اور زمین کی خیر و شر کو اے محبوب تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں کی اچھائیوں کو اور زمین کی اچھائیوں برائیوں کو جانتا ہے۔ آسمان کی ایمانیات کو زمین کے کفریات و ایمانیات کو اور جانتا ہے آسمانوں کے سب فرشتوں اور زمین کے سب انسانوں کو جانتا ہے آسمانوں کی تدبیر کو زمین کی تقدیر کو اعمال نیک و بد کو مومن کی عبادات کو کافر کی حرکات کو وہی جاننے والا ہے، بے شک ایک بہت بڑی کتاب میں ہے وہ تمام یَحْکُمُ بَیْنَکُمْ کے فیصلے اور فِیْہِ تَخْتَلِفُوْنَ کے معاملے۔ اَلَمْ تَعْلَمْ کی معلومات اور مَا فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ کے علمیات، محبوب کے درجات حبیب کی آن و شان محبوب کی شوکت و قوت سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت میں لوحِ محفوظ کی کتابت میں نہ حفاظت ختم ہو سکے نہ کتابت ختم کی جا سکے، حفاظت رب تعالیٰ کی ہے اور کتابت قلم الٰہی کی ہے۔ حفاظت حساب کے لیے کتابت انبیاء و اولیاء و ملائکہ کے دیدار کے لیے ہے لوحِ محفوظ است پیشِ اولیاء تا ببیند ز ابتدا تا انتہا، اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ۔

marfat.com

بے شک وہ تمام کام کفار کے مجادلے، مشرکین کے تنازعے بدکاروں کی بداعمالیاں، نیکوں کی فرمانبرداریاں اعمال کو جاننا اعمال والوں کو پہچاننا اور ان میں عدل کا فیصلہ فرمانا اختلافیات کی تفریق و چھانٹ فرمانا ہر شی کو جاننا ذرے ذرے کو پہچاننا، اپنی حفاظت میں رکھنا لوح محفوظ میں لکھنا اللہ تعالیٰ پر بہت ہی آسان ہے کہ اس کا حکم ہوتا ہے کام ہوتا چلا جاتا ہے۔ لہٰذا اس بروز قیامت اس کے فیصلے میں نہ کوئی جھگڑا کر سکے نہ بحث مناظرہ، اللہ تعالیٰ اور بندے کے کام میں یہ فرق بھی ہے کہ بندہ کام کرنے سے پہلے ارادہ کرتا ہے پھر تفکر کرتا ہے پھر تدبیر کرتا ہے پھر سامان جمع کرتا ہے پھر اس کو جوڑتا ہے اند ایک چیز بنا رکھتا ہے۔ مگر رب تعالیٰ کے کام کی شان یہ ہے کہ اِذَا اَرَادَ شَیْئًا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ وہ کسی چیز کا ارادہ فرماتا ہے تو فرماتا ہے اس کو ہو جا، تو وہ چیز ہونے لگ جاتی ہے، نہ وہاں تفکر کی ضرورت نہ تدبیر کی حاجت نہ سامان و ہتھیار جمع کرنے کی مشقت۔ دوسرا فرق بندے کے کام میں دیری خود بندے کی وجہ سے۔ مولیٰ تعالیٰ کے کام میں دیری اس شی کی وجہ سے تیسرا فرق بندہ چیز کو صرف جوڑتا ہے خام سامان یعنی میٹریل نہیں بنا سکتا مگر مولیٰ تعالیٰ کا ارادہ حکم ہوتا ہے تو میٹریل و اشیاء بننے لگتی ہیں کیونکہ وہ آسمان و زمین کو کل علم کامل و انجام تام سے جانتا ہے اس کا علم دقیق ہے نہ اس میں جہل ہے نہ تحیر ہے وہ جانتا ہے قالب کے اشخاص کو قلب کی نیات کو اعمال کی حرکات کو عالم شہادت میں بھی عالم غیب میں بھی، روایات کی دلالت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ لوح محفوظ ایک بہت بڑا سفید موتی ہے جس کی لمبائی آسمان اول اور زمین کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اور اس کی چوڑائی مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے تک ہے۔ اس کی موٹائی زمین کی موٹائی کے برابر ہے، اس کی کتابت ہماری طرف اس کا مقام ساتویں آسمان سے اوپر ہوا میں معلق، اس کی لمبائی مسافت، تیز رفتار ریگستانی اونٹ کی دوڑ سے سو سال تک۔ اس کی مکتوبات میں ہر وہ چیز ہے جو ازل سابق سے قیامت تک ہونے والی ہے اس کی کتابت کی ابتدا مخلوق کی خلقت سے ایک ہزار سال پہلے قدرت کے قلم سے ہوئی، مجادلے اس لیے منع فرمایا گیا کہ مجادلہ کرنے والے میں جہالت، ظلم، وحشت، اور عروج ہوتا ہے۔ وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَيْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۗ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۔ اور اتنے دلائل اتنی برہانیں اپنے رب تعالیٰ کی قدرت الٰہیت کے ظاہری نظارے باطنی مشاہدے کہ ہر ورقے دفترے است

marfat.com

معرفتِ کردگار۔ پتے پتے میں ظہور اُس کی ہی قدرت کا کمال سب دیکھنے سمجھنے کے باوجود یہ
فہم کے اندھے قلب کے بہرے روحانی گونگے دلوں کی جہر ولے عقل کی ڈاٹ والے مردہ
ضمیری کے پردے والے یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ۔ اپنے حقیقی معبود اللہ تعالیٰ کو چھوڑ
کر اُن بتوں کو پوجتے ہیں جو اپنے ہی ہاتھوں سے بناتے تراشتے ہیں اور ایسی حماقت کے
عقیدے جہالت کے دین بنالئے ہیں جس کی سچائی وثبوتِ حقیقت کے لیے اللہ تعالیٰ نے
کوئی بھی مضبوط دلیل نہ اتاری نہ وحیِ قرآن سے نہ نبی کی زبان سے اور اُن کی پرستش کرتے ہیں
جن کی پوجا کے ثبوت میں اُن مشرکین کے لیے کہیں سے کوئی علمی عقلی معلوماتی معقول بات بھی نہیں
نہ نقل وعقلی دلیل نہ کسی طرف سے کوئی تائید نہ خود کبھی فکر وتدبر سے دلیل وتائید کی جستجو کی محض
نسل درنسل باپ دادوں کی دیکھا دیکھی شیطانی رسمی عقیدہ پرستش چلی آرہی ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں
جو اپنی جانوں پر ابدی ظلم کرنے والے ہیں۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ مِنۡ نَّصِیۡرٍ۔ اور اس قسم کے ظالموں
کا کبھی کوئی کسی وقت کسی زمانے میں مددگار نہیں ہوتا نہ دنیا میں عقلی نقلی دلائل کی حمایت سے تائید
بنا کر نہ آخرت میں ساتھ نبھا کر۔ دلائل حجت۔ ونصرت وحمایت صرف دین حق والوں کے پاس
ہوتی ہے مگر کفار کے پاس نہ دلیلِ سلطانی نہ تائید رحمانی نہ جہتِ ایمانی محض وہم سے اوثان
واصنام شیطان وانسان کی عبادت میں لگ گئے حماقت یہ کہ باطل کو بغیر دلیل مان لیا اور حق کے
لیے دلائل کی طلب ہے۔ سچ ہے کہ رب تعالیٰ ہی حقیقی ہدایت دینے والا ہے۔
ان آیات میں مفسرین کے **مختلف اقوال**۔ وَاِنۡ جَادَلُوۡکَ (الخ) پوری آیت ۶۸ اور
۶۹ میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا یہ دونوں آیتیں آیتِ سیف سے منسوخ ہیں، ناسخ ومنسوخ
کا پورا بیان ہمارے فتاویٰ العطایا جلد دوم میں دیکھئے ۲؎ بعض نے کہا یہ آیتیں منسوخ نہیں بلکہ
محکم ہیں اور تا قیامت مسلمانوں کو جاہلوں کے مجادلے مباحثے سے بچنے کی تلقین فرمائی جا
رہی ہے یہی قول درست ہے پہلا غلط ہے اَلَمۡ تَعۡلَمۡ میں دو قول ۱؎ بعض نے کہا اس میں
خطاب نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے ہے ۲؎ بعض نے فرمایا اس میں خطاب عام مسلمانوں
سے ہے۔ پہلا قول درست ہے فِیۡ کِتٰبٍ میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا کتاب سے مراد
حفاظتِ الٰہی ہے ۲؎ بعض نے کہا کتاب سے مراد لوحِ محفوظ ہے دونوں قول درست ہیں
اِنَّ ذٰلِکَ میں چار قول ۱؎ بعض نے کہا ذٰلِکَ سے مراد اَللّٰہُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ہے ۲؎ بعض نے کہا
اس سے مراد فیصلہ قیامت ۳؎ بعض نے کہا اس سے مراد آسمانوں زمینوں کا علم ہے ۴؎ بعض

marfat.com

نے کہا ذَالِکَ کا اشارہ الیہ لوحِ محفوظ میں لکھنا ہے یہ سب قول درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ہر چیز آسان ہے مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ کی ہ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا اس کا مرجع کفار کی بت پرستی ہے یعنی بت پرستی پر کوئی دلیل نہیں ہے ۲؎ بعض نے کہا کہ اس کا مرجع بتوں کی اُلوہیت ہے یعنی بتوں کے معبود ماننے پر کوئی دلیل نہیں نہ نقلی نہ عقلی، وَمَا لَیْسَ لَھُمْ میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کفار کو کوئی علم یعنی عقل نہیں ان کی سب پوجا پاٹ حماقت ہے ۲؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ کفار کے پاس ان کے دینی عقائد پر کوئی دنیوی عقلیات مشاہدات تاریخات کی معلومات کی دلیل نہیں نہ کسی سے پوچھی نہ کسی نے بتائی دونوں قول درست ہیں۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ، میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا کہ ظالمین سے مراد اپنی جان پر ظلم کرنے والے سب کفار تا قیامت ہیں ۲؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ مسلمانوں پر ظلم کرنے والے صرف کفارِ مکہ ہیں۔ پہلا قول درست ہے۔ نَصِیْر میں دو قول ہیں ۱؎ بعض نے کہا اس سے مراد یہ کہ کفار کا دنیا میں کوئی ایسا مددگار نہیں جو ان کو ان کے دین کی سچائی پر دلائل بتائے سمجھائے ۲؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار ظالمین کا آخرت میں کوئی مددگار نہیں جو ان کو عذاب سے بچائے یا ہٹائے نہ شفاعتی نہ سفارشی نہ حمایتی۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ** ہر مسلمان کو ہر وقت دین دنیا کے ہر معاملے ہر اُلجھن مشکل دشواری پریشانی میں اللہ تعالیٰ کا سہارا پکڑنا چاہیئے اور اپنی ہر بات کو اپنے رب تعالیٰ کے سپرد کرنا چاہیئے وہ معاملہ کفار کی طرف سے درپیش آئے یا منافقین فاسقین کی طرف ہے اسی بھروسے پر مسلمانوں کی کامیابی اور سہولت ہے یہاں تک کہ مقدمہ بازی میں بھی تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ اس طرح توکل علی اللہ سے اکثر حق والے کو فتح مندی نصیب ہوتی ہے اور مخالف رسوا ہوتا ہے یہ فائدہ فَقُلِ اللّٰہُ اَعْلَمُ اور اللّٰہُ یَحْکُمُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**۔ ہر مسلمان کو یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم آقائے کائنات حضورِ انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو عالمِ ازل میں ہی تمام علوم سکھا پڑھا کر عطا فرما دئے ہیں اور عالمِ ازل حادث سے ہی نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل سبحانہٗ عالمین کے ذرے ذرے کو جانتا ہے یہ عقیدہ نبوت کے لیے ضروری اور آپ کی نبوت آپ کو عالمِ ازل میں ہی مل چکی تھی لہٰذا آپ کا یہ عقیدہ ازلی اور اس عقیدے کے لیے جتنا علم ضروری وہ بھی ازلی ہونا لازمی ہے یہ فائدہ اَلَمْ تَعْلَمْ کے سوالِ اقراری اور نفی جحد بلم کے فعل ماضی ارشاد فرمانے سے حاصل

marfat.com

ہوا۔ بعض مترجمین نے اَلَمۡ تَعۡلَمۡ کا ترجمہ مضارع منفی سے سوالیہ بنایا وہ قانون نحوی صرفی کے مطابق حقیقی ترجمہ سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں۔ قانونِ نحو کے مطابق نفی جحد بلم سے مضارع بمعنی ماضی ہو جاتا ہے۔ **تیسرا فائدہ**، ہر مسلمان بلکہ ہر انسان کو یہ بات ہمیشہ ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ حق و باطل کے درمیان دیگر بہت سے فرق اور امتیازی نشانات کے علاوہ یہ بھی ایک بہت عظیم فرق ہے کہ حق کے لیے بہت سے عقلی، نقلی، تجرباتی، مشاہداتی، ظاہری باطنی اور وحی ربانی تائید ایمانی کے غالب اور مضبوط تاریخی معلوماتی دلائل و براہین ہوتے ہیں۔ مگر باطل کے لیے اس قسم کی کوئی بھی دلیل نہیں ہوتی گویا کہ کسی چیز یا کسی عقیدے کی دلیل نہ ہونا بھی اس کے باطل و حماقت و جہالت ہونے کی شناخت ہے۔ یہی فرق مسلمانوں کے دیگر فرقوں اور حق جماعت اہلسنت کے درمیان ہے اسی چیز کو بھانپتے ہوئے باطل فرقوں نے بھی محض دھوکہ دینے کے لیے اپنے آپ کو سنی کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ سنی صرف ثنا خوانِ مصطفیٰ ہیں یہ فائدہ مَالَمۡ یُنَزِّلۡ (الخ) اور وَمَا لَیۡسَ لَهُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور یہ قاعدہ کلیہ و نشانِ اعظم اتنا مضبوط و مستحکم کہ جب سے یہ آیت پاک نازل ہوئی ہے اس وقت سے آج تک کوئی کافر و باطل اس چیلنج کو قبول نہ کر سکا نہ کوئی کافر اپنے بتوں کی اُلوہیت اور اپنی پوجا پاٹ کے جواز پر کوئی چھوٹی موٹی عقلی نقلی دلیل پیش کر سکا نہ کوئی باطل اپنے عقیدے پر۔ یہ تو صرف مسلمانوں اور سنیوں کی شان ہے کہ اُن کے ہر ہر عقیدے پر قرآن و حدیث کے بے شمار دلائل ہیں۔ فَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذٰلِكَ۔

احکام القرآن ان آیت پاک سے چند فقہی حنفی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ ان آیت مقدسات میں مسلمانوں کو آدابِ مکالمہ سکھائے جا رہے ہیں اور بتایا جا رہا ہے کہ کن لوگوں سے مناظرہ جائز ہے کن سے ناجائز اور کونسا مکالمہ برا ہے کونسا اچھا کس کو علمی مناظرہ کہا جاتا ہے کس کو جہالت کا مجادلہ، سمجھایا اس طرح جا رہا ہے کہ ضدی و جاہل کفار سے کسی بھی مسئلے میں ہرگز بات مت کرو۔ یہ مسئلہ اِنۡ جَادَلُوۡكَ فَقُلِ (الخ) کے اِنۡ شرطیہ اور فَ جزائیہ سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ جُہلا وہ لوگ ہیں جو بے دلیل اور بے علم ہونے کے باوجود اپنے آپ کو بہت علم و عقل والا سمجھیں اور علماء سے کج بحثی کریں۔ اس جگہ اِنۡ جَادَلُوۡكَ میں خطاب اگرچہ حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو ہے مگر آدابِ مناظرہ کا قانونِ شرعی تاقیامت بتا دیا گیا، اس قانون کا مزید فائدہ

marfat.com

یہ ہوگا کہ کسی گستاخِ اسلام کو کسی شرعی مسئلے کی گستاخی کی ہمت اور موقعہ نہ ملے گا ورنہ کچھ بحثی ہیں جہلا کے منہ سے بہت گستاخیاں نکل جاتی ہیں اور مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، تو نوبت لڑائی مار کٹائی کی آسکتی ہے۔ دوسرا مسئلہ ہر معاملہ میں مسلمان کو رب تعالیٰ کے متعلق وہی عقیدہ رکھنا چاہئے جو اُمتی کو اپنے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ذریعے اور تعلیم سے ملے یعنی جو عقیدہ اللہ تعالیٰ کے متعلق انبیاءِ کرام علیہم السّلام کا ہو بالکل وہی عقیدہ ہر مسلمان کا ہونا چاہیئے، ذرہ بھر فرق جائز نہیں اگر فرق ہوگا تو وہ شخص مسلمان کہلانے کا حق دار نہیں۔ یہ مسئلہ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰہَ (الخ) کے فرمانِ خطابی سے مستنبط ہوا کہ نبی کریم آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے سوالِ اقراری کا خطاب فرما کر رب تعالیٰ کی شانِ علمی کا عقیدہ ظاہر فرمایا تاکہ ہر مسلمان بھی یہ ہی عقیدہ رکھے اگر کبھی بھی کوئی مسلمان اس عقیدے میں کسی طرح کی کمی کرے گا تو اسلام سے خارج ہو جائے گا اسی بنا پر سابقہ معتزلی فرقے کو اسلام سے خارج کہا جاتا تھا کیونکہ اُن کے بہت سے کفریہ عقائد میں سے ایک یہ بھی کفریہ عقیدہ تھا کہ بعض چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کو چیز ہونے سے پہلے نہیں ہوتا جب وہ چیز ہو جاتی ہے تب اللہ کو علم ہوتا ہے (نعوذ باللہ) تیسرا مسئلہ تمام فقہاءِ کرام علیہم الرضوان کا فرمان بھی یہ ہے اور ذاتی طریقہ بھی یہ ہونا چاہیئے کہ کسی مسئلے اور عقیدے کو ثابت کرنے کے لیے اوّلاً قرآن مجید کے بیان کردہ دلائل پھر احادیثِ مقدسہ کے فرمودہ دلائل پھر فقہ کے تخریج کردہ پھر قیاس پھر عقل و تاریخی مشاہداتی تجرباتی دلائل تلاش کرنا چاہئیں اس لیے کہ تمام دلائل میں سب سے زیادہ مضبوط اور سب پر غالب دلائل قرآن مجید کے بیان کردہ ہیں یہ طریقہ استنباط فقہ حنفی کا سب ہی اعلیٰ شان والا ہے کہ امام اعظم کے تقریباً تمام مسائل فرمانِ قرآن مجید سے مستنبط ہوتے ہیں جو منشاءِ قرآن کریم کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ دلائلِ قرآنی کے مقابل کوئی دلیل نہ معتبر ہے نہ مضبوط اگرچہ ظاہراً کتنے اچھے لگتے ہوں خاص کر سائنسی دلیلیں تو بالکل ہی بیہودہ ہیں یہی حال دنیوی کورٹ کچہری کے قوانین کا ہے کہ اسلامی قوانین کے مقابل وہ سب بالکل کمزور اور بیہودہ ہیں کیونکہ اسلامی قوانین کے دلائلِ قرآنِ مجید سے ثابت اور دیگر قوانین انسانی عقلیات سے ثابت اور انسانی ذہن کے تراشے خود ساختہ بنائے ہوئے۔ یہ مسئلہ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ (الخ) کو وَمَا لَيْسَ لَهُمْ پر مقدم فرمانے اور سُلْطَانًا فرمانے سے مستنبط ہوا یعنی قرآنی دلائل ہی سب دلائل پر غالب اور سلطان ہیں اُن کی حیثیت ہی اوّل ہے۔

marfat.com

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ کِتَابٍ۔ یعنی کائناتِ مخلوق کے تمام علوم لوحِ محفوظ میں لکھے ہوئے ہیں۔ اس لکھنے کی وجہ کیا ہے بعض فرقۂ باطلہ جیسے سابقہ گذشتہ ایک فرقہ جہمیہ اسی لوحِ محفوظ کی کتابت کی بنا پر یہ عقیدہ بناتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بھی لوحِ محفوظ سے مستفاد اور حاصل شدہ ہے (معاذ اللہ) یہ کفریہ عقیدہ بعض مغربی خوارج کا بھی سننے میں آیا ہے۔ یہ عقیدہ اسی کتابت کی وجہ سے بن گیا۔ اگر یہ بات نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر لوحِ محفوظ میں لکھنے کا مقصد کیا ہے کیا معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بھول جانے کا خطرہ تھا۔ (از تفسیر کبیر امام رازی) **جواب** یہ فرقہ پہلے زمانہ میں تھا اب یہ تمام باطل فرقے، جہمیہ، قدریہ معتزلہ وغیرہ مرکھپ کر فنا ہو چکے ہیں امام رازی نے یہ اعتراض سے جواب درج فرمایا ہے۔ وہ جواب فرماتے ہیں کہ یہ کتابتِ لوحِ محفوظ تو اس بات کی بہت بڑی دلیل ہے کہ رب تعالیٰ کا علم قدیم ہے کتاب اور کتابت سب بعد کی پیداوار لہٰذا اللہ تعالیٰ کا علم مستغنی ہے ہر قسم کی کتاب اور کتابت سے اس لیے کہ ہر موجودات سے پہلے لکھی گئی اور یہ بات حقیقۃً واقعی ہے کہ علم پہلے ہوتا ہے لکھنا بعد میں تو جب تمام مخلوق و موجودات سے ہزاروں سال پہلے لوحِ محفوظ بنی اور اس پر آئندہ مخلوق کا ذکر لکھ دیا گیا تو رب تعالیٰ کا علم لوحِ محفوظ کی کتاب سے مستفاد اور حاصل شدہ کس طرح ہوا۔ ایسی بیہودہ سوچ اور احمقانہ عقیدہ تو کسی عقل کے اندھے کا ہی ہو سکتا ہے ورنہ بات تو بالکل عام فہم ہے لوحِ محفوظ کی کتاب میں تو وہ باتیں بھی لکھی ہوئی ہیں جن کا وجود ابھی بھی نہیں ہوا آئندہ ہوگا گویا کہ لوحِ محفوظ کے مطابق تخلیق ہوتی جا رہی ہے، جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ کے علمِ کُلی کی اوّلیت بے حد و بے شمار ہے وہ تو اقدمُ القدیم ہے اور علم کی صداقت یہ کہ ہر کتابت ہر موجود کے مطابق ہے سرِ مو برابر فرق نہیں اور یہ بات کہ کتابت لوحِ محفوظ کیوں فرمائی گئی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتابت آسمان کے فرشتوں کو دکھانے اور زمین کے اولیاء اللہ کو بتانے کے لیے کی گئی کیونکہ یہی حضرات مقدس بندے مدبراتِ امر فِی السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ہیں اسی کو دیکھ کر انہوں نے امورِ دنیا ادا فرماتے ہیں، اسی کتابت کو دیکھ کر ہی اولیاء اللہ بتا دیتے ہیں کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے۔ **دوسرا اعتراض**۔ اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں پہلے فرمایا گیا مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا۔ پھر فرمایا گیا۔ وَمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ۔ پہلا سوال یہ

marfat.com

ہے کہ جب دلیل ہی کوئی نہیں تو علم کی نفی کی ضرورت کیا ہے۔ غیر موجود شئی کے علم کی نفی تو بیکار ہوتی ہے۔ جاہل سے موجود چیز کے علم کی نفی کی جاتی ہے دوسرا سوال یہ ہے کہ پہلے مَا لَمْ یُنَزِّلْ اور بعد میں وَمَا لَیْسَ لَھُمْ فرمایا گیا اس ترتیب کی وجہ کیا ہے ؟ جواب یہ تحریر بھی بالکل درست اور عین مناسب ہے اور یہ ترتیب بھی۔ تحریر تو اس لیے کہ جھوٹی معبودیت اور مشرکین کے خود ساختہ عقیدے کی تکویت اور کمزوری بیان فرماتے ہوئے اُس کے ثبوت اور دلائل کی نفیِ مطلق فرمائی گئی کہ نہ کفار کے پاس اپنے بتوں کی اُلوہیت پر کوئی سمعی دلیل ہے نہ علمی معلوماتی مشاہداتی اور بے دلیل و بے ثبوت ہونا ہی اس کی کذابیت اور باطلیت ہے اور باطل عقائد میں ہی دنیا و آخرت کا نقصان و قہر و عذاب ہے، ترتیب کی درستی و مناسبت اس لیے کہ چونکہ سمعی دلیل وہ ہوتی ہے جو وحیِ الٰہی اور نبی کی زبان سے ہو، اور وحیِ الٰہی کی دلیل سب سے زیادہ مضبوط و معتبر ہوتی ہے اس لیے اُس کو پہلے ذکر فرمایا گیا۔ عقلی علمی قیاسی دلیل کمزور ہوتی ہے اس لیے اس کا ذکر بعد میں فرمایا گیا، دلیل تنزیلی کو سُلطان فرمانے کی وجہ بھی یہ ہے یعنی سب پر غالب نیز دینی قلبی اور روحانی طور پر دین والوں کو جلدی پسند آتی ہے زیادہ مقبول ہوتی ہے اگرچہ دین جھوٹا ہو، ہر انسان اپنے دین کی بات و تحریر کو سب عقلیات علمیات پر مقدم اور زیادہ معتبر سمجھتا ہے اشارہ یہ بھی مل گیا کہ کفار کی بُت پرستی اور بتوں کی اُلوہیت پر خود کفار کو اُن کی مذہبی کتب میں بھی کوئی دلیل نہیں ملتی نیز دلیل وحی میں دو طرح عظمت ہے پہلی اس طرح کہ اس میں تائید ربّانی شامل ہوتی ہے دوم یہ کہ اس میں اپنے پرائیوں سب کی پسند ہوتی ہے اور سب کو ماننی پڑتی اس کو نہ کوئی توڑ سکتا ہے نہ توڑنے کی جرأت کر سکتا ہے بخلاف علمی عقلی دلیل کے کہ اس کو ہر ایک پسند نہیں کرتا بلکہ اکثر عقلی دلیل عقلیات سے ہی توڑ بھی دی جاتی ہے۔ دلیل وحی کے جواز میں کوئی قید نہیں ہوتی، دلیل عقلی میں سینکڑوں قیدیں گویا دلیلِ وحی مطلق ہوتی ہے اور دلیل عقلی مقید ہوتی ہے اس لیے دلیلِ مطلق کی نفی پہلے فرمائی گئی دلیل مقید کی بعد میں حکیم الامت بدایونی نے فرمایا کہ دلیل وحی حجۃ قاطعہ ہے اس لیے اس کو سلطانیت اور غلبہ ہے جو اس میں شک کرے وہ گمراہِ طریق اور محروم توفیق ہو جاتا ہے دلیل یقینِ مطلق کا فائدہ دیتی ہے مگر دلیل عقلی ظنی ہوتی ہے لہٰذا اس کی دلالت بھی ظنی ہوتی ہے۔ دلیل وحی اصل ہے۔ دلیل عقلی فرع ہے اور فرع اپنے اصل پر کبھی مقدم نہیں ہو سکتی نہ قوت میں زیادہ ہو سکے۔ تیسرا اعتراض یہاں فرمایا گیا۔ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا وَمَا لَھُمْ مِّنْ نَّصِیْرٍ

marfat.com

تاکہ ھُمۡ ضمیر کا مرجع ۔ یَعۡبُدُوۡنَ ۔ کی طرف لوٹنا اور سامعین کو سمجھ آجاتی کہ وہ کون لوگ ہیں جن کا دنیا
و آخرت میں کوئی مددگار نہیں، تو یہاں اسم ضمیر چھوڑ کر اسم ظاہر کیوں ارشاد فرمایا ہوا جواب
اس لیے تاکہ مددگار نہ ہونے کی وجہ بھی سب کو معلوم ہو جائے اور یہ پتہ لگ جائے کہ بتوں
کی عبادت کرنے والا کتنا بڑا مجرم ہے ۔ غرضکہ وَمَا لِلظّٰلِمِیۡنَ ۔ فرما کر دو باتیں واضح فرمائی گئیں
اوّلاً یہ کہ مشرکین ظالم ہیں، دوم یہ کہ جو ظالمین ہوں ان کا مددگار کوئی نہیں ہوتا ۔

تفسیر صوفیانہ وَاِنۡ جٰدَلُوۡكَ فَقُلِ اللّٰهُ اَعۡلَمُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ۔ اَللّٰهُ يَحۡكُمُ بَيۡنَكُمۡ
يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ فِيۡمَا كُنۡتُمۡ فِيۡهِ تَخۡتَلِفُوۡنَ ۔ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰهَ
يَعۡلَمُ مَا فِى السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ ۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِىۡ كِتٰبٍ ۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ
يَسِيۡرٌ ۔ طالبینِ معرفت کے بہت سے گروہ ہیں ہر گروہ کا راستہ علیحدہ جس پر وہ وارد ین
ہیں، ہر قوم کا منہاج وطریقہ جدا جس پر وہ سالکین ہیں اور سب کے مقامات متفرق ہر ایک
کا رابطہ انھیں سے جو ان کے اہل ہیں اور ہر ذی رتبے وصل اپنے ہی مقام سے ہے ۔ پس عبادت
کا مسئلہ روندا جاتا ہے عابدین کے قدموں سے اور اجتہاد کے مشاہدین معمور ہیں مجتہدین
کے اہل تکلف سے معرفت والوں کی مجلس مانوس ہیں عارفین کے لوازمات سے اور محبتین
کی منزلیں منور ہیں واجدین کی حاضری سے اِنس وصل وسلوک کے تفرق کی وجہ سے دعوتِ الٰہی
اللہ متفرق ہے تو کچھ ان میں وہ ہیں جو مخلوق کو حقیقی، عبودیت کی طرف بلاتے ہیں بابِ فنا
سے اور کچھ وہ ہیں جو مخلوق کو بلاتے ہیں ملاحظۂ عبودیت کے دروازے سے ۔ یہی سب لوگ
فقرِ الٰہی کے قیام میں عجز و ذلت کے سجدوں کے ساتھ رہنے والے ہیں اور عبدیت جس حالت کا
تقاضا کرتی ہے ہمیشہ اسی حالت میں مگن ہیں اور ان میں سے کچھ وہ ہیں جو مخلوق رحمانی کو اخلاق
رحمانی کے بابِ ملاحظہ سے بلاتے ہیں اور کچھ وہ ہیں جو اخلاقِ قربت کے دروازے سے بلاتے
ہیں اور کچھ اخلاقِ الوہیت کے باب سے یہی باب سب سے بلند و بالا اور بڑی شان والا ہے
اللہ تعالیٰ کی طرف راستے انفاسِ مخلوق کی تعداد کے مطابق ہیں یہی صفاتِ الٰہیہ کے مطابقت ہے
کیونکہ ہر شعاعیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر مظہر صفاتِ الٰہیہ میں موجود ہیں لیکن اس راہِ سالکین
میں اہلِ مجادلہ بھی آجاتے ہیں یہی لوگ فکرِ نافرمانی میں ہوتے ہیں شیطانی اعتراضات ابلیسی
خیالات ہی مچاتے ہیں، اے بندۂ عارف اگر یہ تجھ سے جھگڑا کریں بھی تب بھی تو ان سے
جھگڑا نہ کر بلکہ ان کو بتا دے کہ عنقریب قیامتِ صغریٰ میں اللہ تعالیٰ ہر فریق کے درمیان

marfat.com

یقینِ حکم کا فیصلہ ثوابِ قرب اور عذابِ بُعد۔ جزاءِ وصال وسزاءِ فراق فرما دے گا، ثواب والوں
کو فرمایا جاتا ہے کہ وہ دے جائیں گے بغیر حساب اجر جزا والوں کو فرمایا جاتا ہے کہ قائم ہو
جاؤ آج تمہارا ہی حساب یسیر ہے۔ احباب کو فرمایا جاتا ہے فَیَقْعُدُوْنَ فِیْ مَقْعَدِ صِدْقٍ
عِنْدَ مَلِیْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ مجادلے والے کو فرمایا جاتا ہے کہ آج تو اپنا حساب خود کر اپنے کرتوتوں
حرکتوں کے حساب کے لیے تو خود ہی کافی ہے اس آیت نے یہ ارشاد بھی فرمایا کہ فضاءِ معرفت
اور فلکیاتِ طریقت میں قلبِ مومن آسمان ہے اور نورِ یقین آفتاب ہے۔ سچائی چاند ہے اخلاص
و محبت ستارے ہیں۔ اور بشریتِ انسانی زمین ہے اس میں نفسِ امارہ کی خار دار جھاڑیاں
ہیں شک کی ظلمتیں اور اندھیریاں ہیں، شرک کے طوفان کذب کے دریا، حرص دنیا کے دلدل مباحثہ
مجادلہ کے کیچڑ ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ ہی اہلِ قلوب سے غبارِ بلویٰ دور فرما کر نعمتوں کا جمال عطا فرماتا
ہے لیکن نفس کے بندوں کو شکوک وشبہات کے تنزلی کے بگولوں میں پھنسا دیتا ہے تو وہ مجادلہ
مباحثہ کرتے ہی مر جاتے ہیں۔ اِنَّ ذٰلِكَ فِیْ كِتٰبٍ۔ یہ سب کچھ سینہ مومن کی کتابِ محفوظ
میں عنداللہ ہے جو قدیمی قلمِ تقدیر سے لکھا ہوا ہے۔ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْرٌ۔ بے شک
یہ ہر ایک کی مجازاتِ ایمان کے مکافاتِ اعمال سب کی تقدیر ازلی کے مطابق اللہ تعالیٰ پر
آسان ہے۔ لیکن اسباب کو صرف مومن ہی جانتا مانتا ہے۔ پس جس کا علم اس کے ایمان و معرفت
کے مطابق ہو گیا تو یہ اُس کے بخت اور سعادتِ عقلی کی علامت ہے، اور جو شخص جہل
کسل جدل اور بحث میں مبتلا ہوا تو یہ اُس کی بدبختی وشقاوتِ کبریٰ کی علامت ہے، تو اے
بندۂ طالب تیرے لیے بس ایک ہی راستہ ہے وہ یہ کہ احکامِ الٰہیہ کو قلب وعقل سے
تسلیم کر دہ راہِ حق میں شریعت وطریقت کے ذریعے اجتہاد کرتا رہے بجز اس کے کوئی راہ نجات
نہیں۔ اے بندے مجادلہ چھوڑ معاملہ کر یہاں تک کہ معرفت وحقیقت تک وصل نصیب ہو
جائے عالمِ قضا کا ناظر بن ورنہ عبدِ نفس تو اندھا ہے نہ تو اس سے اپنا راستہ پا سکے نہ
وہ خود اپنا راستہ تلاش کر سکتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ ہی حق ہے اور وہی سبیلِ حق کی ہدایت
کاملہ عطا فرماتا ہے اسی لیے بے ہدایت والے۔ وَیَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ
بِهٖ سُلْطٰنًا وَّمَا لَیْسَ لَهُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ۔ اور مجادلہ نشقاوت
کرنے والے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اُن خواہشات کی پرستش کرتے ہیں جن کی پوجا پر نہ سماعت
کی کوئی دلیل ہے نہ بصارت کی نہ بصیرت کی نہ روح کی نہ قلب کی نہ تَنْزِیْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ

marfat.com

کی اوران بدنصیبوں کے پاس اپنی طبعی نفسی خواہشات پر کوئی علمی معلوماتی کشف ومشاہدے کی دلیل متق بھی نہیں ہے۔ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ۔ عالَمِ ناسوت میں بندے دوقسم کے ہیں ایک اہلِ عِرفان دوم اہلِ خُذلان یعنی پہلی قسم معرفت والوں کی، دوسری قسم دونوں جہان کی ذلت والوں کی، معرفت والوں کو خواص میں شامل فرماکر منفرد بنا لیا جاتا ہے اور برھان سے تائید کی جاتی ہے ایمان سے اعزاز بخشا جاتا ہے سلطان سے قوت وغلبہ دیا جاتا ہے۔ اہلِ خُذلان کی دولتِ اَصنام کی پرستش کی وجہ سے ان کے پاس نہ سلطان ہوتا ہے نہ فکر وعلم کی برھان، نہ ربِ قدیر کی طرف سے نصرتِ اطمینان بلکہ ہر طرف سے حرمان وخُذلان ہی ملتا ہے **اہل اللہ** کو جاہل مجادلوں سے اس لیے روکا جاتا ہے کہ اس میں اہلُ اللہ کے پانچ نقصان ہوتے ہیں ۱۔ مجادلہ ہمیشہ بیکار ہی ہوتا ہے نہ اس سے موافق کو فائدہ نہ مخالف کو نہ خود کو ۲۔ قیمتی وقت کو ضائع کرتا ہے ۳۔ عبادت خراب ہوتی ہے کیونکہ عبادت کا وقت جھگڑوں مباحثوں اور عبادت سے غفلتوں میں خرچ ہو جاتا ہے اور مشرب صوفیا میں جودم غافل سو دم کافر ہے ۴۔ ذہنی اُلجھاؤ پیدا ہوتا ہے ۵۔ مجادلے سے دل تنگی اور دل تنگی سے دل کی موت کیونکہ بیہودہ باتیں سننی پڑتی ہیں اسی لیے صوفیاءِ منتہی وطالبینِ مبتدی دونوں کے لیے خلوت ومراقبہ بہترین عادت وعبادت ہے، قلب کی تراوت روح کی طہارت عقل کی زکاوت ہے۔

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ

اور جب تلاوت کی جائیں اُن کے پاس ہماری روشن آیتیں تو آپ پہچان لیتے

اور جب ان پر ہماری روشن آیتیں پڑھی جائیں تو تم اُن کے

فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ

ہیں اُن لوگوں کے چہروں میں جو کافر ہیں ناگواری کے نشانات اس حال میں کہ

چہروں پر بگڑنے کے آثار دیکھو گے جنھوں نے کفر کیا قریب ہیں کہ لپٹ

marfat.com

يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ؕ

قریب ہے کہ ہاتھ پائی کریں اُن سے جو تلاوت کر رہے ہوں ان پر ہماری آیتیں

پڑیں اُن کو جو ہماری آیتیں اُن پر پڑھتے ہیں، تم فرمادو کیا

قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ اَلنَّارُ ؕ

فرمادو تو کیا بتادوں میں تم کو اُس مصیبت کے بارے میں جو کہیں بڑی ہے اس سے۔ وہ آگ ہے

میں بتادوں جو تمہارے اس حال سے بھی بدتر ہے۔ وہ آگ ہے

وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَبِئْسَ

کہ وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے جو کافر رہے اور برا ہے وہ

اللہ نے اس کا وعدہ دیا کافروں کو اور کیا ہی بری

۹ ع ۱۶ الْمَصِيْرُ ﴿۷۲﴾ ع يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ

آخری ٹھکانہ۔ اے لوگو بیان کردی گئی ہے ایک بڑی مثال

پلٹنے کی جگہ۔ اے لوگو ایک کہاوت فرمائی جاتی ہے اسے کان لگا کر سنو۔

فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ

لہذا غور سے سنو اُس کو کہ بے شک وہ بت کہ بلا رہے ہو تم

وہ جنہیں اللہ کے سوا تم پوجتے

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ

اللہ کے مقابل ہرگز وہ پیدا نہیں کر سکتے ایک مکھی کو بھی اگرچہ

ہو۔ ایک مکھی نہ بنا سکیں گے اگرچہ سب

marfat.com

اجْتَمَعُوْا لَهٗ ؕ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ

سب دیوی دیوتا جمع ہو جائیں اس کام کے لیے اور اگر چھین لے ان کے چڑھاووں سے کوئی مکھی

اس پر اکٹھے ہو جائیں۔ اور اگر مکھی ان سے کچھ چھین کر لے جائے تو

شَيْـًٔا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ؕ ضَعُفَ

تھوڑی سی چیز تو واپس چھین نہیں سکتے یہ بت اس چیز کو اس سے کتنے حقیر کمزور ہیں

اس سے چھڑا نہ سکیں۔ کتنا کمزور ہے

الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ ﴿۷۳﴾

عقلاً یہ بت پرست اور حساً یہ بت (دیوی دیوتا)

چاہنے والا اور وہ جس کو چاہا۔

تعلقات ان آیاتِ کریمہ کا پچھلی آیاتِ کریمہ سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن تمہارے درمیان فیصلہ فرما دے گا۔ اب ان آیت میں اس فیصلے کی تھوڑی سی نشان دہی فرمائی جا رہی ہے کہ اَفَاُنَبِّئُکُمْ (الخ) **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کے بتوں کی کمزوری بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ کفار کے پاس اپنے بتوں کی حقانیت پر کوئی سلطان اور قوی دلیل نہیں ہے اب ان آیت میں بتوں کی ایک اور حقیقی کمزوری اور انتہائی بے بسی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں رب تعالیٰ کے وسیع علم و معلومات کا ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ آسمان و زمین کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ کے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے کثیر علم کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ نبی پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بھی ہر چیز کا علم اور خبر رکھتے اور ہر دنیا و آخرت کی اشیاء کی خبر ہر ایک کے انجام کو جانتے اور بتا سکتے ہیں۔

تفسیر نحوی وَاِذَا تُتْلٰی عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ

marfat.com

يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ ـ
واؤ سر جملہ اِذَا حرف شرط تُتْلٰی باب نَصَرَ کا فعل مضارع مجہول واحد مؤنث غائب تِلَاوَتٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے پیچھے پیچھے آنا چلنا۔ اصطلاحًا چار معنیٰ میں مشترک ہے ۱ قرآنِ مجید کی آیتوں سورتوں کو صحیح طریقے سے پڑھنا لفظًا لفظًا ۲ اسی لغوی لحاظ سے جانوروں کے بچوں کو تلوی اور تلویات کہتے ہیں ۳ نحوی لوگ شرط کی جزا کو تالی کہتے ہیں کہ وہ شرط کے پیچھے (بعد) ہوتی ہے ۴ چاند کا ایک نام تالی ہے کیونکہ وہ سورج کی روشنی لینے کے لیے سورج کے پیچھے چلتا ہے یہاں قرآن مجید کا لفظی ناظرہ پڑھنا مراد ہے عَلٰی حرفِ جار بمعنیٰ عِنْدَ ہِمْ ضمیر کا مرجع عام لوگ (مومن کافر منافق) یہ جار مجرور متعلق ہے تُتْلٰی کا اٰیٰتُنَا یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے تُتْلٰی کا بَیِّنَاتٍ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے بَیِّنٌ، بَیِّنَۃٌ، بَیْنٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لغوی الگ الگ کرنا، جدا کرنا چونکہ الگ کرنے سے ہر چیز جو پہلے مخلوط ہونے کی بنا پر خفیہ اور پوشیدہ تھی اب کھل کر سامنے ظاہر ہو گئی لہٰذا اصطلاحًا مجازی معنیٰ ہیں ظاہر ظہور کھلی ہوئی۔ یہاں اسی معنیٰ میں ہے۔ بحالتِ فتحہ ہے کیونکہ حال ہے اٰیٰتُنَا کا یہ ذوالحال حال مل کر نائب فاعل ہے تُتْلٰی کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ تَعْرِفُ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ یا اس کا مرجع آقاء کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور یا تا قیامت ہر سُنّی مسلمان کیونکہ اگلی حالت اس وقت کفار کی ہوتی تھی آج کل گستاخوں کی، عُرْفٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پہچاننا فِیْ حرفِ جر ظرفِ مکانی کے لیے وجوہ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے وَجْہٌ بمعنیٰ اصطلاح چہرہ، مضاف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول مبنی مبہمات میں سے ہے بحالتِ کسرہ ہے کیونکہ مضاف الیہ ہے کَفَرُوْا باب نَصَرَ سے فعل ماضی با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ یہ موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہے وُجُوْہِ کا وہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَعْرِفُ کا اَلْمُنْکَرَ باب افعال کا اسم مفعول واحد مذکر نُکْرٌ سے بنا ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے ناپسندیدگی نقصان دہ ہونا اصطلاحًا تین مجازی معنیٰ میں مشترک ہے ۱ عقلی چالاکی فریب کاری جو انجام کار فریبی کو نقصان ہی دیتی ہے۔ دل کی ہوشیاری اچھی چیز یہ مصائب سے بچاتی ہے مگر عقلی فریب و چالاکی مفاد پرستی پر اکساتی ہے ۲ ناگوار گناہ یہاں اسی معنیٰ میں ہے جس کے اثرات چہرے پر نمودار ہوتے ہیں ۳ نامۂ اعمال کے کاتبین کو منکر نکیر اسی معنیٰ میں کہتے ہیں کہ وہ اچھے برے سب اعمال لکھتے ہیں۔ یہ مفعول بہ ہے اور ذوالحال ہے یَکَادُوْنَ کے جملے کا

marfat.com

یکادون باب نَصَرَ کا فعل مضارع متاربہ جمع مذکر غائب کودٌ سے مشتق ہے بمعنی قریب ہونا اس کا فاعل ھُم ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ یَسْطُوْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع معروف مثبت جمع مذکر غائب سَطْوٌ سے مشتق ہے لغوی معنی بھڑک اٹھنا۔ اصطلاحًا حملہ کرنا، ہاتھا پائی کرنا جھپٹ پڑنا، گھوڑے کا اگلی دونوں ٹانگوں سے کھڑا ہوجانا غصہ میں۔ یہاں حملہ کر کے غلبہ حاصل کرنا مراد ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ بِ جارہ بمعنی علیٰ فوقیت کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول بحالتِ کسرہ ہے یَتْلُوْنَ بابِ نَصَرَ کا مضارع حال جمع مذکر غائب یا فاعل صیغہ مرجع ہے بالذین تلوٌ سے بنا ہے بمعنی تلاوتِ قرآن مجید کرنا عَلَیْھِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے یَتْلُوْنَ کا۔ اٰیٰتِنَا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَتْلُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے یَسْطُوْنَ کا۔ یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقرب بہ ہوا یکادون کا سب جملہ فعلیہ مقاربہ ہو کر حال ہے مُنکَرَ کا یہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَعْرِفُ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر جزاء ہے اِذَا تُتْلٰی شرط کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہوگیا۔ قُلْ بابِ نَصَرَ کا فعل امر ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ فَ دراصل فَا تھا فَ حرفِ زائدہ اَ ہمزہ سوالِ استفساری کے لیے اُنَبِّئُ باب تفعیل فعل مضارع واحد متکلم۔ نبؤٌ سے بنا ہے بمعنی خبر دینا اسی سے ہے نبیٌ انبیاءٌ بمعنی غیب کی خبر دینے والے اس کا فاعل ضمیرِ متکلم مرجع آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کُم ضمیر مفعول بہ مرجع اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِ حرفِ جر تعدیہ کی شَرٍّ اسم مفرد نکرہ جامد بمعنی شرارت مصیبت تکلیف یہاں آخری معنی میں ہے۔ آخری تنوین (دوزبریں) تعظیم کی ہے یعنی بہت بڑا شر بہت بڑا عذاب مصیبت تکلیف مِنْ حرفِ جر ذٰلِکُمْ، اسم اشارہ بعیدی آخر میں کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر کی اس لیے ہے کہ جس کے لیے کہ اشارہ کیا جارہا ہے وہ جمع مذکر حاضر ہے یہ اسم اشارہ مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ موجودٌ کا یہ جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے۔ شَرٍّ کی وہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے اُنَبِّئُکُمْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ اَلنَّارُ وَعَدَھَا اللّٰہُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَہٗ وَاِنْ یَّسْلُبْھُمُ الذُّبَابُ شَیْئًا لَّا یَسْتَنْقِذُوْہُ مِنْہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ اَلنَّارُ اسم معرف باللام الف لام عہد ذہنی نار بمعنی آگ یہاں مراد ہے ہر جلانے والی چیز بحالتِ رفع ہے کیونکہ

marfat.com

خبر ہے پوشیدہ مبتدا ھُوَ کی موصوف ہے وَعَدَ بابِ فَتَحَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب وَعْدٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ عہد کرنا یا ازل کا تقدیری فیصلہ ھا ضمیر واحد مؤنث غائب اِس کا مرجع ہے اَلنَّارُ منصوب منفصل مفعول بِہٖ وَعَدَ کا اَللّٰہُ اُس کا فاعِل اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا بابِ نَصَرَ کا فعل با فاعِل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صِلہ مل کر مفعول بہٖ دوم ہے وَعَدَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے اَلنَّارُ کی یہ مرکب توصیفی خبر مبتدا، دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا، واؤ بیر جملہ بِئْسَ فعل ذم ہُوا پوشیدہ ضمیر صیغہ ھُوَ۔ یا ھا اس کا فاعِل جس کا مرجع ہے اَلنَّارُ اَلْمَصِیْرُ اسم ظرف ہے واحد مذکر صَارَ فعل ناقصہ کا۔ ترجمہ ہے لوٹنے پھرنے کی جگہ مراد ہے ٹھکانہ یا۔ یہ مصدر میمی ہے بمعنیٰ لوٹنا رجوع کرنا، ترکیبِ نحوی میں یہ مخصوص بِالذم ہے۔ بِئْسَ فعل اپنے فاعِل اور مخصوص بِالذم سے مل کر جملہ فعلیہ ذمیہ ہو گیا یَا حرفِ ندا اَیُّ مقداری لغو ہے ھا حرفِ تنبیہ یہ دونوں یہاں فقط فاصلے کے لیے ہیں تاکہ ندا اپنے منادیٰ سے جدا ہے اور دونوں کی اعرابی حالت ٹھیک ہے۔ اَلنَّاسُ اِس کا منادیٰ مفرد ہے لِھٰذا یہ مضموم مبنی ہے۔ ضُرِبَ بابِ ضَرَبَ کا فعل مجہول واحد مذکر غائب مَثَلٌ اسم مفرد جامد بمعنیٰ کہاوت ایک حقیقت کا اندازہ مثال بہت یہ نائب فاعِل ہے ضُرِبَ کا فَ تعلیلیہ مابعد کلام معلول ہے اِسْتَمِعُوْا بابِ افتعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اِس کا مصدر ہے اِسْتِمَاعٌ سَمْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ سننا افتعال میں ترجمہ ہوا غور سے سننا لام تعدیہ بمعنیٰ کو ہٗ ضمیر کا مرجع مَثَلٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اِسْتَمِعُوْا کا سب جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہے ضُرِبَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جوابِ ندا ہے یا حرفِ ندا اپنے منادیٰ اور جوابِ ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا اِنَّ حرفِ مشبہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ جمع مذکر بحالتِ نصب تَدْعُوْنَ بابِ نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر دَعْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پکارنا، بلانا، پوجنا سجدہ کرنا، یہاں اِن ہی دو معنیٰ میں مِنْ جارہ زائدہ دُوْنِ اللّٰہِ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَدْعُوْنَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا موصول صِلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا لَنْ یَّخْلُقُوْا بابِ نَصَرَ کا مضارع نفی بمعنیٰ مستقبل جمع مذکر غائب خَلْقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پیدا کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ ہے ذُبَابًا اسم مشتق مبالغہ بروزنِ فُعَالٌ ذَبٌّ ذَبَبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لغوی پگھلنا، حرکت کرنا، اصطلاحًا بجار مجازی معنیٰ میں مشترک ہے ۱ لٹکی ہوئی متحرک چیز کی ہلتے وقت کی آواز کو ذُبَاب کہا جاتا ہے ۲ منافقین

marfat.com

کی غیر یقینی کیفیات کو مُذَبذَبٌ کہتے ہیں ۳ مَذْبُوْبَۃٌ بھی کہتے ہیں کیونکہ ذُبْذُبٌ اور ذُبٌ
آپس میں مرادف ہیں یہ مکھی دگھر بلو۔ بھڑ، برتیا، شہد کی مکھی، مچھر وغیرہ سب کو شامل ہے) کو
اس لیے کہ یہ بھنبھناہٹ کرتی ہے یا اس لیے کہ اُس کو ہٹایا اڑایا جاتا ہے یا اس لیے کہ خود کبھی
کدھر کبھی کدھر بیٹھتی ہے یہاں مراد گھریلو حقیر گندی مکھی ہے یہ اسم جنسی ہے اس لیے
واحد جمع دونوں کے لیے ہے مفعول بہ ہے واؤ وصلیہ لَوْ شرطیہ لغو، دونوں کا ترجمہ
ہے اگرچہ نہ اجْتَمَعُوْا باب افتعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر
ہے اِجْتِمَاعٌ جَمْعٌ سے بنا ہے بمعنی جمع ہونا، افتعال نے مبالغہ یا تعدیہ پیدا کیا۔ اس کا فاعل
ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مراد ہیں بُت۔ لام حرف جر معاونت کا ہٗ ضمیر کا مرجع
خَلْقٌ یعنی پیدا کرنا، یہ جار مجرور متعلق ہے اِجْتَمَعُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر وصل سببی
ہوا لَنْ یَّخْلُقُوْا کے فاعل کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِنْ حرف شرط
یَسْلُبْ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب سَلْبٌ سے بنا ہے بمعنی چھینا
نہ رہنے دینا۔ خالی کرنا، منطقی لوگ منفی کلام کو سالبہ کہتے ہیں اس لیے کہ اِس کا ثبوت وجود
نہیں ہوتا۔ یہاں بمعنی چھیننا ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل مرجع بُت ہیں مفعول
بہ ہے بمعنی اُن سے۔ اَلذُّبَابُ اسم واحد مذکر جنسی اِس کا مونث ہے ذُبَابَۃٌ یہ فاعل
ہے یَسْلُبْ یہ فعل مجزوم ہے اِنْ شرطیہ کی وجہ سے شَیْئًا اسم نکرہ مفرد مفعول بہ دوم
ہے یَسْلُبْھُمْ فعل فاعل دونوں مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ لَا یَسْتَنْقِذُوْہُ
باب استفعال کا مضارع منفی بِلَا جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِنْقَاذٌ۔ نَقْذٌ سے
مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے چھڑانا چھٹکارا دلانا نجات دلانا یا دلوانا۔ اصطلاح میں اپنی
چیز یا اپنے حق یا اپنے آدمی کو واپس چھیننا یا چھٹکارا و نجات دلانا، یہاں پہلے اصطلاحی
معنی مراد ہیں اس لیے منصوب متصل کا مرجع شَیْئًا ہے، مفعول بہ ہے مِنْہُ ہٗ ضمیر کا مرجع
ذُبَابٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لَا یَسْتَنْقِذُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے
اسی لیے یہ فعل بحالت جزم ہے۔ دراصل تھا لَا یَسْتَنْقِذُوْنَ۔ جواب شرط کی وجہ سے ان شرطیہ
کے تحت ہو کر اس کو بھی جزم آیا تو نون اعرابی گر گئی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر معطوف
لَنْ یَّخْلُقُوْا کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر خبر اِنَّ ہے اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا
ضَعُفَ۔ باب کَرُمَ کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر ضُعْفٌ سے مشتق ہے بمعنی لغوی کمزور،

marfat.com

ولاغر ہونا اس کی تین قسمیں ہیں ۱۔ بدن کی کمزوری ضُعْفٌ ۲۔ عقل کی کمزوری ضَعْفٌ، ۳۔ دل کی کمزوری ضَعْفٌ چونکہ دل کی کمزوری میں دل سوج کر موٹا ہو جاتا ہے اسلیے دگنی چیز کو بھی اصطلاح میں ضِعْفٌ کہدیتے ہیں یا چونکہ کمزور ولاغر بدن والا اپنے ہر کام کے لیے دوسرے شخص کا سہارا لیتا ہے یعنی دوگنا ہو کر کام کرتا اور آتا جاتا ہے۔ اس لیے رواجًا ہر دگنی چیز کو بھی ضِعْفٌ کہا جانے لگا۔ الطَّالِبُ باب نَصَرَ کا اسم فاعل واحد مذکر طَلَبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ مانگنا چاہنا۔ یہ معطوف علیہ ہے اس سے مراد بت پرست کافر ہے۔ الْمَطْلُوْبُ باب نَصَرَ کا اسم مفعول واحد مذکر۔ اس سے مراد بت ہیں یا طالب سے مراد بت اور مطلوب سے مکھی یہ معطوف ہے طالب پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے ضَعُفَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ اور یہی وہ لوگ ہیں جو بغیر دلیل و برہان۔ بغیر علم و عرفان، بغیر عقل و اذہان محض حماقت کی بناوٹ اور خباثت کی جہالت سے مِنْ دُوْنِ اللّٰہ کی عبادت میں لگے ہوئے ہیں ان کے سامنے جب بھی کبھی تلاوت کی جائیں ہماری آیتیں جو بیان کرنے والی ہیں احکام رحمانی، قوانینِ ربانی، شریعتِ قرآنی اور بیان کرتے والی ہیں ثواب ایمان، عذابِ کفران، اور احقاقِ حق و ابطالِ باطل کو وحی کی برہان سے علم کی سلطان سے عقل کی دلیل سے بت پرستی کی ذلت اور حق پرستی کی عزت بیان فرماتے والی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو اے محبوب کریم آپ پہچان لوگے اُن لوگوں کے چہروں میں جو ازل و ابد کے پکے کافر ہیں۔ نفرت، کراہت انکار نا پسندیدگی۔ بے رغبتی کو لفظِ مُنکَر مصدر میمی ہے بمعنیٰ نفرت کرنا شدت سے مراد ہے علامات انکار یا نشانات نفرت ایسی کیفیت اور اتنی شدت والے کہ لگتا ہے جیسے قریب آکر حملہ کر دیں گے یا پکڑ کر یا مار پیٹ کر یا گالی گلوچ اور قہر و غضب کا یا قتل و غارت کا اُن ایمان قرآن والے مسلمانوں پر جو اُن کے سامنے آیاتِ بیّنات کی تلاوت کر رہے ہوتے ہیں یہ ہے اُن جاہلوں وحشیوں کی حیوانیت اے حبیبِ محترم اِن ازلی محروموں سے یہ فرمایئے کہ اے شر پسندو آج تو دنیا میں تم ان مسکینوں، پاکوں حافظوں قاریوں نمازیوں پر ہر قسم کے منکر شر و فساد پھیلانے غیض و غضب

marfat.com

کے ارادے سے ان پر ٹوٹ پڑنے کی صورت بنائے بیٹھے ہو صرف اِس غصے اور جلن حسد میں
کہ وہ مسلمان اپنے رب تعالیٰ کے کلامِ مقدس کی تلاوت کر کے اپنے دلوں کو روشن ایمانوں کو
تازہ روحوں کو معطر کر رہے ہیں، تو کیا میں تم کو ایسے خطرناک دہشتناک شرِ عظیم کی خبر نہ
سناؤں جو تمہارے اِس حاسدانہ شر سے بہت ہی بڑا اور ہولناک ہے۔ کیونکہ تمہارا شر عارضی
دنیا میں وہ شر دائمی آخرت میں تمہارا شر چھوٹا ہے اور وہ شر بڑا ہے، تمہارا شر تھوڑا وہ شر زیادہ
تمہارا شر معمولی ہے اور منظہوری ہے، تمہارا شر کمزور ہے وہ شر مضبوط ہے تمہارا شر ایمان و قرآن
والوں پر وہ شر کفر و طغیان والوں پر تمہارا شر مظلوموں پر وہ شر ظالموں پر۔ تمہارے شر کے بعد
عارضی موت ہے اُس شر کے بعد ذلت کی دائمی فنا ہے، تمہارے شر کے بعد قبر کی راحت جنت
کا ثواب اُس شر کے بعد قبر کی مصیبت جہنم کا عذاب تمہارے شر کا انجام ابدی جزاءِ اکرام اُس
شر کا انجام ابدی سزا الزام۔ یہاں دنیا میں تم کو تلاوتِ قرآن **ناگوار** رہے وہاں آخرت میں
تم کو وہ شر ناگوار ہو گا۔ اِس قرآن سے کان لپیٹ کر بھاگ سکتے ہو مگر اُس شر سے **جان**
بچا کر کبھی بھاگ نہیں سکتے۔ آج تو قرآنِ مجید کو شر سمجھتے ہو حالانکہ یہ شر نہیں خیرِ خیر ہے، مگر آج
تم لوگ اُس کو شر نہیں سمجھتے جو اصل شر ہے نہ مانتے ہو نہ ماننے کے لیے تیار ہو حالانکہ وہی کفار
کے لیے ایسا شر ہے جس میں ذرہ خیر نہیں۔ کیا جانتے ہو وہ کیا ہے۔ وہ آگ ہے چونکہ
تمہارا غیظ و غضب حسد بھی جلن کی آگ ہی ہے اِس لیے اُس کے بدلے میں وہاں بھی تمہارے
لیے آگ ہی ہے جس کا وعدہ کیا ہے اللہ تعالیٰ نے اُن تمام لوگوں سے جو دنیا میں کافر بن کر رہے
کافر بن کر مرے جنہوں نے کفر ہی بنایا کفر ہی کمایا کفر ہی پھیلایا اے دنیا میں کفر والو آج تم اُس
آگ کی سختی کرختی گرفتی کا تصور بھی نہیں کر سکتے مگر حقیقت یہ ہے کہ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ وہ آگ اور
آگ کی جگہ قیاماً و مُقِیْماً مستقراً و مکینا، رہائش و سکونت، سزا و عذاباً زحمتاً و
ذِلّتاً ہر اعتبار سے بہت ہی بری ہے بلکہ بری ہی بری ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ تُتْلٰى فعل مضارع
مجہول فرمانے سے دوام و استمرار کا اظہار ہوا اور بتایا گیا کہ کفار کا یہ متشددانہ حال اور غیظ و
غضب کی متکبرانہ و نفرت آمیز ناگواری ایک دو بار کی بات نہیں بلکہ جب بھی قاریانِ صحابہ نے
عشقِ قرآنی و لذتِ ایمانی میں سرشار ہو کر تلاوتِ آیت فرمائی تو ان منحوسوں کو اسی طرح کا غصہ
چڑھ گیا۔ یہاں لفظ اِذَا شرطیہ ظرفیہ استمراریہ ہے اور ترجمہ ہے جب بھی بَیِّنٰتٍ کا معنیٰ ہے
بیان اور ظاہر کرنے والی۔ یعنی بغیر کسی کی رُو رعایت صاف صاف ہر چیز بیان فرما دینے

marfat.com

والی آیتیں، خیال رہے کہ قرآن مجید کی آیتیں پانچ چیزیں کھلی عبارت سے بیان فرماتی ہیں ۱ شریعت کے احکام ۲ ماننے والوں کا انعام وثواب ۳ منکروں کا انجام وعذاب ۴ اِحقاقِ حق۔ یعنی حق کو سمعی۔ عقلی علمی دلائل وبراھین سے بیان کرنا ۵ ابطالِ باطل یعنی باطل اور جھوٹے دینوں عقیدوں اور باتوں کو باطل ثابت کرنا۔ تَعۡرِفُ فِيۡ وُجُوۡهِ، فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ انسانی چہرہ آئینہ ہے چہرے والے کے پورے ظاہری باطنی جسم کا، چہرے کی سلوٹوں، مختلف رنگوں اُتار چڑھاؤ، نیچے اونچے ہونے سے تقریباً سترہ چیزوں کا اظہار ہوتا ہے اور پہچاننے والے پہچان جاتے ہیں کہ اِس شخص کی اِس وقت یہ کیفیت ہے ۱ غم ۲ غصہ ۳ غیضِ باطنی ۴ غضبِ ظاہری ۵ بیماری ۶ تندرستی ۷ درد ۸ تکلیف ۹ محبت ۱۰ نفرت ناگواری ۱۱ خوشی ۱۲ حملہ آوری کا ارادہ ۱۳ غربت حاجت مندی ۱۴ طلبِ سوال ۱۵ تعجب حیرانگی ۱۶ انکار واعتراض ۱۷ تسلیم ورضا۔ انسانی ارادے دل میں آتے ہیں ان کے منصوبے عقل میں بنتے ہیں اور ان کا نقشہ کیفیت چہرے پر بن جاتا ہے گویا چہرہ آئینہ ہے قلب وعقل کا اور پانچ اعضاء ظاہری کاریگر مستری ہیں ۱ ہاتھ ۲ پاؤں ۳ کان ۴ ناک ۵ آنکھیں۔ پس ان آٹھ چیزوں میں ہی انسانوں کو مختار بنایا گیا ہے جیسے چاہو برت لو۔ تَعۡرِفُ فرمانے سے بتایا گیا کہ یہ جاننا پتہ لگانا علمی عقلی قوت سے نہیں ہوتا بلکہ اِس خداداد قوتِ معرفت سے ہے جس کا خزانہ ہر فراست والے انسان کی بصیرت میں ہوتا ہے۔ عربی لغت میں یَسۡطُوۡنَ کے سات معنیٰ ہیں ۱ حملہ کرنا ۲ بَطۡش یعنی پکڑ کر نا گرفتار اور قید کرنا ۳ اَخۡذ یعنی ہاتھ پکڑنا، مروڑنا ۴ ضَرۡبٌ یعنی مارنا پیٹنا ۵ شَتۡم یعنی گالی گلوچ کرنا ۶ قہر۔ یعنی غضب وغصہ ۷ قتل یعنی جان سے مار ڈالنا۔ اَلۡمُنۡكَرَ کے آٹھ معنیٰ ہیں ۱ نفرت کرنا ۲ کراھت کرنا ۳ ناپسندیدگی ۴ انکار کرنا ۵ بے رغبتی کرنا ۶ ناگواری اور نابرداشت کرنا ۷ نقصان دہ سمجھنا ۸ جھوٹا سمجھنا۔ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ لَنۡ يَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّلَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَهٗ ؕ وَاِنۡ يَّسۡلُبۡهُمُ الذُّبَابُ شَيۡـًٔـا لَّا يَسۡتَنۡقِذُوۡهُ مِنۡهُ ؕ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالۡمَطۡلُوۡبُ اصطلاحِ قرآنی میں جہاں کہیں يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ کا خطاب ہوتا ہے وہاں اَلنَّاسُ سے مراد صرف کفار انسان ہی ہوتے ہیں اور یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوتا ہے کیونکہ قرآن مجید میں تقریباً اکیس ۲۱ جگہ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ کا خطابی لفظ ارشاد ہوا ہے اور اُن تمام جگہ کافر انسان ہی سے خطاب ہوا ہے جیسا کہ اُن تمام آیت کے سیاق وسباق سے ظاہر وثابت

marfat.com

ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی کفار کو ہی خطاب فرمایا جا رہا ہے کہ اے کافر مشرک انسانوں بتوں کی کمزوری بے کسی بے بسی پر ایک اور مثل یہ کی گئی ہے۔ اس سے پہلے بھی تمہارے مٹی پتھروں سے تراشے بتوں کی کئی مثالیں بتائی گئی ہیں لیکن اب فَاسْتَمِعُوا لَهٗ۔ اس مثل کو غور و فکر تدبر تعقّل سے سنو کیونکہ تدبر و عقل سے سننا ہی مفید ہوتا ہے۔ اور یہ مثل اس لیے دی جا رہی ہے کہ کہیں تم کو عقل و سمجھ آ ئے کہ اے بیوقوفو جن بتوں کی معبودیت پر تمہارے پاس مذہبی، عقلی علمی کوئی بھی دلیل نہیں اس کے باوجود تم نے اپنے ہی تراشوں خراشوں سے بڑی توقعتوں مددوں کی آسیں اُمیدیں لگائی ہوئی ہیں ان کی کمزوری ناکاریوں کی دیگر بے شمار مثالوں کے علاوہ ایک ظاہر ظہور تجرباتی مشاہداتی عقل میں آتی مثل یہ بھی ہے کہ بے شک وہ تمام بُت جو تمہارے ذہنوں عقیدوں میں بڑی عقل و شعور والے ہیں۔ اسی بدعقیدگی کی بنیاد پر تم ان کو پوجتے پکارتے ہو اُس اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو تمہارا خالق مالک رازق ہے اس کے مقابل و مخالف اُن مورتیوں دیوی دیوتاؤں جنوں شیطانوں کو معبود سمجھ رکھا ہے جو ہرگز ایک چھوٹی معمولی حقیر سی مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اگرچہ تمام دنیا کے جھوٹے بناوٹی معبود جمع ہو جائیں، بُت بھی جن و شیاطین بھی پوجنے والے بھی پوجانے والے بھی پوجے ہوئے بھی یہ تخلیق اِن کے لیے صرف مشکل ہی نہیں ناممکن ہے۔ ابلیس و شیاطین کی پرستش اس کی بات اور وسوسہ ماننا ہے۔ شیطان نفس امّارہ کو اور نفسِ امّارہ انسان کو کفر و گناہ پر آمادہ کرتا ہے یہ کہنا مان لینا ہی اس کی پوجا ہے، ورنہ وہ تو نظر نہیں آتا نہ اُس کی آواز آتی ہے۔ اے کافرو یہ بُت جو تمہارے گھروں، مندروں، دفتروں، کلیساؤں، گرجوں، گردواروں میں لگے ٹنگے اور بنے ہوئے فوٹو، تصویر، مورتی کی صورت میں جس کو تعظیم دے کر یا عبادت کر کے معبود سمجھ لیا گیا ہے۔ جن کو پھولوں سے سجایا، دودھ سے نہلایا، گلاب سے دھلایا جا رہا ہے خوشبو میں بسایا جا رہا ہے۔ جن کے جسم پر شہد اور سر پر زعفران ملا جا رہا ہے۔ جن کے سامنے عمدہ کھانے رکھے جا رہے ہیں۔ روزِ اوّل سے آج تک مختلف انداز میں کفار فساق اس طرح کی بیوقوفیاں کر رہے ہیں یہ سمجھ کر کہ یہ بُت شہد و غذا کھا لیں گے مگر یہ بُت تو مکھی سے بھی زیادہ کمزور و بے بس ہیں اتنے کہ اگر ایک حقیر مکھی ان کا تھوڑا سا کھانا جو اُن کے سروں جسموں پر لگا ہوا ہے۔ یا سامنے رکھا ہے اٹھا کر لے جائے تو یہ بُت مکھی سے واپس چھین چھڑا نہیں سکتے اور گندی مکھیاں ان کے سروں جسموں پر بیٹھ

کر ان پر اپنی گندگی ڈالتی رہتی ہیں یہ بُت نہ ان کو ہٹا سکیں نہ بھگا سکیں یہ کفار خود بھی یہ سب کچھ دیکھتے ہیں اور سب سمجھتے ہیں مگر دل و دماغ و عقل کے اندھے بنے ہوئے۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوبُ سب کمزور و ناکارہ ہیں طالب بھی مطلوب بھی بتوں سے مانگنے والے بھی اور جس سے مانگا جا رہا ہے وہ بُت بھی، ساجدین کفار بھی مسجودین باطل بھی بدعقیدہ عابدین بھی جھوٹے معبودین بھی بنانے والے بُت ساز بھی بننے والے بت بھی۔ کفار عقل کے ضعیف بُت جسم کے ضعیف کفار عقیدت کے ضعیف بت حقیقت کے ضعیف یعنی کفار کی عقیدت ناکارہ و فضول بتوں کی عزت وعبادت ناکارہ و فضول۔ کفار کی پوجا کرنا بتوں کی پرستش ضعیف نہ کفار بتوں سے کچھ لے سکیں نہ بُت اپنے پجاریوں کو کچھ دے سکیں، ضَرْبٌ کے چار معنیٰ مشہور ہیں ۱ مارنا یہی لغوی حقیقی معنیٰ ہے ۲ بنانا ۳ مقرر کرنا ۴ بیان کرنا یہاں ضُرِبَ مَثَلٌ اسی معنیٰ میں ہے قرآن مجید میں یہ چاروں معنیٰ مستعمل ہیں۔ مَثَلٌ کے چھ معنیٰ قرآن کریم میں مستعمل ہیں ۱ کہاوت ۲ مشابہت ۳ نظیر یعنی ہم مرتبہ ۴ بیان حقیقت ۵ ایک چیز کو دوسری چیز کے مطابق کرنا ۶ عجیب وغریب بات یہاں لفظ مَثَلٌ اسی معنیٰ میں ہے۔ دراصل ہر مقبول اور رضامندی والی چیز اور بات کو مَثَل کہدیا جاتا ہے جو لوگوں میں جاری ہو پھر یہ لفظ مستعمل و اُدھار لیا گیا ہر عجیب بات اور حیران کن پریشان کن دلیل کے لیے۔ یہاں مثل سے مراد ہے حیران پریشان کرنے والی الزامی دلیل۔ اور واقعی اللہ تعالیٰ کی اسی الزامی مَثَل و مطالبے نے آج تک تمام کفار کو پریشان و حیران کیا ہوا ہے۔ اس لیے کفار اپنے بتوں کو قوی اور سچا ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کے جھوٹے شعبدے اپنے بتوں سے منسوب کرتے پھرتے ہیں مگر بات پھر بھی نہیں بنتی جلدی پول کھل جاتا ہے۔ جیساکہ حضرت شیخ سعدیؒ نے اپنی کتاب بوستان میں سومناتھ مندر کی چشم دید اپنی حکایت لکھی تَدْعُوْنَ دَعْوٌ سے ہے اس کے تین معنیٰ کئے جاتے ہیں ۱ بلانا دعوت دینا یہ اس کا لغوی حقیقی معنیٰ ہے ۲ دعا مانگنا ۳ عبادت کرنا۔ یہ دونوں اصطلاحی شرعی معنیٰ ہیں۔ قرآن مجید میں یہ لفظ اکثر ان ہی دو معنیٰ میں استعمال کیا گیا ہے ذُبَاب کی تحقیق میں مفسرین فرماتے ہیں کہ ذباب کا لغوی معنیٰ مکھی ہے۔ لہٰذا لغتًا بھڑ، شہد کی مکھی، زنبور یا بیلی، ڈیمو، بھونڈ اور ہر زہریلی مکھی کو بھی ذباب کہدیا جاتا ہے۔ اصطلاحًا گندگی والی عام مکھی کو ذباب کہتے ہیں جس میں ڈنگ نہیں ہوتا یہاں یہ ہی مراد ہے ذَبٌّ کا لغوی معنیٰ ہے گھنونی ہونے یا خوف کی وجہ

marfat.com

سے مکھی مچھر کو اڑانا، بھگانا، نفرت دلانا۔ اس کی بھنبھناہٹ کو عربی میں ذُوْبِیٌ کہتے ہیں، اور مچھر کی آواز کو طَغِینٌ کہتے ہیں یہ اولاً گندگی سے قدرتی پیدا ہوتی ہے، پھر نر و مادہ کے ملاپ سے انڈے اور انڈوں سے بچے پیدا ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ میں نو انڈے سیتی ہے۔ اس کی طبعی عمر چالیس دن ہوتی ہے چالیسویں دن بڑھاپے سے مرجاتی ہے چالیسواں یا اکتالیسواں اس کا آخری دن ہوتا ہے۔ ایک ماہ تک انڈے دیتی ہے۔ اس کی بیٹ یعنی فضلے کا رنگ دو طرح کا ہوتا ہے اگر سفید جگہ بیٹ کرے تو کالی ہوتی ہے اور اگر اور کسی جگہ اور کسی اور رنگ پر بیٹ کرے تو سفید ہوتی ہے۔ ذباب واحد ہے جنسی نام ہے لہٰذا مذکر مؤنث دونوں کے لیے ہے بعض اہلِ لغت نے کہا کہ ذُبَابٌ صرف مذکر کے لیے ہے اس کا مؤنث ذبابۃ ہے۔ اس کی آنکھوں پر پلکیں نہیں ہوتیں پلکوں سے آنکھوں کو صاف کیا جاتا ہے مگر مکھی کو اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں اور پتلیاں صاف کرنی پڑتی ہیں اس لیے بار بار اپنی آنکھوں کو اپنے ہاتھوں سے صاف کرتی نظر آتی ہے۔ لفظ ذباب واحد ہے اس کی جمع کے لیے کتب لغت میں پانچ الفاظ ملتے ہیں ایک جمع قلت کے لیے اَذْبِبَۃٌ۔ جمع قلت تین سے نو تک کی تعداد کے لیے ہوتا ہے۔ جمع کثرت کے لیے پانچ لفظ مشہور ہیں ۱۔ ذِبَّانٌ بروزن غِرْبَانٌ ۲۔ ذِبْیَانٌ بروزن غِرْبَانٌ ۳۔ ذُبْیَانٌ بروزن قُضْبَانٌ ۴۔ ذُبٌّ ۵۔ ذِبٌّ۔ مکھی سے زیادہ کمزور بتوں کو سہارا بنانے والے طالب بھی کمزور اور سہارا بننے والے بت و مطلوب بھی کمزور، کیونکہ بتوں کو سہارا بنانا نری حماقت ہی ہے۔ سہارا تو اس کو بنانا چاہیئے جو سہارا بننے کے قابل طاقت والا بھی ہو جو بُت مکھی کے سامنے بے بس ہیں اس لیے کہ سہارا لینے والے حماقت کے کمزور اور سہارا دینے والے جسامت کے کمزور نہ یہ بُت کسی کو قوت، طاقت، نصرت، سلطنت و مرتبہ دے سکیں نہ کوئی اُن سے لے سکے مگر کفار یہ بات نہیں سمجھتے۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔

بَیِّنٰتٍ کے معنیٰ میں تین قول ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے احکامِ شریعت بیان کرنے والی آیتیں، اور یہ احکام و قوانین کفار کو ناپسندیدہ و ناگوار تھے ۲۔ بعض نے کہا کہ بَیِّنَات کا معنیٰ ہے اسلام کی حقانیت پر علمی عقلی سمعی دلائل اور مضبوط برہان و غالب حجت بیان کرنیوالی آیتیں کفار کو یہ بھی پسند نہ تھا کیونکہ جھوٹے دین کی دلیل و ثبوت نہیں ہوتے اس لیے جھوٹے انسان کو یہ بھی پسند اور گوارہ نہیں ہوتا کہ سچے دین کے دلائل اس کو سنائے جائیں

marfat.com

۲ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے اِحقاقِ حق اور ابطالِ باطل کرنے والی آیتیں۔ کفار کو یہ پسند نہ تھا کہ کوئی ان کے دین کو باطل کہے اور دلائل سے ثابت کرے اس لیے کفار کو قرآنِ مجید کی ایسی آیتیں سننا گوارا نہ تھیں جن میں اُن کے بتوں کی کمزوریاں ظاہر کی جاتی تھیں۔ تینوں قول درست ہیں، کیونکہ کفار کو پورا قرآن مجید ہی ناپسند تھا اسی لیے حسد و جلاپے میں منکر تھے بَیِّنٰتٍ کی قرأت میں دو قول ۱ بعض نے بَیِّنٰتٍ پڑھا ہے یہ قرأت ہی مشہور و مکتوب ہے۔ بحالتِ نصب ہے کیونکہ حال ہے اٰیٰتُنَا کا ۲ ایک قرأت میں بَیِّنٰتٌ ہے بحالتِ رفع کیونکہ صفت ہے آیٰتُنَا کی مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ تَعۡرِفُ کی قرأت میں دو قول ۱ ایک قرأت میں تَعۡرِفُ ہے فعل مضارع معروف مثبت واحد مذکر حاضر۔ یہی قرأت مشہور و مکتوب ہے ۲ دوسری قرأت میں یُعۡرَفُ ہے۔ فعل مضارع مجہول واحد مذکر غائب میں۔ یہ قرأت شاذ ہے۔ اَلنَّارُ کی قرأت میں تین قول ہیں ۱ مشہور و مکتوب قرأت اَلنَّارُ ہے۔ بحالتِ رفع پوشیدہ مبتدا کی خبر دراصل ہے هُوَ النَّارُ ۲ دوسری قرأت میں اَلنَّارَ ہے۔ بحالتِ نصب اُنَبِّئُكُمۡ کا مفعول بہٖ دوم ہے ۳ اَلنَّارِ۔ بحالتِ جر بِشَرٍّ کا بدلِ کُل ہے۔ مگر یہ دوسری و تیسری قرأت شاذ ہے۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ کے معنیٰ میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اے کفار و مشرکین۔ یہی قول درست ہے کیونکہ اصطلاحِ قرآن کے مطابق ہے نیز اگلی عبارت میں اَلَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ ہے جس میں کفار کو ہی خطاب ہے تو یہ خطاب بھی عام نہیں ہو سکتا ۲ بعض نے کہا یہ خطاب تمام مکلفین کو ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ آیت کے سیاق و سباق کے بھی خلاف ہے اور اصطلاحِ قرآنی کے بھی خلاف۔ فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ کے حکم کی وجہ میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے۔ اس مثل کو تدبر و تفکر کے لیے سنو ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے عبرت کے لیے سنو سمجھداری حاصل کرنے حماقت چھوڑنے کے لیے کیونکہ ایسا سننا ہی مفید ہوتا ہے یہ خطاب رب تعالیٰ کی طرف سے ہے ۳ بعض نے کہا یہ قول قُلۡ کے تحت ہے اس لیے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی طرف سے ہے اور فرمایا جا رہا ہے کہ اے حبیب مکرم آپ ان کفار کو چار باتیں سمجھا دو سنا دو شاید آپ کی بات کا اثر قبول کریں اور بندے بن جائیں ورنہ آپ کو تو ثواب مل ہی جائے گا پہلی بات شرِ عظیم دوم نار سوم مَثَل چہارم فَاسۡتَمِعُوۡا لَهٗ کا بیان

marfat.com

اور معنیٰ یہ ہے کہ اے نبی تم فرما دو کہ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ مگر پہلے دو قول درست ہیں۔ اَلَّذِیْنَ
کے معنیٰ میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ اَلَّذِیْنَ سے تمام جھوٹے معبود مراد ہیں بت بھی جنات و
شیاطین شمس و قمر کواکب بھی اس لیے کہ مَثَل میں مکھی پیدا کرنے کی عاجزی کا ذکر ہے جس سے
یہ سب ہی واقعی حقیقی عاجز ہیں لہٰذا اَلَّذِیْنَ میں یہ سب شامل مگر یہ قول کمزور ہے اس
لیے کہ مَثَل صرف نہ پیدا کر سکنے کی نہیں بلکہ مَثَل میں تین چیزوں کا ذکر ہے ایک لَنْ یَّخْلُقُوْا دوم
اِنْ یَّسْلُبْهُمُ سوم لَا یَسْتَنْقِذُوْهُ۔ یعنی کفار ان کو پوجتے ہیں حالانکہ وہ ان تینوں چیزوں میں عاجز
ہیں جب کہ جنات شیاطین و شمس و قمر کواکب کا تعلق پہلی چیز سے تو ہے مگر دوسری دو سے
نہیں ہے نہ ہو سکتا ہے۔ لہٰذا یہاں اَلَّذِیْنَ سے صرف بُت مراد ہیں ان کا تعلق تینوں سے ہے
۲ بعض نے کہا کہ یہاں اَلَّذِیْنَ سے بڑے بڑے سردارانِ مکہ مراد ہیں مگر یہ قول بھی غلط ہے ۳
صحیح قول یہی ہے کہ یہاں کعبے میں رکھے ہوئے تین سو ساٹھ بت مراد ہیں۔ تَدْعُوْنَ کی قرأت
میں تین قول ۱ پہلی قرأت۔ تَدْعُوْنَ یہی مشہور و مکتوب ہے ۲ دوم قرأت یَدْعُوْنَ فعل
مضارع حال معروف جمع مذکر غائب یہ قرأت غیر مشہور ہے ۳ تیسری قرأت یُدْعَوْنَ مضارع
حال مجہول جمع مذکر غائب یہ قرأۃ سبعہ میں سے ہے مشہور ہے مگر مکتوب نہیں ہے اب
معنیٰ ہے وہ بت جو پوجے جاتے ہیں۔ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا کی واؤ میں تین قول ۱ بعض نے کہا یہ واؤ
عاطفہ ہے اور اس کی وجہ سے اِجْتَمَعُوْا کا عطف ہے ماقبل جملے لَنْ یَّخْلُقُوْا پر ۲ بعض نے
کہا یہ واؤ حالیہ ہے اور معنیٰ ہے حالانکہ ۳ بعض نے کہا یہ واؤ وصلیہ ہے، اور معنیٰ ہے اگرچہ
یہی قول درست ہے۔ اَلطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ کی مراد میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ اَلطَّالِبُ
سے مراد بت پرست کفار ہیں اور مطلوب سے مراد بت، یہی قول درست ہے کیونکہ کفار ان کے
طالب ہیں اور یہ بت ہی کفار کے مطلوب مسجود و مقصود ہیں ۲ بعض نے کہا کہ طالب سے
مراد ذباب (مکھی) اور مطلوب سے مراد بُت ہیں ۳ بعض نے اس کا الٹ کہا کہ طالب سے مراد
بُت اور مطلوب سے مراد ذباب ہے یعنی بت ضعیف ہیں اپنا کھانا واپس طلب کرنے میں
مکھی ضعیف ہے مطلوبہ چیز اٹھانے لے جانے میں کہ بہت تھوڑی چیز لے جا سکتی ہے وہ بھی
یہ بت نہیں چھین سکتے مگر یہ دونوں قول کمزور ہیں مطلوبہ چیز کی مراد میں تین قول ۱ بعض
نے کہا اس سے مراد دنیوی دعائیں مانگنا ہیں یعنی فریاد رسی التجائیں کرنا آخرت کی شفاعت
و سفارش یا عطاء و نجات کی امیدیں لگانا ۲ بعض نے کہا کہ مطلوبہ چیز یہ ہے کہ کفار چونکہ

marfat.com

بتوں کو اپنا معبود سمجھتے ہیں اور معبود کی ایک قوت خالق ہونا ہے تو یہ کافر اپنے بتوں سے صرف ایک مکھی پیدا کر دینے کا مطالبہ کریں ۳۔ بعض نے کہا کہ مطلوب یہ چیز مکھی سے کھانا واپس چھیننا ہے بلکہ پہلے ہی نہ لینے دینا اور مکھی کو مار بھگانا ہے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ۔ ان آیت نے مسلمانوں کو یہ سبق سمجھایا کہ صرف مکے کے کافر ہی تلاوتِ قرآن سن کر چہرے پر نفرت وکراہت کے منکر نشانات نہ ڈالتے تھے بلکہ یہ تو قیامت تک ہر باطل جھوٹے ضدی فاسق فاجر گمراہ و بدعقیدہ شخص و قوم کی حالت ہے کہ ہر حق بات ایمانی دلیل اپنی مرضی اور اپنے عقیدے کے خلاف سننا برداشت نہیں کرتا اگرچہ وہ حق و صداقت کی بات و دلیل رب تعالیٰ کا کلام ہو یا رسولُ اللہ کی حدیثِ مقدسہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اور ہر بدعقیدہ کیفیتِ منکر کے ساتھ ساتھ کئی بار انتہائی جلن کے غیض وغضب میں آکر یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ کا اقدامی مظاہرہ بھی کر دیتے ہیں جیسے کہ راۓ ونڈ کے دیوبندی وہابیوں نے ۱۹۷۷ء نومبر کے راۓ ونڈی سالانہ اجتماع میں ایک سنی مسلمان محمد اقبال کو مار مار کر قتل اور دوسرے سنی مسلمان محمد خان کو مار مار کر اور الٹا لٹکا کر زخمی کر ڈالا صرف اس لیے اجتماع سے اٹھایا اور علیحدہ لے جا کر پیٹا گیا کہ محمد اقبال نے جلسے میں نعرۂ رسالت یا رسولَ اللہ کہدیا تھا جس کی تفصیل تقریباً تمام اخبارات میں اُس وقت چھپی تھی۔ (بحوالہ روزنامہ حیات لاہور پیر ۲۱ نومبر ۱۹۷۷ء ۹/ ذی الحج اور جمعرات ۲۴ نومبر ۱۹۷۷ء ۱۲/ ذی الحج ۱۳۹۷ھ) راولپنڈی اور لاہور سے بیک وقت شائع ہونے والا اردو روزنامہ اخبار۔ صدر ضیاء الحق کا دور تھا اسی طرح حافظ نذیر احمد نابینا سناتے ہیں کہ ایک وہابی مسجد میں ایک وہابی نے میرا انگوٹھا صرف اس لیے توڑ مروڑ دیا کہ میں نے اذان سن کر انگوٹھے چومے تھے مولانا اکرم رضوی خطیب کامونکی کو صرف اس لیے قتل وشہید کر دیا کہ وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو یارسول اللہ اور نور و حاضر و ناظر کہتے اور قرآن مجید سے دلائل پیش کرتے تھے۔ وہابیت کے شروع دور میں ابن عبدالوہاب نجدی اور اس کے ساتھیوں نے کیا کچھ ظلم نہ ڈھائے جن کی فہرست طویل ہے۔ یہ سب فائدہ اور سبق۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا۔ اور یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ بِالَّذِیْنَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ یعنی باطل لوگ تاقیامت ایسا کرتے رہیں گے۔ دوسرا فائدہ ان آیت نے مسلمانوں کے لیے ایک بہت بڑی اور اہم چیز سے آگاہ کیا تاکہ مسلمان قیامت تک ہر دور

marfat.com

ہیں خبردار رہیں وہ یہ کہ کفار کی ہر بات ہر ارادہ ہر مشورہ ہر حالت و کیفیت تمام مسلمانوں کے لیے بھی شر ہے بلکہ خود ان کے لیے بھی شر ہے، مسلمانوں کے لیے تو صرف دنیا میں شر ہے لیکن خود کفار کے لیے دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہاں تک کہ کفار کی سیاست۔ بناوٹ لگاوٹ بھی مسلمانوں کے لیے شر ہی شر ہے۔ یہ فائدہ۔ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ(الخ) کے فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ کفار کی منکرانہ کیفیت اور یَكَادُوْنَ یَسْطُوْنَ کی حالتِ ارادی و غیض و غضب کو مثلِ آگ شر فرمایا گیا اور جہنم کی آگ کو بڑا شر۔ یعنی یہ دنیوی کیفیت بھی شر ہے اگرچہ چھوٹا شر ہے اور وہ جہنم کی آگ بھی شر ہے جو اس سے بڑا ہے شرٍّ کی تنوین تعظیمی ہے۔ یہ کیفیتِ کفار خود کفار کے لیے تین طرح شر ہے۔ اَصلاً اس لیے کہ دنیوی شر اُخروی شر کا باعث و سبب بن گیا، دوم اس لیے کہ کیفیتِ غیض و غضب نے مسلمانوں کا کچھ نہ بگاڑا خود کفار ہی حسد، جلن سے مکروہ شکلیں بنا کر گھٹ گھٹ کر جلتے مرتے رہے، مسلمان پھر بھی ہزار ہا خوشیوں مسرتوں کے ساتھ نعتیں حمدیں، تلاوتیں کرتے ہی رہے محفلِ میلاد و معراج مناتے جلوس نکالتے ہی رہے۔ سوم اس لیے کہ کفار اپنی ان حاسدانہ حرکتوں کی بنا پر بذریعہ قرآن مجید تاقیامت جہانوں میں رسوا اور ذلیل ہو گئے کہ سب آنیوالی قوموں کو پتہ لگ گیا کہ کفارِ مکہ کیسے حاسد و ملعون تھے۔ حاسد اور منکر کبھی کے مر کھپ گئے مگر ان کا برا اور باعثِ لعنت تذکرہ آج بھی مذکور و موجود ہے۔ تیسرا فائدہ کسی چیز یا کسی شخص کو معبود سمجھ کر صرف بلانا پکارنا یا اُس سے کچھ مانگنا بھی شرک و کفر ہے اسی طرح جن چیزوں کو کفار معبود سمجھتے ہیں ان کو عزت سے بلانا پکارنا ان کو نہلانا دھلانا بھی شرک و کفر ہے مثلاً پیپل کا درخت، اور گائے جانور یا کسی انسان کی فوٹو اس کو ھندو مشرک اپنا معبود سمجھتے ہیں تو اگر کسی مسلمان نے پیپل کے تنے کو دھلایا کسی بھی غرض اور مقصد سے یا اس پر ہار پھول لٹکائے سجائے تو وہ شخص گناہگار ہو گا اور یہ کام کفار کو خوش کرنے کے لیے تعظیماً کیا تو وہ مسلمان کافر ہو جائے گا۔ ایسے ہی ھندو کی گائے کو ھندو کی خوشنودی میں تعظیماً پیار کیا یا سجایا سنوارا یا گائے کی عزت کے لیے اُس پر ہاتھ رکھتا ہے تو بھی ایسا کرنے والا کافر ہو جائے گا۔ فوٹو تصویر بنوانا اور اس کو گھر میں سجانا بھی مسلمانوں کے لیے اسی وجہ سے حرام ہے کہ یہ بھی تعظیمِ بُتان ہے۔ یہ فائدہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ کی دراز عبارت فرمانے سے حاصل ہوا صرف تَعْبُدُوْنَ نہ فرمایا گیا۔ تَدْعُوْنَ کا اصل لغوی معنیٰ ہے تم پکارتے ہو۔ یعنی بتوں اور سب جھوٹے معبودوں کو فقط پکارنا بھی شرک

marfat.com

وکفر ہے جیسے ھندو کالی ماتا کو پکارتے ہیں۔ ہے کالی ماتا وغیرہ صرف سجدہ ریزی ہی عبادت نہیں ہر تعظیم عبادت ہے اس میں بڑی احتیاط چاہیئے اسی لیے منقول شرعی کی اصطلاح میں تَدْعُوْنَ کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ تم عبادت کرتے ہو تَدْعُوْنَ کو تَعْبُدُوْنَ شمار کیا جاتا ہے کیونکہ دونوں شرک ہوتے ہیں ہم مثل ہیں۔ اسی احتیاط کی بنا پر بعض اولیاء خواص جنہوں نے توکل علی اللہ کا میثاق کیا ہوتا ہے اپنی مصیبتوں، بیماریوں میں حاکم و حکیم کو بھی نہیں پکارتے نہ اُن سے دارو دوا مانگتے ہیں یہ اُن کے انتہائی احتیاطی تقویٰ ہے کہ کہیں یہ طلب بھی تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کے شمار و عتاب میں نہ آجائے اللہ اکبر کبیرہ، اگرچہ یہ فتویٰ نہیں صرف ذاتی احتیاط وتقویٰ ہے۔

احکام القرآن اِن آیتِ کریمہ سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ قانونِ شریعت میں عبادت کی نو قسمیں ہیں ۱ سجدہ کرنا ۲ دعا مانگنا ۳ منت ماننا ۴ قسم کھانا ۵ قربانی دینا ۶ روزہ رکھنا ۷ طواف کرنا ۸ اعتکاف بیٹھنا ۹ اِلٰہ اور معبود سمجھ کر حکم ماننا اور پکارنا مانگنا۔ جیسے نماز زکوٰۃ حج ورد وظیفہ اور تعظیم کرنا۔ یہ سب کام عبادت اور عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بھی انسان یا بُت مورتی یا قبر کے لیے کرنا کفر وشرک ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ تَدْعُوْنَ میں ہر وہ کام شامل ہے جو کفار اپنے بتوں کے لیے کرتے ہیں۔ بعض جاہل گمراہ پیر قبر کا طواف کرتے اور مریدوں سے کرواتے ہیں۔ اور بعض دفعہ جادو توڑنے کے لیے کالی ماتا کے نام پر قربانی چڑھاتے اور جادو والے مریض کی طرف سے کرواتے دلواتے ہیں اس کفریہ عمل سے پیر بھی کافر ہو جائے گا اور طواف وقربانی کرنے والا مرید و مریض بھی اسی طرح بعض جہلا مرید اپنے پیر کے نام کا روزہ رکھتے ہیں یہ بالکل ایسا ہی کفر ہے جیسے ھندو لوگ بتوں کے لیے روزہ رکھتے ہیں مسلمان کا روزہ صرف اللہ تعالیٰ کیلئے ہوتا ہے بجز رب تعالیٰ کسی کے لیے روزہ جائز نہیں، یونہی اعتکاف بیٹھنا، قسم کھانا بھی صرف اللہ کے لیے ہی ہوتی ہے حدیث پاک میں غیر اللہ کی قسم کو شرک فرمایا گیا کیونکہ انسان کا کسی کی قسم کھانا بھی عبادت ہے۔ ایک گمراہ فرقے نے سجدے کی دو قسمیں کردیں ۱ سجدۂ عبادت ۲ سجدہ تعظیمی اور کہتے ہیں کہ سجدۂ عبادت صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور سجدۂ تعظیمی سب کے لیے جائز ہے اُن خبیثا کا یہ قول و تقسیم بالکل غلط ہے یہ تقسیم نہ قرآن مجید سے ثابت نہ حدیث پاک

marfat.com

سے سجدۂ تعظیمی کا کہیں کوئی ثبوت نہیں ہے، سجدۂ آدم اور سجدۂ یوسفی بھی تعظیمی نہ تھا ورنہ بار بار ہوتا۔ بلکہ سجدۂ آدم ملائکہ کی توبہ اور غیبتِ آدم علیہ السلام کا کفارہ و معافی کے لیے تھا اور سجدۂ یوسف تعبیرِ خواب کے لیے تھا کیونکہ نبی کی خواب وحیِ الٰہی ہوتی ہے۔ اس پر عمل واجب ہے، دوسرا مسئلہ شریعتِ اسلام میں جھوٹے معبودین کی عبادت بھی کفر تعظیم بھی کفر شرک و حرام ہے فرق یہ ہے کہ عبادت کرنا کافر بنا دیتا ہے لیکن فقط تعظیم کرنا فاسق یا گمراہ بنا دیتا ہے یہ مسئلہ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فرما کر کفار کے اعمال ذکر فرمانے سے مستنبط ہوا کسی کو معبود سمجھ کر جس طرح بھی اُس کی عزت افزائی کی جائے وہ کفر ہے پوجکر یا پکار کر یا مانگ کر اسی قانون سے، دعا، سوال، طلب وظیفے اور تلاوت کا فرق معلوم ہوا، دعا عبادت بلکہ عبادت کا مغز ہے حدیثِ پاک میں ارشاد ہے۔ اَلدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَۃِ دعا عبادت کا مغز ہے۔ اس لیے بجز اللہ تعالیٰ کسی سے دعا مانگنی جائز نہیں۔ دعا کا طریقہ حدیث پاک میں مقرر ہے کہ باوضو عاجزی وخشوع خضوع سے بیٹے تک دونوں ہاتھ آسمان کی طرف اٹھا کر ہتھیلیاں جوڑ کر کسی بھی زبان میں اللہ تعالیٰ سے مانگنا دعا ہے دعا کا قبلہ آسمان ہے بندے کا منہ خواہ کسی طرف ہو دونوں ہاتھ کی ہتھیلی آسمان کی طرف ہونا شرط لازمی ہے مگر کسی قبر یا کسی بیٹھے انسان کے سامنے اس انداز میں رب سے دعا مانگنا بھی ممنوع ہے کیونکہ شبہ پڑتا ہے کہ یہ قبر یا بیٹھے انسان سے مانگ رہا ہے تاکہ غلط شبہ نہ پڑے یہاں تک کہ روضۂ اقدس کے پاس مواجہ شریف کے سامنے بھی اس طرف منہ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا بھی درست نہیں اگرچہ رب تعالیٰ سے ہی مانگ رہا ہو تاکہ غلط شبہ نہ پڑے۔ سوال یہ ہے کہ بغیر دونوں ہاتھ اٹھائے مانگا جائے یہ سب سے جائز ہے کیونکہ دعا عبادت ہے سوال عبادت نہیں، سوال کرنا ایک ہاتھ اٹھا کر پھیلا کر بھی جائز ہاتھ باندھ کر ہاتھ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ سے بھی انبیا علیہم السلام سے بھی اولیاء اللہ سے بھی حیاتِ ظاہری میں بھی بعد وفات بھی، جو دعائیہ و سوالیہ کلمات قرآنِ مجید اور احادیث مقدسات میں مذکور ہیں۔ اگر وہ تعداد مقررہ وقتِ مقررہ اور طریقۂ فرمودہ و مکتوبہ کے مطابق پڑھا جائے تو اس کو وظیفہ کہا جاتا ہے اور جن آیات میں دعائیہ الفاظ ہیں اگر وہ قرآن مجید کے ساتھ یا نماز میں پڑھیں تو اُن کو تلاوت کہا جاتا ہے طلب عام ہے ہر قسم کے مانگنے کو اس کی سات قسمیں ہیں ۱۔ طلب بطریقۂ دعا ۲۔ طلب بطریقۂ سوال ۳۔ طلب بطریقۂ بھیک وگدائی ۴۔ طلب بطریقۂ انعام ۵۔ طلب بطریقۂ التجاء ۶۔ طلب بطریقۂ استحقاق ۷۔ طلب بطریقۂ استہزاء بتوں اور جھوٹے معبودوں

marfat.com

سے نہ دعا جائز نہ سوال نہ وظیفہ نہ تلاوت نہ التجا نہ استحقاق، ہاں البتہ بتوں کی عاجزی کمزوری بے بسی دیکھنے دکھانے کے لیے ان سے طلبِ استہزا جائز ہے۔ جیسا کہ حضرت خلیل اللہ نے نمرود کے بُت خانے میں جا کر بتوں سے کھانے اور بولنے کا مطالبہ کیا نہ بولے تو توڑ دیا۔ یا جیسے یہاں لَنْ یَّخْلُقُوْا اور لَا یَسْتَنْقِذُوْہُ۔ میں اشارۃً وَدَلَالَۃً مطالبہ بھی ہے یہ عجز دکھانے کے لیے ہی ہے

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں پہلا اعتراض۔ یہاں پہلے فرمایا گیا وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ۔ ھِمْ ضمیر غائب کے ساتھ پھر فرمایا گیا۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْہِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا۔ جب کہ یہاں بھی مراد وہی لوگ ہیں جن کے سامنے آیت تلاوت کی جاتی ہیں تو چاہیئے تھا کہ فرمایا جاتا۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ۔ ضمیر کو چھوڑ کر اتنی لمبی عبارت کیوں ارشاد ہوئی؟ **جواب** دو وجہ سے اتنی دراز عبارت ارشاد فرمائی گئی۔ پہلی وجہ یہ کہ عَلَیْھِمْ کی ضمیر کا تعارف کرایا گیا کہ تُتْلٰی عَلَیْھِمْ کون ہیں جن پر آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں، یہاں اُن کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے یہ بھی بتا دیا کہ وہ کھلے کافر لوگ ہیں، دوسری وجہ یہ کہ کفار کی شدتِ نفرت سے کثرتِ انکار، انتہائی جہالت اور ارادۂ شر ظاہر کرنے کے لیے دراز کلام ارشاد فرمایا۔ (از تفسیر مظہری وبیضاوی) **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ ضُرِبَ لَکُمْ مَثَلٌ۔ یہاں دو سوال ہیں۔ پہلا یہ کہ ضُرِبَ فعل ماضی ہے جو سابقہ چیز کو بیان کرتا ہے حالانکہ پہلے تو کوئی مَثَل بیان نہیں ہوئی مَثَل تو آگے بیان کی جا رہی ہے تو فعل ماضی کیوں ارشاد ہوا۔ یُضْرَبُ فرمانا چاہیئے تھا۔ دوسرا سوال یہ کہ جو چیز آگے بیان فرمائی گئی وہ مَثَل نہیں مَثَل تو کہاوت یا مشابہت کو کہا جاتا ہے حالانکہ یہاں بتوں کی ۲ دو کمزوریاں بیان کی گئیں جو چیلنج یا مطالبہ تو ہو سکتا ہے مگر اُس کو مَثَل اور کہاوت و مشابہت نہیں کہا جاسکتا۔ **جواب** پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے اے کافر لوگو جو مَثَل آگے بیان کی جا رہی ہے وہ اتنی عام فہم اور آسان ہے کہ ہر انسان پہلے ہی بتوں کی کمزوری کو جانتا سمجھتا ہے گویا ہر شعور انسانی کو پہلے ہی یہ مَثَل بیان کر دی گئی ہے اور ہر باشعور کے ذہن و عقل میں ڈال دی گئی ہے۔ اے کافرو اگر تمہاری عقل میں یہ مَثَل پہلے نہیں آئی۔ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ۔ تو اب اس کو سنو اور عقل سے کام لو۔ یہ جواب بھی ہو سکتا ہے کہ پہلے بھی ایسی مثالیں قرآنِ مجید میں کئی بار کئی طرح بیان کر دی گئی ہیں اب پھر سُن لو اُس کو۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کو مَثَلٌ اس لیے کہا گیا ہے کہ مَثَل کا حقیقی لُغوی معنٰی ہے۔ عجیب وغریب حیران کُن پریشان کُن بات تو چونکہ

marfat.com

رب تعالیٰ کی اس بیان کردہ بات نے بتوں کی اِس کمزوری کو ظاہر کر کے کفار کو تاقیامت حیران پریشان لاجواب کر دیا۔ اس وجہ سے اِس کو مثل فرمایا گیا، اور اس سے بتوں کی کمزوری بتانے کے ساتھ ساتھ کفار کی پریشانی لاجوابی بھی ظاہر کر دی گئی۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں پر صرف مکھی کے پیدا کرنے کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ حالانکہ بُت اور تمام جھوٹے بناوٹی معبود بلکہ کوئی بھی جن فرشتہ انسان کسی بھی چیز کو پیدا نہیں کر سکتا نہ چھوٹی نہ بڑی نہ ہاتھی نہ چیونٹی نہ جمادات نہ نباتات گھاس کا تنکا تک پیدا نہیں کر سکتا جو مکھی سے بھی زیادہ مختصر و کمتر ہے کہ تنکے میں تو روح بھی نہیں ڈالنی پڑتی، تو چاہیے تھا کہ بتوں کی عاجزی ظاہر کرنے کے لیے گھاس کا ایک تنکا پیدا کرنے کا ذکر فرمایا جاتا نہ کہ مکھی کا۔ **جواب**۔ تین وجہ سے یہاں مکھی کا ذکر کیا گیا اور تخلیقِ ذباب کی نفی تاکیدی بیان فرمائی گئی۔ پہلی وجہ یہ کہ مکھی ہر طرح مکمل مخلوق ہونے کے باوجود بہت چھوٹی بہت مختصر ہے اور اس میں نو خصلتیں اور کیفیتیں ایسی کمزوری کی ہیں جو دوسری کسی جاندار میں نہیں ۱۔ صَغِیْرُ الْجِسْم ۲۔ ضَعِیْفُ الْاَعْضَاء ۳۔ حَقِیْرُ الذَّات ۴۔ خَبِیْثُ الصِّفَات ۵۔ اَحْرَصُ یعنی سب سے زیادہ حریص ۶۔ اوّلاً گندگی سے پیدا پھر ولادت سے پیدا ۷۔ اَجْہَل یعنی سب سے زیادہ جاہل کہ کھانے پر اس طرح گرتی ہے کہ ہلاک ہو جاتی ہے اپنی ہلاکت کو نہیں جانتی ۸۔ اَضْعَف۔ یعنی بہت ڈرپوک اتنی کہ کسی جانور کو شکار نہیں کر سکتی بلکہ اپنے برابر کی مکڑی سے شکار ہو جاتی ہے ۹۔ اَحْمَق یعنی سب سے زیادہ بیوقوف مکھی کی مثل بیان فرما کر یہ بتایا گیا کہ کفار نے بتوں کو اِلٰہ بنایا جو مکھی جیسی کمزور مخلوق کے سامنے بھی بے بس ہیں نہ اُس کو بنا سکتے ہیں نہ اُس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ حالانکہ الٰہیت معبودیت کائنات کی سب سے بڑی طاقت ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ یہاں دو مثل بیان فرمائیں گئی ۱۔ باطنی یعنی پیدا کرنا جس کو کوئی شخص دیکھتا نہیں ہے یہ باطنی مثل تمام جھوٹے معبودوں کی عاجزی بے بسی بتانے کے لیے بیان کی گئی دوم ظاہری مثل جس کو ہر کافر بُت پرست اپنی آنکھوں سے روز دیکھتا ہے کہ ایک معمولی مکھی بتوں سے ان کا کھانا چھین کر لے جا رہی ہے اور بتوں پر بیٹھتی ہے اُن پر بیٹ کرتی ہے اور وہ بُت کچھ نہیں کر سکتے نہ اڑا سکیں نہ بھگا سکیں، چونکہ دوسری مثل ظاہری ہی وہ کافر مکھی کو ہی اب کرتے دیکھتے ہیں اس لیے پہلی مثل باطنی میں بھی مکھی پیدا کرنے کا ہی ذکر کیا گیا۔ اور لَنْ یَّخْلُقُوْا فعل نفی بِلَنْ کی تاکید نے یہ بتایا کہ وہ ایک مکھی بھی پیدا نہیں کر سکتے اس نفی میں بڑے جانوروں کی نفی خود بخود ہو گئی یعنی جب اتنا

marfat.com

مختصر سا جانور نہیں بنا سکتے تو بڑے جانور کس طرح پیدا کر سکتے ہیں گھاس کا تنکا اگرچہ مکھی سے زیادہ مختصر ہے مگر اس میں اعضاء اور روح نہیں حالانکہ اللہ وہ ہو سکتا ہے جو ہر جان بے جان بڑی چھوٹی بلکہ آسمان و زمین بھی بنا سکے۔ تیسری وجہ یہ کہ کفار کی کچھ خصلتیں مکھی جیسی ہیں، مثلاً حماقت، جہالت لالچ، خباست، حقارت اس لیے کفار کے لیے ان کی ہم خصلت مکھی کی سی مثل بیان کرنا مناسب ہے۔ کفار عرب کا تعظیم بتاں کا طریقہ یہ تھا کہ ہفتہ میں ایک بار اپنے بتوں کے سر پر زعفران ملتے جسم پر شہد لگاتے، سامنے کھانا رکھتے اور کواڑ بند کرکے چلے جاتے، کواڑوں کے سوراخوں سے مکھیاں آجاتیں اور ہفتے بھر تک وہ شہد اور کھانا کھاتی رہتی ہفتے بعد جب کفار آتے تو دیکھتے کہ کچھ کھانا بھی کم ہے اور جگہ جگہ سے شہد بھی ختم، تو مشہور کر دیتے کہ بتوں نے خود کھایا ہے حالانکہ اصلیت کو جانتے تھے آج کل ہندو کافر بھی اپنے بتوں کو دودھ سے نہلاتے گلاب سے دھلاتے اور ہار پھول ڈالتے ہیں یہ سب وہی پرانی حماقتیں ہیں۔ آج کل کچھ مسلمان بھی فوٹوؤں کو ہار پہنانے لگ گئے ہیں یہ بھی کافرانہ رسم اور فوٹو پرستی ہے۔

تفسیر صوفیانہ وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الْمُنْكَرَ يَكَادُوْنَ يَسْطُوْنَ بِالَّذِيْنَ يَتْلُوْنَ عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا قُلْ اَفَاُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكُمْ اَلنَّارُ وَعَدَهَا اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔ اور جب آیاتِ معرفت بارگاہِ قدس سے جو قلبِ مشاہدین پر نازل ہونے والی ہیں اہلِ دنیا کو سنائی جاتی ہیں تو تو اے خلوتِ مکاشفہ میں جلوۂ آشکار کا مشاہدہ کرنے والے اے صاحبِ خزانۂ عرفان کمالِ معرفت سے پہچان لے گا کفرانِ انوار اور ان کا انکار کرنے والے مکاری کے ملمع عیاری سے ملوث چہروں میں نفرتِ الحاد و کراہیتِ زندیقی حق کی ناپسندیدگی اصلاح کی بے رغبتی کے نشاناتِ تحقیر کو اور ہمیشہ ایسی ہی شدید حالت و ذلیل کیفیت ہوتی ہے فساق و بدکار طبیعتوں کی نزولِ حق اور سماعتِ احکام کے وقت گویا حملۂ ذلالت کر ڈالیں گے اُن صالحینِ فطرت عاملینِ عبرت کاملینِ بصیرت تالینِ آیت پر جو ہماری نشانیوں کو ظاہر اور بیان کرنے والے ہیں، اے محبوب لم یزل فرمادے اہلِ حق نے نافرین اور اہلِ درد سے غافلین کو اور اہلِ صفا سے کراہت کرنے والوں کو کہ کیا میں تم کو تمہارے پھیلائے ہوئے شرِ جسمانی ظاہری سے بڑے شرِ باطنی کی خبر نہ سنا دوں جو تمہاری روحوں کو فنا کی ذلت میں ڈال دے، وہ فراق نار ہے دوری محرومی کی آگ ذلت

marfat.com

وخواری کی بندش ہے۔ اسی نارِ ابدی کا ربِّ قہار نے وعدہ وعید فرمایا ہے اُن کافرینِ انعام فاسقین اعمال سے جو غافلینِ بشریت ہوئے۔ عالمِ ناسوت میں سب سے زیادہ برا اور بدبختی کا ٹھکانہ یہی ہے کیونکہ اہل اللہ سے نفرت سب سے بڑی بدنصیبی ہے لہٰذا اس کی سزا نارِ فراق ہی ہے اور اُس انکار سے بڑا شر ہے جو منکرین کے دلوں میں ہے۔ اے بندۂ عاقل اگر تو منزل قربِ حقیقی کا طالب ہے تو بچارہ ہر اُس چیز سے جو شرک وانکار کے شر کی طرف لے جائے اور ساتھ رہو توحید واقرار والوں کے اور قبول کرو حقائقِ اسرار کو محبت کرو ولایتِ انوار والوں سے اور بغض رکھو گمراہی کے شر والوں سے، اے مسافرِ راہ سلوک تو زاہد بحر و بر بننا چاہتا ہے مگر اپنے نفس کے لیے راحت کا طالب ہے قربِ الٰہی چاہتا ہے پھر بھی اپنے لیے طالبِ عزت ہے کیا تو نے اللہ تعالیٰ کے دشمن سے دشمنی اور اولیاء اللہ سے محبت کی ہے یاد رکھ منزلیں دو ہیں ایک منزل نارِ حرمان یہ کفران والوں کے لیے ہے دوسری منزل فیضان یہ توحید کی تصدیق واقرار والوں کے لیے ہے۔ تصدیق واقرار تمام نعمتوں سے افضل ہیں کیونکہ بندہ اسی کے سبب سے سعادتِ ابدیہ تک پہنچتا ہے۔ اسی تصدیقِ

عقلی محبتِ قلبی عقیدۂ عملی ذکر فکری شعورِ حسّی علم ضمیری

فراستِ ایمانی مکالمۂ باطنی واقرار کا نام کلمۂ شہادت ہے

کل قیامت میں اسی کلمۂ شہادت کا سب سے زیادہ وزن ہوگا، جس کے دل میں توحید کی تصدیق راسخ ہوگئی وہ ذکر اللہ کی لذت کو پاگیا جس نے لذت پائی اس کو طاقت ملی جس نے طاقت پائی وہ ہی صالح ہوا۔ لیکن نار بِئْسَ الْمَصِيرُ ہے کہ اُس میں کوئی خیر و بھلائی نہیں یا اللہ تو ہمیں نارِ بُعد سے بچا۔ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ وَاِنْ يَّسْلُبْهُمُ الذُّبَابُ شَيْئًا لَّا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ اے اہلِ نسیان حقیقتِ امر کو بھول جانے والے عالم ناسوت وجبروت کے خالق اور اشیاءِ عالمین کے پیدا کرنے والے اور قالب وقلب کے مالک تعالیٰ کو بھولنے والو رب تعالیٰ کو چھوڑ کر اُمراءِ دنیوی و وُزراءِ خسروی کو اپنا الٰہ سمجھ لینے والو ضروری ہے کہ ضربِ مثل معبودانِ باطل اور وہم کے بتوں کی کمزوری بے بسی ناکاری ثابت کرنے عبرت دلانے کے لیے ایک ایسی مثل بیان کی جائے جو عقل و شعور میں پہلے ہی بیان کر دی گئی ہے۔ اب اُس کو ظاہرا

marfat.com

سنو تاکہ غفلت کی نیند سے بیدار ہو جاؤ اے عہدِ میثاق کو بھولنے والو راہِ حق اور منزلِ طلب سے منہ موڑنے والو وادیٔ طریقت کے شیر مرد جوان ہمت بنو اور ادراکِ قلبی سے فَاسْتَمِعُوا لَهٗ پس سنو تم اس امرِ تکوینی کی مثل کو اور نصیحت پکڑو اگرچہ اپنے موہنوں زبانوں سے کہتے پھرتے ہو کہ ہم توحید والے اللہ کے پجاری ہیں مگر اپنے عمل و کردار سے تم باطنی بتوں کے پجاری ہو کیونکہ تم تعلیم نبوت سے دور آستانۂ رسالت سے مردود ہو یہ نہیں جانتے کہ تعظیم انبیاء علیہم السلام ہی اللہ تعالیٰ کی پرستش ہے اور انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے ہی خداپرستی کا حق ادا ہوتا ہے آستانۂ نبوت چھوڑ کر نہ رب ملتا ہے نہ عبادتِ رب اسی لیے شرک بھی رب تعالیٰ کو چھوڑنا اور الحاد بھی رب تعالیٰ کو چھوڑنا ہے۔ اللہ تعالیٰ پر بھروسے کا بھی دعویٰ پھر دنیا والوں کے دروازوں پر بھی سر جھکانا اصطلاحِ تصوف میں یہ بھی بت پرستی ہے۔ اے دولت و ثروت جاہ و حشم والوں کے پجاریو۔ جن کے چڑھتے سورج کی تم پرستش چاپلوسی۔ کاسہ لیسی، نعرہ بازی، کرسی سازی میں لگے رہتے ہو مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ اللہ تعالیٰ کی امانت، شریعت احکام، قانون طریقت کی دیانت، حقیقت کی امامت، معرفت کی ضمانت سے علیحدہ ہو کر لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا۔ وہ اہلِ دولت تو دنیاءِ ذلیل اور فضلاتِ خبیس کی ایک مکھی برابر بھی حاجت و ضرورت پوری نہیں کر سکتے۔ ضروریاتِ دنیوی کا ایک ذرہ حقیر بھی بنانے پیدا کرنے پر مطلع اور واقف نہیں قادر ہونا تو بڑی دور کی بات ہے۔ وَلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ اگرچہ سب اہلِ ثروت و دولت اُمرا وُزرا بادشاہ ایک مقامِ ابلیسی پر جمع ہو جائیں اس تکمیلِ ضروریات و حاجات کے لیے۔ صرف شور تو ہو گا مگر زور نہ ہو گا کیونکہ باطل میں شور ہوتا ہے حق میں زور ہوتا ہے یہ اہلِ دنیا تو اپنی کسلت، غفلت، مصیبت و غربت پر بھی بے بس ہیں وہ تو اپنے قلب بے نور کے بھی اندھے ہیں اگر ھَوَاجِسِ نفس اور خواہش باطل کی غلیظ مکھی اُن کے قلب کی صفائی اور جمعیتِ وقت کا اطمینان، عقل کا شعور ضمیر کی حیات کا نوالہ۔ آبِ غرور کا پیالہ چھین کر سلب کر لے تو لَا يَسْتَنْقِذُوْهُ مِنْهُ، تو نفس کو ہٹا بھگا نہیں سکتے اُس سے بچ نہیں سکتے۔ لذاتِ دنیا کی مکھیاں اُن پر گندگی پھیلاتی آس پاس بھنبھناتی رہتی ہیں۔ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ۔ مگر یہ اُن خواہشاتِ نفسانیہ فانیہ کے سامنے عاجز ہیں اس لیے کہ ضعیف ہے ان کا طالب قلبِ بے نور و کمزور ناکارہ ہے اُن کا وہ نفس و شیطان جو دنیا پرستوں، دولت کے پجاریوں کا مطلوب و مقصود ہے یہ

marfat.com

اہلِ دنیا کافرانِ مطلق اند ⁂ روز و شب در زق زق و در بک بک اند

ادب و احترام سب سے بڑی نعمت و عبادت ہے حدیث پاک میں ہے کہ ایک باپ اپنے بیٹے کو ادب سے بہتر اور کوئی تحفہ نہیں دے سکتا۔ عارفین کے لیے شریعت ضروری، شریعت کے لیے ادب ضروری ادب کے لیے ایمان ضروری، ایمان کے لیے توحید ضروری، توحید کے لیے رسالت و نبوت ضروری، جس میں ادب نہیں نہ وہاں شریعت نہ طریقت نہ ایمان نہ عرفان نہ توحید نہ رسالت بندۂ طالبِ حق کو ظاہری اور باطنی دونوں حالتوں میں ادب اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر کسی نے ظاہری طور پر بے ادبی گستاخی کی تو اسے ظاہری طریقے سے سزا مل جائے گی اور اگر کسی نے باطنی نفسانی شیطانی طریقے سے بے ادبی کی تو اسے باطنی سزا دی جائیگی۔ بہر حال بے ادب گستاخ سزا سے بچ نہیں سکتا۔ اے بندو یاد رکھو کہ ہر قسم کے آداب آستانۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل ہوتے ہیں کیونکہ آپ ہی تمام ظاہری باطنی آداب و احترامات کا مخزن ہیں اسی وجہ سے رب تعالیٰ نے قرآن پاک میں آپ کے اُس ادب کا ذکر فرمایا جو آپنے بارگاہِ الٰہیہ میں مقامِ لامکانی میں پیش فرمایا، ارشاد ہوا۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی یعنی نہ نگاہ بہکی نہ حد سے آگے بڑھی، اللہ تعالیٰ نے بے رخی اور توجہ دونوں حالتوں میں آپ کے قلبِ مقدس کے اعتدال و درستگی کو بیان فرمایا کہ آپنے صرف توجہ الی اللہ رکھی ما سوا اللہ سے کنارہ کشی اختیار کی۔ یہی حقیقی ادب ہے۔

مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ

نہ عزت پہچانی اللہ کی انہوں نے اُس کے مرتبے کے اظہار ⁂ سے بے شک اللہ

اللہ کی قدر نہ جانی جیسی چاہیئے تھی، بے شک اللہ

لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴿۷۴﴾ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ

البتہ قوتوں والا پیار فرمانے والا ہے۔ اللہ منتخب فرمالیتا ہے فرشتوں میں سے بھی

قوت والا غالب ہے۔ اللہ چن لیتا ہے فرشتوں میں سے

marfat.com

رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌۢ

رسولوں کو اور انسانوں میں سے بھی بے شک اللہ بھی سبکی سننے والا

رسول اور آدمیوں میں سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ سنتا

بَصِيْرٌ ﴿۷۵﴾ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا

دیکھنے والا ہے۔ جانتا بھی ہے اس کو جو اُن کے ہاتھوں کے درمیان ہے اور جو

دیکھتا ہے۔ جانتا ہے جو اُن کے آگے اور جو

خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۷۶﴾

اُن کے پیچھے ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے تمام معاملات

اُن کے پیچھے ہے اور سب کاموں کا رجوع اللہ کی طرف ہے

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا

اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے رکوع کرتے رہو اور سجدے کرتے رہو

اے ایمان والو رکوع اور سجدہ کرو

وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ

اور عبادت کرتے رہو اپنے رب کی اور کرتے رہو ہر اچھا کام

اور اپنے رب کی بندگی کرو اور بھلے کام کرو اس امید پر

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۷۷﴾ ۩ اَلسَّجْدَةُ الثَّانِيَةُ عِنْدَ الشَّافِعِيِّ

تاکہ تم کامیابیاں حاصل کرلو۔

کہ تمہیں چھٹکارا ہو۔

marfat.com

تعلقات ان آیت کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی حماقتوں بیوقوفیوں اور کمزوریوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں کفار کی ناشکریوں ناقدریوں کا تذکرہ ہے **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے علم و خبر کا ذکر ہوا جس سے آپ کی اشارۃً واقتضاءً نبوت ثابت ہوئی۔ اب ان آیت میں آپ کی رسالتِ مکرمہ ثابت فرمائی جا رہی ہے **تیسرا تعلق**۔ پچھلی آیت میں کفار کی حالت بیان فرمائی گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیت وعبادات سے تو منہ بگاڑتے چہرے پھیرتے دل سے منکر ہوتے ہیں مگر بتوں کی عبادت خوش دلی سے کرتے ہیں۔ اب ان آیت میں مولیٰ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں کی کیفیت بیان فرماتے ہوئے چار فرمانبرداریوں کا حکم عطا فرمایا کہ اے ایمان والو ۱ رکوع بھی کرو ۲ سجدہ بھی کرو ۳ ہر قسم کی عبادت بھی کرو ۴ اور پورے معاشرے میں بھلائی کے کام بھی کرو۔ یہی اہلِ ایمان کا تا قیامت نشانِ اعظم ہے۔ **شانِ نزول**۔ خزائن العرفان میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ بنی خزیمہ کے کفار نے کہا تھا کہ بشر انسان بھلا نبی یا رسول اللہ کیسے ہو سکتا ہے یہ جو تمہارے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم) نبوت کا دعویٰ کر رہے ہیں یہ غلط ہے (معاذ اللہ) تب یہ آیت نازل ہوئیں از آیت ۷۴ تا آیت ۷۶۔

تفسیر نحوی مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ مَا قَدَرُوْا۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق منفی جمع مذکر غائب قَدْرٌ سے بنا ہے بمعنی لغوی اندازہ لگانا۔ اصطلاحاً مطابق ہونا ۲ کسی کے مطابق بنانا تقدیری فیصلہ ازلی ابدی ۳ حجم جسامت طول عرض ایک جیسا متناسب ہونا ۴ کسی چیز کا بالکل درمیانی حصہ ۵ ہانڈی جس میں ہر چیز اندازے سے پکائی جاتی ہے اس کو قِدر اسی معنیٰ سے کہتے ہیں ۶ اندازے سے بنانے کی قوت کو اقتدار اسی لیے کہتے ہیں ۷ فیصلہ الٰہیہ کو تقدیر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ نہایت صحیح سچے اندازے سے ہوتا ہے ۸ چونکہ ناپ تول اور اندازے میں تنگی اور پابندی ہوتی ہے اس لیے قدر بمعنیٰ تنگی بھی ہے ۹ قدر بمعنیٰ عزت وتعظیم اس لیے کہ قابل عزت وتعظیم کے مقام ومرتبے کا صحیح اندازہ لگایا جاتا ہے۔ یہاں قدر اسی معنیٰ میں ہے

marfat.com

قَدَرُوْا کا فاعل کفار ہیں اللہ اس کا مفعول بہ مميّز مابعد کلام کا حق اسم مصدر جامد حاصل مصدر بمعنیٰ لائق درست مضاف ہے قَدْر اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ عزت یا اندازہ مضاف ہے و مضاف الیہ کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ حَق کا وہ مرکب تمیز ہے اللہ کی ممیز تمیز مل کر مفعول بہ ہے مَا قَدَرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف تحقیق اللہ اس کا اسم۔ لام کے حرفِ تاکید قَوِیٌّ اسم صفت مشبّہ بروزنِ فعیلٌ بمعنیٰ محافظ۔ نگہبان اور محافظ کے لیے قوت شدت طاقت کی ضرورت ہوتی ہے اس لیے اصطلاحًا قوی بمعنیٰ طاقت والا ہے یہ خبر اوّل ہے اِنَّ کی عَزِیْزٌ اسم نکرہ صفت مشبّہ بروزنِ فعیلٌ عِزٌّ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے غلبہ پانا۔ اصطلاحًا شدت۔ طاقت رفعت بلندی اور اختیار کے معنیٰ میں مشترک ہے چونکہ نگہبان کے ساتھ آیا ہے اس لیے یہاں بمعنیٰ پیار کرنے والا مراد ہے کیونکہ محافظ کے لیے اپنی چیزوں سے پیار کرنا لازمی ہے یہ خبر دوم ہے۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ رشتے داروں کو عزیز و اقارب پیار و محبت کے معنیٰ میں کہتے ہیں۔ اَللّٰہُ مبتدا یَصْطَفِیْ باب افتعال کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِصْطِفَاءٌ صَفْوٌ سے بنا ہے بمعنیٰ لغوی۔ صاف چٹیل بغیر ملاوٹ خالص ہونا۔ اصطلاح میں کسی چیز کو بہت سی مخلوط ملی جلی اشیاء میں سے چن کر علیحدہ کر لینا۔ منتخب کرنا، کوہِ صفا کو بھی صفا اس لیے کہا گیا کہ اس پر کوئی گھاس پھوس جڑی بوٹی نہیں اگتی۔ یا تا قیامت عبادت کے لیے اس کو منتخب کر لیا گیا۔ یہاں بھی منتخب کے معنیٰ میں ہے دراصل تھا اِصْفَاوٌ تاءِ افتعال کو ہم مخرج ہونے کی وجہ سے طَ سے بدلا گیا اور آخر کی واؤ کو ہمزہ سے خفت کی وجہ سے بدلا اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ مِنْ حرفِ جر بعضیت کا اَلْمَلٰٓئِکَۃِ اسم۔ جمع مکسّر منصرف ہے مَلَکٌ کی بمعنیٰ فرشتے۔ اَلُکٌ سے یا مَلْکٌ سے بنا بمعنیٰ فرشتے اَلُکٌ کے معنیٰ چبانا اصطلاحی معنیٰ پیغام پہنچانا کیونکہ وہ بھی منہ میں گویا چبایا جاتا ہے اور چبا کر نکالا جاتا ہے۔ مَلَکٌ کے لغوی معنیٰ شدت طاقت ہے چونکہ فرشتے بھی مخلوق میں سب سے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں اس لیے ان کو مَلَکٌ کہا جاتا ہے یہ جار مجرور معطوف علیہ ہے وَاؤ عاطفہ اور اس سے پہلے رُسُلًا اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے رَسُوْلٌ مفعول بہ ہے۔ مِنَ النَّاسِ یعنی لوگوں انسانوں میں سے کچھ یہ جار مجرور معطوف ہے مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ پر دونوں عطف مل کر متعلق ہے یَصْطَفِیْ کا سب جملہ فعلیہ ہو کر

marfat.com

خبرِ مبتدا۔ اَللّٰہُ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اَللّٰہَ اس کا اسم سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ یہ دونوں صفت مشبہ مبالغے کے لیے بروزن فَعِیْلٌ دونوں دو خبریں ہیں اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَعْلَمُ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اَللّٰہُ مَا اسم موصول بَیْنَ اسم ظرفی مکانی مضاف ہے اَیْدِیْ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے یَدٌ بمعنی ہاتھ مضاف ہے ھِمْ ضمیر کا مرجع تمام مخلوق یا کفار مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا اسم موصول خَلْفَ اسم ظرفیہ مکانیہ بمعنی پیچھے مضاف ہ ضمیر ھُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر غائب مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف ہے مَا بَیْنَ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سے جملہ اِلَی اللّٰہِ جار مجرور متعلق مقدم ہے تُرْجَعُ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت مجہول واحد مؤنث غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ لغوی گردش کرنا چکر لگانا۔ پلٹ پلٹ کر پہلی جگہ پر آنا۔ اصطلاح میں لوٹنا پچھلی حالت پر آنا۔ نفع کمانا، واپس آنے کو رجوع کرنا کہتے ہیں۔ اَلْاُمُوْرُ اسم۔ جمع مکسر ہے امر کی۔ الف لام استغراقی بمعنیٰ تمام۔ یہ نائب فاعل ہے تُرْجَعُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یَا حرفِ ندا۔ اَیُّھَا اسم فاعل اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا۔ باب اِفعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ جمع مذکر غائب۔ اس لیے کہ یا ندائیہ قائم مقام ہوتا ہے اَدْعُوْا مضارع حال واحد متکلم کے یعنی بلاتا ہوں میں لہٰذا اس کے بعد منادیٰ کے لیے غائب کا صیغہ ہی مناسب ہے اٰمَنُوْا فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر منادیٰ ہے اِرْكَعُوْا باب فَتَحَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُسْجُدُوْا۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُعْبُدُوْا باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر رَبَّكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اُعْبُدُوْا کا یہ فعل بافاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِفْعَلُوْا باب فَتَحَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر بافاعل اَلْخَیْرَ اسم حاصل مصدر جامد بمعنیٰ، نیکی، بھلائی مفید کام، مرغوب اور دل پسند کام۔ اصطلاحًا مال و دولت کو بھی خیر کہا جاتا ہے۔ مدینہ منورہ

marfat.com

کے انعامات میں سے ایک خیر اور حسنہ ہے۔ کیونکہ یہ تمام جہان کے شہروں سے زیادہ مفید مرغوب اور افضل ہے۔ یہاں بمعنی نیکی ہے مفعول بہ ہے اِفْعَلُوْا کا یہ فعل امر با فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا سابقہ تمام جملے معطوف ایک جملہ ہوئے لَعَلَّ حرف مشبہ بالفعل کُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر اس کا اسم مرجع ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُفْلِحُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَعَلَّ کی یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معلول ہوا وَارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا (الخ) کا یہ سب افعال معطوف اپنے معلول سے مل کر جملہ تعلیلیہ ہو کر جواب فعل ہوا۔ حرف ندا اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ پانچوں فعل ۱۔ اِرْکَعُوْا ۲۔ اُسْجُدُوْا ۳۔ اُعْبُدُوْا ۴۔ اِفْعَلُوْا ۵۔ تُفْلِحُوْنَ کا فاعل ضمیر صیغہ کُمْ (اَنْتُمْ) جمع مذکر حاضر کا مرجع اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے۔ اِس آیت ۷۷ پر امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سجدۂ تلاوت کا حکم دیتے ہیں حالانکہ آیت پاک کے الفاظ اِس کی تائید نہیں کرتے اس لیے بجز امام شافعی کسی بھی امام نے یہاں سجدۂ تلاوت کا حکم نہ دیا نہ عقیدہ بتایا اس کی وجہ یہ کہ یہاں مسلمانوں کو پوری مکمل عبادتِ نماز کا حکم دیا جا رہا ہے نہ کہ فقط سجدۂ تلاوت کا۔ اس کی وضاحت احکام القرآن میں کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

تفسیر عالمانہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّ مِنَ النَّاسِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَ مَا خَلْفَهُمْ ؕ وَ اِلَی اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۔ اور نہ قدر جانی نہ عزت پہچانی اپنے خالق مالک رازق شفیق و منعم و مصطفیٰ کریم اللہ تعالیٰ کی دنیا بھر کے کسی بھی کافر مشرک منکر نے اس کی قدر و منزلت احسان و اکرام کے مطابق۔ قدر کا معنیٰ ہے احسان ماننا اور احترام و عزت کا معنیٰ ہے فرمان ماننا ہے اس لیے کفار نے قدر کی نہ احترام کیا۔ کافر بت پرست ہو یا فرشتوں کا پجاری، یہودی ہو یا عیسائی یا مجوسی، صابی حالانکہ ہر انسان پر فرض ہے کہ رب تعالیٰ کا احسان بھی مانے اور فرمان بھی اور یہ دونوں ایمان نبوّت کو ماننے سے ملتے ہیں نبی کی اطاعت و اتباع ہی بتاتی ہے کہ قدر الٰہی کیا ہے۔ میرے ربِّ قدیر کا۔ کیا یہ احسان کچھ کم ہے کہ اس نے تم کو اے کافرو خوب صورت تندرست توانا طاقتور، دراز قد، نطق و عقل والا انسان بنا دیا۔ اور

marfat.com

عالَمِ ازل میں ہی تم کو جمادات، نباتات، حیوانات سے علیحدہ کر کے تمہارا چناؤ اور انتخاب اشرف المخلوقات میں کر دیا یہ ازلی چناؤ محض اُس کا کرم ہے تمہارے لیے کسی نے بھی نہ سفارش کی تھی نہ حمایت پھر اپنی تمام دنیوی نعمتیں دولتیں تمہارے لیے مسخر فرما کر تم کو تمام زمین اور زمینی مخلوق اشیاء پر حاکمیت اور غلبہ بخشا، رب تعالیٰ نے تم کو یہ عزتیں طاقتیں بغیر معاوضہ بغیر مشقت بلا طلب عطا فرمائیں۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ تم سب کفار اس کا احسان مانتے مگر کسی کافر نے کبھی اپنے اللہ تعالیٰ کا نہ احسان مانا نہ فرمان حالانکہ رب تعالیٰ کی قدر پہچاننا احسان مانتا فرمان لینا بہت ہی آسان ہے صرف یہ کہ اس رب کائنات کے بھیجے ہوئے انبیاء علیہم السّلام کے آستانوں پر اُمتی بن کر آجاؤ۔ اور اُن کی تبلیغ تعلیم وتفہیم سے رب تعالیٰ اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ کو اللہ واحد مان لو۔ لَاشَرِیْکَ لَہٗ کہدو۔ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ، کا عقیدہ بنالو۔ وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا۔ کا ایمان اختیار کر لو اور اس تھوڑی سی بات میں اَبد کی حیات وانعام پالو۔ اتنا آسان کام اور اتنا بڑا انعام مفت کی دولت۔ مگر اس کے باوجود مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ انہوں نے ویسی قدر نہ کی جیسی کرنی چاہیئے تھی، بت پرستوں نے حماقت کی انتہا کر دی کہ اپنی دستی بنائی ہوئی کمزور مورتیوں کو اللہ سمجھ لیا، حالانکہ الہٰیت بے انتہا قوت کا نام ہے یہودیوں نے رب تعالیٰ کی بہت گستاخیاں کیں ۱ کبھی کہا عزیر ابن اللہ ہیں ۲ کبھی کہا۔ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں ۳ کبھی کہا۔ یَدُ اللّٰہِ مَغْلُوْلَۃٌ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں ۴ کبھی کسی یہودی حبر سمیں مالک ابن ابی صیف نے کہا کہ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ اللہ نے کسی انسان پر کبھی کوئی وحی کلام اتارا ہی نہیں یعنی تمام نبوتوں رسالتوں کا یک دم انکار (معاذ اللہ) یہ سب کفریات اللہ تعالیٰ کی ناقدری ہی ہے عیسائیوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی قدر نہ جانی کیونکہ کبھی مسیح ابن اللہ ہیں کبھی کہا کہ اللہ نے چھ دن میں کائنات کی چیزیں پیدا کیں اور تھک گیا تو آخری ساتویں دن آرام کیا جیسا کہ بائبل میں ہے کہ خداوند نے اتوار کے دن آسمانوں کو بنایا، پیر کے دن زمین کو منگل کے دن پہاڑوں کو بدھ کے دن سورج کو جمعرات کے دن چاند ستاروں کو جمعہ کے دن آدم وحوّا کو پیدا فرمایا۔ تب تھک گیا اور ہفتے کے دن سارا دن لیٹ کر پاؤں پر پاؤں رکھ کر آرام کیا (معاذ اللہ) کسی کافر نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں اور معبود سمجھ لیا کسی کافر نے آگ کو کسی نے نباتات کو حیوانات کو الٰہ بنالیا۔ یہی باطل کاذب کفریہ شرکیہ عقیدے اللہ کی احسان فراموشی اور ناقدری ہے۔ ایسے بیوقوفوں قدر دانی احسان

marfat.com

حسان مندی میں تو تمہاری ہی بھلائی ہے۔ رب تعالیٰ کو تمہاری قدر شناسی کی کوئی ضرورت نہیں اس لیے
کہ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ وہ اللہ تعالیٰ تو ہمیشہ سے ہمیشہ تک قوی ہے ہر مخلوق سے اور غالب
ہے ہر چیز پر۔ قوی ہے اپنے محبوبوں کی امداد پر اور غالب ہے اپنے دشمنوں کی سزا پر۔ قوی
ہے مخلوق کو باقی رکھنے پر غالب ہے اُس کو فنا کرنے پر۔ قوی ہے اپنے قول میں غالب ہے
اپنے حکم میں۔ قوی ہے ممکنات پر غالب ہے موجودات پر۔ قوی ہے ابتدائی ہست کرنے
پر غالب و عزیز ہے انتہائی نیست کرنے پر۔ لیکن اِن کفار کے جھوٹے بناوٹی معبود نہ قوی
نہ عزیز اسی بات کو کفار کی عقل نہیں سمجھتی اسی لیے مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ کسی مفسر نے
اس کا معنی کیا۔ مَا عَرَفُوا اللّٰہَ حَقَّ مَعْرِفَتِہٖ۔ کسی نے معنی کیا۔ مَا عَظَّمُوا اللّٰہَ حَقَّ عَظَمَتِہٖ۔ کسی
نے معنی کیا۔ وَمَا وَصَفُوا اللّٰہَ حَقَّ تَوْصِیْفِہٖ مگر یہ تینوں معنی یہاں غلط ہیں۔ دو وجہ سے
بدونوں وجہ ظاہر پہلی وجہ یہ کہ یہاں خطاب صرف کفار کو ہے نہ کہ ایمان والوں کو جس سے ثابت ہوا
کہ ایمان والے حقِ قدر کے مطابق قدر کرتے ہیں۔ دوسری وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی قدر حق کے
مطابق آسان ہے اسی لیے ہر ایک پر فرض ہے جو نہ کرے اس کو عذابِ جہنم کی سزا ہے۔ اس
سے زیادہ مشکل حقِ توصیف کے مطابق توصیفِ الٰہی کرنا ہے یہ کام مسلمان اور مومن بھی نہیں
کر سکتے صرف خواص اولیاء اللہ اور علماءِ راسخ فی العلم ہی کر سکتے ہیں۔ اور اُس سے زیادہ
مشکل حقِ عظمت کے مطابق تعظیم الٰہی کرنا ہے یہ تو اولیاء اللہ علما، غوث و قطب ابدال بھی
نہیں کر سکتے صرف انبیاء مرسلین علیہم السّلام ہی کر سکتے ہیں۔ اس سے زیادہ بلکہ سب سے
زیادہ مشکل حقِ معرفتِ الٰہی حاصل کرنا ہے یہ مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے تمام مخلوق کے لیے
خود آقائے کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم جو دیدارِ الٰہی کرنے والے آنکھوں سے رب تعالیٰ
کو دیکھنے والے لامکان پر آنے جانے والے شرفِ زیارت لینے والے فرماتے ہیں سُبْحَانَکَ
مَا عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ اے اللہ تعالیٰ پاک ہے تو نہیں پہچانا ہم نے تجھ کو تیری
معرفت کے حق کے مطابق اور اسی لیے مرشدین معرفت نے فرمایا۔ اَللّٰھُمَّ مَا عَرَفْنَاکَ
حَقَّ مَعْرِفَتِکَ اَیْ بِحَسْبِکَ اَیْ بِکُنْھِکَ وَلٰکِنْ عَرَفْنَاکَ حَقَّ مَعْرِفَتِکَ بِحَسْبِنَا
یعنی اے اللہ ہم میں کوئی بھی تیری معرفت کو تیرے اعتبار سے اور تیری حقیقتِ کُنہ ذاتیہ
کے مطابق کچھ بھی نہیں جانتے پہچانتے نہ ہم میں اِس معرفتِ ذاتِ حق تعالیٰ کی طاقت ہے
نہ ہو سکتی ہے۔ لیکن ہم اپنی علمی فکری بصیرت کے مطابق حقِ معرفت حاصل کر لیتے ہیں۔ ایک

marfat.com

معرفت کا خزانۂ تامہ کلیہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو دیا گیا اور اُسی آستانۂ عظیم نعمت سے ہر شخص کی قوتِ مقدور کے مطابق حصۂ معرفت تقسیم ہو رہا ہے یہ معرفت سب سے زیادہ انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو حاصل پھر صحابہ کرام کو پھر تابعین کو پھر تبع تابعین کو پھر اولیاء علماء صلحا کو مگر یہ سب کچھ جزئیۃً ہے کُلیۃً معرفۃِ ذات اور کُنہ حقیقت کسی کو بھی حاصل نہیں انبیا علیہم السّلام کو بھی درجہ بدرجہ۔ اِس معرفت کا مخزن ذاتِ مصطفیٰ ہے جس کو اِس آستانے سے جتنا قرب زیادہ اتنا معرفتِ الٰہیہ کا حصہ زیادہ کُلیۃً۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہیں، اس کی وجہ یہ کہ کائنات میں وجود چودہ ۱۴ قسم کے ہیں ۱ وجودِ واجب ۲ وجودِ مُمکن ۳ وجود مجرّد عَنِ الْمَاھِیَۃ ۴ وجود المجردات ۵ وجودُ الأجسام ۶ وجود مَعَ المَاھیۃ یعنی وجود ماہیت سے ملا ہوا ہو۔ ۷ وجودِ معروضہ بِالمَاھِیَۃ، یعنی ماہیت وجود کو عارضی ہو ۸ وجودِ مرکب یعنی وجود ماہیت اور لوازمات مخلوط ہوں ۹ وجود جنسی ۱۰ وجود صِنفی ۱۱ وجودِ نوعی ۱۲ وجودِ فصلی ۱۳ وجود نظری ۱۴ وجود بدیہی۔ ماہیت کا معنیٰ ہے شخصیت ہر شخصیت کو پہچاننے کے لیے چودہ طریقے ہیں ۱ یا اُس کو اُس کی جنس سے پہچانا جاتا ہے ۲ یا اُس کی نوع سے ۳ یا اُس کی فصل سے ۴ یا اُس کی جنسِ قریب سے ۵ یا اُسکی جنسِ بعید سے ۶ یا اُس کی فصلِ قریب سے ۷ یا اُس کی فصلِ بعید سے ۸ یا اُس کی نظریت سے ۹ یا اُس کی بدیہیت سے ۱۰ یا اُس کی جزئیت سے ۱۱ یا اُس کے حدود ذریعہ سے ۱۲ یا اُس کی اِنّیۃ سے یا لمیت سے یعنی علت دیکھ کر معلول کا اور معلول دیکھ کر علت کا پتہ لگ جانا۔ جیسے آگ اور دھواں کہ آگ دیکھ کر دھوئیں کا پتہ لگ جاتا ہے دھواں نظر آئے یا نہ آئے آگ علت ہے دھواں معلول یہ اِنیت ہے اور دھواں دیکھ کر آگ کا پتہ لگ جانا آگ نظر آئے یا نہ آئے یہ لمیت ہے ۱۳ یا کسی شخصیت کو اُس کی حدِ تام یا حدِ ناقص سے جاننا پہچاننا وجود کی معرفت حاصل کرنا ۱۴ یا کسی وجود کی معرفت و پہچان اُس کی رسم تام یا رسم ناقص سے حاصل کرنا، خیال رہے کہ کسی کی صفات کا تعارف اُس کی ذات کے ذریعے کرانا یہ اُس کی حد ہے اور ذات کا تعارُف صفات کے ذریعہ کرانا یہ رسم ہے مثلاً زید عالم ہے یہ زید کی حد ہے اور عالم زید ہے یہ زید کی رسم ہے غرضکہ ہر وجود کی معرفت کَمَا حَقُّہٗ صرف ان چودہ ذریعوں سے حاصل ہوتی ہے لہٰذا کسی وجود کی حقِ معرفت کے مطابق معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ اُس میں یہ چودہ چیزیں ہوں تب کامل معرفت حاصل ہو سکتی ہے یہ اشیا قید ہیں وجود کی۔ لیکن جو وجود مطلق ہو

marfat.com

اور جس کی ذات موجود للذات ہو، کسی بھی قید سے مقید نہ ہو، نہ اُس کی ماہیت ہو نہ جنس قریب نہ بعید، نہ نوعِ قریب نہ بعید نہ فصل قریب نہ بعید نہ بدیھیت نہ نظریت نہ جزئیت نہ مرکبیت نہ حدود اربعہ نہ اِنّیت نہ لمیت نہ علت نہ معلول، نہ حدِ تام نہ حدِ ناقص نہ رسم تام نہ رسم ناقص بھلا اُس کی معرفت حقِ معرفت کے مطابق کُلیۃً کس طرح حاصل ہو سکتی ہے، وجودِ باری تعالیٰ کی یہی شان ہے کہ وجود ذاتِ مطلق ہے کسی بھی قید سے مقید نہیں اسی لیے کسی کو بھی اُس کی معرفتِ کلیہ حاصل نہیں ہو سکتی معرفت کلیہ میں معرفہ کَمَا حَقُّہٗ اور حق قَدْرِہٖ ہے ہاں البتہ اُس کی معرفتِ جزئیہ حاصل ہو جاتی ہے مگر درجہ بدرجہ کسی کو تھوڑی کسی کو زیادہ، کسی کو سماعت سے کسی کو بصارت سے کسی کو تکلم سے کسی کو تشہد سے، کسی کو معرفت ملتی ہے اسی حیاتِ دنیوی میں کسی کو اُس حیاتِ اُخروی میں، کسی کو شہود رویۃ سے کسی کو قلبی دولت سے، کسی کو قابَ قوسین پر بلا کر کسی کو طور پر جگا کر کسی کو معراج میں کسی کو خواب میں کسی کو ملکوت کے پردے میں کسی کو محبوب کے جلوے میں کسی کو نورِ قدسی کی تجلی میں کسی کو نورِ حقیقی کی ترقی میں اپنا اپنا حصہ ہے اپنا اپنا نصیب ہے کسی کو نار میں حصہ ملا کسی کو دار میں ملا کسی کو غار میں ملا۔ یہ رب تعالیٰ کی تقسیم ہے بندۂ اعلیٰ کی تقدیر ہے، رب کی حکمت رب ہی جانتا ہے کیونکہ وہ ہی سبحان اللہ ہے۔ جبارُ الملکوت ہے۔ قویّ الذات ہے عزیز الوصف ہے، اوہام اُس کا تصور نہیں کر سکتے افکار اُس کا تقدر نہیں کر سکتے۔ عقول اُس کا تمثل نہیں کر سکتے، زمانے اس کا ادراک نہیں کر سکتے جہتیں اُس کا احاطہ و گھیراؤ نہیں کر سکتیں، پیمانے اُس کی حدبندی نہیں کر سکتے وہ محمدی الذات جامدیت الصفات ہے اپنے انتخابات میں مالکِ اختیار ہے۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ اُسی حکمت و تقدیر کے فیصلے سے خود اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرما کر چن لیا ہے فرشتوں میں رسول بنانے کے لیے اُن فرشتوں کا کام تدبیرِ عالم اور پیغام رسانی ہے اور چن لیا ہے کچھ انسانوں میں سے رسول بنانے کے لیے انتخاب وصف عطا فرمایا جو رسلِ انسانی کی ذمے داری یہ ہوتی ہے کہ عملی و قولی طریقے سے دیگر انسانوں میں احکامِ ربانی کی تبلیغ فرمائیں۔ ملائکہ کو رسولانِ قاصد بنایا اور انبیا کو رسولانِ حاکم بنایا۔ ملائکہ کو انبیا کے لیے اور انبیا کو انسانوں کے لیے رسول بنایا۔ رسالتِ ملائکہ ان کی فضیلتِ شان کا اعلیٰ مکان ہے اور رسالتِ بشری اُن کی فضیلتِ شان کا اعلیٰ مقام ہے، مگر اس فضیلتِ عطائی انعامی انتخابی کا یہ مفہوم نہیں کہ ملائکہ کو بناتُ اللہ اور انبیاء کو اَبناءُ اللہ سمجھ لیا جائے اور اُن کو شریکِ اُلوہیت سمجھ کر اُن کی خیالی تصویریں پوجنی شروع کر دی جائیں اس فضیلت

marfat.com

سے کوئی فرشتہ یا کوئی نبی، رب تعالیٰ کا شریک نہ بن گیا ہاں البتہ رُسُلِ ملائکہ کو مکانِ اَعلیٰ مل گیا اور رُسُلِ انبیا کو مقامِ اَعلیٰ مل گیا کہ ملائکہ میں کسی کو عرش کسی کو سدرہ کسی کو بیتُ المعمور کسی کو بابِ جنت مل گیا، اور انبیاء میں کسی کو صفی اللہ کسی کو نجیُ اللہ کسی خلیلُ اللہ کسی کو ذبیح اللہ کسی کو کلیمُ اللہ کسی کو روحُ اللہ اور کسی کو حبیبُ اللہ بنا لیا گیا، اس انتخابِ رسالت سے کوئی شریک اللہ نہیں بن سکتا کیونکہ، رب تعالیٰ رب کریم کا انتخاب حبیبُ اللہ بنا تا ہے۔ فضلاءِ دیوبند علماءِ اہل سنت پر اتہام لگاتے ہیں کہ سُنی نبی کریم کی اتنی تعریف کرتے ہیں کہ اللہ کا شریک بنا دیتے ہیں حالانکہ یہ غلط اور احمقانہ اتہام ہے، حضرت حکیم الامت بدایونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ تقریر میں اِس کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ ہم شانِ نبی بیان کر کے شریک نہیں بناتے حبیب بناتے ہیں شریک بنانے میں تو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا نقصان ہے کیونکہ شریک آدھے کا مالک ہوتا ہے حبیب پورے کا شریک بے اختیار ہوتا ہے حبیب بااختیار شریک ہر کام و ہر چیز میں اجازت کا محتاج ہوتا ہے۔ حبیب بلا اجازت مختار ہوتا ہے شریک نہ کچھ توڑ سکے نہ کچھ موڑ سکے مگر حبیب چاند توڑ سکتا ہے سورج موڑ سکتا ہے بادل برسا سکتا ہے انگلیوں سے چشمے بہا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ انتخاب حکیمانہ ہے جس پر کسی کو نہ سوال کا حق ہے نہ اعتراض کا نہ کفارِ مکہ ولید بن مغیرہ اور اُس کے ساتھیوں کو یہ کہنے کا کچھ حق ہے کہ ءَاُنۡزِلَ عَلَيۡهِ الذِّكۡرُ مِنۡۢ بَيۡنِنَا۔ کیا ہم سب رؤسائے عرب کے بیچ میں سے اسی عبد اللہ کے یتیم پر ہی کلامِ الٰہی اترنا تھا یہ کیسے ہو سکتا ہے اترنا تو ہم پر اترتا، رب تعالیٰ نے جواب فرمایا۔ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌۢ بَصِيۡرٌ۔ اے کافرو بے شک اللہ تعالیٰ خوب سننے والا ہے تمہاری کفریہ گستاخانہ باتوں کو اور خوب دیکھنے والا ہے تمہارے شرکیہ اعمال کو۔ وہ رب تعالیٰ ہی سننے والا ہے ملائکہ کے ارسالِ کلام کو انبیاء علیہم السّلام کی عملی تبلیغ کو دیکھنے والا ہے۔ وہی ہے سب موجودات کی سننے والا اور سب مخلوقات کو دیکھنے والا، یہ اُس کی شانِ سماعت و قوتِ بصارت ہے، اُس کا علم بھی عام اور قدیم ہے اسی لیے يَعۡلَمُ مَا بَيۡنَ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ جانتا ہے وہ ربِّ قدیر ہر اُس حالت کیفیت کو جو مخلوق کے سامنے ہے اور جو مخلوق کی پیدائش و ظہور ولادت سے پہلے ہے۔ سمیع و بصیر شانِ خصوصی ہے يَعۡلَمُ شانِ عمومی ہے علیم ہے اعمالِ اوّلین و آخرین کا جانتا ہے ظاہری اعمال باطنی نیات کو جانتا ہے

زمانہ حال کے مَا بَیْنَ کو اور ماضی و مستقبل کے مَا خَلْفَ کو جانتا ہے اپنے رسولوں کی شان و حال کو بعد خلقت و ما قبل خلقت والے، وہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کفار کے دنیوی اعتراضات کو اور اُخروی سزا کو جانتا ہے دنیا کے حالات و آخرت کے معاملات کو ان کو بھی جانتا ہے جو کر چکے ہیں اور اُن کو بھی جو کریں گے وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹائے جاتے ہیں سب معاملات نسبت و خلقت میں بھی دنیا و آخرت میں بھی۔ اعمال و اقوال بھی ضروریات و حالات بھی، دعا والے بھی، سوال والے بھی۔ محبوبیت و مقبولیت والے بھی مردودیت و ملعونیت والے بھی ملائکہ اور انبیاء علیہم السّلام کے کام محبوبیت والے ہیں اولیا علما کے کام مقبولیت والے ہیں۔
فاسقین و فاجرین کے کام مردودیت والے کفار و منافقین کے کام ملعونیت والے ہیں یہ سب ہی بارگاہِ الٰہی میں پیش ہونے والے ہیں تاکہ سب کی جزا و سزا ہو۔ کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ مالکِ اُمور اور خالقِ اُمور ہے۔ اُس کے سوا نہ کوئی ذاتاً مالک نہ استقلالاً نہ اشتراکاً انتخابِ رسالت کا کام بھی اُسی کے ذمۂ کرم و حکمت پر ہے وہی ہر معاملے کو جانتا ہے اور تمام اُمور کا فاعل ہے بالواسطہ بھی بلا واسطہ بھی، وہ سمیع و بصیر ہے۔ کیونکہ اُس کی قوت تام ہے وہ ہی یَعْلَمُ مَا بَیْنَ وَمَا خَلْفَ ہے۔ کیونکہ اُس کا علم تام ہے اور اِلَیْہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کی شان والا ہے کیونکہ اُس کی قدرت تام ہے انتخابِ رسالت کا اختیار والا ہے کیونکہ اس کی حکمت تام ہے۔ قوت و قدرت و حکمت اُسی کی ذاتی و قدیمی ہے۔ ابتدا اُس کی قدرت سے انتہا اُس کی حکمت سے ہے۔ لہٰذا اے کافر و کفر سے اے فاسق و فسق سے اور اے ظالمو ظلم سے آج دنیا میں ہی بچ جاؤ۔ اور یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اے وہ خوش قسمت لوگو جو اقرارِ لسانی اور تصدیقِ قلبی سے ایمان لے آئے اب تا عمر اعمالِ صالحہ سے اپنے ایمان کو ظاہر و مزین کرتے رہو اوّلاً: پنجوقتہ نماز جاری کرو جس کے قیام میں رکوع کرو اور قعود میں سجدے کرتے رہو۔ یہی ہر نماز وقتی کے بڑے ارکان میں سے ہیں اور باقی ارکان سے اصل نماز اور افضل ہیں کیونکہ دیگر ارکان کبھی کسی عارضے سے ختم بھی ہو جاتے ہیں مگر رکوع و سجود پنجوقتہ کسی بھی نماز میں ختم نہیں ہوتے کسی نہ کسی متبادل شکل میں موجود رہتے ہیں نہ تندرست کی

marfat.com

قیامی نمازیں نہ بیمار کی قعودی نماز میں نہ معذور کی استراحی نماز میں جب کہ بیمار کی قعودی نماز میں قیام ختم اور معاف ہوجاتا ہے اور اپاہج معذور کی نماز میں قعود و قعدہ معاف ہوجاتا ہے مگر رکوع و سجود کسی حالت کی نماز میں کبھی معاف نہیں ہوتے اسی لیے نماز فرض واجبی نفلی میں چار ارکان اصل نماز ہیں ۱ قیام ۲ رکوع ۳ سجدہ ۴ قعدہ۔ اس میں بھی اہل اصول رکوع سجدہ ہیں اسی لیے اس آیتِ پاک میں اِرْكَعُوا وَاسْجُدُوا فرما کر پوری نماز مراد لی گئی ہے۔ بعض نے کہا کہ یہاں نماز کا حکم دیتے ہوئے صرف اِرْكَعُوا وَاسْجُدُوا اس لیے فرمایا گیا کہ شروع اسلام میں مسلمان کسی نماز میں فقط رکوع کر لیا کرتے تھے اور کسی نماز میں فقط سجدے اور اس وقت سجدہ رکوع مستحبات نماز میں سے تھے۔ بعد میں اس آیتِ پاک نے ان کے استحباب کو منسوخ فرما کر رکوع سجود کو ہر نماز میں فرض قرار دیا۔ مگر یہ قول قطعًا غلط اور کذب بیانی ہے تین وجہ سے۔ پہلی وجہ یہ کہ اسلام کے کسی دور میں بھی نماز کا رکوع سجدہ مستحب نہ ہوا یہ بات نہ حدیثِ پاک سے ثابت نہ کسی تاریخ سے تفسیر روح المعانی نے بھی اس قول کو غلط اور مردود قرار دیتے ہوئے لکھا ہے لَمْ نَرَهُ فِیْ اَثَرٍ یُعْتَمَدُ عَلَیْهِ وَتَوَقَّفَ فِیْهِ صَاحِبُ الْمَوَاهِبِ وَذَكَرَهُ الْفَرَّاءُ بِلَا سَنَدٍ۔ یعنی یہ سب قول اس لیے غلط ہے کہ ہم نے اس کے ثبوت میں کوئی روایت کسی بھی کتاب میں ایسی نہ دیکھی جس پر اعتماد کیا جا سکتا۔ صاحبِ مواہب نے بھی یہاں خاموشی اختیار کی فراء نے اس کا ذکر تو کیا ہے مگر بغیر سند کے جس سے ثابت ہوا کہ یہ قول بیہودہ بناوٹی ہے، دوسری وجہ یہ کہ رکوع و سجدہ نماز کے وہ رکنِ عظیم ہیں جو شریعتِ آدم سے تا شریعتِ عیسیٰ ہر دین ہر شریعت کی نماز میں فرض ہی رہے نہ کبھی مستحب نہ کبھی اختیاری غیر ضروری کیونکہ اصل عبادت تو رکوع و سجدہ ہی ہے۔ اسی کی وجہ سے حدیثِ پاک میں نماز کو معراج مومن کہا گیا۔ اَلصَّلٰوةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ راز تفسیر روح البیان یہی آیت) اور یہ قانونِ کلیہ ثبوتیہ ہے کہ نماز ہر شریعت میں ایک ہی طریقے پر رہی چنانچہ سورۃ آلِ عمران کی آیت ۴۳ میں حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو حکم دیا گیا۔ وَاسْجُدِیْ وَارْكَعِیْ مَعَ الرَّاكِعِیْنَ۔ یعنی اے مریم سجدہ اور رکوع کرتی رہو رکوع کرنے والوں کی مثل اور سورۃ صٓ کی آیت ۲۴ میں حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر ہے۔ وَظَنَّ دَاوٗدُ اَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّاَنَابَ۔ یعنی حضرت داؤد علیہ السلام نے استغفار پڑھی اور جھک گئے رکوع میں اور فریاد میں گڑگڑائے یہ سورۃ و آیت مکہ مکرمہ

marfat.com

میں نازل ہوئی اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۵ میں حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہما السلام کا ذکر
ہے وَعَهِدْنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۔ اسی طرح سورۃ حج کی آیت ۲۶ میں ہے کہ ہم نے ابراہیم و اسماعیل
علیہما السلام سے وعدہ لیا کہ ہمیشہ پاک رکھیں میرے گھر کو طواف اور اعتکاف اور
رکوع کرنے والوں سجدہ کرنے والوں کے لیے اِن آیات سے ثابت ہو رہا ہے کہ رکوع
و سجدہ ہر شریعت میں واجب اور موجود رہا کیونکہ رکوع سجدے کا حکم دیا جاتا کہ کرو
اس کو واجب ہی ثابت کر رہا ہے ۔ تیسری وجہ یہ کہ کسی صحابی نے کبھی کسی نماز میں نہ رکوع
چھوڑا نہ سجدہ نہ کہیں یہ مذکور یا ثابت ہے ۔ بلکہ سورۃ بقرہ کی آیت ۴۳ سے تو یہی ثابت
ہو رہا ہے کہ شروع اسلام میں جب سے نماز فرض ہوئی رکوع کا حکم بھی دیا گیا چنانچہ
ارشاد باری تعالیٰ ہے ۔ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ
یعنی نماز قائم رکھو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور ہمیشہ با جماعت رکوع کرو ۔ اِس آیت سے
ایک تو رکوع کی فرضیتِ ابدی ثابت ہوئی دوم یہ ثابت ہوا کہ پوری نماز کو رکوع و سجدہ
کہدیا جاتا ہے ، تو یہاں آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے ایمان والو نمازیں ادا کرتے رہو
وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ اور اپنے رب تعالیٰ کی دیگر عبادات روزہ حج زکوٰۃ صدقہ فطرانہ
اطاعتِ اقوالِ نبی اور اِتباعِ افعالِ نبی بھی کرتے رہو اور یہ تمام ارکان اعمال اپنے
رب کی عبادت بنا کر کرو ۔ افعال کو عبادت بنانے کی پانچ شرطیں ہیں ۔ پہلی شرط ۔ اللہ تعالیٰ
وَحْدَہٗ لَاشَرِيْكَ لَهٗ اِلٰہ ماننا ، دوم خلوص ہونا سوم عاجز ہونا چہارم خشوع خضوع اور
اچھے طریقے تعلیمِ نبوت کے مطابق کرنا ۔ پنجم وقت پر کرنا ، اے مومنو یہ تو اداءِ حقوق اللہ
کی عبادت ہے کہ ہر امر کو کرنا ہر ممانعت سے بچنا عبادتِ الٰہی ہے اسی کو امر بالمعروف
ونہی عن المنکر کہا جاتا ہے ۔ مسلمانوں کے لیے یہ ہی اعمالِ صالحہ کا خلاصہ ہے وَافْعَلُوا
الْخَيْرَ ۔ اور اے ایمان والو ہر وقت ہر انسان کے ساتھ ہر قسم کا خیر و عافیت کا معاملہ
کرو کہ فطرتاً ۔ مذہباً ۔ عادتاً ۔ عبادتاً ۔ اخلاقاً ۔ طبیعتاً ، ہر طرح خیر ہی ہو ۔ خیال رہے
کہ صرف اسلام ہی وہ دین ہے جس نے دینی دنیوی ہر کام کو مسلمان کے لیے عبادت
بنا دیا جس سے مسلمان کا ہر کام ، ہی خیر ہو گیا ۔ یہ خوبی دنیا کے اور کسی بھی موجودہ دین میں
نہیں ۔ یہ ہی سب مسلمانوں کا حکم ہے کہ اے ایمان والو تم پوری زندگی خیر و عبادت

marfat.com

کے ہی کام کرو۔ امارت ہو یا عدالت، تجارت ہو یا عبادت۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ تاکہ تم اللہ تعالیٰ
کا فضل وکرم خوشنودی دنیا وآخرت کی حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ اور مولیٰ تعالیٰ تم کو
اپنے فضل وکرم سے جنت بخشدے، افعالِ خیر چار چیزیں ہیں ۱؎ ہر نیکی ۲؎ ہر معروف
۳؎ ہر صدقہ ۴؎ ہر حسنِ اخلاق۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ کے معنیٰ میں تین قول ہیں
۱؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے مَا عَرَفُوْا ۲؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے مَا عَظَّمُوْا ۳؎
بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے مَا وَصَفُوْا۔ مگر یہ تینوں قول غلط ہیں جس کی وضاحت تفسیر عالمانہ
میں کر دی گئی کہ یہ تینوں کام ناممکن اور مشکل ہیں انسانی طاقت سے باہر اسی لیے رب تعالیٰ
نے ان تینوں کا کہیں ذکر نہ فرمایا نہ کسی کو اس کا مکلّف کیا صحیح قول یہی ہے کہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ
اپنے ہی معنیٰ میں ہے یہ آسان ہے ہر انسان اس کا مکلّف کیا گیا۔ جو رب تعالیٰ کی قدر
اس کے حقِ قدر کے مطابق نہ کرے اس کو سزا ہے۔ اسی لیے یہاں صرف کفار سے اس
کی نفی کی گئی نہ کہ مسلمانوں سے سَمِیْعٌ م بَصِیْرٌ کے معنیٰ میں دو قول ۱؎ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے
تمام ظاہری باطنی، جہری سرّی مسموعات وملفوظات کو سننے والا اور مبصرات کو دیکھنے والا
۲؎ بعض نے کہا، سمیع وبصیر ہونا کنایہ ہے ہر چیز کے علم تام کا یعنی اللہ کا علم ہر چیز پر تام ہے
يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ کے معنیٰ میں تین قول ۱؎ بعض نے کہا کہ
بَیْنَ اور خلف کا معنیٰ ہے زمانہ ماضی حال مستقبل ۲؎ بعض نے کہا بَیْنَ اَیْدِیْ کا معنیٰ
ہے اعمالِ بندگان کی ابتدا اور خَلْفَهُمْ کا معنیٰ ہے اعمال کی انتہا۔ کیونکہ اعمال کی
ابتدا وانتہا کا تعلق نیات سے ہے جس کو جاننا صرف رب تعالیٰ کی ہی شانِ قدرت
ہے خود بندہ بھی اپنے اعمال کی اگلی نیات کو نہیں جانتا اس لیے کہ کیفیات وحالات کے
بدلنے سے نیات بدلتی ہیں۔ اور کوئی عام بندہ مستقبل کے حالات کی تبدیلی کو پیشگی نہیں
جانتا ۳؎ بعض نے کہا کہ مَا بَیْنَ کا معنیٰ پیدائش کے بعد کے حالات کو جاننا اور مَا خَلْفَ
کا معنیٰ ہے پیدائش سے پہلے کے حالات کو جاننا۔ تینوں قول درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ
ہر ایک کو ہر وقت ہر طرح جانتا ہے تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ کے تعلق میں تین قول ۱؎ بعض
نے کہا اس پورے جملے کا تعلق۔ اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ (الخ) سے ہے، یعنی اللہ کی طرف ہی
لوٹائے جاتے ہیں وہ تمام امور جو انتخابِ رسالت سے پہلے ہیں یا انتخاب کے وقت

marfat.com

یا بعد میں ۲ بعض نے کہا اس کا تعلق یَعْلَمُ سے ہے۔ یعنی چونکہ رب تعالیٰ ہی سب کو جانتا ہے اس لیے سب کے سب امور اس کی طرف لوٹائے جاتے ہیں ۳ بعض نے کہا کہ اس کا تعلق علم الٰہی سے ہے، اور تُرْجَعُ کا معنیٰ ہے کہ سب امور نسبتِ مخلوقیت میں اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں کیونکہ وہی تمام امور کا خالق ہے اور جو خالق ہو وہی امور کو جانتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں دو قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد تمام مکلفین امتِ دعوت ہے مومن ہوں یا کافر۔ مگر یہ قول قطعاً غلط ہے کیونکہ اصطلاحِ قرآنی کے خلاف ہے ۲ بعض نے کہا اس سے مراد صرف امتِ اجابت ہے جو لوگ تبلیغ نبوت قبول کر کے مومن بن جانے والے یہی قول درست ہے اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا میں تین قول ۱ بعض نے کہا رکوع سجدہ سے مراد ہے پوری نماز کا مجموعہ بغیر کسی رکن کے افضل و مفضول ہونے کے، اور ارکانِ نماز میں کوئی رکن کسی دوسرے رکن سے افضل نہیں فضیلت میں سب برابر ۲ بعض نے کہا کہ اِرْکَعُوْا کا معنیٰ ہے خضوع خشوع کرو اور وَاسْجُدُوْا کا معنیٰ ہے کہ زمین تک جھک جاؤ عاجزی کرتے ہوئے ۳ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے۔ اب نماز میں رکوع بھی کیا کرو اور سجدہ بھی کیونکہ اب یہ دونوں نماز میں فرض کر دیے گئے پہلے فرض نہ تھے۔ صحابہ کرام نماز میں رکوع چھوڑ دیتے کبھی سجدہ۔ مگر یہ قول قطعاً غلط و بے ثبوت ہے۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس سے مراد تمام دینی دنیوی اچھے کام ہیں۔ علی الترتیب اس طرح تذکرہ فرمایا گیا کہ اولاً اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا میں نماز کا حکم دیا گیا پھر وَاعْبُدُوْا میں دیگر فرض عبادات کا حکم پھر وَافْعَلُوا الْخَيْرَ میں عام اچھے اعمال کا حکم دیا گیا۔ اس ترتیبِ شریعت سے مومن مسلمان کی پوری زندگی عبادت کے ہمہ وقتی گھیرے میں ہو کر حیاتِ طیبہ ہو گئی ۲ بعض نے کہا کہ اس خیر سے مراد صرف نفلی عبادت ہے ۳ بعض نے کہا اس خیر سے مراد صلہ رحمی اور اچھے اخلاق ہیں تینوں قول درست ہیں کیونکہ یہ سب کچھ خیر ہی ہے لَعَلَّكُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا یہ لَعَلَّ اُمید کے لیے ہے بمعنیٰ شاید ۲ بعض نے کہا یہ تعلیل کے لیے ہے بمعنیٰ تاکہ یہی قول درست ہے۔

فائدے ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ پہلا فائدہ سورۃ حج کی یہ چار آتیں اپنی جامعیت میں اتنی عظیم الشان ہیں کہ ان میں پوری اسلامی زندگی اور تمام خیر و سعادت کا نقشہ بیان فرما دیا گیا۔ اس طرح کہ پہلے فرمایا مَا قَدَرُوا اللّٰهَ

marfat.com

اس میں الٰہیات و توحید ربانی کا ذکر ہوا پھر اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ میں ملائکہ پر ایمان لانے کا صحیح طریقۂ اسلامی بتایا گیا کہ نہ ملائکہ کی شان و وجود کا انکار کرو نہ ان کو الٰہ سمجھو نہ شریکِ الٰہ نہ بناتُ اللہ سمجھو، پھر وَمِنَ النَّاسِ فرما کر نبوت و رسالت پر صحیح اور سچا پکا ایمان لانے کا طریقہ و اسلامی حکم کا بیان ہوا کہ ملائکہ کو رسولانِ قاصد سمجھا جائے اور انبیا علیہم السّلام کو رسولانِ حاکم سمجھا جائے اسی لیے ملائکہ کا ذکر پہلے فرمایا گیا اور انبیا کا ذکر بعد میں اس ترتیب نے بتایا کہ ملائکہ واسطہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور انبیا علیہم السّلام کے درمیان اور انبیاء واسطہ ہیں اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے درمیان انبیا علیہم السّلام کی انسانوں پر حاکمیت سے ہی مقصدِ رسالت حاصل ہوتا ہے اس لیے کہ نبوت کی اطاعت و اتباع کا حکم ہے اور اتباع و اطاعت حاکم با اختیار کی ہی کی جاتی ہے، پھر فرمایا گیا وَاِلَی اللّٰہِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ۔ اس میں قوانینِ اسلامیہ کا ذکر فرمایا اور بتایا گیا کہ شریعت اسلامیہ کے تمام امور و احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہیں، پھر احکام شریعت کی تقسیم فرماتے ہوئے چار چیزیں بیان فرمائیں۔ پہلے یہ کہ ہر مسلمان پر شریعت میں اتنے حقوق واجب ہیں یعنی امورِ شریعت کی تعیین، دوم شریعت کے مَامُوْرٌ بِہٖ جن کے کرنے کا شریعت نے حکم دیا ہے کہ اتنے ہیں، سوم یہ کہ کس حکم اور کس وجہ سے ان امور کے قبول کرنے ماننے کو واجب کیا گیا، چہارم وجوبِ ادائیگی حقوق پر تاکید فرمائی پھر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا فرما کر اُن بندوں کی تعیین فرمائی جن پر یہ حقوق واجب ہیں وہ صرف مسلمان ہیں اس لیے کہ وہی مجتبیٰ ہیں انھیں کے لیے فرمایا گیا ھُوَ اجْتَبٰکُمْ اُن ہی کا نام ھُوَ سَمّٰکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ فرما کر مسلمان رکھا گیا اور ان ہی کو وَتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ کی شان و اعزاز بخشا۔ یہ سب شانیں صرف مومنین کی ہیں، پھر مامور بہ حقوق بیان فرماتے ہوئے پہلے حقوق اللہ بیان کیے گئے اُن میں اَوَّلًا اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا کا ذکر فرما کر نماز کا ذکر کیا گیا کیونکہ یہ دو رکن پوری نماز کے قائم مقام ہیں، پھر عام مالی بدنی وقتی عبادات کے لیے فرمایا گیا۔ وَاعْبُدُوْا رَبَّکُمْ۔ اس کی عمومیت میں تمام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر شامل پھر حقوق العباد کا ذکر فرمایا گیا وَافْعَلُوا الْخَیْرَ۔ اس میں حقوق العباد کی تمام بھلائیاں شامل ہیں، پھر اسلام کے دینی دنیوی فائدوں کا ذکر فرمایا گیا کہ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ یعنی صرف دین اسلام میں ہی دین دنیا آخرت کی تمام کامیابیاں ہیں۔ اور اسلام نے ہی سارے جہاں کی بھلائیاں انسانوں کو عطا فرمائیں۔ یہ فائدہ ان آیات کی جامعیت اور ترتیب و تقسیم و تفسیر سے حاصل ہوا۔ اس ترتیب کا ماحصل یہ کہ اے بندو

marfat.com

رب تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا۔ اس سے بھی عام ہر عبادت کا حکم دیا۔ اس سے بھی عام ہر ایک سے ہر قسم کی بھلائی کرنے کا حکم دیا تاکہ دنیا والے جان لیں کہ صرف مسلمانوں کے پاس ہی خیر و بھلائی ہے کفار کے پاس صرف برائی اور شر ہی ہے۔ اگر کفار کوئی بھلائی کریں بھی تو وہ تعلیم اسلام سے ہی لی گئی ہے اور اگر مسلمان کوئی برائی کرے تو وہ کفر کی صحبتِ بد کا نتیجہ ہے۔ دوسرا فائدہ۔ اللہ تعالیٰ کی کسی قدرت قوت، حکمت کا انکار یا اعتراض یا برائی کرنا بھی مَا قَدَرُوا اللّٰہَ کی احسان فراموشی ہے اور علامتِ کفر ہے یہ فائدہ یہاں مَا قَدَرُوا اللّٰہَ (الخ) فرمانے اور سورۃ انعام کی آیت ۹۱ میں۔ مَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کیونکہ یہاں شرک کرنے والوں کو مَا قَدَرُوا اللّٰہَ فرمایا گیا۔ اور وہاں نزولِ وحی کے انکار کرنے والوں کو مَا قَدَرُوا اللّٰہَ فرمایا گیا۔ یہ قوتِ الٰہیہ کا انکار ہے اور وہ حکمتِ الٰہیہ کا انکار ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی موسم کسی زمانے یا کسی کی شکل و صورت کو برا کہے۔ سردی ہو یا گرمی انسان ہو یا حیوان یہ سب رب تعالیٰ کی قدرتِ صنّاعی ہے۔ کسی چیز پر اعتراض بنانے والے کی برائی ہوتی ہے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں پہلا مسئلہ امام اعظم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان اتنا بیمار ہو یا دشمن نے اتنا جکڑا ہوا ہو کہ وہ سر کے اشارے سے بھی رکوع سجدہ نہیں کر سکتا تو وہ اُس وقت نماز نہ پڑھے بعد میں قادر ہوتے پر نماز قضا کرے جب رکوع سجدہ سر کے اشارے سے کر سکے۔ پلکوں یا بھوؤں کے اشارے یا فقط دل کے ارادے سے سجدہ رکوع جائز نہیں ہے اور بغیر رکوع سجدہ نماز ہوتی ہی نہیں۔ اس لیے کہ یہ دونوں رکن نماز کے سب سے بڑے اور اصل اصول ہیں۔ یہ مسئلہ اِرْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا۔ فرما کر پوری نماز مراد لینے کے مفہوم سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ نماز میں چار ارکان اور نو اذکار ہیں ۱ قیام ۲ قعود ۳ رکوع ۴ سجود یہ چار رکن ہیں اور ۱ تکبیر ۲ ثنا ۳ تلاوت ۴ تسبیح ۵ تشہد ۶ درودِ ابراھیمی ۷ دعا ۸ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ ۹ سلام پھیرنا۔ دوسرا مسئلہ امام اعظم اور امام مالک کے مسلک میں سورۃ حج کے اندر صرف ایک ہی سجدۂ تلاوت ہے وہ آیت ۱۸ میں ہے بعض اقوال کے مطابق امام احمد کا مسلک بھی یہی ہے اور آپ نے اپنے پہلے مسلک سے رجوع فرمایا تھا، لیکن امام شافعی کے نزدیک سورۃ حج میں دو سجدے ہیں۔ ایک سجدہ آیت ۱۸ میں دوسرا سجدہ آیت ۷۷ میں

marfat.com

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا وَاسْجُدُوْا کے الفاظ پر۔ امام اعظم اور امام مالک فرماتے ہیں یہ سجدہ تلاوت کا نہیں بلکہ نماز کا ہے اور یہاں نماز کا حکم دیا جا رہا ہے نہ کہ سجدۂ تلاوت کا حنفی مالکی مسلک میں یہ مسئلہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْکَعُوْا (الخ) سے مستنبط ہوا اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں چودہ سجدۂ تلاوت مذکور ہیں مگر کسی بھی سجدے کے ساتھ رکوع کا ذکر نہیں ہے رکوع کا ذکر صرف نماز کے سجدے کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسے کہ سورۂ آل عمران میں گزر ثابت ہوا کہ یہ سجدہ بوجہ رکوع کے ساتھ ہونے کے تلاوت کا نہیں ہو سکتا یہ حنفی دلیل بحمدہٖ تعالیٰ اتنی مضبوط ہے کہ اس کو کوئی شوافع آج تک توڑ نہیں سکا۔ امام شافعی کی اپنے مسلک پر تین دلیلیں ہیں مگر اتنی کمزور کہ طالب علم بھی توڑ کر رکھ دے۔ پہلی دلیل۔ عُقبہ بن عامر کی وہ روایت جس کو ترمذی، مسند احمد، ابو داؤد، دار قطنی، بیہقی۔ اور مستدرک حاکم نے روایت کیا۔ دوسری دلیل۔ ابو داؤد کے الفاظ ہیں۔ عَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ فُضِّلَتْ سُوْرَۃُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَیْنِ لیکن باقی کتب نے اسی روایت کے الفاظ اس طرح نقل فرمائے۔ عَنْ عُقْبَۃَ ابْنِ عَامِرٍ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَفُضِّلَتْ سُوْرَۃُ الْحَجِّ بِسَجْدَتَیْنِ۔ قَالَ نَعَمْ تیسری دلیل عمرو ابن عاص کی وہ روایت جس کو ابو داؤد، ابن ماجہ دار قطنی اور حاکم نے روایت فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے ان کو سجدۂ تلاوت کی پندرہ آیتیں سکھائیں جن میں تین سجدے قرآنِ مجید کے حصۂ مُفصّل میں ہیں اور دو سجدے سورۃ حج میں ہیں، صرف یہی تین روایتیں جو دراصل دو ہیں مسلک امام شافعی کی دلیل ہیں، حنفی علماء ان کا جواب اس طرح دیتے ہیں کہ اوّلاً تو یہ سَجْدَتَیْن والی دونوں روایتیں شوافع کے اس مسلک کی دلیلیں بن سکتی ہی نہیں کیونکہ ان روایتوں میں سجدتین یعنی دو سجدوں کا ذکر تو ہے مگر یہ وضاحت نہیں کہ دونوں سجدے تلاوت کے ہیں، تفسیر ابن عباس نے فرمایا اور اس کی شرح اس طرح کی کہ۔ اَلْاُوْلٰی عَزْمَۃٌ وَّالْاٰخِرَۃُ تَعْلِیْمٌ۔ یعنی واقعی سورۃ حج میں دو سجدے ہیں مگر پہلا عزمۃ ولزوم کا ہے یعنی تلاوت کا سجدہ عزمۃ کا معنی ہے واجب سجدہ، اور دوسرا سجدہ تلاوت کا نہیں بلکہ تعلیم کا ہے یعنی نماز سکھانے کا دوسری وجہ یہ کہ عُقبہ ابن عامر کی دونوں روایتوں کو ترمذی نے ضعیف فرمایا اور فرمایا کہ سَنَدُہٗ لَیْسَ بِالْقَوِیِّ۔ اس کی سند قوی نہیں۔ ابن جوزی نے وضاحت فرمائی کہ اس روایت کی سند میں ابن لَھِیْعَہ راوی ضعیف ہے، مستدرک نے ضعیف ہونے کی وضاحت

marfat.com

فرمائی کہ ابنِ لُھیعہ صدوق ہے یعنی کمزور حافظے والا اور آخری عمر میں تو بالکل ہی حافظہ کمزور ہو گیا تھا۔ اور اس میں دوسرا راوی ابُو المصعب بصیری ہے یہ یہودی تھا پھر نو مسلم تبع تابعی بنا اور حجاج بن یوسف کا فوجی دشیر تھا۔ کعبہ معظمہ پر پتھر برسانے والوں میں یہ ظالم پیش پیش تھا۔ (از کتب اسماءُ الرجال) تیسری روایت کی حالت یہ ہے کہ اُس کی سند میں ایک راوی عبداللہ بن منین کلائی ہے یہ مجہول العقل تھا یعنی غبی کند ذھن، دوسرا راوی حارث بن سعید تقی مصری ہے۔ اس کا کسی محدث کو کوئی تعارف ہی نہیں کہ کون ہے (از تفسیر مظہری) اب غور کرو کہ اتنی کمزور بنیادوں پر اپنا مسلک بنانا کہاں تک درست ہے نیز حیران کُن بات یہ ہے کہ امام شافعی سجدۂ تلاوت کو واجب نہیں مانتے بلکہ سنت کہتے ہیں حالانکہ ارْكَعُوْا - وَاسْجُدُوا۔ دونوں امر وجوب کے لیے ہیں خود امام شافعی بھی یہاں ارْكَعُوْا کو وجوب کے لیے مانتے ہیں اس بات سے ثابت ہوتا ہے کہ امام شافعی نے یہ مسلک بناتے وقت تدبر سے کام نہیں لیا اور بلا سوچے سمجھے انتہائی ضعیف روایتوں کو دیکھ کر غلط مسلک بنا بیٹھے۔ انہی کمزوریوں کی بنا پر خود شوافع مفسرین اس آیت میں اس سجدے کو نماز کا سجدہ قرار دیتے ہیں۔ اور بیک وقت ایک آیت دو قسم کے سجدے تو ثابت کر نہیں سکتی۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی شافعی نے لکھا۔ ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا فِي صَلٰوتِكُمْ یعنی اس آیت کا معنیٰ ہے اپنی نماز میں رکوع سجدہ کرو۔ اور تفسیر خازن شافعی نے لکھا۔ ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا اَيْ صَلُّوْا لِاَنَّ الصَّلٰوةَ لَا تَكُوْنُ اِلَّا بِالرُّكُوْعِ وَالسُّجُوْدِ۔ یعنی اس آیت میں ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا کا معنیٰ ہے نماز پڑھو، کیونکہ نماز بغیر رکوع سجدے کے ہوتی ہی نہیں۔ اور تفسیر تنویرُ المقباس شافعی نے لکھا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا فِي الصَّلٰوةِ۔ ان تمام تفاسیر سے ثابت ہوا کہ امام شافعی کے مسلک پر خود اُن کے مقلدین شوافع علما کو بھی اعتماد نہیں وہ سب بھی اس سجدے کو نماز کا سجدہ مانتے ہیں نہ کہ تلاوت کا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں پہلا اعتراض یہاں فرمایا گیا مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا مِنْ تبعیضیہ سے ثابت ہوا کہ سارے ملائکہ رسول نہیں بنائے گئے بلکہ بعض ملائکہ رسول ہیں لیکن سورۂ فاطر کی پہلی آیت میں ارشاد ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا۔ یہاں صرف مَلٰٓئِكَہ ہے مِنْ تبعیضیہ نہیں ہے جس سے ثابت ہو رہا ہے

marfat.com

کہ تمام فرشتے رسول بنائے گئے اس کی کیا وجہ بتایا جائے کہ کیا کچھ فرشتے رسول ہیں یا سب
جواب۔ اس کے دو جواب دئے گئے ہیں، بعض نے فرمایا کہ تمام ملائکہ ہی رسول ہیں مگر ان
کے تین گروہ ہیں۔ کچھ فرشتے وہ رسول ہیں جو صرف انبیاءِ کرام علیہم السّلام سے رابطہ رکھتے
ہیں یعنی انبیاءِ کرام کے پاس پیغامات کلاماتِ الٰہی لانے کے لیے اور انبیاءِ کرام کی دعائیں
عرض و معروض رب تعالیٰ کی بارگاہ میں لے جانے کے لیے مامور ہیں ان رُسُلِ ملائکہ کا نام
جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل علیہم السّلام ہے۔ دوسرا گروہ رُسُلِ ملائکہ کی وہ جماعت
جن کو مدبّرات امر کہا جاتا ہے یہ فرشتے نظامِ عالم کے لیے مقرر کردہ رسول ہیں، تیسرا
گروہ ملائکہ کی اُس جماعت کا جو دیگر ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتے ہیں ان
سے مدبرات فرشتے بھی پیغام لیتے ہیں باقی ملائکہ رسولان زیارت، سیاحت، صاحب عبادت
کُل وقتی ہیں۔ مدبّراتِ امر کے ذمے زمین آسمان جنت دوزخ کے انتظامات ہیں، یہی
گروہ سوم ملائکہ کی اور تمام دنیوی مخلوق کی عرض و معروض بارگاہِ الٰہی تک پہنچاتے ہیں اس
آیت میں ملائکہ کے صرف پہلے گروہ کا ذکر ہے وہ چونکہ بعض ہی ہیں اس لیے یہاں مِنْ
تبعیضیہ ارشاد ہوا اور سورۂ فاطر کی مذکورہ آیت میں تینوں گروہوں کا ذکر ہے اس
لیے وہاں مِنْ بعضیت کا نہیں آیا اور تمام فرشتے مراد لیے گئے، دوسرا جواب بعض
بزرگوں نے یہ جواب دیا کہ رُسُلِ ملائکہ رُسُلِ انسانی کے مثل ہیں نہ تمام انسان رسول ہیں
نہ تمام فرشتے رسول ہیں۔ انسانوں میں بھی بعض رسول ہیں فرشتوں میں بھی بعض، سورۃ فاطر میں
مِنْ نہ لانے سے کلیت ثابت نہیں ہوتی لیکن مِنْ بعضیت کا لانے سے بعضیت ثابت
ہو جاتی ہے گویا یہ آیت اُس آیت کی تفسیر ہے۔ پہلا جواب درست ہے اور تمام
ملائکہ ہی رسول ہیں اسی لیے سب کو معصوم بنایا گیا نبی اور رسول کے لیے معصوم ہونا
شرط لازمی ہے نبی رسول کے علاوہ کوئی مخلوق معصوم نہیں اور لفظ علیہ السّلام کا خطاب
صرف معصومین کے لیے مقرر ہے اسی لیے تمام فرشتوں کو علیہ السّلام کہنا جائز ہے
دوسرا اعتراض۔ یہاں فرمایا گیا اَللّٰهُ يَصْطَفِي مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ (الخ) اور سورۃ زمر کی
آیت ۴ میں ارشاد ہوا۔ لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا لَّاصْطَفٰى مِمَّا يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ
یعنی اگر اللہ تعالیٰ اولاد بنانے کا ارادہ فرماتا تو اپنی مخلوق میں سے جس کا چاہتا اصطفا
فرما لیتا اولاد بنا لیتا۔ اپنی اولاد کے لیے چن لیتا۔ یہاں اس آیت میں اصطفا اور چناؤ

marfat.com

کا ذکر ہے کہ اللہ نے فرشتوں اور انسانوں میں سے چن لیے تو ثابت ہوا کہ رب نے اولاد کا چناؤ فرمایا ہے کیونکہ اولاد موقوف ہے اصطفا پر اور اصطفا ہو چکا تو اولاد بھی ثابت ہو گئی اور وہ فرشتے بیٹیاں ہیں اور عزیر و مسیح بیٹے ہیں (مشرکین و یہودی عیسائی)

جواب یہ اعتراض قطعاً احمقانہ اور غلط ہے اس لیے کہ سورۂ زمر کی آیت مذکورہ نے بتایا کہ ہر اولاد اصطفا اور چننے منتخب کرنے سے ہی ہوگی اور چننا منتخب کرنا ارادے سے ہی ہوگا مگر یہ نہیں بتایا کہ ہر چننا اصطفا فرمانا ہی اولاد ہو جائے معنی یہ کہ ہر اولاد اصطفا ہے لیکن ہر اصطفا و انتخاب اولاد نہیں۔ اس آیت اور اُس آیتِ زمر کے مضمون میں عام خاص مطلق کی نسبت ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اصطفاء اجتبا بہت سی قسم کے ہیں۔ اسی آیت میں رُسُلاً کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ اصطفا و انتخاب رسول بنانے کا ہے نہ کہ اولاد بنانے کا۔ اتنی عام فہم بات میں جہالت کے ایسے اعتراض حیران کن ہیں۔ اندھی عقل والے ہی ایسے اعتراض کر سکتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ اَللّٰهُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ۔ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ

اور نہ قدر جانی اُن فاسقانِ باطلانہ اور فاجرانِ زمانہ و گناہگارانِ باغیانہ نے اپنے خالق، مالک رازق اللہ کی جو رحیم کریم شفیق مُنعم و مُعطی بھی ہے۔ احسان مندی فرمانبرداری کے حق کے مطابق حالانکہ چاہیے تو یہ تھا کہ اُس کے ازلی ابدی احسانات یاد کر کے ذکرِ الٰہی تسبیحِ کبریائی کے رکوع میں جھکے رہتے۔ شکر کے سجدے کرتے اطاعتِ نبوت و اتباعِ رسالت کی بہاریں پھیلا دیتے سیرتُ النبی کے گلزار لگا دیتے اور صورتُ النبی کے غنچے کھلا دیتے۔ اے فسق و فجور بد معاشی فحاشی میں مبتلا لوگو، کیا تم پر تمہارے رب تعالیٰ کا یہ احسان کچھ کم ہے کہ عالَمِ ارواح کی تمام روحوں میں سے تمہاری روحوں کو اپنے محبوب کی اُمت اور اپنی باکمال مِلّت اور لازوال جنت کے لیے چُن لیا تمہارے لیے یہ وہ عظیم انعام و انتخاب ہے جس کے لیے نہ تم نے خود دعا کی تھی نہ کسی نے تمہارے لیے سفارش کی تھی حالانکہ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ قوی و قوت والا ہے اور سب پر غالب ہر تخلیق پر قادر ہے جیسا چاہتا تم کو بنا دیتا تم سے کہیں زیادہ خوبصورت، تندرست حَسین و جَمیل طویل و توانا عقل و دانش

marfat.com

نطق و لسان والے جہنم کا ایندھن بنا دیئے گئے اور اہلِ نار بنے پھر رہے ہیں۔ اُس
خزانۂ ایمان کی عطا تو اُس ربِ کریم رحیم کی تھی مگر دولتِ اعمال اور اس خزانے کی
حفاظت تمہاری اپنی ذمے داری تھی اللہ تعالیٰ کا یہ انعامِ ایمان اور بندوں کی حیا ذات و اعمال
یہ سب کچھ کلامِ الٰہی اور تعلیمِ مصطفائی و تبلیغِ نبوت و رسالت سے ملتا ہے۔ اس لیے اَللّٰہُ
یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے دین کی حفاظت اور
اعمال کی سعادت کے لیے چُن لیتا ہے فرشتوں میں سے بعض کو رسول بنانے کے لیے کلامِ الٰہی
لانے کے واسطے اور بعض انسانوں کو رسول بنانے کے لیے کلام سنانے کے واسطے
ملائکہ کی رسالت انبیا تک انبیاء کی رسالت انسانوں تک تاکہ انبیاءِ کرام بندوں کو ہدایت
اعمال کرامت اقدار دے کر ایمان کا خزانہ دیکر کلامُ اللہ سنائیں بتائیں سمجھائیں اور اعمال
کی دولت عبادت دے کر عابد زاہد عارف بنائیں اور عشق و معرفت کی راہ پر چلائیں۔ اِنَّ
اللّٰہَ سَمِیْعٌۢ بَصِیْرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہلِ طلب کی سننے والا ہے۔ مقربینِ منزل کو دیکھنے
والا ہے جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ شریعت کی جلوت میں چلنے والے بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ
کو اور طریقت کی خلوت میں بیٹھنے والے مَا خَلْفَهُمْ کو جانتا ہے شریعت کی محبت
والوں کو طریقت کی مشقت والوں کو، اور بے شک اللہ تعالیٰ کی طرف ہی تمام معاملات
ظاہر و خفی، عبادت و ریاضت خلوص و ریا، خیر و شر، ابتداءً انتہا، جبر و تا موت کے روحانی
و قلبی اعمال لوٹائے جاتے ہیں مشاہداتی ہوں یا تجرباتی۔ رب تعالیٰ کا علم ہی حق ہے اور
حق ہی خالق و مخلوق کے درمیان واسطہ و تعلق ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں طاقتِ
بشریت دَرطۂ حیرت میں پھنس جاتی ہے صرف بندۂ حق و مریدِ برحق معرفت کے
عجز کا اقرار کرتا ہے کہ مَا عَرَفْنَاكَ حَقَّ مَعْرِفَتِكَ۔ راہِ معرفت میں ولی کی معرفت
مشکل ہے معرفتِ الٰہی سے کیونکہ اللہ تعالیٰ معروف ہے اپنے کمال و جلال و جمال
سے مگر ولی اللہ کا نہ اپنا کمال ظاہر نہ جلال نہ جمال۔ ظاہرًا تو مثلِ عام بشر ہے کہ کھاتا
پیتا بھی ہے صوم و صلوٰۃ بھی ہے۔ عطاءِ کبریا اور تقسیمِ مصطفیٰ سے اولیاءِ کاملین
کو اصطفا اِجتبا اور اِختیار کی دو نعمتیں ملتی ہیں۔ خلوصِ اشیا اصطفاءِ الٰہی ہے۔ صفائی
اشیا اختیارِ عطائی ہے۔ خیریتِ باطن اجتباءِ کبریائی ہے بے شک اللہ تعالیٰ
سمیع ہے محتاج بندوں کی آواز کا عالمِ وجود میں اور بصیر ہے مستحقینِ رسالت کا

marfat.com

حالتِ عدم میں۔ اِن پرستارانِ دولت اور منکرینِ حقیقت نے اپنے مولیٰ تعالیٰ وعُلیٰ کی کرم نوازیوں کو اُن کے حقِ معرفت کے مطابق نہ پہچانا کیونکہ انہوں نے مؤثرِ حقیقی کو چھوڑ کر تاثیرات کو غیر اللہ کی طرف منسوب کر دیا اس طرح کہ بارش کو بُرجوں سے تقدیر کو تدبیر سے، ستاروں کی تقسیم سے قسمت کو نجومیوں کے علم سے منسوب کر دیا اور وجودِ غیر اللہ کو قائم و ثابت سمجھ لیا۔ عارفِ حقانی کی یہ شان و کیفیت نہیں ہوتی اس لیے کہ ہر عارفِ ربانی صرف اُنہی صفاتِ ربانی کو پہچانتا ہے جو اُس ذاتِ کبریائی کی طرف سے بذریعہ وجدانِ حقیقی پاتا ہے۔ اگر اہلِ غرور و نفور مؤثرِ حقیقی کی معرفت پا لیتے تو ترکِ دنیا کر کے اُس کی ذات میں فنا ہو جاتے اس کی ذات کے مجاہد اور صفات کے مشاہد بن جاتے اور عارفین نائل بن کر واجب و ممکن کا فرق جان لیتے۔ اُن کو علم ہو جاتا کہ واجب الوجود کون ہے اور ممکن الوجود کون ہے کون حادث ہے کون قدیم ہے۔ اہلِ معرفت ہی جانتے ہیں کہ ہر ماسوا اللہ حادث ہے اور جو حادث ہو وہی ممکن ہے ہر ممکن کا موجود ہونا اُسی واجب الوجود کی حکمت سے ہے اور ہر حادث کا قادر ہونا اسی ذاتِ پاک کی قدرت سے ہے نہ کہ خود بخود اور جس کا وجود خود نہیں تو اُس کی تاثیر کیسے ہو سکتی ہے۔ اور جو خود ابتدا کا حادث اور انتہا کا فانی ہو وہ مؤثر اشیا کس طرح ہو سکتا ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ بے شک اللہ تعالیٰ ہی سب قوتوں قدرتوں والا ہے اپنے ماسوا پر اپنے قہرِ جلال کی قوت سے جبرِ فنا فرماتا ہے تب ہر وجودِ ممکن و حادث کو ہستی سے نیستی کر دیتا ہے۔ پھر نہ حادث و ممکن کی کوئی قوت باقی رہتی ہے نہ وجود۔ عَزِیْزٌ۔ وہ ربّ قدیر ہی ہر شی پر غالب ہے اسی لیے کسی کے پاس اُس کے مقابل کوئی ذاتی قوت نہیں ہے۔ کیونکہ عبد کسی غالب سے مغلوب ہو اُس کی اپنی نہ کوئی قوت ہے نہ قدرت نہ طاقت نہ ہمت نہ حکمت نہ جرأت۔ خیال رہے کہ وجودِ صفات کا نام قوت ہے، وجودِ باطن کا نام قدرت ہے وجودِ ظاہر کا نام طاقت ہے وجودِ سلطنت کا نام ہمت ہے وجودِ علم کا نام حکمت ہے وجودِ عزت کا نام جرأت ہے جہاں یہ ذاتی ہوں وہ واجب الوجود ہے جہاں یہ عطائی ہوں وہ ممکن الوجود ہے

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ اے عالمِ رنگ و بو کی سدا بہار والے وہ لوگو جو ایمانِ یقینی حاصل

marfat.com

کر چکے اور دل کے حق الیقین عقل کے علم الیقین۔ روح کے عین الیقین سے ایمان لے آئے
اور جن کو یقینِ اصلیہ کے تینوں درجے حاصل ہو گئے اسفل بھی اوسط بھی اعلیٰ بھی تم الحمد کے
شکر بقا و زیادتی کے لیے فناءِ صفات کا رکوع کرو اور فناءِ ذات کے سجدے کرو اور مقامِ
استقامتِ ابدی دائمی میں وجودِ موہوبہ عطائیہ سے اپنے ربِّ کریم وجلیل کی خوب عبادت
کرو ہر آن ہر مکان میں ہر ادا ہر طریق سے، کیونکہ جو بندہ فناءِ ذات وصفات کے مقام تک
نہ پہنچا اور اس سے کچھ ذات کی نمود و صفات کی قیود باقی رہ گئیں اس کے لیے یہ ناممکن ہے
کہ وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اس کی عبادت اس کی معرفت کے حق کے مطابق کر سکے
کیونکہ عبادتِ الٰہی صرف قدرتِ معرفت سے ہوتی ہے حق عبادت کا علم شریعت میں ہے
اور قدرتِ معرفت کا علم طریقت میں ہے۔ اور شریعت و طریقت آستانۂ مصطفیٰ کے
دو خزانے ہیں۔ اطاعتِ نبوی کا نام شریعت ہے اور اتباعِ نبوی کا نام طریقت ہے
وَافْعَلُوا الْخَيْرَ۔ اور اے ایمانِ یقینی کے عابدین وزاہدین جلدی جلدی تکمیل ارشاد
وتعلیم الہام کے افعالِ خیر و اعمالِ صالحہ کر لو اترتے چاند ڈھلتی چاندنی جو ہو سکے کر لو۔
لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ۔ تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ بارگاہِ رسالت تک پہنچتے میں اور وجودِ بقا کی
نجات پا لو، کیونکہ ذات وصفات کی فنا میں ہی وجودِ عبد کا بقا ہے۔ اے بندو غرورِ
انسانیت سے علیحدہ ہو کر خضوعِ نفسانیت و عجزِ حیوانیت کے ساتھ رکوع کرو
جس طرح تمام چوپایہ جانور ہر وقت رکوع کی حالت میں پڑے ہیں، اور مرتبۂ حیوانیت
سے ہٹ کر خشوعِ جمادات کے ساتھ سجدے کرو جس طرح وَالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ
يَسْجُدَانِ کا نقشہ ہے، سجدہ کرو تو ایسا کہ سر کو خبر نہ ہو۔ عبادت کرو شب کلمات کی
تنہائی میں تاکہ خلوص میں فتور نہ آنے پائے تمام حالات کے واقعات میں مراقبۂ کبریائی
کے افعالِ خیر کرو تاکہ تم وصل وقرب کے انوار حاصل کرتے میں کامیاب ہو جاؤ، عبادت
میں نوافل سب سے اعلیٰ ہیں اسی لیے حدیث مقدس میں ہے کہ نوافل کو اچھا کے
ادا کرو کیونکہ ان سے تمہارے فرائض کی تکمیل ہے۔ دوسری حدیث پاک میں ہے کہ اے
لوگو نفلی عبادت رب تعالیٰ کی طرف سے تحفہ ہے تو چاہیئے کہ اچھی طرح ادا کرو ہر بندہ
اللہ تعالیٰ کے تحفے اور ہدیے کو دل وجان سے قبول کرے اور اس سے محبت کرے
[illegible] نے صوفیا فرماتے ہیں کہ خیر کی ضد شر ہے۔ خیر کی چار قسمیں ہیں ۱۔ خیرِ مطلق

marfat.com

۲ خیر مقید ۳ خیر ابدی ۴ خیر وقتی۔ خیر مطلق وہ ہے جو ہر ایک کو ہر وقت ہر طرح اچھی لگے ہر شخص اس کو چاہے پسند کرے جیسے عقل، علم، عدل، فضل، کرم، رحم، ہر نفع والی چیز ہر ایک کے لیے ہر وقت نفع والی اور مرغوب ہی ہو۔ حدیثِ پاک میں جنت و دوزخ کا اس طرح بیان کیا گیا ہے لَا خَیْرَ بِخَیْرٍ بَعْدَهُ النَّارُ وَلَا شَرَّ بِشَرٍّ بَعْدَهُ الْجَنَّةُ۔ یعنی جہنم وہ جس کے ملنے کے بعد پھر کسی بھی قسم کی کوئی خیر نہ مل سکے اور جنت وہ ہے کہ اس کے ملنے کے بعد پھر کسی بھی قسم کا شر نہ مل سکے۔ خیر مقید وہ ہے جو کسی کے لیے خیر ہو کسی کے لیے شر کبھی خیر ہو کبھی شر کوئی خیر ہو کوئی شر۔ جیسے دنیوی دولت کہ ایک کے لیے خیر ہے دوسرے کے لیے شر اور کبھی ایک ہی شخص کے لیے ایک ہی مال دولت آج خیر ہے کل شر اور حرام کی دولت سب کے لیے شر ہے حلال کی دولت سب کے لیے خیر ہے خیرِ ابدی وہ جو ہمیشہ سب کے لیے خیر ہو جیسے ایمان اور نیک اعمال اور خیر وقتی وہ ہے جو چند وقتوں کے لیے خیر ہو۔ جیسے کھانا، پینا، میل ملاقات قرابت داری فلاح کا معنی ہے کامیابی اس کی دو قسمیں ۱ فلاحِ دنیوی ۲ فلاحِ اُخروی، دنیوی کامیابی یہ ہے کہ بندے کو ایسی سعادت ملے کہ اس کی پوری زندگی حیاتِ طیبہ بن جائے حیاتِ دنیوی کا طیب ہونا چار چیزوں سے ہے۔ بقا، غنا، علم اور عزت اُخروی کامیابی بھی چار چیزوں کا ملنا ہے ۱ بقا بلا فنا ۲ غنا بلا فقر ۳ عزت بلا ذلت ۴ علم بلا جہالت یعنی ہر چیز ابدی ہو۔ اسی لیے حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہے لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ۔ یعنی عیش وہی ہے۔ جس میں دوام ہو اور دوام صرف آخرت میں ہے۔ لہٰذا اے عاقل و عارف اسبابِ دنیوی میں ہرگز دل نہ لگا، دنیا سے دل نہ باندھ اور نمازِ روحانی میں مشغول ہو جا، نمازِ روحانی کا نقشہ اس طرح ہوتا ہے کہ اس میں خضوعِ حیوانیت کا رکوع ہے۔ خشوعِ جمادات کا سجدہ ہے انکسارِ شجرات و عجزِ نباتات کا قیام ہے اور مسکینتِ حشرات کا قعدہ ہے کیونکہ عالمِ ارواح سے نزولِ روح کی پہلی منزل جمادیت ہے دوسری دلیل منزل نباتیت ہے تیسری حیمیت ہے چوتھی انسانیت ہے۔ اسی لیے حیاتِ انسانی کا مقصد نماز ہے، پھر روح کا رجوع الی اللہ بھی ان ہی چار منزلوں کو عبور کرتا ہے اس لیے نماز مومن کی معراج ہے ۱ نزول کے بعد عبور ۲ عبور کے بعد رجوع ۳ رجوع کے بعد عروج، اگر رجوع میں خلوص ہو تو عروج ہے ورنہ خلول ہے۔ اِفْعَلُوا الْخَیْرَ کا معنی ہے ہر احوال اقوال، افعال اعمال میں متوجہ الی اللہ ہو جاؤ تاکہ کامیاب ہو جاؤ تم ان چار منازل روحانیہ کو عبور کر کے ظلماتِ نفسانیہ کے پردوں سے نکلتے ہیں اور انوارِ روحانیہ کے اندر پہنچتے ہیں

marfat.com

وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ ؕ هُوَ

اور جہاد کرو تم اللہ کے بارے میں ازروئے اس کے جہاد کے حق سے اُس ہی

اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جیسا حق ہے جہاد کرنے کا اُس نے

اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ

نے منتخب کیا ہے تم کو اور نہیں بنایا اُس نے تم پر دین میں کچھ

تمہیں پسند کیا اور تم پر دین میں کچھ

مِنْ حَرَجٍ ؕ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ ؕ هُوَ

جبر وہ کونسا دین تمہارے باپ دادے ابراہیم کی شریعت، اُس

تنگی نہ رکھی تمہارے باپ ابراہیم کا دین ۔ اللہ

سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ ۙ مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا

اللہ نے نام رکھا تمہارا مسلمان پہلے سے اور اب قرآن مجید میں بھی

نے تمہارا نام مسلمان رکھا ہے اگلی کتابوں میں اور اس قرآن میں

لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا

تاکہ رسول گواہ ہو جائیں تم تمام مسلمانوں پر۔ اور ہو جاؤ تم

تاکہ رسول تمہارا نگہبان و گواہ ہو۔ اور تم

شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۚۖ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

گواہ ساری کائنات کے انسانوں پر۔ لہٰذا قائم رکھو نماز

اور لوگوں پر گواہی دو۔ تو نماز برپا رکھو

marfat.com

وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ ؕ

اور دیتے رہو زکوٰۃ ۔ اور مضبوطی سے لگے رہو اللہ کے ساتھ

اور زکوٰۃ دو اور اللہ کی رسّی مضبوط تھام لو

هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ

وہ ہی تمہارا حمایتی ہے اور نہایت اچھا کارساز اور بہت ہی اچھا ہمیشہ

وہ تمہارا مولیٰ ہے تو کیا ہی اچھا مولیٰ اور کیا ہی

ع ۱۰ / ۱۷

النَّصِيْرُ ع ﴿۷۸﴾

مدد کرنے والا ۔

اچھا مددگار ۔

تعلقات اس آیتِ پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی قدر کے حق کے مطابق قدر نہ کرنے والے ناقدروں بدنصیبوں کا ذکر ہوا۔ اب اس آیت میں خوش نصیب اہل ایمان حسبِ استطاعت قدر کرنے والوں کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ کے راستے جہاد کے حق کے مطابق جہاد کرنے کا حکمِ الٰہی عطا فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں رسولانِ کرام علیہم السّلام کے چناؤ کا ذکر فرمایا گیا اب اس آیت مبارکہ میں پیارے بندوں کے چناؤ اور پسند کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت پاک میں آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمّتِ مغفورہ کا غیر خصوصی لقب یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اس آیت طیّبات میں نبی کریم رؤفٌ رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی اُمّتِ مسعود کے خصوصی ذاتی دینی و مذہبی نام کا تذکرہ فرمایا جا رہا ہے یہ نام مسلمان اس سے پہلے کسی اور اُمّت کو نہیں ملا۔ **چوتھا تعلق** پچھلی آیت میں عبادات کے اجزا بیان فرما کر ادا کرنے کا حکم دیا گیا۔ اب

marfat.com

اس آیت میں اسی عبادت کا کلی نام لے کر ادا کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا۔ واؤ یہ جملہ جَاهِدُوا باب مفاعلۃ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے مُجَاهَدَةٌ، جَهْدٌ یا جُهْدٌ یا جَهَدٌ سے مشتق ہے اس کا یہ مادہ مصدر تین طرح آتا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے تکلیف اور مشقت سے کوئی کام کرنا۔ اصطلاح میں وسعت دینا یا حصولِ مقصد کے لیے طاقت استعمال کرنا۔ اور طبیعت میں سختی پیدا کرنا کہ سرکش سر نہ اٹھائیں اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے مرجع اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے۔ فِیْ ظرفیہ مجازی یہاں مضاف پوشیدہ ہے یا لفظ دین یا امور یا حقوق اللہ مجرور، دراصل تھا فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ یا فِیْ حُقُوْقِ اللّٰہِ یا اُمُوْرِ اللّٰہِ واللہ اعلم یہ جار مجرور متعلق ہے جَاهِدُوا کا۔ حَقَّ مضاف الیہ مضاف ہٖ ضمیر کا مرجع یا اللہ ہے یا جَاهِدُوا ہے۔ یہ سب مرکب اضافی تمیز ہے جَاهِدُوا کے مصدر یا فاعل کی جَاهِدُوا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ بعض نحات نے اس کو موصوف کی اضافت صفت کی طرف کرکے مفعول مطلق بنایا۔ کہ دراصل تھا جَاهِدُوا جِهَادًا حَقَّهٗ۔ هُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل مبتدا اِجْتَبٰی باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِجْتِبَاءٌ جَبْیٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی چننا پسند کرنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اَللّٰہ کُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ہے منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ ہے اِجْتَبٰی سب جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ مَا جَعَلَ باب فَتَحَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب ماضی مطلق معروف جَعْلٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بنانا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے ظاہر کرنا، پیدا کرنا، صنعت کاری بدلنا، پھیرنا، متغیر کرنا۔ یہ فعل جب متعدی بدو مفعول ہو تو معنی ہوتا ہے بنانا اور جب بیک مفعول ہو تو معنی ہوتا ہے پیدا کرنا اس کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے یہاں بمعنی بنانا ہے عَلَیْکُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے فِی الدِّیْنِ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ پہلا متعلق قائم مقام مفعول لہٗ دوسرا متعلق قائم مقام مفعول فیہ ہے مِنْ جارہ تبعیضیہ بمعنی کچھ حَرَجٍ اسم حاصل مصدر جامد لغوی ترجمہ ہے۔ تنگی ہونا یا پیدا کرنا۔ تنگی کی تین قسمیں ۱ دل کی تنگی ۲ نظر کی تنگی ۳ جگہ کی تنگی۔ اصطلاحاً سات مجازی معنی میں مشترک ہے ۱ نقصان ۲ مضائقہ ۳ مشقت ۴ سختی ۵ اعتراض ۶ گناہ ۷ جبر زبردستی کو بھی حَرَج کہہ دیتے ہیں۔ یہاں اسی

marfat.com

معنی میں ہے یہ جار مجرور متعلق سوم ہے اور قائمقام مفعول بہ۔ مِلَّتَ اسم مصدر ثلاثی مزید فیہ حاصل مصدر جامد آخر کی ۃ مصدر یہ ہے یا وحدت کی مَلَلٌ سے مشتق ہے لغوی معنی ہے تھکاوٹ ہونا دل برداشتنہ۔ اصطلاحاً مسلسل کوئی کام پابندی سے کرنا ۲ وہ راستہ پگڈنڈی جو مسلسل چلنے سے خود بخود بن جاتا ہے ۳ دائمی قانون ۴ املا کرنا (لکھنا) ۵ شریعت والا دین اس کو ملت اس لیے کہتے ہیں کہ یہ دائمی بھی ہوتا ہے مسلسل وہمیشہ قابل عمل بھی اور لکھا ہوا بھی۔ اسی سے ہے ملال بمعنی رنج کیونکہ مسلسل کام کرنے سے انسان کبیدہ خاطر رنجیدہ اور بے رغبت ہوجاتا ہے۔ مضاف ہے۔ اَبِیْ اسم مکبرہ بحالت کسرہ ہے کیونکہ ماقبل کا مضاف الیہ۔ کُمْ مجرور متصل مضاف الیہ ہے۔ یہ اَبِیْکُمْ مرکب اضافی مُبْدَلٌ مِنْہُ ہے ابراہیم اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی عَلَم ہے بدل الکل ہے یہ دونوں مل کر مضاف الیہ ہوا یہ مرکب اضافی بدل ہے دین کا یا بدلُ الکل یا بدلُ البعض ہے یہ مُبْدَل مِنْہُ اپنے اس بدل سے مجرور ہو کر متعلق دوم ہوا مَا جَعَلَ کا یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اِجْتَبٰا کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر مبتدا ھُوَ۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ھُوَ مبتدا مرجع اللہ تعالیٰ ایک قول میں مرجع ابراہیم ہے مگر یہ غلط ہے واقعتاً بھی حقیقتاً بھی، سَمّٰی باب تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب سُمُوٌّ یا سَمْیٌ سے بنا ہے بمعنی لغوی بلند ہونا، نشان ہونا اصطلاحاً نام یا لقب یا تخلص یا کنیت ہونا۔ جو بھی مشہور زمانہ ہو جائے وہ اسم ہے ذاتی پیدائشی نام کو عربی میں عَلَم کہتے ہیں نبی کریم رؤف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت کا دینی لقب خصوصی مسلمان ہے اور لقب عمومی مومن، ایمان اور اسلام کا فرق فائدوں میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ اس کا فاعل ضمیر صیغہ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے اس کا مصدر ہے تَسْمِیَۃٌ۔ تعلیل نحوی کے بعد ہوا تَسْمِیَۃٌ۔ بمعنی نام رکھنا، نام لینا، بسم اللہ شریف پڑھنے کو تسمیہ اسی معنی میں کہتے ہیں کُمْ ضمیر مفعول بہ اول مُسْلِمِیْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر سَلْمٌ سے مشتق ہے مصدر ہے اِسْلَامٌ لغوی معنی ہے سر جھکانا، بات اور حکم ماننا۔ یعنی سر تسلیم خم کرنا۔ سابقہ امتوں کے لیے یہ لفظ اسم فاعل وغیرہ اسی لغوی معنی میں مستعمل ہوتا رہا ہے اصطلاحی معنی ہے نبی کریم محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں آنا۔ مُسْلِمِیْنَ بحالت فتحہ ہے مفعول بہ دوم ہے مِنْ قَبْلُ۔ یہ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ فِیْ جارہ ظرف مکانی کے لیے ھٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ معنوی قرآن مجید ہے یہ جار مجرور معطوف ہے مِنْ قَبْلُ پر دونوں عطف

marfat.com

متعلق ہے   سعیٰ کا۔ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ
فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ
لام کَے برائے تعلیل اِس کا ماقبل سَعیٰ عِلت ہے مابعد معلول ہے یَکُوْنَ فعل ناقصہ مضارع
معروف واحد مذکر غائب بحالتِ نصب ہے لام کَے کی وجہ سے اَلرَّسُوْلُ اسم معرف باللام مراد
ہیں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اسم ہے یَکُوْنَ کا شَهِيْدًا اسم فاعل مبالغہ شُهُوْدٌ سے
مشتق ہے لغوی معنیٰ ہے حاضروناظر موجود ہونا۔ اصطلاحاً گواہ اور گواہی دینے اور آنکھوں
سے کسی واقعے کو دیکھنے کے لیے بھی یہ لفظ مستعمل ہے۔ نیز منتظم مددگار، نگہبان کو بھی
شہید کہدیتے ہیں۔ یہ خبر ہے۔ عَلٰى حرفِ جر فوقیت کا کُمْ ضمیر مجرور یہ دونوں متعلق ہیں ایک قول
میں یَکُوْنَ کے اور وہ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ
اور ایک قول میں یہ جار مجرور متعلق ہے شَهِيْدًا اسم فاعل صفت مشبہ کا اور وہ اپنے پوشیدہ
فاعل و متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر یَکُوْنَ ہو کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ ہوا خیال رہے
کہ یہاں شہیدًا پر حرفِ علیٰ خلاف گواہی کے لیے نہیں مشاہداتی گواہی کے لیے   ہے خواہ حق میں
خواہ خلاف۔ اسی لیے آگے فَاَقِيْمُوْا میں فَ سببیہ ہے، واؤ عاطفہ تَكُوْنُوْا فعل مضارع ناقصہ
جمع مذکر حاضر اس کا اسم ضمیرِ صیغہ جس کا مرجع مسلمین شُهَدَآءَ اسم۔ جمع مکسر اس کا واحد ہے
شَهِيْدٌ، عَلَى النَّاسِ   یہ جار مجرور بھی یا متعلق ہے تَكُوْنُوْا کا یا متعلق ہے شُهَدَآءَ اسم مبالغہ
کا یہاں پہلا قول زیادہ مضبوط ہے۔ تَكُوْنَ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ
ناقصہ ہو کر سبب ہوا فَ سببیہ اَقِيْمُوْا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر دراصل تھا اَقْوِمُوْا
یٰ پر کسرہ ثقیل تھا ماقبل کو دیا۔ آخر کا الف صرف تفخیم کے لیے ہے اِس کا فاعل ضمیرِ صیغہ
حکم ہے تمام مسلمانوں کو اَلصَّلٰوةَ یعنی نماز پنجوقتہ اور جمعہ وعیدین یہ مفعول بہ ہے اَقِيْمُوْا
سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اٰتُوْا باب افعال کا امر
حاضر معروف۔ جمع مذکر حاضر اصل میں تھا اٰتِيُوْا یٰ پر ضمہ بوجھل تھا ماقبل کو دیا اب دو
ساکن جمع ہوئے یٰ اور واؤ یٰ کو گرا دیا کیونکہ واؤ علامت جمع ہے وہ نہیں گر سکتی
اَقِيْمُوْا کا مصدر اِقْوَامٌ اور اِقَامَةٌ ہے اور اٰتُوْا کا مصدر اِيْتَاءٌ ہے اَتْيٌ سے مشتق ہے
بمعنیٰ دینا عطا کرنا۔ ادا کرنا۔ الزکوٰۃ اسم مصدر مزید فیہ جامد حاصل مصدر بمعنیٰ صدقہ فرضی
واجبی سالانہ۔ یہ مفعول بہ ہے اٰتُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ

marfat.com

عاطفہ۔ اِعْتَصِمُوْا بابِ افتعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِعْتِصَامٌ بمعنی مضبوط پکڑنا عَصْمٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے روکنا منع کرنا۔ اصطلاحًا نو مجازی معنی میں مشترک ہے ۱ باندھنا ۲ گلے میں پٹہ ڈالنا ۳ سائبان یا خیمہ باندھتے لگاتے کی رسی ۴ حفاظت کرنا ۵ مضبوطی سے تھاما پکڑنا ۶ پاکدامن عورت ۷ منکوحہ عورت ۸ گناہ پر نہ قادر ہونا۔ یعنی گناہ محال ہوں ۹ کسی کے ساتھ لگنا، ساتھ نبھانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع مسلمین ہے بَ حرفِ جر بمعنی مَعَ اللہ مجرور بہ جار مجرور متعلق ہے اِعْتَصِمُوْا کے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا تینوں عطف مل کر مسبّب ہوئے یَكُوْنُوْا کے جملے کا یہ سبب مسبب مل کر معطوف ہے لِیَكُوْنَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معلول ہے سَمّٰى فعل کا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ یَكُوْنُوْا دراصل یَكُوْنُوْنَ تھا۔ عطف تابعی کی وجہ سے لام کے نے اس کو بھی نصب دیا اس لیے آخر کی نونِ اعرابی گر گئی۔ هُوَ ضمیر مبتدا، مَوْلٰى مصدر میمی ہے یا اسم مفعول واحد مذکر وَلِیٌّ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے قریب ہونا ملا جلا ہونا مجازًا دوست مددگار، حقدار قبضے میں لینے والا، حمایتی، وارث، والی، حاکم اور رفیق کے لیے بولا جاتا ہے۔ بابِ تَفَعُّلٌ میں آکر منہ پھیرنا کا معنی ہوتا ہے یہ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ۔ نِعْمَ فعل مدح۔ لغوی ترجمہ ہے۔ سرور آنکھوں کی ٹھنڈک۔ اصطلاحًا۔ بہت نرم، خوشگوار، آسودگی، دولت نعمت، خوش حالی۔ اتحاد۔ اجتماعیت، احسان، کشادہ، بلند مفید مضبوط فضل و کرم کرنے والا۔ اچھا۔ یہاں اِن ہی دو معنی میں ہے۔ نیز جسمانی تندرستی اور صفائی اور اچھی بات کو بھی نِعَم کہتے ہیں چوپایہ حلال چرندوں مویشیوں کو نَعَم اور اَنعام کہتے ہیں کیونکہ وہ بھی مفید اور اچھی نعمت ہے۔ ہاں اور نائید کو نَعَمْ کہتے ہیں کیونکہ تائید کرنے والا اُس کو اچھا سمجھتا ہے۔ نِعْمَ فعل مدح هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل اَلْمَوْلٰى مخصوص بالمدح سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نِعْمَ فعل ضمیر صیغہ فاعل اَلنَّصِیْرُ مخصوص بالمدح سب مل کر معطوف ہے وَنِعْمَ الْمَوْلٰى پر دونوں عطف مل جملہ عاطفہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَجَاهِدُوْا فِی اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ۔ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ۔ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ مِنْ قَبْلُ وَفِیْ هٰذَا۔ اور اے ایمان والو۔ رکوع سجود، عبادت اور افعلوا

الغرض اعمال و حکموں کی فرمانبرداری کرنے والوں کو اب پانچواں حکم یہ دیا جاتا ہے کہ وَ جَاهِدُوْا۔ مجاہدۂ صفات سے دنیا میں خیر پھیلا کر اب جہادِ ذات و آلات سے دنیا سے ہر قسم کا شر مٹا دو اس طرح کہ اللہ تعالیٰ کے حکم میں اس کی خدمتِ دینی میں ہر کافر، ظالم، باطل سرکش شریر و فسادی سے ایسی زبردست جنگ کرو کہ راہِ الٰہی کی جنگ کا حق ادا ہو جائے اور ایسی ایمانی قوت عرفانی لذت ایقانی حکمت اور سامانی طاقت و لیاقت سے کرو کہ تمہاری جنگ جہادِ فِی سَبِیلِ اللہ بن جائے۔ خیال رہے کہ کافر ظالم اور مومن عادل کی جنگ میں فرق یہ ہے کہ کافر جنگ کرتا ہے ہوسِ ملک گیری یا فتنہ و غارتگری کے لیے لیکن مومن جنگ کرتا ہے تو فقط زمین سے شر مٹانے خیر پھیلانے اور سنتِ پیغمبری قائم کرنے کے لیے مومن کی جنگ میں نہ کشور کشائی نہ مالِ غنیمت نہ قتلِ عام کی بربادی نہ توڑ پھوڑ کی تباہی اس لیے کہ مومن کو تین حکم ہیں۔ پہلا حکم جَاهِدُوْا یعنی خیر پھیلاؤ، شر مٹاؤ۔ جنگ کو جہاد بناؤ دوسرا حکم فِی اللہِ۔ یعنی مومن کی تلوار آزمائی، لشکر سازی، سب تیاری صرف فی سبیل اللہ لِوَجْهِ اللہ ہونی چاہیئے۔ تیسرا حکم۔ حَقَّ جِهَادِهٖ یعنی مومن کا جہاد ایسی شان، ایسی آن ایسی چال ایسی رفتار اس کردار اس گفتار سے ہونی چاہیئے کہ جہادِ اسلامی کا حق ادا ہو جائے اور دنیا کے ظالم و مظلوم حاکم و محکوم امرا و فقرا۔ بادشاہ و رعایا سب جان لیں کہ تربیتِ قرآن اور دین اسلام کی جنگ ایسی ہوتی ہے۔ حَقَّ جِهَادِهٖ کی چار صورتیں ہیں ۱ پہلی یہ کہ ہر جہاد ہمت طاقت جوشِ اسلامی جذبۂ ایمانی ہمت طاقت میں اوّل سے آخر تک یکساں ہو اور یہ تب ہی ہو سکتا ہے جب ہاتھ میں تلوار ہو نگاہ میں کعبہ ہو میدان میں یلغار ہو عشق میں کبریا ہو سینے میں مصطفیٰ ہو۔ ۲ ظالم حاکم کے سامنے کلمۂ حق کہہ دینا یہ بھی حق جہاد ہے۔ تلوار سے ہو یا قلم سے۔ یا زبان سے یا قلبی نفرت سے نیت خالص لِلّٰہ اطاعت کامل بِاللہ نہ کسی کی رُو رعایت نہ کسی ملامت کی گھبراہٹ ۳ سوم یہ کہ دین کی حمایت و اشاعت میں سر دھڑ جان۔ مال کی بازی لگاؤ کسی کی پرواہ نہ کرو جس طرح صحابہ کرام کی جہادی پھر سلاطینِ اسلام کی شمشیر سے اولیاء اللہ نے زبان و عملی کردار سے علماء نے علم سے ایسے خلوص و شجاعت و جذبات کے جوہر دکھلائے کہ حَقَّ جِهَادِهٖ کے مظہر اتم بن گئے اگر ہند سے کفر کی یلغار اٹھتی ہے تو غزنی سے شمشیرِ محمود اٹھتی چلی آتی ہے اور مغلیہ شہنشاہیوں کی اسی جَاهِدُوْا فِی اللہ کے جذبۂ ایمانی سے سلطنتِ اسلامیہ کی سرحدیں طویل و وسیع ہوتی چلی جاتی ہیں۔ اگر پرتھوی راج کا طوفانِ ظلم و کفر اٹھتا ہے تو اجمیر سے خواجہ چشتی کا روشن

marfat.com

ایمان میدانِ عمل میں آجاتا ہے اور جادوگروں کو شکست دے کر لاکھوں ہندوؤں کو اسلام و قرآن کے دامن میں لے آتا ہے پھر اگر گنگوہ اور تھانہ بھون سے دیو کا فساد اور ابلیس کا شر اٹھتا ہے تو بریلی کی سرکار سے رضا کا نعرہ بلند ہوتا ہے اور لشکرِ فقراءِ قادری ایسی سرفروشی علمی قوت عملی وحدت سے رواں دواں ہوتا ہے کہ رضا کا نیزہ بن کر سینۂ باطل میں گڑھ جائے اور دنیا دیکھ لے کہ ہیں قادری فقیروں کے جھنڈے گڑھے ہوئے غرضکہ سلاطینِ اسلام اولیاءِ عظام علماءِ کرام اور عوام اہلِ ایمان نے جَاهِدُوا فِي اللهِ کے وہ عملی مظاہرے فرمائے کہ جہادِ اسلامی کا حق ادا ہوگیا۔ بعض بد بخت لوگ اِن ایمان افروزیوں میں بھی تفرقہ پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ کوئی پیر پرست کہتا ہے کہ اولیاءُ اللہ نے وہ کارنامے کئے جو سلاطینِ اسلام نہ کر سکے کوئی گستاخ کہتا ہے کہ اگر سلطان التمش نہ آتا تو ساری کرامتیں دھری رہ جاتیں۔ کوئی کہتا ہے عُلما نے کیا کر دکھایا۔ کوئی اولیاءُ اللہ کی کارکردگی کا منکر ہے۔ میں کہتا ہوں یہ سب ابلیسی فرقہ پرستی اور احسان فراموشی والی باتیں ہیں حقیقت یہ ہے کہ سلاطین اور اولیاء علما مشائخ وعوام مسلمان سب ہی اسلام کے قوت والے بازو اور اعضاءِ یک دیگراند ہم سب کے احسان مند ہیں۔ قائدِ اعظم کے اِس احسان کو کوئی اندھی آنکھوں والا ناکارہ عقل والا ہی بھلا سکتا ہے جو پاکستان کی شکل میں ہے۔ اِس احسان کو نہ پاکستانی بھلا سکتے ہیں نہ بنگلہ دیشی نہ ہندوستانی مسلمان نام اگرچہ بدل گیا بنگلہ دیش رکھ لیا گیا مگر دلایا ہوا اسلامی ریاست بنایا ہوا تو قائدِ اعظم کا ہی ہے ہمیں اب بھی بنگلہ دیش پیارا کہ وہ ایک اسلامی ملک ہے قائدِ اعظم کا تحفہ ہے ۱۹۶۵ء میں پوری مسلم قوم نے جَاهِدُوا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهِ کا نقشہ تاریخ عالم پر ایک بار پھر ایسا کھینچا کہ کفر تھرا گیا۔ فوج و رعایا ایک دوسرے کے دست و بازو بن گئے تھے۔ جَاهِدُوْا تو اشتقاق ہے مُجَاهَدَةٌ سے اِس کا معنیٰ ہے دو طرفہ قتال، قتال میں سات چیزیں ہوتی ہیں ۱ لشکرِ ایمان ۲ لشکرِ کفر ۳ مومن کا طریقۂ جنگ ۴ کافر کا طریقۂ جنگ ۵ مومن کا مقصدِ جنگ ۶ کافر کا مقصدِ جنگ ۷ جنگ کی قسمیں۔ لشکر ایمان کی تین قسمیں ہیں ۱ لشکرِ سلطنت ۲ لشکرِ شریعت ۳ لشکرِ سلطنت کے ہتھیار بندوق تلوار ہیں لشکرِ شریعت کے ہتھیار علم قلم وزبان ہے لشکرِ طریقت کے ہتھیار، عرفان عمل کردار تذکیۂ قلب وروح ہے۔ لشکرِ دشمن کی چھ قسمیں ہیں ۱ کفار ۲ فساق ۳ اہل شر ۴ اہل فساد ۵ نفسِ امارہ ۶ شیاطین، اے لشکرِ ایمان

marfat.com

والو تم ان دشمنوں سے جہاد کرو اس لیے کہ ھُوَ اجْتَبٰکُمْ اُس مولیٰ تعالیٰ نے اپنی پوری مخلوق میں سے تم کو چن لیا ہے اپنے پورے دینِ اسلام کے لیے تم نے ہی اسلام کا رکوع اور ایمان کا سجدہ کرنا ہے تم نے ہی اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرنی ہے اور زمین پر پھیلانی ہے اور مدتوں کی ترسی ہوئی زمین کو ذکرِ الٰہی سنانا ہے رکوع سجود کی تسبیحوں سے نماز کی تلاوتوں سے اذانوں کی آوازوں سے تکبیرات کی صداؤں سے اور کفار کے ساتھ تلوار سے فساق کے ساتھ علم و زبان سے اہلِ شر کے ساتھ عدالتِ اسلامی سے، اہلِ فساد کے ساتھ شریعت کے احکام سے نفس و شیاطین کے ساتھ طریقت کے اعمالِ صالحہ و تذکیۂ قلب و روح سے جہاد کرنا ہے جس رب کریم نے آسمانوں پر فرشتوں کا اصطفا فرمایا اُسی خالق تعالیٰ نے زمین پر تمہارا اجتبا فرمایا۔ فرشتوں کو وزیرانِ فی السماء کے عملے میں داخل فرما کر خادمانِ مصطفیٰ بنا دیا اور تم کو وزیرانِ فی الارض کے عملے میں شامل فرما کر غلامانِ مجتبیٰ بنا دیا۔ کفار و فساق و اشرار و مفسدین سے جہاد کرنا جہادِ اصغر ہے۔ اور نفس و شیاطین سے جہاد کرنا جہادِ اکبر ہے۔ جنگِ تبوک سے واپسی پر آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اے لشکرِ اسلام والو ہم لوٹ رہے ہیں جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف اور ایک مرتبہ مجاہدینِ اسلام کے ایک لشکر سے فرمایا کہ تم لوگ جہادِ اصغر سے فتح مند ہو کر جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہو۔ کیونکہ ظاہری دشمن کفار و فساق شرارتیوں فسادیوں سے قتال جہادِ اصغر ہے اور باطنی دشمن نفسِ امارہ و ابلیس و شیاطین سے مجاہدہ جہادِ اکبر ہے اس لیے کہ ظاہری دشمن کبھی قتال میں آتا ہے کبھی مقابلے سے بھاگ جاتا ہے کبھی صلح پر آمادہ ہوتا ہے کبھی ماتحتی پر۔ مگر باطنی دشمن نفس و شیطان ہمیشہ آمادۂ جنگ ہی رہتے ہیں کبھی بھی جنگِ ورغلان، شرارتِ وسواس اور فسادِ بغاوت سے باز نہیں آتے اور یہ جہادِ نفس انتہا سخت خطرناک ہے کہ جہادِ کفار کا مغلوب و مقتول مومن شہید بن کر جنت میں جاتا ہے۔ لیکن جہادِ نفس میں اگر کوئی بندہ مقتولِ نفس اور مغلوبِ شیطان ہو جائے تو لعین بن کر جہنم میں چلا جاتا ہے اسی لیے میدانِ جنگ کا قتال جہادِ اصغر ہے اور ابدانِ نفس و تسلطِ شیطان کا مجاہدہ جہادِ اکبر ہے لہٰذا خوش نصیب ہو تم کہ تم کو چن لیا گیا اور اس چناؤ سے ایک عظیم فائدہ تم کو یہ بھی ملا کہ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ نہ بنائی تم پر اس رحیم کریم مشفق منعم رب تعالیٰ نے دین کی شریعت میں شریعت کے اصولی فروعی قوانین و احکام میں کوئی تنگی دشواری، جبر، زبردستی، اکراہ سختی

marfat.com

ترشی، عمر کے کسی بھی حصہ کسی بھی حالت، کیفیت میں نہ تمہاری ذات میں نہ صفات میں نہ بشری کمزوری نہ لاغری بیماری نہ معذوری مجبوری نہ غریبی مسافری میں، نہ شرعی اعمال میں نہ اُن کے طریقوں وقتوں، مقامات میں ہر عمل ایسا آسان ذھن نشین و دل پذیر کہ مومنِ صادق کا دل چاہتا ہے کہ کئے ہی جائے، نمازوں میں چاشنی نوافل میں روشنی، روزوں میں خوشبو، زکوٰتوں میں اُلفت، صدقوں میں محبت، حج مکہ مکرمہ میں عشقِ کبریائی زیارتِ مدینہ منورہ میں محبتِ مصطفائی، عبادات اتنی نرم کہ نہ امیر کو تنگی نہ غریب کو نہ تندرست کو مشقت نہ بیمار کو، کھڑے نہ کر سکے تو بیٹھ کر بیٹھے نہ کر سکے تو لیٹ کر اس سے بھی مجبور ہو تو قضا کرے، سفر میں بجائے چار دو فرض نماز، روزہ قضا کرے، ذرا سی رکاوٹ سے حج کی فرضیت معاف، عورت پر مزید آسانیاں کو حیض و نفاس میں نمازیں معاف روزے قضا، وضو نہ کر سکے تو تیمم، بھوک سے مرتا ہو تو حرام بقدرِ ضرورت جائز اوقاتِ عبادات میں بھی عجیب وُسعت کر دیا نہ کہ پانچ دس منٹ کی نماز کے لیے کئی گھنٹوں کا وقت دیدیا، رمضان و عیدین کے چاند و تاریخ کے علم میں سہولتیں کہ ان پڑھ بھی دیکھ کر پتہ لگالے، پورے آسمان کو مسلمانوں کے لیے نظامُ الاوقات اور تاریخی کیلنڈر بنا دیا مقامِ عبادت میں فراخی کہ جس پاک جگہ چاہو ادا کر لو خلوت وجلوت میں جماعت و فردیت میں ادا اور قبول بشری کمزوری سے گناہ یا کفر کر لو تو صرف زبانی سچی پکی توبہ ہی کافی اور منظور، فرمانبرداری کرنے والے کی عزت و مشہوری، نافرمانی میں پردہ پوشی جرم میں کفارے سے قتل میں دیت سے معافی، چھٹکارا، رحمت کے دروازے تاقیامت کھول دئے گئے، عذاب کے دروازے بند کر دئے گئے جسم، لباس پلید ہو جائے تو پانی سے دھو کر پاک کر لو اے مسلمانو یہ آزادیاں نرمیاں صرف تم کو ملی ہیں محبوبِ رب کے صدقے میں پچھلی اُمتوں پر نہ تھیں، حرج نہ ہونے کا معنیٰ یہ بھی ہے کہ امتِ مسلمہ پر دینی دنیوی ہر قسم کی جائز حلال طیب ترقی حاصل کرنے میں کوئی شرعی پابندی اور ممانعت رکاوٹ نہیں ہے نہ تجارت میں نہ حصولِ علم میں دینی علم ہو یا دنیوی معلومات ہو سائنسی صنعت کاری ہو۔ یا معاشرتی ملکی عملی زندگی ہو، غرضکہ اسلام کا جائز طریقہ لے کر جو چاہو کرو کھاؤ پیو مقام ترقی حاصل کرو جتنا چاہو آگے بڑھو بلکہ سب قوموں سے اونچے ہو جاؤ۔ اسلام میں نہ راھبانہ تارکُ الدنیا زندگی کی اجازت ہے نہ پادریوں پاپاؤں کی بناوٹی پابندیوں کی اجازت اسلام تو کہتا ہے

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں پھولو — چاہو تو جہازوں پہ اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن اپنے اکابر کی رکھو یاد — اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

پر وہ دین نہیں کہ اس پر عمل کرنے سے تم مصیبت اور غربت میں پھنس جاؤ یا اغیار کے دست نگر بن جاؤ۔ یا تمہاری مادی علمی روحانی قلبی ترقی رک جائے اور دنیوی وسائل میں قوموں سے پیچھے رہ جاؤ، تمہارے ہی دین کا نام اسلام ہے اسی دین میں ہر طرح کی سلامتی و کامیابی و آسانی ہے اس کو سیکھنا سمجھنا آسان اس پر عمل کرنا ایسا واضح روشن کہ اس کی رات بھی دن کی طرح جگمگائے پچھلی امتوں کے لیے بڑے سخت قانون کے کوئی رعایت نہ تھی نہ قضا کی نہ قصر کی نہ پوری زمین مسجد ہونے کی ان کی نماز نہ بیٹھ کر جائز نہ لیٹ کر جسم گندا کر لو تو کھرچ کر چھیل کر پاک کرو اگر کپڑا گندا کر لو تو اتنا کپڑا کاٹ کر پھینک دو اگر جسم و لباس کپڑا خود گندا ہو جائے تو صرف دھونے سے پاک ہو جائے، گناہ کرے تو ذلت کی تشہیر کہ گناہ کبیرہ دروازے پر لکھے جائیں اور گناہ فحاشی سے ماتھے پر نشان بن جائے شرک یہ کفر کر لینے کی توبہ میں خود کو قتل کروائیں یعنی شرک کی توبہ قتل، کے لیے خود کو پیش کر دینا اے مسلمانو سابقہ مومن امتوں کی ہر سال کی دن رات عبادت اور تمہاری ایک لیلۃ القدر کی عبادت خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ۔ اور اللہ تعالیٰ کو تم سے اتنا پیار کہ ملت میں تم کو اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ شامل کر دیا کہ فرمایا۔ مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ تمہاری ملت وہی ہے جو تمہارے اصلی نسلی آبائی روحانی مرتی ابراہیم علیہ السلام کی تھی یہودیوں نے مسلمانوں سے : کہا کہ ابراہیم یہودی تھے۔ عیسائیوں نے مسلمانوں سے کہا کہ ابراہیم عیسائی تھے (سورۃ بقرہ آیت ۱۴۰) مشرکین نے مسلمانوں سے کہا ابراہیم ہمارے دین پر تھے یعنی مشرک تھے۔ رب تعالیٰ نے سورۃ آل عمران آیت ۶۷ میں فرمایا اے مسلمانو ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ مشرک بلکہ وہ حنیف تھے مسلمان ہو کر یا مسلمانوں کی طرح کیونکہ اے مسلمانو تمہارا دین اور ابراہیم کا ایک ہی ہے۔ اجتباء الٰہی کا یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ یہود و نصاریٰ و مشرکین نے خود اپنے مونہوں سے اپنے اپنے دین کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف نسبت کر کے اپنی شان و عظمت بیان کی مگر رب تعالیٰ نے ان سب کی تردید فرما کر خود اپنے کلام سے یہی شان و عظمت مسلمانوں کی بیان فرمائی کہ ابراہیم نہ یہودی تھے نہ عیسائی نہ مشرک بلکہ خالص (حنیف) مسلمان تھے کہ جو کچھ ابراہیم کرتے تھے وہ اب

marfat.com

مسلمان کر رہے ہیں ابراہیم کا نقشہ مسلمانوں میں ہے نہ کہ یہود و نصارٰی مشرکین میں سچی پکی نشاندہی تو رب تعالٰی کی ہی ہو سکتی ہے نہ کہ کسی کے اپنے منہ سے کہنے سے، مسلمانوں کو اپنے منہ سے اپنی نسبت ابراہیمی والی عظمت و شان بیان کرنی کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت یہود و نصارٰی مشرکینِ مکہ کی تردید اور دین ابراہیم کا اصل نقشہ دکھا رہی ہے۔ ملّت کا لغوی معنٰی ہے شریعت اصطلاحی معنٰی ہے دین کے اصول و فروع۔ ملّت اور دین میں تین طرح فرق ہے ۱۔ لفظِ دین کی نسبت و اضافت ہر شخص اور ہر حق و باطل کی طرف ہو سکتی ہے مثلاً اللہ تعالٰی کا دین، میرا تمہارا زید و بکر کا دین انبیا علیہم السّلام کا دین، جن و مَلک کا دین کفار کا دین، باطل دین، حق دین لیکن لفظِ مِلّت کی نسبت صرف انبیاء علیہم السّلام کی طرف ہی ہو سکتی مثلاً ملّت ابراہیم ملّتِ موسٰی و عیسٰی علیہم السّلام ملّتِ نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم لیکن مِلّتَ اللہ، ملّتِ زید بکر یا ملّتِ باطل کہنا جائز نہیں ۲۔ دین مکمل ضابطۂ حیات اور تمام اصولی فروعی قوانین کا نام ہے، مگر ملّت غیر مکمل چند مخصوص و ضروری اُصول و فروع کا نام ہے ۳۔ دین نام ہے مذہبی قانون کا، اور ملّت نام ہے اُس قانون کے عملی نقشے کا، ابراہیم علیہ السّلام کو اُمّتِ مسلمہ کا اَبُو، فرمانا چار وجہ سے ہے ۱۔ یا اس لیے کہ اکثر اہل عرب ابراہیمی نسل سے ہیں ۲۔ یا اس لیے کہ سب لوگوں کو تا قیامت ابراہیم علیہ السّلام سے محبّت ہوتی رہے گی خاص کر تمام عرب اور بنی اسرائیل یہود و نصارٰی کو ۳۔ یا اس لیے کہ یہود و نصارٰی و مشرکینِ مکہ کا وہی مذکورہ بالا قول کہ یہ تینوں کا فرقے اپنے اپنے مذہب کو ملّتِ ابراہیمی کہتے اور سمجھتے تھے اُن سب کی تردید فرماتے ہوئے بتایا کہ تمہارے آبائی و نسل و اصل کے اَبِی اور مربی ... ابراہیم علیہ السّلام کی ملّت یہ بُت پرستی یا یہودی، عیسائی نظریاتی بنا ڈٹی کفریات نہیں ہے بلکہ تمہارے اَبُو ابراہیم کی ملّت وہ ہے جو دینِ اسلام کی ہے لہٰذا اگر اپنے اَبِی ابراہیم سے محبّت کا سچّا دعوٰی کرتے ہو تو اسلام قبول کرو ۴۔ یا اس لیے اَبِیْكُمْ اِبْرَاهِیْمَ فرمایا کہ حضرت ابراہیم نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ و آلہ وسلم کے جَدِّ اَعلٰی تھے اور چونکہ ہر نبی علیہ السلام اپنی امت کا باپ یعنی مُربّی ہوتا ہے۔ اس لیے نبی کریم کی نسبت کی وجہ سے حضرت ابراہیم تمام مسلمانوں کے اَبِی و مُربی ہو گئے۔ اے مسلمانوں تم کتنے خوش نصیب ہو کہ خود اللہ تعالٰی نے تمہارا دینی نام مسلمان رکھا کسی بھی نبی علیہ السلام کی اُمّت کو اس سے پہلے یہ شان و سلامتی والا نام

marfat.com

نہیں دیا گیا، پھر تمہارے اس دینی نام کو اتنا مشہور کیا کہ تمام پچھلی کتابوں صحیفوں میں بھی اور قیامت
پڑھی جانے والی اس کتاب قرآنِ مجید میں بھی تمہارا نام مسلمان رکھا، اور تمہارے ہی دین کا نام
اسلام رکھا گیا، تم پر یہ سب انعامات و انتخابات اس لیے ہے کہ۔ لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا
عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۔ یہ رسولِ ابدی محبوبِ ازلی تم پر مشاہدہ کرنے
والے ہوں۔ تمہارے اچھے اعمال، سچی عبادات رکوع و سجود افعالِ خیر۔ صیام و زکوٰۃ
جذبۂ جہاد۔ صبر و شکر، ثابت قدمی اتباع و اطاعت کا مشاہدہ فرما کر کل قیامت میں تمہاری
حقانیت و صداقت کی گواہی دیں، دنیا میں تم اُن کی نبوت و رسالت کی گواہی دیتے
رہو اور کل بروزِ قیامت وہ رسول بارگاہِ رب العزت میں اپنی تبلیغ اور تمہاری قبولیتِ
تبلیغ ایمانیہ کاملہ عملیات صالحہ کی شہادت دیں یہ خصوصیت ہے آقاءِ کائنات حضور اقدس
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی کہ خود اپنے ہی حق میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی
معتبر قبول ہو گی۔ کچھ لوگوں نے لکھا کہ یہ مقبولیت عصمت کی وجہ سے ہے مگر یہ قول دو
وجہ سے غلط ہے۔ اولاً اس لیے کہ اگر عصمت کی وجہ سے غیر کی گواہی ضروری نہ ہوتی تو
آپ کی عصمت تو حیاتِ دنیوی میں بھی موجود ہے یہاں کیوں آپ کے لیے گواہیِ غیر ضروری
ہوتی جیسا کہ ایک مرتبہ اونٹ کی خریداری پر آپ کو حضرتِ خزیمہ کی گواہی پیش آئی
دوم اس لیے کہ معصوم تو تمام انبیاء علیہم السلام ہیں اُن کو کفار کے انکار پر کیوں گواہی کی ضرورت
قیامت میں پیش آئے گی ثابت ہوا کہ آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی یہ ذاتی خصوصیت
صرف قیامت میں ہو گی اور اے خوش قسمت متقی مسلمانو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
کی اس مشاہداتی قوت اور تمہارے کامل ایمان صالح اعمال مقبول اقوال کی وجہ سے
بروزِ قیامت تم بھی بارگاہِ الٰہیہ میں سچے گواہ بن کر پیش ہو گئے کہ تمام کفار کے خلاف
انبیاء کرام علیہم السلام کے حق میں تمہاری گواہی قبول ہو گی۔ تفسیر مظہری نے بحوالہ محدث
ابن مبارک بسندِ ابی حبلہ اس گواہی محشر کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے کہ پہلے حضرت
اسرافیل کو بلا کر پوچھا جائے گا کہ اے اسرافیل کیا تو نے میرا عہد یعنی کلام و پیام پہنچایا
تھا وہ عرض کریں گے ہاں یارب میں نے جبرئیل کو پہنچا دیا تھا تب جبرئیل علیہ السلام
کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کیا تجھ کو اسرافیل نے میرا کلام و پیام پہنچایا تھا وہ
عرض کریں گے ہاں یا اللہ تب حضرت اسرافیل کو چھوڑ دیا جائے گا اور جبرئیل علیہ السلام

marfat.com

سے پوچھا جائے گا کہ تم نے میرے عہد میں کیا کیا، وہ عرض کریں گے کہ یا اللہ ہم نے وہ پیغام ہر نبی کو پہنچا دیا تھا اور تمام فرشتوں کو سنا دیا تھا، تب انبیاءِ کرام علیہم السّلام کو بلایا جائے گا، یہ تمام کاروائی تمام کفار اور مومنین اور جن و ملک دیکھ رہے ہوں گے ان کو ہی دکھانے کے لیے یہ سب کچھ بیان و شہادت ہوگا۔ انبیا علیہم السّلام سے پوچھا جائے گا کیا تم کو جبرئیل نے میرا عہد کلام پہنچا دیا تھا، تمام انبیاء مرسلین عرض کریں گے ہاں یا اللہ تب جبرئیل علیہ السّلام کو چھوڑ دیا جائے گا۔ اس وقت آقاءِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم مقامِ محمود پر جلوہ گر ہوں گے پھر سب انبیاء علیہم السّلام سے پوچھا جائے گا کہ تم سب نے میرے عہد سے کیا سلوک کیا تھا سب عرض کریں گے یا اللہ ہم نے اپنی اپنی امت کو تیرے کلام کی پوری تبلیغ کر دی تھی تب قریب موجود اُمتوں کو خطاب کر کے پوچھا جائے گا جن میں اکثریت کفار کی ہوگی وہ کفار کہیں گے۔ انبیاء نے ہمیں کوئی تبلیغ نہیں کی اُن اُمتوں میں بہت تھوڑے لوگ مومن ہوں گے جو انبیا کی تصدیق کریں گے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بات بطورِ گواہی آپ کے حق میں قبول کر لی جائیگی یہ آپ کی اُس دن خصوصیت ہوگی، دیگر انبیا علیہم السّلام کی تصدیق کے لیے اُن سے گواہ طلب کئے جائیں گے سب انبیا علیہم السّلام عرض کریں گے کہ ہمارے گواہ مسلمان ہیں، تب مسلمانوں کو خطاب کر کے پوچھا جائے گا کہ انبیا کے بارے میں تم کیا گواہی دیتے ہو۔ سب مسلمان عرض کریں گے یا اللہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ انبیا علیہم السلام نے اپنی اپنی اُمتوں کو پوری تبلیغ فرما دی تھی۔ اس پر وہ کفار اعتراض کریں گے کہ یہ مسلمان تو اُس زمانے میں تھے ہی نہیں پھر یہ انبیاء کے حق میں اور ہمارے خلاف گواہی کیسے دیتے ہیں پھر رب تعالیٰ کی طرف سے مسلمانوں کو خطاب آئے گا کہ بتاؤ تم کیسے گواہی دیتے ہو۔ سب مسلمان قال حال کی زبان سے عرض کریں گے کہ یا اللہ ہم کو ہمارے آقا حضور اقدس تیرے نبی و محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے تیری توحید بتائی، تیری کتاب سنائی، تیری شریعت سکھائی پوری تبلیغ فرمائی جنت دوزخ قبر حشر پر ایمان دلایا اُسی زبان اقدس نے ہم کو بتایا تھا کہ تمام انبیا علیہم السّلام نے اپنی اُمتوں کو کماحقہٗ تبلیغ فرمائی تھی لیکن اُمتوں نے تکذیب کی و تکلیف دی اس گواہی مسلّمہ صادقہ پر عدالتِ الٰہیہ کا فیصلہ سنا دیا جائے گا، اسی کو سورۃِ بقرہ کی آیت ۱۴۳ پر بیان فرمایا گیا۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا جب اے مسلمانو

marfat.com

تم پر تمہارے ربّ علیٰ کی اتنی نعمتیں ہیں کہ تمہارا نام سب سے اعلیٰ تمہارا کام سب سے بالا، تمہارا اکرام سب سے اکثر تمہارا مقام سب سے بہتر تمہاری شریعت سب سے آسان لہٰذا تم بھی اُس کے اداءِ شکر بقاءِ فکر حفاظتِ ذکر میں۔ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ۔ خوب اچھی طرح نمازیں قائم و مضبوط رکھو۔ اچھی اور حسنِ انداز و وقارِ تمام عجز و نیاز کے ساتھ پڑھتے پڑھاتے بتاتے سکھاتے رہو یہ نماز حقوق اللہ بھی ہے غذاءِ روح بھی قرتِ عین بھی فرحتِ قلب بھی، اور زکوٰۃ بھی ادا کرتے رہو۔ نصابِ مال کی سالانہ حقوق العباد میں اوقاتِ کار کی ماہانہ حقوق النفس میں اعمالِ خیر کی روزانہ راہِ الٰہی میں ہر جگہ نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے چار وجہ سے، پہلی وجہ یہ کہ نماز عبادتِ ذاتی انفرادی ہے دنیا میں نمازی کو ہی اس کے ظاہری باطنی تقریباً پندرہ۱۵ فائدے ملتے ہیں برکت، رحمت، سکونِ قلبی، طہارتِ بدنی، حسن، صحت، بحالتِ نماز ہر نمازی کو ہر گناہ سے روکتی ہے۔ بارگاہِ رب میں پہنچاتی ہے ہر ایک سے توجہ ہٹاتی ہے۔ بعد فراغت گناہوں سے شرم دلاتی ہے امین بناتی ہے، خیانت سے بچاتی ہے۔ آخرت میں جنت دلاتی ہے، قبر میں بچاتی ہے نور پھیلاتی ہے۔ اور زکوٰۃ اجتماعی عبادت ہے کہ بعض کو بعض سے فائدہ ہوتا ہے لینے والوں کو دنیا میں دینے والوں کو آخرت میں، دوسری وجہ یہ کہ نماز حقوق اللہ ہے اور حقوق العباد ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ نماز ہر قسم کی عبادت کا مجموعہ ہے، فعلی بھی، قولی بھی۔ مالی بھی، وقتی بھی، قلبی بھی۔ لسانی سمعی بھی، عقلی فکری بھی، ادا بھی ترک بھی کیونکہ عبادت نام ہے ترکِ دنیا طلبِ آخرت کا زکوٰۃ مالی عبادت ہے گویا کہ نماز عبادتوں کا گلدستہ ہے اور زکوٰۃ عبادت کا ایک پھول ہے۔ چوتھی وجہ یہ کہ نماز ہر ایمان والے پر فرض، زکوٰۃ ہر مال والے پر فرض، ایمان لانا دولتِ آخرت ہے مال کمانا دولتِ دنیا ہے، نماز طہارتِ اجسام ہے زکوٰۃ طہارتِ اموال ہے اسی لیے نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا ذکر ہوتا ہے لیکن چونکہ نماز مجموعہ ہے زکوٰۃ مفردہ ہے اس لیے نماز کا ذکر پہلے ہوتا ہے زکوٰۃ کا بعد میں۔ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ اور سخت مضبوطی کا بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ پر ہر حالت ہر کیفیت ہر عادت ہر عبادت ہر تدبیر ہر تقدیر ہر زمان ہر مکان میں، بچپن جوانی بڑھاپے میں امیری غریبی بیماری تندرستی میں دنیا قبر حشر میں اپنی کسی چیز پر بھروسہ نہ کرنا نہ کرامت پر نہ قدامت پر نہ عبادت پر دلائلِ عقلیہ بھی اُس کے بھروسے پر قائم دلائلِ نقلیہ بھی انعام دنیوی الطافِ اُخروی

marfat.com

پر بھی اعتصام اسی کا ہونا چاہیئے، عنایات پر بھی اس کا بھروسہ چاہیئے۔ محذورات و ممنوعات سے بچنے کے لیے بھی اُسی سے عصمت کی طلب کرو۔ اور امرو واجبات پر عمل کرنے میں بھی اُسی کی عصمت مانگو کیونکہ هُوَ مَوْلٰىكُمْ۔ وہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا کارساز حاجت روا مشکل کشا فریاد رس ہے اُس کے مقابل نہ کوئی مشفق نہ کوئی منعم نہ کوئی معطی نہ کوئی مولیٰ نہ متولی نہ حافظ نہ ناصر نہ والی بعض لوگوں نے وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کا ترجمہ کیا ہے۔ اللہ کا دامن مضبوطی سے پکڑ لو، یہ ترجمہ غلط اور جاہلانہ ہے کیونکہ دامن کرتے یا قمیص کا ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کرتے اور قمیص سے پاک ہے نیز کرتہ قمیص بلکہ لباس، ظرف ہوتا ہے اور کرتے قمیص لباس والا مظروف ہوتا ہے اللہ تعالیٰ مظروف ہونے سے پاک ہے کیونکہ ظرف بڑا ہوتا ہے مظروف چھوٹا، فَنِعْمَ الْمَوْلٰى، وہ اللہ تعالیٰ تو بہت اچھا مولیٰ ہے۔ اے مسلمانوں اتنا اچھا کہ تم میں سے ہر بے یار و مددگار بے کس مظلوم مجبور کے لیے دنیا آخرت قبر حشر میں بہت سے مددگار پیدا فرمادئے ہر ملک ہر شہر ہر علاقے میں اور نا قیامت اعلان بھی فرما دیا چنانچہ سورۃ مائدہ کی آیت ۵۵ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ یعنی اے مسلمانو کسی آفت مصیبت میں گھبرانا مایوس نہ ہونا تمہارا مددگار اللہ تعالیٰ ہے اور یہ اسی کی کارسازی مشکل کشائی ہے کہ اپنے محبوب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ہر جگہ دنیا قبر حشر میں تمہارا مددگار بنا دیا اور محبوب کی تقسیم کے ڈپو ہولڈر جگہ جگہ کھول دئے اس طرح کہ شریعت میں علما کی مدد۔ طریقت میں اولیا کی مدد زندگی میں آستانوں کی مدد بعد وفات مزاراتِ قبور کی مدد مقرر فرمادی ان وسیلوں سے مانگنا رب تعالیٰ سے ہی مانگنا ہے اور سورۃ ممتحنہ کی آیت ۱۳ میں ارشاد فرمایا کہ اے مسلمانو اہلِ قبور اولیاء اللہ سے مایوس نہ ہو جانا کیونکہ قَدْ يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ۔ قبر والوں سے تو صرف وہی مایوس ہوتے ہیں جو پکے کافر ہیں، ہر جگہ اور ہر نبی ولی میں قوتیں نصرتیں اُسی مولیٰ تعالیٰ کی ہیں۔ وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ اور وہی ہے کمال، جمال، رحمت، برکت کی مدد دینے والا۔ اس کی مدد حاصل کرنے کے لیے کہیں دور دراز بھاگنے دوڑنے یا چیخنے چلانے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ ہر جگہ ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار۔ عالم دہر کا پتہ پتہ اُس کے آستانوں کا اور آستانوں کی مدد کا پتہ بتا رہا ہے صرف سننے کے لیے عقل و عشق کے کان چاہئیں۔ **ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال۔** وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ (الخ) اس پوری آیت کے حکم میں دو قول ہیں ۱ بعض نے لکھا کہ جس طرح سورۃ آلِ عمران

marfat.com

کی آیت ۱۰۲ اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ منسوخ ہے سورۃ تغابن کی آیت ۱۶ فَاتَّقُوا اللّٰہَ مَا اسْتَطَعْتُمْ سے اسی طرح جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ کی پوری آیت بھی اس تغابن کی آیت مذکورہ سے منسوخ ہے ۲ بعض نے کہا کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ محکم ہے۔ یہی قول درست ہے۔ اس پوری آیت کے نزول میں دو قول ۱ قول بعض نے کہا یہ آیت مکی ہے ۲ بعض نے کہا یہ آیت مدنی ہے کیونکہ اس میں جہادِ کفار کا حکم دیا جا رہا ہے جو بعد ہجرت ہی جاری ہوا ہے اور بعد ہجرت کی سب سورتیں آیتیں مدنی کہلاتی ہیں۔ پہلے قول والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ یہاں جہاد سے مراد جہادِ کفار نہیں بلکہ جہاد بالنفس ہے، دوسرا قول درست ہے جہاد کی قسم و نوعیت میں چار قول ۱ اس سے جہاد بالکفار مراد ہے ۲ جہاد بالاشرار و فساق مراد ہے ۳ نفس و شیطٰن سے جہاد مراد ہے ۴ ہر قسم کا جہاد مراد ہے۔ یہی قول درست ہے۔ فی اللّٰہ کے معنیٰ میں دو قول ۱ بعض نے کہا فی اللّٰہ کا معنیٰ ہے اللّٰہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے خالص نیت سے اللّٰہ تعالیٰ کے لیے جہاد کرو یعنی دین اسلام کی حمایت اشاعت و سربلندی کے لیے دامے قدمے، سخنے علمی قولی جہاد کرو۔ دونوں قول درست ہیں، حَقَّ جِهَادِهٖ میں پانچ قول ۱ بعض نے کہا کہ جہاد کا حق یہ ہے کہ اس کے لیے ظاہری بھی مکمل تیاری اور باطنی بھی پوری تیاری، ہو ظاہری لشکر، ہتھیار ساز و سامان والی، باطنی تیاری یعنی دل گردے کی ہمت جرأت جسمانی قوت سپہ گری کا طریقہ، جنگ کرتے ہتھیار اٹھانے چلانے کا ہنر جنگی چالیں سیکھنے والی تیاری بھی حقِّ جہاد ہے ۲ بعض نے کہا کہ ظالم و جابر کے سامنے کلمۂ حق بلند کرنا حقِّ جہاد ہے ۳ بعض نے کہا کہ کسی بھی دینی کام اور اشاعتِ دین میں کسی جبر ظلم۔ یا لعن طعن ملامت گالی گلوچ، زحمت مصیبت سے نہ ڈرنا نہ گھبرانا حقِّ جہاد ہے ۴ بعض نے کہا کہ کفار و فساق پر تلوار یا زبان قلم اور قلبی نفرت سے سختی کرنا حقِّ جہاد ہے ۵ بعض نے کہا کہ ہر جہاد و قتال کو فی سبیل اللّٰہ بنا دینا ہی حقِّ جہاد ہے تاکہ نیت خراب کر کے عمل برباد نہ کر دیا جائے۔ حَرَجٍ میں تین قول ۱ بعض نے کہا کہ حَرَج کا معنیٰ ہے تنگی و سختی یعنی اسلام کے کسی حکم میں نہ تنگی ہے نہ سختی نہ جبر ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے کہ سابقہ امتوں کی طرح مسلمانوں پر کسی عمل میں مشقت نہیں بلکہ زبانی توبہ کفارے، دیت اور بے شمار علمی رخصتوں کے سبب اور ذریعے بہت سہولت ہے ۳ بعض نے کہا کہ حَرَج کی نفی کا معنیٰ ہے اسلامی عبادت میں تین چیزوں کی بہت سہولت دی گئی ہے، اوقات، مقامات، تواریخ کی سب قول

marfat.com

درست ہیں کیونکہ اسلام میں ہر طرح نرمی ہے۔ مِلّت کے معنیٰ میں چار قول ۱ بعض نے کہا کہ یہاں مِثلیت و مشابہت مراد ہے یعنی دینِ اسلام آسانی اور وُسعت میں مِلّتِ ابراہیمی کی مثل ہے ۲ بعض نے کہا یہاں مطابقت مراد ہے یعنی مِلّت ابراہیمی ہی دین اسلام ہے پہلے جس کا نام ملتِ ابراہیم تھا اب اُس کا نام اسلام ہے۔ اصُول بھی وہی فروع بھی وہی ۳ بعض نے کہا کہ مِلّت کا معنیٰ صرف فروعی احکام ہیں یعنی فرض واجب مستحبات کے عمل ۴ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے سنّتِ ابراہیم اور مستحبّات و عملیاتِ ضروریہ۔ اَبِیْکُمْ میں تین قول ۱ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے اہلِ عرب کے جَدِّ اعلیٰ اباؤ اَجداد کے اصل ۲ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے تم سب کے پسندیدہ شخصیت ۳ بعض نے کہا کہ اَبِیْکُمْ فرمانا نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے اس لیے کہ ابراہیم علیہ السّلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جَدِّ اعلیٰ ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اُمت کے لیے مثل باپ ہیں اِس نسبت سے حضرت ابراہیم ساری امت کے اَبُو ہوئے۔ هُوَ سَمّٰكُمُ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ ہُوَ ضمیر کا مرجع ابراہیم ہے یعنی ابراہیم علیہ السّلام نے تمہارا نام مسلمان رکھا مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ آیت کے سیاق وسباق کے خلاف ہے سیاق میں اِس هُوَ کا تعلق هُوَ اجْتَبٰكُمْ اور وَمَا جَعَلَ کے مرجعوں سے ہے وہاں اللہ تعالیٰ تو یہاں بھی اللہ تعالیٰ مرجع ہے اور سیاق میں اس کا تعلق مِنْ قَبْلُ وَفِيْ هٰذَا سے ہے، مِنْ قَبْلُ یعنی توریت انجیل وصحیفوں میں بھی فرمانے والا اللہ تعالیٰ اور فِيْ هٰذَا یعنی قرآنِ مجید میں بھی رب تعالیٰ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام سے یہ نام رکھنا کہیں ثابت نہیں اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۲۸ میں ابراہیم علیہ السّلام کی یہ دعا کہ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ۔ یہاں لَكَ کا لفظ بتا رہا ہے کہ یہ نام رکھنا نہیں بلکہ مسلم کا لغوی معنیٰ مراد ہے یعنی تسلیم ورضا کا سر جھکانا ۲ بعض نے فرمایا کہ هُوَ کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ یہی قول درست بلکہ حضرت اُبَیِ ابنِ کعب کی قرأت ہی یہ ہے کہ اَللّٰهُ سَمّٰكُمْ۔ شَهِيْدًا میں دو قول ۱ بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم بروزِ قیامت خود اپنی گواہی دینگے اور اُس دن آپ کی خصوصیت ہوگی ۲ بعض نے کہا کہ یہاں شَهِيْدًا کا معنیٰ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تا قیامت تمام اُمت کے اعمال کا مشاہدہ فرمانے والے ہر جگہ حاضر وناظر اس قول کی تین دلیلیں پہلی یہ کہ سورۃ اسریٰ کی آیت میں ۱ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کو آسمانوں زمینوں کی تمام آیاتِ کبریٰ کے لیے سَمِیْعٌ وَبَصِیْرٌ فرمایا گیا

marfat.com

دوم یہ کہ بخاری مسلم اور مسند احمد کی ایک حدیث پاک ہے کہ مجھ کو عالم برزخ میں بھی ہر ہفتہ اپنی اُمت کے سب اعمال دکھائے جاتے ہیں اور میرے سامنے پیش کئے جاتے ہیں، سوم یہ کہ مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں اپنی اُمت کے درود شریف اور سلام خود سنتا ہوں اور مجھے پہنچائے بھی جاتے ہیں دونوں قول درست ہیں کیونکہ نبی اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دنیا میں بھی شہید بمعنی حاضر و ناظر ہیں اور آخرت میں بھی شہید یعنی خود اپنے گواہ ہیں عَلَيْكُمْ میں دو قول ۱ بعض نے کہا کُمْ ضمیر کا مرجع صرف صحابہ ہیں مگر یہ قول غلط ہے ۲ بعض نے کہا کہ اس کا مرجع تمام مسلمان تا قیامت ہیں، یہی قول درست ہے هُوَ مَوْلٰكُمْ میں دو قول ۱ مولیٰ کا معنیٰ ہے تمہاری جان مال آل اولاد کا ناصر مددگار ۲ بعض نے فرمایا کہ مولیٰ کا معنیٰ ہے تمہارے تمام امور کا متولّی والی وارث محافظ دونوں قول درست ہیں۔

فائدے ان آیتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں پہلا فائدہ اگرچہ قرآن مجید میں کئی جگہ ذکر ہے کہ پہلی اُمتوں اور اُن کے انبیاء علیہم السلام نے اَسْلَمْتُ اَسْلَمْنَا لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ کے الفاظ عرض کئے مگر وہ لغوی معنیٰ میں تھے یعنی قلب و زبان سے مان لینا، سرِ تسلیم خم کرنا اُن لفظوں سے ان کا نام مسلمان نہ ہو گیا نہ اُن کے دین کا نام اسلام ہوا۔ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ اور لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا صرف اُمتِ مصطفیٰ کی شان ہے۔ نیز اُن پہلوں نے خود اپنے آپ کو اَسْلَمْتُ، اَسْلَمْنَا اور اُمَّةً مُّسْلِمَةً تو کہا رب تعالیٰ نے ان کو مسلم نہ کہا لیکن یہاں سَمّٰكُمْ خود رب تعالیٰ نے فرمایا۔ یہ فائدہ یہاں چار فرمودہ دلائل سے حاصل ہوا۔ دلیل اوّل هُوَ اجْتَبٰكُمْ یعنی جن کا نام مسلمان رکھا گیا وہی مسلمان اِجتباءِ الٰہی میں لائے گئے۔ دلیل دوم وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ یعنی آسانیاں صرف اِس اُمت کو ملیں جس کا نام مسلمان رکھا گیا۔ دلیل سوم وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ یعنی جس اُمت کا نام مسلمان رکھا گیا ہے صرف وہی بروزِ قیامت گواہ عَلَى النَّاسِ ہوگی اور وہ صرف اے اُمتِ مصطفیٰ تم ہو۔ دلیل چہارم جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ یعنی اب جہاد کا حکم صرف اُن کو ہے جن کا نام مسلمان ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت ہے، سورۂ فتح کی آیت ۲۹ میں ہے۔ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ۔ یہ ذکر بھی مسلمانوں کا ہی ہے

marfat.com

دوسرا فائدہ۔ مسلمان اُمت کو نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے صدقے اور طفیل میں رب تعالیٰ کی طرف سے چار ایسی نعمتیں ملیں جو کسی کو پہلے نہ ملیں ۱۔ قیامت میں تمام انبیا علیہم السّلام کا گواہِ تصدیق بننا ۲۔ دین میں بے شمار سہولتیں ملنا بابِ عذاب بند۔ بابِ رحمت کھلا رہنا ۳۔ جَاهِدُوا کا حکم اور اس دینی خدمت کے لیے اِجْتِبَاءِ الٰہی کا فراز و اکرام تا قیامت ملنا ۴۔ دعا مانگنے کا حکم اور قبولیت کا وعدہ ملنا چنانچہ سورۃ غافر کی آیت ۶۰ میں ارشاد ہے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ یہ فائدہ جَاهِدُوْا کو جمع حاضر فعل امر فرمانے سے حاصل ہوا۔ جَاهِدُوْا اگر جُهْدٌ سے مشتق ہے تو معنیٰ ہے کہ وسعت اور طاقت سے جہاد کرو اور اگر جَهْدٌ سے ہے تو معنیٰ ہے کہ مشقت محنت و مبالغے سے جہاد کرو۔ تیسرا فائدہ اسلام، ایمان اور مومن و مسلمان اور کافر و گمراہ کا فرق یہ ہے کہ زبانی و قلبی دینِ ربانی کو مان لینا اسلام ہے۔ اور عملی طریقے سے ماننا ایمان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی ہر بات ماننے والا مسلمان اور سب باتوں پر عمل کرنا مومن ہونا ہے پھر مومن وہ ہے جس کی نیت بھی صحیح ہو طریقہ بھی صحیح ہو۔ کافر وہ ہے جس کی نیت صحیح ہو مگر طریقہ غلط ہو، گمراہ وہ ہے جس کی نیت غلط ہو طریقہ صحیح ہو۔ مثلاً دودھ کا مزہ لینے کے لیے زبان سے چکھنا یہ مومن کی مثال ہے کہ نیت بھی جائز طریقہ بھی درست لیکن دودھ چکھنے کے لیے دودھ کو آنکھ ناک یا کان سے لگائے رکھنا یا دودھ میں انگلی ڈبو دینا سارا دن کٹے رہو دودھ کا مزہ نہ آئے گا یہ کافر کی مثال ہے۔ اور حرام چیز کو زبان سے چکھنا یہ گمراہ کی مثال ہے کہ نیت غلط طریقہ درست۔ لہٰذا رضاءِ الٰہی کا ارادہ ہو تعلیم نبوی کا طریقہ ہو تو بندہ مومن ہے اور اگر رضاءِ الٰہی کی نیت و طلب ہو مگر تعلیم نبوی سے دور و نفور تو بندہ کافر ہے، اور اگر گستاخیِ نبوت کے لیے دین کا علم پڑھے پڑھائے جلسے کرے مدرسے مسجدیں بنائے تبلیغیں کرے تو وہ آدمی گمراہ کیونکہ کام اچھا مگر نیت بد طریقہ برا۔ یہ فائدہ هُوَ سَمّٰكُمْ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اس آیت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ پہلا مسئلہ۔ ہر مسلمان کو تاعمر اس چیز کا خیال رکھنا چاہیے کہ رب تعالیٰ جس بندے کو منتخب فرمالے اُس خوش قسمت کی ذمہ داریاں بہت بڑھ جاتی ہیں لہٰذا شرعی قوانین میں وہ شخص اپنے آپ کو زیادہ جکڑا ہوا بندھا ہوا سمجھے، دنیا میں کسی کا عالم فقیہ محدث مفسر مفتی قاضی خطیب امام، پیر، پیرزادہ سجادہ نشین بن جانا بلکہ

marfat.com

غوث و قطب و ولی بنانا یہ سب اللہ تعالیٰ کے چناؤ کا انتخاب ہیں جو اسلامی ذمہ داریاں اور شرعی اعمال کرنے کی قیود و پابندیوں میں اس منتخب کو جکڑ رہے ہیں اس لیے کوئی شخص اس اسلامی جاہ و مرتبے کو دولت کمانے کا یا پیری مریدی سجادہ نشینی کو دنیوی عیاشی کا ذریعہ نہ سمجھے ورنہ قیامت میں بڑی مار پڑے گی۔ یہ مسئلہ هُوَ اجْتَبٰكُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اجتبا کی وجہ سے ہی۔ اِرْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا، وَاعْبُدُوْا۔ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ۔ وَجَاهِدُوْا۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ کی یہ آٹھ عظیم و زبردست ذمہ داریاں یا بندیاں مسلمانوں پر پڑ گئیں تو جو مسلمان گمراہی سے دور ہو کر تاعمر نہایت احترام و اہتمام سے اِن ذمہ داریوں کو پابندی سے نبھائے پورا کرے تو دنیا و آخرت میں اُس کو آٹھ ہی انعامات و اعزازات کرامات کے لیے چن لیا جائے گا۔ اوّل۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ۔ دوم مِلَّةَ اَبِيْكُمْ۔ سوم۔ هُوَ سَمّٰكُمْ۔ چہارم مِنْ قَبْلُ۔ پنجم۔ وَفِيْ هٰذَا۔ ششم۔ لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ۔ ہفتم۔ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ۔ ہشتم۔ هُوَ مَوْلٰكُمْ کے انعامات بھی اِجْتَبٰكُمْ، کی وجہ سے ہی ملے

دوسرا مسئلہ۔ تبلیغِ احکام کے لیے قانونِ شریعت یہ ہے کہ قانون سنانے سے پہلے قانون والے کا تعارُف کرایا جائے اور اس کا مرتبہ مقام اُس کی شفقت شوکت، قوت و اختیار بتایا جائے، کیونکہ تعارف سے ہی محکوم کے دل میں حاکم کے حکم ماننے کا ذوق، شوق، یا خوف پیدا ہوتا ہے ادب و احترام و اہتمام کا جذبہ بھی بندے کے دل میں تعارُف سے ہی پیدا ہوتا ہے تعارف کی بدولت ہی عامل کثرت سے حلقہ بگوش ہوتے جاتے ہیں اور عمل و خلوص زیادہ ہوتا ہے اگر حکم والے کا تعارف نہ کرایا جائے تو کوئی بھی حکم ماننے پر نہ دل سے مائل ہوتا ہے نہ جسم سے تیار ہوتا ہے اور بیسیوں سال کی تبلیغی محنت روزِ اوّل کی طرح بیکار رہتی ہے، یہی فرق ہے سُنّی تبلیغ اور وہابی دیوبندی تبلیغ میں کہ اہل سنت کے علما حکم سنانے سے پہلے حکم والے اللہ تعالیٰ و رسول کا تعارُف کراتے ہیں اور حمد و نعت کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی نعمتیں قدرتیں اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا اور قبر و حشر میں رحمتیں شفقتیں شفاعتیں سناتے ہیں مگر وہابی لوگ اس حمد و نعت سے جلتے مرتے ہیں تو اس کا نتیجہ سب کے سامنے ہے تبلیغ کا یہ صحیح طریقہ ہمیں اِس آیت نے سکھایا یہ مسئلہ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ کو پہلے فرمانے کے بعد فَاَقِيْمُوْا (الخ) کے تمام احکام بیان فرمانے سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے مِلّت کو اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ کی طرف نسبت فرما کر حکم ماننے کا ایک ذوق شوق اور ملت کا ادب و احترام لوگوں کے دل میں پیدا فرمایا، اسی لیے

marfat.com

علماءِ اہل سنت قرآنی بیان سے شریعت والے مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف کراتے ہیں پھر ان کا حکم سناتے ہیں۔ لیکن فضلاءِ وہابیت اپنی سفری حضری تبلیغوں میں احکام تو سناتے ہیں کلمہ تو پڑھاتے ہیں مگر کلمے کلام والے آقاءِ سرکار کا تعارف نہیں کراتے۔ تاج و تختِ ختم نبوت زندہ باد تو کہتے ہیں مگر تاجدارِ ختم نبوت زندہ باد نہیں کہتے۔ تلاوت کے بعد صَدَقَ اللّٰہ تو پڑھتے ہیں مگر وَصَدَقَ رَسُوْلُہٗ الْکَرِیْم نہیں کہتے اَللّٰھُمَّ صَلِّ تو کہتے ہیں مگر وَسَلِّمْ نہیں کہتے۔ اِس کا اُخروی انجام۔ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ۔ تو قرآنِ مجید نے سنایا اور دنیوی انجام مشاہدات نے دکھایا کہ سُنّیوں کی ہر مسجد میں عزت اُن کی ہر دروازے پر ذلت کام ایک ہی ہے مگر طرزِ طریق میں فرق مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ فرما کر رب تعالیٰ نے مسلمانوں کو تبلیغِ دین کا طریقہ بھی سکھایا ہے۔ تیسرا مسئلہ قانونِ شریعت یہ ہے کہ جو حکم اوّلاً کسی کمزوری یا شک شبہ کی وجہ سے بنایا گیا ہو اُس کو اتنا مضبوط و مستقل بنا دیا جاتا ہے کہ اگر کسی میں وہ کمزوری یا شک شبہ یقیناً کبھی نہ پایا جائے پھر بھی وہ قانونی شرعی حکم برقرار رہے گا۔ مثلاً سونے والے کے وضو ٹوٹنے کا قانون اس لیے بنا تھا کہ نیند میں جسم ڈھیلا ہونے سے ریح نکلنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ مگر یہ قانون اتنا محکم و مضبوط بن گیا کہ نیند میں ہوا نکلے یا نہ نکلے یا کسی کی ہوا ناقضِ وضو ہو یا نہ ہو سوتے ہی جسم ڈھیلا ہوتے ہی وضو ٹوٹ جائے گا۔ اس طرح مدّعِی سے گواہی اور مُدّعیٰ علیہ سے قسم لینے کا قانون اس لیے بنایا گیا تھا کہ مدّعی یا مدّعیٰ علیہ کسی بھی دعویٰ مقدمے میں جھوٹ نہ بول سکیں اس شک و شبہ کی وجہ سے سچّائی ظاہر کرنے کے لیے گواہی اور اگر گواہی نہ ہو تو مدّعیٰ علیہ سے قسم کا حکمِ شرعی مقرر کیا گیا تھا۔ مگر یہ قانون اتنا مضبوط بنا دیا گیا کہ فقط مدّعی ہونے سے ہی اُس پر گواہی لازم اور مدّعیٰ عَلَیہ ہونے سے ہی مدّعِی کی طرف سے گواہی نہ ہونے کی صورت میں مدّعیٰ علیہ پر قسم لازم اگرچہ مدّعی و مدّعیٰ علیہ میں کذب کا شک و شبہ قطعاً نہ ہو۔ یعنی مدّعِی و مدّعیٰ علیہ اولیاءِ محفوظین میں سے ہوں یا انبیاءِ معصومین میں سے جہاں کذب مشکل ترین اور محال بالعصمت ہوتا ہے مگر ان مدّعی و مدّعیٰ علیہ سے بھی مقدمے کی گواہی طلب کی جائے گی دنیا میں بھی۔ جیسے کہ ایک بار اونٹ کی خریداری کے تنازعے میں گواہی کی ضرورت پڑی تو ایک صحابی حضرت خزیمہؓ نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے لیے گواہی دی، اور آخرت میں بھی جیسے کہ انبیاءِ علیہم السّلام کی تائید میں اُمّتِ مسلمہ کی گواہی طلب کی جائے گی جو قبول ہوگی یہ مسئلہ

marfat.com

وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا کہ نِعْمَ الْمَوْلٰی معتزلہ فرقہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ صرف خالق خیر وایمان ہے خالق شر اور خالق کفر نہیں ہے۔ اہل سنت کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے، خیر وشر کا بھی کفر و ایمان کا بھی، یہاں معتزلہ کہتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہی کافر میں کفر اور فاسق میں فسق شر میں شر پیدا کیا ہے تو پھر کافر وفاسق کو عذاب وسزا کیوں۔ اس طرح تو یہ بڑا ظلم ہوا کہ خود ہی کافر وفاسق میں کفر وفسق پیدا کر دیا پھر خود ہی عذاب وسزا دیدی ایسا کرنے والا تو نِعْمَ الْمَوْلٰی نہیں بلکہ بِئْسَ الْمَوْلٰی ہے۔ **جواب**۔ اللہ تعالیٰ کفر وفسق کو بھی پیدا فرماتا ہے خیر وشر کو بھی زہر وتریاق کو بھی حلال وحرام کو بھی ہر چیز کا وہی ایک خالق ہے۔ مگر کافر وفاسق اسباب کے مجرم ہیں کہ انہوں نے کفر وفسق کو اپنے وجود میں داخل کر لیا رب تعالیٰ نے کفر کو پیدا فرمایا لیکن کافر میں کفر فاسق میں فسق آنا یہ رب تعالیٰ کا کام نہیں، یہ کافر وفاسق کا اپنا کام ہے۔ دیکھو اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو بھی پیدا کیا زہر کو بھی اور ہر بندے کو قرآن وحدیث وعلما اولیا وحکما اطباء کے ذریعے بتا دیا گیا کہ یہ کفر ہے یہ فسق یہ حلال یہ حرام یہ زہر یہ تریاق اس کا یہ نفع اس کا نقصان اب بندوں کا کام ہے کہ وہ کفر فسق کرنے زہر وخنزیر کھانے سے بچیں۔ رب تعالیٰ چاہتا ہے کہ ہر بندہ ان سب نقصان دہ چیزوں سے بچے اس لیے وہی نِعْمَ الْمَوْلٰی ہے اُس نے بچانے کے لیے انبیاء علیہم السلام بھیجے اس لیے نِعْمَ النَّصِیْرُ ہے۔ **دوسرا اعتراض** یہاں فرمایا گیا۔ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے دین اسلام میں تم پر کوئی سختی تنگی نہ ڈالی حالانکہ اسلامی قانون بڑے سخت اور سزائیں بڑی شدید ہیں کوئی معمولی چوری کرے تو ہاتھ کاٹے جائیں کوئی شادی شدہ زنا کرے یا کرائے تو پتھروں سے رجم کی ہلاکت، کوئی جان بوجھ کر فرضی روزہ ماہ رمضان میں توڑ دے تو کفارے میں مسلسل دو ماہ کے ساٹھ روزے رکھنے کی سزا وغیرہ وغیرہ یہ سب کچھ اسلام کی سختیاں اور حرج ہی ہیں پھر یہ فرمانا کہ دین میں حرج نہیں کیونکر درست ہے (بعض بے دین وگمراہ لوگ)، **جواب** یہاں حرج سے مراد وہ سختیاں ہیں جو سابقہ اُمتوں کے ہر فرد پر ہر وقت لازم وواجب تھیں جن کو علی عبادات میں شامل کیا گیا تھا۔ اسلام میں وہ سختیاں نہیں اور اسلام کی عبادتیں اور اعمال سخت نہیں بہت آسان ہیں مثلاً پہلی شریعتوں میں ایمان والوں

marfat.com

پر جنگ فرض تھی مگر مالِ غنیمت لینا برتنا حرام تھا، قربانی واجب مگر اس کا گوشت کھانا ممنوع تھا۔ کوئی شخص اپنا کپڑا پلید کر دیتا تو دھو کر پاک نہیں کر سکتا تھا اتنا پلید حصہ کاٹ کر پھینک دینا واجب تھا۔ عبادت کے لیے صرف مقررہ عبادت گاہ جانا لازم تھا ہر جگہ عبادت جائز نہ تھی قسم سے چھٹکارا بذریعہ کفّارہ نہ ہو سکتا تھا یا قسم پوری کرو یا عذابِ آسمانی یا اُخروی یا عذاب برزخی پاؤ۔ شرک سے زبانی سچی توبہ کافی نہ تھی بلکہ اپنے کو قتل کے لیے پیش کرو عذاب کفر کا دروازہ ہر وقت کھلا رہتا تھا مگر اسلام میں ایسی کوئی سختی نہیں۔ کفارے اور زبانی سچی توبہ کے جواز سے نرمیاں ہو گئیں۔ معترض نے جن باتوں کا ذکر کیا ہے وہ عبادات کی عملی کیفیت نہیں بلکہ جرم کی قانونی سزا ہے اس لیے ہر شخص پر نہیں صرف مجرم پر ہے۔ اور سخت سزا سے ہی جرم کی جڑ کٹ سکتی ہے اور شرفا کا تحفظ ہوتا ہے۔ اس لیے دین اسلام میں حرج کی نفی بالکل برحق ہے۔ **تیسرا اعتراض** یہاں مِلَّةَ اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيْمَ کیوں فرمایا گیا صرف مِلَّتَ اِبْرٰهِيْمَ فرمایا جاتا اس لیے کہ کُمْ ضمیر میں تو تا قیامت ساری اُمّتِ مُسلمہ شامل ہے اور سب سے خطاب ہے لیکن ابراہیم علیہ السلام ساری امت کے باپ نہیں ہیں۔ **جواب** دراصل یہاں نسبی قرابت کو ایمانی و روحانی قرابت سے جوڑا جا رہا ہے نبی کریم آقاءِ کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنی تمام اُمت کے ایمانی و روحانی باپ و مُربّی ہیں۔ اور ابراہیم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے نسبی جَدِّ اعلیٰ باپ اس نسبتِ محمدی سے ابراہیم علیہ السلام ہم سب اُمت کے ایمانی روحانی باپ وجدِّ اعلیٰ ہوئے یہ گویا کہ حکم سنانے سے پہلے حکم والے کی شفقت و محبت کا تعارف کرایا گیا۔ اس لیے اَبِيكُمْ اِبْرٰهِيْمَ فرمانا ہی درست ہے، دو اور وجہ بھی بیان کی گئی ہیں مگر یہی وجہ سب سے زیادہ درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَجَاهِدُوْا فِى اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَفِىْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ۔ اے اقرار و تصدیق کے ایمان والو اپنے اللہ تعالیٰ کی معبودیت میں قلبِ قبول و جسم وجود و رُوحِ سرور سے جہاد و اجتہاد کرنے میں اس طرح لگ جاؤ کہ عقل و علم سانس و لسان اور حالِ عمل سے جہاد بالنفس کا حق ادا ہو جائے اور تمہاری

marfat.com

اَنانیتِ ذات وصفات میں کوئی غیر اللہ نہ رہے۔ یہی ہے جہاد فی اللہ عبادت لِلّٰہ اور عبدیت بِاللّٰہِ حَقَّ جِہَادِہٖ نفس وشیطن سے وجودِ بشریت کو بچانا ہے اَنانیت کو مٹانا ہے۔ جہاں اَنا باقی وہاں حَقَّ اجتہادِہٖ نہیں ہو سکتا اس لیے کہ جہاد فی اللہ کلیۃً فناءِ صفات کا نام ہے اس طرح کہ نہ بندے کی اَنا رہے نہ اَنا کا اثر عابد لِلّٰہِ مثلِ تخم ہے اور عبادت مثلِ شگوفہ سجدہ ریزی مجاہدے کی زمینِ عجز میں خود کو گم کرتا ہے، جب وجودِ عابد فنا ہوتا ہے تو عبادت کے شگوفے کا ظہورِ بقا ہوتا ہے۔ اے عابدینِ معرفت وقابلینِ اجتہاد ھُوَ اجْتَبٰکُمْ۔ اُس مولائے قدیم نے تم کو وجودِ حقانی کے لیے چن لیا پس تم بھی غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کرو، اپنی عبدیت کو ظاہر کر کے حیاتِ دنیوی کی ساری اُلفتیں اُسی ذاتِ کریم سے وابستہ کر دو، کیونکہ اُس ذاتِ اقدس نے اپنے دینِ عرفانی میں تم پر کسی الفت میں کلفت اور کسی عبادت میں مشقت نہ بنائی نہ کوئی تنگی ڈالی۔ لہٰذا جب تک وجودِ عابد باقی ہے اُس وقت تک ہر عبادت قائم ودواجب، عبادت کے قیام سے ہی عابد اپنے قلب وروح کی بقا پاتا ہے۔ جب تک نفسِ امارہ باقی رہے بندہ اپنی عقل وغرور میں مشغول رہتا ہے۔ اور بندۂ نفس نورِ توحید سے مستفیض ہو سکتا ہے نہ مقامِ تفرید پر مقیم ومتمکن ہو سکے نہ ہی عبادت میں روحِ تام پیدا ہو سکے نہ ذوقِ عام اور پھر جسم انسانی سے نہ کلفت غفلت، ضیقِ مشقت حرج مرض ختم ہو سکے، لیکن جب خوش قسمتی سے استقامۃِ نور میں تمکن آجائے اور محبت تامہ۔ میں تصفیٰ اور اُلفت عامہ میں تجلّیٰ نمودار ہو جائے تو بندۂ قوتِ روح کی گنجائش پالیتا ہے پھر بہارِ مدینہ منورہ کی خوشبو آتی ہے اور فرمایا جاتا ہے مِلَّۃَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰھِیْمَ۔ اے عارفینِ الٰہی تمہارا مربّیِ حقیقی اور مورثِ اصلی، توحیدِ اکبر کا موحدِ اول واعظم ہے۔ مولیٰ تعالیٰ نے اُس مرشدِ کامل کی ملتِ ہدایت کو تمہارے لیے خاص کر دیا۔ اور تم کو اس کے لیے خالص کر لیا۔ یہ مربیِ ابوت ہر اہلِ توحید کو فیضِ وحدت پہنچانے والے ہے اس لیے ہر موحد اُس موحدِ اعظم ومرشدِ اول کے لیے مثل اولاد ہے۔ اے راہ روانِ منزلِ عشق اُسی رب تعالیٰ مولیٰ تعالیٰ نے تمہارا نام بندگانِ تسلیم ورضا میں شامل فرما کر مسلمان رکھ دیا ہے۔ تم ہی اُس مقامِ نیاز پر ہو جنھوں نے سپرد کر دیا اپنی ذات کو فنا فی اللہ کے لیے اللہ کی طرف اور تم کو علمِ اسلام سے نوازا مِنْ قَبْلُ۔ علومِ اولین سے بھی بذریعہ قرآن مجید اور علومِ آخرین سے بھی بذریعہ حدیثِ مقدسات وَفِیْ ھٰذَا

سے مراد علوم احادیث ہیں یعنی تم کو قرآن مجید نے علماء بنا دیا اور احادیث نے فقہا بنا دیا تاکہ سارے جہان میں وہ رحمۃ عالمین مشاہد کاملین تمہاری توحید کے محافظ ایمان کے معاون اعمال کے ہادی مقام بقا کو ابدیت بخشنے والے شہید اور امین حاضر و ناظر گواہ ہو جائیں، اور ان کی فیضان نظر سے تم بھی پوری انسانیت حق و باطل کے گواہان صادقین بن جاؤ ان کو ان کے مقامات علیا کی تکمیل ہونے کی اطلاع دے کر اور ان کے مراتب عظمت کی نشاندہی کر کے، اور جو خوش بخت درس گاہ رسالت میں آنا چاہیں ان کو توحید و رسالت کے انوار کا فیض پہنچا کر۔ فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰىكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ تو اے توحید انسانیت کے گواہ بننے والے مسلمانو بارگاہ رسالت تک حضوری شہود و رسائی قبول حاصل کرنے کے لیے شہود ذات کی نماز قائم کر لو کیونکہ تم اپنے مقام کی اشرفیت اور مفاسد کی عزت کے کنارے پر ہو اے باہمت مسافرین راہ معرفت پر فیض روحانی کی زکوٰۃ اور تزکیۂ قلب و روح کی خیرات ادا کرو۔ طالبین بصارت و سائلین بصیرت کی تربیت کے صدقات بانٹو کیونکہ، بے شک یہی تمہارے لیے تمہارے حال و انعام کا شکریہ و مقام کی عبادت ہے اور قرب ربانی و احکام الٰہی کی بارگاہ کو اس طرح ارشاد میں چلنے کے لیے مضبوطی سے منتخب قیام بنا لو اس طرح کہ اپنے نفسوں سے نہ دیکھو بلکہ روح و قلب سے دیکھو اور اپنے آپ کو اخلاق اللہ سے مزین کر لو۔ حقیقۃً مقام استقامت میں وہی تمہارا مولیٰ ہے اور امداد دائمی و نصرت ابدی کے ساتھ رشد و ہدایت کی راہ میں وہی تمہارا ناصر ہے فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ تم ہی خوش نصیب ہو کہ اچھا پالیا تم نے وہ مولیٰ جو نیست و ہست اور موت و حیات فنا و بقا میں وہی محافظ ہے اور اچھا مان لیا تم نے اپنا نصیر کیونکہ ظاہر و باطن اور دنیا و آخرت میں وہی سب توفیقیں بخشنے والا ہے (ابن عربی) آقائے کائنات حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا ایک فتح مند لشکر سے واپسی پر یہ فرمانا کہ قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلٰى جِهَادِ الْاَكْبَرِ۔ اس حدیث مقدس سے ثابت ہوتا ہے کہ مرید طالب کے لیے مجاہدۂ نفس کی کامیابی شیخ کامل و اکمل کی صحبت سعادت سے ہے کیونکہ جب وہ حضرات صحابہ کفار کی جنگ سے واپس خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تب انہوں نے صحبت پاک کی برکت سے اکتساب فیض کیا اور نبی کریم رؤف و رحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے انوار کی

marfat.com

شعاعوں سے صفائیٔ قلب و فنائیٔ نفس حاصل کی اور تبوک کے مجاہدین سے فرمانا وَجَعَلْنَا یعنی جمع متکلم میں خود کو شامل فرما لینا اس کا معنیٰ یہ ہے کہ اگرچہ تم میرے ساتھ میری صحبتِ بابرکت میں ہی اتنا عرصہ رہے ہو مگر اُس وقت ہم سب عملاً جہادِ اصغر یعنی قتال کفار و مقاتلۂ اعداءِ ظاہری کی حالت میں مشغول تھے اور ہماری ہمتوں کی توجہ مدافعۂ کفار میں تھی لیکن جب اُس جہاد اصغر سے فارغ ہوئے تو ہر قدم پر اصغر سے اکبر کی طرف رجوع ہو گیا اور مسافرتِ راہِ مدینہ منورہ سے اِقَامَۃ شہرِ مدینہ طیبہ تک صحبت اقدس کے ہر لمحے میں اقتباس انوارِ نبی و اکتسابِ مسالمِ آثارِ رسالت و تحصیلِ علومِ ظاہری باطنی میں بارگاہِ نبوت سے لینے ہیں ان سب صحابہ کی ہمتیں مشغول ہو گئیں تب مجاہدۂ نفس و تذکیہ قلب شروع ہو گیا اور توجہ نبوی و تحملِ صحابہ کا تعلق پھر شروع ہو گیا۔ یہی کیفیت مرید و شیخ کی ہوتی ہے اصل محبت توجہ کا نام ہے (مظہری) جہادِ اکبر بدنِ باطنی میں ہوتا ہے اس جہاد میں لشکرِ اعداء نفسِ امّارہ ہے اس کا سالار ابلیس ہے جہاد بالنفس یہ ہے کہ اداءِ حقوق اللہ کی تلوار سے تذکیۂ نفس کیا جائے اور لشکرِ ایمانی قلبِ مومن اور اراداتِ قلب ہیں اس کا جہاد تغیرات کا خاتمہ اور کونین سے قطع تعلق مومن کی روح قلعۂ عرفان و خزانۂ ایمان ہے روح کا جہاد یہ ہے کہ خالق میں وجود مخلوق کو فنا کر کے زیورِ بقا سے مزین کرنا، ان ہی کرامات کے لیے هُوَ اجْتَبٰكُمْ چن لیا تم کو اُس کریم نے تمام بحر و بر میں سے۔ اگر یہ اجتباءِ روحانی نہ ہوتا تو کبھی بھی روحِ معلیٰ کو سیر معرفت کی ہدایت نہ ملتی۔ اس رب تعالیٰ نے اس الفت و عشق میں تم پر کوئی رکاوٹ نہ ڈالی حدیث قدسی میں ہے جو بندہ میری طرف ایک بالشت چلتا ہے میں اُس کی طرف ایک ذرع دگنی چلتا ہوں بندے کا چلنا محبت الٰہی ہے ہر گز میں تین بالشت ہوتی ہیں یہاں پہلی بالشت میں توفیقِ سابقہ دوسری میں سعادتِ وسطیٰ تیسری میں قبولیتِ کُلیہ ہے اے بندۂ عارف سیر الی اللہ ملتِ ابراہیم اور سنتِ خلیل ہے۔ اسی کا ذکر سورۃ صافات کی آیت ۹۹ میں ہے اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ اس رب کریم نے تمہارا نام عالمِ ازل میں ہر فنا سے سلامتی والا رکھا اور فرقانِ ابدی میں بھی تمہارا نام سلامتیٔ قرب والا مقرر فرمایا تاکہ رسولِ مقدم و نبی مؤخر تمہارا مشاہدہ فرمائیں، اپنے محبوب کی نظر حضوری کے لیے تم کو چن لیا اُن کی گواہی کو تقدم اس لیے عطا فرمایا کہ اَوَّلُ مَاخَلَقَ اللّٰهُ الرُّوْحُ سے مراد روح مصطفیٰ ہی ہے پھر عالم ارواح کو پیدا کیا پھر ارواح

marfat.com

انبیا علیہم السلام کو پھر اَرواحِ اُمّتِ مصطفیٰ کو روحِ مصطفیٰ طرف ازل میں مقدم ہے اور وہی اُمّتِ مُسلمہ کو شرفِ سلامتی بخشنے والی ہے اور اَرواحِ امتِ مُسلمہ دیگر اَرواحِ طالبین کو شرف دینے والی ہیں اس آیت میں گواہیِ مصطفیٰ کو مقدم فرما کر اولیتِ ازلی مراد لیگئی ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت ۱۴۳ میں نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی گواہی کو بعد میں ذکر فرمانے سے **طرفِ ابدیت** کا اظہار ہے۔ یعنی ابتداءِ مخلوق آپ کی رسالت سے ہے اور انتہاءِ مخلوق آپ کی شہادت سے ہے۔ اے مسلمانو سیر الی اللہ کے عروج کی نماز قائم رکھو۔

اور دعوت اِلی اللہ کی زکوٰۃ دیتے رہو۔ آستانۂ **ربّانی یعنی** درِ محبوب کو مضبوطی سے پکڑے رہو یہاں تک کہ منزلِ قرب میں واصل باللہ ہو جاؤ۔ وہ رحیم تمہاری فنائیت کو قبول فرما کر نعم المولیٰ ہے اور تمہاری بقا کو قائم فرمانے والا نعم النصیر ہے جو بندہ آستانہ رحمت سے دور ہوا اس کا یہی وجودِ گناہ ہے۔ اے بندو ہر حال میں اللہ تعالیٰ سے تم سب تعلق و تعصم قائم رکھو کیونکہ وہی مولیٰ ہے۔ رب تعالیٰ کے بندوں پر تین کرم ہیں پہلے عمل کی توفیق اور آسانی پھر عمل کے سعادت ورو حانی پھر عمل کی قبولیت و مہربانی، ملتِ ابراہیم خزانۂ توحید ہے۔ صوفیا کے نزدیک ملت ابراہیم آٹھ چیزوں کا مجموعہ ہے ۱ اتخاذ فی اللہ ۲ خرچ فی سبیل اللہ ۳ حسنِ اخلاق ۴ مکارم عادات ۵ نفسِ امارہ کے جال سے نکلنا ۶ اپنے اہل کی اُلفت ۷ مال کی محبت ۸ اولاد کی شفقت سے عشقِ الٰہی کے لیے قلب کو خالی اور بچائے رکھنا۔ قلبِ مومن مثلِ کشتی ہے اور یہ اُلفت محبت شفقت آب دریا ہے اور

آب در کشتی ہلاکِ کشتی است ✿ آب اندر زیرِ کشتی پُشتی است

یہی اہل طریقت کی ملتِ ابراہیمی ہے، سیرِ الی اللہ راہِ جہاد ہے اور اس کی چار سٹرکیں ہیں ۱ جہادِ اعداء ۲ جہادِ نفس ۳ جہادِ شر ۴ جہادِ فساد، قولی شرارت کا نام شر ہے۔ عملی شرارت کا نام فساد ہے۔ سیرِ الی اللہ کا راہبر و مرشد ابراہیم خلیل ہے۔ تمت بالخیر۔

بحمدہٖ تعالیٰ آج مورخہ ۲۲ جمادی الاُولیٰ ۱۴۱۹ھ بروز پیر صبح گیارہ بجے ۱۴ ستمبر ۱۹۹۸ء کو یہ تفسیر پارہ سترہ مکمل تصنیف ہوا۔ ہم نے اس میں بائیس ۲۲ تفاسیر سے استفادہ کیا ۱ تفسیر کبیر رازی ۲ تفسیر روح المعانی ۳ روح البیان ۴ مظہری، ۵ قرطبی ۶ ظلال القرآن ۷ تفسیر فتح القدیر ۸ جلالین ۹ بیضاوی ۱۰ خازن ۱۱ ابن کثیر ۱۲ معالم ۱۳ نیشاپوری ۱۴ بیان القرآن ۱۵ مدارک ۱۶ ابن عربی ۱۷ تیسیر العیان ۱۸ لغات القرآن ۱۹ جامع البیان ۲۰ خزائن العرفان ۲۱ نورالعرفان، کتبِ نحو، کتبِ فقہ و اصولِ فقہ و کتب لغت منجد وغیرہ۔ تفسیر صاوی۔

marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	پہلا صفحہ ٹائٹل نام کتاب، نام مصنف نام ناشر۔	۱
۲	سورۂ انبیاء کے سات رکوعوں کی مختصر تفسیر اور فضائل وعملیات وتعویذ	۳
۳	اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ تا وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ از آیت ۱ تا آیت ۳	۱۲
۴	تعلقات شان نزول	۱۳
۵	تفسیر نحوی۔ ما نافیہ تین قسم کا ہے	۱۴
۶	سورۂ انبیاء کا تعارف	۱۶
۷	تفسیر عالمانہ	۱۷
۸	ہر انسان کو پانچ قوتیں عطا فرمائیں گئیں۔	۱۸
۹	حماقت کے تین درجہ ہیں۔	″
۱۰	مفسرین کے مختلف اقوال	۲۰
۱۱	مدلول قرآن تین چیزیں۔ فائدے	۲۱
۱۲	احکام القرآن	۲۲
۱۳	قرآن مجید میں غور وفکر کی تین قسمیں۔	
	اعتراضات	۲۳
۱۴	تفسیر صوفیانہ	۲۵
۱۵	اہل طریقت کے مسلک میں توحید وشرک کی چار قسمیں	۲۷
۱۶	از۔ قَالَ رَبِّیْ یَعْلَمُ الْقَوْلَ۔ تا اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ از آیت ۴ تا آیت ۷۔	۲۹
۱۷	تعلقات، شان نزول، تفسیر نحوی	۳۰
۱۸	بَلْ کا بیان اور قسمیں	۳۱
۱۹	تفسیر عالمانہ، کفار مکہ کی پانچ باتیں	۳۴
۲۰	لفظ بَلْ کے تین معنیٰ	۳۵
۲۱	خواب کی تین قسمیں ہیں اور ان کی تعریف	۳۶
۲۲	وحی الٰہی کی گیارہ قسمیں ہیں۔	۳۷
۲۳	ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال	۳۸
۲۴	فائدے۔ نبی کریم بھی سمیع وعلیم ہیں بعطاء الٰہی	۳۹
۲۵	شعر اور افتراء کا فرق اور ان کی قسمیں	″
۲۶	رجل مطلقاً صرف مذکر انسان کو کہا جاتا ہے۔ رجل کی تین قوتیں ہوتی ہیں احکام القرآن	۴۰

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷	اعتراضات	۴۱
۲۸	تفسیر صوفیانہ	۴۲
۲۹	اخلاق کا بیان اور اُس کی قسمیں	۴۵
۳۰	وَمَا جَعَلْنٰهُمْ جَسَدًا۔ تا۔ اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ از آیت ۸ تا آیت ۱۲	۴۵
۳۱	تعلقات	۴۶
۳۲	شانِ نزول، تفسیر نحوی، جسد جسم وجود میں فرق	۴۷
۳۳	حرفِ لَمّا کی تین قسمیں، تفسیر عالمانہ	۵۰
۳۴	انبیاء علیہم السلام کو انسان اور مرد بنانے کی حکمت۔	۵۱
۳۵	نزولِ قرآن مجید سے اہل عرب پر تین احسان ہوئے۔	۵۲
۳۶	اِذَا هُمْ مِّنْهَا يَرْكُضُوْنَ کا تفصیلی واقعہ	۵۳
۳۷	فائدے۔ احکامُ القرآن	۵۴
۳۸	اعتراضات	۵۵
۳۹	تفسیر صوفیانہ، ہر انسان کو چار چیزیں ملیں	۵۶
۴۰	غذائیت سے انسان کو گیارہ علم ملے۔ چار چیزوں کی رغبت نہ کرو	۵۷
۴۱	لَا تَرْكُضُوْا وَارْجِعُوْا۔ تا اِنْ كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ از آیت ۱۳ تا آیت ۱۷	۵۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲	تعلقات، تفسیر نحوی	۵۹
۴۳	راکھ کی چار قسمیں	۶۱
۴۴	ارادے کی چار قسمیں	۶۲
۴۵	تفسیر عالمانہ، مختلف اقوال	۶۳
۴۶	فائدے، صحیح اور غلط اتحاد کا فرق	۶۵
۴۷	احکامُ القرآن۔ اسلام نے ہر کھیل سے منع کیا۔	۶۶
۴۸	اعتراضات	۶۷
۴۹	بخت نصر بادشاہ پانچ طرح پر قانون جاری کرتا تھا۔	۶۸
۵۰	جیل کا موجد بخت نصر ہے پانچ جرموں سے پانچ وبائیں پھیلتی ہیں	
	تفسیر صوفیانہ	〃
۵۱	محاسبہ پانچ چیزوں سے مکمل ہوتا ہے اور پانچ وقتہ نمازوں کی حکمت طریقت۔	۶۹
۵۲	بَلْ نَقْذِفُ بِالْحَقِّ۔ تا۔ هُمْ يُنْشِرُوْنَ۔ از آیت ۱۸ تا آیت ۲۱	۷۰
۵۳	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۷۱
۵۴	وَیل کے بارہ معنی ہیں۔ قرب کی تین قسمیں۔	۷۳
۵۵	عبادت کی دو قسمیں ہیں ۱۔ تسخیری ۲۔ اختیاری	۷۴
۵۶	لفظ اَم عاطفہ کی دو قسمیں ہیں	〃

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۷	تفسیر عالمانہ	۷۵
۵۸	مخلوق کی چھ قسمیں اور چھ تشبیہیں	۷۶
۵۹	قرآن مجید میں چھبیس چیزوں کو چھبیس چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے	״
۶۰	فائدے، ہر باطل کے مقابل ایک حق پیدا کیا گیا	۷۸
۶۱	احکام القرآن، اعتراضات	۷۹
۶۲	تفسیر صوفیانہ، حق کے تین مرتبے	۸۳
۶۳	عبد اللہ بن عمر رضی کا ایک فرمان	״
۶۴	وبل، ولیس، دیح کا فرق	״
۶۵	لَوۡ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ . تا اِلَّآ اَنَا فَاعۡبُدُوۡنِ از آیت ۲۲ تا آیت ۲۵	۸۴
۶۶	تعلقات	۸۵
۶۷	تفسیر نحوی۔ اِلَّا اور غَیۡرُ کا فرق	۸۶
۶۸	لفظ دُوۡنَ کے پانچ معنی ہیں	۸۸
۶۹	اثنائیت دس چیزوں سے ہوتی ہے	״
۷۰	تفسیر عالمانہ۔ حکایت	۹۰
۷۱	فساد اور اصلاح تین چیزوں میں ہوتا ہے۔	۹۱
۷۲	ہر بندے پر پانچ کام لازم ہیں۔	״

نمبر شمار	مضمون	صفحہ نمبر
۷۳	الٰہ میں ستائیس صفات لازمی ہیں	۹۱
۷۴	اگر چند معبود ہوتے تو کائنات میں چودہ قسم کے فساد برپا ہوتے	۹۲
۷۵	سوال کی سات قسمیں ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ سے کس نے کیا سوال کیا اس کا نتیجہ کیا ہوا سوالِ اعتراضی کی چھ وجوہ، معترض کی تین قسمیں	۹۵
۷۶	انسانِ ناقص کی تین کمزوریاں	۹۶
۷۷	کسی چیز کو ثابت کرنے کے تین ذریعے ہوتے ہیں	۹۷
۷۸	دلیل حجت اور برھان کا فرق۔ دلیل کی قسمیں	״
۷۹	پانچ آیتوں نے دنیاء کفر میں آج تک تہلکہ مچایا ہوا ہے اور تمام کفار پریشان و لاجواب ہیں	۹۸
۸۰	قرآنِ مجید میں لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فرمانے کی وجہ	۱۰۰
۸۱	مفسرین کے مختلف اقوال۔ فائدے	۱۰۱
۸۲	حکایت۔ اللہ تعالیٰ کی برھان صرف نبی کریم ہیں	۱۰۲
۸۳	احکام القرآن	۱۰۳
۸۴	سجدۂ تعظیمی ہر شریعت میں ہمیشہ حرام رہا اس کا وجود کسی شریعت میں نہ	

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تما۔ سجدۂ عبادت اور تعظیمی میں فرق	۱۰۴
۸۵	اعتراضات جوابات	″
۸۶	تفسیر صوفیانہ	۱۰۶
۸۷	توحید کی تین قسمیں	۱۰۹
۸۸	وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا تا۔ نَجْزِی الظّٰلِمِیْنَ از آیت ۲۶ تا آیت ۲۹	۱۱۰
۸۹	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۱۱۱
۹۰	لفظِ مَنْ کی پانچ قسم مَنْ شرطیہ جزم دیتا ہے۔	۱۱۳
۹۱	تفسیر عالمانہ	۱۱۴
۹۲	ابن اللہ کا عقیدہ سات وجہ سے شرک ہے	۱۱۵
۹۳	لفظ سُبْحَانَ کی اہمیت، سبقت کرنے کی وجوہ۔	
۹۴	اَبٌ وَالِدٌ اور ابنٌ وَلَدٌ میں سات فرق ہیں۔	۱۱۶
۹۵	نسبتیں چار قسم کی ہیں۔	″
۹۶	خوف کے چار معنیٰ۔	۱۱۸
۹۷	فائدے، مقربین کے لیے تین عبادتیں لازم ہیں۔	۱۱۹
۹۸	احکام القرآن، بزرگ سات قسم کے۔	۱۲۰
۹۹	تفسیر صوفیانہ	۱۲۳
۱۰۰	صبر کی چار قسمیں ہیں	۱۲۴
۱۰۱	اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا۔ تا۔ عَنْ اٰیٰتِہَا مُعْرِضُوْنَ۔ از آیت ۳۰ تا آیت ۳۲	۱۲۵
۱۰۲	تعلقات، تفسیر نحوی	۱۲۶
۱۰۳	حرف اَوْ کا گیارہ معنیٰ میں استعمال	″
۱۰۴	سَدٌّ، خلقٌ اور رَتْقٌ میں فرق	۱۲۷
۱۰۵	جَعَلَ دس معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔	۱۲۸
۱۰۶	فج اور وادی کا فرق۔	″
۱۰۷	تفسیر عالمانہ	۱۲۹
۱۰۸	لَوْ کَانَ فِیْہِمَآ اٰلِہَۃٌ میں توحید کے چھ دلائل	۱۳۰
۱۰۹	حَیٌّ اور حیوانٌ میں فرق	۱۳۱
۱۱۰	کھولنا اور بند کرنا پانچ قسم کا ہے۔	۱۳۲
۱۱۱	مولیٰ علی رضی کا ایک فرمان	″
۱۱۲	پہاڑوں میں اٹھارہ راستے انکے پانچ فائدے	۱۳۳
۱۱۳	مختلف اقوال۔ فائدے	۱۳۵
۱۱۴	تمام آسمان اور زمین مکمل ایک جگہ ساکن ہیں۔ اور رہائش کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں	۱۳۶
۱۱۵	احکام القرآن۔	″

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۱۶	اعتراضات، جوابات	۱۳۸
۱۱۷	تفسیر صوفیانہ، حکایت	۱۴۰
۱۱۸	ابدالین کی گیارہ عادتیں، جبلِ طریقت کے گیارہ خزانے	۱۴۱
۱۱۹	وَهُوَ الَّذِیْ خَلَقَ الَّیْلَ تا بِذِکْرِ الرَّحْمٰنِ هُمْ کَافِرُوْنَ از آیت ۳۳ تا آیت ۳۶	۱۴۳
۱۲۰	تعلقات، شانِ نزول	۱۴۴
۱۲۱	تفسیر نحوی	۱۴۵
۱۲۲	خَیر اور رشد کے چار معنیٰ فَ جزائیہ کی چار صورتیں	۱۴۷
	تفسیر عالمانہ	۱۴۸
۱۲۳	اُسْوۃٌ، سَیلٌ، سَیحٌ، جَرْیٌ، طَیرٌ	۱۴۹
	کا فرق	۱۴۹
۱۲۴	فلک کے بارے میں فلاسفہ کے	۱۴۹
	مختلف اقوال	″
۱۲۵	تعدادِ فلک میں اختلافِ فلاسفہ	۱۵۰
۱۲۶	موت و حیات کی دو قسمیں، نفس کے تین معنیٰ	۱۵۱
۱۲۷	قرآن مجید میں چھ چیزوں کو موت وحیات فرمایا گیا	۱۵۲
۱۲۸	موت وحیات کی حقیقت اور قوت کا بیان	۱۵۳
۱۲۹	فائدے، احکام القرآن	۱۵۵
۱۳۰	اسلامی عبادات کے دنیوی فائدے بیان کرنا گناہ ہے	۱۵۶
۱۳۱	اعتراضات، جوابات	۱۵۷
۱۳۲	تفسیر صوفیانہ	۱۵۹
۱۳۳	کلمہ طیبہ کے فائدے اور اس کے آٹھ نام اور آٹھ حقوق خُلقِ عظیم کے آٹھ خزانے	۱۶۳
۱۳۴	خُلِقَ الْاِنْسَانُ مِنْ عَجَلٍ. تا وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ. از آیت ۳۷ تا آیت ۴۰	۱۶۳
۱۳۵	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۱۶۵
۱۳۶	لفظ بَل برائے اضراب کی چار قسمیں اور مفعولوں کی نسبتوں کا بیان۔	۱۶۷
۱۳۷	تفسیر عالمانہ	۱۶۸
۱۳۸	نعمت یا مصیبت کا علم پانچ طرح ہوتا ہے۔	۱۶۹
۱۳۹	کافر اور فاسق کے عذاب کا فرق پانچ طرح مصیبت سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے۔	۱۷۰
۱۴۰	عُجلت، سُرعت، فُجائت میں فرق۔	۱۷۲
۱۴۱	موت آنے کے چار طریقے۔	
	فائدے	۱۷۳

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴۲	اچانک موت کیا ہے، احکام القرآن	۱۷۴
۱۴۳	جلدی کرنیکی جائز و ناجائز صورتیں	۱۷۵
۱۴۴	انبیاء کرام علیہم السلام نہ کبھی کسی سے ڈرتے ہیں نہ گھبراتے ہیں	"
۱۴۵	جبلی پیدائشی عادات کے اثرات	"
۱۴۶	اعتراضات، انسان کی گیارہ جبلی عادتیں۔	۱۷۶
۱۴۷	تفسیر صوفیانہ، خمیر آدم میں گیارہ خزانے امانت	۱۷۹
۱۴۸	حسن اخلاق کی بیس قسمیں، حقوق کی گیارہ صفات حمیدہ کی دو، بداخلاقی کی چار، ہدایت اسلام کی دس قسمیں۔	۱۸۱
۱۴۹	وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ تا وَلَا هُمْ مِّنَّا يُصْحَبُوْنَ ازآیت ۴۱ تا آیت ۴۳	۱۸۲
۱۵۰	تعلقات، تفسیر نحوی	۱۸۳
۱۵۱	ھُزُوًا اور سُخْرًا کا فرق	۱۸۴
۱۵۲	دس چیزوں سے جملہ انشائیہ بنتا ہے۔	۱۸۵
۱۵۳	لفظ کَلَّا دس طرح مستعمل ہے	"
۱۵۴	لفظ بَلْ اضرابی و استدراکی کا بیان	۱۸۶
۱۵۵	تفسیر عالمانہ	۱۸۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۵۶	فائدے۔ گیارھویں شریف کے فوائد	۱۹۱
۱۵۷	احکام القرآن، فقہی مسائل	۱۹۲
۱۵۸	اعتراضات جوابات	۱۹۳
۱۵۹	تسلی دینے کی تین وجوہ	۱۹۴
۱۶۰	حرف مِنْ چودہ معنی میں مستعمل ہوتا ہے	۱۹۵
۱۶۱	تفسیر صوفیانہ	"
۱۶۲	بَلْ مَتَّعْنَا هٰٓؤُلَآءِ۔ تا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ۔ ازآیت ۴۴ تا آیت ۴۶	۱۹۷
۱۶۳	تعلقات	۱۹۸
۱۶۴	شان نزول۔ تفسیر نحوی، حرف حتّٰی کے اقسام	۱۹۹
۱۶۵	نَفْحَةٌ کے پانچ معنی	۲۰۰
۱۶۶	لفظ وَیْلٌ کے نو معنی تفسیر عالمانہ	۲۰۲
۱۶۷	کفار مکہ نے اسلام کی مخالفت کرکے / اپنا سات طرح نقصان کیا تھا	۲۰۴ / ۲۰۴
۱۶۸	فائدے۔ لمبی عمر کسی کے لیے مفید / کسی کے لیے غیر مفید ہے۔	۲۰۵ / ۲۰۵
۱۶۹	دنیا میں سب سے بزدل قوم بت پرست / ہیں۔ احکام القرآن	۲۰۶ / ۲۰۶
۱۷۰	اعتراضات جوابات	۲۰۸
۱۷۱	تفسیر صوفیانہ	۲۰۹
۱۷۲	اللہ تعالیٰ نے صحابہ کو چار علیے اور چار نعمتیں عطا فرمائیں۔	۱۱۰
۱۷۳	وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ۔ تا	

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ از آیت ۴۷ تا آیت ۵۰	۲۱۲
۱۷۴	تعلقات	۲۱۳
۱۷۵	تفسیر نحوی	۲۱۴
۱۷۶	ظُلم کے ساتھ معنیٰ	۲۱۵
۱۷۷	تفسیر عالمانہ	۲۱۷
۱۷۸	میزانِ قیامت کا بیان، قسط اور عدل کا فرق	۲۱۸
۱۷۹	عذابِ کفر اور عذابِ اعمال کا فرق دنیا اور قیامت کی ترازو کا فرق	۲۱۹
۱۸۰	حساب لینے والے میں چار چیزیں ضروری ہیں۔ حساب محشر چار طرح ظاہر ہوگا۔	۲۲۰
۱۸۱	فائدے	۲۲۴
۱۸۲	احکام القرآن	۲۲۵
۱۸۳	اعتراض، جواب	۲۲۶
۱۸۴	میزانِ قیامت کا ثبوت، تفسیر صوفیانہ	۲۳۱
۱۸۵	ظاہری، باطنی اور میزانِ قیامت کی قسمیں اور اُن کے پلڑوں کا بیان	۲۳۱
۱۸۶	اعمالِ ظاہری و باطنی اور ذکر کی قسمیں	۲۳۳
۱۸۷	ایمان بالغیب والوں کی تین قسمیں	۲۳۴

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۸۸	قیامت کو ساعت کہنے کی چار وجہ ادبِ قرآن سے پانچ فائدے ملتے ہیں	۲۳۵
۱۸۹	تیاری قیامت کے لیے گیارہ خصلتیں اختیار کرو۔	۲۳۹
۱۹۰	وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ تا۔ أَمْ أَنتَ مِنَ اللَّاعِبِينَ از آیت ۵۱ تا آیت ۵۵	۲۳۹
۱۹۱	تعلقات، تفسیر نحوی	۲۴۰
۱۹۲	تفسیر عالمانہ، رُشد کے بارہ معنیٰ	۲۴۴
۱۹۳	رُشد میں تین خزانے، قرآنِ مجید میں ابراہیم نام ستر بار اور ہر جگہ مختلف حالات بیان ہوئے۔	۲۴۵
۱۹۴	حضرت ابراہیم کا وطن شہر بابل کا حدود اربعہ۔	۲۴۷
۱۹۵	تصویر کی بناوٹ اور قسمیں	۶
۱۹۶	تصویر کی شرعی حیثیت، عکس اور تصویر کا فرق	۲۴۸
۱۹۷	فائدے، والدینِ ابراہیم کے ایمان کی ایک دلیل	۲۵۰
۱۹۸	احکام القرآن، ہر کھیل حرام ہے تجاہلِ عارفانہ کی تعریف کیا ہے	۲۵۱
۱۹۹	تفسیر صوفیانہ	۲۵۴
۲۰۰	جسمِ انسانی جہالت کی وجہ سے نو ظلمتیں ہیں	۲۵۶

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰۱	قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ۔ تا۔ يُقَالُ لَهٗٓ اِبْرٰهِيْمُ از آیت ۵۶ تا آیت ۶۰	۲۵۸
۲۰۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۲۵۹
۲۰۳	تفسیر عالمانہ	۲۶۳
۲۰۴	کید، مکر۔ تدبیر۔ تعریض کا فرق	۲۶۶
۲۰۵	فائدے انبیا علیہم السلام سب مخلوق سے بہادر ہوتے ہیں	۲۶۷
۲۰۶	حروفِ قسم کی تعداد اور فرق	۲۶۸
۲۰۷	احکامُ القرآن	۲۶۹
۲۰۸	اعتراضات، جوابات	۲۷۰
۲۰۹	تفسیر صوفیانہ، ربوبیت چھ عناصر سے ہوتی ہے۔	۲۷۱
۲۱۰	دنیا میں بندے تین قسم کے ہیں	۲۷۲
۲۱۱	قَالُوْا فَاْتُوْا بِهٖ۔ تا۔ مَا هٰٓؤُلَآءِ يَنْطِقُوْنَ۔ از آیت ۶۱ تا آیت ۶۵	۲۷۴
۲۱۲	تعلقات	۲۷۵
۲۱۳	تفسیر نحوی لفظ عین کے چار معنی	۲۷۶
۲۱۴	حرفِ تَ کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں۔	۲۷۷
۲۱۵	نفس کے دس معنی	۲۷۸
۲۱۶	تفسیرِ عالمانہ، نمرود فرعون کی حماقت	۲۷۹
۲۱۷	فائدے، ایمان، کفر، اور ارتداد کا فرق	۲۸۳

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۱۸	احکام القرآن۔ کلامِ توریہ اور کلام ستر کا فرق	۲۸۴
۲۱۹	اعتراضات، جوابات	۲۸۵
۲۲۰	کِذب کی قسمیں اور معنیٰ	۲۸۶
۲۲۱	تفسیر صوفیانہ	۲۸۷
۲۲۲	قَالَ اَفَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ تا۔ بٰرَكْنَا فِيْهَا لِلْعٰلَمِيْنَ از آیت ۶۶ تا آیت ۷۱	۲۸۹
۲۲۳	تعلقات، تفسیر نحوی	۲۹۰
۲۲۴	تفسیر عالمانہ، نارِ نمرود کا واقعہ	۲۹۳
۲۲۵	ابلیس تین چیزوں کا موجد ہے نارِ نمرود کے وقت نمرود کی عمر ابراہیم علیہ السلام کی عمر، اور آگ کا زمانہ	۲۹۷
۲۲۶	ھُدھُد اور گرگٹ کا ذکر، حضرت ابراہیم آگ میں کتنے دن رہے	۲۹۸
	نمرود کے تاریخی حالات نمرود کی میت جلائی گئی۔	۳۰۱
۲۲۷	فائدے، بزرگوں کے حالات سنانا عبادت ہے	۳۰۳
۲۲۸	احکام القرآن	۳۰۴
۲۲۹	اگر انسانوں کے لباس میں شیطان ہو تو اس کی پہچان کیا ہے۔	۳۰۵
۲۳۰	اعتراضات، جوابات	۳۰۶

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۳۱	فطرتی دشمنی، دوستی اور مذہبی دشمنی دوستی کا فرق	۳۱۰
۲۳۲	تفسیر صوفیانہ	۳۱۱
۲۳۳	سچی توبہ کے تین جز۔ عبادت کا نقشہ	۳۱۳
۲۳۴	وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ. تا. قَوْمَ سَوْءٍ فَاسِقِينَ از آیت ۷۲ تا آیت ۷۴	۳۱۴
۲۳۵	تعلقات، تفسیر نحوی نقطہ وہابی اور احمدی نسبت کی وجہ مرزائیوں کو احمدی نہ کہا جائے۔	۳۱۶
۲۳۶	اسماءِ تعدادی پانچ ہیں	۳۱۷
۲۳۷	تفسیر عالمانہ	۳۲۰
۲۳۸	حضرت ابراہیم کے مختصر خاندانی حالات	۳۲۱
۲۳۹	قوم لوط کا بیان، خبیث، قبیح تشنیع کا فرق	۳۲۵
۲۴۰	جمعہ کے دن پوری چھٹی کرنی واجب ہے	۳۲۶
۲۴۱	فائدے۔ بڑی نعمت صرف نبی کا وجود ہے، نیک اولاد اللہ تعالیٰ کی نعمت اور بری اولاد فتنہ ہے	۳۲۷
۲۴۲	احکام القرآن	״
۲۴۳	اعتراضات، جوابات	۳۲۸
۲۴۴	یعقوب علیہ السلام کی چار خصوصی نشانیاں	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	نبی اور غیر نبی کے صالح ہوتے ہیں چار طرح فرق ہے	۳۲۹
۲۴۵	تفسیر صوفیانہ۔ چند تاویلاتِ صوفیاء	۳۳۱
۲۴۶	حضور غوث اعظم کا فرمان	۳۳۴
۲۴۷	وَأَدْخَلْنَاهُ فِي رَحْمَتِنَا. تا. وَكُنَّا لِحُكْمِهِمْ شَاهِدِينَ از آیت ۷۵ تا آیت ۷۸	۳۳۴
۲۴۸	تعلقات	۳۳۵
۲۴۹	تفسیر نحوی، ترجمہ اعلیٰحضرت کا کمال	۳۳۶
۲۵۰	جانور چرنے کے لیے تین لفظ: رَتَعَ، رَعَىٰ، نَفَشَ۔	۳۳۸
۲۵۱	تفسیر عالمانہ۔ لوط علیہ السلام کا ذکر چھ سورتوں میں	۳۳۹
۲۵۲	لوط علیہ السلام کا مختصر واقعہ و حالات اور آپ کا مزار	۳۴۰
۲۵۳	ابوالبشر اوّل ثانی۔ ابوالعرب اوّل ثانی القابات	۳۴۱
۲۵۴	حضرت داؤد کا نسب حالات حلیہ شریف، عمر۔	۳۴۵
۲۵۵	فائدے۔ نوح علیہ السلام کا فر بیٹا دوسری بیوی سے	۳۴۶
۲۵۶	مسلمانوں کے لیے ایک ضروری دعا	
	احکام القرآن	۳۴۷
۲۵۷	دعا اور بد دعا کرنے کا شرعی حکم	״

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۵۸	اعتراضات، جوابات	۳۴۸
۲۵۹	تفسیر صوفیانہ	۳۵۰
۲۶۰	عقلِ عرفانی کی قسمیں اور اُن کے مقامات	۳۵۱
۲۶۱	فَفَهَّمْنٰهَا سُلَيْمٰنَ ۔ تا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ از آیت ۷۹ تا آیت ۸۱	۳۵۳
۲۶۲	تعلقات، تفسیر نحوی	۳۵۵
۲۶۳	عربی میں بنانے کے لیے پانچ الفاظ اور اُن میں فرق	۳۵۶
۲۶۴	تیز ہوا کی تین قسمیں	۳۵۷
۲۶۵	تفسیر عالمانہ، حضرت داؤد و سلیمان کے فیصلوں کا واقعہ	۳۵۸
۲۶۶	داؤد علیہ السلام کو دو وجہ سے صنعۃ لبوس سکھائی گئی	۳۶۲
۲۶۷	داؤد علیہ السّلام کو چار معجزے ملے	۳۶۳
۲۶۸	انبیا علیہم السّلام کے علوم، اور شکرِ الٰہی کیا ہے	۳۶۵
۲۶۹	تختِ سلیمانی کا ذکر	۳۶۶
۲۷۰	تختِ سلیمانی کے علاقائی سفر اور مدینہ منوّرہ کا ادب	۳۶۷
۲۷۱	حضرت سلیمان کے دو واقعے، مدینہ منورہ کا ذکر	۳۶۸
۲۷۲	فائدے اجتہاد کا بیان، بندوں کی تین قسمیں	۳۷۱

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۷۳	احکامُ القرآن اجتہاد کرنا سنتِ انبیا علیہم السّلام ہے	۳۷۲
۲۷۴	اچھے برے علم و تجارت کی قسمیں	۳۷۴
۲۷۵	اعتراضات، جوابات، تسخیرِ داؤدی و سلیمانی میں فرق	۳۷۵
۲۷۶	تفسیرِ صوفیانہ۔ افعالِ مومن کی پانچ صورتیں	۳۷۶
۲۷۷	وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ ۔ تا ۔ وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ از آیت ۸۲ تا آیت ۸۴	۳۷۹
۲۷۸	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۳۸۰
۲۷۹	تفسیر عالمانہ	۳۸۴
۲۸۰	حضرت سلیمان کو سات معجزے ملے۔	۳۸۵
۲۸۱	ایوب علیہ السّلام کے واقعات وحالات	۳۸۷
۲۸۲	ایوب علیہ السلام پر مصیبتوں کی وجہ اور ابتدا۔	۳۹۱
۲۸۳	فائدے، وجودِ انبیاء بے مثل قدرت ہے	۴۰۲
۲۸۴	احکام القرآن، کسی بھی شریعت میں جاندار کی تصویر بنانا جائز نہیں تھا۔	۴۰۳
۲۸۵	سلمان کو شیطان کہنا منع ہے	۴۰۴

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۸۶	حلال روزی کی آرزو جائز ہے اعتراضات جوابات	۴۰۵
۲۸۷	تفسیر صوفیانہ	۴۰۸
۲۸۸	ابتلاءِ مومن کے چار فائدے	۴۰۹
۲۸۹	وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِدْرِیْسَ تا وَکَذٰلِکَ نُنْجِی الْمُؤْمِنِیْنَ از آیت ۸۵ تا آیت ۸۸	۴۱۱
۲۹۰	تعلقات	۴۱۲
۲۹۱	تفسیر نحوی	۴۱۳
۲۹۲	تفسیر عالمانہ، امتحانِ الٰہی کے آٹھ طریقے	۴۱۶
۲۹۳	صبر کرنے کے چار طریقے۔ صبر کی بارہ قسمیں	۴۱۷
۲۹۴	حضرت اسماعیل کا ذکر قرآن مجید میں آپ کی اولاد آپ کا حلیہ خصائل مبارکہ	۴۱۸
۲۹۵	ادریس علیہ السّلام مختصر واقعہ وحلیہ وعادات	۴۲۰
۲۹۶	حضرت ذی الکفل کا مختصر واقعہ اور خلافت کا واقعہ	۴۲۱
۲۹۷	حضرت یونس کا نام لقب، نسب حلیہ زمانہ علاقہ واقعہ	۴۲۷
۲۹۸	یونس علیہ السّلام کی چند خصوصیات	۴۳۲

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۹۹	فائدے۔ انبیاء کی ہر ادا ہر چیز بے مثل ہے	۴۳۶
۳۰۰	احکامُ القرآن۔ بَیِّنَۃِ دعا حمد ونعت بھی دعا ہے	۴۳۷
۳۰۱	اعتراضات، جوابات	۴۳۸
۳۰۲	تفسیر صوفیانہ۔ بدنِ انسانی میں صبر کی تین قوتیں	۴۴۰
۳۰۳	کلمۂ طیبہ کی سات قوتیں	۴۴۳
۳۰۴	آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تمام زندگی حیران کن معجزہ ہے	۴۴۴
۳۰۵	بدن انسانی میں تین اندھیرے	۴۴۵
۳۰۶	وَزَکَرِیَّآ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗ تا وَابْنَهَآ اٰیَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ از آیت ۸۹ تا آیت ۹۱	۴۴۷
۳۰۷	تعلقات، تفسیر نحوی	۴۴۸
۳۰۸	وراثت کے معنیٰ اور اشتقاق صیغے	۴۴۹
۳۰۹	تفسیر عالمانہ	۴۵۲
۳۱۰	رغبت، رہبت، خشیت کا بیان قرآن مجید میں حضرت زکریا کا تذکرہ متعدد سورتوں میں	۴۵۴
۳۱۱	حضرت زکریا علیہ السلام کا حلیہ اور نسب نامہ	۴۵۶
۳۱۲	حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تذکرہ	۴۵۸

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٣١٣	فائدے۔ انبیاء کرام کی زندگی کا قرآنی خلاصہ	٤٦٠
٣١٤	کسی بھی نبی کی والدہ کافرہ فاسقہ فاحشہ، بد اخلاق نہیں ہوسکتی۔	٤٦٢
٣١٥	احکام القرآن، دعا مانگنے کا نبوی طریقہ	٤٦٣
٣١٦	اعتراضات، جوابات	٤٦٤
٣١٧	تفسیر صوفیانہ	٤٦٧
	اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ۔ از آیت ٩٢ تا آیت ٩٦	٤٧٠
٣١٨	تعلقات، تفسیر نحوی	٤٧١
٣١٩	لفظ اُمت کے نو معنیٰ	٤٧٢
٣٢٠	ممانعت کی چار قسمیں ہیں	٤٧٣
٣٢١	تفسیر عالمانہ	٤٧٥
٣٢٢	بندے اور اُس کے اعمال کے تین حال۔	٤٧٨
٣٢٣	یاجوج ماجوج کا قصہ اور قیامت کی دس نشانیاں	٤٨٠
٣٢٤	فائدے، دینِ حق کے پانچ بنیادی عقائد ہوتے ہیں	٤٨٣
٣٢٥	فرقے بازی کا بیان اور انتداء	٤٨٤
٣٢٦	احکام القرآن	٤٨٥
٣٢٧	اعتراضات، جوابات	٤٨٦
٣٢٨	تفسیر صوفیانہ	٤٨٨
٣٢٩	راہِ طلب کے تین فرقے	٤٨٩
٣٣٠	وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ تا وَهُمْ فِيْهَا لَا يَسْمَعُوْنَ از آیت ٩٧ تا آیت ١٠٠	٤٩١
٣٣١	تعلقات، تفسیر نحوی	٤٩٢
٣٣٢	ایندھن کی پانچ قسمیں	٤٩٤
٣٣٣	تفسیر عالمانہ	٤٩٥
٣٣٤	فائدے، بُت پرستی کس طرح ہوتی رہی ہے۔	٤٩٩
٣٣٥	احکام القرآن، مشہور، شاذ اور غلط قرأتوں کا بیان، تبدیلی قرأت کا اصول وضابطہ دورِ صحابہ کے قاری اور ان کے لہجے۔	٥٠٠
٣٣٦	اعتراضات جوابات	٥٠١
٣٣٧	تفسیر صوفیانہ فاسقین کو دنیا میں تین مصیبتیں	٥٠٢
٣٣٨	اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ تا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ۔ از آیت ١٠١ تا آیت ١٠٤	٥٠٤
٣٣٩	تعلقات، شانِ نزول	٥٠٥
٣٤٠	نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے کفارِ مکہ کا ایک مناظرہ کفار کی شکست	٥٠٦
٣٤١	تفسیر نحوی	٥٠٧

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۴۲	تفسیرِ عالمانہ، محبوب بندوں کے لیے گیارہ خزانے اور پانچ نعمتیں دنیا وآخرت میں	۵۱۰
۳۴۳	فزعِ اکبر اور فزعِ اصغر کا بیان	۵۱۲
۳۴۴	کاتبینِ وحی کے اسمائے پاک۔ لازم اور واجب کا فرق	۵۱۵
۳۴۵	فائدے	۵۱۶
۳۴۶	احکام القرآن، اعتراضات، جوابات	۵۱۷
۳۴۷	حسنِ ظاہر باطنی اور توفیق کی چار قسمیں	۵۲۱
۳۴۸	وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ۔ تا اَمْ بَعِيْدٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ از آیت ۱۰۵ تا آیت ۱۰۹	۵۲۲
۳۴۹	تعلقات، تفسیر نحوی	۵۲۳
۳۵۰	حرفِ اِنّ کی چار قسمیں	۵۲۶
۳۵۱	تفسیر عالمانہ	۵۲۷
۳۵۲	حیاتِ دنیوی کے بتیس زمانے	۵۲۸
۳۵۳	انبیاء کرام علیہم السلام کا اسوۂ حسنہ	۵۲۹
۳۵۴	رحمۃ عالمین کے سات طریقے آٹھ علاقے۔ آٹھ قسم کی مخلوق کے لیے رحمۃ عالمین کی سات صفات لازمی	۵۳۰
۳۵۵	علم، ادراک اور درایت کا فرق	۵۳۲
۳۵۶	فائدے	۵۳۴
۳۵۷	وَمَا اَرْسَلْنٰكَ والی آیت کے دہا بیانہ ترجمے	۵۳۵
۳۵۸	بعثتِ انبیاء کرام اور بعثتِ نبی کریم میں فرق علیہم السلام	۵۳۶
۳۵۹	احکام القرآن۔ کتبِ آسمانی کے مضامین۔	۵۳۷
۳۶۰	اعتراضات، جوابات	۵۳۸
۳۶۱	اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ۔ تا الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ۔ از آیت ۱۱۰ تا آیت ۱۱۲	۵۳۹
۳۶۲	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۵۴۰
۳۶۳	اعلحضرت کے ترجمہ کی شان۔ حروفِ نفی کی اقسام	۵۴۱
۳۶۴	تفسیر عالمانہ	۵۴۳
۳۶۵	فتنے کے چار معنی	۵۴۴
۳۶۶	فائدے۔ کافر۔ فاسق اور نیک کی دنیا میں فرق	۵۴۵
۳۶۷	احکام القرآن، حرام چیزیں ہمیشہ نقصان ہی دیتی ہیں	۵۴۶
۳۶۸	اعتراضات، جوابات	۵۴۷
۳۶۹	رَبِّ احْكُمْ بِالْحَقِّ۔ یہ دعا نہ تھی تفسیر صوفیانہ	۵۴۸
۳۷۰	صالحین کی سات قسمیں شریعتِ اسلام کی تین قسمیں	۵۴۹

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٣٧١	صالحین، عاشقین کی چار قسمیں	٥٥٠
٣٧٢	ذاکر بندوں اور ذکر اللہ کی چار قسمیں	٥٥١
٣٧٣	رحمٰن کا صوفیانہ معنیٰ، بندوں کی دو قسمیں	٥٥٢
٣٧٤	نافرمان کی تین نشانیاں	״
٣٧٥	تین چیزوں پر غرور کفار کی خصلت ہے، مولیٰ علی رض کا	
٣٧٦	فرمان کہ دولتِ دنیا کو امتحان سمجھو عابدین، عارفین، عاشقین کا اُخروی بدلہ وثواب	٥٥٣
٣٧٧	سورۂ حج کی مختصر تفسیر وخلاصۂ مضمون	٥٥٦
٣٧٨	سورۂ حج کے فضائل، فوائد وظائف عملیات	٥٦٧
٣٧٩	سورۂ حج کا تعویذ	٥٦٨
٣٨٠	سورۂ حج مدنی ہے ٧٨ آیتیں اور ١٠ رکوع ترتیب تلاوت کا نمبر ٢٢ ترتیب نزول کا نمبر ١٠٣ ہے	٥٦٩
٣٨١	بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمْ تا وَّیَتَّبِعُ كُلَّ شَيْطٰنٍ مَّرِيْدٍ از آیت ١ تا ٣	٥٦٩
٣٨٢	تعلقات	٥٧٠
٣٨٣	شانِ نزول، نزول اور دونوں میں فرق	٥٧١
٣٨٤	تفسیر نحوی	٥٧١
٣٨٥	تفسیر عالمانہ	٥٧٤
٣٨٦	زلزلہ قیامت، اور قیامت کا ذکر	٥٧٦
٣٨٧	جنتی اور جہنمی لوگوں کی تعداد حکایت	٥٧٧
٣٨٨	عورت کے لیے مؤنث۔ مذکر الفاظ استعمال کرنے کا قاعدہ	٥٧٨
٣٨٩	حمل کی چھ حالتیں اور اُن کی کیفیات	״
٣٩٠	زلزلۂ ارض یعنی زمینی زلزلے کے اسباب	٥٧٩
٣٩١	زلزلے کی حقیقت میں حدیثِ مقدسہ کا فرمان	٥٨١
٣٩٢	فائدے، سب سے بڑی دولت تقویٰ ہے اس کی چھ روشنیاں اور چار قسمیں	٥٨٣
٣٩٣	احکام القرآن، مجادلے کی جائز و ناجائز صورتیں	٥٨٤
٣٩٤	بحث کی چار قسمیں	٥٨٤
٣٩٥	تقویٰ چار چیزوں کا نام ہے	٥٨٥
٣٩٦	تفسیر صوفیانہ	٥٨٧
٣٩٧	راہِ سلوک کی چار آگیں	٥٨٨
٣٩٨	کامل متقی کے چار نشان انبیاء علیہم السلام کی پانچ قوتیں شیطان کی چار قسمیں	٥٨٩

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۳۹۹	كُتِبَ عَلَيْهِ أَنَّهُ مَنْ تَوَلَّاهُ تا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ از آیت ۴ تا آیت ۵	۵۸۹
۴۰۰	تعلقات، تفسیر نحوی	۵۹۲
۴۰۱	طبقاتِ جہنم کے آٹھ درجے	۵۹۳
۴۰۲	تفسیر عالمانہ	۵۹۵
۴۰۳	انسانی جسم کی ظاہری باطنی بناوٹ کا بیان	۵۹۶
۴۰۴	انسانی جسم میں ہڈیوں اور مسامات کی تعداد	۵۹۷
۴۰۵	رحم مادر میں حمل مکمل کی پیشانی پر فرشتہ سات چیزیں لکھتا ہے۔	۵۹۸
۴۰۶	اَشُدَّ عمر میں حکما کے پانچ اقوال	۵۹۸
۴۰۷	جسم انسانی حیوانی قدرت کا عجیب کارخانہ ہے	۵۹۹
۴۰۸	جسم انسانی پر تین زمانے، ہر زمانے میں نو تبدیلیاں	۶۰۰
۴۰۹	خلقتِ انسانی کے سات مرحلے ان آیات میں بیان ہوئے	۶۰۲
۴۱۰	فائدے ان آیات میں شیطان کی چار چیزیں بیان ہوئیں	۶۰۳
۴۱۱	شیطان مرید ہونے کی سات کیفیتیں فضول خرچی کا بیان	۶۰۴
۴۱۲	بارش اور دیگر پانیوں میں فرق احکام القرآن	۶۰۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۱۳	اعتراضات۔ جوابات	۶۰۶
۴۱۴	تفسیر صوفیانہ، شیطانوں اور بندوں کی قسمیں	۶۰۸
۴۱۵	علومِ حقیقت کے چار درجے متقین کی چار بلندیاں	۶۰۹
۴۱۶	عارفین کے نو تغیرات	۶۱۰
۴۱۷	سالکِ معرفت کی چار عمریں ہر عمر میں تین چیزیں ملتی ہیں	۶۱۱
۴۱۸	موت و حیات اور زندہ مردہ کی چار قسمیں	۶۱۲
۴۱۹	ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ تا يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ۔ از آیت ۶ تا آیت ۷	۶۱۳
۴۲۰	تعلقات	"
۴۲۱	تفسیر نحوی	۶۱۴
۴۲۲	تفسیر عالمانہ	۶۱۵
۴۲۳	فائدے، قبر کی حقیقت اور بیان	۶۱۷
۴۲۴	احکام القرآن، قدرتِ الٰہی و علمِ مصطفائی کا بیان	۶۱۸
۴۲۵	اعتراض، جواب	۶۱۹
۴۲۶	تفسیر صوفیانہ، کافر فاسق متقی کے عقیدوں میں فرق	۶۲۰
۴۲۷	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُجَادِلُ۔ تا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ۔ از آیت ۸ تا آیت ۱۰	۶۲۲

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۲۸	تعلقات۔ شانِ نزول	۶۲۳
۴۲۹	تفسیر نحوی	۶۲۴
۴۳۰	مبالغے کی تین قسمیں، تفسیر عالمانہ بندگی کی قسمیں	۶۲۷
۴۳۱	فائدے، بحث وجادلے کا فرق	۶۳۱
۴۳۲	احکام القرآن مجادلے کی چار قسمیں	۶۳۲
۴۳۳	موجودہ زمانے میں ملکی، اجتماعی۔ اِنفرادی پریشانی دہشت گردی تخریب کاری کی وجہ اور سدِباب	۶۳۳
۴۳۴	اعتراضات، جوابات، علم کی تین قسمیں	۶۳۴
۴۳۵	انسانی ہاتھ کے حیرت انگیز کارنامہ	۶۳۵
۴۳۶	تفسیر صوفیانہ۔ بندوں کو تین چیزوں میں احتیاط چاہیئے۔	۶۳۷
۴۳۷	ساتؔ چیزوں سے ساتؔ چیزیں ملتی ہیں۔	۶۳۸
۴۳۸	انیس ۱۹ باتوں میں دعوتِ غور وفکر ہے	٪
۴۳۹	وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ تا۔ وَلَبِئْسَ الْعَشِيْرُ از آیت ۱۱ تا آیت ۱۳	۶۴۱
۴۴۰	تعلقات	۶۴۲
۴۴۱	شانِ نزول، تفسیر نحوی	۶۴۳
۴۴۲	تفسیر عالمانہ قرآن مجید میں چھ قسم کے مذہبی لوگوں	

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	کا ذکر	۶۴۶
۴۴۳	فائدے، احکام القرآن	۶۵۰
۴۴۴	مقبول ومردود عبادت کی نشانی اعتراضات	۶۵۱
۴۴۵	تفسیر صوفیانہ، انسانیت کی چھ قسمیں ہیں	۶۵۳
۴۴۶	مومن کافر مذبذب متزلزل کا فرق تواضع کی قسمیں	۶۵۵
۴۴۷	اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تا۔ اَنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يُّرِيْدُ از آیت ۱۴ تا آیت ۱۶	۶۵۵
۴۴۸	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۶۵۷
۴۴۹	تفسیر عالمانہ	۶۶۰
۴۵۰	اصل مصدر اور مشتق مصدر کا فرق مشتقات کی قسمیں ۱	۶۵۸
۴۵۱	فائدے انبیاء علیہم السلام دِلوا بھی سکتے ہیں چھڑوا بھی	۶۶۵
۴۵۲	علماء صوفیاء کے لیے آیتِ قرآن اَنْبِئْنِیْ قسم کی مگر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے سب آیت بَیِّنَات ہیں احکام القرآن	۶۶۶
۴۵۳	اطاعت اور اتباع کا بیان اور قسمیں	۶۶۷

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۵۴	اعتراضات، جوابات	۶۶۸	۴۶۸	اللہ تعالیٰ کے قانون کے علاوہ قانون ماننا بھی شرک ہے۔	۶۸۵
۴۵۵	بَیِّنٌ اور بُیِّنٌ میں فرق، تفسیر صوفیانہ	۶۷۰	۴۶۹	دینِ نصاریٰ کا تعارف	۶۸۶
۴۵۶	چار قسم کے شخص، عیار اور طرار میں فرق	۶۷۱	۴۷۰	شہید، علیم، خبیر کا فرق	۶۸۷
۴۵۷	بندوں کے لیے دنیا میں چار راستے ہیں	۶۷۳	۴۷۱	سجدے کی دو قسمیں ہیں	۶۸۸
۴۵۸	إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا ۔ تا ۔ إِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ۔ از آیت ۱۷ تا آیت ۱۸	۶۷۲	۴۷۲	فائدے۔ اصل دینِ الٰہی انبیاء علیہم السلام کو ماننا ہے۔	۶۹۲
۴۵۹	تعلقات، تفسیر نحوی	۶۷۴	۴۷۳	کافر اور فاسق کی جہنم میں فرق، احکام القرآن	۶۹۳
۴۶۰	یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی کا دینی فرق	۶۷۵	۴۷۴	سجدۂ تلاوت کے کچھ مسائل	۶۹۴
۴۶۱	تاریخوں کے اعتبار چاند کے تین نام۔	۶۷۶	۴۷۵	اعتراضات، جواب	۶۹۵
۴۶۲	تفسیر عالمانہ، دنیوی دینوں کی مختصر تشریح	۶۷۸	۴۷۶	تفسیر صوفیانہ، ہر دل میں دو دروازے ہیں۔	۶۹۸
۴۶۳	ابلیس کے ایجاد کردہ دین، شرک کا تعارف	۶۷۹	۴۷۷	هَٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوا تا وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ از آیت ۱۹ تا آیت ۲۲	۷۰۰
۴۶۴	بت پرستی دس قسم کی ہے	۶۸۰	۴۷۸	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۷۰۲
۴۶۵	دینِ مجوسیت کا نام و شناخت و اقسام	۶۸۱	۴۷۹	تفسیر عالمانہ	۷۰۶
۴۶۶	مجوسیوں کا مذہبی لباس و حلیہ، یہودی مذہب کا تعارف	۶۸۳	۴۸۰	فائدے، ایمان کے آٹھ اجزا	۷۱۰
۴۶۷	دینِ صابی کی تقسیم و تعارف	۶۸۴	۴۸۱	احکام القرآن	۷۱۱
			۴۸۲	اعتراضات جوابات	۷۱۳
			۴۸۳	تفسیر صوفیانہ	۷۱۵
			۴۸۴	عاجزی کے ظاہری باطنی چھ نشان	۷۱۷
			۴۸۵	تواضع کی تین قسمیں، غرور کی پانچ سزائیں	۷۱۸

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۸۶	اِنَّ اللّٰہَ یُدۡخِلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا تا نُذِقۡہُ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ ازآیت ۲۳ تا آیت ۲۵	۷۱۸
۴۸۷	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۷۲۰
۴۸۸	تفسیر عالمانہ	۷۲۴
۴۸۹	زمین مکہ مکرمہ کی خصوصی شان	۷۲۶
۴۹۰	پہلے اسلامی عمرے اور حجۃ الوداع کی تاریخیں	۷۲۸
۴۹۱	کعبہ معظمہ اور مسجدِ حرم شریف کے تاریخی حالات	۷۳۴
۴۹۲	ایک عظیم غلطی	۷۳۴
۴۹۳	مسجد حرم شریف کے تاریخی حالات وخصوصیات	۷۳۵
۴۹۴	زمینِ حرم شہر جلال ہے فائدے	۷۳۸
۴۹۵	احکامُ القرآن	۷۳۹
۴۹۶	الحاد کی تین قسمیں ہیں	۷۴۰
۴۹۷	اعتراضات، جوابات	۷۴۱
۴۹۸	تفسیر صوفیانہ	۷۴۴
۴۹۹	وَاِذۡ بَوَّاۡنَا لِاِبۡرٰہِیۡمَ تا وَاَطۡعِمُوا الۡبَآئِسَ الۡفَقِیۡرَ ازآیت ۲۶ تا آیت ۲۸	۷۴۵
۵۰۰	تعلقات، تفسیر نحوی	۷۴۷
۵۰۱	تفسیر عالمانہ، شرک کی قسمیں	۷۵۱
۵۰۲	زمین پر پہلی اذان کے الفاظ	۷۵۳
۵۰۳	پیدل حج کی فضیلتیں اور اس کی موزنیں کیفیتیں	۷۵۴
۵۰۴	حج کس آیت سے اور کب فرض ہوا حج کا ذکر	۷۵۵
۵۰۵	افعالِ حج کی ترتیب کا واجب ہونا	۷۵۶
۵۰۶	حج کے مہینے اور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے عمرے اور حج کی تاریخیں	۷۵۷
۵۰۷	اسلام کے تو ذبیحوں کے سات قسم کے جانور	۷۵۸
۵۰۸	قربانی اور حج کے ذبیحوں میں فرق	۷۵۹
۵۰۹	فائدے	۷۶۱
۵۱۰	دورانِ حج مکہ ومدینہ و جدہ سے خرید وفروخت اور تجارت کرنا بھی عبادت ہے اس کی حکمت	۷۶۲
۵۱۱	احکامُ القرآن	۷۶۳
۵۱۲	اعتراضات، جوابات	۷۶۵
۵۱۳	پانچ علوم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے۔	۷۶۶
۵۱۴	تفسیر صوفیانہ	۷۶۷
۵۱۵	عبادتِ حج سب سے بڑی عظیم عبادت ہے	۷۷۰
۵۱۶	ثُمَّ لۡیَقۡضُوۡا تَفَثَہُمۡ تا وَاجۡتَنِبُوۡا	

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	قَوْلَ الزُّوْرِ از آیت ۲۹ تا آیت ۳۰	۷۷۳
۵۱۷	تعلقات	۷۷۴
۵۱۸	تفسیر نحوی، تاخیر کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔	۷۷۵
۵۱۹	تفسیر عالمانہ منت کی آٹھ قسمیں ہیں	۷۷۸
۵۲۰	منت کے کچھ مسائل، جرائم حج کی تعداد بارہ ہے۔	۷۷۹
۵۲۱	لفظِ عتیق کے تین معنی، طواف کی چار قسمیں	”
۵۲۲	طواف کے فرض، واجب، سنت کی تعداد	۷۸۰
۵۲۳	طواف کے پانچ مستحبات ہیں	۷۸۱
۵۲۴	پانچ چیزیں بس حصر پیدا کرتی ہیں۔ تعظیم حرمات کے چھ معنی، حرمات کی قسمیں اور تعداد۔	۷۸۲
۵۲۵	حلال جانوروں کی قسمیں	۷۸۳
۵۲۶	قرآن مجید میں چھ چیزوں سے منع کیا گیا۔	۷۸۵
۵۲۷	جسمانی روحانی غذا پرہیز اور علاج کا بیان	۷۸۶
۵۲۸	پرہیز کی تین قسمیں، گندی چیزیں چار قسم کی	۷۸۷
۵۲۹	نجاست کی آٹھ قسمیں ہیں، دشمن کی	۷۸۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	تین قسمیں	۷۸۷
۵۳۰	جھوٹ کی پانچ قسمیں	۷۸۸
۵۳۱	فائدے۔ ایک اصول اجتہاد کی نہ ضرورت باقی رہی نہ اجتہاد ہو سکتا ہے	۷۹۰
۵۳۲	مُردار کی پانچ قسمیں، احکام القرآن	۷۹۱
۵۳۳	آج کل مکہ و منیٰ میں اعلان کرتی ہوئی کمپنیوں کو اپنی قربانی کے پیسے جمع کرانا گناہ اور اپنا حج خراب کرنا ہے	۷۹۲
۵۳۴	اعتراضات، جوابات	۷۹۲
۵۳۵	تفسیر صوفیانہ	۷۹۴
۵۳۶	حضرت آدم علیہ السلام قبلۂ ملائکہ کیوں بن گئے۔	۷۹۶
۵۳۷	صوفیا کے نزدیک قولِ زور کیا ہے اور منافع کثیر کیا ہیں اور کتنے	۷۹۷
۵۳۸	حُنَفَاءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ تا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ از آیت ۳۱ تا آیت ۳۳	۷۹۷
۵۳۹	تعلقات، تفسیر نحوی	۷۹۸
۵۴۰	ان اسما کی جمع جو بروزنِ فعیل ہیں اسم فاعلی معنی اور اسم وصفی یا علمی معنی۔ جمع میں فرق	۷۹۸
۵۴۱	نشان کے بارے میں علما کے آٹھ اقوال	۸۰۰

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۴۲	گرنے کی چار آوازیں چار صورتیں یہاں تشبیہی جملے میں سات چیزیں مذکور ہوئیں۔	۸۰۱
۵۴۳	شعائر اللہ کی تعظیم کا طریقہ اور ان کی تعداد	۸۰۲
۵۴۴	قرب کعبہ کی صورتیں۔	۸۰۴
۵۴۵	فائدے، تقوے اور تقوے والوں کی قسمیں۔	۸۰۷
۵۴۶	اچھی بری محبت کی تین قسمیں	۸۰۸
۵۴۷	احکام القرآن	〃
۵۴۸	ھدی و قربانی کے جانور میں پانچ چیزیں اور اُن کا حکم	۸۰۹
۵۴۹	امام اعظم اور ائمہ ثلاثہ کے دلائل میں فرق۔	۸۱۱
۵۵۰	اعتراضات جوابات، تفسیر صوفیانہ	۸۱۲
۵۵۱	صوفیاء کے نزدیک تعظیم شعائر اللہ چار چیزیں ہیں۔	۸۱۳
۵۵۲	صوفیا کے نزدیک مشرک کی چار نشانیاں	۸۱۴
۵۵۳	وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا۔ تا وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُونَ۔ از آیت ۳۴ تا آیت ۳۵	۸۱۵
۵۵۴	تعلقات، تفسیر نحوی	۸۱۶
۵۵۵	واحد کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔	۸۱۷
۵۵۶	تفسیر عالمانہ، ہر قربانی میں پانچ شرطیں ہیں۔	۸۱۹
۵۵۷	مومن و کافر کے ذبح میں فرق، ذبح کے فرض، واجب، سنت، مستحبات	۸۲۰
۵۵۸	بھیمہ جانور کی سات قسمیں حلال حرام جانور۔	۸۲۱
۵۵۹	مخبتین کی چار نشانیاں، اِخبات کے چار اثرات۔	۸۲۲
۵۶۰	کفار کے چھ کفروں کے مقابل مومنوں کو چھ عبادتیں ملیں	۸۲۲
۵۶۱	خرچ کرنے کی پانچ قسمیں ایک حق چار باطل، حق خرچہ کی آٹھ صورتیں ہیں مفسرین کے مختلف اقوال۔	۸۲۳
۵۶۲	فائدے۔ پہلی امتوں اور اس امت کی قربانیوں میں دو طرح فرق ہے قربانی بھی دیگر عبادتوں کی طرح ہر جگہ لازم ہے	۸۲۵
۵۶۳	احکام القرآن	۸۲۵
۵۶۴	اعتراضات۔ جوابات	۸۲۶
۵۶۵	تفسیر صوفیانہ	۸۲۸
۵۶۶	اخلاص کے چار قدم ہیں	۸۲۹
۵۶۷	دنیا میں تین قسم کی چیزیں تین قسم کے بندوں کو ملتی ہیں	۸۳۰
۵۶۸	اچھے بندے کی نشانی۔	۸۳۰
۵۶۹	وَالْبُدْنَ جَعَلْنٰهَا لَكُمْ۔ تا كُلَّ	۸۳۱

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	نَحَوَّانٍ كَفُوْرٍ ۔ از آیت ۳۶ تا آیت ۳۸	۸۳۱
۵۷۰	تعلقات۔	۸۳۲
۵۷۱	شانِ نزول۔ تفسیر نحوی	۸۳۳
۵۷۲	جملہ انشائیہ کی دس قسمیں، تفسیر عالمانہ	۸۳۶
۵۷۳	ذبیحوں کی سات قسمیں، خیر کی چار نوعیتیں۔	۸۳۷
۵۷۴	ذبحہ کا طریقہ، اور ذبح کی دعا	۸۳۸
۵۷۵	تقویٰ پانچ چیزوں کا نام ہے۔	۸۳۹
۵۷۶	بشارت اور تصدیق کا فرق	۸۴۰
۵۷۷	اللہ تعالیٰ کی نفرت اور محبت کی نشانی۔	۸۴۲
۵۷۸	ظاہری باطنی شرعی خیانتوں کا بیان	۸۴۲
۵۷۹	اذنِ قتال سے جہاد، جہاد سے غلبہ، غلبے سے فتح مکہ اور فتح مکہ سے چھ کفریات تا قیامت بند کئے گئے۔	۸۴۳
۵۸۰	ناشکری اور خیانت کی پانچ صورتیں	۸۴۳
۵۸۱	فائدے، قربانی کے عالمگیر فوائد	۸۴۴
۵۸۲	تقوے کے تین بنیادی رکن	۸۴۵
۵۸۳	احکام القرآن، بُدنہ کے معنیٰ میں اختلاف۔	۸۴۶
۵۸۴	اعتراضات جوابات	۸۴۸
۵۸۵	تفسیر صوفیانہ	۸۵۰

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۵۸۶	اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقٰتَلُوْنَ ۔ تا ۔ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ ۔ از آیت ۳۹ تا آیت ۴۰	۸۵۳
۵۸۷	تعلقات۔ شانِ نزول	۸۵۴
۵۸۸	تفسیر نحوی	۸۵۵
۵۸۹	لفظ لولا کی پانچ قسمیں	۸۵۶
۵۹۰	تفسیر عالمانہ مسلمانوں کا تیرہ سالا امتحانِ صبر	۸۵۸
۵۹۱	حضرت امیر حمزہ کا ابوجہل کو مارنا پیٹنا۔	۸۵۹
۵۹۲	ہجرت کا واقعہ اور مسلمانوں کی پہلی عید۔	۸۶۱
۵۹۳	رب تعالیٰ کی حفاظت و مدافعت کی چھ صورتیں	۸۶۲
۵۹۴	قتال کی دو قسمیں	۸۶۳
۵۹۵	فائدے، اجازتِ ربانی کے چار فائدے۔	״
۵۹۶	اطاعت و اتباع دونوں ضروری ہیں	
	احکام القرآن	۸۶۷
۵۹۷	مُرتد کا قتل واجب مرتدہ کی صرف قید لازم ہے۔	״
۵۹۸	مرتد کو قتل اور مرتدہ کو نہ قتل کرنے کی وجہ۔	۸۶۹
۵۹۹	اسلامی اور صلیبی جنگوں کا فرق	۸۷۰

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۰۰	اعتراضات۔ جوابات	۸۷۱
۶۰۱	کفار کے ہاتھوں مسلمانوں کی ذلت وشکست کی وجہ	۸۷۲
۶۰۲	تفسیر صوفیانہ۔ شریعت وطریقت	۸۷۳
۶۰۳	بلوغت کی عمر بلوغت کے بعد مکلف ہونے کی وجہ قلب پر نفس امّارہ کے چار ظلم	۸۷۴
۶۰۴	تکلف اور خوشامد کا فرق اور دونوں برے۔	۸۷۶
۶۰۵	اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ تا۔ فَکَیْفَ کَانَ نَکِیْرِ۔ از آیت ۴۱ تا آیت ۴۴	۸۷۷
۶۰۶	تعلقات	۸۷۸
۶۰۷	تفسیر نحوی	۸۷۹
۶۰۸	تفسیر عالمانہ۔ حاکم اسلامی کی چھ نشانیاں مُقیمین، صَلٰوۃ اور مُصَلّین صلوٰۃ کا فرق۔	۸۸۲
۶۰۹	نماز کے چھ حقوق، طہارت کی پانچ قسمیں	۸۸۳
۶۱۰	دنیا کی تمام اچھائیاں اسلام میں اور پورا اسلام قرآن مجید میں اور پورا قرآن مجید نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں۔	۸۸۴
۶۱۱	سزا کی چار قسمیں۔ مدد کی بھی چار قسمیں	۸۸۷
۶۱۲	فائدے حکام اسلامی کے لیے چار کام احکام القرآن۔	۸۸۸
۶۱۳	نمازیوں کی قسمیں۔ اعتراضات، امّت کی قسمیں۔	۸۸۹
۶۱۴	عذاب نکیر کا تعارف	۸۹۰
۶۱۵	تفسیر صوفیانہ، شریعت وطریقت کی مال وزکوٰۃ	۸۹۱
۶۱۶	نبی رسول مرسل کا فرق، نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو پانچ قسم کی وحی عطا فرمائی گئی	۸۹۳
۶۱۷	عُلَمَآءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کا معنیٰ	۸۹۴
۶۱۸	فَکَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَۃٍ اَھْلَکْنٰھَا۔ تا مِمَّا تَعُدُّوْنَ۔ از آیت ۴۵ تا آیت ۴۷	۸۹۵
۶۱۹	تعلقات۔ تفسیر نحوی	۸۹۶
۶۲۰	ملت کی پانچ قسمیں۔ عام اور سنّۃ کا فرق	۹۰۰
۶۲۱	تفسیر عالمانہ۔ ظلم سے چار ہلاکتیں ہوتی ہیں	۹۰۱
۶۲۲	بستی صالح علیہ السلام کا واقعہ	۹۰۲
۶۲۳	انبیاء علیہم السلام پر وحی آنے کے گیارہ طریقے۔	۹۰۳
۶۲۴	بستی کی چھ قسمیں	″

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۲۵	ہر انسان کی چار آنکھیں اور ان کا فرقِ رویت	۹۰۲
۶۲۶	روشن دل کے گیارہ خزانے	″
۶۲۷	جسمِ انسانی میں راستے اور دروازے	۹۰۵
۶۲۸	علم وعقل میں تین فرق	۹۰۶
۶۲۹	زید اور وعید کا فرق، دنیا و آخرت کے اَیام کا بیان	۹۰۷
۶۳۰	فائدے، حقیقی اور مجازی اندھاپن۔	۹۰۹
۶۳۱	علم وعقل کی قسمیں اور مقام، احکام القرآن۔	۹۱۰
۶۳۲	اعتراضات، جوابات	۹۱۱
۶۳۳	تفسیرِ صوفیانہ	۹۱۲
۶۳۴	عاشق بننے کے لیے تین اجتہاد	
	دنیوی باتوں سے چار نقصان	۹۱۴
۶۳۵	پانچ چیزیں دل کی دوا ہیں	۹۱۴
۶۳۶	تین ضروری کام، منکرین کی چار قسمیں۔	۹۱۵
۶۳۷	تکلم، تاسف، تکلف کا بیان	″
	حسنِ کلام کی قسمیں اور کثرتِ کلام سے تین بیماریاں ہوتی ہیں	″
۶۳۸	وَكَأَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ أَمْلَيْتُ تا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ (از آیت ۴۸ تا آیت ۵۱)	۹۱۵

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۳۹	تعلقات۔	۹۱۶
۶۴۰	تفسیر نحوی۔	۹۱۷
۶۴۱	تفسیر عالمانہ۔ مُہلت اور ڈھیل کا فرق۔	۹۱۹
۶۴۲	قرآن مجید کی ایک عظیم اصطلاح رافضی شیعوں کی خود ساختہ ایک اِصطلاح	۹۲۱
۶۴۳	نذارت کی ایک شاندار مثال از حدیث پاک	۹۲۲
۶۴۴	محسن کی چار نشانیاں، قرآن مجید میں اُنیس چیزوں کو کریم فرمایا گیا رزقِ کریم کی گیارہ فضیلتیں	۹۲۳
۶۴۵	مُعجزین کی تین حرکتیں۔ کفارِ مکہ کی پندرہ شرارتیں۔	۹۲۴
۶۴۶	فائدے۔ اِمہال اور اِہمال کا فرق	۹۲۵
۶۴۷	نذارات کی تین قسمیں، اور اِن کی ہر وقت ضرورت ہے	″
۶۴۸	اَحکامُ القرآن رزقِ کریم اور رزقِ خبیث کیا ہے	۹۲۶
۶۴۹	اعتراضات، جوابات	۹۲۷
۶۵۰	مغفرت کے چار معنیٰ، تفسیر صوفیانہ	۹۲۹
۶۵۱	اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے چار نشان ہیں	″
۶۵۲	قربِ الٰہی کے لیے چار قدم اُس کے چار انعام، معجزین کے لیے چار آگیں،	۹۳۰

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	دنیا کی لیے کفایت کی تین چیزیں	۹۳۰
۶۵۳	وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ ـ تا ـ لَفِیْ شِقَاقٍۭ بَعِیْدٍ ـ ازآیت ۵۲ تا آیت ۵۳	۹۳۱
۶۵۴	تعلقات ـ شانِ نزول	۹۳۲
۶۵۵	تفسیرِ نحوی	۹۳۳
۶۵۶	تفسیرِ عالمانہ	۹۳۵
۶۵۷	تعدادِ انبیاء علیہم السّلام کا بیان	۹۳۷
۶۵۸	غلط تفسیروں کی مدلّل تردید	۹۳۹
۶۵۹	تِلْكَ الْغَرَانِیْقُ ـ والے واقعے کی مردودیت کے دلائل ـ	۹۴۴
۶۶۰	فائدے ـ الشیطٰن کے وسوسے دو قسم کے ـ	۹۴۸
۶۶۱	مسلمانوں سے کفّار کی دوستی ہمیشہ عیّارانہ ہوتی ہے ـ اس عیّاری کے تین طریقے ـ احکامُ القرآن	۹۴۹
۶۶۲	انبیاءِ کرام علیہم السّلام کی ہر چیز بے مثل پیدا کی گئی ـ	۹۴۹
۶۶۳	نسخ کے تین معنیٰ ـ اعتراضات جوابات	۹۵۰
۶۶۴	تفسیرِ صوفیانہ	۹۵۲
۶۶۵	اعضاءِ ظاہری کے کاموں میں فرق	۹۵۴
۶۶۶	ہلاکت اور نجات کی تین تین چیزیں	۹۵۵
۶۶۷	مومن کی نشانی	۹۵۵
۶۶۸	وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ ـ تا ـ فِیْ جَنّٰتِ النَّعِیْمِ ـ ازآیت ۵۴ تا آیت ۵۶	۹۵۶
۶۶۹	تعلقات، تفسیرِ نحوی	۹۵۷
۶۷۰	مبہمات کا بیان، شک کے لیے تین لفظ	۹۵۹
۶۷۱	حَتّٰی کے پانچ معنیٰ ہوتے ہیں ـ	۹۶۰
۶۷۲	نکرے کی صفت معرفہ ہو سکتی ہے	۹۶۱
۶۷۳	تفسیرِ عالمانہ	۹۶۲
۶۷۴	ہدایتِ ربّانی کی تین قسمیں، اور ہدایت پانے کے لیے تین خصلتیں ضروری ہوتی چاہئیں	۹۶۳
۶۷۵	عربی میں بے یقینی کے لیے آٹھ الفاظ ہیں	۹۶۴
۶۷۶	فائدے ـ کفر و فسق میں جہالت ہے ـ	۹۶۷
۶۷۷	کافر اور فاسق کی جہالتوں میں فرق ـ	۹۶۸
۶۷۸	انسانوں کی دس قسمیں ،	۹۷۰
	اعتراضات	″
۶۷۹	جنّت و جہنّم کی ابدیت کی وجہ اور فرق	۹۷۲
۶۸۰	اجرت اور اجر میں فرق، تفسیرِ صوفیانہ	۹۷۴

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۸۱	وَالَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا وَکَذَّبُوۡا۔ تا لَعَفُوٌّ غَفُوۡرٌ۔ از آیت ۵۷ تا آیت ۶۰	۹۷۷
۶۸۲	تعلقات	۹۷۸
۶۸۳	شانِ نزول، تفسیر نحوی	۹۷۹
۶۸۴	لفظِ خیر کی چار قسمیں اور تو معنیٰ ہیں مشترک ہے	۹۸۱
۶۸۵	تفسیر عالمانہ، ذلت کی چھ قسمیں	۹۸۳
۶۸۶	قتل اور موت کا فرق، رزقِ حسن کی صفات	۹۸۴
۶۸۷	اللہ تعالیٰ اور بندوں کی عطا میں فرق	۹۸۵
۶۸۸	بغاوت کی چار صورتیں ہیں دنیوی واُخروی مددِ الٰہیہ کی تین قسمیں ہیں	۹۸۷
۶۸۹	معافی اور توبہ میں فرق، معافی دینے کے فائدے	۹۸۸
۶۹۰	حرمت والے چار مہینے فائدے	۹۹۱
۶۹۱	مجاہدین کی چار قسمیں	〃
۶۹۲	احکام القرآن، شہید اور مجاہد کے درجات میں سات طرح فرق ہے	۹۹۲
۶۹۳	صفتِ رازقیت وخالقیت میں فرق	۹۹۳
۶۹۴	اعتراضات	〃
۶۹۵	تفسیر صوفیانہ	۹۹۴
۶۹۶	تلاوتِ قرآن مجید دنیا میں رزقِ حسن ہے	۹۹۶
۶۹۷	اہل اللہ کے لیے تین نعمتیں	۹۹۹
۶۹۸	ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ۔ تا لَهُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔ از آیت ۶۱ تا آیت ۶۴	۹۹۹
۶۹۹	تعلقات	۱۰۰۰
۷۰۰	شانِ نزول، تفسیر نحوی	۱۰۰۱
۷۰۱	لیل اور نہار کا بیان	۱۰۰۲
۷۰۲	تفسیر عالمانہ، مشارق ومغارب کی تعداد	۱۰۰۵
۷۰۳	لطیف کے پانچ اور خبیر کے تین معنیٰ	۱۰۰۹
۷۰۴	فائدے، حق سچ قانون کی چھ نشانیاں	۱۰۱۱
۷۰۵	احکام القرآن، باطل کے چار معنیٰ	۱۰۱۲
۷۰۶	ہر طرح کا پانی بیچنا جائز ہے غنی اور الغنی کا فرق	۱۰۱۳
۷۰۷	اعتراضات، جوابات	〃

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۰۸	روزہ کی افطار میں دیر لگانا گمراہی وگناہ ہے	۱۰۱۵
۷۰۹	عربی میں غذا کی قسمیں اور دن رات کے پندرہ حصے	۱۰۱۷
۷۱۰	تفسیر صوفیانہ	”
۷۱۱	عُلویت اور کبریت کا بیان	۱۰۱۸
۷۱۲	اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ سَخَّرَ تا لَعَلٰی ھُدًی مُّسْتَقِیْمٍ از آیت ۶۵ تا آیت ۶۷	۱۲۰.
۷۱۳	تعلقات	۱۰۲۱
۷۱۴	شانِ نزول، تفسیر نحوی	۱۰۲۲
۷۱۵	رُؤف اور رَحِیم کا فرق	۱۰۲۳
۷۱۶	زندگی کے لیے پانچ قوتیں ضروری ہیں۔	۱۰۲۴
۷۱۷	تفسیر عالمانہ	۱۰۲۵
۷۱۸	آسمان گرنے کی پانچ صورتیں	۱۰۲۷
۷۱۹	حیاتِ دنیوی ملنے کی وجہ؟	۱۰۲۸
۷۲۰	منسکاً کے نو معنیٰ	۱۰۲۹
۷۲۱	فائدے	۱۰۳۱
۷۲۲	احکام القرآن، ہر پچھلے دین میں تمام انبیاء پر ایمان لانا فرض تھا	۱۰۳۳
۷۲۳	زرتشت یا گوتم بُدھ کو پیغمبر ماننے والا کافر ہے۔	۱۰۳۴
۷۲۴	اعتراضات	۱۰۳۵
۷۲۵	تفسیر صوفیانہ	۱۰۳۶
۷۲۶	بندۂ مقبول کی تین خصلتیں	۱۰۳۹
۷۲۷	وَاِنْ جَادَلُوْكَ تا وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ نَّصِیْرٍ از آیت ۶۸ تا آیت ۷۱	۱۰۴۰
۷۲۸	تعلقات	۱۰۴۱
۷۲۹	تفسیر نحوی، بحثٌ جدلٌ نزعٌ کا فرق	۱۰۴۲
۷۳۰	ظلمٌ کے نو معنیٰ ہیں	۱۰۴۴
۷۳۱	حِکمۃ کے گیارہ معنی ہیں	۱۰۴۵
۷۳۲	تفسیر عالمانہ	”
۷۳۳	تنازع، منازعت اور نزاع کا فرق	۱۰۴۶
۷۳۴	فائدے	۱۰۴۹
۷۳۵	احکام القرآن	۱۰۵۰
۷۳۶	اعتراضات	۱۰۵۲
۷۳۷	تفسیر صوفیانہ	۱۰۵۴
۷۳۸	وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْهِمْ تا ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ از آیت ۷۲ تا آیت ۷۳	۱۰۵۶
۷۳۹	تعلقات، تفسیر نحوی	۱۰۵۸
۷۴۰	تفسیر عالمانہ	۱۰۶۳
۷۴۱	آیٰت قرآنی نے پانچ چیزیں کھلی کھلی بیان فرمائیں۔	۱۰۶۵

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۴۲	انسانی چہرہ سترہ چیزوں کا اظہار کرتا ہے۔	۱۰۶۵
۷۴۳	یَبْسُطُوْنَ کے سات اور منکر کے آٹھ معنیٰ	۱۰۶۵
۷۴۴	ضَرَبَ، مَثَلٌ، دَعْوٌ کے چند معانی	۱۰۶۷
۷۴۵	ذباب کی قسمیں اور تحقیق	"
۷۴۶	جمع قلت کے بیلے ایک اور جمع کثرت کے بیلے پانچ لفظ مشہور ہیں۔	۱۰۶۸
۷۴۷	فائدے، ہر باطل ہر دور میں ہر حق سے نفرت کرتا ہے کرتا رہے گا۔	۱۰۷۱
۷۴۸	احکام القرآن، عبادت کی نو قسمیں ہوتی ہیں۔	۱۰۷۳
۷۴۹	سجدۂ تعظیمی کوئی نہیں اب سب سجدے عبادت کے ہیں، سجدۂ ملائکہ و سجدۂ یوسف تعظیمی نہ تھے۔	۱۰۷۴
۷۵۰	سوال، طلب، وظیفے، عبادت و دعا کا فرق۔	"
۷۵۱	طلب کی سات قسمیں ہیں	"
۷۵۲	اعتراضات جوابات	۱۰۷۵
۷۵۳	مکھی کی نو خصلتیں	۱۰۷۶
۷۵۴	کفار مکہ کا تعظیم بتاں کا طریقہ	۱۰۷۷
۷۵۵	تفسیر صوفیانہ	۱۰۷۷
۷۵۶	مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ ۔ تا تَعْقِلُوْنَ، تُفْلِحُوْنَ ۔ از آیت ۷۴ تا ۷۷	۱۰۸۰
۷۵۷	تعلقات، شانِ نزول، تفسیر نحوی	۱۰۸۲
۷۵۸	قَدْرٌ کے نو معنیٰ ہیں	"
۷۵۹	تفسیر عالمانہ، نبی کی اتباع سے ہی قدرِ الٰہی کا پتہ لگتا ہے۔	۱۰۸۵
۷۶۰	دنیا بھر کے کفار کی کفریہ گستاخیاں	۱۰۸۶
۷۶۱	اللہ تعالیٰ کی قدر عظمت، توصیف و معرفت کا فرق	۱۰۸۷
۷۶۲	وجود کی چودہ قسمیں اس کی معرفت کے طریقے۔	۱۰۸۸
۷۶۳	شریک و حبیب کا فرق	۱۰۹۰
۷۶۴	ہر نماز کے اصلی ارکان چار ہیں	۱۰۹۲
۷۶۵	افعال کو عبادت بنانے کی پانچ شرطیں۔	۱۰۹۳
۷۶۶	اَفعالِ خیر چار چیزیں ہیں	۱۰۹۴
۷۶۷	فائدے، یہ چار آیتیں جامعِ ایمانیات ہیں۔	۱۰۹۵
۷۶۸	احکام القرآن، نماز کے ارکان و اذکار کی تعداد	۱۰۹۷
۷۶۹	سورۂ حج میں دو سجدے ہونے کا بیان	۱۰۹۸

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
٧٧٠	اعتراضات، جوابات	١٠٩٩
٧٧١	وُصُلِ ملائکہ کا بیان	١١٠٠
٧٧٢	تفسیر صوفیانہ، مومنوں مسلمانوں پر رب تعالیٰ کا ایک عظیم احسان	١١٠١
٧٧٣	خیر کی چار قسمیں	١١٠٤
٧٧٤	کامیابی کی دو قسمیں، حیاتِ طیبہ چار چیزوں سے اور اُخروی کامیابی بھی چار چیزوں سے۔	١١٠٥
٧٧٥	نماز روحانی کا نقشہ، روح کی منزلیں۔	″
٧٧٦	وَجَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ تا وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ آز آیت ٧٧ تا ٧٨	١١٠٦
٧٧٧	تعلقات، یہ آخری آیت ہے	١١٠٧
٧٧٨	تفسیر نحوی	١١٠٨
٧٧٩	تنگی کی تین قسمیں حَرَج کے سات معنیٰ۔	١١٠٨
٧٨٠	لفظ شہید کے چند معانی	١١١٠
٧٨١	اعتصام اور عصمت کے نو معنیٰ ہیں۔	١١١١
٧٨٢	تفسیر عالمانہ	١١١١
٧٨٣	مومن و کافر کی جنگ میں فرق، حَقَّ جِہَادِہٖ کی چار صورتیں	١١١٢
٧٨٤	اسلامی محسنین، قتالِ عام کی سات چیزیں۔	١١١٣
٧٨٥	لشکر ایمانی کی تین اور لشکر کفر کی قسمیں۔	١١١٣
٧٨٦	دین اسلام کی عظیم الشان سہولتیں۔	١١١٤
٧٨٧	ملّت کا لغوی اور اصطلاحی معنیٰ۔	١١١٧
٧٨٨	دین اور ملّت کا فرق	″
٧٨٩	ابراہیم علیہ السّلام کو اَبِیْکُمْ فرمانے کی وجہ۔	″
٧٩٠	قیامت کے دن نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک خصوصیت	١١١٨
٧٩١	گواہیِ محشر کا نقشہ و طریقہ	″
٧٩٢	نماز کے ساتھ زکوٰۃ کے ذکر کی وجہ	١١٢٠
٧٩٣	نماز کے ظاہری باطنی پندرہ فائدے	″
٧٩٤	فائدے، صرف امتِ مسلمہ کا نام مسلمان اس کے دلائل	١١٢٤
٧٩٥	اسلام ایمان، مومن مسلمان اور کافر، گمراہ کا فرق، احکامُ القرآن	١١٢٥
٧٩٦	سنی وہابی تبلیغ کا فرق	١١٢٦
٧٩٧	اعتراضات، جوابات	١١٢٨

marfat.com

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۷۹۸	تفسیر صوفیانہ	۱۱۲۹
۷۹۹	مسلمانوں پر حدیثِ مقدسات کا بھی فیضان ہے	۱۱۳۰
۸۰۰	مجاہدۂ نفس کی کامیابی مرشدِ اکمل سے ہے۔	۱۱۳۱
۸۰۱	اللہ تعالیٰ کے مسلمانوں پر تین کرم۔	۱۱۳۳
۸۰۲	ملتِ ابراہیمی آٹھ چیزوں کا مجموعہ ہے۔	″
۸۰۳	فہرست مضامین	۱۱۳۴
۸۰۴	ختم فہرست	۱۱۶۲
	تمت بالخیر	

تَمّتَ بِالخَیر

marfat.com

تفسیر نعیمی

مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

ناشر: نعیمی کتب خانہ گجرات
مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات۔ پاکستان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پنجتن پاک

قرآنی پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

- حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آسمانی پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

- حضرت جبرائیل علیہ السلام
- حضرت میکائیل علیہ السلام
- حضرت اسرافیل علیہ السلام
- حضرت عزرائیل علیہ السلام

حدیثی پنجتن پاک

محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم

- حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
- حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ
- حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

منجانب: صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان

marfat.com

اشرف التفاسیر

تفسیر نعیمی

پارہ ۱۸

مفسر

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی

خلف الرشید

شیخ التفسیر حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

نعیمی کتب خانہ

مفتی احمد یار خان روڈ ۰ چوک پاکستان، گجرات،

1Z87A

marfat.com

تنبیہ جملہ حقوق بحق مفتی اقتدار احمد خان محفوظ ہیں

کتاب	تفسیر نعیمی پارہ اٹھارہ
مصنف	صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان بدایونی
ناشر	نعیمی کتب خانہ مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات
تعداد	گیارہ سو
سال اشاعت	2006ء
ہدیہ	

تقسیم کار

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا گنج بخش روڈ، لاہور۔فون:۔7221953

فیکس:۔7238010

marfat.com

فہرست مضامین تفسیر نعیمی جلد اٹھارہ

سورۃ المومنون کا مختصر تعارف ۲۵
سورۃ المومنون کے چھ رکوع کی مختصر تفسیر ۲۶
سورۃ المومنون کے کچھ فضائل و عملیات و تعویذ اور وظائف ۳۷
از آیت ۱ تا آیت ۷۔ قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ تا فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۳۹
وَرَآءَ کا لغوی معنی اور نو اصطلاحی معنی ۴۲
تفسیر عالمانہ کامیاب مومنوں کی سات نشانیاں ۴۳
اسلام میں متعہ کی کنجر بازی حرام ہے ۴۵
ایمان کے گیارہ خزانے ۴۵
کامیابی کی تیرہ قسمیں ہیں چند الفاظ کی تشریح ۴۵
مولیٰ علی نے فرمایا کہ خشوع کی چودہ صورتیں ۴۵
کامل مومن وہ ہے جس کے ایمان میں تیرہ چیزیں ہوں۔ ۴۶
خشوع نماز سے بارہ کام نماز میں مکروہ تحریمی ہو گئے ۴۶
فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ میں آٹھ قسم کی وطی حرام کی گئی ۴۶
قانون شریعت میں تین قسم کی سوت یعنی سوکن (بیوی پر بیوی) حرام ہے ۴۷
اس سورۃ کے متعلق چند مختلف اقوال ۴۷
حرمۃ متعہ کے دس مضبوط دلائل ۵۱
مشت زنی کی حرمت کا بیان ۵۸
تفسیر صوفیانہ۔ خشعت کی دو قسمیں لغویات کی چھ قسمیں ۶۰
تین چیزیں مومن کے عملی خزانے ہیں ۶۲
کچھ شیطانی انسان کہتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی نماز میں کہنا معراج کی نقل ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ ۶۲
راہ حقیقت میں فلاح مومن کے چھ مقام ہیں ۶۲
از آیت ۸ تا آیت ۱۳۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ تا فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ۶۲
لفظ سلالۃ کا مفعولی معنی آٹھ عدد ۶۵
شجر ایمان کی آٹھ شاخیں ہیں ۶۵
عہد کی چار قسمیں منافق کی چار عادتیں ۶۶
داعی کا اصل معنی چرواہا۔ چرواہے کے تین کام ۶۷
چھ چیزیں رب تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے بنائیں ۶۸
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چھتیس چیزوں کی قسم ارشاد فرمائی ۶۸
شریعت میں یمین کی چار قسمیں ۶۹
مٹی کے عربی میں صفاتی نام پندرہ ہیں ۶۹

marfat.com

سلالہ کی تین قسمیں سلالہ بشری سات زمینوں کی مٹی تھی۔ ۷۰
خمیر بشریت میں سات بری طبیعتیں ودیعت ہیں اور سات اچھی طبیعتیں ودیعت ہیں ۷۰
روح انسانی کے سات عنصر ۷۰
تفسیر صوفیانہ۔ الست بربکم سے تین وعدے لئے گئے ۷۵
ارواح مومنون نے دو سجدے کئے سجدۂ دوم شکر کا تھا۔ نماز میں اسی کی یادگار ہے۔ ۷۵
از آیت ۱۴ تا آیت ۱۷۔ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ تا وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ۷۷
انسانی جسم میں کل دو سو چار ہڈیاں ہیں ۸۰
عبداللہ بن سعید کاتب وحی کا مرتد ہونے کا واقعہ ۸۱
فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی چار فراستیں ۸۱
بیضہ حیوانی یعنی خلیہ تخم ہر خلئے میں دو قوام ۸۲
ہر نطفہ رحم مادر میں جانب سر نیچے ہوتا ہے اور سب سے پہلے کھوپڑی بنتی مکمل ہوتی ہے ۸۳
نفخ روح کے بعد رحم مادر میں بچے کو پہلی خوراک کس دن ملتی ہے اس کی تفصیل ۸۴
سلالہ مٹی کس کو کہتے ہیں اور عمدگی کیا ہے ۸۴
انسانی کھال میں چودہ ہزار سات سو گیارہ مسامات ہوتے ہیں پھر اعضاء پیدا ہوتے ہیں۔ ہر مرحلے میں چالیس دن لگتے ہیں۔ ۸۴
بعد ولادت ہر انسان میں پندرہ تبدیلیاں ہوتی ہیں ۸۵
سب حیوانات مدرسہ الٰہیہ سے تعلیم پاتے ہیں ۸۵
بعض جاہل شعراء اردو اپنے اشعار کو تخلق کہہ دیتے ہیں اور شاعر کو خالق یہ شرعاً گناہ ہے۔ ۸۹
تفسیر صوفیانہ۔ ظاہری، باطنی آدمیت کیا ہے ۹۱
عارفین کا فرمان مان کر ہمارے اوپر سات ظاہری سات باطنی طرائق ہیں ۹۲
از آیت ۱۸ تا ۲۰۔ وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ تا وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۹۲
تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ قدر کے آٹھ معنی ۹۳
فکہ کا لغوی ایک اور اصطلاحی چھ معنی ۹۴
تفسیر عالمانہ۔ پہلے سمندر پیدا کیا گیا ۹۵
قریب قیامت خروج یاجوج سے پہلے زمین کی دس چیزیں جبرئیل علیہ السلام جنت میں لے جائیں گے۔ ۹۵
کھجور و انگور کی پانچ خصوصیات ۹۷
شجر زیتون کا ابتدائی وطن طور سینا ہے ۹۷
زیتون کے اثرات۔ زیتون سے علاج ۹۹
زیتون کے حالات اور استعمالات ۱۰۰
شجر زیتون کی دینی برکات ۱۰۱
مادی، روحانی، ظاہری، باطنی نعمتیں ۱۰۱
جنت میں تیس قسم کے پھل ہیں
چمن حیات میں دو قسم کے درخت اور پھل ۱۰۸
از آیت ۲۱ تا ۲۳۔ وَ اِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ تا اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ۱۰۸
ڈاکٹر مشاہد رضا کا ایک عظیم حمدیہ شعر ۱۱۱

marfat.com

عبرت کا بیان اور اس کی چار صورتیں ہیں ۱۱۲

عبرت سے چار چیزیں ملتی ہیں ۱۱۲

چوپایہ جانور میں انسانوں کیلئے دس نعمتیں ۱۱۲

حلال دودھ میں انسان کو چھتیس فائدے ۱۱۲

دودھ کے نو صفاتی نام۔ اور ایک ذاتی نام ۱۱۳

حضرت نوح علیہ السلام کے مختصر حالات ۱۱۴

قوم نوح پانچ بڑے مذہبی قبیلے تھے ۱۱۵

تقویٰ کی عظمت، بڑی برائیاں چھ قسم کی ہیں ۱۱۵

سورۃ مومنون میں سابقہ پانچ امتوں کا ذکر ہے ۱۱۶

عبرت کی تین قسمیں ہیں ۱۱۷

گھوڑے، خچر، گدھے کا گوشت و دودھ حرام ہے ۱۱۸

حلال مذبوحہ جانور کی بائیس اشیاء کھانا مکروہ تحریمی ہیں۔ ۱۱۸

سب سے بڑا بدقسمت کون ہے ۱۲۱

مومن متقی مثل پھلدار وسایہ دار درخت ہے ۱۲۱

از آیت ۲۴ تا ۲۵۔ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تا فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ۱۲۲

لفظ اِنْ کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۱۲۴

زمانہ آدم اور زمانہ نوح کا فاصلہ ۱۲۵

قوم نوح کے سرداروں نے پانچ طرح ورغلایا ۱۲۵

سرداران قوم اپنی گمراہیوں کو دل سے جانتے تھے ۱۲۶

زمانہ نوحی میں دنیا کی صرف نو قومیں تھیں۔ ۱۲۶

زمانہ نوحی میں دنیا کی بہتر زبانیں تھیں ۱۲۶

حضرت نوح علیہ السلام کی پہلی بیوی کا نام و اولاد ۱۲۶

فضیلت طلب کرنا چاہنا دو قسم کا ہے ۱۲۷

اللہ تعالیٰ کی الٰہیت لاشریک ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے مثل ہے ۱۲۷

نبی اور امتی میں چار مناسبتیں ضروری ہیں ۱۲۷

ہر نبی علیہ السلام کی تبلیغ میں چھ باتیں تھیں ۱۲۸

فائدے۔ تمام انبیاء علیہم السلام اونچے خاندان میں ہی پیدا ہوئے۔ انبیاء ملائکہ سے افضل ۱۳۱

غریبوں کی خوش قسمتی ۱۳۱

احکام القرآن۔ تقلید صرف اعمال میں جائز ہے ۱۳۲

حکومت طلبی کی دو صورتیں ہیں ۱۳۲

بشریت انبیاء کیلئے ایک شرعی ضابطہ ۱۳۳

سننے کی دو قسمیں۔ ۱۔ حقیقی۔ ۲۔ مجازی ۱۳۵

دنیا میں دو قسم کی شخصیات ہیں جنون کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۳۶

از آیت ۲۶ تا ۲۷۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ تا اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ ۱۳۶

لفظ عین کے چھ معنی ۱۳۸

تفسیر عالمانہ۔ نوح علیہ السلام کی تبلیغی مدت ۱۳۹

قوم نوح میں کل بانوے افراد مومن بنے ۱۴۰

کشتی نوح دنیا کی پہلی کشتی تھی ۱۴۰

کشتی بنانے کا طریقہ کار ۱۴۱

ولا یلدوا کی بددعا فوراً قبول ہوگئی تھی ۱۴۲

امر کے تین معنی اور سولہ قسمیں ۱۴۲

طوفان نوحی کا تفصیلی واقعہ ۱۴۲

کشتی میں بانوے انسان سوار تھے ۱۴۳

marfat.com

فائدے۔ انبیاء کرام علیہم السلام تمام مخلوق سے زیادہ علم والے ہوتے ہیں صرف علمٰی تسلط کیلئے ہے	۱۴۶
سوائے موذی انسان کے کسی کافر کیلئے بھی بد دعا منع ہے۔	۱۴۷
ہر وہ کام جو اللہ رسول کے حکم سے یا رضا کیلئے کیا جائے وہ عبادت ہے اگرچہ دنیوی کام یا کلام ہو	۱۴۷
مجرم کو بچانے کی کوشش میں حمایت کرنا حرام ہے	۱۴۸
بدعقیدہ سید کی نسبت نبوی ختم ہوجاتی ہے	۱۴۹
طوفان نوحی کے وقت مومنوں کو چار نعمتیں ملی تھیں	۱۵۱
از آیت ۲۸ تا ۳۱۔ فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ تا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ	۱۵۱
جملہ اسمیہ ہمیشہ خبریہ ہوتا ہے مگر فعلیہ کبھی انشائیہ بھی۔	۱۵۳
انشائیت دس چیزوں سے آتی ہے	۱۵۳
قرن کے تیرہ معنی اور مدت سو سال ہوتی ہے	۱۵۴
اللہ تعالٰی نے نوح علیہ السلام کو دعا کے پندرہ طریقے سکھائے	۱۵۵
قبضے وغلبے کی سات قسمیں ہوتی ہیں	۱۵۶
استوٰی علی العرش کا سات سورتوں میں ذکر ہے	۱۵۶
قوم وقبیلے کو قرن کہنے کی تین وجہ	۱۵۷
فائدے۔ انتہائی بدقسمت شخص کون ہے	۱۵۹
دنیا کی تاریخی بدقسمت چھ شخصیات	۱۵۹
مصائب دنیوی سے بچنے کیلئے چھ اعمال صالحہ	۱۶۰
کفر وشرک سب سے بڑا ظلم ہے	۱۶۱
احکام القرآن۔ مقتدی سورۂ فاتحہ نہ پڑھے	۱۶۱
دعا مانگنے کے چار طریقے ہوتے ہیں	۱۶۲
ہر مسلمان کو چار چیزوں سے ہر وقت بچنا چاہئے	۱۶۲
تفسیر صوفیانہ۔ کون سے دل منزل مبارک ہیں	۱۶۴
از آیت ۳۲ تا آیت ۳۳۔ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا تا وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ	۱۶۵
کتابت اور املا کا فرق	۱۶۷
مشرکین کی سب سے بڑی خیانت	۱۶۸
آیت ۳۳ میں کون نبی مراد ہیں۔	۱۶۹
حضرت ہود کا شجرہ نسب قوم عاد ہیں	۱۶۹
عاد بن عوص کے چار بیٹے تھے اور ان کے نام	۱۶۹
قوم صالح کا نام ثمود تھا	۱۶۹
حضرت صالح علیہ السلام کی کل عمر۔ ونسب نامہ	۱۷۰
قوم ثمود کی افرادی تعداد	۱۷۰
فائدے۔ سب سے بڑی دولت وعزت تقوٰی ہے	۱۷۳
کسی بھی قول وفعل میں انبیاء کرام کو اپنے جیسا سمجھنا کفر وطریقہ کفار ہے۔ برابری و[illegible] کا عقیدہ کفر	۱۷۴
احکام القرآن۔ دین انبیاء ایک مگر شریعتیں مختلف ہوتی رہیں نام شریعتوں سے ہیں	۱۷۴
دنیا میں دو قسم کی نعمتیں ہیں	۱۷۵
از آیت ۳۴ تا ۳۸۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ تا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ	۱۷۸
لفظ ھیھات کا معنی اور اس کی چالیس قرئتیں ہیں۔ جن میں اٹھارہ ظاہر ہیں نفرت کی تین وجہ	۱۸۰
قوم ثمود کے امرائے نبوت کے خلاف تین شبہات	

marfat.com

سے عوام کو ورغلایا ۱۸۴

اللہ تعالیٰ کو ماننا یہ ہے کہ اس کے انبیاء کو مانا جائے ۱۸۵

عقل پر شیطانی پردہ پڑ جانے کا اثر کیا ہوتا ہے۔ ۱۸۶

احکام القرآن۔ بعد موت کے بارے میں لوگوں کے

چھ عقیدے ایک حق سچ۔ باقی پانچ باطل ہیں ۱۸۶

فطرتی عقل کا تقاضہ ہے کہ ہر میت کو قبر میں دفن کرو ۱۸۷

بددعا خلیل کی وجہ سے نمرود کو دماغی بیماری ہوئی۔ سب

سے پہلے اس کی میت جلائی گئی ۱۸۷

ہر جسم انسانی میں حق و باطل کا جھگڑا ہو رہا ہے ۱۸۹

ہر مومن کو چار فکریں ہوتی ہیں ۱۹۱

از آیت ۳۹ تا ۴۳۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ

تا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ ۱۹۱

تعلقات۔ تفسیر نحوی، ندامت، خجالت عار کا فرق ۱۹۲

نبوت کی گستاخی و تکذیب سے تقریباً دس چیزوں کی

تکذیب ۱۹۴

تکذیب و گستاخی نبوت سے سات کفریات کی تائید

ہوتی ہے ان سے بچنا فرض ہے ۱۹۵

باطل کو مٹانے کے آٹھ طریقے۔ مناجات صالح علیہ

السلام کا بیان ۱۹۵

قوم سدوم کے عذاب کا طریقہ ۱۹۵

سابقہ کافر قوموں کے عذابوں کا اجمالی تذکرہ ۱۹۸

اجل کی چھ قسمیں ہیں

فائدے۔ ذکر الٰہی و آستانہ نبوت مضبوط قلعہ ہے ۲۰۰

ہر کافر اللہ رسول کے نزدیک گندگی سے بھی زیادہ

قابل نفرت ہے ایسے ہی اللہ کے بندوں کے نزدیک

بھی ۲۰۱

احکام القرآن۔ ہر مظلوم کی بددعا سے بچو مومن ہو یا

کافر ۲۰۱

تقدیر کی صرف دو قسمیں ہیں ۲۰۲

عالم اجسام و عالم دنیوی کی نو قومیں ۲۰۴

از آیت ۴۴ تا آیت ۴۷۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا

تَتْرَا كُلَّمَا جَآءَ تا قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ۲۰۵

تفسیر عالمانہ۔ مسلسل ہونے کی پانچ صورتیں ۲۰۹

قرن کی مدت میں تین قول ہیں ۲۰۹

روایان احادیث کے تین زمانے ۲۰۹

عجیب و غریب کاموں کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں ۲۱۰

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے نو معجزے اور سلطن

مبین ۲۱۱

عصاء موسیٰ کی نو کراماتیں اور ان کی تفصیل ۲۱۱

معجزات موسیٰ کا ذکر قرآن مجید کی دس سورتوں میں

اس کی تفصیل ۲۱۱

فائدے۔ از آدم تا عیسیٰ علیہما السلام زمین پر ایک لاکھ

چوبیس ہزار قومیں اور قبیلے پیدا ہوئے ۲۱۴

اصل ایمان و کفر انبیاء علیہم السلام کو ماننا یا نہ ماننا ہے ۲۱۴

کوئی بھی نبی علیہ السلام کسی بھی حالت میں کبھی کسی

امیر وزیر بادشاہ کے دروازے پر نہ گیا۔ نہ کسی کی

نوکری کی۔ ۲۱۵

شریعت کا قانون حکم ہمیشہ اکثریت پر لگایا جاتا ہے ۲۱۶

marfat.com

دنیوی بزرگیاں دو قسم کی ہوتی ہیں ۲۱۶

از آیت ۴۸ تا آیت ۵۲۔ فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ تا وَ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ۲۲۰

لفظ ام کے چودہ معنی ہیں۔ تفسیر عالمانہ ۲۲۳

موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعونیوں کو چالیس سال تبلیغ فرمائی ۲۲۳

بہتر قبطی مومن بنے تھے ۲۲۴

توریت مقدس میں تقریباً پچیس شرعی احکام تھے ۲۲۵

حضرت عیسیٰ مسیح علیہ السلام چھ طرح آیات الٰہی تھے ۲۲۶

عیسیٰ علیہ السلام کے مقام ربوہ پر ٹھیرنے کا واقعہ ۲۲۷

بادشاہ ہیرودوس دو وجہ سے دشمن تھا ۲۲۷

عیسائیوں کا ایک نام نصاریٰ کیوں ہے ۲۲۷

تین چیزیں دیکھنے سے آنکھوں کو جلا قلب کو سرور ملتا ہے۔ ۲۲۸

کھانے میں تین قسم کے عیب ہوسکتے ہیں ۲۲۸

طعام طیب کی تین نشانیاں ۲۲۸

اکل حلال کی تین صفات ہیں ۲۲۸

امت کے سات معنی ہیں ۲۲۹

فائدے۔ دنیا کی ہر مصیبت نبی علیہ السلام کی مخالفت کی وجہ سے ہوئی ۲۳۱

تارک الدنیا ہونا ہر شریعت میں حرام رہا ۲۳۱

شرعی تقویٰ آٹھ چیزوں کا نام ہے ۲۳۲

احکام القرآن۔ پاکیزہ و حلال چیزیں کھانا برتنا فرض شرعی ہے ۲۳۲

دین شریعت، مسلک، مشرب، مذہب میں فرق ۲۳۲

کھانے اور برتنے میں بہت احتیاط چاہیے ۲۳۳

اچھا کام صرف وہ ہے جس کا حکم و طریقہ قرآن و حدیث سے حاصل ہو۔ زندگی پر بھروسہ نہ کرو ۲۳۶

از آیت ۵۳ تا آیت ۵۷۔ فَتَقَطَّعُوْا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ تا مِنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۲۳۷

متصلب گروہ حزب اللہ اور متعصب گروہ حزب الشیطان ہے ۲۳۸

غمرۃ کے پندرہ معنی ہوتے ۲۳۸

لفظ مال کا لغوی معنی اور مال کہنے کی وجہ ۲۳۹

غمرۃ کی اٹھارہ قسمیں ہیں ۲۴۰

تفسیر عالمانہ۔ دین حق کی بنیادی چیزیں آٹھ ہیں ۲۴۰

امتوں کے فرقوں کا بیان ۲۴۰

دنیوی قانون نافذ کرنا بھی شرک ہے ۲۴۱

انبیاء کرام علیہم السلام نے مومن امتوں کو بیس دولتیں دیں ۲۴۲

صوفی غلام قادر علیہ الرحمہ سجادہ نشین کا ایک عجیب عارفانہ جواب۔ پاکستانی مصائب کے بارے ۲۴۲

تمام کفار و فساق کو دنیا میں چھ دھوکے لگتے ہیں ۲۴۴

خواجہ حسن بصری کا ایک عظیم قول ۲۴۴

مومن کو پانچ شعور عطا فرمائے گئے ۲۴۴

خوف الٰہی کی دو قسمیں ہیں اور ان کا فرق ۲۴۴

فائدے۔ کافر کیسا ہی فنکار ہو احمق ہی ہوتا ہے۔ ۲۴۵

دنیا میں ہر انسان پر چوبیس حالات گزرتے ہیں ۲۴۵

marfat.com

دنیا میں سب سے بڑی دولت خوف الٰہی ہے	۲۴۶
کفار و فساق کا خود کو کسی دنیوی ترقی کی بنا پر حق پر سمجھنا سراسر جہالت ہے	۲۴۶
احکام القرآن۔ کفار و فساق کی زندگی برباد ہے	۲۴۶
ذاتی خیال و رسم و رواج کو دین بنا لینا حرام ہے	۲۴۶
اعتراضات جوابات۔ دین حق نہ ٹوٹ سکے نہ توڑا جا سکے	۲۴۷
فذرھم کا اصل معنی کیا ہے	۲۴۷
تفسیر صوفیانہ۔ امام واسطی کا ایک فرمان اللہ تعالیٰ پانچ چیزوں سے بندوں کا امتحان لیتا ہے	۲۴۸
از آیت ۵۸ تا ۶۲۔ وَالَّذِينَ هُم بِآيَاتِ رَبِّهِمْ تا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ	۲۵۰
آیات الٰہیہ آٹھ قسم کی۔ توحید کی چھ حقیقتیں	۲۵۴
زبان کی تیرہ قسمیں ہوتی ہیں	۲۵۴
فائدے۔ مومن و کافر کی دنیوی بلندی کا فرق	۲۵۸
عجلت و سرعت کا فرق	۲۵۸
بندہ اپنے اعمال کا موجد یا خالق نہیں اس کا سبب ہے	۲۵۹
شرک کی دو قسمیں اور ہر ایک کی چار صورتیں	۲۵۹
کفار دنیوی دولت کے بھی مستحق نہیں اس کی وجہ	۲۶۰
بندۂ سالک کیلئے تین کام لازم ہیں	۲۶۲
از آیت ۶۳ تا ۶۶۔ بَلْ قُلُوبُهُمْ فِي غَمْرَةٍ تا عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ	۲۶۳
عربی زبان میں بڑی شخصیات کیلئے چار لفظ ہیں	۲۶۷
فائدے۔ دنیا میں دو قسم کی خوشحالی پائی جاتی ہے	۲۷۰

احکام القرآن۔ انبیاء کرام و علماء کی تبلیغ کا مقصد کیا ہے	۲۷۲
تلاوت قرآن مجید سننے کے آداب شرعی	۲۷۲
تقوے کی پچیس نشانیاں ہیں	۲۷۴
از آیت ۶۷ تا ۷۰۔ مُسْتَكْبِرِينَ بِهِ سَامِرًا تَهْجُرُونَ تا وَأَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كَارِهُونَ	۲۷۵
تفسیر نحوی۔ سمراً کا لغوی و اصلاحی معنی	۲۷۷
تفسیر عالمانہ۔ کفار مکہ کو پانچ نعمتیں اور چار دعوتیں	۲۷۹
حضرت ابو طالب کا مشہور خطبہ	۲۸۱
فائدے۔ مسلمانوں کو چار اسلامی حکم	۲۸۳
ہر مسلمان کو قرآن مجید کی چار دعوتیں	۲۸۴
تکبر کرنا شیاطین کی جلت ہے	
احکام القرآن۔ رات کو جاگنا صبح کو سو جانا مکروہ ہے	۲۸۴
مسلمانوں کا حق بات یا کام سے نفرت کرنا گناہ و عیب ہے۔	۲۸۵
از آیت ۷۱ تا ۷۳۔ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ أَهْوَاءَهُمْ تا إِنَّكَ لَتَدْعُوهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ	۲۸۷
تفسیر عالمانہ۔ نظام کائنات ایک حقیقت ہے اس کے چار پہلو	۲۹۰
نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو چار بلندیاں عطا فرمائیں۔	۲۹۲
فائدے۔ مسلمانوں کو شان در مصطفیٰ سے ہی ملتی ہے	۲۹۴
احکام القرآن۔ استنباط قرآنی جائز۔ رائے زنی حرام	۲۹۴
اعتراضات۔ جوابات۔ اتباع واھوا کی تین تین	

marfat.com

قسمیں ۲۹۵
قلبی خواہش کی تین قسمیں ہوتی ہیں ۲۹۶
تفسیر صوفیانہ عدلیات کے سات آسمان وزمین ۲۹۶
از آیت ۷۴ تا آیت ۷۷۔ وَ اِنَّ الَّذِیْنَ لَا
یُؤْمِنُوْنَ تا ۔ اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ ۲۹۸
بلس کے چودہ معنی اور ابواب مجردہ آٹھ ہیں ۳۰۱
تفسیر عالمانہ۔ کفار پر دنیا میں پانچ ظلمتیں ہیں ۳۰۲
بعد ہجرت ایک اہم واقع کی خبر ۳۰۳
بعد ہجرت قحط کی پیشگی خبر پانچ سورتوں میں ۳۰۳
فائدے۔ سب سے بڑی نیکی خوف قیامت ہے اس
کے چار فائدے ۳۰۶
سب سے بدتر فرقہ گستاخ انبیاء سے بدتر عادت
تعصب ہے ۳۰۶
احکام القرآن۔ نیت خیر ہونا سعادت ہے ۳۰۶
رحمت الٰہی سے مایوس ہونا گناہ عظیم ہے ۳۰۷
از آیت ۷۸ تا ۸۱۔ وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمْ تا قَالُوْا
مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۳۰۹
تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ قلت کی چار قسمیں ۳۱۱
لفظ نہار کے دس معنی ۳۱۱
فاعل کے متعلق نحو کا قانون کلی ۳۱۲
فعل قلبی ادراک ہے ادراک کی آٹھ قسمیں ہیں ۳۱۲
آنکھوں سے چار علم حاصل ہوتے ہیں ۳۱۲
دنیا میں انسان تین قسم کے ہیں ۳۱۳
فائدے۔ ہر شکر شکر قلیل ہے تین وجہ سے ۳۱۵
ہر انسانی جسم میں تین کمزوریاں ہیں ۳۱۵
ہر چیز کے جوڑا ہونے سے دو ایمانی فائدے ۳۱۵
احکام القرآن۔ لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ وَلِلْاَقَلِّ
حکم العدم ۳۱۶
اسلامی تقویم (کیلنڈر) میں رات پہلے دن بعد میں
ہوتا ہے ۳۱۶
سمع کے فائدے بصر سے زیادہ ہیں ۳۱۷
آنکھوں کے چار اور دل کے پانچ ادراک ۳۱۷
قالب انسانی میں چھ نعمتیں ہیں ۳۱۹
چار نیکیاں بہت افضل ۳۱۹
از آیت ۸۲ تا آیت ۸۵۔ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا
تُرَابًا تا قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ۳۲۰
فائدے۔ میت کا دفن صحیح وفطری طریقہ ہے ۳۲۵
سب سے سخت کفر دہریت ہے ۳۲۶
احکام القرآن۔ تعلیم نبوی کے بغیر کوئی ایمان درست
نہیں ۳۲۶
اللہ رسول قرآن و حدیث کیلئے معمولی لفظ بولنا گناہ
ہے ۳۲۷
از آیت ۸۶ تا آیت ۹۰۔ قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ
السَّبْعِ تا وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۳۲۹
ملک وملکوت کی ملکیت میں آٹھ طرح فرق ہے ۳۳۳
فائدے کسی کو الٰہ سمجھ کر اس سے مانگنا شرک ہے ۳۳۴
ایمان کی پہلی عبادت اللہ رسول کی معرفت حاصل کرنا
ہے۔ ۳۳۵

marfat.com

کافر و منافق سچی بات کرے تب بھی جھوٹا ہے ۳۴۵
احکام القرآن۔ صفات الٰہی دو قسم کی ہیں ۳۴۵
کفار اور مومنین کے مشکل کشا ماننے میں فرق ۳۴۶
غیر متقی کو دنیا میں پانچ سزائیں ملیں گی ۳۴۸
چار چیزوں کو چار جگہ سنبھالو ۳۴۹
از آیت ۹۱ تا آیت ۹۴۔ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ تا
فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۳۴۹
اولاد سے والد کی چار کمزوریاں ظاہر ہوتی ہیں ۳۴۳
صفات کی دو قسمیں ہیں۔ بالقوہ و بالفعل ۳۴۳
فلا تجعلنی کی پوری دعا سے چھ فائدے ہیں ۳۴۵
فائدے۔ ہر دعا کے آٹھ فائدے ہوتے ہیں ۳۴۶
احکام القرآن۔ اولاد جزئی حقیقی اور والدین کلی حقیقی
ایک دوسرے کی مملوکات کے مالک ہیں ۳۴۶
مال غنیمت فاتحین کی ملکیت ہوتا ہے ۳۴۶
از آیت ۹۵ تا ۹۹۔ وَاِنَّا عَلٰۤی اَنْ نُّرِیَكَ تا قَالَ
رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۳۴۹
همزات کے لغوی معنی سات اصطلاحی معنی گیارہ ہیں ۳۵۱
احسن کون ہے سیء کون ہے ۳۵۲
ادفع بالتی هی احسن کی تعلیم اعلیٰ حضرت کا ایک
شعر ۳۵۳
اللہ رسول کی مدد کے بغیر کوئی بندہ شیطان سے نہیں بچ
سکتا۔ اس کی تین وجہ ۳۵۳
انسان کو شیطان سے سولہ نقصان۔ بچنے کی چار
دعائیں ۳۵۴
فائدے۔ دعا مانگنے کے آداب ۳۵۵
انبیاء کرام علیہم السلام کی قوت و اختیار سب سے زیادہ
احکام القرآن۔ چار عادتیں ہر وقت بری ہیں ۳۵۶
اللہ تعالیٰ کیلئے جمع کے الفاظ بولنا سخت گناہ ہے ۳۵۷
از آیت ۱۰۰ تا آیت ۱۰۲۔ لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا
تَرَكْتُ تا فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۳۵۹
تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ کلا کے آٹھ معنی ہیں ۳۶۱
حرف لا نافیہ کی نو قسمیں ہیں ۳۶۲
بروز قیامت ہر کافر کو تین وقت سخت گھبراہٹ ہوگی ۳۶۴
قیامت میں دنیوی ہر نسب سبب صہر ٹوٹ جائے گا ۳۶۵
بدعقیدہ سید بھی سید نہیں رہتا ۳۶۵
شریعت میں نسبت دو قسم کی ہے ۳۶۵
فائدے۔ لغو کام و کلام ہر جگہ باعث ذلت ہے ۳۶۷
احکام القرآن۔ قیامت میں مومن کا نسب کام آئے گا ۳۶۸
برزخ کی آڑ جسم کیلئے ہے نہ کہ روح کیلئے ۳۶۹
تفسیر صوفیانہ۔ صوفیا کے نزدیک بندے تین قسم کے ۳۶۹
از آیت ۱۰۳ تا آیت ۱۰۷۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ تا
فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ۳۷۱
چہرہ تمام جسم میں اعلیٰ و اشرف ہے تین وجہ سے ۳۷۵
چہرے میں آٹھ خزانے ہیں ۳۷۵
کفار جہنم سے سات بار نکلنے کی التجا کریں گے ۳۷۶
احکام القرآن۔ مومن کا چہرہ بگاڑنا حرام ہے ۳۷۸
شقاوت و ضلالت کفار کا نشان ہے ۳۷۸
دنیا میں مجرم و جرم کی تین قسمیں ہیں

marfat.com

از آیت ۱۰۸ تا ۱۱۱۔ قَالَ اخْسَئُوْا فِيْهَا تا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۳۸۱
مغفرت ورحمت کے پانچ معنی ۳۸۲
فائدے۔ صبر شکر سے بڑی عبادت ہے ۳۸۳
احکام القرآن۔ عبادت اسلامی کا مذاق اڑانا طریقہ کفار ہے۔ سب سے پسندیدہ عبادت ۳۸۳
تفسیر صوفیانہ۔ خودی وبیخودی کا فرق ۳۸۴
اہل سعادت کے چار ثواب۔ اہل شقاوت کو چار عذاب۔ چار شرارتوں کی سزا ذلت ہے۔ ۳۸۹
اہل معرفت کو چار مغفرت وچار رحم دیئے جاتے ہیں ۳۸۹
از آیت ۱۱۲ تا آیت ۱۱۶۔ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ تا اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۳۹۰
فائدے۔ سوال کی سات نوعیتیں ہوتی ہیں ۳۹۶
اصل ایمان ومحبت اور اصل بندگی کیا ہے ۳۹۶
احکام القرآن۔ فاسق عملاً مشابہ کفار ہے۔ ۳۹۷
قرب کی تین قسمیں ہوتی ہیں ۳۹۸
صدیق اکبر نے فرمایا۔ تین عظیم نعمتیں ۳۹۹
مومن کی گفتار کردار رفتار پرواز کیسی ہو ۳۹۹
از آیت ۱۱۷ تا ۱۱۸۔ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ تا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ۴۰۰
وقل رب اغفر دعا کے تین فائدے ۴۰۳
فائدے۔ برہان اور دلیل کا فرق ۴۰۴
دنیوی وعذاب قبر کفر کی اصل سزا نہیں ۴۰۴
احکام القرآن۔ نومسلم تشہد میں رب اجعلنی کی دعا نہ پڑھے اس کی وجہ ۴۰۵
مغفرت ورحمت کی دعا مانگنے سے پانچ سعادتیں ہیں ۴۰۵
سورۂ نور کا مختصر تعارف ۴۰۹
غزوات ستائیس ہوئے ان کی عددی تفصیل ۴۰۹
ہر رکوع کی مختصر تفسیر ۴۱۱
سورۂ نور کے فضائل عملیات وتعویذ ۴۱۹
از آیت ۱ تا ۲۔ سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا تا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۴۲۱
قرآن مجید کی کل سورتیں اور تین حصے ۴۳۳
تفسیر عالمانہ۔ حفاظت فروج کے آٹھ طریقے ۴۳۴
ہر انسان پر تاعمر تین پابندیاں ہیں ۴۳۵
بدتر جرم زنا ہے اس کی دس تباہیاں ۴۳۷
نفاذ اسلامی قوانین میں آٹھ پابندیاں ۴۳۷
فائدے۔ اسلام میں عبادت عدالت تجارت کے قوانین ۴۴۰
کوڑوں والے زنا کی سزا میں دو شرطیں ۴۴۱
زنا بالجبر کی سزا مجبورہ عورت کو نہ ملے گی ۴۴۱
سزاء عقاب وسزاء عذاب کا فرق ۴۴۲
نفس خبیث ہر گھنٹے میں چار زنا کرتا ہے ۴۴۳
از آیت ۳ تا ۴۔ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً تا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۴۴۵
رمی کے گیارہ معنی ہے ۴۴۸
تفسیر عالمانہ۔ دین اسلام کے سوا کسی بھی دنیوی دین نے بدکاری کو نہیں روکا ۴۴۹

marfat.com

قذف کی تین سزائیں جھوٹی تشہیر سے چار خرابیاں ۴۵۱

قذف کے قانونی مسائل ۴۵۲

تمام کافر تین قسم کے ہیں ۴۵۵

حدود اور تعزیر میں بارہ طرح فرق ہے ۴۵۷

فائدے۔ سب سے بڑا جرم زنا ہے ۴۵۹

از آیت ۵ تا ۷۔ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ تا اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۴۶۲

تفسیر عالمانہ۔ قاذف کی گواہی تاعمر قبول نہیں اس کی پانچ وجہ ۴۶۶

چند شرعی قوانین چند اختلافی احکام ۳۶۷

لعان کے چند مسائل، ان آیات میں اختلافی اقوال ۴۶۹

فائدے۔ اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں ہے ۴۷۴

مسلمان مرد و عورت کا سب سے بڑا اعزاز اس کی پاکدامنی ہے اور عورت کی پاکدامنی کی پانچ نشانیاں ۴۷۴

لعنت و بددعا دینا بری عادت ہے ۴۷۴

اخروی دو قسم کے عذاب کا نام لعنت ہے ۴۷۶

از آیت ۸ تا آیت ۱۰۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ تا وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۴۷۷

فضل و فضیلت کا شرعی معنی ۴۷۹

فیصلہ لعان کے بعد حاکم چھ باتیں لکھے ۴۸۰

لعان کے چند شرعی قوانین ۴۸۰

زمانہ نبوی میں مقدمہ لعان چھ بار پیش ہوا ۴۸۰

فائدے۔ لعان میں دو کام فرض ہیں ۴۸۴

فقہ حنفی ہر فقہ پر غالب ہے ۴۸۵

احکام القرآن۔ جھوٹے پر لعنت کرنا جائز ہے ۴۸۵

تفسیر صوفیانہ۔ روح کی پانچ شہادتیں ۴۸۶

از آیت ۱۱ تا ۱۲۔ اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ تا وَ قَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ۴۸۸

افک صدیقہ کا تذکرہ قرآنی پانچ وجہ سے خیر ہو گیا ۴۹۳

تاریخ قرآنی میں چار تہمتوں کا ذکر ہے ۴۹۳

تاریخ اسلامی میں دو عورتیں قابل فخر ہیں ۴۹۳

افک صدیقہ کے مجرم پانچ قسم کے لوگ ہوئے ۴۹۴

افک کا واقعہ ۴۹۵

فائدے۔ برائی کا موجد دگنا مجرم ہے ۵۰۰

از آیت ۱۳ تا ۱۴۔ لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ تا اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۵۰۴

لفظ لولا کی دو قسمیں ہیں ۵۰۶

افک مبین میں لوگوں کے چار گروہ بن گئے تھے ۵۰۷

قاذف کی چار قسمیں ہوتی ہیں ۵۰۸

فائدے۔ سب سے بڑا گناہ ازواج نبی کی گستاخی ہے۔ ۵۰۹

از آیت ۱۵ تا ۱۶۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ تا هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۵۱۱

فائدے۔ ہر نبی علیہ السلام کا ہر کام کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ۵۱۷

احکام القرآن۔ ہر مسلمان اپنی زبان کی احتیاط کرے ۵۱۷

بارہ اعمال جہنم سے بچا کر جنت میں پہنچانے والے ہیں ۵۱۷

marfat.com

واجب حکم کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ شرعی۔ ۲۔ عقلی۔
۳۔ شرعی و عقلی ۵۱۹
از آیت ۱۷ تا ۱۹۔ یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖ تا
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۵۱۹
ان الذین میں آٹھ قسم کے لوگ مراد ہیں ۵۲۳
فائدے۔ پاک دامن مسلمانوں کو نقصان پہنچانا
عذاب الیم کا باعث ہیں اور چار عادتیں سخت بری ۵۲۴
علم و حکمت دو علیحدہ صفتیں ہیں ۵۲۶
از آیت ۲۰ تا آیت ۲۱۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ
تا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۵۲۷
یعظکم میں امر و نہی کے نو احکام نازل ہوئے ۵۳۵
از آیت ۲۲ تا آیت ۲۳۔ وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ
مِنْکُمْ تا وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۵۳۵
صدیق اکبر کی بائیس فضیلتیں ۵۴۰
صدیق اکبر گیارہ بار ثانی اثنین بنائے گئے ۵۴۰
صدیق اکبر کی چھ بلندیاں اور پانچ سعادتیں ۵۴۱
حضرت صدیقہ چودہ مرتبوں میں نساء عالمین سے
افضل ۵۴۲
فرمان نبوی ہے کہ سات موبقات سے بچو ۵۴۲
مقذوفہ عورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں ۵۴۲
فائدے۔ مقبول و مردود بندے کی نشانی ۵۴۳
احکام القرآن۔ حرام و حلال کرنا اور فضیلت و ۵۴۳
افضلیت دینا صرف اللہ رسول کا کام ہے ۵۴۳
چار جرموں سے تمام نیک اعمال برباد ہو جاتے ہیں ۵۴۴
از آیت ۲۴ تا ۲۶۔ یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ تا لَهُمْ
مَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ کَرِیْمٌ ۵۴۶
فائدے۔ حضرت صدیقہ کا تمام امت پر احسان ۵۵۱
احکام القرآن۔ تین قسم کے لوگ مستحق لعنت ہیں ۵۵۲
دنیا میں بارہ خبیثات و تیرہ خبیثون ہیں ۵۵۴
پانچ مرد چھ عورتیں خبیث ہیں ۵۵۴
سولہ چیزیں طیبات، طیب مرد و عورتیں ۵۵۵
از آیت ۲۷ تا آیت ۲۸۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا
تَدْخُلُوْا تا وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۵۵۵
اجنبی گھر میں اذن دخول کے دس آداب ۵۵۹
آداب اجازت سے متعلق چند احادیث ۵۶۰
اجازت لینے کی چار حکمتیں ۵۶۱
آقا ﷺ نے حضرت سعد کو تین دعائیں دیں ۵۶۲
چھ موقعہ پر اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے ۵۶۲
فائدے۔ ہر مسلمان کے ہر مسلمان پر چھ حق واجب ۵۶۴
پانچ طریقے بدمعاشی پیدا کرتے ہیں ۵۶۴
احکام القرآن۔ احادیث و فقہ سے تین چیزیں شدید
حرام فرمائی گئیں۔ ۵۶۴
تفسیر صوفیانہ۔ زیارت مقبول کی آٹھ نشانیاں ۵۶۵
از آیت ۲۹ تا آیت ۳۰۔ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ تا
اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۵۶۵
لفظ جناح کے نو معنی لفظ متاع کے نو معنی ۵۶۷
اس آیت کی تفسیر میں چند احادیث ۵۶۹
فائدے۔ جس کو دیکھ کر شہوت آئے اس کا پردہ فرض ۵۷۱

marfat.com

شرمگاہ کی چار قسمیں۔صرف پانچ شخص کو چہرہ اجنبیہ کا دیکھنا جائز ہے۔اصل پردہ چہرے کا ہے۔ ۵۷۱
ایمان معرفت کی چھ حفاظتیں اور سات نگاہیں ۵۷۴
فاروق اعظم نے فرمایا چار چیزوں سے عبادت کی معرفت ہے ۵۷۵
عثمان غنی نے فرمایا بھلائی چار چیزوں میں ہے ۵۷۵
مولیٰ علی نے فرمایا ایمان کا سفید منافقت کا سیاہ نقطہ دل پر پڑتا ہے ۵۷۵
آیت ۳۱۔ وَ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ تا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۵۷۵
تفسیر نحوی، زینت کی دو قسمیں ۵۷۸
لفظ بعل کے دس معنی ۵۷۹
بھائی بہن کی چھ قسمیں ۵۷۹
لفظ تابع کے چھ اور لفظ ارب کے آٹھ معنی ۵۷۹
تفسیر عالمانہ۔مسلمان عورت کیلئے آٹھ شرعی حکم ان میں پانچ امر ہیں اور تین نہی ہیں ۵۸۱
شریعت میں پردہ تین قسم کا ہے اور ان کے نام ۵۸۲
شریعت میں ابدی حرمت کے تین رشتے ۵۸۳
غیر اولی الاربہ میں آٹھ قسم کے مرد شامل ہیں ۵۸۳
فائدے۔خنثیٰ سے احتیاطاً پردہ لازم ہے ۵۸۶
احکام القرآن۔مسلمان عورت کی شرمگاہ کوئی عورت بھی نہیں دیکھ سکتی ۵۸۶
سب سے بڑا اور اصل پردہ حجاب حیا ہے ۵۸۷
تفسیر صوفیانہ۔ارواح عرفانی مومنات ہیں ان کے لئے چھ حکم ہیں ۵۸۸
بدن باطنی میں بارہ محرم راز لطائف ان کے بارہ مقام ۵۸۹
سچی توبہ کے پانچ عمل چار سعادتوں کا نام فلاح ہے ۵۸۹
از آیت ۳۲ تا ۳۴۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ تا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۵۹۰
فقر کے چار معنی ۵۹۳
تفسیر عالمانہ۔برائی روکنے کیلئے آٹھ قانون
نکاح کی سات قسمیں ۵۹۶
چار کام سنت انبیاء کرام علیہم السلام ہیں ۵۹۷
غلامیت کو قانوناً صرف اسلام نے ختم فرمایا ۵۹۷
دنیا کے پہلے مکاتب کا نام ۵۹۸
مکاتب بنانے کے قوانین ۵۹۸
فائدے۔نکاح شرعی کی نو حکمتیں بندے کے تین حق رب تعالیٰ نے اپنے ذمے لئے ۶۰۱
عبدیت انسانی کو غیر اللہ کی طرف کرنا جائز ہے ۶۰۲
جبریہ گناہ کا عذاب ختم نہیں ہوتا صرف منتقل ہوتا ہے مجبور سے جابر کی طرف ۶۰۳
اعتراضات۔جوابات۔غفاریت کے چھ معنی ۶۰۳
آیت ۳۵۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ تا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۶۰۶
نام کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں ۶۰۸
اس آیت میں اختلافی اقوال۔تشبیہی
مومن کی چار عادتیں اور اس کے لئے دس نور ۶۱۰
دنیا میں گیارہ دوست دشمن ۶۱۲

marfat.com

فائدے۔ ولایت کی تین قسمیں ٦١٣
احکام القرآن۔ صفات الٰہیہ نہ عین ذات نہ غیر
ذات۔ قرب الٰہی کا بڑا ذریعہ نفلی نماز ہے ٦١٤
پانچ بڑے ستارے ٦١٥
تفسیر صوفیانہ۔ قالب مصطفیٰ میں چالیس نور ٦١٦
آسمان دنیا اور آسمان معرفت کے بارہ برج ٦١٦
از آیت ٣٦ تا آیت ٣٨۔ فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ تا
يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ٦١٧
لھو کے دس معنی ٦٢٠
رزق انسانی کی چار قسمیں ہوتی ہیں ٦٢١
تفسیر عالمانہ دنیا میں مسلمانوں کے گھر تین قسم کے ٦٢١
قرآن مجید میں چار قسم کی بلندیاں ذکر ہوئیں ٦٢٢
ہر مسجد کو نو قسم کی بلندی دی جائے ٦٢٢
ہر مسجد میں شرعی فاصلے کی تفصیل ٦٢٢
عبادت الٰہی دو چیزوں کا نام ذکر اللہ کے تیرہ طریقے
اور چار قسمیں ٦٢٢
مساجد میں ذکر کے تیرہ طریقے ہیں ٦٢٢
احسن کی پانچ صورتیں ٦٢٣
فائدے۔ چار اعمال کے چار ثوابوں کا ذکر ٦٢٤
ہر مسلمان پر ہر مسجد کے پچیس حق واجب ہیں ٦٢٥
احکام القرآن۔ مسجد کو مزین کرنا سنت صحابہ ہے ٦٢٦
اعتراضات۔ جوابات۔ تجارت و بیع میں چار طرح
فرق ہے ٦٢٦
اداءِ حقوق چار طرح لازم ہیں ٦٢٧
از آیت ٣٩ تا ٤٠۔ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ
كَسَرَابٍ تا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ٦٢٩
کفار کی حالت حیات و اعمال کی مثال ٦٣٤
احوال کی تمثیلات ٦٣٥
فائدے۔ انسان کی سب سے بڑی بدنصیبی ٦٣٦
از آیت ٤١ تا ٤٣۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ تا
يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ٦٣٩
فائدے۔ تمام مخلوق نماز پڑھتی ہے ٦٤٧
احکام القرآن۔ ہر مسلمان کو تین عادتوں سے بچنا
چاہئے۔ ٦٤٧
از آیت ٤٤ تا آیت ٤٦۔ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ
النَّهَارَ تا اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٦٤٩
لفظ دابہ کے نو معنی ٦٥٢
توحید الٰہی کے تین دلائل ٦٥٣
زمینی جاندار تیرہ قسم کے ہیں ٦٥٤
فائدے۔ چار کام بہت بڑی عبادت ٦٥٦
احکام القرآن۔ ہمیشہ رات پہلے ہوتی ہے ٦٥٦
تین دولتیں ملنی خاص کرم الٰہی ہے ٦٥٦
از آیت ٤٧ تا آت ٥٠۔ وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ تا
بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ٦٥٩
اصل منافقت بعد ہجرت ہوئی اور ان کی تعداد ٦٦٣
یہودیوں کی سات بری عادتیں ٦٦٣
فائدے۔ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ ہی اللہ تعالیٰ کی
بارگاہ ہے ٦٦٦

marfat.com

تفسیر صوفیانہ۔ مرض قلبی سے چار برائیاں ۶۶۷
راہ معرفت میں پانچ آفتیں۔ منافقوں کو چار خوف ہوتے ہیں ۶۶۸
از آیت ۵۱ تا آیت ۵۳۔ اِنَّمَا کَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِیْنَ تا خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۶۶۹
اطاعت واتباع میں تین کامیابیاں ملتی ہیں ۶۷۳
قسم بولنے کیلئے عربی میں تین لفظ ہیں ۶۷۴
یمین کی شرعاً چار قسمیں ہیں ۶۷۴
فائدے۔ دینی عبادات میں طبی فائدے تلاش کرنا اور عوام میں بیان کرنا گناہ ہے ۶۷۵
احکام القرآن۔ تقلید آئمہ واجب ہے۔ ۶۷۵
تفسیر صوفیانہ۔ مخلص کے ہر عمل میں چار صفات ۶۷۶
از آیت ۵۴ تا آیت ۵۵۔ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ تا فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۶۷۷
تفسیر عالمانہ۔ آقاء کائنات ﷺ نے چار طریقے سے تبلیغ فرمائی ۶۸۱
اللہ تعالیٰ نے تین چیزیں تین چیزوں سے جوڑ دیں ۶۸۲
تین چیزوں کا دعویٰ تین عمل کے بغیر جھوٹا ہے ۶۸۲
خلافت کی چھ قسمیں۔ انبیاء کرام علیہم السلام میں بھی چار خلیفہ ہوئے ۶۸۲
فتوحات اسلامیہ کا تفصیلی بیان ۶۸۳
قاتلین عثمان شیعہ رافضی بن کر لشکر مولیٰ علی میں شامل ۶۸۴
قدرت وحکمت کی سات دلیلیں ۶۸۵
تیس سالہ خلافت راشدہ کا ذکر ۶۸۵
فائدے۔ ہدایت الٰہی موقوف ہے اطاعت مصطفائی پر۔ ۶۸۷
خلفاء راشدین صرف چار ہیں امام حسن اس میں شامل نہیں ہیں ۶۸۷
احکام القرآن۔ ایمانیات دو چیزیں ہیں ۶۸۷
خلفاء راشدین کی قرآن وحدیث میں تین نشانیاں
خلفاء مطلقہ کے اسماء پاک ۶۸۸
از آیت ۵۶ تا آیت ۵۸۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ تا وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ۶۸۹
احیان کے چار معنی ۶۹۳
تفسیر عالمانہ۔ اقامۃ نماز تیرہ پابندیوں کا نام ہے ۶۹۴
ہر نماز ہر نمازی کو اکیس چیزیں سکھاتی ہے ۶۹۴
مسلمانوں کی زندگی آٹھ نظاموں سے جڑی ہے ۶۹۵
زکوٰۃ عشر ونیکس کے چھ مصرف ہیں ۶۹۵
فرمان حدیث میں تین مرفوع القلم ہیں ۶۹۶
فائدے۔ صرف اسلام فطری دین ہے ۶۹۸
احکام القرآن۔ اسلامی نام ہی لینا چاہئے ۶۹۹
از آیت ۵۹ تا آیت ۶۰۔ وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْکُمْ تا وَاللّٰہُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۷۰۲
قاعد کے چھ معنی برج کے دس معنی ۷۰۴
عورتوں کی عمر کے آٹھ حصے۔ ان کی چار حالتیں ۷۰۶
فائدے۔ صرف اسلام نے عورت کے حقوق کو تحفظ دیا۔ ۷۰۸
اسلامی قانون کی دو قسمیں ۷۰۸

marfat.com

ہر مسلمہ عورت کو ہر عمر میں ہر قسم کی زینت جائز ہے ۷۰۹
فرقہ منہاج القرآن کا پردے کے خلاف ایک غلط دلیل اور احمقانہ استدلال اور اس کا جواب ۷۱۰
تفسیر صوفیانہ۔ انسانی عمر کے دو حصے ۷۱۱
آیت ۶۱۔ لَيْسَ عَلَى الْأَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْأَعْرَجِ حَرَجٌ تا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۷۱۲
حرج کے لغوی و اصطلاحی آٹھ معنی ۷۱۶
اسماء ستہ مکبرہ کی تفصیل ۷۱۶
ملکیتیں چار قسم کی۔ بھائی کی دو قسمیں ۷۱۸
السلام علیکم سے دس ورحمۃ اللہ کہنے سے بیس و برکاتہ کہنے سے تیس نیکیاں ملتی ہیں ۷۱۹
فائدے۔ ہر مسلمان ہر مسلمان کو صرف السلام علیکم سے ہی سلام کیا کرے۔ دیگر طریقے غلط گناہ ہیں ۷۲۰
احکام القرآن۔ دنیا میں چار قسم کے گھر ہیں ۷۲۱
آیت ۶۲۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تا اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ ۷۲۴
تفسیر نحوی، شان کے تیرہ معنی ۷۲۷
احکام القرآن۔ ضروریات انسانی دو قسم کی ۷۳۰
از آیت ۶۳ تا آیت ۶۴۔ لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ تا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۷۳۱
لفظ قد کی تین قسمیں۔ آٹھ معنی ۷۳۲
تخییر کی دو قسمیں۔ لفظ الا چار طرح مستعمل ہے ۷۳۳
ندا کی اٹھارہ قسمیں۔ فتنے کی چھ صورتیں ۷۳۵
محفل نبوی میں چار قسم کے لوگ آتے تھے ۷۳۶

فائدے۔ نسبت نبوی والی ہر چیز کو اعلیٰ القب سے بولنا واجب ہے ۷۳۷
احکام القرآن۔ تین کام تا قیامت اشد حرام ۷۳۷
تفسیر صوفیانہ۔ چار بہترین نصیحتیں ۷۳۸
روحانیت کے گیارہ دروازے ۷۳۹
نار فراق عذاب الیم ہے ۷۳۹
نداء حقیقت کی سات قسمیں ۷۴۰
فتنہ و عذاب کے سات خطرے ۷۴۰
اللہ والوں کو پانچ قسم کے لوگوں سے بچنا چاہئے ۷۴۱
سورۂ فرقان کا مختصر تعارف ۷۴۲
سورۂ فرقان کے رکوعوں کی مختصر تفسیر ۷۴۳
سورۂ فرقان کے فضائل عملیات۔ تعویذ ۷۴۶
از آیت ۱ تا آیت ۴۔ تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ تا فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۷۴۷
شان نزول۔ تفسیر نحوی۔ مبارک کیا ہے ۷۴۹
سات چیزوں کو فرقان فرمایا گیا ۷۵۰
لفظ دون کے آٹھ معنی ۷۵۱
تفسیر عالمانہ۔ تنزیل متفرقہ کی تیرہ حکمتیں ۷۵۲
اولاد پانچ وجہ سے بنائی جاتی ہے۔ شریک سات قسم کے ۷۵۴
مشرک کی چار قسمیں ہیں۔ ۷۵۵
ظلم، زور، کذب، افتری، عدل میں فرق ۷۵۶
برکت کے پانچ معنی چھ کیفیات چار صفات ۷۵۶
توحید کے چار دعوے اور چار دلیلیں ۷۵۷
فائدے۔ ہر خیر و برکت قرآن مجید میں ہے ۷۵۸

marfat.com

نبی کریم ﷺ کی تین خصوصی شانیں ۷۵۸

احکام القرآن۔ اللہ تعالیٰ کو مختار کہنا گناہ ہے ۷۵۸

اعتراضات۔ جوابات۔ نعمت پانے کیلئے نعمت کے لائق بننا ضروری ہے۔ ۷۵۹

دنیا میں طالب علم دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ۷۵۹

تفسیر صوفیانہ۔ جسم ایمانی میں اٹھارہ خانے ہر خانے میں ایک امانت ہے۔ ۷۵۹

از آیت ۵ تا ۷۔ وَ قَالُوٓا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَہَا تا فَیَکُوۡنَ مَعَہٗ نَذِیۡرًا ۷۶۱

تعلقات۔ تفسیر نحوی۔ املا کے پانچ معنی اور بکرہ کے سات معنی ۷۶۲

اسرار کے چار معنی ۷۶۳

تفسیر عالمانہ۔ جن چودہ کافر سرداروں نے قرآن مجید کو افک وافتری کہا ان کے نام ۷۶۴

دن رات کے سولہ حصوں کے نام ۷۶۴

فائدے۔ نبی کریم ﷺ کو عالم ازل میں ہی پورا قرآن مجید حفظ تھا۔ ہر مسلمان کو پانچ دعائیں ہمیشہ مانگنی چاہئیں۔ ۷۶۷

احکام القرآن۔ قرآن مجید کو مخلوق کہنا بدترین کفر ہے۔ ۷۶۸

از آیت ۸ تا آیت ۱۰۔ اَوۡ یُلۡقٰۤی اِلَیۡہِ کَنۡزٌ اَوۡ تَکُوۡنُ لَہٗ جَنَّۃٌ تا وَیَجۡعَلۡ لَّکَ قُصُوۡرًا ۷۶۹

اسم ظرف کی تین قسمیں۔ کیف کے چودہ معنی ۷۷۲

لفظ تبارک نو جگہ ارشاد ہوا ۷۷۵

فائدے۔ گستاخ نبی پاگلوں کی طرح بدحواس پھرتا ہے۔ ۷۷۷

انبیاء کرام کی صرف ظاہری حالت دیکھنا معجزات پر غور نہ کرنا عادت کفار ہے جب نبی کا ادب نہیں تو کسی کا بھی ادب نہیں رہتا۔ ۷۷۷

از آیت ۱۱ تا آیت ۱۵۔ بَلۡ کَذَّبُوۡا بِالسَّاعَۃِ تا کَانَتۡ لَہُمۡ جَزَآءً وَّمَصِیۡرًا ۷۸۰

لفظ بل چار قسم کا ہوتا ہے ۷۸۲

سعیر کے نو معنی۔ ثبورا کے آٹھ معنی ۷۸۲

تفسیر عالمانہ۔ عقیدۂ قیامت سے سات ایمانیات ۷۸۴

فائدے۔ احکام القرآن ہر مسلمان کو امتیازی نشان اسلامی اپنے جسم پر قائم کرنا لازم ہے ۷۸۷

اعتراضات۔ جوابات۔ دعاء موت حرام ہے۔ ۷۸۸

از آیت ۱۶ تا آیت ۱۸۔ لَہُمۡ فِیۡہَا مَا یَشَآءُوۡنَ تا وَکَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا ۷۸۹

مفرد کی تین قسمیں۔ لفظ بوراً کے آٹھ معنی ۷۹۲

تفسیر عالمانہ۔ جنتیوں کی چھ چیزیں نہ ہوں گی ۷۹۲

بری عادت سات وجہ سے پیدا ہوتی ہے ۷۹۲

ہر زمانے میں کفار کے چار بنیادی عقیدے ۷۹۳

از آیت ۱۹ تا آیت ۲۰۔ فَقَدۡ کَذَّبُوۡکُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ تا وَکَانَ رَبُّکَ بَصِیۡرًا ۷۹۷

فائدے۔ اللہ تعالیٰ کو محنتی بندہ پسند ہے ۸۰۳

اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر جگہ مسجدیں اور سب سے بدتر جگہ بازار ہے ۸۰۳

احکام القرآن۔ دنیا امتحان وابتلا کی جگہ۔ ہر انسان قضاء وقدر کے گھیرے میں ہے ۸۰۴

تمت بالخیر ۸۰۷

marfat.com

اس تفسیر کا تاریخی نام ہے

اشرف التفاسیر

اس تفسیر کی ۱۳۶۳ھ بمطابق ۱۹۴۵ء میں ابتدا ہوئی تھی

اس سیپارے میں

۱۔ سورۃ المومنون مکیہ مکمل چھ رکوع نزول نمبر ۷۴ کل آیات ۱۱۸۔
۲۔ سورۃ النور مدنیہ مکمل نو رکوع نزول نمبر ۱۰۲ کل آیات ۶۴
۳۔ سورۃ الفرقان مکیہ نامکمل دو رکوع کل چھ رکوع نزول نمبر ۴۲ کل آیات ۷۷

اس پارے کی ابتداء ۱۹۹۹-۱۱-۷ بروز اتوار ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ
تفسیر نحوی مکمل ہوئی۔ ۱۶ محرم ۱۴۲۱ھ بمطابق ۲۰۰۰-۴-۲۱ء بروز جمعہ
۲۱ ستمبر ۱۹۹۹ء کو آنکھیں بند تو کام بند۔ پھر شروع ہوا ۲۴ جنوری ۲۰۰۰ء
چار ماہ بعد غرض کہ یہاں تک کام ہوا پانچ ماہ میں

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان بدایونی
نعیمی کتب خانہ گجرات
مفتی احمد یار خان روڈ، گجرات

marfat.com

العطایا الاحمدیہ

فی

فتاوٰی نعیمیہ 5 جلد

مصنف: شیخ التفسیر صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی
خلف الرشید حضرت حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی

جس میں عصر حاضر کے بہت سے اہم مسائل جن میں خرید، فروخت، تجارت، سود، دارالحرب، دارالاسلام، نکاح، طلاق، ناسخ منسوخ، قانون شہادت و دیگر عقائد کے بے شمار مسائل شامل ہیں۔ انتہائی مفصل اور مدلل جواب دیا گیا ہے جس کو پڑھنے کو بعد تشنگی باقی نہیں رہتی اس کے ساتھ ساتھ مسلک حنفی کی مضبوطی اور خوبی کو بھی بہت اچھے انداز میں واضح کیا گیا ہے۔

عوام الناس کے علاوہ فقہ کے طالب علموں کے لئے نہایت ہی مفید کتاب

marfat.com

تصنیفات

صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی
خلف الرشید حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۹	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ	فقہ حنفی کا مدلل ترین فتاویٰ (۵ جلد)
خطبات نعیمیہ	جمعہ و عیدین و دیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریات اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور انکی فکری غلطیوں کی نشاندہی
درود تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب
راہ جنت بجواب راہ سنت	سرفراز خاں گکھڑوی کی کتاب "راہ سنت" منہ توڑ جواب
از بلا (اردو ، انگریزی)	ردّ عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	۴۰۰۰ عربی مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات علیٰ مطبوعات	مشہور اور مستند کتابوں میں چند ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کتابت کی غلطیوں، تصحیح کنندگان کی چشم پوشی، بعد کی ملاوٹ یا بعض جگہ خود مولف غلط فہمی کی وجہ سے انتہائی شدید قسم کی غلطیاں ہوگئیں ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس سخت غلط فہمی یا گمراہی پھیلنے کا خدشہ ہے۔

marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

marfat.com

سُورَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ کا مختصر تعارف

قرآن مجید کی سورتوں کے تعارف اور پہچان میں نو چیزوں کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ ۱۔اس سورت کا نام کیا ہے اور یہ نام کیوں رکھا گیا۔ ۲۔ یہ سورت کیوں نازل کی گئی۔ ۳۔کب نازل کی گئی۔ ۴۔اس نے کیا مضمون دیا۔ ۵۔کس طرح نازل کی گئی ایک دم ساری یا تھوڑی تھوڑی آیات وقفے وقفے سے۔ ۶۔اس سورۃ کا پچھلی سورتوں کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ ۷۔اس سورت کا نمبر تلاوت کیا ہے۔ ۸۔اس سورۃ کا نمبر نزول کیا ہے۔ ۹۔اس سورت سے تا قیامت مسلمانوں کو کیا سکھایا گیا۔لہٰذا مختصر الفاظ میں تعارف یہ ہے کہ اس اٹھارھویں سیپارے میں تین سورتیں ہیں پہلی سورت کا نام المومنون ہے دو وجہ سے رکھا گیا۔پہلی وجہ یہ کہ اس کی پہلی عبارت قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ہے۔دوسری وجہ یہ کہ اس سورۃ کے تمام مضمون میں مومن بننے' مومن رہنے' مومن کے اعمال اس کی شان اور اخروی انجام کا ذکر ہے۔غیر مومن کے اخروی دنیوی نقصان کا بیان ہے۔ ۲۔ یہ سورت توحید' رسالت' اور قیامت پر سچا پکا ایمان لانے کا طریقہ سکھا رہی ہے۔ ۳۔ یہ مکی ہے۔سب ہجر سے پہلے نازل ہوئی اس میں چھ رکوع۔ایک سو اٹھارہ آیتیں۔ایک ہزار آٹھ سو چالیس کلمات۔چار ہزار آٹھ سو دو حروف ہیں۔ ۴۔ اس سورۃ پاک نے مسلمانوں کو سات باتیں سکھائی ہیں۔ ۱۔اخلاق حسنہ یعنی اچھی عادتیں۔ ۲۔نورانی اعمال۔ ۳۔مبارک جذبات۔ ۴۔مضبوط ۵۔مکمل عبادات۔ ۶۔دنیا میں اطاعت واتباع اور آخرت میں فلاح و انعام کا ابدی تخت و تاج۔کفر و کفار کی تردید و مردودیت۔ ۷۔اسلام کے تین بنیادی عقیدے۔توحید' رسالت' قیامت پر تعلیم نبوی کا ایمان۔کفار ان ہی تین چیزوں کے منکر ہوتے ہیں۔توحید کے اس لئے منکر کہ اتنے بڑے جہان کو ایک الٰہ نہیں چلا سکتا۔قیامت کے اس لئے منکر کے دوبارہ نہ کوئی پیدا کرسکتا ہے نہ کوئی پیدا ہوسکتا ہے۔رسالت کے اس لئے منکر کہ ان ہی دو چیزوں پر ایمان لانے کی دعوت و تبلیغ فرماتے ہیں۔اس سورت میں ان تینوں عقیدوں کے دلائل و فوائد بیان فرمائے گئے۔بعض کفار اپنے ایمان لانے کی چند شرطیں پیش کرتے تھے کہ کبھی کہتے کہ ہماری سرداری کی خاطر آیات میں کچھ تبدیلی کر دیجئے۔تاکہ امیر غریب کا فرق ظاہر ہو۔کبھی کہتے فلاں فلاں معجزہ دکھاؤ جو ہماری مرضی اور خصوصی دنیوی بھلائی کا ہو کبھی کہتے کہ ہماری محفل امیرانہ شان سے علیحدہ قائم کرو۔کبھی کہتے کہ جب ہم آئیں تو غریب مسلمانوں کو اٹھا دیا کرو۔وغیرہ وغیرہ۔ان کے ان تمام مطالبوں کی سختی اور جھڑک سے اس سورۃ میں تردید فرمائی گئی اور فرمایا گیا کہ یہ غربا مومنین تم سے ہزاروں درجہ بڑھ کر اللہ کے پیارے ہیں۔ ۵۔ یہ سورت تھوڑی تھوڑی ہو کر وقفے وقفے سے نازل ہوئی۔جس کی تفصیل آئندہ ہر آیت کے شانِ نزول اور نزول میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۶۔ ہر سورت بلکہ ہر آیت کا آپس میں ربط اور تعلق ہوتا ہے یہ بھی تعلقات کے ضمن میں بتایا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۷۔اس سورۃ کا تلاوت نمبر تئیس ۲۳ ہے۔یہی نمبر اولی قدیمی اور مکتوبی ہوتا ہے۔اس نمبر سے مضامین کے سیاق و سباق کے رابطے اور تعلق کا پتہ چلتا ہے۔ ۸۔اس سورۃ کا نمبر نزول چوہتر ۷۴ ہے۔ہر سورۃ کے یہ

marfat.com

دونوں نمبر ہوتے ہیں نمبر نزول سے دو چیزیں بتائی جاتی ہیں۔ ا۔ یہ کب کہاں اور کیوں نازل ہوئی۔ ۲۔ اس سورۃ میں کتنے اور کیا کیا مضامین ہیں۔ اس سورۃ المومنون میں چھ مضامین ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ اس کے چھ رکوعوں کی مختصر تفسیر میں بیان کیے جائیں گے۔ ۹۔ اس سورۃ پاک میں ایمان والوں کو ایک سو اٹھارہ ۱۱۸ مسائل و معارف اسرار و رموز بتائے گئے۔ جن کی تفصیل فوائد اور احکام میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ کے چھ رکوعوں کی مختصر تفسیر

اصطلاح فقہاء میں آیات و احادیث کو نص کہا جاتا ہے۔ علم اصول فقہ کے مطابق نص کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ا۔ عبارۃ النص۔ ۲۔ دلالۃ النص۔ ۳۔ اقتضاء النص۔ ۴۔ اشارۃ النص۔ جو مسائل عبارۃ النص سے بیان فرمائے جائیں ان کو احکام ظاہری کہا جاتا ہے اور جو مسائل دلالۃ النص وغیرہ میں نصوص ثلاثہ سے نکالے اور معلوم کیے جائیں ان کو احکام استنباطی کہا جاتا ہے۔ سورۃ المومنون میں احکام ظاہری تقریباً پندرہ ارشاد ہوئے ہیں جن کی وضاحت اس مختصر تفسیر میں ہر رکوع کی جس آیت میں جو حکم شرعی ظاہراً ارشاد ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ کی جائے گی۔

پہلے رکوع میں

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ مومن ہی کامیاب ہیں اور مومن کی سات نشانیاں۔ **پہلی نشانی** نمازوں کو خشوع و خضوع پابندی وقت سے ادا کرنے والے۔ **دوسری نشانی** مومن کی دوسری نشانی یہ ہے کہ لغویات سے اعراض اور نفرت کرنے والے **تیسری نشانی** یہ کہ خوش دلی اور شرعی طریقے سے فرض زکوٰۃ ادا کرنے والے۔ **چوتھی نشانی** اپنی شرمگاہوں کو حرام کام سے محفوظ رکھنے والے۔ دنیا میں پانچ طریقے سے عورت مرد اپنی شرمگاہ استعمال کرتے ہیں۔ ا۔ زنا سے۔ ۲۔ متعہ سے۔ ۳۔ لواطت سے۔ ۴۔ دینی بیوی خاوند کی وطی سے۔ ۵۔ آقا لونڈی کی وطی سے۔ اسلام نے پہلے تین طریقے حرام کر دیئے۔ زنا۔ متعہ۔ لواطت۔ اور دو جائز رکھے۔ ا۔ نکاح کی وطی۔ ۲۔ آقا بن کر لونڈی سے وطی یہ تا قیامت جائز ہے۔ یہاں آیت نمبر ۶ و ۷ میں یہی مسئلہ بیان ہو رہا ہے۔ مگر حالاتِ زمانہ کے اعتبار سے اب غلامیت ختم ہو چکی ہے لہٰذا اب صرف نکاح کا ہی حلال طریقہ باقی رہ گیا ہے۔ فرمایا جا رہا ہے کہ جو عورت و مرد بذریعہ نکاح شرعی خاوند بن کر اپنی اپنی شرمگاہ استعمال کرے اس پر دنیا و آخرت میں کوئی لعنت و ملامت نہیں۔ اور جو بغیر نکاح متعہ یا لواطت یا زنا سے اپنی اپنی شرمگاہ استعمال کرے وہ دنیا میں اسلام کا باغی ہے اور آخرت میں حد شرعی سے بڑھنے والوں میں۔ لہٰذا اس پر دنیا میں ملامت اور آخرت میں لعنت ہے۔ مومن کی **پانچویں نشانی** امانتوں کو ادا کرنے والے ہیں لہٰذا خائن شخص پکا مومن نہیں ہوسکتا۔ **چھٹی نشانی** مومن متقی وہ ہیں جو آپس کے وعدے اور اللہ تعالیٰ کی قسمیں، منتیں نہایت احتیاط و رعایت کے ساتھ پوری کرنے والے۔ عہد تینوں چیزوں کو شامل ہے وعدہ، قسم، منت **ساتویں نشانی:** ہر نماز کے تمام حقوق کی مکمل حفاظت کرنے والے۔ جن مومن مسلمانوں میں یہ سات نشانیاں مرنے تک ہوں گی۔ ان کا اخروی انعام یہ کہ دائمی وارث و مالک ہوں۔ جنت الفردوس کے۔ آگے ارشاد ہے کہ تمام کائنات کا خالق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے اسی ذات جل و علیٰ

marfat.com

نے انسان کو نو مرحلوں میں پیدا فرما کر دنیا میں بھیجا۔ ا۔ گوندھی مٹی سے۔ ۲۔ غذا۔ ۳۔ غذا سے نطفہ۔ ۴۔ نطفہ رحم مادر میں رکھا گیا۔ ۵۔ وہاں نطفے کو ہم نے جمے خون کا لوتھڑا بنا دیا۔ ۶۔ پھر لوتھڑے کو ہم نے گوشت کا علقہ (ٹکڑا) بنا دیا۔ ۷۔ پھر ہم نے علقہ میں ہڈیاں پیدا کر دیں۔ ۸۔ پس ان ہڈیوں کو ہم نے گوشت اور خوبصورت مضبوط کھال کا لباس پہنا دیا۔ ۹۔ پھر ہم نے جان ڈال کر اس کو ایک عظیم الشان مخلوق بنا دیا۔ مگر یہ عظمت و شرافت لیاقت ہمیشہ نہیں۔ اسکے بعد بے شک یقیناً تم سب پھر مرنے والے ہو مگر مر کر بھی تم ہم سے بھاگ نہیں سکتے۔ قیامت کے دن پھر اسی شکل جسم و روح اور حلیے میں اٹھا کھڑے کر دیئے جاؤ گے۔ آگے ارشاد ہے اے انسانوں تمہاری حفاظت غذائیت صحت کے لیے ہم نے پیدا کیے تمہارے اوپر سات اوپر تلے آسمانوں میں سات راستے سات سیاروں کے لیے۔ ان تمام فلکیات وارضیات میں دور دور تک مخلوق پھیلی ہوئی ہے مگر ہم اپنی کسی مخلوق سے غافل نہیں ہیں۔ اور ہم نے ہی آسمان کی طرف سے اندازوں سے پانی نازل فرمایا تو ہم نے ہی اس پانی کو زمین میں بہت جگہ ٹھہرایا بہت طریقوں سے۔ اور ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ زمین کا سارا پانی واپس لے جائیں۔ پھر ہم نے تمہارے ہی لیے اے انسانوں اس پانی کے ذریعے کھجوروں اور انگوروں کے باغات اگائے۔ ان چیزوں میں تمہارے لیے لذت وصحت کی میوائیت ہے۔ اور ان ہی پھلوں میں سے تم غذائیں بھی کھاتے ہو۔ اے انسانو اسی پانی کے ذریعے ایک ایسی قسم کا درخت بھی اگایا جو اوّلاً طور سینا سے نکلا۔ وہ جہاں بھی اگتا ہے تیل اور سالن کے ساتھ بھرا ہوتا ہے کھانے والوں کے لیے۔ اور کیا تم جانوروں کی نعمت میں غور نہیں کرتے بیشک اس میں بھی تمہارے لیے عبرت ہے کہ ہم تم کو ان کے پیٹوں سے نکلا دودھ پلاتے ہیں۔ اور تمہارے لیے ان جانوروں میں بیشمار دنیوی مال و دولت صحت و عزت عیش و آرام کے نفعے ہیں۔ اور ان ہی میں سے تم کچھ کھاتے بھی ہو۔ اور خشکی میں ان جانوروں پر۔ دریا میں کشتیوں بحری جہازوں پر تم سوار کیے جاتے ہو۔ پہلا رکوع مکمل ہوا۔ اس رکوع میں چھ مسئلے اور سات انعامات کا ذکر ہوا ہے۔ ا۔ اللہ تعالیٰ ہی خالق کائنات ہے۔ ۲۔ دوسرا مسئلہ متعہ حرام ہے۔ ۳۔ لواطت حرام ہے۔ ۴۔ زکوٰۃ کو فرض سمجھ کر ادا کرو۔ ۵۔ نمازوں کے حقوق کو حفاظت سے ادا کرو۔ ۶۔ ہر عہد پورا کرو۔ انعامات ربانی۔ ا۔ آخرت میں ابدی جنت۔ ۲۔ دنیا میں انسان کی پیدائش، عزت، عظمت شرافت۔ ۳۔ آسمانوں کے فائدے۔ ۴۔ بارش کے فائدے۔ ۵۔ باغات شجرات۔ ۶۔ جانور۔ ۷۔ کشتیاں جہاز۔

دوسرے رکوع میں

آٹھ باتیں بیان فرمائی گئیں۔ ا۔ پہلے رکوع کی آخری اور اس رکوع کی پہلی آیت کے رابطے و تعلق کا اس طرح اشارہ ملتا ہے کہ اے لوگو جانوروں کی پیٹھوں پر اور کشتیوں کی سیٹوں پر بیٹھ کر غرور تکبر کفر کی عیاشی فحاشی کرنے کمانے والو۔ کیا تم اس کشتی والے رسول معظم کو جانتے ہو جس کی کشتی کے ذریعے تمہارے ان جانوروں کو اور جن کی اولاد کے ذریعے تمہاری ان نسلوں، اصلوں کو ہم نے بچایا تھا۔ اور البتہ بیشک ہم نے ہی اس نبی رسول نوح کو بھیجا ان کی قوم کی طرف۔ ۲۔ انہوں نے تقریباً ساڑھے نو سو سال اپنی کافر قوم کو توحید و رسالت کی تبلیغ اور متقی مومن بننے کی تلقین فرمائی تھی لیکن کافر قوم کے سرداروں امیروں دولتمندوں نے ہمیشہ ان کی رسالت و نبوت کا یہ کہتے ہوئے انکار ہی کیا اے قوم قبیلے علاقے والو! اس کی تبلیغ و تلقین مت مانو یہ تو تم جیسا ایک عام معمولی غریب مزدور بشر ہی ہے یہ تو ہم سے بھی گھٹیا ہے نہ اس کے پاس سرداری ہے نہ دولت نہ شان و

marfat.com

شوکت کی سبزہ زاری ہے۔ اور نبوت و رسالت کی آڑ میں تم پر فضیلت و بڑائی و بزرگی حاصل کرنا چاہتا ہے۔ کیا اللہ کے پاس اس سے بہتر نہ تھا۔ کہ اس معمولی بشر کو بھی رسول بنا دیا۔ اللہ کو اگر ہمارے جیسے بڑوں کے پاس نبی بھیجنا تھا تو فرشتوں کو بھیجتا۔ نیز یہ جو توحید و رسالت کی تبلیغ کرتا ہے ہم نے اپنے پہلے باپ دادوں سے نہیں سنی۔ یقیناً اس شخص کو جنون ہو گیا ہے۔ لہذا اے عوام الناس اس کی تبلیغ و تلقین ماننے میں جلدی نہ کرنا۔ کچھ دن انتظار کرو۔ بہت جلدی یہ اپنے انجام بد کو خود ہی دیکھ لے گا۔ ۳۔ حضرت نوح جواباً فرما دیا کرتے کہ اے اللہ رب العزت تو ہی مدد فرما۔ ان جھٹلانے والوں کے مقابل۔ ۴۔ تب بہت عرصہ بعد جب کفار کی مدت ڈھیل پوری ہوئی ہم نے اپنے رسول مکرم کو وحی فرمائی کہ ہمارے حکم وحی کے مطابق ہماری نگرانی و حفاظت میں ایک بہت بڑی آبدوز کشتی اپنی کاریگری صنعت کاری سے بناؤ۔ جب وہ کشتی بن کر تیار ہو گی تو جب ہمارا حکم عذاب آیا۔ اور ایک تندور سے طوفانی پانی ابلتا ہوا پھوٹتا ہوا نکلا۔ تو ہم نے اپنے رسول معظم نوح کو حکم فرمایا کہ اس کشتی میں تمام جاندار مخلوق کا ایک ایک جوڑا نر و مادہ سوار کر لو۔ اور اپنے تمام اہل و عیال کو بھی (اہل تمام مومنین) اور عیال اہل خانہ ایک مومنہ بیوی تین بیٹیاں تین مومن بیٹے) مگر ان اہل قرابت کو سوار نہ کرنا جن کے ہلاک و غرق کر دیئے جانے کی تقدیر مبرم کا فیصلہ ہو چکا ہے اور جن کا کفر اے نوح تمہارے سامنے ظاہر ہے (یہ کل پانچ بندے تھے) اور کشتی میں کل مومن انسان اٹھتر ۷۸ عدد تھے۔ انتالیس ۳۹ مرد خاوند اور انتالیس عورتیں ان کی بیویاں۔ اور اپنی قوم کے کسی بھی موذی ظالم کے بارے میں بھی اے نوح مجھے سفارشی خطاب و دعا نہ کرنا۔ کیونکہ تقدیر مبرم میں وہ سب بھی بیشک غرق کئے ہوؤں کے ساتھ لکھے جا چکے ہیں۔ ۵۔ پھر جب تم اے نوح اور تمہارے ساتھ کی تمام مخلوق کشتی پر ٹھیک ٹھاک اپنی اپنی جگہ سما جائے تو ان لفظوں سے اپنے رب تعالیٰ کی حمد کرنا کہ تمام تعریفیں اس مولیٰ تعالیٰ کے لیے ہیں۔ جب شفیق و کریم نے ہم سب ساتھیوں سواروں کو ظالم اور موذی لوگوں سے بچا لیا۔ ۶۔ پھر جب کشتی چل پڑے تو یہ دعا عرض کرنا۔ اے اللہ جل جلالک میرے رب اب اس کشتی سے مجھ کو کسی برکتوں رحمتوں والی منزل پر اتار۔ اور بس تو ہی سب سے زیادہ اچھا اتارنے والا ہے۔ یہ تھا نوح علیہ السلام کا مختصر قصہ۔ ۷۔ بیشک اس میں البتہ بہت بڑی قدرت و عبرت کی نشانیاں ہیں۔ اور اسی لئے تا قیامت مسلمانوں کو یہ واقعات سنائے جا رہے ہیں۔ اور بیشک ہم تا قیامت ہر انسان کو طرح طرح سے تکلیف و آرام میں مبتلا کر کے آزمانے والے ہیں۔ ۸۔ اس غرق کفار کے بہت بعد اسی کشتی کے چند لوگوں کی اولاد اور نسلوں سے پھر ہم نے کئی زمانوں میں دوسری قومیں پیدا فرمائیں (قوم عاد و ثمود۔ آل فرعون وغیرہ) تو ان سب قوموں میں بھی ہم نے اپنے رسول بھیجے انہی کے قرابت دار رشتہ داروں میں ہی زندگی گزارنے والے۔ ان انبیاء عظام رسولانِ کرام علیہم السلام نے بھی اپنی اپنی قوموں کو توحید و رسالت حشر نشر اخروی جزاء و سزا پر ایمان لانے کی تبلیغ اور مومن متقی بننے کی تلقین فرمائی تھی دین تو سب کا ایک ہی ہوتا رہا صرف دنیوی کے نام اور شریعتوں کے احکام میں تغیر تبدل و نسخ ہوتا رہا۔ اس رکوع کی آیت نمبر ۲۴ میں یہ مسئلہ بیان فرمایا گیا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو بشر کہتے پھرنا اور عام معمولی بشر سمجھنا کفار کا کفریہ گستاخانہ حبیثانہ رویہ ہے۔ ہر مسلمان کو ایسی گفتگو و عقیدۂ کفریہ سے بچنا چاہئے۔

تیسرے رکوع میں

دس باتیں ارشاد ہوئیں۔ ۱۔ فرمایا گیا کہ خلقت ثانیہ میں طوفانِ نوحی کے بعد جن قوموں کو ہم نے زمین پر بسایا ان کو ہم نے

marfat.com

زمین کی شاندار خوشحالیاں دیں کہ دولت قوت حکومت صحت کی زندگی والے تھے مگر ہمارے انبیاء کرام کے ساتھ انہوں نے وہی بدسلوکیاں کیں جو ہر کافر قوم کرتی ہے۔ توحید الٰہی کا کفر رسالت اولاد کی تکذیب۔ قیامت کا انکار۔ ان کفار نے بھی اپنے ماتحتوں غریب عوام سے یہ ہی کہا کہ یہ نبی بننے اور رسالت کا دعویٰ کرنے والا صرف تمہاری طرح کا عام معمولی انسان ہے۔ یہ سرداران کفر مِثْلُنَا بھی نہ کہتے تھے۔ کیونکہ اپنی دولت قوت شان وشوکت سرداری کی بناپر اپنے نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بھی نہ سمجھتے تھے۔ اور کہتے تھے کہ دیکھو اے لوگو یہ نبوت کا دعویدار تمہاری طرح غریبانہ غذائیں کھاتا ہے تمہاری مثل ہی پیتا ہے تم میں اور اس میں کوئی فرق نہیں لہٰذا تم لوگ ہرگز اس پر ایمان نہ لانا۔ اگر تم لوگوں نے اس کی اطاعت کی تو پوری زندگی کا نقصان وخسارہ کر بیٹھو گے۔ کیا یہ تم سے ایسی انہونی اور ناممکن باتیں نہیں کرتا۔ کبھی کہتا ہے کہ جب تم مرجاؤ اور مٹی ہو جاؤ گے تمہاری ہڈیاں بکھر جائیں گی۔ پھر تم کو اس طرح صحیح سلامت زندہ کر کے قبروں سے نکالا جائے گا۔ ہے نا یہ حماقت اور بے عقلی اور پاگل پن کی باتیں۔ عربی میں هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ کا لفظ دوبار اس جگہ بولتے ہیں جہاں کسی کی بات یا کام کا مذاق اڑاتے ہوئے افسوس اور نفرت اور غم وغصے کے لہجہ میں اظہار کیا جائے۔ اے لوگو اس نبی بننے والے کی زبان سے جس جزا وسزا عذاب و ثواب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ سب لغو جھوٹی اور ناممکنات میں سے ہیں۔ اس دنیوی زندگی کے سوا اور کوئی زندگی نہیں ہے۔ بس اسی طرح ہم اپنے حساب میں زندگی گزاریں گے اور پھر مر کر ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائیں گے۔ پھر کبھی بھی ہم کوئی بھی نہ اٹھائے جائیں گے۔ یہ اپنے آپ کو نبی کہنے والا مرد تو نرا جھوٹا اور اللہ پر جھوٹی باتیں لگانے والا ہے کہ مجھے اللہ نے نبی بنایا اور قیامت میں دوبارہ اٹھائے جانے کا اس اللہ نے بتایا ہے۔ سب کچھ غلط ہم تو اس پر کبھی بھی ایمان لانے والے نہیں۔ ۲۔ انبیاء کرام علیہم السلام اپنے اپنے قبیلے والوں کو سمجھا سمجھا کر ان کی طرف سے مایوس ہو گئے تب ہر نبی علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے عرض کی کہ اے میرے رب ان جھٹلانے والے کافروں کے مقابل میری مدد فرما۔ ۳۔ رب تعالیٰ نے فرمایا اے نبی اب ذرا انتظار کرو دیکھتے جاؤ۔ اس وقت سے تھوڑی مدت بعد یہ کفار اپنے غرور تکبر حماقت وکفر پر نادم ہو جائیں گے پھر روئیں گے تڑپیں گے پچھتائیں گے۔ ۴۔ پھر کچھ دنوں بعد پکڑ لیا۔ ان سب منکر ومسخروں کافروں کو ایک سخت ترین حقی سچی ظاہر ظہور کڑکتی چیخ نے۔ اس چیخ سے ان کے قلب وجسم پھٹ گئے۔ اس طرح ہم نے ان کو ریزہ ریزہ بنا دیا۔ پس دور کی لعنت ملامت ہلاکت ہے ہر ظالم قوم کے لیے۔ ۵۔ پھر ان قوموں کی عبرت ناک ہلاکت کے بعد کچھ اور دوسری قومیں ہم نے پیدا فرمائیں۔ ۶۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ دنیا میں آنے والے ہر فرد ہر قوم قبیلے کے لیے زندگی کا ایک زمانہ مقرر ہے کوئی امت بھی انفراداً یا اجتماعاً اپنی اس مدت حیات سے نہ آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے اور پہلے ہو سکتی ہے۔ ۷۔ پھر ہم نے ہر ہر قوم میں ان کے اپنے اپنے زمانوں میں۔ باری باری اپنے رسول بھیجے۔ تو جب بھی کسی امت دعوت کے پاس ان کے رسول مکرم پہنچے۔ ان کافروں نے ان کو جھٹلایا۔ اور جب ان کی تکذیب انتہا کو پہنچتی رہی اور انبیاء علیہم السلام کو انکے ایمان سے مایوسی ہوتی رہی اور مایوس ہو کر بددعا فرمائی تو ہم نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی بددعا کو قبول فرما کر سب کفار کو آگے پیچھے بعض کو بعض کے بعد باری باری ہلاک کر دیا۔ اور ان قوموں کو ہم نے اگلی قوموں کے لیے عبرت وحیرت کے قصے کہانیاں بنا دیا۔ کیونکہ دور کی لعنت وہلاکت ہے ہر اس قوم کے لیے جو بار بار ہر طرح پیار ومحبت سے سمجھانے سے بھی ایمان نہیں لاتی۔

marfat.com

۸۔ پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے نائب وزیر بنا کر ان کے بھائی ہارون کو رسول بنا کر اور اپنی بہت سی قدرتی نشانیوں کے معجزے دے کر بھیجا۔ اور بڑی زبردست ایک ظاہر ظہور قوت بھی بطور معجزہ ہم نے ان کو عطا فرمائی تھی۔ یہ سب معجزات دے کر فرعون اور درباری وزیروں مشیروں سرداروں کی طرف بھیجا تو انہوں نے بھی تکبر ہی کیا اور اسی تکبر نے ان کو مومن متقی نیک پاک بننے سے روکا۔ اور وہ مغرور و متکبر لوگ تھے بھی بہت بد دماغ سرکش خود کو بڑا سمجھنے والے۔ اسی غرور میں آ کر وہ بولے کہ کیا ہم ان دو اپنے جیسے بشروں کو نبی رسول مان کر ان پر ایمان لے آئیں۔ حالانکہ ان دونوں کی ساری قوم تو زمانوں سے ہماری غلام و کمی ہے۔ بس اسی غرور و تکبر میں پھنس کر فرعون اور فرعونیوں نے ہمارے ان دونوں رسولوں کو جھٹلا دیا۔ بس وہ سب فرعونی کافر بھی تقدیر مبرم کے فیصلے سے ہلاک کئے ہوؤں میں شامل کر دیئے گئے۔ ۹۔ پھر فرعونیوں کی ہلاکت غرقابی کے بعد ہم نے موسیٰ کو کتاب توریت عطا فرمائی۔ تاکہ ان کی قوم بنی اسرائیل اس کتاب الٰہی سے دین دنیا شریعت طریقت حقیقت معرفت کی ہر طرح ہدایت حاصل کرے۔ ۱۰۔ اور بہت زمانوں کے بعد ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو قوم کی ہدایت کے لیے اور ان کی والدہ مریم کو بھی اپنی قدرت کی ایک نشانی بنا دیا۔ اور ہم نے ان دونوں کو بہت بلند رہائش کے قابل مقام و مکان عطا فرمایا۔ جو چشمے دار تھا۔ اس رکوع میں مسلمانوں کو دو مسئلے سمجھائے گئے ایک یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو کبھی بھی اپنے جیسا بشر نہ کہنا نہ سمجھنا کیونکہ یہ کفریہ بات کفار کا طریقہ وعقیدہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کی بشریت بھی بے مثل ہوتی ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ کبھی غرور و تکبر نہ کرنا کیونکہ اس سے ایمان نصیب نہیں ہوتا۔ اور اگر پہلے مل چکا ہو تو چھن جاتا ہے۔

چوتھے رکوع میں

سات باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔ ۱۔ اے شریعت والے رسولو اپنی اپنی امت کو عمل تبلیغ فرماتے ہوئے ہر طیب غذاؤں میں سے کھاؤ اور قوم کے سامنے ہر اچھا کام خوب ظاہر کر کے ادا کرو۔ تاکہ امت کے ہر فرد گروہ کو معلومات حاصل ہو جائے کہ دین کے شرعی کام یہ ہیں۔ اور یہ یہ چیز کھانا حلال ہیں اور جو کام انبیاء علیہم السلام نہ کریں تو سمجھ لیا جائے کہ یہ کام اور یہ خوراک ناجائز و مکروہ اور حرام ہے۔ ۲۔ اے عوام و خواص۔ انبیاء و رسول امت دعوت واجابت بیشک میں تمہارا رب ہوں ان تمام اعمال اقوال و افعال کو جو تم کرتے کہتے ہو جاننے والا ہوں۔ ۳۔ اور اے لوگو یہ بھی یاد رکھو کہ بیشک یہ دین شروع سے ہر نبی رسول مرسل کی قولی عملی تبلیغ و بعثت و دعوت میں ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ ہر نبی علیہ السلام نے توحید و رسالت عبادت و قیامت پر ایمان لانے کی دعوتِ دین اور تبلیغ مبین فرمائی۔ اور سب انبیاء و رسول علیہم السلام نے اپنی اپنی قوم کو یہی فرمایا۔ کہ ارشاد الٰہی ہے کہ میں ہی واحد لاشریک تم سب مخلوق کا رب ہوں لہٰذا فقط میرا ہی تقویٰ رکھو۔ انبیاء علیہم السلام کے اتنے سمجھانے کے باوجود ان بدبخت کفار اور فرقے باز منافقین نے ٹکڑے ٹکڑے فرقے فرقے بنا لیا اور ملت واحدہ کو پارہ پارہ کر دیا۔ اور ہر فرقہ باز گروہ اپنی اپنی فرقے بازی پر مغرور و مسرور ہے۔ آج تک ایسا ہو رہا ہے لہٰذا اے حبیب کریم صلی اللہ علیہ وسلم چھوڑ دو ان ضدی بیوقوف فرقے بازوں کو ان کی اسی غفلت ضلالت حماقت میں جو ان کے دل و دماغ پر چھا چکی ہے۔ موت کے وقت تک۔ ۴۔ کیا یہ کفار اپنی سرداری، حکمرانی، دولت، قوت، ثروت، عیش و عشرت دیکھ دیکھ کر یہ گمان کئے بیٹھے ہیں کہ ہم جو ان کی مدد فرما رہے ہیں اس مال و دولت کی کثرت اور خوبصورت صحت مند اولاد کی عطا سے تو یہ ہم جلدی جلدی ان کو بھلائیاں ان

marfat.com

کے اعمال و کردار سے خوش ہو کر ان کو پہنچا رہے ہیں۔ نہیں یہ بات نہیں بلکہ وہ اس ہماری ڈھیل دینے کا شعور ہی نہیں رکھتے۔ ۵۔ شعور و سمجھ والے تو فقط بیشک وہ خوش نصیب لوگ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے جلال سے مرعوب ولرزاں رہنے والے ہیں اور وہ ہی اپنے رب تعالیٰ کی تمام آیتوں قدرتوں پر سچا پکا دائمی ایمان لانے والے ہیں اور وہی لوگ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے۔ اور یہی لوگ راہِ خدا میں ہر طرح سے خیراتیں اور صدقات کرتے رہتے ہیں۔ جو بھی انہوں نے دیا تو اس عاجزی مسکینی سے دیا کہ ان کے دل اس بات سے خوف و ہیبت میں دھڑکتے رہتے ہیں کہ ایک دن وہ اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف حسابِ اعمال کے لیے رجوع کرنے والے ہیں۔ یہی پیارے محبوب و پسندیدہ بندے ہر نیکی کو جلدی کر لینے والے ہیں۔ اور وہ ہی خوش بخت بندے ان نیک کام کردار اچھائیاں بھلائیاں کرنے کے لیے سب سے آگے آگے رہنے والے ہیں۔ حالانکہ ہم کسی بندے کو اس کی ہمت وقوت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے۔ ۶۔ اور ہمارے پاس ایک ایسی ابدی قدیمی مضبوط کتاب ہے جو حق و سچ ہی بولتی ہے۔ اور وہ کوئی بندے اچھے یا برے ذرہ بھر ظلم نہیں کیے جائیں گے۔ بلکہ بے شعور بے عقل کفار کے دل غفلت حماقت ضلالت کے پردوں میں چھپے پڑے ہوئے بے خبر ہیں۔ اس لَا یُظْلَمُوْنَ کی حقیقت و حقانیت سے اور اسی وجہ سے ان کفار کے اعمال ان سچے اچھے اعمال سے مختلف ہیں۔ یہ کفار اپنی بد عملیاں کفر سازیاں اس وقت تک کرتے رہنے والے ہیں جب تک کے ان کے پاس دولت خوشحالی کی ڈھیل ہے۔ یہاں تک کہ جب ہم ان کے سرداروں، امیروں، دولتمندوں گمراہ رہنے اور گمراہ کرنے والوں کو عذاب سے پکڑ جکڑ لیں۔ تب وہ بے بسی بے کسی سے چیخیں چلائیں گے۔ اس وقت ان کو کہا جائے گا کہ آج یوم عذاب ہے نہ چیخو چلاؤ تڑپو اب کیوں چیختے ہو۔ اب یہ چیخنے چلانے بچاؤ بچاؤ کا شور مچانا بیکار ہے۔ کیونکہ بے شک تم کوئی بھی اب ہماری طرف سے ذرہ بھر مدد نہ کیے جاؤ گے بیشک بہت مدت تم کو مہلت ڈھیل دی جا چکی ہے۔ بار بار میری آیتیں تم پر تلاوت کی گئیں تو اس وقت جب توبہ کرنے مومن متقی بندہ بننے کا وقت تھا تم لوگ انتہائی نفرت مغروریت دولت کے خمار میں بدمست وخرمست ہو کر پچھلے قدموں ایڑیوں کے بل لوٹ جایا کرتے تھے اور دور بیٹھ کر اس قرآنِ مجید نبی حمید کے بارے میں طرح طرح کی سَمِرًا۔ بیہودہ سرائی، افسانہ نگاری کیا کرتے تھے۔ اس وقت دنیوی حیات کے لمحات میں کیا کبھی ان بدبختوں نے اقوال قرآن نبی کے فرمان میں تحمل تیقن تعقل و تذکر سے تدبر کیا تھا۔ چاندنی راتوں میں درختوں کے نیچے بیٹھ کر دنیا جہان کے جھوٹے قصے کہانیاں تو سنتے سناتے تھے مگر کبھی فکر انجام ذکر اذکار تدبر آیات کے لیے بھی وقت نکالا تھا۔ حالانکہ یہ انجام سزا و عذاب تم کو ہمارے نبی نے سب کچھ کھول کھول کر سنا دیا تھا۔ تلاوتوں میں پڑھا دیا تھا۔ یا ان کفار کے پاس کوئی ایسی خوشخبری نجات آ گئی تھی جو ان کے عذاب سے ہلاک شدہ پہلے باپ دادوں کے پاس نہیں آئی تھی۔ یا یہ رسول مکرم کوئی اجنبی تھے کہیں سے اچانک آ گئے تھے کہ ان اہل مکہ کفار نے اپنے ان رسول کو ان کے بچپن جوانی بڑھاپے کو ان کے قولی عملی کردار و اخلاق کو نہ پہچانا ہو تو وہ کفار ان رسول معظم کے منکر ہوئے ہیں یا ان کے بارے کہتے پھرتے ہیں کہ اس شخص کو جنون ہے ایسی کوئی اجنبیت یا ناواقفی نہیں ہے۔ بلکہ دلوں میں یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ رسول برحق ہی ان کے پاس آیا اور حق کلام لایا اور سچ پیغام سنایا ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ ان کفار میں اکثریت اور سرداری کے جتھے دار لوگ اسلام کے عادلانہ اور حق نظام۔ امیر غریب کے مساویانہ احکام سے نفرت و کراہیت کرنے والے

marfat.com

ہیں ان کو اپنے ظالمانہ سرداری جابرانہ حکمرانی غلاموں پر حکومت غریبوں پر چودھراہٹ چھن جانے کا خطرہ ہے اسی لیے اسلام سے خائف ہیں اور چاہتے ہیں کہ حق بھی ان کے تابع ہو جائے حالانکہ یہ ناممکن ہے کیونکہ اگر حق ہی ان کی باطل خواہشات کے پیچھے لگ گیا تو پھر آسمانوں اور زمین میں صلاحیت و درستی کون کہاں سے لائے گا۔ البتہ ہر طرف زمین و آسمانوں میں فساد ہی فساد مچ جائے۔ زمین میں کفر شرک ظلم ومنافقت کا اور آسمانوں میں بے برکتی بے رحمتی کا فساد۔ اور آسمانوں زمین کے تمام ان لوگوں میں بھی فساد برپا ہو جائے جو ان میں رہتے ہیں۔ اور پھر چونکہ فساد کی بنا پر آسمان اور زمین کا قیام بیکار ہو جائے لہٰذا قیامت آ جائے اور ہر چیز فنا کر دی جائے۔ ۷۔ لہٰذا سمجھ لو کہ حق اور حق والے کبھی بھی کسی بھی باطل کی پیروی نہیں کر سکتے۔ بلکہ ہم حق کو ان کے پاس لائے ہیں ان کی نصیحت کی وجہ سے ہیں۔ تو وہ خود ہی ایسے بیوقوف بدقسمت ہیں کہ اپنے فائدے مند نصیحت سے معرضون منہ پھیرنے رخ موڑنے والے ہیں۔ ۸۔ کوئی پوچھے اُن حمقا اور اپنا نقصان کرنے والے کے بارے میں کہ اے نبی کیا تم ان کفار یا دیگر لوگوں سے اپنی محنت مشقت کی تبلیغ و تلقین پر کوئی فیس یا اجرت طلب کرتے ہو۔ آپ کی اجرت بشکل اجر و ثواب تو آپ کے رب کے پاس ہے۔ اور آپ کے رب تعالیٰ کا عطا کردہ اجر و ثواب۔ تو تمام کائنات سے اچھا ہے اور وہی اللہ تعالیٰ پروردگار سب رازقوں سے اچھا رازق رزاق ہے۔ ۹۔ یہ گستاخ کفار کیوں ایسے بیہودہ گمان لیے بیٹھے ہیں حالانکہ بیشک اے محبوب تم تو ان کو صرف صراط مستقیم کی طرف ہی بلاتے ہو۔ تمہارے آستانے سے تو سب کو صرف ہدایت ہی ملتی ہے۔ دین کی بھی دنیا کی بھی شریعت کی بھی طریقت کی بھی اِرائۃ کی بھی ایصا کی بھی جنت کی حصولی کی بھی جہنم سے دور کی بھی کوئی صبح مانگے شام مانگے تا قیامت نہیں سنتا ہی نہیں مانگنے والا تیرا۔ یہاں فقط یَھْدِیْ بِہٖ کَثِیْرًا کی جلوہ گری ہے۔ یُضِلُّ بِہٖ کا نام ونشان نہیں ہے۔ اور ان بدبختوں کی حالت یہ جو آخرت پر ایمان نہیں لانا چاہتے۔ کہ سیدھے ہی راستے سے پیٹھ پھیرے بیٹھے ہیں ان کی بدنصیبی کی یہاں تک کیفیت پہنچ چکی ہے کہ اگر ہم ان پر دنیوی رحم کریں اور تمام وہ مصیبتیں ان سے دور کر دیں جو ان کو لگی ہوئی ہیں تب بھی بجائے شکر کرنے احسان ماننے کے وہ اپنی کفریہ سرکشی میں اندھے بن کر بڑھتے ہی جائیں گے اگرچہ بھٹکتے ٹھوکریں کھاتے پھریں اس کا مظاہرہ مشاہدہ لوگوں مؤرخوں مسافروں نے اس وقت بھی کیا جب ہم نے البتہ بیشک ان سرکشوں کو عذاب میں پکڑ لیا تو وہ ضد کے پکے کفر کے ہٹے پھر بھی سچے دل سے۔ اپنے رب کریم شفیق ورحیم کی بارگاہِ رحمت و برکت نعمت وعزت میں نہ جھکے۔ اور اب بھی ظلم کفر گناہوں سے سچی توبہ نہیں کرتے۔ یہاں تک کہ جب ہم نے بعد موت قبر میں ان پر عذاب شدید کا دروازہ کھولا تب وہ ہر طرح کی بے بسی بے کسی کی وجہ سے مایوس ومحتاج ہو کر رہ جانے والے ہو گئے بہتر ہے کہ مرنے سے پہلے ہی بندہ بن جائیں۔ اس رکوع میں شریعت اسلامیہ کے چار مسئلے بیان فرمائے گئے پہلا یہ کہ اے مومنو صرف حلال طیب غذا اور پاکیزہ چیزیں ہی کھاؤ کیونکہ اکل حلال سے صدق مقال ہے اور صدق مقال سے عبادتِ کمال ہے اور عبادتِ کمال سے ولایت لازوال ہے۔ دوم زنا بدترین جرم ہے۔ سوم ہر ایک کی امانتیں ادا کرنا ہی ایمانِ مومن ہے۔ چہارم یہ کہ آستانہ مصطفی ﷺ سے صرف ہدایت الٰہیہ ہی ملتی ہے بشرطیکہ کوئی غلامِ بلال بن کر مانگے۔

پانچویں رکوع میں

دس باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔ ا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے لوگو تمام مخلوق میں سے سب سے زیادہ تمہارے جسم میں تم کو وہ

marfat.com

نعمتیں عطا فرمائی گئیں جو تمہارے سوا کسی بھی جاندار یا غیر جاندار کو نہ دی گئیں کہ تمہارے ایسے کان بنائے گئے جو صرف سنتے ہی نہیں بلکہ سن کر بیسیوں علوم و شعور افہام و افکار حاصل کر لیتے ہیں ایسے ہی تم کو جو آنکھیں ملیں دیکھنے کے علاوہ بھی ان سے کثیر فنون و معلومات کی دولتیں حاصل کر لیتی ہیں۔ اور ایک سب سے بڑی نعمت تمہارا دل ہے جو ہزار ہا عقلیات، علمیات عرفان وایقان کا معدن و منبع اور مقامِ فکر و فن ہے۔ ان نعمتوں کی احسان مندی میں اگر تمام عمر ہمہ وقت تم شکر میں سجدہ ریز ہو تب بھی بہت تھوڑا ہو جو تم شکر کرو مگر ہم کو وہ تمہارا تھوڑا شکر بھی منظور و پسند ہے۔ بشرطیکہ تم ہمارے بتائے ہوئے طریقے سے شکر کرو یہاں تمام ظاہری باطنی نعمتوں انعاموں کا شکریہ فقط یہ ہے کہ تم اپنے جسم و قلب کو ہمارے نبی ﷺ کے اقوال اور افعال کی اتباع میں لگا دو۔ اور تا عمر اپنے وجود و اعضاء کان آنکھوں ہاتھ پاؤں کو اس طرح استعمال کرو جس طرح ہمارے نبی فرمائیں اور کر کے دکھائیں۔ انبیاء علیہم السلام کی ماننا ہی ہمارا شکر بجالانا ہے۔ نبی علیہ السلام کا آستانہ اسوۂ حسنہ چھوڑ کر کچھ کرتے گڑگڑاتے عاجزی دکھاتے رہو وہ ہمارا شکر نہ ہوگا۔ ۲۔ وہ اللہ وہی ہے جس نے تم سب انسانوں کو عزت شرافت غلبے کی بیشمار قوتیں دے کر اپنی پوری زمین پر پھیلا دیا۔ لیکن یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ وَاِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ اور پھر آخر انجام کار تم سب اسی رب تعالیٰ کی بارگاہ کی طرف جمع کئے جاؤ گے۔ تمہارے تمام وجود پر اسی کا قبضہ قدرت ہے۔ ۳۔ اور وہی ہے جو تم کو فنا سے بقا میں زندہ کرتا ہے۔ اور وہی بقا سے فنا کی موت مار ڈالتا ہے۔ یہ زمانوں کا اتار چڑھاؤ موسموں کی آمد و رفت رات و دن کا مختلف ہونا کہ دن بڑا رات چھوٹی کبھی رات بڑی دن چھوٹا سب اسی رب قدیر کی قدرتیں قوتیں ہیں۔ ۴۔ کیا ان ظاہر ظہور نشاناتِ قدرت کو دیکھ کر بھی تم کو عقل نہیں آتی۔ بلکہ اسی بے عقلی اور جہالت سے ان کفارِ موجودہ نے بھی وہی اسی طرح کفریہ باتیں کیں جس طرح پہلے کافروں نے کیں تھیں۔ انہوں نے بھی کہا تھا کہ ان موجودہ کفار نے بھی کہا کہ کیا جب مر جائیں اور گوشت مٹی بن کر علیحدہ خاک بن کر بکھر جائے گا اور ہڈیاں علیحدہ بکھر جائیں گی ہائے تعجب کیا بھلا ہم پھر اٹھائے ہوؤں میں سے ہو سکتے ہیں؟ کیا نشر حشر قیامت ممکن ہے۔ ہرگز نہیں یہ سب ان نبیوں کی جھوٹی باتیں ہیں۔ جن باتوں کا ہم سے وعدہ کیا جا رہا ہے کہ قیامت ہوگی تم سب انسان مرنے کے بعد زندہ کئے جاؤ گے حساب و کتاب سزا و جزا ہوگی یہ باتیں کئی صدیاں پہلے ہمارے باپ دادوں سے بھی کی گئیں تھیں۔ مگر نہ اس وقت قیامت آئی نہ اب ابھی تک آئی۔ یہ سب پہلے لوگوں کی جھوٹی بناوٹی باتیں ہیں۔ ۵۔ اچھا اے حبیب مکرم ان کفار سے یہ پوچھو کہ یہ روئے زمین کس کی ملکیت کس کی خلقت ہے۔ اور وہ تمام انسان، جنات، ملائکہ کس کی ملکیت کس کی خلقت میں تو عنقریب مجبوراً چار و ناچار یہ ہی کہیں گے بلکہ ان کو کہنا پڑے گا کہ یہ سب کچھ اللہ کا ہی پیدا کردہ ہے۔ ان کے اس صحیح اور سچے جواب کے بعد فرماؤ کہ اب بھی تم نصیحت نہیں پکڑتے جب تم کو اعتراف ہے کہ بلا نمونہ پہلی بار جس نے مٹی سے تم کو پیدا کر کے نیست سے ہست کر دیا۔ اور ایک دم کامل و اکمل حسین و جمیل کر کے زمین میں پھیلا دیا۔ دوبارہ اسی زمین سے اٹھانا اس کے لیے کیا مشکل ہے۔ اپنی کمزوری مجبوری پر اس کی قدرت و کمال و حکمت کو قیاس مت کرو۔ ۶۔ اسی طرح ان منکرین قیامت سے یہ بھی پوچھیے کہ کس کے ہیں یہ سات آسمان اور ساتوں آسمانوں سے بڑا عرشِ عظیم کون ہے اس کا رب ان کو بنانے بچانے اور پالنے والا۔ عنقریب جواب میں یہی کہیں گے کہ اللہ ہی ان سب کا رب ہے۔ تم فرماؤ کہ کیا اب بھی اس اعتراف و اقرار کے بعد بھی تم لوگ توحید و رسالت قیامت پر ایمان لا کر اس

marfat.com

کے مومن متقی بندے نہیں بنتے۔ ۷۔ اے محبوب ان سے یہ بھی پوچھیے کہ کون ہے وہ جس کے قبضہ میں ہر شی کی کامل ابدی ازلی ذاتی ملکیت ہے اور کون ہے وہ جو ہر چیز کو بچاتا پناہ دیتا ہے۔ اور اس کے مقابل اس کی مرضی کے خلاف کوئی پناہ نہیں دیا جا سکتا۔ کہیں بھی اگر تم کو علم وعقل ہے تو بتاؤ تب اس کے جواب میں بھی عنقریب یہی کہیں گے کہ اللہ ہی ہر چیز کا مالک وارث قابض ہے اور اس کے سوا کوئی کسی کو پناہ نہیں دے سکتا۔ آپ فرمایئے کہ جب اتنا کچھ مانتے ہو تو پھر کیوں شیطان کے جادوؤں سے مسحور سحر زدہ دھوکہ خوردہ ہوئے پھرتے ہو اور نبی کی تعلیم وتبلیغ وتلقین سے قدرت، رسالت، قیامت پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔ دنیا کے کفار کسی بات سے غافل نہ رکھے گئے۔ ظاہراً تو یہ آیات سوالاً جواباً ہیں مگر درحقیقت ہر قسم کے کافر تا قیامت کو دعوتِ غور فکر ہے۔ منکر سے منکر کافر بھی اگر کچھ تدبر تفکر کرے تو اس کا جواب بھی ہر بات میں یہی۔ لِلّٰهِ۔ ہوگا۔ اگر کوئی انتہائی ضدی اور ڈھیٹ بن جائے اور زبانِ قال سے اقرار نہ کرے تو زبان حال سے یہ اعتراف لِلّٰهِ کرنا ہی پڑے گا۔ اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ اس لئے بھی کہ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِالْحَقِّ۔ حقیقت واقعہ صادقہ مشاہدہ یہی ہے کہ ہم نے ظاہراً باطناً شریعتاً معرفتاً ہر جگہ شجرات کے پتے پتے۔ عالم کے ذرے ذرے حق کی نشانیاں عبرت کی کہانیاں پہنچادی ہیں۔ اور ہر فرد بشر کے ذہن دل ودماغ میں نبوت کے ذریعے حق پہنچادیا ہے۔ عبارۃً بھی اشارۃً بھی قولاً بھی عملاً بھی اب نہ مانیں تو بیشک یقیناً وہ ہی جھوٹے کذاب ہیں۔ اس لئے کہ زبان سے کچھ کہتے ہیں مگر عمل وعقیدہ کچھ بناتے ہیں۔ ۸۔ جب دنیا کے تمام کفار بت پرست اور یہود ونصاریٰ اپنی اپنی زبان سے یہ اقرار کرتے ہیں کہ زمین آسمان عرشِ عظیم انسان جنات اور تمام مخلوق اللہ کی ملکیت خلقت ہے تو پھر اس کو نہ کسی بت دیوی دیوتا شریک کی ضرورت نہ اس کا کوئی شریک بن سکتا ہے نہ اس کو اولاد بیٹے بیٹی کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی اولاد نہ بنائی نہ کسی کو بیٹا بنایا نہ کسی کو بیٹیاں۔ ۹۔ پوری کائنات میں پوری کائنات کا وہی واحد معبود ہے اور نہیں ہے اس کے سوا کوئی معبود اگر ایسا ہوتا تو پوری کائنات ٹکڑے ٹکڑے بٹ جاتی کیونکہ معبود کے لیے اپنے عبد کا پیدا کرنا اور بندوں کا خالق ہونا لازمی چیز ہے۔ خالق ہی معبودیت مسجودیت اور عبادت کے لائق ومستحق ہے اور چند خالق ہوتے تو ہر الٰہ اپنی اپنی اس چیز کو اپنے اپنے علاقہ میں لے جاتا جو اس نے پیدا کی ہوتی اور پھر الٰہ ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتا بلکہ بعض بعض پر غالب آجاتے۔ اے مشرکو احمقو! تم کو کیا ہوگیا ہے کیوں عقل نہیں آتی اتنی آسان بات نہیں سمجھتے کہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ پاک ہے اور منزہ مبرہ ہے وہ اللہ تعالیٰ ان تمام کفریہ لغویہ عقیدہ واقوال سے جن سے یہ کفار، عیسائی، یہودی اللہ تعالیٰ کو متصف کرتے ہیں۔ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ فرما کر یہود ونصاریٰ کا رد فرمایا۔ ۱۰۔ معبود کے لیے ضروری ہے کہ اپنی سب مخلوق کا ہر وقت مشاہدہ فرمائے اور مخلوق تو ظاہر بھی ہے پوشیدہ بھی غائب بھی حاضر بھی لہٰذا معبود کو عالم الغیب الشہادۃ ہونا لازمی ہے۔ اور یہ صفت عالیہ کمالیہ تو صرف اللہ تعالیٰ کی ہے وہی ہے فقط ہر غیب اور حاضر کو جاننے والا۔ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ پس بہت ہی بلند وبالا ہے وہ اللہ ان تمام شرکیات کفریات لغویات اور کمزوریوں سے جن سے یہ بت پرست اللہ کا شرک کرتے ہیں۔ اس رکوع میں دو مسئلے بتائے **پہلا** یہ کہ دہریت کفر ہے ہر مسلمان پر عملاً قولاً عقلاً علماً اس کی تردید کرنا فرض ہے۔ انسان زمین وآسمان کے علاوہ اگر صرف اپنے میں غور وفکر کرے تو خالق تعالیٰ پر ایمان لانے کے لیے مجبور ہو جائے یہ سمجھ لے کہ اس کے اپنے اعضاء کان، آنکھ، دل، دماغ خود نہیں بن گئے بلکہ کسی بنانے والے نے

marfat.com

بنائے ہیں **دوسرا مسئلہ** چونکہ اللہ تعالیٰ ہی سب کا خالق ہے لہٰذا وہی معبود ہونا چاہئے۔ جب خالق واحد تو معبود واحد ہی ہے تمہاری پیدائش میں کوئی شریک نہیں بنا تو تمہاری عبادت کا کوئی حصے دار کیسے بن سکتا ہے۔

چھٹے رکوع میں

دس باتیں ارشاد ہوئیں۔ ۱۔ اے مومن مسلمان تو ہر وقت یہ دعا اپنے رب تعالیٰ ک کی بارگاہ میں عرض کرتا رہ کہ اے میرے پاک پرودگار اگر تو وہ عذاب وعتاب اور قہر میری زندگی میں مجھے بھی دکھانا چاہتا ہے جس کا یہ کفار و منافقین، فاسقین، نافرمان سرکش لوگ وعدہ دیئے گئے اور عذاب وقہر میرے ہوتے ہوئے نازل ہونا ہے تو اے میرے رب مجھ کو ظالم قوم میں سے نہ بنانا۔ اور مجھے ظالموں کافروں منافقوں سرکش فاسقوں سے دور ہی رکھنا عملاً بھی قولاً بھی عقیدۃً بھی اور بلاءً بھی نہ میں ظالم کافر فاسق بنوں نہ مجھ کو وہ قہر وعذاب چکھنا پڑے۔ اس دعا کا ہر بندۂ مومن مرد وعورت کو تا قیامت اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے بیشک ہم اس پر قادر ہیں کہ کافروں منافقوں پر آنے والا عذاب جس کا ہم نے ان سے وعدۂ وعیدی کیا ہوا ہے۔ اے بندۂ مومن تیری حیاتِ دنیوی میں ہی اس کی ہولناکی تیری نگاہوں کے سامنے تجھ کو دکھاتے ہوئے ان کفار و منافقین پر طاری وجاری کر دیا جائے اور تو اپنی ان دعاؤں کے طفیل بچا لیا جائے اس لیے ہر مومن کو یہ دعا مانگنے کا حکم ہے۔ اور مشاہدہ ہے کہ اس قسم کی دعائیں مانگنے والے مومن متقی آفات سماوی سے بچا لیے جاتے ہیں۔ ورنہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ دانوں کے ساتھ بیگناہ گھن بھی پس جاتے ہیں۔ ۲۔ اے مومن بندے اپنے علاقہ، سرزمین سے اپنی نیکیوں بھلائیوں اچھائیوں خوبیوں عبادتوں حسن اخلاقیوں صفائیوں حمدوں نعتوں سلاموں سے دنیا کی برائی خرابیوں فسادوں عذابوں وباؤں کو دور کرتا رہ۔ کیونکہ زمین پر مومن کی عبادتوں تلاوتوں سے ہزار ہا آسمانی ناگہانی آفات وبلیات دور ہوتی ہیں۔ ۳۔ اور اے مومن بندے ہزار ہا نیکیوں عبادتوں سجدہ ریزیوں کے باوجود بھی تا عمر یہ دعا بھی اپنے رب سے مانگتا رہ کہ اے میرے رب کریم میں ہر وقت تیری پناہ مانگتا ہو ہر قسم کے جنی انسی شیطانوں کے وسوسوں ورغلاہٹوں دھوکہ بازیوں فریب کاریوں کی تحریکوں اور جھٹکوں سے۔ اور اے میرے رحیم وکریم رب قدیر وقدیم میں ہر آن تیری پناہ میں رہنا چاہتا ہوں اس سے پہلے کہ شیاطین میرے پاس آئیں۔ ۴۔ مومن اور کافر میں ایک حسرت ناک وعبرت ناک فرق بتایا جا رہا ہے کہ دنیا میں مومن متقی تو ہر وقت ذکر وعبادت دعاؤں التجاؤں میں دنیا و مافیھا سے بے خبر وکنارہ کش رہ کر یادِ الٰہی میں سرشار اور ملاقاتِ الٰہی کا طلبگار رہتا ہے اس کو موت کی یاد بھی مسرور کرتی ہے۔ مومن ہر قسم کے شیطانوں سے بچا رہتا ہے مگر کافر جو ساری عمر شیطانوں میں پھنسا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آتی ہے تب اس کی آنکھیں کھلتی عقل جاگتی ہوش آتی ہے پھر دست افسوس ملتے ہوئے رویا تڑپا مچلا اور بولا عرض کیا اے میرے رب زندگی بھر تو میں نے تجھے نہیں مانا تیرے نبیوں ولیوں عالموں کی باتوں تیرے فرمانوں کو جھٹلایا حالانکہ ان پیاروں نے بڑی شفقت ومحبت سے یہ سب حالات واقعات کھول کھول کر مجھے بتا پڑھا سنا دیئے تھے۔ لیکن اے میرے رب میں اب ایمان لاتا ہوں اب مجھے یہاں قبر سے ہی واپس دنیا میں بھیج دے۔ مجھے یقینی امید ہے شاید میں اچھے عمل کروں اس دنیا میں جا کر جو میں نے پہلے محض اپنی حماقت خباثت رذالت کی وجہ سے چھوڑ دیئے تھے۔ تب جواب آئے گا خبردار اب ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا ہے یہ ایک نئی نرالی انوکھی لغو بکواس ہوگی جو اس وقت عذاب قبر دیکھ کر وہ کافر اس

marfat.com

بات کو کہنے والا ہوگا۔ مگر اس وقت اس گفتگو کا کوئی فائدہ نہ ہوگا اور ان کے سامنے عالم برزخ کی ایک بہت بڑی آڑ ہوگی وہ کافر اسی برزخ میں رہے گا اس دن تک جس دن سب انسان اٹھائے جائیں گے۔ ۵۔ دنیا میں یہ کافر بڑے ناز وغرور کرتے پھرتے ہیں اپنے نسبوں رشتوں قرابتوں جتھوں اور گروہوں پر لیکن جب صور پھونکا جائے گا تو ان کفار کے درمیان کی کوئی رشتے داری قرابت سازی نسبیت سببیت باقی نہ رہے گی اور نہ اس دن وہ کسی رشتے دار کو ڈھونڈ سکیں گے نہ پوچھ سکیں گے یہ سب کافر اس دن ایک دوسرے کو چھوڑ کر بھاگیں گے یہاں تک ان کے انتہائی قریبی بھائی' باپ' ماں' بیوی' اولاد بھی یہ صرف کفار کا حال ہوگا مومنوں میں سببیت صہریت نسبیت کا وہاں کفار سے فرق ہوگا۔ اس لئے کہ فَمَنْ ثَقُلَتْ تو جس شخص کے اعمال نامے نیکیوں عبادتوں کے وزن سے بھرے پڑے ہوں گے بس وہی لوگ ہر طرح اس دن کامیابیوں والے ہوں گے۔ اور وہ بدقسمت کافر جن کے تھیلے اعمالناموں کے ہلکے اور خالی ہوں گے تو یہ وہی کفار ہی ہوں گے جنہوں نے ساری زندگی مرنے تک اپنے آپ کو نبی کے آستانے قرآن وحدیث کے سائے سے دور رکھ کر ہر قسم کے دینی اخروی گھاٹے اور نقصان میں ہی رکھا یہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ ۶۔ آگے ارشاد فرمایا جارہا ہے کہ جہنم میں جہنمیوں کا کیا حال اور کیا قال ہوگا اور ان کو کیا جواب ملے گا۔ جہنم کی آگ آناً فاناً ان کے چہروں کو جھلس دے گی۔ اور وہ سب کفار جہنم میں ہونٹ جلے سکڑے اور دانت نکلے پھیلے ہوئے جائیں گے جس سے ان کی عجیب مکروہ منحوس اور ڈراؤنی شکلیں بن جائیں گی۔ اس ڈراؤنی منحوس شکل میں روتے پیٹتے بچاؤ بچاؤ کی فریادیں کرتے ہوں گے تب غیبی جواب آئے گا اے بدبختو دنیا میں اکڑ غرور سے بدمستی خرمستی سرکشی کرنے والو کیا تمہارے سامنے دنیا میں میری آیتیں تلاوت نہ کی جاتی تھیں اور ضد وعناد سے ان کو جھٹلا دیا کرتے تھے۔ تب وہ گڑگڑا کر کہا کریں گے کہ اے ہمارے رب دنیوی زندگی میں ہم پر ہماری شیطانیت نحوست خباثت بدنصیبی نے غلبہ و قبضہ جمالیا تھا اور ہم واقعی بدترین وسخت ترین گمراہ اور بھٹکے ہوئے لوگ بن گئے تھے۔ اے ہمارے رب بس ایک بار ہماری فریاد سن لے۔ ہمیں یہاں سے باہر نکال۔ پھر اگر ہم ذرہ بھر بھی تیری اور تیرے انبیاء واولیا علماء علیہم السلام کی نافرمانی کی طرف لوٹے تو یقیناً ہم سخت پکے ظالم ہوں گے۔ تب پھر رب تعالیٰ کی طرف سے غیبی جواب آئے گا وہ غیبی آواز فرمائے گی لعنت کی پھٹکار میں پڑے رہو اسی جہنم کے اندر اور خبردار اب مجھے کوئی عرض ومعروض معافی معذرت کی التجا فریاد والی کسی بھی قسم کی کوئی بات نہ کرنا تم لوگوں کو وہ وقت یاد ہے جب دنیا میں میرے کچھ مومن متقی پیارے بندے مجھے نہایت خشوع وخضوع عاجزی انکساری ادب سے عرض کیا کرتے تھے کہ اے ہمارے رحیم کریم مشفق محسن رب تعالیٰ ہم تیرے بندے تیرے ہر ہر فرمان پر ایمان لائے تو اے ہمارے رب ہم کو بخش دے ہمارے سب چھوٹے بڑے گناہ مٹا دے اور ہمیں اپنی چادر رحمت میں چھپالے اور ہر طرح ہم کو اپنی دینی دنیوی اخروی رحمت عطا فرما۔ اور تو ہی ہمارے عقیدہ وایمان میں سب رحم والوں سے بڑھ کر ازلی ابدی اچھا رحم فرمانے والا ہے۔ تب دنیا میں ان مومنوں کی یہ پر درد سوز سدابہار دعاؤں کو سن کو کافر وبدبخت لوگ ان کا مذاق اڑایا منہ چڑایا شور مچایا کرتے تھے۔ یہاں تک کہ اس ہنسی مذاق کے زور تالیوں کے شور اور مشغلہ ء ہر روز میں تم نے میری یاد میرے ذکر کو بالکل ہی بھلا دیا تھا اور ہر آن چلتے پھرتے آتے جاتے گلی محلوں بازاروں میں ان سے ہنسی کرتے ان پر قہقہے لگایا کرتے۔ اس طرح ان کی عبادت تلاوت میں خلل ورکاوٹ ڈالنے اور ایذا پہنچانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔

marfat.com

۷۔ تمہاری ان موذیانہ حرکتوں پر مومنوں کے صبر و تحمل کا جو بھی بدلہ ہے۔ بے شک میں آج ان کو عطا فرماؤں گا۔ جزاء جنت کی شکل ثواب رضا کی صورت میں۔ بے شک وہ صبر کرنے والے ہی ابدی دائمی باقی کامیابیوں والے ہیں۔ ۸۔ آگے ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفار میدان محشر اور جہنم میں مل بیٹھ کر آپس میں کیا گفتگو کیا کریں گے۔ ایک آواز آئے گی کہ اے کافرو! ذرا یہ تو بتاؤ تم مدت حیات دنیوی میں زمین پر کتنا آباد رہے تو وہ جواباً بولیں گے کہ ہم زمین میں ایک دن یا بعض دن (ایک دن سے بھی کم) آباد رہے تھے۔ لہٰذا اے پوچھنے والے تو حساب جاننے والوں سے بھی بے شک پوچھ کر دیکھ لے۔ پھر غیبی آواز آئے گی کہ اے گھٹیا لوگو اگر تم نے اپنی علمی قوت قلبی روشنی عقلی طاقت دین و ایمان کی ضیاء و انوار کے ذریعے بچا کر رکھی ہوتی اور اگر آج تم علم و شعور رکھتے تو جان لیتے کہ تم کچھ تھوڑی مدت ٹھہرے ہو۔ ایک یا آدھا دن نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ مدت تم کو مہلت زندگی دی گئی تھی۔ جو تم نے سب لھو و لعب تمسخر و تغفل میں برباد اور ضائع کر دی تھی۔ یہ تو وہ حالات و مقالات ہیں جو آئندہ تم کفار کو آخرت میں پیش آئیں گے۔ ہم نے تمہاری آنکھیں کھولنے ہوش دلانے بندہ بننے کے لئے پہلے ہی سنا دیں۔ ۹۔ اے دنیا کی زندگی گزارنے والے منکرو کافرو تم جو قیامت کو نہیں مانتے حساب و کتاب ہونے سزا جزا ملنے پر یقین نہیں رکھتے اَفَحَسِبْتُمْ۔ تو کیا تم لوگوں نے یہ بیہودہ گمان بنا رکھا ہے کہ بس ہم نے تم کو بیکار بے مقصد پیدا کر دیا ہے کہ کھیلو کودو کھاؤ پیو ظالم و مظلوم بن کر مر جاؤ مر کر فنا ہو جاؤ۔ بس ختم کہانی اور غالباً اسی لئے تم نے یہ گمان بھی بنا لیا ہے کہ مر کر تم ہماری طرف نہ لوٹائے جاؤ گے یہ تمہارے اپنے احمقانہ تصورات، تخیلات فاسدہ ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ جل و علیٰ تو بہت بلندیوں والا ہے۔ تمہارے ان سفلی گھٹیا نیچ بدگمانوں سے۔ وہ اللہ تعالیٰ تو سب جہانوں کا حق و سچ ابدی ازلی قدیمی بادشاہ ہے۔ اس کی دوسری شان یہ ہے کہ اس کے علاوہ کوئی کہیں معبود نہیں۔ تیسری شان یہ کہ وہ عرش کریم کا رب ہے۔ اس کے علاوہ بھی لامحدود اسکی کروڑہا شانیں ہیں۔ ۱۰۔ وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ کسی دوسرے کو بھی معبود سمجھ کر پوجے اس کے پاس اپنے اس کفریہ شرکیہ عقیدے اور قول و عمل پر کوئی بھی پکی سچی مضبوط و مکمل دلیل نہیں ہے۔ ایسے ہی ابلیسی پھندوں میں پھنس کر یہ دین باطل بنا بیٹھا ہے۔ تو اس کا پورا پورا حساب قیامت کے دن اس کے رب کے پاس ہو جائے گا۔ نہ بچ سکے نہ بھاگ سکے۔ لہٰذا یہ سب ہر قسم کے کافر بے شک کبھی بھی کسی جگہ بھی کسی قسم کی کوئی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ لہٰذا اے کامیابیوں رحمتوں برکتوں والے مومن متقی بندے تو ہر وقت تا عمر ہر حال میں بس یہی عرض کرتا رہ کہ اے میرے رب میرے گناہ بخش دے اور مجھ پر رحم فرما۔ اور بے شک تو ہی اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ہے۔ اس آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تین دعائیں سکھائیں۔ پہلی دعا آیت ۹۴ میں دوسری دعا آیت ۹۷، ۹۸ میں۔ تیسری دعا آخری آیت ۱۱۸ میں۔ ہر مسلمان کو یہ دعائیں ہمیشہ مانگتے رہنا چاہئے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

اس سورۃ المومنون کے کچھ فضائل و عملیات وظائف اور تعویذ

مشائخ عملیات و تعویذات فرماتے ہیں کہ۔ ۱۔ جس مسلمان مرد یا عورت کو بوجہ وہم یا غفلت یا کمزوری نماز میں کاہلی اور سستی آتی ہو اور اس وجہ سے اس کی نمازیں قضا ہو جاتی ہوں وہ اس سورۃ المومنون کو مکمل صاف صاف زیر زبر شد مد کے ساتھ باوضو

marfat.com

ہو کر خود لکھے یا کسی سمجھدار حافظ قاری سے لکھوا کر اپنے پاس باادب اونچی جیب میں رکھے یا گلے میں پہنے انشاء اللہ کاہلی سستی دور ہوگی۔ ۲۔ اگر کسی عورت یا مرد کو کسی قسم کے فسق و فجور کی عادت ہے تو وہ بھی یہی کام کرے۔ آجکل فوٹوسٹیٹ کرنے کی مشینیں موجود ہیں کوئی نیک متقی بزرگ آدمی باوضو ہو کر قرآن کریم سے ان ورقوں کو یکطرفہ فوٹوسٹیٹ بھی کرا کر اپنے پاس رکھ سکتا ہے بشرطیکہ فوٹوسٹیٹ کرتے وقت بے وضو کا ہاتھ قرآن یا سیپارے یا ان فوٹو شدہ ورقوں کو نہ لگے۔ جیب میں رکھنے تک باوضو ہاتھ لگیں۔ ۳۔ اگر کسی مسلمان کو شراب پینے کی عادت ہو تو اس سورت کو سفید کپڑے پر لکھ کر اس کے گلے میں بشکل تعویذ ڈالا جائے۔ ۴۔ اگر کسی کے گھر سے غریبی مفلسی نہ جاتی ہو تو کسی عامل صاحب اجازت سے تعویذ لکھوا کر ایک تعویذ گھر یا دکان میں فریم کرا کے ٹانگے اور ایک تعویذ چاندی کے خول میں بند کر کے گھر کا سرپرست گلے میں پہنے۔ ۵۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان مرد یا عورت بروز جمعہ بعد ظہر' عصر سے پہلے ایک بار سورۃ مومنون تلاوت کرے تو فرشتے اس کو جنت کی کرامت نعمت راحت کی بشارت دیتے ہیں۔ ۶۔ جو شخص بروز پیر بعد نماز فجر سات بار تلاوت کرے تو اس کو نماز کی سستی کاہلی لاپرواہی اور تمام شیطانی وسوسے ختم ہو جائیں گے۔ ۷۔ جو شخص دریا سمندر کا سفر کرنے لگے تو سورۃ مومنون کی آیت نمبر ۲۸' ۲۹ لکھ کر اپنے پاس ادب سے رکھے انشاء اللہ تعالیٰ بحفاظت پار اترے یعنی فَاِذَا اسْتَوَيْتَ سے خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ تک۔ ۸۔ جو شخص کسی جادو کئے یا آسیب زدہ کو سات دن تک یا چالیس دن تک سورۃ مومنون کی آخری چار آیتیں یعنی آیت نمبر ۱۱۵ '۱۱۶' ۱۱۷' ۱۱۸ پڑھ کر کان اور جسم پر دم کرے انشاء اللہ تعالیٰ لاعلاج بیمار کو بھی شفا ہو۔ اور نماز کی پابندی ہر عمل کیلئے شرط اول ہے۔ تعویذ کا نقشہ یہ ہے۔

۱۱۷۲۴۱	۱۱۷۲۳۴	۱۱۷۲۳۹
۱۱۷۲۳۶	۱۱۷۲۳۸	۱۱۷۲۴۰
۱۱۷۲۳۷	۱۱۷۲۴۲	۱۱۷۲۳۵

سورۃ المومنون کے اعداد بحساب ابجد ۱۴۷۱۵۱۳ ہیں یہ تعویذ پیر کے دن بعد نماز فجر طلوع آفتاب سے پہلے لکھا جائے باوضو ہو کر۔

marfat.com

ایاتها ۱۱۸ | سُورَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّةٌ ۲۳ | رکوعاتها ۶

سورۃ مومنون مکی ہے ہجرت سے پہلے اتری اس میں چھ رکوع اور ۱۱۸ آیتیں اور ۴۸۰۲ حروف ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

میری ہر چیز کی ابتدا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بخشنے والا ہے رحم فرمانے والا ہے۔

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

کامیاب ہو گئے ہیں سب مومن (مرد و زن) وہ جو اپنی نماز میں ہیبت الٰہی سے لرزتے رہنے والے ہیں

بیشک مراد کو پہنچے ایمان والے جو اپنی نماز میں گڑگڑاتے ہیں

وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ

اور وہ جو ہر غلط بات سے دور ہٹنے والے ہیں اور وہ جو زکوٰۃ کو ادا

اور وہ جو کسی بیہودہ بات کی طرف التفات نہیں کرتے اور وہ کہ زکوٰۃ دینے کا

فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى

کرنیوالے ہیں اور وہ جو اپنی شرم گاہوں کی ہر وقت حفاظت کرنیوالے ہیں مگر جو خواہش پوری کریں

کام کرتے ہیں اور وہ جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ مگر اپنی بیبیوں یا شرعی

اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾

اپنی بیویوں پر یا ان عورتوں پر جنکے یہ مومن لوگ مالک بن گئے تو بیشک ان دو قسم کی عورتوں سے یہ مومن نہیں ہیں ملامت کئے ہوئے

باندیوں پر جو ان کے ہاتھ کی ملک ہیں کہ ان پر کوئی ملامت نہیں

فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾

لیکن جو مومن مسلمان ان کے علاوہ کسی سے خواہش پوری کریں تو وہ حد سے بڑھنے والے ہیں

تو جو ان دو کے سوا کچھ اور چاہے وہی حد سے بڑھنے والے ہیں

تعلقات

اس سورۃ مومنون کا پچھلی سورۃ حج سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**۔ پہلے سورۃ حج میں ایمان والوں کو رکوع اور سجدے کرنے عبادت اور خیرات وصدقات کرنے کا حکم دیا گیا تھا اب یہاں سورۃ مومنون میں ان عبادتوں کے نام بتائے جا

marfat.com

رہے ہیں کہ رکوع سجدوں کا نام نماز ہے۔ وَاعْبُدُوْ رَبَّكُمْ کا نام خشوع اور گڑ گڑا کر عاجزی اور تسلی وتشفی سے ادا کرنا ہے۔ تمام حقوق عبادت ادا کرتے ہوئے جَاهِدُوْا کا نام عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ہے اور وَافْعَلُوْا الْخَيْرَ کا نام زکوٰۃ ادا کرنا ہے۔

دوسرا تعلق۔ پچھلی سورہ حج میں اہل ایمان کا ایک دینی قومی نام بتایا گیا تھا کہ امت نبی آخر الزمان ﷺ کا نام اللہ تعالیٰ نے مسلمان رکھا ہے۔ اب یہاں سورۃ مومنون میں اہل ایمان کا دوسرا عملی وصفاتی نام اور اہل عمل کی شان بتائی جا رہی ہے۔

تیسرا تعلق۔ پچھلی سورۂ حج کی ابتدائی آیت میں انسانی تخلیق کے آٹھ مرحلوں کا ذکر فرمایا گیا تھا جس میں انسان کا عدم وجود حیات، موت، جوانی، بڑھاپا، سٹھیاپا پھر بعثت اخروی کا مجمل تذکرہ تھا۔ اب یہاں خلقت انسانی کو بارہ مرحلوں میں بیان فرمایا گیا وہاں جوہر انسانی کا ذاتی نام تراب بتایا گیا یہاں جوہر انسانی کا صفاتی نام سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ بیان فرمایا جا رہا ہے۔

چوتھا تعلق۔ دنیا میں صرف دو قسم کے انسان بستے ہیں۔ ایک گروہ کافروں کا دوسرا گروہ مومنوں کا۔ کافروں کا ہر زمانہ ناکامیوں کا ہے۔ مومنوں کا ہر لمحہ کامیابیوں کا ہے۔ پچھلی سورۃ حج کی اکثر آیات میں ناکام کفار کا ذکر تھا۔ اس سورۃ مومنون میں کامیاب ایمان والوں کا ذکر ہے۔ گویا یہ سورۃ مومنون پچھلی سورۃ حج کا تتمہ ہے۔

شان نزول

کفار مکہ کے سرداران پانچ طریقے سے صحابہ کرام پر طعنہ زنی کیا کرتے تھے۔ کبھی کہتے مسلمان ناکام ونامراد ہیں ہم غیر مسلم ہی دنیا وآخرت میں کامیاب ہیں کیونکہ ہم کو اللہ نے دولت قوت عزت عیش دیا ہے اگر مسلمانوں سے خدا راضی خوش ہوتا تو یہ دولت وعیش ان کو ملتا۔ کبھی کہتے کہ اسلام میں توحید وقیامت پر ایمان لانے کا حکم دیا جاتا ہے حالانکہ یہ دونوں عقل ومشاہدے اور تجربے کے سراسر خلاف ہے۔ لہٰذا اسلام کو ماننا بے وقوفوں کا کام ہے (معاذ اللہ) کبھی کہتے کہ اگر نبی محمد ﷺ ہماری کچھ فلاں باتیں مان لیں اور ہماری من مرضی کی دین اسلام میں کچھ ترمیم وتبدیلی کر دیں تو ہم بھی مسلمان ہو جائیں گے۔ کبھی کہتے کہ جب ہم آیا کریں تو غریبوں غلاموں کو اپنے پاس سے اٹھا دیا کرو تب ہم ایمان لائیں گے۔ کبھی کہتے کہ ہم کو وہ معجزے دکھاؤ جو ہم کہتے ہیں۔ ان کفار کی ان باتوں کی تردید کرنے کے لئے مکہ مکرمہ میں یہ سورۃ نو یا دس حصوں میں ہو کے نازل ہوئی پہلی بار تقریباً بائیس آیتیں نازل ہوئیں جن میں مومنوں کی شاندار ابدی کامیابی کا ذکر فرمایا اور دنیوی دولت والے کفار کی بدترین دائمی اصلی حقیقی ناکامی کا ذکر فرمایا گیا۔ پھر بعد میں عرصے عرصے کے وقفے سے کفار کی دیگر لغویات کی تردید میں آیتیں اترتی رہیں۔

تفسیر نحوی

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ ۔ قَدْ اَفْلَحَ۔ باب افعال کا فعل ماضی قریب واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے۔ اِفْلَاحٌ فَلَحٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے پھاڑنا۔ چیرنا اسی معنی میں کاشتکار کو فلاح کہتے ہیں کیونکہ وہ بذریعہ ہل زمین کو پھاڑتا ہے۔ اصطلاح میں کامیابی کو فلاح کہتے ہیں کیونکہ سب رکاوٹیں پھاڑ کر مقصد حاصل کیا جاتا ہے۔ دینی دنیوی دونوں کامیابیوں کو عربی میں فلاح کہتے ہیں۔ یہاں بھی دونوں کامیابیاں مراد ہیں۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع

marfat.com

مذکر۔ یہ فاعل ہے قَدْ اَفْلَحَ کا مراد ہے مسلمان لوگ اور موصوف ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مبتدا ہے فِیْ حرف جر صَلٰوۃ اسم واحد بمعنی پنجوقتہ نماز مضاف ہے۔ هِمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی متعلق مقدم ہے خٰشِعُوْنَ۔ باب فتح کا اسم فاعل جمع مذکر خَشْعٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے جھکنا۔ اصطلاحاً آٹھ معنی میں مشترکہ ہے۔ ا۔پست ہونا۔ ۲۔سر تسلیم خم کرنا، ۳۔گرہن لگنا، ۴۔زمین کا سنگلاخ ہونا، ۵۔مردہ زمین، ۶۔گرد وغبار جمع ہونا، ۷۔قلب وعقل سلیم سے قانون الٰہیہ کو مان لینا، ۸۔ہیبت رکھنا سہمنا۔ یہاں اس آخری معنی میں ہے۔ خٰشِعُوْنَ اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ هُمْ مبتدا عَنِ اللَّغْوِ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ مُعْرِضُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا مصدر ہے اعراض عَرْضٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے نفرت کرنا۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر هُمْ ضمیر مبتدا۔ لام جارہ زَکٰوۃ۔ زَکٰوٌ سے بنا ہے بمعنی لغوی پاک کرنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے۔ مال کا سالانہ نصابی شرعی فرضی صدقہ ادا کرنا۔ یہاں یہی صدقہ ادا کرنا مراد ہے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ فٰعِلُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا اسم فاعل جمع مذکر ترجمہ ہے ادا کرتے رہنے والے۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مبتدا کی خبر ہوئی مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول اپنے صلہ سے ملکر معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا۔ یہی ترکیب ہے پچھلے دو جملوں کی۔ ا۔ اَلَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ (الخ)، ۲۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ (الخ) کی کہ وہ بھی مبتدا خبر اور موصول صلہ سے مل کر معطوف علیہ ہوا تھا۔ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ هم ضمیر ظاہر جمع مذکر غائب مبتدا ہے۔ لام حرف جر فُرُوْج۔ اسم جمع مذکر اس کا واحد ہے فَرْج۔ لغوی ترجمہ ہے کشادگی۔ اصطلاح میں عورت کی اگلی شرم گاہ کو کہا جاتا ہے مگر عرف میں ہر مکمل شرمگاہ کو فرج کہا جاتا ہے۔ مرد کی ہو یا عورت کی اگلی ہو یا پچھلی مطلقاً تنگیز۔ جس کو ڈھکنا شرعاً فرض ہے اس کو عربی میں عورت کہتے ہیں مرد کا تنگیز ناف سے گھٹنوں تک اور مستورات کا کندھوں سے ٹخنوں تک ہے۔ فروج مضاف ہے ھم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہوا لام حرف جر اپنے اس مجرور سے مل کر متعلق مقدم ہوا۔ حٰفِظُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر۔ حفظٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے پردہ اور آڑ بنانا۔ اصطلاحی ترجمہ چھپانا، بچانا۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا کی۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مستثنٰی منہ ہوا۔ اگلی عبارت کا۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۝۶ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۝۷ ۔ اِلَّا حرف استثنا عَلٰی حرف جر اَزْوَاج اسم جامد جمع ہے اس کا واحد ہے زوجۃ۔ اس کا مذکر زوج ہوتا ہے اسکی جمع بھی ازواج ہی آتی ہے۔ زوج کا لغوی ترجمہ ہے جوڑا (دو۔دو) اصطلاح میں زوجۃ بمعنی بیوی زوج بمعنی خاوند۔ کیونکہ زوجہ اور زوج تب ہی کہا جاتا ہے جب بذریعہ نکاح جوڑا بن جائیں۔ ازواج مضاف ہے۔ هم ضمیر نفسی بمعنی اپنی مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ۔ اَوْ۔ عاطفہ ما اسم موصول مَلَكَتْ۔ باب ضرب کا فعل ماضی مطلق واحد مونث غائب۔ ملک سے مشتق ہے ترجمہ ہے مالک ہونا لازم ہے۔ اَيْمَانُ جمع مذکر اسم جامد اس کا واحد ہے یمین۔ لغوی ترجمہ ہے مضبوط چیز۔ عربی میں پکے وعدے۔ مکمل قسم۔ اور دائیں ہاتھ کو یمین کہا جاتا ہے کیونکہ تینوں میں مضبوطی ہوتی ہے یہاں بمعنی دایاں ہاتھ

marfat.com

ہے اور مراد ہے پوری پکی مضبوط ملکیت۔ ایمان مضاف ھم ضمیر مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی فاعل ہے۔ مَلَكَتْ کا۔ مَلَكَتْ اپنے فاعل سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا ما کا موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہوا۔ ف حرف عطف۔ اِنَّ حرف مشبہ ھُمْ ضمیر منسوب متصل اِنَّ کا اسم ہے۔ غَيْرُ اسم منفی مضاف ہے۔ مَلُوْمِيْنَ۔ باب نصر کا اسم مفعول جمع مذکر بحالت کسرہ ہے۔ لومٌ سے بنا ہے۔ بمعنٰی برا سمجھنا لعنت ملامت کرنا۔ یہ اسم مفعول اپنے پوشیدہ وغائب فاعل سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر مضاف الیہ غَيْرُ کا۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے۔ اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہے۔ عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ کے جملے پر۔ یہ سب عبارت متعلق ہے يَبْتَغُوْنَ پوشیدہ فعل کا۔ سب جملہ فعلیہ ہوکر مستثنٰی ہوا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ مستثنٰی منہ کا دونوں ملکر معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا۔ ف حرف عطف بمعنٰی لکن من اسم موصول اِبْتَغٰى باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر غائب۔ اس کا مصدر ہے ابتغاء بغیٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے۔ چاہت پوری کرنا۔ چاہنا خواہش پوری کرنا۔ ابتغٰی کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ ہو ضمیر مستتر جس کا مرجع ہے مَنْ۔ وَرَآءَ اسم جامد ہے۔ کبھی کبھی مصدری معنٰی میں بھی ہوتا ہے۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ آڑ۔ یا آڑ کرنا۔ اس لغوی معنٰی کی بنا پر اس کا اصطلاحی معنٰی ہے۔ ۱۔ پردہ، ۲۔ حد فاصل، ۳۔ نا قابل پرواہ، ۴۔ نا قابل لحاظ، ۵۔ آگے ہونا، ۶۔ پیچھے ہونا، ۷۔ بعد میں ہونا، ۸۔ پس پشت ہونا یہ ہمیشہ مضاف ہوکر استعمال ہوتا ہے اس کا مضاف الیہ اسم ظاہر بھی ہوتا ہے اسم ضمیر بھی۔ جیسے وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ وَرَآءَهٗ وَرَاءَ زَيْد۔ اور اس کا مضاف الیہ کبھی فاعلیت کے معنٰی میں ہوتا ہے کبھی مفعولیت کے معنٰی میں ہوتا ہے۔ جب فاعلیت ہو تو وَرَآءَ کا معنٰی ہوتا ہے آگے۔ مثلاً وَرَائَهٗ۔ اس کو چھپانے والی یعنی آگے جب مفعولیت ہو تو وَرَآءَهٗ کا معنٰی ہوتا ہے پیچھے یا بعد میں۔ مثلاً وَرَآءَ۔ اس سے چھپی ہوئی یعنی پیچھے۔ ۹۔ وَرَآءَ کا معنٰی علاوہ یہاں اسی معنٰی میں ہے وَرَآءَ۔ مضاف ذالک اسم اشارہ واحد مذکر بعیدی مشار الیہ کیلئے ہوتا ہے۔ اس کا مشار الیہ اَزْوَاجِهِمْ اور مَا مَلَكَتْ ہے۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِبْتَغٰى کا یہ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہوا مَنْ کا۔ یہ موصول صلہ ملکر معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا۔ ف حرف عطف سببیہ۔ اولئک۔ اسم اشارہ حصری بمعنٰی وہی لوگ۔ ھم ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ اَلْعٰدُوْنَ۔ الف لام اسمی بمعنٰی اَلَّذِيْنَ۔ عٰدُوْنَ۔ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر عَدْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے حد سے بڑھنا۔ دشمن کو عَدُوٌّ اسی لئے کہتے ہیں کہ وہ اپنے مخالف پر ظلم وزیادتی کرنے میں حق استحقاق کی حد سے آگے بڑھتا ہے۔ اَلْعٰدُوْنَ۔ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے ھم مبتدا کی دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہوکر حصر ہوا۔ اسم تحصیری اپنے حصر سے ملکر معطوف ہوا مَنِ ابْتَغٰى کے جملے پر۔ وہ دونوں معطوف علیہ اور معطوف ہوا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ کے جملے پر۔ اَلَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ (الخ) سے آخر تک سب عطفی جملے ملکر صفت ہوئی اَلْمُؤْمِنُوْنَ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے قَدْ اَفْلَحَ کا سب ملکر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ ۙ﴿۴﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۙ﴿۵﴾ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ۚ﴿۶﴾ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ ۚ﴿۷﴾ بیشک فلاح پاگئے ابدی دونوں جہانوں میں ہر قسم کی

marfat.com

کامیابیوں سے بارگاہ نبوت سے تربیت پاکر سچے مخلص پکے مومن نبی کریم کو اپنا ہادی و راہنما مان کر توحید و رسالت، قیامت، سزا، جزا، تقدیر، دوزخ، جنت، میزان کے وجود پر کہ یہ تینوں اب بھی موجود ہیں اور کتب الٰہی کلام ربانی وجود ملٰئکہ پر ایمان لانے والے ہیں یہی حقیقی کامیابی ہے اسکے علاوہ دنیوی عارضی ترقیاں فلاح نہیں خسران ہے۔ لہٰذا اے لوگو۔ اپنی یا کسی کی سرداریاں دولتیں تجارتیں اولاد و خدام کی کثرت دیکھ کر کوئی دھوکہ نہ کھائے۔ ابدی خوشحالی تو دنیوی غربت و مصائب میں غنیمت اور بھلی ہے۔ کامیاب مومنوں کی سات نشانیاں ہیں پہلی یہ کہ وہ اپنی نمازوں میں مکمل خٰشِعُوْنَ ہیں۔ باطنی، ظاہری، قولی، عملی، قلبی، عقلی، جسمی، عضوی خشوع کرنے والے۔ اس طرح کہ دل میں خوف الٰہی۔ قیام میں ہاتھ باندھے عجز سے رکوع میں جھکنے والے انکسار سے سجدوں میں دبنے والے عشق الٰہی سے۔ جلسہ وقعدہ میں سہمے رہنے والے جلال کبریائی کے رعب سے۔ نگاہیں نیچی شکر سے۔ اعضاڈھیلے رقت قلبی سے سر جھکے ندامت جمال بارگاہ ربانی سے۔ مومن کی دوسری نشانی۔ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ اپنی نماز و بیرون نماز ہر خلاف شریعت کام و کلام حرکت وحماقت سے بچتے ہیں اور اہل کو بچاتے ہیں اتنی مضبوطی سے کہ ان کے قلوب لغویات و لاغیہ سے بیزار و کنارہ کش رہتے ہیں۔ اہل ایمان حیات دنیوی کو امتحان اور دنیا کو امتحان گاہ اور اعمال کو پرچہ امتحان سمجھتے ہیں۔ لہٰذا وہ اوقات زندگی کو ولمحات حیات کو کاٹتے ٹالتے گنواتے نہیں بلکہ سچے وصحیح طریقہ حق سے استعمال کرتے ہیں نہ خود لغو کرتے ہیں نہ لغو محفلوں میں جاتے ہیں نہ تنگ مزاجی کرتے ہیں نہ خشک نظری دکھاتے ہیں۔ کلام لغو کی آٹھ قسمیں ہیں۔ ا۔ گالی دشنام ترازی، ۲۔ گندہ بیہودہ مذاق، ۳۔ قہقہہ بازی، ۴۔ بدتمیزی گستاخی، ۵۔ تکبر غرور شیخی بڑائی کی باتیں، ۶۔ مسخرہ پن، ۷۔ گیت گانے باجے، ۸۔ غیبت چغلی الزام تراشی، تہمت سازی، بہتان بازی۔ ان تمام لغویات سے پرہیز کرنا تکمیل نماز ہے اسی لئے مومن کی ہر ساعت نماز ہے۔ مومن کی تیسری نشانی هُمْ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ مومن وہ ہے جو ہر قسم کی مالی بدنی وقتی قولی عملی زکوٰۃ تاعمر نکالتے رہتے ہیں۔ ادا کرتے رہتے ہیں۔ اس طرح کہ مال کے نصاب کی بدن کے حساب کی وقت کے استعمال کی۔ قول سے تبلیغ کی عمل سے تعمیر کی اپنی تزکیہ طہارت پاکیزگی سے اور اپنوں کی اخلاقی اعمالی ترقی نشو ونما سے۔ اپنی بھلائی کا خیال اغیار کی فلاحی کا خیال۔ ہر ادا حق کے فاعل وخواہشمند ہیں۔ ایسے ہی مومنین کی شان سورہ اعلیٰ کی آیت ۱۴ میں بیان ہوئی کہ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى۔ اور سورۃ الشمس کی آیت ۹ میں فرمایا گیا۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰهَا۔ یعنی بے شک کامیاب ہو گیا وہ مومن جس نے روح وقلب و بدن کو پاک ومزکی کرلیا مومن کی چوتھی نشانی یہ کہ۔ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ وہ بندگان خدا اپنی پوری شرمگاہوں کو لوگوں سے چھپاتے ہیں۔ حرام سے بچاتے ہیں۔ طریقہ حلال پر لگاتے ہیں۔ عصمت کو بناتے ہیں۔ عفت کو پھیلاتے ہیں۔ معاشرہ اسلامیہ سے حرام کاری کی گندگی مٹاتے ہیں۔ نہ بے لگام بدمعاش بنتے ہیں نہ لنگوٹ بند راھب سنیاسی بنتے ہیں جن کا محض دعویٰ لنگوٹ بندی ہے ورنہ وہ سادھو راھب سنیاسی اپنی لنگوٹ بندی میں بھی بہت کچھ ناجائز کر جاتے ہیں۔ اس لئے اسلام نے یہ سب کچھ ہر مسلمان کیلئے حرام کر دیا چنانچہ ارشاد فرمایا۔ اِلَّا عَلٰٓى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ۔ مگر مومنوں کی یہ شان اسلامی وطریقہ ایمانی ہے کہ وہ لوگ حلال طیب پاکیزہ شرعی طریقے سے حکم ربانی کے مطابق اپنی بیویوں اور اپنی ملکیتی لونڈیوں پر ذمہ دار، قوام، ناظم الامور گھریلو خانہ آبادی کے والی وارث بن کر انکے تمام حقوق نان نفقہ ادا کرتے ہوئے ان

marfat.com

ماتحت بیویوں لونڈیوں کے حق شہوت بھی ادا کرتے ہیں تا کہ بیوی یا لونڈی حق تلفی کی بنا پر مجبوراً حصول حق کے لئے بے راہ و بد معاش نہ ہو جائے۔ اسلام نے خاوند کو صرف بیوی اور لونڈی کے جواز و حلال کا حق عطا فرمایا ہے ان دو طریقوں کے علاوہ اسلام کسی بھی متعہ وغیرہ کی کنجر بازی یا چکلہ سازی کو جائز و حلال نہیں سمجھتا نہ کسی مومن مسلمانوں کو اسکی اجازت دیتا ہے۔ قرآن مجید میں بہت جگہ اسؔ حلت و حرمت کا ذکر فرمایا گیا۔ چنانچہ یہاں آیت ۶ کے علاوہ سورۃ نساء کی آیت ۳ میں ارشاد ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ اے مسلمانو تم اپنی مرضی کی چار بیویوں تک نکاح کر سکتے ہو۔ نکاح کے بغیر کوئی طریقہ حلال نہیں۔ اور آیت ۲۵ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ...... ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ۔ یعنی جو مسلمان بوجہ غربت آزاد عورت سے نکاح نہ کر سکے تو وہ کسی کی لونڈی سے نکاح کر لے۔ یہ حکم اس کے لئے ہے جو تم میں شہوت برداشت نہیں کر سکتا اور حرام کاری کا خطرہ محسوس کرے۔ اور اگر صبر و ضبط کا حوصلہ بنا لو تو تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہے۔ اور سورۃ احزاب کی آیت ۵۰ و آیت ۵۲ میں ارشاد ہے۔ قَدْ عَلِمْنَا مَا فَرَضْنَا عَلَيْهِمْ فِيْۤ اَزْوَاجِهِمْ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ۔ اور آیت ۵۲۔ لَا يَحِلُّ لَكَ النِّسَآءُ مِنْۢ بَعْدُ وَلَاۤ اَنْ تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ اَزْوَاجٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ اِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ۔ اسی طرح سورۃ معارج کی آیت ۲۹ و ۳۰ میں ارشاد ہے۔ وَ الَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ﴿۲۹﴾ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ ﴿۳۰﴾۔ ان تمام آیات میں یہی بتایا گیا ہے کہ بیوی، لونڈی کے علاوہ کوئی وطی، مجامعت و صحبت مسلمان مرد و عورت کو جائز نہیں ہے۔ شہوت کی قوت جس طرح مرد میں ہے اسی طرح عورت میں بھی ہے۔ اسلام نے ادائیگی حقوق میں دونوں کو پابند کر دیا کہ مرد صرف خاوند بن کر حق استعمال کرے اور عورت صرف نکاحی شرعی بیوی بن کر مکمل ملکیتی لونڈی بن کر حق وصول کرے۔ اور چونکہ خاوند و آقا کے ذمہ ہی بیوی اور لونڈی کے تمام حقوق ادا کرنے واجب ہیں اس لئے نان نفقہ رہائش کے ساتھ شہوت کا حق بھی وہی ادا کرے۔ لہٰذا حق شہوت بھی صرف وہی مرد ادا کرے جو نان نفقے رہائش میں بھی بیوی لونڈی کا قوام والی ناظم ہو سکے۔ اسی قانون کو سمجھانے کے لئے عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ فرمایا گیا۔ مِنْ اَزْوَاجِهِمْ یا بِاَزْوَاجِهِمْ نہ فرمایا گیا۔ اسی لئے مولیٰ اپنی لونڈی سے وطی کر سکتا ہے مگر غلام اپنی مالکہ سے وطی نہیں کر سکتا۔ یہ باریک حکمت نہ سمجھ کر خلافت فاروقی کے زمانے میں ایک مالکہ عورت نے اپنے غلام سے وطی کرالی جائز سمجھتے ہوئے۔ تب صحابہ کرام نے اس عورت کو سمجھاتے ہوئے فرمایا۔ تَاَوَّلْتِ كِتَابَ اللّٰهِ غَيْرَ تَاْوِيْلِهٖ۔ تو نے آیت کا غلط معنیٰ سمجھا مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ سورۃ مومنون کی ابتدائی آیات میں گیارہ الفاظ مذکر کے صیغوں سے ارشاد ہوئے مگر مراد ان سے مومن مرد بھی ہیں مومنات عورتیں بھی جیسے کہ ازواج النبی کریم ﷺ کو امہات المومنین کہا جاتا ہے۔ اور مراد اس سے امہات المومنات بھی ہیں اسی بنا پر تمام مسلمانوں کے نزدیک عائشہ صدیقہ کا مرتبہ فاطمہ الزہرہ خاتون جنت اور مومنات سے بڑا ہے۔ وہ الفاظ یہ ہیں۔ ۱۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ، ۲۔ خٰشِعُوْنَ، ۳۔ مُعْرِضُوْنَ، ۴۔ فَاعِلُوْنَ، ۵۔ حٰفِظُوْنَ، ۶۔ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ، ۷۔ هُمُ الْعٰدُوْنَ، ۸۔ رَاعُوْنَ، ۹۔ يُحَافِظُوْنَ، ۱۰۔ اَلْوَارِثُوْنَ، ۱۱۔ خَالِدُوْنَ۔ یہاں سب لفظوں میں مذکر مونث دونوں مراد ہیں۔ بعض لوگوں نے غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ میں صرف مرد خاوند مراد لئے ہیں اور لونڈیوں کے مالک ہی فقط مراد لئے نہ کہ بیوی و لونڈی۔ مگر یہ قول و نظریہ غلط

marfat.com

ہے۔ اس لئے کہ یہاں عَلٰٓی اَزْوَاجِ فرمانے سے حقوق مراد ہوئے اور شہوت بھی ایک حق ہے جس میں دونوں خاوند بیوی برابر لہٰذا دونوں ہی برابر مراد ہیں یعنی خاوند کیلئے فقط بیوی اور بیوی کیلئے فقط خاوند اسی طرح ملکیتی لونڈی کیلئے صرف اس کا مالک آقا یا جو کوئی دوسرا مرد اس سے نکاح شرعی کر کے خاوند بن جائے اور آقا کیلئے صرف ذاتی لونڈی۔ تمام اہل ایمان کی یہ چوتھی نشانی بیان فرما کر ارشاد فرمایا گیا۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ پس جو شخص مومن ہو کر نکاح شرعی اور ملکیتی لونڈی کے علاوہ اپنے فروج کیلئے کوئی راستہ نکالے گا۔ تو وہ کامل مومن نہ ہوگا بلکہ شریعت الٰہی میں حد سے بڑھنے والا سرکش مانا جائے گا۔ اہل ایمان کی یہی چار نشانیاں ہیں۔ لیکن جو شخص خود کو مومن کہہ کر پھر کوئی تیسرا راستہ نکالے گا۔ جیسا کہ شیعہ رافضی تبرائی صرف خود اپنے کو اور اپنوں کو مومن سمجھتے ہیں اپنے علاوہ کسی مسلمان کو مومن نہیں سمجھتے۔ ان کی تردید کیلئے تا قیامت یہ قانون بنا دیا گیا۔ اور وہی لفظ اَلْمُؤْمِنُوْنَ ارشاد ہوا جس کی یہ شیعہ لوگ اپنے لئے رٹ لگاتے ہیں اور پھر بھی متعہ کی بدکاری کو حلال سمجھتے ہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ وہ مومنون نہیں بلکہ عٰدُوْنَ ہیں۔ اللہ رسول کے قرآن و حدیث کے اسلام و اہل ایمان کے پکے دشمن حد سے بڑھنے والے اور بڑھ کر جہنم میں گرنے والے گر کر برباد ہونے والے ابداً ابدا۔ ایسے ہی عادون کا اپنے مونہوں سے خود کو مومن کہتے پھرنا کچھ مفید نہیں۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔ ترمذی ونسائی شریف میں بروایت فاروق اعظم ہے کہ جب یہ دس ابتدائی آیات نازل ہوئیں تو آقا کائنات حضور اقدس ﷺ نے خوب خوشی منائی اور فرمایا جو مسلمان ان دس آیتوں کو تا عمر اپنے اور اہل بیت پر قائم رکھے وہ جنت کے داخلین و اولین میں ہوگا۔ پھر فرمایا آقا ﷺ نے یہ آیت تمام ابواب خیر کی جامع ہیں اور ایمان کے گیارہ خزانے ۱۔ نماز میں خشوع، ۲۔ زکوٰۃ میں ہمیشگی ادا، ۳۔ لغویات وخبائث سے مکمل تا عمر پرہیز، ۴۔ تمام محرکات سے بچا رہنا، ۵۔ شہوات سے ہٹا رہنا، ۶۔ عبادت بدنیہ کی پابندی سے اتباع نبوی، ۷۔ قولی و مالی عبادات میں اطاعت نبوی، ۸۔ عادات وصفات کی پاکیزگی، ۹۔ تجلیات ربانی کیلئے روح وقلب کو پاک کرنا، ۱۰۔ امانتوں کی حفاظت، ۱۱۔ وعدوں کی رعایت ووفاداری۔ ہر نمازی کو چاہئے کہ وساوس شیطانیہ۔ خیالات پریشانیہ۔ تصورات باطلہ کو حتی الامکان کوشش سے ختم کرے۔ اور الفاظ نماز۔ ارکان صلوٰۃ پر توجہ دے خیالات مختلفہ اور تصورات متفرقہ تب ہی ستاتے ورغلاتے ہیں جب نماز میں خشوع نہ ہو کوشش بندے کی مدد رب تعالیٰ کی بس یہی کوشش اس کا علاج مفید ہے۔

چند الفاظ کی تشریح

کامیابی کی تیرہ قسمیں ہیں۔ ۱۔ فوری حصول مقصد، ۲۔ خوفنا کی سے نجات، ۳۔ بقاء نیکی، ۴۔ دینی دنیوی عزت، ۵۔ اخروی کمال، ۶۔ نہ عذاب قبر، ۷۔ نہ حساب آخرت کی پریشانی، ۸۔ نہ شدائد قیامت، ۹۔ نہ دخول نار، ۱۰۔ نہ صعوبت پل صراط، ۱۱۔ نہ دخول جنت میں رکاوٹ نہ حصول نعمت فردوس میں دشواری، ۱۲۔ قرب الٰہی کے مرتبے ملیں، ۱۳۔ رویۃ ورضا کا انعام ملے یہی کامیابیاں لسان درجات ہیں نشان دوم خشیت الٰہی، مولیٰ علی نے فرمایا کہ خشوع کی چودہ صورتیں ہیں۔ ۱۔ مُخْبِتُوْنَ ہونا یعنی خود کو اور اپنی ہر نیکی کو گھٹیا نا قابل قبول سمجھنا اس لئے رب کی ناراضی سے ڈرے سہمے رہنا، ۲۔ سب میں عاجز رہیں، ۳۔ رب تعالیٰ سے ہر دم خائف، ۴۔ متواضع یعنی دھیمی آواز نیچی نظریں نماز و سر راہ میں،

marfat.com

۵۔ توجہ الی اللہ ہر وقت۔ اسکے علاوہ وہ کسی بھی طرف رغبت نہ رکھیں، ۶۔ ظاہر میں حسن طہارت والے ہوں، ۷۔ باطن میں سکون وخلوص والے ہوں، ۸۔ نمازوں میں اپنی نگاہیں ارکان نماز کی جگہ رکھنے والے ہوں، ۹۔ نمازوں کو قائم ودائم ودرست رکھنے والے ہوں کہ نہ ہاتھ چلائیں نہ پاؤں ہلائیں نہ جسم میں مشغول ہوں، ۱۰۔ نماز کی ادا میں شوق ذوق ہمت ومحبت صحت کا خیال رکھنے والے ہوں، ۱۱۔ ہر نماز میں تذکر، تعقل، تدبر کرنے والے، ۱۲۔ ہر قول میں مخلص، ۱۳۔ ہر یقین میں کامل، ۱۴۔ ہر مقام میں سر بلند واعظم، ہر مرتبے میں خوش بخت، مومن کی اصلی ابدی دولت یہی ہے کہ اہتمام میں جامع عجز میں مانع (انتہائی) خشوع صوت وبصر میں ہوتا ہے اور خضوع بدن میں نماز میں ادھر ادھر دیکھنا شیطان کی شرارت سے ہوتا ہے۔ ابن عباسؓ کے نزدیک لغو سے مراد شرک ہے۔ حسن بصری کے نزدیک تمام گناہ لغو ہیں۔ امام عطا کے نزدیک ہر کھیل لغو ہے۔ مُعۡرِضُوۡنَ کا معنٰی ہے کہ کسی بھی لغو کا ارتکاب نہیں کرتے۔ کسی نے فرمایا کہ لغو سے مراد بروں کی صحبت ہے۔ لِلزَّكٰوةِ فَاعِلُوۡنَ کا معنٰی ہے۔ ہمیشہ فرضی واجبی نفلی صدقات دینے والے۔ اِلَّا عَلٰۤى اَزۡوَاجِهِمۡ۔ کی پوری آیت میں متعہ کی ممانعت ظاہر ہوئی۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ متعہ اسلام میں کبھی بھی جائز نہ ہوا۔ بلکہ یہ دور جہالت سے بحالت سفر مسافروں کے لئے رائج تھا۔ اسلام میں ابتداء اس سے بوجہ مجبوری نہ روکا گیا مگر بعد میں سختی سے اس کو حرام کیا گیا مکہ مکرمہ میں ہی مسلمانوں پر حرام کر دیا گیا تھا اسی آیت کے نزول سے (تفسیر مظہری) کامل مومن وہ ہے جس کے ایمان میں تیرہ چیزیں ہوں۔ ۱۔ اقرا باللسان، ۲۔ تصدیق بالقلب، ۳۔ اظہار بالاعمال، ۴۔ توحید الٰہی پر قائم، ۵۔ تمام انبیا علیہم السلام کی نبوت پر ایمان، ۶۔ ملائکہ پر، ۷۔ حشر جسمانی پر، ۸۔ جزاء اخروی پر، ۹۔ جنت پر، ۱۰۔ دوزخ پر، ۱۱۔ میزان کے وجود پر، ۱۲۔ کتب الٰہیہ پر، ۱۳۔ ہر تقدیر ازلی پر۔ مبرم ہو یا معلق۔ خیر ہو یا شر۔ حلو یعنی میٹھی ہو یا مر کڑوی یعنی بندے کو اچھی لگے یا بری۔ خشوع فی الصلوٰۃ سے نماز میں بارہ کام مکروہ تحریم ہو گئے۔ ۱۔ پائنچے یا آستین اوپر کو لپیٹنا چڑھانا، ۲۔ نماز میں آنکھیں بند کرنا، ۳۔ نماز میں چادر سے منہ ڈھکنا، ۴۔ سدل کرنا یعنی گردن یا سر پر رومال وغیرہ دوطرفہ لٹکانا، ۵۔ نماز میں کسی وقت کمر پر ایک یا دونوں ہاتھ یہودیوں کی طرح رکھنا، ۶۔ نماز میں دونوں ہاتھ کی انگلیوں کی کنگھی بنانا، ۷۔ رفع یدین بار بار کرنا، ۸۔ نماز میں کوئی چیز کھانا چبا کر یا نگل کر، ۹۔ نماز میں پھونکیں مارنا، ۱۰۔ بحالت نماز ہاتھ سے جگہ صاف کرنا اگر دونوں سے کی تو نماز ٹوٹ جائیگی، ۱۱۔ زور سے ابا سی لینا۔ اگر ابا سی میں دو حرف نکل گئے تو نماز ٹوٹ جائیگی، ۱۲۔ نماز باجماعت میں مقتدی نماز کا کوئی کام اپنے امام سے پہلے کرے۔ یہ سب حرکتیں خشوع نماز کے خلاف ہیں۔ علماء احناف کے نزدیک نماز میں خشوع سنت لازمی اور افضل اعمال ہے۔ خشوع کا مقام دل ہے۔ خشوع کا اظہار اعضا کی درستگی سے ہے۔ خشوع کی جزا آخرت میں ہے علامات قیامت میں پہلی نشانی یہ ہے نمازیوں کے دل سے خشوع ختم ہو جائے گا۔ پھر آہستہ آہستہ نمازیں بھی ختم ہو جائیں گی۔ حاکم ومسند احمد اور مسند ابن شیبہ نے باب الزہد میں حضرت عبیدہ بن صامتؓ سے یہی روایت فرمائی۔ لَغۡو بمعنٰی کَفَاد'' کا ترجمہ ہے چڑیوں کا بیہودہ اور دل آزار شور۔ اصطلاح ہر قبیح کو لغو کہا جاتا ہے۔ فَاعِلُوۡنَ بمعنٰی مُؤَدُّوۡنَ ہے یعنی ادا کرنے والے۔ مگر فَاعِلُوۡنَ فرما کر ادا ہمیشگی کا اشارہ فرمایا گیا۔ کیونکہ فعل میں استمرار ہوتا ہے لفظ ادا میں استمرار نہیں ہوتا۔ فَمَنِ ابۡتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ میں آٹھ قسم کی وطی حرام کی گئی۔ ۱۔ متعہ کی بدکاری، ۲۔ خضخضہ کی شہوت زنی یعنی مشت زنی، ۳۔ حیوانات سے

marfat.com

قبل یا دبر میں مجامعت کرنا، ۴۔لواطت، ۵۔ پانچویں بیوی رکھنا، ۶۔ ایک خاوند کی دو سگی بہنوں کو بیوی بنانا، ۷۔ایک خاوند کی سگی پھوپھی بھتیجی کو ایک وقت میں بیوی بنانا، ۸۔سگی خالہ بھانجی کو بیک وقت ایک مرد کے نکاح میں دینا۔ دوسری بیوی کو عربی میں علت اور خَوۃ کہتے ہیں اردو میں سوت پنجابی میں سوکن کہتے ہیں۔ قانون شریعت میں تین قسم کی سوکن حرام ہے۔ ۱۔ پانچویں سوکن یعنی پانچویں بیوی، ۲۔ سگی بہن اپنی بہن کی سوکن نہیں بن سکتی، ۳۔ سگی خالہ اپنی بھانجی کی یا بھانجی اپنی سگی خالہ کی سوکن شرعاً نہیں بن سکتی، ۴۔ سگی پھوپھی اپنی بھتیجی کی یا بھتیجی اپنی سگی پھوپھی کی سوکن نہیں بن سکتی۔ ہاں البتہ ایک مرد کی ملکیت میں لونڈی ہوسکتی ہیں دو سگی بہنیں بھی سگی پھوپھی بھتیجی بھی۔ سگی خالہ بھانجی بھی۔ مگر ان میں سے صرف ایک سے وطی کر سکتا ہے (از روح المعانی) تفسیر روح البیان میں ہے کہ جب اہل جنت کا جنت میں داخلہ ہوگا تو جنت پکارے گی قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ (مومنون:۱)۔ اور وہاں مومنوں سے مراد فقراء صابرین، امراء شاکرین، علماء عاملین، صلحاء عالمین ہیں۔ حدیث مقدس میں ہے کہ اذا خضع القَلْبُ خَشَعَتِ الْجَوَارِحُ۔ جب دل میں ہیبت الٰہی ہو تو اعضا سے خشوع ظاہر ہوتا ہے۔ ایک بار آقا ﷺ نے ایک نمازی کو دیکھا کہ وہ بحالت نماز اپنی داڑھی سے کھیل رہا ہے تو نبی کریم آقا ﷺ نے فرمایا لَوْ خَشَعَتِ الْقَلْبُ هٰذَا خَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ یعنی اگر اس کے دل میں خشوع ربانی ہوتا تو اسکے اعضا میں بھی خشوع ہوتا تفسیر ابن عباس نے فرمایا کہ خشوع قلبی باطن میں خوف الٰہی ہیبت کبریائی اور دل کا لرزہ ہے۔ خشوع ظاہری چار چیزیں ہیں۔ ۱۔ نماز میں بدن سکون میں رہے، ۲۔ ادھر ادھر توجہ نہ پھرے، ۳۔ نگاہیں نیچی رہیں، ۴۔ رکوع وسجود وغیرہ میں رفع یدین نہ ہو خشوع نماز شرط جواز نہیں بلکہ شرط مقبولیت ہے یعنی اگر کسی کی نماز میں ظاہری باطنی خشوع نہ ہوگا تو نماز ادا ہو جائے گی۔ مگر ثواب کم ملے گا۔ عربی میں برائی کیلئے پانچ لفظ ہیں۔ ۱۔ لوم، ۲۔ ذم، ۳۔ حقیر، ۴۔ بئس، ۵۔ ساء۔ مگر فرق یہ ہے بری شخصیت کے لئے لوم ہے جیسے کے اَلْکَافِرُ وَ الْفَاسِقُ مَلُوْمٌ، اسی معنٰی میں یہاں غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ فرمایا گیا۔ اور بری عادت بری خصلت کو ذم کہا جاتا ہے جیسا کہ اَلْکُفْرُ وَالْفِسْقُ مَذْمُوْمٌ اور قابل نفرت کو حقیر کہا جاتا ہے۔ برے کام کیلئے ساء اور بری اجرت وبدلے کیلئے بئس کہا جاتا ہے۔

مختلف اقوال

سورۃ مومنون کے نزول میں چار قول ہیں۔ ۱۔ بعض نے فرمایا کے ساری سورۃ مکی ہے کوئی بھی آیت مدنی نہیں ہے۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے فرمایا۔ اسکی آیت ۷۵ و ۷۶ و ۷۷ تین آیات مدنی ہیں۔ از وَلَوْ رَحِمْنَاهُمْ۔ تا مُبْلِسُوْنَ، ۳۔ بعض نے فرمایا اسکی چودہ آیتیں مدنی ہیں۔ از آیت ۶۴ تا ۷۷، حَتّٰی اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ سے۔ مُبْلِسُوْنَ تک، ۴۔ بعض نے فرمایا اسکی سترہ آیتیں مدنی ہیں اولاً آیت ۵، ۶، ۷۔ وَالَّذِیْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ سے فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْعٰدُوْنَ۔ تک۔ اور پھر آیت ۶۴ سے آیت ۷۷ تک۔ حَتّٰی اِذَآ اَخَذْنَا سے مُبْلِسُوْنَ تک۔ نزول آیت میں علماء اسلام کی تین اصطلاحیں ہیں۔ ۱۔ مکی آیات جو ہجرت سے پہلے نازل ہوئیں ہوں۔ حضر میں یا سفر میں ہوں۔ مدنی آیات جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں ہجرت کے دوران۔ یا سفر۔ یا حضر یا مکہ مکرمہ میں حج یا عمرہ یا فتح مکہ کے وقت ان سب کو مدنی ہی کہا جائے گا۔ ۲۔ بعض علما فرماتے جو آیات مکہ مکرمہ میں نازل ہوئیں ہجرت سے پہلے یا بعد وہ مکی ہیں۔ اور جو شہر مدینہ منورہ میں

marfat.com

نازل ہوئیں وہ مدنی ہیں اور جو کسی بھی سفر میں نازل ہوئیں وہ سفری ہیں۔ ۳۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جن آیات میں اہل مکہ سے خطاب ہے وہ کہیں بھی نازل ہوں وہ مکی ہیں۔ اور جن آیات میں اہل مدینہ سے خطاب ہے وہ کہیں نازل ہوں مدنی ہیں۔ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ورائج ہے (تفسیر روح المعانی) اس سورۃ مومنون کی تعداد آیات میں دو قول۔ ۱۔ بصری قراء کہتے ہیں کہ ایک سوسترہ آیات ہیں۔ کیونکہ آیت ۴۵ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی سے قَوْماً عَالِیْنَ تک ایک آیت ہے، ۲۔ مگر کوفی قراء کہتے ہیں کہ کل آیات ۱۱۸ ہیں۔ اور آیت ۴۵ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی سے مُبِیْنٍ تک ایک آیت ۴۵ اور اِلٰی فِرْعَوْنَ سے قَوْماً عَالِیْنَ تک دوسری آیت ۴۶ ہے۔ یہی قول درست ہے کیونکہ مکتوب ومشہور ہے، ۳۔ بعض قراء نے فرمایا کہ کل آیات ایک سوانیس ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ ثُمَّ اَرْسَلْنَا سے مُبِیْنٍ تک دو آیتیں ہیں۔ ۴۵ و ۴۶ خٰشِعُوْنَ کے معنٰی میں بارہ قول ہیں وہ سب ہی درست ہیں تفسیر عالمانہ میں بیان کردیئے گئے ہیں۔ لغو کے معنی میں پانچ قول وہ سب ہی درست ہیں تفسیر عالمانہ میں بیان کردیئے گئے۔ زکوٰۃ کے معنٰی میں تین قول ہیں۔ ۱۔ بعض نے فرمایا زکوٰۃ سے مراد تمام اعمال صالحہ، ۲۔ بعض نے فرمایا زکوٰۃ سے طہارت۔ پاکیزگی، ۳۔ اکثر علمانے فرمایا زکوٰۃ سے مال کے نصاب کی سالانہ زکوٰۃ فرضی یہی قول درست ہے۔ فرضیت زکوٰۃ کے زمانے میں تین قول۔ ۱۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں فرض ہوئی اسی آیت ۴ سے، ۲۔ بعض نے فرمایا زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی، ۳۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ زکوٰۃ کا وجوب واظہار مکہ مکرمہ میں ہوا اسی آیت ۴ سے مگر فرضیت ادا نہ ہوئی کیونکہ یہ آیت جملہ خبریہ ہے اور خبر سے فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔ فرضیت زکوٰۃ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اٰتوا الزکوۃ کی آیت سے کیونکہ وہ امر اور جملہ انشائیہ۔ اور فرضیت وممانعت جملہ انشائیہ سے ثابت ہوتا ہے یہی قول درست ہے۔ خشوع فی الصلوٰۃ کے حکمی مرتبے میں پانچ قول ہیں۔ ۱۔ بعض نے فرمایا نماز میں خشوع فرض ہے، ۲۔ بعض نے فرمایا افضل ہے اس سے ثواب کی زیادتی اور تکمیل نماز ہے، ۳۔ بعض کے نزدیک نماز میں خشوع کرنا سنت لازمی ہے، ۴۔ بعض کے نزدیک واجب ہے، ۵۔ نماز میں خشوع کرنا شرط نماز ہے رکن نماز نہیں ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ۔ کی قرات میں دو قول۔ ۱۔ بعض قراء کے نزدیک قَدْ اَفْلَحَ۔ فعل ماضی مطلق معروف ہے، ۲۔ بعض کی قرات میں قَدْ اُفْلِحَ ہے ماضی مطلق مجہول۔ خٰشِعُوْنَ کی تفسیر میں مفسرین کے تین قول، ۱۔ یہ صحابہ کرام کی نشانیاں بتائی گئیں ہیں کہ تربیت نبوی سے صحابہ کرام نمازوں میں خشوع کرتے ہیں اور یہ مذکورہ مومنین صحابہ کی نشانیاں ہیں جنکی وجہ سے دنیا میں سلطنت اسلامیہ کے وارث اور آخرت میں جنت میں هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہیں۔ ان آیات میں شیعہ فرقے کی تردید ہے کیونکہ شیعہ فرقہ کہتا ہے کہ مومن اور جنتی صرف وہ ہیں جو مولیٰ علی کے ساتھی ہیں۔ باقی تمام صحابہ اسلام سے پھر گئے تھے کیونکہ مولیٰ علی سے پھر گئے تھے (معاذ اللہ) شیعہ فرقہ کے اس کفریہ عقیدے کی یہاں قرآن مجید کے علاوہ خود مولیٰ علی نے بھی تردید فرمادی۔ چنانچہ کنز العمال جلد ششم واقعہ الصفین ص ۲۰۴ پر ہے سُئِلَ عَلِیٌّ اَمِیْرُ عَلَیْهِ السَّلَامُ قِتَالَ یَوْمِ الصِّفِیْنَ فَقَالَ قُتْلَانَا وَقُتْلَا هُمْ فِی الْجَنَّةِ۔ ترجمہ۔ جنگ صفین کے بارے میں مولیٰ علی سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ ہمارے مقتولین اور انکے مقتولین دونوں جنتی ہیں۔ ثابت ہوا کہ شیعہ فرقے کا مذہب خود مولیٰ علی کے مذہب کے خلاف ہے۔ ۲۔ بعض نے لکھا ہے کہ فرضیت نماز کی ابتدا میں صحابہ کرام نماز میں ادھر ادھر دیکھ لیا کرتے تھے اور آسمان کی

marfat.com

طرف دیکھتے رہتے تھے جب یہ آیات نازل ہوئیں تو صحابہ نے ادھر ادھر دیکھنا چھوڑ دیا کیونکہ یہ خشوع کے خلاف تھا۔ یہ قول بالکل غلط جاہلانہ ہے اور جھوٹا ہے وہ جس نے یہ جھوٹ بنایا۔ اس لئے کہ آیت کریمہ خشوع کرنے والوں کی خبر دیتے ہوئے نشاندہی فرما رہی ہے۔ اور یہ قول خشوع صحابہ کی نفی کر رہا ہے۔ نبی کریم ﷺ تو شروع دن سے صحابہ کرام کو خشوع کی تعلیم و تربیت دیتے تھے اور تمام صحابہ سختی سے اس تعلیم پر عامل تھے اسی پابندی کی قرآن کریم خبر دے رہا ہے۔ ۳۔ ایک جاہل نے لکھا ہے کہ اس آیت کے نزول سے پہلے خود نبی کریم ﷺ آسمان کی طرف اور دائیں بائیں دیکھ لیا کرتے تھے۔ معاذ اللہ۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو پھر ایسا نہ کیا۔ یہ قول بھی کذبیات شیطانیہ میں سے ہے اس لئے کہ بلا ضرورت نبی کریم ﷺ اپنی نگاہ مبارک کبھی کسی طرف نہ پھیرتے نہ اٹھاتے بلکہ صحابہ کرام کو تعلیم نماز کے ساتھ ساتھ تعلیم خشوع بھی عطا فرمایا کرتے تھے اور نگاہیں جمانے کا حکم فرماتے اور پھیرنے گھمانے سے منع فرماتے۔ تو بھلا خود کیسے کر سکتے تھے۔ اور اگر کبھی ضرورۃً نگاہ مقدس جانب آسمان اٹھائی بھی تو رب تعالیٰ نے اس کی تعریف و ثنا فرمائی۔ جیسا کہ تحویل قبلہ کے وقت ہوا۔ ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا ہر کام ہی جائز رب تعالیٰ کو پسند ہے۔ یہ قول کسی جاہل گستاخ نے بنایا۔ مفسرین سابقین کے ایسے ہی کذبیات سے وہابیت نے جنم لیا ہے۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ** حضرت ام رومان صدیق اکبر کی زوجہ محترمہ، عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی والدہ محترمہ سے مروی ہے۔ کہ آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے فرمایا کہ اے نمازیو نماز میں پرسکون رہو۔ کیونکہ اطراف واعضا کو خوف الٰہی سے پرسکون رکھنا اور ہر قسم کے ہلنے جلنے نظر پھرانے سے خود کو بچانا تکمیل نماز ہے یہ فائدہ اس تعلیم نبوی اور فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ** تا قیامت تمام مسلمانوں کو منع فرما دیا گیا کہ نماز و دعا میں آسمان کی طرف نگاہیں نہ اٹھایا کریں۔ مستدرک حاکم جو در پردہ مائل برفض تھا اس نے صحابہ کرام پر اتہام لگایا ہے کہ صحابہ بلکہ خود نبی کریم ﷺ بھی پہلے نگاہیں پھرایا کرتے اس آیت کے بعد پھر ایسا نہ کیا۔ امام بغوی نے مستدرک حاکم کی سخت تردید فرمائی اور فرمایا کہ مستدرک حاکم رافضی ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ہر فعل جائز بلکہ عین شریعت و خصوصیات میں سے ہے۔ آپ کا ہر کام خٰشِعُوْنَ میں سے ہے۔ خشوع الٰہی تو محبوب کی اداؤں کا نام ہے۔ خواہ طواف میں رمل ہو یا آسمان پر نظر ہو۔ یہ فائدہ خٰشِعُوْنَ کے جملہ خبریہ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ** مختلف الفاظ سے نماز و زکوٰۃ کو ہر آیت میں ساتھ ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں عبادتوں میں کمال کا تعلق و مشابہت ہے مثلاً نماز وقتی اور بدنی عبادت ہے تو زکوٰۃ مالی و محنتی عبادت ہے۔ نماز میں خشوع کی ضرورت زکوٰۃ میں خلوص کی ضرورت۔ نماز میں روح و قلب سے اہتمام کی ضرورت اور زکوٰۃ میں روح و قلب سے احترام کی ضرورت۔ نماز کو لغویات بدنی سے بچانا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کو لغویات نام و نمود وریاکاری سے بچانا ضروری ہے۔ یہ فائدہ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ۔ پھر درمیان میں عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ اور پھر لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

marfat.com

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**۔ نماز اور دعا میں آسمان کی طرف نگاہیں اٹھانا گناہ کبیرہ ہے۔ اور اندیشہ ہے نظر و بینائی جاتی رہے۔ مسلم و نسائی نے حضرت ابوہریرہ سے اور ابوداؤد۔ ابن ماجہ و مسند احمد نے حضرت جابر سے روایت فرمائی کہ نماز میں ہلنا ہٹنا، دائیں بائیں دیکھنا۔ آگے پیچھے بلاوجہ ہونا سخت گناہ اور عادت یہود ہے۔ اور باعث ہلاکت و ذلت۔ نماز فرض ہو یا واجب نفلی۔ یا سنت موکدہ غیر موکدہ یا کفایہ۔ یہ مسئلہ خٰشِعُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ صحابہ کرام کی نشانی ہے تمام امت کیلئے تاقیامت حکم بیانی ہے۔ **دوسرا مسئلہ**۔ پہلے زمانوں میں جبکہ لونڈی غلام ہوتے تھے۔ اب نہیں ہیں مگر آئندہ ہوسکتے ہیں اس لئے مسئلہ شرعی یہی ہے کہ مولیٰ اپنی لونڈی سے صحبت وطی کرسکتا ہے مالک ہونا ہی مثل نکاح جواز ہے۔ اور صحبت کا حلال ہونا اولاد پیدا کرنا شرعاً جائز و حلال ہے۔ مگر مالکہ اپنے غلام سے وطی نہیں کرا سکتی۔ یہ مسئلہ۔ اَوْ مَامَلَکَتْ اَیْمَانُهُمْ میں لفظ مَا اور ھم ضمیر مذکر ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس لئے کہ مَاغیرُ **ذوی العقول** کیلئے آتا ہے۔ اور لونڈی عورت اپنی قلت عقلی کی وجہ سے مثل بے عقل جانور کے مشابہ ہے اور اس لئے کہ غلام مرد ہونے کی وجہ سے عقل تام رکھتا ہے لہٰذا وہ اس مَامَلَکَتْ سے خارج ہے اور ھم ضمیر مذکر کی وجہ سے عورت مالکہ اس جواز سے نکل گئی۔ ثابت ہو گیا کہ مولیٰ لونڈی کی وطی حلال ہے۔ مالکہ و غلام کی وطی حرام ہے۔ (تفسیر مظہری) **تیسرا مسئلہ**۔ خاوند بیوی اور مولیٰ لونڈی کی باہمی صحبت وطی کے علاوہ شریعت اسلام میں کوئی وطی و مجامعت جائز و حلال نہیں ہے۔ لہٰذا شیعوں کا متعہ اور عورت یا مرد سے دبر میں لواطت جانوروں سے قبل یا دبر میں مجامعت یا مشت زنی قطعاً حرام ہے۔ آئمہ ثلاثہ کا یہ متفقہ مسئلہ ہے۔ امام احمد حنبل کے نزدیک سخت ترین تین قسم کی مجبوریوں میں مشت زنی کو مجبوراً جائز رکھا گیا ہے۔ امام احمد مشت زنی کو بلا مجبوری مکروہ تحریمی فرماتے ہیں۔ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ عَنْ عَطَاءٍ قَالَ مَکْرُوْہٌ"۔ یعنی ابن جریج نے حضرت عطا سے روایت کیا کہ مشت زنی مکروہ ہے۔ امام احمد اپنی مسند میں اسی روایت کو دلیل بناتے ہیں۔ مگر آئمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ مسئلہ فَمَنِ ابْتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِکَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ**۔ حرمت متعہ کیلئے یہ آیت ے دلیل ظنی ہے۔ کیونکہ یہاں **اقتضاء النص** سے بطریقہ استنباط حرمت متعہ ثابت ہو رہی ہے۔ استنباط اس طرح کیا گیا کہ متعہ کی عورت نہ بیوی ہو سکتی ہے نہ لونڈی۔ لونڈی نہ ہونا تو ظاہر ہے بیوی اس لئے نہیں ہے کہ شرعی بیوی کے نکاح صحیح کی وجہ سے تقریباً بارہ حقوق خاوند پر واجب و لازم ہیں جو یقینی و قانونی دینے ادا کرنے واجب ہیں۔ مگر ان میں سے کسی بھی حق کی یہ متعہ والی عورت حقدار و مستحق نہیں ہوتی نہ شرعاً نہ قانوناً۔ جیسا کہ دلائل حرمتہ متعہ میں اس کی تفصیل بیان کی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جب متعہ والی عورت نہ بیوی ہوئی نہ لونڈی تو لامحالہ یقیناً وہ مَاوَرَآءَ ذٰلِکَ ہوئی جو بالکل شرعاً حرام ہے۔ اسکے مرتکب اَلْعٰدُوْنَ ہوئے اور چونکہ یہ ثبوت و قیاس استنباط سے ظاہر ہے اس لئے یہ حرمت ظنی ہے مگر حدیث مقدسہ متواترہ سے متعہ کی حرمت قطعی ثابت ہے۔ نبی کریم آقا دو عالم ﷺ نے واضح الفاظ میں متعہ کے حرام ہونے کا ذکر فرمایا۔ نیز اسکی حرمت قطعی اجماع صحابہ سے بھی ثابت ہے۔ اور جسکی واضح عبارۃ النص پائی جائے وہ حکم قطعی ہوتا ہے لہٰذا حرمت متعہ آیت سے ظنی اور روایت و اجماع امت سے قطعی ہے۔ شیعہ رافضی تبرائی کہتے ہیں کہ حضرت عمر نے متعہ کو حرام کیا۔ شیعوں کی یہ بات بالکل غلط ہے۔ فاروق اعظم حرمت متعہ کے موجد نہیں وہ عدالت اسلامیہ میں بحیثیت قانون حرمت کو داخل شامل و نافذ کرنے والے ہیں۔ غرضیکہ حرمت متعہ تین طرح

marfat.com

ثابت ہے۔ ۱۔ حرمت ظنی قرآن مجید سے، ۲۔ حرمت قطعی قولی وضاحت رسول پاک وحدیث متواترہ سے، ۳۔ حرمت قطعی عقیدۃ وعملی اجماع عمل صحابہ کرام سے۔ حرمت ظنی کا یہ مسئلہ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

حرمۃ متعہ کے دلائل

از تفسیر روح المعانی۔ **پہلی دلیل** امام عبدالرزاق اور ابوداؤد امام قاسم بن محمد سے روایت فرمایا کہ کسی نے ان سے متعہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا متعہ سورۃ مومنون کی آیت ۵ تا ۷ سے تا قیامت حرام کر دیا گیا۔ اور یہی آیت تلاوت فرمائی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ تا آخر۔ اور فرمایا کہ متعہ والی عورت نہ بیوی ہے نہ لونڈی ہے بلکہ مَاوَرَآءَ ذَالِکَ ہے۔ پس واجب ہے کہ متعہ والی عورت حرام ہی ہو حلال نہیں ہو سکتی۔ **دوسری دلیل** شرعی بیوی کے بارہ حقوق ہیں۔ ۱۔ بیوی طلاق کی مستحق ہوتی ہے، ۲۔ بیوی مطلقہ یا بیوہ پر عدت واجب ہوتی ہے، ۳۔ بیوی سے ظہار بھی کیا جا سکتا ہے، ۴۔ بیوی کا ایلا بھی ہو سکتا ہے، ۵۔ بیوی ہی محصنہ ہوتی ہے، ۶۔ بیوی کو تہمت لگانے سے لعان واجب ہوتا ہے، ۷۔ بیوی کا نفقہ نان خاوند پر واجب ہوتا ہے، ۸۔ بیوی کا مکمل باپردہ لباس بھی خاوند پر واجب ہے رہائش باسہولت بھی خاوند کے ذمہ واجب، ۹۔ بیوی کو خاوند کی اور خاوند کے نطفے کی وہ اولاد جو اس بیوی کے بطن سے ہو میراث ملے گی۔ اور بیوی کی میراث خاوند کو ملتی ہے، ۱۰۔ عرف عام واصطلاح شرعی میں منکوحہ عورت کو ہی بیوی کہا جاتا ہے، ۱۱۔ اولاد ونسل صرف بیوی سے ملتی ہے، ۱۲۔ بیوی کے ہوتے ہوئے اسکی سگی بہن، سگی پھوپھی سگی خالہ سے نکاح یہ خاوند نہیں کر سکتا نہ ہی ایک خاوند پانچویں کوئی بیوی بنا سکتا ہے۔ مگر متعہ کی عورت کو یہ حقوق حاصل نہیں اس کو نہ طلاق نہ عدت نہ ایلا نہ ظہار نہ وہ محصنہ بنے نہ اس پر تہمت سے لعان واجب نہ اس کا شرعاً نان نفقہ واجب نہ لباس نہ رہائش واجب نہ میراث پائے نہ عرف عام واصطلاح شریعت میں اس کو بیوی کہا یا سمجھا جائے نہ اس سے اولاد ونسل ملے۔ متعہ کی عورت کے ہوتے اس کی سگی بہن خالہ پھوپھی سے نکاح جائز ہے۔ اور جواز کے قائل شیعہ لوگ ان میں سے کسی ایک کے ساتھ نکاح جائز مانتے ہیں۔ اور بیک وقت متعہ بھی جائز مانتے ہیں۔ یعنی ایک بہن بیوی دوسری متوعہ۔ ایک بیوی اسکی متوعہ بن کر اسی خاوند کے پاس رہ سکتی ہے۔ کیونکہ متعہ کی عورت اب مثل کنجری ہے اور پہلے زمانوں میں متعہ کی عورت کا مقصود صرف شہوت پوری کرنا اور سفر میں رہائش وحفاظت کا حصول گویا کہ عورت کو چند دن کیلئے کرائے پر لینا ہوتا ہے۔ تیسری دلیل سورۂ نساء کی آیت ۳ میں ہے۔ فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ ترجمہ: اے مسلمانو مومنوتم بیک وقت اپنی شرعی پسند کی ایک یا دو یا تین یا چار تک بیویاں رکھ سکتے ہو بشرطیکہ سب بیویوں کے پورے مکمل حقوق انصاف وعدل کے ساتھ ادا کرتے رہو تا عمر۔ لیکن اگر تم بیویوں میں حقوق کی ادائیگی کا عدل وانصاف نہیں رکھ سکتے اور تم کو ظلم ہو جانے کا خوف وخطرہ اندیشہ ہو تو صرف ایک بیوی ہی رکھنا اور دوسری بھی جائز نہیں بوجہ ظلم۔ یا پھر اپنی لونڈیوں کو برت سکتے ہو۔ لونڈیوں کے اسکے مالک پر تا زندگی تین حقوق واجب ہیں، ۱۔ نان نفقہ خوراک مکمل، ۲۔ لباس، ۳۔ رہائش۔ اگر شریعت اسلام میں متعہ جائز ہوتا تو یہاں لونڈیوں کی بجائے متعہ کا ذکر ہوتا۔ **چوتھی دلیل**۔ سورۂ نساء کی آیت ۲۵ میں

marfat.com

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَمَنۡ لَّمۡ یَسۡتَطِعۡ مِنۡكُمۡ طَوۡلًا اَنۡ یَّنۡكِحَ الۡمُحۡصَنٰتِ الۡمُؤۡمِنٰتِ فَمِنۡ مَّا مَلَكَتۡ اَیۡمَانُكُمۡ...... ذٰلِكَ لِمَنۡ خَشِیَ الۡعَنَتَ مِنۡكُمۡ ؕ وَاَنۡ تَصۡبِرُوۡا خَیۡرٌ لَّكُمۡ ؕ۔ ترجمہ: اے مسلمانو تم میں سے جو غریب مرد آزاد عورت مومنہ سے نکاح کرنے اسے بیوی بنانے کی مالی طاقت نہیں رکھتا تو وہ غریب شخص تم میں سے کسی کی مسلمان لونڈی سے نکاح کر کے اسے بیوی بنا کر خانہ آبادی کرلے یا لونڈی خود خریدے۔ اے بندو یہ حکم اس کیلئے ہے جو تم میں سے اپنے پر حرام کاری کا خطرہ اندیشہ رکھتا ہو۔ اور اگر صبر وضبط کا حوصلہ بنا لو تو تمہارے لئے بہت ہی اچھا ہے۔ اگر متعہ جائز ہوتا تو نہ عَنَتَ کا خوف وخطرہ ہوتا نہ کسی کی لونڈی سے نکاح کا حکم دیا جاتا۔ اور نہ ترک نکاح پر صبر وحوصلے کی رغبت دلائی جاتی۔ بلکہ متعہ کر لینے کا ذکر فرمادیا جاتا اور اجازت عام دیدی جاتی۔ **پانچویں دلیل**۔ سورۂ نور کی آیت ۳۳ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَلۡیَسۡتَعۡفِفِ الَّذِیۡنَ لَا یَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰی یُغۡنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ ؕ۔ ترجمہ: اور چاہئے کہ پاکدامن رہیں وہ لوگ جو نکاح کی مالی طاقت نہیں پاتے اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان کو غنی ودولت مند کردے۔ اگر متعہ کرنا جائز ہوتا تو غریب بے نکاح لوگوں کو انتظار کرنے اور پاک دامن رہنے کی تلقین نہ فرمائی جاتی بلکہ کہہ دیا جاتا کہ جاؤ جا کر متعہ کرتے پھرو دو دو، تین تین گھنٹوں کے لئے۔ **چھٹی دلیل**۔ احادیث صحاح ستہ کی مشہور ومعتبر کتاب مسلم شریف میں ہے۔ عَنِ النَّبِیِّ علیہ السلام قَالَ كُنۡتُ اَذِنۡتُ لَكُمۡ فِی الۡاِسۡتِمۡتَاعِ مِنَ النِّسَآءِ وَقَدۡ حَرَّمَ اللّٰهُ تَعَالٰی ذَالِکَ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَةِ۔ ترجمہ: فرمایا آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میں نے تم پر جائز رکھا تھا عورتوں سے متع کر لینا۔ پہلے کچھ عرصہ ابتدا میں متع سے منع نہ کر کے تو اب سنو کہ۔ اور بے شک اللہ تعالیٰ نے تا قیامت حرام کر دیا ہے اس بدکاری متعہ کو۔ اسی آیت مقدسہ فَمَنِ ابۡتَغٰی وَرَآءَ ذٰلِكَ سے ہر مسلمان کیلئے۔ خیال رہے کہ آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے سامنے حرمت متعہ کا تین بار ذکر فرمایا۔ پہلی بار اس وقت جب یہ آیت پاک نمبر ۷ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی یہ ذکر حرمت متعہ کے جاری ونفاذ کا تھا۔ دوسری بار اس وقت جب غزوہ خیبر ہوا تھا علاقہ خیبر میں نو مسلم صحابہ کیلئے متعہ کے حرام ہونے کا تذکرہ فرمایا۔ یہ ذکر اظہار حرمت تھا۔ یہ صرف تاکید کیلئے سابقہ حرمۃ کا دوبارہ بتانا ہے نئے مسلمانوں کیلئے تاکہ وہ بھی اسلام کے اس حکم حرمت سے ناواقف نہ رہیں اور دور جہالت کے اس طریقہ بدکاری سے بچے رہیں۔ یہ دوسری بار کا تذکرہ حرمۃ کی ابتدا نہیں تھی صرف دوبارہ اظہار تھا۔ تیسری بار یوم فتح مکہ میں۔ یہ تذکرہ بھی مزید نو مسلموں کو اسلامی حکم حرمت بتانا تھا۔ اور ان تین بار حرمت متعہ بتانے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ زمانہ جاہلیت میں کافی عرصے سے عربی عجمی علاقوں میں سفر وحضر کے دوران اپنے سامان کی حفاظت رہنے کی جگہ اور غریب الوطنی کے دوران شہوت پوری کرنے کیلئے وقتی مفاد حاصل ہو جاتا تھا اور تھوڑے پیسوں سے محض خواہش شہوت کا حصول ہو جاتا تھا۔ نزول آیت سے پہلے اس بدکاری سے مسلمانوں کو بھی منع نہ فرمایا گیا تو جس طرح حرمۃ شراب کے نزول سے پہلے مسلمان بھی شراب پیتے رہے۔ اسی طرح حرمت متعہ سے پہلے متعہ کی ممانعت بالحدیث نہ فرمائی گئی۔ اور بعض جہلاء شیعہ کا یہ کہنا کہ اسلام نے ہی متعہ کو شروع کیا۔ یہ شیعوں کی کذب بیانی ہے اور اسلام پر۔ **ساتویں دلیل**۔ حرمۃ متعہ کے ذکر کی بار بار ضرورت اس لئے بھی پڑی کہ دیگر محرکات اسلامیہ شرعیہ سے یہ حرمت بڑی اہم ہے۔ کیونکہ یہ بدکاری قبل اسلام عرب وعجم میں جاری تھی بلکہ لوگ اس بے غیرتی پر فخر کرتے تھے۔ سیاست چمکاتے۔ دوستی نبھاتے۔ پیسہ دولت کماتے۔

marfat.com

کاروبار چلاتے۔ تجارت چمکاتے تھے۔ گویا کہ یہ بدکاری عام رواج بن چکی تھی۔ اس وجہ سے بہت سے نومسلموں کو قرآن مجید کی بیان کردہ اس حرمت کا پتہ نہ لگا تھا۔ اس لئے حدیث مقدسہ نے بار بار اس حرمت کا ذکر فرمایا تاکہ یہ حرمت مشہور ہو کر سب کو معلوم ہو جائے خاص کر منافقین تو اس حرمت سے خوش نہ تھے بلکہ متعہ کو جائز و جاری رکھنا چاہتے تھے۔ جیسا کہ سورۃ نور کی آیت ۳۳ میں منافقین کی ان ہی حرکات کا ذکر و سدباب کیا گیا۔ عبداللہ بن ابی بن سلول منافق نے تو اپنی لونڈیوں کی بدکاری کے ذریعے یہ کاروبار بنایا ہوا تھا۔ اسی طرح مسند امام محدث حازمی نے بسند حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کیا کہ غزوہ تبوک کے سفر میں جاتے ہوئے علاقہ شام کے ایک گاؤں عقبہ میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے کہ قریبی دیہات کی چند عورتیں آ گئیں اور کہنے لگیں کہ ہم سے متعہ کرلو۔ کچھ نومسلم اور چند منافق مرد پھسل پڑے اور آمادہ ہو گئے اور انہیں اپنے خیموں میں لے آئے۔ اتنے میں اچانک آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ وہاں سے گزرے آپ نے ان عورتوں کو دیکھ کر پوچھا کہ یہ عورتیں کون ہیں کیوں آئی ہیں تو ان مسلموں نے بتایا کہ ہم نے ان سے متعہ کا معاہدہ کیا ہے۔ فَغَضَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ۔ رسول اللہ ﷺ سخت غصہ ہوئے راوی فرماتے ہیں کہ غصہ سے آپکے رخسارے سرخ ہو گئے اور پھر فرمایا کہ الحمدللہ شکر ہے مولیٰ تعالیٰ کا جس نے مسلمانوں کو ہر قسم کی حرام کاری سے بچایا۔ پھر فرمایا کہ متعہ قیامت تک کیلئے حرام فرما دیا گیا ہے اور ہم سے وعدہ لیا کہ خبردار آئندہ کبھی بھی متعہ نہ کرنا یہ بدترین حرام کاری ہے۔ راوی فرماتے ہیں کہ پھر کبھی کسی مسلمان نے متعہ نہ کیا نہ مسلمان مردوں نے نہ مسلمان عورتوں نے۔ اس وقت متعہ کی شکل و طریقہ بالکل ایسا ہی ہوتا تھا جس طرح آجکل بعض شہروں میں بازار حسن کے چکلے اور ہیرا منڈی ہیں۔ بازار حسن کی عورتوں کے ساتھ جو متعہ ہوتا ہے اس کا طریقہ یہ ہے کہ کوئی مرد بذات خود یا کسی دلال وکیل کے ذریعے کوٹھے والی عورت کے پاس اس سے ایک رات یا چند راتوں کا معاہدہ کرتا ہے پہلے مرد پیشکش و فرمائش کرتا ہے۔ پھر عورت کہتی ہے کہ میں اتنی راتیں یا اتنے دن تیرے لئے مخصوص ہوں اتنی فیس و اجرت کے بدلے مرد کہتا ہے مجھے قبول ہے۔ یہی طریقہ کچھ لفظی تبدیلیوں کے ساتھ شیعہ کتابوں میں لکھا ہے۔ چنانچہ شیعہ کتاب تحفۃ العوام مصدقہ مطبوعہ کتب خانہ حسینیہ لاہور نمبر ۸ اندرون موچی دروازہ کے صفحہ ۲۷۴ پر اور جامع جعفری جلد اول صفحہ ۶۰۲ مطبوعہ جعفریہ کتب خانہ گل شاہ لاہور۔ یہی وجہ ہے تمام وہ لوگ جو اس قسم کا بازار حسن لگاتے بناتے سجاتے قائم کرتے ہیں مراثی ہوں یا بھانڈ شیعہ مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایران میں تو متعہ کے بازار کو قانونی تحفظ حاصل ہے۔ دنیا بھر کے شیعہ رافضی سرعام متعہ کو جائز مانتے ہیں بلکہ سیدزادی سے بھی متعہ جائز مانتے ہیں۔ چنانچہ شیعوں کی مشہور و معتبر مذہبی کتاب تہذیب الاحکام جلد ہفتم کے ص ۲۷۱ مطبوعہ نجف اشرف (ایران) باب تفصیل احکام النکاح میں ہے۔ وَلَا بَأْسَ بِالتَّمَتُّعِ بِالْهَاشِمِيَّةِ۔ ترجمہ: اور نہیں ہے کچھ مضائقہ سیدہ ہاشمیہ سے متعہ کرنے میں بھی (العیاذ باللہ تعالیٰ) اس تکرار حرمت سے ثابت ہوا کہ متعہ کی بدکاری دیگر بدکاریوں سے بھی زیادہ سخت ہے۔ **آٹھویں دلیل** ۔ متعدد صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت پاک فَمَنِ ابْتَغٰى (الخ) سے حرمۃ متعہ ثابت ہے۔ محرمات اسلامیہ میں سب سے پہلی حرمت۔ حرمۃ متعہ کی بدکاری ہے۔ ام المومنین والمومنات عائشہ صدیقہ اور مولیٰ علی شیر خدا کا یہی فرمان ہے۔ نیز مولیٰ علی نے فرمایا کہ حرمۃ متعہ پر تین برہانی دلائل ہیں اول فرمان قرآن مجید۔ دوم متواتر احادیث۔ سوم اجماع صحابہ۔ شیعہ روافض حلت متعہ کے دلائل میں

marfat.com

حضرت عبداللہ ابن عباس سے ایک روایت بیان کرتے ہیں کہ ابن عباس متعہ کو حلال سمجھتے تھے۔ یہ بات شیعی کذبیات میں سے ہے۔ برخلاف اس کے ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ متعہ شروع اسلام میں جاری رہا یعنی پرانی رسم ورواج کو یکدم حرام نہ کیا گیا۔ یہ متعہ دور جاہلیت میں زمانوں سے جاری تھا۔ دور جہالت میں مسافروں کی ضروریات کیلئے بطور ہوٹل سرائے یہ رواج جاری کیا گیا۔ اور متعہ کا معاہدہ شہر کا قاضی یا شہر کا معتبر آدمی اپنی ذمہ داری پر قائم کرتا تھا۔ آدھا دن یا ایک دن۔ یا ایک ہفتہ ایک ماہ یا ایک سال کیلئے ہوتا تھا نہ اس میں عدت ہوتی تھی نہ طلاق نہ ایلا نہ لعان نہ ظہار۔ نہ میراث۔ گھر کی مالکہ اپنے گھر کا کرایہ بھی وصول کرتی اور اپنی شہوت رانی کے پیسے بھی وصول کرتی تھی۔ اور مسافر کو تین سہولتیں دی جاتیں، ۱۔ رہائش، ۲۔ مال تجارت کی دیکھ بھال اور تحفظ، ۳۔ بازار کی واقفیت، ۴۔ اپنے ساتھ مقررہ معاہدے کی مدت تک دن رات وطی۔ پھر ہوتے ہوتے یہ ایک بہت بڑا کاروبار بن گیا تھا۔ امراسو سولونڈیاں خرید کر یہ دھندا کرتے تھے۔ غرضیکہ کوئی چھوٹا تاجر کوئی بڑا تاجر۔ حرام کاری عروج پر تھی۔ اس معاہدے میں ایک پابندی سخت لازمی تھی وہ یہ کہ جو عورت جتنے دن یا جتنے گھنٹوں کیلئے جس مرد کیلئے بک ہوتی اتنا عرصہ وہ عورت کسی دوسرے مرد کیلئے بک نہ ہو سکتی نہ معاہدہ کر سکتی نہ کسی سے کسی بھی وقت ہم بستری کرا سکتی تھی اور جب مقررہ مدت ختم ہو جاتی تو وہ عورت بغیر اجازت بغیر اطلاع بغیر طلاق بغیر عدت دوسرے شخص سے معاہدہ کر لیتی۔ اور وہ دوسرا شخص اس نئے وقت سے اسکے ساتھ وطی کر سکتا تھا۔ بالکل اسی طرح آج کل شیعوں کا متعہ ہے جو بازار حسن کے چکلوں کوٹھوں پر جاری ہے۔ کسی بھی شخص کو توالد وتناسل کا حصول نہ ہو سکتا تھا اگر کوئی بچہ ہوتا تو اسکی پوری حقدار صرف والدہ ہوتی تھی۔ یہاں تک کہ جب یہ سورۃ مومنون کی آیت ۶و۷ نازل ہوئیں۔ تو علی الاعلان حضرت ابن عباس نے فرمایا۔ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَ حَرَامٌ۔ ترجمہ: فرمایا کہ ان دو فرجوں یعنی بیوی اور لونڈی کے سوا ہر فرج ہر مسلمان مرد کیلئے ہمیشہ کیلئے حرام کر دی گئی ہے۔ **نویں دلیل**۔ سورۃ نساء کی آیت ۱۳ میں چودہ عدد محرمات عورتیں بیان فرمانے کے بعد آیت ۲۴ میں ارشاد فرمایا گیا۔ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ ترجمہ: اور حلال کی گئی ہیں ان بیان کردہ محرمات کے علاوہ تمام عورتیں تم مسلمانوں کے لئے اس طرح کہ تم ان کو اپنا بنا سکتے ہو صرف بیوی بنا کر اپنے مالی حق مہر کے ذریعے۔ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ۔ نہ کہ صرف شہوت پوری کرنے کے لئے۔ اس غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی قید لگانے سے ثابت ہوا کہ جو عورتیں شریعت پاک نے حلال رکھی ہیں وہ صرف محصنین یعنی بیوی بنانے کے لئے حلال کی گئی ہیں کیونکہ بیوی بنانا ہی مقصد حیات ہے اسی کام کے لئے عورتیں حلال کی گئی ہیں بیوی بنا کر تین مقاصد کا حصول ہے۔ ۱۔ مستقل گھر بنانا، ۲۔ نسل بڑھانا اولاد بنانا، ۳۔ شریفانہ ذمہ دارانہ معاشرہ سازی۔ خاوند بیوی بن کر ہی ہر مرد وعورت کو اپنی اپنی ذمہ داریوں کی پابندی کا عملی احساس ہوتا ہے اور حیات دنیوی کی ذمہ داریاں نبھائی جا سکتی ہیں۔ یہ احساس ذمہ داری نہ متعہ سے حاصل ہو سکتی ہے نہ زنا سے۔ کیونکہ متعہ وزنا کا مقصد فقط حاجت شہوت ہے ان دونوں سے معاشرے کی تباہی بربادی ہے ان ہی وجوہ کثیرہ کی بنا پر متعہ وزنا کو حرام کیا گیا ہے۔ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ کی قید نے صاف طور پر متعہ کو حرام فرما دیا۔ اور بتا دیا کہ مومن مسلمان صرف شہوت رانی کیلئے پیدا نہیں کیا گیا۔ **دسویں دلیل**۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ متعہ حرام ہونا چاہئے اسکی چند وجوہ، ۱۔ یہ بات تمام دنیا کے

marfat.com

شیعہ روافض بھی مانتے ہیں کہ بارہ اماموں میں سے کسی بھی اہلبیت کے کسی فرد نے کبھی متعہ نہ کیا بلکہ مولیٰ علی نے کئی بار متعہ کی حرمت کا ذکر فرمایا، ۲۔ حضرت امام حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بیویاں کرتے اور بہت طلاق دیتے تھے اور بیٹیوں والے خود چاہتے تھے کہ ہماری بیٹی خاندان نبوت میں شامل ہو جائے۔ اگر متعہ جائز ہوتا تو امام حسن نکاح کے بجائے متعہ کر لیا کرتے جس میں زیادہ سہولت تھی کہ نہ مہر دینا پڑتا ایک مٹھی گندم سے کام چل جاتا نہ طلاق نہ عدت، ۳۔ آج بھی کوئی غیرت مند شریف آدمی اپنی بیٹی کا متعہ گوارہ نہیں کرتا خود شیعہ معززین بھی اپنی بیٹی کیلئے متعہ پسند نہیں کرتے۔ صرف آوارہ بدکارہ بازاری عورتوں کیلئے یہ جائز رکھا ہوا ہے۔ یہاں تک اسلام سے پہلے بھی شرفاء قوم متعہ سے اپنے افراد خانہ کو بچاتے تھے۔ ۴۔ کوئی شخص اپنے آپ کو متعہ کی اولاد کہلانا پسند نہیں کرتا، ۵۔ تذکرہ غوثیہ کے ص ۱۱۳ پر لکھا ہے کہ ایک شیعہ نوابزادہ صاحب نے شیعہ مذہب صرف اس لئے چھوڑ دیا کہ جب وہ بارات لے کر اپنے رافضی تبرائی سسرال گئے تو ان کو بتایا گیا کہ ان کی ہونے والی نیک پارسا بیوی متعہ سے پانچ ماہ کی حاملہ ہے تو انہوں نے نکاح سے انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں ایسے مذہب پر لعنت بھیجتا ہوں جس مذہب میں یہ بے غیرتی جائز بلکہ کار ثواب بتائی گئی ہے۔ ۶۔ ان باتوں کو دیکھتے ہوئے معلوم ہوتا کہ امراء شیعہ نے غرباء شیعہ کی عورتوں کو اپنی عیاشی بدمعاشی کیلئے بیوقوف بنا کر متعہ ایجاد کیا ہے اور امیر زادیوں کو بچایا ہوا ہے۔ ۷۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (بقرہ: ۲۲۳)۔ یعنی اے مردو تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں۔ (تمہاری اولاد کے پھل بنانے والی) لہٰذا اپنی کھیتی کے لئے ہی انکے پاس آؤ جس وقت اور جس طرح چاہو۔ مگر متعہ اس کے خلاف ہے متعہ سے کھیتی اولاد کی بربادی وتباہی ویرانی ہے۔ کیونکہ متعہ محض شہوت بازی ہے جو مقصد تخلیق کے خلاف ہے۔ ۸۔ متعہ کی عادت جانوروں سے بدتر خصلت ہے جانور بھی اپنے مقصد اولاد کیلئے مجامعت کرتے ہیں اور موسمی توقیت کا خیال رکھتے ہیں۔ ہر وقت اور بے مقصد محض شہوت بازی کیلئے بوالہوس نہیں بنتے مگر انسان اشرف المخلوقات ہو کر متعہ جیسی بوالہوسی کرے تو وہ جانوروں سے بدتر ہے، ۹۔ متعہ سے زندگی وحشیانہ آوارہ وغیر ذمہ دارانہ بن جاتی ہے، ۱۰۔ عورتیں بھی آوارہ بدمعاش، فیشن پرست بناؤ سنگھار کے لئے وقف ہو جاتی ہیں ہر طرف آنکھ مچولی عشق بازی خمار گندم کی بدمعاشی عام ہو جاتی ہے شرافت وغیرت مٹ جاتی ہے۔ ۱۱۔ وجود انسانیت بے لگام ہو جاتا ہے، ۱۲۔ متعہ میں فائدہ کم نقصان زیادہ ہے، ۱۳۔ متعہ کو رواج دینے سے جو اولاد ہوگی وہ لاوارث ہوگی، ۱۴۔ متعہ کی اجازت بیویوں پر ظلم اور انکے حقوق پر ڈاکہ ڈالنا ہے، ۱۵۔ شیعہ کتاب اصول کافی جلد دوم کے صفحہ ۱۳۲ پر لکھا ہے کہ کنواری شریف زادی سے متعہ حرام ہے کیونکہ اس میں خاندان کی ذلت ہے لہٰذا کنواری سے صرف نکاح کرو نکاح بہترین عزت ہے۔ غرضیکہ خود شیعہ حضرات اور اکابر کی عقل میں متعہ ذلت کا کام ہے، ۱۶۔ شیعہ لوگ متعہ کے جواز میں عقلی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ متعہ سے زنا کو روکنا مقصود ہے۔ حالانکہ یہ بالکل غلط ہے کیونکہ شیعوں کی معتبر کتابوں میں متعہ کی جو تشریح بیان کی گئی ہے اس سے ظاہر وثابت ہوتا ہے۔ متعہ بالکل مثل زنا ہے۔ صرف نام بدلا گیا ہے۔ چنانچہ زنا بھی وقتی تعلق متعہ بھی مرد وزن کا وقتی تعلق ہے۔ متعہ کی فیس کا نام اجرت زنا کی فیس کا نام خرچی۔ متعہ کی فیس بھی مقرر نہیں ایک مٹھی گندم سے لاکھ روپیہ تک مرد وعورت کی رضا۔ متعہ میں بھی صرف شہوت بازی زنا میں بھی صرف فرق یہ ہے متعہ کے لئے ایجاب وقبول کے لفظ مقرر کر لئے گئے

marfat.com

ہیں۔ زنا عام لفظوں میں ایک معاہدہ وقت وفیس ہے اصول کافی جلد دوم میں ص ۱۹۱ پر ہے۔ اِنَّمَا هِیَ مُسۡتَاجَرَۃٌ یعنی متعہ کی عورت صرف کرائے پر لی ہوئی ٹھیکے کی چیز ہے شیعہ کتاب تنبیہ المنکرین کے صفحہ ۶۹ پر ہے متعہ کی پوری اجرت پہلے دینا ضروری ہے کیونکہ اس کا دعویٰ عدالت میں نہیں کیا جاسکتا۔ یہی کچھ زنا میں ہے اصول کافی جلد دوم کتاب اول صفحہ ۱۹۴ پر ہے متعہ کی اجرت مقرر نہیں ہوتی۔ شیعہ کتاب جامع عباسی صفحہ ۱۲۵ پر ہے متعہ میں مدت کا تعین لازم ہے۔ یہی زنا میں ہوتا ہے۔ تہذیب الاحکام باب النکاح میں صفحہ ۲۰۱ پر ہے۔ لَیۡسَ فِی الۡمُتۡعَۃِ الۡاِشۡتِھَارُ وَالۡاِعۡلَانُ۔ یعنی متعہ کو چھپانا مخفی رکھنا واجب ہے متعہ کا اعلان یا اشتہار لگانا منع ہے۔ زنا بھی چھپایا جاتا ہے۔ حالانکہ شرعی نکاح کو مشہور کرنا واجب ہے حدیث مقدس میں ارشاد ہے کہ اَعۡلِنُوۡا النِّکَاحَ نکاح کا خواب اعلان کرو اس فرق کی وجہ ظاہر ہے کہ نکاح میں عزت ہے متعہ اور زنا میں خود شیعہ لوگ بھی سمجھتے ہیں کہ ذلت ہے۔ اصول کافی جلد دوم کتاب اول صفحہ ۱۹۱ میں ہے۔ تَزَوَّجَ مِنۡھُنَّ اَلۡفًا فَاِنَّھُنَّ مُسۡتَاجَرَاتٌ۔ ترجمہ: بیک وقت ایک مرد ہزار عورتوں سے بھی متعہ کرسکتا ہے کیونکہ متعہ کرانے والی عورتیں کرائے پر لی ہوئی ہوتی ہیں۔ اور کتاب استبصار کے باب متعہ میں ہے کہ یَجُوۡزُ الۡجَمۡعُ بَیۡنَ اَکۡثَرِ مِنۡ اَرۡبَعَۃٍ فِی الۡمُتۡعَۃِ ترجمہ: متعہ میں چار سے زیادہ عورتیں بیک وقت جائز ہیں۔ ایک شیعہ عالم زادہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے مجتہد وقت امام سے پوچھا۔ مَا یَحِلُّ مِنَ الۡمُتۡعَۃِ۔ قَالَ کَمۡ شِئۡتَ کہ متعہ میں بیک وقت کتنی عورتیں جائز ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جتنی تو چاہے یہی آزادی کثرت زنا میں ہوتی ہے۔ شیعہ کتاب استبصار کتابُ الحدود مَا یُحۡصَنُ کے صفحہ ۱۲۴ پر ہے کہ ممتوعہ عورت کو پردہ کرنا منع ہے۔ اسی طرح زانیہ عورت کو بھی پردہ نہیں کرنا پڑتا کیونکہ یہ نمائش کی چیزیں ہیں۔ شیعہ کتاب تنبیہ المنکرین کے صفحہ ۶ پر ہے کہ متعہ کا مقصد صرف شہوت پوری کرنا ہے نہ کہ بقائے نسل یا حصول اولاد یا خانہ آبادی۔ مقصد زنا بھی بالکل یہی ہے۔ کتاب جامع عباسی ص ۱۵۵ پر ہے کہ متعہ کی حالت میں نطفہ رحم میں ڈالنا بہتر نہیں۔ اسی کتاب میں ہے کہ متعہ میں نہ طلاق ہے نہ عدت نہ میراث۔ اصول کافی جلد دوم کتاب اوّل ص ۱۹۳ پر ہے۔ وَ لَیۡسَ بَیۡنَھُمَا مِیۡرَاثٌ اِشۡتَرَطَ اَوۡلَمۡ یَشۡتَرِطۡ وَلَانَسۡلَ اَوۡلَادِ وَلَانَفۡقَۃَ وَلَا عِدَّۃَ لَھَا عَلَیۡکِ یعنی متعہ کرنے سے عورت و مرد کے درمیان نہ میراث ہے شرط کرلی ہو یا نہ کی ہو نہ اولاد نسل ہے نہ خرچہ نان نفقہ نہ مرد سے جدا ہونے کی اے ممتوعہ تجھ پر عدت ہے۔ جامع عباسی ۱۳۵ پر ہے کہ متعہ میں نہ طلاق نہ عدت نہ میراث نہ اولاد کی نسل اس مرد کیلئے شیعوں کے ایک مشہور ملا باقر مجلسی کے رسالے فقہ کے باب النکاح میں ص ۱۲۲ پر ہے کہ متعہ میں نہ گواہ کی ضرورت نہ وکیل کی عورت و مرد اکیلے بیٹھ کر سب کچھ طے کرکے متعہ کر سکتے ہیں زنا کی کیفیت بھی یہی ہے۔ شیعوں کے محدث قمی شیخ صدوق ابن بابویہ کی کتاب الاعتقاد باب النکاح ص ۱۸۰ پر ہے کہ نکاح اور متعہ دونوں بالکل دو علیحدہ چیزیں ہیں۔ آگے لکھتے ہیں کہ اَسۡبَابُ حَلِّ الۡمَرۡاَۃِ اَرۡبَعَۃٌ۔ اَلنِّکَاحُ۔ وَمِلۡکُ الۡیَمِیۡنِ۔ وَالۡمُتۡعَۃُ۔ وَالتَّحۡلِیۡلُ۔ یعنی عورتوں کے حلال ہونے کے چار اسباب ہیں۔ ۱۔ نکاح، ۲۔ ملکیتی لونڈی، ۳۔ متعہ، ۴۔ حلالہ کرانا۔ ان حوالوں سے ثابت ہوا کہ متعہ مثل زنا ہے۔ صرف نام بدل دیا گیا ہے جواز متعہ میں شیعوں کے پاس قرآن مجید کی صرف ایک آیت دلیل ہے وہ بھی نہایت کمزور تمام شیعہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن مجید میں عورتوں سے مجامعت حلال و جائز ہونے کے تین طریقے مذکور ہیں۔ چنانچہ سورۂ نساء کی آیت ۳۔ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَانۡکِحُوۡا مَا

marfat.com

طَابَ لَكُمْ یہاں عقد نکاح کا ذکر فرمایا گیا۔ پھر سورۃ نساء کی آیت ۲۴ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً۔ ترجمہ شیعہ: تو جن عورتوں سے تم متعہ کرلو ان حلال عورتوں میں تو دیدیو ان کو انکی اجرتیں جو مقرر کی ہوں۔ یہاں عقد متعہ کے جواز کا ذکر ہے۔ پھر آیت ۲۵ میں ارشاد ہے۔ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ۔ یعنی اگر آزاد محصنہ مومنہ عورتوں سے نکاح کی مالی طاقت تم کو نہ ہو تو کسی کی مومنہ لونڈی سے نکاح کرا یا کوئی لونڈی خرید لو۔ شیعہ حضرات آیت ۲۴ سے دلیل پکڑتے ہیں کہ متعہ کرنا اللہ تعالیٰ نے جائز فرمایا ہے اور اِسْتَمْتَعْتُمْ کا معنی ہے تم نے متعہ کیا ہو۔ شیعوں کی یہ دلیل تین وجہ سے کمزور ہے۔ پہلی وجہ یہ کہ اگر یہاں متعہ کرنا مراد ہوتا تو فَمَا کا لفظ نہ ہوتا بلکہ وَمَا ہوتا یا اَوْمَا ہوتا۔ کیونکہ لفظ ف اگلے کلام کو پچھلے کلام سے جوڑتا ہے۔ جبکہ متعہ ایک علیحدہ عقد عارضی ہے لہٰذا جو ترجمہ شیعوں نے کیا وہ غلط ہے۔ ف کی وجہ سے۔ صحیح ترجمہ یہ ہے کہ۔ اور حلال کی گئیں تمہارے لئے مذکورہ محرمات کے علاوہ یہ کہ تم اپنے مالوں کے ذریعے ان ماوراء عورتوں کو اپنی منکوحہ بناؤ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ بدمعاشی اور عارضی شہوت کے بغیر فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ تو جن منکوحہ سے تم نے نفع لے لیا بذریعہ وطی ان کو پورا مہر مقرر شدہ ادا کرو۔ یعنی وطی کے بعد۔ دوسری وجہ یہ کہ متعہ میں اجرت نفع لینے سے پہلے دینا واجب مگر یہاں نفع کے بعد دینے کا ذکر ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ ف کی وجہ سے اِسْتَمْتَعْتُمْ کا تعلق اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ سے ہے۔ نہ کہ علیحدہ۔ نکاح میں یہ ہوتا ہے کہ اگر وطی ہو جائے تو پورا مہر دینا پڑتا ہے اگر منکوحہ سے وطی نہ ہو تو آدھا مہر یہاں یہی مسئلہ بتایا جارہا ہے کہ اگر اِسْتَمْتَعْتُمْ۔ تم نے وطی کر کے منکوحہ سے نفع پالیا تو پورا مہر دیدو۔ فَرِيْضَةً۔ جو مقرر کیا گیا ہے یہاں متعہ کا معنٰی بنتا ہی نہیں۔ اگر متعہ مراد ہوتا تو آیت اس طرح ہوتی۔ وَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ۔ یعنی اور جن سے متعہ کیا تم نے یا اس طرح ہوتی۔ اَوْمَا اسْتَمْتَعْتُمْ۔ اور معنی یہ ہوتا کہ ان ماوراء حلال عورتوں سے مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ بن کر اپنے مالوں کے ذریعے نکاح۔ یا اِسْتَمْتَعْتُمْ۔ متعہ کرو اور اگر مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ۔ جس کو نکاح یا متعہ کی طاقت نہ ہو تو وہ لونڈی سے نکاح کرے۔ بلکہ پھر لونڈی سے نکاح کی ضرورت ہی نہ پڑتی اور مَا مَلَكَتْ کا ذکر ہی نہ کیا جاتا کیونکہ متعہ تو سب سے زیادہ آسان ہے کہ مٹھی بھر گندم دیکر وطی کرلو نہ عمر بھر نفقہ نہ خرچہ نہ رہائش دینے کی ذمہ داری۔ لونڈی سے نکاح کرنے میں صرف حق مہر کی تھوڑی رعایت ہے ورنہ باقی ذمہ داریاں لازم ہوتی ہیں۔ ثابت ہوا کہ یہاں متعہ مراد نہیں ہوسکتا۔ پہلے مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ پھر فَمَا کی قید اتصالی۔ پھر اسْتَمْتَعْتُمْ۔ میں نفع حاصل کرنے کا ذکر۔ پھر آسانی کیلئے مَا مَلَكَتْ کا ذکر۔ اس ترتیب نے بتایا کہ اِسْتَمْتَعْتُمْ آسان نہیں یہ وہی مرد کرسکتا ہے۔ جس کے پاس قوت مالی کا طول ہو۔ ہاں جس کے پاس مُحْصَنٰتْ سے نکاح کی طاقت نہ ہو وہ لونڈی سے کرے۔ شیعہ کہتے ہیں کہ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ سے پہلے دو عقدوں کا ذکر ہے۔ ۱۔ نکاح، ۲۔ متعہ۔ اگر یہ بات ہوتی تو مَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ میں بھی دونوں کا ذکر ہوتا۔ صرف اَنْ يَّنْكِحَ نہ ہوتا۔ بقول شیعہ ارشاد باری اس طرح ہوتا کہ اے مسلمانو تم نکاح کرو یا متعہ کرو اور اگر جس مسلمان مرد کو نکاح یا متعہ کی طاقت نہ ہو تو وہ لونڈی سے عقد کرے مگر ارشاد باری تعالیٰ اس طرح نہیں ہے بلکہ فَانْكِحُوْا اور اَنْ تَبْتَغُوْا۔ اور فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ کے بعد صرف اَنْ يَّنْكِحَ کا ذکر فرمایا گیا کہ اگر نکاح محصنہ کی طاقت نہ ہو۔ یہ خصوصی ذکر بتا رہا ہے کہ پہلے کے تینوں صیغے۔ فَانْكِحُوْا۔ اَنْ تَبْتَغُوْا اور فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ۔ عقد نکاح دائمی ہی کیلئے ہیں۔ متعہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس آیت سے

marfat.com

متعہ ثابت کرنا جہالت اور بلا وجہ کھینچا تانی ہے۔

مشت زنی کا بیان

اس کے حکم میں آئمہ اربعہ کا اختلاف۔ ۱۔ امام اعظم کے نزدیک یہ فعل حرام قطعی ہے احناف کے دلائل میں ایک دلیل یہ آیت نمبر ۷ ہے فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ۔ اور دوسری دلیل۔ قَالَ النَّبِيُّ علیہ السلام نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُوْنٌ۔ ترجمہ: ہاتھ سے وطی کرنے والا ملعون ہے۔ ۲۔ امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک یہ فعل مکروہ تحریمی ہے۔ مالکی شافعی دلیل۔ مِنْ سَعِيْدِ ابْنِ جُبَيْرٍ عَذَّبَ اللّٰهُ تَعَالٰى اُمَّةً كَانُوْا يَعْبَثُوْنَ بِمَذَاكِيْرِهِمْ۔ دوسری دلیل۔ وَعَنْ عَطَاءٍ سَمِعْتُ قَوْماً يُحْشَرُوْنَ وَاَيْدِيْهِمْ حُبَالٰى۔ ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ عذاب دے گا ان کو جو اپنے مذاکیر سے کھیلتے ہیں اور ضائع کرتے ہیں۔ ترجمہ ۲ عطا فرماتے ہیں کہ میں نے سنا ہے کہ محشر میں کچھ لوگوں کے ہاتھ حاملہ عورت کے پیٹ کی طرح سوجے ابھرے ہونگے۔ ۳۔ امام احمد بن حنبل کے نزدیک یہ فعل تین شرطوں سے جائز بلا کراہت ہے پہلی شرط یہ کہ مرد خود اپنے ہاتھ سے کرے نہ کہ دوسرے مرد یا عورت کے ہاتھ سے۔ شرط دوم شہوت سے سخت مجبور ہو۔ شرط سوم وہ مرد کنوارہ یا بغیر بیوی کے رہ جائے۔ لیکن اگر اپنے پر جبر صبر سے قابو رکھے تو زیادہ بہتر و مفید ہے۔ امام حنبل عقلی دلیل دیتے ہیں کہ نطفہ منی بھی دیگر فضلات کی طرح ایک فضلہ ہے تو جیسے خون نکلوانا جائز ہے اسی طرح منی بھی۔ مگر آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ مادہ منو یہ صرف فضلہ نہیں بلکہ اس کی دو حیثیتیں ہیں ایک حیثیت محض فضلہ بول و براز کی مثل یہ احتلام میں نکل جاتا ہے۔ دوسری حیثیت مخزن اولاد یہ عمدہ ہے اس کو نکالنا پڑتا ہے اگر بذریعہ طال وطی ہو تو جائز کیونکہ امانت کی حفاظت ہے اگر اس کو برباد کیا جائے تو مثل متعہ ولواطت حرام ہے کیونکہ محض شہوت بازی ہے اور نسل کی بربادی ہے۔ امام احمد دلیل حنفی کا جواب دیتے ہیں کہ نَاكِحُ الْيَدِ مَلْعُوْنٌ۔ خبر واحد ہے اس سے حرمت قطعی ثابت نہیں ہوسکتی۔ مالکی شافعی دلیل کا جواب دیتے ہیں کہ سعید بن جبیر اور عطا کا قول محض ذاتی تخیل ہے کہ شاید يَعْبَثُوْنَ۔ اور يُحْشَرُوْنَ سے مراد مشت زن اور مشت زنی ہے۔ اور کسی شخص کی ذاتی رائے حکم شرعی نہیں بن سکتا۔ یہ شان صرف انبیا علیہم السلام کی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ خیال رہے کہ دنیا میں صرف شیعہ رافضی ٹولہ ہی متعہ کو جائز سمجھتا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا۔ فَمَنِ ابْتَغٰى وَرَآءَ ذٰلِكَ (الخ) یعنی بیوی اور لونڈی کے علاوہ سب عورتوں سے وطی جائز ہے جسکی آٹھ قسمیں تفسیر عالمانہ میں بیان کی گئیں ہیں۔ اس سے ثابت ہوا کہ بیوی سے ہر خاوند ہر وقت وطی کر سکتا ہے حالانکہ شریعت میں ہے۔ ۱۔ حائضہ، ۲۔ نفاس والی، ۳۔ ظہار والی، ۴۔ لعان والی سے اور ۵ بحالت روزہ، ۶۔ بحالت احرام، ۷۔ دوسرے سے منکوحہ اپنی لونڈی، ۸۔ مطلقہ بائنہ، ۹۔ مطلقہ مغلظہ سے انکا اپنا خاوند بھی وطی نہیں کرسکتا۔ ایسے ہی آقا اپنی لونڈی سے بھی ان مندرجہ بالا کیفیات میں وطی نہیں کرسکتا۔ جب تک کہ یہ تمام مذکورہ کیفیات ختم نہ ہو جائیں۔ یعنی حیض ونفاس کی مدت ظہار کا کفارہ۔ لعان میں دوبارہ نکاح۔ لونڈی مطلقہ ہو جائے تو بعد عدت۔ مطلقہ سے دوبارہ نکاح مغلظہ بعد حلالہ۔ تو پھر یہاں مطلقاً مَاوَرَآءَ ذَالِکَ۔ کیوں فرمایا گیا جبکہ بیوی لونڈی کی وطی

marfat.com

میں بھی اتنی رکاوٹیں ہیں۔ ممنوعات میں ان کیفیات کو بھی شامل کرنا چاہئے تھا۔ **جواب**۔ آیت کریمہ میں حرمت دائمی شرعی کا ذکر ہے اور حلت دائمی شرعی کا ذکر ہے۔ یہ حلت و حرمت اللہ تعالیٰ نے قائم فرمائی یعنی حلال دو قسم کی عورتیں اور حرام آٹھ قسم کی عورتیں۔ یہ وطی کی حرمت ہے نہ کہ نکاح کی۔ نکاح حرام والی اسکے علاوہ چودہ قسمیں سورۃ نساء کی آیت ۲۳ و ۲۴ میں بیان فرمائی گئیں۔ لیکن معترض نے جن آٹھ کیفیات کا ذکر کیا ہے وہ عارضی خود ساختہ حرمتیں ہیں اس لئے وہ دائمی حرمتوں میں شمار نہیں ہوسکتیں۔ **دوسرا اعتراض**۔ مسلمانوں کے نبی صاحب نے فرمایا ہے کہ قرآن تا قیامت ہر انسان کیلئے ہے ہر زمانے میں۔ تو پھر اس میں لونڈی غلاموں کا ذکر کیوں کیا گیا۔ مسلمان یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام ہے تو کیا مسلمانوں کے خدا کو پتہ نہیں تھا کہ دنیا سے لونڈی غلام بہت جلدی ختم ہو جائیں گے۔ آج پوری دنیا میں کہیں کوئی لونڈی غلام نہیں ہے۔ اس لئے اب وہ آیتیں بیکار ہیں جن میں لونڈی غلام کا ذکر ہے۔ مسلمانوں کے خدا نے یہ بیکار کلام کیوں اتارا جو چند سال بعد بیکار ہونے والا تھا۔ (آریہ ہندو یہود و نصاریٰ) **جواب**۔ اگرچہ ظاہراً عارضی طور پر دنیا سے غلامیت ختم ہو چکی ہے مگر قانوناً یقیناً ختم نہیں ہوئی۔ آج بھی شروع ہو سکتی ہے۔ اور مسلم غیر مسلم نجومیوں کی پیش گوئیوں کے مطابق قریب قیامت پھر غلامیت شروع ہو جائے گی۔ نیز یہ غلامیت حضرت ادریس علیہ السلام کے زمانے سے شروع ہوئی اور جب تک تلوار کی جنگ قائم رہی غلامیت باقی رہی۔ اور تلوار کی جنگ تقریباً آج سے پہلے سات سو سال تک جاری تھی۔ صلیبی و فرنگی جنگوں میں بھی تلوار ہی تھی بندوق و توپ کا تصور بھی نہ تھا۔ انگریز قوم میں غلامیت عروج پر تھی۔ برطانوی نوٹوں پر تو آج بھی غلاموں کی تصویریں موجود ہیں۔ چنگیزی جنگوں میں غلامیت موجود تھی۔ سفرنامہ ابن بطوطہ میں جگہ جگہ لونڈی غلام کا ذکر ملتا ہے۔ غلامیت کی نمود جنگی قیدیوں سے ہوتی تھی۔ اور مال غنیمت کا ایک حصہ غلامیت ہی ہوا کرتا تھا آج اگر غلامیت ختم ہوئی ہے تو اسکی وجہ تنخواہ دار مستقل فوج ہے۔ تنخواہ داری کی وجہ سے مال غنیمت ختم اور مال غنیمت کے ختم ہونے کی وجہ سے غلامیت ختم ہوئی۔ اگر کل پھر تنخواہ دار فوج کا سلسلہ ختم ہو جائے اور لشکر سازی مال غنیمت کے آسرے اور وعدے پر کی جائے تو پھر جنگی قیدی لونڈی غلام بن جائیں گے یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں لونڈی غلام کے قوانین تا قیامت باقی رکھے گئے اور اسلامی عدالتوں میں ۹۰۰ھ تک غلامیت کے قرآنی قوانین جاری و نافذ رہے۔ غرضیکہ دنیا کے ہر علاقہ ہر قوم میں چند سو سال پہلے تک غلامیت موجود تھی اور آئندہ بھی ہوگی لہذا معترضین کا یہ اعتراض جاہلانہ ہے اسلام نے جبری قانون سے غلامیت کو ختم نہ فرمایا اسکی حکمت یہ ہے کہ جنگیں اور جنگی قیدی تو تا قیامت جاری۔ پہلے زمانوں میں جنگی قیدی غلام و لونڈی بنا کر بطور مال غنیمت تقسیم کر دیئے جاتے تھے مگر اب بامشقت قیدی بنا کر جیلوں میں جانوروں سے بدتر حالت میں سالہا سال بے یار و مددگار رکھا جاتا ہے۔ لونڈی غلام کو جو انسانی حقوق حاصل تھے اور آرام و سہولتیں سیر و تفریح میسر ہوتا تھا۔ آج جیل میں سڑتے مرتے قیدیوں کو اس کا عشر عشیر آرام بھی نہیں خاص کر اسلام نے تو غلامیت کو وہ مساوات عطا فرمائی کہ آقا کا ہم پیالہ و ہم نوالہ بنا دیا۔ کتنی اندھی عقلیں ہیں آج کل کے نام نہاد دانشوروں کی جو غلامیت پر طعن اور آجکل کی ظالمانہ و انسانیت سوز جیلوں کی قید پر فخر کرتے ہیں یہی کیفیت آجکل سیاسی قیدیوں پر ظالمانہ بربریت کی ہے۔ **تیسرا اعتراض**۔ یہاں فرمایا گیا اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ لفظ ما عام ہے ہر ملکیت کیلئے اور انسان مالک ہوتا ہے لونڈی کا بھی غلام کا بھی جانور کا بھی۔ تو یہاں

marfat.com

مفسرین صرف لونڈی سے وطی جائز کیوں مانتے ہیں۔ ما کی عمومیت میں تو مالکہ کیلئے غلام بھی آ گیا اور جانوروں کی قبل ودبر بھی آ گئی وہ وطی بھی جائز ہونی چاہئے۔ قرآن کی عمومیت کو فقہا نے مقید کیوں کر دیا۔ **جواب**۔ اس قسم کی بیہودہ اعتراضات سن کر ماننا پڑتا ہے کہ تقلید آئمہ کتنی ضروری ہے ورنہ اندھی تفہیم قرآن والے تو دین کا حلیہ بگاڑ دیں۔ قرآن کریم نے وطی کی اجازت کے ساتھ ساتھ وطی کی مقصدیت کو بھی برقرار رکھا ہے۔ وطی کے دو مقصد ہیں۔ ا۔ حصول نسل و اولاد اور گھریلو ذمہ داریاں۔ ۲۔ نسل کی حفاظت بطن۔ مادر۔ ذمہ داریوں کی حفاظت اَلرِّجَالُ قَوّٰامُوْنَ ہیں۔ یہ دونوں چیزیں مولٰی اور لونڈی میں ہو سکتی ہیں کہ مولٰی لونڈی کا گھریلو ذمہ دار اور لونڈی اسکی اولاد کو جنم دینے والی محافظہ مگر غلام ذمہ دار خاوند یا محافظ نہیں بن سکتا اور جانور اولاد و نسل نہیں دے سکتی اس لئے کہ فروج کا تعلق صرف ملکیتی لونڈیوں سے ہے۔ مَا مَلَكَتْ فرما کر غلاموں کو نکال دیا کیونکہ غلام مردوں کیلئے مَنْ موصولہ بولا جاتا ہے۔ اور لِفُرُوْجِهِمْ کے ذکر سے جانور نکل گئے کیونکہ فروج کا معنٰی ہے شرمگاہ جسکا پردہ کیا جاتا ہے۔ جانوروں کی قبل ودبر شرم گاہ نہیں ہوتی معترض نے صرف ما کی عمومیت کو دیکھا مگر ما و من کا فرق نہ جانا اور فروج کے معنٰی پر توجہ نہ دی۔ اگر عقلیت سے غور کرتا تو پتہ لگ جاتا کہ فقہا نے مقید نہ کیا خود آیت نے ہی غلام اور جانوروں کو نکال دیا ہے۔ خیال رہے کہ حٰفِظُوْنَ۔ میں سب مسلمان مرد وعورت مراد ہیں لیکن اِلَّا میں صرف مردوں کا استثنا ہے بیویوں سے۔ اَزْوَاجٌ کا لفظ اگرچہ خاوند بیوی کیلئے بولا جاتا ہے مگر یہاں صرف بیویاں مراد ہیں کیونکہ اَزْوَاجٌ کا مضاف الیہ هُمْ ضمیر مذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض**۔ اسکی کیا وجہ کہ قرآن کریم میں ہر جگہ نماز و زکوٰۃ کا ذکر بالکل ساتھ ساتھ ہے مگر یہاں آیت نمبر ۳ سے فاصلہ کر دیا گیا۔ جواب۔ یہ فاصلہ نہیں بلکہ تکملہ ہے کیونکہ آیت نمبر ۳ میں تکمیل نماز کرنے والے عمل کا ذکر ہے اس طرح کہ نماز میں خشوع کا ذکر ہے اور کامل خشوع عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ہے۔ اس لئے یہ جملہ اجنبی نہیں بلکہ نماز ہی کا بیان و تتمہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

سب سے بہتر عمل خشعۃ الٰہی ہے۔ خشعۃ کی دو قسمیں۔ ا۔ خشعۃ جسمانی ظاہری آٹھ اعضا کی درستگی ہے۔ آنکھیں نماز میں اپنے اپنے مقام کو ہر رکن میں دیکھتی رہیں قیام میں سجدہ گاہ پر، قعدہ، تشہد وجلسہ میں دامن پر۔ سجدوں میں ناک پر، کان کا خشوع یہ کہ الفاظ نماز سنتے رہیں۔ زبان کا خشوع یہ کہ الفاظ نماز و تلاوت صحیح ادا کرے اور کانوں کو سنائے۔ ہاتھوں کا خشوع یہ کہ پوری نماز میں ادھر ادھر نہ بھٹکیں بلکہ ہر رکن میں اپنی جگہ پر پابندی سے بندھے رہیں۔ پیٹھ کا خشوع یہ کہ ہر رکن میں درست رہے۔ فرج و شرمگاہ کا خشوع یہ کہ مکمل ستر پوشی میں رہے۔ قدموں کا خشوع یہ کہ ہر جگہ درست و قائم و ساکن رہیں۔ خشوع کی قسم دوم روحانی باطنی ہے۔ نفس کا خشوع خواہشات دنیوی سے خالی ہونا۔ قلب کا خشوع ذکر اللہ و دوام حضوری۔ عقل کا خشوع مراقبہ تامہ روح کا خشوع یہ کہ صفت جلال و جمال میں بحر محبت کا استغراق کلی۔ اصل خشوع یہ کہ خود سے بھی بیزار ہو جائے۔ لغو ہر وہ عمل ہے۔ اور ہر وہ کام ہے جو اللہ تعالیٰ کیلئے نہ ہو وہ قول جو رضائے الٰہی سے دور ہو۔ ہر وہ چیز جو رب تعالیٰ سے دور کر دے مکروہ ہزل، لعب، ضیاء اوقات وغیرہ وہ لغو ہے۔ جو کام اللہ کیلئے نہیں وہ شہو ہے اور وہ کام جو اللہ تعالیٰ سے دور کر دے سہو ہے۔ لغویات کی چھ قسمیں ہیں۔ ا۔ شہو، ۲۔ سہو، ۳۔ لہو، ۴۔ لعب، ۵۔ ہزل، ۶۔ وحل۔ جس میں

marfat.com

بندے کی خواہش نفس شامل ہو وہ لعب ہے جس میں رضاء رب نہ ہو وہ لعب ہے اور ہر وہ قول فعل یا چیز جو کسی فائدے کی نہ ہو نہ کچھ دے سکے نہ دلا سکے وہ لعب ہے۔ جو چیز یا قول وفعل جو معصیت ڈال دے مگر بچا نہ سکے وہ وحل ہے۔ صوفیا کے نزدیک اصل زکوٰۃ صفات رسمیہ اور حب دنیا کی نجاستوں سے نفس وروح کو پاک کرنا ہے۔ قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى (الاعلیٰ:۱۴) اور قَدْ اَفْلَحَ مَنْ زَكّٰىهَا ۝ وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسّٰىهَا (الشمس:۹) اور خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ۔ (توبہ:۱۰۳) یہ تمام فرمودات قرآنی روح کی پاکیزگی کیلئے ہیں۔ اوراس زکوٰۃ کا کچھ فائدہ نہیں کہ مال ہاتھ میں ہو مگر حب دنیا دل میں ہو۔ مقصد نماز حب اللہ ہے۔ مقصد اعراض خود کو بچانا رب تک پہنچانا ہے۔ مقصد زکوٰۃ حب دنیا کو نکالنا مٹانا ہے۔ عارفین کی چوتھی نشانی وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ بندگان عارفین تلذذ شہوات سے اپنی فروج باطنی کو محفوظ رکھتے ہیں۔ اس طرح کہ نکاح وتزوج بھی ان کو طلب الٰہی سے نہیں روک سکتا انکے مال وازواج اولاد دو بنون فتنہ دنیا نہیں ہو سکتے کیونکہ دینی بندہ نیکیوں میں مساعی لمعاد ہے اور دنیوی بندہ برائیوں میں مساعی لمعاش ہے۔ بے شک کامیاب ہو گئے مومن منزل معرفت میں کیونکہ ان کو محل اعلیٰ ومقام قرب اور مرتبہ سعادت کا وصل ہوا وہی اپنی صلوٰۃ عروج کے دائمی حالت سے ظاہری باطنی سری خشوع کرنے والے ہیں کہ نفس وقلب کو خواہشات دنیوی سے دور رکھنے والے ہیں۔ قرات اذکار میں حضور قلبی حاصل ہے اور مکونات عالم سے ترک توجہ کا مراقبہ قرب جلال کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ بحر محبت میں مستغرق ہو جاتے ہیں۔ نماز کی درستی خشوع روح ہے۔ غافل کی نماز کا نہ ثواب نہ عذاب نہ عتاب نہ عقاب۔ جو نمازی اَلْحَمْدُ کی وسعت سے غافل۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ کے بھید سے جاہل۔ صراط مستقیم کی دعاء طالب سے بے خبر ہو اسکی نماز فکر قلبی ذکر روحی سے خالی لہٰذا فاسد ہے عقوبت محرومی کے قریب ہے۔ بندگان مومنون لغو سے معرضون ہوتے ہیں اور ہر وہ شی جو حق سے دور کرے وہ لغو ہے کیونکہ اس میں نفس امارہ کا حصہ ہوتا ہے اسی لئے ہر ماسوا اللہ لغو ہے۔ عارفین کی زکوٰۃ اخلاق ذمیمہ عادات رذیلہ طبیعۃ لیئمہ سے نفس وروح کو پاک ومزکی کرنا ہے۔ حافظین فروج وہ ہیں جو خواہشات شہوانیہ پر غالب ہو جائیں نہ مغلوب ہوتے ہیں نہ حد شریعت سے تجاوز کرتے ہیں اسرار کو حفاظت میں رکھنے والے اغیار سے چھپانے والے۔ رفیقین، صالحین ومریدین تائبین کو بنانے والے رفیقین مثل ازواج ہیں اور مریدین مثل ماملکت ایمانھم عباد وغلام ہیں اہل معرفت کا درجہ فلاح نور اعظم دولت یقین، حق الیقین، علم الیقین عین یقین کے انوار کا حصول ہے اہل نماز وہ ہیں جو کشف اسرار کی معراج صلوٰۃ میں قلب مفکر سے خشوع ہیبۃ جلال کی خشیت کا خشوع اپنے اوپر طاری رکھنے والے ہیں نور عظمت کی ان تجلیات کی وجہ سے جو ان پر وارد ہوتی ہیں ان ہی کیلئے ہیں اور فضولیات دنیوی سے مُعْرِضُوْنَ یعنی دور ہٹنے والے ہیں مشغولیت حق تعالیٰ کی وجہ سے۔ اور اپنی صفات کسلیہ عادات سفلیہ کو اپنے جسم وقلب سے وقالب وروح سے بطور زکوٰۃ نکالتے رہتے ہیں یہی تجرد صفات کا تذکیہ معرفت ہے۔ اوراپنی فروج باطنی کو اسباب لذات وشہوات سے دور کرتے ہیں۔ تمام دنیوی فکروں کو چھوڑنے والے حقوق پر اقتصاد وانحصار کرنے والے نہ زیادہ کی چاہت نہ کمی کا غم اپنے حق تقدیر پر صبر وکفایت کرنے والے۔ جس بندہ نامقبول نے حق ایمانی اور حظ روحانی کے علاوہ حظ شیطانی لذت نفسانی کی طرف میلان عقلی توجہ فکری سے ذرہ بھر توجہ کی تو وہی بدنصیب لوگ اپنی جانوں پر عدوان کفران کی دشمنی کا ظلم کرنے والے۔ اور برائی کا ارتکاب کرنے والے ہیں اور عداوت روح میں حد سے

marfat.com

بڑے دالے ہیں۔ حدیث مقدس میں ہے کہ جو میں جانتا ہوں اگر تم کو وہ علم و نظر ہو جائے تو کم ہنسا کرو اور زیادہ رویا کرو۔ فرمایا کہ اے ایمان والو کثرت سے توبہ کیا کرو میں خود اپنی امت کیلئے روزانہ سو مرتبہ توبہ استغفار کرتا ہوں۔ تین چیزیں مومن کے عملی خزانے ہیں۔ نماز۔ زکوۃ۔ توبہ۔

نماز زاہداں سجدہ بجودے نماز عاشقاں ترک وجودے

یعنی جب ابتداء قیام ہو تو سامنے تجلیات الٰہی کا تصور ہو۔ اور قلب میں انوار مصطفائی کا جلوہ ہو مومن کا کلام اِیَّاکَ نَعْبُدُ قرب کبریائی کا مظہر ہونا چاہئے۔ اور اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ۔ مشاہدہ نبی کریم کا منظر ہونا چاہئے۔ منشاء خشوع یہ ہے کہ سر کا سجدہ رب تعالیٰ کو دل کا بندہ آقا مولیٰ کو۔ سر میں خوف خدا ہو قلب میں عشق مصطفیٰ ہو۔ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ نے بتایا کہ خدا تعالیٰ کو قریب جانو۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ میں نبی کریم ﷺ کو حاضر و ناظر جانو۔ بدبخت ہے وہ نمازی جسکی نماز میں اللہ رسول حاضر و ناظر نہ ہوں۔ کچھ شیطانی انسان کہتے ہیں کہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ کا جملہ معراج کی نقل ہے اللہ تعالیٰ نے معراج میں نبی کریم کو سلام کیا اور نبی کریم نے اللہ تعالیٰ کو جواب دیا تھا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ جہلاء زمانہ کی یہ بات غلط و کذب ہے نہ معراج میں اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ ہوا نہ ہو سکتا ہے نہ ثبوت نہ دلیل۔ پتہ نہیں ابلیس نے ان خبثاء کو کہاں سے یہ کذبیات سکھادیں جن کی حقیقت بھی نہیں شریعت بھی نہیں۔ کیونکہ اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ دعا ہے اور اللہ تعالیٰ دعا دینے سے پاک ہے دعا دینا اور دعا مانگنا بندے کا کام۔ اسی طرح وَعَلَیْکَ السَّلَامُ بھی دعا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو دعا دینا حرام ہے بعض فقہا نے اس کو کفر لکھا ہے۔ ان شرعی مسائل کی بنا پر اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّھَا النَّبِیُّ نقل یا حکایت معراج نہیں بلکہ اصلاً نبی کریم ﷺ کو اپنے قریب حاضر و ناظر سمجھ کر سلام عرض کرنا ہے یہی حقیقت احادیث کثیرہ مشہورہ سے ثابت ہے۔ راہ حقیقت میں فلاح مومن کے چھ مقام، پہلا مقام رحمۃ یہ خٰشِعُوْنَ کی منزل ہے دوم مقام برکت یہ مُعْرِضُوْنَ کی منزل ہے۔ سوم مقام عزت یہ فٰعِلُوْنَ کی منزل ہے۔ چہارم مقام رفعت یہ حٰفِظُوْنَ کی منزل ہے۔ پنجم مقام عبرت یہ غَیْرُ مَلُوْمِیْنَ کی منزل ہے۔ ششم مقام نصرت۔ یہ وٰرِثُوْنَ وَ خٰلِدُوْنَ کی منزل ہے۔ جس بندہ سالک نے حیات دنیوی میں یہ چھ مقام پالئے وہ مقام قرب کا حقدار ہو گیا۔ کامیاب ہو گیا وہ مومن جس کا خشوع صدیق اکبر جیسا اور جس کا اعراض فاروق اعظم جیسا۔ جس کا اداء فَاعِلُوْنَ عثمان غنی جیسا۔ جس کا حافظہ مولیٰ علی جیسا جس کا تزوج امام حسن جیسا اور جسکی نصرت امام عالی مقام سید الشہداء امام حسین جیسی۔ فَتَبٰرَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ پس برکتوں والا ہے وہ اللہ جس نے ایسے بندے پیدا فرمائے۔

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِھِمْ وَعَھْدِھِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ

اور وہ مسلمان جو اپنی امانتوں اور اپنے وعدوں کی رعایت کا خیال رکھتے ہیں اور وہ مسلمان جو

اور وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کی رعایت کرتے ہیں اور وہ جو

ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾

marfat.com

اپنی نمازوں پر ہر طرح حفاظت کرتے ہیں بس یہی وہ لوگ ہیں جو دین الٰہی کے وارث ہیں
اپنی نمازوں کی نگہبانی کرتے ہیں یہی لوگ وارث ہیں
الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾
دنیا میں وہ لوگ ہی آخرت میں جنت فردوس کے وارث ہوں گے وہ مسلمان اس فردوس میں ہمیشہ
کہ فردوس کی میراث پائیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے
وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ج
قسم ہے پیدا کرنے کی البتہ پیدا کیا ہے، ہم نے ہر انسان کو نہایت خوبصورت مٹی سے
اور بیشک ہم نے آدمی کو چنی ہوئی مٹی سے بنایا
ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ ص
پھر بنادیا ہم نے اس انسان کو نطفہ ایک مضبوط قرار کی جگہ میں
پھر اسے پانی کی بوند کیا ایک مضبوط ٹھیراؤ میں

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا قَدْ اَفْلَحَ۔ کامیاب ہو گئے ایمان والے جس سے ذہنی سوال ابھرتا تھا کہ کب اور کیسے کامیاب ہوئے۔ دنیا میں یا آخرت میں ابدی یا عارضی تمام اہل ایمان یا کچھ لوگ اولین یا تمام اولین و آخرین تا قیامت۔ اب ان آیات میں اس مکمل سوال کا جواب دیا گیا کہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ یعنی تمام۔ مومنین تا قیامت ابدی کامیاب ہیں۔ دنیا و آخرت میں انکی کامیابی یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی دینی دنیوی اخروی تمام چیزوں کے وارث و مالک بنادیئے گئے ہیں۔ یہ ہی انکی عظیم کامیابی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا مومنون کامیاب ہو گئے۔ اس سے سوال ذہنی ابھرتا تھا کہ اس دنیا میں تو ہر فرقہ ہی اپنے آپ کو مومن سمجھتا اور کہتا ہے بلکہ شیعہ رافض تو فی زمانہ صرف خود کو ہی مومن سمجھتے ہیں اپنے سوا کسی بھی مسلمان کو مومن نہیں سمجھتے اور اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتے ان تمام باطل اور شیطانی خیالات کا جواب فرمایا گیا کہ مومن کی کچھ نشانیاں ہیں۔ ان میں سے چار نشانیاں پچھلی آیات میں بیان فرمائی گئیں۔ ۱۔ مومن نماز میں خشوع کرنے والا، ۲۔ لغویات سے بچنے والا، ۳۔ زکوٰۃ دیتے رہنے والا، ۴۔ اور اپنی فروج کی حفاظت کرنے والا یعنی حلال جگہ استعمال کرنے والا۔ حرام، زنا، متعہ و شام غریباں کی بے غیرتی سے بچانے والا ہے۔ اس نشانی نے شیعہ روافض کے دعوے ایمان کی تکذیب فرمادی اور ان کا خود کو مومن، مومن کہنا باطل ولغو ہوا۔ اب ان آیات میں مومنوں کی تین نشانیاں مزید بیان فرمائی گئیں کہ ۵۔ امانتوں اور ۶۔ وعدوں کی رعایت والے۔ ۷۔ تمام پنج وقتہ نمازوں کی حفاظت رکھنے والے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کامیاب

marfat.com

ہونے کا ذکر ہوا۔ اب یہاں ان آیات میں کامیابیوں کی تقسیم فرمائی گئی کہ دنیا میں تا حیات اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ہیں۔ اور آخرت میں تا ابد فردوس کے وارث ہیں۔ گویا یہ آیات پچھلی آیات کا تتمہ ہیں۔

تفسیر نحوی

وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِاَمٰنٰتِہِمْ وَعَہْدِہِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَوٰتِہِمْ یُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِیْنَ یَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ واؤ سر جملہ۔ بعض نے فرمایا یہ واؤ عاطفہ ہے اور خلدون تک اس عبارت کا عطف سابقہ جملوں پر ہے قَدْ اَفْلَحَ کے ساتھ اَلَّذِیْنَ اسم موصول ھُمْ ضمیر مبتدا۔ لام جارہ اَمَانَاتِ اسم جمع مونث سالم اس کا واحد ہے اَمَانَۃٌ۔ اس کا معنی ہے کہ کوئی شخص اپنی چیز کسی دوسرے شخص کے پاس امن وحفاظت کیلئے رکھے۔ شریعت اسلام میں اسکی بہت اہمیت ہے یہ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مفعول مضاف الیہ یعنی وہ لوگ جن کے پاس امانت رکھی گئی ہو یہ مرکب اضافی معطوف الیہ واؤ عاطفہ عَہْدِ اسم جامد بمعنی وعدہ مضاف ہے ہم ضمیر فاعل مضاف الیہ یعنی وہ لوگ جو وعدہ کرنے والے ہیں یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ عہد اسم جامد بمعنی وعدہ مفاف ہے ھم ضمیر فاعل مفاف الیہ یعنی وہ لوگ جو وعدہ کرنے والے ہیں یہ مرکب اضافی معطوف ہے اٰمٰنٰتِ پر۔ دونوں ملکر مجرور ہوا جارومجرور متعلق مقدم ہے۔ رٰعُوْنَ باب فتح کا اسم فاعل جمع مذکر۔ رَعْیٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے۔ رعایت کرنا۔ اہتمام وخیال حفاظت کرنا۔ رٰعُوْنَ اپنے پوشیدہ ھم ضمیر صیغہ اور متعلق مقدم سے ملکر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی۔ دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ اپنے صلہ سے ملکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ ھُمْ مبتدا۔ علٰی حرف جر صَلَوٰتِ اسم جمع مونث سالم اس کا واحد ہے صَلٰوۃٌ۔ بمعنی پانچ وقت کی نمازیں۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر نفسی بمعنی اپنی۔ یہ فاعل مضاف الیہ یعنی نمازیں پڑھنے والے۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہوا۔ جارمجرور ملکر متعلق مقدم ہے۔ یُحَافِظُوْنَ۔ باب مُفَاعَلَۃ کا فعل مضارع حال جمع مذکر غائب۔ حفظ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے۔ حَافِظَۃٌ۔ ترجمہ ہے اچھی طرح دیکھ بھال کرادا کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل فاعل اور متعلق مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی۔ دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہوکر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ ملکر معطوف ہے پہلے اَلَّذِیْنَ کے پورے جملے پر۔ دونوں عطف ملکر خبر مقدم ہے۔ اُولٰئِکَ اسم اشارہ تحصیری مبتدا ہے۔ ھُمْ ضمیر اگلی عبارت کا مبتدا ہے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ وَارِثُوْنَ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر وَرْثٌ سے مشتق ہے بمعنی مالک ہونا بغیر عوض کے بحالت رفع ہے کیونکہ خبر مبتدا ہے یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہوئی ھم مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر۔ دوسری خبر ہوئی اُولٰئِکَ کی دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہو کر موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ یَرِثُوْنَ باب ضرب کا فعل مضارع معروف مستقبل جمع مذکر غائب وَرْثٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ الف لام حرفی عہد ذہنی فردوس اسم مفرد جامد نام ہے پوری جنت کا۔ بعض نے فرمایا جنت کے ایک اونچے طبقے کا نام ہے۔ بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے۔ یَرِثُوْنَ کا یہ فعل فاعل اور مفعول بہ ملکر جملہ فعلیہ ہوکر ذوالحال ہوا اگلی عبارت کا۔ ھم مبتدا۔ فِیْھَا۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ خَالِدُوْنَ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر۔ خَلْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی ہمیشہ رہنا۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ اسم فاعل اپنے فاعل سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا ھُمْ کی دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اَلَّذِیْنَ کے

marfat.com

جملے کا یہ حال ذوالحال صفت ہے۔ اُولٰئِکَ کے جملے کی یہ دونوں موصوف صفت ملکر مبتدا موخر ہے۔ اور وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ (الخ) یہ پوری عبارت یُحَافِظُوْنَ تک خبر مقدم ہے دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾۔ واؤ حرف لام تحقیقیہ بمعنٰی البتہ۔ قَدْ خَلَقْنَا باب نصر کا فعل ماضی قریب معروف جمع متکلم اس کا فاعل ضمیر جمع متکلم بارز الف لام حرفی استغراقی انسان اسم جامد بمعنٰی آدمی بحالت نصب ہے۔ کیونکہ مفعول بہ ہے۔ من حرف جر تبعیضیہ بمعنٰی کچھ۔ تھوڑی سُلٰلَةٍ اسم مشتق ہے بمعنٰی اسم مفعول۔ آٹھ طرح اس کا مفعولی معنٰی کیا گیا ہے۔ ۱۔ چنی ہوئی، ۲۔ نچوڑی ہوئی، ۳۔ کسی چیز کا خلاصہ، ۴۔ کسی چیز کا نچوڑ، ۵۔ کسی چیز کو سوتنا، ۶۔ نچوڑنا، ۷۔ خالص ہونا، ۸۔ خوبصورت ہونا یہاں اسی معنٰی میں ہے۔ مِنْ حرف جر بعضیت کا اضافت منی کیلئے یعنی مٹی کا نچوڑ یا مٹی میں سے چنی ہوئی خوبصورت خالص۔ طِيْنٍ اسم جامد بمعنٰی زمین کی مٹی۔ مِنْ سُلٰلَةٍ جار مجرور ملکر موصوف ہے۔ مِنْ طِيْنٍ جار مجرور ملکر صفت ہے یہ دونوں موصوف وصفت متعلق ہے قَدْ خَلَقْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ ثُمَّ حرف عطف برائے تعقیب تراخی، یہاں فائدہ لغو ہے عطف کیلئے نہیں ہے۔ جَعَلْنَا باب فتح کا فعل ماضی مطلق معروف جمع متکلم۔ جعلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے۔ ایک حالت سے بدل کر دوسری حالت میں لانا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے بنانا۔ اسکا فاعل جمع متکلم ضمیر بارزہ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل مفعول بہ اول ہے۔ نُطْفَةً۔ اسم جامد بمعنٰی وہ جرثومہ جو مادہ منویہ میں ہوتا ہے پھر رحم مادر میں بتدریج بڑھتا ہوا جراثیم اور پھر لوتھڑا بن جاتا ہے بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے۔ فی حرف جر ظرفیۃ کیلئے زمانی ہو یا مکانی۔ یہاں مکانی کیلئے ہے۔ قَرَارٍ اسم مصدر بمعنٰی ٹھہرنے مَكِيْنٍ باب ضرب کا اسم مبالغہ ہے بروزن فعیل کریم۔ مکنٌ سے مشتق ہے ترجمہ جگہ پکڑنا۔ مضبوطی سے ٹھہرنا ٹھہرانا۔ مراد ہے رحم مادر یہ اسم مبالغہ ظرفیت مکانی کیلئے ہے۔ قَرَارٍ موصوف مَكِيْنٍ صفت یہ مرکب توصیفی مجرور ہے فِيْ سے جار مجرور ملکر متعلق ہے جَعَلْنَا کا۔ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہاں ثُمَّ لغو نہیں بلکہ عطف کیلئے ہے اور قَدْ خَلَقْنَا کا جملہ معطوف علیہ ہے اور ثُمَّ جَعَلْنَا کا جملہ معطوف ہے۔ یہ دونوں عطف ملکر لام تحقیقیہ کی بناپر جملہ تحقیقیہ ہوگیا مگر پہلی ترکیب کو ترجیح ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ ﴿۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ ﴿۱۰﴾ الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ ﴿۱۳﴾ اور وہی لوگ مومن ہیں جو دی گئی امانتوں، کیے گئے وعدوں، اقراروں کی ہر طرح رعایت کرنے والے ہیں۔ ہر حال ہر زمان ہر مقال ہر مکان میں۔ امانتیں بھی چار قسم کی ہوتی ہیں اور عہد بھی۔ قسم اول امانت الٰہی۔ قرآن وحدیث اور انکے فرمودات وعبادات انکی رعایت قولی عملی تبلیغ ہے شجر ایمان کی آٹھ شاخیں۔ اطاعت اتباع۔ محبت عقیدت۔ تعظیم ادب۔ احترام۔ حقوق اللہ کی ادا۔ حقوق النفس کی بقا ہر بندے کا جسم بھی امانت الٰہی ہے اسکی رعایت یہ ہے کہ اس کو دنیا میں حرام سے بچائے۔ اور آخرت کے عذاب سے بچائے۔ قسم دوم: انفرادی امانتیں جیسے مالی۔ قولی۔ فعلی امانتیں۔ قسم سوم: قومی امانتیں جیسے مالی قولی فعلی۔ ملکی۔ سیاسی۔ نظریاتی۔ قسم چہارم: ہمسائیگی کی امانتیں۔ عہد کی چار قسمیں، ۱۔ اللہ تعالٰی سے وعدہ، ۲۔ رسول

marfat.com

اللہ ﷺ سے وعدہ، ۳۔ انفرادی عہد، ۴۔ قومی واجتماعی عہد۔ ان سب عہدوں کی رعایت یہ ہے کہ سب کو بطریقہ احسن نبھائے پورا کرے۔ امانت وعہد کی سچی صحیح بروقت ادا ہی مومن کی پکی نشانی ہے۔ جس مسلمان میں یہ نشانی نہیں وہ مومن نہیں منافق ہے۔ قرآن وحدیث میں بہت اہتمام سے بار بار عہد وامانت کی رعایت وحفاظت کا ذکر فرمایا گیا۔ احادیث مقدسات میں فرمایا گیا کہ منافق کی چار عادتیں ہیں۔ ۱۔ بولنے میں جھوٹا ہو، ۲۔ وعدوں کو توڑنے والا، ۳۔ امانت میں خیانت کرنے والا، ۴۔ بداخلاق و بددیانت۔ ایسی خصلتوں والا پکا منافق ہے۔ مگر جس میں ان میں سے ایک خصلت ہو وہ چھوٹا منافق ہے۔ ایک حدیث مقدس میں ہے کہ اگر دیانت وامانت داری نہیں تو ایمان نہیں اگر عہد کی پاسداری نہیں تو دین نہیں۔ ایک جگہ ارشاد نبوی ہے کہ جو عہد وامانت کی رعایت وحفاظت نہیں کرتا وہ دنیا میں ذلیل وبے اعتبار ہے۔ آخرت میں خوار وشرمسار ہے۔ مومن وہ ہے جو کسی کی امانت میں خیانت نہ کرے۔ امانت کا مالک اپنا ہو یا پرایا۔ اجنبی ہو یا واقف مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اگر کسی سے وعدہ کرے تو بدعہدی نہ کرے وعدہ خواہ شروط کا ہو یا عقود کا۔ عطا کا ہو یا بقا کا۔ لینے کا ہو یا دینے کا۔ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَلٰى صَلَوٰتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ۔ اور مومن ہی وہ لوگ ہیں جو اپنی تمام نمازوں کی فرائض وواجبات۔ سنن ونوافل، پنج وقتہ۔ جمعہ و عیدین کی ہر طرح اہتمام۔ محبت۔ فراخ دلی ذوق وشوق۔ خشوع وخضوع پابندی اوقات طریقہ شرعی کے مطابق حفاظت کرتے ہیں۔ ہر آن ہر زمان ہر مکان میں مرتے دم تک صفائی غسل کی تراوت۔ ادائیگی وضو کی تمازت۔ زینت لباس کی طہارت۔ مقام نماز کی پاکیزگی کے ساتھ۔ اوقات نماز۔ اجزاء نماز۔ ارکان نماز۔ آداب نماز کو باطمینان دین ودیانت سے سوچ سمجھ کر قائم رکھتے ہیں۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ فقط یہی لوگ وہ ہیں جو سچی پکی دائمی، ایمان، عرفان اتقان قرآن کی دولت پانے والے ہیں دنیا میں اور خوشنودی رحمٰن۔ مقام جنان کی بلاعوض وراثت پانے والے ہیں۔ محض فضل رحمٰن سے آخرت میں الَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْفِرْدَوْسَ ؕ۔ اس شان ووقار، عظمت اعتبار سے یہ لوگ جنت کے وارث ہونگے جو بلندی میں فردوس میں معمور ہے۔ ہر نعمت سے بھرپور ہے جو ملکیت بلاعوض میں وراثت ہے۔ اور عزت افزائی میں۔ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا (کہف: ۱۰۷)۔ اہل ایمان کیلئے عظیم شاندار خوبصورت وآرام دہ وسیع وصفائی والا مہمان خانہ ہے۔ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۔ چند روزہ عبادت مخلصانہ اخلاق محسنانہ۔ خیرات مشفقانہ۔ عادات مومنانہ۔ طریقہ شریفانہ اختیار کر کے ایمان والوں کو اس رحیم وکریم اللہ جلیل نے کتنا بڑا انعام ابدی عطا فرمایا کہ وہ مومنون ان باغوں میں ہمیشہ رہیں گے۔ بندگان ایمان کی یہی وہ خصلتیں ہیں جنکی وجہ سے دنیا میں کامران، آخرت میں نیک نام، قبر میں روشن مقام، جنت میں خوش خرام ہو گئے۔ اگر کوئی انسان ان ایمانیات وعبادات، عادات وخصلات کو نہ اپنائے تو اسے دنیا کی ناکامی ہے آخرت کی بدنامی ہے، جہنم کی دشنامی ہے، قبر کی گمنامی ہے کیونکہ یہ ایمان واخلاق تو ہر انسان کیلئے لازم وواجب فرض وقرض ہیں۔ اس لئے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ اور البتہ بے شک ہم نے ہی پیدا فرمایا ہے پوری نسل انسانی کو زمین کی مٹی میں سے چن کر ایسی خوبصورت طیب وطاہر مٹی سے جو زمین کا مغز ہے مٹی کا عطر ہے۔ تراب کا نچوڑ ہے۔ موجودات کا خلاصہ ہے۔ ایسی مٹی نہ حجرات میں نہ شجرات میں نہ حیوانات میں نہ موجودات میں اگرچہ وہ سب ہی مٹی سے پیدا کیے گئے۔ اسی سللہ سے انسان کی اشرفیت قائم ودائم ہے لہٰذا اے بندو تم اپنی خلقت میں غور کر کے عبرت پکڑ کے ایمان واہل ایمان کے اخلاقیات

marfat.com

مذکورہ حاصل کرو۔ اور اپنے مبداء کو پہچان کر بندہ مسعود و محمود بن جاؤ۔ اور خلقت کے بعد موت اور موت کے بعد جنت کی خواہش لیکر اہل ایمان، صاحب اخلاق کی کامیابی پا جاؤ۔ اے لوگو اپنی پیدائش پر بھی غور کرو موت پر بھی۔ بعثت پر بھی اور خالق تعالیٰ کی شکر گزاری احسان مندی میں مومن عابد زاہد نیک، سخی، شریف، امین، صادقین و زاہدین بن جاؤ اور اپنے خالق کی الوہیت و وحدانیت و استحقاق عبادت مان کر بندگان پاکباز اس شان کے بن جاؤ کہ در در پہ کرنہ سجدے۔ در در پہ سر جھکانہ۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ۔ پھر ہم نے اس جوہر سللہ انسانی کو انتہائی باریک و صغیر نطفہ جرثومہ کی شکل بنا کر بیضہ نر و مادہ کے قرار والے مکان میں مکین بنا دیا اے بندو اپنے مبداء کو پہچانو اور اپنے معاد کو سنوارو ابتدا پر غور کرو انتہا کی فکر کرو۔ ایمان کو نکھارو۔ عہد کو نبھاؤ امانتوں کے راعی بنو۔ راعی کا اصل معنی چرواہا۔ چرواہے کے تین کام ہوتے ہیں۔ ۱۔ جانوروں کی حفاظت، ۲۔ انکی ہر ضرورت کا خیال رکھنا اور پورا کرنا، ۳۔ اپنے جانوروں کے پاس رہنا۔ انکو کھولنا باندھنا چلانا چرانا۔ یعنی حیات کو بچانا۔ غذا کو پہنچانا۔ انکے دشمن کو بھگانا۔ چونکہ عہد و امانت میں مثل راعی تین ذمہ داریاں ہوتی ہیں اس لئے یہاں بھی وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ فرمایا گیا۔ امین پر پہلی ذمہ داری۔ امانت کو جلنے مٹنے بگڑنے چوری ہونے خرچ ہو جانے۔ استعمال کر لینے سے بچانا۔ دوسری ذمہ داری۔ امانت کیلئے ہر طرح کی حفاظتی تدابیر کرنا۔ تیسری ذمہ داری۔ امانت سے چور، چوہے، چرندوں، پرندوں درندوں کو بھگانا۔ وعدوں کو بھولنے سے بچانا مقصد تک پہنچانا۔ شیطانی وسوسوں کو ہٹانا۔ چرواہا جانوروں کا راعی بادشاہ رعایہ کا راعی اور مومن عہد و امانت کا راعی ہوتا ہے۔ لفظ عہد و امانت دونوں مصدر بمعنی اسم مفعول ہیں۔ (مئتمن اور معہود) مومن کے پاس دینی امانتیں بھی ہیں اور دنیوی بھی حج و زکوٰۃ زہد و عبادت صلوٰۃ و صوم یہ سب دینی امانتیں ہیں۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے سورۃ انفال کی آیت ۲۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ وَ تَخُوْنُوْۤا اَمٰنٰتِكُمْ۔ حدیث مقدس میں ہے کہ سب سے بڑا خائن وہ ہے جو اپنی نماز پوری اور صحیح ادا نہیں کرتا۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نشانات قیامت میں سے ہے کہ سب سے پہلے نمازوں کا خشوع ختم ہوگا۔ اور امانت داری ختم ہوگی۔ یہاں تک کہ نمازیں ختم ہو جائیں گی۔ اس لئے ہر مومن کو چاہئے کہ اپنے دین و دنیا پر مثل راعی متولی ہو کر رہے اگر چہ عبادت خفی ہو مثل غسل وضو یا روزہ۔ یا عبادت ظاہر۔ جلی ہو مثل نماز زکوٰۃ حج۔ ایمان کے محافظون ہیں ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں یہاں فعل مضارع کا مقصد ہمیشگی اور تکرار کا بیان کرنا ہے۔ چونکہ نمازوں میں تکرار ہے مگر خشوع، اعراض، زکوٰۃ، حفاظت فروج میں و عہد امانات میں تجدد و تکرار نہیں اس لئے نمازوں کیلئے مضارع ارشاد ہوا دیگر کیلئے اسم فاعل۔ خشوع نماز جزء نماز نہیں نہ رکن نماز نہ اس میں تعدد و تکرار بلکہ مثل روح جنس نماز ہے اسی لئے روایت میں ہے کہ نماز بلا خشوع ایسی ہے جیسے جسم بلا روح۔ سچے مومنون ہی دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے وارث ہیں اور آخرت میں جنت فردوس کے وارث۔ جنت فردوس۔ جنت کا اعلیٰ طبقہ ہے۔ ایک بار حضرت صحابیہ ربیع بنت نضیر بارگاہ رسالت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میرا بیٹا حارث بن سراقہ غزوہ بدر میں تلوار کے زخم سے شہید ہوا تھا اگر وہ جنت میں ہو تو شکر و صبر کروں اور اگر وہ جنت میں نہ ہو تو دعا کی کثرت کروں۔ فرمایا آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے کہ جنت کے بہت درجے ہیں تیرا بیٹا فردوس اعلیٰ میں ہے۔ اور فردوس شان میں افضل بلندی میں ربوۃ حدود میں اوسط ہے۔ ایک بار نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانو فردوس ملنے کی دعائیں کثرت سے مانگا

marfat.com

کرو کیونکہ وہ جنت اعلیٰ ہے (از تفسیر معانی) روایتوں میں ہے کہ چھ چیزیں رب تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے بنائیں۔ ۱۔ خلقت ملائکہ سے بھی پہلے نور محمدی کو، ۲۔ پھر جبرئیل کو، ۳۔ پھر جنت فردوس کو، ۴۔ پھر شجر طوبیٰ کو، ۵۔ پھر آدم علیہ السلام کو، ۶۔ پھر کتاب تورات کو۔ روایت میں ہے کہ جب مومن مخلص بندہ پاکیزہ لباس پہن کر اچھا وضو کر کے افضل وقت میں رکوع سجود قیام وقعود۔ قومہ وجلسہ کی حفاظت کر کے نماز ادا کرتا ہے تو نماز اس کو دعائیں دیتی ہے اور کہتی ہے کہ جس طرح تو نے میری حفاظت کی اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے۔ اور جس طرح تو نے میرے لئے پاکیزہ جگہ پاکیزہ مصلہ بنایا۔ تیرے لئے بھی اللہ تعالیٰ فردوس میں جگہ بنائے۔ ایسے ہی اخلاق وصنعات اعمال وعبادات کے پاکیزہ بندوں کو اس جنت فردوس میں شادمانی وفرحت صحت وجوانی کے ساتھ نفع ورہائش کی ہمیشگی سے برتنے کی قوت ہے کہ نہ کبھی نکلیں نہ نکالے جائیں نہ بیماری نہ معذوری نہ بڑھاپہ نہ مجبوری نہ موت نہ فنا۔ حدیث مقدس میں فردوس کی شان اس طرح بیان فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ نے فردوس کو سونے چاندی کی اینٹوں سے بنایا۔ درمیان میدان میں مشک اذفر سے خوشبودار رچایا۔ ہر قسم کے پھولوں پھلوں سے مزین فرمایا۔ جنگی خوشبوؤں سے معطر کیا۔ یہ ہے انسان مومن کی انتہا۔ لیکن خلقت انسانی پر ابتدائی کرم نوازیاں یہ ہیں کہ بے شک ہم نے انسان کو سلالہ کی عظمت سے بنایا۔ یہ خلقت کائنات وحیوانات وجمادات وانسانات اے لوگو ہماری قدرت عامہ۔ الوہیہ تامہ کی شاہد وگواہ ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا۔ کا جملہ قسمیہ ہے اور اظہار خالقیت کی قسم فرمائی گئی ہے مگر یہ قول درست نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں چھتیس چیزوں کی قسم ارشاد فرمائی ہے۔ یہ قسمیں تقریباً پینسٹھ آیتوں میں مذکور ہیں۔ ۱۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کی عمر شریف کی ایک بار، ۲۔ قرآن مجید کی پانچ بار، ۳۔ فرشتوں کی آٹھ بار، ۴۔ مومنوں کی ایک بار، ۵۔ ہواؤں کی تین بار، ۶۔ تیرتی کشتیوں کی ایک بار، ۷۔ کوہ طور کی دو بار، ۸۔ لوح محفوظ کی ایک بار، ۹۔ بیت المعمور کی ایک بار، ۱۰۔ آسمان کی چار بار، ۱۱۔ جہنم کی ایک بار، ۱۲۔ ستارے کی دو بار، ۱۳۔ قلم کی ایک بار، ۱۴۔ لکھنے کی ایک بار، ۱۵۔ صبح کی ایک بار، ۱۶۔ دس راتوں کی ایک بار، ۱۷۔ شفع بننے کی، ۱۸۔ وتر بننے کی ایک بار، ۱۹۔ رات کے آخری پہر کی ایک بار، ۲۰۔ شہر مکہ کی دو بار، ۲۱۔ سورج کی ایک بار، ۲۲۔ دھوپ کی ایک بار، ۲۳۔ چاند کی ایک بار، ۲۴۔ رات کی ایک بار، ۲۵۔ آسمان وزمین، روح وجان، مذکر ومونث کے پیدا کرنے والے کی چار بار، ۲۶۔ زمین کی ایک بار، ۲۷۔ نفس اور اس کو درست فرمانے والے خالق کی ایک بار، ۲۸۔ انجیر کی ایک بار، ۲۹۔ زیتون کی ایک بار، ۳۰۔ زمانے کی ایک بار، ۳۱۔ وقت چاشت یعنی دوپہر کی ایک بار وغیرہ وغیرہ۔ قسم ربانی فرمانے کی وجہ یہ بتانا ہے کہ یہ چیز جس کی قسم فرمائی گئی ہے وہ بہت عظیم عجوبہ قدرت وشاہکار فطرت ہے۔ اسکی شان عظمت کا نہ کوئی ٹھانہ ہے۔ نہ ہو۔ نہ کوئی بجز رب تعالیٰ بنا سکے نہ سنبھال سکے۔ رب تعالیٰ کی قسم کا معنی یمین یا حلف نہیں بلکہ شہادت توحید وگواہی الوہیت ہے کہ یہ چیز جس کی قسم فرمائی جارہی ہے اس کا وجود مخلوقی اپنی زبان قال وحال وشان سے اپنے خالق تعالیٰ کی موجودگی اسکی قدرت اسکی عظمت اس کی الوہیت سلطنت بادشاہت قوت ربوبیت، جبروتیت کی تصدیق وشہادت۔ گواہی معرفت کے دفتر سنارہی ہے۔ سورۃ فجر کی پہلی آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ إِذَا يَسْرِ ۝۴ هَلْ فِي ذَٰلِكَ قَسَمٌ لِّذِي حِجْرٍ ۝۵ ترجمہ: قسم ہے فجر کی۔ قسم ہے دس راتوں کی۔ قسم ہے شفع کی (جوڑے کی) قسم

marfat.com

ہے وتر کی یعنی ایک ہونے طاق ہونے کی۔ قسم ہے رات کی جب چلے۔ اس ہر ایک میں اہل عقل کیلئے قدرت الٰہی پر گواہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قسم کا منشا یوں سمجھا جائے کہ جیسے ایک کاریگر نے بہت سے مکان بنائے لیکن ایک مکان کو اندر سے عجائب خانہ عالم بنا دیا۔ دیواروں ستونوں بام ودر میں وہ چیزیں بھر دیں جو اپنی بے مثلیت سے درطہ حیرت میں ڈال دے۔ باہر سے دیکھنے والوں کو تو سب مکان ایک جیسے نظر آ رہے ہوں باہر والوں کیلئے کوئی عجوبہ نہ ہو مگر بنانے والا کہہ سکتا ہے کہ مکان تو یہ ہے جو میری صناعی کا منہ بولتا شاہد و گواہ ہے۔ بس سمجھ لو کہ دنیا میں ہزاروں چراغ ہیں مگر خالق تعالیٰ نے وَالشَّمْسِ۔ فرما کر بتایا کہ قسم ہے سورج کی کہ وہ میری قدرت کمال کا منہ بولتا شاہد و گواہ ہے۔ ایسے ہی دنیا میں کروڑوں درخت ہیں مگر رب تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ زیتون وانجیر میں کیا کمال وشاہکار ہے جو اسکی قسم فرمائی گئی کہ اے لوگو درخت تو یہ ہیں جو خالق تعالیٰ کی شان کبریائی کی گواہی زبان حال سے دے رہے ہیں۔ اور اسی طرح دنیا میں کروڑوں عمریں اور عمر والے ہیں جو بطن مادر سے شروع ہو کر موت پر ختم ہو جاتی ہیں۔ مگر اے نبی مکرم قسم صرف تیری عمر عزیز۔ حیات عظیم کی ہے جو عجوبہ عالمین ہے۔ بے مثل شاہکار ہے باکمال ولازوال ہے۔ قدرت قدیم کا شاہد ہے کیونکہ یہ عمر لازوال وباکمال ازل حادث سے شروع ہو کر۔ كُنْتُ نَبِيًّا وَ آدَمُ بَيْنَ الْجَسَدِ وَالرُّوحِ۔ وَبَيْنَ الطِّينِ وَالْمَآءِ کے ازلی نعرے کے ساتھ۔ محمد رسول اللہ کا ابدی نعرہ مخلوقات سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ سے لگوا رہا ہے۔ اے لوگو یہی وہ عمر ہے جسکی ابتدا تو ہے انتہائی کوئی نہیں۔ جس کے لئے ایجاب ہے سلبہ نہیں۔ مثبت ہے منفی نہیں۔ جس کا ہر کمال باقی ہے۔ کسی کو فنا نہیں۔ جس کے وجود کو تھا نہیں کہا جا سکتا۔ غرضیکہ ان ہی عجائبات مخفیہ کی بنا پر کوئی انسان کسی غیر اللہ کی قسم نہیں بول سکتا۔ بس بنانے والا خالق تعالیٰ ہی انکی قسم بول سکتا ہے کیونکہ ان اشیا کے عجائب باطنی کو جانتا ہے۔ یقیناً یہی حکمت ہے کہ مسلمانوں کو غیر اللہ کی قسم سے منع فرمایا گیا کیونکہ انسان کو نہ عجوبیت کا پتہ نہ انکی زبان قال وحال کا علم نہ انکی شاہکاریت کی سمجھ۔ ہم بندے صرف ان اشیا کے خالق تعالیٰ کی قسم بول سکتے ہیں۔ ذات کی بھی صفات کی بھی اس لئے کہ صفات باری بھی مثل ذات باری قدیم ہیں۔ جو جاہل انسان غیر اللہ کی قسم بولے وہ بحکم حدیث پاک مشرک ہے۔ ہماری قسم یا یمین ہوتی ہے یا حلف ہوتی ہے۔ گواہی نہیں ہوتی۔ لفظ یمین يُمْنٌ سے بنا ہے۔ جس کا لغوی ترجمہ ہے قوت، برکت۔ اصطلاحی ترجمہ ہے دایاں ہاتھ محاورے کا ترجمہ ہے۔ معاہدہ۔ شرط۔ تعلیق۔ یا قسم۔ چونکہ اہل عرب کوئی معاہدہ کرتے وقت ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں یا دائیں ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں اس لئے معاہدے وقسم کو یمین کہا جاتا ہے۔ شریعت میں یمین کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ یمین منعقدہ، ۲۔ یمین غموس، ۳۔ یمین لغو، ۴۔ یمین کذب۔ حلف کا لغوی معنی ہے ساتھ دینا۔ ساتھ نبھانا۔ ساتھی بننا اسی سے ہے حلیف۔ حلف کا اصطلاحی معنی ہے سچا بننا۔ سچا کہنا۔ سچا کہلوانا۔ یعنی سچا بننے کیلئے قسمیں کھانا یا زوردار کلام کرنا۔ کلام میں تاکیدی وتحقیقی الفاظ استعمال کرنا۔ ایسی قسمیں بولنے والے کو عربی میں حَلَّاف کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں حَلَّاف کی برائی بیان فرمائی گئی ہے۔ جن مفسرین نے یہاں خلقت انسانی کو جملہ قسمیہ فرمایا ہے وہ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ کی وجہ سے اس خلقت انسانی کو عجوبہ عالم وشاہکار قدرت بیان کرتے ہیں۔ خیال رہے کہ مٹی کا جنسی نام طین ہے۔ اور مٹی کے صفاتی نام پندرہ ہیں۔ ۱۔ تراب یعنی خاک، ۲۔ غمامہ یعنی غبار، ۳۔ وَحَلٌ یعنی دلدل، ۴۔ طَمْلَةٌ یعنی کیچڑ، ۵۔ طَثْرَةٌ یعنی گارہ، ۶۔ صَلْدٌ یعنی خشک کیچڑ پپڑی، ۷۔ حَرْمَدٌ یعنی کالی گار ۸۔ مِلَاطٌ۔

marfat.com

یعنی خمیری کیچڑ، ۹۔ خَزَف یعنی ٹھیکری مٹی، ۱۰۔ ثَمرُوْغ یعنی ریتلی بھربھری مٹی، ۱۱۔ صَلْصَالْ یعنی گندھی ہوئی مٹی، ۱۲۔ فَخَارْ یعنی کچی ٹھیکری، ۱۳۔ کناسہ چھانی ہوئی فضلہ مٹی، ۱۴۔ قَلامہ یعنی زمین کی اندرونی باطنی مٹی، ۱۵۔ سُلَالَۃ۔ یعنی چھانی ہوئی عمدہ مٹی۔ (از تفسیر معانی وتفسیر بیان۔ معجم عربی) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سلالہ سے۔ حیوانات کو کناسہ سے۔ جمادات کو قلامہ سے پیدا فرمایا۔ حیوانات یعنی چرند، پرند، درند وحشرات کیڑے مکوڑے بری و بحری، جمادات یعنی شجر، حجر، معدنیات دھات، سلالہ سے بلاواسطہ آدم علیہ السلام اور بالواسطہ پوری نسل انسانی۔ سلالہ کی تین قسمیں۔ ۱۔ سلالہ مٹی، ۲۔ سلالہ غذا، ۳۔ سلالہ نطفہ۔ خلقت بشری کے چار مرحلے اولاً طین سے سلالہ یعنی مٹی کا میدہ، دوم سلالہ کو صلصال بنایا گیا، سوم صلصال پر انوار جمال کی بارش برسائی گئی۔ چہارم پھر نور جلال کی تپش سے صلصال کو فخار بنا دیا گیا۔ سللۃ بشری سات زمینوں کی مٹی تھی۔ ۱۔ زمین اسفل، ۲۔ زمین یسار، ۳۔ زمین یمین، ۴۔ زمین شور، ۵۔ زمین وسطی، ۶۔ زمین باطنی، ۷۔ زمین اعلیٰ۔ ہر زمین کی علیحدہ کیفیت پہلی کی سہل، یسار کی سنج (بھربھری) یمین کی ٹھنڈک، شور کی جبلی، وسطی کی مرہ (کڑوی) باطنی کی ظلمت، اعلیٰ کی طیب۔ ہر مٹی کا رنگ علیحدہ اسفل کا پیلا۔ یسار کا مٹیلا۔ یمین کا کالا۔ شور کا سرخ۔ وسطی کا گندمی، باطنی کا ریکس ریتلا۔ اعلیٰ کا ہرا۔ ہری کائی، بشریت کے خمیر میں سات بری طبیعتیں ودیعت رکھی گئیں۔ ۱۔ چیونٹی کی حرص، ۲۔ چوہے کی موذیت، ۳۔ پرندوں کی شہوت، ۴۔ بھیڑیئے اور ریچھ کا غضب، ۵۔ شیر کی درندگی دلیری، ۶۔ تکبر و بزدلی چیتے کی، ۷۔ بخل وقوم دشمنی کتے کی بے غیرتی وگندی طبیعت خنزیر کی اور سات اچھی خصلتیں امانت رکھی گئیں۔ ۱۔ سخاوت مرغے کی، ۲۔ قناعت الو کی، ۳۔ حلم اونٹ کا، ۴۔ عاجزی بلی کی، ۵۔ وفاداری کتے کی، ۶۔ شرم وحیا عقل وقومی صلہ رحمی کوے کی، ۷۔ ہمت جرأت عقاب وشکرہ کی۔ غرضیکہ جسم بشریت سات مٹی۔ سات رنگ۔ سات کیفیت۔ سات طبیعت۔ سات عادات زمیمہ۔ سات خصلات حمیدہ کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اشرف المخلوق ہے۔ یہی جسم انسانی کی ترکیب ہے۔ روح انسانی کے سات عنصر۔ ۱۔ لطافت، ۲۔ نظافت، ۳۔ کرامت، ۴۔ بقایت، ۵۔ غیوبت، ۶۔ امر ربی، ۷۔ امانت۔ اس لئے وہ افضل المخلوق ہوا۔ جس انسان میں یہ سات روحانی قوتیں نہیں وہ افضل نہیں ارزل ہے۔ زمین سے طین، طین سے سللۃ سللۃ سے جو ہر نطفہ۔ نطفے میں تین چیزیں پیدا کی گئیں۔ ۱۔ مادہ منویہ، ۲۔ نسلی جرثومہ، ۳۔ تانیث وتذکیر کا بیضہ قرار مکین۔ اس طرح کہ پشت والد میں جرثومہ۔ اور ترائب (صدر) مادر میں بیضہ۔ پھر صحبت وطی سے دونوں مذکر مونث کی امانتیں منتقل ہو کر رحم والدہ میں۔ قرار مکین کے تین مقام۔ پہلا پشت وترائب۔ دوم طریقہ وطی۔ سوم رحم۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ فَتَبَارَکَ اللّٰہُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ۔

مختلف اقوال

اَمٰنٰتِھِمْ کی قرأت میں دو قول۔ بعض نے فرمایا یہ جمع ہے۔ یہ قرأت مشہور ومکتوب ہے۔ بعض نے کہا یہ واحد ہے پہلی قرأت صحیح ہے۔ صلوات کی ایک قرأت میں یہ جمع ہے یہی صحیح قرأت ہے کیونکہ مکتوب ومشہور ہے۔ ایک قرأت یہ واحد ہے یہ قرأت متروکہ ہے۔ وَارِثُوْنَ کے معنیٰ میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ بلاعوض محض فضل رب سے مالک ہونا، ۲۔ وَارِثُوْنَ کا فرمان نسبت آدم علیہ السلام کی وجہ سے ہے کہ جنت کے پہلے مالک آدم علیہ السلام ہوئے حَیْثُ شِئْتُمَا رَغَدًا کے ارشاد

marfat.com

سے پوری جنت کی ملکیت ثابت اور والد کی میراث ہم مذہب اولاد کو ملتی ہے اس وجہ سے پوری جنت کے وارث مُؤْمِنُوْنَ ہیں۔ ۳۔ جنت میں بھی تمام انسانوں کے مکان ہیں اور جہنم میں بھی۔ بعد قیامت کافر جہنم میں چلے جائیں گے ان کے مکان بھی مومنوں کو مل جائیں گے۔ اس لئے وَارِثُوْنَ فرمایا گیا۔ تینوں قول درست ہیں۔ فردوس کی لغت میں چار قول۔ ا۔ بعض نے لکھا یہ رومی لفظ سے معرب کیا گیا ہے۔ ۲۔ بعض نے لکھا یہ فارسی سے عربی بنایا گیا، ۳۔ بعض نے لکھا یہ زبان حبشی سے معرب یعنی عربی بنایا گیا ہے۔ ۴۔ اکثر نے فرمایا یہ عربی لفظ ہے معرب نہیں ہے یہی قول درست ہے کیونکہ ہر زبان میں جنت کا نام مختلف حرفوں سے موجود ہے چنانچہ رومی زبان میں پرویز ہے۔ فارسی زبان میں پیری دائزہ ہے۔ حبشی میں پردیش یا پردیشو۔ سنسکرت میں پردیسا۔ عبرانی میں پردیس ہے۔ سریانی میں فردیسوں۔ یونانی میں پارا دائسوس۔ لاطینی میں پارڈائسس۔ انگریزی میں پیراڈائز اور عربی میں فردوس۔ اسکی کیفیت میں تین قول۔ ا۔ بعض نے لکھا کہ فردوس پوری جنت کا ذاتی نام ہے اور لفظ جنت صفاتی نام ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ فردوس جنت کے پھولوں پھلوں کے باغات کا نام ہے نہ کہ مکانات کا۔ ۳۔ یہ اس جنت کا نام ہے جو سب سے اونچی سب سے افضل ہے درمیانی مرکزی جنت کا نام ہے۔ اسکے اوپر ہی عرش اعظم ہے۔ فردوس کے رہائشی عرش ملائکہ کی تسبیح سنا کریں گے۔ فردوس سے ہی چار نہریں نکلتی ہیں اور سب جگہ بہتی ہیں۔ ان نہروں کا ذکر سورۃ محمد کی آیت ۱۵ میں ہے یعنی نہر آب۔ نہر دودھ۔ نہر شہد۔ نہر خمر۔ فردوس میں ہر قسم کا پھل ہے۔ یہی قول درست ہے احادیث سے ثابت ہے۔ وَلَقَدْ۔ کی واؤ میں چار قول ہیں۔ ا۔ بعض نے کہا یہ واؤ قسمیہ ہے۔ دراصل واللہ ہے۔ یعنی اللہ کی قسم، ۲۔ یہ واؤ قسمیہ ہے دراصل ہے وَالْخَلْقِ۔ یعنی قسم ہے پیدا کرنے کی، ۳۔ بعض نے لکھا ہے کہ یہ واؤ حالیہ ہے۔ ۴۔ اکثر نے فرمایا یہ واؤ سر جملہ ہے یہی قول درست ہے۔ اَلْاِنْسَانُ۔ کی مراد میں تین قول ہیں۔ ا۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد آدم علیہ السلام ہیں، ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد تمام اولاد آدم ہے، ۳۔ اکثر نے فرمایا۔ اس سے مراد تمام مخلوق انسانی ہے آدم و آدمیان یہی قول درست ہے۔ مِنْ سُلٰلَةٍ کے مِنْ میں دو قول ہیں۔ ا۔ بعض نے کہا کہ یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔ یعنی کچھ تھوڑی مٹی سے، ۲۔ اکثر نے لکھا کہ یہ مِنْ بیانیہ ہے۔ یعنی ہر قسم کی عمدہ مٹی جنس زمین سے۔ طِیْنٍ کے معنٰی میں تین قول ہیں۔ ا۔ بعض نے لکھا کہ اس سے مراد بدن آدم ہے، ۲۔ اس سے مراد خمیر آدم ہے، ۳۔ اکثر نے فرمایا کہ اس سے مراد روئے زمین ہے یہی قول درست ہے۔ جَعَلْنٰهُ کی ہ ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں۔ ا۔ بعض نے کہا کہ اس کا مرجع انسان ہے، ۲۔ اکثر نے فرمایا کہ اس کا مرجع سُلٰلَةٍ ہے قَرَارٍ کے معنٰی میں دو قول، ا۔ بعض نے فرمایا کہ قرار کا معنٰی ہے پیدائشی رہائش گاہ، ۲۔ اکثر نے لکھا کہ اس کا معنٰی ہے کہ جاء پیدائش سے منتقل ہو کر دوسری جگہ سکونت پکڑنا۔ مَکِیْنٍ کے معنٰی میں تین قول، ا۔ بعض نے کہا اس کا معنٰی پشت والد، ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنٰی ترائب والدہ، ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنٰی رحم مادر۔ سیاق و سباق کے اعتبار سے یہی قول درست ہے وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** قرآن مجید میں کل چھ ہزار دو سو اڑتیس آیتیں ہیں۔ ان میں تقریباً ایک ہزار دو سو اڑتیس آیتیں اخلاقیات حسنہ کی ہیں۔ جن کا مجموعہ خلق عظیم ہے اور وہی خلق عظیم خلق محمدی ہے

marfat.com

جس کا ذکر قرآن مجید میں اس طرح ارشاد ہوا۔ وَ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ (قلم: ۴) ترتیب اس طرح ہے کہ سارا اسلام قرآن مجید میں۔ سارا قرآن مجید وجود مصطفیٰ میں یعنی جسم ظاہری و باطنی میں علیہ السلام۔ بخاری شریف کتاب ادب مفرد اور بیہقی شریف نے دلائل نبوت میں نسائی شریف میں حاکم مستدرک میں۔ اور محدث ابن منذر و محدث مردویہ نے یزید بن بابنوس سے روایت فرمایا کہ ہم نے ام المومنین والمومنات عائشہ صدیقہ سے پوچھا کہ اخلاق رسول اللہ علیہ السلام کیسے تھے۔ آپ نے جوابًا فرمایا کہ اخلاق رسول اللہ علیہ السلام پورا قرآن مجید ہے۔ پھر ام المومنین نے سورۃ مومنون کی یہی دس آیات تلاوت فرمائیں پھر فرمایا کہ اس طرح کے تھے اخلاق رسول اللہ علیہ السلام۔ کریمانہ۔ مشفقانہ ان ہی اخلاق پاکیزہ کی نبی کریم علیہ السلام نے اپنی امت تا قیامت کو بلاواسطہ و بالواسطہ تعلیم فرمائی۔ کوئی اطاعت و اتباع کرے یا نہ کرے اپنا اپنا نصیب ہے۔ (از تفسیر فتح القدیر شوکانی) یہ فائدہ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کے ارشاد اور ام المومنین کے فرمان سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** تدبر ایمانی، تفکر قرآنی و تذکر ایقانی کرنے والے بندے سمجھتے ہیں کہ دنیا جہان میں جس قوم۔ ملک علاقہ کے افراد و اقوام نے اسلام کے ان بنیادی اخلاق کو اختیار فرمایا اور ملکی سطح پر اپنایا وہ دیکھتے ہی دیکھتے دنیا کے ہر میدان میں کامیابیوں کامرانیوں سے چھاتا چلا گیا۔ اسکی قوت رفتار فتوحات کو کوئی روک نہ سکا۔ اس لئے ہر مسلمان کو یہ درس عزت سکھایا پڑھایا جا رہا ہے کہ نجات و فوزیت تو فقط، اقرار و تصدیق کے ایمان سے ہو جائے گی مگر فلاح مومن ایمان اخلاق اعمال کے مکمل ہمہ وقتی مجموعے سے حاصل ہو گی۔ لہٰذا کوئی مسلمان اس مجموعہ اعمال سے غافل نہ رہے۔ یہ فائدہ قَدْ اَفْلَحَ کے تحقیقی ارشاد اور اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ کے حصہ حقیقی سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** تا قیامت مسلمانوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ فلاح حقیقی وہی ہے جو دائمی ابدی مضبوط و مستقل و ناقابل فنا ہو ایسی خیریت جو دنیا و آخرت میں بندوں کے ساتھ قائم و باقی ہو۔ صرف دنیوی امیری غریبی کا نام ناکامی و کامیابی نہیں۔ اس لئے کفار زمانہ اپنی وقتی دنیوی خوشحالیوں ترقیوں امیریوں سے دھوکا نہ کھائیں اور اہل ایمان کی انفرادی غربت مجبوری سے دھوکے میں نہ رہیں کیونکہ یہ دونوں حالتیں وقتی عارضی حالات کا تلچھٹ اور پانی کا بلبلہ ہیں یہ فائدہ اَلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ چوتھا فائدہ۔ یہ آیات مقدسہ تبلیغ نبوت کی حقانیت تعلیم نبوت کی صداقت اور آقاء کائنات علیہ السلام کی عظیم الشان ابدی کامیابی پر زبردست دلیل ہے کہ عرب کی گھٹا ٹوپ ضد و تعصب اکھڑ پن کی سرزمین جہالت کے آبائی کفرستان اور طغیان و سرکشی کے جھاڑ و جھنکاڑ، منافقت کے خاردار میں تعلیم نبوی سے ایمان کے ایسے گلشن کھلائے اور اخلاق حسنہ، عادات کریمانہ خصائل مومنانہ کے ایسے پھول کھلائے کہ دیکھتے ہی دیکھتے ریگزار عرب مرغزار عرفان سدا بہار بن گیا۔ اگر یہ نبوت و تعلیم نبوت حق و صادق نہ ہوتی تو یہ ایمانی چراغاں نمودار نہ ہوتا۔ یاد رہے کہ یہ مشاہداتی و تاریخی کیفیت کا تجربہ آج کا ہی نہیں بلکہ حق و باطل کی یہ جاں سوز جگر دوز کشمکش ازل حادثہ سے تا امروز جاری و ستیزہ کاری ہر سو طاری ہے۔ غلبہ فلاح و کامیابی نے ہمیشہ حق کا ہی ساتھ دیا۔ جس سے ثابت ہوتا رہا کہ حق کون ہے باطل کون ہے۔ تو اے لوگو عقل و فکر سے تدبر کر کے زمرہ مومنوں میں شامل ہو جاؤ اور ثابت قدم رہو۔ یہ فائدہ یہاں ان گیارہ آیتوں کے تعلیمی ذکری فکری بیان سے حاصل ہوا۔

marfat.com

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء آئمہ اربعہ کا یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ تمام عبادات میں سب سے اہم اور سخت پابندی والی عبادت امانت داری اور وعدے کی پاسداری ہے۔ امانت وعہد اللہ تعالیٰ کا ہو یا آقا ﷺ کا، پڑوسی کا ہو یا قرابت دار کا، مسلم کا ہو یا غیر مسلم کا، انفرادی ہو یا اجتماعی، قومی ہو یا ملکی یا علاقائی کیونکہ امانت وعہد حقوق اللہ بھی ہے حقوق العباد بھی حقوق نفس بھی۔ یہ مسئلہ۔ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ کے جامع مانع لفظ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ حَافِظُوْنَ وَ یُحَافِظُوْنَ ایک معنٰی والے الفاظ نہ فرمائے گئے۔ حفاظت کا صرف ایک معنٰی ہے نگہبانی کرنا۔ مگر رعایت کے دس معنٰی ہیں۔ ۱۔ حفاظت، ۲۔ دیکھ بھال، ۳۔ درستگی، ۴۔ یاد رکھنا، ۵۔ پورا کرنا، ۶۔ نبھانا، ۷۔ موذی سے بچانا، ۸۔ دشمن کو بھگانا، ۹۔ قریب رہنا، ۱۰۔ جان مال عزت بچانا۔ **دوسرا مسئلہ:** مومن کامل بننے کیلئے ضروری اور ہر مسلمان پر فرض ہے کہ تمام نمازوں کی ہر طرح حفاظت کرے۔ کیونکہ مومن کی نشانیاں بیان فرماتے ہوئے نماز کا دوبار ذکر ہوا۔ پہلے خٰشِعُوْنَ فرما کر نماز کی باطنی حفاظت بیان ہوئی پھر یُحَافِظُوْنَ فرما کر نماز کی ظاہری حفاظت بیان ہوئی۔ اور دونوں ذکر عبارۃ النص ہیں جس سے دونوں حفاظتوں کی فرضیت ثابت ہوئی۔ پہلی حفاظت مثل رکن روحانی، دوسری حفاظت مثل شرط ایمانی ہے۔ یہ مسئلہ یُحَافِظُوْنَ فعل مضارع حال استمراری فرمانے سے مستنبط ہوا۔ خشوع ہر نماز پر طاری اور حفاظت ہر نماز کی بار بار جاری۔ **تیسرا مسئلہ:** وہی شخص اپنے مورث کی میراث کا جائز حقدار ہوتا ہے جو اپنے مورث کی ظاہراً بھی حفاظت کرے باطناً بھی۔ مورث کے جان، مال عزت حقوق کی حفاظت کرتا ہے۔ نافرمانی بے عزتی نہ کرے بلکہ فرمانبرداری اور اپنی خواہشات اس کی رضا کے تابع بنا دے۔ وارث وہی ہو سکتا ہے جو مورث کا ہم عقیدہ دین والا ہو۔ نہ خیانت کرے نہ عہد شکنی۔ اگر ایسا نہ کرے بلکہ کوئی وارث مَاوَرَآءَ ذٰلِکَ مورث کے خلاف کسی بھی قسم کی ایذا، نافرمانی، قتل عمد، بربادی، تباہی کے اقدام یا کام کرے گا یا دینی مخالفت تو قانون شریعت کے مطابق میراث سے محروم وعاق ہو کر عٰدُوْنَ۔ شمار ہوگا۔ یہ مسئلہ۔ مومن کی سات نشانیاں بیان فرمانے کے بعد اُولٰٓئِکَ هُمُ الْوٰرِثُوْنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ گویا کہ وارثون بننے کے لئے ہر مومن کو اطاعت، اتباع وفرمانبرداری کی سات نشانیاں بطور شرط لازمی اپنے اندر پیدا کرنا فرض ہیں۔ یہاں اشارۃ النص نے بتایا کہ جس طرح مومن وارث ہے اور عبادات احکام شریعت قرآن حدیث مورث ہیں ان کی مالی میراث جنت الفردوس ہے اور مومن ہی اس میراث کو پائے گا جو شرعی عبادات واحکام کی پابندی محافظت رعایت کما حقہ ادا کرتا رہے۔ بربادی وتباہی نہ لائے۔ اسی طرح دنیوی میراث پانے کیلئے وارثوں کو اپنے مورثوں کی حفاظت و رعایت، دینی ودنیوی یکجہتی لازم ہے۔ تمام فقہا فرماتے ہیں کہ اپنے مورث کا قاتل اور اسکے دین کا مخالف میراث سے محروم ہے۔ اور اگر گستاخ ونافرمان وارث کو مورث عاق کردے تو اس کو ظالم نہیں کہا جاسکتا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں آیت نمبر ۸ میں امانتوں اور عہد کیلئے راعون کیوں فرمایا گیا۔ چاہئے تھا کہ حَافِظُوْنَ یا یُحَافِظُوْنَ فرمایا جاتا۔ اس لئے کہ مقصود تو حفاظت ہے۔ **جواب:** حفاظت وہی مفید ہے

marfat.com

جو چیز کے معیار کے مطابق ہو تب ہی وہ چیز صحیح معنوں میں محفوظ رہ سکتی ہے اور چونکہ امانتیں اور عہد بہت قسم کے ہیں اور ہر قسم کا طریقہ وضروریات مختلف ہیں اس لئے ایسا لفظ بولا گیا جو تمام طریقوں وضرورتوں کا جامع، اور بے ضرورت وفضولیات کا مانع ہے۔ تا کہ ہر دشمن ونقصان دہ چیز کا دفاع اور ضروری اسباب واشیا کا حصول شامل حفاظت ہو جائے۔ امانتوں کے موذی دشمن بھی کثیر اور ضروریات بھی کثیر۔ اسی طرح عہد کی قسمیں نوعیں بھی کثیر اہمیت بھی کثیر۔ اور معاہدے والے اشخاص بھی مختلف المزاج ومدارج والے۔ اس وجہ سے کثیر معنی والا ایک ہی جامع مانع لفظ رَاعُوْنَ ارشاد ہوا۔ امانتدار پر امانت کی اور عہد والے کو عہد کی بہت سی ذمہ داریوں نازک اندازیوں کی حفاظت کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے رَاعُوْنَ فرما کر عہد وامانت کی دیکھ بھال کا پورا نقشہ وطریقہ بتلایا گیا۔ یہ بات حَافِظُوْنَ یا یُحَافِظُوْنَ کہنے سے حاصل نہ ہوتی۔ **دوسرا اعتراض:** اسکی کیا وجہ کہ آیت ۵ میں لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ اسم فاعل ارشاد ہوا۔ لیکن یہاں آیت ۹ میں عَلٰی صَلَوٰتِهِمْ یُحَافِظُوْنَ۔ فعل مضارع حال ارشاد ہوا۔ کیا یہ مناسب نہ تھا کہ دونوں جگہ ایک ہی صیغہ مشتق ارشاد ہوتا۔ ظاہراً تو کوئی وجہ فرق معلوم نہیں ہوتی۔ **جواب:** لفظی تفریق سے یہ سمجھانا مقصود ہے۔ فروج اور اسکی حفاظت ایک قسم کی ہے مرد ہو یا عورت یعنی عصمت حفاظت پردہ پوشی حرام سے بچانا۔ مگر نمازیں ہر طرح مختلف ومتعدد ہیں۔ عدداً بھی کثیر حکماً بھی۔ لوازمات ارکان وشرائط میں بھی کثیر۔ عدداً پانچ فجر، ظہر، عصر، مغرب، عشا۔ حکماً۔ فرض، واجب، سنت، نفل مؤکدہ، غیر موکدہ، کفایہ، نمازوں میں تعدیل ارکان کی حفاظت، غسل، وضو، طہارت لباس ومقام کی حفاظت، طریقہ ادا کی حفاظت، پابندی اوقات۔ اور ہر قسم کی حفاظت مختلف۔ کہیں تجدید سے۔ کہیں تکرار سے۔ کہیں دوام سے کہیں استمرار سے کہیں اہتمام سے۔ اسم فاعل میں استمرار تو ہوتا ہے۔ مگر زمانہ مضارع اور تجدید وتکرار واہتمام نہیں ہوتا۔ مضارع میں تجدید بھی تکرار واہتمام بھی۔ حفاظت فروج میں صرف دوام ضروری ہے اس کے لئے اسم فاعل کا صیغہ کافی۔ مگر نمازوں کی حفاظت میں تکرار تجدید دوام واہتمام سب ضروری اس لئے یہاں مضارع کا صیغہ فرمانا ہی مناسب ولازم ہے تا کہ ایک ہی صیغے سے تمام ضرورتیں حالی یا استقبالی پوری ہو جائیں۔ یہ بات یہاں اسم فاعل فرمانے سے حاصل نہ ہوتی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْوَارِثُوْنَ جس کا معنی ہے کہ جنت فردوس میں وہی وارثین ہیں جو خٰشِعُوْنَ۔ مُعْرِضُوْنَ۔ فٰعِلُوْنَ۔ حٰفِظُوْنَ۔ رٰعُوْنَ و یُحَافِظُوْنَ ہوں۔ انکے علاوہ کوئی مسلمان جنت میں نہیں جاسکتا۔ کیونکہ اُولٰٓئِكَ سے ثابت اور حصر کا یہی منشا ہوتا ہے۔ حالانکہ بہت سی احادیث صحیحہ مشہورہ معتبرہ میں ارشاد نبوی ہے کہ نابالغ بچے، دیوانے، مجنوں ومجذوب نیز وہ نو مسلم جو ایمان لاتے ہی فوت ہو گیا اس کو کسی عمل کا وقت نہ ملا۔ وہ بھی جنتی ہیں۔ ایک روایت میں ابوذر غفاری سے مروی ہے کہ۔ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَدَ خَلَ الْجَنَّةَ وَ اِنْ زَنٰی وَ اِنْ سَرَقَ۔ ترجمہ: نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے سچے اقرار اور صدق دلی سے کلمہ طیبہ پڑھ لیا وہ اگر چہ چور وزانی ہو جنت میں ضرور چلا جائے گا۔ بظاہر اس آیت وحدیث میں مطابقت نہیں لگتی۔ اس میں مطابقت کیسے ہو۔ **جواب:** اسکے دو جواب دیئے گئے ہیں بعض نے فرمایا کہ آیت میں جنت فردوس کا حصہ ہے وہ بجز خشعون کے کسی دیگر مسلمان کو نہ ملے گی۔ اور احادیث مقدسات میں جو ذکر ہے کہ نابالغوں، دیوانوں فاسقوں کو بھی جنت کا داخلہ ملے گا وہ دیگر جنتوں کا ذکر ہے جنتیں بہت قسم کی ہیں۔ اعلیٰ بھی نیچے بھی دائیں بائیں بھی۔ جنتی بندوں کے اعتبار سے جنت تین قسم کی

marfat.com

ہیں۔ ۱۔ جنت اختصاص۔ یہ جنت نابالغوں۔ دیوانو بے عملوں کو ملے گی۔ ۲۔ جنت اعمال۔ یہ جنت صالحین متقین، مصطفین، محسنین، مخلصین کو عطا ہوگی۔ ۳۔ جنت میراث یعنی وہ جنتی مکانات جن کے مالکان کافر ہو کر مرے اور ابدی جہنم میں چلے گئے انکے جنتی مکانات دیگر اہل جنت کو بطور میراث ملیں گے۔ لہٰذا تقسیم جنت سے کوئی اعتراض نہ رہا۔ حصر صرف فردوس کی وراثت کا ہے نہ کہ دوسری جنتوں کا۔ **دوسرا جواب:** بعض نے فرمایا۔ یہاں آیت میں ابتدائی داخلے اور انعام واکرام کی جنت مراد ہے اسی کا حصر ہے۔ اس شان کی جنت صرف خٰشِعُوْنَ و حٰفِظُوْنَ کو ملے گی۔ لیکن احادیث میں وہ جنت مراد ہے جو یا تو جنت شفقت وفضل ہے یا سزا پاکر یا شفاعت سے بخشش پاکر جنت میں جانے والے مراد ہیں۔ دونوں جواب صحیح ہیں۔ **واللہ ورسولہ اعلم۔**

تفسیر صوفیانہ

امانت وہ فیض الٰہی ہے جس کو عالم ارواح کی قبولیت قَالُوْا بَلٰی میں نسل انسان نے بلاواسطہ اٹھالیا تھا اسی اٹھانے کی وجہ سے۔ انسان کو کرامت حمل سے خاص فرمادیا گیا اور وہ عہد جس کے رٰعُوْنَ مومنین مصلحین ہیں وہ یوم میثاق یعنی اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ قَالُوْا بَلٰی کا عہد ہے۔ صوفیا فرماتے ہیں اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ سے تین وعدے لئے گئے۔ اور چار امانتیں انسان کو ودیعت کی گئیں۔ پہلا وعدہ توحید الٰہی کا دوم وعدہ عبادت کا۔ وعدہ سوم ایمان رسالت کا۔ پہلی امانت محبت مصطفائی کی۔ دوسری امانت عشق الٰہی کی۔ تیسری امانت نور کی چوتھی امانت معرفت کبریائی کی اسی عہد وامانت کا مجموعہ نماز ہے۔ جب اَلَسْتُ کا سوال ہوا تو سب روحوں نے قیام کیا جب امانت الٰہی دی گئی۔ تو سب روحیں بوجھ سے رکوع میں جھک گئیں۔ جب بلٰی کا اقرار کیا تو ارواح مومنین نے چالیس سالہ سجدہ عبادت کیا۔ جس وقت سجدے سے اٹھیں تو دیکھا کہ ارواح کفار نے سجدہ نہیں کیا۔ اور وہ ظلمت کفر سے سیاہ ہوچکی ہیں۔ ارواح مومنین سجدہ عبادت کے نور سے سفید چمکدار ہوگئیں۔ تب ارواح مومنین نے دوسرا سجدہ شکر کیا۔ اس کی یادگار میں ہر نماز کی ہر رکعت میں دوسجدے رکھے گئے۔ رٰعُوْنَ یہ ہے کہ نہ ظاہری باطنی خیانت کرتے ہیں نہ عبادت غیر اللہ کر کے یوم میثاق کی عہد شکنی کرتے ہیں۔ سب سے زیادہ مغضوب وہ بندہ ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرے۔ مشرب صوفیا میں خواہشات نفسانی شیطانی کے پیچھے چلنا بھی عبادت غیر اللہ ہے۔ اہل طریقت نے فرمایا کہ ہر عضو ظاہری باطنی خود بھی امانت ہے اور انسان کے ہر عضو میں بھی ایک امانت ہے۔ پس آنکھ کی امانت حلال وجائز کو دیکھنا حرام ناجائز سے بند رکھنا۔ کان کی امانت یہ ہے لغویات وفحشیات کے سننے سے بچایا جائے محافل ذکر اللہ میں پہنچایا جائے۔ زبان کی امانت داری یہ ہے کہ کلمات کفر وکفران فسق وعصیان غیبت وبہتان سے بچایا جائے۔ اور ذکر رحمٰن صبر وشکران میں لگایا جائے۔ پاؤں کی امانت داری یہ ہے کہ اتباع واطاعت میں چلایا جائے۔ معاصی سے دور بھگایا جائے۔ ہاتھ کی امانت داری یہ ہے کہ برائی کی طرف نہ بڑھے نیکی سے نہ رکے۔ منہ کی امانت داری یہ ہے کہ حرام سے بچے حلال میں رہے۔ حلال تغذی حلال تلذی حلال تذوی۔ منہ ہی باطن کا دروازہ ہے۔ تلاوۃ کا گھوارہ ہے۔ قلب کی امانت داری یہ ہے کہ رعایت حق پر دوام ہو مطالعہ حق پر قیام ہو اور مشاہدہ حق پر مدام ہو نہ اطلاع ماسوا اللہ نہ نظارہ غیر اللہ نہ سکون من دون اللہ یہی وہ ایمان حقیقی والے ہیں جو اپنی نمازوں کی ہمیشہ حفاظت کرتے ہیں۔ معرفت والے منزل طریقت کی نمازوں میں اس طرح ہیشگی فرماتے

marfat.com

ہیں کہ انکی سورۃ ظاہری میں خلل واقع ہوتا ہے نہ کیفیت معنوی میں۔ اور مراقبہ خلوت کی حضوری صف اول کبھی ضائع نہیں ہونے دیتے نہ ظاہراً نہ باطناً نہ حقیقتاً نہ مجازاً نہ حکماً نہ معناً ظاہراً فجر معرفت ہے باطناً عشاء طریقت ہے۔ بلندیوں پر ظہر حقیقت ہے رفعتوں میں عصر شریعت ہے حکماً مغرب جمال ہے معناً تہجد کمال ہے۔ حدیث مقدس میں ہے کہ جو بندہ صف اول میں بالکل امام کے پیچھے کھڑا ہو اس کے لئے سو نمازوں کا ثواب ہے جو صف اول میں امام کے دائیں کھڑا ہو اس کیلئے پچھتر نمازوں کا ثواب ہے جو بائیں جانب ہو اس کیلئے پچاس نمازوں کا ثواب ہے اور پچھلی کسی صف میں کسی جانب کھڑے ہونے والے کو پچیس نمازوں کا ثواب ہے کیونکہ صف اول حال مکاشفہ کا مقام حضوری ہے اس لئے اسکی متابعت کمتر، اس کا ثواب اکثر۔ اس کا مرتبہ اتم اس کا درجہ اکمل یُحَافِظُوْنَ میں قلب وعقل روح وزبان کی حاضری وجمعیت ہے۔ جمعیت میں تجدید ہے تجدید میں تکرار ہے۔ اہل نماز ہی وارثین ابدی ہیں وراثت کی حقیقت دولت کا منتقل ہونا ہے مالک سے وارث کی طرف بغیر کسی عوض وقائم مقام عوض کے لیکن معرفت وراثت کرامت کا منتقل ہونا ہے مرشد سے مرید کی طرف بغیر کسی رسم ورواج کے۔ دولت کثیف ہے کرامت لطیف ہے اس لئے دولت کو زوال ہے کرامت کو دوام ہے۔ دولت میں مورث وارث اور وراثت ہے مگر کرامت میں مرشد مرید اور خلافت ہے۔ اہل قرب فردوس تجلیات کے وارث ہیں ان کو اس میں ہیشگی ہے۔ جنت معرفت فردوس قرب کا اعلیٰ، بالا، اولیٰ اوسط مقام ہے جس میں ہر قلب کا مکان ہے لیکن جن کے دل مردہ ہو گئے ان کا مکان قرب بندگان مومنین زندہ دلان عاشقین کو دیدیا جاتا ہے اس لئے کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ۔ بیشک ہم نے انسانوں میں بلوغۃ معرفت کو پیدا فرمایا عالم بالا کی طین اعلیٰ سے ثُمَّ جَعَلْنٰهُ فِيْ قَرَارٍ مَّكِيْنٍ۔ پھر ہم نے اس بلوغۃ انسانی کو بارگاہ عشق کے مکاشفہ قرب مکین میں نطفہ عرفان بنا کر قرار بخشا (از تفسیر روح البیان) مفلحین وہ ہیں جو امانات اعضا اور عہد یوم میثاق کے رَاعُوْنَ ہیں۔ اور عشق ومعرفت کی نمازوں کے تمام ارکان افعال اعمال وافکار اعتقادات واذکار کے يُحَافِظُوْنَ ہیں کہ ادا شرائط سے اور بقا حفاظت سے کرتے ہیں نہ ریاکاری سے بربادی نہ غرور سے تباہی نہ کسلت سے خرابی نہ عجلت سے ضیائی نہ غفلت سے قضائی ہوتی ہے۔ لَقَدْ خَلَقْنَا۔ بیشک ہم نے ہی پیدا فرمایا ہے ہیکل محسوس کو طین سلالہ کو مخدوش سے اور روح مخلوق کو نور معبود سے اور پھر نطفہ عقول بنا کر ادراک حقیقت کے مکین میں قرار عزت سے رکھا۔ (تفسیر معانی) اور وہ بندگان معرفت جو اپنی امانات اسرار کی نہگداشت کرتے رہتے ہیں جو امانتیں اللہ تعالیٰ نے انکے سر مخفی میں ودیعت رکھیں اور اپنے اس عہد ازلی کی ذمہ داری دیکھ بھال نبھاتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فطرت کی بداہت میں مسلط فرمایا۔ امانتوں کو بارگاہ مقدس میں ادائیگی حقانی سے پہنچا کر۔ اور عہد کو پورا کیا یوم الست کو ثابت قائم زندہ و یاد رکھ کر اور وہی نصیحت ونصیب والے مفلحین ہیں جو مشاہدات ارواح کی دائمی نمازوں پر حفاظت کرتے ہیں تجدید، تنظیم، تنسیق، توثیق، توفیق، توسیع، تالیف سے۔ یہی لوگ جو ان صفات عالیہ جمالیہ، جلالیہ حالیہ سے موصوف ومتصف ہو گئے وارث ہیں علاقہ قدس، جنت روحانی کی فردوس اعلیٰ بالا۔ افضل واوسط کے۔ بے شک ہم نے جبلت انسانی کو طین محبت کی سلالہ اسرار فکر و تعلق سے نیست کے ہست میں نابود کے بود میں اجاگر کیا پھر گہوارہ رموز کے مکین میں برقراری کا نطفہ عظیم ومخزن کریم بنایا۔ کیونکہ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ (حجرات: ۱۳) بارگاہ صمدیت میں شیخویت سیدانیت کی نسبت کام نہیں آتی جب تک کہ

marfat.com

ساتھ میں ایمان کی حسبیت اعمال کی سبیت نہ ہو۔ (ازمحی الدین ابن عربی)

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلان ابن فلاں چیزے نیست

بدبخت ہے وہ بے عمل و بدعمل جو اپنی خاندانی سیادت پر ناز کرے۔

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا

پھر ہم نے ہی پیدا کیا نطفہ کو جمع ہوا خون کا لوتھڑا بنا کر۔ پھر ہم نے اس لوتھڑے کو گوشت کا لوتھڑا بنا دیا پھر ہم نے ہی پیدا کر دیں

پھر ہم نے اس پانی کی بوند کو خون کو پھٹک کیا۔ پھر خون کی پھٹک کو گوشت کی بوٹی پھر

الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ۗ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا

اس گوشت میں ہڈیاں پھر پہنا دی ہم نے ہڈیوں کو گوشت کی کھال پھر ہم نے ہی خوبصورت بڑھا دیا

گوشت کی بوٹی کو ہڈیاں پھر ان ہڈیوں پر گوشت پہنایا۔ پھر اسے اور صورت میں اٹھان دی۔

اٰخَرَ ؕ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ؕ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ

اس کو دوسری پیدائش میں پس برکتوں والا ہے اللہ سب سے اچھا بنانے والا پھر بیشک تم سب اس کے بعد

تو بڑی برکت والا ہے اللہ سب سے بہتر بنانیوالا پھر اسکے بعد تم سب ضرور

ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ؕ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ

البتہ مرنے والے ہو۔ پھر بیشک تم سب قیامت کے دن۔ زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گیا ور البتہ پیدا کر رکھے ہیں ہم نے ہی تم

مرنے والے ہو۔ پھر تم سب قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اور بیشک ہم نے تمہارے اوپر

سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾

سب کے اوپر سات طبق کی راہیں۔ اور نہیں ہیں ہم مخلوق سے غافل

سات راہیں بنائیں۔ اور ہم خلق سے بے خبر نہیں

تعلقات

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں انسان کی سات ایمانی نشانیوں کا ذکر فرمایا گیا کہ انسان میں مومن بن کر سات تبدیلیاں پیدا ہو جاتی ہیں جس سے وہ مومن انسان مضبوط ہو کر ابدی کامیابی پالیتا ہے۔ اب ان آیات میں انسان کی سات پیدائشی تبدیلیوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جن سے انسان ایک بہترین مضبوط خوبصورت مخلوق بن کر دنیا کے ہر میدان میں کامیابیاں حاصل کر سکتا ہے۔ ایمان ملنا بھی رب تعالیٰ کا کرم ہے اور انسانیت ملنا بھی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں انسان کی پیدائشی ابتدا کا ذکر فرماتے ہوئے دو مرحلوں کا ذکر فرمایا گیا

marfat.com

اب ان آیات میں خلقت پیدائش کی انتہا کا ذکر فرماتے ہوئے علی الترتیب پانچ مرحلوں تبدیلیوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اور فرمایا گیا انسانی پیدائش بھی صرف خالق تعالیٰ کی ہی قدرت لازوال اور حکمت باکمال ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تین چیزیں بیان فرمائی گئیں، ا۔ مومن کی نشانیاں، ۲۔ مومن کی دینی دنیوی ابدی کامیابیاں، ۳۔ انسان کی انتہائی کمزوری اور حالات پیدائش۔ اور پیدائش کے بعد قوت، طاقت۔ اب ان آیات میں ان تینوں چیزوں کے انجام اخروی کا ذکر فرماتے ہوئے بھی تین چیزوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ا۔ حیات دنیوی کے بعد موت، ۲۔ موت کے بعد پھر حیات اخروی، ۳۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کیلئے سات طریقے پیدا فرمائے جس کی وجہ سے انسان کی دنیوی زندگی آسان ہوگئی اور انسان ان آسانیوں کے ذریعے اپنی اچھی یا بری اخروی زندگی بنا سکتا ہے۔ اور یہ کہ انسان تمام مخلوق اور اپنی خلقت سے ناواقف و بے علم بے شعور ہے لیکن خالق تعالیٰ اپنی کسی مخلوق سے غافل نہیں۔

تفسیر نحوی

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ۔ ثُمَّ حرف عطف پر تمام اگلی عبارت تُبْعَثُوْنَ۔ تک معطوف ہے سابقہ قَدْ خَلَقْنَا کے جملے پر۔ خَلَقْنَا فعل ماضی با فاعل الف لام عہد خارجی نُطْفَةَ اسم جامد مفرد بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ اول ہے خَلَقْنَا کا۔ خیال رہے کہ یہاں یہ تینوں خَلَقْنَا، ا۔ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ، ۲۔ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ، ۳۔ فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ۔ جَعَلْنَا کے معنی میں ہیں اسی لئے یہ تینوں فعل متعدی بدو مفعول ہیں۔ عَلَقَةً اسم جامد بمعنی خون کی پھٹک (جمع ہوا خون)۔ یہ خَلَقْنَا اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ف حرف عطف بمعنی ثُمَّ۔ خَلَقْنَا۔ فعل ماضی مطلق با فاعل اَلْعَلَقَةَ اسم مفرد جامد مفعول بہ اول مُضْغَةً اسم جامد مفرد بمعنی گوشت کا لوتھڑا۔ بحالت نصب ہے کیونکہ مفعول بہ دوم ہے۔ فَخَلَقْنَا فعل اپنے فاعل ضمیر جمع متکلم بارز (ظاہر) اور دونوں مفعولوں سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا اگلی عبارت کا۔ ف عاطفہ خَلَقْنَا فعل با فاعل اَلْمُضْغَةَ مفعول بہ اول۔ عِظَاماً۔ اسم جمع جامد نکرہ ہے عِظْمٌ کا لغوی ترجمہ ہے سخت چیز۔ اصطلاح میں ہر چھوٹی بڑی سخت ہڈی کو عَظْمٌ کہا جاتا ہے۔ عَظْمٌ واحد ہے عِظَامٌ اسکی جمع مکسر ہے۔ نرم ہڈی کو (چبنی ہڈی) عربی میں مشاشة کہتے ہیں۔ فَخَلَقْنَا۔ فعل فاعل دونوں مفعول ملکر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ف عاطفہ بمعنی ثُمَّ تراخی۔ كَسَوْنَا۔ باب نصر کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم۔ كَسْوٌ۔ اجوف واوی سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کو مکمل چاروں طرف سے ڈھکنا چھپانا اصطلاح میں پہنانے کیلئے بولا جاتا ہے۔ الف لام حرفی عہد خارجی۔ یعنی مخصوص و معلوم عِظَامَ۔ اسم جمع مکسر مذکر بمعنی ہڈیوں کو مفعول بہ اول۔ لَحْماً اسم مفرد جامد۔ بمعنی گوشت یہاں مراد ہے کھال کیونکہ ف عاطفہ تراخیہ بعدیت کو چاہتی ہے جبکہ بشری حیوانی تخلیق گوشت پہلے پیدا کیا گیا پھر گوشت کے اندر ہی ہڈیاں پیدا ہوئیں پھر دونوں گوشت و ہڈیوں کو کھال پہنائی گئی۔ كَسَوْنَا۔ فعل فاعل دونوں مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ثُمَّ عاطفہ تراخی یعنی دیر بعد کیلئے۔ اَنْشَانَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم خَشُوٌ سے مشتق ہے۔ اس کا مصدر ہے اَنْشَاءٌ۔ ترجمہ ہے پیدا کرتے ہوئے بڑھانا بلند کرنا۔ (نشو و نما)۔ یہ قدرت الٰہیہ کا عمل رحم مادر سے شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی کھال کے

marfat.com

بعد ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضا بنتے ہیں جسم ولادت کے قابل مکمل بڑھ جاتا ہے۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مرجع ہے مُضْغَةً منصوب متصل ہے کیونکہ مفعول بہ اول ہے۔ خلقاً مصدر موصوف۔ اٰخر اسم تفضیل اخر سے مشتق ہے باب نصر یا ضرب سے ہے۔ ترجمہ ہے بہت پیچھے رہنے والا۔ ہونے والا۔ مراد ہے دوسرا۔ یہ صفت ہے۔ خلقاً موصوف صفت سے ملکر مفعول بہ دوم ہوا۔ اَنْشَاْنَا فعل فاعل دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ۔ ف۔ عاطفہ سببیہ بمعنی لہذا۔ اس لئے۔ تَبَارَکَ۔ باب مفاعلۃ کا فعل ماضی مطلق معروف واحد مذکر غائب بَرَکٌ سے بنا ہے۔ بمعنی عزت کے ساتھ کسی چیز میں کثرت و ترقی زیادتی پیدا کرنا۔ اللّٰہُ موصوف ہے اَحْسَنُ۔ باب نصر کا اسم تفضیل مذکر واحد بمعنی سب سے زیادہ اچھائی والا۔ مضاف ہے اَلْخَالِقِیْنَ۔ الف لام حرفی استغراقی بمعنی تمام ہے سب سے خَالِقِیْنَ اسم فاعل جمع مذکر خلقٌ سے بنا ہے۔ مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی صفت ہے۔ اللّٰہُ موصوف اپنی صفت سے ملکر فاعل ہوا تبارک کا۔ سب ملکر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہوا سابقہ چھ معطوفی جملے ملکر اگلی عبارت کا معطوف علیہ ہوا۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ ثُمَّ۔ عاطفہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کم ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب متصل اسم ہے ان کا بعد اسم ظرفیۃ زمانی مضاف ہے ذَالِکَ اسم اشارہ بعیدی مبنی ہے۔ بحالت جر کیونکہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف مقدم ہے۔ لام۔ حرف تاکیدی بمعنی ضرور مَیِّتُوْنَ۔ باب نصر سے اسم صفاتی جمع مذکر حاضر بمعنی اسم فاعل یعنی مرنے والے ہو۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ اسم صفاتی اسم فاعل اپنے فاعل اور ظرف مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ۔ ثُمَّ حرف عطف اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کُمْ ضمیر اس کا اسم یَوْمَ مضاف الف لام حرفی عہد خارجی قیامت بمعنی روز حشر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف مقدم ہے۔ تُبْعَثُوْنَ۔ باب فتح کا مضارع مستقبل مجہول بعثٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بھیجنا۔ اٹھانا۔ زندہ کرنا۔ متعدی ہے۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ یہ فعل اپنے نائب فاعل اور ظرف مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف ہوا سب عطف ملکر جملہ تحقیقیہ۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ ۖ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ۔ واؤ ابتدائیہ (سر جملہ) لام کے تاکید یہ قَدْ خَلَقْنَا فعل ماضی قریب جمع متکلم فوق اسم ظرف مکانی مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہوا۔ سبع اسم عددی ممیز ہے طَرَائِقَ۔ اسم جمع منتہی الجموع غیر منصرف ہے۔ اس کا واحد طریق بمعنی عام ہر قسم کا راستہ، چھوٹا، بڑا، کھلا، تنگ، باریک، سیدھا، ٹیڑھا۔ اسی لغوی معنی کے لحاظ سے مذہب و مسلک کو بھی طریق کہا جاتا ہے۔ کرہ ارضی و سماوی کو بھی طریق کہا جاتا ہے۔ روحانی نورانی راستے کو بھی طریقت اسی مناسب سے کہا جاتا ہے۔ یہاں طرائق سے مراد سات آسمانی کرے یعنی طبق ہیں۔ (طرائق بمعنی طبقات) طرائق تمیز ہے سبع کی ممیز تمیز مل کر مفعول بہ ہے۔ قَدْ خَلَقْنَا فعل با فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ۔ مَا کُنَّا۔ فعل ناقصہ ماضی مطلق منفی جمع متکلم۔ ضمیر جمع متکلم بارز اس کا اسم ہے۔ عن حرف جر الف لام حرفی استغراقی بمعنی تمام، کل، پوری، خلق اسم مصدر مبالغہ بمعنی مخلوق مجرور ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ غَافِلِیْنَ۔ باب سمع کا اسم فاعل جمع مذکر متکلم۔ مَا کُنَّا کی وجہ سے۔ غفلٌ سے مشتق ہے۔ اصل یعنی لغوی ترجمہ ہے۔ نادانی۔ اسی لحاظ سے بے خبری، بھولنا، نہ پہچاننا، یاد نہ رکھنا کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہاں بمعنی بے خبر ہونا۔ بحالت نصب

marfat.com

ہے کیونکہ خبر ہے فعل ناقصہ کی۔اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر جمع متکلم ہے۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے ما کنا کی یہ فعل ناقصہ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ ﴿۱۴﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ ﴿۱۵﴾ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ ﴿۱۶﴾ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ ﴿۱۷﴾۔ پھر بنا دیا ہم نے اس بیضوی نطفے کو بے جان لوتھڑا بغیر ہڈی جونک کیڑے کی مثل لمبی نعل کی شکل نرم۔ عنصر آب سے پھر چند دن بعد حالت علقہ کو بدل کر ہم نے اس کو مضغہ بنا دیا مضبوط پٹھہ ریشوں رگوں والا۔ پھر اس حالت مضغہ میں بھی تبدیلی کر کے اس کو ہڈیوں والا مزید سخت و مضبوط بنا دیا۔ اس طرح کہ اولاً مضغے میں ریڑھ کی ہڈیاں پیدا کی گئیں۔ اور اسکے بعد تمام مضغے میں چھوٹی بڑی، سیدھی ٹیڑھی، سخت نرم گول چپٹی، چینی، کری، گودے والی، بلا گودا، جوڑ والی اور بلا جوڑ کل دو سواڑ تالیس ہڈیاں (از تفسیر معانی) بعض نے لکھا ہے کہ انسانی جسم میں کل دو سو چار ہڈیاں ہیں۔ جن میں ۲۴ عدد پسلیاں، چہرے میں چودہ ہڈ ہیں، ہاتھوں میں تیس ہڈ ہیں، سب سے نرم ہڈی ناک کی اور سب سے سخت ہڈی دانت کی ہے۔ پھر چند دن بعد ہم نے پہنا دیا ان تمام ہڈیوں کے اوپر چربی اور رگوں ریشوں دھاگوں والا گوشت وخوبصورت مضبوط کھال کا غلاف۔ خیال رہے کہ بغیر چربی والا گوشت مضغہ ہے اور چربی ریشوں رگوں والا گوشت لحم ہے۔ پھر ہم نے نشو ونما فرمائی اس عظام ولحم کی جماویت حیوانیت سے نکال کر ایک بالکل ہی علیحدہ شکل وصورت ارتسام وانقام وارتقا والی نئی انوکھی عجیب وغریب صلاحیتوں والی مخلوق بنا دیا کہ جسم، صورت، سلابت، صلاحیت حساس و ارتعاش وظاہری باطنی کمالات وجمالیات وجلالیات والی ایک دوسری ہی مخلوق بن گیا۔ یہ ہی کبھی طین کی عدمیت اور نیستی کا لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (الدھر:۱) تھا۔ خلقت کے ان مرحلوں کو عربی میں طور کہا جاتا ہے۔ نسل انسان سُلٰلَہ سے تبعثون تک نو اطوار میں تبدیل ہوتا ہے۔ طور اول میں انسان سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ہوا۔ پھر طور ثانی میں نطفہ قرار مَّكِيْنٍ ہوا۔ پھر طور ثالث میں علقہ پھر طور رابع میں مضغہ پھر طور خامس میں عظام پھر طور ششم میں لحم۔ پھر طور ہفتم میں خلقاً آخر۔ پھر طور ہشتم میں میت پھر طور نہم میں حیات ثانی کی بعثت حشر۔ یہ ظاہری کمال قدرت ہے جس کو علم، تحقیق، تدبیر، ایکسرے، خوردبین، نظر بصارت، رویہ بصیرت، فکر مشاہدہ، فہم تجربہ نے دیکھ لیا۔ لیکن اسی بے جان ڈھانچے کے باطن میں رب تعالیٰ نے صلاحیتوں، سعادتوں، ثقافتوں، ترقیوں، کمالوں، بلندیوں، طاقتوں، قوتوں، عقلوں، علموں، معرفتوں، اختیاروں، امتیازوں، حواسوں کے ایسے ایسے جوہر بھر دیئے کہ زمین وآسمان بحر وبر کی مخلوق روز اول سے ورطہ حیرت میں ڈوبی ہوئی ہے اور زبان قال وحال سے کہہ رہی ہے اور کہنا پڑتا ہے اور زمین وآسمان کے منہ سے خود بخود نکلتا ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ کہ بس اللہ تعالیٰ ہی تمام قوتوں، قدرتوں، حکمتوں، صنعتوں، رازوں، بھیدوں کی برکتوں والا ہے۔ تمام جوڑنے بنانے اندازہ لگانے والوں سے اعلیٰ بالا و تعالیٰ۔ ایسا اچھا باکمال وبے مثال کہ اس خالق قدیر وقدیم نے اسی جانور نما ڈھانچہ میں دل، دل میں عقل، عقل میں علم، علم میں فہم، فہم میں شعور، شعور میں بصیرت، بصیرت میں حواس، حواس میں احساس، احساس میں قوت، قوت میں کمال،

marfat.com

کمال میں اختیار کے قیمتی خزانے رکھ دیئے ودیعت بھی امانت بھی کہ کوئی شخص کسی سائنس، سیاست، قوت، ریاضت، علم وعقل، فلسفہ، منطق، مشین، خوردبین، ایکسرے سے کھوج تک نہیں لگا سکتا۔ کیسی عجیب حکمت فطرت وکمال قدرت ہے کہ تمام حیوانات میں ظاہراً گوشت پوست ہڈی پٹھہ یکساں مگر انسان کی طرح مختلف بولیوں میں نہ کوئی بول سکے نہ رو سکے نہ ہنس سکے نہ مسکرا سکے نہ لکھ سکے نہ پڑھ سکے نہ پڑھا سکے نہ سکھا سکے۔ تفسیر روح المعانی میں ہے کہ عبداللہ بن سعید بن سرح کے میں کاتب وحی تھا۔ جب ایک دن آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے سورۃ مومنون کی یہ ابتدائی آیتیں لکھوائیں اور عبداللہ بن سعید لکھنے لگا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ۔ جب لکھتے لکھتے ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ پر پہنچا تو اس پر ایسا اثر ہوا کہ خود بخود اسکے منہ سے نکلا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ ہاں یہی لکھو۔ آگے یہی آیت ہے۔ اس نے لکھ دیئے۔ کتابت ختم ہوگئی۔ مجلس برخاست ہوگئی مگر یہی بات عبداللہ بن سعید کی بدبختی وبدنصیبی کا باعث بن گئی۔ یہاں سے اٹھ کر وہ مجلس کفار میں پہنچا۔ اور یہ کہتے ہوئے مرتد ہوگیا کہ اگر محمد نبی ہیں ان پر وحی آتی ہے تو میں بھی نبی ہوں مجھ پر بھی یہ آیت وحی ہوئی ہے بھی کسی سے کہتا کہ میں اور محمد مل کر قرآن بناتے ہیں (معاذ اللہ) پھر چند سال بعد اسی کفر پر مر گیا۔ یہی صحیح قول ہے۔ لیکن بعض نے لکھا کہ بہت عرصہ بعد یوم فتح مکہ کے وقت یا۔ بعد میں مدینہ منورہ پہنچ کر یہ دوبارہ مسلمان ہوگیا تھا۔ واللہ اعلم۔

طبرانی اور ابونعیم نے باب فضائل میں اور ابن مردویہ نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت فرمایا کہ جب پہلی بار صحابہ کرام نے ان آیات کی تلاوت زبان نبوی سے سنی تو قدرت کمال واحسان رب ذوالجلال کا تحیر قلوب صحابہ پر طاری ہوگیا۔ اور جب آقا ﷺ نے پڑھا۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ تو فاروق اعظم کی زبان سے خود بخود نکلا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ پھر آقا ﷺ نے اگلی آیت یہی تلاوت فرمائی تو صحابہ کرام فاروق اعظم کی روشن ضمیری پر اور خود فاروق اعظم اپنی اس قدرتی بداہت پر خوش ہوگئے اور اکثر فخر تشکر کیا کرتے تھے اسی کیفیت بصیرت پر۔ فاروق اعظم کی چار فراستیں اور سعادتیں اسی قسم کی روایتوں میں مشہور ومذکور ہیں۔ ۱۔ نزول پردہ سے پہلے آپ نے پردے کی درخواست بارگاہ رسالت میں عرض کی تب ہی کچھ دن بعد آیات پردہ نازل ہوگئیں، ۲۔ مقام ابراہیم کو مصلہ بنایا جانے سے پہلے آپ نے، اس کو مصلہ بنانے اور اسکے پیچھے نماز پڑھنے کی درخواست عرض کی۔ تب بھی دوسرے دن وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى (بقرہ:۱۲۵)۔ آیتیں نازل ہوئیں، نمبر ۳ ایک دن فاروق اعظم نے تمام ازواج مطہرات سے کہا کہ اگر تم بیبیوں نے نبی کریم ﷺ کے ناجائز مطالبات بند نہ کئے تو آقا ﷺ تم کو طلاق دے دیں گے اور اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں نبی کریم ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ تب کچھ دن بعد اسی مضمون کی آیتیں نازل ہوئیں، ۴۔ یہی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ کی آیت کا تلاوت نبوی سننے سے پہلے پڑھ دینا۔ فاروق اعظم اکثر ان چاروں واقعات کا ذکر فرما کر تحدیث نعمت اور شکر الٰہی بجالایا کرتے تھے۔ ایک اور دوسری روایت ہے جس کو محدث ابن راہویہ۔ اور ابن مردویہ وطبرانی وابن منذر وابن ابی حاتم نے زید بن ثابت سے روایت فرمایا کہ ایک بار مدینہ منورہ میں معاذ بن جبل کو نبی کریم ﷺ نے یہ آیات لکھوائیں تو ان پر بھی یہی وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور انکے منہ سے بھی خلقت انسانی کی حیران کن تخلیق پر حمد الٰہی کرتے ہوئے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ تک تلاوت سن کر خود بخود زبان سے یہی الفاظ نکلے تھے کہ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ آقا ﷺ یہ سن کر مسکرا پڑے تو معاذ بن جبلؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ

marfat.com

آپ کیوں مسکرائے۔فرمایا آقا ﷺ نے کہ تمہاری روشن ضمیری پر۔ پھر آقا ﷺ نے فرمایا آیت کے الفاظ یہی ہیں جو تمہاری زبان سے نکلے۔غرضیکہ تخلیق انسانی کا یہی وہ کمال قدرت ہے کہ جس پر غور کر کے انسان دنگ رہ جاتا ہے کہ عام ایک جیسے نطفہ حیوانی میں ایک مرحلے پر پہنچ کر دست قدرت نے بیکدم وہ کیا شاہکار کر دیا کہ عام حیوانی نطفہ لباس اشرفیت میں ڈھل گیا۔ اور آناً فاناً اس نطفہ بے جان میں ہزار ہا قابلیتوں، صلاحیتوں، لیاقتوں، وسیلوں اور اعضائی بناوٹوں، جسم کی سجاوٹوں، سوچ وفکر کی تمازتوں کی عجیب خوشنمائیاں غریب ضوفشائیاں بھر دیں کہ زبان پر بے ساختہ آجاتا ہے۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ خواہ زبان فاروقی ہو یا زبان معاذ یا زبان ابن سعید ہو۔ زبان قال ہو یا حال۔ مگر یہ اپنی اپنی قسمت ہے کہ یہی بداہت خود کلامی کسی کی روشن ضمیری وسعادت بن گئی کسی کی فخر وخوشی لیاقت کی خوش نصیبی۔ اور کسی کی ارتداد بدنصیبی و شقاوت ازلی بن گئی۔ صَدَقَ اللّٰهُ تَعَالٰی۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا۔ (بقرہ:۲۶) لیکن اے انسانو خبردار تم اس کمال خلقت وانعام قدرت پر غرور کا کفر نہ کرنا بلکہ شکر کا ایمان لانا کیونکہ ان قوتوں طاقتوں اختیاروں کے باوجود۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ تمام قوتوں کمالوں عقلوں علموں فہموں بناوٹوں سجاوٹوں فلسفی لیاقتوں سائنسی ایجادوں علاجوں دوائیوں کے باوجود موت پر تمہارا نہ قابو ہے نہ اختیار۔ نہ بچ سکو نہ بچا سکو نہ موت کو ہٹا سکو نہ مٹا سکو نہ آگے کر سکو نہ پیچھے۔ بلکہ پھر تم سب نے ہی۔ امیر، غریب، بادشاہ، وزیر، رعایہ اسیر، چھوٹے، بڑے، بوڑھے، جوان، لاغر، پہلوان نے اپنی اپنی باری سے ایک دن مرنا ہے۔ اور تا قیامت مرے رہنا ہے۔ نہ دوبارہ دنیا میں آنا، نہ آوا گون نہ دوسرا جنم کا جون بدلنا۔ شعر۔

موت نہ مانے بات کسی کی نہ دیکھے کوئی چال ۔۔۔ بچہ بوڑھا یا ہو جوانی یا ہوں نوے سال

موت نے چپکے سے آکر کچھ کہا۔ زندگی خاموش ہو کر رہ گئی۔ پھر بیشک تم انسان اپنی اپنی قبروں سے بروز قیامت اپنے ایمان اعمال، اخلاق، عادات عبادات، کھانے پینے برتنے کے حساب کتاب، جزا سزا، ثواب عقاب کے لئے اسی دنیوی شکل وحلیے وجسم میں اٹھائے جاؤ گے میدان محشر میں پہنچائے جاؤ گے۔ خیال رہے کہ حیوانی انسانی تخلیق کے راز پنہاں، مراحل دوراں، اطوار مروراں کی حقیقت معلوم کرنے کا شوق انسان کو کئی صدیوں پہلے شروع ہوا چنانچہ محققین فلاسفہ، قدیم میں ارسطو اور جالینوس پھر افلاطون، پھر امام رازی نے پھر علامہ دمیری نے علم الحیوانات پر بڑی ضخیم کتب اور وسیع مقالات لکھے۔ ان فلاسفہ کی تحقیق کتب بنی اور تجربات پھر سائنسی دور کی خوردبینی مشاہدوں سائنسی تجربوں کے ذریعے تولید حیوانی وتناسل انسانی میں شاہکار قدرت کی بہت سی مفید معلومات مہیا کیں۔ غیر مسلم سائنسدانوں میں پہلا شخص لیون ہاک، پھر مسٹر فریڈرک ولف۔ پھر مفکر پانڈر۔ پھر مفکر بیر۔ پھر محقق ڈارون نے علم تحقیق پر کتب لکھیں جن میں ڈارون کی کتاب اصلیت انواع خاصی مشہور ہوئی۔ پھر ایک سائنسدان ارنسٹ ہیکل نے اپنے مشاہدات تجربات ومعلومات پر دو کتابیں لکھیں۔ پہلی کتاب نیچرل ہسٹری آف کریئیشن۔ اور دوسری کتاب ایوولیشن آف مین۔ ان تمام قدیم وجدید تحقیقات کا خلاصہ اس طرح ہے کہ فلاسفہ اپنی تحقیقی بصارت وبصیرت نے اور سائنسدان اپنی خوردبینی وایکسرے کے مشینی مشاہدات ومعلومات سے اس بات پر متفق ہیں کہ انسانی حیوانی توالد وتناسل کی پیدائش وخلقت ایک بیضہ سے ہوتی ہے جس کو اصطلاح علم الحیوانات میں خلیہ تخم کہتے ہیں۔ ہر خلیے کی دو قوامی قسمیں ہیں۔ ۱۔تخم مونث، ۲۔تخم مذکر۔ مذکر مونث کی مجامعت وملاپ سے اگر جنس مذکر کا بیج جنس مونث

marfat.com

کے بیضے کیساتھ مکمل بروقت پیوست ہو جائے تو تناسل و تولید کا حملی عمل شروع ہو جاتا ہے۔ اسی عمل کو سورۃ حج میں مُخَلَّقَةٍ (حج:۵) فرمایا گیا اور یہاں قَرَارٍ مَّكِيْنٍ فرمایا گیا۔ اس تخم بیضہ کا وجود جسمانی حجم میں باریک ذرہ برابر ہوتا ہے۔ اسی تخم حیوانی سے حیات وجود ہے۔ اس مخلقہ اور قرار مکین کے بعد مراحل ارتقاو نشو ونما، نمود و بروز شروع ہو جاتے ہیں۔ کسی حمل میں تبدیلی مراحل ہفتوں میں کسی کی تبدیلی مہینوں میں۔ کسی حمل کے مراحل و اطوار کا تغیر چالیس دن کے فاصلے سے ہوتا ہے کوئی بھی تغیر ہفتے سے کم نہیں چالیس دن سے زیادہ نہیں ہوتا۔ نطفہ خلیات کا مجموعہ ہے اس میں پہلا طور یعنی تبدیلی ہو تو گیند کی طرح گول پھر دوسرے طور میں مثل جونک پھر تیسرے مرحلے میں مثل مچھلی۔ جس طرح مینڈک کی ابتدائی شکل مچھلی نما دمدار ہوتی ہے پھر چوتھے مرحلے میں بے جان و بے کھال اعضا کیساتھ دم دار بندر کی طرح۔ پھر پانچویں مرحلے میں درازی کی طرف پھیلتا ہے دم بھی ہوتی ہے پھر چھٹے مرحلے میں حیوانات اسی خلیے میں اپنی اپنی نسلی ہیئت و ہیکل کے مطابق منازل ارتقا طے کرتے کرتے حیوان کامل کا درجہ اختیار کر لیتے ہیں۔ لیکن انسانی ہیولے میں ایکدم از سرتا پا ایسی تبدیلیاں ظاہر ہوتی چلی جاتی ہیں کہ تمام ڈھانچہ پر وجود انسانی کی خصوصیتیں خوبصورتیں عضوی جسمی بناوٹ کے ساتھ ابھرتی چلی جاتی ہیں۔ اور پھر باقی مدت حمل میں اسی کی ترویج و تکمیل و پختگی ہوتی رہتی ہے اسی کو یہاں ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ فرمایا گیا۔ یہ تو اہل بصارت فلاسفہ و سائنسدانوں کے مشاہدوں کی معلومات ظاہری کے انکشافات ہیں۔ لیکن افراد انسانی کے عمومی اوصاف و خواص مطلقہ یا خواص ایمانیہ جنہیں ایام حمل میں صرف اہل بصیرت ہی فراست ایمانی سے معلوم کر سکتے ہیں کہ اس حمل نحیف نے دنیا میں آ کر کیا بننا ہے آیا صدیق، شہید، رومی و جامی یا رضا و نعیم بننا ہے یا نمرود، شداد، ہامان و فرعون، یزید، شیطان بننا ہے۔ خَلْقًا اٰخَرَ کے ایک فرمان نے یہ اشارہ بھی فرمایا کہ نباتات، جمادات، حیوانات، انسانات پہلے مرحلہ طینی میں سب کی وجود بنیاد ایک ہی ہے اور ان سب اجسام عناصر اربعہ کی تسلط حکمرانی ہے یعنی مٹی، پانی، آگ، ہوا، پھر غذائیت نے جماد و حیوان کو متفرق کر دیا۔ پھر سُلٰلَةٍ نے حیوانیت و انسانیت کو جدا کر دیا مگر تخمی اعتبار سے شجر و حیوان و انسان کا جنین مشابہ ہی رہا گویا کہ درخت، جونک، مچھلی، چوپایہ، پرندہ، کیڑہ مکوڑہ حشرات اولاً ایک جیسے تخم سے پل رہے ہیں پھر ایک رخ کا موڑ ہوتا ہے تو شجر و حیوان کا دائرہ الگ ہو جاتا ہے۔ پھر ایک موڑ آتا ہے تو حیوان انسان بھی جدا ہو جاتا ہے۔ رحم مادر میں ہر نطفہ جانب سر ہوتا ہے حیوان ہو یا انسان کیونکہ اعضا میں سب سے پہلے گنبد نما کھوپڑی بنتی ہے پھر اپنی اپنی طرز پر پورا سر، پھر چہرہ، پھر کان، پھر گردن، پھر کندھے، پھر بازو نمودار ہوتے ہیں پھر پسلیاں اور سینہ، پھر اندرونی اعضا میں کلیجی، پھر دل، پھر گردے، پھر معدہ، نرخرہ، پھر پھیپھڑے، پھر آنتیں، پھر ناف، پھر پیٹ کی ملفف کھال، پھر اعضاء نر و مادہ، پھر پتہ، پھر مسانہ، پھر ٹانگیں، پھر پاؤں اور انگلیاں، پھر ناخن، پھر بال۔ ان تمام سے تکمیل جسم ہوئی پھر ناک کے راستے روح داخل کی جاتی ہے جو چوبیس گھنٹوں میں پورے جسم پر قبضہ کر لیتی ہے اور اندرونی بیرونی کارخانہ چل پڑتا ہے۔ ہر باطنی عضو اپنا کام شروع کر دیتا ہے۔ خون بننے لگتا ہے دل چلنے لگتا ہے پھیپھڑے ہلنے لگتے ہیں پتہ گھومنے لگتا ہے معدہ ابھرنے کلیجی یعنی جگر پھڑکنے گردے پھولنے آنتیں پھیلنے رگیں بھرنے لگتی ہیں جسم حرکت کرنے سر دائیں بائیں ہاتھ نیچے اوپر پاؤں اوپر نیچے ہونے لگتے ہیں۔ سانس جاری و نفس طاری ہو جاتا ہے۔ ہر حیوان انسان کا اوپر سے نیچے کی طرف ارتقا ہوتا ہے سر نیچے ہوتا ہے پاؤں اوپر۔ اسی کو حمل کا سیدھا ہونا کہا جاتا

marfat.com

ہے اگر پاؤں نیچے سر اوپر ہو تو اس کو الٹا ہونا کہا جاتا ہے۔ رحم مادر میں ہر انسان حیوان کو ناف ناڑو کے ذریعے خوراک ملتی ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ روح پڑنے کے بعد پہلی خوراک مومن متقی کو جمعہ کے دن، فاسق کو ہفتے کے دن، کافر کو منگل کے دن ملتی ہے۔ جانور کو اتوار کے دن خواہ رحم مادر میں ہو یا انڈے کے خول میں وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ ہر انسان حیوان کے ماتھے پر ایک فرشتہ اسکی حیات دنیوی کی پوری تقدیر رحم مادر میں ہی لکھ دیتا ہے۔ ہر انسان حیوان کی روح اسکی ناک کے راستے ہی داخل ہوتی ہے۔ اور بوقت موت ناک کے راستے ہی نکلتی ہے۔ یہ تو وہ علمی مکاشفات ہیں جو عام فکری عقلی انسانوں مسلموں غیر مسلموں نے عمروں، صدیوں، برسوں کی دوڑ دھوپ کر کے تعقل، تذکر، تفکر کی غمازی مغز ماری تجرباتی مشاہداتی بصارت بصیرت فراست کے ذریعے ایک دوسرے کی تدریسی تحریری تقریری مدد سے سینہ بسینہ سیکھے سکھائے اور پڑھے پڑھائے عام آدمی کی عقل تو انہیں معلومات پر متحیر و متعجب ہو کر ورطہ حیرت میں ڈوب جاتی ہے۔ اب اندازہ لگاؤ اس علم نبوی کے بحر بے کنار اور مشاہدہ لازوال کی کیا شان بیکراں ہو گی جو عالم ازل حادث میں اَلرَّحْمٰنُ ۝۱ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝۲ (رحمٰن:۱) کے مشفقانہ محبوبانہ انداز و طریق پر اللہ تعالیٰ نے خود اپنے حبیب عظیم کو پڑھایا سکھایا ہو گا جسکی سند فراغت خود رب جلیل نے اپنے حبیب جمیل کو وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ (النساء: ۱۱۳) کی آیات شان سے عطا فرمائی۔ اور حبیب کریم نے اپنے صحابہ کو سکھایا پڑھایا۔ اس کو سوچ کر بھی بے ساختہ زبان سے جاری ہو جاتا ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ مفسرین کی تفسیر کا خلاصہ یہ ہے کہ سلالہ مٹی کی اس عمدگی کو کہا جاتا ہے جس میں جوہر غذائیت اور صلاحیت نباتیت پیدا ہو جائے غرضیکہ سلالہ سے نباتیت، نباتیت سے غذائیت حیوانی و انسانی، پھر غذائیت سے عمدہ وفضلہ، عمدہ سے خون، خون سے مادہ، مادے سے نطفہ، سلالہ کا رنگ مٹیالہ غذا کا رنگ ہرا، خون کا رنگ سرخ، مادے کا پیلا، نطفے کا سفید، نطفہ والد کی صلب میں والدہ کی ترائب میں، مذکر و مونث کا یہ تخم نطفہ رحم مادر میں آتا ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ چالیس دن رحم میں رہ کر سفید نطفہ سرخ خون ہو جاتا ہے۔ پھر چالیس دن بعد وہ خون جم جاتا ہے جونک کیڑے کی طرح نرم بے ہڈی، پھر چالیس دن بعد وہ نرم لوتھڑا ذرا سخت مثل گوشت بے ہڈی ہو جاتا ہے اسی کو مضغہ فرمایا گیا ہے۔ پھر چالیس دن بعد اس مضغہ کے اندر مختلف انداز کی ہڈیاں، مختلف شکل وشباہت میں بننی شروع ہو جاتی ہیں۔ دس قسم کی ہڈیاں بنتی ہیں۔ ۱۔ گول، ۲۔ لمبی چپٹی، ۳۔ چھوٹی چپٹی، ۴۔ چھوٹی گول، ۵۔ گودے والی، ۶۔ بلا گودا، ۷۔ چوڑی ہڈی، ۸۔ سخت ہڈی، ۹۔ نرم ہڈی، ۱۰۔ کرکری ہڈی یعنی چپنی حکمت کے مطابق جیسی جہاں ضرورت ہے۔ چالیس دن تک ہڈیاں بنتی رہتی ہیں۔ پھر چربی دار گوشت سخت اور مضبوط ریشے دار ہڈیوں پر پہنایا جاتا ہے نہایت مناسب قدرتی اندازوں کے مطابق کہیں زیادہ کہیں کم کہیں موٹا کہیں باریک کہیں جھلی برابر، اسکے اوپر کھال کا خوبصورت مضبوط غلاف پہنا دیا جاتا ہے۔ تمام انسانی کھال میں ۱۱۷۱۴ مسامات ہوتے ہیں پھر اعضا پیدا ہوتے ہیں اور حمل کو مذکر یا مونث بنا دیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر مرحلے میں چالیس دن لگتے ہیں پھر فرمایا کہ تکمیل بدنی کے بعد ہر انسان کی پیشانی پر ایک فرشتہ چار باتیں لکھ جاتا ہے۔ جس کو اولیاء کاملین اپنے نور بصیرت سے رحم مادر میں ہی دیکھ کر پڑھ لیتے ہیں۔ ۱۔ موت وحیات کی مدت ومقام، ۲۔ شقاوت وسعادت کی کیفیت، ۳۔ امیر غریبی ورزق، ۴۔ اعمال خیر وشریفی ان تمام کیفیات میں یہ بندہ کس طرح زندگی گزارے گا۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ پھر روح پھونکی جاتی ہے پھر بذریعہ ناف کا ناڑو

marfat.com

چالیس دن تک خوراک دی جاتی ہے۔ پھر ولادت ہوتی ہے بعد ولادت ہر انسان میں پندرہ تبدیلیاں ہوتی ہیں، ۱۔ پیدائشی رونا چیخنا، ۲۔ شیر خوارگی، ۳۔ بیٹھنا، رڑنا (گھٹنے کے بل)، ۴۔ کھڑا ہونا، ۵۔ چلنا، ۶۔ دودھ چھڑانا، ۷۔ کھانا پینا، ۸۔ بلوغت، ۹۔ جوانی، ۱۰۔ بڑھاپا، ۱۱۔ ٹھیاپا، ۱۲۔ سیر و سیاحت، ۱۳۔ اقامت، ۱۴۔ مسافرت، ۱۵۔ لکھنا پڑھنا سیکھنا۔ علما فرماتے ہیں کہ ہر جاندار چرند پرند، کیڑے مکوڑے کے دماغ میں حسب ضرورت عقل اور عقل میں جبلی شعور اور قوت عمل خیر و شر رحم مادر یا بطن بیضہ میں ہی ودیعت فرما دیا جاتا ہے۔ اسی قوت خداداد کی استعداد و استمداد سے ہر جانور اپنی ضرورت کو حیرت انگیز طریقے سے انجام دے لیتا ہے۔ یہ سب حیوانات مدرسہ الٰہی سے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں لہٰذا نہ کسی سے پڑھنے کی ضرورت نہ سیکھنے کی۔ پرندے اپنا آشیانہ اور بعض کمہارن مکھی وغیرہ ننھے کیڑے اپنا مٹی کا گھروندا ایسی طرز پر بنا لیتے ہیں کہ عقل انسانی حیران اور دنگ رہ جاتی ہے۔ غرضیکہ ہر حیوان کو بھی رب تعالیٰ نے اسکی ضروریات کی صنعت و فنکاری ودیعت فرمائی ہے لیکن انسان کو رب تعالیٰ نے جو قلبی عقل دماغی شعوری فکری فن و صلاحیت عمل و قوت نقل عطا فرمائی ہے اسکی بے مثلیت کا تو جواب ہی نہیں اسی کو زبان فلاسفہ میں نفس ناطقہ کہا جاتا ہے یہاں تو جن و ملائکہ بھی سرنگوں ہیں۔ وَتَحْسَبُ اَنَّکَ جِرْمٌ صَغِیْرٌ۔ وَفِیْکَ انْطَوٰی عَالَمٌ کَبِیْرًا۔ کیا کرم ہیں کہ جماد سے نطفہ پھر علقہ پھر مضغہ جو گونگا، بہرا اندھا، کنجا۔ لنجا بے بال و پر بے دست و پا تھا اس کو سمیع و بصیر، ناطق و عاقل بنایا، بال و پر دست و پا بخشے، بلکہ ہر عضو و جز عجائب قدرت و غرائب فطرت، لطافت حکمت کا شاہکار اعظم ہے۔ کوئی شخص اس خالق تعالیٰ کے اوصاف کو بیان کر سکتا ہی نہیں بجز اس حمد و ثناء کے کہ۔ فَتَبٰرَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ۔ وہ تبارک ہے صنعت و برکت کے بقا میں اور تعالیٰ ہے حکمت و قدرت کے دوام میں۔ وہی ہے سب صانعوں سے اچھا و سچا و کامل صانع۔ اے انسانو اپنی اس بناوٹ سجاوٹ لگاوٹ پر غرور سے کفر و شرک نہ کرنا۔ شکر ایمان کرنا ناشکری ظلمان نہ کرنا۔ اس لئے کہ ثُمَّ اِنَّکُمْ بَعْدَ ذٰلِکَ لَمَیِّتُوْنَ۔ تم سب پھر ان موجودہ حالتوں، ولادتوں، قوتوں، طاقتوں، دانائیوں، فنکاریوں، حکمرانیوں، پہلوانیوں کے بعد میتون بن کر مٹی کا ڈھیر بننے والے ہو۔ اسی سرزمین پر اپنے ہی محلوں، مکانوں، چباروں میں اور اپنے ہی دوستوں، قرابتوں، محبوبوں، دوائیوں، علاجوں، ڈاکٹروں حکیموں کے سامنے، اور قیامت تک قبروں میں پڑے رہنے والے ہو کوئی عذاب و عقاب میں کوئی انعام و امان میں۔ ثُمَّ اِنَّکُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ۔ پھر بیشک تم سب اپنی اپنی مصنوعی غیر مصنوعی مختلف قبروں سے قیامت کے دن اٹھائے جاؤ گے اس طرح کہ پوری انشائیت کے بعد پوری اماتیت روح و جسم کی مکمل جدائی و بے تعلقی۔ پھر قیامت میں اسی جسم و روح حلیہ کی جسامت و شباہت کی اعادت و تکمیل کے ساتھ۔ زمانہ قبر بھی مَیِّتُوْنَ میں شامل ہے بعض نے لکھا ہے کہ زمانہ قبر اعادہ قیامت کے تُبْعَثُوْنَ میں شامل ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ اے انسانو اپنی خلقت کو جاننے کے بعد یہ بھی جان لو کہ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَکُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ۔ اے لوگو تم باہوش و حواس صحت و شباب عقل و دماغ والے ہو۔ سماعت و بصارت، نطاقت و نظامت رکھتے ہو ہم نے ہی تمہارے قدموں کے نیچے زمین عظیم کے لطائف بنا دیئے۔ ذرا نگاہ تدبر سے اوپر دیکھو کہ تمہارے اوپر ہم نے کیسے خوبصورت مضبوط سات طبق آسمان کے خوبصورت و مضبوط سات طرائق بنا دیئے جو اوپر تلے ہیں یہ فرشتوں کیلئے سات راستے ہیں آنے جانے چڑھنے اترنے لانے لے جانے کے اور سات سیاروں کی لائنیں ہیں گھومنے لوٹنے۔ طلوع و

marfat.com

غروب کیلئے۔ یہ سب زمین کے لطائف آسمان کے طرائق محض کھلونے نہیں یا فقط سجاوٹ کی زیب وزینت نہیں بلکہ ہر چیز عین حکمت مصلحت قدرت ضرورت کے مطابق ہے اس لئے کہ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غٰفِلِيْنَ۔ اور کبھی بھی ہم اپنی کسی بھی چھوٹی بڑی اعلیٰ ادنیٰ پست وبالا مخلوق سے غافل نہ ہوئے نہ تھے نہ ہیں نہ ہوں نہ آسمان نہ آسمانیات سے نہ زمین نہ زمینیات سے نہ حیوان نہ حیوانیات نہ انسان نہ انسانیت سے نہ کسی کی حفاظت سے غافل نہ بناوٹ سے نہ سجاوٹ سے نہ ضروریات سے نہ مصالحات سے نہ کسی کی بقا سے غافل نہ کسی کی فنا سے بے خبر۔ ہم نے ہی آسمانوں میں چاند وسورج ضیا پاشی کیلئے سجا دیئے۔ سیارے موسم سازی کیلئے چلا دیئے۔ بادل بھگا دیئے آبپاشی کیلئے۔ فرشتے دوڑا دیئے اے انسانو تمہارے لئے رزق ورحمت، راحت ونصرت، زمین پر لانے کیلئے اور اعمال خیر وشر بندوں کی التجائیں دعائیں زمین سے لے جانے کیلئے۔ نہ آسمان گر سکیں نہ زمین سرک سکے۔ آسمانوں میں رزق وشفا ہے زمین میں غذا ودوا ہے ہم کسی سے غافل نہیں ہم جانتے ہیں کہ انسان میں جان ہے۔ جان میں جہان ہے۔ جہان میں بیماری ہے۔ بیماری میں ہلاکت ہے ہلاکت میں فنا ہے۔ اسی انسان کو بچانے کیلئے یہ سب انتظام فرمائے گئے۔ سب جہاں اس کیلئے ہیں یہ خدا کے واسطے۔

ان آیات میں مختلف اقوال

اَلْعِظَامَ کی قرأت میں دونوں جگہ چار قول۔ ۱۔ اکثر قرا کی قرأت میں دونوں جگہ یہ جمع ہے یہی قرأت درست مشہور ومکتوب و مدلل ہے۔ دلیل یہ کہ نطفہ علقہ مضغہ مکمل ایک ہی چیز ہے شکل وشباہت میں بھی حجم وبناوٹ میں بھی لہٰذا ان کو واحد لانا ہی مناسب مگر ہڈیاں اپنی شکل وشباہت حجم نوعیت وصفیت رخامت صلابت بناوٹ میں ہر ایک مختلف اس لئے اَلْعِظَامُ جمع لانا ہی مناسب ہے، ۲۔ بعض قراء نے دونوں جگہ عَظْمًا واحد۔ پڑھا ہے، ۳۔ بعض نے پہلے عَظْمًا واحد پڑھا ہے اور مراد جنسی جمع ہے۔ اور دوسری جگہ عِظَامًا جمع عددی پڑھا ہے، ۴۔ بعض قراء نے پہلے عِظَامًا جمع پڑھا ہے دوسری جگہ واحد خَلْقًا اٰخَرَ کے معنی میں چھ قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد روح پڑنا ہے، ۲۔ اس سے مراد بال اگنا ہے، ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد ولادت ہو جانا ہے، ۴۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد دیگر حیوانات سے مختلف شکل وصورت واعضا کا بن جانا ہے، ۵۔ بعض نے لکھا کہ خَلْقًا اٰخَرَ سے مراد ولادت کے بعد والے حالات ومراحل وتغیرات ہیں مثلاً بچپن جوانی بڑھاپا موت تک کے جسمی فکری علمی عقلی تبدیلیوں کا واقع ہونا ہی خَلْقًا اٰخَرَ ہے، ۶۔ اکثریت نے فرمایا کہ رحم میں نطفہ سے عِظَامُ اور كَسَوْنَا تک ہر جاندار چرند پرند درند کیڑے حشرات اور انسان کے تخلیقی مراحل یکساں ہوتے ہیں لیکن ہڈیاں بننے کے بعد ایک دم انسانی تخلیق کا اپنی اشرفیت کے ساتھ ہر مخلوق سے ہر طرح ایک حیرت انگیز منفرد مقام کی طرف رخ مڑ جاتا ہے اس کو خَلْقًا اٰخَرَ فرمایا گیا۔ یہ سب اقوال درست ہیں اور سب کیفیات نوادرات تغیرات کا مجموعہ خَلْقًا اٰخَرَ ہے۔ تَبٰرَكَ اللّٰهُ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے حکمت وقدرت سے ہر کام درست فرمانے والا، ۲۔ بعض نے یہ معنی کیا کہ اللہ تعالیٰ کو ہی بقاء ودوام ہے، ۳۔ بعض نے یہ معنی کئے کہ ہر اچھی واحسن چیز میں اللہ تعالیٰ ہی برکت وکثرت ڈالنے والا ہے۔ یہاں پہلا قول درست ہے۔ اَحْسَنُ کے معنی میں چار قول ہیں، ۱۔ یہ صیغہ اسم تفضیل اللہ تعالیٰ کا صفاتی نام ہے۔ ترجمہ ہے۔ سب سے زیادہ اچھائیوں والا، ۲۔ بعض نے کہا یہ فعل تعجب ہے بمعنی مَا اَحْسَنُ کیا ہی اچھا ہے، ۳۔ یہ مضاف

marfat.com

ہے خَالِقِیْنَ کا ترجمہ ہے حسن کو پسند فرمانے والا، ۴۔اکثر نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے ہر برائی سے پاک، یہی قول درست ہے۔ خَالِقِیْنَ میں دو قول ۔۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہاں خلقت کا معنی صنعت ہے یعنی سب صانعوں سے اچھا صانع۔ یہی قول درست ہے، ۲۔ بعض نے فرمایا خالق کا معنی موجد ہے اور خالقین فرضی جمع ہے یعنی اگر فرض محال کوئی اور دوسرے بھی خالق و موجد ہوتے تو سب میں اچھا اللہ تعالیٰ ہی ہوتا۔ لَمَيِّتُوْنَ کی قرأت میں دو قول ہیں ۔۱۔ اکثر قرأ نے لَمَيِّتُوْنَ ہی پڑھا یہی درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے، ۲۔ بعض قاریوں نے یہاں لَمَائِتُوْنَ پڑھا ہے اور کہا ہے یہ قرأت درست ہے مَيِّتُوْنَ کی قرأت کو غلط کہا ہے۔ اس لئے کہ مَيِّتُوْنَ کا معنی ہے ابھی مرے ہوئے ہیں۔ اور مَائِتُوْنَ کا معنی ہے آئندہ مرنے والے ہیں۔ اور چونکہ یہاں ثبوتی حالت بتانا مقصود نہیں بلکہ آئندہ کی خبر دی جارہی ہے۔ لہٰذا مَائِتُوْنَ کی قرأت درست ہے مگر یہ دلیل غلط ہے۔ کیونکہ مَيِّتُوْنَ اور مَائِتُوْنَ کا یہ فرق قانونی کلیہ نہیں ہے۔ مَيِّتٌ وَّ مَيِّتُوْنَ میں بھی آئندہ کی ہی خبر ہوتی ہے نہ کہ موجودہ کی چنانچہ سورۃ زمر کی آیت ۳۰ میں ارشاد ہے۔ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ۔ وہاں بھی آئندہ کی خبر ہے نہ کہ موجودہ کی نہ موجودہ کی ہوسکتی ہے۔ طَرَائِقَ کے معنی میں تین قول ،۱۔ بعض نے لکھا کہ طَرَائِقَ کا معنی ہے اوپر نیچے سات آسمان، ۲۔ بعض نے کہا انکا معنی ہے سات سیاروں کی سات سڑکیں، ۳۔ بعض نے لکھا کہ اس کا معنی ہے سات مدبرات امر ملائکہ کی سوء زمین سات راہیں یہ سب قول درست ہیں۔ عَنِ الْخَلْقِ کے معنی میں تین قول۔۱۔ بعض نے کہا خلق سے مراد صرف انسان ہیں، ۲۔ بعض نے کہا خلق سے مراد طَرَائِقَ ہیں، ۳۔ اکثر نے فرمایا کہ خلق سے مراد تمام مخلوق، آسمان و آسمانی زمین و زمینی، بحری و بری و ہوائی فضائی یہی قول درست ہے۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام خاص کر نبی کریم حضور اقدس ﷺ کے تمام علوم و معلومات کی شان عظیم تو بے مثل ہے ہی صحابہ کرام و علم اولیاء اللہ آج اس دور مشینی میں بھی سب سے بلند و کثیر ہے دنیا بھر میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ تخلیق نطفہ میں جو تحقیقی معلومات آج کے سائنسدان اپنی محنتوں مشینی مشاہدوں، خوردبینی تجربوں سے کررہے ہیں اس سے کہیں زیادہ آج سے صدیوں پہلے زبان نبوت نے ارشاد فرمادیں اور اکابر اسلام نے اپنی روشن ضمیری سے ان غیوبات کا نور بصیرت و روحانی بصارت سے پتہ لگالیا۔ یہ چالیس روزہ تبدل اطوار و تغیر مراحل اور پھر فرشتے کا حمل مکمل کی پیشانی پر آئندہ زندگی کے حالات لکھنا بجز زبان نبوی کون بتاسکتا ہے۔ اور یہ تو وجود نطفہ کے تخلیقی مراحل کا علم ہے اولیاء کاملین کی پیشگوئیاں تو آئندہ نسلوں کی اصل بھی بتادیتی ہیں۔ جیسا کہ مولیٰ علی نے امام اعظم ابوحنیفہ کے دادا حضرت زوطی کو انکے پوتے امام ابوحنیفہ کی ولادت و شان علمی کی پیشگی خبر و بشارت سنادی تھی۔ سائنس کی اتنی محنت رحم مادر کے نطفہ کا صرف معمولی مشاہدہ کرسکی مگر چشم ولی اللہ تو پشت والد میں نطفے کی آئندہ ہونے والی پوری حقیقت کو جان لیتے ہیں۔ تو بھلا رحم مادر کی کسی بات سے کیسے بے علم رہ سکتے ہیں۔ یہ فائدہ یہاں ان آیات کے بیان اور سورۃ رحمٰن کی آیت ۲۔ اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ کے فرمان سے حاصل ہوا کہ رحمٰن نے نبی کو اور نبی ﷺ نے صحابہ کرام کو پورا قرآن مجید اور اسکے تمام علوم رطب و یابس سکھادیئے۔ اسی تعلیم کی روشنی تھی کہ مولیٰ علی نے حضرت ثابت بن زوطی کو بچپن میں دیکھ کر فرمادیا تھا کہ

marfat.com

اسکی اولاد میں ابوحنیفہ نام کا ایک نور درخشندہ علم کا مینار پیدا ہوگا۔ **دوسرا فائدہ:** پرانے گمراہ فلاسفہ اور موجودہ دہریہ کافر سائنسدان کا یہ قول کہ ہر شے میں امتزاج طبیعت کارفرما ہے اور ہر چیز نطفہ غیر نطفہ کا تغیر باعتبار طبیعت خود بخود ہو رہا ہے۔ یہ نظریہ وعقیدہ بالکل باطل لغو اور کفریہ ہے عقلاً بھی نقلاً بھی۔ عقلاً اس لئے کہ اگر نطفہ کا تغیر امتزاج طبیعت سے ہے تو وہ تابع طبیعت ہوا۔ لہٰذا اگر طبیعت متغیر ہوگی تب شی متغیر ہوگی۔ طبیعت متغیر نہیں تو شی بھی متغیر نہیں۔ شی میں تو تبدیلی ہو رہی ہے تو لازماً امتزاج طبیعت میں بھی تبدیلی ہو رہی ہے اور بقول دہریہ کفار شی کو بدلا طبیعت نے تو پھر بتاؤ کہ طبیعت کو کس نے بدلا۔ ماننا پڑے گا کہ کوئی خَالِقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہے جو نطفہ انسانی وحیوانی اور ہر چیز کو مراحل میں متغیر فرما رہا ہے۔ نقلاً یہ فائدہ۔ ثُمَّ خَلَقْنَا کی ثُمَّ تراخیہ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اس گمراہی کے ہوشربا زمانے میں اپنا ایمان وعقیدہ اس بات پر پختہ اور غیر متزلزل بنالے کہ مدبر عالم اور خالق انس وجن اللہ تعالیٰ قادر بھی ہے عالم بھی۔ خبیر بھی بصیر بھی اور جو ذات پاک تمام عالم کی معلومات کا عالم ہے وہ تمام ممکنات سے نیست وہست، عدم ووجود، بقاء وفنا، خلقت وموت پر حکیم وقادر ہے۔ اور جو ایجاد پر قادر ہے وہی حشر وقیامت سزا وجزا پر بھی قادر ہے یہ فائدہ۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ لَمَيِّتُوْنَ۔ اور يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تُبْعَثُوْنَ کے صریحی فرمان اور تفکری استدلال سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** تمام فقہاء کرام کا یہ متفقہ فرمان ہے کہ معرفۃ الٰہی وصفات ربانی کو ماننا استدلالی وعقلی عقیدہ بھی ہے اور اسلامی قرآنی بھی۔ یہ عقیدہ نہ تقلیدی ہے نہ ذاتی نظریاتی۔ یہ مسئلہ یہاں ان آیات خمسہ میں تخلیقات ربانی کو بیان فرمانے سے اور تا قیامت مسلمانوں کو سنانے سے مستنبط ہوا۔ اگر یہ عقیدہ تقلیدی ہوتا تو ان آیات کا بیان کرنا وسمجھانا بیکار ہو جاتا۔ تقلید صرف اعمال میں جائز وضروری ہوتا ہے نہ کہ عقائد میں کیونکہ عقائد کا تعلق ایمانیات سے ہوتا ہے اور ایمان میں یقین صادق وکامل ابدی ہونا لازم ہے۔ تقلید میں صحت پر ظن واحتمال غلطی ہوتا ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** پہلے زمانے کے گمراہ معتزلہ لوگ جن کو روایت میں اس امت کا مجوسی فرمایا گیا ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ ہر بندہ اپنے اعمال کا خالق ہے خاص کر اپنے گناہوں کا۔ شاید اسی کفریہ عقیدے کا سہارا لیکر بعض جہلا شاعر اپنے اور دیگر شعرا کے شعروں کو اپنی اور انکی تخلیق کہہ دیتے ہیں اور شاعروں کو خالق بعض بدبخت قائداعظم کو پاکستان کا خالق کہہ دیتے ہیں یہ سب کفریہ شرکیہ باتیں ہیں اسلامی عقیدے وقانون شرعی کے مطابق کسی انسان کو کسی بھی چیز کا خالق کہنا گناہ وگمراہی ہے چیز اچھی ہو یا بری۔ یہ مسئلہ۔ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ کی تفسیری وضاحت سے مستنبط ہوا کہ نہ کوئی بندہ اپنے گناہوں کا خالق ہو سکتا ہے نہ کوئی شاعر شعروں کا خالق۔ غیر اللہ کو مطلقاً خالق کہنا ہی گناہ وجہالت ہے۔ امام رازی نے یہاں کعبی کا قول نقل کیا ہے۔ کعبی کہتا ہے کہ بلا قید واضافت کسی کو خالق کہنا منع ہے مگر اضافت وقید کے ساتھ جائز ہے مثلاً خَالِقُ فُلَانٍ۔ کعبی کی دلیل سورۃ آل عمران کی آیت ۴۹ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تھا۔ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ۔ کعبی کی دوسری قیاسی دلیل یہ ہے کہ جس طرح کسی انسان کو بلا اضافت رب کہنا ناجائز مگر اضافت سے جائز مثلاً رَبُّ الدَّارِ وغیرہ اسی طرح خالق فلاں کا حکم شرعی ہے۔ امام رازی نے کعبی کے اس استدلال وقیاس کا مدلل رد فرمایا ہے فرماتے ہیں کہ اِنِّیْ

marfat.com

اَخۡلُقُ لَکُمۡ میں خلق بمعنی تخلیق نہیں بلکہ ترکیب وتصویر ونقش ونگار ہے نہ کہ بداعت وایجاد۔ اس لئے مِنَ الطِّیۡنِ کَھَیۡئَةِ الطَّیۡرِ فرمایا نہ کہ اَلطَّیۡرُ۔ یامِنَ النُّطۡفَةِ۔ وہ نئی ایجاد نہ تھی۔ یہی معنی درست ہیں۔ قیاس کبھی بھی غلط ہے کیونکہ لفظ رب مشترک ہے تین معنی میں، ۱۔ رب بمعنی معبود، ۲۔ رب بمعنی مالک، ۳۔ رب کا معنی پالنے والا۔ رب بمعنی مالک ہر انسان کو کہہ سکتے ہیں۔ رب الدار اسی معنی میں ہے، لیکن رب بمعنی معبود یا پالنے والا کسی کو نہیں کہہ سکتے بجز اللہ تعالیٰ مگر لفظ خالق مشترک نہیں اس لئے لفظ رب پر لفظ خالق کو قیاس کرنا غلط ہے۔ لفظ رب کی نسبت اضافت کے ساتھ غیر اللہ کی طرف جائز ہے لفظ خالق کی نسبت کسی غیر اللہ کی طرف نہ مطلقاً جائز نہ بالاضافت۔ **تیسرا مسئلہ**۔ امام اعظم نے فرمایا کہ اگر کسی نے کسی کی مرغی یا بطخ یا کسی کے ملکیتی جنگلی پرندے کا انڈا غصب کرلیا اور بچہ نکلوالیا تو عدالت میں اس پر صرف انڈے کی قیمت کا ضمان واجب ہے نہ کہ بچہ یا بچے کی قیمت۔ لیکن اگر مرغی کے نیچے سے انڈا اٹھایا اور گھر جانے تک اس کا زندہ بچہ نکل آیا تو وہ بچہ ضمان میں یا بچہ کی قیمت بازاری دینی پڑے گی ہاں اگر اس نے ثابت کردیا اور دکھادیا کہ وہ انڈا گندا نکلا ہے تب اگر خراب ہونے کے بعد اٹھایا تھا تو کچھ ضمان نہیں صرف چوری یا غصب کی تعزیری سزا ہوگی لیکن اگر پہلے اٹھالیا اور اس کے اٹھانے کی وجہ سے خراب وگندا ہوتو انڈے کی بازاری قیمت کا ضمان دے گا۔ امام اعظم کا یہ مسئلہ۔ خَلۡقاً اٰخَرَ سے مستنبط ہوا۔ کہ انڈے بچہ بننے سے وہ انڈا اندر سے خَلۡقاً اٰخَرَ ہوگیا۔ اور مغصوبہ انڈا دوسری چیز ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ خالق بہت سے ہیں۔ لہٰذا عام انسانوں کو بھی خالق کہہ سکتے ہیں۔ لیکن سورۃ زمر کی آیت ۶۲ میں ارشاد ہے۔ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ اور سورۃ فاطر کی آیت ۳ میں ہے هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ غَیۡرُ اللّٰهِ۔ پہلی آیت زمر میں خبریہ انداز سے اور دوسری آیت فاطر سے انشائیہ سوالیہ انداز میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ کسی غیر اللہ کو خالق کہنا جائز۔ بلکہ کفر شرک ہے۔ تو پہلی آیت اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ سے مطابقت کس طرح ہوگی بظاہر تو تفریق وتخالف نظر آ رہا ہے۔

جواب: مطابقت اس طرح ہے کہ خَلۡق کا لغوی معنی بداعت وایجاد ہے اور اصطلاحی معنی ہے صنعت بداعت یعنی خام مال بھی پیدا کرنا پھر اسی سے شکل وترکیب کی مکمل شی بنا دینا۔ اس معنی میں بجز رب تعالیٰ کائنات کے اندر کسی چیز کا کوئی شخص خالق نہیں ہے یہی مراد ہے هَلۡ مِنۡ خَالِقٍ کے سوال سے اور یہی بیان ہے اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیۡءٍ کا۔ لیکن اللہ کی پیدا کردہ چیزوں کو تراش خراش کر یا گوندھ کر کوئی مرکب تیار کر لینا یہ صنعت ہے۔ باری تعالیٰ کی تخلیقات بداعت بھی ہے ایجاد بھی صنعت بھی۔ لیکن انسان صرف اشیا کا صانع اور مستری ہے اَحۡسَنُ الۡخٰلِقِیۡنَ میں اس ترکیبی صنعت کی طرف اشارہ ہے اسی لئے مفسرین فرماتے ہیں کہ اَحۡسَنُ الۡخَالِقِیۡنَ کا معنی ہے اَحۡسَنُ الصَّانِعِیۡنَ اور عیسیٰ علیہ السلام کا یہ فرمانا کہ اِنِّیۡۤ اَخۡلُقُ اس کا معنی بھی یہ ہے کہ اِنِّیۡۤ اَصۡنَعُ۔ لیکن چونکہ لفظ خالق میں یہ علمی فکری تفریق ہر شخص نہیں کرسکتا اس لئے شریعت نے حرام فرمادیا ہے۔ بجز رب تعالیٰ کسی کو خالق کہنے اور کسی کی بناوٹ وصنعت کو تخلیق کہنے سے صرف ہمارے علاقوں کے جاہل واحمق شاعر شاعری کو تخلیق کہہ دیتے ہیں۔ عرب کے شعراء شاعری کو انشاء کہتے ہیں۔ اب فرق واضح وظاہر ہے کہ مٹی، لوہا، لکڑی، پتھر

marfat.com

بنانا اور پھر اس میں تغیر کر کے صورت گری کرنا تخلیق اور بداعت ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کی بنی ہوئی چیزوں کو جوڑ توڑ کر کے کوئی مورت گری کرنا صنعت ہے۔ صورت و مورت کا یہ فرق یاد رہے۔ صورت رب تعالیٰ کی خلقت، مورت بندوں کی صنعت۔

دوسرا اعتراض: اس کی کیا وجہ کہ یہاں پانچ جگہ ثُمَّ ارشاد ہوا۔ پہلے آیت ۱۳۔ میں۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً۔ پھر آیت ۱۴۔ میں ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ۔ پھر درمیان میں تین جگہ ف ارشاد ہوا۔ ۱۔ فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ، ۲۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ، ۳۔ ثُمَّ اِنَّكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ اور حدیث پاک میں ان آیات کی تفسیر فرماتے ہوئے سب جگہ ثُمَّ ہی فرمایا گیا۔ اس حدیث مقدس میں تخلیقی تبدیلیوں کو چالیس دن کی دراز مدت سے بیان فرمایا کہ ہر تبدیلی چالیس دن بعد ہوتی ہے یہ فاصلہ بھی تراخی اور بعدیت کا ہی ہے اس لئے حدیث پاک میں سب جگہ ثم فرمانا درست ہے مگر آیات میں سب جگہ ثُمَّ کیوں نہ فرمایا گیا۔ ف کیوں ارشاد ہوئی۔ اس الجھن کا حل اور آیات و حدیث میں مطابقت کیسے ہو۔ کیونکہ ایک ہی کام میں ف نے جلدی بتائی ثُمَّ نے دیر بتائی۔ **جواب:** لغت عربی میں ثُمَّ تعقیب مع تراخی کیلئے ہوتا ہے اور ف تعقیب بلا تراخی بیان کرنے کیلئے لایا جاتا ہے۔ تعقیب کا معنٰی ہے بعد میں ہونا۔ تراخی کا معنٰی ہے دیر بعد ہونا۔ بعدیت کی دو قسمیں ہیں، ۱۔ بعدیت کثیر، ۲۔ بعدیت قلیل۔ آیات میں چونکہ دو قسم کی تبدیلیاں بیان فرمائی گئیں، ۱۔ کچھ تو وہ جن میں چیز کی جنس اور شکل شباہت اور جگہ کی بھی تبدیلی ہے وہ بہت زمانہ چاہتی ہیں اس لئے ان کیلئے ثُمَّ ارشاد ہوا۔ ۲۔ اور کچھ وہ تبدیلیاں ہیں جن میں صرف وقت اور زمانہ تو لگا مگر مکانیت و جنسیت تبدیل نہ ہوئی اس کیلئے کم وقت لگا بمقابلے اول کے اس لئے اسکی قلت وقتی بیان کرنے کیلئے ف ارشاد ہوئی۔ ثُمَّ خَلَقْنَا میں بھی تغیر مکانی و زمانی و شکلی ہے کہ صلب و ترائب سے منتقل ہو کر رحم مادر میں آیا۔ لیکن وہاں آ کر علقہ۔ مضغہ عظام کی تخلیق اور کسوہ لحمی میں صرف وقت کی بعدیت ہوئی نہ جگہ بدلی نہ شکل و شباہت بدلی اس لئے یہ بعدیت بلا تراخی ہے لہٰذا تینوں تبدیلیوں کیلئے ف ارشاد ہوئی۔ اسی طرح مَيِّتُوْنَ وَ تُبْعَثُوْنَ۔ میں تغیر زمانی بھی ہے مکانی و شبیہی بھی۔ اس طرح کہ قبر میں جسمی نقش کا تغیر آخرت قیامت میں شکلوں کا تغیر کہ کفار گھناؤنی و ڈراؤنی و مکروہ و منحوس شکلوں میں اور مومنون، خوبصورت، نورانی، صحت مند شکلوں میں۔ بدن بھی عمدہ حلیے بھی پاکیزہ۔ اس تبدیلی میں زمانہ بھی دراز اس کی وضاحت کیلئے یہاں بھی ثُمَّ ارشاد ہونا چالیس روزہ دراز زمانے کے ذکر کی وجہ سے ہے۔ ہاں البتہ فَتَبٰرَكَ میں ف تعقیبیہ نہیں بلکہ ف زائدہ بیانیہ یا سببیہ ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اسکی کیا وجہ کہ لَمَيِّتُوْنَ۔ میں لام تاکیدی لایا گیا۔ حالانکہ یہاں لام تاکیدی لانا ضروری نہ تھا کیونکہ کلام میں تاکید کرنا سختی کلام کیلئے ہوتا ہے اور سختی کلام تب ضروری جب کوئی منکر ہو موت کا تو کوئی کافر بھی منکر نہیں ہے۔ اور تُبْعَثُوْنَ۔ میں لام تاکیدی نہ لایا گیا حالانکہ یہاں تاکید کی ضرورت تھی کیونکہ بہت سے کفار قیامت کے منکر ہیں۔ **جواب:** اسکے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ پہلا جواب یہ کہ چونکہ موت و بعثت آپس میں مشترکہ ہیں کیونکہ دونوں ہی حیات دنیوی کا اختتام ہیں اس لئے ابتدا ایک جگہ لام تاکید فرمانے سے مشترکہ دونوں کیفیتوں کی تاکید خود بخود ہو گئی۔ نیز اِنَّ بھی تاکید پیدا کرتا ہے وہ دونوں جگہ موجود ہے لہٰذا ضرورت پوری ہو گئی۔ **جواب دوم:** یہ کہ بعض کفار موت کو تو مانتے ہیں مگر تا قیامت مرے رہنے کو نہیں مانتے بلکہ کسی کافر گروہ نے آواگون کا عقیدہ بنا لیا کہ مرنے کے بعد انسان کوئی دوسری مخلوق بن جاتا ہے۔ اور کسی کافر گروہ نے دوسرے جنم کا عقیدہ بنا لیا کہ مرنے کے بعد وہی انسان کسی

marfat.com

دوسرے پیٹ میں دیگر ملک وقوم میں جنم لے لیتا ہے ان دونوں کی تردید کیلئے مَیِّتُوْنَ کی تاکید بھی ضروری تھی۔ اس لام تاکید سے بتایا گیا کہ مَیِّتُوْنَ صرف مرنے کا نام نہیں۔ بلکہ عالم برزخ میں تا قیامت پڑے رہنے اور رہائشی کیفیت کا نام ہے۔ یعنی تم مرے رہوگے نہ دوسرا جنم لے سکتے ہو نہ دوسری مخلوق بن سکتے ہو نہ دوبارہ کسی بھی روپ میں دنیا میں آسکتے ہو۔ **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ جزا سزا کیلئے مرنے کی پابندی ہے کہ اعمال کا ثواب وعذاب مرنے کے بعد ملے گا دنیا میں ہی جزا سزا کیوں نہ دی گئی۔ دنیا میں اتنے آرام دینے کے بعد موت کی سخت گھڑی لازمی کر کے ہر شخص کو خوف میں کیوں مبتلا رکھا گیا۔ **جواب:** تین وجہ سے۔ پہلی یہ کہ تاکہ بندوں کا ایمان، عبادت وترک گناہ ونفرت کفر شرک فقط عشق الٰہی میں ہو نہ کہ جنت کے لالچ اور جہنم کے خوف سے اسی وجہ سے ان کو غیب میں رکھا گیا۔ دوم یہ کہ ایمان وکفر اتنی سخت ودراز چیزیں ہیں کہ یہ دنیا انکی جزا یا سزا بننے کی قابلیت نہیں رکھتی اس کے لئے ابدی جہان ہی ہوسکتا ہے۔ سوم یہ کہ دنیا میں آزمائشی آرام وتکلیف ہے آخرت میں جزاوسزا کا آرام وتکلیف ہے تو اگر اخروی آرام وتکلیف بھی دنیا میں ہی دیا جاتا تو بندے فرق نہ جان سکتے کہ یہ آرام وتکلیف آزمائشی ہے یا جزائی۔ آزمائشی کو جزائی وجزائی کو آزمائشی سمجھ لیا جاتا اور کوئی شخص حق وباطل کے درمیان فرق نہ کرسکتا۔ اس لئے آرام وتکلیف وثواب وعذاب کے درمیان موت سے حدفاصل قائم کردی گئی۔

تفسیر صوفیانه

جس طرح اجسام ظاہری بنائے گئے کہ طین کو سلالہ۔ سلالہ کو نطفہ خون علقہ مضغہ۔ لحم، ریشے، پٹھے رگیں ہڈی، کھال، بال پھر سمع، بصر، لمس، شامہ، ذائقہ، اسی طرح تراکیب عجائب اور خصوصیات غرائب سے اجسام باطنی پیدا فرمائے گئے جسم ظاہر خلق اول ہے جسم باطن خلق آخر ہے۔ ظاہر انسان احسن تقوم ہے باطن انسان اکمل استعداد ہیں۔ ظاہر آدمیت اجلِ اشرفیت ہے باطن آدمیت اجل کرامت اعلیٰ مراتب اخص فضیلت ہیں۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ اعلیٰ ہے وہ خالق بالا ہے وہ مالک سب عالمین سے اچھا وحکمت والا۔ اپنی مخلوق میں کسی کو معدن عرفان بنایا۔ کسی کو مخزن ایمان بنایا کسی کو مقام محبت پر پہنچایا۔ کسی کو متعلق عنایات فرمایا اور اپنی حمد وثنا کا ایسا طریقہ سکھایا جو خلقت لوح وقلم عرش وکرسی سموات والارض ملائکہ عرش وفرش کو بھی نہ بتایا۔ کہ ہر وقت زبان قال وحال ونقشہ اعمال سے کہتے رہو فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ اے انسانو تم سب نے ہی مرنا ہے کسی کا جسم مردہ کسی کی روح مردہ کسی کا ضمیر مردہ کسی کا قلب کسی کا نفس امارہ۔ قلب کی جو موت ہے وہ نفس کی حیات ہے۔ اور نفس امارہ کی موت قلب وروح کی حیات ہے جو خواہشات دنیا سے مرگیا اس نے حیات آخرت کی عزت کو پایا مگر جس نے تمنا آخرت کو بھی چھوڑ دیا اس نے حیات اصلیہ کو پالیا یہی بقا باللہ ہے۔ حیات اول سبب اعمال ہے حیات ثانی سبب جزا ہے حیات اصلیہ سبب بقا ہے۔ بیشک موت متعلق ہے مراتب عزت وانوار عظمت سے اور حیات متعلق ہے کشف جمال ازلی سے یہیں پر عیشی روح ہے حیات اصلیہ وصلیہ ابدیہ سے یہی وہ حیات لازوال ہے جسکے بعد موت فراق نہیں ہے۔ موت وحیات دونوں تربیت الٰہیہ کی صورتیں ہیں حیات ظاہری تربیت ہے موت باطنی تربیت۔ اے لوگو اگرچہ تم اپنے خالق تعالیٰ کو نہیں پہچانتے مگر وہ تم کو ہر طرح ہر وقت جانتا ہے تمہاری حاجات کو پہچانتا ہے تم کو وصل قرب نہیں وہ اَقْرَبُ اِلَيْهِ ہے۔ تم اس سے غافل وغائب مگر وہ تم سے غافل وغائب نہیں۔ عارفین فرماتے ہیں کہ ہمارے اوپر

marfat.com

سات طرائق ظاہری ہیں۔ سات باطنی ظاہری سموات ہیں باطنی غلبات ہیں ظاہری قالب سے اوپر باطنی قلب کے اوپر، ا۔ شہوات کا غلبہ، ۲۔ غلبہ غفلت، ۳۔ رغبت دنیوی، ۴۔ شغلت، ۵۔ ارادت، ۶۔ ترکت، ۷۔ عملت۔ اے بندو یقین باطنی سے سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نہیں ہے غافل سکنات عابدین اور حرکات مریدین، رغبات زاہدین، لحظات عارفین سے اور ارادات عاشقین سے اشتیاق کاملین سے اور خواہشات باطلین شہوات شیاطین سے۔ ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ۔ پھر ہم نے ہی پروان چڑھایا اپنے بندہ طالب مخلص کو سورۃ احسان کی نشاۃ ثانیہ سے اور نفخ روح اللہ سے جلایا اس طرح کہ اولاً تم راہ فنافی اللہ کی موت مرنے والے ہو پھر وصل قرب کی قیامت صغریٰ میں نشاۃ ثانیہ سے اٹھائے جاؤ گے۔ تم سب ارادے کے مَیِّتُوْنَ ہو۔ قیامت وسطی کے تُبْعَثُوْنَ۔ فنا کے مَیِّتُوْنَ ہو۔ قیامت کبریٰ میں بقا کے تُبْعَثُوْنَ ہو۔ صفات حیوانیہ کو فنا کر کے عادات بشریہ کا انخلاء وانقطاع کر کے صفات ملکیہ پیدا کر کے اور ارتقاء صفات رحمانیہ کی بقا مع اللہ کی ترقی دے کر اور خصائل قدسیہ سے کمال عرفانی دے کر ہم نے بندگان سالکین کو خَلْقًا اٰخَرَ بنا دیا۔ اور جب بندہ خاص روح نور سے خَلْقًا اٰخَرَ بن گیا تب حقیقت آدمیت کا کسوۃ صفات کا جوڑا تاج قدسیہ کا عمامہ پرواز لاہوتی کا جوتا پہن کر حیاً، عالماً، مریدا، صادقاً، مراداً کاملا، و عبداً قادراً کی قوتیں پالیتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَآئِقَ۔ نفس امارہ کے بعض مراتب بعض کے اوپر طرائق وغالب ہیں۔ اور ہر اوپر والا نیچے والے کیلئے حجاب ظلمت ہے ان ہی طَرَائِقَ سَبْعَ کو باطنی حواس خمسہ اور وہم وخیال کہا جاتا ہے۔ اے انسانو ہم نے تمہارے جسموں، صورتوں، عقلوں، قلبوں، عملوں، ارادوں، عقیدوں پر سات غیبی حجاب وطرائق قائم وثابت کر دیئے ہیں۔ ہم نہ بندوں سے غافل نہ حجابوں سے بے خبر اس لئے کہ ہر غیب بھی ہمارے لئے شہادت ہے اولاً عقل انسانی سلالہ معرفت ہے۔ معرفت رحمانی نطفہء ایمانی ہے اسی نطفہء ایمانی کو علقہء اعمال بنایا گیا۔ پھر علقہ اعمال کو مضغہء اخلاق بنایا گیا۔ پھر مضغہ اخلاق میں اسوہ حسنہ نبوی کے عظام پختگی پیدا فرمائے گئے پس عظام اسلامی کو عشق الٰہی کا لحم خود پہنایا گیا۔ پھر اس قالب وروح کو مرتبہ ولایت پر خَلْقًا اٰخَرَ کی نشوونما بخشی گئی۔ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ پھر نار عشق میں فنافی اللہ کی موت محبت عطا کی گئی پھر قیامت اسرار کی حیات ابدی۔

وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِى الْاَرْضِ ۖ

اور اتارا ہم نے ہی آسمان کی طرف سے بارش کا پانی سب اندازے کے ساتھ تو اس پانی کو ہم نے ہی ٹھیرایا زمین میں

اور ہم نے آسمان سے پانی اتارا ایک اندازے پر پھر اسے زمین میں ٹھیرایا

وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۢ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ

اور بیشک ہم لے جا کر ختم کر دینے پر بھی اس کو البتہ قادر ہیں پھر بلند پیدا کیئے

اور بیشک ہم اس کے لے جانے پر قادر ہیں تو اس سے ہم نے تمہارے

بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِيْهَا فَوَاكِهُ

marfat.com

ہم نے ہی تم سب کیلئے اس بارشی پانی کے ذریعے بہت سے باغ کھجوروں کے اور انگوروں کے تم سب کے لئے ان میں لذتی
لئے باغ پیدا کئے کھجوروں اور انگوروں کے تمہارے لئے ان میں بہت سے میوے ہیں
كَثِيْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَ شَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ
میوے ہیں بیشمار اور ان ہی سے تم غذائیں بھی کھاتے ہو اور پیدا کیا ایک ایسا درخت جو نکلتا ہے اپنے وطن
اور ان میں سے کھاتے ہو اور وہ پیڑ پیدا کیا کہ
طُوْرِ سَیْنَآءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَ صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِیْنَ ﴿۲۰﴾
طور سینا سے اگتا ہے ایسا تیل لے کر جو شوربے کا سالن بھی ہے کھانا کھانے والوں کیلئے
طور سینا سے نکلتا ہے لے کر اگتا ہے تیل اور کھانے والوں کے لئے سالن

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں سبع طرائق کے پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیت میں ان کے فوائد کا ذکر فرمایا جارہا کہ ان کی طرف سے ہی بارشیں نازل فرمائیں جاتی ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اس قدرت کاملہ ابدیہ ازلیہ کا ذکر فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ اپنی کسی مخلوق سے کبھی بھی غافل نہیں۔ اب ان آیت میں فرمایا جارہا کہ ہر چیز ہر مخلوق اس کے قبضہ وکنٹرول میں ہے جسے چاہے، جس طرح چاہے جب چاہے نازل کرے چلائے یا روکے ہر کام میں اس کی حکمت کثیرہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نطفہ کے پانی سے انسانوں کو پیدا فرمانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں بارش کے پانی سے انسانوں کی حیات دنیوی کی بقا کے لئے کھیت و باغات بیل بوٹے روغنیات پیدا فرمانے کا ذکر ہورہا ہے۔ آب نطفہ کو زمین سے عروج ہے آب بارش کو آسمان سے نزول ہے۔

تفسیر نحوی

وَ اَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَسْكَنّٰهُ فِی الْاَرْضِ ۖۗ وَ اِنَّا عَلٰى ذَهَابٍۭ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۱۸﴾ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ بِهٖ جَنّٰتٍ مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّ اَعْنَابٍ ۘ لَكُمْ فِیْهَا فَوَاكِهُ كَثِیْرَةٌ وَّ مِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۱۹﴾۔ واؤ پر جملہ انزلنا باب افعال کا ماضی مطلق معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے۔ اِنْزَال نزل سے بنا ہے بمعنی اترنا یہ لازم ہے انزال بمعنی اتارنا متعدی ہے۔ من حرف جر ابتدائیہ بمعنی طرف سے اَلسَّمَآءَ جنی الف لام حرفی مراد ہے آسمان یہ مجرور ہے جار مجرور متعلق اول ہے مَآءً اسم مفرد جامد بمعنی پانی مراد ہے بارش مفعول بہ ہے۔ ب حرف جر قَدَرٍ۔ اسم مصدر اشتقاقی۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے اندازہ۔ اصطلاحی ترجمہ پیمانہ۔ مطابق۔ مناسب۔ قوت۔ تنگی۔ حدود میں رہنا۔ عزت۔ عظمت' یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ اَنْزَلْنَا فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جمعہ فعلیہ ہو گیا۔ ف حرف تعقیب۔ اَسْكَنَّا باب افعال کا فعل ماضی مطلق معروف جمع متکلم۔ اس کا مصدر ہے اسکان بمعنی ٹھیرانا سَنٌ سے بنا ہے بمعنی ٹھیرنا۔ ہ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مرجع ہے ماء۔ مفعول بہ فی حرف جر

marfat.com

ظرفیہ مکانی کے لئے ہے۔ الارض اسم جامد الف لام جنسی مراد ہے تمام روئے زمین۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَسۡکَنَّا۔ فعل اپنے پوشیدہ فاعل ضمیر جمع متکلم بارز (ظاہر) اور اپنے مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ اِنَّا دراصل اِنَّ نَا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل نا ضمیر جمع متکلم منسوب متصل ترجمہ ہے۔ یہ ضمیر اسم ہے اِنَّ کا علی حرف جر فوقیت کے لئے ہوتا ہے بمعنی اوپر ہونا غالب ہونا ذَهَابٍ اسم مصدر متعدی بمعنی لے جانا گم کر دینا، ختم کرنا، بہ یہ جار مجرور متعلق ہے ہ ذَهَابٍ مصدر کا یہ مصدر اپنے اس متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہوکر مجرور ہوا یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے لام حرف تاکید و تحقیق قٰدِرُوۡنَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر برائے جمع متکلم اس لئے اس کا پوشیدہ فاعل نا اور نَحۡنُ جمع متکلم کی ضمیر ہے۔ یہ قَدۡرٌ سے مشتق ہے بمعنی قوت اور طاقت والا ہونا۔ یہ اسم اپنے فاعل اور متعلق مقدم علٰی ذَهَابٍ سے ملکر جملہ اسمیہ تحقیقیہ تاکیدیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ف حرف تعقیب بلا تراخی سببیہ۔ اَنۡشَاۡنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے۔ اِنۡشَاءٌ متعدی ہے ترجمہ ہے پیدا کرنا بڑھانا پھیلانا۔ نشو سے بنا ہے بمعنی بڑھنا یہ لازم ہے۔ یہ فعل با فاعل ہے۔ لَکُمۡ جار مجرور متعلق اول ہے۔ کم ضمیر کا مرجع تمام انسان بِهٖ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے ہ ضمیر کا مرجع مَآءً ہے۔ سب جارہ سببیہ ہے معنی ہے اسی پانی کے سبب اور ذریعے سے۔ جَنّٰتٍ اسم جمع مونث سالم بحالت فتحہ ہے مضاف ہے مِنۡ نَّخِیۡلٍ کا۔ اس کا واحد ہے جَنَّۃٌ جَنَنٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے چھپا ہونا چار دیواری سے یا گھنے درختوں کی باڑ سے یا تمام گھنی بیلوں بوٹوں درختوں سے جس میں لوگ چھپ جائیں۔ پاگل پن کو جنون اسی لئے کہتے ہیں کہ اس میں عقل چھپ جاتی ہے۔ مِنۡ حرف جر زائدہ اضافت منیہ کے لئے نخیل اسم مبالغہ بروزن فعیل بمعنی بہت کھجوریں اگانے والے درخت مراد ہے کھجوروں کے درخت نخلٌ سے مشتق ہے بمعنٰی بمعنی کھجور کا پھل یہ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ اعناب اسم جمع مکسر ہے اسکا واحد ہے عِنَبٌ بمعنی انگور کا پھل۔ اَعۡنَابٍ سے مراد انگور کی بیلیں۔ یہ معطوف ہے دونوں ملکر مضاف الیہ ہے جنتٌ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اَنۡشَاۡنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ لَکُمۡ یہ جار مجرور متعلق اول ہے پوشیدہ موجودٌ اس مفعول کا فیھا یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ موجودٌ پوشیدہ کا ھا ضمیر واحد مونث غائب کا مرجع جَنّٰتٍ ہے۔ یا نَخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ ہے۔ فواکِہُ اس جمع مکسر اس کا واحد ہے فکہ لغوی اصلی ترجمہ ہے خوش گوار اس معنی سے چھ لفظوں کے لئے مشترک ہے خوشی۔ مزہ۔ خوش مزاج۔ دلچسپ بات۔ ہشاش بشاش آدمی۔ مزاح دل لگی۔ اصطلاح عرب میں ہر فروٹ اور میوے کو فواکہ کہتے ہیں تازہ پھل ہوں یا خشک کئے ہوئے یا قدرتی خشک مثلاً پستہ، بادام وغیرہ فواکہ نائب فاعل ہے موجود کا موجود اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مبتدا ہوا۔ کَثِیۡرَۃٌ اسم مفرد مونث مبالغہ بروزن فعلیۃ کثرٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی بہت زیادہ ہونے والا بحالت رفع ہے۔ کیونکہ خبر ہے سابقہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ مِنۡهَا جار مجرور متعلق مقدم ہے ھا ضمیر کا مرجع جَنّٰتٍ ہے یا نَخِیۡلٍ وَّاَعۡنَابٍ تَاۡکُلُوۡنَ۔ باب نصر کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر اَکۡلٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے چبا کر کھانا، مراد ہے غذائیت حاصل کرنا۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یعنی اَنۡتُمۡ۔ یہ فعل با فاعل اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ وَ شَجَرَۃً تَخۡرُجُ مِنۡ طُوۡرِ سَیۡنَآءَ تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ وَ صِبۡغٍ لِّلۡاٰکِلِیۡنَ۔ واؤ عاطفہ اور اگلی عبارت کا عطف جَنّٰتٍ پر شجرۃ اسم مفرد مونث لفظی اس کا

marfat.com

مذکر ہے شجر اس کی جمع ہے اشجار یہ اسم جنسی ہے موصوف ہے تَخرُجُ باب نصر کا فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مونث غائب اس کا فاعل ہی ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے۔ شَجَرَۃً مِن جارہ بیانیہ ابتدائیہ طور اسم مفرد جامد ممیز مضاف نام ہے ایک پہاڑ کا۔ سَینَآءُ اسم مفرد جامد نام ہے فلسطین کے ایک علاقہ کا اس کو سینین بھی کہا جاتا ہے۔ جیسے کہ حضرت الیاس کا نام الیاسین بھی ہے۔ یہ تمیز مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہے مِنْ سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے تَخرُجُ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت اول ہے شَجَرَۃً کی تَنبُتُ باب نصر کا مضارع حال مثبت معروف نبتٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے اگنا۔ لازم ہے۔ ھی ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے ب حرف جر بمعنی مَعَ۔ الف لام عہد ذہنی۔ دُھنِ اسم مفرد جامد ترجمہ ہے۔ تیل یہ معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ صِبغٌ اسم مفرد جامد حاصل مصدر ہے۔ لغوی معنی ہے۔ تغیر تبدل یعنی کسی چیز میں تبدیلی پیدا کرنا۔ عرف عام میں رنگ کرنا یا رنگ میں غوطہ دینا۔ غوطہ لینا (ڈوبنا۔ ڈبونا) ڈھالنا۔ ڈھلنا۔ قانون۔ روحانی تبدیلی۔ سالن کا صرف شوربا۔ ہر سالن کو صِبغٌ نہیں کہا جاتا یہاں بمعنی شوربا ہے۔ لِلاٰکِلِینَ لام حرف جر آکلین باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر بحالت کسرہ لام جارہ کی وجہ سے اَکلٌ سے مشتق ہے بمعنی کھانا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے صِبغٌ حاصل مصدر کا وہ اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے دُھنِ کا یہ دونوں مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے تَنبُتُ یہ فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت دوم ہے شَجَرَۃً کی موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر معطوف ہے جنت پر درمیانی عبارت۔ لَکُم فِیھَا تَاکُلُونَ تک جملہ معترضہ ہے۔ سَینَآءَ کو سِینَآءَ بھی پڑھ گیا ہے۔ اس کا نام سینین بھی آیا ہے یہ ایک علاقہ کا نام ہے جہاں کوہ طور واقع ہے۔ اسکا معنی ہے مبارک۔ حسن نور اور بلند یہ نبطی زبان کا لفظ ہے اور اس زبان میں ہر سرسبز پھل دار درختوں والے پہاڑ کو سینا اور سینین کہتے ہیں۔ حبشی زبان میں ہر مضبوط پتھر والے پہاڑ کو سیناء کہا جاتا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے سینا ایک خاص پتھر کا نام ہے۔ وہ اسی پہاڑ پر پایا جاتا ہے۔ اس لئے پہاڑ کا نام طور سینا ہو گیا۔ بعض نے کہا یہ سریانی زبان کا لفظ ہے یہی طور موسیٰ علیہ السلام ہے فلسطین کی سرحد پر مصر اور ایلہ کے درمیان علاقہ شام میں واقع ہے۔ لفظاً غیر منصرف ہے عُجمِی عَلَمْ یا عَلَمْ وَالِفْ تانیث کی وجہ سے کیونکہ اس جگہ کا ذاتی نام ہے سنآء سے بنا ہے بروزن فِیعَالُ یا فَیعَالُ یا فِعلَالُ یا فَعلَاءَ جیسے کہ دیما میں کَیسَان اور صَحرَآءَ بھی غیر منصرف ہیں۔

تفسیر عالمانہ

اور مخلوقات زمینی کی بقاء حیات کے لئے تخلیقات و آفرینش کی ابتدا سے انتہاء دنیا تک ہم نے ہی آسمان سے اور آسمان کی طرف سے ماء کثیر نازل فرمایا زمین کو گہوارہ آب اور آسمان کو ذخیرہ مائی بنا دیا بِقَدَرٍ اتنے عظیم و وسیع اور صحیح انداز سے کہ تا قیامت پورے کرہ ارض اور مخلوقات ارض شجراتی و حجراتی حیواناتی کے لئے کافی ووافی ہے۔ احادیث مقدسات میں ہے کہ پہلے سمندر پیدا کیا گیا پھر سمندر سے ہی تمام آسمان اور پوری زمین پیدا فرمائی۔ پھر زمین پر جنت کے نہر آب سے پانچ ضخیم دریا جاری فرمائے۔ ۱۔ دریاء سیحون مشرقی ہند میں۔ ۲۔ علاقہ بلخ میں دریاء جیحون۔ ۳۔ علاقہ مصر میں دریاء نیل۔ ۴۔ عراق میں دریاء فرات۔ ۵۔ دریاء دجلہ بھی بغداد میں عراق کے اندر۔ یہ دریا کوہ قاف کے غیبی چشموں سے نمودار ہیں اور تا قیامت جاری۔ قریب قیامت زمین کی دس چیزوں یاجوج ماجوج کے نکلنے سے قبل جبرائیل علیہ السلام اٹھا کر جنت میں پہنچا دیں گے۔

marfat.com

یہ پانچوں دریا۔ ان کو لائے بھی حضرت جبرئیل اپنے پروں پر تھے۔ ۶۔ قرآن مجید کے تمام الفاظ و حروف۔ ۷۔ تمام دینی علوم یعنی فقہ اصول فقہ علم میراث۔ شرح تفسیر۔ تصوف۔ عقلوں۔ قلبوں' کتابوں سے محو کر دیئے جائیں گے۔ ۸۔ حجر اسود۔ ۹۔ مقام ابراہیم۔ ۱۰۔ تابوت سکینہ۔ بعض نے فرمایا تابوت پہلے ہی وہاں رکھ دیا گیا ہے قریب تک دسویں چیز جبل احد ہے۔ نیز یہ دس چیزیں وفات عیسیٰ علیہ السلام کے بعد اٹھائی جائیں گی نہ کہ خروج یاجوج کے وقت واللہ اعلم۔ پھر ان ہی دریائی سمندری پانیوں کا لوٹ پھیر ہوتا رہتا ہے کہ زمین پر حرارتی گیسوں گرمیوں سے بخار بن کر اوپر فضاؤں کے بادلوں میں بارش بن جاتا ہے سائنس میں ان گیسوں کو ہائیڈروجن اور آکسیجن کہا جاتا ہے۔ سائنسدان کہتے ہیں یہ دو گیسیں مل کر بخارات کو پانی بنا دیتے ہیں۔ مسلم فلاسفہ کہتے ہیں کہ تپش شمسی و حرارت زمینی سے سمندر میں بخارات پیدا ہوتے ہیں جو فضا کی بلندیوں پر پہنچ کر یخ ٹھنڈک سے بادل بنتے ہیں اور جب لبریز ہو جاتے ہیں تو پانی بن کر برس جاتے ہیں۔ یہ لوٹ پھیر کا سلسلہ تا قیامت جاری۔ فَاَسْكَنّٰهُ۔ پھر ہم نے ہی اے انسانو پوری مخلوق زمینی کے لئے ہر قسم کا مفید و کارآمد میٹھا۔ کڑوا۔ کھاری۔ نمکین۔ ٹھنڈا۔ گرم۔ رنگ برنگ ہر قسم کا ہر ضرورت میں مختلف مقداروں کے ساتھ۔ متعدد مقامات میں پانی ٹھیرایا۔ پہاڑوں پر برف جما کر کوہساروں میں چشمے چلا کر۔ میدانوں میں کوئیں بنا کر۔ برساتی نالے بچھا کر۔ جوہڑ تالاب۔ جھیلیں ٹھیرا کر۔ زمین پر سینکڑوں دریا بہا کر۔ نلکے لگوا کر۔ یہ نزول ماء بقدر قدرت کے شاہکار سے۔ کواکب کی رفتار سے۔ موسم کی بہار سے ہواؤں کی یلغار سے اور زمین باطنی کے حالات سے کہ سردی میں گرم اور گرمی میں ٹھنڈا پانی پوری زمین پر جاری وساری ہے۔ یہی وہ طریقہ قدرت رحمانی و حکمۃ ربانی اور دولت انسانی ہے جو ہم نے آسمان سے اتاری۔ اور آسمان کو ہی ان سب کا مرکز بنا دیا۔ بارش سے وہاں پانی پہنچایا جہاں کوئی مخلوقی طاقت نہ پہنچا سکتی تھی۔ اے لوگ سمجھو اور مان لو کہ یہ نظام کائنات خود بخود ہو رہا ہے۔ نہ کوئی سردی' گرمی' خیر و شر' ہواؤں' فضاؤں' تکلیف و آرام' امیری و غریبی کا علیحدہ علیحدہ خالق و خدا ہے۔ بس ایک اللہ وحدہ لاشریک ہی سب کا خالق مالک رازق قابض و سلطان ہے۔ اے انسانو ہم بھی بارشوں کو نازل فرمانے والے ہیں وَاِنَّا عَلٰى ذَهَابٍ بِهٖ لَقٰدِرُوْنَ (مومنون: ۱۸) اور بیشک ہم ہی ان تمام اعلیٰ و اسفل زمینی آسمانی پانیوں کو ختم اور غائب کر دینے پر ہر طرح ہر وقت قادر مطلق ہیں۔ نہ کوئی روک سکتا ہے نہ ٹوک سکتا ہے نہ ہمارے حکم کے بغیر بارش برسا کے نہ پانی واپس دلا سکے نہ نہریں بہا سکے نہ فوراً مٹا سکے۔ ہم چاہیں تو آسمانوں کو روک دیں اور بادلوں کو پھیر دیں گھٹاؤں کو بھگا دیں یا پانی کو جما دیں پھر برف کو مثل پتھر بنا دیں کوئیں سکھا دیں چشمے مٹا دیں۔ دریائیں جھیلیں زمین میں دھنسا دیں قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ (ملک: ۳۰) اے حبیب کریم پوچھو ان ناشکروں کافروں سے کہ اگر کبھی تمہارا یہ تمام زمینی پانی زمین میں دھنس جائے اور یہ لہریں مارتی دریا و نہریں سب غور و خشک ہو جائیں تو کون تمہارا دیوی دیوتا اور بناوٹی بھگوان تمہارے لئے پھر کہیں چشمے چلا کر آبشاریں بہا سکتا ہے یا بند و جذب پانیوں کو واپس لا سکتا ہے۔ (از سورۃ ملک آیت ۳۰) تفسیر معانی نے فرمایا کہ سورۃ مومنون کی آیت ۱۸ سورۃ ملک کی آیت ۳۰ سے تین وجہ سے اِذْهَابُ الْمَآءِ میں زیادہ وسعتِ بیانی اور بلاغت معانی ہے کیونکہ اس آیت میں اظہار قدرت عطاء رحمتہ اور وسعت نعمت ہے۔ اور اس آیت میں رد شرک و رغبۃ ایمان ہے۔ فَاَنْشَاْنَا لَكُمْ اے لوگو یہ آسمان یہ زمین یہ طرائق یہ ملائک یہ ہوائیں یہ فضائیں یہ بارشیں یہ کثرتیں فضول و

marfat.com

بیکار نہیں ہیں نہ قدرت سے باہر نہ حکمت کے خلاف بلکہ یہ سب کچھ رحم و کرم برکتوں رحمتوں کے خزانے رزق کے پیمانے ہیں۔ پس اسی بارش سے ہم نے تمہارے لئے گلشن کھلائے باغ سجائے کھیت اگائے کھجوروں انگوروں کے چمن بہائے اگرچہ لاکھوں قسم کے غلے فروٹ میوے پھول پھل غذائیں دوائیں خوشبوئیں بارش کے ذریعے سے زمین کے وسیلے سے پیدا ہوتی ہیں مگر یہاں صرف انگور و کھجور کا ذکر فرمایا گیا پانچ وجہ سے پہلی یہ کہ یہ دونوں پھل دنیا کے ہر سرد گرم ملک میں پائے جاتے ہیں۔ دوم یہ کہ یہ دونوں ہر جگہ کثرت سے پیدا ہوتے ہیں۔ سوم یہ کہ ان دونوں میں غذائیت بھی ہے فواکہت بھی دوائیت بھی۔ چہارم یہ کہ ان کی اقسام کثیر ہیں چنانچہ تقریباً کھجور بہتر ۷۲ قسم کی ہے۔ اور انگور اکیس ۲۱ قسم کا دنیا میں پایا جاتا ہے۔ مختلف علاقوں میں رنگ، حجم، نسل، تاثیرات کے اعتبار سے۔ پنجم یہ ان کا استعمال ہر حالت میں ہوتا ہے۔ کچی حالت میں بھی۔ نیم پختہ گدر میں بھی۔ مکمل پختہ بھی۔ خشک کر کے بھی تازہ بھی خود پھل بھی پھل کے رس بھی۔ ان دونوں کھجور و انگور کو بہت طریقوں سے بنا کر بھی کھایا جاتا سکھا کر تازہ بھی۔ مثلاً چھوارہ منقہ کشمش بنا کر وغیرہ وغیرہ۔ یہی وہ دو پھل ہیں جن کی ہر ہر چیز میں متعدد فوائد ہیں بطور غذائیت بھی دوائیت بھی۔ یہ روٹی بھی ہیں سالن بھی معجون بھی۔ لَكُمْ فِيهَا فَوَاكِهُ كَثِيرَةٌ وَّمِنْهَا تَأْكُلُوْنَ اے لوگو تمہارے لئے ان باغوں میں کھجور و انگور کے علاوہ اور بھی ہزاروں قسم کے پھل فروٹ ہوتے ہیں۔ بیشمار لذتوں خوشبوؤں والے اور ان ہی باغوں سے دنیا بھر میں تمہارے کھانے کھلانے غذاؤں روزیوں کے لینے دینے خرید و فروخت کی تجارتیں چلتی ہیں منڈیاں بجتی ہیں۔ یہ باغات تمہاری مہمانی و میزبانی میں بھی مفید ہیں۔ ان ہی باغات سے تمہاری صنعت و حرفت کی محنت و مشقت ملازمت قائم ہے۔ غرضیکہ کھیتوں باغوں سے تجارت۔ تجارت سے دولت۔ دولت سے قوت۔ قوت سے عزت۔ عزت سے حکومت۔ حکومت سے فتح و نصرت اور فتح و نصرت سے مضبوط معیشت اور مضبوط معیشت سے راحت ہے۔ ان شجرات و نباتات کے پودوں میں فواکہت بھی ہے۔ دوائیت بھی غذائیت بھی یہ تو دنیا بھر کے شجرات و باغات کی شان ہے۔ وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَاۗءَ تَنْۢبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ اور اے لوگو ہم نے اپنی قدرت ربانی و حکمت رحمانی سے ان تمام شجرات و باغات کے علاوہ ایک اور کثیر الانعام عظیم الشان عجیب الاکرام طویل القیام درخت برکات تمہارے لئے اگایا جو ابتداءً طور سینا کے علاقہ سے ہی اگتا نکلتا پیدا ہوتا رہا ہے۔ جس کا نام شجر زیتون رکھا گیا۔ علاقہ سینا ہی اس کا وطن تخلیق اور ملک تخریج ہے۔ یہ شجر مبارکہ اگتا ہے بہترین صاف ستھرے چکنے چمکدار تیل کے ساتھ ساتھ اس طرح کہ اس کے پتوں پھولوں پھلوں بیجوں شاخوں، لکڑیوں جڑوں میں تیل کی چکناہٹ اس قدر ہوتی ہے کہ بعض بیجوں کو ہاتھ سے دباؤ تو تیل کے قطرے ٹپک پڑتے ہیں۔ یہی وہ عظمت و عزت کا شجر مبارک ہے کہ موسیٰ علیہ السلام سے کلام الٰہی کے لئے اس درخت کو منتخب فرمایا گیا۔ اسی میں بشکل آگ انوار الٰہی کی زیارت ہوئی۔ یہی شجر حسین اتنا کثیر الانعام ہے کہ ہر شاخ میں برکات ہیں۔ عجیب الاکرام ایسا کہ ہر پتے میں شفا ہے۔ تفسیر روح المعانی نے بحوالہ محدث ابو نعیم عن ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک حدیث مقدس نقل فرمائی کہ فرمایا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔ اے مسلمانو! زیتون کا تیل کھایا کرو اور اس کا پھل استعمال میں لایا کرو کھا کر لگا کر بطور سالن بھی دوائی بھی۔ کیونکہ زیتون کے ہر جز میں شفا ہے ستر بیماریاں دور ہوتی ہیں۔ نیز صادق و تجربہ کار اطبا کہتے ہیں کہ پھیپھڑوں، سینوں اور دبلے پن کی بیماریوں کے لئے یہ مفید ہے۔ تپ دق، سل نقاہت، جسمانی بے طاقتی کے لئے سب

marfat.com

تیلوں سے زیادہ اکسیر ہے۔ شیریں اور ٹھنڈے پھلوں کے جوس یا عرق میں ملا کر پلانے سے اکثر قبض اور رعشے کو ختم کر کے طبیعت کے موافق آ جاتا ہے۔ یہ درخت طویل العمر بھی ہے تین ہزار سال تک بھی اس کے درخت سرسبز و پھلداری سے قائم رہتے ہیں۔ بعض سیاحوں کا کہنا ہے کہ فلسطین میں اس کے کچھ درخت ابھی وہ بھی قائم و سرسبز ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھے۔ اس درخت کا پھل و تیل لذیذ اتنا کہ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ اور اس کا تیل کھانے والوں کے لئے شوربے کا سالن ہے اور اس کا پھل اچار کا سالن ہے۔ اس کا تیل اور پھول کا اچار سرکے میں پڑا ہوا کئی سال خراب نہیں ہوتا۔ یہ دونوں سفر و حضر کے ساتھی۔ روغن زیتون خود بھی سالن ہے اور لحمیات و سبزیات کو تل کر پکا کر سالن بنانے والا ہے۔ بہت زود ہضم ہے پہلے زمانوں میں جبکہ دودھ سے گھی مکھن نکالنے کا زیادہ رواج نہ تھا تب نباتاتی روغنیات ہی بطور گھی استعمال کئے جاتے تھے۔ جن میں کثرت استعمال روغن زیتون کی ہی تھی۔ روایت میں ہے کہ طوفان نوحی سے زمین کے تمام شجرات و نباتات بھی ختم ہو گئے تھے۔ بعد طوفان سب سے پہلا جبل طور کے علاقے میں زمین پر یہی شجر طور اگا اس طرح طور سینا کا علاقہ اس کا وطن پیدائش ہے۔ یہیں سے لیجا کر دنیا کے دیگر علاقوں میں اس کی شجر کاری کی گئی۔ قرآن مجید کی تقریباً چھ سورتوں میں زیتون کا نام لے کر اس کی شان و قسم بیان فرمائی گئی۔ چنانچہ۔ ۱۔ سورۃ انعام میں دو جگہ زیتون کا ذکر فرمایا گیا آیت ۹۹۔ ۲۔ اور آیت ۱۴۱ میں۔ ۳۔ سورۃ نحل آیت ۱۱ پھر۔ ۴۔ سورۃ نور آیت ۳۵ پھر۔ ۵۔ سورۃ عبس آیت ۲۹ میں۔ ۶۔ پھر سورۃ والتین کی آیت ۱ میں۔ احادیث مقدسہ میں بھی اس کا بہت ذکر آیا ہے۔ ۱۔ ترمذی شریف باب الطب وَمِنۡ زَيۡدِ بۡنِ اَرۡقَمَ قَالَ اَمَرَنَا رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ اَنۡ نَتَدَاوٰى مِنۡ ذَاتِ الۡجَنۡبِ بِالۡقُسۡطِ الۡبَحۡرِىِّ وَالزَّيۡتِ ترجمہ زید بن ارقم نے فرمایا کہ آقا ﷺ نے ہم کو حکم فرمایا کہ نمونیے یا تپ دق میں قسط بحری اور زیتون سے دوائی علاج کیا کرو۔ ۲۔ ابن ماجہ ۲۵۶ اور ترمذی باب الطب میں ہے۔ عَنۡ زَيۡدِ ابۡنِ اَرۡقَمَ قَالَ كَانَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ يَنۡعَتُ الزَّيۡتَ وَالۡوَرۡسَ مِنۡ ذَاتِ الۡجَنۡبِ ترجمہ زید بن ارقم نے فرمایا کہ آقا رسول اللہ ﷺ زیتون اور ورس کی بہت تعریف فرمایا کرتے تھے۔ ۳۔ ابن ماجہ شریف عَنۡ عُمَرَ ابۡنِ الۡخَطَّابِ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنۡهُ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كُلُوۡا الزَّيۡتَ وَادۡهِنُوۡا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ ترجمہ فاروق اعظم نے فرمایا کہ فرمایا آقا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیتون کا پھل کھاؤ اور اس کا تیل لگایا کرو کیونکہ وہ شجر مبارکہ ہے۔ ۴۔ ترمذی ابن ماجہ مشکوٰۃ شریف ص ۳۶۶ عَنۡ اَبِىۡ سَعِيۡدِ الۡاَنۡصَارِىِّ قَالَ قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ كُلُوۡا الزَّيۡتَ وَادۡهِنُوۡا بِهٖ فَاِنَّهٗ مِنۡ شَجَرَةٍ مُّبَارَكَةٍ ترجمہ وہی اوپر والا۔ ۵۔ ترمذی شریف عَنۡ عُبَيۡدِ اللّٰهِ ابۡنِ عَلِىٍّ عَنۡ جَدَّتِهٖ سَلۡمٰى اَنَّ الۡحَسَنَ ابۡنَ عَلِىٍّ وَّ اِبۡنَ عَبَّاسٍ وَّابۡنَ جَعۡفَرٍ رَضِىَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنۡهُمۡ اَتَوۡهَا فَقَالُوۡا لَهَا۔ اِصۡنِعِىۡ لَنَا طَعَامًا مِّمَّا كَانَ يُعۡجِبُ رَسُوۡلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَيُحۡسِنُ اَكۡلَهٗ۔ فَقَالَتۡ يَا بُنَىَّ لَا تَشۡتَهِيۡهِ الۡيَوۡمَ قَالُوۡا بَلٰى اِصۡنَعِيۡهِ فَقَامَتۡ فَاَخَذَتۡ شَيۡئًا مِّنَ الشَّعِيۡرِ فَطَحَنَتۡهُ ثُمَّ جَعَلَتۡهُ فِىۡ قِدۡرٍ وَّحَبَّتۡ عَلَيۡهِ شَيۡئًا مِّنۡ زَيۡتٍ وَّدَقَّتِ الۡفُلۡفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتۡهُ اِلَيۡهِمۡ فَقَالَتۡ هٰذَا مِمَّا كَانَ يُعۡجِبُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ وَيُحۡسِنُ اَكۡلَهٗ ترجمہ عبداللہ بن علی سے روایت ہے وہ اپنی دادی سلمیٰ سے روای کہ بیشک حسن بن علی اور ابن عباس ابن جعفر حضرت سلمیٰ کے پاس آئے اور عرض کیا

marfat.com

کہ آج ہمارے لئے وہ کھانا تیار فرمایئے جو آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ بہت شوق سے کھایا کرتے تھے انہوں نے فرمایا کہ اے میرے بچو آج تم وہ سادہ و معمولی کھانا پسند نہ کرو گے۔ سب نے عرض کیا ہم ضرور پسند کریں گے آپ تیار فرمایئے۔ تب وہ اٹھیں اور انہوں نے کچھ جو لئے انہیں پیسا پھر ان کو ہانڈی میں ڈالا پھر اس پر زیتون کا تیل چھڑکا اور اس پر مرچیں ڈالیں اور توابل یعنی گرم مصالحہ بکھیرا پھر پکا کر ان کے قریب لائیں۔ پس فرمایا کہ لو یہ ہے وہ کھانا جس کو تناول فرمانا نبی کریم ﷺ پسند فرماتے تھے۔ ۶۔ مسند ابو نعیم میں ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوْا بِهٖ فَاِنَّ فِيْهِ شِفَآءً مِّنْ سَبْعِيْنَ دَآءٍ مِنْهَا الْجُذَامُ ترجمہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ زیتون کھاؤ بھی اور لگاؤ بھی کیونکہ ستر بیماریوں کی اس میں شفا ہے۔ ان میں سے ایک بیماری جذام ہے۔

زیتون کے اثرات

اہل عرب میں اب تک یہ رواج ہے کہ کھانے میں زیتون کا تیل ڈالتے ہیں جس سے (۱) کھانا خوش رنگ (۲) اور لذیذ ہو جاتا ہے۔ (۳) آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سالن میں اکثر زیتوں کا تیل ڈالا کرتے تھے۔ (۴) روغن زیتون کھانے میں عمدہ غذا ہے (۵) لگانے میں بہترین دوا ہے (۶) زیتون کے پھل پھول تیل پتوں شاخوں لکڑی۔ سکڑی میں رب تعالیٰ نے شفا پیدا فرمائی ہے۔ (۷) اس کا تیل تاثیر کے اعتبار سے گرم تر ہے۔ (۸) اس کی مالش بے حد مفید ہوتی ہے۔ جسمانی قوت بحال رہتی ہے۔ (۹) چہرے کا رنگ نکھرتا ہے۔ (۱۰) یہ تیل نظام بطن میں اعتدال و توازن قائم رکھتا ہے۔ (۱۱) پیٹ کے کیڑے مارتا ہے۔ (۱۲) اعصاب یعنی جسمانی پٹھوں کو گرم رکھتا ہے اندرونی سردی کو زائل کرتا ہے۔ (۱۳) اندرونی سوزش وخراش کو ختم کرتا ہے۔ (۱۴) اگر آنتوں میں قبض کے سدے ہوں تو روغن زیتون مفید و مجرب ہے (۱۵) گردوں کے کئی امراض میں بطور غذا کھانے سے شفا ہوتی ہے (۱۶) بیرونی جسم پر سوجن ہو تو مالش مفید و سکون بخش ہے (۱۷) آنتوں کی جلن کو کم کرتا ہے (۱۸) پیٹ ملائم رکھتا ہے (۱۹) فالج (۲۰) درد عرق النسا (۲۱) پٹھوں (۲۲) جوڑوں کے سب دردوں میں اس کی مالش مفید ہے (۲۳) روغن زیتون شہد میں ملا کر پتے کی پتھری میں بھی کھانا مفید ہے (۲۴) پتے کی سوزش و سوجن اور (۲۵) بلڈ پریشر وغیرہ جن امراض میں ہر قسم کے روغنیات مضر ہوتے ہیں تو حاذق طبیب و ڈاکٹر روغن زیتون کھانا مفید بتاتے ہیں۔ (۲۶) زیتون کھانا ہر قسم کے زہریلے اثر کو ختم کرتا ہے (۲۷) جدید ماہرین کے تجربے سے کینسر اور معدے کے سرطان میں اگر مناسب مقدار میں طویل عرصے تک کھایا جائے تو مفید ثابت ہوا ہے۔ (۲۸) دمہ کے مریض کو جب دمہ سے سکون ہو تو روغن زیتون تھوڑی مقدار میں کھلانا مفید ہے (۲۹) نمونیہ کی شفا تو حدیث مقدس سے ثابت ہے جیسا کہ اوپر بحوالہ ترمذی شریف ذکر کیا گیا (۳۰) زکام دائمی میں بھی بیحد مفید ثابت ہوا ہے (۳۱) مالش سے جسم کو فرحت ملتی ہے (۳۲) بلا ناغہ چند ماہ بالوں میں لگانا بالوں کو سیاہ و مضبوط کرتا ہے (۳۳) داد کے زخم پر ہر چار گھنٹے بعد لگانا مفید ہے (۳۴) اسی طرح چنبل کے زخم پر بھی مفید ہے (۳۵) اگر کان میں پانی پڑ جائے اور ٹھہر جائے نہ نکلے تو یہ تیل ڈالنے سے پانی نکل جاتا ہے (۳۶) اگر مرہم میں روغن زیتون ڈالا جائے تو وہ مرہم زود اثر ہو جاتا ہے (۳۷) جسمانی خشکی بالوں کی لکری کو

marfat.com

فوراً ختم کرتا ہے (۳۸) ضعیف لوگوں کو ہلکی نرم مالش کرنے سے جسمانی قوت اور حرارت برقرار رہتی ہے (۳۹) شیر خوار بچوں کو روزانہ مالش سے لاغری دور ہوتی ہے (۴۰) شہد بادام کی سفید مینگ اور زیتون کی معجون بنا کر چٹانے سے کالی و پرانی خشک وتر دونوں کھانسیوں میں روزانہ چھ مرتبہ مسلسل پانچ دن بے حد مفید ہے۔

زیتون سے علاج

حدیث پاک میں ہے زیتون ستر بیماریوں کی دوا ہے جن میں سے چھ کا ذکر صراحتاً حدیث مقدسہ میں بیان فرمایا گیا (۴۱) بواسیر (۴۲) باسور (۴۳) جذام (۴۴) نمونیہ (۴۵) خارش (۴۶) آنتوں کی تپ دق باقی بیماریوں کا اپنے تجربات و تحقیقات سے حکیم جالینوس و حکیم اجمل خان اور صدر الافاضل حکیم سید نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ نے پتہ لگایا جن میں سے چالیس کے اثرات اوپر بیان کئے گئے اور چھ حدیث پاک سے منقول ہوئے۔ (۴۷) اس کے تیل کی مالش اور پھل کا کھانا بالوں کو اگاتا چمکاتا ہے (۴۸) لاہوری کھیوڑے کے نمک میں ملا کر دانتوں پر ملنا مسوڑھوں کو مضبوط کرتا ہے (۴۹) زیتون کے تازہ پتے پانی میں بھگو کر پھنسیوں کو لگانا شفا بخش ہیں (۵۰) تیل یا پانی میں تر کر کے اس کے تازہ ہرے پتے خارش پر لگانا مفید ہیں (۵۱) گرمی کی پت میں بھی مفید ہے (۵۲) اس کی خوراک سستی دور کر کے چستی پیدا کرتی ہے (۵۳) خالص و عمدہ قسم کا روغن زیتون قوت باہ کے لئے مفید ہے (۵۴) زیتون کے تازہ وہرے پتوں کے رس میں برابر کا پانی ملا کر ابال کر کلّیں کرنے سے زبان اور منہ کے چھالے وزخم ختم ہو جاتے ہیں (۵۵) ہرے پتوں کا عرق جسم پر ملنے سے کھال کی الرجی ختم ہو جاتی ہے (۵۶) پھنسیوں اور چیچک کے داغوں پر اس تیل کی مسلسل کئی ماہ تک مالش کرنے سے داغ مندمل ہو جاتے ہیں (۵۷) زیتون کی گٹھلی پیس کر گائے یا اونٹ کی چربی میں مرہم بنا کر ناخنوں پر مالش کرنے سے ناخن ٹھیک ہو جاتے ہیں۔ (۵۸) دودھ اور شہد میں برابر کی مقدار ملا کر کھانے سے قبض کشا ہے (۵۹) آنکھ کی سرخی جلن تکلیف میں سوتے وقت روغن زیتوں کی سلائی لگا لینا مفید ہے سلائی کو تیل میں ڈبو کر جھاڑ لینا چاہئے (۶۰) آنکھ کے سفید موتیا کے لئے بھی اسی طریقے سے روزانہ تین سلائی لگانا مفید ہے (۶۱) اس کے تیل کی مالش اور پھل کا سالن بنا کر کھلانے سے مرگی کو شفا ہوتی ہے (۶۲) اس کا تیل فصل کے زخموں پر ٹپکانے سے زخم جلدی درست ہوتے ہیں (۶۳) کلونجی کے دانے پیس کر روغن زیتون میں ملا کر ناک میں ٹپکانے سے دماغی نالیاں کھل جاتی ہیں (۶۴) زیتون کا تیل کلونجی پسی ہوئی خالص شہد برابر کا معجون بنا کر نہار منہ کھانے سے حافظہ تیز ہوتا ہے۔ (۶۵) اسی معجون کو ہر کھانے کے بعد ایک چھوٹی چمچی کھانے سے جسمانی رعشہ اور ریشہ ختم ہو جاتا ہے (۶۶) روغن زیتوں کی ریڑھ کی ہڈی پر مالش کرنے سے حرام مغز کو مضبوطی ملتی ہے (۶۷) زیتوں کا پھل اچار یا مربہ کھانے سے خون صاف ہوتا ہے (۶۸) تیل و پھل مقوی معدہ ہے (۶۹) سینے کے اکثر امراض میں شفا اور تحفظ دینے میں مفید ہے (۷۰) پرانا تیل بلسان اور کلونجی کے تیل کی جگہ بعض امراض میں استعمال کیا گیا تو زیادہ مفید پایا۔

زیتون کے حالات

زیتون کا درخت تقریباً بارہ فٹ اونچا ہوتا ہے۔ اس کے پتے ہلکے ہرے چمکیلے اور چھوٹے وباریک ہوتے ہیں۔ اس کا پھل

marfat.com

گول بیر کے برابر ہوتا ہے اس کا رنگ جامنی واودا ہوتا ہے۔ زیتون کا وطن اول طور سینا فلسطین ہے۔ ہر گرم وریتلے علاقوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ انتہائی سرد و برفانی علاقوں میں بھی اگتا پھل دیتا ہے۔ (۱)۔ عرب۔ (۲)۔ مصر۔ (۳)۔ ترکی۔ (۴)۔ اٹلی۔ (۵)۔ شمالی افریقہ۔ (۶)۔ فلسطین۔ (۷)۔ شام۔ (۸)۔ یونان۔ (۹)۔ پرتگال۔ (۱۰)۔ عراق۔ (۱۱)۔ ایلیا۔ (۱۲)۔ سپین۔ (۱۳)۔ امریکہ (۱۴)۔ آسٹریلیا۔ (۱۵)۔ الجزائر۔ (۱۶)۔ تیونس۔ (۱۷)۔ بستان۔ (۱۸)۔ یمن۔ (۱۹)۔ نجد میں بکثرت پایا جاتا ہے۔ اس کی شجر کاری بکثرت ہوتی ہے۔ زیتون کا پھل غذائیت سے بھرپور ہے۔ اس کا تیل کھانے میں گرم تر اور لگانے میں سرد خشک ہوتا ہے۔ اس کا مزہ کسیلا ہوتا ہے۔ اکثر اچار یا مربہ بنا کر کھایا جاتا ہے۔ اچار بطور سالن اور مربہ بطور لذت کھایا جاتا ہے۔ پختہ پھل کا ہی اچار یا مربہ بنایا جاتا ہے۔ تیل بھی پختہ پھل سے ہی نکلتا ہے۔ اگر اوپر کا چھلکا اتار لیا جائے تو بقیہ مغز کا تیل زیادہ نکلتا ہے۔ زیتون کا تیل باعتبار رنگ چار قسم کا ہوتا ہے ا۔ سیاہ ۲۔ سرخ ۳۔ سنہری ۴۔ سبزی مائل سنہری چمکدار سب میں بہترین دیرپا مفید اور خوبصورت سنہری سبزی مائل تیل ہے۔ اصل صحت مند پھل سے اسی رنگ کا تیل نکلتا ہے۔ صاف بلوری برتن اور شیشی میں بہت ہی خوبصورت لگتا ہے۔ حکیم بوعلی سینا نے لکھا ہے کہ زیتون جتنا زیادہ پرانا ہوتا ہے زیادہ مفید ہوتا ہے۔ مصر کے پرانے مقبروں کی کھدائی کے دوران برآمد شدہ اشیاء میں روغن زیتون سے بھرے ہوئے ڈبے بھی نکالے گئے جو چار ہزار سال پرانے تھے مگر تیل خراب نہ ہوا تھا۔ اور جب متعدد امراض میں استعمال کیا گیا تو تازہ نئے تیل کی طرح مفید پایا گیا۔

استعمالات

زیتون کا پھل پانچ طریقے سے استعمال کیا جاتا ہے (۱) اچار بنا کر (۲) مربہ بنا کر (۳) چٹنی بنا کر (۴) چورن بنا کر (۵) سالن پکا کر۔ زیتون کا تیل تقریباً چودہ طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ (۱) چراغ روشن کر کے (۲) چولہے میں مٹی کے تیل کی طرح (۵) صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ شوربا سالن کی طرح روٹی ڈبو کر کچا یا پکا کر کھانا (۴) مختلف خوردنی چیزوں کو تلنے میں (۵) گوشت سبزی دال کی ہانڈی پکانے میں (۶) بگھار بنا کر سالن یا چاولوں کی کھچڑی پر ڈال کر کھانے میں (۷) روٹی کا پراٹھا بنا کر روغن زیتون میں پکانا۔ یہ پراٹھا گھی کے پراٹھے سے زیادہ لذیذ۔ خستہ اور مفید ہوتا ہے۔ (۸) ہر طرح کی غذائیت کے لئے (۹) بہت قسم کی دوائیات میں (۱۰) کھا کر (۱۱) لگا کر مالش وغیرہ سے (۱۲) مرہم بنا کر (۱۳) معجون بنا کر (۱۴) عرقیات یا شہد یا دودھ میں ملا کر پینے میں۔ مگر ہر طبیعت کے موافق نہیں آتا اس لئے کسی حاذق حکیم یا اپنے معالج ڈاکٹر سے پوچھ کر منتخب و مجوزہ خوراک برابر ہی کھانا چاہئے ورنہ کمی بیشی میں نقصان کا اندیشہ ہے۔ اس کے فوائد میں خوراک اور صحت' فرحت وراحت' شفا اور آرام ہے۔

شجر زیتون کی روحانیات

محدث محمد احمد ذہبی نے بغیر سند حدیث بیان کرنے کے بحوالہ ابن جوزی ایک حدیث مقدس بیان فرمائی قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّھَنَ بِزَیْتٍ لَمْ یَقْرُبْہُ الشَّیْطٰنُ ترجمہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے جو مسلمان سر اور داڑھی کے بالوں کو زیتون کا تیل لگایا کرے تو شیطان اس کے قریب نہیں آتا۔ اہل عرب کے رواج میں زیتون کی ہری شاخ سفید

marfat.com

جھنڈے کی مثل صلح کی نشانی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی شخص مخالف دشمن کی طرف سے لڑائی یا جنگ کے دوران ہاتھ میں زیتون کی ہر شخص بالشت بھر بھی لمبی یا زیادہ بلند کر کے محفل یا میدان جنگ میں آجائے تو مخالف کی طرف سے صلح دوستی، امن ومحبت کا پیغام سمجھا جاتا ہے اور مانا جاتا ہے۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ جس گھر میں چار دیواری کے اندر یہ درخت زیتون اگایا جائے وہاں جادو، جنات، جنون نہیں ہوسکتا۔ اور فرمایا کہ اگر کسی شخص مرد یا عورت پر آسیب جنات ہو تو شجر زیتون کے تین صاف ستھرے تازے پتوں کو دھوئے سکھائے پھر ایک پر یا اللہ دوسرے پر یا رسول اللہ تیسرے پر یا سلیمان نبی لکھے پھر وہ تینوں پتے آسیب زدہ مریض کو کھلائے تو انشاء اللہ تعالیٰ جناتی آسیب ختم ہو جائے گا مجرب ہے۔ یہ عمل گیارہ دن کیا جائے بشرطیکہ یہ پورا عمل کرنے والا نمازی متقی ہو اور عامل و مریض کے گھر کسی جاندار کی انسانی یا حیوانی فوٹو نہ لگی ہو۔ گھروں میں فوٹو لگانا گھر کو مندر بنانا ہے۔ اس شیطانی عمل سے نہ کوئی عبادت قبول نہ کوئی عمل مفید۔ واللہ ورسولہ اعلم

ان آیات میں مختلف اقوال

مِنَ السَّمَآءِ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا مِنْ بمعنی طرف سے ہے اور سَمَاءِ کا معنی پہلا آسمان۔ وہیں سے پانی آتا ہے۔ ۲۔ بعض نے لکھا کہ سما سے مراد جنت اسفل ہے مَاءً سے مراد وہ پانچ دریا ہیں جو اسی جنت سے جبرئیل علیہ السلام زمین پر لے کر آئے اور یہ قیامت تک جاری رہیں گے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ سما سے مراد بادل ہے اور بلند سمتی کی وجہ سے بادل کو سماء فرمایا گیا یا حرف مِنْ یہاں بمعنی طرف سے ہے نہ کہ بمعنی سے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ بِهٖ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ بمعنی بذالک ہے۔ یعنی تمہارے لئے ان باغوں کو اس پانی کے ذریعے پیدا فرمایا۔ ۲۔ بعض نے فرمایا کہ یہ بمعنی عنہ ہے۔ یعنی اس کے قریب سے پیدا فرمایا۔ فَوَاكِهُ کے معنی ہیں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے لکھا کہ فَوَاكِهُ کا معنی ہے لذت و غذائیت حاصل کرنا۔ وَمِنْهَا کے مِن میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا مِن ابتدائیہ بیانیہ ہے معنی ہے ہر ایک سے۔ ۲۔ بعض نے کہا مِنْ بعضیت کا ہے اور معنی ہے بعض سے۔ مِنْهَا کی ھا ضمیر کے مرجع میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا اس کا مرجع فَوَاكِهُ كَثِيْرَةٌ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا مرجع جنات ہے تَاْكُلُوْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہاں تَاْكُلُوْنَ کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی ہر طرح روزی و مالی منفعت حاصل کر کے تم ملکی وغیر ملکی پیداوار سے بڑی بڑی تجارتیں چلاتے ہو۔ زرِ مبادلہ کماتے ہو۔ اندرونی بیرونی عالمی منڈیاں اسی پیداوار سے قائم کرتے ہو۔ ۲۔ بعض نے کہا تَاْكُلُوْنَ اپنے اصلی وحقیقی معنی میں ہے۔ یعنی منہ سے غذا کھانا چبانا۔ شَجَرَةً کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر قراء نے اس کو منصوب پڑھا ہے۔ کیونکہ جَنّٰتٍ پر عطف تابعی ہو کر مفعول بہ ہے اَنْشَاْنَا کا یہی قرأت درست ہے کہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض قرا نے شَجَرَةٌ مرفوع پڑھا ہے ان کے نزدیک یہ علیحدہ کلام ہے طُوْرُ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ لفظ طور سے مراد مطلقاً پہاڑ جنسی نام ہے اور معنی ہے سینا کوئی پہاڑ جس طرح عرب میں پہاڑ کا جنسی نام جبل ہے فارسی میں کوہ ہے اردو میں پہاڑ ہے اسی طرح سریانی میں طور ہے یہی لغت یہاں مراد ہے۔ ۲۔ اکثر نے فرمایا یہ جنسی نام نہیں بلکہ صنفی نام ہے اور لفظ طور نام ہے اس خاص پہاڑ کا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے کلام الٰہی سنا تھا اور یہ سریانی لفظ نہیں ہے بلکہ ذاتی نام ہے اس لئے عربی میں جبل طور اور فارسی میں کوہ طور کہا جاتا ہے اور قرآن مجید میں چند جگہ بلا اضافت لفظ طور ارشاد ہوا ہے جیسے کہ سورۃ بقرہ میں فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ (بقرہ: ۶۳) فرمایا

marfat.com

گیا اگر یہ جنسی لفظ ہوتا تو بلا اضافت نہ ہوتا نہ معرف باللام ہوتا۔ بلکہ نکرہ یا مضاف بن کر آتا اس لئے پہلا قول غلط ہے تَنۢبُتُ کی قرئت میں پانچ قول۔ ا۔ اکثر قراء نے فرمایا یہ باب نصر کا مضارع معروف ہے ترجمہ ہے اگتا ہے یہ درخت تیل کے ساتھ۔ ۲۔ بعض قراء کی قرئت میں یہ باب نصر کا مضارع مجہول ہے۔ یعنی تُنۢبَتُ ترجمہ ہے اگایا جاتا ہے یہ درخت تیل کے ساتھ۔ ۳۔ بعض قراء نے کہا یہ باب افعال کا مضارع ہے یعنی تُنۢبِتُ۔ ترجمہ ہے اگاتا ہے یہ درخت تیل کو۔ ۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعود کی قرئت ہے تَخۡرُجُ بِالدُّهۡنِ ترجمہ نکالتا ہے یہ درخت تیل کے ساتھ۔ ۵۔ حضرت ابی کی قرئت ہے تَثۡمُرُ بِالدُّهۡنِ ترجمہ پھل لاتا ہے تیل سے بھرے ہوئے۔ مگر پہلی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے باقی چاروں شاذ و متروک ہیں۔ بِالدُّهۡنِ کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے بِالدُّهۡنِ واحد پڑھا ہے۔ ۲۔ بعض قراء نے بِالدِّهَانِ جمع پڑھا ہے پہلا قول درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب قرئت ہے۔ وَصِبۡغٍ کی قرئت میں تین قول۔ ا۔ اکثر قراء نے صِبۡغٍ حاصل مصدر پڑھا ہے ترجمہ ہے شوربے والا سالن کھانے والوں کے لئے۔ ۲۔ بعض قراء اور قاری کوفہ عامر بن عبداللہ کی قرئت میں ہے وَصِبَاغٍ ترجمہ ہے اور سالن بنانا ہے کھانے والوں کے لئے۔ ۳۔ قاری بصرہ عامر بن عبد قیس کی قرئت میں ہے وَمَتَاعًا لِّلۡاٰكِلِیۡنَ ترجمہ اور سامان ہے کھانے والوں کے لئے۔ مگر پہلی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب و جمہور ہے۔

فائدے

ان آیت سے مسلمانوں کو چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں رب تعالیٰ نے حصول پانی کے بہت ذرائع پیدا فرمائے ہیں۔ مثلاً دریا نہر سمندر کنوئیں نلکے چشمے ٹیوب ویل مگر بارش سب سے بہتر صاف ستھرا مفید ٹھنڈا میٹھا پانی حصول عام اور کثیر بارشی پانی ہے دیگر ذریعوں کے مقابل پانچ طرح یا سودمند ہے۔ ا۔ پہاڑوں پر کھیتوں باغوں گڑھوں میں سوائے بارشی پانی کے نہ کوئی پانی پہنچا سکتا ہے نہ پہنچایا جا سکتا ہے۔ دوم دنیا میں کھیت و باغات کے لئے زرعی زمین دو قسم کی ہے۔ (ا) آبیانی یعنی چاہی نہری پانی والی (۲) بارانی برساتی۔ لیکن بارانی زمین کسی نہر دریا کنوئیں چشمے کی محتاج نہیں ہاں البتہ آبیانی زمینی پانی کے باوجود بارش کی محتاج ہے اس لئے دعاء استسقاء تو مانگی جاتی ہے نہری دریا کی دعائیں نہیں مانگی جاتیں۔ سوم یہ کہ زمینی پانی صرف جڑوں کی نشوونما کرتا ہے لیکن بارش کے پانی کا نشوونما کے علاوہ یہ فائدہ عظیم بھی ہے کہ آج بادل خوب برسا اور برس کر کھل گیا ڈالی ڈالی پتہ پتہ بوٹا بوٹا دھل گیا (حفیظ جالندھری کی نظر دھنک سے) چہارم یہ کہ زمین کا پانی پودوں کو صرف خوراک مہیا کرتا ہے مگر بارشی پانی زرخیزی و خوراک کے علاوہ پودوں کے لئے شفائی دوا بھی ہے۔ کیونکہ بارشی پانی سے پودوں کی بہت سی بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں اور بیماری لانے والے بے شمار اندرونی بیرونی کیڑے مر جاتے ہیں۔ آج سائنسی زمانے میں جتنی بھی کیڑے مار دوائیاں کھیتوں باغوں میں چھڑکی جاتی ہیں ان سے اتنا فائدہ نہیں ہوتا جتنا کہ ایک بارش سے ہو جاتا ہے۔ بلکہ کیمیائی دواؤں سے تو مزید نقصان ہو رہا ہے کہ غلے کمزور اور کیڑے اگلے سال زیادہ طاقتور پیدا ہو جاتے ہیں۔ غرضیکہ زمینی پانی صرف غذا ہے مگر بارشی پانی غذا بھی۔ دوا بھی شفا بھی۔ پنجم یہ کہ زمینی پانی میں بہت سی ملاوٹیں کثافتیں نجاستیں نزاکتیں اور قیمتیں ہیں لیکن بارشی پانی میں نہ ملاوٹ نہ کثافت نہ نجاست نہ نزاکت نہ محنت نہ مشقت نہ قیمت نہ خرچہ۔ مفت کی نعمت اسی لئے قرآن مجید میں بارشوں کے پانی کو عظیم نعمت ربانی فرماتے ہوئے بار بار ذکر فرمایا گیا ہے۔ یہ

marfat.com

فائدہ یہاں وَاَنۡزَلۡنَا مِنَ السَّمَآءِ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے دنیا میں ہر مخلوق کے لئے کروڑہا نعمتیں نازل فرمائی ہیں۔ مگر سب سے بڑی نعمت پانی ہے دینی بھی دنیوی بھی۔ اخروی بھی کیونکہ جنت میں بھی پانی کی نہر کا پہلے ذکر ہے۔ پانی خود بھی نعمت عظیم اور ہزاروں نعمتوں کی پیداوار کا ذریعہ وسیلہ بھی۔ پانی کی حاجت وضرورت دنیا والوں کو بھی ہے دین والوں کو بھی جنت وجہنم والوں کو بھی۔ پانی سے ہی جنت کا ثواب ورحمت اور پانی سے ہی جہنم کا عذاب ورحمت۔ یہ فائدہ فَاَسۡکَنّٰهُ فِی الۡاَرۡضِ سے حاصل ہوا کہ تمام مخلوق بری' بحری' ہوائی فضائی کی تقریباً اسی فیصدی ضروریات پانی سے حاصل ہوتی ہیں۔ خلقتاً۔ ولادتاً بھی عبادتاً۔ غذاء۔ شفاء۔ دواء بھی **تیسرا فائدہ:** دنیا کے میووں میں کھجور' انگور اور زیتون سب میں عمدہ ہیں ان میں غذائیت دوائیت اور لذت کے بھرپور فائدے ہیں۔ اور ان کو ان مذکورہ فوائد کے لئے بہت طریقوں سے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً تازہ بھی خشک کر کے چھوارہ۔ منقہ۔ کشمش۔ اچار۔ مربہ۔ تیل۔ مشروبات۔ عرقیات۔ بہت قسم کی معجونیں دوائیں۔ نیز ان تینوں کی ہر چیز میں مختلف دوائی غذائی کیلشیم کے اثرات پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی لکڑی چھال جڑ پتے علیحدہ علیحدہ مفید اثرات رکھتے ہیں۔ یہ فائدہ ان آیت میں خصوصیت سے ان کے ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں اشیاء ماکولات کی دو قسمیں ہیں (۱) مطعومات (۲) مفکوہات یعنی غذا اور میوہ اس تقسیم کے اعتبار سے اس بات میں فقہا کا اختلاف ہے کہ کون کون چیزیں طعام وخوراک ہیں اور کون کون فواکہ وفروٹ ہیں امام اعظم فرماتے ہیں کہ ہر وہ معطوم جو فقط لذت وقوت حاصل کرنے کیلئے کھائی جائے اور دل تو بھر جائے مگر پیٹ نہ بھرے وہ فواکہ ہے اور جو چیزیں غذائیت حاصل کرنے کے لئے کھائی جائیں اور پیٹ بھرا جائے اگرچہ دل نہ بھرے وہ طعام ہے۔ اس کلیے سے سیب' تربوز' خربوزہ' ناشپاتی' کیلا' سنگترہ' مالٹا فواکہ ہیں۔ اور کھجور چھوارہ منقہ کشمش اور تمام خشک میوے ومغزیات مثلاً پستہ' بادام' ناریل' اخروٹ' چلغوزہ وغیرہ یہ سب مطعومات ہیں۔ اس تقسیم سے اگر کوئی شخص قسم کھالے کہ میں فواکہ یعنی فروٹ نہیں کھاؤں گا پھر وہ کوئی مغزیات میں سے کھالے تو وہ حانث نہیں ہوگا یعنی اس کی قسم نہ ٹوٹے گی کفارہ واجب نہ ہوگا۔ یہ مسئلہ فِیۡهَا فَوَاکِهُ کَثِیۡرَةٌ وَّ مِنۡهَا تَاۡکُلُوۡنَ کی تفسیر سے مستنبط ہوا جبکہ تَاۡکُلُوۡنَ کے حقیقی معنی منہ سے کھانا مراد ہوں۔ **دوسرا مسئلہ:** فقہ حنفی فتاویٰ درمختار میں ہے کہ اشیائے مطعومات اور مفکوہات کی تقسیم میں علاقائی رسم ورواج اور عرف واصطلاح کا اعتبار کیا جائے گا اسی عرف ورواج پر مسائل شرعیہ کا نفاذ ہوگا۔ یہ مسئلہ کَثِیۡرَةٌ کی کثرت اور مِنۡهَا کی بعضیت سے مستنبط ہوا کیونکہ اس کے بعد فرمایا گیا تَاۡکُلُوۡنَ جمع کا صیغہ جس میں ہر قوم کو مخاطب کیا گیا اس عمومی خطاب میں رواج وعلاقائی عرف کا اشارہ ہے (از تفسیر معانی) **تیسرا مسئلہ:** فقہاء اربعہ متفقہ فرماتے ہیں کہ مشروبات وماکولات میں جو چیز جس شخص کی طبیعت وجسمانیت اور مزاج کے موافق ومطابق ہو صرف وہی چیز ہر مسلمان مرد وعورت کو کھانی چاہئے اور بس اسی خوردونوش کا استعمال دواء غذاء لذۃً شرعاً جائز ہے۔ لیکن جو چیز طبیعت ومزاج کے لائق مطابق وموافق نہ ہو وہ نہ غذاء کھانا پینا جائز نہ دواء نہ لذۃً تیل ہو یا پھل یا کوئی غلہ یہ مسئلہ صِبۡغًا

marfat.com

لِلْاٰکِلِیْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ صِبْغًا کا تفسیری ترجمہ متاعاً یعنی نفع بخش ا کِلِیْنَ کا تفسیری ترجمہ ہے۔ موافقین اور لفظی ترجمہ ہے کھاسکنے والے کُلی معنی یہ ہوا کہ جس شخص کو طبعاً و مزاجاً و جسماً مفید ہو اور کھانے ہضم کرنے کی قوت رکھتا ہو فقط اس کے لئے یہ تیل متاع وصباغ ہے۔ یہی حکم شہد کے شفاء للناس ہونے کا ہے۔ غرضیکہ مسلمان کے کھانے پر شریعت اسلام کی یہی مشفقانہ کریمانہ پابندی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ چاہیے تھا کہ فرمایا جاتا وَاَمْطَرْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً یعنی بجائے نازل کرنے کے برسانے کا ذکر فرمایا جاتا۔ تاکہ سننے والوں کو بغیر تفسیری وضاحت کے ایک دم بات سمجھ آجاتی اور کلام مشاہد کے مطابق بھی ہو جاتا۔ ایمان لانا بھی آسان ہو جاتا کیونکہ بارش تو انسانی مشاہد میں ہے نہ تفسیری وضاحت کی ضرورت پڑتی نہ تقسیم کی۔ **جواب:** اَنْزَلْنَا فرمانا ہی نہایت مناسب و درست ہے۔ کیونکہ اَنْزَلْنَا جامع لفظ ہے اس نے نزول آب کی تمام کیفیات وحالات اور طریقہ لکھ کر بیان فرمادیا۔ قدرت کبریائی نے زمین پر پانی بہت طریقوں سے متعدد و مختلف مقامات پر بھجوا اتارا ہے۔ ا۔ جنت سے آیا پھر آسمانِ اول سے اترا۔ ۲۔ کرہ ہوا سے اترا۔ ۳۔ بادلوں سے برسا۔ یہ تو مقامات آب ہیں۔ پانی کے ذرائع بھی چند ہیں۔ ا۔ جبرائیل علیہ السلام لائے۔ ۲۔ سمندری بخارات اٹھ کر بادل بنے اور برسے۔ ۳۔ فضاؤں میں برف بنا پہاڑوں پر گرا پھر پگھل کر بہا اور ندی نالے بنے اور ان سے دریا بھرے دریا سے نہریں بنیں۔ ۴۔ پہاڑوں پر چشمے پھوٹے اور تا قیامت جاری ہوئے۔ اَنْزَلْنَا فرمانے میں یہ سب کیفیات ومقامات بیان ہو گئے اور پھر اَنْزَلْنَا فرمانے کی وجہ سے مِنَ السَّمَآءِ فرمانا اپنے تینوں معنی کے ساتھ درست بھی ہو گیا۔ (۱) اصلی آسمان (۲) سماء بمعنی بلندی (۳) من السماء یعنی آسمان کی طرف سے۔ اَمْطَرْنَا فرمانے سے یہ تمام کیفیات و مقامات کی تقسیمی وضاحت نہ ہوتی کیونکہ اَمْطَرْنَا منفرد المعنی لفظ ہے نیز یہ بھی کوئی یقینی نہیں کہ مطر کا مشاہدہ اللہ کی طرف سے نسبت کرنے اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ اس لئے کہ ہدایت ایمان تو توفیق باری تعالیٰ اور تقدیر الٰہی سے نصیب ہوتی ہے۔ دیکھو کفار دن رات بارشیں برف باری۔ ژالہ باری اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے بلکہ کسی کافر نے ان قدرتوں کو اپنے دیوتاؤں سے منسوب کر دیا کسی نے نجومی بن کر رفتار کوکب سیارگان کے برجوں کی طرف منسوب کر دیا اور محکمہ موسمیات والوں نے اپنے سائنسی آلات کے بتانے سے موسمی اتار چڑھاؤ کی طرف منسوب کر دیا۔ قدرت ربانی وحکمت رحمانی وقوت لاثانی کی طرف ان میں سے کسی کا دھیان بھی نہیں جاتا۔ اسی لئے نہ ایمان کی دولت پاتے ہیں نہ شکر کے سجدے بجالاتے ہیں۔ یہ اَنْزَلْنَا فرمانا بھی دعوت ایمان ہے۔ بایں وجہ صرف مومن مسلمان ہی اَنْزَلْنَا کی صحیح سچی نسبت پر عقیدہ ایمان رکھتے ہیں۔ مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر۔ **دوسرا اعتراض:** احادیث مقدسات اور مفسرین کے فرمودات سے ثابت ہوا کہ یہاں شَجَرَةً سے مراد زیتون کا درخت ہے، تو پھر آگے تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ کیوں فرمایا گیا۔ زیتون کا درخت تو دنیا کے بے شمار علاقوں میں اگتا اور پھلتا پھولتا ہے۔ جبکہ تَخْرُجُ فرمانے سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ شجر زیتون صرف جبل طور پر ہی اگتا ہے۔ قرآن مجید کی یہ بات عام مشاہدہ کے خلاف ہے۔

marfat.com

جواب: واقعی یہاں شجرۃ سے مراد درخت زیتون ہی ہے مگر تخرج فرمانے سے اس درخت کی اصل وطنیت و کثریت پیداوار اور ابتدائی خودروئی بتانا مقصود ہے یعنی شجر زیتون کی ابتداء آفرینش طور سینا کے علاقوں میں ہوئی یہ اس کا اصلی وطن ہے۔ اور جو علاقہ جس پودے کا اصل وطن ہو وہاں وہ پودا خودرو بھی ہوتا ہے اور کثرت سے بھی خود بخود باغات بن جاتے ہیں جنگل بھر جاتے ہیں لگانے اگانے شجر کاری کرنے میں کسی اہتمام یا نگہبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بخلاف دیگر علاقوں کے وہاں بطور شجر کاری اہتمام واحتیاط سے پودے لا کر لگانے پڑتے ہیں اور چند پودوں کا باغ بن جاتا ہے۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں مثلاً کوہ مری میں چیڑ، چلغوزہ، اخروٹ، ریٹھے وغیرہ خود بخود اگتے نکلتے ہیں اس لئے بے شمار ہیں یہ علاقہ ان درختوں کا وطن پیدائش ہے۔ اسی طرح زیتوں کا وطن طور سینا ہے۔ دوسرے علاقوں میں یہاں سے منتقل کر کے دیگر علاقوں میں لگائے گئے۔ اس لئے تَخْرُجُ فرمانا بالکل درست ہے۔ تَخْرُجُ فعل لازم نے یہی خودروئی بتائی اور خودروئی نے وطنیت۔ اگر یہ علاقہ اس کا وطن نہ ہوتا تو تَخْرُجُ کے بجائے تُخْرَجُ فعل مجہول یا تنبت ہوتا۔ تَخْرُجُ فعل معروف کا معنی نکلتے اگتے ہیں۔ اور فعل مجہول کا معنی ہے نکالے اگائے لگائے جاتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ چاہیے تھا فرمایا جاتا وَصِبْغٍ لِّلنَّاسِ یا لِلْعَوَامِ تاکہ ثابت ہوتا کہ زیتون عوام الناس کے فائدے کے لئے ہے۔ لِلْاٰكِلِيْنَ فرما کر افادیت کو کم کر دیا گیا

جواب: دنیا میں کھانے پینے کی چیزیں بھی دو قسم کی ہیں اور کھانے پینے والے لوگ بھی دو قسم کے ہیں بعض چیزیں ایسی لطیف ہوتی ہیں کہ ہمیشہ ہر موسم ہر علاقے میں کسی شخص کے لئے مفید و موافق اور کسی موسم کسی علاقے میں کسی شخص کے لئے نقصان دہ۔ اسی طرح کچھ انسان طبعاً و مزاجاً قوی ہوتے ہیں کہ ہر چیز ہر موسم ہر علاقہ میں ان کی طبیعت و مزاج کے موافق و راس آجاتی ہے۔ اور کچھ انسان سردی و گرمی بلغمی، صفراوی دباؤ سے نازک مزاج ہوتے ہیں کہ کئی اشیاء کسی موسم یا کسی علاقے میں ان کی طبیعت کے موافق نہیں آتی۔ ثقیل و گرم غذائیں بجائے فائدے کے نقصان دیتی ہیں۔ اسی کیفیت انسانی کا بیان مشکوٰۃ شریف باب الطب ص ۳۶۰ پر ایک حدیث مقدس میں اس طرح فرمایا گیا فصل ثالث عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمِعْدَةُ حَوْضُ الْبَدَنِ وَالْعُرُوْقُ اِلَيْهَا وَارِدَةٌ فَاِذَا صَحَّتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتَ الْعُرُوْقُ بِالصِّحَةِ وَاِذَا فَسَدَتِ الْمِعْدَةُ صَدَرَتِ الْعُرُوْقُ بِالسَّقَمِ یعنی بدن مثل شجر، رگیں مثل شاخ اعضاء مثل پتے، معدہ مثل حوض خوراک مثل پانی اگر پانی صاف وشفاف ہے تو موافق ہے اور درخت شاخیں پتے سب تندرست و صحت مند ورنہ بیمار کمزور و نقصان میں۔ زیتون کا تیل اور پھل ثقیل و طاقتور غذاؤں میں سے ہے۔ اس لئے کسی انسان کو موافق ہے کسی کو نا موافق تو آیت مقدسہ میں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ اے لوگو یہ زیتون کا تیل صرف آکلین کے لئے سالن ہے ہر شخص کے لئے نہیں۔ اور آکلین وہ ہیں جو اس کو کھانے کی ہمت اور ہضم کر لینے کی طاقت رکھتے ہیں۔ ہر شخص اس کو کھانے لگانے کا عادی نہ بنے بلکہ اپنے علاقہ کے طبیب حاذق سے پوچھ کر کھائے لگائے۔ جن کی طبیعت کو موافق نہ آتا ہو ان کے لئے کھانا لگانا جائز نہیں۔ یہ صِبْغٍ لِّلنَّاسِ نہیں ہے۔ فقط صِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ہے یہی حکم شہد و دیگر ثقیل غذاؤں کا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

اور اے وادی طریقت کے سالکین طلب ہم نے ہی نازل فرمایا آسمان سے رحمت و برکات کے پانی کو راہِ معرفت کے مسافر کی

marfat.com

استعداد اہمیت اور قوت برداشت کے قدر رو انداز سے پھر ہم نے ہی آب رحمۃ و برکات کو ماء افکار کو وجود سالک کی زمین قالب میں ٹھیرایا۔ پھر ہم نے ہی پیدا فرمائے تمہارے لئے اسے زاہدانِ شوق و طالبان ذوق و کاملانِ محبت نخیل معارف و اعناب کشف و کشائف علوم شریعت کی تازہ نخل و کھجور اور اصول طریقہ کے شاداب جنّتِ اعناب اے عابدو تمہارے لئے ان چمنیات روحانیہ میں واجبات و فرائض کی روحانی غذائیں ہیں۔ اور نوافل و سنن سے فواکہ کثیر ہیں۔ یاد رکھو کہ فرائض میں غذائیں ہیں واجبات میں لطائف ہیں نوافل میں لذائذ ہیں۔ سنتوں میں تنعم ہے۔ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ اے قلب وعقل و روح فکر والو تم واجبات عبادات سے وہ لطیف غذائیں کھاتے ہو جن کے بغیر شریعت و طریقت کا قوام وجودی ہی مکمل نہیں ہوتا۔ اس لئے اگایا ہم نے رحمت و برکت کے پانی سے تمہارے لئے وہ شجر نور جو نکلتا چڑھتا طلوع ہوتا ہے تجلیات الٰہی کے سینا میں قلب عارف کے طور منور سے تَنۡۢبُتُ بِالدُّهۡنِ پیدا ہوتا ہے اس شجر نور میں فراست ایمانی استعداد ایقانی اور ہمت عرفانی و قوت لاثانی، عشق رحمان کا تیل۔ وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ اور دکان محبت سے روحانی غذائیں کھانے والوں کے لئے اسرار حقیقت کا سالن ہے یہی وہ طعام لافانی ہے جو مزاج سالکین و طبیعت عاشقین کے مطابق ہے (از تفسیر روح المعانی) اور نازل فرمایا ہم نے روح آسمانی سے علم یقینی کا پانی تو ٹھیرایا اور جمایا ہم نے اس علم یقینی کے پانی کو نفس مطمئن مسکینیہ کی زمین میں اور ہم قادر ہیں اس پر کہ لے جائیں اور ختم کر دیں یا چھپا دیں اس کو حجابات ظلمات کے پردوں میں لیکن ہم نے اس علم یقین کے پانی کو مخزن انوار و معدن اسرار میں باقی رکھا۔ پھر اس ماء مستور سے اگائے ہم نے تمہارے لئے زمین وجود میں مواہب لدنیہ و اموال یقینیہ کے نخیل اور اخلاق و اعمال کے اعناب والے سدا بہار لہلہاتے چمن و باغات مواہب و احوال اخلاق و اعمال کے ان ہی باغوں چمنوں کھیت و کھلیان تمہارے لئے نفوس و قلوب و ارواح کے ثمرات کثیرہ اور عقل و فراست کے فواکہ لذیذہ ہیں۔ وَمِنۡهَا تَاۡكُلُوۡنَ اور ان ہی سے تم تقویٰ طہارت عظمت و صفت عزت دنیوی دولت دینی کی غذائیں کھاتے ہو۔ اور اسی ماء منور سے ہم نے تمہارے لئے تفکر، تعقل، تدبر، تذکر کے مبارک شجرہ طیبہ اگائے جو نکلتے ہیں سَيۡنَآءَ قلب مزکی کے طور دماغ و مزاج جبلی سے عقل سلیم کا تیل مفید و روغن نفیس کے ساتھ عقل کاسب کی ناری روشنی اور استعداد اشتغال و اعمال صالحہ کا روغن وَصِبۡغٍ لِّلۡاٰكِلِيۡنَ اور اے سالکین معرفت اسی زیتون لاہوتی میں لون نوری و ذوق حالی کا لذیذ و مفید سالن ہے اہل بصیرت شائقین حقیقت و طالبین عالمین کے لئے۔ (محی الدین ابن عربی) جس طرح آسمان رفعت سے آب رحمت کا چھینٹا برسایا جس سے قلوب صالحین کو زندہ فرمایا اور نافرمانی کے میل کچیل کو مٹایا۔ آثارِ ذلت کو ہٹایا اسی آب رحمت و برکت سے قلوب عارفین کی زمین شوق میں فنون کرامات کی بجلیاں چمکائیں اور انوار روح کی نعمتیں سجائیں۔ اور جس طرح رب کائنات آسمانی پانی سے بھرتا ہے بحار کو پھلدار کرتا ہے اشجار کو جاری فرماتا ہے انہار کو۔ زندہ رکھتا ہے افراد کو اسی طرح آسمان کرم و کرامات کے پانی اگاتا ہے عرفان کے درختوں کو اور لذت دار فرماتا ہے کشف اسرار کے پھلوں کو اور سدا بہار بناتا ہے اعیان کے پھولوں کو کھلاتا ہے انوار کے غنچوں کو صوفیاء فرماتے ہیں کہ مادیات کی نعمتیں عبرت ہیں۔ روحانیت کی نعمتیں حیرت ہیں۔ ظاہر کی نعمتیں فکر ہیں۔ باطن کی نعمتیں شکر ہیں۔ تاکہ بندہ یہ نعمتیں دیکھ کر منعم حقیقی کی طرف رجوع و توجہ کرے دنیا کی نعمتوں کو عوام کھاتے ہیں خواص بچتے ہیں۔ غافل پیٹ بھرتے ہیں عاقل خالی رکھتے ہیں دنیا ابتدائی نعمت والی ہے آخرت انتہائی نعمت والی ہے۔ عقلمند مہمان

marfat.com

ابتدائی کھانوں سے پیٹ نہیں بھر لیتا انتہا پر نظر رکھتا ہے حدیث مقدس میں ارشاد ہے جُوْعُوْا نُفُوْسَکُمْ لِوَلِیْمَۃِ الْفِرْدُوْسِ یعنی اپنے پیٹوں کو دنیا میں بھوکا وخالی رکھو جنت فردوس کے کھانوں اور مولیٰ تعالیٰ کی دعوتوں کے لئے۔ حضرت سعدی نے فرمایا اے بندے قلب کی ہر خواہش کے پیچھے مت جا کیونکہ خواہش قلب میں بدن کا آرام ہے اور بدن کے آرام میں جان کا وبال ہے جس سے نور جان کم ہو جاتا ہے نفس امارہ ذلیل کرتا ہے شیطان مکارہ شریر بناتا ہے۔ اگر تو ہوش مند ہے تو نفس وشیطان کو پیارا نہ سمجھ۔ اگر ہر چیز کھانا برتنا شروع کر دی جائے تو بہت جلدی نامرادی آ جائے گی۔ بعض صوفیا نے فرمایا کہ جنت میں تیس قسم کے پھل ہیں دس کا چھلکا ہے دس کا چھلکا نہیں۔ اور دس کا نہ چھلکا ہے نہ گٹھلی عارف کامل کے سینہ سینا کے مقام خفی میں ہیں طور روحانی سے ایک خفیہ درخت اسرار اگتا ہے جس میں تاثیر تجلیات سے صفات انوار کا تیل پیدا ہوتا ہے اس کو روغن استعداد و توفیق بلا واسطہ کہا جاتا ہے۔ اس کا اصلی وطن مقر اور مقام خفی روح کے اوپر ہے یہ بھید ہے بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان۔ جس کا ملائکہ مقربین کو بھی پتہ نہیں لگتا۔ یہی غذاء روحانی اور صِبْغٍ لِّلْاٰکِلِیْنَ کی ہمت عرفانی ہے (روح البیان) چمن حیات میں دو قسم کے درخت ہیں اور ان میں دو قسم کے ہی پھل لگتے ہیں۔ ایک درخت مبارکہ علم نور ہے اس کا پھل عمل صالحہ ہے دوسرا درخت دولت ہے اس کا پھل شرافت ہے اگر علم کے ساتھ عمل نہ ہو اور دولت کے ساتھ شرافت نہ ہو تو دونوں بیکار جھاڑ جھنکاڑ ہے اے بندگانِ سلوک تمہاری منزل سیناء روحانیت کا طور قلب ہے۔ اس میں وہ کہ شجر مبارکہ ہے جہاں جامد و معبود طالب و مطلوب کی ہمکلامی ہوتی ہے لہٰذا اپنے ارادۂ منزل کو مضبوط کرو جب انسان کے ارادے کمزور ہوں تو منزل سے بھٹک جاتا ہے۔ سب سے بڑا علم معرفت الٰہی ہے اور سب سے بڑی دولت عقل سلیم اور غناء عمیم ہے۔ اور سب سے بڑی غربت ومحتاجی جہالت وحماقت ہے۔ اے لوگو اگر تم مثالی اور خوبصورت زندگی گزارنا چاہتے ہو تو پھولوں سے سیکھو جو کانٹوں کے اندر رہ کر بھی مسکراتے رہتے ہیں۔ حقیقتاً زندگی مسکرانے کا نام ہے۔ ایسی مسکراہٹ اختیار کرو جو سدابہار ہو جس کو زوال نہ ہو ابدی ہو یہاں تک کہ جب موت آئے تو اس وقت بھی مسکراہٹ نمودار ہو اس لئے دامن کو آستانہ نبوت سے جدا مت ہونے دو کیونکہ شاخ سے ٹوٹے ہوئے پھول کی خواہ کتنی بھی حفاظت کی جائے مگر اس کی زندگی چند لمحوں سے زیادہ نہیں ہوتی۔

وَ اِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً ؕ نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِھَا

اور بیشک تم انسانوں کے لئے چوپایہ جانوروں میں غور کرنا ہے کہ ہم پلاتے ہیں جو ان کے پیٹوں میں ہے

اور بیشک تمہارے لئے چوپایوں میں سمجھنے کا مقام ہے ہم تمہیں پلاتے ہیں اس سے جو ان کے پیٹ میں ہے

وَ لَکُمْ فِیْھَا مَنَافِعُ کَثِیْرَۃٌ وَّ مِنْھَا تَاْکُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَ عَلَیْھَا

اور تمہارے لئے ان جانوروں میں بہت ہی نفع ہیں اور ان جانوروں کو تم کھاتے بھی ہو اور ان چوپایوں پر

اور تمہارے لئے ان میں بہت سے فائدے ہیں اور ان سے تمہاری خوراک ہے اور ان پر

وَ عَلَی الْفُلْکِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ ع وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِہٖ

marfat.com

اور بڑی کشتیوں پر سوار بھی کیے جاتے ہو اور البتہ بے شک بھیجا تھا ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف
اور کشتی پر سوار کیے جاتے ہو اور بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف سے بھیجا
فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ
تو فرمایا تھا انہوں نے اے میری قوم تم سب عبادت کرو صرف اللہ تعالیٰ کی نہیں تمہارے لئے کوئی بھی معبود بننے کے لائق
تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا کوئی تمہارا خدا نہیں۔
اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾
اس کے بغیر تو کیا تم ڈرتے نہیں ہو
تو کیا تمہیں ڈر نہیں

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں کھیت و باغات و بیلوں و بوٹوں کی پیدائش کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں زمین کے گھریلو جانوروں چوپایوں کی خلقت کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن کے ذریعے کھیتی باڑی میں مدد لی جاتی ہے۔ وہ بھی بقاء حیات دنیوی کے لئے ضروری ہیں اور یہ جانور بھی انسانی زندگی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔ بتایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اپنی مخلوق سے غافل نہ ہونا یہ بھی ہے کہ اس کی ضروریات بقا کا خیال واہتمام فرماتا ہے۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیات میں کھیتوں باغوں کے غلوں اور پھلوں میووں کا ذکر فرما کر خوردنی غذاؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں دودھ دینے والے جانوروں کا ذکر فرما کر مشروبی غذاؤں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: انسانوں کو رب تعالیٰ نے چلنے پھرنے برتنے سلطنت حکومت کرنے کے لئے دو ہی مقام عطا فرمائے ہیں (۱) خشکی و بری (۲) بحری و دریائی پچھلی آیت میں بری علاقہ پیدا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں بحری علاقوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت رازقیت مالکیت کرنے کا ذکر فرما کر الٰہیت کو ثابت فرمایا گیا اب ان آیت میں اللہ تعالیٰ کے وحدہ لاشریک لہ ہونے پر تمام انسانوں کو ایمان لانے کا دعوتی حکم دیا جارہا ہے کہ دعوت ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت زمانوں پہلے اپنے رسول نبی نوح علیہ السلام کو مبعوث فرمایا اور ثابت فرمایا گیا کہ صرف تعلیم نبوت ہی سے اللہ تعالیٰ کو صحیح طریقے سے جانا جاسکتا ہے۔ آستانہ نبوت کی تعلیم وتبلیغ کو چھوڑ کر نہ کوئی ایمان معتبر نہ عبادت نہ توحید۔

تفسیر نحوی

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ واو سر جملہ اِنَّ حرف مشبہ لام جارہ نفع کا کم ضمیر کا مرجع سب انسان تا قیامت یہ مجرور ہے اور جار مجرور متعلق اول ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا فی جارہ ظرفیہ مکانی کے لئے الف لام حرفی استغراقی عام مخصوص البعض انعام چوپایہ گھریلو حلال

marfat.com

جانور نعم کی جمع ہے مجرور ہے یہ دونوں جار مجرور متعلق دوم لام کے صرف تاکید عبرۃ اسم مفرد مونث لفظی لغوی معنی ہے بچ جانا ہٹ جانا اصطلاح میں نصیحت پکڑنا' غور وفکر کرنا' یہاں اس معنی میں ہے۔ بحالت نصب ہے کیونکہ اِنَّ کا اسم موخر ہے موصوف ہے۔ نُسۡقِیۡ باب افعال کا مضارع حال مثبت معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِسۡقَاءٌ بمعنی پلانا متعدی ہے۔ سُقۡیٌ سے بنا ہے بمعنی پینا یہ مادہ مصدری لازم ہے افعال میں متعدی ہوا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جمع متکلم کُمۡ ضمیر مفعول بہ۔ مِمَّا دراصل من ما ہے۔ من حرف جر بعضیت کے لئے ما اسم موصول فی جارہ ظرفیت مکانی کے لئے بُطُوۡنِ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے بطن لغوی معنی ہے پوشیدہ جگہ اسی سے ہے باطن ظاہر کا مقابلہ اصطلاح میں ہر جاندار کے پیٹ کو بطن کہا جاتا ہے۔ مضاف ہے ھا ضمیر واحد مونث غائب برائے جمع غائب کیونکہ غیر عقل جمع کے لئے واحد غائب کی ضمیر ہی لائی جاتی ہے۔ اس کا مرجع ہے انعام یہ ضمیر مضاف الیہ ہے۔ بُطُوۡنِ مضاف کا دونوں مل کر مجرور فی سے دونوں مل کر متعلق ہے موجودٌ پوشیدہ اسم مفعول کا یہ اپنے نائب فاعل اور اس متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلا ہوا ما کا یہ موصول صلا مل کر مجرور ہوا من کا یہ دونوں مل کر متعلق ہے نُسۡقِیۡ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے عِبۡرَۃً کی یہ مرکب توصیفی اسم موخر ہے اِنَّ کا مَوۡجُوۡدٌ پوشیدہ اپنے نائب اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عطف ہے لَکُمۡ فِیۡھَا مَنَافِعُ کَثِیۡرَۃٌ کے جملے پر یہاں بھی مَوۡجُوۡدٌ پوشیدہ ہے۔ لکم اس کا پہلا متعلق فِیۡھَا جار مجرور اس کا دوسرا متعلق۔ مَنَافِعُ اسم ظرف جمع منتہی الجموع اس کا واحد مذکر اور مَنۡفَعٌ واحد مونث مَنۡفَعَۃٌ ہے نَفۡعٌ سے مشتق ہے باب فتح سے ہے۔ ترجمہ ہے فائدے کی چیزیں اور سامان۔ مضبوط لمبی لاٹھی کو اسی معنی میں منفعۃ کہا جاتا ہے۔ غیر منصرف ہے۔ ممیز کثیرۃ اسم مفرد مونث اسم فاعل مبالغہ باب کرم سے ہے بروزن فَعِیۡلَۃٌ یہ تمیز ہے ممیز تمیز مل کر نائب فاعل ہوا مَوۡجُوۡدٌ پوشیدہ کا سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا پہلے لَکُمۡ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا واؤ پر جملہ مِنۡ حرف جار ھَا ضمیر مجرور دونوں مل کر متعلق مقدم ہے تَاۡکُلُوۡنَ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر حاضر اکلٌ سے مشتق ہے معنی ہے چبا کر کھانا نگل کر کھانے کو عربی میں بَلۡعٌ کہتے ہیں صرف چبانے کو مَضۡعٌ کہا جاتا ہے تَاۡکُلُوۡنَ اپنے پوشیدہ فاعل اَنۡتُمۡ ضمیر اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ سر جملہ عَلَیۡھَا جار مجرور مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ علی حرف جر فوقیت کے لئے اَلۡفُلۡکُ الف لام جنسی فلک اسم جامد یہاں جمع کے لئے ہے اس کا واحد بھی فلکٌ ہی ہوتا ہے اور جمع بھی نحات کہتے ہیں کہ اگر بروزن قُفۡلٌ ہو تو واحد ہے اگر بروزن اُسۡدٌ ہو تو جمع ہے ترجمہ ہے کشتیوں پر یہ جار مجرور معطوف ہے عَلَیۡھَا پر دونوں مل کر متعلق مقدم ہے۔ تُحۡمَلُوۡنَ باب ضرب کا مضارع حال مثبت مجہول جمع مذکر حاضر غائب فاعل اَنۡتُمۡ پوشیدہ ضمیر صیغہ حملٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے اٹھانا' لادنا' سنوار کرنا' بہر حال متعدی ہوتا ہے یہ فعل اپنے نائب فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا وَ لَقَدۡ

اَرۡسَلۡنَا نُوۡحًا اِلٰی قَوۡمِہٖ فَقَالَ یٰقَوۡمِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ اِلٰہٍ غَیۡرُہٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ واؤ سر جملہ لام تاکیدی بمعنی البتہ قَدۡ اَرۡسَلۡنَا باب افعال فعل ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم رسلٌ سے بنا اس کا مصدر ہے ارسال بمعنی بھیجنا مادہ اور مصدر دونوں متعدی ہیں بیک مفعول اس کا فاعل نَحۡنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ نُوۡحًا اسم مفرد عربی علم ہے نام ہے ایک نبی علیہ السلام کا نوح۔ مصدر سے اسم مبالغہ ہے ترجمہ ہے بہت نوحہ گریہ زاری کرنے والا۔ بحالت نصب ہے مفعول بہ

marfat.com

ہے اِلٰی حرف جر برائے انتہا قوم اسم لفظاً مفرد ہے معناً جمع۔ مراد ہے پوری امت دعوت۔ مضاف ہے ہ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مرجع سے نوحاً مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہے الٰی جار مجرور دونوں مل کر متعلق ہے قَدْ اَرْسَلْنَا کا یہ فعل بافاعل اپنے مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ ف تعقیبیہ بلا تراخی قَالَ۔ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر قَوْلٌ سے مشتق ہے بمعنی بولنا کہنا فرمانا تبلیغ کرنا اس کا فاعل هُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع ہے نوحاً یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا یا حرف ندا ترجمہ ہے اے قَوْمِ دراصل ہے قومی بمعنی میری قوم۔ قوم مضاف یا متکلم مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی منادی۔ اُعْبُدُوْا باب نصر کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر عبدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے عبادت کرنا۔ معبود سمجھ کر کسی کا حکم ماننا۔ اُعْبُدُوْا آخر میں الف تفخیم یعنی بھراؤ و خانہ پری کے لئے ہے اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ اس کا مرجع قوم ہے۔ اللہ موصوف ہے مابعد عبارت کا۔ ما اسم موصول۔ لَكُمْ جار مجرور پہلا متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول واحد مذکر کا مِنْ جارہ بیانیہ اِلٰهٍ اسم مفرد نکرہ مجرور۔ ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا غَيْرُهٗ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ کا غَيْرُهٗ میں ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ ہے۔ مَوْجُوْدٌ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا ما موصول کا یہ موصول صلہ مل کر صفت ہے۔ اللہ موصوف اپنی صفت سے مل کر مفعول بہ ہے۔ اُعْبُدُوْا کا یہ فعل امر بافاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا ہوا۔ حرف ندا اپنے منادی اور جواب ندا سے مل کر مقولہ اول ہوا۔ اَفَ دراصل ہے فَاَ۔ ترجمہ ہے تو کیا۔ تَتَّقُوْنَ۔ باب افتعال فعل مضارع حال یا مستقبل منفی معروف جمع مذکر حاضر ہے اس کا مصدر۔ اِتِّقَاءٌ دراصل تھا اِتْتِقَاوٌ نحوی تعلیل سے اتتقاءٌ ہو گیا ت کو ت سے ادغام کیا گیا اور آخری واؤ کو ثقیل ہونے کی وجہ سے ہمزہ سے بدل دیا گیا اِتِّقَاءٌ ہو گیا۔ تَقْوٰی سے بنا۔ ہے ترجمہ ڈرنا' پرہیز گار ہونا لازم بھی ہوتا ہے متعدی بھی۔ لازم ہو تو معنی ہوتا ہے پرہیز گار ہونا۔ متعدی ہو تو معنی ہوتا ہے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ سوالیہ انشائیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ قَالَ اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهَا وَلَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ وَّمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ ﴿۲۲﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾ اے انسانو کائنات عالم کی ہر ہر چیز ہم نے تمہارے لئے نعمت دنیوی بنائی ہے۔ ہم نے تمہیں پیدا کر کے کسی دوسرے کے سہارے نہیں چھوڑ دیا نہ کوئی دنیا میں تمہارا سچا پکا سہارا بن سکتا ہے نہ کسی کی ہمت و قوت ہے یہ بات کائنات مخلوق کا ذرہ ذرہ اپنے حالات مقالات کیفیات سے خود بخود دبتا رہا ہے اور پکار پکار کر سمجھا رہا ہے کہ

وہ کون ہے کہ کبھی نیند ہے نہ اونگھ جسے ہے لحہ لحہ خبردار اپنے بندوں سے
وہی تو خالق و مالک ہے سارے عالم کا کہ لائق اور سزا وار ہے کل حمد جسے

(ڈاکٹر مشاہد)

اے انسانو فرماتا ہے تمہارا مالک و معبود کہ ہم نے کھولے ہوئے ہیں تمہارے لئے زمین و آسمان کے دروازے اور تم کو حیوانیت

marfat.com

گائے کے گوشت کا کھلانا ثابت ہے کھانا ثابت نہیں۔ دسویں نعمت وَعَلَیْهَا وَعَلَی الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ اور اے انسانو ہمارے ان پیدا کردہ مسخر چوپایوں کے وجود واجسام کی قوت طاقت قد وقامت کے اندر تمہارے لئے یہ فائدہ بھی ہے کہ ہر قسم کی بری صحرائی میدانی پہاڑی ریگستانی اونچی نیچی چڑھائی اترائی میں سیر وسیاحت سفر کے لئے سواری انسانی بار برداری سامانی کا کام حاصل کرتے ہوئے ان جانوروں کی پیٹھوں پر ان کی گاڑی تانگہ سیٹوں پر تم لادے سوار کئے جاتے ہو۔ تھوڑے اور لمبے سفر ریگستانی وغیرہ سفروں میں نر و مادہ اونٹ تیز وجلدی کے لئے سفر میں ہیں اونٹ کے پیروں کو قدرت نے ریگستان میں چلنے کے لئے منفرد شکل پر بنایا ہے اس لئے ریگستان میں کوئی جانور اس کا مقابلہ ورفتار نہیں کرسکتا۔ اہل عرب اونٹ کو ریگستانی جہاز کہتے ہیں۔ ذوالرومہ شاعر کہتا ہے۔

سَفِیْنَةُ الْبَرِّ تَحْتَ خَدِّیْ زَمَامُهَا اِبِلُ الْعَرَبِ بِمِثْلِ اَسْتَخْدَامُهَا

یعنی خشکی کا جہاز جس کی لگام میرے چہرے کے نیچے یعنی سامنے ہے عرب کا اونٹ جس کی خدمت گزاری بے مثل ہے۔ گھوڑا نر و مادہ تیز سفر کے لئے بوجھل ومشکل سفر میں۔ خچر نر و مادہ ہے قریبی چہل قدمی وست رفتاری کے لئے نر بیل وسانڈھ۔ علاقائی بار برداری یا لمبے ہلکے سفر وسیاحت کے لئے گدھا نر و مادہ پیٹھ پر بٹھا کر یا کسی تانگے میں لگا کر سواری بنا کر یا گاڑی سجا کر کتنی سہولتیں پیدا کی گئی ہیں۔ سفر وحضر کی ضروریات انسانی پوری کرنے کے لئے اور اے انسانو ہم نے سمندری سفر وسیاحت فرحانی کرنے، بنانے مال کمانے کے لئے بڑے چھوٹے جہاز وکشتیاں مہیا فرمائیں۔ جس پر ملکیتاً عاریتاً استعارۃً اجرۃً استجارۃً تم لادے جاتے ہو سوار کئے جاتے ہو بشکل مسافر انسانی بھی۔ اور مال برداری سامانی بھی کہ ہزاروں میل کے مسافر ہزاروں منوں بوجھ کا سامان دن رات ادھر سے ادھر لاتے لیجاتے ہو۔ آج تم لوگ کشتیاں بھی بنا لیتے ہو بحری جہاز بھی مگر پہلے زمانوں میں تو تم کو دریائی سفر باسہولت کا علم ہی نہ تھا۔ روئے زمین پر کوئی کشتی، جہاز، آبدوز موجود ہی نہ تھا انسانی آنکھ کو تاریخ کے اوراق کو وجود کشتی کا پتہ ہی تھا نہ علم نہ شعور تب ہم نے ہی سفینائے بحری سے متعارف کرانے فنکاری فلکی سکھانے اور اس انعام الٰہی کو سمجھانے۔ احسان وحدہ لاشریک منوانے تبلیغ دین فرمانے انسانوں کو انسانیت سکھانے مہذب بنانے آستانہ معبود پر جھکانے کے لئے۔ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ اور البتہ بے شک بھیجا ہم نے نوح علیہ السلام کو اس وقت کی پوری انسانی قوم کی طرف جو ان کی ہی خاندانی برادری تھی۔

حضرت نوح علیہ السلام کے مختصر حالات

نوح علیہ السلام کی کل عمر مبارک ایک ہزار پچاس ۱۰۵۰ سال ہوئی۔ چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت کی اجازت ملی اور نو سو پچاس سال تبلیغ فرمائی۔ اس مدت کا صریحی ذکر سورۃ عنکبوت کی آیت ۱۴ میں فرمایا گیا۔ طوفان کے بعد ساٹھ سال حیات رہے۔ اس طرح پوری عمر ایک ہزار پچاس سال بنتی ہے۔ قرآن مجید میں آپ کا ذکر اٹھائیس ۲۸ سورتوں کی تینتالیس ۴۳ آیتوں میں فرمایا گیا ہے۔ جن میں ہر آیت کے اندر آپ کی تبلیغی زندگی کے مختلف پہلوؤں اور واقعوں کا ذکر ہے۔ ان تمام آیت میں آپ کا لقب نوح ہی مذکور رہا۔ آپ کا ذاتی نام والدین کا رکھا ہوا عبد الغفار تھا۔ پھر قبیلے میں عبداللہ نام مشہور رہا۔

marfat.com

آپ کا شکر الٰہی سن کر مومن لوگ آپ کو شا کر یا شکر کہتے تھے آپ کے لقب لفظ نوح کی چار وجہ مفسرین نے بیان فرمائی ہیں جن میں صحیح صرف یہ ہے کہ آپ مناجات کبریائی کے وقت بہت روتے آہیں بھرتے تھے نوحہ فرماتے تھے لفظ نوحہ کی وجہ سے آپ کا لقب نوح ہوا۔ اور کفار کے منہ سے رب تعالیٰ کی گستاخی بے ادبی سن نہ سکتے تھے اور غم وغصہ برداشت نہ کر سکنے کی بنا پر آپ کے آنسو نکل آتے تھے۔ اس لئے بھی آپ کا لقب نوح ہوا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ لقب اتنا مقبول ہوا کہ تاریخی تشہیر کے علاوہ کلام الٰہی نے بھی اس لفظ ولقب کو زینت بخشی اور لوگ اصل نام ہی بھول گئے۔ (از تفسیر صاوی وکبیر) بعض مفسرین نے فرمایا کہ یہ تینوں نام بیک وقت نہ تھے بلکہ ان میں سے ایک ہی نام تھا یا عبد الغفار یا عبد اللہ یا شکر وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب جب نوح علیہ السلام چالیس سالہ ہو کر تبلیغ رسالت کے لئے مبعوث و ماذون ہوئے۔ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ پس پہلی تبلیغ سے فرمانا شروع کیا اے میری قوم بت پرستی چھوڑ دو اور صرف اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک لہ کی معبودیت خالقیت مالکیت پر ایمان لاؤ کیونکہ تمہاری عبادتوں سجدوں کا وہی معبود ومسجود مستحق ہے۔ اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہ ہے نہ ہو سکتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کسی کو سجدہ جائز نہ طواف واعتکاف نہ دعا صرف وہی اللہ تعالیٰ جل وعلیٰ تمہاری دعاؤں کو قبول فرمانے والا فریادوں کو سننے والا اور تم کو صحت شفا عزت کی دولت رزق کی روزیاں دینے والا ہے۔ یہ قدرتیں طاقتیں حکمتیں صرف معبود کے پاس ہی ہو سکتی ہیں اور چونکہ اس کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں اس لئے ان نعمتوں سے معبود حقیقی کو پہچانو اسی کو مانو اسی کی عبادت کرو۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ تو کیا تم لوگ خالق تعالیٰ سے ڈرتے نہیں اور کیا تم کو حالات کے ماحول کا علم نہیں اور حالات زمانہ کے علم کے باوجود کیفیات کی معرفت نہیں ہوتی اور اشیاء عالم کی کمیات ومقدارات میں عقل کا تدبر وفہم کا لحاظ اور عمل کا خیال نہیں رہا کہ تم اپنے ہی ہاتھوں کے پانچ بنائے تراشے خراشے بت سواع۔ ود۔ یغوث۔ یعوق۔ نسر کی پرستش میں لگے ہوئے ہو۔ خیال رہے کہ قوم نوح کے پانچ بتوں کا نام سورۃ نوح کی آیت ۲۳ میں ہے۔ قوم نوح میں پانچ بڑے مذہبی قبیلے تھے۔ ۱۔ قبیلہ بنو فاران ان کا بت یعوق تھا گھوڑے کی شکل کا۔ ۲۔ قبیلہ عمالقہ ان کا بت یغوث تھا شیر کی شکل کا۔ ۳۔ قبیلہ قبط ان کا بت ود تھا بیل کی شکل کا۔ ۴۔ قبیلہ فاران ان کا بت سُوَاعَ تھا عورت کی شکل کا۔ ۵۔ قبیلہ نوح بنو مرادان کا بت نسر تھا مرد کی شکل کا۔ یہ تبلیغ بار بار فرمائی جاتی اور آپ فرماتے کہ اے میری قوم والو تم کو اللہ تعالیٰ کا ڈر اس کے عذاب کا خوف کفر شرک کی نجاستوں اور فسق وگناہ کی گندگیوں سے بچنے پر ہیز کرنے کا تقویٰ نہیں ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فرما کر نوح علیہ السلام نے سوالیہ انداز میں قوم کو تین دعوتیں پیش فرمائیں پہلی دعوت عقل یعنی کیا تم اس لئے تقویٰ ایمان وصداقت کی ضرورت محسوس نہیں کرتے کہ تم لوگ اشیاء عالم چڑھتے ڈھلتے سورج چاند ونظام عالم کی گردش ورفتار سے جاہل ہو۔ اَجَهِلْتُمْ۔ دعوت دوم دعوت معرفت اَفَلَا تَعْرِفُوْنَ کیا تم جاننے کے باوجود پہچانتے نہیں۔ لہٰذا میری مانو اور کائنات کی حقیقت حال کو جانو پہچانو۔ دعوت سوم علم وعمل کا اہتمام ولحاظ رکھنا۔ یعنی میری قوم برادری والو کیا تم سب پہچاننے کے باوجود تدبر وتفکر کا اہتمام نہیں کرتے۔ اس بے رغبتی کی بنا پر تقویٰ نہیں اور جب خوف خدا کا تقویٰ نہیں تو کفریات کی پرواہ نہیں اے لوگو سمجھ لو کہ ہدایت سے تقویٰ۔ تقویٰ سے ایمان۔ ایمان سے علم۔ علم سے معرفت۔ معرفت سے ملاحظت یعنی ہر چیز میں تدبر کا خیال رکھنا بندے میں جب غور وفکر عرفانی کی عادت ہو جاتی ہے تو تقوے کا نور ظاہر ہوتا ہے۔ جس سے خشیت الٰہی قلب وقالب پر نمودار ہوتی

marfat.com

ہے تب بندہ عذاب کا خوف اور برائیوں کا پرہیز کرتا ہے۔ بڑی برائیاں چھ قسم کی ہیں۔ ۱۔کفر۔ ۲۔شرک۔ ۳۔ظلم۔ ۴۔فحاشی بے غیرتی۔ ۵۔فسق۔ ۶۔فجور۔اس سورۃ مومنون میں پانچ سابقہ امتوں کا اجمالا واختصاراً ذکر فرمایا گیا ہے۔ ۱۔قوم نوح۔ ۲۔قرناً آخرین یعنی قوم صالح ثمود۔ ۳۔قرونا آخرین قوم عادو قوم لوط۔ ۴۔قوم موسیٰ وہارون۔ ۵۔تذکرہ عیسیٰ علیہم السلام حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تین قومیں گزریں۔ پہلی قوم اولاد آدم۔ دوم قوم شیث۔ سوم قوم ادریس علیہم السلام۔نوح علیہ السلام زمین پر چوتھے نبی تھے۔

ان آیات میں مختلف اقوال

فِی الْاَنْعَامِ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔بعض نے فرمایا کہ انعام سے تمام گھریلو چوپایہ جانور مراد ہیں حلال وحرام مثلاً اونٹ‘ گائے‘ بھینس‘ بکری‘ بھیڑ اور گھوڑا خچر گدھا وہ اپنی دلیل میں مَنَافِعَ كَثِيْرَةٌ اور تُحْمَلُوْنَ کا فرمان باری تعالیٰ پیش کرتے ہیں۔ ۲۔بعض نے کہا کہ مراد صرف حلال مادہ دودھ دینے والے چوپایہ جانور ہیں وہ اپنی دلیل میں نُسْقِيْكُمْ کا ارشاد باری تعالیٰ پیش کرتے ہیں مگر پہلا قول درست ہے اور ہر قسم کے چوپایہ جانور ہی مراد ہیں۔حلال مونث دودھ والے جانور مِمَّا کی من تبعیضہ کی وجہ سے علیحدہ ہو گئے۔ نُسْقِيْ کی قرئت میں تین قول۔ ۱۔اکثر قراء کی قرئت میں یہ نُسْقِيْ ہے باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف جمع متکلم۔تاکیدی متعدی ترجمہ ہے ہم پلواتے ہیں۔ ۲۔قراء نے کہا یہ يُنْسِقِيْ ہے باب ضرب کا مضارع حال مثبت معروف جمع متکلم متعدی۔ترجمہ ہے ہم پلاتے ہیں ان دونوں قولوں میں ہم سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔۔ ۳۔بعض قرئتوں میں یہ لفظ تَسْقِيْ ہے باب ضرب کا مضارع حال مثبت معروف واحد مونث غائب متعدی۔ترجمہ ہے وہ انعام جانور پلاتے ہیں پلانے کا معنی ہر قول میں عطا فرمانا۔اور دینا ہے پہلی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے مِمَّا کے من جارہ اور ما موصولہ میں دو قول۔ ۱۔ما سے مراد دودھ ہے تب یہ مِنْ تبعیضیہ ہے۔یعنی پیٹ کی ہر چیز نہیں پی جاتی بلکہ بعض چیز اور وہ دودھ ہے مِنْ کا ترجمہ ہے میں سے یہ قول اکثر مفسرین کا ہے اس لئے یہی درست ہے۔ ۲۔بعض نے کہا کہ ما سے مراد پیٹ میں کھائی ہوئی غذا کیونکہ غذا سے ہی دودھ بنتا ہے۔اسی قول میں من بیانیہ ہے پوری آیت کا ترجمہ ہے کہ پلواتے ہیں ہم اس خوراک کے ذریعے جوان کے پیٹوں میں ہے بُطُوْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔مِمَّا کے بارے میں پہلے قول والوں کے نزدیک بُطُوْنَ سے مراد پورے پیٹ نہیں بلکہ صرف دودھ کی تھیلی اور رگ لبن مراد ہے اور آیت کا معنی ہے کہ دودھ میں سے بھی ہم سارا دودھ تم کو نہیں پلواتے بلکہ کچھ تم کو پلواتے ہیں۔ ۲۔مِمَّا کے دوسرے قول والوں کے نزدیک ہر پیٹ پورا مراد ہے جس میں خون بھی گوبر بھی دودھ بھی آنتیں او جھڑی بھی۔اور معنی ہے کہ پورے پیٹ میں سے خاص وخالص چھانٹ کر تم کو دودھ پلواتے ہیں۔مَا لَكُمْ کی ترکیب ومعنی میں دو قول۔ ۱۔یہ پورا جملہ علت ہے اُعْبُدُوْا کے مامور عبادت کا۔اور ترجمہ ہے کہ تمہاری عبادت کا کوئی مستحق نہیں۔اس لئے کہ بجز اللہ کوئی بھی تمہارا الہ نہیں ہے۔ ۲۔بعض نے لکھا کہ یہ پورا جملہ علت ہے اُعْبُدُوْا کے امر کانہ کہ مامور کا اب ترجمہ ہے کہ میرا حکم عبادت دینا اس لئے ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ تمہارا کوئی معبود نہیں یہ دونوں قول درست ہیں کیونکہ معنی یہ ہوگیا کہ میرا حکم عبادت اس لئے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی مستحق عبادت ہے اور اللہ ہی اس لئے مستحق کہ وہ ہی الہ ہے۔ غَيْرُهٗ کی قرئت میں دو قول۔ ۱۔اکثر قراء کی قرئت میں غَيْرُهٗ ہے رفع سے کیونکہ اِلٰهٍ

marfat.com

محلی یعنی باطنی اعراب رفع اور پیش ہی ہے اِلٰہٍ مبتدا ہے موجود یا محذوف خبر کا۔ ۲۔ بعض قاریوں نے غَیْرِہٖ پڑھا ہے کیونکہ اِلٰہٍ کا ظاہری اعراب یعنی زیر ہے۔ من جارہ کی وجہ سے مگر پہلی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے من جارہ اور اس کا عمل عارضی ہے اصلی نہیں۔

فائدے

ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دودھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ ہر بندے کو اس کا احترام اور اللہ تعالیٰ کا شکر کرنا چاہئے۔ عام طور پر بزرگ اشخاص اپنے پیاروں کو دودھ اور پوت کی دعائیں بھی اس لئے دیتے ہیں کہ حلال جانوروں کا دودھ اور اپنی نسل کی اولاد رب تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ اردو محاورہ ہے کہ دودھوں نہاؤ پوتوں پھلو پنجابی میں کہتے ہیں کہ دودھ پتر کی خیر جن خوش بختوں کو یہ دو نعمتیں نصیب ہوں ان کو چاہئے کہ ہر وقت شکر پھیلائیں نیکیاں کمائیں ایمان لائیں آخرت بچائیں اعمال سنواریں یہ فائدہ مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ فرمانے سے پہلے نُسْقِيْكُمْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا خیال رہے کہ بطور خوراک ہر شیر خوار کو چوپایہ کو چرند ہو یا درند دودھ عطا ہوا ہے مگر شیر خوار گی کی عمر میں شیر مادر اور بقیہ زندگی تا عمر بطور خوراک وغذا حلال حیوانات کا پاکیزہ دودھ کثیر مقدار میں صرف انسانوں کو عطاء ربانی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** عبادت کرنے کے لئے اولاً تین چیزوں کی معرفت پہچان اشد ضروری ہے۔ ۱۔ عابد بندے کو اپنی پہچان کہ میں کون ہوں کیا ہوں کیوں ہوں دوم یہ کہ عابد بندے کو اپنی ضروریات زندگی و حیاتِ بقا صحت نعمت کی معرفت و پہچان کہ میں حیات دنیوی کی بقاء کے لئے کس کس چیز کا محتاج ہوں سوم یہ کہ بندہ عابد کو یہ بھی پہچان ہونی چاہئے کہ میں اپنی ذات کے وصول صفات کے قبول، ضروریات کے حصول میں ہر زمان و مکان ہر آن ہر شان میں کس ہستی ذات کا محتاج ہوں کون ہم کو یہ نعمتیں دیتا ہے انبیاء کرام علیہم السلام یہی تین معرفتیں کرانے آتے ہیں اسی معرفت سے اِلٰہٍ حقیقی و مستحق عبادت کا پتہ ملتا ہے۔ اگر معرفت کے بغیر عبادت کرے تو بیکار۔ معرفت پا کر بھی کفر و شرک کرے تو عذاب دوام۔ اور اگر سب کچھ جانتے پہچانتے مانتے مومن ہو کر بھی ترک عبادت کا فسق کرے تو نمک حرام۔ یہ فائدہ اَعْبُدُوا اللّٰهَ کے ساتھ۔ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کے تعارفی جملے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** تقویٰ تین ذریعوں سے حاصل ہوتا ہے اولاً معلومات دینی علمی شرعی کی کثرت سے ثانیاً اشیاء عالم کی معرفت کثیر سے۔ ثالثاً کائنات و اشیاءِ کائنات میں ہمہ وقتی و ہمہ جہتی غور و فکر تدبر سے۔ غرضیکہ علم کثیر سے معرفت کثیر اور معرفت کثیر سے تدبر کبیر اور تدبر کبیر سے تقوئے بلیغ۔ یہ فائدہ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کی تفسیری و تشریحی وضاحت سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** اصطلاح شریعت میں عبرت کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ عبرت حاصل ہونا جانا۔ ۲۔ عبرت لینا۔ ۳۔ عبرت بننا۔ پہلا مقام و درجہ اہل بصیرت کا ہے دوسرا اہل بصارت کا۔ تیسرا اہل حقارت کا۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عبرت بننا گناہِ عظیم و نقصانِ عمیم ہے۔ بدنصیب ہے وہ شخص جو دوسروں کیلئے عبرت بن جائے۔ نمرود، شداد، فرعون، ہامان، بوجہل یزید تاریخ میں عبرت بنا دیئے گئے۔ اور خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کے قرب محفل

marfat.com

سے غور وفکر والوں کو عبرت ایقان۔ ہدایت ایمان۔ نصرت عرفان حاصل ہو جائے یہ مسئلہ وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** فقہاء احناف کے مذہب میں گھوڑے' گدھے' خچر کا گوشت اور دودھ وغیرہ ہر مسلمان کے لئے مطلقاً حرام ہے۔ یہ مسئلہ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ کی مِنْ تبعیضیہ اور وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ کی تقسیم قرآنی کی حیوانی چھانٹ اور واؤ عاطفہ کی بیان کردہ غیریت سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ اس فرمان باری تعالیٰ نے مقاصد حیوانات وانعام میں شرعی تقسیم فرمادی اور تقسیم نے حلت وحرمۃ کو بیان فرمایا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ گھوڑے کو حلال سمجھتے ہیں ان کا یہ مسلک قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** فقہاء ائمہ اربعہ کے متفقہ قول میں ہر حلال اور صحیح مذبوحہ جانور میں سے چند اشیاء ہر مسلمان مرد وعورت کو کھانا مکروہ تحریمی یعنی حرام ظنی ہے۔ جن کی تعداد بائیس اشیاء ہیں۔ ان میں سے آٹھ چیزیں احادیث مقدسہ نے منع فرمائیں۔ ۱۔ جانور کا پتہ۔ ۲۔ مثانے کا پھکنا۔ ۳۔ دم سفوح یہ حرام قطعی ہے کیونکہ بہتا خون آیت قرآنی میں صراحت سے بھی منع فرمایا گیا ہے اور حدیث متواتر سے بھی۔ ۴۔ آلہ تناسل۔ ۵۔ دونوں خصیے۔ ۶۔ جسمانی غدود۔ ۷۔ دبر کا سوراخ والا گوشت۔ ۸۔ فرج یعنی قبل کا سوراخ والا گوشت۔ فقہاء متقدمین نے دو چیزیں منع فرمائیں۔۔ ۹۔ نخاع الصلب یعنی ریڑھ کی ہڈی کے اندر والا نازک پٹھہ حرام مغز جو دماغ سے تا سرین دم تک ہوتا ہے۔ ۱۰۔ گردن کے دونوں سخت پٹھے جو گردن کے دائیں بائیں کندھوں تک لمبے ہوتے ہیں فقہاء متاخرین نے ان کے علاوہ دس چیزیں اور منع فرمائیں۔ ۱۱۔ خون جگر یعنی کلیجی سے بہتا ہوا خون۔ ۱۲۔ خون طحال یعنی تلی سے بہتا ہوا خون۔ ۱۳۔ خون گوشت یعنی وہ خون جو گوشت کاٹتے بوٹیاں بناتے وقت کہیں کہیں سے نکلتا ہے۔ ۱۴۔ خون قلب یعنی وہ دم سفوح جو بعد ذبح دل کے اندر ٹھیرارہ جاتا ہے۔ یاد رہے کہ دل کی بوٹی میں اپنا کوئی خون نہیں ہوتا نہ دل میں کوئی رگ خون ہے۔ ۱۵۔ صفرا یعنی پتے کا اندر والا پانی۔ ۱۶۔ بلغم مخاط یعنی ناک کا پانی نزلہ زکام وغیرہ۔ ۱۷۔ رحم کا علقہ یعنی لوتھڑا حمل۔ ۱۸۔ رحم کا جنین یعنی مضغہ حمل۔ خیال رہے کہ جب حمل پختہ ومکمل اور حاملہ جانور ذبح ہو جائے تو اس کے پیٹ کا پورا بچہ ہڈی دار کھالینا جائز ہے اگر جان نہ پڑی ہو۔ لیکن اگر حمل پختہ مکمل ہڈی والا نہ بنا ہو تو کھانا جائز نہیں۔ ۱۹۔ کچا نطفہ یعنی منی حرام بھی ہے پلید بھی۔ ۲۰۔ رحم کا تھیلہ (حوالہ از عقد الدرایہ وفتاویٰ حامدیہ ودیگر کتب فقہ) اعلیٰحضرت مجدد بریلی رحمۃ اللہ علیہ نے بذریعہ قیاس مع الفارق دو چیزیں منع فرمائیں۔ ۲۱۔ اوجھڑی۔ ۲۲۔ آنتیں (از فتاویٰ رضویہ جلد ہشتم ۳۲۵ قیاس مع الفارق) ہونے کی تفصیل ہمارے فتاویٰ العطاء یا جلد چہارم مسئلہ نقشہ نعلین پاک میں ملاحظہ فرماؤ۔ یہ مسئلہ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ کی مِنْ تبعیضیہ سے مستنبط ہوا۔ یعنی سب جانور نہیں کھاسکتے حلال جانور کے صحیح ذبیحہ سے بھی یہ مندرجہ بالا حرام ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا فِي الْاَنْعَامِ یعنی اے انسانو تمہارے لئے چوپایہ جانوروں میں عبرت ہے یہ فرما کر ثابت وظاہر کیا گیا کہ چوپائے قدرت کی بڑی نشانی اور عظیم نعمت ہیں حالانکہ انسانی تخلیق اس سے بھی بڑی حیران کن نشانی قدرت ہے مگر اس کو عبرت نہ فرمایا ایسے ہی نباتات بھی قدرت کا عجیب وحیران کن شاہکار ہیں۔ ان آیت میں انسان اور نباتات کی تخلیق کا ذکر بھی فرمایا گیا مگر ان کو عبرت نہ فرمایا گیا اس تخصیص کی کیا وجہ؟ **جواب:**

marfat.com

اس تخصیص کی وجہ یہ کہ وجود انعام میں انسانوں کے لئے عبرت ظاہر ہے کیونکہ گھریلو حیوانات میں عبرت کی تینوں وجوہ اور چاروں قسمیں مکمل حاصل وموجود ہیں عبرت کی وجوہ یہ ہیں۔ پہلی عبرت فکر دوم عبرت شکر سوم عبرت صبر۔ عبرت فکر ہر امیر غریب انسان کے لئے۔ لیکن عبرت شکر مالکان حیوانات کے لئے اور عبرت صبر صرف غربا کے لئے ہے۔ عبرت کی چار قسمیں۔ ا۔ عبرت مشاہدہ۔ ۲۔ عبرت منافعہ۔ ۳۔ عبرت مسافرہ۔ ۴۔ عبرت معاملہ یہ تمام عبرتیں بیک وقت صرف انعام وحیوانات میں جمع ہیں۔ اس لئے صرف انعام کو انسانوں کے لئے عبرت فرمایا گیا۔ نیز جتنے فوائد ومنافع گھریلو چوپایوں میں ہیں ظاہری باطنی ماکولی مشروبی روغنی استعمال کے اتنے فوائد نباتات میں نہیں۔ یہ تخلیق وولادت میں مثل انسان برتنے میں مثل نباتات ہے جب تک زندہ ہے تو اس سے گھی کا روغن حاصل ذبح ہو جائے تو اس کی چربی کا روغن غرضیکہ اس کی ہر ہر جز میں دعوت غور وفکر اور عبادت صبر وشکر کی عبرت ہے چوپایوں کی تو کھال بھی بعض طریقوں سے پکا کر کھائی جاتی ہے۔ مثلاً سری پایوں پر، مرغوں، پرندوں کی سب کھال تو عام کھائی جاتی ہے۔ بعض ناواقف مفسر کہتے ہیں کہ جانوروں کے دودھ سے گھی مکھن نکالنے کا رواج چند صدیوں پہلے ہندوستان میں شروع ہوا۔ پہلے گھی نکالنے کا رواج نہیں تھا۔ تمام انسان نباتاتی روغن استعمال کیا کرتے تھے۔ مگر اس مفسر کی یہ بات غلط ہے کہ تاریخ واحادیث سے جہالت کی بنا پر ہے صحیح یہ ہے کہ جانوروں کے دودھ سے مکھن وگھی نکالنے کا رواج نوح علیہ السلام کے زمانے سے ہے۔ نمرود کی لاش علاقہ بابل میں لکڑیوں پر گھی ڈال کر ہی جلائی گئی تھی وہاں سے ہی گھی ڈال کر لاش جلانے کا رواج صدیوں پہلے مصر سے ہوتا ہوا ہندوستان میں آیا۔ احادیث مقدسات سے ثابت ہے کہ غذائیات نبوی میں بکری وگائے کا گھی شامل ہوتا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهَا سورۃ نحل کی آیت ۶۶ میں اسی طرح کی عبارت کے ساتھ فرمایا گیا نُسْقِيكُمْ مِّمَّا فِي بُطُونِهِ یہاں ضمیر ھا واحد مونث غائب ہے جو بے عقل چیزوں کی جمع کے لئے بھی بولی جاتی ہے۔ اور وہاں واحد مذکر حاضر کی ضمیر ہ ہے۔ جو صرف واحد مذکر کے لئے ہی ہوتی ہے مرجع عقلی ہو یا غیر عقلی حالانکہ لفظ انعام یہاں بھی جمع اور وہاں بھی جمع انعام کی واحد نَعَمْ ہے۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ بُطُوْنَ سے مراد باطنیت انعام ہے اور وہاں بُطُوْنَ سے مراد بطنیت انعام ہے۔ اور نسقی سے مراد دونوں آیتوں میں دودھ ہی ہے یہاں خلقت لبن کی ہیت کا بیان کہ دودھ بنتا ہے نر ومادہ دونوں کی باطنی تحریک ملاپ سے لہٰذا دونوں نر ومادہ وسیلہ دودھ ہوئے۔ دودھ کی نعمت میں دونوں کی سببیت شامل ہے۔ اس لئے ھا ضمیر برائے جمع فرما کر دونوں کو شامل کیا گیا اور آیت کا معنی یہاں اس طرح ہے کہ پلاتے ہم تم کو اس کے ذریعے جو ان کے باطن میں ہے اس طرح کہ باطن نر میں نطفہ حمل اور باطن مادہ میں مخزن ومعدن لبن ہے۔ دونوں کی کارکردگی سے دودھ بنا۔ اسی کارکردگی کی طرف اشارہ ہے فِي بُطُونِهَا سے لیکن وہاں سورۃ نحل میں اصل مقام لبن کی وضاحت ہے یعنی مونث ومادہ جانور کا اور دودھ اصل مخزن چونکہ مادہ کا پیٹ ہے اس لئے فرمایا گیا مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا یہ مونث پیٹ کا نقشہ کھینچا گیا وہاں بُطُوْنِهٖ فرما کر دو باتیں بتائی گئیں۔ (۱) انعام لفظاً معنی مذکر ہے (۲) مونث صنفاً واحد ہے۔ اس لئے ضمیر واحد اور مذکر لائی گئی یاد رہے کہ اصل میں بطن کی جمع بطون ہے اور باطن کی جمع بَوَاطِنُ ہے۔ یہاں صنفیت واحدہ مراد نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ یعنی البتہ بے شک ہم نے بھیجا نوح کو ان کی قوم کی طرف۔

marfat.com

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت نوح بھی دیگر سابقہ انبیاء علیہم السلام کی طرح صرف اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ تو پھر نافرمانی قوم کی وجہ سے پوری زمین پر عذاب الٰہی کا طوفان آب کیوں آیا۔ چاہئے تھا کہ صرف قوم نوح پر علاقائی عذاب آتا۔ جس طرح دیگر کافر قوموں پر علاقائی عذاب آتے رہے طوفان کے عذاب نے تو دیگر بیگناہ قوموں کو بھی ہلاک کر دیا اس کی کیا وجہ؟ **جواب:** وجہ یہ کہ نوح علیہ السلام کے وقت زمین پر انسان بہت کم تھے۔ تاریخ وروایات سے ثابت ہے زمانہ نوحی میں پوری زمین پر صرف قوم نوح ہی آباد تھی اور آپ اکیلے اس وقت انسانی قوم واحد کے نبی رسول تھے۔ اس لئے وہ طوفان اگرچہ پوری زمین پر آیا تھا مگر ہلاکت صرف کفار نوحی کی ہوئی نہ کوئی دوسری بیگناہ قوم زمین پر تھی نہ کسی بیگناہ کی ہلاکت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ ہلاکت طوفانی کے بعد جب طوفان ختم ہوا تو نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں حام سام یافث علیہم الرضوان کی نسل واولاد سے زمین پر یہ موجودہ انسانیت پھیلی۔ اس لئے نوح علیہ السلام کو ابوالبشر ثانی کہا جاتا ہے۔ یہ آپ کی کنیت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِنَّ لَكُمْ اے وہ لوگو جو عالم ناسوت میں آنکھیں پھراتے عقلیں دوڑاتے اور حرام وحلال پر ہاتھ منہ مارتے ہو۔ اور گناہ میں ہاتھ چلاتے پیر دوڑاتے جسم کو نچاتے ہو کیا کبھی تم نے اپنے ماحول مادیات پر غور وفکر کی عبرت عرفانی ارادہ ایمانی حاصل کیا ہے اور کیا کبھی جانا ہے کہ البتہ بے شک تمہارے لئے قواء حیوانیہ کے انعام بدنیہ میں عبرت رجوع ہے۔ اعتبار اعتماد اختیار امتیاز اور شکر وصبر کی دنیا سے آخرت کی طرف لوٹنے میں کیونکہ نُسْقِيْكُمْ ہم ہی پلواتے ہیں تم کو ان انعام حیوانیہ کے باطنوں سے فنون عقلیات وعلوم مدرکات میں سے اجواف اسرار کے پستانوں سے اعمال نافعہ کا شیر مذکی لبن مطہر۔ اور اے سالکین طلب و شوق تمہارے لئے اعضاء ظاہری کے چوپایوں میں منزل معرفت اور وادی سلوک کے کثیر منافع ہیں۔ اور تم ان ہی انعام روحانیہ سے اخلاق وتقویٰ کی غذائیں حاصل کرتے ہو۔ اور ان انعام عضوی پر ہی میدان شریعت میں تم سوار کئے جاتے ہو۔ اور ان پر ہی منازل شریعت طے کر کے مراقبات کی کشتیوں پر چڑھائے جاتے ہو تب پھر طریقت کے گہرے سمندروں حقیقت کے دریاؤں میں پہنچائے جاتے ہو۔ کیونکہ میدان شریعت سے گزر کر ہی اعمال کے قدموں پر بحر لاہوتی میں جایا جاتا ہے۔ کشتی مراقبہ مثل ظرف ہے اور اسکا سوار مثل مظروف ہے۔ اے طالبان محبت ابدی تم تیاری کرو عالم اسفل سے عالم اقدس کی طرف سفر کرنے کی تاکہ تم قوت توفیق پالو۔ (از ابن عربی) فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً انسان کے اعضاء کی تخلیق میں قدرت عظیم اور حکمت لطیف ورحمت کثیر ہے۔ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهَا فضلات نفسانیہ اور عادات شیطانیہ کے فرث فضلہ وخون عضلہ کے درمیان میں سے توحید وایمان کا خالص شیر انوار حلیب اسرار ارواح صدیقین کو ہم ہی عطا کرتے اور مرشد عظیم کے ذریعے پلواتے ہیں۔ روح عارضہ پکار اٹھتی ہے کہ

حب کا پیالہ بھر گیا میرا بحر عشق الٰہی سے ایسا دودھ پلایا مجھ کو زندہ ہو گیا میرا دل

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اور بے شک بھیجا ہم نے نوح روحانی کو اس کی قوم قلب وقالب نفس وعقل وضمیر وشعور اور اعضاء ظاہری وباطنی کی طرف تو اس روح معرفت نے فرمایا کہ اپنے خالق تعالیٰ کی عبادت عشق عملی فکری سری خلوص ومحبت

marfat.com

سے ادا کرو کیونکہ اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہیں ہے کہیں بھی نہ آسمانوں میں نہ زمینوں میں خبردار نہ دنیا کو معبود سمجھو نہ دولت دنیا کو نہ سرداری کو حکومت کو نہ حرص نفسانی نہ خواہشات شہوانی نہ تمناء شیطانی کو صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ قلب کی سچی عبادت غیر اللہ کی چاہت و محبت سے قطع تعلق کرنا اور نفرت کرنا ہے۔ عقل کی سچی و حقیقی عبادت ترقی اعمال و تکمیل اخلاق ہے۔ نفس مطمئنہ کی سچی عبادت تبدیلی اخلاق و تغیر عادات خبیثہ ہے قالب کی عبادت تجریدی اعمال ہے یعنی جسم کلی کو خوشنودی اعلیٰ میں لگائے رکھنا ضمیر کی عبادت صادقہ خلوت طریقت ہے شعور کی عبادت الٰہیہ جلوت شریعت ہے اعضاء ظاہری کی عبادت ارکان اسلام و احکام شریعت کی اقامت و مداومت ہے۔ اعضاء باطنی کی عبادت ربانی خلوص نیات و صفائی ارادت ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ اے نفس و شیطان کے پجاریو حرص و ہوس کے کافران مطلق بدعمل و کسلمندی کے غافلان منہلک۔ دولت دنیا کی پرستش اور اہل دنیا کی بندگی کرنے والو کیا تم کو حرمانِ دنیوی اور خذلان اخروی کا خوف و خطرہ نہیں آتا۔ صوفیاء کے نزدیک سب سے بڑا بدقسمت وہ ہے جس کو دنیا میں محرومی و نفرت اور قبر و حشر میں مقہوری و ذلت ملے۔ شعر

آہ وہ آنکھ جو محروم تمنا ہی رہی ہائے وہ دل جو تیرے در سے پر ارمان گیا

(مجدد احمد رضا بریلوی)

اور مخلوقات کونین میں عظیم خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کو قرب حبیب میں اقامت نصیب ہوگئی۔

اس کی قسمت پہ نثار سارے جہاں کی شاہی اے میرے آقا تیرے قدموں میں جسے چین کی نیند آئی ہو

(حکیم الامت سالک بدایونی)

چراگاہِ طریقت میں عوام کَالْاَنْعَامِ ہیں اگر کفر شرک میں ہوں تو موذی درندوں کے مثل ہیں اگر فسق و فجور کے ظلم میں ہوں تو مثل زہریلے کیڑوں کے ہیں اگر ایمان شریعت اور عرفان طریقت میں ہوں تو دودھ والے انعام عبرت کی مثل مفید اور حقیقت والے ہیں۔ اعمال صالحہ والے مومنین متقین کے وجود مسعود اور اجسام محمود میں ہیں اے دنیا والو لَكُمْ فِيْهَا مَنَافِعُ كَثِيْرَةٌ تمہارے لئے عفت۔ عافیت۔ حفاظت۔ امانت۔ ضمانت کے کثیر و دوام منافع ہیں۔ عارفین فرماتے ہیں کہ مومن متقی پھل والے سایہ دار درخت کی مثل ہیں کہ مسافرانِ آخرت کو ٹھنڈے سایہ کی آغوش سکون بھی دیتے ہیں۔ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ اور اے منزل آخرت کے پریشان حال اعمال مقال مسافرو ان کے اعمال صالحہ کے فیض روحانی و فیاضی اعمالی کے ثمرات کثیر میں سے کھاتے ہو۔ مومن مثل درخت ہے کہ خود دھوپ کی تپش میں جلتا ہے اور مسافرانِ پریشان کو سایہ عطا فرماتا ہے۔ وَعَلَيْهَا وَعَلَى الْفُلْكِ تُحْمَلُوْنَ اے راہِ طریقت کے راہ نوردو تم پر ہی لادی اور ڈالی گئی ہے عشق الٰہی کی امانت تم ہی وہ خوش قسمت ہو جو بحر لاہوت کی کشتیوں میں سوار کئے جاتے ہو۔ لہٰذا بدعملی کی بددعاؤں سے بچتے رہو۔ اور عافیت کی تسکین رسائی و اہل حاجت کی حاجت روائی سے دعائیں حاصل کرو۔ اس لئے کہ دل سے نکلی ہوئی دعا اور آنکھوں سے بہتی ہوئی بددعا بہت جلدی عرش معلیٰ تک پہنچتی ہے۔ ہر شخص کو اپنی پسند و ناپسند کا حق حاصل ہے۔ مگر کسی کو کسی پر اپنی پسند منوانے کا حق اور جبر حاصل نہیں ہوگا۔ اگر کامیابی و خوشنودی چاہتے ہو تو ہر ایک کی عزت کرنے کی عادت اپناؤ کسی انسان کی بے عزتی کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

marfat.com

خواہشات دنیوی وہ لاعلاج مرض ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہے۔

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا

پس جواب دیا ان سرداروں نے جو کافر تھے ان کی قوم میں نہیں ہے یہ مگر

تو اس کی قوم کے جن سرداروں نے کفر کیا بولے یہ تو نہیں مگر تم جیسا

بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ

بشر تمہاری ہی مثل بس چاہتا یہ ہے کہ تم پر افضلیت حاصل کرے اور اگر چاہتا اللہ

آدمی چاہتا ہے کہ تمہارا بڑا بنے اور اللہ چاہتا تو

لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ۚ﴿۲۴﴾

نبی بھیجنا تو فرشتے نازل کر دیتا ہم نے تو اپنے پہلے باپ داداوں میں ایسی تبلیغ نہیں سنی

فرشتے اتارتا۔ ہم نے تو نے اپنے اگلے باپ دادوں میں نہ سنا

اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۲۵﴾

نہیں ہے یہ شخص مگر ایک ایسا مرد جس کو جنون ہے تو انتظار کیے رہو اس کا کچھ وقت

وہ تو نہیں مگر ایک دیوانہ مرد تو کچھ زمانے تک اس کا انتظار کیے رہو

تعلقات

ان آیٰت کریمہ کا پچھلی آیٰت کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیٰت میں نوح علیہ السلام کی دعوت ایمان کی تبلیغوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیٰت میں قوم نوح کے کافر سرداروں کے متکبرانہ انکار کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی قدرتوں کا ذکر ہوا جن میں سے ایک قدرت بعثت اور خلقت نبوت ہے جو عظیم قدرتوں میں سے ہے۔ اب ان آیٰت میں کفار کے اس کفریہ قول کا ذکر ہے جس میں شخصیت نبوت کی قوت کا انکار کرتے ہوئے عام انسانوں کی طرح کمزور و بے اختیار انسان و بشر سمجھا گیا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ شان نبوت اور بے مثل ذاتِ نبی کی قوت و اختیار کا انکار کرنا دراصل اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار ہے۔

تفسیر نحوی

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً ف تعقیبیہ بعدیت کے لئے یعنی حضرت نوح کا پیغام تبلیغ سننے کے بعد کہا۔ قَالَ فعل ماضی واحد مذکر الف لام استغراقی مَلَؤُا۔ دراصل مَلَئُوْ اسم مفرد لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے۔ مَلاءٌ اور مَلُوٌّ بھی اسی کا تلفظ ہے لغوی ترجمہ ہے بھرنا بھرتی ڈالنا'

marfat.com

مقدار باہم مشورہ کرنا' اصطلاح میں دولت وعزت سے بھرے ہوئے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔ یعنی قوم کے بڑے اور سردار افراد۔ امراء پڑھے لکھے لوگ اسی سے ہے املا کرنا کرانا یعنی لکھنا لکھوانا۔ ڈھیلا چھوڑنا۔ ڈھیل دینا۔ بڑھانا یہ تمام معنی لغت کی بناء پر ہیں۔ اَلْمَلَاُ فاعل ہے قَالَ کا اور موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر کَفَرُوْا باب نصر کا ماضی مطلق جمع مذکر کُفْرٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے انکار کرنا دل وزبان سے عمل سے اصطلاحی معنی ہے اللہ رسول کو نہ ماننا اور اللہ رسول کی نہ ماننا فسق ہے۔ اس کا فاعل ھم ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے اَلْمَلَاُ مِنْ جارہ تبعیضیہ قَوْمِهٖ مرکب اضافی۔ ہ ضمیر کا مرجع نوح علیہ السلام یہ مرکب اضافی مجرور ہوا مِنْ سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے کَفَرُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر صفت ہے مَلَوٴ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے قَالَ کا فعل اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا هٰذَا سے حَتّٰى حِيْنَ تک مقولہ ہے۔ مَا حرف نفی مشبہ بلیس هذا اسم اشارہ قریبی اسکا مشار الیہ نوح علیہ السلام مستثنیٰ منہ ہے اِلَّا حرف استثناء متصل بَشَرٌ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے ظاہر اور کھلی کھال والا اصطلاح میں ہر چھوٹے بڑے بچے بوڑھے مذکر مونث انسان کو بشر کہا جاتا ہے۔ موصوف مثل اسم مفرد اشتقاقی مادہ ترجمہ ہے ذات وصفات میں مشابہ ہونا۔ مضاف ہے کم ضمیر مضاف الیہ اس کا مرجع ہے قوم یہ مرکب اضافی صفت ہے بشر کی دونوں مل کر مستثنیٰ ہوا۔ مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر اسم ہوا ما مشبہ بلیس کا۔ اسی لئے هٰذَا بحالت رفع ہے۔ يُرِيْدُ۔ باب افعال کا فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مذکر غائب۔ رَوْدٌ یا رَيْدٌ سے مشتق (دو قول ہیں) باب افعال میں اس کا مصدر ہے اِرَادَةٌ دراصل تھا اِرْيَادٌ۔ نحوی تعلیل سے ہوا اِرَادَةٌ۔ آخر میں ت مصدر یہ ہے ترجمہ ہے چاہنا خواہش کرنا دل سے چاہنے کو ارادہ کرنا کہتے ہیں اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع ہے نوح علیہ السلام۔ اَنْ حرف ناصبہ یہ مضارع کے آخر کو نصب (زبر) دیتا ہے يَتَفَضَّلُ باب تفعل کا مضارع ہے مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَفَضُّلٌ فَضْلٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بڑا بننا خود کو بڑا سمجھنا یا کسی کو بڑا بنانا فضیلت دینا فضل بمعنی بڑا ہونا دنیوی یا دینی یا دونوں اعتبار سے۔ اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ جس کا مرجع نُوحًا ہے عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ يَتَفَضَّلَ فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہوا يُرِيْدُ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ مَا نافیہ مشبہ بلیس کی۔ یہ مَا نافیہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ اول ہوا قَالَ کا۔ واؤ سر جملہ لَوْ حرف شرط شَآءَ باب فتح کا ماضی مطلق شرطیہ ترجمہ ہے اگر چاہتا شَیْءٌ سے مشتق ہے اجوف یائی مہموز اللام۔ اَللّٰهُ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ لام کے برائے جزا اَنْزَلَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے۔ اِنْزَالٌ بمعنی اتارنا متعدی بیک مفعول ہے۔ نَزْلٌ سے بنا ہے بمعنی اترنا لازم ہوتا ہے۔ اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ جس کا مرجع اللہ تعالیٰ مَلٰٓئِكَةً۔ اسم جامد جمع مکسر۔ اس کا واحد مَلَكٌ ہے۔ بمعنی فرشتے یہ مفعول بہ ہے۔ اَنْزَلَ فعل فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء ہوئی لَوْ شَآءَ شرط اپنی جزا سے مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ۔ مَا سَمِعْنَا باب سمع کا ماضی مطلق منفی معروف جمع متکلم سَمْعٌ سے مشتق ہے بمعنی کانوں سے سننا یہاں مطلقاً معلومات مراد ہے پڑھ کر دیکھ کر یا سن کر۔ اس کا فاعل ضمیر پوشیدہ جمع متکلم نَحْنُ جس کا مرجع ہے اَلْمَلَاُ ب حرف جر مفعولیت کے لئے ترجمہ ہے کو هٰذَا اسم اشارہ

marfat.com

قریبی اس کا مشار الیہ نوح علیہ السلام کا یہ فرمان کہ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ (الخ) اَفَلَا تَتَّقُوْنَ تک فِیْ جارہ ظرفیہ زمانیہ اٰبَآءِ اسم جمع مکسر اَبٌ کی جمع ہے بمعنیٰ باپ اٰبَآءِ کا معنی ہے باپ دادوں مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل نفسی بمعنیٰ اپنے مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی موصوف ہے اَلْاَوَّلِیْنَ اسم تفضیل جمع مذکر۔ اسکا واحد اَوَّلٌ اَوْلٌ سے مشتق ہے باب نصر سے ہے۔ ترجمہ ہے بہت پہلے والے۔ یہ صفت ہے۔ اٰبَآءِ کی دونوں مل کر مجرور جار مجرور متعلق دوم ہے۔ بِھٰذَا متعلق اول ہے۔ مَا سَمِعْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ نافیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا اِنْ حرف نفی لفظ اِنْ کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ اِنْ شرطیہ بمعنیٰ اگر۔ ۲۔ اِنْ تحقیقیہ بمعنیٰ بیشک یقیناً یہ حرف مشبہ بالفعل سے مخفف ہوتا ہے۔ ۳۔ اِنْ تاکیدیہ یہ زائدہ ہوتا ہے بمعنیٰ ضرور۔ ۴۔ اِنْ شرطیہ بمعنیٰ نہیں۔ یہ جملہ فعلیہ پر بھی آتا ہے اسمیہ پر بھی اکثر استثنا کے لئے ہوتا ہے کبھی بغیر استثنا بھی یہاں اِنْ نافیہ جملہ اسمیہ پر آیا برائے استثنا ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع نوح علیہ السلام۔ مستثنیٰ منہ ہے اِلَّا حرف استثناء متصل رجل اسم مفرد مذکر ترجمہ ہے مرد موصوف ہے۔ بِہٖ ب حرف جر مفعولیت کا برائے تعدیہ۔ ہٖ ضمیر کا مرجع نوح علیہ السلام یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل لاحقٌ کا اس کا معنیٰ ہے لگنے والا۔ جِنَّۃٌ اسم مفرد مونث بمعنیٰ جنون (پاگل پن) یہ فاعل ہے پوشیدہ لاحق کا لاحق اپنے متعلق اور فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت رجل کی یہ مرکب توصیفی مستثنیٰ ہوا۔ ھُوَ مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر علت ہوا۔ ف عاطفہ زائد برائے علیت وسببیت بمعنیٰ اس لئے تَرَبَّصُوْا باب تفعل کا امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع ہے قَوْمٌ۔ بِہٖ جار مجرور ب جارہ علیٰ کے معنی میں۔ اس لئے یہاں ب میں دونوں معنیٰ پائے گئے اس کے اپنے بھی مفعولیت کے اور علیٰ کے فوقیت والے بھی ترجمہ ہوا اس کے اوپر ہٖ کا مرجع نُوْحًا۔ حَتّٰی حرف جر حِیْنَ مجرور یہ جار مجرور متعلق دوم ہے تَرَبَّصُوْا کا یہ ربصٌ سے ہے اس کا معنیٰ انتظار ہونا۔ کیونکہ لازم ہے۔ اس کا مصدر ہے تَرَبُّص بمعنیٰ انتظار کرنا۔ متعدی بیک مفعول ہے۔ یہاں بِہٖ مفعول بہ کے درجہ میں ہے بمعنیٰ اس کا۔ یہ بِہٖ متعلق اول معنوی مفعول بہ ہے تَرَبَّصُوْا سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معلول ومسبب ہوا اِنْ ھُوَ کے جملے کا یہ دونوں علت ومعلول (سبب ومسبب) مل کر جملہ سببیہ ہو کر مقولہ چہارم ہوا۔ قَالَ اپنے چاروں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓىٕكَةً ۖۚ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْۤ اٰبَآىٕنَا الْاَوَّلِیْنَ ۚ﴿۲۴﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ ﴿۲۵﴾ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو ۹۵۰ سال نہایت محبت' شفقت الفت سے عبادت۔ لیاقت اخلاق اعمال وتوحید ورسالت پر ایمان لانے کی دعوت تبلیغ فرمائی۔ ہر طرح بار بار سمجھایا۔ بت پرستی کا نقصان بتایا۔ عقلیات فکریات کی طرف توجہ دلائی مگر آپ کے فصیحانہ وبلیغانہ مواعظہ حسنہ سن کر بھی قوم کے بڑے لوگوں نے ہمیشہ تمسخر وانکار ہی کیا اور پانچ طرح باتیں بہانے بازیاں کر کے کفر کمایا۔ تبلیغ سننے دعوت ایمان ماننے نیکی پر توجہ دینے دین حق پر ایمان لانے سے خود بھی منکر ہوئے اور عوام کو بھی روکا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ہر کافر قوم کے بڑے سرداروں نے اپنے اپنے انبیاء کرام علیہم السلام کی دینی سچی تبلیغ ودعوت حق کے جواب میں ایسی ہی گستاخی بے دینی کی باتیں کر کے انکار نبوت واصرار کفر کیا ابتداء انکار امراء قوم کی طرف سے ہی

marfat.com

ہوتی رہی۔ اور باوجود جابر وظالم مغرور ومتنفر وغرباء کے دشمن ہونے کے نبوت سے ہٹانے کفر پر جمانے کے لئے وقتی طور پر غریبوں کے حامی فقیروں کے جھوٹے مربی اور غلاموں کے خیر خواہ یتیموں کے والی وارث بننے کی دعویداری کرتے ہوئے قوم کو پانچ طرح ورغلایا۔ اور دروازہ نبوت سے ہٹایا وہی ناجائز سلوک اور منکرانہ طریقہ جو اس سے پہلے قوم شیث نے شیث علیہ السلام ابن آدم سے روا رکھا پھر قوم ادریس نے اپنے نبی ادریس علیہ السلام کے ساتھ گستاخی کا یہی منکرانہ طریقہ اختیار کیا۔ پھر کفار نے حضرت نوح ابن لامخ ملک ابن متوشلخ کے ساتھ انکار و گستاخی کا وہی طریقہ شروع کیا۔ وفات آدم علیہ السلام کے چھ سو سال بعد یا تقریباً چھ سو بیالیس سال بعد حضرت نوح کی ولادت ہوئی۔ کفار کے اسی منکرانہ طریقہ کا یہاں ذکر فرمایا کہ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِيْنَ یعنی جب کفار قوم نے حضرت نوح کی تبلیغ توحید اور اعلانِ رسالت سنی تو سردارانِ قوم نے انکار و ناگواری ناپسندیدگی کرتے ہوئے اپنے ماتحتوں، غلاموں، نوکروں وغرباء عوام کو ورغلاتے ہوئے پانچ باتیں کیں۔ پہلی یہ کہ۔ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اے قوم والو یہ شخص جو ہم میں ہی پیدا ہوا پلا بڑھا جوان ہوا اور چالیس سال تک ایک عام آدمی کی طرح زندگی گزارتا رہا اب اچانک نبی ہونے کا دعویدار بن بیٹھا۔ ذرا سوچو کہ اس میں کونسی ایسی انوکھی و نرالی آن بان شان ہے جو اللہ اس کو نبی بناتا۔ نہ ہم سے عظیم ہے نہ یہ شخصیت عجیب ہے نہ یہ رب کا حبیب ہے بلکہ یہ تو ہم سے بھی غریب ہے۔ اگر یہ عظیم ہوتا تو درجات وعزت میں اعلیٰ ہوتا۔ اگر یہ اللہ کا حبیب ہوتا تو عادات میں تم سے خاص ہوتا اس لئے جان لو کہ یہ نبی نہیں ہے یہ دعویٰ نبوت صرف اس لئے ہے کہ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ۔ تم سب پر سرداری اور بڑائی کا خواہش مند ہے تمہارا سردار بننا چاہتا ہے حالانکہ سرداری کا حق تو اَصلاً نَسلاً صرف ہم جدی پشتی سرداروں کا ہے۔ کیونکہ ہم میں سرداری وحاکمیت کی صلاحیت بھی ہے اور ہمارے پاس وسائل بھی ہیں۔ اس کے پاس تو باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔ سرداری کے مستحق صرف ہم ہیں یہ کیوں بڑا بنے ہم اسے بڑا نہ بننے دیں گے۔ کیونکہ یہ ہم سرداروں اور امیروں کی مثل بھی نہیں۔ بلکہ ہر چیز ہر کیفیت ہر حالت ہر بات میں ہر عادت وخصلت میں تم غریبوں غلاموں خادموں نوکروں کی مثل ہے۔ شکل وشباہت کھال بال عضوی جسمانیت لباس خوراک گھربار ساز وسامان طرزِ رہائش کھانے پینے چلنے پھرنے سونے جاگنے بات گفتگو تکلم صحت بیماری میں بالکل عام معمولی بشر ہے تمہاری مثل ہاں البتہ کچھ چالاک ہے اس لئے چاہتا ہے کہ ہماری مثل قوم کا سردار بن جائے اور تم غریبوں پر حکمرانی چلائے۔ ہے تمہاری مثل بننا چاہتا ہے ہماری مثل۔ مگر چونکہ ہماری طرح دولتمند، زمیندار، باغبان، کھیتوں باغوں خزانوں والا تو نہیں بن سکا اس لئے نبوت کا دعویٰ کر دیا۔ دوسری بات یہ کہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً اے لوگو ذرا سوچو کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمارے پاس کوئی نبی بھیجنا ہوتا تو فرشتوں کو نازل فرماتا اور فرشتے نبی بن کر آتے تاکہ نبی اور امتی میں کچھ تو فرق ہوتا۔ لہٰذا اگر فرشتے ہم سے کہیں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو بتوں کی پوجا نہ کرو تب ہم مان لیں گے۔ سردارانِ قوم نے تیسری بات یہ کی کہ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا ملائکہ کا نزول ہماری شان کے لائق ہوتا۔ بھلا ہم بڑی شان والے لوگ ایک معمولی غریب اور غریبوں سے پیار محبت کرنے ان کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے کی بات مان کر اپنے آبائی دین کو کیسے چھوڑ دیں اور جس توحید ورسالت کا یہ ذکر کر رہا ہے ہم نے اس قسم کی کوئی بات چرچا و تذکرہ نہ اپنے موجودہ بڑے بوڑھوں بزرگوں سے سنی نہ دیکھی نہ سابقہ گزشتہ آباء واجداد میں سنی نوح کا ذکر اس کی نبوت اور رسالت کا نہ کسی دوسرے آدمی اور بشر

marfat.com

کی نبوۃ رسالت کا ذکر نہ توحید پر ایمان کا ذکر نہ اللہ تعالیٰ واحد کی عبادت کا ذکر نہ بت پرستی کی ممانعت نہ شرک کی برائی سنی۔ اب یہ شخص ایمانیات کی نئی باتیں سنانے اور نرالے اخلاقیات کے درس دینے لگا ہم اس کی کیوں مانیں چوتھی بات یہ کہ اِنۡ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ۔ ہم نے اس شخص کے بارے میں خوب سمجھ لیا ہے خوب غور کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ یہ شخص کچھ بھی نہیں نہ نبی نہ رسول نہ حق نہ سچ۔ بات صرف یہ ہے کہ اس کو جنون کی بیماری ہے۔ یا اس طرح کہ اس کا دماغی توازن بگڑ گیا ہے۔ یا اس پر جنات کا سایہ ہو گیا ہے یا کسی نے جادو کر دیا ہے۔ اسی وجہ سے اس طرح کی الٹی سیدھی باتیں کر رہا ہے۔ پانچویں بات یہ کہ فَتَرَبَّصُوۡا بِهٖ حَتّٰى حِيۡنٍ لہٰذا ابھی اس سے کچھ نہ کہو بلکہ دور دور رہو نہ اس کی سنو نہ مانو بلکہ کچھ مدت اس کا انتظار کر دیا یہ ٹھیک ہو جائے یا یہ فوت ہو جائے بہر حال ابھی اسے منہ نہ لگاؤ۔ نہ برائی کرو نہ اچھائی بیان کرو نہ تعریف کرو اگر کچھ عرصے بعد یہ ٹھیک نہ ہو تو کسی دن موقعہ پا کر یا چھپ کر اس کو قتل کر دینا جب ہم کہیں۔ اتنے عرصے میں اس کی نبوت کا سچ جھوٹ بھی نکھر جائے گا۔ اگر یہ جھوٹا نبی ہوا جیسا کہ ہمیں یقین ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو خود ہی رسوا کر دے گا اور اگر یہ سچا نبی ہوا تو پھر سوچیں گے غور و فکر کریں گے امراء کفار نے یہ پانچ باتیں اپنے ماتحتوں اور برادری قبیلے کے عوام سے کہیں اور آخر تک کہتے ہی رہے۔ مگر دل سے خود بھی سمجھتے تھے کہ ہماری یہ باتیں غلط ہیں۔ پہلی اس لئے کہ اگر چہ حضرت نوح علیہ السلام بشر ہی تھے اور بشر ہی نبی و رسول و مرسل ہوتے ہیں مگر مِثۡلُكُمۡ نہ تھے اس لئے کہ حضرت نوح علیہ السلام خاندانی شرافت و مالی حالت میں ان سب میں بلند پایہ تھے نہ آپ اپنے قومی خاندانی اعتبار سے کسی سے نیچے تھے نہ مالی حالت میں کسی سے کمزور نہ کسی کے محتاج اور علمی لیاقت عقلی سباقت خاندانی عزت و وجاہت میں سب پر فوقیت رکھتے تھے۔ اس وقت دنیا میں صرف نو (۹) قومیں آباد تھیں۔ ۱۔ بنو مراد۔ ۲۔ عمالقہ۔ ۳۔ قوم بابلی۔ ۴۔ لاطینی۔ ۵۔ بنی اصفان۔ ۶۔ بنی فاران۔ ۷۔ قابطی۔ ۸۔ قلسطی۔ ۹۔ قابیلی۔ اور دنیا میں اس وقت ۷۲ زبانیں بولی جاتی تھیں یعنی ہر قوم اور قبیلوں کی علیحدہ زبان تھی۔ حضرت نوح کو قدرت الٰہیہ و معجزہ نبویہ سے وہ زبانیں آتی تھیں جانوروں پرندوں چرندوں درندوں کیڑوں و حشرات کی زبانوں کا علم اس کے علاوہ تھا۔ سُبۡحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمۡدِهٖ تَعَالٰى مَا اَحۡسَنَ شَانَ النُّبُوَّةِ ان میں سب سے بلند مرتبہ بنو مراد کا تھا۔ حضرت نوح اسی قوم میں سے تھے۔ ہر قوم کے کچھ قبیلے تھے۔ بنو مراد کے بارہ قبیلے تھے سب میں بلند پایہ قبیلہ بنی اسد کا تھا نوح علیہ السلام کا تعلق اسی قبیلے سے تھا۔ حضرت نوح مالی اعتبار سے بہت کھیتوں باغوں کے مالک تھے مگر اپنی دولت کا زیادہ حصہ غریب پروری مہمان نوازی محتاجوں کی حاجت روائی و دادرسی پر خرچ کرتے خود سادہ اور درویشانہ زندگی گزارتے اپنے کام اپنے ہاتھ سے کرتے۔ غریبوں مسکینوں کے ساتھ زمین پر بھی بیٹھ جاتے صرف اس وجہ سے امراء کفار آپ کو اپنے سے گھٹیا و حقیر سمجھتے اور غریبوں سے کہتے یہ مِثۡلُكُمۡ ہیں نہ کہ مِثۡلُنَا آپ کی پہلی شادی بھی بہت اونچے خاندان میں ہوئی تھی یہ بیوی مومنہ ہو گئی تھی ان کا نام دانیہ تھا۔ ان کے بطن سے نوح علیہ السلام کے تین بیٹے اور تین بیٹیاں تولد ہوئی تھی یہ سب بھی صاحب اولاد ہوئے۔ تبلیغ نبوت سے پہلے نوح علیہ السلام پورے علاقہ میں امین صادق الوعد غریب پرور صاحب علم و عقل مدبر مفکر صاحب الرائے قاضی علاقہ مشہور تھے اور یہی امراء جواب گستاخ بنے پھرتے ہیں بعثت سے پہلے حضرت نوح کا احترام کرتے اور بڑے بڑے امور میں آپ سے مشورے لیتے تھے اپنے تنازعات میں فیصلے کراتے تھے اور آپ کو سب سے زیادہ عقل و بصیرت علم و

marfat.com

فراست والا سمجھتے تھے اور حقیقت بھی یہی تھی حضرت نوح علیہ السلام خوش پوشاک' خوش اخلاق' خوبصورت با وجاہت' نیک سیرت' صاحب ثروت شخصیت تھے اور دنیوی کسی اشرفیت میں کسی سے کم نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ عملی طور پر اقوام علاقہ کے سب امراء غرباء عوام سب ہی نے دل و جان سے آپ کو سردار تسلیم کیا ہوا تھا۔ حضرت نوح کو کسی مزید سرداری کی نہ ضرورت تھی نہ خواہش۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہنا اور یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ کی الزام تراشی محض نبوت کی دشمنی اور گستاخی و انکار رسالت میں تھی۔ خیال رہے کہ قانون شرعی کے مطابق کسی شخص کا فضیلت چاہنا دو قسم کا ہے ایک جائز ایک ناجائز۔ اگر اس لئے فضیلت چاہی جائے کہ زمین پر عدل و انصاف عبادت الٰہی اطاعت شریعت اتباع نبوت قائم و ظاہر ہو۔ ظلم و کفر کا خاتمہ ہو تو یہ چاہنا طلب کرنا واجبات نبوت اور جائزات مومنین صالحین میں سے ہے۔ جیسا کہ سورۃ یوسف کی آیت ۵۵ میں یوسف علیہ السلام کا قول منقول ہوا کہ قَالَ اجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآىِٕنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌ کہ اپنے بادشاہ مصر سے عزیز مصر بننے کی فضیلت و حکومت چاہی۔ اور اگر برتری و فضیلت کی چاہت و ارادت محض جبر تعدی ہوس سرداری کے لئے ہوتا کہ دنیوی عزت و حکومت بڑھے تو یہ ناجائز ہے اور شان نبوت کے خلاف ہے ابلیس کی یہی وہ ورغلاہٹ ہے جو آج بھی گستاخوں کی تحریر و تقریر سے بیماری مِثْلُكُمْ وہ مِثْلُنَا کی صورت میں پھیلی ہوئی ہے۔ قوم نوح کے لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات کے منکر نہ تھے نہ بشریت نوح کے منکر۔ ان کا کفر یہ تھا کہ اپنے بتوں کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک الٰہیت کرتے تھے اور اپنے آپ کو نبی علیہ السلام کے ساتھ شریک مثلیت کرتے تھے۔ حالانکہ دین برحق کی تعلیم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی الٰہیت وحدہ لاشریک ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بشریت بے مثل و بے نظیر ہے۔ نہ یہ جائز کہ اپنے ساتھ انبیاء کرام کو شریک مثلیت کیا جائے اور نہ یہ جائز کہ انبیاء کرام کے ساتھ خود کو شریک مثلیت کیا جائے۔ پہلا قول و عقیدہ اس لئے کفر کہ انبیاء علیہم السلام کو انکے مقام اعلیٰ سے پستی میں لانا ہے۔ اور دوسرا قول و عقیدہ اس لئے کفر کہ خود کو اپنے مقام پستی سے بلند کر کے نبوت کے مقام اعلیٰ تک پہنچانا ہے کفار کی دوسری بات بھی غلط تھی کہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ۔ اگر اللہ تعالیٰ تبلیغ دین اور اللہ وحدہ لاشریک کی عبادت چاہتا۔ اور مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ کی تبلیغ نوحی درست ہوتی تو بجائے کسی بشر کو نبی رسول بنا کر بھیجنے کے آسمان سے فرشتے آ کر یہ تبلیغ کرتے۔ اپنی اس غلط بیانی کو بھی ان کفار کے دل دماغ مانتے تھے۔ صرف حسد بغض ضد جلاپے میں آ کر یہ بیہودہ غلط بیانی کرتے پھرتے تھے وہ جانتے تھے کہ تبلیغ دین کے لئے نبی اور امت میں چار قسم کی مناسبتیں ضروری ہیں۔ پہلی مناسبت یہ کہ دونوں کی زبان ایک ہو۔ تاکہ ایک دوسرے کو سمجھ اور سمجھا سکیں مناسبت دوم یہ کہ دونوں کی علاقائی وطنیت رہن سہن بود و باش خلقتاً مشابہ ہو۔ تاکہ دو طرفہ الفت' یگانگت' ملنساری' قربت' اپنائیت پہلے سے قائم ہو کیونکہ الفت قربت یگانگت سے ماننے منوانے میں آسانی ہوتی ہے۔ سرداران کفر کا مطالبہ ملئکہ ظاہراً اس لئے تھا کہ فرشتوں کی شوکت ہیبت اور علوشان کے رعب جلال سے لوگ ان کی اطاعت میں جھک جاتے بغیر کسی شک و شبہ کے۔ کفار کہا کرتے کہ جب اللہ نے یہ نہ کیا تو ظاہر ہے کہ نوح کا دعوئے نبوت غلط ہے۔ مناسبت سوم یہ کہ تبلیغ دو قسم کی ہوتی ہے اولاً عملی اور کرداری تبلیغ پھر قولی تبلیغ عملی و کرداری تبلیغ زیادہ موثر ہوتی ہے۔ زود اثر بھی دیرپا بھی اور عملی تبلیغ تب ہی ممکن ہے جب کہ ماننے اور منوانے والے کی جنسیت اصلیت نسلیت جسمانیت ایک جیسی ہو۔ خصلت و طبیعت و ضروریات بھی مشابہ ہوں چہارم یہ کہ نبی و امت میں پہلے سے جان پہچان

marfat.com

ہو۔ باہمی تعارف لازم ہے۔ اگر فرشتہ نبی بن کر آئے تو یا اپنی اصلی صورت میں آئے گا یا انسانی صورت میں۔ اگر اپنی شکل و صورت شباہت قد کاٹھ میں آیا تو سب انسان ڈر کر بھاگ جائیں گے بات سننا ماننا تو کجا کوئی قریب بھی نہ آئے۔ اور اگر انسانی شکل میں آئے تو یا کسی متعارف شخصیت کی شکل بن کر آئے گا یا کسی اجنبی کی اگر متعارف آدمی کی شکل میں آیا تو دو صورتیں۔ ۱۔ موجودہ کی شکل میں۔ ۲۔ یا فوت شدہ کی۔ پہلی صورت میں یہ مصیبت کہ دو آدمی ہم شکل کئی الجھنیں کس کو کیا کہا جائے۔ کبھی اس کو نبی سمجھا جائے گا کبھی اس کو۔ ان الجھنوں کو دور کرنے کے لئے پھر کوئی فرض امتیازی کرنا پڑے گا۔ نیز اس صورت میں کئی وارداتیں ہوسکتی ہیں۔ اور اگر فوت شدہ کی شکل میں آیا تو مزید خوف و دہشت گھبراہٹ کہ یہ مردہ کیوں اور کیسے کہاں سے اٹھ کر آ گیا۔ بہر کیف ان تمام کیفیات میں اُنسیت قربت نہیں ہوسکتی۔ اور اگر فرشتہ اجنبی انسان کی شکل میں آیا اور اس نے کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کا نبی ہوں تو کفار کا اعتراض پھر بھی باقی کہ اے آنے والے تیری نبوت اور ملکیت کا ثبوت کیا ہے۔ پھر ثبوت کے لئے دوسرے فرشتے کی ضرورت۔ اسی صورت میں یا دور لازم آئے گا یا تسلسل یعنی یا آپس میں ایک دوسرے کا تعارف و ثبوت کراتے پھریں گے یا پھر دوسرے فرشتے کے تعارف کے لئے تیسرا تیسرے کے لئے چوتھا۔ تبلیغ تو دھری رہے گی۔ ایک جانب تعارفوں کا سلسلہ ہی ختم نہ ہوگا اس لئے کفار کا یہ لَا نُزِّلَ مَلٰٓئِكَةٌ کہنا بذات خود ایک پاگل پن تھا۔ کیونکہ دور بھی بیکار و نقصان دہ اور تسلسل بھی یہ ٹھیک ہے کہ نبی اور امتی میں فرق اور کوئی امتیازی نشان ہونا ضروری ہے۔ فرق نہ کرنے والا زندیق و خبیث ہے کہ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ مگر یہ فرق تبدیلی جنس سے نہیں ہوسکتا بلکہ معجزات اور وحی کتاب الٰہی اور بے مثلی بشریت سے ہوگا اور ہوتا رہا مگر کفار محض ضد کی وجہ سے اس عظیم الشان فرق کی طرف توجہ نہ دیتے تھے یہی بے توجہی آج گستاخ فرقے کو تباہ و ہلاک فی النار کر رہی ہے۔ اس معجزانہ شان فرق کی وجہ سے کام نبی علیہ السلام اور امتی کے ظاہراً ایک جیسے ہوں گے مگر نوعیت' حقیقت اور طریقے میں ہزار قسم کا فرق ہوگا مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا۔

کارِ پاکاں راقیاس از خود مگیر　　گرچہ باشد در نوشتن شیر و شِیر

یعنی اے بی عقل پاک لوگوں کے کام کو اپنی مثل سمجھ نہ دیکھ لے کہ شیر اور شیر لکھنے میں ظاہراً ایک جیسا مگر حقیقت میں بے شمار فرق اور دوری اسی طرح سمجھ لے کہ

تو خوری گردد پلید ازتو جدا　　او خورد گرد دہمہ نورِ خدا

اسی فرق کو قائم کرنے کے لئے رب تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہم السلام کو معجزات عطا فرمائے۔ ان کی بشریت ختم نہ فرمائی بلکہ بشریت نبی کو بے مثل بنا دیا قوم نوح کے امراء کفار کی تیسری بات کہ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ بھی غلط تھی بلکہ ظاہر ظہور کذب بیانی تھی اس لئے کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ گزرا تھا وہ بھی نبی اور بشر بے مثل تھے صاحب معجزات کثیرہ اور اسی قوم نوح کے آباء اولین میں سے بہت لوگ ان پر ایمان لا کر مومن بن گئے تھے جن میں سے کچھ لوگ فوت ہو چکے تھے۔ کچھ لمبی پا کر نوح علیہ السلام پھر بھی ایمان لائے تھے اور بحالت ایمان ہی فوت ہوئے تھے۔ نیز ہر نبی علیہ السلام کی تبلیغ میں دین کی چھ باتیں بار بار واضح بیان فرمائی جاتی تھیں۔ ۱۔ توحید باری تعالیٰ کہ ایک ہی اللہ ہے۔ ۲۔ اپنی نبوت و رسالت کا ذکر اور اس پر ایمان لانے کا حکم۔ ۳۔ سابقہ ہر نبی علیہ السلام کی تصدیق۔ ۴۔ آئندہ انبیاء علیہ السلام کی

marfat.com

بشارت اور سب انبیاء پر ایمان کا حکم۔ ۵۔ عبادت الٰہی کا حکم یعنی اُعْبُدُو اللّٰہ کا فرمان۔ ۶۔ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ۔ کی شرک توڑ بت پرستی سے نفرت و ممانعت والی تبلیغ یہی چھ باتیں ادریس علیہ السلام کی تبلیغ میں بھی تھیں۔ آپ نے حضرت آدم وشیث علیہما السلام کی تصدیق اور نوح علیہ السلام کی بشارت اور ان سب پر ایمان لانے کا حکم بھی دیا تھا۔ کفر شرک و بت پرستی کی ممانعت و نقصان کا ذکر انہوں نے بھی فرمایا تھا۔ عبادت کا حکم بھی دیا تھا۔ یہ سب باتیں قوم نوح کے عوام' خواص' امراء' غرباء سرداران قوم سمعاً وبصراً تاریخی مشاہداتی طریقے سے جانتے تھے۔ اس کے باوجود اب نوح علیہ السلام کی تبلیغ میں انہی باتوں کو سن کر۔ مَا سَمِعْنَا بِهٰذَا کی کذب بیانی صرف حسد بغض کمینگی اور عداوت نبوت ہی کی وجہ سے تھی ورنہ ان کے قلب و عقل حضرت نوح علیہ السلام کی ہر بات کی تصدیق و تائید کرتے تھے کفار کی چوتھی بات یہ کہ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ بھی غلط و کذب بیانی تھی اس لئے کہ جس عقل' سمجھ' بردباری' فہم فراست کی گفتگو اور حسن وجاہت' طہارت' ہشاشت' بشاشت' عادت' عبادت' لگاوٹ کا رکھ رکھاؤ اور پوشاک خوراک رہائش کا حسن انتظام حضرت نوح علیہ السلام کا تھا ان کفار وامراروسا کو بھی وہ دنیوی خوبیاں بھی میسر نہ تھیں۔ بلکہ یہ امراء کفار وسرداران قوم اپنی دنیا پرستی کی بنا پر نوح علیہ السلام کے سامنے گندے بے سکون پریشان دنیوی دیوانے لگتے تھے اور۔

اہل دنیا کافرانِ مطلق اند روز و شب درز قرق و در بک بک اند

کے مصداق ہائے دنیا ہائے دولت ہائے سرداری ہائے چوہدراہٹ کے پاگل بنے ہوئے تھے۔ اور صرف اس اندیشے میں کہ کہیں یہ نوح ہماری سرداری نہ چھین لے اور خود سردار قوم بن بیٹھے۔ فقط اپنی اس دنیوی عارضی فانی سرداری کو بچانے کے لئے قوم کے غرباء پر ہر طرح کا ظلم جبر تشدد' غضب' کذب' قہر نادہندگی کو روا رکھتے و جائز سمجھتے تھے اور سرداری کو فقط اپنا حق سمجھتے تھے۔ صرف اسی وجہ سے دین حق اور عدل و انصاف کے دشمن تھے اسی بناء پر اَلْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا نے غرباء قوم سے یہ پانچویں بات کہی کہ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِيْنٍ غریبوں نے بھی امراء کے خوف سے یہ سب باتیں مانیں اور نوح علیہ السلام پر بجز چند بہادران قوم کے کوئی بھی ایمان نہ لایا۔ مگر باوجود اپنی سرداری امیری بڑے گروہوں پارٹیوں کے حضرت نوح پر کسی بھی ظلم وزیادتی کا ہاتھ نہ ڈال سکے نہ ڈال سکتے تھے دو وجہ سے۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ آپ کا محافظ و ناصر تھا اسی ذات پاک نے آپ کی شخصیت مبارکہ کو ایسی وجاہت و رعب عطا فرمایا تھا کہ پیچھے پیچھے مخالفانہ باتیں کرنے کے باوجود سامنے آکر گستاخی کی جرأت نہ کر سکتے تھے۔ ہاں البتہ اہل ایمان پر طرح طرح کے ظلم ڈھاتے اور جبر وتشدد و دل آزاری کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اسی رعب خداوندی و عطاء ربانی کی وجہ سے فَتَرَبَّصُوْا کا خفیہ منصوبہ بنایا تھا۔ اور عوام سے کہا تھا کہ ابھی خاموش رہو کچھ دن انتظار کرو۔ مگر اس منصوبہ پر کبھی عمل نہ کر سکے یہاں تک کہ غرق کر دیئے گئے۔

ان آیت میں مختلف اقوال

اَلْمَلَؤُا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فرمانے کی وجہ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ سرداران قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہ لایا تھا۔ ان کی دلیل سورۃ ہود کی آیت ۲۷ ہے وہاں ذکر ہے کہ ان ہی سرداروں نے کہا کہ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا ترجمہ۔ اے نوح نہیں دیکھتے ہم کہ کسی بھی بڑے نے تمہاری اتباع کی ہو بجز ہمارے کمینوں کے۔ ۲۔ اکثر نے فرمایا کہ قوم

marfat.com

نوح کے چند سردار ایمان لے آئے تھے۔ اور مَانَرٰ اکہنے میں تین احتمال ہیں پہلا یہ کہ اَرَاذِلُ سے مراد کمی کمینے نہیں بلکہ قلیل تعداد ہے۔ یعنی تم پر بہت تھوڑے ایمان لائے کثرت نے انکار کیا اس لئے تم جھوٹے ہو۔ دوم یہ کہ مَا نَرٰا کہنا ابتدائی قول تھا تبلیغ کے ابتدائی زمانوں کا۔ اس وقت غربا ہی ایمان لائے تھے مگر بعد میں چند امراء بھی مومن بن گئے تھے سوم یہ کہ مَانَرٰاکَ۔ کہنا کافر سرداروں کا اپنا جھوٹ وغلط اندازہ تھا حقیقت اس کے خلاف تھی جس کی تردید خود مؤمنین امراء نے ظاہر کر کے کردی تھی کافروں کے اس طعنے کے بعد۔ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ۔ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے لکھا کہ قوم کفار نے بطور طعنہ حضرت نوح کی غربت ومفلسی کو غرباء قوم کے سامنے بیان کرتے ہوئے یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ کہا یعنی جس طرح ہم تم پر سردار ہیں بوجہ دولت وامارت اسی طرح نوح بھی بذریعہ دعوئے نبوت تم پر حاکم وسردار بننا چاہتے ہیں۔ دولت سے بڑا بننا تو مشکل ہے اس لئے آسان راستہ اختیار کیا۔ کیونکہ نبوت کی دعویداری آسان ہے جو چاہے جب چاہے کردے۔ یہ تم لوگوں کو اپنا غلام بنانا چاہتا ہے۔ ۲۔ اکثر نے فرمایا کہ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ سے اظہار غربت مراد نہیں کیونکہ حضرت نوح کی امیری وخاندانی شرافت کو تو سب لوگ بخوبی جانتے تھے یہ کہنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت نوح دعوئ نبوت کر کے پوری قوم کو اپنا تابع فرمان بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ یعنی دنیوی سرداری کے علاوہ مذہبی دینی سرداری بھی چاہتے ہیں تاکہ امراء غرباء بڑے چھوٹے سب ان کے غلام وتابع فرمان بن جائیں۔ اسی لئے باب تفعل کے مضارع کا صیغہ بولا جس کا معنیٰ ہے مزید فضیلت پالے۔ اور سب قوم کا سردار بن جائے۔ یہاں تک کہ ہماری سرداریاں بھی چھین لے۔ یہی قول درست ہے کیونکہ باب تفعل کثرت کے معنیٰ دیتا ہے مَاسَمِعْنَا بِهٰذَا کے مشار الیہ میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ هٰذَا سے مراد اُعْبُدُوا اللّٰهَ۔ اور مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کے جملے ہیں۔ یعنی اس طرح کہ تبلیغ توحید اپنے آباء اولین میں نہ کبھی پہلے سنی نہ پڑھی نہ کسی باپ دادے کی زبان سے کبھی کسی رسول نبی نے بت پرستی کے خلاف اس طرح کی باتیں کی ہوں۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ هٰذَا سے مراد نوح علیہ السلام کی نبوت ہے۔ یعنی ہم نے اپنے موجودہ یا سابقہ آباء کی زبانی یا تحریری یہ نہ سنا نہ پڑھا کہ نوح کو نبی بنایا جائے گا۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ هٰذَا سے مراد خود نوح علیہ السلام کی ذات ہے۔ یعنی ہم نے اپنے پہلے آباء سے نہیں سنا کہ کسی زمانے میں نوح نام کا کوئی شخص ہوگا جو تم کو اس قسم کی تبلیغ کرے گا۔ یہ تینوں قول درست ہیں کیونکہ امراء قوم اس طرح کی تینوں باتیں کیا کرتے تھے۔ اور ان کذبیات کے بولنے کا مقصد محض یہ تھا کہ نوح علیہ السلام سے بدظن ہو کر ان سے دور ہی رہیں ہمارے ہی قائل اور تابع فرمان رہیں کوئی نوح پر ایمان نہ لائے اٰبَآئِنَا کے معنیٰ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ اٰبَآئِنَا سے مراد فوت شدہ آباؤ اجداد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اٰبَآءُ سے مراد لمبی عمروں والے زندہ باپ دادے مراد ہیں کیونکہ اس زمانے میں بہت لمبی عمریں ہوتی تھیں۔ لوگ دادے پردادے بلکہ نگردادے بن کر پانچ چھ نسلیں دیکھ کر فوت ہوتے تھے۔ دونوں قول درست ہیں کیونکہ مَا سَمِعْنَا کہہ کر قول وتحریری دونوں قسم کی باتیں مراد لیتے تھے۔ جِنَّةٌ کے معنیٰ میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس سے مراد جنون وپاگل پن ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد جنات کا سایہ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد جادو کا اثر ہے۔ تینوں قول درست ہیں کیونکہ کوئی کافر کچھ کہتا تھا کوئی کچھ۔ یا ایک ہی گروہ کبھی کچھ کہتا تھا کبھی کچھ۔ فَتَرَبَّصُوْا کے معنیٰ میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے لکھا کہ یہ فَتَرَبَّصُوْا کا جملہ متعلقہ ہے اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌ سے۔ یعنی یہ شخص نبی نہیں

marfat.com

ہے صرف مجنون ہو گیا ہے جواب چالیس سال کی عمر میں ایسی باتیں کرنے لگ گیا ہے۔ لہٰذا نہ اس سے کچھ کہو نہ اس کی مانو نہ اس کے قریب جاؤ بلکہ انتظار کرو شاید پہلے کی طرح صحتمند ہو جائے یا فوت ہو جائے یا زیادہ تنگ کرے تو چھپ کر موقعہ پا کر قتل کر دینا (۲) بعض نے کہا فَتَرَبَّصُوْا کا جملہ علیحدہ ہے اور معنیٰ یہ ہے کہ اس کو ماننے نہ ماننے میں جلدی نہ کرو شاید یہ سچا نبی ہو اور اللہ اس کی مدد فرمائے طاقت بخشے عزت بڑھائے تو تم بھی اس پر ایمان لے آنا۔ اور اگر یہ جھوٹا ہوا تو ہمارے بتوں کی اس پر مار پڑے گی۔ اور یہ خود ہی ذلیل ہو جائے گا۔ پہلا قول درست ہے کیونکہ کفار نے باوجود آپ کے بہت سے معجزات دیکھنے اور آپ کی سچی غیبی خبریں سننے کے عذاب کی نذارتیں بلکہ آثار دیکھنے کے باوجود بھی آخر دم تک ایمان قبول کرنا تو درکنار مائل بھی نہ ہوئے۔ کیا عجیب بدنصیبی تھی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ نَا مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ وَاُمَّةَ نَبِیِّ الْکَرِیْمِ رَحْمَةِ لِلْعَالَمِیْنَ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔

فائدے

ان آیاتِ کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** تمام انبیاء علیہم السلام ہمیشہ اونچے باوقار باعزت با صلاحیت اور دنیوی اعتبار سے باحیثیت و مرتبت خاندانوں میں ہوتے رہے۔ کوئی نبی نیچے خاندان میں نہ ہوا۔ تاریخ گواہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام شرافتیں نبوی قبیلے اور آباء نبوت کو ہی عطا فرمائیں۔ جتنی بھی چیزوں کو اہل دنیا عزت و شرافت، علمیت و عقلیت، ثروت، سخاوت، مروت، اخلاق و تہذیب، امانت و دیانت، رحمیت نرم دلی غریب پروری کا نام دیتے ہیں وہ انبیاء علیہم السلام کو بچپن سے بڑھاپے تک حاصل ہوتی ہیں۔ اور اپنے خاندان و قبیلے کے افراد سے زیادہ خصوصی بلند مقامی پر۔ کبھی کوئی نبی مالی و جائیدادی طور پر قدرتی غریب مسکین نہ ہوا۔ بعض انبیاء کی غربت ان کی ذاتی سخاوت کی بنا پر ہوتی رہی۔ انبیاء مالی مسکین نہیں ہوتے طبعاً مسکین ہوتے ہیں مسکینوں سے پیار کرنے والے۔ غرضیکہ ذاتِ نبی علیہ السلام حالات صفات میں بھی بے مثل شخصیات ہیں۔ کوئی اونچے سے اونچا انسان بھی کسی بھی صفت میں نبی کی مثل نہیں ہو سکتا۔ یہ فائدہ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ کے باب تفعل سے حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ سردارانِ قوم نے کئی بار تو یہ کہا کہ مَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِیْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا (ہود: ۲۷) یا یہ کہا کہ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ (شعراء: ۱۱۱) یعنی ہم دیکھتے ہیں کہ اے نوح تمہاری اتباع صرف ہمارے کمینے کر رہے ہیں اور کبھی بولے کہ کیا ہم آپ پر ایمان لائیں حالانکہ آپ پر کمینے ایمان لائے ہیں کیا ہم ایمان لا کر غریبوں کے ساتھ بیٹھیں یعنی اہل ایمان کو کمینے اور غریب مسکین تو کہا مگر نبی علیہ السلام کی ذات و صفات صداقت، دیانت، وجاہت، شرافت، علوت میں کبھی کوئی بدترین دشمن بھی کسی قسم کی کمی کبھی نہ نکال سکا۔ اگر ذرہ بھی نوح علیہ السلام میں غربت عسرت ہوتی یا خصلت کی کمی ہوتی تو دشمن سب سے پہلے اسی کو اچھالتے۔ **دوسرا فائدہ:** غریبوں کی یہ کتنی بڑی خوش قسمتی ہے کہ ہمیشہ سب سے پہلے حق کا ساتھ غرباؤ مساکین عوام ہی نے دیا۔ اس طرح دولت ایمان محبت رحمٰن سب میں پہلے غرباء کو ہی نصیب ہوئی جو بالآخر ابدی سرمایہ بن گیا اور دنیا میں بدقسمت گروہ ہمیشہ ہی امیروں دولتمندوں کا ہوا اور ابدی خوشیوں مسرتوں لذتوں سے دور ہی بھٹکتا رہا۔ گویا کہ غریبی مسکینی رحمت بن کر غربا کی خوش بختی کا سبب بنتی رہی اور دنیوی امیری زحمت و مصیبت بن کر امرا کی بدنصیبی کا سبب بنتی رہی۔ الا ماشاء اللہ یہ فائدہ۔ فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ كَفَرُوْا (الخ)

marfat.com

فرمانے سے حاصل ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیوی دولتمندوں نے ہمیشہ باطل و شیطان کا ساتھ دیا۔ اور غریبوں نے ہمیشہ حق و ایمان کا ساتھ دیا۔ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَآءِ (الحدیث مقدس) **تیسرا فائدہ:** تمام مخلوق میں افضل ملائکہ ہیں مگر انبیاء علیہم السلام تمام ملٰئکہ سے بھی افضل ہیں۔ کیونکہ ملائکہ میں صرف افضلیت عصمت کا مقام ہے لیکن انبیاء کرام میں افضلیت عصمت اشرفیت' اکرمیت' اکملیت' اقربیت' حبیبیت' خلیلیت' کلیمیت' خلافت کے تمام مدارج و مقام کی عظمتیں موجود ہیں۔ اسی لئے ملائکہ نبی نہیں بن سکتے یہ فائدہ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً کے مطالبہ کفار کو تردیدی انداز میں بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ ترتیب فضلیت اس طرح ہے کہ تمام مخلوق سے افضل ملائکہ' ملائکہ سے افضل انبیاء کرام انبیاء کرام میں سے رسول افضل رسولوں میں سے مرسل افضل' مرسلین میں سے آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ افضل و بے مثل ہیں۔ کیونکہ بے مثل خدا نے انہیں بے مثل بنایا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی فائدے مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق تقلید صرف عملیات میں جائز ہے نہکہ عقائد میں اگرچہ فقہاء کرام کا قیاس ہو یا علماء منطق فلسفہ کا قاعدہ تمثیل ہو یا علماء علم کلام کا قانون استدلال۔ کیونکہ تقلید کہتے ہیں ہر اس موقف و مسلک نظرئے کو جس میں صحت کے ساتھ ساتھ غلطی کا احتمال ہو۔ عقائد میں یہ بات نہیں ہوسکتی کہ عقیدہ یا قطعاً صحیح ہوگا یا قطعاً غلط۔ دیکھو کفار قوم نے نوح علیہ السلام پر ایمان نہ لانے کے لئے۔ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ سے استدلال پیش کیا۔ اس طرح کہ وجود شی کا نہ ہونا تقلید کے نہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو چونکہ نبوت نوح کا وجود اور تذکرہ آباء اولین میں نہیں تھا اس لئے ہم نوح کی تقلید فی الایمان نہیں کریں گے۔ کفار کا کہنا تھا کہ آباء میں کسی شی کا نہ ہونا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ شی ہے ہی نہیں۔ جب مَا سِمِعْنَا کی بناء پر وجود نبوت نہیں تو ہم وجود تقلید کیوں کریں۔ قرآن مجید نے کفار کے اس قیاس و تمثیل اور استدلال کو انتہائی کمزور و ناقص قابل تردید فرمایا کہ وجود تقلید وجود شی پر دلالت نہیں کرتی یعنی تقلید کے لئے ضروری نہیں ہے کہ اس چیز کا وجود آباء اولین میں موجود ہو۔ جب وجود تقلید وجود شی پر ہی دلالت نہیں کرتی تو عدم شی عدم تقلید پر کیسے دلالت کرسکتی ہے۔ ایمان عقیدہ ہے اور عقیدہ قلبی چیز ہے اس لئے اس میں تقلید جائز نہیں۔ لہٰذا ایمان لانے کے لئے آباء کی طرف مت دیکھو ان کی نقلی تقلید مت کرو۔ یہ مسئلہ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا کے قول کفار کا تردیداً ذکر کرنے سے مستنبط ہوا **دوسرا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق حکومت طلبی کی دو صورتیں ہیں ایک جائز ایک ناجائز جائز یہ کہ زمین پر عدل' تقویٰ طہارت ایمان قائم کرنے اور کفر شرک فسق ظلم مٹانے کے لئے حکومت طلب کرنا جائز بلکہ بعض موقعوں پر واجب ہوتی ہے۔ خواہ حکومت وقت سے عہدہ حاصل کرنے کی شکل میں ہو جیسے کہ یوسف علیہ السلام نے بادشاہ مصر سے عزیز مصر بنائے جانے کا عہدہ طلب فرمایا جس کا ذکر سورۂ یوسف آیت ۵۵ میں ہے۔ قَالَ اجْعَلْنِيْ عَلٰى خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ۚ اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ خواہ بذریعہ جہاد جیسا کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے جہاد برائے قیام حق و اختتام باطل۔ خواہ بذریعہ ووٹ جیسے صحابہ کرام کے انتخابی چناؤ۔ انبیاء کرام و اہل ایمان پر ان مقاصد عظیم کے حصول کے لئے ان قوتوں حکومتوں کا حاصل کرنا واجب و لازم ہوتا ہے کیونکہ سلطنتی قوت کے بغیر دنیا پر نہ عدل قائم ہوسکے نہ کفر ظلم ختم ہوسکے۔ ہاں البتہ محض سرداری

marfat.com

چمکانے سیاست بنانے کرسی سجانے اور دولت کمانے کے لئے یا کفر فسق ظلم پھیلانے کے لئے حکومت وسرداری کی طلب ناجائز وحرام ہے۔ جیسا کہ دنیوی سیاسی لیڈروں محض حصول زر وطلب عزت دنیوی کے لئے ہزار جتن فریب اور جھوٹے وعدے کر کے ووٹ کماتے کرسی بناتے ہیں۔ یہ سراسر گناہ اور بدترین خصلت ہے۔ یہ مسئلہ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ کی ایک تفسیر سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کی بشریت کے لئے شرعی ضابطہ اس طرح ہے کہ ان کو بشر سمجھنا اور ان کی بشریت وانسانیت پر عقیدہ رکھنا جائز اور ضروریات دین میں سے ہے۔ مگر انبیاء علیہم السلام کو مِثْلُنَا کہنا یا سمجھنا برابری ومثلیت کا عقیدہ بنانا۔ یا اعتقاد رکھنا حرام وکفر ہے۔ شروع زمانوں سے یہ عقیدہ صرف کفار کا ہی ہوتا رہا۔ کفار ہی انبیاء کرام کی اس طرح گستاخی کرتے رہے کہ بَشَرٌ مِّثْلُنَا وَبَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کہتے رہے۔ اور گستاخی انبیاء کفر ہے۔ یہ کفر وبدعقیدگی حضرت شیث پھر حضرت ادریس پھر حضرت نوح علیہم السلام کے زمانوں میں ان کی کافر قوموں سے شروع ہوا۔ جواب تک گستاخ فرقے کے عقیدے اور تحریر وتقریر میں شامل ہے اور اس بدعقیدگی سے مقصد خبثاء وشیاطین اپنی توقیر اور نبوت کی تحقیر ہے ورنہ ان بدبختوں کی زبان سے کبھی نہیں سنا گیا کہ ہم ابوجہل نمرود فرعون کی مثل ہیں۔ یہ مسئلہ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے قول کفار کو نقل وذکر فرمانے سے مستنبط ہوا۔ خیال ہے کہ قرآن مجید میں تقریباً چوبیس جگہ بشریت نبوت کا ذکر ہے۔ جن میں مثلیت کا دعویٰ کفار کی طرف سے ہی کئے جانے کا ذکر فرمایا گیا۔ نہ اللہ تعالیٰ نے مِثْلُکُمْ فرمایا نہ خود انبیاء علیہم السلام نے اپنے آپ کو ابتداء مِثْلُکُمْ فرمایا۔ چنانچہ سورۃ ابراہیم کی آیت ۱۱ میں ہے کہ ایک علاقہ میں مبعوث چند انبیاء کو کفار قوم نے بار بار کہنا شروع کر دیا کہ تم تو ہماری ہی طرح ایک عام بشر ہو اور اس بدعقیدگی کو نافرمانی نبوت انکار رسالت اور کفر شرک پر قائم رہنے کا بہانہ بنالیا تب ان انبیاء کرام علیہم السلام نے کفار کو جواب دیا۔ قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (ابراہیم:۱۱) فرمایا ان کو ان کے رسولوں نے کہ ہم ظاہری بشریت میں تو تمہاری ہی طرح ہیں لیکن رب تعالیٰ نے ہمیں اپنے کرم سے شان نبوت ومعجزات کی قوت دے کر بے مثل بنا دیا ہے۔ یعنی ہم بشر ہیں مگر حقیقتاً مِثْلُکُمْ نہیں یہ مشابہت صرف ظاہری ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (ابراہیم:۱۱) اور لیکن اللہ تعالیٰ احسان فرماتا ہے بے مثلیت کا جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے۔ اس آیت کے طرز تکلم سے منشاء باری تعالیٰ کا یہی ظاہر ہے۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ نے خود اپنی مرضی سے حدیث وقرآن میں کبھی نہیں فرمایا کہ میں تم جیسا یا تم مجھ جیسے بشر بنو۔ بلکہ رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو فرمایا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ (کہف:۱۱۰) اس طرح قرآن مجید میں دو جگہ حکم فرمایا گیا پہلے سورۃ کہف آیت ۱۱۰ پھر سورۃ فصلت آیت ۶ میں اور یہ فرمان بھی بطور اطلاع یا خبر نہیں بلکہ چیلنج ہے یعنی اے دنیا بھر کے اولین وآخرین لوگو میں ہر وصف ہر خوبی ہر کمال میں تم سب کی مثل ہوں۔ میری بشریت میں سب کائنات انسانیت کی خوبیاں ہیں اسی آیت کی تفسیر ہے کہ آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری۔ لہٰذا اس قسم کی آیت سے کوئی بدبخت دھوکہ کھا کر کسی نبی علیہ السلام کی مثل نہ بن بیٹھے۔ اسی اندیشے کو مٹانے دور کرنے کے لئے کئی بار آقا ﷺ نے فرمایا بلکہ بفرمان وَمَا يَنْطِقُ خود رب تعالیٰ نے زبان اقدس سے کہلوایا۔ اَيُّكُمْ مِثْلِىْ تم میں کون ہے جو میری مثل ہو سکے کیونکہ بے مثل خدا نے مجھے بے مثل بنایا صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا وَمَلْجَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ ذُرِّيَّاتِهٖ وَاٰبَآئِهٖ

marfat.com

وَبَنَاتِهٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: اس کی کیا وجہ ہے کہ یہاں سورۃ مومنون کی آیت ۲۴ میں فرمایا گیا فَقَالَ الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ اور آگے آیت ۳۳ میں فرمایا گیا وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یعنی پہلی آیت میں کفریت کا ذکر پہلے ہے قومیت کا بعد میں۔ اور دوسری اگلی آیت میں قومیت کا ذکر پہلے ہے کفریت کا بعد میں۔ دونوں جگہ ایک جیسی عبارت کیوں نہ فرمائی گئی۔ **جواب**: یہ فرق عمومیت کی وجہ سے کیا گیا۔ یہاں پہلی آیت میں کفریت عام اور کثیر وسیع ہے۔ کیونکہ نوح علیہ السلام اسوقت دنیا میں موجود نو قوموں کی طرف رسول مبعوث ہوئے اور وہ سب قومیں کافر تھیں۔ چونکہ ان سب کے لئے نبی ایک ہی نوح علیہ السلام تھے۔ اس لئے بشکل امت ایک ہی قوم تھی اگر چہ بشکل خاندان نو قومیں تھیں۔ اس وجہ سے کفریت کا ذکر پہلے کیا گیا قومیت کا بعد میں۔ لیکن اگلی آیت ۳۳ میں صرف ایک خاندان عاد یا قوم ثمود کا خاندان مذکور ہے وہاں قومیت کی اکثریت وعمومیت بیان کرنا مقصود ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ قوم نوح کے کچھ سردار مومن بن گئے اس لئے الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کو پہلے بیان فرما کر یہ ظاہر وواضح فرمایا گیا کہ قوم نوح کے سب سرداروں نے یہ باتیں نہیں کی تھیں بلکہ قوم نوح کے صرف الْمَلَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا نے یہ پانچ قسم کی کفریہ باتیں کی تھیں اور عاد یا ثمود کے سب سرداروں نے انکار یہ نبوت کی کفریہ باتیں کی تھیں اور سب سرداروں نے غرباء کو ورغلایا تھا ایمان سے ہٹایا تھا ان کا کوئی سردار مومن نہ بنا تھا۔ اس لئے مِنْ قَوْمِهٖ کا ذکر وہاں پہلے کیا گیا۔ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کا بعد میں **دوسرا اعتراض**: یہاں پہلے فرمایا گیا کہ کفار سرداروں نے عوام سے کہا مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ شخص تم جیسا ہی بشر ہے اس بات سے ثابت ہو رہا ہے کہ امراء قوم غربا سے یہ کہنا چاہتے تھے کہ نوح علم وعقل میں تم جیسا معمولی آدمی ہے علم وعقل میں تم سے زیادہ نہیں۔ پھر فرمایا گیا کہ کفار امراء نے کہا یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ یعنی یہ شخص چاہتا ہے کہ تم سب سے افضل ہو جائے اور تم پر حکومت وسرداری حاصل کرلے کفار کی اس بات سے ثابت ہوا کہ وہ لوگ حضرت نوح کو بہت عقل والا سمجھتے تھے کیونکہ وہ اس بات سے حضرت نوح کو چالاک ثابت کرنا چاہتے تھے اور چالاک آدمی ہی عقل والا ہوتا ہے کہ عقل کے بغیر چالاکی آ سکتی ہی نہیں۔ پھر آگے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ کفار نے غرباء عوام سے کہا اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ یہ شخص تو نرا مجنون پاگل مخبوط الحواس ہے۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار امراء غربا عوام کو سمجھانا چاہتے تھے کہ نوح بالکل بے عقل ہے عوام جہلا سے بھی کم یہ سب باتیں آپس میں متضاد مخالف ہیں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ایک شخص ایک ہی وقت میں عام لوگوں کی طرح کم عقل بھی ہو۔ اور بہت زیادہ عقل والا بھی اور بے عقل مجنون بھی۔ **جواب**: اس کے تین جواب دیئے گئے ایک یہ کہ منشاء الٰہی کفار سرداروں کی ہی پاگل پنی و بیوقوفی اور مخبوط الحواسی ظاہر فرمانا ہے کہ سرداران قوم عداوت نبوت میں خود ہی اتنے پاگل مخبوط الحواس ہو چکے تھے کہ انہیں سمجھ نہ آتی تھی کہ ہم نوح علیہ السلام کی عقل علم اور موثر تبلیغ سے قوم کو کس طرح ہٹائیں ایمان لانے سے بچائیں اس لئے کبھی کوئی احمقانہ بات کرتے کبھی کوئی اور اپنی اس تضاد بیانی کو خود بھی سمجھ نہ پاتے۔ جواب دوم یہ کہ یہ تین باتیں تین قسم کے سرداروں کی ہیں۔ کسی گروہ نے کہا وہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ہے کسی نے کہا یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ کسی گروہ نے کہا اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ

marfat.com

جواب سوم یہ کہ یہ سب باتیں سب سرداروں کی متفقہ تھیں مگر زمانوں کا اختلاف ہے۔ شروع زمانہ تبلیغ میں کہا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ پھر کچھ برسوں کے بعد کہا يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ پھر کچھ برسوں کے بعد کہا کہ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ اور اس طرح سب نے سب کو حضرت نوح سے ہٹایا ورغلایا اور مجنونیت سے ڈرایا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا کفار نے مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِيْۤ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِيْنَ یہاں آبَآءُ الْاَوَّلِيْنَ سے کون مراد ہیں اگر موجودہ بوڑھے لمبی عمر والے آباء ہیں تو مَّا سَمِعْنَا اور الْاَوَّلِيْنَ کہنا غلط ہوا کیونکہ وہ تو پاس ہیں اور کفر میں ساتھ موجود ہیں نیز اولین اصطلاح میں فوت شدہ آباء کو کہا جاتا ہے۔ اور اگر فقط فوت شدہ مراد ہیں تو بھی غلط کیونکہ اس زمانے میں اتنی لمبی عمریں ہوا کرتی تھیں کہ ہر شخص تقریباً چھ چھ نسلیں دیکھ کر نگڑ دادا بن کر فوت ہوتا تھا۔ اور ان سے بھی پہلوں کی زبانی ان موجودہ نسلوں کا سننا ناممکن۔ تو یہ قول کس طرح درست ہوسکتا ہے

جواب: یہاں دونوں قسم کے آباء مراد لئے گئے زندہ بھی مردہ بھی اور سَمِعْنَا سے مراد بھی دونوں قسم کا سننا ہے۔ حقیقی معنیٰ زبانی سننا موجودہ آباء سے اور مجازی معنیٰ فوت شدہ کی تحریر و تاریخ سے پڑھ کر یا پڑھوا کر یا سینہ بسینہ سننا۔ سماعت کے یہ دونوں حقیقی و مجازی معنیٰ آج بھی مروج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ہم نے حدیث پاک سے سنا۔ یا اخبار سے فلاں خبر سنی تو یہاں مَّا سَمِعْنَا کا معنیٰ یہ ہوا کہ ہم نوح کے دین و نبوت کو جانتے ہی نہیں۔ نہ زبانی سن کر نہ پڑھ کر سینہ بسینہ نقل نہ زندوں کی زبانی نہ مردوں کی کہانی نہ تاریخ کی بیانی۔

تفسیر صوفیانہ

روح مربی و مزکی کی نصیحت عرفانی و حکم ربانی کا پیغام سن کر کہا نفس و نفسیات نے اور ان اہل نفوس دنیا پرستوں نے جو منکر انعام تھے اور شکرانِ نعمت سے نفور کفران میں مسرور رہنے کے عادی۔ اپنے اعضاء بدنی و قواء جسمی سے کہ اے ہمارے ارادوں نیتوں کی غلام قو تو یہ تمہاری بستی قالب کا کل وقتی مبلغ قلب مسکین۔ ساکن لاہوتی تم کو خواہشات کے بتوں دولت کی مورتیوں کی پرستش لذتوں خواہشوں کی بندگی غلامی سے روکتا ہے۔ اور تمہارے گوش کو خلوت میں ہوش کو جلوت میں سماعت کو تلاوت میں عضویات کو عبادت میں فکریات کو مراقبات میں عقلیات کو ریاضت میں رہنے کا حکم دیتا ہے۔ اور یہ قلب مسکین چاہتا ہے کہ تم سب ایک خالق تعالیٰ وحدہ لاشریک کے حضور قدس میں سجود خالص ورکوع خلوص سے جھکے اور لگے رہو۔ اور خود کو منزل طریقت وراہِ حقیقت و بلندی شریعت کا مرشد وراہنما ظاہر کررہا ہے۔ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یہ کچھ بھی نہیں نہ مرشد نہ راہنما نہ رہبر۔ بجز اسکے کہ فکریات نظریات' مناظرات' مشاہدات' ذکریات' علمیات' معلومات' عقلیات' ارادات' اور شب و روز کے موسمیات میں بالکل تمہاری ہی مثل و مشابہ ہے۔ سطوت' ثروت' قوت و طاقت میں تم پر کوئی فوقیت نہیں رکھتا۔ منشاء باطن یہ ہے کہ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ چاہتا ہے علاقہ بدنی کے تم تمام اعضاء ظاہری' باطنی' سری' شعوری پر اپنی فراست و لطافت سے فضیلت حکمرانی و غلبہ شریعت و برتری معرفت حاصل کرلے اور تم کو نفسِ امارہ کی محکومی لذات شہوانیہ' خواہشات شیطانیہ سے ہٹا دے تمہاری خوشیاں مٹا دے۔ حالانکہ نہ یہ مرشد نہ یہ ہادی نہ عالی نہ حامی نہ قاضی منصبداری نہ عاقل نہ عالم۔

عقل عیار ہے سو بھیس بدل لیتی ہے　　قلب بیچارہ نہ حاکم نہ قاضی نہ حکیم

قلب مسکین کے سب دعوے غلط سب وعدے بیکار۔ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً اور اگر اللہ تعالیٰ دنیا و لذات دنیا چھڑانا

marfat.com

چاہتا اور دولتوں تجارتوں دنیوی مشغولیتوں کو مٹانا چاہتا تو یہ چیزیں پیدا ہی کیوں کرتا اور قلب کے مشوروں کی حاجت کیا تھی۔ خود رب ہی توفیق سعادت و ہمت و ہدایت نازل فرما دیتا۔ اور آسانیوں سہولتوں کے دروازے ہم پر کھل جاتے کہ خود بخود سعادت کی عبادت اور ہدایت کی دولت نصیب ہو جاتی بلکہ ہمارے اندر لذت' تجارت دولت کی تمنا ہی پیدا نہ فرماتا۔ اگر اللہ نے یہ چیزیں پیدا کی ہیں تو برتنے لینے استعمال کرنے مشغول رہنے چاہنے حاصل کرنے کے لئے ہی پیدا کی ہیں یہ قلب مزکی ہم کو کیوں روکتا ٹوکتا ہے اور ایسی انوکھی بیکار نصیحتیں تبلیغیں ہم کو سناتا ہے کہ مَّا سَمِعْنَا بِهٰذَا فِیْٓ اٰبَآئِنَا الْاَوَّلِیْنَ ہم نے اس سے پہلے کبھی اپنے قواء عقلیات' عوارض تخیلات اور وسعت تصورات آباء ظاہری اجداد باطنی سے نہ سنیں مگر قلب کی پکار ہے ضمیر کی آواز ہے کہ یہ حرام وہ حرام یہ ناجائز وہ ناجائز یہ نہ کرو وہ نہ کرو یہ بھی گناہ وہ بھی گناہ اور قلب مزکی ہر وقت کہتا ہے کہ اے غافلین نفس امارہ۔

دن عیش میں کھونا تمہیں اور رات بھر سونا تمہیں   خوف خدا شرم نبی یہ بھی نہیں وہ بھی نہیں

اگر دنیا کی یہ چیزیں حرام ناجائز و گناہ ہوتیں اور دنیا داری کی رونقیں میلے تماشے تجارت کی زقزق دولت کی بکبک برے اور کفر مطلق ہی تھے تو اللہ نے ہی پیدا کیوں کیے۔ بس معلوم ہو گیا کہ دولت لذت شہوت کی خواہش بری و ناجائز نہیں بلکہ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلٌۢ بِهٖ جِنَّةٌ یہ قلب جسمانی میں مجنون و دیوانہ ہے۔ اسکا روکنا ٹوکنا بالکل پاگل پن ہے۔ فَتَرَبَّصُوْا بِهٖ حَتّٰى حِیْنٍ لہٰذا نفس والو قبض و بسط سعادت شقاوت عسرت یسرت کی کچھ ساعتیں انتظار کرو یہ قلب اسی دیوانگی جنون سے اپنی موت خود مر جائے گا۔ دنیا میں دو قسم کی شخصیات ہیں۔ ۱۔ اہل طبیعت ان کی کثرت ہوتی ہے۔ ۲۔ اہل حقیقت ان کی قلت رہتی ہے۔ اہل حقیقت خیر خواہ ہیں کہ ہمیشہ ہی اہل طبیعت کو بچاتے ہیں مگر اہل طبیعت اپنی خباثت باطنی' بدبختی ظاہری سے نصیحت کو فضیحت اور جنون سمجھنے لگتے ہیں جنون کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ ترک عقل اور اختیار عشق یہ جنون حق ہے۔ ۲۔ ترک عشق و اختیار عقل۔ یہ جنون باطل ہے پہلا جنون اہل دین و ایمان کا ہے۔ دوسرا جنون اہل دنیا کا ہے منزل لیلیٰ کی راہ میں خطرات بہت ہیں اے بندے اگر تو قدم رکھنا چاہتا ہے تو پہلے مجنون ہو جا۔ اہل جنون کا دل عالم غیب کی کھڑکی ہے اہل حق اور اہل باطل اس شہر محبوب کے آوارہ دیوانے ہیں کوئی سچا مجذوب ہے کوئی جھوٹا مجنون ہے (روح البیان)

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۲۶﴾ فَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ

حضرت نوح نے عرض کی اے میرے رب مدد فرما میری اس وجہ سے کہ ان سب نے جھٹلا دیا مجھ کو تب وحی بھیجی ہم نے انکی طرف

نوح نے عرض کی اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا تو ہم نے اسے وحی بھیجی

اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْیُنِنَا وَ وَحْیِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا

اس بات کی کہ بناؤ تم ایک بڑی کشتی ہماری نگہبانی میں اور ہماری وحی کی تعلیم سے پھر جب آئے ہمارا حکم عذاب

کہ ہماری نگاہ کے سامنے اور ہمارے حکم سے کشتی بنا پھر جب ہمارا حکم آئے

marfat.com

وَفَارَ التَّنُّوۡرُ ۙ فَاسۡلُكۡ فِيۡهَا مِنۡ كُلٍّ زَوۡجَيۡنِ اثۡنَيۡنِ

اورابل پڑے ایک تندورتب سواریاں بھرلینا اس کشتی میں ہر جاندار سے دو جوڑے

اور تندورابلے تو اس میں بٹھالے ہر جوڑے میں سے دو

وَاَهۡلَكَ اِلَّا مَنۡ سَبَقَ عَلَيۡهِ الۡقَوۡلُ مِنۡهُمۡ ۚ

اوراپنے تمام مومن سوائے اس کے تقدیری فیصلہ پہلے ہو چکا جس پر ان اہل میں سے

اوراپنے گھر والے مگر ان میں سے وہ جن پر بات پہلے پڑ چکی اور ان ظالموں کے

وَلَا تُخَاطِبۡنِىۡ فِى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا ۚ اِنَّهُمۡ مُّغۡرَقُوۡنَ ﴿۲۷﴾

اور نہ سوال کرنا مجھے ان لوگوں کے بارے میں ظلم کیا جنہوں نے بیشک وہ ڈبوئے ہوئے ہیں

معاملے میں مجھے بات نہ کرنا یہ ضرور ڈبوئے جائیں گے

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں قوم نوح کے کافر سرداروں کے کفریہ انکاری کلمات بد اور گستاخی کرنے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں نوح علیہ السلام کی ان دعاؤں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو انہوں نے رب تعالیٰ کی بارگاہ جلال میں قوم کے ایمان سے مایوس ہو کر عرض کیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں نوح علیہ السلام کی دعوت اور کفار کے قبول نہ کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں نوح علیہ السلام کی دعا اور اللہ تعالیٰ کے قبول فرمالینے کا ذکر ہورہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صناعی کاریگری کے قدرت کمال کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے نبی حضرت نوح علیہ السلام کی صنعت وحرفت اور قوت اعجاز کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ حضرت نوح نے رب تعالیٰ کے پڑھانے سکھانے سے ایسی عظیم بے مثل معجزانہ کشتی بنائی جواب تک کوئی نہ بنا سکا۔ اس طرح جواب دیا جارہا ہے ان بے ادبوں گستاخوں کو جو انبیاء علیہم السلام کو اپنے جیسا کمزور و بے اختیار سمجھتے ہیں کہ جب نبی علیہ السلام کی صنعت بے مثل ہے تو وہ خود کیسی شان کے بے مثل ہوں گے۔

تفسیر نحوی

قَالَ رَبِّ انۡصُرۡنِىۡ بِمَا كَذَّبُوۡنِ قَالَ فعل ماضی مطلق اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع نوح علیہ السلام یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ دراصل یا ربی ہے بمعنیٰ اے میرے رب رب مرکب اضافی منادیٰ ہے اُنۡصُرۡ۔ باب نصر کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اسکا فاعل اَنۡتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ واحد مذکر حاضر جس کا مرجع ہے رَبِّ نون وقایہ یعنی اعراب ماقبل کو بچانے والا۔ ی ضمیر واحد متکلم منصوب متصل یہ مفعول بہ ب حرف جر سببیہ بیان وجہ کے لئے یا یہ ب بمعنیٰ عوض ہے یا یہ ب بمعنیٰ عن ہے یا بمعنیٰ علیٰ ہے۔ ہر اعتبار سے اسکا معنیٰ جدا ہے۔ ۱۔ بِمَا کا ترجمہ اس وجہ سے ۔ ۲۔ بِمَا اس کے

marfat.com

بدلے میں۔ ۳۔ بِمَا اس سے۔ ۴۔ اس پر مَا اسم موصول كَذَّبُوْا باب تفعیل کا فعل ماضی مطلق جمع مذکر غائب اسکا مصدر ہے تکذیب ترجمہ ہے جھٹلانا کِذْبٌ سے بنا ہے بمعنیٰ جھوٹ بولنا۔ خلاف واقعہ بات کرنا خلاف حقیقت کلام کرنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا مرجع ہے اَلْمَلَؤن دراصل ہے نِیْ نون وقایہ یٰ ضمیر واحد متکلم منصوب متصل مفعول بہ ہے۔ كَذَّبُوْا فعل بافاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے اُنْصُرْ کا اُنْصُرْ فعل امر بافاعل اور مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ندا ہوا حرف ندا اپنے منادا اور جواب ندا سے مل کر مقولہ ہوا۔ قَالَ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ ۙ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ ف حرف تعقیب بعدیت کے لئے یعنی اس دعاء نوحی کے بعد۔ اَوْحَيْنَا باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِيْحَاءٌ دراصل تھا اِوْحَاءٌ نحوی تعلیل سے اِیْحَا ہو گیا اسکا مادہ ہے وَحْیٌ ترجمہ ہے کلام بھیجنا۔ کلام سنانا۔ الہام کرنا۔ القاء فرمانا۔ (دل میں بات ڈالنا) پہلا اور دوسرا معنیٰ انبیاء علیہم السلام سے خاص ہے۔ تیسرا معنیٰ اولیاء اللہ سے خاص ہے چوتھا معنیٰ ہر جاندار کو عطا ہو جاتا ہے۔ یہاں پہلا یا دوسرا معنیٰ مراد ہے اِلٰی جارہ انتہا کے لئے ہٖ ضمیر کا مرجع نوح علیہ السلام ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اَوْحَيْنَا کا اَنِ اصْنَعْ۔ اَنْ حرف ناصبہ لغو زائدہ ہے یعنی یہاں نصب دینے کا عمل نہیں کرتا۔ اصْنَعْ باب فتح کا امر حاضر معروف واحد مذکر صَنْعٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے کاریگری۔ فن کاری سے کسی اہم وضروری چیز کو بنانا۔ اسی سے ہے صناعی اور صنعت۔ اِصْنَعْ کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع نوح علیہ السلام۔ الف لام حرفی عہد خارجی۔ فلک اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے دائرہ۔ اسی لحاظ سے مدار اور محدود کو بھی فلک کہہ دیتے ہیں۔ اصطلاح عام میں ہر چھوٹی بڑی کشتی کو فلک کہا جاتا ہے۔ واحد جمع مذکر مونث سب کے لئے یہ ایک ہی لفظ ہے اسی وزن پر یعنی انہی حروف واعراب سے ہے۔ یہ مفعول بہ ہے ب حرف جر بمعنیٰ فی ظرفیہ مکانیہ۔ اَعْيُن اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے عین بمعنیٰ نگاہوں۔ مضاف ہے عَيْنٌ کا لغوی معنیٰ ہے اصل۔ یہ لفظ چھ معنیٰ میں مشترک ہوتا ہے۔ ۱۔ بعینہٖ وہی چیز۔ ۲۔ آنکھ۔ ۳۔ چشمہ۔ ۴۔ گھٹنا انسانی حیوانی۔ ۵۔ آفتاب۔ ۶۔ حمایت نگاہ یہاں بمعنیٰ حفاظت و حمایت ہے نَا ضمیر جمع متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ مضاف ہے یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ وَحْيِنَا یہ مرکب اضافی معطوف یہاں وَحْیٌ سے مراد تعلیم الٰہی ہے دونوں عطف مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے اِصْنَعْ فعل امر کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ف عاطفہ اِذَا حرف شرط ظرفیہ زمانیہ جَآءَ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر جَیْئٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ آنا اَمْرُنَا مرکب اضافی بمعنیٰ ہمارا حکم تقدیری یا حکم عذاب یہ مرکب فاعل ہے جَآءَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ فَارَ۔ باب نصر کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر مثبت معروف فَوْرٌ سے مشتق ہے لغوی معنیٰ ہے جلدی ہونا جلدی کرنا۔ لازم بھی ہوتا ہے۔ متعدی بھی۔ یہاں مراد ہے پانی پھوٹ پڑنا پانی ابل پڑنا۔ الف لام حرفی عہد خارجی تَنُّوْرٌ یہ لفظ عربی ہے ضمیر فارسی سے معرب بمعنیٰ تندور نُوْرٌ سے بنا ہے یعنی روشنی والا۔ چونکہ تندور میں آگ کی روشنی بھڑکتی ہے اس لئے تندور کو تَنُّوْرٌ یہ کہا جاتا ہے۔ اسم مبالغہ ہے بروزن فعول۔ یہ فاعل فَارَ کا یہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا جَآءَ کے جملے پر یہ دونوں جملے انشائیہ ہیں اِذَا شرطیہ کی وجہ سے یہ معطوف علیہ ومعطوف مل کر شرط ظرفیہ

marfat.com

زمانیہ ہوئی ف جزائیہ اُسْلُکْ باب نصر کا امر حاضر معروف واحد مذکر سَلْکٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے چلنا دوڑنا تیز تیز آنا یہاں مراد سوار کرنا۔ اس کا فاعل ہے اَنْتَ ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع نوح علیہ السلام فِیْ جارہ ظرفیت مکان کے لئے۔ ھَا ضمیر کا مرجع فُلْکٌ ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ تبعیضیہ کُلٍّ اسم کلی تعدادی بمعنیٰ ہر ایک تمام یہ جار مجرور متعلق دوم ہے زَوْجَیْنِ اسم تثنیہ اس کا واحد زوج بمعنیٰ جوڑا۔ زَوْجَیْنِ کا معنی ہے دو جوڑے ممیز ہے اثنین اسم عددی عدل ہے ترجمہ ہے دو دو یعنی جاندار کے دو دو جوڑے۔ یہ تمیز ہے ممیز تمیز مل کر معطوف الیہ واؤ عاطفہ اہل اسم مفرد ترجمہ ہے والا مراد ہے گھر والے افراد بیوی بچے اور زیر پرورش افراد آل اور اہل میں یہ فرق بھی ہے کہ آل بمعنیٰ ہر مطیع متبع اور اہل صرف گھر میں رہنے والے زیر پرورش۔ مضاف ہے کَ ضمیر حاضر مذکر کا مرجع نوح علیہ السلام مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا حرف استثناء متصل مِنْ اسم موصول واحد مذکر و مونث دونوں کے لئے آتا ہے سَبَقَ باب ضرب کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب۔ سبقٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ پہلے ہونا گزرنا عَلَیْہِ۔ جار مجرور متعلق اول ہے سَبَقَ کا۔ ہٖ ضمیر کا مرجع مِنْ ہے مَنْ اسم حاصل مصدر بمعنیٰ بات مراد ہے تقدیری فیصلہ یہ فاعل ہے سَبَقَ کا۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب اس کا مرجع اَھْلُ لفظاً اہل یہاں لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے اسی لئے اس کے لئے ھُمْ ضمیر جمع لائی گئی یہ جار مجرور متعلق دوم ہے سَبَقَ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مستثنیٰ ہوا اَھْلَکَ سے دونوں مل کر معطوف ہے زَوْجَیْنِ پر دونوں مل کر مفعول بہ ہوا اُسْلُکْ کا یہ فعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی اِذَا جَآءَ کی دونوں شرط و جزا مل کر معطوف ہوا اَنِ اصْنَعِ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہوا اَوْحَیْنَا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّھُمْ مُّغْرَقُوْنَ واؤ عاطفہ۔ ماقبل جملے کا عطف ہے اَوْحَیْنَا پر۔ لَا تُخَاطِبْ۔ باب مفاعلۃ کا فعل نہی معروف واحد مذکر حاضر۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع حضرت نوح خَطْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ کسی موجود سے بات کرنا اسی سے ہے خطاب وخطبہ نون وقایہ ماقبل فعل کا اعراب اور وزن صیغہ بچانے والی ہمیشہ فعل اور اس کے مفعول کے درمیان آتی ہے۔ ی ضمیر واحد متکلم کا مرجع اللہ تعالیٰ مفعول بہ ہے۔ فی جارہ ظرفیہ نفسہ۔ ترجمہ ہے بارے میں اَلَّذِیْنَ اسم موصول ظَلَمُوْا باب ضرب کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب ظُلْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ لغوی نقصان کرنا یہاں مراد ہے کفر کرنا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا مرجع اَلَّذِیْنَ مراد ہے مَنْ سَبَقَ والے کفار۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ موصول اپنے صلہ سے مل کر مجرور متعلق لَا تُخَاطِبْ فعل نہی سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے سابقہ پر۔ اِنَّ حرف مشبہ ھُمْ ضمیر اس کا اسم مُغْرِقُوْنَ باب نصر کا اسم مفعول یہ اپنے نائب فاعل پوشیدہ ضمیر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اِنَّ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر علت منفردہ ہوئی لَا تُخَاطِبْ کی وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ

حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نوسو ۹۵۰ سال تبلیغیں سنائیں اذیتیں سہیں پیار دیا غصہ لیا رحمتیں بانٹیں زحمتیں سمیٹیں اہل قوم کو عزت بخشی ان کی گستاخی کی ہر بات انتہا کو پہنچ گئی تو دعا عرض کی کہ مولیٰ یہ قوم حد سے زیادہ سرکش ہو گئی اس کا کیا علاج کیا جائے۔ تب وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (ہود: ۳۶) یعنی اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کی

marfat.com

طرف وحی بھیجی کہ اب تمہاری قوم میں سے کوئی ایمان نہ لائے گا بس جو پہلے ایمان لا کر مومن بن گئے وہی مومن رہیں گے۔ وہ
کل افراد امراء غرباء اہل خانہ مرد و عورت مل کر بانوے ۹۲ افراد تھے۔ یہی لوگ تا حیات مومن اور تابع فرمان عبادت گذار
رہیں گے۔ اس پیغام الٰہی کو سننے کے بعد حضرت نوح قوم سے بالکل ہی مایوس ہو گئے۔ تب بارگاہ رب العزت میں نہایت
عاجزی انکساری سے بانداز دعا عرض کیا۔ اے میرے رب کریم میری مدد فرما۔ میں نے دوران تبلیغ بطریقہ تقریر اپنی قوم کو
کفریات شرکیات فسقیات ظلمیات اور گستاخیوں سرکشیوں سے باز رکھنے کے لئے کئی بار کہا اِنِّیٓ اَخَافُ عَلَیۡکُمۡ عَذَابَ یَوۡمٍ
عَظِیۡمٍ (اعراف: ۵۹) اے میری قوم کے نافرمانو بے شک میں ڈرتا رہتا ہوں اس بات سے کہ کہیں تم پر تمہارے اس کفر کی
وجہ سے کسی بڑے دن کا عذاب نہ آ جائے۔ اور تم سب ہلاک و تباہ ہو جاؤ۔ مگر ان بدقسمتوں پر نہ کسی تبلیغ کا اثر ہوتا ہے نہ ڈرانے
کا۔ فَدَعَا رَبَّهٗۤ اَنِّیۡ مَغۡلُوۡبٌ فَانۡتَصِرۡ (قمر: ۱۰) پھر نوح علیہ السلام نے اپنے رب تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ میں بے شک
مغلوب و مجبور مایوس ہو گیا تو اب تو میری مدد فرما۔ وَقَالَ نُوۡحٌ رَّبِّ لَا تَذَرۡ عَلَی الۡاَرۡضِ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ دَیَّارًا ﴿۲۶﴾ اِنَّکَ
اِنۡ تَذَرۡهُمۡ یُضِلُّوۡا عِبَادَکَ وَلَا یَلِدُوۡۤا اِلَّا فَاجِرًا کَفَّارًا (نوح: ۲۷) اور عرض کیا نوح علیہ السلام نے اے میرے رب
جل و علیٰ اب زمین پر ان کفاروں میں سے کسی ایک کو بھی نہ چھوڑ بیشک تو نے اگر ان میں سے کسی کو زندہ چھوڑ دیا تو یہ سرکش لوگ
تیرے ان بندوں کو بھی گمراہ کریں گے جو بعد میں پیدا ہونے والے ہیں۔ اور ان کی نسلیں بھی بند فرما دے کیونکہ ان کی نسلوں
میں کوئی مومن نظر نہیں آتا یہ بدبخت تو اپنی نسلیں بھی ظالم فاجر کافر ہی جنیں گے۔ اس لئے میرے مولیٰ تعالیٰ رَبِّ انۡصُرۡنِیۡ بِمَا
کَذَّبُوۡنِ (مومنون: ۲۹) میرے رب میری مدد فرما ہم سب ایمان والوں کو بچا کر اور ان کفر والوں کو مٹا کر اسی عذاب کے
ذریعے جس کی خبر کو اور مجھ کو جس کی وجہ سے ان لوگوں نے بار بار جھٹلایا اس طرح کہ میری تبلیغ رسالت پیغام الٰہی توحید کبریائی
حشر نشر قیامت کے حساب و عذاب کو جھٹلایا۔ ان حمقاء نے فرشتوں کے وجود کو تو مانا مگر ان کے سچے ایمان کو نہ مانا۔ اللہ تعالیٰ کی
ذات کو تو مانا مگر اس کی صفت وحدہ لاشریک کو نہ مانا۔ آباء کے کہنے سے دین باطل کو مانا نبی اللہ کے کہنے سے دین حق کو نہ مانا۔
اب بات حد سے بڑھ گئی۔ لہٰذا ان کی ہلاکت ہی میری مدد ہے اور میری مدد زمین کی اصلاح ہے۔ کفار کا غلبہ زمین کا فساد ہے۔
اس مکمل دعاء نوحی کے بعد اس دعا کو قبول فرماتے ہوئے اَوۡحَیۡنَا پس وحی بھیجی ہم نے بلا واسطہ جبرائیل اپنے نبی نوح علیہ
السلام کی طرف اور اس وحی خفی میں یہ پیغام بھیجا کہ ابھی اور آج ہی سے ایک بڑی عظیم کشتی جو مثل بحری جہاز ہو بنانا شروع کر
دو بِاَعۡیُنِنَا ہماری دائمی اور مضبوط حفاظتوں نصرتوں نگاہ داشتوں اور نظروں میں اپنے خداداد تعلیم و صلاحیت و صناعی سے
یہاں اعین جمع فرمانا دوام و جامعیت کے مبالغے کے لئے ہے یعنی اے نوح تمہارا کام صرف بنانا ہے اس کو دشمنوں سے بچانا و
حفاظت کرنا ہمارا کام ہے وَوَحۡیِنَا اور اس کشتی کو تمہارے ہاتھوں سے بنوانا بھی ہمارا کام ہے ہماری وحی خفی و تعلیم مخفی کے حکم اور
تعلیم سے بناؤ ہم سکھاتے ہیں تم بناتے رہو سیکھتے رہو۔ اور لمبائی چوڑائی اونچائی کے نقشے پر کشتی تیار کرو۔ تاریخ کے اعتبار و
حساب سے یہ دنیا کی پہلی کشتی تھی اور اپنی بلندی نقشہ خدودر میں بہت بڑا بادبانی جہاز تھا۔ اس سے پہلے چشم انسانی نے کوئی کشتی
نہ دیکھی تھی نہ کہیں تاریخ میں کہیں ذکر ملتا ہے نہ کسی انسان نے کبھی کسی دریا سمندر کا سفر کیا تھا۔ گویا کہ نوح علیہ السلام موجد کشتی
ہیں۔ جب آپ نے کشتی بنانی شروع کی تو کفار قوم حیرت سے دیکھتے اور پوچھتے کہ یہ کیسا گھر ہے اور کیوں بنایا جا رہا ہے جب

marfat.com

نوح علیہ السلام بتاتے کہ یہ پانی پر تیرنے والا گھر ہے اس کا نام فلک یعنی کشتی ہے تب کفار ہنستے اور مذاق اڑاتے اور لوگوں سے کہتے دیکھو ہم نہ کہتے تھے کہ یہ شخص مجنون ہے غور کرو کہ دور تک کہیں پانی کا نام ونشان نہیں نہ دریا نہ سمندر نہ نہر نہ تالاب اور یہ شخص اتنی دور بیٹھا سمندری دریائی سفر وسیاحت کے لئے اتنی بڑی کشتی بنا رہا ہے اور پھر دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی رسول ہوں بھلا نبی کو ان فضولیات اور سیر وسیاحت سفر سے کیا کام۔ تب حضرت نوح علیہ السلام قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ (ہود: ۳۸) فرماتے کہ اگر آج تم ہم پر ہنستے ہمارا مذاق اڑاتے ہو تو بے شک کل ہم تم پر ہنسیں گے جیسے کہ اب تم ہم کو پاگل سمجھ کر مذاق اڑا رہے ہو تمہاری ہنسی ہمارے اقوال وافعال پر ہے۔ ہماری ہنسی تمہارے انجام پر ہوگی۔ تمہاری ہنسی غفلت کی ہے۔ ہماری ہنسی عبرت کی ہوگی۔

کشتی بنانے کا طریقہ

یہ حکم وحی سن کر حضرت نوح نے تمام مومنین کو جمع فرمایا یہ کل افراد مرد ۴۵ تھے آپ نے ان کے تین گروہ بنائے افراد کا ایک گروہ پھر ایک جماعت کا امیر حضرت حام کو بنایا۔ دوسرے کا سام کو۔ تیسرے کا یافث کو۔ ایک گروہ سے فرمایا تم جنگل سے لمبے لمبے درختوں کے تنے کاٹ کر شاخوں پتوں سے صاف کر کے معینہ تعداد میں لاؤ آپ نے تعداد بتادی۔ دوسرے گروہ سے فرمایا تم اتنی مذکورہ تعداد میں بانس لاؤ۔ تیسرے گروہ سے فرمایا کہ تم لوگ ان درختوں کے تنوں کو کاٹ کر اس پیمائش کے لمبے چوڑے تختے کاٹو اور کچھ لوگوں کو اور گھر میں عورتوں کو حکم دیا کہ تم لوگ بانسوں کی کیلیں تیار کرو اور کچھ بانسوں کی لمبی لمبی پٹیاں چھیل کر بناؤ۔ اور جب بانس ولکڑی کے تختے بتائی ہوئی مقررہ تاریخ تک جمع ہو گئے تب آپ نے حکم دیا کہ دور دراز علاقوں جنگلوں سے جنگلی گوند موم جمع کرو اس طرح تمام خام مال جمع کرنے تراشنے خراشنے کاٹنے بنانے میں تقریباً ایک سال لگ گیا۔ پھر کشتی کی جڑائی حضرت نوح نے خود اپنے دست اقدس سے بتعلیم وحی شروع فرمائی کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت نوح پہلے سے نجار تھے۔ اور نجاری ترخانی کا فن وصنعت جانتے تھے اس لئے آپ نے کشتی بنالی۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آکر آپ کو کشتی بنانا سکھایا مگر یہ دونوں باتیں غلط اور آیت قرآنی کے خلاف ہیں میں کہتا ہوں کہ اگر جبرائیل علیہ السلام نے سکھایا تو جبرائیل کو کس نے سکھایا بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ جو رب تعالیٰ جبرائیل کو سکھا سکتا ہے وہ نبی کو کیوں نہیں سکھا سکتا نیز اگر جبرائیل کشتی بنانا جانتے تھے یا کشتی کا نام ہی جانتے تو حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ علمی مناظرے میں تمام فرشتے لاجواب کیوں ہو جاتے۔ اسی طرح اگر نوح علیہ السلام پہلے سے نجار ہوتے تو بِاَعْيُنِنَا اور وَوَحْيِنَا ارشاد نہ فرمایا جاتا۔ علاوہ ازیں اس دیگر آیات قرآنیہ سے بالوضاحت ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام صرف اللہ تعالیٰ کے شاگرد ہیں وَوَحْيِنَا کے تفسیری معنیٰ اور منشاء کلام سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ اس کشتی بنانے سے پہلے نوح علیہ السلام نے لکڑی کا کام کبھی نہ کیا تھا نہ کوئی چیز بناتے کسی نے آپ کو دیکھا تھا جس سے ثابت ہوا کہ یہ کشتی بنانا اور سیکھنا معجزانہ طریقے سے تھا یہاں تک کہ خام مال اور اس کی تعدادِ مقررہ وضروریات اور کانٹ چھانٹ تراش خراش سب کچھ صرف وحی الٰہی کی تعلیم سے ہوا تھا نہ حضرت نوح علیہ السلام کی ذاتی فنکاری کا اس میں دخل تھا نہ حضرت جبرائیل کے کچھ بتانے کا یہ کشتی فقط

marfat.com

معجزہ نبوت اور قدرتِ الٰہی کا شاہکار تھا۔ روایتوں میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ السلام نے وَلَا يَلِدُوٓا اِلَّا فَاجِرًا كَفَّارًا (نوح: ۲۷) کی بددعا عرض کی تو اس وقت قبول ہوگئی اور جتنی بھی کافرہ عورتیں حاملہ تھی ان کے ہر حالت کے حمل گر گئے اور پھر کوئی عورت حاملہ نہ ہوئی نسل بند ہوگئی کشتی بنانے کی پوری مدت دو سال تھی کشتی کی لمبائی اسی گز اور چوڑائی پچاس ۵۰ گز اونچائی تیس گز تھی۔ اس وقت کا ایک گز زمین سے کھڑے انسان کے کندھے تک ہوتا تھا اور اس وقت قد آدمی یعنی قدم سے سر تک ساٹھ بالشت ہوتا تھا کشتی میں تین منزلیں بنائی گئیں تھی۔ پہلی نیچی منزل میں حرام خور جانور درندے چرندے پرندے کیڑے زہریلے جانور نر و مادہ۔ دوسری منزل میں حلال جانور اور گھریلو چوپائے مثلاً اونٹ' گائے' بھینس' بکری' اونی جانور اور گدھا' گھوڑا' بلی' کتا' خچر اس پر پیدا ہی نہ ہوا تھا۔ اس کی پیدائش بعد طوفان وجود میں آئی حلال پرندے سب نر و مادہ تیسری اوپر والی منزل میں دو حصے کر کے انسان مرد اور پردے میں عورتیں بٹھائی گئیں یہ سب جاندار جوڑا جوڑا یعنی نر و مادہ تھے کشتی کے علاوہ زمین کے تمام جاندار انسان حیوان خشکی آبی کیڑے مکوڑے چرند پرند درند مکھی مچھر حشرات شجرات ہلاک وفنا کر دیئے گئے گندگی سے پیدا ہونے والا کوئی کیڑا کشتی میں سوار نہ کیا گیا نہ داخل ہونے دیا گیا۔ جس وقت رب تعالیٰ نے کشتی بنانے کی وحی فرمائی تھی اسی وقت ساتھ ہی یہ حکم بھی عطا فرمایا تھا کہ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا (مومنون: ۲۷) تو جب ہمارا حکم آئے یعنی ازلی فیصلہ عذاب امر کے تین معنیٰ ہوتے ہیں۔ ۱۔ امر بمعنیٰ فیصلہ۔ ۲۔ امر بمعنیٰ معاملہ ان دو معنوں میں امر کی جمع امور ہے۔ ۳۔ امر بمعنیٰ حکم یعنی قول یا فعل کا مطالبہ اس معنیٰ میں امر کی جمع اوامر ہے اس امر و اوامر کا مقابل نہی و نواہی ہے۔ قانونِ شریعت میں امر و حکم کی سولہ قسمیں ہیں۔ ۱۔ فرض۔ ۲۔ واجب۔ ۳۔ نفل۔ ۴۔ سنت مؤکدہ۔ ۵۔ غیر مؤکدہ۔ ۶۔ مستحب۔ ۷۔ دعا۔ ۸۔ عرض۔ ۹۔ تعجب۔ ۱۰۔ استہزاء۔ ۱۱۔ عجز۔ ۱۲۔ زجر۔ ۱۳۔ استحصار۔ ۱۴۔ استرضاء۔ ۱۵۔ استرخاء۔ ۱۶۔ استعداد۔ یہاں اَمْرُنَا میں امر بمعنیٰ عذاب ہے یعنی اے نوح جب ہمارا عذاب آجائے تو اس کی ابتداء اس طرح ہوگی کہ وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور تندور سے پانی جوش مارتا ابلتا نکلنا شروع ہو جائے گا۔

واقعہ طوفان

کافران قوم حسب معمول اپنی سرکشی کفر شرک ظلم کھیل تماشوں خوشیوں مذاق بازیوں منصوبہ سازیوں اذیت رسانیوں میں مشغول تھے ایمان اخلاق و اعمال درست کرنے کا کوئی گوش و ہوش نہ تھا کہ صبح اشراق کے وقت جبکہ دنیا والے دنیوی جھمیلوں خرمستیوں میں اور دین و ایمان والے عبادت و ریاضت دعاؤں حمد الٰہی ثناء کبریائی میں مشغول تھے کہ کوفے کے ایک بڑے گھر میں ایک تندور گرم تھا روٹیاں لگ رہی تھیں ایک عورت لگا رہی تھی بہت سی عورتیں لگوا رہی تھیں انہیں عورتوں میں نوح علیہ السلام کی مومنہ بیوی حضرت دانیہ بھی تھیں۔ کہ اچانک تندور کے اندر سے آگ بجھنے کی آواز آنے لگی عورتوں نے جھانک کر دیکھا تو تندور سے پانی نہایت تیزی سے ابلتے نکلتے دیکھا سب حیران ہوئیں کسی کو پتا نہ تھا کہ یہ پانی کیوں اور کیسا ہے۔ صرف بی بی دانیہ کو نوح علیہ السلام کی زبانی معلوم تھا کہ عذاب الٰہی اس طرح شروع ہوگا۔ وہ فوراً گھر آئیں اور حضرت نوح کو بتایا۔ ادھر ۲ سال کی مدت میں تیار شدہ کشتی چالیس دن سے مکمل بنی ہوئی کھڑی تھی تختوں سے تختہ جوڑ کر درزوں میں گوند اور گوند پر

marfat.com

موم بھر دیا گیا تھا اور اس پر بانسوں کی باریک پٹیاں چسپاں کی گئیں اور بانسوں کی کیلوں سے ہی ہر تختہ ٹھونکا گیا تندور کا یہ پانی بڑھتا ہی گیا اور ہر طرف حَمِیَ الْوَطِیْس دیکھو گرم تندور کا شور پڑ گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے تمام اہل ایمان کو جمع فرمایا اور اوپر کی منزل پر جانے کا حکم دیا پھر تمام جانوروں کو نام بنام پکارا پہلے حلال و گھریلو جانوروں کو ان کو درمیانی منزل میں پہنچایا پھر حرام جانوروں کو پکارا قدرتِ الٰہی سے سب حلال و حرام جانور گھریلو و جنگلی تیز بھاگتے ہوئے چلے آئے آپ دائیں ہاتھ سے مذکر جانور کو اور بائیں ہاتھ سے مونث جانور کو پکڑ کے کشتی میں داخل کرتے۔ اس طرح فَاسْلُكْ فِيهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَأَهْلَكَ کے حکم ربانی پر عمل فرمایا اوپر کی منزل میں کل بانوے ۹۲ انسان تھے پینتالیس مرد اور پینتالیس عورتیں جو آپس میں خاوند بیوی تھے۔ اور دو خود حضرت نوح اور ان کی بیوی حضرت دانیہ۔ ان میں اہلبیت تین آپ کے بیٹے تین ان کی بیویاں اور دو آپ کی بیٹیاں دو ان کے خاوند۔ یہ دس افراد ہوئے دو افراد حضرت نوح مع بیوی کل بارہ افراد ان کے علاوہ اسی افراد اہل ایمان۔ یہ تندور بہت بڑا پتھر کا بنا ہوا تھا۔ حضرت آدم نے بنایا تھا حضرت حوا اس میں روٹیاں لگاتی تھیں۔ اس کا نام وطیس تھا۔ طوفان کے وقت یہ سخت گرم تھا۔ سخت گرم تندور کی وجہ سے لوگوں نے حمی الوطیس کا شور مچایا تھا یعنی سخت گرم تندور کو دیکھو کہ اس میں سے کیا نکل رہا ہے۔ پہلی وحی میں رب تعالیٰ نے اہل ایمان کو سوار کرنے کا حکم دیتے ہوئے استثناء فرما دیا تھا۔ کہ إِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ۔ اے نوح اپنے ان رشتے داروں قرابت والوں کو کشتی میں سوار نہ کرنا جن کے کفر ابدی کی وجہ سے ان پر ہلاکت کا مبرم تقدیری ازلی فیصلہ ہو چکا ہے۔ اور لوح محفوظ میں کفر پر مرنا لکھا جا چکا ہے۔ ان سے مراد ایک کافرہ بیوی واعلہ اور اسی کے بطن سے مولود بیٹا کنعان اور چند قریبی اہل خانہ ہیں اے نوح صرف سوار کرنے کی ہی ممانعت نہیں بلکہ وَلَا تُخَاطِبْنِي فِي الَّذِينَ ظَلَمُوا ان بدبختوں کے بارے میں مجھ سے کوئی سوالیہ خطاب بھی نہ کرنا کبھی بھی اور ان کی نشاندہی و پہچان بھی نہ پوچھنا کیونکہ فقط ایک یہ ہی ان کی پہچان ہے کہ الَّذِينَ ظَلَمُوا یہ وہی بدبخت ہیں جنہوں نے اہل ایمان پر دل بھر کے ظلم کیا۔ اور اپنے آپ پر بھی کفر شرک نافرمانی گستاخی کا ظلم کمایا ان سب کے لئے بس یہی آخری فیصلہ ہے کہ إِنَّهُمْ مُغْرَقُونَ بیشک وہ سب پانی میں ڈبوئے ہوئے ہیں کوئی بھی ہلاکت سے نہیں بچ سکتا نہ کوئی بچا سکے نہ غار پہاڑ نہ اونچائی نہ نیچائی نہ فرش نہ مکان نہ چھت نہ دکان۔ جس وقت نوح علیہ السلام نے سواری کا کام فرما دیا تو نیچی منزلوں کے دروازے مضبوطی سے بند کر دیئے گئے اور اوپر والی منزل پر سب لوگوں کو اپنی اپنی جگہ پر بٹھا دیا گیا خود حضرت نوح علیہ السلام دروازے میں کھڑے ہو کر باہر کی طرف دیکھ رہے تھے کفار میں بھگدڑ مچی ہوئی تھی ہر شخص اپنی فکر میں تھا نہ امیروں کو غریبوں کا اور نہ غریبوں کو امیروں کا نہ سازو سامان نہ بتوں مورتیوں کا خیال ہر شخص اپنے لئے اپنی جائے پناہ کی تلاش میں دوڑ رہا تھا کوئی چھتوں کی طرف کوئی پہاڑوں کی طرف بھاگ رہا تھا پانی گھٹنوں تک آ چکا تھا تب اس وقت آپکی نظر اپنے کافر بیٹے کنعان کی طرف پڑی وہ ایک جگہ کھڑا کشتی کو دیکھ رہا تھا۔ محبت پدری نے جوش مارا ترس آیا اور حضرت نوح نے پکارا يَا بُنَيَّ ارْكَبْ مَعَنَا وَلَا تَكُنْ مَعَ الْكَافِرِينَ (ہود: ۴۲) اے میرے بچے ایمان لا کر ہمارے ساتھ سوار ہو جا اور کافروں کیساتھ مت رہ مگر قسمت کا مارا اس حال میں بھی ضد کا پکا رہا اور جواب دیا قَالَ سَآوِي إِلَى جَبَلٍ يَعْصِمُنِي مِنَ الْمَاءِ (ہود: ۴۳۔۴۲) کیا عجیب بدنصیبی ہے کہ سب کچھ دیکھ رہا ہے آندھی چل رہی ہے تیز موسلا دھار بارش ہو رہی ہے زمین پانی

marfat.com

ابل رہی ہے پہاڑوں کے برابر موجیں اٹھ رہی ہیں ہواؤں کے تھپیڑوں لہروں کے تھپیڑوں سے مکان ٹوٹ کر گر رہے ہیں ہر شخص جان بچاتا بھاگا پھر رہا ہے۔ ہواؤں کا شور ہے پانی کا زور ہے عورتوں کا رونا ہے بچوں کا چلانا ہے مردوں کا گھبرانا ہے جانوروں کا ڈکرانا ہے ہر کافر بتوں سے بیگانہ ہے اس حالت میں بھی کفر ہی کمانا ہے اور اصل پناہ دامن نبوت سے منہ پھرانا ہے۔ سب کچھ دیکھتے جانتے بھی کنعان کے عقل و دماغ پر پردۂ احمقانہ ہے۔ ایسی سخت گھڑی میں بھی شفقت پدری پسند نہ آئی جواب میں کہتا ہے میں کسی اونچے پہاڑ کی پناہ لےلوں گا وہ مجھے پانی سے بچالے گا۔ رب تعالیٰ کا سچا دروازہ اب بھی اس کو یاد نہ آیا کسی نے سچ ہی فرمایا کہ

بے ادب ماں با ادب اولاد جن سکتی نہیں معدن خز معدن فولاد بن سکتی نہیں

پھر نوح علیہ السلام نے کشتی پر سے جواب دیا قَالَ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ إِلَّا مَنْ رَّحِمَ (ہود: ۴۳) آج سوائے رحیم کریم اللہ تعالیٰ کے کوئی کسی کو نہیں بچا سکتا۔ یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ ایک لہر موج آئی اور کنعان کو تنکے کی طرح بہا کر لے گئی اور ہلاک کر دیا۔ یہ طوفانی سیلاب زمین پر بقول تفسیر صاوی چھ ماہ رہا۔ پھر اس کے بعد علاقہ جودی کے اونچے پہاڑ پر بہت بلند چوٹی کی خشکی پر کشتی ٹھہری۔ قدرت الٰہی سے اس تمام مدت میں کسی بھی انسان حیوان چرند پرند درند کو بھوک نہ لگی جس دن سطح پہاڑ سے کشتی لگی وہ دن محرم روز عاشورہ بروز جمعہ تھا۔ (از تفسیر صاوی، کبیر، معانی)

ان آیات میں اختلافی اقوال

قَالَ رَبِّ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں یَا رَبِّی کے معنی میں ہے رَبِّ ہی قرأت صحیح ہے کیونکہ مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض قراء نے لکھا یہ قَالَ رَبُّ ہے۔ دراصل قَالَ یَا رَبُّ ہے بلا اضافت منادیٰ مفرد یہ قرأت شاذ ہے۔ بِمَا كَذَّبُوْنِ کی ب جارہ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ ب سببیہ ہے معنی ہے اس وجہ سے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ ب بدلیت کی ہے معنی ہے اس کے بدلے میں فَاَوْحَيْنَا کی ف میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ ف سببیہ ہے۔ اور معنیٰ ہے کہ بددعا نوح کی وجہ سے وحی کی ہم نے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے لکھا کہ یہ ف تعقیبیہ ہے اور معنیٰ ہے کہ بددعا کے بعد وحی بھیجی ہم نے اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ کی تفسیر میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی بلا واسطہ تعلیم سے نوح علیہ السلام نے معجزہ سے کشتی بنائی۔ قدرتی یہی قول درست ہے فرمان احادیث کے مطابق ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا حضرت نوح نجار تھے لکڑی کا کام جانتے تھے اس لئے کشتی بنائی۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ آپ کے نجار ہونے کا کسی حدیث پاک میں ذکر نہیں نہ کسی تاریخ سے ثبوت ہے۔ بعض نے کہا کہ حضرت جبرائیل نے نوح علیہ السلام کو کشتی بنانا سکھایا جبرائیل بتاتے جاتے آپ بناتے جاتے مگر یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ قرآن وحدیث کے فرمان اور ظاہری الفاظ کے خلاف ہے لہٰذا بناوٹی ہے۔ مفسر کا ذاتی تخیل ہے فَاِذَا جَآءَ کے معنیٰ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا امر الٰہی آنے کا معنیٰ ہے۔ عذاب کا قریب آنا۔ ۲۔ بعض نے کہا جَآءَ کا معنیٰ ہے عذاب کی ابتداء ہونا دونوں قول درست ہیں کیونکہ سب کچھ بہت جلدی ہوا۔ اور شام تک سب کفار مر کر ہلاک و فنا ہو چکے تھے اور مکانات ٹوٹ پھوٹ کر بکھر چکے تھے اَمْرُنَا کے معنیٰ میں دو قول۔ ا۔ امر کی جمع امور بمعنیٰ فیصلہ مراد ہے عذاب۔ ۲۔ بعض نے کہا امر بمعنیٰ حکم اس کی جمع اوامر ہے اور معنیٰ ہے سوار کرنے اور ہونے کا حکم یعنی جب کشتی میں سوار ہونے کا حکم آئے جس

marfat.com

کی نشانی فَارَ التَّنُّوْرُ ہوگی تب فوراً فَاسْلُکْ فِیْھَا کشتی میں سوار ہو جانا دونوں قول درست ہیں۔ فَارَ التَّنُّوْرُ کے جملے کی تفسیر میں سات قول۔ ۱۔ اکثر نے لکھا ہے کہ حضرت آدم نے پتھروں سے ایک تندور بنایا تھا حضرت حوا اس میں روٹیاں پکاتی تھیں اپنی اولاد کے لئے ملک شام میں تھا پھر حضرت نوح وہاں سے اس کو دمشق کے شہر کوفے میں لے آئے اور اپنے گھر میں لگالیا آپ کی مومنہ بیوی حضرت دانیہ بوقت طوفان اس میں روٹیاں لگا رہی تھیں۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ تندور کوفے کے باب کندہ کے پاس ایک بڑے گھر کے اندر گڑھا ہوا لگا تھا اور گھر کی مالکن سب اہل محلہ کی روٹیاں لگایا کرتی تھی طوفان کے وقت بھی اس میں روٹیاں لگائی پکائی جارہی تھیں بعد طوفان اس گھر کو عبادت خانہ بنا دیا گیا تھا یہی قول درست ہے روایات و تاریخ سے ثابت ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ فَارَ التَّنُّوْرُ کا معنی ہے فجر صادق طلوع ہوگئی نور پھیل گیا تنور نورٌ سے بنا ہے اور اس جملے میں جَآءَ اَمْرُنَا کا وقت بتایا جارہا ہے کہ جب دن چڑھ گیا تب سیلاب طوفانی کا عذاب شروع ہوا اور پانی کسی تندور یا اونچے ٹیلے سے نہ نکلا تھا بلکہ ایک میدانی گڑھے سے نکلا تھا۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ یہ لوہے کا تندور تھا علاقہ میں سب تندوروں سے بڑا۔ اس لئے اس کا نام وطیس پڑ گیا تھا۔ جب اس میں آگ جلائی جاتی تو پورا تندور آگ کی طرح سرخ ہو جاتا اور ایک آدمی آواز لگاتا کہ حمی الوطیس۔ وطیس تندور گرم ہو گیا تب عورتیں اپنا اپنا آٹا لے آتیں اور کچھ دیر کے لئے شور و چہل پہل مچ جاتی۔ لیکن جس دن طوفان آیا اس دن آخری بار حیرت و خوف سے حمی الوطیس کا زبردست بھگدڑ کے ساتھ شور اٹھا تھا۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ یہ تندور علاقہ دمشق کے شہر کوفہ میں نہ تھا بلکہ علاقہ شام میں مقام عین وردہ میں زمین کے اوپر رکھا تھا گڑھا ہوا نہ تھا۔ جب اس میں سے پانی نکلنا شروع ہوا تو لوگوں نے حضرت نوح کو اطلاع دی کیونکہ آپ نے اہل ایمان کو عذاب کی یہ ابتدائی علامت بتائی ہوئی تھی۔ اس اطلاع کو سن کر آپ نے کشتی کے پاس سب کو جمع کیا اور سوار کرنا شروع فرما دیا۔ ۵۔ بعض نے کہا حضرت قتادہ تابعی کی روایت سے ثابت ہے کہ یہ تندور ایک ٹیلے پر گڑھا ہوا تھا۔ ۶۔ بعض نے حضرت مولیٰ علی سے روایت کیا کہ فَارَ التَّنُّوْرُ کا معنیٰ ہے کہ جب صبح طلوع ہو جائے اور شور پڑ جائے تب فَاسْلُکْ فِیْھَا وہ فرماتے کہ تندور کا ابلنا طلوع فجر کے وقت شروع ہوا۔ ۷۔ بعض نے لکھا کہ یہ تندور بستی ہند میں تھا اس وقت ہند ایک چھوٹی سی بستی تھی۔ جو حضرت آدم کے ایک بیٹے ھند نے آباد کی تھی جیسے کہ سندھ اور ملتان میں بھی آدم علیہ السلام کے کسی پوتے پڑپوتے کے نام تھے اور انہوں نے ہی یہ بستیاں آباد کی تھیں۔ مِنْ کُلٍّ کی قرئت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرئت میں مِنْ کُلٍّ تنوین کے ساتھ ہے بلا اضافت مفرد اور معنیٰ ہے کہ ہر گروہ سے دو دو فرد ایک نر ایک مادہ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مکتوب و مشہور ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ مِنْ کُلِّ ہے بغیر تنوین مضاف ہے زَوْجَیْنِ کا۔ اور معنیٰ ہے کہ ہر جانور سے دو دو۔ یعنی دو نر دو مادہ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ احادیث مبارکہ کے خلاف ہے وَاَھْلَکَ کے عطف میں دو قول۔ ۱۔ جن بعض نے کل کو مضاف بنایا ہے وہ کہتے وَاَھْلَکَ معطوف ہے اِثْنَیْنِ پر۔ اور معنی ہے کہ ہر جانور دو عدد اور اپنے سب اہل ایمان کو سوار کر لینا۔ ۲۔ جنہوں نے کُلٍّ کو بلا اضافت تنوین سے پڑھا ہے انکے نزدیک یہ عطف ہے زَوْجَیْنِ پر۔ اور معنیٰ ہے ہر گروہ سے دو زوجین اور اپنے اہل۔ اِلَّا مَنْ کے استثنا میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا ہے کہ یہ استثنا منقطع ہے اور مَنْ سَبَقَ والے افراد کافر ہونے کی وجہ سے پہلے ہی آپ کے اہل نہ تھے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ استثنا متصل ہے۔ اور مَنْ سَبَقَ کو اِلَّا

marfat.com

کے ذریعے اہلیت سے نکالا گیا کیونکہ نسبی اہلیت موجود تھی کفر سے نسبیت وقومیت ختم نہیں ہوتی اسی لئے کفار کو نبی کی قَوْمِهٖ فرمایا جاتا ہے۔ مگر یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ قَوْمِهٖ سے مراد برادری واہلیت نہیں بلکہ امت دعوت ہونا مراد لیا جاتا ہے لہٰذا پہلا قول درست ہے دوسرا غلط کیونکہ کفر سے نسبیت واہلیت ختم ہو جاتی ہے۔ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ کے معنٰی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنٰی ہے مَنْ سَبَقَ لوگوں کی نجات کیلئے سفارش نہ کرنا۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنٰی ہے کہ مَنْ سَبَقَ کی اہلیت کا سوال نہ کرنا کہ وہ میرے اہل ہیں یا نہیں۔ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ کی ترکیب نحوی میں دو قول۔ ا۔ یہ جملہ لَاتُخَاطِبْ کے جملے کی تعلیل ہے۔ اور معنٰی ہے کہ مَنْ سَبَقَ کے بارے میں مجھے خطاب نہ کرنا کیونکہ وہ تقدیر مبرم میں مُغْرَقُوْنَ ہیں، ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ جملہ مَنْ سَبَقَ کے جملے کی وضاحت ہے۔ معنٰی یہ ہے کہ مَنْ سَبَقَ لوگوں کا ازلی فیصلہ جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے وہ یہ ہے کہ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** انبیاء ورسل علیہم السلام کی مدد وتائید پوری امت مومنہ کی مدد اور پورے دین حق کی حقانیت وصداقت کا ثبوت ہے اور دین امت کی مدد پوری انسانیت کی مدد اور پوری زمین وآسمان کی سلامتی ہے۔ یہ فائدہ۔ رَبِّ انْصُرْنِیْ میں نِیْ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو نوح علیہ السلام نے بارگاہ رب العزت میں یہ عرض نہ کیا کہ یا اللہ اہل ایمان کی یا ہم سب کی مدد فرما بلکہ رَبِّ انْصُرْنِیْ۔ عرض کیا کہ میری مدد فرما۔ اس جامع مانع کلام میں چار دعائیں ہیں۔ ایک یہ کہ دین حق کو غلبہ عطا فرما۔ دوم یہ کہ میری ہر طرح تائید ومدد فرما۔ سوم یہ کہ تمام مومنین کو کفار سے نجات عطا فرما، روئے زمین کی حفاظت فرما اس تباہی وبربادی سے جو کفر شرک کی وجہ سے ہو۔ کسی شخص کی اصل ومکمل مدد یہ ہے کہ اسکی جان مال عزت آبرو اور تمام مملوکات کی پوری حفاظت کی جائے۔ حضرت نوح کی اس طرز دعا میں ثبوت ہے اس بات کا کہ امت مثل اولاد ہوتی ہے۔ اور حدیث مقدس سے ثابت ہے کہ اولاد مثل ملکیت ہے والد کی۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: اَنْتَ وَ مَالُکَ لِاَبِیْکَ۔ (مشکوٰۃ شریف) یعنی تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے۔ ایک بار عیسٰی علیہ السلام نے فرمایا تھا اپنے حواریوں سے۔ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَى اللّٰهِ (آل عمران: ۵۲) ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی طرف چلنے میں کون کون میرا ساتھ دے گا اور میرا مددگار بنے گا۔ وہاں بھی اپنی ذاتی مدد یا حفاظت مراد نہ تھی بلکہ دین کی حقانیت کا ساتھ دیکر پوری امت مومنہ کی مدد کرنا مراد تھا۔ **دوسرا فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام دین ودنیا کے تمام علوم وفنون تمام انسانوں سے زیادہ اور بدرجہ اتم جانتے ہیں کیونکہ صرف رب تعالیٰ کی تعلیم سے جانتے ہیں۔ انبیا علیہم السلام کسی بھی علم وفن میں کسی مخلوق کے شاگرد نہیں ہوتے بلکہ انبیاء کو اللہ تعالیٰ استاد کل بنا کر بھیجتا ہے۔ یہ فائدہ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** علماء نحو نے یہ قاعدہ کلیہ وضع کیا ہے کہ حرف علٰی مخالفت کے تسلط وغلبے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے اور حرف لام نفع اور مطابقت کیلئے بولا جاتا ہے۔ اس نحوی قاعدے قانون کی تائید کا فائدہ۔ یہاں۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ میں علٰی فرمانے اور سورۃ انبیاء کی آیت ۱۰۱۔ اِنَّ الَّذِيْنَ سَبَقَتْ لَهُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰٓى۔ میں لام ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی یہاں سبقت واولیت کفار کے خلاف نقصان دہ فیصلے کی ہے۔ اس لئے عَلَيْهِ فرمایا گیا۔ اور وہاں سورۃ انبیا میں سبقت واولیت اہل ایمان کے فائدے نفع

marfat.com

اور مطابقت میں ہے اس لئے لَهُمْ فرمایا گیا۔ یہی کیفیت و شرعی حکم گواہی کا ہے کہ فلاں پر گواہی کا معنٰی ہے اسکے خلاف اور فلاں کیلئے گواہی کا معنٰی ہے اسکے حق میں گواہی۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ مزمل کی آیت ۱۵ میں۔ جو ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْكُمْ رَسُوْلًا ۬ۙ شَاهِدًا عَلَيْكُمْ۔ میں مفسرین کے دو قول ہیں۔ بعض نے فرمایا شاہد بمعنٰی گواہ ہے تب اس کا تعلق آخرت سے ہے اور خطاب صرف کفار سے ہے کہ اے کافرو اگر تم کفر پر ہی مرے تو یہ رسول اللہ تمہارے خلاف بروز حساب قیامت تمہارے خلاف گواہ ہوں گے۔ بعض نے فرمایاں کہ یہاں شاہد بمعنٰی مشاہدہ کرنے والے دیکھنے والے تب عِلمًا فوقیت و بلندی کا ہے اور مشاہدے کا تعلق حیات دنیوی سے ہے اور خطاب تا قیامت ہر مومن کافر سے ہے۔

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: قانون شرعی کا حکم ہے کہ کسی کافر کیلئے بھی ہلاکت و تباہی کی بددعا کرنا جائز نہیں۔ لیکن موذی ظالم انسان کیلئے بددعا ہلاکت کرنی جائز ہے موذی کافر کیلئے بدرجہ اولیٰ جائز ہے۔

یہ مسئلہ۔ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ کی ب سببیہ سے مستنبط ہوا۔ یعنی یہ بددعا اس وجہ سے ہے کہ کفار نے نبوت رسالت اور دین حق کو جھٹلایا۔ لوگوں کو ایمان سے روکا ایمان والوں کو ایذا دی لہٰذا تا قیامت دنیا کے وہ کافر جو ایذا رسانی اور دینی تبلیغ کرنے اور احکام اسلامی نافذ کرنے میں یا عبادت الٰہیہ قائم کرنے میں رکاوٹ نہیں بنتا اس کیلئے بددعا منع ہے۔ لیکن جو کافر فرد یا گروہ یا حکومت یا نام نہاد بے دین مسلمان، مسلمانوں کو ایذا پہنچائے ظلم کرے مسجدوں اور عبادتوں کو بند کرے۔ جیسے موجودہ ترکیہ حکومت جو کمال پاشا کی پیروکار یورپ کی غلام مسلمانوں اور اسلام کی دشمن بنی ہوئی ہے انکی ہلاکت کی بددعا جائز ہے۔ **دوسرا مسئلہ**: قانون شریعت کے مطابق ہر وہ کام جو اللہ رسول کی رضا و خوشنودی کیلئے کیا جائے یا اللہ رسول کے حکم سے کیا جائے وہ عبادت ہے اگر چہ وہ کام دنیوی ہو اور اس میں بندے کا ذاتی شخصی فائدہ و نفع ہو۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کا حکم و رضا قرآن و حدیث کے فرمودات کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مومن مسلمان کا ہر وہ کام جو اللہ رسول کو راضی کرنے کیلئے کرے وہ باعث ثواب ہے اور عبادت دینی ہے اسی وجہ سے آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کی اطاعت فرض ہے اور اتباع واجب ہے ہر مسلمان پر۔ اور ثواب میں اتباع کا مقام اطاعت سے بھی زیادہ ہے عادت میں ہو یا عبادت میں خانہ سازی میں ہو یا جانبازی میں امور دنیوی میں ہو یا دینی میں اس لئے کہ اطاعت نبوی سے تقویٰ ملتا ہے مگر اتباع سے محبوبیت ملتی ہے ہمارے زمانے کا ایک جاہل بدبخت گمراہ شارح اپنی شرح میں لکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی اتباع مسلمانوں کو ضروری نہیں۔ حالانکہ نبی کریم ﷺ کی ہر عادت و عبادت تعلیم امت کیلئے عملی تبلیغ ہے۔ یہ مسئلہ اَنِ اصْنَعِ الْفُلْكَ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس وقت نوح علیہ السلام کی اطاعت و اتباع سے جو شخص بھی کشتی سازی میں شریک ہوا ان سب اہل ایمان کو ثواب عظیم حاصل ہوا تھا مومنین کو مال برداری محنت مشقت لکڑی کاٹنے چھیلنے بنانے جمع کرنے اٹھا کر لانے جنگل و سفر میں جانے آنے اور ہر قسم کے تعاون کا اور مومنات کو اس زمانے کی خدمت گزاری کا کیونکہ یہ سب کام نبوی اطاعت و اتباع کی وجہ سے عبادت بن گیا حالانکہ کشتی سازی سے ذاتی منفعت و بچاؤ ہی مقصود تھا۔ کسی اور کشتی سازی کا یہ حکم نہیں اگر چہ نوعیت وہی ہو۔ یہ حکم شرعی اب بھی تا قیامت ہر مسلمان کیلئے ہے۔ واقعہ نوح اور فرمانبرداری نبوت کا ذکر مسلمانوں کو سنانے کا

marfat.com

مقصد بھی یہی ہے کہ ہر مسلمان ہر وقت ہر دینی دنیوی کام کلام حلیہ لباس میں نبی کریم ﷺ کی پوری پوری نقل کرے جسم و چہرے پر نبوی نقشہ سجائے۔ **تیسرا مسئلہ:** شروع سے ہر شریعت نبوی کا یہ اٹل و ابدی قانون ہے کہ مجرم کی سفارش و حمایت کرنا اور سفارش وحمایت سے بچانے کی کوشش کرنا حرام ہے بلکہ زمین پر جرائم پھیلانے کی بدترین سازش ہے۔ جرم خواہ دینی یا دنیوی یا معاشرتی حقوق اللہ کا ہو یا حقوق العباد کا۔ جو شخص مجرم کی سفارش حمایت کر کے اس کو بچانے کی کوشش کرے وہ خود مجرم اور فساد فی الارض کا باعث ہے۔ یہ مسئلہ وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا۔ کے فرمان ربی ممانعت الٰہی سے مستنبط ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کو اس طرح کی ممنوعات دراصل امت تا قیامت کو ممانعت سنانے کیلئے اور ممنوعہ قانون بنانے کیلئے ہوتی ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اسکی کیا وجہ کہ یہاں بھی فرمایا گیا۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا۔ پس جب ہمارا امر آ جائے۔ اور سورۃ ہود آیت ۴۰ میں بھی فرمایا گیا۔ حَتّٰۤی اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا یہاں تک کہ جب ہمارا امر آ جائے۔ اور قرآن و حدیث وتفسیر سے ثابت ہے کہ یہاں امر سے مراد عذاب ہے۔ چنانچہ سورۃ ہود آیت ۳۹ میں ارشاد ہے وَیَحِلُّ عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ ترجمہ: یعنی قوم نوح والوتم عنقریب جان لوگے کہ ذلت کا قائم رہنے والا عذاب کس پر حائل ہوتا ہے۔ جب اَمْرُنَا سے مراد عَذَابُنَا ہی ہے تو پھر عَذَابُنَا ہی کیوں نہ فرما دیا گیا۔ **جواب:** دونوں آیتوں میں اَمْرُنَا فرمانا ہی درست ہے کیونکہ وہ طوفان سب کیلئے عذاب نہ تھا بلکہ کافروں کے لئے عذاب تھا مومنوں کیلئے رحمت ونجات تھا۔ اَمْرُنَا فرمانے سے اسی تقسیم کی وضاحت کرنا مراد ہے یعنی یہ فیصلہ ربانی مومنوں کیلئے نصرت و بقا تھا۔ کافروں کیلئے ذلت وفنا تھا۔ بخلاف دیگر اقوام کافرین کے دیگر عذاب کیونکہ وہ مکمل طور پر عذاب ہی تھے ان ہی میں غرق فرعونی بھی عذاب ہی تھا۔ ان عذابوں سے کسی کو فائدہ نہ ہوا تھا۔ **دوسرا اعتراض:** اسکی کیا وجہ ہے کہ یہاں فرمایا گیا۔ فَاسْلُکْ فِیْهَا۔ اور سورۃ ہود آیت ۴۰ میں فرمایا گیا۔ قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا۔ چاہیے تھا کہ یہاں بھی اِحْمِلْ یا اِرْکَبْ ہوتا، کیونکہ حَمْلٌ کا معنٰی ہے لادنا۔ رَکْبٌ کا معنٰی ہے سوار کرنا۔ کشتی میں بٹھانے کیلئے یہی دو لفظ مناسب معلوم ہوتے ہیں۔ سَلْکٌ کا معنٰی ہے پرونا لڑی بنانا۔ کشتی میں بٹھانے کیلئے یہ لفظ مناسب نہیں لگتا۔ چونکہ کشتی میں بیٹھنا ظرف ومظروفیت ہے اس لئے حَمْلٌ بہتر ہے جانور کی پیٹھ پر بیٹھنے میں فوقیت ہے اس لئے اس کیلئے رَکْبٌ بہتر ومناسب ہے مگر سَلْکٌ کسی کیلئے مناسب نہیں کہ نہ اس میں اظہار ظرفیت نہ اظہار فوقیت۔ **جواب:** جو لفظ جس آیت میں لکھا گیا ہے وہاں جو بتانا مقصود ہے اس اعتبار سے وہ لفظ عین مناسب ہے۔ سورۃ ہود میں صرف لادنے سوار کرنے بٹھانے پڑھانے کو بتانا مقصود ہے۔ کسی ترتیب کا اظہار نہیں۔ اس لئے وہاں اَحْمِلْ فرمانے سے مقصد حاصل ہو گیا لیکن اس آیت میں یہ بتانا مقصود ہے کہ ہم نے نوح علیہ السلام کو سوار کرنے کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتا دیا تھا کہ ہر فرد کو ترتیب سے مختلف منزلوں اور مختلف کرسیوں پر بٹھا دینا۔ یعنی ہر شخص کو ترتیب سے مثل لڑی پرو دینا اور وحی الٰہی کے مطابق ہر انسان ہر جانور نر و مادہ مذکر مونث عورت و مرد کو نہایت تہذیب سے اس کی جگہ بٹھانا اس کی منزل میں پہنچانا۔ تاکہ نہ ہڑبونگ ہو نہ بے ترتیبی نہ گندگی کا ہر جگہ تعفن نہ شور وغل نہ بھگدڑ تاکہ تعلیم وحی کی قابلیت سے یہ سب عمل مہذب، پرسکون بھی ہو اور کسی کا جانی یا بدنی نقصان بھی نہ ہو۔ اس لئے یہاں فَاسْلُکْ فرمایا گیا۔ اور رہوا

marfat.com

بھی یوں ہی کہ کشتی میں اتنا بڑا کام چند ساعتوں میں نہایت سکون سے انجام پا گیا۔ بخلاف کفار کے کہ ان میں بھگدڑ شور وغل، افراتفری بے ترتیبی تھی جسکی وجہ سے کوئی کچل کر مرا کوئی زخمی ہوا، کسی کا خوف سے بول نکل گیا کسی کا براز نکل گیا۔ اس طرح کفر کی بدتہذیبی اور ایمان کی خوش انتظامی بھی تا قیامت دنیا والوں کو سمجھا دی گئی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ۔ اِلَّا کے استثنا سے ثابت ہو رہا ہے کہ نوح علیہ السلام کی دوسری بیوی واعلہ جو کافرہ تھی اور اسکے بطن کا بیٹا کنعان کافر حضرت نوح کے اہل تھے اسی لئے اِلَّا کے استثنا سے ان کو خارج کیا گیا لیکن سورۃ ہود کی آیت ۴۶ میں فرمایا گیا۔ قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔ اس آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ کافر بیٹا کنعان حضرت نوح کا اہل نہیں تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ اگر کنعان اہل تھا تو لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ کیوں فرمایا گیا۔ اور اگر اہل نہیں تھا تو بذریعہ اِلَّا کے استثنا کر کے نکالا کیوں گیا۔ نکالا اسی کو جاتا ہے جو پہلے داخل ہو۔ **جواب:** اسکے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ایک یہ کہ بعض نے کہا کہ کنعان کافر اور اسکی والدہ کافرہ۔ نوح علیہ السلام کے اہل نہیں تھے۔ کیونکہ کافر کی نسبت مومن سے ختم ہو جاتی ہے کفر کی وجہ سے لیکن یہاں مستثنیٰ منقطع ہے۔ اور استثنا اس لئے کیا گیا کہ اگرچہ اہل نہ تھے مگر گھر میں ساتھ رہتے تھے یعنی اہل نسب نہ تھے اہل بیت تھے۔ یہ اسی طرح مستثنیٰ منقطع ہے جس طرح کہا جاتا ہے۔ جَآءَ الْقَوْمُ اِلَّا حِمَارًا۔ یعنی اگر کسی قوم کی عادت ہو کہ جہاں کہیں جائیں تو اپنا اپنا گدھا برائے سواری ساتھ لے جائیں اور میزبان کو دونوں کی خوراک و رہائش کا انتظام کرنا پڑتا ہو۔ لیکن خلاف عادت ایک جگہ گئے تو اپنے گدھے نہ لے گئے پیدل ہی چلے گئے۔ تو خبر دی گئی کہ قوم آ گئی مگر کسی کا گدھا ساتھ نہیں آیا آنے میں بذریعہ استثنا گدھے کو خارج کیا گیا قوم سے حالانکہ گدھا تو پہلے ہی قومی افراد سے خارج تھا مگر چونکہ ساتھ رہتا تھا اس لئے خارج کیا گیا ایسے ہی استثنا کو منقطع کہتے ہیں۔ **جواب دوم** بعض نے یہ جواب دیا کہ یہ اِلَّا مَنْ سَبَقَ۔ استثنا متصل ہی ہے۔ کیونکہ کنعان اور اسکی کافرہ والدہ حضرت نوح کے اہل میں داخل تھے بوجہ نسب و زوجیت اس لئے اِلَّا سے استثناء کر کے ان کو اہلیت سے نکالا گیا۔ اور سورۃ ہود آیت ۴۶ میں اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ۔ فرمانا یہ اہلیت نسبی کی نفی نہیں ہے بلکہ اہلیت و نسبیت کے ختم ہو جانے کی خبر دی جا رہی ہے یعنی وہ اہل تھا مگر اب کفر کی وجہ سے نہیں رہا۔ مگر پہلا جواب مضبوط ہے اور تا قیامت قانون بنا دیا گیا کہ جو شخص بھی کافر ہو جائے گا اس کا نسب مومن سے ختم ہو جائے گا۔ لہٰذا کافر و بدعقیدہ سید کی بھی نسبت و حسبیت نبی کریم ﷺ سے ختم و منقطع ہو جائے گی۔ اور بدعقیدہ سیّد کو سیّد کہنا گناہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ۔ علاقہ بدنی کی روح نوح نے عرض کیا کہ اے میرے خالق تعالیٰ میری مدد فرما۔ اور ہم سب مسافران طریقت و طالبان منزل معرفت کو ظالمین نفس امارہ اور کافرین خبائث وخناسہ و منکرین قوت لوامہ مطمئنہ دشمنوں سے بچا۔ کیونکہ ان سرکش نفوس و اہل نفوس نے مجھ کو اور میرے انوار بشارہ و اخبار نذارہ کو جھٹلایا تب ہم نے روح مقدس نوح منور کو اِلْقَاءِ اِلْهَام فرمایا فَاصْنَعِ الْفُلْكَ۔ کہ شریعت کی کشتی بنا لے جس میں طریقت، حقیقت، معرفت کی تین منزلیں و طبقے تیار فرما۔ بِاَعْيُنِنَا۔ ہماری تربیت لَدُنِّيَهْ کی نظر و حفاظت میں۔ وَ وَحْيِنَا۔ اور ہمارے الہامات مخفیہ کی تعلیم سے۔ اے روح امر بچائے رکھنا خود کو اور اہل روحانیات کو عقل عیارہ و فنون مکارہ کی نظر بد اور خواہشات دنیوی کے حکم شیطانی جبر طغیانی سے کیونکہ

marfat.com

باطلین فلاسفہ اور غافلین براہمہ ہی عقلیات کے پہاڑوں ونظریات کے ٹیلوں کا سہارا ڈھونڈھتے پھرتے ہیں یہاں تک کہ غرقاب نفسیات ہو جاتے ہیں۔ اس بیابان ناسوتی کے صحرا میں تفکرات کے بے شمار مرغولے ہیں جو قلب مسعود کی ہدایت لاھوتی وتبلیغ قدوس کو نہ مانے گا وہ وادی فنا میں ڈوب جائے گا۔ (تفسیر روح البیان)۔ فَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِ. پھر وحی الہامی بھیجی کہ اے روح مزکی حکمیت علمیہ وشریعۃ بدنیہ کی ایک کشتی عظیم وفخیم ہماری حفاظت عینی کے ساتھ ایسی تیار فرما جو تجھ کو اور تیرے ارادات مخلصہ وعقائد حقانیہ کو ذلت عملی ونقاہت جسمی وضعف طبعی سے بچائے اور منزل قبولیت تک پار جائے۔ اور ایک سفینہ معرفت تیار فرما۔ ہماری تعلیم علمی وتربیت حکمی سے۔ فَاِذَا جَآءَ اَمْرُنَا پھر جس وقت قواء نفسانیہ کی ہلاکت کا عذاب بدنی آ جائے اور اعمال ذلیل خبیثہ مادیہ کی بربادی فنا تباہی ضیاع کا عتاب آ جائے۔ وَفَارَ التَّنُّوْرُ اور ساتھ ہی جسم کثیفہ کا تندور فاسد مادوں کا سد ارادوں، کھوٹی نیتوں، ردی ملاوٹوں سے ابل پڑے۔ فَاسْلُكْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَاَهْلَكَ تب اے روح منور ترتیب فکری وتہذیب عملی وسکون باطنی، اطمینان قلبی کے ساتھ سوار کر لینا اس کشتی شریعت وسفینہ حکمت میں ہر فرد کلی وکلمہ جزئی کی دو دو صورتیں ایک عمل نوئی کا مذکر کلی اور ایک جزئی شخصی کی مونث فکری اور اپنی شریعت نبویہ کے باشرع نفوس انسانیت ولوازمات بشریت کی شخصیات ایمانیہ اعضاء ظاہری کے اہل وعیال کو بھی اور قواء روحانیہ کے اہل بیت مخفیہ محجوبہ کو بھی۔ یعنی حام مطمنہ وسام لوامہ ویافث قلبیہ اور زوجہ فواد وقوت طبع وخصائل کی دختران عصمت وعفت۔ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ مِنْهُمْ. ہاں مگر اس کشتی علم وحکمت میں نفس حیوانیہ والی زوجہ واعلہ۔ اور طبیعت بدنیہ کا کنعان امارہ خبیثہ کو سوار نہ کرنا نہ ساتھ ہی لینا۔ کیونکہ ہر خبیث باطن پر محرومی نجات وبدبختی انجام کا ازلی تقدیری فیصلہ مبرم پہلے ہی ہو چکا ہے ان میں سب سے سب کیلئے۔ وَلَا تُخَاطِبْنِيْ فِي الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۚ اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ. اور وحی الہامی القا فرمائی رب جلیل نے مرشد روح کی طرف کہ اے روح مقدس راہبر بشریت تو کبھی بھی مجھے کسی اہل ظلمات کی سفارش، حمایت، ہدایت کا خطاب سوال نہ کرنا۔ جو قواء نفسانیہ ونفوس خبیثہ اور مجسمہ ھیوُلانیہ ہلاکت طغیانی سے ہلاک کر دیئے گئے اس لئے کہ انہوں نے قوت روحانیہ پر غلبہ نافرمانی کا ظلم کمایا۔ سرکشی کا ستم ڈھایا۔ اور نفوس انسانیت مجردہ کے شرعی منصوبوں ایمانی درجوں روحانی مرتبوں کو غصب وپامالی کا جور وجفا کیا۔ یہاں تک کہ اعمال صالحہ کو برباد کیا عبادت لازمہ واجبہ کو خراب کرنے کا جبر دکھایا۔ بے شک وہ سب سرکشی کے سیلاب طوفانی کی امواج مغادرہ میں ڈبو دیئے ہوئے ہیں۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جب طوفان نوحی قالب زمین پر آیا تھا تو روئے زمین وسطح مکین کی عجیب کیفیت وغریب حالت تھی کہ تمام زمین پر سیلاب کا پانی تھا پانی پر ایک کشتی تھی اور وہ کشتی ہی واحد نجات کا سہارا تھی اہل کشتی میں محبت کی فضائیں تھیں اور ہر طرف قدرت کی ہوائیں تھیں۔ کبھی طلوع سورج کا دن ہوتا کبھی غروب آفتاب کی رات ہوتی۔ دن میں دھوپ کی تمازت رات میں ستاروں کی جگمگاہٹ نیچے ہر طرف پانی ہی پانی نہ حیوانات نہ انسانات نہ شجرات نہ حجرات کچھ بھی ظاہر نہ تھا۔ صوفیا نے فرمایا کہ ظاہری طوفان ہلاکت ونجات تو ایک بار آیا۔ لیکن باطنی لمبی راتوں کے طوفان ضلالت آتے ہی رہیں گے۔ ان ہی طوفانوں سے بچنے کیلئے فرمان نبوت میں بتا دیا گیا ہے کہ۔ اَلصَّحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ اور فرمایا کہ۔ عِتْرَتِيْ اَهْلُبَيْتِيْ كَسَفِيْنَةِ نُوْحٍ. اور فرمایا کہ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ خُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. یعنی اے تا قیامت ایمان والو اگر تم گمراہوں سے بچنا چاہتے ہو تو

marfat.com

کشتی اہلبیت کی حفاظت میں۔ نجوم صحابیت کی ہدایت میں اتباع سنت نبوی کی فضاؤں میں۔ اطاعت طریقہ خلفاء اربعہ کی بہاروں میں، تلاوت وعبادت کی معطر ہواؤں میں دائم العمل وثابت القدم رہ کر اپنے ایمان کے ٹھکانوں کو۔ اعمال کے خزانوں کو، عقائد، بنیادوں کو بچائے رکھنا۔ اے ایمان وعرفان والو جس طرح طوفان نوحی کے وقت مومنوں کو چار نعمتیں ملیں تھیں۔ ا۔ نبوت کی اطاعت۔ ۲۔ کشتی کی حفاظت۔ ۳۔ آسمانی ستاروں کی ہدایت۔ ۴۔ ہواؤں کی سیاحت۔ اسی طرح تم سب مسلمان بھی زمانہ موجودہ میں گمراہی کی یلغاروں سے، بدعقیدگی کی خلفشاروں سے فرقہ باز غداروں سے بچنے کیلئے سنت نبوی کی اطاعت اور اہلبیت رسول کریم کی محبت صحابہ آقا ﷺ کی متاع قرآن وحدیث کی سیاحت پر لگے رہنا۔ اگر مسلمانوں نے یہ سہارے وپناہ گاہیں چھوڑ دیں تو۔ لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ. کوئی بھی آج اس دور خطرناک میں بچانے والا نہیں ہے نہ کوئی بچنے والا۔ جس نے ان دامنوں کو چھوڑ دیا اس پر تو رب تعالیٰ بھی رحم نہیں فرماتا۔ ایسا بدنصیب بھٹکتا ہی مرجاتا ہے۔ اور جہنم میں گرجاتا ہے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

فَاِذَا اسْتَوَيْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ

تو جب تم خود اور وہ سب جو تمہارے ساتھ ہوں برابری درستی پائیں کشتی پر تو پھر یہ حمد یہ دعا پڑھو کہ

پھر جب ٹھیک بیٹھ کشتی پر تو اور تیرے ساتھ والے تو کہہ کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۸﴾

تمام حمدیں اس اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے بچالیا ہم سب اہل ایمان کو ظلم کرنے والے لوگوں سے

سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں ان ظالموں سے نجات دی

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِيْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَيْرُ

اور یہ دعا بھی مانگو کہ اے میرے رب اتار مجھ کو ایسا اتار اجانا جو ہر طرح مبارک ہو اور تو ہی اچھا ہے

اور عرض کر اے میرے رب مجھے برکت والی جگہ اتار اور تو سب سے بہتر

الْمُنْزِلِيْنَ ﴿۲۹﴾ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِيْنَ ﴿۳۰﴾

سب اتارنے والوں میں سے اے لوگو بیشک اس واقع میں البتہ عبرت لینے کی نشانیاں ہیں اور بیشک ہم ہر شخص کو آزمانے والے

اتارنے والا ہے بیشک اس میں ضرور نشانیاں ہیں اور بیشک ضرور ہم جانچنے والے تھے

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۳۱﴾

پھر بڑھایا پھیلایا ہم نے قوم نوح کے کافروں کی غرقابی کے بعد دوسرے زمانوں کی قوموں کو

پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگت پیدا کی

marfat.com

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کے اس کلام کا کچھ حصہ مذکور ہوا جو نوح علیہ السلام سے فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اسی کلام کے کچھ کلمات و احکام ذکر فرمائے جا رہے ہیں۔ گویا یہ آیات سابقہ آیات کا تتمہ ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کشتی بنانے کے حکم کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں کشتی آباد کرنے اور کشتی چلانے روانہ کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اور اہل ایمان کو گاڑیاں چلانے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ ہر گاڑی بری ہو یا بحری اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ کر اس کا شکر یہ حمد و ثنا کر کے چلانی چاہئیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں وَلَا تُخَاطِبْنِیْ۔ فرما کر نوح علیہ السلام کو ایک نقصان دہ خطاب سے روکا گیا۔ اب ان آیات میں فَقُلِ الْحَمْدُ۔ فرما کر ایک بیحد مفید خطاب کا حکم دیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ف حرف عطف تعقیبیہ۔ اِذَا حرف شرط ظرفیہ زمانی کیلئے۔ اِسْتَوَیْتَ۔ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق واحد مذکر حاضر۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر بارز۔ جس کا مرجع حضرت نوح اس کا مصدر ہے۔ اِسْتِوَآءٌ، سَوِیٌّ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے برابر کرنا درست کرنا۔ سَوِیٌّ کا معنٰی ہے برابر ہونا درست ہونا۔ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر برائے تاکید۔ نحوی قانون کے مطابق جب ضمیر متصل پر کسی منفصل لفظ کو عطف کرنا ہو تو اسی ضمیر متصل کی ضمیر منفصل لانا ضروری ہے۔ یہاں اِسْتَوَیْتَ پر عطف کیا گیا مَنْ مَّعَكَ کو اس لئے ت ضمیر کے صیغے کی ضمیر منفصل اَنْتَ لائی گئی۔ واؤ عاطفہ مَنْ اسم موصول واحد یہاں جمع کیلئے ہے۔ مَعَ اسم مبنی بمعنٰی ساتھ مضاف ہے۔ ک ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل مرجع نوح مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صلہ ہوا مَنْ کا دونوں مل کر معطوف ہوا اَنْتَ پر دونوں مل کر فاعل ہوا اِسْتَوَیْتَ کا علٰی جارہ الف لام عہد خارجی فُلْكِ اسم جامد۔ بمعنٰی کشتی۔ کشتی کو فُلْک اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ صرف پانی کے مدار میں چلتی ہے۔ عَلَى الْفُلْكِ یہ مجرور متعلق ہے۔ اِسْتَوَیْتَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی ف جزائیہ۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر۔ اس کا فاعل اَنْتَ پوشیدہ مرجع نوح۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ الف لام حرفی استغراقی بمعنٰی تمام حَمْدُ اسم حاصل مصدر۔ ترجمہ ہے ذاتی عزتیں عظمتیں اردو میں معنٰی ہے تعریفیں۔ یہ مبتدا ہے۔ لام جارہ ملکیت کا اَللّٰهُ اسم ذاتی ہے۔ رب تعالیٰ کا موصوف ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول۔ نَجّٰی باب تفعیل کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب نَجِیٌّ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَنْجِیَةٌ۔ دراصل تَنْجِیْیٌ تھا۔ نحوی تعلیل سے تَنْجِیَةٌ ہوا آخر میں تاء مصدریہ لگائی گئی۔ ترجمہ ہے بچانا۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل مرجع تمام سوار کشتی۔ یہ ضمیر مفعول بہ ہے۔ مِنْ جارہ بمعنٰی عَنْ جارہ زوالیہ۔ الف لام عہد خارجی یا استغراقی قَوْم اسم جامد لفظاً واحد معناً جمع مراد ہے کافر لوگ۔ قوم موصوف۔ الف لام اسمی بمعنٰی اَلَّذِیْنَ ظَالِمِیْنَ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا فاعل هُمْ ضمیر پوشیدہ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے۔ قَوْم موصوف اپنی صفت سے مل کر مجرور۔ جار مجرور مل کر

marfat.com

متعلق ہے۔ نَجّٰی فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ ملکر صفت ہوئی لِلّٰہِ کی یہ مرکب توصیفی متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ ثَابِتٌ اپنے فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ اور اس متعلق سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ اَلْحَمْدُ مبتدا کی یہ دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ دونوں ملکر جملہ قولیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ قُلْ فعل امر با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ۔ دراصل ہے یَا رَبِّی۔ بمعنٰی۔ اے میرے رب۔ یا پوشیدہ حرف ندا۔ رَبِّ مضاف ی ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادی ہے۔ اَنْزِلْ۔ باب افعال کا فعل امر حاضر واحد مذکر حاضر۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے رَبِّ۔ نون وقایہ ی مفعول بہ مُنْزَلًا۔ باب مُفَاعَلَۃ کا مصدر مجہول۔ دراصل مُنَازَلَۃً تھا۔ تخفیف کلامی کیلئے مصدر مفاعلۃ کا الف اور آخر کی ت مصدر یہ گرادی گئی۔ خیال رہے کہ صرف صغیر کا پہلا مصدر جو اسم فاعل کے ساتھ ہوتا ہے وہ مصدر معروف ہے اور جو مصدر اسم مفعول کے ساتھ ہوتا ہے وہ مصدر مجہول ہوتا ہے۔ مصدر مجہول ہمیشہ متعدی ہوتا ہے اور مصدر معروف کبھی لازم کبھی متعدی۔ مُنْزَلًا مصدر مجہول ہے بمعنٰی اتارا جانا۔ نَزَلَ سے بنا ہے، ۲۔ ایک قول میں یہ مصدر میمی ہے، ۳۔ اور بعض نے فرمایا یہ اسم ظرف مکانی ہے اعلیٰ حضرت کے ترجمے میں یہی قول اختیار کیا گیا۔ مُنْزَلًا موصوف۔ مُبَارَکًا باب مفاعلۃ کا اسم مفعول واحد مذکر۔ ترجمہ ہے برکت دیا ہوا صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی مفعول مطلق ہے۔ تیسرے قول میں مفعول فیہ ہے۔ اَنْزِلْ سب سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَنْتَ ضمیر مرفوع منفصل واحد مذکر حاضر اس کا مرجع رَبِّ۔ مبتدا ہے۔ خَیْرُ۔ اسم حاصل مصدر۔ بمعنٰی اچھا۔ مضاف ہے الف لام حرفی استغراقی۔ بمعنٰی سب۔ مُنْزِلِیْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ یہ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی خبر ہے۔ اَنْتَ مبتدا کی دونوں ملکر جملیہ اسمیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا۔ خیال رہے کہ جملہ اسمیہ ہمیشہ خبریہ ہی ہوتا ہے لیکن جملہ فعلیہ کبھی خبریہ کبھی انشائی۔ انشائیہ دس چیزوں سے آتی ہے۔ ۱۔ امر۔ ۲۔ نہی۔ ۳۔ استفہام۔ ۴۔ تمنی۔ ۵۔ ترجی۔ ۶۔ عقود۔ ۷۔ ندا۔ ۸۔ عرض۔ ۹۔ قسم۔ ۱۰۔ تعجب۔ رَبِّ اَنْزِلْنِیْ معطوف علیہ اپنے اس معطوف سے مل کر معطوف ہوا اَنْزِلْنِیْ کا جملہ انشائیہ جواب ندا تھا یا ندائیہ پوشیدہ کا یہ حرف ندا اپنے منادیٰ و جواب ندا سے ملکر معطوف علیہ ہوا تھا قُلْ اپنے اس مقولے سے ملکر جملہ قولیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا فَقُلِ الْحَمْدُ پر۔ دونوں عطف ملکر جزا ہوئی اِذَا اسْتَوَیْتَ کے جملے کی شرط و جزا ملکر معطوف ہوا۔ فَاسْلُکْ یَا اَوْحَیْنَا کے جملے پر۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ﴿۳۰﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ ذالک اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ واقعہ نوح علیہ السلام۔ مجرور ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول واحد مذکر کا۔ مَوْجُوْدٌ اپنے پوشیدہ ھُوَ ضمیر غائب فاعل اور اس ظاہر متعلق سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے۔ اِنَّ کی لام کے تحقیقیہ آیات۔ اسم جمع مونث سالم بحالت فتحہ ہے اس کا واحد ہے اٰیَۃٌ۔ اسم موخر ہے اِنَّ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اِنْ۔ دراصل ہے اِنَّہٗ۔ اِنَّ مشبہ۔ اور ضمیر شان۔ ضمیر شان صرف کیفیت بنانے کیلئے لائی جاتی ہے۔ معناً لغو اور زائدہ ہوتی ہے۔ اگر پوشیدہ ہو تو اِنَّ کو مخفف یعنی بغیر شد بالجزم اِنْ پڑھا جاتا ہے یہ بھی لغو اور بیکار ہوتا ہے یعنی معنٰی دیتا ہے لیکن اسم خبر پر عمل نہیں کرتا کُنَّا فعل ناقصہ باب نصر ماضی مطلق جمع متکلم۔ اس کا اسم نَحْنُ پوشیدہ ضمیر جس کا مرجع اللہ تعالیٰ۔ لام کے برائے تحقیق۔ یعنی یقیناً بلاشک و

marfat.com

شبہ۔ مُبْتَلِیْنَ باب افتعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِبْتِلَآءٌ بَلْوٌ یا بَلْؤٌ سے بنا ہے۔ آزمانا مبتلا کرنا۔ بلاؤں میں ڈالنا۔ بہرصورت متعدی ہوتا ہے مادہ بھی مصدر بھی اس کا فاعل نحن پوشیدہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر خبر ہے کُنَّا کی۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوگیا۔ ثُمَّ حرف تراخی اَنْشَاْنَا باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم۔ اس کا مصدر ہے اَنْشَآءٌ نَشْوٌ سے بنا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ مِنْ جارہ بیانیہ بَعْدُ اسم ظرف زمانی جامد۔ مضاف هُمْ ضمیر مضاف الیہ هِمْ کا مرجع قَوْم نوح علیہ السلام۔ قَرْنًا اسم مفرد جامد نکرہ ہے۔ لغوی ترجمہ ہے۔ ا۔ سخت ابھری ہوئی چیز یا۔ ۲۔ کنارہ۔ ۳۔ جوڑنا کسی کو۔ ۴۔ باندھنا۔ اصطلاح میں۔ ۵۔ حیوانی کھوپڑی اور۔ ۶۔ سینگ کو قرن کہتے۔ ۷۔ لمبے بالوں کو بھی۔ ۸۔ سرکردہ سردار لوگوں کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ ۹۔ قوت۔ ۱۰۔ قوم۔ ۱۱۔ برادری کو بھی۔ ۱۲۔ سچے ساتھی کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ ۱۳۔ زمانے کی ایک بڑی مدت کو قرن کہا جاتا ہے یعنی ایک صدی (سوسال) یہاں مراد ہے ایک زمانے کے لوگ ایک قوم۔ اسکی جمع ہے قُرُوْنٌ۔ لفظاً واحد ہے معناً جمع موصوف ہے اٰخَرِیْنَ باب نصر کا اسم تفضیل جمع مذکر۔ اٰخَرٌ سے مشتق ہے بمعنی بعد میں آنا۔ اٰخَرِیْنَ بہت بعد میں آنے والی قومیں بحالت نصب ہے صفت ہے قَرْنًا کی۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے انشانا کا سب ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ۝۲۸ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ ۝۲۹ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ ۝۳۰ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم چہارم نازل ہوا کہ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ۔ اے نوح جب تم اپنے آپ کو کشتی میں پرسکون طریقے سے ایک جگہ اطمینان و درستگی سے بٹھا دو۔ وَمَنْ مَّعَكَ اور ہر اس شخص کو بھی اسکی جگہ پر بٹھا دو جو ایمان، اعمال، تقویٰ، طہارت، توحید کی امانت، رسالت کی اقامت تبلیغ کی اشاعت، احکام شریعت کی پابندی، اطاعت کی فرمانبرداری، اتباع نبوت کی پاسداری میں ہر طرح ہر وقت آپکے ساتھ تعاون و تائید میں شامل رہا۔ زندگی کے ہر شعبے ہر زمان ہر مکان میں صدق قلبی، اقرار لسانی، اعمال جسمانی ابتدا سے اب تک۔ اور پھر آئندہ سفر کشتی میں بھی آپ کے ساتھ ہی رہا۔ ان خوش نصیبوں نے کبھی بھی کسی کام و کلام میں ذرہ برابر لحہ بھر نافرمانی یا کوتاہی جسمانی، سرکشی مزاجی، سرزنش زبانی نہ کی نہ دکھائی۔ یہ ہی تم سب جب کشتی میں آجاؤ تو شکر کی یہ دعا حمد کی یہ التجا اے نوح تم اپنی زبان سے اس طرح ادا کرنا کہ۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰىنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ تمام کائنات کی ظاہری، باطنی، خفی، جلی، سری، اسراری، حالی، مقالی، حمدیں اس الہ تعالیٰ جل وعلیٰ، خالق ارض وسما، مالک عرش علیٰ، باری بحر و بر، حاکم شمس و قمر، قابض خشک و تر، رب کائنات، نافذ ہلاکت و نجات، معبود فلکیات وارضیات، وحدہ لاشریک صاحب رحمت و تبریک کیلئے ہیں جس نے اپنے رحم و کرم، الفت و محبت، فضل و عدل، کمال شفقت، عطاء نعمت کے ذریعے نجات دی ہم سب کی ذات کو اور بچایا ہماری عبادات کو اس ضدی، بے عقل، بے علم قوم کافرین سے جو ظلم کرنے والے تھے شرک سے اپنی جانوں پر اور اذیت سے ایمان والوں پر۔ برائی سے محبت کر کے نیکی سے نفرت کر کے فسق سے فساد پھیلا کر کفر سے فتنہ مچا کر، اپنی جانوں پر ابدی دائمی ظلم، ایمان والوں پر وقتی عارضی ظلم، بدنصیبی ایسی کہ ہر امیر

marfat.com

غریب، عوام وخواص چھوٹا بڑا، ہر آن ہر مکان تاحیات نامراد، یہ فرمان دعا بھی ہے حمد بھی ہے، شکر بھی ہے ذکر بھی، یہ حمد ہے حالات سابقہ کی تبدیلی پر، دعا ہے واقعات آئندہ کی برکات پر، موجودہ کیفیات پر شکر ہے ان کی بقا پر دعا یہ ذکر ہے تو اے نبی شاکر و اے رسول ذاکر و بندہ صابر۔ تمام سفر میں یہی حمد و دعا۔ شکر عطا ذکر نجات کرتے رہو۔ لیکن جب کشتی سے اترنے کا وقت قریب ہو۔ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ۔ اور اس وقت یہ عرض کرو کہ اے میرے رب جلیل خالق جمیل حاکم قدیر اس کشتی سے نیچے اتار مجھ کو برکتوں والا اتارنا مبارک منزل پر کہ اترنا خیریت سے ہو اور جائے رہائش رحمت کی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں جامع مانع دعاؤں میں نوح علیہ السلام کو مانگنے کے پندرہ طریقے سکھائے اور تاقیامت ہر بندے کو بتا دیا کہ حیات دنیوی میں بندہ اپنے مولیٰ تعالیٰ سے کس طرح مانگے۔ پہلا طریقہ حمد الٰہی، دوم تذکرہ نعمت کبریائی، سوم شکر ربانی، چہارم یہ کہ یا اللہ سفر کشتی کا زمانہ بھی باخیر و برکت رہے نہ کشتی ڈولے نہ ڈوبے نہ پریشان کرے۔ یہاں تفسیر صاوی نے فرمایا کہ یہ سفر چھ مہینے رہا۔ دس رجب کو شروع ہوا اور دس محرم بروز عاشورہ ختم ہوا۔ اس دعا کی برکت سے کشتی مثل آبدوز بن گئی تھی۔ سخت ہوا اور تیز بارش کے باوجود کسی طرف سے بھی بارش کے چھینٹے قطرے یا پھوار کشتی کے اندر نہ آتے۔ کشتی نہ ٹپکی نہ جھٹکی نہ پھٹکی جب مَوْجٍ كَالْجِبَالِ بلند ہوتیں تو تیزی سے اوپر سے گزر جاتیں اور کشتی پانی سے محفوظ رہتی نہ تھپیڑے لگتے نہ ہچکولے کھاتی۔ آبدوز کی طرح محفوظ رہتی۔ دعاء پنجم۔ یا اللہ میری نسل اولاد میں برکت اور نعمت حیوانات میں کثرت عطا فرما۔ یہ دعا بھی قبول ہوئی اور کشتی سے اترنے کے بعد جانور زمین پر پھیل گئے۔ اور کشتی پر موجود زمین میں بس گئے۔ جانوروں سے جنگل سج گئے انسانوں سے بستیاں بن گئیں۔ اور پینتالیس مردوں کی اولاد سے پینتالیس قومیں وجود میں آئیں۔ حام کی نسل سے عرب پیدا ہوئے اسی لئے آپ کا لقب ابوالعرب ہوا۔ یافث کی نسل کا نام ترک ہے انکا لقب ابوترک ہے یاجوج ماجوج بھی یافث کی ہی نسل سے ہیں۔ سام کی نسل میں حبشی سوڈانی وافریقی ہوئے ان کا لقب ابوالسودان ہے۔ ان کے علاوہ چھوٹی قومیں۔ ۱۔ قبطی۔ ۲۔ لاوی۔ ۳۔ سامری۔ ۴۔ سامی وغیرہ۔ ان سے زمین آباد ہوئی۔ دعاء ششم یہ کہ اپنی صحت میں برکت بھی طلب فرمالی، ہفتم نجات کامل کی دعا، ہشتم پینے کا میٹھا پانی بھی مانگ لیا، دعا نہم حضرت نوح نے ان الفاظ سے یہ بھی مانگ لیا کہ یا اللہ پھلوں کے باغات بھی عطا فرما۔ دعا دہم یا اللہ لکڑی کے جنگلات بھی پیدا فرما۔ ان میں برکتیں کثرتیں بھی ہوں۔ کیونکہ چھ ماہ طوفانی سیلاب میں زمین کی تمام شجرات صغیر وکبیر فنا ہو گئے تھے۔ روایت میں ہے کہ اس دعا کی برکت وقبولیت کے بعد سب سے پہلے زمین پر شجر زیتون پیدا ہوا۔ گیارھویں دعا یہ کہ یا اللہ کھیت وکھلیان میں بھی برکتیں عطا فرما۔ بارھویں دعا یہ کہ سب اہل ایمان کے ایمان وایقان کی بقا رہے ان میں کوئی مرتد وگمراہ نہ ہو جائے۔ تیرھویں دعا یہ کہ سب ایمان والوں کے دل میں آپسی محبت قومی نسلی علاقائی الفت اتحاد واتفاق کی برکتیں قوتیں بھی قائم رہیں۔ چودھویں دعا یا اللہ مومنوں کو اعمال صالحہ کی ہدایت، سعادت توفیق وفراغت نصیب ہو۔ پندرھویں دعا یہ کہ یا اللہ ان سب برکتوں رحمتوں نعمتوں میں ہمیشگی کا کرم وفضل عطا فرما۔ ان چند کلمات طیبات میں یہ پندرہ التجائیں عرض کر لیں جو سب عطا ہوئیں کیونکہ بیان رب کا تھا زبان نبی کی تھی اور وسیلہ ثناء اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ والے کلام صادقہ حقیقیہ کا تھا کہ یا اللہ تو ہی سب اتارنے والوں سے اچھا اور حکیم وعلیم وخبیر وقدیر وقدیم ہے۔ دیگر لوگوں کے اتارنے میں نہ حکمت نہ برکت نہ عزت نہ رحمت نہ سعادت نہ

marfat.com

حفاظت لیکن جس کی منزل خود اللہ تعالیٰ جہاں جس جگہ بھی بنائے تو وہ مقام و مکان برکت خیریت کی کثرت اور امن کی حفاظت والا ہی ہے۔ یا اللہ تعالیٰ تیرا بٹھانا بھی اٹھانا بھی خیر، چڑھانا بھی خیر اتارنا بھی خیر کیونکہ اَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ تیری ذات بھی خیر۔ صفات بھی خیر عطا بھی خیر رضا بھی خیر۔ یہ حمد شکر بھی ہے اس لئے کہ منعم کی حمد محسن کی ثنا شکر ہی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ یہ حمد یہ دعائیں تین وقت مانگنے کا حکم ہوا تھا اولاً جب سوار ہونے لگو پھر جب سب اپنی اپنی جگہ ٹھیک طریقہ سے بیٹھ جائیں پھر جب کشتی سے اترنے لگو فَاسْلُکْ فِیْھَا میں چڑھنے سوار ہونے کا ذکر ہے اِسْتَوَیْتَ میں پرسکون اپنی جگہ بیٹھ جانے کا ذکر ہے اور اَنْزِلْنِیْ میں کشتی سے باہر آنے کا ذکر ہے یہ تینوں اوقات بھی خطرناک تھے اور حالات بھی اور بچنے کیلئے حفاظت الٰہی کی ضرورت شدیدہ تھی اس لئے ان تینوں وقتوں میں دعا مانگنے کا حکم فرمایا گیا۔ استوا کا اصل حقیقی معنٰی ہے کسی چیز پر ایسا مکمل و مضبوط قبضہ و غلبہ قائم کرنا کہ کوئی دوسرا شامل و شریک نہ ہو سکے۔ قبضے اور غلبے کی سات قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ قبضہ ملکیت۔ ۲۔ قبضہ سلطنت۔ ۳۔ قبضہ قوت۔ ۴۔ قبضہ حکمت۔ ۵۔ قبضہ اجرت استعارہ۔ ۶۔ قبضہ جلست وقعود یعنی بیٹھ جانا۔ ۷۔ کسی کو قابو میں پا لینے کر لینے کا قبضہ۔ کشتی پر پہلا قبضہ اور اِسْتَوٰا بوقت دخول ہوا۔ دوسرا قبضہ بوقت جلوس وقعود ہوا اس لئے عَلَی الْفُلْکِ فرمایا گیا نہ کہ فِی الْفُلْکِ۔ اللہ تعالیٰ کے اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا معنٰی بھی ایسا مکمل و مضبوط قبضہ و غلبہ فرمانا ہے کہ کوئی بھی شریک نہ ہو سکے۔ قرآن مجید میں اِسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ کا سات سورتوں میں ذکر ہے۔ ۱۔ سورۃ اعراف آیت ۵۴ میں۔ ۲۔ سورۃ یونس آیت ۳ میں۔ ۳۔ سورۃ رعد آیت ۲ میں۔ ۴۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۵ میں۔ ۵۔ سورۃ فرقان آیت ۵۹ میں۔ ۶۔ سورۃ سجدہ آیت ۴ میں۔ ۷۔ سورۃ حدید آیت ۴ میں، اور سب جگہ اِسْتَوٰٓء عرش کا معنٰی قبضہ و غلبہ ہی ہے نہ کہ بیٹھنا۔ اللہ تعالیٰ کے قبضے اور غلبے سے مراد ہے خلقت و ملکیت کا قبضہ اور ظہور تجلیات جمالیہ و جلالیہ کا غلبہ۔ فرقہء وہابیہ کا ابن تیمیا اور تیمیائی افراد اِسْتَوٰی کا معنٰی کرتے ہیں کہ اللہ عرش پر بیٹھا۔ یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ جہالت و ضلالت ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ۔ اے لوگو قوم نوح کے اس پورے واقعے میں ابتدا سے انتہا اور ولادت سے ہلاکت، ترقی سے تنزل اور طول حیات سے وقوع ممات تک کفر کا فراں سے ایمان موموناں تک مَلَؤُ الْقَوْمِ سے غُرَبَآءِ الْقَوْمِ تک اور ارسال نوح سے انکار نوح تک، تبلیغ سے تکذیب تک، تندور سے کشتی تک، اور مَنْ ھَلَکَ کے عذاب سے مَنْ مَّعَکَ کی نجات تک اِسْتَوٰی سے نزول تک، بربادی سیلاب سے آبادی زمین تک، بددعاء نوحی سے دعاء نوحی تک، کفران گمرہاں سے شکران موموناں تک، بدبختوں کی شقاوت سے خوش بختوں کی سعادت تک لَاٰیَۃً۔ قدرت کی آیتیں علامتیں ہیں یعنی لمبی زندگی مہلت، تا عمر رزق کی فراوانی، مشفقانہ تبلیغ کی تربیت دراز مدت، کافروں کی طرف سے بار بار ظلم، مومنوں کی طرف سے حلم و صبر سے برداشت، ایمان عبادت صبر کی توفیق و سعادت پر شکر الٰہی ہر وقت کرنا، کفار کی جانب سے نوح علیہ السلام کی شان میں احمقانہ گستاخی، رب تعالیٰ کی طرف نوح علیہ السلام کی حمایت و نصرت، کافروں سے مومنوں کی حفاظت، معجزانہ کشتی، بغیر کچھ کھائے پیئے دراز مدت سفر خوش اسلوبی کا مکمل ہونا کشتی میں کسی بھی فرد کو موت نہ آئی۔ انسانی حیوانی شجراتی رونقوں سے پوری زمین میدانی کا خالی ہو جانا، پھر چند نفوس انسانی حیوانی سے بہت جلدی زمین کا بھر جانا۔ شجرات لگ جانے جنگل بھر جانے ان سب چیزوں میں قدرت و حکمت پر دلالت، شہادت و حیران کن نشانیاں ہیں اقوام موجود کیلئے بھی آئندہ کیلئے بھی۔ وَاِنْ کُنَّا

marfat.com

لَمُبۡتَلِیۡنَ۔ اور بے شک ہم ہر قوم و فرد کو ماضی حال مستقبل میں ضرور آزمانے والے تھے اور آزماتے رہیں گے اس طرح کہ کبھی خیر میں کبھی شر میں مبتلا کر کے ہم اسی طرح اچھے برے کو چھانٹ کر اور چن کر علیحدہ کرنے والے ہیں۔ یہی طوفان کسی کی موت فنا کا سبب وعلت بنایا گیا۔ کسی کی حیات بقا کا۔ کسی کی ہلاکت کا کسی کی عبرت کا، اور کسی کی غفلت کا۔ یہاں لفظ اِنۡ کُنَّا۔ اصل میں اِنَّنَا کُنَّا ہے جس کا معنیٰ ہے قَدۡ کُنَّا۔ ثقیلہ مشددہ کو خفیفہ کرنے سے حصر و تاکید کا فائدہ ہوا۔ لفظ اِنۡ مخففہ سے حصر اور لَمُبۡتَلِیۡنَ کے لام سے تاکید ہوئی۔ اور معنیٰ ہو گیا کہ بے شک ہم ضرور ہی آزمانے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قوم نوح کو حیات دنیوی کی لمبی مدت، بھرپور مہلت، نعمت، دولت، صحت، فرحت دیکر انجام کفر کی عبرتناک ہلاکت دی۔ ثُمَّ اَنۡشَاۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِیۡنَ۔ پھر پروان چڑھایا ہم نے بہت سے آرام سکون قوت نعمت کے ساتھ عزت دولت آل اولا دنوکر وخادم عطا فرما کر ایک اور دوسری بڑی قوم کو نوح علیہ السلام کے بعد۔ مفسرین کے نزدیک اس قوم کا نام قوم ثمود تھا۔ یہ قوم بہت شہزور اور فنکار تھے پتھروں کی تراش خراش کی ہنرمندی کے ماہر، اور دولت مند بھی اس لئے اپنی صنعت و دولت کی وجہ سے مغرور تھے۔ قوم و قبیلے کو قرن کہنے کی تین وجہ ہوتی ہیں۔ ۱۔ قرن کا لغوی معنیٰ ہے قریب اور ملا ہوا ہونا تو جو قوم قبیلہ سابقہ قوم سے باعتبار زمانہ یا علاقہ ملا ہوا اور قریب تر ہو وہ قوم آئندہ سابقہ قوم کی قرن کہلائے گی۔ ۲۔ دوسری وجہ یہ کہ قومی بستیاں دنیا میں دو قسم کی ہوتی ہیں بعض قومیں ہمیشہ صنعت، حرفت کے عمل میں متفرق ہوتی ہیں۔ اور کچھ قومیں فنی تہذیبی رسم و رواج کے اعتبار سے متحد ہوتی ہیں۔ فنی تہذیبی رسم و رواج میں مختلف و متفرق قومیں معاشرے میں قومی قوت کا عروج نہیں پاتیں نہ ان کو نشو ونما کا تمدن حاصل ہو سکتا ہے اس لئے متفرق المزاج قوموں کو قرن نہیں کہا جاتا۔ لیکن اجتماعی اتحاد، تمدنی خصوصیات کا عروج نشو و نما، متفق رسم و رواج سے زندگی اور زمان و مکان کی قوت نمایاں ہوتی ہے صرف ایسی ہی بستی و اہل کو قرن کہا جاتا ہے۔ اسی اجتماعیت واتحادیت سے قومی قوت، عہد آفرین زمانہ سازی ابھرتی ہے اور اوراق تاریخ پر مکتوب و منقوش ہو جاتی ہے۔ قرآن مجید میں ایسی ہی عہد آفرین تاریخ ساز مشہور زمانہ قوموں کو قرن کہا گیا ہے۔ تیسری وجہ۔ جسمانی شہہ زوری کا اجتماعی فروغ رکھنا بھی تاریخی شہرت کا باعث ہے اس لئے اس طرح کی اجتماعی خصوصیت والی قوم کو بھی قرن کہا جاتا ہے۔ یہ ہی خصوصی قوتیں قوم نوح، قوم عاد، ثمود، قوم مدین، قوم فرعون، قوم جالوت کو متفرق تقسیم سے حاصل تھیں۔

ان آیات میں مختلف اقوال

مَنۡ مَّعَکَ کی مراد میں دو قول ہیں۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ اس سے مراد صرف وہ انسان ہیں جو حضرت نوح کے ساتھ کشتی میں سوار ہوئے تھے۔ کیونکہ یہاں لفظ من فرمایا گیا جو صرف اہل عقل کیلئے بولا جاتا ہے اور اہل عقل انسان ہیں نہ کہ جانور حیوان۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد کشتی کی تمام مخلوق ہے انسان بھی جانور بھی اور اِسۡتَوَا کا معنیٰ ہے اپنی اپنی منتخب منزلوں میں پہنچایا جانا اور اگرچہ لفظ من ذوی العقول کیلئے آتا ہے مگر بِالتَّبۡعِ غیر عقل والوں کیلئے بھی بول دیا جاتا ہے اور اہل عقل کے ساتھ ہونے کی وجہ سے غیر عقول کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے اس لئے کہ اگرچہ مَنۡ میں غیر عقل والی چیزیں بھی بِالتَّبۡعِ شامل ہو جاتی ہیں لیکن یہاں اِسۡتَوَیۡتَ ہے اور اِسۡتَوٰی صرف انسانوں کیلئے بولا جاتا ہے۔ جانوروں کے کسی جگہ پر بیٹھنے، اٹھنے، کھڑا ہونے کو یا ٹھہرائے جانے کو اِسۡتَوَا نہیں کہا جاتا۔ فَقُلِ الۡحَمۡدُ کے وقت میں تین

marfat.com

قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ یہ حمد و دعائیہ جملہ کہنے کا حکم کشتی میں سوار ہوتے وقت کا ہے یعنی یہ دعائیہ حمد۔ قُلِ الْحَمْدُ۔ وَقُلْ رَّبِّ اس وقت عرض کرنا جب کشتی میں سوار ہونے لگو۔ ۲۔ بعض نے لکھا کہ یہ اِسْتَوَا مکمل بیٹھ جانے کے وقت کی دونوں دعائیں تھیں کہ جب سب اچھی طرح اپنی اپنی کرسی پر بیٹھ جائیں تب یہ ذکر و دعا شروع کی جائے تا کہ کسی کو بٹھانے کیلئے بیچ میں نہ بولنا پڑے۔ ۳۔ بعض نے لکھا کہ ان دونوں دعاؤں کیلئے حکم یہ تھا کہ جب کشتی سے اترنے لگو تب یہ حمد و دعا کرنا۔ تینوں قول درست ہیں یعنی تینوں وقت حمد و ثنا شکر و دعا کرنے کا حکم ربانی تھا اسی لئے حضرت نوح علیہ السلام پوری مدت سفر میں بار بار یہ حمد و دعا عرض کرتے رہے۔ وَقُلْ رَّبِّ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ بعض کی قرات میں یہ قُلْ رَّبِّ ہے۔ دراصل یَا رَبُّ ہے۔ بغیر اضافت اور جب منادی مضاف نہ ہوتو اس کو ضمہ یعنی پیش ہوتا ہے جیسے یَا رَسُوْلُ یہاں صرف حرف ندا حذف کیا گیا ہے۔ حذف کا قرینہ دعا ہونا ہے۔ ۲۔ اکثر کی قرأت میں یَا رَبِّ ہے ب کے کسرہ سے دراصل یَا رَبِّیْ ہے۔ حرف ندا یا اور یَآءِ متکلم مضاف الیہ کو حذف کر دیا گیا تخفیف کیلئے۔ اور حذف کا قرینہ ونشانی اس جملے کا دعا ہونا ہے کیونکہ دعا میں ہمیشہ یا سے ہی پکارا جاتا ہے۔ یہی قرأت درست ہے مکتوب مشہور و اکثریت کی ہے۔ مُنْزَلًا کی قرأت و معنی میں تین قول ہیں۔ ا۔ اکثر کی قرات میں یہ مُنْزَلًا بابُ افعال کا اسم مفعول صیغہ واحد مذکر بمعنی مفعول مطلق مصدری معنی میں۔ ترجمہ ہے کہ میرا اتارا جانا برکتوں والا ہو برکتوں سے بھرا ہوا۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں یہ نَزَلٌ کا مصدر میمی مُنْزَلًا ہے۔ ترجمہ ہے کہ یا رب مجھے ایسی جگہ اتار جہاں جب میں اتروں تو اترنا ہی بابرکت و باخیریت ہو جائے۔ ۳۔ بعض کی قرئت میں یہ مَنْزِلًا ہے نَزَلٌ کا اسم ظرف مکانی ہے۔ یعنی میری منزل میرا ٹھکانہ آئندہ رہائش گاہ مبارک ہو۔ ہر قرئت میں علیحدہ معنی ہے مگر پہلی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور مکتوب ہے۔ مُبَارَكًا کے معنی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا مُبَارَكًا کا معنی ہے سوار ہونا مبارک ہوا کہ کشتی اٹھنے پانی چڑھنے سے پہلے سب افراد با سہولت باسکون چڑھ جائیں نہ کوئی فوت ہو نہ کوئی زخمی نہ بھگدڑ مچے نہ پریشانی۔ ۲۔ بعض نے کہا ہے کہ مُبَارَكًا کا معنی ہے یہ کشتی تمام سفر میں مبارک رہے نہ کوئی بھوکا ہو نہ بیمار نہ فوت۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ اترنے کے بعد ہماری منزل ٹھکانہ رہائش مبارک ہو۔ یہ تینوں قول درست ہیں اور سب دعائیں قبول ہوئیں۔ حضرت نوح طوفان کے بعد ساٹھ سال زندہ رہے۔ اس دوران کسی شخص کو اصل نسل میں کسی قسم کی کوئی تکلیف نہ ہوئی۔ اِنْ كُنَّا کے اِنْ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ ثقیلہ سے خفیہ کیا گیا ہے دراصل اِنْ یا اِنَّنَا ہے اور معنی ہے قَدْ كُنَّا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اِنْ نافیہ ہے اور معنی ہے مَا كُنَّا مگر یہ قول غلط ہے پہلا قول درست لَمُبْتَلِيْنَ کے لام تحقیق کی وجہ سے پہلے بھی قد کا معنی ہونا ضروری ہے لَمُبْتَلِيْنَ کے لام میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے کہا کہ یہ لام تحقیق ہے۔ اس کا معنی ہے البتہ ضرور یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ لام بمعنی اِلَّا ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ لام تحقیق اِلَّا کے معنی میں کبھی نہیں ہو سکتا۔ قَرْنًا آخَرِيْنَ کے دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ قرن آخر سے مراد قوم ثمود ہے۔ اس قوم کے نبی حضرت صالح علیہ السلام تھے۔ ان اکثر لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ اسی سورت کی آیت ۴۱ میں ہے۔ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ یعنی قَرْنًا اٰخَرِيْنَ کی ہلاکت اس طرح ہوئی کہ ان کو چیخ نے پکڑ لیا۔ اور غیبی چیخ والا عذاب طوفانِ نوحی کے بعد سب میں پہلے صرف قوم ثمود پر آیا ثابت ہوا کہ یہاں قرن آخر سے مراد قوم ثمود ہے نہ کہ قوم عاد۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ سے مراد قوم عاد ہے اس قوم

marfat.com

کے نبی حضرت نوح علیہ السلام تھے۔ان بعض لوگوں کی دلیل یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کے بعد جو قوم سب سے پہلے ابھری اور جن کے کافروں پر دوسرا عذاب آیا طوفانِ نوحی کے بعد وہ قوم عاد ہی تھی اسی لئے نام لے کر قوم نوں کے بعد میں ہونے کا ذکر سورۃ اعراف میں پھر سورۃ ہود میں پھر سورۃ شعراء میں فرمایا گیا کہ قوم نوح کے بعد قوم عاد پیدا ہوئی لہٰذا یہاں بھی مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ فرمانے کی وجہ سے قرناً آخرین سے قوم عاد ہی مراد ہے۔ یہ لوگ پہلے قول کی دلیل فَاَخَذَتۡهُمُ الصَّيۡحَةُ کا جواب ۔ ا۔یہ دیتے ہیں کہ وہاں چیخ سے مراد غیبی چیخ نہیں بلکہ عذاب الٰہی دیکھ کر آپس کی چیخ وپکار مراد ہے۔ کہ مغادر بھگدڑ میں کفار کا شور مچانا بچاؤ بچاؤ۔ ۲۔ نیز عربی محاورے میں مجازاً ہر نا گہانی مصیبت وعذاب کو صیحۃ کہہ دیتے ہیں۔مگر میں کہتا ہوں کہ یہ دونوں جواب غلط ہیں آپسی شوروغل مراد لینا اس لئے غلط ہے کہ آپسی شور کے لئے اَخَذَتۡ نہ فرمایا جاتا کہ چیخ نے ان کو پکڑ لیا بلکہ فرمایا جاتا کہ اَخَذُوَا الصَّيۡحَةُ یعنی ان کفار نے چیخ وپکار کو پکڑ لیا۔ اسی طرح یہ کہنا بھی غلط ہے کہ عربی محاورے میں ہر نا گہانی مصیبت وعذاب کو صیحۃ کہہ دیا جاتا ہے کیونکہ اس کا کوئی ثبوت نہیں۔رہی ان لوگوں کی اپنی دلیل تو وہ قیاسی دلیل بھی غلط ہے کہ چونکہ سورۃ اعراف آیت ۱۵اور سورۃ ہود آیت ۵۰اور سورۃ شعرآء آیت ۱۲۳اور ۱۲۴میں نام لے کر قوم نوح کے بعد قوم عاد کے ہونے کا ذکر وثبوت ہے۔اس پر قیاس کر کے یہاں بھی مِنۡۢ بَعۡدِهِمۡ قَرۡنًا اٰخَرِيۡنَ سے قوم عاد ہی مراد ہے۔ یہ قیاس اس لئے غلط کہ یہاں مِنۡ بَعۡدِهِمۡ سے فوراً بعد مراد نہیں بلکہ مراد ہے بہت بعد۔اور بہت بعد کا کوئی تعین وحد بندی نہیں ہوسکتی۔ بہت بعد میں تو تا قیامت ہر قوم شامل کی جاسکتی ہے۔خیال رہے کہ قوم عاد پر ہوا کا عذاب ہلاکت آیا تھا اور قوم ثمود پر زمینی چیخ کا عذاب ہلاکت پہاڑوں میں سے آیا تھا پھر بہت زمانوں بعد قوم مدین پر آسمانی چیخ کا عذاب ہلاکت آیا تھا۔قوم مدین کے نبی حضرت شعیب علیہ السلام تھے۔

فائدے

یہاں ان آیات مبارکہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: انتہائی بدقسمت وہ شخص اور قوم ہے جس کے مرنے کے بعد اس کے مرنے کی خوشیاں منائی جائیں یا جس کے مرنے پر شکر الٰہی کرنے کا حکم ہو سابقہ قوموں میں قوم نوح اور قوم فرعون ایسی ہی بدقسمت قومیں تھیں کہ قوم نوح کی ہلاکت پر رب تعالیٰ نے شکر کرنے کا حکم فرمایا اور قوم فرعون کی ہلاکت پر موسیٰ علیہ السلام نے تمام بنی اسرائیل کو شکر کا روزہ رکھنے سجدہ کا حکم دیا۔ یہودی آج تک اس دن روزہ رکھتے ہیں اس کو عاشورے کا روزہ کہتے ہیں۔اولاً نبی کریم ﷺ نے بھی اس روزے کو صحابہ کرام پر فرض فرمایا۔اور ارشاد فرمایا کہ نَحۡنُ اَحَقُّ مِنۡكُمۡ یعنی اے یہودیو اس شکر کے تم سے زیادہ ہم حقدار ہیں۔ پھر آج تک تمام مسلمانوں پر قوم نوح وقوم فرعون کی ہلاکت کے دن خوشی مناتے ہوئے عاشورے کا روزہ نفلی ہے جس پر بہت ثواب کا وعدہ ہے یہ استحباب شکر الٰہی ادا کرنے کے لئے ہے۔موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے غرق ہونے کے فوراً بعد اسی جگہ دریاء نیل کے کنارے ہی سجدوں کی محفل سجائی اور وہ سارا بقیہ دن شکر وحمد کے ذکر میں گزارا کہ یا اللہ تعالیٰ تو نے فرعون وفرعونیوں کو غرق فرما کر ہمارے دین وعبادت کو اور بنی اسرائیل کو چار سو سالہ غلامی کی ذلت سے بچالیا۔ان بدقسمت شخصیات میں۔ ۱۔فرعون۔ ۲۔ابو جہل۔ ۳۔یزید۔ ۴۔حجاج بن یوسف۔ ۵۔مامون الرشید۔ ۶۔اکبر بادشاہ گزرے ہیں۔ یہ بدترین اور ظالم وبے دین اسی قسم کے بدبخت تھے کہ ان

marfat.com

کے مرنے پر مسلمانوں نے خوشیاں منائیں۔ احادیث میں ہے کہ ابوجہل کے قتل پر نبی کریم ﷺ اور تمام صحابہ کرام نے میدان بدر میں ہی سجدۂ شکر ادا فرمایا۔ یزید وحجاج بن یوسف کے مرنے پر صحابہ وتابعین رضی اللہ عنہم نے شکر الٰہی منایا اور نفل ادا کیے۔ اکبر بادشاہ کے مرنے پر مسلمانانِ ہند نے نوافل شکرانہ پڑھے۔ سنا گیا ہے کہ کمال اتاترک کے مرنے پر بھی سچے مومن ترکی علماء وعوام ومشائخ نے نوافل شکرانہ ادا کیے تھے۔ اور جس طرح اس قسم کے لوگ بدبخت ہوتے ہیں خوش قسمت ترین ہیں وہ پیارے بندے جن کے مرنے پر اپنے پرائے روئیں یاد میں آنسو بہائیں ان شخصیات میں بادشاہ محمود غزنوی' سلطان محمد غوری' شہنشاہ بابر' اورنگزیب عالمگیر بادشاہانِ اسلام گزرے ہیں کہ جن کی یاد میں اس وقت کے ہندو مسلم سب نے آنسو بہائے اور ان کے عدل وشفقت کو آج تک تاریخ یاد کرتی ہے۔ میں نے ایک ہندو کی زبانی سنا ہے کہ ہمارے دادا محترم محمد یار خان صاحب علیہ الرحمہ کے وصال پر لوگوں کے علاوہ ان کی مسجد کی دیواروں سے تین دن تک وقفے وقفے سے رونے کی آواز آتی تھی۔ میرا خیال ہے شاید یہ جنات ہوں گے اس بات کے مسلمان بھی گواہ ہیں اور اس بدایونی اجھانوی مسجد کے چند پڑوسی ہندو بھی گواہ ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ تَعَالٰی ذَالِکَ اور حقیقت بھی الیہ ہے کہ جس کے فوت ہونے پر سب کو غم ہو اس سے زیادہ خوش قسمت کون ہے۔ تمام زندگی کا آخری نتیجہ تو موت پر ہی ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہی بات امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ نے فرمائی تھی اور یہی نشانی مناظر اسلام محمد عمر علیہ الرحمۃ نے بیان فرمائی تھی۔ معتزلہ کہتے تھے ہم سچے ہیں امام احمد جھوٹے ہیں امام احمد نے جواباً فرمایا کہ میرا جنازہ بتادے گا کہ سچا کون ہے۔ ادھر غلام خان وغلام خانی کہتے تھے کہ ہم سچے سنی لوگ اور مناظر اسلام فرمایا کرتے تھے کہ فقیر سچا ہے اگر آج نہیں مانتے تو کل دونوں کے جنازے اور میتوں کے چہرے دیکھ لینا پھر لوگوں نے اس وقت بھی دیکھا تو ہزاروں معتزلی تائب ہو گئے اور اس وقت بھی دیکھا تو کئی وہابی سنی بن گئے۔ محمد عمر صاحب کا چمکتا چہرہ آج تک لوگوں کا ایمان تازہ کر رہا ہے اور مضبوط بھی۔ حضرت سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

آنچہ دانی کہ وقت زادنِ تو ہمہ خنداں بوند تو گریاں
آن چناں زی کہ وقتِ رفتنِ تو ہمہ گریاں شوند تو خنداں

یعنی اے بندے تو غور کر کہ جب تو پیدا ہوا تھا سب خوشی سے ہنستے تھے اور تو روتا تھا۔ اب ایسی پاکیزہ زندگی گزار کہ جب تو دنیا سے جائے تو سب غم سے روتے ہوں اور تو مسکراتا ہو غنی کاشمیری لکھتے ہیں کہ

نشان مرد مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

یہ فائدہ فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ (الخ) کے فرمانِ الٰہی وحکم ربانی سے حاصل ہوا۔ اسی طرح سورۃ انعام کی آیت ۴۵ میں فرمایا گیا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ یا اللہ یہ اقتدار بے وقار فقیر حقیر تیری بارگاہ میں عرض کرتا ہے کہ مجھے بھی ایسی ہی خوشی نصیب حیات وموت عطا فرما۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو چاہئے کہ حیات دنیوی کی ہر حالت کیفیت' عادت' عبادت' صحت اور مصائب سفر حضر سے نجات پانے میں چھ عمل کرتا رہے۔ ۱۔ حمد الٰہی۔ ۲۔ شکر کبریائی۔ ۳۔ ان نعمتوں کے بقاء کی دعا۔ ۴۔ غافلوں سے بچنے عبرت پکڑنے کی توفیق مانگنا۔ ۵۔ شیطان سے پناہ اور۔ ۶۔ ظالم سے حفاظت کی دعا مانگتا رہے۔ یہ فائدہ قُلِ الْحَمْدُ اور قُلْ رَبِّ کے حکم ربانی سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام جیسی پاکیزہ ہستی کو بھی حمد وشکر کا حکم فرمایا تو ہم پر تو بدرجہ اولیٰ واجب ولازم ہے اسی لئے یہ واقعات ہم

marfat.com

مسلمانوں کو سنائے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ اسریٰ کی آیت ۸۰ میں فرمایا وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّ اَخْرِجْنِیْ (الخ) اور سورۃ نحل کی آیت ۹۸ میں فرمایا فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ان تمام آیتوں میں مسلمانوں کو اسی بات کی تعلیم و تربیت دی جا رہی ہے کہ کوئی مسلمان کبھی کسی حالت میں حمد' شکر' ذکر' استغفار و استعاذہ سے غافل نہ رہے۔ کیا معلوم کس وقت کیا مصیبت آ جائے۔ یہ دعائیں مسلمانوں کو ہر وقت چست و چوکنا اور باہمت رہنے کے لئے سکھائی بتائی جا رہی ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا آخرت میں تمام ظلموں سے بڑا و بُرا ظلم کفر شرک ہے اس لئے کہ کفر شرک دوہرا و ڈبل ظلم ہے۔ کہ مشرک کی اپنی جان پر بھی ظلم اور دیگر بے گناہ مخلوق انسانی و حیوانی پر بھی ظلم ہے بلکہ زمین و آسمان پر بھی اس طرح کہ کافر کے کفر کی وجہ سے کفار پر دنیا میں ناگہانی آسمانی عذاب کی ہلاکت اور آخرت میں ابدی جہنم کی سزا یہ کافر کی اپنی جان پر ظلم ہوا۔ مسلمانوں و مومنوں پر کفار کے ہاتھوں اذیت و ہجرت کا ظلم۔ کیونکہ کفر سے تکبر پیدا ہوتا ہے اور تکبر سے اہل ایمان ایذا رسانی' حیوانات و شجرات پر ظلم اس طرح کہ جب کفار پر عذاب آسمانی آتا ہے تو بیگناہ جانور و حشرات بھی ہلاک ہو جاتے ہیں اور کھیت' باغات' شجرات تباہ ہو جاتے ہیں زمین بنجر ہو کر برباد دھنس کر پھٹ کر بیکار ہو جاتی ہے اور آسمان تھرا جاتے ہیں۔ یہ آسمان و زمین پر ظلم ہوا یہ عبرت ناک فائدہ یہاں نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لئے سورۃ لقمان آیت ۱۳ میں فرمایا گیا اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ یعنی بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ دیکھو طوفانِ نوحی صرف کفار کے لئے تھا مگر لاکھوں بیگناہ جانور ہلاک ہو گئے اور تمام زمین کے شجرات باغات کھیت کھلیان تباہ ہو گئے۔ ایسے ہی غرق فرعونی سے فرعونیوں کے ہزاروں گھوڑے بھی ہلاک ہو گئے تھے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہ حنفی کے مطابق کسی بھی نماز میں کوئی مقتدی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھے امام مالک اور امام احمد بن حنبل کا بھی یہی مسلک ہے کہ مقتدی کو سورۃ فاتحہ پڑھنا ناجائز ہے لیکن اوّلاً امام شافعی کا کہنا تھا کہ جائز ہے مگر بعد میں رجوع فرما لینا مشہور ہے اگر یہ رجوع صحیح ہے تو یہ مسئلہ متفق علیہ ہوا۔ یہ مسئلہ دیگر دلائل کے علاوہ یہاں فَقُلِ الْحَمْدُ اور وَقُلْ رَّبِّ (الخ) سے بھی مستنبط ہوا۔ اس طرح کہ کشتی میں بیٹھنے والے تمام مومنین پر یہ حمد و شکر والی دعا تحدیث نعمت و طلب عافیۃ کے لئے واجب تھی مگر چونکہ اس وقت ان سب کے امام نوح علیہ السلام تھے اس لئے صرف ان کو ہی اس حمد یہ دعا مانگنے کا حکم ہوا کیونکہ دعا میں نمائندگی بھی آداب دعا میں سے ہے امام قوم کا نمائندہ ہوتا ہے لہٰذا امام کی دعا سب کی دعا ہے۔ سورۃ فاتحہ بھی حمدیہ دعا ہے۔ اس وجہ سے یہ بھی صرف امام ہی پڑھے گا۔ اور حدیث پاک میں ہے فَقِرَاءَۃُ الْاِمَامِ لَهٗ قِرَاءَۃٌ یعنی فرمان نبی کریم ﷺ کے امام کا پڑھنا مقتدی کا ہی پڑھنا ہے۔ دوسری حدیث مقدس میں ہے۔ اِذَا قَالَ الْاِمَامُ وَلَا الضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْ اٰمِیْنَ یعنی اے مقتدیو جب تمہارا امام کہے تو تم سب کہہ دو آمین اگر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا جائز ہوتا تو الفاظ حدیث اس طرح ہوتے اِذْقُلْتُمْ وَالضَّالِّیْنَ فَقُوْلُوْا اٰمِیْنَ مگر حکم حدیث پاک اس طرح نہیں بتایا جا رہا ہے کہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ صرف امام کہے گا۔ بعد میں سب مقتدی اٰمِیْنَ کہیں گے۔ اور وَلَا الضَّآلِّیْنَ وہی کہتا ہے جو پوری سورۃ فاتحہ پڑھتا ہے۔ یہ مسئلہ دونوں جگہ قُلْ امر کا واحد مذکر حاضر کا صیغہ ارشاد فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس

marfat.com

مسئلے کے پورے دلائل جاء الحق حصہ دوم میں دیکھئے۔ **دوسرا مسئلہ**: قانونِ شریعت میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنے کے چار طریقے ہیں اولاً دعاء حمد یہ دوم دعاء حالیہ زبان حال سے طلب والتجا کرنا سوم دعاء مقالیہ چہارم دعاء مخفی مناجات سری۔ دعاء حمد یہ ہے کہ بندہ صرف رب تعالیٰ کی حمد وشکر کے کلمات ادا کرے الفاظ طلب نہ بولے دل میں طلب ہو لب پر حمد ہو دعا حال یہ ہے کہ منگتے کی حالت شکل ولباس سے ہی طلب حاجت کا پتہ لگ جائے منہ سے مانگنے لب ہلانے کی ضرورت ہی نہ رہے اس طرح کہ حالت زار ہو۔ لباس تار تار ہو۔ آنسوؤں کی دھار ہو اور آستانہ سرکار ہو متوجہ گردگار ہو امید رحمت پروردگار ہو تب دریاء کرم بن مانگے جوش میں آ جاتا ہے۔ دعاء خفی یہ ہے کہ بندہ سانس واسرار نیت وافکار سے طلب حاجات کرے اور حمد وشکر کے الفاظ ایسے انداز سے ادا کرے کہ ہر لفظ میں طلب کی جھلک نظر آئے۔ جس طرح سورۃ انبیاء ۸۳ میں دعاء ایوب علیہ السلام منقول ہے کہ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ یعنی تکلیف بتا کر حمد وشکر کے کلمات ادا کئے طلب کا ایک لفظ بھی نہ بولا یہ بھی طلب والتجا کا ایک پیارا نرالا انداز ہے۔ اسی طرح کی دعا کا حدیث پاک میں حکم فرمایا گیا اور فرمایا کہ بارگاہ کبریائی میں اگر رونا نہ آئے تو رونے والا منہ ہی بنا لے۔ دعاء مقالیہ یہ کہ بندہ الفاظ طلب کرے شریعت میں صرف ان ہی چار طریقوں سے مانگنا جائز ہے اس کے علاوہ کسی بھی خود ساختہ طریقے سے دعا مانگنا گناہ ہے مثلاً ایک دعائیہ رباعیہ نظم مشہور ہے جس میں ہر چوتھا مصرعہ ہے۔ میری بار کیوں دیر اتنی کر دی جیسے یہ کہنا کہ

رحمتیں ہیں تیرے اغیار کے کاشانوں پر برق گرتی ہے تو بیچارے مسلمانوں پر

اس انداز سے دعائیں مانگنا گستاخی وگناہ ہے اس لئے کہ یہ دعا نہیں بلکہ حکمت الٰہیہ پر اعتراض وطعنہ ہے۔ یہ مسئلہ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ۔ اور فَقُلِ الْحَمْدُ اور وَقُلْ رَّبِّ کے ارشادات علیحدہ علیحدہ فرمانے وآداب دعا تعلیم فرمانے سے مستنبط ہوا۔ ان تین جملوں میں دعا کے یہ چاروں طریقے اجمالاً سمجھائے گئے چنانچہ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ میں دعاء حالیہ کا اشارہ ہے کہ ان کی حالت سفر طوفانی کی تکلیف وپریشانی واضطرار کی بنا پر اپنے رب تعالیٰ سے طالب عافیت تھی۔ فَقُلِ الْحَمْدُ میں دعاء حمد یہ ہے نَجّٰنَا میں دعاء مخفی ہے اور وَقُلْ رَّبِّ میں دعاء مقالیہ کا طریقہ اپنایا گیا۔ **تیسرا مسئلہ**: ہر مسلمان کو چار چیزوں سے ہر وقت بچنا چاہئے پہلی چیز اللہ تعالیٰ کے شکوے شکایت سے دوسری چیز یہ کہ کوئی مسلمان کبھی بھی موسم زمانے حالت کیفیت یا کسی بیماری کو گالی نہ دے نہ برا کہے۔ کیونکہ یہ سب تغیرات حکمۃ ربانی کے بھید اور اسرار ہیں سوم یہ کہ کسی کی بھلائی اور ترقی و عروج پر حسد نہ کرنا چاہئے۔ چہارم یہ کہ اپنی نیکی بھلائی فراخی وفراوانی پر تکبر وغرور کسی مسلمان کو کبھی نہ کرنا چاہئے۔ یہ مسئلہ وَّ اِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ اس دنیا میں جس انسان کا جو بھی اچھا یا برا صحت وبیماری کا جو بھی حال ہو یا جس وقت جو بھی موسم آ جائے وہ سب ابتلاء ربانی وآزمائش الٰہی ہے اور اس کے ذریعے انتخابات باری تعالیٰ کا ظہور ہوتا ہے ہر مومن متقی مسلمان کی عادت ایمانی یہ ہونی چاہئے اپنی برائی وگناہ پر استغفار پڑھے اور کسی کے گناہ و برائی پر استعاذہ پڑھے۔ موسمی قہر وعتاب پر توبہ کرے نیکی و بھلائی کر لینے پر حمد وشکر کرنا چاہئے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: یہاں فَاِذَا اسْتَوَیْتَ کیوں فرمایا گیا اِسْتَوٰی کا تو معنی ہے پیدا کرنا

marfat.com

یا درست کرنا چنانچہ سورۃ بقرہ کی آیت ۲۹ میں ارشاد ہے ثُمَّ اسْتَوٰٓی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ترجمہ پھر پیدا فرمانے لگا اللہ تعالیٰ آسمانوں کو پیدا فرما دیا یا ان کو سات آسمان یہاں تو فرمانا چاہئے تھا۔ فَاِذَا دَخَلْتَ اَنْتَ۔ یا فرمایا جاتا فَاِذَا جَلَسْتَ اَنْتَ یا ہوتا اِسْتَقْرَرْتَ اَنْتَ۔ تینوں کا ترجمہ۔ ا۔ پس تم جب داخل ہو جاؤ۔ ۲۔ پس جب تم بیٹھ جاؤ۔ ۳۔ پس تم جب کشتی میں سکون وقرار پالو۔ تاکہ بات صاف ہوتی جلدی سمجھ آتی۔ اِسْتَوَیْتَ کہنے سے ایک وضاحت طلب الجھن پیدا ہوتی ہے۔ **جواب:** اِسْتَوٰی کا اصل معنیٰ وہ نہیں جو معترض نے بیان کیا ہے بلکہ اصل معنیٰ ہے قبضہ کرنا۔ غلبہ پانا خواہ بطور خالقیت ہو یا ملکیت یا بطریقہ صنائی وایجادی ودرستگی یا بطریقہ قعود بیٹھ کر اس جگہ پر قبضہ کرنا ہو۔ اِسْتِوَاءِ غلبیت کی یہ چھ قسمیں ہیں یہاں چونکہ صرف بیٹھنا داخل ہونا یا استقرار وسکون بتانا ہی مقصود نہیں بلکہ نہایت اطمینان سکون تہذیب سے اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر قبضہ استراحت کرنے کا بتانا مقصود ہے اس لئے اِسْتَوَیْتَ فرمانا ہی عین درست ہے یہ وضاحت نہ دَخَلْتَ فرمانے سے ہوتی نہ جَلَسْتَ سے نہ اِسْتَقْرَرْتَ سے۔ اور پتہ نہ لگتا کہ کون کس کی جگہ پر بیٹھ گیا۔ اور سورۃ بقرہ میں بھی اِسْتَوٰی کا معنیٰ ہے۔ خلقت وایجاد کا قبضہ غلبہ کیوں کہ ہر صانع اپنی مصنوع پر قابض وغالب ہوتا ہے کہ جس طرح چاہے بنائے بگاڑے سنوارے اس آیت میں قبضہ تخلیق اور توجہ الی السموات بتانا مقصود ہے۔ اسی لئے وہاں اِلَی السَّمَآءِ فرمایا جس سے متوجہ ہونے کا اظہار ہے۔ اور یہاں عَلَی الْفُلْکِ فرمایا جس سے فوقیت کا اظہار ہوا۔ یہی فوقیت کا غلبہ فَاسْتَوٰی عَلَی الْعَرْشِ میں بتایا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ فرمانے کے بعد پھر بھی فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ اور وَقُلْ رَّبِّ صیغہ امر واحد مذکر ہی ارشاد ہوا چاہئے تھا کہ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ کی تمام شخصیات کو شامل کرتے ہوئے فَقُوْلُوْا اور وَقُوْلُوْا دونوں جگہ امر جمع مذکر ارشاد فرمایا جاتا۔ **جواب:** عبادت دعا چار قسم کی ہوتی ہے۔ ا۔ بیان حالات کی دعا۔ ۲۔ حمد خالص کی۔ ۳۔ شکر واجب کی۔ ۴۔ دعاء خالص کی یعنی سب علیحدہ علیحدہ۔ لیکن ایک طریقہ عبادت مطلقہ ہے۔ جس میں حمد‘ شکر‘ بیان طلب‘ عرض حاجت‘ فریاد والتجا‘ سب بیک ساتھ مخلوط اور شریعت میں دعاء طلب جب اجتماعی ہو تو آداب بیان حالات یہ ہیں کہ بیک وقت سب محتاج نہ بولیں اسی طرح حمد کے آداب اور دائمی مضبوط ضابطہ یہ ہے کہ حمد سب مل کر کریں۔ شکر کے آداب یہ ہیں کہ ہر بندہ الگ الگ اپنی نعمت کا اپنے لفظوں میں شکر کرے۔ لیکن جب حمد و دعا مخلوط ہو تو ادب یہ ہے کہ سب نہ بولیں بلکہ سب کی طرف سے ایک مخصوص ومقرر بندہ پوری قوم کا نمائندہ وامام بن کر سب کی عرض ودعا بارگاہ میں پیش کرے اس طریقہ وادب میں بارگاہ کا احترام بھی ہے اور مقصد دعا بھی پورا ہوتا ہے۔ اگر مانگنے والے سب ہی یکدم بولنا شروع کر دیں تو گستاخی بارگاہ کے علاوہ اتنا شور پڑے کہ کسی کو کچھ سمجھ ہی نہ آئے مقصد طلب حاجات ہی فوت وختم ہو جائے اور بجائے قبولیت دعا کے مردودیت ہو جائے سب کو بھگا دیا جائے یہی دین دنیا کی عدالت وشریعت میں طلب کے لئے آداب مقرر ہیں۔ اسی لئے عدالت دنیوی میں وکیل کو نمائندہ حاجات وانصار بنایا جاتا ہے اور عبادت دینی میں امام کو نمائندہ بارگاہ بنایا جاتا ہے وکیل اپنے موکلوں کی اور امام اپنے مقتدیوں کی درخواست پیش کرتے ہیں نہ موکل کو بولنے کی اجازت نہ مقتدی کو تو چونکہ فَقُلِ الْحَمْدُ میں حمد ودعا وشکر مخلوط ہے اور وَقُلْ رَّبِّ میں خالص دعا اس لئے صرف نوح علیہ السلام کو حکم ہوا کہ سب کس کی طرف سے یہ حمد وشکر ودعا عرض کرو۔ یہی حمد ودعا یکدم سورۃ فاتحہ میں ہے اس لئے مقتدی کو

marfat.com

پڑھنا منع ہے۔

تفسیر صوفیانہ

ا۔ مرشد معرفت جب تجھ کو سیر الی اللہ میں استقامت کلیہ کا استویٰ حاصل ہو جائے تو زبان حال کیفیت صفات سے نعمت الٰہیہ کی یاد مناتے ہوئے حمد قلبی ادا کر۔ لشکر شیطانیہ کی ظلمتوں سے نجات ملنے کے شکر میں اور عرض کر یارب تعالیٰ منزل قلب کے اس مقام پر میرا نزول فرما جس میں اے میرے رب کریم تو نے عالمین کی برکتیں جمع فرما دی ہیں اور جہاں معانی کل و جز کا علم و نور وُاسرار کا ادراک امانت رکھا ہے۔ جس وادی کرامات کو بحر شیطانی کے طوفان، آب نفسانی کے طغیان، اثرار ظلمانی کے سیلاب سے امن و حفاظت ہے اے راہ طلب کے سالکین منزل اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ بیشک ان تمام حالات قبض و بسط ترقی و تنزل نجات و ہدایت میں۔ لَاٰیٰتٍ مشاہدات و تجلیات جلالیہ جمالیہ کے دلائل ہیں اہل معرفت کے لئے وَّاِنْ کُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ بیشک ہم رب عرش و فرش کے ہر عاقل معرفت غافل ظلمت عالم شریعت جاہل حقیقت سالک طریقت نافر عبادت منکر کرامت مسلم شہادت کا امتحان لینے والے ہیں۔ صفات نفوس کی بلیات اور عبادت و ریاضت کی مشقات کو وارد و جاری فرما کر فضلاء ناسوتی عقلاء دنیوی کی بھی آزمائش کرنے والے ہیں ان کی قوت عقلیہ کے حالات سے مکاشفہ حکایات و واقعات کے افتراق کے وقت۔ پھر ہم ہی پیدا فرما دیتے ہیں اس جدائی قلبی و بُعد نفسی کے بعد ایک دوسرے نمود و ہست میں افکار عملیہ کو۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ منزل مبارک وہ دل ہے جو خواہشات نفسانی اور وساوس شیطانی سے محفوظ و مطمئن اور امن میں ہو۔ جس پر جمال قدس کی بارگاہ سے آثار قرب نازل ہوں جہاں انوار جمال کی شعاعیں زیادہ ہوتی ہیں اس منزل کی برکتیں تمام منزلوں سے فزوں تر ہوتی ہیں۔ جس منزل میں وصال مطلوب کسی دن بھی میسر آ جائے تو اس منزل کی خاک کے ذرے ہم مرحبا کہہ کر چومیں گے۔ اے انوار قرب کے طالب اس راہ کی بلاء آزمائش مثل نمک ہے اور انبیاء علیہم السلام و اولیاء عظام اولوالعزم انہی کو رب تعالیٰ مبتلا فرماتا ہے اور وہ ہی صبر کر سکتے ہیں اے بندہ مرید کیا تو نے حضرت نوح کو نہ جانا جنہوں نے دین حق کی خاطر دراز مدت کفار سرکش کی گستاخانہ اذیتیں برداشت کیں اور صبر کامل کیا یہاں تک کہ خود رب تعالیٰ نے بددعا کرنے کا حکم دیا اے طالب معرفت اگر تو بھی مثل نوح علیہ السلام غم طوفانی پر صبر کرے تو تجھ سے بھی بلائیں پھر جائیں گی اور ہزار سالہ مقاصد پورے ہو جائیں گے۔ ولی کامل یحییٰ بن معاذ نے فرمایا کہ عبادت قفل ہے اس کی چابی دعا ہے اس چابی کے دندانے لقمہ حلال و لباس اعمال ہے۔ صوفیا کی دعا یہ ہے کہ یا اللہ اگر تو وہ کر دے جو میں چاہتا ہوں تو مجھ کو توفیق شکر عطا فرما۔ اور اگر تو وہ نہ کرے جو میں چاہتا ہوں بلکہ وہ کرے جو تو خود چاہتا ہے تو مجھ کو سعادت صبر عطا فرما۔ نئے بندے اس منزل کی طلب کر جو دین و دنیا کی برکتوں والی ہو اسی برکت کو پہچاننے کے لئے انبیاء علیہم السلام وطن سے ہجرت فرماتے ہیں اور اسی کو پانے کے لئے اولیاء کاملین علماء واصلین آستانہ نبوی کی طرف ہجرت کرتے ہیں۔ کافرین ظالمین فاسقین میں کلفت ہے اس لئے ان سے دوری میں رحمت اور نفرت میں برکت ہے۔ رب تعالیٰ نے فرمایا جس نے مجھ سے عداوت رکھی اور میری نصیحت کو رد کیا وہ ھالکین کے ساتھ ہی ہلاک ہوا۔ لہٰذا جان لو کہ ابتلاء کی عاقبت نجات ہے۔ اور امہال یعنی مہلت ملنے کی عاقبت اہلاک یعنی ہلاکت ہے۔ قہر کی عاقبت لطف ہے جلال کی عاقبت جمال ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَکًا۔ اہل معرفت فرماتے ہیں منازل

marfat.com

مبارک وہ منزلیں ہیں کہ جن میں طالب معرفت مسافر طریقت سفر سلوک میں خواہشات نفسانی وساوس شیطانی سے مطمئن و محفوظ رہے اور آثار قرب ومحلات قدس اس بندے پر نازل ہوں یہ محلات مقامات انوار جمال سے پہلے ہی بھرپور ہوتے ہیں۔ ان منزلوں کی برکتیں تمام منزلوں سے بیشمار زیادہ ہیں۔ کیونکہ جس منزل میں ایک دن بھی محبوب کا مقام ہو جائے اس کی خاک کے ذروں سے بھی خالق تعالیٰ کو محبت ہوتی ہے۔ فَاِذَا اسْتَوَیْتَ اَنْتَ وَمَنْ مَّعَكَ عَلَى الْفُلْكِ اے معرفت کے کامل اپنی اس حالت بے کسی و بے بسی کو یاد رکھ جب تو اور تیرے ساتھ مریدان ناقص کشتی حیات پر سوار ہو کر طغیانی دنیوی میں گھرے ہوئے تھے ظلمات ناسوتی سے نجات پا کر فَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ نَجّٰنَا مِنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ اس لئے تا حیات ہر وقت اس نجات کے شکر میں یہ ثناء کبریائی اور ورد کرتا رہ کہ قبض وبسط تنزل واستویٰ۔ ترقی واستعلاء کی تمام حمدیں اس مربی ازلی قدیمی کے لئے ہیں جس نے کشتی کے ذریعے ہم کو بچالیا ظلمات اشرار سے وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِیْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا وَّاَنْتَ خَیْرُ الْمُنْزِلِیْنَ اور دخول قبر تک یہ بھی عرض کر کہ اے میرے مربی ذات ومعلم صفات۔ مجھ کو شکر کی منزل اور صبر وتحمل کا مقام مبارک عطا فرما بے شک تو ہی ابدی خیر کی منزلوں کا مالک ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ وَّاِنْ كُنَّا لَمُبْتَلِیْنَ اے راہ معرفت کے مسافر و یاد رکھو کہ بے شک راہ سلوک کے بیابانوں میں ہر جگہ اسرار انوار کی عظیم نشانیاں ہیں اور بے شک ہم وادی حیرت کے ہر مسافر طلب کو قرب وبعد جمال وجلال کے ذریعے ہر طرح آزمانے والے ہیں کبھی دے کر کبھی لے کر اور شاکر وصابر کافر و فاسق کو منتخب وعلیحدہ کرنے والے ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ان ہی آزمائشوں میں سے یہ بھی ہے کہ قالب انسانی کی خواہشات نفسانی کو بددعاء روحانی سے ہلاک کر کے باطن جسمانی میں خواہشات قرن آخرین کو پروان چڑھا دیتے ہیں۔

فَاَرْسَلْنَا فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا

تو بھیجا ہم نے ان بستی والوں میں بھی ایک ایک رسول ان کی ہی قومیت کا اس تبلیغ کے ساتھ کہ عبادت کرو تم سب صرف

تو ایک رسول انہی میں سے بھیجا کہ اللہ کی بندگی کرو

اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَ قَالَ الْمَلَاُ

اللہ تعالیٰ کی نہیں ہے تمہارے لئے کوئی معبود اسکے سوا تو کیا تم پرہیزگار نہیں بنو گے اور جواب میں بولے وہ دولتمند

اس کے سوا تمہارا کوئی خدا نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں اور بولے اس کی قوم

مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَ

اس رسول کی قوم میں سے جو کافر تھے اور جنہوں نے جھٹلایا ہوا تھا آخرت کی ملاقات کو حالانکہ

کے سردار جنہوں نے کفر کیا اور آخرت کی حاضری کو جھٹلایا اور ہم نے انہیں دنیا کی زندگی میں

اَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ یَاْكُلُ

marfat.com

بہت عیش دیئے تھے ہم نے ان کو دنیوی زندگی میں کہ نہیں ہے یہ رسول مگر تمہارے ہی جیسا ایک بشر کھاتا ہے
چین دیا کہ یہ تو نہیں مگر تم جیسا آدمی جو تم کھاتے ہو اسی
مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ ﴿٣٣﴾
ان ہی کھانوں کو کہ کھاتے ہو تم لوگ جن کو اور پیتا ہے اس ہی پانی کو جو تم لوگ پیتے ہو۔
میں سے کھاتا ہے اور جو تم پیتے ہو اس میں سے پیتا ہے۔

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کافروں کو غرق کرنے کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کرنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان دوسری قوموں کے کفریہ حالات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں نوح علیہ السلام اور ان کی کافر قوم کی کفریہ باتوں کا ذکر اور غرور و تکبر کا بیان ہوا۔ اب ان آیات میں بعد والی دیگر قوموں اور ان کے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغوں ایمانی دعوتوں اور کافر قوموں کے غرور اور متکبرانہ رویے انکاری کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کے کفر و غرور کا ایک انداز بیان فرمایا گیا کہ کفار انبیاء علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ کفار انبیاء کو بھی اپنے جیسا دنیوی چیزوں، حکومتوں، سلطنتوں، بادشاہتوں، شاہی کرسیوں کا لالچی حریص اور خواہش مند سمجھتے ہیں اسلئے دعوت نبوت ماننے سے انکار کر دیتے ہیں کہ کہیں یہ نبی ہمارا چوہدری سردار یا بادشاہ نہ بن بیٹھے حالانکہ یہ کفار کی جہالت و حماقت ہوتی ہے۔ اب ان آیات میں کفار کا انبیاء علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہنے کی دوسری وجہ بیان کی گئی کہ کفار انسانی لوازمات یعنی کھانے پینے کی بناء پر نبی کی نبوت کا انکار کر دیتے ہیں۔ یہ پہلی جہالت و حماقت سے بھی بڑی جہالت و حماقت ہے۔

تفسیر نحوی

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فَ حرف تعقیب اَرْسَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرْسَالٌ بمعنی بھیجنا رُسُلٌ سے بنا ہے اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرجع مراد اللہ تعالیٰ فِیْ حرف جر ظرفیت مکانی کے لئے هِمْ ضمیر کا مرجع قَرْنًا اٰخَرِیْنَ ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے رَسُوْلًا اسم مفرد نکرہ عمومی بمعنی ہر قوم میں ایک رسول یہ مفعول بہ ہے۔ مِنْهُمْ میں مِنْ جارہ تبعیضیہ یعنی ان ہی میں سے هُمْ ضمیر کا مرجع قَرْنًا اٰخَرِیْنَ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ بعض نے کہا۔ رَسُوْلًا موصوف مِنْهُمْ متعلق ہے کَانَ تامہ بمعنی ماضی بعید پوشیدہ کا وہ فعل فاعل ضمیر پوشیدہ اپنے اس متعلق ظاہر سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے رَسُوْلًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہوا اَرْسَلْنَا کا۔ دونوں ترکیبیں درست ہیں۔ اَنْ حرف مصدر یہ یہ ماقبل فعل کو مصدری معنیٰ میں کر دیتا۔ اس وجہ سے اَنِ اعْبُدُوْا کا ترجمہ ہوا عبادت کرانے کے لئے رسول بھیجا۔ اُعْبُدُوْا باب نصر کا امر حاضر معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ عَبْدٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی معبود کی فرمانبرداری کرنا۔ یعنی عبادت اَللّٰهُ موصوف ہے بمعنی ایسا اللہ یا مبدل منہ ہے بمعنی

marfat.com

وہ کون مَا حرف نفی مشبہ بلیس لَکُمْ جار مجرور متعلق اول ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا مِنْ حرف جارہ تبعیضیہ بمعنیٰ کوئی بھی اِلٰہٍ اسم مفرد نکرہ عمومی یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدًا کا موجدا اپنے نائب فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مقدم مَا مشبہ بلیس کی۔ غَیْرُہٗ مرکب اضافی اسم موخر ہے مَا نافیہ کا۔ مانافیہ اپنی خبر مقدم واسم موخر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے اَللّٰہَ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہوا۔ اُعْبُدُوْا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مفعول لہ ہے اَرْسَلْنَا یا مفعول معہ ہے۔ ترجمہ ہے اس حکم یا پیغام کے لئے یا حکم کے ساتھ بھیجا ہم نے۔ اَرْسَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا اَفَ دراصل ہے۔ فَ اَ بمعنی تو کیا لَا تَتَّقُوْنَ۔ باب افتعال کا فعل مضارع منفی معروف۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل با فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ واؤ ابتدائیہ (سر جملہ) قَالَ فعل ماضی مطلق واحد مذکر اَلْمَلَاُ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ بھرنا۔ اسی معنیٰ میں امراء کو مَلَوءُ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ وقت سے بھرے ہوتے ہیں۔ رائے اور مشورے بھرپور قوی سرداروں کو اور ہیبت وجلال سے بھرے ہوئے بڑے لوگوں کو بھی مَلَوءُ کہا جاتا ہے۔ اور ان معظم و مکرم صاحب عزت لوگوں کو مَلَوءُ کہا جاتا ہے۔ جن کی عزت دلوں اور آنکھوں کو جلال و جمال اور محبت سے بھر دے جیسے فنکار استاذ اور مشفق سخی دولت مندان کو بھی مَلَوءُ کہا جاتا ہے۔ کاغذ کو لفظوں سے بھر دینا بھی املاء ہے۔ اردو میں بھی مستعمل ہے املا کرنا کرانا' کتابت اور املا کا فرق یہ ہے کہ کتاب عام ہے ہر لکھنے کو پڑھ پڑھ کر لکھنا لکھوانا املا ہے اسی لئے تلاوت کو بھی املا کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہ سورہ فرقان کی آیت ۵ میں ہے فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا یہ اَلْمَلَاُ فاعل ہے قال کا من جارہ تبعیضیہ بمعنیٰ میں سے۔ قَوْمِهٖ مرکب اضافی موصوف ہے یہاں ہٖ ضمیر کا مرجع رَسُوْلًا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول كَفَرُوْا باب نصر کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ حرف عطف كَذَّبُوْا باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب كَفَرُوْا و كَذَّبُوْا دونوں کا فاعل هُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع اَلْمَلَاُ ہے۔ ب جارہ تعدیت (مفعولیت) کی ہے۔ بمعنیٰ کو لقاء اسم مصدر بروزن فِعَالٌ كِتَابٌ قِتَالٌ لَقْوٌ یا لَقْءٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے ملنا۔ ملاقات کرنا مضاف ہے اَلْاٰخِرَةِ اسم فاعل واحد مونث باب مفاعلۃ کا۔ اٰخِرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیچھے آنے والی مراد ہے قیامت یہ مضاف الیہ ہے۔ لِقَآءِ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ كَذَّبُوْا کا یہ سب فعل فاعل پوشیدہ اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہوا كَفَرُوْا پر دونوں عطف مل کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِيْنَ کا دونوں مل کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اَتْرَفْنَا باب افعال ماضی مطلق جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِتْرَافٌ بمعنی عیش دینا مال اولاد وصحت یہ متعدی ہے تَرَفٌ سے بنا ہے بمعنیٰ عیش مند ہونا یہ لازم ہے اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم جس کا مرجع اللہ تعالیٰ هُمْ ضمیر کا مرجع اَلْمَلَاُ مفعول بہ ہے فِيْ حرف جر ظرفیت زمانی کے لئے الف لام استغراقی حَيٰوةِ اسم مفرد مونث حَيْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ جاندار ہونا۔ اسی سے ہے حیوان بمعنیٰ جان والا۔ حَيٰوةٌ بمعنی زندگی موصوف ہے الف لام عہد خارجی دُنْيَا باب نصر کا اسم تفضیل واحد مونث اس کا واحد مذکر ہے اَدْنٰى دَنْوٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گھٹیا ہونا یہ صفت ہے اَلْحَيٰوةُ کی یہ مرکب توصیفی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے اَتْرَفْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اَلَّذِيْنَ پر دونوں عطف مل کر صفت ہے قَوْمِهٖ کی وہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے قَالَ کا یہ سب مل کر

marfat.com

جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ مَا نافیہ مشبہ بلیس هٰذَآ اسم اشارہ قریب کے لئے بمعنی یہ اس کا مشارالیہ رَسُوْلًا هٰذَآ مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثناء متصل بَشَرٌ موصوف مِّثْلُكُمْ مرکب اضافی صفت بَشَرٌ کی دونوں مل کر مستثنیٰ ھذا مستثنیٰ منہ اپنے مستثنیٰ سے مل کر اسم ہے مَا نافیہ کا یَاْكُلُ باب نصر کا مضارع حال مثبت معروف اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ واحد مذکر غائب جس کا مرجع ہے رَسُوْلًا مِنْ حرف جر بعضیت کے لئے مَا اسم موصول مراد ہیں کھانے کی چیزیں تَاْكُلُوْنَ۔ باب نصر کا مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر اَكْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چبا کر غذا کھانی اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ کا مرجع۔ قوم کے لوگ یعنی عام انسان مِنْهُ جار مجرور متعلق ہے تَاْكُلُوْنَ کا مِنْ جارہ بعضیت کا اور ہ ضمیر کا مرجع مَا موصولہ تَاْكُلُوْنَ فعل با فاعل متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور یہ جار مجرور متعلق ہے یَاْكُلُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَشْرَبُ باب سمع کا مضارع حال واحد مذکر غائب شُرْبٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے پینا متعدی ہے اس کا فاعل هُوَ پوشیدہ جس کا مرجع ہے رَسُوْلًا مِنْ جارہ بعضیت کا مَا موصولہ تَشْرَبُوْنَ باب سمع کا مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ۔ مرجع قوم کے عوام یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے یَشْرَبُ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا یَاْكُلُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے مَا نافیہ کی۔ مَا نافیہ مشبہ بلیس اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ الْمَلَؤُ کا۔ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ حضرت نوح علیہ السلام کے کئی زمانوں بعد ہم نے جس قوم کو بھی زمین پر بسایا اور ہر طرح کی شان وآن دولت عزت قوت دے کر پروان چڑھایا اور نشو ونما سے افرادی' اولادی کمال و جمال بنایا۔ مگر ابلیس وشیاطین نے ان کو گمراہ کر کے مشرک کافر ظالم ومغرور بنایا۔ تب ہم نے ان میں بھی ان ہی کی قوم قبیلے برادری کی جانا پہچانا ہوا ایک عظیم طیب و طاہر نیک متقی امین کریم حلیم ورحیم مرد کو ان میں سے ہی ان کے لئے نبی رسول صاحب شریعت پیغمبر مبعوث فرما دیا۔ اور حسب دستور اپنا ازلی قدیمی پیغام ایمان ودین متین دے کر اس نبی مکرم نے بھی اپنی قوم سے یہی فرمایا کہ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ اے لوگو صرف اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو جو تمہارا خالق مالک جل شانہ ہے اس لئے کہ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ کائنات ارضی وسماوی میں اللہ تعالیٰ کے سوا تمہارا کوئی بھی معبود نہیں ہو سکتا نہ حقیقتاً نہ مجازاً نہ عقلاً نہ نقلاً نہ بصیرۃً نہ بصارۃً نہ علماً نہ شعوراً کیونکہ الہ اور معبود صرف وہی ہو سکتا ہے جو اپنے عبد کا خالق بھی ہو رازق اور خالق صرف وہ ہو سکتا ہے جو زندگی بھی دے سکے موت بھی اور رازق وہ جو آسمان وزمین سے رزق عطا فرمائے اور رزق وہی دے سکتا ہے جو سورج چاند چلا سکے چاند بھرا سکے بارشیں برسا سکے ہوائیں دوڑا سکے کواکب گھما سکے کھیت' باغات' شجرات اگا سکے حیوان وانسان پھیلا سکے۔ جب ان نعمتوں قدرتوں قوتوں حکمتوں کا مالک رازق صرف اللہ تعالیٰ ہے تو معبود ومسجود مستحق عبادت بھی وہی ہے یہ عام فہم بات ہے معمولی عقل والا بھی سمجھ لیتا ہے کتنی بڑی خباثت ہے مشرکین کی کہ موت وحیات کی نعمتیں اللہ تعالیٰ سے پاتے ہیں اور مانتے بھی ہیں مگر عبادت کرتے

marfat.com

ہیں بتوں کی جو نہ کچھ دے سکیں نہ لے سکیں نہ بنا سکیں نہ بگاڑ سکیں نہ خود کو بچا سکیں اے میری قوم کے بیوقوف منکرو بدقسمتو کیا تم ایسے مجبور و بے بس کو سجدے کرتے ان سے دعائیں کرتے روتے گڑگڑاتے ہو۔ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی کھاتے برتتے ہو سوتے آرام کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے دن رات میں اسی کے سورج کی دھوپ بادلوں کے روپ پاتے ہو زمین کی غذائیں فضا کی ہوائیں لیتے ہو پھر بھی اَفَلَا تَتَّقُوْنَ تو کیا تم رب کے جلال کی قیامت کے عذاب کی حساب و کتاب کی ہیبت نہیں رکھتے کہ نہ توحید کی امانت کا خیال رہا نہ شریعت کی ہدایت کا نہ رسولوں کی رسالت کا نہ دین حق کی صداقت کا نہ سابقہ قوم کفار کی ہلاکت کا ان کی پھیلی ہڈیاں بکھری چمڑیاں ٹوٹی بستیاں دیکھ کر بھی عبرت نہیں پکڑتے۔ تم کیسے بدنصیب ہو کہ نہ تقویٰ نہ طہارت نہ خوف نہ خشیت نہ عبرت نہ جنت کی چاہت نہ جہنم سے نفرت۔ حضرت عبداللہ بن عباس کا فرمان ہے کہ یہ نبی حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم عاد تھی اس قول کی تین دلیلیں دی جاتی ہیں پہلی دلیل یہ کہ قوم نوح کے بعد پہلی بڑی قرن اور کافر و کفر ساز یہی قوم عاد ہوئی۔ اور یہاں مِنْۢ بَعْدِهِمْ فرما کر یہی نشاندہی فرمائی جارہی ہے دلیل دوم فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا سے حضرت ہود ہی مراد ہیں اور انہوں نے ہی اپنی نافرمان ضدی کافر قوم کو سمجھاتے ہوئے فرمایا تھا۔ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً (اعراف: ۶۹) ترجمہ۔ اور اے قوم والو کفر و کفران نہ کرو۔ یاد کرو اپنے خالق مالک رب تعالیٰ کے احسان و انعام کو کہ قوم نوح کے بعد تم کو شان اکرام عطا فرمائی زمین کا خلیفہ قومی عروج کا بادشاہ اور پوری زمین میں تم کو عزت نفسانی و قوت جسمانی بخشی اور مخلوق میں اس وقت صرف تم کو وہ صحت لحامت شحامت ملی جو کسی اور کو نہ ملی۔ آیت پاک کے بیان کردہ یہ اوصاف بھی صرف قوم عاد میں تھے۔ دلیل سوم۔ یہاں فرمایا گیا قَرْنًا اٰخَرِيْنَ آگے ارشاد ہے وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا یعنی ہم نے اس قَرْنًا اٰخَرِيْنَ کو بہت امیر و خوشحال بنایا۔ سورۃ شعراء کی آیت ۱۳۳، ۱۳۴ میں قوم عاد کا نام لے کر یہی تمام اوصاف بیان فرمائے گئے چنانچہ سورۃ شعراء آیت ۱۲۳ میں ارشاد ہوا كَذَّبَتْ عَادُ ݢالْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ هُوْدٌ پھر وہیں آیت ۱۳۳ میں ارشاد ہے اَمَدَّكُمْ بِاَنْعَامٍ وَّبَنِيْنَ ۝ وَجَنّٰتٍ وَّعُيُوْنٍ ۝ ان آیات کو ملانے سے یہی ظاہر و ثابت ہوتا ہے کہ یہاں قَرْنًا اٰخَرِيْنَ سے حضرت ہود کی قوم عاد ہی مراد ہیں ان دلائل کی وجہ سے اکثر مفسرین نے بھی قول ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو ہی ترجیح دی ہے۔ ہود علیہ السلام کا شجرۂ نسب بھی بتا رہا ہے کہ مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ سے مراد قوم عاد ہی ہے کیونکہ نوح علیہ السلام سے قریب تر ہے۔ شجرۂ نسب اس طرح ہے۔ ہود علیہ السلام بن شالخ عبداللہ بن رباح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام بن ملک لامخ بن متوشلخ بن ادریس علیہ السلام بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام۔ حضرت نوح و ہود علیہما السلام کے درمیان کوئی نبی نہیں ثابت ہوا کہ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ یہی قوم عاد ہی ہے۔ یہ سب نسب نام مومنین کا ہے۔ خیال رہے کہ قوم عاد دو ہیں۔ پہلی قوم عاد خلوء بن عاد کی اولاد سے اس کو عاد اول کہا جاتا ہے ان کا علاقہ یمن تھا قرآن مجید میں اس کو عاد ہود کہا گیا ہے عاد دوم کا نام قوم ثمود مشہور ہوا یہ ثمود بن عاد کی اولاد تھی اسی کو قوم صالح کہا جاتا ہے اور عادِ جدید بھی۔ عاد بن عوص کے چار بیٹے تھے۔ ۱۔ عمالقہ۔ ۲۔ شداد۔ ۳۔ خلود۔ ۴۔ ثمود ان میں سے شداد کی اولاد نہ چلی یہ نامرد تھا اس کی چالیس بیویاں تھیں یہ ساری دنیا کا بادشاہ ہوا ہے اس نے بھی نمرود کی طرح خدائی کا دعویٰ کیا اور علاقہ یمن میں اپنی جنت بنائی تھی۔ بنی عمالقہ کی تعداد اولاد بہت زمانوں

marfat.com

تک پھیلی یہ قوم اب بھی بعض افریقی علاقوں میں پائی جاتی ہے۔ عاد اول کی تعداد پچیس ہزار تھی۔ عاد ثانی یعنی قوم ثمود کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ قوم عاد کا وطن ملک یمن کا میدانی علاقہ تھا۔ قوم ثمود کا وطن رہائشی یمن کا پہاڑی علاقہ تھا۔ دونوں قوموں کے عروج و وجود میں سو سال کا فاصلہ تھا۔ قوم عاد میں سے تین ہزار مومن ہو گئے تھے۔ قوم ثمود میں اولاً صرف چند مومن بنے تھے۔ لیکن ترجیح مفسر تابعی ابو سلیمان دمشقی اور امام التاریخ علامہ طبری کے قول و دلائل کو ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ رَسُولاً سے مراد حضرت صالح ہیں آپ کی قوم کا نام ثمود تھا۔ صالح علیہ السلام بھی اسی قوم قبیلے سے تھے۔ اس قول کی بھی تین دلیلیں ہیں پہلی دلیل یہ کہ یہاں فرمایا گیا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ اٰخَرِيْنَ کا معنی ہے اخیر میں یعنی بہت بعد میں جبکہ قوم عاد حضرت نوح کے بہت بعد نہ تھی بلکہ فوراً بعد تھی۔ دوسری دلیل۔ سورۃ شعراء آیت ۱۴۱ میں قوم ثمود اور حضرت صالح کا نام لے کر جو باتیں بیان فرمائی گئیں وہ یہاں کی باتوں کے مشابہ ہیں۔ ۱۔ یہاں اس قرن کے اَتْرَفْ یعنی دولتمند ہونے کا ذکر ہے اور سورۃ شعراء آیت ۱۴۸ میں اس قوم ثمود کی دولتمندی کی وضاحت فرمائی گئی ہے کہ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ۔ وَّ زُرُوْعٍ وَّ نَخْلٍ طَلْعُهَا هَضِيْمٌ۔ ۲۔ یہاں فرمایا گیا لَيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ اور سورۃ شعراء آیت ۱۵۷ میں فرمایا گیا فَاَصْبَحُوْا نٰدِمِيْنَ۔ ۳۔ یہاں فرمایا گیا فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ یعنی پکڑ لیا ان کو حقیقی واقعی چیخ نے۔ اور سورۃ شعراء آیت ۱۵۷ میں فرمایا گیا فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ ؕ یعنی ایسا عذاب آیا جس نے پکڑ لیا ان کو یہاں وہاں دونوں جگہ پکڑ کا ذکر ہے اور پکڑ چیخ سے ہی ہوتی ہے۔ تیسری دلیل۔ قوم عاد پر طوفانی ہوا کا عذاب آیا تھا وہاں اخذ و پکڑ کا ذکر نہیں بلکہ ہلاکت کا ذکر ہے۔ قوم ثمود چیخ سے ہلاک کئے گئے سورۃ ہود آیت ۶۷ میں ثمود کا نام لے کر فرمایا گیا۔ وَاَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ یعنی ظالم قوم کو چیخ نے پکڑ لیا۔ ان سب وضاحتوں سے ثابت ہوا کہ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ قوم ثمود ہے نہ کہ قوم عاد۔ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کو ترجیح دینے والوں نے یہاں اَلصَّيْحَةُ کا معنی کیا ہے لوگوں کی چیخ و پکار حالانکہ یہ معنی غلط ہے۔ کیونکہ عربی لغت میں بھگدڑ و گھبراہٹ کی چیخ و پکار کو صَرْفَةُ الْمُغَادِرَةِ کہا جاتا ہے کھیل کود کے شور و غل کو زَعْقَةُ الْمُلَاعِبَةِ کہا جاتا ہے اور زخمی کے کراہنے کو حَشْرَجَةُ الْجُرَاحِي کہا جاتا ہے ثابت ہوا کہ اَلصَّيْحَةُ ذاتی شخصی شور و غل یا کراہنے کو نہیں کہا جاتا ایسے ہی کسی آسمانی ناگہانی عذاب کو بھی مجازاً الصیحۃ نہیں کہا جاتا۔ نہ سیلابی عذاب کو نہ غرقابی نہ وبائی امراض و قتال جنگی عذاب کو۔ لفظ الصیحۃ خاص کسی جانب کی غیبی چیخ و چنگھاڑ کو فرمایا گیا ہے جو دائیں یا بائیں یا آگے پیچھے یا اوپر نیچے کی طرف سے ہو۔ نیز سورۃ ہود۔ اور شعراء اور یہاں لفظ اَخَذَ فرمانا بھی خاص جانب کی کرخت و ہولناک کڑک دار ہلاک کر دینے والی چیخ کو ثابت فرما رہا ہے۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ حضرت ابن عباس کا قول و دلائل کمزور ہیں غرضیکہ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کو بہت محبت و شفقت نرمی سے سمجھایا دین حق کی طرف بلایا قوم نے جو بھی مطالبہ کیا جیسا چاہا معجزہ مانگا حضرت صالح نے رب تعالیٰ سے دلوایا۔ ہر مطالبہ پورا کرایا صرف اس لئے تاکہ میری قوم بت پرستی چھوڑ کر حق پرست بن جائے اور کفر کے ظلم و فسق والے عذاب دنیوی و سزاء اخروی سے نجات پائے یہ سلسلہ تبلیغ سو سال تک رہا۔ لیکن سواء چند امراء اور ان کے ساتھیوں کے باقی اکثریت وہ تھی جنہوں نے ایمان سے انکار کیا۔ وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ اور ہر بار یہی کہا ان رسول علیہ السلام کی قوم کے ان سرداروں نے جو جدی پشتی کافر تھے اصل نسل کے منکر تھے جنہوں نے اپنے کفر میں

marfat.com

حشر نشر' قیامت' حساب و کتاب سزاء وثواب کے لئے لقاء آخرت اور حیات ابدیت کو جھٹلا دیا۔ حیات ثانیہ و بعثت اخروی کے عقیدے میں مشرکین کے ہمیشہ سے دو نظریئے رہے۔ ۱۔ کچھ مشرکین کا عقیدہ ہے کہ دوسری زندگی کچھ نہیں بس فنا ہی فنا ہے نہ حشر کا اٹھنا نہ قیامت کا حساب۔ پہلے زمانوں میں علاقہ یمن شام' فلسطین کے مشرکین کا یہی عقیدہ تھا۔ اسی لئے قوم ثمود کا عقیدہ بھی یہی تھا۔ وَكَذَّبُوا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ میں ثمود کے اسی کفر کا ذکر ہے۔ ۲۔ اور کچھ مشرکین کا عقیدہ ہے کہ یہ مرنے کے بعد زندگی ہے مگر قیامت اور حساب کتاب عذاب وثواب جنت و دوزخ و حاضری بارگاہِ الٰہی رجوع الی اللہ کچھ نہیں۔ ان کا نظریہ و عقیدہ ہے کہ مر کر دوسری زندگی میں جسم یہی دنیوی ہوتا ہے مگر روح دوسری ہوتی ہے اور رہائش بھی اسی زمین پر ہوتی ہے صرف علاقہ و جگہ بدلتی ہے کفار نے اس دوسری زندگی کا نام آوا گون رکھا ہے اسی کو کفار ہند دوسرا جنم کہتے ہیں۔ ان کفار کا خیال ہے کہ جنگلاتی بھوت پریت چھلاوا' ڈائن دیو' پری' ویرانوں کی دوپہری اور بیابانوں کی رات جنگلاتی چھبیلے بڈاوے مردہ انسانوں کے ہی دوسرے جنم ہیں اور بھٹکی روحیں یہ عقائد ایران میں رزتشت اور اس کے معتقدین نے مشہور کئے ایران سے مصر میں مصر سے ہندوستان میں۔ قوم عاد اول کا یہی عقیدہ تھا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ کا ایک معنی یہ بھی کیا گیا ہے کہ دوسری زندگی کا انکار نہیں صرف حاضری بارگاہ قیام قیامت وحساب وجزا جنت و دوزخ کا انکار کرتے تھے۔ قوم صالح کے سمجھانے کے باوجود لقاء آخرت کے قطعاً منکر و تکذیب شدید کرتے رہے۔ اور اسی سرکشی میں توحید کا انکار بت پرستی کا اقرار نبوت سے نفرت احکام شریعت سے غفلت ظلم میں مسرور نیکی سے دور برائیوں سے الفت اچھائیوں سے کلفت۔ اتنی سرکشی خرمستی کے باوجود ان کفار نا ہنجار واشرار نابکار پر ہمارا کرم اس طرح جاری کہ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا اتنی سرکشی نافرمانی اکڑ وغرور پر بھی ہم نے ان قوم والوں کو ہر طرح نوازا عیش و آرام بخشا اور ہم نے ان لوگوں کو ہر حال میں اس وقت کی ہر قوم قبیلے علاقے کے افراد سے اتراف کر دیا تھا کہ خوشحالی و مالی عزت میں سب سے اعلیٰ و بالا بنا دیا تھا دنیا کی ہر دولت ہر سہولت میں سب سے آگے تھے اور جانور' اولاد' بیٹے' بیٹیاں' خدام' لونڈیاں' غلام' مالداری میں چشمے' نہریں' باغات' جنگلات' کھیت' صحت' ڈیل ڈول' قد آور فنکار' بڑا علاقہ' عظیم سرداری غرضیکہ ہر نعمت سے بھرپور ملک کبیر' عقل' فن' صنعت وحرفت' دولت' طاقت' صحت اولاد ہر قسم کی فراوانی کو اتراف کہا جاتا ہے۔ اتراف سے نعمتوں کا حصول' پھر نعمت سے عزت' عزت سے سرداری' سرداری سے خوشحالی خوشحالی سے غرور' غرور سے بد اخلاقی' بد اخلاقی سے بد عقیدگی' بد عقیدگی سے کفر فسق' ظلم کی بدتمیزیاں قوم میں پھیلتی چلی گئیں۔ پھر نہ خوف خدا رہا نہ شرم نبی رہی اور بدبختی یہ کہ جتنی دولت زیادہ ہوتی جاتی اتنی ہی بے غیرتی بے شرمی حق سے نفرت باطل سے محبت بڑھتی جاتی یہاں تک کہ ایک وقت آیا کہ نبی جیسی بے مثل ذات بے عیب شخصیت قوت و اختیار' حسن اخلاق باکمال باجمال والے رسول مکرم کو بھی اپنے سے کمتر سمجھتے ہوئے اور غریبوں بے عقلوں بے علموں سے تشبیہ دیتے ہوئے کہنا شروع کر دیا کہ مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے لوگو یہ نبی رسول نہیں یہ تو بالکل تم جیسا معمولی بشر ہے۔ ہر حال ہر قول فعل ہر کیفیت ہر مکان زمان میں بھی تمہاری مشابہ ہے۔ لہٰذا اس کی اطاعت واتباع نہ کرنا نہ اس کا دین قبول کرنا یہ تو اتنا معمولی ومحتاج ہے کہ یَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَیَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔ یہ شخص تو کھانا بھی کھاتا ہے اور وہی چیزیں کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو اور پیتا بھی ہے وہی پانی جو تم پیتے ہو۔ صرف فرق یہ نظر آتا ہے کہ اس کے کھانے پینے کا طریقہ تہذیب ہم سب سے جداگانہ ہے سرداران قوم

marfat.com

یہ باتیں کرتے سناتے عوام کو ورغلاتے آستانہ نبوت سے بھگاتے دور کرتے وقت بھی ڈرتے جھجکتے ہوئے ایسا انداز اختیار کرتے کہ ہر ایک کو یہ معلوم ہو جاتا تھا کہ ان کا ضمیر ان کی زبان کا ساتھ نہیں دے رہا۔ کیونکہ ان کی زبانیں تو ہر طرح کی کمی بیجی ومثلیت بیان کر کے نبوت کا انکار کرتی کراتی بتاتی تھیں مگر انکا ضمیر باطنی پکار پکار کر کہتا تھا کہ نہیں یہ تمہاری مثل نہیں یہ تو بے مثل وباکمال ہے ہر قول وفعل طبیعت ظاہریت باطنیت کھانے پینے میں لاجواب اور ایسا بے مثل کہ

تو خوری گردد پلید از تو جدا   او خورد گردد ہمہ نور خدا

اے جاہلو نہ یہ تم جیسا ہے نہ تم اس جیسے اس کا تو کھانا پینا بھی بے مثل ہے کہ تم کھاتے ہو پلیدی بنتی ہے یہ کھاتا ہے تو نورِ خدا بنتا ہے تمہاری زبانیں کہتی ہیں آنکھیں دیکھتی ہیں کہ وہی چیزیں کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو مگر تمہاری عقلی ضمیریں جانتی ہیں طریقہ اکل وشرب جدا ہے۔ غرضیکہ اکثر ایسا ہی ہوا کہ کفار اور گستاخوں کی تقریر وتحریر انبیاء علیہم السلام کی شان اقدس میں ہم مثلی ومثلکم کی گستاخیاں کرتی رہیں مگر ان کی ضمیریں انبیاء علیہم السلام کے بے مثلیت کے قصیدے گاتی رہیں اور کہتی رہیں کہ بے مثل خدا نے انہیں بے مثل بنایا۔ حضرت صالح علیہ السلام کی عمر دوسواسی سال ہوئی آپ نے ایک سو چالیس کا زمانہ پوری قوم میں گزارا۔ پھر ہلاکت کفار کے بعد اپنی مومن قوم وامت ایمانیہ میں درس وتدریس دینی تعلیم وتربیت فرماتے ہوئے ایک سو چالیس گزارے قوم ثمود میں عوام کی تعداد آٹھ ہزار تھی۔ جن میں امراء خاندانوں کے افراد مردوزن کی تعداد پندرہ سو تھی۔ اخیر وقت تک تقریباً چار ہزار افراد قوم ایمان لائے جن میں چھ سو امراء قوم مومن بنے۔ چار ہزار کافر ہی رہے۔ ان کفار میں نوسو امراء خاندان سے تھے۔ (از تفسیر صاوی) صالح علیہ السلام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت کی اجازت ملی۔ آپ کا زمانہ ولادت وفات ہود علیہ السلام سے سو سال بعد ہوا۔ اس زمانے میں ہر شخص کی عام عمر کم از کم تقریباً تین سو سال ہوتی تھی۔ صالح علیہ السلام کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ صالح علیہ السلام ابن عبید بن آسف بن ماسخ بن عبید بن خاور بن ثمود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام بن ملک لامخ بن متوشلخ بن ادریس علیہ السلام بن شیث علیہ السلام بن آدم علیہ السلام وَاللّٰہُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

اَرْسَلْنَا کے تفسیری معنیٰ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ اَرْسَلْنَا اپنے اصلی معنیٰ میں ہے یعنی ہم نے بھیجا ایک رسول اور انہوں نے خود اپنی تبلیغ میں کہا اُعْبُدُو اللّٰہَ۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اَرْسَلْنَا کا معنیٰ ہے۔ قُلْنَا۔ یعنی ہم نے رسول سے کہا کہ قوم سے کہو اُعْبُدُو اللّٰہَ اس حکم الٰہی کی تبلیغ کرو۔ اسی لئے ان اُعْبُدُو اللّٰہَ میں یہ اَنْ مصدریہ ارشاد ہوا۔ رَسُوْلاً میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہاں رَسُوْلاً سے مراد صالح علیہ السلام ہیں۔ ان کی قوم بنی ثمود تھی باعتبار دلائل یہی قول قوی ودرست ہے۔ ا۔ بعض کے فرمایا یہاں رسول سے مراد ہود علیہ السلام ہیں ان کی امت دعوت قوم عاد تھی یہ قول باعتبار دلائل کمزور ہے۔ اسی بیان کی تفصیل تفسیر عالمانہ میں دیکھئے۔ مِنْھُمْ کے معنیٰ میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ رسول اس قوم کے علاقہ سے تھے برادر قبیلے سے نہ تھے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ مِنْھُمْ کا معنیٰ ہے کہ قومیت ایک تھی مگر قبیلہ وبرادری جدا تھی۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ مِنْھُمْ کا معنیٰ ہے کہ قوم قبیلہ برادری علاقہ سب ایک ہی تھا۔ یہی قول درست ہے۔ خیال رہے کہ قومیت آبائی تعلق کو کہا جاتا

marfat.com

ہے۔ اور قبیلہ نسلی و اولادی تعلق کو کہا جاتا ہے۔ اور برادری خونی تعلق کو کہا جاتا ہے۔ مثلاً اہل مکہ کی قومیت قریش ہے اس قوم کے دس قبیلے ہیں۔ اموی، عباسی، فاروقی، صدیقی، علوی، عثمانی، سادات اور ہر قبیلے کی بہت سی برادریاں ہیں مثلاً سادات، بخاری، ترمذی، افغانی، ہندی، پنجابی وغیرہ لفظ اَنْ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ یہ اَنْ مصدریہ ہے اور آیت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ پس ہم نے بھیجا ایک رسول ان میں ہی سے یہ بات کہنے کے لئے کہ فقط اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اَنْ تفسیریہ ہے اور پوری آیت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ ہم نے ان میں سے ایک رسول بنا کر فرمایا کہ اپنی قوم کو ہمارا یہ پیغام و حکم سنا دو اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ۔ بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا لِقَآءِ آخرت کی تکذیب کا معنیٰ ہے آخرت کی زندگی کو بھی جھٹلایا یعنی قیامت، حساب کتاب عذاب ثواب جنت دوزخ سب کا انکار کیا یہی قول درست ہے کیونکہ قوم ثمود کا یہی کلی انکار کا عقیدہ تھا۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ لقاء آخرت کی تکذیب کا معنیٰ یہ ہے کہ صرف حاضری بارگاہِ الٰہی اور حساب قیامت جنت دوزخ کا انکار نہ کہ دوسری زندگی کا انکار یہ عقیدہ قوم عاد کا تھا۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** انسانوں پر کتنا عظیم کرم و رحم ہے رب تعالیٰ کا کہ جب تک اللہ تعالیٰ سرکشوں ظالموں کافروں گستاخوں بدکرداروں و بدکاروں کے پاس اپنا نبی رسول بھیج کر دین ایمان کا پیغام شریعت محبت و شفقت نہیں بھیج دیتا اور وہ نبی رسول ہر طرح کمال محبت کی تبلیغ مشفقانہ سے سمجھا نہیں لیتے اس وقت تک ہر ظالم کافر سرکش کو ہر طرح کا آرام و سکون ہی ملتا ہے اور ہر قسم کی دولت ملتی رہتی ہے اگرچہ سرکشی تخریب کاری دہشت گردی کرتے رہیں۔ پہلے زمانوں میں بروں کو سمجھانے کے لئے انبیاء علیہم السلام آتے تھے۔ اب علماء اولیاء صوفیا پیدا ہوتے رہتے ہیں بعوث انبیاء بھی اللہ تعالیٰ کا کرم تھا۔ اور وجود علماء و اولیاء بھی اللہ تعالیٰ کا ہی کرم ہے۔ اب ہم کو چاہئے کہ ہم سب مسلمان اس فیضان الٰہی سے فیضیاب ہوتے رہیں یہ ہی اپنی قسمت و سعادت ہے۔ پہلی قوموں کو حد سے گزرنے کے بعد عذاب آسمانی و ناگہانی سے ہلاک کیا جاتا رہا مگر اب تو محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں عذاب بھی بند ہے۔ ہاں البتہ قہر الٰہی و عتاب ربانی آ سکتا ہے۔ اس لئے سب کو وقت قہر و عتاب سے پہلے عبرت و نصیحت لینی چاہئے۔ آج مسلمانوں اور دیگر انسانوں کو بذریعہ قرآن گذشتہ قوموں کے یہ قصے واقعات سنانے کا مقصد بھی یہی ہے۔ یہ فائدہ فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا میں فَ تعقیبیہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ ہم نے قَرْنًا اٰخَرِيْنَ کو بھی کثیر عیش و آرام سے نشو و نما فرمایا جب وہ بھی کفر ظلم گستاخی میں بڑھتے ہی رہے تب عذاب نازل کیا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** دنیوی عظمت و اخروی عزت سب میں بڑی دولت تقوئے ایمانی ہے یعنی خوف و خشیت الٰہی جب یہ نصیب ہوتا ہے تب ہی ایمان کی ہدایت اعمال کی سعادت ملتی ہے۔ یہ فائدہ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کا سوالیہ جملہ فرمانے سے حاصل ہوا۔ یعنی اگر تمہاری خوش قسمتی سے تم کو پہلے ہی خشیت ربانی حاصل ہے تو پھر تم پر میری باتوں کا اثر ہوگا ورنہ نہیں اسلئے اپنے دل و دماغ کو استعمال کرو شاید یہ دبی ہوئی دولت ابھر کر سامنے آ جائے اور تم ایمان سے منور اعمال سے مزین ہو جاؤ۔ آج اور تا قیامت ہر غافل و کاسل مسلمان کو تذکر و تفکر و عمل کی دعوت عام دی جا رہی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** انبیاء علیہم السلام کو کبھی بھی کسی قول فعل یا عمل عادت و عبادت میں اپنے جیسا عام، معمولی انسان نہ کہنا

marfat.com

چاہئے نہ سمجھنا چاہئے اور کسی چیز میں بھی انبیاء علیہم السلام سے برابری یا برتری کا دعویٰ نہ کرنا چاہئے۔ یہ کفر یہ گستاخی شیطان نے سکھائی کفار نے اپنائی اور موجودہ دور کے ایک گستاخ بے ادب باطل و بوجہلی فرقہ نے نبھائی۔ اور اب بھی بھاتا شیطان کا ساتھ دیتا چلا آ رہا ہے۔ خدا تعالیٰ بھٹکے ہوؤں کو ہدایت نصیب فرمائے۔ دیکھو کفار نے اپنے نبی علیہ السلام کے ظاہری کھانے پینے کو دیکھا اور کفر پر ڈٹ گئے۔ باطن کو نہ جانا حالانکہ ظاہر و باطن میں بے شمار فرق ہوتا ہے۔ اگر شعور کی دولت سے باطن کو جان لیتے تو کبھی بھی برابری و ہم مثلی کا دعویٰ نہ کرتے نہ کسی کو مثلکم کہہ کر ورغلاتے۔ غور کرو کہ ایک ہی پھول کا رس شہد کی مکھی نے چوسا تو شہد بنا بھڑ نے چوسا تو زہر بنا۔ دونوں کا کھانا ایک جیسا مگر باطن میں کتنے فرق ہیں۔ ظاہراً دونوں پرندے جسم و شکل شباہت وزن حجم قد میں بھی ایک جیسے لیکن باطن میں کتنا فرق مگر شیطان کے بدعقلی والے کفار و بدعقیدے والے فرقہ گستاخ کو یہ بات سمجھ نہیں آتی۔ اس قسم کی بدعقلیاں شروع زمانوں سے ہوتی چلی آ رہی ہیں یہ فائدہ قَالَ الْمَلَؤُ کی پوری آیت میں مِنْ قَوْمِهٖ میں مِنْ تبعیضیہ فرمانے کے بعد الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا فرمانے سے حاصل ہوا کہ ان کفار و منکرین قیامت نے ہمیشہ انبیاء علیہم السلام کو بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہا اور سمجھا اسی کو بہانہ بنا کر ایمان سے انکار کیا۔ اور کفار کی دیکھا دیکھی موجودہ گستاخ فرقے نے یہی کفریہ گستاخی شروع کی اور اسی آڑ میں نعت خوانی و تعظیم نبی و معجزات کے منکر ہوئے نور ہونے اور غیب جاننے میلا دمنانے کا انکار یہ سب کفریہ گستاخیاں صرف اسی بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کی گمراہی بدعقیدگی کی وجہ سے ہیں۔ کوئی نیک بندہ ایسی بری اور جھوٹی بات نہیں کہہ سکتا۔ منشاء باری تعالیٰ اس سنانے میں یہی ہے کہ اے نیک مومن بندو کسی بدعقیدہ فرقے کی دیکھا دیکھی تم کبھی ایسی کفریہ بات نہ کہنا نہ کبھی کسی چیز میں خود کو کسی نبی علیہ السلام کے برابر سمجھنا۔ ورنہ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (حجرات: ۲)

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام ایک ہی دین لے کر مبعوث ہوتے رہے مگر شریعتیں مختلف ہوتی رہیں اور مختلف شریعتوں کی عبادتیں اور عبادتوں کے طریقے مختلف ہوتے رہے۔ یہ مسئلہ فِيْهِمْ رَسُوْلًا اور اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اور اس آیت پاک نے تین باتیں سمجھائیں۔ پہلی یہ کہ قرن آخرین کے نبی ایک رسول تھے دوم یہ کہ ان کی شریعت علیحدہ مستقل تھی کیونکہ رسول اس نبی کو کہا جاتا ہے جن کی شریعت علیحدہ ہو اور کسی پوری قوم کی طرف مبعوث ہوں سوم یہ سب انبیاء علیہم السلام ایک ہی دین لے کر تشریف لاتے رہے۔ سب نے ہی شرک کو کفر قرار دیا۔ اور اللہ واحد لاشریک کی عبادت خالص کا ہی حکم فرمایا ہاں البتہ نئی شریعت کی وجہ سے دین کا نام بدلتا رہا۔ **دوسرا مسئلہ:** اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام دنیا میں وہی چیزیں کھاتے پیتے تھے جو تمام انسان کھاتے پیتے ہیں مگر خورد و نوش کا طریقہ جداگانہ ہوتا تھا۔ یہ فرق کفار کو صاف نظر آتا تھا۔ کیونکہ کفار و فساق جاہلوں پاگلوں اور جانوروں کی طرح بھاگتے دوڑتے چلتے پھرتے اور کھڑے کھڑے کھاتے پیتے تھے مگر انبیاء علیہم السلام نہایت مہذب و طریقہ انسانیہ کی طرح خود بھی بیٹھ کر کھاتے اور اہل ایمان کو بھی اسی ہی تہذیب شرعی ایمانی کا حکم دیتے تھے۔ کفار و فساق حرام و حلال پاک و پلید سب کچھ کھا جاتے تھے۔ بلکہ حلال اشیاء کو بھی سود رشوت غصب ظلم چوری ڈکیتی سے حرام کر کے کھا لیتے تھے۔ مگر

marfat.com

انبیاء علیہم السلام اوران کے متعبین عین حکم ربانی وطریقہ ایمانی کے مطابق تعلیم وحی سے نہایت صاف ستھری پاکیزہ چیزیں حلال اشیاء اور صرف حلال وجائز طریقوں سے کھاتے پیتے تھے۔ غرضیکہ کفار وفساق کا کھانا پینا مثل جانوروں کے منہ مارنا ہوتا تھا۔ اوراب بھی ہے۔ مگر انبیاء کرام کا کھانا پینا تناول فرمانا ہے۔ یہ مسئلہ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ اور مِمَّا تَشْرَبُوْنَ کے قول کفار کو نقل فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ دیکھو کفار نے مِمَّا اور مِنْهُ کہہ کر یہ قول ثابت کیا کہ وہی چیزیں کھاتے پیتے ہیں کہ جو ہم کھاتے پیتے ہیں مگر یہ نہ کہہ سکے کہ بِمِثْلِكُمْ يَاْكُلُوْنَ وَمَا يَشْرَبُوْنَ تمہاری ہی مثل کھاتے پیتے ہیں۔ کھانے پینے کا یہ مومنانہ وکافرانہ طریقہ فرق بالکل ظاہر تھا اور اب بھی ہے بلکہ تا قیامت ظاہر رہے گا کتنے بدنصیب ہیں وہ مسلمان جو کھانے پینے میں تعلیم وتربیت نبوت کا ساتھ چھوڑ کر کفار کا ساتھ دیتے ہیں۔ بلکہ کفار سے بھی زیادہ بدتہذیب وبے تمیز بن کر جانوروں کی طرح کھانے پینے میں جاہلانہ وغیر شرعی طریقے اختیار کرتے ہیں نہ حرام کی پرواہ نہ پلید کی تفتیش پتہ نہیں مسلمانوں نے کھڑے بھاگتے کھانا پینا کس سے کہاں سے کس شیطان سے سیکھ لیا۔ اس طرح بدتمیزی سے موجودہ یہود ونصاریٰ انگریز بھی کھڑے ہو کر نہیں کھاتے پیتے۔ ہم نے خود برطانیہ امریکہ وغیرہ میں دیکھا کہ وہ سب کرسیوں پر بیٹھ کر کھاتے ہیں لیکن یہ موجودہ عوام مسلمان جتنے بدتہذیب' جاہل' ضدی اور تعلیم نبوت سے دور اسلامی شریعت سے نفور تہذیب انسانی شرافت آدمیت سے مجہول ہوتے جارہے ہیں اتنے غیر مسلم لوگ نہیں ہیں علماء ہزار مرتبہ سمجھائیں کہ یہ حرام ہے یہ مکروہ تحریمی یہ ناجائز یہ شریعت کی مخالف یہ جہنم کا راستہ مگر یہ ضد کے پکے دین کے کچے اپنی ہی من مانیوں شیطان بازیوں میں مصروف ومشغول ہیں بلکہ اب تو ان سرکشوں دنیا پرستوں نے اپنے خطیب وامام بھی وہ مقرر کر لئے ہیں جو عوام کی مثل ہی جاہل وبے شرع ہیں۔ نہ روکیں نہ ٹوکیں خود ان کے سانچے میں ڈھل جائیں چال میں آجائیں جال میں پھنس جائیں۔ **تیسرا مسئلہ:** اہل شریعت فرماتے ہیں دنیا میں دو قسم کی نعمتیں ہیں۔ ۱۔ فانی نعمتیں۔ ۲۔ باقی نعمتیں دونوں کی پہچان یہ ہے کہ فانی نعمتیں اَتْرَفْنَا ہیں ان سے صرف عیش وآرام طلبی' عزت نفس' غرور وتکبر حاصل ہوتا ہے یہ کفار کو فقط فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا میں ملتی ہیں۔ اور کفار کو سرکش بناتی ہیں۔ اور باقی نعمتیں رَزَقْنَا ہیں یہ لِلْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ہیں یہ دنیا میں حاصل ہوتی ہیں۔ آخرۃ ابدی تک باقی رہتی ہیں۔ دنیا میں بشکل خیرات صدقات دی جاتی ہیں۔ بندگانِ الٰہی کے ہاتھوں سے اور آخرت میں بشکل ثواب لی جاتی ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ کے دست کرم عطاء فضل سے۔ یہ فقط ایمان والوں کو حیات دنیوی کے لئے ملتی ہیں۔ مومن ان نعمتوں کو نیکی اور اعمال صالحہ عبادت تقویٰ طہارت کا ذریعہ بناتا ہے۔ یہ مسئلہ وَاَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فرمانے سے مستنبط ہوا لہٰذا چاہئے کہ ہر مسلمان اس فرق کو یاد رکھ کر زندگی بھر اس بات کو جان لے کہ اس کی عضوی' عقلی' قلبی جسمی' مالی سامانی نصیحتیں لِلْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بن کر باقی ابدی ہوتی جارہی ہیں یا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رہ کر فانی ہوتی جارہی ہیں۔ اور یہ بھی ہر مسلمان اندازہ لگاتا رہے کہ اس کی دولت وامیری۔ رَزَقْنَا ہے یا اَتْرَفْنَا اس لئے کہ مال رزقنا ذریعہ ثواب ہے۔ اور مال اترفنا ذریعہ عذاب ہے رَزَقْنَا ایمان کی طرف لاتا ہے اور اَتْرَفْنَا کفر کی طرف۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہ بات تو بالکل ظاہر ہے کہ عبادت اعمال کا نام ہے اور توحید الٰہی

marfat.com

ایمان کا نام اور یہ ظاہر و یقینی بات ہے کہ ایمان پہلے ہونا چاہئے اعمال و عبادت بعد میں اور تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ اُعْبُدُو اللّٰہ سے اعمال کا حکم مراد ہے۔ اور مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ سے توحید باری تعالیٰ مراد ہے جو اصل ایمان ہے اور ہمیشہ اصل و بنیاد پہلے ہوتی ہے فروع بعد میں تو چاہئے تھا کہ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ پہلے فرمایا جاتا اور اُعْبُدُو اللّٰہ بعد میں فرمایا جاتا۔ مگر یہاں اُعْبُدُو اللّٰہ پہلے فرما کر عبادت و اعمال کا حکم و تبلیغ پہلے فرمایا۔ اور مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ بعد میں ذکر کر کے ایمان کی تبلیغ بعد میں کی گئی۔ گویا کہ شاخوں کا ذکر پہلے جڑ کا ذکر بعد میں ہوا۔ چاہئے یہ تھا کہ آیت اس طرح ہوتی فَاَرْسَلْنَا فِیْھِمْ رَسُوْلًا اَنْ مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ فَاعْبُدُ اللّٰہَ اس طرح ترتیب صحیح رہتی۔ **جواب:** اس کے دو طرح جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ یہاں اصل فرع بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ علیت و معلولیت سمجھانا مقصود ہے اُعْبُدُ اللّٰہ جملے کو معلول بنایا گیا ہے اور مَالَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ کے جملے کو اس کی علت اور معلول پہلے ہوتا ہے علت بعد میں اس لئے یہی ترتیب بہترین ہے اور یہ عقلی تبلیغ تھی کہ اے لوگو اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو اس لئے کہ اس کے سوا کوئی بھی تمہارا معبود نہ ہے نہ ہو سکتا ہے نیز اس تقدم تاخر سے حصر کا بھی فائدہ حاصل ہوا یعنی فقط اللہ تعالیٰ کی ہی عبادت کرو۔ اگر اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ کا جملہ بعد میں ہوتا تو نہ تعلیل ظاہر ہوتی نہ حصر پیدا ہوتا۔ نہ عقلی تبلیغ بنتی عقلی تبلیغ اس لئے ضروری ہوتی ہے کہ عقلی کلام جامع مانع مفید تر اور زود اثر ہوتا ہے۔ ہر ذی عقل کے دل و دماغ میں گھر جاتی ہے ذہن و عقل میں جلدی اترتی ہے۔ جواب دوم یہ کہ اُعْبُدُو اللّٰہ فقط اعمال کا حکم ہی نہیں ایمان کا بھی تھا۔ اور بتایا یہ گیا تھا کہ قوم والو بت پرستی کی شرک عبادت دل دماغ کے عقیدوں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اقراراً تصدیقاً۔ اعتقاداً وہی تم سب کا معبود ہے اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں یعنی عبادت پر ایمان لاتے ہوئے اداء اعمال صالحہ کرو اس جواب میں یہ پوری آیت دعوت ایمان ہے۔ جواب دونوں صحیح ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں قَرْنًا اٰخَرِیْنَ کا قول نقل کرتے ہوئے آیت ۳۳ میں فرمایا گیا وَقَالَ الْمَلَاُ واؤ کے ساتھ لیکن قوم نوح کا قول نقل کرتے ہوئے آیت ۲۴ میں فرمایا گیا فَقَالَ الْمَلَاُ ف کے ساتھ اس فرق کی وجہ کیا ہے؟ **جواب:** تاریخی عبارات و روایات سے ثابت ہے کہ قوم نوح کفر کے علاوہ بھی بہت گستاخ مغرور بے ادب و بے لگام تھی جب بھی نوح علیہ السلام دین و ایمان عبادت و اخلاق کی تبلیغی نصیحتیں فرماتے تو فوراً اسی وقت نہایت رعونت غرور بے ادبی بے شرمی ڈھٹائی سے اپنے عوام کو حضرت نوح کے متعلق آپ کے سامنے ہی منہ در منہ ایسے فقرے بولنا شروع کر دیتے جن کا ذکر وہاں آیت ۲۴، ۲۵ میں نقل کیا گیا۔ وہاں لفظ فَ فرما کر روایتی و تاریخی اقوال کی نقل ثابت کرتے ہوئے تائید ظاہر کی گئی کہ واقعی قوم نوح کے امراء ایسے ہی گستاخ و مردود تھے۔ فَقَالَ فرما کر تبلیغ نوح و انکار قوم کا اتصال بیان فرمایا گیا۔ لیکن تاریخ سے ثابت ہے کہ قوم صالح اگرچہ کفر میں سخت مزاج تھے۔ مگر بے لگام و جاہل بے غیرت نہ تھے نہ ہی کمینہ خصلت تھے۔ گستاخی اور کفریہ انکار بھی کرتے تھے تو سامنے نہیں بلکہ علیحدہ ہو کر اپنی محفلوں مجلسوں میں کرتے تھے۔ اس لئے واؤ ارشاد ہوئی جس نے صرف یہ بتایا کہ کفریات بکتے تھے مگر فوراً سامنے یا بعد میں علیحدہ اس کی کوئی وضاحت نہیں۔ البتہ تواریخ احادیث و دیگر آیات سے ثابت ہے کہ حضرت صالح علیہ السلام کا قوم پر رعب تھا اور قوم میں کچھ تمیز داری، اخلاقی بلندی اور رکھ رکھاؤ تھا تبلیغ نبوت سے صرف حیران تھے اور ذات نبی کے متعلق عجیب قسم کے ذاتی و ذہنی بناوٹی تخیلات و تصورات بیہودہ رکھتے تھے۔ ان وجوہ سے وہاں واؤ اور یہاں فَ فرمانا

marfat.com

عین درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ

نفسیات اولین کو ہلاک کرنے کے بعد پھر جب خواہشات آفرین کو وادی جسمانیہ میں ہم نے ظاہر فرمایا تو ان میں بھی طہارت بدنی وبقاء جسمانی کے لئے ایک دوسری قوت روحانی کو ہم نے بھیجا اسی پیغام لاہوتی احکام جبروتی ومنہاج ملکوتی کے ساتھ کہ اَنِ اعۡبُدُوا اللّٰہَ عبادت کروائے خواہشات نفسیات ہمہ تن گوش وہم عقل ہوش بن کر اپنے خالق اللہ تعالیٰ کی عقل کے قیام شعور کے رکوع قلب کے سجود ذات کے تشہد صفات کے سلام والی نماز محبت وعقیدت ادا کر کے کیونکہ وہی اللہ تعالیٰ تمہاری روح جمالی وبدن کمالی کا معبود کامل ہے۔ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ اے خواہشات ناسوتیہ کے نشانات ثانیہ والو تو کیا اب بھی تم کو جہان رنگ وبو کے اتار چڑھاؤ سے خوف فنا کی عبرت حاصل نہیں ہوتی۔ اور خالق ثواب کی خشیت نہیں ملتی وَقَالَ الۡمَلَاُ مِنۡ قَوۡمِهِ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا وَكَذَّبُوۡا بِلِقَآءِ الۡاٰخِرَةِ اور بولے وہ جو ابدان فانیہ میں اہل نفس تھے اور جمیت کے کافر وازلیت وابدیت کے منکر تھے وہی جن کو ہم نے زمین جسمانی میں حیات عارضی کی طبیعت ومزاج عناصر وحواس ظواہر کی خوشحالیاں بخشی تھیں۔ اور کہنے لگے ناصح مخلص کے اقوال زریں سن کر ہر محفل شیطانیہ ومجلس نفسانیہ جلی وخفی میں اپنی کذابیت ظاہر کرتے ہوئے کہ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ اے اعضاء مغلوبیہ وجوارح سکیہ اس روح جسدی میں کوئی قوت' طاقت' نصرت' فتحت نہیں ہے یہ بالکل تمہاری ہی طرح کمزور ومجبور مغلوب ومقہور ہے۔ یہ تمہاری ہی مثل بدنِ کثیف میں محبوس ہے اس کا چلنا پھرنا بھاگنا دوڑنا حرکات وسکنات بالکل تمہاری ہی مثل ومشابہ مجبوریوں میں مقید واسیر ہے اس کا اپنے آپ کو جسم لطیف کہنا بالکل غلط ہے۔ اجسام لطیف بھلا کہیں اس کی طرح بدن میں قید ہوتے ہیں یہ تو اس کے باطن کے خفیہ حالات غیبیہ اور کیفیات سریہ ہیں جو تم اہل ظاہر سے پوشیدہ ہے اگر تم کو ہماری ان حقیقت بیانیوں کا یقین نہیں آتا تو تم خود اس کے ظاہر کو دیکھ لو کہ يَاۡكُلُ مِمَّا تَاۡكُلُوۡنَ مِنۡهُ وَيَشۡرَبُ مِمَّا تَشۡرَبُوۡنَ جو تم اعضاء کثیف کھاتے ہو وہی اشیاء مادیہ یہ روح لطیف ہونے کا دعویدار بھی کھاتا ہے۔ اور جو مشروبات ناسوتی تم پیتے ہو وہی اس کا پینا ہے کیا روحانی غذائیں ایسی ہوتی ہیں اور یہ بھی غور کرو کہ تمہاری بیماریوں سے اس کی بیماری تمہاری نقاہتوں سے اس کی نقاہت' صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ ہر کافر وفاسق کو اہل اللہ کے متعلق یہی غلط فہمی ہے اسکی وجہ یہ کہ دنیا کے کافرین وفاسقین صرف ظاہر کے بینا ہیں باطن کے نابینا ہیں اگر باطن کو دیکھ سکتے تو اہل نفس واہل قلب کی ہر عادت وعبادت میں ہزاروں فرق نظر آجاتے کیونکہ کفار وفساق اہل نفس ہیں نفس سے کھاتے پیتے ہیں مگر اہل قلب اہل اللہ ہیں وہ قلب روح سے کھاتے پیتے ہیں اہل نفس کا کھانا اسراف وکفران ہے۔ مگر اہل قلب کا کھانا اخلاق وایمان ہے۔ دنیا میں کسی بھی کردار عظیم کی تکمیل دکھ جذبے ایثار واحساس کے بغیر نہیں ہوتی کسی بھی بندہ عاقل کو اپنے کام پر فخر کا غرور اور کامیابی کی خوشی دلہنی نہ ہونا چاہئے کیونکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہر قہقہے کے بعد آنسو اور آنسوؤں کی تہہ میں آہوں وزخموں کی جلن ہوتی ہے۔ خوش قسمت ہے وہ انسان جو دنیوی خوشیوں کو چھاؤں اور غمیوں کو دھوپ ہی سمجھتا ہے اس سے زیادہ اس کے دل میں دنیوی خوشی غمی کی کوئی وقعت نہیں ہوتی اس لئے کہ دنیا میں نہ ٹھنڈی چھاؤں کو ثبات وقرار ہے نہ تپتی دھوپ کو۔ وہی بندہ ہر میدان میں کامیاب ہے جس کے پاس ایمانی ذہانت کی نعمت ہو۔ اور جب تک بندہ راہ شریعت طریقت حقیقت معرفت کے

marfat.com

اعمال میں لگن اور دلچسپی ظاہر نہ کرے کسی بھی شخص میں ذہانت پیدا نہیں ہوتی۔ اہل اللہ فرماتے ہیں کہ دوسروں کی ہدایت و خیر خواہی میں لگے رہنا ہی اصل و کامیاب زندگی ہے۔ یہی تبلیغ انبیاء علیہم السلام کا مقصد اور بیعت اولیاء اللہ و تربیت علماء کا مفاد ہے۔ اے ظالم دنیوی کسی کا شیشہ دل توڑنے سے پہلے اتنا سوچ لو کہ اس کی کرچیاں تمہارے ہاتھوں کو بھی زخمی اور لہولہان کر دیں گی ظلم کی دولت سے مظلومیت کی غربت بدر جہا بہتر ہے۔

وَ لَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾

لہٰذا البتہ اگر اطاعت کی تم لوگوں نے اس بشر کی جو تمہاری ہی شکل کا ہے تب بیشک تم اس وقت البتہ سخت گھاٹے والے ہو جاؤ گے

اور اگر تم کسی اپنے جیسے آدمی کی اطاعت کرو جب تو تم ضرور گھاٹے میں ہو۔

اَیَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَ كُنْتُمْ تُرَابًا وَّ عِظَامًا

کیا وعدہ دیتا ہے یہ بشر تم کو کہ بیشک تم جب مر جاؤ گے اور ہو جاؤ گے قبروں میں مٹی اور ہڈیاں

کیا تمہیں یہ وعدہ دیتا ہے کہ تم جب مر جاؤ گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جاؤ گے

اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَیْهَاتَ هَیْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾

تو یقیناً تم پھر زندہ نکالے ہوئے ہو گے نفرت ہے نفرت ہے اس جھوٹ سے جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو

اس کے بعد پھر نکالے جاؤ گے کتنی دور ہے کتنی دور ہے جو تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے

اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا نَمُوْتُ وَ نَحْیَا وَ مَا نَحْنُ

نہیں ہے وہ زندگی مگر فقط ہماری دنیوی حیات بس یہیں ہم مرتے رہتے ہیں اور پیدا ہوتے رہتے ہیں اور ہم نہیں ہوں گے

وہ تو نہیں مگر ہماری دنیا کی زندگی کہ ہم مرتے جیتے ہیں اور ہمیں

بِمَبْعُوْثِیْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ اِۨفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ

کبھی بھی دوبارہ زندہ اٹھائے ہوئے نہیں ہے یہ مگر ایسا مرد جس نے جھوٹ بنالیا ہے اللہ پر

اٹھنا نہیں وہ تو نہیں مگر ایک مرد جس نے اللہ پر

كَذِبًا وَّ مَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ ﴿۳۸﴾

کذب بیانی سے اور نہیں ہیں ہم اس کے لئے کبھی بھی مومن بننے والوں میں سے

جھوٹ باندھا اور ہم اسے ماننے کے نہیں۔

marfat.com

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ نہ ماننے کی وجہ بیان کی گئی کہ چونکہ یہ انبیاء بھی تمہاری طرح کھاتے پیتے ہیں اسلئے نبی نہیں ہو سکتے۔ اب ان آیات میں کفار کی بیان کردہ دوسری وجہ بیان کی جا رہی ہے یعنی کفار سرداروں نے اپنے غربا ساتھیوں شہریوں سے کہا کہ اگر تم نے ان دعوئے نبوت کرنے والے اپنے جیسے بشروں کی بات مانی تو بہت نقصان میں رہو گے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے انکار قیامت کے عقیدے کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیات میں اسی عقیدے کی بنا پر انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور تبلیغ ماننے سے انکار کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ وہ کفار اپنی اس بدعقیدگی کی بناء پر انبیاء کو نہیں مانتے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے قوموں میں ہی اپنے نبیوں رسولوں کو مبعوث فرمایا اور انبیاء و رسل علیہم السلام نے رب تعالیٰ کے حکم سے تبلیغ فرمائی۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار نے ان ہی دونوں حقیقتوں کا انکار کر کے کفر کمایا یعنی یہ کہ نہ ان کو اللہ نے نبی رسول بنایا نہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایمان توحید قیامت حیات بعد الممات کی تبلیغ کا حکم دیا یہ انبیاء (معاذ اللہ) اپنے پاس سے اللہ پر افتریٰ باندھتے ہیں اس لئے ہم سرداران کفران کو نہیں مانتے۔

تفسیر نحوی

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ واؤ عاطفہ اگلے جملہ کالخٰسِرُوْنَ۔ تک عطف ہے مَا هٰذَا کے جملے پر لام کسرہ برائے تحقیق یقین بمعنی البتہ اِنْ حرف شرط اَطَعْتُمْ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر حاضر اَطْعٌ سے بنا ہے اسکا مصدر ہے اِطَاعَةٌ دراصل تھا اَطَاعٌ بوجہ ثقل پہلی ہمزہ افعال کی گر گئی دوسری ہمزہ مادے کی باقی ہے۔ فرمانبرداری کرنا حکم ماننا یہاں مراد ہے ایمان لانا۔ اللہ رسول کو ماننا۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے قوم کے عوام بَشَرًا اسم مفرد جامد بمعنی ظاہری کھال وشکل وصورت والا۔ مراد ہے انسان موصوف مثل اسم حاصل مصدر بمعنی مشابہ ہم شکل۔ مضاف ہے۔ کم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی صفت ہے۔ بَشَرًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ اَطَعْتُمْ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ اِنَّ مشبہ بالفعل کم ضمیر منصوب متصل اسم ہے اِنَّ کا۔ اِذًا حرف جزا دراصل اِذْنْ ظرف کے لئے زمانی ہے ترجمہ ہے تو اس وقت لام تاکید یہ خٰسِرُوْنَ باب سمع کا اسم فاعل جمع مذکر خسرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گھاٹا پانا نقصان اٹھانا۔ اس کا فاعل ضمیر پوشیدہ اَنْتُمْ یہ اسم فاعل با فاعل جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جزا ہوئی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر پچھلے مَا هٰذَا پر عطف ہے اَ ہمزہ سوالیہ يَعِدُ باب ضرب کا مضارع حال مثبت معروف وَعْدٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع ہے رَسُوْلُكُمْ ضمیر مفعول بہ اول۔ اَنَّ حرف مشبہ کم ضمیر اس کا اسم۔ اِذَا حرف شرط مِتُّمْ باب ضرب کا ماضی مطلق جمع مذکر مثبت معروف مَيْتٌ سے مشتق ہے بمعنی مرنا یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ كُنْتُمْ باب نصر کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر فعل ناقصہ ہے اس کا اسم اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع قوم کے عوام۔ تُرَابًا اسم مفرد نکرہ مخصصہ مراد جسم کا مٹی ہونا۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ عِظَامًا اسم جمع مکسر نکرہ مخصصہ مراد ہے جسمانی

marfat.com

ہڈیاں گوشت کے بغیر معطوف ہے تُرَابًا پر دونوں مل کر خبر ہے کُنْتُمْ فعل ناقصہ کی یہ اپنے اندرونی اسم کو بیرونی خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے۔ مِتُّمْ پر دونوں مل کر شرط ہے۔ اَنَّ مشبہ کُمْ اسم مُخْرَجُوْنَ باب افعال کا اسم مفعول جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِخْرَاجٌ بمعنیٰ ہے نکالنا خَرُوْجٌ سے بنا ہے بمعنیٰ نکلنا۔ مُخْرَجُوْنَ کا ترجمہ ہے نکالے ہوئے ہو گے تم۔ یہ اسم مفعول مستقبل کے لئے ہے اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا نائب فاعل۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے اِذَا مِتُّمْ و شرط و جزا مل کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَعِدُ کا یَعِدُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قَالَ الْمَلَؤُ کا۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ۔ اسم فعل بمعنی ماضی بھی ہوتا ہے بمعنی امر بھی بمعنی مصدر بھی بمعنی حاصل مصدر بھی یہاں حاصل مصدر ہے۔ دوبارہ کہنا تاکیدی سختی کے لئے ہے لغوی ترجمہ ہے نفرت یہاں اس معنی میں ہے۔ ماضی کا معنی ہے دور ہو گیا۔ ہائے توبہ کتنی غلط بات کتنی خلاف عقل و بری بات امر کا معنی ہے چل دور ہٹ مصدر کا معنی ہے دفع دور ہونا۔ حاصل مصدر کا معنی ہے دوری نفرت اور نفرت کرنے کی تین وجہ ہوتی ہیں۔ ۱۔ بوجہ گندگی۔ ۲۔ بوجہ جھوٹ۔ ۳۔ خلاف عقل ہونا یہاں دوسرے دو معنی ہیں اس کی چالیس قرئتیں ہیں مگر اٹھارہ ظاہر ہیں۔ ۱۔ هَيْهَاتَ مثل كَيْفَ اَيْنَ۔ ۲۔ هَيْهَاتِ مثل اَمْسِ۔ ۳۔ هَيْهَاتُ مثل حَيْثُ۔ ۴۔ هَيْهَاتًا۔ ۵۔ هَيْهَاتٌ۔ ۶۔ هَيْهَاتٍ۔ ۷۔ هَيْهَات۔ ۸۔ هَيْهَاهْ۔ ۹۔ هَيْهَاهَ۔ ۱۰۔ هَيْهَاهِ۔ ۱۱۔ هَيْهَا۔ ۱۲۔ هَيْهَاءَ۔ ۱۳۔ هَيْهَاءِ۔ ۱۴۔ هَيْهَاءٌ۔ ۱۵۔ اَيْهَاتَ۔ ۱۶۔ اَيْهَاتُ۔ ۱۷۔ اَيْهَاتِ۔ ۱۸۔ اَيْهَاهْ (صاوی، معانی) پہلی قرئت صحیح ہے یہ دونوں لفظ مبتداء ہے۔ لام حرف جر مَا موصولہ مجرور تُوْعَدُوْنَ باب ضرب کا فعل مضارع مجہول جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ اس کا پوشیدہ نائب فاعل۔ یہ فعل نائب فاعل اور اپنے متعلق مقدم لِمَا سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ هَيْهَاتَ مبتدا کی دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا قَالَ الْمَلَؤُ کا۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨافْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ اِنْ نافیہ هِيَ ضمیر واحد مونث غائب مرفوع منفصل اس کا مرجع ہے مُخْرَجُوْنَ کا مقصد کلام یعنی حیات۔ هِيَ مستثنیٰ منہ اِلَّا حرف استثناء متصل حَيَاتُ اسم مونث مفرد مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی پھر مضاف الیہ الف لام حرفی عہد خارجی دنیا اسم تفضیل واحد مونث دُنُوٌّ اور دَنَائَةٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بہت گھٹیا ہونے والی۔ مراد ہے یہ جہان اَلدُّنْيَا مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مستثنیٰ ہے۔ هِيَ کا دونوں مل کر مبتداء نَمُوْتُ باب نصر کا مضارع حال استمراری جمع متکلم۔ ترجمہ ہے ہم لوگ مرتے رہتے ہیں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ نَحْيَا باب فتح کا فعل مضارع جمع متکلم حال مثبت معروف حَيٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ترجمہ ہے زندہ ہوتے رہتے ہیں مراد ہے ولادت سے پیدا ہوتے رہتے ہیں ہم۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ نَحْنُ پوشیدہ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا۔ نَمُوْتُ کے جملہ پر۔ دونوں عطف مل کر ذوالحال ہوا۔ واؤ حالیہ۔ مَا نَحْنُ قائم مقام ہے لَسْنَا فعل ناقصہ جمع متکلم کا لَسْنَا تامہ ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ بعض نے کہا مَا مشبہ بلیس قائم مقام ہے لَسْنَا کا دراصل ہے۔ لَسْنَا نَحْنُ یہ نَحْنُ اس کا فاعل ب جارہ بمعنی فِيْ ظرفیہ مکانیہ معنی ہے میں سے۔ مَبْعُوْثِيْنَ باب فتح کا اسم مفعول جمع مذکر برائے جمع متکلم یہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل نَحْنُ پوشیدہ کے ساتھ جملہ اسمیہ ہو کر مجرور ہو کر متعلق ہے لَسْنَا پوشیدہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ

marfat.com

تامہ ہوکر حال ہے نَمُوْتُ وَ نَحْيَا کا ذوالحال حال مل کر خبر ہے هِيَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر مقولہ چہارم ہوا۔ اس عبارت کا ترکیبی ترجمہ ہے بس یہی ہماری زندگی ہے دنیا کی کہ مرتے رہتے ہیں پیدا ہوتے رہتے ہیں ہم اس حال میں کہ نہیں ہیں ہم اٹھائے ہوؤں میں سے اِنْ نافیہ هُوَ ضمیر مستثنیٰ منہ اس کا مرجع رَسُوْلًا۔ اِلَّا حرف استثناء رَجُلٌ مستثنیٰ یہ دونوں مل کر مبتدا اِفْتَرٰی باب افتعال ماضی مطلق فَتْرِیٌ سے بنا ہے۔ مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ ترجمہ ہے بناوٹ کرنا۔ جھوٹ لگانا۔ اسکا فاعل هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع ہے رَجُلٌ عَلَى اللهِ یہ جار مجرور متعلق ہے كَذِبًا اسم حاصل مصدر بمعنیٰ جھوٹی بات کا۔ یہ مفعول بہ ہے اِفْتَرٰی فعل سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر ہے مبتداء کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر معطوف علیہ۔ واوَ عاطفہ مَا نافیہ مشبہ قائم مقام لَسْنَا دراصل ہے۔ لَسْنَا نَحْنُ نَحْنُ اس کا فاعل لَهٗ۔ جار مجرور پہلا متعلق بِ جارہ مُؤْمِنِيْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر برائے جمع متکلم اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ ضمیر۔ اس کا مرجع ہے مَلَؤٌ یہ اسم فاعل با فاعل جملہ اسمیہ ہوکر مجرور اور متعلق دوم لَسْنَا پوشیدہ فعل تامہ کا سب مل کر جملہ فعلیہ عامہ خبریہ ہوکر معطوف ہوا اِنْ هُوَ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر مقولہ پنجم ہوا۔ قَالَ الْمَلَؤُا اپنے پانچوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ اہل لغت فرماتے ہیں کہ اِفْتِرَاءٌ کا معنیٰ ہے کسی تجربے کے لئے کسی جانور کی کھال کاٹنا یا چیر پھاڑ کرنا مقصود اپنا فائدہ ہو زخمی کا فائدہ مراد و مقصود نہ ہو۔ خود بخود اس کا فائدہ ہو جائے یا نہ ہو خواہ زخمی تاب نہ لاکر مر بھی جائے تو پرواہ نہیں قرآنِ مجید میں یہ لفظ شرک کفر ظلم کذب کے لئے ہی استعمال فرمایا گیا ہے اس کا مادہ فَرْیٌ ہے جس کا معنیٰ ہے کسی کے فائدے کے لئے ہی اس کی کھال کاٹنا یا چیر پھاڑ کرنا جیسے ڈاکٹروں کا اپریشن کرنا۔ فَرْیٌ کو باب افعال میں لاکر اِفْتِرَاءٌ کا معنیٰ ہے صرف فساد اور ہلاکت کے لئے کسی کی کھال کاٹنا یا چیر پھاڑ کرنا اپنا کوئی مفاد نہ ہو۔ (روح البیان)

تفسیر عالمانہ

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ ﴿۳۵﴾
هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوْعَدُوْنَ ﴿۳۶﴾ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۷﴾ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ
افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۸﴾ اے قوم والو! ہم تم کو اس لئے بار بار سمجھا رہے ہیں کہ تم لوگ عقل کے کچے' تجربے کے کمزور اور مشاہدے کے بے سمجھ ہو' تاریخوں اور کتابوں کے مطالعے اور اپنے بڑوں کی باتیں سن کر ہمارا تجربہ ہے کہ اس قسم کی باتیں نری کہانیاں اور کہاوتیں ہی ہوتی ہیں اور دعوے نبوت کرنے والے اکثر جھوٹے و غلط بیان ہوتے ہیں۔ لہٰذا بچو اس سے۔ اور البتہ اگر تم نے اس اپنے جیسے بشر و عام انسان کی اطاعت کرلی اور اپنا آبائی اصلی دین و بت پرستی چھوڑ دی اور اس کا بتایا ہوا توحید و رسالت والا دین قبول کیا تو ہم سچی و تجربہ شدہ بات کہتے ہیں کہ بیشک تم اس دن سے ہر طرح کا نقصان پانے اٹھانے کمانے حاصل کرنے والے ہو جاؤ گے۔ پوری زندگی کہیں تمہارا کوئی فائدہ نہ ہوگا نہ اپنوں میں نہ پرایوں میں نہ قوم قبیلہ برادری میں اور نہ ہم میں عزت' محبت الفت مروت پاؤ گے۔ نہ عوام و خواص میں۔ کیا تم یہ حالات و نقصانات برداشت کرلو گے اور اس کی اتباع و اطاعت کر کے یہ سب مخالفت و دیوی دیوتاؤں کی معاقبت جھیل سکو گے۔ قوم ثمود کے امراء سردار محض اپنی سرداری و امارت کو باقی رکھنے کے لئے اس طرح کی دھمکی آمیز نصیحتیں لوگوں کو بلا بلا کر دعوتیں کھلا کھلا کر محفلیں سجا

marfat.com

سجا کر مجالس میٹنگ بنا بنا کر۔ مال و دولت لٹا لٹا کر ایڑی چوٹی کا زور لگا لگا کر۔ اکثر وقت گھروں میں جا جا کر سمجھایا کرتے تھے ان امرا کو بتوں کی محبت دین آبائی کی الفت سے زیادہ اپنی حکمرانی بچانے کی فکر تھی اور یہ ڈر تھا کہ کہیں یہ لوگ حضرت صالح علیہ السلام کا دین قبول کر کے ان کو ہی اپنا سردار نہ بنالیں۔ فقط اسی خطرے کے پیشِ نظر قوم کو بہکا رہے تھے آستانہ ونبوت سے ہٹا رہے تھے دین حق سے ورغلا رہے تھے۔ اور اپنی اس دنیوی خوشحالی کو اپنی سچائی وحقانیت کی دلیل بنا رہے تھے۔ اَمراءِ قوم کو یہ اعتراض نہ تھا کہ حضرت صالح نبوت کے ذریعہ سردار قوم بننا چاہتے ہیں اس لئے کہ سردارِ قوم وہ قومی خاندانی اعتبار سے پہلے ہی تھے۔ بلکہ بڑے بڑے سردار آپ کی بڑائی وحسن کارکردگی واعلیٰ اخلاق کو مانتے تھے جیسا کہ سورۃ ہود کی آیت ۶۲ میں امراء ثمود کا قول ان لفظوں میں نقل فرمایا گیا۔ قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَآ۔ یعنی سب بڑے چھوٹے عوام و خواص اس حقیقت کے قائل تھے اور کہا کرتے تھے کہ اے صالح تم ہم میں پہلے سے ہی ہونہار ذی عقل و بڑے آدمی ہو۔ اس حقیقت کا اعتراف اس لئے تھا کہ صالح علیہ السلام امیر ہونے کے علاوہ بہت سخی' مہمان نواز حاجت روا' مشکل کشا' غریبوں' یتیموں' بیواؤں کی دادرسی فرمانے والے صاحب خلق عظیم تھے اور قوم میں سب سے اونچے خاندان وقبیلے کے تھے۔ اس لئے سردارانِ قوم کو افرادِ قوم کے ورغلانے' حق سے ہٹانے کے لئے۔ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْكُمْ۔ کہنے کی ضرورت نہ تھی نہ یہ بہانہ چل سکتا تھا اس لئے قوم کو آستانہ نبوت سے ہٹانے کے لئے امراء نے تین شبہات تراش کر پیش کئے۔ پہلا شبہ حیات بعد الموت کی حقیت کے انکار سے۔ دوسرا شبہ حسابِ قیامت کی حقانیت میں۔ تیسرا شبہ نبوت صالح علیہ السلام کے برحق ہونے میں۔ یہاں ان تینوں شبہوں کا ذکر کیا گیا۔ چنانچہ اَیَعِدُكُمْ (الخ) میں پہلا شبہ اور وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ میں دوسرا شبہ۔ اور وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِیْنَ میں تیسرا شبہ مذکور ہوا۔ ابتداء آفرینش سے تاقیامت ہر کافر اور فاسق کے ذہن شیطانی میں یہ خیالِ باطل سمایا ہوا ہے کہ یہ جہان میٹھا اگلا کس نے دیکھا اور یہ خیالِ باطل ذہنوں میں اتنا راسخ ہو چکا ہے کہ اس کے خلاف کسی کی بھی نصیحت سننے کے لئے تیار نہیں نہ مشغولیت عیاشی دنیا سے منہ موڑنے کے لئے آمادہ ہوتے ہیں۔ اسی دھوکے اور غلط فہمی کی بنا پر سب کفار وفساق اپنی قیمتی عمر کوشش و ہمت' تعلیم وتربیت' قیمتی سانسیں سب کچھ فقط دنیوی دولت عیش وآرام سکون چاہتِ عزت حاصل کرنے میں برباد کر دیتے ہیں۔ یہی خیالِ خام حیاتِ دنیوی کو تباہ کر رہا ہے کہ

یہ جہاں یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور اپنی اپنی بولیاں سب بول کر مر جائیں گے

ہم نہ ہوں گے خود تو پھر نسلوں میں آتے جائیں گے۔ دیگر کفار کی طرح قوم ثمود بھی اسی باطل ذہنیت وہمیت میں مبتلا تھی اور دینِ نبوت قبول کرنے میں منکر تھی۔ انکار کی وجہ سے بار بار مختلف اعتراضات کئے جاتے۔ جب کسی انسان کے ذہن میں یہ خلاف حقیقت کفریہ بات بیٹھ جائے کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں نہ قیامت نہ حساب وکتاب نہ ثواب عذاب نہ جنت دوزخ کچھ بھی نہیں تو لازماً وہ انسان اس دنیا میں ہر طرح توجہ دے گا' اور حلال وحرام ظلم وجفا کی پرواہ کئے بغیر پوری زندگی دنیا سازی میں ہی لگانے کی کوشش کرے گا۔ بلکہ دولت قوت عزت مل جانے پر زمین پر غرور سے اتراتا دندناتا پھرے گا۔ یہ ذہنی غرور ہی انسان کو کفر وشرک فسق نافرمانی گستاخی اور ظلم وجبر پر اکساتا ہے۔ پھر حالت یہ ہوتی ہے کہ

دن عیش میں کھوتا اسے اور رات بھر سوتا اسے خوف خدا شرمِ نبی وہ بھی نہیں یہ بھی نہیں

marfat.com

قوم ہو یا فرد اصل ہو یا نسل ایسی بد دماغ ذہنیت والے انسان اپنے اوپر کسی کی برتری برداشت نہیں کرتے نہ نبی ولی کی نہ دین و مذہب کی نہ عالم عابد کی نہ شریعت وحقیقت کی اور اسی بد دماغی کی بنا پر جانتے سمجھتے ہوئے بھی ہزاروں حقیقتوں کا انکار کر دیتے ہیں۔ اور دوسروں کو ورغلانے کے بہانے واعتراض تراشے جاتے ہیں کبھی حیات بَعْدَ الْمَمَات کا انکار کبھی حساب کتاب کبھی بعثت قیامت کا۔ انبیاء علیہم السلام ان ہی کفریات سے لوگوں کو بچانے کے لئے قولی وعملی تبلیغ فرماتے ہیں۔ اس لئے ضدی کفار اپنے لغو نظریات جھوٹے متصورات باطل دینیات خود ساختہ وھمیات اور آبائی شرکیات کو بچانے کیلئے سب کچھ جانتے پہچانتے ہوئے بھی نبوت کا انکار کر کے قوم سے کراتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے لوگو کیا یہ شخص تم سے ایسے وعدے کرتا ہے جو غلط بھی ہے حیران کن بھی اور پھر کس جرات ویقین سے کہتا ہے کہ جب تم مر جاؤ گے مر کر مٹی ہڈیاں بھی ہو جاؤ گے اس طرح کہ تمہارے گوشت پوست ورگیں پٹھے دل و دماغ اندرونی بیرونی اعضا مٹی خاک دھول ہو جائیں گے اور تم خالی خشک بوسیدہ بکھری ہڈیاں ہو جاؤ گے یا ڈھیر وڈھانچہ بن جاؤ گے ایسی حالتِ فنا ہونے کے بعد بھی اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ۔ بیشک تم سب مردہ انسان اپنی اپنی قبروں سے جیتے جاگتے زندہ کر کے نکالے جاؤ گے۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ۔ ہائے ہائے توبہ توبہ کتنی غلط کتنا جھوٹ کیسی بے عقلی کی بات ہے جو اس شخص کی زبان وایمان دین وایقان سے نکل رہی ہے۔ لِمَا تُوْعَدُوْنَ۔ جس کا تم وعدہ دیئے جا رہے ہو اور اس پر ایمان لانے عقیدہ بنانے کا حکم دیئے جا رہے ہو۔ ناممکن ناممکن ہے اتنا مشکل کام کیسے ہو سکتا ہے۔ اور کون کر سکتا ہے۔ اور یہ شخص تو یہ بھی کہتا ہے کہ مرنے کے بعد دوسرا جہان قائم ہوگا قیامت برپا ہوگی اور دنیا کے تمام ظاہر وپوشیدہ اعمال و اقوال کا حساب وثواب وعذاب ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کے دربار میں اس طرح زندہ کر کے حاضر کئے جاؤ گے۔ حالانکہ یہ سب قول وقرار وعدہ وعید مذہب وعقیدہ غلط ہے کیونکہ حق سچ یہ ہے۔ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ۔ کہ اس شخص کی نبوت اور دینی تبلیغ درست نہیں ہمارا کہنا ہی درست ہے کہ اس موجودہ زندگی کے علاوہ کوئی دوسری تیسری زندگی نہیں بس اسی سرزمین دنیا پر ہے جو کچھ بھی ہے اور موت وحیات کا یہ موجودہ طریقہ صدیوں سے جاری ہے صدیوں تک جاری رہے گا۔ ہم موجودہ لوگ اصلیں ونسلیں شخصیتیں مرتے رہیں گے اور آنے والی نسلیں پیدا ہوتی جنم لیتی رہیں گی، زمین کی چھل پہل تا ابد ایسی ہی رہی گی کہ کوئی مرتا ہوگا کوئی پیدا ہوگا کہیں موت کا ماتم کہیں ولادت کی مبارک۔ جو مر گئے سو ابدی فنا۔ اس لئے ہم میں سے کسی نے بھی نہ زندہ ہو کر اٹھنا ہے نہ قیامت کا حساب کتاب دینا ہے نہ عذاب ثواب لینا ہے۔ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ نِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ یہ شخص نبوت ورسالت کا دعویدار اپنے دین وعقائد کے بارے میں جو کچھ بھی دعویداری کرتا ہے یہ سب باتیں اللہ پر جھوٹا افترٰی بناتا ہے غلط بیانی کرتا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک عام معمولی انسان، ہم تم جیسا بشر نبی رسول بنا دیا جائے۔ نبی ہونا کوئی عام ومعمولی بات ہے اس کی تو ہر بات ہر کام کسی خاص مخلوق جیسا ہونا چاہئے۔ اسی وجہ سے ہم تو اس کی نبوت اس کے دین، دینی باتوں عقیدوں وعدوں وعیدوں پر ایمان لانے والے نہیں۔ یہی بات اے لوگو ہم تم کو سمجھانا چاہتے ہیں کہ یہ شخص اپنی کسی بات میں سچا نہیں نہ دعوے نبوت میں نہ قیامت وحیات و حساب وکتاب ثواب وعذاب کے وعدہ ووعید میں۔

marfat.com

ان آیت میں اختلافی اقوال

لَئِنْ کے لام میں دوقول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ یہ قسمیہ ہے۔ اور آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ ہم قسم کھا کر کہتے ہیں کہ اگر تم نے اس شخص کی اطاعت کی تو نقصان میں رہو گے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ لام تاکید یہ ہے اور آیت کا معنی ہے کہ غور سے سنو ہم بار بار کہہ رہے ہیں کہ اگر اس کی اطاعت کی تو نقصان اٹھاؤ گے۔ مِتُّمْ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرئت مِتُّمْ ہے باب فَتَحَ سے مَاتَ یَمَاتُ کا ماضی مطلق معروف جمع مذکر حاضر۔ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت میں مُتُّمْ ہے باب نَصَرَ کا ماضی مطلق جمع مذکر حاضر معروف مَاتَ یَمُوْتُ سے یہ قرئت شاذ ہے مگر معنی میں کوئی فرق نہیں۔ اَیَعِدُکُمْ اَنَّکُمْ کی قرئت میں دوقول اکثر کی قرئت میں اَنَّکُمْ موجود ہے یہ قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے (۲) بعض کی قرئت میں اَنَّکُمْ نہیں ہے اور آیت اس طرح ہے اَیَعِدُکُمْ اِذَا مِتُّمْ۔ لِمَا تُوْعَدُوْنَ کی قرئت میں دوقول۔ ا۔ اکثر کی قرئت میں لِمَا تُوْعَدُوْنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت میں مَا تُوْعَدُوْنَ ہے بغیر لام جارہ پہلی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب نَمُوْتُ وَ نَحْیَا کی قرئت ترتیب میں دوقول۔ ا۔ اکثر کی قرئت میں نَمُوْتُ پہلے ہے نَحْیَا بعد میں۔ یہی ترتیب درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کے نزدیک۔ نَحْیَا وَ نَمُوْتُ ہے۔ نَمُوْتُ وَ نَحْیَا کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ اس کا ترجمہ ہے ہم میں کچھ مرتے ہیں کچھ مولود پیدا ہوتے ہیں۔ یہی ترجمہ درست ہے کیونکہ اکثریت کا ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے ہم پہلے نہ تھے پھر نَحْیَا زندہ ہوئے۔ پھر مر کر ختم ہو جائیں گے یعنی پہلے بھی فنا تھی بعد موت پھر مر کر فنا ہو جائیں گے۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ ہم موجودہ لوگ نَمُوْتُ مرتے جائیں گے اور ہمارے بعد ہماری نسل اولاد چلے گی جس سے ہمارا نام زندہ ہوگا اور نَحْیَا گویا ہم ہی زندہ ہو گئے۔ کیونکہ اولاد کی زندگی آباء واجداد کی حیات ہے پھر ان کے بعد ان کی نسل ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہے گا۔ عِظَامًا اَنَّکُمْ کی قرئت میں دوقول۔ ا۔ اکثر علماء قرئت نے فرمایا کہ یہاں اَنَّکُمْ ہے۔ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اَنَّکُمْ نہیں ہے اور آیت اس طرح ہے۔ عِظَامًا مُّخْرَجُوْنَ یہ عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے مگر شاذ ہے۔

فائدے

ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** مسلمانوں کو عبرت دلائی جارہی ہے کہ خدا جب دین لیتا ہے عقل بھی چھین لیتا ہے دیکھو بدنصیب کفار کو۔ اوّلاً اپنے نبی علیہ السلام کی اطاعت واتباع میں نقصان نظر آیا صرف اس بنا پر کہ یہ شخص ظاہراً ہماری طرح کھاتا پیتا چلتا پھرتا سوتا جاگتا ہے یعنی نبوت کے لئے اتنی شرطیں کہ ایسا نہ ہو ویسا نہ ہو۔ لیکن اپنے ہاتھوں سے بنے ہوئے بتوں کی پوجا پرستش میں نقصان وحماقت نظر نہیں آیا حالانکہ بت مورتی کا اعلیٰ واکبر ہونا تو درکنار کسی بھی چیز میں مثل ومشابہ نہیں۔ بلکہ ہر اعتبار سے گھٹیا ناقص، بے بس بے کس ہیں ایسی چیز کو الٰہیت جیسی عظیم وزبردست درجہ پر ماننے میں کوئی سوچ سمجھ عقل فکر کی شرط وقید نہیں۔ مگر کسی سچے نبی کو نبی ماننے میں اتنی احمقانہ شرطیں وقیدیں آج کل بہت سے بدعقل مسلمان بھی صحبت بد کے اثر سے کھیل تماشے فسق وفجور اور ہر طرح دولت کمانے میں دن رات بے سوچے سمجھے اندھا دھند مشغول ہو جاتے ہیں نہ حلال کی تلاش نہ حرام سے پرہیز نہ انجام کا خوف مگر دین شرعی معاملات وعملیات میں اور علماء و

marfat.com

مشائخ کی تعلیم وتربیت پر ہزار قسم کے طعن واعتراض اور شرطیں لگاتے اور سہولتیں تلاش کرتے ہیں سابقہ امتوں کی طرح کہتے پھرتے ہیں کہ یہ تنگ نظر مولوی یہ خشک ملا عجیب ہے کبھی کھیلوں سے روکتا ہے کبھی میلوں کے تماشوں سے کبھی سود کی کمائیوں سے کبھی جوئے کی برائیوں سے کبھی انگریزی لباس سے ٹائی صلیب سے۔ عورتوں سے پردہ کرواتا ہے۔ مردوں کی داڑھیاں بڑھواتا ہے۔ کبھی کہتا ہے یہ حرام ہے وہ حرام ہے۔ اے لوگو اگر ان مولویوں کی اطاعت واتباع کر کے ان کی مانو گے تو تم ہمیشہ نقصان میں ہی رہو گے دنیا کی ہر قوم سے پیچھے رہ جاؤ گے۔ کوئی اعتراض وطعن اس طرح کرتا ہے کہ

قوم کیا چیز ہے قوموں کی حقیقت کیا ہے اس کو کیا جانے یہ ملا یہ دو رکعت کا امام

غرضکہ بالکل قوم ثمود والی باتیں لیکن جس طرح سابقہ امتیں وقوم ثمود انبیاء علیہم السلام سے دور ہو کر اور سرداروں کی مان کر اصلی حقیقی ابدی نقصان میں رہیں۔ اسی طرح آج کے یہ آزاد خیال نام نہاد بے علم مسلمان علماء مشائخ سے دور رہ کر اور اپنے فساق و بے شرع لیڈروں شاعروں کی باتوں میں آ کر دینی دنیوی اخروی ابدی نقصانِ عظیم وکثیر میں ہیں وہاں قیامت میں نہ ان کو یہ شاعر بچا سکیں گے نہ لیڈر۔ یہ فائدہ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ کی پوری آیت سے حاصل ہوا۔ مسلمانوں کو قوم ثمود اور ان کے انجام بد سے عبرت لینی چاہئے۔ یہ واقعات سنانے کا مقصد بھی عبرت دلانا ہے۔ کیونکہ آج کل بھی بھیڑیا نما مَلَؤُ الْقَوْمِ دشمنِ دین بہت پھر رہے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** قرآنِ مجید سے ثابت ہے کہ پچھلی بہت سی قومیں اللہ تعالیٰ کو مانتی تھیں لیکن اس کے باوجود ان کو کافر وظالم بے دین قرار دیا گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اللہ تعالیٰ کو ماننا یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی تعلیم وتربیت کو مانا جائے وہ قومیں اللہ تعالیٰ کو مانتی تھیں اپنے کافر جاہل آباء واجداد کی تعلیم وتربیت سے قرآن مجید میں انبیاء وتعلیم انبیاء کو حَبْلُ اللّٰہِ یعنی اللہ تعالیٰ کی رسی فرمایا گیا۔ (سورہ آل عمران آیت ۱۰۳) منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مانا جائے۔ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وتربیت سے عملی وقولی تبلیغ سے۔ یہ حبل اللہ اتنی دراز ہے کہ نبوت سے شروع ہو کر چار خلفاء راشدین سے ہوتی ہوئی تابعین تبع تابعین پھر علماء فقہاء مشائخ اولیاء صوفیاء تا قیامت حبل اللہ ہے۔ ایک وقت تھا جب صرف انبیاء علیہم السلام کو ماننا ہی رب تعالیٰ کو ماننا ہوتا تھا پھر اب انبیاء صحابہ اور علماء اولیاء علیہم السلام کو ماننا رب تعالیٰ کو ماننا ہے۔ پہلے زمانے کے کفار کا طریقہ تھا کہ بشریت نبی کی ظاہری مماثلت کا بہانہ بنا کر نبوت کا انکار کرتے ہوئے تمام ایمانیات کا انکار کرتے چلے جاتے تھے پھر بھی دعویٰ تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں ہم تو صرف اس شخص کے دعوئے نبوت اور مذہبی تبلیغ وتعلیم وتربیت کا انکار کر رہے ہیں۔ بدبخت یہ نہ سمجھتے تھے کہ اس نبوت کے انکار سے توحید' قیامت' حیات بعد الممات حساب کتاب جنت دوزخ ثواب وعذاب سب کا ہی انکار ہو گیا اس مکمل گمراہی کے باوجود شیطان نے ان کے دل ودماغ میں بٹھا دیا تھا کہ تم ہی حق پر ہو۔ اور یہ شخص افتری کر رہا ہے۔ یہی بیماری آج بہت سے باطل فرقوں۔ گمراہ لوگوں میں پیدا ہو گئی ہے کہ توحید ماننے کا بہانہ بنا کر انبیاء علیہم السلام کی گستاخی کے مرتکب اور انبیاء علیہم السلام کی شان وصفات کے منکر ہیں اسی طرح کچھ فرقے انکار صحابہ کی آڑ لے کر اللہ رسول' قرآن وحدیث کلمہ اذان سب کا انکار کر رہے ہیں یونہی آزاد خیال گمراہ آوارہ ذہنیت کے لوگ مشائخ کی مخالفت پر کمربستہ ہیں اور اس مخالفت کی آڑ میں شریعت طریقت حقیقت معرفت تصوف اسلامی تعلیم وتربیت سب کا انکار سب سے بیزار پھر رہے ہیں۔ مولوی کا نام لے کر تمام ایمانیات کا انکار ہو رہا ہے کہ مولوی کی

marfat.com

یہ نہ مانو وہ نہ مانو۔ یہ عبرت انگیز سبق و فائدہ اِنْ هُوَ اِلَّا رَجُلُ ۨ افْتَرٰی۔ (الخ) کی پوری آیت میں کفار کی بری خصلت بیان کرنے اور تا قیامت مسلمانوں کو سنانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جب شیطان کسی پر اپنی شیطانیت کا پردہ ڈال دیتا ہے تو وہ بدقسمت انسان اپنی ذہنی بات کے سوا کسی کی بات صحیح نہیں سمجھتا اس کو بس اپنی بات ہی درست و حق نظر آتی ہے۔ یہ فائدہ قوم ثمود کے اس لغو وبیہودہ قول کے ذکر فرمانے سے ہوا جو اس نے اپنے نبی صالح علیہ السلام کی دینی تبلیغ کا انکار کرتے ہوئے تمسخر انداز میں هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ کہہ کر تردید نبوت و انکار ایمان میں کہا تھا۔ آج کل مسلمانوں میں ایسے بہت سے لیڈر پیدا ہو گئے ہیں جو اپنی عقل کے علاوہ کسی کو صحیح ماننے پر تیار نہیں یہاں تک کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین و مجتہدین عظام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین پر بھی اعتراض کرنے سے نہیں ڈرتے اور اب تو ان علماء محققین و متبحرین کے اقوال مبارکہ پر احمقانہ اعتراض کرنا شیطانی رواج و فیشن بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو سچی فہم و ہدایت عطا فرمائے۔

اَحکام القرآن

ان آیٰت پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** موت کے بعد حالات کے بارے میں مختلف انسانوں کے چھ قسم کے مختلف عقیدے ہیں۔ ۱۔ دینِ اسلام اور ہر نبی علیہ السلام کا عقیدۂ ایمانی حقیقی یہ ہے کہ انسان خواہ کسی طرح مرے اور اس کے ساتھ جو بھی سلوک کیا جائے دفن یا جلانے یا ڈوبنے اور مچھلیاں کھا جانے کا یا زمین پر جانور درندہ کھا جائے یا کھلا دیا جائے یا جلا کر راکھ بنا کر اڑا دیا جائے۔ سب مردوں نے دوسرے صور پھکنے پر اسی دنیوی شکل و جسم کے ساتھ زندہ ہو کر اٹھنا ہے اور حساب و کتاب عذاب و ثواب کے لئے میدانِ محشر میں بروز قیامت حاضری بارگاہِ رب تعالیٰ کے لئے جمع ہونا ہے نیز موت نام ہے روح و جسم کی جدائی کا۔ روح کو ہمیشہ ہر طرح بقا ہے اور اجسام کو عارضی برزخی خاک یا راکھ ہو کر فنا ہے۔ یہ عقیدہ برحق ہے۔ ۲۔ کفار کا ایک فرقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ مرنے کے بعد تناسخ ہو جاتا ہے یعنی مردے کی روح دوسرے جسم میں ڈال دی جاتی ہے۔ ۳۔ کچھ کفار کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد آواگون ہو جاتا ہے یعنی جسم فنا اور روح مختلف شکلوں میں بھوت پریت بن کر بھٹکتی رہتی ہے۔ ۴۔ بعض کفار کا عقیدہ ہے کہ انسان مر کر دوسرا اور تیسرا جنم لیتا ہے یعنی پہلے جنم میں کسی کا باپ ہوتا ہے تو دوسرے جنم میں اپنے بیٹے کے گھر پیدا ہو سکتا ہے۔ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ مِنْ هٰذَا الْخُرَافَاتِ۔ ۵۔ کچھ کفار کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد جسم بھی روح بھی فنا، یہی قومِ ثمود کا عقیدہ تھا بعض اہلِ عرب کا بھی یہی عقیدہ تھا۔ ۶۔ کچھ کافر فرقوں کا عقیدہ ہے کہ جسم کو فنا ہے مگر روح دنیا میں ہی آزاد پھرتی ہے اور مندروں مرگھٹوں ویرانوں میں رہتی ہے۔ یہ چھیوں عقیدے باطل و کفریہ ہیں کیونکہ ان سب میں قیامت کا انکار اور حقیقت کا خلاف ہے۔ یہ مسئلہ اِنْ هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا۔ کی پوری آیت کے بیان سے مستنبط ہوا اور بتایا گیا کہ کفار کے تمام نظریات غلط ہیں۔ **دوسرا مسئلہ:** بہت سی سابقہ کافر قومیں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات مانتی تھیں وجودِ الٰہی کی منکر نہ تھیں نہ ذاتِ باری کی منکر دہریہ تھیں نہ صفاتِ الٰہیہ کی منکر قدریہ فرقہ تھا۔ قوم ثمود بھی کئی صفات کے قائل تھے۔ یہ قومیں کافر اس لئے شمار ہوئیں کہ اپنے نبی اور تمام انبیاء علیہم السلام کے منکر و گستاخ تھے۔ اسی انکارِ نبوت کی ضد میں ہی اللہ تعالیٰ کی ہر اس صفت کے منکر اور شان و فرمان کے نافرمان ہو جاتے تھے جو ان کے نبی علیہ السلام بیان فرماتے اور تبلیغ نبی جس پر ایمان لانے کا حکم فرماتی۔ یہاں دو باتیں

marfat.com

ثابت ہوئیں ایک یہ کہ صرف خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کو مان لینا ایمان نہیں جب تک کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت اور ان کی تعلیم کو نہ مانا جائے۔ لہٰذا مفسروں کا یہ کہنا کہ زُرتشت وغیرہ کو کافر نہ کہو یہ لوگ توحید کو مانتے تھے۔ یہ عقیدہ کفریہ ہے کیونکہ اولاً تو توحید کا ہی ثبوت نہیں فرضاً اگر ہو بھی تو نبوت پر ایمان کا ان لوگوں کی تعلیم میں اشارہ تک نہیں ملتا۔ دوسری بات یہ کہ نیک اور حق لوگوں سے حسد بغض جلا پا رکھنا ضد باندھنا کفار کا طریقہ ہے۔ جس سے بندے کا اپنا ہی نقصان ہے۔ اس لئے شریعت میں سب سے بڑا جرم یہی ہے۔ نیز جس طرح نبی علیہ السلام کی مخالفت وانکار اللہ تعالیٰ کی مخالفت وانکار ہے اسی طرح سلسلہ بسلسلہ صحابہ کرام یا علماء عظام یا اولیاء اللہ کی مخالفت ونافرمانی اللہ رسول کی مخالفت ونافرمانی ہے کیونکہ وسیلہ بلا وسیلہ اور بلا واسطہ یا بالواسطہ پیغام سب کا ایک ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بات اللہ تعالیٰ کی ہی بات ہے اور صحابہ علماء اولیاء کی بات دراصل انبیاء کی ہی بات ہے اس لئے کسی کی بات کا انکار اللہ تعالیٰ کا ہی انکار ہے۔ یہ مسئلہ وَّمَا نَحْنُ لَهٗ بِمُؤْمِنِيْنَ کے نقلِ قول کفار سے مستنبط ہوا۔ قومِ ثمود نے ظاہراً رب تعالیٰ کا انکار نہ کیا تھا مگر رب تعالیٰ نے اس انکارِ نبوت کو اپنا ہی انکار فرما کر کفر قرار دیا اسی بنا پر عذابِ ہلاکت نازل ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** انسانوں کے فوت ہونے کے بعد ان کا اصل مقام قبر ہے فطری اور عقلی طور پر بھی ہر مردے کو قبر میں ہی دفن کرنا چاہئے ہر شریعت نبوی کا بھی یہ ہی حکم رہا اور فطرتِ انسانی کا بھی شروع سے یہی طریقہ مروج رہا۔ یہاں تک کہ پہلے زمانوں کے کفار بھی اپنے مردوں کو قبروں میں ہی دفن کرتے تھے۔ کبھی کسی دور میں کسی بھی مذہب نے دفن کے علاوہ کوئی دوسرا طریقہ نہ اپنایا۔ مذہب حق ہو یا باطل کفار دہریہ ہوں یا بت پرست۔ یہ تو ہندوستان کے ہندوؤں نے اپنی خود پسندی سے جلانے کا رواج بنا لیا ورنہ ان کا مذہب بھی مردے جلانے کا حکم نہیں دیتا۔ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی سکھوں نے بھی جلانا شروع کر دیا۔ موجودہ مجوسی زرتشی اپنے مردوں کو ٹیلوں پہاڑوں یا جنگلی میدانوں میں ننگا کر کے رکھ دیتے ہیں مردہ گائے بھینس کی طرح تاکہ جانور کھا جائیں۔ اب موجودہ دور میں صرف یہود ونصاریٰ اور مسلمان ہی اپنی فوت شدہ میتوں کو دفن کرتے ہیں۔ منشاءِ قدرت بھی یہی ہے کہ ہر مردہ دفن کیا جائے یہی وجہ ہے کہ زمین پر پہلے مردہ انسان ہابیل کو ٹھکانے لگانے کے لئے قدرتِ الٰہیہ نے کوے کو انسان کا استاد بنا کر بھیجا جس نے مردے کوے کو دفن کر کے انسان کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔ اس وقت سے ہر انسان مومن وکافر اپنے مردوں کو دفن کرتے چلے آ رہے ہیں۔ سب سے پہلے نمرود کی لاش جلائی گئی۔ مذہبی عقیدے سے نہیں بلکہ بددعاءِ خلیل کی وجہ سے نمرود کو دماغی بیماری ہوئی وہ اس چارسو سالہ بیماری سے سسک سسک کر مرا۔ لوگوں نے بیماری پھیلنے کے خوف سے اس کو جلایا تاکہ اس کی بیماری بھی جل جائے۔ وہاں سے یہ رواج بن کر مصر پہنچا۔ مصر سے ہندوستان میں چونکہ نمرود کے سر میں بیماری تھی اس لئے نمرود کے سر کو بار بار جلایا گیا تھا۔ اب ہندو بھی مردے کے سر کو زیادہ جلاتے ہیں۔ اگرچہ نیتوں کا فرق ہے کہ وہاں سر کی بیماری کے خوف سے ہندوؤں کا کہنا ہے اس طرح روح کو شانتی وسکون ملتا ہے۔ یہ مسئلہ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دیکھو قوم ثمود نے مردوں کے مٹی ہڈیاں ہو جانے کا ذکر کیا یہ سب کچھ دفنِ قبور سے ہوتا ہے۔ جلانے سے سب کچھ راکھ بن جاتا ہے اور راکھ دریا میں بہائی یا صحرا میں پھیلا دی جاتی ہے۔

marfat.com

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں کفار کا یہ قول نقل کیا گیا کہ سردارانِ قوم نے عوام سے کہا کہ اگر تم نے اس شخص کی اطاعت کی تو تم نقصان میں رہو گے۔ چاہئے تھا کہ ایمان کا ذکر کرتے یعنی اگر تم اپنے جیسے بشر پر ایمان لائے تب نقصان اٹھاؤ گے۔ اس لئے کہ اطاعت عارضی وقتی اور ایک یا دو باتوں کے حکم میں ہوتی ہے۔ مگر ایمان دائمی اور ہر چیز ہر حکم میں ہوتا ہے۔ اس لئے بقول مَلَوءُ الْقَوْمِ نقصان ایمان لانے سے ہوسکتا تھا نہ کہ محض اطاعت سے نیز ایمان دل و جان کی محبت اور قلب و زبان کی تصدیق و اقرار سے ہوتا ہے مگر اطاعت صرف اعضاء سے۔ اطاعت تو خوف خدا سے بھی کر لی جاتی ہے جس کی بنیادی حیثیت کچھ نہیں ہوتی نیز ایمان پہلے ہوتا ہے اطاعت بعد میں ان وجوہ سے یہاں اٰمَنْتُمْ ہونا چاہئے تھا نہ کہ اَطَعْتُمْ کیونکہ جس نقصان کا تذکرہ کفار کرتے تھے وہ ان کے خیالِ باطل میں ایمان لانے سے ہونا تھا نہ کہ فقط اطاعت سے۔ **جواب:** دراصل اَطَعْتُمْ کا تعلق اُعْبُدُوا اللّٰهَ سے ہے۔ اور اُعْبُدُوا اللّٰهَ کا تعلق مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ سے ہے۔ اس جگہ حضرت صالح کی تبلیغ میں چونکہ صاف لفظوں سے ایمان کا ذکر نہیں اس وجہ سے کفار امراء کے روکنے میں بھی ایمان کا ذکر نہیں۔ خیال رہے کہ حکم تین طریقوں سے مانا جاتا ہے۔ ۱۔ عقیدۃً ایمان لا کر۔ ۲۔ عملاً اطاعت کر کے۔ ۳۔ نقلاً اتباع کر کے۔ ایمان کا تعلق حقانیت تسلیم کرنے سے ہے۔ اطاعت کا تعلق قول ماننے سے ہے خواہ کیسا بھی حکم ہو دینی یا دنیوی اپنے لئے یا کسی کے لئے۔ اتباع کا تعلق فعل کی نقل کرنے سے ہے۔ صالح علیہ السلام کی یہ مذکورہ تبلیغ اگرچہ چند لفظوں کی تھی مگر اتنی فصیح و بلیغ جامع مانع تھی کہ اس میں ایمان اعمال اتباع اطاعت و عبادت کا حکم ماننے کے تینوں طریقوں کا ذکر آ گیا گویا کہ آپ نے ان سب کا ہی حکم فرمایا۔ اور حکم ماننا ہی اطاعت ہے۔ اس لئے منکرین نے اس زوردار و جامع مانع عقلاً فہماً مدلل تبلیغ سے گھبرا کر سرداری چھن جانے کے خوف سے فوری طور پر عوام کو روکتے ہوئے اطاعت نہ کرنے کا ذکر کیا کہ اے لوگو! صالح کا حکم نہ ماننا کسی بھی کلمہ کی اطاعت نہ کرنا نہ اُعْبُدُوا اللّٰهَ کے عمل و اعتقاد کی نہ مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ پر ایمان لانے کی نہ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کی اتباع کرنے کی۔ اس لئے کفار سرداروں کے نزدیک لَئِنْ اَطَعْتُمْ کہنا ہی درست تھا وہ سمجھ گئے تھے کہ اُعْبُدُوا اللّٰهَ کا حکم صرف عمل ہی نہیں بلکہ عبادت الٰہی پر ایمان لانے کا حکم ہے کیونکہ ساتھ ہی مَالَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ کا عقیدہ بھی بیان کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فرما کر اشارۃً اپنی اتباع کا بھی حکم فرما دیا۔ یعنی عبادت و ایمان ہی معتبر ہے جو انبیاء علیہم السلام کے عملی تقویٰ کے مثل تقویٰ والی ہو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ کفار نے کہا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا۔ جس کا ترجمہ ہے ہم مر جائیں گے اور ہم زندہ ہو جائیں گے۔ نَمُوْتُ کے بعد نَحْيَا کہنا تو حیات بعدِ موت اور حشر نشر قیامت کا اقرار ہے حالانکہ قوم ثمود کے کفار مرنے کے بعد زندہ ہونے و حشر و قیامت کے منکر تھے تو ان کا یہ قول اس طرح کیوں نقل کیا گیا۔

جواب: یہ جملہ محاورۃً ہے نہ کہ عقیدۃً مذہبی یا تاریخی خبر لہٰذا نَمُوْتُ وَ نَحْيَا کا معنی مرنا اور مرنے کے بعد زندہ ہونا نہیں ہے۔ یہاں جمع متکلم کا معنی بھی ذاتی فردیت و افراد نہیں بلکہ موجودہ اصل و نسل کی موت فنا اور آئندہ نسل و اولاد کا جنم لینا پیدا ہونا ہے۔ بتایا یہ جا رہا ہے کہ کافر کہتے تھے کہ ازل کی صدیوں سے ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے اور ابد کی صدیوں تک ایسا ہی ہوتا رہے گا کہ ہم میں جو پہلے پیدا ہوئے ہوں گے وہ مرتے جائیں گے اور جو بعد میں پیدا ہوئے یا آئندہ جنہوں نے پیدا ہونا ہے وہ

marfat.com

زندگی پاتے جائیں گے۔ یعنی موجودہ انسان وجودیت سے عدمِ نیست کی فنا میں جاتے رہیں گے اور آئندہ نسلیں عدمِ نیست سے وجودِ ہستی کی کچھ مدت بقاوظہور پاتے رہیں گے۔ ہم زندہ موجودہ لوگ رہائش دنیوی کی سیٹیں کرسیں چھوڑ دیں گے تب ہی تو آنے والے انسان ہماری چھوڑی ہوئی کرسیوں پر بیٹھیں گے یہ دنیا گویا ریل گاڑی ہے اور موت وحیات اسٹیشن ہے کہ کوئی ابدی فنا میں اترا کوئی عارضی بقا میں چڑھا سردارانِ کفر کا مقصدِ کلام یہ تھا کہ نَمُوْتُ دائمی فنا ہے اور نَحْیَا ولادتِ نسل ہے۔ یعنی نَمُوْتُ آباء کا نَحْیَا ابنا کا ہے۔ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا مفسرین اور اہل لغت فرماتے ہیں کہ اِفْتِرَآء کا معنی ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی طرف کوئی چیز یا کام یا کلام جھوٹ اور غلط بیانی کرتے ہوئے منسوب کرے کہ فلاں نے ایسا کہا یا کیا ہے۔ تو جب افتری کا معنی ہی جھوٹی نسبت کرنا ہے تو پھر بعد میں كَذِبًا کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ صرف اِفْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کہہ دینا کافی تھا۔ بلاضرورت ایک زائد لفظ کیوں بولا گیا۔

جواب: بلاضرورت نہیں بلکہ ضرورت ہے۔ اس لئے کہ افتری کا معنی ہے جھوٹی نسبت کرنا۔ لیکن اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ۱۔ جان بوجھ کر جھوٹی نیت کرنا یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ ۲۔ غلط فہمی میں جھوٹی نسبت کرنا اس طرح کہ زید کا نام لینا چاہا اور وہ سچی نسبت ہی تھی مگر ذہنی کمزوری کی وجہ سے یا عدمِ تعارفی کی بنا پر یا اتفاقاً بکر کی طرف نسبت کر دیتا ہے یہ چھوٹا جرم ہے۔ ۳۔ سنی سنائی یا اڑتی اڑاتی جھوٹی خبر کو بیان کرنا۔ یہ جرم نہیں جیسے کہ کسی سے سن کر جھوٹی افواہ پھیلانا یہ نادانی تو ہے مگر جرم نہیں۔ قوم کے سردار افترا کی پہلی صورت بیان کرنا چاہتے تھے کہ یہ شخص جانتے بوجھتے سمجھتے ہوئے اپنی تمام باتوں میں یعنی اپنی نبوت دنیا کی قیامت اللہ کی عبادت اور حیات بعد الممات میں اللہ پر افتری اور جھوٹی نسبت کر رہا ہے کہ مجھے اللہ نے یہ پیغام دے کر مرتبۂ نبوت رسالت عطا فرما کر مبعوث فرمایا ہے۔ افترا کی صورت کا تعین کرنے کے لئے افترا کے بعد تاکیداً كذبا کہا تھا جس کی یہاں نقل فرمائی گئی۔

تفسیر صوفیانہ

قالب ناسوتی کے اعضاء رئیسہ کی ہمیشہ یہی خواہش رہی ہے کہ اعضاء ظاہری کو عمل صالحات سے روکا جائے اسی لئے زبان ظاہری وتلقین باطنی وتقریرِ مخفی معدنی کے ذریعے ہردم اہل جہالت ورفقاء خباثت کا تمام زور کسب اسی تحریر وتقریر خطاب وقلم پر لگتا ہے کہ اے علاقۂ جسمانیت کے باسیو اور رہائشیو صرف ہماری سنو ہماری ہی مانو۔ اور ہمارا کہنا فقط یہی ہے کہ۔ وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ۔ اگر تم نے ہماری نہ مانی اور اپنے ہی جیسے اس قلب نامکمل وشعور ناقص کی اطاعت و فرمانبرداری کی اور اسی کی راہِ عبادت اختیار کی تو ہم یقین مقرب ومشاہدۂ مجرب وزبان محکم سے کہتے ہیں کہ بلاشبہ تم سب مطیعین ومتبعین اسی حیاتِ دنیوی میں بہت بڑے نقصان والوں میں سے ہوجاؤ گے یہ مِثْلُكُمْ تم کو دنیا کی ہر ترقی ہر برتری ہر فلاح و بہبود اور عزت دولت قوت شہرت رفعت و بلندی خوشنمائی سے دور ہی رکھنا چاہتا ہے۔ اَيَعِدُكُمْ اَنَّكُمْ اِذَا مِتُّمْ وَكُنْتُمْ تُرَابًا وَّعِظَامًا اَنَّكُمْ مُّخْرَجُوْنَ اور صرف دنیوی قومی ترقیوں اور باعزت قوموں سے دور کرنے جدا رکھنے کے لئے ہی کیا۔ ایسے لغو وعدے تم سے اور جھوٹی باتیں کرتا ہے کہ اس دنیا اور دنیا کی خوشحالیوں عیاشیوں لذتوں میں دل نہ لگاؤ بلکہ اگلے جہان کی ابدی اچھی زندگی کی تیاری کے لئے اچھائیوں میں معروف ومشغول ہوجاؤ۔ اور یہ بھی کہتا ہے کہ جب تم فنا کی موت

marfat.com

میں مرجاؤ گے اور تمہارے جسم و بدن مٹی ہو کر ہڈیاں بکھر جائیں گی تم دوسری زندگی میں زندہ کر کے قبروں سے نکالے جاؤ گے اور اگلا جہان سجاؤ گے۔ هَيْهَاتَ هَيْهَاتَ لِمَا تُوعَدُونَ۔ دیکھو یہ قلب ناقص کیسے کیسے دھو کے پھیلاتا ہے۔ قلب کا ہر کہنا محض فریب اور جھوٹا دل بہلاوا ہے یہاں تک کہ دل احمق کی طرف سے جو بھی تم وعدے دیئے جاتے ہو وہ سب کمزوریاں ہیں۔ یہ قلب نابکار تمہارا دوست وخیر خواہ نہیں بلکہ دشمن خونخوار ہے جو تم کو ظاہری موجود عیش وعشرت آرام وسکون لذت وطرب سے ہٹارہا ہے۔ قوم وقومی ترقی وتمدن سے دور کر رہا ہے۔ مسکین وذلیل بنارہا ہے۔ دیکھو دنیا والے ترقی کی منزلیں بھی عبور گئے مگر یہ ابھی تک مسجدوں کی چوکھٹوں پر مسجدوں کی پستیوں کی طرف ہی بلارہا ہے غیر قوموں کی دوڑ چاند تک مگر یہ اب بھی فقط خانقاہ درسگاہ تک مسجد ومحراب تک۔ حالانکہ اگر ہم اہلِ نفوس سے حقیقت عالم وجہان پوچھنا اور تسلیم کرنا چاہتے ہو تو سنو کہ۔ اِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوتُ وَنَحْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ۔ نہ کوئی دوسرا جہان ہے نہ کوئی دوسری حیات ہے نہ ابدی خوشحالی ہے نہ دائمی فارغ البالی ہے۔ بس یہ دنیا ہی سب کچھ ہے۔ یہیں پر فنا کی موت ہے جس سے ہم سب مرتے رہتے ہیں۔ اور آنے والے ہم میں سے حیاتِ ناسوتی کے وجود میں زندگی پالیتے ہیں اور اس طرح وجود سے عدم میں وعدم سے وجود میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ یہ رجوع نہیں بلکہ نمود ابتدائی ہے نہ رجوع میں ہماری بعثت ہے نہ ہوسکتی ہے بس ابتدا ہی ابتدا ہے موجود کی بھی معدوم کی بھی۔ یہی اصلیت ہے یہی نسلیت ہے۔ یہی فنا ہے یہی بقا ہے۔ یہی آمد یہی رفت اسی کو موت وحیات کہہ دیا جاتا ہے۔ اسی لئے ہم تم کو کہتے بتاتے سمجھاتے ہیں کہ اِنْ هُوَ إِلَّا رَجُلٌ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا اس قلب نابکار نے جو کچھ بھی کہا اور جو بھی وعدہ وعید کیا وہ سب اللہ خالق مالک کی طرف نسبت کاذبہ وافتراء فاسدہ ہے اگر تم اس بحرِ ظلمات ودہر خسران وقعر بحران میں پھنس کر دوسرے احمقوں کی طرح اس قلبِ عیار اور فوادِ نابکار کی اطاعتِ اقوالی واتباع اعمال وایمان لاابالی قبول کر بھی لو اور ذلت ونقصان کے گڑھے میں گھر بھی جاؤ تب بھی۔ وَمَا نَحْنُ لَهُ بِمُؤْمِنِينَ ہم اس قلب اور قلب کی سعادت ارادت عقیدت پر ایمان لانے والوں میں سے نہیں ہوں گے نہ اس کی بڑائی سچائی کو مانیں گے کیونکہ ہم نفوس امارہ واہلِ نفوس اتنے کم عقل یا نادان نہیں ہیں نہ اس کے کہنے سے ہم یہ دنیا کی باغ وبہار کھیل تماشے لذتیں رونقیں رنگ وبو کی محفلیں، عیش وخمار کی مجلسیں، طرز وطراز کی دولتیں، عزت ووقار کی کرسیں، بناؤ سنگھار کی خوشبوئیں راحتِ آشکار کی الفتیں چھوڑ سکتے ہیں۔ کتنی حماقت ہوگی ایک فردِ واحد کے وعدۂ فردا پر عیشِ موجود کو ترک کرنا۔ جب حقیقت واقعی میں یہی زندگی ہے یہی تاب وتاباں تو اسی حیات کے بنانے سنوارنے میں مشغول رہنا ہی ترقی کرنا۔ اغیار سے ہر میدان میں آگے بڑھنا۔ حرام وحلال کی پرواہ نہ کرنا ہی عقل وخرد ہے صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر قالبِ انسانی میں روزِ اول سے حق وباطل کی ایک طویل کشمکش جاری ہے۔ امارہ مَلَؤُا الْكُفَّارُ ہیں۔ اعضاء ظاہری غرباء قوم ہیں۔ قلبِ جسمانی ہادیِ روحانی ہے دنیا پرستی لالچ غفلت غرور دین باطل ہے۔ حق پرستی حلال روزی دین ربانی ہے۔ جس کا فرمان ہے کہ حقیر سے حقیر پیشہ اختیار کرنے میں بدرجہا فضیلت وبہتری حقیقی عزت ووقار ہے اس سے کہ بندہ کسی مِثْلُكُمْ کے سامنے ہاتھ پھیلائے یا حرام وظلم میں منہ مارے کیونکہ حرام سے غم اور غم سے بیماری پیدا ہوتی ہے۔ حلال روزی سے خوشحالی اور خوشحالی سے فرحتِ روحانی اور تندرستی جسمانی پیدا ہوتی ہے۔ برائی کر کے غم ملتا ہے۔ اور نیکی کر کے سچی خوشی ملتی ہے جو ابدی ہوتی ہے۔ مومن کی زندگی مثل پھول ہے اور اعمالِ صالحہ اس پھول کا

marfat.com

میٹھا رس ہیں جو شہد سے بھی زیادہ میٹھا ہوتا ہے سب سے بہتر وہ لقمہ ہے جو اپنی محنت سے حاصل کیا جائے یہی ہر قوم کو ان کے انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ تعلیم وتربیت ہوتی رہی اور ظلم سے بچاتی رہی۔ حیاتِ دنیوی میں عقل وفکر والے ہمیشہ غم میں مبتلا رہتے ہیں کیونکہ ہر فکر میں غم ہوتا ہے اور ہر غم میں ایمان کی روشنی۔ مومن کو چار فکریں ہوتی ہیں پہلی فکر حفاظتِ ایمان کی۔ دوسری فکر پابندیء اعمال کی تیسری فکر رزق حلال کی چوتھی فکر حسابِ آخرت کی۔ مومن عارف نایاب وکمیاب موتی کی مثل ہے۔ موتی اگر کیچڑ میں بھی گر جائے تب بھی قیمتی وقابلِ عزت لائقِ احترام ہے لیکن فاسق وبدکار دنیوی گردوغبار کی مثل ہے اور غبار اگر آسمان پر بھی پہنچ جائے تب بھی ذلیل حقیر بے وقعت اور قابلِ نفرت ہے۔ مومن جانتا ہے کہ زندگی کا اصل مزہ اسی میں ہے کہ مصیبتوں کا مقابلہ کرو اور مسکراتے رہو۔ یہی درس دیا کربلا میں امامِ شہید نے۔

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا

رسول نے عرض کیا اے میرے رب مدد فرما میری اس کے مقابل کہ جھٹلایا مجھ کو ان کے کفار نے رب تعالیٰ نے فرمایا

عرض کی کہ اے میرے رب میری مدد فرما اس پر کہ انہوں نے مجھے جھٹلایا اللہ نے فرمایا

قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿۴۰﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ

کہ بہت تھوڑی مدت کے بعد البتہ یہ سب کفار ہو جائیں گے پچھتانے والے پھر پکڑ لیا ان سب کو ایک چیخ نے

کہ کچھ دیر جاتی ہے صبح کریں گے پچھتاتے ہوئے تو انہیں آلیا سچی چنگھاڑ نے

بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۴۱﴾

حقیقتاً تو بنا دیا ہم نے ان سب کو گندے کوڑے کا ڈھیر تو لعنت ہے ہر اس قوم کیلئے جو ظالم ہیں

تو ہم نے انہیں گھاس کوڑا کر دیا تو دور ہوں ظالم لوگ

ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿۴۲﴾

پھر بڑھائیں پھیلائیں ہم نے ان کفار کے بعد دوسرے زمانوں کی بڑی بڑی قومیں

پھر ان کے بعد ہم نے اور سنگتیں پیدا کیں

مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ ﴿۴۳﴾

نہیں پہلے کر سکتی کوئی قوم کسی امت سے اپنی موت کو اور نہ ہی پیچھے کر سکتے ہیں یہ لوگ اپنی موت کو

کوئی امت اپنی میعاد سے نہ پہلے جائے نہ پیچھے رہے

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں کفار کی کفریہ باتوں کا ذکر ہوا۔ ان آیت

marfat.com

میں انبیاء علیہم السلام کی ان دعاؤں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو انہوں نے کفار کے ایمان سے مایوس ہو کر اپنے لئے رب تعالیٰ سے عرض کیں کہ یااللہ ان جھٹلانے والے کفار کے مقابل ہماری مدد فرما۔ **دوسرا تعلق** پچھلی آیت میں ان باتوں کا ذکر ہوا جو کفار نے انبیاء علیہم السلام کی گستاخیوں اور انکار میں کیں۔ اب ان آیت میں ان باتوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے ان کی دعاؤں کو قبول فرماتے ہوئے ارشاد فرمائیں۔ **تیسرا تعلق** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کفار سردار اکثر اپنے شہریوں علاقائی لوگوں سے کہتے تھے کہ اگر تم لوگ انبیاء پر ایمان لاؤ گے تو نقصان اٹھاؤ گے۔ اب ان آیت میں بیان فرمایا جارہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہ لاکر ان سب چھوٹے بڑے تمام کفار نے عذاب الٰہی کی صورت میں کتنا بڑا ابدی نقصان خسارہ پایا۔ کفار کا اپنے شہریوں کو نقصان سے ڈرانا محض تخیلاتی تھا مگر یہ عذاب حقیقی نقصان ہوا۔

تفسیر نحوی

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِيْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿۳۹﴾ قَالَ عَمَّا قَلِيْلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ ﴿۴۰﴾۔ قَالَ فعل ماضی مطلق باب نَصَرَ قَوْلٌ سے مشتق صیغہ واحد مذکر غائب اس کی ھُوَ ضمیر کا مرجع رَسُوْلًا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ دراصل ہے۔ یا رَبِّیْ۔ اے میرے رب۔ رَبِّیْ مرکب اضافی منادیٰ ہے۔ اُنْصُرْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر حاضر نَصْرٌ سے بنا ہے بمعنی بچا کر۔ غالب کر کے۔ دشمن کو مار بھگا کر۔ یا ہلاک کر کے مدد کرنا۔ یہاں اسی آخری معنی کی مراد ہے۔ اس کا فاعل ہے اَنْتَ ضمیر جس کا مرجع ہے رَبِّ۔ نِیْ نون وقایہ ہمیشہ فاعل فعل اور مفعول بہ کے درمیان میں آ کر سابقہ فعل کا اعراب اور وزن (شکل وصورت) یاء متکلم سے بچا کر قائم و برقرار رکھتی ہے۔ ی مفعول بہ۔ بِ حرف جر عَنْ جارہ کے معنی میں یا علیٰ فوقیہ کے معنی میں۔ مَا اسم موصول مراد ہے کفار کی قولی عملی تکذیب والی حرکتیں کَذَّبُوْا باب تفعیل کا ماضی مطلق تَکْذِیْبٌ مصدر۔ کِذْبٌ مصدر مادہ لازم سے بنا ہے۔ تَکْذِیْبٌ متعدی ہے۔ بمعنی کسی کو جھٹلانا۔ نِ دراصل ہے نِیْ۔ نون وقایہ ی مفعول بہ آیت کے ختم کیوجہ سے برائے تخفیف وسکون جزم یاء متکلم گر گئی۔ اُنْصُرْنِیْ میں یہ جزم نہ تھا اس لئے نہ گری۔ کَذَّبُوْا فعل فاعل پوشیدہ ھُمْ ضمیر اور مفعول بہ ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور بِ سے دونوں مل کر متعلق ہے۔ اُنْصُرْنِیْ وہ فعل فاعل مفعول بہ متعلق ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا۔ ندا اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے ملکر مقولہ ہوا۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ قَالَ فعل ماضی ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے۔ رَبُّ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ عَمَّا دراصل ہے عَنْ مَا۔ عَنْ جارہ زوال کے لئے یعنی ہٹانے دور کرنے کے لئے یہاں مراد ہے گزر جانا۔ مَا اسم موصول مراد ہے کچھ وقت قَلِیْلٍ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لئے بمعنی بہت تھوڑی مدت یہ صلہ ہے موصول صلہ ملکر مجرور۔ متعلق مقدم ہے لَیُصْبِحُنَّ فعل مضارع مستقبل لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ۔ جمع مذکر غائب باب افعال کا فعل ناقصہ۔ ھُمْ پوشیدہ ضمیر اس کا اسم مرجع ہے کافر قوم۔ نٰدِمِیْنَ باب ضَرَبَ یا سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر نَدَمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے شرمندہ ہونا پچھتانا۔ اسی سے ہے ندامت اور ندیم بمعنی شرمندگی اور شرمندہ رہنے والا پچھتاوا اور ہمیشہ پچھتانے والا۔ خیال رہے کہ بے وقوفی اور حماقت کر کے شرمندہ ہونا ندامت وخجالت ہے۔ خجالت وہ شرمندگی ہے جس کے آثار جسم پر ظاہر ہوں۔ ندامت وہ شرمندگی جس کا نتیجہ ظاہر ہو جائے۔ شرم کرنے کی عربی ہے حیا۔ استحیا۔ (حیاداری وحیاء کرنا) شرم دلانے کی عربی ہے عار

marfat.com

شرمیلا ہونے کی عربی ہے خَوَذٌ۔ خَضَرٌ کسی دوسرے کی وجہ سے شرمندگی اٹھانے کی عربی خفۃ ہے بہرحال سب سے زیادہ بری شرمندگی ندامت پھر خجالت پھر خِفَّۃ نٰدِمِیْنَ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ھُمْ ضمیر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ فعل ناقصہ لَیُصْبِحُنَّ کی یہ اپنے اسم وخبر اور متعلق مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مقولہ ہوا قَالَ عَمَّ اکا یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً ۚ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ ﴿۴۲﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ۔ فَ حرف تعقیب بلاتراخی یعنی اس دعائیہ بددعا کے کچھ دن بعد اَخَذَتْ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مونث غائب اَخْذٌ سے مشتق ہے بمعنی پکڑنا۔ لینا یہ بہرحال متعدی ہر مصدر بھی یہ مادہ بھی۔ بقانون نحو لازم مادہ کسی مصدر میں جا کر متعدی ہو سکتا ہے اور ہو جاتا ہے لیکن کوئی بھی متعدی مادہ لازم کبھی نہیں ہو سکتا۔ ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اَلصَّیْحَۃُ اسم مفرد مونث لفظ حاصل مصدر ہے۔ صَیْحٌ مصدر کا ترجمہ ہے بھاری چیخ یعنی چنگھاڑ ب جارہ بیانیہ یا بمعنی الف لام حرفی عہد ذہنی حق اسم مفرد جامد ترجمہ ہے حق سچ یعنی حقیقتاً واقعی ظاہر ظہور جاگتے ہوئے یہ جار مجرور متعلق ہے اَخَذَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر سبب ہوا فَ حرف سببیہ جَعَلْنَا باب فتح کا ماضی مطلق جمع متکلم جَعْلٌ سے مشتق ہے معنی ہے ایک حالت سے دوسری حالت میں کرنا۔ (بدلنا) نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر مفعول بہ اول مرجع ہے پوری کافر قوم امراغر باغُثَآءً اسم جامد۔ لغوی ترجمہ ہے بیکار چیز اس معنی سے کوڑے کچرے۔ گلی سڑی گندی ناپسندیدہ چیز کو بھی غثآءً کہا جاتا ہے اور بے بس' معذور' محتاج شخص کو بھی غثاء کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہے ضائع' ہلاک شدہ لوگ' یہ معطوف علیہ فَ عاطفہ برائے عطف بُعْدًا حاصل مصدر بمعنی دوری۔ لعنت لام جارہ الف لام عہد خارجی یعنی اس قوم کے لئے قَوْم موصوف الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ ظَالِمِیْنَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر ظُلْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ نقصان کرنا مراد ہے۔ کفر کرنا۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے قوم کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہوا جار مجرور متعلق ہیں۔ بُعْدًا کے سب ملکر شبہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے۔ غُثَآءً پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ دوم ہوا جَعَلْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مسبب ہوا۔ اَخَذَتْ کے جملے کا دونوں مل کر جملہ سببیہ ہو گیا۔ ثُمَّ برائے تراخی لغو (عطف کے لئے نہیں) اَنْشَاْنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف نَشْوٌ سے بنا ہے بمعنی بڑھنا پھیلنا اسی سے ہے نشو ونما ہونا۔ اس کا مصدر ہے انشاءٌ متعدی ہے بمعنی بڑھانا پھیلانا وجود میں لانا۔ اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ مِن جارہ زائدہ بیانیہ (ابتدا کے لئے نہیں ہے) بَعْدِ مضاف ھِمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ قُرُوْنًا جمع ہے قَرْنَ کی لغوی ترجمہ ہے مضبوط گھنی لمبی چیز۔ اس معنی میں کھوپڑی اور سینگ کو بوجہ مضبوطی بڑی قوم کو بوجہ بوقت اجتماع گھنا سایہ کرنے کے اور عورت کے لمبے بالوں کو بوجہ لمبائی کے قرن کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہیں قومیں۔ قوموں کی وجہ سے ہی زمین پر عمارات' باغات اور کھیتوں کے گھنے سائے ہوتے ہیں اس لئے بھی قوم کو قرن کہا جاتا ہے۔ لمبی مدت کو ایک قرن یعنی زمانہ کہا جاتا ہے۔ قُرُوْنًا موصوف اٰخَرِیْنَ اسم تفضیل صحیح صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے۔ اَنْشَاْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا مَا تَسْبِقُ باب ضرب کا مضارع نافیہ واحد مونث۔ یہ مضارع بذاتِ خود منفی نہیں کیونکہ فعل مضارع بذاتِ خود صرف بِلَا۔ بِلَمْ بِلَنْ سے منفی ہوتا ہے یہاں مَا نافیہ زائدہ نے مضارع کے اثبات کو ختم کیا اردو میں اس کا

marfat.com

ترجمہ اس طرح ہے کہ نہیں ہوسکتا ایسے کہ کوئی قوم پہلے کرلے کسی گروہ سے اپنی موت سَبَقَ سے مشتق ہے بمعنی پہلے کرنا۔اس کا فاعل هِیَ ضمیر پوشیدہ مرجع ہے قُرُوْنًا مراد جماعۃ مِنْ جارہ بیانیہ ابتدائیہ برائے اولیت۔اُمَّۃٍ اسم مفرد مونث لفظ بمعنی گروہ یہ جار مجرور متعلق ہے مَا تَسْبِقُ کا اَجَل اسم مفرد مذکر جامد بمعنی مدت یعنی حیات دنیوی کی مدت مراد ہے موت مضاف ہے هَا ضمیر واحد مونث غائب کا مرجع ہے قُرُوْنَ (قوم) یہ ضمیرِ نفسی ہے ترجمہ ہے اپنی۔مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول بہ تَسْبِقُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ نافیہ ہوگیا۔واؤ سر جملہ مَا حرف نافیہ یَسْتَاْخِرُوْنَ باب استفعال کا مضارع نفی کیا ہوا۔لفظ مَا نے اس کا اثبات توڑ دیا۔اب ترجمہ ہوا کہ نہیں ہے یہ بات کہ لوگ پیچھے کرسکیں۔اس کا مصدر ہے اِسْتِئْخَار بمعنی پیچھے کرنا۔موخر کرنا۔یَسْتَاْخِرُوْنَ کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا مرجع ہے۔تمام لوگ کسی بھی قوم برادری والے ہوں یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ نافیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ ﴿٣٩﴾ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ لَّیُصْبِحُنَّ نٰدِمِیْنَ ﴿٤٠﴾ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿٤١﴾ ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ ﴿٤٢﴾ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَ مَا یَسْتَاْخِرُوْنَ۔قرناً آخرین کے نبی مبعوث رسول حضرت صالح علیہ السلام جب تبلیغ فرماتے فرماتے قوم سے مایوس ہوگئے ہر طرح محبت' الفت' شفقت' بشارت' نذارت' عزت و مروت سے سمجھایا ہر مطالبے کا معجزہ دکھایا۔ہر خواہش رب تعالیٰ سے دلوائی مگر قوم پھر بھی ایمان نہ لائی۔اس مشفقانہ تبلیغ سے تقریباً آدھی قوم خواص و عوام ایمان لے آئے تھے۔اس ایمان کی وجہ سے غریب عوام نادار مومنین پر ان کے بڑے کفار کا ظلم اذیت و بربریت تمسخر نقصان تھوڑ پھوڑ جاری رہی تھی مگر مومنین اپنے نبی صالح علیہ السلام کے حکم سے صبر کرتے اذیتیں برداشت کرتے۔لیکن کفار اس صبرِ مومنین سے ناجائز فائدہ اٹھاتے۔اہل ایمان کی کمزوری تصور کرتے اس وجہ سے کفار کا کفر عروج پر رویہ غرور پر ظلم نفور پر اذیت شرر پر جبریت و شقاوت انتہا پر بڑھتی ہی جاتی یہاں تک کہ معجزے والی قدرتی معصوم بھولی بھالی انسانی محبت سے بھری ہوئی اونٹنی کو بھی شقاوتِ قلبی کی بنا پر سخت اذیتیں دے کر بلا وجہ قتل کر ڈالا۔اور اس ظلم و اذیت پر بھی علاقہ میں اکڑ و غرور دکھاتے ہوئے دندناتے پھرتے۔تب قتل ناقہ کے بعد آخری انتہا ہو جانے سے' صالح علیہ السلام نے دعائیہ انداز میں بددعا عرض کی اور قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا كَذَّبُوْنِ عرض کیا اے میرے رب کریم میری مدد فرما یعنی میرے دین ایمان و اہل ایمان کی حفاظت فرما۔یہ الفاظ کفار کے لئے بددعا تھی۔مومنوں کے حق میں دعا تھی اس لئے آگے عرض کیا کہ یا اللہ یہ مدد اس کے بدلے اور اس وجہ سے فرما کہ ان سرکشوں نے مجھے جھٹلایا اور میرے جھٹلانے سے ہی ان کے ظلم و غرور ہیں اور چونکہ نبی کو جھٹلانا تکذیب الٰہی و الٰہیات ہے اور پورے دینِ حق قدرت برحق حکمۃ ربانی پیغام ایمانی کو جھٹلانا ہے اس لئے آپ نے بِمَا كَذَّبُوْنِ پر اکتفا فرمایا حالانکہ تکذیب نبوت و گستاخی رسالت سے تقریباً دس چیزوں کی تکذیب ہو جاتی ہے۔۱۔توحید رب تعالیٰ کی۔۲۔معبودیت وحدہٗ لاشریک کی۔ ۳۔کلامِ وحی کی۔۴۔شریعت الٰہی کی۔۵۔نبوت انبیاء کی۔۶۔تبلیغ تعلیم تربیت دینی کی۔۷۔حق کی حقانیت و صداقت

marfat.com

کی۔ ۸۔ دیگر تمام انبیاء علیہم السلام کی۔ ۹۔ تقویٰ طہارت عبادت خشیت ربانی کی۔ ۱۰۔ قدرت حکمت معجزات اور حشر نشر قیامت کی۔ ایسے ہی کسی بھی نبی علیہ السلام کی تکذیب و گستاخی سے تقریباً سات برائیوں کی حمایت و تائید ہو جاتی ہے۔ ۱۔ ابلیس اور شیطانوں کی عادات شیطانیہ کی۔ ۲۔ ہر طرح کے کفر کی۔ ۳۔ بت پرستی کی۔ ۴۔ شرکیہ عقیدوں کی۔ ۵۔ کفار و فساق کے ظلم و غرور کی۔ ۶۔ بدکاری بدکرداری فحاشی کی۔ ۷۔ فساد فی الارض کی۔ اس لئے ان تمام برائیوں کے خاتمہ کے لئے اس قسم کی بددعا ضروری تھی گویا کہ یہ بددعائیہ دعا بھی ہر نبی علیہ السلام کی ذمہ داریوں میں سے ایک ذمہ داری اور تبلیغ حق کا ایک حصہ ہے کیونکہ باطل کو مٹانا اور مٹوانا اسی طرح اشد ضروری ہوتا ہے جس طرح حق و اہلِ حق کو بچانا ضروری ہے۔ حق کو بچانے اور باطل کو مٹانے میں زمین و آسمان کی اصلاح اور اہل سمٰوات والارض کی فلاح ہے۔ باطل کو مٹانے کے آٹھ طریقے ہیں۔ ۱۔ بددعاء عذاب سے۔ ۲۔ جہاد و فتوحات کے ذریعے سے۔ ۳۔ تعلیم دینی تربیت ایمانی سے تعدادِ مومنین بڑھا کر۔ ۴۔ کفر و فسق کے علاقہ زمینیں اور مکانات اہلِ ایمان کے خریدنے ایمانی بستیاں بسانے سے۔ ۵۔ اہلِ ایمان کی تجارتی کامیابیوں معاشی قوتوں کو حاصل کر کے کفار کی تجارتی و معاشی کمزوری پیدا کرنا۔ ۶۔ علما فقہاء صوفیاء اولیاء اللہ کا اپنی تحریر تقریر و عملی پاکیزہ زندگی و اخلاقیات سے کفار و فساق کو متاثر کر کے مائل بہ اسلام کرنا مومن بنا کر باطلین کا زورِ افرادی توڑنا۔ ۷۔ اولیاء کاملین کا تزکیہ نفس روح کی جلاء کراماتِ ذات و صفات کے ذریعے زورِ کفر توڑنا ایمان و اخلاق پھیلانا۔ ۸۔ حکومت و سلطنت اسلامی کے ذریعے قوانین قرآن و حدیث و احکامِ اسلامی جاری کر کے عدالتِ اسلامی کے قیام سے عدلِ اسلامی کا ظہور غرضکہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے امتیوں کے یہ اپنے اپنے تبلیغی طریقے ہیں۔ مقصد سب کا یہ ایک ہی ہے کہ کفر و فسق کے باطلین کو زمین الٰہی سے مٹانا اور ایمان عرفان و ذکرِ رحمٰن سے زمینِ ربانی کو بسانا، حضرت صالح علیہ السلام کی اس دعاء مناجات کا طریقہ یہ ہوا تھا کہ آپ نے بوقتِ شب تمام اہل ایمان کو جمع فرمایا سب نے غسل و وضو کیا پھر نمازِ حاجت ادا کی پھر حضرت صالح علیہ السلام نے یہ اجتماعی دعا عرض کی اس طرح کہ الفاظ صالح علیہ السلام کے تھے اور آمین سب حاضرین کی رب تعالیٰ نے یہ عرض قبول فرمائی اور اسی وقت بالواسطہ یا بلاواسطہ وحی آئی۔ قَالَ عَمَّا قَلِيلٍ لَّيُصْبِحُنَّ نٰدِمِيْنَ۔ فرمایا رب تعالیٰ نے کہ اب سے تھوڑی مدت بعد ہی البتہ یقیناً کفار جو اس وقت اپنے کفر و غرور کیساتھ خوابِ مخمور و مدہوش میں پڑے ہوئے ہیں صبح سحر کے وقت ہی عذابِ الٰہی، ہلاکت آسمانی سزاء ناگہانی کو دیکھ کر پچھتاتے ہوئے نادم و شرمندہ ہو کر گھبرائیں روئیں گڑگڑائیں گے تب توبہ ایمانی کے لئے پکاریں گے مگر آپ تک پہنچنے کی مہلت نہیں پائیں گے اس بشارتِ قبولیت کو سن کر حضرت صالح اور تمام مومنین اسی عبادت گاہ میں عبادتِ شکرانہ کے لئے مشغولِ نماز و ذکر ہو گئے۔ بوقتِ سحر عذاب آیا اور تمام کفار کو مبتلا کرتا ہوا گزر گیا۔ مگر اہل ایمان کو ذکر فکر سجدہ رکوع عبادت شکور شکر مقبول میں ایسے مشغول ہمہ تن گوش کر دیا گیا کہ ان کو عذاب کا پتہ بھی نہ لگا گویا کہ سب مومن چیخ پکار کی آواز سے پروف کر دیئے گئے سب اپنی عبادت میں ہی تھے اور کفار خوابِ غفلت میں کہ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ بِالْحَقِّ جب وہ صبح جاگے یا جگائے گئے اور گھروں سے نکلے تو جبرئیل علیہ السلام ان کو بہت ہی خوفناک خونخوار اور دہشت ناک شکل میں نظر آئے۔ کفار ڈر کر الٹے بھاگے گرتے پڑتے

marfat.com

ہوئے اور چھپنے دبکنے کی کوشش کرنے لگے۔ سمجھے گئے کہ یہ وہی عذاب ہے جس کی وعید حضرت صالح سنا چکے ہیں۔ یہ بدھ کا دن تھا۔ اس خوف سے سب کے جسم بیمار اور چہرے پیلے پڑ گئے اس تکلیف سے روتے کراہتے ہوئے باہر نکلے سارا دن ندامت و پریشانی میں پھرتے رہے مگر حضرت صالح یا کسی بھی مومن نے ان کی طرف کوئی توجہ نہیں دی۔ اس لئے کہ یہ پہلی بیماری عذاب ہی کا ایک حصہ تھا۔ دوسرے دن صبح اسی وقت ان کو سخت بخار چڑھ گیا جس سے بدن سخت گرم اور چہرے لال سرخ اور نقاہت شدید کمزوری کثیر ہوگئی اب نہ وہ اکڑ رہی نہ غرور' نہ دندنانہ نہ تمسخرانہ' نہ مسکرانا بلکہ ندامت سے سرنگوں یہ دوسرا حصہ عذاب تھا اس لئے نہ ندامت مفید ہوئی نہ سرنگوئی کام آئی۔ یہ بروزِ جمعرات تھا۔ پھر تیسرے دن بروزِ جمعہ صبح اسی وقت سحر سب کفار کے چہرے شدت بیماری سے کالے پڑ گئے۔ تمام مومنین ان تین دنوں میں زیادہ تر اپنی عبادت گاہ میں مشغول عبادت رہے۔ ادھر کفار میں تین دنوں سے ہائے بچاؤ ہائے توبہ کی چیخ و پکار تھی پوری بستی میں کسی کا کوئی چولھا نہ جلا نہ کھانا پینا نہ دوا دارو۔ اہلِ ایمان کو اپنی مشغولیت عبادات لذتِ ذکر و شکر کی وجہ سے قدرتاً کھانے پینے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوئی نہ کسی کو بھوک پیاس لگی نہ کھانے پینے کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کفار اپنی گھبراہٹ اپنی بیماری کمزوری کی وجہ سے کھانے کی طرف متوجہ نہ ہو سکے۔ جس رات بوقت مغرب ایک کافر قیدار بن سالف نے اپنے امراء کفار کے کہنے سے آٹھ دیگر کافروں کی مدد سے اونٹنی کو گرایا قتل کیا تھا۔ اسی رات صالح علیہ السلام نے بعد نمازِ عشاء رَبِّ انْصُرْنِیْ والی بددعا شروع فرمائی تھی یہ رات منگل بدھ کی درمیانی تھی۔ قتلِ ناقہ کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے ٹخنوں کی رگیں کاٹیں جس سے تمام خونِ بدنی نکل گیا پھر آٹھ آدمیوں نے گرایا اور قیدار نے ہی پہلے کونچیں یعنی ٹخنوں کی رگیں کاٹی تھیں اور قیدار نے ہی ذبح کیا اونٹنی کا مذکر بچہ یہ خوفناک منظر دیکھ کر چیختا ہوا بھاگا اور اسی پہاڑی میں روپوش ہو گیا جس میں سے وہ اونٹنی معجزہ بن کر نکلی۔ حدیثِ مقدس میں ہے کہ قریبِ قیامت وہ ہی بچہ دَابَّةُ الْاَرْضِ بن کر نکلے گا۔ پھر چوتھے اور آخری دن بروزِ ہفتہ بوقتِ اشراق جبکہ سب کفار اسی بیماری نقاہت سے کچھ لوگ اپنے اپنے گھروں میں پڑے تھے اور باقی تمام کافر ایک گھر میں جمع پڑے تھے کہ حضرت جبرئیل نے ایک چیخ ماری جس کی گونج آسمان و زمین کے چاروں طرف سے آئی جس سے پہاڑ ٹوٹے۔ گھر پھوٹے کفار کے دل پھٹ گئے لوگ مر گئے گھر گر گئے وہ گھر ہی ان کی قبریں بن گئیں۔ کچھ باہر صحن میں مردہ پڑے رہ گئے تاکہ ان کو مرا ہوا پڑا دیکھا جا سکے یہ لاشیں بھی بہت دن پڑی رہیں یہاں تک کہ فَجَعَلْنٰهُمْ غُثَآءً۔ پھر کچھ عرصے تک ہم نے ان لاشوں کو ظاہراً گلی سڑی حالت میں کوڑا کچرا بنائے رکھا اس طرح کہ کچھ لاشیں تو پہلے روز ہی اپنے مکانوں کی گری چھتوں میں دب کر اجتماعی قبر میں مدفون ہو گئے اور کچھ لوگوں کی لاشیں بے گور و کفن عرصے تک پڑی رہیں نہ کوئی کفنانے والا نہ دفنانے والا نہ کوئی ان پر رونے والا نہ غم کھانے والا۔ اہلِ ایمان نے ایک دفعہ ان کو دیکھا تاکہ شکرِ الٰہی مزید بجالائیں پھر صالح علیہ السلام نے سب کو ادھر جانے اور مردوں کو دیکھنے سے بھی منع فرما دیا کیونکہ وہ عذاب کی جگہ تھی جس کو دیکھنا وہاں جانا' ٹھہرنا بھی شرعاً ناجائز ہے۔ اور ان لاشوں کا وہی حال ہوا جو بے گور و کفن لاشوں کا ہوتا ہے پہلے مزید کالی ہوئیں پھر پھولی پھٹی بکھریں۔ ان کی ہڈیاں تو آتے جاتے سفر میں صحابہ کرام نے دیکھیں۔ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ پس اسی طرح کی لعنت ملامت نفرت پھٹکار دھتکار دُرکار۔ دور کی ہلاکت ہوتی رہے گی تا

marfat.com

قیامت ہر اس قوم پر جو انفراداً یا اجتماعاً کفر شرک ظلم فساد پھیلانے مچانے بھڑکانے والے ہوں اللہ تعالیٰ کی زمین پر ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِیْنَ۔ زمانے گزرتے رہے انبیاء آتے رہے نور پھیلاتے رہے۔ ذکرِ رحمانی فکرِ ایمانی سے زمین کی پیاس بجھاتے رہے پھر ان ہی زمانوں میں ہم نے ان پچھلی ہلاک شدہ قوموں کے بعد دیگر بہت سی قوموں کو ہر قسم کی دنیوی نعمتیں راحتیں عزتیں قوتیں لذتیں صحتیں عطا فرما کر اسی زمین پر ملکیت تمکنت دے کر پروان چڑھایا جنہیں قوم لوط۔ قوم داؤد، قوم شعیب علیہم السلام اپنی اپنی خاص خصلت صلاحیت لے کر ابھریں اور مشہور ہوئیں تب حسبِ سابق قوم کے کچھ افراد کو ایمان کی روشنی ملی اور کچھ افراد اُمراء عوام ظلمت کفر شرک میں ہی پھنسے رہے تو ان پر بھی بددعاءِ نبوی سے ہلاکت کا عذاب دنیوی آیا اور عبرت تاریخی بنا گیا۔ تقدیر مبرم کے یہ وہ فیصلے ہیں کہ۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا یَسْتَاْخِرُوْنَ کوئی قوم یا فرد اپنی دعا التجا یا زور بازو یا قوۃ دولت یا طاقتِ سلطنت بادشاہت کے ذریعے کسی بھی امت اور جماعت میں سے نہ اپنی مدتِ عمر مقام موت وقت انجام کو ذرہ ایک ساعت بھی نہ آگے اور پہلے کر سکے نہ کسی کی موت وحیات فنا وبقا کو آگے پیچھے کر سکیں نہ گھٹا سکیں نہ بڑھا سکیں۔ موت وحیات تو بڑی چیز ہے بندہ تو اتنا مجبور و بے بس ہے کہ اپنی نیند پر بھی کسی کو قابو نہیں کہ آ جائے تو جاگا نہیں رہ سکتا اور نہ آئے تو سو نہیں سکتا۔ نیند پوری ہو جائے تو مزید بڑھا نہیں سکتا۔ پوری نہ ہو تو گھٹا نہیں سکتا۔ انسان کا زور تو اپنی نیند پر نہیں چلتا بھلا وہ اپنی اجلِ موت و فیصلہ وحیات و مقررہ تقدیر پر کس طرح قابو پا سکتا ہے۔ اگر انسان ذرا سا اسی حقیقت پر غور وفکر و تدبر کر لے تو کبھی بھی اپنے رحیم کریم وحدہٗ لاشریک خالق تعالیٰ کی بندگی سے منہ نہیں موڑ سکتا اور اس حیاتِ فانی دولتِ آنی جانی پر مغرور نہیں ہو سکتا آج کا انسان تو چیز ہی کوئی نہیں ہے۔ پہلے زمانے کے قرونا آخرین باوجود طویل عمری شہ زوری قد آوری فنکاری کے فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ۔ ایک ساعت بھی اپنی موت و حیات کو آگے پیچھے نہ کر سکے۔ (اعراف: ۳۴ و سورۃ یونس: ۴۹) چنانچہ حضرت نوح سے حضرت عیسیٰ تک بمطابق تعداد انبیاء علیہم السلام بیشمار قومیں وافراد قرون وقبائل عالم عدم سے عالم شہود میں نشو ونما سے مولود و مشہور ہوئے اور صنعت وفنون خصائل وعادات میں نامور ہوئے لیکن اجل تقدیری آنے پر ہزاروں قوتوں حفاظتوں کے ہوتے ہوئے بھی ہلاکت وانجام سے بچ نہ سکے۔ سابقہ ہلاک شدہ قوموں میں سے صرف ان نو قوموں کے نام ومختصر حالات ظاہر ہوئے جن کو قرآن وحدیث نے ظاہر فرمایا۔ بقایا کے تو نام ونشان اور واقعے قصے بھی معدوم وفنا اور ایسے نامعلوم ہو گئے کہ

بس نامور بزیرِ زمین دفن کردہ اند — کز ہستیش بروئے زمیں یک نشان نماند

آں پیر لاشہ را کہ سپردند زیر خاک — خاکش چناں بخورد کز و استخواں نماند

خیرے کن اے فلاں وغنیمت شمار عمر — زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

ترجمہ: بہت سے نامور جن کو زمانے نے زمین کے اندر اس طرح دفن کر دیا کہ دنیا جہان میں اس کی ہستی کا ایک نشان بھی باقی نہ رہا۔ مٹی نے اس طرح اس کو کھایا کہ اس کی ہڈیاں بھی نہ رہیں اے فلاں جلدی جلدی نیکی عبادت کر لے اور اس زندگی کو غنیمت سمجھ۔ اس سے پہلے کہ تیری موت کا اعلان ہو جائے کہ آج فلاں نہ رہا قضائے الٰہی سے فوت ہو گیا۔ اے مسلمانو!

چراغ اپنی عبادت کا ہمیشہ ساتھ ہی رکھیو — نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

marfat.com

سابقہ ہلاک شدہ قوموں کا مختصر تذکرہ واجمالی خاکہ

قوم نوح: قوم کی تعداد نو قبیلے بارہ ہزار تھی، ان کے نبی کا نام نوح علیہ السلام تھا، زمانہ تبلیغ ۹۵۰ سال تھا، علاقۂ قوم کرک، کوفہ اور دمشق تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت سیلابی طوفان تھی، قرآنی حوالہ شعراء آیت ۱۲۰ ہے۔

قوم عاد: قوم کی تعداد ۲۵ ہزار تھی، ان کے نبی کا نام ہود علیہ السلام تھا، زمانہ تبلیغ ۱۰۰ سال تھا، علاقہ قوم یمن تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت ہوا کی آندھی تھی۔

قوم ثمود: قوم کی تعداد آٹھ ہزار تھی، ان کے نبی کا نام حضرت صالح علیہ السلام تھا، زمانہ تبلیغ ۱۰۰ سال تھا، علاقہ قوم یمن کا پہاڑی علاقہ تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت پانچ عذاب آئے۔ ۱۔ یرقان۔ ۲۔ شدید بخار۔ ۳۔ مزید بخار سیاہ رنگت۔ ۴۔ زمینی چیخ صیحہ۔ ۵۔ چیخ سے زلزلہ شدید تھا۔ قرآنی حوالہ سورۂ ہود: ۶۵، ہود آیت: ۶۷، سورۂ آل عمران: ۷۸۔

قوم سدوم: قوم کی تعداد چار لاکھ تھی، ان کے نبی کا نام حضرت لوط علیہ السلام تھا، زمانہ تبلیغ ۸۰ سال تھا، علاقہ قوم علاقہ سدوم نزد فلسطین تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت سنگباری سے رجم تھا، قرآنی حوالہ سورۂ شعراء: ۱۷۳۔

اصحاب یمکیه: قوم کی تعداد دس ہزار تھی، ان کے نبی کا نام حضرت شعیب علیہ السلام تھا، زمانہ تبلیغ ستر سال تھی، علاقہ قوم مدین تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت ایک دن میں تین عذاب۔ ۱۔ آسمانی صیحہ۔ ۲۔ رجفہ یعنی زمینی شدید زلزلہ۔ ۳۔ یوم الظلۃ سیاہ بادل کی آگ کا عذاب تھا۔ قرآنی حوالہ سورۂ ہود: ۹۴، سورۂ اعراف: ۹۱، سورۂ شعراء: ۱۸۹۔

قوم قبطی فرعونی: قوم کی تعداد بارہ ہزار تھی، ان کے نبی کا نام حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہما السلام تھا، زمانہ تبلیغ چالیس سال تھا، علاقہ قوم مصر تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت دریائے نیل میں غرق ہوئے۔ قرآنی حوالہ سورۂ بقرہ: ۵۰

قوم ایله: قوم کی تعداد دس ہزار تھی، ان کے نبی کا نام حضرت داؤد علیہ السلام تھا، زمانہ تبلیغ چالیس سال تھا، علاقہ قوم ایلہ علاقہ شام، عذاب ہلاکت کی نوعیت بندر بنا کر ہلاک کیے گئے چھ ہزار مومن بن گئے تھے۔ قرآنی حوالہ سورۂ اعراف: ۱۶۶، سورۂ بقرہ: ۶۵

قوم طالوت بادشاہ نسل ہارون: قوم کی تعداد اسی ہزار ۳۱۳ مومن رہے باقی مرتد ہو گئے یہ سب بنی اسرائیلی مومن تھے جالوت کافر سے ڈر کر مرتد ہوئے تھے۔ ان کے نبی کا نام حضرت شموئیل علیہ السلام تھا، علاقہ قوم علاقہ طیہ تھا، عذاب ہلاکت کی نوعیت پیاس کی بیماری سے ہلاک کیے گئے تھے۔ قرآنی حوالہ سورۂ بقرہ: ۲۴۹۔

قوم مائدہ بنی اسرائیل: قوم کی تعداد تقریباً ۱۱۱۰ افراد تھی، ان کے نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ اولاً انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام سے غیبی آسمانی کھانوں کا دسترخوان مانگا جب مل گیا تو تکذیب کر کے نافرمان و مرتد ہوئے۔ ان کو بندر اور خنزیر بنا کر ہلاک کیا گیا۔ (مائدہ: ۶۰) ان میں سے جس قوم کی بھی اجل ہلاکت آئی تو نہ کوئی آگے کر سکا نہ پیچھے نہ گھٹا سکا نہ بڑھا سکا نہ روک سکا۔ اَجَلَ کی چھ قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ اَجَلِ قلیل۔ ۲۔ اَجَلِ کَثِیر۔ ۳۔ اَجَلِ حدیث۔ ۴۔ اَجَلِ قدیم۔ ۵۔ اَجَلِ جدید۔ ۶۔ اَجَلِ عتیق۔ عَمَّا قَلِيْلٍ سے دو چیزیں مراد ہیں۔ ۱۔ قلیل زمانہ۔ ۲۔ قلیل شئی۔ تفسیر ابن عباس میں ہے کہ ایک قرن کی مدت اسی سال ہوتی ہے۔ بعض نے فرمایا کہ ایک صدی یعنی سو سال۔

marfat.com

ان آیت میں مختلف اقوال

بِمَا کی بَ میں تین قول۔ ا۔ یہ بَ سببیہ ہے اور معنی ہے اس کی وجہ سے۔ ۲۔ یہ بَ بدلیت کی ہے اور معنی ہے اس کے بدلے میں میری مدد فرما۔ ۳۔ یہ بَ آلہ ہے اور معنی ہے اس کے ذریعے اور بنا پر میری مدد فرما۔ مگر پہلا قول درست ہے باقی دو قول غلط ہیں عَمَّا کے مَا میں تین قول۔ ا۔ یہ مَا موصولہ ہے برائے تاکید۔ ۲۔ یہ مَا نکرہ تامہ ہے اور معنی ہے کہ عذاب کی پوری مدت بہت تھوڑی ہے۔ ۳۔ یہ مَا نکرہ موصوفہ ہے بعض نے کہا کہ یہ مَا زائدہ ہے اور معنی ہے کہ تھوڑی سی دیر میں یہ لوگ نادم ہو جائیں گے۔ لَیُصْبِحُنَّ۔ کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے کہا یہ باب افعال سے فعل ناقصہ کا مضارع مستقبل معروف صیغہ جمع مذکر غائب ہے یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض قراء نے لَتُصْبِحُنَّ پڑھا ہے۔ یہ قرئت شاذ ہے۔ لَیُصْبِحُنَّ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا اس کا ترجمہ ہے کہ وہ کفار زندگی میں ہی نادم و شرمندہ ہو جائیں گے۔ عذابِ دنیوی دیکھ کر یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے لکھا کہ اس کا معنی ہے کفار نادم ہوں گے بعد موت۔ بِالْحَقِّ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے کہا اس کا معنی ہے حقیقی ظاہری چیخ سے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے تقدیر مبرم کا فیصلہ۔ ۳۔ بعض نے لکھا کہ بِالْحَقِّ کا معنی ہے عدل و انصاف سے۔ اَلصَّیْحَۃُ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا غیبی چیخ۔ ۲۔ بعض نے کہا پس کا شور و غل چیخ پکار۔ ۳۔ بعض نے لکھا کہ اَلصَّیْحَۃُ کا معنی ہے مطلقاً عذاب کیونکہ عرب میں مجازاً ہرنا گہانی عذابِ دنیوی یا آسمانی کو صیحۃ کہہ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ عرب شاعر کہتا ہے۔

صَاحَ الزَّمَانُ بِالِ بَرْمَکَ صَیْحَۃً خَرُّوْا لِشِدَّتِھَا عَلَی الْاَذْقَانِ

ترجمہ: چیخ پڑا زمانہ آلِ برمک پر۔ تو سب اوندھے منہ اس کی شدت کی وجہ سے گر پڑے۔ دیکھو یہاں صحیۃ سے مراد زمانے کی سختیاں ہیں نہ کہ حقیقی چیخ مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ آیت پاک میں اَخَذَتْ اور بِالْحَقِّ کے الفاظ نے ثابت کیا کہ حقیقی اور غیبی چیخ ہی مراد ہے۔ اَخَذَتْ نے دوسرا قول رد کیا یعنی آپ کا شور و غل اور بِالْحَقِّ نے تیسرے قول یعنی مجازی مراد لینے کو منع کیا بِالْحَقِّ کا معنی ہے حقیقی چیخ شاعر کے قول سے دلیل لینی بھی غلط ہے اولاً اس لئے کہ شعر میں بِالْحَقِّ اور اَخَذَتْ کے الفاظ نہیں لہٰذا شعر میں تو مجازی معنی لئے جا سکتے ہیں مگر آیت میں نہیں۔ ثانیاً یہ کہ شعر میں صاح فعل اور صیحۃً مفعول مطلق سے مراد حقیقی چیخ ہی ہے مگر چونکہ چیخنے والا زمانہ ہے اس لئے آواز مخفی ہے بہر حال دوسرا اور تیسرا قول غلط ہے۔ غُثَاءً کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے بغیر شد پڑھا ہے یہی قول درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض علماء قرئت نے شد کے ساتھ غُثّٰاءً پڑھا ہے۔ یہ قرئت شاذ ہے۔ دونوں قرئتوں میں معنی ایک ہی ہے کوڑا کچرا۔ فَبُعْدًا کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا بُعْدًا کا معنی ہے دوری و لعنت اخروی یعنی رحمت سے دوری۔ ۲۔ بعض نے کہا بُعْدًا کا معنی ہے ہلاکتِ دنیوی دونوں قول درست ہیں کیونکہ کفار کے لئے یہ دونوں ذلتیں ہیں۔ بُعْدًا کی ترکیب میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ جملہ خبریہ ہے اور معنی ہے کہ دوری و لعنت ہے۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ جملہ انشائیہ ہے بد دعا کے لئے اور معنی ہے کہ دوری و لعنت ہو مگر یہ قول غلط ہے اسلئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ دعا و بد دعا دینے سے پاک ہے۔ دعا کرنا یا بد دعا کرنا بندوں کا کام ہے کیونکہ دعا و بد دعا کا معنی ہوتا ہے دلوانا۔ حالانکہ رب تعالیٰ دینے والا ہے نہ کہ دلوانے والا۔ قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ۔ کے قَالَ

marfat.com

میں دو قول۔ ۱۔ اس کا معنی ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ پورا کلام و جملہ لِلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ تک ہے اس قول کی بنا پر فَبُعْدًا کا پورا جملہ خبر یہ ہے نہ کہ بددعا۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس قَالَ کا معنی یہ ہے کہ جب ان کے نبی علیہ السلام نے بددعا کر دی تب رب تعالیٰ نے وحی خفی کے ذریعے بتایا کہ یہ بددعا قبول ہے یہ خوشخبری سن کر حضرت صالح نے اہلِ ایمان میں اعلان فرمادیا کہ عَمَّا قَلِیْلٍ اس قول کے مطابق قَالَ فَبُعْدًا تک سب پہلے میں حضرت صالح کا کلام نقل فرمایا گیا۔ یعنی حضرت صالح نے فرمایا۔ فَبُعْدًا (الخ) لہٰذا یہ جملہ بددعائیہ ہے نہ کہ خبر اور انبیاء علیہم السلام کے اقوال دعا بھی ہو سکتے ہیں بددعا بھی اور خبر بھی۔ اَجَلَهَا کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ اَجَلَ کا معنی ہے دنیوی زندگی جو مہلتِ خیر و ایمان ہے ہر انسان کے لئے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اَجَلَ کا معنی موت و ہلاکت کا وقت۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ اَجَلَ سے مراد کفار کا ہلاک ہونا دنیا میں آسمانی ناگہانی عذاب سے۔ تینوں قول درست ہیں کیونکہ اَجَلَ نام ہے تقدیر مبرم کا جس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ نہ دعا سے نہ بددعا سے نہ التجا سے۔

فائدے

ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** ہر نبی علیہ السلام ہر شخص کے آخری انجام والے مقام و زمان سے اپنے علم غیب عطائی کے ذریعے واقف ہوتے ہیں خاص کر اپنی امت دعوتِ واجابت کے انجام سے کہ فلاں نیک و بد کی آخری اجل کب اور کیسے اور کہاں ہے۔ اسی علم کی بنا پر ہر قوم کے مبعوث نبی علیہ السلام اپنی نافرمان امت کا فر سرکش کے لئے اس وقت ہی بددعا مانگتے ہیں جب ان کی اجل ہلاکت کا وقت قریب آ جاتا ہے۔ یہ فائدہ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ (الخ) اور مَا تَسْبِقُ (الخ) کے فرمانِ الٰہی سے حاصل ہوا۔ اس سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام غیب جانتے ہیں۔ کتنا بدبخت و بد خصلت ہے وہ فرقہ جو انبیاء کرام علیہم السلام کو بے خبر کہتے پھرتے ہیں اور حمقا نے اس گستاخی کا نام توحید رکھا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** ذکر الٰہی اور آستانہ نبوت اتنا عظیم اور مظبوط حفاظتی قلعہ ہے کہ ہر ذاکرِ ایمانی جب ذکر و فکر ربانی و عبادتِ رحمانی میں مشغول ہو تو ہر طرح کے عذابِ آسمانی و آفتِ ناگہانی سے اس طرح بچالیا جاتا ہے کہ عذاب آ کر کفار کو مٹا کر گزر بھی جاتا ہے مگر عبادت میں مشغول و مصروف مومنین متقین کو محسوس تک نہیں ہوتا۔ یہ فائدہ فَاَخَذَتْهُمُ الصَّیْحَةُ بِالْحَقِّ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو قوم ثمود پر وہ عذابِ صیحۃ اتنی سخت کڑک اور چیخ تھی کہ اسے سے پہاڑی پتھروں کے تراشے خراشے موٹے مضبوط مکانات ٹکڑے ہو کر گر پڑے۔ کئی چٹانیں دہشت کڑک سے چیخ گئیں۔ زمین دھماکے سے مثلِ زلزلہ دہل گئی کفار اور کفار کے تمام پالتو گھریلو چھوٹے بڑے جانور مر گئے۔ اور سب جانداروں کے دل جگر پتے پھٹ گئے۔ اَخَذَتْهُمْ میں هُمْ ضمیر نے بھی بتایا کہ عذابِ صیحہ نے صرف کفار اور ان کی اشیا کو پکڑا مگر عبادت گاہ میں مومن مردوں اور گھروں میں عبادت کرنیوالی عورتوں کو اپنی اپنی عبادت دل سوز جگر دوز ایمان افروز ذکر الٰہی واتباع نبوی اور اطاعتِ دینی میں مشغول ہونے کی وجہ سے اہل ایمان کو کوئی آواز وسرسراہٹ تک سنائی نہ دی بلکہ ان کے پالتو گھریلو جانور بھی جو گھریلو مومنین عورتوں سے ذکر الٰہی سن رہے تھے وہ بھی عذاب ہلاکت سے محفوظ و مامون رہے بلکہ ذکر الٰہی کے طفیل ان کے وہ در و دیوار بھی محفوظ رہے جن تک ذکر و عبادت کی صدائیں وشعائیں پہنچ رہی تھیں غرضکہ مومنین کو نہ نقصانِ جانی ہوا نہ مکانی۔ یہ آیت مسلمانوں کو عبرت انسانی کے ساتھ ساتھ شانِ ذکر وفکر ایمانی کا درس بھی دے رہی ہیں کہ اے مسلمانو ذکر الٰہی عبادت کبریائی اور اطاعتِ مصطفائی واتباع مجتبائی میں خود

marfat.com

کو مشغول جسم کو مصروف اعضا کو ملبوس زبان کو قائم تر رکھو۔ یا اللہ مجھ کو بھی توفیق وسعادت نصیب فرما۔ آمین یَا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔ بجاہ نبی رحمۃ اللّعَالَمِیْنَ۔ **تیسرا فائدہ:** کافر مشرک خواہ کتنا ہی خوب صورت' خوب سیرت' عقلمند' ہنر مند' فنکار' شہ زور' دولت مند' مہذب' مؤدب' ہنس مکھ ہو مگر رب تعالیٰ اور نیک بندوں کے نزدیک کوڑے کچرے گندے کیچڑ کی طرح قابلِ نفرت ہے دوری دھتکار کے لائق ہے زندہ یا مردہ مدفون ہو یا محروق۔ یہ فائدہ غُثَآءً فرما کر فَبُعْدًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ غُثَآءً میں بعدِ موت نفرت و درجہ نفرت بتائی گئی۔ یعنی اے مسلمانوں کفر اور کفار سے ان کے مرنے بعد بھی گلے سڑے بدبودار کوڑے کچرے کیچڑ کی طرح نفرت کرو اور فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ۔ نے ان کی زندگی میں ان سے نفرت کا طریقہ بتایا کہ کبھی بھی ان کفار سے مخلصانہ دوستی و محبت نہ کرو۔ ان کی محفلوں مجلسوں سے دور رہو اور اپنی محفلوں سے دور دھتکارو۔ کفار معاملے میں ہمیشہ ایمانی اسلامی تعصب کا مظاہرہ کرو۔ کافر کتنا ہی قریبی یا واقف ہو مگر کوئی مسلمان اس کو اپنا یا اپنے مسلمان بھائی یا اپنے ملکی وسیاسی راز نہ بتاؤ نہ عیب ظاہر کرو نہ کمزوری نہ کفار کے سامنے مسلمانوں کی یا کسی اسلامی ملک کی عیب جوئی کرو۔ ان حماقتوں کا بڑا تلخ تجربہ دیکھا گیا ہے کہ جب کسی عام یا خاص مسلمان نے محبت کفار میں کسی کافر کو کوئی راز بتایا تو اس کا پوری مسلم قوم کو نقصان ہی پہنچا۔ ابھی حال میں عراقی حکومت نے روس وہندوستان پر اندھا بھروسہ کر کے چند اندرونی راز بتا دیئے تو تاریخ کے اوراق پر اس کی ذلت آمیز شکست وکمزوری لکھی گئی۔ قرآنِ مجید نے تو قومِ مسلم کو ہر عقل سکھائی ہے خود مسلمان ہی قرآنِ مجید سے دور ہے کہ نہ تذکرِ قرآنی رہا نہ تدبر نہ تفکر اسی لئے اغیار سے مار کھا رہے ہیں۔ مصائب میں نہ اللہ تعالیٰ کی طرف آتے ہیں نہ عبادت و تلاوت کی طرف۔ دوڑ ہے تو کفار کی طرف بھیک مانگنی ہے تو امریکہ سے۔

احکام القرآن

ان آیٰت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** شریعتِ اسلامیہ کا حکم ہے کہ ہر مسلمان ہر مظلوم کی بددعا سے بچے وہ مظلوم انسان مومن ہو یا کافر یا جانور۔ اسلام نے انسانوں کی طرح جانوروں کو تحفظ دیا ہے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دعا و بددعا دو قسم کی ہے۔ ۱۔ مظلوم کے حال کی یہ ہمیشہ ظالم کے لئے نکلتی ہے اور بارگاہِ الٰہیہ میں بہت جلدی قبول ہوتی ہے۔ ۲۔ بعض مرتبہ دعا کے الفاظ میں بددعا ہوتی ہے اور بددعا کے الفاظ میں دعا ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص دعا یا بددعا دینے یا نہ دینے کی قسم کھالے تو اس کے دعائیہ یا بددعائیہ الفاظ بولتے ہی قسم ٹوٹنے اور کفارہ قسم واجب ہونے کا حکم نہ لگایا جائے گا بلکہ مفتی اسلام تحقیق وتفتیش اور تفکر و تدبر کر کے کلمات اور ماحول کا سیاق وسباق پر غور کر کے اولاً یہ تعین کرے کہ یہ الفاظ دعا ہے یا بددعا۔ اس کے بعد فیصلہ کرے کہ بولنے والا حانث ہوا ہے یا نہیں۔ اگر مفتی اسلام اپنی علمی فکری صواب دید سے جان لے کہ حانث ہو گیا ہے تب کفارۂ قسم اس پر واجب کرے بلا سوچے سمجھے کوئی فیصلہ کر دینا شرعاً ناجائز ہے اور اگر کسی نے غلط فیصلہ کر دیا تو جاری نہ ہوگا۔ یہ سب مسئلہ فقہ آئمہ اربعہ میں متفقاً۔ قَالَ رَبِّ انْصُرْنِیْ بِمَا کَذَّبُوْنِ۔ کے بعد قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ کی جوابی قبولیت سے مستنبط ہوا۔ رَبِّ انْصُرْنِیْ (الخ) کے کلمات ظاہراً اپنے لئے دعا ہے مگر قَالَ عَمَّا قَلِیْلٍ نے بتایا کہ یہ کلمات کفار کے لئے بددعا تھے اور فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ کے کلمات نے بتایا کہ وہ کفار صرف کافر ہی نہ تھے بلکہ موذی و ظالم بھی تھے۔ اور تمام اہلِ ایمان وناقہ صالح مظلوم تھے۔ اس لئے یہ کلمات دعا بددعا بن کر جلدی قبول ہوئے کیونکہ مظلوم کی بددعا ظالم کیلئے بہت

marfat.com

جلدی قبول ہوتی ہے۔ یہاں پر تو زبانِ نبوت کے الفاظ بھی شامل ہیں۔ **دوسرا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تقدیرِ مبرم یہ کبھی نہیں ٹل سکتی۔ ۲۔ تقدیرِ معلق۔ یہ انبیاء اولیاء علماء کی دعا سے رب تعالیٰ ٹال دیتا ہے یہ تقدیر بدل جاتی ہے۔ تقدیرِ مبرم اتنی زبردست اور اٹل ناقابلِ تبدیلی ہوتی ہے کہ اگر کوئی نبی رسول مرسل خلیل وحبیب بھی بارگاہِ الٰہی میں ٹالے جانے کی دعا یا التجاء وفریاد کرے تو اس کو سمجھا دیا جاتا ہے کہ یہ تقدیرِ مبرم ہے اس کے ختم ہونے کی دعا نہ کرو اور پھر وہ نبی علیہ السلام دعا نہیں کرتے۔ یہ مسئلہ مَاتَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ تقدیرِ مبرم کے الفاظ قرآنِ مجید میں متعدد جگہ تقریباً تیرہ آیت میں وضاحت سے بیان فرمائے گئے ہیں جس کی تفصیل ہمارے فتاویٰ العطایا جلد پنجم میں دیکھئے بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ سرکارِ غوثِ اعظم نے فرمایا کہ میں تقدیرِ مبرم کو ٹال دیتا ہوں اور ختم کرسکتا ہوں اور ایک غیر معروف روایت سے دلیل لے کر اس قول کی صداقت کی جاتی ہے کہ اِنَّ الدُّعَآءَ یَرُدُّ الْقَضَا بَعْدَ اُبْرِمَ۔ جاہل گمراہ لوگ اس کا ترجمہ کرتے ہیں کہ بیشک دعا قضاء مبرم کو ٹال دیتی ہے۔ میں یقین سے کہتا ہوں کہ غوثِ پاک سرکارِ بغداد نے یہ بات کہیں نہیں فرمائی ان کی کتاب سے کوئی ثابت کرسکتا ہے نہ ہی یہ غلط بات غوثِ پاک کہہ سکتے ہیں یہ کہنا کفر وشرک ورب تعالیٰ سے مقابلہ بازی کی مثل ہے کیونکہ تقدیرِ مبرم کوئی بھی بندہ رد نہیں کرسکتا۔ پیش کردہ روایت کا ترجمہ گمراہ جاہلوں نے غلط کیا ہے۔ صحیح ترجمہ اس طرح ہے کہ بیشک نیک متقی مومن کی عاجزانہ دعا والتجا۔ تقدیری فیصلہ کو بدل سکتی ہے۔ بَعْدَ مَا اُبْرِمَ۔ جبکہ بندے کی دعا ابرم' مضبوط و قابلِ قبول لائق بارگاہ بنادی جائے یہاں قضا سے مراد تقدیرِ معلق ہے۔ اور ابرم کا تعلق دعا سے ہے نہ کہ قضا سے کیونکہ لفظِ بعد ما ظرفیت زمانی کے لئے ہے اور ظرفیت حادثہ وجدید ہوتی ہے۔ جبکہ تقدیری فیصلے مبرم ہو یا معلق ازلی قدیمی ہیں کسی تقدیر کے لئے بعد مالفظ استعمال نہیں۔ اگر یہ روایت صحیح ہو تو بھی اس نے یہ سمجھایا ہے کہ ہر دعا میں ابرامیت یعنی مضبوطی اور قابلیت نہیں ہوتی دعا کو مبرم ومضبوط بنانے کے لئے بندے کو بہت نیک ومقبولِ بارگاہ بننا پڑتا ہے۔ انتہائی نیک پاک بزرگ بندے کی عاجزانہ دعا کو رب تعالیٰ قبول فرما کر تقدیرِ معلق ٹال دیتا ہے۔ ٹالتا رب تعالیٰ ہی ہے بندہ تو تقدیرِ معلق کو بھی ختم نہیں کرسکتا۔ اسی لئے روایتِ مذکورہ میں اِنَّ الدُّعَآءَ ہے نہ کہ اِنَّ الْعَبْدَ لیکن تقدیرِ مبرم وہ کسی بھی دعا سے ختم نہیں ہوسکتی۔ جیسا کہ متعدد آیات سے ثابت ہے۔ یہاں مَاتَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ میں بھی تقدیرِ مبرم ہی کے الفاظ ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** حضرت صالح علیہ السلام نے رَبِّ انْصُرْنِیْ فرما کر دعا میں صرف اپنا کیوں ذکر کیا چاہئے تھا کہ رَبِّ انْصُرْنَا جمع متکلم کہہ کر تمام مومنین کو بھی شاملِ دعا فرمالیتے۔ **جواب.** صرف اپنا ذکر اس لئے فرمایا کہ نسبت نبوی قبولیت کے لئے اکسیر ہے۔ نیز ہر نبی علیہ السلام اپنی مومن امت کے لئے مثلِ والدین ہیں تو جس طرح اولاد پر رحم وکرم ماں باپ کی مدد ہے اسی طرح کسی بھی نبی علیہ السلام کی امت مومنہ پر رحم وکرم فرمانا دراصل اس نبی علیہ السلام کی ہی مدد تعاون ودستگیری کرنا ہے۔ جیسے کہ رعایا یا کسی جماعت کی مدد کرنا بادشاہ' حاکم یا امیرِ جماعت کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے اسی طرح اہلِ ایمان کی حفاظت' قوت مضبوطی سے دین کی مضبوطی وسربلندی ہے اور دین کی طاقت وبرتری سے نبی علیہ السلام کی طاقت و قوت غلبے کا ظہور رہتا ہے۔ ان سب باتوں کو سمجھانے کے لئے نصرت کی نسبت حضرت صالح نے اپنی طرف فرمائی اور دعا میں

marfat.com

اپنا ہی ذکر کیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ صالح علیہ السلام نے رَبِّ انْصُرْنِیْ عرض کر کے اپنی مدد کے لئے دعا عرض کی مگر رب تعالیٰ نے عَمَّا قَلِیْلٍ فرما کر اس دعا کو کفار کے لئے بددعا بنا دیا اگر یہ ذات نبی کے لئے دعا تھی تو اس کو بد دعاء کفر کیوں بنایا گیا۔ اور اگر یہ نبی علیہ السلام کی طرف سے ہی کفار کے لئے بد دعا تھی تو خود صالح علیہ السلام نے ہی بجائے رَبِّ انْصُرْنِیْ عرض کرنے کے خود ہی یہ کیوں نہ کہہ دیا۔ رَبِّ اَهْلِكْهُمْ یا کہہ دیتے رَبِّ اَهْلِكِ الْكُفَّارِ۔ **جواب:** حضرت صالح علیہ السلام نے رَبِّ انْصُرْنِیْ کے الفاظ سے اس لئے دعا کی عرض کی تا کہ یہ الفاظ ہر اعتبار سے شانِ نبوت کے مطابق اور جامع مانع ہو جائیں۔ مقصد دعا بھی یہ تھا کہ اپنی اور تمام مومنین و دینِ حق کی حفاظت اعانت امداد ہو جائے مگر یہ ہی الفاظ اس دعا کی ضمن میں موذی کفار کے لئے بد دعا خود بخود بن گئے لیکن رَبِّ انْصُرْنِیْ سے کلام میں جو خوبصورتی اور فصاحت و بلاغت پیدا ہوئی اس سے تا قیامت ایمان والوں کو اخلاقیات حسنہ کا درس عطا فرمایا گیا کہ بجاء بد دعائیہ الفاظ کی سختی کرختگی بولنے کے اپنے حق کو ظاہر کرتے ہوئے دعائیہ الفاظ و کلمات ادا کرنا زیادہ بہتر اور مناسب ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ بد دعا دو قسم کی ہوتی ہے ایک وہ بد دعا جو ظالم کو سنانے کے لئے ہوتی ہے۔ ایسی بد دعا میں صاف اور کرخت الفاظ ادا کرنے زیادہ بہتر ہیں تا کہ بد دعا سن کر بھی کافر ظالم موذی انسان کو عبرت حاصل ہو اور وہ ڈر جائے ہلاکت سے پہلے ہی ظلم کفر ایذا سے باز آ جائے جیسا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی لَا تَذَرْ عَلَى الْاَرْضِ۔ والی صاف و سخت غضبناک بد دعا جس کو سن کر ہی چند کافر مومن بن گئے اور ہلاکت سے بچ گئے تھے۔ یا جیسے چند دن آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی نمازِ فجر میں ایک کافر قبیلے کے لئے بد دعا فرمانا جس کو سن کر وہ سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا تھا۔ دوسری وہ بد دعا جو صرف اہلِ ایمان کو سنانے کے لئے یا مظلوم کی خوشی و تسلی کے لئے کی جاتی ہے۔ جیسے یہ مذکورہ بد دعا جو صرف مومنوں کے لئے خاص عبادت گاہ میں بیٹھ کر کی گئی تھی کسی کافر ظالم کو منانا مقصود نہ تھا نہ عبرت دلانا نہ بندہ بنانا کیونکہ صالح علیہ السلام اپنے علمِ غیب عطائی سے جانتے تھے کہ ان کفار میں کوئی بھی مومن بننے والا نہیں ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں آیت ۴۳ میں پہلے فرمایا گیا اَجَلَهَا ضمیر واحد مؤنث غائب سے پھر فرمایا گیا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ جمع مذکر غائب کے صیغے سے یعنی اَجَل کی سبقت کے لئے مَا تَسْبِقُ بھی صیغہ مؤنث اور اَجَلَهَا میں ضمیر بھی مؤنث لائی گئی لیکن اَجَل کی تاخیر کے لئے جمع مذکر غائب کا صیغہ لایا گیا اس فرق کی کیا وجہ؟ **جواب:** اس کی وجہ یہ ہے کہ اَجَل کی تقدیم و تاخیر دونوں کا تعلق اُمَّةٍ سے ہے اور امت لفظی اعتبار سے مؤنث ہے معنوی اعتبار سے مذکر ہے لہٰذا ترکیب نحوی میں چونکہ لفظی تانیث زیادہ قریب بھی ہے اور ظاہر بھی اس لئے اہلِ عرب کو سمجھانے کے لئے پہلے جملہ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ اَجَلَهَا مؤنث لایا گیا۔ لفظ اُمَّةٍ کی وجہ سے مَا تَسْبِقُ اور اَجَلَهَا دونوں لفظ مؤنث فرمائے گئے تا کہ ظاہری و لفظی مطابقت قائم رہے مگر چونکہ امت کا معنی قوم اور قوم کے عوام خواص افراد ہیں اس لئے مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ فعل متعدی ہے جس کا معنی ہے پیچھے نہیں کر سکتے وہ لوگ۔ یہاں افرادی قوت کی نفی ہے وہاں خود بخود ہونے کی نفی ہے۔ ان وجوہ سے مَا تَسْبِقُ کا معمول معنوی فاعل اُمَّةٍ اسم ظاہر کو بنا گیا۔ اور مَا يَسْتَاْخِرُوْنَ کا معمول لفظی فاعل لفظ قوم کی ضمیر کو بنایا گیا جو ظاہراً مذکر ہے اور باطناً جمع ہے۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ

علاقہ قالب میں روحِ مزکی اہلِ نفوس کی طغیانی و یلغارِ شیطانی سے مجبور و محبوس ہے اس لئے نفسِ امارہ سے دوری و خلاصی کی دعائیں مانگتی ہے کہ اے میرے رب کریم ان کذابانِ مخفی کے کذبیات سے مجھ کو ہٹالے اور مجھ کو میری روحانیاتِ ذریات کو جسمانیاتِ ناسوتی میں غلبہ عطا فرما۔ تب ربِ جلیل کی عطاءِ عمیم سے اعلانِ اسراری میں قبولیت دعا کا اظہار فرمایا جاتا ہے کہ مختصر نفسانی قوتیں ختم کردی جائیں گی اس وقت اہلِ نفوس کو ندامت ابدیہ اور ہلاکتِ ازلیہ کی ذلت و مایوسی اٹھانی پڑے گی۔ پھر جب احکامِ شریعت کی صیحہ کڑک اور نزولِ آیت کلامِ معرفت کی رجفۃ زلزلہ اور دھمک نے آوازۂ حقانی کے ساتھ پکڑ لیا تو سب شر و شرور کے امراءِ شرارت اور نفسِ شریر کے غرباءِ حماقت اور عیارانِ باطل کو قعرِ مذلت و گہوارۂ عبرت کے غثاءِ غلاظت بنا دیا گیا۔ ایسے ہی ناکارہ غلاظت والوں کے لئے رحمتِ انوار اور برکتِ اسرار سے دوری فراق و کثافت ظلمت و لعنت پھٹکار ہے کیونکہ اہلِ ظلمات کی ہر حالت ہی قہرِ ناگہانی ہے۔ اجسامِ کثیفہ میں قرونًا آخرین کی شکل و شباہت والے اشرارِ خبیثہ کی باطل قوتیں جنم لیتی ہی رہتی ہیں جو مہلتِ حیات کے غرور میں آ کر لذتِ شباب چند روزہ سے دھوکا کھا جاتی ہیں۔ اسی فریب ابلیسیّت کی وجہ سے میدانِ بدنیہ اور جبالِ جسمانیہ کے علاقوں میں اپنی اپنی مدت جوانی میں خوب شورِ تمکنت مغادرۂ فسقیت مچاتے پھیلاتے ہیں مگر اجل تقدیر کے آنے پر ہر قوت باطل خباثتِ زاہق فنا کردی جاتی ہے نہ کوئی باطل و فاسق بچ سکتا نہ کسی کو بچا سکتا ہے نہ مہلتِ حیات بڑھا سکتا ہے نہ کلفتِ ممات گھٹا سکتا ہے نہ بقاء کی سبقت پاسکیں نہ فنا کو مؤخر کرسکیں نہ کراسکیں۔ صوفیاءِ عظام فرماتے ہیں کہ جس طرح دنیوی عالمِ ناسوت میں اوراقِ دہر پر ایسی تاریخ ساز نو قومیں ابھریں بھریں پھلیں جو اپنی اپنی قوۃ خصال و فنکاری فعال میں قرن و قرون بن کر اپنے دور میں زمان و مکان علاقہ و مقام پر چھا گئیں اور کفر و کفران کر کے فناءِ ابدی پا کر نشانِ عبرت بنادی گئیں۔ اسی طرح عالمِ جسمانی ناسوت میں بھی نو علاقہ ہیں۔ قوتِ خبیثہ کے شر بھی نو ہیں اور انصارِ لطیفہ کے خیر بھی نو ہیں۔

۱۔ رِجلِ یمین یعنی قدم پا کا داہنا پنجہ۔ ۲۔ رِجلِ یسار و شمال یعنی قدمِ پا کا بایاں پنجہ۔ ۳۔ دستِ یمین۔ ۴۔ دستِ یسار۔ ۵۔ داہنی کہنی۔ ۶۔ بائیں کہنی۔ ۷۔ دہن یعنی منہ و ہونٹ۔ ۸۔ بینی۔ ۹۔ چہرہ یہی اعضاء ہر وضو میں دھوئے جاتے ہیں۔ ان اعضا میں نو عدد اشرارِ کثیفہ و خبیثہ ہیں۔ ۱۔ قوتِ آوارگی۔ ۲۔ قوتِ طغیانی۔ ۳۔ قوتِ غضب۔ ۴۔ قوتِ ظلم۔ ۵۔ قوتِ مجادلہ۔ ۶۔ قوتِ معانقہ۔ ۷۔ قوتِ بدکلامی۔ ۸۔ قوتِ بے لگامی۔ ۹۔ قوتِ بے حیائی۔ شرارت و خباثت کی یہ قوتیں اپنی زمینِ جسمانی علاقۂ بدنی میں اقوام سابقہ کافرہ مہلکہ کی مثل ہیں مثلاً قوم نوح۔ قومِ عاد۔ قومِ ثمود۔ قوم سدوم۔ قومِ ایکہ۔ قوم آل فرعون۔ قوم ایلہ۔ قوم طالوت۔ قوم مائدہ۔ یہ اعضاء ناسوتی نفسِ امّارہ کے حکم سے اپنی طرز و طریق کے مطابق جسمِ انسان پر فسق و فجور کا فساد پھیلانے والے ہیں ان اشرارِ خبیثہ بدنیہ کو فنا کرنے کے لئے علاقہءِ جسمانیہ میں مرشدِ روحانی کے پاس بھی نو قوتیں اماتِ الٰہی کی ودیعت رکھی گئی ہیں۔ ۱۔ لطیفۂ قربِ جمال۔ ۲۔ لطیفۂ قربِ کمال۔ ۳۔ لطیفۂ بطشِ جلال۔ ۴۔ لطیفۂ عطاء و سخا۔ ۵۔ لطیفۂ قدرتِ محاسبہ۔ ۶۔ لطیفۂ حکمۃ مباحہ۔ ۷۔ لطیفۂ قوت تبیان۔ ۸۔ لطیفۂ رائحۃ ریحان۔ ۹۔ لطیفۂ معرفت رحمٰن۔ طاغوتی شرارتی طاقتوں کے لئے وضو کا پانی طوفانِ ہلاکت ہے لیکن یہی پانی جبروت اخیار کے لئے عرفان سلامتی کی کشتی کا سہارا ہے۔ ۱۔ شر کے لئے زحمت فنا ہے۔ ۲۔ خیر کے لئے رحمت بقا ہے۔ ۳۔ شر کے لئے سوادِ ظلمت ہے مگر خیر کے لئے ضیاء نور ہے۔ ۴۔ اذان کی آواز اہلِ نفوس کے لئے صیحۂ ہلاکت ہے مگر یہی آواز اذان اہلِ قلوب کے لئے راحتِ جان بقاء

marfat.com

ایمان ہے۔ ۵۔ قرآنِ مجید کی آیت احکام اشرار باطنی کے لئے رہبہ دہشت ہے اور اخیار باطنی کے لئے سرورِ قلب ہے۔ ۶۔ اطاعتِ نبوی کی روایات قواء خبیثہ کے لئے عذاب اُمۡطِرۡنَا ہے لیکن اعضاء لطیفہ کے لئے اطاعت نبوت ثواب نَجَّیۡنَا ہے۔ ۷۔ دیدارِ قرآن مجید اظلام خناسیہ کے لئے غرقابی طغیانی نیل ہے مگر کلیمِ قلب کے لئے صراطِ مستقیم ہے۔ ۸۔ ارشاداتِ رسالت خبثاء وضالین کے لئے ابتلاء امراض ہے لیکن عشاق محبوبین کے لئے امتحان عشق۔ ۹۔ عبادۃ اللہ واتباع رسول اللہ مسخ شیطان ہے مگر حسنِ ایمان ہے۔ مَا تَسۡبِقُ مِنۡ اُمَّةٍ اَجَلَهَا کوئی بھی اوقاتِ احکام کو نہ آگے کر سکتا ہے نہ پیچھے ہٹا سکتا ہے۔ حج وزکوٰۃ وذکر وتلاوت صلوٰۃ وصوم۔ قربانی وجود امانت اداء قرض۔ شریعت وطریقت معرفت وحقیقت کے یہ تمام احکام وفرائض واجبات کے اوقات نفسِ امارہ کے لئے اجل موت ہے مگر روح وقلب کے لئے اجل وصال ہے فَالۡحَمۡدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ۔ اے مالک راہِ معرفت اگر تجھ کو لوگوں کا ہیشوا بنا دیا جائے تو یاد رکھو کہ دوسروں کو تعلیم وتربیتِ عمل دین سے پہلے خود کو اچھے اعمال و کردار کی عملی تربیت دینی چاہئے۔ اے بندے غم کر اس دن پر جو تیری نیکی کے بغیر گزر گیا توبہ کے بعد صغیرہ گناہ بھی اس گناہِ کبیرہ سے بدتر ہے جو توبہ سے پہلے ہوا تھا۔ کسی کی دنیوی مال ودولت خوشحالی وتندرستی پر حسد نہ کر کیونکہ یہ چند روزہ ہے حسد اس لئے بھی برا ہے کہ گویا حاسد اللہ تعالیٰ کی تقسیمِ ازلی پر راضی نہیں ہے۔

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً
پھر بھیجتے رہے ہم بہت سے رسول مسلسل یکے بعد دیگرے جب کبھی بھی تشریف لایا کسی امت میں
پھر ہم نے اپنے رسول بھیجے ایک پیچھے دوسرا جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آیا
رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا
اس کا رسول تو امت والوں نے اس رسول کو جھٹلایا تو ہم نے بھی ہلاکت میں ملا دیا بعض ان کے پچھلوں کو بعض اگلوں سے
انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اگلوں سے پچھلے ملا دیئے اور انہیں
وَّجَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا
اور بنا دیا ہم نے ان کو عبرت کی کہانیاں پس لعنت ہے ہر اس قوم کیلئے جو مومن نہیں بنتے پھر بھیجا ہم نے
کہانیاں کر ڈالا تو دور ہوں وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے پھر ہم نے
مُوۡسٰى وَاَخَاهُ هٰرُوۡنَ ۙ بِاٰيٰتِنَا وَسُلۡطٰنٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى
موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور ظاہر مضبوط دلیل کے ساتھ فرعون اور اس
موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کو اپنی آیتوں اور روشن سند کے ساتھ بھیجا
فِرۡعَوۡنَ وَمَلَا۟ئِهٖ فَاسۡتَكۡبَرُوۡا وَكَانُوۡا قَوۡمًا عَالِيۡنَ ﴿۴۶﴾

marfat.com

کے امیروں وزیروں کی طرف تو اس وقت سب سے تکبر وغرور کیا حالانکہ وہ سب اپنے آپ کو بڑا سمجھنے والے تھے
فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف تو انہوں نے غرور کیا اور وہ لوگ غلبہ پائے ہوئے تھے
فَقَالُوۡۤا اَنُؤۡمِنُ لِبَشَرَیۡنِ مِثۡلِنَا وَقَوۡمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوۡنَ ۚ﴿۴۷﴾
بولے کہ کیا ہم مومن بن جائیں ان دو بشروں کیلئے جو ہم جیسے ہی ہیں اور ان دونوں کی پوری قوم ہماری ہی غلام ہے
تو بولے کیا ہم ایمان لے آئیں اپنے جیسے دو آدمیوں پر اور ان کی قوم ہماری بندگی کر رہی ہے

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں بیان فرمایا گیا تھا کہ نوح علیہ السلام کی کافر قوم کی غرقابی کے بعد روئے زمین پر دوسری قومیں پیدا فرمائی گئیں' جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے رسول مبعوث ہوئے تو اکثر کفار نے ان کو جھٹلایا اور ان کی تعلیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کو ماننے سے انکار کر دیا تب انبیاء علیہم السلام کی بددعا سے ان کو بھی عذاب سے تباہ کر دیا گیا۔ اب ان آیت میں اس دوسری تباہی کے بعد تیسرے دور کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں ایک ایک رسول بھیجنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں مختلف ادوار کی مختلف اقوام یا مختلف علاقوں کی مختلف قوموں میں سلسلہ وار بہت سے انبیاء و رسل علیہم السلام بھیجنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ ہر قوم میں ہی بڑے سرداروں اور ان کے غریب ماتحتوں نے کفر ہی کیا اور ان پر آسمانی عذاب آتے ہی رہے جن سے تباہ کر دیا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بغیر نام انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں نام لے کر انبیاء علیہم السلام کا ذکر فرمایا جا رہا ہے یہاں قوم وسردارِ قوم کا نام بھی ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی

ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ فَاَتۡبَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ بَعۡضًا وَّ جَعَلۡنٰهُمۡ اَحَادِيۡثَ ۚ فَبُعۡدًا لِّقَوۡمٍ لَّا يُؤۡمِنُوۡنَ۔ ثُمَّ حرفِ عطف برائے تراخی لغو (عطف کے لئے نہیں) مراد ہے بہت زمانوں بعد۔ اَرۡسَلۡنَا باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم اس کا فاعل نَحۡنُ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ رُسُلَ۔ اسم جمع مکسر ہے رَسُوۡلٌ کی لغوی ترجمہ ہے قاصد۔ پیغامبر۔ پیغام لانے لے جانے والا۔ اصطلاح اور عرفِ منقول شرعی میں رسول کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والا صاحبِ شریعت نبی۔ وہی یہاں مراد ہیں۔ اس لئے فرمایا گیا ہمارے اپنے رسول رُسُلُ مضاف نَا ضمیرِ نفسی مجرور متصل جمع متکلم مضاف الیہ ہر ضمیرِ نفسی کا معنی ہوتا ہے اپنا۔ اپنے۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے تَتۡرَا اسم مفرد مونث آخر کا الف تانیث کا مگر فرانحوی نے کہا کہ یہ مونث نہیں آخر کا الف بعوض تنوین ہے اصل میں تھا تَتۡرًا۔ ترجمہ ہے مسلسل۔ یکے بعد دیگرے یعنی آگے پیچھے پے درپے۔ اردو میں نمبروار آنے جانے کو پے درپے اور آگے پیچھے مسلسل آنا کہتے ہیں لیکن کسی چیز کے نمبروار آگے پیچھے گرنے یا جسم پر پڑنے کو تابڑ توڑ کہا جاتا ہے۔ مثلاً بارش اولے گرنے کو یا مار پڑنے کوڑے لگنے کو تابڑ توڑ لگنا کہا جاتا ہے۔ عربی میں ان سب کو تَتۡرَا کہا جاتا ہے۔ ترکیب میں یہ حال ہے تمیز ہے اَرۡسَلۡنَا کے حاصل مصدر (مفعول

marfat.com

مطلق) کا۔ دراصل عبارت اس طرح ہے۔ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا اِرْسَالًا۔ تَتْرَا۔ بھیجا ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجنا مسلسل۔ ایک قول میں تَتْرَا حال ہے رُسُلَنَا کا۔ اَرْسَلْنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ کُلَّمَا اسم مرکب ظرف زمانی شرط وجزا کے لئے آتا ہے۔ ترجمہ ہے جس وقت بھی، جب بھی، جب کبھی یہ مرکب ہے کُلٌّ اور مَا سے مَا نکرہ مصدر یہ ظرفیہ ہے اسی مَا نے کُلّ۔ کو ظرف زمانی بنایا اس لئے یہ ہمیشہ منصوب ہوتا ہے۔ اس کے بعد فعل ماضی ہی آتا یہ ظرف مقدم ہے۔ جَاءَ۔ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب۔ جیئیٌ سے مشتق ہے بمعنی آنا اُمَّةً۔ اسم مفرد مونث بمعنی قوم بحالت زبر ہے مفعول فیہ ہے رَسُوْلُ اسم مفرد مذکر بمعنی صاحب شریعت نبی مبعوث مضاف ہے ھا ضمیر واحد مونث غائب اس کا مرجع اُمَّةً یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی فاعل ہے جَاءَ عامل جملوں سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہوئی۔ کَذَّبُوْ تَکْذِیْبٌ مصدر سے بنا ہے۔ بمعنی جھٹلانا۔ ھم ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل ہ ضمیر ظاہر واحد مذکر غائب مرجع ہے۔ رَسُوْلُہٗ یہ مفعول بہ ہے۔ کَذَّبُوْ۔ فعل فاعل مفعول بہ ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ مَنْ عاطفہ تعقیبیہ اَتْبَعْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم۔ تَبَعٌ سے بنا ہے بمعنی پیچھے ہونا یہ لازم ہے افعال کا مصدر ہے اتباع بمعنی پیچھے کرنا۔ پیچھے ڈالنا۔ پھینکنا مراد ہے بعد میں کرنا۔ اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ بَعْضَھُمْ مرکب اضافی مفعول بہ بَعْضًا اسم تبعیضی یعنی کچھ لوگوں کو کچھ لوگوں کے پیچھے بَعْضَھُمْ معرفہ ہے اور بعضًا نکرہ ہے۔ مفعول فیہ ہے۔ اَتْبَعْنَا فعل فاعل مفعول بہ مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ اس جملے کا ترجمہ ہے کہ ہم نے ان کے بعض کو بعض میں آگے پیچھے کیا۔ واؤ عاطفہ جَعَلْنَا فعل یا فاعل ھُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل مرجع ہے۔ بَعْضَھُمْ یہ مفعول بہ اول ہے۔ اَحَادِیْثَ۔ اسم جمع منتہی الجموع۔ اس کا واحد ہے حَدِیْثٌ۔ حَدَثٌ سے اسم مبالغہ صفت مشبہ بروزن فَعِیْلٌ باب کرم سے ہے لغوی ترجمہ ہے نئی چیز۔ حادث۔ مراد ہے کلام بات۔ یہاں معنی ہے قصے کہانیاں جو لوگ ایک دوسرے کو سناتے پھریں۔ یہ معطوف علیہ سبب ہے بُعْدًا کا اور جَعَلْنَا اپنے فاعل اور دونوں مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو جائے گا۔ فَبُعْدًا میں ف حرف عطف سببیہ بُعْدًا اسم حاصل مصدر ترجمہ ہے دوری مراد ہے۔ لعنت یعنی محبت رحمت و جنت سے دوری۔ یہ حاصل مصدر لام جارہ قَوْمٍ اسم مفرد مذکر لفظاً واحد معناً جمع ہے موصوف ہے لَا یُؤْمِنُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع حال منفی معروف جمع مذکر غائب۔ اس کا مصدر ہے ایمان اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ مرجع قَوْمٍ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے قوم کی یہ مرکب توصیفی مجرو ہو کر متعلق ہے بُعْدًا حاصل مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف مسبب ہے۔ احادیث پر دونوں سبب و مسبب عطفی مل کر مفعول بہ دوم جَعَلْنَا کا جَعَلْنَا جملہ فعلیہ ہو کر معطوف اَتْبَعْنَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر جزا ہے کُلَّمَا کے جملے شرطیہ کی شرط و جزا ملکر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۠ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ ثُمَّ حرف تراخی اَرْسَلْنَا فعل فاعل مُوْسٰی اسم مقصور اتینوں تقدیری اعراب والا عاطفہ اَخَا مضاف ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی بدل الکل ہے۔ ھَارُوْنَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے مبدل منہ ہے بدل اپنے مبدل منہ سے مل کر معطوف ہے موسیٰ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے بَ حرف جر، بمعنی مَعَ آیٰتِ جمع مونث سالم ہے۔ اٰیَۃٌ کی مضاف ہے۔ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف

marfat.com

علیہ واوٗ عاطفہ سُلْطٰنٍ اسم جامد الف نون زائد تان دراصل سُلْطٌ ہے لغوی معنی ہے مضبوط۔ روشنی۔ پہلے معنی سے دلیل حجت برہان اور بادشاہت۔ حکومت اور بادشاہ وحاکم کو سلطان کہا جاتا ہے۔ دوسرے معنی سے معجزے کو سلطان کہا جاتا ہے یہاں معجزہ ہی مراد ہے۔ آگ کے شعلے اور زیتون کے خوبصورت تیل کو اسی معنی سے سَلِیْطٌ کہا جاتا ہے۔ قدرت وقوت کو بھی سُلْطٰن کہا جاتا ہے۔ سُلْطٰنٍ موصوف مُبِیْنٍ۔ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِبْیَانٌ۔ یہ اسم فعل با فاعل جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف ہے بِاٰیٰتِنَا پر دونوں عطف مل کر مجرور متعلق اول ہے اَرْسَلْنَا کا۔ الٰی جارہ اپنے ہی معنی انتہائیہ میں فِرْعَوْنَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے یہ معطوف علیہ واوٗ عاطفہ مَلَائِہٖ مرکب اضافی معطوف دونوں مجرور ملکر متعلق دوم ہے۔ اَرْسَلْنَا فعل با فاعل اپنے مفعول بہ اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ ف زائدہ ظرفیت زمانی کے لئے بمعنی تو اس وقت اِسْتَکْبَرُوْا۔ باب استفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب مصدر ہے۔ اِسْتِکْبَارٌ۔ ترجمہ تکبر کرنا بڑا سمجھنا خود کو کبرٌ سے بنا ہے یہ مادہ لازم ہے وہ مصدر متعدی ہے۔ اس کی ضمیر صیغہ ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل ہے مرجع ہے فرعون وَمَلَائِہٖ یہ ھُمْ ذوالحال ہے واوٗ حالیہ۔ کَانُوْا ماضی ناقصہ ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم قوماً موصوف۔ عَالِیْنَ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر۔ عَلِیٌّ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بڑا ہونا۔ یہاں مراد ہے بڑا بننا سمجھنا۔ یہ اسم فعل با فاعلِ پوشیدہ جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے قوماً کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے کَانُوْا کی یہ فعل ناقصہ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ فعلیہ ناقصہ خبریہ ہوکر سبب ہوا۔ ف عاطفہ سببیہ بمعنی لِھٰذا قَالُوْا فعل ماضی جمع مذکر با فاعلِ پوشیدہ جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ اَ ہمزہ سوال انکاری کے لئے ہے۔ نُوْمِنُ باب افعال کا مضارع مستقبل جمع متکلم ایمان مصدر ہے اَمْنٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ لام جارہ بمعنی علٰی جارہ بَشَرَیْنِ اسم تثنیہ ہے بَشَرٌ کا بمعنی دو انسان موصوف ہے۔ مِثْلِنَا یہ مرکب اضافی صفت ہے۔ موصوف صفت مل کر ذوالحال واوٗ حالیہ قَوْمُ مضاف ھُمَا ضمیر تثنیہ کا مرجع موسیٰ وَھَارُوْنَ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ لام جارہ ملکیت کا ضمیر جمع متکلم مجرور متعلق مقدم۔ ترجمہ ہے ہماری ہی۔ عٰبِدُوْنَ۔ باب نصر کا اسم فاعل جمع۔ عَبْدٌ سے مشتق ہے یہاں معنی ہے غلام بننے والے یہ اسم فاعل با فاعل اپنے متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر حال ہے۔ بَشَرَیْنِ کا ذوالحال حال ملکر متعلق ہے جار مجرور مل کر نُوْمِنُ کا وہ سب جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا۔ قول مقولہ مل کر مسبب ہوا۔ کَانُوْا قَوْماً کے جملے کا سبب مسبب مل کر حال ہے۔ فَاسْتَکْبَرُوْا کے فاعلِ پوشیدہ ھم ضمیر کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر ظرف ہوا۔ اَرْسَلْنَا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا ؕ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ ۚ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۴۴﴾ ثُمَّ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى وَ اَخَاهُ هٰرُوْنَ ۙ۬ بِاٰيٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۴۵﴾ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَ مَلَا۟ئِهٖ فَاسْتَكْبَرُوْا وَ كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ ﴿۴۶﴾ فَقَالُوْۤا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَيْنِ مِثْلِنَا وَ قَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ ﴿۴۷﴾ قرونا آخرین میں بہت کثیر قومیں پیدا فرمائیں جن کو ہر طرح کے عیش وآرام سے نشوونما عطا فرمایا اور اس طرح سے پھیلایا پروان چڑھایا کہ اَلَمْ يَاْتِكُمْ نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ ۬ۛ وَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ۛؕ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ ؕ (ابراہیم:۹) ترجمہ: کیا

marfat.com

تمہارے پاس ان قوموں کی خبر نہیں آئی جو تم سے پہلے گزریں قوم نوح۔ قوم عاد وثمود اور ان کا ذکر جو ان کے بعد ہوئیں جن کے نام تعداد عادات قصے واقعے علاقے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور پھر ہر قوم کے پورے نام ونمود ترقی۔ تمدن قوت سلطنت کے بعد جبکہ دولت انعام اولاد کی فراوانی وکثرت کی وجہ سے ان میں غرور وتکبر پیدا ہوا اور غرور سے کفر اور کفر سے آباء پرستی۔ آباء پرستی سے شرک کی بیماری پیدا ہوئی کہ کسی نے بتوں کی پوجا کسی نے جانوروں درختوں کی کسی نے شیطانوں کی کسی قوم نے بڑی شخصی انسانوں کو تعظیمی سجدے کئے کسی قوم میں چاند سورج ستارہ پرستی کی بیماریاں بنتی اور بڑھتی رہیں۔ تب ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا پھر بھیجا ہم نے ہر علاقے کی قوم قبیلے میں کفر وشرک کو مٹانے قوموں کو سنوارنے اصلاح کرنے کے لئے، ہر قوم میں سے اپنا ایک رسول۔ تَتۡرَا مدت مدت کے بعد مسلسل۔ مسلسل ہونے کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ متواترہ یعنی وہ مدت جو فاصلے فاصلے سے ہو یہ فاصلہ ایک دن کے وقفے سے یا ایک صدی کے وقفے تک ہو سکتا ہے اسی متواترہ کو تَتۡرَا فرمایا گیا ہے۔ یہ لفظ دراصل وترا ہے۔ ۲۔ مسلسل کی دوسری صورت متتابعہ ہے یعنی وہ مدت جو اگلی مدت سے متصل ہو جس میں مہارت بالکل نہ ہو۔ مگر کچھ دوری اور دیری کی رکاوٹ ہو۔ ۳۔ مسلسل یعنی وہ مدت جو لگا تار ہو نہ مہلت ہو نہ دیری نہ دوری نہ رکاوٹ۔ ۴۔ متفارقہ یعنی وہ مدت جو رک رک کر واقع یا نازل ہو۔ ۵۔ متدارک یعنی وہ مدت جس میں کسی ایک چیز کا وقوع مختلف صورتوں سے بار بار ہوتا ہو کہ وہی چیز کبھی بصورۃ متواترہ کبھی متتابعہ کبھی مسلسلہ کبھی متفارقہ کے انداز میں واقع ہو۔ یہاں لفظِ وِتۡرًا کو تَتۡرَا فرمانے کی وجہ یہ ہے کہ رُسُل جمع مکسر ہے اور ہر جمع مکسر میں تانیث ہوتی ہے کیونکہ جمع مکسر بمعنی جماعت ہے اور لفظِ جماعت مؤنث اس لئے جمع مکسر بھی مؤنث ہوئی اسی بنا پر رُسُل کا معنی ہے۔ جماعت انبیاء اسی تانیث لفظی کا لحاظ رکھتے ہوئے وترا مذکر کو تترا مؤنث بنایا گیا یہ پہلی ت جو واؤ کے بدلے میں لائی گئی ہے تانیث کی ہے۔ وَتۡر کا لغوی اصلی معنی ایک فرد تو ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا تَتۡرَا کا معنی ہوا کہ ہم نے بھیجا ہر قوم میں ایک ایک رسول ہر اس دراز مدت ومہلت کے بعد جب قرنِ منشور میں کفر وطغیان کثرتِ ظلم شیطٰن کے ساتھ نمودار ہو گیا۔ اس مدت کے فاصلے میں تین قول ہیں۔ ۱۔ بعض نے لکھا ہے ایک قرن اسی سال کا ہوتا ہے۔ ۲۔ بعض نے سو سال بتایا ہے۔ ۳۔ بعض علماء نے اس سے بھی زیادہ بتایا ہے۔ خیال رہے کہ راویانِ احادیث مبارکہ کے تین زمانے ہیں۔ پہلا قرنِ صحابہ کرام دوم قرنِ تابعینِ عظام سوم قرنِ تبع تابعینِ ذوالاحترام۔ احادیث نبویہ کی چالیس اقسام ہیں جن میں سے متواتر اس حدیث کے متنِ مقدس کو کہتے ہیں جس کے راوی ان تینوں قرنوں زمانوں میں متعدد متفرق سندوں کے ساتھ کثیر تعداد میں ہوں۔ ایسی ہی کثرت کے اظہار کے لئے یہاں لفظ تَتۡرَا ارشاد ہوا اور موجودہ اقوامِ عرب وعجم کو سنایا جا رہا ہے کہ اے لوگو گوشِ عبرت ہوشِ عجلت عقلِ فطرت سے سنو کہ ہم نے کمالِ محبت، جمالِ شفقت اور اظہارِ نصرت کے لئے خیر کو اٹھانے۔ شر کو دبانے۔ کفر کو مٹانے۔ ظلم کو ڈھانے۔ فساد کو گھٹانے۔ اصلاح کو بڑھانے۔ باطل کو بھگانے۔ حق کو جمانے۔ اندھیرے کو بجھانے۔ نور کو جگمگانے۔ طغیان کو فنا کرنے۔ ایمان کو بقا دینے کے لئے ہر قوم میں ایک رسول بھیجا لیکن قوموں کی نادان بد عقل بد نصیبی دیکھو کہ كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً رَّسُوۡلُهَا كَذَّبُوۡهُ جب بھی جس قوم میں بھی جو بھی رسول مکرم مبعوث ہوا اور اس رسولِ مکرم نے اس قوم کی انتہائی شفقت ومحبت، دیانت، صداقت سے تبلیغ شریعت۔ تعلیمِ انسانیت تربیتِ ایمانیات سکھانا بتانا سمجھانا شروع کیا تو قوم کی اکثریت نے اپنے کفر فسق ظلم اور غرور سرداری کے گھمنڈ میں

marfat.com

قوتِ افرادی کے بل بوتے پر آپس کے سمجھوتے سے اپنے نبی محترم رسولِ مکرم کو جھٹلا دیا۔ تکذیب نبوت پانچ طرح ہوتی رہی۔ ۱۔ کبھی نبی علیہ السلام کی بشریت ولوازمات بشریت سے دھوکا کھا کر۔ ۲۔ کبھی مجنون ومسحور کا فریب دے کر۔ ۳۔ کبھی غربتِ ظاہری کا بہانہ بنا کر۔ ۴۔ کبھی یُرِیْدُ اَنْ یَّتَفَضَّلَ عَلَیْکُمْ کا الزام لگا کر۔ ۵۔ کبھی ساحر وشاعر ہونے کا عیب بتا کر محض اپنی سرداری بچانے قوم کو ورغلانے غرباء عوام کو وسوسانے۔ دینِ آباء کا چکر چلانے اور باطل میں پھنسنے پھنسانے کے لئے حق ہٹاتے۔ جہنمی بناتے رہے اور ان قوموں کی یہ ایک جیسی ملتی جلتی مشابہ تکذیب نبوت کسی عقل وخرد برہان ودلیل سے نہ ہوتی تھی بلکہ انہی عربی یہودیوں نجرانی عیسائیوں نجدی مجوسیوں اور مشرکین مکہ کی طرح فقط سرکشی۔ جہالت‘ حماقت‘ ضلالت کی ضد حسد سے۔ سرکشی اتنی کہ نہ توحید کو جانا نہ رسالت کو پہچانا نہ قیامت کے حشر ونشر کو مانا۔ جہالت ایسی کہ دستی تراشے خراشے ڈھلے بنے مجبور بے بس بتوں مورتیوں کو اندھے بن کر الٰہ مان لیا مگر صاحبِ معجزات نبی کے اختیار وقوت والے حیران کن معجزات کو دیکھ کر بھی نبی کی نبوت کو نہ مانا۔ خیال رہے کہ انسانوں کے ہاتھ سے خلاف عادت اور خرق فطرت جو کام ظاہر و صادر ہوں ان کی آٹھ قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ ارحاصِ علمی۔ ۲۔ ارحاص عملی۔ ۳۔ معجزہ علمی۔ ۴۔ معجزہ عملی۔ ۵۔ کرامتِ علمی۔ ۶۔ کرامتِ عملی۔ ۷۔ معونت۔ ۸۔ استدراج ہر نبی علیہ السلام ارحاص ومعجزات لے کر دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں اور کفار دیکھنے کے باوجود محض حماقت کی بنا پر منکر ہوتے رہے۔ حماقت یہ کہ نہ واقعاتِ عبرت پر نظر نہ حالات کی خبر نہ انجام کی ضلالت یہاں تک کہ

بتوں سے ان کو امیدیں خدا سے نا امیدی ذرا بتا تو سہی اور کافری کیا ہے

انبیاء علیہم السلام بلاتے رہے عقلیات سمجھاتے رہے مگر وہ لوگ کفر کی گندگی ہی پھیلاتے رہے۔ انبیاء علیہم السلام ایمان و اعمال سے پھول کھلاتے مگر وہ کفار پھولوں سے منہ موڑ کر ظلم کے کانٹے دنیا میں بچھاتے رہے۔ انبیاء علیہم السلام تبلیغِ ایمان سے اصلاحِ زمین فرماتے رہے لیکن کفار شرک وکفر کا فساد مچاتے رہے۔ انبیاء کرام عبادت واعمالِ صالحہ کی خوشبو کی طرف بلاتے رہے مگر کفار اعمالِ خبیثہ کی بدبو پھیلاتے رہے۔ انبیاء علیہم السلام تو ہمیشہ ہی فرماتے رہے کہ اے لوگو یہ زمین بنائی گئی ہے حسین بنانے طہارت پھیلانے پھول کھلانے کے لئے اور تخلیق وبقاء انسان کا مقصد صرف یہ ہے کہ فرشِ زمین پر عدل سے خزانے حمد ونعت کے ترانے دعاء فریاد کے آواز سے اذان واقامت کے نقارے کٹائے سنائے بجائے جائیں کہ عرشِ مکین بھی جھوم جائے مگر ظالمانِ کفار نے روئے زمین پر ظلم وفساد کے جھاڑ وجھنکاڑ ہی لگائے یہاں تک کہ مقصدِ حیات کا سامانِ بقا ہی تباہ کر دیا زمین الٰہی سے کفر وشرک کو مٹانا اس لئے ضروری ہے کہ کفر نے زمین کو فحاشی کی غلاظتوں سے بے حیائی کی نجاستوں بدمعاشی کی کثافتوں فسق وفجور کی خباثتوں سے بھر دیا کہ فرشِ زمین پر گندگی کفریات کے ڈھیر لگ گئے۔ جس سے مقصدِ آدمیت برباد ہو گیا۔ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضًا وَّ جَعَلْنٰهُمْ اَحَادِیْثَ۔ تو ہم نے حسب سابق دستور قدرت کے مطابق انبیاء علیہم السلام کے دعاؤں وکلمات بددعا کو قبول فرماتے ہوئے زمین کو بچانے فساد کو مٹانے زورِ کفر کو توڑنے کے لئے اجلِ مقدرہ و تقدیر مبرمہ کے مطابق آگے پیچھے مہلتِ مقررہ کے تقدم وتاخر سے بعد والی قوموں کو پہلے والی قوموں کے مطابق ہلاکتِ فنا میں گرا دیا اور آگے پیچھے موت دے کر قصے کہانیاں بنا دیا۔ یہاں فَاَتْبَعْنَا میں اتباع اور آگے پیچھے سے مراد زمانی آگے پیچھے

marfat.com

ہونا ہے نہ کہ مقامی مکانی اتباع۔ اقوام خبیثہ کو ایسا تامہ وکلیہ فنا کیا کہ ان کی ذات وصفات۔ نام ونشان۔ تاریخ وقومیت ذکرو تذکرہ سب کچھ صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا اور

خاکش چناں بخورد کہ نام ونشاں نماند

بس عبرت کا نشان قدرت کا امتحان۔ افسانوی بیان بن کر رہ گئے۔ اور ہم نے ان کو احدوثہ بنا دیا یعنی ان قوموں پر عذابوں ہلاکتوں کے ایسے حادثے گزرے کہ وہ سب خود ہنگامی حادثہ بن کر رہ گئے۔ لفظ احادیث جمع ہے اُحدُوثہ کی اس کا معنی ہے شرانگیز حادثہ۔ یا شر وشرارت کی وجہ سے اچانک ہلاکت لیکن مطلقاً شر یا خیر کے ہر قسم کے اعجوبہ کہا جاتا ہے۔ جس کی جمع اعاجیب ہے یہ عذابِ ہلاکت وسزاء فنائیت نہ ظلم تھا نہ انتقام نہ بلاوجہ بلکہ ایسا ہی ضروری تھا جیسا کہ کسی فرشِ زمین کو پاک وصاف کرنے کے لئے جھاڑو پھیرنا پانی سے دھونا۔ فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُونَ پس دوری وہلاکت ہوگئی ہر اس گندی خبیث۔ نقصان دہ قوم کے لئے جو اللہ تعالیٰ کی زمین پر رہ کر اس کی نعمتیں کھا کر اسی کا کفر شرک کرتے تھے نہ اس کا قانون مانا نہ احکام پر عمل کیا نہ دین حق پر ایمان لائے۔ خیال رہے کہ زمینِ پاکیزہ پر کفر گندگی کا ڈھیر ہے ظلم کانٹوں کی جھاڑی ہے۔ فسق وفجور کوڑا کچرا ہے۔ شرک فتنہ فساد ہے شیطانیت چوری ڈکیتی ہے تو جس طرح زمین کو قابلِ رہائش بنانے کے لئے گندگی کی صفائی' کانٹوں کی جلائی کوڑے کچرے کی ہٹائی۔ چوری ڈکیتی کی مٹائی عین عدل ورحمت ہے اسی طرح کفر وشرک ظلم وفسق سے اللہ تعالیٰ کی زمین کو پاک وصاف کرنا کرانا اور رکھنا عین فضل وکرم اور فتنہ فساد کا گھٹانا ہے۔ گذشتہ آیت میں جن قوموں کا ذکر ہوا وہ تو سرداروں کی قومیں تھیں جن کے حسرت وعبرتناک یہ برے انجام ہوئے۔ ان کی ہلاکتوں کے بعد ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ پھر ایک شاہی قوم ابھری۔ اور تقریباً چار سو سال تک زمین پر کفر وشرک کا ظلم اور بادشاہی کا غرور پھیلایا اور علاقہ مصر پر قبضہ جمایا تب بھیجا ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی قدرتی نشانیوں نبوت کے معجزوں کے ساتھ ان نشانیوں میں کچھ قہر قدرت کی وقتی سزاء عتاب تھیں اور کچھ معرفتِ رسالت کے معجزہ تھیں یہ نو آیتیں تھیں اور ایک سلطانِ مبین کا معجزہ۔ ۱۔ معجزہ یدِ بیضا یعنی ہاتھ کا چمک جانا۔ ۲۔ مجدبہ یعنی طاعون۔ ۳۔ طمس یعنی پھلوں غلوں کا قحط۔ ۴۔ ہوا کا طوفان۔ ۵۔ عذابِ جراء یعنی مکڑی کا حملہ۔ ۶۔ عتابِ قمل یعنی فرعونیوں کی ہر چیز میں جوؤں کی کثرت۔ ۷۔ ضفادع کا عذاب یعنی مینڈکوں کی کثرت۔ ۸۔ عذابِ خون یعنی فرعونیوں کی ہر چیز خون بن جاتی۔ ۹۔ عذابِ سنون یعنی دراز مدت خشک سالی۔ ۱۰۔ قدرتِ الٰہی آیتِ کبریائی معرفتِ رسالت کا زبردست طاقتور معجزہ عصاء موسوی تھا۔ اس عصا کی نو کرامتیں تھیں۔ ۱۔ اژدھا سانپ بن جانا۔ ۲۔ جادوگروں کا سامان نگل جانا۔ ۳۔ بوقتِ ضرورت سرسبز وشاداب پھلدار درخت بن جانا۔ ۴۔ چوکیداری اور حفاظت کرنا۔ ۵۔ اندھیرے میں لیمپ کی طرح شمع شبستان بن جانا۔ ۶۔ دریائے نیل پر پڑا تو دریا میں راستہ بنا دینا۔ ۷۔ میدانِ طبہ کے پتھر پر لگا تو پانی کے بارہ چشمے چلا دیئے۔ ۸۔ جب کسی کنوئیں سے پانی لینا ہوتا تو اوپر کا تمام حصہ رسی بن جاتا۔ ۹۔ اور نیچے کا سرا ڈول بن جاتا پانی لے کر اوپر کو اٹھ آتا۔ ان کرامات وفوائد کی بنا پر معجزۂ عصا کو سُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ فرمایا گیا۔ ان آیٰتِ معجزات کا ذکر قرآنِ مجید میں گیارہ سورتوں میں بیان فرمایا گیا ہے۔ ۱۔ سورۃ زخرف آیت ۴۶ میں۔ ۲۔ سورۃ غافر آیت ۲۳ میں۔ ۳۔ سورۃ قصص آیت ۳۶ میں۔ ۴۔ سورۃ ابراہیم آیت ۵ میں۔ ۵۔ سورۃ ہود آیت ۹۶ میں۔

marfat.com

۶۔سورۃ یونس آیت ۷۵ میں۔ ۷۔سورہ اعراف آیت ۱۰۳ میں۔ ۸۔سورۃ نمل آیت نمبر میں وہاں ارشاد ہے۔ فِیْ تِسْعِ اٰیٰتٍ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَقَوْمِهٖ ۔ ۹۔سورۃ اسریٰ آیت ۱۰۱ میں ارشاد ہے۔ وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسٰی تِسْعَ اٰیٰتٍ بَیِّنٰتٍ ۔ ۱۰۔سورۃ اعراف کی آیتوں میں مکمل تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ چنانچہ آیت ۱۰۸، میں عصا کا ذکر اور آیت ۱۲۳ میں ید بیضا کا ذکر ہے اور آیت ۱۲۹ میں قحط سالی اور پھلوں غلوں کی کمی کا ذکر ہے اور آیت ۱۳۳ میں طوفان۔ جراد۔ قمل۔ ضفادع اور خون دم کا ذکر ہے یعنی عبرت کی پانچ سزاؤں کا ذکر ہے آخر میں آیت ۱۳۰ کے اندر ارشادِ باری تعالیٰ ہے لَعَلَّهُمْ یَذَّکَّرُوْنَ ۔ یہ سزائیں عذابِ ہلاکت نہ تھیں صرف اس لئے تا کہ نصیحت لیں عبرت پکڑیں اور بندۂ مومن بن کر دونوں جہان کی دولت اور ابدی عزت پالیں۔ ید بیضا کی محبت سے یا سزاءِ قہری کی گرمی سختی سے ڈر کر گھبرا کر مومن بن جائیں مگر مردِناداں پر کلامِ نرم وقہری بے اثر۔ یہ نو آیٰتِ قہر فرعونیوں کی سرکشی اور ظلم وغرور کی وجہ سے علی الترتیب وقفے وقفے سے اِلٰی فِرْعَوْنَ وَمَلَاۡئِهٖ فرعون اور اس کے گروہ کی طرف ہم بھیجتے رہے۔ ان سزاؤں سے گھبرا کر دربارِ نبوت میں آتے دعاءِ معافی کراتے وعدہ ایمانی بھی کرتے مگر جب سزا ٹل جاتی تو مکر جاتے۔ اور عصاءِ کلیم جو اژدہاءِ غضب تھا جس نے فرعون کی عیاریوں اس کے جادوگروں کی مکاریوں کو مٹا کر رکھ دیا فرعونیوں کو ہر طرح ذلیل بنا دیا لیکن ان ذلتوں شکستوں کے باوجود۔ فَاسْتَکْبَرُوْا وَکَانُوْا قَوْمًا عَالِیْنَ ۔ ہر بار ذرا سا آرام ملنے عذابِ قہر ٹلنے پر ان فرعونیوں نے خباثتِ شیطانی کا غرور وتکبر ہی کیا اور وہ جہالت ضلالت حماقت میں اس طرح پھنسے ہوئے تھے کہ اپنی دنیوی دولت عارضی حکومت کے فریب میں خود کو بہت بڑا سمجھنے لگے۔ اور اپنے و اپنی قوم کے علاوہ ہر شخص کو حقیر فقیر سمجھتے تھے اور اکڑ وغرور کے باوجود بزدلی کمزوری ایسی کہ جب قدرتی مصیبت پڑتی تو کبھی حضرت موسیٰ کے کبھی حضرت ہارون علیہما السلام کے پیر پکڑتے معافیاں مانگتے کبھی بزرگانِ بنی اسرائیل کی منتیں کرتے توبہ کفرو وعدہ ایمانی کرتے روتے گڑگڑاتے لیکن جب فرعونیوں کی التجاؤں نبوت کی دعاؤں سے ترس کھاتے ہوئے بزرگانِ بنی اسرائیل کی رحیمانہ مشفقانہ سفارشوں سے رب تعالیٰ کے قہر وجلال کی ان سزاؤں میں سے کوئی سزا ختم کردی جاتی تو پھر کفر میں مضبوط شرک میں متشدد ہو جاتے۔ فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا ۔ تو کہتے پھرتے آپس میں ایک دوسرے سے گلی کوچوں بازاروں درباروں میں یار واغیار سے کہ ہم اتنی بڑی شان وشوکت حکومت و دولت شخصیت والے ہوکر ان دو بشروں پر ایمان لے آئیں جو بشریت میں ہم جیسے ہی ہیں جن کے پاس نہ دولت نہ حکومت نہ قوت اور جن کے پاس دنیا کی امارت صدارت نہیں ہے تو ان کے پاس دین کی نبوت ورسالت بھی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا ان کا دعویٰ نبوت غلط وجھوٹ ہے اور ان کی یہ آیتیں وَسُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ معجزاتِ رسالت نہیں بلکہ شعبداتِ سعادت ہیں اس لئے مصیبت کے وقت ہم ان کو یہ نہیں کہتے کہ یَا رَسُوْلُ ادْعُ لَنَا بلکہ یَا سَاحِرُ ادْعُ لَنَا کہتے ہیں اور پھر اگرچہ یہ دونوں بشر تو کبھی بھی ہمارے خادم کی یا نوکر غلام نہیں رہے اور نہ کبھی یہ دونوں ہم میں سے کسی امیر وزیر کے دروازے پر کسی چاہت وحمایت' شفاعت کے لئے آئے' ان کی خودداری غنا امانت' دیانت' صداقت' شرافت طہارت ہمیں مسلم ہے مگر ان دونوں کی پوری قوم تو مکمل طور پر ہر طریقے سے ہمارے حکمرانی کے قیدی سلطانی کے کمی خدمات کے نوکر ہمارے بچوں کے خادم۔ حکموں کے فرمانبردار ہیں۔ اطاعت گزار' صفائی کے خاکروب دھلائی کے دھوبی' پکائی کے نائی۔ گھروں کے چاکر۔ بازاروں کے حمال مزدور۔ چھوٹوں کو کندھوں پر کھلانے والے

marfat.com

بڑوں کے آگے بندگی سے جھکنے والے غلامیت سے پیچھے سرنگوں چلنے والے اور ان کی عورتیں ہماری لونڈیاں نوکرانیاں غرضکہ ہر طرح۔ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ ان دونوں کی پوری قوم ہمارے حکم کے بندے قانون کے غلام ہیں۔ رہا یہ کہ عذابِ مصیبت کے وقت ان دونوں سے وعدۂ ایمانی پر دعائیں کرانا' مصیبت ٹلوانا اور ٹل جانے کے بعد پھر وعدۂ ایمانی سے مکر جانا تو یہ ہماری دانشمندانہ سیاست اور سیاسی انداز اور چالیں ہیں بھلا سچا پکا ایمان ہم ان پر کیسے لا سکتے ہیں۔ کفار بدبختوں کی یہ کتنی بڑی حماقت تھی کہ اپنے جیسے بشر فرعون کو معبود و مسجود اور رَبُّکُمُ الْاَعْلٰی۔ تو مان لیا مگر موسیٰ و ہارون کو نبی مانتے ہوئے اتنی قید میں شرطیں گویا کہ ان کے نزدیک معبود ہونا آسان ہے نبی رسول ہونا مشکل ہے۔ خیال رہے کہ کفار کی یہ ابن الوقتی فریبِ عیاری طریقۂ مکاری شروع زمانوں سے کسی نہ کسی انداز میں ہوتی ہی رہی ہے اور تا قیامت ہوتی رہی گی۔ مومن متقی بھولا یا بے وقوف نہیں ہوتا سب چالیں سمجھتا ہے مگر پھر بھی ترس و رحم کا مظاہرہ کرتا ہے۔ انجام کار عیار کافر اپنی چالوں عیاریوں کے باوجود شکست خوردہ خائب و خاسر ہو جاتا ہے مگر مومن اپنے رحم کھانے کے باوجود فاتح و غالب کامیاب ہو جاتا ہے۔ ان نو آیٰت اور دسویں عصا کے معجزات میں سے آٹھ معجزات موسیٰ و ہارون علیہما السلام کے مشترکہ معجزے تھے کہ دونوں میں سے جب بھی کوئی انفرادی یا اجتماعی بددعا عرضِ بارگاہ کرتا تو قوم قبطیہ فرعونیہ پر وہ قہر یہ سزا نازل ہو جاتی اور پھر دونوں میں ہر ایک کی انفرادی یا اجتماعی ترس خوردہ رحیمانہ دعا عرضِ بارگاہ کرنے سے وہ قہر ختم بھی ہو جاتا۔ کبھی قہر الٰہی نازل تو خود بخود ہو جاتا مگر کفار کے معافی مانگنے منت سماجت کرنے پر پیر پکڑنے سے کوئی بھی ایک دعا کر دیتا تو عذابِ قہر ٹل جاتا لیکن معجزۂ ید بیضا اور معجزۂ عصا صرف موسیٰ علیہ السلام کے معجزے تھے۔

ان آیت میں اختلافی اقوال

تَتْرَا کی قرئت میں چار قول۔ ۱۔ اکثر قرئت میں تَتْرَا ہے اور یہی قرئت صحیح ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض نے تَتْرًا پڑھا ہے۔ ۳۔ بعض نے تَتْرِ۔ ۴۔ بعض نے تَتْرٌ پڑھا ہے یہ قرئت بنی کنانہ کی ہے۔ جاءَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ جَآءَ کا معنی ہے تبلیغ فرمائی۔ رسول اللہ نے امت میں یہ ہی قول درست ہے کیونکہ ساتھ ہی کَذَّبُوْهُ ہے کہ امت نے جھٹلایا اس اپنے رسول کو اور جھٹلانا ہمیشہ تبلیغ کے بعد ہوتا رہا نہ کہ صرف آنے پر۔ جَآءَ کا ترجمہ مبعوث ہونا ہے یعنی اظہارِ نبوت و تبلیغ دین کی اجازت ملنا نہ کہ کہیں باہر سے آنا۔ اس لئے کہ اکثر انبیاء علیہم السلام اپنی قوم میں ہی مولود ہوئے پلے بڑھے اور پھر اسی قوم میں مبعوث ہوئے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ جَآءَ کا ترجمہ ہے تشریف لائے امت میں اس کے رسول مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ بجز چند کے نہ تو کوئی رسول باہر کسی دوسری جگہ سے تشریف لاتے تھے نہ صرف تشریف لاتے ہی کسی امت نے جھٹلایا۔ اَحَادِیْثَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ اَحَادِیْثَ جمع ہے اُحْدُوْثَہ کی بمعنی حادثہ ہلاکت۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اَحَادِیْثَ جمع ہے حدیث کی بمعنی باتیں قصے کہانیاں۔ دونوں قول درست ہیں۔ لِقَوْمٍ لَّا یُؤْمِنُوْنَ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی لعنت و ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جو اپنے نبی پر ایمان نہیں لاتے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے لعنت ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جو تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان نہیں لاتے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی ہے لعنت و ہلاکت ہے اس قوم کے لئے جو نبی کریم محمد رسول اللہ ﷺ اور قرآنِ مجید پر ایمان نہیں لاتے۔ یہ تینوں قول

marfat.com

درست ہیں۔ بِاٰیٰتِنَا وَ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ کے معنی میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ آیاتنا سے مراد نو معجزات سزا اور ید بیضا۔ سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ سے مراد عصا اور اس کی کرامات یہی قول درست ہے کیونکہ عصا کی کرامات سے الٰہیۃ وحدہٗ پر استدلال غلبہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ آیٰت سے مراد تمام معجزات ہیں اور سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ سے مراد حجۃ قائم اور واضح دلیل۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ آیٰت سے مراد عذاب الٰہی اور سُلْطٰنٍ مُّبِیْنٍ سے مراد باقی معجزات۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ آیٰت سے مراد تمام معجزات اور سلطانِ مبین سے معجزات کی کیفیت و شانِ دلالت۔ ۵۔ بعض نے کہا کہ آیٰت سے مراد صداقتِ نبوت اور سلطن مبین سے مراد قوتِ نبوت۔ مَلَائِہٖ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ مَلَاءِ سے مراد قبطی قوم کے درباری امراء۔ ۲۔ بعض نے کہا مَلَاءِ مراد آل فرعون یعنی فرعون کے مطیع و فرمانبردار لوگ، مصری رعایا۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ مَلَاءِ سے مراد مصر کی دونوں قومیں ہیں بنی اسرائیل بھی قبطی بھی۔ تینوں قول درست ہیں۔ عٰبِدُوْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہ عٰبِدُوْنَ کا معنی ہے خَادِمُوْنَ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ عٰبِدُوْنَ کا معنی ہے بندگی پوجا پرستش کرنے والے کیونکہ فرعون ہر شخص سے اپنے سامنے سجدے کراتا تھا۔ قبطی لوگ اس کو سجدۂ عبادت کرتے تھے مگر اسرائیلی سجدۂ تعظیمی کرتے تھے مگر یہ قول قطعاً غلط ہے کیونکہ بنی اسرائیل سے صرف خدمت گزاری ثابت ہے سجدہ ریزی ثابت نہیں ہے۔ لَنَا کے لام کو پہلے کرنے کے مقصد میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ تقدم حصر کے لئے ہے اور عبارت کا معنی یہ ہے کہ ان دونوں موسیٰ و ہارون کی قوم صرف ہماری خادم و نوکر ہیں یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ تقدم محض فاصلے کے لئے ہے۔

فائدے

ان آیٰت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** ابتداء انسانیت سے زمانۂ عیسیٰ علیہ السلام تک زمین پر تقریباً ایک لاکھ چوبیس ہزار قومیں پیدا ہوئیں جو روئے زمین کے مختلف علاقوں میں پیدا ہوتی رہتی، بستی اور مٹتی رہیں۔ اقوامِ عالم کی یہ تعداد اس طرح ثابت ہوئی کہ ہر قوم میں ایک نبی رسول مبعوث ہوئے اور چونکہ انبیاء کرام علیہم السلام کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی ہے جیسا کہ احادیث مشہورہ سے ثابت ہے اس حساب سے اقوام کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی بنتی ہے۔ یہ فائدہ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا۔ کی لفظی تشریح سے ہوا۔ احادیث مقدسہ متعددہ مشہورہ میں ذکر ہے کہ صحابہ کرام کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار ہی تھی۔ ایک بزرگ نے فرمایا کہ نبی کریم حضور اقدس ﷺ کے زمانۂ اقدس سے لے کر تا قیامت مسلمان قوموں کی تعداد بھی ایک لاکھ چوبیس ہزار قومیں ہوں گی۔ اس لئے کہ آقا ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام کے جامع کمالات و جامع معجزات و جامع اقوام ہیں۔ چنانچہ سورۃ سبا کی آیت ۲۸ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا۔ اور سورۃ اعراف کی آیت ۱۵۸ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ کی تفاسیر میں مفسرین یہ بھی بیان فرماتے ہیں۔ **دوسرا فائدہ:** آیات و احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ اصل ایمان و کفر نبوت سے متعلق ہے یعنی انبیاء علیہم السلام کو ماننا ہی دین الٰہی کو ماننا ہے اور انبیاء علیہم السلام کا انکار ہی کفر ہے۔ تصدیق نبوت ہی صراطِ مستقیم ہے اور تکذیب نبوت ہی ظلم عظیم و کفرِ ربانی ہے تعلیم نبوت سے منہ پھرا کر نہ توحید الٰہی کا ایمان درست و مفید ہے نہ حشر نشر قیامت جنت و دوزخ ملائکہ پر ایمان لانا مفید و مقبول۔ یہ فائدہ كَذَّبُوْهُ میں ہٗ ضمیر واحد مذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس طرح کہ قرن و قرون

marfat.com

آخرین والی سب قومیں اللہ تعالیٰ کی ذات کو مانتی تھیں مگر تکذیبِ انبیاء کی وجہ سے ان کا اللہ تعالیٰ کو ماننا بھی کفر شمار ہوا۔ لہٰذا کتنے گمراہ ہیں بعض وہ اردو مفسر جو اپنے تخیلات کی موہومہ توحید کی بناپر زرتشت اور گوتم بدھ جیسے مشرک کافر لیڈران کفر وکفار کو نبی مانتے ہیں۔ معاذ اللہ۔ حالانکہ ان کے باطل حرمتوں میں توحیدِ باری تعالیٰ کا نام ونشان تک نہیں ملتا۔ نبوت کے ایمان کا تو تصور بھی نہیں ہے جو مفسر بدھ یا زُرتشت کو نبی مانے وہ کافر ہے۔ **تیسرا فائدہ:** انبیاء علیہم السلام اپنی زندگی خواہ کسی طرح گزاریں خودساختہ غربت میں یا خداداد دولتمندی میں خوشحالی میں یا تنگدستی میں۔ کچھ غرباء میں صدقات وخیرات سے لٹا کر یا کچھ اپنے لئے بچا کر جس طرح چاہیں اپنی زندگی گزاریں مگر کبھی کسی امیر وزیر بادشاہ کے دروازے پر اپنی کوئی حاجت۔ حمایت۔ سفارش لے کر نہ گئے نہ کسی نبی علیہ السلام نے کبھی بھی کسی امیر وزیر بادشاہ کی کوئی نوکری یا ملازمت وخدمت گاری کی۔ انبیاء علیہم السلام کی خودداری۔ بے غرضی طبیعت کی غناء۔ عادت کی دیانت قول وعمل کی صداقت قلب کی سخاوت کے کفار ومنکرین بھی ہمیشہ اپنے عقل وقلب کی گہرائیوں سے قائل ہی رہے۔ یہ فائدہ **وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔** کے قول نقل فرمانے سے حاصل ہوا کہ فرعون وفرعونیوں نے یہ تو کہا کہ ان دونوں کی قوم بنی اسرائیل ہمارے نوکر خادم مطیع ہیں مگر ان میں عرصے سے رہنے والے حضرت ہارون کے متعلق نہ کہہ سکے کہ اے ہارون تم بھی کل تک ہمارے دروازوں کے نوکر بازاروں کے خادم وعابد مطیع وغلام تھے نہ حضرت موسیٰ کے متعلق کہہ سکے کہ تم بھی پہلے جوانی میں عرصے تک ہماری گھر دربار کے ملازم خادم تھے پھر روپوش ہو گئے۔ ثابت ہوا کہ حضرت موسیٰ وہارون نے سالہا سال ان فرعونیوں میں رہنے کے باوجود کبھی فرعون یا کسی قبطی فرعونی سے کوئی غرض نہ رکھی بلکہ باعزت طریقے سے اپنا باوقار کاروبار کیا اور اسی کاروبار سے اپنی واپنے اہلِ بیت کی کفالتِ تامہ فرماتے رہے۔ یہی شانِ استغنا ہمیشہ ہر نبی علیہ السلام کی رہی ورنہ کفار تکذیبِ نبوت کے لئے اس غربت ملازمت خادمیت کا طعنہ دیا کرتے۔ انبیاء علیہم السلام کا یہ عملِ استغنا بھی تعلیم امت ہے کہ تا قیامت تمام علماءِ شریعت مشائخ طریقت بھی تاعمر دنیاداروں امیروزیروں دولتمندوں سے دور رہیں یہی اشارہ ہے **عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ** کے فرمانِ نبوی کا یعنی میری امت کے علماء ہیں جو تعلیم تبلیغ قول وعمل امانت دیانت استغنا میں انبیاء بنی اسرائیل کی طرح مبلغ حق ومعلم خوددار ہوں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** عبادتِ الٰہی صرف قیام وقعود۔ سجدہ ورکوع اور مسجد کی حاضری کا ہی نام نہیں بلکہ گھر سے بازار تک تجارت سے عدالت تک۔ رسم ورواج سے قوانین مملکت تک حضر سے سفر تک، علاقہ وطن سے علاقہ رہائش تک۔ ملکی ریاست سے ملکی سیاست تک۔ اندر سے باہر تک ظاہر سے باطن تک۔ صلح سے لڑائی تک۔ دوستی سے دشمنی تک۔ صدارت سے وزارت تک۔ عوام سے خواص تک۔ لباسِ حیات سے کفنِ ممات تک فوج سے پولیس تک۔ درباریوں سے رعایا تک بچپن سے بڑھاپے تک۔ مدرسہ دینیہ سے سکولِ دنیوی تک۔ حکمت سے سائنس تک۔ غرضکہ زندگی کے ہر مکان ہر زمان ہر شعبہ امکان پر اللہ تعالیٰ کا قانون نافذ کرنا ہی عبادت الٰہی واطاعتِ کبریائی ہے۔ اسی

marfat.com

چیز کو سمجھانے کے لئے انبیاء علیہم السلام اقوامِ عالم میں تشریف لاتے رہے اور اسی چیز کی نافرمانی سے قوموں پر جلال و زوال کی ہلاکت و لعنت آتی رہی۔ انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ و تربیت صرف مسجدوں عبادت گاہوں تک محدود نہیں ہوتی بلکہ پورے معاشرۂ مملکت پر غلبۂ احکامِ ربانی نافذ کرنے کے لئے ہوتی ہے۔ ایمان' اسلام' اطاعت' اتباع صرف یہی نہیں ہے کہ مسجدوں مدرسوں خانقاہوں میں دینِ الٰہی حکمِ قرآنی نظر آئے مگر عدالتوں حکومتوں' تجارتوں میں یہودیت۔ عیسائیت مجوسیت کا کفرو قانون دندناتا پھرے۔ مومن مسلمان ہونا صرف یہ نہیں ہے کہ مسجد میں تو مسلمان دیندار نظر آئے مگر باہر شکل کا مجوسی ہو۔ کردار کا یہودی ہو۔ اقوال کا عیسائی ہو۔ عقل کا دیسی لباس کا پردیسی ہو۔ ایسی دوگلی پالیسی دینداری نہیں بلکہ اللہ رسول کے دین و قرآن سے غداری ہے۔ کیا یہ قبطیوں جیسی عہد شکنی نہیں کہ اللہ رسول کے نام پر ملک حاصل کیا مگر جب ملک مل گیا تو اپنی عادت ملکی عدالت اپنی سیاست ملکی تجارت میں ہر طرف اسلام قرآن کی مخالفت بھرلی۔ احادیث و فقہ سے ثابت ہے کہ قانونِ اسلامی قرآنی ربانی کو چھوڑ کر کسی کا انسانی قانون دنیوی بناوٹی جاری رکھنا یا اپنانا اختیار کرنا شرک ہے۔ مسلمانوں کے جس ملک میں بھی ایسی منافقت پھیلی ہوئی ہو وہاں کے عام و خواص حکام و رعایہ اپنی اس دینی غداری کی بنا پر کبھی سکونِ قوت نہیں پاسکتے۔ عوام کا جرم ووٹ دینا ہے خواص کا جرم ووٹ لے کر کفر ساز حکومت بنانا ہے تجربہ و مشاہدہ ہے اسی قسم کی غداری و منافقت کرنے والی قومیں نہ ذہنی سکون پاسکیں نہ سیاسی استحکام و مضبوطی نہ ملکی فلاح و ترقی نہ امن و امان۔ یہ مسئلہ وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ۔ کے بیان سے مستنبط ہوا جس نے بتایا کہ عٰبِدُوْنَ کا معنی ہے ہر طرح ہر کام کلام میں ہر وقت ہر جگہ اطاعت کرنا ہی عبدیت ہے۔ خیال رہے کہ صرف اقوال و احکام ماننا اطاعت ہے اور صرف افعال ماننا ان پر عمل و نقل کرنا اتباع ہے مگر ہمہ وقتی اطاعت و اتباع مکانی زمانی پوری حیات و معاشرے پر نافذ کرنا عبادت ہے۔ دینِ انبیاء علیہم السلام مکمل عبادت کی تعلیم و تربیت عطا فرماتا ہے نہ کہ فقط اطاعت و اتباع کا۔ **دوسرا مسئلہ:** قانونِ شریعت و اصول فقہ کا یہ قاعدہ کلیہ بالکل درست اور جاری و نافذ ہے کہ ہمیشہ حکمِ شرعی قانونی اکثریت پر لگایا جاتا ہے حکم لگانے بیان کرنے میں اقلیت کو نہیں دیکھا جاتا۔ وہ اکثریت یا اقلیت برائی پر ہو یا اچھائی پر۔ یہ مسئلہ کَذَّبُوْہُ کے فرمان سے مستنبط ہوا کہ دیکھو اگرچہ ہر نبی علیہ السلام پر ان کی قوم کے کچھ افراد ایمان لاتے رہے مگر تذکرے میں صرف مُكَذِّبِيْنَ کا نام لے کر سب قوم پر یہ حکم لگایا گیا کیونکہ مُكَذِّبِيْنَ کی اکثریت تھی اور لِلْاَكْثَرِ حُكْمُ الْكُلِّ اکثر پر کل کا حکم لگایا جاتا ہے گویا سب ہی ایسے تھے۔ اقوامِ سابقہ کی اکثریت کا ذکر سورۃ صافات کی آیت ۷۱ میں اس طرح فرمایا گیا۔ وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ یعنی پہلی امتوں میں اکثریت ہمیشہ گمراہوں کی ہوتی رہی۔ اس قرآنی قانون و قاعدے کے تحت فقہاء عظام نے یہ اصول بیان فرمائے کہ اکثریت کو کل ہی کہا جاتا ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** دنیا میں انسانوں کی بزرگیاں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ۱۔ بزرگی ترقیانہ۔ ۲۔ بزرگی تکبرانہ۔ جس کی بزرگی بلندی سرفرازی اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیۂ ربانی ہو وہ ترقی ہے اور ترقی کو وقار و دوام ہے۔ اور جس کی بزرگی بلندی اکڑ و غرور پیدا کرے وہ وسوسۂ شیطانی اور خود ساختہ بناوٹی نفسانی ہے اس کا نام تکبر ہے اور تکبر کو ذلت و زوال ہے ترقی کی نشانی بندے میں عجز و انکسار ہونا ہے۔ تکبر کی نشانی شیخی' خود کو بڑا سمجھنا ہمچو ما دیگرے کے شیطانی خیالات دماغ میں سمانا۔

marfat.com

اپنی بڑائی کے نعرے لگانا ہے۔ قانونِ شریعت میں ترقی کا اظہار جائز اور تحدیثِ نعمت کے لئے بطورِ شکر الٰہی کی جائے تو عبادت ہے لیکن فخریہ اظہار حرام ہے مگر تکبرانہ اظہار کرنا یا دماغی فتور میں لانا سب کچھ حرامِ قطعی کیونکہ یہ کفار و شیاطین کی علامت ہے اور دنیوی ذلت کا باعث لہٰذا کسی مسلمان کو کسی وقت کسی جگہ متکبرانہ طریقہ اختیار کرنا جائز نہیں۔ یہ مسئلہ فَاسْتَكْبَرُوْا کے بعد كَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی خود ساختہ بلندی خیال اور رحلیت کی برائی فرمائی وَكَانُوْا قَوْمًا عَالِيْنَ۔ کا معنی ہے کہ وہ خود کو بڑا سمجھتے تھے یہ عالیت ترقی نہ تھی تکبر تھا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ پہلے فرمایا گیا ثُمَّ اَرْسَلْنَا پھر فرمایا گیا كُلَّمَا جَآءَ عربی لغت سے ان دونوں جملوں کا معنی و مقصد ایک ہی ہے تو پھر ثُمَّ اَرْسَلْنَا کہنا ہی کافی تھا اور اس طرح فرما دیا جاتا۔ ثُمَّ اَرْسَلْنَا اُمَّةً رُسُلَنَا تَتْرَا كَذَّبُوْهُ یعنی پھر ہم نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے پے در پے تو امتوں نے رسول کو جھٹلا دیا۔ یا پھر دونوں جگہ اَرْسَلْنَا ہی ہوتا۔ اور عبادت اس طرح ہوتی کہ ثُمَّ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا تَتْرَا كُلَّمَا اَرْسَلْنَا اُمَّةً رَّسُوْلُهَا كَذَّبُوْهُ اس تفریقِ الفاظ کی کیا وجہ اور کیا فائدہ؟ **جواب:** اَرْسَلْنَا فرما کر بعثت رسول اللہ کا مبدأ و زمانہ ابتداء بتایا گیا اور جَآءَ فرما کر بعثت نبوت کا منتہی بتایا گیا۔ یعنی ہم نے ہر امت میں ایک شخصیت کو رسول مبعوث فرمایا اسی قوم برادری میں سے منتخب کر کے یا کسی دوسرے علاقہ دوسری قوم کا نبی بھیجا۔ لہٰذا اَرْسَلْنَا فرما کر انتخاب کا ابتدائی زمانہ بیان فرمایا گیا۔ پھر جب نبی آ گئے اور انہوں نے تبلیغ دین فرمائی فَكَذَّبُوْهُ تو آخر دم تک امت نے اپنے نبی علیہ السلام کی تکذیب ہی کی ایمان نہ لائے۔ اَرْسَلْنَا کے فوراً بعد تکذیب نہ کی گئی بلکہ جَآءَ کے بعد تبلیغ اور تبلیغ کے بعد تکذیب شروع ہوئی جو انتہاء انجام تک جاری رہی۔ اس وجہ سے دونوں جملوں کو مختلف متفرق لفظوں سے بیان فرمایا گیا۔ نیز اَرْسَلْنَا سے مخلوق پر شفقتِ رحمانی کا اظہار فرمایا گیا اللہ تعالیٰ ہر بندے کو ابدی جہنم سے بچاتا ہے۔ یہ رب تعالیٰ کی بے حد و بے شمار محبت و کرم ہے۔ اور جَآءَ کا پورا جملہ فرما کر بدقسمت و بے عقل قوم کی بدسلوکی گستاخی و کفر و انکار کا ذکر ہے۔ جس میں سراسر ظاہراً باطناً خود قوم کا ہی نقصان تھا۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں آیت ۴۴ میں فرمایا گیا فَبُعْدًا لِّقَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ۔ لیکن پہلے آیت ۴۱ میں فرمایا گیا۔ فَبُعْدًا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ان دونوں جگہ میں دو فرق ہیں۔ پہلا فرق یہ کہ یہاں لفظِ قوم نکرہ ہے اور وہاں لفظِ قوم معرف باللام ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ یہاں لَا يُؤْمِنُوْنَ ہے اور وہاں اَلظّٰلِمِيْنَ ہے۔ اس تفریق میں حکمت کیا ہے جبکہ انجام سب کا بُعْدًا ہے۔ **جواب:** وہاں اَلظّٰلِمِيْنَ فرما کر قوم کی بدعملی بتائی گئی اور یہاں لَا يُؤْمِنُوْنَ فرما کر قوم کی بدعقیدگی بتائی گئی۔ اور چونکہ بدعقیدگی ہر قوم کی یکساں کفر و شرک بت پرستی میں برابر ایک جیسی تھی اس لئے یہاں قوم نکرہ عمومی فرمایا گیا جس سے تمام سابقہ نافرمان قوموں کا تعارف ہو گیا مگر قوموں کی بدعملی مختلف ہوتی رہی۔ کسی قوم میں بدکاری کسی قوم میں رشوت خوری کسی میں ظلم و ایذا رسانی کسی میں دھوکہ دہی۔ کم تولنا وغیرہ وغیرہ جس قوم کا آیت ۴۱ میں لِلْقَوْمِ کو معرفہ کیا گیا جس سے صرف اس ایک قوم کی بدعملی کا ذکر ہوا اور اسی ظالم قوم کا تعارف ہوا۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ دیگر سورتوں میں اقوامِ

marfat.com

سابقہ کا نام بنام تفصیل سے ذکر کیا گیا۔ اس اختصار کی وجہ سے بہت سی تفسیری الجھنیں اور اختلافی اقوال رونما ہوئے کہ کسی نے قرن وقرون سے کچھ مراد لیا کسی نے کچھ چاہیئے تھا کہ یہاں بھی قدرے تفصیل بیان کردی جاتی یا کم از کم ان قوموں کا نام ہی لے لیا جاتا جن کا نام پہلی سورتوں میں آچکا ہے۔ یعنی قرناً آخرین کے بجائے عاد وثمود فرمادیا جاتا۔ **جواب:** قرآنِ مجید میں سابقہ واقعات بیان کرنا محض قصہ گوئی افسانہ نگاری یا کہانی سنانی مقصود نہیں ہوتی بلکہ موجودہ اور بعد والوں کو درسِ عبرت دلانے نصیحت سمجھانے انجام بتانے۔ کفر وایمان کا فرق۔ حق وباطل کی عادات بیان کرنے کے لئے سنائے جاتے ہیں یہی وجہ ہے کہ متعدد سورتوں میں اقوامِ عالم ومذاہبِ باطلہ کے کسی نہ کسی خصوصی واقعاتی پہلو کا ذکر کیا گیا۔ کہیں اجمال سے کہیں ذرا تفصیل سے کہیں کسی قوم کی جہالت کسی کی حماقت کسی کی ضلالت کسی کی ایذارسانی کسی کی عادتِ بدکاری کہیں ظلم کہیں مہلت کا ذکر' کہیں ہلاکت کا' کہیں عذابِ قہر وعتاب کا کہیں درازعمری کی نعمت کا' کہیں افرادی قوت کی دولت کا۔ کسی قوم کی جسمانیت کا کسی قوم کی فنکاریت صنعت کاری کا۔ کسی قوم کے فساد فی الارض کی تخریب کاری کا۔ یہاں کے اختصاری تذکرے صرف قرن وقرون فرمادینا یہ بتانے کیلئے ہے کہ جس طرح دینِ حق کے بنیادی عقائد از اول تا آخر ایک اُمَّۃً واحدۃ ہے اسی وجہ سے سب انبیاء علیہم السلام کی تعلیم وتبلیغ ایک جیسی ہوتی تھی صرف شرعی نام واعمال بدلتے تھے۔ اسی طرح تمام ادیانِ باطل کا کفر وطریقہء کفر بھی اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ۔ ایک ہی رہا۔ یہاں اقوامِ سابقہ کی اسی چیز کو ظاہر کیا گیا ہے۔ اس لئے قومی تفصیل کی ضرورت نہ تھی۔ رہا مفسرین کی اختلافی الجھنیں تو اس کا حل اور حقیقت کا تعین دلائل کی قوت سے ظاہر ہوجاتا ہے۔ جس کے بعد الجھن ختم ہوجاتی ہے۔ یہ تمام دلائل تفسیر عالمانہ میں بیان کردیئے گئے۔

تفسیر صوفیانہ

اے بندگانِ عارفین ہوشِ عقلی وگوشِ قلبی سے سنو کہ ہم نے ہی تمہارے قرونِ نفسانی کو باطلِ ظلمانی سے بچانے کے لئے انوار و اسرارِ جمالی کی کتنی ہی مسلسل پے در پے لاہوتی جبروتی قوتیں ودیعت فرمائیں تمہارے علاقہء قالب میں مگر اہلِ نفوس کے قرونِ آخرین ہر بار ہر قوت روحانی کی تکذیب ہی کرتے رہے اور انوارِ عرفانی کو جھٹلاتے ہی رہے کبھی بھی فیضِ ایمانی لینے کی سعادت وچاہت نہیں کی۔ اس لئے ہم نے ان تمام نفسانی خباثتوں کو آگے پیچھے کی ترتیب سے لعنت وہلاکت کا مزہ چکھادیا اور آغوشِ شیطانی میں گہوارۂ احادیث فنا کردیا۔ اس طرح تمام جسمانی باطلین خس وخاشاک ہوکر نفسِ امّارہ والے بے دین اور طبیعتِ ابلیسیہ والے لَا یُؤْمِنُوْنَ دوری حقارت وذلت رقابت کی ابدی نیستی میں جاپڑے یہاں تک کہ سینۂ حقانی سے ان کا نام ونشان مٹ گیا پھر نفسِ امارہ کی شریر یلغار قبضوں حملوں میں ایک وقت ایسا بھی آیا کہ ہم نے کلیم عقل سلیم دماغ اور اس کے شریکِ منزل اسرار مخفیہ شعورِ ہارون کو آیاتِ عقلیات اور جلالِ انوار کی سلطانِ مبین برھانِ قدیم سے مزین ومقوی کرکے نفسِ فرعونی ولشکرِ طاغوتی کے پاس مصرِ جسمانی میں بھیجا تاکہ احکامِ انسانی کے باطنی فرعون وفرعونیات وادی تجلیات میں آکر بندۂ مراقبہ بن کر اعتکاف خلوص میں بیٹھ جائیں مگر فرعونِ نفس وفرعونیات شرور نے تکبر ابلیسی ہی اختیار کیا۔ اور غرور بڑائی و نفورِ سرکشی بلندی فانی کے فریب میں دھوکہ کھایا اور چیخے دھاڑے کہ کیا ہم اپنی تمام قوتِ فکر چھوڑ کر صرف ان دو جسمانی

marfat.com

کمزوریوں پر ایمان' اطاعت' ایقانِ عبادت کی اتباع کرلیں جو وادی ناسوتی میں ہماری مثل ہیں اور جن کے تمام اعضاء ظاہری خیالات باطنی پہلے ہی ہمارے محکوم وفرماں بردار مطیع خدام ہیں۔ جیسا کہ مولائے رومی نے فرمایا

نفسِ ماہم کمتراز فرعون نیست لیک اوراعون مارا عون نیست

حق پر ایمان نہ ہونا ہلاکتِ دنیوی اور عذابِ ناظر کا سبب ہے۔ اور تصدیقِ وحدانیت رحمٰن مدارِ نجات وانعاماتِ جنان کا سبب ہے اے بندۂ طالب اگر تو نے علاقہ ءنفسانی کو چھوڑ کر وادیِ اسلام میں قدم رکھا تو سمجھ لے کہ تو نے کلی ابدی نعمت حاصل کرلی کیونکہ کوئی بھی چیز دولتِ اسلام سے اوپر نہیں۔ اور اگر اسلام کی سدا بہار سلامتی کو نہ پایا تو سمجھ لے کہ کچھ بھی نہ پایا اس لئے کہ اسلام کے بغیر تمام ظاہری باطنی نعمتیں مثلِ عدم ہیں اور جس نے اسلام پالیا اس کے لئے تمام دنیوی تکالیف مثلِ عدم ہیں۔ کسی نے مولیٰ علی سے پوچھا کہ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے مولیٰ علی نے فرمایا کہ کیا میں اس ذات کی عبادت کرسکتا ہوں جس کو نہ دیکھوں نہ جانوں' میں نے آقا کے جلووں میں مولیٰ تعالیٰ کو دیکھا و جانا پہچانا۔ سائل نے عرض کیا کَیْفَ تَرَاہُ اپنے رب تعالیٰ کو کیسا دیکھا۔ مولیٰ علی نے جواباً فرمایا کہ ناممکن ہے لفظوں سے اس کا بیان کیونکہ رب تعالیٰ کو علاقہ ء ناسوتی میں آنکھوں کے مشاہدے سے نہیں دیکھا جاسکتا یعنی اس کے جمالِ تجلیات کو نظری بصری ادراک مشاہدۂ ایمان سے نہیں دیکھ سکتا۔ ہاں البتہ میں قلب عارفِ حقائقِ ایمانی سے ادراک کرلیتا ہوں۔ روح البیان نے فرمایا۔ لَا تُدْرِکُ الْاَعْیَانُ وَتُدْرِکُ الْقَلْبِ بِحَقَائِقِ الْاِیْمَانِ فَلِھٰذَا لَا یُمْکِنُ بِالِلّسَانِ۔ پھر مولیٰ علی نے فرمایا۔ مَنْ صَرَفَ رَبَّہٗ جَلَّ وَمَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ ذَلَّ۔ یعنی عرفان۔ ربانی سے عزت وجلال ہے حقیقت میں اور نفسِ امارہ کی پہچان میں لگے رہنے سے مجازی ظاہری ذلت و رزالت ہے۔ اس طرح کہ معرفتِ رب تعالیٰ عزتِ معنوی عطا کرتی ہے اور معرفتِ نفس ذلت صوری دیتی ہے۔ کافر وظالم فاسق وفاجر نفوس کو عزت دے کر معرفتِ نفس میں اپنی عزت وبلندی تلاش کرتے ہیں اس لئے صورۃً ومعناً ذلیل ہوجاتے ہیں کیونکہ باطن میں رب تعالیٰ سے دور رہ کر ظاہر میں ہلاک ہوتے ہیں لیکن مومن وعادل متقی کامل نے نفوس کو ذلیل کیا تب صورۃً عزت پائی اس لئے مومن نے باطن میں قرب پایا ظاہر میں نجات پائی صوفیاء کے نزدیک جہالتِ رب تعالیٰ سے ہر طرح کا تنزل ہے اور جہالت وناواقفیت نفس سے ہر طرح کا تذلل ہے۔ حدیثِ مقدس میں ہے۔ مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ جو شخص کسی کو پہچانتا ہے وہی اس کی سچی خبر اور صحیح مقام بتاسکتا ہے۔ اہلِ خسارہ کی رونق کھوٹی عزت جھوٹی ہوتی ہے اس کا تازہ میدہ بھی فاسد ہوتا ہے۔ عاقل پر واجب ہے اہلِ حق کے سامنے جھکنا ان کی ماننا کیونکہ تمام فیوض وبرکات ماننے اور جھکنے سے ملتے ہیں فیض معرفت مشاہدۂ رب انام کا نام ہے۔ اے بندۂ طالب جب تک تو اہلِ حق کے سامنے راکع نہ ہوگا تجھ کو امانت معرفت کس طرح مل سکتی ہے۔ اے اللہ ہم کو عناد سے بچا اور اعتماد پر ثابت قدم فرما۔ آیاتِ عقلیات نو ہیں۔ ۱۔فکر۔ ۲۔تدبیر۔ ۳۔تقدیر۔ ۴۔تذکیر۔ ۵۔تفہیم۔ ۶۔تنویر۔ ۷۔تحریر۔ ۸۔تقریر۔ ۹۔تعبیر اور قلب کے انوار سلطانِ مبین ہے۔ عقلمند انسان مشکلات بیان نہیں کرتا بلکہ صبر وسکون سے برداشت کرتا اور دور کرنے کی کوشش ودعا کرتا رہتا ہے کیونکہ مشکلات کو دور کرنے سے بندوں کا کردار اعلیٰ مضبوط اور حسین ہوتا ہے غرور سے انسان ذلیل ہوتا ہے بلند نہیں ہوتا۔

marfat.com

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا
تو فرعونیوں نے بھی ان دونوں کو جھٹلا دیا تب وہ سب فرعونی بھی ہلاک شدہ قوموں میں سے کر دیئے گئے اور البتہ دی ہم نے
تو انہوں نے ان دونوں کو جھٹلایا تو ہلاک کئے ہوؤں میں ہو گئے اور بیشک ہم نے
مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ
موسیٰ کو بڑی کتاب تاکہ وہ سب ان کی قوم والے ہدایت پالیں اور بنایا ہم نے مریم کے بیٹے
موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی کہ ان کو ہدایت ہو اور ہم نے مریم اور
وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ﴿۵۰﴾
اور اس بیٹے کی والدہ میں قدرت کی نشانی اور ٹھکانہ مہیا فرمایا ان دونوں کو بلندی کی طرف قرار و سکون کی جگہ
اس کے بیٹے کو نشانی کیا اور انہیں ٹھکانہ دیا ایک بلند زمین پر جہاں بسنے کا مقام اور نگاہ کے سامنے بہتا ہوا پانی۔
يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَاعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ
اے مکرم رسولو اچھی غذائیں کھایا کرو اور اعمال کرو اچھے سے اچھے
اے پیغمبرو پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور اچھا کام کرو
اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً
بیشک میں ان تمام کاموں کو جو تم سب کرتے ہو ہر طرح جاننے والا ہوں اور بیشک یہ تمہاری دینی جماعتیں سب
میں تمہارے کاموں کو جانتا ہوں اور بیشک یہ تمہارا دین ایک ہی
وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾
ایک ہی دینی جماعت ہے اور میں تم سب کا رب ہوں تو صرف مجھ سے ہی ڈرو
دین ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو مجھ سے ڈرو

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام اور اس زمانے کے سرکش بادشاہ فرعون کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں فرعون اور فرعونیوں کی کافرانہ سرکشی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو ان کی ہلاکت کا باعث بنا تھا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں پہلے مرسل صاحب کتاب نبی علیہ السلام حضرت موسیٰ کا نام ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں ان کی پہلی آسمانی کتاب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے اور اشارۃً مختصر کتاب کے فوائد

marfat.com

کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں پہلے مُرسَل صاحبِ کتاب نبی علیہ السلام کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیت میں تیسرے نبی مرسل حضرت عیسیٰ اور انکی والدہ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ ﴿۴۸﴾ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ فَ تعقیبیہ یعنی یہ متکبرانہ اور جھوٹی باتیں کرنے کے بعد۔ کَذَّبُوْ باب تفعیل کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب مثبت معروف کِذْبٌ سے بنا ہے یہ مادہ لازم ہے ترجمہ ہے جھوٹ بولنا مصدر ہے تکْذِیْبٌ یہ متعدی ہے ترجمہ کسی کو جھوٹا کہنا۔ جھٹلانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُمْ پوشیدہ مرجع ہے فرعون و فرعونی هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر مرجع ہے موسیٰ و ہارون یہ مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ فَ تعقیبیہ زائدہ (عطف وسبب کے لئے نہیں ہے) کَانُوْا فعل تامہ جمع مذکر غائب هُمْ پوشیدہ اس کا فاعل مرجع فرعون وفرعونی۔ مِنْ حرف جر بمعنی فی ظرفیہ مکانیہ ترجمہ ہے میں سے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُهْلَكِیْنَ۔ باب افعال کا اسم مفعول جمع مذکر برائے غائب هَلْكٌ سے بنا ہے یہ مادہ لازم ہے بمعنی ہلاک ہونا اس کا مصدر ہے اِهْلَاكٌ بمعنی ہلاک کرنا۔ یہ متعدی ہے مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ کا ترجمہ ہوا ہلاک کئے ہوؤں میں سے۔ مُهْلَكِیْنَ اسم مفعول اپنے ضمیر هُمْ پوشیدہ نائب فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مجرور متعلق ہے کَانُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ لام کے تحقیق کے لئے بمعنی البتہ قَدْ اٰتَیْنَا باب ضرب کا ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم۔ اٰتیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے دینا یہ مادہ متعدی بدو مفعول ہے۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ مُوْسٰی۔ اسم مقصورہ لہٰذا اس کے تینوں اعراب۔ زبر۔ زیر۔ پیش۔ تقدیری ہیں۔ یہاں بحالتِ زبر ہے کیونکہ مفعول ہے اول ہے اٰتَیْنَا کا۔ الف لام حرفی عہد ذہنی بمعنی مخصوص کِتٰبٌ۔ اسم مصدر بروزنِ فعالٌ قِتَالٌ لِقَآءٌ بمعنی اسم مفعول یعنی لکھی ہوئی (کتاب بمعنی مکتوب) کَتْبٌ مادہ مصدر سے مشتق ہے ترجمہ ہے لکھنا۔ یہ مفعول بہ دوم ہے۔ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ باب افتعال کا مضارع احتمالی تعلیلیہ هُدًی سے مشتق ہے ترجمہ ہے ہدایت ملنا۔ اسکا مصدر ہے اِهْتِدَآءٌ ترجمہ ہے ہدایت پانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُمْ پوشیدہ مرجع ہے قوم موسیٰ یعنی بنی اسرائیل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہے اٰتَیْنَا کی۔ یہ فعل بافاعل اپنے دونوں مفعول بہ اور معلول سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو گیا۔ **وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ**۔ واؤ سر جملہ جَعَلْنَا فعل بافاعل۔ اِبْنَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی وَلَدٌ یعنی اصلی ونسلی زیرِ پرورش سگا بیٹا۔ مضاف ہے۔ مَرْيَمَ اسم غیر منصرف کیونکہ عجمی علم ہے۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُمٌّ اسم مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے اصل (جڑ) اصطلاح میں والدہ کو ام کہا جاتا ہے لیکن منقولِ شرعی میں ہر اس عورت کو بھی ام کہا جاتا ہے جس کا خاوند کسی کی پرورش کرے جیسے کہ انبیاء علیہم السلام امت کی پرورش فرماتے ہیں اس لئے ان کی ازواج امہات المومنین ہوتی ہیں۔ یہاں ام بمعنی والدہ اور مربیہ مضاف ہے۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ابن ہے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف دونوں عطف مل کر مفعول بہ اول ہوا اٰيَةً۔ بعض نے فرمایا یہ جعلنا کا مفعول فیہ ہے ہم نے اپنے ترجمے میں یہی قول اختیار کیا ہے بعض نے فرمایا یہ پورا جملہ معطوفہ جعلنا کا ظرف مکانی ہے اسم مفرد مؤنث لفظی جامد۔ لغوی معنی ہے نشانی۔ علامت کسی مضمون کا ایک حصہ۔ یہاں مراد ہے نشانِ قدرتِ الٰہی علامت

marfat.com

حکمتِ باری یہ مفعول بہ دوم ہے۔ جَعَلْنَا فعل با فاعل اپنے دونوں مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سرِ جملہ اٰوَیْنَا باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم اس کا مصدر اِیْوَائٌ دراصل ہے اِوَائٌ تعلیلِ نحوی سے دوسری (مادے والی) یَ سے بدلی گئی ہے۔ تخفیف کے لئے اِیْوَائٌ ہوگیا ترجمہ ہے پناہ دینار ہائش جگہ دینا ٹھکانہ بنانا اس کا مادہ ہے اَوْیٌ مہوز الفا اور لفیف مقرون یہ لازم ہے معنی ہے پناہ لینا یہ مادہ باب ضرب میں گردان ہوتا ہے اسی سے ہے ماوٰی بمعنی جائے پناہ اس کا فاعل نحن پوشیدہ ھما ضمیر پوشیدہ غائب مرجع ہے اِبْنَ وَاُمَّہٗ مفعول بہ ہے اِلیٰ جارہ انتہا کے لئے بمعنی ظرف۔ ربوۃِ اسم مذکر اس کا مؤنث رَابِیَۃٌ رَبْوٌ سے بنا ہے۔ صفت مشبہ ہے برائے مبالغہ (کثرت) لغوی ترجمہ ہے زیادہ ہونا بڑھنا پھولنا اونچا ہونا۔ اسی معنی میں ہے تربیت مربی جھاگ کو رَبْوِیَہ اور سود کو ربوا اسی معنی میں کہا جاتا۔ سخت گرفت اور مضبوط پکڑ کو بھی اَخذَۃَ الرَّابِیَۃَ کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہے بلند وخوشگوار پرفضا جگہ۔ رَبْوَۃٍ موصوف ذاتِ اسم مکبرہ واحد مؤنث اس کی جمع مؤنث ہے ذَوَاتِ۔ اس کا مذکر ہے ذو اس کی جمع ہے ذوو ترجمہ ہے والی مضاف ہے قرارِ اسم مصدر ترجمہ ہے ٹھہرنا۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ مَعِیْنٍ باب ضرب کا اسم ظرف مذکر مکانی عَیْنٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے چشمہ پانی یا سکون والی جگہ۔ معطوف ہے قَرَارِ پر دونوں عطف ملکر صفت ہے رَبْوَۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے۔ اٰوَیْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ۔ یٰاَیُّهَا۔ یہ تین لفظ ہیں۔ ۱۔ یا حرفِ ندا۔ ۲۔ اَیُّ حرف فاعل۔ ۳۔ ھا حرف تنبیہ۔ بقانون نحو جب منادیٰ معرف باللام ہو تو حرف ندیٰ کے اعراب (کھڑا زبر) کو بچانے کے لئے بیچ میں لایا جاتا ہے اگر منادیٰ مذکر ہو اَیُّ اگر مؤنث ہو اَیَّتُ ہوتا ہے۔ اب مل کر یہ پورا لفظ حرف ندا ہے چونکہ اَیُّهَا مخصوص ہے یا ندائیہ ہے اس لئے کبھی کبھی حرفِ ندا اگر محذوف منوی کر دیا جاتا ہے۔ جیسے اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ۔ الرُّسُلُ۔ اسم جمع مکسر ہے۔ رَسُوْلٌ کی یہ منادیٰ ہے كُلُوْا فعل امر حاضر باب نصر سے اَکْلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ مِنْ جارہ تبعیضیہ اَلطَّیِّبَاتُ اسم جمع مؤنث طَیِّبَۃٌ کا ترجمہ ہے پاکیزہ حلال غذائیں یہ مجرور ہوکر متعلق ہے كُلُوْا کا یہ فعل با فاعل اپنے اسی متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِعْمَلُوْا باب ضرب کا امر حاضر معروف جمع مذکر عَمَلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اَنْتُمْ جس کا مرجع الرُّسُلُ۔ صَالِحًا باب ضرب کا اسم فاعل واحد مذکر ترجمہ ہے نیکی بننے والے مفعول بہ ہے اِعْمَلُوْا فعل فاعل مفعول بہ ملک کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر معطوف ہے كُلُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر جوابِ ندا ہوا۔ ندٰی منادی اور جوابِ ندٰی ملکر جملہ ندائیہ اسمیہ ہوگیا۔ اِنِّی دراصل ہے اِنَّ۔ یَ۔ اِنَّ حرف مشبہ کی ضمیر واحد متکلم اس کا اسم۔ بَ حرف جر مفعولیۃ کا بمعنی مَا اسم موصول برائے جمیعۃ بمعنی اُن تمام تَعْمَلُوْنَ باب فتح کا مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر عَمَلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل انتم ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَا کا یہ موصول صلہ مل کر مجرور بَ سے جار مجرور ملکر متعلق مقدم ہے۔ عَلِیْمٌ باب کرمٌ کا اسم فاعل صفت مشبہ مبالغے کے لئے بمعنی ہر وقت خوب اچھی طرح اس کا فاعل ضمیر صیغہ یاءِ متکلم عِلْمٌ سے مشتق ہے۔ عَلِیْمٌ اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا واؤ سرِ جملہ اِنَّ حرف مشبہ هٰذِهٖ اسم اشارہ قریب کے لئے ترجمہ ہے یہ اُمَّۃٌ اسم مفرد جامد لغوی ترجمہ ہے اصل

marfat.com

مضبوط۔ ابتدائی چیز۔ اسی معنی سے والدہ اور مربیہ عورت کو ام کہا جاتا ہے جڑ اور بنیاد کو بھی ابتدائیت اور مضبوطی کی وجہ سے ام کہا جاتا ہے۔ اصطلاحاً چودہ معنی میں مشترک و مستعمل ہے۔ ۱۔ حالت۔ ۲۔ نعت۔ ۳۔ شان۔ ۴۔ طریقہ۔ ۵۔ مدت۔ ۶۔ پیدائشی حالت والا شخص۔ ۷۔ بہت سی خوبیوں والا انسان۔ ۸۔ امامِ قوم۔ ۹۔ آگے آگے چلنے والا۔ ۱۰۔ کشادہ راستہ۔ ۱۱۔ مضبوط ارادہ۔ ۱۲۔ ایک قوم۔ ۱۳۔ ایک آل۔ ۱۴۔ ایک دین۔ یہاں اس معنی میں ہے امۃ مضاف کم ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مشار الیہ ھٰذِہٖ کا دونوں مل کر خبر مقدم ہے۔ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً موصوف صفت ہے مرکب توصیفی اسم مؤخر۔ اِنَّ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ سرِ جملہ انا ضمیر واحد متکلم مرفوع منفصل ترجمہ ہے۔ میں مبتدا ہے رَبُّکُمْ یہ مرکب اضافی خبر ہے ترجمہ ہے تمہارا رب ہوں یہ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ ف زائدہ اِتَّقُوْا باب افتعال امر حاضر معروف جمع مذکر تقوٰی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِتِّقَاءٌ دراصل ہے اِتْتِقَاءٌ ت کات میں بوجہ ہم مخرج ادغام کردیا گیا۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ ن دراصل ہے نی۔ نون وقایہ ی مفعول بہ اِتَّقُوْا فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

فَكَذَّبُوْهُمَا فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِیْنَ ﴿۴۸﴾ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ یَهْتَدُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰیَةً وَّ اٰوَیْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّ مَعِیْنٍ ﴿۵۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًاؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌؕ ﴿۵۱﴾ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّ اَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام نے فرعون و آلِ فرعون کو تقریباً چالیس سال تبلیغ فرمائی اور دینِ حق کی طرف بلایا۔ اور فرعون کو بت پرستی فرعونیوں کی فرعون پرستی سے ہٹانے بچانے کی بہت کوشش کی یہ چالیس سالہ دور دو حصوں میں تقسیم ہوا۔ پہلے بیس سال جادوگروں کے مقابلے سے پہلے اور دوسرے بیس سال مقابلے کے بعد۔ تبلیغ و تعلیم میں ہر طریقہ اختیار کیا گیا نرم بھی گرم بھی۔ عبرت کی سزاؤں سے مظلوم کی بددعاؤں سے شفقت و محبت کی نداؤں سے وعدہ وعید کی اداؤں سے غرضکہ جس طرح بھی سمجھانا ممکن تھا سمجھایا۔ فرعون و فرعونی موسیٰ و ہارون علیہما السلام کی خداداد قوت و طاقت کو مانتے تھے مرعوب و مغلوب بھی تھے مگر ان دونوں کو نبی نہ مانتے تھے اگر کبھی فرعون میں کچھ لچک ہوئی بھی اور ایمان پر مائل ہوا بھی تو ہامان وزیر نے ورغلا دیا۔ اور اگر کبھی قبطی قوم میں ایمان کی طرف جھکاؤ پیدا ہوا بھی تو فرعون و امراء فرعون نے کسی کو وسوسایا کسی کو ڈرایا دھمکایا اور شیاطین انس و جن کی طرف سے تو شروع دن سے یہ بات ذہنوں میں ڈالی جارہی تھی اجتماعاً بھی انفراداً بھی کہ موسیٰ و ہارون نہ نبی رسول ہیں نہ صاحبِ معجزات بلکہ صرف جادوگر ہیں اسی لئے مصیبت کے وقت آستانۂ کلیم پر آ کر عرض کرتے یَا سَاحِرُ اُدْعُ لَنَا۔ اے جادوگر ہمارے لئے مصیبت ٹلنے کی دعا فرما انہی وسوسوں کی خباثت میں پھنس کر ہر معجزے کو جادوگری کہتے اسی جہالت حماقت و نوساہٹ کی بدقسمتی کی وجہ سے فَكَذَّبُوْهُمَا تمام آلِ فرعون نے ان دونوں نبیوں کی ہر بات ہر نصیحت ہر تبلیغ ہر عبادت میں تکذیب کی اور ستایا۔ تب لمبی عمروں اور خوب سوچنے سمجھنے سچا بندہ بننے کی مہلتوں پکا مومن بننے کے مواقعوں کے بعد جبکہ فرعونیوں نے تمام موقعوں کو گنوا دیا اور ضد و عناد سے کفر شرک ظلم و جبر۔ غرور و تکبر پر ہی قائم رہے یہاں تک کہ دونوں نبی علیہما السلام آلِ فرعون کے ایمان سے مایوس ہوگئے اور موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ رب تعالیٰ میں نجاتِ بنی اسرائیل کی دعا اور ہلاکتِ آلِ فرعون کی بددعا عرض کی تو قبولیت عرض کے

marfat.com

بعد اولاً تمام بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی ہمراہی میں مصر سے نکلنے کا حکم ربانی ملا پھر قدرتِ الٰہی وحکمت ربانی سے تمام آلِ فرعون کو مصر سے نکالا گیا۔ اس طرح کہ رات بعدِ نماز عشا سب بنی اسرائیلی نکلے اور صبح کو ان کے تعاقب میں فرعونی نکل پڑے۔ فرعون و درباری نگرانی کے لئے نوجوان طبقہ فوج و پولیس بن کر دیگر جوان معاونین بن کر بوڑھے فرعونی مشیر بن کر فرعونی بچے تماش بین بن کر' فرعونی عورتیں اپنے اپنے زیوروں کی فریادی بن کر' اہل بازار وتجار اس روانگی وگرفتاری بنی اسرائیل کو ایک دلچسپ میلہ سمجھتے ہوئے یہ خیال کر کے کہ ابھی واپس آ جائیں گے اپنا سب گھربار' بازار' کاروبار' ناشتہ کھانا پینا چھوڑ کر بنی اسرائیل کے نشاناتِ قدم دیکھتے ہوئے دریائے قلزم کی طرف چل پڑے۔ فَكَانُوْا مِنَ الْمُهْلَكِيْنَ۔ بس پھر کیا تھا یہ سب فرعونی تو ہنستے کھیلتے اور نئے نئے جذباتی منصوبے بناتے۔ جرأت بنی اسرائیل پر غصے سے دانت پیستے چلے جارہے تھے مگر یہ نہ سوچا کہ بڑے بڑے راٹھیوں کو موت نے نہ چھوڑیا۔ جہاں جو پسند آیا اسی کو مروڑیا۔ فرعونی تو مست بدمست ہو کر ہنستے جھکتے چلے جارہے تھے مگر تقدیر کہہ رہی تھی کہ

تماشہ دیکھنے والو تماشہ خود نہ بن جانا　　　کہانی سننے والو تم کہانی خود نہ ہو جانا

کون جانتا تھا کہ ازلی موت اور ابدی فنا کے منہ میں جارہے ہیں زندگی کا آخری سفر آخری سیر ہے کسی کو کچھ خبر نہ تھی نہ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى۔ کہنے والے اکڑباز جھوٹے خدا مغرور فرعون کو نہ اس کے باطل پجاریوں قَوْماً عَالِيْنَ (مومنون: ۲۴) بننے والے قبطیوں کو یہاں تک کہ دریاءِ قلزم پر پہنچ گئے وہاں عجیب نظارہ دیکھا کہ دریا میں بہت چوڑا راستہ بنا ہوا ہے۔ ایک طرف بالائی جانب دریا کا پانی رکا ہوا ہے دوسری طرف جانبِ پستی پانی جما ہوا ہے۔ دوطرفہ قدرت الٰہی سے پانی کی دو دیواریں کھڑی ہیں پانی کی آمد ورفت رکی ہوئی ہے بیچ میں پوری چوڑائی کا کھلا اور خشک راستہ ہے۔ ادھر دوسری جانب بنی اسرائیل کا آخری آدمی دریا کے پار ہوا۔ ادھر سے فرعون وآلِ فرعون کا دریا میں داخلہ شروع ہوا جب آخری فرعونی بھی دریا میں آ گیا اور ابھی کوئی قبطی فرعونی دوسری جانب سے نکلنے نہ پایا تھا کہ بحکمِ الٰہی دریا چل پڑا تو سب کے سب ہلاک کئے ہوؤں میں ہو گئے۔ آنے والوں میں سے ایک بچہ بھی نہ بچا۔ پانی کا بہاؤ سب لاشوں کو ڈبو کر بہالے گیا۔ چنانچہ سورۃ اسرٰی کی آیت ۱۰۳ او رسورۃ زخرف کی آیت ۵۵ میں اس طرح وضاحت فرمائی گئی۔ فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا۔ یعنی فرعون اور اس کے ساتھ بستی مصر سے باہر آنے والے تمام کفار کو ہم نے غرق سے ہلاک کر دیا۔ آنِ واحد میں پررونق بستا چہچہاتا علاقہءِ مصر ویران ہو گیا۔ صرف وہی چند اشخاص رہ گئے جو کچھ تو ساترِ مومن بن گئے تھے فرعون کے خوف سے خفیہ ایمان لا کر جن میں حضرتِ آسیہ زوجہءِ فرعون اور ان کی چند خادمائیں چند خدام اور چند دیگر قبطی کل مرد وعورت ۷۲ مومنین اور کچھ وہ اسرائیلی اولاد جو فرعون کے دوبارہ اس اعلان پر غرق سے تقریباً چھ سال پہلے کہ ہم بنی اسرائیل کے لڑکے ذبح کر دیں گے اور لڑکیاں زندہ چھوڑ دیں گے۔ اس اعلانِ فرعونی کا اجمالی ذکر سورۃ اعراف کی آیت ۱۲۷ و ۱۴۱ میں ہے۔ اس اعلان سے ڈر کر اسرائیلی عورتوں کی طرف سے اپنے نومولود یعنی لڑکے قبطی بے اولاد عورتوں کے سپرد کر دیئے گئے۔ خفیہ طور پر قتل سے بچنے بچانے کے لئے اب غرق کے وقت یہ افراد ہی مصر میں رہ گئے تھے۔ پھر اس غرق کے بہت دنوں بعد۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ۔ اور البتہ بیشک عطا فرمائی موسیٰ کو ہم نے ایک بہت مکمل وعظیم محکم کتاب تاکہ قوم بنی اسرائیل کے تمام مومنین

marfat.com

شریعت۔ طریقت۔ معرفت۔ حقیقت۔ امانت۔ دیانت۔ صداقت۔ عبادت۔ ریاضت۔ شرافت۔ ولایت۔ دینی معاملات۔ دنیوی معاشرت۔ تجارت۔ وکالت۔ کفالت۔ اصالت۔ گھر گرستی۔ دنیا سازی۔ خانہ آباد۔ تربیت۔ ربوبیت۔ تعلیم۔ تبلیغ۔ اخلاق۔ عادات غرضکہ زندگی کے ہر پہلو میں صرف کتاب اللہ توریت کو ہی مشعلِ راہ بنا کر ہدایتِ الٰہی ورہنمائی نبوی حاصل کریں اور دینی دنیوی کسی بھی حاجت ضرورت میں غیر اللہ کا دروازہ نہ کھٹکھٹائیں نہ عدالت میں نہ تجارت میں نہ ملک گیری کی سیاست میں نہ قانون سازی میں نہ جمہوریت میں نہ ملوکیت میں کیونکہ جب زندگی رب تعالیٰ کی عطا ہے تو زندگی کے ہر کام کلام آن زمان مکان اور ہر موڑ جوڑ توڑ ہر ساز باز پر اسی باری تعالیٰ کی کتاب سے ہدایت لینی لازم وواجب ہے اور اسی کے قانون کا اجرا ضروری اللہ تعالیٰ ہر عیب ہر کمی کمزوری سے پاک تو اس کا کلام وقانون بھی ہر کمی کمزوری سے مبرا۔ جس کی ذات ابدی قدیمی اس کی صفات کلام احکام قانون بھی ابدی قدیمی۔ لہٰذا اس کی زمین وآسمان میں صرف اسی کی ہدایت روشنی ہے۔ اس کے علاوہ سب کچھ ظلمت۔ ضلالت اور اندھیرا ہے۔ تجارت کا بازار ہو یا عدالت کا کورٹ کچہری' حکومت کا تھانیدار ہو یا بستی کا گھر بار۔ جس کتاب کا یہاں ذکر فرمایا گیا وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کی پہلی کتاب توریت تھی جس کے نبی مرسل حضرت موسیٰ علیہ السلام تھے اور اس کے رسول ہارون علیہ السلام اور اس کی شریعت کے مبلغ بعد کے بے شمار انبیاء علیہم السلام اسی لئے اٰتَیْنَا مُوْسٰی فرمایا گیا۔ صاحبِ کتاب صرف مرسل نبی ہوتا ہے۔ توریت کا نزول غرق فرعون کے بعد ہوا۔ چنانچہ سورۃ قصص کی آیت ۴۳ میں اس کی وضاحت اس طرح فرمائی گئی۔ وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰی۔ یعنی ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔ پہلی ان تمام سرکش کافر قوموں کو ہلاک کرنے کے بعد جو نامور اور زمانہ ساز ظالم تھیں۔ حضرت موسیٰ وہارون دو قوموں کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ ۱۔ آلِ فرعون۔ ۲۔ بنی اسرائیل فرعونیوں کی ہدایت کے لئے صحیفوں کی وحی نازل فرمائی گئی جن کو صحف موسیٰ کہا جاتا ہے اور توریت کتاب بنی اسرائیل کی ہدایت کے لئے نازل فرمائی گئی توریت کی شریعت نزولِ قرآنِ مجید تک جاری رہی مگر وہ دوسری کتاب زبور داؤدی سے توریت کی دعائیں مناجاتیں حکمت وسلطنت کے قوانین وعقلیات عدالتی نظام منسوخ کر دیئے گئے صرف شریعت طریقت روحانیت کے اصول جاری رہے۔ زبورِ مقدس کی دعائیں مناجاتیں حکمت ونظاماتِ سلطنت وقوانین جاری فرمائے گئے۔ پھر نزولِ انجیل سے توریت کی طریقت وروحانی اسباق وطریقے منسوخ ہو گئے مگر توریت شریف کی شریعت تمام بنی اسرائیل یہود ونصاریٰ پر جاری رہی۔ پھر جب اسلام کا آفتاب کائنات عالمین کا سراج منیر طلوع ہوا اور نزولِ قرآن ہوا۔ اتر کر حرا سے سوئے عالم آیا اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا۔ تب تا قیامت سابقہ تمام کتب وصحفِ آسمانی اس طرح دنیا سے معدوم ومنسوخ فرما دیئے گئے کہ ان کتب وصحائف کی آیتیں تلاوتیں کتابتیں یہاں تک کہ ہم ان کی لغتیں زبانیں الفاظ وحروف اور دعائیں مناجاتیں مسائلِ عقلیات قوانین عبادات نظام شریعت طریقت۔ طریقہ تعلیم وتربیت دینیات روحانیات سب کچھ منسوخ بلکہ روپوش کر دیا گیا۔ موجودہ اناجیل وبائبل وتالمود میں تو ایک حرف بھی مقدس نہیں سب کچھ بائبل سوسائٹیوں کی بناوٹ و پیداوار ہے۔ تفصیل کے لئے ہماری کتاب ازبلا کا مطالعہ فرمایا جائے۔ اب تو ہر جن وبشر کے لئے تا قیامت مصرف قرآن و حدیث ہی جامع کمالات وضروریاتِ دینی دنیوی روحانی وقانونی وتربیت انسانی تعلیم آدمیت کے لئے کافی وافی ہیں۔ یہی

marfat.com

مخزنِ شریعت معدنِ طریقت بحرِ حقیقت ہیں یہی قرآن وحدیث مشعلِ حق وایمان برحق ہے ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ان کے علاوہ اب نہ کوئی موجود نہ کسی کی ضرورت نہ کوئی مفید۔ سابقہ کتب وصحف کے حرف وحکایت ولغت کا زمین سے معدوم وروپوش ہونا رفعت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت ہوا۔ پھر ایک وقت وہ بھی گزرا جبکہ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ آيَةً وَآوَيْنَاهُمَا إِلَىٰ رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَمَعِينٍ اور بنادیا ہم نے ابن مریم اوران کی والدہ میں اپنی شانِ قدرت کا ایک عظیم نشان جو ہر شخص کو حیران کر دینے والا تھا کیونکہ تخلیق انسانی کے قانون کلیہ کے علاوہ انوکھا ونرالا تھا۔ اس تخلیق معجزانہ میں ہماری ہزار ہا حکمتیں مصلحتیں تھیں۔ یہ تخلیق آیٰت الٰہیہ میں سے ایک آیت اس لئے بھی تھی کہ والدہ نے کسی خاوند کے بغیر جنم دیا اور بیٹے نے کسی والد کے بغیر جنم لیا اور بغیر مدتِ حمل کے آنا فانا بارہ گھنٹوں کے اندر ولادت ہوئی۔ حضرت مسیح چھ طرح سے قدرت کی عظیم حیران کن آیت ہیں نشانِ کبریائی وفیصلہء الٰہی ہیں۔ ا۔ اولاً یہ کہ خلقت بشری کے قانونِ مروجہ کے خلاف بغیر نطفہ خاوند حمل ہو جانا۔ ۲۔ پھر نفخ جبرئیل بذریعہ گریبان رحم تک پہنچ جانا۔ حالانکہ منہ سے رحم تک ظاہراً یا باطناً چھوٹا یا بڑا کوئی بھی راستہ نہیں۔ ۳۔ جبرئیلی پھونک کے وقت حضرت مریم کا منہ ہونٹوں سے بند تھا۔ پھونک کرتے کے گریبان تک ہی رہی اوپر اوپر ہی مگر اثر اندر پہنچا۔ ۴۔ پھر اس حمل کا فوراً چند گھنٹوں میں مکمل نو ماہی مدت جیسا کامل مکمل اکمل صحت مند جسمانیت کا بچہ بن جانا۔ ۵۔ پھر پیٹ میں عالم عاقل حافظ کتب آسمانی ومُصحَفِ الٰہی کا فہیم عظیم نبی رسول مرسل ہر ایک کو جاننے پہچانے اور فصیح وبلیغ باتیں کرنے خبریں دینے والا نبی مرسل صاحبِ کتاب بن کر آنے والا۔ اور درسیات الٰہیات کا روحانی معلم ہونا۔ ۶۔ پھر ہر طرح کی صحت وتندرستی سے مرحلہء ولادت پورے ہونا۔ اور پھر ہم نے ان دونوں ماں بیٹا کو سخت موذی خطرناک وقوی مہلکہ ظالم قاتل دشمن سے بچا کر بارہ برس تک بہترین مضبوط بلند وبالا خوبصورت مزین مفرح رہائشی مقام صحت وامن عافیت والا مقام ومکان عطا فرمایا جو قابلِ قرار باعث سکون کثیر اَلْمَاء۔ ٹھنڈے میٹھے چشموں والا ٹھکانہ تھا اس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ علاقہء شام کے ایک شہر بیت اللحم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اسی دن پہلی رات یروشلم کے چند مجوسی نجومیوں کو خواب میں آسمان پر جانبِ شام ایک انتہائی خوبصورت چمکدار ستارہ نظر آیا۔ جس کی خوبصورتی وچمک سے مرعوب ہو کر وہ سب نجومی خواب میں اس ستارے کے آگے سجدہ ریز ہو گئے جب جاگے تو سب نے اپنی اپنی خوابیں سنائیں اور بڑے کاہن سے اس کی تعبیر پوچھی۔ کاہن نے علمِ جعفر سے حساب لگا کر بتایا کہ آج ہی ملک شام میں ایک بہت برکتوں والا نبی پیدا ہوا ہے جاؤ تم اس کی تلاش کرو اگر پتہ لگ جائے تو اپنی خواب کو پورا کرتے ہوئے اس کو سجدہ کرنا۔ وہ سب نجومی اسی وقت چل پڑے اور ملک شام میں اس وقت کے بادشاہ ہیرودوس کے پاس آئے اور اس کو اپنا خواب کاہن کی تعبیر سنائی۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے کہا کہ فوراً پتہ لگاؤ کہ فلاں تاریخ کو کس کے گھر بچہ پیدا ہوا ہے اور کس قوم قبیلے میں ہوا ہے۔ سراغرسان کارندوں نے آکر بتایا کہ اس مذکورہ تاریخ میں بیت اللحم کی ایک بستی کے اندر ایک کنواری کے بطن سے بچہ پیدا ہوا ہے۔ بادشاہ نے ان مجوسی نجومیوں سے کہا کہ جاؤ تم بھی پتہ لگاؤ اور پھر آکر مجھ کو اس کی پوری خبر دو وہ لوگ گئے تو انہوں نے ایک گھر میں حضرت مسیح کی زیارت کی اور ان کو سجدہ کیا پھر جب بادشاہ کے پاس واپس آنے لگے تو ان کو غیبی آواز آئی کہ تم بادشاہ کے پاس مت جاؤ کیونکہ وہ اس بچے اور اس کی والدہ کا دشمن ہو جائے گا اور دونوں کو قتل کرا دے گا۔ نجومیوں نے یہ آواز سن کر حضرت

marfat.com

مریم کو اطلاع دی اور کہا کہ تم یہاں سے ہجرت کر کے فلسطین چلی جاؤ کیونکہ تم کو اور تمہارے بچے کو جان کا خطرہ ہے۔ حضرت مریم پہلے ہی یہودیوں سے خائف و پریشان تھیں آپ نے اسی وقت اپنے مربی حضرت زکریا کو بلایا اور سب واقعہ سنا کر مشورہ طلب کیا۔ حضرت زکریا کو وحی الٰہی سے حکم ملا کہ ان دونوں کو فلسطین کے شہر رملہ میں بھیج دو۔ تب زکریا علیہ السلام نے اپنے ایک شاگرد یوسف نجار بن ماثان کو بلا کر سب بات سمجھائی کہ آج ہی رات اپنی پھوپھی زاد بہن مریم اور ان کے بیٹے کو لے کر فلاں مخفی راستے سے رملہ چلے جاؤ اور یہاں کسی کو اپنے جانے کا نہ بتانا۔ یہ یوسف نجار مریم کا چچازاد بھائی تھا۔ اور حضرت زکریا نے نصیحت فرمائی کہ جب تک خواب میں واپسی کا حکم نہ ملے واپس نہ آنا۔ یوسف بن ماثان نے تعمیل حکم میں ایسا ہی کیا۔ اس طرح تقریباً بارہ سال اس کنبے نے شہرِ رملہ ذاتِ قرارٍ معین میں قیام فرمایا۔ حضرت مریم روئی کاتتی تھیں اور ان کے بھائی یوسف نجار بازار میں فروخت کرتے تھے۔ اس طرح خورد و نوش کا انتظام چلتا رہا اور رہائش کا بندوبست حضرت زکریا کے ایک اور شاگرد اور امتی و صحابی فلسطینی باشندے نے اپنے ایک بہت بڑے گھر میں اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ہی کر دیا۔ ادھر بادشاہ ہیرودوس دو وجہ سے حضرت مریم اور ان کے بیٹے حضرت مسیح کا دشمن بن گیا۔ پہلی وجہ یہ کہ بنی اسرائیل کے جس قبیلے سے پہلے نبی آتے تھے بادشاہ اسی قبیلے سے تھا مگر حضرت مسیح اس میں سے نہ تھے۔ اس لئے وہ مسیح علیہ السلام کو نبی نہ مانتا تھا اس بنیاد پر تمام بنی اسرائیل حضرت زکریا کو بھی کاہن کہتے ہیں نبی نہیں مانتے۔ دوسری وجہ یہ کہ یہودی کہتے تھے کہ یہ بچہ بن باپ کے ناجائز ہے اس لئے اس کو اور اسکی والدہ کو ختم کر دینا ضروری ہے۔ ایک دن جبکہ حضرتِ عیسیٰ بارہ سال کے تھے خبر دی کہ ہیرودوس بادشاہ مر گیا ہے۔ اسی رات یوسف نجار کو بھی خواب میں بتایا گیا کہ تم واپس ملکِ شام چلے جاؤ کیونکہ دشمن بادشاہ مر گیا ہے چنانچہ تیسرے دن یہ تینوں واپس چل پڑے جب شام کے سرحدی گاؤں ناصرہ میں پہنچے تو وہاں کے باشندوں سے پتہ چلا کہ یہودیوں نے اپنا نیا بادشاہ ہیرودوس کے بیٹے ارشلاؤس کو بنالیا ہے تو یہ تینوں اس کے خوف سے پھر واپس ہو گئے مگر خواب میں حضرت مریم کو حکم ملا کہ واپس ناصرہ جاؤ اور وہیں رہائش رکھو۔ تب یہ تینوں لوٹ کر ناصرہ میں آباد ہوئے۔ وہیں پر بعمر تیرہ سال عیسیٰ علیہ السلام کو تبلیغ نبوت کی اجازت ملی اور اس شہر کے بہت سے لوگ آپ پر ایمان لے آئے اسی شہر کی نسبت سے آج بھی عیسائیوں کو نصاریٰ کہا جاتا ہے۔ قرآن و حدیث میں عیسائیوں کا یہی لقب مکتوب ہے۔ اور جن لوگوں کو پولس یہودی نے جھوٹا عیسائی بن کر ورغلایا دینِ مسیحی سے ہٹایا مسیح کو ابن اللہ۔ شریعت کو لعنت۔ حرام کو حلال کہلوایا وہ لوگ بھی اسی شہر کے تھے اسی لئے اس فرقے کا نام بھی فرقہ ناصرہ ہوا۔ حضرت مسیح کی ولادت کے وقت حضرت مریم کی عمر ۲۰ سال تھی۔ حضرت عیسیٰ تیس سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے۔ ناصرہ بستی میں قیام کے وقت مسیح بارہ سال کے اور مریم ۳۲ سال کی تھیں اور آسمانی رفعت کے وقت حضرت مریم کی عمر ۵۰ سال تھی۔ وفات کے وقت حضرت مریم کی عمر ۶۰ سال تھی آپ کا مزار شہرِ ناصرہ میں ہی ہے۔ بعض مؤرخین نے لکھا کہ حضرت مریم کا مزار بیت اللحم میں ہے بعض نے کہا یروشلم میں ہے مگر پہلا قول درست ہے۔ رَبْوَۃٍ کا معنی ہے بلند جگہ۔ یہ مقامِ رملہ سطح سمندر سے اٹھارہ میل بلند پہاڑی علاقہ پر واقع ہے۔ ذَاتِ قَرَارٍ کا معنی ہے صاف سیدھا کھلا چٹیل میدان۔ وہ جگہ پہاڑی علاقہ میں پہاڑوں کے درمیان اٹھارہ میل مربعہ کا ایک رقبہ ہے۔ بالکل صاف سیدھا میدان۔ اونچا نیچا نہیں ہے۔ گویا کہ پہاڑی پیالے کی مثل قابل رہائش نہایت سرسبز چشمہ ارسما

marfat.com

بہار موسم جسمی راحت قلبی سکون کی جگہ معین کا معنی ٹھنڈے میٹھے پانی کے چشمے والا علاقہ خیال رہے کہ تین چیزیں دیکھنے سے بصارتِ نظری کو جلا' قلب کو سرور۔ دماغ کو فرحت ملتی ہے۔ ۱۔ تازہ سبزیات باغات۔ ۲۔ آبِ جاری نہایت صاف شفاف۔ ۳۔ حسین' سفید نورانی چہرہ اور اس پر سفید لباس غرضکہ آوینا کی مدت بارہ سال۔ رَبْوَةٍ کی بلندی اٹھارہ میل' قرار کا علاقہ بھی اٹھارہ میل مربعہ رقبہ۔ (از تفسیر معانی صاوی اسلامی انسائیکلو پیڈیا) يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ اے مسلمانو ہم نے سابقہ تمام رسولوں سے ان کو زبانوں میں دیگر تبلیغی حکموں کے علاوہ یہ حکم بھی ان کی دینی قولی و عملی تبلیغ میں ارشاد فرمایا تھا کہ اے رسولو اپنی امت کے سامنے رزق طیبات کی ہر چیز کھاؤ۔ طیب وہ ہے جو بے عیب ہو کھانے میں تین قسم کے عیب ہوتے ہیں۔ ۱۔ حرام ہونا۔ ۲۔ نقصان دہ ہونا۔ ۳۔ گندہ ملاوٹ شدہ غیر ستھرا ہونا۔ طعامِ طیب کی تین شانیں صفتیں ہوتی ہیں پہلی یہ کہ حلال ہو۔ دوم یہ کہ پاکیزہ اور صاف ستھرا خوشبودار ہو۔ حلال روزی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور شریعت کے حکم و قانون سے حاصل کی گئی ہو۔ جو روزی اللہ رسول کی نافرمانی سے حاصل کی جائے وہ حرام ہوتی ہے۔ پاکیزہ و حلال روزی کھانے سے بندے میں طہارت کا شوق' عبادت کا ذوق ذکر میں اللہ کی لذت پیدا ہوتی ہے۔ حرام و گندی غیر صاف ستھری خوراک سے لہویت ابھرتی ہے شہوت بھڑکتی ہے۔ سوم یہ کہ طعام طیب وہ ہے جو قوام ہو جس کو کھا کر جان کو جلاوت عقل کو زکاوت زبان کو تراوت' قلب کو حلاوت اور اعضا کو قوت ملے غیر قوام وہ ہے جو بھوک سے زیادہ کھالیا جائے اور جس کے کھانے سے طبیعت کو سستی عقل کو کاہل قلب کو غفلت اور اعضا کو نقاہت ملے۔ اکل حلال کی تین صفات ہیں۔ ۱۔ حصول طریقہءِ حلال سے ہو۔ ۲۔ کھانا شروع بسم اللہ سے ہو۔ ۳۔ کھانے کا اختتام اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ پر ہو تب وہ قوم جسم و روح عقل و قلب ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اکل طیبات کا حکم انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی دیا گیا اور تمام مومنین امتوں کو بھی چنانچہ سورۃ بقرہ آیت ۱۷۲ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اے ایمان والو طیب کھانے کھاؤ۔ اور طیب کھانے وہ ہیں جو ہم نے تم کو رزق یعنی جس کو ہم نے تمہارے لئے کھانا بنایا اور تمہیں کھانے کی اجازت دی۔ قانونِ شریعت اور نبوت کی عملی قولی تبلیغ و رسالت کی تعلیم کے ذریعے لیکن يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ اور يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کے حکم الٰہی میں فرق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو تبلیغ و تعلیم امت کے لئے حکم دیا جاتا ہے مگر اہلِ ایمان کو تحذیر و تہذیب و تعمیرِ آخرت کے لئے حکم دیا جاتا ہے اور علماء اولیاء کو حکم دیا جاتا ہے کہ شریعت کو اپنے وجود پر چلانے عوام مسلمانوں پر پھیلانے اور قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا (تحریم:۶)۔ کا طریقہ دنیا میں سب کو سکھانے اور آخرت میں سب کو عذاب جہنم سے بچانے کے لئے کیونکہ انبیاء علیہم السلام وسیلہءِ برزخ ہیں اللہ تعالیٰ اور بندوں کے درمیان اور علماء اولیاء وسیلہءِ برزخ ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور امتیوں کے درمیان اور اکل طیبات کے بعد ہر آن ہر زمان ہر مکان میں شکرِ جنان تذکرہ رحمٰن۔ عبادت ابدان کے خوب اچھے اچھے اعمال کرو شریعت و ایمان تزکیہءِ روح و اجسام کے لئے مضبوط و پائیدار ذوق شوق خوف والے۔ پہلے غذاء طیب کھاؤ پھر اعمالِ صالحہ ادا فرماؤ کیونکہ اکل مقدم ہونا چاہئے عمل مؤخر ہونا چاہئے۔ لقمہ بیج ہے ایمان اس کا شجر ہے اعمال اسکا پھل ہے۔ جس غذا کو شریعت نے جائز فرمایا ہے وہی غذا بندوں کو ایمان کی ہدایت۔ اقوال کی عدالت۔ اعمال کی سعادت عبادت کی استقامت عطا کرتی ہے اور غذاءِ حرام انحراف اُرتداد کی بیماری پیدا کرتی ہے۔ آقائے

marfat.com

کائنات حضور اقدس ﷺ نے فرمایا۔ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰهَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا۔ ترجمہ: اللہ تعالیٰ طیب ہے کہ ہر عیب سے پاک ہے اس لئے بندوں سے بھی صرف طیب اعمال ہی پسند فرماتا ہے جو ہر عیب کی کجی کمزوری سے پاک ہوں پھر فرمایا کہ اگر کوئی بندہ تھکن سے اشعث ہو یعنی پریشان سفر سے اغبر ہو یعنی غبار آلود مگر اس کا مطعم حرام مشرب حرام ملبس حرام تغذی حرام یعنی کھانا پینا لباس حرام پھر روئے گڑگڑائے دعائیں مانگے۔ یارب یارب کہے تو بھلا ایسی دعائیں کب قبول ہوں گی (مسلم شریف) اے انبیاء ورسل تم تبلیغ ایمان وتعلیم فرمان کے لئے اور تمہاری امتیں رضاء رحمٰن کے لئے اکل طیبات کو عملِ صالحات یہ عقیدہ رکھ کر کریں کہ بیشک ہمارا رب تعالیٰ ہمارے ہر عمل کو ہر وقت ظاہر وباطن سے ہر طرح جاننے والا ہے۔ حقیقت یہی ہے کیونکہ میں ہی ہر قول وفعل واشیا کا خالق مالک ہوں ان تمام اعمال ونیات کو جو تم عضوی عقلی قلبی ذریعوں سے کبھی کسی کیفیت حالت میں خلوت جلوت کے اندر کرتے ہو۔ عَلِیْمٌ۔ جاننے والا ہوں' بندوں کے اعمال کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ اعمالِ صالح۔ ۲۔ اعمالِ فاسد۔ ۳۔ اعمال کاسد۔ ۴۔ اعمالِ خاسر۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ۔ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ اور اے موجودہ لوگو عربی عجمی انسانوں کو بیشک آج جس دینِ اسلام کی تم کو تبلیغ فرمائی جا رہی ہے اور تم جس کے ماننے پر سینکڑوں شرطیں لگا رہے ہو نہ ماننے کے لئے ہزاروں بہانے بنا رہے ہو اب یہ تمہارا دین کوئی نیا نرالا انوکھا اور نا قابلِ عمل مشکل دین نہیں ہے بلکہ ابتداء انسانیت سے جاری ونافذ وہی امتِ واحد دینِ برحق ہے وہی عقائدِ توحید ورسالت قیامت حیاتِ آخرت عذاب ثواب اور فرائضِ عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات الٰہیت اور انبیاء علیہم السلام کے معجزات پر صدقِ قلبی تسلیمِ عقلی اقرارِ لسانی سے ماننا قبول کرنا ہے۔ یہی ایک دینِ برحق آدم صفی اللہ سے اب محمد رسول اللہ تک چلا آ رہا ہے۔ اسی دین کبریا کا نام پہلے دینِ آدم پھر دینِ نوح پھر دینِ ابراہیم پھر دینِ موسیٰ پھر دینِ داؤد پھر دینِ مسیح ہوتا رہا۔ وہی دین اب مکمل مضبوط ثابت وسالم ہو کر ہر طرح کی فسخ نسخ تبدیلی اور بھول چوک نسیان سے محفوظ و مامون بن کر اسلام وسلامتی کا نام پا کر تمہارے پاس لایا گیا ہے یہی دین اب تا ابد سلامت رہنے والا بھی سلامتی دینے والا بھی ہے۔ تمام نبیوں کی بعثت تمام امتوں کو دعوت اسی عقیدہ وایمان پر ہوئی کہ اَنَا رَبُّكُمْ میں ہی تم تمام مخلوق ارضی وسماوی و سموات والارضین۔ لوح وقلم جنت ودوزخ عرش وفرش کا رب یعنی خالق مالک مربی ہوں۔ اے لوگو تم سے بھی وہی فرمایا جا رہا ہے جو پہلی امتوں سے فرمایا گیا کہ فَاتَّقُوْنِ۔ گوش ہوش کے بندے۔ بندہ مجھ سے خشیت کا اور میرے قہرِ عذاب سزاء عتاب سے خوف کا تقویٰ رکھو۔ جہنم سے بچنے جنت میں جانے' فنا سے مرنے' بقا سے جینے' عبادت میں طہارت کا تقویٰ رکھو ورنہ یاد رکھو کہ پہلی امتوں میں ہلاکت سے وہی بچا جس نے اس دین کو قبول کیا اور وہی ہلاک ہوا جس نے اس سے منہ موڑا۔ یہی انجام تمہارا ہونا ہے۔ کیونکہ جب دین ایک ہے تو کفر وایمان کا قانون بھی ایک ہے بت پرستی کا شرک نہ پہلے جائز تھا نہ اب ہے کہ دین نام ہے عقیدت کا۔ عمل نام ہے شریعت کا عقائد کو دین۔ اعمال کو مذہب۔ تقلید کو مسلک نوعیت کو مشرب کہا جاتا ہے۔ امت کے سات معنی ہیں: ۱۔ امت کا معنی دین جیسے یہاں امتکم اور سورۃ زخرف آیت ۲۲ میں اِنَّا وَجَدْنَاۤ اٰبَآءَنَا عَلٰۤى اُمَّةٍ۔ ۲۔ امت کا معنی قوم جیسے اسی سورۃ مومنون کی آیت ۴۳ میں ہے۔ مَا تَسْبِقُ مِنْ اُمَّةٍ۔ ۳۔ امت کا معنی کفار (جیسے اسی سورۃ مومنون کی آیت ۴۴ میں ہے كُلَّمَا جَآءَ اُمَّةً۔ ۴۔ امت کا معنی گروہ جماعت جیسے سورۃ انعام کی آیت

marfat.com

۳۸۔ میں چرندوں پرندوں کو فرمایا۔ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ۔ ۵۔ امت کا معنی مومن مسلمان جماعت۔ جیسے سورۃ بقر کی آیت ۱۴۳ میں ہے اُمَّةً وَّسَطًا۔ ۶۔ امت کا معنی مدت جیسے سورۃ ہود کی آیت ۸ میں ہے اُمَّةٍ مَّعْدُوْدَةٍ۔ ۷۔ امت کا معنی امام جیسے سورۃ نحل کی آیت ۱۲۰ میں ہے۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً۔

ان آیت میں اختلافی اقوال

فَكَانُوْا کی ف میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا کہ یہ ف سببیہ ہے یعنی فَكَذَّبُوْ کی وجہ سے ہلاک کئے گئے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ ف تعقیبیہ ہے یعنی آخر میں ہلاک کئے گئے۔ آتَيْنَا موسیٰ کی تفسیر میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ اٰتَیْنَا اپنے اصل معنی میں ہے۔ یعنی توریت کتاب صرف حضرت موسیٰ کو دی ہم نے وہ اکیلے ہی طور پر کتاب لینے آئے تھے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ موسیٰ سے مراد بنی اسرائیل ہیں اور آتَيْنَا مجازی معنی میں ہے یعنی ان کی ہدایت کے لئے کتاب دی ہم نے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ اصل عبارت اس طرح ہے۔ اٰتَیْنَا قَوْمَ مُوْسٰی۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ اِبْنِ مریم کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ اٰیَةً واحد ہے اور معنی ہے کہ ابن اور مریم دونوں قدرت کی ایک آیت ہیں یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ آیہ کا معنی ہے ذُوِیْ آیَةٍ یعنی دونوں ماں بیٹا دو آیتیں ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ پوشیدہ عبارت اس طرح ہے کہ حَالَ اِبْنِ مَرْيَمَ۔ یعنی ابن مریم کا حال رَبْوَةٍ کے علاقہ میں چھ قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا کہ اس سے مراد فلسطین کا شہر رملہ ہے۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ رَبْوَةٍ دمشق کا شہر غوطہ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ بیت المقدس کا گاؤں ایلیا ہے۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ رَبْوَةٍ سے مراد مصر ہے۔ ۵۔ بعض نے کہا کہ رَبْوَةٍ سے مراد اسکندریہ ہے۔ ۶۔ بعض نے کہا کہ رَبْوَةٍ سے مراد قسطنطنیہ ہے۔ رَبْوَةٍ کی قرئت میں سات قول۔ ۱۔ اکثر قرئت رَبْوَةٍ ہے یہی درست ہے کیونکہ مکتوب و مشہور ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت رُبْوَةٍ۔ ۳۔ بعض کی رِبْوَةٍ۔ ۴۔ بعض کی رُبَاةٍ۔ ۵۔ بعض کی رَبَاةٍ، ۔ ۶۔ بعض کی قرئت رِبَاةٍ۔ ۷۔ بعض کی قرئت میں رَبَاوَةٍ ہے۔ ذَاتِ قَرَارٍ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ اس کا معنی مستقر یعنی قابلِ سکونت رہائش گاہ۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ ذَاتِ قَرَارٍ کا معنی ذاتِ ثمراتِ زُرُوْعٍ یعنی کھیتوں باغوں کی سرزمین معین کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ مکین بروزنِ فعیل بمعنی معنٍ یعنی بہت گہرا پانی۔ ۲۔ بعض نے کہا معین بمعنی ماعون یعنی جاری پانی۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ معین بمعنی معیون اسم مفعول ہے یعنی مشاہدہ کیا ہوا دیکھا ہوا۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ مَعِيْنٍ بمعنی ماعن اسم فاعل ہے یعنی نفع بخش مفید پانی۔ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ۔ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ خطاب حکایت ہے اس بات کی کہ اپنے اپنے وقتوں میں سب انبیاء علیہم السلام کو اللہ کی طرف سے یہ شرعی حکم والا خطاب ہوتا رہا ہے کیونکہ حلال طیب خوراک ہر دین ہر شریعت کا بنیادی عمل ہے۔ اختلافی قوانین و مسائل صرف فروعی اعمال میں ہوتے رہے ہیں یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ خطاب صرف عیسیٰ علیہ السلام کو ہوا تھا اس لئے کہ اس خطابی حکم سے متصل ان ہی ابن مریم کا ذکر ہے رُسُلُ جمع فرمانا یا محاورۃ ہے یا تعلیم امت کے لئے تعظیماً ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ یہ خطاب نبی کریم کو ہے تاکہ آپ کے اس عملِ پاک سے یہ حلال وطیب خوراک کا حصول تا قیامت ہر مسلمان کے لئے سنتِ واجبہ مؤکدہ بن جائے۔ اسی لئے آقا ﷺ کی اتباع ہر عادت و عبادت میں پوری فرض عین ہے بجز خصوصیات کے۔ الطیبات کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے

marfat.com

فرمایا۔اس سے پاک وحلال غذائیں مراد ہیں یہی قول درست ہے۔ ۲۔بعض نے کہا اسی سے مراد لذیذ پھل وغذائیں ہیں۔ ۳۔بعض نے کہا کہ اس طیبات کا معنی ہے خوراک لباس ورہائش یعنی تینوں چیزیں حلال ہوں کچھ بھی حرام نہ ہو اور کلوا کا معنی ہے برتنا۔ وَاِنَّ هٰذِهٖ کی واؤ میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ واؤ سر جملہ یعنی ابتدائیہ ہے اور اس کا مابعد جملہ علیحدہ ہے۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔بعض نے کہا کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور مابعد جملے کا عطف ہے۔ ماقبل کُلُوْا کی پوری عبارت پر مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ اس عبارت کا تعلق یٰۤاَیُّهَا الرُّسُلُ۔ کے خطاب سے نہیں ہو سکتا بلکہ یہ بات اہلِ عرب کفار کو بتائی جا رہی ہے کہ وَاِنَّ هٰذِهٖ۔اِنَّ کی قرئت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرئت ہے اِنَّ مُشدَّدہ کیونکہ واؤ ابتدائیہ ہے اور ابتدا میں ہمیشہ اِنَّ مکسورہ ہی ہوتا ہے۔یہی قرئت درست ہے کیونکہ مکتوبی ومشہور ہے۔ ۲۔بعض کی قرئت اَنَّ مفتوحہ مشددہ ہے کیونکہ یہاں واؤ عاطفہ ہے۔جس سے ابتدائیت ختم ہوگئی اور درمیانِ کلام ہمیشہ اَنَّ مفتوحہ ہی ہوتا ہے مگر یہ قول غلط لہٰذا یہ قرئت بھی غلط۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ اِنْ ہے مخففہ۔یعنی اِنَّ کو اِنْ بنایا گیا برائے تخفیف۔ یہ قرئت شاذ ہے۔

فائدے

ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دنیا میں جب بھی کسی قوم یا فرد کو کسی وقت کوئی ناگہانی ہلاکت وبلا وبا والی مصیبت آئی ہے تو وہ اس قوم وفرد کی اپنے نبی علیہ السلام کی نافرمانی گستاخی کی وجہ سے ہی آئی ہے۔ وہ نافرمانی اطاعت کی ہو یا اتباع کی عقائد کی ہو یا اعمال کی اور گستاخی نبوت کفر کی ہو یا بدعملی کا فسق یہاں تک کہ رب تعالیٰ کے منکر بھی جب تک اپنے نبی علیہ السلام کے منکر بے ادب گستاخ نہ بنے ان پر عذابِ ہلاکت یا قہر ملامت یا سزاء عبرت نہ آئی یہ فائدہ فَکَانُوْا مُهْلَكِیْنَ کی فَ تعقیبیہ تعلیلیہ سے حاصل ہوا کیونکہ فاءِ تعقیبیہ نے سابقہ جملے فَكَذَّبُوْهُ کو اگلے جملے كَانُوْا مُهْلَكِیْنَ کی علت اور وجہ بنا دیا یعنی کفار کی ہلاکت کی وجہ تکذیب نبوت تھی ورنہ شرک کفر تو وہ لوگ بہت زمانوں سے کرتے چلے آرہے تھے۔ **دوسرا فائدہ:** رہبانیت یعنی تارک الدنیا ہونا اور حلال طیب خوراک و اشیا کو چھوڑ دینا کسی بھی شریعت میں کبھی بھی جائز نہ ہوا لہٰذا یہود ونصاریٰ کا راہب وسادھو بن جانا یا ان کی دیکھا دیکھی بعض جاہل صوفیوں کا جنگلوں میں جا کر تارک الدنیا ہو جانا یہ ان جہلا حمقا کا ذاتی فعل بناوٹی حرکت اور شیطانی عقیدہ ہے کسی بھی نبی علیہ السلام نے کبھی کسی فرد یا اپنی امت کو ترکِ دنیا کا حکم نہیں فرمایا۔ نبی کریم حضور اقدس ﷺ کا یہ ارشادِ مقدس کہ لَا رَهْبَانِيَةَ فِي الْاِسْلَامِ۔ یہ بھی کوئی خصوصی صرف مسلمانوں کے لئے ہی فرمان نہیں ہے بلکہ پہلی تمام شریعتوں کا شمولی واشترا کی بیان ہے۔ حضرت حکیم الامت بدایونی علیہ الرحمۃ اس حدیثِ مقدس کا ترجمہ اس طرح کیا کرتے تھے کہ اسلام میں بھی ترکِ دنیا و رہبانیت جائز نہیں یعنی جس طرح پہلی شریعتوں میں جائز نہ تھی۔ یا اس حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ اب دین ربانی کا نام اگرچہ اسلام رکھ دیا گیا ہے ناقابلِ تنسیخ سلامت رہنے وسلامتی دینے والا دین اور کچھ فروعی شرعی مسائل واعمال میں تبدیلی بھی آگئی ہے مگر رہبانیت اب بھی جائز نہیں حرام ہی ہے۔ اور عیسائیوں کا یہ کہنا کہ حضرت مسیح تارک الدنیا ہو کر راہبانہ زندگی گزارنے والے تھے اسی لئے انہوں نے شادی کی نہ گھر بار بنایا نہ کاروبار کیا لہٰذا ہمارے بعض پادری عیسائی ان کی اتباع میں ترک دنیا کرتے ہیں اور یہ حکم خصوصی طور پر ہمارے ایک طبقے کے لئے دینی مذہبی قانونی فریضہ ہے۔ عیسائیوں کی یہ بات محض

marfat.com

حیلہ بازی بہانہ سازی اور قطعی غلط ہے اس لئے کہ عیسیٰ علیہ السلام کا یہ طرزِ زندگی ان کی شریعت کا حکم نہ تھا اور نہ وہ اپنے حواریوں کو بھی ایسی ہی مجردانہ تارکانہ زندگی کا حکم فرماتے مگر ایسے حکم کا بائبل وغیرہ میں کہیں ثبوت نہیں نہ ہی کسی حواری سے رہبانیت ثابت ہے بلکہ دشمنی اور مخالفت شدیدہ کی وجہ سے عیسیٰ علیہ السلام کی مجبوری تھی آپ پوری تیس سالہ دنیوی زندگی دشمنوں کے جبر وقہر کی بنا پر چھپتے بھاگتے ہجرتیں کرتے پھرے نہ گھربار بنا سکے نہ شادی رچا سکے جیسا کہ اٰوَیْنٰهُمَا کے تفسیری تاریخی بیان سے واضح ہے۔ ترک دنیا اور رہبانیت کی حرمت کا فائدہ۔ یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ۔ کے اجتماعی خطاب سے حاصل ہوا۔ جس نے بتادیا کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر شریعت میں یہ حکم لازم العمل تھا کہ دنیا کی ہر طیب حلال پاکیزہ لذیذ چیزیں خوب کھاؤ پیو برتو یعنی جنگلوں میں بسیرے نہ کرو شہری آبادی زندگی اختیار کرو کیونکہ لذیذ کھانے وخوبصورت چیزیں آبادیوں میں ملتی ہیں نہ کہ جنگلوں میں۔ **تیسرا فائدہ:** قانونِ شریعت کے مطابق تقویٰ آٹھ چیزوں کا نام ہے۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کا خوف۔ ۲۔ احکامِ انبیاء علیہم السلام کو ماننا انبیاء کا اداب واحترام کرنا۔ ۳۔ ہر حرام وگناہ سے بچنا۔ ۴۔ جہنم سے ڈرنا۔ ۵۔ حلال چیزیں برتنا۔ ۶۔ فرائض شریعت نبھانا پورے کرنا۔ ۷۔ عبادات کی پابندی کرنا۔ ۸۔ مکروہات سے بھی پرہیز ہی تو پکی انتہا ہے۔ یہ فائدہ فَاتَّقُوْنَ کی فَ تعلیلیہ فرمانے اور اس پورے جملے کو یہاں کلام وآیت کے آخر ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ دیکھا گیا ہے کہ بہت سے جھوٹے پیر اور ان پڑھ صوفی حلال اشیا کو یہ کہہ کر چھوڑ دیتے ہیں کہ اچھا کھانا اچھا پہننا اچھا برتنا تقوے کے خلاف ہے۔ لیکن نماز میں سستی۔ مسجد کی حاضری میں غفلت اور باجماعت نماز میں اپنی شانِ پیری کے خلاف سمجھتے ہوئے غیر حاضری کرتے ہیں۔ اس عادتِ بد کو عزت کا رواج بنالیا ہے ایسے لوگ شرعاً گمراہ ہیں مسلمانوں کو ان سے بچنا دور رہنا چاہئے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** ہر شریعت کے احکام وقوانین جس طرح ہر امت پر فرض واجب لازم ہوتے ہیں اور ہوتے رہے اسی طرح اپنے اپنے دور میں ہر نبی علیہ السلام پر بھی فرض واجب لازم ہوتے رہے مگر ہر دو لزومیت میں فرق یہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر عملی تبلیغ اور امت کی تعلیم وتہذیب دینے کے لئے شریعت کے احکام فرض ہوتے ہیں مگر امت کو تعمیل کا یہ مسئلہ یٰاَیُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّیِّبٰتِ۔ (الخ) کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ کُلُوْا اور وَاعْمَلُوْا کا تفسیری معنی ہے کھاؤ امت کو کھانا کھانے کے لئے اور اعمالِ صالحہ کرو امت کو طریقہءِ عبادت بتانے کے لئے شاگردوں کو پڑھانے کیلئے استادوں کو بھی ساتھ ساتھ پڑھنا پڑتا ہے یہ ہی تعلیم کا مفید ومؤثر طریقہ ہے گویا شریعت درسگاہ ہے انبیاء علیہم السلام معلمین امت ہیں اور امت مومنین شاگرد ہیں۔ **دوسرا مسئلہ:** پاکیزہ وحلال غذائیں اور اشیاء کھانا برتنا فرض شرعی ہے۔ راہبوں کی طرح حلال وپاکیزہ چیزوں سے بچنا گناہ ہے یہ مسئلہ مِنَ الطَّیِّبٰتِ کے پورے جملہ حکمیہ سے مستنبط ہوا۔ احمق مسلمانوں کو عقل وہوش سے عبرت پکڑنی اور سبق لینا چاہئے۔ **تیسرا مسئلہ:** یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دین۔ شریعت۔ مسلک۔ مشرب۔ مذہب میں فرق ہے۔ دین نام ہے اصولی فروعی عقائد کا وہ تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی رہا۔ شریعت نام ہے اصولی فروعی احکام وقوانین کا یہ ہر نبی علیہ السلام کے لئے تھوڑے بہت بدلتے رہے۔ مذہب نام ہے

marfat.com

اعمالِ شریعت کے طریقہ، مسلک نام ہے دینی شرعی راستے کا اور مشرب نام ہے مسلک پر چلنے پابندی کرنے کا۔ یہ مسئلہ وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ کے فرمانِ الٰہی سے مستنبط ہوا۔ **چوتھا مسئلہ:** ہر مسلمان کو کھانے پینے برتنے میں بہت احتیاط چاہئے حرام تو درکنار مکروہ و مشکوک چیز بھی چھوڑ دینی چاہئے اور دعوتوں تحفوں کی تحقیق و تفتیش کرنی سنتِ واجبہ مؤکدہ ہے چنانچہ مسندِ احمد و مستدرک حاکم نے ایک صحیح روایت بیان فرمائی کہ ایک بار امِ عبداللہ اختِ شداد بن اوس صحابیہ نے بوقتِ افطار نبی کریم ﷺ کی خدمتِ اقدس میں ایک پیالہ دودھ تحفہ بھیجا تو نبی کریم ﷺ واپس کرتے ہوئے پچھوایا کہ یہ کہاں سے خریدا ہے۔ ام عبداللہ نے پھر واپس بھیجتے ہوئے بتایا کہ یہ میری بکری کا ہے۔ آپ نے پھر واپس بھیجتے ہوئے پچھوایا کہ بکری کہاں سے آئی۔ تو ام عبداللہ نے پھر واپس بھیجتے ہوئے بتایا کہ میں نے اپنی مزدوری کے پیسوں سے خریدی ہے۔ تب آپ نے وہ دودھ لے لیا اور روزہ اسی سے افطار فرمایا۔ کچھ دیر بعد ام عبداللہ حاضر بارگاہ ہوئیں اور عرض کیا یارسول اللہ آپ نے دودھ واپس کیوں فرمایا تھا۔ تو آقا کریم ﷺ نے جواباً فرمایا کہ ہم انبیاء کو اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے کہ ہم صرف طیب چیزیں کھائیں (از تفسیر معانی و بیان) یہ سب فرمودات امت کی تعلیم کے لئے ہیں کہ ہر مسلمان پر بھی واجب ہے کہ اس طرح تحقیق و تفتیش کیا کرے اگرچہ دعوت یا تحفہ مسلمان ہی کی طرف سے ہو۔ غیر مسلم سے تحقیق تو بدرجہ اولیٰ ضروری ہے۔ یہ مسئلہ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں آیت ۵۰ میں فرمایا گیا وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً۔ ابن کا ذکر پہلے اور والدہ کا ذکر بعد میں لیکن سورۃ انبیاء کی آیت ۹۱ میں فرمایا گیا۔ فَنَفَخْنَا فِيْهَا مِنْ رُّوْحِنَا وَجَعَلْنٰهَا وَابْنَهَاۤ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ والدہ کا ذکر پہلے اور ابن کا ذکر بعد میں فرمایا گیا۔ نیز یہاں صرف آیۃً فرمایا گیا اور وہاں اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ فرمایا گیا۔ اس فرق کی کیا وجہ ہے؟ **جواب:** یہاں آیت سے مراد ارحاصی معجزہ ہے جس میں اصل نبی ہوتا ہے۔ اس لئے نبی بیٹے حضرت مسیح کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ لیکن وہاں سورۃ انبیا میں آیت سے مراد نشانِ قدرتِ الٰہی ہے کہ بغیر خاوند بغیر مردی نطفے ولادت ہو جانا اس میں اصل والدہ مریم ہیں کیونکہ وہی کنواری تھیں ان ہی کے گریبان پر پھونک ماری گئی جس سے ان کے بطن میں اسی وقت حمل بنا مکمل ہوا اور چند ساعت بعد پیدا ہو گیا نہ سلالہ ہوا نہ نطفہ نہ علقہ نہ مضغہ اور چونکہ معجزہ صرف امتِ منکرہ کو دکھانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے یہاں لِلْعٰلَمِيْنَ نہ فرمایا گیا لیکن نشانِ قدرت تمام مخلوق کو بتانے کے لئے ہوتا ہے۔ اس لئے وہاں اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں آیت ۵۲ میں اور سورۃ انبیا کی آیت ۹۲ میں فرمایا گیا اُمَّةً وَّاحِدَةً۔ حالانکہ تمام شریعتیں مختلف تھیں اور جب شریعتیں مختلف تو دین ایک کیسے ہو سکتا ہے شریعت ہی تو دین۔ لہٰذا۔ اُمَّةً وَّاحِدَةً کا روایتی ترجمہ ایک دین کرنا اور ایک جیسا دین مراد لینا قطعاً غلط ہے بلکہ دونوں آیتوں میں امت سے مراد انسانی قوم ہے اور واحدۃً کا معنی ہر زمانے کے مومن لوگ جو دینی اعتبار سے ایک ہی قوم ہیں۔ ایک حدیث کا سہارا لے کر اس کا بیان کردہ ترجمہ مراد لیتے پھرنا درست نہیں۔ (منکرین حدیث چکڑالوی پرویزی) **جواب:** یہ اعتراض منکرین حدیث نے صرف اس لئے کیا ہے کہ حدیث مقدس میں اُمَّةً وَّاحِدَةً کا ترجمہ ایک دین فرمایا گیا حالانکہ حدیث مقدس

marfat.com

کے بیان کردہ معنی کی تائید تو خود قرآنِ مجید سے ثابت ہے جیسا کہ سورۃ زخرف کی آیت ۲۲ سے ہم نے تفسیرِ عالمانہ میں امت کل معنی بیان کرتے ہوئے باحوالہ وضاحت کر دی ہے مگر منکرینِ حدیث کو صرف اس لئے یہ معنی پسند نہیں کہ حدیثِ مقدس نے بیان فرمائے حالانکہ ان جہلاء کو یہ اندازہ نہیں کہ حدیثی معنی کے انکار سے خود قرآنی معنی کا انکار ہو رہا ہے ان ظالموں کو تو صرف حدیثِ مقدسات سے حسد بغض جلا پا ہے ورنہ اگر ذرا بھی عقل سے سوچا جائے تو یہاں امت بمعنی قوم کرنا نہایت بد عقلی بے علمی و جہالت ہے کیونکہ یہاں ایک قوم مراد لینا بے مقصد ہے رہا یہ کہنا کہ شریعت ہی دین ہے یہ بھی قطعاً غلط نظریہ ہے اس لئے کہ شریعت نام ہے اعمال کا اور دین نام ہے عقائد کا اعمال مختلف ہو سکتے ہیں عقائد مختلف نہیں ہو سکتے اگر عقائد بدل جائیں تو وہ دینِ باطل بن جاتا ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کا لایا ہوا دین ہی دینِ حق ہے اور حقانیت میں ایک ہونا ہی اُمَّةً وَّاحِدَةً ہونا ہے۔ عقائد حقہ چھ بنیادی عقیدے ہیں۔ ۱۔ توحیدِ باری تعالیٰ۔ ۲۔ معرفتِ ذات وصفات۔ ۳۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی نبوت ورسالت کو ماننا۔ ۴۔ قیامت کے حساب کتاب ثواب عذاب وحیات کو برحق اور جنت دوزخ میزان کو موجودہ ماننا۔ ۵۔ ملائکہ کے وجودِ موجود پر ایمان لانا۔ ۶۔ صحف وکتب الٰہیہ کے کلام کو قدیم اور صفتِ الٰہی ماننا۔ نیز عقائد دل وزبان سے ماننے کو کہتے ہیں اور اعمال کہتے ہیں قول کی اطاعت فعل کی اتباع سے ادا کرنے کو اعمال تو ایک شریعت میں بھی بندوں کے حالاتِ مختلفہ کی وجہ سے بدل جاتے ہیں مثلاً اسلامی شریعت کے اعمال بچوں، بوڑھوں، بیماروں، معذوروں، تندرستوں، امیروں، غریبوں، عورتوں، مردوں، حائضہ، طاہرہ، استحاضہ، ناصہ آئسہ کے لئے مختلف ہیں۔ اس لئے یہ کہنا کہ شریعت ہی دین ہے بجز جہالت و بے علمی کچھ نہیں۔ خیال رہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دین ایک ہی آیا جس کا نام ہر نبی رسول کے زمانے میں بدلا گیا مگر شریعتیں تین سو تیرہ۔ کتابیں چار اور صحیفے تقریباً چار سو نازل ہوئے۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً۔ لفظِ آیت واحد کیوں ارشاد ہوا جبکہ شخصیتیں دو ہیں۔ ایک ابن مریم اور ایک اُمَّہٗ چاہیے تھا کہ آیتین فرمایا جاتا یعنی دو آیتیں۔ **جواب:** ہم نے جو ترجمہ وترکیب نحوی اختیار کی ہے اس پر تو یہ اعتراض پڑتا ہی نہیں اس لئے کہ ہم نے شخصیتوں کو ظرف اور اٰیَةً کو مظروف بنایا ہے یعنی دونوں میں ایک آیت۔ لیکن اگر ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ کو مفعول بہ اول بنایا جائے اور اٰيَةً کو مفعول بہ دوم جیسا کہ اکثر مفسرین ومترجمین کا موقف ہے تب یہ اعتراض پڑتا ہے اور اس کا جواب یہ ہے کہ شخصیتیں اگرچہ دو ہیں مگر نشانِ قدرت، عمل فطرت، کیفیۃ واقعہ ایک ہی ہے کہ ولادت بغیر نطفہ نہ کسی مرد کا نطفہ داخل نہ والدہ کا نطفہ شامل۔ ام کا بغیر خاوند جنم دینا۔ ابن کا بغیر والد جنم لینا۔ اس لئے اٰيَةً واحد فرمانا ہی عین مناسب ہے۔

تفسیرِ صوفیانہ

فَكَذَّبُوْهُمَا۔ پس اعضاء بدنیہ کی مغلوبیت کے غرور میں نفس امارہ واہل نفوس نے روح وقلب کو جھٹلا دیا ان کی آواز حق کو دبا دیا اسی طغیانی وغداری کی وجہ سے لعنت کبریائی کے قہر کے ذریعے قلزم ذلالت کے بحر نفرت میں ہلاک کر دیئے گئے۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ۔ اور البتہ بیشک عطا فرمائی ہم نے موسیٰ عقلِ سلیم کو اسرار معرفت کی ایک کتاب عمل وفکر لَعَلَّهُمْ يَهْتَدُوْنَ تاکہ اسرائیلیات اعضاء کے اوپر سے ضلالتِ نفس مٹا کر ہدایتِ شخصی عطا فرمائی جائے اور وہ سب اعضاء ظاہری

marfat.com

تابع فرمانِ قلب ہو کر ہدایتِ ابدیہ کے انوار پالیں۔ وَ جَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَ اُمَّهٗۤ اٰيَةً۔ اور ڈال دی ہم نے اپنی قدرت حکمت کی خالقیت سے قلبِ مولود اور مادرِ مطمئنہ میں عشقِ معرفت کے اتحاد کی ایک آیت توجہ ذی الجلال اور اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ وان کی والدہ کو اپنے انوارِ قدس کا طاق بنالیا اور اپنے جلال و جمال کا آئینہ بنالیا صدیقین کی بصیرتوں اور مقربین کی بصارتوں کے لئے اٰوَيْنٰهُمَاۤ اِلٰى رَبْوَةٍ اور حادثاتِ قلب وحوادث نفسِ لوامہ کو مکانِ رفعت میں مقام علیا کی بلندی تک ترقی مدارج دیکر روحِ جبروتی کی طرف منزلِ قرب کا مقام ٹھکانہ و رہائش خلوتانہ عطا فرمایا اور نفسِ مطمئنہ کو مقامِ قلب کے ساتھ ثابت وقرار تمکن و وقار کے بیت المعمور میں بلندی بخشی اور علم یقین مکاشفہ ءیمین و مشاہدہ ءنفیس کے عیون وسکون اور چشمہء تسکین میں قیام بندگی عطا فرمایا اور ٹھکانا عطا فرمایا ہم قلب و روح کو مشاہدہء قدیم کے گہوارے میں ذات قرار کا حصول معرفت کے لئے اور کرم کے دریاؤں سے ایسے چشمے جاری فرمائے جن کے پانی مخلوق کو فنا کی موت سے بچاتے ہیں حیاتِ بقا تک پہنچاتے ہیں یہ ذاتِ قرار آستانہء نبوت ہے اور نہریں و چشمے فیضانِ رسالت ہے ان نہروں و چشموں کا دریا وجودِ مصطفیٰ ہے۔ يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ اے رسولانِ متقدمین صاحبِ قاب قوسین کے دسترخوان دنیٰ سے اَوْ اَدْنٰى کی نعمتیں اور مشاہدہء جمال جلال کی طیبات تناول فرماؤ عارفین سالکین کی تعلیم و کاملین کی تربیت کے لئے یہ اکل طیبات مشاہدہء اس حیثیت سے ہو کر نہ محرومی کی علت رہے نہ دخلِ شیطان کی ذلت رہے اور طلب کرو اس صاحب جمال سے مشاہدہء اسرار کے بعد عملِ صالح کی روزی۔ عملِ صالح حادثات سے برائت ونفس کی تعیش کرنا ہے جمالِ الوہیت لی مت معرفت کے ذریعے۔ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا۔ اعمال صالحہ طیبات جلال ہیں اور صالحات فرائض وسنن کے آداب ہیں ممنوعات سے پرہیز کرنا بھی صالحات ہیں باطناً بھی ظاہراً۔ وَ اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً اے عالمِ نفوس والو بیشک تمہاری ملت محبت ومعرفتہ وحدت اسلام وایمان سے ملی ہوئی شوائب طیبہ ہیں ہر اس شخص کے لئے ایک ہی جیسے اسوۂ حسنہ وقدرہ جلوہ کی نعمت سے تمام معاملات وحالات میں اتباع مصطفیٰ ادا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور میں ہی تمہارا رب ہوں کیونکہ میری طرف سے ہی شرف محمدی ہے۔ فَاتَّقُوْنِ۔ پس میرے جلال کی جلالیت کا مشاہدہء خلوت کا تقویٰ وعظمت جلوۃ کا خوف رکھو۔ میں تمہارا رب ہی تم کو حسنِ صحبت ووصل نعمت سے پالتا ہوں۔ (ابن عربی وعرائس البیان) سینہء عارف کا ابن مریم وہ مسیح روح ہے جو بطنِ لاھوتی میں بلا وسیلہء عالمِ اسباب کی ابوّت کے امر کن سے تولد ہوا اور وہ آیت تخلیق میں نشانِ اعظم و دلیلِ کبیر ہے۔ ذاتِ الٰہی و معرفت کبریائی پر وہی خلیفہء جلال وروحِ جمال مکاشفہ انوار ہے محراب طریقت کی مریم بتول نیات مخلصہ ہیں۔ خالص نیت میں ہی روح مقدسہ کو ٹھکانہء مولودی ودیعت وامانت رکھا جاتا ہے اور پھر مادرِ مخلصہء نیاّت ابنِ روح مقدس کو بندہء عارف ربوہ قالب میں ہم نے ٹھہرادیا اس لئے کہ یہی ہے روحِ قدسی کا ماوا۔ اور امر و نہی۔ مباح وممنوع۔ نفی واثبات کا ملجا ہے۔ ابنِ ودیعت وام امینہ دونوں کی منزل قرار اور معین آبشار جب تک کہ قالبِ عارف سالکِ انوار و طالب اسرار ہے اس وقت تک ہی وہ ابنِ روحانی اور والدہء اعمال صالحہ کا معین ومقر ہے اور وہی حکمت الٰہیہ کا چشمہء جاریہ وآب رواں ہے قلب ہوشیار و بیدار سے زبانِ ذاکر کی طرف۔ قلبِ بیدار بندہء مومن کا معدن اسرار ہے اور زبان ذاکر مخزن انوار ہے۔ اَللّٰهُمَّ يَا مُعِيْنُ اے ہمارے رب بنادے ہم کو بھی اہلِ معین میں سے اس طرح مستقیم ومستقر کہ کبھی نہ ختم ہو ہم سے عشق ازلی کی مکلفیت۔ اے

marfat.com

مرشدانِ طریقت حلال شریعت کو ہی اپنے ظاہر و باطن قالب وقلب پر استعمال کرو اور سکھاؤ پڑھاؤ بتاؤ دکھاؤ اپنے مریدانِ باطن طالبینِ سالکین کو اے راہِ وادی سلوک کے مسافر یہ بات ذہن فہیم میں محفوظ ومضبوط کرلو کہ جس بدن عبدی میں لقمہ حرام کا شجر خبیث قائم ہو جائے وہاں آفتاب توحید ماہتاب رسالت طلوعِ انوار نہیں فرماتا کیونکہ لقمہء حرام ظلمتِ شیطان کی آماج گاہ ہے۔ اے بندو ذرا سوچو کہ جب اشیاء مشکوکہ سے بھی قلب وقالب عقل وشعور پر ظلمت اور اندھیرا طاری ہو جاتا ہے تو اشیاء مکروھہ اور حرامِ قطعیہ مغلظہ کے کھانے واستعمال کرنے سے کیا حال ہوتا ہوگا۔ جب آبِ ساکن بھی شرعاً ممنوع ہے تو اس پانی کا کیا حال ہوگا جس میں کتے اور حرام وپلید جانور پھر رہے ہوں۔ اہل دل فرماتے ہیں کہ جس کا پیٹ مخزن ظلمت بنادیا گیا ہو اس پر حرام ہے لذتِ مناجات وتوجہ برکات۔ جسم انسانی مثل دریا ہے اگر یہ ساکن ہو جائے کہ نہ عبادت کی لہریں اٹھیں نہ ریاضت کی حرکات رہیں نہ ذکر اللہ کی ہلچل ہو نہ فکرِ آخرت کی روانی تو وہ پلید ونجس ہو جاتا ہے اور اس میں نفسِ خنزیر امارہٗ کلب اپنی نجاستیں غلاظتیں پھیلا دیتے ہیں۔ لہٰذا اے طالب صادق اپنے چشمہء فیض کو جاری رکھ ساکن نہ ہونے دے تو ذکرو فکر عبادت وطہارت کا سیارہ بن جا ثابت وغافل نہ بن۔ جب تو چشمہء جاری بنے گا تو طالبانِ فیض تجھ سے ذاتِ قرار ہوں گے۔ مشکلات کو دور کرنے سے انسان کا کردار اعلیٰ اکمل مضبوط اور حسین ہو جاتا ہے اہلِ خرد افراد مصیبتوں کو ظاہر و بیان نہیں کرتے بلکہ صبر وسکون سے برداشت کرتے اور دور کرنے کی ہمت بناتے ہیں یہی ہمت ولگن اور عمل پیہم بندوں کو مقام ربوۃ کی بلندیوں پر پہنچا دیتا ہے۔ اے دنیا والو وقت نہ ٹھہرتا ہے نہ کبھی ایک جیسا رہتا ہے اس لئے اس کو غفلتوں سستیوں بیکاریوں لعب ولہو سے ضائع نہ کرو۔ یادرکھو کہ گناہ سے بے قراری ہے بے سکونی بے برکتی بدنظمی پیدا ہوتی ہے اور نیکی سے سکون ملتا ہے۔ دنیا کی عدالتوں میں دولت اور آخرت کی عدالت میں عبادت کام آتی ہے۔ اسی لئے دولت کے پرستار اور دین و عبادت سے بیزار کبھی راستباز اور کامیاب نہیں ہو سکتے۔ توبہ کرنا آسان ہے مگر توبہ پر قائم رہنا مشکل ہے۔ حضرت ابن مریم نے فرمایا خاموش بیٹھو وہ گفتگو سے بہتر ہے۔ عبادتِ الٰہی اطاعت واتباع نبوی کے بعد سب سے زیادہ عزیز وعظیم کام والدہ کی خدمت ہے کیونکہ اس خدمت میں نہ ذلت ہے نہ تکلیف نہ عیب نہ طعن اور ذلت اٹھانے سے تکلیف اٹھانا بہتر ہے۔ اے لوگو دماغ عظیم مخزن ہے اور عقل اس کا قیمتی نایاب خزانہ ہے لہٰذا عقل ودماغ کو فضول کاموں میں استعمال نہ کرو۔ اگر کوئی شخص مضبوط عقلی ونقلی دلائل سے کسی کی غلطی ثابت کردے تو چاہئے کہ جرئت سے اس کو مان لے۔ نیکی اور برائی میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ نیکی کا آغاز مشکل ہوتا ہے مگر انجام بہترین ہوتا ہے۔ برائی کی ابتدا آسان ولذیذ ہوتی ہے لیکن انجام بدترین وکڑوا و دشوار ہوتا ہے۔ کوئی بھی انسان خود عظیم نہیں ہوتا بلکہ اچھا کردار اچھے اعمال اس کو عظیم بناتے ہیں۔ اس لئے اے بندو ہر اچھے کام کے معاون وشریک بن جاؤ یادرکھو کہ اچھا کام صرف وہ ہے جس کا حکم وطریقہ قرآن وحدیث سے حاصل ہو۔ زندگی پر بھروسہ مت کرو اس لئے ہر رات سونے سے پہلے اپنے دن کی نیکیوں وگناہوں کا حساب خود کرلو نیکیوں کی توفیق پر شکر کا سجدہ کرو اور گناہوں کی معافی مانگو توبہ کرو شاید یہ زندگی کی آخری رات ہو۔ کبھی بھی نیک بندے کی تکذیب نہ کرو۔ برے انسان کی تصدیق نہ کرو کیونکہ اس سے زمین میں فساد دنیا میں بے اعتمادی اور آخرت میں ذلت ہے۔ اعمال میں ناکامی ارادوں میں کمزوری پیدا ہوتی ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

marfat.com

فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا

پھر کافروں نے فرقے فرقے کر دیا دین کو آپس میں ٹکر بنا کر ہر فرقہ اسی دین سے جو ان کے

تو ان کی امتوں نے اپنا کام آپس میں ٹکڑے ٹکڑے کر لیا ہر گروہ جو اس کے پاس ہے

لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۵۴﴾

پاس ہے خوش ہونے والے ہیں تو آپ بھی چھوڑ دو ان کو اُن کی من پسند آب جہالت کی ڈبکیوں میں موت کے وقت تک

اس پر خوش ہے تو تم ان کو چھوڑ دو ان کے نشے میں ایک وقت تک

اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ ۙ

کیا یہ گمان کرتے ہیں کہ بیشک وہ عیش و عزت جس سے نواز رہے ہیں ان گمراہوں کو ہم مال اور بیٹے دے کر

کیا یہ خیال کر رہے ہیں کہ وہ جو ہم ان کی مدد کر رہے ہیں مال اور بیٹوں سے

نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾

ہم جلدی کر رہے ہیں ان کے لئے بھلائیوں میں نہیں بلکہ عیاشی کی مصیبت کا شعور ہی وہ نہیں رکھتے

یہ جلد جلد ہم ان کو بھلائیاں دیتے ہیں بلکہ انہیں خبر نہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾ ۙ

ہاں بیشک وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کی مصیبت جلال سمجھنے والے ہیں

بیشک وہ جو اپنے رب کے ڈر سے سہمے ہوئے ہیں

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ حیاتِ طیبہ کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں اقوام عالم کی بد طینتی بد کرداری فرقہ بازی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں بتایا گیا کہ شروعِ انسانیت سے انبیاء علیہم السلام کا لایا ہوا دین آج تک ایک ہی چلا آ رہا ہے۔ سب کی عبادت۔ عقیدت۔ توحید۔ قیامت۔ حشر نشر حیات بعد الموت پر ایمان ایک ہی رہا ہے اگرچہ دینی نام اور طریقہ و تعداد عبادت مختلف ہوتا رہا مگر بنیادی عقائد ایک جیسے ہی ہیں۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ فرقے بازی شیطان و شیطانی لوگوں کی اپنی پھیلائی و مچائی ہوئی ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں انبیاء علیہم السلام کو حکم ارشاد فرماتے ہوئے طیبات اور اچھے اعمال کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیت میں دنیا کے برے مال و اعمال کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے مال و اعمال کا تعلق آخرت سے ہے جس کو بقا ہے۔ اہل دنیا کے مال و اعمال کا تعلق دنیا سے ہے جس کو فنا ہے تو ان پچھلی

marfat.com

آیت میں بقا کا ذکر ہوا اب یہاں فنا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ؕ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ۝ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ۔ ف حرف تعقیب یعنی بتانے والا تَقَطَّعُوْا باب تفعل کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب قطعٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے کٹنا ٹوٹنا اس کا مصدر ہے تَقَطَّعٌ اس کا ترجمہ ہے کاٹنا۔ توڑنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے کفار گمراہ لوگ۔ اَمْرَ۔ اسم مفرد جامد۔ ترجمہ ہے معاملہ مراد ہے دین، مذہب، مضاف ہے هُمْ ضمیر مجرور متصل جمع مذکر غائب ضمیر نفسی ہے معنی ہے اپنا۔ مراد ہے اپنا اپنا۔ یہ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ بَيْنَ اسم ظرف مکانی جامد بمعنی درمیان هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرجع کفار و گمراہ بَيْنَ مضاف یہ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی کا ترجمہ ہے آپس میں اپنے درمیان میں، یہ مرکب ظرف ہے تَقَطَّعُوْا کا زُبُرًا اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے۔ زَبُوْرٌ لغوی ترجمہ ہے حصہ۔ اسی بنا پر موٹی تحریر۔ مقررہ مضبوط چیز چاندی یا لوہے کے ٹکڑے لکھی کتابوں کو زبر کہا جاتا ہے۔ بالوں کا کچا گچھا بھی زبر کہلاتا ہے لفظ زبر بروزن رُسُلٌ جمع ہے زَبُوْرٌ بروزنِ رَسُوْلٌ کی زُبُرًا حال ہے اَمْرَهُمْ کا یہ ذوالحال و حال مل کر مفعول بہ ہے۔ كُلُّ اسم جامد کلی بمعنی ہر۔ مضاف ہے حزبٍ۔ اسم مفرد جامد نکرہ۔ اسکی جمع ہے اَحْزَابٌ لغوی ترجمہ فرقہ۔ ٹولہ۔ اصطلاح میں بڑے فرقہ کو کہا جاتا ہے۔ متصلب گروہ کو حزب اللہ اور متعصب گروہ کو حزب الشیطان کہا جاتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے باری مقرر کرنے کو بھی حزب کہا جاتا ہے حِزْبُكَ بمعنی تیری باری۔ عرف عام میں ایک مذہب و ہم مسلک لوگوں کو حزب کہا جاتا ہے یہاں یہی مراد ہے حزب مضاف ہے۔ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے ب جارہ ما موصولہ بمعنی اس سے مراد اس دین و عقائد سے لَدَیْ اسم جامد ظرف مکانی ترجمہ ہے پاس مضاف ہے هم ضمیر مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی صلہ ہے یہ موصول صلہ مجرور ہے جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ فَرِحُوْنَ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لئے جمع مذکر اس کا واحد ہے۔ فَرِحٌ۔ ترجمہ ہے ضرورت سے زیادہ خوش ہونا جس سے تکبر و غرور کی جھلک پیدا ہو جائے اردو میں ایسی ناجائز و غلط خوشی کو کہتے ہیں اترانا۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر جمع غائب جس کا مرجع كُلُّ حِزْبٍ ہے۔ یہ صفت مشبہ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے كُلُّ حِزْبٍ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ف زائدہ بیانیہ ذر بابِ فتح کا فعل امر حاضر معروف واحد مذکر وَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی چھوڑنا چھوڑ کر خود ہٹ جانا دور ہو جانا۔ بے پرواہ ہو جانا۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ مرجع ہے نبی کریم ﷺ اور تا قیامت ہر مسلمان هُمْ ضمیر کا مرجع كُلُّ حِزْبٍ ہے۔ یہ مفعول بہ ہے فی حرف جر ظرفیہ مکانیہ غَمْرَةِ اسم مفرد مؤنث لفظی۔ اس کا مذکر ہے غَمْرٌ۔ لغوی ترجمہ ہے ڈبونا چھا جانا غالب آ جانا کسی چیز کا کسی چیز پر اس طرح کہ اس مغلوب کا اپنا اثر ختم ہو جائے۔ اس لغوی لحاظ سے یہ لفظ چودہ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ نشہ۔ ۲۔ غم۔ ۳۔ موت۔ ۴۔ شدت سے ڈھانپنا۔ ۵۔ دباؤ پانا۔ ۶۔ پانی ناپنے کا پیمانہ۔ ۷۔ سختی۔ ۸۔ ناگواری۔ ۹۔ وہ گہرا پانی جس کی تہہ نظر نہ آئے۔ ۱۰۔ غفلت۔ ۱۱۔ جہالت۔ ۱۲۔ فیاض و سخی آدمی کو رجلٌ غَامِرٌ۔ ۱۳۔ تیز دوڑنے والے گھوڑے کو دَابَّةٌ غَامِرَةٌ کہتے ہیں۔ ۱۴۔ گہرائی۔ یہ مضاف ہے هِمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق اول ہے ذَرْ کا۔ حَتّٰی حرف جر انتہائی مدت آخری وقت کے لئے حِيْنٍ اسم ظرف زمانی نکرہ ہے ترجمہ ہے وقت مراد ہے موت کا وقت۔ یہ

marfat.com

مجرور ہے حتّٰی جارہ سے دونوں مل کر متعلق دوم ہے ذر کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ بِہٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَھُمْ فِی الْخَیْرٰتِ ؕ بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ ھُمْ مِّنْ خَشْیَۃِ رَبِّھِمْ مُّشْفِقُوْنَ ﴿۵۷﴾۔

اَ ہمزہ سوالِ ایجابی کے لئے یعنی ہاں ایسا ہی گمان کرتے ہیں۔ یَحْسَبُوْنَ باب سمع کا مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب حَسْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گمان کرنا خیال وعقیدہ بنانا اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے۔ کُلُّ حِزْبٍ۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل کا اسم موصول نُمِدُّ باب افعال کا مضارع حال استمراری بمعنی ہم مدد کر رہے ہیں۔ مَدٌّ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے مصدر ہے۔ اِمْدَادٌ اسکا فاعل نحن پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مراد ہیں کفار بِ حرف جر سببیہ بمعنی ذریعے سے ہٖ ضمیر کا مرجع مَا موصولہ یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ حرف جر بعضیت کے لئے مَالٍ اسم مفرد جامد نکرہ مبالغہ مَیْلٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے جھکنا۔ مائل ہونا زائل ہونا۔ دولت کو مال ان ہی تین معنوں سے کہتے ہیں۔ ۱۔ لوگ اس کی طرف جھکتے ہیں جس کے پاس ہو اس کے آگے جھکتے ہیں۔ ۲۔ یہ دولت کبھی کسی طرف کبھی کسی طرف مائل ہوتی ہے۔ ۳۔ دنیوی دولت کو زوال ہے اس لئے بھی اس کو مال کہا جاتا ہے۔ مال کی تیرہ قسمیں ہوتی ہیں۔ یہاں تقریباً ہر قسم کے مال میں سے دنیا مراد ہے۔ مالٍ معطوف واؤ عاطفہ بَنِیْنَ اسم جمع مذکر سالم واحد ہے ابنٌ بمعنی اولاد بیٹے پوتے بحالت کسرہ معطوف ہے دونوں عطف مل کر مجرور متعلق دوم ہے۔ نُمِدُّ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا ما کا موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا نُسَارِعُ باب مفاعلۃ کا مضارع حال استمراری جمع متکلم سَرْعٌ وَ سُرْعَۃٌ اس کا مادہ ہے مُسَارِعَۃٌ اس کا مصدر ہے۔ ترجمہ ہے جلدی ہونا وجلدی کرنا۔ اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ لَھُمْ جار مجرور متعلق اول ہے فِی الْخَیْرٰتِ متعلق دوم ہے۔ خیرات۔ اسم جمع مؤنث سالم ہے خَیْرٌ کا یہاں مراد ہے دنیوی بھلائیاں۔ نُسَارِعُ فعل با فاعل اپنے دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ حرف عطف اضرابیہ سابقہ کی نفی کے لئے یعنی ایسا نہیں ہے۔ لَا یَشْعُرُوْنَ باب نصر کا مضارع حال منفی معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے کُلُّ حِزْبٍ کفار۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے۔ اَنَّمَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یَحْسَبُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ سوالیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل ہے عمل میں۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر ھُمْ ضمیر جمع مذکر مبتدا ہے۔ مِنْ حرف بیانیہ خَشْیَۃِ اسم مصدر مادہ خَشْیٌ کے آخر میں ۃ مصدریہ ہے۔ بمعنی ہیبت ورعب وجلال مضاف ہے۔ رَبِّھِمْ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے۔ ضمیر نفسی ہے بمعنی اپنے خَشْیَۃِ مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مجرور متعلق مقدم ہے۔ اس لئے حصر ہوا یعنی وہ اپنے رب سے ہی مُشْفِقُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر ہے۔ شَفَقٌ مادہ لازم سے بنا ہے بمعنی ڈرنا ڈر جانا۔ اس کا مصدر ہے اِشْفَاقٌ یہ متعدی بیک مفعول ہے یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنا۔ اِشْفَاقٌ اور شَفَقٌ کا لغوی ترجمہ ہے۔ رقت۔ نرمی کمزوری۔ اصطلاح میں چھ معنی ہیں۔ ۱۔ کنارہ۔ ۲۔ صبح وشام کے وقت مشرقی مغربی آسمانی سرخی (شفق)۔ ۳۔ قلبی گہری محبت۔ ۴۔ ماں کی ممتا۔ ۵۔ باپ کی شفقت جب اس کا متعلق مِنْ جارہ سے ہو جیسے یہاں تو ترجمہ ہوتا ہے ڈرنا۔ سہمنا۔ اندیشہ کرنا۔ دھڑ کا لگا رہنا۔ جب اس کا متعلق فی جارہ یا علی جارہ سے ہو تو ترجمہ ہوتا ہے خیر خواہی کرنا۔ یہاں معنی ہے سہمے رہنے والے۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر

marfat.com

خبر ہے۔ هُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے۔ اَلَّذِيْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ اگلی عبارت وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ (الخ) پر اور وہ سب لَهَا سَابِقُوْنَ تک ایک جملہ ہے۔ خیال رہے کہ غَمْرَةٌ کی اٹھارہ قسمیں ہیں۔ ا۔ پانی غَمْرَةُ الارض ہے۔ ۲۔ حسد غَمْرَةُ القلب ہے۔ ۳۔ حیرت غمرۃُ العقل ہے۔ ۴۔ غفلت غمرۃِ شعور۔ ۵۔ ضلالت و گمراہی غمرۃ دین ہے۔ ۶۔ بے وقوفی ناتجربہ کاری غمرۃِ دنیا ہے۔ ۷۔ غم غمرۃ صحت ہے۔ ۸۔ فسق و فجور غمرۃِ عزت ہے۔ ۹۔ بد خلقی غمرۃ محبت ہے۔ ۱۰۔ احسان جتلانا۔ اترانا غمرۃِ سخاوت ہے۔ ۱۱۔ غیبت۔ چغلخوری غمرۃِ نیکیاں ہیں۔ ۱۲۔ شیخی مارنا غمرۃِ احسان ہے۔ ۱۳۔ کذب بیانی غمرۃِ اعتبار ہے۔ ۱۴۔ بے ادبی و گستاخی صالحین غمرۃِ ایمان ہے۔ ۱۵۔ صحبتِ بد غمرۃِ عبادت ہے۔ ۱۶۔ غداری غمرۃِ قوم ہے۔ ۱۷۔ بزدلی غمرۃِ حیات ہے۔ ۱۸۔ بے غیرتی غمرۃِ شرافت ہے۔

تفسیر عالمانہ

رب تعالیٰ نے جب انسانیت کو تخلیق فرمایا تو ابتدا دو چیزوں سے ہوئی اولاً نبوت کو پیدا فرمایا گیا پھر ساتھ ہی دینِ برحق کو پیدا فرمایا۔ دینِ برحق میں آٹھ چیزیں بنیادی حیثیت رکھتی ہیں ا۔ اخلاقیات۔ ۲۔ عقائد۔ ۳۔ شریعت۔ ۴۔ قوانینِ دنیوی۔ ۵۔ احکامِ دینی۔ ۶۔ سیاسیات ملکی طریقہء حکمرانی نظامِ عدلیہ و انتظامیہ۔ ۷۔ علومِ مادی و روحانی۔ ۸۔ دینی و روحانی تعلیم و تربیت و درسگاہی خانقاہی نظام۔ ان آٹھ دینی چیزوں کو لے کر ہر نبی علیہ السلام اپنی اپنی امت میں مبعوث ہوتے رہے۔ ان آٹھ چیزوں کا نام ہی دینِ الٰہی قانونِ کبریائی احکامِ ربانی ہے ان تمام چیزوں کو ماننا اور اپنے جسم و وجود اور معاشرے پر نافذ و جاری کرنا ہی مومن بننا ہے۔ اس مجموعہ عملیات عقیدات و نظرات کا ہی نام دینِ توحید ایمان رسالت ہے اور یہی اِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً ہے۔ ان ہی آٹھ چیزوں کا نام صراطِ مستقیم ہے ان کو ہی تسلیم کرنا ہدایتِ رحمانی کا ملنا ہے اسی دین کو قولاً عملاً فعلاً اعتقاداً و عقلاً ماننے میں اللہ تعالیٰ کی رضا و آخرت کی بقا ہے اور ان کو قولاً یا عملاً یا اعتقاداً وعقلاً نہ ماننا ضلالت و گمراہی ہے۔ اس مجموعہ ایمانیات کو منوانے کیلئے ہی انبیاء علیہم السلام تشریف لاتے رہے۔ تبلیغ فرماتے رہے۔ اور امت کو دینی دنیوی ملکی نظام سمجھاتے رہے۔ ان تمام ایمان و ایمانیات اور مکمل منظم کو اپنانے سے بندہ مومن بن جاتا ہے۔ اگر ان میں سے ایک۔ چیز کا بھی قولی اعتقادی یا عملی یا قلبی ولسانی انکار کیا تو وہ شخص کافر یا فاسق یا گمراہ ہو جاتا ہے۔ ابلیس و شیاطین روزِ اول سے اس دین کے دشمن بنے ہوئے ہیں اسی کو توڑنا پھوڑنا چاہتے ہیں اور افسانوں کو ورغلا وسوسا کر اسی لمۃ واحدہ کے وحدتِ دینی ملی کو افسانوں کے ہی ہاتھوں سے تڑواتے فرقے بناتے بنواتے رہے۔ چنانچہ پہلا کفر و حسد تکبر سے پیدا ہوا جس نے قابیل بن کر ہابیل کو قتل کیا اور دینِ آدم میں کفر پھیلایا۔ پھر اس کے بعد بھی فَتَقَطَّعُوْۤا اَمْرَهُمْ۔ حق کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی اپنی پسند کے مذہب' مشرب' مسلک اور دین و دینی ٹکڑے بنا لئے اور اب تک بنا رہے ہیں قیامت تک اسی طرح بنتے بگڑتے ٹکڑے ہوتے فرقے نکلتے رہیں گے۔ تَقَطَّعُوْۤا کی گیارہ صورتیں اب تک ہوتی رہیں۔ ا۔ ہر زمانے میں کچھ حق پر رہے کچھ باطل پر رہے۔ ۲۔ اصولِ دین میں بناوٹیں کر کے باطل لوگوں نے حق سے اختلاف کیا۔ ۳۔ کچھ گمراہوں نے فروعات میں اختلاف کر کے فرقہ بنایا۔ ۴۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ اسلام کی بعض چیزوں کو مان لیا اور بعض کا انکار کر دیا اس طرح ایک نیا فرقہ بن گیا۔ ۵۔ کچھ لوگوں کا یہ طریقہ ہوا کہ دینِ حق کی بعض چیزوں پر عمل کیا بعض پر عمل نہ کیا یعنی حق کو اپنی

marfat.com

خواہشات کے تابع کیا۔ خواہشات کو دینِ حق کے تابع نہ کیا۔ ۶۔ بعض لوگوں نے محض شیطانیت بڑھکانے فساد مچانے فتنہ پھیلانے کے لئے تخریب کاری فرقے بازی کی اور کرائی تاکہ امتِ مسلمہ نہ چین سے بیٹھے نہ دینِ حق کو سمجھ سکے ہر ہر مسئلے میں اتنے اقوال واختلاف بھر دیئے کہ اصل حق مسئلہ روپوش کر دیا گیا۔ ۷۔ کبھی اپنے آبا کی نفسانی خواہشات اور قومی رسم ورواج کو اپنی مرضی کا دین بنا لیا گیا۔ ۸۔ کوئی بد بخت فرقہ اٹھا تو اس نے سابقہ کتب الٰہیہ میں اپنی عبارتوں سے تحریف وملاوٹ کر دی۔ ۹۔ کسی گروہ نے بت پرستی کو خدا پرستی کیساتھ شامل مان کر شرک شروع کر کے مشرکانہ ٹولہ بنالیا۔ ۱۰۔ کسی گروہ نے وجود الٰہی کا ہی انکار کر کے دہریت کو دین بنالیا۔ ۱۱۔ کسی فرقے نے سیاست کو دین سے عدالت کو عبادت سے جدا سمجھ کر دین کو صرف مساجد وعبادت گاہوں، خانقاہوں تک محدود سمجھا اور عدالتِ الٰہی قوانینِ شرعی کو پسِ پشت ڈال کر اپنا ذہنی بناوٹی قانون عدالت کی کرسیوں پر جاری کیا۔ غرضکہ شیطان کے نرغے میں آ کر ہر طرح دینِ حق کو توڑا اتحادِ ملی کو مروڑا اور انصاف وعدل کو پارہ پارہ کیا۔ اس طرح ایک دین کے نام لیوا کئی فرقوں میں بٹ گئے۔ چنانچہ عیسائیوں میں ستر یہودیوں میں بہتر مجوسیوں میں ساٹھ ہندوؤں میں پچاس سکھوں میں بارہ خود مسلمانوں میں تہتر فرقہ۔ كُلُّهُمْ فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةٌ نَاجِيَةٌ۔ یہ بہتر جہنمی ہیں صرف ایک نجات پانے والا جنتی ہے۔ فقہا فرماتے ہیں کہ دین کو صرف مسجدوں تک محدود رکھنا اور بازاروں تجارتوں میں من مانیت خود پسندی شکلوں میں مجوسیت کچہری میں عیسائیت کہ قرآن وحدیث کا قانونِ الٰہی چھوڑ کر انسانی ذہنوں کا بنایا ہوا قانون نافذ وقبول کرنا بھی شرک ہے۔ اس فرمانِ فقہا کے مطابق ایسا کرنے والی حکومت یقیناً مشرک ہے۔ کیسا ظلم عظیم ہے کہ قرآنِ مجید کچہریوں میں صرف قسمیں کھانے کے لئے ہے مگر قانون کے لئے عیسائی کتابیں کیا یہ اپنی جانوں پر ظلم نہیں۔ کھانے رحمٰن کے کھاتے ہیں لیکن کہنے شیطان کے مانتے ہیں۔ بَيْنَهُمْ زُبُرًا اس طرح کہ فرقے کر دیا ان گمراہوں فرقے بازوں نے ہر جگہ اپنی احمقانہ ملاوٹیں کر دیں اور اپنی ناقص عقلوں سے عدالتوں عبادتوں عقیدتوں کی اپنی اپنی زُبُرُ وَکتب بنا لیں۔ اور اپنے اس اصلی قابلِ ایمان لائقِ تسلیم دینِ ربانی جو ہر نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے لے کر آتے رہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ سب انسان اسی ایک دین کی اطاعت کرتے اور سچے مستحق دین کو اس کا حق دیتے ہوئے اس کے قانونِ قرآن ونبوی فرمان کو سینے سے لگاتے عدالتوں میں سجاتے نافذ کرتے اور بسروچشم عقل وفہم قلب وجان عمل وزبان سے پکے ہوتے مومن بن کر دینِ واحد کی امت واحدہ بن جاتے مگر ایسا نہ ہوا بلکہ کسی زرتشت نے آتش پرستی کا کفر پھیلایا۔ کسی طرف سے گوتم بدھ نے معبودِ باطل بن کر قبضہ جمایا۔ کسی جگہ سے آریہ ہندو نکل پڑے۔ کسی نے روح کو معبود مان کر دین کا نام جین رکھ لیا۔ کسی نے بت پرستی کو دینِ آبائی کی بنا پر تسلیم کر لیا۔ کسی دین کا نام شنٹو کسی کا نام ٹاؤ کسی نے بت پرستی کا نام کنفیوشی رکھ لیا۔ کسی کونے سے سکھ نکل پڑے پھر سب بت پرستیوں کو ملا کر ہندو دھرم بن گیا۔ ادھر مجوسیت نے اپنے بال وپر نکالے۔ ادھر یہودیت کئی فرقوں میں بٹ گئی کہ کہیں بچھڑا پرستی کہیں ابنیت پرستی۔ تحریفِ کتاب اللہ کی گئی۔ سچائیت میں کذابیت کو شامل کر دیا گیا۔ اس کے بعد عیسائی دین بنالیا گیا جس کے سچے جھوٹے۔ حق وباطل۔ درست وغلط ملے جلے مخلوط عقائد بنتے چلے گئے اور مزید حماقت یہ کہ كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ ہر فرقہ اپنے ذہنوں سے بنائے ہوئے دین عقائد نظریات فکریات عملیات پر مسرور وخوش ہے خواہ اس میں کتنی ہی حماقت جہالت ملاوٹ شقاوت قصاوت کساوت ہلاکت ونقصان ظاہر نظر آتا

marfat.com

ہو۔ یہ فرحت و سرور شیطان نے باطلین کے ذہنوں میں اس طرح بھردی ہے کہ نہ ہلاکت اقوام سابقہ سے عبرت پکڑی نہ واقعاتِ تاریخی سے سبق سیکھا نہ بربادی کا خوف رہا نہ تباہی کی فکر۔ انجامِ موت سے بے خبر آخرت سے بے صبر۔ اس گمراہی بے راہی کی بنیادی وجہ آزاد مزاجی' خودسری اور من مانی کرنے کی عادتِ شیطانی اور بے علمی بے عقلی کے باوجود خودی کا غرور و تکبر کا فتور لئے پھرنا اور یہ سمجھ لینا ہے کہ ہم نے جو کیا اور جو کر رہے ہیں وہی حق ہے مگر دینِ حق کسی شخص کو من مانی کرنے چرب زبانی بکنے کی اجازت قطعاً نہیں دیتا۔ دینِ حق بندوں کو دنیا میں عبادت کا شعور اطاعت کا شعار اتباع کی پابندی کا خوگر بناتا ہے۔ پلیدیاں مٹاتا ہے برائیاں ہٹاتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام نے اپنی اپنی امتوں کو دین حق میں بیس دولتیں عطا فرمائیں۔ امانت۔ دیانت۔ شرافت۔ لیاقت۔ عدالت۔ عبادت۔ ریاضت۔ نظامت۔ لطافت۔ طہارت۔ رفاقت۔ نفاست۔ محبت۔ شفقت۔ سخاوت۔ شجاعت۔ مروت۔ حسنِ اخلاق۔ طرزِ مساوات۔ مہارت۔ گلدستہ حسنات یہ وہ رائحاتِ عطریات ومخزن برکات ہیں جو سوائے انبیاء کرام علیہم السلام کے لائے ہوئے دینِ کبریائی کے دوسرے کسی بھی دینِ انسانی میں نہ ملیں گے کیونکہ ادیانِ باطل میں تو امیر غریب کالے گورے چھوٹے بڑے آقا غلام کی متعصبانہ تفریق اور قوم پرستی کے ہی جھاڑ و جھنکاڑ ملیں گے۔ دینِ حق تعالیٰ وقانونِ مولیٰ تعالیٰ ہی ہر انسان پر ان مندرجہ بالا صفاتِ حمیدہ کے دامن میں آنے اور حبلِ ایمان واتحاد کی لڑی میں پروئے جانے کی پابندی لازم وواجب فرماتا ہے۔ اس لئے کہ اسی پابندی واستقامت میں اشرفیت کی بقا' افضلیت کی لقاء اور اکرمیت کی نجات اور اخبثیت واحمقیت کی فنا ہے لیکن شیطان اور شیطان صفت انسان اس شفاعت وحمایت۔ سفارش وحفاظت کو نہ سمجھتے ہیں نہ سمجھنے دیتے ہیں حالانکہ انبیاء علیہم السلام نے بلایا۔ علماء نے بتایا۔ اولیا نے سمجھایا۔ لہٰذا اے حبیب کریم تم بھی ان بدنصیبوں کو حسد' بغض کینہ' ضد' عناد' تکبر کی من مانیاں ابلیس نوازیاں کرنے کے لئے۔ فَذَرۡهُمۡ فِىۡ غَمۡرَتِهِمۡ حَتّٰى حِيۡنٍ۔ پس چھوڑ دوان کو آب ہلاکت کی ڈبکیوں اور آب جہالت کی اچھل کود میں آخری انجام تک اور تم ان کی فکر ان کا غم نہ فرماؤ نہ ان کی بربادی کا افسوس وتباہی کا خیال کرو۔ اور یہ کفارِ عرب آپ کی بات مانیں یا نہ مانیں تم ان کو تبلیغ احکام فرماتے قانونِ الٰہی سناتے پہنچاتے رہو۔ ان کے ذہنوں عقلوں کانوں سے گزارتے رہو۔ یاد رہے کہ جس طرح دنیا میں ہر شخص کی کیفیت حیات اور دنیوی زندگی کے حالات مختلف بنائے گئے ہیں اسی طرح ہر انسان کا حتی حین یعنی آخری انجام بھی مختلف بنایا گیا ہے۔ کسی کو اس کی بداعمالی کی سزا دنیا میں ہی مل جاتی ہے۔ کسی کو بعدِ موت قبر' حشر' جہنم میں۔ یہ زندہ باد ہوتے ہوتے ایک دم مردہ باد ہونے لگ جانا اور وزیر اعظم سے ایک دم اسیرِ اعظم بنا دیا جانا یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی بے آواز لاٹھیاں ہیں مگر انسان نہ اپنی حالتِ اتار چڑھاؤ کو سمجھتا ہے نہ دوسروں کے حالات سے عبرت ونصیحت لیتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ جامعہ گلزار مدینہ گجرات کے سجادہ نشین خواجہ صوفی غلام قادر علیہ الرحمۃ سے پوچھا کہ پاکستان میں اتنی پریشانیاں کیوں ہیں کہ نہ عوام کو سکون ہے نہ حکومت کو۔ آئے دن صدارتیں حکومتیں بدلتی ہیں مگر چند دن پسندیدہ اور مقبول زندہ باد اور پھر تھوڑے ہی عرصے بعد وہی شخص قابلِ نفرت اور مردہ باد بنا دیا جاتا ہے جھوٹی الزام تراشیاں تو ہوتی ہیں مگر ظاہراً کچھ ثابت ہوتا ہے نہ نظر آتا ہے۔ نہ سزا ملتی ہے مگر ایک دم مخالفت کی آندھی چل جاتی ہے۔ سوائے چند افراد کے کوئی حامی وحمایتی نہیں رہتا نہ عوام میں نہ خواص میں۔ حضرت فرمانے لگے یہ کوئی زیادہ سوچنے کی مشکل بات نہیں بلکہ ظاہر بات ہے کہ پاکستانی حکومت اور قوم نے

marfat.com

قرآن وحدیث سے بغاوت کی ہے اور باغی کو سزا ہی ملتی ہے خواہ باآواز ہو یا بے آواز ہو۔اس قوم کے محسنوں نے کلمہ طیبہ کے نعروں اور نام پر پاکستان حاصل کیا لیکن بعد کے غداروں نے کلمہ قرآن وحدیث کو مسجدوں مدرسوں سے باہر نہ آنے دیا اپنی کورٹ کچہریوں کو کفار کے ذہنی تراشے خراشے ہوئے قانونی بتوں سے سجایا۔جس پاکستانی صدر کو سب سے پہلے مردہ باد کہا گیا اس نے دینِ اسلام کی کیا خدمت کی بلکہ سب سے زیادہ یزیدیت پھیلائی اور محکمہ اوقاف بنا کر اللہ تعالیٰ کی ہی مسجدوں کو لوٹا کھسوٹا اور مساجدِ الٰہیہ کا مال ذاتی عیاشی ولھو ولعب میں خرچ کیا حالانکہ شریعت کے مطابق کسی بھی مسجد کی ایک ٹوپی ومصلہ دوسری مسجد میں بھی لے جانا منع ہے۔جب اسلامِ کبریائی سے اس طرح کی غداری وبغاوت ہو تو یہ سزائیں واذیتیں نہ ملیں گی تو اور کیا ہوگا پھر فرمانے لگے کہ اگر آج بھی پاکستانی علاقوں میں اسلامی قانون نافذ ہو جائے اور محکمہ اوقاف سے مسجدوں کو نکال دیا جائے یا مساجد کی آمدنی شرعی حکم کے مطابق ہر اسی مسجد پر لگائی جائے جس مسجد کی ہو تو یہ ساری پریشانیاں پاکستان سے ختم ہو جائیں۔میں کہتا ہوں کہ سچ ہی فرمایا حضرت محترم نے مجھے حیرانگی ہے کہ پاکستان کا کوئی مفکر دانشور اب تک ان اصل بیماریوں کو نہ سمجھ سکا۔غالباً یہ بے فکری اسلامی وقرآنی تعلیمات سے جہالت ولاعلمی کی وجہ سے ہو رہی ہے۔حضرت نقشبندی علیہ الرحمۃ کے اس فکر انگیز حقیقی بیان سے ثابت ہوا کہ بارگاہِ الٰہیہ میں ہر ایک کا حتی حینِ منفرد ہے۔موجودہ حکومتِ سعودیہ اس سے بھی زیادہ ظلم کما رہی ہے کہ مسجدیں توڑ کر شہزادوں کے محل بنائے جا رہے ہیں۔نیز ہر سال مسلمانوں کے روزے نمازیں عیدیں قربانیاں اور حج برباد کیے جا رہے ہیں۔اسلامی یادگاریں مٹائی جا رہی ہیں مگر یہودی یادگاریں قائم ومحفوظ کی جا رہی ہیں۔مزاراتِ صحابہ، مسجد بلال مسمار کر دی گئی لیکن کعب بن اشرف یہودی کا مکان بطور یادگار محفوظ کیا جا رہا ہے۔محفلِ میلاد شرک اس کا تبرک کھانا حرام سمجھا جا رہا ہے مگر امریکیوں کے لئے شراب وحرام ہتھیار مہیا کیا جا رہا ہے اس جرمِ کبیر وظلم عظیم کے باوجود ابھی تک مزے سے دندناتے پھر رہے ہیں کعبہ وحرمین پر قبضہ جمائے ہوئے ہیں تو یہ ان کی سچائی کی دلیل نہیں بلکہ حتی حینِ کی مہلت وڈھیل ہے۔جس طرح کہ اس کعبہ وحرم پر تقریباً پانچ صدیں بت پرستوں کا بھی قبضہ رہا۔تو کیا وہ ان کی صداقت وحقانیت کی دلیل تھی؟ ہرگز نہیں بلکہ وہ بھی حتی حینِ کی مہلت وڈھیل تھی یہاں تک کہ جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ کی خدائی لاٹھی چل گئی۔اسی طرح سعودیوں کو بھی ضلالتوں مظالموں کے باوجود حتی حینِ کا استدراج وامہال ہے۔خوش قسمت ہے وہ بندہ جس کی دنیا میں ہی کھینچا تانی۔پکڑ۔گرفت۔قید وبند۔محاسبہ معاتبہ ہو کر توبہ استغفار سے معافی ہو جائے۔اس وزیری سے اسیری اچھی جو بندہ بنا دے مگر سرکشی کے باوجود برتری تو ہلاکت خیز گمراہی اور تباہ کن رسوائی ہے۔اسی طرح اے محبوب کریم۔ اَيَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّبَنِيْنَ ﴿۵۵﴾ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ بَلْ لَّا يَشْعُرُوْنَ۔ کیا یہ کفار جو دولتوں، نعمتوں، سہولتوں، سکونوں، راحتوں اور بیٹے بیٹیوں کی اولادوں میں پھلنے پھولنے اور دندناتے پھرنے والے ہیں یہ خیال وگمان کرتے ہیں کہ بیشک وہ مال واولاد جن سے ہم ان کفار کو دن رات صبح شام مدد دے رہے ہیں وہ ہم ان کے لئے اچھائیوں بھلائیوں سچائیوں کے اظہار میں جلدی کر رہے ہیں اور کیا وہ اس خوش فہمی پر ظلم کفر شرک گستاخی بدکاری تکبر وغرور جبر وجہول کو اچھا جانتے ہوئے ہماری اس امداد وفراوانی سہولت وصحت کو ہماری رضا سمجھ رہے ہیں۔نہیں یہ بات نہیں بلکہ وہ کفار مثلِ حیوانات بے عقل وبے شعور ہیں اس لئے نہیں سمجھتے کہ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا۔ (آل

marfat.com

عمران: ۱۷۸) یہ ہماری طرف سے اس بات کی ڈھیل ہے کہ کرلو جتنے ظلم کفر کے گناہ کر سکتے ہو تم۔ پیالہ بھر لو جتنا بھر سکتے ہو تم۔ یہ مال و اولاد ظالموں کافروں کے لئے رحمت نہیں زحمت ہے۔ عزت نہیں در پردہ ذلت ہے۔ شوکت نہیں ہولت ہے اکرام نہیں استدراج ہے۔ احترام حرمت نہیں استجر ار وغفلت ہے۔ مُنَازَعَتٌ فِي الْخَيْرَاتِ نہیں مُقَاهَرتٌ فِي الْغَمَرَاتِ ہے۔ یاد رکھو کہ نیک کار بندے کی نعمت و برکت فن کمال، روحانی قوت اس کی کرامت ہے مگر بدکار شخص کی نعمت و خرق عادت نفسانی قوت اور فنِ عجیب و شعبدۂ غریب۔ فریب استدراج ہے تمام کفار و فساق کو دنیا میں چھ دھوکے لگتے۔ ا۔ کافر و فاسق مادی کامیابی اور وقتی خوشحالی کو اصلی و ابدی سمجھ لیتا ہے۔ ۲۔ ظالم کی ڈھیل کو اس کی سچائی سمجھ لیتا ہے۔ ۳۔ دنیا کو دار جزا و سزا سمجھ لیتا ہے۔ ۴۔ دنیا کو دارِ عمل و امتحان گاہ نہیں سمجھتا۔ ۵۔ صالحین اور نیک لوگوں کے مصائب و تکالیف کو ان کا باطل پر ہونا سمجھ لیتا ہے حالانکہ یہ مصائب ترقی درجات کا سبب ہوتی ہیں۔ ۶۔ کفار و فساق کو دنیا میں ایک یہ بھی دھوکہ لگا ہوا ہے کہ وہ استدراج الی المعاصی کو مسارعت فی الخیرات اور ڈھیل ملنے کو اپنے افعال کی جزا سمجھ لیتے ہیں۔ امام حسن بصری نے فرمایا کہ مومن نیکی کرتا ہے پھر بھی ڈرتا ہے اور کافر و فاسق نیکی سے رکتا ہے پھر بھی بے خوف ہے۔ (از تفسیر کبیر و خازن) اِنَّ الَّذِيْنَ هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ بیشک اصل و مضبوط۔ علم و شعور۔ فہم و عقول والے تو وہی لوگ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے جلال عتاب و ہیبت کمال سے ہر وقت ہر زمان و مکان میں قلب و جگر جسم و بدن، ظاہر و باطن میں ڈرنے کانپنے تھرتھرانے لرزنے والے ہیں۔ جب یہ آیت پاک نازل ہوئی تو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا یہ پکے وعادی فاسقین کا ذکر ہے۔ فرمایا نہیں بلکہ سچے صالحین کا ذکر ہے (کبیر) احادیث مقدسات میں ہے کہ مومن کو پانچ شعور عطا فرمائے گئے۔ ا۔ مومن اپنے شعورِ ایمانی و فراستِ ایقانی سے جانتا ہے کہ دنیوی مادی خوشحالی و ترقی و کامیابی اصل فلاح نہیں بلکہ اصل فلاح و کامیابی اس سے کہیں زیادہ بلند و بالا چیز ہے اور اتنی وسیع ہے کہ یہ دنیا اور مدت دنیا اس کے لئے کافی نہیں۔ ۲۔ مومن متقی سمجھ لیتا ہے کہ عالم دنیا دار الجزا نہیں صرف دار العمل ہے۔ یہاں کی نعمتیں بندوں کا امتحان شکران و کفران ہے اور یہاں کی مصیبتیں بھی ابتلاء صبر و ظلمان ہیں۔ ۳۔ مومن متقی جانتا ہے کہ اصلی ابدی کامیابی صرف حق و صداقت کی ہے اگرچہ جلدی ظاہر نہ ہو۔ ۴۔ مومن اپنی بصیرت روحانی سے یہ بھی جانتا ہے کہ برائی و گمراہی کا انجام نقصان و خسران ہی ہے اگرچہ جلدی ظاہر نہ ہو۔ ۵۔ مومن کا پانچواں شعور یہ کہ مومن جانتا سمجھتا ہے کہ بدکار و ظالم کافر کو نعمتیں دولتیں ملنا اس کے لئے عذابِ ناگہانی اور گرفتِ سخت جانی کا پیشہ خیمہ ہے اور نیک لوگوں پر مصیبتوں کا آنا ابدی اصلی کامیابی کا پیش خیمہ ہے۔ مومن اپنے ان فہوم و شعور کی وجہ سے دنیا میں اپنے رب تعالیٰ سے بے خوف اور اپنے انجام سے بے فکر نہیں ہوتا اور خود کو کبھی آزاد نہیں سمجھتا۔ اہل ایمان و عرفان عبادت کر کے بھی ڈرتے رہتے ہیں سخاوت عدالت کر کے بھی خوف الٰہی کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ خشیت۔ ۲۔ اشفاق لیکن فرق یہ کہ خشیت وہ خوف جو کفر ظلم گناہ سے بچائے اور اشفاق وہ خوف جو شوق عبادت، ذوقِ تعظیم و عادۃِ ادب پیدا کرے اس لئے اشفاق کا درجہ خشیت سے زیادہ ہے۔

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

زُبُرًا کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر قراء کی قرئت میں زُبُرًا ہے۔ یہی درست ہے کیونکہ مکتوب و مشہور ہے۔ ۲۔ بعض کی

marfat.com

قرئت زُبُرًا ب کے زبر سے ہے یہ قرئت شاذ ہے۔ زُبُرًا کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کے معنی ہیں ٹکڑے کر دیئے۔ ۲۔ بعض نے معنی کیئے فرقے بنالئے۔ ۳۔ بعض نے یہ معنی کیئے کہ اپنی اپنی کتابیں بنالیں۔ تینوں معنی درست ہیں کیونکہ ہر کافر نے تینوں کام کئے۔ غَمْرَتِهِمْ کی قرئت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرئت فِیْ غَمْرَتِهِمْ۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں ہے فِیْ غُمْرَتِهِمْ۔ ۳۔ بعض کی قرأت ہے فِیْ غَمْرَاتِهِمْ۔ یہ دونوں قرئتیں شاذ ہیں اِلٰی حِیْنٍ کے معنی میں پانچ قول۔ ۱۔ بعض نے کہا الیٰ حین کا معنیٰ ہے جنگِ بدر تک۔ ۲۔ بعض نے کہا موت تک۔ ۳۔ بعض نے کہا اِلٰی حِیْنٍ کا معنی ہے معائنہ عذابِ قبر تک۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ ایمان لانے تک سب قول درست ہیں۔ اِنَّمَا نُمِدُّ کے اِنَّ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا یہ اِنَّ ہے یہی قرئت درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اَنَّ ہے۔ اِنَّمَا کے ما میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ مصدریہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا موصولہ ہے۔ نُمِدُّ کی قرئت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر قرئت میں نُمِدُّ ہے جمع متکلم۔ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت یُمِدُّ ہے۔ واحد مذکر غائب مگر یہ قرئت شاذ ہے خَشْيَةِ رَبِّهِمْ۔ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ خشیت کا معنی ہے رقت قلبی و عجز عقلی والا خوف۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ عذاب کا خوف۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ خشیت کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا خوف' تینوں قول درست ہیں کیونکہ ہر مومن کو ہر طرح کی خشیت الٰہی ہوتی ہے مُشْفِقُوْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ اشفاق کا معنی ہے قلب و عقل و جسم پر خشیت کا ہمیشہ اثر رہنا اس طرح کہ اطاعت میں دَائِمُوْنَ اور طلبِ رضا میں جاوِدُوْنَ ہونے والے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ اشفاق کا معنی ہے خشیت کی تکمیل اور آیت کا ترجمہ ہے کہ بیشک وہ لوگ اپنے رب تعالیٰ کی خشیت میں کامل ہونے والے ہیں۔ اس طرح کہ ان کے قلب و دماغ پر ناراضگی رب کا خوف عاجل ہے۔ عذاب اللہ کا خوف اجل ہے اور گناہوں سے پرہیز انتہا پر ہے۔ دونوں قول درست ہیں۔

فائدے

ان آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کفار خواہ کتنا ہی فنکار صنعتکار دانا بینا پڑھا لکھا ہو مگر بے شعور و بے وقوف ہے مثل جانور بلکہ جانور سے بھی زیادہ کم عقل ہے کیونکہ کفار مادی خوشحالی اور وقتی کامیابی عارضی ترقی دنیوی بلندی کو اور فانی مال و دولت و آلِ اولاد کو ہی اصل فلاح و ترقی اور کامیابی سمجھ لیتا ہے حالانکہ فلاحِ انسانیت ان دنیوی چیزوں سے کہیں زیادہ بلند و بالا ہے برتر و اعلیٰ وسیع و کثیر ہے۔ یہ فائدہ اَیَحْسَبُوْنَ اور بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ کے فرمانِ باری تعالیٰ سے حاصل ہوا۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان ہر وقت دنیا سازی اور گناہوں میں مشغول رہے تو وہ بھی مثل کفار بے عقل بے شعور کند ذہن اور بے علم ہو جاتا ہے۔ اس آیت پاک نے مسلمانوں کو یہ سبق عطا فرمایا کہ مسلمان ہمت و کوشش کر کے حتی الامکان چھوٹے بڑے گناہوں سے بچتے رہیں اور بچنے کی دعائیں مانگتے رہیں۔ کیونکہ گناہ ایک بلاء عظیم اور وباء کثیف و مرض غلیظ ہے ان سے بچنے کے لئے بری صحبتوں بری کتابوں ریڈیو ٹیویوں سے بچنا ضروری ہے یہی شیطان کے پھندے ہیں ان ہی کے ذریعے بے غیرتی بے پردگی فحاشی کثرت سے پھیلائی جارہی ہے فحش گانے غلط مسئلے گندی تصویریں نشر کی جارہی ہیں۔ خدا تعالیٰ مسلمانوں کو بچائے آمین۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں انسان پر تقریباً چوبیس حالات گزرتے

marfat.com

ہیں۔ جوانی۔ بڑھاپا۔ صحت۔ بیماری۔ امیری۔ غریبی۔ عاجزی۔ مغروری۔ حاکمیت۔ محکومیت۔ لمبی عمر۔ تبدیلی موسمیات و کیفیات و حالات۔ تکالیف۔ مصائب۔ فتح مندی۔ شکست۔ غالبیت۔ مغلوبیت۔ ظلم پر ڈھیل۔ مظلومیت کی برداشت۔ مہلت۔ سہولت۔ بلندی ترقی۔ پستی معزولی تنزلی۔ یہ تمام حالات نہ کسی کی جزا ہے نہ کسی کی سزا ہے نہ ثواب ہے نہ عتاب بلکہ یہ حالات مختلف ہر شخص کا امتحان ہے جو اس حقیقت کو نہ سمجھا وہ کافر فاسق گمراہ یا مغضوب ہو گیا اور جو سمجھ گیا کہ یہ سب حالاتِ زندگی بلکہ پوری زندگی دنیوی امتحان ہے وہ بندہ مومن متقی عابد و زاہد بن گیا۔ یہ فائدہ اَیَحۡسَبُوۡنَ (الخ) اور اِنَّ الَّذِیۡنَ ھُمۡ مِّنۡ خَشۡیَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ۔ کے پورے بیان سے حاصل ہوا جس میں کافر و مومن کے خیالات و نظریات کا فرق بیان فرمایا گیا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کا خوف دنیا میں بندوں پر بہت بڑی نعمت و احسان ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا خوف ہی ہر گناہ اور برائی سے روکتا ہے آخرت سنوارتا ہے۔ مگر بے خوفی دیدہ دلیری گناہوں اور بے غیرتی کی جڑ ہے۔ ظلم جبر بربریت غرور اس کی شاخیں اور کفر شرک منافقت فسق و فجور اس کا پھل یہ فائدہ۔ مِّنۡ خَشۡیَةِ رَبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **چوتھا فائدہ:** باطل ظالم کافر فاسق امراو وزراء و سلاطین کا محض اپنی دولت، حکومت، طاقت، قوت، فتوحات کی بنا پر اپنے آپ کو حق پر سمجھنا سراسر جہالت حماقت اور شیطانی ورغلاہٹ ہے۔ ایسے ہی جاہل عوام کا ظالم فاسق گمراہوں کو محض ان کی دولت قوت حکومت کی وجہ سے حقانیت و صداقت پر سمجھ لینا اور ان کی جی حضوری چمچہ گری کا لیسی کرتے ہوئے ان کی ہر بری بات کی تائید۔ ہر برے عمل و عقیدے کی حمایت و ہمنوائی کرنا بدترین شرعی جرم ہے۔ یہ فائدہ اَیَحۡسَبُوۡنَ (الخ) کو سوالیہ جملہ بنانے سے حاصل ہوا اور یہ بتایا گیا کہ نہ مسلمان امراء و وزراء کی ایسی بدتر خصلت ہونی چاہئے نہ عوام مسلمانوں کو ایسی اندھی چمچہ گیری کرنا چاہئے نہ کسی فاسق ظالم گمراہ کی تائید و تقلید کرنی چاہئے ورنہ کل قیامت میں ظالموں کے ساتھ ان کے اندھے تائیدی بھی پکڑے جائینگے۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فاجر و کافر اپنی تمام زندگی مسارعت اموال و سمیات اعمال اور فکریات بدکار میں برباد کر دیتا ہے لیکن مومن اپنی پوری زندگی کی مسارعتِ فی الخیرات سے شاداب کر لیتا ہے اس لئے مومن کی زندگی شریعت اسلامی کے مطابق پاکیزہ ہوتی ہے اسی وجہ سے اس کا کاروبار، تجارت، پیشہ ورانہ مہارت سب پاک حلال طیب بن جاتا ہے۔ حلال مال کی ہی خیرات جائز ہے۔ حرام مال کو صدقہ و خیرات کرنا شرعاً ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ اِنَّ الَّذِیۡنَ کے فرمان میں مومن کی شناخت بیان فرمانے سے مستنبط ہوا کہ جس بندۂ مومن کی خشیت الٰہیہ اشفاق کے درجہ اتم پر ہو وہ بندہ حرام و ناجائز مشکوک و مکروہ کام و کاروبار و خرید و فروخت کر سکتا ہی نہیں اس آیت پاک نے یہ بھی بتایا کہ خشیت مکمل ہو تو اشفاق ہے اور اشفاق ہو تب ہی حلال روزی حاصل ہوتی ہے اور جب حلال روزی میسر ہو تب ہی اصلی ابدی مسارعت ملتی ہے اور مسارعت خیر سے ہی شوقِ سخاوت ذوقِ عبادت ملتا ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** ذاتی رائے اور آبائی رسم و رواج کو دین بنا لینا شرعاً حرام و طریقۂ کفار ہے مسلمانوں میں یہ بری عادت معتزلہ فرقے نے شروع کی ائمہ اربعہ کے نزدیک یہ رواجی نظریوں کو عقیدہ بنانا حرام ہے یہ مسئلہ بِمَا لَدَیۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ سے مستنبط اب یہ عادت بدشیعہ روافض کی ہے۔ **تیسرا**

marfat.com

مسئلہ: قانونِ شریعت کے مطابق کسی کافر کو جبراً یا لالچ دے کر مسلمان بنانا جائز نہیں ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ تو صرف مرتد ہونے کی بنا پر قتل کو بھی ناجائز فرماتے ہیں اس کی تفصیل تفسیرِ نعیمی پارہ ستر ص ۸۶۸ پر ملاحظہ فرماؤ۔ یہ مسئلہ۔ فَذَرْهُمْ فِي غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ۔ کے حکم الٰہی سے مستنبط ہوا

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ۔ چاہئے تھا کہ فرمایا جاتا۔ فَتَقَطَّعُوْٓا دِيْنَ اللّٰهِ بَيْنَهُمْ۔ یعنی ان کفار نے اللہ تعالیٰ کے دین کو اپنے درمیان ٹکڑے کر کے بانٹ لیا۔ اسی لئے ہر کافر اپنے مذہب کو اللہ کا ہی دین کہتا ہے اسی وجہ سے اپنے عقائد کو ہر کافر اچھا و سچا سمجھتا ہے کفار کا فَرِحُوْنَ بھی اسی بنیادِ باطل و تصوراتِ کاذب کی وجہ اور حیثیت سے ہے۔ **جواب:** دینِ حق کو نہ کوئی توڑ سکتا ہے نہ توڑا جا سکتا ہے۔ کیونکہ جو چیز کسی کے توڑنے سے ٹوٹ جائے وہ کمزور بے بنیاد ہوتی ہے بحمدہٖ تعالیٰ دینِ حق اتنا مضبوط ہے کہ باطل قوتیں ابتدا سے آج تک ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں کہ کسی طرح قدرت کی یہ چٹان توڑ ڈالی جائے مگر اس صخرۂ کبرائی سے ٹکرا کر سب کے اپنے ہی سر پھوٹے اور باطل قوتیں خود ہی پاش پاش ہوگئیں مگر دین برحق قلعۂ حق پر آنچ یا دراڑ بھی نہ آئی۔ یہاں تَقَطَّعُوْا فرمانے کا معنی یہ ہے کہ باطلین زمانہ نے دینِ حق سے منہ موڑ کر اپنے شیطانی عقائد کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیاں فرقیاں بنالیں یعنی باطل دین بھی ایک نہ بنا سکے اور متفق نہ رہ سکے۔ اَمْرَهُمْ سے مراد ان باطلین وضالین کے ذاتی ذہنی رواجی آبائی عقیدے ہیں۔ مگر دینِ الٰہی بحمدہٖ تعالیٰ اپنی شان بان آن سے تا قیامت روزِ اول کی طرح سلامت ہے۔ ہر دور میں اس کے سچے پیروکار ایماندار ہوتے رہے اور ہر شخص جان گیا ہے کہ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ (یونس: ۶۴)۔ اور سورۃ حجر کی آیت ۹۱ میں یہ فرمان کہ الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ عِضِيْنَ۔ وہاں بھی قرآن مجید کو توڑنا مراد نہیں بلکہ گمراہوں منافقوں کا چھوڑنا مراد ہے کہ بعض کو مان لیا بعض کو نہ مانا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ فَذَرْهُمْ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ ضدی کفار کو تبلیغ کرنا چھوڑ دو مگر سورۃِ مائدہ کی آیت ۶۷ میں فرمایا گیا۔ يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اور سورۃ شوریٰ کی آیت ۴۸ میں فرمایا گیا۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ؕ اِنْ عَلَيْكَ اِلَّا الْبَلٰغُ۔ ان آیتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ تبلیغ کرنا نہ چھوڑو کفار مانیں یا نہ مانیں۔ اس الجھن کی کیا سلجھن ہے۔ **جواب:** فَذَرْهُمْ۔ کے حکم ربانی کا معنی تبلیغ چھوڑنا نہیں بلکہ معنی یہ ہے کہ ان کفار کا غم فکر کرنا چھوڑ دو۔ چونکہ نبی کریم ﷺ کفار مکہ کے ایمان نہ لانے پر بہت غم فرمایا کرتے تھے کہ بیچارے تھوڑی سی دنیوی ضد کر کے ابدی عذاب میں گر جائینگے۔ اس آیت میں نبی کریم ﷺ کو غم نہ کرنے کا حکم فرمایا جا رہا ہے کہ ان کفار کو ان کی غمرات ضد میں مرنے تباہ و برباد ہلاک ہونے دیجئے۔ حتی حین۔ موت تک انہیں دل پسند شیطانی ڈبکیاں لگا لینے دو۔ بس آپ تبلیغ فرماتے رہو۔ اگرچہ وہ فائدہ نہ حاصل کریں مگر آپ کو اس تبلیغ مشفقانہ تعلیم محبوبانہ کا ثواب مل جائے گا۔ کفار کو ان کی بدقسمتی میں ہی چھوڑ دو۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں آیت ۵۷ میں فرمایا گیا۔ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ اہلِ لغت فرماتے ہیں کہ شَفَقٌ وَ اشفاق کے معنی بھی ڈر خوف ہے اور خشیت کے معنی بھی ڈر خوف تو یہاں ایک ہی معنی کے لئے دو مصدر مادوں کے دو صیغوں سے دو لفظ کیوں فرمائے گئے یا صرف خَشُوْنَ ہوتا۔ یا صرف مُّشْفِقُوْنَ

marfat.com

ہوتا۔ یا لفظ خشیت کی بجائے کوئی دوسرا ذومعنی لفظ ہوتا۔ مثلاً مِنۡ عَذَابِ یا مِنۡ حِسَابِ یا مِنۡ رَّبِّهِمۡ مُّشۡفِقُوۡنَ تا کہ عبارتِ کلام آسان ہو جاتی۔ بظاہر تو یہ لفظی تکرار معلوم ہوتی ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں نہ تاکید کا نہ حصر کا اور بلا فائدہ تکرار فصاحتِ کلام کے خلاف لگتی ہے۔ **جواب:** ہم نے تفسیر عالمانہ میں اسی اعتراض کو اس طرح ختم کیا ہے کہ خشیت کا معنی ہے خوفِ الٰہی اور مُّشۡفِقُوۡنَ کا معنی ہے تکمیلِ خوف اور آیت کا معنی اس طرح ہے کہ وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کے خوف میں کامل ہیں ہمارے اس جواب کے علاوہ بھی پانچ جواب اور دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ یہاں واقعی تکرار لفظی ہے مگر بے فائدہ نہیں ہے بلکہ تاکید کے لئے ہے اور تاکید سے کلام کو مضبوط و ابدی کیا گیا ہے۔ ترجمہ اس طرح ہے کہ بیشک وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کے خوف میں ہمیشہ ڈرنے والے ہیں جواب دوم یہ کہ یہاں خشیت کا معنی ڈر نہیں بلکہ ناراضگی ہے۔ اب آیت کا ترجمہ اس طرح ہے کہ بیشک وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کی ناراضگی سے ڈرنے والے ہیں۔ جواب سوم یہ کہ خشیت کا معنی جلال ہے یعنی وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کے جلال سے ڈرنے والے جواب چہارم یہ کہ خشیت کا معنی ابتدائی ظاہری خوف ہے اشفاق کا معنی انتہائی باطنی یعنی ظاہر سے باطن تک ڈرنے والے لوگ جواب پنجم یہ کہ خشیت کا معنی ڈرنا نہیں بلکہ عذاب و حساب ہے یعنی اپنے رب تعالیٰ کے عذابِ قبر حسابِ حشر سے ڈرنے والے لوگ سب جواب درست ہیں اور یہ آیت مقدسہ جامع بلاغت و فصاحت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

فَتَقَطَّعُوۡۤا اَمۡرَهُمۡ بَيۡنَهُمۡ۔ پھر بھی گمراہوں نے اپنی قوت روحانی ہمت جسمانی کے ٹکڑے کر دیئے نفسِ فتور کے کہنے سے اپنے تصوراتِ ظاہر باطن کے درمیان لوحِ سینہ کی کتابیں بنا کر۔ انجامِ بسط و کشادگی بھی فکرمندی کی وسوسہء ابلیس میں الجھ کر بلکہ كُلُّ حِزۡبٍۢ بِمَا لَدَيۡهِمۡ فَرِحُوۡنَ۔ ان ہی فکریات بدکار۔ عقاید بے کار۔ ذکریات نابکار پر مسرور ہونے والے ہیں جو ان کی مردہ ضمیری میں پوشیدہ ہیں۔ یہ اشارہ ہے اہلِ نفس و اہلِ قلب کی تبدیلی حالت کی طرف فرحت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ عقل کی فرحتِ غرور۔ ۲۔ قلب کی فرحت سرور۔ بیشک اہل اللہ خوش ہوتے ہیں اپنے معاملات اور ان کے ثواب پر اس لئے کہ جو معاملاتِ اعمال انکے پاس ہیں وہ صفاتِ حادثاتی ہیں بدیں وجہ عارفین کو لائق نہیں کہ محبت الٰہی کے سوا کسی غیر سے فرحت پائے اگرچہ عرش سے فرش ثریٰ تک اس کو دے دیا جائے کیونکہ حقیقی فرحت وہ ہے جو ارواح قدسیہ و ابدان ملکوتیہ کے لئے شاہدۂ جلال کے قربِ شہود سے صادر ہو۔ عارف کی روحِ جمالی اسی وجہ سے فرحت میں ہے کہ وہ اپنے رب تعالیٰ کے جمال سے ہی فرحت پاتی ہے وہی جمال الٰہی ہر قسم کی خوشی ہے۔ اے عقل والے کیا تو نے میرا کلام سمجھ لیا۔ یاد رکھ کہ جب عارف صادق معرفت کے دریاؤں میں ڈوبتا ہے تو اس کے باہمت اعمال اس کی فرحت سے زیادہ ہوتے ہیں کیونکہ جو فرحت بندے نے قرب رحمانی سے پائی وہ بندے کی حالت کے مقدور سے محدود ہے لیکن جو باقی ہے وہ غیر محدود ہے اور پائی ہوئی فرحت محدود مجوب ہونے کی بنا پر کچھ حیثیت نہیں رکھتی محدود پر ٹھہر جانا وہ علت ہے۔ جس سے اکثر بندے بے خبر ہیں عارف بندہ ہمتوں کے دریاؤں میں ہمیشہ مستغرق رہتا ہے کیونکہ اس کا ادراک عزت جلال تک پہنچنے سے قاصر و عاجز ہے اس لئے کہ جلالِ ربانی مدرکین کے ادراک سے بہت دور ہے اور کسی کے احاطہء عرفانی سے بلند و بالا ہے۔ ذات و صفاتِ کبریا ہر وہم و فہم سے

marfat.com

ورآء ہے۔ بعض بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بندے کا عمل اس کی کوشش وحرکت کے مطابق ہوتا ہے۔ سعید وہ جس نے اپنے حصے کو جذب کرلیااور اس کے سینے میں حق کا حصہ وارد ہو گیا۔ امام واسطی نے فرمایا کہ عارفین وواقفین کے ساتھ انوارِ حق کی تاثیران کی ہمت کی مقدار سے ہوتی ہے نہ کہ ان کی کوشش وحرکت عملی کی مقدار سے کیونکہ عارف کا معروف رب تعالیٰ ہے اور کوئی بندہ اپنی جہد واجتہاد سے اپنے معروف تک نہیں پہنچ سکتا۔ جس نے بھی یہ گمان کیا کہ وہ اپنے عمل سے اپنے مولیٰ تک پہنچا ہے تو اس نے باطل وجھوٹا گمان کیا عنایت ربانی جسموں اور روحوں میں سبقت لے جاتی ہے اسی لئے معرفت والے رب تعالیٰ کی طرف پہلے پہنچا دیئے جاتے ہیں عاملین سے بھی پہلے لہٰذا جس نے اپنے اعمال پر اعتماد کیا تو وہ غرور کے کانٹوں میں پڑا رہے گا ایسا بے وقوف شخص تکمیلِ خواہشات پر ہی فَرِحُوْنَ ہے۔ یہی معنی ہے کُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ بندہ اس چیز سے کیسے خوش ہوسکتا ہے جو اس کے پاس ہے وہ نہیں جانتا اس کو جو علمِ الٰہی میں پہلے ہو چکا۔ اے بندے تو اپنی دنیاء آب وگیاہ پر کیوں مسرور ہو گیا۔ جلالِ باری تعالیٰ کے کعبۂ تجلیات کے قرب میں اعتکاف بیٹھنے والے ہر وقت عبادت میں رہنے کے باوجود معترف ہیں کہ ہم نے حقِ عبادت ادا نہ کیا نہ کر سکتے ہیں اور جمالِ ربانی کے واصفان وثنا خوانِ کلیہ حیرت میں ہیں کہ ہم نے رب تعالیٰ کو حق معرفت سے نہ پہچانا۔ زبانِ عارف کہتی ہے کہ بندہ بے دل ہے۔ مولیٰ تعالیٰ بے نشان ہے اور بے دل والا بے نشان والے کی کیا توصیف کرسکتا ہے۔ عاشقانِ الٰہی تو اپنے مطلوب کے مقتول ہوتے ہیں۔ مقتول سے تو کوئی آواز ہی نہیں نکلتی اور عارفین کشتگانِ خنجر تسلیم ہیں اس لئے مہر بلب خاموش ہیں مگر یہ منکرین دعویدار صداقت وحقانیت ہیں اس لئے فَذَرْهُمْ فِیْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِیْنٍ اے مرشدِ عارفین ان مدعیان باطلین کو ان کے بحرِ ظلمات دریاء کذبیات میں غوطہ زن چھوڑ دے۔ نظریات وعقائد کی ہلاکتِ فنا تک اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهٖ مِنْ مَّالٍ وَّ بَنِیْنَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِی الْخَیْرٰتِ۔ کیا گمان کرتے ہیں یہ دنیوی مال اولاد والے بے فکر وبدعمل لوگ یہ جسمی صحت نفسی ہمت اعضاء کی قوت حیوانیت حساسیت جو ہم نے ان کو عطا فرمائیں ان کے لئے بھلائیاں ہیں تا کہ لذتیں پالیں ظلم کمالیں۔ نہیں ایسا نہیں بلکہ قالب ناسوتی امتحان گاہ جبروتی ہے۔ اللہ تعالیٰ امتحان لیتا ہے دنیا میں بندوں کا پانچ چیزوں سے۔ زینت۔ لذت۔ مال۔ اولاد۔ مرتبے کی بھلائیاں وخیرات دے کر تا کہ امتحانی رستوں سے کٹ کر گمراہ ہو جائیں اور مشاہدۂ رحمٰن سے محروم کر دیئے جائیں۔ لہٰذا جن بے وقوفوں نے لذتیں حاصل کیں وہ مشاہدۂ جمال سے محروم کر دیئے گئے مگر وہ یہی سمجھتے رہے کہ ہم مقبول ہو گئے اور ہم نے تمام راحتیں پالیں اور ہم کو دنیوی مقام ومرتبے دیئے گئے اور یہ نہ جانا کہ یہ استدراج امتحان ہے نہ کہ منزل ومنہاج یا اخروی انعام۔ جس کو دنیا میں لذت دی گئی اور اس نے اس کو فرحتِ سرور سمجھا تو اس کے لئے ابدی وبال ہے کیونکہ لذاتِ دنیوی نفع اشیاء فانیہ کی امداد مسارعةِ فِی الْخَیْرَاتِ نہیں ہے بَلْ لَّا یَشْعُرُوْنَ بلکہ وہ حمقاء دنیا اس بات کا شعور وفہم نہیں رکھتے لیکن وہ بندہ جو اطاعت عبادت مجاہدے کی زینت سے مزین ہو وہ سدا بہار برکت ورحمت میں ہے کیونکہ نفس فانی ہے مال مصیبت ہے اولاد فتنہ ہے جو شخص ان کے جمع اور حفاظت میں عمر لگائے دل جمائے وہ بھلائیوں سے کٹ گیا۔ اطاعت الٰہی افضل ہے قلت دنیا سے نیکیوں میں جلدی کرنا شرور سے پرہیز کرنے کا نام ہے۔ پہلا شر حبّ دنیا ہے اور دنیا شیطان کی کھیتی ہے۔ کفار وفساق شیطان کے مزارع اور شیطان کے بندے ہیں۔ دنیا کی تعمیر شیطان کا بڑا شر ہے۔ یہی ہیں اَیَحْسَبُوْنَ والے اِنَّ الَّذِیْنَ

marfat.com

هُمْ مِّنْ خَشْيَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ بیشک وہی لوگ مسارعتِ خیرات کی نعمت پانے والے ہیں جن کو نیکیوں کی توفیق ملی اور جو اعمال میں خشیت اشفاق رکھنے والے ہیں ان ہی کے پاس توفیق کی دولت ہے۔ یہی طاعات موافقات مجاہدات کی زینتوں میں مصروف ہیں۔ تین عمل افضل عبادت و اکمل اطاعت ہیں۔ ۱۔ مخالفت نفس۔ ۲۔ قلت دنیا۔ ۳۔ دنیا و اہل دنیا سے قلبی نفرت۔ مسارعت فی الخیرات شرور سے ہٹنا سرور سے بچنا ہے۔ وہی خوشی بخت ہے جسے اشفاق ہے کیونکہ اشفاق سے انفاق ہے۔ اور انفاق سے ابدی اِنعام ہے اور اِنعام میں اکرام ہے۔ وہ لوگ جو ہر وقت رب تعالیٰ کے جلال و عظمت کی تعظیم کرنے والے ہیں اس کی تجلیات کی روایت کے بعد وہی ہیں تا عمر فراق حسرت سے کامل ڈرنے والے اور مشفقون ہیں کسی بھی حادثاتی بُعد بارگاہ سے۔

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ
اور وہ لوگ بھی جو اپنے رب تعالیٰ کی تمام آیتوں نشانیوں پر سچا ایمان لاتے ہیں اور وہ لوگ بھی جو کسی چیز کو
اور وہ جو اپنے رب کی آیتوں پر ایمان لاتے ہیں اور وہ جو اپنے
بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ
اپنے رب تعالیٰ کا شریک نہیں مانتے اور وہ لوگ بھی جو صدقات بھی دیتے رہتے ہیں جو بھی دیں حالانکہ ان کے دل ناراضی
رب کا کوئی شریک نہیں کرتے اور وہ جو دیتے ہیں جو کچھ دیں اور ان کے دل ڈر رہے ہیں
وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ
رب تعالیٰ سے خوف زدہ ہیں کہ آخر ایک دن اپنے رب تعالیٰ کی طرف لوٹنے والے ہیں یہی وہ سب لوگ ہیں جو جلد کرتے
یوں کہ ان کو اپنے رب کی طرف پھرنا ہے یہ لوگ بھلائیوں میں
فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا
ہیں نیکیوں میں اور یہی لوگ اچھائیوں کیلئے سبقت لے جانے والے ہیں اور ہم تکلیف نہیں دیتے کسی بھی جان کو مگر
جلدی کرتے ہیں اور یہی سب سے پہلے انہیں پہنچے اور ہم کسی جان پر بوجھ نہیں رکھتے مگر اس کی
وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
اسکی برداشت کے مطابق اور ہمارے پاس ایک ایسی کتاب ہے جو ہمیشہ حق بولتی ہے اور وہ کوئی بھی ہوں ظلم نہ کیے جائیں گے
طاقت بھر اور ہمارے پاس ایک کتاب ہے کہ حق بولتی ہے اور ان پر ظلم نہ ہوگا

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار اور دنیا پرستوں کے گمان

marfat.com

کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں حق پرستوں کے ایمان کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بتایا گیا کہ کچھ لوگ وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر اور ہیبت اور جلال سے سہمے رہنے والے ہیں۔ اب ان آیات میں ان پیارے بندوں کی نشاندہی فرمائی جارہی ہے کہ وہ لوگ وہ ہیں جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بھلائیاں عطا فرمانے کا ذکر فرمایا گیا کہ رب تعالیٰ بندوں کو جلدی جلدی بھلائیاں عطا فرماتا ہے۔ اب ان آیات میں نیک متقی مومن بندوں کی بھلائیوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ یعنی مومن وہ ہیں جو بھلائیاں فوراً جلدی کرتے ہیں۔

تفسیر نحوی

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾۔ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع هُمْ ضمیر مبتدا ب حرف جر بمعنی علی آیات اسم جمع مونث سالم اس کا واحد ہے۔ آیۃ مراد ہے کلام الٰہی مضاف ہے ربهم مرکب اضافی ترجمہ ہے اپنے رب کی آیتوں پر یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے آیات کا دونوں مل کر مجرور ہوا ب سے جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہے يُؤْمِنُوْنَ باب افعال کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر مصدر ہے اِيْمَانٌ ترجمہ ہے ایمان لانا اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ پوشیدہ يُؤْمِنُوْنَ فعل فاعل متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے هُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول هُمْ مبتدا بِرَبِّهِمْ۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق مقدم ہے لَا يُشْرِكُوْنَ باب افعال کا مضارع منفی معروف حال جمع مذکر غائب مصدر ہے اِشْرَاكٌ شِرْكٌ سے بنا ہے۔ معنی ہے بت پرستی کا شرک نہیں کرتے۔ یہ فعل فاعل متعلق مقدم مل کر جملہ فعلیہ منفیہ خبریہ ہو کر خبر مبتدا۔ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر يُؤْتُوْنَ باب افعال کا مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے ایتاءٌ اتیٌ سے بنا ہے مصدر اور مادہ دونوں متعدی ہیں ترجمہ ہے دینا مصدر دراصل تھا اِاْتَاءٌ تعلیل سے ہوا ایتاء يُؤْتُوْنَ دراصل یوتیون۔ تعلیل سے ہوا۔ يُؤْتُوْنَ۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُمْ پوشیدہ مرجع سب ضمیروں کا ہے اَلَّذِیْنَ ما اسم موصول اٰتَوْا۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف۔ دراصل اٰاْتَيُوْا ہے صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما کا۔ دونوں مل کر مفعول بہ ہے يُؤْتُوْنَ کا یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر ذوالحال ہے۔ واؤ حالیہ قلوب جمع ہے قلب کی قلب کا لغوی معنی بدلنا۔ پھرنا۔ دھڑکنا۔ مراد ہے جسمانی دل قُلُوْبُ مضاف هُمْ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ وَجِلَةٌ اسم صفت مشبہ مونث بروزن فَعِلَةٌ بَصِرَةٌ وَجَلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا مذکر ہے وجیل اور وجول۔ بروزن فعیل اور فعول۔ وجل کا معنی ہے نشیبی گڑھا ہونا اصطلاح میں ہے ڈر کی جگہ۔ کمزور بوڑھے لوگوں کو وجول کہا جاتا ہے یہاں معنی ہے خوف زدہ ہونے والا ڈرنے والا۔ اَنَّ حرف مشبہ هُمْ ضمیر منسوب متصل اس کا اسم ہے۔ الی جارہ برائے انتہاء ربهم مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے راجعون باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر رجع سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو

marfat.com

کر خبر اِنَّ ہے۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے وَجِلَۃٌ کا۔ یہ صفت مشبہ ہے اپنے مفعول بہ اور پوشیدہ فاعل ھا ضمیر سے مل کر خبر ہے قُلُوْبُھُمْ مبتدا کی ھا ضمیر کا مرجع قُلُوْبُھُمْ ہے یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے یُؤْتُوْنَ کے جملے کا۔ ذوالحال مل کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف ہوا سابقہ وَالَّذِیْنَ پر سب عطف مل کر اسم ہے۔ اِنَّ کا۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ برائے جمع اس کا مشار الیہ اَلَّذِیْنَ کے چاروں جملے یعنی وہ لوگ جن کی چار صفاتی شانیں ہیں۔ ۱۔ مُشْفِقُوْنَ۔ ۲۔ یُؤْمِنُوْنَ۔ ۳۔ لَا یُشْرِکُوْنَ۔ ۴۔ یُؤْتُوْنَ وَقُلُوْبُھُمْ وَجِلَۃٌ۔ اُولٰٓئِکَ مبتدا یُسَارِعُوْنَ۔ باب مفاعلۃ کا فعل مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُسَارَعَۃٌ۔ سرعۃ سے مشتق ہے فِی الْخَیْرٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے یُسَارِعُوْنَ فعل بافاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ لَھَا لام حرف جر تعدیہ کا۔ ھا ضمیر واحد مونث کا مرجع خیرات ہے یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ سٰبِقُوْنَ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر سَبْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آگے بڑھنا۔ سبقت لیجانا۔ پیش قدمی کرنا اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اُولٰٓئِکَ۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے یُسَارِعُوْنَ کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر خبر ہے اُولٰٓئِکَ مبتدا کی یہ مبتدا کی خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ ۔ واؤ سر جملہ۔ لَا نُكَلِّفُ باب تفعیل کا مضارع منفی حال و مستقبل معروف جمع متکلم کَلَفٌ سے بنا ہے اس کا مصدر تَکْلِیْفٌ۔ ترجمہ ہے بوجھ ڈالنا۔ لادنا۔ مراد ہے شرعی احکام کا مکلف کرنا۔ شریعت میں سختی قائم کرنا۔ اس کا فاعل ہے نحنُ ضمیر جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ نفسا اسم مفرد جامد بمعنی جان مراد ہے انسان مرد و عورت۔ مفعول بہ ہے یہ مستثنیٰ منہ منقطع ایک قول میں متصل ہے اِلَّا حرف استثناء وُسْعَ اسم حاصل مصدر جامد مفرد مذکر بمعنی ہمت' قوت' گنجائش' یہاں تینوں معنی مراد ہیں یہ مضاف ہے ھا ضمیر واحد مونث غائب مجرور متصل مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مستثنیٰ ہے۔ نَفْسًا اپنے مستثنیٰ سے مل کر مفعول بہ ہوا۔ لَا نُكَلِّفُ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ نَفْسًا چونکہ مونث لفظی ہے اس دلیل سے کہ اس کی تصغیر نُفَیْسَۃٌ آتی ہے۔ اس لئے اس کی ضمیر ھا مونث لائی گئی۔ واؤ سر جملہ لَدَيْنَا یہ دو لفظ ہیں۔ لدیٰ اور نا۔ لدیٰ اسم ظرف مکان غیر متمکن (نا قابل اعراب) جنسی فرع ہے۔ ترجمہ ہے پاس' قریب' طرف' یہاں بمعنی پاس ہے۔ لفظ لدیٰ مثل علی اور الیٰ جب کسی ضمیر کا مضاف بنتا ہے تو لَدَیْ ہو جاتا ہے مثلاً لَدَیْهِ' لَدَیْكُمْ' لَدَیْنَا' جس طرح عَلَیْهِ۔ اِلَیْهِ وغیرہ لدیٰ لدن کی ہی شکل ہے لدیٰ مضاف نا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ كِتٰبٌ اسم مصدر بمعنی مکتوب اسم مفعول بمعنی لکھا ہوا مراد ہے لوح محفوظ یا اعمال نامہ۔ موصوف ہے يَنْطِقُ باب ضرب کا مضارع حال مثبت معروف واحد مذکر غائب نَطْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بولنا۔ بَ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کی الف لام استغراقی بمعنی تمام ہر سب حق اسم مفرد جامد بمعنی سچ یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے يَنْطِقُ کا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع کتاب ہے۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے۔ کتاب موصوف اپنی اس صفت سے مل کر خبر ہے لَدَيْنَا مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ ھُمْ ضمیر مرفوع منفصل مبتدا ہے اس کا مرجع ہے نَفْسًا استغراقی یا جنسی یعنی کوئی نفس بھی۔ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ باب ضرب کا

marfat.com

مضارع مستقبل منفی مجہول جمع مذکر غائب ظُلْم سے مشتق ہے۔اس کا نائب فاعل ھُم ضمیر پوشیدہ یہ دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہوکر خبر ہے۔ھُم مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۵۸﴾ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُوْنَ ﴿۵۹﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ﴿۶۰﴾ اُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِى الْخَيْرٰتِ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ ﴿۶۱﴾ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾ ۔اوّلاً چار انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر نام بنام فرمایا گیا پھر ان کی نافرمان قوموں کی کفریہ خصلتیں بیان کی گئیں۔انبیاء میں نوح علیہ السلام حضرت موسیٰ حضرت ہارون حضرت عیسیٰ ابن مریم (نجی اللہ۔کلیم اللہ۔وزیر کلیم۔مسیح) علیہم السلام کے اسماء گرامی مذکور ہوئے۔کفار اقوام کی کفریہ خصلتوں میں چار خصلتیں بیان فرمائی گئیں۔

۱۔فَتَقَطَّعُوْٓا۔ یہ کہ انہوں نے دین انبیاء چھوڑ کر اپنی مرضی کے باطل مذہب بنا کر قوم کو فرقے اور حزب بنا دیا اتحاد ملی کو پارہ پارہ کر دیا۔ ۲۔فَرِحُوْنَ مغرور ظالم۔ ۳۔غَمْرَتِهِمْ۔یہ کہ سرکشی میں بدمست۔ ۴۔اَيَحْسَبُوْنَ۔کفار کی خوش گمانی باطل و نقصان دہ ہے فرمایا گیا تھا کہ یہ فرقہ باز گروہ راہِ حق سے دور تبلیغ انبیاء سے نفور نہ دین حق کا کچھ بگاڑ سکے نہ اہل ایمان کا۔بلکہ اپنے ہی اعتقادی اتحاد کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقے بناتے رہے۔مگر دین حق کے شیدائی۔انبیاء علیہم السلام کے فدائی روزِ اوّل سے تاقیام قیامت خلوص ومحبت زہد وتقویٰ کی خشیت اور ایمان عرفان‘ سخاوت‘ وجلان‘ رجوع الی اللہ کے ایقان کی ان عادات حمیدہ خصلاتِ حنیفہ‘ طبیعاتِ سعیدہ‘ مزاجیات ذکیہ میں اس طرح قائم دائم ثابت وصادق چلے آرہے ہیں کہ ہر زمان ومکان ہر ابتلاء وامتحان میں ہر امت مومن ہر نیکی میں سارعون بن گئے اور ہر انعام میں سابقون بنا دیئے گئے۔خشیت ان کے باطن میں اشفاق ان کے ظاہر میں ایمان ان کے دماغوں میں توحید ان کے سینوں میں سخاوت ان کے جسموں میں۔عبادت ان کے اعضاء میں۔وَجِلَتٌ ان کے قلبوں میں۔رجوع الی اللہ ان کے عقیدوں میں اس طرح سرایت کر گیا کہ ان کا وجود سراپا نقشہ ایمان ودفتر معرفت رحمٰن بن گیا۔اور بندۂ مومن قاری سے قرآن‘ مومن سے ایمان‘ عارف سے عرفان لگنے اور نظر آنے لگا۔یہی سب کیفیات دین الٰہی کا مجموعہ کاملہ وضابطہ صادقہ ہے۔ان ایمانیات کو علیحدہ علیحدہ اَلَّذِيْنَ سے بیان فرمانے میں چار اہمیتوں کا بیان مقصود ہے اوّلاً یہ کہ ہر مومن کی تکمیل ایمان ان ہی ایمانی خصلتوں سے ہے دوم یہ کہ یہی دین حق کے بنیادی عقائد ہیں سوم یہ کہ ان ہی خصائل حمیدہ سے ازلی اشرفیت‘ ابدی افضلیت‘ دنیوی اکبریت‘ اخروی اکبریت کی عطاء قائمہ وبقاء دائمہ نصیب ہوتی ہے۔ان آیتوں کی ترتیب نے بتایا کہ خشیت ہو تو اشفاق کی سعادت ملتی ہے اور اشفاق سے ایمان کی توفیق اور ایمان ہو تب ہی توحید مفید ہے۔توحید کی امانت بندۂ مومن کے سینے میں ہو تب ہی عبادت وسخاوت قبول ہوتی ہے۔اور جب بندے کو عبادتِ مقبول وسخاوتِ محمود نصیب ہو جائے تب ہی دل میں رجوع الی اللہ کے قرب کا شدۃِ خوف اور وجلہ عظیم نصیب ہوتی ہے۔اور مُشْفِقُوْنَ ربانی ہی وہ خوش نصیب ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کی تنزیلی‘ تکوینی‘ عرشی‘ فرشی‘ ذاتی صفاتی‘ اصولی فروعی تمام آیتوں پر قلب وزبان عقل واذھان کے تفکر تدبر تعلم سے عملی قولی اقراری تصدیقی سچا پکا دائمی ایمان لاتے ہیں اور ایمان مومن سے محبت کرتے ہیں۔اور ایمان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اپنی نیک بختی سمجھتے ہوئے تاعمر

marfat.com

اس دولت ایمانی کی حفاظت کرتے ہیں اس طرح کہ اغیار و اشرار کی تحریر و تقدیر اور مجالس بداں صحبت شیطاناں سے بچاتے اور بچے رہنے کی دعائیں مانگتے ہیں آیاتِ الٰہیہ آٹھ قسم کی ہیں۔ ۱۔ تنزیلی یعنی تمام کتب و صحف کا کلام الٰہی۔ ۲۔ تکوینی یعنی زمین و آسمان بلکہ خود وجود انسان میں عقل والوں کے لیے قدرت کی بڑی آیات ہیں۔ ۳۔ عرش اعظم۔ ۴۔ فرش عظیم۔ ۵۔ ذاتی۔ ۶۔ صفاتی۔ ۷۔ اصولی۔ ۸۔ فروعی کے پتے پتے میں قدرت الٰہیہ کے آیات و نشانات ہیں آیات تنزیلیہ و تکوینیہ کو صرف بصارت نظری و نظارت چشمی سے دیکھنا ایمان نہیں یہ تو بدیہی ہے کفار بھی دیکھتے رہتے ہیں بلکہ بصیرتِ فکری اور فراست استدلال سے آیات کبریائی کو دیکھنا ایمان ہے اسی لئے کامل ایمان والے وہ ہیں جو تنزیل کی تصدیق تکوین کی تحقیق ذات کی تسلیم' صفات کی تائید' وجود خاکی و عرشی میں تدبر آفاق میں تفکر کرتے ہیں۔ تقدیر پر یقین اور تدبیر پر تعمیل۔ حکمت پر غور کرتے ہیں۔ ان ہی لوگوں کا ایمان ہے کہ

ہر ورقے دفتریست معرفتہ کردگار

اور وہی لوگ ہیں جو اپنے رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں بناتے نہ توحید ربوبیت میں نہ خالقیت میں اور نہ توحید الوہیت میں نہ شرک جلی سے نہ شرک خفی سے۔ توحید باری تعالیٰ کی چھ حقیقتیں ہیں۔ ۱۔ وحدت ربوبیت۔ ۲۔ وحدت خالقیت۔ ۳۔ وحدت مالکیت۔ ۴۔ وحدت حاکمیت۔ ۵۔ وحدت ملکیت قابضیت۔ ۶۔ وحدت الوہیت۔ ان میں سے پہلی پانچ کو کفار بھی مانتے ہیں چنانچہ اسی سورۃ مومنون کی آیت ۸۵ سے ۸۹ تک اسی کا ذکر ہے کہ کفار عرب اللہ تعالیٰ کو رب کائنات' مالک' حاکم' قابض وحدہٗ لاشریک مانتے ہیں۔ اور سورۃ لقمان آیت ۲۵ و سورۃ زمر آیت ۳۸ و سورۃ عنکبوت آیت ۶۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ ترجمہ۔ اور اگر آپ ان کفار سے پوچھیں کہ کس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور کس نے مسخر کیا ہے اپنے قبضہ قدرت میں سورج اور چاند کو تو فوراً بولیں گے کہ صرف اللہ نے یہاں اپنے بتوں کا نام نہ لیں گے کیونکہ بتوں کی بے بسی مجبوری اور اپنی دست تراشی خراشی بناوٹی مخلوقیت کو جانتے مانتے پہچانتے ہیں لیکن یہ ظالم و بدبخت کفار توحید الوہیت کو نہیں مانتے کیونکہ اس میں کسی کا زور نہیں لگتا۔ بڑی آسانی سے اپنے بتوں کو گھسیڑ لیتے ہیں۔ اور بتوں کو الٰہ مان لیتے ہیں یہ ایسی کا زبانہ ڈھٹائی و بے انصافی ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ حلیمی رحیمی کریمی نہ فرماتا یا فرمائے تو ایک ساعت بھی کوئی مشرک زمین پر نہ ٹھہر سکے کیونکہ جب تک کوئی شخص توحید الوہیت کو نہ مانے اگرچہ تمام صفاتِ وحدانیت کو قلب و زبان کے عقیدے سے مان لے مگر مومن نہ بنے گا مومن صرف وہ بندہ ہے جو ہر صفت میں اللہ تعالیٰ کو وحدہٗ لاشریک مانے نہ شرک جلی و ظاہری کرے نہ شرک خفی و باطنی کرے۔ شرکِ جلی یہ ہے کہ مثال کفار کسی کو اللہ کے علاوہ معبود سمجھے شرک خفی سے بچنا یہ کہ عبادت میں ریا نہ ہو عدالت میں غیر اللہ کا قانون نہ ہو تجارت پر بھروسہ نہ ہو دولت دنیا پر غرور نہ ہو دنیا پرستی نہ ہو کہ نہ حرام کی پرواہ رہے نہ عبادت کی فکر رہے نہ موت کی تیاری کرے۔ علاج کو صرف دوا سمجھا جائے نہ کہ شفاء غیر اللہ کی قسم کو بھی حدیث مقدس میں شرک فرمایا گیا ہے اسی حدیث پاک سے استنباط فرما کر اکثر مفسرین قسم غیر اللہ کو مثل بت پرستی شرک سمجھتے ہیں کچھ فقہاء نے اس کو شرک خفی فرمایا۔ سجدۂ تعظیمی بھی غیر اللہ کو ہر شریعت میں حرام رہا کیونکہ مشابہ شرک جلی و ظلم عظیم ہے غرضیکہ اسلام کی کوئی بات چھوڑ کر اپنا ذاتی رواج اپنانا

marfat.com

بھی شرک خفی ہے۔ مثلاً اسلام کا حکم ہے کہ ہر مسلمان آنے جانے کے وقت السلام علیکم کہے جواب میں وعلیکم السلام کہا جائے مگر شیعہ لوگوں نے یہ حکم اسلامی چھوڑ کر اپنی مرضی کا یا علی مدد بنا لیا۔ اور جہلا نے خدا حافظ یا اللہ حافظ کو سلام بنا لیا۔ بعض گمراہوں نے توہین کو توحید سمجھ لیا یہ تمام باتیں بدعت سیئہ اور صفات مومنین کے خلاف ہیں۔ بِرَبِّهِمْ لَا يُشْرِكُونَ کا کامل و حقیقی معنٰی یہ ہے کہ حکم ربانی کے سوا ذرہ بھر اپنی مرضی کو دین میں شامل نہ کیا جائے اور ایمان والے لوگوں کی ایک خاص نشانی یہ بھی ہے کہ وہ بندے اللہ تعالیٰ کی راہ ورضا میں جو کچھ بھی صدقہ وخیرات زکوٰۃ۔ قربانی' نذر نیاز' نفلی واجبی دن رات ادا کرتے ہیں اس کے باوجود پھر بھی ان کے دل شدت خوف کبریا سے ڈرتے دھڑکتے رہتے ہیں اس ہیبت سے کہ ایک دن وہ اپنے رب تعالیٰ کے حضور جب پیش ہوں گے تو کس طرح پیش ہوسکیں گے اور ہمارے اعمال قبولیت کے لائق ہیں یا نہیں کبھی کمی عمل کا خدشہ کبھی کمزوری اعمال کا تصور۔ روایت میں ہے انبیاء علیہم السلام میں نوح علیہ السلام اور صحابہ کرام میں صدیق اکبر وَجلہٗ جلال الٰہی سے بہت روئے اور ہر وقت غمزدہ رہتے تھے۔ صدیق اکبر نے فرمایا کہ بندے کو اس وقت تک ہیبت جلال سے بے خوف نہ ہونا چاہئے کہ اس کا ایک پیر جنت کے اندر اور ایک باہر ہو۔ کیا معلوم کہ ایسی حالت میں بھی حکمت الٰہیہ کا فیصلہ بدل جائے۔ فاروق اعظم بوقت وفات بہت روئے کسی نے عرض کیا یا امیر المومنین آپ تو مقبول بارگاہ ہیں۔ تمناء محبوب رب العلمین ومرادِ رسول اللہ ہیں۔ فاروقِ اعظم نے فرمایا کہ عمر کی خطائیں معاف ہوجائیں محاسبہ سے چھوٹ جائے تب بھی غنیمت ہے شکر واحسان ہے۔ مولیٰ علی جب بھی نماز میں کھڑے ہوتے تو وجلۃ الٰہیہ سے رنگ زرد ہوجاتا جسم ڈھیلا پڑ جاتا اور اس طرح لرزتا جس طرح سردی کی کپکپاہٹ کسی نے عرض کیا یا مولیٰ علی اس کی کیا وجہ۔ فرمایا کہ ہیبت صمدیت کا دھڑکا لگا رہتا ہے۔ علماء فرماتے ہیں کہ یہی کامل مومن کی نشانی ہے کہ اپنی نیکیاں اس کی نگاہ میں ہیچ لگتی ہیں محاسبے کا خوف رہتا ہے یہی وہ خوش بخت ودلنواز لوگ ہیں جو حیات دنیوی کی ساعتوں کو ضائع نہیں ہونے دیتے لہو ولعب میں نہ عبث وخبث میں نہ جہالت و حماقت میں بلکہ ہر قسم کی چھوٹی بڑی نیکی میں جلدی مشغول ومصروف ہوتے ہیں۔ اس طرح کہ اصلاح ذات تکمیل صفات عادات حسنات عملیات عبادات ترقی حالات میں لگے رہتے ہیں اور یہی ہیں جو دنیوی زندگی کو رغبت اطاعت لذت عبادت ذوق تلاوت۔ شوق اتباع' استغنا ماسوا اللہ اطمینان فی الاعمال میں خرچ کرتے ہیں یہ خوش نصیب بندے دنیا میں سبقت کرنے والے ہیں آخرت میں اپنے رب تعالیٰ سے سبقت کا انعام پانے والے ہیں ازل میں قالوا بلی سے امانت الٰہیہ کی سبقت پانے والے دنیا میں دولت ایمان کی سبقت پانے والے۔ قبر میں بشاشت اعمال کی سبقت۔ حشر میں کامیابی امتحان کی سبقت آخرت میں کرامت انعام کی سبقت جنت میں وجاہت انوار کی سبقت پانے والے ہیں کیونکہ یہ اہل ایمان سرعت خیرات میں سب سے آگے بڑھنے والے ہیں اس لئے فضیلت انعام میں سب سے آگے کئے جانے والے ہیں تدبیر عمل میں سابقون ذاتی ہیں۔ تقدیر ازلی میں مَسْبُوْقُوْنَ صفاتی ہیں۔ سرعت کرتے ہیں خوف سے تو سبقت پاتے ہیں ذوق سے۔ یہی مسارعین ہیں خیرات میں اور سابقین ہیں انعامات میں یہی بندے مطیعین کبریا اور متبعین مصطفیٰ ہیں۔ صدیقین برملا ہیں۔ ان کے لئے ہی مبشرات ساطعہ فی الالہام ہیں اور رویاء صالحہ فی المنام ہیں۔ ان پیاروں کو وہ رغبت سعید نصیب ہوئی کہ نہ عبادت میں کبھی سستی نہ سخاوت میں کبھی مستی نہ تعظیم میں غفلت نہ بے ادبی میں جرأت عبادت سے وفا تجارت سے بے پرواہ دین میں سستی

marfat.com

نہیں دنیا میں چستی نہیں اور اے لوگو یہ افعال اعمال ایمان وعقائد۔ اجسام انسانی اعضاء جسمانی پر قوت ایمانی کے لئے کچھ مشکل نہیں۔ اس لئے کہ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اور ازل سے ہی عادتِ کریمانہ یہ ہے کہ ہم کسی جان وجسم پر کوئی بھاری بوجھ دل سوز' جگر دوز کمر توڑ فرضی واجبی لازمی ذمہ داری نہیں ڈالتے مگر وہی ذمہ داری ہم بندوں کے جسم وہمت وسعت گنجائش کے مطابق ہو نہ ہماری خشیت میں کلفت نہ ایمان میں محنت نہ عقائد میں مشقت نہ وجلت میں گھبراہٹ نہ سرعت میں تھکاوٹ۔ اے وہ لوگو جو خشیت سے مغرور ایمان سے مفرور۔ شرک سے مسرور وجلت سے دور خیرات سے نفور عبادت سے بے شعور ہونے والے ہو یاد رکھو کہ ہمارے دین کے بتائے ہوئے مومنوں کے اپنائے ہوئے یہ اخلاق اعلیٰ سیرت بالا کردار طیبہ اعمال صالحہ اقوالِ طالعہ فوقِ بشری طاقت انسانی سے زیادہ بھاری وبوجھل نہیں۔ تم ہی جیسے جسم وجان ہمت وقوت فطرت و جرأت والے ان انسانوں نے جو تمہاری ہی اصل نسل قومی لوگوں کے ابدان ومردان نے توحید پر ایمان شریعت اسلام احکامِ قرآن۔ نبی کریم کے فرمان کو نہایت ذوق شوق آسانی واطمینان سے مان کر يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ہیں یہ دین حق اتنا آسان ہے کہ اس سے زیادہ دنیا کی کوئی چیز آسان نہیں باطل وخود ساختہ دین تو بیحد مشکل ہیں۔ یہ کفار کتنے نادان ہیں کہ آسان کو مشکل اور مشکل کو آسان سمجھ رہے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا دین مشکل ہوتا تو کوئی بھی اب پر ایمان وعمل نہ کر سکتا حالانکہ اہل ایمان دل وجان سے اس پر عامل وکامل ہیں اس دین حق میں ہر انسان کے لئے آسانیاں ہیں اس طرح کہ بچپن' بڑھاپا' تندرستی' بیماری' مجبوری' معذوری' امیری غریبی' عورت ومرد مقیم مسافر' حائضہ' آئسہ' حاملہ' باکرہ' ثیبہ' مومن مومنہ کے حالات مختلفہ میں اعمال وعبادات میں سہولیات متفرقہ لازم کردی گئی ہیں نہ کسی پر جبر ہے نہ تنگی۔ اتنی آسانیوں کے باوجود بھی بندوں کی غفلتوں لغزشوں کوتاہیوں میں توبہ وقضا کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے کہ ساری عمر کی خطائیں ایک ساعت کی توبہ سے معاف ہو جائیں۔ پھر بھی اگر کوئی نالائق شخص دین اسلام سے کافر وفاسق رہے تو یاد رکھے کہ وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ اور ہمارے پاس ہر شخص کے نامہ اعمال کے لیے ایک کتاب ہے جو زبان الفاظ سے پورا سچ بولتی ہے اور ہر بات و حرکات ہر کام وقیام۔ عامل کے عمل کی ساعات واقعات خیالات حالات کو اس طرح بیان فرماتی ہے کہ صاحب اعمال نامہ کو اپنی کتاب عمل دیکھتے ہی سب یاد آجائے نقشہ کھنچ جائے اور وہ صاحب اعمالنامہ خود پکار اٹھے۔ مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً اِلَّآ اَحْصٰىهَا ۚ وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا ۗ وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ اَحَدًا۔ (کہف: ۴۹) ترجمہ۔ کیا شان ہے اس کتاب اعمال کی جس نے کوئی بھی چھوٹا بڑا عمل نہ چھوڑا اور اس طرح لکھ لیا کہ ہر عمل جس جگہ جس وقت جس دن جس طریقے سے کیا گیا اس کا پورا نقشہ اس کتاب میں حاضر موجود پایا۔ اور آپ کا رب کریم تو کسی پر بھی ظلم نہیں فرماتا۔ خیال رہے کہ ینطق سے زبان قال وآواز مراد نہیں۔ بلکہ زبانِ الفاظ کی نطق مراد ہے۔ زبان کی تیرہ قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ زبانِ مقالات۔ ۲۔ زبانِ حالات۔ ۳۔ زبانِ قال کیفیات۔ ۴۔ زبانِ قلب۔ ۵۔ زبانِ عقل۔ ۶۔ زبانِ تحریر۔ ۷۔ زبانِ تقریر۔ ۸۔ زبانِ کتاب۔ ۹۔ زبانِ آواز۔ ۱۰۔ زبانِ الفاظ۔ ۱۱۔ زبانِ محبت۔ ۱۲۔ زبانِ نفرت۔ ۱۴۔ زبانِ فریاد۔ مُؤْمِنُوْنَ دنیا میں مُشْفِقُوْنَ ہیں مگر کفار آخرت میں مشفقین ہوں گے مومن کا اشفاق نیکیاں کر کے حیاتِ اوّل کی ابتدا میں ہوتا ہے کافر کا اشفاق بدیاں کر کے حیات ثانی کی انتہا میں ہوگا مگر رب تعالیٰ کی طرف سے کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا

marfat.com

نہ سزا میں زیادتی کر کے نہ ثواب میں کمی کر کے نہ بے قصور پر اتہام والزام لگا کر نہ بے جا مجرم بنا کر نہ کسی کی نیکی مٹا کر نہ ثواب سے محروم رکھ کر۔ نہ دنیا میں تکلیف مالا یطاق نہ آخرت میں بھول ونسیان۔ ہر کافر پر پورا عدل ہوگا۔ ہر مومن پر پورا فضل ہوگا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

چار جگہ اَلَّذِیْنَ فرمانے میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ چاروں اَلَّذِیْنَ مومن متقین کی صفات کے لیے ہیں۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے لکھا کہ پہلے دو اَلَّذِیْنَ یعنی آیت ۵۷ اور آیت ۵۸ میں۔ مُشْفِقُوْنَ وَ یُوْمِنُوْنَ متقین کے لیے ہے اور دوسرے دو اَلَّذِیْنَ۔ آیت ۵۹ و آیت ۶۰ میں فاسقین کے لئے ہے یہ قول غلط ہے۔ آیات رَبِّهِمْ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ یہاں آیات سے تکوینی تنزیلی عرشی فرشی آفاقی فلکیاتی قدرت حکمت کی سب نشانیاں مراد ہیں یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ صرف آیاتِ تنزیلیہ مراد ہیں یعنی وحی کا کلام الٰہی۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ صرف آیات تکوینیہ مراد ہیں یعنی نشاناتِ قدرت وحکمت لَا یُشْرِکُوْنَ کے معنٰی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہاں شرکِ جلی وخفی دونوں مراد ہیں یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہاں صرف شرک خفی مراد ہے کیونکہ شرک جلی کی نفی یُوْمِنُوْنَ سے ہوگئی مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ یُوْمِنُوْنَ سے صرف کفر آیات کی نفی ہوتی ہے نہ کہ کسی شرک کی۔ یُوْتُوْنَ مَا اٰتَوْا کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں یُوْتُوْنَ مَا اٰتَوْا ہے ایتاء سے بنا ہے۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ آیت کا ترجمہ ہے وہ صدقہ بانٹتے عطا کرتے ہیں۔ ۲۔ بعض کی قرأت ہے یَاْتُوْنَ مَا اَتَوْا اب ترجمہ ہوگا وہ جو لوگ عمل کرتے ہیں یہ قرأت شاذ اور معنًی غلط ہیں۔ اَنَّهُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اَنَّ ہے یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اِنَّهُمْ ہے۔ رٰجِعُوْنَ کے معنٰی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ رجوعِ قیامت کا ذکر ہے۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ رجوع کا معنٰی بار بار عبادت کرنا۔ یہ قول غلط ہے اس لئے کہ اَنَّهُمْ اِلٰی رَبِّهِمْ میں عقیدے کا ذکر کیا جارہا ہے۔ نہ کہ عمل کا اور بار بار عبادت عمل ہے نہ کہ عقیدہ یُسَارِعُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں یُسَارِعُوْنَ ہے۔ باب مفاعلۃ سے یہی قرأت درست ہے۔ کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں یُسْرِعُوْنَ ہے۔ باب افعال کا مضارع معروف۔ یہ قرأت شاذ ہے۔ یُسَارِعُوْنَ کے معنٰی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے فرمایا کہ اس کا معنٰی ہے انتہائی شدید رغبت ومحبت سے عبادت اطاعت واتباع کرنے میں جلدی کرتے ہیں اس طرح کہ نہ قضا ہوتی ہے نہ خطا۔ نہ بے ادبی ہوتی ہے نہ دغا۔ ۲۔ بعض نے کہا یُسَارِعُوْنَ کا معنٰی ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جلدی پاتے ہیں عزت وقار وجاہت نیک اعمال کا نفع دنیا میں بھی آخرت میں بھی دیگر تمام لوگوں سے پہلے بھی زیادہ بھی۔ سورۃ آل عمران کی آیت ۱۴۸ میں بھی۔ اس کا تذکرہ اس طرح فرمایا گیا۔ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْیَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ۔ اور سورۃ عنکبوت کی آیت ۲۷ میں اسی کا اس طرح ذکر فرمایا گیا۔ وَاٰتَیْنٰهُ اَجْرَهٗ فِی الدُّنْیَا وَاِنَّهٗ فِی الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِیْنَ یہ دونوں قول درست ہیں۔ فِی الْخَیْرٰتِ کے معنٰی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا خیرات کا معنٰی ہے دنیوی نیکیاں۔ ۲۔ بعض نے کہا خیرات کا معنٰی ہے انعامات واکرامات ربانی اور یُسَارِعُوْنَ کا معنٰی ہے جلدی پاتے ہیں جبکہ پہلے قول میں معنٰی ہے جلدی

marfat.com

کرتے ہیں دونوں قول درست ہیں لَھَا کے لام میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ لام اپنے ہی اصلی معنیٰ میں ہے نفع کا ملکیت وتقویت کا نفع۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ لام بمعنی فی ہے یعنی ان میں۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ لام بمعنیٰ الی ہے یعنی ان کی طرف لَھَا کے ھَا ضمیر کے مرجع مراد ہیں چار قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد نیکی۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد سعادتِ ازلی تقدیری۔ ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد جنت کا داخلہ۔ ۴۔ بعض نے کہا اس سے مراد دیگر امتیں ہیں یعنی ہر مومن متقی ہر نیکی میں سب امتوں سے پہلے ہے ہر جہان میں چاروں قول درست ہیں۔ کیونکہ مومنین متقین صدیقین ہر اعمال انعام اکرام میں سبقت والے ہیں۔ سابقون کے معنٰی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ سابقون اپنے اصل معنٰی میں ہے بمعنٰی اسم فاعل اور ترجمہ ہے۔ سبقت کرنے والے عبادت میں۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اسم فاعل بمعنٰی اسم مفعول ہے یعنی وہ مومنین تمام انسانوں سے آگے گئے ہوئے اور تقدیر ازل سے عمل اول میں لکھے گئے ہیں وُسْعَھَا کے معنٰی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ وُسْعٌ کا معنٰی ہے طاقت انسانی کے انداز سے احکام اسلام مقرر فرمائے گئے۔ ۲۔ بعض نے فرمایا کہ بندے کی طاقت سے بھی نرم احکام کہ عمل کے بعد بھی بندے میں طاقت وقوت باقی رہے عمل میں نہ مشکل یہ مصیبت یہ تنگی کتاب کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کتاب سے مراد نامہ اعمال ہے یہاں یہی قول درست ہے کیونکہ سیاق وسباق کے مطابق ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کتاب سے مراد لوح محفوظ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا قرآن مجید ہے۔ لَا یُظْلَمُوْنَ کے معنٰی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا معنٰی ہے حساب قیامت میں ظلم نہ کئے جائیں گے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ مراد ہے کتابت اعمال میں ظلم نہ کئے جائیں گے۔ ۳۔ بعض نے لکھا کہ دنیا میں شرعی احکام طاقت انسانی سے زیادہ سخت بنائے جائیں گے اور سخت بنا کر ظلم نہ کئے جائیں گے۔ تینوں قول درست ہیں کیونکہ رب تعالیٰ کی طرف سے کسی بھی قسم کا ظلم نہ کبھی ہوا نہ ہوگا۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں کفار کو بھی بلندی دی جاتی ہے اور اہل ایمان کو بھی مگر فرق یہ ہے کہ کافر کو دولت عزت ترقی اس کو مثل پتھر اچھالنے کے لئے دے دی گئی جس طرح پتھر ڈھیلا بلندی کی طرف زور سے اچھالا جاتا ہے زور سے گرانے کے لئے جتنا اوپر جائے گا اتنے ہی زور سے نیچے گرے گا اور جتنے زور سے نیچے گرے گا اتنا ہی زیادہ ٹکڑے ہوگا تو جس طرح پتھر کا بلند ہوتے چلے جانا پتھر کی ہلاکت ہے اور اس بلندی پر کوئی عقلمند حسرت ورشک نہیں کرتا اسی طرح کافر کی دنیوی ترقی میں بلند ہوتے چلے جانا کافر کی ہلاکت ہے۔ اس پر بھی کسی مسلمان کو حسرت ورشک نہ ہونا چاہئے۔ لیکن مومن کی عزت ودولت ترقی کی بلندی پرندے کو اوپر اچھالنے کی مثل ہے کہ پرندے کو اچھالنا اس کو فضاؤں ہواؤں میں اڑانا سیر ملکوت کرانا۔ طاقت بال وپر بڑھانا ہے۔ اسی طرح مومن کی بلندی دنیوی اخروی فضاؤں بہاروں میں پہنچنے کا ذریعہ ہے یہ فائدہ نُسَارِعُ اور یُسَارِعُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** لغت عربی میں جلدی کرنے کے لئے دو لفظ ہیں۔ ا۔ عجلت۔ ۲۔ سرعت۔ عجلت کا معنٰی ہے جلدی مچانا۔ اور سرعت کا معنٰی ہے جلدی نبٹانا۔ یعنی عجلت جلد بازی ہے اور سرعت جلد سازی ہے۔ اللہ رسول کی بارگاہ میں عجلت بری عادت ہے اور کفار وفساق کی نشانی ہے۔ سرعت اچھی عادت ہے اور اہل ایمان متقین کی نشانی عجلت اس لئے بری ہے کہ عجلت سے ہمیشہ کام بگڑتے ہیں اور سرعت اس لئے اچھی

marfat.com

ہے کہ اس سے ہمیشہ کام سنورتے ہیں عجلت کا مقابل تسکین۔ تعدیل۔ ترتیل ہے یہی سرعت کی قسمیں ہیں۔ اور عجلت کی تین قسمیں غفلت' کسلت' ثقلت' یہ سرعت کے مقابل ہیں سرعت عاقلین کا کام ہے۔ عجلت شیاطین کا کام ہے۔ غفلت جاہلین کا کام ہے یہ فائدہ مومنوں کی چار عاداتِ حسنات بیان فرمانے کے بعد یُسٰرِعُوْنَ فِی الْخَیْرٰتِ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو عجلت سے بچنا چاہئے۔ سرعت میں رہنا چاہئے۔ **تیسرا فائدہ:** بندے اپنے اعمال کے خالق یا موجود نہیں بلکہ صرف فاعل وکاسب ہیں۔ اسی فاعلیت وکاسبیت کا ان کو ثواب یا عذاب ہے۔ یہی بات سمجھانے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے جاتے ہیں جو سمجھ گیا وہ مومن نگہبان جو نہ سمجھا وہ کافر ہی رہا۔ بندوں کو دنیا میں صرف اپنے اعمال کی فاعلیت وکاسبیت کا اختیار دیا گیا اگر وہ اختیار تعلیم نبوی سے استعمال کیا تو جزا ہے۔ لیکن اگر تعلیم نفسانی وسواسِ شیطانی یا رسم آبائی سے اپنے اختیار کو استعمال کیا تو سزا ہے یہ فائدہ وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو بھیج کر بندوں پر رحم فرماتا ہے لیکن سرکش بندے آستانہ نبوت سے منہ موڑ کر اپنے اختیار میں من مانیاں شیطانیاں کر کے خود ہی اپنے پر ظلم کرتے ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** نبی کریم ﷺ سے دنیوی اخروی نعمت مانگنا اور استمداد کرنا حاجت روا مشکل کشا فریاد رس سمجھنا اور ہر وقت یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اُنْظُرْ حَالَنَا کی فریاد کرنا۔ یَاحَبِیْبَ اللّٰہِ اِسْمَعْ قَالَنَا کی صدائیں ورد کرنا۔ اور ہر کام۔ کلام زمان میدان میں ذکر اللہ کے ساتھ نام رسول اللہ کو مشفوع کرنا عین توحید ہے شرک نہیں بلکہ عین ایمان طریقہ صحابہ کرام فرمانِ قرآن آیت کا طرز بیان ہے یہ مسئلہ لَا یُشْرِکُوْنَ کی دلالت النص سے مستنبط ہوا اسی طرح کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے تمام اہل ایمان وصحابہ کرام کی چار ایمانی عرفانی توحیدی نشانیاں بتائیں ان ہی میں تیسری نشانی یہ بیان فرمائی کہ ھُمْ بِرَبِّھِمْ لَا یُشْرِکُوْنَ۔ یعنی وہ صحابہ اپنے رب تعالیٰ کا شرک نہیں کرتے۔ حالانکہ صحابہ کرام اپنے آقا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دن رات دنیا وآخرت کی بہت سی چیزیں مانگتے رہتے تھے حیاتِ طیبہ میں بھی بعد وصال بھی۔ کبھی جنت کی عطا کبھی دوزخ سے پناہ۔ کبھی بادل کی پھوار کبھی ماءِ انگشت کی بہار۔ اور دیکھنے والوں نے دیکھا کہ دوری عطاؤ عرض میں بس ہاتھ بھر کی ہے۔ کبھی فوراً عطا کبھی وعدۂ عطا اگر آقا نبی کریم ﷺ سے مانگنا شرک ہوتا تو صحابہ کرام کی نشانی آیت میں یہ لَا یُشْرِکُوْنَ نہ فرمائی جاتی۔ لہٰذا ضالین مضلین جاہلین اس کو شرک کہتے پھریں مگر قرآن مجید اس کو شرک نہیں فرماتا۔ **دوسرا مسئلہ:** شرک کی صرف دو قسمیں ہوتی ہیں اوّل شرک جلی بت پرستی وبدعقیدگی بدمذہبی کا نام ہے اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ خصوصیہ میں کسی مخلوق کو شمولیت دینا۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ کی صفاتِ غیر خصوصیہ میں کسی کو مثلیت دینا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معبود سمجھنا۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کو کسی قسم کا سجدہ کرنا۔ طواف کرنا کسی بندے کے لئے روزہ رکھنا قربانی کرنا۔ یہ سب شرک جلی ہے۔ قسم دوم شرک خفی یہ اس بدعملی کا نام ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کی بے خوفی بے ادبی اور مولیٰ تعالیٰ سے بے تعلقی بے توجہی ثابت وظاہر ہو۔ اس کی چار صورتیں ہیں۔ ۱۔ عبادت میں ریاکاری۔ ۲۔ تجارت میں حرام کاری۔ ۳۔ عدالت میں انسانی ذہن کا بنا ہوا قانون اور اس کی تخریب کاری سے حدود

marfat.com

اللہ کی نافرمانی۔ ۴۔ دنیا سازی آخرت بربادی دنیا پر بھروسہ اللہ تعالیٰ سے مایوسی۔ یہ مسئلہ یُؤْمِنُوْنَ کی نشانی کے بعد لَا یُشْرِکُوْنَ کا نشانِ عظیم بیان فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** انسانی بشری طاقت ہمت سے زیادہ کوئی عبادت کرنا یا کسی ایسے کام کر لینے کی قسم کھالینا جو انسانی طاقت سے باہر ہو یا غیر شرعی مشقتوں میں پڑ کر اس کو نفس کشی کا نام دینا۔ جس طرح یہود و نصاریٰ اور ان کے راہب یا بدھ مت۔ ہندومت کے سادھو اور بعض مجوسی و جوتشی ترکِ لباس۔ ترکِ خوراک۔ ترکِ آرام کرتے ہیں ننگے پھرتے ہیں گھاس پتے کھاتے ہیں یہ سب کچھ اسلامی شریعت میں حرام ہے۔ اسلام میں نفس کشی صرف نبی کریم ﷺ کی اطاعت و اتباع سے ہی ہے۔ یہ مسئلہ لَا نُکَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا وَلَدَیْنَا۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اس فرمان اقدس میں تہدید عصات اور تانیس طاعات و تالیف قلبیات ہے اس سے بہتر کوئی بھی تعلیم و تربیت نہیں ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ اس سے پہلے ایمان والوں کی چار نشانیاں بیان فرمائی گئیں۔ ۱۔ مُشْفِقُوْنَ۔ ۲۔ یُؤْمِنُوْنَ۔ ۳۔ لَا یُشْرِکُوْنَ۔ ۴۔ یُؤْتُوْنَ۔ سوال یہ ہے کہ وَجِلَةٌ کا تعلق چاروں قسم کے لوگوں سے ہے یا فقط وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَا اٰتَوْا سے اگر سب سے ہے تو وہاں مُشْفِقُوْنَ کہنا بیکار ہو گیا کیونکہ اشفاق کا معنٰی بھی ڈرنا اور وَجِلَةٌ کا معنٰی بھی ڈرنا۔ اور آیت کا معنٰی یہ ہوا کہ مُشْفِقُوْنَ کے دل وَجِلَةٌ ہیں یعنی جو ڈرنے والے ہیں ان کے دل ڈرنے والے ہیں یہ عجیب جملہ بن گیا اس تکرار لفظی کی کیا ضرورت تھی اور اگر وَجِلَةٌ کا تعلق صرف یُؤْتُوْنَ سے ہے تو یہاں بھی مُشْفِقُوْنَ فرمادیا جاتا یہ ایک ہی معنٰی کے دو لفظ کیوں ارشاد ہوئے۔ **جواب:** صحیح قول یہ ہے کہ وَقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ کا تعلق سابقہ چاروں فرمودات سے ہے۔ اور مُشْفِقُوْنَ کو تکرار لفظی سمجھ کر اعتراض کرنا محض اس وجہ سے ہے کہ معترض نے اشفاق اور وجلۃ کا فرق نہ جانا۔ خیال رہے کہ عربی لغت میں ڈرنے کے معنٰی میں تقریباً تیرہ الفاظ مستعمل ہیں۔ اور سب کی وجہ کیفیت علت میں فرق ہے۔ ۱۔ خَوْفٌ۔ ۲۔ اِشْفَاقٌ۔ ۳۔ وَجِلَةٌ۔ ۴۔ خَشْیَةٌ۔ ۵۔ هَوْلٌ۔ ۶۔ رَوْعٌ۔ ۷۔ ذُعْرٌ۔ ۸۔ هَیْبَةٌ۔ ۹۔ رُعْبٌ۔ ۱۰۔ فَزْعٌ۔ ۱۱۔ جَزْعٌ۔ ۱۲۔ رَهْبَةٌ۔ ۱۳۔ هَلَعٌ۔ ان سب کی کیفیات میں فرق ہے مگر یہاں صرف اتنا سمجھ لو کہ خوف سب کو شامل گویا کہ خوف کی بارہ قسمیں ہیں۔ خوف اشفاق۔ خوف خشیت۔ خوف وجلۃ وغیرہ وغیرہ۔ خوف خشیت کا معنٰی ہے جمال و حلم کا ڈر۔ خوف اشفاق کا معنٰی ہے جلال الٰہی کا ڈر۔ اور خوف وجلت کا معنٰی ہے استغناء کبریائی صمدیت الٰہی کا ڈر۔ اس کو اردو میں دھڑکا لگا رہنا کہتے ہیں۔ یہ خوف مُشْفِقُوْنَ کو بھی ہے یُؤْمِنُوْنَ کو بھی لَا یُشْرِکُوْنَ کو بھی۔ یُؤْتُوْنَ کو بھی بلکہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو بھی کیونکہ جتنا قرب زیادہ اتنا ہی خوف وَجِلَةٌ زیادہ۔ مُشْفِقُوْنَ کو تکمیل اشفاق کا دھڑکا۔ یُؤْمِنُوْنَ کو تکمیل ایمان کا۔ لَا یُشْرِکُوْنَ کو تکمیل توحید کا۔ یُؤْتُوْنَ کو تکمیل خیرات کا۔ انبیاء علیہم السلام کو اپنی امتوں کی کامیابی کا دھڑکا اور فکر متقین لوگ وجلت کی وجہ سے ہر عمل میں کامل ہیں۔ ہر وصف میں عادل۔ ہر قول میں صادق ہوتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ کفار کے لیے نُسَارِعُ فرمایا گیا مومنین کے لیے یُسَارِعُوْنَ فرمایا گیا۔ وہاں سرعت کی نسبت رب تعالیٰ نے اپنی طرف فرمائی یہاں سرعت کی نسبت بندوں کی طرف فرمائی۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ تمام دنیا کو معلوم ہو جائے کہ کفار دنیوی دولت و اولاد کے مستحق نہیں ہیں اللہ

marfat.com

تعالیٰ محض اپنے کرم سے عطا فرما رہا ہے وہاں سرعت فی الخیرات کی نفی فرمائی گئی۔ لیکن اہل ایمان اپنے ایمان و اعمال کی وجہ سے انعاماتِ ربانی کے مستحق بنا دیئے گئے۔ اس فرق کی وجہ یہ کہ کفار بے شعوری کے خیالات میں ہیں اور مومنین معرفت کی خیرات میں ہیں۔ کفار کے خیالاتِ باطل کو توڑ کر سرعت سے خارج کیا جا رہا ہے اور مومنین کو سرعۃ اعمال میں داخل فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ۔ یعنی نامۂ اعمال کی کتاب سچ بولتی ہے۔ حالانکہ دنیا میں ایسے کافر بدبخت و گمراہ لوگ بھی موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ پر بھی جواز کذب یا امکانِ کذب کے قائل ہیں۔ ایسے بدذاتوں کو کتابِ اعمالنامہ دینا بیکار ہے۔ کیونکہ وہ لوگ اپنے عقیدۂ بد کی بنا پر کتابِ اعمالنامہ کو بھی جھوٹا کہہ دیں گے۔ اور اس پر بھی بھروسہ نہ کریں گے اور بروزِ حشر کہہ دیں گے کہ یہ کتاب ہمارے اعمالِ اصلیہ کے خلاف ہے۔
جواب: اس کتاب میں اعمال کی صرف تحریر ہی نہیں بلکہ عمل کرنے کا دن ہفتہ مہینہ سال وقت واقعہ حالت کیفیت و طریقہ عمل کا پورا نقشہ سمجھایا گیا ہے۔ اس کے علاوہ انکار کرنے کی صورت میں منکر کے ہاتھ پیر بھی زبانِ قال سے گواہی دیں گے مزید برآں کفار کو اپنے اعمال خود بھی ذرہ ذرہ یاد ہوں گے۔ اس لئے انکار کی جرأت نہ کر سکیں گے۔ بلکہ اقرار کر کے رحمت و بخشش کے طالب ہوں گے۔

تفسیر صوفیانہ

اور وہی سالکین معرفت جو وادیٔ معرفت کی محیراتِ محجوبہ ونشانات عجیبہ پر بہکتے بھٹکتے نہیں بلکہ ایمان و عرفان سے قبول کرتے ہیں اور مخلوقاتِ اسرار۔ اخیار و ارواح کے خالق مالک رب قدیر کی قدرتِ تخلیق تملیک ترتیب میں کسی کو شریک نہیں مانتے اور سفر سلوک میں وصل کی لذتوں کو پانے کی خواہش میں صلوٰۃ ہمہ وقتی کے ساتھ صدقات فرضیہ۔ خیراتِ واجبہ عباداتِ نفلیہ کی سخاوتیں بانٹتے ہیں اور تلاشِ انوار کی لذتِ صحرائی میں تمام راہ روانِ منزل کے دل شوقِ طلب کی شدتِ ذوق میں ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں دوریٔ منزل کی گھبراہٹ سے صداقت کے قدم اور عدالت کے پاؤں۔ شرافت کی ہمتیں تھک نہ جائیں اور مقام وصل میں ناقص و نامقبول نہ رہ جائیں۔ اس درس عبرت کے لئے نغمہ سرا ہیں کہ

راہِ رَوانِ راہِ منزل تھک نہ جانا راہ میں لذت صحرا نوردی دوریٔ منزل میں ہے

أُولٰٓئِكَ يُسٰرِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ۔ یہی مغمومانِ معرفت غمگینانِ طلب ہر خیراتِ ظاہرہ باطنہ۔ خفی جلی میں سرعۃ کاملہ لائقہ فائقہ کا مظاہرہ کرنے والے ہیں۔ وَهُمْ لَهَا سٰبِقُوْنَ۔ اور وہی لوگ درجہ کمال میں سب سے سبق لے جانے والے ہیں۔ وَلَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ اور وصل و قرب کی منزل تک آنے والے کسی بھی مسافر نفس لوامہ اور اس کے ہمراہی نفس مطمئنہ کو عالم روح پرنور کی وادیٔ عشق میں ہمت طلب سے زیادہ ہم تکلیف ذمہ داری نہیں دیتے۔ راہِ معرفت میں طریقت کی وہی ذمہ داری ہے جو حال حقیقت کے مطابق ہو۔ اور جب بندے پر توفیق الٰہی وارد ہوتی ہے تو اس پر سے ظلمت کثافت کے حجابات اٹھ جاتے ہیں پھر اس پر کوئی عمل دشوار نہیں رہتا۔ نہ اس کے لئے کوئی ریاضت مشکل۔ ایک عارف نے فرمایا۔

اِذَا رُفِعَ الْحِجَابُ فَلَامَلَالَه
لِتَكْلِيْفِ لَا اِلٰهِ وَلَا مُشَقَّةٌ

marfat.com

یعنی جب پردے اٹھائے گئے تو پھر احکام الٰہی بجا لانے میں نہ ملال ہوتا ہے نہ مشقت۔ اے بند و عمل ایک ہی ہوتا ہے مگر مکشوف خوش بخت کے لیے لطیف ہے اور محجوب بد بخت کے لیے ثقیل ہے۔ جب سالک بندہ انوارِ عظمت کا قرب اور صفاتِ ربانی کی آیات تجلیات کا رجوع وصل پانے لگتا ہے تو شدت خشیت اسے قبولیت وعدمِ قبولیت کا وجلہ اور دھڑ کا لگا رہتا ہے۔ توحید عارفین فنا فی الحق ہے ان کا قیام ہدایۃ الخلق ہے ان کی سرعت فی الخیرات مقام بقا کے کمالات ہیں۔ ان کی وجلۃ فی القلوب عالم ربوبیۃ کی طرف رجوع تک ظہور وانوار کی بقا میں ہے یہی وصل وحدیت ان کے لیے سبقت خیرات ہے۔ مقصد وسعت کمالات لیاقت ہے اور یہی مقام سابقین کا ہے جو کسی خوش قسمت کو ملتا ہے اسی عمل ہمت کی توفیق واستعداد ہر بندے کو دی گئی ہے مگر عامل کوئی کوئی ہے وَلَدَيْنَا كِتٰبٌ يَّنْطِقُ بِالْحَقِّ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ اے خیر وشر والو ہمارے پاس پیشانی انسانی کی ایک ام الکتاب ہے۔ جو ہر فردِ بشر سالک سفر کے مراتب استعداد وحدود کمالات۔ مقاصد وغایات کو حق سچ ظاہر فرماتی ہے۔ اور ہماری بارگاہِ عدل میں کبھی بھی مجاہدین قرب، ساعیین طلب، سارعین عمل پر ظلم محروم اور ممانعت حضوری نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ہر سائل طلب ولائق وصل سالک مشتاق کو آسانی اصل بارگاہ کا وصل وقرب فضل سے حصہ ممکنہ عطا فرمایا جاتا ہے۔ حضرت جنید نے فرمایا کہ جس نے اپنے اسرار کی جستجو کی اور دنیا کی کسی بھی چیز کو رب تعالیٰ سے زیادہ قابل توجہ یا مثل و برابر جانا تو اس نے شرک کیا۔ عمل وترک میں مخلوق کا لحاظ رکھنا حکم شریعت کی پرواہ نہ کرنا شرک عظیم ہے۔ دوا میں شفا اور غذا میں شباع یعنی سیر ہونا سمجھنا یہ بھی شرک خفی ہے بلکہ دوا تو جب مریض کے منہ میں جاتی ہے تو مولیٰ تعالیٰ سے عرض کرتی ہے کہ یا اللہ میں اس مریض کو فائدہ دوں یا نہ دوں۔ پھر جیسا حکم ربی ہوتا ہے دوا کا ویسا ہی اثر ہوتا ہے۔ لہٰذا جس بندے کو یقین ارتقاع ہو گیا کہ شفا بھی منجانب اللہ تعالیٰ اور شباع بھی منجانب اللہ تعالیٰ اور سمجھ گیا کہ دواؤ طعام سے شفاؤ شباع مل جانا حادثہ فضل ہے نہ کہ تقدیر ازل وہ بندہ شرک سے امن میں آ گیا جہادِ جالوت میں طالوت بادشاہ کی زبانی بحکم الٰہی بذریعہ نہر اردن اسی توحید الوہیت کا بنی اسرائیل سے امتحان لیا گیا تھا کہ کون شخص بھوک پیاس کا مالک اللہ کو مانتا ہے اور کون شخص آب نہر کو۔ یہی چیز شرک خفی وظلم غبی ہے جس میں آج بھی بہت سے دنیا دار مسلمان بھی گرفتار ہیں۔ اکثر بنی اسرائیل بھی اسی امتحان میں ناکام ہو گئے تھے تھوڑے افراد ہی کامیاب رہے۔ عارفین فرماتے ہیں تقویٰ گوہر اخلاص کا خزانہ ہے۔ اس کے لیے حفاظت خاص کا مخزنِ قلب وعقل چاہیے یہ قیمتی موتی ہر احمق کی بغل وگریبان میں نہیں رکھا جا سکتا۔ سارعت الی الخیرات سے واصلین بارگاہ کے خصائل طیبہ کی طلب کی جاتی ہے اور طلب پر شوق سے درجہ سابقین مل جاتا ہے یہ جوہر مراد جھوٹے دعووں مہمل باتوں بے معنیٰ لفظوں کی پکار سے نہیں ملتا۔ جھوٹے دعوے وقت کا ضائع کرنا ہے۔ اے بندہ سالک اگر تو مقام وصل پانے کی سچی طلب رکھتا ہے تو تین کام لازم پکڑ۔ ۱۔ راہِ سلوک کے ادب وآداب کا خیال رکھ۔ ۲۔ پھر نفس کشی کی ریاضت اختیار کر۔ ۳۔ پھر مجاہدۂ قلب ومتارکہ عقل کو لازم پکڑ۔ اس کے بجز ذلت ومشقت بیہودہ کے کچھ حاصل نہیں ان سعادتوں سے غافل وکاسل بندہ مقام وصل سے محروم وناکام رکھا جاتا ہے۔ کامیاب صرف وہ بندہ ہے جو قدمِ صدق وسعی جمیل سے متوجہ الی اللہ ومعرض عن غیر اللہ ہیں۔ یہی بندے مسارعین فی الخیرات اور سابقین صدیقین ہیں ان ہی کے لیے سَبَقَتْ لَهُمْ کی بشارت حسنیٰ ہے۔ یہ مسارعین عشق الٰہی ہی اپنی لیاقت کے حساب ومقدار سے درجہ بدرجہ عنایاتِ الٰہیہ میں سبقت پانے والے ہیں کیونکہ

marfat.com

سبق فی الہدایت کے مطابق ہی سبقت فی العنایت ملتی ہے۔ پس جان لو کہ ہر سالک کا علیحدہ حصہ ہے۔ اس طرح کہ جنت نعیم اصحاب علوم کے لیے ہے۔ جنت فردوس اصحاب فہوم کے لیے۔ جنت ماویٰ اصحاب تقویٰ کے لیے۔ جنت عدن قائمین بالوزن کے لیے۔ جنت خلد مقیمین علی محبت کے لیے۔ جنت مقامہ اہل کرامہ کے لیے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جس کا نفس امارہ بیدار ہو اس بشر کی ہمت وقسمت میں مراقبہ الٰہیہ نہیں ہے۔ نہ خفیہ نہ علانیہ۔ اسلئے کہ یہ مراقبہ جمال ملاء اعلیٰ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس مقام ومراقبے میں نبی کریم ﷺ سب سے اول واعلیٰ بلند وبالا ہیں اسی وجہ سے آپ مسرع جمیع احوال ہیں۔ آقا حضور نبی رؤف ﷺ کی ہر عادت عبادت فرض یا واجب یا مستحب مندوب ہے ہر مسلمان پر یہی حقیقی سبقت اعلیٰ و مسارعۃ علیا ہے اس سے اوپر کوئی قدم وکرم نہیں ہے یہیں پر مقام وصل وقرب کی انتہا ہے۔ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا۔ اے بندو ہم کسی بشر انسانی پر اس کی ہمت بشری سے زیادہ معرفت ذات وصفات کی ذمہ داری نہیں ڈالتے۔ بلکہ بندوں کی ہمت، قوت، مرتبت کے مطابق ہی ذمہ داری ڈالی جاتی ہے۔ لیکن اگر حق معرفت کے مطابق ذمہ داری ڈالی جاتی تو بجز حبیب ومحبوب حق کوئی بندہ بھی وہ معرفت نہ پاسکتا۔ اور حقیقی وکلی معرفت ذات وصفات بجز حق تعالیٰ کوئی بھی نہیں جانتا نہ حبیب نہ خلیل نہ صفی نہ نجی نہ کلیم نہ مسیح۔ کیونکہ کنہ حقیقت کا احاطہ ومعرفۃ ناممکن ہے۔ اور وہ جو اپنے رب تعالیٰ کی ذات وصفات کے ظہور وشہود پر یقین رکھتے ہیں اور اپنی رب تعالیٰ کی عبادت واطاعت میں کسی غیر اللہ کی طرف توجہ نہیں کرتے یہاں تک کہ اپنی جانوں کی پرواہ بھی نہیں کرتے اس لئے کہ انہوں نے جان لیا کہ جو کچھ ان کی عمر بھر کی اطاعت کوشش خیرات اور تمام مخلوق کی عبادتوں کو شامل کر کے بھی روبہ جلال کبریائی کے سامنے ذرے سے بھی کم ہے ان کے دل عظمت تجلی کے رعب سے کانپتے ہیں۔

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ

بلکہ ان کافروں کے دل جہالت کے پانیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اس کی کتاب سے انکار کے اعمال ایسے خبیث

بلکہ ان کے دل اس سے غفلت میں ہیں اور ان کے کام ان کاموں سے

دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا

ہیں جو مومنین کے اعمال سے بالکل مختلف ہیں وہ کفار جن اعمال بد کو کر رہے ہیں انہی کی وجہ سے جب پکڑ لیا ہم نے

سے جدا ہیں جنہیں وہ کر رہے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان کے امیروں کو

مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْـَٔرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْـَٔرُوا

ان کے کافر مغرور سرداروں کو عذاب دنیوی سے تو جبھی وہ سب چیخنے چلانے لگے نہ چیخو بلبلاؤ

عذاب میں پکڑا تو جبھی وہ فریاد کرنے لگے آج فریاد نہ کرو

الْيَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ

marfat.com

آج بیشک تم لوگ ہماری طرف سے کچھ مدد نہ کیے جاؤ گے کیونکہ بیشک جب کبھی تلاوت کی جاتی تھیں
ہماری طرف سے تمہاری مدد نہ ہوگی بیشک میری آیتیں تم پر
تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ۟ۙ ﴿۶۶﴾
میری آیتیں تم پر تو تم اس وقت پلٹ جاتے تھے اپنی ایڑیوں پر
پڑھی جاتی تھیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل الٹے پلٹتے تھے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اہل ایمان کی چستیوں اور نیکیوں خیرات میں جلدی کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اہل کفر کی سستیوں اور اچھائیوں میں غفلت کا ذکر فرمایا جارہا ہے اور غمرۃ کا معنی ہے سخت غفلت۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مومنوں کی خوش احوالی کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں کافروں کی بداعمالی کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں آسمانی کتاب لوح محفوظ کا ذکر فرمایا گیا کہ سچ بولتی ہے۔ اب ان آیات میں زمینی کتاب یعنی قرآن مجید کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ یہ کفار اس کی سچی آیات کے منکر ہیں۔

تفسیر نحوی

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ يَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ ۔ بَلْ حرف استدراک ہے یہاں عطف کے لیے نہیں ہے بلکہ تدارک کے لیے ہے اور یہاں تدارک تصحیح کے لیے ہے کہ ماقبل جملہ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ کو بیان کرنا اور مابعد کفار کے عقیدۂ باطلہ کو مزید کرنا مقصود ہے۔ کہ ان کا عقیدہ ان کی بے شعوری کی وجہ سے ہے اور بے شعوری اس لئے کہ ان کے دلوں پر غفلت چھا گئی ہے۔ قُلُوْبَ مضاف هُمْ مضاف الیہ اس کا مرجع نَفْسًا ہے۔ یہ مرکب اضافی مبتدا فی حرف جر ظرفیۃ مکانی کے لیے غَمْرَةٍ جو اس حاصل مصدر۔ لغوی ترجمہ ہے چھا جانا مراد ہے چھا جانے والی چیز۔ اسی سے ہے غامرٌ اسم فاعل غمرٌ سے بنا ہے یہاں مراد ہے غفلت و جہالت کا پانی جو پوری طرح کسی پر چھا جائے غالب آ جائے یہ مجرور ہے۔ جار مجرور متعلق اوّل ہے۔ غامرٌ اسم فاعل پوشیدہ کا معنی یہ ہے کہ ان کے دل ڈوبنے والے ہیں ڈبونے والی غفلت و جہالت میں۔ مِنْ جارہ بمعنی عن۔ هٰذا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ اور وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ کا فیصلہ الٰہیہ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے غامر پوشیدہ کا یہ سب مل کر خبر ہے قُلُوْبُهُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ لَهُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے خَبِيْثٌ پوشیدہ صفت مشبہ کا اعمال اسم جمع مکسر ہے عمل کا یہ فاعل ہے خَبِيْثٌ پوشیدہ کا۔ مِنْ جارہ بیانیہ دُوْنُ اسم مفرد جامد استثنائی مضاف ہے ترجمہ ہے سوا غیر ذالک اسم اشارہ بعیدی ترجمہ ہے ان نیک اعمال هم ضمیر کا مرجع ہے کفار مبتدا ہے لام جارہ مفعولیت کا ھا ضمیر کا مرجع اَعمال یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے عٰمِلُوْنَ باب سَمِعَ کا اسم فاعل جمع مذکر عمل سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے حواسِ خمسہ سے کام کرنا اعضاء خمسہ کے

marfat.com

ذریعے۔ اس کا فاعل ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع ہے نَفساً اسم جنسی استغراقی یہ عَامِلُوْنَ اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ خبر ہے ھم مبتدا اور دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مشارالیہ ہوا ذٰلِکَ اسم اشارہ اپنے مشارالیہ سے مل کر مضاف الیہ دون کا یہ مرکب اضافی مجرور متعلق دوم ہے جائز پوشیدہ کا یہ اسم فاعل اپنے فاعل ظاہر اعمال اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ حتیّٰ حرف جر بمعنٰی الی۔ ابتداء کلام کے لیے اِذَا حرف شرط اَخَذْنَا باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف اَخذٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پکڑنا جکڑنا' گرفت کرنا' فعل با فاعل مُتْرَفِیْ۔ باب افعال کا اسم مفعول جمع مذکر تَرَفٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِتْرَاف۔ ترجمہ عیش و عزت دینا۔ مُتْرَفِیْنَ تھا۔ مضاف کی وجہ سے نون گر گئی ترجمہ ہے آرام دیئے ہوئے لوگ مراد ہے قوم کے امراء و سردار مضاف ہے ھم ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اخذنا کا ب جارہ بمعنی فی ظرفیہ الف لام عہد ذہنی عذاب سزا کے معنٰی میں ہے مراد ہے دنیوی ناگہانی مصیبت۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَخَذْنَا فعل بافاعل اپنے مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوا۔ اِذَا ظرفیہ برائے جزائیہ شرط۔ ھُمْ ضمیر مرفوع مبتدا ہے یَجْئَرُوْنَ باب فتح کا مضارع بمعنٰی ماضی بعید جمع مذکر غائب جئر سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے چیخنا چلانا' گڑگڑانا' ڈکرانا' زوروں سے کبھی نجات کی دعائیں کبھی اپنے لئے موت و فنا کی بددعائیں مانگنا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے مُتْرَفِیْھِمْ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبر ہے ھُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے حتّٰی اذا کے جملے کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ ۖ إِنَّكُم مِّنَّا لَا تُنصَرُونَ ﴿٦٥﴾ قَدْ كَانَتْ آيَاتِي تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ فَكُنتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ تَنكِصُونَ ﴿٦٦﴾ ۔ لَا تَجْئَرُوْا باب فتح کا فعل نہی جمع مذکر حاضر معروف۔ جئرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چیخنا دہاڑنا فریادیں کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ اَنْتُمْ کا مرجع ہے مُتْرَفِیْھِمْ اَلْیَوْمَ اسم معرف باللام ظرف زمانی بمعنٰی آج یہ ظرف ہے اِنَّ دراصل لِاَنَّ ہے لام جارہ تعلیلیہ حذف کر دیا گیا۔ اس لئے لفظاً شروع کلام میں اِنَّ کسرہ سے آیا۔ معناً یہ جملہ تعلیل ہے لَا تَجْئَرُوْا کی۔ کم ضمیر منصوب متصل جمع مذکر حاضر اسم ہے اِنَّ کا مِنْ جارہ ابتداء کے لیے ترجمہ ہے طرف سے۔ نَا ضمیر جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ باب نصر کا مضارع مستقبل منفی مجہول اسکا نائب فاعل اَنْتُمْ ضمیر کا مرجع مُتْرَفِیْ ہے۔ یہ فعل فاعل متعلق مقدم مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ قَدْ کَانَتْ فعل ناقصہ باب نصر مثبت معروف واحد مونث غائب اٰیٰتِیْ مرکب اضافی اسم ہے قَدْ کَانَتْ کا تُتْلٰی باب نصر کا مضارع مجہول مثبت بمعنٰی ماضی بعید ترجمہ ہے تلاوت کی جاتی تھیں تَلْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ تلاوت کرنا پڑھنا دیکھ کر یا حفظ سے اس کا نائب فاعل ھا ضمیر مونث واحد غائب۔ عَلَیْکُمْ بمعنٰی تم پر تمہارے لئے تمہارے سامنے یہ جار مجرور متعلق ہے تُتْلٰی فعل نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے قَدْ کَانَتْ ناقصہ کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر سبب معطوف علیہ ہوا فَ حرف عطف سببیہ کُنْتُمْ تَنْکِصُوْنَ یہ ایک فعل ہے باب ضرب کا ماضی استمراری مثبت معروف جمع مذکر حاضر۔ ایک قول میں کَانَتْ تُتْلٰی بھی ماضی استمراری مثبت مجہول ہے واللہ اعلم بالصواب۔ اس فعل میں الفاظ فاصل داخل کر کے دو حصوں میں کرنے سے تاکید کلامی ظاہر ہوئی۔ تَنْکِصُوْنَ نکصٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے الٹے پھرنا عَلٰی جارہ اعقاب جمع مکسر ہے عقبٌ کا۔ بمعنٰی ایڑی لغوی معنٰی ہے پیچھے ہونا۔ آڑ میں آجانا عقب بمعنٰی ایڑی اس لئے ہے کہ وہ قدم کی پچھلی طرف ہوتی ہے دیر سے آنے جانے

marfat.com

ہونے کرنے کو اسی لیے تعقیب کہا جاتا ہے کہ وہ پیچھے رہ جاتا ہے۔ اعقاب مضاف کُمْ ضمیر نفسی مرجع ہے مُتْرَفِیْنَ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق وسطی ہے کُنْتُمْ تَنْکِصُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف سبب ہے قَدْ کَانَتْ تُتْلٰی کے جملہ پر۔ دونوں عطف مل کر لَا تُنْصَرُوْنَ کی علت۔ معلول علت مل کر خبر ہے اِنَّ مشبہ کی یہ اِنَّا اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ مکمل ہوا اور یہ علت ہے لَا تَجْئَرُوْا کے جملے کی (اِنَّکُمْ مِنَّا کا ترجمہ ہے کیونکہ بیشک تم ہماری طرف سے) معلول و علت مل کر جملہ تعلیلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ ﴿۶۳﴾ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْئَرُوْنَ ﴿۶۴﴾ لَا تَجْئَرُوا الْیَوْمَ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ ﴿۶۵﴾ قَدْ كَانَتْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰى عَلَیْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ ﴿۶۶﴾ تمام کچھ دیکھنے سننے سمجھنے کے باوجود یہ کفار پھر بھی اپنے اپنے برے انجام سے بے پرواہ ہو کر کفر وفسق جہالت و حماقت کے پانیوں میں ڈبکیں لگا کر خباثت لہویت ظلمت لعبیت کی اچھل کود مچا رہے ہیں یہ کیفیت بیہودہ صرف ان کے جسموں عضووں کی ہی سرکشی مستی نہیں بلکہ ان کے دل بھی اسی شرک کفر کے پانیوں میں غوطہ زن ہیں اور جانتے ہوئے بھی صرف نفسانی محبت شیطانی خواہش میں اپنے نامہ اعمال کی سیاہ کاریوں دغا بازیوں منصوبہ سازیوں سے بے خبر بنے ہوئے ہیں۔ اور بالکل دھیان نہیں دیتے کہ ان کے یہ سب چھوٹے بڑے اچھے برے پوری زمانی مکانی واقعاتی کیفیت کے ساتھ لکھے جا رہے ہیں اور یہ چند روزہ تھوڑی سی زندگی ان کے لیے ابدی وبالِ جان بن رہی ہے۔ دین اسلام کا تعارف کرا دیا گیا۔ خوش بختی کے اعمال وقلبی حالات کا پتہ بتا دیا گیا۔ آیاتِ قرآن کو نبی علیہ السلام کی زبان سے بار بار سنا دیا گیا۔ اچھوں کا انعام اور بروں کا انجام سمجھا دیا گیا لیکن یہ بدقسمت کفار پھر بھی۔ مِنْ هٰذَا ان تمام اچھائیوں کامرانیوں سے دور ہی دور ہوتے جا رہے ہیں۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ۔ اور ان کے لیے وہ اعمال ہیں جو اہل ایمان کے مذکورہ اعمال صالحہ ونشانات کاملہ سے بالکل ہی خلاف ہیں ان کفار کے اعمال میں نہ خشیت ہے نہ اشفاق نہ سچائی نہ ایمانداری نہ دیانت نہ امانت کی پاسداری نہ توحید کی الوہیت کی عبادت نہ سخاوت نہ وجلت نہ رجوع الی اللہ کی تیاری۔ نہ مسارعت فی الخیرات نہ سبقت فی العبادات۔ تو چونکہ یہ کفار اعمال میں سب سے پیچھے اس لئے جہنم میں سب سے نیچے سب اصلیت سمجھنے کے باوجود وسواسِ شیطانی میں جکڑے ہوئے ہیں اس طرح کہ یہ ضد کے پکے ہٹ کے کٹے کسی بھی مفید مشورے کو نہیں مانیں گے اور اپنے انہی برے عملوں کو کیے ہی جائیں گے انہی برے عملوں میں مسرور ومغرور اپنے پہلوں کی طرح سب کفار چھوٹے بڑے سردار بھی خدام بھی۔ دولت کے عیاش بھی غربت کے قلاش بھی حق سے بہر حال مغرور رہے مرنے تک جیسا کہ پہلے سابقہ سرکش قوموں میں ہوتا رہا کہ حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ بِالْعَذَابِ اِذَا هُمْ یَجْئَرُوْنَ۔ جب ہم نے ان قوموں کے عیش پرستوں کو گناہوں ظلموں اذیتوں خرمستیوں کفر وشرک کی بدکرداریوں کے محاسبہ کبیرہ وبطش شدید سے سزاء جسمانی میں جکڑ لیا اور عذاب آسمانی میں پکڑ لیا تب ہی وہ مغرور ونفور عاجزی بے بسی سے ڈھیلے پڑ گئے۔ بندگی پر مائل ہوئے اور اس وقت مذبوحہ بیل کی طرح ڈکرائے۔ یہ ان کے آباؤ اجداد کا انجام بد تھا جن پر ان موجودہ کفار کو بڑا فخر ہے اور جن کے دینِ باطل پر ان کو بڑا ناز ہے اور آج سینہ

marfat.com

تان کر کہہ رہے ہیں کہ وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا (مائدہ: ۱۰۴) اسی ہٹ دھرمی سے رسوم باطل پر جٹے ہوئے ہیں اور نہیں جانتے کہ ان موجودہ عیاش کفار کا انجام بھی اسی طرح عذاب وسزا والا ہونا ہے۔ دنیا میں عذاب آسمانی کے وقت اور قیامت میں سزاء جاودانی کے وقت ان مترفین اولین وآخرین سے بھی اور خادمین واصغرین سے بھی کہ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ آج نہ چیخو چلاؤ نہ ڈکراؤ ہائے بچاؤ کی فریادیں نہ لگاؤ کیونکہ اب کچھ فائدہ نہیں نہ عاجزی کا نہ شرمندگی کا کیونکہ نبوت کی زبان سے کتاب کے کلام سے موت وگرفت سے پہلے تم کو سب کچھ سمجھا دیا بتا دیا نقشۂ قبر وحشر سنا دیا تھا۔ لہٰذا اب اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۔ بیشک تم سب ہر قسم کے کافر ہماری طرف سے بالکل مدد نہ کیے جاؤ گے نہ آس وامید کی نہ نرمی ترسی چھٹکارے کی۔ بلکہ تم مترفین عیش ومخمورین طیش کو تمہارے اصغرین وخادمین سے بھی زیادہ اور پہلے عذاب دیا جائے گا تاکہ وہ چھوٹے لوگ تم بڑوں کو اپنے سے بھی پہلے عذاب میں جلتا مرتا' گرتا پڑتا' پھنستا ہوا دیکھیں اور جان لیں کہ یہ ہی مترفین وسرداران دنیا میں ورغلاتے گمراہ کرتے کفر میں پھنساتے اور بڑی دعویداری سے آخرت میں بچا لینے کے بھروسے دلاتے تھے۔ تم بڑوں کا یہ برا انجام وحال دیکھ کر ان چھوٹوں کا یہ آخری سہارا بھی ٹوٹ جائے گا۔ اے مغرور آج قبر وحشر میں تمہیں عاجزی بندگی کرنے اور مدد کے لیے پکارنے کا حق ہی کیا ہے کیونکہ تم دنیا میں انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ پر علماء دین کی تعلیم پر۔ اولیاء اللہ کے سمجھانے پر۔ اسلام کے بتانے پر قرآن کے سکھانے پر دینی باتوں کے پڑھانے پر بڑی اکڑ دکھایا کرتے منہ پھیرا یا کرتے تھے۔ اس طرح کہ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ عَلٰۤى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ۔ جب بھی میری آیتیں قرآنِ مجید کی عبارتیں تمہارے سامنے تعلیم وتبلیغ کے لیے پڑھی جاتی تھیں دعوتِ ایمان کے لیے تلاوت کی جاتی تھیں تو ایمان واحکامِ اسلام پر عمل کرنا تو درکنار تم کو تو کانوں سے سننا دل سے برداشت کرنا بھی گوارہ نہ تھا۔ تمہارے حسد وبغض جلاپے وشدتِ نفرت کا یہ حال تھا کہ حرم کعبہ کی طرف آتے آتے رک جاتے اور ایڑیوں کے بل پیٹھ پھیر کر راستہ کاٹ کر تیزی سے دور نکل جاتے تھے۔ غور وفکر تحمل' تذکر' تدبر' کا تو تم لوگوں نے کبھی تصور بھی نہ کیا تھا۔ تو آج کس کرتوت پر مددِ الٰہی نصرت کبریائی وشفاعت مصطفائی کی آس لگائے بیٹھے ہو۔ اور ہائے بچاؤ کی فریادیں لگاتے ہوئے اچھل کود مچا رہے ہو۔ قبر وحشر قیامت جہنم کے یہی نقشے سمجھانے کے لیے آیتیں سنائی جاتی تھیں اللہ اکبر۔ کیا کرم ہے کریم کا کہ کس شفقت عظیم۔ محبت حلیم' الفت عمیم سے اپنے بندوں کو سمجھاتا ہے پیار سے بلاتا ہے جنت عطا فرماتا ہے جہنم سے بچاتا ہے اور اپنی اس کتاب سے سناتا ہے جو کل عالم میں مشہور ہے۔ گھر گھر میں موجود ہے اور تا قیامت مکتوب ہے۔ جس کا نام قرآنِ مجید فرقانِ حمید کتاب مبین ہے۔ تاکہ دنیا جہان میں کوئی بھی غافل نہ رہے۔ اور عذرِ غفلت کا بہانہ نا بنا سکے۔ خیال رہے کہ عربی لغت میں بڑی شخصیات کے لیے چار الفاظ مستعمل ہیں۔ ۱۔ مَلَاءٌ۔ ۲۔ رؤسا۔ ۳۔ صَنَادِيْد۔ ۴۔ مترفین۔ مگر ان میں فرق یہ ہے کہ مَلَاءٌ وہ بڑے لوگ جو قول قبیلے کے جدی۔ پشتی۔ آبائی۔ موروثی سردار ہوں۔ رؤسا وہ بڑے لوگ جو قوم میں تجارتی کاروبار یا زمیندار پیداوار کے مالک ہونے کی بنا پر سب سے زیادہ دولتمند ہوں اور غرباء قوم کے مربی بھی ہوں۔ صنادید۔ وہ بڑے لوگ جو مذہبی یا سیاسی یا دانشوری کی بزرگی والے صاحب الرائے ہوں قومی فیصلوں میں ان کی رائے کو اہمیت ووقار حاصل ہو۔ مترفین وہ بڑے لوگ جو قوم قبیلے میں ایسے امیر ودولت مند ہوں کہ کثرتِ دولت نے ان کو اتنا عیاش ومغرور کر دیا ہو کہ ان کا دماغ ظلم کمانے غریبوں کو غلام بنانے اور ہر طرح کا عیش

marfat.com

اڑانے مزے لوٹنے کا عادی ہو گیا ہو۔ چونکہ ان کی بڑائی انفرادی ہوتی ہے اس لئے ان میں حاکمیت کا چسکہ اور انفرادی غالبیت کا خمار ہوتا ہے۔ یہ افراد حکومت کے بھوکے اقتدار کے طالب۔ تسلط کے خواہاں بن جاتے ہیں۔ ہر شخص کو گھٹیا خود کو بڑھیا سمجھنے لگتے ہیں۔ اس وجہ سے اس قسم کے امراء پر نفس و شیطان کا قبضہ زیادہ مضبوط جما ہوتا ہے تاریخ شاہد ہے کہ ہر قسم کے کفریات و فسقیات اور ظلم و تخریبات کی نئی نئی راہیں ان ہی عیاش و بدکار لوگوں کی ایجاد سے بنتی ابھرتی رہیں ابتداء سے اب تک اور اب سے تا قیامت یہی طور طریقہ جاری ہے اور ایسے لوگ پیدا ہوتے ہی رہیں گے۔ نہ تبلیغ انبیاء علیہم السلام سے ان کی کفریات ختم ہوئیں نہ تعلیم علماء اسلام سے ان کی فسقیات ختم ہوئیں ایسے نہ کافرین لوگ مومنین بنے نہ ایسے عیاش فاسقین لوگ صالحین بنے۔ بجز چند افراد کے۔ یہی ہیں زمین کے جھاڑ و خار اس لئے کہ ان انفرادی خوشحالی والوں سے زمین پر تین فساد برپا ہوتے رہے۔ ۱۔ خود گمراہ ہونا رہنا اور ماتحتوں کو گمراہ کرنا۔ گمراہ رکھنا ۲۔ مسافرین نو وارد دین کو ورغلانا وسوسے ڈالنا بہکانا بھٹکانا۔ ۳۔ مومنین صالحین کو اذیتیں دینا ستانا ظلم ڈھانا۔ اسی وجہ سے آسمانی ناگہانی عذاب میں پہلے ان ہی مترفین عیاشین کو پکڑا جاتا رہا بعد میں ان کے عوامی ساتھیوں کو۔ اسی سزاء عبرت کو یہاں حَتّٰٓى اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ کے الفاظ سے بیان فرمایا اور سورۃ اسریٰ آیت ۱۶ میں فرمایا گیا۔ اَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُوْا فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ یعنی حکم دیا ہم نے ان قوموں کے عیش پرست امراء کو تو وہ سب دین الٰہی کے نافرمان ہو گئے۔ اور عیاری و عیاشی کی فسقیاتِ کفریہ میں غرق رہے پس مبرم و غالب آ گیا ان مترفین پر تقدیر ازلی کا فیصلہ عذاب غرضیکہ انفرادی و موروثی دولت و شوکت کا نشہ بڑے بڑے فتنے پیدا کرتا رہا۔ غروریت شدادیت' فرعونیت' ہامانیت' قارونیت' یزیدیت سب اسی کی پیداوار ہیں۔ اسی سے استحصالی و تخریبی قوتیں جنم لیتی رہیں اور ہر دور میں غریب پستے رہے اصلی و نقلی غلام بنتے رہے امراء دنیوی نے ہمیشہ دنیوی و مادی دولت کو ہی غلبہ و تسلط اور سرداری کا مستحق سمجھا اور جب سرمایہ داری چند ہاتھوں میں ہوگی تو رواج باطل کے مطابق تسلط و حکمرانی پر قبضہ بھی چند سرمایہ داروں کا حق سمجھا جائے گا باقی افرادِ قوم کو باوجود علم و عقل شعور و فراست۔ روشن ضمیری کے غربت کی بنا پر بڑا بننے کا کوئی حق نہیں دیا جائے گا۔ غرباء کی قسمت میں صرف محرومی و محکومی ہی سمجھی جاتی ہے اور جب ایسا ظالمانہ معاشرہ و رواج پیدا کر دیا جائے کہ سرمایہ دار غلبہ و تسلط اور آقائیت کو اپنا آبائی قومی و موروثی حق سمجھنے لگے اگرچہ جاہل و بیوقوف ہو اور کرسی حکومت پر قبضہ ووٹوں سے نہیں نوٹوں کے وجود سے حاصل کیا گیا ہو تو فتنہ غرور' ظلم و فتور' ادیان باطل کا ظہور و عقائد زور و حق سے نفور کا پیدا ہونا لازمی امر ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت و تشریف آوری اور دین اسلام کا وجود۔ احادیث مقدسہ کی روایات اور قرآنِ مجید کی آیات اِن ہی استحصالی قوتوں' عیاشی کی خصلتوں' عیاری کی طاقتوں' مکاری کی سلطنتوں' نفسانی فتنوں' ظلمانی غلبوں اور بے جا آبائی رسموں عقیدوں و خاندانی استحقاقوں کو توڑنے ختم کرنے کے لیے نازل ہوئیں تبلیغ نبوی۔ تعلیم اسلامی تربیت قرآنی نے سرمایہ داری کے ان بتوں کو پاش پاش کیا اور دین حق و قانون الٰہی کا بول بالا و باطل کا منہ کالا کیا۔ اور مال و اولاد کو ذریعہ فتنہ باعث فساد نتیجہ تسلط اور وجہ غرور سے نکال کر اسباب خیر و برکت کا ذریعہ ابدی رحمت بنا دیا اور فرمایا کہ اجتماعی خوشحالی رحمت و برکت فضیلت و کثرت ہے لیکن انفرادی خوشحالی فتنہ دنیا و ذلت آخرت ہے۔

marfat.com

ان آیات میں مفسرین کے اختلافی اقوال

بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ کی تفسیر میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنٰی ہے کافروں کے دل اپنے نامہ اعمال سے غمرت میں ہیں۔ یہی قول درست کیونکہ دیگر آیات اسی قول کی تائید کر رہی ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنٰی ہے کہ مومنوں کے دل کفار کی بداعمالی سرکشی دیکھ کر حیرت میں ہیں اس قول کی دلیل یہ کہ یہ عبارت متصل ہے مومنین کے ذکر سے لہٰذا حق جوار کی بنا پر قلوبھم سے مراد بھی مومنین کے دل ہیں۔ ۳۔ بعض نے فرمایا کہ اس کا معنٰی ہے کہ بلکہ مومنین کے دل اپنے اعمال صالحہ کی طرف سے فکر و غمرۃ میں ہیں کہ نہ معلوم قبول ہوں یا نہ ہوں۔ اس قول کی دلیل ذکری اتصال وحق جوار ہے مگر یہ دونوں قول کمزور اور دلیل ناقص ہے کیونکہ لفظ غمرت ہمیشہ برائی کے لیے مستعمل ہوتا ہے۔ مِنْ هٰذَا کے مشار الیہ میں چار قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ مِنْ هٰذَا کا معنٰی اسلام قرآن پر ایمان لانے سے کفار کے دل غمرت یعنی نفرت و غفلت میں ہیں یہی قول درست ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا دین اسلام کی خوبیوں سے کفار کے دل گھبراہٹ میں ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا اپنے نامہء اعمال سے۔ ۴۔ بعض نے کہا کہ اس وجلت و اشفاق سے غمرت میں ہیں مومنوں کے دل ہمارے اعمال درست ہیں یا غلط۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ کی تفسیر میں تین قول۔ ا۔ اکثر مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنٰی ہے ان کفار کے برے اعمال ان کی غمرت و نافرمانی کے علاوہ بھی ہیں مثلاً ظلم تشدد غرور و کفر کی ننکاری گناہوں کی عیاری۔ قرآن مجید کا انکار دین اسلام پر طعن و تمسخر وغیرہ۔ ۲۔ کچھ مفسرین نے فرمایا کہ اس کا معنٰی ہے کفار کے اعمال مومنین کے اعمال کے علاوہ اور جدا ہیں۔ یہ دونوں قول درست ہیں کیونکہ مِنْ دُوْنِ سب کو جامع ہے۔ ۳۔ امام رازی اور مفسر ابو مسلم نے لکھا کہ اس آیت کا معنٰی ہے مومنین کے اعمال صالحہ چار مذکورہ اخلاق و حسنات کے علاوہ بھی ہیں۔ مثلاً نوافل، سنن، مستحبات صدقات و سخاوتیں۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ آیات کے سیاق و سباق کے خلاف ہے۔ حتی کے معنٰی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ یہ حتّٰی ابتدائیہ سببیہ ہے اور آیت کا معنٰی ہے کہ اس وجہ پکڑ لیا ہم نے۔ اس کی مثال عربی میں اس طرح ہے کہ مَرِضَ فُلَانٌ حَتّٰی لَا یَرْجُوْنَهٗ۔ یعنی فلاں بیمار ہو گیا اس لئے لوگ اس کی امید نہیں رکھتے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ حتیٰ انتہائیہ ہے اور آیت کا ترجمہ ہے کہ کفار کی بداعمالی بڑھتی ہی چلی گئی یہاں تک کہ جب پکڑ لیا۔ یعنی جب کفار کی طرف سے ایسا ہوا تب ہماری طرف سے ایسا ہوا۔ بِالْعَذَابِ کے معنٰی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ عذاب سے مراد جہنم کا عذاب ہے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ عذاب سے جنگ بدر کا قتل و قید مراد ہے مگر یہ قول اس لئے غلط ہے کہ مقتولین سے یَجْئَرُوْنَ کا صدور نہ ہوا تھا۔ اور قیدیوں سے لَا تُنْصَرُوْنَ کی سختی نہ کی گئی تھی بلکہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا تھا۔ ۳۔ بعض نے کہا عذاب سے مراد قریش مکہ پر بددعاء نبوی کا سات سالہ قحط ہے جس میں کفار مکہ کتے بلے اور مردار بھی کھا گئے تھے مردوں کی ہڈیاں بھی ابال کر یخنی بنا کر پی گئے تھے۔ مگر یہ قول بھی غلط ہے دو وجہ سے پہلی یہ کہ یہاں فرمایا گیا ہے کہ صرف مترفین کو عذاب سے پکڑا حالانکہ قحط میں تو سب چھوٹوں بڑوں پر مصیبت پڑی تھی۔ سب متاثر ہوئے تھے دوم یہ کہ قحط دعاء نبوی کے بعد ختم کر دیا گیا تھا جبکہ لَا تُنْصَرُوْنَ فرمایا گیا یعنی تم مدد نہ کئے جاؤ گے عذاب ختم نہ ہوگا۔ یَجْئَرُوْنَ کے معنٰی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا۔ مذبوحہ بیل کی طرح ڈکراتے ہیں یا چیخیں چلائیں گے۔ ۲۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا۔ پکاریں گے کہ ہائے بچاؤ۔ ۳۔ بعض نے یہ معنٰی کیا کہ گھبرائیں گے پریشان ہوں گے۔ یہ

marfat.com

تینوں قول درست ہیں۔ یَجْئَرُوْنَ کے وقت جئر اور زمانے میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ چیخ پکار جہنم کے اندر ہوگی بعد قیامت۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ یہ چیخ پکار جنگ بدر کے دن مقتولین مجروحین کی آہ و بکا چیخ و پکار مراد ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ اس سے مراد وہ رونا دھونا پیٹنا ماتم کرنا مراد ہے جو جنگ بدر کے بعد تقریباً ایک ماہ تک کفار مکہ مرد و زن اپنے سرداروں اور مترفین کے قتل پر رونا پیٹنا و نوحہ خوانی کرتے رہے اور شکست بدر کا بدلہ لینے کے لیے اردگرد علاقوں میں جا کر قبائل عرب کی مدد لینے کے لیے جا جا کر روتے گڑگڑاتے رہے۔ یہاں یَجْئَرُوْنَ سے وہی نوحہ خوانی مراد ہے۔ مگر یہ دونوں قول غلط ہیں کیونکہ روش کلام کے خلاف ہے۔ لَا تَجْئَرُوا الْيَوْمَ کی تفسیر میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ حکم انہیں جہنم میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے غیبی آواز سے ہوگا۔ یہی قول درست ہے کیونکہ آگے ارشاد ہے قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ اس میں واحد متکلم کی نسبت الٰہی سے ثابت ہو رہا ہے کہ لَا تَجْئَرُوْا کی نہی بھی اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ نہی جہنم میں ملئکہ کی زبانی ہوگی۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ باتیں اور نہی جہنم کے اندر خود کفار آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے زبانِ حال یا زبانِ قال سے مگر یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ آگے جواباً ارشاد ہے۔ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۔ اگر یہ نہی خود کفار کی باتیں ہوتیں تو جوابی کلام کس کا ہوگا۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ قول نہی میدانِ بدر میں صحابہ کرام نے کفار سے کہا تھا۔ مگر یہ قول بھی غلط اس لئے کہ یہ سورۃ مکی ہے اور واقعہ بدر بعد ہجرت مدنی ہے۔ ۵۔ بعض نے کہا یہ حکم نہی قبر میں ہر کافر سے فرشتے کہیں گے۔ یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ قبر میں مردہ واحد ہوتا ہے۔ اور یہاں تمام صیغے و ضمیریں جمع ہیں۔ نیز قبر میں سب کفار پر عذاب ہوتا ہے سب کا عذاب برابر کوئی تخصیص نہیں۔ جبکہ یہاں صرف مُتْرَفِيْنَ کا ذکر ہے۔ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت عَلٰى اَعْقَابِكُمْ ہے یہی صحیح ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض نے یہاں عَلٰى اَدْبَارِكُمْ پڑھا ہے معنیٰ اگرچہ ایک ہی ہے مگر یہ قرأت شاذ ہے۔ تَنْكِصُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت تَنْكِصُوْنَ ہے۔ باب ضرب کا مضارع۔ کاف کے کسرے سے۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں تَنْكُصُوْنَ ہے۔ باب نصر کا مضارع۔ کاف پر ضمہ۔ معنیٰ اگرچہ ایک ہی ہے مگر یہ قرأت شاذ ہے۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں دو قسم کی خوشحالی پائی جاتی ہے ایک اجتماعی قومی خوشحالی۔ اس خوشحالی سے اتحاد اتفاق مساوات' عبادات' اخلاص' عجز و انکسار باہمی الفت محبت تعاون اور سچا عدل و انصاف جیسی قوتیں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی خوشحالی میں سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ کا ذہن رکھتا ہے اور پوری قوم قُوْمُوْا لِسَيِّدِكُمْ والا احترامی جذبہ کا عقیدہ و طریقہ اختیار کر لیتی ہے۔ ایسی ہی خوشحالی پر اللہ تعالیٰ کی رحمتیں برکتیں نصرتیں نازل ہوتی ہیں۔ اور آقا حضور نبی کریم ﷺ کی دعائیں ملتی ہیں۔ تمام انبیاء علیہم السلام اور اسلام قرآن ایسی ہی خوشحالی کو حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ اس خوشحالی کو کبھی فنا نہیں۔ ایسی سدا بہار خوشحالی میں امراء قوم مربی غربا ہوتے ہیں اور قومی غربا دعا گو اور فدائین قوت امراء بن جاتے ہیں۔ دوسری خوشحالی انفرادی و شخصی اس خوشحال سے آقائیت حاکمیت غرور نخوت رعونت اکڑ تکبر ظلم حرام دولت سے پیار شرارت سے محبت سچائی سے نفرت حق سے دشمنی جیسی بری عادتیں ابھرتی جنم لیتی ہیں۔ ایسی خوشحال میں سردار

marfat.com

اور امراء خود کو حاکم بے لگام سمجھتا ہے اور پوری قوم کو بے قیمتی غلام۔ ایسی خوشحالی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لعنت ملامت نازل ہوتی ہے اور فناء ابدی کا عذاب آ جاتا ہے انبیاء علیہم السلام کی طرف سے ناراضگی اور ہلاکت کی بددعائیں ملتی ہیں ہر دین حق ایسی خوشحالی سے نفرت فرماتا ہے اقدام کو بچاتا ہے ایسی خوشحالی سے امرا مترفین بن کر قوم پر ظالم ہوتے ہیں اور غربا مجبور و مظلوم امراحق کے طاغی اور غربا امیروں سے قلبی تنفر ذہنی باغی ہوتے ہیں اور پھر ان دونوں امراء غربا گروہ سے زمین پر فساد اور قوموں میں فتنوں کے دروازے کھل جاتے ہیں تب ہی رب تعالیٰ کی طرف سے اخذ وبیل وبطش شدید کے عذاب وعتاب نازل ہوتے ہیں اور قومیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ یہ عبرت انگیز فائدہ حَتّٰٓی اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔

دوسرا فائدہ: ہر مسلمان مرد وعورت کو چاہئے کہ وہ ہر قول وفعل میں ہر کافر سے ممتاز وجدا رہے تاکہ دور سے ہی کافر سے علیحدہ مومن کی شناخت ہو جائے بلکہ ظاہر کے حالات وکیفیات اور باطن کے نیات وارادات بھی ہر اعتبار سے متفرق رہیں۔ یہ فائدہ اولاً اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ۔ کی چند خصوصی شانیں بیان فرما کر مومنین کو متفرق وعلیحدہ ذکر کرنے کے بعد پھر وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ ان آیات نے بتایا کہ مومن مسلمان اپنے قول کلام حلیے لباس گھر بار تجارت عدالت عبادت شکل وصورت اور امانت ودیانت عہد ووفا میں ہر کافر سے علیحدہ ہونا چاہئے۔ اور قرآن مجید احادیث مقدسہ کا بیان کردہ اسلامی تشخص وشناخت ونشان ہر مسلمان آل واولاد بلکہ پورے معاشرے وعلاقائی ماحول پر جاری کرنا چاہئے۔ مردوں کی چار انگل شرعی داڑھی۔ عورتوں کے چہرے پر برقہ نقاب کا پردہ۔ سر سے پیر تک مہذب اسلامی لباس یہ محلے کی اونچی مینار کی مسجدیں اور ہر محلے سے اٹھتی ہوئی اذان کی صدائیں علاقائی شناخت مسلمان ہی تو ہے یہ ہی وہ شعائر اسلام ہیں جن کے ذریعے دنیا وآخرت میں ہر مسلمان ہر کافر سے جدا ہے۔ **تیسرا فائدہ:**۔ کافر ومومن کا ایک فرق یہ بھی ہے کہ کافر کا کوئی بھی ابدی اصلی قولی فعلی مددگار نہیں نہ دنیا میں کوئی جو ہلاکت ناگہانی سے بچائے نہ قبر وحشر آخرت میں جو عذاب نافرمانی سے بچائے نہ کوئی حمایتی نہ سفارشی مگر بحمدہ تعالیٰ مومن کے مددگار ہر جگہ موجود ہیں دنیا میں بھی انبیاء، اولیاء، ملائکہ علیہم السلام اور قبر وحشر آخرت میں بھی پل صراط پر بھی یہ فائدہ۔ اِنَّكُمْ مِّنَّا لَا تُنْصَرُوْنَ۔ میں خصوصیت سے کفار کو مخاطب کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:**۔ قانونِ اسلامیہ کے مطابق علوم دینیہ سے بے خبر ہونا مسائل شرعیہ سے ناواقف ہونا ناقابل معافی جرم ہے اور کسی مسئلہ شرعی سے ناواقفی کو اپنی بے عملی یا بدعملی کا عذر و بہانہ بنانا اس سے بھی زیادہ جرم و ناقابل قبول ہے نہ دنیا کی قانونی اسلامی عدالت میں نہ آخرت والی عدالت کی حاضری میں جو مسلمان دنیا کے اسکول وکالج ویونیورسٹی میں تو خوب ماہر نصابات وعلمیات میں کامیاب ہو کر کھیل میں چست ہو مگر دین ومذہب کے ابتدائی وضروری مسائل سے بھی بے خبر اور دینی علم پڑھنے یاد کرنے میں سست وہ دنیا وآخرت کا سنگین مجرم قابل سزا گناہ گار ہے۔ ایسے ہی جو مسلمان مرد عورت دنیوی فنکاری کارسازی معماری کشیدہ کاری سیاست بازی کرنے میں خوب چالاک وہوشیار ہو مگر دینی مسائل پڑھنے سیکھنے میں بدشوق وبے توجہ رہے وہ بھی دنیا وآخرت میں فاسقین فاجرین غافلین میں شمار

marfat.com

ہے۔ یہ مسئلہ بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِيْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا کے نشان وارشاد ربانی سے مستنبط ہوا۔ ایسے بے علم نام نہاد مسلمانوں کے دل بھی جہالت حماقت ضلالت کے پانیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور ایسے مسلمان بھی اپنے نامہء اعمال وشرعی احکام سے غافل ہیں ان کے عمل بھی مسلمانوں کے عمل سے جدا ہیں۔ **دوسرا مسئلہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ وتربیت تو کفار کو مومن بنانے کے لیے ہوتی ہے مگر علماء ربانی کی تعلیم وتربیت فساق کو صالح ونیک بنانے کی لیے ہوتی ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام سے دوری ونفوری کفر ہے۔ اور علماء حق سے دوری ونفوری فسق ہے۔ کفر پر ڈٹے رہنا ضد کر کے قائم ہونا کفار کی شیطانی خصلت ہے۔ اور جہالت حماقت کے کاموں کھیل کود تماشوں میں عمر بھر مشغول رہنا فاسقین کی خصلت بدوعادتِ خبیثانہ ہے۔ کل بعد موت قبر وحشر میں کفار کو کفر کی فساق کی فسق کی پکڑ ہوگی۔ یہ مسئلہ هُمْ لَهَا عٰمِلُوْنَ. اور حَتّٰۤى اِذَاۤ اَخَذْنَا مُتْرَفِيْهِمْ کے ارشاد باری تعالیٰ سے مستنبط ہوا۔ فساق میں مترفین وہ والدین اور لیڈرانِ قوم ہیں جو اپنی اولاد اور قومی نسل کی دنیوی سکول وکالج میں تو بہت محنت دولت الفت سے پڑھاتے ہیں۔ مگر دینی علوم سے بے توجہ اور دور رکھتے ہیں۔ کھیل تماشوں پر شاباش و تمغات وانعامات دیئے جاتے ہیں ناکامی پر جھڑک سرزنش فیل کرنے کی سزا دی جاتی ہے مگر نماز وروزے زہد وعبادت تلاوت سے غفلت کوتاہی بے پرواہی پر نہ کوئی پوچھ گچھ نہ سرزنش نہ سزا نہ فکر آخرت دنیوی نصابوں پڑھائیوں پر ہزاروں روپیہ برباد کیا جاتا ہے مگر تعلیم دینی کے لیے ایک کتاب خریدنا بھی گوارہ نہیں۔ یا اللہ میری قوم مسلم کو ہدایت نصیب فرما۔ **چوتھا مسئلہ:** جب کسی محفل میں قرآن مجید پڑھا جائے تو ہر اس مسلمان پر نہایت توجہ اور گوش وہوش سے اس تلاوت کو سننا اور بالکل خاموش رہنا واجب ہے جو اس محفل میں بیٹھے ہوں باوضو ہو کر آئیں اور خشیت الٰہی رعب کبریائی وہیبت کلام سے کلام الٰہی کے لفظوں کو غور سے سنیں یہ ہی محفل تلاوت کے آداب ہیں۔ ترجمہ نہ بھی آتا ہو تب بھی ذہن میں رکھیں کہ رب تعالیٰ ہم سے کچھ فرما رہا ہے الفاظ پر کان لگائیں اور صرف قاری کی خوش گلوئی پر توجہ نہ ہو نہ واہ واہ کی جائے بلکہ کلام باری تعالیٰ سن کر یہ سوچ کر کہ یہ کلام ہم مسلمانوں کے پاس اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ ہر آیت کی خاموشی پر سبحان اللہ وبحمدہ پڑھیں اور تحفہء قرآن پر شکر رحمٰن ادا کریں۔ یہاں تک کہ کان سنتے ہوں۔ دل خوف الٰہی سے ڈرتے ہوں۔ اور آنکھیں عشق الٰہی کے دفور جذبات سے روتی ہوں۔ خبردار محفل تلاوت کو مقابلہ حسن قرأت کا اکھاڑہ تماشہ گاہ نہ بناؤ۔ کیونکہ مقابلہ حسن قرأت کرانا یا مقابلہ حسن نعت کی تقریبیں تحریکیں سجانا یہ بھی شیطانی شرارتیں ہیں اس طرح محفل ومجلس عبادت گاہ کے بجائے تماشہ گاہ بن جاتی ہے اور لوگ دیگر تماشائی مقابلوں کی طرح یہاں بھی مقابلے کی ہار جیت دیکھنے جمع ہوتے ہیں جو صرف قاری کی ترنم بازی وخوش گلوئی سننے آتے ہیں نہ کہ کلام کبریائی ونعت مصطفائی۔ اگر آواز وترنم پسند نہ آئی تو اکتا کر چلے گئے یا تنگ پڑ گئے اور بے توجہ ہو گئے یا منہ موڑ کر پیٹ پھیر کر بیٹھ گئے یا ارد گرد کھڑے ہو کر دنیوی باتیں شروع کر دیں۔ کلام ربانی کی پرواہ نہ کی یہ سب کام وحرکات ومقابلے کا انعقاد شرعاً حرام ہے وباعث عذاب ہے اور سزاء قبر وحشر کے لائق ہے دنیا میں بھی قدرتی ذلت ملتی ہے۔ اے ایمان والو قرآن مجید کی جتنی بھی تعظیم کرو گے اتنی ہی دنیا وآخرت میں عزت پاؤ گے۔ یہ مسئلہ قَدْ كَانَتْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ (الخ) کے فرمانِ ربانی سے مستنبط ہوا۔ اے میرے مسلمان بھائیو دنیا میں ہی اپنے آپ کو درست کر لو ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں تم کو بھی یہ الفاظ سننے پڑیں۔

marfat.com

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں آیت ۶۳ میں فرمایا گیا بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ مِّنْ هٰذَا۔ اس کا ترجمہ کیا جاتا ہے کہ مومنوں کے دل اس خشیت و اشفاق کی وجہ سے فکر و غم میں ہیں حالانکہ اس سے پہلے آیت ۵۷ میں فرمایا گیا۔ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ۔ اور آیت ۶۰ میں فرمایا گیا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ۔ سوال یہ ہے کہ خشیت کا معنٰی بھی ڈرنا۔ اشفاق کا معنٰی بھی ڈرنا۔ اور وَجلتٌ کا معنٰی بھی ڈرنا اور اب پھر تیسری بار مومنوں کی نشانی میں غَمرتِ فرمایا گیا اس کا معنٰی بھی غم فکر سے ڈرنا۔ یہاں اس کے بیان کی کیا ضرورت تھی اور اہل ایمان کے غم فکر کے خوف کی وجہ کیا ہے۔ اس طرح تو یہ محض تکرارِ لفظی ہوتی ہے۔ **جواب:** ہم نے تفسیر عالمانہ میں وضاحت کر دی ہے کہ خشیت کا معنٰی ڈر خوف۔ اشفاق کا معنٰی تکمیل خوف اور وجلت کا معنٰی اندیشہ دھڑ کا لگنا۔ یہ تینوں کیفیات اہل ایمان کی ہیں۔ اور تکرار لفظی نہیں بلکہ ہر لفظ اپنے علیحدہ معنٰی میں ہے۔ اور غمرۃ میں مومنوں کے دل کی کیفیت کا بیان نہیں ہے بلکہ کفار کے دلوں کی حالت غفلت کا بیان ہے۔ غمرت کا معنٰی غم فکر نہیں بلکہ اس کا معنٰی جہالت و غفلت ہے ہمارے اس تفسیری بیان پر تو کوئی اعتراض پڑتا ہی نہیں۔ معترض کا اعتراض تفسیر کبیر رازی میں بیان کردہ ایک پرانے مفسر ابو مسلم کی تفسیر پر ہے جس کی تائید امام رازی نے بھی کر دی۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس آیت ۶۳ سے پہلے مومنون کا ذکر ہے اس لئے یہاں بَلْ قُلُوْبُهُمْ فِیْ غَمْرَةٍ میں مومنوں کے دل مراد ہیں اتصال کلام کی وجہ سے اور مِنْ هٰذَا کا مِنْ تعلیلیہ ہے اور هٰذَا کا مشار الیہ خشیت وَجَلتُ ہے تفسیر ابو مسلم میں آیت کا معنٰی یہ بنتا ہے کہ ایمان کامل اعمال صالحہ مسارعت خیرات کے باوجود مومنوں کے دل غمرۃ و فکر میں ہیں کہ نہ معلوم ان کے اعمال قبول ہیں یا مردود۔ ہمارے نزدیک ابو مسلم کی تفسیر اور اس کی تینوں توجیہیں اور امام رازی کی تائید سب کچھ قطعاً غلط ہے نہ یہاں ذکر مومنین سے اتصال کلام ہے نہ مِنْ تعلیلیہ ہے نہ هٰذَا کا مشار الیہ خشیت وَجَلتُ ہو سکتا ہے اور غمرۃ کا معنٰی غم فکر کرنا لغت کے خلاف ہے۔ چونکہ یہ تفسیر و توجیہ ہی غلط ہے غمرۃ کا تعلق مومنوں کے دلوں سے نہیں بلکہ کفار کے دلوں سے ہے اس لئے یہ اعتراض بھی غلط ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا حَتّٰٓی اِذَآ اَخَذْنَا مُتْرَفِیْهِمْ یعنی ہم نے مترفین کو پکڑا۔ یہاں صرف مترفین کا ذکر کیوں فرمایا گیا۔ عذاب تو سب چھوٹے بڑے کافروں پر نازل ہوتا ہے اور سب کفار ہی ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ **جواب:** جن مفسرین نے اَخَذْنَا سے جنگ بدر کی قتل و غارت مراد لی ہے وہ تو یہ جواب دیتے ہیں کہ چونکہ جنگ بدر میں زیادہ تر سرداران کفر ہی قتل ہوئے تھے اس لئے مترفین فرمایا گیا لیکن جن اکثر مفسرین نے اَخَذْنَا سے عذاب جہنم مراد لیا ہے وہ جواباً یہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے بعد جہنم میں پہلے کفار سرداروں کو ڈالا جائے گا صرف عوام کفار کو ان کے بڑوں کا انجام دکھانے کے لیے کہ دیکھو یہ ہیں تمہارے آباء و اجداد اور بڑے لیڈر جو دنیا میں تم کو دین حق سے ورغلاتے ہٹاتے گمراہ کرتے بے دین بناتے کفر پر جماتے قائم رکھتے اور تمہارے لیے دنیا و آخرت کا سہارا بننے کے بڑے بڑے وعدے کرتے تھے۔ اب دیکھو جب ان کا یہ انجام ہے تو تم کیسے بچ سکتے ہو۔ بڑوں کی یہ بدانجامی دکھانی بھی چھوٹوں پر اذیت کا عذاب ہی ہے بلکہ دگنا قلبی عذاب دوسری وجہ مُتْرَفِیْهِمْ فرمانے کی یہ ہے کہ امراء و عیاش کفار کو تکلیف یا اذیت زیادہ محسوس ہوگی اور برداشت نہ کر سکنے کی وجہ سے ان کی چیخ و پکار شدید ہوگی جو دور کھڑے سننے والوں کے لیے عذاب شدید کی

marfat.com

مثل ہو گی تیسری وجہ یہ کہ مُتْرَفِیْنَ کا عذاب عام کفار کے عذاب سے چار گنا زیادہ ہو گا۔ ۱۔ گمراہ ہونے کا۔ ۲۔ گمراہ کرنے کا۔ ۳۔ عیاشی کا۔ ۴۔ غرور اور غریبوں پر ظلم کرنے کا۔ ان وجوہ سے یہاں صرف مُتْرَفِیْھِمْ کی پکڑ کا ذکر فرمایا گیا اور آج دنیا میں اس لئے سنایا گیا تا کہ ابھی دنیا میں ہی ہم سب لوگ سنبھل جائیں۔ عیاش امرا بندہ بن کر غریب عوام عبرتِ نصیحت لے کر اور مومن مسلمان نعمتِ اسلام قرآن کا شکر الٰہی ادا کر کے تا کہ شکریئے میں زیادہ کامل عامل بنیں۔

تفسیر صوفیانہ

یہ دنیا کے لیے عیش میں خرمست، مدہوش و بدگوش نہیں بلکہ ان کے دل غشاوات ھیولٰی و غفلت غامرہ میں ڈوبے ہوئے ہیں اور دور پڑے ہیں اس عمل کی سبقت و طلب حق سے۔ ان کے اعمال قرب منزل کے خلاف درکاری کا سبب ہیں اس لئے کہ بارگاہِ ربوبیت و آستانہ الوہیت سے دروازہ تناکس اور حجاب تکاثف میں پیٹھ پھیرے ہوئے ہیں آیات تجلیات سے آنکھیں بند بیزار و نفور ہو کر مشقت کی ایڑیوں کو پھیرنے اور تھک بیٹھنے والے حرمِ انوارِ وصل سے ہی راستہ بدل لینے والے ہیں۔ یعنی جس طرح اور جتنے لوگ سابقون صالحون کے مسلسل اچھے اعمال منور میں ترقی و کشف الغطا پردوں کے کھلنے کا سبب اور وصول حق میں کامیابی کی وجہ ہیں اتنے ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان بدکاروں کے اعمال بد تسغُّل تکدر کے غلیظ پردوں میں ہیں اس طرح کہ مسلسل کمینگی و قابل نفرت گندے موٹے حجابات میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے بارگاہِ حق کے جھڑک و درکار والے ہیں۔ ان لوگوں کے اعمال بد ہمیشہ طلب دنیا شہواتِ نفسانیہ عیش پرستی لذت براری والے ہیں۔ ان کا نفس عیار کبھی بھی اِن عملیات خبیثہ عاداتِ خسیسہ سے ان کو ہٹنے بچنے نہیں دیتا یہ بدبخت ان ہی عملیات ظلمات کے واخطبون دَائِمُوْنَ ہیں۔ یہاں تک کہ جب ان کے مترفین عیاری و مکاری کو فناء محرومی ہلاکت مقہوری میں پکڑ لیا جاتا ہے تب نفوس امارہ عبرت کا رونا حسرت کا چیخنا عجلت کا چلانا شروع کرتے ہیں مگر اس وقت کا پچھتانا غیبی مدد کے لیے بیکار ہے اور لَا تُنْصَرُوْنَ کا آوازۂ حق بلند ہوتا ہے کہ اب تم قرب وصل کی بارگاہ میں نہیں پہنچ سکتے تمہاری کوئی مدد نہ کی جائے گی اس کی وجہ یہ کہ جب بھی مرشد قلب کی آہ سحر گاہی صوتِ لاہوتی سے آیات کمالات کی تلاوت تمہارے سامنے کی جاتی تھی تو تم اور تمہارے اعضاء ظاہری تَسْخَرَۃً شیطانی اعمال طغیانی میں مسرور مشغول ہو کر راہِ حق سے مفرور و دور ہو جاتے تھے۔ تمہارا جبہ و دستار سجادۂ زرنگار خطبہ و گفتار سب حصولِ دنیا کا طریقہ کار تھا۔ وَلَهُمْ اَعْمَالٌ مِّنْ دُوْنِ ذٰلِكَ۔ اور یاد رکھو کہ فاسقین کے اعمال ہمیشہ اعمال صالحین سے جدا و کمتر ابتر ہی ہوتے ہیں۔ صالحین کے اعمال کا کام تقویٰ ہے اور تقویٰ ہی تمام عبادات کی روح ہے تقوے کی روح محبت محبت کی روح اتباع، اتباع کی روح تعظیم ہے۔ تقوے کی پچیس نشانیاں ہیں۔ اولاً تعظیم شعائر اللہ دوم ترکِ معصیت سوم تصدیق شریعت چہارم قرآن و حدیث کی تربیت پنجم رحمت رحمٰن کی امید ششم حرام و مشکوک و مکروہ چیزوں سے بچنا ہفتم موجبات عذاب سے ڈرنا۔ ہشتم تمام احکام الٰہی پر عمل کرنا نہم صدق ایمان قلبی یقین دہم اقوال نبوی کی اطاعت گیارہویں اعمال نبوی کی اتباع بارہویں گناہِ کبیرہ صغیرہ سے دور ہونا تیرھویں ترک تعصب و فعل تصلب کرنا چودھویں اپنی عبادات پر مغرور نہ ہونا پندرہویں زبان کی گناہوں سے حفاظت و صدق مقال سولہویں دنیا کو راہِ گزر کی خار دار و پگڈنڈی سمجھنا سترہویں ہر برے شخص بری محفل بری کتاب بری چیز سے بچنا اٹھارویں غیب پر ایمان لانا انیسویں نماز کا مقیمین بننا نہ کہ فقط مصلین

marfat.com

بیسویں زکوٰۃ وصدقات کا معطی ہونا اکیسویں تمام صحف و کتب الٰہیہ کے کلام الٰہی قدیم ہونے پر ایمان لانا بائیسویں قیامت و ملائکہ پر ایمان تیئیسویں عبادت میں خلوص و بے ریائی چوبیسویں فیاضی پچیسویں تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان کامل ہونا۔ فاسقین کے اعمال کا نام معصیت ہے جن سے بچنا ہر مسلمان کا فرض ہے۔ اے میرے پرودگار تو ہی مجھ جیسے بھٹکے ہوئے اندھوں کو منزل قرب کی راہ بتانے والا اور مقامِ معرفت تک پہنچانے والا ہے۔ تیری جناب میں توبہ کے دروازے ہر وقت کھلے رہتے ہیں۔ طالبین منزل مراد کو صدق قلبی سے رجوع کرنے کی ضرورت ہے اے میرے کریم مولیٰ تعالیٰ تو ہی غفور و رحیم اور بخشنے والا ہے ہم تیرے بھٹکے ہوئے گناہ گار بندے ہیں بخشش و توبہ کے طلب گار۔ رحم فرما اے مالک سب جہاں رحم فرما۔ اے شانِ کریمی ہمیں مایوس نہ فرما بس ہمیں ہمارے آقا کے قدموں میں پہنچادے کیونکہ وہیں پر ہماری دعاؤں میں اثر ہو سکتا ہے اور ہمارا یقین ہے کہ

تقدیر بدلتی ہے دعاؤں کے اثر سے
بے عجز کبھی ملتا نہیں اپنی فکر سے
ہر چیز میں اثر ہے اس آقا کے نگر سے
جو کچھ بھی کسی کو ملا بس ان کی نظر سے
صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّم

مُسۡتَكۡبِرِيۡنَ ۖۗ بِهٖ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ ﴿۶۷﴾ اَفَلَمۡ يَدَّبَّرُوا

غرور کرتے ہوئے کعبے کی کلید برداری خدمت گذاری پر حالانکہ ان کو راتوں کو کہانیاں سنانے کیلئے خدمت کعبہ وعبادت حرم کا اصل حق اور دین حق چھوڑتے ہو تو کیا تدبر ہی نہ کیا انہوں

خدمت حرم پر بڑائی مارتے ہو رات کو وہاں بیہودہ کہانیاں بکتے ہو حق کو چھوڑے ہوئے کیا انہوں نے بات کو سوچا نہیں

الۡقَوۡلَ اَمۡ جَآءَهُمۡ مَّا لَمۡ يَاۡتِ اٰبَآءَهُمُ الۡاَوَّلِيۡنَ ﴿۶۸﴾

نے حق سچی بات میں یا آ چکی ہے ان کے پاس کوئی وہ خوشخبری جو نہیں آئی تھی ان کے گزشتہ آباء کے پاس

یا ان کے پاس وہ آیا جو ان کے باپ دادا کے پاس نہ آیا تھا

اَمۡ لَمۡ يَعۡرِفُوۡا رَسُوۡلَهُمۡ فَهُمۡ لَهٗ مُنۡكِرُوۡنَ ﴿۶۹﴾

یا ابھی تک نہ پہچانا انہوں نے اپنے رسول کو تو اس لئے وہ اس کے منکر ہیں

یا انہوں نے اپنے رسول کو نہ پہچانا تو وہ اسے بیگانہ سمجھ رہے

اَمۡ يَقُوۡلُوۡنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلۡ جَآءَهُمۡ بِالۡحَقِّ

marfat.com

یا کہتے ہیں کہ اس کو جنون ہے بلکہ وہ رسول تو لائے ان کے پاس حق کو
یا کہتے ہیں اسے سودا ہے بلکہ وہ تو ان کے پاس حق لائے
وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ۝۷۰
اور اکثر کافر حق سے ہی نفرت کرنے والے ہیں
اور ان میں اکثر کو حق برا لگتا ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں سابقہ کفار کے متکبرانہ کفریہ رویے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں موجودہ کفار مکہ کے متکبرانہ رویے روش کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں عذاب کو دیکھ کر کافروں کے چیخنے چلانے فریاد کرنے گڑگڑانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں کفارِ مکہ کی خوشحالی خرمستی کے دنوں میں رات بھر اپنی بہادری طاقت قوت کی جھوٹی کہانیوں قصوں کو سنانے کا ذکر ہے کہ سردارانِ کفر حرم شریف میں بیٹھ کر کیسی بیہودہ بناوٹیں بناتے سناتے رہتے ہیں۔ یا پھر راتوں کو اسلام کے خلاف خفیہ میٹنگیں کرتے تھے اس کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کا قرآنِ مجید میں منہ پھیرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اس کی وجہیں بتائی جا رہی ہیں۔ ۱۔ ان کا تکبر۔ ۲۔ نبی کریم کو نہ پہچاننا۔ ۳۔ نبی کریم کو مجنون سمجھنا (معاذ اللہ)

شانِ نزول

ان آیات کے شانِ نزول میں تین قول ہیں مگر صحیح قول یہ ہے کہ جب قریش مکہ کفار نے مسلمانوں کا بائیکاٹ کیا تو نبی کریم ﷺ کی بددعا سے پورے حجاز پر قحط پڑ گیا جو سات سال رہا کفار ابتر و پریشان ہو گئے۔ تب اس وقت کے کافروں میں سب سے زیادہ ظالم و مغرور کافر ابو سفیان کفار کا نمائندہ بن کر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ کیا آپ رحمت عالمین نہیں ہیں نبی کریم ﷺ نے فرمایا بے شک میں رحمۃ عالمین ہوں تب یہ مغرور سرکش ظالم جس کا اب سب غرور ٹوٹ چکا تھا انتہائی عجز و انکسار سے بولا کہ آپ دیکھ رہے ہیں سب اہل عرب سات سال سے قحط میں ہلاک ہوئے جا رہے ہیں یہ قحط آپ کی نافرمانی و بددعا کی وجہ سے ہے۔ اس قحط نے بڑے بڑوں کے غرور توڑ دیئے لوگ مردار تک کھا گئے بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ آپ کو آپ کے اللہ کی قسم دیتا ہوں اور قرابت کا واسطہ کہ آپ اپنی بددعا واپس لے لیں اور خاتمہ قحط کی دعا فرمائیں ہم آپ کا بائیکاٹ ختم کرتے ہیں۔ تب نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اور سات سالہ قحط ختم ہو گیا بارشیں ہوئیں کھیت اُگے سب بیماریاں پریشانیاں دور ہوئیں جس دن نبی کریم ﷺ نے دعا فرمائی اس دن یہ گیارہ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۶۸ تا ۷۸۔ ۲۔ بعض نے فرمایا کہ یہ قحط جنگ بدر کے بعد ہوا مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ سورۃ مومنون سب مکی ہے حالانکہ جنگ بدر بعد ہجرت مدنی زندگی میں ہوئی۔ ۳۔ بعض نے لکھا کہ ان آیات میں عتابِ شدید سے مراد عذابِ قبر یا عذاب جہنم ہے قحط مراد نہیں۔ مگر یہ قول بھی غلط ہے کیونکہ حَتّٰٓی اِذَا فَتَحْنَا۔ عذاب کے انتہا و خاتمے کو ثابت و ظاہر کر رہا ہے حالانکہ عذاب اخروی قبر و

marfat.com

حشر و جہنم کی انتہا نہیں ہے تسلسل سے جڑے ہوئے ہیں جس سے ثابت ہوا کہ یہ زندگی میں عذاب ہوا۔

تفسیر نحوی

مُسْتَكْبِرِيْنَ ۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ۞ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۞ مُسْتَكْبِرِيْنَ باب استفعال کا اسم فاعل جمع مذکر غائب بحالت فتحہ کیونکہ حال ہے سابقہ فعل تَنْكِصُوْنَ کے فاعل کا اس کا مصدر ہے اِسْتِكْبَارٌ۔ كِبْرٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے تکبر کرنا۔ خود کو بڑا سمجھنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے تَنْكِصُوْنَ کا فاعل اہل مکہ کے مُتْرَفِيْنَ (امراء و سرداران) بِ حرف جر سببیہ ہٖ ضمیر مجرور متصل مرجع ہے۔ اِنَّ کا اِتْرَاف یا مکہ مکرمہ کی سرداری یا خدمت حرم شریف اور کعبہ معظمہ کی چابی برداری یہ جار مجرور متعلق ہے مُسْتَكْبِرِيْنَ کا سٰمِرًا۔ باب نصر کا اسم فاعل واحد مذکر سَمَرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے رت جگا کرنا۔ گمراہ کرنا۔ ورغلانا۔ بہکانا۔ بھٹکانا۔ رات میں قصہ گوئی کی محفلیں لگانا۔ جسم کا گندمی رنگ ہونا۔ اسی معنٰی میں قوم موسیٰ علیہ السلام کے سامری کو سامری کہا جاتا تھا۔ بلکہ اس کی پوری برادری قبیلے کو قوم سامر کہا جاتا تھا یعنی گندمی رنگ کے لوگ لغوی ترجمہ ہے چاندنی رات۔ پھر چاندنی راتوں کی محفل کو کہا جانے لگا۔ یہاں یہی مراد ہے۔ رات کو قصہ کہانیوں کی محفلیں لگانا۔ سٰمِرًا معفول لہ مقدم ہے تَهْجُرُوْنَ باب نصر مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر حاضر هَجْرٌ سے بنا ہے۔ بمعنٰی چھوڑنا۔ مراد ہے عبادت کو چھوڑنا۔ دراصل یہ عبارت اس طرح تھی تَهْجُرُوْنَ سٰمِرًا۔ عبادت کو چھوڑتے ہو تم یا حق دین کو چھوڑتے ہو تم قصہ کہانیاں کہنے کے لیے اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ مرجع۔ مُتْرَفِيْنَ مکہ مکرمہ۔ یہ فعل فاعل مفعول لہ مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے مُسْتَكْبِرِيْنَ کے فاعل کا یہ اسم فاعل اپنے فاعل ذوالحال حال اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے تَنْكِصُوْنَ کے فاعل کا اَفَ دراصل ہے فَاَ۔ بمعنٰی تو کیا۔ لَمْ يَدَّبَّرُوْا باب تفعل کا مضارع منفی معروف بمعنٰی ماضی مطلق۔ دراصل ہے يَتَدَبَّرُوْا۔ اس کا مصدر ہے تَدَبُّرٌ يَتَدَبَّرُوْا کی ت کو تخفیف کے لیے دال بنایا اور دونوں دال کا ادغام کیا گیا۔ دُبُرٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے پیچھے ہونا پیچھے دیکھنا۔ مراد ہے آگے پیچھے دیکھنا یہاں معنٰی ہے غور وفکر کرنا۔ گہرائی تک دیکھنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع کفار مکہ۔ الف لام عہد خارجی قول اسم حاصل مصدر جامد۔ بمعنٰی بات کلام مراد ہے قرآن وحدیث۔ یہ مفعول فیہ ہے۔ لَمْ يَدَّبَّرُوْا۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَمْ عاطفہ بمعنٰی یا جَآءَ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف جَیٌّ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے آنا۔ هُمْ ضمیر جمع مذکر منصوب متصل ظرف مکانی ہے ترجمہ ہے ان کے پاس یا مفعول بہ ہے ترجمہ ان کو مَا اسم موصول لَمْ يَاْتِ۔ باب ضرب کا مضارع منفی معروف بمعنٰی ماضی مطلق۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ آنا۔ پانا۔ ملنا لازم ہے۔ یاد یا جانا تب یہ متعدی ہے اس کا فاعل هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب اس کا مرجع ہے ما موصولہ آبَاءِ اسم جمع مکسر ہے اَبٌ کی بمعنٰی باپ مربی آباء کا معنی ہے باپ دادے مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ۔ اس کا مرجع موجودہ کفارِ مکہ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اَلْاَوَّلِيْنَ۔ الف لام اسمی بمعنٰی اَلَّذِيْنَ۔ اَوَّلِيْنَ۔ اسم تفضیل جمع مذکر بحالت نصب ہے۔ اس کا واحد مذکر ہے۔ اَوَّلٌ بنا اس کا مونث ہے اولیٰ ترجمہ ہے سب سے پہلے۔ یا سب میں زیادہ پہلے ہونے والے اولیت کی چار قسمیں۔ ۱۔ باعتبار وجود یہ رب تعالیٰ کی ہی صفت ہے۔ ۲۔ باعتبار درجہ مرتبہ۔ ۳۔ باعتبار زمانہ یہاں یہی مراد ہے۔ ۴۔ باعتبار مکانیت اَوَّلٌ سے بنا باب فتح سے ہے ترجمہ ہے

marfat.com

پہلے ہونا گذشتہ ہونا یہ صفت ہے آبَاءَ هُمْ کی یہ مرکب توصیفی ظرف مکانی ہے بمعنی ان کے پاس یا مفعول بہ ہے بمعنی ان کو لَمْ یَاْتِ۔ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہے اگلی عبارت کا۔ اَمْ لَمْ یَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ یَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَ اَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ ﴿۷۰﴾ اَمْ حرف عطف برائے تخییر بمعنی یا لَمْ یَعْرِفُوْا۔ باب ضرب کا مضارع منفی معروف جمع مذکر غائب۔ عُرْفٌ سے بنا ہے بمعنی پہچاننا۔ اسی سے ہے عرف عام یعنی اصطلاحی معنی اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے مُتْرَفِیْنَ مکہ رَسُوْلٌ اسم صفت مشبہ بروزن فعولٌ۔ واحد مذکر رَسْلٌ سے مشتق ہے باب افعالٍ سے بنا ہے مصدر ہے اِرْسَالٌ۔ رَسُوْلٌ بمعنی مرسل یعنی بھیجا ہوا مبالغہ کا مقصد یہ ہے کہ وہ کسی خاص کام کے لیے بھیجا گیا ہو دنیا میں ہر وقت اس کا وہی فرض ہے یہ مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ ترجمہ ہے اپنے رسول کو۔ مراد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَمْ یَعْرِفُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ یہاں انشائیت اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوْا کے استفہامیہ (سوالیہ) جملے پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے۔ فَ عاطفہ سببیہ هُمْ ضمیر مبتدا لَهٗ۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ مُنْكِرُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر نکْرٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِنْكَارٌ ترجمہ ہے منع کرنا ماننے سے (نہ ماننا) نفی کرنا صفات کی اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ ہے۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ هُمْ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے لَمْ یَعْرِفُوْا کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر معطوف علیہ ہوا۔ اَمْ حرف عطف یَقُوْلُوْنَ۔ باب نصر کا فعل مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب قَوْلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی کہنا هُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے بِ جارہ تعدیہ (مفعولیت) کی ہٖ ضمیر واحد مذکر کا مرجع رَسُوْلُهُمْ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے لَاحِقٌ پوشیدہ اسم فاعل کا جِنَّةٌ اسم حاصل مصدر بمعنی جُنُوْنٌ ہے پاگل پن۔ لغوی ترجمہ ہے چھپانا چونکہ پاگل پن عقل کو چھپا لیتا ہے۔ اس لئے اس کو جنون اور جِنَّةٌ کہا جاتا ہے۔ یہ فاعل ہے لَاحِقٌ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا یَقُوْلُوْنَ کا یہ قول مقولہ مل کر معطوف علیہ ہے بَلْ حرف عطف برائے اضراب یعنی کلام سابق کی نفی و تردید کرنے کے لیے جَآءَ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب جیئٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنا اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے رَسُوْلُهُمْ هُمْ ضمیر ظرف مکانی ہے بمعنی ان کے پاس یا مفعول فیہ ہے بمعنی انہیں بِ جارہ بمعنی مع ساتھ الف لام عہد ذہنی حَقِّ اسم حاصل مصدر بمعنی سچ صاف صحیح مراد ہے دین اسلام یہ جار مجرور متعلق ہے جَآءَ کے سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ذوالحال واوَ عاطفہ۔ حالیہ ترجمہ ہے اور حالانکہ اَكْثَرُهُمْ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے لِلْحَقِّ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ كٰرِهُوْنَ باب سمع کا اسم فاعل جمع مذکر كَرْهٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے نفرت کرنا ناپسند کرنا۔ اسی سے کراہت اور مکروہ۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ هُمْ ضمیر صیغہ فاعل جس کا مرجع ہے اَكْثَرُهُمْ اور متعلق مقدم لِلْحَقِّ سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف حالیہ ہوا جَآءَهُمْ کے جملہ پر وہ معطوف ہوا یَقُوْلُوْنَ کے جملہ قولیہ پر وہ معطوف ہوا مُنْكِرُوْنَ کے جملے پر وہ مسبب عطفی ہوا لَمْ یَعْرِفُوْا کا وہ عطف ہے اَفَلَمْ یَدَّبَّرُوْا کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا وَاللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ

مُسْتَكْبِرِیْنَ ۚ بِهٖ سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ۔ کفار مکہ کا اسلام قرآن پر ایمان لانے سے منہ پھیرنا اس لئے ہے کہ انہیں مکے کی سرداری

marfat.com

حدودِ حرم کی نمبرداری اور کعبے کی ذمہ داری ملنے پر غرور ہو گیا ہے حالانکہ انہیں چاہئے تھا کہ اس نعمت وعزت پر شکر الٰہی کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار مکہ کو عظمت وشان کی پانچ نعمتیں عطا فرمائیں۔ ۱۔نظامت حرم۔ ۲۔حفاظت وطہارت کعبہ۔ ۳۔ولادتِ نبی آخر الزمان۔ ۴۔نزولِ قرآن آخری آسمانی کتاب۔ ۵۔آمد دین اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ کو چار دعوتیں فرمائیں۔ دعوتِ عجز وشکر' دعوتِ غور وکفر' دعوتِ ایمان' اسلام قرآن نبوت کا تعارف مگر کفار مکہ نے ہر دعوت پر بجائے غور وفکر شکر کرنے کے غرور وکفر ہی کیا۔ اور بجائے تدبر فی القرآن کرنے کے تنکص بالآیت ہی کیا اور تعارف کے بجائے تجاہل دکھایا۔ اعتراف کے بجائے انحراف کیا۔ دین حق سے الفت محبت کی بجائے نفرت کراہت دکھائی۔ غرضیکہ کفار مکہ نے ہر دعوت وتبلیغ پر تَنكِصُونَ فِي الْيَوْمِ اور مُسْتَكبرين في اللَّيْلِ کا ہی مظاہرہ کیا۔ یہاں کفار کی اسی حالت کفر کا ہی نقشہ کھینچا گیا ہے کہ دن کے وقت تو تلاوتیں سن کر بھاگتے راستہ بدل جاتے اور راتوں کے اندھیرے یا چاندنی میں کعبے کے پاس بیٹھ کر متکبرانہ انداز میں اسلام قرآن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف باتیں کرتے منصوبے بناتے۔ خیال رہے کہ راتوں کو جاگ کر قصے کہانیوں کی محفلیں لگانا۔ مشاعرے سنانا یا مشاورتی مجلسیں منعقد کرنا۔ اور اپنے بڑے آباؤ اجداد کے فخریہ کارناموں کے تذکرے کرنا۔ اور پوری رات اسی طرح گذار کر بوقت سحر گھروں میں جا کر سو جانا اہل مکہ کا پرانا مشغلہ تھا عجیب حیوانی زندگی تھی اسلام نے اس عادتِ بد سے ہر مسلمان کو تا قیامت منع فرمایا ہے شریعت کا حکم ہے کہ بعد نمازِ عشاء جلدی سو جاؤ تا کہ جلدی اٹھو۔ کفار زمانہ اب بھی اسی بیہودہ و بے سودہ طریقہ رت جگا پر قائم ہیں اب تو کچھ مسلمان بھی اس شیطانی عادت کے عادی ہوتے جا رہے ہیں اللہ تعالیٰ ہم کو بچائے آمین۔ عربی میں راتیں جاگ کر قصے کہانیاں سنانے کو سامریت کہتے ہیں۔ دین اسلام شروع ہونے کے بعد کفار مکہ کی پوری سامریت دین اسلام کے خلاف باتیں کرنے منصوبے بنانے میں ہوتی۔ راتوں کو اجتماعی محفلوں میں مسلمانوں کے خلاف سازشیں اذیت دینے کی چالیں بنائی وتیار کی جاتیں۔ یہاں ان آیات پاک میں انہی سامریتوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اے بدقسمتو ہماری آیتوں سے تَنكِصُونَ اور ہماری نعمتوں سے مستکبرین ہو۔ کعبہ وحرم کی متولیت ونظامت کی سرفرازی ہماری عطا ہے اور تمہاری خوش نصیبی تو بجائے اس نعمت وعزت پر شکر کرنے کے ہماری توحید پر ایمان لانے کے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم و اسلام قرآن کے خلاف سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ہو رہے ہیں کہ دن میں حق سے دوری اور راتوں میں حق سے نفوری میں گذارتے ہو۔ اپنی قیمتی نایاب عمریں برباد کیوں کر رہے ہو۔ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ۔ تو کیا ان کفار مکہ نے کبھی بھی اللہ رسول کے قول فرمان۔ حدیث وقرآن پر غور وفکر نہ کیا۔ اگر کرتے تو معلوم ہو جاتا کہ یہ قرآن واسلام پر ایمان انہی کے ابدی مفاد میں ہے۔ تَدَبُّر کا معنی ہے سمجھنے کے لیے دل کو حاضر و آمادہ کرنا۔ کیا ان کو یہ فائدے مندبات کوئی سمجھاتا نہیں۔ کیا یہ خود بھی سوچنے سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کیا یہ لوگ عربی لغت صرف نحو فصاحت بلاغت محاوروں استعاروں اصطلاحوں عرفیات منقولات' فلسفیات منطقیات سے زبان کی ادبی باریکیوں سے ناواقف و بے علم ہیں؟ ہرگز نہیں بلکہ یہ سب جانتے سمجھتے ہیں اسی عملیت ودانائی کی بنا پر ان کو دعوتِ تدبر دی جا رہی ہے ورنہ اس جاہل شخص کو تدبر فی القرآن کی ہرگز اجازت نہیں ہے جو تمام علوم عربیہ سے پوری طرح واقف وعالم عارف وعاقل نہ ہو اور کسی بے علم کم عقل کو جائز نہیں کہ صرف ترجمۃ القرآن پڑھ کر مفسر قرآن یا علامہ زمان بنتا پھرے کیونکہ بلا وسیلۂ علم واستاد

marfat.com

تدبر فی القرآن تحریراً یا تقریراً ناممکن بلکہ گمراہی جہالت پھیلانا ہے۔ تدبر قرآنی کے لیے علماء متبحرین فقہاء مصرین کی تقلید واجب ہے۔ علم کے دو دروازے ہیں۔ اولاً علم وطن جیسے علماء اہل عرب۔ ثانیاً علم درسی جیسے علماء عجم۔ مکمل علم وطنی پکے شعراء کے پاس ہوتا ہے اور مکمل علم درس سچے طلبا کے پاس ہوتا ہے۔ اہل عرب اپنی کامل وطنیت کی وجہ سے مکمل عربیت کے عالم ہیں اور اہل عجم کو اپنی کامل درسیت کی وجہ سے عربیت پر عبور حاصل ہو جاتا ہے اور صرف عربی عجمی علماء عقلا کو ہی اللہ تعالیٰ نے تدبر فی القرآن کی دعوت دی ہے کہ یہاں فرمایا۔ اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اور سورۃ نساء کی آیت ۸۲ میں فرمایا۔ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اور سورۃ محمد کی آیت ۲۴ میں فرمایا اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا۔ اور سورۃ ص کی آیت ۲۹ میں فرمایا۔ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ مُبٰرَكٌ لِّيَدَّبَّرُوْٓا اٰيٰتِهٖ وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ۔ ان تمام آیات میں صرف علماء راسخین فقہاء کاملین کو ہی فقط دعوت تدبر دی گئی ہے نہ کہ کسی بے علم کو اس لئے کہ تکمیل علم وعقل سے ہی تدبر قرآنی کی تحصیل ہو سکتی ہے اور تحصیل تدبر سے ہی سچی تفسیر ہے ورنہ جہالت کی تقریر وحماقت کی تحریر سے تحریف ہی ہو گی نہ کہ تفسیر۔ غرضیکہ پکی تعلیم سے سچی تدبیر ہے اور سچی تدبیر سے ایمانی تفسیر ورنہ شیطانی تحریف ہی ہو گی اور ایمانی تفسیر سے ہدایت ہی ملتی ہے۔ لیکن جاہل کی شیطانی تحریف سے ضلالت ہی پھیلتی ہے۔ اسی باب ضلالت وگمراہی کو بند کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے کسی آیت میں اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا کی نشاندہی فرمائی۔ اور کسی آیت میں وَلِيَتَذَكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ کی قید وشرط لگا کر ہر جاہل ہر بے علم بے عقل پر پابندی لگا دی گئی اب یہاں اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ فرما کر دو باتیں سمجھائی گئیں اولاً یہ کہ اے عربیو جب تمہارے پاس آیات قرآن تلاوت ہو کر آئیں تو تم عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ تَنْكِصُوْنَ کا مظاہرہ نہ کرتے بلکہ تدبر فی القول کرتے کیونکہ تم نے تو آیاتِ کبریائی کو زبانِ مصطفائی سے سن لیا تھا۔ ثانیاً یہ کہ القول فرمانا یہ بتا رہا ہے اے بعد والے عجمیو کلام الٰہی قرآن مجید کو قولِ مصطفائی حدیث مقدس کے ذریعے سمجھو یہی طریقہ سنت صحابہ واستنباطِ فقہاء اہل سنت وراہِ مستقیم ہے نہ فقط اہل قرآن بنو نہ فقط اہل حدیث بنو۔ یہ کفار منافقین فساق ومعاتبین وعاصیین ناصرین لوگ اسلام وقرآن وصاحب قرآن سے کیوں نَاكِصُوْنَ مُسْتَكْبِرُوْنَ وَ تَهْجُرُوْنَ ہیں۔ اور بلا تدبر تفکر وتکبر دکھاتے بدخواہیاں پھیلاتے برائیاں کرتے پھر رہے ہیں نہ ان کو دن میں سکون ہے نہ رات کو چین ہے اسلام کے خلاف بدحواس ہوئے پھر رہے ہیں اَمْ جَآءَهُمْ مَّا لَمْ يَاْتِ اٰبَآءَهُمُ الْاَوَّلِيْنَ۔ کیا ہمارے ان محبوب نبی کے ذریعے دین اسلام کی شکل میں کوئی ایسی عجیب انوکھی نرالی اجنبی چیز آ گئی ہے جو اس سے پہلے ان کے آباؤ اجداد کے پاس نہ آئی تھی۔ کیا یہ نبوت رسالت دین الٰہی کلام کبریائی خصوصی طور پر صرف انہی کفار مکہ کے پاس آیا ہے اس سے پہلے کبھی ان کی آبائی قوم قبیلے کے پاس کوئی نبی کوئی کلام وحی نہ آیا تھا کسی قوم نے کلام اللہ نہ سنا تھا کیا ان اہل مکہ کے کانوں نے دعوتِ توحید۔ اخروی حیات قیامت کے حساب جنت کے ثواب جہنم کے عذاب کفر وشرک کی برائی بتوں کی پلیدی۔ بداخلاقی کی گراوٹ۔ اخلاق حسنہ کی لگاوٹ عبادت کی طہارت وحدہٗ لاشریک کی الوہیت والی تبلیغ وتعلیم پہلی بار سنی ہے ایسا نہیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ قرآن مجید کی تعلیم شریعت کے احکام کوئی ایسا کام نہیں جو تاریخ دنیوی میں پہلی مرتبہ ظاہر ہوا ہو۔ یہ کفار مکہ بھی اس بات کو جانتے مانتے پہچانتے ہیں کہ پہلے زمانوں میں بھی ان کے آباؤ اجداد کے پاس انبیاء علیہم السلام آتے کلام الٰہی لاتے اور ایسے ہی دین وتوحید کی تبلیغ فرماتے موت وحیات فنا وبقا عذاب وثواب کی بشارتیں

marfat.com

نذارتیں سناتے رہے۔ شام فلسطین عراق و دمشق مصر و مدین کی تاریخیں انہیں یاد ہیں یہ بھی جانتے ہیں کہ آبائکم میں انبیاء کے ماننے والوں کو نجات بقا ملی تھی اور نہ ماننے والوں کو ہلاکت فنا ملی تھی ہود ابراہیم صالح شعیب موسیٰ و ہارون علیہم السلام کی پاکیزہ شخصیات کو بھی پہچانتے ہیں اگر یہ کفار مکہ سابقہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کمالات فرمودات اور ان کی کافرین و مومنین قوموں کے حالات نہ جانتے ہوتے تو اب ہمارے اس نبی مکرم سے یہ مطالبہ نہ کرتے کہ فَلْيَأْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ (انبیاء:۵) یعنی اے محمد مصطفیٰ اگر تم بھی نبی ہو تو ہمارے پاس اس قسم کے معجزے لاؤ جس طرح کے معجزے پہلے انبیاء اپنی قوموں کے پاس لاتے دکھاتے رہے۔ کفار مکہ کے اس مطالبے سے ہی معلوم ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اپنے آباء کی تاریخ سابقہ انبیاء کی تبلیغ دین توحید کی حقانیت شرک و کفر کی باطلیت کو جانتے ہیں۔ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ انبیاء سابقین ابراہیم و اسماعیل وغیرہما مشرک نہ تھے اور وہی عقائد و اعمال کردار اخلاق لے کر آئے تھے جو آج یہ نبی محمد مصطفیٰ ﷺ قرآن و حدیث کی تحریر و تقریر تبلیغ سنا رہے بتا رہے ہیں۔ غرضیکہ دین اسلام میں کوئی بھی ایسی آیت روایت نہیں جو مَّا لَمْ يَأْتِ اٰبَآءَهُمُ ثابت ہو سکے لہٰذا ان کفار مکہ کے انکار ایمان کی وجہ سے دین کی نرالیت عجیبیت اوّلیت نہیں ہو سکتی اور نہ یہ وجہ ہو سکتی ہے کہ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا رَسُوْلَهُمْ فَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۶۹﴾ اَمْ يَقُوْلُوْنَ بِهٖ جِنَّةٌ یا کفار مکہ اپنے ان رسول مکرم سے متعارف نہیں اور یہ اجنبی شخص کہیں سے آ گیا تو اس لئے یہ لوگ اس نبی کی باتوں تبلیغوں، وعدوں، وعیدوں، دعویٰ نبوت کے منکر ہو رہے ہیں اور ان سے گھبرا رہے ہیں یہ بات بھی نہیں کیونکہ یہ اہل مکہ تو ان نبی کی شانِ شخصیت کو ان کی ولادت سے بھی پہلے اپنے کاہنوں نجومیوں اور یہود و نصاریٰ کی کتابوں کی پیشگوئیوں خوشخبریوں سے سن چکے تھے کئی برسوں پہلے کہ ایک نبی آخر الزمان پیدا ہونے والا ہے کہ جس کے نور سے گھر گھر اجالا ہونے والا ہے پھر جب اس شخصیت کی ولادت ہوتی ہے تو اسی سرزمین مکہ میں فلک کی فضاؤں سے زمین کی بہاروں سے کعبے کی اداؤں سے لوگوں کی زبانوں سے بشارت ولادت سب کے کانوں نے سنی کہ آمنہ کے گھر ایک دُرِیتیم پیدا ہوا ہے جس کا نام محمد ابن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے۔ اس کی عید میلاد میں ابولہب چچا نے اپنی لونڈی بشارتِ ولادت سنانے والی ثویبہ کو آزاد کر دیا تھا۔ لہٰذا تعارف میں بھی کوئی اجنبیت نہیں۔ بلکہ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (انعام:۲۰) اہل مکہ نبی مکرم کو ولادت سے بچپنے جوانی و بڑھاپے تک اپنے بیٹوں کی طرح شہرت و یقین تصدیق سے پہچانتے ہیں انہوں نے تو صبح شام دن رات ہر وقت اس شخص مکرم کو اپنے پاس ہی پایا' سینکڑوں ارحاصات دیکھے ہزاروں معجزات پائے۔ بلکہ چند دن پہلے یہی منکرین نبوت اس شخصیت کی صداقت امانت دیانت شرافت عدالت کے گن گایا کرتے تھے اس کی خاندانی عظمت و وقار کو جانتے ہیں۔ حضرت ابو طالب کا وہ مشہور خطبہ نکاح جو خدیجہ الکبریٰ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بوقت نکاح تمام سردارانِ مکہ کے سامنے پڑھا تھا۔ جس کے الفاظ اس طرح ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ نَامِنْ ذُرِيَّةِ اِبْرَاهِيْمَ وَذَرْعِ اِسْمٰعِيْلَ وَضِنْفَىْ مَعَدٍّ وَ عَنْصَرَ وَ مُضَرَ وَجَعَلَ نَا حَضَنَةَ بَيْتِهٖ وَسُوَّاسَ حَرَمِهٖ وَجَعَلَ لَنَا مَحْجُوْجًا وَحَرَمًا اٰمِنًا وَجَعَلَ نَا الْحُكَّامَ عَلَى النَّاسِ ثُمَّ اِنَّ ابْنَ اَخِىْ هٰذَا مُحَمَّدُ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ لَا يُوْزَنُ بِرَجُلٍ اِلَّا رَجَحَ بِهٖ فَاِنْ كَانَ فِى الْمَالِ قَلٌّ وَلٰكِنَّ فِى الْعَظَمَةِ دَلٌّ فَاِنَّ الْمَالَ ظِلٌّ زَائِلٌ وَاَمْرٌ حَائِلٌ وَ مُحَمَّدٌ قَدْ عَرَفْتُمْ قَرَابَتَهٗ وَقَدْ خَطَبَ خَدِيْجَةَ بِنْتَ خُوَيْلِدٍ وَبَذَلَ لَهَا مِنَ الصُّدَاقِ مَا آجِلَهٗ وَعَاجِلَهٗ مِنْ مَالِىْ

marfat.com

کَذَافَهُوَ وَاللّٰهِ بَعْدَ هٰذَا لَهٗ نَبَاٌ عَظِیْمٌ وَخَطَرٌ جَلِیْلٌ (از تفسیر معانی) اسی طرح حضرت نجاشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دربار میں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس طرح تقریر فرمائی تھی۔ اَیُّهَا الْمَلِكُ اِنَّ اللّٰهَ بَعَثَ فِیْنَا رَسُوْلًا نَعْرِفُ نَسَبَهٗ وَصِدْقَهٗ وَاَمَانَتَهٗ۔ ان تمام کلاموں سے ثابت ہو رہا ہے کہ مکہ مکرمہ کا ہر شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پورا متعارف ہے ورنہ دونوں میں سے کسی بھی موقع پر کہہ دیتے کہ لَا نَعْرِفُهٗ فَنُنْكِرُهٗ ہم اس کو نہیں پہچانتے اس لئے اس کا اور اس کی ہر بات کا انکار کرتے ہیں مگر یہ نہ کہہ سکے کیونکہ جانتے تھے کہ ہماری ہی برادری کے ہیں اس کی بے داغ سیرت بے عیب شخصیت پاک دامن عفت سلوک مشفقانہ ہے نہ کسی کا کبھی حق مارا نہ اداءِ حق میں دیر لگائی اور یہ ہی ہے اپنے پرائے کا غم کھانے والا۔ مصیبت میں ہر اک کے کام آنے والا حق میں سچا وعدے میں پکا۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ اہل عرب کے جاہلانہ ظالمانہ ماحول کا اس پر بالکل اثر نہیں اس کا کردار پاکیزہ جس طرح دعوءِ نبوت سے پہلے تھا اب بھی ویسا ہی ہے قول و فعل میں ستھرا ہے۔ سیرت میں کوئی تبدیلی نہیں عادت واخلاق میں کوئی تضاد نہیں اس کی شخصیت تو اجنبی نہیں مگر اس کا کردار و انداز و سلوک علاقائی ماحول و معاشرے کی تاثیر سے بالکل جداگانہ ہے اور اس کی قولی تبلیغ تو اب چالیس برس کی عمر میں شروع ہوئی ہے مگر عملی تبلیغ تو شیر خوارگی کے زمانے اور حلیمہ کی گود سے شروع ہو چکی ہے۔ کہ

بھائیوں کے لیے ترک پستاں کریں
بچپنے کی عدالت پہ لاکھوں سلام

یہ تو ظاہر ہے کہ کفار مکہ کا ایمان سے انکار کسی غیر معروفیت و اجنبیت کی وجہ سے نہیں۔ تو کیا اس لئے نہیں مانتے کہ یہ ہمارے حبیب کریم کو مجنون سمجھتے ہیں عناد بغض حسد کی بناء پر اپنی کافرانہ زبانوں سے تو ان کو مجنون کہتے پھرتے ہیں۔ مگر ان کفار کی عقل و قلب کی فکر و آواز ان کی زبانوں کی تصدیق نہیں تکذیب کرتی ہے کہ یہ نبی مجنون نہیں ہو سکتا۔ اس کی فصاحت کلام بلاغت لسان و خطابت تقریر و دانائی بے مثل نے تو بڑے بڑے فصحاء عرب کو قوتِ کلام میں دبا دیا۔ زمانے کو دکھا دیا کہ جس کی تقریر دلوں کو ہلا دے جس کی تحریک جہانوں کے زمانوں میں راہنمائی کے جوہر پھیلا دے قوموں کی تقدیر بدل دے کہ غلاموں کو آقا گنواروں نادانوں کو دانا اور چرواہوں کو حکمران بنا دیا۔ لہٰذا کفار مکہ کے انکارِ ایمان کی اصلی و حقیقی وجہ یہ بھی نہیں ہو سکتی۔ بَلْ جَآءَهُمْ بِالْحَقِّ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ۔ بلکہ حسد و عناد عداوت و فساد اور انکارِ ایمان کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہمارے یہ نبی بھی ان کے پاس حق و صداقت لے کر آئے جس نے ان کے باطل دین و دھرم کو توڑ دیا۔ جھوٹے بھرم کو پھوڑ دیا۔ اور ظلم و غرور کی مکارانہ سرداری کو مروڑ دیا وہ بھی حق و صداقت اسلام کے کلمات۔ قرآن مجید کی آیات و احادیث کی روایات شریعت کی عبادات معرفت کے نشانات اور عدل و انصاف کی بات ہے۔

اتر کر حرا سے سوء قوم آیا
اور ایک نسخہ کیمیا ساتھ لایا

اسی حق و صداقت کی دشمنی میں جلے مرے جاتے ہیں اور کفار کی اکثریت تو ہر حق سے ہی نفرت کراہت کرنے والی ہے خواہ وہ حق کسی شان کا ہو۔ کسی مقام و زمان میں ہو اور حق سے کفار کی بیزاری۔ دل آزاری کی وجہ فقط یہ ہے کہ حق و صداقت کفار کے

marfat.com

مفاد میں نہیں ہوتا جبکہ کفار کو صرف اپنا ہی مفاد پیارا ہوتا ہے۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

مُسْتَكْبِرِيْنَ بِهٖ۔ کی ب میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ ب سببیہ ہے اور آیت کا معنیٰ یہ ہے کہ کفار مکہ کعبے کی متولیت وحدودِ حرم کی سرداری و قبضے کی وجہ سے مغرور ہیں اور خود کو حق پر سمجھ رہے ہیں۔ یہی معنیٰ درست ہے بلکہ ہر باطل اسی دھوکے میں رہتا ہے آج سعودی نجدی حکومت بھی اسی خیال باطل میں مبتلا ہے اور کعبہ وحرمین پر قبضے کو اپنی حقانیت کی دلیل سمجھ رہی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ ب تعدیہ کی ہے اور معنیٰ ہے کہ کفار مکہ نبی کریم وقرآن مجید سے متکبر ہیں۔ سَامِرًا کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا سَامِرًا کا معنیٰ ہے چاندنی راتوں میں کفار مکہ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے ہیں۔ بعض نے کہا کہ سامرًا کا معنیٰ ہر رات میں جمع ہو کر قصے کہانیاں سنتے سناتے ہیں دونوں قول درست ہیں کیونکہ کفار مکہ یہ دونوں کام کیا کرتے تھے۔ سامرًا کی قرأت میں پانچ قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت سامرًا ہے۔ سمر کا اسم فاعل جمع جنسی ہے یہ ہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں سِمَارًا ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت میں سَمِرًا ہے اسم فاعل نہیں بلکہ سُمَّرٌ کی جمع مکسر ہے جیسے جُمَّلٌ کی جامل اور بَقَّرٌ کی باقر۔ ۴۔ بعض کی قرأت میں سُمَّرًا ہے جمع مکسر ہے سَامِرًا کی۔ ۵۔ بعض کی قرأت سَامِرَةً مصدر ہے جیسے عَاقِبَةٌ۔ عَافِيَةٌ۔ یہ سب قرأتیں شاذ ہیں تَهْجُرُوْنَ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا معنیٰ ہے تم اسلام قرآن چھوڑتے ہو۔ ۲۔ بعض نے معنیٰ کیا تم کعبے کو گندا کر کے چھوڑتے ہو قربانی کے خون وگوشت سے۔ ۳۔ بعض نے معنیٰ کیا تم حدودِ حرم میں بیٹھ کر ہذیان بکتے فضول و بے معنیٰ باتیں کرتے ہو۔ کیونکہ تَهْجُرُوْنَ هَجْرٌ سے بنا ہے هَجْرٌ کا معنیٰ ہے شدت بخار کی غشی ومدہوشی میں بے معنیٰ کلام نا قابل فہم باتیں کرنا۔ فحش گفتگو کو بھی ہجر کہتے ہیں۔ تَهْجُرُوْنَ کی قرأت میں چار قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت تَهْجُرُوْنَ ہے یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت تُهْجِرُوْنَ ہے۔ ۳۔ بعض کی تَهَجَّرُوْنَ ہے۔ ۴۔ بعض کی قرأت يَهْجُرُوْنَ۔ صیغہ جمع مذکر غائب سے۔ اَمْ جَآءَهُمْ۔ اَمْ لَمْ يَعْرِفُوْا۔ اَمْ يَقُوْلُوْنَ۔ ان تینوں اَمْ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ ام منقطعہ ہیں۔ ترجمہ ہے کہ کیا ایسی بات ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ ام بمعنیٰ بل اضرابی ہے۔ اٰبَآءَهُمُ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا اٰبَآءَ سے مراد مومن باپ دادے۔ ۲۔ بعض نے کہا کافر باپ دادے دونوں قول درست ہیں۔ بِالْحَقِّ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض کے نزدیک حق سے مراد دین اسلام۔ ۲۔ بعض کے نزدیک قرآن مجید دونوں قول درست ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دین اسلام نے مسلمانوں کو چار حکم عطا فرمائے۔ اوّلاً یہ کہ انفرادی قوت دولت ہر مسلمان کے لیے حرام ہے کیونکہ اس سے ظلم غرور شیطانیت مفاد پرستی پیدا ہوتی ہے۔ سورۃ توبہ کی آیت ۳۴ میں بھی انفرادی دولت کا اخروی عذاب بیان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ۔ یعنی ان لوگوں کی ہلاکت ہے جو سونے چاندی کو کنز بنا لیتے ہیں کہ نہ اس کی زکوٰۃ دیتے ہیں نہ صدقات وخیرات۔ ایسے ہی نصاب و اموال کو شریعت نے کنز فرمایا ہے۔ لہٰذا زکوٰۃ نکالتے رہو تا کہ انفرادی قوت دولت بننے کے بجائے اتحادی بن جائے حکم دوم

marfat.com

یہ کہ تدبر کرو۔ اور تدبر کے لیے علم کامل اور علم کامل کے لیے نیکی و تعظیم حاصل کرو اور تعظیم کے لیے عاجزی اور گناہوں سے بیزاری اختیار کرو۔ حکم سوم یہ کہ قرآنِ مجید سے تعقل حاصل کرو حکم چہارم یہ کہ حدیث و قرآن سے تذکر و نصیحت حاصل کرو تاکہ سچائی کی ہدایت ملے۔ حق کو عقل و بصیرت فراست سے ماننا ہی سچائی کی ہدایت ہے جہالت و حماقت کی ضد میں آکر حق کو نہ ماننا کذابی کی ضلالت ہے۔ یہ فائدہ ان چار مذکورہ بالا آیات کے بیان سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو قرآنِ کریم پانچ دعوتیں دیتا ہے۔ ۱۔ دعوتِ تعارف یعنی قرآن مجید سے صورت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف حاصل کرو اور احادیث مقدسہ سے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا تعارف حاصل کرو۔ ان دونوں تعارفوں کے بغیر ایمان نہیں ملتا۔ ۲۔ دعوتِ دوم تدبر فی القرآن اس کے لیے کثیر علم ضروری ہے یہ دعوتِ عام نہیں بلکہ علما فقہا کے لیے خاص ہے۔ دعوت سوم تذکر فی الاحکام یعنی احکام و مسائل شریعت کا علم و حفظ۔ دعوت چہارم تعقل فی الاعمال یعنی فہم و فراست۔ شعور و سرور سے اعمال عبادات و اخلاق عادت ادا کرنا۔ دعوتِ پنجم تفکر فی الانجام۔ یعنی ہر وقت اپنی موت قبر حشر عذاب ثواب جنت دوزخ حاضری بارگاہِ جلال کے حساب و کتاب کو یاد رکھنا اور فکر انجام کرنا حیاتِ اخروی کو سنوارنا۔ اپنی توثیق اور اللہ تعالیٰ سے دعاء توفیق کرتے رہو۔ یہ فائدہ اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** تکبر کرنا شیاطین و ابلیس کی خصلت و جبلت ہے اور کفار کی نشانی و عادت۔ لہٰذا ہر مسلمان کو اس بری عادت و نقصان دہ خصلت سے بچنا چاہئے اور تا عمر عاجزی میں رہنا چاہئے۔ یہ فائدہ مستکبرین بہ کو علامت کفار بنانے اور بیان کرنے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** بغیر علم تدبر فی القرآن سخت ممنوع ہے کیونکہ اس سے گمراہی و گمراہ گری ہوتی ہے جاہل کا تدبر و تفسیر بھی جہالت شیطانی ہی ہوگا۔ تدبر قرآنی کے لیے عربی کے تمام علوم پڑھنے ضروری اور علوم پڑھنے کے لیے تلمیذ علماء و تقلید فقہاء اشد لازم اور شاگردی و تلمذ کے لیے ذوق و شوق و ادب کے قدم چلنے پڑتے ہیں۔ یہ علوم درس نظامی کے تقریباً بیس ہیں۔ اصول تدبر یہ ہے کہ قرآن مجید کو احادیث مقدسہ سے سیکھو اور احادیث مبارکہ کو فقہاء ملت و علماء امت سے سیکھو۔ علماء کو فقہاء کی تقلید کرنی واجب اور عوام کو علماء سے تعلیم لینی واجب ہے۔ یہ مسئلہ قَدۡ کَانَتۡ اٰیٰتِیۡ تُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ (الخ) کے بعد اَفَلَمۡ یَدَّبَّرُوا الۡقَوۡلَ سے مستنبط ہوا۔ یعنی فصحاء عرب کو فرمایا جا رہا ہے کہ اے عربیو جب ہمارے نبی تمہارے سامنے قرآنِ مجید کی تلاوت فرماتے ہیں تو ان کی اس تعلیم کے سہارے تم کو تدبر فی القرآن کرنا چاہئے اور قول فرمانے میں یہ استنباط ہے کہ کلام الٰہی ہو زبان مصطفائی ہو تب اہل عرب جیسے عربی دانوں کو تدبر کی دعوت ہے بلا وسیلہ اور تعلیم نبوی اجازت تدبر فصحاء عرب کو بھی نہیں ہے۔ **دوسرا مسئلہ:**۔ رات کو جاگنا صبح کو پڑے سوتے رہنا شرعاً مکروہ تحریمی اور باعث نحوست ہے۔ یہ مسئلہ سٰمِرًا تَهۡجُرُوۡنَ کو برائی و نشانی کفار کے طریقے سے بیان فرمانے سے مستنبط ہوا۔ نماز عشاء سے پہلے سونا مکرو بعد میں جاگنا مکرو نماز پڑھ کر فوراً سو جاؤ تاکہ مسلمانوں کا سونا جاگنا دونوں نماز سے متصل ہوں ہاں البتہ تعلیم دینی کے لیے بعد عشاء تھوڑی دیر جاگنا ضروریاتِ دینی کے لیے جائز و افضل ہے۔ مگر لغویات کے لیے مکروہ تحریمی ہے ام المومنین حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ سمریت یعنی رت جگا صرف نمازی اور مسافر

marfat.com

کے لیے جائز ہے۔ نمازی کے جاگنے میں حفاظت نوافل ہے۔ جس سے نماز کی سعادت مراقبہ ءعبادت وثواب نعمت ہے۔ مسافر کے رت جگے میں صرف حفاظت سامان ہے۔ ثواب نہیں ہے۔ ایک حدیث پاک میں ہے کہ اگر کبھی بعد عشا باتیں کرنا ضروری ہوں تو باتوں سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھ کر سو جانے سے باتوں کے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ دعا یہ ہے سُبْحَانَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَسْتَغْفِرُکَ وَاَتُوْبُ اِلَیْکَ۔ آج کل عام رواج پڑتا جارہا ہے کہ مسلمان لوگ رات کو شادیاں کرتے ساری رات جاگتے تماشوں میں خرمستیوں میں گزارتے ہیں یہ بھی سٰمِرًا تَھْجُرُوْنَ میں شامل گناہ ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** کسی مسلمان کا کسی حق بات یا کام سے نفرت کرنا گناہ کبیرہ وعیب عظیم ہے خواہ وہ بات علما سے ملے یا مشائخ سے اپنے استاد سے ملے یا پیر و مرشد سے لہٰذا حنفی شافعی مالکی۔ حنبلی اور قادری چشتی نقشبندی سہروردی ہر مسلک ومشرب کو برحق جانو۔ مگر بہرو پیوں سے محتاط رہو۔ یہ مسئلہ وَاَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ جس میں بتایا گیا کہ حق وصداقت سے نفرت کرنا کفار کی خصلت وعلامت ہے۔ مسلمانوں کو حق قبول و پسند کرنا چاہئے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پهلا اعتراض:** مستکبرین کے صیغہء جمع سے ثابت ہو رہا ہے کہ سب کفار حق سے متنفر تھے۔ تو پھر اَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ۔ کیوں فرمایا گیا۔ کُلُّھُمْ کَارِھُوْنَ فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** اس کے تین جواب دیئے گئے ہیں پہلا یہ کہ اَکْثَرُھُمْ سے افرادی کثرت مراد نہیں بلکہ اقوالی کثرت مراد ہے یعنی ان تمام کفار کی اکثر باتیں حق سے نفرت والی ہیں۔ جواب دوم یہ کہ یہاں اَکْثَرُھُمْ بمعنٰی کُلُّھُمْ ہے۔ کیونکہ لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِّ ہی ہوتا ہے۔ نیز لفظ اکثر میں سختی کلام بھی ہے یعنی ان کی نفرت کراہت کمزور وکم نہیں کثرت سے ہے۔ جواب سوم یہ کہ دراصل کَارِھِیْنَ دو قسم کے تھے۔ ا۔ سازشی ومنصوبہ ساز گروہ۔ ۲۔ ان کے تائیدی کارندے یہاں سازشیوں کا ذکر ہے۔ جن کی اکثریت تھی تینوں جواب درست ہیں کیونکہ مستکبرین سب ہی تھے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَاَکْثَرُھُمْ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ دنیا میں سب کافر حق سے نفرت نہیں کرتے کچھ حق پرست بھی ہیں۔ حالانکہ کسی بھی کافر کو حق پرست سمجھنا بھی کفر ہے اور حقیقت تاریخی بھی یہی ہے کہ ہر زمانے میں ہر کافر حقانیت اور اسلام و دین الٰہی سے کَارِھُوْنَ ہی رہے۔ تو اَکْثَرُھُمْ کیوں فرمایا۔ **جواب:** یہ ذکر صرف کفار مکہ کا ہے ان میں تین گروہ تھے۔ ا۔ کَارِھُوْنَ۔ ان کی اکثریت تھی ان ہی کو اَکْثَرُھُمْ فرمایا گیا ہے۔ ۲۔ مُوْبِغُوْنَ۔ یہ وہ امرا طبقہ تھا جو قلبی طور پر اسلام سے نفرت وکراہت نہ کرتے تھے بلکہ اسلام کو سچا دین سمجھتے تھے مگر کافر برادری کے طعنوں سے ڈرتے تھے حق کہنے کی جرئت نہ پاتے تھے اسلام قبول کرنے سے جھجکتے تھے کہ قوم کے سردار شرم دلائیں گے طعنہ دیں گے کہ ہائے تم نے آبائی دین چھوڑ دیا جیسے حضرت ابوطالب وغیرہ۔ ۳۔ گروہ خَائِفُوْنَ۔ یہ بھی دین حق کو اچھا سمجھتے تھے مگر غریب طبقہ ہونے کی وجہ سے امراء کفر کی اذیتوں وسزاؤں سے ڈرتے تھے۔ اس وجہ سے اپنے قلبی حال کو ظاہر نہ کرتے تھے۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ ہے کہ پہلے فرمایا گیا۔ جَآءَھُمْ بِالْحَقِّ جَآءَ فعل ماضی سے پھر فرمایا گیا۔ لِلْحَقِّ کٰرِھُوْنَ۔ جَآءَ کا معنٰی ہے اب حق آ گیا۔ کَارِھُوْنَ اسم فاعل ہے۔ اس میں تینوں زمانے ماضی، حال، مستقبل پائے جاتے ہیں اور اسم فاعل میں استمرار ہوتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ کفار

marfat.com

پہلے سے ہی حق سے نفرت کرنے والے تھے۔ سوال یہ ہے کہ حق کے آنے سے پہلے وہ حق سے کَارِهُوْنَ کس طرح ہوئے یہاں یُكْرِهُوْنَ ہونا چاہئے تھا۔ کہ جب حق آ گیا تب وہ کراہت کرنے لگے۔ **جواب:** پہلے فرمان جاءَ میں حق سے مراد قرآن اسلام ہے۔ اور لِلْحَقِّ كَارِهُوْنَ میں حق سے ہر حق مراد ہے نہ کہ لفظ قرآن واسلام۔ اور آیت پاک میں بتایا یہ جا رہا ہے کہ یہ کفار صرف قرآن واسلام سے ہی متنفر نہیں۔ بلکہ یہ لوگ فطرتاً شروع سے ہی ہر حق سے متنفر ہیں۔ اس لئے پہلے جاءَ ماضی اور پھر كَارِهُوْنَ۔ اسم فاعل فرمانا ہی درست ہے یُكْرِهُوْنَ۔ مضارع فرما دینے سے یہ بات ظاہر نہ ہوتی۔

تفسیر صوفیانہ

یہ اہل نفوس مستکبرین حق ہیں۔ باطل کی گہرائیوں میں ڈوبے وپھنسے ہوئے ہیں۔ یہی ہے ان کا تنکصون۔ ایڑیوں کو گھما کر پیٹھ پھیر جانا اور خباثت طبیعت کی طرف چلا جانا۔ جب ان باطلین نے سینۂ انسانی سے قوت روحانی کی استعداد وتوفیق کو مٹا دیا۔ انوارِ ایمان کو بجھا دیا اور نفسانی راتوں کے اندھیروں میں پڑے رہ گئے نفس امارہ وطبیعت عیارہ کی خواہشات کے مطابق ھیولۂ شیطانیہ کے خباثتی موٹے پردے پڑ گئے جس کی وجہ سے نورِ ہدایت وعقل درایت کے لیے ظلمانی شکلیں آڑ و رکاوٹ بن گئیں۔ اس لئے اہل نفس کے لیے تدبر وتفکر ممکن نہ رہا اور توحید وعدل کے حقائق نہ سمجھ سکے نہ پہچان سکے اسی بنا پر ان خبثاء باطنی وظلمات ظاہری نے صاحب حق کو مجنون کہہ دیا۔ اور نور وظلمت میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے مرشد برحق کو نہ پہچانا اور حق وباطل کے درمیان مخالفت وتضاد کو نہ جانا اسی وجہ سے ہر اہل حق کا انکار کر دیا اور اس حق سے نفرت وکراہت کرنے لگے جس کو انوارِ ہدایت کا مرشد لے کر آیا تھا۔ بندۂ عارف پر دو کام واجب ہیں۔ اوّلاً یہ کہ ہر اس کام سے بچے جو اس کو مقبولیت سے دور کر دے۔ دوم یہ کہ ان چیزوں کے حصول میں عمر اور وقت ضائع نہ کرے جن چیزوں سے آفتیں آتی ہیں۔ صراط معرفت اور مقصد سلوک میں یہی فضول کام وبیکار اشیاء سٰمِرًا تَهْجُرُوْنَ ہیں۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ یادِ حق کے سوا جو ہم کریں وہ ضائع ہے اور اقوال عشق کے سوا جو ہم کہیں وہ باطل ہے اور انوار محبت کے سوا جو ہم دیکھیں وہ دھوکہ ہے اور اسرارِ معرفۃ کے سوا جو پائیں وہ لغو ہے صرف قلب عارف ہی گوہر پاک ہے ہر دل گوہر پاک نہیں ہوتا۔ وَاَكْثَرُهُمْ لِلْحَقِّ كٰرِهُوْنَ وادی سلوک میں سالکین طلب تو بہت نظر آتے ہیں جو خواہش منزل کے دعویدار ہیں مگر اکثریت ان کی ہے جو ناکارہ پتھر اور خشک پودوں کی مثل بے طاقت بے ذوق وشوق اور بے رونق ہیں۔ بہت تھوڑے وہ خوش قسمت ہیں جو نفیس جوہر، طیب پھولوں تازہ کلیوں کی مثل شاداب ہوتے ہیں ایسے ہی سدا بہار باہمت، ذوق وشوق وچمک والے ہوتے ہیں اور اس دارِ فانی میں سے

کوئی ورلیاں موتی لے تریاں

یعنی کوئی کوئی ایسا خوش بخت ہے جو اس دنیا کے دارِ فنا سے مقصد ومراد کے موتی لے کر تیر آیا اور دارِ بقا کی طرف پار اتر گیا۔ کافر وزندیق کے لیے حق مکروہ اور متروک ہوتا ہے کیونکہ اس کی طبع خبیث اور عقل کثیف اور نیت نحیف ہوتی ہے۔ لیکن شاکر وصدیق کے لیے حق محبوب ومرغوب ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی طبع کریم اور عقل سلیم ہوتی ہے۔ اگر دنیا کے کفار وفساق اپنی عقل وطبع ونیت فاسدہ سے منہ موڑ کر شریعت کی محبت طریقت کی اتباع کریں تو ان کے لیے دنیا وآخرت میں بھلائی ہو۔ فاسقین کی اطاعت واتباع کرھاً ہوتی ہے مگر صالحین کی اطاعت واتباع طوعاً ہوتی ہے۔ قابیل نفس کی اطاعت کرھاً ہے اس

marfat.com

لئے مردود ہے۔ ہابیل قلب کی اطاعت طوعاً ہے اس لئے مقبول ہے اور اللہ تعالیٰ ہر ایک کے حال سے علیم وخبیر ہے۔ مولیٰ تعالیٰ کو کراہت جبریہ والی اطاعت پسند نہیں۔ خلوص ومحبت کی قلیل عبادت کئی درجہ بہتر ہے باطل و کراہت والی کثیر عبادت سے۔ یاد رکھو کہ ذوق کی عبادت شوق کی اطاعت ہی نیکی بنتی ہے۔ جس عبادت میں ذوق اور اطاعت میں شوق نہ ہو وہ بے مغز کا چھلکا ہے۔ اگر زاہد کی تسبیح خوانی جوہر اخلاص سے خالی ہو تو ہزار بار بھی مثل ایک بار ہی ہوگی۔ یہ بھی ضروری نہیں کہ جو بندوں کو ناپسند ہو وہ حق تعالیٰ کو بھی ناپسند ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ابدی نعمتیں دینا چاہتا ہے اور بندوں کی قلت رغبت کو بھی جانتا ہے۔ وہ خبیر ہے کہ لوگ ان کارآمد۔ مصلحت آمیز۔ درستگی والے عملیات و معاملات سے کتنے غافل ہیں جو دونوں جہان میں مفید ہے۔ اس لئے بندوں پر وجودِ عبادت ورود اتباع واجب کیا گیا اور اطاعت واتباع پر ثواب ومحبت' عذاب ونفرت کا حساب مرتب ومعین فرمایا گیا۔ رب تعالیٰ نے وجود فرضیت کی زنجیروں سے باندھ کر بندوں کو عبادت کی طرف چلایا اس کے باوجود اکثریت علت غفلت وکسلت میں ہے۔ اہل وفا اور شوق خدمت والے بہت ہی کم ہیں۔ حالانکہ ذوق وشوق والے ہی اہل مروت والصفا اور ذو الْمُحَبَّتِ والوفا ہیں ان کی ذمہ داری شرافت والافعال وکثرت فی الاعمال میں ہی ہے اگر یہ ذمہ داری نہ ہوتی اور صرف خدمت وحرمت ہی مقصود ہوتی تو عارفین صادقین خدمت عبودیت حرمۃ ربوبیت کی رعایت میں ہی کھڑے رہتے بعجز و نیاز سے حدیث مقدس میں ہے کہ کچھ بندے شوق خدمت وذوق عبادت میں ایسے بھی ہیں کہ جب ان کو پتہ لگے گا کہ جنت میں نہ خدمت ہے نہ عبادت تو وہ جنت میں جانے سے انکار کر دیں گے اور عرض کریں گے کہ یا اللہ ہم خدمت وعبادت میں رہنا چاہتے ہیں تب ان کو جنتی عظیم سونے کی زنجیروں میں باندھ کر جنت میں لے جایا جائے گا۔ ہر چیز کا اعتبار خاتمے پر ہے۔ خیال رہے کہ جس کے ایمان کی وجہ طلب ثواب ودفع عذاب ہے اس کا ایمان رغبت ورہبت والا ہے یعنی لالچ وخوف والا یہ درجۂ کراہت ہے۔ مگر جس کے ایمان کی وجہ سے شیب ومعاتب کی ذات ہے نہ ثواب وعقاب و عذاب وعتاب تو اس کا درجۂ معرفت والفت ہے اور وہ بندہ مرتبۂ طوعاً میں ہے۔ ایسے ہی بندگان عاقل کو تدبر قرآنی' خلوص ایمانی' وصل عرفانی' قرب ایقانی مشاہدۂ ایمانی کی نعمتیں حاصل ہوتی ہیں۔ یہی وہ حق کمال وصل جمال۔ قرب جلال ہے جو دامن انبیاء علیہم السلام سے ملتا ہے۔ اگر اس دامن طیبہ وآستانہ منورہ کو چھوڑ دیا تو سب عبادت ریاضت مراقبہ مجاہدہ قیام وکلام ضلالت ہی ضلالت ہے۔

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ
اور اگر اتباع کر لیتا حق ان کفار کی خواہشوں کی تو ٹوٹ جاتے سب آسمان
اور اگر حق ان کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو ضرور آسمان اور
وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ
اور پوری زمین اور وہ سب مخلوق جو ان میں ہے تباہ ہو کر بلکہ دیا ہم نے ان کفار مکہ کو وہ قرآن جس سے ان کی ناموری تھی

marfat.com

زمین اور جو کوئی ان میں ہیں سب تباہ ہو جاتے بلکہ ہم تو ان کے پاس وہ چیز لائے جس میں ان کی ناموری تھی

فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ

مگر وہ احمق اپنی ہی ناموری سے منہ پھیرنے والے ہیں بھلا کیا تم مانگو گے

تو وہ اپنی عزت سے منہ پھیرے ہوئے ہیں کیا تم ان سے کچھ اجرت

خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۷۲﴾

ان کفار سے اپنی تبلیغ کی فیس تو تمہارے رب تعالیٰ کا ثواب ہی اچھا ہے اور وہ سب رازقین سے اچھا رازق ہے

مانگتے ہو تو تمہارے رب کا اجر سب سے بھلا اور وہ سب سے بہتر روزی دینے والا

وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۷۳﴾

اور بیشک آپ تو البتہ بلاتے ہو ان کو سیدھے رستے کی طرف

اور بیشک تم انہیں سیدھی راہ کی طرف بلاتے ہو

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے پاس رب تعالیٰ کی طرف سے حق یعنی انبیاء علیہم السلام دین الٰہی اور کلام اللہ آنے کا ذکر فرمایا گیا اور بتایا گیا ہر زمانے میں کفار حق سے نفرت اور اتباع حق سے منہ پھیرتے رہے۔ اب ان آیات میں حق و باطل کے درمیان ایک فرق بتایا جارہا ہے کہ اگر باطل حق کو نہ مانے تو کچھ نہیں بگڑتا لیکن اگر حق کبھی کسی باطل کی خواہشیں مان لے تو زمین و آسمان اور ان کے افراد میں فساد برپا ہو جائے۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کفار مکہ کعبہ معظمہ کے متولی منتظم بن کر مغروری کرتے ہیں اور اسی مغروری کی بنا پر قرآن و اسلام سے کٰرِهُوْنَ۔ دور و نفور ہیں۔ اب ان آیات میں ان کی اس بیوقوفی وحماقت کا ذکر کیا جارہا ہے کہ یہ قرآن و اسلام تو ان کی عزت و شان بڑھانے کے لیے ملک عرب میں بھیجا گیا کہ تاقیامت اقوام عالم میں ان کا شاندار چرچہ ہوتا رہے مگر یہ حمقا اس فضیلت ابدیہ کو سمجھتے ہی نہیں اور اپنی ابدی عزت سے ہی مُعْرِضُوْنَ۔ منہ پھیرنے والے ہیں۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کفار مکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں میں غور نہیں کرتے اَفَلَمْ يَدَّبَّرُوا الْقَوْلَ اب ان آیات میں کفار مکہ کی ان بے پرواہیوں دوریوں ضد بازیوں ہٹ دھرمیوں کی وجہ بیان کی گئی۔ کہ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا۔ کیا کفار کا گمان یہ ہے کہ آپ ان سے اپنی تبلیغ رسالت کی اجرت مانگو گے جو وہ دنیا پرست آپ سے اس طرح بدکتے ہیں۔

تفسیر نحوی

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ ۭ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ

marfat.com

مُّعْرِضُوْنَ۝۷۱۔ واوٗ حالیہ ابتدائیہ لَوْ حرف شرط اِتَّبَعَ باب افتعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ تَبَعٌ سے بنا ہے۔ دونوں مادہ و مصدر متعدی ہیں ترجمہ ہے کسی کے پیچھے چلنا پیچھے ہونا۔ پیچھے رہنا۔ مصدر دراصل ہے اِتْتِبَاعٌ ت کو ت میں مدغم کر دیا گیا۔ اصطلاحاً ترجمہ ہے کوئی شخص کسی دوسرے کے اعمال افعال کردار عادات کو ہو بہو اسی کی مثل اپنائے۔ عقیدۃً۔ اگر بغیر عقیدت و محبت کے اپنائے تو بہروپ ہے۔ اور کسی کے اقوال اور حکم کو ماننا اپنانا اطاعت ہے۔ اَلْحَقُّ۔ الف لام جنسی یعنی کوئی حق یہاں مراد ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ فاعل ہے اِتَّبَعَ کا۔ اَهْوَآءَ جمع مکسر ہے هوآءٌ کا ترجمہ ہے وہ قلبی خواہشیں چاہتیں جو زبان سے بولی جائیں۔ جب تک بولی نہ جائیں ان کو نیت کہا جاتا ہے بعض نے کہا اَهْوَآءُ صرف بری خواہشات کو کہا جاتا ہے اور نیات مطلقاً ہر اچھی بری خواہش کو بہر کیف یہاں بری خواہشات خلاف اسلام و ایمان ہی مراد ہیں۔ اَهْوَآءَ مضاف هُمْ مُضاف الیہ هُمْ کا مرجع مطلقاً کفار (اَكْثَرُهُمْ) یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے اِتَّبَعَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ لام کے تاکید یہ برائے جواب شرط یعنی جزا کے لیے فَسَدَتْ۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مونث غائب ہے الف لام حرفی استغراقی ہے بمعنٰی تمام سَمٰوٰتُ جمع مونث سالم ہے سَمَآءٌ کی معطوف علیہ ہے مراد ہے ساتوں آسمان۔ واوٗ عاطفہ الف لام استغراقی بمعنٰی تمام روئے زمین ارض اسم مفرد (واحد) مونث لفظی بدلیل تصغیر۔ اُرَيْضَةٌ۔ یہ معطوف ہے یہ دونوں عطف مل کر پھر معطوف علیہ ہے واوٗ عاطفہ مَنْ اسم موصول جنسی جمع بمعنٰی وہ تمام جو فی جارہ ظرفِ مکانی کے لیے هِنَّ اسم ضمیر جمع مونث غائب مجرور متصل اس کا مرجع ہے سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ دونوں جار و مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول کا جس کا نائب فاعل هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ ہے اس کا مرجع مَنْ ہے۔ مَوْجُوْدٌ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر معطوف سَمٰوٰتِ پر وہ دونوں مل کر فاعل ہے فَسَدَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے۔ لَوِ اتَّبَعَ کی دونوں شرط و جزا مل کر معطوف علیہ۔ بَلْ حرف عطف برائے اضراب یا تدارک اَتَيْنَا۔ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ متکلم۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے بمعنٰی دینا۔ نَحْنُ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل هُمْ ضمیر ظاہر مفعول بہ مرجع کفارِ مکہ۔ بِ حرف جر سببیہ بمعنٰی لئے۔ ذِكْرِ اسم مفرد جامد حاصل مصدر بمعنٰی چرچہ تذکرہ مشہوری۔ یہ مضاف ہے یا مصدر مضاف ہے هِمْ ضمیر مفعول مضاف الیہ یہ مرکب اضافی شبہ جملہ ہو کر مجرور متعلق ہے اَتَيْنَا کا سب فعل فاعل مفعول بہ متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ حرف عطف بیانیہ هُمْ غیر مبتدا۔ عَنْ حرف جر برائے زوال یعنی دور کرنے ہٹانے مٹانے کے لیے۔ ذِكْرِ اسم حاصل مصدر بمعنٰی چرچہ عزت شہرت هِمْ ضمیر نفسی بمعنٰی اپنے ذِكْرِ مضاف هِمْ مضاف الیہ یہ مرکب متعلق مقدم ہے مُعْرِضُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر مصدر ہے۔ اِعْرَاضٌ ترجمہ ہے منہ پھیرنا۔ ہٹنا۔ نفرت و ناپسند کرنا۔ عرض سے بنا ہے بمعنٰی بے توجہ ہونا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے فَهُمْ مبتدا کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے بَلْ اَتَيْنَا کے جملے پر۔ یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے وَلَوِ اتَّبَعَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر جملہ عاطفہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔

اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۝۷۲ وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝۷۳۔ اَمْ عاطفہ سوالیہ بمعنٰی کیا۔ تَسْـَٔلُ باب فتح کا مضارع مستقبل مثبت معروف۔ صیغہ واحد مذکر حاضر۔ سَئَلٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے

marfat.com

مانگنا، طلب کرنا۔ اس کا فاعل انت ضمیر صیغہ مرجع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ھُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اوّل خَرْجًا۔ اسم جامد حاصل مصدر ترجمہ ہے اجرت۔ فیس۔ مزدوری کی تنخواہ۔ اس کی جمع ہے اِخْرَاجٌ۔ یہ مفعول بہ دوم ہے۔ تَسْئَلُ فعل فاعل دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَ زائدہ بیانیہ (عاطفہ نہیں ہے) خَرَاجٌ اسم صفت مشبہ مبالغہ۔ خَرْجٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ثواب (اخروی اجر) اس کی جمع ہے اَخْرِجَۃٌ اردو میں خرچ اور خَرَاجٌ کو کہتے ہیں خرچہ یعنی محنت کی مزدوری دہاڑی۔ بغیر محنت خرچہ کو عربی میں نفقہ کہتے ہیں۔ جیسے بیوی بچوں کا نان نفقہ۔ خَرَاجُ مضاف ہے۔ رَبِّکَ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ یہ دونوں مل کر مبتدا ہے خَیْرٌ۔ اسم مفرد نکرہ حاصل مصدر۔ بمعنی اچھا۔ مفید۔ بہتر یہ خبر ہے مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ۔ ھُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع۔ منفصل مرجع ہے رَبِّکَ مبتدا ہے۔ خَیْرُ مضاف الف لام استغراقی بمعنی تمام رَازِقِیْنَ۔ باب نصر کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر اس کا واحد ہے رَازِقٌ۔ رِزْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے روزی دینا مراد ہے عام دنیوی چیزیں دینا۔ رَازِقِیْنَ مضاف الیہ خَیْرٌ مضاف کا دونوں مل کر خبر ہے مبتدا کی یہ دونوں جملہ اسمیہ ہیں۔ واؤ سر جملہ بیانیہ اِنَّ حرف مشبہ کَ ضمیر واحد حاضر اسم ہے۔ اِنَّ کا لام کے برائے تحقیق ترجمہ ہے البتہ تَدْعُوْا۔ باب نصر کا مضارع حال مثبت معروف دَعْوٌ سے مشتق ہے اَنْتَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے مرجع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ھُمْ ضمیر مفعول بہ اِلٰی حرف جر اپنے معنی انتہائیہ میں ہے بمعنی طرف۔ تک صِرَاطٍ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی کھلا صاف بڑا راستہ۔ موصوف ہے مُسْتَقِیْمٍ باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ اور اِسْتِقَامَۃٌ۔ قَوْمٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے قائم دائم سدا درست اور سیدھا۔ یہ صفت ہے صراط کی یہ مرکب توصیفی مجرور متعلق ہے لَتَدْعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبر یہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ وَ مَنْ فِیْهِنَّ ؕ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۷۱﴾ اَمْ تَسْــٴَـلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَیْرٌ ۖۗ وَّ هُوَ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ ﴿۷۲﴾ وَ اِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۷۳﴾ ان کفار کی کیفیت حماقت جو بیان کر دی گئی کہ عقل ان کی مردہ۔ ضمیر ان کے خفتہ۔ شعور ان کا مفلوج بصیرت ان کی اندھی۔ فراست ان کی معدوم۔ اس پر تمنا ان کی یہ کائنات کا ہر کام ہماری خواہشات کے مطابق ہو۔ حالانکہ اگر کوئی بھی حق ان کی خواہش مان کر ان کے پیچھے چل پڑتا ان کی نفسانیت طغیانی شیطانی کے مطابق۔ خواہ نظام ارضیات وفلکیات کا قانون حق اللہ تعالیٰ کی طرف سے یا ظہور معجزات کا نبوی حق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے یا نزول قرآن کا کلام حق ترمیم یا تبدیلی کی طرف سے تو یقیناً یہ تمام آسمان اور پوری زمین ٹوٹ پھوٹ کر فاسد ہو جائے۔ کفار کے پاس نہ تدبر نہ تعقل نہ تعمل نہ تذکر۔ ان کا دین بھی ان کی خواہشوں سے ان کے الٰہ بھی ان کی چاہتوں سے۔ پوری کائنات عالمین کا ایک ہی اللہ ہے مگر ان کی چاہتوں نے ڈھیروں الٰہ بنا لئے۔ حالانکہ سینکڑوں تو درکنار لَوْ كَانَ فِیْهِمَاۤ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (انبیاء: ۲۲) اگر اللہ تعالیٰ کے سوا ایک بھی معبود اور ہوتا تو سب آسمان و زمین ٹوٹ پھوٹ جاتے۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ فرمایا گیا ہے کہ نظام کائنات ایک عالمگیر حقیقت ہے اس حقیقت کے چار پہلو ہیں۔ ۱۔ تخلیق۔ ۲۔ ترتیب۔ ۳۔ تکوین۔ ۴۔ تعدیل۔ ان ہی

marfat.com

چاروں کا نام قیام حق ہے انہی پر نظام کائنات قائم ہے۔ اسی شجر طیبہ کا ہر پتا معرفت پروردگار کا دفتر عظیم ہے۔ عالم اجسام کے کونے کونے میں صدیوں سے تکوین وتغییر وترقی وتخلیق نشوونما کے اطوار وترتیب کی ایسی عمدگی نظر آتی ہے کہ معمولی عقل وفکر والا بھی سمجھ جاتا ہے کہ اس نظام ہستی ظاہر وباطن کو چلانے والا الہ وواحد لاشریک ہی ہوسکتا ہے اسی تدبر کا نام اعمال صالحہ ہے اور تدبر حقیقی سے حقیقت کو تسلیم کرنے کا نام حق پر ایمان لانا ہے اسی کی ہدایت دینے انبیاء علیہم السلام آئے اور کتب الہیہ لائے۔ اللہ تعالیٰ نے تدبر کے لیے انسانوں کو عقل وبصیرت عطا فرمائی اور علم کے لیے کلام اللہ کا نزول وتعلیم کے لیے انبیاء علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ ایمان کے لیے استدلال کی قوت عطا فرمائی یہی حقیقت شناسی کی راہیں ہیں۔ اسی عقل وبصیرت علم وتعلیم کے استدلال سے جب انسان اپنے گردوپیش پر نظر دوڑاتا ہے تو سب سے پہلے اس کی نظر خود اپنے وجود پر پڑتی ہے۔ اس لئے انسان کو اولاً اپنے وجود میں تدبر کی دعوت قرآنی دی گئی چنانچہ سورۃ ذاریات کی آیت ۲۱ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَفِیْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ۔ اے لوگو اپنے آپ میں غور کیوں نہیں کرتے تدبر نفسی کے بعد جب انسان آفاق میں نظر تدبر دوڑائے تو ہر ذرے میں ضبط وحکمت کے تقرر کی یکسانیت موجود نظر آتی ہے کہ صدیاں بیت جانے کے بعد بھی افلاک وآفاق یکساں تسلسل سے قائم۔ نہ کہیں بھول چوک کا تغیر نہ فتنے فساد کا توڑ پھوڑ۔ یہاں تک کہ کوئی چیز بھی ابدی ازلی قدیمی حکمت و مصلحت سے خالی وعبث نہیں۔ اسی عالمگیر نظام قدرت پر غور کرنے کی قرآن نے انسان کو بار بار دعوت تدبر عطا فرمائی اسی تدبر سے عرفان حاصل ہوتا ہے اور جہالت کی ضلالت سے نجات ملتی ہے۔ اور پتہ لگتا ہے کہ کفار جس حق سے کٰرِهُوْنَ ہیں اسی حق وصداقت پر کارخانۂ ہستی چل رہا ہے۔ اگر یہ حق کفار کی خواہشات پر پیروی کرتا تو آج کائنات کا یہ نقشۂ حسن وضبط نظر نہ آتا۔ جانوروں سے انسان اور انسانوں سے جانور جنم لیتے۔ کیکر ببول پر آم اور آموں کے درختوں پر کیکر ببول کے پھول کانٹے اگتے۔ ہر طرف فساد کے بیج بکھرتے نہ کوئی کسی ظالم سے مظلوم کو چھڑا سکتا نہ موذی سے بچا سکتا۔ کتنی نقصان دہ خواہشیں ہیں کفار کی ان کی احمقانہ خواہشوں نے تو حجر شجر گائے بندر سانپ شیر چوہے پیپل تلسی کو الہ بنا ڈالا۔ اسی طرح اگر آپ بھی ظہور معجزات کا حق ان کفار کی خواہشوں مطالبوں کی پیروی کرتا اور سابقہ امتوں کی طرح پھر یہ بھی ایمان نہ لاتے تو ایسا عذاب ہلاکت آتا جو پہلے کسی قوم پر نہ آیا۔ اور نہ صرف زمین پر بلکہ اب آسمانوں زمین پر فساد آجاتا سب زمین وآسمان واہل زمین وآسمان ختم ہوجاتے۔ قیامت آجاتی۔ اس کی وجہ یہ کہ یہ آخری نبی ہیں۔ ان کی کتاب آخری کلام اللہ ان کی حدیث آخری کلام نبوی۔ ان کی تقریر، تبلیغ، تعلیم، صداقت، امانت، دیانت، امامت، نبوت کی آخری دولتیں ہیں۔ ان کی عقل عقل کل ان کا علم محیط کل۔ اہل دنیا کی عقل ودانش علم وفن تو ان کی چوکھٹ پر پڑے ہیں۔ یہاں تو جبرئیل علیہ السلام بھی سائل مسائل و طالب علم ہیں۔ اسی لئے ان کا قرآن ان کی احادیث ان کی صورت۔ سیرت بلکہ حیات طیبہ کا لمحہ لمحہ اقوام عالم کی تعلیم وتربیت کے لیے محفوظ کردی گئیں ہیں ان کی عادت ان کی عبادت اقوام کے لیے قابل اطاعت واتباع اسوۂ حسنہ ہیں۔ چونکہ یہ ساری کائنات ارضی وسماوی کے نبی ہیں اور تمام اہل کائنات ان کے امتی اس لئے ان سے مطلوبہ معجزے پا کر ایمان نہ لانے سے ساری کائنات میں ہی فساد وعذاب آتا کیونکہ عذاب کا دائرہ پوری امت منکرہ وعلاقہ بعثت ہوا کرتا ہے۔ اسی طرح اگر نزول حق قرآن مجید کی کسی آیت۔ عبارت یا حکم شریعت میں کفار کی خواہش کی اتباع کرتے ہوئے ذرہ بھر تبدیل یا ترمیم کوئی کرسکتا

marfat.com

یا کر اسکتا تب بھی زمین و آسمان میں فساد پڑ جاتا۔ بلکہ ہم نے تو ان کو وہ قرآن وفرقان عطا فرمایا جس نے ان اہل عرب کو ساری مخلوق انسانیت میں اعلیٰ و بالا معظم ومشہور وممتاز کر دیا ان کے ذکر کا چرچہ کر دیا۔ تو چاہئے تھا یہ قریش مکہ و کفار عرب شکر کرتے ہوئے احسان مانتے اور اس حق کی حقانیت کو تسلیم کرتے دل و جان سے ایمان لاتے کیونکہ اس قرآن مجید سے تمام اہل عرب کو تین فائدے پہنچ سکتے تھے۔ ا۔ یہ کہ ان کی انسانیت حقانیت فطرت جبلت تہذیب کا تعارف پوری دنیا میں ہو جاتا۔ اور انسان کی اصل آدمیت وتقاضاء بشریت کی اصلیت اہل عرب سے لوگوں کو معلوم ہوتی۔ اہل عرب کی مشہور حیوانیت تاریخ کے ورقوں سے روپوش مخفی ہو جاتی۔ مگر کفار عرب کا اپنی احمقانہ خواہشوں سے قرآن جیسے ذکر عظیم سے مُعْرِضُوْنَ ہونا گویا اپنی ہی فطری خلقی عزت وشہرت سے منہ پھیرنا ہے۔ ۲۔ فائدہ یہ کہ قرآنِ مجید وہ ذکر ونصیحت لے کر آیا جو اہل عرب کو حیوانیت کے ظلم وجہالت سے نکال کر انسانیت کی افضلیت دینے اور ارذلیت سے بچا کر اشرفیت دینے کے لیے آیا۔ ازلی فنا سے ہٹا کر ابدی بقادینے والا ذکر۔ اس ذکر ونصیحت میں پوری انسانیت کے لیے دنیوی اخروی فائدے ہیں تو کتنے کم عقل ہیں یہ کفار اپنے ہی فائدوں والے ذکر سے مُعْرِضُوْنَ ہیں۔ ۳۔ یہ کہ ذکر بمعنیٰ چرچہ۔ تذکرہ اچھی شہرت۔ اس قرآن مجید سے اہل عرب کی عزت، شہرت، شرافت تمام عالم میں تا قیامت ہوگئی کہ ان کی زبان میں رب تعالیٰ کا کلام۔ شریعت اسلام۔ احادیث نبوی کی روایات آئیں اگر یہ کفار اسلام قرآن سے مغرور ومفرور وکَارِهُوْنَ نہ ہوتے بلکہ اس پر ایمان لا کر انسانیت کا سچا لبادہ اوڑھ لیتے تو ان کی شان میں عالمگیر ترقی کی اٹھان تھی۔ اگر کفار مکہ اس ذکر کی امانت کو قبول کرتے تو زمانوں کی سعادت امامت و ہمیشہ کی عزت پاتے۔ یہ حقیقت ہے کہ نبی رحمتہ عالمین اور آپ کے قرآن حکیم واسلام مبین نے عرب مسلمانوں کو چار سرفرازیاں عطا فرمائیں۔ ا۔ شہرتِ دوام۔ ۲۔ اقوامِ عالم کی امامت۔ ۳۔ رب تعالیٰ کی امانت پائی۔ ۴۔ یہ کہ اپنی تہذیب وتمدن وقومیت کی بقا پائی۔ دنیا میں کروڑوں بڑی شہ زور قوموں نے جنم لیا ابھریں پھیلیں آخر فنا ہو گئیں مگر قوم عرب کو روایت احادیث کے صدقہ وطفیل میں ایسی بقا ملی جو صدیوں پر محیط ہے کہ ایک ایک فرد کی پوری شخصی زندگی کا خاکہ ونسب نامہ اسماء الرجال کی صورت میں تا قیامت محفوظ ہے۔ صحابہ کرام کی سیرت واخلاق وحالات کو قرآن مجید نے جلاو بقا بخشی اور تابعین تبع تابعین محدثین وفقہاء کو احادیث مقدسات نے بقا بخشی۔ مگر یہ چند کفار مکہ اپنے ہی ذکر سرفرازی سے انکاس واستکبار واعراض کرنے والے ہیں تو کیا اس کی وجہ ان کا یہ گمان احمقانہ ہے کہ اَمْ تَسْـَٔلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ یا تم ان کفار سے اپنی تبلیغ وتعلیم کی ان سے کچھ اجرت مانگو گے تو سب کفار کان کھول کر سن لیں کہ ہمارے کسی نبی نے کبھی کسی دنیادار سے کوئی چیز طلب نہ فرمائی نہ تبلیغ وتعلیم پر انبیاء علیہم السلام حاجتمند بن کر نہیں آتے وہ تو حاجت روا مشکل کشا بن کر آتے ہیں۔ وہ کسی انسان سے لینے نہیں ہر شخص کو دین ودنیا کی نعمتیں دینے آتے ہیں ہر نبی کا یہی اعلان عام و نعرۂ کامران تھا کہ وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مَالًا ۭ اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ۔ (ہود:۲۹) یعنی میں تم سے اس تبلیغ پر کچھ نہیں مانگتا۔ میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور سب انبیاء جانتے ہیں فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ہے جس میں جسمانیت بھی ہے روحانیت بھی غذا دوا شفا بھی طیب وحلال بھی بھلا بھی وسیع بھی ثواب بھی رضا بھی۔ عالم ارواح سے عالم ابد تک وہی خیر الرازقین ہے۔ خرج اور خراج میں پانچ طرح فرق ہے۔ ا۔ خرج عام خرچہ خرج خاص خرچہ۔ ۲۔ خرج شوقیہ خرچہ۔ خراج

marfat.com

لازمی خرچہ جیسے دنیا میں ٹیکس لازم زکوٰۃ واجباً دینی پڑتی ہے۔ ۳۔خرج قلیل خرچہ ضرورت پوری ہو یا نہ ہو خراج کثیر خرچہ جو ضرورت سے زیادہ ہو۔ ۴۔خرج ایک بار خرچہ۔خراج بار بار خرچہ۔ ۵۔خرج صرف دنیا میں خرچہ۔خراج عالم ارواح سے عالم آخرت تک خرچہ کبھی ربوبیت سے کہیں رازقیت سے کہیں ثواب کی عطا سے۔وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ بیشک اے حبیب کریم تم تو ان کفار کو تا قیامت دین مستقیم کی طرف بلاتے ہی رہو گے قرآن کے بیان سے حدیث کے فرمان سے صحابہ کے کردار سے۔اہل بیت کے اخلاق سے علماء امت کے مواعظ درسیہ سے اولیاء ملت کی تربیت فکریہ سے۔یہ سب درسگاہ مصطفیٰ کے ہی چشمہ فیضان ہیں جو تا قیامت جاری ہیں۔

ہوں چشتی قادری یا نقشبندی سہروردی ہوں خدا کے فضل سے یہ سب ہیں چشمے مدنی آقا کے
ہوں حنفی مالکی یا شافعی یا حنبلی عالم میرے رب کے کرم سے سب خزانے مکی مولیٰ کے

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِيْنَةِ فَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ سَيِّدِنَا وَ مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ۔صراط کا لغوی معنی ہے کھلا راستہ۔شرعی اصطلاحی معنی ہے دین حق۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

وَلَوِاتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ۔ کے معنی میں چھ قول۔ ا۔بعض نے کہا حق سے مراد ہر حق اور اَهْوَآءَ سے مراد کفار کی تمام خواہشیں نفسانی۔ ۲۔بعض نے کہا حق سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اَهْوَآءَ سے مراد کفار کے مطالبے۔ ۳۔بعض نے کہا کہ حق سے مراد قرآن مجید اور اَهْوَآءَ سے مراد کفار کی یہ خواہشیں کہ قرآن مجید میں ان کی مرضی کے احکام اتریں یا ان کی مرضی سے ترمیم وتغیر ہو جایا کرے۔ ۴۔بعض نے کہا حق سے مراد دین اسلام اور اَهْوَآءَ سے مراد اسلام میں شرک کی شمولیت۔ ۵۔بعض نے کہا حق سے مراد واحد لاشریک معبودیت اور اَهْوَآءَ سے مراد کثرت معبودان یعنی ان کے بتوں کو بھی معبود مانا جائے۔ ۶۔بعض نے کہا حق سے مراد اللہ تعالیٰ اور اَهْوَآءَ سے کفار کی یہ خواہش کہ اللہ تعالیٰ ان کی مرضی مانے۔ سب قول درست ہیں کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن توحید اسلام ذات باری تعالیٰ سب ہی حق ہیں اور کفار کی نفسانی خواہشات بھی ان تمام قسموں کی تھیں۔وَمَنْ فِيْهِنَّ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔اکثر کی قرأت میں مَنْ فِيْهِنَّ۔ضمیر جمع مونث غائب سے ہے یہی درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب اور سَمٰوٰتِ جمع کے مطابق ہے۔ ۲۔بعض کی قرأت میں وَمَا بَيْنَهُمَا ہے مگر یہ قرأت اس لئے بھی غلط ہے کہ ضمیر تثنیہ ہے حالانکہ سَمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جمع ہے۔بَلْ اَتَيْنٰهُمْ کی قرأت میں چار قول۔ ا۔اکثر کی قرأت اَتَيْنَا جمع متکلم ہے بمعنی ہم نے ان کو دیا۔یہ ہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔بعض کی قرأت میں بَلْ اَتَيْتُهُمْ ہے واحد متکلم۔ ۳۔بعض کی قرأت میں بَلْ اَتَيْتَهُمْ ہے۔واحد مذکر حاضر سے یعنی اے نبی تم نے ان کو دیا۔ ۴۔بعض کی قرأت ہے بَلْ اٰتَيْنَاهُمْ بمعنی اَعْطَيْنَا۔ مگر یہ سب قرأتیں شاذ ہیں۔بِذِكْرِهِمْ کی قرأت میں تین قول۔ ا۔اکثر کی قرأت بِذِكْرِهِمْ ہے۔یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔بعض کی قرأت ہے۔بِذِكْرَاهُمْ۔ ۳۔بعض کی قرأت ہے نَذَكِّرُهُمْ۔ بِذِكْرِهِمْ۔ کے معنی میں پانچ قول۔ ا۔بعض نے کہا ذکر سے مراد قرآن مجید ہے۔ ۲۔بعض نے کہا ذکر سے مراد نصیحت۔ ۳۔بعض نے کہا ذکر سے مراد چرچہ تذکرہ۔ ۴۔بعض نے کہا ذکر سے مراد اخروی

marfat.com

ثواب ہے۔ ۵۔ بعض نے کہا ذکر سے مراد کفار کے فائدے مند کلام۔ خَرْجًا فَخَرَاجُ کی قرأت میں چار قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت خَرْجًا فَخَرَاجُ ہے یہی درست کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت۔ خَرْجًا فَخَرْجُ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت خِرَاجًا فَخَرَاجُ ہے۔ ۴۔ بعض کی قرأت خِرَاجًا فَخَرْجُ ہے۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: انبیاء علیہم السلام سے گناہ تو در کنار کبھی کوئی خطا بھی نہیں ہو سکتی نہ چھوٹی نہ بڑی۔ نہ غلطی نہ لغزش کیونکہ محال بالغیر ہے بوجہ عصمت۔ ایک گمراہ مصنف نے کذب انبیاء کو جائز و ممکن مانا ہے وہ مصنف زمین پر اس وقت بدترین و خبیث انسان ہے۔ بہر حال انبیاء علیہم السلام ہر طرح گناہ سے معصوم ہیں۔ اس لئے ان کو علیہ السلام کا جملہ خبریہ کہا جاتا ہے یعنی ان کے پاس ہر طرح کی سلامتی ہے۔ یہ فائدہ وَلَوِ اتَّبَعَ میں۔ لَوْ ارشاد فرما کر جملہ فرضیہ محالیہ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل اسلام و قرآن نے ہر مسلمان خاص کر صحابہ و صحابیات رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کو تا قیامت و تا ابدا چھی شہرت عزت چرچہ و شان عطا فرمائی آج دنیا میں حلیمہ دائی بلکہ شہر مکہ و مدینہ کی شان میں قصیدے و نام کے وظیفے پڑھے جا رہے ہیں اور یہ سب زبان قال و حال سے کہہ رہے کہ یا رسول اللہ

تیری نسبتوں سے پہلے ہمیں کون جانتا تھا تیری دوستی نے ہم کو یہاں سرخ رو بنایا

صحابہ و تابعین کی سرفرازیاں بلندیاں فتوحات یہ سب عزتیں ناموریاں آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی وجہ سے ہیں یہ فائدہ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ کے ارشاد پاک سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: دنیا میں جو انسان کسی انسان کو جو بھی جتنا بھی دیتا ہے وہ تحفہ ہو یا مزدوری وہ آخرت کے بدلے اور مقابلے میں انتہائی گھٹیا و کمترین ہے۔ اس لئے مسلمانوں کو دنیوی انعامات تمغات یا فیس اجرت قیمت کے حصول کی خاطر اپنی آخرت کو تباہ برباد نہ کرنا چاہیے۔ یہ فائدہ اَمْ تَسْئَلُهُمْ (الخ) کے پورے فرمان سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**:۔ فقہاء کرام کا اپنے اصول فقہ سے قرآن مجید کی بعض آیات سے مسائل نکالنے نقصان دہ یا ممنوع نہیں نہ اس استنباط سے فتنہ فساد کا ظہور۔ یہ مسئلہ وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ کے ساتھ اَهْوَآءَهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ اور بتایا گیا کہ اَهْوَآءِ نفسانی و استنباط قانونی میں بہت فرق ہے۔ استنباط میں اتباع حق کی مطابقت خود بخود ہو جاتی ہے لیکن اهواء نفسانی میں اتباع حق کا مطالبہ و خواہش ہوتی ہے اتباع ہو جانے اور چاہنے میں بڑا فرق ہے لہٰذا وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اِسْتِنْبَاطَهُمْ جائز و مفید ہے لیکن اِتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَ کفر و فساد ہے۔ **دوسرا مسئلہ**: قانون شریعت کے مطابق جن مبلغین و معلمین علماء کرام کی تنخواہیں حکومت یا قومی عوامی اداروں کی طرف سے اسی ذمہ داری کے لیے مقرر ہیں اور ان کو ضروریات زندگی کے اسباب باسہولت حاصل ہیں اور ان کو روزی رزق حاصل کرنے کے لیے محنت کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی ایسے علماء کو اپنی دینی تبلیغ و تعلیم پر عوام سے اجرت مانگنا جائز نہیں ہے۔ کیونکہ جس ذمہ داری کی تنخواہ ملتی

marfat.com

ہو اس کام کی عوام سے فیس یا اجرت مانگنا رشوت لینا ہے اور رشوت لینا ہر وقت ہر شخص کو حرام ہے لیکن اگر تنخواہ مقرر نہیں ہے تو ہر طالب العلم سے یا لواحقین سے تعلیم و تبلیغ کی فیس لینا جائز ہے۔ یہ اجرت و فیس رشوت نہ بنے گی۔ یہی حکم ہر دینی محکمے کا ہے۔ یہی فرق ہے رشوت و اجرت میں۔ یہ مسئلہ اَمْ تَسْئَلُهُمْ خَرْجًا۔ کے سوال انکاری والے ارشاد ربانی سے مستنبط ہوا اور انبیاء علیہم السلام نے فَخَرَاجُ رَبِّکَ اور اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ. فرما کر اپنی غیبی تنخواہ کا ذکر فرما دیا کہ اب ہمارے لیے عوام سے اجر و اجرت۔ خرج و خراج طلب کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ظاہری ضروریات کے لیے انبیاء علیہم السلام نے محنت' تجارت و غزوات کو ذرائع بنایا۔ **تیسرا مسئلہ**: قرآن مجید و احادیث مبارکہ کے معنی منشاء اور تفسیر و شرح میں اپنی رائے زنی و تخمینے اندازے بیان کرنا شرعاً حرام ہے اسی کو تفسیر بالرائے کہا جاتا ہے۔ فقہاء ائمہ اربعہ نے متفقاً تفسیر بالرائے کو حرام فرمایا ہے یہ مسئلہ لَفَسَدَتِ السَّمٰوٰتُ وَ الْاَرْضُ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کفار نے تو چاہا تھا کہ حق قرآن ہماری ذاتی نفسی رائے و خواہش کی پیروی کرے مگر ان جاہل مفسرین نے اپنی جاہلانہ رائے و تخیلات کی تفسیر و شرح کر کے گویا اِتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ کو چاہ لیا۔ اگر خواہشاتِ کفار کی ترمیم قرآنی ہوتی تو آسمان و زمین وَمَنْ فِیْهِنَّ میں فسادِ ہلاکت آ جاتا لیکن ان جاہل مفسرین کی تفسیر بالرائے اور منشاء حقیقی کو توڑ مروڑ سے تفرقے بازی کا فساد زمینی وَمَنْ فِیْهِنَّ آ ہی گیا جس نے عقائد دینی' اعمال ایمانی کو فساد و تفرقہ سے برباد کر دیا۔ تفسیر بالرائے یہ ہے کہ منشاء الٰہی بیان اور معلوم کرنے کے لیے آیاتِ قرآن میں بجائے تدبر تعقل تعلم اور احادیث مقدسات کا سہارا لینے کے بجائے اپنی ذاتی رائے ذہنی نظریے بناوٹی عقیدے کو بچانے کے لیے عبارات قرآنیہ میں کھینچا تانی اور معانی الفاظ میں توڑ مروڑ کی جائے اور آیات کے منشاء الٰہی کو بیان کرنا مقصود نہ ہو۔ مثلاً ایک مفسر لکھتا کہ ذی الکفل اصل میں ذی الکپل تھا۔ کپل کا معنی تخت و تاج والا۔ اور اس سے مراد گوتم بدھ ہے ثابت ہوا کہ گوتم بدھ بھی نبی تھا یہ ہے کھینچا تانی والی تفسیر بالرائے وغیرہ وغیرہ۔ یہی حرام ہے اور مفسّر گمراہ۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ۔ اَهْوَآء یعنی خواہشات قولی چیز ہے نہ کہ فعلی کیونکہ دل میں پیدا ہوتی ہے زبان سے ظاہر ہوتی ہے۔ اور قول کی اطاعت کی جاتی ہے نہ کہ اتباع فعل کی نقل و اتباع کی جاتی ہے تو یہاں لَوِ اتَّبَعَ کیوں فرمایا گیا۔ لَوْ اَطَاعَ الْحَقُّ فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب**: لفظ اتباع کے عربی لغت میں تین معنی ہیں۔ ۱۔ نقل کرنا۔ ۲۔ نقش قدم پر چلنا۔ ۳۔ کسی کی مطابقت کرنا۔ اسی طرح ھوا کی بھی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ اَهْوَآء قولی یعنی کسی سے کہا جائے کہ تو میری خواہشوں کی پیروی کر۔ ۲۔ یہ کہ خواہش والا خود اپنی دلی خواہش کے مطابق کام کرے یہ اھواء قلبی ہے۔ ۳۔ اھواء عملی یعنی خواہش والا چاہے کہ میرے عمل کے مطابق دوسرے کا عمل ہو تو یہاں اتباع تیسری قسم کا مراد ہے اور اَهْوَاء پہلی قسم کی مراد ہے کیونکہ کفار چاہتے تھے کہ قرآن اپنے اترنے میں ہماری خواہشات کی اتباع و مطابقت کرے۔ اب اعتراض ختم ہو گیا۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا کہ اگر حق قرآن لوگوں کی خواہشوں کی پیروی کرتا تو فساد پڑ جاتا حالانکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ تقریباً پندرہ مسائل و احکام شریعت فاروق اعظم کی خواہش کے مطابق نازل ہوئے۔ ثابت ہوا کہ حق نے اھواء فاروقی کی اتباع کر لی مگر فساد نہیں آیا۔

marfat.com

جواب: قلبی خواہش کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ا۔ رائے۔ ۲۔ مشورہ۔ ۳۔ اھواءُ۔ عقل فہم یا ایمانی آواز کا نام رائے ہے۔ رائے کے لیے عقل علم وایمان کامل ضروری اور مشورہ رائے طلب کرنے کا نام ہے لیکن اھواء نفس امارہ وشیطانی آواز کا نام ہے۔ فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان مسائل کی خواہش یہ ان کا مشورہ یا اھواء نہ تھا بلکہ عقل فہم کی روشن ضمیری وایمانی رائے تھی۔ ایسے ہی مطابقت کی بھی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ا۔ مطابقت ظہوری۔ ۲۔ مطابقت اتفاقی قدرتی۔ ۳۔ مطابقت ترمیمی۔ مطابقت ظہوری یہ ہے کہ ابھی کچھ ظاہر نہ ہوا تھا نہ کسی مسئلے پر کوئی آیت نازل ہوئی تھی کہ پیشگی کسی مسئلے وحکم وپابندی کی خواہش کردی جائے پھر حکم الٰہی بھی ویسا ہی نازل ہو جائے تو یہ اتباع حق نہیں ہے بلکہ پیشگی اظہار خواہش کی مطابقت ظہوری ہے۔ مطابقت قدرتی اتفاقی یہ ہے کہ ایک آیت نازل ہوئی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تلاوت فرمارہے ہیں یا املا کروا رہے ہیں تو پاس بیٹھا سننے یا لکھنے والا کوئی صحابی تلاوت نبوی سے پہلے وہی الفاظ بول دے جو اگلی عبارت میں نازل ہوئے ہیں تو یہ مطابقت قدرتی واتفاقی ہے۔ یہ بھی اتباع حق نہیں ہے نہ حق نے اتباع کیا مطابقت ترمیمی دو قسم کی ہے یا یہ کہ ایک حق حکم نازل ہو چکا ہے مگر خواہش والا کہے کہ اس حکم کو تھوڑا بدل دیا جائے۔ یا یہ کہ اس میں میری یہ بات بھی شامل کردی جائے یعنی حکم شرعی گھٹا کر یا کچھ بڑھا کر ترمیم کرانا یہ اھواء ہے اور وَلَوِ اتَّبَعَ الْحَقُّ اَهْوَآءَهُمْ میں اسی کا ذکر ہے فاروقِ اعظم کی رائے میں مطابقت کبھی ظہوری ہوتی تھی کبھی قدرتی نہ کہ ترمیمی نیز یہ مطابقت ظہوری اس بات کی دلیل ہے کہ فاروق اعظم کا علم عقل روشن ضمیری بعد صدیق اکبر تمام صحابہ سے زیادہ ہے۔ ترمیمی خواہش صرف کفار کی ہوتی تھی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمام رازقین سے اچھا رازق ہے تو مخلوق کائنات کے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور دوسرے بھی رازق ہیں۔ **جواب:** اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں۔ ا۔ بعض نے کہا یہ جملہ عربی محاورے کا ہے۔ اہل عرب جب کسی کام میں کسی شخص کی کاملیت کا اظہار وذکر کرنا چاہتے ہیں تو اس طرح جمع مذکر سالم کا لفظ مضاف الیہ بنا کر بولتے ہیں لہٰذا یہاں خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ کا معنٰی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی کامل رازق ہے۔ ۲۔ بعض نے جواب دیا کہ یہاں تمام مخلوق کی رازقیت کا ذکر نہیں صرف انسانی حیوانی رازقیت کا ذکر ہے۔ اور انسانی حیوانی رزق رسانی ووصولی کے ذرائع چونکہ دیگر انسانوں کی طرف سے بھی ہیں مگر سب سے زیادہ اچھے نہیں بلکہ ناقص ہیں ناقص کو خیر نہیں کہا جاتا۔ اس لئے فرمایا گیا کہ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ دونوں جواب درست ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اور اگر اسرارِ توحید وقسط وعدل وبرکات وفضل کا حق جو توحید ذات۔ قسط صفات۔ عدل شریعت۔ فضل نعمت ان کفار زمانہ وفساق جسمانہ کی ان اھواء نفسانی خواہشات شیطانی کی پیروی کرتا جو جنم لینے والی ہیں نفوس مظلمہ کے بطن ظلم سے اور علاقہ باطلین میں تجلیات وحدت سے بہت دور حجابات کثیرہ وکثیفہ میں جدا گمنام پڑی رہتی ہیں ان خبثاء دہر کی تمناؤں مرضیوں کی اتباع کر لیتا تبدیلی یا ترمیم کرانے میں تو عالم رنگ وبو کی بلندی وپستی میں فساد وفتنہ قائم ہو جاتا اور وہ عدلیات فلکی کے سات آسمان۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت۔ صداقت۔ امانت۔ یقینیت اور وہ زمین معرفت جس پر مجردین۔ سالکین۔ عارفین عاشقین۔ عابدین۔ زاہدین۔ مجاہدین کے سات قیومین کا وجود قیام ہے۔ سب پر فساد فنا برپا ہو جاتا کیونکہ وحدت ذات سے

marfat.com

ہی کثرت صفات وحقائق اشیاء کی بقا ہے۔ اور امانت توحید سایہءعافیت بن کر سینہءعارفین میں ازل سے تا ابد مخزن ہے۔ اور نظامِ کثرت سے ہی زمین وآسمان کا قوام وبقاءمَنْ فِيهِنَّ ہے۔ تو اگر فرضِ محال توحید ذات وظلمیت صفات ونظام کثرات ہی تابع خواہشات ہو جاتا پس اجسام کل کا فساد لازمی تھا۔ یہی وجہ ہے کہ کبھی بھی کسی حق نے کسی بھی باطل کی اتباع واطاعت نہ کی۔ اے لوگو سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وصف قہر کوملبوس فرمایا نفوس منکرین سے اور بڑائی بیان فرمائی منکرین پر قہر جبر ڈالنے کے وقت پھر وہ قہر جبر صفت کبریائی سے نکل کر ربوبیت کے میدانوں میں آیا۔ تب عزم سلطانی سے حق ظاہر وغالب ہوا۔ عزم سلطانی کوحق پر اس لئے مقدم کیا تا کہ منکرین کے طاقتور سینگوں کو اطاعت ربانی میں جھکا دیا جائے۔ اور اگر اللہ تعالیٰ منکرین پر قہر لازم فرما کر ان کی طاقتوں کو نہ روکتا تو ان کے فساد تکبر سے زمین شرافت بگڑ جاتی اور مطیعین کی اطاعت آسمانوں کی طرف بلند نہ ہوتی اور کس طرح ہوتی صانع قدیم کی صفت خالقت نفوس حدثیہ میں۔ کیونکہ صانع قدیم کا جلال منزہ ہے اور ہر مرید کے ارادے کے محل سے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہر حادث کا طول وجسم اپنی ربوبیت کے وصل وقرب ومباشرت سے عطا کیا ہے۔ لیکن منکرین اطاعت نے اپنے حظ نفسی کی وجہ سے رویۃ حق ومباشرت وصل کا انکار کیا۔ بَلْ اَتَيْنٰهُمْ بِذِكْرِهِمْ فَهُمْ عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ۔ بلکہ ہم نے ان کے لیے حق کا ذکر ہمیشہ غالب وبلند ہی کیا تا کہ اہل نفوس بھی اسی حق حقیقی کے حدود عافیت میں شہرت شان وسرفرازی زمان پالیں اسی لیے ہم نے قوت روحانیت عظمت لقائیت کثرت لقائیت کا دوامی چرچہ اور فطرت نصیحت شرافت فضیلت کا ذکر حق ان کے پاس بھیجا تو ازلی بدقسمتی کی بنا پر وادی جسمانی کے نفوس حماقت مزاج جہالت اپنے ذکر بقا شب فراق کی ظلمت تکبر ونفرت غرور میں آ کر حق سے مُعْرِضُوْنَ ہو گئے اور ایام وصل کے وقت پیٹھ پھیر گئے حالانکہ اس ذکر میں ان کی ہی اصلاح حال وشرف کمال وفضل کمال تھا ہم نے ان کو اپنی بندگی وعبودیت کا حکم اور اطاعت کا شرف بخش کر ان کے ذکر خیر کو ابدی ازلی بنایا مگر وہ اطاعت وبندگی کے شرف سے مُعْرِضُوْنَ ہیں۔ حق کی تجلی قرآن مجید کے لباس میں اہل عرفان عبید کے لیے اس تجلی حق کو اہل طغیان نہیں جانتے لہٰذا نہیں دیکھ سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر سب سے پہلے معارف کو کھولا پھر وسائل کو پھر سکون کو پھر بصائر کو تو جب انسان نے حق کا معائنہ حق سے ہی کیا تب ہر ہمت وارادے کو فنا کر بیٹھے۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ مولیٰ تعالیٰ نے ہر انسان کو مخالفت نفس ودوری شیطانی کا حکم دیا ہے تو تمام انسان اپنی عقل ناقص کی بنا پر اپنے نفس امارہ کی پیروی میں خواہشات نفسانیہ کے پیچھے لگ جاتے اور اگر ایسا کر لیتے تو اللہ تعالیٰ کے حکموں کو چھوڑ کر عبودیت کے راستے سے گمراہ ہو جاتے اطاعت الٰہی سے دور ہو جاتے مخالفت حق کو لازم پکڑتے۔ کیا تو نے رب تعالیٰ کے اس فرمان پر غور نہ کیا کہ اگر کوئی حق اَهْوَاءِ اہل نفوس کی اتباع کرتا تو آسمان وزمین میں فساد آ جاتا۔ اَمْ تَسْــٴَـلُهُمْ خَرْجًا فَخَرَاجُ رَبِّكَ خَيْرٌ ۖ وَّهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ۔ اے مرشد کائنات ہادی مخلوقات عالم باقیات وروحانیات کیا ان فساق مکروعیار فکر کے پاس تجھ کو نہ ماننے کا بہانہ ان کا یہ گمان فاسد وخیال باطل ہے کہ تو ان سے کچھ مانگتا طلب کرتا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے تو نے تو کبھی بھی ان سفلیات فانیات سے اجرت مکاشفات قلبی طلب نہ فرمائی۔ لہٰذا ان کا مغرور اہل حق نفور ذکر مفرور حق ہونا ان کی خباثت نفی کی وجہ سے ہے تجھے ان عاداتِ رذیلہ خسیسہ سے کچھ مانگنے کی ضرورت ہی نہیں ہے کیونکہ تیرے لیے رزق ابدانی غذاء روحانی کا خراج انوار تو تیرے رب تعالیٰ کے پاس ہے جو ازلی بھی ہے ابدی بھی

marfat.com

خیر بھی کثیر بھی۔ یہاں عطاء دنیوی ہے وہاں ثواب اخروی ہے اور وہی رب کائنات رازق کامل ہے ہر ظاہر و باطن قلب و روح عقل و شعور فراست و بصائر کا بطون وظہور میں حیات و ممات میں حشور و نشور میں۔ وَاِنَّكَ لَتَدْعُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۔ اور اے ہادی من اللہ بیشک تو ہی بلاتا ہے ان تمام اہل عقل فاسقین و اہل قلب صالحین کو وادی قرب۔ منزل سعادت، مقام عبادت، صراطِ ہدایت و خزانہ ءمعرفت کی طرف یہی راستہ ہے ملزم نفس کے لیے حصول عدل کا اور وادی قلب میں محبت کے وجود کو اگانے کا و مقام روح میں توحید کے شہود کو بلانے کا۔ یہی وہ صراطِ مستقیم ہے جس پر آ کر حق و باطل نیک و بد اخیار و اغیار سالکین و عیارین کی چھانٹ و تفریق ہو جاتی ہے کہ صالحین تو اسرار کی منزل و دولت پا لیتے ہیں۔ لیکن فاسقین اشرار کی طغیانیوں میں گم ہو جاتے ہیں۔ اسی صراط مستقیم میں مساعین و مسارعین کو نجات ابدی کی کامیابی و کامرانی ملتی ہے۔ مگر کاسلین کو ناکامی کی خواری نصیب ہوتی ہے کیونکہ یہ راستہ آئینہء حق نما ہے۔ ہمارے حبیب ہی لوگوں کو مشاہدۂ حق کے صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ صراطِ مستقیم وہ ہے جس کو واضح کیا انوارِ الٰہی کے جمال اور اس کے مشاہدے نے اور وہی رب تعالیٰ کی معرفت کا راستہ ہے صدیقین کی ارواح قدسیہ و قلوب شہداء عشق کے لیے۔ یہی راستہ محبت کا منتہا اور اسوۂ حسنہ کا مبتدا ہے۔ اسی راہ پر اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران: ۳۱) کی عملی متابعت ہے۔ اے بندۂ متبع و محبت النبی بیشک تو ہی اٹھا سکتا ہے ان پاکیزہ محبتوں، اسوتوں، متابعتوں کی امانتوں کو وصول ہمت کے مسلکوں پر۔ ہر شخص اس سالکیت کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ نہ ہی سالکیت موافق ہے ہر ایک کے بجز اہل ہمت و ارشاد کے اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے لیے اللہ تعالیٰ کے ساتھ مستقیم ہو گئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اللہ کے سوا کچھ نہ مانگا اور اپنے لیے کوئی درجہ و مقام نہ دیکھا۔ عارفین فرماتے ہیں کہ ہمارے لیے بارگاہِ الٰہی کی حاضری قرب ہے اور ماسوا اللہ سے دوری۔ اعراض ہے عقلمند وہ ہے جو زبان کو زیادہ بولنے سے روکے کیونکہ زیادہ بولنے سے غلطیاں اور گناہ سرزد ہوتے ہیں اور غلطیوں گناہوں والے پر حکمت کے دروازے بند ہو جاتے ہیں اے عمل و لباس کے طلبگار کفن کو یاد کر۔ اے عمدہ و مکان کے طلبگار قبر کو یاد کر۔ غذا کے طلبگار قبروں کے کیڑوں کو یاد کر جن کی غذا تو بننے والا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا۔

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ
اور بیشک وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے آخرت پر وہ سب سیدھے سچے راستے سے الٹنے
اور بیشک جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے ضرور سیدھی راہ سے کتراتے
الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا
منہ موڑنے والے ہیں اور اگر ہم نے رحم کیا ان پر اور دور کر دیئے وہ جو ان کو مصیبتوں کے
ہوئے ہیں اور اگر ہم ان پر رحم کریں اور جو مصیبت ان پر پڑی ہے
مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾

marfat.com

نقصان ہو رہے تھے تو ضرور بار بار خباثت کی سرکشی کریں گے کہ اپنی شیطانیت میں بھٹکتے ہیں
ٹال دیں تو ضرور ہٹ پنا کریں گے اپنی سرکشی میں بہکتے ہوئے
وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ
اور البتہ اگر کبھی پکڑ لیا ہے ہم نے ان کو دنیوی عذاب سے تو بھی نہ عاجز ہوئے اپنے رب کے لئے اور نہ ہی کبھی
اور بیشک ہم نے انہیں عذاب میں پکڑا تو نہ وہ اپنے رب کے حضور میں جھکے
وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۷۶﴾ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا
رو کر دعائیں مانگیں یہاں تک کہ جب کھول دیا ہم نے ان پر دروازہ
اور نہ گڑگڑاتے ہیں یہاں تک کہ جب ہم نے ان پر کھولا کسی سخت
ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ﴿۷۷﴾ ع
سخت عذاب والا تو جب ہی وہ اس عذاب میں دہشت زدہ ہو کر گرنے والے ہیں
عذاب کا دروازہ تو وہ اس میں ناامید پڑے ہیں

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغ اسلام کا ذکر فرمایا گیا کہ اِنَّکَ لَتَدْعُوْهُمْ (الخ) آپ ان کو صراط مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ ان آیات میں کفار کی کفریہ جوابی کاروائی کا ذکر فرمایا گیا کہ بیشک آخرت کے منکر کافر آپ کی دعوتِ ایمان کو نہ مان کر صراطِ مستقیم سے نَاکِبُوْنَ یعنی کترا کر نکل بھاگتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں حق و باطل کی اتباع کا ایک کلی فرق بیان فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں زمین پر فساد برپا نہ ہونے کی ایک وجہ بیان ہو رہی ہے کہ یہ ہمارا رحم اور کشفنا کا ظہور کریمانہ ہے جو باوجود اتنے کفر و ظلم کے زمین پر عذاب نہیں آتا۔ اور کفار اس رحم و کرم و کشف پر مغرور ہوئے پھرتے ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں عَنْ ذِكْرِهِمْ مُّعْرِضُوْنَ فرما کر کفار کو ڈھیل دینے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ فرما کر ان کی پکڑ فرمانے کا اشارہ دیا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَاِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰكِبُوْنَ ﴿۷۴﴾ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۷۵﴾ واؤ سر جملہ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل یعنی فعل کی طرح رفع نصب دینے کا عمل کرتا ہے۔ اَلَّذِيْنَ اسم موصول۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ باب افعال کا مضارع حال منفی معروف جمع مذکر غائب مصدر ہے ایمان اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے اَلَّذِيْنَ بِالْاٰخِرَةِ کا معنی ہے قیامت پر۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ

marfat.com

ہوا۔ اَلَّذِیۡنَ موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ عَنۡ حرف جر زوالیہ۔ برائے زوال (دوری) اَلصِّرَاطِ اسم معرف باللام بمعنی دین اسلام۔ یعنی جنت کی طرف جانے کا کھلا بڑا ابدی صاف سیدھا راستہ۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ لام تحقیقیہ بمعنی یقیناً۔ نَاکِبُوۡنَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر۔ نکبٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ منہ پھیر کر گزر جانا۔ کترا کر۔ خیال رہے کہ نکصٌ هَجۡرٌ۔ کَرۡهٌ۔ عَوۡضٌ۔ نکبٌ۔ پانچوں کا معنی ہے نفرت کرتے ہوئے منہ پھیرنا۔ مگر فرق یہ ہے کہ قریب آ کر پیٹھ پھیر کر چلے جانا یہ ہے نَکۡصٌ اور اگر پہلے سے بیٹھا ہوا اس کے پاس حق آ جائے تو وہ اٹھ کر اپنی جگہ چھوڑ کر چلا جائے یہ هَجۡرٌ ہے۔ اور اگر وہیں بیٹھا رہے مگر ناپسند کرتے ہوئے یہ کَرۡهٌ ہے۔ اور حق کی طرف باوجود بلانے کے نہ آئے یہ اِعۡرَاضٌ وعَوۡضٌ ہے اور اگر آتے آتے کنی کترا کر کسی دوسری طرف نکل جائے یہ نَکۡبٌ ہے نَاکِبُوۡنَ کا فاعل ضمیر پوشیدہ جس کا مرجع اَلَّذِیۡنَ ہے۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ لَوۡ حرف شرط رَحِمۡنَا باب سمع کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف۔ رَحۡمٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مہربانی شفقت۔ بہتری اور رحمت ڈالنا۔ اس کا فاعل نَحۡنُ ضمیر مرجع اللہ تعالیٰ هُمۡ ضمیر جمع مذکر غائب اس کا مرجع اَلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ہے مفعول بہ ہے۔ رَحِمۡنَا سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ حرف عطف کَشَفۡنَا۔ باب ضرب کا ماضی مطلق جمع متکلم مثبت معروف کَشۡفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے کھولنا۔ ہٹانا۔ دور کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ مَا اسم موصول بِ جارہ تعدیہ ترجمہ ہے کو هِمۡ کا مرجع اَلَّذِیۡنَ مجرور ہے بِ سے یہ جار مجرور متعلق اول ہے لاحق پوشیدہ اسم فاعل کا۔ مِنۡ حرف جر تبعیضیہ ضُرٍّ اسم حاصل مصدر ضَرَرٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ بمعنی نقصان دہ۔ مصیبت۔ آفت۔ بیماری۔ مجرور ہے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے لَاحِقٌ پوشیدہ کا لَاحِقٌ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے یہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے کَشَفۡنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے رَحِمۡنَا کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر شرط ہے۔ لام کے برائے جواب شرط یعنی جزائیہ بمعنی تو البتہ لَجُّوۡا باب ضرب کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب لَجُّوۡا سے مشتق ہے اگر لَجِیٌّ مادہ ہو تو باب سمع سے گردان ہوتی ہے باب تفعیل میں گردان ہو تو مصدر ہے تَلۡجِیَةٌ تَلۡجِیَةٌ لَجۡوٌ کا ترجمہ ہے ضد کرنا۔ جھگڑے کو طول دینا۔ مخالفت بلاوجہ (برائے مخالفت) باز نہ آنا۔ ضد سے بار بار آنا جانا بار بار سرکشی۔ نفرت۔ مخالفت کرنا۔ اگر لَجِیٌّ سے ہو تو ترجمہ ہے۔ پھنسنا۔ اڑنا۔ بڑا گروہ ہونا۔ اسی سے لجاجت بمعنی بیتابی چمکدار چاندی یا آئینہ جس پر نگاہ نہ ٹھہرے بیتاب ہو جائے۔ اگر تفعیل میں ہو تو ترجمہ ہے گہرا پانی دریا میں۔ وسیع سمندر موج در موج ہونا۔ پانی میں گھسنا۔ یہاں معنی ہے بار بار خباثت کرنا اس کا فاعل هُمۡ ضمیر صیغہ مرجع اَلَّذِیۡنَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ فِیۡ جارۃ ظرفیہ مکانیہ طبعیہ کے لیے طُغۡیَانٌ۔ اسم مصدر مبالغہ بروزن فعلان۔ اگر مادہ طَغۡوٌ ہے تو باب نصر میں گردان ہو گی۔ اگر طغیٌ ہے تو باب فتح میں گردان ہو گی دونوں مادوں کا ترجمہ ہے۔ سرکشی۔ شرارت۔ نافرمانی کرنا۔ گمراہی میں حد سے نکلنا۔ دریائی سیلاب کو طغیانی اسی لئے کہا جاتا ہے کہ پانی دریا کی حد سے باہر نکل آتا ہے۔ اسی سے ہے طاغی بمعنی شیطان۔ یہاں مراد ہے سرکشی شیطانیت۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے یَعۡمَهُوۡنَ باب سمع کا مضارع مستقبل جمع مذکر غائب عَمَهٌ سے مشتق ہے۔ باب فتح میں بھی گردان ہو جاتی ہے۔ ترجمہ ہے سرگردان اور حیران ہونا' بھٹکنا' ناحق سختی دشمنی ظلم کرنا۔ اگر باب تفعیل میں گردان کی جائے تو مصدر ہے تَعۡمِیۡهٌ۔ تَعۡمِیۡهٌ یہاں

marfat.com

معنی ہے بھٹکنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع وہی اَلَّذِیْنَ۔ یہ فعل فاعل اور متعلق مقدم جملہ فعلیہ ہو کر حال ہے لجوا کے فاعل کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے لَوْ رَحِمْنَا کے جملہ کی وہ شرط و جزا مل کر جملہ فعلیہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ وَلَقَدْ اَخَذْنٰهُمْ بِالْعَذَابِ فَمَا اسْتَكَانُوْا لِرَبِّهِمْ وَمَا يَتَضَرَّعُوْنَ ۝ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ اِذَا هُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ واؤ سر جملہ لام کے برائے تاکید یعنی کلام میں یقین کی سختی پیدا کرنے کے لیے ترجمہ ہے البتہ قَدْ اَخَذْنَا۔ باب افعال کا ماضی قریب برائے استمراری بمعنی جب بھی کبھی ہم نے پکڑا ہے اس کا مصدر ہے اِیْخَاذٌ۔ دراصل اِخَاذٌ تھا۔ تعلیل نحوی سے مادے کی ہمزہ ی بن گئی۔ برائے تخفیف اَخْذٌ سے بنا ہے۔ بمعنی لینا پکڑنا اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ هُمْ مفعول بہ ہے۔ بِالْعَذَابِ یہ جار مجرور متعلق ہے اَخَذْنَا کا۔ کاف برائے ظرفیت زمانی کے لیے بمعنی تو بھی تب بھی (تو اس وقت بھی) مَا اسْتَكَانُوْا۔ باب استفعال کا ماضی مطلق منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ كَيْنٌ سے بنا ہے بمعنی عاجز ہونا۔ دب جانا۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِكَانَةٌ۔ دراصل تھا اِسْتِكْيَانٌ تعلیل سے بنا اِسْتِكْوَانٌ پھر بنا اِسْتِكَانَةٌ۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ لِرَبِّهِمْ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ ما استکانوا کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ما نافیہ زائدہ ہے اس نے اگلے فعل مضارع کے اثبات کو ختم کیا۔ ترجمہ اس عبارت کا یہ ہے کہ نہ ہوئی یہ بات کہ انہوں نے رو کر دعائیں مانگیں۔ يَتَضَرَّعُوْنَ۔ باب تفعل کا مضارع مثبت معروف جمع مذکر غائب۔ اس کا مصدر ہے تَضَرُّعٌ ضَرْعٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے رو کر دعا مانگنا۔ زاری کر کے فریاد کرنا۔ یہ فعل با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ سے مل کر جملہ فعلیہ نانیہ (نفی کیا ہوا) ہو کر معطوف ہوا مَا اسْتَكَانُوْا کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر پھر معطوف علیہ۔ حتّٰی حرف عطف اِلٰی اَنْ کے معنی میں ترجمہ ہے یہاں تک کہ۔ اِذَا ظرفیہ زمانیہ شرطیہ فَتَحْنَا۔ باب فتح کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم فَتْحٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے کوئی بند چیز کھولنا یا کسی بندھے ہوئے کو کھولنا یا کامیابی دینا یہاں پہلے معنی میں ہے اس کا فاعل نحن ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ عَلَيْهِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے بَابًا اسم مفرد نکرہ بمعنی دروازہ موصوف ہے ذَا اسم مکبرہ معرب ہے بحالت فتحہ مضاف ہے عَذَابٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی سزاء آسمانی موصوف ہے۔ شَدِيْدٍ باب کرم کا اسم فاعل صفت مشبہ برائے مبالغہ یعنی بہت ہی سختیوں والا۔ بروزن فعیل۔ شِدَّۃٌ سے مشتق ہے صفت ہے عذاب کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ذا مکبرہ کا یہ مرکب اضافی صفت ہے بَابًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے فَتَحْنَا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ظرفی زمانی ہے۔ اِذَا هُمْ اذا حرف جزائیہ۔ خیال رہے کہ اِذَا شرطیہ کا ترجمہ ہوتا ہے جب بھی اور اذا جزائیہ کا ترجمہ ہوتا ہے تب ہی۔ هُمْ ضمیر مبتدا۔ فِيْ جارہ برائے ظرف مکانی ہ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع عَذَابٍ ہے یا بَابًا ہے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ مُبْلِسُوْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِبْلَاسٌ۔ بَلَسٌ یا بَلْسٌ سے بنا ہے۔ بَلَسٌ کی ابواب مجردات میں گردان نہیں ہوتی مجرد ابواب کل آٹھ ہیں۔ بَلَسٌ کا معنی ہے ناامید ہونا۔ مایوس ہونا۔ دہشت زدہ ہونا۔ غمگین ہونا۔ حیران ہونا۔ یہاں ان سب معنوں میں ہو سکتا ہے۔ مکار ہونا۔ سرکش ہونا۔ بہکنا۔ بہکانا۔ بھٹکنا۔ ان معنوں سے شیطان کو ابلیس کہا گیا۔ بے خیر و بے برکت آدمی۔ بوجہ سخت پریشانی خاموش ہونا۔ روندنا۔ کچل کر مار ڈالنا۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ هُمْ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے اِذَا فَتَحْنَا کے جملے کی شرط و جزا مل کر معطوف ہوا۔ مَا

marfat.com

استَکَانُوا۔ کے جملے پروہ دونوں عطف مل کر ظرف مکانی ہے لَقَدْ اَخَذْنَا کا یہ فعل با فاعل مفعول بہ۔ متعلق اور ظرف زمانی سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

تفسیر عالمانہ

وَاِنَّ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنٰکِبُوْنَ اے حبیب مکرم آپ تو ان تمام انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف ہر وقت بلا رہے ہو اپنے قول و فعل سے بھی شفقت و محبت سے بھی لیکن جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں لاتے وہ آپ کے بلانے کے باوجود اس راستے سے دور گرنے والے ہیں یہ کفار مکہ اور زمانے بھر کے تا قیامت کفار آپ کی اور سابقہ انبیاء کی دعوت ایمان کو اس لئے نہیں مانتے کہ آپ کی دعوت ایمانی و راہ رحمانی کو ناپسند کرتے ہیں کیونکہ آپ تو چاہتے ہیں کہ حمقاء عقلی قلبی ذہنی کو نفسائیت شیطانیت۔ عیاریت۔ عیاشیت کے پھندوں و مہلک کانٹوں سے نکال کر چمنستان توحید و گلستان رسالت کی سدا بہاروں میں نوری فضاؤں میں لے آئیں مگر کفار کا حال یہ ہے کہ اخروی حیات جاودانی پر اس زندگی کے معاملات حساب کتاب ثواب و عذاب قیام مدام پر ہی ایمان نہیں رکھتے۔ یہ سب کفار ہر درستی سے اتنی دور گر پڑے ہیں یہاں تک کہ ہلاکت تک پہنچ چکے ہیں کہ اب صراط مستقیم تک آنے کا تصور و ارادہ ہی نہیں رہا۔ کفار کی حالت اس اندھے جیسی ہے جو اندھیری رات میں کسی اندھیری کوٹھری کے اندر ایک موٹے لحاف میں لپٹا سمٹا گہری نیند سو رہا ہو ہر چیز سے غافل و بے فکر ہو کر ایسے شخص پر پانچ ظلمتیں طاری ہوتی ہیں۔ ۱۔ اندھے پن کی ظلمت۔ ۲۔ رات اندھیری۔ ۳۔ کال کوٹھری۔ ۴۔ موٹے لحاف کا اندھیرا۔ ۵۔ غفلت نیند کی سیاہی۔ کفار کا اندھا پن انکار قیامت ہے۔ حق سے نفرت کراہت یہ ان کی اندھیری رات ہے۔ دین باطل یہ ان کی کال کوٹھری ہے۔ اور کفار کی بدکرداری عیاشی موٹا لحاف ہے۔ اور انوار حق و صراط مستقیم اور اپنے انجام سے غفلت یہ ان کی گہری نیند ہے۔ اس طرح کہ کوچ کا نقارہ بھی کا بج چکا ہے قافلہء ایمانیاں صراط مستقیم پر منزل بہ منزل چلا جا رہا ہے مگر یہ کفار ان زمانہ حماقت کے لق و دق صحراء ہلاکت میں غفلت کی نیند پڑے سو رہے ہیں۔ حیات اخروی کے انکار نے منکرین میں پانچ بیماریاں پیدا کر دی ہیں پہلی بیماری۔ احساس ذمہ داری سے بے فکری دوسری بیماری۔ بے فکری سے عیاشی۔ تیسری بیماری عیاشی سے فحاشی بدکاری۔ چوتھی بیماری فحاشی بدکاری کی وجہ سے بے غیرتی بے شرمی کی بیماری جنم لیتی ہے۔ پانچویں بیماری اور جب کسی انسان میں بے غیرتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کو کوئی حق بات اچھی نہیں لگتی اور ضد غرور انحراف طبیعت پر غالب آ جاتا ہے ایسا انسان بچانے والے دوست کو دشمن سمجھتا ہے اور پھنسانے والے دشمن کو دوست سمجھتا ہے آخر خود ہی ہلاک ہو جاتا ہے۔ جب حساب آخر کا انکار کر دیا تو خوف جاتا رہا اور خوف جاتا رہا تو انجام کی کیا فکر۔ اور پھر حق کی افادیت و باطل کی نقصان دیت سے کیا غرض رہی۔ اسی لئے کفار کا تصور حیات صرف یہی رہ جاتا ہے کہ

پیدا ہوئے نوکر ہوئے کھایا کمایا مر گئے حیوان و انسان سب یہاں آئے چلے پھر مر گئے

یہ لوگ اپنی اور جانوروں کی زندگی میں و مقصد زندگی میں کوئی فرق نہیں سمجھتے۔ ضروریات زندگی کا حصول اور حلاوت، سجاوت، تراوٹ، نزاکت کا پورا ہوتے رہنا ہی ان کے نزدیک معیار کامیابی ہے اسی وجہ سے کفار مصائب و آفات الام و آلودگی، فرسودگی، ہلاکت، تھکاوٹ کو مکافات عمل نہیں سمجھتے بلکہ تغیر موسمیات سمجھ لیا جاتا ہے اسی وجہ سے صراط مستقیم پر آنے ہدایت حق بننے

marfat.com

کے بجائے اسباب مصائب کی تلاش میں وقت ضائع کرتے ہیں اور کفار کی صحبت بد سے یہی حال فساق کا ہے۔ اس لئے رجوع الی اللہ کا خیال نہ کفار کو آتا ہے نہ فساق کو۔ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ لَّلَجُّوْا فِیْ طُغْیَانِهِمْ یَعْمَهُوْنَ۔ اور اے نبی مکرم اگر کبھی ایسا ہو کہ یہ کفار مکہ پھر کسی آسمانی مصیبت میں مبتلا کر دیئے جائیں اور گھبرا کر آپ کے پاس آئیں اور اپنا سب غرور و تکبر توڑ کر۔ اکڑ مکر چھوڑ کر ملتجیانہ فریاد لے کر آپ سے دوری قحط کی دعا کرائیں اور آپ ان کی تمام سابقہ ظلم زیادتیاں بھول کر محض ترس و رحم کرتے ہوئے ان کے لیے دعا فرما دیں اور ہم آپ کی دعا قبول فرما کر ان سے وہ آسمانی مصیبت دور فرما دیں تب بھی آپ ان کفار کی وقتی التجا و خوشامد سے عاجز بن کر آنے سے یہ نہ سمجھ لینا کہ اب یہ نیک مخلص مسلمان بن جائیں گے۔ بلکہ اس وقت مصیبت دور ہوتے ہی دیکھ لینا کہ یہ سب کفار مکہ پہلے سے بھی زیادہ عیار عیاش اور اپنی ایذا رسانی فسادیت عداوت کی طغیانیت میں بڑھتے بہکتے بھٹکتے ہی رہیں گے اور اپنا انجام بھی نہ سوچیں گے۔ اس کلی آیت کریمہ میں ہجرت کے بعد کے ایک اہم واقعے کی پیشگی خبر دی جا رہی ہے۔ چنانچہ بعد ہجرت اس کا واقعہ اس طرح ہوا کہ شکست بدر کے بعد کفار مکہ انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ مہاجرین و انصار صحابہ کرام پر تو کوئی بس نہ چلتا لیکن قیدی مسلمانوں کو انتہا درد ناک اذیتیں پہنچاتے ایک بار ایک نئے مسلمان حضرت ثمامہ بن اثال کسی طرح قید سے بھاگ کر مدینہ منورہ آ گئے اور آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو قیدی مسلمانوں کی درد ناک کہانی سنائی پھر چند دن بعد مکے سے تین کافر مدینہ منورہ آئے اور آ کر کہا کہ ہمارا فلاں قیدی بھاگ کر یہاں آ گیا ہے لہٰذا فلاں معاہدے کے تحت آپ وہ واپس کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدے کے تحت واپس کر دیا تو وہ چلے گئے مگر صحابہ کرام کو اس کا بہت غم ہوا تب صحابہ نے کفار مکہ پر بددعا کرنے کی درخواست بارگاہ رسالت میں عرض کی تو آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرمائی۔ عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ فَدَعَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى كُفَّارِ مَكَّةَ اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ بِسَبْعٍ كَسَبْعِ يُوْسُفَ متفق علیہ۔ ترجمہ اے میرے اللہ میری مدد فرما ان کفار مکہ پر سات سالہ قحط نازل فرما کر جیسے زمانہ یوسف علیہ السلام میں سات سال کا قحط پڑا تھا۔ یہ واقعہ مسلم بخاری میں موجود ہے۔ ادھر تو یہ بددعا قبول ہوئی ادھر ثمامہ بن اثال نے ان میں سے دو کافروں کو قتل کر دیا اور تیسرا کافر بچ کر بھاگ گیا اور حضرت ثمامہ بجائے مدینہ منورہ واپس آنے کے علاقہ یمامہ میں چلے گئے۔ یہ علاقہ تجارتی گزرگاہ تھی اسی راستے سے ہی مکہ مکرمہ جانے والے تجارتی قافلے گزرتے تھے ادھر جب مکے میں یہ خبر پہنچی کہ ثمامہ بھاگ کر یمامہ چلے گئے ہیں۔ لہٰذا اب جو نیا مسلمان ہوتا یا قید کفار سے بھاگ نکلتا وہ بجائے مدینہ منورہ آنے کے ثمامہ کے پاس یمامہ چلا جاتا۔ وہاں بہت سے مسلمان جمع ہو گئے اور انہوں نے مکہ مکرمہ جانے والے تجارتی قافلے لوٹنا شروع کر کے مکے کی رسد و تجارت مکمل طور پر بند کر دی۔ ادھر یہ آسمانی قحط بھی شروع ہو گیا تھا۔ حالت یہاں تک پہنچی کہ کفار مکہ مردار اور کتے بلے بھی کھا گئے۔ تب ساتویں سال ابوسفیان اور چند اور کفار روتے گڑگڑاتے حاضر بارگاہ ہوئے ابوسفیان نے عرض کیا۔ اے رحمۃ عالمین آپ کو واسطہ ہے رحمۃ عالمین کا یہ قحط ختم کرا دیجئے۔ پہلے آپ کی تلوار نے ہمارے آباء کو قتل کیا اور اب آپ کی بددعا نے ابنا کو ہلاک کر ڈالا۔ اہل مکہ اور قریش ہلاک ہو رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ظالمو کیا تم کو اپنی وہ اذیتیں یاد ہیں جو تم نہتے قیدی مسلمانوں پر ڈھا رہے ہو۔ ابوسفیان اور اسکے ساتھیوں نے رو رو کر عرض کیا کہ ہم سب مسلمانوں کو آزاد کر دیں گے آپ

marfat.com

کو اللہ کا واسطہ آپ ثمامہ کو بلالیں ہم پچھلا معاہدہ ختم کرتے ہیں تب آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی اور ثمامہ کو خط لکھ کر حالات سے آگاہ کرتے ہوئے واپس مدینہ منورہ بلالیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا سے قحط ختم ہوا۔ سات سال کے بعد خوب بارشیں ہوئیں۔ سب قیدی مسلمان آزاد ہو کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے۔ حضرت ثمامہ نے بھی وہ تجارتی رکاوٹیں ختم کر دیں۔ مگر کفار مکہ کفر شرک شرارتوں مکاریوں طغیانیوں سے فتح مکہ تک باز نہ آئے اگرچہ حضرت ثمامہ کے عظیم کارنامے اور قحط نے کفار کی کمر توڑ دی تھی۔ اس آیت پاک میں اسی آئندہ ہونے والے واقعے کا پیشگی ذکر ہے۔ جس میں دعاء مصطفائی سے رحم کبریائی اور رحم کبریائی سے خاتمہ قحط سالی ہوا مگر کفار مکہ کی بد خصلتی ضلالت شیطانی۔ عَمہ بے ایمانی لج طغیانی پھر بھی نہ جانے کا ذکر ہے۔ بعد ہجرت ہونے والے اس قحط کا پیشگی ذکر اشارۃ پانچ مکی سورتوں میں اور بھی ہے وہ بھی پیشگی اطلاع دی گئی ہے کہ ایسا ہوگا چنانچہ۔ ۱۔ سورۃ انعام آیت ۴۳ میں اور۔ ۲۔ سورۃ اعراف آیت ۹۷ و ۹۸ میں اور آیت ۹۹ میں۔ ۳۔ سورۃ یونس آیت ۱۲ و ۲۱ میں۔ ۴۔ سورۃ نحل آیت ۱۱۲ اور ۱۱۳ میں۔ ۵۔ سورۃ دخان آیت ۱۰ اور ۱۵ میں۔ یہ تمام آیات مکی ہیں اور آئندہ ہونے والے قحط کی خبر دے رہی ہیں۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ یہ قحط ہجرت سے پہلے ہی بددعاء نبوی کی وجہ سے کفار مکہ پر آیا تھا۔ مگر یہ قول دو وجہ سے غلط ہے۔ اوّلاً اس لئے کہ اگر یہ قحط ہجرت سے پہلے آیا ہوتا تو اس قحط میں مسلمان بھی مبتلا ہو جاتے اور قرآن مجید میں اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا (انعام: ۴۳) کی ھم ضمیر نہ ہوتی جس سے مراد صرف کفار ہیں اور دیگر آیات میں عذاب قحط والے لوگوں کی سرکشی اور کفر وجہ عذاب قحط بیان کی گئی ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ آیات سے ثابت ہے کہ یہ سات سالہ قحط آسمانی بھی تھا زمینی بھی۔ آسمانی قحط اللہ کے قہر سے بارشیں و پیداوار بند ہو کر اور زمینی قحط حضرت ثمامہ کی تدبیر سے تجارتی قافلے بند کر کے اور مزید مسلمانوں کی طرف سے جنگی حملے کا خوف جس کا ذکر سورۂ نحل کی آیت ۱۱۲ میں۔ فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ وَالْخَوْفِ کے الفاظ سے کیا گیا۔ ثمامہ کی تدبیری کاروائی اور حملے کا خوف ہجرت کے بعد ہی ہو سکتا ہے اور یہی قول ہر طرح صحیح ہے بعض مفسرین کو یہ غلط فہمی اس لئے لگی کہ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے بھی خشک سالی اس وقت بھی ہوئی تھی جب کفار مکہ نے مسلمانوں سے مقاطعہ یعنی بائیکاٹ کر دیا تھا اور مسلمان شعب ابو طالب میں محصور ہو کر رہ گئے تھے وہ خشک سالی تقریباً ڈھائی سال رہی تھی مگر وہ قحط نہ تھا نہ اس کے لیے بددعا کرائی گئی تھی نہ تجارتی غلہ بند ہوا تھا نہ وہ سات برس رہا تھا۔ اس وقت مقاطعہ کی سزا میں قدرتی بارشیں بند ہو گئیں تھیں اور سخت گرم ہوائیں چلتی تھیں اس گرمی و خشک سالی سے کفار دن بدن ہلاک ہونے لگے۔ مسلمان باہر نکلتے ہی نہ تھے اسلئے ان کا جانی نقصان نہ ہوا تھا۔ تب کافروں نے بائیکاٹ توڑا مسلمانوں سے معافی مانگی حرم پاک میں عزت کے ساتھ لے کر آئے اور مسلمانوں سے دعائیں کرائیں تو بارشیں ہوئیں ٹھنڈی ہوائیں چلیں۔ اس خشک سالی کا ذکر ان آیتوں میں نہیں ہے۔ یہاں یہ بتایا جا رہا ہے کہ کفار اتنے سرکش ضدی ہیں کہ البتہ بیشک اگر پکڑ لیتے یا پکڑ لیں کبھی ہم ہی ان کو کسی بڑی سزاء قہر سے تو بھی کفار اپنی بد خصلتی کو بدل کر نیک خصلتی میں نہ آتے نہ کبھی عاجزی انکساری کرتے کیونکہ یہ لوگ عادی مجرم ہیں۔ یہ مطلب پرست ہیں ان پر بھوک پڑے تو عیار وفادار ہیں پیٹ بھر جانے مطلب مل جانے پر پکے دغا باز ہیں۔ یہ کسی فرعون سے کم سرکش نہیں۔ کیونکہ عذاب عبرت سزاء تنبیہی سے نہ وہ بندہ بنتے تھے نہ یہ بندہ بنیں گے۔ حَتّٰۤى اِذَا فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِيْدٍ۔ یہاں تک کہ

marfat.com

جب بوقت موت ہم نے ان پر دائمی ابدی عذاب شدید کا دروازہ کھول دیا ملائکہء موت کی شکلیں دکھا کر عذاب قبر چکھا کر میدانِ محشر میں بلا کر نامہء اعمال پکڑا کر اور ان کے اپنے ہاتھ پیر کی گواہی ان کے ہی خلاف دلوا کر ناکامی حساب بتا کر بعد حساب پل صراط پر پہنچا کر بھڑکتی جہنم میں گرا کر۔ اِذَا ھُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ۔ تب سب طرف دیکھ کر اپنے آپ کو بے یار و مددگار پا کر اس عذابِ شدید میں حیران۔ غمناک مایوس ہو کر ناکامی سے ہمت ہار کر کچھ سمجھ نہ پائیں گے کہ کیا کریں کبھی خود کو نوچیں گے کبھی اپنے مترفین سرداروں کو کوسیں گے۔ حیرت سے دنگ دہشت سے بے رنگ ہو کر چیخیں گے چلائیں گے مگر

آہ وزاری مال و دولت کچھ نہ واں کام آئے گا جو کمایا تھا یہاں وہ رائیگاں سب جائے گا

مگر آج دنیا میں

ہائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

اِنَّ الَّذِیْنَ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس سے مراد کفار قریش ہیں۔ یہی قول درست ہے کیونکہ اگلی عبارت کے مطابق ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد عام کفار تا قیامت ہیں۔ لَنٰکِبُوْنَ۔ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے دنیا میں صراط مستقیم سے منحرف ہونے والے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے آخرت میں پل صراط سے گرنے والے۔ یَعْمَھُوْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے کہ اگر جنگ بدر یا عذاب قحط سے بچا لئے جائیں تب بھی بندۂ مومن مخلص احسان مند شکر گزار نہ بنیں۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے کہ اگر بعد موت دوبارہ دنیا میں بھیجے جائیں تو بھی کفر میں ہی بھٹکے پھریں۔ مِنْ ضُرٍّ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا ضُرٍّ سے مراد سات سالہ قحط ہے جو جنگ بدر کے بعد شروع ہوا تھا اور تقریباً فتح مکہ سے ایک دو سال پہلے ختم ہوا تھا یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد عذابِ آخرت۔ ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد قتال بدر۔ اِسْتَکَانُوْا کے اشتقاق میں اور معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ کَوْنٌ سے مشتق ہے باب استفعال کا منفی ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب۔ ترجمہ ہے کہ یہ کفار اپنی اس موجودہ کفریہ کیفیت سے دوسری ایمانی کیفیت کی طرف نہیں پھریں گے۔ استکان مثل استحصال ہے جس کا معنی ہوتا ہے ایک شخص ایک حال سے دوسرے حال میں بدل گیا یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ سَکَنٌ سے بنا ہے۔ فعل منفی ماضی مطلق معروف جمع مذکر غائب۔ دراصل تھا مَا اسْتَکَنُوْا۔ درمیان میں شباعۃ فتح کا الف لگایا کلام میں زیادتی پیدا کرنے کے لیے ترجمہ ہے کفار سختی سے کفر پر ساکن و قائم ہیں مگر یہ قول غلط ہے اس لئے کہ باب افتعال میں الف شباعۃ لانا ممنوع ہے۔ اِذَا فَتَحْنَا کے زمانے میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے جب کھولا ہم نے بعد موت اور قبر حشر قیامت میں یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا جب کھولا ہم نے فتح مکہ کے دن۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے جب کھولا ہم نے بدر کی جنگ میں۔ ۴۔ بعض نے کہا معنی ہے جب کھولا ہم نے زمانہء قحط میں مگر یہ تینوں قول غلط ہیں کیونکہ ان کا اخیر مُبْلِسُوْنَ ہے نہ کہ نجات یا خاتمہء عذاب۔ اِذَا ھُمْ فِیْهِ کی ضمیر میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا مرجع عذاب جہنم ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا مرجع فتح باب ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا مرجع بَابًا ہے تینوں قول درست ہیں کیونکہ مقام ایک ہی ہے۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: تمام نیکیوں میں اچھی اور مفید نیکی خوف قیامت ہے کہ اس سے تیاری قیامت ہے اور اس کے چار فائدے۔ ۱۔ خوف ایمان بالغیب کا ثبوت ہے۔ ۲۔ یہ خوف بندے کو متقی بناتا ہے گناہ چھڑاتا ہے۔ ۳۔ اس خوف سے ہی خوف الٰہی پیدا ہوتا ہے۔ ۴۔ خوف قیامت کفر ظلم عیاشی فاشی سے بچاتا ہے۔ یہ فائدہ اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ کے بعد لَنٰكِبُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اور مسلمانوں کو بتایا گیا کہ چونکہ کفار قیامت پر ایمان نہیں رکھتے اس لئے وہ صراطِ مستقیم سے بیزار۔ ہر نیکی سے لاچار۔ ہر برائی و گمراہی سے دوچار ہیں۔ **دوسرا فائدہ**: دنیا میں سب سے زیادہ بدتر و خبیث فرقہ گستاخِ انبیاء ہیں۔ یہ بے ادب کفار سے بھی بدتر ہیں۔ کیونکہ کفار کافر ہونے کے باوجود مانتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی دعا اور بددعا مقبولِ بارگاہ الٰہی ہوتی ہے۔ مگر یہ خبیث و گمراہ فرقہ کہتا اور لکھتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعائیں بددعائیں بھی عام لوگوں جیسی ہیں کہ کچھ قبول ہوتی ہیں کچھ نہیں۔ حالانکہ قرآنِ مجید کی بہت آیات سے ثابت ہے کہ ہر نبی علیہ السلام کی ہر دعا۔ بددعا فوراً قبول ہو جاتی ہے اس تجربے اور مشاہدے کی بنا پر کفار کا بھی یہ عقیدہ تھا یہ فائدہ وَلَوْ رَحِمْنٰهُمْ وَكَشَفْنَا مَا بِهِمْ مِّنْ ضُرٍّ (الخ) کی تفسیری اور تاریخی واقعے سے حاصل ہوا کہ ابوسفیان تمام کفار مکہ کے مشورے سے خاتمۂ قحط کی دعا کرانے آئے تھے یہی خیال و عقیدہ لے کر قحط آیا بھی بددعاء نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے اور ختم بھی آپ کی دعا سے ہوگا۔ اسی لئے عرض کیا تھا کہ آپ کی تلوار نے آبا کو قتل کیا تھا اور اب آپ کی بددعا ابنا کو ہلاک کر رہی ہے آپ کو رحمت عالمینی کا واسطہ اب رحم کی دعا فرمائیں۔ **تیسرا فائدہ**: دنیا میں سب سے بری خصلت تعصب ہے دینی مذہبی مسلکی مشربی ہو یا دنیوی قومی ملکی۔ لسانی یا علاقائی تعصب بہر حال برا قابل مذمت ہے۔ تعصب کا معنی ضد حسد بغض سے جہالت اور غلط بات یا نظریئے عقیدے سے ہٹ جانا حق نہ ماننا۔ اور تعصب سے تکبر۔ تکبر سے دشمنی و سرکشی کا فتنہ و فساد پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ تعصب کی بیماری شیطانی وسوسوں کفار کے طریقوں فساق کی بری صحبتوں سے پیدا ہوتی ہے جس شخص میں تعصب کی بیماری پیدا ہو جائے وہ کبھی حق و حقانیت صدق و صداقت کو نہیں مانتا نہ کبھی راہِ مستقیم پر آتا ہے ایسے بدنصیب کو تحقیق حق نصیب نہیں ہوتی ہے یہ فائدہ لَّلَجُّوْا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس سے قوم پرستی کی بیماری بھی جنم لیتی ہے۔ ہر مسلمان کو اس سے بچنا چاہئے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: قانونِ شریعت میں اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اگر نیت ہو تو عام دنیوی کام بھی نیکی بن کر باعث ثواب نجات ہو جاتا ہے لیکن اگر نیت خیر نہ ہو تو بڑی سے بڑی عبادت بھی بیکار نہ ثواب نہ نجات نہ درجات۔ دیکھو بارگاہِ نبوی کی حاضری تمام نیکیوں سے افضل و اعلیٰ و شان بالا ہے۔ جیسا کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا۔ کی آیات پاک سے ثابت ہوا لیکن ابوسفیان اور ان کے کفار ساتھی جب دوری قحط کی دعا کرانے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے تو عاجزی انکساری التجا و فریاد کرتے ہوئے ہی آئے تھے۔ دعا کرائی اور کی گئی۔ دعا فوراً قبول بھی ہوئی ان کی دنیوی غرض پوری کر دی گئی قحط ختم کر دیا گیا مگر ابوسفیان وغیرہ کی یہ حاضری بارگاہ نہ نیکی بنی نہ باعث ثواب بلکہ صرف دنیوی

marfat.com

مطلب پرستی شمار ہوئی اسی لئے حاضری سے نہ توفیق ایمان ملی نہ ان کے لیے لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا۔ کا ظہور ہوا یہ مسئلہ فَمَا اسْتَکَانُوْا (الخ) کے تفسیری بیان سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** سب سے زیادہ بد قسمت وہ شخص ہے جو مصیبتوں میں بھی بندہ نہ بنے اور اطاعت وعبادت میں نہ جھکے۔ اکڑ وغرور میں رہے نیکیوں سے دور اہل حق سے نفور ہی رہے۔ یہ مسئلہ وَلَقَدْ اَخَذْنٰھُمْ بِالْعَذَابِ (الخ) سے مستنبط ہوا اور بتایا کہ یہ بد نصیبی کفار وفساق کا حصہ ونشان ہے۔ مولیٰ تعالیٰ ہر مسلمان کو اس سے بچائے۔ اور ادب وایمان کی سعادت بخشے۔ **تیسرا مسئلہ:** رحمت الٰہی سے مایوسی گناہِ عظیم ہے۔ مایوسی سے پانچ خرابیاں لازم آتی ہیں۔ ۱۔ حیرت۔ ۲۔ حسرت۔ ۳۔ حسد۔ ۴۔ شکستہ دلی بد دلی۔ ۵۔ خودکشی کی حرام موت۔ بندہ مایوسی سے کھسیانا ہو کر غضبنا کی کا فساد بھی کر سکتا ہے اسی وجہ سے دینی دنیوی امور میں مایوسی شرعاً حرام ہے ہر مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے دینی ودنیوی امور میں امید رکھتے ہوئے ہمت جاری رکھنی چاہیئے۔ آخر کار کامیابی نصیب ہو جاتی ہے۔ مایوس ہونا بھی کفار کی نشانی ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا ھُمْ فِیْہِ مُبْلِسُوْنَ کے فرمان سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** وَلَوْ رَحِمْنَا کا لَوْ حرف شرط بتا رہا ہے کہ کفار مکہ پر رحم نہ فرمایا گیا تھا کیونکہ اس جملے کا ترجمہ ہے کہ اگر ہم ان پر رحم فرماتے۔ اور وَ کَشَفْنَا کی واؤ عاطفہ نے بھی یہی بتایا کہ اگر ہم کفار مکہ سے مصیبت کھول دیتے دور کر دیتے تو بھی یہ کفار سرکش ہی رہتے۔ ثابت ہوا کہ کفار پر نہ رحم ہوا نہ کشف ضر۔ حالانکہ احادیث میں ہے کہ جب کفارِ مکہ ابوسفیان کے ساتھ آئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی فریاد سن کر دعا فرمائی جو قبول ہوئی تھی۔ ان احادیث مقدسہ سے ثابت ہو رہا ہے کہ کفار مکہ پر رحم بھی فرمایا گیا اور کشف مصیبت بھی۔ نیز مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں مِنْ ضُرٍّ سے مراد قحط ہے جس کا خاتمہ دعاءِ نبوی سے ہوا۔ یہ ہی رحم وکشف مصیبت ہے۔ اب آیت وتفسیر میں مطابقت کیونکر ہو۔ **جواب:** معترض نے جس طرح آیت کا ترجمہ کیا ہے وہ غلط ہے اصل ترجمہ اس طرح ہے کہ اگر ہم نے کبھی آپ کے کہنے دعا عرض کرنے سے کبھی ان کفارِ مکہ پر رحم کر دیا اور مصیبت ختم کر دیں تب بھی یہ کفار اپنے کفر وشرارت سے باز نہیں آئیں گے۔ بلکہ اپنے طغیان میں زیادہ بھٹکیں گے۔ یہاں لَوْ رَحِمْنَا ھُمْ وَ کَشَفْنَا فرمانا۔ آئندہ رحم وکشف کی نفی نہیں کیونکہ یہاں بذریعہ حرف لَوْ عادت کفار کی پیشگی خبر دی گئی ہے لہٰذا نفی نہ ہوئی اور چونکہ آیت روایت وتفسیر میں قحط کا ہی ذکر ہے پس مطابقت ظاہر وثابت ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ فَمَا اسْتَکَانُوْا فعل ماضی فرمایا گیا۔ اور وَمَا یَتَضَرَّعُوْنَ فعل مضارع ارشاد ہوا۔ حالانکہ یہ ایک ہی آیت ایک ہی حالت ایک ہی واقعہ اَخَذْنَا ایک ہی قسم کا عذاب۔ اور ایک ہی گروہِ کفار ہے چاہیئے تھا کہ فعل وصیغہ بھی ایک ہی جیسا ہوتا۔ یا دونوں ماضی یا دونوں مضارع۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ مَا اسْتَکَانُوْا میں کفار کی کیفیت کا ذکر فرمایا گیا اور کیفیت ایک بار ہوتی ہے واقعہ بھی ایک بار ہوئی تو چونکہ فعل ماضی میں استمرار وہمیشگی نہیں ہوتی لہٰذا ایک بار والی کیفیت بیان کرنے کے لیے فعل ماضی ارشاد ہوا۔ یعنی انہوں نے اپنی کیفیت نہ بدلی اور مَا یَتَضَرَّعُوْنَ میں کفار کی عادت کا ذکر فرمایا گیا اور عادت بار بار ہوتی ہے۔ چونکہ فعل مضارع میں زمانۂ حال ومستقبل ہوتا ہے جس سے مضارع میں ہمیشگی پیدا ہو جاتی ہے۔ اس لئے بار بار کی عادت ظاہر کرنے کے لیے مضارع ارشاد ہوا۔ مَا

marfat.com

تَضَرَّعُوْنَ کا معنی ہے کہ عاجزی انکساری کرنا ان کی عادت ہی نہیں۔ اب دونوں فعلوں کا معنی ہوا۔ انہوں نے اپنی کیفیت سرکشی نہ بدلی۔ اور نہ اب بدلیں نہ آئندہ۔ اس لئے دونوں فعل درست و با مقصد ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا بَابًا ذَا عَذَابٍ شَدِیْدٍ۔ تفاسیر میں ہے کہ عذاب شدید کے باب سے مراد جہنم ہے۔ اور وہ تو آئندہ قیامت کے بعد ہو گا۔ تو پھر فَتَحْنَا فعل ماضی کیوں ارشاد ہوا۔ ماضی تو گذشتہ کے لیے ہوتا ہے۔ **جواب:** فعل ماضی صرف گذشتہ واقعے کے لیے ہی نہیں ہوتا بلکہ عربی محاورے میں آئندہ واقعے کی یقینیت ثابت کرنے کے لیے بھی ہوتا ہے۔ اہل عرب جب کسی آئندہ واقعے کا سامعین کو یقین دلانا چاہتے ہیں تو بجائے بار بار قسمیں کھانے کے مستقبل کی جگہ ماضی کا صیغہ بولتے ہیں۔ اور اس کلام کا معنی یہ ہو جاتا ہے کہ یہ کام جو آئندہ ہونے والا ہے وہ اتنا یقینی ہے گویا ہو ہی گیا۔ یہاں فَتَحْنَا میں عربی محاورے کا لحاظ رکھا گیا ہے اہل عرب کو سمجھانے کے لیے کہ لوگو دروازۂ عذاب کا کھلنا اتنا یقینی ہے گویا کھل ہی گیا ہم نے کھول ہی دیا۔

تفسیر صوفیانہ

بیشک وہ لوگ جو عالم انوار سے بہت دور ظلمتوں کے پردوں میں لپٹ گئے اور عقل کی حس سے مفلوج ہو کر سن ہو چکے ہیں۔ اور نفسانی گندگی شیطانی غلاظت و پلیدی کی وجہ سے بارگاہ قدس سے درکار دیئے گئے وہی بدبخت ظلم بغاوت۔ عدوات کثافت۔ رعونت ابلیسی میں مشغول و مصروف ہیں۔ اور کثرتِ دولت میں مبتلا۔ فکر دنیا میں لتھڑے ہونے کی طرف لگے ہیں یہی بدترین صراط اسرار، طریق اشراف راہ ابرار و اخیار سے منحرف و مفرور ہونے والے ہیں اپنی ضد سے نکبت وادی طغیانی ہے۔ فساق عیار۔ عیاش اسی وادی میں متحیر و بھٹکنے والے ہیں اور اگر ہم ان عیارانِ باطلین کو کشف قلوب و شرع صدور کی نعمت عطا فرما کر ان پر رحم فرمائیں ظلمات نفسانی کو مٹائیں پھر بھی یہ وادی سلوک میں اپنی عیاشیوں میں بدمست ہی رہیں گے اور بھٹکتے پھریں گے کیونکہ جو شخص اپنی قبر و حشر کا خیال و اہتمام نہ کرے اور جس شخص پر ملاء اعلیٰ و سند اعظم کی تجلیاں ظاہر نہ ہوں تو وہ راہِ سلوک سے گمراہ ہے نہ وہ ہدایت معرفت کا تابع ہے نہ خواہشمند ایسے عیار سے تو وہ شخص بہتر ہے جس نے جبہ و دستار پہن کر اس وادیِ طریقت میں سبقت کا قدم ہی نہ رکھا۔ کفار معطون ہیں کیونکہ تارکِ استماع ہیں۔ فساق مجحوبون ہیں کیونکہ تارک اتباع ہیں۔ مقام علم دل ہے مگر جس کے دماغ میں علم سما جائے تو وہ شخص حق سننا گوارہ نہیں کرتا دوسرے کے علم سے حسد و رنج کرتا ہے اس کو کسی کی نصیحت سننے سے نفرت و شرم آتی ہے اس کو راہِ حق دکھانا ایسا ہی بے فائدہ ہے جیسے پتھر پر بارش ہونا امیروں' وزیروں' بادشاہوں کا خزانہ سونے چاندی کی دولت ہے۔ لیکن صابرین' شاکرین' صالحین' عاشقین کا خزانہ قناعت کی دولت ہے۔ اس دنیا میں اپنا اپنا نصیب سب کو مل جاتا ہے۔ بادشاہ ہو یا فقیر' دُھنیا یا ہو دُھنیا۔ جب سو جائیں تو سحر دونوں کی ہو جاتی ہے۔ معرفت کی روحانی منزلوں میں عیارین متردد ہیں۔ عیاشین متحیر ہیں۔ کیونکہ معرفت کی منزلوں میں نہ نشاندہی کی روایت ہے نہ راستے کی درایت مگر مخلصین کی ارواح پر مشاہدے کی اسرار پر مراقبے کی۔ قلوب پر معرفت کی۔ ابدان پر آثار کی۔ اجسام پر جذبے کی رحمت ہوتی ہے۔ چار ہلاکتوں سے امن میں آ جانا کشف الضر ہے پہلی امن نفس امارہ سے خلاصی دوم لمبی امیدوں سے رہائی۔ سوم ملک و مرتبے کی طلب سے بے پرواہی۔ چہارم حب دنیا سے بیزاری یہ تمام چیزیں اہل ایمان کے لیے قحط و مصیبت ہیں۔ علم کا طغیان فخر و غرور ہے مال کا طغیان عقل کنجوس ہے اعمال کا طغیان جہالت شخص مجہول ہے عبادت کا طغیان

marfat.com

ریا کاری وشہور ہے نفس امارہ کا طغیان اتباع شہوات ہے۔ قلب کا طغیان دنیوی خواہشات ہے۔ قرب دنیا اَخَذۡنٰهُمۡ بِالۡعَذَابِ ہے۔ اور بُعدِ دِین اَذَقۡنَا الۡعَذَابَ ہے۔ یعنی دنیا سے قریب ہونا رب تعالیٰ کی پکڑ ہے اور دین سے دور کر دیا جانا عذاب چکھانا ہے۔ قرب دنیا عبرت وتنبیہ ہے۔ دوریِ دین ہلاکت وتحویل ہے۔ مگر فساق زمانہ اخذنا و اذقنا۔ دونوں سے بےشعور ہیں۔ اس لئے فَمَا اسۡتَكَانُوۡا لِرَبِّهِمۡ وَمَا يَتَضَرَّعُوۡنَ ہیں کہ نہ اپنی کیفیت غلیظ بدلتے ہیں۔ نہ عادتِ پلید بدلتے ہیں۔ یہاں تک کہ جب ہم کھول دیں ان پر عذاب فراق کا دروازۂ بعدتب وہ بدکار مایوسیوں ناکامیوں کی راہ میں حیران رہ جائیں۔ اے وادیِ معرفت وحقیقت کے مسافرو جان لو کہ مجاہدات کی مشقت طبیعت نفسانی پر عذاب شدید ہے اس لئے کہ شہوات کی دھات آتش مجاہدات سے پگھلتی ہے اور خناس کی جبلی امیدیں ریاضت کے صیام سے ٹوٹتی ہیں۔ اس کے باوجود ضروری ہے مسافر راہ کے لیے عجز کا رونا اور سجود عبادت میں چہروں کو آنسوؤں سے دھونا۔ مٹی میں روندنا۔ کیونکہ کسب بدنی پر اعتماد کر لینے سے طریقت کی منزلیں مشکل ہو جاتی ہیں۔ اور ندامت کے آنسوؤں میں خود کو محتاج وذلیل سمجھنے سے مقبولیت کے دروازے کھلتے ہیں۔ رب تعالیٰ کی بارگاہ میں خضوع وخشوع کی بندگی اور اضطرار خلوص کا ہی اعتبار ہے۔ اے لوگو جان لو کہ مخلوق کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کے خزانے بھرے ہوئے ہیں لہٰذا تم عبادت کا خیال وخمار مت جمع کرو بلکہ عجز ومحتاجی کی ذلت لے کر جاؤ کیونکہ عذاب کے دروازے کو صرف مخلصانہ عبادت اور عجز بے ریا ہی بند کر سکتا ہے جس میں انانیت کا شائبہ بھی نہ ہو۔ یا اللہ ہمیں ظلمت نفس سے بچا اور انس وقدس کے نور سے منور فرما۔ بروزِ قیامت ہر عامل اپنے عمل وامید کے بارے میں پوچھا جائے گا اسی سوال کا سچا پکا صحیح جواب پالینا تقوائے ایمانی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡشَاَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ ؕ

اور وہی ہے اللہ جس نے پیدا کیا تمہارے لئے سننے کے کان کو اور دیکھنے کی آنکھیں اور دھڑکنے والا دل

اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل

قَلِيۡلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَكُمۡ فِی

کتنا تھوڑا ہے وہ جو شکر کرتے ہو تم نہ ہونے کے برابر اور وہی ہے اللہ جس نے پھیلا کر بسایا تم سب کو

تو بہت ہی کم حق مانتے ہو اور وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں

الۡاَرۡضِ وَاِلَيۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ ﴿۷۹﴾ وَهُوَ الَّذِیۡ يُحۡیٖ

زمین میں اور اسی کی طرف جمع کئے جاؤ گے تم سب اور وہی اللہ وہ ہے جو زندہ کرتا ہے

پھیلایا اور اسی کی طرف اٹھنا ہے اور وہی جلائے

وَيُمِيۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۸۰﴾

marfat.com

اور مارتا ہے اور اس کی قدرت ہے رات و دن کو بدلنا تو کیا اب بھی تم عقل نہیں رکھتے
اور مارے اور اسی کے لئے ہیں رات اور دن کی تبدیلیں تو کیا تمہیں سمجھ نہیں
بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ﴿۸۱﴾
بلکہ ان کافروں نے بھی اسی کی مثل کفر بولا جو کفر بولا پہلوں نے
بلکہ انہوں نے وہی کہی جو اگلے کہتے تھے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ان عذابوں کا ذکر فرمایا گیا ہے جو آئے نہیں صرف ڈرایا جا رہا ہے کہ اگر ہم عذاب کا دروازہ کھول دیں تو وہ مایوسیوں میں پڑ جائیں۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے ان انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو ہر کافر و مومن کو دن رات عطا فرمائے جا رہے ہیں مگر کفار شکر ادا نہیں کرتے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی ناشکریوں، سرکشیوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں رب تعالیٰ کے انعامات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جس سے ثابت کیا گیا تھا کہ کفار جیسا بدکار کوئی نہیں اور مولیٰ تعالیٰ جیسا پالنہار کوئی نہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں سابقہ کفار کے حالات و حرکات و کفریہ اقوال و عادات کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہ موجودہ کفار بھی باتوں عادتوں عقیدوں میں سابقہ کفار کی ہی طرح ہیں۔

تفسیر نحوی

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۭ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾ وَهُوَ الَّذِيْ ذَرَاَكُمْ فِي الْاَرْضِ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۹﴾ ۔ واؤ سر جملہ ھُوَ ضمیر کا مرجع رب تعالیٰ مبتدا ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر۔ اَنْشَاَ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مستتر (پوشیدہ) جسکا مرجع اَلَّذِیْ لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ اَنْشَاَ نَشْوٌ سے بنا ہے بمعنی بڑھنا بڑھانا پھیلانا۔ یہاں ترجمہ ہے پیدا کرنا ظاہر کرنا۔ اور مفید کار آمد قوتیں بخشنا۔ الف لام حرفی عہد ذہنی سَمْعَ اسم حاصل مصدر معرفہ ترجمہ ہے سننے کی طاقت مراد ہے کان معطوف علیہ واؤ عاطفہ الف لام عہد ذہنی اَبْصَار اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے بَصَرٌ۔ ترجمہ ہے ظاہری دیکھنا۔ عربی میں باطنی دیکھنے کو بصیرت کہا جاتا ہے۔ بَصَرٌ سے ہی ہے بصارت یعنی آنکھ کی بینائی۔ نابینائی کو عَمَایَتْ کہتے ہیں۔ یہاں اَبْصَارَ سے مراد ہے بینا آنکھیں معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ الف لام حرفی عہدی اَفْئِدَۃَ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے فُوَادٌ۔ اور فَئِدَ لغوی ترجمہ ہے ہلنا۔ ہلانا۔ اصطلاح میں دل کو بھی فئد کہا جاتا ہے کیونکہ وہ ہلتا یعنی دھڑکتا رہتا ہے۔ عرف عام میں گرم راکھ کی بھوبھل میں سینکی اور پکائی ہوئی روٹی یا گوشت کو بھی فَئِدٌ کہا جاتا ہے۔ جذباتی دل فُوَادٌ ہے۔ تفکراتی دل قلب ہے یعنی عقلمند دل۔ جذبات کی پانچ صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ غمزدہ رہنا۔ ۲۔ بزدل ہونا۔ ۳۔ فسادی ہونا۔ ۴۔ غصیلا ہونا۔ ۵۔ حساس دل۔ اَفْئِدَۃَ معطوف ہے سَمْعَ اَبْصَارَ اَفْئِدَۃَ سب عطف مل کر مفعول بہ ہے۔ اَنْشَاَ سب سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر خبر مبتدا ھُوَ کی

marfat.com

دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ قَلِیْلًا۔ بابِ کَرُمَ کا اسم صفت مشبہ بمعنی مصدر مبالغہ۔ ترجمہ ہے بہت ہی تھوڑا ہونا۔ قلت کا معنی ہے نفی ہونا۔ اس معنی سے قلت کی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ طاقت کی کمی یعنی قلیل بمعنی کمزوری۔ ۲۔ افرادی کی تب قلیل بمعنی تھوڑا۔ ۳۔ عزت کی کمی تب قلیل بمعنی ذلیل حقیر۔ ۴۔ وجود کی نفی تب قلیل بمعنی بالکل نہیں۔ (کالعدم) یہاں اسی معنی میں ہے۔ یہاں بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول مطلق ہے فعلِ پوشیدہ قَلَّ ماضی مطلق کا عبارت ہے۔ قَلَّ قَلِیْلًا مَا تَشْکُرُوْن ترجمہ ہے: تھوڑا ہوا بہت ہی تھوڑا ہونا وہ جو تم شکر کرتے ہو بحالت فتحہ ہے۔ مَا اسم موصول تَشْکُرُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر خطاب ہے تمام کفار کو۔ شُکْرٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے احسان مندی کا اظہار کرنا عملاً قولاً عقیدۃً۔ اس کا فاعل ہے اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہے مَا کا یہ دونوں مل کر فاعل ہے قَلَّ پوشیدہ کا۔ قَلِیْلًا مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ قَلَّ کا۔ وہ فعل بافاعل اور مفعول مطلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ هُوَ مبتدا۔ ذَرَاَ باب فتح سے ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ذَرْءٌ۔ مہموز اللام سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے: پھیلانا بسانا آباد کارنی کرنا۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر مرجع رب تعالیٰ۔ کُمْ ضمیر حاضر اس کا مفعول بہ ہے۔ فِی حرفِ جر ظرفیۃ مکانی کیلئے۔ الف لام حرفی جنسی۔ اَرْضِ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی جامد۔ مجرور ہے یہ جار مجرور متعلق ہے ذَرَاَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِلَیْهِ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ تُحْشَرُوْنَ۔ باب نصر کا مضارع مستقبل مثبت مجہول صیغہ ہے۔ جمع مذکر حاضر۔ حَشْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بکھروں کو جمع کرنا۔ یا اٹھا کر کہیں لے جانا۔ اسکا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع کفار دنیا یہ فعل اپنے فاعل پوشیدہ سے ملکر معطوف ہے۔ ذَرَاَ کے جملہ پر دونوں عطف ملکر صلہ ہے اَلَّذِیْ کا یہ موصول صلہ ملکر خبر ہے هُوَ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱ ۔ واؤ سر جملہ هُوَ مبتدا اَلَّذِیْ اسم موصول یُحْیِ بابِ اِفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے۔ اِحْیَآءٌ ترجمہ ہے زندہ کرنا مراد ہے پیدا کرنا۔ حَیٌّ وحَیٰوۃٌ سے بنا ہے بمعنی زندگی ملنا۔ اسکا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ وَیُمِیْتُ۔ بابِ اِفعال کا فعل مضارع حال مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِمَاتَۃٌ اور اِمْوَاتٌ۔ مَوْتٌ سے بنا ہے۔ اِمَاتَۃ کا ترجمہ ہے مارنا۔ اِمْوَاتٌ کا ترجمہ موت بھیجنا منتقل کرنا اور مَوْتٌ کا ترجمہ ہے مرنا منتقل ہونا۔ مراد ہے اس جہاں سے اُس جہان میں چلا جانا۔ روح و جسم کی جدائی۔ یہ فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف ہے۔ یُحْیِ کے جملے پر۔ دونوں عطف پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لام جارّہ ملکیت کا ہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے اِخْتِلَافُ۔ باب افتعال کا مصدر ہے ترجمہ ہے بدلنا خلقٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے پیچھے ہونا نائب ہونا اسی سے ہے خلیفہ۔ بمعنی نائب یہ مصدر مضاف اللَّیْلِ اسم مفرد جامد بمعنی رات معطوف علیہ ہے۔ واؤ عاطفہ نَهَارِ اسم مفرد مشتق ہے۔ نَهْرٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے ظاہر ہونا۔ روشن ہونا۔ غالب ہونا۔ اس بنا پر یہ دس (۱۰) معنوں میں مشترک ہے۔ ۱۔ کھلنا کھولنا۔ ۲۔ مکان کی بالکونی (فرنٹ گارڈن)۔ ۳۔ پانی بہنا اور بہتے پانی کی جگہ یعنی دریائی نہر کی فراخی۔ ۴۔ وافر مقدار۔ ۵۔ اچک لینا۔ ۶۔ جھڑکنا۔ ۷۔ حملہ کرنا۔ ۸۔ روشنی۔ ۹۔ روشن دن۔ رات کا مقابل وہی یہاں مراد ہے۔ یہ معطوف ہے لَیل پر دونوں مل کر مفعول مضاف الیہ۔ مصدر مضاف

marfat.com

اپنے مفعول مضاف الیہ اور متعلق مقدم سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہوا۔ یُحْیٖ پر سب عطف مل کر صلہ ہوا۔ اَلَّذِیْ کا موصول صلہ مل کر خبر ہے مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَفَ دراصل ہے فَ آ۔ ترجمہ ہے تو کیا۔ اس الٹ پھیر سے کلام میں توبیخ یعنی جھڑک پیدا ہوئی۔ لَا تَعْقِلُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع حال منفی معروف سوالیہ صیغہ جمع مذکر حاضر عَقْلٌ سے مشتق ہے بمعنی سمجھ رکھنا۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ بمعنی اے کفار دنیا یہ فعل فاعل جملہ فیصلہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ عاطفہ برائے اِضراب یعنی سابقہ کلام کے سوالیت کی نفی کیلئے کہ واقعی تم عقل نہیں رکھتے۔ اسی لئے قَالُوْا تمہارے ان سب موجودہ کفار نے بھی مِثْلَ اسم مفرد جامد تشبیہی مضاف ہے مَا اسم موصول مراد کفریہ بات۔ قَالَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اسی کا جمع مذکر قَالُوا ہے۔ قَوْلٌ سے مشتق ہے۔ بمعنی بولنا کہنا باتیں کرنا۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ اَوَّلُوْنَ بابِ فَتَحَ کا اسم تفضیل صیغہ جمع مذکر بحالت رفع فاعل ہے قَالَ کا۔ یہ فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَا کا موصول صِلہ ملکر مضاف الیہ مِثْلَ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے قَالُوْا کا۔ یہ فعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کے جملے پر۔ دونوں عطف ملکر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ قانون نحو کا قاعدہ کلیہ ہے کہ جب فاعل اسم ظاہر ہو تو اس کا عامل فعل ہمیشہ صیغہء واحد ہو گا۔ اگر چہ فاعل اسم ظاہر جمع ہو جیسے کہ یہاں قَالَ الْاَوَّلُوْنَ میں۔

تفسیر عالمانہ

وَهُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۸۰ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ ۝۸۱۔ کفار مکہ کی ضد، ہٹ دھرمی، سرکشی، بغاوت کفر و شرک کی وجہ سے ناشکری احسان فراموشی میں اس حد و کیفیت تک بڑھی ہوئی ہے کہ وہ لوگ نبی آخر الزماں محمد مصطفیٰ سے ہزاروں معجزات خَرقِ عادات وَ اِرْ حاصات دیکھنے کے باوجود ان کو ہمارا نبی رسول ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ اور عناد اس شدت کا کہ انکی تعلیم و تبلیغ کے مطابق ہمیں بھی اپنا خالق مالک رازق اور الہٖ وَحْدَهٗ لاشریک ماننے کے لئے تیار نہیں۔ نہ اسلام قرآن پر ایمان لائیں۔ مصیبت کے وقت تو دعائیں کرانے، مصیبتیں ٹلوانے دَرِ نبی پر آ جاتے ہیں۔ رحمۃ عالمینی کا واسطہ دے لیتے ہیں۔ حقِ قومیت و ذکرِ برادری یاد دلاتے ہیں۔ روتے گڑگڑاتے ہیں۔ یہ بھی مانتے ہیں کہ خالق کائنات کی بارگاہ میں محمدِ مصطفیٰ کی دعا بد دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے مگر مطلب و مقصد پورا ہو جانے کے بعد وہی کفر و عناد ایمان سے دور۔ اور طغیان سے مسرور ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا انکار ہی اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔ اور وہ اللہ وہ ہے جس نے تم سب انسانوں کیلئے مومن ہوں یا کافر، نیک ہوں یا بد، عابد ہوں یا غافل، سننے کا کان اور دیکھنے کی آنکھیں، علم و شعور کیلئے دل پیدا فرمائے۔ کان کا کام صرف سماعت ہے آواز بلند ہو یا پست، دھیمی سرسراہٹ ہو یا کھسکھساہٹ، آواز کو صرف کان ہی سن سکتا ہے جسم کا دوسرا کوئی حصہ نہیں سن سکتا۔ دل کا کام ادراک ہے۔ ادراک کی پانچ قسمیں ہیں: ۱۔ ادراک علم۔ ۲۔ اِدراکِ فہم۔ ۳۔ اِدراکِ تصورات۔ ۴۔ اِدراکِ تصدیقات۔ ۵۔ اِدراکِ اِستدلال۔ یعنی دلیل لینا، دلیل حسی ہو یا عقلی۔ آنکھیں انسان کو چار علم دیتی ہیں۔ پہلا علم جسم کے حدودِ اربعہ کا۔ دوم شکل و صورت نقش و نگار کا۔ سوم رنگ و بیرنگی کا۔ چہارم ظلمت و نور کا۔ چاہئے تو یہ تھا کہ جو چیز جس کام کیلئے بنی ہے اَصلاً کُلِّیَۃً اسی کام کیلئے استعمال ہو۔ باقی فائدوں کا حصول

marfat.com

اصل کے تابع ہو۔ کان عطا فرمائے گئے آیت تنزیلیہ سننے کیلئے۔ آنکھیں عطا فرمائی گئیں آیات تکوینیہ و تنزیلیہ دیکھنے کیلئے۔ نور وظلمت و نار و نور کا فرق جاننے کیلئے۔ دل بنایا گیا آیت و آفاق میں تدبر، تفکر، تعلم کرنے کے لئے تاکہ ایمان نصیب ہو اور ایمان سے اطاعت و اتباع حاصل ہو۔ اطاعت نبوت اِتباع رسالت کا نام ہی شکر الٰہی ہے۔ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ۔ اور ہماری نعمتوں کے حساب سے بہت ہی تھوڑا ہے جو تم شکر کرتے ہو کیونکہ نعمتیں ہر وقت مسلسل جاری و مکمل ہیں کہ کان ہر وقت قابل سماعت۔ آنکھیں ہر وقت درست و بینا۔ دل تاعمر زندہ تابندہ چلتا دھڑکتا۔ تم انسان سوتے ہو یا جاگتے ہو، عبادت میں ہو یا غفلت کسلت میں، جسم کے باقی اعضا ان تین کے تابع۔ کان سنتے ہوں تب ہی تعمیلِ حکم ہوتا ہے۔ ہاتھ وقدم اٹھتے ہیں۔ آنکھیں دیکھتی ہوں تو ہاتھ پکڑتے پاؤں چلتے ہیں۔ دل درست ہو تو سب جسم تندرست ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تین نعمتوں کا ذکر فرما کر پوری کائنات کا ذکر فرما دیا کیونکہ ان تین سے انسان کو پورے جہان کی باغ و بہار اور لذتِ رنگ و بو حاصل ہے۔ جن کے پاس ان میں سے کوئی نعمت نہیں ہے وہی ان کی قدر جانتا ہے اور محرومی کی محتاجی و مصیبت جھیلتا ہے۔ مگر جن کے پاس اللہ تعالیٰ کی یہ نعمتیں ہیں وہ نہ قدر کرتے ہیں نہ پورا شکر کرتے ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ کفار تو پوری عمر جانوروں کی مثل گزار کر مر جاتے ہیں۔ کفار نے تو کبھی یہ بھی نہ سوچا کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں دے سکتا نہ خود بنا کر نہ کسی سے لاکر بنوا کر نہ خرید کر۔ بس وہی اللہ تعالیٰ ہی ان نعمتوں کے دینے و بنانے میں قدرت و حکمت والا غالب و قادر ہے۔ اسکی عطا کے بغیر نہ دیوی دیوتا دے سکیں نہ دلا سکیں نہ خرید کر کوئی لا سکے نہ اس عطا میں کوئی شریک۔ جب کفار زمانہ کا اس حقیقت پر غور فکر نہیں تو شکر کب کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر فقط یہ نہیں ہے کہ منہ و زبان سے اللہ اللہ کہہ دیا۔ یا صرف اقرار نعمت و اعترافِ حقیقت کر لیا۔ یہ طریقہ شکر تو اسکی بارگاہ میں قلیل و حقیر و کالعدم نا قابل قبول ہے۔ بلکہ شکرِ حقیقی یہ ہے کہ بندہ مومن بن کر پوری زندگی اپنے نبی علیہ السلام کے اقوالِ حکمی کی اطاعت میں اور اعمالِ عادات کی اتباع کا سجدہ لگانے اور نقشہ سجانے میں گزار دے۔ تعلیم انبیاء ہی بتا سکتی ہے کہ اے انسانو تم کو سماعت بصارت اور دل کیلئے دیئے گئے ہیں اور کس عضو کو کس کام میں لگانا ہے۔ کس نعمت کو کس طرح برتنا ہے۔ انسان دنیا میں تین قسم کے ہیں۔ کفار، فساق، مومن متقی۔ کفار کا شکر نفیر ولاشیٔ ہے۔ فساق کا شکر حقیر ہے (نامقبول ہے)۔ مومنین کا قلیل ہے اعتبار نعمت کیونکہ نعمت ہمہ وقتی بھی کامل بھی مگر شکرِ قلیل میں دو کمزوریاں پہلی کمزوری مثالی اس لئے کہ کوئی بندہ بھی نبی کریم ﷺ کی مثل و مشابہ شکر و عبادت نہیں کر سکتا۔ بجز انبیاء کرام علیہم السلام کے۔ انبیا کا تو سونا کھانا پینا بھی عبادت ہے۔ یہی معنی ہے سورۃ سبا کی آیت ۱۳ کا وَقَلِيلٌ مِّنْ عِبَادِيَ الشَّكُورُ۔ ترجمہ: اور تھوڑا ہے میرے بندوں سے شکر کرنا۔ کفار نے کبھی اس حقیقت پر بھی غور کیا کہ وَهُوَ الَّذِي ذَرَأَكُمْ فِي الْأَرْضِ وَإِلَيْهِ تُحْشَرُونَ۔ اور وہی ہے تمہارا معبود واحد لاشریک جس نے تمہاری زندگی کو بھی دو حصوں میں تقسیم فرمایا۔ پہلی زندگی دنیوی، دوسری زندگی اُخروی۔ حیات دنیوی میں تم کو اصل نسل نطفہ مضغہ کے وجود سے زمین پر پھیلایا۔ دوسری زندگی میں قبروں سے اٹھایا اور انہی جسموں روحوں کے ساتھ میدانِ محشر میں پہنچایا۔ اے کافرانِ زمانہ تم اپنی بے دینی کی وجہ سے اپنی اصلیت و حشریت قیامت و اخرویت کا تو انکار کر دیتے ہو مگر انسانوں حیوانوں کو پیدا ہوتے مرتے تو روزانہ دیکھتے ہو تو کبھی اس حقیقت پر بھی غور کیا کہ وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ۔ اور وہی ہے تم سب کا معبود وحدہ لاشریک وہی اللہ تعالیٰ ہے جو ہر

marfat.com

جاندار کو زندہ کرتا ہے اور پھر وہی ہر ایک کو موت بھی دیتا ہے۔ اور ہر جاندار کی زندگی کے ساتھ دوسری چیز موت رکھی گئی۔ اگر اس پر بھی غور نہیں کرتے تو رات و دن کا جوڑا جوڑا تو تم ہر وقت بلا ارادہ دیکھتے ہی ہو۔ تو جان لو کہ اس اللہ تعالیٰ کے قبضہء قدرت امرِ حکمت میں ہے۔ رات دن کے گھٹنے بڑھنے کا آنے جانے کا' اندھیرے و روشنی کا' تعاقب و تردّد کا' حرکت و سمت کا اختلاف غرضیکہ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ۔ (ذاریات:۴۹) ہم نے تو ہر چیز میں ہی جوڑا جوڑا بنایا ہے تاکہ تم لوگ اس بات کو دین و ایمان سے یاد رکھو کہ جب دنیا کی ہر چیز میں جوڑا جوڑا ہے تو زندگی کس طرح ایک اکیلی ہو سکتی ہے۔ یہ زندگی بھی جوڑا ہے۔ ایک دنیوی زندگی دوسری اُخروی زندگی۔ اے نادانو گمراہو ہر جوڑے کو مانتے ہو مگر زندگی کے جوڑے کو نہیں مانتے اور مان کر حیاتِ اُخروی پر ایمان نہیں لاتے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ تمہیں ہم نے دل دماغ کا علم و عقل دیا کان آنکھ کی سماعت و بصارت دی۔ تمہیں انبیاء نے بتایا ہمارے حبیب نے سکھایا۔ قرآن نے سنایا۔ آفاق نے سمجھایا۔ تو کیا تم اب بھی عقل سے نہیں سوچتے۔ عجیب ہیں کفار اور حیران کن ہے ان کی حالتِ گمراہی و کیفیت سرکشی کہ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ۔ بلکہ ان موجودہ کفار نے بھی اپنی بے دینی بدعقیدگی و حماقت سے وہی کفریہ شرکیہ باتیں کیں جو ان کے گذشتہ آباؤ اجداد نے کی تھیں کہ نہ کوئی نبی ہے نہ رسول ہے نہ قرآن ہے نہ حدیث ہے۔ نہ قیامت ہے نہ بعثت ہے نہ جنت ہے نہ دوزخ ہے نہ حیات بعد الممات ہے۔ نہ تدبر کی فکر نہ کسی کے سمجھانے کا اثر نہ حق کی سماعت نہ قدرت کی بصارت نہ حکمت کی ذکاوت رہی۔

ان آیات میں مفسرین کے اختلافی اقوال

قَلِيْلًا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اَقَلُّ یعنی بہت ہی کم۔ ۲۔ بعض نے کہا معنی ہے بالکل نہیں نفی کالعدم۔ دونوں قول درست ہیں کیونکہ یہاں تَشْكُرُوْنَ کے معنی میں دو قول ہیں۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ خطاب مومنوں سے ہے تب قلیل بمعنی بہت تھوڑا ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا تَشْكُرُوْنَ کا خطاب کفار سے ہے تب قلیل کا معنی ہے بالکل نہیں کالعدم ہے۔ لَهٗ کے لام میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ لام بمعنی اِلٰی ہے یعنی اسکی طرف سے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ لام بمعنی مفعولیت ہے یعنی اسکی تاثیر قدرت کا لَهٗ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اسکا معنی ہے اس کے حکم کا فیصلہ۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کی تاثیر کا فیصلہ قَلِيْلًا مَّا کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ ما موصولہ ہے یعنی وہ شکر۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ ما ظرف زمانی ہے یعنی شکر کا وقت۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ ما زائدہ تاکیدیہ ہے بمعنی حقاً۔ یعنی حق یہ کہ کفار کچھ بھی شکر نہیں کرتے اور مسلمان تھوڑا شکر کرتے ہیں۔ بجز انبیاء کسی انسان میں پورے شکر کی طاقت نہیں۔ وَاِلَيْهِ کے اِلٰی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اِلٰی اپنے ہی معنی میں ہے بمعنی طرف اور وہ ضمیر کا مرجع اللہ تعالیٰ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف۔ ۲۔ بعض نے کہا اِلٰی بمعنی فِیْ اور وہ ضمیر کا مرجع اَرْض ہے۔ یعنی زمین میں يُحْيٖ وَيُمِيْتُ کے ترتیبی معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے دنیا میں زندہ فرماتا ہے پھر مارتا ہے اور انسان قبر میں چلا جاتا ہے۔ یہی قول درست ہے وعام فہم۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ يُحْيٖ سے مراد آخرت کی زندگی يُمِيْتُ سے مراد قبر کی موت يُحْيٖ مستقبل ہے۔ يُمِيْتُ حال ہے۔ ترتیب کی الٹ يُحْيٖ کی اہمیت بتانے کے لئے ہے اور واو عطف صرف جمع کیلئے ہوتی ہے نہ کہ ترتیب کیلئے۔ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کی قرات میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرات میں یہ جمع مذکر حاضر مضارع ہے اور خطاب کفار سے ہے یعنی اے کافرو کیا تم عقل سے نہیں سوچتے یہی قرات درست ہے۔

marfat.com

کیونکہ مشہور مکتوب وَتَشْكُرُوْنَ کے مطابق ہے۔ ۲۔ یہ مضارع جمع مذکر غائب اَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ہے اور سوال اِقراری سے کفار کی کیفیت کفر بتائی جارہی ہے۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوئے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کفار دنیا میں کتنی ہی اچھائیاں بھلائیاں انسانی ہمدردیوں کی خیر خواہیاں کرلیں یا اپنے طریقوں پر اللہ تعالیٰ کی عبادت سجدہ ریزی وشکرِ نعمت کرلیں مگر سب کچھ بیکار کیونکہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کالعدم ونا قابل قبول ہے۔ یہ فائدہ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ کے ایک معنی سے حاصل ہوا جبکہ یہاں خطاب صرف کفار سے ہو۔ قلیل کا ایک معنی اَقَلّ ہے اور عربی اصطلاحی محاورے میں معدوم ومنفی کیلئے اَقَلّ بولا جاتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** انسان مومن متقی بن کر حسبِ طاقت تمام عمر بھی اگر شکرِ الٰہی کرتا رہے تو بھی وہ شکرِ قلیل ہے تین وجہ سے ایک یہ کہ ہر انسان کے لئے تین نعمتیں تو ہمہ وقت موجود ہیں۔ ا۔ جسمانی اندرونی بیرونی اعضاء تندرست۔ ۲۔ غذائیں۔ ۳۔ دوائیں۔ دوسری وجہ یہ کہ بالواسطہ یا بلاواسطہ وبلا ارادہ یا بالا رادہ ہر انسان ان تینوں نعمتوں کو استعمال کر رہا ہے ان کے فوائد پا رہا ہے۔ تیسری وجہ یہ کہ انکے علاوہ بیرونی بیشمار وہ نعمتیں ہیں کہ ہر انسان اسی طریقے سے ان کو برت رہا ہے کہ استعمال کا احساس تک نہیں ہوتا۔ مثلاً چاند سورج ستاروں کی شعائیں‘ لذتوں خوشبوؤں والی غذائیں‘ سانس کی آمدورفت کی ہوائیں‘ آنکھ‘ ناک‘ کان‘ دل‘ دماغ ودیگر جسمانی اعضاء کی نفع بخش کارکردگی۔ پھولوں پھلوں کی موسمی بہاریں۔ دن کا کاروباری چین۔ رات کا استراحتی سکون اتنی نعمتیں کہ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا۔ (ابراہیم: ۳۴) ان تمام نعمتوں سے انسان کی بقا اور صحت مندی وابستہ ہے۔ لیکن ان کے شکریئے میں متقی مومن اپنے جسمانی قوت کے مطابق ہی عبادت واطاعت کرسکتا ہے مگر انسانی جسم میں تین کمزوریاں۔ ا۔ غفلت کی نیند۔ ۲۔ بیماری کی نقاہت۔ ۳۔ دنیاداری کی حاجت یعنی کھانا پینا کمانا اور گھر بسانا‘ رشتے بڑھانا‘ شکرِ الٰہی نام ہے اطاعت واتباعِ نبوی کا۔ اور انسان کی یہ کمزوریاں اطاعت واتباع کو کم کردیتی ہیں۔ اس لئے شکر کم ہوجاتا ہے۔ اگرچہ یہ کمی انسان کی مجبوری ہے جرم نہیں۔ اسی مجبوری کا یہاں ذکر ہے یہ فائدہ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ کی اس تفسیر سے حاصل ہوتا ہے۔ جس میں خطاب مومنین سے ہے غرضکہ ہر نعمت جو ہر وقت بھی ہے کامل بھی مگر شکر کی اطاعت واتباع ناقص ہے۔ مشاہدۃً بھی وقتاً بھی۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کی تمام اشیاء کو جوڑا جوڑا یعنی تثنیہ کی تعداد میں پیدا فرمایا۔ اس سے اہل بصیرت کو دو ایمانی فائدے حاصل ہوئے۔ ایک یہ کہ وحدت وتوحید اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ وہی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ ذات میں اس کا کوئی شریک نہ صفات میں لیکن مخلوق میں زوجیت ومثلیت کا تثنیہ ہے۔ کوئی مخلوق واحد لاشریک نہیں خواہ آسمان کے ملائکہ یا کواکب ہوں یا زمین کے انسان حیوان شجرات حجرات موسمیات ثمرات ہوں۔ دوسرا یہ فائدہ ملا کہ جب ہر چیز ہی جوڑا ہے تو یہ ماننا بھی واجب ہے کہ انسانی زندگی بھی جوڑا ہے۔ پہلی دنیوی زندگی اعمال کیلئے دوسری اخروی زندگی جزا کیلئے۔ یہ فائدہ یہاں چھ باتیں فرمانے سے حاصل ہوا۔ ا۔ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ۔ ۲۔ وَاِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ ۳۔ يُحْيٖ۔ ۴۔ وَيُمِيْتُ۔ ۵۔ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّيْلِ۔ ۶۔ وَالنَّهَارِ۔ ان سب کو دو دو فرمایا۔ اس کی مزید وضاحت سورۃ ذاریات کی آیت ۴۹ میں فرمادی گئی۔

marfat.com

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح علم اصول کا قاعدہ کلیہ ہے لِلْاَکْثَرِ حُکْمُ الْکُلِ۔ یعنی اکثر کو تمام ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح لِلْاَقَلِ حُکْمُ الْعَدْمِ وَالنَّفِیُ یعنی اقلیت کو عدمیت ومنفیت کا حکم دیا جاتا ہے اسی قانون پر فقہ اسلامی کے بہت سے مسائل نکلتے ہیں۔ عربی محاورہ واصطلاح اسی طرح ہے۔ چنانچہ اہل عرب جب کسی چیز کی نفی کرنا چاہتے ہیں تو کہتے ہیں مَا اَقَلَّ شُکْرًا۔ مَا اَقَلَّ ھَدْیًا وَّ بَدْلًا۔ اسکا معنی یہ لیا جاتا ہے کہ فلاں نے بالکل شکر نہ کیا۔ بالکل ہدیہ اور بدلہ نہ دیا۔ ایسے ہی مَا اَکْثَرُ شُکْرًا وَّھَدْیًا وَّ بَدْلًا کا معنی کیا جاتا ہے کہ ہمارا شکر یہ فلاں نے پورا کیا ہے اور ہدیہ پورا دیا۔ بدلا تمام چکا دیا۔ قرآن مجید نے بھی علمِ اصولی کے اس قانون ومحاورہ عرب کو ثابت وقائم فرمایا۔ یہ مسئلہ قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ کی اس تفسیر سے حاصل ہوا جس میں تَشْکُرُوْنَ کا خطاب کفار سے ہے اور قلیل بمعنی اَقَلَّ ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** شرعی اسلامی قانون کے مطابق اسلامی نظام الاوقات یعنی کیلنڈر میں پوری رات پہلے ہوتی ہے دن بعد میں سورج غروب ہوتے ہی دوسری تاریخ شروع ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی نے وعدہ کیا یا قسم کھائی یا طلاقِ معلق دی قسم میں اور کہا کہ جمعہ کو یہ کام نہ کروں گا یا اگر بیوی سے کہا کہ اگر تو جمعہ سے پہلے نہ آئی تو تجھے طلاق ہے۔ تو اگر اس شخص نے جمعرات کو غروب آفتاب سے پہلے وہ کام کر دیا یا بیوی گھر آ گئی تو طلاق نہ پڑی نہ قسم ٹوٹی۔ اسی قانون سے شیعوں کا افطار میں دیر لگانا گناہ اور حکمِ الٰہی کی خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ افطار میں اِلَی الَّیْلِ کی شرط ہے یعنی رات سے پہلے افطار ضروری ہے۔ رات کا ذرہ حصہ بھی روزے میں شامل نہ ہونا چاہئے۔ یہ مسئلہ وَلَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ میں۔ لیل کو پہلے بیان کرنے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** قانونِ شریعت میں دین وایمان وعقائد میں تقلید حرام وممنوع وگناہ ہے لیکن اعمال افعال عملیات میں تقلیدِ فقہا لازم وواجب ہے۔ یہ مسئلہ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ بَلْ فرمانے سے اس مثلیت کی برائی بیان ہوئی۔ اور قَالُوْا فرمانے سے عقائد وایمان کا ذکر ہوا۔ کیونکہ ایمان قول سے ہوتا ہے نہ کہ عمل سے اور عقیدہ قائل ہونے کا نام ہے۔ یہی وجہ ہے بَلْ اَعْمَلُوْا نہ فرمایا گیا۔ اور مِثْل فرمانے سے تقلید مراد لی گئی اور مِثْلَ مَا کی اضافت سے اس تقلید کی نسبتِ بد کا ذکر کیا گیا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں ابتدا میں ہی فرمایا گیا وَهُوَ الَّذِیْ۔ مفسرین فرماتے ہیں یہ واوٴ عاطفہ ہے حالانکہ عطف وہاں جائز ہے جہاں پہلے کلام اور بعد والے کلام میں کچھ مجانست ہو۔ لیکن پہلے کلام اِذَا هُمْ فِیْهِ مُبْلِسُوْنَ اور واؤ کے بعد والے کلام وَهُوَ الَّذِیْٓ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ (الخ) میں کوئی مجانست نہیں ہے کیونکہ پہلا کلام غائبانہ ہے بعد والا کلام مخاطبانہ۔ تو پھر یہاں واؤ عاطفہ کیوں لائی گئی۔ **جواب:** جن کے نزدیک یہ واؤ عاطفہ ہے وہ یہ جواب دیتے ہیں کہ مجانست موجود ہے وہ یہ کہ کفار کی ناشکریاں وکفریات تا قیامت مسلمانوں کو بتائی جا رہی ہیں کہ اے مسلمانو تم سب انسانوں کو کان آنکھ دل دماغ کی نعمتیں تو تمہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائیں۔ اے مسلمانو کفار نے ان نعمتوں کی ناشکری کی اس لئے جب ان پر عذاب کا دروازہ کھلے گا تو وہ مُبْلِسُوْن رہ جائیں گے۔ لہٰذا اے مسلمانو تم عبرت پکڑو اور ان ان نعمتوں کو یاد رکھ کر

marfat.com

شکر کرتے رہنا۔ اگرچہ کامل و کثیر شکر اپنی بشری مجبوریوں کی بنا پر تم بھی نہیں کر سکتے۔ یعنی کفار تو مُبْلِسُوْنَ ہیں اور اللہ تعالیٰ نعمتیں دینے والا ہے۔ اور تم مسلمان قَلِیْلًا مَّا تَشْکُرُوْنَ ہو لہٰذا عطف درست ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا اَنْشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَۃَ۔ یعنی ترتیب ذکری میں پہلے سَمْع پھر اَبْصَار پھر اَفْئِدہ۔ حالانکہ جسم میں دل پہلے بنتا ہے تو یہاں اس ترتیب میں کیا حکمت ہے۔ سمع کو پہلے کیوں ذکر فرمایا گیا۔ **جواب:** یہ ترتیب دو وجہ سے رکھی۔ ایک وجہ ظاہر و پوشیدہ ہونا دوسری وجہ کثرتِ فوائد کے اعتبار سے۔ چونکہ یہ کلام کفار فساق اور جہلا عقلا کو سنانا ہے اس لئے یہاں ان اعضا کا ذکر فرمایا گیا جو ہر طرح ظاہر ہیں بناوٹ میں بھی فوائد میں بھی چنانچہ کان و آنکھ اور انکی سماعت و بصارت سب کو نظر آتی ہے۔ اس لئے ان قوتوں پر لوگوں کا تصرف بھی ہے چاہیں کھلا رکھیں یا وقتی طور پر ڈانٹ لگا کر انگلیاں کانوں میں دیکر یا پردہ ڈال کر بند کر دیں۔ ان کی بناوٹ و شکل و صورت بھی ہر ایک کے سامنے ظاہر۔ مگر قلب انسانی کسی کے سامنے ظاہر نہیں نہ بناوٹ نہ فوائد بلکہ فوائد تو بالکل مستور۔ کسی کو نہیں معلوم کہ چاہت محبت علم فکر رنج غم خوشی و سرور دل سے ہی صادر ہوتا ہے اور کس طرح ہوتا ہے اس وجہ سے السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ اَفْئِدہ کا بعد میں۔ نیز سماعت کے فوائد ابصار سے بھی زیادہ ہیں اور اَفْئِدہ سے بھی اس لئے دونوں سے پہلے سَمْع کا ذکر کیا گیا۔ سمع کے فائدے چند طریقوں میں بصارتِ نظر سے زیادہ۔ ۱۔ سماعت مضبوط ہوتی ہے بصارت نازک کہ ذرا پردہ آ جائے تو نظر بیکار۔ ۲۔ دھول اڑے۔ ۳۔ دھواں اٹھے۔ ۴۔ مچھر کنکر پڑ جائے۔ ۵۔ آنسو آ جائے۔ ۶۔ آنکھ میں پانی پڑ جائے ان سب صورتوں میں سمع سلامت مگر آنکھ بیکار۔ ۷۔ اندھیرا ہو تو آنکھ بیکار مگر کان کی سماعت کارآمد و سلامت باقی۔ ۸۔ کان کی سماعت علمی فائدہ ہر طرح ہر وقت حاصل کر لیتی ہے مگر آنکھ پڑھے بغیر علمی فائدہ نہ دے سکے نہ لے سکے۔ ایک جاہل کی آنکھ کیلئے ہر کتاب بیکار جب تک کسی سے سنے نہ۔ مگر نابینا کانوں والا کسی سے سن کر علم حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لئے دنیا میں نابینا علما فضلا حکما بہت موجود ہیں مگر قطعی بہرہ آدمی عالم نہیں بن سکتا جب تک کسی مشین وغیرہ کے ذریعے بہرا پن ختم ہو کر سماعت بحال نہ ہو۔ قطعی بہرہ شخص نہ علمی فائدہ دے سکے نہ لے سکے۔ اسی کیفیت میں سمع کے فوائد آئندہ سے بھی زیادہ ہیں اس لئے سمع کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ لیکن اصل حکمتِ باری تعالیٰ اس کے علاوہ بھی ہو سکتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اسکی کیا وجہ کہ سَمْع واحد فرمایا مگر اَبْصَار اور اَفْئِدہ جمع فرمایا حالانکہ اگر انسانی فردیت کو دیکھا جائے تو ہر انسان کے دو کان دو آنکھیں اور ایک دل ہے اور اگر انسانی اجتماعیت کو دیکھا جائے تو مجموعی طور پر کان بھی جمع ہیں۔ **جواب:** دراصل یہاں ان اعضاء ثلاثہ کی فردیت جمعیت ان کے آلات کی تعداد کی وجہ سے نہیں بلکہ تعداد ادراک کی وجہ سے ہے۔ کان اگرچہ تعداد میں مثیل ہیں اور فوائد میں کثیر ہیں مگر ادراک میں واحد ہے یعنی کان کا کام صرف سننا ہے لیکن آنکھیں اور اَفْئِدہ اگرچہ فوائد میں سمع سے قلیل ہیں اور تعداد میں مثیل ہیں لیکن ادراک میں کثیر ہیں۔ چنانچہ آنکھوں کے چار ادراک ہوتے ہیں۔ ۱۔ ادراک تشکل۔ ۲۔ ادراکِ رنگ۔ ۳۔ اِدراکِ روشنی۔ ۴۔ ادراک حدودِ اربعہ کا حجم۔ یعنی ایک بصارت نے ہر چیز کی چار چیزیں معلوم کیں۔ جسمانیت کی لمبائی چوڑائی موٹائی دیکھی شکل و صورت دیکھی رنگ دیکھا چمک و روشنی دیکھی۔ دل کے پانچ ادراک۔ ۱۔ تصورات۔ ۲۔ تصدیقات۔ ۳۔ تفکرات۔ ۴۔ علمی استدلال۔ ۵۔ خوشی غمی محبت چاہت کا پیدا ہونا۔ ان وجوہ سے سمع

marfat.com

واحد اور ابصار و افئدہ کو جمع فرمایا گیا۔

تفسیر صوفیانہ

اور وہی اللہ ہے خالقِ روحانیت مالکِ سلطانیت ہادیٔ عرفانیت جس نے نشو ونما سے پیدا فرمایا تم تمام مسافرانِ راہ طلب کیلئے سماعتِ اسرار کے کان اور بصارتِ انوار کی آنکھیں اور فکریاتِ آیات کرنے کے قلوبِ افئدہ۔ صورت ربانی کا سننا خالق تعالیٰ کا انعامِ عظیم ہے۔ ابصار کا انوار کو دیکھ لینا ہادیٔ برحق کا افضالِ جمیل ہے اور سینہء قالب کے قلوبِ افئدہ مولائے کل کا اکرامِ جلیل ہے۔ ان نعمتوں کا اظہار بھی عقلِ سلیم پر احسانِ عمیم ہے۔ اس اظہار کا مقصدِ اولین مومنوں سے طلب شکر ہے۔ فاسقوں سے عتابِ کفران ہے۔ کفار سے نفرتِ کفر ہے۔ ان نعمتوں کے استعمال کی تعلیم گاہ بارگاہِ نبوت ہے۔ استعمال کا طریقہ شکرِ منعم تعالیٰ ہے اور شکر کا طریقہ مالکِ کامل خالق قاہر الٰہِ واحد کی اطاعت وعبادت اور آقا ﷺ کی اسوۂ حسنہ کی اتباع کامل ہے اور منزل قرب تک پہنچنے کیلئے راہ طلب کی وادیٔ سلوک میں اقدام سماعت و بصارت وقلبی ارادت کرنا ہے۔ لہٰذا اے بندگان طالبین تمہارے کانوں کا شکریہ ہے کہ ممنوعہ مکروہہ آوازیں سننے سے کانوں کو بچاؤ تاکہ تم فرشیوں کو عرشیوں کی باتیں آوازیں سنائی دیں۔ دنیا میں اللہ تعالیٰ کیلئے سنو۔ اللہ کی طرف سے سنو۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی سنو۔ اے بندو تمہارے کان قرآن کریم کی تلاوت احادیث کی سماعت نصیحتِ حق اور وصیتِ رب کی گزرگاہ ہے لہٰذا اس راہ صاف وشفاف میں باطل و بہتان هَمَزَہِ شَیۡطٰن لُمَزَہِ طُغۡیَانۡ کے کانٹے نہ بکھیرو نہ چغلی وغیبت سنو نہ سننے کی کوشش کرو۔ آنکھوں کی بصارت کا شکر یہ ہے کہ نظر کو محرمات کے دیکھنے سے بچاؤ۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ عبرت کا دیکھنا دیکھے۔ عارف کی نظارت للہ ہونی چاہئے اور بصارت باللہ اور بصیرت الی اللہ۔ اہل معرفت کی دونوں آنکھیں صنعت قدرت پر لگی رہتی ہیں۔ فاسقین کی نگاہیں دوست برادر۔ جوار و قرابت کی عیب جوئی و جاسوس کوشی میں لگی ہوتی ہیں۔ یہ فرق ہے نگاہ عاشقین فاسقین میں۔ شکرِ قلب یہ ہے کہ اخلاقِ ذمیمہ وعاداتِ ذلیلہ و نیات خسیسہ و اراداتِ فاسقہ کی گندگی سے دل کو پاک رکھے اور نیاتِ خیر و تصوراتِ ابرار کے ذریعہ قلب کو پاک کرتا رہے۔ برے خیالوں کی پلیدی میں گرنے لتھڑنے سے بچاتا رہے۔ خطاؤں کے میل کو ندامت کے آنسوؤں سے دھوتا رہے اور دنیا و اہل دنیا سے اس طرح بے تعلق ہو جائے کہ قربت صرف الی اللہ ہو۔ محبت صرف للہ ہو اور مشاہدہ صرف باللہ ہو۔ اے لوگوں تمہارے پاس گوہر دل امانتِ ربانی و ودیعت الٰہی ہے۔ یہ دنیا پر خطر راہ ہے اور راہ مار پھرتے ہیں۔ اس گوہر کو چوروں سے بچاؤ۔ غفلت کی نیندمت سوؤ۔ کرم کتنا کثیر ہے مگر قَلِيلًا مَّا تَشۡكُرُوۡنَ۔ اے بندو تمہارا شکر بہت قلیل ہے۔ رب تعالیٰ کی طرف سے انعام کتنا بڑا ہے بندوں کی طرف سے شکران کتنا چھوٹا ہے۔ وَهُوَ الَّذِیۡ ذَرَاَکُمۡ فِی الۡاَرۡضِ وَ اِلَیۡهِ تُحۡشَرُوۡنَ۔ اور وہی اللہ تعالیٰ وہ خلاق کائنات ہے جس نے عالم ناسوت میں تم کو پھیلایا اور عالم جبروت کے قرب معرفت میں تم کو پہنچایا۔ قوت روحانی دیکر تم کو اٹھایا اور اپنی بارگاہ الفت کی طرف تم کو دوڑایا۔ سب قوتیں قدرتیں مصلحتیں حکمتیں ہیں جو اسی قادر و قیوم کی ہیں۔ وَهُوَ الَّذِیۡ یُحۡیٖ وَ یُمِیۡتُ وَلَهُ اخۡتِلَافُ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ اور وہی اللہ تعالیٰ وہ ہے جو تمام مخلوق ارضی وسماوی عرشی وفرشی سری وخفی ظاہر و باطن کو حیات بقا دیکر منفعت کثیر سے زندہ فرماتا اور زندہ رکھتا ہے۔ اور پھر اسی مخلوق کلی کو موتِ فنا اور وفات بیکاریت سے مار دیتا ہے۔ اسی عالم رنگ و بو میں بقا

marfat.com

بھی ہے فنا بھی۔ منفعت بھی نقصانات بھی۔ کاریت بھی بیکاریت۔ علم کی روشنی بھی جہالت کا اندھیرا بھی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت کے کرشمے حکمت کے چشمے قوت کے نظارے غلبے کے دلائل۔ قبضے کے فضائل ہیں اور اسی رب کریم مولائے رحیم کا امروتصرف ہے فیصلۂ تاثر ہے شب مراقبہ ویوم مشاہدہ اور شبِ نفسانی ویومِ ایمانی اور شبِ حلوت ویوم جلوت اور شب فراق و یوم وصال اور شب ظلمات ویوم تجلیات اور شب اسرار ویوم اشرار کے اختلاف پر کہ کہیں کمی ہے کہیں زیادتی ہے۔ کہیں تعاقب کہیں سباقت۔ کہیں ظلمت کہیں ضیا۔ کہیں سکنات کہیں حرکات اور کہیں غفلت کا سو جانا کہیں کسبت کا جاگ جانا۔ کوئی سو رہا ہے کوئی رو رہا ہے۔ اے غافلینِ انجام ومحرومین انعام کیا تم زمانے کے اس اتار چڑھاؤ' آمد و رفت کی سمجھ نہیں رکھتے عبرت نہیں پکڑتے اور اس عبرت سے تمہارے حالات نہیں سدھرتے' اعمال نہیں سنورتے اور تم شعورِ عرفانی' عقل ایمانی' فراستِ روحانی کے حصول کیلئے محنتِ عبادت ومجاہدۂ معرفت نہیں کر سکتے۔ بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ۔ بلکہ ان غافلوں فاسقوں کاسلوں کاسدوں جاہلوں نے غفلت کے بستروں کسلت کے گہواروں شقاوت کے دلدلوں میں پڑے پڑے وہی کہا' وہی عقیدہ بتایا' کردارِ بد دکھایا جو نفسِ امارہ کے پہلے غلاموں دنیا کے پرستاروں' ابلیس کے یاروں نے کہا تھا۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو قالب انسانی میں چھ نعمتیں عطا فرمائیں۔ پہلی نعمت کانوں کی سماعت دوم آنکھوں کی بصارت سوم قلب کی ذکاوت علیت چہارم زمین کی خلافت پنجم اعمال کیلئے حیات ششم انجام وانعام کیلئے اموات۔ عطاء زندگی کیلئے فرمایا اَنْشَاَ لَكُمْ۔ انجام وانعام کیلئے فرمایا قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ۔ خلافت ارضی کیلئے حسبیت نسبیت صہریت کی بقا بخشی اور بقا کیلئے فرمایا ذَرَاَكُمْ فِى الْاَرْضِ۔ یہ خصوصیت انسانی ہے۔ حیاتِ ابدی کی خصوصیت کیلئے فرمایا وَ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ مگر يُحْيِیْ وَ يُمِيْتُ یعنی دنیا والوں کیلئے زندگی اور موت کو عام رکھا یہ بتانے کے لئے کہ اے انسانو موت وحیات سب زمینی جانداروں کی یکساں ہے مگر دل دماغ سماعت بصارت خلقت ولادت کی عطاؤ بقا میں فرق ہے۔ انسانوں کو یہ نعمتیں امانت الٰہی ہیں۔ آیات تنزیلیہ سننے کیلئے آیات تکوینیہ یعنی افلاک وآفاق میں نشاناتِ قدرت دیکھنے خالق تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کیلئے' قلب میں قدرت حکمت مصلحت کا تدبر تفکر تعمل تعقل تذکر کرنے کیلئے' دنیوی حیات عطا فرمائی۔ دنیا سنوارنے اعمال کمانے آخرت بچانے کیلئے اور اپنی موت کو دعوت رحمانی تمغہ ربانی بنانے کیلئے۔ کیونکہ موت کی آمد مومن متقی کیلئے دعوت نامہ ہے۔ فاسق کیلئے سمن یعنی عدالت کا بلاوا ہے۔ کافر کیلئے وارنٹ ہے گرفتاری کا۔ اگر انسان اس امانت ربانی کی حیات کو شریعت حقیقت طریقت معرفت کیلئے استعمال نہ کرے بلکہ کافران اولون' فاسقان آخرون کی طرح کافر یا فاسق بن ... زندگی گزار دے تو مثلِ حیوانی ہے بلکہ خائنِ شیطانی ہے۔ اے دنیا میں رہنے والے بندے اس زندگی کی قدر کر کیونکہ یہ ز.. گی۔

غافلوں کے واسطے پیغام ہے بیداری کا تو سمجھتا ہے کہ یہ سامان ہے بیکاری کا

دنیا میں تین شخص قابلِ رحم ہیں۔ ایک وہ عالم جس پر جاہل کا حکم چلے دوسرا وہ شریف جس پر کمینے کا حکم چلے تیسرا وہ عقلمند ... گناہوں میں مبتلا رہے۔ یاد رکھو کہ ضرورت سے خواہش' خواہش سے کوشش اور کوشش سے حصول اور حصول سے نتیجہ ظاہر ... ہے۔ چار نیکیاں افضل ہیں۔ ۱۔ غصے میں درگزر۔ ۲۔ تنہائی میں پارسائی۔ ۳۔ تنگ دستی میں سخاوت، ۴۔ طاقت ... انکساری عاجزی۔

marfat.com

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا

کہ بولے تعجب ہے کیا جب ہم مر جائیں اور ہو جائیں گے ہم مٹی اور کھلی ہڈیاں تو کیا یقیناً ہم

بولے کیا جب ہم مر جائیں اور مٹی ہڈیاں ہو جائیں کیا

لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا

البتہ زندہ اٹھائے ہوئے ہوں البتہ صرف وعدہ دیئے گئے ہیں ہم اور ہمارے باپ دادا

پھر نکالے جائیں گے بیشک یہ وعدہ ہم کو اور ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا

هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾

کو بھی یہ ہی کہا جاتا رہا پہلے سے نہیں ہے یہ وعدہ مگر پہلوں کی قصے کہانیاں۔ان منکرین قیامت سے

کو دیا گیا یہ تو نہیں مگر وہی اگلی داستانیں

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾

پوچھو کہ کس کی ہے زمین اور وہ مخلوق جو اس زمین میں ہے بتاؤ اگر ہو تم جانتے۔

تم فرماؤ کس کا مال ہے زمین اور جو کچھ اس میں ہے اگر تم جانتے ہو

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۸۵﴾

عنقریب کہیں گے کہ اللہ کا ہی سب کچھ ہے۔فرماؤ کہ تو کیا تم اب بھی نصیحت نہیں پکڑتے

اب کہیں گے کہ اللہ کا۔تم فرماؤ پھر کیوں نہیں سوچتے۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔**پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں یہ بتایا گیا کہ موجودہ کفار کی باتیں بھی کفر میں بالکل سابقہ کافروں جیسی ہیں۔اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ موجودہ کفار یہ یہ باتیں کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی تین نعمتوں کان، آنکھ اور دل کی عطا کا ذکر فرمایا گیا کہ اے احسان فراموش کافرو ہم نے ہی تم کو یہ تین عظیم الشان نعمتیں دی ہیں۔اب ان آیات میں چوتھی نعمت بولنے والی زبان کے کفر بولنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ بجائے احسان مندی سے ایمان لانے کے ناشکری و احسان فراموشی کرتے ہوئے کفار نے عمر بھر کفر ہی کیا حالانکہ یہ اعضا اور زبان شکر و ایمان کے لئے دیئے گئے نہ کہ کفر و طغیان کے لئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں موجودہ کفار کی سابقہ کفار سے قولی مثلیث کا ذکر فرمایا گیا۔اب ان آیات میں موجودہ تا قیامت کفار کے چار اقوال بیان فرما کر مثلیث دینی و قومی کی وضاحت فرمائی جا رہی ہے۔ا۔حیات بعد الممات کا انکار۔۲۔یہ کہنا کہ ہمارے پہلے باپ دادوں سے بھی ان

marfat.com

انبیاء نے ایسی ہی حیات بعد الممات اور۔ ۳۔ قیامت ہونے کی باتیں کی تھیں مگر نہ کوئی مردہ اب تک زندہ ہوا نہ قیامت آئی۔ لہٰذا یہ سب باتیں اَسَاطِیْرُ الاَوَّلِین ہیں۔

تفسیر نحوی

قَالُوْٓا ءَ اِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ ﴿۸۲﴾ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَ اٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۸۳﴾ قَالُوْا فعل بافاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر قول ہوا۔ ءَ ہمزہ سوال انکاری کا یعنی ایسا نہیں ہو سکتا۔ اِذَا شرطیہ مِتْنَا باب ضرب کا ماضی مطلق معروف صیغہ جمع متکلم۔ یہ فعل بافعل جملہ فعلیہ ہو کہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ كُنَّا فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم كَوْنٌ سے مشتق ہے۔ اس کا اسم نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ تُرَابًا اسم مفرد جامد بمعنی مٹی بھربھری خاک کی مثل پوڈر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عِظَامًا اسم جمع مکسّر متصرف اس کا واحد ہے عظمٌ ترجمہ ہے ہڈیاں۔ یہ معطوف ہے تُرَابًا پر دونوں مل کر خبر ہے كُنَّا کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوکر معطوف ہے مِتْنَا پر دونوں عطف مل کر (معطوف علیہ معطوف) شرط سوالیہ ہوئی۔ ہمزہ جوابیہ بمعنی تو کیا اِنَّا دراصل ہے اِنَّ نَا۔ اِنَّ حرف مشبہ نَا کا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اسم اِنَّ۔ لام تاکیدیہ بمعنی ضرور۔ مَبْعُوْثُوْنَ باب فتح کا اسم مفعول جمع مذکر بَعْثٌ سے مشتق ہے بمعنی اٹھایا جانا زندہ کیا جانا۔ اس کا نائب فاعل نَحْنُ ضمیر جمع متکلم پوشیدہ۔ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر جزاء سوالیہ ہے ءَ اِذَا شرط کی دونوں مل کر مقولہ اول ہے قَالُوْا کا۔ لام کَیْ تحقیقہ بمعنی اَلْبَتَّۃ بیشک۔ قَدْ وُعِدْنَا فعل ماضی قریب مثبت مجہول صیغہ جمع متکلم وَعْدٌ سے مشتق ہے۔ نَحْنُ ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل معطوف علیہ واؤ عاطفہ اٰبَآءُ۔ اسم جمع مکسر منصرف۔ اس کا واحد ہے اَبٌ بمعنی مُرَبِّی۔ اٰبَآءُ کا ترجمہ ہے گزشتہ باپ دادے۔ اٰبَآءُ مضاف نَا ضمیر جمع متکلم مجرور متصل مضاف الیہ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے وُعِدْنَا کا هٰذَا اسم اشارہ قریبی بمعنی یہ اس کا مشارالیہ ہے مِتْنَا کا پورا جملہ مقولہ مِنْ جارہ بیانیہ ابتدائیہ قَبْلُ اسماء ظروف میں سے ظرف زمانی کے لئے مبنی فرع ہے ضمہ پر۔ حکماً مجرور ہے۔ اس جر کو اعراب حکائی کہتے ہیں یعنی اصلی حقیقی اعراب یہ جار مجرور متعلق ہے وُعِدْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوکر ذوالحال ہے۔ اِنْ حرف نافیہ هٰذَا اسم اشارہ قریبی۔ اس کا مشار الیہ وُعِدْنَا کا جملہ۔ هٰذَا مستثنٰی منہ۔ اِلَّا حرف استثناء متصل۔ اَسَاطِيْرُ اسم جمع منتہی الجموع غیر منصرف ہے۔ ایک قرأت میں اَصَاطِيْر ص سے ہے کیونکہ بقانون نحو یہ جس سین کے بعد ط ہو اس سین کو ص بھی لکھ سکتے ہیں۔ اس کا واحد ہے سَطْرٌ ترجمہ ہے لائن۔ اگر الفاظ کی ہو تو جمع ہے سطور۔ اگر بندوں کی ہو تو یعنی صف بندی تو جمع ہے اُسْطُرٌ۔ تلوار یا چھری چاقو کی کاٹ کو بھی سطر کہا جاتا ہے، چونکہ قصہ کہانیاں لکھنے اور بیان کرنے پڑھنے یا سنانے میں لائن وسطور کی ترتیب سے لکھے، پڑھے، سنائے اور بیان کئے جاتے ہیں اس لئے کہانیوں کو اَسَاطِيْرُ کہا جاتا ہے۔ جھوٹی بناوٹی باتیں برائے دل بہلاوا۔ مقصد ہے خواہ مخواہ خوف زدہ کرنا یہ مضاف ہے۔ اَلْاَوَّلِيْنَ الف لام اسمی اَلَّذِيْنَ کے معنی میں۔ اَوَّلِيْن باب فتح کا اسم تفضیل صیغہ جمع مذکر بحالت کسرہ مضاف الیہ ہے اَسَاطِيْرُ کا یہ مرکب اضافی مستثنٰی ہوا هٰذَا کا دونوں مل کر جملہ نافیہ ہوکر حال ہے وُعِدْنَا ذوالحال کا دونوں مل کر مقولہ دوم ہوا قَالُوْا کا۔ قول اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۴﴾ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ

marfat.com

اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝ ۔ قُلْ فعل امر حاضر معروف واحد مذکر اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر مرجع نبی کریم ﷺ یہ فعل فاعل مل کر جملہ 21
فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ لام حرف جر ملکیت کا۔ مَنْ اسم موصول استفہامیہ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ اسم فاعل
واحد مذکر کا۔ الف لام حرفی استغراقی یا جنسی بمعنی تمام زمین یا روئے زمین۔ اَرْضُ اسم مفرد مؤنث لفظی کیونکہ اس کی تصغیر
اُرَیْضَةٌ آتی ہے۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ مَنْ اسم موصوف فِیْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ اسم مفعول واحد مذکر
کا یہ اسم مفعول اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف
ہے اَلْاَرْضُ پر۔ دونوں عطف مل کر فاعل ہے ثابت پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا مقدم ہے۔ اِنْ حرف شرط كُنْتُمْ
فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم۔ تَعْلَمُوْنَ مضارع معروف مثبت جمع مذکر۔ عِلْمٌ سے
مشتق ہے ترجمہ ہے جاننا، معلومات رکھنا اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے كُنْتُمْ ناقصہ کی یہ
سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط مؤخر ہے یہ شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا یہ قول مقولہ جملہ قولیہ ہو گیا۔ س حرف تقریبی
بمعنی عنقریب۔ یَقُوْلُوْنَ مضارع مستقبل مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ
ہو کر قول ہوا۔ لِلّٰهِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مصدر مِلْكِيَّةٌ کا یہ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مقولہ ہوا۔ سَيَقُوْلُوْنَ
قول مقول مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْ یہ فعل امر با فاعل ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ اَفَ حرف سوالیہ اقراریہ یعنی ایسا
کرو۔ تَذَكَّرُوْنَ۔ باب تَفَعُّلْ کا فعل مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ہے اس کا مصدر تَذَكُّرٌ ذِكْرٌ سے بنا
ہے۔ مضارع اصل میں تَتَذَكَّرُوْنَ ہے۔ دوسری ت جو افتعال کی تھی وہ گر گئی برائے تخفیف۔ بعض نے کہا کہ پہلی ت گرائی گئی
ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ پہلی تاء علامت مضارع ہے اور علامت نہیں گرائی جاتی جیسے سورۂ قدر میں تَتَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ کی بھی
دوسری تاء افتعال گرائی گئی نہ کہ پہلی تاء تانیث علامۃ۔ لَا تَذَكَّرُوْنَ کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ ہے یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ سوالیہ
انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ اَفَلَا کا دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۝ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۝ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۝ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ۭ قُلْ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ۝

جس طرح گزشتہ قومیں اپنے اپنے نبی علیہ السلام کی تبلیغ سے منکر و متنفر ہو کر حشر و نشر قیامت، حساب و ثواب عذاب کا انکار کرتے رہے اور انکار فرار کے بہانے میں جو جو عذر تراشیاں خیال بافیاں گمان بازیاں اپنی حیثیت وقوت پر قدرت کبریائی کو قیاس کر کے کرتے اور گھڑتے رہے بالکل اسی طرز بیان، روش احمقانی سے ان موجودہ کفار مکہ نے بھی وہی کہا کہ ہائے تعجب۔ قطعاً ناممکن بالکل غلط سراسر جھوٹ کہ جب ہم مر گئے، زمانے گزر گئے اور قبروں میں ہم اور ہمارے یہ جسم خاک مدھول مٹی ہو گئے اور صرف بکھری ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گئے۔ جیسا کہ ہمارے پرانے گزشتہ آباء واجداد کی پرانی قبریں کھلنے اور کھودنے سے دن رات مشاہدہ ہوتا ہے کہ بھر بھری مٹی میں سوکھی سڑی سفید ٹوٹی پھوٹی چھوٹی بڑی ہڈیوں کا بکھرا ہوا ڈھانچہ ملتا ہے۔ تو کیا ایسی خستہ شکستہ نایاب و کمیاب حالت میں بھلا ہم اسی جسم موجودہ کی طرح ترو تازہ صحت مند تنومند کی شکل وصورت حلیے حلیے میں

marfat.com

مبعوث ہو کر زندہ اٹھائے جائیں۔ ہماری عقل اس بات کو نہیں مانتی کوئی بھی ایسا نہیں کر سکتا نہ کسی میں قدرت نہ کسی میں طاقت نہ ہمت نہ جرأت ہمارے اس انکار کی وجہ اور سچائی کے لئے یہ کتنی بڑی عام فہم مضبوط دلیل ہے کہ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ. جس طرح آج ہم سے یہ قیامت وحیات ثانی اور جنت دوزخ، حساب وکتاب، عذاب وثواب کے وعدے وعید کئے جا رہے ہیں۔ ڈراووں، بہلاووں کی بشارتیں نذارتیں سنائی جا رہی ہیں۔ بالکل اسی طرح کے وعدے وعیدیں ہمارے آباء واجداد گذشتہ سے بھی کئے گئے تھے ان کے اپنے اپنے پہلے زمانوں میں۔ ہم سے اس نبی آخر الزمان (ﷺ) ہونے کے دعویدار نے کئے جبکہ پہلے زمانوں میں پہلے دعویدار نبوت لوگوں نے کئے تھے نہ ہمارے آباء نے ان کی مانی نہ ہم ان کی مانیں نہ وہ آباء ان پر ایمان لائے تھے نہ ہم ان پر لائیں گے اس انکار وایمان نہ لانے کی وجہ صاف ظاہر ہے جو ہمارے آباء بھی جانتے تھے اور آج ہم بھی جانتے ہیں کہ اِنْ هٰذَا مِنْ قَبْلُ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یہ حیات بعد الممات اور بعثت نشر قیامت حشر، عذاب قبر، ثواب اجر سب جھوٹے قصے کہانیاں افسانے ہیں جو کتابیں لکھنے، ورقے بھرنے، سننے، سنانے، دل بہلانے کے لئے سطروں میں لکھے گئے اور دماغوں میں بھر لئے گئے ہیں ورنہ کیا بات ہے کہ آج تک نہ کوئی مر کر زندہ ہوا نہ قبر سے نکلا نہ قیامت آئی نہ دوزخ دکھائی نہ جنت نظر آئی اگر یہ وعدے وعیدیں سچی ہوتیں تو کبھی تو کوئی زندہ ہو کر قبر سے نکلتا یا کبھی قیامت کا سماں طاری ہوتا ہم دیکھتے یا ہمارے باپ دادے ہی دیکھتے صدیاں بیت گئیں یہ باتیں سناتے ہوئے اور کان پک گئے یہ باتیں سنتے ہوئے۔ اے مسلمانو یہ ہیں کفارِ موجودہ وگزشتہ کی احمقانہ باتیں جو ہر دور میں یہ کفار کرتے رہے اور کفار موجودہ وگزشتہ غالباً یہ سمجھتے ہیں کہ شاید ان سے یہ کہا گیا ہے کہ تم زندوں کے سامنے سابقہ مردوں کی قیامت آ جائے گی اور یہ سمجھ بیٹھے کہ ہر قوم، قبیلے کی قیامت علیحدہ ہوگی اور قیامتیں بار بار ہوں گی۔ وہ اللہ تعالیٰ تو اس پر بھی قادر ہے مگر قانون قیامت ایسا نہیں بنایا گیا نہ کسی نبی نے اس طرح سنایا نہ کسی نے اپنے نبی علیہ السلام کی زبانی ایسا سنا نہ کسی کتاب میں پڑھا تو اے کافرو تم نے یہ بیہودہ تخیل کہاں سے اپنے ذہنوں میں پکا لیا جس نے تم کو نبی، رسول، کلام مقبول اور یوم نشور پر ایمان لانے کا منکر بنایا۔ قیامت ضرور ہوگی اور تم سب کو ان ہی جسموں شکلوں میں زندہ کر کے ثواب وعذاب کے لئے اٹھایا جائے گا مگر تم سب کے مرنے کے بعد ایک بار ہی جب مکمل طور پر پوری انسانیت گزرگاہِ دنیا سے گزر جائے گی عملیات کسبیات ختم ہو جائیں گے۔ یہی فطرت کا تقاضا قدرت کا ارادہ ہے ابھی تو دنیا میں آنے جانے کسب وعمل موت وحیات کا سلسلہ جاری ہے۔ ابھی قیامت کیسے آ سکتی ہے قیامت کوئی شعبدہ بازی کا کھیل نہیں ہے کہ بعض پر چلایا جائے بعض کو دکھایا جائے بلکہ سب پر بیک وقت قائم ہوگی اور سب بیک دم زندہ کئے جاؤ گے تم قبر کی خاک ہو یا آگ کی راکھ بنے ہو۔ تم اس خاک وراکھ سے حیات ثانیہ کو مشکل سمجھ رہے ہو حالانکہ تم اور تمہارے باپ دادے بلکہ تمہارے یہ کھیت کھلیان، شجرات، حیوانات اس دنیوی نشوونما سے پہلے بھی مٹی ہی تھے۔ کیا تمہیں خبر نہیں کہ هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (دہر:۱) کیا انسان پر اس سے پہلے ایسا زمانہ نہیں گزرا جب کہ وہ کوئی قابل ذکر وتذکرہ چیز نہ تھی۔ مٹی میں مٹی ہی تھا تو جو خالق حی وقیوم مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ (طٰہٰ:۵۵) کے شاہکار عظیم سے تم کو پیدا کر کے اصل ونسل میں پھیلا سکتا ہے وہی صناع قدیم وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ (طٰہٰ:۵۵) قبریں بھی بنا سکتا ہے راکھ میں بدل سکتا ہے اور پھر وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ (طٰہٰ:۵۵) کی شان قیامت دکھا

marfat.com

سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی خلقت اول کو مانتے ہیں۔ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهَآ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ ان سے پوچھ کر دیکھ لو کہ یہ زمین اور اس میں موجود تمام انسان، حیوان، شجرات، حجرات، نباتات، غذائیات، دوائیات، لذات کے باغات، سفرات کے بحار کوہسار، فوائد کے چرند پرند درند یہ سب کس کی مخلوق ہے کون ان کا خالق مالک رازق ہے۔ ہمیں بتاؤ خوب سوچ کر خبر دو۔ اگر تم جانتے مانتے سمجھتے ہو حالانکہ یہ جاننا سمجھنا عام فہم و بدیہی علم ہے کیونکہ کائنات کا تو ذرہ ذرہ، پتا پتا، ڈالی ڈالی، چھوٹا موٹا بوٹا بوٹا وحدۂ لاشریک خالق تعالیٰ کی جان پہچان ایمان عرفان کا دفتر طویل بنا ہوا ہے۔ تو کیا اے کافرو تم بھی ان اشیاء زمنی کے خالق کو جانتے ہو۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ عنقریب فوراً جواباً کہیں گے کہ یہ سب اللہ کی مخلوق ہے۔ یہاں خالقیت میں کسی بت دیوی دیوتا یا جانور درخت کا نام نہیں لیں گے کیونکہ چالاک ہیں جانتے ہیں کہ یہ کام مشکل ہے ہمارے بت یہ کام نہیں کر سکتے یہاں سب بے بس ہیں اگر ہم نے خلقت میں بھی بتوں کو شریک مان لیا تو کہیں کوئی مومن مسلمان مطالبہ ہی نہ کر دے کہ اپنے بتوں سے ایک مچھر ہی زندہ بنوا کر دکھا دو یا کسی مچھر کا ایک پر ہی بنوا دو یا کوئی اکھڑا پر جوڑ کر قابل پرواز بنا دو۔ تو ہم بت پرست لوگ اپنے بتوں سے یہ مطالبہ کس طرح پورا کرا سکتے ہیں۔ یہ مطالبہ تخلیق تو کوئی جن فرشتہ انسان بھی پنڈت گرو بھی پورا نہیں کر سکتا۔ اس لئے مجبوراً یہ کفار اللہ تعالیٰ کو وحدۂ لاشریک خالق و رازق مانتے ہیں اس قدرت میں شرک کی جرأت نہیں دکھاتے غرضیکہ کفار کا اللہ تعالیٰ کو خالق لاشریک ماننا خلوص ایمان نہیں بلکہ مجبوری انسان ہے تو مجبوراً خالق وحدۂ لاشریک ماننے والے کافروں سے قُلْ پوچھئے۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کہ اتنے اقرار تسلیم کے بعد بھی غور و فکر کا تذکر ایمان لانے کی نصیحت نہیں مانتے اور نہیں سوچتے کہ یہ تمہارے بت کتنے بے بس اور اللہ تعالیٰ کتنی قوتوں، طاقتوں والا ہے۔ بس اندھے، بہرے اور گونگے بن کر اپنے آباء کی طرح بتوں کو الٰہ بنائے پھرتے ہو اور نہیں سوچتے کہ الٰہ وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو، خالقیت سے ہی استحقاق سجدہ و عبادت ہے جو پیدا نہیں کر سکتا وہ بندگی اور سجدہ کرانے کا کس طرح حقدار ہو سکتا ہے۔ ان کفار نے الٰہیت و معبودیت کو اتنا آسان سمجھ لیا ہے کہ جس کو چاہا جب چاہا الٰہ بنا لیا کہیں آگ ناگ باگھ کو کہیں بت بلے بندر کو کہیں بچھڑے پیپل تلسی کو، کبھی صنم تراش لیا اور بندگی کر لی۔ بدبخت اپنے ہی خداؤں معبودوں کو اپنی جیبوں بٹوؤں بستروں میں لئے پھرتے ہیں لیکن ان بے عقل ضدی کفار سے جب کوئی نبی علیہ السلام توحید الٰہی کی راہ دکھانے شرک سے بچانے عقل سکھانے تشریف لے آئیں اور اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝ وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ (صفت: ۳۶) بیشک یہ کفار اس خصلت کے ہیں کہ جب بھی ان سے کہا جائے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں تو سخت تکبر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کیا ہم اس نبی بننے والے شاعر مجنون کے کہنے سے اپنے الٰہوں کو چھوڑ دیں اور کبھی کہتے ہیں وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْٓ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ (ہود: ۵۳) اور اے ہود ہم اپنے ان ڈھیر سارے معبودوں کو چھوڑنے والے نہیں اور نہ صرف تیرے کہنے سے تجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور کبھی کوئی کافر گروہ اپنے نبی علیہ السلام کی تبلیغ سے بیزار ہو کر کہتا: اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚ اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ۔ (ص: ۵) اس دعویدار نبوت کا مذہب و عقیدہ تو عجیب ہے کہ پوری کائنات کے لئے فقط ایک معبود۔ کیا ان ڈھیر سارے معبودوں کو چھوڑ دیا جائے، ہرگز نہیں یہ نبی تو ناقابل فہم اور اس کا یہ عجیب و غریب دین ناقابل قبول چیز ہے اور پوری دنیا کے لئے ایک معبود ہونا حیران کن ہے۔ کفار کی کیسی ظاہر

marfat.com

حماقت ہے کہ پتھروں، جانوروں اور مٹی کی دستی بنائی ہوئی مورتیوں، تراشے خراشے پتھروں کے بتوں، درختوں کو الٰہ بنانا ماننا عجیب نہیں لگتا جن کو جیبوں میں بٹھا لیتے بستروں میں چھپا لیتے ہیں جو نہ خالق نہ رازق نہ دے سکیں نہ لے سکیں۔ یہ حماقت کفار اس لئے کہ معبود بنا لینا بڑا آسان ہے جس کو چاہو بنا لو اور سجدے کر دو۔ دنیا میں نہ کوئی محاسبہ نہ معاتبہ۔ ہمت تو تب تھی جب یہ کفار اپنے بتوں کو خالقیت میں بھی شریک مانتے اور بتوں کی خالقیت ثابت بھی کرتے۔ حماقت سے شرک اور شرک سے تکبر اور تکبر سے ظلم پیدا ہوتا ہے اسی لئے کفار میں ضد عناد انانیت آقائیت کا خمار ہے۔ اے کفار زمانہ کیا تم یہ بھی نہیں سمجھتے کہ جو خالق تعالیٰ ابتداء تم کو پیدا کر سکتا ہے وہ اعادہ بھی فرما سکتا ہے۔ ابتدا مشکل ہوتی ہے اعادہ آسان ابتدا ایجاد ہے اور اعادہ نقل ہے۔ جس ہستی کے لئے سمندر، آبشار، کوہسار، ریگزار، گلزار، مرغزار کی ایجاد مشکل نہیں اس کے لئے ان کی نقل و اعادہ کیوں مشکل ہوگا۔ اے کافرین زمانہ جب تم کو ابتداء کی خالقیت اللہ تعالیٰ تسلیم ہے تو قیامت کی حیات کیوں مشکل لگتی ہے۔ یہی وہ شیطانی وطغیانی بدعقیدگی ہے جو کفار کو نصیب ہوئی۔ سچی ہدایت وتوفیق سعادت تو خوش قسمت بندوں کو نصیب ہوتی ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَالشُّكْرُ بِاللّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

قَالُوْا کے فاعل میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا فاعل موجودہ کفار ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا فاعل آباء اولون ہیں۔ مِنْ قَبْلُ کے مِنْ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے پہلے سے یہ مِنْ ابتدائیہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مِنْ بمعنی اِلٰی ہے یعنی پہلے لوگوں کی طرف سے۔ قَبْلُ کی نسبت میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا پہلے انبیاء مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا پہلے آباء مراد ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا پہلے زمانے مراد ہیں۔ اَسَاطِيْرُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں اَسَاطِیْر ہے اُسْطُوْرَةٌ کی جمع منتہی الجموع بمعنی جھوٹے مکتوبات۔ جیسے کہ اُحْدُوْثَہ کی جمع اَحَادِیث۔ اُعجوبہ کی اَعاجیب۔ اُضحُو کہ اَضَاحِیک۔ اُرجوجہ کی اَراجیج وغیرہ وغیرہ۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَسْطَارُ ہے سَطْرٌ کی جمع جیسے فَرَسٌ کی اَفْرَاسٌ۔ معنی ہے مشہور کہانیاں۔ پہلی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ قُلْ کے مخاطبین میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ سوالیہ خطاب بت پرستوں اور منکرین قیامت دونوں قسم کے کفار سے ہے۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ سوالیہ خطاب صرف بت پرستوں سے ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا صرف منکرین قیامت سے ہے۔ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں یہ باب تَفَعُّلٌ کا مضارع معروف جمع مذکر حاضر ہے۔ دوسری تا تفعُّل تخفیف کے لئے گرا دی گئی کیونکہ ت کا قرینہ ونشان موجود ہے یعنی شد اور نون جمع۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَفَلَا تَذْكُرُوْنَ ہے۔ باب نَصَر کا مضارع۔ ۳۔ بعض کی قرأت میں اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ہے۔ باب تفعُّل کی بقاعت سے مگر پہلی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** فطرتی طریقہ اور انسانیت صحیحہ کا طریقہ یہی ہے کہ انسانی میتوں کو دفن کیا جائے چنانچہ عرب وعجم میں مومنین کافرین کا شروع سے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ ہی چلا آرہا ہے مگر صرف

marfat.com

ہندوستان کے ہندو کفار نے فطری طریقے کو چھوڑ کر مردوں کو جلانا شروع کیا ان کی دیکھا دیکھی سکھ کفار نے بھی جلانا شروع کر دیا۔ یہ عمل فطرت کے خلاف ہے اس لئے کوئی بھی مذہب حق یا باطل میت جلانے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ فائدہ کُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا کے ذکر سے حاصل ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ کفار مشرکین بھی میتوں کو قبر میں دفن کیا کرتے تھے۔ اگر کفار عرب جلایا کرتے تو کُنَّا تُرَابًا وَّعِظَامًا نہ کہتے بلکہ کُنَّا رِمَادًا کہتے کیونکہ جلانے سے سب کچھ گوشت پوست، ہڈی، راکھ بن جاتی ہے نہ کچھ تراب بنتا ہے نہ ہڈی باقی رہتی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جب انسان میں ضد کی خباثت پیدا ہو جاتی ہے تو پڑھا لکھا سمجھدار تاریخ و حالات سے باخبر آدمی بھی حق ماننے عبرت پکڑنے سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور اپنی عقل دماغ بصارت بصیرت پڑھائی لکھائی باطل کی طرف ہی لگاتا ہے۔ یہی حال کفار مکہ کا تھا وہ بھی گزشتہ تمام حالات و واقعات کو جانتے تھے تاریخ کو پڑھتے سنتے سناتے تھے مگر پھر بھی کفر پر اڑے ضد میں پڑے انجام سے بےفکر تھے۔ یہ فائدہ لَقَدْ وُعِدْنَا نَحْنُ وَاٰبَآؤُنَا هٰذَا مِنْ قَبْلُ کے ذکر سے حاصل ہوا۔ جس سے ثابت ہوا کہ کفار مکہ انبیاء سابقین کی گزشتہ قوموں میں بعثت، آباء کا کفر و نفرت پھر ان پر عذاب ہلاکت سب کچھ جانتے تھے مگر انکار آباء کو تو یاد رکھا لیکن آباء کی انجام کار ہلاکت کو جانتے ہوئے بھی بھلا دیا بلکہ نظر انداز اور پس پشت ڈال دیا۔ اسی حرکت خبیثہ و نفرت عجیبہ کو قومی بدنصیبی کہا جاتا ہے۔ آج کل بہت سے دنیا ساز فساق کا بھی یہی بدتر حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں کو اس عادت بدنصیبی سے بچائے عبرت عطا فرمائے۔ **تیسرا فائدہ:** اگرچہ ہر زمانے میں کفر کی بہت سی قسمیں ہوتی رہیں مگر سب میں سخت کفر دہریت ہے کیونکہ اس میں اللہ تعالیٰ کے وجود و موجودگی کا ہی انکار ہے۔ کفار مکہ بت پرست تھے مگر دہریہ نہ تھے یہ معلوماتی فائدہ۔ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ فرمانے حاصل ہوا۔ دہریت کی ابتداء فلاسفہ قدیمی سے ہوئی پھر نیچریت۔ آج کل سوشلسٹ، کمیونسٹ ذہنوں میں دہریت پائی جاتی ہے۔ یہ کفر افرادی گنتی میں ہمیشہ کم ہی رہا۔ کفر میں زیادہ تر ہر زمانے میں دیگر کفار کے مقابل مشرکین کفار کی کثرت افرادی زیادہ ہوتی رہی۔ اب یہود و نصاریٰ بھی عقیدۂ ابنیت کی وجہ سے مشرکین میں سے ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانون شریعت میں وسیلہ نبوت کے بغیر اللہ تعالیٰ کو خالق مالک رازق مان لینے سے بھی بندہ مومن نہیں بنتا۔ یہی عقیدے اگر انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لا کر ان کے فرمان تبلیغ تعلیم کے ذریعے اختیار کئے جائیں تو بندہ مومن کامل بن جاتا ہے۔ اس لئے تمام ایمانیات سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام کو مکمل ان کے نشانوں، قوتوں، اختیاروں کے ساتھ ماننا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ ذِئَابٌ فِیْ ثِیَابٍ لب پہ کلمہ دل میں گستاخی۔ اگر خدانخواستہ دامن نبوت ہاتھ سے چھوٹ گیا اور بندہ دروازۂ نبوت کی گدائی کاسہ لیسی جبیں سائی سے ہٹ گیا تو سمجھ لیجئے۔ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ (حجرات: ۲) خسارہ ہی ہے نہ عبادت کام آئے نہ سجدے رکوع کی ریاضت نہ تسبیح تحمید کے مجاہدے۔ یہ مسئلہ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ کے بعد اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ توحید وہی معتبر و مقبول الٰہی ہے جو تعلیم نبوی سے ملے۔ دیکھو کفار مکہ اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک کائنات مانتے تھے اور توحید فی الخالقیت کے اقراری تھے مگر پھر بھی اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ سے دعوت ایمان دی گئی۔ اس لئے کہ سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ سے ایمان نہ ملا تھا اور فرمایا گیا کہ اے کافر و اللہ

marfat.com

تعالیٰ کو خالق مانتے ہو تو نبی کریم کو مان کر مومن کیوں نہیں بن جاتے اسی وسیلہ نبوی کو سمجھانے کے لئے سورۂ مائدہ آیت ۳۵ میں فرمایا گیا: یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ اور سورۃ بنی اسرائیل (الاسراء) آیت ۵۷ میں فرمایا گیا: اُولٰٓىٕكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ۔ **دوسرا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق ہر مومن مسلمان میت کو قبر میں دفنانا اور مسنون طریقہ سے قبر بنانا سنت واجبی ہے اسلام کا حکم لازمی قرآن مجید کا فرمان بھی اور فطرت انسانی بھی یہی ہے۔ بعض جاہل مسلمان میت کا صندوق زمین پر رکھ کر آس پاس چار دیواری بنا دیتے ہیں اور بعد میں کچھ عرصہ گزار کر مٹی ڈال کر فرش اونچا کر کے قبر کی شکل بناتے ہیں یہ سخت غلط ہے۔ یہ مسئلہ کُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا کی آیت پاک اور متعدد احادیث مقدسہ کے ارشادات سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق اللہ رسول و قرآن مجید احادیث مبارکہ اور فقہ اسلامی یا شریعت پاک کے لئے ایسے الفاظ استعمال کرنا جو رواجاً یا اصطلاحاً گھٹیا اور معیوب ہوں۔ حرام و گناہ ہے اگرچہ بعض علاقوں میں وہ الفاظ برے اور گھٹیا نہ ہوں مگر ہر عام و خاص کے لئے وہ بولے جاتے ہوں تب بھی اللہ تعالیٰ اور نبی کریم و قرآن و حدیث کے لئے وہ الفاظ نہ بولنے چاہئیں۔ مثلاً لفظ سائیں، لفظ میاں، لفظ کہانی افسانہ پنجاب و یوپی میں گھٹیا لفظ میں بدھو بیوقوف و فقیر کو سائیں کہتے ہیں۔ عام شخص یا خاوند کو میاں کہتے لہٰذا اللہ تعالیٰ کو سائیں یا میاں کہنا گناہ ہے سندھ میں ہر چھوٹے بڑے انسان کو سائیں کہتے ہیں لہٰذا اللہ تعالیٰ کے لئے منع ہے۔ اسی طرح قصص القرآن کو کہانیاں کہنا گناہ ہے۔ بعض جاہل غیر مقلد وہابی فقہ اسلامی کو شرک فی الرسالت کہتے ہیں ایسا کہنا بھی گناہ اور بدترین شیطانی خباثت ہے۔ یہ مسئلہ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ کے ذکر سے مستنبط ہوا لفظ اَسَاطِیْرُ لغۃً گھٹیا نہیں کیونکہ اس کا معنی ہے لکھی ہوئی باتیں مگر عربی اصطلاح میں جھوٹی باتوں کو اَسَاطِیْرُ کہا جاتا ہے کفار اس لئے قرآن پاک کو یہ کہتے تھے اس کہنے کو کفر قرار دیا گیا۔ گویا کہ اسلامی شخصیات و اشیاء کے لئے گھٹیا الفاظ بولنا کفار کا طریقہ و کفر کی نشانی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَمَنْ فِیْهَا۔ لفظ مَنْ صرف عقل والوں کے لئے بولا جاتا ہے۔ یہاں مَنْ فرمانے کی وجہ سے سمجھا گیا کہ زمین میں رہنے والے انسانوں جنوں کے ہی متعلق یہ سوالیہ خطاب ہے کہ ان کا خالق کون ہے۔ حالانکہ زمین میں انسان جنات کے علاوہ بھی بے شمار مخلوق ہے اور سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے تو یہاں مَنْ کیوں فرمایا گیا چاہئے تھا کہ لفظ مَا ارشاد ہوتا تاکہ تمام مخلوق کا سوال ہو جاتا۔ **جواب:** دو وجہ سے مَنْ ارشاد ہوا۔ پہلی وجہ یہ کہ کفار انسان کی دوبارہ زندگی و حساب کتاب قیامت کے منکر تھے۔ جیسا کہ ءَاِذَا مِتْنَا کے قول سے ظاہر کیا گیا۔ اس لئے یہاں مَنْ فرما کر انسان کی پہلی زندگی کا خالق اللہ تعالیٰ کو ماننے سے دوسری زندگی کی خلقت کے لئے دلیل بنائی گئی کہ اے کافرو جب تم انسانوں کی پہلی پیدائش کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو جو زیادہ مشکل ہے تو دوسری پیدائش کا خالق اللہ تعالیٰ کو مانتے ہوئے کیوں موت پڑتی ہے جو آسان ہے چونکہ سوال کا مقصد انسانی زندگیوں اور خلقتوں کا ثبوت تھا اس لئے مَنْ فرمانا ہی درست ہے۔ دوسری وجہ یہ کہ زمین کی اصل مخلوق انسان ہے باقی مخلوق انسان کے لئے ہے کچھ تابع کچھ مسخر کچھ مال متاع لہٰذا مَنْ فرما کر متبوع و اصل کا ذکر ہو گیا تو تابع و فرع خود بخود شامل ہو گئے اگر مَا فرمایا جاتا تو نہ دلیل مقصودی حاصل ہوتی نہ تابع

marfat.com

متبوع کی وضاحت ہوتی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. حرف ان کی وجہ سے یہ جملہ شرطیہ بن گیا اور نحوی قانون کے مطابق جملہ شرطیہ کی تکمیل جملہ جزائیہ سے ہوتی ہے لیکن یہاں جملہ جزائیہ موجود نہیں ہے یا معدوم ہے یا محذوف اس لئے یہ عبارت ناقص ہوئی اور ناقص ہونا فصاحت کا عیب ہوتا ہے تو یہاں ایسا کیوں؟ **جواب:** یہاں جملہ جزائیہ موجود ہے نہ معدوم ہے نہ محذوف بلکہ قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ کے سوالیہ خطاب میں مستور مقدم ہے۔ اس طرح کہ قانون نحوی ہے کہ جب شرط کو سوال سے شروع کیا جائے تو خود سوال ہی جزاء مقدم کے درجہ میں ہو کر قائم مقام ہو جاتا ہے اور جملہ شرطیہ کو مکمل کر دیتا ہے۔ اس طریقے سے منشاء کلام بھی پورا ہو جاتا ہے اور تخفیف لفظی کا حسن بھی آ جاتا ہے اور یہ طرز کلام اصل فصاحت ہے۔ اب آیت کا معنی یہ ہوا کہ پوچھو ان کفار سے کہ کیا تم جانتے ہو کس کی مخلوق ہے یہ زمین اور جو لوگ اس میں ہیں۔ غرضیکہ یہ عبارت اس طرح ارشاد فرمانے سے مختصر بھی ہو گئی اور مکمل بھی یعنی اگر تم جانتے ہو تو بتاؤ کس کی ہے یہ زمین وَ مَنْ فِيْهَآ۔

تفسیر صوفیانہ

اہل نفوس نے کہا جب انوار قالب بجھ جائیں اور قوت روحانی قبور فنا میں گم ہو جائے اور ایمانیات کی عظام بکھر جائیں شہوات کی تراب ہی رہ جائے تو کون ہیں وہ جو دوبارہ قوت بقا میں ان کو لاسکیں اور کس کی طاقت ہے جو پھر حیات قویہ میں آسکے۔ اس طرح دعویداریاں قلب کی گمراہیاں غلط بیانیاں ہیں جو صدیوں سے وادی سلوک کی راہوں، طریقت کی فضاؤں میں سنی سنائی جاتی ہیں۔ یہ سب تصورات باطل، تخیلات کاسد اور توقعات فاسد ہیں۔ نہ ہمارے پہلوں نے مانیں نہ ہم مانیں۔ نہ آباء فکریات نے تسلیم کیں نہ اجداد نظریات نے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دنیا میں ہر شخص مقلد ہے کوئی خیر کا، کوئی شر کا، کوئی عقائد کا، کوئی اعمال کا، پہلوں میں بھی، بعد والوں میں بھی۔ کوئی جہالت سے مقلد کوئی حماقت سے اور کوئی خوش نصیب نور بصیرت وعلم فقاہت سے خیر کثیر کا مقلد یہ وہی ہیں جن کو خود بلاواسطہ دنیوی اللہ رسول نے نور ایمانی سے تصدیق بالتحقیق کی طرف ہدایت وصل و قرب منزل وعطاء بقا بخشی۔ کفار تقلید کرتے ہیں تکذیب توحید و کفر ایمان کے لئے اپنے آباء گزشتہ واجداد سابقہ کی۔ توہین انبیاء علیہم السلام وانکار قیامت میں اور اے بندگان راہِ تحقیق اگر تم کعبہ معرفت کی آواز پر چلنا چاہتے ہو تو کسی گمراہ انسان کا مقلد نہ بن جانا اور عقائد معرفت میں کسی بھی اچھے برے کی تقلید نہ کرنا اور اعمال طریقت میں کسی غلط کار کے نقش قدم کو نہ دیکھنا ورنہ بھول جاؤ گے منزل حقیقت کو۔ اے پیر گہر پوچھ ان حیات بقا کے منکروں سے کہ کیا تم جانتے ہو کس کی پیدا کی ہوئی ہے قالب ہستی کی یہ زمین بدنی اور کس کی امانتیں ودیعت ہیں کشف صدور واسرار و رموز کی قوتیں دولتیں۔ عنقریب بولیں گے یہ سب منکرین طریقت وحیات روحانیت اپنی زبان حال و کیفیت زوال سے کہ یہ سب زمین واہل قالب واہل قلوب اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق و مملوک ہیں۔ پھر سمجھا ان ہی منکرین حیات بقاء باطنی کو اب کیوں بقاء دوام کے منکر اور لقاو قیام وحیات تمام سے جاہل و ناواقف۔ انجام سے غافل بنے ہو کیا تم کو تذکر جزا، تفکر سزا، تعقل وفا، تعمل ایمان، تحصل عرفان، تشکر غفران نہیں آتے حالانکہ نیک دل انسان تو دشمن سے بھی نیکی کرتا ہے جیسے صندل کی لکڑی اپنی اسی کلہاڑی وچھری کو بھی خوشبودار کر دیتی ہے جو اس صندل کو کاٹتی ہے۔ پانچ چیزیں پانچ بندوں کو خراب و برباد کرتی ہیں۔ ا۔ کنجوسی مالدار کو۔ ۲۔ لالچ حاکم کو۔ ۳۔ سستی

marfat.com

جوان کو۔ ۴۔غرور عابد کو۔ ۵۔افسوس سخاوت سخی کو۔

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ

یہ بھی پوچھو کہ کون ہے سات آسمانوں کا رب اور عرش عظیم کا رب

تم فرماؤ کون ہے مالک ساتوں آسمانوں کا اور مالک بڑے عرش کا

الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾

اس کے جواب میں بھی عنقریب کہیں گے کہ اللہ کے ہی ہیں یہ سب تو فرماؤ کہ اب بھی کیا تم متقی نہیں بنتے۔

اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے۔ تم فرماؤ پھر کیوں نہیں ڈرتے

قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَلَا

یہ بھی پوچھو کہ کون ہے جس کے قبضے میں ہے ہر چیز کی مکمل بادشاہی اور کون ہے وہ جو ظلم سے بچاسکتا ہے اور اس کے

تم فرماؤ کس کے ہاتھ ہے ہر چیز کا قابو اور وہ پناہ دیتا ہے

یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ

مقابل کوئی کسی کو نہیں بچاسکتا بتاؤ اگر تم جانتے ہو عنقریب کہیں گے

اور اس کے خلاف کوئی پناہ نہیں دے سکتا اگر تمہیں علم ہو اب کہیں گے یہ اللہ ہی کی شان ہے

قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ

یہ قوت بھی اللہ کے لئے ہے تم فرماؤ تو کہاں جادو زدہ ہو کر پڑے ہوئے ہو بلکہ دیا ہم نے ان کو حق

تم فرماؤ پھر کس جادو کے فریب میں پڑے ہو بلکہ ہم ان کے پاس حق لائے

وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾

اور بیشک یقیناً ہیں وہ جھوٹ بولنے والے

اور وہ جھوٹے ہی رہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ایمان و اقرار کا ایک فرق بتایا گیا کہ کفار کا ایک فرقہ اللہ تعالیٰ کی بہت سی قدرتوں کا اقرار تو کرتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات پر ایمان نہیں لاتے حالانکہ ایمان ہی سے نجات ملتی ہے نہ کہ فقط اقرار سے۔ اب ان آیات میں کفار کے اسی ٹولے سے دوسرے اقراروں کا ذکر

marfat.com

فرمایا جا رہا ہے گویا کہ یہ آیات تتمہ ہیں ان پہلی آیات کے مضمون کا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تا قیامت مسلمانوں کو کفار سے مناظرانہ طرز پر سوالاً جواباً گفتگو کا حکم دیا گیا تا کہ کفار کے عقیدتی نظریات کھل کر سب کے سامنے آجائیں اب ان آیات میں اسی مناظرانہ طرز کا بقیہ حصہ ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار سے حقائق ایمانیہ کا اقرار کرا کر ان کو دعوت ایمان دینے کا طریقہ اور حکم فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں کفار کی انتہائی احمقانہ جاہلانہ ضد بازی کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ اتنا صاف اور واضح حق ظاہر ہو جانے کے باوجود وہ کفار اپنے ہی اقرار کردہ حقائق پر ایمان نہیں لاتے اور لَکٰذِبُوْنَ بنے پھرتے ہیں۔

تفسیر نحوی

قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۸۷﴾ قُلْ فعل امر با فاعل ضمیر صیغہ انشائیہ ہو کر قول۔ مَنْ اسم موصول واحد مذکر کے لئے ہے یہ مبتدا ہے۔ رَبُّ اسم مفرد صفاتی خصوصی نام ہے اللہ تعالیٰ کا سی بھی شخص کو مطلقاً رب کہنا حرام و ناجائز ہے اگر معبود سمجھ کر کسی ماسوا اللہ کو کہے گا تو کہنے والا کافر ہو جائے گا۔ ترجمہ ہے پالنے والا۔ علیت صفاتی کی وجہ سے والا کا ترجمہ ہوا نہ کہ اسم فاعل یا صفت مشبہ یا اسم تفضیل کی وجہ سے۔ یہ مضاف ہے اَلسَّمٰوٰتِ اسم جمع مؤنث سالم ہے۔ سَمَآءٌ کی ممیز ہے۔ اَلسَّبْعِ اسم عددی بمعنی سات یہ تمیز ہے ایک قول میں یہ دونوں موصوف صفت ہیں۔ دونوں مل کر مضاف الیہ ہے رَبُّ کا مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ رَبُّ مضاف الف لام عہد ذہنی عرش اسم مفرد جامد بمعنی بادشاہی تخت۔ مراد ہے ساتویں آسمان سے اوپر عرش الٰہی یہ موصوف ہے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ عَظِیْمِ۔ صفت مشبہ باب کرم سے ہے برائے مبالغہ ترجمہ ہے بہت ہی بڑا بہت ہی مضبوط۔ یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے۔ رَبُّ کا۔ یہ مرکب اضافی معطوف ہے رَبُّ السَّمٰوٰتِ پر۔ دونوں عطف مل کر خبر ہے مَنْ موصول مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ س حرف تقریب بمعنی عنقریب بہت جلدی۔ یَقُوْلُوْنَ۔ باب نصر کا مضارع مستقبل مثبت معروف صیغہ جمع مذکر قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے۔ یہ فعل با فاعل ضمیر صیغہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کہ قول ہوا۔ لِلّٰهِ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مصدر مِلْکِیَّةٌ یا رُبُوْبِیَّتٌ یا رَبَّانِیَّتٌ کا یہ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مقولہ ہوا سَیَقُوْلُوْنَ کا دونوں قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْ فعل با فاعل فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ اَفَ۔ لفظ سوال اقراری یعنی ضرور بن جاؤ۔ لَا تَتَّقُوْنَ باب افتعال کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِتِّقَآءٌ وِقَایَةٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے ڈرنا اللہ تعالیٰ سے، بچنا کفر شرک گناہوں سے اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے کفار۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ سوالیہ منفیہ انشائیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں دونوں جگہ رَبّ سے مراد وہ مالک ہے جو پرورش بھی کرے ازل سے ابد تک۔

قُلْ مَنْۢ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّ هُوَ یُجِیْرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۸﴾ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ؕ قُلْ فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ ﴿۸۹﴾ بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ وَ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۹۰﴾ قُلْ فعل امر با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ مَنْ اسم موصول مبتدا ہے۔ بِ ظرفیت مکانی کے لئے ترجمہ ہے میں۔ یَد اسم مفرد جامد ترجمہ ہے ہاتھ مراد ہے قبضہ ہٖ ضمیر واحد مذکر

marfat.com

غائب مجرور متصل اس کا مرجع ہے من۔ ید مضاف ہٖ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور۔ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ۔ اسم مفعول یا ثابۃٌ اسم فاعل پوشیدہ کا مَلَکُوْتُ اسم حاصل مصدر بروزن رَهَبُوْتٌ۔ دراصل ہے مِلْکِیَۃٌ۔ مبالغے کے لئے یٰ کو واؤ بنایا آخر کی تٌ مبالغے کی ہے مِیم کا کسرہ زبر سے بدلا۔ ترجمہ ہے کامل بادشاہی، پورا قبضہ۔ یہ خصوصی شان ہے اللہ تعالیٰ کی مِلْکٌ سے بنا ہے باب حَسِبَ میں گردان ہوتی ہے۔ اسی سے مَلِکٌ بمعنی باشادہ اور مُلْکٌ بمعنی بادشاہی۔ یہ مضاف ہے۔ کُلِّ اسم جامد تعدادی بمعنی ہر تمام مضاف ہے شَیْءٍ اسم مشتق حاصل مصدر بمعنی چاہت مراد ہے چیز۔ مضاف ہے یہ ڈبل مرکب اضافی نائب فاعل یا فاعل ہے مَوْجُوْدٌ یا ثَابِتٌ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ هُوَ ضمیر واحد مذکر مرفوع منفصل مبتدا ہے یُجِیْرُ۔ باب افعال کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِجَارَۃٌ دراصل اِجْیَارٌ یا اِجْوَارٌ ہے۔ اس کا مادہ جَوْرٌ بھی ہے جَیْرٌ بھی جَوْرٌ کی نَصَرَ سے جَیْرٌ کی ضرب سے گردان۔ اجوف واوی اور یائی یہ مادہ ابواب مزید فیہ میں سے چھ ابواب میں گردان ہو جاتا ہے۔ ۱۔ تفعیل میں مصدر ہے تَجْوِیْرٌ۔ اس کے مشتقات کا ترجمہ ہوتا ہے۔ ۱۔ شریک ہونا، ۲۔ پناہ دینا، ۳۔ لینا، ۴۔ مانگنا۔ ۲۔ باب مُفَاعَلَۃٌ میں مصدر ہے مجاورۃٌ پڑوسی اور پڑوس بننا معاہدہ کرنا اس سے ہے مزارات کا مجاور بننا۔ ۳۔ باب افتعال میں مصدر ہے اِجْتِوَارٌ بمعنی ایک پہلو پر لیٹنا یا رہنا۔ ۴۔ باب استفعال میں مصدر ہے اِسْتِجَارَۃٌ۔ ترجمہ ہے حضر میں ہمسایہ اور سفر میں ساتھی بننے کی خواہش کرنا، بوقت مصیبت پکارنا۔ ۵۔ باب افعال میں مصدر ہے اِجَارَۃٌ ظلم وستم سے بچانا پناہ دینا۔ ۶۔ مجرد کے باب نَصَرَ میں مصدر ہے جَوْرٌ۔ ترجمہ ہے ظلم کرنا۔ باب ضرب میں مصدر ہے جَیْرٌ ترجمہ ہے راہ راست سے ہٹنا، موڑ دینا، گرانا، پھاڑنا۔ اسی معنی میں کاشتکار کو جِیْرَانٌ کہتے ہیں اس کی جمع مکسر منصرف ہے اَجْوَارٌ اس کا مؤنث ہے جِیْرَۃٌ۔ جمع مؤنث ہے جَوَارَاتٌ پڑوسی کو جَارٌ کہا جاتا ہے اس کی جمع ہے جَوَارٌ حاصل مصدر ہے جَوْرٌ بمعنی ظلم۔ یہ سب مادہ ومصادر جَوْرٌ، جیرٌ، تجویرٌ، اِجْتِوَارٌ، مُجَاوَرَۃٌ، اِسْتِجَارَۃٌ، جَارَۃٌ متعدی بنفسہ ہیں۔ یہاں باب افعال ہے ترجمہ ہے ظلم سے بچانا، پناہ دینا، یُجِیْرُ کا فاعل هُوَ پوشیدہ ضمیر جس کا مرجع مَنْ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یُجَارُ باب افعال کا مضارع حال منفی مجہول صیغہ واحد مذکر غائب اس کا نائب فاعل هُوَ پوشیدہ عَلَیْہِ کا ترجمہ ہے اس پر غالب ہو کر اس کے مقابل۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یُجَارُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے یُجِیْرُ پر دونوں عطف مل کر خبر ہے هُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے بِیَدِہٖ کے جملے پر دونوں عطف صلہ ہے مَنْ کا۔ یہ موصول صلہ مل کر جزاء مقدم ہوئی۔ اِنْ حرف شرط۔ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ باب سمع کا فعل ماضی استمراری مثبت معروف شرطیہ صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ خطاب ہے کفار کو ترجمہ ہے اگر تم پہلے سے جانتے تھے تو بتاؤ۔ خیال رہے کہ اس کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اور آیت ۸۴ کے کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کی ترکیب میں دو قول ہیں۔ ۱۔ یہ فعل ناقصہ اور اسم خبر ہے۔ ۲۔ یہ ماضی استمراری بافاعل ہے۔ دونوں درست و آسان ہیں اس لئے ہم نے پہلی ترکیب وہاں اختیار کی اور دوسری یہاں کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ جملہ فعلیہ ہو کر شرط مؤخر ہے۔ دونوں شرط و جزا مل کر مقولہ ہوا قُلْ (مَنْ بِیَدِہٖ) کا یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ س حرف تقریب بمعنی عنقریب یَقُوْلُوْنَ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول لِلّٰہِ یہ متعلق ہے قُوَّتٌ یا شَانٌ پوشیدہ اسم حاصل مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر مقولہ

marfat.com

ہوا یقُوْلُوْنَ کا دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ قُلْ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا ف زائدہ بیانیہ (عطف یا تعقیب کے لئے نہیں ہے)۔ اَنّٰی اسم ظرف مکانی مقدم بمعنی کہاں تُسۡحَرُوۡنَ۔ باب فتح کا مضارع حال مجہول سَحْرٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے جادو کیا جانا، اس کا نائب فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل نائب فاعل اپنے ظرف مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ ہوا قُلْ (فَاَنّٰی) کا دونوں قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔ بَلْ زائدہ برائے وضاحت۔ اَتَیۡنٰا باب افعال ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم اَتیٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِتْیَانٌ۔ ترجمہ ہے یہ مادہ و مصدر دونوں متعدی بدو مفعول ہیں۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ ھُمْ ضمیر ظاہر اس کا مفعول یہ اول بَ حرف جر، زائدہ حَقٌّ اسم مفرد مذکر حاصل مصدر۔ مراد ہے دین اسلام یہ جار مجرور قائم مقام مفعول دوم متعلق ہے اَتَیۡنٰا کا واؤ حالیہ بمعنی حالانکہ۔ اِنَّ حرف مشبہ ھُمْ اس کا اسم لام تاکید یہ بمعنی یقیناً کٰذِبُوۡنَ۔ باب ضَرَبَ کا۔ اسم فاعل صیغہ جمع مذکر برائے غائب اس کا فاعل ضمیر ھُمْ پوشیدہ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اَتَیۡنٰھُمْ میں ھُمْ ضمیر کا یہ ذوالحال حال مل کر مفعول بہ ہے۔ اَتَیۡنٰا سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

قُلۡ مَنۡ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبۡعِ وَ رَبُّ الۡعَرۡشِ الۡعَظِیۡمِ ﴿۸۶﴾ سَیَقُوۡلُوۡنَ لِلّٰہِ ؕ قُلۡ اَفَلَا تَتَّقُوۡنَ ﴿۸۷﴾ قُلۡ مَنۡ بِیَدِہٖ مَلَکُوۡتُ کُلِّ شَیۡءٍ وَّ ہُوَ یُجِیۡرُ وَ لَا یُجَارُ عَلَیۡہِ اِنۡ کُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۸﴾۔ ان کفار سے دوسرا سوال یہ پوچھو کہ کون ہے جس کی ربوبیت ہے ساتوں آسمانوں کے لئے اور ان سب سے بڑے عرش پر کس کی ربوبیت قائم ہے کون ہے ان سب کو پالنے والا۔ کس کی حفاظت واعانت میں محفوظ وموجود ہیں یہ سب فلکیات وآفاق۔ عنقریب فوراً خوشی ناخوشی سے اب بھی یہی کہیں گے سب کے لئے اللہ کی ربوبیت ہے اور سب کا رب صرف اللہ ہی ہے وہی سب کو پالنے اور قائم رکھنے والا ہے۔ اب بھی وہ کفار اپنے کسی بت دیوی دیوتا کا نام نہ لیں گے توحید فی الخالقیت کی طرح توحید فی الربوبیت وربانیت کا بھی اللہ تعالیٰ کے لئے زبانی اقرار کرلیں گے۔ یہ اقرار ہو جانے کے بعد ان کفار سے فرماؤ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ کو رب مانتے ہو اقرار زبانی کرتے ہو تو پھر تم قلب ودماغ جان وجگر عقیدہ وعمل سے متقی مومن کیوں نہیں بن جاتے اور ایمان وعمل سے دنیا میں تقویٰ کر کے طہارت جسمانی عبادت ایمانی خشعت رحمانی، خوف ربانی اختیار کیوں نہیں کرتے اور اُخروی تقویٰ کر کے عذاب قبر سزا و جہنم عتاب ذوالجلال سے کیوں نہیں بچتے اور بچنے کے لئے بارگاہِ نبوت میں کیوں نہیں آجاتے۔ زبانی اقرار کرتے ہو مگر نہ تذکر کی معرفت پاتے ہو نہ تقوے کا ایمان اپناتے ہو۔ کیا تمہیں بغاوت شرک، شقاوت کفر، پرستش بتاں کرتے ہوئے خوف الٰہی نہیں آتا۔ توحید خالقیت وربانیت اللہ تعالیٰ کے لئے مان کر بھی کہتے پھرتے ہو۔ مَا نَعۡبُدُہُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰہِ زُلۡفٰی۔ (زمر: ۳) کہ ہم اس لئے بتوں کی عبادت کرتے ہیں تاکہ وہ بت ہم کو اللہ کے قریب کردیں اور قرب کو پانے کے لئے ہی۔ اِذۡ نُسَوِّیۡکُمۡ بِرَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ (شعراء: ۹۸) اپنے پنڈت، پادریوں، جوگیوں، راہبوں، گروؤں، بتوں کو ارباب سمجھ کر کہتے پھرتے ہو کہ ہم تم کو رب عالمین کے برابر رب سمجھتے ہیں۔ اے کافرو نادانو! کبھی ایسا ہوسکتا ہے کہ شرک کفر اور برابر سمجھنے کے شیطانی بے ایمانی والے باطل عقیدوں سے قرب رب العالمین مل جائے۔ ان برے عقیدوں سے تو قرب جہنم ہی ملے گا اور قرب عذاب

marfat.com

ہی نصیب ہوگا۔ اگر رب العالمین کا قرب پانا چاہتے ہو تو بتوں کو شریک بنا کر نہیں۔ رحمۃ عالمین کو حبیب مان کر ملے گا۔ اس لئے اَفَلَا تَتَّقُوْنَ۔ غلط راستہ چھوڑ کر سیدھے راستے پر کیوں نہیں آ جاتے۔ ان کفار سے ایک تیسرا سوال یہ پوچھو کہ کیا تم یہ بھی جانتے ہو۔ کون ہے وہ قادر و قیوم، قوی و جلیل جس کا قبضہ و غلبہ ہے ہر چھوٹی بڑی اصلی حقیقی، دائمی کلی، ظاہری باطنی، جسمانی روحانی چیز پر ملکیت تامہ، سلطنت قائمہ کا، ذرے سے پہاڑ تک، ریگزار سے آبشار تک زمینوں سے آسمانوں تک اور کون ہے وہ حی و باقی جس کے لئے یُجِیْرُ کی شان و شوکت ہے۔ اور لَا یُجَارُ عَلَیْهِ کی ہیبت و صولت ہے۔ وہ قہار و جبار جس کی چاہے مدد ،حفاظت، وکالت، کفالت، مداومت فرمائے لیکن اس کے مقابل اس کے خلاف اس پر غلبہ پا کر رعب جما کر کوئی بھی کسی کی مدد، حفاظت، کفالت و وکالت کرنے کی ہمت و جرأت نہ کر سکتا ہے نہ پا سکتا ہے، نہ دکھا سکتا ہے خواہ کوئی نمرود بن کر آ جائے یا شداد و فرعون بن کر آ جائے۔ یہ کفار اللہ تعالیٰ کی اس عظمت و شوکت قوت و ہیبت کمال و جلال کو بھی جانتے ہیں اس لئے اس سوال کے جواب میں بھی سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ۔ عنقریب فوراً کہیں گے کہ اللہ کے لئے ہی ہے ہر چیز پر پوری ملکیت اور اس کے لئے ہے قدیمی شان و شوکت اور ابدی ہیبت و صولت قُلْ فَاَنّٰی تُسْحَرُوْنَ۔ پوچھو ان کفار زمانہ سے جو تبلیغ رسالت سن کر نبی علیہ السلام کو کبھی ساحر کبھی مسحور کہہ دیتے ہیں کہ اے حمقاء کفر تم بھی اپنی زبانوں سے خَالِقِ اَرْض وَمَنْ فِیْهَا اور رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْعَرْشِ اور قابض و غالب کُلِّ شَیْءٍ۔ فقط اسی اللہ تعالیٰ کو مانتے ہو۔ ان قوتوں قدرتوں ملکیتوں میں اپنے کسی بھی بت دیوی دیوتا کو شریک و دخیل نہیں مانتے اس توحید کو مانتے ہو مگر معبودیت، مساویت میں ڈھیروں معبود بنا ڈالتے ہو تو تم کس کے جادو میں مجنون اور سحر میں مسحور، وسوسوں سے مغلوب، وہموں سے موہوم، تخیلات شیطانیہ سے مرعوب ہوئے پھرتے ہو اصل دیوانے تو تم بنے ہوئے ہو کہ تم کو بتوں میں الٰہیت نظر آ رہی ہے یہی اصلی مجنونیت و مسحوریت ہے کہ حقیقت کچھ ہے۔ تمہاری نظر و سمجھ کچھ ہے یہی شیاطین کی چشم پٹی و نظر بندی ہے۔ جو تمہاری عقلوں کا پردہ کانوں کی ڈاٹ، دلوں کی مہر بنی ہوئی ہے۔ تم کن بے ہودہ خیالوں میں بھٹک رہے ہو۔ تمہارے قول و عمل و عقیدے نظریئے سب باطل ہیں ان کو حق سچ نہ سمجھو بَلْ اَتَیْنٰهُمْ بِالْحَقِّ بلکہ ازلی حق قدیمی سچ۔ صرف وہی اسلام و قرآن ہے جو ہم ان کے پاس لائے ہیں اپنے حبیب رحمۃ عالمین کے ذریعے لہٰذا ان کفار کو یہ حق نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی بت مورتی کواکب یا شجرات حجرات میں الوہیت کی شرکت شمولیت مانتے پھریں اور اگر ایسا کرتے ہیں تو اُن کے عقیدے باطل لائق جہنم وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ اور بیشک یہ کفار ہر بات میں پکے جھوٹے ہیں اپنے قول و عمل اقرار و عقیدے سے دین و مذہب خیال و گمان، آس و امید میں، اصنام کے اقرار میں قیامت کے انکار میں، زبانوں سے اگرچہ لِلّٰهِ لِلّٰهِ کہتے پھریں لیکن عقل کے کھوٹے دل کے جھوٹے ہیں۔ خیال رہے کہ یہاں کفار سے ملکوت کا سوال کیا گیا ہے نہ کہ مُلک یا مِلک کا کیونکہ ملک کی ملکیت اور ملکوت کی ملکیت میں آٹھ طرح فرق ہے۔ ۱۔ ملک پر قبضہ اللہ تعالیٰ کی غیر خصوصی صفت ہے غیر اللہ کو بھی حاصل ہے۔ ملکوت پر قبضہ اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے۔ ۲۔ جسم پر قبضہ ملک ہے روح پر قبضہ ملکوت ہے۔ ۳۔ ظاہر پر قبضہ ملک ہے۔ باطن پر قبضہ ملکوت ہے۔ ۴۔ مملوک پر قبضہ مُلک ہے مخلوق پر قبضہ ملکوت ہے۔ ۵۔ جیل، پھانسی دوا غذا پر قبضہ ملک ہے۔ موت و حیات بیماری و شفا پر قبضہ ملکوت ہے۔ ۶۔ جزئی قبضہ ملک ہے کلی قبضہ ملکوت ہے۔ ۷۔ عارضی وقتی قبضہ ملک ہے۔ دائمی ابدی قبضہ ملکوت ہے۔ ۸۔ زمین پر قبضہ

marfat.com

ملک ہے۔ افلاک و آفاق پر قبضہ ملکوت ہے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِکَ حَمْدًا کَثِیْرًا۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

اَلْعَظِیْمِ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں کسرہ سے ہے عرش کی صفت یہی درست ہے کیونکہ مشہود و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی اَلْعَظِیْمُ ہے ضمہ سے رَبُّ کی صفت ہے۔ دونوں جگہ لِلّٰہِ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت لِلّٰهِ ہے لام جر سے۔ معنی ہے اللہ کے لئے یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہود و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں ہے اَللّٰهُ بغیر لام۔ مَلَکُوْتُ کے معنی میں چار قول۔ ا۔ بعض نے کہا ملکوت کا معنی کامل ملکیت۔ ۲۔ بعض نے کہا کامل مالکیت۔ ۳۔ بعض نے کہا ملکوت کا معنی کامل مدبر۔ ۴۔ بعض نے کہا اس کا معنی کامل خزانے۔ سب معنی درست ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا کامل مالک قابض مدبر اور ملکیت و خزانوں والا ہے اس کے پاس ہر چیز کے خزانے بھرے ہوئے ہیں۔ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ کے مفہوم میں چار قول۔ ا۔ کسی نے معنی کیا مدد۔ ۲۔ کسی نے حفاظت۔ ۳۔ کسی نے غلبہ۔ ۴۔ کسی نے تصرف۔ چاروں قول درست ہیں۔ بَلْ اَتَیْنَا کی قرأت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت کی بَلْ اَتَیْنَا ہے ماضی جمع متکلم۔ یہی درست ہے کیونکہ مشہور مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت بَلْ اَتَیْتُ ہے ماضی واحد متکلم۔ ۳۔ بعض کی قرأت ہے بَلْ اَتَیْتَ۔ ماضی واحد متکلم اور خطاب نبی کریم ﷺ سے ہے۔ بِالْحَقِّ کے معنی میں چار قول۔ ا۔ بعض نے کہا بِالْحَقِّ سے مراد قرآن مجید کا آنا۔ ۲۔ بعض نے کہا بِالْحَقِّ سے مراد توحید و رسالت والا دین۔ ۳۔ بعض نے کہا وعدۂ قیامت۔ ۴۔ بعض نے کہا وعید قیامت مراد ہے۔ چاروں قول درست ہیں کیونکہ یہ سب حق ہیں۔ کَاذِبُوْنَ کی نسبت مفعولی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا کفار جھوٹے ہیں اَسَاطِیْر کہنے میں۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا کفار جھوٹے ہیں۔ تینوں بار لِلّٰهِ کہنے میں کیونکہ صرف زبانی اقرار ہے قلبی عملی طریقہ اس کے خلاف ہے اور ایسا شخص جھوٹا ہوتا ہے۔ ۳۔ بعض نے معنی کیا کفار جھوٹے ہیں شرک کرنے اسلام نہ ماننے میں تینوں قول درست ہیں کیونکہ ہر کافر ہر طرح جھوٹا ہے۔ اَنّٰی کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے معنی کیا کَیْفَ یعنی کس طرح مسحور ہوئے پھرتے ہو یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا اَیْنَ یعنی کہاں سے۔ اَنّٰی میں اختلاف کی وجہ سے تُسْحَرُوْنَ کے معنی میں بھی دو قول۔ ا۔ اکثر نے کہا یہ کَیْفَ تُسْحَرُوْنَ کے معنی میں ہے یعنی تم پر کفر کا جادو کیسے چھا گیا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مِنْ اَیْنَ تُسْحَرُوْنَ کے معنی میں ہے یعنی کس شیطان نے تم کو دھوکے سے مسحور کر دیا۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کسی شخص کو الٰہ سمجھ کر اس سے کچھ مانگنا یا اس کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنا شرک و کفر ہے مگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ کا بندہ ولی اللہ، حبیب اللہ، نبی رسول اللہ سمجھ کر مان کر اس سے کچھ مانگنا اور اس کو حاجت روا مشکل کشا سمجھنا عین ایمان و اصل توحید و اسلام ہے اس کو شرک کہنا جہالت ہے۔ شرک اور ایمان میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ شرک یہ ہے کہ کوئی مانگنے والا، کسی دینے والے کو بذات خود مالک حقیقی کلی دائمی سمجھے اور عقیدہ رکھے کہ یہ خود دے رہا ہے لیکن ایمان یہ ہے کہ لینے، مانگنے والا عقیدہ رکھے کہ اَللّٰهُ مُعْطِیْ وَهُوَ قَاسِمٌ۔ جو دے رہا ہے وہ صرف قاسم ہے اور اللہ تعالیٰ سے دلا رہا ہے۔ یہ فائدہ یہاں قُلْ مَنْ بِیَدِهٖ اور وَهُوَ یُجِیْرُ وَلَا یُجَارُ عَلَیْهِ کی سوالیہ نسبت سے حاصل ہوا کہ

maktabah.org

اے نبی کریم ان کفار سے پوچھئے ان کا اس بارے میں کیا کہنا ہے صرف زبانی اقرار ہے یا مسلمانوں کی طرح قلبی عملی ایمان بھی ہے اور دیگر آیات تو احادیث میں صحابہ کرام کے ان سوالوں سے حاصل ہوا کہ صحابہ نبی ﷺ سے ہر چیز مانگا کرتے تھے۔ اس مانگنے کو برا نہ فرمایا گیا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان پر واجب ہے کہ سب سے پہلے اللہ رسول کی معرفت حاصل کرے پھر تقویٰ پھر عبادت و اعمال صالحہ اگر اللہ رسول کی معرفت مومن کو نصیب نہیں ہوئی تو سب تقویٰ، طہارت، عمل و عبادت بیکار ہے۔ اس لئے فقہاء فرماتے ہیں کہ معرفت شریعت کا پہلا قدم اور سیدھا بازو ہے دوسرا قدم و دستِ یسار عبادت ہے یعنی معرفت سے تقویٰ، تقوے سے شوق، شوق سے ذوق اور ذوق سے خلوص اور خلوص سے سچی عبادت و اعمال صالحہ ملتے ہیں۔ یہ فائدہ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ کو پہلے اور اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کو بعد میں ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ انبیائے کرام علیہم السلام کی پہلی تبلیغ کلام الٰہی کی پہلی آیات اور یہاں قُلْ کے یہ تمام سوالات معرفت باری تعالیٰ اور اللہ رسول کی پہچان کرانے کے لئے ہی ہیں۔ **تیسرا فائدہ:** کافر اور منافق سچی بات کرے تب بھی جھوٹا ہے کیونکہ وہ صرف زبان سے نام ونمود وریاکاری کے لئے کرتے ہیں نہ کہ قلبی عقیدت و عملی خلوص سے کفار و منافق کے قلب باطن کی حالت و اعضاء ظاہر کے اعمال اقرار زبانی کے خلاف ہوتے ہیں۔ یہی حالت ہر دنیا پرست فاسق کی ہے کہ اس کی عبادت و اعمال صالحہ بھی دنیوی ناموری کے لئے ہوتے ہیں اس لئے ریاکار مسلمان بھی ہر بات میں جھوٹا ہوتا ہے ہر عبادت میں کھوٹا بلکہ بے پیندے کا لوٹا۔ یہ فائدہ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ کفار کا لِلّٰهِ کہنا درست تھا مگر پھر بھی ان کو جھوٹا اور بے دین ہی کہا گیا کیونکہ کفار کا لِلّٰهِ والا اقرار زبانی محض دکھلاوا تھا لہٰذا ان کے کسی کام نہ آیا نہ دنیا میں اعتبار کرکے نہ آخرت میں کامیاب کرکے اسی طرح ریاکار مسلمان کی عبادت دکھلاوا کسی کام نہ آئے گی نہ دنیا میں اعتبار نہ آخرت میں وقار۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** اصول فقہ کے مطابق جب کسی لفظ کا حقیقی معنی مراد لینا مشکل یا ناممکن ہو تو اس لفظ کے اس وقت مجازی معنی مراد لینا ضروری بلکہ واجب ہے۔ یہ مسئلہ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ (الخ) کے بعد سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہ دونوں فرمان اللہ تعالیٰ کے ہیں۔ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ حکم الٰہی ہے اور سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ خبر الٰہی ہے۔ دونوں کا لفظی ترجمہ ہے ہر شی کی ملکوت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ يَدُ اللّٰهِ کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کا ہاتھ۔ حالانکہ ہاتھ کا حقیقی معنی ہے گوشت پوست ہڈی پٹھے سے مرکب ایک عضو جسمانی۔ اللہ تعالیٰ عضو جسم اور مرکب ہونے سے پاک ہے۔ اس لئے واجب ہے کہ یہاں يَدْ کے مجازی معنی کئے جائیں یعنی قبضہ غلبہ قدرت کیونکہ یہاں حقیقی معنی مراد لینا ناممکن و کفر ہے۔ اسی طرح خَلَقْتُ بِيَدَيَّ (ص:۷۵) والی آیت اور قَلْبُ الْاِنْسَانِ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ۔ والی روایت میں يَدْ یعنی ہاتھ اَصَابِع یعنی انگلیوں کا مجازی معنی ہی کیا جائے گا۔ قبضہ قدرت، قابو گرفت۔ **دوسرا مسئلہ:** قانون شریعت میں اللہ تعالیٰ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ ۱۔ صفاتِ خصوصی۔ ۲۔ صفاتِ غیر خصوصی۔ صفاتِ خصوصیہ کے الفاظ کسی مخلوق کے لئے استعمال کرنا کسی شخص کا نام یا لقب رکھ کر یا بغیر اضافت کسی انسان کے لئے بولنا ذاتی یا صفاتی نام رکھنا گناہ کبیرہ اور مشابہ کفر و شرک ہے۔ یہ مسئلہ قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ فرمانے کے بعد سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ کے تائیدی جملہ

marfat.com

خبر یہ فرمانے پھر اس کے بعد اَفَلَا تَتَّقُوْنَ کی معنوی ممانعت سے مستنبط ہوا اور منع کیا گیا کہ اے کافرو، اللہ تعالیٰ کے لئے مالک ملکوت ہونے کا اقرار کر لینے کے بعد پھر اپنے عقیدے میں کسی اور دوسرے کو مالک ملکوت کیوں مانتے ہو کہ یہ شانتی دیوی یہ کالی ماتا فلاں دولت کا دیوتا فلاں بادلوں، آسمانوں، موسموں، سورج کا دیوتا، مالک ملکوت ہونا اللہ تعالیٰ کی خصوصی صفت ہے۔ لہٰذا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ کسی بندے کو رزاق یا خالق، رحمٰن نام سے بلائے۔ بعض جاہل لوگ عبدالرحمٰن کو صرف رحمٰن کہہ دیتے ہیں یہ سب گناہِ عظیم ہے۔ کسی انسان کو مالک ملکوت کہنا بھی حرام و شرک ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** جو شخص خود کو یا کسی دوسرے شخص کو کسی چیز میں بھی اللہ تعالیٰ کے برابر مانے وہ کافر ہے۔ یہ مسئلہ یہاں اَفَلَا تَتَّقُوْنَ فرمانے اور سورۃ شعراء کی آیت ۹۸ میں اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ کفار کا قول نقل فرمانے سے مستنبط ہوا اور بتایا گیا کہ دنیا میں کفار اپنے بتوں کو پنڈتوں، پادریوں، راہبوں کو اللہ تعالیٰ کی خصوصی غیر خصوصی صفات میں اللہ تعالیٰ کے برابر شریک مان کر کہہ کر پکار کر کافر ہوئے آخرت میں پچھتاتے ہوئے خود کفار اپنے بتوں، پنڈت، پادریوں، راہبوں کو مخاطب کر کے کہیں گے کہ ہم کتنے بیوقوف تھے کہ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شعراء:۹۸)۔ تم کو رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے برابر سمجھتے رہے اور اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کہتے رہے۔ یہی حال دنیا پرستی کا ہے کہ دنیا کا پجاری دولت کا پرستار دولت کو ہی رازق سمجھتا ہے نہ اللہ رسول کا خوف آتا ہے نہ موت قبر قیامت کا خیال آتا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں تین جگہ فرمایا گیا سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ پہلی جگہ تو لِلّٰهِ کہنا ٹھیک ہے کیونکہ سوال میں قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ ہے لام جارّہ سے اس لئے لِلّٰهِ میں لام جارّہ ٹھیک ہے مگر دوسری دو جگہ سوال میں لام جارّہ نہیں۔ آیت ۸۷ میں قُلْ مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعِ ہے اور آیت ۸۹ میں قُلْ مَنْۢ بِيَدِهٖ ہے۔ لہٰذا جواب میں بھی لام جارّہ نہ چاہئے اور لِلّٰهِ کے بجائے اَللّٰهُ چاہئے۔ غالباً اسی وجہ سے کوفہ، شام، عراق کے قرآن مجید اور تفسیر جلالین کی عبارت آیات میں اس جگہ اَللّٰهُ ہے اور یہی قرأت صحیح معلوم ہوتی ہے مگر باقی تمام عرب و عجم کے قرآن مجید میں لِلّٰهِ ہے۔ اس الجھن کا کیا حل؟ **جواب:** کوفہ، شام، عراق اور جلالین کی قرأت غلط ہے۔ اصل و درست قرأت لِلّٰهِ ہی ہے۔ اعلیٰ حضرت مجدد بریلوی نے اپنے ترجمہ کنز الایمان میں ایک لفظ شان بڑھا کر اس اعتراض کا شافی و کافی جواب دیدیا جس سے سب الجھن ختم ہوگئی۔ تفصیلی جواب اس طرح ہے کہ تینوں جگہ لِلّٰهِ فرمانا ہی بہتر ہے۔ پہلی جگہ تو لفظاً بھی درست ہے معناً بھی لیکن دوسری جگہ معناً لِلّٰهِ کہنا ہی درست ہے کیونکہ مَنْ رَّبُّ اور مَنْۢ بِيَدِهٖ میں بھی لِمَنِ الْاَرْضُ کی طرح ذات کا سوال نہیں ہے بلکہ شان وصفت کا سوال ہے یعنی رب ہونے اور مالک ملکوت ہونے کا سوال نہیں یہ کمزور سوال ہے۔ رب ہونے کے دعویدار تو بہت بن جاتے ہیں فرعون و نمرود بھی کہتے رہے اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى یہاں سوال شان ربوبیت وصفت مالکیت ثابت کرنے کا ہے اور آیت کا معنی ہے کہ بتاؤ کس کی ربوبیت ہے عرش و سموات پر اور کس کی مالکیت ملکوت ہے ہر شئی پر ثابت کرو، اگر تم جانتے ہو۔ اس کا جواب لِلّٰهِ ہی ہو سکتا ہے۔ رب بن بیٹھنا اور مالک ملکوت ہونے کا دعویٰ کر دینا تو آسان ہے مگر ربوبیت دکھانا اور مالک ملکوت کل شئی کو ثابت کرنا ناممکن و مشکل ہے اور اسی مشکل بات کا سوال ہے نہ کہ آسان دعویداری کا۔ **دوسرا**

marfat.com

اعتراض: یہاں آیت ۸۴ میں اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کا سوال کیوں کیا گیا۔ بعد میں سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ ہے حالانکہ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ سے کفار کی جہالت و بے علمی ثابت ہو رہی ہے اور سَيَقُوْلُوْنَ سے کفار کا علم ثابت ہو رہا ہے یہ تناقض ہے۔ **جواب:** معترض کے دونوں خیال غلط ہیں نہ اِنْ كُنْتُمْ سے علم کی نفی ہو رہی ہے نہ سَيَقُوْلُوْنَ سے علم کا ثبوت۔ اس لئے یہاں تناقض ومخالفت کلامی بالکل نہیں ہے بلکہ کفار کی زبان سے اقرار حق سننے کے لئے یہ سوال ہے تاکہ جوابی حق بیانی سے کفار پر حجت قائم ہو جائے اور اعتراض کے بعد اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ اور فَاَنّٰى تُسْحَرُوْنَ کی جھڑک سنا کر ان کی کاذبیت ظاہر کرتے ہوئے صداقت اسلام پر ایمان کی دعوت دی جارہی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ جس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی کسی کا مجیر و مددگار مشکل کشا حاجت روا نہیں ہے مگر تم سنی نبی پاک کو مجیر و مددگار مانتے ہو تو تم میں اور مشرکین میں کیا فرق رہے گا۔ مشرکین نے بتوں کو سنیوں نے نبی کو شیعوں نے علی کو مجیر و مشکل کشا مان لیا۔ **جواب:** یہ جاہلانہ متعصبانہ اعتراض نجد سے چلا دیوبند پہنچا قرن شیطن نے پہنچایا۔ معترض نے بوجہ جہالت يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ کو دیکھا مگر عَلَيْهِ کی قید وشرط کو نہ دیکھا جس نے اہلسنت کے مشکل کشا ماننے اور مشرکین کے مشکل کشا ماننے میں عظیم فرق کر کے اہلسنت کے عقیدے کو جائز وایمان بنا دیا اور مشرکین کے عقیدے کو حرام وکفر بنا دیا۔ بہر کیف اس کا الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر سنیوں نے نبی علی ولی کو مشکل کشا حاجت روا مان لیا تو تم نجدی دیوبندی وہابیوں نے حاکم، حکیم وکیل کو مشکل کشا حاجت روا مان لیا اس لئے تم بھی مشرکوں کی مثل ہو گئے اور تم میں مشرکوں میں کیا فرق رہا۔ اب بتاؤ کہ:

حاکم حکیم داد و دوا دیں یہ کچھ نہ دیں مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے

نیز تمہارے شاہ ولی اللہ اپنے قصیدے اَطْيَبُ النِّعَم میں لکھتے ہیں:

وَاَنْتَ مُجِيْرِىْ فِىْ هُجُوْمِ مُلِمَّةٍ اِذَا انْشَبَتْ فِى الْقَلْبِ شَرُّ الْمَخَالِبِ

ترجمہ:۔ یا رسول اللہ آپ ہی میرے مجیر ہو مصیبتوں کے ہجوم میں جب وہ مصیبتیں دل میں شر کے پنجے چبھو دیں۔

اور آپ کے اشرف علی تھانوی اپنی مناجات اشرفیہ میں عرض کرتے ہیں:

يَا شَفِيْعَ الْعِبَادِ خُذْ بِيَدِىْ اَنْتَ فِى الْاِضْطِرَارِ مُعْتَمِدِىْ

خود ہی اردو اشعار میں اس کا ترجمہ کرتے ہیں:

دستگیری کیجئے میرے نبی کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی

اب بتاؤ کیا یہ دونوں بزرگ مشرک ہیں۔ سنیوں پر اعتراض سے پہلے اپنے گھر بھی نظر مار لینی چاہئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے تو لفظ مُجِيْر ہی استعمال فرمایا ہے۔ کیا ان کو یہ آیت یاد نہ تھی۔ یہ تو الزامی جواب ہے۔ جواب تحقیقی یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیت پاک نے صرف يُجَارُ عَلَيْهِ کو شرک کفر کہا ہے یعنی اللہ پر غلبہ اور برابری پا کر کسی کی مدد کرنا اللہ تعالیٰ کے مخالف و مقابل ہو کر کسی کا مجیر بننا اور ایسی مشکل کشائی کا عقیدہ بنانا یہ مشرکوں کا کام ہے یہی شرک وکفر ہے لیکن عبداللہ اور حبیب اللہ سمجھ کر مجیر و مشکل کشا بنانا سمجھنا شرک وکفر نہیں یہ عقیدہ يُجَارُ عَلَيْهِ نہیں ہے۔ کتنا بڑا فرق ہے اہلسنت کے عقیدۂ ایمانی اور مشرکین کے عقیدۂ کفریہ میں۔ اہلسنت نے انبیاء اولیاء کو حبیب سمجھ کر مجیر و مشکل کشا مانا۔ کفار نے بتوں کو شریک سمجھ کر مجیر مانا۔ اہلسنت

marfat.com

نے نبی ﷺ کو قاسم سمجھ کر مانگا مگر مشرکین نے معطی سمجھ کر مانگا۔ اس لئے اہلسنت کا نبی علی ولی علیہم السلام سے مانگنا عین ایمان وتوحید ہے۔ مشرکین کا بتوں دیوی دیوتا سے مانگنا پکا شرک کفر۔

تفسیر صوفیانہ

اے قوت روحانیہ کے مرشد منزل پوچھ ان منکرین نفسانیہ سے کہ کون قوت لاہوتی، رونق ناسوتی، طاقت جبروتی، بلندی قدوسی، عقل آفاقی، فکر افلاکی، قلب ایمانی والے سات روحانی آسمانوں کا رب اور اسرارِ معرفت کے عرش عظیم کا خالق و مالک ہے ان سب پر کس کی ربوبیت قائم ہے۔

کس کی ربوبیت کا فیض جاری ہے آفتاب میں کس کے کرم کی ہے بہار عالم آب وتاب میں

سَيَقُوْلُوْنَ لِلّٰهِ تب عنقریب بدن انسانی کی نفسانی قوتیں زبان حالِ زار سے بولیں گی کہ خالق جسم وجسمانیت کی ہی ربوبیت ہے ہر منزل قرب اور آسمان شریعت وعرش طریقت کی عظمتوں پر۔ قُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ حکم فرما اے ہادی مراد ان منکرین اسرار سے کہ اے زبانِ حال وکیفیت اعتراف سے حقیقت بیان کرنے والو پھر تم ضلالت طغیانی، خباثت شیطانی کی سزاء محرومی سے کیوں نہیں ڈرتے۔ اے دنیا پرستو اگر تقویٰ نہ کرو گے تو دنیا میں پانچ دنیوی سزائیں ملیں گی۔ ۱۔ قبر کی وبائیں۔ ۲۔ قحط کی ہوائیں۔ ۳۔ بلاضرورت وبے وقت سیلابی بارشیں۔ ۴۔ اندرونی خانہ جنگیاں۔ ۵۔ ظالم حکام کی حکومتیں۔ فرمایا حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہ سچے مومن کی زبان سے ایک بار پڑھنا سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔ پوری سلطنت سلیمانی سے افضل ہے کیونکہ کلمات تسبیح وذکر مقبول کو تا ابد بقا ہے مگر تاج وتخت کو فنا ہے فرمایا حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہ کچھ لوگ دنیا کو طلب کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کو دنیا طلب کرتی ہے لیکن دنیا کے طالب کو آخرت نہ طلب کرتی ہے نہ پسند اور آخرت کے طالب کو دنیا طلب کرتی ہے جو دنیا کا طالب بنتا ہے دنیا اس کو ذلیل کرتی ہے دنیا میں بھی آخرت میں بھی دنیا کا طالب غلام مملوک ومردود ہے۔ آخرت کا طالب آقا ومالک ہے۔ قُلْ مَنْ بِيَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ اے ہدایت ربانی کے بااختیار قاسم اعظم ورہبر مقصود سوال فرما ان باطنی منکرین توحید الٰہیت سے کہ کون ہے وہ ذات کمال کہ جس کے قبضہ قدرت غلبہ حکمت ملکیت وحدت میں ہے ہر سری وخفی، ظاہر وجلی شی کے ملکوت تامہ قویہ اور کس ذات جلال کی یہ شان ہے کہ جس کو چاہے قرب جمال بقاء لازوال، حفاظت باکمال، نصرت تابدار اور حیات چمکدار عطا فرمائے اور جس کو چاہے فناء ظلمات حجاب کثفات میں ڈال دے اور کس ذات قدسی کی ہیبت خشعت کروبیاں پر بھی طاری ہے۔ عالمین میں کوئی بھی کسی وقت بھی کسی طرف سے بھی لَا يُجَارُ عَلَيْهِ کا غلبہ وقبضے کی جرأت ہمت طاقت اس پر نہیں پاسکتا نہ کسی کام میں اس حاکم مطلق قدیمی وازلی کو روک ٹوک سکتا ہے نہ لینے میں نہ دینے میں نہ ہٹانے میں نہ بچانے میں۔ کیا تم جانتے ہو کہ ہر چیز کی روح ہے اور وہی اس کا ملکوت ہے اور وہ ذات حق کے غلبہ کرم سے قائم ہے اس لئے ہر چیز ذات حق کی تسبیح کرتی ہے اور ہر روح پر قبضہ تامہ اسی ذات حق سبحانہ وتعالیٰ کا قائم ہے جو مالک الملکوت ہے۔ جسم اشیاء محدود ہیں اور روح اشیاء مقبوض ہیں۔ وہی حق سبحانہٗ بچاتا ہے ارواح کو ہلاکت فنا سے اپنی قیومیت سے اور کوئی نہیں بچاسکتا اجسام وابدان کو ہلاکت وظلمات سے۔ کوئی بھی ذات حق پر عطاء وممانعت کا غلبہ نہیں پاک سکتا۔ اہل نفوس بھی اپنی زبان حال زار وکیفیت

marfat.com

مجبوری سے سراپا اقرار کر رہے ہیں کہ اللہ واحد ہی مالک ملکوت ہے اور مُجِیرُ لَا یُجَارُ عَلَیۡهِ ہے۔ فَاَنّٰی تُسۡحَرُوۡنَ۔ اے دنیا پرستو کب تک اور کہاں تک نفسی و ہوا خواہشات فنا کے پیچھے چلو گے۔ راہ مستقیم و سبیل منزل، طریق مطلوب مقصود معرفت یہ دنیا ولذات دنیا نہیں ہیں تم اس راہِ فنا پر چل کر غلطی کر رہے ہو، عمریں برباد کر رہے ہو۔ قافلہ اہل دل تو صحیح سچے راستے سے منزل مقصود و آستانہ مطلوب تک پہنچ بھی گئے۔ تم اس راہ ذلت پر کیوں بھٹک رہے ہو۔ ارے باطن کے اندھو، ظاہر کے بہرو، حقیقت بیانی کے گونگو تمہیں پتہ نہیں کہ راہ ہے اور راہ مار پھرتے ہیں۔ صداقت و سچائی، حقانیت و عدالت تو اہل اللہ کی طرف ہے تم کذابیت میں کیوں پڑے مر رہے ہو۔ بَلۡ اٰتَیۡنٰهُمۡ بِالۡحَقِّ وَ اِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ بلکہ ہم نے تو سب کے پاس حق و صداقت کا سورج چمکایا اور بیشک وہ کور چشم، شپرہ نظر ہی اپنے اندھے پن کی وجہ سے آفتاب نہار ماہتاب لیال کی تکذیب و توہین کرنے والے ہیں۔ اہل دنیا مکتوبہ دنیوی سطروں کی مثل ہیں کہ جب صفحات کتاب دنیا کھلتے ہیں تو کچھ سطریں چھپ جاتی ہیں اور کچھ ظاہر ہو جاتی ہیں۔ پسندیدہ کھلتی ہیں ناپسندیدہ چھپتی ہیں۔ اہل حق کو لایا اور بلایا جاتا ہے اہل باطل کو چھپایا و ہٹایا جاتا ہے۔ حق و اہل حق کو اللہ تعالیٰ لاتا اور بلاتا ہے اس لئے حق و اہل حق میں صداقت کا زور ہوتا ہے باطل کو ابلیس و شیطان لاتا و بلاتا ہے اس لئے اس میں لَكٰذِبُوۡنَ کی کذابیت کا شور ہوتا ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ چار چیزوں کو چار جگہ سنبھالنا چاہئے تب ہی منزل حق و قرب اہل حق نصیب ہوتا ہے۔ ۱۔ نماز میں قلب کی حفاظت کرو۔ ۲۔ مجلس و محفل میں زبان کی حفاظت کرو۔ ۳۔ اغیار میں قالب کی حفاظت کرو۔ ۴۔ دستر خوان پر پیٹ کی حفاظت کرو۔ ہمیشہ بھلائی کے لئے کام کرو خواہ کتنا ہی آہستہ آہستہ کرو۔ ایمانی باتیں مثل پھول ہیں کہ حسن بھی ہے خوشبو بھی تازگی بھی فرحت بھی لہٰذا معرفت و ایمان کے پھول اگانے کی کوشش کرو۔ تقویٰ اہل دل کی محنت ہے اور محنت خواہ کسی قسم کی ہو ہمیشہ اعلیٰ اور متبرک ہوتی ہے اے وادی معرفت میں چلنے والے مسافرو تمہارے بڑے بڑے کام ہی بارگاہِ الٰہی میں تمہارے صدق دل کی مناجات ہے۔ قدرت ہمیں صرف وہی چیزیں دیتی ہے جسے ہم استعمال میں لا سکتے ہیں اور جس سے کام لینا چھوڑ دیتے ہیں قدرت الٰہی اسے واپس لے لیتی ہے یہی رب تعالیٰ کی ربوبیت عامہ کا فیصلہ تقدیر ہے۔ چار چیزیں دین و دنیا میں کامیابی کی ضامن ہیں۔ ۱۔ شکست نہ کھانے والا ارادہ۔ ۲۔ پریشان نہ ہونے والا خیال۔ ۳۔ ختم نہ ہونے والی جدوجہد۔ ۴۔ عمل پیہم۔ تمہارا مددگار و مجیر مشکلات اس وقت تک کوئی نہ ہوگا جب تک تمہارے اعمال صالحہ پیہم و مسلسل نہ ہوں۔

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنۡ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنۡ اِلٰهٍ

نہ اختیار کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کوئی اولاد اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور معبود

اللہ نے کوئی بچہ اختیار نہ کیا اور نہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا

اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعۡضُهُمۡ

اگر ایسا ہوتا تب تو البتہ لے جاتا ہر معبود ان چیزوں کو جو اس نے پیدا کی ہوتیں اور ہر معبود بلند ہونا چاہتا ان کے بعض

marfat.com

یوں ہوتا تو ہر خدا اپنی مخلوق لے جاتا۔ اور ضرور ایک دوسرے
عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۙ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ
بعض پر۔ پاک ہے اللہ تعالیٰ ان سب عیوب سے جن سے یہ کافر موصوف کرتے ہیں وہ اللہ تو جاننے والا ہے ہر غائب
پر تعلّی چاہتا۔ پاکی ہے اللہ کو ان باتوں سے جو یہ بناتے ہیں جاننے والا ہر نہاں
وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ
و حاضر کو پس بہت بلند ہے وہ اس سے جن کو شریک بناتے ہیں دعا مانگو کہ اے میرے رب
و عیاں کا تو اسے بلندی ہے ان کے شرک سے تم عرض کرو کہ اے میرے رب
اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ ۙ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ
اگر وہ عذاب دکھائے تو مجھے جس کا یہ کفار وعدہ دیئے جاتے ہیں تو تو نہ بنانا مجھ کو
اگر تو مجھے دکھائے جو انہیں وعدہ دیا جاتا ہے تو اے میرے رب مجھے
فِى الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۴﴾
ظالموں کی قوم میں
ان ظالموں کے ساتھ نہ کرنا

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں یہ بتایا گیا کہ کفار کے کچھ فرقے اللہ کے لئے پانچ چیزوں کا اقرار کرتے ہیں۔ ۱۔ تمام زمین اور زمین کی چیزوں کا مالک صرف اللہ ہے۔ ۲۔ ساتوں آسمانوں کا رب اللہ ہے۔ ۳۔ عرش عظیم کا رب بھی صرف اللہ ہے۔ ۴۔ ہر چیز پر بادشاہت اُسی اللہ کے قبضے میں ہے۔ ۵۔ وہی سب مخلوق کو پناہ دیتا ہے اس کے مقابل آکر کوئی پناہ نہیں دے سکتا۔ اب ان آیات میں ان فرقوں کی نشاندہی فرمائی ہے کہ وہ ٹولہ ان کفار کا ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد مانتے ہیں یعنی یہود و نصاریٰ اور بعض مشرکین عرب۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں مسلمانوں کا کفار سے چند سوالات کر کے دعوت ایمان دینے کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیات میں مسلمانوں کا رب تعالیٰ سے دعائیہ سوال کر کے اپنے ایمان پر قائم رہنے اور بھٹک نہ جانے کی التجا فریاد کرنے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ یا اللہ وہ کفار باوجود بہت سے اقرار کرنے کے پھر بھی ظالم و کافر ہی رہے ہم کو ظالم قوموں سے بچا کر ان کی صحبت بد سے دور ہی رکھ۔

شان نزول

ایک مرتبہ بہت سے کفار مکہ حرم شریف میں جمع ہوئے اور جلسہ عام کیا مقررین نے بڑے زور و شور سے تقریریں کیں جن میں

marfat.com

اسلام، قرآن اور جہنم وعذاب جہنم کا انکار کیا اور مذاق اڑایا۔ ان کے تردیدی جواب میں یہ سولہ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۹۲ تا آیت ۱۰۷ نبی کریم ﷺ نے اسی وقت وہاں پہنچ کر ان کے اجتماع میں یہ آیتیں تلاوت فرمائیں۔ آپ کی تلاوت سے کفار پر ایسا رعب پڑا کہ سب کے منہ لٹک گئے۔ جلسہ درہم برہم ہوگیا۔ سامعین اٹھ کر چلے گئے اور مقررین براو شرمندہ منہ بنا کر کھسیانے ہو کر آہستہ آہستہ سب دفعہ دور ہوگئے۔ رب تعالیٰ کا کلام ہو اور نبی کریم ﷺ کی زبان ہو تو رعب وجلال کی کون تاب لا سکتا ہے۔ اَللّٰهُ اَكْبَرُ كَبِيْرًا۔

تفسیر نحوی

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ مَا اتَّخَذَ باب افتعال کا ماضی مطلق منفی معروف صیغہ واحد مذکر غائب اَخْذٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے۔ اِتِّخَاذٌ ترجمہ ہے لینا، پکڑنا، اختیار کرنا، انتخاب کرنا، اس کا فاعل اسم ظاہر اَللّٰهُ۔ مِنْ جارّہ تبعیضیہ عمومیہ بمعنی کوئی کچھ بھی وَلَدٍ اسم مفرد نکرہ بمعنی اولاد مذکر ومؤنث۔ یہ جار مجرور متعلق ہے مَا اتَّخَذَ کا۔ یہ فعل منفی اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ مَا كَانَ۔ باب نَصَرَ کا فعل ماضی مطلق منفی معروف صیغہ واحد مذکر غائب كَوْنٌ سے مشتق ہے۔ یہ كَانَ تامہ ہے۔ مَعَ اسم بمعنی ظرفیہ مکانی کے لئے۔ بمعنی ساتھ هٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع اللّٰهُ۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا مِنْ جارّہ تبعیضیہ عمومیہ اِلٰهٍ۔ اسم نکرہ عمومی بمعنی کوئی معبود کہیں بھی کسی بھی قسم کا۔ یہ جار مجرور مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا مَوْجُوْدًا اپنے پوشیدہ ضمیر نائب فاعل ظرف اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر فاعل ہے مَا كَانَ کا وہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ تامہ ہوگیا۔ اِذًا حرف جزائیہ ظرفیہ زمانی کے لئے ترجمہ ہے تب تو۔ (تو اس وقت)۔ اس سے پہلے جملہ شرطیہ ذہناً پوشیدہ ہے۔ لَوْ كَانَ۔ لَوْ حرف شرط كَانَ تامہ هُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل۔ جس کا مرجع ہے اِلٰهٌ۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معنوی شرط ہوئی۔ اس پوشیدہ جملے کا ترجمہ ہے۔ اگر ہوتا کوئی الٰہ اذا حرف جزا دراصل اذن ہے لام تاکید یہ ترجمہ ہے۔ تب تو یقیناً ذَهَبَ۔ باب فتح کا ماضی مطلق معروف مثبت صیغہ واحد مذکر غائب ذَهَبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے لے جاتا كُلٌّ اسم تعدادی مضاف ہے بمعنی ہر۔ اِلٰهٌ اسم مفرد نکرہ كُلٌّ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے۔ ذَهَبَ کا بٖ جارہ تعدیہ بمعنی کو مَا اسم موصول خَلَقَ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے كُلُّ اِلٰهٍ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مجرور ہوا جار مجرور مل کر متعلق ہے ذَهَبَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ لام تاکیدی عَلَا۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب عُلُوٌّ، عَلْوٌ، عَلِیٌّ، سے مشتق ہے ترجمہ ہے بلندی چاہنا۔ بعض اسم مفرد تبعیضی جامد ہے مضاف هُمْ ضمیر مضاف الیہ کا مرجع كُلُّ اِلٰهٍ ہے۔ یہ مرکب اضافی فاعل ہے عَلَا کا۔ عَلٰى بَعْضٍ یہ جار مجرور متعلق ہے عَلَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَذَهَبَ کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر جزا ہے۔ لو كَانَ پوشیدہ معنوی شرط کی۔ وہ شرط و جزا مل کر شرطیہ ہوگیا۔ سُبْحٰنَ اسم حاصل مصدر بروزن فعلان غُفْرَانَ۔ سَبْحٌ سے بنا ہے الف نون زائد تان ہے لہٰذا غیر منصرف ہے۔ ترجمہ ہے پاکیزگی۔ برائت علیحدگی دوری۔ مضاف ہے اللہ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی

marfat.com

موصوف صفت ہے مل کر مفعول مطلق ہے سَبَّحْتُ پوشیدہ واحد متکلم ماضی مطلق معروف کا یا سُبِّحَ پوشیدہ ماضی مطلق واحد مذکر غائب کا پہلا ترجمہ ہے۔ پاکیزگی بیان کی میں نے اللہ کی پاکیزگی دوسرا ترجمہ ہے پاکیزگی بیان کی گئی ہے اللہ کی پاکیزگی مفعول مطلق کلام کی تاکید کے لیے لایا جاتا ہے عَمَّا۔ دراصل ہے عَنْ مَا عَنْ جارہ زوالیہ مَا موصول۔ یَصِفُوْنَ۔ باب ضرب کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب وَصْفٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے متصف ومنسوب کرنا۔ مراد ہے عیب لگانا خلاف شان وخلاف عقل وحقیقت باتیں بنانا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے یہود نصاریٰ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے موصول صلہ مجرور ہو کر متعلق ہے پوشیدہ فعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یہ سُبْحٰنَ اللّٰہِ میں لفظ اللہ موصوف ہے اس کی صفت۔ اگلی عبارت عٰلِمِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ کا الف لام استغراقی بمعنی تمام غائب وحاضر۔ درمیان میں واؤ عاطفہ معطوف علیہ شہادۃ معطوف دونوں مل کر مضاف الیہ عَالِمِ مضاف کا مرکب اضافی صفت ہے اللہ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے سُبحَانَ کا فَتَعٰلَی عَمَّا یُشْرِکُوْنَ ﴿۹۲﴾ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ف زائدہ بیانیہ تَعٰلیٰ باب تفاعل کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مبالغہ کے لیے ہے۔ باب تفاعل کی وجہ مبالغہ ہوا۔ عَلِیٌّ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے بہت ہی بلند ہونا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مرجع ہے اللہ تعالیٰ عَمَّا ہے عَنْ مَا عَنْ حرف جرز والیہ مَا اسم موصول یُشْرِکُوْنَ باب افعال کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب شِرْکٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِشْرَاکٌ ترجمہ ہے بت پرستی کرنا۔ اس کا فاعل ہے ھُمْ ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے موصول صلہ مل کر مجرور جار مجرور مل کر متعلق ہے تَعٰلیٰ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا قُلْ فعل امر اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبِّ اصل میں یا ربی ہے یَا حرف ندا محذوف مَنْوِیٌ ہے رَبِّ مضاف یاء متکلم مضاف الیہ۔ اگلے پچھلے دونوں لفظوں کے حذف کرنے کی وجہ سے تخفیف اور قرینہ قولیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے اِمَّا دراصل اِنْ مَا ہے قریب المخرج ہونے کی وجہ سے متصل ہوا۔ اِنْ حرف مَا اسم موصول تُرِیَنِّیْ باب افعال کا فعل مضارع مستقبل با نون تاکید ثقیلہ صیغہ واحد مذکر اور مذکر حاضر آخر میں یاء متکلم اس کا مصدر ہے۔ اِرَائَۃ دراصل ہے اِرْاَیٌ سے مشتق ہے مادہ متعدی بنفسہ ہے اور یہ مصدر متعدی لغیرہ ہے ترجمہ ہے دیکھنا۔ دکھانا صرف فعل تُرِیَنَّ ہے دراصل ہے تُرْیِیَنَّ تعلیل نحوی سے ہوا تُرِیَنَّ تُرِیَنِیْ کا ترجمہ ہے ضرور ہی دکھائے تو مجھ کو تُرِیَنَّ فعل اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل ی متکلم مفعول بہ اول مَا موصول یُوْعِدُوْنَ باب افعال کا مضارع حال مثبت مجہول صیغہ جمع مذکر غائب وَعْدٌ سے بنا ہے مصدر اِوْعَادٌ و اَعَادَۃٌ ترجمہ ہے وعدہ کرنا وعدہ کیا جانا اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ مرجع کفار یہود ونصاریٰ ومشرکین یہ فعل نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا موصول صلہ مل کر مفعول بہ دوم تُرِیَنِّیْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا وہ موصول صلہ مل کر شرط ہے۔ رَبِّ یہ مرکب اضافی بھی منادی ہے یہاں کی یاء ندائیہ کا حرف جزا۔ لَا تَجْعَلْ باب فتح کا فعل نہی معروف صیغہ واحد مذکر حاضر جَعْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بنانا پھیرنا بدلنا اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ نون وقایہ ضمیر واحد متکلم مفعول بہ ہے فِیْ جارہ ظرفیت مکانی کے لیے اَلْقَوْمِ الف لام حرفی عہد خارجی موصوف ہے۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ ظٰلِمِیْنَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر برائے غائب ھُمْ اس کا فاعل یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے قوم کی یہ مرکب

marfat.com

توصیفی مجرور متعلق ہے لَا تَجْعَلْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا ندا اپنے منادیٰ و جواب ندا سے مل کر جزا ہے اِمَّا تُرِیَنِّیْ شرط کی شرط و جزا مل کر جواب ندا ہے اس پہلے رَبِّ کا یہ ندا منادیٰ جواب ندیٰ مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَ لَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا یَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ ۔ کتنے نادان ہیں یہ کفار زمانہ کس کس کو معبود بنائے پھر رہے ہیں کسی قوم نے عُزَیْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ کہہ کر شرک کیا کسی قوم نے مسیح ابن اللہ کہہ کر کسی گروہ نے مولیٰ علی میں الوہیت کا حلول مانا اور کہا کہ علی میں الوھیت ایسی ہے جیسے پھول میں خوشبو (حوالہ از حیات ابی ضیغہ ابوزہرہ مصری ص ۲۰۰) کسی قوم نے فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں بنالیا یہ سب کذبیات کفار ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنی اولاد نہ بنایا کیونکہ اولاد سے والد کی چار کمزوریاں ثابت ہوتی ہیں پہلی یہ کہ اولاد اپنے والد کی ہم جنس و مثل ہوتی ہے اور صفات جنسیہ خصوصیہ میں شریک ہوتی ہے۔ اور الوھیت بھی اللہ تعالیٰ کی لازمی قدیمی صفت ہے تو اگر اللہ تعالیٰ کی اولاد ہوتی الوھیت میں بھی شریک و ہم مثل ہوتی۔ صفاتِ لازمی مثل ذات ہوتی ہیں لہٰذا اگر ذات قدیم تو صفات قدیم۔ ذات حادث تو صفات حادث اور قدیم وہ ہے جس سے پہلے کوئی نہ ہو۔ قدیم صرف ایک ہی ہوسکتا ہے اگر قدیم کی اولاد مانی جائے تو اسے بھی قدیم ماننا پڑے گا۔ اور دو قدیم ہو نہیں سکتے۔ ثابت ہوا کہ قدیم کی اولاد نہیں ہوسکتی صفات دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ۱۔ صفات بالقوہ یہی قدیم و لازمی ہیں۔ ۲۔ صفات بالفعل یعنی صفات کا عملی ظہور یہ صفات حادث ہیں تو چونکہ ہر اولاد اپنے والد کی صفات لازمی میں خود بخود شریک ہوتی ہے اس شرکت جنسی کو کوئی ختم نہیں کرسکتا اس لیے اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ماننا خود بخود شرک اکبر ہے کوئی مانے یا نہ مانے۔ اسی لئے ولد کی تردید و نفی کرتے ہوئے فرمایا گیا مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ۔ یعنی اگر اولاد ہوتی تو وہ الٰہ ہوتی حالانکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی اور الٰہ نہیں ہے۔ دوسری کمزوری یہ کہ ہر اولاد اپنے والد کی ہر ملکیت میں شریک و دعویدار و حقدار بغیر اجازت والد کی ملکیت میں تصرف کرسکتی ہے۔ کوئی قانون منع نہیں کر سکتا۔ تیسری کمزوری یہ کہ کئی موقعوں پر والد اپنی اولاد سے کمزور و مغلوب و محتاج ہو جاتا ہے۔ چوتھی کمزوری یہ کہ اولاد اپنے والد کو کسی کام پر روک ٹوک سکتی ہے کیونکہ اولاد غلام و بندۂ مملوک نہیں ہوسکتی۔ بلکہ شریک ہوتی ہے اور الٰہ وہ ہوتا ہے جو ہر قسم کی کمزوریوں سے پاک ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے نہ کوئی ہم مثل نہ ہم جنس نہ کسی صفت لازمی میں شریک نہ صفت خصوصی میں شریک نہ غیر خصوصی میں برابر۔ اور نہ کوئی اس کے ساتھ دوسرا معبود نہ زمین کا نہ آسمانوں کا نہ تقابل کا نہ تعاون کا۔ جس طرح مالک کے لیے مملوک ضروری بادشاہ کے لیے رعایا ضروری۔ ایسے ہی الٰہ کے لیے مخلوق کا ہونا ضروری ہے۔ جو شخص کوئی مملوک نہ رکھے اس کو مالک نہیں کہا جاسکتا۔ بے رعایا کا بادشاہ نہیں ہوتا۔ ایسے ہی ذات جو مخلوق پیدا نہ کرسکے وہ الٰہ نہیں ہوسکتا۔ تو اگر اللہ تعالیٰ کی طرح دوسرے چند بھی معبود و الٰہ ہوتے ولدیت سے یا شرکیت سے تو اپنی اپنی مخلوق بنالیتے اور ہر الٰہ اپنی اپنی مخلوق علیحدہ لے جاتا۔ اور علیحدگی پر ہی صبر نہ کرتا بلکہ البتہ ہر معبود دوسرے معبود پر غلبہ، قبضہ، فتح اور بلندی حاصل کرنے کی کوشش کرتا۔ جس طرح بادشاہ کرتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ ہوتا کہ پوری کائنات میں مار دھاڑ فتنہ و فساد قتل و قتال، ٹوٹ پھوٹ، فتح و

marfat.com

شکست' غالبیت مغلوبیت کا عالمگیر سلسلہ چلا رہتا۔ کوئی الٰہ غالب ہوتا کوئی مغلوب کوئی قابض کوئی مقبوض کوئی فاتح کوئی مفتوح اور بادشاہانِ دنیا کی طرح غالب اپنے مغلوب کو قیدی اور اس کی مخلوق کو اپنی مملوک بنالیتا۔ اور جو قیدی ہو اس کی طاقت ختم۔ ایسی شخصیت الٰہ کیسے ہوسکتی ہے الٰہ قدیم تو اس کی طاقت بھی قدیم۔ جس کی طاقت نہیں وہ الٰہ بننے کے لائق نہیں۔ اور چونکہ کبھی بھی نہ مخلوق کی چھینا جھپٹی ہوئی نہ تفریق نہ حصے داری نہ ظاہر میں نہ باطن میں نہ بالا میں نہ اعلیٰ نہ سموات میں نہ ارضین میں بلکہ پورا نظام کائنات بغیر کسی آفاقی فتنہ فساد کے ازلِ حادث سے چل رہا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ پوری عرشی فرشی مخلوق کا خالق و مالک رازق والٰہ ایک ہی رب قدیر وحکیم کریم وقدیم ہے اسی لئے طوعاً وکرھاً تمام مخلوق ارض وسماوی زبان قال وحال سے یہ کہنے پر مجبور ہے کہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ پاک ہے وہ اللہ خالق کائنات اپنی خالقیت مخلوقات مالکیت مملوکیت رازقیت مرزوقات والٰہیۃ واحدہ میں۔ جل جلالہ تمّ بُرھَانُہٗ اور منزہ ہے ان تمام خرافات خرابات شرکیات کفریات کذبیات تخیلیات وعقائد سے جن سے یہ کفارِ زمانہ اللہ تعالیٰ کو موصوف ومنسوب کرتے ہیں جو اللہ ہے وہی خالق ہے اور خالق ہی رازق دائمی ومعبود حقیقی قدیمی ہوسکتا ہے۔ اور معبود ہی عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اپنی تمام مخلوق کے ہر غیب وحاضر ظاہر و باطن کی حقیقت و بناوٹ کو جاننے والا ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی کسی کے حاضر غائب اندر باہر حقیقت بناوٹ لگاوٹ سجاوٹ اصل و فرع خام و پختہ کو نہیں جانتا۔ بنانے والا ہی جانتا ہے کیا بنایا کس طرح بنایا۔ دنیوی لوگ صرف دیکھ سکتے۔ سوچ سکتے بکھری چیزوں کو جوڑ سکتے ہیں۔ جوڑنا ترکیب ہے تخلیق نہیں۔ یہ علم وعقل کا دعویدار انسان تو نہ غیب کی حقیقت کو جانتا ہے نہ شہادت کی۔ گوشت پوست ہڈی نطفہ علقہ مضغہ خون رگ پٹھے یہ سب حاضر وشہادہ مگر ان کا مٹی سے بننا غیب ہے کوئی نہیں جانتا کہ یہ تخلیقی تبدیلیاں کس طرح ہوتی ہیں۔ اسی طرح نباتات جمادات حیوانات ظاہر ہیں مگر ان کی بناوٹ سالمیت مرکبیت اجتماعیت انفرادیت سب کچھ انسانی عقل فکر علم بصیرت سے غائب ہے۔ کوئی انسان نہ کسی کو بنا سکے نہ بننے کو جان سکے نہ کسی کو غائب کا علم نہ غیب کا نہ کوئی شاہد کا عالم نہ شہادہ کا فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (جن: ۲۶) اللہ تعالیٰ اپنے غیب وشہادہ کسی پر ظاہر نہیں فرماتا سواء اس رسول کے جس کو منتخب ومرتضیٰ بنالے۔ مخلوق میں اللہ کے غیب وشہادہ کو صرف وہی انبیاء علیہم السلام ہی جانتے سمجھتے ہیں۔ خیال رہے کہ ہر مخلوق کے ہر ظاہر و باطن میں ہزارہا غائب وحاضر غیوب و شہود ہیں۔ ہر ذرے' قطرے پتے ڈالی اور ہر اصل ونسل میں اور یہ غیب وشہادت کی تقسیم انسان ومخلوق نظر وبصارت کے اعتبار سے ہے ورنہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی بھی چیز نہ غیب ہے نہ غائب سب کچھ شہادہ آشکارہ ظاہر وعیاں ہے فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ پس جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت ہی بلند و بلندیوں والا۔ خوب اور خوبیوں والا۔ عظیم وعظمتوں والا۔ حکیم وحکمتوں والا ہے۔ ان تمام باتوں حکایتوں' حالتوں' کیفیتوں سے جن سے یہ مشرکین کفار شرک کماتے شریک بناتے۔ تخیلاتِ باطل تصوراتِ فاسد لگائے پھرتے ہیں۔ اللہ رسول کا نہ کچھ بگاڑتے ہیں نہ بگاڑ سکتے ہیں۔ اپنا ہی نقصان کررہے ہیں کہ دنیوی قہر عتاب اور اخروی عذاب جلال اپنے اوپر بنا رہے ہیں۔ لہٰذا اے حبیب کریم ہر وقت ہر دعاء ومناجات میں صبح شام قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ عرض کرتے رہئے اپنے رب تعالیٰ سے کہ اے میرے رحمٰن ورحیم رب اگر تو مجھ کو وہ عذاب قہر وعقاب دکھاتے ہوئے ان کفار پر نازل فرمائے جس کا وعدہ وعید دیئے گئے ہیں یہ کفار تو

marfat.com

اے میرے رحیم کریم رب مجھ کو ظالم کافر قوم کے قریبیوں میں سے نہ بنانا نہ ان کے قرب میں نہ معاشرے میں نہ ان کے علاقوں میں تاکہ مجھ کو ان کی ہلاکت کا نظارہ بھی نہ کرنا پڑے نہ ان کے عذاب کا اثر آئے نہ غبار۔ مجھ کو ان سے ان کو مجھ سے دور ہی رکھنا۔ اسی دعا کے چھ فائدے۔ پہلا فائدہ تعلیم امت کہ ہر مسلمان تاقیامت یہ دعا مانگتا رہے دوم یہ کہ کافروں ظالموں سے انتہائی نفرت کا اظہار ہے سوم اپنی بندگی کا اظہار چہارم دعاء عبادت کا ثواب پنجم بار بار رب تعالیٰ کا نام لینے سے ذکر اللہ اور قلب وروح کا تزکیہ۔ ششم ہر وقت یادِ الٰہی۔ حضرت حسن بصری نے فرمایا اس سے مراد عذاب دینوی ہے جس کے نزول کا کفارِ مکہ سے ذکر کیا گیا مگر وقت نہ بتایا گیا تھا۔ غالباً وہ وہی سات سالہ قحط تھا جس سے بہت کافر ہلاک ہو گئے تھے۔ اس کا تفصیلی ذکر گزر گیا۔ یہ دعا قبول ہوئی اور ہجرت کی اجازت ملی۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

اِذًا کے معنٰی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ شرطیہ بمعنٰی لَوْ ہے ترجمہ ہے اگر ایسا ہوتا۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ قسمیہ ہے اور اس سے پہلے واللہ پوشیدہ ہے۔ مگر یہ قول غلط ہے بِمَا خَلَقَ کے مَا میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ ما موصولہ ہے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مَا مصدریہ ہے عَمَّا یَصِفُوْنَ کے مَا میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے لکھا یہ موصولہ ہے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مصدریہ ہے۔ یَصِفُوْنَ کی قرءت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرءت میں یَصِفُوْنَ ہے۔ جمع مذکر غائب۔ یہی قرءت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرءت میں تَصِفُوْنَ ہے۔ جمع مذکر حاضر۔ عَالِمُ الْغَیْبِ کی ترکیب نحوی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ بدل ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ کے لفظ اللہ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ صفت ہے اللہ کی دونوں قول مناسب ہیں۔ جو چاہو ترکیب کر لو معنٰی میں کوئی فرق نہیں۔ عَالِمُ الْغَیْبِ کی قرءت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرءت میں۔ زیر سے ہے عَالِمِ یہی قرءت مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرءت میں عَالِمُ ہے پیش سے ان کے نزدیک یہاں ھُوَ مبتدا پوشیدہ ہے مگر یہ قرءت شاذ ہے تُرِیَنِّیْ کی قرءت میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے تُرِیَنِّیْ ی سے پڑھا ہے یہی صحیح ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرءت میں تُرْئِیَنِّیْ ہمزہ سے ہے۔ معنٰی میں کوئی فرق نہیں۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کفار زمانہ نے تو اندھی مقابلے بازی کی طرح سفری حضری چھوٹے بڑے معبود بنانا شروع کر دیئے معبود ساز فیکٹریاں بن گئیں۔ آذر بت تراش کی طرح مستری کاریگر بٹھا لئے گئے ہیں ہندوستان میں جا کر دیکھو عجیب کھیل شروع ہے مگر حقیقت یہ ہے اور اسلام کا احسان ہے انسانیت پر جس نے مسلمانوں کو اس حماقت سے بچایا اور بتایا کہ سچا معبود وہی ہے جس میں چار قوتیں قدرتیں لازمی ثبوتی ہوں اور جس میں یہ چار صفاتی قوتیں نہیں ہیں اس کو الٰہ ماننا سجدہ کرنا کفر شرک وحرام ہے۔ پہلی شان قدرت خالقیت۔ دوسری شان قدرت غالبیت۔ تیسری شان قدرت قابضیت۔ یعنی معبود وہی ہو سکتا جو تمام کائناتِ افلاک آفاق، ہواؤں فضاؤں بحر وبر کا خالق تمام پر غالب وقابض ہو۔ چوتھی شان یہ کہ کل مخلوق پر علیم وخبیر وحاکم مطلق ہو۔ جس میں یہ قوتیں نہیں وہ معبود وجود بننے کے لائق نہیں۔ یہ فائدہ اِذًا لَّذَھَبَ اور وَ لَعَلَا بَعْضُھُمْ عَلٰی بَعْضٍ کے دلائل سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دعا مانگنے کا مقصد صرف

marfat.com

حصول مراد ہی نہیں ہوتا بلکہ دعا کے اور بھی بہت فائدے ہیں مثلاً دعا مانگنے والے کا اظہار بندگی' عاجزی' تضرع' اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی' ذکر اللہ' تزکیہ روحی' سکون قلبی' ثواب وغیرہ۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ہر وقت دعا مانگنا چاہئے۔ قبول ہوں یا نہ ہوں یہاں تک کہ بندہ اپنے مولیٰ تعالیٰ سے وہ چیزیں بھی مانگتا رہے جو اس کو پہلے بھی حاصل ہیں یہ تحصیل حاصل کی دعا نہ ہوگی بلکہ مزید وعلاوہ کی دعا بن جائے گی۔ یہ فائدہ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ حدیث پاک میں ارشادِ مقدس ہے کہ ہر مسلمان کو ہر وقت دعائیں مانگنا چاہئے جو دعائیں قبول نہ ہوں یا نا قابل قبول تب بھی بندے کو مایوس نہ ہونا چاہئے کیونکہ جمع ہو رہی ہیں اور آخرت میں ان کا نعم البدل ملے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ لیکن دنیا میں بندے کو یادِ الٰہی کا فائدہ ملے گا کبھی حمد وثنا کی شکل میں کبھی دعاء عبادت کی شکل میں کہ بندہ اس طرح اپنے رب کریم کو یاد کرتا رہتا ہے۔ دیکھو آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ کی دعا اور دیگر دعائیں مانگنے کا حکم الٰہی ہوا حالانکہ آپ کو یہ سب پہلے ہی حاصل ہیں اس کا خلاف محال و ناممکن ہے مگر پھر بھی حکم ہوا محض یادِ الٰہی واظہار بندگی کے لیے۔ **تیسرا فائدہ:** فرموداتِ ربانی میں دنیوی عام مصائب۔ وبائی امراض کو بھی عذاب کہہ دیا جاتا ہے اسی طرح وعید سزا کو بھی وعدہ کہہ دیا جاتا ہے اگرچہ اصطلاح میں اچھے انعام یا نعمت دینے کی پیشگی اطلاع کو وعدہ کہا جاتا ہے اور بری سزا دینے کی پیشگی اطلاع کو وعید کہا جاتا ہے۔ یہ اس لئے کہ ہر وہ مصیبت جو کافر کو کفر پر ہلاک کر دے وہ اس کے لیے عذاب ہی ہے۔ اس مصیبت کی پیشگی خبر اولاً اور باعتبار مسلمانوں کے وعدہ رحمت ہے اور باعتبار کفار وعید سزا ہے اور جو مصیبت توبہ کرا دے وہ رحمت ہے عام عذاب آسمانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں کفار پر آنا بند ہو گئے اور آنا ناممکن ہیں کیونکہ وعدہ ربانی ہو گیا۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ۔ (انفال: ۳۳) اور وعدہ خلافی رب تعالیٰ سے ناممکن ہے یہ فائدہ مَا يُوْعَدُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا۔ یہاں عذاب سے مراد میں دو قول ہیں۔ ۱۔ سات سالہ قحط مکی۔ ۲۔ قتالِ بدری۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانونِ شریعت میں ہر اولاد بیٹی یا بیٹا اپنے والد کی تمام مملوکہ اشیاء میں جزئی حقیقی شریک ومالک ہے اور والد والدہ اپنی تمام اولاد کی مملوکہ چیزوں میں کلی حقیقی مالک ہے لہٰذا اگر کسی بیٹے بیٹی نے اپنی جائز ضرورت کے لیے بقدر ضرورت اپنے والد والدہ یا والدین نے اپنی ضرورت کے لیے اولاد کی چیزیں چرا لیں تو چور پر شرعی حد یا تعذیر نہ لگے گی۔ یہ مسئلہ ائمہ اربعہ کا متفق علیہ ہے۔ ہاں البتہ اولاد کو اخلاقاً سزاء سرزنش دی جا سکتی ہے تا کہ اولاد کی عادتیں نہ بگڑیں۔ یہ شرکت قدرتی ہے۔ یہ مسئلہ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ چونکہ اولاد یقیناً لازماً خود بخود اپنے والد کی شریک وحصے دار ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی اولاد ہونا ناممکن ومحال ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک ہو سکتا ہی نہیں نہ حصے دار۔ **دوسرا مسئلہ:** جنگ کا مال غنیمت فاتحین کی ملکیت ہوتا ہے اگرچہ دشمن بھاگ جائے اور بغیر قتال فتح وغنیمت حاصل ہوئی ہو۔ اور اصل مالک زندہ موجود ہو۔ کیونکہ شکست اور فرار ملکیت کو ختم کر دیتا ہے لہٰذا فاتحین مجاہدین مسلمانوں کے لیے مال غنیمت استعمال وتقسیم کرنا شرعاً جائز ہے۔ یہ مسئلہ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ کی تفسیر وتشبیہی وضاحت سے مستنبط ہوا۔ کہ الٰہوں کی لڑائی کو بادشاہوں کی لڑائی سے مشابہت دی گئی۔

marfat.com

تیسرا مسئلہ: ناممکن اور تحصیل حاصل کی دعا مانگنا شرعاً جائز ہے اگر چہ دعا مانگنے والے کے دل میں قبولیت کا ارادہ نہ ہو۔ یہ مسئلہ قُلْ رَّبِّ کی پوری دعا مانگنے کے حکم ربانی سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ اِذًا لَّذَهَبَ۔ قانونِ نحوی کے مطابق لفظ اذا شرط و جزا کے درمیان لایا جاتا ہے۔ یہاں اذا سے پہلے۔ مَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ۔ جملہ خبریہ ہے نہ کہ شرطیہ تو پھر یہاں اِذًا کیوں لایا گیا۔ **جواب:**۔ اگر چہ ظاہراً یہاں جملہ شرطیہ نہیں ہے مگر پوشیدہ جملہ شرطیہ موجود ہے۔ پوشیدہ عبارت اس طرح ہے۔ لَوْ كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ۔ اور شرط اس لئے پوشیدہ رکھی گئی کہ قرینہ اور نشان موجود ہے۔ مَا كَانَ کی ظاہر عبارت لَوْ كَانَ کا قرینہ ہے اور اِذًا اجزائیہ کا ہونا شرط پوشیدہ کی نشاندہی کر رہی ہے۔ تو چونکہ یہ دونوں شرط کا پتا بتا رہے ہیں لہٰذا اظہار شرط کی ضرورت نہ رہی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ۔ اس حکم میں عذاب سے بچالئے جانے کی دعا مانگنے کا حکم ہے۔ حالانکہ انبیاء کرام علیہم السلام مثل ملئکہ معصوم ہیں۔ اور معصوم سے گناہ و خطا کا صدور اور نزول عذاب ان پر محال و ناممکن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عصمت حفاظت عطا فرمائی اور اللہ تعالیٰ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَاد کی شان والا ہے۔ وعدہ خلافی محال بالذات ہے تو پھر اس دعا کا حکم کیوں دیا گیا یہ تو تحصیل حاصل ہے جو محال ہے۔ **جواب:** یہ دعا تین وجہ سے منگوائی گئی۔ ۱۔ تعلیم امت کے لیے۔ ۲۔ دعا عبادت ہے اور ہر عبادت کا ثواب ہے تو یہ دعا حصول ثواب کے لیے ہے نہ کہ حصول مقصد کے لئے مقصد تو پہلے ہی حاصل ہے۔ ۳۔ یہ دعا اظہار بندگی اور عجز کے لیے ہے نیز یہ دعا عذاب سے بچالئے جانے کے لیے نہیں بلکہ صرف اس لئے ہے کہ یا اللہ کفار پر نزول عذاب کے وقت میں ان کے علاقہ میں نہ رہوں تاکہ ان کو عذاب ہوتے ہوئے میں نہ دیکھوں۔ **تیسرا اعتراض:** قُلْ رَّبِّ کی پوری عبارت میں بار بار رب کیوں فرمایا گیا یہ تو تکرار لفظ ہے جو فصاحت لفظ کے خلاف ہے۔ **جواب:** فصاحت کلام کے خلاف نہیں بلکہ حسن دعا ہے ہر چیز کا حسن علیحدہ ہوتا ہے دعا کا حسن یہ ہے کہ اس میں کثرت التجا رغبت طلب توجہ الی اللہ۔ اپنی بندگی کا اظہار۔ عاجزی زاری ہو اور چونکہ یہ دعا فقط حصول ثواب کے لیے ہے اس لئے ذکر اللہ کی کثرت کا حکم دیا گیا کہ دعا ایک بار ہو مگر رب۔ رب کا ذِكْرُ الله بار بار ہو۔

تفسیر صوفیانہ

اے راہ سلوک کے مسافرو۔ معرفت الٰہی کے طلبگارو اس راہ معصیت صراطِ اسرار و طریقت انوار میں بہت ایسے اغیار و اشرار ہیں جو فریب دینے والے قسم قسم کے حلیوں میں بہت طرح کے دعوؤں میں۔ ہر طرف اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى کے نعرے ہیں اور شیاطین کے شرارے ہیں۔ لہٰذا فریب شیاطین سے بچنے کے لیے ربانی عرفان کا درسِ نشان یاد رکھو کہ مَا اتَّخَذَ اللّٰهُ مِنْ وَّلَدٍ وَّمَا كَانَ مَعَهٗ مِنْ اِلٰهٍ۔ رب تعالیٰ نے اپنا مثل بنایا نہ جنس نہ نوع نہ تمثیل نہ تشبیہ نہ ضد نہ ند۔ کیونکہ رب تعالیٰ ہی الہ کائنات ہے اور الہ وہی ہو سکتا ہے لَا ضِدَّ لَهٗ وَلَا نِدَّ لَهٗ لَاشِبْهَ لَهٗ وَلَا مَشَابَهَ لَهٗ وَلَا مِثْلَ لَهٗ وَلَا مِثَالَ لَهٗ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ مرشدانِ کامل اپنے مریدانِ طالب کو مدرسہ معرفت کی کتاب اسرار سے پہلا سبق یہی پڑھاتے ہیں اور ابلیس سے بچاتے ہیں

marfat.com

کیونکہ نعرۂ مثلیت و دعوئے الٰہیہ ہی ابلیس کی تلبیس اوّل ہے۔ اہل دنیا اسی جال میں کافرانِ مطلق ہیں۔ دنیا پرستوں نے ڈھیروں الٰہ بنا لئے کسی نے اموال کو کسی نے اولاد کو کسی نے اغیار کو کسی نے اپنی محنت افکار کو کسی نے اپنی صنعت فنکار کو اپنا معبود سمجھا۔ ربِ حقیقی و رازق قدیمی کو بھول کر اپنے ان ہی گھریلو خداؤں پر بھروسہ کر کے نہ خوفِ کبریائی نہ شرم مصطفائی نہ یادِ خفی نہ فکر جلی۔ منزّہ فرمالیا رب تعالیٰ نے اپنی ذاتِ سبحان کو زندیقوں کے تخیلات اور باطل مشابہتوں سے اس کی وحدت کامل ہے لہٰذا کسی کو ثانی نہ بنایا۔ کیسے جائز ہوسکتا ہے کہ کسی حادث کا درجۂ قدیم پر جانا یا ذاتِ قدیم کا محل حادث میں آنا۔ کیونکہ قدیم وہی ہے جو پاک ہے ہر عیب حوادث سے جب صفت قدیمی کی تجلی پڑتی ہے حادثات پر تو سب حوادثِ عدم کی طرح معدوم وفنا ہو جاتے ہیں۔ عالی و بلند ہے وہ اللہ ہر وہم و اشارے سے۔ الٰہ وہ ہے جو صمد ہو اور صمدیت ہر اس چیز سے دور ہے جو نالائق صمدیت ہو کیونکہ صمدیت ضد و مخالف کے منافی ہے۔ دائماً پس صمدیت اپنے مخالف و نالائق کے ساتھ کیسے باقی رہ سکتی ہے۔ اگر کوئی ایک یا چند معبود ہوتے اس خالق تعالیٰ کے ساتھ۔ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۭ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ تو ہر الٰہ خالق ہوتا عالم اسرار کی قوۃِ روح۔ طاقتِ قلب۔ قدرۃ عقل اور ہمت اجسام و جرئت ابدان و اعضاء کا کیونکہ الٰہ کے لئے شرط اوّل و قدرتِ اکمل ہے کہ خالق مخلوق ہو۔ اور پھر ہر الٰہ اپنی تخلیقی موجودات کو اپنے علاقوں میں سمیٹ لے جاتا اور اسرار و ارواح کا بادشاہِ باطنی بن کر عالم ناسوت و جبروت و ملکوت و لاہوت میں بعض چاہتے کہ بعض پر غلبہ و قبضہ حاصل کرلیں تب باطنی قوتوں کی جنگ فتنہ وفساد پڑا رہتا۔ مگر ایسا نہیں ہے بلکہ ہر عالم ظاہر و باطن خفی و جلی میں ہر طرف مکمل نظم و ضبط سکون و سرور ہے۔ پس ثابت ہوا کہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۹۱﴾ عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ پاکیزگی ہے اللہ واحد کو ہر مثلیت مشابہت سے جس سے یہ کفار منسوب کرتے ہیں۔ فقط وہی ہے ارواح و اجسام کے ظاہر و باطن کو جاننے والا۔ شرک دو قسم کا ہے۔ ۱۔ شرک جلی جیسے بت پرستی و ابنیت بنتیت مثلیت کا عقیدہ۔ ۲۔ شرک خفی جیسے اللہ کے مقابل غیر اللہ پر توکل و توجہ الی غیر اللہ اور نفاق ریا۔ اللہ سے مایوسی دنیا و اہل دنیا سے آس و امید۔ ریا کار مشرک باطنی ہے کہ دکھانے کے لیے عبادت کرتا ہے نہ کہ اللہ کے لئے۔ اے مسافر طلب اپنے لوہے کو سونے سے ملمع مت کر۔ بازارِ عمل میں یہ فریب نہ چلے گا کیونکہ صراف حقانی و برھانی دانا و بینا ہے کھوٹا کھرا پہچان لے گا۔ توحید نور ہے شرک نار ہے نورِ توحید موحد کی سیئات کو مٹا دیتا ہے اور نارِ شرک مشرک کی حسنات کو جلا دیتی ہے۔ حدیث مقدس میں ہے اے بندے اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی کوشش نہ کر دھوکہ دینا یہ ہے کہ جس عمل کا حکم دیا گیا ہے وہ نہ کرے اور جس کا حکم نہ دیا گیا وہ کرنے لگے اور یہ بھی دھوکہ دینا ہے کہ غیر اللہ کی خوشی و دکھلا دے کے لئے اپنی واہ واہ کے لئے عبادت و خیرات کرے اے بندے اگر تو زید کے لئے کام کررہا ہے تو بکر سے اجرت کی امید نہ رکھ۔ اے بندے ایمانِ توحید و عبادت ایمان کو بھی خالص توحید بنا لے اس طرح کہ شرک جلی و خفی کبیر و صغیر سے پاک رکھ۔ مسافر طریقت کو چاہیے کہ بقدر طاقت تا عمر مجاہدۂ مکاشفہ میں مشغول رہے تاکہ اہل عرفان کے درجات و صدیقین کی توحید خالص کا نور حاصل کرلے اس مجاہد کے لئے دو عمل ضروری ہیں اولاً احکام شریعت کی پابندی دوم نفس امارہ کی پکی مخالفت و سچی نفرت تاکہ بندہ عامل للہ باقی باللہ فانی فی اللہ میں شمار ہو اور اخلاق کبریائی انوار تجلیائی و جمال مصطفائی سے نفع یاب ہوسکے۔ قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِيَنِّيْ مَا يُوْعَدُوْنَ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِيْ فِي الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔ اے عارف کامل عرفان حقیقی کے

marfat.com

باوجود ہمیشہ یہ دعا مانگ کے یارب مجھ کو ظالمین منافقین واہل شر سے دور ہٹالے تاکہ ان کا وہ انجام بد ہلاکت وفنا محرومی وفا دوری وصل کا عذاب فراق مطلوب کی سزا مجھ کو نہ دیکھنی پڑے جس کی وعید دیئے گئے ہیں وعدۂ خیر عطا فرما وعید شر سے بچا عاقلین کے وعدے ونفع سے حصہ عطا فرما غافلین کے وعید نقصان سے بچا۔

وَاِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾

اور بیشک ہم قادر ہیں اس پر کہ دکھادیں ہم تم کو وہ عذاب دور سے جس کا وعدہ کر رہے ہیں ہم ان کفار سے

اور بیشک ہم قادر ہیں کہ تمہیں دکھادیں جو انہیں وعدہ دے رہے ہیں

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾

ہٹادو اسکے ذریعے جو سب سے اچھا ہے ہر برائی کو ہم ہی خوب جاننے والے ہیں اس کو جس سے یہ کافر موصوف کر رہے ہیں

سب سے اچھی بھلائی سے برائی کو دفع کرو۔ ہم خوب جانتے ہیں جو باتیں یہ بنا رہے ہیں

وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ۙ﴿۹۷﴾

اور دعا مانگو اے میرے رب میں پناہ مانگتا ہوں تیری شیطانوں کے وسوسوں سے

اور تم عرض کرو کہ اے میرے رب تیری پناہ شیاطین کے وسوسوں سے

وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾

اور میں پناہ مانگتا ہوں اس سے کہ وہ شیاطین میرے پاس آئیں

اور اے میرے رب تیری پناہ کہ وہ میرے پاس آئیں

حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾

یہاں تک کہ جب آئے ان شیاطین میں سے کسی کو موت تو بولے اے میرے رب مجھے دنیا میں لوٹا دے

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے تو کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے واپس پھیر دے

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق** پچھلی آیت میں تا قیامت مسلمانوں کو ایک دعا مانگنے کا حکم دیا گیا کہ اے مسلمانو تم یہ عرض کرتے رہا کرو کہ یا اللہ کافروں کا عذاب مجھے دکھانا چاہے تو مجھے ظالم کفار قوم میں سے نہ بنا دینا نہ ان کے قریب رکھنا۔ اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ کفار کا عذاب دنیا یا قبر والا دکھادے مگر چونکہ اس عذاب کو دیکھنا مفید نہیں اس لئے تم سب مسلمان اس عذابِ عبرت کو نہ دیکھنے نہ دکھانے کی دعا مانگتے رہا کرو۔

marfat.com

دوسرا تعلق: پچھلی آیت میں عذاب کفار نہ دیکھنے کی دعا اور ظالم قوم میں سے نہ ہونے کی اور نہ بنائے جانے کی دعا مانگنے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں شیطان وشیطانوں کے وسوسوں سے بچنے کی دعا مانگنے کا حکم دیا جا رہا ہے کیونکہ ہر ظلم کفر کی جڑ یہی وسوسے ہیں تو جو شخص قلبی طور پر عذابِ مصیبت دیکھنے یا دکھائے جانے سے بچنا چاہتا ہے وہ شیطانی وسوسوں سے بچنے کی دعا مانگا کرے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں یہود ونصاریٰ اور ہر قسم کے مشرک کافر کے ظلم وکفر بدعقیدگی برائی کا ذکر اور اُن سے بچائے جانے کی دعا مانگنے کا تا قیامت ہر مسلمان کو حکم دیا گیا۔ اب ان آیت میں ان کفریہ برائیوں کے مٹانے دور کرنے کا ہر مسلمان کو ایک بہترین پائیدار طریقہ سکھایا جا رہا ہے کہ لڑنے جھگڑنے کی ضرورت نہیں بلکہ ایسی ہمہ وقتی عبادتیں کرتے رہو کہ برائیاں خود بخود ختم ہو جائیں اور برے لوگ بھاگ جائیں۔ مجدد بریلوی اعلحضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کا ایک کامیاب تجربہ بیان فرمایا کہ۔

غیض میں جل جائیں بے دینوں کے دل یا رسول اللہ ﷺ کی کثرت کیجئے

تفسیر نحوی

وَ إِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ ؕ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾۔ واؤ سر جملہ اِنَّا اصلاً اِنَّ نَا ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ نَا ضمیر جمع متکلم اِنَّ کا اسم ہے۔ عَلٰی حرف جر اَنْ ناصبہ مصدریہ مضارع کو نصب دیتا ہے۔ باب اِفعال کا فعل مضارع مستقبل معروف مثبت جمع متکلم اس کا مصدر ہے اِرَاءَ ۃٌ رَأْیٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے دکھانا۔ اس کا فاعل ہے نَحْنُ ضمیر پوشیدہ کَ ضمیر واحد مذکر حاضر منصوب متصل یہ مفعول بہ اوّل ہے نُرِیَ فعل فاعل مفعول بہ اوّل مَا اسم موصول نَعِدُ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ وَعْدٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہے ھُمْ ضمیر جمع مذکر غائب منصوب متصل یہ نَعِدُ کا مفعول بہ ہے یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا۔ یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ دوم ہے نُرِیَ کا۔ وہ فعل فاعل دونوں مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہوا عَلٰی سے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ لام کے تاکید وتحقیق کے لئے قَادِرُوْنَ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر۔ برائے جمع متکلم۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر پوشیدہ مرجع اللہ تعالیٰ قَدْرٌ سے مشتق ہے بمعنی قدرت وقوت ہونا۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر خبر ہے اِنَّ کی۔ وہ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِدْفَعْ باب فَتَحَ کا فعل امر واحد مذکر حاضر معروف۔ دَفْعٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے۔ مٹانا۔ ہٹنا۔ دور کرنا۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ بَ جار یہ سببیہ۔ بمعنی ذریعے سے۔ ھِیَ ضمیر ظاہر واحد مؤنث غائب مرفوع منفصل مبتداء ہے۔ اَحْسَنُ باب نَصَرَ کا اسم تفضیل صیغہ واحد مذکر۔ یہ خبر ہے مبتدا کی۔ حَسَنٌ سے مشتق ہے احسنُ کا ترجمہ ہے بہت ہی اچھائی اور حسن وخوبصورتی والا۔ ھِیَ مبتدا اپنی اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّتِیْ اسم موصول واحد مونث کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور ہے بَ سے وہ جار مجرور ملکر متعلق ہے اِدْفَعْ کا۔ اَلسَّیِّئَۃَ۔ الف لام استغراقی حرفی۔ بمعنی ہر قسم کی سَیِّئَۃَ۔ اسم مؤنث لفظی ترجمہ ہے برائی مفعول بہ ہے اِدْفَعْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ نَحْنُ۔ اسم ضمیر جمع متکلم مرفوع منفصل ترجمہ ہے ہم مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ اَعْلَمُ۔ باب سَمِعَ کا اسم تفضیل واحد مذکر برائے جمع متکلم۔ اس کا فاعل نَحْنُ پوشیدہ ضمیر۔ بَ جارہ تعدیہ کا اسم موصول۔ یَصِفُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ اس کا

marfat.com

فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے کفار یہود و نصاریٰ و مشرکین۔ وَصْفٌ سے مشتق ہے۔ معنی ہے متصف اور منسوب کرنا۔ یہ فعل فاعل ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر صلہ ہوا۔ ما موصول صلہ ملکر مجرور ہوا بؔ سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے۔ اَعْلَمُ کا۔ یہ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے نَحْنُ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿٩٧﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿٩٩﴾۔ واؤ سر جملہ قُلْ فعل با فاعل جملہ قولیہ ہوکر قول ہوا۔ رَبِّ یا رَبِّیْ یا حرف ندا رَبِّیْ مرکب اضافی منادیٰ ہے۔ اَعُوْذُ باب نصر کا مضارع حال صیغہ واحد متکلم عَوْذٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پناہ مانگنا کسی سایہ میں آنا کسی سے التجا کرنا کسی سے تعلق جوڑنا یہاں سب معنی بن سکتے ہیں اس کا فاعل ہے انا ضمیر واحد متکلم مراد ہے ہر مسلمان بؔ حرف جر زائدہ برائے نسبت اضافت کؔ ضمیر واحد مذکر حاضر مجرور متصل بمعنی تیری پناہ مضاف الیہ کے درجہ میں ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ حرف جر بمعنی عَنْ جارہ زوالیہ (دور ہٹانے کے لئے) هَمَزٰتِ۔ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے۔ هَمْزٌ۔ باب نصر اور ضَرَبَ میں گردان ہوتی ہے۔ لغوی ترجمہ ہے۔ چبھونا۔ مارنا۔ کاٹنا۔ توڑنا۔ دبانا۔ نچوڑنا۔ ٹپکنا۔ ان ہی معنوں سے یہ گیارہ لفظوں میں مشترک ہے۔ ۱۔ چغلی کرنا چغل خور کی عربی میں هماز کہا جاتا ہے۔ بروزنِ فعال قوال صیغہ مبالغہ ہے۔ ۲۔ غیبت کرنا۔ ۳۔ دھکا دینا۔ ۴۔ کاٹ کھانا۔ ۵۔ لوہے کی نوکیلی چیز۔ ۶۔ دو دوستوں کو لڑا دینا۔ ۷۔ ٹھوکر لگانا۔ اسی سے ہے مهمیز گھوڑے کو ایڑھ لگانا (ایڑھی مارنا)۔ ۸۔ تفرقہ ڈالنا۔ ۹۔ آندھی کی سخت آواز۔ ۱۰۔ دل میں برے خیالات آنا۔ ۱۱۔ ورغلانا۔ اکسانا۔ یعنی ظاہراً یا باطناً وسوسہ ڈالنا غلط پٹی پڑھانا۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ یہ مضاف ہے۔ الشَّيٰطِيْنِ الف لام حرف استغراقی بمعنی تمام شیاطین اسم جمع منتہی الجموع۔ اس کا واحد ہے شیطانٌ یہ جمع غیر منصرف ہوتی ہے مگر جب معرف باللام ہو تو منصرف ہوتی ہے اس لئے یہاں اس پر بحالتِ کسرہ جر آ گیا یہ مضاف الیہ ہے هَمَزٰتُ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہے مِنْ سے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ اَعُوْذُ فعل فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر جواب ندا۔ ندا منادیٰ جواب ندا مل کر جملہ ندائیہ ہوکر معطوف الیہ و عاطفہ اَعُوْذُ فعل بِكَ جار مجرور متعلق۔ اَنْ حرف ناصبہ۔ يَحْضُرُوْنَ دراصل ہے۔ يَحْضُرُوْنَ نِیْ۔ يَحْضُرُوْنَ باب نصر کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اَنْ ناصبہ نے فتحہ دیا لہٰذا نون اعرابی آخر سے گر گئی پھر یاء متکلم لگانے کی وجہ سے نون وقایہ لائی گئی اور ہو گیا يَحْضُرُوْنِیْ پھر آیت کے وقف نے جزم دیا تو یاء متکلم بھی گر کر محذوف منوی ہو گئی۔ اور علامۃ یؔ کی وجہ سے نون وقایہ پر کسرہ آیا۔ یہ حضرٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے قریب آنا۔ حاضر ہونا۔ مشاہدے میں ہونا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے شیطین یاء متکلم محذوفہ منوی اس کا مفعول معہ۔ حَتّٰى حرف جر انتہاء کے لئے بمعنی اِلٰی اَنْ۔ اِذَا شرطیہ جَآءَ فعل ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر۔ اَحَدَ مضاف هُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ اَلْمَوْتَ الف لام عہد ذہنی موت اسم حاصل مصدر باب نَصَرَ سے بمعنی مرنا حالت موت۔ موت کا لغوی معنی ہے پھرنا مشتعل ہونا۔ مَيِّتٌ بھی اسی کا مادہ ہے اس کا حاصل مصدر ہے۔ مَيْتَةٌ بمعنی مردار۔ یہ اَلْمَوْتُ فاعل ہے۔ جَآءَ فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر شرط ہے۔ قَالَ فعل ماضی مطلق با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ رَبِّ یا رَبِّیْ ہے۔ یہ حرف اپنے منادیٰ کے ساتھ ہے۔ اَرْجِعُوْنِ دراصل ہے۔ اَرْجِعْ نِیْ۔ باب افعال کا فعل امر حاضر واحد مذکر حاضر کا صیغہ رَجْعٌ سے بنا ہے اس کا مصدر

marfat.com

ہے اِرْجَاعٌ ۔ ترجمہ ہے لوٹانا یہ متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ رَجْعٌ کا معنی ہے لوٹنا یہ لازم ہے۔ اَرْجِعُوْا کے آخر میں واوٗ تفخیمی واشباعی ہے۔ جیسے تَرَكْتُمْ میں تَرَكْتُمُوْا اور ضَرَبْتُمْ میں ضَرَبْتُمُوْا۔ بعض نے اس واوٗ کو جمع کا بتایا اور لکھا کہ یہ اَرْجِعُوْا مرجع مذکر حاضر ہے اور لکھا کہ یہ تعظیماً جمع بولا گیا ہے۔ اور یہ لکھ کر وہابیوں نے دلیل پکڑی کہ اللہ کو جمع کے صیغے سے خطاب جائز ہے میں کہتا ہوں کہ یہاں یہ قول اَرْجِعُوْنِ شیطین اور کفار کا نقل کیا گیا ہے ثابت ہوا کہ اس طرح اللہ تعالیٰ کے لئے جمع بولنا شیطین وکفار کی ایجاد ہے۔ انبیاء علیہم السلام وصحابہ سے یہ طریقہ ثابت نہیں۔ اب وہابی خود سوچ لیں کہ کس کی نقل کر رہے ہیں۔ اَرْجِعُ نِیْ نون وقایہ یاء متکلم مفعول بہ۔ آیت کے وقفی جزم کی وجہ سے یاء متکلم محذوف معنوی ہوگئی۔ نون وقایہ کو علامۃ ی کا کسرہ دیا گیا۔ اَرْجِعُوْنِ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر جوابِ ندا رَبِّ۔ ندا منادیٰ و جوابِ ندا مل کر قول ہوا قَالَ کا۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوکر جزاء ہوئی اِذَا جَآءَ شرط کی دونوں مل کر مجرور ہے حَتّٰی سے جار مجرور متعلق ہے يَحْضُرُوْ کا۔ وہ فعل فاعل مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مفعول بہ وَاَعُوْذُ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ اور بِکَ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر جوابِ ندا درمیان والے۔ رَبِّ کا یہ ندا منادیٰ و جوابِ ندا مل کر معطوف ہوا رَبِّ اَعُوْذُ کے جملہ ندائیہ پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

وَ اِنَّا عَلٰۤى اَنْ نُّرِیَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ﴿۹۵﴾ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾۔ اے حبیب مکرم! بیشک اس بات پر ہم قادر ہیں کہ آپ کو وہ عذاب دکھا دیں جس کے نزول کا تقدیری وعدہ ہم کفار سے کر رہے ہیں اور آپ کے سامنے ہی وہ عذاب قتال وشکست ان پر وارد و نازل ہو جائے۔ اور کچھ عذاب ان پر آپ کی حیات میں بھی اتارا جائے گا۔ قتال وشکست کی صورت میں اسلئے کہ یہ کفار انکار عذاب بھی آپ کے سامنے ہی کر رہے ہیں اور آیت وروایات کا مذاق اڑاتے ہیں۔ طاغیوں کو آپ کے سامنے باغیوں کو آپ کے بعد اس وعیدِ قتال سے ہلاک کیا جائے گا۔ طاغی وہ ہیں جن کی نسلوں میں مومن کوئی نہیں باغی وہ جن کی نسلوں میں مومن بھی ہیں۔ ان کی نسلوں کو بچالیا جائے گا۔ طاغی مقتولین بدر ہیں اور باغی اسیرانِ بدر۔ یہ عذابِ آسمانی نہیں ہے کہ سب کفار کو بیک دم ہلاک کر دیا جائے نہ یہ عذابِ آخرت کہ کسی مومن کو نہ دکھایا جائے بلکہ یہ عذاب عبرت ہے شکست وقتال کی صورت میں تاکہ قتال والوں سے عبرت پکڑیں شکست والے۔ اس عذاب عبرت کا کچھ حصہ زمانۂ نبوی میں وارد ہوا طاغیوں کے قتال سے اور کچھ حصہ زمانہ صدیقی میں وارد ہوا باغیان مسیلمہ و مانعین زکوٰۃ پر۔ اے حبیب کریم! ان باغی طاغی کفار کے عذاب کا فیصلہ نزول ہم پر چھوڑیئے اور ابھی فی الحال۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ۔ دور کرتے ہٹاتے۔ مٹاتے بھگاتے رہو ایسے نرم آسان اچھے واحسن طریقے سے بغیر لڑائی جھگڑے کے ہر قسم کی برائی حماقت جہالت ضلالت کو کہ عاشرۂ اسلامی علاقہ ایمانی سے یہ سب خرافات ومخالفات خود ہی دور ہٹتی مٹتی چلی جائیں۔ یاد رکھو کہ ایمان احسن ہے کفر سیئہ ہے۔ اچھے اخلاق احسن ہیں بد اخلاقی سیئہ ہے۔ توحید احسن ہے شرک سیئہ ہے۔ حسن سلوک احسن ہے بدسلوکی سیئہ ہے۔ حق کی تصدیق احسن ہے حق کی تکذیب سیئہ ہے۔ اہلِ حق کی تائید تعاون حمایت احسن ہے۔ نگران کی تضحیک تذلیل اذیت سیئہ ہے۔ تقویٰ طہارت عبادت تلاوت احسن ہے۔ فسق فحاشی عیاشی سیئہ ہے۔ کلام حسین وجمیل احسن

marfat.com

ہے۔ بدکلامی فحش باتیں سیئہ ہے۔ حمد ونعت صلوۃ وسلام احسن ہے۔ ان سے حسد بغض جلا پابند کرنا کرانا سیئہ ہے۔ تصلب یعنی حق وصداقت پر ڈٹ جانا احسن ہے۔ تعصب یعنی جہالت ضلالت حماقت پر ضد کرنا سیئہ ہے۔ دلائل کی باتیں احسن ہے۔ جہالت کی باتیں سیئہ ہے۔ لہذا اے مسلمانو ہر دور ہر زمانے میں ہر سیئہ کو ہر احسن طریقے سے مٹاؤ۔ ہٹاؤ۔ بھگاؤ۔ ایک زمانہ تھا جب ابو جہلیت کی سیئت گلی کوچوں میں دندناتی پھر رہی تھی تب اس کو اسوہ حسنہ وخلق عظیم کے احسن مصطفوی نے دفع اور فنا کیا۔ مگر پھر کسے خبر تھی کہ لے کر چراغ مصطفوی۔ جہاں میں آگ لگاتی پھرے گی بوجہلی۔ اور ادھر ادھر سے نکلتی پھرے گی۔ بولہبی۔ اب یہ وہی دور ہے کہ نعتِ نبی سے دشمنی ذکرِ آقا سے کڑواہٹ نبی کریم سے عداوت کی سیئہ بکھری پڑی ہے تو اے ایمان والو! اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ ؕ۔ ایسے مفید مضبوط احسن طریقے سے اس سیئہ خبیثہ کو بھگاؤ کہ آسانی سے اس قسم کی ہر سیئہ مٹتی چلی جائے۔ جن میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے۔

غیض میں جل جائیں بے دینوں کے دل یارسول اللہ ﷺ کی کثرت کیجئے

بحمدہ تعالیٰ یہ ایسا مجرب واحسن طریقہ ہے کہ اس کی کثرت وپابندی نے مساجد محافل ومدارس سے پرانے جالے بھی صاف کر دیئے اور گستاخانِ نبوت کی خبیثانہ عداوتانہ سیئات کو وہاں سے خاک دھول دخان وغبار بنا کر اڑا دیا۔ اے مومن دفاع کرنا تیرا عمل ہے اور تیری مدد کرنا ہمارا عمل ہے تیرا کام احسن ہے ہمارا کام اکمل ہے۔ تو اندفاع سیئات کی پابندی جاری رکھ ہم انقطاع خبیثات فرماتے رہیں گے کیونکہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ ہم ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں ان خبیثوں کو کفار واشرار کس کس طرح کن کن چیزوں سے اسلام قرآن اللہ رسول کے فرمان کو متصف ومنسوب کرتے ہیں۔ اسلام کو آنی جانی قرآن کو قصے کہانی اللہ تعالیٰ کے لئے عقیدہ شرک وبے ایمانی رسول اللہ کو ساحر وشاعر وجنونی۔ آج ان کو باتیں بنالینے دو۔ مہلت میعاد کی حیات پوری کر لینے دو ان کی خرافاتِ ظاہر۔ منصوباتِ باطن سے اللہ رسول اسلام قرآن کا کچھ نقصان نہیں۔ ان کا اپنا ہی ابدی نقصان ہے کرتے رہیں شیطین کے جال میں پھنستے رہیں۔ وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُ بِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾۔ اور آپ اے نبی عرض کرتے رہو اپنی امت مومنین کی تعلیم کے لئے اور اے مومن تو بھی عرض کیا کر تا عمر شیطین سے بچنے کے لئے کہ اے میرے رحیم وکریم رب میں پناہ مانگتا ہوں نصرت وحفاظت چاہتا ہوں تیری۔ سہارا وآسرا طلب کرتا ہوں تیرا شیطانوں کے وسوسوں اور ورغلاہٹوں سے جو ہر شیطان کی طرف سے ہر وقت ہر انسان پر وارد ہوتی ہیں اور جن سے کوئی خود نہیں بچ سکتا۔ اے میرے رب پناہِ حفاظت کے بغیر کوئی انسان اللہ رسول کی مدد کے بغیر شیطان سے نہیں بچ سکتا اس کی تین وجہ۔ ۱۔ شیطان انسانی نظر سے پوشیدہ۔ ۲۔ شیطان ایسا پکا دشمن ہے جو ہمہ وقتی سازشی ہے کبھی نہ تھکتا ہے نہ ہار مانتا ہے جبکہ انسان ہار مان کر کبھی نہ کبھی جال میں پھنس جاتا ہے۔ ۳۔ شیطان ہر بھیس میں آجاتا ہے مگر انسان پہچان نہیں سکتا کہ دوست ہے یا دشمن ہے۔ اسی وجہ سے بہکایا ورغلایا جاتا ہے۔ اس لئے رب تعالیٰ نے یہاں مسلمانوں کو دو دعائیں مانگنے کا حکم فرمایا پہلی ہمزات سے بچنے کی۔ هَمَزٰت کی تین قسمیں۔ وسواس۔ نفسات۔ نفخات۔ وسواس جنون ومالیخولیا کے وہمیات۔ نفسات یعنی لغویات اور نفخات غرور وفریب۔ دوسری دعا قربِ شیطن سے بچنے کی یعنی میری خلوت جلوت عبادت تلاوت اور بوقتِ موت شیطان قریب نہ آئے۔ شیطن مکھی مچھر کی طرح اتنا ڈھیٹ ہے کہ ہزار بار لعنت ڈالو ساتھ نہیں چھوڑتا ہر وقت آس پاس منڈلاتا

marfat.com

رہتا ہے اسی لئے عام انسان اس کی شرارتوں سے نہیں بچ سکتا۔ شیطان ہر اچھی بری جگہ آ جاتا ہے خلوت ہو یا جلوت۔ شیطان سے انسان کو سولہ نقصان ہیں۔ اس کی ھمزات سے عمل خراب محنت برباد۔ وسوسہ۔ نخچہ نفشا اور اس کی قربت سے خیر مفر۔ نیکی نفر۔ عبادت میں کسل۔ ارادہ علی الشر۔ برائی میں لذت۔ بھلائی سے کدورت۔ سہو بے سکونی بچنا دشوار۔ پھنسنا آسان اور فائدہ کچھ بھی نہیں۔ اسی لئے قرآن وحدیث میں اس سے بچنے کی بہت دعائیں سکھائی گئیں۔ ۱۔ یہی دعا۔ ۲۔ نبی کریم ﷺ سوتے وقت پڑھنے کی یہ دعا سکھاتے تھے۔ بِسْمِ اللهِ اَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ التَّامَّةِ مِنْ غَضَبِهٖ وَعِقَابِهٖ وَشَرِّ عِبَادِهٖ وَ مِنْ هَمَزَاتِ الشَّيَاطِيْنِ وَاَنْ يَّحْضُرُوْنِ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اپنی بالغ اولاد کو یہ دعا سکھاتے پڑھاتے اور نابالغ اولاد کے گلے میں اس کا تعویذ بنا کر ڈالتے (از مسند احمد) ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے رات کو نیند نہیں آتی۔ آقا ﷺ نے فرمایا کہ سورہ مومنون کی آیت ۹۷ اور ۹۸ سوتے وقت تین بار پڑھ لیا کرو۔ یعنی رَبِّ اَعُوْذُبِکَ الخ۔ ۳۔ حدیث پاک میں ہے بیت الخلا میں جاتے وقت ستر کھولنے سے پہلے یہ دعا پڑھا کرو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ۔ ۴۔ خود آقا ﷺ ہر نماز شروع کرنے سے پہلے اس طرح بلند آواز سے پڑھتے۔ اللہ اکبر تین بار۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ تین بار۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّیٰطِیْنِ ﴿۹۷﴾ مِنْ هَمزِهَا وَ نَفْشِهَا وَنَفخِهَا وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾۔ یہ ایک بار۔ اے ایمان والو شیطان کفار اور منافقین اپنے سیئات وسواسیات سے کبھی باز نہ آئیں گے لہٰذا سیئات کا دفاع اور وسواس سے استعاذہ کرتے رہو۔ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾۔ یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئی پھر ان کی آنکھیں کھلیں تب ہوش آئی اور پتہ لگا کہ ہائے کمائی سب لٹی۔ پھر کفار نے بار بار کہا۔ موت کی حالت میں قبر کی مدت میں حشر کی قیامت میں جہنم کی قید میں کہ اے میرے رب بس ایک بار مجھے دنیا میں پھر لوٹا دے۔ کفار کی یہ دنیا میں لوٹنے والی خواہش کا ذکر دیگر نو سورتوں میں بھی ہے۔ ۱۔ سورۃ اعراف۔ آیت ۳ میں۔ ۲۔ سورۃ انعام آیت ۲۸ میں۔ ۳۔ سورۃ ابراہیم، ۴۴ میں۔ ۴۔ سورۃ شعراء آیت، ۱۰۲ میں۔ ۵۔ سورۃ سجدہ آیت ۱۳ میں۔ ۶۔ سورۃ فاطر آیت ۳۷ میں۔ ۷۔ سورۃ زمر آیت ۵۸ میں۔ ۸۔ سورۃ المومن آیت، ۱۱ میں۔ ۹۔ سورۃ شوریٰ آیت ۴۴ میں۔ اور ان تمام آیتوں میں ساتھ ہی فرمایا جا رہا ہے کہ دوبارہ دنیا میں کسی کو نہیں بھیجا جائے گا نہ دنیا قائم ہو نہ عمل کا وقت ملے۔ بس ابھی اسی حیات دنیا میں وقت ہے جو کرنا ہے کر لو بذریعہ قرآنِ مجید یہ آیتیں سب کو سنوا دی کوئی ان سے غافل نہیں رکھا گیا نہ کافر نہ مومن نہ فاسق اتنا بتانے سمجھانے کے باوجود بھی اگر کوئی بندہ نہ بنے پردۂ غفلت سے نہ نکلے تو اس کی مرضی اور بدقسمتی۔ ایک حدیثِ مقدس میں ارشاد ہے کہ جب بندہ قبر میں جاتا ہے تو موت کے فرشتے ہر میت سے پوچھتے ہیں کہ کیا تجھے دنیا میں پھر واپس بھیج دیں مومن کہتا ہے کہ ہرگز نہیں میں مصیبتوں کی جگہ نہیں جانا چاہتا مجھے میرے رب کریم کی بارگاہ میں پہنچا دو جس کی یاد میں میں نے زندگی گزار دی فاسق غفلت پر حسرت کرتا ہے۔ اور کافر کہتا ہے ہاں ہاں اے فرشتو تمہیں رب کا واسطہ مجھے واپس دنیا میں لوٹا دو مگر اس کی یہ فریادیں گونجتی رہ جاتی ہیں منظور نہیں ہوتیں کتنا کرم ہے اللہ رسول کا کہ آج دنیا میں ہی یہ سب کچھ بتا دیا قرآن وحدیث میں سنا دیا۔ احسان ہے محدثین کا کہ انہوں نے احادیث جمع فرما دیں۔ شفقت ہے علماء کی کہ انہوں نے ہر زبان میں کلام وفرمان ہم تک پہنچایا اور اپنی عمر کا سرمایہ اسی خدمتِ دین میں خرچ فرمایا فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی ذَالِکَ۔ یا اللہ ہم سب کو ہدایت عطا فرما۔

marfat.com

ان آیت میں مفسرین کے مختلف اقوال

مَا یُوْعَدُوْنَ۔ کے معنی میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا اس سے مراد عذاب دنیوی ہے جو حیاتِ پاک اور زمانہ صدیقی میں کفار پر پڑا قتال وشکست وذلت کی شکل میں طاغیوں اور باغیوں کو ملا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عذابِ آخرت کا وعدہ مراد ہے۔ اِدْفَعْ کے معنی میں دوقول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے دور کیجئے ہر برائی کو اس قول میں یہ آیت عملاً محکم ہے تا قیامت اس کا حکم باقی۔ ۲۔ بعض نے کہا اِدْفَعْ کا معنی درگزر فرماؤ۔ اس قول میں یہ آیت منسوخ ہے آیت سیف سے دونوں جگہ اَعُوْذُ کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرئت مضارع واحد متکلم۔ اَعُوْذُ ہے۔ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت عَائِذٌ ہے اسم فاعل مگر یہ قرئت غلط ہے۔ اَنْ یَّحْضُرُوْنِ کی قرئت میں دوقول۔ ا۔ اکثر کی قرأت اَنْ یَّحْضُرُوْنِ بغیر یاء متکلم نون مکسور ہے۔ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَنْ یَّحْضُرُوْنِیْ ہے یاء متکلم سے۔ حَتّٰی اِذَا جَآءَ۔ کی نحوی ترکیب میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا۔ حتیٰ کا تعلق بِمَا یَصِفُوْنَ ﴿۹۶﴾ کی پوری آیت اور دونوں دعاؤں سے ہے یعنی کفار اسلام کو منسوب کرتے رہیں گے برائیوں سے اپنی موت تک اور آپ اَعُوْذُ کی دونوں دعائیں مانگتے رہیں ان میں سے ہر ایک کی موت تک یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا حتیٰ ابتدائیہ ہے اور یہاں ایک عبارت پوشیدہ ہے جس کا معنی ہے کفار کے پاس شیٰطین حاضر رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو موت آجائے۔ اَرْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ کی واؤ میں چار قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ واؤ تفخیم کی ہے جیسے کُنْتُمْ سے کُنْتُمُوْا۔ اَنْتُمْ سے اَنْتُمُوْا۔ ضَرَبْتُمْ سے ضَرَبْتُمُوْا۔ قرآن مجید میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ واؤ تکرار کی ہے اور اِرْجِعُوْا کا معنی ہے اِرْجِعْ اِرْجِعْ اِرْجِعْ۔ جس طرح سورۃ ق کی آیت ۲۴ میں اَلْقِیَا کا آخری الف تکرار کا ہے۔ یعنی اَلْقِ اَلْقِ اَلْقِ۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ واؤ جمع کی ہے اور خطاب فرشتوں کو ہے ترجمہ ہے کہ اے فرشتو رَبِّ ارْجِعُوْنِ رب کے واسطے مجھے واپس لوٹا دو۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ واؤ تعظیم کی ہے اور خطاب اللہ کو ہے اور ترجمہ ہے اے رب صاحب۔ اللہ صاحب مجھے لوٹا دیجئے یہ کفار کا پرانا طریقہ ہے کہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ کو توحید کی مخالفت میں جمع کے صیغے سے خطاب کرتے ہیں۔ کفار کا یہی پرانا طریقہ اب وہابیوں دیوبندی عوام ومولویوں نے اختیار کررکھا ہے (اللہ بچائے ہر مسلمان کو اس مشرکانہ بری عادت سے) اَرْجِعُوْنِ کے نون متکلم میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے کہا کہ کفار ومنافقین موت کے وقت یہ کہتے ہیں۔ یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ کفار منافقین وفاسقین بھی کہتے ہیں یہ قول غلط ہے۔ اَرْجِعُوْنِ کہنے کے وقت میں چار قول۔ ا۔ بعض نے کہا کہ ہر کافر موت کے وقت کہتا ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا قبر میں کہتا ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا حشر میں کہے گا۔ ۴۔ بعض نے کہا جہنم میں کہے گا۔ چاروں قول درست ہیں کیونکہ کفار ہر جگہ یہ التجا کریں گے جیسا کہ قرآن مجید سے ثابت ہے۔ اَرْجِعُوْنِ کی قرئت میں دوقول۔ ا۔ اکثر کی قرئت میں بغیر یاء متکلم ہے یہی درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت میں اِرْجِعُوْنِیْ ہے یاء متکلم کے ساتھ۔

فائدے

ان آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا مانگنے کے آداب یہ ہیں کہ ہر دعا میں تعلیم نبوی کا طریقہ ہو۔ یعنی الفاظِ مصطفائی ہوں۔ بارگاہ کبریائی ہو۔ تاکہ قبولیت جلدی ہو۔ یہ فائدہ یہاں بھی اور دیگر قرآنی

marfat.com

دعاؤں میں قُلْ رَّبِّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ تا کہ ہر مسلمان تا قیامت بطرزِ نبوی دعا مانگا کرے۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی شخص بھی اپنے آپ کو اپنے علم۔ عقل۔ زہد۔ تقویٰ۔ عبادت۔ طہارت۔ عملیات کے بھروسے پر ابلیس وشیاطین سے محفوظ نہ سمجھے شیطان بڑوں بڑوں کو لمحوں میں بلندی سے نیچے پھینک دیتا ہے۔ ابلیس وشیٰطین سے مکمل بچنے محفوظ رہنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ دامنِ نبوت میں آ کر تعلیمِ نبوی کے مطابق اللہ تعالیٰ کی پناہ ہر وقت مانگتا رہے اور درِ نبی پر جھکا رہے۔ آستانہ مصطفیٰ ہی بندوں کو رب تعالیٰ سے ملاتا۔ ایمان دلاتا۔ اور شیٰطین سے بچاتا ہے۔ یہ فائدہ۔ وَاَعُوْذُ بِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿٩٨﴾ کی تعلیم نبوی والی دعا سے حاصل ہوا۔ قرآن مجید میں اس طرح کی تمام دعائیں یہی بتا رہی ہیں کہ ہر مسلمان کی ہر دعا درِ مصطفیٰ سے ہوتی ہوئی رب تعالیٰ تک پہنچے ورنہ انبیاء علیہم السلام کو کسی شیطان سے کوئی خطرہ نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی طاقت قوت تو تمام عرشیوں فرشیوں سے زیادہ ہے۔ ابلیس وشیاطین تو قوتِ نبوی سے لرزاں ہیں سب سے بڑا شیطان ابلیس تو ظلِ فاروقی سے ڈر کر بھاگا پھرتا ہے۔ **تیسرا فائدہ:** ابلیس وشیٰطین کو رب تعالیٰ نے اتنی طاقت واختیار عطا کیا ہے کہ وہ ہر جگہ بلا روک ٹوک پہنچ جاتے ہیں۔ کوئی شخص ان کو روک ٹوک آڑ۔ پردہ نہیں کر سکتا جگہ اچھی ہو یا بری خلوت ہو یا جلوت۔ شیٰطین کی اس طاقت کو توڑنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو بھیجا جاتا ہے جس سے ثابت واندازہ ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی قوت واختیار سب مخلوق سے زیادہ ہے کیونکہ جب بیماری کی یہ طاقت ہے تو پھر قوتِ دوا اور طاقتِ حبیب کی کیا شان ہو گی۔ یہی بات ابلیس وابلیسی گستاخ فرقے والے لوگ نہیں سمجھتے۔ یہ فائدہ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ کی دعاء ربانی اور حدیثِ مقدس کی بیان کردہ شانِ فاروقی سے حاصل ہوا۔ فاروقِ اعظم درسگاہِ نبوی کے شاگرد ہیں جنکے سائے سے بھی شیطان بھاگتا ہے۔

احکام القرآن

ان آیٰت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانونِ شریعت میں ہر مسلمان مرد وعورت کو حکمِ ربانی ہے کہ دنیا میں سے ہر قسم کی کفریہ۔ شرکیہ۔ فسقیہ۔ ظلمیہ فتنہ فساد والی برائی کو حسبِ طاقت ختم کریں مگر احسن طریقے سے اور احسن طریقہ یہ بھی ہے کہ برائی کو جڑ سے اکھیڑا جائے فقط پتے جھاڑنا مفید نہیں۔ یہ کام ہر مسلمان پر تا عمر واجب ولازم ہے کیونکہ برائیاں مختلف انداز میں پیدا ہوتی رہتی ہیں اس لئے ان کو مٹانے کے لئے ہر مسلمان کو عملاً قولاً قلماً عقلاً فکراً جسماً۔ ہر وقت مستعد تیار رہنا چاہئے۔ یہ مسئلہ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ السَّيِّئَةَ۔ کے حکمِ الٰہی سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** شریعت میں فتنہ فساد ضد۔ تعصب ہر وقت برا ہے بعض فقہاء نے مناظرانہ مباحثہ کو بھی حرام ظنی لکھا ہے جبکہ کسی ایک جانب علم واخلاق کی کمی ہو۔ ایسے کج بحثی والے مناظروں سے ہر مسلمان کو بچنا چاہئے۔ یہ مسئلہ اِدْفَعْ میں هِيَ اَحْسَنُ کی شرط وقید لگانے سے مستنبط ہوا۔ یعنی جس مسلمان کے پاس علم وعقل اخلاق کا طریقہ احسن ہو صرف وہی مسلمان برائیوں کا دفاع کرے۔ بغیر علم وعقل دفاع نہیں ہوتا فساد ہوتا ہے۔ اس لئے حدیثِ مقدس میں ہر مسلمان پر علم سیکھنا فرض فرمایا گیا ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** یہ حیاتِ دنیا صرف اعمالِ صالحہ عبادات فرض واجب سنن نوافل اور حصولِ ایمان وعرفان کے لئے دی گئی ہیں۔ پھر دوبارہ نہ ملے گی اس لئے مسلمانوں کو یہ زندگی لھو ولعب اور دنیا سازی میں ضائع نہیں کرنی چاہئے۔ یہ مسئلہ رَبِّ ارْجِعُوْنِ کی التجاء کفار کو نقل فرمانے فساق کو عبرت دلانے سے مستنبط ہوا۔ مسلمانوں کو یاد دہانی کے لئے کہ فرصتِ حیات کو صحتِ اوقات کو غنیمت جان کر جلدی اور

marfat.com

زیادہ وقت عبادت میں گزارو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: اللہ تعالیٰ نے سورۃ انفال آیت ۳۳ میں فرمایا۔ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۔ یہ ایک وعدہ الٰہیہ ہے اور وعدۂ الٰہی کی شان سورہ رعد آیت ۳۱ میں اس طرح ارشاد ہوئی۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ۔ یعنی بیشک اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں فرماتا۔ تو وعدہ فرمایا گیا کہ ہم نبی کریم کی موجودگی میں کفار کو عذاب نہ دیں گے لیکن یہاں فرمایا گیا۔ وَاِنَّا عَلٰٓى اَنْ نُّرِيَكَ مَا نَعِدُهُمْ لَقٰدِرُوْنَ ۔ یعنی ہم قادر ہیں کہ ان کفار پر وہ عذاب نازل کردیں جس کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور آپ کو دکھادیں آپ کے ہوتے ہوئے ان پر عذاب نازل کریں دیں۔ یہ تو وعدہ خلافی ہے اور وعدہ خلافی پر قادر ہونا بھی محال بالذات ہے تو پھر یہ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب**: عذابوں میں فرق ہے۔ یہاں مَا نَعِدُهُمْ میں عذابِ عبرت مراد ہے یعنی قتال بدر شکست فتوحات فتح مکہ کی ذلت جس سے کچھ کفار ہلاک ہوئے اور کچھ عبرت پکڑ کر مسلمان ہوگئے۔ ایسے ہی بعد کی جنگیں طاغیوں کی ہلاکت باغیوں کی سرکوبی بلکہ سب اسلامی جنگیں کفار کے لئے عذابِ عبرت ہی ہیں۔ لیکن سورۃ انفال میں مَا كَانَ اللّٰهُ فرمانا وہاں آسمانی غیبی عذابِ ہلاکت مراد ہے کہ عذاب آیا اور یکدم سب کفار کو ہلاک کر گیا۔ نہ عبرت کی مہلت ملی نہ توبہ کا وقت ملا اس آیتِ انفال میں اس ناگہانی عذاب کے تا قیامت نہ آنے کا وعدہ ہے۔ لہٰذا اعتراض ختم ہوگیا۔ **دوسرا اعتراض**: اہلسنت کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو واحد کے صیغے سے پکارنا چاہئے حاضراً ہو یا غائباً مثلاً تو فرماتا ہے وہ فرماتا ہے یا اللہ تیرا حکم مگر ہم دیوبندی کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو تو تیرا کر کے پکارنا سخت بے ادبی گستاخی بدتمیزی ہے بلکہ جمع کے صیغے سے پکارنا چاہئے حاضراً بھی غائباً بھی مثلاً اللہ صاحب فرماتے ہیں اے اللہ صاحب آپ فرمایئے آپ کا یہ حکم ہے وغیرہ وغیرہ اس آپ جناب میں ہی اللہ تعالیٰ کا ادب و تعظیم ہے ہماری دیوبندیوں کی دلیل یہ آیت مقدسہ ہے۔ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ یہاں لفظ ارْجِعُوْنِ جمع حاضر کا صیغہ ہے اور خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے دیکھو قرآنِ مجید کی آیت سے ہم نے ثابت کردیا کہ اللہ تعالیٰ کو آپ اور تم کے لفظ سے پکارا گیا ہے۔ لہٰذا سنیوں کا نظریہ اور مسلک و طریقہ غلط اور قرآنِ مجید کے خلاف ہے۔ **جواب**: دیوبندی حضرات کو اپنے مسلک پر پورے قرآنِ مجید میں صرف یہ ایک دلیل ملی اس میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر مفسرین نے فرمایا یہ صیغہ جمع نہیں واحد ہی ہے اس میں واؤ تفخیمی ہے۔ بعض مفسرین نے فرمایا کہ صیغہ جمع ہی ہے مگر خطاب ملائکہ سے ہے لیکن یہ سب مانتے ہیں قَالَ رَبِّ سے مراد کافر ہے یعنی کافر انسان مرنے کے بعد ارْجِعُوْنِ کی التجا کرتا ہے تو اگر بقولِ معترض اس کو جمع کا صیغہ اور ادب کی بات اور اللہ تعالیٰ سے خطاب ہی مان لیا جائے اور اسی دلیل سے دیوبندی وہابی بھی اللہ صاحب آپ جناب یہ فرمایئے یہ کیجئے یہ دیجئے بخشئے کے الفاظ بولتے ہیں تو گویا کافروں کی نقل کرتے ہیں۔ یہ نقل ان کو مبارک مگر یاد رکھو کہ جس طرح کافر کا یہ کفریہ ادب بوقت موت اور قبر حشر جہنم میں اس کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور مار دیا جائے گا۔ اسی طرح کل قیامت میں یہ دیوبندی وہابی ادب بھی خود ان کے ہی منہ پر مار دیا جائے گا لیکن اہلسنت بحمدہ تعالیٰ انبیاء و مرسلین علیہم السلام صحابہ تابعین اولیاء محدثین کی نقل کرتے ہیں مثلاً یونس علیہ السلام نے کہا لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ (انبیاء: ۸۷) کسی نبی نے عرض کیا اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (آل عمران: ۱۹۴)۔ ایوب علیہ السلام نے کہا۔ وَاَنْتَ

marfat.com

اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ (انبیاء: ۸۳)۔ کسی نبی علیہ السلام نے عرض کیا اَللّٰھُمَّ اَنْتَ رَبِّیْ ۔ وغیرہ وغیرہ۔ قرآن مجید میں سینوں کے لئے بیشمار دلیلیں ہیں ان سب دعاؤں میں واحد کے ہی الفاظ وصیغے ہیں۔ کیا شاندار توحید کی جھلک وخدت کی چمک والی عرض و معروض ہیں۔ جمع کا کلام ادب نہیں بلکہ شرک کے مشابہ ہے توحید کے خلاف ہے مگر واحد کا صیغہ توحید کے مشابہ۔ شرک کے خلاف ہے۔ معترض کو چاہئے تھا کہ قولِ کفار کو دلیل نہ بناتا بلکہ نبی ولی کے قول کو دلیل بناتا۔ نیز اگر اللہ تعالیٰ کو تو تیرا سے خطاب بے ادبی گستاخی ہے تو قرآنِ مجید کی آیت اور انبیاء کرام علیہم السلام کی ان دعاؤں کو کیا کہو گے جن میں سب جگہ واحد کا ہی صیغہ ہے اَنْتَ وَاِنَّکَ واحد ہی ہے اس کا معنی ہے بیشک تو تیرا۔ قرآن مجید نے تو بتا دیا کہ اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام اللہ تعالیٰ کو واحد کے الفاظ سے ہی تاعمر پکارتے رہے اب بندے کی مرضی ہے خواہ کفار کی نقل واتباع کرے یا انبیاء علیہم السلام کی۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں آیت ۹۶ میں پہلے فرمایا گیا۔ اِدْفَعْ۔ جس سے ثابت ہو رہا ہے کہ خود مسلمان دفاعِ سیئات کرے۔ پھر فرمایا گیا نَحْنُ اَعْلَمُ۔ ہم جانتے ہیں کفار کی حرکتوں کو۔ اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ اے مسلمانو تم ان کفار سے کچھ نہ کہو چونکہ ہم ہی بِمَا یَصِفُوْنَ کو جانتے ہیں ہم خود ان سے بدلہ لیں گے۔ یہ تو تناقض ہے اس کا کیا حل ہے؟ **جواب:** کچھ تناقض نہیں۔ کیونکہ اِدْفَعْ کا معنی ہے اے مسلمان تو احسن طریقے سے دفاع کرتا رہ لڑائی جھگڑا اور سخت کلامی مت کر لیکن سخت بدلہ ان کی سیئات کا وہ نَحْنُ اَعْلَمُ ہم ان کی سیئات مَایَصِفُوْنَ کو جانتے ہیں ہم ہی لیں گے مسلمان نے صرف دفاع کرنا ہے کامل بدلہ نہیں۔ ان سیئات کی اصل سزا ہم ہی جانتے ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر صوفیانہ

عالمین روحانی کو عالم جسمانی میں یہ حیاتِ فانی مہلتِ ایمانی نفرتِ شیطانی۔ اور حصولِ عرفانی کے لئے عطا فرمائی گئی ہے۔ اس کے دو ہی انجام ہیں اگر کامیابی پالیں تو وعدۂ ثوابِ جاودانی ہے اور اگر نامرادی پائیں تو وعیدِ عذابِ نافرمانی ہے اور بیشک ہم اس پر بھی قادر ہیں کہ ان اہلِ نفوس منکرین عرفان کو عذابِ حرمان جلدی دے دیں۔ اے مرشدِ منزلِ سلوک ھادی ملک وملکوت ان مذاق انکار کرنیوالوں کا عذاب نامرادی عتابِ فراق ان کی سزاءِ لعنت ہے یعنی رحمت سے دوری وپھٹکار جس کا وعدہ ان تمام بدقسمتوں سے ہم نے کر رکھا ہے تجھ کو دکھا دیں اور تیری نگاہِ انوار کے سامنے ہی ان پر عذابِ فنا چلا دیں اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَۃَ۔ اے مسافرِ معرفت اخلاق واعمال کی روشنی سے مٹا دے ظلمات کے اندھیریوں کو جہانِ رنگ و بو کے ہر گوشے سے۔ اور وفاء ایمانی سے جفاء ظلمانی کو دفع کر دے۔ بشارتِ قلب کے احسن سے بشارتِ نفس کے سیئہ کو ختم کر دے۔ پھر نورِ حقائق کے احسن سے ظلمتِ خلائق کے سیئہ کو بجھا دے اور حقوقِ رحمانی کے احسن سے خطوطِ نفسانی کے سیئہ کو دور فرما دے۔ احسنِ محبت سے سیئاتِ نفرت کو فنا کر دے پھر عشقِ الٰہی والفتِ مصطفائی کی روشنی پھیلا دے تاکہ تیہ حوادث کی وادی کو راہِ معرفت میں شوق سلوک کے قدموں سے تو عبور کر سکے۔ اے بندۂ مالکِ معرفتِ الٰہی کے طالب جب تو نے وادی حادثات کی تیہ مشکلات کو طے کر لیا تو ذوق ولذت سے ایک قدم اور آگے بڑھا تاکہ آستانہ محبوب تک پہنچ جائے۔ پھر اس قلزم حیات میں غوطہ لگا جس میں تجلیات کا ظہور ونزول ورود ہے تب ہی تو ظلمتِ نفسانی کے گناہوں کدورتِ طغیانی کی عداوتوں کو دھو سکتا ہے۔

یکے خواں یکے داں یکے جو یکے گو سوا اللہ واللہ زور است وباطل

marfat.com

یعنی اے طالب منزل طریقہء احسن یہی ہے کہ ایک ہی کے کلام کو پڑھ کر ایک ہی ذات کو جان ایک ہی دروازے کو تلاش کر اور ایک کی طرف ہی توجہ رکھ۔قسم ہے رب تعالیٰ کے سوا باقی سب جھوٹ و باطل فانی سایہ ہے۔وہی اللہ تعالیٰ منعم عابدین ہے منتقم فاسقین ہے اسی کا وعدہ امین وعرفانِ قدیم ہے اور فرمانِ عمیم ہے کہ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ اے طالب حق ہم ہی سب سے زیادہ جاننے والے ہیں باغیانِ شریعت وطاغیان طریقت کی بدسلوکیوں نافرمانیوں کو اے مرید راہ صراط وادی قرب کی راہوں میں مددگار سلاطین کم ہیں۔مکار شیٰطین زیادہ ہیں لہٰذا اگر تو ان شیاطین خونخوار سے بچنا منزل پر پہنچنا چاہتا ہے تو۔وَقُلْ رَّبِّ اَعُوْذُبِكَ مِنْ هَمَزٰتِ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۹۷﴾ وَاَعُوْذُبِكَ رَبِّ اَنْ يَّحْضُرُوْنِ ﴿۹۸﴾ ۔ذاتِ واحد کی طرف متوجہ ہو اور عرض کرتا رہ ہر قدم پرتا قیام بارگاہ قدس کے اے میری نیات قلبی اور ظاہر باطن وارداتِ قالب کے رب میں تیری خفی جلی سری نوری پناہ طلب کرتا ہوں ہر نفس وشیطان وظلم وطغیان سے اور پناہ مانگتا ہوں میں اے میرے رب تیری نصرتوں، محبتوں، حمایتوں، قوتوں، قدرتوں، حکمتوں کی شیطانوں کی دید وشنید سے بھی۔اے میری بقاء وفنا نشست و برخاست کے رب پناہ مانگتا ہوں میں اس حالت و کیفیت سے کہ خناس وشیٰطین میرے مراقبے کی خلوت مکاشفے کی جلوت میں میرے قریب آئیں یہ نفسانی شیطانی طغیانیاں مجھ سے دور ہی رہیں۔اے اللہ میں جانتا ہوں کہ

تیرا کرم نہ ہو تو مصیبت ہے زندگی تیری پناہ ملے تو سلامت ہے بندگی

اے لذاتِ دنیوی سے ہجرت کر جانے والے مہاجرِ وطن یاد رکھ کہ کفرِ باطن کی شرارتیں فساق خفیہ کی بغاوتیں۔مومن کی عداوت و ہلاکت میں ہمیشہ مشغول ومصروف رہیں گی۔حَتّٰۤى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ﴿۹۹﴾ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ان میں سے کسی کو فناء قہر وفراق کی موت آئے اور ان کی عیاشی فحاشی لذات وخواہشات دم توڑ جائیں اور ان کی مہلتِ خیرو عبادت ختم ہو جائے۔رونقِ دنیوی کا چراغ بجھ جائے۔تب دردِ معصیت سے رو کر التجائیں کرتا ہے کہ اے میرے سچے حقیقی مہربان رب مجھے واپس بھیج دے اسی عالمِ رنگ وبُو میں۔اب بندہ بنوں گا۔سچا رہوں گا۔سیدھا چلوں گا۔اہلِ حق کی مانا کروں گا۔اب مجھے پتہ چلا کہ تیرے در سے ہٹ کر سارے ساتھ تمام بھروسے جھوٹے امیدیں کھوٹی تھیں۔سب دوست اصلاً دشمن تھے جوفنا ہو گئے۔پکا بھروسا اے میرے رب صرف تیرا ہے جو سدا باقی دائم ساتھی ہے

کہتا ہے میرا میرا یہاں تیرا کون ہے دو دن کا ہے بھروسہ پھر آتا کون ہے

جوگر گیا کشتی عبادات اور مرکب طاعات سے نہیں پہنچ سکتا وہ اخروی درجات تک اور جو محروم رہا ابتداء میں مراقبات سے وہ ابدی روپوش ومحجوب کر دیا گیا مشاہدات ومعانیات سے انتہا میں۔مدعی کاذب موتِ محرومی واجلِ فراق کے وقت تمنا کرتا ہے۔اطاعت میں منتقلی کا

لَعَلِّیْۤ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ
تا کہ عمل کروں نیکیوں والے اس دنیا میں جو چھوڑ آیا ہوں، چپ ہو جا
شاید اب میں کچھ بھلائی کماؤں اس میں جو چھوڑ آیا ہوں ہشت

marfat.com

اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا
بے شک اب بھی یہ فقط یہ ایک بات ہی ہے بکنے والا ہے یہ جس کو
یہ تو ایک بات ہے جو وہ اپنے منہ سے کہتا ہے
وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾
اور ان کے سامنے قبر کا ایک مضبوط آڑ والا پردہ ہے اس دن تک جب اٹھائے جائیں گے
اور ان کے آگے ایک آڑ ہے اس دن تک جس میں اٹھائے جائیں گے
فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ أَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾
پھر جب پھونکا گیا صور میں تو نہ رشتے داریاں رہیں گی ان کفار کے درمیان اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھیں گے
تو جب صور پھونکا جائے گا تو نہ ان میں رشتے رہیں گے اور نہ ایک دوسرے کی بات پوچھے
فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾
تو وہ لوگ بھاری وزنی ہوئے جن کے سامان عمل پس وہ ہی مراد کو پالینے والے ہوں گے
تو جن کی تولیں بھاری ہوئیں وہی مراد کو پہنچے

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیت پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت میں کفار کی ایک خواہش کا ذکر ہوا جو ان میں سے ہر کافر قیامت میں کرے گا۔ اب ان آیت میں اس خواہش کی علت و وجہ بیان کی جارہی ہے اور ساتھ ہی اس خواہش کی نامنظوری کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ ان کی یہ خواہش مانی نہ جائے گی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیت میں فرمایا گیا کہ کفار کی تمام خواہشیں قیامت میں مردود و رائیگاں جائیں گی۔ اب ان آیت میں فرمایا جارہا ہے کہ کفار کو قیامت میں کوئی چیز بھی مفید نہ ہوگی اور کوئی کچھ کام نہ آئے گا نہ ان کی اپنی دعائیں فریادیں نہ ان کی رشتے داریاں حسب ونسب اور نہ ان کی کوئی بات پوچھے گا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں اچھے برے لوگوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیت میں اچھے لوگوں کی ایک نشانی بیان فرمائی جارہی ہے جو قیامت میں ظاہر ہوگی۔ اور یہی نشانی ان کی ابدی کامیابی قرار دی جارہی ہے۔

تفسیر نحوی

لَعَلِّيْٓ أَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ۚ إِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ۚ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ - لَعَلِّيْٓ أَعْمَلُ۔ باب سمع کا فعل مضارع احتمال برائے علت وسبب مثبت معروف صیغہ واحد متکلم عمل سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے کام کرنا مراد ہے قلبی عقلی فکری اعضائی کام کرنا آخرت کی نجات و کامیابی کے لئے۔ صَالِحًا۔ باب ضرب کا اسم فاعل واحد

marfat.com

مذکر۔ صَلُحَ یا صَلَحَ سے مشتق ہے یہ مادہ لازم ہے ترجمہ ہے بہتری درستی صلاحیت لیاقت والے کام اعمال۔ یہ مفعول بہ ہے
فِیْ حرف جر ظرفیت زمانی کے لئے مَا اسم موصول سے مراد دنیا ہے تَرَکْتُ۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد
متکلم تَرَکْتُ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چھوڑنا۔ چھوڑ آنا۔ اس کا فاعل ہے اَنَا ضمیر واحد متکلم پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل مل کر
جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہے مَا کا یہ موصول صلہ مل کر جملہ فعلیہ ہوکر مجرور ہوا۔ جار مجرور ملکر متعلق ہے لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ کا اس کا فاعل اَنَا
ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ کَلَّا۔ اسم فعل بمعنی امر حاضر واحد مذکر لفظ
توبیخ وزجر (جھڑک کے لئے) ترجمہ ہے چپ ہوجا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ تقریباً تینتیس بار ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ اسم فعل
بمعنی جھڑک ہے۔ اور ہر جگہ ہی اس کو ترکیب میں سیاق وسباق سے جدا ہی رکھا ہے۔ اس لئے آسان ترکیب یہی ہے کہ
کَلَّا اسم فعل یعنی لفظاً اسم مبنی۔ اور معناً فعل غیر متصرف وغیر مشتق۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر معنوی۔ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ فعلیہ
ہوگیا۔ اس کے علاوہ اہل عرب نے اس کو آٹھ معنی میں استعمال کیا ہے۔ ۱۔ چوکیداری۔ ۲۔ نگہبانی۔ ۳۔ نگرانی۔
۴۔ حفاظت کرنے کے لئے۔ ۵۔ نہر کے دوطرفہ کنارے کو بھی پانی کی حفاظت کی وجہ سے کَلَّا کہا گیا ہے۔ ۶۔ ساحلِ
سمندر۔ ۷۔ بندرگاہ (ساحلِ سمندر کا پورا علاقہ)۔ ۸۔ ہواؤں سے بچاؤ کرنے کی جگہ۔ اِنَّ حرف مشبہ ھَا ضمیر واحد مؤنث
غائب اس کا مرجع ہے لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ کا پورا جملہ۔ تَرَکْتُ تک۔ ھَا اسم ہے اِنَّ کا کَلِمَۃٌ اسم مفرد مؤنث مذکر دونوں کے لئے
ہے آخر کی ۃ وحدت کی ہے نہ تانیث کی نہ مصدر کی۔ ترجمہ ہے بات۔ اس کی جمع ہے کَلِمَاتٌ۔ مجموعہ اور جملے کو کلام کہا جاتا
ہے۔ لغوی ترجمہ ہے چھیدنا ہر بات دل اور کان کو چھیدتی ہے۔ زخم جسم کو چھیدتا ہے اسی لئے زخم کو کَلْمٌ کہا جاتا ہے اسکی جمع
ہے کَلِمٌ اور کَلِمٌ کی جمع کُلُوْمٌ ہے۔ فیصلے اور حکمِ ازلی اور قیامت اور وعدہ اور شعر اور فعل (کام) کو بھی کَلِمَۃٌ کہا جاتا ہے۔
احادیث میں اول کلمہ طیبہ۔ اور بسم اللہ شریف کو بھی کلمہ فرمایا گیا۔ یہاں مراد ہے قولی بات۔ یہ موصوف ہے۔ ھُوَ ضمیر مبتدا۔
قَائِلُ۔ باب نصر کا اسم فاعل واحد مذکر برائے صیغہ غائب قَوْلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ ھَا ضمیر اس کا مفعول بہ یہ
سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مبتدا ھُوَ ضمیر ظاہر کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے کَلِمَۃٌ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے
اِنَّ کی یہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا وَاؤ سر جملہ وَرَآءِ۔ اسم مصدر ظرفیتِ مکانی کے لئے ہمیشہ مضاف ہوتا ہے
اس کا مضاف الیہ کبھی فاعل ہوتا ہے کبھی مفعول۔ یہاں ھُمْ ضمیر اس کا فاعل مضاف الیہ ہے لہٰذا یہاں وَرَآء کا معنی ہے
آگے۔ وَّرَآىِٕهِمْ کا معنی ہوا ان کے آگے اور وہ لوگ اس کے پیچھے چھپنے والے فاعل۔ وَرَآءِ مصدر مضاف اپنے فاعل
مضاف الیہ کے ساتھ مجرور رہا یہ جار مجرور متعلق اول ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا وَرَآء۔ بروزن فَعَالٌ وَرْءٌ سے بنا ہے
باب فَتَحَ میں گردان ہوتی ہے۔ بَرْزَخٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی عالم قبر (موت کے بعد قیامت سے پہلے تک کی مدت والا جہان
عالمِ برزخ کہلاتا ہے وہی یہاں مراد ہے لغوی ترجمہ ہے۔ موٹا پردہ حد بندی مضبوط آڑ حد فاصل۔ اسی معنی میں ہے قرآن مجید
کی سورۃ فرقان آیت ۵۳ اور سورۃ رحمٰن آیت ۲۰ میں قرآن کریم میں صرف ان تین جگہ ہی یہ لفظ ارشاد ہوا ہے۔ احادیث
مقدسہ میں قبر کی مدت کو عالمِ برزخ فرمایا گیا۔ ایک قول میں یہ فارسی کے لفظ پردہ سے بردہ پھر برزہ پھر برزخ معرب ہوگیا مگر
یہ غلط ہے کیونکہ عربی میں پردے کے لئے حجاب اور ستر کا لفظ موجود ہے تو فارسی سے لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ ایک قول میں

marfat.com

یہ مکمل لفظ بَوْزٌ ہے آخر میں خ مبالغے کے لئے ہے یعنی سخت موٹی آڑ مگر یہ قول بھی غلط ہے۔ لفظِ برزخ مکمل ایک عربی لفظ ہے اور اصل میں ایک جہاں کا نام ہے۔ بعد میں لغت سے اس کے معنی آڑ اور موٹے پردے کے لئے استعمال کر لئے۔ جیسے دنیا ایک جہان کا نام ہے پھر لغت میں بمعنی گھٹیا حقیر استعمال کیا گیا۔ یہ نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا الیٰ حرفِ جر برائے انتہا۔ یَوْمِ اسم مفرد زمانی جامد۔ ترجمہ ہے دن مراد ہے زمانہ۔ مضاف ہے۔ یُبْعَثُوْنَ۔ باب فتح کا مضارع مستقبل مثبت مجہول صیغہ جمع مذکر غائب بَعْثٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بھیجنا۔ لیجانا۔ پہنچانا۔ اس کا نائب فاعل ہے ھُمْ ضمیرِ صیغہ پوشیدہ مراد ہیں اہلِ قبور کفار۔ یہ فعل مجہول با نائب فاعل جملہ ہو کر مضاف الیہ ہے یَوْمٌ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہوا جار مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾۔ فَ عاطفہ زائدہ اِذَا شرطیہ نُفِخَ باب فتح کا ماضی مطلق مثبت مجہول نفخ سے مشتق ہے اس کا نائب فاعل نفخ یا نفثٌ حاصل مصدر ہے فِی ظرفیت مکانیہ کے لئے الف لام حرفی عہد ذہنی صُوْرَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی نقارہ۔ مراد ہے قیامت کا نقارہ مجرور ہے فِیْ سے یہ جار مجرور متعلق ہے نُفِخَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط ہے فَ حرفِ جزا لَا حرف نفی جنس۔ اَنْسَابَ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَسَبٌ۔ ترجمہ ہے رشتہ و قرابت داری۔ نہ حسبی نہ سببی نہ صہری (نہ دینی نہ نسلی نہ سسرالی) اَنْسَابَ اسم ہے لَاءِ نفی جنس کا خیال رہے کہ عربی میں لَا حرفِ نافیہ نو قسم کا ہے۔ ۱۔ لاءِ نفی جنس۔ ۲۔ لا نافیہ مشبہ اِنَّ۔ ۳۔ لاءِ نفی ناقصہ مشبہ بِلَیْسَ۔ ۴۔ لاءِ نفی تبریہ۔ ۵۔ لاءِ نفی حرفِ عطف۔ ۶۔ لاءِ نفی جوابیہ نَعَمْ کے مقابل۔ ۷۔ لاءِ نفی محصنہ۔ ۸۔ لاءِ نہی۔ ۹۔ لاءِ نفی زائدہ بین اسم ظرف مکانی بمعنی درمیان بیچ وسط۔ مضاف ہے ھُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرفِ مکانی ہے مَوْجُوْدٌ اسم مفعول یا قَائِمٌ اسم فاعل پوشیدہ یَوْمَ اسم ظرفِ زمانی کا مضاف ہے۔ اِذٍ اسم زمانی بمعنی شرطیت دراصل یہ پوری عبادت اس طرح ہوتی ہے یَوْمَ اِذْ کَانَ کَذَا ترجمہ ہے۔ اس دن جبکہ ایسا ہو گا اِذٍ مضاف الیہ۔ يَوْمَئِذٍ مرکب اضافی ظرفِ زمانی ہے مَوْجُوْدٌ یا قَائِمٌ پوشیدہ کا قَائِمٌ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر فاعل اور ظرفِ مکانی و زمانی سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا يَتَسَآءَلُوْنَ۔ بابِ تفاعُلْ کا مضارع مستقبل منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ اس کا مصدر ہے تَسَائِلٌ۔ ترجمہ ہے بات یا حال چال پوچھنا۔ خیر خیریت پوچھنا۔ سَئَلٌ سے بنا ہے اس کا ترجمہ ہے پوچھنا سوال کرنا۔ مانگنا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیرِ صیغہ پوشیدہ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے بَيْنَهُمْ کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر خبر ہے لاءِ نفی جنس کی۔ یہ لا اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ حرفِ زائدہ بیانیہ معنی پس۔ مَنْ اسم موصول نکرہ عمومی بَیِّنَاتٌ میں سے ہے ترجمہ ہے پس جو شخص بھی مَنْ شرطیت کے لئے ہے۔ ثَقُلَتْ۔ باب کَرُمَ کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مؤنث غائب ثِقْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے وزنی ہونا بھاری ہونا اسی سے ثَقِیْل بمعنی بہت بھاری والا وزن دار۔ مراد ہے قیمتی مَوَازِیْنُ اسم جمع منتہی الجموع۔ اس کا واحد ہے میزان وَزْنٌ سے مشتق ہے۔ دراصل مِوْزَانٌ ہے تعلیل نحوی سے ہوا مِیْزَانٌ ترجمہ ہے ترازو۔ اسم آلہ ہے باب ضرب کا مراد پلڑے ترازو کے بروز قیامت یہ مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل۔ اس کا مرجع ہے مَنْ مضاف الیہ ہے مَوَازِيْنُ کا یہ مرکب اضافی فاعل ہے ثَقُلَتْ کا۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ حرفِ جزا۔ اُولٰئِکَ۔ اسم اشارہ

marfat.com

بعیدی۔ آخر میں کاف ضمیر مخاطب واحد کا یہاں زائد ہے یہ وحدتِ خطابی مَنْ واحد کی وجہ سے ہے اس کا مشار الیہ مَنْ ہے۔ یہ مبتدا ہے هُمْ ضمیر جمع مذکر غائب برائے حصر اس کا معنی ہے۔ یہی اُولٰئِکَ هُمْ کا ترجمہ ہے وہ لوگ ہی اَلْمُفْلِحُوْنَ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ مُفْلِحُوْنَ۔ باب افعالی کا اسم فاعل جمع مذکر برائے صیغہ غائب۔ فَلْحٌ سے بنا ہے بمعنی انعام یافتہ کامیابی۔ اس کا مصدر ہے اِفْلَاحٌ۔ ترجمہ کامیابی پالینے والے۔ اس کا فاعل هُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ۔ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اُولٰئِکَ مبتدا کی دونوں ملکر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے فَمَنْ کے جملے کی وہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کَلَّا ؕ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾۔ ہر کافر مرنے کے بعد دنیا میں واپس کئے جانے کی التجا کرتے ہوئے کہتا ہے کہ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا تا کہ اب میں خوب دل لگا کر نیک کام کروں ان حقوق کی ادا میں جو میں چھوڑ آیا یا اپنی بد عقلی سے اور ایمان لا کر عبدی مالی، روحی، بدنی، قلبی، عقلی تقویٰ طہارت سے سب ادا کروں گا۔ جواب آتا ہے کَلَّا ہرگز نہیں اب واپسی نہیں ہو سکتی تین وجہ سے پہلی یہ کہ اب تیرا ایمان لانا بیکار ہے کیونکہ اب تیرا ایمان بالغیب نہ ہوگا۔ تو نے موت۔ ملائکہ۔ جنت و دوزخ کی جھلک قبر و برزخ میں دیکھی اور جو غیب والا ایمان نہ ہو وہ معتبر نہیں کیونکہ وہ خوف ذوق کا ایمان ہے نہ کہ للّٰہیت کا یہ تو اس صورت میں ہے جب تیری واپسی عقل و یاد کے ساتھ ہو۔ تجھے موت و قبر کی وحشت دہشت تکلیف سب یاد ہو۔ دوم یہ کہ اگر پہلی زندگی کی مثل تجھ کو بچوں کی طرح بے عقل و بے شعور بنا کر واپس کیا جائے اور تجھے یہ لَعَلِّیْ کا وعدہ موت و قبر کا نظارہ کچھ یاد نہ ہو تو پھر دنیا میں بے دینی بد عملی شیطانی طغیانی کا فتنہ فساد مچائے گا۔ سوم یہ کہ ایمان بالشہادۃ کسی کا معتبر نہیں۔ جب ملائکہ اور جنت دوزخ کو دیکھ لیا تب ایمان قبول کرنا معتبر نہیں۔ ان وجوہ سے دوبارہ دنیا میں بھیجنے کا قانون ہی نہیں بنایا گیا۔ نہ آزمائے کو آزمانہ مفید نہ ایمان بالشہادۃ مفید۔ نہ ڈر یا لالچ کا ایمان قبول۔ چونکہ امتحانِ الٰہی ایک بار ہی ہوتا ہے اس لئے خوش قسمت کی کامیابی اور بد قسمت کی ناکامی بھی ایک بار ہی ہے لہٰذا دوبارہ امتحان گاہِ دنیا میں کسی کو بھی نہ بھیجا جائے گا نہ کامیاب کو نہ ناکام کو۔ اور کفار کی بار بار التجا و وعدہ ایفا تو وہ اِنَّهَا کَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ۔ بیشک یہ سب التجائیں دہشتِ موت وحشت قبر دیکھ کر گھبراہٹ سے مایوسی کا ایک کلام ہے جواب اس کو کہنا ہی ہے۔ مصیبت میں پڑا ہوا تو ہر گندہ مندہ بھی بندہ بن جاتا ہے۔ ایسی بندگی نہ اللہ کو پسند نہ رسول اللہ ﷺ کو۔ اب تو بس قیامت کی طرف ہی لوٹنا ہے۔ وَ مِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾۔ اور قیامت و مرنے والوں کے درمیان لمبی مضبوط موٹی بلند آڑ ہے اس دن تک جب کہ سب نیک و بد حشر و حساب ثواب و عذاب کے لئے اٹھائے جائیں گے اس آڑ کی وجہ سے کوئی فوت شدہ واپس نہ آسکے گا برزخ کی تین قسمیں اول برزخ کیفیت یعنی موت یہ راہ برزخ ہے روح و جسم کی جدائی نہ دونوں مل سکیں نہ حیات پاسکیں۔ دوم مقامِ برزخ یعنی قبر خواہ خاک میں ہو خواہ راکھ میں۔ قبر سے کسی میت کو چھٹکارا نہیں۔ کافر کو قبر میں مقید ہونے کی وجہ سے کہ وہاں دوزخ کی حرارت ہے۔ مومن کو قبر سے محبت ہونے کی وجہ سے کہ وہاں جنت کی تراوت ہے سوم مدتِ برزخ۔ مومن کے لئے قیامِ اجسام کافر کے لئے فناء اجسام تراب بن کر یا رماد بن کر۔ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔ اٹھائے جانے کے دن تک۔ اسی مدت قیام کا نام عالمِ برزخ ہے۔ اس سے کسی کو مفر نہیں نہ ندامت کر کے نہ

marfat.com

خوشامد کر کے کیونکہ اس کے سوا کوئی مفر نہیں پھر وقت آئے گا۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ کہ پہلی بار صور میں پھونکا گیا تو زمین پر تمام زندوں کو یکدم مردہ کر دیا جائے گا اور زمین میں تمام مردوں کو یکدم بیہوش کر دیا جائے گا اجسام بھی بے خبر ارواح بھی یہ حالت چالیس سال تک رہے گی۔ اس مدت میں لَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ کوئی تعلق نہ رہے گا کسی انسان کا کسی انسان سے نہ حکمی نہ حقیقی نہ ابوت کا نہ نبوت نہ اخوت نہ مروت نہ قومیت نہ حمایت نہ رفاقت کا۔ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ نہ سوال کا نہ جواب کا۔ بس ہر جگہ کُلُّ مَنۡ عَلَیۡہَا فَانٍ (الرحمٰن: ۲۶) کا ہی ظہور ہوگا۔ پھر چالیس سال بعد دوسرا صور پھونکا جائے گا تب سب مردوں کو زندگی اخروی سے زندہ کیا جائے گا اور مومن کافر کی چھانٹ ہو جائے گی کہ حالات کیفیات درجات مقامات سب علیحدہ علیحدہ۔ حقیقی نسبت قائم ہو جائے گی مومنین میں بھی کافرین میں بھی جان پہچان بھی ہوگی لیکن حکمی نسبت صرف مومنین میں ہی ہوگی۔ کفار کے درمیان فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ نسبت حکمیہ نہ ہوگی نہ محبت نہ حمایت نہ تعاون نہ قومیت کا فخر نہ رشتوں کا تکبر نہ اولاد کا غرور نہ وطنیت کا سرور کُلُّ سَبَبٍ وَّ نَسَبٍ وَّ صِہۡرٍ یَنۡقَطِعُ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ۔ ہر کافر کا حسب نسب سسرالی تعلق یوم قیامت ٹوٹ جائے گا۔ بادشاہ ہو یا وزیر۔ امیر ہو یا فقیر۔ سید ہو یا حقیر۔ اگر کافر۔ مرتد۔ بدعقیدہ ہو کر مرا تو تمام رشتے ختم۔ نہ باپ ہونا کام آئے نہ بیٹا ہونا۔ نہ سسر ہونا نہ داماد ہونا۔ اور کفار پر اتنی دہشت۔ وحشت آفت گھبراہٹ ہوگی کہ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ایک دوسرے کا حال وحمایت کا سوال جواب بھی نہ کر سکے گا۔ قیامت کے ہزار سالہ دن میں کفار کے چھ حال بیان فرمائے گئے ہیں۔ ۱۔ حال گھبراہٹ کے وقت لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ۔ ۲۔ پھر تھوڑا سکون ملنے پر۔ فَاَقۡبَلَ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۵۰﴾۔ (صٰفٰت: ۵۰) کفار ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے سرداروں ودیگر عام کفار سے سوال وجواب کریں گے۔ ۳۔ پھر حساب وکتاب کے وقت کفار یَتَغَیَّرُوۡنَ۔ یَوَدُّ الۡمُجۡرِمُ لَوۡ یَفۡتَدِیۡ مِنۡ عَذَابِ یَوۡمِئِذٍۭ بِبَنِیۡہِ ﴿۱۱﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ اَخِیۡہِ ﴿۱۲﴾ وَ فَصِیۡلَتِہِ الَّتِیۡ تُـْٔوِیۡہِ ﴿۱۳﴾ وَ مَنۡ فِی الۡاَرۡضِ جَمِیۡعًا ۙ ثُمَّ یُنۡجِیۡہِ ﴿۱۴﴾ (معارج: ۱۱ تا ۱۴) کفار حیران پریشان ہو جائیں گے۔ ہر کافر تمنا کرے گا کہ کاش آج عذاب کے فدیے میں اپنے بیٹے بیوی بھائی حمایتی اور پیارا رشتے دار اور دنیا کے تمام لوگوں کو اپنے عذاب کا بدلہ بنا کر دے دے اور کسی طرح عذاب جہنم سے بچ جائے۔ ۴۔ پھر حساب وفیصلے کے بعد یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ۔ (یونس: ۴۵) کفار ایک دوسرے کو خوب پہچانیں گے۔ ۵۔ کفار کی پانچویں حالت اس وقت جب میدانِ محشر سے اپنا ٹھکانہ جہنم کو دیکھیں گے۔ یَوۡمَ یَفِرُّ الۡمَرۡءُ مِنۡ اَخِیۡہِ ﴿۳۴﴾ وَ اُمِّہٖ وَ اَبِیۡہِ ﴿۳۵﴾ وَ صَاحِبَتِہٖ وَ بَنِیۡہِ ﴿۳۶﴾ لِکُلِّ امۡرِیًٔ مِّنۡہُمۡ یَوۡمَئِذٍ شَاۡنٌ یُّغۡنِیۡہِ ﴿۳۷﴾۔ (عبس: ۳۴ تا ۳۷) ہر کافر مرد اس دن بھاگے گا اپنے بھائی ماں باپ بیوی بیٹے سے ہر کافر کا ایسا برا حال ہوگا کہ کوئی اپنے سوا کسی کی فکر نہ کرے گا۔ بروزِ قیامت کفار کی چھٹی حالت وَ لَا یَسۡـَٔلُ حَمِیۡمٌ حَمِیۡمًا ﴿۱۰﴾ (معارج: ۱۰) جب پل صراط سے گزرتے وقت اتنی شدید دہشت ہوگی کہ اگر موت ہوتی تو شدۃ دہشت سے مر جاتے اسی دہشت کی بنا پر کوئی حمایتی کافر کسی حمایتی جگری دوست کو بھی نہ پوچھے گا۔ تفسیر روح المعانی میں اسی جگہ ہے کہ آقا ﷺ نے فرمایا بروزِ قیامت ہر کافر فساق کو تین وقت بہت گھبراہٹ ہوگی دہشت سے پتے پھٹ جائیں گے۔ پہلا وقت جب نامہ اعمال پکڑائے جائیں گے دوسرا وقت جب میزان پر لائے جائیں گے۔ تیسرا وقت جب پل صراط پر سے گزریں گے۔ تفسیر روح البیان جامع البیان۔ کبیر۔ طبری میں ہے کفار وفساق اس وقت

marfat.com

بھی بہت گھبرائیں گے بروزِ قیامت اعلان ہوگا کہ آؤ حق والو اپنے حق وصول کرو اگرچہ خاوند بیوی بھائی بیٹے ماں باپ دوست پر ہو اور وہ حقوق فاسق کی نیکیوں سے اور کافر کے ان درجوں سے دلوائے جائینگے کہ اگر وہ مومن ہوتا تو جنت میں اس کو ملتے (از احادیث مقدسات) غرضکہ یہ حالاتِ بے بس صرف کفار وفساق کے ہوں گے موت کی نزع میں۔ قبر کے عذاب و قیام میں۔ حشر کے حساب میں پل صراط کی گزرگاہ میں۔ لَآ اَنْسَابَ کی دہشت وَلَا یَتَسَآءَلُوْنَ کی وحشت لیکن۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾۔ پس وہ خوش قسمت مومنین صالحین متقین عابدین زاھدین جن کے اعمال میزانِ محشر میں بہت وزنی ہوں گے تو یہی لوگ ہر جگہ دنیا آخرت حیات ممات قبر حشر اعمال اقوال نجات ثواب میزان صراط حساب و کتاب میں کامیاب ہونے والے ہیں نزع کی بشارت قبر کی راحت بعثت کے وقار کہ کفار پیدل مومن سواریوں پر حشر کے آرام حساب میں شفاعت کی صداؤں پل صراط پر رب سَلِّم کی دعاؤں سے۔ آقا ﷺ نے فرمایا احادیث مقدسہ نے سنایا۔ كُلُّ سَبَبٍ وَّ نَسَبٍ وَّ صِهْرٍ یَنْقَطِعُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ اِلَّا سَبَبِیْ وَ نَسَبِیْ وَ صِهْرِیْ۔ یعنی قیامت میں ہر سبب و نسب سسرالی رشتہ ٹوٹ جائے گا قوم قبیلہ برادری کچھ کام نہ آئے گی نہ حمایتا نہ شفاعتا نہ سفارشا نہ ترحم نہ تلطف مگر آقا حضور اقدس ﷺ کا سبب نسب صہر نہ کبھی ٹوٹے نہ ختم ہو نہ جدا تا ابد ہر جگہ بچانے بخشوانے میں کام آئے۔ اس حدیثِ مقدس میں تین چیزیں فرمائی گئیں اول سببیت پھر نسبیت وصہریت کا درجہ یعنی اگر دنیا میں کسی انسان نے نبی کریم ﷺ سے سببیت قائم نہ رکھی تو نبوی نسبیت وصہریت کام نہ آئیگی۔ تفسیر روح البیان نے اسی جگہ لکھا۔ عَنْ مُحَمَّدِ ابْنِ عَلِیٍّ تِرْمِذِیْ۔ اَلْاَنْسَابُ كُلُّهُمْ مُنْقَطِعَةٌ اِلَّا مَنْ كَانَتْ نِسْبَتُهٗ صَحِیْحَةً فِیْ عُبُوْدِیَتِ رَبِّهٖ فَاِنَّ تِلْكَ النِّسْبَةَ الْمُفْتَخَرُ بِهَا لَا نِسْبَةَ الْاَجْنَاسِ مِنَ الْاٰبَآءِ وَالْاُمَّهَاتِ وَالْاَوْلَادِ۔ ترجمہ: محمد بن علی سے روایت ہے قیامت میں تمام نسب ختم ہیں مگر وہ نسب ختم نہیں ہوگا۔ جس کا تعلق رب تعالیٰ کی صحیح سچی عبدیت وبندگی کی وجہ سے ہو پس یہی نسبت تعلق وہ ہے جس پر فخر فرمایا ہوا ہے اِلَّا سَبَبِیْ وَ صِهْرِیْ والی حدیثِ مقدس میں نہ کہ ماں باپ اولاد والی جنسی نسبتیں اور تعلق۔ اسی آیت میں امام اصمعی تابعی نے امام زین العابدین بن امام حسین بن مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے روایت کیا امام زین العابدین نے اسی آیت فَلَآ اَنْسَابَ سے دلیل لیتے ہوئے فرمایا کہ اگر سید ہاشمی قریشی بھی بے دین بدعقیدہ ہو جائے تو اس کا نسب نبی کریم ﷺ سے ختم ہے قیامت میں کام نہ آئے گا اور وہ سید جہنمی ابدی ہوگا بلکہ دنیا میں اس کو سید کہنا ہی منع ہے (از روح البیان جلد ششم ص ۱۰۶) تفسیر مظہری یہی آیت ص ۴۰۳ پر ہے کہ اِلَّا سَبَبِیْ والی حدیث میں سبب سے مراد سچا مسلمان ہونا ہے اور اس فرمانِ عالی اقدس میں تا قیامت ہر متقی مسلمان داخل ہے یعنی ہر عابد زاہد متقی نبی کریم ﷺ کا حقیقی سبب وحسب ہے نسبیت وصہریت دوسرے درجہ پر ہے۔ شریعتِ اسلامیہ میں نسبیت دو قسم کی ہے۔ ا حکمی مثلی۔ اس نسبیت میں تمام مسلمان نبی کریم ﷺ کی مثل اولاد اور نبی کریم ﷺ مثل والد اور آپ کی ازواج پاک مومنون مومنات کی مائیں ہیں یہی مثلی حکمی نسبیت مراد ہے۔ اِلَّا سَبَبِیْ حَسَبِیْ کے فرمانِ نبوی ﷺ میں اس لئے سب امت مسلمہ شامل نہ کہ فقط سادات فرق یہ ہے کہ ہر غیر سید مسلمان حقیقی سبب وحکمی نسب والا۔ لیکن ہر مسلمان سید حقیقی حسب سبب وحقیقی نسب والا۔ مگر بدعقیدہ گمراہ مرتد ہو جانے والا سید نہ سبب وحسبِ نبوی والا رہا نہ نسب نبوی والا رہا نہ حقیقی نہ حکمی اس کی نسبت رسولی ختم ومنقطع دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ یہ

marfat.com

بے بسی ہے کسی لَآ اَنۡسَابَ کی وحشت صرف کفار کو ہوگی مگر مومن متقی کو نزع سے دخولِ جنت تک نہ بے بسی نہ وحشت نہ دہشت بلکہ کہیں لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ کا ظہور ہوگا اور کہیں وَلَا ھُمۡ یَحۡزَنُوۡنَ کا سرور ہوگا اور کہیں رحمت وراحت والا نور ہوگا۔ آپسی جان پہچان تعلق انساب کی شان باذن اللہ شفاعت مہربان ہوگی۔ سورۃ طور آیت ۲۱ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَاتَّبَعَتۡہُمۡ ذُرِّیَّتُہُمۡ بِاِیۡمَانٍ اَلۡحَقۡنَا بِہِمۡ ذُرِّیَّتَہُمۡ۔ ترجمہ اور وہ لوگ جو دنیا میں مومن بن کر رہے اور ان کی اولاد نے بھی تا عمر ایمان لانے میں ان کی پیروی قائم رکھی تو قیامت میں ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ہی رکھیں گے۔ یعنی ایمان لانے والوں کے جنسی حقیقی نسب منقطع نہ ہوں گے بشرطیکہ ایمانی سببیت وحسبیت کو قائم رہے۔ سورۃ زخرف آیت ۶۷ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے اَلۡاَخِلَّآءُ یَوۡمَئِذٍۭ بَعۡضُہُمۡ لِبَعۡضٍ عَدُوٌّ اِلَّا الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۶۷﴾۔ ترجمہ کفار جگری دوست اس دن آپس میں دشمن ہوں گے۔ مگر مومن متقی لوگ دنیا میں بھی ایمانی سچے پکے دوست و مددگار ہیں تو وہ قیامت میں بھی ایک دوسرے کے دوست مددگار اور قریب ہوں گے۔ سورۃ صٰفّٰت آیت ۲۷ میں ہے۔ وَاَقۡبَلَ بَعۡضُہُمۡ عَلٰی بَعۡضٍ یَّتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۲۷﴾۔ ترجمہ قیامت میں صرف ایمان والے ہی ایک دوسرے کے قریب ہوں گے اور حال خیریت پوچھیں گے مدد بھی کریں گے۔ یعنی لَا خَوۡفٌ عَلَیۡہِمۡ کے سکون وسرور میں ہوں گے۔ سورۃ یونس آیت ۴۵ میں ارشاد ہے یَتَعَارَفُوۡنَ بَیۡنَہُمۡ ؕ۔ ترجمہ تمام مومن متقی بروز قیامت نہایت خوشی سکون محبت سے ہر مومن کو ہر طرح جانتے پہچانتے ہوں گے۔ فالْحَمۡدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذَالِکَ۔ ان تمام آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ رَبِّ ارۡجِعُوۡنِ کی التجائیں۔ فَلَآ اَنۡسَابَ کی بے تعلقی بے کسی اور وَّلَا یَتَسَآءَلُوۡنَ کی دہشت بے بسی صرف کفار کے لیے ہے لیکن تمام مومن متقی مسلمان اپنے آقا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسب وسبب وحکمی نسب میں آل رسول بن کر تمام پریشانیوں دہشتوں وحشتوں قیامت کی گھبراہٹوں سے محفوظ رہیں گے۔ اور سب مسلمان مومنوں کے نسب قیامت میں قائم رہیں گے کوئی نسب منقطع نہ ہوگا۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرئت لَعَلِّیۡۤ ہے یاء ساکن سے یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت لَعَلِّیَ ہے۔ یاء مفتوحہ سے لَعَلِّیۡۤ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ لَعَلِّیۡۤ تعلیلیہ ہے بمعنی تاکہ یہی قول درست ہے۔ امام بغوی نے فرمایا قرآن مجید میں تمام لعل تعلیلیہ سوائے ایک جگہ لَعَلَّکُمۡ تَخۡلُدُوۡنَ۔ کے وہ تحقیقیہ ہے بمعنی بیشک۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ لَعَلِّیۡۤ ترجی یعنی امید کا ہے بمعنی شاید۔ فِیۡمَا کے معنی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے اس ایمان اعمال میں۔ ۲۔ بعض نے کہا اس مال و دولت میں۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ فی زائدہ ہے۔ اور ما کا معنی اس کو کَلَّا کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کَلَّا کے معنی خبردار ہرگز نہیں یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کَلَّا بمعنی حقا یعنی یہ خبر درست ہے کَلَّا کے فاعل میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ فرمان رب تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کلا کے معنی ھذا اور یہ کلام میت کافر کا ہوتا ہے۔ کَلِمَۃٌ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا ترجمہ ہے یہ وہ بات ہے جو ہر کافر قبر حشر جہنم میں کہے گا۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے یہ وہ بات ہے جس کی پرواہ نہیں کی جائے گی قبر حشر جہنم میں۔ دونوں قول درست ہیں یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا اس کا

marfat.com

معنی ہے پورا زمانہ قیامت نشور قبر سے دخول جہنم تک۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنی وقت جزاء۔ نُفِخَ کی مراد میں تین قول۔
۱۔ اکثر نے فرمایا نفخے تین ہیں۔ ا۔ بدحواسی کا، ۲۔ بیہوشی کا، ۳۔ قبور سے اٹھنے نکلنے کا۔ یہاں مراد دوسرے دو ہیں۔ لَآ اَنْسَابَ دوسرے نُفِخَ سے اور وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ۔ تیسرے نفخ سے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد پہلا نفخہ ہے۔
یہ قول غلط ہے اور فَاِذَا کا معنی ہے۔ جب بھی فِی الصُّوْرِ کی قرئت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرئت۔ فِی الصُّوْرِ ہے۔ ترجمہ ہے نقارے میں یہی قرئت و معنی درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ فِی الصُّوَرِ ہے صُوْرَۃٌ کی جمع مراد ہے شکلوں جسموں میں روح پھونکنا۔ ۳۔ بعض کی قرئت۔ فِی الصِّوَرِ ہے۔ ترجمہ ہے جب بدل دی جائے گی حالت میں۔ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ کی قرئت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرئت میں یہ باب تفاعل سے ہے۔ یہی قرئت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔
۲۔ بعض کی قرئت یَتَسَآءَلُوْنَ ہے۔ باب افاعل سے۔ مَوَازِیْنَ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ جمع ہے مَوْزُوْنٌ کی۔ مراد ہیں اعمال۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ یہ جمع ہے میزانٌ کی یعنی ترازوئیں۔ اور جمع سے تعداد ترازو مراد نہیں۔ بلکہ تعدادِ تلوائی مراد ہے۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** بوقت وفات ہر شخص کو حسرت و افسوس ہوتا ہے سواء انبیاء کرام علیہم السلام کے۔ کافر کو فراق دنیا کا فاسق کو ترک اعمال عمر برباد کا۔ مومن متقی کو مزید کثرتِ عبادات کا کہ میں چند لمحے بھی کیوں سویا اس وقت بھی کیوں نہ عشق الٰہی میں رویا۔ یہ فائدہ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَکْتُ کے کلمات ندامت و حسرت کے ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ ندامت کافر کو۔ افسوس فاسق کو۔ حسرت مومن متقی کو کہ جو دم غافل سو دم کافر مجھے مرشد نے فرمایا۔ میت کی ان کیفیات کا ذکر احادیث میں بھی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** لغو و بیکار کام و کلام ہر جگہ دنیا آخرت قبر حشر میں ذلت اور مردودیت کا باعث ہے۔ اس لئے ہر مسلمان کو کھیل کود اور بکواسیات کج بحثی و جہالت سے ہر وقت بچنا چاہئے۔ اور بچنے کے لیے علم کا نور عقل و شعور ضروری ہے۔ پہلے سوچو پھر بولو۔ یہ فائدہ کَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا ؕ کے توبیخی کلام فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسند یہ ہے کہ مسلمان اپنی شکل و صورت، عادات، اخلاق، لباس، چال ڈھال، اعمال گفتگو میں کفار کی طرح زندگی گزارے وقت ضائع عمر برباد کرے اسی لئے دنیا میں احکامِ شریعت سے اور قبر حشر میں کیفیات موت کافر و مومن کے درمیان بہت فرق گردانے گئے۔ للہٰذا ہر مسلمان کو خود بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ اس کی کوئی بات تاعمر کفار کے مشابہ نہ ہو۔ اگر کوئی مسلمان اس فرق کو قائم رکھنے کا خیال و پابندی نہیں کرتا تو یہ اس کی بدقسمتی ہے۔ یہ فائدہ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَهُمْ یَوْمَىٕذٍ وَّلَا یَتَسَآءَلُوْنَ ﴿۱۰۱﴾۔ فرما کر کفار کی خصوصیت بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔ اصل اشرف المخلوقات تو مومن ہے۔ کافر تو مثل جانور ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** مقبول و پسندیدہ عمل و عبادت وہی ہے جو ہمیشہ پابندی کے ساتھ وقت پر تمام شرائط و واجبات کے اہتمام و احتیاط سے ادا کی جائے بے وقتی عبادت باعث سزاء و ویل ہے۔ اگرچہ

marfat.com

کرمِ کریم نے مسلمانوں کی خصوصی آسانی کے لیے قضا کرنے کی سہولت عطا فرمائی ہے جو پہلی امتوں کو نہ ملی تھی۔ مگر کسی مسلمان کو اس خصوصی کرم سے ناجائز فائدہ نہ اٹھانا چاہئے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ بلا عذر محض غفلت یا دنیوی مشغولیت کی وجہ سے عبادات قضا کرنا حرام اور سزاء ویل کی وعید ہے۔ یہ مسئلہ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ کی فقہی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ جس میں کفار وفساق کی حالت موت کا نقشہ دکھایا گیا۔ مسلمانوں کو عبرت پکڑ کے بندہ بننا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت کا نور و عبادت کا سرور عطا فرمائے۔ **دوسرا مسئلہ:** قیامت میں ہر مومن کو اس کا مومن نسب کام آئے گا۔ کسی بھی مومن رشتوں کی نسبیت اور ایمان کی سببیت منقطع نہ ہوگی۔ نہ عربی کی نہ عجمی کی کل مومن اخوۃ کی شانِ حقیقی محشر میں ظاہر ہوگی۔ حدیث مقدس کا یہ ارشاد پاک کہ کُلُّ سَبَبٍ وَّنَسَبٍ وَّصِھْرٍ مُنْقَطِعٌ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اس حدیث پاک میں کل سے مراد کفار ہیں اور ان کا سبب نسب صہر منقطع ہونا مراد ہے نہ کہ اہل ایمان کا۔ کیونکہ اگلی عبارتِ حدیث اِلَّا سَبَبِیْ وَنَسَبِیْ وَصِھْرِیْ اس میں تمام عجمی عربی مسلمان داخل ہیں ہر مومن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی سبب اور حکمی مثالی نسب ہے۔ ہزاروی تفضیلی شیعہ گروہ کا یہ کہنا کہ اس سے مراد صرف سادات ہیں اگرچہ سید بدعقیدہ گمراہ مرتد و بدعمل ہو قابل بخشش ہے۔ یہاں تک کہ ابولہب کو بھی برا نہ کہو۔ بلکہ سورۃ لہب پڑھنی چھوڑ دو۔ کیونکہ اس میں نبی کریم کے چچا کی توہین ہے اور نبی کریم کو ایذا کا باعث۔ معاذ اللہ۔ یہ سب باتیں جہالت و گمراہی کی بنا پر ہیں۔ یہ مسئلہ فَلَآ اَنْسَابَ بَیْنَھُمْ میں ھُمْ ضمیر کے مرجع کفار ہونے سے مستنبط ہوا۔ جس میں بتایا گیا کہ بروزِ قیامت سبب نسب منقطع ہونے کی وجہ بدعقیدگی کفر وارتداد ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** شرعی لحاظ سے طبیعت مزاجی و عادت قلبی کا ثقیل ہونا برا اور گناہ ہے اسی کو سخت مزاجی و تنگدلی کہتے ہیں۔ مگر اعمال کا ثقیل اور وزنی ہونا بندے کی خوش قسمتی ہے کیونکہ طبیعت کے ثقل سے انسان میں تکبر دنیوی پیدا ہوتا ہے۔ اور اعمال کے ثقل سے تعظم اخروی حاصل ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُہٗ فَاُولٰٓئِكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ مِنْ وَّرَآئِھِمْ بَرْزَخٌ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ﴿۱۰۰﴾۔ یعنی کوئی مردہ قیامت تک دنیا میں واپس نہیں آسکتا۔ نہ مومن نہ کافر۔ کیونکہ بیچ میں برزخ ہے۔ لیکن قرآن مجید سے ثابت کہ عیسیٰ علیہ السلام نے چند پرانے مردے زندہ کئے اور وہ دنیا میں واپس آئے۔ اور حضرت عزیر علیہ السلام سو سال بعد زندہ ہو کر واپس دنیا میں آئے۔ آقاء کائنات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دو فرزند زندہ فرمائے جو کافی عرصہ زندہ رہے۔ یہ سب برزخ سے واپس دنیا میں آئے۔ اس الجھن کا جواب کیا ہے۔ **جواب:** دونوں حالات اپنی اپنی جگہ درست ہیں۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہاں ذکر ہے قانونِ الٰہی کا۔ اور دیگر معترضات کے آیات و روایات کے پیش کردہ واقعات میں قدرتِ الٰہی و معجزہ انبیائی کا اظہار ہے۔ نیز یہاں ذکر ہے مرنے والے کی اپنی خواہش رجوع کا اور قانونِ الٰہی کو تڑوانے کا وہ کبھی پورا نہ ہوگا۔ لیکن عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا۔ کفار کے ایمان کے لیے اظہار معجزہ تھا۔ عزیر علیہ السلام کا زندہ ہونا اظہارِ قدرت و دلیل قیامت ثبوت محشر تھا۔ فرزندانِ جابر کا زندہ کیا جانا آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری کے ثبوت کے لیے ضرورۃ معجزہ مصطفائی تھا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ کی تفسیر اور دیگر آیات و احادیث و تفاسیر سے

marfat.com

ثابت ہے کہ دنیا میں ایمان بالغیب معتبر ہے ایمان بالشہادۃ معتبر نہیں۔ اور ایمان بالغیب یہ ہے کہ دنیا میں کوئی شخص تا عمر آخرت کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے نہ جنت نہ دوزخ نہ ملائکہ نہ لوح محفوظ وغیرہ وغیرہ۔ حالانکہ انبیاء اولیا دنیا کی زندگی میں ہی یہ چیزیں دیکھ لیتے ہیں۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔ لوح محفوظ امت پیش اولیا۔ وغیرہ وغیرہ۔ تو یہ ایمان بالغیب نہ رہا۔ لہٰذا معتبر نہ ہونا چاہئے۔ **جواب:** معترض نے ایمان بالغیب کی تعریف غلط کی۔ یہ تعریف نہیں ہے کہ دنیا میں کوئی شخص تا عمر آخرت کی کوئی چیز نہ دیکھ سکے۔ بلکہ ایمان بالغیب یہ ہے کہ ایمان لانے سے پہلے آخرت کی کوئی چیز نہ دیکھی ہو۔ بغیر کچھ دیکھے صرف اللہ تعالیٰ کے فرمان انبیاء علیہم السلام کی زبان پر یقین کامل کر کے ایمان قبول کر لے۔ پکے سچے ایمان لانے کے بعد اگر اللہ تعالیٰ کسی ولی اللہ کو کوئی غیبی چیز دکھا دے تو بھی اس کو ایمان بالغیب ہی کہا جائے گا کیونکہ یہ دیکھنا بحالت ایمان ہے نہ کہ قبل از ایمان۔ اس تعریف سے تمام انبیاء اولیاء کا ایمان بالغیب ہی ہے۔ بخلاف لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ والا ایمان کفار کہ وہ دیکھنا ایمان سے پہلے بحالت کفر تھا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ۔ یعنی دنیا و آخرت کے درمیان ایسی سخت آڑ ہے کہ کوئی فوت شدہ ایک ساعت کے لیے بھی دنیا میں نہیں آ سکتا۔ حالانکہ بہت سے اولیاء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات شریف ظاہر ظہور حالت بیداری اصلی حلیے شریف میں دیکھا دیدار کا شرف حاصل کیا۔ یونہی بہت سے اولیاء اللہ کی بھی اصل حلیے شریف میں بحالت بیداری زیارت ہو جاتی ہے۔ یہ اولیاء اللہ و انبیا علیہم السلام دنیا میں کیسے واپس آ جاتے ہیں۔ جبکہ برزخ سب کے لیے ہے۔ **جواب:** برزخ کی آڑ صرف جسم کے لیے ہے نہ کہ روح کے لیے۔ کافر کی روح مقید جسم فنا۔ اولیاء اللہ کی روح جسم مثالی سے باہر تشریف لا سکتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے اجسام میں ان کی روحیں موجود رہتی ہیں تا ابد۔ دنیا میں بوقت نزع صرف چند منٹ کے لیے جدائی کی اجل ہوتی ہیں۔ ان فرق مراتب کی وجہ سے یہ زیارتیں ہو جاتی ہیں۔ اور کافر و مومن کے برزخی حالات مختلف ہوتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

جب بندہ طلبِ دنیا میں نکلتا ہے تو گناہوں کی دلدل میں گر کر قلب روح کی موت مر جاتا ہے اور تمام اسباب روحانی انساب جسمانی ٹوٹ جاتے ہیں۔ تب وادی حسرت سے پکارتا ہے لَعَلِّیۡۤ اَعۡمَلُ صَالِحًا فِیۡمَا تَرَکۡتُ۔ ہائے کاش میں قلب و روح کی طرف توجہ دیتا۔ اسباب دنیوی کو قواء روحانی کی طرف لگاتا ہے۔ بے بسی بے کسی سے بچاتا ہے اور ترکِ وفا کا دغا نہ کرتا۔ عالم روحانیت میں بندے تین قسم کے ہیں۔ ۱۔ کافر کلی مشرک دنیا۔ ۲۔ فاسق عملی غافل عقبیٰ۔ ۳۔ طالب مولیٰ تارک ماسوا اللہ۔ وقت اخیر سب کو حسرت ہوتی ہے۔ کافر و مشرک کو محرومی کی فاسق و غافل کو فراق کی۔ طالب کو دوری منزل کی ہمت۔ کمزوری بدنی کی ہر شخص تمنا کرتا ہے کاش تھوڑا وقت اور مل جاتا۔ کَلَّا ؕ اِنَّہَا کَلِمَۃٌ ہُوَ قَآئِلُہَا ؕ وَ مِنۡ وَّرَآئِہِمۡ بَرۡزَخٌ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾۔ خبردار اب کسی کو وقت نہیں ملے گا نہ ڈھیل نہ مہلت۔ اس لیے کہ راہِ معرفت میں دوبارہ آزمائش نہیں کی جاتی۔ نہ غافل پر ترس کھا کر نہ کامیاب کو دوبارہ امتحان میں ڈال کر۔ وادی ناسوت اور وادی عقبیٰ کے درمیان میں برزخ فراق ہے۔ سالکین مخلص و مسافرانِ مفلس کے لیے منزل وصل تک پہنچنے کے دن تک آڑ ہے۔ فَاِذَا نُفِخَ فِی الصُّوۡرِ فَلَاۤ اَنۡسَابَ بَیۡنَہُمۡ یَوۡمَئِذٍ وَّ لَا یَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾۔ جب عنایاتِ ربوبیت کا صور پھونکا جائے گا تو تمام نفوس امارہ، لوامہ، مطمئنہ، و اہل نفوس

marfat.com

صحراءِ فنا کی بیابان خاموشی میں گم ہو جائیں گے۔ پھر کرامات و ربانی کا دوسرا پھونکا جائے گا مومنین سالکین طالبین شائقین عاشقین کے قلوب میں تب قیامت حقیقت و محشر معرفت قائم ہو جائے گا اور عالم ناسوتی کے تمام تعلق و رشتے جنسی، نوعی، نسبی، سببی، کسبی، اصلی، فصلی، نفسی، عقلی ٹوٹ جائیں گے۔ اور اس محشر قرب میں قیامۃ صغریٰ کے وقت ہیبت وجلال رویۃ تجلیات کی وجہ سے بارگاہِ قدس میں کوئی بھی وادی مراد کا مرید۔ کسی غیر اللہ کی طرف توجہ نہ کرے گا۔ نہ انساب واسباب میں نہ اہل اولاد میں۔ اس لئے کہ بندہ عارف طلب میں مشغول ہوتا ہے۔ اور دریاء محبت میں مغروق۔ پھر کیفیۃ ذوق یہاں تک بلند ہو جاتی ہے کہ عشق کبریائی و محبت مصطفائی کی شدت میں کوئی مرید کسی کو نہیں پوچھتا نہ ترک دنیا کا سوال نہ اہل وعیال واموال کا سوال کہ کیا کتنا کیوں چھوڑا کیونکہ یہ منزل عشق کی راہ ہے۔

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

جب بندگانِ عشق طلب محبوب میں ترک وطن کرتے ہیں اور ہر شی سے جدا ہوتے ہیں تو ہر بندے کی ہر آن، شان جدا ہوتی ہے۔ طلب حق بندۂ محب کو مطالبۂ غیر سے بے پرواہ اور غنی کر دیتی ہے۔ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۱۰۲﴾۔ پس جس بندۂ عارف کے اعمال عبادات خالص کے غلافوں میں اور عبادت ریاضت صحیحہ کی پوشاک میں اور ریاضت ایمان کی چادر میں۔ اور ایمان عقیدت کے لباس میں، اور عقیدت میں عشق الٰہی کی سدا بہار تروتازگی اور محبت شدیدہ الفت مصطفائی کی خوشبو رچی بسی ہو وہی اعمال نیکیوں کی کلیاں بن کر قبولیت کی ترازوؤں میں پروقار وزن کثیر والی ہری تازہ شاخوں کی طرح ہیں۔ ان ہی خوش بختوں کا ذکر لسانی، فکر عقلی، یادِ قلبی، شکر بدنی، صبر طبعی۔ پاس انفاس مراقبہ خلوت مجاہدۂ جلوت، مشاہدۂ معرفت، عملیات طریقت، پابندی حقیقت، اقامت شریعت میں قوت ایمانی کا وزن ہے۔ مگر اعمال عیاری گھاس پھوس خاک وراکھ خس وخاشاک جھاڑیوں، خشک پتوں کی مثل بے وزن و بے قیمت ہے۔ کل بازار قرب میں منزل محبوبیت کا **شرف مراتب** پانے میں وہی کامیاب ہیں ان ہی کا کردار باوقار ہے اور ملائکہ مقربین کے جھرمٹ میں انہی کا استقبال ہے۔ انہی کی راہیں شاندار چمکدار ہیں جن کے اعمال وزن دار ہیں۔ وادی معرفت میں یہی لوگ بندگانِ خاص، صاحب اسرار، مالک انوار جمالیات کے تاجدار، ابدی بقا کے مخزن برفرار ہیں۔ فَاِذَا نُفِخَ میں جمال کے اوّلی مکاشفے کی خبر دی گئی ہے کہ جب عیارانِ باطل فرش ہیبت پر اور چوکھٹ کبریائی پر کھڑے ہوں گے اور ذات قدیم عزت عمیم کا معائنہ وسامنا کریں گے اور دریاء جمال و جلال میں مغروقین کے مشاہدے میں مصروف ہوں گے جو بندے عرفانی ذوقِ وصل کی لذتوں میں مشغول ہوں گے۔ اس وقت اخیار واشرار ابرار وعیار کے درمیان رفاقت صداقت انتساب واخوت ومصاحبت کا کوئی تعلق باقی نہ رہے گا۔ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ﴿۱۰۱﴾ اور سوال تک نہ کریں گے عظمۃ حاضری کی سطوت رعب سے کسی کی حالت وکیفیت کا بوجہ معائنہ وجود اور بخشش جود یہاں تک کہ اپنے شہود سے بھی غائب الدماغ ہو جائیں گے۔ وہاں صرف اہل معرفت کا نسب محبت ازلی اصطفائیۃ قدمی کا رشتہ ہی باقی رہے گا بس اسی پر فخر کیا جاسکتا ہے۔ عرش سے تحت الثریٰ تک۔ یوم فراق میں اعمال کی دید خلاصی کی امید ہی انساب وتعلقات ہیں۔ دنیا ونعمت دنیا کا سوال وتذکرہ تک نہ ہو سکے گا۔ بلکہ ان تمام سے مایوسی ہوگی۔

marfat.com

وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ

اور وہ کہ ہلکا ہو گیا جس کا سامان اعمال تو یہی وہ لوگ ہیں

اور جن کی تولیں ہلکی پڑیں وہی ہیں جنہوں نے اپنی جانیں

خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

نقصان میں ڈالا جنہوں نے اپنی جانوں کو۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہنے والے ہیں

گھاٹے میں ڈالیں ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے

تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

جھلسا دے گی ان کے چہروں کو آگ اور وہ کفار اس آگ میں منہ بگڑنے والے ہوں گے

ان کے منہ پر آگ لپٹ مارے گی اور اس میں منہ چڑائے ہوں گے

اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

کیا نہ تلاوت کی جاتی تھیں میری آیتیں تمہارے سامنے تو تم جھٹلا دیتے تھے ان آیتوں کو

کیا تم پر میری آیتیں نہ پڑھی جاتی تھیں تو تم انہیں جھٹلاتے تھے

قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا

بولے سب اے ہمارے رب غالب آگئی ہم پر ہماری بدبختی

کہیں گے اے ہمارے رب ہم پر ہماری بدبختی غالب آئی

وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا

اور دنیا میں تھے ہم گمراہ قوم۔ اے ہمارے رب اب نکال لے تو

اور ہم گمراہ لوگ تھے۔ اے رب ہمارے ہم کو دوزخ سے نکال دے

مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

اس جہنم سے تو اگر پھر گمراہی میں ہم لوٹے تو بیشک ہم پکے ظالم ہوں گے

پھر اگر ہم ویسے ہی کریں تو ہم ظالم ہیں

marfat.com

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اچھے اور کامیاب لوگوں کی نشانی بیان فرمائی گئی ہے اب ان آیات میں برے اور ناکام لوگوں کی نشانی بیان فرمائی جارہی ہے یہ بھی قیامت میں ظاہر ہو گی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں قیامت اور میدان محشر میں کفار کے ان کلمات کا ذکر کیا گیا جو وہ اپنے مونہوں سے کہیں گے۔ اب ان آیات میں کفار کے ان حالات کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو جہنم میں ان پر وارد ہوں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کفار سے قیامت میں لَا یَتَسَآءَلُوْنَ۔ کوئی بات محبت وتعاون کی نہ کی جائے گی۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ جھڑک اور سختی کی بات کفار سے کی جائے گی اور ان کو دنیوی کفر وسرکشی یاد دلائی جائے گی تاکہ یہ باتیں سن کر آج ہی بندہ بن جائیں۔

تفسیر نحوی

وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِیْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۚ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِیْهَا كٰلِحُوْنَ ۝ واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصولہ شرطیہ خَفَّتْ باب نصر کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مونث غائب ثَقُلَتْ اور خَفَّتْ دونوں صیغے واحد مونث غائب ہیں اس لئے کہ ان کا فاعل مَوَازِیْنَ اسم ظاہر غیر ذوی العقول ہیں۔ یہ خَفَفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ہلکا ہونا مَوَازِیْنَ مضاف ہ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے خَفَّتْ کا یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی۔ ف جزائیہ بمعنی تو اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعید کا مشار الیہ مَنْ اُولٰٓئِكَ مبتدا اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر خَسِرُوْا باب سمع کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب خَسْرٌ یا خُسْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ گھاٹا ڈالا النقصان اجاڑہ اور تباہی بربادی میں رکھنا ڈالنا اس کا فاعل ھُم ضمیر صیغہ جمع مذکر مرجع ہے اَلَّذِیْ اَلَّذِیْنَ سے مراد مَنْ موصولہ جنسی جمع ہے بمعنی ہر وہ شخص جو بھی اَنْفُسَ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَفْسٌ، بمعنی جان' خود اپنے آپ سانس' پھونک یہاں مراد ہے خود اپنے آپ خیال رہے کہ جمع مکسر کے تقریباً اوزان نو عدد ہیں۔ ۱۔ فِعَالٌ۔ ۲۔ اَفْعُلٌ۔ ۳۔ اَفْعَالٌ۔ ۴۔ فُعُوْلٌ۔ ۵۔ اَفْعِلَةٌ۔ ۶۔ فُعُلٌ۔ ۷۔ فُعُوْلٌ۔ ۸۔ فَعِیْلٌ (بَنِیْنٌ)۔ ۹۔ فَوَاعِلُ (فَوَالُهٗ) لفظ نَفْسٌ مونث اس کی تصغیر ہے نُفَیْسَةٌ، اسی لئے اس کے لیے حضرت ندا یٰاَیَّتُھَا مونث لایا جاتا ہے۔ اَنْفُسَ مضاف ھُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے خَسِرُوْا کا یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبدل منہ ہوا۔ فِیْ جَهَنَّمَ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے خٰلِدُوْنَ۔ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر خَلْفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ہمیشہ رہنا اس کا فاعل ھُمْ ضمیر پوشیدہ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر ذوالحال ہوا۔ تَلْفَحُ باب فتح کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مونث غائب لَفْحٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے جھلسا دینا۔ وُجُوْهَ اسم جمع مکسر منصرف واحد ہے وجہ بمعنی چہرہ مراد ہے پورا جسم۔ مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے تَلْفَحُ کا۔ الف لام حرفی عہد ذہنی نَارٌ۔ اسم مفرد جامد مونث لفظی ترجمہ ہے آگ مراد ہے جہنم۔ یہ فاعل ہے تَلْفَحُ کا یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ حرف عطف ضمیر مبتدا۔ فِیْھَا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے ھَا ضمیر واحد مونث غائب کا مرجع اَلنَّارُ ہے۔ یہ جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہے۔ كٰلِحُوْنَ باب فتح کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر برائے جمع

marfat.com

غائب۔ اس کا مادہ ہے کَلْحٌ۔ لازم ہے اس کا مصدر ہے باب افعال سے اِکْلَاحٌ متعدی ہے اس کا مصدر برائے مبالغہ کُلُوْحٌ بھی آتا ہے۔ بروزن فُعُوْلٌ اور کَلَاحٌ بھی آتا ہے کَلَاحٌ بھی بروزن فَعَالٌ و فَعَّالٌ ترجمہ ہے کَالِحُوْن اپنا منہ بگاڑنے والے منہ بسورنے والے۔ اِکْلَاحٌ کسی کا منہ چڑانا۔ کُلُوْحٌ چھوٹے ہونٹ اور لمبے دانت ہونا کَلَاحٌ فالج سے منہ بگڑ جانا۔ کَلَاحٌ سخت ہیبت ناک شکل بن جانا۔ منہ کے گول حلقے کو کَلْحَۃٌ کہتے ہیں۔ غالبًا اسی معنی میں اردو والے جبڑے کو کَلَّہٗ کہتے ہیں۔ غصیلے اور ترش رو کو کَلَاحٌ کہتے ہیں سخت زمانے کو دَھْرٌ کَالِحٌ کہا جاتا ہے۔ یہاں معنی کہ جہنم کی آگ ان کفار کا ایسا چہرہ جھلسائے گی کہ ہونٹ بالکل سکڑ کر چھوٹے ہو جائیں گے۔ اور دانت ہی دانت نظر آئیں گے دیکھنے والے کو محسوس ہوگا گویا وہ کسی کا منہ چڑا رہا ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ ضمیر یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل و متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے تَلْفَحُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر حال ہے خَالِدُوْن کے جملے کا وہ ذوالحال حال مل کر بدل الکل خَسِرُوْا کے جملے کا وہ دونوں سبب مسبب مل کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا موصول صلہ مل کر خبر ہے مبتداء اُوْلٰٓئِکَ کی دونوں جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ شرطیہ کی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اَلَمْ تَکُنْ اٰیٰتِیْ تُتْلٰی عَلَیْکُمْ فَکُنْتُمْ بِهَا تُکَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ اَ ہمزہ سوالیہ اقراری یعنی ایسا ہی تھا۔ لَمْ تَکُنْ باب نصر کا ماضی بعید۔ ناقصہ منفی جحد بلم معروف صیغہ واحد مونث غائب آیاتِ اسم جمع مونث سالم آیَۃٌ واحد ہے مراد ہے قرآن مجید کی آیتیں سورتیں۔ بحالت رفع کسرہ یاء متکلم کی اضافت کی وجہ ظاہر ہو رہا ہے ی ضمیر متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی اسم ہے لَمْ تَکُنْ ناقصہ کا تُتْلٰی باب نصر کا مضارع مجہول بمعنی ماضی نفی جحد کی وجہ سے تَلْوٌ و تِلَاوَتٌ سے مشتق ہے اصل میں ہے تُتْلَیُ تعلیل نحوی سے تُتْلٰی ہوا اس کا نائب فاعل ھِیَ ضمیر پوشیدہ مرجع ہے اٰیٰتِیْ عَلَیْکُمْ جار مجرور متعلق ہے تُتْلٰی کا یہ فعل نائب فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ کُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی استمراری اَنْتُمْ اس کا اسم۔ بِهَا یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ تُکَذِّبُوْنَ باب تفعیل کا مضارع بمعنی استمراری صیغہ جمع مذکر حاضر مصدر ہے تَکْذِیْبٌ بمعنی جھٹلانا جھوٹا کہنا کِذْبٌ سے بنا ہے یہ فعل فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کُنْتُمْ کی فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ ناقصہ ہو کر معطوف ہوا تُتْلٰی کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے لَمْ تَکُنْ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو گیا۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَیْنَا شِقْوَتُنَا وَکُنَّا قَوْمًا ضَآلِّیْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ فعل ماضی با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ رَبَّنَا دراصل ہے یَا رَبَّنَا یا ندا یہ محذوف منوی' منوی سے مراد کہ ظاہر نہیں ہے باطن اور نیت میں ہے۔ رَبَّنَا۔ یہ مرکب اضافی منادٰی ہے۔ غَلَبَتْ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مونث غائب۔ غَلَبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چھا جانا۔ قبضہ کر لینا۔ کسی کو زیر کر لینا۔ عَلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق ہے شِقْوَتُ اسم مفرد حاصل مصدر جامد بروزن فِعْلَۃٌ شَقْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بدبختی نحوست۔ برا نصیب۔ بدقسمتی۔ اسی سے ہے شقاوت بری خصلت۔ بدعملی بری صحبت۔ ضدی پن۔ ہٹ دھرمی' یہ مضاف ہے نَا ضمیر جمع متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی فاعل ہے غَلَبَتْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف الیہ واؤ عاطفہ کُنَّا فعل ماضی ناقصہ نَحْنُ ضمیر پوشیدہ اس کا اسم قَوْمًا موصوف ضَآلِّیْنَ۔ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر برائے جمع متکلم ضَلٌّ سے مشتق ہے۔ یہ لفظ بہت سے معنی میں مشترک ہے یہاں مراد ہے گمراہ ہونا۔ اس کا

marfat.com

فاعل پوشیدہ ضمیر نَحْنُ ہے یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے قومًا کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے کُنَّا کی سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے غَلَبَتْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر جواب ندا وہ ندا منادیٰ و جواب مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقدر اول ہوا قَالُوْا کا رَبَّنَا یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے محذوف منوی حرف ندا کا اَخْرِجْ باب افعال کا امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مصدر ہے اِخْرَاجٌ خَرَجٌ سے بنا ہے نَا ضمیر جمع متکلم منصوب متصل اس کا مفعول بہ۔ مِنْ جارہ بمعنیٰ عَنْ مراد ہے دور ہٹانا۔ یہ حالت ختم کرنا زائل کرنا۔ ھَا ضمیر واحد مونث غائب مرجع ہے نَارْ. یہ جار مجرور متعلق ہے اَخْرِجْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ حرف عطف بمعنٰی ثُمَّ اِنْ حرف شرط فَاِنْ بمعنٰی پھر اگر عُدْنَا باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم عَوْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے لوٹنا' دوبارہ کرنا' یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ اِنَّا۔ اِنَّ نَا ہے اِنَّ حرف مشبہ نَا اس کا اسم اِنَّا کا ترجمہ ہے۔ بیشک ہم ظٰلِمُوْنَ باب ضرب کا اسم فاعل جمع مذکر برائے جمع متکلم ظَالِمُوْنَ خبر اِنَّ ہے۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے فَاِنْ عُدْنَا کی یہ شرط و جزا مل کر معطوف ہے اَخْرِجْنَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر جواب ندا یا ندائیہ محذوف اپنے منادیٰ و جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ قَالُوْا اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَ مَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَ هُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَ كُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾۔ اور وہ ناکارہ خلائق انسان جس کے دنیوی اعمال صالحہ بروز قیامت ناقابل میزان عدالت ہو گئے اور ہلکا وخالی رہ گیا اس کا پلڑا۔ اچھائیوں کا پلہ اٹھ گیا برائیوں کا جھک گیا۔ یہی بدنصیب وہ ہیں جنہوں نے خود کو بدترین نقصان میں رکھا۔ حیات دنیوی کی تمام اچھائیاں ہمدردیاں بیکار و بے ثواب نفع تو در کنار اصل مال ہی تباہ و فنا ہو گیا۔ اس لئے کہ ان کے شجر خبیث میں نہ عقیدت کے بیج نہ ایمان کی جڑیں نہ خلوص الٰہی کے پھول نہ محبت نبوی کی کلیاں نہ توحید کا سرمایہ نہ رسالت کا سایہ بچانے والے سے دور چھڑانے والے سے نفور۔ ان کے بیابان حیات میں تو صرف اعمال کی بلا جڑ بغیر پھول و پھل والی مرجھائی شاخیں ہی تھیں تو ان کا وزن کیا ہوتا۔ ان کی سیئات میں وزر ہے مگر ان کی حسنات میں ثقل نہیں۔ وزر اور ثقل میں فرق یہ ہے کہ وزر کی گٹھڑی و بنڈل بنائی جاتی ہے جس کا بوجھ پیٹھ پر لادا جاتا ہے۔ ثقل سے خزانہ بنتا ہے جو مخزن و معدن میں ہوتا ہے۔ حسنات مومن خزانہ ایمان کا ثقل ہے۔ سیئات کا فر خاردار جھاڑیوں کا وزر ہے کل بروز قیامت خزانہ ایمانی و دولت عرفانی کی قیمت دربار الٰہی میں لگائی جائے گی لہٰذا اے بندو کافرو غافلو نادانو ابھی وقت قیامت بھی کچھ دور ہے زندگی موجود ہے۔ سانسیں چل رہی ہیں عقلیں پھر رہی ہیں۔ دعوت الٰہی عام ہے نبی پاک کی آواز بے پناہ مصطفٰی کا دامن کھلا ہوا ہے۔ بازار مصطفٰی ہے خریدار خود رَبِّ عُلیٰ ہے۔ زندگی کی بقا ہے مہلت کی عطا ہے شفقت و کرم کھلا ہے کہ بار بار حالات قبر' کیفیات حشر و واقعات جہنم کھول کر سنائے جا رہے ہیں گھر گھر قرآن ہے آیات کی پکار ہے اور ہر بندہ با اختیار ہے فَفِرُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ کا بلاوا شروع ہے دوڑ و اللہ کی طرف اے غافل مسلمانو شکر ایمان کرو۔ اے غیر مسلم کافرو فکر

marfat.com

انجام کرو۔ سمجھ جاؤ بدل جاؤ سنبھل جاؤ جلدی جلدی ایمان وعرفان کے سدابہار موسم عمر سے اعمال کے پھول سجالو۔ خلوص کی خوشبوؤں میں بسالو۔ جواہر ثقیل بنا کر لائق قیمت وقابل خریداری بنالو۔ ورنہ اگر دھول غبار' راکھ' رماد' ٹوٹی شاخ سوکھے پتوں کی مثل بے وزن ہو کر خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بن کر آئے تو فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ کی پکی اٹل وعید ہے۔ جس کی منادی قرآن مجید نے گھر گھر سنادی ہے۔

کہ آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے بروز حشر ایک فرشتہ اعمال تولے گا اگر ثقیل ہوں گے تو بلند آواز پکارے گا کہ فلاں شخص سعید ہو گیا اب کبھی شقی نہ ہوگا۔ اور اگر کسی کے اعمال ضعیف ہو گئے تو پکارے گا کہ فلاں شقی ہو گیا اب کبھی سعید نہ ہوگا۔ یہ مومن متقی اور کفار کا ذکر ہے اس آواز کو سب حاضرین محشر سنیں گے۔ فاسق کے گناہوں کو مٹانے کے لیے یا شفاعت ہے یا جہنم کی بھٹی جس میں فاسق کو کچھ مدت ڈال کر نکالا جائے گا جس سے سب گناہ جل جائیں گے پھر تولا جائے گا تو نیکیوں کا پلہ بھاری ہوگا۔ خیال رہے کہ جہنم کی آگ گناہوں کو جلا مٹا سکتی ہے کیونکہ وہ مثل میل ہیں مگر کفر وشرک کو نہیں مٹا سکتی گناہگار صرف میلا ہے مگر کافر بذات خود گندگی بن گیا تو چونکہ کفر کی گندگی دائمی قائم اس لیے کافر کو جہنم میں دائمی قیام اور ایسا عذاب کہ تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ۔ جلا ڈالے گی دوزخ کی آگ ان کفار کے چہروں جیسی خوبصورت چیز کو بھی جو شناخت انسانی ہے۔ چہرہ تمام جسم میں اشرف واعلیٰ ہے تین وجہ سے۔ ۱۔ یہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ ہے چنانچہ سورۃ تغابن کی آیت ۳ میں ارشاد ہے کہ وَصَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ ۚ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ اللہ تعالیٰ نے تم انسانوں کی شکل وصورت سب مخلوق سے اچھی بنائی۔ ۲۔ بالشت بھر کے چہرے پر اعضا ایک جیسے مگر نقشے کروڑوں بنا دیئے کہ کوئی بھی ایک دوسرے کے مشابہ نہیں یہاں تک کہ باپ بیٹا' ماں بیٹی' جڑواں اولادوں کی بھی مختلف شکلیں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوتا ہے۔ ۳۔ چہرۂ انسانی میں قدرت کے آٹھ خزانے ہیں۔ ۱۔ عقل وحفظ کا خزانہ دماغ میں۔ ۲۔ نظر وعلم کا خزانہ آنکھوں میں۔ ۳۔ سننے کا خزانہ کانوں میں۔ ۴۔ سونگھنے کا خزانہ ناک میں۔ ۵۔ بندگی وعبادت کا خزانہ ماتھے میں۔ ۶۔ بولنے کا خزانہ زبان میں۔ ۷۔ کھانے پینے کا خزانہ منہ میں۔ ۸۔ حسن کا خزانہ رخسار میں۔ اس لئے چہرہ جسم کا بادشاہ ہے تاج شاہی اسی کے سر پر ہوتا ہے جہنم میں فاسق مومن کا چہرہ نہ جائے گا کیونکہ اس میں سجدۂ الٰہی کا ماتھا ہے دنیا میں بھی چہرے کا ادب واحترام ہے۔ مگر کفار کا چہرہ بھی جل کر بگڑ جائے گا۔ بحوالہ ترمذی شریف عن ابی درداءؓ حدیث مقدس ہے کہ فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمْ کی صورت یہ ہوگی کہ بوٹیاں ٹوٹ کر پگھل کر ایڑیوں کی طرف بہتی ہوں گی۔ اور عن ابی سعید خدریؓ حدیث مقدس میں ہے کہ فرمایا آقا صلی اللہ علیہ وسلم نے كٰلِحُوْنَ کا نقشہ گائے یا بکری کی بھنی ہوئی سری جیسا ہوگا کہ ہونٹ بھن کر پھیل جائیں گے دانت نکل آئیں گے۔ اوپر کا ہونٹ پھیل کر آدھے سر تک چلا جائے گا اور نیچے کا ہونٹ پھیل کر ناف تک لٹک آئے گا۔ شدت تکلیف سے ایک دوسرے کو حسرت بھری نگاہوں سے دیکھیں گے تو ایک غیبی آواز اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے گی۔ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ آج اپنے یہ بگڑے منہ دیکھ رہے ہو دنیا میں ہم نے یہ کتنے حسین چہرے بنائے تھے کیا تمہیں یاد ہے۔ اور کیا دنیا میں ایسا نہ ہوتا تھا کہ جب میری آیتیں تمہارے سامنے تلاوت کی

marfat.com

جاتی تھیں سمجھائی جاتیں اوراس دن کا ڈر سناتی تھیں تو تم سن کر اسی منہ سے آیات کی تکذیب کرتے تھے۔اور منہ چڑھا چڑھا کر ہنسی اڑایا کرتے تھے قرآن کریم کو قصے کہانیاں نبی کی باتوں کو جادو بیانیاں کہا کرتے تھے۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ ﴿۱۰۶﴾ جواباً عرض کریں گے کہ یا اللہ اے ہمارے رب دنیا میں ہم پر ہماری شقاوت بدبختی خرمستی منشاء نفسانی خباثت شیطانی غلبہ پاگئی تھی بدانجامی کی نحوست چھاگئی تھی ہم اپنی کفریہ حرکتوں غلطیوں کا اقرار کرتے ہیں اور ہم اپنی طغیانیوں غداریوں کی وجہ سے بہت دور کی ظلمتوں میں گھر کر گمراہ قوم ہوگئے تھے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے ہمارے رب کریم ہمیں اب ہوش آیا اب آنکھیں کھلی ہیں اب ہم سچی توبہ کرتے ہیں۔اے ہمارے رب ہم کو یہاں سے نکال اور دنیا میں لوٹا دے پھر اگر ہم دوبارہ کفر شرک نافرمانی میں لوٹے تو یقیناً ہم ظالم اور ہر قسم کی سزا کے مستحق ہوں گے۔ پہلے تو دنیا میں واقعی قسم ہے ہم سے بڑی بھول ہوئی۔احادیث میں ہے کہ کفار جہنم میں پہنچ کر سات بار باہر نکلنے کی التجا کریں گے اور یہ التجا آخری بار ہوگی جو کفار تین لاکھ ساٹھ برس تک کرتے رہیں گے پھر اتنے سال گزر جانے کے بعد رب تعالیٰ کی طرف سے وہ جواب آئے گا جو اگلی آیت ۱۰۸ میں مذکور ہے اس میں کفار کو ہمیشہ کے لیے التجائیں کرنے سے روک دیا جائے گا۔اس روک کے بعد پھر کبھی کفار کوئی التجا نہ کر سکیں گے صرف تین قسم کی آوازیں نکالا کریں گی۔ شہیق گدھے کے رینکنے کی آواز۔نفیر رینکنے کی انتہائی اختتامی آواز عوں عوں عواء عواء کتوں کے رونے کی آواز کے مشابہ نہ کوئی سمجھ سکے گا نہ سمجھا سکے گا (از تفسیر روح البیان) لیکن تفسیر صاوی سوم ص ۱۰۴ پر ہے کہ کفار کی یہ آخری التجا دنیا کے ایک سال کے دنوں برابر گنتی کے ہزار سال تک ہوگی یعنی تین سو ساٹھ ہزار سال تک۔ بعض مفسرین نے لکھا کہ سات آسمانی بارہ برجوں کے برابر بارہ ہزار سال تک اور بعض نے لکھا کہ سات سیاروں ستاروں کی گنتی کے برابر سات ہزار سال تک یہ آخری التجا ہوگی مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ حدیث مقدس سے ثابت ہے۔ پہلی چھ التجائیں ایک ایک ہزار سال تک ہوتی رہیں گی ان کا ذکر بھی قرآن مجید میں ہے چنانچہ۔ ۱۔سورۃ رعد آیت ۱۴ اور اس کی تفسیر میں ہے اولاً جہنمی لوگ پہلے ایک ہزار سال تک حیرانی میں مبہوت و خاموش رہیں گے پھر خازنِ جہنم سے التجا کریں گے کہ اے خازنِ ہمیں یہاں سے نکال اور ہزار سال تک عرضیں کرتے رہیں گے ہزار سال بعد خازن فرمائیں گے کہ اے جہنمیو! اب تمہاری ساری دعائیں بے کار ہیں۔ ۲۔اس جواب کو سن کر کفار مالک فرشتے کو پکاریں گے اور ایک ہزار سال تک پکارتے رہیں گے کہ اے مالک اپنے رب سے ہمارے یہاں سے نکلنے کا فیصلہ کرادے۔ ناظم جہنم حضرت مالک علیہ السلام ہزار سال بعد جواب دیں گے کہ تم نہیں نکل سکتے۔تم یہیں رہنے والے ہو۔ اس التجا کا ذکر سورۃ زخرف آیت ۷۷ میں ہے۔ ۳۔پھر تیسری بار اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے یا اللہ اب ہم نے تیرا عذاب چکھ لیا تیرا فیصلہ بھی اب ہم توبہ کرتے ہیں ہزار سال تک یہ التجائیں کرتے رہیں گے ہزار سال بعد رب تعالیٰ کی طرف سے جواب آئے گا کہ اور لیکن میری طرف سے بھی حق فیصلہ ہو چکا ہے کہ میں کفار سے جہنم کو بھر ارکھوں گا یعنی کوئی کافر نکلنے نہ پائے گا۔اس التجا کا ذکر سورۃ سجدہ آیت ۱۲ میں ہے۔کفار کی۔ ۴۔چوتھی بار التجا ہوگی کہ یا اللہ تو نے ہمیں دوبارہ مارا اور دوبارہ زندہ کیا اب پھر ہمیں مار دے یہ التجا بھی ہزار سال تک کرتے رہیں گے ہزار سال بعد جواب آئے گا اب تم کو زندہ رہ کر ابدی دائمی عذاب چکھنا ہے یہ اس لئے کہ دنیا میں جب بھی تم کو ایمان توحید و رسالت کی دعوت دی گئی اور اللہ واحد کی طرف بلایا گیا

marfat.com

تو تم نے کفر ہی کیا۔ اس التجا کا ذکر سورۃ غافر (مومن) آیت ۱۱ میں ہے۔ ۵۔ پانچویں التجا کا ذکر سورۃ ابراہیم آیت ۴۴ میں ہے کہ ظالم کفار جہنم میں التجا کریں گے اے ہمارے رب کچھ قریبی مدت تک ہمارے عذاب کو موخر فرما دے (تاکہ ہمیں سکھ کا سانس ملے) یہ التجا بھی ہزار سال تک کرتے رہیں گے پھر جواب آئے گا۔ اے بدبختو کیا تم دنیا میں قسمیں کھا کھا کر آپس میں نہ کہا کرتے تھے کہ کوئی قیامت کوئی عذاب نہیں دنیا کو کوئی زوال نہیں یہ جہاں یونہی رہے گا۔ لہٰذا اب اپنے کفر و انکار کا یہ عذاب چکھتے رہو کفار کی۔ ۶۔ چھٹی التجا کا ذکر سورۃ فاطر آیت ۳۷ میں ہے کہ کفار ہزار سال تک عرض کرتے رہیں گے اے ہمارے رب ہم کو جہنم سے نکال دے اب ہم وعدہ کرتے ہیں کہ دنیا میں جا کر ایسے اچھے اعمال کریں گے جو پہلے اعمال سے جدا ہوں گے۔ اس کا جواب بھی ہزار سال بعد آئے گا کہ اے ظالمو کیا ہم نے تم کو دنیا میں لمبی عمریں اس لئے نہ دی تھیں کہ دنیا میں بندہ بنتے نصیحت پکڑتے اور جو سنبھلنا چاہے وہ سنبھل جاتا اللہ رسول قیامت و قیامت کو یاد رکھتا۔ پھر آخری بار وہ التجا ہے جس کا یہاں ذکر ہے۔

اِن آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کافر کی برائیوں کا پلہ بھاری اچھائیوں کا پلہ اس پلے سے ہلکا یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ معنی یہ ہے کہ کافر کے کسی بھی عمل کا کوئی وزن نہ ہوگا۔ نہ اچھائیوں نہ برائیوں کا نہ تھوڑا نہ زیادہ۔ یہ قول غلط ہے حدیث پاک کے خلاف ہے **فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ** کی ترکیب نحوی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ اُولٰٓئِکَ کی خبر ثانی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ خبر ہے محذوف مبتدا ھُمْ ضمیر کی اصل عبارت اس طرح ہے **وَهُمْ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ**۔ پہلی ترکیب زیادہ بہتر ہے **كَالِحُوْنَ** کی قرئت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرئت۔ الف سے **كَالِحُوْنَ** یہی قرئۃ درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت میں **كَلِحُوْنَ** بغیر الف سے۔ **شِقْوَتُنَا** کی قرئت میں چار قول۔ ۱۔ **شِقْوَتُنَا** یہ قرئت اکثر کی ہے اور مشہور و مکتوب بھی اس لئے یہی صحیح ہے۔ ۲۔ بعض کی قرئت **شَقْوَتُنَا**۔ ۳۔ بعض کی **شَقَاوَتُنَا**۔ ۴۔ بعض کی **شِقَاوَتُنَا**۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کفار کے سب اعمال کا وزن کیا جائے گا لیکن کفار کے اچھے اعمال میں چونکہ ایمان کا رس تر و تازگی پھل پھول پتے نہ ہوں گے خشک شاخوں کی طرح ہلکے پھلکے اس لئے ان کی کفریات سے بہت ہلکے پڑ جائیں گے کیونکہ کفریت میں بہت زیادہ وزر ہوگا مگر حسنات میں ثقل نہ ہوگا۔ یہی کیفیت بعض فساق کی ہوگی اس لئے یہ آیات مسلمانوں کو سنائی جا رہی ہیں کہ اے ایمان والو وزر سے بچو ثقل حاصل کرو۔ یہ فائدہ وَمَنْ خَفَّتْ کی آیت اور بیہقی شریف کی اس حدیث انس سے حاصل ہوا جو تفسیر عالمانہ میں بیان کر دی گئی۔ **دوسرا فائدہ:** تمام جسم میں مومن کا چہرہ سب سے اعلیٰ ہے کیونکہ اشرف بھی ہے افضل بھی اکرم بھی۔ اشرفیت انسانیت کی وجہ سے۔ افضلیت ایمان کی وجہ سے۔ اکرمیت اعمال کی وجہ سے۔ اشرفیت مومن ہی کو دنیا میں کام آئی کہ ایمان دلا گئی اور ایمان کی تمام امانتیں چہرے میں ودیعت کی گئی عبادت تلاوت، اقرار زبان، قرآن و کعبہ دیکھنا۔ تلاوت کرنا سننا سب کچھ چہرے کے ذریعے۔

marfat.com

افضلیت آخرت میں کام آئی کہ مومن متقی کے چہرے کو چمکا گئی جنت کے لائق بنا گئی اور فاسق کے چہرے کو جہنم میں جلنے سے بچا گئی۔ اکرمیت قیامت میں کام آگئی کہ متقی سے بالکل بچا کر جنت کے مقام اعلیٰ پر پہنچا گئی اور فاسق کو جہنم سے نکال کر جنت دلا گئی۔ مگر کفار کو نہ اشرفیت انسانی کا کوئی فائدہ ہوا نہ افضلیت پانے کا نہ اکرمیت کے حصول کا۔ یہ فائدہ تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ کے خصوصی ذکر کفار سے حاصل ہوا کہ جہنم میں صرف کفار کا چہرہ جلے گا کفر سے شرف انسانی ختم ہو گیا۔ افضلیت واکرمیت تو کفار کو حاصل ہی نہ ہوئی۔ **تیسرا فائدہ:** دنیا میں اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو شعور باطنی عطا فرمایا۔ مگر مومن متقی نے اپنے شعور کو ایمان واعمال کے ذریعے بیدار رکھا و بلند کیا۔ کفار نے خواہشات شیطانی اور فساق نے خواہشات نفسانی کی وجہ سے اپنے شعور کو دبا دیا۔ سلا دیا۔ کل قیامت میں سب کا شعور بیدار ہوگا۔ مگر وہ بیداری کفار و فساق کو مفید نہ ہوگی۔ لہٰذا ہر مسلمان کو چاہئے کہ دنیا میں ہی اپنا شعور بیدار کئے رکھے تاکہ برائیوں سے بچتا اور اپنا محاسبہ کرتا رہے۔ یہ فائدہ قَالُوۡا رَبَّنَا غَلَبَتۡ عَلَيۡنَا شِقۡوَتُنَا کے ذکر سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** زندگی اور بعد موت مومن مرد وعورت کا چہرہ بگاڑنا حرام ہے۔ چہرہ بگاڑنا تین قسم کا ہے۔ ۱۔ زندگی میں چہرے پر ایسی سخت ضرب لگانی جس سے چہرے بگڑ جائے۔ اس لئے موجودہ فقہاء اسلام نے باکسنگ کھیلنے کو اشد حرام فرمایا ہے۔ نیز شاگرد کے منہ پر سخت چپت یا تچی چھڑی مارنا یہاں تک کہ حدیث مقدس نے جانور کے منہ پر مارنے کو بھی منع فرمایا ہے۔ ۲۔ بعد موت کسی انسان کے ناک کان کاٹنا اگرچہ میت کافر ہو شریعت اسلام نے حرام فرمایا ہے۔ اس کو عربی میں مثلہ کرنا کہتے ہیں۔ ۳۔ زندگی میں رب تعالیٰ کے بنائے ہوئے نقشہ چہرے کے خلاف اپنا چہرہ بنانا یا بنوانا حرام ہے۔ مثلاً مردوں کی داڑھی عورتوں کا سر مونڈنا' کتروانا داڑھی کی حد بندی آقاء کائنات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ اور نقشہ پاک ہے اس نشے سے زیادہ بھی حرام کم بھی حرام۔ آج کل بعض پروفیسر قسم کے علاموں اماموں نے داڑھیاں کترانی شروع کر دی ہیں وہ سب شرعاً فاسق ہیں ان کے پیچھے نماز ناجائز ہے۔ یہ مسئلہ تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ کے تفسیری بیان سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** جب قرآنِ مجید کی تلاوت شروع ہو تو تمام حاضرین مجلس پر واجب ہے کہ سب لوگ باادب خاموشی سے سنیں۔ باتیں کرتے رہنا توجہ نہ دینا بے رغبتی سے اٹھ کر چلے جانا قطعاً ناجائز و گناہ کبیرہ ہے کل قیامت میں اس کی سخت سزا ہے۔ ایسے ہی بے موقعہ بازاروں دکانوں میں تلاوت شروع کر دینا بھی گناہِ کبیرہ ہے اگر ریڈیو وغیرہ پر تلاوت لگی ہو تب بھی بے رغبتی کرنا حرام ہے لیکن اگر کسی مجبوری سے ریڈیو وغیرہ کی تلاوت بند کرنی پڑے تو پوری آیت سن کر جب وقفہ آئے تب بند کرے۔ یہ مسئلہ اَلَمۡ تَكُنۡ اٰيٰتِىۡ تُتۡلٰى عَلَيۡكُمۡ کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ اور بے رغبتی کو تکذیب قرآن و کفریہ کردار بتایا گیا۔ **تیسرا مسئلہ:** نفسانی خواہشات اور دولت پرستی میں لگے رہنا شقاوت ہے اور شقاوت ضلالت ہے اور ضلالت کفار کا طریقہ و نشان ہے۔ ہر مسلمان کو نشان کفر سے بچنا واجب ہے۔ یہ مسئلہ وَكُنَّا قَوۡمًا ضَآلِّيۡنَ کے اخروی اقرار جرم سے مستنبط ہوا۔

marfat.com

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا فِیْ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ جس سے ثابت ہوا کہ کفار کو بتا دیا جائے گا کہ تم لوگ یہاں ہمیشہ رہو گے پھر فرمایا گیا کہ کفار کہیں گے اَخْرِجْنَا مِنْھَا تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ کفار کو ہمیشہ رہنے کا پتہ بھی ہو پھر بھی نکالنے کی دعا مانگیں یہ تو محال کی دعا ہوگئی **جواب:** یہ محال و ناممکن کی دعا نہیں ہے تین وجہ سے اول تو یہ کہ فِیْ جَھَنَّمَ خٰلِدُوْنَ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اس وقت کفار کو جہنم میں ہمیشگی رہنے کا بتایا جائے گا یہ تو قرآنی خبر ہے جو آج دنیا میں ہم سب کو بتائی گئی ہے دوم وجہ یہ کہ اگر بتائی بھی گئی تو شدۃ عذاب و مدت دراز کی وجہ سے یہ اطلاع بھول بھی سکتے ہیں کیونکہ یہ اَخْرِجْنَا کہنا ساڑھے تین لاکھ سال بعد بلکہ اس سے بھی زیادہ دیر بعد ہوگا۔ جیسا کہ تفسیر عالمانہ میں بتایا گیا سوم یہ کہ اَخْرِجْنَا کی دعا عذاب سے نکالنے کی ہو نہ کہ جہنم سے۔ نیز یاد رہے کہ انسان بعض دفعہ سخت پریشانی میں ناممکن کی بھی تمنا کر لیتا ہے جیسے کہ بوڑھا بیمار کہتا ہے کاش میری جوانی لوٹ آئے۔ حالانکہ جانتا ہے کہ یہ ناممکن ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں صرف کفار کے لیے فرمایا گیا خٰلِدُوْنَ۔ وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں جہنم میں مگر فساق کے لیے جہنم میں ہمیشگی نہیں حالانکہ گناہ بھی نافرمانی رب ہے اور فاسق تاعمر فسق کی نافرمانی کر کے بغیر توبہ مر گیا۔ اور کفر بھی نافرمانی رب کا فر بھی تاعمر نافرمانی کر کے بغیر توبہ مر گیا تو یہ سزا میں اتنا بڑا فرق عدل کے خلاف ہے (یہوذی' مرزائی' آریہ' ہندو) **جواب:** اخروی بدلہ صرف ثواب جنت اور عذاب جہنم ہے دنیا میں جرم و مجرم کی تین قسمیں۔ ۱۔ مثل نجاست۔ ۲۔ مثل میل۔ ۳۔ مثل نجس العین۔ عالم فاسق کا جرم گناہ مثل نجاست ہے۔ جو کسی پاک جسم میں مل کر اس کو پلید کر گیا کیونکہ عالم پہلے اپنے گناہ کو جائز کرنے کی شیطانی دلیلیں دیتا ہے پھر جائز سمجھ کر گناہ کرنے لگتا ہے جیسے آج کل کسی عالم نے فوٹو بنوانا کسی نے داڑھی چار انگلی سے کم کرانا۔ کسی نے سیاہ خضاب لگانا جائز کر کے یہ گناہ شروع کر رکھے یہ جواز گناہ کو نجاست اور کرنے والے کو پلید کر دیتا ہے۔ لیکن فاسق کا جرم گناہ مثل میل ہے کیونکہ وہ گناہ کو گناہ و جرم ناجائز سمجھ کر ہی کرتا ہے نافرمانی ضرور کرتا ہے مگر حدود اللہ کو توڑتا نہیں۔ جیسا کہ فاسق عالم نے توڑا مگر کفر انسان کو نجس العین بنا دیتا ہے مثل حرام و پلید جانور اور پلیدی۔ جنت مکمل پاکیزہ لوگوں کی جگہ ہے جہنم میں فاسق جاہل و فاسق کو ڈالا گیا میل جلدی ختم ہو گیا نجاست کچھ دیر میں ختم ہوئی مگر ختم ہو گئی۔ بندہ مکمل پاک ہو کر جنت کے لائق بن گیا اس لئے جہنم سے نکال کر جنت میں لایا گیا۔ کافر مثل خنزیر نجس العین ہے اس کی پلیدی تا ابد کبھی بھی ختم نہیں ہوسکتی نہ پاک ہو نہ جنت کے لائق بنے لہٰذا ہمیشہ جہنم میں رہے گا کیونکہ پلیدیوں کی جگہ صرف جہنم ہے۔ کفار تو اعراف میں بھی نہیں جا سکتے کیونکہ اعراف نہ پلیدیوں کی جگہ نہ عذاب و ثواب کا بدلہ ہے۔ پس ثابت ہوا کہ کفار کے لیے ہمیشگی جہنم عین عدل ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دنیا بذات خود ثقیل ہے نہ خفیف ہے جب مومن حسنات کے غلاف میں دنیا کو سمیٹ لیتا ہے تو اس کی دنیا ثقیل و عزیز ہو جاتی ہے اور جب فاسق اپنی دنیا کو گناہ و سیئات کی کیچڑ سے تھیڑ لیتا ہے تو اس کی دنیا خفیف و مذموم ہو جاتی ہے اور جب کافر اپنی دنیا کو

marfat.com

کفریات سے ہے تو اس کی دنیا خفیف و ذلیل ہو جاتی ہے اور جس کی دنیا بازارِ حقیقت میں ہلکی پڑ گئی کہ گندگی کا پلہ بھاری پاکیزگی کا ہلکا ہو گیا۔ اہل معرفت کے نزدیک وہی خائب و خاسر ہوا۔ کیونکہ ان کے وجود سے راہِ عرفان میں فسادِ طغیان فتنۂ شیطان برپا ہے۔ انہوں نے خود کو گھاٹے میں رکھا کھلیان اعمال اٹھانے کے وقت ان بدنصیبوں کے ہاتھ کچھ نہ آئے گا۔ انسان مثل تازہ انڈہ ہے جو ولایت مرشد کے تصرف میں جانے کے قابل ہے مرشد کا تصوف مثل کڑک مرغی ہے جس کی تربیت چلہ کشی و مراقبہ خفی سے اعمال روحانی کے چوزے پیدا ہوتے ہیں۔ جب تک بندہ مرید بن کر مرشد کے قبضہ میں نہیں جاتا اس وقت تک اس کی حالت ترقی پوشیدہ ہے لیکن جب تصرف میں چلا گیا تو پھر مثل انڈہ دو ہی صورتیں ہیں کہ یا جوہر روحانیت کا چوزہ پیدا ہو جائے اور ایک حال سے دوسرے حال میں منتقل و متغیر ہو جائے تب تو مرشد کا تصرف مفید و باقی رہا۔ اور یا پھر انڈہ گندا تھا تب مرشد کا تعلق اس کے ساتھ بیکار ہے۔ کیونکہ گندے انڈے میں چوزہ بنانے کی صلاحیت ہی نہیں ہے اب وجود بیضہ سے قوت روحانیت کا چوزہ نہیں نکل سکتا بلکہ فِيْ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ایسے گندے انڈے اپنے خول میں تاابد رہتے ہیں مرتد طریقت اپنے نفس کے جہنم میں دائم رہنے والے ہیں ان سے کوئی جوہر نورانی پیدا نہیں ہو سکتا ہے اس لئے کہا گیا ہے کہ مرتد شریعت سے مرتد طریقت زیادہ شر ہے۔ صراطِ معرفت میں مفسد و فاسد کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ جس بدنصیب کو مثل قارون زمین نے دھنسا لیا اس کو نہ کوئی موسیٰ باہر نکالتا ہے نہ ہارون تَلْفَحُ وُجُوْهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيْهَا كٰلِحُوْنَ ایسے چہروں کو نارِ فراق جھلسا کر بگاڑ دیتی ہے ایسے مکر کے سب منہ پھٹے رہ جاتے ہیں تب اپنی طغیانی کی پریشانی میں آہ و زاری کرتے ہیں مگر اپنی بدمستی کا وہ وقت یاد نہیں کرتے جبکہ اَلَمْ تَكُنْ اٰيٰتِيْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ فَكُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ کیا پھر قدرت کبریائی معرفت الٰہی کی نشانیاں حاضر نہ کی جاتی تھیں تو تم شیطانی قوتوں کے بھروسے پر آیات قدرت کو جھٹلاتے اور طالبین منزل کو ورغلاتے اہل حق کا مذاق اڑاتے تھے۔ قَالُوْا رَبَّنَا غَلَبَتْ عَلَيْنَا شِقْوَتُنَا وَكُنَّا قَوْمًا ضَآلِّيْنَ۔ اہل نفوس نے عرض کیا اے ہمارے رب عالم ناسوت میں جب تیرے کرم عمیم نے ہم کو انوار تجلیات و آیات لاھوت وقدوس کا مشاہدہ کرایا تو اس وقت ہم پر ہماری بدنصیبی کی نحوست غالب آ گئی اور ہم فانی رنگ و بو میں پھنس کر منزلِ مطلوب و مقصود سے بہت دور کی گمراہی میں بھٹک گئے تھے اور دم اخیر تک بھٹکے ہی رہے۔ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْهَا فَاِنْ عُدْنَا فَاِنَّا ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ اے ہمارے ظاہر و باطن، قلب و روح، ابتداء و انتہا کے رب ہم کو اس جہنم محرومی سے اور اس کے عذاب فراق سے نکال لے اب ہم وعدہ کرتے ہیں سچی پکی توبہ کہ اگر ہم پھر مکاری کے بھیس میں عیاری کے حلیے میں جبہ و دستار منبر و محراب، سجادۂ گفتار کو دامِ تزویر بنائیں اور پھر اسی دولت پرستی کے گناہ و ضلالت میں لوٹیں تو بے شک ہم راہِ حقیقت میں مفسد و ظالم اور نارِ فنا کے لائق ہوں گے۔ اب ہم دارِ فنا میں واپس جا کر تیری ہی منزل ڈھونڈیں گے اور مرغ سحر کی آہوں جیسی تیرے ہی عشق میں روئیں گے۔ پہلے تو ہم پر باطل دعوے آب ظلمت کی غرقابی نے غلبہ پا لیا تھا نفس امارہ سے اچھا گمان اور خالق تعالیٰ سے بدگمانی یہی دنیا و آخرت کی شقاوت اور یہی دارِ فنا کا گہوارہ ہے۔

marfat.com

قَالَ اخْسَـُٔوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾

رب نے فرمایا ذلت سے پڑے رہو اس جہنم میں اور نہ کلام کرو تم مجھ سے

رب فرمائے گا دھتکارے پڑے رہو اس میں اور مجھ سے بات نہ کرو

اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ

بیشک وہ تھا میرے بندوں کا ایک گروہ کہ جب بھی وہ دعا مانگتے کہ اے ہمارے رب

بیشک میرے بندوں کا ایک گروہ کہتا تھا اے ہمارے رب

اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾

ہم سچا ایمان لائے لہٰذا بخش دے ہم کو اور رحم عطا فرما ہم کو اور تو ہی سب رحم کرنے والوں سے اچھا ہے

ہم ایمان لائے تو تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر اور تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے

فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِیًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِیْ

تو تم کفار نے ان کا مذاق اڑایا یہاں تک کہ بھلا دیا ان منافقوں نے تم کو میرا ذکر

تو تم نے انہیں ٹھٹھا بنالیا یہاں تک کہ انہیں بنانے کے مشغل میں میری یاد بھول گئے

وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّیْ جَزَیْتُهُمُ الْیَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ

اور تم لوگ ان بندوں کی ہنسی مچاتے تھے۔ بیشک میں نے جزا دی ان کو اس کے بدلے جو تمہارے مذاق پر صبر کیا انہوں نے

اور تم ان سے ہنسا کرتے تھے۔ بیشک آج میں نے ان کے صبر کا انہیں یہ بدلہ دیا

اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

کہ بیشک وہ ہی خیر کی سلامتی پانے والے ہیں

کہ وہی کامیاب ہیں۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی ان باتوں کا ذکر کیا گیا جو وہ جہنم میں پہنچ کر رب تعالیٰ سے عرض کریں گے، گڑگڑائیں گے، روئیں پیٹیں گے۔ اب ان آیات میں رب تعالیٰ کی طرف سے جوابی جھڑک کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ اہل ایمان اولیاء، علماء کفار کے سامنے آیتیں تلاوت کرتے ہیں مگر کفار ان کو جھٹلاتے رہے اور آیات قرآنیہ کا انکار کرتے رہے۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ

marfat.com

اہل ایمان دنیا میں تبلیغیں کر کے کفار کو سمجھاتے بتاتے رہے مگر کفار نے ہمیشہ ان مومنین کا مذاق ہی اڑایا اور ذکر اللہ کو بھلایا۔

تیسرا تعلق: پچھلی آیات میں مسلمانوں کی تلاوت قرآنی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں مسلمانوں کی جزاء ایمانی کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول

عام کفار مکہ اور امراء قریش اکثر غریب صحابہ کرام مثلاً حضرت بلال، حضرت عمار بن یاسر، حضرت صہیب رومی، حضرت خباب وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا مذاق کرتے رہتے ان کی تردید میں یہ گیارہ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۱۰۸ تا آیت ۱۱۸۔ ان آیتوں میں غرباء صحابہ کی دلجوئی کو تسکین خاطر اور تسلی روحانی فرمائی گئی۔

تفسیر نحوی

قَالَ اخْسَئُوْا فِیْهَا وَ لَا تُكَلِّمُوْنِ ﴿۱۰۸﴾ اِنَّهٗ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْ عِبَادِیْ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَ ارْحَمْنَا وَ اَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ﴿۱۰۹﴾ قَالَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِخْسَئُوْا باب فتح کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر خَسْءٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ذلیل حقیر رہنا، ہونا، گرا پڑا رہنا۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ فِیْ جارہ ظرفیت مکانیہ کے لئے ھَا ضمیر کا مرجع نارٌ ہے یہ جار مجرور متعلق ہے اِخْسَئُوْا فعل فاعل متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تُكَلِّمُوْ فعل نہی حاضر معروف باب تفعیل سے ہے یہ صیغہ جمع مذکر كَلِمٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تکلیمًا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے مَنْ خفّت والے لوگ۔ نِ دراصل ہے نِیْ نون وقایہ یاء ضمیر واحد متکلم۔ مفعول مَعَهٗ ہے ترجمہ ہے میرے ساتھی یعنی مجھے۔ وقف آیت نے جزم دیا لہٰذا یاء متکلم حذف ہوگئی نون کو علامت یٰ کا کسرہ دے دیا۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہوا اِخْسَئُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ اول ہوا قَالَ کا اِنَّهٗ۔ اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم۔ ایک قول میں اِنَّ لغو ہے کیونکہ ہٗ ضمیر شان ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ كَانَ فعل ماضی بعید صیغہ واحد مذکر غائب فَرِیْقٌ اسم مفرد صفت مشبہ بروزن فَعِیْلٌ لفظاً واحد معناً جمع ہے فَرْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے جدا ہونا۔ فَرِیْقٌ کا معنی ہے جدا ہونے والے لوگ مراد ہے ایک ٹولہ جماعت۔ یہ فاعل ہے كَانَ کا مِنْ حرف جر تبعیضیہ بمعنی کچھ عِبَادِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے عَبْدٌ بمعنی عبادت گزار لوگ مضاف ہے یٰ۔ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مُبدل منہ اگلی عبارت کا جملہ اس کا بدل۔ یا یہ موصوف ہے اگلی عبارت صفت ہے۔ یَقُوْلُوْنَ۔ باب نصر کا فعل مضارع بمعنی ماضی استمراری۔ اس سے پہلے اِذَا شرطیہ پوشیدہ ہے۔ ترجمہ جب بھی وہ کہتے تھے رَبَّنَا یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یَا حرف ندا محذوفہ منوی کا۔ اٰمَنَّا باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر عطفی سبب ہے یا عطفی علت ہے اگلے کلام کی فَ عاطفہ سببیہ۔ اِغْفِرْ باب ضرب کا فعل امر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ غَفْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بخشنا مٹانا، چھپانا، سایہ کرنا، لپیٹنا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ اس کا فاعل ہے اَنْتَ پوشیدہ ضمیر صیغہ۔ لَنَا یہ جار مجرور متعلق ہے اِغْفِرْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِرْحَمْ باب سمع کا فعل امر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ رَحْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مہربانی و شفقت فرمانا اس کا

marfat.com

فاعل اَنْتَ پوشیدہ نَا ضمیر جمع متکلم اس کا مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے خَیْرُ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی اچھا سب سے، بہتر سب سے۔ مضاف ہے الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ رَاحِمِیْنَ باب سمع کا اسم فاعل جمع مذکر رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ یہ مضاف الیہ ہے خَیْرُ کا۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے۔ اِرْحَمْنَا کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے فَاغْفِرْ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر مفعول یا مسبب عطفی ہے اٰمَنَّا کے جملے پر وہ سب مل کر جواب ندا ہے۔ یا پوشیدہ محذوف منوی اپنے منادیٰ و جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہوا یَقُوْلُوْنَ کا۔ یہ قول مقولہ مل کر شرط ہے اِذًا پوشیدہ کی وجہ سے۔ اگلی عبارت تَضْحَكُوْنَ تک اس کی جزاء ہے۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰۤى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَ كُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْۤا ۙ اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ ف حرف جزا اِتَّخَذْتُمُوْ دراصل ہے اِتَّخَذْتُمْ باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے پکڑنا، لینا، بنانا، کسی کی گرفت کرنا، سچی یا جھوٹی یہاں اسی معنی میں ہے۔ آخر کی واؤ برائے تفخیم (بھراؤ کے لئے) اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ سِخْرِيًّا اسم مصدر سُخْرٌ مصدر مادہ سے بنا ہے بروزن فُعْلٌ۔ آخر کی یٔ نسبت کے لئے بڑھائی گئی ...... بیہودگی، بدتمیزی، ایذا رسانی والا مذاق بعض نے اس کو سُخْرِيًّا پڑھا ہے مگر وہ غلط ہے کیونکہ سُخْرِيًّا ضمہ سے بمعنی مُسَخَّر کرنا ہوتا ہے نہ کہ مذاق سُخْرٌ کی گردان باب فتح میں ہوتی ہے۔ اگر باب تفعیل میں کی جائے تو بمعنی مسخر و مغلوب کرنا ہوتا ہے لفظ سِخْرِيًّا قرآن مجید میں تین جگہ آیا ہے۔ ۱۔ یہاں سورۃ مومنون آیت ۱۱۰ میں۔ ۲۔ سورۃ صٓ آیت ۶۳ میں وہاں بھی مکتوب قرئت سِخْرِيًّا ہے۔ ۳۔ سورۃ زخرف آیت ۳۲ میں وہاں سُخْرِيًّا ہی ہے پیش سے خلیل نحوی نے لکھا کہ سُخریا وَسِخرِیّا دونوں کا ترجمہ مذاق کرنا بھی ہوسکتا ہے تسخیر کرنا بھی۔ جیسے لُجی بھی آتا ہے لِجی بھی دُرّی بھی آتا ہے دِرّی بھی اور دونوں کا معنی ایک ہی ہے۔ یہ اِتَّخَذْتُمُوْ متعدی بدو مفعول ہے۔ پہلا مفعول بہ هُمْ ضمیر ہے اور دوسرا یہ سِخْرِيًّا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ حَتّٰى حرف عطف اَنْسَوْ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِنْسَآءٌ نَسْیٌ سے بنا ہے۔ اِنْسَاءٌ متعدی بدو مفعول ہے ترجمہ ہے بھلانا، بھلا دینا۔ نَسْیٌ کا معنی ہے بھولنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مذاق بازیاں مراد ہے مذاق باز لوگ جو خود بھی اور دیگر لوگوں سے بھی اہل ایمان بندوں کا مذاق بنواتے، کرواتے تھے كُمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اول ہے ذِكْرِ اسم مفرد حاصل مصدر باب نصر سے ہے بمعنی میرا ذکر ایمان و عبادت والا۔ میری معرفت، میری یاد۔ یْ ضمیر واحد متکلم مجرور متصل مضاف الیہ۔ ذِكْرِيْ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے۔ اَنْسَوْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ كُنْتُمْ تَضْحَكُوْنَ۔ باب فتح کا ماضی استمراری مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مِنْهُمْ یہ جار مجرور تختی کلام کے لئے درمیان میں لایا گیا جس سے حصر پیدا ہوا اب ترجمہ ہوا کہ تم ہی تھے جو ان نیکوں کی ہنسی اڑایا کرتے تھے۔ مِنْهُمْ یہ جار مجرور وسطی حصری ہے كُنْتُمْ تَضْحَكُوْنَ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے۔ اَنْسَوْ کے جملے پر یہ دونوں عطف معطوف ہے حَتّٰى سے فَاتَّخَذْتُمُوْ کے جملے پر وہ سب عطف مل کر جزا ہے یَقُوْلُوْنَ شرط

marfat.com

کی یہ شرط و جزا مل کر بدل یا صفت ہے عِبَادِیْ کا وہ مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور متعلق ہے کَانَ تامہ کا وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ اِنِّیْ۔ اِنَّ حرف مشبہ ی ضمیر واحد متکلم و منصوب متصل ہے اسم ہے اِنَّ کا جَزَیْتُ۔ باب ضرب کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد متکلم۔ جَزْیٌ سے مشتق ہے ہے ترجمہ ہے بدلا دینا مراد ہے اُخروی ثواب اس کا فاعل اَنَا ضمیر پوشیدہ ھُمْ ضمیر مفعولہ بہ اول۔ اَلْیَوْمَ الف لام حرفی تعیینی یَوْم اسم زمانی بمعنی دن الف لام سے معرفہ ہو کر معنی ہے آج یہ ظرف زمانی ہے جَزَیْتُ کا۔ بَ جارہ سببیہ بمعنی بدلے میں مَا اسم موصول مراد ہے کفار کی قلبی ذہنی جسمی ایذاء رسانی صَبَرُوْا۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب صَبْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے برداشت کرنا۔ اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے عِبَادِیْ۔ یہ فعل بافعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا دونوں مل کر مجرور ہوا بَ سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے جَزَیْتُ کا۔ اَنَّ حرف مشبہ درمیان کلام میں ہونے کی وجہ سے اَنَّ ہے ابتدا میں اِنَّ ہوتا ہے۔ ھُمْ ضمیر اس کا اسم دوسری ھُمْ ضمیر برائے حصر ترجمہ ہے ہی یعنی بیشک وہ ہی۔ اَلْفَائِزُوْنَ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ، فَائِزُوْنَ۔ باب نصر سے اسم فاعل جمع مذکر برائے غائب فَوْزٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے کامیاب ہونا، فتح پاکر، مصیبت سے نجات پاکر۔ امام راغب نے لکھا ہے کہ حصول سلامتی کے ساتھ خیر و عافیت ملنا فَوْزٌ ہے اور انعامات پاکر کامیاب ہونا فَلَاحٌ وَفَلْحٌ ہے۔ فراء نے لکھا ہے کہ مصائب سے نجات پاکر کامیابی فَوْزٌ ہے اور نجات و انعامات دونوں پالینا فَلْحٌ ہے۔ فَائِزُوْنَ اسم فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی۔ اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ دوم ہے جَزَیْتُ کا۔ یہ فعل اپنے فاعل پوشیدہ دونوں مفعول بہ، ظرف زمانی اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے۔ اِنَّہٗ کَانَ کے اِنَّ کی وہ اپنے اسم یاء متکلم اور اس خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا قَالَ کا۔ وہ قول اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

لاکھوں برسوں کی التجاؤں کے بعد صمدیت کبریائی کی طرف سے صوت جلال وقہر بلند ہوتی ہے۔ قَالَ جس نے فرمایا اِخْسَئُوْا فِیْھَا وَلَا تُکَلِّمُوْنِ۔ اے جہنمیوں تم ذلیل و بے کس ہو کر اسی جہنم میں پڑے رہو کیونکہ تم نے دنیا میں خود اپنے آپ کو اسی جہنم کے لائق بنا لیا تھا۔ کفر نے تم کو نجس العین وبذات خود سراپا گندگی بنا دیا ہے اور گندگی کے لئے صرف جہنم بنائی گئی ہے۔ خیال رہے کہ فسق فاسق کو میلا کرتا ہے، گمراہی گمراہ کو پلید کرتی ہے اور کفر کافر کو گندگی بنا دیتا ہے جو پھر کبھی پاک نہیں ہوتی گویا کہ کافر کفر کی خوارک بن جاتا ہے جیسے کہ روٹی گندے ہاتھ میں جا کر گندی ہو گئی ہے۔ میلے مقام پر گر کر میلی ہو گئی مگر پیٹ میں جا کر پلیدی بن گئی۔ ایسی روٹی کو کون محلوں میں سجا سکتا ہے لہٰذا اے جہنم والو اب تمہاری اَخْرِجْنَا کی التجائیں بیکار ہیں بہت باتیں فریادیں کر لیں مگر آئندہ مجھے کوئی بات کسی بھی قسم کی نہ کرنا۔ حدیث مقدس میں ہے کہ اس فرمان عالی کے بعد ہر کافر کے ناک و منہ پر گوشت چڑھ جائے گا، زبانیں موٹی ہونٹ لٹکے، دانت نکلے رہ جائیں گے۔ بس شہیق و زفیر کی چیخیں رہ جائیں گی۔ سمجھ والی گفتگو نہ ہو سکے گی یہ تبدیلی جسمانی عذاب کی وجہ سے ہو گی پھر حسرت و ندامت کا قلبی عذاب دینے کے لئے ان کو ان کی دنیوی حرکتیں

marfat.com

یاد کرائی جائیں گی۔ اِنَّهٗ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْ عِبَادِيْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ اے جہنم والو! دنیا میں تمہارے قریب ہی زمین کی ہر بستی میں میرے پیارے بندوں کا ایک گروہ ہوتا تھا جن کے دم سے فضاؤں میں بہاریں، ہواؤں میں نکھاریں تھیں آسمان والوں کے پیارے زمین کے ستارے تھے جن کے قدم سے دن روشن راتیں آباد، ساعتیں شاداب تھیں۔ وہ دن کے صائم، رات کے قائم تھے۔ وہ اپنے رب تعالیٰ کی عبادت کرتے، رب کے فرشتے ان کی زیارت کرتے تھے۔ وہ بندگان صادقین اپنی ہر عبادت میں ہر مجاہدے، مراقبے میں ہر آن و مکان میں خوف ورجا، شوق وذوق سے عرض کرتے رہتے تھے۔ اے ہمارے رب قدیر مولائے کریم ہم صدق قلبی، اقرار لسانی، بشکل اطاعت واتباع نمونہ نبوت ایمان لے آئے ہیں تیری ذات وحدت صفات کثرت قدرت وحکمت، خلقت وصنعت پر تو ہم کو ہماری مغفرت عطا فرما۔ ہمیں پسند اور ہمارے اعمال حسنہ کو قبول فرما اور ہم کو دنیا میں ہدایت کا، قبر میں سعادت کا، حشر میں شفاعت کا، جہنم سے نجات کا، جنت میں قیام کا رحم عطا فرما۔ اور تو ہی ازل سے ابد تک بطن سے آغوش تک بچپن سے بڑھاپے تک مہد سے لحد تک، برزخ سے حشر تک، پل صراط سے جنت تک کامل اکمل رحم فرمانے والا ہے۔ اے رب قدیم تیرا ہی احسان ہے کہ ہم کو

رسول ایسا دیا کہ جس کے کھلے ہیں ہاتھ اور بھرے خزانے

اے جہنم والو! میرے بندے تو ایسے عشق بھری دعائیں اور سحر گاہی آہیں، مودبانہ التجائیں، دردکی فریادیں کیا کرتے تھے مگر کیا تم کو یاد ہے کہ تم کیا تکبر کی حرکتیں، غرور کی حماقتیں، گمراہی کی جہالتیں دکھایا کرتے تھے۔ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا حَتّٰٓى اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ وَكُنْتُمْ مِّنْهُمْ تَضْحَكُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ تو تم کفار زمانہ ان کے اٹھے ہوئے دعائیہ ہاتھ، جھکے ہوئے سر، آنسو بہتی آنکھیں، عاجزانہ جسم، ملتجیانہ چہرے دیکھ دیکھ کر ان کا مذاق اڑایا کرتے اور زبان درازی کے طعنے دست درازی کی اذیتیں اتنی جرأت وکثرت سے پہنچاتے کہ کوئی لمحہ وموقعہ نہ چھوڑتے۔ یہاں تک کہ اس سرکشی، ایذا رسانی کی ہمہ وقتی مشغولیت نے تم کو میرا ذکر، آخرت کی فکر، خوف کبریائی، شرم مصطفائی، ایمان کا شوق، عبادت کا ذوق، رازق کی نعمتیں، خالق کی رحمتیں، قبر کا عذاب، قیامت کا حساب، پل صراط سے گزرنا، جہنم میں گرنا، دوزخ کی ابدیت، نار کی اذیت سب کچھ بھلا دی اور تمہارے ان ہی کفار میں کوئی ہنسی اڑاتا، کوئی تالیاں بجاتے ہوئے یہی کہتا

کہ میں ایسے اللہ سے نہیں ڈر سکتا کہ جو اپنے ہی بندوں کی حفاظت نہیں کر سکتا

اے کفار زمانہ تم نے تو آنی جانی فانی عزت دولت کے گھمنڈ میں اذیات وفسادات دل بھر کر مچائے مگر میرے نیک مخلص بندوں نے قدرت، جرأت، ہمت، قوت، اختیار، ہتھیار کے باوجود محض حکم نبوی کی اطاعت میں صبر وتحمل کیا اس لئے اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ بیشک میں نے اپنے ان بندوں کو آج ایسا ابدی کثیر وعظیم ان کے صبر جمیل کا بدلہ عطا فرمایا ہے کہ تم دیکھو تو حسرت وندامت میں رہ جاؤ۔ تم نے دنیوی عزت دولت کو صداقت کی دلیل کامیابی کی کلید سمجھا تھا مگر حقیقت میں صرف وہ بندے ہی دنیا وآخرت میں فَائِزُوْنَ صادقون ہیں۔ جو سچے تھے ایمان میں آج فائز ہیں انعام میں سچائی کی وجہ سے جنت میں اقامت ملی۔ کامیابی کی بناء پر جہنم سے نجات ملی۔ یہاں ایمان والوں کی دعا میں دو چیزوں کا ذکر ہوا۔

marfat.com

۱۔ طلب مغفرت۔ ۲۔ طلب رحمت۔ چونکہ مانگنے والے پانچ ہیں۔ ۱۔ نبی کریم ﷺ ۔ ۲۔ انبیاء علیہم السلام۔ ۳۔ صحابہ۔ ۴۔ اولیاء، علماء۔ ۵۔ عام مومنین اس لئے مغفرت کی پانچ قسمیں اور رحمت کی بھی پانچ قسمیں۔ جیسی شخصیت ویسی درجہ بدرجہ طلب مغفرت ورحمت۔ مغفرت کا معنی۔ ۱۔ قرب۔ ۲۔ بخشوانا۔ ۳۔ چھپانا۔ ۴۔ مٹانا۔ ۵۔ ہٹانا۔ رحمت کا معنی ہے دینا، بچانا، ترس کھانا، شفقت، محبت۔ نبی کریم ﷺ کی طلب مغفرت اپنے لئے یہ قرب لامکانی میں بلا کر قاب قوسین کے گھیرے میں چھپانا اور رحمت یہ کہ مقام محمود پر بٹھانا امت کے لئے طلب مغفرت یہ کہ بخشوانا۔ رحمت یہ کہ اذن شفاعت مانگنا، انبیاء کرام کی طلب رحمت ومغفرت کا معنی ہے رحمت کی چادر میں چھپانا وصل وقرب کا پانی پلانا۔ صحابہ کرام کی طلب رحمت ومغفرت کا معنی ہے محبت وحفاظت کے دامن میں لینا رضا کا تمغہ عطا فرمانا۔ اولیاء علماء کی طلب مغفرت کا معنی ہے مقام فنا فی اللہ سے گزار کر بقا باللہ میں پہنچانا۔ عام مومنین کی طلب رحمت ومغفرت کا معنی ہے گناہوں کو مٹانا، مقبولیت حسنات عطا فرمانا۔ یہاں یہ سب قسمیں مراد ہیں طلب میں بھی عطا میں بھی۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی، یعنی اے انسان اگر تو نے یہ فرق مراتب قائم نہ رکھا تو تو بے دین ہو جائے گا۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

قَالَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قَالَ فعل ماضی ہے یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے ترجمہ ہے اللہ نے فرمایا۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں قُلْ امر ہے اور کسی فرشتے کو اِخْسَئُوْا کہنے حکم ہوگا۔ اِخْسَئُوْا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے معنی کیا ذلیل رہو تم۔ یہی قول درست ہے کیونکہ خَسْءٌ کا معنی ذلیل ہونا ہی ہے۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا خاموش رہو تم لَا تُكَلِّمُوْنِ کے معنی میں دو قول، ۱۔ اکثر نے معنی کیا اب مجھ سے کبھی کلام نہ کرنا۔ یہی قول درست ہے کیونکہ حال ومستقبل دونوں زمانے آگئے۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا مجھے آئندہ کلام نہ کرنا۔ لَا تُكَلِّمُوْنِ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ بعض کی قرأت میں ہے لَا تُكَلِّمُوْنِیْ۔ یاء متکلم کے ساتھ۔ ۲۔ اکثر کی قرأت میں لَا تُكَلِّمُوْنِ بغیر یاء متکلم۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ اِنَّهٗ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأت میں اِنَّ مکسورہ ہے کیونکہ کلام ابتدائی ہے یہی قرأت صحیح ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَنَّهٗ مفتوحہ ہے کیونکہ سابقہ کلام کی علت ہے یعنی لَا تُكَلِّمُوْنِ۔ اس لئے کہ كَانَ فَرِیْقٌ...... (الخ) مِنْ عِبَادِیْ کی مراد میں تین قول، ۱۔ اکثر نے کہا اس سے مراد تا قیامت مسلمان ہیں۔ یہی قول درست ہے کیونکہ یہ خطاب تا قیامت ہر زمانے کے کفار سے ہے۔ ۲۔ بعض نے اس سے مراد صرف صحابہ کرام لیا۔ ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد صرف اصحاب صفہ ہیں (غرباء صحابہ) سِخْرِیًّا کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأت سین کے زیر سے ہے۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت سُخْرِیًّا ہے سین کے پیش سے۔ سِخْرِیًّا، سُخْرٌ سے مشتق بمعنی مذاق کرنا اور سُخْرِیًّا سَخْرٌ سے مشتق بمعنی مسخر کر کے جبری بلا معاوضہ خدمت لینا۔ دونوں قرأتوں میں یہ مصدر ہے اور آخر کی یٔ نسبت کی ہے اور آخری الف اعرابی نسبی ہے اصل میں سِخْرِیٌ ہے جیسے پنجابی اَنَّهُمْ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأت میں اَنَّ مفتوحہ ہے کیونکہ مفعول بہ ہے جَزَیْتُ کا لہٰذا درمیان کلام میں ہو گیا۔ یہی قرأت صحیح ہے کیونکہ مشہور

marfat.com

ومکتوب ہے اور کلام کی روش کے مطابق ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اِنَّهُمْ ہے۔ اس لئے کہ یہ جَزَيْتُ کا مفعول بہ نہیں لہٰذا درمیان کلام بھی نہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** صبر کرنا شکر کرنے سے بڑی اور زیادہ ثواب والی عبادت ہے اس کی تین وجہ، پہلی وجہ یہ کہ صبر کیفیتی عبادت جیسے روزہ لہٰذا یہ ہر وقت قائم و جاری۔ شکر قولی فعلی عبادت ہے مثل نماز۔ یہ ہر وقت جاری نہیں رہ سکتا۔ دوسری وجہ یہ کہ شکر غنی کی عبادت ہے لہٰذا آسان ہے مگر صبر فقیری محتاجی و تکلیف کی عبادت ہے لہٰذا مشکل و کڑوا۔ تیسری وجہ یہ کہ صابرین کے ساتھ اللہ تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ (بقرہ: ۱۵۳) شاکرین کے ساتھ ہونے کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ یہ فائدہ اِنِّيْ جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوْٓا فرمانے سے ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** متقی صابر و عاجزی والا مومن مسلمان ہی دنیا و آخرت میں بڑی شان والا ہے اگرچہ غریب فقیر ہو یا معذور یہ فائدہ مِنْ عِبَادِيْ کے اعزازی خطاب الٰہی سے حاصل ہوا۔ دنیاداروں کو حکام و سلاطین کی طرف سے خطاب ملتا ہے تو فخر سے پھولے و مغرور ہوئے پھرتے ہیں دنیا والوں کی نظر میں ان کی بڑی عزت بن جاتی ہے تو جس کو رب تعالیٰ کی طرف سے کوئی لقب و خطاب ملے اس کی شان و عزت کا کوئی انسان کیا اندازہ لگا سکتا ہے اس کی شان تو زمین و آسمان میں بلند ہے۔ **تیسرا فائدہ:** مسلمان اگر سچا پکا پابند شریعت ہو تو دنیا کی مصیبت و اذیت بھی اس کے لئے مفید نعمت ہے۔ یہ فائدہ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا کے بعد اَنَّهُمْ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا کہ دیکھو کفار کی ایذا رسانی و سختی صابر بندوں کو ابدی کامیابی دلا گئی۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** کسی مسلمان کو جائز نہیں ہے کہ کسی مسلمان کی عبادت کا مذاق اڑائیں۔ عبادت خواہ نفلی فرضی واجبی ہو یا استحبابی۔ یہاں تک کہ غلط طریقے سے ادا کرنے کا بھی مذاق نہ کیا جائے بلکہ محبت و نرمی سے صحیح طریقہ سمجھا دیا جائے۔ عبادت کا مذاق اڑانا یا عبادت کو روکنا کفار کا طریقہ ہے اور اس پر عذاب جہنم کی اٹل وعید ہے۔ یہ مسئلہ فَاتَّخَذْتُمُوْهُمْ سِخْرِيًّا کے ذکر سے مستنبط ہوا۔ لہٰذا ان بدنصیبوں کو عبرت پکڑنی چاہئے جو صلوٰۃ و سلام نعت خوانی اور عید میلاد النبی کے جلسوں جلوسوں کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔ **دوسرا مسئلہ:** اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پسندیدہ عبادت مغفرت و رحمت کی دعا مانگنا ہے۔ قرآن مجید میں بہت جگہ اس دعا کا حکم بھی فرمایا یا ہے جیسا کہ یہی سورۃ آخر آیت ۱۱۸ میں۔ استغفار پڑھنے والوں کو رب کریم نے عِبَادِيْ کا معزز و مکرم لقب عطا فرمایا۔ یہ مسئلہ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ...... (الخ) کی خبر دینے و نشان مومن بتانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** کسی دنیوی اچھے یا برے کام میں مشغول ہو کر عبادت، ذکر اللہ و فکر آخرت اور تیاری قبر و قیامت کو بھول جانا کفار کی بدترین خصلت و نشانی ہے۔ ہر مسلمان مرد و عورت کو اس عادت و فضل سے بچنا چاہئے۔ اس شیطانی غفلت کی بڑی ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔ یہ مسئلہ حَتّٰٓی اَنْسَوْكُمْ ذِكْرِيْ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ یہ آیت دراصل مسلمانوں کو ہی اب سنائی جارہی ہے کہ وہ بندہ بنیں عبرت پکڑیں۔

marfat.com

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَلَا تُكَلِّمُوْنِ یہ بصیغہ حکم امتناعی ہے جس سے شرعی مکلف کیا گیا حالانکہ امر نہی سے شرعی مکلف کرنا تو دنیا میں ہے آخرت میں کیوں مکلف کیا گیا۔ **جواب:** یہ نہی کی ممانعت فرض وواجب کے امر اور حرام ومکروہ کی نہی جیسی مکلف شرعی کرنا نہیں ہے بلکہ یہ جھڑک ہے اور جھڑک غیر مکلف کو بھی دی جاسکتی ہے۔ جیسے کہ ہم دن رات غلط کار بچوں کو جھڑکتے ہیں حالانکہ بچے شریعت کے مکلف نہیں ہوتے نہ امر نہی کے نہ فرض واجب حرام ومکروہ کے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ کفار لوگ دنیا میں مومن مسلمانوں کی عبادت ودعا کا مذاق بنایا کرتے تھے حالانکہ تا قیامت کفار تو مذاق نہیں کرتے بلکہ اسلامی عبادتوں کے وقت اپنے کاموں میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ مطلقاً ہر کافر کو اس کی التجا قبول نہ کرتے ہوئے کیوں سنایا گیا۔ **جواب:** تا قیامت ہر کافر مسلمانوں اور ان کی عبادتوں، دعاؤں سے نفرت وتمسخر کرتا ہے مگر اندازِ نفرت وتمسخر مختلف ہے۔ کبھی فقط زبانی کلامی اور تالیاں بجا کر مذاق اڑا کر، کبھی اذیت پہنچا کر، کبھی منصوبہ بندیوں شرارتوں سے رکاوٹیں کھڑی کر کے، کبھی مسجدیں گرا کر، قرآن مجید کے ورقے جلا کر، مسجدوں کو تالے لگوا کر، کبھی مسجدوں میں گندگی پلیدی پھینک کر، کبھی مسجدوں اور مسلمانوں کے مکانوں پر جبری غاصبانہ قبضہ کر کے، کبھی اذان ونماز وخطبے کے وقت اپنے قریبی گرجوں، مندروں، گردواروں سے گھنٹوں ڈھولوں باجوں وسپیکروں کے ذریعے شور مچا کر اور کبھی خواہ مخواہ دنگا فساد وقتل وقتال شروع کر کے۔ جیسا کہ اب بھی ہندوستان وکفرستان میں اکثر مسلمانوں کے لئے ایسی مصیبتیں آئے دن کھڑی کی جاتی ہیں بلکہ مسلمانوں کو قانونی تحفظ بھی حاصل نہیں اور کبھی ایسا بھی مسلمانوں کے خلاف منصوبہ بنایا کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے
کہ مسلم ذکر کرتے ہیں خدا کا اس زمانے میں

اور کہیں یہ شرارت قائم کہ ؎

رقیبوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ سنی نعت پڑھتے ہیں نبی کی اس زمانے میں

تفسیر صوفیانہ

اس جہان رنگ وبو میں ابتدا سے ہی دو چیزیں برسرِ پیکار ہیں۔ انسانی خودی وبے خودی، خودی پہاڑ کی چوٹی پر پڑا ہوا پتھر ہے کہ حرکت میں آئے گا تو نیچے ہی گرے گا اور بے خودی عجز کے پنجرے میں بیٹھا ہوا پرندہ ہے کہ جب کھلے گا تو بلندیوں کی طرف ہی اڑے گا اور چوٹیوں سے بھی اوپر سیر ملکوت کرے گا، خودی کی حرکت خودی کرنے والے کی ہلاکت ہے جیسے کہ چوٹی کا پتھر جتنی زور سے گرے گا اتنا ہی پاش پاش ہوگا۔ خودی نفس امارہ کا تکبر ہے تکبر سے فسق پیدا ہوتا ہے اور فسق فاسق کو غار ظلمات میں گراتا ہے۔ تب آہ وفغاں کرتا ہے مگر اس وقت نہ کوئی یار نہ مددگار نہ اٹھانے والا نہ بچانے والا۔ جب چیخ وپکار کی انتہا ہوتی ہے تو قہر

marfat.com

وجلال کی آواز غیبی بلند ہوتی ہے کہ اخْسَئُوا فِيهَا وَلَا تُكَلِّمُونِ اے تکبر کا سر بلند کرنے والوں انجام بد سے بے خبر ہو کر فسق و فجور کا حلیہ بنانے والو، بے خودی کی فضاؤں میں خودی کی شیطانی پھیلانے والوں۔ اب پڑے رہو مجبوریوں، مقہوریوں کے گھیرے غار میں۔ اب مجھ سے عطاء بلندی والی تمنا کی بات نہ کرو اس لئے کہ إِنَّهُ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْ عِبَادِي يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ۔ بیشک جہان شریعت میں میرے عابدین مخلصین میں سے ایک جماعت صالحین بحر معرفت کا غوطہ زن مکاشفہ مشہود کے لمحات فکر میں زبانِ طلب سے عرض کرتے تھے کہ اے ہمارے ظاہر و باطن شہود و حضور کے رب ہم نے حَقُّ الیقین کا ایمان قبول کیا ہے۔ پس راہِ معرفت میں ہماری کمزوریوں، دیریوں، لغزشوں، توجہ کی خرابیوں کو معاف فرما اور دوریِ منزل کی رکاوٹوں سے بچا اور قرب وصل کا رحم عطا فرما تا کہ سہولت وسکون ملے تو ہی ایصال مطلوب کا والی منزل تک پہنچانے، بلانے والا ہادی اکمل ہے۔ اے نار ظلمات کے فراق والو فَاتَّخَذْتُمُوهُمْ سِخْرِيًّا حَتَّىٰ أَنسَوْكُمْ ذِكْرِي وَكُنتُم مِّنْهُمْ تَضْحَكُونَ۔ تو اس وقت تم ان مسافرانِ معرفت کی عاجزی بارگاہ کا مذاق اڑایا کرتے تھے اور اپنی اس عادت بد میں ایسے بدمست ومشغول ہوئے کہ تم کو اس خرمستی نے میرا قہر جلیل و بطش شدید بھلا دیا اور ذکر جمیل بھی اور تم ان مسعودین کی ہر اداء عشق پر ہنسا کرتے تھے۔ إِنِّي جَزَيْتُهُمُ الْيَوْمَ بِمَا صَبَرُوا أَنَّهُمْ هُمُ الْفَائِزُونَ۔ بیشک میں نے ان کو اپنے قرب وصل جزاء بقا عطا فرمائی، ان کو قرار کی جنت ملی اور تم کو راہِ حق سے فرار کی سزا میں فناء جہنم ملی کیونکہ تم نے طعن بازی کے کانٹے چبھائے انہوں نے صبر کے پھول کھلائے، تم نے تمسخر کے پتھر برسائے انہوں نے برداشت کے حوصلے بنائے، تم نے تضحیک وتذلیل کے نشتر لگائے انہوں نے درگزر کے تمغے سجائے۔ لہٰذا بیشک وہ ہی دونوں جہان میں اصلی ابدی کامیاب کہ دنیا میں اصلی آخرت میں ابدی کامیاب ہونے والے ہیں۔ اہل سعادت کو نور کے چار ثواب دیئے جاتے ہیں، ا۔ ثوابِ ایمان۔ ۲۔ ثوابِ عبادت۔ ۳۔ ثوابِ شکر۔ ۴۔ ثوابِ صبر۔ اہل معرفت کے لئے یہی جزاءِ بقا ہے اور اہل شقاوت کو نار کے چار عذاب دیئے جاتے ہیں۔ ا۔ عذابِ کفر۔ ۲۔ عذابِ شرک۔ ۳۔ عذابِ ناشکری۔ ۴۔ عذابِ بے فکری۔ یہ چار عذاب چار شرارتوں کی سزا و ذلت ہے۔ ا۔ انکارِ مرشدین۔ ۲۔ تمسخر ھادِیِین۔ ۳۔ استہزاءِ ناصحین۔ ۴۔ ایذاءِ عارفین۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ اگر بندوں کے ساتھ رب تعالیٰ کی مغفرت اور آقا ﷺ کی رحمت نہ ہو تو ہر انسان مادیات کی چمک دمک اور مصنوعی بلندیوں پر ہی قَوْمًا ضَالِّينَ بنا پھرے اور شقاوت نفسانی میں بھٹکتا پھرے مسافرانِ معرفت کو چار حفاظتی مغفرتیں عطا ہوتی ہیں، **پہلی**۔ مغفرت رحمت کی چادر۔ **دوم**۔ مغفرت قرب کا دامن۔ **سوم**۔ وصل کا سایہ۔ **چوتھی**۔ مغفرت راہِ دستگیر کی دستگیری اور چار ہی رحم عطا فرمائے جاتے ہیں، ا۔ رحم بقا۔ ۲۔ رحم لقا۔ ۳۔ رحم سخا۔ ۴۔ رحم وفا۔ عوام کا استغفار طلب بخشش ہے۔ خواص کا استغفار طلب وصل ہے۔ خاص الخاص کا استغفار محبوب کی رضا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا استغفار مشاہدۂ جمال ہے۔ سردارِ انبیاء آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ کا استغفار قرب قاب قوسین ہے (حضرت باقی باللہ) صابرین کو صبر اطاعت کی جزا دی گئی مشاہدۂ کبریائی عطا کر کے کیونکہ انہوں نے رب تعالیٰ کے دشمنوں کے ظلم برداشت کئے تو وہ فائز ہیں قرب سے اور خارج ہیں فراق سے یہ اکرام ابدی صبر کی وجہ سے۔ ہے اور مطمئن ہیں قیامت کی ہولناکیوں سے۔ صبر مومنین

marfat.com

نفس کو شہوات سے روکنا ہے اور صبر عارفین خلق سے دوری خالق سے قرب و وصال ہونا ہے۔ صبر و شکر ہی مقصودِ زندگی ہے، مطلوب بندگی ہے اور زندگی بے بندگی شرمندگی ہے۔ شکر آمدگی کی عبادت ہے، صبر رفتگی کی عبادت۔

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾

پوچھا کہ کتنا ٹھہرے تھے تم زمین کے اندر برسوں کی گنتی کے حساب سے

فرمایا تم زمین میں کتنا ٹھہرے برسوں کی گنتی سے

قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾

جواب دیا ٹھہرے تھے ہم ایک دن یا کچھ کم ہمیں علم نہیں۔ پس پوچھ لے تو حساب کے ماہرین سے

بولے ہم ایک دن رہے یا دن کا حصہ تو گننے والوں سے دریافت فرما

قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

فرمایا کہ نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑی مدت۔ اگر بیشک پہلے سے تم علم رکھتے ہوتے قبر و آخرت کی زندگیوں کا

فرمایا نہ ٹھہرے مگر تھوڑا اگر تمہیں علم ہوتا پہلے سے

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا

تو کیا تم نے دنیا میں یہ گمان پکا لیا تھا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا ہے کھیلنے کے لئے اور یہ کہ بیشک تم ہماری طرف

تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا

لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ

نہ لوٹائے جاؤ گے۔ تو بلندیوں والا اللہ حق بادشاہ

نہیں تو بہت بلندی والا ہے اللہ سچا بادشاہ

لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾

نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے۔ عرش کریم کا رب ہے۔

کوئی معبود نہیں سوا اس کے عزت والے عرش کا مالک۔

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کو حیات دنیوی میں تلاوت و تبلیغ کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں کفار سے حیات دنیوی کی مدت کے بارے میں سوال کرنے جواب لینے کا ذکر فرمایا

marfat.com

جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اخروی بات چیت اور حالات کا ذکر فرمایا کہ کفار جہنم میں یہ باتیں کریں گے اور ان کو اس طرح جھڑک دیا جائے گا۔ اب ان آیات میں کفار سے دنیا میں ہی ان سے حیات دنیوی کے بارے میں ایک سوال کیا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی دنیوی روش اور سرکشی خرمستی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں حیات دنیوی کا مقصد سمجھایا جارہا ہے اور کفار کے فاسد گمان باطل ایمان کی تردید فرمائی جارہی ہے۔

تفسیر نحوی

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا کَمْ اسم مقداری سوالیہ۔ ممیز ہے اس کی تمیز پوشیدہ ہے دراصل ہے کَمْ زَمَانًا۔ لَبِثْتُمْ سَمِعَ یا حَسِبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر لُبْثٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ٹھہرنا قیام کرنا اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ فِی الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ عَدَدَ اسم تعدادی مراد ہے گنتی مضاف ہے۔ سِنِیْنَ اسم جمع مذکر سالم بحالت کسرہ سَنٌ کی جمع۔ سَنٌ بمعنی سال، برس اور سِنٌّ بمعنی دانت، طبی اعتبار سے دانتوں کا عمر کے برسوں کے ساتھ بہت تعلق ہے مثلاً دودھ کے دانت، دوندا جانور، عقل داڑھ، غالباً اسی قریب النِّسبۃ کی بنا پر یہ لفظی مناسبت ہے۔ مضاف الیہ ہے عَدَدَ کا یہ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے۔ لَبِثْتُمْ بافاعل اپنے ظرف مقدم زَمَانًا پوشیدہ اور دوسرے ظرف و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر تمیز ہے کَمْ کی یہ ممیز تمیز مل کر مقولہ ہوا قَالَ کَمْ کا قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ کَذَا کی طرح کَمْ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ کَمْ استفہامیہ (سوالیہ)۔ ۲۔ کَمْ خبریہ۔ کَمْ سوالیہ کی تمیز کبھی ظاہر ہوتی ہے کبھی پوشیدہ جیسے یہاں قَالُوْا فعل بافاعل جملہ قولیہ ہو کر قول ہوا۔ لَبِثْنَا فعل ماضی مثبت معروف صیغہ جمع متکلم۔ یَوْمًا اسم نکرہ معرب جامد زمانی معطوف علیہ اَوْ حرف عطف بَعْضَ اسم جزئی جامد مضاف ہے یَوْمٍ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے یَوْمًا پر۔ دونوں عطف مل کر ظرف زمانی ہے لَبِثْنَا اپنے فاعل ضمیر صیغہ اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ حرف عطف اِسْئَلْ باب فتح کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر۔ سَئَلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پوچھنا۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ عَادِّیْنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر برائے غائب۔ باب نصر سے عَدَدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گنتی کرنا، گننا، حساب کرنا دراصل ہے عَادِدِیْنَ۔ بحالت فتحہ مفعول بہ اِسْئَلْ کا یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے لَبِثْنَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قَالُوْا کا یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قَالَ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اِنْ حرف نفی۔ لَبِثْتُمْ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ مِنْہُ اِلَّا حرف استثنا متصل قَلِیْلًا۔ اسم صفت مشبہ مبالغے کے لئے بروزن فَعِیْلٌ۔ قَلَلٌ وَقِلَّۃٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے بہت تھوڑی مدت کمی والا زمانہ، تھوڑی زندگی یہ مستثنیٰ ہے۔ اِنْ لَبِثْتُمْ کے جملے کا دونوں مل کر جزا و مقدم ہے۔ لَوْ حرف شرط۔ اَنَّ حرف مشبہ کُمْ ضمیر اس کا اسم۔ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ فعل ماضی استمراری مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر عِلْمٌ سے مشتق ہے بمعنی جاننا، معلومات ہونا علم رکھنا۔ ماضی کی وجہ سے معنی ہوا پہلے سے علم ہونا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ اَنْتُمْ پوشیدہ۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر شرط مؤخر ہوئی یہ دونوں مل

marfat.com

کر جملہ شرطیہ ہوا کر مقولہ ہوا قَالَ اِنْ کا یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِیْمِ ﴿۱۱۶﴾ اَفَ دونوں حرف سوالیہ ہیں ترجمہ ہے کیا پس تو کیا۔ حَسِبْتُمْ باب حسب کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر مثبت معروف حَسْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گمان کرنا عقیدہ بنانا۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے وَمَنْ خَفَّتْ۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل عملاً۔ مَا کافہ ساتھ ہے اس لئے اَنَّ لغو ہے اب اس کا معنی ہے اس بات کا خَلَقْنَا۔ باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف خَلْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیدا کرنا۔ نیست سے ہست کرنا۔ اس کا فاعل نَا ضمیر جمع متکلم بارز۔ کُمْ ضمیر ظاہر اس کا مفعول بہٖ بحالت فتحہ ہے۔ عَبَثًا اسم حاصل مصدر بمعنی کھیل تماشہ یہ مفعول لَهٗ ہے یہ مفعول بہٖ ومفعول لَهٗ ہے خَلَقْنَا کا عَبَثٌ کی باب سمع میں گردان ہوتی ہے۔ لغوی ترجمہ ہے مخلوط وملاوٹ کرنا، کسی بھی چیز کو کسی دوسری میں۔ یہاں مراد ہے کھیل کود تماشوں کو زندگی میں شامل ملاوٹ کرنا اور بیکار چیز۔ خَلَقْنَا فعل فاعل مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنَّ حرف مشبہ عاملہ کُمْ اس کا اسم اس لئے یہ ضمیر جمع مذکر حاضر منصوب ہے۔ اِلَیْنَا یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے۔ لَا تُرْجَعُوْنَ باب ضرب کا مضارع مستقبل منفی مجہول رَجْعٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے لوٹنا، پھیرنا پھرنا۔ متعدی ہے اس کا مفعول بہٖ اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ نائب فاعل ہے۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہوا۔ خَلَقْنَا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مفعول بہٖ ہوا اَفَحَسِبْتُمْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا فَ زائدہ بیانیہ۔ تَعٰلٰی باب تَفَاعُلٌ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب عَلُوٌّ یا عَلِیٌّ سے مشتق سے ترجمہ ہے بلند ہونا بالا ہونا یہ مادہ لازم ہے اس کا مصدر تَعَلُّوٌ یا تَعَلّیٌ ہے اَللّٰهُ اسم مفرد جامد عَلَم ذاتی ہے رب تعالیٰ کا یہ اگلی عبارت کا مُبْدَلٌ مِنْهُ ہے۔ اَلْمَلِكُ الف لام عہد ذہنی مَلِكٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی بادشاہ، شہنشاہ موصوف ہے۔ اَلْحَقُّ الف لام عہد خارجی۔ حَقٌّ اسم مفرد جامد بمعنی باقی رہنے والا سچا حقیقی صفت ہے یہ مرکب توصیفی بدل الکل ہے۔ اَللّٰهُ مبدل مِنه اپنے بدل سے مل کر ذو الحال ہے لَا حرف نفی جنس اِلٰهٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی معبود مستثنیٰ مِنْهُ ہے اِلَّا حرف استثنا متصل۔ هُوَ ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل اس کا مرجع اَللّٰهُ۔ یہ مستثنیٰ ہے اِلٰهٌ کا مبتدا ہے رَبٌّ اسم مفرد جامد صفاتی خصوصی نام ہے اللہ تعالیٰ کا بلانسبت کسی غیر اللہ کو رب کہنا جائز نہیں۔ یہ مضاف ہے اَلْعَرْشِ الف لام عہد خارجی تعظیمی عَرْشٌ اسم مفرد جامد ترجمہ ہے تخت شاہی، بڑا تخت مراد ہے ساتویں آسمان سے اوپر والا عرش اعظم۔ موصوف اَلْكَرِیْمِ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ۔ کریم اسم صفت مشبہ مبالغہ ترجمہ ہے ہمیشہ کرم ورحم مہربانی شفقت عطا فرمانے والا یہ صفت ہے عرش کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے رَبٌّ کا یہ مرکب اضافی خبر ہے هُوَ مبتدا کی۔ یہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ اِلٰهٌ کا دونوں مل کر اسم ہے لَا نفی جنس کا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے اَللّٰهُ کا۔ یہ ذُو الْحَال حال مل کر فاعل ہے تَعٰلٰی کا وہ دونوں مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْـَٔلِ الْعَآدِّیْنَ ﴿۱۱۳﴾ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۱۴﴾ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ﴿۱۱۵﴾ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ

marfat.com

اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝۱۱۶ ۔ رب جلیل نے فرمایا اے کفارِ زمانہ حیات دنیوی میں کفر شرک سرکشی کی بدمستیاں، عیاشیاں، فحاشیاں کر کے عمر گراں مایہ اور وقت کا سرمایہ برباد کرنے والو اور اب جہنم سے نکالے جانے کی فریاد، دنیا میں واپس جانے کی تمنا، نیک بندہ بننے کا وعدہ کرنے والو کیا تمہیں زمین کے اوپر حیات کا اور زمین کے اندر ممات کا زمانہ یاد ہے اور کیا تم بتا سکتے ہو کہ دنیا کی مستی وقبر کی گذری ہوئی سختی کے ساتھ قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ فِي الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِيْنَ. کتنا ٹھہرے تم دنیا اور قبر میں برسوں کی گنتی سے۔ قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ. تب کفار جواب میں یہی کہیں گے کہ ہمیں اندازہ ہے ہم دنیا میں ایک دن یا ایک دن کا مزید کچھ حصہ زیادہ رہے ہوں گے۔ ہمارے ذاتی اندازے میں تو دنیا اور قبر میں رہنے کی بس تقریباً یہی مدت ہے کہ ایک دن حیات دنیوی کا اور ایک دن کی کچھ ساعتیں قبر میں۔ یا اللہ اگر صحیح تحقیق بعث وقیام دنیوی ضروری ہے تو اے رب سوال فرما ان ملائکہ کراماً کاتبین اعمال سے اور ملائکہ و منکر نکیر نافذین عذاب قبر سے جو حیات دنیوی اور ممات قبر کی صحیح اور پوری مدت گننے والے ہیں کیونکہ ہمیں تو وحشت قبر اور طوالت حشر، گھبراہٹ حساب دہشت عذاب اور آب دخول جہنم کی دردناک پریشانی نے سب کچھ بھلا دیا۔ اب تو ہمیں یہ بھی یاد نہیں کہ آرام و عیاشی ہوتی کیا چیز ہے اور گزری چیز تو ویسے بھی کالمعدوم ہو جاتی ہے۔ آرام کی دراز مدتیں بھی مثل چند لمحات لگتی ہیں۔ عذاب و تکلیف کے لمحات بھی دراز مدتیں محسوس ہوتی ہیں۔ آرام کی گھڑیاں بھاگتی ہوئی گزرتی ہیں۔ تکلیف کی گھڑیاں رینگتی ہوئی قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا. جواباً فرمایا کہ اس اُخروی حیات کے مقابل جس کا تم مذاق اڑا کر انکار کرتے تھے وہ پہلی زندگی واقعی يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ہی تھی۔ جیسے ریگزار کے مقابل ذرہ، سمندر کے مقابل قطرہ، دنیوی زندگی تو مسافرت کی راہ اور گزر عبوری کا پل تھی منزل نہ تھی مگر تم کفار نے اس کو عیش کی منزل سمجھا نہ اصل منزل پہچانی نہ اپنی قدر جانی نہ رب تعالیٰ کی عطا کردہ عقل کی مانی جو بات تم لوگوں نے آج جہنم میں پہنچ کر سمجھی۔ وہی بات انبیاء کرام علیہم السلام تم کو دنیا میں سمجھاتے رہے اور بتاتے رہے کہ یہ دنیا اعمال و امتحان گاہِ چند روزہ ہے اس کو قیام گاہ نہ سمجھو نہ وہ حیات اصل زندگی تھی نہ وہ زمین اصل منزل تھی اس کو سنوارنے بنانے میں عمر کو برباد کرنا تھا۔ اصلی ابدی آخرت کی زندگی ہے جس کو سنوارنے سجانے کے لئے رب تعالیٰ نے انسانوں کو بارہ نعمتیں سہولتیں عطا فرمائیں۔ ۱۔ اشرف المخلوقات بنایا۔ ۲۔ خَلَقْتُ بِيَدَيَّ کا خصوصی اعزاز بخشا۔ ۳۔ عقل کی فراست۔ ۴۔ احساس کی نزاکت۔ ۵۔ شعور کی بصیرت۔ ۶۔ علم کی فضیلت۔ ۷۔ روح مزکی۔ ۸۔ قلب سرمدی عطا فرمایا۔ ۹۔ علم و عقل ذہانت۔ ۱۰۔ قلم کی کتابت۔ ۱۱۔ صنعت و حرفت کی حکمت۔ ۱۲۔ جسم و اعضا کو برتنے کے لئے قرآن و حدیث کی تعلیم انبیاء کی تدریسی عبادت، تربیتی ریاضت، عملی وقولی بندگی عطا فرمائی۔ لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ. اے کفار زمانہ اگر تم حیات دنیوی کی حالتوں، حقیقتوں، دولتوں، عزتوں کی قلت وفنا کو اور اُخروی وعدوں وعیدوں اور آیتوں روایتوں کی خبروں کو اسی وقت دنیا میں ہی عقل وقلب کے شوق و سرور سے جانتے سنتے مانتے تو آج جہنم میں یہ ذلت دوری، مردہ ضمیری، فتورِ بے شعوری نہ ملتا مگر تم نے تو دنیا میں اپنی زندگی جانوروں سے بدتر گزاری جانوروں میں تو کچھ حسب استطاعت وودیعت نظر و ضبط ویا دمولی بھی ہوتی ہے لیکن تم نے انسان ہو کر بھی بے علمی، بے عقلی، بے نظمی، بے ضبطی کی حالت بگڑنے کی عادت میں حد کر دی۔ یہ تمام سوال و جواب جہنم میں ہوں گے

marfat.com

مگر ہم سب انسانوں کو دنیا میں ہی سنائے بتائے جا رہے ہیں تا کہ اُخروی واقعات میں سے کچھ پوشیدہ نہ رہے اور ایمان لانے عبرت پکڑنے ڈرنے بندہ بننے میں کوئی بہانہ رکاوٹ نہ بن سکے۔ اے کفارِ زمانہ آج دنیا میں تم سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ تمہارا اسلام سے انکار، قرآن سے فرار کیوں ہے جہنم کا ڈر، آخرت کی فکر کیوں نہیں ہے۔ اپنا قیمتی وقت تھوڑی زندگی صرف کھانے کمانے عیاشی کے سونے، فحاشی کے جاگنے میں ضائع کیوں۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ کیا تم عیاشوں، بدمستوں نے اپنے دلوں دماغوں کے عقیدوں میں یہ گمان باطل بٹھالیا ہے کہ ہم نے تم کو بیکار کھلونے پیدا کیا ہے یا محض چلنے پھرنے کھیلنے کے لئے اور کھیلوں میں عمر عقل دولت برباد کرنے کے لئے بنایا ہے اور کیا تمہارا یہ خیال فاسد ہے کہ مرنے کے بعد ہماری طرف تمہارا لوٹایا جانا نہیں۔ اے غافلو! اگر اسی بدعقیدگی کی وجہ سے آستانہ نبوت سے دور حق سے نفور، شیطانیت میں مسرور ہو کر سمجھ رہے ہو کہ ''یہ جہان مٹھا اگلا کس ڈٹھا'' تو یہ خام خیالی بدانجامی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تم کھلونا ہو نہ کھیلنے کے لئے ہو۔ اگر تم کھلونا ہوتے تو مثل اینٹ پتھر بے عقل وعلم و بے جان ہوتے اور اگر تم کھیلنے کے لئے ہوتے تو تمہارے اعضاء عقل و شکل بصارت بناوٹ جانوروں کی مثل ہوتی۔ شاندار اعضاء، پائیدار عقل، جاندار علم، کامگار شعور، نامدار تدبیر و تسخیر، قبضہ سلطنت، غلبہ حکومت، سیاست کا جمال، ریاست کا جلال، صنعت وحرفت کا کمال تم کو نہ دیا جاتا یہ نعمتیں قال وحال سے کہہ رہی ہیں کہ سب جہاں تیرے لئے اور تو ہے رب کے واسطے۔ تدبر، تفکر، تعقل کی نعمتیں تلعب کے لئے نہیں بلکہ تذکر کے لئے دی گئی ہیں اور پھر تم نے یہ بھی نہ سوچا کہ جب تم خود تھوڑی عقل، قلیل علم رکھنے والے لوگ اپنے دنیوی کام میں کوئی خاص مقصد، ضروری فائدہ کارآمد بہتری کا خیال رکھتے ہو اور اس کام میں اپنی پوری عقل، صنعت وحرفت کا علم وفہم استعمال کرتے ہو اور چیز کو ہر طرح با مقصد و مفید بنانے کی کوشش کرتے ہو تو وہ قادر خالق تعالیٰ جو تمام کائنات کا واحد لاشریک پیدا فرمانے والا ہے۔ تم کو بیکار و عبث کیوں بنائے گا۔ تم نے زندگی کا مقصد فقط دنیوی سامان گھر گرہستی بنانے کو سمجھا حالانکہ یہ گھر گھونسلا تو جانور پرندے بھی بنا لیتے ہیں جنگل سجا لیتے ہیں ان کو بھی اتنا خداداد شعور ہے۔ اگر تمہاری حیات کا مقصد بھی فقط گھر بنانا بستی سجانا ہوتا تو تم کو پرندہ بنا دیا جاتا۔ اگر تمہارا مقصد زندگی کھیل کے میدانوں، سڑکوں کے سرراہوں میں بھاگنا دوڑنا ہوتا تو تم کو گدھا گھوڑا بنا دیا جاتا۔ اگر بوجھ اٹھانا ہوتا تو تم کو بیل خچر اونٹ بنا دیا جاتا۔ اگر تمہاری زندگی کا مقصد اچھل کود ناچ بھنگڑا ہوتا تو تم کو ریچھ بندر بنا دیا جاتا۔ اے انسانو تمہارے تو خدوخال جسمانی ساخت کی زبان حال ہی بتا رہی ہے کہ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ (سورۃ ذاریات: ۵۶) کہ جنات وانسان کو صرف عبادت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اے انسانو عمر تباہ نہ کرو اور اللہ تعالیٰ پر شرک وعبث کی بدعقیدگی غلط گمانی مت کرو کیونکہ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ

اے برتر از قیاس وگمان و خیال و وہم   و از ہرچہ گفتہ اند شنیدند و خواندہ اند

بالا و اعلیٰ ہے اللہ کفار کے ہر قیاس گمان وہم اور ان کی تمام گفت وشنید سے قادر وقیوم ہے۔ بدائت واعادۂ تخلیق، بعثت حشر، ثواب وعذاب میں تعلیٰ ہے عبث ومماثلت سے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ (شوریٰ: ۱۱) اس کی ذات وصفات میں کوئی

marfat.com

مثل نہیں ازل وابد کا بادشاہ قدیم ہے اس کے قول وفعل میں حکمت، قدرت، ندرت، وہی خالق ہے اس لئے وہی الٰہ ہے۔ عقل وہوش والو! تدبر کرو اس کی آیات میں اس کے نبی کی روایت میں جنہیں جھڑک ہے غفلت پر اشارہ ہے حکمت پر۔ بار بار اعادہ ہے عبرت پر وہ اس عرش شاہی کا رب ہے جو کریم ہے نزول رحمت، ورود برکت، نفوذ حکمت میں اسی عرش کریم سے زمین پر رحمت وبرکت، حکمت والفت، شفقت ومحبت، نصرت ویسرت، قدرت ومسرت کے خزانے نازل ہوتے ہیں فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِکَ۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

قَالَ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأت میں فعل ماضی ہے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت فعل امر قُلْ ہے۔ قَالَ کے فاعل میں تین قول، ۱۔ بعض نے کہا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا فاعل فرشتہ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا ہر کافر ہے آپس میں۔ قَالَ کی تحریر دو طرح سے ہے، ۱۔ کوفی تحریر قٰل کھڑی زبر سے ہے۔ ۲۔ مکی مدنی اور تمام کی تحریر قَالَ الف سے ہے۔ یہی درست ہے۔ کَمْ لَبِثْتُمْ کی قرأت میں تین قول، ۱۔ اکثر کی قرأت کَمْ لَبِثْتُمْ ہے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت کَمْ عَدَدًا لَبِثْتُمْ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت عَدَدًا لَبِثْتُمْ ہے۔ فِی الْاَرْضِ کے معنی میں دو قول، ۱۔ بعض نے کہا فِیْ بمعنی عَلٰى ہے یعنی زمین پر مراد دنیا کی زندگی، ۲۔ بعض نے کہا فِیْ اپنے ہی معنی میں ہے مراد ہے قبر وبرزخ۔ دونوں قول درست ہیں۔ عَدَدَ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأت عَدَدَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت عَدَدًا ہے مگر پہلی درست ہے۔ فَسْئَلِ الْعَادِّیْنَ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ کثر کی قرأت فَسْئَلْ ہمزہ سے ہے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت فَسَلِ الْعَادِّیْنَ بلا ہمزہ معنی دونوں کا ایک ہی ہے اَلْعَادِّیْنَ کی قرأت میں تین قول، ۱۔ اکثر کی قرأت دال کے شد سے ہے ترجمہ ہے گننے والے یہی قرأت درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت بغیر شد سے ہے ترجمہ ہے عادت والے عادی لوگ۔ ۳۔ بعض کی قرأت میں ہے اَلْعَادِیِیْنَ ہے ترجمہ ہے قوم عاد کی طرح لمبی عمر والے۔ عربی محاورے میں لمبی عمر والوں کو عاد کی نسبت دیتے ہوئے عادیین ہی کہا جاتا ہے۔ قَالَ اِنْ لَّبِثْتُمْ کے قَالَ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأت قَالَ ہے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قُلْ ہے۔ یہاں قَالَ کے فاعل میں دو قول، ۱۔ اکثر نے کہا فاعل اللہ تعالیٰ۔ ۲۔ بعض نے کہا قَالَ کا فاعل فرشتہ ہے۔ قَالَ کی تحریر میں دو قول، ۱۔ اکثر کی تحریر میں قَالَ الف سے ہے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض کی تحریر میں قٰلَ کھڑی زبر سے ہے۔ لَوْ کُنْتُمْ کے لَوْ میں دو قول، ۱۔ اکثر نے کہا یہ لَوْ شرطیہ بمعنی اگر ہے۔ ۲۔ بعض نے یہ تمنائی ہے بمعنی کاش پہلا درست ہے۔ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے معنی میں تین قول، ۱۔ اکثر نے معنی کیا تم جانتے ہوتے یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا تم گنتی کر سکتے ہوتے ۳۔ بعض نے معنی کیا تم علم رکھتے ہوتے۔ عَبَثًا کے نحوی ترکیبی معنی میں دو قول، ۱۔ بعض نے کہا یہ مصدر بمعنی مفعول لَهٗ ہے ترجمہ ہے بیکار کھانا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے یعنی عَابِثِیْنَ ترجمہ ہے بیکار کام کرنے والے دونوں قول درست ہیں۔ وَاَنَّکُمْ کی واؤ عاطفہ میں دو قول، ۱۔ بعض نے کہا یہ عطف ہے خَلَقْنٰکُمْ کے جملے پر۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عطف ہے عَبَثًا پر۔ دونوں قول مناسب ہیں تُرْجَعُوْنَ کی قرأت میں دو قول، ۱۔ اکثر کی قرأۃ میں باب افعال مضارع مجہول ہے یہی

marfat.com

قرأت درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأۃ تَرْجِعُوْنَ ہے۔ باب ضرب کا مضارع معروف حَقُّ کے معنی میں دو قول ا۔ بعض نے معنی کیا تحقیق وحقانیت والا۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا قائم باکمال بے زوال سب معنی درست ہیں الکَرِیْمِ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں اَلْکَرِیْمِ۔ زیر سے ہے عرش کی صفت یہی قرأۃ درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَلْکَرِیْمُ ہے رَبُّ کی صفت ہے اَلْکَرِیْمِ کے معنی میں چار قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہاں معنی ہے مجسم کرم مبالغے کا لفظ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ صفت ہے یعنی عظمت میں کریم ہے۔ ۳۔ بعض نے معنی کیا شرف میں کریم۔ ۴۔ بعض نے معنی کیا اسرار، انوار، استواءِ تجلیات، رحمت، برکت کا مخزن ہے۔ سب قول درست ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** سوال کی تقریباً سات نوعتیں ہوتی ہیں کبھی امتحان کے لئے، کبھی نیت معلوم کرنے کے لئے، کبھی متوجہ کرنے کے لئے سوال کیا جاتا ہے۔ کبھی شرمندہ کرنے کے لئے، کبھی عبرت دلانے کے لئے، کبھی اقرار کرانے کے لئے، کبھی آس امید توڑنے کے لئے، کبھی مسئول عَنْہُ کا جواب لوگوں کو سنانے کے لئے اور کبھی سائل اپنی ناواقفی بے علمی کی بناء پر عالم وواقف سے سوال کرتا ہے۔ اس تقسیم نوعی سے ثابت ہوا کہ ہر سوال بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بعض جاہل گستاخ منکر علم نبوی کا یہ کہتے ہوئے انکار کرتے ہیں کہ اگر نبی کریم ﷺ کو علم غیب ہوتا تو آپ صحابہ کرام سے فلاں فلاں سوال کیوں فرماتے۔ ہم کہتے ہیں کہ اگر ہر سوال سے بے علمی ثابت ہوتی ہو تو اللہ تعالیٰ کے علم پر بھی کوئی کافر اعتراض کرسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں سے بہت سوال فرمائے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ کے سوال فرمانے سے بے علمی ناواقفی ثابت نہیں بلکہ عبرت دلانے، شرمندہ کرنے، آس توڑنے کے لئے ایسے ہی آقا ﷺ کے بہت سے سوال صحابہ کا امتحان لینے کے لئے اور کفار کو شرمندہ یا جھڑکنے کے لئے ہوا کرتے تھے ایسے سوالات شان علمی کی دلیل ہوتے ہیں نہ کہ بے علمی ناواقفی کی مثلاً استاد کا سوال کرنا شاگرد سے استاد کے علم کی دلیل ہے۔ یہ فائدہ قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ کے سوال ربانی سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ اصل ایمان نبی کریم ﷺ کو نبی رسول ماننا ہے۔ اصل بندگی نبی کریم ﷺ کی اطاعت اور اصل محبت نبی کریم ﷺ کی اتباع ہے۔ اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا اگرچہ توحید، قیامت، ملائکہ، جنت، دوزخ، حساب وکتاب، عذاب وثواب کو مانتا ہو جیسے کہ یہود ونصاریٰ اور ان کے اعمال خیر عبث میں شمار ہیں اور بیکار بے فائدہ ہیں۔ ناقابل ثواب بلکہ باعث عذاب ہیں یہ فائدہ وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ کے جملے کو اَفَحَسِبْتُمْ کے جملے پر عطف کرنے سے حاصل ہوا کیونکہ یہ سوال قیامت میں ہر قسم کے کافر سے ہوگا۔ بت پرست ہو یا یہودی، عیسائی ثابت ہوا کہ نبی کریم ﷺ کو نہ ماننے والا بھی قیامت اور رجوع الی اللہ کا منکر بھی ہے ہر نبی گلدستہ ایمانیات ہے۔ **تیسرا فائدہ:** اگرچہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹی بڑی، گھٹیا، بڑھیا چیز کا خالق مالک رب ہے کائنات کے ذرے ذرے پر قابض وغالب ہے مگر شان ادب یہ ہے کہ رب تعالیٰ کی ربوبیت خالقیت، حاکمیت کو عظمت والی چیزوں کی طرف نسبت کرنا چاہئے نہ کہ گھٹیا چیز کی طرف یہ فائدہ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ فرمانے سے حاصل ہوا۔

marfat.com

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** مسلمانوں پر علم حساب سیکھنا بھی فرض ہے کیونکہ یہ بھی دینی علوم میں شامل ہے مثلاً سالانہ زکوٰۃ کا حساب، نمازوں کے لئے نظام الاوقات کا حساب عیدین حج قربانی ماہ رمضان کے لئے شمسی قمری تاریخوں کا حساب مسلمانوں کے لئے ضروریات دینی میں سے ہے۔ یہ مسئلہ عَدَدَ سِنِيْنَ کے پورے جملے کی اِشَارَةُ النَّصِّ سے مستنبط ہوا۔ كَمْ لَبِثْتُمْ اور فَسْئَلِ الْعَآدِّيْنَ دراصل مسلمانوں کو اسی علم حساب و توقیت سیکھنے کا اشارہ دے رہا ہے بلکہ گھڑی اور عَدَدَ سِنِيْنَ کے اصولی ضابطوں کے ماہر و موجد بھی مسلمان ہی ہوئے۔ **دوسرا مسئلہ:** فاسق و فاجر مسلمان بھی عملاً کفار کے مشابہ ہے کیونکہ کھیل کود، ڈھول باجہ، میلہ تماشہ میں اتنی مشغولیت ذوق شوق چستی عملاً ثابت کر رہی ہے کہ فاسق مسلمان بھی لَا تُرْجَعُوْنَ کے شیطانی خیال میں بدمست ہو کر بھٹک رہا ہے اور اتنا دیوانہ ہو رہا ہے کہ نہ نمازوں کی فکر نہ آخرت کی عملاً وشکلاً اسلام کی کوئی شناخت بھی باقی نہیں رہی۔ یہ مسئلہ اَفَحَسِبْتُمْ کے فرمان ربانی سے مستنبط ہوا اور بتایا گیا کہ عمل وشکل میں مسلمانوں کو کافرانہ اندازِ فکر و طرزِ زندگی کو اختیار کرنا حرام ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** اسلام کی اولین نشانی عبادت الٰہی ہے اور سب سے بڑی عبادت موت و آخرت و اپنے انجام کو یاد رکھنا ہے اس لئے کہ اس تصور سے مسلمانوں کو خوف الٰہی تیاری آخرت کا شوق، عبادت کا ذوق وصحت پابندی، عمل و عقیدے کی پختگی، کفریات لہویات سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ یہ مسئلہ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا کے فرمان سے مستنبط ہوا جس میں مسلمانوں کو بے ثباتی دنیا و قلت حیات دنیا کی طرف توجہ دلائی گئی۔ کافروں کا کردار و اندازِ فکر و عمل بتا کر مسلمانوں کو ایسی بدگمانی و بدعملی سے روکا جا رہا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ بعد قیامت جہنم میں کفار سے سوال کیا جائے گا کہ دنیا میں کتنا ٹھہرے تھے۔ کفار لمبی عمروں کے باوجود کہیں گے کہ ہم ایک دن یا بعض دن ٹھہرے تھے۔ یہ جواب تو جھوٹ ہے۔ حدیث پاک میں ہے کہ جہنم میں کوئی جھوٹ نہ بول سکے گا تو یہ جھوٹ کیوں بولا گیا۔ **جواب:** یہ قول جھوٹ نہیں بلکہ یہ شدۃِ عذاب کی تکلیف سے دماغی نسیان ہے یا عرصہ جہنم اور زمانہ عرصہ دنیوی کا تقابلی جائزہ ہے۔ یعنی جہنم میں جتنا اب تک لاکھوں سالوں کا عرصہ گزر گیا ہے التجاؤں عذابوں میں اس کے مقابل دنیوی عیش و آرام کا زمانہ تو مثل ایک دن یا دن کا کچھ حصہ ہی تھا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا لَا تُكَلِّمُوْنِ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار سے فرمایا کہ تم مجھ سے کوئی بات نہ کرو پھر آگے ہے قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ...... (الخ)۔ ان آیات سے یہ ثابت ہو رہا ہے رب تعالیٰ نے خود ہی کفار سے کلام شروع فرما دیا اور کفار نے جواب دیتے ہوئے کلام کیا تو یہ عجیب سی بات لگتی ہے کہ پہلے خود اپنی ہمکلامی سے منع فرمایا پھر خود ہی شروع فرما دی۔ ان آیات کا سوال و جواب پچھلی آیات کے لَا تُكَلِّمُوْنَ کے خلاف لگتا ہے۔ **جواب:** اس کے تین جواب دیئے گئے۔ ۱۔ بعض نے کہا کہ لَا تُكَلِّمُوْنِ تو رب تعالیٰ کا کلام لیکن قٰلَ كَمْ لَبِثْتُمْ والے سوال و جواب کسی فرشتے اور کفار کے درمیان ہونے کا ذکر ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ کلام اگرچہ دونوں ہی رب تعالیٰ کے ہیں مگر لَا تُكَلِّمُوْنِ کا زمانہ بہت بعد کا ہے اس سے بعد تو

marfat.com

کفار جہنم میں کسی سے بھی بات نہ کر سکیں گے نہ اللہ تعالیٰ سے نہ فرشتوں سے نہ آپس میں صرف شہیق و زفیر جیسی آوازیں ہی نکلیں گی۔ جیسا کہ پہلے فرمان حدیث سے ذکر کیا گیا لیکن یہ قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ کے سوال و جواب لَاتُکَلِّمُوْنِ سے پہلی ہمکلامی ہے۔ یہاں ترتیب ذکری کا آگے پیچھے ہونا کسی دوسری مفاہمت کی بناء پر ہے وہاں کچھ اور بتانا مقصود ہے یہاں کچھ اور یہی جواب مضبوط درست ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ لَا تُکَلِّمُوْنِ میں صرف التجا کی ممانعت کی گئی ہے کہ جہنم سے یا عذاب جہنم سے نکالنے کی فریاد والتجا نہ کرنا۔ دوسرے کلام یا سوال و جواب کی ممانعت نہیں۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں اور دیگر آیتوں میں حاضری قیامت کے لئے اِلٰی فرمایا جاتا ہے حالانکہ لفظ اِلٰی انتہاء مکانیت کے لئے آتا ہے مثلاً اِلٰی زَیدٍ کا معنی ہے اِلٰی مکانِ زَیدٍ۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف جانے لوٹنے کے لئے اِلَیْنَا، اِلَیْہِ، اِلَی اللّٰہِ کہنے کا معنی ہوا۔ اِلٰی مکانِ اللّٰہِ یعنی اللہ کی جگہ و مکان تک حالانکہ اللہ تعالیٰ مکان سے پاک ہے۔ اسلامی عقائد میں اللہ تعالیٰ کے لئے مکان ماننا کفر ہے۔ اس لئے چاہئے تھا کہ بجائے اِلٰی کے عِنْدَ فرمایا جاتا کیونکہ لفظ عِنْدَ قرب کے لئے ہوتا ہے نہ کہ مکان کے لئے۔ **جواب:** ہر زبان میں کسی کی طرف جانے کا معنی ہے اس کے قریب ہونا قرب کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ قرب مکانی اس کے لئے عرب میں ذَھَبَ ہے۔ ۲۔ قرب کیفیت و حالت یعنی ایک حالت سے دوسری حالت میں بدل جانا مثلاً فاسق کا متقی بن جانا وغیرہ اس کے لئے عربی میں رَجُوْعٌ ہے۔ ۳۔ قرب حضوری یعنی ہر چیز سے بے خبر و بے غرض ہو کر ایک طرف اور ایک کی طرف متوجہ ہونا۔ اس لئے عربی میں حَضَرَ ہے۔ معترض نے اس فرق کو نہ پہنچانا۔ قرآن کریم میں ہر جگہ قرب الٰہی کے لئے لفظ رجوع بولا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوا کہ قرب مکانی مراد نہیں بلکہ قرب کیفیت مراد ہے اور قرب کی کیفیت کی تین صورتیں ہیں۔ ۱۔ قرب علمی یعنی تمام مخلوق ہر وقت ازل سے ابد تک دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کے علم نظر قبضے میں ہے۔ ۲۔ قرب عدل یہ قیامت میں ہوگا وَ اِلَیْنَا تُرْجَعُوْنَ وَاِلَی اللّٰہِ (انبیاء:۳۵) یا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ (بقرہ:۱۵۶) وغیرہ آیات میں یہی رجوع عدالت مراد ہے نہ کہ مکانی۔ آخرت کا رجوع تبدیلی کیفیت کا اجر و حساب کی حالت میں باعتبار بندے کے رجوع ہے اور باعتبار اللہ تعالیٰ کے حاضری ہے۔

تفسیر صوفیانہ

قَالَ آواز غیبی نے فرمایا اے فسق و گناہ کی وادی میں حیات دنیوی کی جوانیاں بڑھاپا گذارنے والوں۔ قٰلَ کَمْ لَبِثْتُمْ فِی الْاَرْضِ عَدَدَ سِنِیْنَ۔ کتنا ٹھہرے تم زمین پر چڑھتے سورج کی جوانی اور ڈھلتی چاندنی کے بڑھاپے کی قوت عمر و اعمال کے ساتھ وادی ظلمت میں ہفتوں، ماہوں، برسوں کی تعداد میں کیا کبھی اس جوانی مستانی میں اپنے بڑھاپے کی محتاجی کمزوری بے بسی کی تنہائی کا سوچا تھا پھر جب ؎

گئی جوانی آئی پیری لکے پیاں پیڑاں ہن کس کم محمد بخشالون جوین ہر یڑاں

قَالُوْا لَبِثْنَا یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ فَسْئَلِ الْعَآدِّیْنَ۔ اہل نفوس نے عرض کیا کہ کمین رنگ و بو وزمین سبز رو میں پیش ایامی طیش طغیانی کا ایک یا ڈیڑھ دن ہی گزارا تھا اس سے زیادہ ہمیں کچھ یاد نہیں۔ تو تو پوچھ لے موکلین باطنی اعمال ظاہری انفاس مخفی سے عمر گراں شباب رواں ملتی بھی سب کو ہے۔ گزرتی بھی سب کی ہے مگر کسی کی بربادی میں، کسی کی بے خوابی میں، کسی کی عیش

marfat.com

اڑانے میں، کسی کی عبادت کمانے میں حالانکہ سب کی گنتی ہو رہی ہے حساب لکھا جا رہا ہے اور سب کو بتایا بھی جا رہا ہے۔ قٰلَ اِنْ لَّبِثْتُمْ اِلَّا قَلِیْلًا لَّوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ آواز غیبی نے فرمایا نہیں ٹھہرے تم مگر تھوڑا کیونکہ راہ شباب قلیل ہے منزل طلب کی مسافت طویل ہے اس سے پہلے کہ ختم ہو سانس، گر جائے اساس اور ٹوٹ جائے آس واجب ہے کہ درست ہو جائے حال پاکیزہ ہوں اعمال حیات شباب تو سایہ ہباب ہے ٹوٹے بادلوں کا سایہ ہے۔ ترک دنیا سے غنا، غنا سے امکان عمل اور عمل سے مبارک اجل، مبارک اجل سے اچھی آخرت ہے اجل محدود ہے عمر غیر ممدود ہے۔ اے غافلو! ابھی بیج ڈالنے کا وقت ہے بوؤ گے تو کاٹو گے، کاٹو گے تو قفل کھلیان بناؤ گے ورنہ خالی ہاتھ جاؤ گے۔ ایام جوانی قلیل ہیں، ایام مصائب کثیر و طویل ہیں۔ روح پرندہ ہے جسم پنجرہ ہے روح زندہ رکھو تاکہ پنجرہ قیمتی ہو جائے۔ مردہ پرندہ یا خالی پنجرہ بے قیمت ہوتا ہے۔ عبادت وتلاوت سے روح کی زندگی ہے فسق وفجور سے موت ہے۔ زندگی خزانہ ہے وقت بیگانہ ہے جلدی جلدی عمل کما لو آخرت بنا لو سابقہ کی حسرت مٹا لو آئندہ کی عبرت دلا لو۔ لہٰذا فکر میں ایام کو شکر میں اوقات کو گھیر لو اور وصل کا انعام پا لو۔ حدیث مقدس میں ہے جس وقت میں ذکر اللہ نہ ہو وہ حسرت میں ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تین نعمتیں عظیم ہیں۔ ۱۔ صحت۔ ۲۔ فرصت۔ ۳۔ سکون۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا بہت سی لمبی عمر میں عسرت حسرت میں اور بہت سی چھوٹی عمریں یسرت نصرت میں ہیں۔ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ کیا تم اہل نفوس نے اپنی جوانیوں میں یہ گمان کیا تھا کہ ہم نے تم کو مثل جمادات وحیوانات سے بے مقصد پیدا کر دیا کہ نہ تم پر تکلف شریعت ہو نہ معنیء حقیقت نہ عرفان معرفت نہ مقصد طریقت کی ذمہ داری ہو نہ دنیوی عیاشی کا نقصان ہو نہ آخرت کی کامیابی کا نفع ہو۔ کیا یہ بدگمانی لگائے بیٹھے تھے کہ تم نے ہماری بارگاہِ جبروت میں اپنے اعمال صالحہ کی عزت مہر اور اعمال فاسقہ کی ذلت قہر میں لوٹنا نہیں۔ موت کی دو قسمیں۔ ۱۔ موت عارفین اختیاری ہے جس میں مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کا لطف رجوع ہے جس سے نفس کی ہلاکت قلب کی بقایت ہے۔ ۲۔ موت غافلین اضطراری ہے کہ قدوم شریعت کے ذریعے عالم حقیقت کی طرف قہر کی زنجیروں میں جکڑ کر بندۂ طبیعت اَسْفَلُ السّٰفِلِیْن سے اَعْلٰی عِلِّیِّیْن میں لے جایا جائے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندہ نہ خود عبث ہے نہ افعال عبث کے لئے پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کی حق تعالیٰ سے دوری مشغولی اور غیر حق میں مشغولی عبث ہے۔ تخلیق انسانی کا مقصد ہستیء باری تعالیٰ کا ظہور ہے تاکہ خالق تعالیٰ کی مصنوعات لطیفہ، کثیفہ، شفافی، لفافی، نباتاتی، جماداتی، حیواناتی کی فہم ہو۔ اے لوگوں تم کو نور محمدی کے ظہور کے لئے پیدا کیا گیا ہے کیونکہ تقدیر ازلی میں یہی مقدور و مقرر ہے کہ وہ گوہر تاباں وجوہر لافانی نسل انسانی کی صدف اشرف سے باہر آئے۔ اسی لئے نور محمدی سب کی اصل ہے اور سب اس کی فرع ہیں۔ ملائکہ اس لئے پیدا کئے گئے تاکہ مظہر قدرت ہوں اور انسان اس لئے پیدا کئے گئے تاکہ مظہر محبت ہوں۔ انجیل مقدس میں تھا کہ اے فرزند آدم یہ سب جہانِ بالا و پست تیرے لئے ہے۔ حصول ذکر کے لئے زمین ہے، حصول فکر کے لئے آسمان، حصول جسم زمین سے، حصول روح آسمان سے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رفتار کے لئے زمین ہے پرواز کے لئے آسمان ہے۔ گفتار کے لئے قرآن مجید ہے کردار کے لئے حدیث مقدس مثنوی شریف میں ہے اے انسان تو نورِ تمام کا امانتدار ہے۔ تیرے وجود سے نورِ کلی وخزانہ مخفی

marfat.com

کا ظہور ہوا ہے۔ وہ خزانہ زیر زمین خاک میں محبوب مستور تھا۔ اسی خزانہ نور کے طفیل تیری خاک کو افلاک سے زیادہ بلند و منور کر دیا۔ جب مخفی خزانہ بلندی پر آیا تو مٹی کو اطلس ریشم کا لباس پہنا کر خلیفہ ارض اور بادشاہ زمانہ بنا دیا۔ مسکین و کم عقل انسان نے خود کو نہ پہچانا۔ بلندیوں سے آیا تھا مگر بد عملی کر کے پستیوں میں گر گیا۔ آدمی نے خود کو بہت سستا بیچ دیا۔ وہ ریشم تھا مگر ٹاٹ میں سل گیا اور بے قیمت گودڑی بن گیا۔ اے انسان خزائن عقل و ہوش و تدابیر افلاکی تو تیرے غلام ہیں تو نے مع اہل و عیال خود کو اتنا سستا کیوں بیچ دیا اور پھر ایسا بھٹکا کہ اپنے خالق مالک رازق کے لئے بھی بدگمانیاں بدعقیدگیاں بنا گیا۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ﴿۱۱۶﴾۔ حالانکہ بلند و بالا، اعلیٰ و تعلیٰ ہے اللہ کفار کے باطل تصورات و تخیلات سے قادر ہے تم کو مارنے اور دوبارہ زندہ کر کے لوٹالانے پر، بے نیاز ہے تمہاری عبادتوں سے، وہ شہنشاہ حق بادشاہ لَمْ یَزَلْ مالک قدیمی خالق ابدی رازق دائمی ہے۔ اسرار و انوار کا مالک ہے، قبض و بسط، عسر و یسر و نصر کا حاکم، بقا و فنا پر غالب ہے۔ پوری کائنات ظاہری باطنی کا الٰہ واحد ہے۔ وہی خالق خیر و شر ہے، وہی رب ہے عرش کریم و تخت شاہی کا، وہ عرش کریم ہے نزول رحمت، ورود برکت، ہدایت سالکین، تجلیات عارفین۔ مراد مریدین وارشاد مرشدین کے لئے خزانہ معرفت پروردگار ہے۔ فیض پاتے ہیں اسی مرکز انوار سے سب۔

وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ
اور جو شخص عبادت کرے اللہ کے ساتھ کسی دوسرے معبود کی بھی۔ نہیں ہے کوئی بھی پکی دلیل
اور جو اللہ کے سوا کسی دوسرے خدا کو پوجے۔ جس کی اس کی پاس کوئی سند نہیں
لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ
اس مشرک کے پاس اس کی معبودیت پر۔ تو بس اس کے رب کے پاس ہے اس کا حساب بیشک نہیں کامیاب ہو سکتے
تو اس کا حساب اس کے رب کے یہاں ہے۔ بیشک کافروں کا
الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ
کفار اور اے مسلمان دعا مانگا کر کہ اے میرے رب بخشش فرما اور رحم فرما
چھٹکارا نہیں۔ اور تم عرض کرو اے میرے رب بخش دے اور رحم فرما
وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ ﴿۱۱۸﴾
اور تو ہی تمام رحم والوں سے اچھا ہے رحم والا
اور تو سب سے برتر رحم کرنے والا ہے۔

marfat.com

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں رب تعالیٰ کی تین شانیں بیان فرمائی گئیں۔ ا۔ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔ ۲۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ۳۔ وہ اللہ عرش کریم کا ربّ ہے۔ اب ان آیات میں مشرکین بت پرست کفار کی تین طرح ہی تردید اور بدانجامی ذکر فرمائی جارہی ہے۔ ا: مشرکین کے پاس اپنے شرک کے جواز پر کوئی مضبوط دلیل و برہان نہیں ہے۔ ۲۔ ان کا سب معاملہ وفیصلہ رب تعالیٰ کے پاس ہے، جو قیامت میں ظاہر کیا جائے گا۔ ۳۔ کہ کفار کبھی کامیاب نہیں ہوسکتے۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں حیات دنیوی کے بارے میں کفار کے گمان وخیال کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ ہر قسم کے کافر دنیا میں کتنا ہی رہیں اور دولت دنیا سے کتنا ہی کچھ پالیں اور اپنے آپ کو خوش قسمت و کامیاب سمجھیں مگر حقیقتاً وہ کبھی بھی کامیاب نہیں نہ دنیا میں نہ آخرت میں۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کی دنیا طلبی کا ذکر فرمایا گیا کہ کفار یہ گمان باطل کرتے ہیں کہ شاید حیات دنیوی صرف دنیا طلبی اور دنیوی جاہ و مرتبے کے حصول کے لئے بنی ہے۔ اب ان آیات میں اہل ایمان کی ہر وقت مغفرت و رحمت طلبی کا ذکر فرمایا جارہا ہے بلکہ آخرت کی مغفرت طلبی کا حکم دیا جارہا ہے۔ **چوتھا تعلق**: اس سورۃ المومنون کی پہلی آیات میں فرمایا گیا قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ یعنی صرف مومن ہی ابدی کامیاب ہیں۔ اب ان آخری آیات میں فرمایا جارہا اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ یعنی کفار کبھی کہیں بھی کامیاب نہ ہوئے نہ ہیں اور نہ ہوسکتے ہیں نہ دنیا میں نہ قبر حشر آخرت میں۔

تفسیر نحوی

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ ۔ واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصول برائے شرط فعل مضارع کو جزم دیتا ہے یَدْعُ۔ باب نصر کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بلانا پکارنا۔ مراد ہے شرکیہ کفریہ طریقے سے بلانا پکارنا شرکیہ عبادت کرنا۔ دراصل تھا یَدْعُوْ۔ مَنْ شرطیہ نے جزم دیا اس لئے آخر سے اعراب کی واؤ حرف علت لام کلمہ حذف ہوگیا۔ مَعَ اسم ظرفیہ مکانیہ بمعنی ساتھ یہ مضاف ہے اَللّٰهِ۔ اسم جامد مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یَدْعُ کا۔ اِلٰهًا اسم مفرد نکرہ عمومی موصوف ہے اٰخَرَ۔ اسم تفضیل واحد مذکر۔ باب نصر یا فتح سے اس کا مؤنث ہے اُخْرٰی۔ اٰخَرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیچھے ہونا، دوسرا ہونا، بعد میں ہونا۔ یہاں مراد ہے کوئی دوسرا کسی دوسرے کو یہ صفت ہے اِلٰهًا کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے یَدْعُ کا یہ فعل اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَنْ ہے۔ فعل فاعل ظرف مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوکر موصوف یا ذو الحال ہے۔ لَا حرف نفی جنس۔ بُرْهَانَ اسم مفرد جامد بمعنی سچی پکی دلیل۔ اسم ہے لَا کا لَهٗ لام جارہ بمعنی عِنْدَ۔ (پاس) ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مرجع مَنْ ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ بِ جارہ برائے مفعولیت۔ ہٖ کا مرجع اِلٰهًا اٰخَرَ۔ یا یَدْعُ کا جملہ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ یہ مَوْجُوْدٌ اپنے نائب فاعل پوشیدہ ضمیر اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے لَا نفی جنس کی۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہوکر صفت ہے یا حال یَدْعُ کے جملے کا وہ دونوں مل کر صلہ ہوا مَنْ کا وہ موصول صلہ مل کر شرط ہے۔ فَ سببیہ جزائیہ اِنَّ حرف مشبہ لغو

marfat.com

مَا کَافَّہ۔ ترجمہ ہے صرف فقط (اس کے سوا کچھ نہیں) حِسَابُ اسم مفرد مصدر حاصل بمعنی معاملہ، فیصلہ، نتیجہ، گنتی یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ یہ مضاف ہے ہٗ ضمیر کا مرجع مَنْ ہے۔ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مبتدا ہے۔ عِنْدَ اسم مفرد جامد ظرفیت مکانی کے لئے بمعنی پاس، قریب مضاف ہے رَبِّ اسم مفرد جامد صفاتی نام ہے اللہ تعالیٰ کا ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع مَنْ ہے۔ رَبِّہٖ مضاف ومضاف الیہ مرکب اضافی پھر مضاف الیہ عِنْدَ کا یہ ڈبل مرکب اضافی ظرف ہے۔ قَائِمٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ یہ اسم فاعل با فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے حِسَابُہٗ مبتدا کی۔ یہ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ شرط کی۔ وہ دونوں شرط و جزا جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ لغو (اسم وخبر میں عمل نہیں کرتا) ہٗ ضمیر شان۔ لَایُفْلِحُ باب افعال کا مضارع حال منفی معروف اس کا مصدر اِفْلَاحٌ۔ فَلْحٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے انعام یافتہ کامیابی پا تا اَلْکَافِرُوْنَ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ کَافِرُوْنَ اسم جمع مکسر ہے کَافِرٌ کی یہ فاعل ہے لَا یُفْلِحُ کا یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ واؤ سر جملہ یعنی ابتداء کلام کے لئے قُلْ باب نصر کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ قَوْلٌ اجوف واوی سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے بولنا، کہنا، عرض کرنا یہاں مراد ہے دعا کرنا۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے ہر مسلمان تا قیامت۔ رَبِّ دراصل ہے یَارَبِّیْ معنی ہے اے میرے رب۔ یَاءِ ندائیہ کلام دعائیہ کے قرینے کو علامت کی وجہ سے برائے تخفیف حذف کیا گیا اور یاء متکلم۔ اِغْفِرْ سے جڑنے کی وجہ سے حذف کی گئی رہ گیا رَبِّ لیکن ترکیب نحوی میں شامل و مذکور ہیں یعنی لفظاً وذکراً محذوف معناً مذکور۔ رَبِّ مضاف یْ ضمیر واحد متکلم مضاف الیہ یہ مرکب اضافی منادیٰ ہے یَا کا۔ اِغْفِرْ باب ضرب کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے رَبِّ۔ غَفْرٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے ڈھانپنا لپیٹنا بخشنا۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِرْحَمْ۔ باب سمع کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے محبت، شفقت، نرمی، احسان سے فضل و برکت اور بخشش و مہربانی حفاظت و رحمت وانعام ثواب وقبولیت عطا فرمانا۔ اس کا فاعل ہے اَنْتَ پوشیدہ مرجع رَبِّ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَنْتَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرفوع منفصل مرجع ہے رَبِّ یہ مبتدا ہے۔ خَیْرُ اسم حاصل مصدر باب ضرب کا ترجمہ ہے اچھا، باکمال قدرت وحکمت یہ مضاف ہے اَلرّٰحِمِیْنَ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ۔ رَاحِمِیْنَ۔ باب سمع کا اسم فاعل جمع مذکر برائے غائب۔ رَحْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے محبت شفقت سے توفیق عبادت واعمال صالحہ کی توفیق اور گناہوں لغزشوں سے حفاظت عطا فرمانا۔ یہ مضاف الیہ ہے خَیْرُ کا۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے اَنْتَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے۔ اِرْحَمْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف اِغْفِرْ کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر جواب ندا۔ ندا اپنے منادیٰ اور جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو کر مقولہ ہو۔ قُلْ کا یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـھًا اٰخَرَ ۙ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ ۙ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ﴿۱۱۷﴾ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ۔ اور اے دنیا والو تا قیامت زمین پر پیدا ہونے والو۔ اس کتاب ابدی کلام قدیمی قرآن مجید

marfat.com

کے ذریعہ یہ پیغام الٰہی سنایا جارہا ہے خوب گوش و ہوش عقل و شعور سے سنو۔ فرمایا جارہا ہے کہ اور جو انسان یا جنات کسی آن کسی زمان کسی مکان میں دعا مانگے اپنی حاجات میں یا اپنی عبادات میں کسی بھی انسان یا جنات یا شجر حجر، دیوی دیوتا، بت مورتی کو دوسرا معبود بنا کر اس کو معبود سمجھ کر جس معبودیت الٰہیت کے لئے اس شخص کے پاس حقیقتاً کوئی بھی کہیں بھی مضبوط اور پکی سچی دلیل و ثبوت نہیں ہے نہ تھی نہ ہے نہ کبھی ہو نہ عقلی نہ نقلی نہ آیات قرآن سے نہ نبوت کے فرمان سے نہ پہلے کسی آباء کے پاس نہ بعد میں اَبناء کے پاس مگر پھر بھی محض جہالت، حماقت، بناوٹ تو ہم، تخیل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے کو الٰہ بنائے اور مانے اور اس کو بھی اپنی حاجتوں، دعاؤں، عبادتوں، التجاؤں میں اللہ کے ساتھ شامل و شریک کرے یا اس طرح کہ ایک ساتھ دونوں کی عبادت کرے دونوں سے دعا مانگے یا اس طرح کہ کبھی اللہ سے مانگے کبھی اپنے خود ساختہ بناوٹی معبود سے مانگے یا کبھی اللہ کی عبادت کرے کبھی اپنے جھوٹے معبود کی یا مصیبت میں رب تعالیٰ سے مانگے اور سہولت میں بتوں سے مانگے یا سفر میں اللہ کی عبادت کرے حضر و اقامت میں بتوں کی، کبھی مسجد و کعبہ کی طرف دوڑے کبھی مندر و گرجا، گردوارے کی طرف، کبھی اولیاء اللہ کے آستانوں پر، کبھی شیطان کے ٹھکانوں پر۔ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ تو ایسے بدقسمت احمق و خودغرض لالچی مطلب پرست ابن الوقت شخص کا پورا معاملہ حساب فیصلہ کتاب اور اصل و مکمل سزا۔ قیامت میں اس کے رب تعالیٰ کے پاس محفوظ و مامون ہے بروز قیامت ہی وہ حساب کھلے گا اور بعد قیامت ہی اس کی پوری سزا ملے گی۔ عذاب دنیوی اور سزاء قبر اس کے علاوہ ہے۔ یہ اس عذاب میں شامل و داخل نہیں عذاب دنیوی عتاب فنا ہے۔ عذاب قبر حوالاتی قید بامشقت ہے۔ یہ سزاء قہر کافرین کو بھی فاسقین کو بھی عذاب جہنم صرف کافروں کو لہٰذا اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۔ بیشک یقیناً وہ فیصلہ تقدیری مبرم واٹل ہے اور ناقابل تبدل و تغیر کہ کسی قسم کے کافر خواہ الٰہیت کے بدعقیدہ ہوں یا ابنیت کے بدعقیدہ یا بنتیت کے بدعقیدہ یا دہریت کے بدعقیدہ تا قیامت کسی زمانے میں دنیا قبر حشر کے کسی بھی مقام و منزل پر اصلی ابدی کامیابی نہیں پاسکتے۔ عارضی ہار جیت فتح و شکست اگرچہ پاتے رہیں۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ اور اے محبوب مکرم حسب سابق مغفرت و رحمت کی طلب کرتے رہو۔ اس دعا کے تین فائدے۔ ۱۔ خود ذات نبوی کو ترقی قرب کا فائدہ۔ ۲۔ تعلیم امت کے لئے کہ مسلمان بھی یہ دعا تاعمر پڑھتے رہیں۔ ۳۔ شفاعت کبریٰ کی اجازت کیونکہ مغفرت اپنے لئے ہونا قرب الٰہی ہے اور مغفرت امت کے لئے ہونا امت کو بخشوانا ہے۔ اس دنیاء دار العمل میں اعمال خیر و شر انسانوں کے ہاتھ و اختیار میں ہیں اور اعمال کی جزا اللہ تعالیٰ کے قبضے میں۔ خوش نصیب لوگ تو ثواب کے نزدیک ہوتے جارہے ہیں مگر بدنصیب لوگ عذاب کے قریب ہوتے جارہے ہیں۔ کوئی آخرت سنوارتا ہے کوئی بگاڑتا ہے۔ کفار زمانہ اپنے خلاف عدالت اُخروی کا فیصلہ مضبوط کر رہے ہیں۔ آج دنیا کی ہنسی آخرت میں رلائے گی۔ ایک ایک بات یاد دلائے گی یہ سب باتیں حالتیں آخرت میں یقیناً حتماً پیش آنے والی ہیں۔ اے محبوب کفار کو ان کے حال میں چھوڑ دو اور اپنے رب سے عرض کرتے رہو کہ اے میرے رب کریم اپنی چادر رحمت میں چھپالے اور تا ابد ہر قسم کا رحم فرما۔ ہمارا یقین و ایمان ہے کہ تو ہی سب رحم والوں سے زیادہ اکمل کامل اعلیٰ تعالیٰ رحم فرمانے والا ہے۔ اس سورۃ کی ابتدا بھی فلاح و کامیابی کے بیان سے ہے کہ ارشاد ہے قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ اور سورۃ کی انتہا

marfat.com

بھی فلاح کے بیان پر ہے کہ ارشاد ہوا اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۔ اس سورۃ کی ابتدا طریقہ عبادت سے اس کی انتہا حکم دعا پر۔ ابتدا میں اہل ایمان کی علامات کامیابی بیان ہوئیں۔ انتہا میں اہل کفر کے اسباب ناکامی بیان کیے گئے۔ ابتدا کی دس آیتیں راحت جان ہیں۔ انتہا کی چار آیتیں قوت ایمان ہیں۔ ابتدا کی آیتیں غذاء روحانی ہیں۔ انتہا کی آیتیں دواء جسمانی ہیں۔ اس سورۃ کی ابتدا میں ہر مسلمان کے لئے کرنے والے کام بیان ہوئے اس کی انتہا میں بچنے والے کام ذکر فرمائے گئے۔ ابتداء سورۃ میں ہر کام کے حکمت سے ہونے کا بیان ہے۔ انتہا میں عبثیت کے نہ ہونے کا بیان ہے ابتدا میں اچھوں کی اچھی دنیا کا ذکر ہے۔ انتہا میں بروں کی بری آخرت کا ذکر ہے۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

لَا بُرْهَانَ کی ترکیب نحوی میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ جملہ اِلٰهًا اٰخَرَ کا حال ہے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ یہ صفت ہے الٰهًا کی۔ ۳۔ یہ جملہ جزا ہے مَنْ يَّدْعُ کے جملہ شرطیہ کی۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ جملہ معترضہ ہے۔ اِنَّهٗ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اِنَّهٗ ہے زیر سے۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَنَّهٗ ہے زبر سے۔ لَا يُفْلِحُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت باب افعال کا مضارع معروف ہے یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت باب فتح کا مضارع معروف ہے لَا يَفْلَحُ ہے ترجمہ دونوں کا ایک ہے۔ لَا يُفْلِحُ کی ترکیبی کیفیت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ جملہ خبریہ ہے اور ہر کافر کی خبر ہے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ تعلیل ہے مَنْ يَّدْعُ کے جملے کی۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ یہ جملہ بیان کیفیت ہے فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ کا وَقُلْ رَّبِّ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت رَبِّ ہے۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں رَبُّ ہے۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** برہان اور دلیل دونوں ہی ثبوت کے لئے ہوتے ہیں مگر دونوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ برہان اتنی مضبوط و یقینی بات ہوتی ہے کہ اس کو کوئی شخص کبھی بھی توڑ نہیں سکتا نہ کسی وجہ سے رد کر سکے مگر دلیل میں بہت قسم کی خامیاں کمزوریاں ہو سکتی ہیں۔ دنیا میں صرف انبیاء علیہم السلام کی بات ہی اللہ تعالیٰ کی برہان ہو سکتی ہے۔ یہ فائدہ لَا بُرْهَانَ میں لاءِ نفی جنس ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس لاءِ نفی جنس نے کفار سے ہر قسم کی چھوٹی بڑی برہان کی نفی فرما دی اور بتایا کہ اگرچہ اپنا مذہب و دین باطل بچانے ثابت کرنے کے لئے اپنے آباء کے اقوال و فضول تصوراتی بناوٹی جھوٹے تخیلاتی ناکارہ جمع کیے ہوئے دلائل کمزور دلیلیں پیش کرتے پھریں جو ایک جھٹکے سے ہی مکڑی کے جال کی مثل ٹوٹتی بگڑتی رہیں اور جس کی کمزوری کا خود کفار کو بھی احساس ہے مگر ان کی سچائی پر ان کے پاس کوئی برہان قطعاً نہیں ہے نہ کسی نبی علیہ السلام کا فرمان نہ کلام الہامی کا بیان۔ **دوسرا فائدہ:** دنیوی تکالیف اور عذاب قبر کفر کی اصل سزا نہیں ہے اصل سزا تو جہنم میں شروع ہوگی ان شاء اللہ تعالیٰ جو حساب قیامت کے بعد بشکل عذاب نار ہوگا۔ یہ فائدہ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ جس طرح اپنی مسلمان امت تا قیامت کے

marfat.com

لئے دعا مانگنے رحمت دلانے شفاعت فرما کر بخشوانے والے ہیں اسی طرح سابقہ تمام مومن امتوں کے لئے بھی دنیا میں دعا گو آخرت میں شفیع ہیں یہاں تک کہ مدفونین بنی اسرائیل کی قبروں میں عذاب کو بھی شاخیں گاڑھ کر دور فرماتے قبروں کو جنت بناتے ہیں۔ جیسا کہ احادیث سے ثابت ہے یہ فائدہ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ کو بلا مفعول بہ ارشاد فرمانے سے حاصل ہوا اور ثابت ہوا کہ حکم ربانی ہے کہ مطلقاً تمام مومنین کے لئے دعا فرمایئے از آدم علیہ السلام تا قیامت۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** جو شخص نومسلم ہو اور اس کے والدین کافر ہوں یا کفر پر ہی مرے ہوں وہ نومسلم مرد یا عورت اپنی نماز کے آخر میں رَبِّ اجْعَلْنِیْ والی دعا نہ پڑھے کیونکہ اس میں رَبِّ اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ کے الفاظ ہیں یعنی یا رب میرے والدین کو بخش دے اور کفار کے لئے دعائے مغفرت کرنا حرام ہے چنانچہ سورۃ توبہ آیت ۱۱۳ میں ارشاد ہے: مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔ یعنی جائز نہیں ہے کسی نبی کے لئے اور نہ تا قیامت کی مومن کے لئے کہ وہ کسی مشرک کے لئے دعائے مغفرت کریں۔ اس کی وجہ یہ کہ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ۔ (النساء:۱۱۶) اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی نہ بخشے گا۔ اس کے علاوہ جس کو چاہے بخش دے یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام تابعین تبع تابعین اس دعائے رَبِّ اجْعَلْنِیْ کو نہ پڑھتے تھے۔ رواج ہی نہ تھا۔ یہ رواج تو ہندوستانی علماء سے شروع ہوا یا بعد زمانہ تبع تابعین یہ مسئلہ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ کی تفسیر سے مستنبط ہوا۔ بخاری، مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، محدث ابن حبان وغیرہم نے ایک روایت نقل فرمائی کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ آیت رَبِّ اغْفِرْ سن کر عرض کیا۔ یا رسول اللہ ﷺ! ہم نماز کے آخر میں کیا دعا پڑھا کریں تو آقا ﷺ نے یہ دعا تعلیم فرمائی۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ ظُلْماً کَثِیْراً وَّلَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ فَاغْفِرْلِیْ مَغْفِرَۃً مِّنْ عِنْدِکَ وَارْحَمْنِیْ اِنَّکَ اَنْتَ الْغَفُوْرُ الرَّحِیْمُ۔ لہٰذا ہر عالم دین کو چاہئے کہ نومسلم کو رَبِّ اجْعَلْنِیْ والی دعا نہ سکھائیں اور یہ مسئلہ عام کریں۔ **دوسرا مسئلہ:** قانون شریعت میں رسول اللہ ﷺ یا کسی ولی اللہ کو اپنی حاجتوں مشکلوں میں پکارنا اور ان سے مدد مانگنا بالکل جائز ہے اور مفید بھی ہے۔ نہ توحید کے خلاف نہ شرک نہ گناہ یہ مسئلہ وَمَنْ يَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ سے مستنبط ہوا۔ اس آیت میں اِلٰهًا اٰخَرَ کی قید بیان فرما کر وضاحت فرما دی کہ غیر اللہ کو پکارنا تب حرام و شرک ہے جب اس کو معبود سمجھ کر پکارا جائے لیکن حبیب اللہ، ولی اللہ، بندہ سمجھ کر پکارنا، مانگنا شرک و ممنوع نہیں ہے اگر یہ پکارنا بھی منع ہوتا تو آیت میں اِلٰهًا اٰخَرَ کی قید نہ ہوتی۔ **تیسرا مسئلہ:** عبادات میں بہترین عبادت مغفرت و رحمت کی دعا مانگنا ہے اس عبادت سے بندے کو پانچ سعادتیں ملتی ہیں۔ ۱۔ خوشنودی الٰہی۔ ۲۔ بخشش کی نعمت۔ ۳۔ رحمت کی دولت۔ ۴۔ عاجزی۔ ۵۔ اقرار بندگی۔ یہ مسئلہ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ کے حکم ربانی اور اسی سورت کی آیت ۱۰۹ سے مستنبط ہوا اور بتایا گیا کہ یہ دعا مانگنا اہل سعادت کی عادت بھی ہے اور حکم ربانی بھی۔

marfat.com

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰـہًا اٰخَرَ پھر فرمایا گیا لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ لَا بُرْھَانَ کا جملہ صفت ہے اِلٰـہًا اٰخَرَ کی۔ اس ترکیب نحوی سے پوری عبارت کا ترجمہ مبدا ہے کہ جو شخص اللہ کے ساتھ ایسے دوسرے معبود کو پکارے جس کی برہان اس شخص کے پاس نہیں ہے تو اس کا حساب اس کے رب کے پاس ہے اس سے ثابت ہو رہا ہے کہ جس الٰہ کی برہان نہیں ہے اس کو پکارنا تو شرک کفر ہو لیکن جس کی برہان موجود ہو اس دوسرے الٰہ کو پکارنا شرک نہ ہو حالانکہ دوسرا کوئی معبود تو ہے ہی نہیں تو پھر یہ صفت بنا کر تقسیم کا اشارہ کیوں دیا۔ صرف اِلٰـہًا اٰخَرَ کہہ دینا کافی تھا۔ **جواب:** اگرچہ بعض مفسرین نے لَا بُرْھَانَ کو اِلٰـہًا اٰخَرَ کی صفت بنایا ہے مگر وہ قول قطعاً غلط ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ لَا بُرْھَانَ کا جملہ اِلٰـہًا اٰخَرَ کا حال ہے اور اِلٰـہًا آخَرَ کی حالت وکیفیت بیان کی جا رہی ہے۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی بھی دوسرے کو معبود بنا کر و سمجھ کر پکارے حالانکہ ان کفار کے پاس کسی دوسرے کی معبودیت پر کوئی برہان نہیں ہے اور کفار کا کسی دوسرے کو معبود بنا بیٹھنا ان کا شیطانی اختراع آبائی عقیدہ اور بناوٹی تخیل ہے۔ اس کیفیت لَا بُرْھَانَ کو بیان کرنے کا مقصد عقائد مشرکین کو انتہائی کمزور ثابت کرنا ہے کیونکہ جس دعوے پر برہان نہ ہو وہ جھوٹا ہوتا ہے اور جھوٹی بات جھوٹا عقیدہ بیہودہ و ناقابل قبول و کمزور ہوتا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ کسی دوسرے کی معبودیت پر کفار کے پاس کوئی برہان نہیں ہے حالانکہ کفار اپنے بتوں کی الٰہیت پر عقلی نقلی بہت سی دلیلیں پیش کر دیتے ہیں۔ مثلاً عقلی دلیلوں میں کہتے ہیں۔ ا۔ یہ کہ اتنے بڑے بڑے آسمانوں زمینوں کو ایک اللہ نہیں سنبھال سکتا اس لئے یہ چھوٹے معبود اس کی مدد کرتے ہیں۔ ۲۔ یہ کہ بتوں میں اللہ سمایا ہوا ہے اس لئے بت گویا اللہ ہی ہے۔ نقلی دلیل میں کہتے ہیں کہ چونکہ ہمارے باپ دادا ان بتوں کو اِلٰـہًا اٰخَرَ مانتے تھے یہی ان کا دین وعقیدہ تھا اور آباء کا عقیدہ ہمارے لئے دلیل ہے۔ جب کفار کے پاس دلیلیں ہیں ل لَا بُرْھَانَ فرمانا کیونکر درست ہوا۔ **جواب** معترض کے اعتراض میں تین غلطیاں ہیں۔ پہلی۔ یہ کہ معترض نے برہان اور دلیل کا فرق نہ جانا آیت میں برہان کی نفی ہے نہ کہ دلیل کی۔ دوم۔ یہ کہ معترض نے دلیل کی حقیقت بھی نہ جانی ورنہ وہ یہ دلیلیں پیش نہ کرتا کہ کفار یہ کہتے ہیں۔ سوم۔ یہ کہ معترض کو یہ بھی معلوم نہیں کہ نقلی دلیل کسے کہتے ہیں۔ خیال رہے کہ بُرھان اس مضبوط ثبوت کو کہتے ہیں جس کو مخالف نہ توڑ سکے نہ رد کر سکے۔ دلیل وہ ہوتی ہے۔ جس کو مخالف کسی نہ کسی طریقے سے تسلیم کرتا ہو کیونکہ مقصد دلیل مخالف کو منوانا ہے اور نقلی دلیل اسے کہتے ہیں جو مناسب مکتوبہ حوالے سے ہو۔ مثلاً دینی دلیل مذہبی کتب کے حوالے، طبی دلیل طب کی کتب سے، فلسفی دلیل فلسفہ کی کتب سے پیش کی جائے وغیرہ وغیرہ اس کے علاوہ دلیلیں دینا بیکار ہے وہ دلیل ہی نہیں۔ کفار کا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں، زمینوں کو نہیں سنبھال سکتا اس لئے ہمارے بت اللہ کی مدد کرتے ہیں یہ دلیل نہیں بلکہ بذات خود ایک جھوٹا دعویٰ ہے جس کے لئے کوئی مسلم دلیل یا مضبوط بُرھان چاہئے۔ یہ کفریہ دعویٰ جھوٹا اس لئے کہ جو اتنے بڑے آسمان وزمین پیدا کر سکتا ہے وہ سنبھال بھی سکتا ہے اور جو بت ایک تنکا نہیں سنبھال سکتے ایک مکھی نہیں اڑا سکتے اور ذرہ پیدا نہیں کر سکتے۔ وہ آسمانوں کو سنبھالنے میں کیا خاک مدد کر سکتے ہیں خود کو بچا نہیں سکتے

marfat.com

آسمانوں کو کیسے سنجالیں گے۔ کفار کی یہ بات کہ بتوں میں اللہ سمایا ہوا ہے یہ بھی دلیل نہیں بلکہ دعوئے کفریہ ہے۔ اس کا بھی ثبوت چاہئے اور کفار کا یہ کہنا کہ ہمارے باپ دادا کا بتوں کو الٰہ ماننا ہمارے لئے دلیل ہے۔ یہ بھی دلیل نہیں بلکہ اتباع آباء اور باطل پرستی ہے۔ دلیل نقلی تب بنتی جبکہ مذہبی کتاب یہ ثبوت دکھاتے اور مخالف کو منوا منے کے لئے مخالف کی مذہبی کتاب سے یا اپنی بات کی تائید مخالف کی پسندیدہ شخصیت کے قول سے کرائی جائے۔ لہٰذا کفار کے اِلٰهًا اٰخَرَ کی تائید وثبوت مسلمانوں کو قائل و تسلیم کرانے کے لئے حدیث وقرآن و نبی کی زبان سے پیش کرنے چاہئے کیونکہ مسلمانوں کے لئے تو حدیث وقرآن و نبی کا فرمان ہی بُرھان ہے لیکن چونکہ کفار کے پاس اپنے بتوں کی الٰہیت پر ایسا کوئی بھی تائیدی ثبوت نہیں ہے اس لئے فرمایا گیا لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ۔ یہ ف جزائیہ بتا رہی ہے کہ صرف مَنْ یَّدْعُ کا حساب اللہ تعالیٰ کے پاس ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ کے پاس تو ہر نیک وبد جن و بشر کا حساب ہے۔ **جواب:** یہاں فَ جزائیہ نے مَنْ شرطیہ کی جزائیت بتائی نہ کہ حصریت وصرفیت۔ آیت کا معنی یہ ہے کہ جو بھی شرک کرے گا اس کی معافی نہیں اور اس کا حساب اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے پاس نہیں ہے نہ سفارش سے نہ شفاعت سے نہ حمایت سے نہ مدد سے مگر مجرموں کا حساب اللہ کے پاس بھی ہے اور سفارشی، شفاعتی کے پاس بھی اور اللہ تعالیٰ کے پاس حساب ہونے کا معنی یہ ہے کہ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۔ مزید وضاحت یہ کہ مَنْ یَّدْعُ کے حساب میں حصر نہیں بلکہ بارگاہ میں حصر ہے یعنی مَنْ یَّدْعُ کا حساب کسی کے پاس نہیں ہے بلکہ اس کا حساب صرف بارگاہِ الٰہی میں ہے حساب کا حصر نہیں، بارگاہ کا حصر ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اہل نفوس نے دنیا میں بہت سے معبودانِ باطل بنا رکھے ہیں۔ خواہشات، مطلوبات، عمارات، مال ودولت کو خدا سمجھا ہوا ہے کیونکہ دنیا پرستوں کا ان پر بھروسہ ہوتا ہے اور کسی بھی چیز کو اللہ تعالیٰ کے برابر درجہ دینا اس کا شرک ہے۔ خوف میں یا توکل یا طلب حاجات میں۔ ایسے بدبخت لوگ لَا بُرْهَانَ کی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں۔ اہل شقاوت کا حال دو طرفہ ہلاکت کا ہے ایک طرف حسد وبغض ہے صدیقین کے درجات رفعت مکانی وشان ایمانی سے اور دوسری طرف خود اپنی بدکرداری وپیروی خواہش نفسانی میں یہی وہ قہر اضطرار وعذاب حسرت ہے جس کی کوئی برہان انوار واسرار نہیں ہے ان فساق کے پاس نہ عبادت کا ظہور نہ تقوے کا نور نہ بھلائی کی چاشنی، نہ طہارت کی روشنی صرف بندۂ مومن اخلاص صداقت کی بنیاد پر منزل مقصود کا قرب مکانی حاصل کرتا ہے۔ راہِ سلوک کے فاسقین وادیٔ معرفت کے عیارین کے عذاب نامرادی وقہر محرومی ونا کامی کا حساب رازدانِ حق وباطل علیم وخبیر آشکار وظاہر مولیٰ تعالیٰ کے پاس ہے۔ یہ بات زمانوں سے چلی آرہی ہے کہ ہر زندیق اپنے وقت ناسوتی میں ہر صدیق لاثانی کا تمسخر ومذاق بناتے اڑاتے رہے اور ذلت انجام کماتے رہے لیکن وادیٔ معرفت کے مرید مخلص کو ہر قدم پر صبر، شکر اور دعائے مغفرت ورحمت کا حکم ہے کہ ہر طالب ومرشد مسافر ورہبر، سالک وہادی بر ہمت شوق وجرأت ذوق میں عرض کرتا رہے کہ اے میرے خالق ارادت، مالک عبادت رازقِ سعادت میری ان غلطیوں کی بخشش فرما جو راہِ طلب میں مجھ سے ہوئیں اور مقام مکاشفہ میں کثرت مشاہدہ کا رحم فرما تو ہی خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ ہے کیونکہ عالمین کے رحم کرنے والوں کا

marfat.com

تمام رحم تیری رحمت قدیم کے سمندر کا ایک قطرہ ہے۔اے بندۂ مسافر اپنے خالق تعالیٰ سے نورِ خِلق اور حُسنِ خُلق کی طلب و دعا جاری رکھ اور اپنے رازق تعالیٰ سے رزق معرفت کی خواہش کرتا رہ اور مولیٰ تعالیٰ سے مقام علیین و سیر ملکوت کی مسافت و سیاحت کی طلب کر۔اگر اپنی دعا کا اثر اور اپنے شجر کا ثمر چاہتا ہے تو در در پہ کر نہ سجدے در در پہ سر جھکا نہ، اطاعت طریقت میں ثابت قدم رہنے والے صابرین کو جزائے مشاہدات ہے اور دشمنانِ الٰہی کی جفائیں برداشت کرنے والوں کے لئے انوار کے خزانے ہیں پس وہ فائز ہیں فراق میں اور خارج فراق کی تکلیف سے۔اے اہل شر کیا تم نے یہ گمان کرلیا کہ تم کو دنیا میں کھلا چھوڑا گیا ہے شیطانی، طغیانی، مستانی کے لئے نہیں بلکہ ہر بندہ حقوق و عبادات اور رشتہ و تعلقات کے جال میں جکڑا اور پابند سلاسل ہوتا ہے۔ایک بچے نے جنم لے کر سینکڑوں انسانوں کو کچھ کا کچھ بنا دیا اور خود بھی ہر ایک کا کچھ نہ کچھ بن گیا۔یہ کوئی نہ سمجھے کہ اس کو واپس نہیں لوٹنا۔سب نے مر کر لوٹنا ہے کسی نے ان حقوق کا وزر لے کر، کسی نے ثقل لے کر کسی نے گٹھڑی اٹھا کر، کسی نے خزانے بنا کر۔بلند ہے اس کا جلال ہر مدرک کے ادراک سے وہی حقیقت کا حق ہے اور کوئی بھی مطلع نہیں ہے اس کی حقیقت سے۔وادیٔ فنا میں گم ہیں سب حادث اس کے جلال کی ہیبت سے یہاں تک کہ عرش کریم بھی اپنی عظمت کے باوجود اس کے قہر عزت سے عین نملہ سے بھی چھوٹا ہے اور جس نے غیر اللہ کی طرف توجہ کی اس وادی معرفت میں اگرچہ عظمتوں والا ہو قرب معرفت میں محجوب رہ جائے گا ذات و صفات سے۔کیا بندوں نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ان کے دل میں روح توحید کا وصل نہ ہوگا اور توحید کا حق جو بندوں پر ہے وہ ادا نہ کریں گے تو یاد رکھو کہ کونین کو اس لئے ظاہر کیا گیا ہے تاکہ ولیوں پر ولایت کے اور اعدا پر شقاوت کے آثار ظاہر ہوں۔برتر ہے مَلِکُ الحق نہیں جان سکتا اس کو مگر حق ہی۔کونین حجابات میں ہے ذات وصفاتِ حق کے عرفان سے کیونکہ حق وہ ہے جس کو خلق ادراک نہ کرسکے وہ ذات واحد تعالیٰ ہے تغیر زمانی سے وہ بے شکل و بے مثل و بے نظیر ہے اپنی ملکیت تامہ سلطنت عامہ میں اس کا جلال حق علو صفات منفرد، ذات حق قول حق فعل حق۔اس کا سب پر حق مگر اس پر کسی کا حق نہیں۔

marfat.com

سورۃ نور کا مختصر تعارف

سورۃ نور کے تعارف میں بھی نو چیزوں کو ذہن نشین رکھنا ضروری ہے۔ ۱۔ اس سورۃ کا نام کیا ہے اور یہ نام کیوں رکھا گیا۔ ۲۔ یہ سورۃ کیوں نازل کی گئی۔ ۳۔ کب نازل کی گئی۔ ۴۔ اس سورۃ میں کیا مضمون نازل فرمایا گیا۔ ۵۔ یہ سورۃ کس طرح نازل کی گئی۔ ایک دم سب یا تھوڑی آیات وقفے وقفے سے۔ ۶۔ اس سورۃ کا پچھلی سورۃ سے کیا رابطہ، کیا تعلق اور کیا واسطہ ہے۔ ۷۔ اس سورت کا نمبر تلاوت کیا ہے۔ ۸۔ اس سورۃ کا نمبر نزول کیا ہے۔ ۹۔ اس سورۃ سے تا قیامت مسلمانوں کو کیا سکھایا گیا اور اس سورۃ میں شریعت اسلامیہ کے کتنے احکام و مسائل بیان فرمائے گئے۔ پہلی بات یہ کہ اٹھارہویں پارے کی اس دوسری مکمل سورۃ مقدسہ کا نام سورۃ النور دو وجہ سے رکھا گیا۔ پہلی ظاہری وجہ ہے اس کی آیت ۳۵ آیت نور کے الفاظ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ہیں۔ دوسری باطنی وجہ یہ کہ اس سورت میں انسانوں کی حیات دنیوی کے ہر مرحلے اور ہر دور وزمانے میں مسلمانوں کو اسلامی طرز زندگی گزارنے کے لئے شریعت مطہرہ کا نور اور راہنمائی کی روشنی عطا فرمائی گئی۔ دوسری بات یہ کہ سورۃ نور مسلمانوں کو ہر میدان میں اخلاقیات وآداب کا بہترین درس دینے کے لئے نازل کی گئی۔ مہد سے لحد تک، گھریلو معاشرے سے میدانِ جہاد تک، تجارت سے عدالت تک، رسم ورواج سے عبادت تک غرضیکہ ہر مسلمان کی حیات سے موت تک کے ہر پہلو سے مسلمانوں کو اشرار و اغیار و کفار سے ممتاز متفرق کر کے منافرت، مفافقت، بے غیرتی، تہمت سازی، الزام تراشی، بددیانتی، ابن الوقتی، مطلب پرستی جیسے تمام عیوب سے بچا رہی ہے۔ تیسری بات یہ کہ یہ پوری سورت مدنی ہے یعنی ہجرت کے بعد نازل ہوئی اور ستائیس (۲۷) غزوات النبوی میں سے اٹھارہویں (۱۸) غزوۂ بنی مصطلق کے بعد نازل ہوئی۔ پہلا غزوہ، ودّان دو صفر ۲ھ میں ہوا۔ دوسرا غزوہ، بواط بارہ ۱۲ ربیع الاول ۲ھ میں، تیسرا غزوہ، صفوان آٹھ ۸ جمادی الاول ۲ھ میں، چوتھا غزوہ، ذی العشیر پچیس ۲۵ جمادی الآخر ۲ھ میں ان چاروں میں جنگ کی نوبت نہ آئی۔ پہلے دو میں کفار نے صلح کر کے ماتحتی قبول کر لی۔ دوسرے دو میں کفار بھاگ گئے۔ پانچواں غزوۂ، بدر سترہ ۱۷ رمضان ۲ھ میں کفر واسلام کی پہلی جنگ۔ چھٹا غزوۂ، قینقاع سات ۷ شوال ۲ھ میں۔ ساتواں غزوۂ، سویق پانچ ۵ ذی الحج ۲ھ میں لڑائی نہ ہوئی۔ ابوسفیان کا لشکر فرار ہو گیا اور پچاس بوری سویق یعنی ستو چھوڑ کر بھاگ گیا یہ مال غنیمت مسلمانوں کو ملا۔ آٹھواں غزوۂ، قرقرۃ الکدر سترہ ۱۷ محرم ۳ھ میں، دشمن بغیر جنگ مال غنیمت پانچ سو اونٹ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ نواں غزوۂ، بنی غطفان بارہ ۱۲ ربیع الاول ۳ھ میں جنگ نہ ہوئی دشمن فرار۔ دسواں غزوۂ، بنی سلیم چھ ۶ جمادی الاول ۳ھ دشمن فرار جنگ نہ ہوئی۔ گیارہواں غزوۂ، احد سات ۷ شوال ۳ھ جنگ ہوئی۔ بارہواں غزوہ، حمراء الاسد ۳ھ آٹھ ۸ شوال کو ہوا جنگ نہ ہوئی کفار فرار ہوئے۔ تیرہواں غزوۂ، بنی نضیر ۴ھ ربیع الاول کی دو تاریخ میں، یہودیوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور ان کو ہمیشہ کے لئے مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا۔ چودھواں غزوۂ، بدر الموعد چھبیس ۲۶ شوال ۴ھ میں مگر جنگ نہ ہوئی۔ پندرہواں غزوۂ، ذات الرقاع دس ۱۰ محرم ۵ھ

marfat.com

میں، جنگ نہ ہوئی دشمن روپوش وفرار ہوا۔ سولھواں غزوہ، دومۃ الجندل پچیس ۲۵ ربیع الاول ۵ ھ اس میں بھی جنگل نہ ہوئی۔ ستارہواں غزوہ، خندق اٹھائیس ۲۸ شوال ۵ ھ میں ہوا مدینہ منورہ کے آس پاس خندق کھودنے کا مشورہ حضرت سلمان فارسی ابن بودخشان مجوسی نومسلم صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیا تھا۔ اس میں تھوڑی جنگ ہوئی پھر کفار بھاگ گئے۔ اس مشورے سے خوش ہو کر نبی کریم ﷺ نے حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اہلبیت میں شامل فرمالیا تھا۔ اٹھارہواں غزوہ، بنی مصطلق دو ۲ شعبان ۶ ھ میں ہوا، اس سے واپسی میں اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بوقت فجر جب باہر گئیں تو آپ کا ہار گم ہو گیا پھر افک کا دلخراش واقعہ منافقین نے بنایا اور پھر تقریباً بیس دن بعد سورۃ نور کی کچھ آیات نازل ہوئیں۔ انیسواں غزوہ، بنی قریظہ تیئس ۲۳ ذی قعد ۶ ھ میں ہوا۔ بیسواں غزوہ، بنولحیان انتیس ۲۹ صفر ۶ ھ میں ہوا اس میں بھی جنگ نہ ہوئی دشمن فرار ہو گیا۔ اکیسواں غزوہ، ذی قرد سولہ ۱۶ ربیع الال ۶ ھ میں ہوا۔ بائیسواں غزوہ، حدیبیہ ستائیس ۲۷ شوال ۶ ھ اس میں بھی جنگ نہ ہوئی مگر جنگ کے حالات پیدا ہوئے آئندہ سال جنگ کرنے پر بیعت لی گئی۔ تیسواں غزوہ، خیبر چھبیس ۲۶ محرم ۷ ھ جنگ ہوئی۔ چوبیسواں غزوہ، فتح مکہ دس ۱۰ رمضان ۸ ھ میں جنگ نہ ہوئی۔ پچیسواں غزوہ حنین چھ ۶ شوال ۸ ھ میں جنگ ہوئی کفار کو شکست ہوئی۔ چھبیسواں غزوہ، طائف تیرہ ۱۳ شوال ۹ ھ جنگ نہ ہوئی کفار قلعہ بند رہے۔ ستائیسواں غزوہ، تبوک ستائیس ۲۷ رجب ۹ ھ میں ہوا جنگ نہ ہوئی، کفار نے جزیہ دینا قبول کیا۔ غزوہ وہ لشکر اسلام ہے جس میں نبی کریم ﷺ خود تشریف لے جائیں۔ غزوات کی تعداد میں چھ قول ہیں۔ ۱۔ یہی ستائیس (۲۷) غزوے یہ قول متفق علیہ ہے۔ ۲۔ پینتیس (۳۵) غزوات۔ ۳۔ اڑتالیس (۴۸) غزوات۔ ۴۔ پچاس (۵۰) غزوات۔ ۵۔ چھیاسٹھ (۶۶) غزوات۔ ۶۔ تہتر (۷۳) غزوات۔ اس سورۃ نور میں نو رکوع چونسٹھ (۶۴) آیتیں اور ایک ہزار سات سو اڑسٹھ (۱۷۶۸) کلمات اور پانچ ہزار پانچ سو چھیانوے (۵۵۹۶) حروف ہیں۔ چوتھی بات یہ کہ اس سورت میں آٹھ عدد انتہائی کارآمد اور زندگی ساز باتیں بطور احکام اسلام بیان فرمائی گئیں۔ ۱۔ ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے اپنے گھر کا ماحول ومعاشرہ پاکیزہ اور خوشیوں بھرا بنائیں کیونکہ گھر ہی اولاد کا پہلا مدرسہ ہے اور والدین قولی وعملی پہلے استاد ہیں۔ ۲۔ اس سورۃ مقدسہ میں مسلمانوں کو مفاد پرستی اور ابن الوقتی غیبت، چغلی، الزام تراشی منافقت سے منع کیا گیا ہے۔ ۳۔ قانون اسلام نے دیگر دنیوی قانونوں کی طرح جرائم کے صرف پتے نہیں جھاڑے بلکہ جڑیں اکھیڑی ہیں۔ اسی لئے ہر مجرم فسادی کو سخت ترین عبرت ناک سزائیں حدود وتعزیرات مقرر فرمائیں۔ ۴۔ اس سورۃ میں دنیا کے جرائم میں سے بدترین جرائم، زنا بازی، تہمت سازی، قتل اندازی کا ذکر فرما کر ان کی سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ ۵۔ عورتوں کے لئے گھر گرہستی کے بہت مسائل بیان فرمائے گئے ہیں۔ ۶۔ اسلام نے جرموں کے واقع ہونے کے اندیشوں والے دروازوں کو بند فرمایا ہے مثلاً زنا، لواطت، متعہ، بدکاری، دلالی، فحاشی سے بچانے کے لئے شرعی نکاح بلکہ حسب استطاعت ایک مرد کو چار بیویوں کی اجازت دی تاکہ کوئی مرد کبھی کسی بدکاری کا بہانہ نہ تراش سکے اور نکاح کو آسان تر بنایا۔ ترک دنیا اور سادھو، سنت، فقیر، نن، سنیاسن بننے اور سنیاس لینے کو حرام اور شرعی جرم قرار دیا۔ ۷۔ منافقت کو کفر قرار دیا تاکہ مسلمان غیبت، چغلی، الزام تراشی کے جرائم ومظالم سے بچیں

marfat.com

اور بچائیں۔ ۸۔ اسی سورۃ کی آیت نور میں قوانین اسلامیہ کی اہمیت، افادیت، ابدیت، حفاظت کا اظہار کرنے کے لئے قانون بنانے والے رب تعالیٰ جل شانہٗ کی صفت نور اور جلالت شان وقدرت کمال کا تمثیلاً ذکر فرمایا۔ پانچویں بات یہ سورۃ مقدسہ تھوڑی تھوڑی آیات ہو کر وقفے وقفے سے نازل ہوئی۔ جس کی تفصیل آئندہ ہر آیت کے شان نزول میں بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ چھٹی بات یہ کہ جس طرح قرآن مجید کی ہر ہر سورۃ ہر ہر آیت کا آپس میں ربط وتعلق ہے۔ اسی طرح اس سورۃ نور کا تعلق پچھلی سورۃ سے اور ہر آیت کا تعلق آپس میں ہے۔ اس کی تفصیل بھی انشاء اللہ تعالیٰ۔ آئندہ تعلقات کی فصل میں بیان ہوتی رہے گی۔ ساتویں بات اس سورۃ نور کا تلاوت نمبر چوبیس (۲۴) ہے۔ یہی نمبر ازلی قدیمی ہے۔ لوح محفوظ میں بھی اور قرآن مجید میں یہی نمبر مکتوبی ہے۔ اسی نمبر سے مضامین سورۃ کے سیاق وسباق اور تعلقات وروابط کا پتہ لگتا ہے۔ آٹھویں بات اس سورۃ مقدسہ کا نمبر نزول ایک سو دو (۱۰۲) ہے۔ قرآن مجید ہر سورۃ کے یہ دونوں نمبر ہوتے ہیں۔ نمبر نزول سے دو چیزیں بتلائی جاتی ہیں۔ اولاً۔ یہ کہ سورۃ کب کہاں اور کیوں نازل ہوئی۔ دوم۔ یہ کہ اس سورۃ میں کتنے اور کیا مضامین ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ نور میں نو مضامین بیان فرمائے گئے ہیں جن کی تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ ابھی مندرجہ ذیل سطور میں، ہر رکوع کی مختصر تفسیر بیان کی جائے گی۔ تعارف کی نویں بات یہ کہ اس سورت نور کی عبارت النص سے مسلمانوں کو تقریباً ساٹھ ظاہری مسائل اور احکام شرعی بتائے گئے۔ ان کی تفصیلی وضاحت ہر رکوع کی مختصر تفسیر میں بیان ہو گی اور اس سورۃ مقدسہ کے استنباطی مسائل واحکام فصل احکام القرآن میں بیان ہوں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

سورۃ نور کے ہر رکوع کی مختصر تفسیر

پہلے رکوع میں نو باتیں بیان فرمائی گئیں

۱۔ چونکہ دنیا میں عدالت الٰہیہ کا نفاذ مدینہ منورہ کی سلطنت اسلامیہ کی شکل میں پہلی مرتبہ مکمل طور پر قائم ہو چکا تھا اس لئے عدالت ربانی کا نقشہ نظم ونسق، شان وشوکت، رعب وجلال کے ساتھ پیش فرمایا جا رہا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں قانون ساز ذات اقدس کا تعارف ہوا کہ ہم نے نازل فرمایا۔ لہٰذا یاد رکھو کہ اس قانون الٰہی میں کوئی کمی کمزوری نہیں نہ عدل میں نہ ادائے حقوق میں۔ اس لئے یہ اختیاری نہیں بلکہ فَرَضْنَا۔ ہم نے اس قانون اسلامی کو ہر فرد بشر پر لازم وفرض کر دیا ہے لہٰذا کسی اپیل یا ماننے نا ماننے کا اختیار نہیں ہے نہ ہی اپنی پسند کے دنیوی قوانین بنانے اپنانے کا اختیار ہے اور اس قانون کو بنانے وجاری کرنے کی حکمت یہ ہے کہ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تا کہ تم سب مسلمان اتحاد کے جھنڈے تلے جمع ہو کر اسلام کی نصیحتوں کو قبول کرتے رہو۔ دوسری آیت میں عدالت کی بنیادی اور اصل کارکردگی کی طرف اشارہ فرمایا جا رہا ہے کہ ہر عدالت کا فرض منصبی ہے رعایہ کی تین چیزوں کی حفاظت کرنا۔ ۱۔ جان۔ ۲۔ عزت۔ ۳۔ دولت۔ دنیا میں تین قسم کے ہی لٹیرے پائے جاتے ہیں جان کا لٹیرا قاتل، عزت کا لٹیرا زانی، مال کا لٹیرا سارق۔ ان تینوں میں عزت سب سے بڑی چیز ہے اس کی خاطر انسان جان ومال قربان کر دیتا ہے۔ لہٰذا عزت کا دشمن سب سے بڑا مجرم ہے۔ اسی وجہ سے اس جرم اور اس کی سزا کا ذکر پہلے فرمایا

marfat.com

گیا۔ اس رکوع کی دس (۱۰) آیات میں پہلی بات یہ سمجھائی جارہی ہے کہ اصل عدالت صرف قرآن وحدیث ہے کیونکہ عدالتوں کا مقصد ہے کہ قیام زمین پر اپنوں، غیروں، مسلموں، غیر مسلموں میں امن وسکون اور پیار ومحبت پیدا کیا جائے۔ فساد کی جڑ کاٹی جائے یہ کام صرف جرائم کو مٹانے سے ہوتا ہے اور جرائم کا مٹنا صرف سزاؤں کے قائم کرنے سے اور سزا دینے کے دو مقصد ہوتے ہیں۔ **پہلا مقصد:** یہ کہ مجرم کی پوری ذلت ہو۔ **دوسرا مقصد:** یہ کہ دیکھنے والے کو پوری عبرت حاصل ہو اگر سزائے جرم میں یہ سختی نہ ہو تو سزا نہیں بلکہ ظالمانہ کھیل ہے دنیا کے کسی نظام میں یہ بات نہیں اسی لئے دنیا کا کوئی قانون جرم بند نہیں کرسکا۔ دوسری بات یہ بتائی جارہی ہے کہ تمام جرموں میں تین جرم سب سے بڑے ہیں قتل، چوری، زنا۔ ان میں زنا سب بڑا جرم ہے کیونکہ اس کے چار فساد ہیں۔ ۱۔ بے غیرتی۔ ۲۔ نسل کی خرابی۔ ۳۔ معاشرے کی تباہی۔ ۴۔ لاعلاج بیماریوں کی کثرت۔ اسی لئے سب میں پہلے اور سب میں سخت اسی کی سزا بشکل حد زنا بیان فرمائی۔ تیسری بات یہ بیان کی گئی کہ زانی دو قسم کے ہیں، ایک کنوارہ مرد وعورت کا زنا، چونکہ اس کی کثرت ہوتی ہے اس لئے یہاں اسی کی سزا کا ذکر ہے چنانچہ فرمایا گیا زانیہ اور زانی ہر دو کو بڑی سختی سے سوسو کوڑے مارو۔ یہ سزا بلکہ ہر ملکی قانونی سزا صرف قانونی عدالت دے سکتی ہے اس لئے سورۃ نور مدینہ منورہ میں سلطنت اسلامیہ کے قائم ہونے کے بعد نازل فرمائی۔ دوسری قسم یعنی شادی شدہ زانی زانیہ کی سزا پتھروں کے رجم کو بذریعہ احادیث متواترہ جاری فرمایا گیا۔ فرمایا جارہا ہے کہ اسلام دین فطرت ہے اور ہر بندے بشر کو فطرت پر چلانا چاہتا ہے لیکن جرائم فطرت سے بغاوت ہے۔ اس لئے بغاوت کو کچلنا حکومت کا فرض ہے اسی وجہ سے اسلامی سزائیں سخت ہیں۔ باوجود زنا کی قباحت ہر بے غیرت قوم! اس پر فخر کرتی رہی اہل عرب بھی اسی ذلالت میں مبتلا تھے جس کو صرف اسلام نے ہی آکر اس کو مٹایا۔ فرمایا جارہا ہے کہ اے حاکموں، قاضیوں، ججوں تمہیں دینی سزا دینے میں خبردار قطعاً ذرہ بھر دونوں میں سے کسی کے ساتھ نرمی یا رعایت نہ کرنا۔ اگر تم اللہ تعالیٰ اور قیامت پر سچا ایمان رکھنے والے ہو اور پھر کوئی شرعی سزا چھپا کر بھی نہ دی جائے خاص کر زنا کی سزا بلکہ برسر عام دی جائے تاکہ تمام مسلمان دیکھیں علی الترتیب پہلے سلطنت اسلام کا ذکر فرمایا گیا پھر جرائم کا پھر سزاؤں کا پھر سزا دینے والے حکام کا پھر سزا دینے کی جگہ کا پھر زنا کی نفرت آمیز قباحت کا ذکر فرمایا گیا کہ فطری طور پر عادی بدمعاش ذاتی ہی صرف عادی زانیہ عورت کو ہی اپنی بیوی بنانا نکاح کرسکنا پسند کرسکتا ہے یا مشرکہ شرک کی گندگی میں لتھڑی عورت کو اپنی بیوی بنا سکتا ہے اور ایسے ہی عادی بدمعاش زانیہ عورت ہی زانی بدمعاش یا مشرکہ شرک کی گندگی والے مرد سے نکاح کرنا پسند کرے گی کوئی غیرت مند متقی نیک مرد یا عورت نہ ایسے بے غیرتی سے نکاح کو پسند کرسکتے ہیں نہ ان کے لائق نہ اس طرح گھر بسائیں گھر بسانے کے لئے طبیعتوں کا ملنا ضروری ہے اور مومن متقی والدین پر حرام کردیا گیا ہے کہ اپنی اولاد بچے یا بچی، بیٹے یا بیٹی کا جبراً ایسا غلط نقصان دہ گھر اجاڑ نکاح کردیں جس سے ذہنی سکون پیار ومحبت تباہ وبرباد ہو جائے اور اولاد اس ظلم وجبر پر والدین کو بددعائیں ہی دیتے رہیں یہ بھی خیال رہے کہ صرف زنا اور اس کی سزا ہی اہم سخت نہیں بلکہ زنا کو ثابت کرنا بھی بہت اہم ہے۔ اس کے لئے گواہی بھی اور خود مجرم کا اقرار بھی سخت اہم ہے۔ اسلام کا کوئی بھی جرم ہو اسلام نے اس کے ثبوت کے لئے دو طریقے ہی بیان فرمائے۔ ۱۔ مجرم کا بغیر جبر واکراہ اقرار۔ ۲۔ مجرم بن کر اور جھوٹا ہو تو بچی

marfat.com

گواہی سے جرم ثابت کیا جائے۔ اسی قانون کی وضاحت فرمائی جارہی ہے کہ اور جو لوگ تہمت لگاتے ہیں مشہور پاکدامن عورتوں کو (اور مردوں کو) پھر وہ جھوٹے فسادی لوگ اپنی تہمت کو سچ ثابت کرنے کے لئے چار نیک متقی نمازی سچے گواہ نہ لا سکیں تو ان کو حد قذف میں اَسّی (۸۰) کوڑے مارو۔ تہمت لگانے کی ایک سزا ہے۔ اس کی دوسری سزا یہ کہ پھر آئندہ خبردار ایسے جھوٹے فسادی لوگوں کی کبھی کوئی بھی گواہی قبول نہ کرو۔ تیسری سزا یہ کہ وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و فاسق رہیں گے مگر وہ لوگ جو آئندہ کے لئے تہمت لگانے سے سچی پکی توبہ کرلیں اور ہمیشہ کے لئے نیکی پھیلانے، اصلاح کرنے والے بن جائیں تو اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو بخشنے والا بھی ہے رحم فرمانے والا بھی۔ اس رکوع میں نویں چیز لعان کا قانون بیان فرمایا گیا۔ چنانچہ آیت ۶ میں ارشاد ہوا کہ جو لوگ اپنی نیک پاک بیویوں کو تہمت لگائیں اور بیوی تہمت کی منکر ہو تو لعان کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ **پہلی**۔ یہ کہ خاوند نے دیکھا اور بدکاری کا یقین کرلیا لیکن کوئی گواہ نہ لا سکا۔ **دوم**۔ یہ کہ خاوند نے کسی سے سنا اور یقین کر لیا کوئی گواہ نہیں۔ **سوم**۔ یہ کہ بیوی اس تہمت کی منکر ہے مگر کسی پختہ اور مضبوط ثبوت سے اپنی برأت نہ کرسکے تب خاوند بیوی سے عدالت کا قاضی اور جج لعان لے گا۔ اس کا طریقہ ارشاد ہو رہا ہے کہ اگر کبھی ایسی صورت ظاہر ہو کہ خاوند اپنی بیوی کو صرف خود اکیلا کسی مرد سے بدکاری کراتے دیکھے بجز اس کے کوئی گواہ اس کو نہ ملیں اور دوسرا اس واقعے کو دیکھنے والا نہ ہو تو اس طرح کی تہمت کے فیصلے کا شرعی طریقہ یہ ہے کہ اس قسم کے خاوندوں میں سے ہر خاوند چار مرتبہ گواہی دے اپنے متعلق اللہ تعالیٰ کی قسم بول کر کہ اللہ کی قسم بیشک یہ مرد اپنی اس بیوی کو زنا کی تہمت لگانے میں البتہ بالکل سچوں میں سے ہے یا اپنی طرف اشارہ کر کے بعینہ انہی الفاظ سے کہے یا کہے کہ اللہ کی قسم میں سچا ہوں۔ اس طرح چار مرتبہ عدالت میں قاضی اور بیوی کے روبرو کہے پانچویں مرتبہ کی قسم میں اپنے اوپر لعنت ڈالتا ہوا کہے کہ بیشک لعنت ہو مجھ پر یا اشارہ اپنی طرف کر کے کہے کہ اس خاوند پر اگر ہو یہ جھوٹوں میں سے یا کہے۔ اگر ہوں میں جھوٹوں میں سے۔ ان چار قسموں اور پانچویں لعنت کے بعد بیوی سے کہا جائے گا کہ تو بھی چار بار قسمیں اور پانچویں بار اپنے پر لعنت ڈال اگر بیوی قسموں اور لعنت سے انکار کرے یا خاموش ہو جائے تو خاوند کو سچا مان کر بیوی کو رجم کی سزا دی جائے گی ورنہ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اور ختم کردے گی بیوی کی قسمیں کھانا یعنی اس وقت اس بیوی سے حد شرعی کی سزا ختم ہو جائے گی جبکہ بیوی بھی چار مرتبہ اپنے حق میں اللہ کی قسم کے ساتھ گواہی دے اور کہے کہ بیشک یہ خاوند البتہ بیشک یقیناً جھوٹوں میں سے ہے اور پانچویں بار بیوی کہے کہ بیشک مجھ عورت پر اللہ تعالیٰ کا غضب پڑے اگر وہ میرا خاوند اس تہمت لگانے میں سچوں میں سے ہو۔ آگے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اے ایمان والو یہ تمام شرعی اسلامی فیصلے اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل ہے جس نے تمام الجھنیں، مصیبتیں، نفرتیں، آپسی فسادات ختم فرمادیئے۔ اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا یہ فضل نہ ہوتا اور اس کی رحمت نہ آتی تو بڑی مصیبتیں، تخریب کاریاں دنیا میں مچ جاتیں اور بیشک اللہ تعالیٰ تم گناہگاروں، خطاکاروں کی پردہ پوشی کرتے ہوئے بہت جلدی فرما کر توبہ قبول فرمانے والا ہے اور شرعی سزاؤں، فیصلوں کو جاری فرمانے میں عظیم حکمتوں والا ہے۔

دوسرے رکوع میں چار باتیں ارشاد ہوئیں

۱۔ زنا کا جرم اور اس کی سزا اور اس کے ثبوت کا طریقہ پھر عام لوگوں کی عام پاکدامنی لوگوں کو تہمت لگانے کی بدخصلتی کی عادت

marfat.com

اور پھراس کی تین سزاؤں کا ذکر جن میں ایک جسمانی اور ایک تاعمر ذلت ورسوائی کی سزا پھرایک توبہ نہ کرنے کی صورت میں اُخروی ذلت کی سزا پھر بیوی کو تہمت لگانے اور خاوند کی طرف چار گواہوں یا بیوی کے اقرار جرم کے نہ ہونے کی صورت میں لعان کرنے کا طریقہ بتانے کے بعد۔ اب اس واقعے کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو منافقین کفار نے اپنی انتہائی بدخصلتی کی وجہ سے اچھالا تھا۔ فرمایا جارہا ہے کہ بیشک وہ بدبخت اور بدخصلت لوگ جنہوں نے انتہائی بدترین جھوٹ اور کھلی الزام تراشی، افتراء بازی لگائی بنائی وہ ایک گروہ ہے جو تم میں سے مسلمان کہلانے والا ہے۔ اے مخلص ایمان والو اور اے اہل بیت نبی! تم لوگ ان منافقوں کی اس ابلیسی وشیطانی سازش کو اپنے لئے شر ہونے کا گمان مت کرو۔ ظاہراً اگرچہ چند دن اس شرارت عظیمہ سے تم لوگوں کو ذہنی وطبعی وقلبی بہت دکھ وتکلیف پہنچی ہے بلکہ انجام کار یہ سب کچھ الٹ ہو کر تمہارے لئے تاقیامت خیر ہی خیر ہے اور دشمنوں، منافقوں، بدخواہوں کی تاقیامت ابدی رسوائی وذلت ہوتی رہے گی۔ تہمت لگانے والے لوگوں کے لئے ذرہ بھر بھلائی نہیں نہ دنیا میں کچھ حاصل ہوا نہ آخرت میں کچھ حاصل ان بدنصیبوں میں سے ہر ایک کے لئے وہی اور اتنا اتنا ہی گناہ ہے جو انہوں نے اپنی بدگمانیوں، بدکلامیوں، بدلگامیوں کے ذریعے کمالیا اور وہ ایک بڑا سرغنہ بدبخت جس نے اپنے ظلم کبر وکفر کو سب سے زیادہ گھمایا پھرایا۔ اس کے لئے تو اس کی اس تشہیر بازی، اس کی بدلگامی، بدزبانی کی مقدار سے عذاب بھی بہت بڑا ہے لیکن اے دوسرے کمزور عقل مسلمانو! تمہاری عقلوں پر پتھر کیوں پڑ گئے۔ روایتوں میں آتا ہے کہ لَا تَحْسَبُوْهُ میں خطاب حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی والدہ سے ہے اور لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ (نور:۱۱) سے مراد تمام منافقین اور کم عقل نومسلم لوگ ہیں اور وَ الَّذِیْ تَوَلّٰى (نور:۱۱) سے مراد رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی ہے۔ یہ ساری شرارت ہی اس کی تھی اور لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ سے (نور:۱۲) حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ، مسطح اور حمنہ بنت جحش ہے ان تینوں نے کھل کر منافقوں کی تائید کی۔ نزول برأت کے بعد ان تینوں کو سخت حد قذف لگائی گئی اور دنیوی زندگی میں توبہ کے باوجود ان کو مختلف قدرتی سزائیں ملیں۔ چنانچہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نابینا ہو گئے تھے۔ حمنہ دیوانی اور مسطح جسمانی بیماریوں میں مبتلا رہے ساری عمر کے لئے گواہی نامنظور ہوگئی۔ ان مسلمانوں کو ہی فرمایا جارہا ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے خبیث منافقوں کے منہ سے یہ حیثیانہ کلام سنا تو سب مومن مردوں اور سب مومن عورتوں نے اپنے دلوں میں ایک دم خیر کا یہ گمان یقینی کیوں نہ کرلیا اور کیوں نہ سب نے ایک دم کہہ دیا کہ منافقوں کے منہ سے یہ حیثیانہ کلام سنا تو سب مومن مردوں اور سب مومن عورتوں نے اپنے دلوں میں ایک دم خیر کا بدگمان یقینی کیوں نہ کرلیا اور کیوں نہ سب نے ایک دم کہہ دیا کہ منافقوں کی یہ تمام باتیں اِفْکِ مبین ہیں۔ اگر یہ منافقین اپنی اس بہتان تراشی میں ذرہ بھر بھی سچے ہوتے تو کیوں نہ لے آئے۔ اپنی اس الزام تراشی پر چار گواہ تو چونکہ وہ گواہ نہ لاسکے لہٰذا صاف ظاہر معلوم ہو گیا کہ یہ سب منافق دنیا وآخرت میں اللہ کے نزدیک کھلے جھوٹے ہیں۔ ۲۔ ان منافقوں اور بیوقوف مسلمانوں نے تو یہ سمجھ لیا تھا کہ یہ بہتان تراشی ایک معمولی بات ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ تمام جہانوں کی الزام تراشیوں، بہتان بازیوں سے یہ تہمت سخت اِفْکِ مبین ہے کیونکہ جس پر لگائی گئی وہ کائنات کی عورتوں میں سب سے زیادہ صدیقہ ہے اور جس کی دل آزاری

marfat.com

کی گئی وہ سب کائنات کے مردوں میں بعد الانبیاء والمرسلین صدیق اکبر ہے اور جس کے اہل بیت پر کمینگی کا یہ حملہ کیا گیا وہ محبوب رب العالمین ہے اے بیوقوفو! تم شکر کرو کہ بچالئے گئے ورنہ اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت دنیا میں عزت و جان اور آخرت میں ایمان بچا کر تو البتہ تم کو بھی پہنچتا ان منافقوں کے ساتھ ہی اس الزام تراشی کا تائیدی و ہمنوائی والا ساتھ دے کر اسی دنیا میں سخت اور بڑا عذاب کیونکہ تم چند کم عقل انسان نادان مسلمان بھی منافقوں کی چالاکی، چالبازی کو نہ سمجھتے ہوئے ان کی طرح ہی آپس میں اپنی زبانوں سے اس بہتان تراشی کو نقل اور بیان کرتے تھے اور اپنی باتوں سے وہ سب کچھ کہتے اور پھیلاتے تھے جس کا تم کو ذرہ بھر علم نہ تھا اور اے بیوقوف چرب زبانوں والو! تم تو ان الزام تراشیوں بہتان بازیوں کو هَيِّناً ایک معمولی بات سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ اِفْکٌ مُبِیْن اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت بڑی عذاب ناک بات تھی اور ایسا بھی کیوں نہ ہوا تمہارے ایمان اتنے کچے کیوں ہو گئے کہ جب تم نے پہلی ہی بار منافقوں کے منہ سے سنا یعنی جھوٹی بہتان بازی ،الزام تراشی، تہمت سازی کو تو بلاخوف بلا جھجک فوراً تم سب نے کیوں نہ کہہ دیا کہ ہماری ہمت جرأت نہیں ہے کہ ہم ذرہ بھر اس قسم کا کلام کریں اور فوراً خوف خدا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی برأیت میں کیوں نہ بولائے کہ پاک ہے تو یا اللہ۔ منافقوں کی یہ الزام تراشی بہت بڑا کھلم کھلا بہتان ہے۔ اب تم کو اللہ تعالیٰ نصیحت فرماتا ہے کہ خبردار اب پھر کبھی تم اس قسم کی حماقتوں میں پھر جو لوٹے۔ اگر تم سچے مومن مخلص رہنا چاہتے ہو اور کتنا کرم ہے اس اللہ تعالیٰ اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْن کا کہ دنیا میں ہی ہر طرح قرآن و حدیث کے ذریعے کھول کھول کر بیان فرماتا ہے تمہارے لئے آیتیں اور اللہ تعالیٰ تمہاری ہر ہر چیز کو جاننے والا ہے اور اپنے ہر کام دیر و سویر میں حکمت والا ہے۔ یہ ہیں وہ سورۃ نور کی ابتدائی اٹھارہ (۱۸) آیتیں جو صفت صدیقہ میں نازل ہوئیں۔ ۳۔ آگے ارشاد فرمایا جارہا ہے۔ ۴۔ اور اگلی دو آیتوں میں منافقوں کی اس بہتان تراشی کی وجہ بتاتے ہوئے آئندہ کے لئے تاقیامت برائیوں، فحاشیوں، بے غیرتیوں کا سدباب کرتے ہوئے نفرت دلائی جارہی ہے ہر اس کام وکلام وانداز اشتہار و چال چلن سے جس کے ذریعے مسلمانوں کے معاشرے میں بے غیرتی کی کشش اور فحاشی کا جذبہ ابھرے۔ چنانچہ ارشاد ہے کہ بیشک اسی قسم کے منافق لوگ جو پسند کرتے ہیں کہ زمانے اور معاشرے میں فحاشی، بے غیرتی پھیلے۔ ایمان والوں اور مسلمانوں کے درمیان ایسے بداندیش اور بدخواہ اور مسلمانوں کے دشمنوں کے لئے دردناک عذاب ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور اس عذاب کی حقیقت اور طریقہ آمد کو مدت وقت کو صرف اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے اور تم انسان بالکل اس حکمت وحقیقت کو نہیں جانتے اور تم سب لوگ بس یہ یاد رکھو کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تم پر تو ان حرکات خبیثہ اور تائید احمقانہ کی بناء پر تم بھی نہ بچ سکتے اس عذاب الیم سے اور یہ فضل و رحمت اور ڈھیل و مہلت سب کچھ اس لئے ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نرمی اور آرام دینے والا بھی ہے اور ہر وقت رحم فرمانے والا بھی۔

تیسرے رکوع میں تین باتیں ارشاد ہوئیں

ا۔ فحاشی عریانی، بے ایمانی، بے غیرتی اور منافقانہ شرارتوں کی برائیوں اور ذلتوں، سزاؤں کے ذکر کے بعد اب بتایا جارہا ہے کہ یہ سب کچھ کیوں، کیسے اور کیا ہے تو سمجھایا گیا کہ یہ سب اخلاقی، ذہنی، طبعی، میلانی، کرداری، بددیانتی، خباثت و ذلالت،

marfat.com

کمینگی، گھٹیا پن کی برائیاں ابلیس شیطان کے چال چلن وسوسے اور ورغلانے کی وجہ سے ہیں وہ دنیا کے ہر انسان خاص طور پر مسلمانوں کو صراط عزت دنیوی اور عظمت اُخروی کی استقامت اور یقین صادق و دین قیم سے ہٹانے، گمراہ کرنے کی سر توڑ کوشش کرتا ہی رہتا ہے اور کرتا رہے گا لیکن اے ایمان والو! تم اللہ، رسول، شریعت، طریقت، عبادت، تلاوت کے سائے میں ہی حیات دنیوی گزارنا اور خبردار شیطان کے پیروں میں نہ چلنا نہ شیطان کے قدموں کی اتباع اور پیروی کرنا اور جو بھی مسلمان مرد ہو یا عورت شیطان کے قدموں میں چل کر اس کی ہر بات کی پیروی کرے گا تو اسے یہ بات یاد رکھنی چاہئے بیشک وہ شیطان اپنے پیروکاروں کو فحاشی اور بے حیائی کا ہی مشورہ وسوسہ دیتا ہے۔ کتنے ہی حالات وواقعات اور شیطانی واردات تم پر سخت سے سخت گزر چکے ہیں لیکن تم بچالئے گئے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل تم سب مومنوں مسلمانوں پر نہ ہوتا اور اس کی مددگار رحمت تمہارے پاس نہ آتی تو تم ہزار علموں عقلوں کے باوجود تم میں سے کوئی بھی اس شیطان اور شیطانی وسوسوں ورغلاہٹوں سے نہ بچ سکتے نہ اس کی گندگیوں سے بچ کر ہٹ کر پاکیزہ رہ سکتے تھے اور لیکن اللہ تعالیٰ ہی شیطان سے بچاتا، اس کی غلاظتوں سے پاکیزہ رکھتا ہے بندوں میں سے جس کو پاک رکھنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر بندے کی ہر قلبی عقلی توبہ کرنے کو بھی سننے والا اور توبہ کرنے والوں کی سچی پکی ہر قسم کی نیت کرنے کو جاننے والا ہے تو دنیا و آخرت میں ہر شخص کا وہ خود فیصلہ فرمانے والا ہے۔ لہٰذا تم میں سے کوئی بھی خوش نصیب بندہ جو اَفْضَلُ الْخَلْقِ بَعْدَ الْاَنْبِیَاءِ کی فضیلت والا بھی اور دولت مند بھی بنایا گیا ہے۔ اپنے کسی کم عقل قرابت دار کی ایذاء رسانی کی وجہ سے ناراض و دلبرداشتہ ہو کر قسم نہ کھالیں اس بات سے کہ اپنے ان مساکین مہاجر مفلس قرابت داروں کی مالی مدد نہ کرے گا۔ فی سبیل اللہ، راہِ خدا کے صدقات وخیرات اور چاہئے کہ اس اور اس کائنات کی فضیلت و دنیا کی دولت دے۔ ہمارے پاکیزہ بندوں کو چاہئے کہ اپنے مہاجر قرابت داروں، مسکینوں کو ایذاء پہنچانے والوں کو معاف کر دیں اور سابقہ ان کی کم عقلی کی ایذاء رسانیوں سے درگزر کریں اور اپنی نہ دینے والی قسم توڑ کر حسب سابق ان قرابت داروں پر فی سبیل اللہ صدقات، خیرات، عطیات مالی امداد بحال کر دیں۔ اے فضیلت و دولت والو! کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ اس نیکی وخیرات کے عوض اللہ تعالیٰ تم کو بھی دونوں جہان کی مغفرت اور عافیت عطا فرمائے اور اللہ تعالیٰ ہر چیز بخشنے والا اور چادرِ رحمت میں چھپانے والا ہے اور ہر گھڑی ہر طرح ہر ایک بندۂ مخلص پر رحم فرمانے والا ہے۔ ۲۔ اب تا قیامت ہر مسلمان کے لئے قانونِ اسلامی بیان فرمایا جارہا ہے کہ وہ لوگ بدخصلت جو پاکدامن پردہ نشین محفوظ اور برائی کے تصور سے بھی ناواقف اور دنیا کے جھمیلوں سے غافل مومنہ صالحہ عورتوں کو قطعاً جھوٹی تہمتیں لگا دیتے ہیں۔ محض کسی ذاتی شیطانی دشمنی اور انتقام کی خاطر۔ ایسے بدذات لوگ لعنت کئے گئے دنیا میں بھی سزائے ذلت پا کر اور تاعمر ذلیل و بے اعتبار جھوٹے کذاب بن کر اور آخرت میں بھی ذلت ورسوائی کا عذاب پا کر اور یہ دنیا و آخرت کی سزا کچھ تھوڑی چھوٹی معمولی نہیں ان کے لئے یہ بہت بڑا عذاب ہو گا۔ پاکدامن صالحات جنہوں نے اپنی عفت کی حفاظت قائم رکھی، ان کی عزت کو تو ہم ان تخریب کار شرانگیز فتنہ پرور لوگوں سے ہم بچا ہی لیں گے کیونکہ انہوں نے شریعت کے لئے اپنی عفت عصمت کی حفاظت کی تو رب تعالیٰ نے ان کی عزت کی حفاظت فرمائی مگر ان شرارت باز کمینہ خصلت لوگوں کا اس دن کون مددگار و محافظ ہو گا جس دن ان پر یعنی ان کے خلاف ان کی وہی

marfat.com

زبانیں گواہی دیں گی اور ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان تمام کاموں کو بیان کر کے جو وہ اپنی زبانوں، اپنے ہاتھوں پیروں سے اس طرح کی ذلیل حرکتیں دنیا میں کرتے ہیں کہ ان کی زبانوں کی تقریروں، ہاتھوں کی تحریروں اور پیروں کی تحریکوں سے نہ کسی کی عزت محفوظ تھی نہ عفت۔ قیامت کے دن زبانیں اور ہاتھ پاؤں بولیں گے۔ اس دن پورا پورا بدلہ دے گا اللہ تعالیٰ ان کے عقیدوں اور کرتوتوں کا حق بدلہ۔ آج تو ہزار بار سمجھانے کے بھی ذلیل وکمینہ حرکتوں سے باز نہیں آتے اور اس دن جانیں گے اور ان کو پتہ چلے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی حق سچ اور پورا عدل وانصاف کا فیصلہ فرمانے والا ہے اور دنیا کے ہر اچھے برے عمل کو خوب کھول کر بیان فرمانے والا ہے۔ ۳۔ دنیا میں اگر چہ یہ ظاہر نہیں مگر حقیقت صادقہ یہ ہے کہ خبیث عادتیں اور خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے پسندیدہ ہیں اور خبیث مرد ہی ہیں خبیث عادتوں چیزوں اور خبیث عورتوں کے لئے پسندیدہ۔ ایسے ہی طیب عورتیں اور طیب عادتیں، طیب مردوں کے لئے ہی فطرت وقدرت نے ودیعت ثابت رکھی ہیں اور طیب مرد ہی طیب عورتوں وعادتوں کو پسند کرنے والے ہیں۔ یہ طبعی محبت ونفرت قدرت وفطرت کی مناسبت سے ہے۔ اسی بناء پر دوستی محبوبیت وانسیت قائم ہوتی ہے یہ دائمی اور حقیقی اصلی محبت کا راز ہے۔ لہٰذا شیطانیت پسندیدہ فطرت لوگوں کا پاکدامن مردوں عورتوں کو تہمت کی الزام تراشی کرنے سے یہ طیبون اور طیبات دنیا وآخرت میں بری الذمہ ہیں۔ ان تمام لغویات وکذبیات سے جو خبیث الخصلت لوگ ان پاکیزہ طیبات وطیبون کے لئے کہتے بکتے پھرتے ہیں۔ ان پاکیزہ محفوظہ ہستیوں کے لئے تو دنیا میں مغفرت اور آخرت میں رزق کریم ہے۔

چوتھے رکوع کی آٹھ آیتوں میں پندرہ باتیں ارشاد ہوئیں

۱۔ پہلے بدکاری کے جرم وگناہ اور ان کی سزائیں دنیوی اُخروی بیان فرمائی گئیں۔ اب بدکاری، فحاشی بے غیرتی، بے حیائی کے سدباب کے طریقے بتائے جارہے ہیں۔ بدکاری، بے غیرتی تین طریقوں سے آتی اور سرزد ہوتی ہے۔ **اولاً**۔ عورت ومرد کی بے پردگی، بے حجابی چہرہ کشائی۔ **دوم**۔ عورت ومرد کی خلوت تنہائی۔ **سوم**۔ عورت ومرد کی بے تکلف بات چیت گفتگو۔ فرمایا جارہا ہے اے ایمان والو مردوں، عورتوں! نہ داخل ہو تم گھروں میں۔ خیال رہے کہ گھر پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ **پہلا گھر**: اپنا ذاتی رہائشی تالا بند گھر یعنی جس میں عورت یا مرد تنہا اکیلی رہائش پذیر ہو جب کہیں جانے کے لئے نکلے تو تالا لگا کر نکلتے ہوں۔ **دوم**: اپنی بہو بیٹیوں کا گھر۔ **سوم**: اپنی بیوی کا رہائشی گھر۔ **چہارم**: اپنے دوستوں، رشتے داروں کا گھر۔ **پنجم**: ہوٹل، سرائے، عام مہمان خانے۔ ان پانچوں گھروں میں رہنے اور داخل ہونے کے مختلف آداب ہیں۔ یہاں انہی آداب کی طرزِ اسلامی سکھائی بتائی جارہی ہے۔ یہ آداب بجز اسلام کسی کی دینی مذہبی کتاب نے نہ سکھائے جس نے بھی ان آداب کو اپنایا ہوا ہے وہ اسلام سے ہی سیکھ کر سن کر اپنایا ہے۔ ۱۔ پہلی بات فرمائی گئی کہ اپنے دوستوں، رشتے داروں، بہو بیٹیوں کے گھروں میں ایک دم بلا دھڑکہ، بغیر پیشگی اطلاع یا بلا اجازت داخل مت ہو جایا کرو۔ ۲۔ ہاں خالص اپنے رہائشی گھروں میں ہر وقت ہر طرح داخل ہو سکتے ہو مگر دیگر گھروں کے اندر اس وقت قدم رکھو حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا۔ (نور: ۲۷) جس وقت تم اجازت کا قولی وعملی اشارہ پالو۔ ۳۔ پھر بھی اجازت ملنے کے بعد بھی داخل ہونے سے پہلے آواز بلند محبت بھرے انداز

آداب میں سلام کیا کرو ان گھر والوں پر وہ طریقہ ہی تم سب مسلمانوں کے لئے ہر طرح بہتر ہے تا کہ تم سب نصیحت حاصل کر لو۔ ۴۔ فرمایا جا رہا ہے اگر تم کسی گھر کے دروازے پر جا کر کسی بھی مروجہ انداز میں اجازت طلب کرتے ہو دروازہ کھٹکا کر یا گھنٹی بجا کر یا آواز دے کر تو بھی اس وقت تک گھر میں نہ جاؤں جب تک کوئی شخص اندر سے اجازت کی آواز یا اشارہ نہ دیدے اور اگر کسی کو گھر میں نہ پاؤ یا نہ محسوس کرو تو اندر داخل مت ہو۔ یہاں تک کہ اجازت دی جائے تم کو اگرچہ اندر کی خاموشی میں کتنی ہی دیر لگ جائے۔ ۵۔ اور اگر اندر سے کہا گیا ہو کہ اجازت نہیں ہے تم کو اس وقت لہٰذا لوٹ جاؤ تم فوراً دروازے سے ہی لوٹ جاؤ۔ اسلام کے اس فراخدلانہ حکم پر عمل کرنا تم سب مسلمانوں کے لئے بہت ہی پاکیزہ اخلاق والا عمل ہے۔ ان احکام میں ہی آداب معاشرے کی پاکیزگی ہے۔ ۶۔ اے پیارے نبی ان مومن مسلمانوں کو تہذیب و اخلاق سکھاتے، بدلگامی سے بچاتے ہوئے اور بدکاری فحاشی روکنے کے لئے یہ حکم بھی فرمایئے کہ راستہ چلتے ہوئے یا سرے راہ بیٹھے ہوئے یا دکانوں پر کھڑے ہوئے اپنی نگاہوں کو جھکائے رکھیں نہ کبوتر بازوں کی طرح نگاہیں آسمان پر چڑھا کر رکھیں نہ اوباشوں، بدمعاشوں کی طرح کوٹھوں، چباروں پر رکھیں نہ راہگیروں کو تاڑ تاڑ دیکھیں۔ ۷۔ اور یہ حکم بھی فرمائیں کہ ہر مومن بندہ خلوت وجلوت میں اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتا رہے تا عمر ستر ڈھک کر بھی اور بدکاری سے بچا کر بھی خلوت میں جنات وملائکہ سے شرم کرے اور جلوت میں اپنوں پرایوں سے شرم کرے۔ اس حکم اسلامی پر عمل کرنا بھی ان سب کے لئے اخلاق واعمال کی پاکیزگی ہے۔ ۸۔ ان سب مومن مسلمانوں کو ہمیشہ یہ عقیدہ حقیقیہ صادقہ بھی قائم رکھنا چاہئے کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمام بندوں کے ہر اس اچھے برے، ظاہر و پوشیدہ، صبر و رضا والے اعمال واقوال کی خبر رکھنے والا ہے جو وہ کرتے ہیں۔ ۹۔ اور اے محبوب نبی آپ ایمان والی تمام عورتوں کو قیامت تک یہ قانونی حکم فرمادیجئے کہ وہ بھی راستہ چلتی اپنی نگاہوں کو نیچا رکھا کریں اور ہر وقت ہر طرح اپنی فروج کی حفاظت کرتی رہیں۔ حفاظت قائم کرنے کے چھ طریقے بتائے جا رہے ہیں۔ (۱) زیادہ تر گھروں میں رہیں۔ (۲) اگر بامر مجبوری ضروریات حیات کے لئے نکلنا پڑے تو آتے جاتے گھر کی دہلیز سے دہلیز تک نگاہیں نیچی رکھیں۔ (۳) اپنی قدرتی خوبصورتی و بناوٹی زینت کو اچھی طرح چھپا کر نکلیں۔ (۴) صرف ان خوبصورتیوں کے ظاہر ہو جانے کی معافی ہے جو خود بخود ظاہر ہو جاتی ہے جیسے ہاتھوں، پیروں کی قدرتی یا بناوٹی خوبصورتی و زینت۔ (۵) اور ہر مسلمان عورت پر واجب ہے کہ موٹی موٹی چادروں کے دوپٹے بنا کر اس طرح اپنے سروں پر ڈالیں کہ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ ان کے گریبانوں، گردنوں پر بھی آجائیں یعنی لمبا گھونگھٹ نکل آئے اور جب موٹی بھاری چادر کو سر پر ڈال کر گھونگھٹ نکالا جاتا ہے تو لازماً سر پر ٹھہرانے کے لئے پیٹھ پر بھی ڈالنی پڑتی ہے۔ عَلٰی جُیُوْبِهِنَّ فرما کر عورتوں کی پیٹھ، گردن، سر، چہرہ، گریبان اور سینہ سب ڈھکنے چھپانے کا حکم بتا دیا گیا اور یہی اسلامی پردہ ہے۔ قرآن مجید میں اسی پردہ کا یہاں اور دیگر آیات میں ذکر کیا گیا۔ (۶) ہاں البتہ بجز چند مردوں کے ان پر اپنی قدرتی و بناؤ سنگھار کی خوبصورتی و زینت ظاہر کر سکتی ہیں۔ لہٰذا ارشاد فرمایا گیا اور کسی پر بھی اپنی کوئی زینت ظاہر نہ ہونے دیں مگر اپنے شوہروں کے لئے اپنے سگے حقیقی باپ دادوں کے لئے یا اپنے سگے حقیقی سسر کے لئے یعنی اپنے شوہروں کے باپ دادے یا اپنے سگے حقیقی جوان یا اپنے خاوندوں کے کسی دوسری بیوی سے سگے بیٹوں کے لئے یا اپنے سگے بھائیوں کے لئے یا

marfat.com

اپنے سگے بھتیجوں کے لئے یا اپنے سگے بھانجوں کے لئے یا اپنی مسلمان سہیلیوں کے لئے یا اپنی زرخرید لونڈیوں کے لئے اپنے خسر او نامرد نوکروں کے لئے یا ان نابالغ عام اجنبی بچوں کے لئے جو ناواقف ہیں۔ عورتوں کی پوشیدہ شرمگاہوں سے ان بارہ (۱۲) قسم کے مردوں سے پردہ کرنا ضروری نہیں ان کے سامنے چہرہ کھلا آسکتی ہیں اگرچہ بناؤ سنگھار کیا ہو۔ ۱۰۔ حکم فرمایا گیا کہ اور تمام مسلمان عورتوں کو یہ بھی حکم لازمی واجبی فرما دیجئے کہ اپنے پیروں میں جھانجر پازیبیں پہن کر پاؤں مارتی جھانجن گھنگھرو چھنکاتی ہوئی بھی نہ نکلا کریں اگر مجبوراً کہیں چل کر ان مسلمان عورتوں کو جانا پڑے تو جھانجر، جھانجن پازیبیں گھر اتار کر باہر جایا کریں تا کہ ایسا نہ ہو کہ بوجہ جھنکار بلا ارادہ اٹھتی نگاہوں سے جان لیا جائے اس کو جو انہوں نے موٹی چادروں، موٹے دوپٹوں سے پردہ کر کے جس زینت کو چھپایا ہوا ہے اور پردے کا مقصد ہی فوت ہو جائے۔ ۱۱۔ ان تمام پردوں، پابندیوں، شرموں، حجابوں کے باوجود اے تمام ایمان والے مردو، عورتو اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں سچی پکی توبہ کرتے رہو مل کر سب ہر وقت تا کہ تم دنیا آخرت قبر و حشر میں عزت و انعام پانے میں پورے کامیاب ہو جاؤ۔ ۱۲۔ اور بے غیرتی، بے حیائی، فحاشی کے جرائم سے معاشرۂ اسلامیہ کو بچانے کے لئے ایک یہ بھی حکم دیا جاتا ہے کہ اے گھر کے سرکردہ والی وارثو تم اپنے بال بچوں میں سے ایّم مرد ایّم عورت کا کہیں اچھا رشتہ ہم کفو دیکھ کر جلدی جلدی نکاح کر دیا کرو۔ ۱۳۔ اور اپنے نیک چال چلن غلاموں اور لونڈیوں کا بھی نکاح کر دیا کرو۔ اگر یہ سب بغیر بیوی والا مرد اور بغیر خاوند والی عورت اور بن بیاہے لونڈی، غلام غریب ہوں تو تم والدین اور آقاؤں مالکوں پر ہی اس حکم نکاح کی ذمہ داری ہے پھر بعد میں تم بڑے والی وارثوں کی غربت و فقیری اور گھریلو نان نفقہ کی فکر نہ کرو۔ یہ اپنی ذرا سی ذمہ داری سمجھیں تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و کرم سے غنی و مالدار کر دے گا اور اللہ تعالیٰ وسعت فرمانے والا ہے اور ہر ایک کے ہر حال کو ہر وقت جاننے والا بھی ہے اور البتہ ان غریب محتاجوں کو خود بھی چاہئے عبادت، تلاوت، روزوں، نمازوں، فکر الٰہی میں ہمہ وقت مصروف و مشغول ہو کر اپنی اپنی عفت اور پاکدامنی کو بچا کر رکھیں جب تک کہ نکاح کرنے کی ہمت و دولت اور رشتہ نہ پائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو غنی مالدار کر دے کیونکہ جب مشغولیت عبادت ہوگی تو نگاہیں محفوظ ہوں گی نیچی رہیں گی اِدھر اُدھر نہ اٹھیں گی جب نگاہیں محفوظ ہوتی ہیں تو ان کی نیتوں میں فتور نہیں آتا جب نیتیں پاکیزہ ہوں تو تفکر عقلی میں شیطانیت نہیں آتی۔ ۱۴۔ اور وہ غلام لوگ جو اپنی غلامیت کو ختم کرنا چاہتے ہوں اور اپنی قیمت اپنے مولیٰ کو ادا کر کے آزاد مکاتب بننا چاہتے ہوں تو ان میں سے اے مومن مسلمانوں جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں ان کی خواہش و تمنا پوری کرتے ہوئے ان کو مکاتب بنا دو اگر تم نے ان میں ہر طرح کی شرافت و بھلائی جان لی ہو کہ آزاد ہو کر اور بدمعاش آوارہ ایذاءرساں چور ڈاکو نہ بنے گا اور وہ معاہدے کے مطابق محنت مشقت مزدوری کر کے اپنی قیمت یا جو رقم مفاہمت میں مقرر کی گئی ہے پوری ادا کر دے گا اور تم لوگ ان غلاموں پر مزید مہربانی کرتے ہوئے ان کی مالی امداد کرو کہ اپنے اس مال میں سے جو اللہ تعالیٰ نے تم کو عطا فرمایا ہے بطور زکوٰۃ، صدقات، خیرات، عطیات ان کو دو تا کہ وہ تم کو ہی پھر واپس دے کر معاہدۂ کتابت کی رقم سے جلدی چھٹکارا پا کر آزاد مکاتب بن جائیں۔ پس تم اپنے زکوٰۃ خیرات لے کر اپنے اپنے مولیٰ کو رقم مکاتبت کی جلدی جلدی ادائیگی کر سکیں۔ ۱۵۔ اور اے مسلمانو! خبردار کمینہ لوگوں کی طرح تم اپنی لونڈیوں کو

marfat.com

کرائے اجرت کی رنڈی، کنجری بننے بدکاری کرانے پر مجبور نہ کرو نہ ناچ گانے کی کمائی کرنے پر مجبور کرو۔ اگر وہ لونڈیاں خود بھی پاکیزہ شریف اور نیک رہنا چاہتی ہوں اور تم صرف اس لالچ میں ان مجبور شریف لونڈیوں کو بدکاری، ریاکاری، فحش حرکات پر لگاؤ کہ تم ان کی حرام کاریوں سے حیات دنیوی کا مال و دولت حاصل کرتے رہو اور یہ بات گوش و ہوش سے سن لو کہ جو کمینہ انسان ان نیک خصلت لونڈیوں کو رنڈی بازی پر مجبور کرے گا تو وہ مردود کمینہ شخص ہی قابل لعنت ملامت ہے کیونکہ بیشک اللہ تعالیٰ ان بے کس، بے بس، مجبور لونڈیوں کو ان کے مجبور کیے جانے کے بعد بھی ان کو بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے اور اے مسلمانوں البتہ بیشک نازل فرما دیں ہم نے تمہاری طرف احکام اسلامی اور قانون شریعت کی آسان فہم کھلی کھلی آیتیں جو ہر اچھائی برائی کو ظاہر کرنے والی ہیں اور ہم نے نازل کر دیئے ان لوگوں کے قصے کہاوتیں مثالیں بھی جو تم سے پہلے اپنی نافرمانیوں، بدکاریوں میں عمریں گزار گئے تباہ و برباد زندگی ختم کر کے ہلاک ہو گئے اور ان آیتوں میں متقین مومنین کے لئے نصیحتیں نازل فرمائی ہیں ہم نے۔ اب تمہارا کام ہے نصیحت لینا، عبرت پکڑنا۔

پانچویں رکوع کی چھ آیتوں میں سات چیزیں بیان فرمائی گئیں

۱۔ اللہ تعالیٰ کی صفت نور مثال بیان فرمائی گئی اور تا قیامت غلاموں کو سمجھایا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہی آسمانوں اور پوری زمین میں ہدایت و توفیق کی سعادات کا نور و روشنی ہر مخلوق کو دینے والا ہے۔ اس کی روشنی دینے کے بغیر کوئی مسلمان نہ گناہوں، جرموں، ظلموں، فسق و فجور سے بچ سکتا ہے نہ شرعی دنیوی سزاؤں، ذلتوں سے نہ اُخروی عذابوں سے۔ دنیا میں ان کے نور ہدایت کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک طاق، اس طاق میں چراغ اور چراغ ایک صاف و شفاف شیشے کے فانوس چمنی میں اور وہ پورا فانوس اس چراغ کی روشنی لئے ہوئے ایسا ستارہ چمکدار گویا خوبصورت موتی۔ چراغ روشن کیا گیا ہو شجر زیتون مبارک کے صاف ستھرے تیل سے وہ چراغ نہ صرف مشرق و شرقیوں کے لئے نہ صرف مغرب و اہل مغرب کے لئے تین طرف سے نہاں ایک طرف سے عیاں۔ اتنا چمکدار ایسا روشن اتنا قریب لگتا ہے کہ جل اٹھے اگرچہ نہ چھوئے اس کو آگ۔ خود بخود نور ہی نور ہے۔ روشنی پر روشنی ہے۔ ہدایت کا موجد کارسازی کا منبع، مخلوق کا مدبر نور کائنات ہے۔ یَهۡدِی اللّٰهُ بلا لیتا ہے اپنے نور کی طرف اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے اور انسانوں کے لئے آسانیاں پیدا فرماتا ہے مثالیں سمجھا کر اسرار و حقائق کے رازِ پنہاں کو آشکار و عیاں فرما کر۔ یہ تمام مثالیں صرف بندوں کے لئے ہیں اور اللہ تو ہر چیز کو جاننے والا ہے ہمیشہ سے ہمیشہ تک تو سمجھ لو کہ کلام اللہ نور ہے جو خود بھی ظاہر اور جہاں وہ ہو وہ بھی ظاہر۔ مشکوٰۃ سینۂ مصطفیٰ ہے زجاجہ قلب مصطفیٰ ہے، مصباح نبوت مصطفیٰ ہے یعنی سینہ میں نور ہے، نور میں ظہور ہے، قلب و نبوت اتنی چمکدار کہ قلب مثل کوکب اور نبوت دریکتا نایاب و بے مثل موتی سے لَوۡ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ نَارٌ۔ (نور: ۳۵) اگرچہ اعلان نبوت کی شمع نہ جلاتے تب بھی خود بخود آشکار اور سب پر ظاہر ہو جاتی پوری مخلوق کے لئے نہ کہ صرف مشرق یہودیت کے لئے نہ صرف مغرب عیسائیت کے لئے بلکہ آپ کی نبوت پوری مخلوق کے لئے اب نور الٰہی کی چمک ہدایت صرف مشکوٰۃ محمدی کے ایک زجاجہ سے ہی ہر مَنۡ یَّشَآءُ کو ملتی ہے۔ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ جسم اقدس زَیۡتُوۡنَةٍ حدیث مقدس جن کی عملی تبلیغ خود بخود ظاہر کسی شمع نار دنیوی کے وسیلے کی حاجت نہیں۔ ۲۔ زمین پر کچھ گھر ایسے ہیں جن کے

marfat.com

بارے میں اجازت وحکم دیا ہے اللہ تعالیٰ نے کہ وہ گھر عام انسانی رہائشی گھروں سے پاکیزگی، صفائی، خوبصورتی، روشنی، زیب وزینت اور عمارت میں اَنْ تُرْفَعَ۔ ہر اعتبار سے بلند رکھے جائیں اور ان گھروں کو خالص کر دیا جائے اس کے لئے کہ ان میں صرف اس اللہ تعالیٰ کے نام کا ہی ذکر واذکار کیا جائے۔ خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو اپنے رب تعالیٰ کی تسبیحیں پڑھتے ہیں ان مخصوص گھروں میں بوقت فجر اور بوقت مغرب۔ وہ ہی جواں ہمت مرد ہیں کہ جن کو ذرہ بھر غافل نہیں کرتی اس ذکر الٰہی وتسبیح کبریائی سے ان کی کوئی تجارت اور نہ خرید وفروخت اور نمازوں کے قائم کرنے زکوتوں کے دینے میں بھی ان کی یہ دنیوی تجارتیں ان کو نہ غافل کرتی ہیں نہ سست کرتی ہیں نہ تھکاوٹ ڈالتی ہیں۔ ۳۔ وہ خوش قسمت پیار بندے تسبیح وتہلیل ذکر واذکار اور نمازیں پڑھنے زکوتیں دینے میں نہایت ذوق وشوق ہمت ولذت سے ہمہ وقت قلبی ارادوں، عقلی خیالوں، عضوی عملوں میں مصروف ومشغول رہنے کے باوجود ڈرتے رہتے ہیں۔ دنیوی زندگی میں اس سخت دن سے کہ بھڑک جائیں گے جس دن بدنصیب منکروں کے دل اور آنکھیں۔ ۴۔ پیارے متقی نیک جواں ہمت لوگوں کی یہ تسبیحیں، نمازیں، زکوتیں اور خوف آخرت کا خشوع وخشیت صرف اپنے مولیٰ تعالیٰ کی رضا حکم اور خوشنودی کے لئے ہے تاکہ جزائے ثواب دے ان کو اللہ تعالیٰ اس سے بھی کئی گنا اچھی جو دنیا میں اعمال صالحہ کئے ہوں ان نیک بندوں نے اور ثواب کے علاوہ بھی زیادہ عطا فرمائے ان کو اپنے انعام فضل میں سے اور اللہ تعالیٰ تو دنیا آخرت، قبر وحشر میں بھی رزقِ کثیر عطا فرماتا ہے جس کو چاہتا ہے ایسا بے حساب کہ وہ بندہ اس کو اپنے حساب وشمار میں نہیں لاسکتا۔ ۵۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں کافر ہی رہے مرنے تک ان کے تمام اچھے کام چمکتی ریت کے سراب کی طرح ہیں جو کسی کھلے ریگستانی میدانی علاقے میں بکھری پڑی ہو ریگستان کا بھولا بھٹکا پیاسا مسافر گمان کرتا ہے دور سے اس کو ٹھنڈا میٹھا بہتا ہوا پانی تو ایک آس وپیاس لے کر اس کی جانب چل پڑتا ہے یہاں تک کہ جب گرتا پڑتا اس سراب کے قریب آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا۔ یہی حال ان کفار کا ہے کہ غیر مسلم اور غیر ایمان رہ کر بھی اپنی دنیوی اچھی باتوں، خوش اعمالیوں، درست اخلاقیوں پر پھولے سمارہے ہیں۔ ایسا خوش گفتار غیر مسلم کافر بھی اپنے سراب اعمالی میں بدمست حیات دنیوی کے قدم چلتا چلا جارہا ہے اور جب مرنے کے بعد حقیقت اعمال کے قریب آیا تو اللہ تعالیٰ کو قہر وجلال عذاب وعتاب کے ساتھ اپنے قریب پایا۔ پس اس وقت بروزِ قیامت اللہ نے پورا پورا دے دیا ایک ایک پائی کا اس کے تمام اچھے برے اعمال کا حساب اور اللہ تعالیٰ بہت جلدی قیامت قائم فرما کر ہر شخص کا حساب لینے والا ہے۔ ۶۔ کفار کی دوسری کیفیت بیان فرمائی گئی کہ یا حالت کفار دنیا کے اندر بہت سے اندھیروں کے اندر پھنسے ہوئے شخص جیسی ہے اور یہ سب اندھیرے ہر کافر پر تہہ در تہہ ہیں ۔ **ایک**۔ اندھیرا سمندر کا۔ **دوم**۔ سمندر کی گہرائی کا۔ **سوم**۔ چھائی ہوئی مَوْجٌ۔ **چہارم**۔ مِنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ یعنی موجوں پر موجوں کا دبیز پانی۔ **پنجم**۔ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ (نور: ۴۰)۔ ان موجوں پر موجوں کے اوپر گہرے سیاہ بادل۔ **ششم**۔ کالی رات یہ اندھیرے ہیں بعض کے اوپر بعض ایسے سخت سیاہ کہ جب آستین سے ہاتھ نکالے اور اپنے اتنے قریب والی چیز یعنی اپنے ہاتھ کو دیکھنا چاہے تو بھی نہ دیکھ سکے۔ یہ ہیں دنیا میں کافروں اور ایمان والوں کی مثالیں کہ کفار کی حالت۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ (نور: ۴۰) ہے لیکن مومن کی شان نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے۔ ۷۔ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا

marfat.com

(نور: ۴۰) اور حق سچ صدق ویقین ازل وائل یہ ہے جس کے لئے رب تعالیٰ نے نور نہ بنایا تو اس کے لئے کہیں بھی کسی کے پاس بھی نور نہیں ہے کیونکہ ہدایت کا نور لینے میں کسی انسان کی ذاتی عقل علم کوشش کسب سب بیکار ہے۔ ہدایت والا صرف ہی ہو سکتا ہے جس کو اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ کی ہدایت وتوفیق اور کَمِشْكٰوةٍ کے شجر مبارکہ کا قرب اور مصباح فِیْ زُجَاجَه کی روشنی نصیب ہو جائے۔

چھٹے رکوع کی دس آیتوں میں نو (۹) باتیں بیان فرمائی گئیں

۱۔ اے محبوب کیا تم نے دن رات یہ نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے لئے تسبیح بولتے ہیں وہ تمام فرشتے حور وغلمان جو آسمانوں میں ہیں اور تمام جنات وانسان، چرند درند، کیڑے مکوڑے جو زمین میں رہتے ہیں۔ ۲۔ اور وہ سب چھوٹے بڑے پرندے جو صَافَّاتٍ ہواؤں میں اڑنے پھرنے والے ہیں ان میں سے ہر ایک جاندار نے جان لی ہے اپنی اپنی عملی نماز اور اپنی زبان کی تسبیح اور اللہ تعالیٰ ہر جگہ ہر وقت ان سب کی نمازوں، تسبیحوں، نیتوں کو ہمیشہ سے جاننے والا ہے اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہی ملک ہے تمام آسمانوں اور پوری زمین کا۔ ملکیت سلطنت خلقت ہونے کے ہر اعتبار سے۔ ۳۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی سب جنات وانسان کا لوٹنا ہے بعد موت دنیوی زندگی میں یہ جنات وانسان خواہ کتنا ہی رب سے دور بھاگتے پھریں قسمت والا تو وہ ہے جو اس زندگی میں ہی اپنی خوشی سے اللہ تعالیٰ کی طرف ہر وقت رجوع کرتا رہے۔ ۴۔ اور اے محبوب کیا تم نے دن رات یہ نظارۂ قدرت بھی اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی یُزْجِیْ۔ دھکیلتا ہے بادلوں کو پھر ان بادلوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑوں کو یُؤَلِّفُ جوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرتوں سے پھر اللہ تعالیٰ بنا دیتا ہے ان تمام جڑے ہوئے سب ٹکڑوں کو رُکَامًا بڑا ڈھیر تہہ پر تہہ موٹا ڈبل ضخیم تو پھر دیکھتے ہو تم سب لوگ وَدْقَ۔ موٹی موٹی بوندوں والی بارش کو جو نکلتی ہے اس سَحَابُ بادل کے بیچ میں سے۔ ۴۔ اور وہی اللہ تعالیٰ نازل فرماتا ہے ان آسمانوں کی طرف سے آسمان جیسے بلند بادلوں سے کچھ پہاڑوں پر مسلسل برف جو پہاڑوں پر پہاڑوں کی طرح ٹھہرتی جمتی ہے۔ جس سے وہ دائمی برفستاں اور برفانی علاقہ بن جاتا ہے۔ ۵۔ تو پھر اللہ تعالیٰ جس پر چاہتا ہے بارش برساتا ہے اور برف باری ڈالتا ہے اور جس پر چاہتا ہے ان بارشوں برفوں کے ذریعے عذاب ومصیبت بنا دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ان کالی گھٹاؤں کو بلا برسے بغیر بوند باندی خشک ہی کسی اور طرف پھیر دیتا ہے اور وہاں کے باشندے ترستے دعائیں کرتے ہی رہ جاتے ہیں کیونکہ یہ ہوائیں، فضائیں، بادل بارشیں، برفیں، خزائیں۔ خشک سالیں، بہاریں سب ہمارے حکم کے تابع اور منتظر رہنے والے ہیں۔ ۶۔ کبھی ایسا بھی ممکن وقریب ہے کہ ان بادلوں کی بجلی اور بجلی کی تیز کڑکتی چمکتی روشنی لوگوں یا جانوروں کی نظر بصارت کو لے جائے۔ ۷۔ اللہ تعالیٰ ہی موسموں، علاقوں میں رات اور دن کو بدلتا ہے کہ ایک ہی علاقے میں کبھی کسی موسم کے آنے سے دن چھوٹا کسی موسم میں رات چھوٹی اور زمین کے مختلف علاقوں میں بیک وقت کہیں دن نکلا ہوا ہے کہیں رات چھائی ہوئی ہے۔ بیشک ان تمام ۱۔ مخلوق کی عبادتوں۔ ۲۔ آسمانوں اور زمین کی سلطنت الٰہیہ کے ہونے۔ ۳۔ بادلوں کے۔ ۴۔ بننے۔ ۵۔ بکھرنے۔ ۶۔ جمع ہونے۔ ۷۔ بارشیں برسنے۔ ۸۔ برفیں پڑنے۔ ۹۔ اور کالی گھٹاؤں کے کہیں برس جانے ۱۰۔ کہیں بغیر برسے ہوئے ہی نگاہوں کو

marfat.com

ترساتے ہوئے نکل جانے ،۱۱: اور بجلی چمکنے، کڑکنے، آنکھوں کو اندھا کرنے، ۱۲: رات و دن کے آنے جانے، چھوٹا بڑا ہونے۔ کہیں ہونے کہیں نہ ہونے میں البتہ بہت بڑی سوچنے سمجھنے کی عبرت ہے صرف قلب وعقل کی آنکھوں والوں کے لئے۔

۸۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہر جاندار کو نطفے کے پانی سے تو ان تو ان جانداروں کی زمین پر باعتبار چلنے پھرنے کے اور اپنی جانداری دابیہ کا اظہار کرنے کے لئے تین قسمیں کردی گئیں پس کچھ ان میں سے وہ جاندار ہیں جو چلتے ہیں اپنا پیٹ زمین کے ساتھ لگا کر۔ اگر چہ ان کے کئی کئی پیر ہوں یا بالکل بھی نہ ہوں جیسے کیڑے مکوڑے سانپ بچھو اور ان میں سے کچھ وہ جاندار ہیں جو چلتے ہیں زمین پر دو پیروں سے جیسے تمام پرندے اور انسان اور ان میں سے کچھ جاندار وہ ہیں جو چلتے ہیں چار پیروں سے جیسے تمام درندے، چرندے، چوپائے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کی قدرتیں حکمتیں ہیں۔ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ۔ پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو جیسا چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اپنے ہر عمل، فعل، قول، حکمت، خلقت، فیصلے، ارادے پر ہر وقت ہمیشہ سے ہمیشہ تک قادر وقیوم، قدرت وندرت، صنعت بدائت والا ہے۔ ۹۔ البتہ بشک ہم نے تو سب آیتیں ہی کھول کر صاف صاف ہر حرف وحکایت قصہ وقانون حکمت وقدرت کو بیان کرنے والی عام فہم نازل فرمائی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے نور قرب اور سعادت ایمان کی صراط مستقیم کی طرف جس کو چاہتا ہے اور عجیب احمقانہ حال ہے کچھ لوگوں کا کہ موہنوں سے تو کہتے ہیں ہم بالکل سچا پکا ایمان لے آئے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور ہم ہر حال میں ہر وقت مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ ان زبانی قولوں، باتوں کے باوجود اور ہر طرح مسلمانوں کو اپنے ایمان واطاعت کا یقین دلانے کے بعد پھر ایک گروہ ذراسی بات پر دین ایمان، اطاعت وعبادت سے منہ پھیر لیتا ہے۔ لوگ ان کی چرب زبانی سے سمجھ لیتے ہیں کہ سچے مخلص مومن بن گئے ہیں اور اب مرتد ہوگئے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ شروع دن سے ہی مومن نہ بنے تھے صرف مفاداتِ اسلامی حاصل کرنے کے لئے منافقانہ چال چل رہے تھے۔ ان منافقوں کی اس منافقانہ چالوں کا ان کی ان حرکتوں خباشتوں سے بھی پتہ لگ جاتا ہے کہ جب بلائے جائیں یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی عدالت عالیہ کی طرف تاکہ ان کے آپسی جھگڑوں تنازعوں کا رسول اللہ فیصلہ فرمائیں۔ جب اس طرح ظاہر ہوجاتے ہیں کہ ان منافقوں میں سے ایک گروہ اپنی ظلم زیادتی غلطی کو جاننے کی وجہ سے اس عدالت اسلامیہ کے حق وانصاف کے فیصلہ ہوجانے اور منافقوں کی غلطی ظاہر ہونے ان کے خلاف فیصلہ ہونے کے خوف وجھجک کی وجہ سے آنے فیصلہ کرانے سے ڈر کر منہ پھیرتے ہوئے آنے سے انکار کرتے ہیں اور اگر کبھی یہ سمجھتے ہوں کہ اس مقدمے اور جھگڑے ہیں وہ حق بجانب ہیں اور فیصلہء رسول پاک ان کے ہی حق میں ہوگا تو جلدی حاضری بارگاہ ہو جاتے ہیں۔ نہایت مخلصانہ عاجزانہ سر جھکائے ہوئے۔ اے مسلمانو! ان منافقوں کی حالتیں دیکھ کر خود ہی اندازہ لگالیا کرو کہ کیا ان کے دلوں میں منافقت کفر کی بڑی مہلک بیماری ہے یا مذبذب لوگوں کی طرح شک میں مبتلا ہیں یا اس کفریہ خیال سے ڈرتے ہیں کہ فیصلہ کرتے ہوئے ظلم کرے گا ان پر اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول یہ سب کفر وبدگمانیاں صرف اس وجہ سے نہیں کہ وہ اس جھگڑے تنازعے میں خود ہی دوسرے فریق پر ظلم کرنے والے اس کا حق مارنے والے اور حق مارنے کی کوشش کرنے والے ہیں۔

marfat.com

ساتویں رکوع کی سات آیتوں میں سات باتیں ارشاد ہوئیں

۱۔ منافق کفار کی یہی مطلب پرستی ان کی منافقت کی پکی نشانی ہے مگر ایمان دار مخلصین مومنین کی فقط یہی بہترین عادت صالحہ و علامت صادقہ اور قول المومنین ہے کہ جب بھی وہ کسی جھگڑے، مقدمہ، تنازعے میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف عدالتی فیصلے کے لئے بلائے گئے تاکہ ان کے درمیان مدعی و مدعیٰ علیہ کا بیان سن کر شریعت اسلام کے قانون کا فیصلہ فرمائیں تو فوراً بلاچون وچرا عدالت اسلام میں دوڑے چلے آتے ہیں اور جو بھی رسول اللہ کا فیصلہ ہو ان کے حق میں یا مخالف ذرا دم نہیں مارتے سر نہیں پھیرتے ناک بھوں نہیں چڑھاتے بلکہ سچے مومنین کی نشانی یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ سَمِعْنَا۔ یَا رسولَ اللّٰہم نے پورا فیصلہ سن لیا وَ اَطَعْنَا اور سچے دل دماغ سے اس فیصلے کی تاعمر اطاعت و فرمانبرداری کر لی۔ پس سن لو اے کائنات والو! اور یہی نیک، مخلص، عاجز، مطیع لوگ ہی دونوں جہان میں ہر طرح کی عزت عظمت مراد کی کامیابیاں پانے والے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ازلی ابدی یہ ہی قانون ہے کہ جو شخص اطاعت کرتا رہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم و معظم کی اور سابقہ اعمال سے اللہ تعالیٰ کی خشیت میں رہے اور آئندہ زندگی میں متقی بنا رہے تو اسی خصلت طیبہ کے لوگ عظمتوں کی بلندیوں پر تاابد فائز ہو جانے والے ہیں۔ ۲۔ مخلص و منافق کا دوسرا نشان فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو! اس نشان کو بھی یاد رکھو۔ منافق لوگ دل کے چور اور زبان کے شور اور قسموں کا زور لگانے والے ہیں اور قسمیں کھاتے ہیں اپنے قسمیہ لفظوں کی چرب زبانی زور و شور و تیزی طراری سے کہ اے نبی اللہ رسول اللہ ﷺ ہم کو قسم ہے کہ ہم آپ کے سچے فرماں بردار ہیں آپ حکم تو فرمائیں۔ البتہ اگر آپ ان کو گھر بار چھوڑنے کا حکم فرما دیں تو گھر چھوڑ کر بھی نکل جائیں یہ ہیں ان لوگوں کے زبانی اور حاضر روبرو دعوے۔ اے محبوب آپ ﷺ فرما دیجئے زیادہ قسمیں نہ کھاؤ تمہاری سب اطاعتیں فرمان برداریاں سب میں معروف و مشہور ہیں جو تم ظاہر و پوشیدہ پیٹھ پیچھے کرتے رہتے ہو بیشک اللہ تعالیٰ سب کی خبر رکھنے والا فرما دو قسمیں کھا کھا کر یقین دلانے کی ضرورت نہیں اطاعت کرو فرائض و واجبات میں اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو۔ دین دنیا کی ہر ہر بات میں عملاً قولاً اتباعاً اگر اطاعت میں تم نے کسی وقت بھی منہ پھیر اور کسی مرحلے میں تم نے پیٹھ پھیری تو یاد رکھو کہ نبی کریم ﷺ کا کچھ نقصان نہیں اپنا ہی نقصان کرو گے ان کے ذمے پر تو فقط وہی تبلیغ لازم ہے جو ان پر ڈالی گئی ہے اور تم پر وہ اطاعت امر و اتباع عمل واجب ہے جس کی ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے۔ اگر دنیا و آخرت میں ہر بلا و وبا سے بچنا چاہتے ہو تو بس ان کی اطاعت کرو ہر طرح ہدایت پا لو گے وصل مطلوب کی بھی اِدَانۃِ طریق کی بھی اور یہ بھی سن لو کہ رسول اللہ ﷺ پر صرف یہ واجب ہے کہ کھلی کھلی دین کی ہر بات ہر حکم لوگوں کو سنا دیں پہنچا دیں۔ ۳۔ اور اے مخلص مومن لوگو تم میں سے جو سچا پکا تصدیق قلبی اقرار لسانی سے ایمان لا کر میرے نبی ﷺ کے صحابی بن گئے اور اطاعت و اتباعِ کے اعمال صالحہ کئے ان صحابہ سے اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ البتہ عنقریب ان صحابہ کو خود اللہ تعالیٰ خلیفہ بنائے گا روئے زمین پر بالکل اسی تعداد اسی شان و شوکت اسی طرح دنیوی سلطنت، دینی امامت کے ساتھ جیسے کہ خلیفہ بنایا تھا ان انبیاء علیہم السلام کو جو صحابہ سے پہلے گزرے۔ ۴۔ اور یہ بھی وعدہ ربانی ہے کہ ہر طرح مضبوط و مستحکم فرما دے گا رب تعالیٰ ان کے لئے ان کے اس دین اسلام و شریعت، قرآن کو جو ان کے لئے عالم ازل سے چن لیا ہے اللہ تعالیٰ نے۔ ۵۔ اور یہ وعدہ

marfat.com

بھی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اور ضرور ضرور بہت جلدی اللہ تعالیٰ اصحابہ کرام کو اتنی قوت، سلطنت، عزت وشوکت، رعب ودبدبہ عطا فرمائے گا جس کے ذریعے ان کو بھی بدل دے گا اور ان کے خوف، ڈر کمزوریوں کو امن وسکون سے بدل ڈالے گا اس لئے کہ نہایت مخلص ہو کر میری عبادت کرتے رہتے ہیں ہر حال، ہر مقام، ہر زمان، ہر مکان میں کسی بھی چھوٹی بڑی چیز اور مخلوق کو میرا شریک نہیں بناتے۔ خیال رہے کہ یہاں صحابہ کرام سے تین وعدوں اور پانچ مشابہتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ **پھلا**۔ وعدہ خلیفے بنانے کا۔ **دوم**۔ تمکین دین کا۔ **سوم**۔ تبدیلی حالات کا اور پانچ مشابہتیں۔ **پھلی**۔ یہ کہ جس طرح پہلے خلفاءِ نبوت رب تعالیٰ نے خود مقرر و معین فرمائے۔ اسی طرح خلفاء صحابہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود بنائے۔ **دوم**۔ یہ کہ وہ پہلے خلفاءِ نبوت بھی چار تھے۔ اب یہ خلفاءِ صحابہ بھی چار ہی ہوں گے۔ **سوم**۔ یہ کہ جس طرح انہیں ہر ایک اپنے وقت میں اکیلا پوری قوم کا مستقبل مکمل خلیفہ ذمہ دار تھا۔ اسی طرح ان کے اپنے وقتوں میں یہ سب اکیلے ہی رہے کوئی دوسرا دعویدار نہ ہو سکا۔ **چھارم**۔ یہ کہ جس طرح وہ چار خلفاءِ نبوت دین ودنیا کے حاکم تھے اسی طرح یہ چار خلفاء صحابہ بھی دین دنیا کے حاکم رہے کہ بیک وقت دنیا کے سلطان مصلے کے امام تھے۔ **پنجم**۔ خصائل اور طرزِ حکومت میں مشابہت ان سب کی تفسیر تفسیر عالمانہ میں ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۶۔ آگے ارشاد ربانی ہے کہ جو مومن بن کر پھر کافر بن گیا مرتد ہو گیا تو ایسے سب لوگ فاسق ہو گئے یعنی اللہ رسول سے اور مسلمانوں کے قوم قبیلے، حسب نسب سے کٹ گئے نہ کسی مسلمان سے ان کی نہ نسلیت باقی رہی نہ اہلیت نہ اصلیت۔ ۷۔ اور تا قیامت مسلمانو! مرد وعورت تو ہر نماز کو قائم رکھ کر ادا کرو اور ہر نساب مالی کی پوری طرح حساب کر کے زکوٰۃ ادا کرتے نکالتے رہا کرو اور عمر بھر ہر فرمان میں رسول مکرم ﷺ کی اطاعت کیا کرو تاکہ اللہ رسول کی طرف سے بھی تم دنیا و آخرت میں رحم کئے جاؤ اور اے مومن مخلص مسلمان تو کبھی ایسی بدگمانی بدخیالی نہ کرنا کہ یہ کفار یا منافقین کبھی کسی بات میں اللہ رسول کو عاجز کر سکیں گے۔ یہ تو خود عاجز ولاغر ہیں اور ان کا ابدی رہائشی ٹھکانہ ہی نارِ جہنم ہے اور وہ البتہ بہت ہی ذلت آمیز برا ٹھکانہ ہے۔

آٹھویں رکوع کی چار آیتوں میں چھ باتیں ارشاد ہوئیں

۱۔ اے ایمان والو! اپنے اپنے گھروں کے ہر فرد عورت مرد کو شریعت کا یہ حکم سنا دو اور سختی سے عمل کراؤ کہ گھروں میں آتے جاتے غلام یا نوکر چاکر خدام اور تمہارے نابالغ قریب بلوغ امرد لڑکے بیٹے، پوتے، نواسے یا رشتے دار، محلے دار اس عمر کے لڑکے جن سے باپردہ گھروں میں بھی عام طور پر پردہ نہیں کیا جاتا وہ آئندہ اس نازل شدہ حکم شرعی کے تحت تین وقتوں میں گھروں کے اندر آنے کے لئے باقاعدہ مروجہ طریقوں سے اولاً گھر کے اندر موجود لوگوں سے عورتیں ہوں یا مرد ایک اکیلا ہو یا چند، اجازت لیا کریں۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ سے مختلف تین وقت مراد ہیں۔ پہلا وقت صلوٰۃ فجر سے پہلے، دوسرا وقت دوپہر کا جب لوگ گھر والے قیلولہ آرام کرنے کے لئے غیر ضروری جسمانی لباس کے کپڑے اتار کر سوتے یا سونے کی تیاری میں ہوتے ہیں۔ تیسرا وقت نمازِ عشاء کے بعد کہ یہ تینوں وقت آرام اور کپڑے اتارنے کے ہوتے ہیں اور ہر شریف آدمی پردے ہی میں خلوت چاہتا ہے تو چونکہ اے ایمان والو! یہ تینوں وقت تمہارے لئے عورات یعنی شرم جھجک کی حالت کے اوقات ہیں تم نہیں پسند کرتے کہ اس

marfat.com

وقت کوئی بچہ بھی تمہارے پاس آئے یا کم از کم بلا اجازت بغیر اطلاع گھستا چلا آئے اس لئے تمہارا پروردگار اخلاقیات کے یہ قواعد قانون درس تم کو اور اسلامی معاشرے کے ہر فرد کو تعلیم نبوت کے ذریعے سکھا رہا ہے ان اخلاقیات کی پابندی ہر مسلمان پر واجب ولازم ہے۔ ہاں البتہ ان تین وقتوں کے بعد اگر غلام خدام نابالغ لڑکے بلا اجازت بلا دستک بھی گھروں میں آ جائیں جبکہ لوگ کمروں سے نکل کر گھر کے صحنوں، برآمدوں میں گھریلو کام کاج اور میل ملاقات کے لئے ہی بیٹھے ہوتے ہیں تو اس وقت لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌ (نور: ۵۸) نہ تم پر گناہ ہے ان کو بلا اجازت مانگے آنے دینے میں نہ ان پر گناہ ہے بلا اجازت مانگے گھستے چلے آنے میں۔ اس لئے ان تین وقتوں کے علاوہ باقی دن رات کے اوقات میں وہ تمہارے پاس طَوّٰفُوْنَ بار بار آنے والے چکر لگانے والے ہیں اور ضروری کام کاج کی بناء پر آنے جانے میں مجبور ہیں اور عام وقتوں میں تم بھی بعض بعض کے پاس آنے جانے چکر لگانے ایک دوسرے سے بار بار میل ملاقات پر مجبور ہو لہذا ہر بار اور بار بار اجازت مانگنے کی پابندی لگانے میں مشکل اور تنگی ہے۔ کتنا کریم وشفیق ہے وہ مولیٰ تعالیٰ کہ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ (نور: ۵۸) اس طرح اچھے پاکیزہ عمدہ اخلاق والی آرام وعزت بخشنے والی آیتیں بیان فرماتا ہے تم سب مومن مسلمانوں کے لئے ان اخلاقیات پر عمل کرنے میں علم بھی ہے اور حکمت بھی اور اللہ تعالیٰ علم والا بھی ہے حکمت والا بھی۔ ۲۔ اور جب بھی تمہارے نابالغ خدام نوکر چاکر یا گھریلو بیٹے، پوتے، رشتے دار، محلے دار اور جب بالغ ہو جائیں نوجوان اور جوان ہو جائیں تو وہ ہر وقت دن رات جب بھی کام کاج ملنے جلنے کے لئے گھروں کے اندر آنا چاہیں تو باقاعدہ ان لوگوں کی طرح اجازت لیا کریں جس طرح ان لوگوں کو اجازت لینے کا طریقہ اسی سورۃ نور کی آیت ۲۷ میں لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا کے الفاظ سے سکھایا گیا۔ یہ درس تعلیم بھی اس کا کرم ہے کہ اس طرح سمجھا سمجھا کر بیان فرماتا ہے تم سب مسلمانوں کے لئے اپنی علم وحکمت والی آیتیں اور اس بات کو اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے اور ان پابندیوں کی حکمت وفوائد والا ہے کہ تم لوگ ان پابندیوں، اجازتوں پردہ نشینیوں کے ذریعے کتنی مصیبتوں، بلاؤں، ذلتوں، رسوائیوں، الزام تراشیوں، بہتان بازیوں سے بچ گئے۔ ۳۔ اور وہ بوڑھی کھوسٹ عورتیں جو بوجہ بڑھاپے کے گھر نشین ہو چکی ہوں۔ اب ان کو کسی نئے نکاح رچانے بنانے گھر بسانے کی نہ کوئی آس وامید ہو نہ طاقت وہمت نہ ضرورت۔ تو ان پر شرعاً کوئی گناہ نہ ہے اس بات میں کہ وہ اپنی موٹی چادروں کا گھونگھٹ دار پردہ علیحدہ اتار پھینکیں اور صرف ہلکے دوپٹوں میں ہی منہ کھلا بازار بوقت ضرورت آئیں جائیں۔ بشرطیکہ اس پردہ کھولنے کی شرعی اجازت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائیں اور نہ ظاہر کرنے والی ہوں اپنی بناوٹی خود ساختہ بناؤ سنگھار زینت کو اور یہی بوڑھی عورتیں شرعی اجازت کے باوجود اگر پھر بھی عفیفہ باپردہ ہی رہیں تو دنیا وآخرت میں ان کے لئے بہت ہی کار خیر باعث ثواب وتقویٰ ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شخص مرد وعورت بوڑھے جوان کی ہر بات سننے ہر نیت وعمل جاننے والا ہے۔ ۴۔ اور تین قسم کے مجبور لوگوں پر بہت شرعی احکام بوجہ ان کی مجبوری وکمزوری اپاہجی کے معاف کر دیئے گئے ہیں اگر ان شرعی احکام پر وہ مجبور لوگ عمل نہ کریں نہ کر سکیں تو لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى۔ نہیں ہے اندھے پر کوئی گناہ اور نہیں ہے پیروں سے معذور لنگڑے پر کوئی گناہ اور نہیں ہے سخت بیمار پر جو کسی بھی بخار یا مہلک بیماری میں مبتلا ہو کوئی گناہ مثلاً پنج وقتہ جماعت نماز کے لئے مسجد کی حاضری، آٹھویں دن جمعہ کی حاضری، سالانہ عیدین کی

marfat.com

حاضری یا جہادِ اسلامی میں حاضری وغیرہ وغیرہ۔ ۵۔ اور اے عام مسلمانو تم پر اس بات میں شرعاً کوئی گناہ نہیں کہ تم دن رات اپنے گھر میں سے اپنا ذاتی ملکیتی کھانا کھاؤ یا اپنے والدین کے گھروں میں سے کھانا کھالیا کرو یا اپنی سگی سوتیلی ماؤں کے گھر سے کچھ کھالیا کرو یا اپنے سگے بھائیوں کے گھروں سے یا اپنی سگی بہنوں بہنوئیوں کی دعوتیں اور گھر بھیجے ہوئے کھانے کھالیا کرو یا اپنے چچا تایوں کے گھروں سے یا اپنی پھوپھیوں یا اپنے ماموؤں اور اپنی سگی خالاؤں کے گھروں سے یا جن دوست رشتے داروں قبیلہ برادری والوں یا شریک تجارت والوں نے اپنے گھروں میں تم کو رہائشیں دے کر گھر کی چابیاں تم کو دے رکھی ہیں اس طرح تم کو عارضی مالک بنا رکھا ہے یا تمہارے وہ سب پُر خلوص دوست جو تمہارے کھانے کھانے کو فرحت عزت اور دوستی، رشتہ داری کی مضبوطی سمجھتے ہیں تو تم پر کوئی گناہ نہیں اگر تم ان کے ساتھ مل کر ایک جگہ بیٹھ کر ایک برتن میں کھانا کھاؤ یا علیحدہ علیحدہ پیالیوں، تھالیوں میں ڈال کر یا آگے پیچھے متفرق وقتوں میں کھانا کھاؤ جس طرح دو طرفہ کھانے کھلانے والوں کو سہولت ہو شریعت اسلامیہ نے کوئی واجبی لازمی پابندی نہیں لگائی ہے۔ ۶۔ فَاِذَا دَخَلْتُمْ (نور:۶۱) تین قسم کے گھر اور تین قسم کے بندوں کا ذکر فرمانے کے بعد اب گھروں میں داخل ہونے کے اسلامی آداب سکھائے جا رہے ہیں کہ اے مومن مسلمانو اجازت لے کر جانے والو یا بغیر اجازت جا سکنے والو جب تم کسی کے گھر جانا چاہتے ہو تو پھر جب اندر جانا تمہارے لئے شرعاً جائز ہو جائے اور اس گھر میں رہائشی لوگ موجود ہوں تو جب داخل ہونے لگو گھروں میں سے کسی بھی گھر تب اولاً سلام کیا کرو ان اپنے چھوٹوں بڑوں پر جو گھر میں موجود ہوں۔ اس کی وہ عزت افزائی کرتے ہوئے جو ''اَلسَّلَامُ علیکم'' کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے پاس ہر مسلمان کو مسلمانوں کے لئے ملی ہے مبارک بادیوں، طیب پاکیزہ رحمتوں خوشیوں والی۔ تمہارا پروردگار اسی طرح تمہارے لئے خوشیوں اور صلہ رحمیوں کی رہنمائی کرنے والی آیتیں واضح صاف اور آسان بیان فرماتا ہے تاکہ تم شریعت وقانون کے تمام احکام سمجھنے کی آسانی پالو اور دین و دنیا چلانے کی عقل رکھو۔ تمہاری رشتے داری، برادری، دوستی، آس پڑوس کی سب تعلق داریاں مضبوط و مستحکم صاف و شفاف ہو کر اتحاد اسلامی قائم و دائم ہو جائے۔

آخری نویں رکوع کی تین آیتوں میں تین باتیں ارشاد ہوئیں

۱۔ مومن کافر منافق کا ایک نمایاں فرق بتایا گیا۔ شریعت اسلام کا سب سے بڑا حکم جس پر تمام احکام قرآنی موقوف ہیں اگر اس حکم پر عمل نہ کیا تو سب عبادت ریاضت سجدہ رکوع روزے نمازیں بیکار برباد اور اگر اس پر عمل ہو گیا تو سب کی توفیق سعادت اور سب قبول۔ وہ حکم عظیم اور قانون کریم ادب نبی ہے ﷺ۔ دراصل یہ تینوں آیتیں ہی ادب نبی کا ایک نقشہ و طریقہ پیش فرما رہی ہیں۔ پہلی آیت میں نبی پاک کے پکارنے بلانے کا ذکر فرمایا گیا دوسری آیت میں نبی کریم ﷺ کو بلانے پکارنے اور آپ سے فریاد عرض معروض کرنے کا طریقہ سکھایا سمجھایا گیا۔ تیسری آیت میں آقائے کائنات نبی رحمت ﷺ کے بلانے اور کسی کام پر مسلمانوں کو عملاً جمع کرنے اور منافقوں کی اس اجتماعی عمل کے حکم سے انحراف اور منہ پھیرنے کی چالبازیوں کی مذمت فرمائی گئی۔ چنانچہ اولاً ارشاد ہوا کہ مخلصین مومنین کی شان ادب و تعظیم آقا یہ ہے کہ جو لوگ سچے دل سے اللہ رسول پر ایمان لائے ہیں وہ جب بھی اپنے آقا حضور ﷺ کی طرف سے کسی بھی اجتماعی کام پر بحکم نبی ﷺ جمع کئے جائیں تو جب

marfat.com

تک کام مکمل نہ ہو جائے اور نبی کریم ﷺ خود نہ بھیج دیں تب تک واپس نہیں جاتے نہ بلاوجہ جانے کی اجازتیں مانگتے ہیں نہ بہانے تراشتے ہیں۔ حَتّٰی یَسْتَاذِنُوْہُ۔ یہاں تک کہ اگر اجازت مانگنے پر مجبور ہو جائیں اور کوئی بڑی حاجت پڑ جائے تب بھی بغیر اجازت واپسی یا اِدھر اُدھر جانے کا قدم تک نہیں اٹھاتے اس سخت ترین مجبوری میں بھی چارو ناچار اجازت مانگتے اور اجازت ملنے کا انتظار کرتے ہیں۔ فرمایا گیا کہ جو آپ سے اجازت مانگ لیتے ہیں بس یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول اعظم ﷺ پر ایمان لاتے ہیں۔ پس جب آپ سے اپنے کسی سخت مجبوری کے کام میں یہ مومن مخلص لوگ اجازت طلب کریں تو اجازت دینا بھی آپ کی صواب دید پر موقوف ہے جسے چاہو اجازت دے دو اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بخشش و مغفرت کی دعائیں بھی مانگئے بیشک اللہ تعالیٰ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ہے۔ ۲۔ پھر فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! اگر کبھی تم کو کسی وقت بلانے عرض و معروض کرنے کسی کام کی اجازت لینے یا تا قیامت فریاد کرنے کی حاجت ضرورت پیش آئے تو ہمارے محبوب مکرم رسول معظم کو اس طرح کبھی نہ پکارنا، بلانا جس طرح آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے بلاتے ہو۔ ۳۔ اب منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کسی سے غافل نہیں ایک ایک کو جانتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ان بدبختوں کو بھی جانتا ہے جو اسلامی کاموں سے دل چراتے چھپتے چھپاتے دوسروں کی آڑ پکڑتے ہوئے یَتَسَلَّلُوْنَ پیٹھ پھیرتے کھسکتے ہیں ان کم بختوں کو ڈرنا چاہئے اس حرکت سے کہ آپ کے حکم کی مخالفت نہ کریں کہیں ایسا نہ ہو کہ پہنچے ان کو دنیا میں کوئی بڑا فتنہ یا مصیبت پہنچے ان کو آخرت میں دردناک عذاب کی۔ خبردار خوب گوش و ہوش سے سن لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی کی ملکیت ہیں وہ تمام چیزیں جو آسمانوں میں ہیں اور زمین میں ہیں۔ اے لوگو! جن حالتوں حرکتوں میں تم لوگ مبتلا مشغول وملوث ہو اللہ تعالیٰ ان کو ہر طرح جانتا ہے اور وہ دن جب آئے گا جس دن وہ سب انسان جنات شیاطین لوٹائے جائیں گے اس کی بارگاہ کی طرف تب وہ اللہ تعالیٰ ان سب کو بتادے گا اس ایک ایک کام کا انجام جواب وہ دنیوی زندگی میں کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہر شَی کو جاننے والا ہے۔ اس سورۃ نور میں عِبَارَۃُ النَّص سے ظاہری لفظوں کے ساتھ تقریباً پچاس (۵۰) مسائل شرعیہ بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ۔ ۱۔ پہلی آیت میں شرعی اسلامی قوانین کا استحکام اہمیت و فرضیت بیان کی گئی۔ ۲۔ دوم میں جرم زنا کی سزا بیان ہوئی۔ ۳۔ سزاؤں میں نرمی سے منع فرمایا گیا آیت سوم میں فرمایا گیا نیک آدمی نیک عورت مشہور بدکاروں، مشرکوں سے شادی بیاہ نہ رچایا کریں ان سے خانہ آبادی نہیں ہوتی خانہ بربادی ہوتی ہے۔ ۴۔ آیت ۴، میں زانی کی۔ ۵۔ گواہی کی تعداد بتائی گئی اور۔ ۶۔ جھوٹی تہمت لگانے کی سزا کا ذکر ہے۔ آیت ششتم وہفتم میں۔ ۷۔ خاوند بیوی کے لعان کا ذکر اور طریقہ بیان ہوا۔ آیت دہم تک اگلی دس آیتوں میں۔ ۸۔ واقعہ افک کا ذکر اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی۔ ۹۔ پاکدامنی بیان ہوئی۔ شہادۃ تہمت پر بھی چار گواہ۔ ۱۰۔ شرط ہیں۔ آیت ۲۱ میں۔ ۱۱۔ ابلیس اور ابلیسی شیطانی لوگوں سے بچنے کا حکم دیا گیا۔ ۱۲۔ یہاں آیات میں تین فضلوں کا ذکر ہوا آیت ۲۲ میں۔ ۱۳۔ فرمایا گیا کہ نیک کام کے نہ کرنے پر قسم نہ کھاؤ اور۔ ۱۴۔ اہل قرابت سے اچھے سلوک ورحم دلی وصلہ رحمی کا صلہ دیا گیا۔ ۱۵۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان افضلیت بیان ہوئی آیت ۲۶ میں۔ ۱۶۔ خبیث وطیب لوگوں کا ذکر ہوا اور۔ ۱۷۔ متقی شریفوں کی دنیوی مغفرت اُخروی

marfat.com

رزق کا ذکر ہوا۔ آیت ۲۷ میں دو مسئلے بیان ہوئے۔ ۱۸۔ پہلا یہ کہ کسی کے گھر میں بلا اجازت نہ جاؤ۔ دوم۔ ۱۹۔ یہ کہ جب اجازت مل جائے تو سلام کر کے اندر جاؤ۔ آیت ۲۸ میں فرمایا گیا کہ اگر ۲۰۔ اجازت اندر آنے کی نہ ملے تو خوش دلی سے لوٹ جاؤ۔ ۲۱۔ خالی گھر میں بھی نہ جاؤ۔ آیت ۲۹ میں فرمایا گیا۔ ۲۲۔ مسافر خانوں، ہوٹل، سرایوں میں جبکہ رہائشی کمرہ بک کرایا ہوا ہو تو بلا اجازت لئے اور خالی ہوٹل میں بغیر پوچھے بھی داخل ہو سکتا ہے۔ ۲۳۔ اسی طرح عبادت خانوں مسجدوں میں بھی بلا اجازت لئے جا سکتا ہے۔ آیت ۳۰ میں ۲۴۔ مردوں اور آیت ۳۱ میں۔ ۲۵۔ عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا اور ۲۶۔ یہ کہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔ ۲۷۔ اپنا بناؤ سنگھار اور قدرتی حسن ظاہر نہ کریں بجز ہاتھ پاؤں اور۔ ۲۸۔ موٹی چادروں سے گھونگھٹ والا پردہ کیا کریں۔ فرمایا گیا کہ ۲۹۔ بارہ قسم کے لوگوں سے پردہ فرض نہیں ہے۔ ایک خاوند اور گیارہ ذی رحم محرم۔ ۳۰۔ عورتیں جب باہر نکلا کریں تو گھونگھرو والا زیور نہ پہنا کریں۔ آیت ۳۲۔ ۳۱۔ والدین و والیان کو حکم ہے کہ اولاد کی شادیاں جلدی کیا کریں۔ اب ۳۳ میں تین مسئلے بیان ہوئے ۳۲۔ پہلا: یہ کہ مسلمان زانی، متعہ، مشت زنی ولواطت سے بچے یہ سب کام اشد حرام ہیں۔ دوم: غلام کو۔ ۳۳۔ آزادی دو۔ سوم یہ کہ ۳۴۔ رنڈی بازی نہ کراؤ۔ جو شخص کسی کو گناہ پر مجبور کرے تو مجبوراً جرم کرنے والا گناہگار نہ ہوگا۔ آیت ۳۶ میں فرمایا گیا کہ ۳۵۔ مسجدیں اچھی، اونچی اور خوبصورت مضبوط بناؤ پاکیزہ رکھو اور ۳۶۔ نیک لوگوں کی تین نشانیاں بتائی گئیں۔ ۳۷۔ تسبیحیں پڑھتے ہیں۔ ۳۸۔ عبادت سے کوئی چیز ان کو غافل و سست نہیں کرتی پھر بھی۔ ۳۹۔ رب سے ڈرتے رہتے ہیں۔ آیت ۴۸ میں فرمایا گیا کہ ۴۰۔ عدالت کے سمن بلاوے پر حاضری دینا لازم ہے اور مومن کی نشانی ہے۔ آیت ۵۵ میں ۴۱۔ خلفائے راشدین کا ذکر ہے آیت ۵۸ میں فرمایا گیا کہ ۴۲۔ تین وقتوں میں کپڑے اتار کر سونا جائز ہے لہٰذا نابالغ بچے بھی بغیر اجازت نہ آئیں۔ آیت ۵۵ میں فرمایا گیا ۴۳۔ بالغ اولاد بھی بلا اجازت خلوتی گھروں میں نہ آ جایا کریں۔ آیت ۶۰ میں فرمایا گیا۔ ۴۴۔ سخت بوڑھی عورت پر موٹی چادروں (برقعوں) سے پردہ فرض نہیں ہے لیکن ۴۵۔ پردہ کریں تو بہتر ہے۔ آیت ۶۱ میں ۴۶۔ کھانا کھانے کے طریقے اور ۴۷۔ دوستوں، عام مسلمانوں، رشتے داروں کی دعوتوں کے حکم شرعی بیان ہوئے۔ ۴۸۔ السلام علیکم کہنے کا حکم آیت ۶۲ میں فرمایا گیا۔ ۴۹۔ جہاد سے بھاگنا حرام ہے منافقوں کا کام ہے۔ آیت ۶۳ میں ۵۰۔ بارگاہِ نبوت کا ادب سکھایا گیا۔

سورۃ نور کے فضائل عملیات اور تعویذ

۱۔ قلب کی روشنی کے لئے، اول آخر ایک ایک بار درود تاج شریف اور ایک ایک بار درود غوثیہ بیچ میں اکیس (۲۱) بار پوری آیت نور جس کا نمبر ۳۵ ہے یہ عمل بعد نماز عشاء اندھیرے میں کیا جائے تا عمر۔ باوضو پاک مصلیٰ یا پاک بستر پر بیٹھ کر قبلہ رخ۔ ۲۔ اگر کثرت سے احتلام ہوتا ہو تو تین بار سورۃ نور پڑھ کر پانی پر دم کر کے پیئے۔ ۳۔ اگر دشمنوں کی اپنے بارے میں ناجائز زبان بندی کرنی ہو تو متواتر گیارہ دن بوقت فجر پانچ بار پڑھے اندھیرے میں دشمن کا تصور رکھ کر۔ ۴۔ اگر کسی نیک متقی علم تعویذ کے عالم کامل سے اس کا تعویذ لکھوا کر پاس رکھے گلے میں یا بازو پر تو وسواس شیطانی سے محفوظ رہے گا۔ ۵۔ روایات میں

marfat.com

ہے جو شخص روزانہ بغرض تلاوت بعد مغرب اس کو باوضو پڑھے ایک مرتبہ بالکل صحیح تلفظ ومخارج کی ادائیگی کے ساتھ تو بوقت نزع اور قبر میں بشکل نور وحشت قبر وموت کو دور کرے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۶۔ جب یہ سورۃِ نور نازل ہوئی تھی تو سب مخلص مسلمانوں نے بہت خوشی منائی تھی اور کثرت سے نوافل شکرانہ ادا کئے تھے اور منافقین کی سخت ذلت ہوئی تھی۔ ۷۔ یہ سورۃ عورتوں مردوں کے لئے اسلامی زندگی کا بہترین درس ہے۔

تعویذ کے سولہ خانے تعویذ کی چال پانچویں خانے میں ہے۔ ۸۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ جو مسلمان ہر جمعہ بعد فجر سورۃ نور کی ایک بار تلاوت کرے اول آخر درود تاج ایک بار تو دنیا میں اندھاپن دور ہو، آخرت میں چہرہ روشن ہوگا۔ ۹۔ جنگ میں فتح کے لئے پچھتر بار تلاوت کرنے سے مسلمانوں کی شاندار فتح نصیب ہو۔ تلاوت اس طرح کہ یا ایک آدمی پندرہ دن یا پندرہ آدمی ایک دن ایک جگہ بیٹھ کر باوضو تلاوت کریں۔ اول آخر درود تاج ایک بار۔ زائچہ یہ ہے، سورۃ نور کے حروفی عدد بحساب ابجد ۴۰۲۴۵۷۔

نقشہ تعویذ

۷۸۶

١٠٠٦١٤	١٠٠٦١٧	١٠٠٦٢٠	١٠٠٦٠٦
١٠٠٦١٩	١٠٠٦٠٧	١٠٠٦١٣	١٠٠٦١٨
١٠٠٦٠٨	١٠٠٦٢٢	١٠٠٦١٥	١٠٠٦١٢
١٠٠٦١٦	١٠٠٦١١	١٠٠٦٠٩	١٠٠٦٢١

marfat.com

آیاتہا ۶۴ — سُوْرَۃُ النُّوْرِ مَدَنِیَّۃٌ ۲۴ — رکوعاتہا ۹

سورۃ نور مدنی ہے اور یہ سورت چونسٹھ آیتیں ہیں اور نو رکوع ہیں۔

سورۃ نور مدنی ہے اور اس میں چونسٹھ آیتیں اور نو رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتدا ہے اللہ کے نام سے جو بخشنے والا رحم والا ہے

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا

یہ ایک مکمل سورۃ ہے ہم نے ہی نازل کیا ہے اس سورۃ کو اور مقرر کیے ہم نے کچھ شرعی احکام اس میں اور نازل فرمائیں ہیں

یہ ایک سورۃ ہے کہ ہم نے اتاری اور ہم نے اس کے احکام فرض کیے۔ اور ہم نے اس میں روشن آیتیں

فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

ہم نے اس سورۃ میں بیان کرنے والی آیتیں تاکہ تم نصیحت پکڑو

نازل فرمائیں کہ تم دھیان کرو

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ

زنا کرانے والی اور زنا کرنے والا دونوں مجرم ہیں تو خوب سختی سے کوڑے مارو ان دونوں کو

جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں ہر ایک کو

مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۠ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا

سو سو اور خبردار نہ پکڑے تم کو ان دونوں پر

سو کوڑے لگاؤ۔ اور تمہیں ان پر

رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ

ذرا بھر ترس و نرمی اللہ کی سزائے دینے میں اگر تم سچا ایمان لاتے ہو

ترس نہ آئے اللہ کے دین میں۔ اگر تم ایمان لاتے ہو

marfat.com

بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۚ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا
اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور چاہئے کہ سزا کھلے عام ہو مشاہدہ کرے
اللہ اور پچھلے دن پر اور چاہئے کہ ان کی سزا کے وقت
طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝۲
مومنوں کی ایک بڑی جماعت
مسلمانوں کا ایک گروہ حاضر ہو

تعلقات

اس سورۃ نور کا پچھلی سورۃ مومنون سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی سورت میں اجمالاً دو چیزیں بیان کی گئیں۔ ۱۔ قوم کی گستاخانہ باتیں اپنے نبی حضرت نوح علیہ السلام کی شان میں پہلی سورۃِ نور میں قوم مسلم کو نبی کریم ﷺ سے گفتگو کے آداب سکھائے گئے۔ ۲۔ پچھلی سورۃ میں مومن کی سات (۷) نشانیاں بتائی گئیں یہاں سورۃ نور میں ان اعمال کا ذکر فرمایا گیا جن سے یہ نشانیاں پیدا ہوتی ہیں۔ مومن کی یہ نشانیاں سورۃِ نور کی آیت ۵۱ اور ۵۷ تا ۶۲ اور اس کے لئے اعمال صالحہ کا تذکرہ سورۃ نور آیت ۲۶ تا ۳۴ پھر آیت ۶۰ تا ۶۴ میں بیان ہوئے۔ گویا کہ سورۃ مومنون میں شجر ایمانی کا ذکر ہوا اور اس سورۃ نور میں شجر ایمانی کے ثمرات اعمال صالحہ کا ذکر ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی سورۃ میں فرمایا گیا تھا کہ مومن وہ ہیں۔ ۱۔ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (المومنون: ۳) ہر قسم کے گناہ سے علیحدہ رہنے والے۔ ۲۔ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ ۝ اِلَّا عَلٰۤى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ (المومنون: ۵) اپنی بیوی یا اپنی لونڈی کے علاوہ سب سے اپنی شرمگاہ بچانے چھپانے والے یعنی زنا، لواطت، مشت زنی، متعہ جیسی بدکاریوں سے بچنے والے۔ یہاں اس سورۃ نور میں ان بدکاریوں کی شرعی سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا اور بدکار خاوند بیوی سے بچنے، نیک کار خاوند بیوی بننے بنانے کا حکم دیا گیا۔ غرضیکہ سورۃ مومنون میں اعمال کا ذکر ہے یہاں احکام کا۔ اس طرح یہ سورۃ پچھلی سورۃ کا تتمہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی سورۃ مومنون میں سابقہ نافرمان امتوں کی تباہی بربادی اور ان کی عزت دولت قوت سلطنت کی فنا اور ثُمَّ اَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قُرُوْنًا اٰخَرِيْنَ (مومنون: ۴۲) فرما کر ان کی فنا کے بعد دوسری قوموں کو پیدا کرنے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب اس سورۃ نور میں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا (نور: ۵۵) کا ارشاد فرما کر امت مسلمہ کی تاقیامت بقا اور بذریعہ چار خلفائے راشدین اور بارہ (۱۲) خلفائے مطلقہ اسلامی عالمگیر عزت دولت، قوت سلطنت کے قیام وعدۂ الٰہی کا ذکر فرمایا گیا۔ گویا کہ سورۃ مومنون کے اجمال کی تفصیل سورۃ نور ہے۔

تفسیر نحوی

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِيْهَاۤ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۱ اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ ۪ وَّلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ سُوْرَةٌ مبتدا ہے مفرد نکرہ مؤنث لفظی یہ لفظ سُوْرٌ سے لیا گیا ہے یا سَنُوْرٌ سے

marfat.com

پہلی بناوٹ میں واؤ اصلی ہے اور معنی ہے چار دیواری شہر کی یا باغ کی۔ اسی معنی میں شہر پناہ اور فصیل قلعہ کو سور البد کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع ہے اَسْوار اور سِیران دوسری بناوٹ میں ترجمہ ہے بقیہ حصہ یا ایک ٹکڑا۔ پہلی بناوٹ میں واؤ اصل ہے دوسری بناوٹ میں واؤ عوضی ہے (ہمزہ کے بدلے میں) یہ لغوی بیان ہے۔ اصطلاح شریعت میں سورۃ کا معنی ہے قرآن مجید کا ایک مکمل مضمون حصہ۔ جس کا اپنا الگ ایک رتبہ اور تشخص ہے چونکہ علم وحکمت الفاظ واحکام کا علیحدہ مجموعہ ہوتا ہے اس لئے اس کو سُوْرَۃٌ کہا گیا۔ اس کی جمع سُوَرٌ بروزن فُعَل کُتُب جمع مکسر منصرف قرآن مجید کی کل سورتیں ایک سو چودہ (۱۱۴) ہیں۔ جن کے تین حصے ۱۔ طوال مفصل۔ ۲۔ قصار مفصل۔ ۳۔ اوساط مفصل۔ سب سے بڑی سورۃ بقرہ ہے اس کی چھوٹی بڑی کل آیتیں (۲۸۶) ہیں اور سب سے چھوٹی سورۃ کوثر ہے۔ اس کی چھوٹی چھوٹی تین آیتیں ہیں مگر ہر سورۃ کا مضمون مکمل ہے۔ یہ عجیب حیران کن معجزانہ فصاحت ہے۔ ترکیب نحوی اس طرح ہے۔ سُوْرَۃٌ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی۔ اصل میں هٰذِهٖ سُوْرَۃٌ۔ سُوْرَۃٌ موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ اَنْزَلْنَا باب افعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع متکلم مصدر ہے اِنْزَالٌ ترجمہ ہے اتارنا ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب کا مرجع ہے سُوْرَۃٌ مفعول بہ ہے۔ یہ فعل بافاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ فَرَضْنَا باب نصر کا ماضی مطلق جمع متکلم فَرْضٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کسی جسم کو کاٹ کر علیحدہ حصہ کرنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے اشیاء کے حصے کرنا۔ اسی معنی میں علم میراث کو علم فرائض کہا جاتا ہے۔ منقول شرعی معنی ہے مقرر کرنا، عزم (پکا ارادہ) کرنا، واجب ولازم کرنا، اجازت ہونا۔ فقہی اصطلاح میں اگر دلیل قطعی سے ثابت ہو تو کام فرض ہوتا ہے جس کا منکر کافر اور اگر دلیل ظنی سے ثابت ہو تو کام واجب منکر کافر نہیں۔ ھَا ضمیر کا مرجع سُوْرَۃٌ یہ مفعول فیہ ہے۔ فَرَضْنَا فعل بافاعل اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اَنْزَلْنَا فعل بافاعل فِيْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے۔ آيٰتٍ اسم جمع مؤنث اس کا واحد ہے اٰيَةٌ۔ ترجمہ ہے نشانی علامت مضمون کا ایک حصہ یہاں مراد قرآنی سورت کے مضمون کی آیتیں حصے۔ جمع مؤنث کا اعراب یہ ہے کہ پیش یعنی رفع کی حالت میں رفع ہی ہوتا ہے۔ فتحہ اور کسرہ کی حالت میں جر (کسرہ) ہوتا ہے۔ یہاں فتحہ (زبر) کی حالت میں ہے۔ موصوف ہے بَيِّنٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم بَيِّنَةٌ بمعنی کھلی واضح ظاہر۔ بَيْنٌ وَبَيَانٌ سے مشتق ہے۔ بحالت فتحہ ہے کیونکہ صفت ہے۔ آيٰتٍ کا یہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے اَنْزَلْنَا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہوا لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ باب تفعل کا مضارع احتمالی برائے عَلِيَةٍ وَسَبَبِيَةٍ۔ صیغہ جمعہ مذکر حاضر اس کا مصدر ہے تَذَكُّرٌ ذِكْرٌ سے بنا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ معلول ہے اَنْزَلْنَا فِيْهَا کا۔ یہ علت معلول مل کر معطوف ہے فَرَضْنٰهَا کے جملے پر اور وہ معطوف ہے اَنْزَلْنٰهَا کے جملے پر سب عطف مل کر صفت ہے سُوْرَۃٌ کی وہ مرکب توصیفی خبر ہے مبتدا پوشیدہ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَلزَّانِيَةُ الف لام اسمی بمعنی اَلَّتِيْ اسم موصول مؤنث اور مراد ہے عام یعنی کنواری زانیہ۔ باب ضرب کا اسم فاعل صیغہ واحد مونث زِنًى سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے عورت مرد کی حرام کاری (حلال کاری کو وطی کہا جاتا ہے) معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ اَلزَّانِيْ الف لام بمعنی اَلَّذِيْ مراد ہے عام یعنی کنوارہ زانی۔ یہ اسم فاعل صیغہ مذکر ہے معطوف ہے یہ دونوں عطف مل کر مبتدا ہے اس کی خبر محذوف ہے اَلْمُجْرِمَانِ۔ یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ فَ حرف جزائیہ۔ اِجْلِدُوْا باب ضرب کا فعل امر حاضر

marfat.com

معروف صیغہ جمع مذکر حاضر جَلْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے کوڑے مارنا۔ کُلَّ واحد مرکب اضافی کُلَّ ممیز مضاف وَاحِدٍ تمیز مضاف الیہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے اِجْلِدُوْا کا مِنْهُمَا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ مِائَةَ اسم عددی بمعنی ممیز مضاف جَلْدَةٍ تمیز مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے اِجْلِدُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا تَاْخُذْ۔ باب نصر کا فعل نہی غائب معروف صیغہ واحد مؤنث غائب۔ اَخْذٌ سے مشتق ہے بمعنی پکڑنا، لگنا۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ بِهِمَا جار مجرور متعلق ہے رَاْفَةٌ۔ اسم مفرد مؤنث لفظی جامد بمعنی ترس، نرمی یہ فاعل ہے۔ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق دوم ہے لَا تَاْخُذْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے فَاجْلِدُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر جزائے مقدم ہے۔ اِنْ حرف شرط کُنْتُمْ ماضی مطلق فعل ناقص اس کا اسم ضمیر صیغہ اَنْتُمْ جمع مذکر حاضر ہے تُؤْمِنُوْنَ باب افعال کا مضارع حال۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ بَ جارہ بمعنی علی جارہ اَللّٰهِ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْیَوْمِ الْاٰخِرِ۔ مرکب توصیفی مراد ہے قیامت معطوف ہے اَللّٰهِ پر دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے تُؤْمِنُوْنَ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے کُنْتُمْ کی یہ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر شرط مؤخر ہوئی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہے۔ وَلْیَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ واؤ عاطفہ لِیَشْهَدْ۔ باب سمع کا فعل امر غائب معروف صیغہ واحد مذکر غائب شَهْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مشاہدہ کرنا، حاضر موجود ہونا۔ عَذَابَ اسم صفت مشبہ مبالغہ بروزن فَعَالٌ ترجمہ ہے سزا مراد ہے حد شرعی۔ مضاف ہے هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب مرجع ہے زانیہ و زانی مضاف الیہ ہے۔ یہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے بمعنی سزا میں یا ظرف مکانی ہے بمعنی سزا کے وقت طَآئِفَةٌ۔ باب نصر کا اسم فاعل واحد مذکر برائے غائب طَوْفٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چلنا پھرنا۔ طائفہ کا معنی چلنے پھرنے والے لوگوں کی ایک جماعت اس میں آخر کی ت وحدت کی ہے نہ کہ تانیث کی۔ مِنْ حرف جر تبعیضیہ اَلْمُؤْمِنِیْنَ مجرور متعلق ہے۔ لِیَشْهَدْ اپنے فاعل طَآئِفَةٌ اور مفعول فیہ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے اِنْ کُنْتُمْ کے جملے شرطیہ پر دونوں عطف مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَفَرَضْنٰهَا وَاَنْزَلْنَا فِیْهَاۤ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ① ۔ سورۃ مومنون میں ایمان والوں کی دس چیزیں بیان فرمائی گئیں۔ ا۔ افلاح دارین۔ ۲۔ خٰشِعُوْنَ فِیْ الصَّلٰوةِ۔ ۳۔ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ۔ ۴۔ زکوٰۃ دینے والے۔ ۵۔ شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے۔ ۶۔ صرف بیویوں کے نکاح والے۔ ۷۔ امانتداری والے۔ ۸۔ نمازوں کے محافظ۔ ۹۔ جنت فردوس کی وراثت والے۔ ۱۰۔ جنت میں ابدی رہائش والے۔ ان میں سات اعمال دنیوی ہیں اور تین انعام اُخروی ہیں یعنی فلاح، وارثت جنتی، رہائش جنتی اور سات اعمال دنیوی میں سب سے اہم و ضروری حفاظت فروج ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کی حفاظت کا بہت سختی سے حکم فرمایا ہے۔ اسلام میں سب سے بڑا جرم فروج کی حفاظت نہ کرنا ہے اس کی سزا بھی سب سے زیادہ سخت ہے۔ فروج کی حفاظت مسلمان کو فرشتوں سے بلند کر دیتی ہے اور بے حفاظتی جانوروں سے بدتر و بے غیرت بنا دیتی ہے۔ اس سورۃ نور میں مسلمان مردوں، عورتوں کو حفاظت فروج کے آٹھ طریقے بتائے جا رہے ہیں۔

marfat.com

پہلا۔ یہ کہ بیویوں سے نکاح کر کے شریفانہ گھر بساؤ۔ **دوم**۔ یہ کہ زنا کاری سے بچو۔ **سوم**۔ یہ کہ کسی کو تہمت لگانے سے بچو۔ **چہارم**۔ یہ کہ کسی کو بہتان یعنی جھوٹی بناوٹی تہمت لگانے سے بچو۔ **پنجم**۔ یہ کہ راہ چلتے اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ راستوں میں مت بیٹھو۔ **ششم**۔ یہ کہ مسلمان عورتیں اپنے چہرے پر سختی سے پردہ قائم رکھیں۔ **ہفتم**۔ یہ کہ جو مسلمان نکاح کی مالی طاقت نہ رکھتا ہو وہ اپنے پر قابو رکھ کر پاکدامن رہنے کی ہمت و کوشش کرے اس کا بہت بڑا اجر ہے۔ **ہشتم**۔ یہ کہ اسلام نے اس بات پر بھی سختی سے پابندی لگائی ہے کہ نامحرم لوگ بلا اجازت گھروں میں آئیں اور حکم فرمایا ہے ہر شخص دوسرے کے گھر میں اجازت لے کر جایا کرے۔ سابقہ سورۃ مومنون کی آیت ۱۱۵ میں ایک سوال فرمایا گیا تھا کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا۔ یہاں اس سورۃ نور میں اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ نہیں بلکہ احکام الٰہی کی پابندیوں کے لئے تم کو پیدا کیا گیا ہے اور وہ پابندیاں تا عمر ہر انسان پر تین طرح سے قائم ہیں۔ ۱۔ ایمان لانا۔ ۲۔ شریعت کے حکموں و ممانعتوں کی سختی سے پابندی کرنا۔ ۳۔ پورے اسلامی معاشرے کو ہر برائی بے غیرتی سے پاک صاف رکھنا۔ قرآن مجید کی سورۃ مائدہ، سورۃ نساء، سورۃ نور، سورۃ احزاب احکام اسلامی کی سورتیں ہیں۔ ایک بار آقائے کائنات ﷺ نے فرمایا کہ اے مسلمانو تم اپنے مردوں کو سورۃ مائدہ اور مسلمان عورتوں کو سورۃ نور پابندی سے سکھایا کرو اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام اسلامی ملکوں میں یہ حکم نامے جاری فرمائے تھے کہ قانونی ذمہ داری سے ہر ملک میں اسلامی تعلیم کا سلسلہ جاری کرو اور تمام مسلمان مردوں، عورتوں کو سورۃ نساء، نور، احزاب ضرور سکھاؤ کیونکہ ان سورتوں کی ظاہر عبارت میں شرعی احکام کثرت سے ہیں۔ چنانچہ سورۃ نور کے ابتدائی الفاظ بھی اگلی آیات میں بیان کردہ احکام کی اہمیت کا پتہ بتا رہے ہیں۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ۔ اے لوگو! گوش وہوش سے سنو، یہ ایک سورت ہے ہم نے ہی اس کو نازل فرمایا ہے اور اس سورۃ کا ہر حکم ہم نے فرض کر دیا ہے اور جو آیتیں ہم نے اس میں اتاری ہیں وہ عام فہم ہیں ہر حکم کو صاف صاف بیان فرمانے والی نہ کسی حکم کے سمجھنے میں مشکل نہ الجھن نہ عمل میں دشواری یہ آسانیاں اس لئے ہیں تا کہ اے مسلمانو تم سچے پکے نیک بندے بن کر نصیحت پکڑو سمجھو سمجھاؤ عمل کرو۔ ان احکام الٰہیہ کو دنیوی قوانین یا رسم و رواج کی طرح معمولی و دل پسندی کی چیز نہ سمجھنا کہ چاہو تو کرو چاہو نہ کرو بلکہ فَرَضْنٰهَا۔ ہم نے ان کو ہر مسلمان پر فرض و لازم کر دیا ہے۔ احکام والا وہ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ ہے جس کے قبضے میں تمہاری جان اور جس کے فیصلہ و حکمت میں تمہارا انجام ہے۔ جس کی گرفت میں تمہارا ہر حال ہے۔ اس کی نافرمانی کر کے ڈھیل تو پا سکتے ہو مگر فرار کی راہ نہیں پا سکتے۔ یہ قانون اسلامی عقل انسانی و فطرت بشری سے مخالف نہیں بلکہ عین فطرت کے مطابق بینات ہیں کوئی شخص گرانی یا نا سمجھی کا بہانہ بھی نہیں کر سکتا۔ لہٰذا عوام و خواص، حکام و رعایا پر پہلا عدالت اسلامی کا قانون یہ ہے کہ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ کنواری عورت زانیہ اور کنوارا مرد زانی تو اے عدالت کے حاکمو مکمل تحقیق و تفتیش کر کے کامل صحیح ثبوت گواہی کے بعد درمیانی حیثیت و قوت سے دونوں مجرموں کو علیحدہ علیحدہ جسم کے مختلف حصوں پر سو، سو کوڑے پوری تنتی سے مارو۔ یہاں چھ باتیں قابل فہم ہیں۔ ۱۔ اَلزَّانِیَةُ وَالزَّانِیْ میں الف لام عہد خارجی ہے۔ جس کا معنی ہے ایک نوعیت کا زانی و زانیہ عام شخص اور کنوارہ کنواری غیر شادی شدہ جس نے حلال وطی نہ کی ہو تو صرف ایسے زنا کار کی سزا سو کوڑے ہیں۔ یہ حد

marfat.com

شرعی ہے کم زیادہ نہیں کی جاسکتی۔ ۲۔ یہاں الف لام عہدی اس لئے ارشاد ہوا کہ مجرم زنا کی تین قسمیں ہیں۔ ۱۔ غیر شادی شدہ عورت مرد، ۲: شادی شدہ عورت و مرد۔ ۳۔ وطی بالشبہ کا زنا۔ **پہلی** قسم کی سزا سو کوڑے مارنا۔ **دوسری** قسم کی سزا رجم سے مار ڈالنا۔ یہ دونوں سزائیں حد شرعی ہیں ان میں ذرہ بھر تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ **تیسری** قسم کی سزا نہ رجم نہ کوڑے بلکہ تعزیری سزا جو بھی حاکم اسلام مقرر کردے۔ اس کی پوری مزید وضاحت ہمارے فتاویٰ العطایا دوم میں دیکھئے۔ **سوم**۔ یہ کہ کوڑے نہ زیادہ سخت ہو نہ زیادہ نرم نہ گانٹھ والا نہ دوشاخہ۔ **چہارم**۔ یہ کہ ہر مجرم کو سو کوڑے اور جسم کے مختلف حصوں پر مگر تین جگہ نہ مارے جائیں۔ ۱۔ سر۔ ۲۔ چہرہ۔ ۳۔ شرمگاہ۔ **پنجم**۔ مرد کا جسم اوپر کا ننگا کردیا جائے۔ عورت کا کرتہ نہ اتارا جائے صرف موٹے کپڑے کوٹ وغیرہ اتارے جائیں۔ **ششم**۔ یہ کوڑوں کی تعداد میں کمی زیادتی نہ ہو، نہ قسطوں میں۔ یہ سزا صرف کنواروں کی ہے۔ شادی شدہ زانی کی سزاء رجم احادیث متواتر سے اور عمل صحابہ سے ثابت۔ وطی بالشبہ کی سزاء تعزیر فقہ سے ثابت پہلے زمانوں کے خارجی اور اس زمانے کے منکرین حدیث سزاء رجم کے خلاف ہیں۔ دونوں فرقوں کا کہنا ہے کہ چونکہ سزاء رجم الفاظ قرآن سے ثابت نہیں اس لئے ہم نہیں مانتے۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک بار خارجیوں سے فرمایا کہ الفاظ قرآن سے تو کتے بلے گدھے کی حرمت و رکعات کی تعداد زکوٰۃ کا نصاب بھی ثابت نہیں تو تم ان مسائل میں احادیث کا سہارا کیوں لیتے ہو۔ اس بات پر خارضی بھی لاجواب تھے اور اب منکرین حدیث بھی۔ نیز منکرین حدیث کہتے ہیں کہ یہاں اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ میں الف استغراقی ہے اور ہر زانی کی سزا سو کوڑے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ اگر ہر زانی کی سو کوڑے سزا ہے تو وطی بالشبہ سے زانی کو تم بھی سزاء تعزیر کے قائل کیوں ہو اس پر وہ لاجواب ہیں ثابت ہوا کہ الف لام استغراقی ہو ہی نہیں سکتا اور الف لام عہد خارجی ہے صرف ایک قسم کے زانی ہی مراد ہوسکتے ہیں۔ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ اور اے مسلمانو! ان اسلامی سزاؤں کے قانونا جاری کرنے میں تمہیں ان دونوں بدکاروں پر اللہ کے دین کے مقابل کسی قسم کا رحم و ترس نہ آئے کیونکہ یہ مجرم نسل و اصل کو تباہ کرنے والے معاشرے میں بے غیرتی پھیلانے والے ہیں اور اے حکام و عوام خوب کان کھول کر سنو کہ اگر تم ان بدکار مجرموں پر ذرہ بھر ترس آیا اور عوام نے سفارش کر کے حکام نے رحم کر کے سزا میں کمی یا رعایت برتی تو یاد رکھنا قیامت میں جہنم سے نہ بچ سکو گے۔ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے قہر و جلال عتاب و عذاب پر ایمان رکھتے ہو اور اپنی مسند عدالت کرسی حکومت پر بیٹھ کر رب تعالیٰ کی عدالت عادلہ قائمہ دائمہ کے یوم آخر کو مانتے ہو جس کے فیصلے کے خلاف نہ اپیل ہوسکے نہ سفارش۔ حدیث مقدس میں ہے کہ اسلامی سزا سے کم سزا دینے والا حاکم بھی جہنمی ہے زیادہ سزا دینے والا بھی۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ ہر قانون الٰہیہ کو نافذ کرو خوب مشہور کرو۔ ہر عام و خاص کو معلوم ہو کہ کس جرم کی اسلام میں کیا سزا ہے اور اس حکم کو بھی لازمی و ضروری سمجھ کہ ان دونوں مجرموں، بدکاروں، زانیہ و زانی کو حد شرعی کی سزا دیتے وقت ایمان والوں کی ایک بڑی جماعت وہاں موجود ہو۔ جو عدالت کے فیصلے کو جاری ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھے تاکہ زیادہ تشہیر ہو اور مجرموں کو ندامت۔ بروں کو نصیحت ہو، قریب سے دیکھنے والوں کو سزا مل جانے کا یقین ہو۔ سننے والوں کو عبرت ہو حکام کو احتیاط ہو، لواحقین کو تسکین ہو۔ خیال رہے کہ دنیوی جرائم میں سب سے بدتر

marfat.com

جرم زنا ہے۔ اس سے تقریباً دس نقصان ہوتے ہیں۔ ۱۔ نسل خراب۔ ۲۔ اولاد کو ماں باپ کی مہذب تربیت نصیب نہیں ہوتی۔ ۳۔ معاشرے میں بے غیرتی پھیلتی ہے۔ ۴۔ گرہستی خانہ آبادی ختم ہو کر صرف شہوت پرستی رہ جاتی ہے۔ ۵۔ جانوروں سے بھی بدتر و بے شرم ہو کر انسان پر ہر وقت شیطانیت سوار رہتی ہے۔ ۶۔ قومیت تباہ ہو جاتی ہے۔ ۷۔ حرامی اولاد زمانے میں ذلت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔ ۸۔ حسبیت نسبیت ثابت وقائم نہیں رہتی۔ ۹۔ خاندانی شرافت نہ ماں باپ میں نہ ان کی ناجائز اولاد میں رہتی ہے۔ ۱۰۔ حرامی شخص کو نہ امامت ملے نہ ولایت نہ جنت۔ دیگر جرائم ایک جرم میں ایک کو مجرم بناتے ہیں مگر زنا بیک وقت دو کو مجرم بناتا ہے اور دو شخصوں کی اصل، نسل، میراث، خاندانی وقار و آخرت کا افتخار تباہ کرتا ہے یہ دہرا نقصان صرف زنا میں ہے۔ انہی وجوہ سے زنا ہر شریعت میں بھی حرام رہا اور فطری عقلی طور پر ہر معاشرے میں بھی قابل نفرت ہر قوم مسلم غیر مسلم اس کو برا سمجھتے ہیں مگر اس کے سدباب کے لئے کامل ومؤثر قانون صرف شریعت اسلام نے جاری فرمایا غیر مسلم وقانون نے نفرت کے باوجود اتنی نرم سزائیں رکھیں کہ بجائے اس فحاشی کو ختم کرنے کے جرم ومجرم کی حوصلہ افزائی کی گئی جس کی وجہ سے یہ جرم مزید پھیلا۔ غیر مسلموں کی اکثریت نے اگر مذہبا یا عادتاً برا سمجھا بھی تو صرف بیوی کے لئے یا پھر کسی کنواری بالغہ سے جبری زنا کو برا سمجھا گیا۔ دیگر مردوں، خاوندوں کو کھلی چھٹی دی گئی اور دونوں کی رضامندی سے زنا کو بھی جرم نہیں سمجھا گیا۔ اس لئے مرد پر کوئی تعزیری سزا بھی نہیں بلکہ مرد پر مالی تاوان ڈالا گیا کہ اپنی جبری مزنیہ کو اتنا معاوضہ ادا کرے اس مالی سزا سے کنجر بازی نے جنم لیا۔ جیسا کہ بائبل کتاب خروج و کتاب استثنا میں ہے اسی طرح ہندوؤں کی کتاب دھرم شاستر میں بھی زنا کی سزا معاوضہ ادا کرنا لکھا ہے اور اس میں بھی امیر غریب کا فرق کر دیا۔ برابر کی ذات میں معاوضہ بھی برائے نام ہے اور وہ معاوضہ بھی خاوند کے مطالبے پر خاوند کو ملتا ہے۔ بیوی یا کنواری مزنیہ کو کچھ نہیں ملتا غرضیکہ غیر مسلم قوموں نے زنا کو مذہبی یا قانونی جرم ہی نہ سمجھا صرف اسلام نے ہی اس تباہ کن جرم کو شدت سے روکا اور زنا کو مذہبی قانونی اخلاقی بدترین جرم قرار دیا اور مرد و عورت کو برابر کا مجرم بنایا۔ اس لئے برابر کی سزا دی گئی۔ شادی شدہ جوڑے کو بڑا مجرم قرار دیا۔ قومیت، حیثیت، وسزا میں کوئی فرق نہ رکھا۔ امیر غریب، نیچی اونچی ذات، مرد و عورت سزا میں سب برابر نہ تاوان نہ معاوضہ نہ مالی سزا سب کو جسمانی سزا۔ اسلام صرف سزائیں دینے کا ہی خواہش مند نہیں بلکہ وہ جرم کو جڑ سے ختم کرنا چاہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کو جرم سے نفرت دلانے کے لئے اولاً تقویٰ طہارت خوف الٰہی شرم بنی۔ آخرت کی یاد سزا جزا کی پختہ دھیانی کا درس عطا فرماتا ہے۔ شریعت، مہذب باحیا بننے کی تلقین فرماتا ہے تاکہ بے غیرتی بدکاری کا ذہنی تصور مسلم دلوں سے نکل جائے جرم زنا کی یہ اسلامی سزا ۳ھ میں نازل ہوئی۔ ان آیات میں اخلاقاً و تربیتاً زنا سے روکا گیا۔ قرآن مجید میں صرف کنوارہ کنواری کے زنا کی سزا کا ذکر فرمایا لیکن شادی شدہ کے زنا کی سزا کا ذکر عملاً وقولاً احادیث متواترہ سے ثابت ہے اس لئے کہ شادی شدہ مرد و عورت کی سزاء رجم کا ذکر توریت میں مذکور ہے اور سنگساری رجم کا پہلا مقدمہ اور اسلامی فیصلہ بھی ایک یہودی زانیہ زانی کے لئے توریت سے ہی کیا گیا تھا چونکہ زنا قانونی جرم ہے اس لئے کوڑوں کی سزا میں مسلم غیر مسلم برابر مگر رجم کی صورت اور تقریری سزا میں غیر مسلم کو ان کے مذہب کے مطابق۔ اسلامی قانون نافذ کرنے کے لئے آٹھ پابندیاں ہیں۔ ۱۔ کسی بھی مجرم کو اقرار جرم پر مجبور نہیں کیا

marfat.com

جا سکتا۔ ۲۔ عدالت از خود جرم کا نوٹس نہ لے نہ مطالبے میں نہ تفتیش میں۔ ۳۔ نہ عدالت لوگوں کو از خود گواہی دینے پر مجبور کرے۔ ۴۔ عدالت کی ذمہ داری ہے کہ گواہوں کو جانی مالی مکمل تادیر تحفظ عطا کرے تا کہ سچی اور شریفانہ گواہی قائم و محفوظ ہو کرادا کی جاسکے۔ ۵۔ کسی بھی جرم کی مالی سزا دینا بذات خود جرم ہے۔ ۶۔ اور جب لوگوں نے خود مقدمہ دائر کر دیا تو اب کوئی شخص نہ سفارش کرسکتا ہے نہ حمایت نہ حاکم معافی دے سکتا ہے اب پوری کارروائی سے قانونی فیصلہ واجب ہے۔ ۷۔ چند دیگر جرائم کی طرح زنا بھی ناقابل راضی نامہ ہے۔ ۸۔ جرم زنا جب تک شرعی اصول وضوابط کے مطابق ثابت نہ ہو جائے تب تک کوئی عدالت سزا کا فیصلہ نہیں کرسکتی۔ اگر چہ غیر اصولی اِدھر اُدھر سے کتنے ہی شواہد مل جائیں یہاں تک کہ خود قاضی یا جج یا مفتی نے اپنی آنکھوں سے جرم ہوتا دیکھا ہو۔ جرم زنا کا پہلا ثبوت اقرارِ مجرم ہے۔ اقرار کے بعد عدالت جج و قاضی کرید کرید کے پوچھے کہ زنا کب کیسے اور کہاں ہوا۔ مجرم بغیر کئی دباؤ کے باہوش وحواس صاف صاف سب کچھ بیان کرے۔ اقرار میں مُقِرّ کسی دوسرے مجرم فاعلی یا مفعول بہ کی نشاندہی پر مجبور نہ کیا جائے۔ اگر اقراری مجرم خود ہی دوسرے مجرم کی نشاندہی کرتا ہے تب اس دوسرے مجرم سے بھی اس اقرار کی تصدیق کرائی جائے اور وہ دوسرا مجرم بھی اس اقرار کی تصدیق کردے تب جرم ثابت ہوگا لیکن اگر بیانات میں اختلاف یا شک شبہ پایا گیا تو جرم ثابت نہ ہوگا۔ جرم زنا کا دوسرا طریقہ ثبوت قابل اعتماد، نیک متقی، ایماندار چار گواہ، خائن نہ ہوں نہ ہی کسی سابقہ جرم یا اتہام تراشی میں سزا یافتہ شہرت یافتہ وبدنام ہوں نہ ہی مجرم کے ذاتی دشمن ہوں۔ ان چار گواہوں کی گواہی میں پانچ باتیں متفقہ ہوں گی تب جرم ثابت ہوگا۔ ا۔ کس وقت زنا ہو۔ ۲۔ کہاں ہوا۔ ۳۔ کس کے ساتھ ہوا۔ ۴۔ تم نے اپنی آنکھوں سے کیا کچھ دیکھا۔ ۵۔ زنا کسے کہتے ہیں۔ عدالت کا قاضی وجج سوال کرے ہر گواہ سے علیحدہ تنہائی میں کہ کیا تو دونوں عورت مرد کو بخوبی جانتا ہے۔ اس جرم کے وقت دونوں کو صاف، صاف بخوبی دیکھ رہا تھا۔ اگر بیانات میں کہیں بھی اختلافات یا تضاد بیانی پائی گئی تو تمام گواہی مشکوک اور جرم ثابت نہ ہوگا لیکن گواہوں کو حدقذف نہ لگے گی۔ ہاں البتہ اگر کسی گواہ کی مجرم سے سابقہ دشمنی یا مخالفت کسی بھی قسم کی ثابت ہوگئی تو اس گواہ کو حدقذف بھی لگے گی۔ کسی کنواری عورت کا حاملہ ہو جانا اس کے مجرم زنا ہونے میں فقہا کا اختلاف ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک کنواری کا حاملہ ہونا ثبوت زنا کافی ہے۔ دیگر آئمہ ثلاثہ کے نزدیک کافی نہیں ہے کیونکہ بغیر وطی کے بھی نطفہ رحم میں پہنچانا ممکن ہے۔ تعداد گواہ کی طرح اقرار بھی چار مرتبہ صاف صاف ہونا لازم ہے۔ امام اعظم وامام احمد حنبل رحمہما اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے لیکن امام مالک وامام شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک بار بھی مکمل کھل کر اقرار کرنا کافی ہے۔ اگر دوران اقرار مُقِرّ رجوع کرلے یا دوران سزا رجوع کرلے تو بھی جرم ختم کر دیا جائے گا اور سزا روک دی جائے گی۔ گواہی میں گواہوں سے پوچھا جائے گا کہ دونوں مجرم کون تھے مگر اقرار میں دوسرے مجرم کا نہ پوچھا جائے گا۔ جرم ثابت ہونے کے بعد آئمہ اربعہ کا سزاؤں میں اختلاف ہے۔ ا۔ امام اعظم وامام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک کنوارا کنواری کو صرف سو کوڑے اور شادی شدہ کو صرف رجم۔ ۲۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک شادی شدہ کو پہلے سو کوڑے پھر رجم۔ ۳۔ امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک کنوارا کنواری کو سو کوڑے بھی اور ایک سال جلاوطن بھی کیا جائے گا۔ ۴۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک صرف مرد کو ایک سال

marfat.com

کی جلاوطنی ہوگی عورت کو نہیں کوڑے کی سزا میں چھانٹا یا بید کی چھڑی یا تازہ مضبوط شاخ اس طرح مارنی چاہئے کہ صرف کھال تک زخم ہو گہرا نہ ہو۔ کسی مجرم کو باندھ کر نہ مارے جائیں مرد کو کھڑے کر کے عورت کو بٹھا کر مارے جائیں۔ اگر مجرم کے بھاگ جانے کا خطرہ ہو تو باندھنا جائز ہے۔ موسم سرما میں گرم وقت اور موسم گرما میں ٹھنڈے وقت سزا دینی چاہئے۔ جلاد کو مارنے کا سکھانا ضروری ہے کہ نہ زیادہ سخت نہ زیادہ نرم۔ اگر مجرم بہت بوڑھا یا دائمی مریض اور کوڑوں سے ہلاکت کا اندیشہ تو سو کوڑوں یا شاخوں کا جھاڑو بنا کر ایک بار ہی پوری قوت سے ماردی جائے۔ اگر جرم گواہی سے ثابت ہو تو ہر سزا کی ابتدا گواہ کریں یہ واجب ہے۔ اگر اقرار جرم سے ثابت ہو تو سزا دینے کی ابتدا خود فیصلہ کرنے والا جج کرے یہ مستحب ہے۔ حد شریعت کی اس سزا کو کہتے ہیں جو قرآن مجید یا حدیث متواتر یا اجماع صحابہ سے عبارتاً وصراحتاً ثابت و مقرر ہو۔ قیامت تک اس میں نہ تنسیخ ہو سکے نہ تبدیلی نہ کمی زیادتی شریعت اسلام میں چار سزائیں حد ہیں۔ ۱۔ زناءِ کنواری کنوارا سو کوڑے۔ ۲۔ زناء محصن محصنہ (شادی شدہ) کی سزاء حد رجم۔ پہلی حد شرعی قرآن مجید کی اسی آیت سے ثابت رجم کی سزا حدیث پاک سے ثابت۔ ۳۔ حد قذف قرآن مجید سے ثابت۔ ۴۔ حد شراب اجماع صحابہ سے ثابت اس طرح کہ دورِ فاروقی میں حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شراب نوشی کی سزا کے لئے تمام صحابہ کرام کی مجلس شوریٰ منعقد فرمائی۔ حضرت مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں شراب کے نشے والے کی باتوں کو تہمت لگانے والی کی باتوں کے مثل ومشابہ سمجھتا ہوں کیونکہ بہتان باز بھی ہذیان وفضول بکتا ہے اور نشے والا بھی لہٰذا دونوں کی سزائیں بھی ایک جیسی ہونی چاہئیں تو چونکہ قذف یعنی تہمت وبہتان لگانے کی سزا قرآن مجید نے اَسی (۸۰) کوڑے بتائی ہے۔ شراب نوشی کی سزا بھی یہی ہونی چاہئے تمام صحابہ کرام کو یہ رائے بہت پسند آئی۔ اسی پر تمام صحابہ کا اجماع ہو گیا اور تا قیامت یہ حد مقرر ہو گئی۔ تعزیر وہ سزا ہے جو حاکم وقت خود اپنی صوابدید پر مقرر کرے اس میں تنسیخ، تبدیلی، کمی بیشی ہو سکتی ہے۔

ان آیات میں مفسرین کے مختلف اقوال

سُوْرَۃٌ کی ترکیب نحوی میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ خبر ہے مبتدا محذوف ھٰذَا کی یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ خود مبتدا ہے محذوف خبر کا دراصل ہے سُوْرَۃٌ اَوْحَیْنَا۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ یہ پوری آیت امبتدا ہے اور پوری آیت ۲ اس کی خبر ہے۔ ۴۔ یہ سُوْرَۃً ہے زبر سے۔ مفعول بہ ہے ایک فعل محذوف کا دراصل ہے اَوْحَیْنَا اِلَیْکُمْ سُوْرَۃً۔ فَرَضْنَا کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں باب نصر کا ماضی مطلق معروف ہے بغیر تشدید فَرَضْنَا۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مکتوب ومشہور ہے۔ ۲۔ بعض کی قِرأۃ میں۔ باب تفعیل کا ماضی ہے تشدید سے۔ فَرَّضْنَا۔ فَرَضْنَا کے معنی میں دو قول ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے فرض واجب کیا۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے ہم نے تفصیل بیان کی بمعنی فَصَّلْنَا۔ اَنْزَلْنَا کی وجہ تکرار میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے فرمایا کہ یہ تکرار عنایات ربانی کی شانِ کمال بتا رہی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ احکام الٰہیہ کا مستقل ہونا بتا رہی ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ یہ تکرار اس بات کی وضاحت کر رہی ہے کہ اس سورۃ نور کی پہلی آیات میں احکام حدود کی قسمیں بیان کی گئی ہیں اور آخری آیات میں دلائل توحید وشانِ رسالت بیان کئے گئے ہیں۔

marfat.com

تَذَكَّرُوْنَ کی قرئۃ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں ذال کی تخفیف سے ہے یہی درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں ذال کی بھی تشدید ہے یعنی تذَّکَّرُوْنَ۔ وَالزَّانِی کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت وَالزَّانِیْ۔ یٔ سے ہے یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت وَالزَّانُ ہے بغیر یاءِ آخری۔ لَا تَاخُذُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں لَا تَاخُذُ ہے۔ مضارع معروف منفی واحد مؤنث غائب۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت لَا یاخُذُ ہے۔ واحد مذکر غائب۔ یہ قرأت اس لئے بھی غلط ہے اس کا فاعل رَافَةٌ لفظی مؤنث ہے مگر ان بعض کا کہنا ہے رَافَةٌ معناً مذکر ہے۔ رَافَةٌ کی قرأت میں چار قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں بلا ہمزا ہے۔ رَافَةٌ یہی درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت رَأْفَةٌ ہمزہ سے۔ ۳۔ بعض کی رَءَ فَةٌ ہمزہ مفتوحہ سے۔ ۴۔ بعض کی قرأت رَئَافَةٌ ہے ہمزہ و الف سے۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دین اسلام صرف نماز، روزے کا نام ہی نہیں بلکہ مکمل عدالتی نظام حدود و قصاص جاری کرنا بھی دین ہی ہے یہ فائدہ وَلَا تَأْخُذْكُمْ بِهِمَا رَأْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا یعنی حدود کی سزائیں جاری کرنا بھی دین ہی ہے۔ اگر کسی اسلامی ملک میں مسلمانوں کی حکومت میں عدالتی نظام اسلامی نہیں تو وہاں ادھورا دین ہے اور یہ اسلام سے بغاوت و غداری ہے بلکہ فقہاء عظام فرماتے ہیں اسلامی ملکوں میں غیر اسلامی قانون جاری کرنا منافقانہ شرک ہے۔ **دوسرا فائدہ:** کسی بھی مجرم پر رحم کرنا، ترس کھانا، سفارش و حمایت کرنا یا نرم رویہ رکھنا گناہ و توہین اسلام ہے قیامت میں اس کی سزا جہنم ہے۔ یہ فائدہ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ حدیث مقدس میں ایسی خلافِ اسلام نرمی گرمی اور ترس کی اُخروی سزا بیان کردی گئی ہے۔ **تیسرا فائدہ:** ہر سزاء اسلامی سرعام عوام کے سامنے دینی چاہئے اور فیصلہ کرنے والا جج بھی سزا کے وقت موجود ہوتا کہ افسروں کی نزاکت طبعی عوام سے غرور اور توہین عدالت والا کافرانہ قانون ختم ہو۔ توہین عدالت کا قانون بنانا اسلام کے خلاف ہے مغرور انگریز کا بنایا ہوا اس قانون سے ملک میں تین خرابیاں پیدا ہوئیں۔ ۱۔ انصاف مہنگا ہوا۔ ۲۔ ظلم سستا ہوا۔ ۳۔ حکام عدالت مغرور ہوئے اور نازک مزاج آوازِ حق کو دبایا گیا۔

احکام القرآن

ان آیات پاک سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** احناف کے نزدیک زنا یہ ہے کوئی مرد کسی کنواری یا غیر کی بیوی سے اس کی قبل میں وطی دخول کرلے انزال ہو یا نہ ہو، صرف آلہ تناسل داخل ہو جانا ہی مکمل زنا ہے۔ پہلے زمانوں میں لونڈی، غلام ہوتے تھے اس وقت یہ قید تھی کہ لونڈی مکمل ایک شخص زانی کی ملکیت نہ ہو یا آدھی ملکیت ہو اور زانی اس سے وطی کو حرام سمجھتا ہو۔ تب بھی وطی کرلے تو زنا ہے اور نہ وطی بالشبہ ہے یا لونڈی پوری کسی دوسرے کی ہو تب یہ زنا ہے اس کی سزا کوڑے یا رجم ہے لیکن لواطت فی دبر عورت یا مرد سے یا جانور سے قبل یا دبر میں مجامعت کرنا زنا نہیں ہے۔ لواطت و مجامعت

marfat.com

جانور اور وطی بالشبہ کی سزا تعزیری ہے۔ مسلک حنفی میں زنا نام ہے نسل خراب کرنے کا اِرَادَۃً۔ اگرچہ کسی وجہ سے تکمیل نہ ہو سکے۔ امام احمد و شافعی رحمہما اللہ تعالیٰ کے مسلک میں انسانی دبر میں لواطت بھی زنا ہے کیونکہ ان کے نزدیک شہوت پوری کرنا ہی زنا ہے۔ ان اماموں کے نزدیک لواطت کی سزا بھی کوڑے یا رجم ہے۔ احناف کی دلیل عمل صحابہ کرام ہے کیونکہ صحابہ نے لواطت و مجامعت حیوانات کے لئے تعزیری سزائیں مقرر فرمائیں جو مختلف ہوتی رہیں اگر لواطت و مجامعت حیوانات زنا ہوتا تو صحابہ بھی سزاء حد ہی لگاتے نہ سزا میں کمی بیشی کا اختلاف کرتے نہ خود سزاء تعزیر مقرر فرماتے۔ **دوسرا مسئلہ:** کوڑوں والے زنا کی سزا میں صرف دو شرطیں ہیں۔ ۱۔ دونوں مجرم عاقل۔ ۲۔ بالغ ہوں، نابالغ و نابالغہ اور دیوانی دیوانے کو سزا نہ ملے گی۔ ایک بھی عاقل بالغ ہے تو صرف اسی کو سزا ملے گی اور رجم کی سزا والے زنا میں چھ شرطیں ہیں۔ ۱۔ دونوں مجرم مرد و عورت **محصِن و محصَنہ** ہوں یہ تین چیزوں کا نام ہے۔ ۱۔ اللہ رسول پر ایمان۔ ۲۔ قیامت و حساب و کتاب پر ایمان۔ ۳۔ شریعت کی پابندی۔ شرط دوم۔ دونوں بالغ ہوں۔ ۳۔ عاقل ہوں پاگل نہ ہوں۔ ۴۔ آزاد ہوں لونڈی غلام نہ ہوں۔ ۵۔ دونوں صحیح نکاح سے شادی شدہ ہوں نکاح فاسد یا باطل نہ ہوا ہو۔ ۶۔ رُخصتی اور خلوت صحیحہ اور خاوند بیوی جائز وطی بھی کر چکے ہوں پھر زنا کریں تو سزاء رجم ہوگی لیکن اگر ایک شرط بھی کم ہوئی تو نہ محصن محصنہ ہونا ثابت ہو نہ سزاء رَجم ثابت ہوا اور زنا ثابت ہو جانے کی صورت میں کوڑوں کی سزا لگے گی۔ یہ مسلک صرف امام اعظم و امام مالک رحمہما اللہ تعالیٰ کا ہے۔ امام شافعی و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ کے نزدیک محصن محصنہ کا احصان پانچ چیزوں میں ہے یعنی مسلمان ہونا شرط نہیں مستامن وذمی کافر عاقل، بالغ، آزاد، شادی شدہ، جائز وطی کرنے کے بعد اگر زنا کرے گا تو رجم کی سزا ہوگی۔ **تیسرا مسئلہ:** آئمہ اربعہ کا متفقہ مسلک ہے کہ مجبور عورت کو زنا بالجبر کی سزا نہ ملے گی نہ کوڑوں والی نہ رجم والی خواہ زانی مجبور کرے یا کوئی رنڈی باز تجارتی دلال یہ تینوں مسئلے اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ اور اسی سورۃ نور کی آیت ۳۳ سے مستنبط ہوئے۔ خیال رہے کہ زنا کار عورت کے شریعت میں دو نام ہیں۔ ۱۔ اَلزَّانِيَہ خوشی سے زنا کرانے والی۔ ۲۔ مَزْنِیہ مجبوراً زنا کرانے والی مگر زنا کار مرد کا صرف ایک ہی نام ہے اَلزَّانِیْ۔ اس لئے کہ شریعت نے عورت کو تو زنا میں مجبور مانا ہے مگر مرد کو زنا کاری میں مجبور نہیں مانا اس کی وجہ یہ کہ عورت کے پاس آلہ دخول ہے۔ عورت کی رضا ہو یا نہ ہو جبراً بھی زنا ممکن ہے مگر مرد کے پاس آلہ ادخال ہے اور ادخال شہوت سے ممکن ہے اور شہوت رضا خوشی و سکون سے ہی ممکن ہے ذرہ بھر بے دلی، بے رغبتی بے سکونی یا خوف غالب ہو تو شہوت نہیں آتی اور شہوت نہیں تو ادخال ناممکن۔ اس لئے مرد کو زنا پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ہر زنا پر زانی کو سزا ملے گی اور زانیہ کو بھی مگر مزنیہ کو سزا نہ ملے گی۔ اس لئے پہلے فرمایا گیا اَلزَّانِيَةُ پھر وَالزَّانِیْ۔ **چوتھا مسئلہ:** شریعت اسلام کا یہ مسئلہ فقہ اربعہ میں متفقہ ہے کہ قصاص، رجم و قطع ید سارق کی سزا حکومت عدالت کا قاضی و جج ہی نافذ و جاری کر سکتا ہے۔ عوام یا آقا یا سردار چوہدری یا سابقہ جج و قاضی عدالتی فیصلہ کو یا خود فیصلہ کر کے یہ تین شرعی سزائیں جاری نہیں کر سکتا۔ نہ قصاص میں قتل نہ چوری میں ہاتھ کاٹنا نہ زنا میں رجم۔ صرف حکومت کا مقرر کردہ حاکم جج قاضی کے علاوہ کوئی کتنا معزز یا ماہر قانون ہو قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لے سکتا۔ ان تین کے علاوہ باقی اسلامی حدود و تعزیرات کے نفاذ میں فقہی اختلاف ہے۔ امام اعظم و امام احمد رحمہما اللہ تعالیٰ تو تمام

marfat.com

سزاؤں کے نفاذ میں یہی فرماتے ہیں یعنی کوڑوں، جیلوں، تعزیروں کی تمام سزائیں صرف حکومتی عدالتیں ہی دے سکتی ہیں لیکن بعض مالکی وشوافع علماء نے فرمایا کہ آقا یا علاقے کا ایماندار سربراہ کوڑوں وتعزیروں کی سزا جاری کرنے میں قاضی وجج کا نائب ہے۔ لہٰذا بوقت ضرورت یہ سزائیں دے سکتا ہے یہ متفقہ مسئلہ فَاجْلِدُوْا کے بعد وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ کی دلالۃ النص سے مستنبط ہوا۔ جس میں بتایا گیا کہ عوام مومنین صرف سزا کو دیکھ سکتے ہیں نافذ کرنے والے دیگر حکام ہیں جن کو فَاجْلِدُوْا کا حکم دیا گیا اور لَا تَاْخُذْكُمْ کی ممانعت کی جارہی ہے اس کے بعد وَلْيَشْهَدْ فرمانا حکام وعوام کی تفریق وتقسیم فرمانا ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ یعنی عورت کا ذکر پہلے مرد کا بعد میں لیکن سورۃ مائدہ کی آیت ۳۸ میں فرمایا گیا۔ وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ۔ وہاں مرد کا ذکر پہلے عورت کا بعد میں۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ یہاں شہوانی جرم کا ذکر ہے اور وہاں جسمانی جرم کا۔ شہوت خواہش بدکاری کی عادت عورت میں زیادہ اس لئے رغبت ورغلاہٹ دعوتِ گناہ بھی عورت کی جانب سے زیادہ ہوتی ہے عورتوں کے ہی چکلے بنتے کوٹھے سجتے ہیں نہ کہ مرد کے اس لئے جرم زنا میں عورت کا ذکر پہلے کیا گیا لیکن چوری کے جرم کا تعلق طاقت جسمانی قوت، دلیری، بہادری سے ہے وہ مرد میں عورت سے زیادہ ہوتی ہے۔ اسی لئے چور زیادہ اور بڑے بڑے مرد ہی ہوتے ہیں۔ عورت شاذ ونادر اور چھوٹی چوریوں کی ہی مرتکب ہوتی ہے اس لئے وہاں مرد کا ذکر پہلے فرمایا گیا۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ زنا ہر حال میں ایک ہی نوعیت کا مگر کنوارے مرد وعورت کی سزاء زنا کوڑے مارنا ہے اور شادی شدہ زانیہ زانی کی سزا رجم کرنا ہے۔ جب جرم ایک طرح کا تو سزا بھی ایک جیسی چاہئے تھی۔ یعنی دونوں قسم کے زانی زانیہ کو کوڑوں کی ہی سزا دی جاتی۔ نیز رجم کے بجائے قتل کر دیا جاتا تو بہتر تھا آسان بھی تھا اور مقصد ہلاکت بھی حاصل تھا۔ **جواب:** فعل زنا اگرچہ ایک جیسا ہے لیکن کیفیت مجرمان مختلف ہے کنوارہ، کنواری کو شہوانی مجبوری ہے جو وجہ جرم بھی ہوسکتی ہے لیکن شادی شدگان کو یہ مجبوری نہیں ان کا جرم محض بدمعاشی سے ہے نیز قتل کے بجائے رجم کرنے میں دو حکمتیں ہیں۔ ایک یہ کہ زنا شہوانی لذت کا جرم ہے اور یہ لذت پورے جسم نے حاصل کی اس لئے پورے جسم کو سزا دی گئی نہ کہ صرف گردن کو۔ دوسری حکمت یہ کہ چونکہ اسی سزا دلوانے میں چار گواہ تھے اور اقرار جرم میں جج نے فیصلہ سزا کیا تھا اس لئے سزا دینے میں چاروں گواہ اور جج بھی شامل ہو اور عوام بھی تاکہ دیکھا جائے کہ کون ترس کرتا، کون سزا دینے سے ہچکچاتا ہے، کون عبرت، کون نصیحت پکڑتا ہے۔ یہ بات قتل سے حاصل نہ ہوتی وہ تو صرف ایک ہاتھ نے ہی کرنا تھا۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں بھی اور دیگر آیات میں بھی قیامت کو یوم آخر کہا جاتا ہے وقتِ آخر نہیں کہا جاتا نہ لیل آخر اور یہاں سزاء حد کو عَذَابَهُمَا فرمایا گیا چاہئے تھا عِقَابَهُمَا فرمایا جاتا۔ عذاب تو سزا ربانی کو کہا جاتا ہے جو دنیا میں کفار پر آسمانی ناگہانی ہوتا ہے یا قبر حشر جہنم میں۔ **جواب:** شرعی اصطلاح میں ہر وہ سزا جو ذاتی دشمنی یا مخالفت، بغض، حسد، کینہ، مخالفت، عداوت کی وجہ سے ہو وہ عقاب ہے لیکن جو سزا سچے انصاف وحفاظت قانون

marfat.com

کی وجہ سے ہو کسی ذاتی عناد یا ظلم کو دخل نہ ہو بلکہ ظلم وفتنہ ختم کرنے کے لئے ہو اس کو عذاب کہا جاتا ہے وہ بھی ربانی سزا ہے اگرچہ حکام عدالت کے ہاتھ سے ہو یا مجاہدین اسلام کے ہاتھ سے یا آسمانی فرشتوں کے ہاتھ سے۔ حدودِ اسلامی بھی اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ ہے اس لئے اس کو عذاب فرمایا گیا۔ یہ بھی یاد رہے کہ عالم دنیا میں ناگہانی کوئی بھی عذاب نہیں نہ آسمانی نہ جہادی وعدالتی سب کچھ قانون قدرت و پروگرام کے مطابق ہو رہا ہے لیکن جو بے خبر ہوں وہ ناگہانی کہہ دیتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اے وادیٔ اسرار کو تلاش کرنے والو سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا۔ یہ ایک سورۃ ہے وادی اسرار وانوار کا سور البلد، شریعت، طریقت، معرفت، حقیقت کی چار دیواری اس میں علوم ومعارف کے خزانے ہیں۔ اس وادی چار دیواری کو ہم نے عالم قدس سے عالم ظاہر میں نازل فرمایا وَ فَرَضْنٰهَا اور گھیر لیا ہم نے اپنے ہر بندۂ خالص کو اس ایمان عرفان کی حدودِ چار دیواری میں فرائض واجبات، سنن، مستحبات کا پابند کر کے اور مقرر کر دیئے ہم نے ہر مومن کے اوقات قدوم وقیام، اکل وشرب، نظر وفکر کو عقل کی اونچائی، دل کی گہرائی، روح کی ترقی، نفس کی تذلی کے لئے خبردار ان حدود سے باہر کوئی نہ نکلے تاعمر اسی چار دیواری کے پنجرہ میں رہے ورنہ راہ بے راہ مارے پھرتے ہیں۔ وَاَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ۔ بندۂ عارف طائر لاہوتی ہے شریعت انس کا پنجرہ ہے جس کی حدود آفاقی میں اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ کی غذائیں، حسنات کے پانی ہیں لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ یہ روحانی آیات بینہ کی غذائیں ہم نے اس لئے نازل کی ہیں تاکہ تم حدود شریعت میں محدود بند ولذت ذوق سے ذکر وعبادت کی پروازیں کرسکو۔ اس چار دیواری آفاقی، ملکوت لاہوتی، جبروتی کے چاروں طرف سے اپنے قالب میں موجود خباثت نفسانی پر نگاہِ تفکر رکھو اور اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ۔ جسم انسانیہ میں عقل عیارہ زانیہ ہے اور نفس امارہ زانی ہے جو شیطان کے قبضہ ٔ تصرف غلبہ تعمل میں ہے ان میں شہوت دنیا بھرپور ہے۔ جس بندے کی پوری مشغولیت شہوات ہر وقت حصول دنیاء فانی میں لگی رہیں اس طرح کہ اس کا دین بھی دنیا بن جائے۔ ممنوعات شریعت کی بھی پرواہ نہ کرے وہ عقل ونفس قالب انسانی کا زنا کار ہے۔ ان دونوں کو ریاضات عرفانی کے سو کوڑے مارو۔ اس طرح کہ روزوں کی بھوک سے پچیس کوڑے پھر ترک شہوات کے پچیس کوڑے پھر ترک خواہشات کے پچیس پھر مخالفتِ شیطان کے پچیس کوڑے یہ سو کوڑوں کا مراقبہ، محاسبہ، معاتبہ، مقاہرہ کا چلہ اس لئے ہے کہ عقل کی عیاریاں، نفس خبیث کی تیاریاں دن رات کے چوبیس گھنٹوں میں ہیں۔ نفس خبیث ہر گھنٹے میں چار زنا کرتا ہے۔ قدم کا زنا، ہاتھ کا، آنکھ کا، کان کا زنا، کلام فحاشی کو سن کر یہ چھیانوے ہوئے بقیہ چار بدمستی کی نیند، کفران نعمت، تصورات باطل، تخیلات فاسد۔ اے بندۂ مرید بیشک تیرا رب جانتا ہے کہ تو لیل مراقبہ میں دو تہائی رات سے کم جاگتا ہے اسی میں قیام معرفت وقرب منزل کے قدم مکمل کرتا ہے اسی لئے بندۂ طالب پر سزا ونفس فرض کر دی ہے ہم نے کہ ان ساعتوں میں غافل نفس کو حواس خمسہ کے مراقبے اور اعضاء ظاہری کے مجاہدے سے وہ سزا دو جو شریعت کی عدالت قلب حاکم نے حدود طریقت کا فیصلہ سنایا اور سزا کا مجموعہ سو کوڑے ہوا جس کے نتائج وکمالات عقل ونفس کے لئے حاصل ہوتے ہیں۔ وَلَا تَاْخُذْكُمْ بِهِمَا رَاْفَةٌ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ۔ اے بندو جب تم محبت الٰہی کا دعویٰ کرتے ہو تو قہر کرو اللہ تعالیٰ کے نافرمانوں، مخالفوں پر اور بھی بھی

marfat.com

ترس نہ آنا چاہئے نفس کی خباثتوں، مخالف کی حماقتوں پر کیونکہ جو نافرمانوں پر رحم کرتا ہے وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتا ہے۔ خباثت و نافرمانی بیماری ہے۔ عقل و نفس مثل اولاد ہے تزکیہ روح اور مجاہدے کی تادیب اس بیماری کا علاج ہے جس طرح اگر کوئی اولاد بیمار بیٹے کو کڑوی دوائی شفقت و پیار کی وجہ سے نہ کھلائے یہاں تک بیمار تباہ و ہلاک ہو جائے۔ تو وہ باپ شفیق نہیں ظالم ہے اسی طرح جو شخص دنیا میں عقل و جسم کو ہر وقت ہر طرح کی نرمی و آرام دے سردی کے وضو سے بچائے، پوری رات میٹھی نیند سلائے، دھوپ و گرمی کی عبادت سے ہٹائے، ٹھنڈی چھاؤں میں بٹھائے، ریاضت سے بچائے۔ محنت کی عبادت مراقبے سے روکے، جاگنے سے گھبرائے اور خوب عیش کروائے تو وہ ابدی ظلم کرنے والا ہے۔ لہٰذا اے بندو اپنے نفس و عقل پر مشقت و عبادت کی خوب سختی سے پابندی کرو۔ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ۔ اے سالکین وادی اسرار اگر تم کو اسرار الٰہیہ انوار جمالیہ پر حَقُّ الْيَقِيْن کا ایمانِ کامل ہے اور انجام خیر و شر کے اس یوم آخر پر بھی جس کی رات نہیں ہے وہ روشنی جس کا اندھیرا نہیں ہے وہ نور جس کے ساتھ ظلمت نہیں ہے وہ عدل جس کے بعد کوئی کسی پر ظلم نہ کر سکے۔ کسی کے لئے وہ خیر کا دن جس کے بعد شر کی رات نہیں اور کسی کے لئے وہ شر کی رات ہے جس کے بعد خیر کا دن نہیں ہے۔ وہ سعادت جس کے بعد بھی شقاوت نہ ہو وہ شقاوت جس کے بعد کبھی سعادت نہیں۔ اپنا اپنا نصیب ہے، اپنا اپنا حصہ، اپنا اپنا انجام۔ خیر و شر اگر تم بندے اللہ تعالیٰ کی اس تقسیم حکیمانہ وقدرت کاملانہ پر ایمان لاتے ہو تو کبھی بھی احکام الٰہیہ میں نرمی گرمی کی بیشی جلدی و دیر۔ تعطل تفضل کی حرکت شیطانیہ نہ کرنا۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ جنت میں مجموعہ انوار تجلیات ابدی کا دن ہے اور جہنم میں مجموعہ ظلمات کی نار والی ابدی رات ہے۔ لہٰذا حیات دنیوی کے لمحات مہلت کو غنیمت جانو اور اگلی ابدی زندگی کو شب تاریک نہ بننے دو بلکہ اسی جہان فرصت و وقت مہلت میں ہیں۔ وَلْيَشْهَدْ عَذَابَهُمَا طَآئِفَةٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ چاہئے کہ طالبین منزل مسافرت وادی سلوک میں عبرت ونصیحت کی جگہ پر حاضر رہا کریں۔ تماشوں میں دل بہلاوے کی عادت نہ بنائیں عبرت گاہوں میں رہا کریں۔ لہٰذا واجب ہے شیخ کامل حاکم عادل پر کہ مرید غافل کی تادیب و سرزنش کرتا رہے۔ اولاً نفس امارہ کو صوم وصلاۃ و مراقبہ رات کے مجاہدوں کی مار مارے یہ سزا خلوت ذاتی میں نہ ہو بلکہ جلوت صفاتی میں ہو سب مریدان منتہی اور مومنین متقی کی جماعت صادقہ صالحہ کے سامنے مریدین صادقہ و متقین صالحہ وہ ہیں جو تربیت کاملہ کی وجہ سے سزاء امارہ کے مستحق نہ رہے۔ عقل زانیہ و نفس زانی کا جرم میلان شہوات کی چاہت ہے اس لئے چاہئے کہ یہ حد طریقت کی سزا تزکیہ نفس و تادیب عقل کے کوڑے حلم طریقت شیخ کامل و مریدین صادقہ کے سامنے ہو جماعت عارفین کے حضور قلبی میں ہوتا کہ افراط و تفریط۔ نرمی سختی کے ظلمات نہ باطن میں ہو سکیں نہ ظاہر میں۔ سزاء نفس کا مقصد علاج قالب ہے اس لئے صحبت عارفین و قرب مرشدین ضروری ہے تا کہ تادیب و تزکیہ درست ہو اور صراط سلوک کی ہدایت حاصل ہو۔ اے طالب معرفت خضر راہ کے بغیر مرحلہ حیات طے مت کر کیونکہ بیابان حیات میں کثرت ظلمات ہے اور گمراہی و طغیان ضلالت و طوفان کے خطرات ہیں۔ ہر وقت فکر و خوف میں بے اعتمادی کی لپیٹ میں رہنا چاہئے۔ نفس امارہ و عقل عیارہ مثل کنوارہ اَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ ہے کہ ہر وقت بدکرداری کا ہی مشورہ دیتے تذکرہ کرتے ہیں۔ عقل فاسق آوارا ہے لیکن جب بیعت مرشد سے عقد نکاح روحانی و باطنی میں جکڑ دی جائے اور نفس امارہ سے ہٹا بچا کر نفس مطمئنہ کی

marfat.com

زوجہ طیبہ بنا دی جائے اور یٰۤاَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَىِٕنَّةُ ﴿۲۷﴾ ارْجِعِیْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ﴿۲۸﴾ فَادْخُلِیْ فِیْ عِبٰدِیْ۔ (فجر: ۲۷) کا مژدۂ خلوت سنا دیا جائے کہ اے نفس مطمئنہ پاکیزہ بن کر عقل کو پاکیزہ بنا کر اپنے رب رحیم کی مرضی میں لوٹ آ اور بندگانِ صالحین کے خاندان میں شامل ہونے کا حکم مل جائے اور نَمْ كَنَوْمَةِ الْعُرُوْسِ کا زوجان معرفت کو لباس عروسی پہنا دیا جائے اور عقل عیار کو کسی مرد قوت روحانی کی صحبت مراقبہ کی خلوت اور محفل مشاہدہ کی جلوت اور مجلس مکاشفہ کی لذت نصیب ہو جائے تو پھر بھی اگر کسی ارتداد شیطانی سے وہ نفس خبیث کے ساتھ لگے تو دونوں کی سزا اور رجم کی ابدی لعنت کے پتھروں سے ہلاکت فنا میں پہنچا دیا جائے اور اب کوڑوں کی سزاء طریقت کافی نہ ہوگی یہ سنگساری لعنت وموت ذلت معرفت کے انعام یافتہ کی عقل طیبہ کا عقل خبیثہ بن جانے کی وجہ سے ہے کیونکہ بیعت مرشد نکاح باطنی ہے عقل سلیم ونفس مطمئنہ کا پھر تعلیم مراقبہ خلوت صحبت حلال ہے اس نکاح روحانی وتزکیۂ جسمانی کے بعد جو عقل ونفس اپنے قدم فکر، نظر ذکر اور سمع عمل کا زنا کرے وبدکاری دکھائے تو اس کے لئے صرف رجم ہلاکت کی ہی سزا ہے۔ ایسے خبثا ونجاست کو حلقۂ عارفین کے پاکیزہ گروہ میں رہنے کی کوئی اجازت نہیں۔ خباثت عقلی نفسی کو باقی رکھنا احکام طریقت میں حرام وگناہ کبیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سید اہل کرم کے وسیلے سے اہل معرفت پر نشان قدیم سے نور قرآن اتارا اور ان آیات کو انوار ذات کا چراغ بنایا اور ان چراغوں کو حقیقت کی ہدایتوں و طریقت کی دلالتوں کے لئے سورتوں کے طاقوں میں رکھا تاکہ منور ہو جائیں اس کے انوار سے معرفتوں کے راستے اور مکاشفوں کی راہیں اور جو کچھ ان آیات میں عبودیت کے احکام ہیں۔ وہ بندوں پر واجب کر دے اور نازل فرمایا ان آیات میں اسرار قدسیہ کی رہنمائیوں کو اور سُبُّوحیة کے انوار کو جو واضح ہیں اہل عقل عارفین واہل فراست یقین والوں کے لئے جمع کر دیا اور بیان کر دیا حلال وحرام کو۔ اے بندو اگر تم میری عظمت وجلال کا مشاہدہ کرتے ہو تو نہ شک کرو میرے بنائے ہوئے دین میں اور موافقت کرو میرے امر کی جیسا بھی مواخذہ ہو میرے قہر کا اور نہ نرمی کرو میرے حدود میں سے کسی بھی حد میں اور جو میرے دوستوں کا مخالف ہے وہ میرا محب نہیں۔ مخالفین سے شفقت الفت موافقین سے دشمنی واعراض ہے۔ مومن وعارف کو ہر قدم پر فائدہ ہے۔ لہٰذا جس نے قانون کو نافذ کیا اس نے فائدہ پایا اور جو غافل رہا وہ پردوں میں گمنام ہو کر نقصان میں رہا۔ اے نیک بندو حاضر حالات رہو اپنے نفس امارہ کو جھڑکنے کے لئے تاکہ وہ نصیحت پکڑے عذاب الٰہی دیکھ کر اور ڈرے نافرمانی ربانی سے اور پہچانے اپنے خالق تعالیٰ کو تخلیق حسب نسب مٹ جاتے حقیقت کے جلال سے کیونکہ عبودیت عباد ربوبیت رب تعالیٰ کا حق ہے۔ سزاء نفوس کی جگہ حاضر ہونا ان کے لئے ضروری جو خود مستحق تادیب ہیں نہ کہ تمام کے لئے۔

اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ اِلَّا زَانِیَةً اَوْ مُشْرِكَةً٘

زانی نہ کرے نکاح مگر فاحشہ زانیہ سے ہی یا پھر مشرکہ عورت سے نکاح کرے

بدکار مرد نکاح نہ کرے مگر بدکار عورت یا شرک والی سے

وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنْكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ٘ۚ

marfat.com

اور فاحشہ زانیہ عورت نہ کرے نکاح اس سے بھی مگر زانی یا مشرک مرد
اور بدکار عورت سے نکاح نہ کرے مگر بدکار مرد یا مشرک
وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ
اور حرام کر دیا گیا ہے تا قیامت مشرک مشرکہ سے نکاح ایمان والوں پر اور وہ لوگ جو
اور یہ کام ایمان والوں پر حرام ہے۔ اور جو
يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَأْتُوْا بِأَرْبَعَةِ
بہتان لگاتے ہیں حفاظت پاکدامن عورتوں کو پھر نہ لاسکیں چار عینی
پارسا عورتوں کو عیب لگائیں پھر چار گواہ
شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ
گواہ تو اے عدالت والو کوڑے مارو تم ان بہتان بازوں کو اُسّی کوڑے۔ اور نہ قبول کرو تم ان کی گواہی بھی کبھی بھی
معائنے کے نہ لائیں تو انہیں اُسّی کوڑے لگائے اور ان کی کوئی گواہی کبھی نہ مانو
وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۴﴾ لا
اور یہی لوگ ظاہر ظہور فاسق و فاجر ہیں (آخرت میں)
اور وہی فاسق ہیں

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں زنا کی ایک سزا کا ذکر ہوا جو جسمانی و قانونی شرعی ہے اس سزا کا جاری کرنا عدالت کا کام ہے۔ اب ان آیات میں زنا کی دوسری سزا کا ذکر ہے جو روحانی معاشرتی ہے یعنی زناکاروں کو معاشرے میں ذلت کا مقام یہ سزا جاری کرنا خاندان کے شرفاء کا کام ہے۔ اس سزا میں یہ بتایا گیا کہ زنا و بدکاری مثل مشرک گندگی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اس سورۃ نور میں شریعت کے احکام نازل فرمائے گئے ہیں اور آیات بینات۔ اب ان آیات میں کچھ احکام شرعی بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ جس میں حد قذف کا ذکر فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جرم زنا کاری ثابت ہو جانے کے بعد اس کی سزاء شرعی اسلامی کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں زنا کا الزام ثابت نہ کیا جاسکنے پر جرم اور اس کی سزاء جسمانی و روحانی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔

شان نزول

ایک صحابی حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا طریقہ تھا کہ جو صحابی مکہ مکرمہ میں کفار کی قید میں ہوتے تو حضرت مرثد رضی اللہ

marfat.com

تعالیٰ عنہ رات کی تاریکی میں چھپ چھپا کر مکہ مکرمہ میں جاتے اور اس گھر سے جس میں مسلمان قیدی ہوتے ایک دو قیدی چھڑا کر بھگا لے آتے اور مدینہ منورہ میں بارگاہِ رسالت ﷺ میں پیش کر دیتے۔ اسی سلسلے میں وہ ایک بار مکہ مکرمہ گئے اور بستی سے باہر ہی ایک جگہ چھپ کر بیٹھ گئے رات ہونے کا انتظار کرنے لگے۔ رات چاندنی تھی جب رات ہوئی ابھی وہ لوگوں کے سو جانے کا انتظار ہی کر رہے تھے کہ کسی مکان کے بیرونی برآمدے میں سے ایک نوجوان عورت جو آپ کی پرانی محبوبہ تھی اس کا نام عناق بنت حائل تھا۔ ادھر سے گزری اس نے دیکھا کہ کوئی شخص چھپا بیٹھا ہے وہ نزدیک آئی تو حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہچان لیا اور پوچھا کیا تو مرثد ہے۔ حضرت مرثد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں تو وہ خوش ہو کر بولی آج تم میرے مہمان بنو اور دعوتِ گناہ بھی دی اور دعوتِ نکاح بھی اور بہت مال دینے کا بھی وعدہ کیا۔ پرانے وعدے بھی یاد دلائے مگر آپ نے سب کا انکار کرتے ہوئے فرمایا اب میں مسلمان ہوں اور اسلام میں بدکاری حرام ہے میں اب تیری دعوت قبول نہیں کر سکتا۔ عناق کو بہت غصہ آیا اور شور مچا دیا کہ لوگو دوڑو پکڑو یہی وہ شخص ہے جو تمہارے قیدی بھگا لے جاتا ہے۔ قریبی گھروں سے چند آدمی نکلے دوڑے تو آپ بھاگ کر ایک قریبی غار میں چھپ گئے اور تلاش بسیار کے باوجود بھی کسی کو نہ ملے لوگ تھک کر چلے گئے۔ کافی دیر بعد آپ نکلے اور بستی ءمکہ میں آ کر جس آدمی کو آپ چھڑانے آئے تھے کامیابی سے چھڑا کر مدینہ منورہ لے آئے۔ پھر ایک دن آپ نے یہ سارا واقعہ نبی کریم ﷺ کو سنایا اور اجازت چاہی کہ کیا میں عناق سے نکاح کرلوں وہ خواہشمند بھی ہے دولت مند بھی۔ میں غریب ہوں کسی اور عورت سے نکاح کی طاقت بھی نہیں رکھتا اسی طرح اور بھی نادار نوجوان مسلمانوں نے اپنی اپنی مکی مشرکہ محبوباؤں سے نکاح کی اجازت چاہی۔ تب سورۃ نور کی ابتدائی یہ پانچ آیات نازل ہوئیں اور تین قانونی مسائل بتائے گئے۔ ۱۔ کنوارہ مرد عورت کے زنا کی سزا۔ ۲۔ مشرکہ عورت سے نکاح مسلم کی حرمت۔ ۳۔ تہمت زنا لگانے کی سزا۔ اور نادار مسلمانوں کو کچھ دن صبر کرنے کی تلقین فرمائی گئی کہ عنقریب حالات درست ہوں گے، غربت دور ہوگی، مسلمان عورتوں سے نکاح بھی ہوں گے۔

تفسیر نحوی

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً ۫ وَّ الزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُہَاۤ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ ۚ وَ حُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝

اَلزَّانِیْ مبتدا ہے اس کے الف لام نے اس کو مخصوص کر دیا کہ یہاں ہر زانی مراد نہیں بلکہ وہ زانی مراد ہے جس نے ابھی نکاح نہیں کیا کنوارہ ہے اور اپنی بدمعاشی سے کنجر بازی، زناکاری کا عادی ہو گیا ہو اس کو کوڑوں کی سزا کے علاوہ یہ سزا بھی ہے کہ لَا یَنْکِحُ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع منفی بلا معروف۔ صیغہ واحد مذکر غائب نَکْحٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے وطی کرنا (ہمبستری کرنا) اصطلاحی معنی ہے عقد زوجیت قائم کرنا قانونی خاوند بیوی بننا۔ یہاں یہی مراد ہے ھُوَ ضمیر اس کا فاعل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ مِنْہُ ہوا۔ اِلَّا حرف استثناء متصل زَانِیَۃً۔ اسم واحد مؤنث نکرہ عمومی یعنی ہر قسم کی بدکارہ، حرام کاری والی عادی رنڈی، کنجری، بازاری یا گھریلو آوارہ منش غلیظ عورت یہ معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف تخییر بمعنی یا۔ مُشْرِکَۃً۔ باب افعال کا اسم فاعل صیغہ واحد مؤنث غائب مصدر ہے اِشْرَاکٌ شِرْکٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے بت پرستی کرنا۔ مراد ہے شرک کی

marfat.com

گندگی والی عورت۔ یہ معطوف ہے زَانِیَۃً پر یہ دونوں عطف مل کر مستثنیٰ ہوا لَا یَنْکِحُ کے جملے کا یہ دونوں مستثنیٰ مِنْہُ وَ مستثنیٰ مل کر خبر ہے اَلزَّانِیُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ اَلزَّانِیَۃُ۔ اسم معرف باللام اس الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْ نے بھی اپنے مدخول اسم کو خاص کر دیا اس لئے زانیہ سے مراد ہے عادی زنا کار عورت جس کی شادی نہ ہوئی ہو۔ کسی نیک خاوند کی حفاظت میں نہ ہو نہ کبھی رہی ہو یہ مبتدا ہے۔ لَا یَنْکِحُ فعل با فاعل ھَا ضمیر واحد مؤنث غائب مرجع ہے اَلزَّانِیَۃُ مفعول بہ ہے۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ مِنْہُ ہے اِلَّا حرف استثناء زَانٍ۔ دراصل زَانِیٌ کی ی حرف علت بھاری ثقیل تھا لہٰذا احذف کیا گیا اور نون کو ی کی نشانی کسرہ تنوین دی گئی۔ زَانٍ اسم نکرہ ہے یعنی عام اسی زانیہ کی قسم کا غلیظ طبیعت زانی مرد یہ معطوف علیہ ہے اَوْ عاطفہ بمعنی یَا مُشْرِکٌ۔ اسم فاعل واحد مذکر بمعنی بت پرست، شرک کی گندگی والا۔ یہ معطوف ہے زَانٍ پر دونوں عطف مل کر مستثنیٰ ہے لَا یَنْکِحُھَا کے جملے کا۔ دونوں مل کر خبر ہے زَانِیَۃٌ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ ابتداء جملہ (سرِ جملہ) حُرِّمَ۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول صیغہ واحد مذکر غائب۔ مصدر ہے تَحْرِیْمٌ مبتدی ہے۔ ترجمہ ہے سخت منع کیا جانا جو دلیل قطعی سے ثابت یا مستنبط ہو۔ اگر دلیل ظنی سے ثابت یا مستنبط ہو تو وہ حرام ظنی یعنی مکروہ تحریمی ہوتا ہے یہاں مراد حرام قطعی سے ثابت شدہ ہے۔ حَرُمَ مادہ لازم سے بنا ہے ترجمہ ہے حرام ہونا۔ ذٰلِکَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ۔ اس کا مشار الیہ لَا یَنْکِحُ اور لَا یُنْکِحُھَا ہے۔ یہ نائب فاعل ہے حُرِّمَ فعل مجہول کا عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے حُرِّمَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَۃِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَۃً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَھُمْ شَھَادَۃً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ واؤ سر جملہ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول مذکر۔ یَرْمُوْنَ باب ضرب کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب رَمْیٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے تیر پھینکنا۔ باعتبار لغت یہ گیارہ (۱۱) معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ تہمت لگانا۔ ۲۔ مال کی سود لینا دینا۔ ۳۔ بادل کے چھوٹے ٹکڑے۔ ۴۔ تیر سے گرانا شکار وغیرہ۔ ۵۔ جانور کا کھر۔ ۶۔ ہاتھ سے پھینکنا۔ ۷۔ زیادتی ظلم۔ ۸۔ مدد کی دعا۔ ۹۔ موت کی بددعا۔ ۱۰۔ گالی دینا۔ ۱۱۔ نگرانی جاسوسی کرنا۔ یہاں مراد ہے تہمت وبہتان لگانا۔ اَلْمُحْصَنٰتِ الف لام بمعنی اَللّٰوَاتِیْ (اسم موصول جمع مؤنث) مُحْصَنَاتِ۔ باب افعال کا اسم مفعول صیغہ جمع مؤنث۔ مصدر ہے اِحْصَانٌ ترجمہ حفاظت کرنا۔ حِصْنٌ سے مشتق ہے اسی معنی سے قلعہ کو حَصِیْن کہا جاتا ہے کہ وہ مضبوط اور بڑا حفاظتی گھر ہے مُحْصِنَاتِ کی واحد ہے مُحْصَنَہ۔ ترجمہ ہے حفاظت کی ہوئی عورت یعنی شادی شدہ خاوند والی محفوظ پاک دامن عورتیں اس کا اسم فاعل مؤنث مُحْصِنَہ وَمُحْصِنَاتِ ہے۔ ترجمہ ہے بغیر شادی، بے خاوند والی (کنواری بیوہ یا مطلقہ)۔ اپنی حفاظت خود کرنے والی، پاکدامن عورتیں۔ اس کا مذکر ہے مُحْصِنٌ وَمُحْصِنِیْنَ۔ ترجمہ ہے بیویوں والے پاکدامن مرد نیک متقی۔ اسی سے ہے حَصَانٌ عمدہ مضبوط گھوڑا جو خود بھی مار کھانے سے محفوظ رہے اور سوار کو بھی محفوظ رکھے۔ مُحْصَنٌ مضبوط تالا اور چار دیواری۔ یہاں مراد ہے آزاد پاکدامن شادی شدہ عورتیں۔ یہ مفعول بہ ہے یَرْمُوْنَ کا اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ ثُمَّ حرف عطف۔ لَمْ یَاْتُوْا۔ باب ضرب کا مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق اَتْیٌ سے مشتق ہے، ترجمہ ہے لانا۔ دراصل یَاتُوْنَ تھا۔ لَمْ نافیہ جازمہ نے جزم دیا اس لئے نون اعرابی گر گئی اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ بِ حرف

marfat.com

جرمفعولیت کا ترجمہ ہے کو۔ اَرْبَعَةِ اسم عددی بمعنی چار۔ یہ ممیز مضاف ہے۔ شُهَدَآءَ۔ اسم جمع مبالغہ صفت مشبہ غیر منصرف ہے اس کا واحد ہے شَاهِدٌ بمعنی گواہ یا شَهِيْدٌ ہے جیسے لفظ عُلَمَا صحیح قول میں عَالِمٌ کی جمع ہے۔ ایک متروک قول میں عَلِيْمٌ کی جمع ہے یا جیسے شُعَرَآءُ جمع ہے شَاعِرٌ کی یہ تمیز مضاف الیہ ہے۔ بحالت کسرہ فتحہ آیا کیونکہ غیر منصرف ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ يَأْتُوْا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہے يَرْمُوْنَ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر صلہ ہوا اَلَّذِيْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ۔ اِجْلِدُوْ باب ضرب کا امر حاضر معروف جمع مذکر اَنْتُمْ۔ پوشیدہ اس کا فاعل هُمْ ضمیر ظاہر اس کا مفعول بہ اول جس کا مرجع ہے اَلَّذِيْنَ۔ ثَمَانِيْنَ اسم عددی بمعنی اَسّی (۸۰) عدد یہ ممیز ہے۔ جَلْدَةً اسم مفرد مؤنث لفظی اس کی تمیز ہے۔ یہ ممیز تمیز مفعول بہ دوم ہے اِجْلِدُوْ سب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لَا تَقْبَلُوْا باب سمع کا فعل نہی حاضر معروف صیغہ جمع مذکر قَبْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ماننا تسلیم کرنا۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ، لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ شَهَادَةً اسم حاصل مصدر ہے باب سمع سے ترجمہ ہے گواہی یہ مفعول بہ ہے۔ اَبَدًا اسم ظرف زمانی برائے مستقبل لامحدود ترجمہ ہے آئندہ کبھی بھی یہ ظرف ہے لَا تَقْبَلُوْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے فَاجْلِدُوْ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر جزا ہے اَلَّذِيْنَ شرط کی شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ جمع مذکر اس کا مشار الیہ اَلَّذِيْنَ ہے مبتدا ہے هُمْ ضمیر برائے حصر بمعنی ہی اُولٰٓئِكَ هُمْ کا ترجمہ ہے وہ ہی۔ اَلْفَاسِقُوْنَ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْنَ۔ فَاسِقُوْنَ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر فِسْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ظاہر ظہور گناہ کرنا مراد ہے نافرمان یعنی کافر یہ خبر ہے۔ اُولٰٓئِكَ کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً ۘ وَّالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ ۚ وَحُرِّمَ ذٰلِكَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ اے مسلمانو تا قیامت اسلامی معاشرے کو درست رکھنے کے لیے یہ فرمان جاری کیا جا رہا ہے کہ زنا کا عادی مجرم زنا کار مرد عادتاً مشابہۃً اپنی ہم مثل و مشابہ زانیہ عورت سے ہی نکاح کرے اور ایسا ہی نکاح قائم بھی رہ سکتا ہے یا مشرکہ عورت سے نکاح قائم کرے کیونکہ مشرکین کو کسی بھی بدکاری سے کوئی عار شرم نہیں ہے یہ تجربہ و مشاہدہ ہے اور عادی مجرمہ زانیہ عورت سے بھی اسی جیسا زانی مرد یا مشرک مرد ہی نکاح کرے وہی ایسے نکاح کو برداشت کر سکتے و نباہ سکتے ہیں اور مناسب بھی یہی ہے کہ عادی زانی کسی شریف زادی نیک متقیہ مومنہ سے رشتہ نکاح قائم نہ کرے اگرچہ عورت و مرد نسباً ہم کفو ہوں، نہ کوئی نیک خاندان والے اپنی نیک بیٹی کو کسی زانی شرابی بدمعاش سے بیاہنے بیوی بنانے پر راضی ہو سکتے ہیں۔ اگر نیک و بد کی اس طرح تعلق داری بنائی گئی تو اردگرد کے ماحول معاشرے میں بھی بے غیرتی پھیلنے کا خطرہ ہے کیونکہ بدکاری کے عادی مجرم اپنی اس عادت کی وجہ سے اتنے فحاش و بے غیرت ہو جاتے ہیں کہ انسانی اخلاقی و ایمانی شرم و حیا باقی نہیں رہتی گندی گالی گلوچ ان کے لیے ایک عام معمولی بات ہے۔ ایسے ماحول میں پرورش پانے والی اولاد بھی بے حیا آوارہ ذہن بدچلن ہو جاتی ہے بلکہ زانی مرد کو اپنی بیوی بیٹی کی عزت برباد کرنے جوئے میں ہارنے میں بھی شرم نہیں رہتی۔ وہ نوکری کی خاطر چھوکری دینے پر راضی ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ اسی طرح کی زانیہ عورت سے ہی نکاح مناسب ہے کیونکہ عادتیں، ذہنیتیں، طبیعتیں بھی ایک جیسی ماحول بھی

marfat.com

ایک جیسا۔ اپنی چار دیواری میں جو چاہیں کریں۔ خواہ توبہ کر کے نیک بن جائیں یا ویسے ہی بے غیرت رہیں پردہ نشین ہو جائیں یا سڑکوں بازاروں میں بے پردہ آوارہ پھریں۔ کم از کم پاکیزہ ماحول کو تو گندہ نہ کریں گے کیونکہ جس طرح نیک خاندان کا برا داماد خاندان کی بدنامی کا باعث ہے بلکہ خاندان کو بھی خراب کرنے کا سبب ہے اسی طرح نیک خاندان کی بدکارہ بہو بھی خاندان کی بدنامی کا باعث ہے کہ آوارہ بدمعاش داماد کی صحبت بد سے خاندان کے نوخیز جوان خراب ہو سکتے ورغلائے جاسکتے ہیں اور شریف خاندان کی نوخیز بیٹیوں، سہیلیوں کو بھی بدکار بہو کی صحبت و مجلس ورغلا و خراب کر سکتی ہے۔ دنیا میں صرف دینِ اسلام نے ہی معاشرے ماحول سے ہر قسم کی بے حیائی، بے غیرتی، بدمعاشی، فحاشی کو نہ صرف برا سمجھا اور روکا بلکہ سخت سزاؤں، محاسبوں، گرفتوں، پابندیوں کے ذریعے برائی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس قسم کے لَا یَنْکِحُ والے معاشرتی اصول و ضابطے بنا کر ہر نیک خاندانی ماحول کو ذلیل حرکتوں دنیوی اخروی ذلتوں سے بچالیا۔ دوسرے کسی بھی دین دنیوی انسانی نے بدکاری بے حیائی کا سدباب نہیں کیا نہ پرہیز کیا نہ پرہیز کا طریقہ بتایا بلکہ غیر مسلم مذہبی کتب اور مذہبی تاریخوں نے اور مذہبی وڈیروں نے بدکاری کو پھیلایا۔ دیکھو بائبل پرانا عہد نامہ غزلیات از صفحہ ۶۵۵ تا صفحہ ۶۶۰ اور ہندو پانڈوؤں کی تاریخ کے کرشن نے ایک عورت کو چار بھائیوں کی بیوی بنانا درست کہا اب بھی مشرکین و بت پرست ہر طرح کے زانی بدکار کو دامادی میں قبول کر لیتے ہیں صرف دولت مند ہونا چاہئے نہ مذہب منع کرتا ہے نہ خاندان نہ کسی دینِ انسانی نے کسی بدکاری پر کوئی سزا مقرر کی صرف زبانی نفرت کرتے ہیں جس کا کوئی فائدہ نہیں زبانی و تحریری نفرت سے جرائم نہیں رک سکتے۔ صرف یہ کہہ دینا کہ اَلسُّلْطَانُ لَا یَکْذِبُ یَعْنِیْ لَا یَلِیْقُ جھوٹ بولنا بادشاہ کے لائق نہیں یا یہ کہہ دینا کہ

وَتَجْتَنِبُ الْاُسُوْدَ وُرُوْدَ مَاءٍ   اِذَا کَانَ الْکِلَابُ یَلَغْنَ فِیْهِ

"شیر اس پانی کو منہ نہیں لگاتے جس کو کتے چاٹتے ہوں۔"

اس آیت پاک میں اہل ایمان کو مہذب و مطہر کیفیت و معاشرت کا درس دیا گیا جس سے اسلامی ماحول پاکیزہ رہے بگڑنے نہ پائے۔ عیسائی مذہب کہتا ہے اگر کوئی مرد کسی کنواری غیر منگنی والی سے زنا کرے تو وہ ضرور اس سے بیاہ کرے اور مہر دے لیکن اگر لڑکی کا باپ اس مرد سے نکاح پر راضی نہ ہو تو وہ زانی مرد زنا کے بدلے کا کنواریوں کے مہر برابر عورت کو مال دے (از کتاب خروج باب ۲۲ آیت ۱۶) کتاب استثنا باب ۲۲ آیت ۲۸ میں ہے جو زنا کرے وہ لڑکی کے باپ کو پچاس مثقال چاندی ادا کرے۔ یہودی مذہب میں ہندوؤں کی طرح امیر غریب کا علیحدہ قانون ہے چنانچہ لکھا ہے کہ اگر کوئی کاہن کی لڑکی سے زنا کرے تو مرد کو پھانسی دے دو (از تالمود) ہندو مذہب کا دھرم شاستر کا شلوک ۳۷۷ کہتا ہے جو مرد اپنی ذات کی کنواری لڑکی سے برضامندی زنا کرلے اسے کوئی سزا نہیں ہے اگر لڑکی کا باپ راضی ہو تو اس کو معاوضہ دے اور اگر نیچی ذات کا مرد اونچی ذات کی لڑکی سے زنا کرے تو لڑکی کو گھر سے نکال دیا جائے اور مرد کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگر لڑکی برہمن ہے تو نیچ مرد کو زندہ جلا دیا جائے (از ادھیائے نمبر ۸ / اشلوک ۳۶۵) مجوسی مذہب اس کی قانونی اجازت دیتا ہے۔ کچھ مذاہب انسانی خاموش ہیں گویا کہ ان کے نزدیک بدکاری عیب ہی نہیں بلکہ جنسی حق ہے (معاذ اللہ) مگر دین اسلام ہر مجرم سے یکساں سلوک فرماتا ہے مجرم مرد ہو یا عورت امیر ہو یا غریب اونچی ذات کا ہو یا نیچی ذات کا اس لیے ماننا پڑے گا کہ زمین دنیا کو بدکاری کی

marfat.com

گندگی سے صرف اسلام نے پاک کیا ہے مومن مومنہ کو لائق نہیں کہ جسمانی گندگی یا روحانی گندگی سے رشتہ جوڑیں زنا جسمی گندگی ہے اور شرک روحانی گندگی ہے۔ یہ تعلق نہ قرآن کو پسند ہے نہ رحمان کو اس لیے حرام کر دیا گیا ہے وہ رشتہ تعلق جس سے شرک وزنا کی گندگی ہو یہاں حرمت سے ناپسندیدگی ونفرت ہے نہ اپنا نکاح کرو بدقماش وبدمعاش سے نہ اپنی عورتوں بہنوں بیٹیوں کا۔ دنیا میں دو جرم سب سے زیادہ خبیث ہیں۔ بے غیرتی میں زناکاری اور نامرادی میں کفر شرک۔ ان دونوں کی وجہ سے زمین کا فساد ہے۔ متقین کو ان دونوں سے بچنا چاہئے۔ صحابہ کرام نے تو یہاں تک احتیاط فرمائی کہ اگر نکاح کے بعد رخصتی سے پہلے خاوند یا بیوی میں سے کسی نے غیر کے ساتھ زنا کر لیا اور ظاہر ہو گیا تب بھی دونوں بیوی خاوند کا نکاح فسخ کر دیا گیا اور مجرم کو کوڑے لگائے گئے اور زانی زانیہ کو نکاح میں جوڑا گیا کیونکہ گندہ شخص گندی شخصیت سے ہی محبت ونباہ کر سکتا ہے خواہ حقیقت کی گندگی ہو یا عقیدت کی۔ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝ اور اے مسلمانو! جو لوگ بے حیائی، بے غیرتی کو مشہور کرنے کے لیے تہمتیں، الزام تراشیاں، بہتان بازیاں بناتے اور لگاتے پھرتے ہیں پاکدامن متقیہ صالحہ شخصیات کو۔ پھر تہمت ثابت کرنے کے لیے عدالت میں چار گواہ بھی نہ لا سکیں۔ تو وہ تہمت لگانے والے ایسے ہی نہ چھوڑے جائیں کہ دندناتے شور مچاتے پھریں بلکہ ان کی تین سزائیں مقرر ہیں ایک یہ کہ ان کو اَسّی اَسّی کوڑے مارو برسرِ عام۔ دوم یہ کہ ان کی کبھی گواہی قبول نہ کرو کسی بھی دعوے مقدمے میں مرتے دم تک۔ سوم یہ کہ وہ دنیا آخرت میں بدترین ذلیل نافرمان ہیں۔

ان سزاؤں کی وجہ یہ کہ اسلام نے صرف بے غیرتی کو ہی ناپسند نہ فرمایا بلکہ بے غیرتی کی شہرت کرنے کو بھی ناپسند فرمایا کیونکہ جس طرح اصل فعلِ جرم سے معاشرہ تباہ ہوتا ہے اسی طرح تشہیر وافواہ سے بھی بے غیرتی پھیلتی ہے۔ ماحول کو صاف ذہنوں کو پاک رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ سچی یا جھوٹی تشہیر جرائم کا دروازہ بھی بند کیا جائے۔ جھوٹی تشہیر سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ **اولاً** یہ کہ ہر آوارہ مزاج دشمن خیال اور تخریب پسند، شیطان فطرت لوگ ہر نیک وبد خاص وعام کی عزت برباد کرنے کو ایک دلچسپ مشغلہ بنا لیں گے اور اس طرح اپنی فطرت خبیثانہ سے دشمنی کا انتقام لیتے رہیں گے۔ **دوم** یہ کہ سچی یا جھوٹی الزام تراشیوں کے کھلے عام رواج سے پاکیزہ ذہن متاثر ومتزلزل ہو سکتے ہیں۔ **سوم** یہ کہ کسی شریف کی عزت محفوظ نہ رہ سکے گی جس کسی کو راہ سے ہٹانا منصب سے بھگانا چاہا تو ایک راستہ ہاتھ آ جائے گا کہ اس کو تہمت لگا کر بدنام وذلیل کر دو تا کہ بھاگنے پر مجبور ہو جائے خاص طور پر فرقہ پرستی کے ماحول میں۔ **چہارم** یہ کہ ہر گلی چوراہوں میں بدقماش دشمن مزے لے لے کر افواہیں پھیلاتے رہیں گے گندی تہمتیں بناتے پھریں گے اور لوگ مزے لے کر سنتے رہیں گے اور دیگر بدمعاش ایک کی چار بنا کر آگے چلاتے رہیں گے اور بے چارہ شریف عزت لے کر گھر میں بیٹھا ہر چیز سے بے خبر مفت میں بلا جرم ذلیل ہوتا رہے گا۔ اس طرح ایک عزت دار نیک شریف محفلوں میں ناقابلِ قبول لوگوں میں قابلِ نفرت بن جائے گا۔ کچھ لوگ اس بے گناہ کو ٹھکرا دیں گے اور کچھ لوگ اپنی مفاد پرستی میں اس کو ورغلانے مقامِ عزت سے راہِ ذلت کی طرف بھٹکانے اپنی راہ و رسم بڑھانے کی اور برائی میں پھسلانے کی بھی کوشش کریں گے۔ دیگر شرفاء اس سے خود کو بچائیں گے یہ الزام تراشی ان تمام حق تلفیوں، ظلم زیادتیوں کا سبب عظیم ہے اور انہی بہتان بازیوں سے بدگمانیاں، بدمعاشیاں، عاداتِ شہوانیاں پھیلتی ہیں

marfat.com

یہاں تک کہ ذرا سے جھوٹ سے خاندانی فساد، انتقامی جذبات، بے چینی کی فضا طاری، فتنوں کی آندھی جاری ہو جائے گی ان ہی مصیبتوں سے بچانے کے لیے اسلام نے تہمت بازی کے خلاف سخت اقدام اٹھایا اور سزا و کثیر قائم فرما کر تا قیامت عالمگیر قانون بنا دیا اور دنیا کو بتا دیا کہ قذف و اتہام اور اس کی تشہیر کوئی افسانوی کھیل نہیں کہ جس کی چاہیں عزت اچھالتے پھریں۔ بلکہ فرمایا گیا کہ عدالت میں آنے سے پہلے الزام تراشی حق العبد ہے کہ چاہے تو مظلوم متہوم ظالم متہم کو معاف کر دے لیکن عدالت میں آنے کے بعد یہ حق اللہ ہے اب کوئی معاف نہیں کر سکتا نہ سزا کے خاتمے کی سفارش کر سکتا ہے۔ عدالتِ اسلامیہ تہمت ثابت کرنے کے لیے چار گواہ طلب فرماتی ہے اگر الزام تراش عدالت میں نیک متقی مسلمان گواہ پیش نہ کر سکے تو بہتان باز شرعی جھوٹا تصور کیا جائے گا اور اس کو تین سزائیں۔ ۱۔ اسی کوڑے۔ ۲۔ تاعمر گواہی مردود حدِ قذف لگنے کے بعد۔ ۳۔ وہ بہتان باز اسلامی معاشرے میں تاعمر فاسقین میں سے شمار کیا جائے گا۔ پہلی سزا جسمانی ہے اور یہ دو سزائیں ذلتِ بدنامی ہیں۔ یعنی ایذاء بدنی، ایذاء قلبی، ایذاء فعلی، تشہیرِ دنیوی تذلیلِ اُخروی، سزا پانے کے بعد اگر مجرم قاذف آئندہ تہمت بازی سے سچی توبہ کر لے تو فاسقیت کی سزا ختم کر دی جائے گی اور مجرم کو شرعی فاسق نہ سمجھا جائے گا۔ مگر پہلی دو سزائیں ختم نہیں ہو سکتیں نہ توبہ سے نہ معافی سے، کوڑوں کی سزا اگر دنیا میں نہ پائی تو آخرت میں نارِ جہنم کی شکل میں ہوگی۔ گواہی بھی تاعمر قبول نہیں ہوگی توبہ کے بعد بھی کیونکہ گواہی حق العبد ہے اور ظاہر ہے، توبہ حق اللہ ہے اور پوشیدہ ہے۔

قذف کے قانونی مسائل

لغت عربی میں کوئی چیز پھینکنے کے لیے دو کلمے ہیں۔ ۱۔ لَفظ۔ ۲۔ رَمیٌ۔ دونوں میں فرق یہ ہے کہ بغیر نشانہ باندھے کوئی چیز پھینکنا۔ لَفظ ہے۔ عام بات چیت گفتگو کو لفظ و الفاظ اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔ اور نشانہ باندھ کر کوئی چیز پھینکنا رَمیٌ ہے۔ اس کی پانچ صورتیں ہیں۔ بندوق سے گولی، کمان سے تیر، غلیل سے غلہ، ہاتھ سے پتھر یا زبان سے بات مارنا۔ زبان کا زخم سب سے زیادہ سخت اور دیرپا ہوتا ہے اس لیے قرآن مجید کی اس آیت پاک میں اس زبانی رمی کے لیے یہ سخت سزا مقرر فرمائی گئی۔ رمی زبانی کی پانچ قسمیں ہیں۔ ۱۔ محض گالی دینا۔ ۲۔ الزام تراشی۔ ۳۔ اِتہام بازی۔ ۴۔ بہتان سازی۔ ۵۔ قذف۔ ان پانچوں میں فرق یہ کہ اگر بات مارنے کا ارادہ غصہ ہے تو گالی۔ اگر نشانہ غلط لگے تو الزام تراشی، اگر نشانہ صحیح لگے لیکن بات مارنے والے کا انتخاب غلط ہو تو اِتہام، اگر جان بوجھ کر غلط انتخاب کیا محض دشمنی کے انتقام کے لیے تو بہتان ہے، لیکن اگر صحیح سمجھتے ہوئے نشانہ بنایا تو قذف ہے۔ قذف کی دو صورتیں ایک یہ کہ قاذف اس کو شرعی معیار پر ثابت کر دے اور عدالت شرعی اس ثبوت کو تسلیم کر لے دوم یہ کہ قاذِف اپنی قذف کو عدالتِ شرعی میں ثابت نہ کر سکے۔ پہلی قذف کا نام، قذف صادق اس میں قاذف بری مقذوف مجرم۔ دوسری قذف کا نام، قذف کاذب اس میں مقذوف بری قاذف مجرم۔ آیت مقدسہ میں وَ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ اور ثُمَّ لَمۡ یَاۡتُوۡا (الخ) سے یہی قاذف مجرم مراد ہیں۔ الزام، دشنام، اتہام، بہتان یہ چاروں جرم حق العبد ہیں اس میں یا معافی مدعی کی یا تعزیری سزا عدالت کی مگر قذف عدالت میں جانے کے بعد حق اللہ ہے لہٰذا اب نہ معافی نہ تاوان بلکہ صرف حد قذف کی سزا۔ اگر قذف چوری، ڈکیتی، شراب نوشی، بدمعاشی، بدکاری کی ہو تو حاکم کی مقرر کردہ تعزیری سزا۔ لیکن اگر قذف زنا کی ہے تو اسی کوڑے حدِ شرعی نہ کم نہ زیادہ۔ شرعی قانون یہ ہے کہ تمام جرائم میں مجرم کو اپنی صفائی کا پورا

marfat.com

حق و مہلت ہے کہ اپنی قذف شرعی نصابِ گواہی سے ثابت کرے جرم کا ثبوت دو قسم کا ہے اولاً مقذوف کا اقرار اور جرم تسلیم کر لینا۔ دوم اگر اقرار نہ ہو تو دیگر جرائم میں نصاب شہادت دو گواہ عادل۔ اور قذفِ زنا میں نصابِ شہادت چار عادل گواہ۔ اگر قاذِف یہ گواہی مکمل عدالت میں پیش نہ کر سکے تو قاذف اور نصاب سے کم گواہوں کو حد قذف لگے گی مقذوف کے مطالبے پر۔ بر سرِ عام، پہلے جسمانی پھر تحریری دوسری دو سزائیں۔ اس آیت مقدس میں یَرْمُوْنَ سے مراد صرف تہمت زنا ہے یعنی انسانی عورت مرد کی حرام صحبت وطی۔ اس قول کے چار دلائل۔ ا۔ آیت کے سیاق و سباق میں زنا کا ہی ذکر ہے۔ ۲۔ زنا کی ہی سزا کا ذکر ہے۔ ۳۔ قذف میں محصنات کی قید ہے۔ ۴۔ گواہی کا نصاب چار عدد ہونا۔ تین سزائیں بیک جرم صرف زنا جیسے جرم کی قذف میں ہی ہو سکتی ہیں کیونکہ فعلِ زنا سب سے بڑا جرم اس لیے اس کی جھوٹی قذف بھی سب سے بڑا جرم۔ اسی وجہ سے قاذف کاذب کو فاسق قرار دیا گیا نہ کہ فاجر و عاصی و آثم۔ فاسق اس گناہِ کبیرہ والے کو کہتے ہیں جو موذی بھی ہو تخریب پسند بھی ظالم بھی۔ اور فاجر وہ جو خود صرف علانیہ گناہِ کبیرہ کرتا پھرے۔ عاصی وہ جو شریعت کا نافرمان و کاسل غافل خطا کار آثم وہ جو صغیرہ کبیرہ گناہ کرے مگر ڈر کر چھپ کر جھجک کر۔ اس آیت میں دس باتیں قابلِ تشریح ہیں۔ پہلی اَلَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ یہ دونوں لفظ اگرچہ مذکر جمع ہیں مگر مراد عورت و مرد دونوں ہیں یعنی عورت کسی کو تہمت لگائے یا مرد۔ قذف کے پورے احکام دونوں کے لیے یکساں ہیں۔ دوم اَلْمُحْصَنٰتِ یہ بھی جمع مونث ہے مگر مراد عورت و مرد ہیں۔ یعنی پاکدامن مرد پر تہمت لگے یا پاکدامن عورت پر سب کی عدالتی کارروائی ایک جیسی۔ لیکن اَلَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ کو جمع مذکر اور اَلْمُحْصَنٰتِ کو جمع مونث لانے کی وجہ رواجی و تجرباتی اکثریت ہے کہ تہمت لگانے والے اکثر مرد ہوتے ہیں۔ عورتیں زیادہ الزام تراشیاں نہیں کرتیں خاص کر مردوں پر تو بہت کم مثال ملے گی۔ اسی طرح مردوں کو بہتانِ زنا کم ہی لگائے جاتے ہیں مُحصِنْ وَ مُحْصِنَہ کے اِحصان کی تین قسمیں۔ ا۔ پاکدامن مسلمان ہونا۔ ۲۔ غلامیت میں نہ ہونا آزاد ہونا۔ ۳۔ شادی شدہ ہونا۔ لیکن آیت میں پہلی دو قسمیں مراد ہیں۔ پاکدامنی و آزادی۔ تہمت میں تین چیزیں ہوتی ہیں۔ ا۔ تہمت لگانے والا قاذف و قاذفہ۔ ۲۔ جس کو تہمت لگی مقذوفہ و مقذوف۔ ۳۔ تہمت لگانا یعنی قذف۔ قذف کذب لگانا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لیے جھوٹا قاذِف فاسق ہے۔ مگر قذفِ زنا کا جرم فعلِ زنا سے کم جرم ہے۔ اس وجہ سے حدِّ قذف کے کوڑے تعداد میں کم اور ضرب میں نرم ہوتے ہیں۔ قذف لگانے کی تین صورتیں ہیں ایک قذفِ صریح دوم قذفِ کنایہ سوم قذفِ تعریض۔ صریح یہ ہے کہ قاذف صاف کہے کہ تو نے یا فلاں نے زنا کیا ہے کسی عورت یا مرد پر یہ تہمت لگائے۔ اسی قذفِ صریح کا ذکر اس آیتِ مقدسہ میں ہے۔ اگر ثبوت نہ ملے تو اس کی سزا حدِ شرعی اسی کوڑے وَمَرْدُوْدُ الشَّهَادَت و فاسقیہ ہے۔ قذف کفایہ یہ ہے جس میں گالی کا بھی احتمال ہو اور تہمت کا بھی جیسے کسی عورت یا مرد کو کہنا کہ او بدکارہ اور حرام کار یا کسی شخص کو حرامی کہنا اس کی ماں کو گالی یا تہمت ہے اس صورت میں حاکم عدالت قاذف سے اس کی مراد پوچھے گا۔ اگر قاذف کہے میں نے گالی دی تھی تو تاوان کی سزا یا معافی مانگے مقذوف سے اور اگر کہے کہ میں نے تہمت لگائی تھی تو یا ثابت کرے یا سزاوِ قذف کھائے۔ قذف تعریض وہ ہے کہ لعن طعن کے طریقے پر کسی عورت، مرد کو ملعون و مطعون کرنا مثلاً کوئی شخص کسی سے غصہ میں کہے کہ اے فلاں تیری ماں تو زانیہ باغیہ نہ تھی یا تیرا باپ تو برا بدکار نہ تھا اس کا معنی ہے کہ تو کیوں ایسا ہوا یا ایسی ہوئی۔ ولادتِ مسیح علیہ السلام پر بنی اسرائیل نے حضرت مریم رضی اللہ تعالیٰ

marfat.com

عنہا پر قذفِ تعریض ہی لگائی تھی۔ جس کا ذکر سورۃ مریم میں ہے از آیت ۲۷ تا آیت ۲۸ قذفِ تعریض کا حکم شرعی یہ ہے کہ عدالت میں ثبوتِ زنا پیش کرے ورنہ سزاء قذف کھائے لیکن اگر یہی تعریضی کلمات ہنسی خوشی کسی کے متعلق کہے تو وہ نہ گالی نہ تہمت بلکہ اس کے والدین کی مدح وثنا ہے ثبوتِ قذف کے دو طریقے۔ ایک یہ کہ مقذوف چار مرتبہ عدالت میں صاف صاف اقرارِ زنا کرے۔ دوم یہ کہ اگر مقذوف اقرار نہیں کرتا تو قاذِف چار گواہ عدالت میں پیش کرے۔ ورنہ سزا کھائے قذف ثابت ہو تو مقذوف کو سزاءِ زنا ہوگی۔ قاذف یعنی تہمت لگانے والے میں پانچ شرطیں ہیں۔ ۱۔ بالغ یا بالغہ ہو، نابالغ کی قذف معتبر نہیں ایسے قاذف کی سزا معافی اور جھڑک ہے۔ ۲۔ عاقل یا عاقلہ ہو، پاگل مجنون کی قذف معتبر نہیں کیونکہ نابالغ و دیوانہ غیر مکلف ہیں۔ ۳۔ قاذِف متکلم اور علاقے کی زبان جاننے والا ہو، گونگا یا بے علم نہ ہو، اشاروں سے قذف معتبر نہیں، غیر اور اجنبی زبان میں قذف بھی معتبر نہیں۔ زبان دانی سے مراد یہ کہ قاذف جس لغت والفاظ میں تہمت لگا رہا ہے وہ زبان حاکم مقذوف اور گواہوں کو بھی سمجھ آرہی ہو۔ ۴۔ قاذِف مقذوفہ کا خاوند نہ ہو کیونکہ خاوند کا بیوی کو تہمتِ زنا لگانے سے حدِ قذف واجب نہیں ہوتی نہ چار گواہ بلکہ لعان واجب ہوتا ہے۔ ہاں البتہ اگر بیوی اپنے خاوند کو تہمتِ زنا لگائے تو قذف ہے۔ اور بیوی ثبوت دے یا سزا کھائے۔ حد قذف کی دو قسمیں ہیں ۱۔ اگر قاذف یا قاذفہ آزاد شخصیت ہیں تو اسی کوڑے۔ ۲۔ اگر لونڈی غلام ہیں یا قیدی تو چالیس کوڑے کیونکہ غلامیت کے پاس ثبوت کے وسائل کم ہوتے ہیں بوجہ مملوکہ غیر ہونے کے ملکیت غیر کی قید نے حقوق آدھے کر دیئے تو سزا بھی آدھی اسی کی سختی و پابندی پر آج کل کے جیل قیدی کو قیاس کیا جاتا ہے۔ غلامیت کی سزا نصف کا ذکر تو تمام فقہاء فرماتے ہیں مگر قیدی کو ان پر قیاس میرا ذاتی ہے اگر کسی کو یہ تسلیم نہ ہو تو کسی شرعی دلیل سے قیدی قاذِف کا حکم بیان کیا جائے ورنہ میرے قیاس پر شرعی عدالتوں میں عمل کیا کرایا جائے۔ ۵۔ قاذِف اندھا نہ ہو۔ کیونکہ چشم دید تہمتِ زنا شرعاً معتبر ہے۔ یہی پانچ شرطیں گواہوں میں لازم ہیں۔ یعنی چاروں گواہ عاقل، بالغ، متکلم، اجنبی غیر خاوند اور دانا بینا ہوں۔ ۶۔ مزید یہ کہ قاذِف و گواہ مقذوف کے پرانے دشمن نہ ہوں اگر دشمنی ثابت ہو کسی ایک کی بھی تو قذف ثابت نہ ہوگی قاذف و گواہان کو سزا ملے گی۔ ۷۔ قذف و گواہی کے بیان و ادا، وقت و مقام، و چشم دیدی و مقذوف کی شناخت میں اختلاف یا اجمال یا ہچکچاہٹ یا شک و شبہ نہ ہو صاف صاف ایک جیسا ہو۔ ۸۔ قاذف یا کوئی گواہ پہلے کسی حد میں سزا یافتہ یا محدود مجرم نہ ہوئے ہوں۔ جس پر تہمت لگائی گئی ہو اس مقذوف یا مقذوفہ کے احصان میں پانچ شرطیں ہیں۔ ۱۔ مسلمان۔ ۲۔ عاقل۔ ۳۔ بالغ۔ ۴۔ پاکدامنی میں مشہور ہونا۔ ۵۔ آزاد ہوں غلامیت سے۔ جیل قیدی وغیرہ قیدی برابر ہیں۔ کیونکہ اگرچہ ثبوت کی تو کمی ہے مگر جیل کے حقوق میں کمی نہیں۔ قاذف میں غلام و قیدی ایک جیسے مگر مقذوف میں غلام و قیدی کا فرق واضح ہے۔ جن مقذوفین کے قاذف پر حد نہیں لگتی اس کی صرف یہ ایک شرط ہے کہ اگر مقذوف میں مندرجہ بالا پانچ شرطوں میں ایک بھی نہ ہو تو قاذف کاذب کو حد نہ لگے گی۔ عدالت میں گواہی کے دن تمام گواہوں کا حاضر ہونا ضروری ہے اگر ایک بھی کم ہوگا تو نہ دوسرے دن بقیہ کی مہلت دی جائے گی نہ قذف ثابت ہوگی۔ ہاں البتہ حاکم عدالت اپنی صوابدید پر چاروں گواہوں کے لیے مدت بڑھا سکتا ہے گواہی دنوں میں متفرق نہیں کر سکتا اگر کسی بھی کمزوری کی بنا پر جرم قذف سچا ثابت نہ ہو تو قاذف کو سزا حد ہوگی۔ اگر مقذوف غیر مسلم ہے تو جھوٹے قاذف کو حد نہ لگے گی اگر قاذف غیر مسلم ہے اور مقذوف پانچوں

marfat.com

شرطوں والا مسلم ہے تو جھوٹے قاذف کو حد لگے گی۔ اگر غلام سمجھ کر قذف لگائی مگر مقذوف آزاد تھا تو جھوٹی قذف پر قاذف کو حد لگے گی۔ ذمّی مجازاً گالی کو بھی کہتے ہیں۔ شرعی احصان کا پاکدامن وہ ہے جو بلوغت سے نیک متقی مشہور و متعارف ہو۔ اور اس قذف سے پہلے اس پر کبھی سچی یا جھوٹی یا جبری زنا کی بھی تہمت نہ لگی ہو۔ نہ اس کی والدہ یا والد کو کبھی سچی قذف لگی ہو۔ لواطت کی جھوٹی تہمت سے حدِ قذف نہ لگے گی۔ جو مقذوف محصن نہیں اس کو جھوٹی تہمتِ زنا پر بھی حد نہیں ہے۔ مقذوف کافر ہو تب بھی جھوٹی قذف پر حد نہیں ہے بچے مجنون و غلام کی قذف کاذبہ پر حد نہیں ہے۔ قذف کے بعد مقذوف مرتد ہو گیا پھر فیصلہ عدالت کے بعد مسلمان ہوا جھوٹے قاذف سے حد ختم ہو جائے گی کیونکہ قذف سے فیصلے تک مقذوف کا محصن ہونا شرط لازمی ہے۔ غیر مسلم پر کسی نے تہمتِ زنا لگائی۔ عدالت میں مقدمہ ہوا۔ فیصلے سے پہلے مقذوف مسلمان ہو جائے تب بھی جھوٹے قاذف کو حد نہ لگے گی۔ مکاتب غلام مر گیا مرنے کے بعد اس پر قذف لگی وارث نے دعویٰ کیا جھوٹ ثابت ہو گیا تب بھی قاذف پر حد نہیں ہے گونگے مقذوف کے قاذِف کاذب کو حد نہ لگے گی کیونکہ مقذوف کی طرف سے قولی مطالبہ کرنا شرط ہے۔ لیکن گونگا صرف اشارہ کر سکتا ہے جو شرعاً معتبر نہیں۔ ہاں البتہ تعزیری سزا ہو گی۔ اگر حد لگنے سے مقذوف فوت ہو گیا تو حد ختم مقذوف کے وارث حد لگانے کا مطالبہ نہیں کر سکتے کیونکہ حدودِ شرعیہ کا نفاذ حقِ اللہ ہے لہٰذا حق وراثت نہیں ہوتا۔ اگر مقذوف قاذف کا بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی ہو تو قاذف پر حد نہیں۔ قاذِف نابالغ پر حد نہیں نہ تعزیر۔ مراہق قاذف کو تعزیر لگے گی۔ نشہ کی حالت میں قذف لگائی تو حد نہیں کسی نے مجبور کیا اور قذف مجبور ہو کر لگائی تب بھی حد نہیں۔ دار الکفر، دار الحرب، دار البغاوت میں قذف لگائی تو بھی جھوٹے قاذف کو حد نہیں ہے۔ خیال رہے کہ تمام کافر صرف تین قسم کے ہیں۔ ۱۔ ذمّی جو دار الاسلام میں اقلیتاً رہتے ہوں۔ ۲۔ مستامن جو دار الاسلام میں عارضی ویزہ لے کر آئے ہوں۔ ۳۔ حربی جو اپنے ملک کفرستان میں رہتے ہوں۔ یعنی کفرستان کا ہر کافر حربی ہے۔ اگر مرد کو کہا اے زانیہ تو حد نہیں کیونکہ مرد کے لیے مونث کا لفظ بولنا اصلاً بھی غلط صنفاً بھی لیکن اگر عورت کو کہا۔ اے زانی تو حد لگے گی کیونکہ صنفاً اگرچہ غلط ہے مگر اصلاً صحیح ہے یہ اصل لفظ مذکر ہی ہوتا ہے۔ آیت میں جو عورت کو زانیہ کہا گیا ہے وہ مجازاً ہے رضامندیٔ مزنیہ ظاہر کرنے کے لیے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مرد کو زانیہ کہا تو بھی حد لگے گی کیونکہ آخری ھا۔ تانیث کی ہی نہیں ہوتی مبالغے کی بھی ہو سکتی ہے جیسے علامہ کی آخری ھا مگر یہ قول غلط و کمزور ہے۔ اس لیے کہ آخر کی ھا کا مبالغہ ہونا مجازی ہے حقیقت میں ھا مونث کے لیے ہی ہے نیز امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول اس آیت نمبر ۳ کے بھی خلاف ہے۔ میں کہتا ہوں کہ اگر بقول امام محمد رحمۃ اللہ علیہ مبالغے کے لیے بھی ہو تب بھی حد نہ لگے گی۔ کیونکہ دو معنی ہونے کی وجہ سے معاملہ مشکوک ہو گیا اور شک سے حد ختم ہو جاتی ہے اگر کہا کہ تو مجھ سے یا فلاں سے زیادہ زانی ہے تو حد نہیں کیونکہ یہ قذفِ زنا نہیں بلکہ قوتِ مردمی کا ذکر ہے۔ اسم تفضیل ہمیشہ ترجیح کے لیے بولا جاتا ہے جیسے کوئی کسی کو کہے کہ تو مجھ سے زیادہ کھاؤ ہے تو کھانا مراد نہیں ہوتا بلکہ قوتِ معدہ مراد ہوتی ہے اگر کہا تو نے وطی کی ہے یا کہا حرام وطی کی ہے یا کہا تو نے فلاں سے فسق و فجور کیا ہے یا کہا حرام زادہ وغیرہ وغیرہ تو حد نہیں کیونکہ یہ قذف نہیں گالی ہے۔ اگر کسی نے کسی سے کہا کہ جا کر فلاں سے کہہ دے تو زانی ہے۔ قاصد نے جا کر کہہ دیا کہ فلاں کہتا ہے تو زانی ہے تو نہ قاصد پر حد ہے نہ اصل پر کیونکہ معاملہ مشکوک ہو گیا اگر چار گواہوں میں ایک عورت گواہ ہو یا ایک مرد گواہ کسی حد کا سزا یافتہ ہو۔ یا ایک گواہ

marfat.com

اندھا ہو یا غلام ہو یا کافر ہو تو قاذف و گواہوں کو حد لگے گی کیونکہ نصاب شرعی گواہی پورا نہ ہوا اس لیے سب جھوٹے ثابت ہوئے۔ اگر گواہ ایک مرد تین عورتیں یا دو مرد دو عورتیں تو بھی سب کو حد لگے گی۔ اگر کسی نے کہا کہ فلاں نے اپنے بچپن میں زنا کیا تھا یا کبھی بحالتِ جنون زنا کیا تھا تو جھوٹا ہونے پر حد لگے گی۔ کیونکہ اب بالغ و تندرست ہو کر محصن ہے۔ اگر کسی قاصد نے کہا کہ تو زانی ہے تو حد لگے گی کیونکہ اب یہ قاصد کا اپنا کلام ہو گیا پیغام نہ رہا اور قاصد خود قاذِف بن گیا۔ مستامن کافر نے محصن مسلمان کو قذف لگائی ثابت نہ کر سکا حد لگے گی۔ کیونکہ زنا ہر دین میں ممنوع ہے قابل نفرت ہے لہٰذا اگر وہ مستامن اس مسئلے سے اپنی لاعلمی ظاہر کرلے تو نہ مانی جائے گی۔ قاذف نے کہا اے فلاں تو اپنے باپ کا نہیں تو ثبوت دے ورنہ حد لگے گی۔ کیونکہ یہ دو بندوں پر قذف ہے والدہ اور اس کے اس بیٹے پر لہٰذا بیٹے کا مطالبہ حد اس کا حق ہے۔ فسق میں مشہور شخص کی گواہی معتبر نہیں کیونکہ فاسق کی گواہی بذاتِ خود مشکوک ہے۔ اگر دو متقی مسلمان یا ایک مرد دو عورتیں کسی مقذوف کے اقرار قذف کی گواہی دیں تو حد ختم۔ حد قذف کے عدالتی فیصلے کے لیے مقذوف کا زبانی یا بادستخط تحریری مطالبہ عدالت میں پیش کرنا ضروری ہے مطالبے میں اشارہ کنایہ یا انگوٹھا لگا دینا معتبر نہیں۔ اگر کسی ایک شخص کو چند بار یا چند شخصوں کو ایک بار ایک ہی عبارت سے یا چند مختلف عبارتوں سے ایک ہی دن، ایک ہی محفل میں، یا چند دن، چند محفلوں میں، ایک زنا کی یا چند زناؤں کی قذف لگائی۔ پھر سب نے مل کر اس قاذف پر ایک ہی مقدمہ کیا تو جھوٹے قاذف کو ایک ہی قذف لگے گی لیکن علیحدہ مقدموں میں اتنی سزائیں جتنی بار جھوٹا ثابت ہوگا۔ اگر قاذف کو ایک دعوے میں حدِ قذف لگ گئی۔ قاذف پھر اس زنا کی اسی مقذوف کو دوبارہ قذف لگاتا ہے تو اب حد نہ لگے گی بلکہ تعزیری سزا ہوگی یہ سب حکم ہر اس جرم کا ہے۔ جس کی سزا حدِ شرعی ہے یعنی چند جرموں کا ایک دعویٰ اور ایک فیصلہ تو سزا بھی ایک اور چند جرموں کے چند دعوے اور چند فیصلے تو سزائیں بھی چند۔ جرم و دعویٰ قذف کا ہو یا ارتکاب کا جو شخص زانی تھا پھر سچی توبہ کرلی۔ یا بوقتِ زنا کافر تھا یا غلام تھا پھر مسلمان ہو گیا اور غلام آزاد ہو گیا اس تبدیلی کے بعد سابقہ زنا کی قذف لگی اور قاذف جھوٹا ثابت ہوا تو صرف حنفی مسلک میں حد نہ لگے گی۔ حد قذف لگنے کے وقت مقذوف کا موجود ہونا ضروری نہیں ہے۔ دیکھو بہتان صدیقہ کے کاذبوں کو حد لگائی تو صدیقہ حاضر نہ تھیں۔ لہٰذا فیصلہ کے بعد مقذوف زندہ و مردہ برابر ہے کسی کے فوت شدہ والد یا والدہ کو تہمت زنا لگائی شرعاً قذف اور بیٹے بیٹی کو سزا دلوانے کا حق ہے۔ یہ حق وراثت نہیں بلکہ حق اصلی ہے گویا اولاد ہی مقذوف ہے۔ غیر موجود اور غیر معروف کو قذف لگانا شرعاً معتبر نہیں۔ مثلاً یہ کہنا کہ تیرے آباء و اجداد زانی تھے کیونکہ آباء کافر بھی ہو سکتے ہیں یہ تہمت شرعاً گالی ہے اور اس کی تعزیری سزا ہے۔ ہر وہ شخص حد قذف کا مطالبہ کر سکتا ہے۔ جس کو اس قذف سے نسلی یا نسبی یا قومی بدنامی لگے یعنی اصل میں والد، دادا، پردادا اور نسل میں بیٹا، پوتا، پڑپوتا کو حق مطالبہ ہے اگرچہ میراثِ مقذوف سے محروم ہوں بوجہ قانون میراث یا بوجہ قتلِ مورث یا بوجہ کفر یا بوجہ غلامیت۔ غلام اپنے مولیٰ پر قذف کی حد کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ کافر یا غلام والدین یا بیٹا پوتا اپنے فوت شدہ والدین پر لگائی ہوئی قذف کی حد کا مطالبہ نہیں کر سکتے اگرچہ ان کی نسلی، نسبی، قومی بدنامی ہوتی ہو۔ یا البتہ ایسی صورت میں دور کے مسلم و آزاد رشتے دار حدِ قذف کا مطالبہ کر سکتے ہیں، مطالبہ حدِ قذف میں والدہ مثلِ والد ہے۔ اگر کوئی اپنی بیوی پر قذف لگائے تو نہ بیوی حد کا مطالبہ کر سکتی ہے نہ اس کی اولاد، بیوی کے لیے یہ قذف لعان ہے اولاد کے لیے والد کا احترام ہے۔ حدیث مقدس میں ہے کہ

marfat.com

بیٹا والد کے خلاف اور غلام مولیٰ کے خلاف حدِ قذف کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ میت کے بھائی، چچا، ماموں، پھوپھی، خالہ میت پر قذف کے مطالبہ حد کا حق نہیں ہے۔ والدہ کو بعدِ وفات تہمت لگائی والد نے۔ بیٹے نے دعویٰ کر دیا۔ عدالت نے والد کو حدِ قذف لگا دی تو دونوں باپ بیٹے کا عادل متقی ہونا ختم دونوں مردود الشہادت دونوں فاسقِ شرعی کیونکہ باپ قاذف کاذب ہو گیا اور بیٹا والد کی حد کا سبب بننے کی وجہ سے۔ اگر قذف ثابت کرنے کے لیے چار گواہ نہ پیش کر سکے تو بھی قاذف کاذب شمار ہو گا اگرچہ حقیقتاً سچا ہو۔ ایسی قذف لگانا گناہ کبیرہ ہے جس میں قاذف کو حد یا تعزیر لگ جائے کیونکہ گناہ کو کبیرہ بنانے کے لیے مقذوف کا محصن ہونا ضروری نہیں اور اگر تہمتِ قذف سچی ثابت ہو اور مقذوف کو حدِ زنا لگ جائے تو قذف پر گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے۔ حدِ قذف لگاتے وقت قاذف مرد یا عورت کے باریک کپڑے نہ اتارے جائیں گے مگر موٹے کپڑے اتارے جائیں مثلاً حشو، وفرہ، فروہ کپڑے یعنی روئی بھرا۔ بذاتِ خود موٹا کوٹ اور ڈبل سلائی کے اُستر والا۔ حدِ قذف میں عورت و مرد کے تمام مذکورہ بالا احکام برابر ہیں۔ اگر کسی مسلمان نے ذمّی کافر کو جھوٹی تہمت لگائی تو بفرمانِ حدیث پاک دنیا میں تعزیری اور آخرت میں آگ کے کوڑوں کی سزا ہو گی یہ حدیث مقدس مسند احمد میں بروایت حضرت وائلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے۔ صغیرہ آزاد اور لونڈی اور بے پردہ فیشنی آوارہ عورت کو قذف کاذبہ لگانا گناہ صغیرہ ہے۔ کیونکہ ایسی عورتوں کو ہتکِ عزت، ایذا و بدنامی کا احساس کم ہوتا ہے۔

حدود اور تعزیر میں تقریباً بارہ طرح فرق ہے

۱۔ حدِ شرعی قرآن مجید اور حدیثِ مقدس اور اجماعِ صحابہ کرام سے ثابت ہوتی ہے مگر تعزیری سزا حاکمِ اسلامی کی صوابدیدی تجویز سے نافذ ہوتی ہے۔ ۲۔ حد میں کمی بیشی نہیں ہو سکتی نہ جرم کی نہ تعدادِ سزا کی نہ طریقہ سزا میں مگر تعزیر میں موقعہ محل اور مجرم و جرم کی کیفیت کے لحاظ سے تبدیلی جائز ہے۔ مثلاً سو کوڑے اور اسی کوڑے اور سنگساری ذرہ بھر کمی بیشی تا قیامت نہیں کی جا سکتی لیکن تعزیری کوڑے کم از کم تین زیادہ سے زیادہ انتالیس ہے۔ آدھی حد سے بھی کم جو کہ قذف و شرب میں غلام کی سزا ہے۔ ۳۔ تعزیر کے کوڑے سخت زور سے مارے جائیں۔ اس سے نرم حدِ زنا کے اس سے نرم شُربِ شراب کے کوڑے اس سے نرم حدِ قذف کے کوڑے مارے جائیں۔ ۴۔ حد کی سزا شبہات سے ختم ہو جاتی ہے مگر تعزیر کی سزا ختم نہیں بلکہ بعض مرتبہ کسی شبہ سے حد ختم ہو کر اس کی جگہ تعزیر اسی شبہ کی وجہ سے ہی آتی ہے۔ ۵۔ حد کی سزا نہ رحم کی اپیل سے ختم ہو نہ معاف کرنے سے لیکن تعزیر ختم کرنا یا کم کرنا جائز ہے۔ ۶۔ مجنون پر حد کی سزا نہیں لگتی تعزیر لگ سکتی ہے یہی حال مُراہق یعنی قریب بلوغ بچے کا ہے۔ ۷۔ کافر غیر مسلم ذِمّی کے جرائم پر حد نہیں ہے تعزیر ہے مگر اُس تعزیر کا نام عقوبت ہے۔ ۸۔ مقرّرہ سزا کا نام حدِ شرعی ہے اور غیر مقررہ سزا کا نام تعزیر ہے۔ ۹۔ حد شرعی صرف مخصوص جرائم پر لگتی ہے وہ سات ہیں۔ جرم زنا، جرم قتل، جرم چوری، جرم ڈکیتی، جرم قذف، جرم قصاص، جرم شراب نوشی۔ لیکن تعزیر ہر چھوٹے بڑے جرم پر اور کوڑوں کے علاوہ بھی ہر جسمانی سزا جس کا فیصلہ عدالت کرے وہ تعزیر ہے اگرچہ ایک چپت ہو۔ ۱۰۔ حدِ شرعی عدالت کے فیصلے سے پہلے حق العبد ہے۔ لیکن ثبوت اور فیصلے کے بعد حق اللہ ہے۔ حق العبد تاوان یا صلح سے وشفارش سے معاف ہو جاتا ہے مگر حق اللہ معاف نہیں ہو سکتا، نہ صلح سے نہ معافی سے، مگر تعزیری سزا اول سے آخر تک حق العبد ہے۔ سزا ملنے سے پہلے پہلے تاوانی صلح بھی جائز۔

marfat.com

معافی دینا بھی جائز۔ ۱۱۔ حدِ شرعی کا ثبوت صرف دو طریقوں سے اوّلاً اقرارِ جرم۔ دوم نصابِ شہادت کی گواہی مگر تعزیر کا ثبوت چار طریقے سے جائز اوّلاً اقرارِ جرم۔ دوم اگر یہ نہیں تو مدعیٰ علیہ قسم اٹھائے کہ میں بے گناہ ہوں۔ سوم اگر یہ بھی نہ ہو تو مدعی گواہی پیش کرے۔ چہارم اگر یہ بھی نہیں تو مدعیٰ علیہ بری مدعی کو تعزیر۔ ۱۲۔ حد قذف میں مقذوف کی طرف سے زبانی یا تحریری مطالبہ واجب ہے مگر تعزیری سزا کے لیے کسی مطالبے کی ضرورت نہیں حاکمِ عدالت خود مجرم کو پکڑوا کر فیصلہ تعزیر کر سکتا ہے اور گواہی کا ثبوت حاصل کر سکتا ہے۔

ان آیات میں مختلف اقوال

۱۔ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡکِحُ اِلَّا۔ (الخ) یہ پوری آیت ۳ محکم ہے تا قیامت نافذ العمل ہے اور یہ حکم نہیں بلکہ استحبابی واخلاقی علامۃِ مومن ومومنات ہے یہی قول درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ آیت منسوخ ہے اور اس کے ناسخ میں تین قول۔ یا سورۃ نساء کی آیت ۳ فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ لَکُمۡ سے یا اسی سورۃ نور کی آیت ۳۲ وَ اَنۡکِحُوا الۡاَیَامٰی مِنۡکُمۡ سے یا اجماعِ صحابہ سے۔ مگر یہ تینوں قول غلط وجاہلانہ ہیں۔ اجماعِ صحابہ سے تو کوئی آیت یا حدیث نبوی منسوخ ہو سکتی ہی نہیں بلکہ ایسا کہنا بھی کفر ہے۔ ناسخِ آیت یا حدیث یا صرف آیت یا حدیث ہی ہو سکتی ہے۔ اور سورۃِ نور کی آیت ۳۲ بھی ناسخ نہیں ہو سکتی کیونکہ اَیَامٰی آزاد یا مسلم لونڈی غلام کا نکاح بھی زانی۔ زانیہ مشرکہ مشرک سے ممنوع ہے۔ ایسے ہی فَانۡکِحُوۡا مَا طَابَ میں بھی نیک متقیہ مومنہ عورتیں ہی مراد ہیں نیز ناسخ ومنسوخ کے لیے یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ آیت منسوخہ کا نزول پہلے ہوتا ہے ناسخ کا بعد میں مگر سورۃ نساء کا نزول پہلے ہے اس کا ۹۲ ہے اور سورۃِ نور کا نزول بہت بعد میں اس کا نزول ۱۰۲ ہے۔ منسوخ بعد میں نہیں ہو سکتی کیونکہ نزول ہی تو ناسخ ہوتا ہے۔ ایسے ہی جاہلانہ اقوال سے گمراہیاں وگستاخیاں پھیلتی ہیں۔ لَا یَنۡکِحُ اور لَا یَنۡکِحُهَا کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ جملہ خبریہ ہے اس میں انسانوں کی فطری طبعی مزاجی وایمانی عادت ومناسبت بتائی گئی ہے یہ حکمِ شرعی نہیں۔ یہی قول درست ہے کیونکہ اگر حکم وانشا ہوتا تو فعل نہی ہوتا نہ کہ مضارع منفی۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ نفی بمعنی نہی ہے لہٰذا معناً وحکماً یہ جملہ انشائیہ ہے۔ یعنی خبردار نکاح نہ کرے۔ ۳۔ بعض نے کہا یہاں جواز وعدم جواز کا قانون اسلامی بتایا جارہا ہے یعنی زانی کا نکاح اس کی زانیہ سے یا کسی مشرکہ سے ہی جائز ہے۔ ایسے ہی زانیہ سے صرف اس کا زانی ہی نکاح کرے یا پھر کوئی مشرک نکاح کرلے۔ متقی مومن مرد وعورت کو جائز نہیں۔ ۴۔ بعض نے کہا یہاں نکاح بمعنی وطی ہے نہ کہ عقدِ نکاح۔ دونوں جگہ لَا یَنۡکِحُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں یہ مضارع منفی ہے یہی درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں یہ فعل نہی ہے ح پر جزم یعنی لَا یَنۡکِحۡ۔ حرم کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں ماضی مطلق مجہول ہے یہی درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں حَرُمَ ہے ماضی مطلق معروف۔ حُرِّمَ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا، حرام کردیا گیا۔ ۲۔ بعض نے کہا مکروہ تحریمی کر دیا گیا۔ ۳۔ بعض نے کہا مکروہ تنزیہی کردیا گیا مُشۡرِکَةٌ کی مراد میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا۔ بُت پرست عورتیں تا قیامت۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ عرب کی عام کسبیہ طوائفیں۔ ۳۔ بعض نے کہا مکہ ومدینہ کی مشرکہ مجبوبائیں مراد ہیں۔ ذٰلِکَ کے مشارالیہ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس سے زنا مراد ہے (از احناف وشوافع)۔ ۲۔ بعض نے کہا مراد نکاح ہے (از مالکی وحنبلی)۔ ۳۔ بعض نے کہا مراد ہے غلط

marfat.com

فحش سے نکاح کر کے معاشرہ بگاڑنا حرام کیا گیا۔ بِاَرْبَعَةِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں بغیر تنوین ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں تنوین سے ہے یعنی بِاَرْبَعَةٍ۔ لَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ مطلقاً کوئی گواہی کسی بھی دعوے میں قبول نہ ہوگی۔ ۲۔ بعض نے فرمایا صرف تہمت کے ثبوت میں قبول نہ ہوگی۔

فائدے

ان آیات کریمہ سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں سب سے بڑا جرم زنا ہے کیونکہ اس سے پانچ قسم کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اولاً نسل تباہ دوم معاشرے میں بے غیرتی بے حیائی کا پھیلاؤ سوم ذلتِ قومی چہارم فتنہ فساد پنجم زنا کاری مشابہ شرک ہے کیونکہ شرک سے موجودہ دنیوی آبادی کی بربادی اور زنا سے آئندہ نسلوں کی بربادی۔ شرک سے قولی فحاشی زنا سے عملی فحاشی۔ نہ مشرکین زنا کاری کو برا سمجھیں نہ زانی زانیہ یہی وجہ ہے کہ زنا کی سزا دنیا میں اور شرک کی سزا آخرت میں سب سے زیادہ اور سخت۔ زنا کاری تو ایک خاوند بیوی پر پابندی نہیں کرتی اور شرک ایک عبادت پر یہ فائدہ زنا اور شرک کو ایک ساتھ ذکر کرنے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** انسانی قومی مدارج یا علمی عملی منصب یا دنیوی اعلیٰ افسری کی وجہ سے دینی شرافت، کرامت، یا شرعی سزاؤں میں کمی بیشی نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا عالم جاہل، سید غیر سید، امیر غریب سب کی حدِ جرم وَ حدِ قذف ایک جیسی برابر ہوں گی، جرائم زنا کے ہوں یا قذف شراب نوشی، قتل، قزاقی، ڈکیتی، سرقہ کے یہ فائدہ وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ (الخ) کے حکم کو عام مطلق فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اگرچہ سچی تہمت کی بھی تشہیر جرم و گناہِ کبیرہ ہے کیونکہ یہ عدالتی مقدمہ ہے نہ کہ تشہیری مشغلہ۔ لیکن جھوٹی تہمت اور اُس کی تشہیر تو سب سے بڑا اور نقصان دہ جرم ہے۔ یہ فائدہ حدِ قذف کی تین سزاؤں سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** اگر کوئی والد اپنی نیک جوان بیٹی کا نکاح اس کی مرضی کے بغیر کسی زانی شرابی سے کردے تو بیٹی کو شریعت فسخ نکاح کا حق دیتی ہے اور ایسا باپ شرعاً سوءِ اختیار والا ہے آئندہ وہ باپ اپنی کسی بیٹی کے نکاح کا ولی نہیں بن سکتا نہ اپنی مرضی سے بلا اجازتِ بیٹی اس کا نکاح کبھی کرسکتا ہے اگر جبری نکاح کرے گا تو باپ کو سزا اور نکاح فسخ ہوگا کیونکہ سوءِ اختیار والا باپ شرعاً ظالم ہے۔ اور ایسا باپ اپنی کسی اولاد کا نہ وکیل بن سکے نہ اصیل نہ کفیل۔ یہ مسئلہ اَلزَّانِیْ لَا یَنْكِحُ (الخ) کے اس عموم سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** اگر زانی و زانیہ کو کوڑوں کی حدِ زنا لگ جائے پھر وہ سچی توبہ کرلیں تب مومن یا مومنہ متقیہ سے ان کا نکاح درست و بہتر ہے لیکن اگر بغیر سزا کھائے توبہ کریں تو متقیہ سے زانی تائب کا نکاح نہ کیا جائے اس لیے کہ سزا یافتہ کی توبہ پکی ہوتی ہے۔ لیکن جہاں زانی کو سزا کا خوف نہ ہو وہاں زنا سے توبہ کچی ہوتی ہے۔ پھر بھی بھٹک سکتا ہے۔ اگرچہ مرد و عورت دونوں کے لیے یہ مسئلہ برابر ہے مگر متقیہ مومنہ عورت کے لیے زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ مرد مجبور و مظلوم نہیں ہوسکتا البتہ عورت بدقماش خاوند کی زوجیت میں مجبور و مظلوم ہوجاتی ہے۔ لیکن اگر غیر احتیاطی میں بدقماش زانی شرابی سے شرعی نکاح ہوگیا تو نکاح درست ہوگا اولاد حلالی ہوگی۔ یہ مسئلہ لَا یَنْكِحُ (الخ) کی خبر عمومی و تفسیری وضاحت سے مستنبط ہوا۔ احناف کے نزدیک حُرِّمَ ذٰلِكَ کا معنی حرمتِ نکاح نہیں بلکہ معاشرہ

marfat.com

بگاڑنا حرام کیا گیا ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** قانونِ شریعت میں حدِ قذف لگانے کے لیے ضروری ہے کہ مقذوف پاکدامن، عفیف و عادل متقی ہو۔ اگر کسی مقذوف نے اس قذف سے پہلے کبھی بھی ابدی حرام والی وطی کی ہوگی تو اس کی عِفت عدالت تقویٰ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا اور اس پر جھوٹی قذف لگانے والوں کو حدِ قذف نہ لگے گی یہ مسئلہ وَ الَّذِیۡنَ یَرۡمُوۡنَ الۡمُحۡصَنٰتِ کی قید لگانے سے مستنبط ہوا۔ خیال رہے کہ حرمت وطی دو قسم کی ہے۔ ا۔ حرمتِ ابدی جیسے غیر بیوی، یا رضاعی بہن، یا سگی ساس وغیرہ سے وطی۔ اس ابدی حرام وطی سے وطی زنا ہے اور زنا سے عفت عدالت احصان (پاکدامنی) ہمیشہ کے لیے ختم ہو جاتی ہے۔ ۲۔ حرمتِ وقتی جیسے اپنی بیوی سے بحالتِ حیض، نفاس یا بحالتِ احرام وطی حرام ہے مگر ایسی وطی کر لینے سے عِفت عدالت ختم نہیں ہوتی۔ اس کے جھوٹے قاذف کو حدِ قذف لگے گی بغیر گواہ نکاح سے بھی وطی حرامِ ابدی ہے۔ حدیث مقدس میں ہے **لَا نِكَاحَ اِلَّا بِشُهُوْدٍ**۔ یعنی بغیر گواہوں کے نکاح ہوتا ہی نہیں ایسے نکاح کے بعد وطی کر لی تو عفت و عدالت ختم۔ دارِ قطنی و طبرانی میں حدیثِ مقدس ہے کہ **اَلْحَرَامُ لَا يُحَرِّمُ الْحَلَالَ فَاَوَّلُهٗ سِفَاحٌ وَّاٰخِرُهٗ نِكَاحٌ**۔ یعنی زانی اگر اپنی زانیہ سے نکاح کر کے شریفانہ زندگی گزارے یا توبہ سچی پکی کر کے کسی نیک عورت سے نکاح کی زندگی گزارے تو جائز ہے بلکہ بہتر ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا۔ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡكِحُ۔ فعل مضارع جس سے زانی زانیہ کا نکاح متقی متقیہ سے حرام و ناجائز ثابت نہیں ہوتا۔ صرف نامناسبیت ثابت ہوتی ہے کیونکہ مضارع جملہ خبریہ ہے۔ پھر فرمایا گیا حُرِّمَ ذٰلِكَ۔ اس سے نکاح کی حرمت ثابت ہو رہی ہے۔ نیز فقہا بھی اس نکاح کو جائز کہتے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں بھی ایسے نکاح ثابت ہیں کہ نیک مرد کی بدکارہ بیوی۔ اور نیک بیوی کا بدکار خاوند۔ تو پھر یہاں حُرِّمَ ذٰلِكَ۔ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡكِحُ۔ کی پوری عبارت اکثریت مومنین کے طبعی میلان و محبت و نفرت کی خبر دی جا رہی ہے نہ کہ کلی قاعدہ یا حکمِ شرعی۔ یعنی اکثر ایمانی طبیعت بدکاروں سے ازدواجی تعلق قائم کرنا پسند نہیں کرتے اور بدکار لوگ بھی نیک مرد یا سیدھی سادی نیک بیوی کو پسند نہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ آوارہ لڑکیاں داڑھی والے نمازی نوجوان مرد کا رشتہ نامنظور کر دیتی ہیں اور عیاش و آوارہ کا رشتہ پسند کر لیتی ہیں اور حُرِّمَ ذٰلِكَ میں ایسے نکاح کی حرمت کا ذکر نہیں بلکہ بروں بدمعاشوں سے رشتے داری کر کے معاشرہ خراب کرنے کی حرمت کا ذکر بیان کیا جا رہا ہے۔ فقہی مسئلہ قانون ہے اور تاریخی مشاہدہ جزئی و نادر واقعات ہیں۔ آیت میں احتیاط کرنے کا ذکر ہے۔ بے احتیاطی میں اکثر گھر اجڑنے کا تجربہ ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا۔ اَلزَّانِیۡ لَا یَنۡكِحُ اِلَّا زَانِیَةً پھر فرمایا گیا وَّ الزَّانِیَةُ لَا یَنۡكِحُهَاۤ اِلَّا زَانٍ۔ ان دونوں عبارتوں میں ظاہراً کوئی فرق نظر نہیں آتا۔ محض لفظی تکرار ہے جو بلاغت کے خلاف لگتی ہے۔ **جواب:** دونوں عبارتوں میں فرق ظاہر موجود ہے وہ یہ کہ پہلی عبارت میں بدکار مردوں کی رغبتِ قلبی کا ذکر کیا گیا ہے اور دوسری عبارت میں نیک مردوں کی رغبتِ قلبی کا ذکر کیا گیا۔ یعنی جس طرح برے مرد نیک عورتوں کو پسند نہیں کرتے بلکہ اپنے جیسی آزاد خیال محفلوں کی زینت بیوی پسند کرتے ہیں۔ اسی طرح نیک مرد بھی بری و آوارہ عورتوں کو پسند نہیں کرتے اور حُرِّمَ میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ بھی برے مرد

marfat.com

وبری عورت کو پسند نہیں فرماتا۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ آیت ۲ میں۔ اَلزَّانِیَۃُ مونث کا ذکر پہلے اور اَلزَّانِیْ مذکر کا ذکر بعد میں مگر یہاں آیت ۳ میں۔ اَلزَّانِیْ مذکر کا ذکر پہلے۔ اور وَالزَّانِیَۃُ مونث کا ذکر بعد میں۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ پہلی آیت میں سزا کا ذکر ہے۔ اس آیت میں نکاح کا ذکر ہے۔ سزا میں زنا کا جرم اور زنا میں شہوت کا اور شہوت عورت میں زیادہ ہوتی ہے اس لیے زنا کی پیش کش اکثر عورت کی طرف سے ہوتی ہے۔ اور بدکاری کی تحریک اور آمادگی و رغبت اولاً عورت کی طرف سے اس لیے جرمِ زنا کی سزا میں پہلے عورت کا ذکر کیا گیا۔ اور نکاح میں رغبۃ وطلب مرد کی طرف سے ہوتی ہے۔ شرعاً بھی رواجاً بھی پیغامِ نکاح بھی مرد والوں کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں پہلے مذکر لفظ کا ذکر کیا گیا۔ **چوتھا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں اَلزَّانِیْ اور اَلزَّانِیَۃُ فرمایا گیا۔ یعنی زنا کرنے والا مرد اور زنا کرنے والی عورت حالانکہ زنا کا فعل تو صرف مرد ہی کرتا ہے۔ عورت سے زنا کیا جاتا ہے۔ عورت زنا کا فعل کرنہیں سکتی۔ لہٰذا اس کو زانیہ نہیں کہنا چاہئے تھا بلکہ مزنیہ کہا جاتا۔ **جواب:** چونکہ یہاں عورت و مرد کی سزا و تذلیل کا ذکر ہے اس لیے اَلزَّانِیَۃُ فرمایا گیا۔ زانی وزانیہ کے لفظ سے فعلِ زنا مراد نہیں بلکہ مقصدِ زنا کا حصول مراد ہے یعنی خواہشِ شہوت پوری کرنا۔ عورت ہو یا مرد جب دونوں کی رضا و رغبت سے زنا ہو رہا ہو تو دونوں ہی زناکار ہیں اگرچہ مرد فاعل اور عورت مفعول ہوتی ہے لیکن دوطرفہ رضا کی وجہ سے دونوں زانی وزانیہ ہیں۔ اسی رضا و رغبت کی سزا دی جاتی ہے۔ مزنیہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جس سے مرد جبراً زنا کرے۔ مزنیہ کو شریعت میں زنا کی سزا نہیں ہے کیونکہ وہ مجبور و کمزور ہے۔ مزنیہ کا ذکر آگے آیت ۳۴ میں فرمایا جارہا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْ مُشْرِکَۃً وَّالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُھَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ اے عرفانِ الٰہی کے طلبگارو۔ یاد رکھو کہ کسی بھی راہِ مستقیم و منزلِ مراد میں نفسِ آمارہ اور نفسِ مطمئنہ کا تعلق قربت وارادت قائم نہیں رہ سکتا۔ لہٰذا ایک قالب میں دونوں کی خواہشیں پوری کرنے کی کوشش نہ کرو۔ امارہ چاہتا ہے طبیعت خناثہ کو اور پسند کرتا ہے عقلِ عیارہ کو۔ اور اعمالِ مکارہ واقوال بدکارہ کو خبائث وخنائس ہی پسند کرسکتے ہیں۔ اور حرام و بعید کر دیا گیا ہے نیک لوگوں کا برے لوگوں سے تعلق قلبی وروحی کیونکہ اس بے جوڑ تعلق سے چار خرابیاں پیدا ہوتی ہیں **اول** یہ کہ تھوڑی برائی و پلیدی زیادہ اچھائی و پاکیزگی کو بگاڑ دیتی ہے **دوم** یہ کہ تعلق داری کی بنا پر بروں کو اچھوں کی محفل میں آنے برائی پھیلانے کا موقعہ ملے گا اور اچھے مجبور ہوں گے بروں کے ساتھ محفل کرنے پر یا اُن کی محفلوں میں شامل ہونے پر **سوم** یہ کہ اس تعلق داری سے اچھے برے کی پہچان ختم ہو جائے گی اور نیک لوگ بری ہم مجلسی کی وجہ بروں کے مشابہ لگیں گے اور یہ ملاوٹ دنیوی اُخروی مصیبت ہے **چہارم** یہ کہ اکثر وقت فاسقین وزندیقین کا قُرب حاصل رہے گا نتیجتاً ان اچھوں پر بھی فحاشی کذابی کا اثر صحبت ہو جائے گا اور اِن نیکوں کو بھی فاسقان سے الفت و رغبت ہوگی۔ صالحات سے نفرت، زمینِ قالب روحانی کا زانی نفس امارہ ہے اور زانیہ عقل عیارہ ہے، مشرک مزاج خناث ہے مشرکہ عادتِ خبیثہ ہے۔ اے معرفت کے طلبگارو بروں کے جلوؤں سے بچو، اہلِ دل کی محافل خلوت میں رہو کیونکہ ہر طبیعت اپنی مشابہت ومجانست سے ہی مانوس ہوتی ہے ملاقات ہم شکل سے ہی موثر ہوتی ہے، ہر جسم میں بیماری و برائی جلدی سرایت کرتی ہے۔ ارشادِ نبوی ہے کہ مشرکوں سے تین تعلق توڑ لو۔ سکونت کا، مصاحبت کا، مجامعت کا، تا کہ

marfat.com

مشرکوں کی عادتیں تم میں نہ آ جائیں۔ جو مشرکوں سے مصاحبت کرے گا وہ اُن کی مشابہ ہو جائے گا اور جو مشابہ ہو گا وہ انہیں میں سے ہو جائے گا انسانوں میں بھی پرندوں و حیوانوں کی مثل مشاکلت اور اُنسیت ہے۔

ہمہ مرغاں کند باجنس پرواز　　کبوتر با کبوتر باز با باز

ہر ساکن اپنے ہم مسکن سے سکون پاتا ہے، بزرگ فرماتے ہیں کہ ناواقف لوگوں کے تعارف کے لیے عوام سے مت پوچھو بلکہ اُن کے دوستوں اور ساتھیوں کو دیکھو۔ اہلِ فساد فسادیوں کے ہی ساتھی ہوتے ہیں اگرچہ مکان دور دور ہوں اور اہلِ سعادت سعید لوگوں کے ہی ساتھی بنتے ہیں اگرچہ مزار دور دور ہوں۔ جنسیت، ضمیت کی علت ہے اور مشاکلت اُلفت کا سبب ہے۔ ہر شخص اپنی فطرت کے مطابق دوست بناتا ہے۔ بلبل ہمیشہ محفلِ گلستان کی طرف اور چیل خارزار کی طرف، پروانہ شمع کی طرف، اور سُنّی محفلِ نعت کی طرف ہی جاتا ہے۔

بلبل بباغ رفت وزغن سوئے خارزار

اس لیے حرام کر دیا گیا ہے ایمانِ معرفت والوں پر بری خصلت والوں کی حمایت وحفاظت کرنا تاکہ اہلِ سعادت میں بروں کے فسادِ حال و بداقوال کا اثرِ بداخلاق نہ پڑے۔ اے بندہ سالک نورِ معرفت کے طالب تیری ہم نشینی سے وہی خوش ہو گا جو تیری مثل و مشابہ ہے وہی تیری محفل و مجلس کے مناسب ہے۔ غیر جنس و خلاف مزاج کبھی سچا پکا ہمراہی نہیں ہو سکتا مختلف مزاجی بھی دنیا میں عذابِ شدید ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مسلمان کسی کافرہ خوبصورت عورت کو دیکھ کر زبان سے یہ کہے کہ کاش میں بھی اسی کی طرح کے دین پر ہوتا تاکہ اس سے شادی کر لیتا تو وہ شخص یہ کہتے ہی کافر ہو جائے گا۔ کیونکہ یہ حیثیانہ تمنا باطنی ہم جنسی ومشابہت کی دلیل ہے۔ لہٰذا ہر عاقل پر واجب ہے کہ حتی المقدور بروں سے دور ہٹے بچے۔ بیشک اللہ تعالیٰ غیور و بے پرواہ ہے۔ بے پرواہ کی بے پرواہی سے ہر آن ڈرنا خائف رہنا چاہئے (از روح البیان) وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ يَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِيْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا ۚ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝۔ اس عالمِ نفسانفسی وفتنہ فسادِ شخصی میں اہلِ سعادت کے لیے بہت مصائب مخالفت ہیں۔ لہٰذا راہِ طلب کی وادیِ رنگ وبو میں جو اہلِ نفوس اہلِ قلوب پر تہمتِ بدعملی و بے فکری لگاتے ہیں اور پھر عقل وضمیر، شعور وفراست کے چار گواہوں کی حمایت۔ تائید، بیان وشفاعت بھی نہ لا سکیں تو انہیں فراقِ ذلت کی تین سزائیں دی جاتی ہیں گمراہی کے اسی کوڑے، ازلی مردودیت، دنیوی، اُخروی فنا، کوڑوں کی تقسیم اس طرح کہ قہر وعتاب ذلت وفراق کے بیس بیس کوڑے۔

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ

سوائے ان کے جو بہتان بازی سے سچی توبہ کر لیں اس سزاء جسمانی کے بعد اور نیک بن جائیں

مگر جو اس کے بعد توبہ کر لیں اور سنور جائیں

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ

marfat.com

تو بیشک اللہ تعالیٰ ان کے لیے (آخرت میں) غفور رحیم ہے اور وہ لوگ جو تہمتِ زنا لگائیں اپنی بیویوں کو
تو بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے اور وہ جو اپنی عورتوں کو عیب لگائیں
وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ أَزْوَاجَهُمْ ... وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ
اور نہ حاصل ہوسکیں ان کے لئے عینی مشاہداتی گواہ مگر فقط وہ خود ہی اکیلے تو ان میں ہر خاوند کی گواہی چار مرتبہ گواہی ہے
اور ان کے پاس اپنے بیان کے سوا گواہ نہ ہوں تو ایسے کسی کی گواہی یہ ہے کہ چار بار گواہی دے
بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۶﴾
اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ کہ بیشک وہ تہمت باز خاوند البتہ سچوں میں سے ہے
اللہ کے نام سے کہ وہ سچا ہے
وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۷﴾
اور پانچویں بار یہ کہے کہ بیشک اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر ہو وہ تہمت باز جھوٹوں میں سے
اور پانچویں بار یہ کہ اللہ کی لعنت ہو اس پر اگر جھوٹا ہو

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں تہمت لگانے کے مجرم کی روحانی ذلت آمیز سزا کا ذکر فرمایا گیا کہ ہمیشہ تاعمر ان کی کوئی گواہی قبول نہ کی جائے گی اور وہ معاشرے کے فاسق بدترین ہیں اب ان آیات میں اس ذلت آمیز سزا سے بچنے کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ سچی توبہ کرلیں کہ آئندہ کسی پاک دامن عورت یا مرد کو محض بدنام وذلیل کرنے کے لیے کبھی تہمت نہ لگائیں گے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں غیر مرد وعورت کو تہمت لگانے کے جرم وسزا کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں خاوند کا اپنی بیوی کو تہمت لگانے کے جرم اور اس کے تصفیے شرعی فیصلے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول

جب يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ (الخ) آیت ۴ نازل ہوئی تو صحابی سید الانصار سعد بن عبادہ نے آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہ زنا کے ثبوت میں تو بحکم قرآنی چار عینی گواہ عدالت میں پیش کرنے ضروری ہیں لیکن اگر کوئی خاوند اچانک بغیر اطلاع اپنے گھر میں آئے اور اپنی شرعی اسلامی بیوی پر کسی غیر مرد کو چڑھا ہوا دیکھے کہ وہ مرد اس کی بیوی سے بدفعلی کررہا ہے اب اگر یہ خاوند چار مردوں کو بطور گواہ ڈھونڈ کر یہ زنا کاری دکھانے کے لیے لائے تو اتنی دیر میں تو وہ زانی مرد بھاگ جائے گا۔ اب اگر یہ اکیلا خاوند عدالت میں یہ کہتا ہے کہ میری اس بیوی نے زنا کرایا ہے فلاں مرد سے فلاں تاریخ فلاں وقت تو سزائے تہمت کھائے یا چپ رہے اور زنا کاریاں دیکھتا رہے اس کا کیا حل ہے۔ پہلے ان کے منہ سے یہ

marfat.com

الفاظ بھی نکل گئے کہ کیا یہ آیت ایسی ہی نازل ہوئی ہے اس پر نبی کریم ﷺ نے انصار کو مخاطب کر کے فرمایا کہ سنتے ہو تمہارے سردار ابن عبادہ کیا کہہ رہے ہیں سعد نے معافی مانگتے ہوئے عرض کیا کہ میرا ایمان ہے یہ آیت ایسی ہی نازل ہوئی ہے مگر میں اس مصیبت کا حل پوچھ رہا ہوں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کچھ دن انتظار کرو اللہ تعالیٰ اس کا بھی حل بیان فرما دے گا۔ دوسرے دن ایک صحابی ہلال بن امیہ نے بارگاہ نبوی میں خود اپنا واقعہ بیان کیا یا رسول اللہ کل رات میں نے اپنی بیوی خولہ بنت عاصم پر ایک اجنبی مرد شریک بن سحماء کو دیکھا ہے۔ تب سورۂ نور کی اگلی پانچ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۶ تا آیت ۱۰ جن میں خاوند بیوی کے درمیان اسی قسم کے جھگڑے مقدمے کا حل بصورت لعان اور براءت کا طریقہ بتایا گیا۔ اسلام کے یہ قوانین تا قیامت جاری ہیں۔

تفسیر نحوی

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَ اَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَ لَمْ یَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ۔ اِلَّا لغو یعنی استثنا کے لیے نہیں ہے۔ ترجمہ ہے سوائے بجز بمعنی ہاں البتہ سوائے ان لوگوں کے۔ ایک قول میں یہ اِلَّا لغو نہیں ہے اور اس سے مستثنیٰ کیا ہے وَلَا تَقْبَلُوْا کے جملے کو اور اسی قول کی بنیاد پر امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے مسلک کے لیے استدلال کرتے ہیں مگر یہ قول غلط اس لیے استدلال بھی کمزور ہے۔ اس کی وضاحت انشاء اللہ تعالیٰ تفسیر عالمانہ میں کی جائے گی۔ الَّذِیْنَ اسم موصول برائے شرط۔ تَابُوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب تَوْبٌ و تَوْبَةٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے لوٹنا، باز رہنا، معافی مانگنا، اس کا تعلق مستقبل لامحدود سے ہوتا ہے یعنی آئندہ ایسا نہ کرنے کا عہد مِنْ جارہ ابتدائیہ بیانیہ بعد اسم ظرف زمانی مضاف ہے۔ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ یَرْمُوْنَ اور فَاجْلِدُوْا ہے یہ مضاف الیہ ہے بَعْدِ کا یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَابُوْا کا۔ اور تَابُوْا کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے الَّذِیْنَ۔ یہ فعل فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ، واؤ عاطفہ، اَصْلَحُوْا باب افعال کا ماضی مطلق برائے مستقبل یعنی آئندہ تا عمر، مصدر ہے اِصْلَاحٌ۔ ترجمہ ہے نیک بنانا اپنے آپ کو، اعمال صالحہ کرنا۔ یہاں مراد ہے آئندہ شرارت و بہتان بازی سے باز آ جانا۔ صُلْحٌ سے بنا ہے بمعنی نیک ہونا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے تَابُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہے۔ الَّذِیْنَ یہ موصول صلہ مل کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ۔ اِنَّ حرف مشبہ اللّٰهَ اس کا اسم غَفُوْرٌ بروزن فَعُوْلٌ اور رَّحِیْمٌ بروزن کَرِیْمٌ دونوں صفت مشبہ۔ برائے مبالغہ غَفْرٌ اور رَحْمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے بہت بخشش بہت شفقت فرمانے والا۔ یہ دونوں خبریں ہیں اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے الَّذِیْنَ کے جملے کی۔ یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر برائے شرط۔ یَرْمُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع حال مثبت معروف هُمْ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل۔ اَزْوَاجَ اسم جمع مکسر تکثیری۔ اس کا واحد ہے زَوْجَةٌ معنی ہے بیوی۔ خیال رہے کہ جمع مکسر بعدا د حروف تین قسم کا ہے۔ ۱۔ جمع تکثیری۔ کہ واحد میں حروف کی زیادتی کر کے جمع بنائی جائے جیسے زَوج کی اَزواج رَجُلٌ کی رِجَالٌ۔ ۲۔ جمع تقلیلی کہ واحد کے حروف میں کمی کر کے جمع بنائی جائے جیسے رسول کی جمع رُسُلٌ۔ ۳۔ جمع سوائی کہ واحد و جمع کے حروف برابر ہوں صرف

marfat.com

اعراب میں تبدیلی کر کے جمع بنائی گئی ہو۔ جیسے اَسَدٌ (شیر) کی جمع اُسُدٌ۔ اَزْوَاجَ مضاف ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَرْمُوْنَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَمْ یَکُنْ۔ بابِ نَصَرَ کا فعل تامہ مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب لَهُمْ جار مجرور اس کا متعلق شُهَدَآءُ اسم جمع مبالغہ اس کا واحد ہے شَاهِدٌ۔ جیسے کہ عَالِمٌ کی جمع مبالغہ علماء۔ شاعر کی شعراء یہ فاعل ہے لَمْ یَکُنْ کا۔ اور مستثنیٰ منہ ہے اگلے کلام کا اِلَّا حرف استثنا متصل۔ اَنْفُسُ اسم جمع مکسر ہے نَفْسٌ کی۔ ترجمہ ہے ذات۔ شخصیت۔ ھُمْ ضمیر نفسی بمعنی اپنی۔ خود آپ۔ مضاف الیہ ہے اَنْفُسُ کا یہ مرکب اضافی مستثنیٰ ہے شُهَدَآءُ کا دونوں مل کر فاعل ہے لَمْ یَکُنْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَرْمُوْنَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ اَلَّذِیْنَ موصول صلہ مل کر شرط ہے۔ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۝ وَ الْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَیْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝۔ فَ حرف عطف برائے جزا ترجمہ ہے تو۔ شَهَادَةُ۔ اسم حاصل مصدر بروزنِ فَعَالَةٌ۔ بمعنی گواہی مضاف ہے اَحَدِ اسم مفرد عددی بمعنی ایک۔ مراد ہے پہلا یعنی تہمت لگانے والا۔ هِمْ ضمیر مضاف الیہ۔ یہ ذیل مرکب اضافی مبتدا ہے۔ اَرْبَعُ اسم عددی بمعنی چار ممیز مضاف ہے۔ شَهٰدٰتٍ اسم جمع مونث سالم یہ تمیز مضاف الیہ۔ شَهَادَاتِ اسم مصدر ہونے کی وجہ سے عامل ہے بِاللّٰهِ کا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اس مصدر عامل کا اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم لام کے برائے تحقیق یعنی بیشک مِنْ جارہ تبعیضیہ بمعنی میں سے۔ اَلصَّادِقِیْنَ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ صَادِقِیْنَ بابِ نَصَرَ کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر برائے غائب واحد ہے صَادِقٌ صِدْقٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے سچ بولنا صَادِقِیْنَ بمعنی سچ بولنے والے لوگ یہ مجرور متعلق ہے ثابتٌ یا صحیحٌ پوشیدہ اسم مشتق کا (اسم فاعل یا صفت مشبہ کا) وہ پوشیدہ مشتق اپنے پوشیدہ فاعل اور اس ظاہر متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے شَهَادَاتِ مصدر کا یہ مصدر عامل اپنے متعلق و مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر تمیز مضاف الیہ یہ دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَلْخَامِسَةُ الف لام عہد خارجی۔ خَامِسَةُ۔ اسم عددی نمبری ترجمہ ہے پانچویں۔ مراد ہے پانچویں حلفیہ گواہی۔ یہ مبتدا ہے اَنَّ حرف مشبہ لَعْنَتَ۔ اسم مفرد مونث لفظی ہے۔ حاصل مصدر ہے۔ بابِ فتح میں اس کی گردان ہوتی ہے۔ لَعْنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے رحمۃ الٰہی سے دوری غضب پھٹکار، دھتکار، مضاف ہے اللّٰهِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی اسم ہے اَنَّ کا عَلَیْهِ، علی جارہ ہِ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع اَحَدِ ہے یعنی تہمت باز خاوند۔ یہ جار مجرور متعلق ہے قَائِمٌ یا لَاحِقٌ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اسم ہے اَنَّ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا مقدم ہے۔ اِنْ حرف شرط كَانَ فعل ماضی مطلق تامہ۔ ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل مِنْ حرف جر تبعیضیہ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ کَاذِبِیْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر کِذْبٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے جھوٹ بولنا۔ یہ مجرور ہے مِنْ سے یہ جار مجرور متعلق ہے كَانَ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط موخر ہوئی یہ شرط و جزا مل کر خبر ہے اَلْخَامِسَةُ مبتدا کی یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے فَشَهَادَةُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ شرط کی وہ دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ

اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ وَ اَصۡلَحُوۡا ۚ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ۝ مگر وہ لوگ جو محصنہ پاکدامن شخصیات پر قذف زنا لگائیں اور عدالت میں جھوٹے پڑ جائیں تو ان پر حدِ قذف ضرور لگے گی اور وہ تاعمر مردود الشہادت بھی ہوں گے اگر چہ سچی توبہ بھی کرلیں اور آئندہ تاعمر اصلاحِ حال قائم رکھنے کا پکا عہد بھی کرلیں اگر حد کھانے کے بعد بھی توبہ وا پنی اصلاح کریں تب بھی تاعمر کسی معاملے میں ان کی گواہی قبول نہ کی جائے گی اس کی پانچ وجہ پہلی یہ کہ توبہ کی حقیقت اور پختگی کا تعلق علم الٰہی سے ہے اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ قاذِف کاذب کی توبہ کیسی اور کب تک ہے۔ اس لیے اس توبہ سے حدود کی سزائیں معاف نہیں کی جاسکتیں۔ اسی طرح گواہی بھی نامقبول رہے گی کیونکہ گواہی حق العبد ہے مجرم کی توبہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں توبہ کا تعلق اللہ تعالیٰ کی غفورُ رَّحیمی سے ہے۔ جس کا ظہور آخرت میں ہوگا اور نتیجہ فسق بھی آخرت میں نکلے گا۔ لہٰذا اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا کا معنی یہ ہے کہ قذف میں جھوٹے پڑ جانے والے قاذفین کو حد لگنے کے بعد تاابد مردود الشہادت رکھو۔ یہ دونوں فرمانِ ربانی قانونی حکم ہیں (۱۔ حد جاری کرنا بھی، ۲۔ مردود الشہادت ہونا بھی) توبہ قاذف سے ختم نہیں ہوسکتے ہاں مگر وہ لوگ جو قذف لگانے کے بعد توبہ کریں یا عدالتی فیصلے کے بعد توبہ کریں یا حدِ قذف کھانے کے بعد سابقہ سے توبہ آئندہ کے لیے اپنی اصلاح تو ان کی فاسقیت ختم ہو جائے گی۔ احناف کے نزدیک اِلَّا کا استثنا صرف آخری جملے۔ اُولٰٓئِکَ سے ہے اس لیے کہ یہ جملہ خبریہ ہے نہ کہ قانونی حکم۔ توبہ کے بعد جھوٹے قاذف کو فاسق نہ کہا جائے گا۔ اِلَّا سے پہلے تین جملے ارشاد فرمائے گئے۔ ۱۔ فَاجۡلِدُوۡهُمۡ۔ ۲۔ وَّلَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ۔ ۳۔ اُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ۔ پہلے جملے کے مستثنیٰ نہ ہونے اور تیسرے جملے کے مستثنیٰ ہونے میں آئمہ اربعہ کا اتفاق ہے۔ یعنی اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا سے حدِ قذف ختم نہ ہوگی۔ مگر توبہ کر لینے سے فاسقیت ختم ہو جائے گی۔ لیکن درمیانی جملے لَا تَقۡبَلُوۡا لَهُمۡ شَهَادَةً کے حکم میں اختلاف ہے امام اعظم وصاحبین فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد بھی جھوٹے قاذِف کی گواہی کسی بھی دعوے میں تاعمر قبول نہ ہوگی۔ باقی ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ توبہ کے بعد گواہی بھی قبول کی جائے گی۔ مگر حنفی مسلک دلائل میں قوی ہے۔ اس کی ایک وجہ تو ابھی پہلے بیان کی گئی۔ دوسری وجہ یہ کہ توبہ نام ہے قلبی شرمندگی وعقلی احساسِ غلطی کا اور آئندہ کے لیے ارادۂ اصلاح کرنے کا۔ لیکن یہ چیزیں مخفی ہیں جس کا علمِ عزم یا مجرم کو ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔ حکومت، عدالت وعوام کو اس کا کوئی نہ علم نہ یقین۔ جبکہ گواہی کا تعلق عدالت وعوام سے ہے اور شریعت ظاہری علم وثبوت پر جاری ہوتی ہے اسی لیے سچی توبہ سے صرف اُخروی سزائیں معاف ہوتی ہیں نہ کہ دنیوی شرعی۔ اسی وجہ سے ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ اگر توبہ کرلیں تو اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ یعنی اللہ تعالیٰ آخرت میں غفور ورحیم ہے۔ توبہ کا فائدہ آخرت میں۔ تیسری وجہ یہ کہ جھوٹا صرف وہ ہی نہیں ہوتا جو بلا کچھ دیکھے بناوٹی تہمت لگائے بلکہ وہ بھی جھوٹا ہے جو عدالت میں اپنی تہمت کو ثابت نہ کرسکے اگر چہ تہمت میں واقعتاً سچا ہو اس لیے کہ قذف لگانا مثلِ گندگی ہے اُس کو دور کرنا ہی بہتر ہے نہ کہ پھیلانا اور جو شخص قذف کو ثابت نہ کرسکے مگر بیان کرتا پھرے وہ گندگی پھیلانے اچھالنے کا مجرم ہے اس لیے ایسے مجرم کی گواہی آئندہ کے لیے ہر مقدمے میں تاعمر بند کردی گئی تاکہ تشہیری فتنے کا دروازہ بند ہو۔ نیز کوئی مدعیٰ علیہ یا مقذوف علیہ کبھی بھی پسند نہیں کرتا کہ اس کے خلاف ایسے کاذب کی گواہی سنی جائے جو پہلے جھوٹ کا سزایافتہ ہو۔ کیونکہ سزا تو ظاہر مگر توبہ مخفی ورنہ عدالت ظلم میں بدنام ہو

marfat.com

گی جس کی تعزیر جج کو بھی پڑے گی۔ چوتھی وجہ۔ فقہ کا کلی قانون ہے کہ جب چند معطوفہ جملوں کے بعد اِلَّا سے استثنا کیا جائے تو استثنا کا تعلق صرف اس آخری جملے سے ہوگا جو اِلَّا سے متصل ہو۔ یا پھر کوئی قرینہ یا وجہ ہو جو استثنا کو سابقہ تمام معطوفی جملوں سے متعلق کر دے۔ یہاں آیت ۴ میں تین معطوفی جملے ہیں۔ اور اگلی آیت ۵ اِلَّا الَّذِیْنَ سے استثناء کیا گیا تو چونکہ یہاں ایسا کوئی قرینہ نہیں ہے جو تینوں کو یا دو کو اِلَّا سے جوڑے۔ اس لیے آخری جملہ ہی مستثنیٰ ہوگا۔ یعنی توبہ سے صرف جھوٹے قاذف کی فاسقیت ختم ہوگی۔ پانچویں وجہ یہ کہ پہلے دو جملے قانونِ شرعی اسلامی حکم ہیں۔ پہلا امر ہے۔ دوسرا نہی ہے۔ مگر تیسرا جملہ قانون نہیں بلکہ خبر ہے اس لیے یہ تیسرا جملہ پہلے دو سے حکماً مختلف اور جدا ہو گیا۔ اگرچہ تینوں جملوں میں هُمْ ضمیر اور اُولٰٓئِكَ کے ذریعے معناً اتصال ہے مگر ظاہراً منقطع و مختلف جملے کے بیچ میں حائل ہونے کی وجہ سے حکماً پہلے دو جملوں کی طرف استثناء نہیں جا سکتا۔ اور استثناء کی شرط ہے کہ مستثنیٰ و مستثنیٰ منہ میں اتصال ہو۔ جب اتصال نہیں تو استثناء بھی نہیں۔ اِلَّا کا تقاضہ و ضرورت ہے کہ ماقبل سے مل کر پورا ہوتا ہے۔ یہ ضرورت تیسرے جملے کے ملنے سے پوری ہوگئی لہٰذا باقی کا ملنا بلا ضرورت ہو گیا۔ چھٹی وجہ یہ کہ توبہ صرف اُخروی جرائم کو مٹاتی ہے نہ کہ عدالتی دنیوی جرائم کو۔ حدِ قذف اور مردود الشہادت ہونا یہ صرف عدالتی سزائیں ہیں۔ یہ توبہ کر لینے سے معاف نہیں ہو سکتیں۔ ائمہ ثلاثہ نے ان اُصول پر غور نہ فرمایا۔

چند شرعی قوانین

۱۔ چونکہ حدِ قذف حق العبد بھی ہے اس لیے مقذوف کا مطالبہ کرنا عدالت میں دعویٰ کرنا ضروری ہے۔ ۲۔ جو غیر مسلم مستامن ہو اگر وہ جھوٹی قذف لگائے تو سزائے حد اس کو بھی لگے گی۔ ۳۔ مقدمہ دعویٰ شروع ہونے کے بعد حاکم عدالت اپنی ذاتی معلومات کو بھی داخل تفتیش کر سکتا ہے اور جھوٹ ثابت ہونے پر حدِ قذف لگا سکتا ہے۔ لیکن مقدمہ عدالت میں لینے سے پہلے کی معلومات سے حد جاری نہیں کر سکتا۔ ۴۔ اگر کسی ایک مجرم پر چند حدیں یا چند مجرموں پر چند حدیں بیک دم لگانی پڑ جائیں تو ترتیب اس طرح ہوگی کہ پہلے حدِ قذف لگائی جائے گی پھر حدِ زنا، پھر حدِ شراب نوشی، پھر چوری کی حد۔ ۵۔ مقذوف اگر قذف کی سچائی کا اقرار مکمل چار مرتبہ کر لے تو پھر رجوع نہیں کر سکتا۔ ۶۔ حدِ قذف لگانا صرف حکمِ عدالت سے لازم ہے۔ کوئی مقذوف وغیرہ بغیر عدالتی فیصلے کے حد نہیں لگا سکتا نہ فیصلہ سزا جاری کر سکتا ہے۔ ۷۔ ثبوتِ مقذوف میں ذرہ بھر شبہ پڑ جانے سے حدِ قذف ختم ہو جاتی ہے۔ ۸۔ حدِ قذف فیصلہ عدالت کے بعد یقیناً جاری کی جائے گی۔ نہ مالی تاوان سے ختم کی جا سکتی ہے نہ معافی سے نہ سفارش سے نہ رحم کی اپیل سے۔ ۹۔ ثبوتِ قذف کے لیے صرف قاذف سے شرعی نصاب کی گواہی طلب کی جائے گی۔ مقذوف سے بے گناہی کی قسم نہ لی جائے گی۔ ۱۰۔ لونڈی غلام پر دیگر تمام حدودی سزاؤں کی طرح حدِ قذف بھی آدھی یعنی چالیس کوڑے سزا ہوگی۔ یہ قوانین فقہ میں متفق علیہ ہیں۔

چند اختلافی احکام

۱۔ امام شافعی کے مسلک میں حق العبد کو اللہ تعالیٰ نے حق اللہ پر فوقیت و اولیت عطا فرمائی ہے کیونکہ بندہ ضرورت مند ہے اور اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ ۲۔ احناف کے مسلک میں حق اللہ غالب ہے کیونکہ وہی غالب و حاکم ہے اور شارع کا اپنے ذاتی مسلک و

marfat.com

عطاء الٰہی کہنا غلط ہے۔ بندہ صرف نائب شرعی ہے۔ ۳۔ شوافع کے نزدیک حدِ قذف میں بھی وراثت ہے کیونکہ حق العبد غالب ہے۔ لہٰذا اگر مقذوف مقدمہ کرنے کے بعد حدِ قذف لگنے سے پہلے مرگیا تو اس کے قریبی وارث مطالبہ حد کر سکتے ہیں۔ ۴۔ احناف کے نزدیک سزاحدِ قذف میں وراثت نہیں ہے کیونکہ عدالت میں پہنچ کر یہ حق اللہ ہے لہٰذا اگر نفاذ حد سے پہلے مقذوف فوت ہوگیا تو حد ختم۔ حق اللہ میں وراثت نہیں چلتی۔ ہاں حدودِ مالی یا اِتصالی کے حق میں ہے جیسے کفالت یا قصاص مگر حد قذف نہ مالی ہے نہ انقلاب مالی نہ اتصالی۔ ۵۔ اگر مقذوف نے کہا کہ یہ گواہ غلط بیانی کر رہے ہیں مجھ پر کسی نے قذف نہیں لگائی۔ تو تمام کے نزدیک حد ختم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ قاذف حاضر نہیں تو شروع سے حد واجب نہ ہوئی نہ یہ کہ واجب ہو کر ختم ہوئی۔ بخلاف قصاص کے کہ وہ واجب ہو کر بھی معافی سے ختم ہو جاتا ہے کیونکہ قصاص میں حق العبد غالب ہے۔ ۶۔ اَحناف و مالکی مسلک ہے کہ حدِ قذف کا عوض جائز نہیں۔ ۷۔ مگر شوافع وحنابلہ مسلک میں عوض جائز ہے۔ ۸۔ اگر ایک شخص پر چند قذف یا چند شخصوں پر ایک قذف لگائی ایک قاذف نے اور سب نے دعویٰ کیا تو احناف کے نزدیک تمام یا چند قذفوں میں کاذب ہوا تب بھی حد ایک ہی لگے گی۔ ۹۔ شوافع کا مسلک ہے چند جھوٹی قذفوں کی چند سزائیں ہیں۔ جب قاذف نے حد کھالی اور آئندہ کے لیے سچی توبہ و اصلاح حال کر لی۔ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ تو بیشک اللہ تعالیٰ صادق قلبی وصالح عملی ونادم لسانی تائب کے لیے غفور بھی ہے رحیم بھی اور غفاریت و رحیمیت سے قیامت میں ندامۃ وصلاحیۃ کی توبہ کو قبول فرماتا ہے یہ غفاریت رحیمیت وقبولیت اس پر واجب نہیں ہے وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّآ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۢ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ اور وہ لوگ جو اپنی نیک پاک اور پاکدامنی میں مشہور پردہ نشین بیویوں کو زنا کی تہمت لگائیں لیکن تہمت کو عدالت میں ثابت کرنے کے لیے ان کے پاس شرعی گواہیاں بھی نہیں بجز اپنی ذات کے تو ہر خاوند پر واجب ہے کہ حاکم عدالت کے سامنے چار مرتبہ اللہ تعالیٰ کی گواہی دے کر کہے کہ بیشک یہ خاوند یعنی میں خود یقین صادق سے تہمت زنا لگانے میں سچوں میں سے ہوں کیونکہ میں نے اپنی آنکھوں سے بالکل صاف روشنی میں دیکھا ہے کہ ایک مرد میری اس بیوی سے زنا کر رہا ہے اور میرا یہ دیکھنا اتنا اچانک تھا کہ گواہیاں ڈھونڈنے کا موقعہ ہی نہ تھا۔ یہ شہادت باللہ چار مرتبہ ادا کرے۔ ان چاروں شہادتوں میں چار چیزیں واضح کرے۔ ا۔ وقت کا ذکر۔ ۲۔ جگہ کا ذکر۔ ۳۔ زانی مرد کا نام اگر متعارف ہو۔ ورنہ صرف ایک مرد کہنا ہی کافی ہے۔ ۴۔ زانیہ بیوی کا نام اور اس کی طرف اشارہ کیونکہ لعان کے وقت مقذوفہ بیوی کا عدالت میں حاضر ہونا ضروری ہے۔ پانچویں بار لعان کرتے ہوئے کہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو مجھ تہمت لگانے والے خاوند پر اگر میں تہمت لگانے میں جھوٹوں میں سے ہوں۔ شریعت میں اس کو لعان کرنا کہتے ہیں۔ یعنی اپنے پر لعنت ڈالنا اس کے بعد بیوی بھی اسی طرح کہے گی جس کا ذکر آگے آرہا ہے اس دوطرفہ لعان کے بعد حاکم عدالت ان دونوں خاوند بیوی کو نکاح سے علیحدہ کردے گا اور یہ علیحدگی طلاق بائنہ سے فسخ نکاح ہوگی۔ لیکن حرمت ابدی ہوگی پھر کبھی بھی یہ عورت مرد آپس میں نکاح نہیں کر سکتے۔ لعان کا شرعی طریقہ جو احادیث مبارکہ میں مذکور ہے وہ یہ ہے کہ اگر کوئی خاوند اپنی بیوی سے کسی مرد کو زنا کرتے دیکھے تو جلد از جلد عدالت میں حاضر ہو حاکم قاضی کو سب واقعات کھلے کھلے بتائے کہ فلاں دن فلاں وقت اپنی فلاں بیوی کو میں نے اپنی کھلی

marfat.com

آنکھوں سے صاف روشنی میں فلاں شخص اجنبی مرد کے ساتھ زنا میں مشغول دیکھا۔ مگر حالت ایسی تھی کہ میں گواہ مہیا نہ کر سکتا تھا۔ حاکم عدالت خاوند مدعی کا پورا واضح بیان سن کر بیوی کو عدالت میں طلب کرے۔ اور پہلے خاوند کو کھڑا کرے اور خاوند کو آخرت کا خوف دلائے۔ لعنت کی حقیقی سختی بتائے اور کہے کہ اگر تو واقعتاً جھوٹا ہے تو دنیوی سزائے حد قذف کھا کر آخرت کے سخت عذاب سے بچ جا۔ اگر خاوند پھر بھی اپنی تہمت کی سچائی پر مصر رہے تب قرآنی طریقے کے مطابق لعان کرائے اور پہلے کہلوائے کہ میرا اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان ہے۔ پھر خاوند کے بعد بیوی سے لعان کروائے۔ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ نے ھلال بن امیہ اور ان کی بیوی خولہ بنت عاصم کے درمیان اسی طرح لعان کرایا تھا۔ حاکم عدالت لعان کرانے سے پہلے دونوں کو چار باتیں سمجھائے۔ ا۔ ایمان علی اللہ یاد دلائے۔ ۲۔ موت قبر حشر جہنم یاد دلائے۔ ۳۔ جھوٹے پر لعنت کی اخروی حقیقت سے ڈرائے۔ ۴۔ خاوند بیوی کو باری باری سچائی پر آمادہ کرے اگر پھر بھی مرد تہمت لگانے پر اور بیوی اپنی پاکدامنی پر مصر ہو تو لعان کرائے۔

لعان کے چند مسائل

ا۔ اگر خاوند قاذف نابالغ ہو تو لعان نہ کرایا جائے گا۔ ۲۔ اگر خاوند بالغ بیوی صغیر نابالغہ یا بہت ہی بوڑھی خواہ قابل حمل ہو یا ناقابل حمل بہرحال لعان کرایا جائے گا۔ ۳۔ خاوند اپنی بیوی پر لواطت کی تہمت لگاتا ہے تو لعان نہیں ہوگا۔ بلکہ جو جھوٹا ہو اسے تعزیری سزا کیونکہ یَرْمُوْنَ سے صرف قذف زنا مراد ہے عورت غیر ہو یا بیوی۔ ۴۔ لعان کی ترتیب ترتیب قرآنی کے مطابق ہونی سنت نبوی ہے یہی ترتیب بہتر ہے۔ ۵۔ لیکن اگر پہلے بیوی سے لعان کرایا پھر خاوند سے تب بھی جائز ہے۔ ۶۔ لعان درست۔ ۷۔ علیحدگی واجب۔ ۸۔ عدت لازم۔ طلاق بائنہ مگر حرمت ابدی۔ ۹۔ خاوند کو الگ طلاق دینے کی ضرورت نہیں۔ ۱۰۔ اگر لعان کے بعد خاوند طلاق دے تو بے کار ہے کیونکہ لعان بیوی مکمل ہوتے ہی حرمت ابدی ثابت اب یہ عورت محل طلاق ہی نہ رہی (حنفی مسلک)

ان آیات میں مختلف اقوال

اِلَّا الَّذِیْنَ کے استثنائی تعلق میں تین قول ا۔ فقہ کے آئمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اِلَّا کا تعلق سابقہ دوسرے دو جملوں سے ہے فَاجْلِدُوْھُمْ سے نہیں ہے۔ ۲۔ مشائخ فقہ میں سے علامہ شعبی فرماتے ہیں کہ اِلَّا کا تعلق تینوں جملوں سے ہے۔ یعنی آئمہ ثلاثہ کے مسلک میں جھوٹے قاذف کی توبہ سے دوسری دو سزائیں معاف اور شعبی کے نزدیک تینوں معاف مگر یہ دونوں قول غلط ہیں دوسرا تو قطعاً غلط ہے۔ ۳۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ اِلَّا کا تعلق صرف تیسرے جملے وَاُولٰٓئِکَ سے ہے۔ یہی قول درست ہے اس کے مضبوط دلائل تفسیر عالمانہ میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ شیخ فقہ علامہ شعبی کی دلیل یہ کہ سابقہ تینوں جملے آپس میں معطوف ہیں لہٰذا سب کا تعلق اِلَّا سے ضروری **جواب:** یہ تینوں کو معطوف کہنا غلط ہے کیونکہ پہلے دو جملے طلبیہ ہیں۔ فَاجْلِدُوْھُمْ فعلیت میں اور لَا تَقْبَلُوْا ترکیت میں۔ لیکن تیسرا جملہ وَاُولٰٓئِکَ خبریہ ہے اور واؤ سر جملہ ہے نہ کہ عاطفہ لہٰذا یہ معطوف نہیں علیحدہ ہے نحوی قانون سے جملہ انشائیہ کا عطف جملہ خبریہ پر ناجائز ہے اس لیے کہ معطوف علیہ و معطوف حکماً ایک

marfat.com

جیسا ہونا ضروری ہے۔

ائمہ ثلاثہ کے دلائل

پہلی دلیل: یہ کہ گواہی کا قبول نہ ہونا فاسقیت کی وجہ سے ہے اور توبہ سے بفرمانِ حدیث مقدس معفقاً فاسقیہ ختم لہٰذا گواہی قبول الفاظِ حدیث اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَاذَنْبَ لَہٗ **جواب:** اس حدیث مقدس اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کو لَا ذَنْبَ لَہٗ سے مشابہت دی گئی ہے نہ کہ اَلتَّائِبُ مِنَ الْفِسْقِ کو۔ ذنب اور فسق میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ذنب صرف حقوق اللہ کے گناہ کو کہا جاتا اور فسق حقوق اللہ و حقوق العبد وغیرہ گناہ کو کہا جاتا ہے نیز حدیث مقدس نے بتایا کہ توبہ سے ذنب ختم ہو جاتے ہیں مگر سابقہ مذنبیت کے ختم ہونے کا ذکر نہیں کیا اس کا علم آخرت میں ہوگا گناہ اور گناہگاریت میں بھی بہت فرق ہے۔

دوسری دلیل: جب توبہ سے زانی و قاتل اور کافر کی گواہی قبول ہے تو قاذف کاذب کی گواہی بدرجہ اولیٰ قبول ہونی چاہیے۔ جھوٹی قذف، زنا قتل اور کفر سے بڑا جرم نہیں۔ **جواب:** قذف کذب، زنا و قتل و کفر سے بڑا جرم ہے اس لیے زنا، قتل، کفر کی ایک ایک سزا۔ لیکن جھوٹی قذف کی تین سزائیں اور زنا و کفر صرف حق اللہ۔ قتل صرف حق العبد مگر جھوٹی قذف حق العبد بھی اور حق اللہ بھی۔ اس کی پہلی دو سزائیں حق العبد کی وجہ سے اور تیسری سزا حق اللہ کی وجہ سے۔

تیسری دلیل: امام اعظم بھی فرماتے ہیں کہ حد قذف لگنے سے پہلے قاذف کاذب کی گواہی کسی بھی دوسرے مقدمے میں قبول ہے حد لگنے کے بعد قبول نہیں۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ جب حد لگنے سے پہلے قبول ہے تو بعد میں بھی قبول ہونی چاہیے۔ **جواب:** ائمہ ثلاثہ کا قیاس بھی غلط ہے۔ کیونکہ حد لگنے سے پہلے مقدمہ شروع ہے کسی بھی وقت سچائی ثابت ہوسکتی ہے ابھی کاذبیت مشکوک ہے اس لیے ابھی توبہ کی بھی ضرورت نہیں بغیر توبہ گواہی قبول ہوگی۔ لیکن حد لگنے کے بعد مقدمہ ختم سچائی کا امکان بھی ختم کاذبیت قائم ثابت اس لیے دو سزائیں بھی حد لگنے کے بعد شروع اب اگر کوئی مجرمِ قذف سچی توبہ کرتا ہے تو صرف فاسقیت کی سزا حق اللہ ختم ہوگی کسی بھی توبہ سے حق العبد کا جرم ختم نہیں ہوسکتا۔ **چوتھی دلیل:** اگر کافر نے کسی مسلمان کو جھوٹی قذف لگائی اور حد قذف کھالی پھر مسلمان ہوگیا اور قذف کاذبہ سے سچی توبہ کرلی تو معفقاً اس کی گواہی قبول ہے لہٰذا مسلمان قاذف کاذب کی توبہ کے بعد گواہی قبول ہونی چاہیے کیونکہ قذف مع الاسلام زیادہ معتبر ہے قذف مع الکفر سے تو توبہ مع الاسلام بھی زیادہ معتبر ہونی چاہیے۔ **جواب:** یہ قیاس بھی غلط ہے دو وجہ سے۔ **وجہ اول** یہ کہ کفر سے اسلام میں آنا تبدیلی حالت ہے اور مسلمان ہونا خالص حق اللہ ہے کافر نے اپنی حالت تبدیل کی پھر توبہ کی مگر مسلمان کی توبہ کسی تبدیلی حالت کے بعد نہ ہوئی توبہ کفر کے بعد توبہ قذف مضبوط ہے کفر کی توبہ سے حد قذف بھی ختم ہوجاتی ہے مسلمان کی توبہ قذف صرف عملی تبدیلی ہے نہ کہ تبدیلی حالت اس لیے مسلمان کی توبہ قذف سے حد قذف ختم نہیں ہوتی۔ اگر کوئی مسلمان جھوٹا قاذف فیصلہ قذف کے بعد حد قذف لگنے سے پہلے توبہ کرلیتا ہے تو ائمہ ثلاثہ بھی کہتے ہیں کہ حد لگے گی مگر کفر کی توبہ سے سب کے نزدیک حد قذف ختم۔ **وجہ دوم** جھوٹی قذف کے جرم ہونے کی وجہ بدنامی و ذلت ہے اور ایک بے گناہ مسلمان کی بدنامی مسلمان کی جھوٹی قذف سے زیادہ ہے اس لیے مسلمان کاذب کو سزا بھی زیادہ ہونی چاہیے یہ سزا توبہ سے ختم

marfat.com

نہیں ہو سکتی بخلاف کافر کی تہمت بازی کو کفر یہ دشمنی بھی کہا جا سکتا ہے لہٰذا اس سے اتنی بدنامی نہیں ہوتی نیز ائمہ ثلاثہ کا یہ مسلک کسی حدیث مقدس سے ثابت نہیں یعنی مردودیت گواہی کا توبہ سے ختم ہونا حدیث میں مذکور نہیں۔ **حدیث شریف ۱:** ھلال بن امیہ کی قذف زوجہ کے وقت اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا کی آیت نازل ہو چکی تھی مگر آیت لعان نہ اتری تھی۔ صحابہ کرام نے یہ تہمت زوجہ اور گواہوں کے نہ ہونے کا سن کر کہا تھا کہ اب تا عمر ھلال کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ کسی نے بھی یہ نہ کہا تھا کہ اگر توبہ کر لے تو قبول ہے۔ **حدیث ۲:** ایک بار آقا ﷺ نے فرمایا کہ ہر مسلمان ہر مسلمان کے لیے عادل یعنی مقبول الشہادت ہے۔ سوائے محدود فی القذف مسلمان کے یہاں بھی توبہ سے استثناء نہ فرمایا (از طبرانی) **حدیث ۳:** عمرو ابن شعیب اپنے والد وہ اپنے والد سے راوی کہ فرمایا آقا ﷺ نے محدود فی القذف کی گواہی اسلام میں قبول نہیں یہاں توبہ کے استثناء کا ذکر نہیں ثابت ہوا کہ کاذب قاذف توبہ کرے یا نہ کرے گواہی قبول نہ ہوگی۔

پانچویں دلیل: حدیث ۱: مقدس میں ہے کہ اے مسلمانو جب تم کسی مجرمانہ واقعے کو سورج کی طرح دیکھو تو گواہی ضرور دیا کرو یہ حکم مطلق ہے اور مطلق اپنے اطلاق پر رہتا ہے لہٰذا محدود فی القذف مسلمان اس میں شامل اور گواہی دیا کرو کا معنی ہے گواہی قبول ہوگی ثابت ہوا کہ محدود فی القذف کی گواہی قبول ہے۔ **حدیث ۲:** میں ہے کہ شریعت ظاہر میں ہے اس حدیث سے ثابت ہوا کہ توبہ سے پاکدامنی ثابت اور پاکدامنی سے عادل ہونا ظاہر اور عادل مسلمان مقبول الشہادت لہٰذا محدود فی القذف بھی توبہ سے عادل ہو گیا تو مقبول الشہادت بھی ہو گیا۔ **جواب:** یہ سب کمزور تانہ بانہ کے دھاگے ہیں۔ جواب الزامی تو یہ ہے کہ پہلی روایت اگر مطلق ہے تو پھر توبہ کی قید بھی کیوں؟ بغیر توبہ بھی محدود فی القذف کی گواہی قبول ہونی چاہیے۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مطلق نہیں بلکہ عمومی ہے اور عمومی فرمودات میں ہر قسم کا شخص مراد نہیں ہوا کرتا بلکہ شروع سے عادل عاقل بالغ متقی مسلمان مراد ہوتے ہیں محدود فی القذف ایسا نہیں۔ روایت دوم کا جواب یہ ہے کہ یہاں ظاہری عفت و پاکدامنی مراد ہے مگر محدود فی القذف اگر توبہ کر لے تو اس کی صرف توبہ ظاہر ہوئی عادل ہونا ظاہر نہ ہوا۔ توبہ کی شرعی حیثیت میں دو قول۔ ۱۔ ائمہ ثلاثہ نے فرمایا صرف توبہ ہی سے فاسقیت ختم ہو جائے گی اور گواہی قبول ہوگی۔ ۲۔ امام اعظم نے فرمایا صرف توبہ سے فاسقیت ختم نہ ہوگی بلکہ لفظی توبہ بھی کرے اور سابقہ کاذبیت کا اقرار بھی کرے اور اظہار تقویٰ بھی کرے تب صرف فاسقیت ختم ہوگی۔ گواہی پھر بھی قبول نہ ہوگی۔ یہی قول درست ہے یَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ کی تشریح میں دو قول۔ ۱۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ ہر وہ خاوند بیوی جن کی طلاق دینا لینا صحیح ہے ان کا لعان بھی صحیح ہے لہٰذا اگر دونوں غلامیت میں ہوں یا ایک یا میاں بیوی دونوں مسلمان ہوں یا بیوی کتابیہ کافرہ ہو یا دونوں کافر ہوں۔ یا دونوں عادل ہوں یا دونوں فاسق۔ یا ایک عادل ایک فاسق۔ دونوں احصان والے ہوں یا غیر محصن محصنہ ہر ایک کی قذف میں لعان واجب۔ اجنبیہ کی تہمت کی طرح اپنی بیوی میں محصنہ ہونا شرط نہیں اس لیے کہ اجنبیہ یعنی غیر بیوی پر تہمت لگانے کا مقصد صرف معاشرہ و محلہ داری بچانی ہے۔ لیکن اپنی بیوی سے خاوند کے تقریباً پندرہ تعلق ہوتے ہیں۔ (۱)۔ قلبی جذبات۔ (۲)۔ خاندانی و ذاتی عزت۔ (۳)۔ خاندانی و محلے داری کی معاشرت۔ (۴)۔ تا عمر حقوق ازدواجی۔ (۵)۔ بیوی سے نسل و نسب کا تعلق۔ (۶)۔ گھر گرہستی و امانت داری کا تعلق۔ (۷)۔ اصل و نسل کی شرافت کا تعلق۔ (۸)۔ خاوند کی دولت کے تحفظ و تصرف کا

marfat.com

تعلق۔(۹)۔تمام گھر کی ذمہ داری کا تعلق۔(۱۰)۔شریک رازداری کا تعلق تا حیات تعلق۔(۱۱)۔دوطرفہ مفادات کا تعلق۔(۱۲)۔اگر بیوی بدچلن ہو تو نسل مشکوک۔(۱۳)۔عزت برباد۔(۱۴)۔غیرت تباہ۔(۱۵)۔شریفانہ محلے داری کے لائق نہیں رہتے شریف لوگ دونوں کو ذلیل کر کے نکال دیتے ہیں۔اس لیے ہر خاوند نیک بیوی چاہتا ہے لہٰذا ہر خاوند بیوی کی قذف میں لعان لازم۔ ۲۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ اجنبیہ کی طرح بیوی کا محصنہ ہونا بھی ضروری ہے تب لعان ہوگا غیر محصنہ بیوی کی قذف پر لعان نہیں بلکہ کاذب قاذف کو تعزیری سزا ہوگی اور سچا قاذف ہو تو بیوی کو بھی سزا تعزیری۔احناف کے نزدیک ائمہ ثلاثہ کے بیان کردہ زوجین کے پندرہ تعلقات کی بنا پر جواز لعان درست نہیں ہے کیونکہ غیر محصنہ کے لیے دو گواہوں کی گواہی سے تعزیری سزا ثابت ہے اور دو گواہ مہیا کرنا مشکل نہیں اگر پہلی بار نہ ہو سکے تو دوسری بار مہیا کرے اگر پھر بھی مہیا نہ کر سکے تو جھوٹا ثابت۔آئمہ ثلاثہ نے اپنے بنائے ہوئے قانون لعان میں منشاء الٰہی پر غور نہیں فرمایا۔آیت کریمہ کے الفاظ سے ہی ظاہر ہو رہا ہے کہ لعان کے لیے بیوی کا محصنہ ہونا شرط ہے۔ **اولاً** شہادتوں کا چار ہونا دیگر محصنات کی قذف میں چار گواہوں کی مثل ہے۔ **ثانیاً** یہ کہ شہادت باللہ کے الفاظ بتا رہے ہیں خاوند بیوی مومن متقی ہوں نہ کہ کافر یا فاسق کیونکہ کافر شہادت الٰہیہ کو جانتا ہی نہیں اور بدچلن فاسق کو پرواہ نہیں ہوتی۔ **ثالثاً** یہ کہ آگے آیت ۱۰ میں فرمایا گیا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ (الخ) یہ الفاظ بھی تقاضہ کرتے ہیں کہ خاوند بیوی پہلے کے پاکدامن محصن محصنہ ہوں کیونکہ یہاں پردہ نشینی کی عزت و آبرو کی بقا کا ذکر ہے یعنی تمہاری عزت بچا کر تم پر فضل و رحمت فرمائی اور پردہ نشینی عزت و آبرو عاقل بالغ آزاد کی ہی ہوتی ہے۔غلام بچے مجنون کی نہیں۔نیز احادیث سے جو ثابت ہے کہ لعان کے لیے مسجد یا کعبہ یا کسی مقدس شرعی جگہ لاؤ یہ سنت مؤکدہ ہے اس سے بھی ثابت ہو رہا ہے کہ خاوند بیوی احصان ایمان والے ہوں۔گرجا، کلیسا، گردوارہ، مندر کو مقدس سمجھنا یا کہنا حرام ہے۔نیز احادیث سے ثابت ہے کہ آیت لعان کے نزول سے پہلے قانون نبوی میں بیویوں کے لیے بھی وہی تھا جو دیگر محصنات کے لیے قرآن کریم نے بیان فرمایا تھا کہ چار گواہ یا حد۔یہ بھی بتا رہا ہے کہ لعان کے لیے بیوی محصنہ ہونا لازم۔ آئمہ ثلاثہ نے ان چیزوں پر غور نہیں فرمایا۔لعان کے حکم میں دو قول۔ ۱۔آئمہ ثلاثہ نے فرمایا یہ حق خاوند ہے۔ ۲۔امام اعظم نے فرمایا یہ فَضْلُ اللّٰهِ وَرَحْمَتُهٗ ہے لہٰذا ہر بہو بیٹی کا حق ہے کہ اس پر بھی فضل و رحمت ہو اپنی بیوی یا غیر کی یہ پندرہ ذمہ داریاں تو ہر عورت پر واجب ہیں بیوی ہو یا بیٹی ہو۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ لعان صرف محصن و محصنہ کے لیے ہے یعنی عاقل بالغ مسلمان متقی پاکدامن مشہور و متعارف ہوں بیوی پردہ نشین اور خاوند بھی کسی حد شرعی کا محدود نہ ہوا ہو۔ان دونوں کا نکاح بھی بالکل صحیح ہو فاسد نہ ہو۔امام مالک کے نزدیک کفار کا نکاح کفریہ طریقے والا فاسد ہے اس لیے ان کے مابین لعان نہیں بلکہ جو جھوٹا ثابت ہوا سے تعزیری سزا قاذف خاوند کی جسمانی کیفیت میں دو قول۔ ۱۔ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ نابینا خاوند نے تہمت لگائی تو لعان نہیں بلکہ جھوٹے کو تعزیری سزا۔ ۲۔امام اعظم فرماتے ہیں کہ اندھے خاوند کی قذف سے بھی لعان واجب اس کی دو وجہ۔ ۱۔اندھا خاوند بھی اپنی بیوی کے حالات و عادات و افعال میں بہت کچھ جان لیتا ہے اور سن لیتا ہے بلکہ اندھے کا تجسس بیناؤں سے بھی تیز ہوتا ہے۔ ۲۔لعان کا مقصد یہ ہے کہ دونوں سے حد ختم ہو اور باپردہ معاملہ ختم کر کے دونوں کی عزت برقرار رہے۔اس لیے محصنہ ہونے کی قید ہے اور اس لیے لعان سے پہلے دونوں کو عذاب اخروی سے ڈرایا جاتا ہے کہ

marfat.com

سچ بتادو اور دنیا کی معمولی سزا پالو۔ عذاب اخروی سے بچ جاؤ۔ شُهَدَآءَ کی مراد میں دو قول۔ ۱۔ آئمہ ثلاثہ نے فرمایا۔ شہداء بمعنی حالفین یعنی حلف وقسم دینے والے۔ ۲۔ امام اعظم فرماتے ہیں شُهَدَآءَ کا معنی ہے شرعی گواہ۔ جو عادل عاقل بالغ متقی مسلمان ہوں۔ آپ کی دلیل وہ حدیث مشہورہ ہے جو چار سندوں سے مروی ہے۔ عَنْ عمرو ابن شعیب، عَنْ عثمان بن عبد الرحمن الزهری، عَنْ عثمان بن عطا خراسانی، عَنْ عَنْ عماد بن مطر ان چار سلسلوں کی وجہ سے یہ حدیث قوی ہے۔ جبکہ اصول حدیث کے قانون سے اس طرح کی چند سندوں والی ضعیف بھی قوی ہو جاتی ہے۔ الفاظ حدیث مقدس۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ چار قسم کے خاوند بیوی میں لعان نہیں کیا جاتا۔ ۱۔ خاوند غلام بیوی آزاد۔ ۲۔ خاوند آزاد بیوی لونڈی۔ ۳۔ خاوند مسلمان بیوی یہودی۔ ۴۔ خاوند مسلمان بیوی عیسائی۔ ثابت ہوا کہ صرف محصن ومحصنہ خاوند بیوی میں لعان کرایا جائے گا اور آئمہ ثلاثہ کا ہر قسم کے خاوند بیوی سے لعان جائز وواجب کرنا غلط مسلک ہے۔ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ امام شافعی نے فرمایا۔ یہاں شہادت بمعنی قسم ہے کیونکہ بِاللّٰهِ کا لفظ قسم کے لیے خاص ہے یہ بَ قسمیہ ہے اور لفظ شہادت سے قسم بھی مراد لی جاسکتی ہے اور چونکہ شہادت بول کر قسم مراد لینا متفقہ ہے۔ اس لیے ہم شوافع نے احتمال کو حتمی قرار دے لیا۔ نیز یہاں شہادت سے گواہی مراد لینا اس لیے بھی غلط ہے کہ اپنے حق میں گواہی شرعاً معتبر نہیں ہوتی قسم معتبر ہوتی ہے اور لعان میں یہ سب شہادتیں اپنے ہی حق میں ہر ایک بولتا ہے گواہی ثبوت کے لیے ہوتی ہے۔ قسم نفی کے لیے اور لعان میں اپنے سے کاذبیت کی نفی ہی مقصود ہوتی ہے۔ ۲۔ احناف فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا یہ مسلک بھی کمزور اور عقلی دلائل بھی کمزور۔ بِاللّٰهِ کی بَ قسمیہ نہیں بلکہ بَ معیت یا سببیہ ہے اور معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے گواہی دیتا ہوں نیز یہ کہ گواہی ثبوت قذف کی ہے نہ کہ محض کاذبیت کی نفی اور اپنے لیے دینا ممنوع نہیں بلکہ جائز ہے دیکھو سورۃ آل عمران آیت ۱۸ میں ارشاد ہے شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ بیشک اللہ تعالیٰ گواہی دیتا ہے کہ وہ ہی معبود ہے۔ اور حدیث پاک میں ہے کہ جب کبھی موذن اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ کہتے تو آقا ﷺ فرمایا کرتے۔ اَشْهَدُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ترجمہ: میں گواہی دیتا ہوں کہ بیشک میں اللہ تعالیٰ کا رسول ہوں۔ ثابت ہوا کہ اپنی گواہی اپنے حق میں جائز ومعتبر ومقبول ہے۔ لعان میں یہ چار اپنے لیے گواہیاں چار گواہوں کے قائم مقام ہیں اور یہ نفس گواہیاں ثبوت قذف کے لیے ہیں اگر چہ ظاہراً ذاتی براءت معلوم ہوتی ہیں لَمْ يَكُنْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت لَمْ يَكُنْ ہے۔ یہی قرأت درست ہے کیونکہ مشہور و مکتوب۔ ۲۔ بعض کی قرأت لَمْ تَكُنْ ہے۔ شُهَدَآءُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت شُهَدَآءُ ہمزہ پر پیش سے اسم ہے لَمْ يَكُنْ کا یہی درست ہے کیونکہ مشہور ومکتوب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت شُهَدَآءَ ہے ہمزہ پر زبر لَمْ يَكُنْ کی خبر۔ اَرْبَعُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں اَرْبَعُ ہے۔ سابقہ شَهَادَةُ مبتدا کی خبر یہی قول درست ہے کیونکہ مکتوب ومشہور ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَرْبَعَ ہے کیونکہ تمیز ہے فَشَهَادَةُ کی اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اَنَّ مشدد ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَنْ مخففہ ہے۔ لَعْنَتَ اللّٰهِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت لَعْنَتَ ہے۔ زبر سے۔ ۲۔ بعض کی لَعْنَةُ ہے۔ پیش سے۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ پر کوئی چیز واجب نہیں نہ قبولیت نہ دنیوی عطا نہ اخروی ثواب اس کی عطائیں محض کرم وفضل ہے یہ فائدہ اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا (الخ) کے بعد فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمان مرد وعورت کا دنیا میں سب سے بڑا اعزاز اس کی پاکدامنی و محصن محصنہ ہونا ہے۔ عورت کی پاکدامنی کی پانچ نشانیاں ہیں۔ ۱۔ عبادت کی پابندی۔ ۲۔ سادگی تقویٰ طہارت۔ ۳۔ گھر کی پردہ نشینی۔ ۴۔ باہر نکلنے میں چہرے پر برقعہ کا پردہ شرم وحیا کا زیور۔ ۵۔ عزت وجسم کی حفاظت۔ فیشن زدہ آوارہ مزاج عورتیں محصنہ نہیں ہوسکتیں۔ یہ فائدہ وَ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ (الخ) فرمانے کے بعد۔ فَشَهَادَةُ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اخلاق اسلامی میں سب سے بری عادت کسی مسلمان کا اپنے پر یا کسی دوسرے مسلمان پر لعنت ملامت ڈالنا ہے اور بددعا کرنا ہے اگرچہ کتنا ہی فاسق ہو۔ یہ فائدہ۔ فَشَهَادَةُ کی ف جزائیہ سے حاصل ہوا کہ لعان میں بھی پہلے خاوند بیوی کو لعنت ڈالنے سے حتی الامکان باز رکھنے کی کوشش کی جائے گی عذاب آخرت یاد دلا کر پھر بامرِ مجبوری لعنت کی اجازت دی جائے گی اس کی وجہ یہ کہ دنیا میں تو لعنت کی حقیقت کا کسی کو علم نہیں ہے قبر حشر میں لعنت کا پتہ چلے گا کہ لعنت کتنا سخت عذاب ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** تمام فقہاء کے نزدیک حدِ قذف حق العبد بھی ہے اور حق اللہ بھی اس لیے اگر کسی وجہ سے ایک حق سزا کا تقاضہ کرے دوسرا حق حد کے ختم ہونے کا اور قذف میں کچھ شکوک پیدا ہو جائیں تو بہتر ہے کہ حد ختم ہونے کا فتویٰ یا فیصلہ کیا جائے اگرچہ بعد میں فتویٰ یا فیصلہ غلط ثابت ہو۔ اس لیے کہ غلطی سے معاف کر دینا بہتر ہے۔ اس سے کہ غلطی سے سزا دے دی جائے۔ یہ مسئلہ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر خاوند یا بیوی لعان سے انکار کرے تو جو انکار کرے اس کو اس کی حد لگائی جائے یعنی اگر خاوند انکار کرے تو حد قذف کیونکہ یہ انکار ہی اپنی تکذیب کا اقرار ہے اور اگر بیوی لعان سے انکار کرے تو حد زنا۔ کیونکہ بیوی کا انکار لعان اقرار زنا ہے۔ مگر امام اعظم فرماتے ہیں انکار لعان اقرار نہیں بن سکتا اور اس انکار کو اقرار بنا کر حد لگانا قطعاً غلط ہے اس لیے منکر کو قید کیا جائے گا کہ یا لعان کرے یا صاف لفظوں میں اپنی تکذیب کرے۔ یا منکرہ بیوی زنا کا اقرار کرے صرف انکار میں سینکڑوں شکوک اور وجوہ ہیں جبکہ ایک شک سے بھی حد ختم ہو جاتی ہے۔ یہ مسئلہ فَشَهَادَةُ کی ف جزائیہ سے مستنبط ہوا۔ ف جزائیہ نے بتایا کہ قذف خاوند کے بعد لعان واجب ہو گیا۔ صرف انکار نے شک ڈال دیا کہ نہ معلوم یہ انکار اقرار ہے یا فرار۔ اس لیے وضاحت ضروری اور وضاحت کے لیے مہلت۔ مہلت کے لیے قید ضروری تاکہ مجرم منکر فرار نہ ہو سکے۔ **تیسرا مسئلہ:** تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ جس طرح قذف زنا میں صاف گوئی لازم ہے اسی طرح تہمت لعان میں بھی صاف صاف بیان کرنا واجب ہے۔ یعنی حاکم کے سامنے صاف گوئی سے کہے کہ میں نے اپنی فلاں مسمات کو صاف روشنی میں ایک مرد سے زنا کراتے ہوئے بچشم خود دیکھا ہے۔ یا کہے کہ میری فلاں بیوی کے پیٹ میں میرا بچہ نہیں ہے یا کہے کہ میری فلاں بیوی زانیہ ہے یا کہے کہ اے فلاں مسمات تو زانیہ ہے یا اپنی بیوی کی طرف اشارہ کر کے کہے کہ وہ زانیہ ہے۔ یہ مسئلہ۔

marfat.com

دونوں جگہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ قذف الْمُحْصَنٰتِ میں بھی اور قذف اَزْوَاجَهُمْ میں بھی جس نے بتایا کہ دونوں قذفوں میں بیان قذف کی صاف گوئی ایک جیسی ہونی چاہیے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** احناف کہتے ہیں کہ توبہ قاذف سے صرف فاسقیہ ختم ہوتی ہے پہلی دو سزائیں ختم نہیں ہوتیں حالانکہ تینوں جملوں میں واؤ عاطفہ ہے جو شرکت کا تقاضہ کرتی ہے اور شرکت تینوں جملوں کو اِلَّا کا مستثنیٰ بناتی ہے ثابت ہوا کہ توبہ سے تینوں سزائیں ختم ہو جائیں گی (علامہ شعبی) **جواب:** ہم نے اس کا جواب اختلافی اقوال میں دے دیا کہ پہلی واؤ عاطفہ ہے وَلَا تَقْبَلُوْا، لیکن دوسری واؤ، وَاُولٰٓئِكَ، والی عاطفہ نہیں بلکہ سر جملہ ہے لہٰذا اعتراض ختم ہو گیا۔ یہ دوسری واؤ عاطفہ ہو سکتی ہی نہیں کیونکہ حکماً ایک جیسے لفظوں جملوں کا آپس میں عطف ہو سکتا ہے۔ مگر یہاں ایک جیسے نہیں ہیں بلکہ پہلے دو امر و نہی انشائی ہیں اور تیسرا خبریہ ہے۔ تفسیر مظہری نے جواب دیا کہ شرکت فی الحکم کا قاعدہ کلیہ نہیں صرف شرکت فی الاعراب کا قاعدہ کلیہ ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا اور ہر شخص کے لیے ابدیت اس کے اس عمل کی انتہا تک ہے یعنی جب تک عمل باقی سزا کی ابدیت باقی جب عملیت ختم تو اس کی سزا کی ابدیت بھی ختم لہٰذا جب سزا کوڑہ کھانے کے بعد جھوٹے قاذف نے توبہ کر لی تو اس کا عمل قذف ختم ہو گیا اور جب عمل ختم تو دوسری سزا کی ابدیت بھی ختم ہونی چاہیے اور توبہ کے بعد گواہی قبول ہونی چاہیے (ائمہ ثلاثہ) **جواب:** آئمہ ثلاثہ کی یہ تینوں باتیں کمزور ہیں۔ ۱۔ ابدیت سزا کو مدت عمل سے جوڑنا۔ ۲۔ اور یہ کہنا کہ جب تک عمل باقی اس وقت سزا ہونی چاہیے۔ ۳۔ اور یہ کہ توبہ سے علم کا ختم ہونا۔ ابدیت سزا کا تعلق مدت عمل سے نہیں ہے نہ دنیا میں نہ آخرت میں بلکہ ابدیت سزا کا تعلق مجرم کی حالت بدلنے سے ہے اور حالت موت سے بدلتی ہے۔ تو اب آیت کا منشا یہ ہوا کہ موت تک گواہی قبول نہ ہو گی۔ آخرت میں سزا کفریہ کی ابدیت بھی اسی طرح ہے۔ اگر وہاں بھی موت ہوتی تو ابدیت ختم ہو جاتی وہاں چونکہ موت نہ ہو گی اس لیے ابدیت سزا باقی رہے گی۔ اگر سزا کی ابدیت کا تعلق بقاء عمل سے ہوتا تو چاہیے تھا کہ کسی مجرم کو کبھی سزا نہ ملتی نہ دنیا میں نہ آخرت میں کیونکہ عمل تو تھوڑی دیر بعد ختم ہو جاتا ہے بعد میں مجرم پکڑا جاتا ہے پھر عدالت فیصلہ کرتی ہے پھر عرصے بعد سزا ملتی ہے مرنے کے بعد بھی دنیوی عمل ختم پھر صدیوں بعد اخروی سزا۔ لہٰذا نہ سزا کا تعلق بقاء عمل سے نہ توبہ تک عمل کی بقا نہ توبہ سے عملیت ختم نہ عملیت کے خاتمے سے ابدیت سزا کا خاتمہ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب تھا کہ ابدیت سزا کا تعلق مجرمیت جرم کی بقا سے ہے یعنی جب تک گناہ یا کفر باقی اس وقت تک سزا باقی اسی بنا پر بعض نے فرمایا کہ صرف توبہ قاذف سے مردودیت گواہی کی سزا ختم نہ ہو گی بلکہ اقرار کاذبیت بھی ضروری ہے اس لیے حضرت فاروق اعظم نے حضرت مغیرہ پر تہمت لگانے والوں سے فرمایا تھا کہ اگر تم اپنی دیرینہ دشمنی کی وجہ سے لگائی ہوئی قذف میں اپنی کاذبیت کا بھی اقرار کرو تب میں تمہاری آئندہ گواہی قبول کر لوں گا۔ مگر اس قذف کی نوعیت دشمنی تھی۔ عام قذف میں اقرار سے بھی مردودیت ختم نہ ہو گی۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ لعان میں پانچویں گواہی خاوند کے لیے لعنۃ اللہ اور بیوی کے لیے غضب اللہ ہے۔ چاہیے تھا کہ دونوں کے لیے لعنۃ اللہ ہوتی کیونکہ لعان کا معنی ہے ایک دوسرے پر لعنت یا اپنے پر لعنت اور یا پھر دونوں جگہ غضب اللہ ہوتا **جواب:**

marfat.com

محققین کے نزدیک اخروی و دنیوی دو قسم کے عذاب کا نام لعنت ہے۔ لعنتِ ظاہری کا نام دوریِ رحمت اور لعنتِ باطنی کا نام نفرت ذلت۔ دنیا میں بندے بھی دو قسم کے ہیں قابلِ دوری، و لائق نفرت لعان سے خاوند کو دنیا میں تین قسم کی دوریاں ملتی ہیں۔ ۱۔ گھریلو خانہ آبادی سے دوری۔ ۲۔ اپنے اس بچے سے دوری جو بیوی کے پیٹ میں ہے۔ ۳۔ اس مقذوفہ بیوی سے دوری بلکہ ابدی حرمت اس لیے اس سے ظاہری لعنت کرائی گئی۔ بیوی کو اس لعان سے تین نفرتیں ملتی ہیں۔ ۱۔ خاوند کی نفرت۔ ۲۔ میکہ وسسرال خاندان کی نفرت۔ ۳۔ معاشرے کی نفرت۔ اس لیے اس سے باطنی لعنت جو دنیا میں غضب الٰہی ہے کرائی گئی۔ لیکن لعنت کفر کے معنی، دنیا، قبر، حشر، جہنم میں رحمت سے دوری عقوبت و عذاب سے قربت۔ دنیا میں اس کا ظہور اس طرح ہوتا ہے توفیق خیر و ایمان بند، ناراضگی الٰہی قائم، فیضان نبوی ختم، انبیاء، اولیاء، ملٰئکہ کی بد دعا ساتھ، فاسقین کی لعنت یہ کہ دنیا میں سعادت سے دوری، قبر میں راحت سے دوری، محشر میں شفاعت سے دوری، جہنم میں رحمت سے دوری، لفظ لعنت اللہ صریحی حقیقی لعنت ہے اور لفظ غضب اللہ تعریضی و مجازی لعنت ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۚ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۞ مگر وہ اہل شرور و نفوس جنہوں نے راہِ طلب میں فاسقیت کے جال بچھائے پھر قہرِ جلال کی سزائے عتاب پا کر توبہ منزل و رجوعِ قرب کر لیا اور تزکیہ روح کر کے اصلاحِ حال و قال افعال کر لیا۔ تو بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندگان عجز و انکسار پر ابواب قرب کی غفاریت و رحیمیت فرمانے والا ہے کہ سچی پکی قلبی عقلی عملی توبہ سے اسی برس کی فاسقیت محض کرم سے ختم فرما کر مرتبہ مقربین عطا فرما دیتا ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهُمْ شُهَدَآءُ اِلَّاۤ اَنْفُسُهُمْ فَشَهَادَةُ اَحَدِهِمْ اَرْبَعُ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۞ اور وہ قلوبِ مسعودین جن کا تعلق باطنی ارواح طیبات و طاہرات سے جڑ جاتا ہے اگر وہ کبھی اپنی روحِ سعید پر عاداتِ نفسانیہ کی تہمت ذلیلہ قذف خبیثہ لگائیں اور احوال روحانی کا مشاہدہ مراقبہ کرنے والا کوئی نہ ہو کیونکہ احوال روح کی واردات کو بجز قلبِ مخفی کوئی نہیں جانتا تو دونوں قلب و روح کے لیے حصول تربیت و وصول کاملیت کے چار سال ہیں۔ **پہلا سال**: شہادت فنا فی اللہ پھر **دوسرا سال**: بقآء باللہ پھر **سال سوم**: رضآ للہ پھر **سال چہارم**: قربٌ مع اللہ۔ پہلا درجہ عارفین کا دوم عادلین کا سوم عاشقین کا چہارم مشاہدین کا۔ وَالْخَامِسَةُ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كَانَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۞ ابرارین کا مقام پنجم کہ غضب الٰہی۔ لعنت کبریائی عذاب فرقت عتاب غفلت سے برائت ابدی یہی مُوْتُوْا قَبْلَ اَنْ تَمُوْتُوْا کی دائمی جدائی اور وصل الٰہی ہے پھر اگر بطنِ باطنی سے صفاتِ ذمیمہ کا ظہور ہو تو نسبتِ شیطانی جس کی وجہ سے قالب تمام دامِ شیطان بن جاتا ہے اور اسی کا تصرف ہوتا ہے اور قلب و روح میں معنوی تفریق ابدی کر دی جاتی ہے کیونکہ روحِ سعید کا مقام عالمِ علوی ہے وہ اسی طرف مائل ہوتی ہے۔ مگر روحِ خبیثہ کا مقام عالم سفلی ہے وہ اسی طرف مائل ہوتی ہے روح مقذوف اور قلب مسعود کی موافقت و مصاحبت قربت کبھی بھی نہیں ہو سکتی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ جس طرح کواڑوں کے چھوٹے سوراخوں سے سورج کے نمودار ہونے کا پتہ لگتا ہے ایسے ہی چھوٹی باتوں معمولی حرکتوں سے انسان کے کردار کا پتہ چلتا ہے طالب معرفت کے قلب میں ذکر اللہ کی ضرب اِلَّا اللّٰهُ سے چھوٹی کھڑکیاں کھلتی ہیں جن سے انوار الٰہی کے ظہور و ورود کا پتہ لگتا

marfat.com

ہے۔اے بندو تم خوبصورتی کی تمنا مت کرو وہ اتنی مفید اور قیمتی نہیں ہوتی۔خوب سیرتی کو اختیار و پسند کرو کیونکہ ظاہر و باطن میں مفید و قیمتی خوب سیرتی ہی ہے بغیر خوب سیرتی کے خوبصورتی اس پھول کی طرح ہے جس میں کانٹے تو بہت ہوں رنگ بھی اچھا ہو مگر خوشبو نہ ہو۔الزام تراشی و بہتان بازی کرنے والے لوگ ایسے ہی کانٹے دار پھول کی مثل ہیں کیونکہ ان سے لوگوں کو زخم جگر تو لگتا ہے مگر شفا کا مرہم نہیں ملتا۔اے بندے اگر تو محبت ابدی کا طلبگار ہے تو مردودیت سے بچ اور مقبولیت حاصل کر، فاسقیت سے دور ہو صادقیت سے قریب ہو، سزا سے دور ہو عطا کے قریب ہو۔

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍۭ بِاللّٰهِ ۙ
اور ختم کردے گی اس بیوی سے سزائے زنا کو یہ بات کہ گواہی دے حلفیہ چار گواہیاں اللہ تعالیٰ کی قسم کے ساتھ
اور عورت سے یوں سزا ٹل جائے گی کہ وہ اللہ کا نام لے کر چار بار گواہی دے
اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ﴿۸﴾
کہ بیشک وہ خاوند البتہ جھوٹوں میں سے ہے
کہ مرد جھوٹا ہے
وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ اِنْ كَانَ
اور پانچویں حلفیہ گواہی یہ کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا غضب ہو اس بیوی پر اگر ہو وہ
اور پانچویں بار یوں کہ عورت پر غضب اللہ کا
مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۹﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ
خاوند سچوں میں سے اور اگر نہ ہوتا اللہ سبحانہ تعالیٰ کا فضل اے مسلمانوں تم پر اور اس کی رحمت
اگر مرد سچا ہو اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی
وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ ع
اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی توبہ قبول فرمانے والا حکمت والا ہے
اور یہ کہ اللہ توبہ قبول فرماتا حکمت والا ہے تو تمہارا پردہ کھول دیتا

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں خاوند بیوی کے لعان کرانے کا عدالتی شرعی ذکر فرمایا گیا کہ خاوند جو تہمت لگانے والا ہو وہ پہلے پانچ بار قسمیں بولے۔اب ان آیات میں لعان کا دوسرا پہلو

marfat.com

بیان کیا جارہا ہے کہ خاوند کی قسموں کے بعد بیوی بھی پانچ بار قسمیں بولے تب بیوی سے سزا ختم ہوگی یعنی خاوند کی قسموں سے حدقذف ختم ہو معاف ہوگی اور بیوی کی قسموں سے حدزنا ختم ہوگی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بدکاری کے جرموں اور سزاؤں یا سزا سے بچنے کے اسلامی عدالتی طریقوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ معاشرے کو پاک وستھرا رکھنے کے لیے یہ سزائیں وطریقے بھی جاری نافذ فرمانا اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا کرم فضل ورحم ہے کہ دنیا میں ہی سزائیں دلوا کر جرم وگناہ مٹا دیئے گئے اگر یہ سزائیں نہ ہوتیں تو ان جرائم کی پاداش میں قبر وحشر وجہنم میں بڑا دیرپا عذاب الیم بھگتنا پڑتا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں جرائم معاشرتی کی دنیوی سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں ان سزاؤں کی آسانیاں اور فوائد بیان فرمائے جارہے ہیں کہ یہ سزائیں دنیوی پاکیزگی اور اخروی فلاح وکامیابی عطا فرمانے والی اللہ تعالیٰ کا عظیم الشان فضل ورحمت ہے۔

تفسیر نحوی

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ واؤ سر جملہ یَدْرَؤُا۔ مضارع مستقبل معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب فَتَحَ سے ہے دَرْءٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے ختم کرنا دور کرنا، مٹانا، عَنْهَا، عَنْ جارّہ زوالیہ ھَا ضمیر کا مَرجع اَزْوَاج۔ کیونکہ جمع مونث کے لیے واحد کی ضمیر آسکتی ہے مراد ہے ایک تہمت زدہ بیوی یہ جار مجرور متعلق ہے۔ اَلْعَذَابَ الف لام عہد خارجی عَذَابَ اسم مفرد جامد بمعنی دنیوی حد شرعی۔ یہ مفعول بہ ہے اور اگلی پوری عبارت الصّٰدِقِيْنَ تک یَدْرَؤُا کا فاعل ہے۔ اَنْ حرف ناصبہ۔ مضارع کو چار حرف نصب (زبر) دیتے ہیں۔ ۱۔ اَنْ۔ ۲۔ لَنْ۔ ۳۔ کَیْ۔ ۴۔ اِذَنْ۔ تَشْهَدَ۔ بابِ سَمِعَ کا مضارع مستقبل صیغہ واحد مونث غائب اس کا فاعل هِیَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے زَوْجَہ۔ اَرْبَعَ ممیز مضاف شَهٰدٰتٍ اسم جمع مونث سالم تمیز مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ تَشْهَدَ کا بِاللّٰهِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تَشْهَدَ کا۔ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ۔ وَالْخَامِسَةُ اس کا معطوف یہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے تَشْهَدَ کا۔ اِنَّهٗ۔ اِنَّ حرف مشبہ ۂ ضمیر منصوب متصل اس کا اسم لاَم تاکیدی بمعنی البتہ یقیناً۔ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے وَاقِعٌ یا ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ کا یہ اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی یہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ۔ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ غَضَبَ اسم حاصل مصدر مضاف ہے اللّٰهِ فاعل مضاف الیہ۔ عَلٰی حرف جر فوقیت کا بمعنی پر۔ اوپر۔ ھَا ضمیر کا مرجع بیوی تہمت زدہ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے مصدر کا۔ غَضَبَ مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر جزا مقدم ہے۔ اِنْ حرف شرط۔ كَانَ فعل ماضی مطلق تامہ هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ کا مرجع ہے اَحَدِهِمْ۔ یہ فاعل ہے كَانَ کا۔ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے كَانَ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط موخر ہے۔ یہ شرط وجزا مل کر معطوف ہے اِنَّهٗ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ دوم ہے تَشْهَدَ کا۔ اَنْ تَشْهَدَ۔ فعل فاعل متعلق اور دونوں مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر فاعل ہے یَدْرَؤُا کا۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ وَالْخَامِسَةَ کی واوٗ عاطفہ دونوں جگہ عطفی رابطے کا کام دے

marfat.com

رہی ہے۔ ا۔ اِلَّا اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ اور اَلْخَامِسَةَ کے درمیان۔ ۲۔ پھر اِنَّهٗ اور اَنَّ غَضَبَ کے درمیان۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِیْمٌ ۔ واو سرِ جملہ۔ لَوْ حرف شرط۔ لَا نفی جنس فَضْلُ مصدر مضاف اللّٰهِ فاعل مضاف الیہ عَلَیْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے فَضْلُ کا۔ یہ مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ واوٗ حرف عطف رَحْمَتُهٗ۔ رحمت اسم مفرد جامد۔ ترجمہ ہے شفقت مہربانی نرمی۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ یہ مرکب اضافی ہے۔ معطوف ہے۔ فَضْلُ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر شرط ہے۔ اس کی جزا محذوف و متروک ہے۔ اس کے الفاظ میں دو قول ہیں۔ ا۔ بعض نے کہا کہ محذوفہ عبارت ہے فَمَا كَانَ اللِّعَانُ اور ترجمہ ہے شرط و جزا کی پوری عبارت کا کہ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل اور اس کی رحمۃ تو لعان کا یہ حکم نہ ہوتا۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ محذوفہ عبارت ہے۔ لَعَاجَلَ عَلَیْكُمْ عَقُوْبَةً۔ یعنی اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم پر (خاوند بیوی پر) تہمت لگانے کی حد شرعی جلدی لگ جاتی۔ اور دو طرفہ عقوبت و مصیبت پڑ جاتی۔ خیال رہے کہ فضل کا لغوی ترجمہ ہے مطلقاً زیادتی۔ کثرت۔ اچھی زیادتی کو فضیلت کہا جاتا ہے۔ بری زیادتی کو فضول کہا جاتا ہے اصطلاح میں ہمیشہ فضل بمعنی فضیلت ہی ہوتا ہے۔ یہاں بھی فَضْلُ اللّٰهِ سے فضیلت ہی مراد ہے فضل وفضیلت کا شرعی معنی ہے بغیر استحقاق کسی کو کرم، رحم، عزت، قوت، نرمی، حفاظت، لیاقت، علم، حلم، عقل، دولت، فہم، مرتبہ، بلندی، برتری عطا فرمانا۔ واو سرِ جملہ۔ اَنَّ حرف مشبہ اللّٰهَ۔ اس کا اسم۔ تَوَّابٌ۔ اسم مفرد مشتق ہے مبالغے کا صیغہ ہے بروزنِ فعال جوّادٌ۔ ترجمہ ہے بار بار توبہ قبول فرمانے والا۔ تَوْبٌ اور تَوْبَةٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے رجوع کرنا، لوٹنا ارادہ چھوڑنا، یہ اللہ تعالیٰ کی بھی صفت ہے اور بندوں کی بھی صفت ہے۔ بندوں کو تَوَّاب کہنے کا معنی، گناہ سے رجوع کر کے نیکی کی طرف آنا اور بار بار آنا۔ اللہ تعالیٰ کو تَوَّابٌ کہنے کا معنی ہے، عذاب کو چھوڑ کر ثواب اور بخشش عطا فرمانا بار بار، یہ خبر اول ہے اَنَّ کی۔ حَكِیْمٌ۔ اسم صفت مشبہ باب کرم سے ہے۔ بروزنِ فعیلٌ وَ کَرِیْمٌ۔ حِكْمٌ وَ حِكْمَةٌ سے مشتق ہے۔ حکمت کا معنی ہے تدبیر اور معرفت اگر اللہ تعالیٰ کی صفت مراد ہو تو معنی ہے کہ تدبیر و معرفت سے بنانا پیدا کرنا، ایجاد کرنا، چلانا، پرورش و ربوبیت، اگر بندے کی صفت مراد ہو تو معنی ہے۔ تدبیر و معرفت سے اشیاء موجودات و مخلوقات و آیات کو جاننا ماننا عمل کرنا، کرانا، قرآن مجید میں جہاں بھی لفظِ حکیم آیا ہے۔ وہاں اللہ کا ہی صفاتی نام مراد ہے۔ ایسے ہی یہاں بھی ہے یہ خبر دوم ہے اَنَّ کی۔ اَنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ یہاں اَنَّ بفتحہ الْهَمْزَةِ واوٗ ابتدائیہ کی وجہ سے ہے۔

تفسیر عالمانہ

وَیَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ اَنْ تَشْهَدَ اَرْبَعَ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ ۙ اِنَّهٗ لَمِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۙ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَیْهَاۤ اِنْ كَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ ۔ اور ختم کر دے گی اس مقدوفہ بیوی سے دنیوی سزا کو جو قید ہوتی لعان سے انکار کی صورت میں اور حدِ زنا ہوتی جرم کے اقرار کی صورت میں۔ یہ بات کہ بیوی بھی چار مرتبہ ہی گواہی دے اللہ کے نام کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کا نام لے کر کلمہ شہادت پڑھ کر کہے کہ بیشک وہ میرا خاوند میری اس تہمت لگانے میں البتہ یقیناً پکا جھوٹوں میں سے ہے۔ ان چار گواہیوں کے بعد حاکمِ عدالت یا اس کا نائب جو بھی اس وقت اس کام پر مقرر کیا گیا ہو۔ بیوی کو خوف آخرت دلا کر کے۔

marfat.com

اے عورت خوب سوچ سمجھ لے کہ اب یہ پانچویں بددعائیہ گواہی آخری بات ہوگی جس سے دنیوی سزا تو ختم ہوجائے گی جو عارضی بھی ہے معمولی بھی نرم بھی مگر آخرت کی سزاء عذاب تجھ پر واجب ہوجائے گی جو اس دنیوی سزا سے کہیں زیادہ سخت ہوگی دراز مدت بھی اَلیم وذلیل بھی اور رُسوا کرنے والی بھی۔ اگر حاکم کے اس سمجھانے کے باوجود بیوی اپنی پہلی چار گواہیوں پر قائم رہے تو حاکم اس کو پانچویں گواہی کا حکم دے اور پانچویں بار مقدوفہ بیوی کو کہنا پڑے گا کہ بیشک اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو اس عورت پر۔ اپنی طرف اشارہ کرکے یا کہے کہ اللہ تعالیٰ کا غضب نازل ہو مجھ پر اگر وہ شخص یعنی میرا خاوند مجھ پر تہمتِ زنا لگانے میں سچا ہو۔ ان لفظوں کے ادا کرنے کے بعد لعان مکمل ہوگیا۔ اس کے بعد خاوند طلاق دے یا نہ دے حاکم دونوں خاوند بیوی کو جدا کردے گا۔ اور یہ جدائی عدالت سے ہی شروع ہوجائے گی اس طرح خاوند ایک دروازے سے نکلے بیوی دوسرے دروازے سے۔ خاوند اپنے گھر ایک راستے سے جائے بیوی اپنے گھر دوسرے راستے سے اگر عدالت کا دروازہ اور گھروں کا راستہ ایک ہی ہے تو پہلے خاوند چلا جائے کچھ دیر بعد بیوی چلی جائے اگر بیوی کے پاس کوئی گھر نہیں ہے تو عدالت اس کا انتظام کرے۔ لعان کے بعد حاکمِ عدالت اپنے تحریری فیصلے میں چھ باتیں لکھے۔ **اول** یہ کہ یہ فلاں خاوند بیوی اس تکمیل لعان کے بعد دنیوی سزا کے مستحق نہیں رہے ان کا معاملہ اب اللہ کے پاس ہے جو جھوٹا ہوگا اس پر اخروی عذاب ہوگا۔ **دوم** اگر اس عورت کے بچہ پیدا ہوا اور خاوند بچے کا منکر ہو تو بچہ صرف ماں کا ہوگا کسی باپ کی طرف منسوب نہ ہوگا نہ اس کی میراث پائے گا۔ یہ ماں ہی بچہ کی وارث ہوگی اور بچہ اس کا وارث۔ **سوم** کوئی شخص اس عورت کو زانیہ اور اس بچے کو ولد الزنا نہ کہے جو کہے گا اس کو حدِ قذف لگے گی۔ **چہارم** خاوند پر حق مہر ادا کرنا واجب ہے۔ **پنجم** یہ کہ یہ تفریق حاکم طلاق بائنہ ہوگی اور اس کا سبب خاوند کا لعان ہوگا بیوی پر عدت واجب ہے مگر اس عدت میں خاوند پر بیوی کا کچھ بھی خرچہ واجب نہیں۔ **ششم** یہ کہ آج کے بعد ان دونوں کی حرمتِ نکاح ابدی ہے حلالہ سے بھی ختم نہیں ہوسکتی یہ حرمتِ ابدی نسبی نسلی رضاعی مصاہری کی مثل ہے۔ ہاں البتہ اگر خاوند عدالت سے نکلنے کے پہلے حاکم کا فیصلہ ابدی حرمت سننے کے بعد حاکم سے یہ کہے کہ میں نے جھوٹی تہمت لگائی تھی مجھے حدِ قذف لگاؤ تو حدِ قذف کے بعد ابدی حرمۃ ختم ہوجائے گی اور باہمی خاوند بیوی کی رضامندی سے دوبارہ نکاح جائز ہے اس لیے کہ یہ ابدی حرمت لعان کی وجہ سے تھی خاوند کے اقرارِ کذب سے فیصلہ لعان ختم ہوگیا لہٰذا حرمۃِ ابدی بھی ختم۔

چند شرعی قوانین

قانون ۱ : لعان تب واجب ہوتا ہے جب خاوند صرف لفظوں سے اپنی بیوی کو تہمت لگائے اور زنا کا نام لے۔ **قانون ۲** : کنایہ الفاظ یا بطریقہ تعریض تہمت لگانے سے لعان کرنا واجب نہیں ہوتا۔ زمانہ اقدس میں تقریباً چھ مرتبہ مقدمہ لعان پیش ہوا۔ **پھلی** بار ہلال بن امیہ اور ان کی بیوی خولہ نے دعویٰ کیا۔ ظاہر از نا کی قذف تھی۔ پہلے خاوند سے پھر بیوی سے لعان کرایا گیا۔ **دوسری** بار حویر ابن عاصم بن عدی عجلانی اور ان کی بیوی سے اس میں ہونے والے بچے کا انکار تھا۔ یہاں بھی پہلے خاوند سے پھر بیوی سے لعان کرایا گیا۔ مگر عویمر نے تفریق عدالت سے پہلے باظہارِ نفرت تین طلاقیں بھی دے دیں جس

marfat.com

کی ضرورت نہ تھی۔ **تیسری** بار جن خاوند میں لعان کرایا گیا احادیث میں ان کا نام مذکور نہیں۔ خاوند نے کہا کہ میری بیوی فلاں بنت فلاں زانیہ ہے تب اسی ترتیب قرآنی سے لعان کرایا گیا۔ بیوی نے کہا تھا میرا خاوند کذاب ہے۔ بیوی سے لعان کرانے کے بعد ارشاد نبوی ہوتا تھا کہ **لَاسَبِیْلَ لَکَ عَلَیْھَا** یعنی اے خاوند اب تیرا اس بیوی پر تا عمر کوئی راستہ نہیں۔ **چوتھی** بار کے مقدمہ میں خاوند نے بیوی کو زنا کی تہمت لگائی لعان کرایا گیا پھر خاوند نے ہونے والے بچے کا انکار کیا۔ نبی کریم ﷺ نے تفریق کرتے ہوئے فرمایا ہونے والا بچہ صرف ماں کا ہے۔ لیکن ماں کو زنا کی اور بچے کو ولد الزنا کی ذلت نہ دی جائے۔ جو یہ کہے گا اسے حدِ قذف لگے گی اس قاذف خاوند نے کہا کہ میرے دیئے ہوئے حق مہر کا کیا حکم ہے کیا مجھے واپس مل سکتا ہے۔ ارشاد نبوی ہوا۔ اگر تو قذف میں سچا ہے تو وہ مہر تیری حلال وطی زوجہ کا بدلہ ہوگیا۔ اور اگر تو جھوٹا ہے تو تیرے جھوٹ کی کچھ دنیوی سزا بن گیا اور تجھ سے دور ہوگیا۔ **پانچواں** واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک شخص حاضرِ بارگاہ ہوا اور عرض کیا یارسول اللہ میری بیوی کو ایک بری عادت ہے کہ وہ کسی بھی ہاتھ لگانے والے مرد کا ہاتھ نہیں جھٹکتی۔ یہ کنایہ الفاظ تھے اس کے کئی معنی ہوسکتے ہیں یہ سن کر آقا ﷺ نے کوئی سوال نہ فرمایا بلکہ مشورہ دیا کہ اس کو طلاق دے دے۔ اس نے عرض کیا کہ میں اس کے بغیر رہ نہیں سکتا وہ میری محبوبہ ہے۔ تب آپ نے فرمایا اس کو روکے رکھ اور نگاہ رکھ۔ لیکن لعان نہ کرایا کیونکہ کنایہ تہمت سے لعان نہیں ہوسکتا (از نسائی عن عبداللہ ابن عباس) **چھٹا** واقعہ اس طرح ہوا کہ ایک بدوی نے آکر عرض کیا کہ یارسول اللہ میری بیوی نے کالا بچہ جنم دیا ہے۔ مجھے شک ہے کہ وہ میرا نہیں ہے۔ یہ تعریضی قذف تھی اس لیے اس میں بھی لعان نہ کرایا گیا بلکہ آپ نے اس بدوی (گاؤں والے) سے پوچھا کیا تو نے اونٹ رکھے ہوئے ہیں اور ان کے بچے پیدا ہوئے ہیں۔ عرض کیا جی ہاں فرمایا کس رنگ کے ہیں۔ عرض کیا تین سرخ ہیں ماں باپ جیسا مگر ایک خاکستری رنگ کا ہے (کالا سفیدی مائل) فرمایا یہ رنگ کیسے آیا۔ عرض کیا شاید اونٹ یا اونٹنی میں سے کسی کی کوئی رگ کھینچ کر یہ رنگ لے آئی ہے۔ تب آپ نے فرمایا شاید تیرے اس کالے بچے کے رنگ کو بھی تیرے کسی اصل کی رگ کھینچ کر لے آئی ہو اور وہ شخص کالا ہوگا جس کا اثر یہاں آگیا (از بخاری مسلم عن ابی ہریرہ) اس لیے کہ جب ایک اونٹ اونٹنی کے بچے احمر۔ اسود۔ ازرق۔ ارقم بھورے ہوسکتے ہیں تو انسانوں کے بھی ہوسکتے ہیں۔ بروایت حضرت ابوہریرہ ابوداؤد و نسائی میں ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے کہ جو عورت کسی خاوند میں غیر خاندان کا بچہ جنم دے وہ جنت میں کبھی نہیں جاسکتی۔ پھر فرمایا جو خاوند اپنی محصنہ بیوی کو بلا ثبوت تہمتِ زنا لگائے یا حملِ بیوی کا انکار کرے یا نومولود بچے کو اپنا نسب نہ مانے تو وہ دیدارِ الٰہی سے محروم بھی رہے گا اور اولین و آخرین کے سامنے ذلیل بھی کیا جائے گا۔ **قانون ۳:** لعان صرف عدالت میں ہوسکتا ہے عوام میں یا آپس میں اہلِ خاندان گھر میں نہیں کرسکتے اگر کسی نے کیا تو نہ فرقتِ زوجین جائز نہ حرمۃِ زوجین ثابت۔ **قانون ۴:** لعان کا حق خاوند کو بھی ہے بیوی کو بھی لہٰذا کوئی بھی عدالت میں دعویٰ کرسکتا ہے کیونکہ خاوند کو نسب و نسل کی عار اور بیوی کو عزتِ اصل کی عار ہوتی ہے لیکن مطالبہ نہ کرنا اور معاملہ چھپا جانا زیادہ بہتر ہے تاکہ شہرتِ بدنامی سے زبان درازیٔ عوام نہ ملے۔ **قانون ۵:** جس قسم کا بھی قذف ہو خواہ زنا کا یا انکارِ حمل کا۔ یا نفی نسبِ نومولود کا لعان کرانے کا حق شریعت دونوں کو دیتی ہے کیونکہ سب کی بنیاد زناءِ زوجہ ہی ہے۔ **قانون ۶:** اگر خاوند کو یقین زنا ہو تو دعوئے لعان واجب ہے اب خاموش رہنا حرام ہے۔ **قانون ۷:**

marfat.com

صرف وسوسہ شیطانی کی وجہ سے جائز اولاد کا انکار نسب بھی حرام ہے۔ **قانون ۸:** حمل کے ناجائز ہونے میں شک ہو تو لعان کرنا واجب نہیں۔ **قانون ۹:** اگر بیوی پہلے بھی متہمہ ہو یا آوارہ مزاج اور نو مولود دو مشابہتوں والا ہو تو نفی جائز ہے واجب نہیں۔ **قانون ۱۰:** اگر صرف فعل زنا کی قذف ہو تو حالات خانہ کے اعتبار سے چھپا لینا بھی اور دعویٰ لعان بھی جائز۔ **قانون ۱۱:** مگر دعویٰ لعان کے بعد لعان کرانا واجب اب مقدمہ واپس لینا ممنوع ہے کیونکہ اب یہ خالصتاً حق اللہ وحق شریعت ہے۔ **قانون ۱۲:** لعان کی پانچوں شہادتیں قولی وزبانی ہونا واجب ہیں لہٰذا اگر خاوند بیوی دونوں گونگے ہوں یا ایک تو لعان نہ ہوگا۔ اگرچہ گنگ زبان کٹنے سے ہو اور سماعت باقی ہو۔ **قانون ۱۳:** لعان میں لفظ اَشْهَدُ بولنا واجب ہے کیونکہ یہ لفظ رکن لعان ہے۔ اس لیے عجمی لوگوں کو یہ لفظ اور اس کا معنی یاد کرایا جائے گا امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ عجمی لوگ اپنی زبان میں بھی اس پوری گواہی کے ہم معنی الفاظ بول سکتے ہیں۔ مثلاً اردو میں۔ گواہی دیتا ہوں میں۔ اور فارسی میں مَن گواہی می دہم۔ **قانون ۱۴:** گونگے کی تحریر اس کے اشارے کے قائم مقام ہے نہ کہ الفاظ کے اور اشارہ کنایہ کی مثل ہے۔ بہت سے مطلب نکل سکتے ہیں۔ لہٰذا شہادت شکوک وشک سے لعان کی حد ختم جبکہ ہر حد میں صاف گوئی کی کثرت واجب ہے۔ اس لیے مشائخ فقہ فرماتے ہیں کہ بوقت شہادت لعان خاوند بیوی اپنا اور دوسرے ساتھی کا نام مع ولدیت حاکم عدالت کے سامنے بولیں یعنی یہ فلاں بنت فلاں میری بیوی اور بیوی کہے کہ یہ فلاں بن فلاں میرا خاوند اور ایک دوسرے کی طرف اشارہ بھی کرے۔ **قانون ۱۵:** اگر نو مولود بچے کا انکار ہو تو بچہ بھی ماں کے ساتھ لایا جائے اور خاوند اس کی طرف اشارہ کر کے انکار کرے۔ **قانون ۱۶:** حمل کا انکار ہو تو پیٹ کی طرف اشارہ کرے گا اس بیوی کے اس پیٹ میں یہ حمل میرا بچہ نہیں ہے۔ **قانون ۱۷:** اگر خاوند کہے کہ فلاں مرد نے فلاں وقت میری اس بیوی سے زنا کیا۔ تو اگر خاوند اس مرد زانی کو حد زنا کا مطالبہ بھی اسی مقدمے میں کرے تو عدالت اس کو بھی بلا کر تفتیش کرے گی ثبوت کی صورت میں سزاء حد لگائے گی اگر خاوند مطالبہ نہ کرے تو نہ مقذوف کو سزاء حد ہوگی نہ قاذف کو حد قذف۔ صرف لعان ہوگا۔ مطالبہ خاوند اس لیے ضروری کہ یہ صرف خاوند کا حق ہے اور اس زنا سے صرف خاوند کو ہی تین نقصان ہوئے۔ ۱۔ بدنامی کی ذلت۔ ۲۔ گھر اجڑ گیا۔ ۳۔ نسل برباد۔ اور مطالبے پر زانی مرد کو اس لیے سزاء حد کیونکہ لعان سے صرف بیوی کی حد ختم ہوئی نہ کہ مقذوف زانی کی اسی لیے آیت میں صرف۔ يَدْرَؤُا عَنْهَا فرمایا گیا۔ احادیث میں بھی ہلال بن امیہ کی بیوی کے زانی مرد شریک بن عامر کی حد زنا کا ذکر نہیں اس لیے کہ ہلال بن امیہ خاوند نے اس کا مطالبہ نہ کیا تھا۔ حالانکہ آیت ۴ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ۔ میں زانیہ وزانی دونوں کو حد لگانے کا ذکر ہے۔ **قانون ۱۸:** لعان کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت کا عدالت میں موجود ہونا فرض ہے جو کم از کم چار مسلمان ہوں۔ **قانون ۱۹:** لفظ غضب جب اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہو تو معنی ہوتا ہے نفرت وعقوبت کی سزا جیسے یہاں غَضَبَ اللّٰهِ اور جب مخلوق کی طرف منسوب ہو تو معنی ہوتا ہے قلبی بدلہ جس کی ظاہری نشانی آنکھیں سرخ، دماغ میں غصہ، چہرہ تنا ہوا، سینہ پھولا ہوا سانس چڑھا ہوا حدیث مقدس میں ہے: اِتَّقُوا الْغَضَبَ فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ تُوْقَدُ فِیْ قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ "بچو تم غضب سے یہ وہ چنگاری ہے جو انسان کے دل میں سلگتی ہے۔" وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ اور خاوندو اور اے بیویو۔ لعان کا یہ تا قیامت شرعی قانون تم پر بہت طریقوں سے

marfat.com

اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت ہے اور اگر یہ فضل و رحم نہ ہوتا تو تم کو چار مصائب و نقصان دنیا میں اور چار آخرت میں ہوتے۔ پہلا یہ کہ دیگر محصنت کی طرح اپنی محصنات بیویوں پر قذف کا بھی چار شرعی گواہوں سے ثبوت دینا پڑتا اور گواہ جمع کرنا فرض ہو جاتا کیونکہ گواہوں کو جمع کرنا اگر پہلی بار اچانک مشاہدۂ زنا کاری میں ناممکن تو دوسری بار منصوبہ سازی سے یہ ممکن ہے اور خاوند پھر بھی گواہی حاصل نہ کر پاتا تو حدِ قذف کھاتا۔ آیات لعان کے نزول سے پہلے قانون نبوی یہی تھا۔ دوم یہ کہ اگر حدِ قذف لگتی تو تاعمر خاوند معاشرے میں ذلیل خوار پھرتا۔ مردود الشہادت بھی فاسق بھی۔ سوم یہ کہ اگر توبہ اور اقرار کذب نہ کرتا تو تاعمر فاسقیت کا ذلال دنیوی وبال اخروی قائم چوتھی مصیبت یہ کہ ثبوت جرم ہو جاتا تو بیوی کو سزاء سنگساری ہوتی۔ لعان ہو جانے سے یہ دنیوی ساری مصیبتیں ختم ہو گئیں۔ البتہ اے خاوند بیوی ابھی اخروی مصیبت باقی ہے یہ تو ظاہر ہے کہ تم میں ایک یقینی جھوٹا ہے اور اللہ رسول جانتا ہے کہ تم میں کون جھوٹا ہے تم خود بھی ایک دوسرے کے جھوٹ کو قطعی یقین سے جانتے ہو مگر اللہ تعالیٰ نے فضل و رحمت سے دنیا میں تمہاری عزت بچالی پردہ رکھ لیا۔ ابھی آخرت قبر حشر جہنم کی ذلت و سزا باقی ہے۔ قبر کی سختی۔ حشر کی بدبختی شفاعت سے محرومی۔ سزاء جہنم ابھی ہونی ہے لہٰذا اب خفیہ مناجات و عبادات میں جو جھوٹا ہو وہ سچی پکی توبہ سابقہ واصلاح آئندہ کر کے تقوۂ حیات کر لو اور دنیا میں آخرت کا معاملہ ختم کرالو۔ اور رب تعالیٰ سے رو کر گڑگڑا کر معافی مانگو تو آخرت کی مصیبتیں بھی ختم ہو جائیں گی کیونکہ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر بندے کی توبہ بہت جلدی قبول فرمانے والا ہے اور آخرت کی عزت بچانے میں عظیم و کبیر حکمت والا ہے وہی جانتا ہے کہ ابرار کی شرافت کس طرح بچانی ہے۔ اور اشرار کی شرارت کس طرح مٹانی ہے۔

ان آیات میں مختلف اقوال

تفریق لعان کے وقت میں دو قول۔ ۱۔ امام شافعی نے فرمایا کہ فقط لعان خاوند سے ہی تفریق خود بخود ہو جائے گی کیونکہ لعان قذف طلاق بائنہ کے درجہ میں ہوتا ہے اور طلاق صرف خاوند کی طرف سے۔ بیوی کو لعان کرانے کا مقصد صرف اس سے جرم زنا کی حد ختم کرنا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ۔ ۲۔ احناف فرماتے ہیں نہ صرف خاوند کے لعان سے تفریق ہو نہ عورت کے لعان سے بلکہ دو طرفہ لعان کے بعد حاکم خود تفریق کرے گا کیونکہ لعان فسخ نکاح ہے اور یہ فسخ حاکم طلاق بائنہ کے درجہ میں ہے احادیث میں ہے کہ لعان کے بعد آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ نے خود تفریق فرمائی تھی اور محفل عدالت سے پہلے خاوند کو نکالا تھا۔ نیز اگر بیوی کے لعان سے پہلے ہی تفریق ہو گئی تو بیوی۔ بیوی نہ رہی۔ اب لعان بیوی بیکار اور اگر بیوی کا لعان صرف حدِ زنا ختم کرنے کے لیے ہوتا تو واجب نہ ہوتا صرف مستحب ہوتا۔ مگر واجب اس لیے کہ اولاً حد ختم ہو پھر تکمیل لعان سے تفریق کی جائے۔ اگر لعان خاوند سے ہی تفریق ہو جاتی تو بیوی کو عذاب آخرت یاد کروانا اور شہادتیں کہلوانا بیکار تھا۔ تفریق لعان کی حیثیت میں دو قول۔ ۱۔ ائمہ ثلاثہ نے فرمایا کہ حاکم کی تفریق فسخ ہے طلاق نہیں اگر خاوند طلاق دے تب طلاق ہے۔ ۲۔ احناف نے فرمایا یہ فسخ ہی طلاق بائنہ ہے اور لعان سے حرمۃ ابدی۔ یہاں دو مسئلوں میں سب فقہاء و مشائخ کا اتفاق ہے۔ ۱۔ اس تفریق کے بعد بیوی پر عدت واجب ہے خاوند پر حق مہر واجب اگر پہلے نہ دیا ہو۔ لیکن زمانہ عدت کا خرچہ کپڑا مکان واجب نہیں اگر بیوی غریب ہے تو حکومت خرچہ دے گی۔ ۲۔ بوقت لعان

marfat.com

تفریق عدالت میں دس شخصوں کا موجود رہنا لازم ہے حاکم عدالت۔ خاوند قاذف۔ بیوی مقذوفہ۔ وکیل۔ اپیل۔ کفیل اور چار مسلمان خواہ اراکین عدالت ہوں۔ حرمت کی ابدیت کے بارے میں دو قول۔ ۱۔ ائمہ ثلاثہ نے فرمایا۔ بہر صورت حرمت ابدی ہے۔ ۲۔ احناف نے فرمایا۔ اگر خاوند لعان و تفریق کے بعد اسی وقت عدالت میں قذف سے رجوع و اقرار تکذیب کر لے تو نوعیت بدل جائے گی۔ خاوند کو حدِ قذف سابقہ لعان کالعدم اور حرمت کی بنیادی وجہ ختم تو حرمت بھی ختم۔ اب وہی خاوند اس مطلقہ بائنہ بیوی سے دوبارہ نکاح اسی وقت کر سکتا ہے وجہ یہ کہ لعان سے حرمۃ ہوئی اور تفریق حاکم سے فسخ اور فسخ سے طلاق بائنہ۔ رجوع خاوند سے صرف لعان و حرمۃ ختم ہوگی نہ کہ تفریق و تنسیخ اس لیے دوبارہ نکاح ضروری۔ ہاں اگر تفریق سے بھی پہلے رجوع ہو جائے تو نکاح کی بھی ضرورت نہیں۔ عذاب کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ آئمہ ثلاثہ نے فرمایا۔ عَذَابَهَا کا معنی ہے حدِ زنا۔ ۲۔ امام اعظم نے فرمایا۔ اگر لعان ہو جائے تو عذاب کا معنی حدِ زنا اور اگر بیوی انکار لعان کرے تو قید کی سختی مراد ہے۔ وَالْخَامِسَةَ۔ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں فتحہ ہے کیونکہ عطف ہے اَرْبَعَ پر۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَلْخَامِسَةُ ہے ضمہ سے کیونکہ مبتدا ہے مابعد خبر کا۔ اَنَّ غَضَبَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں اَنَّ مشددہ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اَنْ مخففہ ہے مشددہ سے بدل کر غَضَبَ اللّٰهِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں یہ مرکب اضافی ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں یہ غَضِبَ اللّٰهُ ہے جملہ فعلیہ باب سَمِعَ کا ماضی لفظِ اللّٰہ اس کا فاعل ہے۔ اگر خاوند بیوی کے پیٹ کے حمل کا انکار کرے تو اس میں تین قول۔ ۱۔ امام مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ فوراً لعان واجب ہے کیونکہ یہ نفی ہی تہمت ہے۔ ۲۔ امام اعظم و امام احمد فرماتے ہیں کہ صرف موٹا پیٹ دیکھ کر اپنے نطفے کا انکار کرنا لعان واجب نہیں کرتا کیونکہ حمل ہونا مشکوک ہے اور شک سے حد ختم ہو جاتی ہے۔ ۳۔ مشائخ فقہ میں سے صاحبین فرماتے ہیں کہ انتظار کیا جائے گا اگر وقتِ نفی سے چھ ماہ کے اندر ولادت ہوئی تو لعان واجب ہے اگر بعد چھ ماہ کے ولادت ہوئی لعان نہیں کیونکہ ولادت کی کم سے کم مدت چھ ماہ کا حمل ہے۔ جب چھ ماہ کے بہت بعد حمل مولود ہوا تو معاملہ مشکوک ہو گیا کہ اس وقت حمل تھا یا نہیں۔ اگر خاوند نے کسی شخص کو اپنی بیوی سے زنا کرتے دیکھا اور اس مرد کو قتل کر دیا تو اس کے حکم میں دو قول۔ ۱۔ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں کہ اگر قاتل خاوند یہ ثابت کر دے کہ زانی شادہ شدہ تھا اور زنائے زوجہ پر چار شرعی گواہ بھی کر دے تو خاوند سے سزائے قصاص معاف لیکن اگر گواہی یا شادی شدہ ہونا ثابت نہ کر سکے تو خاوند کو قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ ۲۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ چونکہ اس نے خود قانون اپنے ہاتھ میں لیا ہے اس لیے خاوند کو بہر صورت قصاص میں قتل کیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص اپنی مطلقہ بائنہ یا مغلظہ کو قذف زنا لگائے تو اس میں دو قول۔ ۱۔ امام مالک و شافعی فرماتے ہیں کہ لعان واجب ہے۔ ۲۔ امام اعظم نے فرمایا لعان نہیں ہوگا کیونکہ اب وہ اس کی بیوی نہیں ہے اگرچہ عدت میں ہو کیونکہ لعان صرف شرعی موجود زوجین میں ہے۔ اگر مطلقہ رجعیہ کو قذف لگائی تو رجوع کا ثبوت پیش کرے تب لعان ہے ورنہ نہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** لعان خود واجب ہے اور لعان میں دو چیزیں فرض ہیں۔ ۱۔ الفاظ شہادت۔ ۲۔ چند مسلمانوں کا عدالت میں بوقتِ لعان و تفریق موجود رہنا اور دو چیزیں مستحب ہیں۔ ۱۔ لعان کے

marfat.com

لیے زمان ومکان کا تعین۔ ۲۔ اور لعان کرانے کے لیے کوئی مقدس مقام اس لیے بہتر ہے تا کہ مجرمین کو ہیبت آخرت زیادہ ہو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں مقامِ ابراہیم یا حجرِ اسود کے پاس مدینہ منورہ میں منبر اقدس کے پاس بیت المقدس میں گنبد صخرہ میں۔ دیگر شہروں میں جامع مسجد محراب کے پاس۔ یا کسی مزارِ مبارک کے پاس۔ جمعہ کے دن بوقت عصر سنت سے ثابت ہے لعان سے پہلے دونوں کو وضو کرایا جائے۔ یہ فائدہ وَالْخَامِسَةَ اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ سے حاصل ہوا۔ کیونکہ اس فرمان سے غضب الٰہی کا خوف کثیر پیدا کرتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ بندوں کی مجبوریوں کی وجہ سے فضل ورحم فرماتا ہے۔ لعان قائم فرما کر رب تعالیٰ نے دینی۔ دنیوی۔ اخروی تین فضل ورحم فرمائے۔ دینی یہ کہ لعان رب تعالیٰ کا پسندیدہ اور مقرر کردہ ہے۔ دنیوی یہ کہ معاشرے میں دونوں کی عزت برقرار رہی۔ خاوند کو اس کی مراد ملی کہ ثبوتِ قذف کی مشقت اور سزائے قذف سے بچ گیا۔ بیوی حدِ زنا سے بچ گئی۔ فضلِ اُخروی یہ کہ دونوں کو آئندہ کے لیے سچی پکی توبہ کی مہلت مل گئی۔ یہ فائدہ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ کے پورے فرمانِ اقدس سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** یہ بات اظہر ہے فقہ اسلامی میں فقہ حنفی اپنے دلائل واستنباط وقیاسات کے اعتبار سے تمام فقہ پر غالب ہے کیونکہ فرموداتِ امام اعظم منشاء کلامِ الٰہی کے مطابق ہوتے ہیں ایسے ہی فرموداتِ نبوی کا اصل منشا فقہ حنفی میں اجاگر کیا جاتا ہے۔ یہ مسلک الہامی والقائی معلوم ہوتا ہے دیگر ائمہ و مشائخ فقہ کی فکرِ ذہنی ان باریکیوں تک نہیں جہاں بصیرت امام اعظم پہنچ جاتی ہے یہ فائدہ شَهٰدٰتٍ بِاللّٰهِ اور وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ (الخ) سے حاصل ہوا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کا یہ کلام مسلک امام اعظم کی تائید فرما رہا ہے اور بیوی کے محصنہ ہونے کی حنفی شرط اسی کلام سے مستنبط کی گئی۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** جھوٹے پر لعنت اور غضب اللہ کی بددعا کرنی شرعاً جائز ہے اگرچہ وہ جھوٹا شخص مسلمان ہی ہو۔ یہ مسئلہ اَنَّ لَعْنَتَ اللّٰهِ عَلَيْهِ اور اَنَّ غَضَبَ اللّٰهِ عَلَيْهَآ کے قانون الٰہی سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** اگر خاوند نے اپنی بیوی کے نومولود بچے سے اپنے نسب کی نفی کردی اور بیوی نے خاوند کی تصدیق کردی اور صرف اتنا کہہ دیا کہ میرا خاوند سچا ہے یا سچ کہتا ہے تو یہ قذف ختم اور جب قذف ختم تو اس قذف سے لعان نہیں ہو سکتا۔ نہ خاوند پر حدِ قذف نہ بیوی پر حدِ زنا اور نومولود بچہ خاوند کا ہی مانا جائے گا کیونکہ اس طرح کی تصدیق مشکوک ہے اور عدالت کو بذاتِ خود زیادہ تفتیش کا شرعاً کوئی حق نہیں۔ نہ اقرارِ زنا پر جبر کیا جاسکتا ہے غرضیکہ بیوی کی اس عمومی تصدیق نے تمام مقدمہ کو لغو کردیا۔ یہ مسئلہ وَيَدْرَؤُا عَنْهَا (الخ) کے بعد اَنْ تَشْهَدَ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا اس لیے کہ عذاب ثابت ہوتا ہے لعان خاوند سے اور ختم ہوتا ہے لعان بیوی سے اور تصدیق بیوی سے لعان خاوند ہی ختم ہو گیا اور قذف مشکوک۔ **تیسرا مسئلہ:** قانونِ شریعت میں جب تک عدالت کا حاکم خاوند بیوی میں تفریق نہ کرے اس وقت نہ جدائی قائم ہو گی نہ حُرمتِ ابدی ثابت اگرچہ دونوں طرف سے لعان مکمل ہو جائیں۔ یہ مسئلہ يَدْرَؤُا۔ فعل مضارع فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ آیت پاک نے فرمایا کہ جب بیوی لعان کرلے تو حکامِ عدالت اس سے عذاب ختم کریں یعنی بغیر عملِ حاکم خود بخود ختم نہ ہو گا اور عملِ حاکم سنتِ نبوی سے یہ ثابت ہے کہ لعان بیوی کے بعد حاکمِ عدالت یہ بتائے کہ اب تا اَبدتم جدا ہو اور ایک

marfat.com

دوسرے پر حرام ہو۔ یہ عورت عدت گزار کر جہاں چاہے کسی اور سے نکاح کر سکتی ہے۔ اگر بغیر عدالت خود بخود تفریق ہو جاتی جیسا کہ ائمہ ثلاثہ فرماتے ہیں تو اعلانِ نبوی کی ضرورت نہ تھی اور اگر یہ اعلان صرف مسئلہ بتانے کے لیے ہوتا جیسا کہ ایک جاہل وہابی نے لکھا ہے تو پھر عدالتی کارروائی سے پہلے ہی یہ مسئلہ سمجھا دیا جاتا اور صرف پہلی بار سمجھانا ہی کافی تھا نہ کہ ہر بار اور آخر میں ہی نیز خلفاء راشدین نے بھی آخر میں ہمیشہ خود ہی تفریق زوجین فرمائی۔ یہ مسئلہ بھی ذہن نشین رہے کہ جہاں عدالت میں حدِ قذف اور حدِ لعان کا اسلامی طریقہ جاری ہو وہاں مفتی اسلام طریقہ لعان جاری کر سکتا ہے۔ تفریق زوجین بھی اور حُرمۃ ابدی بھی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں لعان میں خاوند کاذب پر لعنت ڈلوائی گئی اور بیوی مقذوفہ اگر مجرمہ ہو تو غضبِ الٰہی ڈلوایا گیا۔ جس سے ثابت ہوا کہ کذب بھی کفر ہے اور زنا بھی کفر۔ کیونکہ لعنت اور غضب دونوں صرف کفار کے لیے ہیں (خارجی فرقہ) **جواب:** اس اعتراض کی بنیاد ہی غلط ہے کہ لعنت و غضب صرف کفار کے لیے ہے۔ معترض کو چاہیے تھا کہ پہلے اپنے اس دعویٰ کا ثبوت پیش کرتا۔ تحقیقی جواب یہ ہے کہ لعنت و غضب صرف کفار سے خاص نہیں۔ بلکہ لعنت کے تین معنی۔ ۱۔ رحمت سے دوری۔ ۲۔ نفرت۔ ۳۔ ذلت یعنی درجہ ابرار سے گرنا۔ لعنت کی پہلی قسم صرف کفار کے لیے لعنت کی دوسری قسم مغرور گنہگاروں کے لیے۔ تیسری قسم فاسقین فاحشین کے لیے اسی طرح ہر غضب بھی کفار سے خاص نہیں۔ یاد رکھو کہ کافر کے لیے اُخروی لعنت و غضب۔ گنہگار کے لیے فقط دنیوی۔ جواب الزامی یہ کہ اگر کذب و زنا کفر ہوتا تو قاذف و مقذوف میں سے جس کا جرم ثابت ہوتا وہ مرتد ہوتا اور قتل یا قید کی سزا ہوتی نہ کہ لعان کروانے کی اور سزاء مرتد سے تفریق بھی خود بخود ہو جاتی۔ مگر زمانہ نبوی اور زمانہ خلفاء میں ایسا نہ ہوا۔ پس ثابت ہو گیا کہ کذب یا زنا کفر نہیں۔

دوسرا اعتراض: یہاں فرمایا گیا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ (الخ) یہ جملہ شرطیہ ہے جس کی جزا ضروری ہے مگر یہاں جزا مذکور نہیں جس کی وجہ سے یہ جملہ ادھورا ہے۔ پورا جملہ اس طرح ہونا چاہیے تھا اور اگر نہ ہوتا تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت تو ایسا ہو جاتا۔ یہاں اس ادھورے جملے کی کیا حکمت ہے **جواب:** یہاں جزا پوشیدہ ہے پوشیدگی کی وجہ کثرت فوائد ہے تاکہ علماء فقہاء عوام اپنے اپنے ذہن سے مختلف و متعدد فوائد خود سوچ لیں۔ علماء کرام فرماتے ہیں۔ وَرُبَّ مَسْكُوْتٍ عَنْهُ اَبْلَغُ مِنْ مَنْطُوْقٍ بِهٖ یعنی بہت دفعہ بول دینے سے چپ رہنے میں زیادہ بلاغت و بہتری ہوتی ہے۔ ایسے کلام میں وسعت کثرت کی فصاحت ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** لعنت کا معنی ابدی جہنم اور ابدی جہنم صرف کفار کے لیے تو ثابت ہوا کہ ہر جھوٹا انسان کافر ہے اور جھوٹ بولنا کفر ہوا۔ لہٰذا جس طرح منافق باوجود نماز روزے کلمہ کلام کے کافر اسی طرح ہر فاسق بھی کافر ہے (موجودہ وہابی) **جواب:** اعتراض وہ درست ہوتا ہے جس کی دلیل ہو اور دلیل وہ مضبوط جس کا عقلی یا نقلی ثبوت و حوالہ ہو اور حوالہ وہ مکمل جو مخالف کو تسلیم ہو۔ اس اعتراض میں نہ تو دلیل نہ حوالہ نہ ثبوت محض نادانی کا تانا بانا ہے جو کسی بھی ذی علم و عقل کو تسلیم نہیں۔ ہم اہلسنت کا مسلک یہ ہے کہ نہ ہر کاذب فاسق ہے نہ ہر فاسق ملعون نہ ہر لعنت اخروی نہ ہر اخروی مصیبت دائمی۔ کیونکہ اخروی مصیبت کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ سزا و عقوبت۔ ۲۔ سزا و عذاب۔ عقوبت کی مصیبت صرف

marfat.com

مجرم کو پاک نفس لائق جنت بنانے کے لیے عارضی ہے جیسے کہ سونے چاندی کو آگ میں ڈالنا نکھارنے کے لیے ہوتا ہے کچھ دیر تک لیکن سزائے عذاب دائمی ہے۔ جیسے کہ لکڑی کا آگ میں جانا۔ لعنت کی بھی دو قسمیں۔ ا۔ لعنت دنیوی یعنی نحوست۔ بے برکتی۔ بے توفیقی۔ نیکی دشوار برائی آسان عبادت میں ہزار رکاوٹیں۔ کسلتیں۔ غفلتیں۔ گناہوں میں آسانیاں سہولتیں ملتی چلے جانا۔ ۲۔ لعنت اُخروی صرف کفار کے لیے۔

تفسیر صوفیانہ

وَيَدْرَؤُا عَنْهَا الْعَذَابَ أَنْ تَشْهَدَ أَرْبَعَ شَهَادَاتٍ بِاللَّهِ إِنَّهُ لَمِنَ الْكَاذِبِينَ ﴿٨﴾ ۔ اگر قلب مومن کی پانچ شہادتیں قائم ہو جائیں تو قلب کی صداقت روح کی لطافت پر غالب آجاتی ہے قلب کی پانچ گواہیاں۔ شہادت اول توفیق خیر۔ شہادت دوم تکمیل صالحہ۔ سوم اطاعت کاملہ۔ چہارم اتباع راغبہ۔ شہادت پنجم براءت صادقہ ان ہی شہادتوں سے روح کی پاکیزگی ہے جب روح انسانی پر الزام کبیرہ ہو کہ اس پر عقل نفسانی سوار ہے اور اس تسلط سے روح میں نطفہ شیطانی و محرومی آگیا ہے جس نے روح مقوی کو ضعیف و خبیث کر دیا ہے۔ تب حاکم و مرشد پر واجب ہے کہ روحانی لطائف خمسہ کی گواہیوں سے تزکیہ روح کرائے اور خلوت مراقبہ سے نکال کر مسجد قالب کی عدالت جلوت میں مشاہدہ ابرار میں آلائش دنیوی کا لعان تفریق کرائے تا کہ باطنی کثافتوں ملاوٹوں نجاستوں رکاوٹوں کا عذاب قہر دور ہو۔ روح کی پانچ شہادتیں۔ اول قوت روح۔ دوم سرعۃ روح۔ سوم جرءت روح۔ چہارم سخاوت روح۔ وَالْخَامِسَةَ أَنَّ غَضَبَ اللَّهِ عَلَيْهَا إِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿٩﴾ اور شہادتِ پنجم تصدیق شعوری نوری سے براءت قلبی و تزکیہ روحی یعنی روح مومن کو دنیوی آلائشوں رجستوں سے اسی عمل عزیز و شہادت لذیذ و قوت لطیف و سرعۃ کثیرہ اور براءت بعید نے ہی بچایا ہے اور ہر ذلت سے بچا کر مقام توبہ تک پہنچاتا ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ ۔ اے راہِ معرفت کے مسافرو اس راستے میں بہت کانٹے کنکر پتھر ہیں۔ اگر بندہ سالک کے قلب و قالب۔ عقل غالب۔ علم طالب اعضاء غائب۔ روح راغب پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور شفقت محبت کی نصرت۔ یسرت اور توفیق سعادت کی رحمت نہ ہوتی تو کھل جاتے تمہاری خلوتوں کے بھید اور نہ چھپے رہتے تمہارے خفیہ حالات و مراقبات لیکن تمہاری غفلت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور تمہارے کسل پر اللہ تعالیٰ کا فضل غالب و سابق آگیا۔ تب ہی یہ انسان ضعیف ہزاروں موذی دشمنوں راہ مار شیطانوں کے درمیان سے بچ نکلتا ہے۔ اس کریم و رحیم نے اپنی حکمۃ بالغہ سے تمہارے باطنی تنکیز کو شریعت جامعہ کے لباسوں طریقت کاملہ کے پردوں حقیقت قائمہ کی مضبوط چار دیواری میں چھپا کر تمہاری دینی۔ دنیوی۔ اخروی عزت و عظمت کو برقرار رکھا۔ شیاطین و خناسین سے بچایا اور تمہاری توبہ کی جگہ پر اپنی رحمت کو سبقت عطا فرمائی اس کے باوجود کہ تمہارے نفوس امارہ نے تم سے رب تعالیٰ کے احکام واجبہ عبادات لازمہ کی مخالفت و مباشرت کروائی۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل تمہاری ناقص عبادت قبول فرمانے میں تمہارا دستگیر نہ ہوتا۔ اور سعادتِ جلی خفی ظاہری باطنی نہ دیتا تو البتہ یقیناً دنیا، قبر، حشر میں اے مسافرانِ راہِ منزل تم سب بڑے نقصان عظیم کی حسرت والے ہو جاتے۔ لیکن رب کریم جل مجدہ نے بچا لیا تم کو تمہارے نقصان ابدی سے تین انعامات فرما کر اپنی رحمۃ قدیم اور فضیلت عظیم و عزت عمیم بخش کر۔ صوفیاء عظام فرماتے ہیں کہ تحریر خفا خوشی کی زبان ہے اور قلم تحریر و کتابت کی زبان ہے اس لیے ہر طالب معرفت کو بری کتابوں سے منع کیا جاتا ہے بری کتابیں

marfat.com

زہر باطنی ہے جو جسم کو نہیں مارتا بلکہ روح کو ہلاک کرتا ہے۔ ایسی ہی زہریلی کتابوں کے لیے مولائے روم نے فرمایا۔

صد کتاب وصد ورق در نار کن روئے دل را جانب دلدار کن

اے بندگانِ سالکین شہادتوں کی دولت مشاہدہ کو عدالتِ مراقبہ میں حاضر کرو اور دولت دنیوی کی ترک کا لعانِ نفس کرو کیونکہ دنیوی دولت سے کوئی سچی خوشی نہیں ملتی۔ سچی ابدی باقی خوشی تو ایمان، ایقان، عرفان اور کامیابی امتحان سے ہی ملتی ہے۔ اے بندو! راہِ حقیقت کے تھکے ماندے مسافرو قرب امتحان آنے والا ہے غفلت سے نکلو نیند سے جاگو نقارۂ رحلت بج گیا ہے موت سر پر کھڑی ہے قبر بلا رہی ہے جلدی جلدی ندامت کے آنسوؤں کا وضو مشقتِ عبادت کا غسل کر کے توبہ قیام و رکوع و سجود کر لو۔ وَاَنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۰﴾ اور بیشک اللہ تعالیٰ ہی خطا کاران ریاضت کی توبہ رغبت فی اللہ محبت للہ قربت مع اللہ خشیت باللہ اور سرعت الی اللہ کو قبول فرمانے والا ہے اور عظیم وعمیم و کریم حکمت والا ہے دولتِ معرفت عطا فرمانے کے لیے اہل کو منتخب کرنے میں۔ علم خفی کے دو خزانے پہلا کان ہے دوسرا آنکھ یہاں خزانہ علوم جمع ہوتا ہے اے معرفت کے طلبگار اسرار غیبیہ کے امانت دار اگر امن وعافیۃ چاہتا ہے تو کان اور آنکھ استعمال کر اور زبان بند رکھ۔ عقلمند سوچ کر بولتا ہے اور بے عقل بول کر سوچتا ہے۔ اے بندے دنیا میں ہزار دوست بھی ہوں تو تھوڑے ہیں۔ دشمن ایک بھی زیادہ ہے کیونکہ ایک دشمن وہ کام کر جاتا ہے جو ہزار دوست نہیں کر پاتے۔ دنیا میں خود کو عالم نہ سمجھو جس نے خود کو عالم سمجھا وہ درحقیقت جاہل ہے کیونکہ اس نے اپنے اوپر علم کا دروازہ بند کر دیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ
بیشک وہ لوگ جو لائے ہیں بڑا بہتان وہ تم میں سے ہی مسلمان کہلانے والا ایک ٹولہ ہے
بیشک وہ کہ بڑا بہتان لائے ہیں تمہی میں سے ایک جماعت ہے
لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ
اے مخلص مسلمانو نہ گمان کرو تم اس شرارت بازی کو ذلت اپنے لیے بلکہ وہ آئندہ ابدی بھلائی ہے تمہارے لیے
اسے اپنے لیے برا نہ سمجھو۔ بلکہ وہ تمہارے لیے بہتر ہے
لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ
ہر شخص کے لیے ان شرارتیوں میں سے وہی گناہ ہے جو اس نے کمایا
ان میں ہر شخص کے لیے وہ گناہ ہے جو اس نے کمایا
وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾
اور وہ مردود جس نے سب سے بڑی شرارت مچائی اس ٹولے میں سے اس کے لیے تو عذاب عظیم ہے

marfat.com

اور ان میں جس نے سب سے بڑا حصہ لیا اس کے لیے بڑا عذاب ہے
لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے اس شرارت بازی کو سنا تھا تو گمان کیا ہوتا مومن مردوں اور عورتوں نے
کیوں نہ ہوا جب تم نے اسے سنا تھا کہ مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں نے
بِاَنْفُسِهِمْ خَيْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۲﴾
اپنوں کے لیے اچھائی کا ہی اور سب کہہ دیتے کہ یہ شرارت کھلا بہتان ہے
اپنوں پر نیک گمان کیا ہوتا اور کہتے کہ یہ کھلی تہمت ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں جرائم کی اسلامی سزاؤں کو فضل ورحمت فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ بعض موقعوں پر بدبخت وشرارتی لوگوں کی جھوٹی الزام تراشی وتہمت سازی بھی نیک بخت اور متقی لوگوں کے لیے خیر ورحمت بن جاتی ہے اور بدبختوں کا منصوبہ خاک میں مل جاتا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تہمت لگانے والوں کی بدبختیوں سزاؤں کا ذکر ہوا جو مجرموں کی ذلت ورسوائی کا باعث ہے اب ان آیات میں ان لوگوں کی عزت عظمت خیریت کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن پر یا جن کے رشتے داروں پر بدبختوں نے تہمت سازی کی ہوگی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تہمت لگانے والے بدبخت انسانوں کی دنیوی سزاؤں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں ان سرکش بدبختوں کی اخروی سزاؤں کا ذکر فرمایا جارہا ہے اگرچہ دنیوی سزاؤں سے بچ جائیں۔

شان نزول

اگلی چند آیات ام المومنین جو ساری کائنات کی تاقیامت عورتوں سے افضل حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان براءت میں نازل ہوئیں۔ مگر تعداد آیات میں علماء اسباب نزول کے دو قول ملتے ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ دس بعض نے کہا گیارہ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۱۱ تا آیت ۲۱ بعض نے کہا ۱۵ مگر صحیح اور اکثریت کا فرمان ہے کہ اٹھارہ آیتیں نازل ہوئیں۔ از آیت ۱۱ تا آیت ۲۸۔ ام المومنین عائشہ صدیقہ کا ہار گم ہونے کا واقعہ غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی پر مدینہ منورہ سے ایک منزل پہلے پیش آیا اور منافقین نے اِفک و بہتان کا شور مچایا تب اٹھارہ دن بعد اٹھارویں پارے کی سورۃ نور میں اٹھارہ آیتیں شانِ براءت صدیقہ ظاہر فرمانے کے لیے نازل ہوئیں جس سے تاقیامت حضرت عائشہ صدیقہ کی یہ شان ظاہر ہوئی کہ خود رب تعالیٰ نے آپ کی پاکدامنی بیان فرمائی یہ شان ومقام اولین وآخرین میں کسی کو نہ ملی اور گستاخوں کو ابدی عذاب عظیم کی وعید سنائی فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذٰلِكَ۔

marfat.com

تفسیر نحوی

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ

اِنَّ حرف عاملہ مشبہ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ جَآءُوْ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ جَیْئٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنا جب اس کے بعد بَ تعدیہ مفعول کا تعلق ہو تو یہ متعدی ہو جاتا ہے اور معنی ہو جاتا ہے لانا۔ یہاں اسی معنی میں ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُمْ کا مرجع اَلَّذِیْنَ بَ جارہ تعدیہ کی۔ اَلف لام حرفی معرفی تعظیمی عہد خارجی معنی ہے بڑا اور مخصوص اِفْكٌ اسم مفرد جامد بمعنی بناوٹی بات۔ تہمت۔ بہتان۔ الزام تراشی۔ یہاں مراد ہے زنا کی تہمت۔ یہ جار مجرور متعلق ہے جَآءُوْ کا یہ فعل وفاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا۔ دونوں صلہ موصول مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ عُصْبَةٌ۔ اسم مفرد جامد۔ لفظاً واحد ہے معناً جمع ہے جیسے رَهْطٌ۔ قَوْمٌ۔ نَعَلٌ۔ آلٌ صحیح یہ ہے کہ اس کا تثنیہ جمع نہیں ہوتا بعض نے کہا کہ اس کا جمع عُصَبٌ ہے۔ عُصْبَةٌ کا لغوی ترجمہ ہے مضبوط اسی لیے جسمانی پٹھے کو عَصَبٌ اور پٹھوں کو اَعْصَاب کہا جاتا ہے عُصْبَةٌ کا معنی ہے متعصب و مضبوط مردوں کا گروہ۔ خواہ باعتبار دین یا دنیوی دولت۔ یا باعتبار جوانی یا باعتبار نفری یعنی افرادی قوت۔ اس کی تعداد و افراد میں آٹھ قول۔ ۱۔ ایک تا تین جوان مردوں کا ایک جتھہ۔ ۲۔ ایک تا چھ۔ ۳۔ ایک تا سات۔ ۴۔ ایک تا نو۔ ۵۔ ایک تا دس۔ جیسے برادران یوسف علیہ السلام نے کہا تھا نَحْنُ عُصْبَةٌ۔ اسی قول پر اکثریت کا اتفاق ہے۔ ۶۔ ایک سے پندرہ تک مردوں کا گروہ۔ ۷۔ چالیس جوان مردوں کا گروہ۔ ۸۔ حضرت ابن عباس و امام ابن قتیبہ تابعی کا فرمان ہے کہ تین جوان مرد یا سرداران قوم کا متفقہ گروہ مقفو ہے اور دس سرداروں یا جوانوں کا گروہ رہط ہے۔ لیکن دس تک اُمراء لیڈران قوم یا جوانان قبیلہ کا ایک جتھہ عُصْبَةٌ ہے یہاں یہی مراد ہے۔ عُصْبَةٌ اور عُصَابَةٌ بروزن فُعْلَةٌ و فُعَالَةٌ دونوں ایک ہی معنی میں حاصل مصدر مبالغہ ہیں بمعنی ایک مستقل مکمل مضبوط گروہ حق ہو یا باطل یہاں باطل گروہ منافقین اور ان کے ساتھ چند بیوقوف بے سوچے سمجھے مخلصین تائیدیے مراد ہیں۔ یہ مصدر مضاف ہے مِّنْكُمْ یہ مِنْ جارہ زائدہ برائے اضافت منیہ ہے۔ كُمْ مجرور در اصل ہے عُصْبَةُ كُمْ۔ یعنی تم میں سے۔ یعنی صرف ظاہری مسلمان۔ یہ مرکب اضافی خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَا تَحْسَبُوْهُ باب سَمِعَ کا فعل نہی حاضر معروف صیغہ جمع مذکر اَنْتُمْ اس کا پوشیدہ فاعل ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب یا مرجع اِفْكٌ ہے یہ مفعول بہ اول ہے شَرًّا اسم مفرد نکرہ بمعنی مصیبت خرابی فتنہ فساد بدبختی نقصان یہ مفعول بہ دوم ہے لَّكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے لَا تَحْسَبُوْهُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ بَلْ عاطفہ برائے اضراب یعنی ماسبق کی نفی کے لیے هُوَ مبتدا ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل کا مرجع اِفْكٌ ہے۔ خَیْرٌ۔ اسم مصدر بمعنی بھلائی ہونا۔ لَّكُمْ جار مجرور متعلق ہے خَیْرٌ کا یہ مصدر اپنے متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہے هُوَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے لَا تَحْسَبُوْهُ کے جملے پر۔ دونوں مل کر جملہ عطفی ہو گیا۔ لام جارہ برائے نفع کا كُلِّ اسم جمع مضاف ہے امْرِئٍ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی مرد شخص اس کا مؤنث ہے اِمْرَءَةٌ۔ اِمْرِئٍ موصوف مِّنْهُمْ جار مجرور متعلق ہے شامِلٌ اسم فاعل پوشیدہ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے امْرِئٍ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے كُلِّ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہے جار مجرور متعلق مقدم ہے مَّا اكْتَسَبَ کا مَا موصولہ اكْتَسَبَ باب افتعال کا ماضی مطلق كَسَبَ

marfat.com

سے مشتق ہے۔ ھُوَ پوشیدہ ضمیر اس کا فاعل ہے مرجع ہے اِمْرِءٍ۔ مِنْ جارہ بعضیہ کا اَلْاِثْمِ۔ اسم مفرد معرفہ بمعنی گناہ۔ الف لام جنسی ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اَکْتَسَبَ کا۔ یہ فعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا یہ موصول صلہ مل کر فاعل ہے ثَابِتٌ کا یا نائب فاعل ہے موجودٌ پوشیدہ کا یہ اسم مشتق پوشیدہ اپنے فاعل و متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾۔ واؤ ابتدائیہ۔ اَلَّذِیْ اسم موصول تولی باب تفعّل کا ماضی مطلق واحد مذکر تَوَلِّیْ مصدر ہے ترجمہ ہے منہ پھیرنا۔ مراد ہے بھاگ دوڑ کر شرارت پھیلانا۔ اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ کا مرجع اَلَّذِیْ کِبْرَ۔ اسم مفرد جامد بمعنی بڑی مضاف ہے ہٗ ضمیر کا مرجع ہے اِفْک مضاف الیہ ہے۔ مِنْهُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے تَوَلّٰی کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْ کا وہ موصول صلہ مل کر مبتدا ہے۔ لَهٗ جار مجرور متعلق ہے قَائِمٌ پوشیدہ اسم فاعل کا عَذَابٌ اسم نکرہ مفرد جامد موصوف ہے عَظِیْمٌ اس کی صفت یہ مرکب توصیفی فاعل ہے قَائِمٌ پوشیدہ کا۔ ترجمہ ہے بڑا عذاب اخروی یہ اسم فاعل پوشیدہ اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَلَّذِیْ کے جملے کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾۔ لَوْلَا حرف توبیخ (جھڑک) بمعنی ھَلَّا ان آیات میں لَوْلَا چھ جگہ آیا ہے اول آیت ۱۲ میں دوم آیت ۱۳ میں سوم آیت ۱۴ میں چہارم آیت ۱۶ پنجم آیت ۲۰ ششم آیت ۲۱ میں لَوْلَا اگر ماضی پر داخل ہو تو برائے توبیخ یعنی جھڑک۔ اگر مضارع پر داخل ہو تو برائے تحضیض یعنی آمادہ کرنا اور اگر جملہ اسمیہ پر آئے تو برائے امتناع یعنی منع کرنا۔ ان آیات میں اول دوم چہارم توبیخ کے لیے ہے اس لیے ان میں جزاء شرط مذکور نہیں ہوئی اور سوم پنجم ششم شرطیت کے لیے اس لیے سوم و ششم کی جزا لفظاً موجود ہے اور پنجم کی جزا محذوف منوی ہے۔ لَوْلَا توبیخیہ کا تعلق ماضی سے ہے بمعنی ایسا کیوں نہ ہوا۔ لَوْلَا تحضیضی کا تعلق مستقبل سے ہے بمعنی ایسا کیوں نہیں کرتے۔ لَوْلَا امتناعیہ کا تعلق بھی ماضی سے ہے بمعنی ہے کہ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایسا ہو جاتا۔ اِذْ ظرفیت زمانی کے لیے بمعنی جس وقت سَمِعْتُمُوْهُ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر۔ در اصل ہے سَمِعْتُمْ واؤ برائے تفخیم ہے۔ سَمْعٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہٗ ضمیر مفعول بہ کا مرجع اِفْکٌ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر ظرف مقدم ہے۔ اس مقدم پہلے ہونے سے جھڑک کی سختی ظاہر ہوئی ظَنَّ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر بمعنی ماضی تمنائی۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ وَ الْمُؤْمِنٰتُ معطوف علیہ معطوف فاعل ہے ظَنَّ کا۔ بِ جارہ فوقیت کے لیے۔ اَنْفُس۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے نَفْسٌ ترجمہ ہے شخصیات ھِمْ ضمیر جمع مذکر غائب بمعنی اپنی یہ مضاف و مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور۔ متعلق ہے ظَنَّ کا خَیْرًا۔ اسم حاصل مصدر جامد بمعنی اچھائی۔ بھلائی نیکی۔ مراد ہے پاکدامنی۔ مفعول بہ ہے ظَنَّ کا یہ سب فعل فاعل مفعول بہ ظرف مقدم اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ ظَنَّ کا بمعنی ماضی تمنائی اور جملہ کا انشائیہ ہونا لَوْلَا توبیخی کی وجہ سے ہے۔ واؤ دوسرے جملہ بعض نے کہا عاطفہ ہے اور عطف ظَنَّ کے جملہ پر ہے۔ قَالُوْا فعل ھُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا یہ قَالُوْا ماضی مطلق بھی لَوْلَا کی وجہ سے بمعنی ماضی تمنائی ہے۔ ترجمہ ہے اور کیوں نہ کہا یا کہہ دیا۔ هٰذَآ۔ اسم اشارہ قریبی بمعنی یہ۔ اس کا مشار الیہ ہے وہی منافقین کی تہمت و شرارت۔ هٰذَآ مبتدا۔ اِفْكٌ موصوف مُّبِیْنٌ۔ باب اِفعال کا اسم فاعل بمعنی اسم مفعول ترجمہ ہے کھلا ہوا یہ صفت ہے اِفْکٌ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے هٰذَآ مبتدا کی دونوں مل

marfat.com

کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہے قَالُوْا کا۔ یہ قول مقولہ جملہ قولیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِيْ تَوَلّٰى كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱﴾ ۔اور بیشک وہ بد بخت منافق لوگ جو محض شرارت و فتنے کی نیت سے اپنی گھٹیا ذہنیت سے بالکل بناوٹی حقیقت کے خلاف ایک بات بنا کر لے آئے وہ لوگ تم مسلمانوں میں ہی شامل ایک شرارتی منافقوں کا ٹولہ ہے تفاسیر و احادیث میں کل منافقین کی تعداد تین سو بتائی گئی۔ اِفک بنانے میں منافقین کا سردار عبداللہ بن ابی ابن سلول عبداللہ منافق کے باپ کا نام ابی اور ماں کا نام سلول تھا۔ تمام منافقین یہودی تھے اور یہودی منصوبہ کے تحت صرف زبانی مسلمان ہوئے تھے مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے یہودیوں کی منافقت ان کی پرانی عادت ہے۔ اس کا دوسرا ساتھی زید بن رفاعہ بن زید یہودی منافق اس کا تیسرا ساتھی مُعجب بن ریاض یہودی منافق۔ ان تینوں نے یہ بہتان بنایا اور باقی منافقین نے دلچسپی سے اس کو پھیلایا اور چند مخلص نادان مسلمانوں کو بھی اس افک میں ورغلایا۔ لیکن ان کی ورغلاہٹ میں صرف تین مسلمان مبتلا ہوئے اور کوئی اس شرارت شیطانی میں شامل نہ ہوا۔ ان تین مسلمانوں کے نام حسان بن ثابت اور مسطح بن اثاثہ بن عباد بن مطلب ان کا اصل نام عوف بن اثاثہ ہے۔ لفظ مسطح کا لغوی ترجمہ ہے خیمہ (از روح البیان) شاید یہ خیمہ سازی کرتے ہوں گے اور تیسری شخصیت حمنہ بنت جحش اسدیہ تھیں۔ یہ چھوٹی بہن تھیں اُمُّ المومنین زینب بنت جحش کی۔ کچھ مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ اس شرارت میں فقط اپنی بہن زینب کو اپنے گمان میں خوش کرنے کے لیے شامل ہوئیں کیونکہ حضرت صدیقہ سوکن یعنی سوت تھیں زینب کی۔ بھلا اس کے سوا حمنہ کا اور کیا مقصد ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت زینب بذات خود حضرت صدیقہ کی ثنا گو تھیں اور اپنی چھوٹی حمنہ کے اس کردار سے سخت ناخوش۔ ان تینوں کا کام ان دنوں یہ تھا کہ ہر محفل مجلس اور گلی محلے میں اس افک کو سوالیہ انداز میں مشہور کرتے پھرتے تھے کوئی مسلمان ان کو جھڑک دیتا کوئی انکار کرتا اور کوئی بالکل خاموش رہتا۔ کوئی ان کی ہی طرح کا کچے ایمان والا مذبذب ہو جاتا۔ یہ لوگ تو اپنے اپنے خیال میں کوئی حضرت صفوان بن معطل کو بدنام کر رہا تھا کوئی حضرت زینب کی خوشی کی خاطر۔ مگر یہ دھیان ان تینوں میں سے کسی کو نہ آیا کہ ہماری اس بدکرداری سے ہمارے اس آقا غیب جاننے والے نبی رحمۃ عالمین ﷺ کو کتنی رنجیدگی پہنچ رہی ہے جو ہمارے قلبی ارادوں کو بھی جانتے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ بھی احساس نہ رہا کہ خود ہماری تا قیامت کتنی ذلت بن رہی ہے۔ منافقوں سے یہ بد خصلتی کچھ بعید نہ تھی وہ تو ازل کے بدتر۔ جنم کے شرارتی اور ابد کے جہنمی ہی ہیں۔ کم از کم ان تین مسلمانوں کو تو عقل سے کچھ سوچنا چاہئے تھا بلکہ حق ایمان تو یہ تھا کہ ان منافقوں کا منہ توڑنا چاہئے تھا۔ اس قذف افک سے پانچ شخصیات کو ذاتی تکلیف پہنچی۔ ۱۔ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کو۔ ۲۔ اُمُّ المومنین جناب صدیقہ کو۔ ۳۔ ان کے والد صدیق اکبر کو۔ ۴۔ صدیقہ کی والدہ اُمِّ رومان زینب بنت دہمان کو۔ ۵۔ صفوان بن معطل سلمی ثم ذکوانی کو۔ ان شخصیات مقدسات کو منافقین اور ان تین احمقین مخلصین پر ان کی اس فتنہ انگیزی کی وجہ سے غم و غصہ بھی تھا اور صبر و تحمل بھی۔ ان کی ہی تسلی و تشفی کے لیے یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اس واقعے کو اپنے لیے نقصان دہ شر مت سمجھو بلکہ تا قیامت دنیا و آخرت میں خیر ہے تمہارے لیے۔ اس جملہ مبارکہ میں چار

marfat.com

شخصیات سے خطاب ہے۔ صدیقِ اکبر۔ اُمِ رومان زوجہ صدیقِ اکبر۔ حضرت صدیقہ اور صفوان بن معطل و دیگر مخلصین سے۔ فرمایا یہ جارہا ہے کہ اے غمزدہ صبر وتحمل کرنے والے مسلمانو یہ شرارت وفتنہ انگیز واقعہ اگر چہ ظاہراً بہت بڑا شر ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اس شر کو تمہارے لیے تا قیامت عظیم وکبیر خیر بنا دیا اور منافقین نے جو ارادے ومنصوبے بنائے تھے وہ ان پر ہی الٹے پڑ جائیں گے۔ لہٰذا اے مسلمانو تم اس شرارت کو اپنے لیے شر اور مصیبت گمان نہ کرو بلکہ حقیقۃ منافقوں کی یہ فتنہ پرور چالیں تمہارے لیے خیرِ کثیر بنتی چلی جائیں گی چنانچہ پانچ وجہ سے یہ افک ان مسلمانوں کے لیے خیر بن گئی۔ ۱۔ افک سے غم اور غم پر صبر اور صبر سے دائمی ثواب۔ ۲۔ تا قیامت حضرت صدیقہ کی پاکدامنی کا چرچا۔ ۳۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں پاکدامنی بیان فرما کر تا قیامت حضرت صدیقہ کی عفت وعزت کو مسلمانوں کے ایمان کا ایک حصہ بنا دیا۔ جو مسلمان سارے ایمانیات کو مانے مگر حضرت صدیقہ کی پاکدامنی کو نہ مانے وہ مومن نہیں ہوسکتا۔ ۴۔ قاذفین کو قیامت تک کی ذلت ملی۔ ۵۔ خود رب تعالیٰ نے پاکدامنی بیان فرمائی اور اس قذف کو افک اور بہتان فرمایا یعنی یہ تہمت تو بالکل ہی خلاف حقیقت ہے۔ مقصد فرمان الٰہی یہ ہے کہ چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت صدیقہ کی ثنا خوانی ومدح سرائی کی جاتی کیونکہ حضرت صدیقہ فضیلت میں اکمل عفت میں اعلیٰ حسب ونسب میں بالا علم، عقل، شرافت، دیانت، صداقت، فقاہت، حقانیت میں مقام کمال پر اور اولوالعزم زوجیت والی۔ اس واقعے سے بہت سے لوگوں کا کردار ابھر کر سامنے آگیا۔ کھوٹا کھرا اور کم عقل کمزور ایمان والا مسلمان پہچانا گیا۔ منافقت تا ابد ظاہر وفاش ہوگئی۔ اخلاقیات اسلامی کے قوانین وضابطے مسلمانوں کو بتائے گئے اور مسلم معاشرے کو ہمیشہ کے لیے برائیوں بداخلاقیوں، بہتان بازیوں کی پیداوار سے بچایا گیا اس لیے یہ واقعہ شر سے زیادہ خیر بن گیا۔ دنیا میں شر بھی موجود ہے اور خیر بھی۔ شر وہ ہوتا ہے جس کا نقصان اس کے نفع سے زیادہ ہو۔ خیر وہ ہوتا ہے جس کا نفع اس کے نقصان سے زیادہ ہو۔ وہ شر جس میں خیر بالکل نہیں وہ جہنم ہے وہ خیر جس میں شر بالکل نہیں وہ جنت ہے (از قرطبی) تاریخ قرآنی میں چار تہمتوں کا ذکر ہے۔ **اول** تہمت یوسف علیہ السلام کو لگی تو ان کی پاکدامنی اہل زلیخا کے ایک شیر خوار بچے نے دی۔ **دوم** حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہودیوں نے نامردی کی تہمت آپ کی حیات داری پردہ نشینی کی وجہ سے لگائی تو پتھر آپ کے کپڑے لے کر بھاگ گیا اور یہودیوں کے اجتماع میں آپ کو پیچھے بھگاتے ہوئے لے آیا اور اس تہمت کو مٹایا۔ **سوم** حضرت مریم کو یہودیوں نے تہمت لگائی تو حضرت مسیح علیہ السلام نے شیر خوارگی میں اپنی والدہ مریم رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی پاکدامنی بیان فرمائی۔ **چہارم** لیکن جب زوجہ محبوب ﷺ حضرت صدیقہ کو خبثاء زمانہ نے تہمت لگائی تو رب تعالیٰ نے قرآن مجید کی ان ہی اٹھارہ آیات میں خود صدیقہ کی پاکدامنی بیان فرمائی۔ سابقین کے وہ واقعات وحالات تاریخی قصے بن گئے مگر عفت صدیقہ کے چرچے تا قیامت تلاوتوں، تفسیروں منبروں محرابوں میں، عفت صدیقہ جزو ایمان، تہمت کا عقیدہ کفر وضلالت سابقہ تہمتوں کو افک نہ فرمایا گیا مگر تہمت صدیقہ کو بزبان قرآن اِفۡكٌ مُّبِيۡنٌ بھی بہتان عظیم بھی فرمایا گیا یہ وہ چند خصوصیات ہیں جو اولین وآخرین میں بجز صدیقہ کسی کو نہ ملیں۔ تاریخ اسلام میں دو عورتیں تمام مسلمانوں کے لیے قابل فخر ہیں۔ **ایک** ام المومنین حضرت زینب کہ ان کا نکاح نبی کریم ﷺ کے ساتھ خود رب تعالیٰ نے قائم فرمایا۔ چنانچہ سورۃ احزاب آیت ۳۷ میں ہے۔ فَلَمَّا قَضٰى زَيۡدٌ مِّنۡهَا وَطَرًا زَوَّجۡنٰكَهَا۔ **دوم** ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ

marfat.com

تعالٰی عنہا کہ ان کی پاکدامنی خود رب تعالٰی نے بیان فرمائی ان وجوہ سے اس شرارت منافقین کو بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ فرمایا گیا۔ اور اے مسلمانو یہ بھی ذہن نشین کرلو کہ اس تہمت افک میں ان منافقین و احمقین میں جن لوگوں نے جتنی شرارت کمائی اور اپنے اوپر جتنا گناہ کمایا اس کو اتنی ہی شرعی سزا دی جائے گی اور اب تا حشر یہ شرعی اسلامی قانون بنا دیا گیا ہے کہ جو بدبخت محصنات غافلات مومنات عفت مآب عورتوں کو افک جیسی جھوٹی تہمت لگائیں گے ان کو وہی سزا ہوگی جو حضرت صدیقہ کے قاذفین و مشتہرین کو دی جائے گی۔ افک صدیقہ کے مجرم سات قسم کے لوگ ہوئے۔ ۱۔ کسی نے افک کی بناوٹ کی۔ ۲۔ کسی نے بناوٹ میں تعاون کیا۔ ۳۔ کسی نے تائید کی۔ ۴۔ کسی نے تشہیر کی۔ ۵۔ کسی نے ہنسی اڑائی۔ ۶۔ کسی نے دلچسپی دکھائی۔ ۷۔ کسی نے خاموشی اپنائی۔ چنانچہ مجرم اول کو دگنی سزا قذف یعنی ایک سو ساٹھ کوڑے، مجرم دوم کو اسی کوڑے قذف کی شرعی حد، مجرم سوم کو تعزیری سزا، مجرم چہارم کو توبہ دنیوی کی سزا، مجرم پنجم کو اعتراف گناہ کی سزا، مجرم ششم کو ندامت و ذلت کی سزا، مجرم ہفتم کو عتاب الٰہی کی سزا۔ پھر کسی کو دنیا میں بھی سزا آخرت میں بھی، کسی کو قبر، حشر جہنم کی سزا کسی کو ابدی کسی کو عارضی، کسی کو شرعی سزا کے علاوہ معذوری کی سزا، عبرت بھی۔ حسان آنکھوں سے نابینا ایک ہاتھ سے معذور مسطح کی بینائی ٹیڑھی ہوگئی تھی وہ راستوں میں ٹھوکریں کھا کر گرتے تھے اور حمنہ کو مرگی، ذہنی الیخولیا کی بیماری لگ گئی تھی ان تینوں کو اسی اسی کوڑے بھی حد قذف میں لگائے گئے۔ مگر یہ تینوں سچی توبہ کرنے پچھتانے اور حضرت صدیقہ سے معاف کرا لینے کی وجہ سے آخرت میں مرحوم و مغفور ہیں اور البتہ وہ بدبخت منافق جو ان قاذفین میں سب سے بڑا شرارتی فتنہ پرور فساد کا ہر مچانے والا اس کے لیے تو بہت ہی بڑا عذاب الیم و عظیم ہے دنیا میں منافقت کا پردہ فاش کر دنیا میں ذلت قبر میں سرمت حشر میں منہ کالا دوزخ کا نوالہ۔ پل صراط سے پھسلنا، جہنم میں گرنا، نہ دنیوی پچھتاوا کام آیا نہ رونا دھونا مفید ہوا کیونکہ منافقوں کا پچھتانا بھی توبہ کا نہ تھا اپنے منصوبے کی ناکامی کا تھا کہ ہائے میرا منصوبہ میری ہی ذلت ابدی بن گیا یہ منصوبہ تو مسلمانوں کو ورغلانے، نبوت کو ستانے اسلام کو ناکام بنانے، چادر عفت پر بدنامی کا جھوٹا داغ لگانے، کامیابی اسلام پر خوش ہوتے مسلمانوں کو رلانا یہودیوں کے منصوبے کا جال پھیلانا تھا مگر آیات قرآن نے نازل ہو کر اقوام عالم کے سامنے میری کمر توڑ حالت بنادی۔ مکاری یہودیت، عیاری نصرانیت کے پول کھل گئے اور جن کو میں رسوا کرنا چاہتا تھا ان کو حکمت الٰہی قدرت صبر و تحمل مصطفائی سے مزید ترقی کے انوار روشنی کے مینار، عزت وقار، اعلیٰ کردار کے تمغات مل گئے۔ کاش یہ آیات نازل نہ ہوتیں اور نبی کریم خود ہی حد قذف کا ثبوت مانگ کر فیصلہ فرمادیتے سزائے قذف لگا دیتے بات ختم ہو جاتی۔ لیکن ایسا نہ کیا گیا آخر کیوں؟ نبی کے علم غیب نے کیا جانا اور ان کی دور و نزدیک کو دیکھنے والی نگاہ اعجازی نے کیا دیکھ لیا تھا۔ ایک ماہ تک خاموش رہے ظاہراً پریشان تھے باطناً مطمئن تھے۔ ہائے افسوس، نہ ان کو ہم ستاتے اور نہ وہ غمگین یوں ہوتے۔

نہ کھلتے کفر سربستہ نہ یوں رسوائیاں ہوتیں

تاریخوں میں ہے کہ اس ذلت کے بعد ابن ابی تاعمر کبھی سر اٹھا کر نہ چلا۔ اپنی اس ذلت کا شدت سے احساس تھا اور تھوڑے عرصے بعد اسی ذلت میں مرگیا۔ اے چند نادان مسلمانو! وہ تو منافق تھا اس نے تو ایسا ہی کردار بد دکھانا تھا مگر تم کو کیا ہوگیا تھا۔ تمہارا جذبہ ایمانی، قوت عرفانی، جرأت ایقانی کیوں سرد اور زبان حقانی کیوں خاموش رہی۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ

marfat.com

ٱلْمُؤْمِنُونَ وَٱلْمُؤْمِنَٰتُ بِأَنفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا۟ هَٰذَآ إِفْكٌ مُّبِينٌ ⑫ ۔ایسا کیوں نہ ہوا کہ جس وقت تم لوگوں نے منافقوں کی اس بناوٹی بکواسیات کو سنا تھا تو اسی وقت بلا جھجک فوراً تصدیق قلبی یقین عقلی سے گمان کرلیا ہوتا سب مومن مردوں اور مومنہ عورتوں نے اپنے دل میں بھی اور آپس میں بھی خیر و عافیت اور بھلائی کا اور منافقین قاذفین سے بڑھ چڑھ کر بلند و بالا طریق سے پاکدامنی کا چرچہ مشہور کرتے ہوئے سب سے کہتے کہ یہ تہمت سازی شرارت بازی کھلی ظاہر ظہور افک ہے باطل خلاف حقیقت بناوٹی بات ہے۔ تمہاری اس خاموشی و حیرانگی سے تو بد بختوں کے حوصلے شرارتی کردار اور بڑھ گیا۔ اے لوگو یہ افک صدیقہ قاذفین کا جرم اور تمہارا امتحان تھا جس میں تم کامیاب نہ ہوئے۔ بِأَنفُسِهِمْ کا اصل معنی ہے اپنوں سے اصطلاحی معنی ہے اپنے آپ سے۔ یہاں اس لفظ مرکب نے یہ درسِ عظیم عطا فرمایا کہ سب مومن ملت واحدہ کی لڑی میں ایک جسم و جان کی مثل مسلمان اعضاء یک دیگر اند۔ حضرت نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ فِي تَوَاصُلِهِمْ وَتَرَاحُمِهِمْ كَمَثَلِ الْجَسَدِ إِذَا وَجَعَ بَعْضُهُ بِالسَّهَرِ وَالْحُمَّى وَجَعَ كُلُّهُ ۔یعنی آپس کی ملنساری اور رحم دلی میں مسلمانوں کی مثال ایک جسم کی طرح ہے کہ جب جسم کا کوئی حصہ بے خوابی یا بخار سے تکلیف میں ہو تو سب جسم تڑپ اٹھتا ہے۔ دوسری حدیث مقدس میں ہے۔ عَنْ أَبِي بُرْدَه قَالَ النَّبِيُّ ﷺ الْمُؤْمِنُونَ لِلْمُؤْمِنِينَ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا ۔حضرت ابی بردہ سے روایت ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے سب مومن ایک دوسرے کے لیے ایک قلعے کی مثل ہیں کہ بعض بعض سے مضبوطی حاصل کرتا ہے لہٰذا کسی مسلمان کو کسی مسلمان سے تکلیف نہیں پہنچنی چاہیے۔ تو اس شخص سے زیادہ بد بخت کون ہوگا جس کے قول و عمل سے آقا ﷺ کو رنج و غم پہنچے۔

افک کا واقعہ

بخاری و مسلم اور دیگر بعض کتب احادیث اور ان سے منقول تمام تفاسیر میں واقعہ افک اس طرح مذکور ہے کہ غزوہ بنی مصطلق جس کو علاقائی نام سے غزوہ مریسیع بھی کہتے ہیں یہ جہاد قبیلہ بنی خزاعہ کی ایک شاخ بنی مصطلق سے مقام مریسیع میں ہوا تھا۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے سات منزل دور ہے ایک منزل پچاس میل دور ہوتی ہے گویا ساڑھے تین سو میل دور مریسیع ایک بڑے کنویں کا نام تھا اسی کے نام پر علاقہ کا نام بھی مریسیع ہوگیا یہ غزوہ غزوات اسلامیہ میں اٹھارہواں تھا ۵ ھ یا ۶ ھ میں ہوا تھا۔ بروز دوشنبہ چند گھنٹے لڑائی ہوئی کفار نے زبردست شکست کھائی۔ دس کافر مارے گئے چالیس گرفتار ہوئے اکثر مسلمان ہو گئے۔ واپسی سے پہلے آقا ﷺ کے حکم سے سب قیدیوں کو بلا معاوضہ آزاد کر دیا گیا۔ کفار نے ایسا اخلاق حسن زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا بہت متاثر ہوئے اور سب مسلمان ہوگئے۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں اس غزوے کی طرف روانگی سے ایک دن پہلے حسب قاعدہ ازواج پاک میں ہمراہی کے لیے قرعہ ڈالا گیا۔ فرماتی ہیں نام میرا نکلا اس لیے میں ساتھ گئی۔ واپسی ایک منزل میں ٹھہرے رات گزاری جب بعد نماز فجر کوچ کا نقارہ بجا تو مجھے حاجت ہوئی اور میں جنگل کی طرف نکل گئی جب فارغ ہوکر لوٹنے لگی تو میں نے محسوس کیا کہ میرا قیمتی ہار جو شادی میں میری والدہ نے مجھے دیا تھا وہ گلے میں نہیں ہے میں اسے ڈھونڈنے لگی وہ ہار کالے اور سفید یمنی موتیوں کا تھا قیمت بارہ درہم تھی۔ اتنی دیر میں قافلہ اگلی منزل کی طرف چل پڑا

marfat.com

خادمین نے میری ہودج پالکی اٹھا کر اونٹ پر باندھ دی اور اٹھانے والے دونوں بندوں کو احساس بھی نہ ہوا کہ میں اس میں نہیں ہوں کیونکہ میں دبلی پتلی ہلکی پھلکی لڑکی تھی اس وقت حضرت صدیقہ کی عمر تقریباً پندرہ سال تھی۔ جب مجھے ہار مل گیا تب میں وہیں واپس آئی۔ دیکھا کہ سب میدان خالی پڑا ہے۔ میرا دل تو بہت پریشان ہوا لیکن یہ خیال کر کے آگے جس منزل پر اتریں گے تو مجھے نہ پا کر واپس لوٹیں گے۔ میں ایک پتھر سے ٹیک لگا کر لیٹ گئی اور مجھے نیند آ گئی۔ تھوڑی ہی دیر میں صفوان بن معطل سلمی ذکوانی جن کو اس سفر میں صرف اس لیے پیچھے رکھا تھا کہ وہ روانگی قافلہ کے بعد آئیں تاکہ قافلے کے پڑاؤ سے گزریں اور جس کی کوئی چیز پڑاؤ میں رہ گئی ہو وہ لیتے آئیں۔ جب صفوان وہاں پہنچے تو انہوں نے دیکھا کہ کوئی آدمی وہاں سو رہا ہے۔ ذرا قریب پہنچے تو انہوں نے مجھے پہچان لیا کیونکہ حکم پردہ کے نزول سے پہلے انہوں نے مجھے دیکھا ہوا تھا۔ انہوں نے زور سے پڑھا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ؁ پردے کی آیات ۳ھ میں نازل ہو چکی تھیں۔ یہ آواز سن کر میں جاگی اور میں نے فوراً اپنی چادر سے منہ ڈھک لیا۔ صفوان نے اپنا اونٹ بٹھایا اور میں اچھی طرح اپنی چادر میں لپٹ کر اونٹنی پر بیٹھ گئی۔ صفوان نے بجز اِنَّا لِلّٰهِ کے کوئی بات تمام راہ نہ کی۔ میں سارے راہ یہ پڑھتی رہی حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ دوپہر تک ہم قافلے میں پہنچ گئے۔ قافلے کی ابتدا میں ہی عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کا قیام تھا۔ عبداللہ نے کسی سے پوچھا کہ اب کون وارد ہوا ہے اس کے کسی ساتھی نے آواز لگائی کہ یہ عائشہ اور صفوان ہے۔ بس یہیں سے اس نے منصوبہ بنا لیا۔ حضرت صدیقہ کو اس سے آگے کچھ پتہ نہیں راویات واقعہ کہتے ہیں کہ اگلی منزل مدینہ منورہ پہنچنے تک عبداللہ ابن ابی اور اس کے ساتھیوں نے قافلے میں کھلبلی مچا دی۔ کہتے پھرتے کہ عائشہ صفوان سے بچ نہیں سکتی۔ کسی سے کہتا کہ دیکھو تمہارے نبی کی بیوی نے کیا کیا۔ حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ مدینہ منورہ پہنچ کر میں بیمار ہو گئی اور شہر کے اندر ان دس بارہ دنوں میں جو میرے خلاف چرچا ہو رہا تھا مجھے اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں تھا ہاں البتہ میں اتنی تبدیلی محسوس کر رہی تھی کہ نبی کریم ﷺ کچھ فکر مند رہتے تھے گھر میں بہت کم آتے اور میری طرف بھی پہلے جیسا لطف و کرم نہ فرماتے۔ ایک دن صبح اندھیرے میں اپنی پھوپھی ام مسطح بنت ابی رھم بن عبد مناف کے ساتھ جنگل گئی۔ ان دنوں ابھی گھروں میں بیت الخلا نہ ہوتے تھے۔ جب فارغ ہو کر واپس آ رہی تھیں تو ام مسطح نے اپنے کمبل سے الجھ کر ٹھوکر کھائی اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا۔ تَعِسَ الْمِسْطَحُ۔ یعنی مسطح ہلاک ہو۔ یہ سن کر میں نے حیرانی سے کہا اے پھوپھی کیا آپ اپنے بیٹے اور غازی بدر کو بددعا دے رہی ہیں۔ انہوں نے جواباً کہا اے غافل بھولی لڑکی کیا تجھے پتہ نہیں کہ وہ کیا بکتا پھر رہا ہے۔ میں نے پوچھا کیا کہہ رہا ہے۔ تب انہوں نے مجھے مسطح اور منافقوں کی ساری بات بتائی یہ سن کر تو میرے ہوش اڑ گئے غم سے بیماری زیادہ ہو گئی گھر آ کر بمشکل نماز فجر پڑھی اور بستر پر گر پڑی۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور مجھے ایسے پڑے دیکھا تو فرمایا كَيْفَ تِيْلِسا۔ اے عائشہ کیسی ہو۔ میں نے عرض کیا مجھے میکے بھیج دیجئے آپ نے مجھے ایک غلام کے ساتھ میکے بھیج دیا۔ میرا میکہ قریب ہی تھا۔ یہ واقعے کا تقریباً بیسواں دن تھا۔ ادھر واقعے کے تقریباً دسویں دن آقا ﷺ نے منبر پر تشریف فرما ہو کر مجمع عام میں فرمایا۔ فَوَ اللّٰهِ مَا عَلِمْتُ عَلٰى اَهْلِ بَيْتِيْ اِلَّا خَيْرًا۔ وَلَقَدْ ذَكَرُوْا رَجُلًا مَا عَلِمْتُ عَلَيْهِ اِلَّا خَيْرًا وَمَا كَانَ يَدْخُلُ فِيْ بَيْتِيْ اِلَّا مَعِيْ۔ ترجمہ: واللہ میں اپنے اہل بیت میں سوائے خیر کے کچھ نہیں پاتا اور جس شخص کو یہ مردود منافقین بدنام کر رہے ہیں میں اس میں بھی

marfat.com

بھلائی کے سوا کچھ نہیں پاتا وہ جب بھی میرے گھر آیا تو میرے ساتھ ہی آیا۔ تم میں سے کون مجھے اس منافق کے بارے میں معذور رکھے گا یعنی اگر میں اس کے خلاف قدم اٹھاؤں تو کسی کو برا نہ لگے یہ دیگر منافقوں یا اس کے غیر مسلم قبیلے کی طرف اشارہ تھا۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اٹھ کر عرض کیا۔ یا سیدی یا رسول اللہ اگر وہ شخص میرے قبیلے اوس کا ہے تو میں اس بدبخت کو قتل کر دوں گا اور اگر وہ بنی خزرج کا ہے تو آپ جو حکم فرمائیں کر گزروں گا اس پر بنی خزرج کے سردار سعد بن عبادہ حضرت ابن معاذ اور ان کے چچا زاد بھائی اسید بن حضیر سے قومی طرفداری میں کچھ تلخ کلامی کرنے لگے۔ عبداللہ بن ابی مردود بھی بنی خزرج سے تھا۔ تفسیر روح البیان ششم ۱۲۵/ اور مدارج چہارم ۸۷ ۳ پر ہے کہ پھر فاروق اعظم نے ابن عبادہ کو جھڑکا اور شور کو ٹھنڈا کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں عائشہ صدیقہ کی پاکدامنی اور عفت اعلیٰ کی اس لیے کہ ہم نے دیکھا ہے آپ کے جسم اقدس پر گندی مکھی نہیں بیٹھ سکتی تو جس اللہ تعالیٰ نے آپ کے جسم پاک کو اس مکھی سے بچایا جو گندگی پر بیٹھتی ہے تو بھلا گندی عورت کو آپ کی زوجیت کا شرف کس طرح عطا فرماتا۔ پھر عثمان غنی کھڑے ہو کر عرض کرنے لگے۔ یا سیدی یا رسول اللہ میں گواہی دیتا ہوں صدیقہ کی پاکدامنی کی اس لیے کہ ہم سب نے دیکھا ہے، آپ کا سایہ نہیں ہے نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں تاکہ آپ کے سائے پر کسی کا پیر نہ پڑے جب رب تعالیٰ کو آپ کے سائے کی بے ادبی پسند نہیں اس لیے آپ کے سائے کی حفاظت فرمائی تو کس طرح ہو سکتا ہے کہ آپ کی شریک حیات کی حفاظت نہ فرمائے بدکرداری تو درکنار یہاں تو بدنگاہی بھی محال و ناممکن ہے۔ یہ دونوں کلام تمام صحابہ وغیرہ نے سنے مگر کسی نے بھی نہ انکار کیا نہ حیرانی کا اظہار کیا کیونکہ تمام لوگ دن رات یہ دونوں معجزے دیکھتے تھے۔ پھر اسی مجمع عام میں مولیٰ علی کھڑے ہوئے اور عرض کیا میں گواہی دیتا ہوں حضرت صدیقہ کی پاکدامنی کی، اس لیے کہ ابتدائی ایام میں ہم سب باجماعت نماز مع جوتیوں کے ادا کر رہے تھے تو آپ نے دوران نماز جوتیاں اتار دیں ہم سب نے بھی اتار دیں یہ سمجھ کر کہ شاید حکم شرعی بدل گیا۔ مگر آپ نے سلام پھیر کر فرمایا حکم نہیں بدلا بلکہ جبرائیل نے مجھے کہا کہ آپ کی نعلین میں کچھ گھناؤنی چیز لگی ہے تو میں نے بحکم ربی اپنی جوتیاں اتار دیں۔ یا آقا جب اللہ تعالیٰ کو آپ کی نعلین پر گھناؤنی چیز پسند نہیں تو آپ کے لیے گندی عورت کیسے منتخب فرما سکتا ہے۔ ادھر ایوب انصاری کے والد خالد بن زید کی گفتگو اپنی بیوی سے ہوئی آپ نے اپنی بیوی ام ایوب سے پوچھا۔ کیا تم نے کچھ سنا ہے۔ بولیں ہاں سنا ہے۔ خالد بن زید نے پوچھا تم اس کے بارے میں کیا کہتی ہو۔ بیوی نے جواب دیا۔ اگر میں عائشہ کی جگہ ہوتی تو کیا رسول اللہ سے خیانت کر سکتی تھی ہرگز نہیں۔ عائشہ تو مجھ سے بھی خیر ہیں۔ پھر کہا اور اگر تم اے ابو ایوب صفوان کی جگہ ہوتے تو کیا کسی ناجائز حرکت کا تصور بھی کر سکتے تھے۔ ابو ایوب نے فرمایا۔ نعوذ باللہ ہرگز نہیں۔ بیوی نے کہا۔ تو صفوان تم سے بھی خیر ہیں۔ یہ بات بھی آقا ﷺ تک پہنچی ان ہی دنوں میں خود نبی کریم ﷺ نے اپنی زوجہ زینب بنت جحش سے پوچھا کہ تم نے بھی عائشہ میں کوئی عیب دیکھا۔ تو انہوں نے عرض کیا۔ قسم ہے رب تعالیٰ کی میں نے عائشہ میں خیر کے سوا کبھی کچھ نہیں دیکھا اس کی پاکدامنی کی گواہی تو فرشتے بھی دیتے ہیں۔ آقا ﷺ ان تمام صحابہ و صحابیات کی یہ پاکیزہ باتیں سن کر مسرور ہوئے۔ صدیقہ فرماتی ہیں کہ جب میں میکے پہنچی تو والدہ سے پوچھا کہ میرے متعلق یہ کیا باتیں اڑ رہی ہیں۔ والدہ نے فرمایا۔ بیٹی تو غم نہ کر۔ کیونکہ جو بیوی اپنے شوہر کی محبوبہ ہو اور اس کی سوکنیں بھی بہت ہوں اس کے خلاف ایسی باتیں اڑا ہی کرتی ہیں۔ میں نے

marfat.com

پوچھا کیا والد محترم کو اس کے متعلق پتہ ہے۔ بولیں ہاں پتہ ہے۔ پھر میں نے پوچھا کیا رسول اللہ کو بھی پتہ ہے۔ والدہ بولیں ہاں یہ سن کر تو میری حالت بگڑ گئی۔ بس دن رات رونا ہی رونا تھا نہ رات کو نیند نہ دن کو چین۔ دس دن تک میں ایسی ہی مضطرب رہی۔ ایک دن مجھے خواب میں ایک بزرگ نے فرمایا۔ یہ دعا پڑھا کرو اَللّٰھُم یَا دَافِعَ النِّقَمِ وَیَاسَابِغَ النِّعَمِ وَ یَا فَارِجَ الْغَمِ وَ یَا کَاشِفَ الظُّلَمِ وَ یَا عَادِلُ مِنْ حُکْمٍ وَ یَا حَسِیْبُ مِنْ ظُلْمٍ وَ یَا اَوَّلُ بِلَابِدَایَۃٍ وَیَا آخِرُ بِلَا نِھَایَۃٍ اِجْعَلْ لِّیْ مِنْ اَمْرِیْ فَرَجًا وَّ مَخْرَجًا یہ دعا پڑھتے رہنے سے مجھے بہت سکون ملا۔ بنی امیہ سے ایک روایت ہے کہ ایک دن نبی کریم ﷺ نے اسامہ بن زید اور مولیٰ علی کو بلایا اور پوچھا کہ تم کیا کہتے ہو تو اسامہ نے عرض کیا کہ حضرت صدیقہ میں خیر ہی خیر ہے میں ان کی پاکدامنی کی گواہی دیتا ہوں۔ آپ صدیقہ کو جدا نہ کرنا۔ مولیٰ علی نے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر کوئی پابندی نہیں لگائی۔ اس کے علاوہ بھی آپ کے لیے بہت بیویاں ہیں اس سے اچھی بھی مل سکتی ہیں آپ مزید بریرہ حبشیہ لونڈی سے پوچھیں تو آقا ﷺ نے بریرہ کو بلا کر پوچھا کہ تو نے عائشہ میں کبھی کوئی شک دیکھا۔ وہ بولی کہ قسم ہے مجھ کو اللہ تعالیٰ کی میں نے اس بات کے سوا اس میں کوئی عیب نہیں دیکھا کہ کچی عمر کی وجہ سے لا ابالی بھولی بھالی غافلہ ہے یعنی نہ اپنی پرواہ نہ چیزوں کی پرواہ آٹا گوندھ کر رکھتی ہے تو سنبھالنا بھول جاتی ہے اور جب نیند آئے تو بے سدھ ہو کر سو جاتی ہے یہاں تک کہ کئی دفعہ ایسا بھی ہوا کہ کسی گلی محلے کی کوئی گھریلو بکری آئی اور کچھ آٹا کھا گئی یا منہ مار گئی۔ کہنے کا مقصد تھا کہ فاحش عورتیں تو بڑی چالاک ہوشیار فیشن پرست بناؤ سنگھار والی ہوتی ہیں۔ اس روایت میں مولیٰ علی کی طرف یہ بیہودہ اور کنایۃً قذف والی بات منسوب کرنا کسی خبیث خارجی کی بناوٹ ہے۔ مولیٰ علی اس طرح کی لغو بات نہیں کہہ سکتے سچی بات وہی ہے جو پہلے بیان ہوئی اس کے چند دن بعد غالباً قذف کو ایک ماہ گزرا تھا۔ ایک انصاری عورت میری عیادت کے لیے بیٹھی تھی وہ بھی روتی رہی میں بھی روتی رہی اتنے میں نبی کریم تشریف لے آئے اور میرے قریب بیٹھ گئے حالانکہ جب سے یہ واقعہ ہوا تھا آپ میرے قریب نہ آئے تھے۔ آپ نے حمد الٰہی سے کلام شروع فرمایا اور پھر فرمایا اے عائشہ مجھے تیرے متعلق کچھ باتیں پہنچی ہیں۔ فَاِنْ کُنْتِ بَرِیْئَۃً فَسَیُبَرِّئُکِ اللّٰہُ وَاِنْ کُنْتِ اَلْمَمْتِ بِذَنْبٍ فَاسْتَغْفِرِی اللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ لِمَنْ تَابَ۔ یعنی اے عائشہ اگر تو بری ہے تو عنقریب اللہ تعالیٰ تیری براءت بیان فرما دے گا اور اگر تو کبھی کسی گناہ کی لغزش میں خطا کر چکی ہے (جس کے وبال میں تجھ پر یہ آفت آپڑی ہے) تو اس خطا و ارادہ خطا سے معافی مانگ بیشک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے ہر اس کو جو توبہ کر لے۔ تفسیر خازن چہارم ۳۷۸ پر اَلْمَمْتِ کا یہی معنی لکھا ہے چنانچہ فرماتے ہیں۔ قِیْلَ ھُوَ مِنَ اللَّمَمِ وَ ھُوَ صَغَائِرُ الذُّنُوْبِ وَ قِیْلَ مَعْنَاہُ مُقَارَفَۃُ الذَّنْبِ مِنْ غَیْرِ فِعْلٍ۔ میں نے یہ بات سن کر اپنے والد سے کہا۔ آپ میری طرف سے جواب دیں۔ انہوں نے فرمایا۔ واللہ مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہی کہ میں کیا بولوں پھر میں نے اپنی والدہ سے کہا۔ انہوں نے یہی جواب دیا۔ تب میں بولی۔ اس وقت میرے آنسو بالکل بند ہو گئے تھے۔ میں نے کہا۔ لوگوں نے ایک بات سنی اور اس کی درستی پر کان دھر لیا۔ اب اگر میں کہوں کہ میں اس قذف سے بری ہوں تو کوئی نہیں مانے گا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے میں بری ہوں اور اگر میں اقرار کر لوں کہ بری نہیں ہوں تو سب مان لیں گے حالانکہ اللہ تعالیٰ میری پاکدامنی کو جانتا ہے۔ لہٰذا میرے پاس بھی حضرت یوسف کے والد والا جواب ہے کہ فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ ؕ وَاللّٰہُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰی مَا تَصِفُوْنَ ﴿۱۸﴾ (یوسف:

marfat.com

۱۸) یہ کہہ کر میں دوسری طرف منہ کر کے لیٹ گئی۔ اسی وقت آپ پر نزول وحی کے آثار نمودار ہوئے جبکہ ایک ماہ سے وحی بند تھی۔ سب موجود لوگ دم بخود ہو گئے۔ جب وہ کیفیۃ نزول ختم ہوئی تو آقا ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ اَبْشِرِیْ یَا عَائِشَہ۔ اے عائشہ خوشخبری لو اللہ تعالیٰ نے تمہاری پاکدامنی خود بیان فرمائی ہے۔ سب لوگ خوش ہو گئے میری والدہ نے مجھے فرمایا اٹھو نبی کریم کا شکریہ ادا کرو۔ میں فوراً بیٹھی اور میں نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور شکر ادا کیا۔ صدیقہ فرماتی ہیں میں یہ تو جانتی تھی اور یہ گمان تھا کہ ضرور کسی طریقے سے میری براءت ظاہر ہوگی تصور یہ تھا کہ کسی خواب والہام کے ذریعے براءت ظاہر کردی جائے گی۔ مگر یہ تو خیال نہ تھا کہ مجھ ناچیز حقیر بندی کو اتنی بڑی شان دی جائے گی۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

اِنَّ الَّذِیْنَ کے اِنَّ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اِنَّ مکسورہ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَنَّ مفتوحہ ہے۔ اس جملے کا تعلق سابقہ کلام تَوَّابٌ حَکِیْمٌ ⑩ سے ہونے کی وجہ سے یہ درمیان کلام میں ہے۔ مگر یہ غلط ہے سابقہ سے تعلق نہیں ہے۔ اَلْاِفْكِ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا۔ یہ الف لام عہد خارجی ہے اور افک سے مراد صرف تہمت صدیقہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ الف لام جنسی ہے اور مراد ہے اس قسم کی ہر تہمت۔ افک کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اِفْکِ ہے الف کے زیر سے۔ ۲۔ بعض کی اَفَکِ ہے الف کے زبر سے۔ اِفْک کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے قذف۔ ۲۔ بعض نے کہا افتری۔ ۳۔ بعض نے اس کا معنی کیا بہتان۔ مِنْکُمْ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے۔ تم مومنین میں ظاہراً شامل لوگ۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ تم مومنین میں خارج لوگ۔ ۳۔ بعض نے لکھا کہ یہ خطاب صرف صدیق اکبر۔ ان کی زوجہ ام رومان اور حضرت صدیقہ اور صفوان بن معطل ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ لَا تَحْسَبُوْهُ کی ہٗ ضمیر کے مرجع میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا مرجع اِفک ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا مرجع غم ہے۔ اَلَّذِیْنَ کی مراد میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ سے مراد صرف منافقین کیونکہ اصل قاذف وہی تھے۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ تمام شاملین مراد ہیں شَرًّا لَّکُمْ اور خَیْرٌ لَّکُمْ کے خطاب میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ خطاب صرف ان سے ہے جن کو اس خطاب سے دکھ پہنچا۔ ۲۔ بعض نے کہا اس میں خطاب ان چند مسلمانوں سے بھی ہے جو تشہیر افک میں شامل ہو گئے تھے کیونکہ وہ مزید گناہ سے بچ گئے۔ وَالَّذِیْ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس سے ابن ابی رئیس المنافقین مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد حسان بن ثابت ہیں۔ ۳۔ بنی امیہ کے خارجیوں نے کہا کہ اس سے مراد علی ہیں۔ کیونکہ انہوں نے یہ کہہ کر آپ عائشہ کو چھوڑ دیں آپ کے لیے اس سے اچھی عورتیں موجود ہیں۔ یہ درپردہ کنایۃً قذف لگانا ہی ہے اس کی بھی سزا ہے مگر یہ قول خوارج کی کذب بیانی ہے۔ مولیٰ علی نے ہرگز ایسا نہیں فرمایا۔ ان کا اصل قول تفسیر عالمانہ میں گزر گیا۔ کِبْرَهٗ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت۔ کِبْرَهٗ۔ کاف کے زیر سے ہے۔ بمعنی شرارت کی ابتدا۔ ۲۔ بعض کی کُبْرَهٗ ہے کاف کے پیش سے بمعنی بڑا گناہ۔ عَذَابٌ عَظِیْمٌ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے دنیا میں دگنی سزا اور آخرت میں قبر حشر جہنم کا ابدی عذاب۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ صرف اخروی عذاب مراد ہے کیونکہ وہی عظیم ہوسکتا ہے۔ قاذفین کی حد میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ سب کو اسی اسی کوڑے حد قذف لگی ابن ابی کو دگنی ایک سو

marfat.com

ساٹھ کوڑے۔ ۲۔ بعض نے کہا دنیا میں کسی کو سزا نہ دی گئی سب کو آخرت میں سزا ملے گی۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ پانچ شخصوں کو دنیا میں سزا دی گئی۔ ۱۔ زید بن رفاء یہودی منافق۔ ۲۔ معجب بن ریاض منافق۔ ۳۔ حسان بن ثابت۔ ۴۔ مسطح بن اثاثہ۔ ۵۔ حمنہ بنت جحش۔ مگر عبداللہ بن ابی منافق کو دنیا میں سزا نہ دی گئی مگر یہ دو قول غلط ہیں پہلا قول صحیح ہے آیات براءت کے بعد نزول حضرت صدیقہ کے کلام تشکر میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ والدہ صدیقہ نے جب صدیقہ کو حکم دیا کہ اے عائشہ رسول اللہ کا شکریہ ادا کرو تو حضرت صدیقہ نے حمد الٰہی عرض کی اور رسول اللہ خوش ہو کر باہر تشریف لے گئے۔ ۲۔ بعض وہابیوں نے لکھا کہ والدہ کے حکم پر صدیقہ نے نہایت جذباتی ہو کر کہا۔ میں سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا شکریہ ادا نہ کروں گی۔ میری براءت کے لیے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نے کچھ نہیں کیا۔ اور اس قول کی دلیل میں ایک موضوع روایت کا حوالہ بھی دیتے ہیں۔ مگر میں کہتا ہوں یہ قول وہابیوں کی بناوٹ و گستاخی صدیقہ ہے۔ یہ جذباتی بات سراسر گستاخی نبوت ہے جو انسان کو کافر بنا دیتی ہے۔ کیا صدیقہ یہ نہ جانتی تھیں کہ انہیں براءت کی یہ خصوصی و اعزازی شان اسی وجہ سے ملی کہ وہ زوجہ حبیب کریم ﷺ ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو کبھی یہ شان نہ ملتی۔ والدہ صدیقہ نے یہی جانتے ہوئے حکم دیا کہ رسول اللہ کا شکر ادا کرو اور صدیقہ نے جو حمد الٰہی کہی وہی نبی کریم کا شکریہ تھا۔ یہ خُبَثاء علیحدہ ہی چال چل گئے۔ بوقت اِفک عمر صدیقہ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا پندرہ سال یہی درست ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا چودہ سال۔ ۳۔ بعض نے کہا اٹھارہ سال خیال رہے کہ نکاح صدیقہ بعمر نو سال مکہ مکرمہ میں۔ رخصتی بعمر گیارہ ہجرت کے پہلے سال ہوئی مدینہ منورہ میں۔ بارہ سال رفاقۃ نبوی میسر آئی۔ اڑسٹھ سال کی عمر میں وفات صدیقہ ہوئی۔ اِفک کی تاریخ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا ۵ھ۔ ۲۔ بعض نے کہا ۴ھ۔ ۳۔ بعض نے کہا ۶ھ۔ پہلا قول درست ہے۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں **پہلا فائدہ:** نبی کی بیوی فاحشہ بدکارہ ہرگز نہیں ہو سکتی اگرچہ کافرہ ہو سکتی ہے اس لیے کہ بیوی کی برائی خاوند پر طعن و ذلت ہے۔ تمام کفار بھی بدکاری فحاشی سے نفرت کرتے ہیں اگرچہ کفر سے نفرت نہیں کرتے۔ انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں کفار کو مومن بنانے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں اگر ان کے گھر میں ہی فحاشی موجود ہو تو کفار کے لیے انبیاء کرام سے نفرت کا ایک بڑا بہانہ ہے اور اگر کوئی زوجہ نبی بدکارہ ہوتی تو کفار اس کو خوب مشہور کرتے کیونکہ فحاشی عادت بن جاتی ہے اور عادت کا جرم چھپا نہیں رہ سکتا لیکن تاریخ عالم گواہ ہے کہ کفار بدترین دشمن نبی ہونے کے باوجود کسی نبی کی کسی بیوی پر بدکاری کا طعنہ نہ دے سکے۔ یہ فائدہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا (الخ) سے حاصل ہوا۔ جس نے بتایا کہ اگر کوئی بدبخت کسی نبی علیہ السلام کی بیوی کو قذف لگائے تو وہ اِفکِ مُبین و بہتانِ عظیم ہی ہوگا۔ ہزارہ پاکستان کا ایک تفضیلی شیعہ گمراہ پیر اور اس کا ایک چیلہ جاہل گمراہ مفتی اپنی کتاب کی جلد چہارم ۱۴۳ پر لکھتا ہے کہ نوح علیہ السلام کا بیٹا کنعان ان کی ایک بیوی کا ناجائز بیٹا تھا اور اس بیوی نے بدکاری کی خیانت سے بیٹا جنم دیا۔ اللہ تعالیٰ اس مصنف کو دنیا و آخرت میں ذلیل کرے **دوسرا فائدہ:** جو شخص کسی برائی کا موجد ہو۔ یا ابتدا کرنے والا وہ دگنا مجرم ہے لہٰذا اس کو دنیا میں دگنی سزا اور آخرت میں عذاب عظیم ہے۔ حدیث مقدس میں ہے کہ جس نے برا طریقہ ایجاد کیا اس کو اپنے فعل بد کا بھی اور

marfat.com

تا قیامت تمام مرتکبین برائی کا گناہ بھی پڑے گا جس کا عذاب آخرت و سزا دنیا میں دگنی۔ کچھ فقہاء فرماتے ہیں کہ دگنی سزا دنیوی اور عذاب عظیم اخروی صرف ان بدبختوں کو ہوگا جو کسی بھی زمانے میں کسی بھی نبی علیہ السلام کی بیوی کو بدچلنی کی تہمت لگائیں۔ یہ فائدہ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ (الخ) کی وعید شدید سے حاصل ہوا **تیسرا فائدہ:** ازواج انبیاء علیہم السلام کو برائی کی تہمت لگانا کائنات میں سب سے بڑا جرم ہے قاذف کافر ہو جاتا ہے۔ اسی لیے قدرت و قانون کی طرف سے ایسے مجرم کو دنیا و آخرت میں چار سزائیں۔ **پہلی** حد قذف کی دگنی سزا۔ **دوم** یہ کہ سزائے کفر میں عدالت اسلامی اس قاذف کو قتل کرا دے تاکہ اس کے شرارتی وجود سے زمین پاک ہو جائے۔ **سوم** سزائے اخروی یہ کہ اگر توبہ نہ کرے تو اس کی کوئی دعا بھی قبول نہیں ہوتی اور اس کی نحوست سب متعلقین پر پڑتی ہے **چہارم** سزائے اخروی یہ کہ دنیا میں توفیق و سعادت سے محرومی بعد موت عذاب دہشت و ذلت۔ یہ فائدہ هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِيْنٌ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد و عورت پر واجب ہے کہ جب تک کسی جرم کی گواہی شرعی اور پکا ثبوت یا شہرت عامہ کا چرچا نہ ملے اس وقت تک کسی مسلمان مرد و عورت کے متعلق افواہیں پھیلانا اور غیبتیں اڑانا سخت حرام ہے ہر مومن و مومنہ کے بارے میں اچھا گمان رکھنا فرض عین ہے۔ اگر کوئی شخص بلا ثبوت کوئی تہمت یا الزام تراشی کرے گا اور دنیا میں اس الزام تراش کو سزا نہ ملے تو آخرت میں عذاب عظیم ملے گا اور نہ توبہ سے معافی ہو نہ شفاعت سے چھٹکارا کیونکہ یہ حق العبد کی حق تلفی ہے۔ یہ مسئلہ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ اگر کوئی مرد مسلمان کسی جنگل وغیرہ میں کسی بے کس بے بس گمشدہ عورت کو پائے تو خالص ایمانداری سے اس عورت کو اگر اس کی مرضی ہو تو اس کو اس کی منزل مقصود پر پہنچانا کار ثواب ہے بشرطیکہ مرد کے پاس باسہولت ذرائع ہوں اور کسی قسم کے فتنے کا خطرہ یا اندیشہ نہ ہو۔ یہ مسئلہ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا (الخ) کے فرمان سے مستنبط ہوا جس میں دلالۃً حضرت صفوان کو ان کی کارکردگی پر تحسین و تشفی فرمائی گئی۔ **تیسرا مسئلہ:** قانونِ شریعت کے مطابق اب اگر کوئی مردود و بدذات شخص حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو کسی برائی بدچلنی کی تہمت لگائے یا یہی قذف لگائے تو ایک دم کافر مرتد ہو جائے گا۔ کیونکہ اس مردود نے ان آیات قرآنیہ کا انکار کر دیا۔ بعض غالی تبرائی رافضی شیعہ اب بھی جناب صدیقہ طاہرہ کو مُتَّهِم کرتے ہیں اور گستاخی کرتے ہیں۔ معاذ اللہ تعالیٰ وہ پکے مرتد ہیں۔ یہ مسئلہ۔ لِكُلِّ امْرِئٍ اور لَهٗ عَذَابٌ عَظِيْمٌ کی وعید شدید سے مستنبط ہوا۔ توحید و رسالت کی طرح عفتِ صدیقہ پر بھی ایمان لانا فرض ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** مفسرین فرماتے ہیں کہ کسی نبی کی بیوی فاجرہ نہیں ہو سکتی حالانکہ فاجرہ ہونے کا ثبوت سورۃ تحریم کی آیت ۱۰ میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے امْرَاَتَ نُوْحٍ وَّامْرَاَتَ لُوْطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتٰهُمَا ترجمہ: نوح اور لوط علیہما السلام کی بیویوں نے اپنے خاوند نبیوں سے خیانت کی بیوی کی خیانت خاوند سے بدکاری ہی ہو سکتی ہے تو اگر انبیاء کی بیویاں فاجرہ نہیں ہو سکتیں تو قرآن نے خَانَتَا کیوں فرمایا۔

marfat.com

جواب: خیانت بہت قسم کی ہوتی ہے، خاوند بیوی ہوں یا غیر، مثلاً مال کی، راز کی، ادب احترام کی وغیرہ وغیرہ۔ ان دونوں بیویوں کی خیانت دین وایمان، ادب واحترام، راز واسرار کی تھی نہ کہ بدکاری وفحاشی کی۔ اس آیت مذکورہ کی تفسیر احادیث مقدس میں اس طرح بیان ہوئی کہ اٰذَتَا هُمَا۔ یعنی ان دونوں عورتوں نے اپنے خاوند نبی کو ایذا دی کہ نوح علیہ السلام کی ایک بیوی کافرہ رہ کر نوح علیہ السلام کو مجنون کہتی تھی اور زوجہ لوط علیہ السلام اپنی قوم کی محبت میں کافرہ رہی۔ گھر کے نبوی راز کافروں کو بتاتی تھی اور ہر بات میں آپ کی مخالفت کرتی تھی بشکل مہمان فرشتوں کے آنے کی اطلاع اسی نے قوم کو دی تھی مگر ان دونوں عورتوں سے خود کوئی بدکاری ثابت نہیں۔ تفسیر حدیثی سے ثابت ہوا کہ نبی کی بیوی کافرہ ہو سکتی ہے فاجرہ نہیں ہو سکتی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا بَلْ هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ اس میں خیر کا پہلو یہ بھی تھا کہ تمام مسلمانوں کو یہ بات اچھی طرح معلوم ہوگئی کہ نبی غیب دان نہیں ہیں جو کچھ اللہ بتاتا ہے وہی کچھ جانتے ہیں اس کے ماسوا آپ کا علم اتنا ہی کچھ ہے جتنا ایک بشر کا ہو سکتا ہے ایک مہینے تک آپ حضرت عائشہ کے معاملے میں سخت پریشان رہے کبھی خادمہ سے پوچھتے کبھی ازواج سے کبھی علی اور کبھی اسامہ بن زید سے۔ آخر کار عائشہ سے فرمایا اگر تم نے یہ گناہ کیا ہے تو توبہ کرو۔ اگر آپ غیب کے علم والے ہوتے تو یہ پریشانی و پوچھ گچھ و تلقین توبہ کیوں ہوتی۔ جب وحی نے حقیقت بتادی تو آپ کو وہ علم حاصل ہوگیا جو مہینے تک حاصل نہ تھا۔ اللہ نے مسلمانوں کو اس مبالغے سے بچالیا۔ (از تفہیم مودودی وہابی جلد سوم ۳۶۶) **جواب:** یہ وہابیانہ کتاب ہے جس کو خود وہابی اکابر نے جاہلانہ کہا ہے۔ اس اعتراض میں چار جہالتیں ہیں۔ **پہلی** جہالت یہ کہ جاہل مصنف اَلْمَمِتِ بِذَنْبِ کا ترجمہ کرتا ہے۔ یہ گناہ (منافقین کا لگایا ہوا) حالانکہ اَلْمَمِتِ بِذَنْبِ ہے نہ کہ بِهٰذَا ذَنْبِ یہ ترجمہ مصنف کی شیطانی خیانت ہے۔ کلام نبی کے ان الفاظ کا صحیح ترجمہ ہے۔ کوئی گناہ صغیرہ جیسا کہ تفسیر خازن چہارم ۳۷۷ کے لغوی نحوی حوالے سے پہلے بتادیا گیا۔ **دوسری** جہالت یہ کہ جھوٹے کا حافظہ نہیں ہوتا۔ دیکھو یہاں تو علم نبوی کا انکار کر رہا ہے لیکن آگے ۳۶۸ پر لکھتا ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے ہی سب (نزول وحی سے پہلے ہی) حقیقت جانتے تھے کوئی شک لاحق نہ تھا کیونکہ آپ نے خطبے میں ہی صاف فرمادیا تھا کہ میں نے نہ اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھی نہ اس شخص میں جس کے متعلق الزام لگایا جا رہا ہے۔ **تیسری** جہالت یہ مصنف اس اعتراض میں پوچھ گچھ کو و تلقین توبہ کو بے علمی سمجھ رہا ہے حالانکہ سوال کا مقصد ہمیشہ بے علمی نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں تو اللہ تعالیٰ کے بھی بہت سے سوالات مذکور ہیں۔ استاد بھی شاگرد سے حاکم ملزم سے اقرار کرانے کے لیے سوال کرتا ہے۔ **چوتھی** جہالت مصنف کہتا ہے کہ نبی کریم نے فرمایا۔ اے عائشہ اگر تم نے یہ گناہ کیا ہے تو توبہ کرو۔ پوچھو جاہل سے کہ یہ گناہ تو زنا تھا۔ اور اس طرح کہنا اقرار جرم کرانا ہے اور اقرار زنا کی حد رجم ہے نہ کہ فقط توبہ۔ اگر ایسا ہی فرمان ہوتا جیسا کہ اس جاہل مصنف نے بیان کیا تو کیا نبی کریم پر یہ الزام نہ آتا کہ دوسرے زنا کریں تو رجم یا کوڑے اور اپنی بیوی زنا کرے تو فقط توبہ۔ بہر حال یہ تو اس اعتراض کی جہالتیں تھیں تحقیقی جواب یہ ہے کہ یہ آیات و حالات وطرز عمل نبوی ہی بتا رہا ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے علم غیب سے اصل حال سب کچھ جانتے تھے۔ مثلاً ۱۔ نبی کریم ﷺ کا خود فیصلہ قذف نہ فرمانا حالانکہ احکام وطریقہ فیصلہ کی آیات نازل ہو چکی تھیں اور عدالت نبوی سے کئی فیصلے جاری بھی ہو چکے تھے۔ ۲۔ نبی کریم ﷺ کو سب کچھ پتہ تھا کہ اس کا فیصلہ میں نے نہیں کرنا۔ خود رب تعالیٰ نے کرنا ہے اب اس

marfat.com

معلومات کو خواہ غیب دانی کہا جائے یا حفظ قرآنی وعلم قرآنی کہہ لو۔ نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کے اس علم و معلومات پر چار دلائل ہیں۔ **پہلی دلیل** یہ کہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام ولادت سے پہلے ہی کتب الٰہیہ کے حافظ وعالم ہوتے ہیں خاص کر اپنی کتاب آسمانی کے آقا ﷺ کا علم کتب الٰہیہ تو عالم ازل سے ہی تمام انبیاء سے علم کامل واکمل والا ہے۔ اس کا ثبوت۔ ۱۔ عیسیٰ علیہ السلام کا فرمانا۔ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ (مریم: ۳۰) ثبوت۔ ۲۔ آقا ﷺ کا فرمانا کُنْتُ نَبِیًّا وَ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ (مشکوٰۃ شریف، ۵۱۰) نبی ہونا ہی یہ ہے کہ عالم کتاب اللہ ہو۔ ثبوت۔ ۳۔ مسلم شریف دوم ۲۹۰ پر ہے فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ جِبْرِیْلَ کَانَ یُعَارِضُهُ الْقُرْآنَ فِیْ کُلِّ سَنَةٍ مَرَّةً وَاِنَّهُ عَارَضَهُ الْاٰنَ مَرَّتَیْنِ ترجمہ: مجھے آقا ﷺ نے بتایا کہ جبرائیل علیہ السلام ہر سال مجھ سے قرآن مجید کا دور فرمایا کرتے تھے (ماہ رمضان میں) ایک بار لیکن اس آخری بار دو مرتبہ دور کیا یعنی یہ سال وفات ہے۔ یہ بھی غیبی خبر ہوئی۔ یُعَارِضُ باب مفاعلۃ ہے جس کا معنی ہے دونوں کا باری باری پڑھنا۔ ایک بار جبرائیل اور ایک بار نبی کریم صلی اللہ علیہما السلام اسی کو اردو میں دور کرنا کہتے ہیں دور وہی کر سکتا ہے جو حافظ قرآن ہو۔ **دلیل دوم:** جاہل مصنف نبی کریم ﷺ کے پوچھنے کو اور صحابہ و صحابیات سے پوچھ گچھ کرنے کو آپ کی پریشانی ولاعلمی کہتا ہے حالانکہ یہ پوچھ گچھ کسی شک و بے علمی کی بنا پر نہ تھی بلکہ ان صحابہ و صحابیات کا امتحان لے کر لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ کے زمرے سے نکالنا تھا۔ عتاب الٰہی سے بچانا اور ان کامیاب صحابہ وصحابیات کو دیگر مومنین ومسلمین کے لیے مثالی نمونہ ایمانی بنانا تھا کہ اے مسلمانو تم نے جب یہ قذف سنی تھی تو ان صحابہ وصحابیات کی طرح برملا تردید کیوں نہ کر دی تھی۔ تم کو بھی چاہئے تھا کہ هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ کہہ کر عفتہ صدیقہ کی گواہی دیتے اس اعتراض سے تو یہ ثابت ہو رہا ہے کہ صحابہ کرام کا عقیدہ تھا کہ نبی کریم ﷺ کو غیب کا علم ہے کیونکہ مصنف لکھتا ہے۔ خَیْرٌ لَّكُمْ فرما کر اس عقیدے کو توڑا گیا اور وہ بھی اٹھارہ سال بعد افک کے موقعے پر اٹھارہ سال تک صحابہ اس عقیدے پر قائم رہے اور جو صحابہ اس عقیدے پر فوت ہو گئے ان کا یہ عقیدہ ابدی ہو گیا وہ اسی عقیدے کے ساتھ جنت میں جائیں گے اور یہاں بھی رب تعالیٰ نے وضاحت سے نہیں توڑا بلکہ اشاروں کنایوں سے اور وہ اشارے بھی صرف جاہل مصنف کو سمجھ میں آئے۔ نہ نبی کریم سمجھے نہ صحابہ نہ کوئی عالم وفقیہ۔ **دلیل سوم:** آقا ﷺ عفتہ صدیقہ کی طرف سے پریشان ولاعلم نہ تھے نہ مذبذب ورنہ آپ کا علم تو ان صحابہ وصحابیات سے کم ہو جاتا جنہوں نے برملا علی الاعلان عفتہ صدیقہ کی گواہی دی اور نبی کریم ابھی بھی مذبذب و پریشان۔ اگر ایسا ہوتا تو نبی کریم ﷺ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ کی وعید میں آجاتے اور یہ عقیدہ کفر ہے کیا خبیث مصنف کو اتنی بھی غیرت ایمانی نہ رہی کہ عام مسلمان تو مطمئن اور نبی پریشان ومذبذب۔ **دلیل چہارم:** ہاں البتہ آقا ﷺ غمگین تھے منافقین کی بکواسات سے اور یہ غمگینی آپ کو اس واقعے سے پہلے بھی ہوتی تھی چنانچہ سورۃ حجر: ۹۷ میں ہے۔ وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّكَ یَضِیْقُ صَدْرُكَ بِمَا یَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ ترجمہ: اے محبوب ہم جانتے ہیں کہ بیشک آپ کا دل ان کفار ومنافقین کی باتوں سے غمگین رہتا ہے خیال رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے علم غیب کا انکار سب سے پہلے منافقین کفار نے کیا پھر وہابیوں نے۔

تفسیر صوفیانہ

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ؕ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ مَّا اكْتَسَبَ مِنَ

marfat.com

الْاِثْمِ ۚ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی كِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱﴾ ۔ قالب انسانی میں نفس امارہ کا فرد بدنی ہے اور اس کی نفسیات منافقین جسمانی ہیں جو ہر وقت قلب ایمانی و عقل عرفانی کے در پہ آزار و اذیت ہے۔ اے لوگو نفسیات نفس تمہارے ہی باطن کا متعصب اور ضدی حاسد منافق گروہ ہے جس نے عقل سلیم پر برائی کج روی بدفہمی کی الزام تراشی بنائی۔ اے وادی معرفت کے قافلے والو اس خباثت نفسی کو اپنے لیے شر اور فتنہ نہ سمجھو بلکہ تمہارے لیے یہ مخالفۃ خناسی، مقام بلندی و پرواز روحانی کا خیر اور اعمال صالحہ کی بھلائی ہے دنیا و آخرت میں۔ اہل امن و ایمان و امانت کے لیے دونوں جہان کی عظمتیں رفعتیں ہیں۔ لیکن یہی خناسیت فسادیوں شریروں اور ہر فتنہ پرور کے لیے عذاب و قہر کی ذلت و حسرت ہے اور اتنی ہی فنائیت ہے جتنی اس نفس لعین نے ظلم و بداعمال کی شرارت کا گناہ کمایا اور وہ جرأت نفسانی بے غیرتی شیطانی جس نے ان گروہ منافقہ میں سب سے زیادہ اپنے فساد کو بھڑکایا۔ فتنے کو چمکایا شرارت کو پھیلایا دوسروں کو ورغلایا ظلم شروع کرایا اس خناس کے لیے بڑا عذاب ہے۔ لَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بِاَنْفُسِهِمْ خَیْرًا ۙ وَّقَالُوْا هٰذَآ اِفْكٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۲﴾ ۔ اے بندگانِ معرفت نعمت مکاشفہ پانے والو وادی معرفت میں ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب تم نے باطن جسمانی میں منافقت خفیہ نفسیات پوشیدہ کی شورش جلیہ سنی تھی تو قوت اسرار طاقت انوار جرئت ابرار والے مومنین قلبی اور مومنات عقلی نے اپنے مراقبات خلوت میں تصور خیر کی ریاضت حقیقت کیوں نہ کی اور زبان حال اعضاء اعمال قوت اقوال ہمت افکار سے پاس انفاس کے ذکر اخیار کرتے ہوئے کہہ دیا ہوتا کہ وادی طریقت اور منزل شریعت میں نفس امارہ کے تمام فاسد عملیات باطل فکریات افک مبین ہیں بغاوت لعین ہے کیونکہ افک عظیم پر وعید شدید اور عقاب غلیظ و قہر بلیغ ہے۔ افک سے بڑا کوئی گناہ نہیں۔ افک رذیلہ قوت انسانیہ ہے اور زنا ذمیمہ قوت شہوانیہ ہے اور قتل خبیثہ قوت غضبیہ قہریہ ہے۔ یہ سب دنیا ہے فرمایا آقا ﷺ نے دنیا سے بے رغبتی قلب و روح کی سچی حقیقی ابدی راحت ہے اور دنیا کی رغبت و محبت بے سکونی بڑھاتی ہے۔ دنیا کی محبت انسان کو منافق اور گستاخ بنا دیتی ہے بکریوں کے ریوڑ میں دو بھوکے بھیڑیوں کی تباہی سے زیادہ انسان کے قالب میں محبت دنیا تباہی مچاتی ہے۔

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَیْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ

اگر سچے تھے تو کیوں نہ لائے اس تہمت بازی پر چار عینی گواہوں کو

اس پر چار گواہ کیوں نہ لائے

فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾

تو جب نہ لاسکے یہ شرارتی لوگ گواہوں کو پس ثابت ہو گیا کہ اللہ کے نزدیک یہ لوگ ہی پکے جھوٹے ہیں

تو جب گواہ نہ لائے تو وہی اللہ کے نزدیک جھوٹے ہیں

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ

اور اے شریک کار مسلمانو اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر

marfat.com

اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ
اور اس کی رحمت دنیا اور آخرت میں تو البتہ یقیناً پکڑتا تم کو
تم پر دنیا اور آخرت میں نہ ہوتی تو جس چرچے میں تم پڑے
فِي مَآ اَفَضْتُمْ فِيهِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴﴾
اس شرارت پھیلانے میں کہ شامل ہو گئے تھے تم جس میں بڑے سخت عذاب کی سزا
اس پر تمہیں بڑا عذاب پہنچتا

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ایک جھوٹی تہمت لگانے کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیات میں ایک شرعی قانون سے ان بدبختوں جھوٹی تہمت لگانے والوں کے جھوٹا ہونے کو ثابت کیا جارہا ہے **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تہمت لگانے والے بدبخت شخص پر اخروی عذاب عظیم کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اس مردود پر دنیا میں عذاب نہ ہونے کی وجہ کا ذکر فرمایا جارہا ہے **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان بعض چند مخلص مومن مگر کم عقل بے وقوف مسلمان لوگوں کا ذکر فرمایا گیا جو اس بڑے بدبخت منافق مردود ابدی کے ساتھ اس تہمت کی تائید و تشہیر میں شامل ہو گئے تھے۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ ایسے نادانوں کو محض ان کی نادانی کی بنا پر نہ پکڑا گیا نہ دنیا کے عذاب سے نہ آخرت کے عذاب عظیم سے اور ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل و رحمت فرما کر ان کو اس دنیوی اخروی ذلت سے بچالیا ان کے ایمان و خلوص کی وجہ سے اور بعد میں پچھتانے سچی توبہ کرنے سے۔

تفسیر نحوی

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَلَوْلَا حرف تنبیہ و توبیخ یعنی جھڑک و تکذیب کے لیے جَآءُوْ۔ باب ضرب کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب جَیْئٌ سے مشتق ہے۔ یہ مادہ بذات خود لازم ہے ترجمہ ہے آنا۔ اگر اس کے بعد بَ تعدیہ مفعولیہ آئے تو یہ متعدی ہوتا ہے۔ یہاں متعدی ہے بَ جارہ تعدیہ کی وجہ سے ترجمہ ہو گیا۔ لانا جَآءُوْ کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے الَّذِيْنَ۔ عَلٰی جارہ فوقیت کے لیے ہِ ضمیر کا مرجع افک یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ بَ جارہ تعدیہ یعنی مفعولیت کی اَرْبَعَةِ اسم عددی ممیز ہے شُهَدَآءَ اسم جمع مبالغہ ہے شَاهِدٌ کی۔ یہ تمیز ہے۔ ممیز تمیز مل کر مجرور متعلق دوم ہے جَآءُوْ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ۔ اِذْ حرف شرط ظرفیہ زمانی کے لیے۔ فَاِذْ کا ترجمہ ہے تو اس وقت لَمْ يَاْتُوْا۔ باب ضَرَبَ کا مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق۔ اَتْیٌ سے مشتق ہے یہ بھی جَیْئٌ کی مثل متعدی بنایا جاتا ہے۔ متعدی کا ترجمہ ہے لانا۔ جَیْئٌ متعدی اور اَتْیٌ متعدی میں فرق یہ ہے کہ آنا مع

marfat.com

لانا ساتھ جَنِیٌّ ہے۔ اور آنے کے بعد لانا اَتِیٌّ ہے۔ هُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے بِالشُّهَدَآءِ یہ جار مجرور متعلق لَمْ یَاْتُوْا کا یہ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ۔ اُولٰٓئِكَ۔ اسم اشارہ جمع مذکر مبتدا ہے۔ عِنْدَ اسم ظرفی مکانی بمعنی پاس، نزدیک، قریب مضاف ہے۔ اللّٰهِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف مقدم ہے الْكٰذِبُوْنَ کا هُمْ ضمیر برائے تاکید حصر کے لیے ہے بمعنی ہی الْكٰذِبُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر کِذْبٌ سے مشتق ہے۔ هُمْ ضمیر صیغہ اس کا پوشیدہ فاعل یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور ظرف مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اُولٰٓئِكَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے۔ فَاِذْ لَمْ یَاْتُوْا کے جملے کی یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِیْ مَاۤ اَفَضْتُمْ فِیْهِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۴﴾ ۔ واو سر جملہ۔ لَوْ حرف شرط۔ لَا۔ مشبہ بلیس فَضْلُ اسم مفرد جامد بمعنی انعام، شفقت نرمی مضاف ہے اللہ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَحْمَتُهٗ یہ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف مل کر اسم ہے لَا مشبہ بلیس کا۔ عَلَیْكُمْ یہ جار مجرور متعلق اول ہے نَافِذَیْنِ پوشیدہ اسم فاعل تثنیہ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے الدُّنْیَا۔ اسم معرف بِاللام بمعنی یہ دنیوی جہان (حیات دنیوی) معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ الْاٰخِرَةِ۔ اسم معرفہ مراد ہے بعد موت کا جہان (از قبر، حشر، قیامت تا جنت) یہ معطوف ہے۔ یہ دونوں عطف مل کر مجرور ہے فِیْ سے یہ جار مجرور متعلق دوم ہے نَافِذَیْنِ پوشیدہ اسم فاعل تثنیہ کا هُمَا ضمیر تثنیہ مذکر غائب اس کا فاعل مرجع ہے فضل و رحمۃ۔ پوشیدہ اسم فاعل اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لَا مشبہ بلیس کی۔ لَا اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر شرط ہے لَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ کے جملے کی۔ لمسکم۔ لام کَیْ برائے تحقیق ترجمہ ہے البتہ یقیناً یہاں جزائیہ ہے۔ مَسَّ۔ باب نَصَرَ کا۔ ماضی مطلق مثبت معروف۔ صیغہ واحد مذکر غائب۔ مَسَسٌ۔ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے، چھو جانا، لگ جانا، پہنچ جانا، كُمْ ضمیر مخاطب جمع مذکر خطاب ہے الَّذِیْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ سے۔ یہ كُمْ مفعول بہ ہے مَسَّ فعل ماضی کا۔ فِیْ جارہ ظرفیہ حالیہ کیفیہ سببیہ۔ ترجمہ ہے۔ اسی حالت و کیفیت کے سبب۔ مَا اسم موصول بمعنی اس۔ مراد ہے وہ افک مچانے کی شرارت۔ اَفَضْتُمْ۔ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مثبت معروف۔ صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا مصدر ہے اِفَاضَةٌ۔ دراصل اِفْیَاضٌ تھا اور اَفَضْتُمْ دراصل اَفْیَضْتُمْ تھا۔ تعلیل نحوی سے اِفَاضَةٌ اور اَفَضْتُمْ ہوا۔ اصل مادہ مصدر فَیْضٌ ہے اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ پانی گر کر بہنا، پھیلنا، اصطلاح میں ہر اچھی بری چیز کا پھیلنا، منتشر ہونا، مشہور ہونا فیض ہے۔ اِفَاضَةٌ کا معنی ہے۔ پھیلانا، مشہور کرنا، بکھیرنا، لٹانا، نچھاور کرنا۔ اسی معنی میں عام داتا و سخی کو فیاض۔ عام سخاوت و عطا کو فیاضی کہا جاتا ہے۔ اَفَضْتُمْ کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ یہاں معنی ہے شرارت پھیلائی تم نے۔ فِیْهِ اس تہمت بازی میں۔ یہ جار مجرور متعلق ہے اَفَضْتُمْ کا۔ اگلی عبارت اِذْ تَلَقَّوْنَ اَفَضْتُمْ کا ظرف ہے یہ سب جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا۔ وہ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے مَسَّ کا۔ عَذَابٌ موصوف عَظِیْمٌ صفت۔ یہ مرکب توصیفی فاعل ہے مَسَّ کا۔ یہ سب فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ہے لَوْلَا کے جملے کی وہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ انشائیہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عربی میں۔ لَوْلَا۔ دو قسم کا ہوتا ہے ۱۔ لَوْلَا متصلہ۔ یہ لفظ تنبیہ اور زجر و توبیخ ہے یعنی جھڑکتے ہوئے ماضی کا مطالبہ و سوال کرنا۔ اس کا ترجمہ ہے کہ ایسا کیوں نہ ہوا۔ ایسا کیوں نہ کیا۔ یہ لفظ حروف تنبیہ۔ اَلَا وَهَلَّا وَلَوْمَا وَلَوْلَا۔ حروف اربعہ میں سے ایک ہے۔ ۲۔ لَوْلَا منفصلہ یہ دو علیحدہ

marfat.com

علیحدہ حرف ہیں۔ پہلا حرف شرط دوم حرف نفی۔ مستقل عامل یا لانفی جنس ہے یہ اکثر یہ ہے۔ یا لا مشبہ بلیس ہے۔ یہ کبھی کبھی ہوتا ہے یہاں ان آیات میں لَوْلَا اِذْ اور لَوْلَا جَآءُوْ متصلہ (حرف تنبیہ) ہے اور لَوْلَا فَضْلُ یہ مُنفصلہ ہے۔ پہلے کا ترجمہ کیوں نہیں۔ دوسرے کا ترجمہ ہے اگر نہ ہوتا۔

تفسیر عالمانہ

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾ ۔ اے نادانو اندھی تہمت لگانے والو۔ تہمت لگانے پھیلانے اور مشہور کرنے سے پہلے تم نے اپنی عقل و خرد سے یہ کیوں نہ سوچا کہ جو منافقین قاذفین اس قذف کی بناوٹ کر رہے ہیں وہ اس اِفکِ مبین پر چار گواہ کیوں نہ لائے کیا تم نے اس سے پہلے عدالت نبوی میں قذف کے فیصلے ہوتے نہیں دیکھے تھے کیا تمہیں معلوم نہیں کہ قذف کو سچا ثابت کرنے کے لیے چار عادل صادق شرعی گواہ پیش کرنا قاذف پر واجب ہے جب منافقین نے تم کو اس اِفکِ مبین کے متعلق بتایا ورغلایا اور بڑھ بڑھ کر اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو جھانسے دیئے تھے تو تم نے ان سے گواہوں کا مطالبہ کیوں نہ کیا اور اگر تم نے جان لیا محسوس کر لیا تھا کہ انہوں نے قذف پر کوئی گواہی پیش نہیں کی اور نہ ہی وہ کوئی گواہ پیش کر سکتے تھے کیونکہ یہ محض جھوٹی قذف ہی نہ تھی بلکہ اِفکِ مبین تھی۔ یہ تو وہ بہتان عظیم تھا کہ اس کے لیے کسی تفتیش و گواہی کی ضرورت ہی نہ تھی اس قذف کی صداقت ناممکن تھی اس لیے کہ کسی نبی کی زوجہ محترمہ کا فاجرہ باغیہ ہونا محال ہے اور جب تم نے دیکھ لیا تھا کہ ان منافقین نے ایک بھی کسی قسم کی گواہی پیش نہ کی صرف زبانی کلامی جھوٹی قسمیں کھا کر قذف پھیلا رہے ہیں تو اسی بات سے تم نے اندازہ کیوں نہ لگا لیا کہ وہ سب منافقین قاذفین اللہ کے قانون شریعت احکام قرآنی میں عند اللہ پکے اور ظاہر ظہور جھوٹے ہیں۔ اس وقت تم سب ان تمام باتوں عقلمندیوں دانشوریوں کو بھول کر اندھے کیوں بن گئے تھے یہ تو اللہ تعالیٰ کا تم پر اس کے حبیب کی اطاعت و اتباع و خلوص کے صدقہ و طفیل میں فضل و کرم رحمت نعمت تھی کہ کوئی آفت و مصیبت عتاب و عقاب کا عذاب نہ آ گیا صرف معمولی سزاؤں معافیوں توبوں سے جان چھوٹ گئی ورنہ زوجہ محبوب کو افک قذف لگانا کوئی معمولی جرم نہیں ہے اور زوجہ بھی وہ جو صدیقہ دنیا و آخرت ہے اور مومنین و مومنات کائنات کی ماں ہے۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾ ۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم چند مسلمان صحابہ پر اور اس کی رحمت دنیا و آخرت میں اس طرح کہ دنیا میں توبہ کی مہلت معافی مانگنے کی توفیق ملنے کا فضل اور حد قذف سے کفارہ جرم بن جانے کی رحمت اور آخرت میں قبولیت توبہ کا فضل اور مغفرت و شفاعت کی رحمت کا شرف و سعادت نہ ہوتی تو البتہ یقیناً تم مسلمان قاذفین کو بھی اس اشاعت افک کے بدلے میں دنیا و آخرت کے اندر ایک دم بہت ہی بڑا عذاب پہنچ جاتا۔ جیسے کہ پچھلی امتوں میں قوم نوح، عاد، ثمود، قوم لوط اور قوم فرعون کو پہنچا تھا۔ کہ دنیا سے قبر تک، قبر سے حشر تک، حشر سے جہنم تک عذاب ہی عذاب۔ خیال رہے کہ اس افک مبین میں لوگوں کے چار گروہ ہو گئے۔ ایک ٹولہ منافقین قاذفین کا یہ تقریباً چودہ افراد تھے دوم شائعین و ذاکرین افک کا اس ٹولے میں تین افراد تھے۔ حسان، مسطح، حمنہ یہاں ان دونوں آیتوں میں ان تین ہی کو جھڑک سنائی جا رہی ہے۔ سوم ساکتین کا اس ٹولے میں وہ تمام صحابہ صحابیات تھے جو بالکل خاموش رہے۔ اگلی آیت ۱۶ میں ان کو جھڑکا گیا ہے کہ تم خاموش کیوں رہے حق

marfat.com

کی صداقت و باطل کی کذابیت برملا علانیہ بیان کیوں نہ کی چوتھا گروہ مخلصین صالحین راسخین کا جیسے فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضی حبشیہ بریرہ لونڈی، ام مسطح، ایوب انصاری کے والد، والدہ وغیرہم ان آیات میں یہ بھی بتایا گیا کہ اے لوگو ایمانی نگاہ کے علاوہ اگر ظاہری نظر سے بھی دیکھا جائے تو یہ قذف ہر پہلو سے ہر طرح کذب وافترائی ہی ہے اور افک مبین و بہتان عظیم ہی ہے۔ کیونکہ اس سفر میں یہ سب منافقین ساتھ ہی ہیں۔ نہ کسی سازباز کی گنجائش نہ خیانت خباثت بغاوت کی حماقت و منصوبہ سازی اور دغابازی کا کسی کی طرف سے امکان یا شبہ چالاک ترین عورت بھی خاوند کی موجودگی و قربت و سفری حالت میں کوئی چالاکی نہیں کرتی پھر کس کو پہلے سے پتہ تھا کہ اس وقت صدیقہ جنگل جائیں گی اور ہار گم ہوگا اور پھر یہ کون جانتا تھا کہ ہودج اونٹ پر رکھتے وقت رکھنے والے خالی ہونے کا اندازہ نہ لگائیں گے پھر ہر سفر میں کبھی کسی کو پیچھے رکھا جاتا کبھی کسی کو۔ بلکہ منزلیں بدلنے سے آدمی بھی بدلے جاتے کہ پہلی منزل تک کسی کو دوسری تک کسی کو اور یہ انتخاب اچانک ہوتا ان صورتوں میں واپسی پر اس غزوے کی چھٹی منزل کے لیے جب روانگی ہونے لگی تو اچانک نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ اے صفوان اب تم پیچھے آنے کی ڈیوٹی دو۔ پھر جب اگلے پڑاؤ پر لشکر ٹھہرا تو تقریباً ایک ڈیڑھ گھنٹے بعد ہی صفوان پہنچ جاتے ہیں پیدل انسان کتنی بھی تیز چلے تو اتنی ہی دیر میں اگلی منزل پر یعنی پچاس میل کا فاصلہ طے کرسکتا ہے۔ یہ تمام وہ اتفاقیات تھے جن میں نہ کسی منصوبہ سازی کا امکان ہے نہ وقت قلیل ہی اس کی گنجائش دیتا ہے۔ اتفاقی جبری بدکاری میں بھی وقت لگتا ہے۔ پھر تمام وقت قافلے میں پہنچنے تک صفوان و صدیقہ ایمان کامل کے ساتھ پرسکون ہیں۔ اس قسم کا بددیانت کبھی مطمئن و پرسکون نہیں رہ سکتا چہرے کی ہوائیاں چلنے کی کمزوریاں ہی راز فاش کردیتی ہیں مگر صفوان نہایت اطمینان سے سب کے سامنے سے گزرتے ہوئے عین خیمے نبوی کے پاس جا کر اونٹ بٹھاتے ہیں۔ حضرت صدیقہ اتر کر خیمے میں چلی جاتی ہیں یہ باتیں سب منافقین بھی سمجھتے تھے کسی قذف کی ذرہ بھر گنجائش نہیں مگر پھر بھی خباثت اچھل پڑی حماقت بکھر پڑی شامت اعمال مچل پڑی۔ قافلے والے ابھی اپنے اپنے خیمے ہی لگا رہے تھے ابھی کسی کو صدیقہ کے پیچھے رہ جانے کا یا ہودج خالی ہونے کا دھیان تک نہ آیا تھا۔ ان ہی دو مردوں نے ہودج اتار کر نیچے بھی رکھ دیا تھا۔ جب خیمہ نبوی تیار ہو چکا تو صفوان بھی وہاں پہنچ گئے۔ جب صدیقہ خیمے میں پہنچیں تو خیمہ تیار کرنے والے یہی سمجھے کہ شاید آپ ہودج سے نکل کر آئی ہیں اور وہ خیمے سے باہر چلے گئے۔ کچھ دیر بعد نبی کریم ﷺ خیمے میں تشریف لائے صدیقہ کو دیکھا مگر کچھ نہ پوچھا۔ صدیقہ نے خود یہ سب واقعہ بتایا بلکہ شکایتاً گلہ کیا کہ آپ لوگ مجھے چھوڑ کر چلے آئے اگر صفوان بھی بغیر دھیان کیے چلے جاتے تو میں کیا کرتی کڑکتی دھوپ میں ہی پیاسی مرجاتی۔ شریعت میں قاذف کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ ظاہراً بھی سچا باطناً بھی سچا یعنی خود بھی چشم دید صاف صاف اور چار عادل گواہ بھی صاف چشم دید۔ ایسی قذف میں مقذوف و مقذوفہ کو حد شرعی لگے گی۔ ۲۔ قاذف ظاہراً بھی جھوٹا باطناً بھی جھوٹا۔ یعنی قاذف نے نہ خود کچھ دیکھا۔ نہ جھوٹے گواہ لا سکا ایسی قذف میں قاذف کو حد قذف لگے گی۔ ۳۔ قاذف ظاہراً عدالت شرعی میں جھوٹا پڑ جائے مگر باطناً عند اللہ سچا ہو۔ وہ اس طرح کہ قاذف نے جرم کو اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھا اور پہچانا مگر نصاب شرعی کے مطابق گواہی شرعی عدالت میں پیش نہ کرسکا تو ایسے قاذف کو بھی حد قذف لگے گی کیونکہ شریعت کا ظاہر پر فیصلہ ہوتا ہے مقذوف دنیا میں بری مگر باطن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد اس کا بدلہ بھی آخرت میں۔ وصال نبوی کے بعد فاروق

marfat.com

اعظم نے اعلان فرمایا تھا کہ لوگو اب وحی بند ہوگئی ہے۔ سب فیصلے ظاہر حالات پر ہوں گے لہٰذا جو شخص ظاہراً پاک صاف ہوگا ہم اس کو پاک وصاف ہی سمجھیں گے اس کو امن بھی دیں گے مقرب ومعزز بھی بنائیں گے ہمیں اس کے باطن سے کچھ غرض نہیں اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے اور جو شخص ظاہراً مجرم ثابت ہوگا نہ اس کو سزا سے امن ہوگی نہ سچا کہا جائے گا اگرچہ باطن حقیقی میں عنداللہ سچا ہو۔ اجماع امت یعنی صحابہ کرام وفقہاء ائمہ اربعہ کا اتفاق بھی اسی پر ہے کہ دنیوی احکام ظاہر پر ہیں اور باطنی حالات کا فیصلہ آخرت میں۔ ۴۔ قاذف ظاہراً سچا بن جائے مگر باطناً حقیقت میں جھوٹا ہو۔ یعنی قاذف نے خود بھی نہیں دیکھا اور گواہوں نے بھی کچھ نہیں دیکھا مگر شرارت اور چالاکی سے جھوٹی تہمت لگا کر عدالت میں صاف چشم دیدی کا بیان اور گواہی دے دی تو ایسی قذف میں عدالت اسلامی مقذوف ومقذوفہ کے حالات کا جائزہ لے گی اگر مقذوف یا مقذوفہ سے عادتاً ایماناً وعقیدتاً یا کیفیت جسمی یا دیگر حالات میں وہ جرم ممکن ہو تو قاذف بری مقذوف کو سزا لیکن اگر عادتاً ایماناً یا جسمانی کیفیت میں یا دیگر حالات کی وجہ سے وہ جرم مقذوف یا مقذوفہ سے ناممکن ومحال ہو تو قاذف وگواہان کو سزاء حد قذف اور مقذوف ومقذوفہ بری۔ مثلاً زنا کی تہمت لگائی اور مقذوف بچپن سے مقطوع الذکر ہے یا کامل نامرد ہے یا مکمل خنثیٰ ہے یا قاذف وگواہان نے زنا کار جو دن اور وقت بتایا تھا اس دن اور اس وقت وہ کسی دوسرے شہر میں تھا اور مقذوف قاذف کے گواہوں سے بڑے گواہوں کی گواہی سے یا علامات سے یہ بات عدالت میں ثابت کردے یا اگر کوئی بدبخت ازواج النبی میں سے کسی زوجہ نبی کو زنا کی تہمت لگائے تو قاذف وگواہان کو سزا ہوگی دنیا میں بھی آخرت میں بھی یہ تمام قانون تا قیامت ہے۔ لندن والتھم سٹو کا ایک رافضی مفتی نوح علیہ السلام کی ایک بیوی کنعان کی والدہ پر کنعان کو ناجائز اولاد کہتے ہوئے زنا کاری کی تہمت افک مبین لگاتا ہے اپنی کتاب جلد چہارم کے صفحہ ۱۴۹ پر اور اصل قاذف خواجہ حسن بصری اور امام باقر کو بناتا ہے گویا کہ یہ رافضی مصنف اپنی جہالت وبے عقلی سے تین شخصیات پر تہمت لگاتا ہے۔ ۱۔ زوجہ نوح علیہ السلام پر زنا کی۔ ۲۔ خواجہ حسن بصری پر۔ ۳۔ امام محمد باقر پر جھوٹے قاذف ہونے کی اگر دنیا میں سزا نہ ملی تو آخرت میں تگنی سزا سے بچ نہ سکے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اگر قذف کو مشہور کرنے والے مسلمان مسطح وغیرہ بچی توبہ نہ کرتے تو ان کے تمام اعمال صالحہ برباد اور ایمان ختم ہو جاتا اور اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُکُمْ (الخ) کے زمرے میں شامل ہو جاتے کیونکہ افک صدیقہ سے ایذاء رسول ہے۔ جامع صغیر جلد اول بروایت مولیٰ علی ہے کہ کسی نے پوچھا یارسول اللہ آپ کو سب سے زیادہ کون محبوب ہے۔ قَالَ اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ الْعَائِشَۃُ وَمِنَ الرِّجَالِ اَبُوْھَا۔ ترجمہ: فرمایا آقا ﷺ نے کہ عورتوں میں سب سے زیادہ محبوب عائشہ اور مردوں میں اس کے والد۔ یہ فائدہ۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ میں لَوْلَا امتناعیہ کے بعد لَمَسَّکُمْ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام میں سب سے بڑا گناہ ازواج النبی کی گستاخی ہے۔ اسی لیے اس کی بہت قسم کی سزائیں۔ ۱۔ سزاء شرعی حد قذف۔ ۲۔ سزاء ذلت مردود الشہادت ہونا۔ ۳۔ سزاء الٰہی فاسقیت۔ ۴۔ سزاء عبرت کہ دنیا میں کوئی بیماری لگ جانا۔ ۵۔ سزاء آخرت کہ قبر حشر جہنم میں عذاب عظیم ہونا۔ قذف

marfat.com

صدیقہ کے قاذف دو قسم کے پہلے قاذف قائمین یعنی وہ منافقین جنہوں نے حد قذف کھا کر بھی توبہ نہ کی ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم۔ دوم قاذف تائبین۔ یعنی وہ تین مسلمان جنہوں نے حد قذف کھا کر سچی توبہ کر لی ان کی فاسقیۃ تو ختم ہوگئی مگر دنیا میں عبرت کی سزا ملی کہ حسان نابینا ہو گئے۔ مسطح مفلوج العین ہو گئے اور حمنہ دیوانگی و مرگی میں مبتلا ہوئی۔ یہ فائدہ فَضْلُ اللّٰهِ کے فرمان میں عَلَيْكُمْ کی قید لگانے سے حاصل ہوا۔ یعنی فضل و رحمۃ خاص صرف بھکائے گئے مسلمانوں پر نہ کہ منافقین پر دوسرا فرق یہ کہ مسلمانوں کو تمام حد شرعی کفارہ جرم ہے مگر ذمی یا مستامن یا منافق کفار کو شرعی سزا کفارہ نہیں صرف جرم مٹانا ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** اس بات پر اجماع امت ہے کہ احکام شریعت بندوں کے صرف ظاہری حال وثبوت پر لگتے ہیں نہ کہ باطنی حال و کیفیت پر۔ یہ مسئلہ۔ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** جو بات ظاہری باطنی مشاہدات و علامات سے غلط و ناممکن ثابت ہو اس کی کرید کرنی یا پیچھے لگنا حرام و ممنوع بلکہ اس کی لغویت پر یقین رکھ کر فوراً تردید کرنا لازم ہے تاکہ تخریب کاروں کا فتنہ ختم ہو۔ یہی حکم کفار کی ملکی و سیاسی افواہ بازی کا ہے۔ یہ مسئلہ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا (الخ) کے فرمان ربانی سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ۔ یعنی قاذفین جب گواہ نہ لا سکیں تو وہ عند اللہ جھوٹے ہیں۔ عِنْدَ اللہ کا معنی ہے آخرت میں جھوٹے۔ ثابت ہوا کہ وہ دنیوی عدالت میں جھوٹے نہیں۔ حالانکہ قانونِ اسلامی کے مطابق ایسے تہمت باز تو دنیوی اسلامی عدالت میں بھی جھوٹے ہوتے ہیں۔ تو پھر یہاں عند اللہ۔ کی قید کیوں ہے۔ **جواب:** مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں عِنْدَ اللہ کا معنی عِنْدَ الشرع ہے لیکن عِنْدَ الشرع کے بجائے عِنْدَ اللہ کہنے میں جرم کی سختی بیان کرنا ہے۔ یعنی ایسی کھلی جھوٹی قذف اتنی بری ہے کہ آخرت تک اس کا عذاب ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں گواہ نہ لانے والوں کو جھوٹا کہا گیا۔ حالانکہ کبھی سچا قاذف بھی گواہ نہیں لا سکتا اور کبھی جھوٹا قاذف بھی عیاری مکاری سے جھوٹے گواہ لے آتا ہے تو پھر کس کو یقینی سچا کہا جائے۔ **جواب:** نہ تو یہاں گواہ لانے کا ذکر ہے اور نہ ہر قذف کا ذکر ہے بلکہ صرف اس قذف صدیقہ کا ذکر ہے اور فرمایا گیا کہ اے افک کو مشہور کرنے پھیلانے والے مسلمانو تم نے منافق قاذفین کی ورغلاہٹ میں آ کر یہ غور کیوں نہ کیا کہ اس قذف کے گواہ کہاں ہیں نہ تم نے خود منافقین سے گواہوں کا مطالبہ کیا اور نہ یہ سوچا کہ جب اسلامی عدالت ہم سے مطالبہ کرے گی تو ہم گواہ کہاں سے لائیں گے جس اندھے پانگلے بن کر منافقوں کے پیچھے چل پڑے۔

تفسیر صوفیانہ

لَوْلَا جَآءُوْ عَلَيْهِ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ ۚ فَاِذْ لَمْ يَاْتُوْا بِالشُّهَدَآءِ فَاُولٰٓئِكَ عِنْدَ اللّٰهِ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ ﴿۱۳﴾۔ مقربین منزل کے لیے گوش وہوش کے مراقبات خلوت اور تخیل و تصور بہت ضروری ہیں ورنہ ہر وقت بھٹکنے بھکنے کا خطرہ ہے۔ اے منزل طلب کے

marfat.com

فریبیو تم فریب نفس میں مبتلا ہو کر نفسیات باطنی کی قذف شیطان پر۔ نُطق و ہوش، سمع و بصر کے چار گواہ کیوں نہ لائے حالانکہ تمام اسرار معرفت کے ہر پوشیدہ بھید کے لیے شہادۃ آشکار وافکار ضروری ہے مگر مفسدین عیارین کے پاس نہ شہادت سمعی نہ بصری نہ ہوش فہمی نہ نطق لسانی۔ پس جان لو کہ قرب جلال کی بارگاہ میں تمام نفسیات ظاہر اً باطناً ابدی جھوٹے ہیں۔ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۴﴾۔ اے راہِ طلب میں بہکائے جانے والو تم نے قلب کے گوش عقل کے ہوش فنا کر کے نفس امارہ کی بات مانی نار ذلت کو نورِ عزت سمجھا۔ اگر معرفۃ الٰہی کا فضل قرب تم پر نہ ہوتا اور دستگیری کی رحمت تم پر نہ آتی اور سہارا دے کر نہ بچاتی کہ دنیا میں محبت رسالت اور آخرت میں مروت شفاعت نہ ملتی تو تمہاری بدعملیوں کی وجہ سے تم کو دوری منزل بربادی محنت کا بڑا عذاب فراق پہنچتا۔ اس حقیقت کو جانو۔ مانو کہ جو بندہ اپنی ذات کی نفی کرتا ہے تو دل شاد، روح آباد اور نفس برباد ہو جاتا ہے۔ ادب سے عاجزی اور عاجزی سے سجدہ ریزی پیدا ہوتی ہے جب بندہ اپنے رب تعالیٰ کے لیے سجدہ کرتا ہے تو غرور کا بت ٹوٹ جاتا ہے۔ لیکن جب کوئی بندہ اپنی خواہشات کے جال میں گم ہو کر اندھا بن کر بھاگتا شور مچاتا ہے تو کسی کی بددعا سے اندھیروں میں گمنام ہو جاتا ہے۔ اے معرفۃ حقیقی کے طلبگارو اپنے قالب باطنی کو تصورات صالحہ، تخیلات کاملہ نیات خالصہ سے سجا کر مسجد بناؤ۔ بناوٹی خیالات والے افک مبین کے بتوں سے جسم مومن کو کفرستان کا مندر نہ بناؤ۔

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ
جب تم بڑھ چڑھ کر چلا رہے تھے اپنی زبانوں کو اور بک رہے تھے اپنے مونہوں سے وہ باتیں کہ نہیں تھا
جب تم ایسی بات اپنی زبانوں پر ایک دوسرے سے سن کر لاتے تھے اور اپنے منہ سے وہ نکالتے تھے
مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ
ذرہ بھر تم کو جس کا علم اور تم اپنے گمان میں سمجھتے ہو اس بہتان بازی کو نہایت معمولی وآسان بات
جس کا تمہیں علم نہیں اور اسے سہل سمجھتے تھے
وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ﴿۱۵﴾ وَلَوْلَآ اِذْ
حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی سخت بات ہے اور ایسا کیوں نہ ہوا کہ جب
اور وہ اللہ کے نزدیک بڑی بات اور کیوں نہ ہوا جب
سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ
سنا تھا تم نے اس شر انگیزی کو تو فوراً کہہ دیتے نہیں جائز ہمارے لیے کہ بات کریں ہم اس قسم کی
تم نے سنا تھا کہا ہوتا کہ ہمیں نہیں پہنچتا کہ ایسی بات کہیں

marfat.com

سُبۡحٰنَكَ هٰذَا بُهۡتَانٌ عَظِيۡمٌ ﴿۱۶﴾

پاک ہے تو یا اللہ یہ بات تو بڑا سخت بہتان ہے

الٰہی پاکی ہے تجھے یہ بڑا بہتان ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بے عقل نادان مسلمانوں پر فقط ان کے باطنی خلوص کی بنا پر رب تعالیٰ کی جانب سے فضل وکرم کیے جانے کا ذکر ہوا اب ان آیات میں ان کو بے عقلی چھوڑ کر عقل وشعور سے کام لیتے ہوئے علم وتدبر وتفکر سے کام لینے کا سمجھایا جارہا ہے اور آئندہ کے لیے تاقیامت ہر مسلمان کو اس قسم کے تخریب کار دشمنوں سے بچنے اور سمجھداری کا سبق سکھایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ایک شرعی قانون بیان فرمایا گیا کہ جب کوئی شخص کسی مسلمان پر زنا کا الزام لگائے تو اس الزام لگانے والے پر واجب ہے کہ ثبوت زنا کے لیے چار سچے گواہ پیش کرے۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اگر کسی الزام تراش کے پاس چار گواہ نہ ہوں تو سننے والے مسلمانوں کو اپنے اندازے اور تخمینے لگا کر الزام تراشی میں شامل نہیں ہوجانا چاہئے بلکہ فوراً بلا جھجک الزام تراش کی تکذیب کرتے ہوئے اس الزام لغو کو بیہودہ اور بہتان عظیم کہہ دینا چاہئے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تخریب کار عناصر اور معاشرے کو بگاڑنے والے بعض اوباش لوگوں کی شرارتوں اور الزام تراشیوں معاشرے کو بگاڑنے فساد مچانے کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں مسلمانوں کو ایسے ہی بدبخت فسادی لوگوں کو جھٹلا کر فساد کا دروازہ بند کرنے اور اسلامی معاشرے کو فساد لڑائی جھگڑوں نفرتوں سے پاک وصاف رکھنے کا طریقہ سکھایا جارہا ہے۔

تفسیر نحوی

اِذۡ تَلَقَّوۡنَهٗ بِاَلۡسِنَتِكُمۡ وَتَقُوۡلُوۡنَ بِاَفۡوَاهِكُمۡ مَّا لَيۡسَ لَكُمۡ بِهٖ عِلۡمٌ وَّتَحۡسَبُوۡنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنۡدَ اللّٰهِ عَظِيۡمٌ ﴿۱۵﴾ ۔ **اِذۡ**۔ اسم ظرف زمانی کے لیے۔ ترجمہ ہے۔ جس وقت۔ جبکہ۔ **تَلَقَّوۡنَ** باب تفعُّل کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ دراصل ہے کُنۡتُمۡ تَتَلَقَّوۡنَ۔ ماضی استمراری۔ اِذۡ کے قرینے سے لفظ کُنۡتُمۡ کو حذف کیا گیا اور ہم مخرج تَ کی وجہ سے پہلی تَ کو حذف کیا گیا۔ اس حذف سے کلام کا ثقل دور ہوا۔ تخفیف ونرمی پیدا ہوئی۔ اس کا مصدر ہے تَلَقِّیٌ۔ مادہ ہے لَقِیٌ۔ لَقِیٌ کا معنی ہے ملاقات کرنا اور تَلَقِّیٌ کا معنی ہے۔ تلقین کرنا، اکسانا، آمادہ کرنا، کسی کے سامنے جانا۔ یہاں سب معنی ہیں یعنی چل پھر کر شرارت پھیلانے کی دوسروں کو تلقین کرنا اور اکسانا کہ تم بھی اس بات کا چرچہ کرو پھیلاؤ۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ۂ ضمیر واحد مذکر غائب منصوب متصل کیونکہ مفعول بہ ہے بِ حرف جر اَلۡسِنَةِ۔ اسم جمع مکسر منصرف تکثیری۔ اس کا واحد ہے لِسَان۔ ترجمہ ہے۔ زبان جسمانی، بولی، گفتگو، لہجہ، باتیں یہاں مراد ہے جسمانی منہ کے اندر والی زبانیں۔ اَلۡسِنَةِ مضاف كُمۡ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَلَقَّوۡنَ کا۔ یہ لفظ صیغہ دراصل ہے تَتَلَقَّيُوۡنَ۔ تعلیل نحوی سے تَلَقَّوۡنَ ہوا۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ واؤ عاطفہ تَقُوۡلُوۡنَ۔ فعل مضارع مثبت معروف بمعنی ماضی

marfat.com

استمراری۔ تلقّونَ پر عطف کی وجہ یہ بھی دراصل کُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ ہے۔ قَوْلٌ سے مشتق باب نَصَرَ سے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جمع مذکر حاضر۔ بِ جارہ۔ اَفْوَاہِ۔ اسم جمع مکسر منصرف بروزن اقوال افعال۔ ترجمہ ہے مونہوں سے اس کا واحد ہے فُوْہٌ۔ اس کا لغوی ترجمہ ہے۔ ہوا سے بھرا ہوا تھیلا مٹی سے بنا ہوا سانچہ (سچا) چونکہ منہ میں ہوا ہو تو الفاظ نکلتے ہیں اور منہ الفاظ کا سانچہ اس لیے منہ کو فُوْہٌ کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے اَفْوَاہٌ بمعنی پھیلی ہوئی جھوٹی خبریں جو ہوا کی طرح اڑتی پھریں اور ان کا سراغ نہ لگے کہ کس نے اڑائیں پھر فُوْہٌ کی ہ کو حذف کیا گیا۔ اور واؤ کو میم سے بدلا گیا۔ ہو گیا فَمٌ۔ فَمٌ کا لغوی معنی ہے سوراخ، خلا چہرے کا منہ بھی خلا کی مثل سوراخ ہوتا ہے اس لیے منہ کو فَمٌ کہا جاتا ہے اس کی اپنی کوئی جمع نہیں بلکہ جمع اصل کی طرف ہی ہوتی ہے یعنی اَفْوَاہِ یہ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَقُوْلُوْنَ کا۔ مَا اسم موصول۔ لَیْسَ فعل ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب، تامہ ہے۔ لام حرف جارہ تعدیہ کا کُمْ مجرور یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ بِہٖ۔ بِ جارہ تعدیہ کا ہٖ ضمیر کا مرجع ہے اِفْکٌ۔ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ عِلْمٌ اسم مصدر مادہ ثلاثی۔ ترجمہ ہے جاننا، مراد ہے معلومات ہونا، خبر ہونا۔ یہ فاعل ہے لَیْسَ کا یہ فعل فاعل دونوں متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا ما کا۔ یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہٖ ہے تَقُوْلُوْنَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ تَحْسَبُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع حال۔ یا ماضی استمراری۔ صیغہ جمع مذکر حاضر، حَسْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گمان کرنا، خیال بنانا، شمار کرنا۔ ظَنٌّ اور حَسْب میں فرق یہ ہے کہ ظن دو مخالف چیزوں (نقیضوں) کے لیے ایک درجہ کا عقیدہ و تصور ہونے کا نام ہے اور حَسْبٌ دو مخالف چیزوں میں سے ایک پر عقیدہ و تصور، یا یقین ہونے کا نام اسی لیے دینی تعلق کو بھی حَسْبٌ کہا جاتا ہے۔ غرضکہ پختہ گمان حَسْبٌ ہے اور ناپختہ گمان ظَنٌّ ہے۔ لیکن کبھی ظن حسبٌ کی طرح یقین کامل کے معنی میں ہوتا ہے۔ تَحْسَبُوْنَ کا فاعل اَنْتُمْ پوشیدہ ہٖ ضمیر مفعول بہٖ اول مرجع ہے اِفْکٌ۔ ھَیِّنًا۔ اسم مفرد نکرہ۔ ترجمہ ہے آسان، معمولی بات یہ ذوالحال ہے۔ واؤ حالیہ، ھُوَ ضمیر مبتدا۔ عِنْدَ اللّٰہِ۔ یہ مرکب اضافی ظرف مکانی مقدم ہے۔ عَظِیْمٌ۔ اسم صفت مشبہ۔ باب کَرُمَ سے۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ۔ عَظْمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے سخت، بڑی، بری ہونا، یہ صفت مشبہ اپنے فاعل اور ظرف مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ھُوَ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ ہو کر حال ہے ھَیِّنًا کا۔ دونوں مل کر مفعول بہٖ دوم ہے تَحْسَبُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تَقُوْلُوْنَ کے جملہ پر یہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے تَلَقَّوْنَ کے جملے پر۔ وہ دونوں عطف مل کر ظرف زمانی ہے سابقہ فعل اَفَضْتُمْ کا۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا یَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۶﴾ واؤ سر جملہ۔ لَوْلَا۔ اسم متصل مجموعہ ہے لَوْ شرطیہ اور لَا نافیہ کا حرف تنبیہ ہے زجر و توبیخ کے لیے۔ ترجمہ ہے۔ ایسا کیوں نہ ہوا۔ اِذْ۔ اسم ظرف زمانی۔ سَمِعْتُمُوْ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر دراصل ہے سَمِعْتُمْ۔ آخر کی واؤ تفخیم اور اشباع یعنی بھراؤ کے لیے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ہٖ ضمیر اس کا مفعول بہٖ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہٖ مل کر ظرف مقدم ہے۔ قُلْتُمْ فعل ماضی مطلق بمعنی ماضی تمنائی۔ یہ فعل فاعل ظرف مقدم مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا حرف نفی مشبہ بلیس۔ یَكُوْنُ فعل مضارع حال تامہ ہے اس کا فاعل ھُوَ ضمیر مرجع حَقٌّ ہے معنی ہے کہ نہیں ہے حق یا جائز ہے یعنی نہیں ہے جائز۔ لَنَا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَكُوْنُ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر اسم ہے مَا کا۔ اَنْ حرف ناصبہ

marfat.com

نَّتَكَلَّمَ باب تفعل کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع متکلم اس کا مصدر ہے تَكَلُّمٌ۔ كَلْمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے کلام کرنا، باتیں کرنا، زبان کھولنا۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر پوشیدہ بٖ حرف جر برائے تعدیہ۔ هٰذَا اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ اِفک۔ یہ جار مجرور متعلق ہے نَّتَكَلَّمَ کا۔ یہ سب مل کر خبر ہے مَاشبہ بلیس کی۔ مَا اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ سُبْحَانَ۔ اسم مصدر ہے بروزنِ فُعْلَان۔ آخر کا الف نون زائدتان ہے سَبْحٌ سے بنا ہے مضاف ہے کَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ یہ مضاف الیہ ہے۔ مرکب اضافی مفعول مطلق ہے پوشیدہ فعل بافاعل سَبَّحْنَا کا وہ فعل بافاعل اپنے مفعول مطلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا۔ هٰذَا۔ اسم اشارہ قریبی مبتدا ہے۔ اس کا مشار الیہ اِفک ہے۔ بُهْتَانٌ۔ اسم مصدر بروزن فُعْلَانٌ۔ الف نون زائدتان۔ یہاں منصرف ہے کیونکہ موصوف ہے منصرف کا۔ بہت سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے حیران، پریشان کرنا، لاجواب کرنا۔ بابِ سَمِعَ اور كَرُمَ میں اس کی گردان ہوتی ہے۔ مراد ہے کھلا، صاف جھوٹ، بہتان کا معنی اتنا صاف اور ظاہر ظہور جھوٹ کہ بولنے والا سننے والوں کو اپنی کذب بیانی وخباثت ومکاری پر حیران کردے کہ دنیا میں ایسے جھوٹے بھی ہیں۔ یہ موصوف ہے۔ عَظِيْمٌ اس کی صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی خبر ہے هٰذَا مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا۔ قُلْتُمْ قول اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝ ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل ورحمت سے تم بچ گئے ورنہ پکڑ لیتا تم کو عذاب عظیم اسی وقت جبکہ افک مبین کی تشہیر میں دلچسپی لیتے ہوئے اور کسی پاکدامن کی عزت سے کھیلنے کو معمولی مذاق تماشہ سمجھتے ہوئے باتیں اچک رہے تھے تم اپنی زبانوں پر کسی سے سن کر کسی کو سنا کر۔ تَلَقَّوْنَ کی تین صورتیں تھیں کبھی ان میں سے کوئی کسی کے پاس گھر یا زار یا کسی محفل میں جا کر کہتا کہ میں نے ایسا سنا ہے تمہارا اس بارے میں کیا خیال ہے دوسرا خاموش ہو جاتا۔ یہ کردار مسطح کا تھا اور کوئی کسی سے کہتا کہ ارے بھائی تو نے کچھ سنا جب وہ دوسرا کہتا کہ نہیں بھئی میں نے کچھ نہیں سنا تو یہ پہلا اس کو خوب بڑھا چڑھا کر اِفک مبین کی باتیں بنا بنا کر سنا ڈالتا یہ کردار حمنہ کا تھا اور حسان بن ثابت کا کردار اس تشہیر میں یہ تھا کہ کبھی صفوان کا نام لے کر یہ واقعہ سفر بیان کرتے کبھی حضرت صدیقہ کا نام اقدس لے کر ادھر منافقین اپنے طور پر گلی محلوں محفلوں میں بیٹھ کر کسی سے سنتے کسی کو سناتے۔ نہ خوف خدا نہ شرم نبی نہ ایذاء رسول اللہ کا خیال نہ غمنا کی صدیقہ کا خیال اور وہ تمام باتیں جو تم چند لوگ صرف اپنے ہی مونہوں سے بنا بنا کر ایک دوسرے سے کہتے چلے جا رہے تھے یہ ایسی تھیں کہ ان میں سے کسی بات کا خود تم کو بھی کچھ علم نہ تھا اور اس کے باوجود کہ تمہارے دل دماغ اس قذف کو جھوٹ جانتے تھے پھر بھی تم یہی سمجھتے رہے کہ تہمت ایک معمولی جرم ہے اور اتنی بڑی شرارت بازی تخریب کاری کو بہت معمولی بات سمجھا حالانکہ یہ قذف اللہ تعالیٰ کے نزدیک بڑی سخت خبیثانہ حرکت تھی۔ کیونکہ عام محصنین ومحصنات پر اتہام بھی بدترین جرم ہے تو پھر ازواج الانبیاء خصوصاً نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات ومقدسات پر الزام واتہام لگانا خاص کر وہ زوجہ مقدسہ جس کو خود رب قدیر نے تمام جہانوں کی صدیقہ وعفیفہ اور تمام مومنین ومومنات کی ماں بنایا ہے۔ یہ افک تو بے انتہا جرم عظیم ہے۔ اس کا وزن اس کی ہلاکت تو کوئی نہ اٹھا سکے نہ برداشت کر سکے۔ حد قذف سے کفارہ جرم تو پورا ہو جائے گا اور

marfat.com

توبہ صحیحہ صادقہ سے داغ فاسقیت تو اتر جائے گا مگر مردود الشہادت تا عمر رہو گے اور بذریعہ ان آیات قرآنیہ تمہارا براچرچہ، خراب شہرت تا قیامت باقی۔ تمہاری صحابیت برقرار ہوگی مگر باوقار نہ ہوگی کیونکہ اس افک مبین میں قلب کی بے علمی عقل کی بے فہمی نفس امارہ کی چالبازی زبانوں کی عیاری باتوں کی مکاری ہے۔ تمہاری صداقت امانت، دیانت و ایمان داری سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ عربی لغت میں زبانی بناوٹ کے لیے تین لفظ ہیں۔ لَقْیٌ، لَقِفٌ، لَقِنٌ۔ لَقْیٌ سے ہی تَلَقِّی بنا ہے۔ اس کا معنی ہے زبان پر کسی لفظ عجیب کا خود بخود آ جانا اس کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ الہام ربی سے زبان پر جاری ہونا۔ جیسے سورۃ بقرہ آیت ۳۷ فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ۔ ۲۔ اِلقاء شیطانی سے زبانوں پر جاری ہونا۔ جیسے تلاوت سورۃ نجم کے وقت بعض کفار کی زبان پر بتوں کی تعریف جاری ہوگئی تھی۔ ۳۔ انسان خناس کے بہکانے گمراہ کرنے سے عوام کا کچھ بکتے پھرنا جیسے یہاں افک مبین میں اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ کا ارتکاب۔ لَقِفٌ اور تَلَقُّفٌ کا معنی ہے کسی کی بات کو پورا ہونے سے پہلے ہی اچک لینا اور بیان کر دینا جیسا کہ اکثر مشاعروں میں ہوتا ہے کہ سامعین شعر پورا ہونے سے پہلے خود پورا کر دیتے ہیں۔ لَقِنٌ، تَلَقُّنٌ، تَلْقِیْنٌ۔ اس کا معنی ہے کہ بڑی مہارت سے کوئی بات لینا اور بڑھا چڑھا کر اس انداز میں بیان کرنا کہ سننے والا بھی اس کو کہنے لگ جائے۔ اس واقعے میں لوگ چار گروہوں میں بٹ گئے تھے تین گروہ مجرم اور ایک گروہ مخلص۔ ۱۔ پہلا گروہ قاذفین منافقین کا جن کی زبانوں نے جھوٹ بنایا دل میں کچھ علم عقل میں کچھ انجام کی فکر نہ تھی۔ ۲۔ دوسرا گروہ احمقین مشتہرین کا جنہوں نے بلا تحقیق تشہیر قذف پھیلائی۔ ۳۔ تیسرا گروہ جنہوں نے اس افک مبین و بہتان عظیم کو معمولی سمجھا حالانکہ یہ گناہ کبیرہ جرم عظیم اور تہمت کثیر تھی۔ ہر مسلمان کو اس سے بچنا واجب تھا۔ ان ہی تینوں گروہوں کو فرمایا جا رہا ہے۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ۔ جب تم اپنی زبانوں سے یہ عجیب و حیران کن جھوٹ بنائے پھرتے تھے۔ وَلَوْلَاۤ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَاۤ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۗ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۶﴾۔ اے افک کا چرچہ کرنے والو تم کو عقل کے ساتھ ایمان و علم کی قوت بھی دی گئی۔ تم نے منافقین سے اس قذف و افک کو سن کر بالکل ہی دل دماغ سے کام نہ لیا اور ایک دم ظاہری باطنی اندھے بن گئے۔ ایسا کیوں نہ ہوا کہ دیگر مومنین گروہ مخلصین کی طرح جب تم نے اس غلط قذف افک کا ذکر سنا تھا تو فوراً منافقوں کو جھوٹا کہتے سمجھتے ہوئے برملا علی الاعلان کہہ دیتے کہ اے بدبختو جھوٹے منافقو تم جو چاہو بکتے پھرو مگر ہم اہل ایمان کے لیے یہ لائق و مناسب نہیں ہے کہ ہم اس قسم کی ناممکن و محال بات کی تائید و حمایت میں ذرہ بھر کچھ کلام کریں اور پھر توبہ استغفار کرتے ہوئے اللہ کی تسبیح عرض کرتے کہ یا اللہ پاک ہے تو ہر عیب ہر بھول چوک ہر غلط انتخاب سے لہٰذا کبھی ایسا نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی فاسقہ فاجرہ عورت کو اپنے کسی نبی علیہ السلام کی زوجیت میں منتخب فرما دے۔ خاص کر سردار انبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کے لیے کسی غلط عورت کا انتخاب فرما دے۔ ذات باری تعالیٰ سے ایسا غلط انتخاب ناممکن و محال بالذات ہے۔ اس لیے منافقت کی یہ تمام باتیں بناوٹیں خلاف حقیقت صاف و ظاہر بہتان عظیم ہے اور اس قسم کی بہتان سازی دنیا و آخرت میں باعث لعنت و نفرت کیونکہ اس سے اللہ رسول کو ایذا پہنچی اور اِنَّ الَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ (الاحزاب: ۵۷) ترجمہ: بے شک جو لوگ اللہ رسول کو ایذا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر لعنت بھیجتا ہے دنیا و آخرت میں۔ اسی قذف سے قاذف کو چھ نقصان ہوئے۔ ۱۔ دنیا و آخرت میں لعنت و حقارت ملی۔ ۲۔ اللہ رسول یعنی نبی کریم ﷺ کو ایذا پہنچائی۔

marfat.com

۳۔صدیقہ و والدین صدیقہ اور دیگر مسلمانوں کو غم پہنچایا۔ اس کا بھی وبال کثیر ملا۔ ۴۔فحاشی کی اشاعت ہوئی جو باعث عتاب ہے۔ ۵۔مسلمانوں کا بہت سا اسلامی وقت ضائع ہوا۔ یہ تخریب کاری حسن اسلام واصلاح اخلاق کے خلاف کام ہوا۔ ۶۔اللہ تعالیٰ کو ناراض کیا شیطان کو خوش کیا کیونکہ پردہ پوشی اخلاق رحمٰن ہے اور پردہ دری عادت شیطان ہے اور ارشاد نبوی ہے۔ تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ یعنی اے مسلمانو اللہ تعالیٰ کے اخلاق اختیار کرو۔ سُبْحٰنَکَ کے تین معنی۔ ۱۔پاک ہے تو یا اللہ فاجرہ کو زوجہ نبی بنانے کے غلط انتخاب سے۔ ۲۔قاذفین کے ظلم کذب پر راضی ہونے سے۔ ۳۔پاک ہے تو قاذفین کو بغیر عذاب چھوڑنے اور مشتہرین کو بغیر سزا و بغیر توبہ معاف کرنے سے۔ آٹھ شخصوں نے اس تہمت کو سنتے ہی اس کو بہتان و بکواس کہہ دیا تھا نزول آیات سے پہلے ہی چار خلفا۔ ۵۔ایوب انصاری کے والد۔ ۶۔ان کی والدہ۔ ۷۔سعد بن معاذ۔ ۸۔اسامہ بن زید حارثہ۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ لفظ بہتان، بُهْتٌ سے بنا ہے۔ اس کا معنی ہے۔ ایسا کھلا جھوٹ جو سننے والوں کو مبہوت یعنی حیران پریشان کر دے اور دماغ چکرا جائے۔ افک صدیقہ اس لیے بھی بہتان عظیم ہے کہ ہر قذف کی سختی و حقارت دو نوعیت سے ہوتی ہے۔ ایک یہ کہ مقذوفہ ابتدا سے خاندانی و ذاتی طور پر پاکدامن مشہور ہو۔ دوم یہ کہ مقذوفہ کو ایسی نسبت مل جائے کہ قذف کا وجود اس مقذوفہ سے ناممکن ہو جائے۔ حضرت صدیقہ کی شخصیت میں یہ دونوں خوبیاں موجود ہیں۔ اس لیے ان پر قذف لگانا۔ افک مبین بھی بہتان عظیم بھی۔ کسی کو برا کہنے کے چار طریقے ہوتے ہیں۔ ۱۔غیبت۔ ۲۔شکوہ۔ ۳۔شکایت۔ ۴۔بہتان۔ کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت ہے اور کسی پر جھوٹا عیب بنا کر لگانا، پھیلانا بہتان ہے یہ دونوں بہر صورت ہر وقت حرام ہیں اور کسی کی برائی خود برے سے بیان کرنا یہ شکوہ اور برائے اصلاح کسی کی برائی اس کے کسی بڑے سے بیان کرنا یہ شکایت ہے۔ یہ دونوں اگر اصلاح کے لیے تو جائز اگر شرارت و بدنامی کے لیے ہیں تو ناجائز۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

اِذْ کے متعلق ظرفی میں دو قول۔ ۱۔بعض نے کہا اس کا تعلق سابقہ لَمَسَّكُمْ سے ہے۔ ۲۔بعض نے کہا سابقہ اَفَضْتُمْ سے ہے۔ تَلَقَّوْنَ۔ کی قرأت میں نو قول۔ ۱۔اکثر کی قرأت باب تفعُّل کا مضارع معروف جمع مذکر حاضر۔ برائے تخفیف پہلی ت کر گئی۔ دراصل تَتَلَقَّوْنَ تھا۔ ۲۔بعض کی قرأت تَتَلَقَّوْنَ ہی ہے اصل پر۔ ۳۔بعض کی قرأت ہے اِتَّلَقَّوْنَ۔ پہلے ت گری پھر اذ ظرفیہ کا دوسری ت میں ادغام کر دیا۔ ۴۔بعض کی قرأت تُلْقُوْنَ ہے باب افعال سے۔ ۵۔بعض کی قرأت تَلْقَیُوْنَ ہے باب حَسِبَ سے۔ ۶۔بعض کی قرأت تَلْقَیُوْنَ ہے باب فتح سے۔ ۷۔بعض کی قرأت تَلِقُوْنَ ہے۔ باب سَمِعَ سے۔ ۸۔بعض کی قرأت تَثْقَفُوْنَ ہے ثَقِفَ سے باب سمع اور ترجمہ ہے ادھر ادھر باتیں پہچانا۔ ۹۔بعض کی قرأت تَقِفُوْنَ ہے۔ وَقَفَ سے باب ضَرَبَ سے وَقَفَ کا معنی ہے ایک بات پر ہی لگ جانا، جم جانا بغیر سوچے سمجھے۔ سَمِعْتُمُوْهُ کی ہ ضمیر کے مرجع میں دو قول۔ ۱۔اکثر نے فرمایا اس کا مرجع قذف کی بات ہے۔ ۲۔بعض نے کہا اس کا مرجع قاذف شخص ہے۔ بِھٰذَا کے مشار الیہ میں دو قول۔ ۱۔اکثر نے فرمایا مشار الیہ افک صدیقہ ہے یہی صحیح ہے۔ ۲۔بعض نے کہا مشار الیہ عام قذف محصنات ہے۔ سُبْحٰنَکَ۔ عرض کرنے میں دو قول۔ ۱۔اکثر نے فرمایا یہ حمد الٰہی ہے۔ ۲۔بعض نے کہا یہ برائے تعجب ہے مگر یہ قول دو وجہ سے غلط ہے۔ پہلی یہ کہ تعجب کے لیے ہونا عربی محاورے کے خلاف ہے۔ کیونکہ تعجب کے وقت

marfat.com

سُبْحَانَ اللّٰهِ کہا جاتا ہے۔ نہ کہ سُبْحٰنَكَ چنانچہ جب پہلی بار صدیقہ نے اپنی والدہ کے منہ سے یہ قذف سنی تو تعجب سے سُبْحَانَ اللّٰهِ ہی کہا تھا۔ وجہ دوم یہ کہ یہ کلام یہاں حکم الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کو تعجب کرنا نہیں سکھاتا۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** غافل اور بے عقل ہونا بڑا عیب ہے اور انبیاء کرام علیہم السلام اس عیب سے پاک ہوتے ہیں۔ جو بدبخت انسان انبیاء کرام علیہم السلام کو بے علم یا بے خبر مانے یا انبیاء کرام علیہم السلام کے علم کو ایک عام بشر کے علم کے برابر مانے وہ زندیق اور منافق ہے۔ یہ فائدہ۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ (الخ) کے تفسیری بیان ومنشاء کلام سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر نبی علیہ السلام کا ہر قول وفعل اللہ تعالیٰ کے خصوصی انتخاب سے ہوتا ہے۔ دینی قول وفعل ہو یا دنیوی اس لیے ہر اعتبار سے اعلیٰ ترین ہوتا ہے۔ یہ فائدہ۔ سُبْحٰنَكَ کے حکم ربانی سے حاصل ہوا۔ یعنی تردید افک کرتے وقت اللہ تعالیٰ کی تسبیح بولو اور لوگوں کو بتادو کہ زوجیت صدیقہ کا انتخاب اللہ تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک تو انتخاب غلط کیسے ہوسکتا ہے اب عفت وطہارت صدیقہ کا انکار ایسا ہی کفر ہے جیسے توحید وسبحان الٰہی کا انکار۔ **تیسرا فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کو ستانا، غمزدہ کرنا منافقوں اور کافروں کا کام وباعث عذاب ہے۔ یہ فائدہ۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ کے جملے کا لَمَسَّكُمْ۔ یا فِيْمَآ اَفَضْتُمْ کے جملے کے ساتھ تعلق ظرفی بنانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء فرماتے ہیں تعجب کے لیے سُبْحٰنَكَ کہنا گناہ ہے ہاں البتہ جس طرح بعض الفاظ بعض موقعوں کے لیے مختص ہوگئے مثلاً اِنَّا لِلّٰهِ غم ومصیبت کے لیے، مَاشَاءَ اللّٰهُ خوشی کے لیے اسی طرح، سُبْحَانَ اللّٰهِ تعجب کے موقع پر بولا جاسکتا ہے (از تفسیر روح المعانی) یہ مسئلہ۔ سُبْحٰنَكَ سے پہلے لَوْلَآ اور قُلْتُمْ کے حکم الٰہی سے مستنبط ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے سُبْحٰنَكَ کہنے کا حکم دے کر اس کو ذکر الٰہی بنا دیا۔ لفظ سُبْحَانَ قرآن مجید میں تقریباً اکتالیس جگہ آیا ہے مگر کہیں بھی تعجب کے لیے نہیں۔ **دوسرا مسئلہ:** ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہر وقت اپنی زبان کی احتیاط کرے پہلے سوچے پھر بولے۔ احادیث مقدسہ میں بھی زبان کی احتیاط پر بہت زور دیا ہے کیونکہ گناہ کفر، شرک منافقت اور شرارت اولاً زبان سے ہی صادر ہوتے ہیں۔ یہ مسئلہ۔ اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ ترمذی وابن ماجہ میں بروایت حضرت معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے بارہ اعمال جہنم سے بچانے والے اور جنت میں پہنچانے والے ہیں۔ ۱۔ ہمیشہ عبادت کرنا۔ ۲۔ ستون دین یعنی نمازوں کو قائم رکھنا۔ ۳۔ شرک کفر منافقت سے بچنا۔ ۴۔ فرضی زکوٰۃ دیتے رہنا۔ ۵۔ فرضی روزے ادا کرنا۔ ۶۔ فرضی حج پورا کرنا۔ ۷۔ نفلی صدقات وعبادات کی کثرت جاری رکھنا۔ ۸۔ اپنے دین واسلام کی حفاظت کرنا۔ ۹۔ برے لوگوں بری کتابوں اور ابلیسی شیطانوں، انسانی خناسوں سے دور ہی رہنا۔ ۱۰۔ جہاد ختم نہ کرنا۔ ۱۱۔ نماز تہجد کی پابندی کرنا۔ ۱۲۔ سب سے زبان کی حفاظت کرنا، زبان ہی جہنم کا بڑا راستہ ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** اسلام دشمن سازشوں شرارتوں کی شروع دن سے یہی چال رہی کہ عام مسلمانوں کو اسلامی رہنماؤں بزرگوں اور اسلامی سیاسی لیڈروں سے متنفر کیا جائے۔ تحریراً، تقریراً اور جھوٹی افواہیں پھیلا کر یہ کفار ومنافقین

marfat.com

مختلف بھیس اور روپ بدل کر اکثر بلکہ ہر وقت عوام مسلمانوں کو صرف اس لیے ورغلاتے ہیں تاکہ مسلمان اپنے روحانی، مذہبی و سیاسی رہنماؤں سے متنفر ہو کر علیحدہ ہو جائیں اس تخریب کاری کا مقصد اول یہی ہے کہ عیار دشمن یہود و ہنود و نصاریٰ اپنی ان شاطرانہ چالوں سے مسلم ووٹ بھی حاصل کرے اور مسلمان سیاسی وسماجی رہنما اپنی ہی قوم مسلم کے ووٹوں سے محروم رہ جائے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ظاہری باطنی دشمن کی انہی عیاریوں مکاریوں سے آگاہ و خبردار فرما رہا ہے جو مسلمان ان مکاریوں سے ہوشیار رہے گا وہی بچے گا اور ہر سیاست میں کامیاب ہوگا۔ دشمن کی یہ مکاریاں تا قیامت رہیں گی شروع دور سے قیام پاکستان تک یہ منافقت جاری رہی اور آج بھی ہے لہٰذا اے مسلمانو جب کسی مسلمان بھائی، بزرگ کی عداوت میں کوئی خلاف واقعہ بات سنو تو ہر مسلمان پر واجب ہے کہ فوراً تحریراً، تقریراً اس کی تردید کرے دشمن کی ہاں میں ہاں ملانا، یا سوچ میں پڑ جانا اور اپنوں سے بدظن یا مشکوک ہو جانا یا تردید دشمن میں دیر لگانا، یا ہچکچانا، یا دشمن کی رورعایت میں خاموش رہنا سخت گناہ بلکہ اشد حرام ہے عوام مسلمانوں کے اس نرم و غلط طریقے سے اسلامی ریاست کو کمزور بلکہ خراب کرنا اور دشمن کو کامیاب کرنا۔ یہ مسئلہ۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ۔ میں اِذْ ظرفیہ زمانیہ کو سَمِعْتُمُوْهُ پر مقدم کرنے سے مستنبط ہوا اور بتایا گیا کہ اے مسلمانو اپنے دینی دنیوی بزرگوں رہنماؤں کے خلاف کبھی ایک لفظ سننا برداشت کرنا گوارہ نہ کرو کیونکہ دشمن کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ جھوٹی باتوں کی الزام تراشیوں کے ذریعے مسلمان بزرگوں کو بدنام کر کے اسلام کی اجتماعی اتحادی قوت کو کمزور کیا جائے لہٰذا تم بھی ایسی فوری و کھلی تردید کرو کہ دشمن کی کمر ٹوٹ جائے، شروع سے آج تک مسلمانوں کے سخت و عیار دشمن یہود، ہنود، نصاریٰ ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ تَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ یعنی تم اپنے مونہوں سے بولتے تھے۔ سوال یہ کہ انسان تو سب کچھ ہی منہ سے بولتا ہے تو بِاَفْوَاهِكُمْ کی وضاحت کچھ ضروری نہ تھی ظاہراً یہ لفظ بیکار لگتا ہے۔ **جواب:** بِاَفْوَاهِكُمْ کا لفظ وضاحت کے لیے نہیں بلکہ تقسیم اقوال کے لیے ہے۔ انسان کی کچھ باتیں دل سے ہوتی ہیں اور کچھ باتیں فقط منہ سے، دل کی باتیں علم و عقل فہم سے ہوتی ہیں ان ہی باتوں میں سچائی ہوتی ہے کیونکہ دل میں علم، علم میں حقیقی معلومات، معلومات میں عقلی معقولیت معقولیت دماغ میں دماغ کے راستے زبان پر آ کر باہر نکلتی ہیں۔ لیکن فقط منہ کی باتیں منہ میں ہی پیدا ہو کر منہ سے ہی باہر نکل جاتی ہیں ایسی باتوں کا علم، عقل، فہم، دماغ معلومات و معقولات کی حقیقت و سچائی سے کوئی واسطہ تعلق نہیں ہوتا۔ اس لیے صرف منہ کی باتیں بناوٹ جہالت سے ہوتی ہیں ایسی سب باتیں جھوٹی ہوتی ہیں۔ اس کی مزید وضاحت سورۃ آل عمران کی آیت ۱۶۷ میں اس طرح فرمائی گئی۔ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ یعنی کفار اپنی دینی ہر بات و عقیدہ صرف مونہوں سے کہتے بناتے ہیں ان کے دل میں اس کی صداقت نہیں ہوتی۔ یہاں بھی بِاَفْوَاهِكُمْ سے اسی کذابیہ کو بیان فرمایا گیا۔ خیال رہے کہ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ میں علم قلبی کی نفی ہے نہ کہ عقیدہ قلبی کی۔ بعض علماء نے یہ جواب دیا کہ بِاَفْوَاهِكُمْ فرمانا محض تاکید کے لیے ہے۔ جیسے کہ ایک جگہ ارشاد ہے يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ (انعام: ۳۸) ہر پرندہ اپنے دونوں پروں سے اڑتا ہے مگر پہلا جواب زیادہ اچھا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ۔ یہ لَوْلَا توبیخیہ ہے اس کا بیان توبیخ قُلْتُمْ اور نحوی قانون ہے کہ توبیخ و بیان توبیخ کے درمیان فاصلہ منع ہے تو

marfat.com

پھر یہاں سَمِعْتُمُوْهُ سے فاصلہ کیوں کیا گیا۔ چاہیے تھا فرمایا جاتا۔ لَوْلَآ قُلْتُمْ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ۔ **جواب:** اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ کا جملہ فاصلہ نہیں بلکہ تکمیل کلام ہے کیونکہ ہر توبیخ یعنی جھڑک کی کوئی وجہ ہوتی ہے یہاں یہ فرمایا جا رہا ہے کہ تم پر واجب تھا کہ سنتے ہی یہ کہہ دیتے۔ مگر تم نے سنتے ہی ایسا کیوں نہ کہہ دیا۔ **تیسرا اعتراض:** مفسرین فرماتے ہیں کہ افک صدیقہ کو بہتان عظیم کہنا ہر مسلمان پر شروع دن سے واجب تھا۔ مفسرین کی یہ بات درست نہیں لگتی۔ کیونکہ کسی چیز کا واجب ہونا تب ہوتا ہے جبکہ اس کا مسلمان کو علم یقینی ہو۔ لیکن افک کی کذبیت کا یقین مسلمانوں کو پہلے نہ تھا۔ علم یقین تو ان آیات کے نزول سے ہوا۔ آیات نے بتایا کہ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ۔ یہ قذف افک، بلکہ افک مبین اور بہتان عظیم ہے۔ **جواب:** دنیا میں کچھ احکام واجب شرعی ہوتے ہیں اور کچھ احکام واجب عقلی فکری اور کچھ احکام واجب شرعی بھی عقلی فکری بھی۔ افک صدیقہ ظاہر ظہور اتنا سخت جھوٹ تھا کہ ہر عقل سلیم والا نزول آیات کے بغیر بھی اپنی فہم وفکر اور فطرت ایمانی فراست اسلامی اور شعور انسانی سے خود بخود جانتا تھا کہ یہ قذف سراسر بہتان و افک مبین ہے۔ اس لیے کہ نہ کوئی ثبوت، نہ گواہ، نہ دید نہ شنید، نہ کوئی علامت نہ نشان نہ موقعہ نہ امکان۔ بس ایک نے بنائی دوسروں نے اڑائی کہ نہ بنانے والے کو کچھ علم نہ اڑانے والوں کو کچھ عقل اور پھر یہ قذف جس شخصیت پر لگائی وہ حرم نبی و صدیقہ اعظم ہے۔ جہاں معمولی فسق و فجور بھی ناممکن و محال بالغیر ہے چہ جائیکہ اتنی بڑی قذف فطرتاً، عقلاً ہر مسلمان دل کی گہرائیوں میں اس کی کاذبیت کو جانتا ہے کسی کے بتانے یا نزول آیات سے سمجھانے کی ضرورت نہ تھی۔ لہٰذا ہر مسلمان پر شرعاً، عقلاً، فکراً شروع دن سے ہی اس کی تردید و تکذیب واجب تھی اور مفسرین کا فرمان درست ہے۔ اسی عقل ایمان کی بنا پر بہت سے صحابہ نے نزول آیات سے پہلے یہ برملا کہہ دیا تھا۔ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آیت ۱۹ کے بعد ہے۔

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا
نصیحت فرماتا ہے تم کو اللہ تعالیٰ کہ خبردار جو آئندہ پھر لوٹے تم اس شرارت بازی کی مثل کبھی بھی
اللہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے کہ اب کبھی ایسا نہ کہنا
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷﴾ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ
اگر ہو تم سچے مومن اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آیتیں
اگر ایمان رکھتے ہو اور اللہ تمہارے لیے آیتیں صاف بیان فرماتا ہے
وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ
اور اللہ تعالیٰ ہی علم والا حکمت والا ہے بیشک وہ لوگ جو پسند کرتے ہیں
اور اللہ علم و حکمت والا ہے وہ لوگ جو چاہتے ہیں

marfat.com

اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۙ
یہ کہ پھیلے فحاشی ان لوگوں میں جو ایمان لے آئے تو ان مردودوں کے لیے دردناک عذاب ہے
کہ مسلمانوں میں براچرچہ پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے
فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ⑲
دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ان لوگوں کو اور تم نہیں جانتے
دنیا اور آخرت میں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں تا قیامت ہر مسلمان کو شرارتی لوگوں کی شرارتوں سے بچنا اور بچنے کا طریقہ سکھایا گیا اب ان آیات میں اس طریقے کی اہمیت کو بیان فرمایا جارہا ہے کہ یہ طریقہ عام معمولی بات نہیں بلکہ رب تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نصیحت ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو دنیوی تخریب کاریوں سے بچنے کا ایک طریقہ سکھایا گیا۔ اب ان آیات میں ہر قسم کی قانونی احکامی انتظامی آیات کے نازل فرمانے کا بیان فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تخریب کاروں کی تخریب کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں ان بدبختوں کی اصل نیت اور مقصد تخریب کا ذکر کیا جارہا ہے کہ اَنْ تَشِيْعَ الْفَاحِشَةُ یعنی وہ لوگ مسلمانوں میں فحاشی و بدمعاشی کو شائع اور پھیلانا چاہتے ہیں تاکہ اسلامی معاشرے میں شیطانیت داخل ہو جائے۔

تفسیر نحوی

يَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖٓ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ⑰ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ⑱ ۔ **يَعِظُ** باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف حال صیغہ اور مذکر غائب وَعْظٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے نصیحت کرنا، نصیحت کا معنی ہے کسی چیز سے روکنا۔ کرنے کے حکم کو عربی میں وصیت کہتے ہیں۔ نصیحت، وصیت دونوں کا تعلق آئندہ مستقبل سے ہوتا ہے۔ یعنی آئندہ ایسا نہ کرنا یہ نصیحت ہے اور آئندہ ایسا کرنا یہ وصیت ہے۔ اصطلاح میں نصیحت عام زندگی میں ہوتی ہے اور وصیت فوت ہونے کے وقت کسی کو دینے کا نام مگر یہ ایک عجمی اصطلاح ہے قاعدہ کلیہ نہیں۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ اول ہے کیونکہ وَعْظٌ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ اللّٰهُ اس کا فاعل اَنْ حرف ناصبہ مصدریہ، مضارع پر آئے تو نصب بھی دیتا ہے اور مصدری معنی میں بھی کرتا ہے۔ اگر ماضی پر آئے تو فقط مصدری میں معنی کرتا ہے۔ یہاں مضارع پر آیا ہے۔ **تَعُوْدُوْا** باب نَصَرَ کا فعل مضارع مثبت بمعنی منفی۔ **يَعِظُ** نے اس کا ثبوت توڑا۔ اَنْ ناصبہ نے مصدری معنی کیا اور آخر کو نصب دیا جس کی وجہ سے آخری نون اعرابی گر گئی۔ تَعُوْدُوْنَ سے **تَعُوْدُوْا** ہو گیا۔ اور ترجمہ ہوا نہ لوٹنے کی نصیحت فرماتا ہے۔ عَوْدٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا۔ لام جارہ مفعولیت کا۔ مِثْلِ۔ اسم مفرد تشبیہی۔ مضاف ہے ہٖ ضمیر کا مرجع اِفْكٌ۔ یہ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے **تَعُوْدُوْا** کا۔ اس

marfat.com

کا فاعل ہے اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ اَبَدًا۔ اسم ظرف زمانی۔ یہ ظرف ہے تَعُوْدُوْا کا۔ یہ فعل فاعل متعلق اور ظرف مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا مقدم ہے۔ اَنْ حرف شرط۔ کُنْتُمْ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا اسم اَنْتُمْ ضمیر ہے۔ مُؤْمِنِیْنَ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر برائے حاضر بحالت فتحہ ہے کیونکہ خبر ہے فعل ناقصہ کی۔ کُنْتُمْ ناقصہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر شرط موخر ہے۔ یہ شرط و جزا مل کر مفعول بہ دوم ہے یَعِظُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ خیال رہے کہ عربی میں حرف اَنْ چار قسم کا ہے۔ ۱۔ ان ناصبہ مصدریہ۔ ۲۔ اَنْ مخففہ تحقیقیہ (اَنَّ سے اَنْ ہوا)۔ ۳۔ اَنْ زائدہ۔ ۴۔ اَنْ مُفَسِّرہ۔ واؤ سر جملہ۔ یُبَیِّنُ۔ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَبْیِیْنٌ اور تبیانٌ۔ بَیْنٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے ظاہر کرنا، ظاہر ہونا۔ کسی چیز کو بیان کرنا بھی اس کو ظاہر کرنا ہوتا ہے اس لیے بیان وتِبْیَان وتَبیین کہا جاتا ہے۔ عربی میں درمیان کو بَیْنٌ کہتے ہیں کیونکہ وہ دو طرفہ ظاہر ہوتا ہے۔ یُبَیِّنُ کا فاعل ہے اسم ظاہر اللّٰہُ لَکُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے یُبَیِّنُ کا الْاٰیٰتِ۔ اسم جمع مونث سالم ہے اٰیَةٌ کی۔ یہ مفعول بہ ہے یُبَیِّنُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ اللّٰہُ مُبتدا، عَلِیْمٌ اسم صفت مشبہ مبالغہ عِلْمٌ سے مشتق ہے بروزنِ کَرِیْمٌ۔ ترجمہ ہے۔ بہت زیادہ جاننے والا۔ یہ خبر اول ہے مبتدا کی حَکِیْمٌ۔ اسم صفت مشبہ حِکْمَةٌ وَحِکْمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے بہت ہی حکمۃ یعنی قدرت تدبیر و معرفت والا، یہ خبر دوم ہے۔ اللّٰہُ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۞ اِنَّ حرف مشبہ۔ الَّذِیْنَ۔ اسم موصول۔ یُحِبُّوْنَ۔ باب افعال کا مضارع مثبت معروف۔ حَبَّ سے بنا ہے مصدر ہے اِحْبَابٌ۔ ترجمہ ہے پسند کرنا۔ محبت کرنا چاہنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ مرجع الَّذِیْنَ۔ اَنْ ناصبہ مصدریہ تَشِیْعَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع۔ شِیْعَةٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے۔ بکھرنا، پھیلنا، شائع ہونا۔ حدود سے نکل جانا۔ ہر وہ قوم یا قبیلہ جو وطن سے نکل جائے یا حدود قانونی سے نکل کر بگڑ جائے لغت میں اس کو شیعہ کہا جاتا ہے۔ اسی طرح ادھر ادھر سے آ کر کسی ایک شخص کے پاس جمع ہو جانے والا گروہ بھی شیعہ کہلاتا ہے۔ اَلْفَاحِشَةُ۔ الف لام عہد خارجی تعظیمی یعنی بڑی فَاحِشَةٌ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل مونث واحد۔ یہ لفظ جب معرف باللام ہو تو مراد ہوتی ہے بدکاری، زنا کاری۔ لیکن جب نکرہ ہو تو معنی ہوتا ہے فحش کلامی، بداخلاقی، بدخصلتی، نیچ پن، کمینگی، ذلالت، رذالت۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی بدکاری، یہ فاعل ہے تَشِیْعَ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے الَّذِیْنَ اسم موصول۔ اٰمَنُوْا۔ باب افعال کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع الَّذِیْنَ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے الَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مل کر مجرور۔ جار مجرور مل کر متعلق تَشِیْعَ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے یُحِبُّوْنَ کا۔ وہ سب فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا الَّذِیْنَ کا۔ یہ موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ لام جارہ بمعنی عَلٰی جارہ یعنی ان پر ان کے لیے۔ هُمْ ضمیر کا مرجع الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ۔ یہ جار مجرور متعلق اول ثَابِتٌ یا قَائِمٌ پوشیدہ اسم فاعل کا عَذَابٌ موصوف ہے۔ اَلِیْمٌ صفت مشبہ۔ مبالغہ یعنی کثرت وزیادتی کے لیے۔ اَلَمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے درد تکلیف۔ اَلِیْمٌ کا معنی بہت سخت بے انتہا درد تکلیف والا۔ یہ صفت ہے عَذَابٌ کی یہ مرکب توصیفی فاعل ہے ثَابِتٌ یا قَائِمٌ پوشیدہ کا فِیْ جارہ ظرفیہ مکانی کے لیے

marfat.com

الدُّنْیَا۔ اسم تفضیل مونث دَنُوٌّ یا دَنِیٌّ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے گھٹیا۔ اس کا مذکر اَدْنیٰ ہے۔ مراد ہے یہ جہانِ حیات اول معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ الْاٰخِرَۃِ۔ باب نصر کا اسم فاعل واحد مونث اٰخِرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے انتہا میں۔ بعد میں اخیر میں ہونے والی مراد ہے۔ قیامت، قبر، حشر، جہنم۔ یہ معطوف ہے۔ یہ دونوں عطف مل کر مجرور متعلق دوم ہے ثَابِتٌ یا قَائِمٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ اللّٰہُ، مبتدا، یَعْلَمُ۔ باب سَمِعَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے جاننا، معلومات رکھنا، اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اللّٰہُ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا اگر واؤ حالیہ ہے۔ تب یَعْلَمُ کا جملہ ذوالحال اَنْتُمْ کا جملہ حال ہے یہ ایک قول ہے۔ مگر صحیح ترکیب میں واؤ سر جملہ۔ اَنْتُمْ جمع مذکر حاضر مرفوع منفصل مبتدا ہے۔ لَا تَعْلَمُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع منفی معروف۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ جمع مذکر حاضر یہ فاعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے۔ اَنْتُمْ مبتدا کی یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ اے تہمت لگانے پھیلانے میں مشغول ہونے والے مسلمانو آئندہ کے لیے اللہ تعالیٰ تم کو سختی اور جھڑک سے نصیحت فرماتا ہے اس بات سے کہ پھر کبھی خبردار جو اس قسم کی تخریب کار بد خصلتی میں دوبارہ حصہ لیا یہ نصیحت دنیا بھر تا قیامت مسلمانوں کو ہے اس لیے اے سننے والو اگر تم سچے مکلف مومن ہو تو اس وجوبی حکم پر عمل کرنا اور پاکدامن شخصیات پر قذف افک وتہمت بہتان جیسے حرام کام میں مشغول ہونے سے بچے رہنا۔ یہ سخت نصیحت اس لیے بھی ہے کہ اس قسم کی شیطانی حرکتوں سے چار بنیادی نقصان پیدا ہوتے ہیں **اول** یہ کہ بزرگ اسلامی شخصیات اغیار کی نظروں میں بدنام ورسوا ہوں گی **دوم** یہ کہ اس بدکرداری سے آپس میں نفرتیں پیدا ہوتی ہیں محبتیں ختم اور اتحاد اسلامی پارہ پارہ ہو جاتا ہے۔ **سوم** یہ کہ قاذف خود بھی دنیا وآخرت میں ذلیل، بے اعتماد، بے اعتبار، ناقابل بھروسہ مردود الشہادۃ ہو جاتا ہے اور اگر سچی توبہ نہ کرے تو تاابد فاسق بھی **چہارم** یہ کہ ان بری خصلتوں سے فحاشی کی نشر واشاعت کے ساتھ ساتھ اسلامی شرعی پاکیزہ معاشرہ خراب ہو جاتا ہے بدکاری ختم ہونے کے بجائے نئے نئے طریقوں سے بڑھتی پھیلتی ہے ان وجوہ سے اے مسلمانو تم پر واجب ہے کہ رب تعالیٰ کی اس نصیحت عظیمہ قدیمہ پر ہمیشہ یعنی تاعمر پابندی سے عمل کرو۔ یہ نصیحت ایمان والوں کو جھڑک بھی ہے اور سختی سے پابند رہنے کی رغبت بھی۔ وَیُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾۔ اے مسلمانو تم کتنے خوش قسمت ہو کہ خالق کائنات اللہ تعالیٰ خود بیان فرماتا ہے۔ تمہارے حالات، کردار، اخلاق، آداب زندگی، عادات بندگی، بنانے سنوارنے کے لیے۔ شریعت طریقت، معرفت، حقیقت کی علمی فہمی، فکری، تدبیری، عقلی، آسان آیتیں قرآن و حدیث میں نازل فرماکرتا کہ ہر مسلمان خود ہی اُن منزل من اللہ آیتوں سے تمسک، تدبر، غیرت، عبرت واخلاق حمیدہ کو پہچان لے اور اللہ تعالیٰ ان آیتوں، نصیحتوں کے نزول وورود بیان کرنے میں علیم بھی ہے کہ ہر عامل ہر عمل ہر نیت کو جاننے والا ہے ہر زمان وہر مکان میں اور حکیم وحکمت والا ہے کہ حالات وواقعات، کیفیات طبعیات کے مطابق ومناسب احکام نازل فرماتا ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے اور معبود کا علیم وحکیم ہونا ضروری ہے اور مخلوق پر علیم وحکیم کے احکام ماننا واجب مطیع ہونا

marfat.com

لازم۔ علیم کا ہر حکم لائق عمل اور حکیم کا ہر ثواب، عطا، عذاب، عتاب، عقاب مناسب و درست ہوتا ہے جو علیم نہ ہو اس کا ہر حکم ماننا واجب نہیں ہوتا کیونکہ غلط حکم دینے کا امکان ہے اور اگر حکیم نہ ہو تو بے موقعہ و نامناسب حکم جاری کرنے کا امکان ہے۔ بے موقعہ یہ کہ مطیع کو سزا نافرمان کو جزا دے۔ نامناسب یہ کہ سزا و جزا میں کمی بیشی کر دے۔ لیکن اے ایمان والو اللہ تعالیٰ علیم بھی ہے حکیم بھی۔ جتنی آسان مفید ابدی بقا والی عبادتیں، نصیحتیں، شریعتیں رب تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا فرمائیں ایسی اور اتنی کسی دنیوی دین نے نہ بتائیں نہ سکھائیں اس لیے ان کا ماننا ہر انعان پر لازم جو ان نصیحتوں کو مانے گا وہی زمانے میں برتری پالے گا۔ اس لیے اے مسلمانو تم پر ان کا ماننا لازم و فرض ہے ایسا نہ ہو کہ تم قوانین اسلام کی شریعت و عدالت کو چھوڑ کر دنیا میں ذلیل و خوار ہوتے پھرو اور غیر مسلم اسلام کا اعلیٰ کردار اختیار کر کے تم پر برتری حاصل کر لیں۔ غیر مسلم دشمن تمہاری یہی دنیوی ذلت دیکھنا چاہتا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ - بیشک وہ چالاک دشمن جو اپنی تدبیروں، تشہیروں، تحریروں، تقریروں بے موقعہ خاموشیوں، دبے لفظوں تائیدوں کے ذریعہ پسند کرتے ہیں کہ عملی قولی ہر طرح مسلمانوں میں فحاشی پھیلے، بدکاری، بدعملی، بدنظمی کا عروج ہو اور ایمان والوں کے معاشرے میں خوب برائی پھیلے۔ اے ایمان والو یہ بھی کفار کا منصوبہ اور عداوتی سازش ہے اور تا قیامت جاری رہے گی۔ ایسے اندرونی بیرونی اسلام دشمن لوگوں گروہوں کے لیے کثیر و کبیر بڑا سخت دردناک ذلت آمیز عذاب ہے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔ انفرادی بھی اجتماعی بھی۔ دنیا میں انفرادی تو حد قذف مردود الشہادت فاسق معلن اور منافقت کو ظاہر کر کے اور اجتماعی شکستیں، ذلتیں دے کر اور آخرت میں۔ قبر کا عتاب، حشر میں ذلت و بے کسی بے بسی کا عتاب، جہنم کا عذاب دے کر، پل صراط سے گرا کر، دوزخ میں دبا کر اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جانتا ہے خیر ہو یا شر اور ہر شخص کو جانتا ہے۔ افک بنانے والوں کو تشہیر کرنے والوں کو تائید کرنے والوں خاموش رہنے والوں اور مخلصین تردید کرنے والوں کو اور جانتا ہے اللہ تعالیٰ ہر ایک کے مناسب حال سزا جزا کو بھی۔ پاکدامن کو بھی ناپاکدامن کو بھی۔ لیکن اے مسلمانو تم نہیں جانتے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ۔ میں آٹھ قسم کے لوگ مراد ہیں۔ ۱۔ ھَمَّازین۔ یعنی چغلخور۔ ۲۔ لَمَّازین۔ یعنی جاسوسی و غیبت کرنے والے۔ ۳۔ قذافین۔ یعنی تہمتیں بنانے لگانے والے۔ ۴۔ فحاشین۔ یعنی بدکاری کرنے والے۔ ۵۔ دلالین۔ یعنی بدکاری کرانے اور بدکاری تک پہنچانے والے۔ ۶۔ حامیین۔ سفارشین۔ یعنی جرم و مجرم کا حمایتی۔ عدالتوں میں سفارش سے چھڑانے والا، بچانے والا۔ ۷۔ عیاشین۔ یعنی بدکاری کے اڈے چلانے والے دولت حرام کمانے والے۔ ۸۔ شیاعین۔ یعنی وہ لوگ جو بغیر علم و تحقیق دلچسپی سے کسی کی بدنامی پھیلانے والے۔ یہ سب لوگ مردودین بارگاہ الٰہی و مستحقین عذاب ہیں۔ اشاعت فحاشی کے بارہ طریقے ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ عورتوں کی بے پردگی فیشن پرستی آوارہ مزاجی۔ ۲۔ فلمی عشقیہ گانے۔ ۳۔ شراب خانے۔ ۴۔ ناچ گانے۔ ۵۔ کنجر بازی کے کوٹھے سجانے۔ ۶۔ متعہ جائز کرنا۔ ۷۔ عورتوں مردوں کی مخلوط پڑھائی۔ ۸۔ گندی ننگی تصویری اشاعت۔ ۹۔ ناول افسانے عشقیہ قصے کہانیاں۔ ۱۰۔ عورتوں کا کھلے عام پھرنا، ہوٹلوں کلبوں، میلوں میں جانا۔ ۱۱۔ اسلامی تعلیم و تربیت سے خود بھی دور ہونا، اولاد کو بھی دور رکھنا۔ ۱۲۔ بری صحبتوں میں رہنا۔ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ کے فرمان میں وہ سب آٹھ قسم کے لوگ اور بارہ قسم کے طریقے شامل ہیں اور اجتماعی ادارے

marfat.com

ہوں یا انفرادی ارادے والدین ہوں یا قومی لیڈر، ناول نویس ہوں یا افسانہ نگار قوم مسلم کے لیے سب ہی زہریلے سانپ ہیں۔ ان سب شخصیات ونشریات کا سدباب کرنا اسلامی حکومت کا فرض ہے۔ مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکومت وملک ملنے کا مقصد اور کرسی حکومت کا حق ادا کرنا یہی فحاشی کی سدبابی اور اخلاقیات اسلامی کی فتح یابی اجارہ داری قائم کرنا ہے اگرچہ مسلمان عورتوں مردوں پر چوٹی چادر چاردیواری اور داڑھی ٹوپی کا جبر کرنا پڑے۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

یَعِظُکُمُ کے معنی میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے نصیحت فرماتا ہے تم کو۔ ۲۔ بعض نے کہا منع فرماتا ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا حرام فرماتا ہے۔ ۴۔ بعض نے کہا ناپسند فرماتا ہے۔ ۵۔ بعض نے کہا جھڑکتا ہے اَنْ تَشِیْعَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ افک صدیقہ مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ ہر قذف کی تشہیر مراد ہے۔ اَلْفَاحِشَۃُ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ زناکاری مراد ہے۔ کیونکہ یہاں الف لام عہد خارجی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا ہر قسم کی برائی فحاشی بھی مراد ہے۔ برائی بے حیائی کے اسباب بھی فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کی مراد میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ تمام صحابہ کرام مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا تا قیامت تمام مسلمان۔ ۳۔ بعض نے صدیقہ وصفوان عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہاں دنیوی عذاب سے مراد حد قذف کی سزا ہے اور یہ دنیوی ذلت۔ ۲۔ بعض نے کہا دنیوی معاشرے میں نفرت ملامت۔ ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد قذف کی تینوں سزائیں ہیں یعنی کوڑے مردود الشہادت ہونا۔ فاسقیت ابدی تاعمر اور دنیا کی سخت عبرت ناک بیماریاں معذوریاں وَاللّٰہُ یَعْلَمُ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے۔ قاذفین کے کذب کو اور مقذوفہ ومقذوف کی سچائی پاکدامنی کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ ۲۔ اکثر نے فرمایا کہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان خبیثوں کو جو تشہیر فحاشی کو پسند کرتے ہیں اور ان کو ہی دنیا وآخرت میں عذاب الیم ہے۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** بے ضرر پاکدامن مسلمان کو ہاتھ یا زبان سے رنج وغم، نقصان پہنچانا عذاب الیم کا باعث ہے یہ فائدہ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ کے بعد لَھُمْ عَذَابٌ کی وعید شدید سے حاصل ہوا۔ احادیث مقدسات میں بھی ایذا رسانی کی بہت برائی آئی ہے۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد نبوی ہے جو مسلمان مسلمان کے عیب بناتا، ڈھونڈتا، مشہور کرتا پھرے اس کو قیامت میں خوب ذلیل کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد نبوی ہے۔ جو مسلمان مسلمانوں کی پردہ پوشی دنیا میں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ ایک جگہ ارشاد نبوی ہے۔ حقیقی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ زبان قلم سے مسلمان محفوظ ومطمئن رہیں۔ ایک جگہ بروایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما ارشاد نبوی ہے کہ وہ شخص جہنم سے دور اور جنت میں اول دخول ہوگا جو مسلمانوں کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ **دوسرا فائدہ:** چار عادتیں سخت بری شرعی جرم اور قابل وعید ہیں گناہ عظیم کا ارادہ کرنا، یا اس سے محبت کرنا، یا فاسقوں سے محبت کرنا اور ان کی محفلوں میں جانا۔ یہ فائدہ۔ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے تمام انس وجن، ملائکہ سے زیادہ اپنے محبوب نبی آقا دوجہان ﷺ کو علم ظاہری باطنی، غیبی عطا فرمایا یہ فائدہ۔ وَاَنْتُمْ لَا

marfat.com

تَعْلَمُوْنَ۔ میں اَنْتُمْ کی تاکید سے حاصل ہوا۔ کیونکہ براءت صدیقہ کی ان اٹھارہ آیتوں میں نبی کریم ﷺ کہیں مخاطب نہیں، صرف صحابہ و مسلمان ہی مخاطب ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ صفاتی نام بولنا جو عام بزرگ انسانوں کے لیے بولے جاتے ہیں سخت منع ہے۔ اگرچہ ان مصادر کے دیگر مشتقات قرآن و حدیث میں رب تعالیٰ کے لیے ارشاد ہوئے ہوں مثلاً اللہ تعالیٰ کو مفتی، صاحب یا واعظ یا استاد صاحب یا، معلم، یا نبی کہنا جائز ہے اگرچہ اللّٰہُ یُفْتِیْکُمْ (نساء: ۱۲۷) اور یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اور اَلرَّحْمٰنُ ۙ عَلَّمَ اور خبیر ارشاد ہوا ہے۔ یہ مسئلہ۔ یَعِظُکُمُ اللّٰہُ (الخ) سے مستنبط ہوا (از تفسیر کبیر رازی) **دوسرا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ گناہوں سے محبت کرنے والا اسی طرح بدترین مجرم ہے جس طرح گناہوں میں مبتلا شخص آخرت میں دونوں برابر کے گناہ گار یہ مسئلہ یہاں اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اور آیت ۱۱ میں وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ قذف کے گناہگاروں اور تشہیر و اشاعت سے محبت کرنے والوں دونوں کو عذاب سخت ہے گناہگاروں کو عذاب عظیم گناہ سے محبت کرنے والوں کو عذاب الیم اور ہر عظیم الیم بھی ہے ہر الیم عظیم بھی۔ **تیسرا مسئلہ:** امام اعظم نے فرمایا کہ اگر کوئی مسلمان کسی شخص کو بدکاری فحاشی کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے صاف صاف دیکھ لے اور نصاب شریعت کے مطابق اس کو گواہ بھی مل جائیں۔ تب بھی عام لوگوں میں یہ بات بیان نہ کرتا پھرے۔ کیونکہ یہ بھی اشاعت فحاشی ہے جو حرام شرعی ہے۔ ہاں البتہ جرائم کے سدباب اور ختم کرنے کی نیت سے گواہوں کے ساتھ عدالت اسلامی میں بیان کرے یہ بیان کرنا شرعاً و اخلاقاً مفید ہوگا کہ مقذوف و مقذوفہ کو شرعی سزا ہوگی۔ آئندہ کے لیے اصلاح معاشرہ جرائم کی روک تھام، مجرمین کو سزاؤں کا خوف، مگر عوام میں بیان کرنا تین طرح نقصان دہ و بے فائدہ ہے۔ ۱۔ مقذوفین کی فقط بدنامی اور۔ ۲۔ بدنامی سے خاندانی دشمنی۔ ۳۔ اشاعت فحاشی اور اشاعت سے معاشرہ خراب۔ یہ مسئلہ۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا میں اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ کی شرط لگا کر یہ بتایا گیا کہ بناوٹی جھوٹی قذف افک لگانا کفر ہے اور ایمان کے خلاف، لہٰذا ثابت ہوا کہ ہر گناہ کفر ہے (معتزلی فرقہ) **جواب:** یہ تمام عبارت آیت۔ شرط و جزا نہیں ہے۔ بلکہ مخلص مسلمان اور عاقل و غافل مسلمان کی تقسیم ہے۔ کیونکہ پہلے فرمایا گیا۔ مِنْکُمْ۔ تم مومنین میں سے ہی ایک گروہ وہ ہے جو افک بنالایا۔ اب بتایا گیا کہ اگر تم مخلص و عاقل مومن ہو تو اپنے اندر کے اس گروہ کے پھندے میں مت آنا اور احمق غافل نہ بننا۔ مِنْکُمْ کا فرمان بتا رہا ہے کہ گناہ افک کے باوجود ایمان سے خارج نہ ہوئے ہو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ صرف حَکِیْمٌ فرمانا چاہیے تھا اس لیے کہ حَکِیْمٌ میں عَلِیْمٌ خود بخود آ گیا۔ حکمت علمیت کا تقاضا کرتی ہے حکیم ہوتا ہی وہ ہے جو علیم ہو۔ جو علیم نہیں وہ حکیم بھی نہیں تو حکیم کہہ دینا ہی کافی تھا۔ حکیم وہی ہے جو اچھے برے قول و فعل شخص کو بھی جانے اور مناسب نامناسب موقعہ بے موقعہ

marfat.com

سزا جزا کو بھی جانے۔ تو پھر عَلِیْمٌ کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** علم وحکمت دو علیحدہ صفتیں ہیں علم صفت بالقوۃ ہے۔ حکمت صفت بالفعل ہے۔ بوقت علم دونوں صفتیں ایک دوسرے میں شامل و داخل کہ عمل علم سے ہوتا ہے اور طریقہ عمل حکمۃ سے ہوتا ہے اور جس وقت عمل نہ ہو رہا ہو اس وقت دونوں باطنی قوتیں ہوتی ہیں دونوں علیحدہ تو یہاں دونوں لفظوں کا ذکر فرما کر باطنی قوتوں کا اظہار فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ صفت علم کا بھی مالک ہے اور صفت حکمت کا بھی باطنی اعتبار سے یہ دونوں علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس لیے دونوں کا ذکر کیا گیا۔ یہی جواب مضبوط ہے لیکن بعض نے جواب دیا کہ دونوں لفظ ایک دوسرے کی تاکید ہیں کہ دونوں جب ظاہر ہوں گی تب ایک دوسرے میں شامل جب باطن میں ہوں تو جدا جدا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ وَيُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ مفسرین لَكُمُ کا معنی کرتے ہیں لِاَجلِكُمُ۔ اس معنی سے پورے جملے کا معنی ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے افعال بھی کسی غرض وضرورت سے ہوتے ہیں۔ یہاں يُبَيِّنُ کی غرض یہ کہ بندوں سے عبادت۔ اطاعت وایمان کا نفع اللہ تعالیٰ کو حاصل ہو۔ حالانکہ رب تعالیٰ غرض اور نفع کی ضرورت سے پاک ہے۔ **جواب:** يُبَيِّنُ کی وجہ نفع اور حصول اغراض نہیں بلکہ رب تعالیٰ کا علیم وحکیم ہونا ہے۔ بتایا یہ گیا کہ اللہ تعالیٰ علم وحکمت سے اپنے بندوں کے لیے موقعہ مقام اور مناسب حال اور بندوں کی ضرورت سے آیتیں بیان فرماتا ہے نہ کہ اپنی ضرورت سے۔

تفسیر صوفیانہ

(از آیت ۱۵ تا آیت ۱۹) اِذْ تَلَقَّوْنَهٗ بِاَلْسِنَتِكُمْ وَتَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِكُمْ مَّا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ وَّتَحْسَبُوْنَهٗ هَيِّنًا ۖ وَّهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمٌ ۝۱۵ ۔ اہل شریعت عابدین کو بدنام وخراب کرنے والے شیاطین ہیں۔ اہل طریقت زاہدین کو بدنام وخراب کرنے والے بہروپے ہیں کیونکہ ہم شکل وہم لباس ہیں جو اپنی زبانوں کی بناوٹ اور مونہوں کی سجاوٹ سے بے علمی کے جال پھیلاتے، شریعت میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور مکرم عظیم کو معمولی سمجھتے ہیں حالانکہ یہ بارگاہ جلال میں گناہ عظیم ہے اس لیے رب قدیر کی طرف سے جھڑک فرمائی گئی ہے ان کو جو جبہ ودستار کے عیار ہیں اور منبر ومحراب کے مکار ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں اعمال میں صداقت کا اقوال میں حقیقت کا اور تقلید مقربین کے حالات کا اعلان کرتے ہیں اور ان کے منہ کہتے ہیں کہ ہم نے اچھوں سچوں پکوں پر ہی اعتقاد کیا۔ یہی وہ مدعی افواہ ہیں جن کی باتوں کو علم سے کوئی نسبت نہیں۔ جھوٹ باندھتے ہیں اور جھوٹی دعویداری کا کھیل رچایا۔ مگر معرفت کا قانون ہے کہ کبھی کوئی کذب کسی حقیقت عرفانی کا درجہ نہیں لے سکتا۔ راہ سلوک میں مکاروں نے اس شیطانیت کو بالکل معمولی جانا۔ مگر بناوٹ وشرارت میں یہی وہ بہتان ہے جس نے حقیقی سچوں کو پریشان و حیران کر دیا۔ کاش یہ مدعی جانتے کہ ان کے خلوتی مراقبے ظاہری شرافتیں، زبانی فصاحتیں اور باطنی اطلاعات کے باوجود وادی معرفت میں نفرت کے مقام پر ہیں۔ اس لیے واجب ہے کہ ان پر دائمی عتاب محرومی وعذاب فراق قائم رہے۔ یہ دوری منزل ان کے فساد اعتقاد کی وجہ سے ہے نہ کہ فساد اعمال کی وجہ سے کیونکہ فساد اعمال کی بخشش ممکن ہے مگر فساد اعتقاد کی بخشش ناممکن وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝۱۶ ۔ اے وادی غرور کا فتنہ اٹھانے والو تم کو چاہئے تھا کہ سفر معرفت میں مکار شیطانوں کی پہچان رکھتے اور ان سے دور ہٹے رہتے اور جب ان کی لغویات سنی تھیں تو فوراً غیرت ایمانی شعور عرفانی سے مخالفۃ شیاطین کرتے ہوئے کہہ دیتے کہ ہم ایسے فریب کاری کے جال نہیں پھیلا

marfat.com

سکتے اور جبہ و دستار منبر و محراب کو دنیا سازی کے لیے بگاڑ نہیں سکتے۔ اس لباس و مقام میں ایسا گندا فاسقانہ مجرمانہ کردار اہل سعادت و معرفت پر بہتان عظیم ہے اگر ہم خود صدیقین صالحین نہیں بن سکتے تو سچے عارفین کو اپنی فریب کاری سے بدنام بھی نہیں کرنا چاہتے۔ یَعِظُكُمُ اللّٰهُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِهٖۤ اَبَدًا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۱۷﴾ اے وادی حقیقت کے مسافران منزل اللہ تعالیٰ تم کو منع فرماتا ہے کہ کہیں پھر بھٹک نہ جانا اور بھٹک کر تھک نہ جانا اگر تم ہمت ایمانی والے ہو تو ایسا نہ کرنا اگرچہ وادی پر خار ہے۔ وَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۱۸﴾ اور بیان فرماتا ہے اسی بھٹکنے سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ تم طالبان مبتدین و عارفان مخلصین کے سامنے ظاہر و باطن میں اپنے نشانات قدرت حکمت کے انوار عرفانی کی تجلیاں و روشنیاں جو بتاتی ہیں زبان حال سے کہ ہمارا خالق و محافظ ہر شی کو جاننے والا ہے اور پیدا کرنے میں حکمت والا ہے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَةُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌۙ فِی الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَةِؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۹﴾ دنیا کی ہر وادی طلب میں کچھ مطلب پرست ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی فطرت خبیثانہ، جبلت مفسدانہ، خصلت ابلیسانہ ہوتی ہے وہ ہر وقت یہی پسند کرتے ہیں کہ اہل خیر میں شر و فتنہ پھیلے۔ ایسے ہی خناسین کے لیے دنیا میں فراق لعنت کا عذاب الیم ہے اور انجام آخرت میں محرومی و نفرت کا عذاب کثیر ہے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے ایسے گمراہان منزل کے مخفی ارادوں، باطنی چالوں کو اور وہی جانتا ہے ان پر عذاب فرقت سزا محرومیت کی نوعیت و ضرورت کو تم نہیں جانتے اور اسی لاعلمی کی وجہ سے تم اچھے ہو کر بھی بروں کے راستے پر چل پڑتے ہو اور نہیں سمجھتے کہ وہ گمراہان راہ مولیٰ میں بھی طالب دنیا ہیں۔ حالانکہ دنیا مردہ بکری سے بھی زیادہ خوار و ذلیل و حقیر ہے اور اگر دنیا کا مرتبہ بارگاہ حق تعالیٰ میں مچھر کے پر برابر بھی ہوتا تو دنیا کافر کو چلو بھر نہ ملتی۔ دنیا گناہوں کی سردار، برباد لوگوں کا گھر اور مفلسوں کا مال ہے۔

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ
اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر اور اس کی رحمت
اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی
وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا
اور بے شک یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نرمی فرمانے والا ہے رحیم بھی ہے اے وہ لوگو جو سچا ایمان لا چکے
اور یہ کہ اللہ تم پر نہایت مہربان رحم والا ہے تو تم اس کا مزہ چکھتے اے ایمان والو
لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ
اب کبھی پیروی نہ کرنا شیطان کے نقش قدم کی اور جو شخص پیروی کرتا ہے شیطان کے قدموں طریقوں کی
شیطان کے قدموں پر نہ چلو اور جو شیطان کے قدموں پر چلا

marfat.com

فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِؕ وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ

تو بے شک وہ شیطان حکم دیتا ہے فقط فحاشی اور بے حیائی بدمعاشی کا اور اگر نہ ہوتا اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر

تو وہ تو بے حیائی اور بری بات ہی بتائے گا اور اگر اللہ کا فضل

وَ رَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا٘

اور اس کی رحمت تو نہ ہوسکتا نیک پاک تم میں سے کوئی بھی کبھی بھی

اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو تم میں کوئی بھی کبھی ستھرا نہ ہوسکتا

وَّ لٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُؕ وَ اللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ (۲۱)

اور لیکن اللہ تعالیٰ نیک پاک بنا دیتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ ہی سننے والا جاننے والا ہے

ہاں اللہ ستھرا کر دیتا ہے جسے چاہے۔ اور اللہ سنتا جانتا ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں گمراہوں کے لیے دنیا و آخرت میں عذاب الیم ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں نیک متقی مخلص ہدایت یافتہ لوگوں پر دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمۃ ہونے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ فحاشی بدمعاشی پھیلانے والے لوگوں کو اے لوگو مخلص نادانو تم نہیں جانتے اور اپنے بھولپن میں ان بدبختوں، شرارتیوں کے ساتھ شامل ہو کر ان کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے تشہیر فحاشی میں ان کے معاون بن جاتے ہو۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ تم نادانوں کا علاج تو یہ ہی تھا کہ تم کو بھی دنیا میں ذلت آمیز عبرت ناک سزا دی جاتی اور پوری حد قذف شرعی لگائی جاتی مگر معاف صرف اس لیے کیا گیا کہ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۲۰)۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کچھ بدبخت سرکش تخریب کار لوگ پسند کرتے ہیں کہ مسلمانوں میں فحاشی پھیلے۔ اب ان آیات میں اس تخریب کاری کی وجہ بیان فرمائی جا رہی ہے کہ یہ لوگ شیطان ابلیس کی پیروی کرتے ہیں اور شیطان ابلیس تو ہمیشہ فحاشی و بدکاری کا ہی حکم و مشورہ وسوسہ دیتا ہے مسلمانوں کو شیطان کی پیروی سے روکا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَ لَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ وَ اَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ (۲۰) یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِؕ وَ مَنْ یَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِؕ ۔ واو ابتدائیہ۔ لَوْ حرف شرط۔ آیت ۱۰ کی طرح یہاں آیت ۲۰ میں بھی جواب شرط یعنی جزا محذوف معنوی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان شرطوں کا تعلق سابقہ عبارتوں سے ظاہر فرمانا ہے۔ وہاں لعان کی سہولت سے اور یہاں یَعِظُكُمْ کی مشفقانہ نرمی و محبت سے اور معنی کلام یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمۃ نہ ہوتے تو

marfat.com

لعان کا قانون نہ بنایا جاتا اور یہاں یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحمۃ نہ ہوتے تو یہ مشفقانہ وعظ و نصیحت و بیان آیات نہ ہوتا۔ بلکہ دونوں جگہ کڑی سزائیں دی جاتیں۔ لَا حرف نفی جنسی۔ فَضْلُ اسم مفرد معرفہ فضل بمعنی عطاء انعام اور رحمۃ بمعنی حفاظت فَضْلُ اللّٰہِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَحْمَتُهٗ یہ مرکب اضافی معطوف دونوں مل کر اسم ہے لائے نفی کا۔ عَلَیْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے نَافِذًا پوشیدہ اسم فاعل کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لائے نفی کی یہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر شرط ہے جزاء پوشیدہ کی وہ دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ جزا کی پوشیدہ عبارت صحیح قول میں لَمَا یَعِظُكُمُ اللّٰہُ ہے۔ بعض نے فرمایا کہ پوشیدہ عبارت ہے۔ لَمَسَّكُمُ الْعُقُوْبَۃُ (واللہ اعلم) اس پوشیدہ رکھنے سے احسان کی عظمت کا فائدہ واشارہ ملا۔ واؤ ابتدائیہ۔ اَنَّ مشبہ اللہ اس کا اسم رَءُوْفٌ باب فتح کا اسم مبالغہ بروزن فَعُوْلٌ۔ اس کا مادہ مصدر ہے رَأْفٌ۔ رَأْفَۃٌ۔ ترجمہ ہے نرمی رکھنا، احکام و عبادات میں نرمی برتنا، رحمت و رافۃ میں فرق یہ ہے کہ رحمت عام ہے پسندیدہ و ناپسندیدہ شخصیت پر صرف دنیا میں اور رافۃ خاص ہے دنیا میں پسندیدہ شخصیات پر رؤف رحیم یہ دونوں خبر ہیں اَنَّ کی۔ یہ اپنے اسم و دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یا حرف ندا۔ اَیُّھَا لفظ فاعل ہے۔ اَلَّذِیْنَ۔ اسم موصول اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب فاعل ضمیر صیغہ۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر منادی ہے۔ لَا تَتَّبِعُوْا۔ باب افتعال کا فعل نہی معروف، صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا مصدر ہے اِتِّبَاعٌ۔ تبعٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے پیچھے پیچھے عقیدت سے چلنا۔ کسی کے اعمال کی نقل کرنا۔ نقش قدم پر چلنا، کسی کا حکم ماننا اطاعت ہے کسی کا عمل اپنانا اتباع ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ خُطُوٰتِ۔ اسم جمع مونث سالم۔ اس کا واحد ہے خَطْوٌ۔ بمعنی قدم۔ اصل میں تھا خَطٌّ۔ بمعنی لکیر ڈالنا، نشان ڈالنا، مراد ہے نشان قدم۔ یہاں بمعنی وسوسے ہے۔ بحالت فتحہ ہے کیونکہ مفعول بہٖ ہے مضاف ہے۔ الشَّیْطٰنِ اسم مبالغہ بروزن فَیْعَالٌ۔ شَطَنٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے مکاری کرنا، صفاتی نام ہے ابلیس کا۔ یہ مضاف الیہ ہے خُطُوٰتِ کا۔ دونوں مل کر مفعول بہٖ ہے لَا تَتَّبِعُوْا کا یہ فعل بافاعل مفعول بہٖ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ مَنْ اسم موصول شرطیہ۔ یَتَّبِعْ۔ باب افتعال کا مضارع حال یا مستقبل مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مَنْ جازمہ۔ اس نے یَتَّبِعْ مضارع کو جزم دیا۔ خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ یہ مرکب اضافی مفعول بہٖ یَتَّبِعْ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول بہٖ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ۔ حرف جزا۔ اِنَّ حرف مشبہ۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع شَیْطٰنٌ ہے۔ یہ ضمیر اسم ہے اِنَّ کا۔ یَاْمُرُ باب نَصَرَ کا مضارع حال صیغہ واحد مذکر غائب امر سے مشتق ہے ترجمہ حکم دینا، متعدی ہے۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ مرجع ہے شیطان۔ بِ جارہ تعدیہ کی اَلْفَحْشَآءِ اسم معرف باللام۔ ترجمہ ہے بدکاری، معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ الْمُنْكَرِ۔ الف لام ہے استغراقی۔ بمعنی ہر قسم۔ مُنْكَرٌ۔ باب افعال کا اسم مفعول۔ اس کا مصدر ہے اِنْكَارٌ ترجمہ ہے ناپسند کرنا، نفرت و انکار کرنا۔ نُكْرٌ سے بنا ہے مُنْكَرٌ کا معنی ہے قابل نفرت مکروہ، ناپسندیدہ، کمینگی، بداخلاقی، بدخصلتی۔ مراد ہے ہر قسم کا گناہ یہ معطوف ہے۔ اَلْفَحْشَآءِ پر۔ دونوں عطف مل کر مجرور اور متعلق ہے یَاْمُرُ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ یہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ یَّتَّبِعْ کی۔ یہ شرط و جزا مل کر معطوف علیہ لَا تَتَّبِعُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر جواب ندا ہے۔ یا ندائیہ اپنے منادی و جواب ندا سے مل

marfat.com

کر جملہ ندائیہ ہو گیا وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ مَا زَکٰی مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰکِنَّ اللّٰهَ یُزَکِّیۡ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیۡعٌ عَلِیۡمٌ ﴿۲۱﴾ ۔ واؤ سر جملہ (ابتدائیہ) لَوۡ حرف شرط۔ لَا حرف نفی جنس۔ فَضۡلُ اللّٰهِ مرکب اضافی معطوف علیہ۔ عَلَیۡکُمۡ معترضہ کلام۔ واؤ عاطفہ رحمتہ مرکب اضافی معطوف ہے فَضۡلُ اللّٰهِ پر دونوں عطف مل کر اسم ہے لاءِ نفی کا۔ عَلَیۡکُمۡ یہ جار مجرور متعلق ہے ثابتًا یا نافذًا پوشیدہ اسم فاعل کا۔ وہ اپنے فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے لاءِ نفی کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر شرط ہے۔ مَا زَکٰی۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق منفی معروف صیغہ واحد مذکر غائب۔ لَوۡ شرطیہ کی وجہ سے ماضی تمنائی کے معنی میں ہے۔ ترجمہ ہے نہ ہوتا نہ ہوسکتا۔ زَکٰی یا زَکُوٌّ سے مشتق ہے اس کا حاصل مصدر ہے زَکَاۃٌ بمعنی پاکیزگی۔ زَکٰی کا لغوی ترجمہ ہے۔ پھلنا، پھولنا، شاداب ہونا۔ زَکُوٌّ کا لغوی ترجمہ ہے بڑھنا۔ قابل نشوونما ہونا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے پاک صاف ستھرا ہونا۔ جسمانی و روحانی نفع بخش ہونا، یہاں مراد ہے نیک ہونا۔ اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ، مِنۡکُمۡ یہ جار مجرور متعلق اول ہے۔ مِنۡ بعضیت کا ہے معنی ہے تم میں سے۔ مِنۡ اَحَدٍ یہ مِنۡ بیانیہ ہے اَحَدٍ اسم عددی تنکیری بمعنی کوئی یہ جار مجرور متعلق دوم ہے۔ اَبَدًا اسم ظرفیہ زمانیہ ظرف ہے مَا زَکٰی کا یہ فعل اپنے فاعل دونوں متعلقوں اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ لٰکِنَّ حرف مشبہ بسیط ہے مرکب نہیں۔ بعض نے اس کو لَا اَنَّ یا۔ لَکَ اَنَّ سے مرکب کہا ہے۔ مگر یہ غلط ہے۔ یہ صرف استدراک کے لیے آتا ہے مَا زَکٰی نقیض ہے یُزَکِّیۡ کی۔ جس کو ختم کر کے لٰکِنَّ سے یُزَکِّیۡ کو ثابت فرمایا گیا اللہ اس کا اسم۔ یُزَکِّیۡ باب تفعیل کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہے مصدر تَزۡکِیٌ یا تَزۡکُوِیٌ اور تَزۡکِیَۃٌ۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ مَنۡ اسم موصول۔ یَشَآءُ۔ باب فَتَحَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر شَیۡءٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر میمی ہے مَشِیۡئَۃٌ لغوی ترجمہ ہے چاہنا، ارادہ کرنا، اصطلاح میں معاملہ، قانون، محسوس چیز، محدود و محلول چیز۔ یہ جسمًا یا ذہنًا موجود چیز کو اسی لغوی معنی میں شیءٔ کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مراد میں ہوتی ہے۔ یَشَآءُ کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَنۡ ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَنۡ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یُزَکِّیۡ کا۔ یہ فعل با فاعل اور مفعول بہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے لٰکِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے مَا زَکٰی کے جملے پر دونوں عطف مل کر جزا ہے لَوۡلَا کے جملے کی وہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ اللہ مبتدا۔ سَمِیۡعٌ اور عَلِیۡمٌ دونوں باب کَرُمَ سے صفت مشبہ مبالغہ کے صیغے ہیں سَمۡعٌ اور عِلۡمٌ سے مشتق ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ہیں ترجمہ ہے قدرت و غلبے سے ہر چیز کی سننے والا ہر چیز کو جاننے والا ہمیشہ سے ہمیشہ تک۔ جب یہ بندوں کی صفت بنائی جائے تو معنی ہے صرف کان سے سننے والا اور صرف قلب و عقل سے جاننے والا۔ نہ ہمیشہ سے نہ ہمیشہ تک۔ یہ دونوں اسم دو خبریں ہیں اللہ مبتدا کی۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَیۡکُمۡ وَرَحۡمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوۡفٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۲۰﴾ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ وَمَنۡ یَّتَّبِعۡ خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ فَاِنَّهٗ یَاۡمُرُ بِالۡفَحۡشَآءِ وَالۡمُنۡکَرِ ؕ ۔ اے وہ لوگو جو بلا سوچے سمجھے منافقین کی ورغلاہٹ، شیطان کی وسوساہٹ اور عجیب گھبراہٹ میں آ گئے تم کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں شرعی سزائیں دے کر عذاب آخرت سے بچا لیا اگر یہ فضل و

marfat.com

کرم اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمۃ وشفقۃ تم سے نہ ہوتی۔ تو بالکل منافقین کی طرح دنیا و آخرت میں تمہاری تباہی وقار، بربادی اعمال، ذلت احوال ہو جاتی۔ لیکن تم لوگ قلب وعقل سے ظاہر و باطن میں اللہ تعالیٰ کے مطیع رسول اللہ کے متبع، شریعت کے عابد، قرآن مجید کے فرمانبردار، ایمان کے مخلص ہو اس لیے اپنے حبیب کے طفیل تمہاری عزت آبرو ایمان و اعمال کو دنیا، قبر، حشر میں بچالیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر شریعت کے نرم و آسان قوانین و احکام کی آیات نازل فرما کر رؤف اور رحیم ہے۔ رؤف ہے رافت ونرمی فرما کر رحیم ہے دونوں جہان میں عزت بچا کر رؤف ہے توبہ کی مہلت دے کر رحیم ہے توبہ قبول فرما کر۔ اللہ تعالیٰ تو آب ہے بندوں کو مہلت توبہ دے کر اور رحیم ہے دنیا قبر وحشر میں عزت دے کر رؤف ہے توبہ کا طریقہ سکھا کر رحیم ہے ٹوٹی پھوٹی کسلت غفلت کی ناقص توبہ قبول فرما کر۔ رؤف ہے توفیق عبادت دے کر رحیم ہے قبولیت کی سعادت دے کر۔ اے مسلمانو تم سے یہ لغزش تلبیس ابلیس، تخریب خبیث کے جال میں پھنسنے کی وجہ سے ہوئی جس نے تم کو رسوا کر دیا مگر اب خوب گوش وہوش سے سن لو کہ آئندہ کوئی بھی شیاطین کے بنائے فاسقین کے بتائے ہوئے رستوں و قدم کے نقشوں پر مومن مخلص نہ چلے خبردار و آگاہ کیا جاتا ہے نہ مشاور دنیوی کی اطاعت سے نہ مشاغل مذہبی کی اتباع میں۔ اس لیے کہ شیاطین خناسین تمہارے خیر خواہ کبھی نہیں ہو سکتے اگرچہ کسی بھی روپ بہروپ میں تمہارے پاس آئیں اور جو شخص اپنی بدبختی سے شیطان کے بنائے بتائے پر چلے یا چلنے کا ارادہ کرے تو تجربہ یقین اور مشاہدہ عینی سے سمجھ لو کہ شیطان ہمیشہ ہر شخص کو فحاشی، بدکاری اور دنیا آخرت کی نفرت ذلت کے منکر و ناپسندیدہ اقوال افعال حرکات و کردار کا ہی حکم و مشورہ دیتا ہے۔ شیطان اپنے ساتھیوں کو کبھی بھی نیکی یا اچھائی کی ہدایت نہیں دیتا بلکہ بے حیائی بے غیرتی کی ہی صحبت محبت دلاتا ہے اور اسی انداز سے برائی سکھاتا ہے کہ انسان برا بن کر مہلک اور مذل اعمال بد کو بھی اچھائی ناموری سمجھنے لگتا ہے اور ناکامی کو کامیابی، حماقت کو سیاست جانتا ہے اور پھر ایسی کمینگی پھیلاتا ہے کہ معاشرہ برباد و بے غیرت ہو جاتا ہے اور بدمست فرد اپنی ہی بربادی کو بربادی نہیں سمجھتا۔ آنکھیں اس وقت کھلتی ہیں جب خطوات شیاطین پر چلنے والا خود اپنی آگ میں ہی جلتا ہے اپنے فساد میں خود پھنستا ہے اور پھر ہر جگہ اپنے پرایوں میں کہتا پھرتا ہے۔

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا   کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۲۱ ۔

اے مسلمانو یہ بھی اللہ تعالیٰ کا ہی تم پر فضل و رحمت، کرم و شفقت ہے کہ تم اپنے بڑے دشمن ایمان کے خفیہ چور ظاہر ڈاکو شیطان سے بچے ہوئے ہو اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل، رسول اللہ کی نظر، دامن رحمۃ کا سایہ احمد نہ ہوتا تو تم میں سے کوئی بھی شیطان کی پلیدیوں سے بچا ہوا صحیح سلامت پاکیزہ نہ رہ سکتا۔ خواہ کتنی بھی کوشش کرتا۔ نہ عملی لیاقت بچا سکتی نہ عقلی طاقت نہ فکری عبادت۔ بہت سوں کا تجربہ ہے کہ دروازہ مصطفیٰ سے ہٹنے بیگانے ہونے والے ناز و فخر کرنے والے بڑے بڑے علماء، عقلا، فضلا، صلحا کو ابلیس ایک لمحے میں زیر کر لیتا ہے۔ کسی نے کیا خوب فرمایا۔

اے یارا تو احمق ہویا علم زیادہ پڑھ کے   پڑھ پڑھ کے مغرور نہ ہونا پھٹ جاتا دودھ کڑھ کے

بس اللہ تعالیٰ ہی اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے پسند فرما کر سعادت کی خوشبو طہارت کی خوبی عبادت کی توفیق سے معطر،

marfat.com

مطہر، منور کر دیتا ہے اور اس بندۂ سعید سے تمام غلاظتیں دور فرما دیتا ہے اور اس کو برائیوں سے دور گناہوں سے نفور نیکیوں سے مسرور بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو کامل راحت اکمل رحمۃ بنایا، صحابہ کو ہدایت کا تارا اور اہلبیت کو سفینۂ نوحی سہارا، مسلمانوں کا آسرا بنایا۔ ورنہ اس بیابان میں کوئی پرسان حال تمہارا نہ ہوتا۔ اللہ تعالیٰ اسی انتخاب بندگان میں سمیع بھی ہے علیم بھی وہ ہی جانتا ہے کہ کون قرب بارگاہ کے قابل کون تزکیہ قلب و روح کے لائق، وہ سمیع ہے تمہارے اقوال کا علیم ہے تمہارے اعمال کا۔ مگر انسان نادان ہے کہ دوست دشمن کو نہیں پہچانتا اور شیطان خطرناک ہے اس کی چالیں ہیبتناک ہیں۔ بس سمیع و علیم ہی بچانے والا ہے۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

ان آیات میں تین جگہ کُمْ ضمیر کے مرجع میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ ان تینوں کا مرجع مشتہرین افک ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ تا قیامت عام مسلمان ہیں۔ خُطُوٰتِ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت خُطُوٰتِ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت خُطَوٰتِ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت خُطُوْتِ ہے۔ فَاِنَّهٗ کی ہٗ ضمیر کے مرجع میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا مرجع مراد شیاطین ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا مرجع مَنْ یَّتَّبِعْ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا مرجع کوئی نہیں کیونکہ یہ ضمیر شان ہے۔ مَازَکٰی کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت مَازَکٰی ہے باب ضَرَبَ سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت مَازَکّٰی ہے باب تفعیل سے۔ ۳۔ بعض کی قرأت مَازَکِیَ ہے باب حَسِبَ سے۔ مِنْکُمْ اور مِنْ اَحَدٍ۔ دونوں مِنْ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ پہلا مِنْ بیانیہ ہے دوسرا زائدہ۔ ۲۔ بعض نے کہا دونوں بیانیہ ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا دونوں زائدہ ہیں۔

فائدے

ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** پہلے زمانوں کا ایک فرقہ قدریہ کہتا تھا کہ مسلمانوں کو قلب و عقل و روح کا تزکیہ پاکیزگی طہارت بدنی و عبادت عضوی سے ملتی ہے یہ تزکیہ مسلمانوں کی اپنی محنت سے ہے۔ مگر اہلسنت کا عقیدہ تھا اور ہے کہ تزکیہ و پاکیزگی قلب و عقل و روح نہ طہارت بدنی سے ملتی ہے نہ عبادات اعضائی سے بلکہ فقط اللہ تعالیٰ کے کرم و رحمت و رافت سے ملتی ہے یہی عقیدہ صحیح ہے کیونکہ قرآن حدیث کے مطابق ہے۔ یہ فائدہ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی کچھ صفات دیگر کچھ صفات سے زیادہ اکرم و اہم ہیں۔ مثلاً صفت رؤف اہم ہے صفت توّاب سے۔ لہٰذا جس بندے پر اللہ تعالیٰ رافۃ کا کرم فرمائے وہ زیادہ مکرم و معزز ہے اس بندے سے جس پر توابیت کا کرم ہو۔ اس لیے کہ توابیت میں ایک کرم صرف اس گناہ کی معافی جس کی توبہ کی گئی۔ مگر رافت میں تین کرم۔ قبولیت بھی، مقبولیت بھی، محبوبیت بھی۔ یعنی دفع عذاب بھی عزت شان بھی۔ یہ فائدہ پہلے مسئلہ لعان میں تَوَّابٌ اور اب واقعہ افک میں رَءُوْفٌ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کہ وہاں قانون بنا کر اظہار توابیت ہوا اور یہاں عذاب الیم ختم فرما کر اظہار رافۃ محبوبیت ہوا اور عذاب ختم کر دینا زیادہ کرم ہے۔

احکام القرآن

ان آیتوں سے کچھ فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** خود شیطان اگرچہ ظاہر نظر نہیں آتا مگر اس کے خطوات

marfat.com

یعنی نقوش ونشانات ظاہر نظر آتے ہیں ہر گمراہی، بدعقیدگی، بدعۃ سیئہ۔ یہ سب شیطان ہی کے نقش قدم ہیں اس لیے ہر مسلمان کو ان گستاخیوں سے بچنا واجب ہے۔ شیطان کا پہلا قدم اور خصوصی سبق گستاخی انبیاء کرام اور نبی علیہ السلام کو اپنے جیسا بشر کہنا ہے اور انسانوں کو گستاخ بنانا ہے۔ ان خطوات میں بدعقیدہ پیر، خطیب، برے دوست، جاہلانہ کتابیں، فحش افسانے، گندی غزلیں شامل۔ یہ مسئلہ لَا تَتَّبِعُوْا کی نہی شدید سے مستنبط ہوا۔ جس نے بتایا کہ ہر برے شخص سے بچنا ہٹنا خود ہر مسلمان پر واجب ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** دنیوی اعمال بد میں سب سے زیادہ نقصان دہ برے کام فحاشی، بدمعاشی کرنا کرانا پھیلانا ہے اس کے بعد اعمال مکروہات، اس لیے کہ مکروہات شرعیہ کا اثر صرف فاعل پر رہتا ہے مگر فحاشی، بدمعاشی، بدکاری کا اثر فاعل پر بھی اور پورے ماحول ومعاشرے پر بھی پھیلتا چلا جاتا ہے۔ یہ مسئلہ۔ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ۔ میں فَحْشَآءِ کو پہلے اور مُنْكَرِ کو بعد میں ذکر فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں۔ لَوْلَا شرطیہ ہے اور شرط کے لیے جواب شرط یعنی جزا ضروری ہے مگر یہاں جزا نہیں ہے لہٰذا یہ جملہ ناقص ہوا اور ناقصیت فصاحت کلام کے خلاف ہے۔ **جواب:** یہاں جزا معدوم ونا پید نہیں۔ بلکہ محذوف منوی ہے اور محذوف بھی اس لیے کہ سابقہ آیت ۱۹ میں۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُحِبُّوْنَ کا پورا جملہ اس جزاء محذوفہ کا نشان وقرینہ موجود ہے اور نشان سے نشان والی چیز سمجھ لی جاتی ہے۔ یہاں اس طرح سمجھو کہ بتایا جارہا ہے۔ فحاشی پھیلنے کو پسند کرنے والوں کے لیے تو عذاب الیم مقرر ومقدر ہو گیا۔ لیکن تم پھیلانے والوں پر اگر فضل ورحمت نہ ہوتا تو تم پر بھی عذاب الیم آجاتا یا مقدر ہو جاتا۔ پتہ لگ گیا کہ اس شرط کی جزا عذاب الیم ہونا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں مسلمانوں کو فرمایا گیا کہ شیطان کے خطوات کی اتباع نہ کرو جو اتباع کرنے لگتا ہے تو شیطان اس کو فحشا ومنکر کا حکم دیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ خطوات کچھ علیحدہ چیز ہے اور فحشا ومنکر علیحدہ چیز اور پہلے اتباع خطوات ہے پھر حکم فحشا ومنکر اور خطوات بذات خود برے نہیں بلکہ فحشا ومنکر کا ذریعہ وسبب ہے۔ حالانکہ احادیث مقدسات سے ثابت ہے۔ خطوات ہی فحشا ومنکر ہیں۔ تو آیت وروایت میں مطابقت کیسے ہو۔ **جواب:** مطابقت اس طرح ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت نے اسباب ومسببات کا ذکر فرمایا اور ہر حدیث پاک نے ان کے گناہ ہونے کا یعنی آیت نے فرمایا کہ اتباع خطوات اور شیطان کا ساتھی تمام دیگر جرائم کا سبب ہے اور دیگر جرائم مسبب۔ حدیث پاک نے فرمایا اتباع خطوات اور شیطان کے رستوں نشانات قدم پر آکر شیطان کا ساتھی بننا بھی باعث گناہ وعذاب ہے۔ مثلاً بری کتابیں، عشقیہ ناول، گندے گانے، بدمعاشوں کی دوستی، بری محفلیں آج کل کے فاسق گمراہ پیر خطیب، فلمیں ڈرامے وغیرہ یہ خطوات شیطان ہیں۔ گناہوں کے اسباب ہیں۔ ان کے قریب ہونا ان کو پسند کرنا ان کی بیعت واقتدا کرنا، پڑھنا، گانا، بروں کی محفلوں میں جانا، یہ ان کی اتباع ہے۔ اور پھر ان کی مثل ان کے رنگ میں رنگ جانا بری صحبت کا اثر ہو جانا اور پھر خود بھی بدمعاشی، فحاشی، شراب نوشی وغیرہ کی بدکاری، بدکرداری کرنے لگ جانا یہ یَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ہے۔ کہ ان تمام اسباب ومسببات کی تلبیس وتلویث واتباع سے ہی آخرت برباد زندگی تباہ ہے۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ

وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ وَاَنَّ اللّٰهَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿٢٠﴾ اور اگر قرب منزل کا فضل الٰہی اور بقاء دوام کی رحمت کبریائی اور ظلمات ناسوت میں انوار جلوہ مصطفیٰ کی دستگیری تمہیں نہ ملتی تو تم پر بھی مجالس اشرار مصاحبت اغیار اور محافل آزار کی وجہ سے فناء فراق کا عذاب نازل ومقدر ومقرر ہو جاتا لیکن تم کو تمہارے سینہ انوار کی وجہ سے بچالیا گیا اور بیشک اللہ تعالیٰ اپنے بھٹکے ہوئے بندگان مخلص پر بھی رافۃ اسرار ورحمۃ انوار اور انعام ابرار فرمانے والا ہے۔ اسی لیے اپنے بندگان خاص کو دامن محبوب کی وادی طور تجلیات میں پہنچایا۔ اشرار دنیوی سے بچایا۔ بچانا ہمارا کام اور آئندہ بچنا تمہارا کام۔ لہٰذا۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ وَمَنْ يَّتَّبِعْ خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ فَاِنَّهٗ يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ ؕ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ مَا زَكٰى مِنْكُمْ مِّنْ اَحَدٍ اَبَدًا ۙ وَّلٰكِنَّ اللّٰهَ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢١﴾۔ اے قرب معرفت کے ایمان والو جو معرفت حق الیقین پر ایمان لائے ہو یاد رکھو عالم ناسوت کے سفر حیات وراہ منزل میں بہت سے شیطانی راستے اور نشانات ابلیس ہیں۔ ہر قدم پر گناہوں کے کانٹے، فریبوں کے پتھر ہیں۔ اس لیے

ہست بس پر آفت و خوف و خطر پیر رابگذیں کہ بے پیر ایں سفر

مرشد پکڑو اور مرشد ایمانی کی دستگیری سے منہ نہ پھرانا اور خطوات شیاطین کی اتباع نہ کرنا اور وادی سلوک کا جو بدنصیب خطوت شیطان کی پیروی کرتا ہے تو وہ یاد رکھے کہ شیطان کسی بھی شکل وصورت قول واقرار میں ہو وہ انسان وجنات کا دشمن ہی ہے اور فحاشی ظلمات ومنکر لغویات کا ہی حکم دیتا ہے اور یہ وہ ازلی دشمن ہے جو ہر وقت ہر انسان کے ساتھ لگا ہوا ہے۔ اے بندگان طلب اگر وادی حقیقت میں رب تعالیٰ کا فضل ورحمۃ اپنے بندگان طالبین وراغبین پر نہ ہوتا تو یہ ابدی ظاہری باطنی اصلی دشمن تم کو بحر ظلمات میں ڈبو دیتا اندھیری جھاڑیوں میں پھنسا دیتا اور کوئی بھی بندہ فضل الٰہی رحمت کبریائی سے اپنے قول فعل شکل وجسم پر نقشہ مصطفائی سجانے کے بغیر تاعمر کبھی بھی مطہر مزاج مزکی دماغ نہیں ہوسکتا اگرچہ طریقہ مصطفیٰ محبت مجتبیٰ کو چھوڑ کر کوئی عابد بحرو برزاہد خشک وتر ہو جائے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ہر اک کو میسر نہیں اس در کی غلامی۔ یہ بھی رب تعالیٰ کا کرم عمیم ہے کہ جس پر چاہتا ہے رحم فرما کر بندہ خاص بنا کر عبد مصطفیٰ بنا دیتا ہے اور اسی کو قلب وروح کی طہارت عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی ہر سائل و سالک کی سننے والا ہر طالب وعاجز کو جاننے والا ہے وہی بندگان خاص پر الطاف حقیقی کے اسباب نازل فرماتا ہے اگرچہ ظاہراً بندے قہر محسوس کریں۔ طالب معرفت پر اسباب لطف کے پانچ فائدے ہوتے ہیں۔ **اول** تادیب بارگاہ کی تعلیم **دوم** تہذیب اعمال کی تربیت **سوم** بلندی درجات کا موجب **چہارم** قرب منزل کی ترقی **پنجم** امتحان طریقت کا شکنجہ۔ ابتلاء اولیاء اللہ مثل آتش صراف ہے اور مرید عارف مثل سونا چاندی جس طرح سونے چاندی کے لیے آتش صراف مفید ہے ایسے ہی طالب صادق کے لیے ابتلاء قہر ومصائب دہر مفید ہے۔ ارشاد نبوی اَشَدُّ النَّاسِ بَلَاءً اَلْاَنْبِيَاءُ ثُمَّ الْاَوْلِيَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ایک دوسری حدیث میں ارشاد مقدس ہے يُبْتَلَى الرَّجُلُ عَلٰى قَدْرِ دِيْنِهٖ یعنی ہر بندہ اپنے دین کے حساب سے امتحان لیا جاتا ہے۔ وادی طلب کے قانون میں حقیقۃ ومجاز ساتھ ساتھ چلتے ہیں بلکہ مجاز نشان حقیقت ہے اور سیڑھی ہے حقیقت کی اس لیے سورۃ لقمان آیت ۱۴ میں ارشاد ہے۔ اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ ؕ اے بندے میرا بھی شکر ادا

marfat.com

کرا اور اپنے والدین کا بھی چونکہ والدین وجود مجازی کے اصل و والد ہیں اس لیے ان کا شکر مجازی ہے اور اللہ تعالیٰ وجود حقیقی کا اصل و خالق ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ کا شکر حقیقی ہے جیسے نعمت حقیقی رب تعالیٰ کی طرف سے مجازاً غیر اللہ کی طرف سے اسی کی طرف اشارہ ہے حدیث مقدس میں مَنْ لَّا یَشْکُرِ النَّاسَ فَقَدْ لَا یَشْکُرُ اللّٰہَ جو بندہ لوگوں کا شکریہ ادا نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کا بھی شکر نہیں کرتا۔ آیت لقمان میں مجاز کو حقیقت کی سیڑھی فرمایا گیا ہے اور اس حدیث میں مجاز کو حقیقت کا نشان اسی وجہ سے بوقت براءت والدہ صدیقہ نے صدیقہ کو فرمایا تھا کہ شکریہ کرو نبی کریم ﷺ کا تا کہ شکر الٰہی کی شرط ثواب مکمل ہو جائے شکر نبی کریم ﷺ سبب اکمل ہے شکر الٰہی کا اگر سبب نہ ہو تو مسبب ہو سکتا ہی نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہر عبادت الٰہی میں نقشہ مصطفائی قائم فرمایا گیا اور نماز الٰہی میں سلام مصطفائی کرایا گیا تا کہ تعبد رب تعالیٰ میں تصور نبی کریم رہے۔ اسی خیال محمدی کے لیے فرمایا صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ یعنی نماز الٰہی میں بھی خیال مصطفائی قائم فرمایا گیا۔ جس نماز میں نبی کریم ﷺ کا خیال نہیں آیا وہ نماز مردود ہے۔ اہل معرفۃ کے لیے خیال مصطفوی مقام عروج کی تکمیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کے دو راستے ہیں۔ پہلا راستہ اہل سلامت کا۔ دوم اہل ملامت کا۔ اہل سلامت کا راستہ درجات جنت تک ہے اہل سلامتی اپنے وجود کی قید میں مقید ہوتے ہیں۔ لیکن اہل ملامت کا راستہ بارگاہ الٰہی تک پہنچتا ہے اس لیے کہ ابتلاء وملامت وجود کے دروازے کی چابی ہے۔ یہاں وجود حادث اس طرح پگھلتا ہے۔ جس طرح سورج کے قرب سے پہاڑوں کی برف اور جس طرح برف پگھل کر چشموں دریاؤں کی طرف اپنی منزلیں طے کرتا ہے اسی طرح وجود حادث پگھل کر منزل قرب کے بحر انوار کی طرف منزلیں طے کرتا ہے۔ اسی ابتلاء سلامت سے صدیقہ کو نور قدیم نے کرم ولایت سے نوازا یہ ملامت دلالت ہوگئی ان کی ولایت پر۔ یَعِظُکُمْ میں امر ونہی کے نو احکام نازل فرمائے گئے۔ ۱۔ اَنْ تَعُوْدُوْا۔ پھر نہیں بھٹکنا۔ ۲۔ یُبَیِّنُ آیات کا دھیان رکھنا۔ ۳۔ اشاعت فحاشی سے بچنا۔ ۴۔ نشانات شیطان سے دور رہنا۔ ۵۔ روح قلب کے تزکیے میں لگے رہنا۔ ۶۔ ہر کامیابی کو اللہ تعالیٰ کی رحمت وفضل سمجھنا۔ ۷۔ ہر ناکامی کو رب تعالیٰ کی حکمت اور اپنی کوتاہی۔ ۸۔ گناہوں میں حصہ نہ لینا۔ ۹۔ ہر منکر سے نفرت کرنا۔ خطوات شیطان کی سات قسمیں ہیں۔ ۱۔ فحاشی۔ ۲۔ منکر۔ ۳۔ قذف کذب۔ ۴۔ گالی۔ ۵۔ عیب جوئی۔ ۶۔ جھوٹ۔ ۷۔ گستاخی۔ دنیا میں صرف تین کام ایمانی ہیں۔ تبلیغ عمل صالح، ذکر اللہ۔ باقی سب شیطانی ہیں اور وبال جان۔ حقیقی تزکیہ یہ ہے کہ اغیار سے دور ہو ہر گناہ سے نفور ہو۔ شیطان اپنے ساتھیوں کو تین حکم دیتا ہے۔ ۱۔ درندگی کا۔ ۲۔ حیوانیات کا۔ ۳۔ شیطانیت کا۔ درندگی وحیوانیت میں اصلاح کی امید ہوتی ہے مگر شیطانیت میں نہ امید اصلاح نہ قرب فلاح درندگی وحیوانیت سے انسان شیطان کا سپاہی بنتا ہے مگر شیطانیت سے شیطان کو مشیر ومحبوب اس لیے اس سے انسان کو فضل سے محرومی اور رحمت سے محجوبی ہوتی ہے۔ کمال سعادت کا ملنا رحمۃ ہے اور نور ہدایت کا ملنا فضل ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَۃِ

اور نہ قسم ڈال لیں وہ جو سب سے زیادہ دینی افضلیت والے ہیں تم میں سے اور دنیوی دولت مندی والے ہیں

marfat.com

اور قسم نہ کھائیں وہ جو تم میں فضیلت والے اور گنجائش والے ہیں
اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ
اس رکاوٹ کی کہ خرچہ دیں قرابت داروں کو اور مسکینوں کو اور مہاجروں کو
قرابت والوں اور مسکینوں اور اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والوں کو دینے کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ
اللہ تعالیٰ کے راستے میں اور چاہئے کہ ذاتی مجرموں کو معاف کر دیں اور سابقہ غلطیوں کی درگزر کریں
اور چاہئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں
اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ
اے افضلیت والو کیا تم یہ پسند نہیں کرتے کہ بخش دے اللہ تعالیٰ تم کو
کیا اسے دوست نہیں رکھتے کہ اللہ تمہاری بخشش کرے
وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲﴾
اور اللہ تعالیٰ ہی بخشنے والا رحیم ہے
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے
اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ
بیشک وہ لوگ جو تہمت لگاتے ہیں پاکدامنوں کو گناہوں سے ناواقف
بیشک وہ جو عیب لگاتے ہیں انجان پارسا
الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۲۳﴾
ایمان والیوں کو وہ شرارت باز لوگ لعنت کیے گئے ہیں دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے بڑا سخت عذاب ہے
ایمان والیوں کو ان پر لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کوئی بندہ خود بخود شیطان کی گندگی سے پاک وصاف ستھرا نہیں ہوسکتا اللہ تعالیٰ ہی یُزَکِّیْ مَنْ یَّشَآءُ ؕ جس کو چاہتا ہے پاک وصاف فرماتا ہے اب ان آیات میں پاک صاف ستھرے مسلمانوں کی نشاندہی فرمائی جارہی ہے کہ وہ خوش قسمت مسلمان اُولُوا الْفَضْلِ

marfat.com

حضرات ہیں۔ **دوسرا تعلق** : پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ جن کم عقل نادان مسلمانوں نے اس الزام تراشی بہتان بازی میں اپنے بھولپن کی وجہ سے تخریب کاروں کا ساتھ دیا تھا۔ ان کے باطنی مخلصانہ ایمان اور بعد میں اپنے کئے پر پچھتانے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں محض اپنے فضل و رحمت سے معاف فرمادیا۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اے وہ لوگو جن کو اس بہتان بازی سے نقصان پہنچا تم بھی ان پچھتانے والے خطا کاروں کو معاف کردو کیونکہ تم منجانب اللہ اُولُوا الْفَضْلِ کی شان پانے والے ہو۔ تم لوگ ان خطا کاروں کی مخالفت میں قسمیں نہ بولو۔ **تیسرا تعلق** : پچھلی آیات میں خطا کاروں کی اس معافی کا ذکر ہوا جو اللہ تعالیٰ نے معافی دی۔ اب ان آیات میں معافی دینے کی وجہ بیان فرمائی جارہی ہے کہ وہ اُولِی الْقُرْبٰی اور مساکین و مہاجرین فی سبیل اللہ ہیں۔

شان نزول

جب ام المومنین حضرت صدیقہ کو چند بدبخت منافقین نے تہمت لگائی تو ان کے ساتھ چند صحیح مسلمان بھی بہک گئے جن میں حضرت حسان بن ثابت اور ایک بدری مجاہد و مہاجر مکی حضرت مسطح بن اثاثہ بھی شامل ہو گئے اور یہ مسطح کچھ زیادہ ہی اچھل کود اور شور و تشہیر مچاتے لوگوں کو بتاتے پھرتے۔ مسطح صدیق اکبر کے دوری رشتے کے بھانجے لگتے تھے آپ کی خالہ زاد بہن کے بیٹے۔ یہ بہت غریب تھے اس لیے ان کا اور ان کے تمام بال بچوں کی تمام ضروریات زندگی کا پورا بوجھ خرچہ صدیق اکبر نے اٹھایا ہوا تھا۔ جب مسطح نے اس بہتان تراشی اور تشہیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہوئے منافقوں کا پورا ساتھ دیا تو فطری بات تھی کہ صدیق اکبر کو ان پر سخت غصہ اور دکھ و رنج آیا کیونکہ صدیقہ آپ کی بیٹی تھیں۔ آپ نے قسم کھالی کہ آئندہ میں مسطح کو کچھ خرچہ نہ دوں گا تب یہ پانچ آیات از ۲۲ تا ۲۶ نازل ہوئیں ایک ساتھ ہی تمام یا آٹھ تا آیت ۲۸۔ بعض نے لکھا کہ یہ آٹھ یا پانچ آیتیں کچھ دن بعد نازل ہوئیں۔ پہلا قول درست ہے۔ ان پانچ آیتوں میں صدیق اکبر کو افضل الخلق بعد الانبیاء کی فضیلت والا فرما کر قسم توڑنے کا حکم فرمایا گیا کہ سزا دینا رب تعالیٰ کا کام ہے تم اپنی نیکیاں بند نہ کرو اور اس قلبی دکھ کے بدلے رب تعالیٰ تم پر دیگر بہت سے کرم فرمائے گا تب آپ نے قسم توڑ دی خرچہ جاری رکھا۔

تفسیر نحوی

وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَ السَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ الْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۖ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ؕ ۔ واؤ ابتدائیہ۔ لَا يَأْتَلِ۔ باب افتعال کا فعل نہی صیغہ واحد مذکر غائب اَلْیٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے مضبوط بات کرنا۔ اصطلاح میں قسم بولنا قسم کھالینا۔ فعل نہی کا معنی ہے قسم نہ ڈال لیں۔ اس کا مصدر ہے اِئْتِلَاءٌ۔ تعلیل نحوی سے ہوا اِیْتِلَاءٌ۔ اُولُوا اسم مکمرہ معنی ہے والے۔ یہ جمع ہے اس کا واحد و تثنیہ نہیں ہوتا۔ ہمیشہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہوتا ہے اس کا اعراب حرفی ہوتا ہے۔ یعنی بحالت ضمہ واؤ اور بحالت فتحہ و کسرہ ی۔ یہ مضاف ہے اَلْفَضْلِ اسم معرف باللام نکرہ مخصوصہ۔ معنی ہے دینی فضیلت۔ ایمانی مرتبہ جس کو پانے والا انسان اپنے ساتھیوں سے بلند مرتبے والا ہو جاتا ہے۔ یہ معطوف علیہ مِنْكُمْ یہ عبارت معترضہ ہے۔ واؤ عاطفہ اَلسَّعَةِ۔ اسم حاصل مصدر بمعنی گنجائش فراوانی مراد ہے دولت مندی معطوف ہے فَضْلِ پر دونوں عطف مل کر مضاف الیہ ہے اُولُوا کا یہ مرکب اضافی مبتدا مِنْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ

marfat.com

کا۔ یہ اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر فاعل ہے لَا یَأْتَلِ کا۔ اَنْ حرف ناصبہ۔ یُّؤْتُوْا۔ باب افعال کا فعل مضارع مثبت معروف بمعنی منفی۔ لَا یَأْتَلِ کی قسم نے اس کی ثبوتیت کو ختم کر کے نفی پیدا کی اور اَنْ نے مصدری معنی کیے پوری عبارت کا ترجمہ ہوا۔ نہ دینے کی قسم نہ ڈالیں نہ کھائیں۔ اُولِی اسم مکبرہ بحالت فتحہ مضاف ہے اَلْقُرْبٰی۔ اسم تفضیل مونث ہے اس کا مذکر ہے اَقْرَبُ باب نَصر سے بمعنی قرابت دار رشتے دار۔ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مل کر معطوف پر واؤ عاطفہ اَلْمَسٰکِیْنَ۔ اسم جمع مکسر ہے اس کا واحد مِسْکِیْنٌ اسم حاصل مصدر میمی سَکُنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ٹھہرنا۔ گر پڑنا۔ برائے مبالغہ یعنی بوجہ غربت گرا ہوا، حرکت نہ کر سکے۔ انتہا کا مالی کمزور یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَلْمُھٰجِرِیْنَ۔ باب مفاعلۃ کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر برائے غائب اس کا واحد ہے۔ مُھَاجِرٌ۔ مصدر ہے مُھَاجَرَۃٌ۔ ھِجْرٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے چھوڑنا۔ اصطلاحی ترجمہ ہے وطن چھوڑ دینا یہ معطوف ہے۔ مَسٰکِیْنِ پر وہ معطوف ہے اُولِی الْقُرْبٰی پر یہ تینوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یُّؤْتُوْا کا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُّؤْتُوْا کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَا یَأْتَلِ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ لْیَعْفُوْا۔ باب نَصر کا فعل امر غائب معروف۔ صیغہ جمع مذکر غائب عَفْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے معاف کرنا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ مرجع ہے اُولُوْا یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ لْیَصْفَحُوْا باب فَتَحَ کا فعل امر غائب معروف صیغہ جمع مذکر صَفْحٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے درگزر کرنا۔ اس کا فاعل ہے ھُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اُولُوا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا بعض علمائے نحو نے ان دونوں جملوں کو آپس میں عطف کر کے معطوف کیا ہے لَا یَأْتَلِ کے جملے پر اور پھر جملہ عاطفہ بنایا ہے مگر یہ درست نہیں۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ؕ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ ۪ وَ لَھُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿ۙ۲۳﴾۔ اَ ہمزہ استفہام اقراری یا ایجابی کے لیے یعنی یہ کرو۔ لَا تُحِبُّوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع حال منفی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ حُبٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ جس کا خطاب اُولُوا سے ہے۔ اَنْ ناصبہ یَّغْفِرَ باب ضَرَبَ کا مضارع مستقبل صیغہ واحد مذکر غائب غَفْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بخشا، چھپانا لپیٹنا۔ یہاں مراد ہے رحمت کی چادر میں لپیٹنا۔ اللّٰہُ اس کا فاعل لَکُمْ جار مجرور متعلق ہے یَّغْفِرَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَا تُحِبُّوْنَ کا۔ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ (ابتدائیہ) اللّٰہُ مبتدا غَفُوْرٌ پہلی خبر رَّحِیْمٌ۔ دوسری خبر یہ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ یَرْمُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب رَمْیٌ سے مشتق ہے دراصل تھا یَرْمِیُوْنَ۔ تعلیل نحوی سے ہوا یَرْمُوْنَ۔ رَمْیٌ کا لغوی ترجمہ ہے تیر چلانا، تیر پھینکنا۔ یہاں مراد ہے بہتان اور تہمت لگانا۔ کیونکہ تہمت بھی ہوا میں تیر چھوڑنے اور زخم لگانے کے مشابہ ہوتی ہے۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ اَلْمُحْصَنٰتِ اسم جمع مونث سالم باب افعال اسم فاعل مونث معنی ہے شادی شدہ خاوند والی پاکدامن بیویاں۔ موصوف ہے اَلْغٰفِلٰتِ باب ضَرَبَ یا حَسِبَ کا اسم فاعل مونث موصوف ہے۔ اَلْمُؤْمِنٰتِ باب افعال کا اسم فاعل جمع مونث۔ یہ صفت ہے۔ یہ تینوں اسماء ڈبل مرکب توصیفی ہو کر مفعول بہ ہے یَرْمُوْنَ کا۔ ان تینوں اسموں میں الف لام حرفی جنسی ہے یا استغراقی۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر

marfat.com

صلہ ہوا الَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ اسم ہے اِنَّ کا۔ لُعِنُوْا۔ باب فتح کا ماضی مطلق مثبت مجہول۔ صیغہ جمع مذکر غائب لَعْنٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے رحمت سے دور کردیا جانا، پھٹکار ڈالنا، دھتکارنا۔ لُعِنُوْا کا ترجمہ ہے لعنت کردیے گئے۔ بعض نے ترجمہ لکھا ہے۔ لعنت کردیے جائیں اس کو بددعائیہ فقرہ بنایا ہے مگر یہ قطعاً غلط ہے اللہ تعالیٰ دعا اور بددعا دینے سے پاک ہے۔ هُمْ ضمیر اس کا نائب فاعل مرجع الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ ہے۔ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔ یہ معطوف علیہ معطوف دونوں مجرور ہو کر متعلق ہے لُعِنُوْا کا یہ فعل نائب فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ لَھُمْ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے قَائِمٌ پوشیدہ یا ثَابِتٌ یا نَافِذٌ اسم فاعل کا۔ عَذَابٌ موصوف عَظِیْمٌ صفت یہ مرکب توصیفی فاعل ہے پوشیدہ اسم فاعل قَائِمٌ یا ثَابِتٌ یا نَافِذٌ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے لُعِنُوْا پر۔ دونوں عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ یُّؤْتُوْۤا اُولِی الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِیْنَ وَالْمُهٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ۪ۖ وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا ؕ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲﴾۔ اور اب نہ قسم کھالے ہمارا وہ پیارا بندہ جو اے عرشی فرشی مسلمانو تم سب سے زیادہ دینی بزرگی میں افضل و فضیلت والا ہے اور دنیوی وسعت و خیرات میں اعلیٰ ہے تا قیامت افضل الخلق بعد الانبیاء ہے اور مالی خیرات و صدقات میں بھی تم سب سے اعلیٰ اتم و بالا ہے کہ شروع اسلام سے خوشنودی الٰہی کے لیے مساکین و اہل قرابت و مہاجرین کو مالی وسعت دینے والا ہے۔ اسے چاہئے کہ اس نیکی نہ کرنے پر جو بوجہ غمگینی قسم کھائی ہے وہ توڑ دے اور معافی مانگنے شرمندہ ہونے والے مجرم کو معاف کردے اور اس کی سابقہ کوتاہی دلآزاری کو بھول جائے اے افضل و اعلیٰ بندے کیا تجھ کو یہ پسند نہیں ہے کہ اس معافی و درگزر کے بدلے اللہ تعالیٰ تجھ کو بخش دے اور اگلے پچھلے گناہ مٹا دے رحمت کی چادر میں لپیٹ لے اے لوگو اللہ تعالیٰ بہت جلد اور بہت زیادہ مغفرت فرمانے والا ہے اور تھوڑے عمل پر بڑا رحم فرمانے والا ایک نیکی پر بار بار انعام دینے والا۔ اس آیت پاک میں اُولُوا الْفَضْلِ سے مراد ابوبکر صدیق ہیں۔ اور مِنْكُمْ سے مراد تمام صحابہ و اہل بیت آل و عیال ہیں۔ فضل سے مراد دینی اخروی بزرگی و بلندی۔ وَالسَّعَةِ سے مراد دنیوی مالی حیثیت و سخاوت۔ مِنْكُمْ کا تعلق صرف اُولُوا الْفَضْلِ سے ہے نہ کہ وَالسَّعَةِ یعنی دین میں تم سب صحابہ و اہلبیت سے بڑے۔ اُولِی الْقُرْبٰى سے مراد قریبی رشتے دار یعنی مسطح۔ جب براءت صدیقہ کی آیات نازل ہوئیں تو سب قاذفین کو حد قذف لگائی گئی۔ تشہیر کرنے والے ان تینوں مسلمانوں کو سزا کے بعد توبہ کی بھی توفیق ملی انہوں نے اللہ تعالیٰ سے توبہ اور بندوں سے معذرت و ندامت کرلی یہاں ان ہی کو معاف کردینے کا ذکر ہے۔ لیکن۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ ۪ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۲۳﴾ لا۔ بیشک وہ بدقماش بدخصلت لوگ جو بناوٹی تہمتیں پھینک مارتے لگاتے ہیں ان پاکدامن عفیفہ محفوظ پردہ نشین عورتوں کو جو بالکل ہر قسم کی برائیوں، گناہوں، مکاریوں، چالاکیوں سے غافل و بے خبر ہیں اور صرف دینی شرعی احکام، امر و نہی اسلام، فرائض و واجبات طہارت و عبادات جاننے والی مومنات عورتیں ہیں۔ ایسے تہمت باز الزام تراش لعنت کیے گئے ہیں دنیا میں اللہ رسول کی طرف سے فاسقیت مردودیت کی اور جن و

marfat.com

ملائکہ کی طرف سے نفرت حقارت کی اور مسلمانوں کی طرف سے ذلت کی زندگی سے اور اخروی لعنت بھی یہ کہ توفیق خیر سے دوری توبہ سے فراری اور قبر حشر میں رحم و کرم سے دوری، جہنم میں پھٹکار و عذاب سے قریبی پا کر اور یہی لوگ دنیا کے منحوس آخرت کے مقبوح ہیں جن کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ روایت میں ہے کہ جب آیات براءت نازل ہوئیں تو صدیق اکبر نے قسم کھائی کہ اب میں آئندہ کبھی مسطح و اہل مسطح کو کچھ خرچہ نفقہ نہیں دوں گا۔ اس نے میرا بھانجا ہو کر افک میں منافقوں کا ساتھ دے کر افک صدیقہ کو مشہور کیا اور میرے احسانوں کا یہ بدلہ دیا۔ اس نے مجھے صدمہ پہنچایا۔ حضرت مسطح نے حد قذف کھانے کے بعد سچی توبہ کی اور صدیقہ کے والد اپنے ماموں صدیق اکبر سے معافی مانگی مگر آپ نے معافی نہ دی۔ جب آقا حضور ﷺ کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صدیق اکبر کو بلا کر یہ آیتیں سنائیں تب صدیق اکبر بہت مسرور سب غم ڈھل گئے اور قسم توڑتے ہوئے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہی پسند ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے سب گناہ ختم کر کے مجھے بخش دے اور مجھ پر رحم فرمائے۔ میں مسطح کو معاف کرتا ہوں اور آئندہ پہلے سے زیادہ خرچہ دیا کروں گا۔ امام فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر کبیر میں یہاں صدیق اکبر کی بائیس فضیلتیں شمار فرمائی ہیں۔ **ایک** یہ کہ متواتر احادیث اور تمام تفاسیر سے ثابت کہ یہ آیت ۲۲ صرف صدیق اکبر کی شان افضلیت میں نازل ہوئی۔ **دوسری** یہ کہ فضل سے مراد دینی اخروی بزرگی مراد ہے اس لیے کہ یہ فضیلت ثنا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی کی دنیوی ثنا نہیں فرماتا۔ بلکہ دنیوی ثنا خوانی کرنا شرعاً بھی ممنوع و گناہ ہے۔ **تیسری** یہ کہ یہاں مِنْكُمْ فرما کر بتایا گیا کہ صدیق اکبر تمام صحابہ اور تاقیامت تمام مسلمانوں سے افضل ہیں بلکہ افضل الخلق بعد الانبیاء ہیں۔ اسی طرح سورۃ حدید آیت ۱۰ میں صدیق اکبر کے لیے فرمایا گیا۔ لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَ قٰتَلَ ؕ۔ یعنی وہ بندہ تم سب سے بلند و افضل ہے۔ جس نے فتح مکہ سے پہلے بھی راہ الٰہی میں خرچ کیے اور جہاد بھی کیے۔ تم میں سے کوئی اس سے برابری نہیں کر سکتا۔ یہاں بھی مِنْكُمْ میں تمام صحابہ و اہلبیت مراد ہیں۔ **چوتھی** فضیلت صدیق اکبر کو تین اولیتیں وہ ملیں جو کسی کو نصیب نہ ہوئیں۔ ۱۔ مسلمان ہونے کی اولیت۔ ۲۔ خیرات کرنے کی اولیت۔ ۳۔ ہجرت مدینہ منورہ کی اولیت **پانچویں** فضیلت صدیق اکبر کو گیارہ ثانویتیں وہ ملیں جس میں آپ آقا ﷺ کے ثانی و ساتھی بنائے گئے یہ سعادت بھی کسی دوسرے کو نصیب نہ ہوئی۔ ۱۔ تبلیغ اسلام میں ثانی۔ ۲۔ ہجرت میں۔ ۳۔ غار میں۔ ۴۔ معافی دینے میں۔ ۵۔ درگذر فرمانے میں۔ ۶۔ حضر میں۔ ۷۔ سفر میں۔ ۸۔ وفات میں۔ ۹۔ مزار میں۔ ۱۰۔ امامت میں۔ ۱۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا و مغفرت ملنے میں۔ **چھٹی** فضیلت سورۃ واللیل آیت ۱۷ میں صدیق اکبر کو اَتْقٰى فرمایا گیا۔ یعنی سب صحابہ و اہلبیت سے زیادہ متقی۔ **ساتویں** فضیلت اسلام کی پہلی مسجد نبوی کی تمام زمین صدیق اکبر نے خرید کر وقف کی۔ **آٹھویں** فضیلت صرف صدیق اکبر کی شان میں وَالسَّعَةِ فرمایا گیا۔ یعنی تمام صحابہ سے زیادہ سخی۔ **نویں** فضیلت یہ کہ فضل و سعت صرف صدیق اکبر کو حاصل نہ کہ مولیٰ علی کو۔ لہٰذا۔ تبرائی و تفضیلی شیعہ کا مولیٰ علی کو صدیق اکبر سے افضل بتانا غلط ہوا۔ مولیٰ علی تا عمر غریب ہی رہے۔ سَعَةِ والے نہ بن سکے۔ **دسویں** فضیلت اس آیت میں پانچ صیغے۔ ۱۔ لَا يَاْتَلِ۔ ۲۔ اَنْ يُّؤْتُوْٓا۔ ۳۔ وَلْيَعْفُوْا۔ ۴۔ وَلْيَصْفَحُوْا۔ ۵۔ اَلَا تُحِبُّوْنَ۔ ان میں پہلا واحد جس نے واحد شخصیۃ بتائی۔ چار صیغے جمع جنہوں نے اس شخصیت کی تعظیم سکھائی۔ یعنی تاقیامت اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تعظیم صدیق کا درس فرمایا۔

marfat.com

گیارھویں فضیلت اس آیت مقدس نے صدیق اکبر کی چار شانیں بیان فرمائیں۔ سخی، محسن، بے غرض، مفضل، مستفیض۔ **بارھویں** فضیلت شان صدیق میں بیس شان فاروق آٹھ شان ذوالنورین میں سات شان مولی علیہ میں آٹھ آیتیں نازل ہوئیں۔ **تیرھویں** فضیلت صدیق اکبر کی سخاوت لوجہ اللہ تھی۔ اور مولی علی کی سخاوت ایفاء نذر و خوف قیامت سے تھی۔ چنانچہ سورۃ والیل کی آیت ۱۷ تا ۲۰ میں ہے۔ وَسَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى ۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى ۝ وَمَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى ۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى ۝ ۔ یہ سخاوت صدیق کی للٰہیت کا ذکر ہے اور سورۃ دہر کی آیت ۷ تا ۹ میں ہے۔ يُوْفُوْنَ بِالنَّذْرِ وَيَخَافُوْنَ يَوْمًا كَانَ شَرُّهٗ مُسْتَطِيْرًا ۝ وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا ۝ اِنَّمَا نُطْعِمُكُمْ لِوَجْهِ اللّٰهِ لَا نُرِيْدُ مِنْكُمْ جَزَآءً وَّلَا شُكُوْرًا ۝ ۔ آیت ۱۰ میں ارشاد ہے۔ اِنَّا نَخَافُ مِنْ رَّبِّنَا يَوْمًا عَبُوْسًا قَمْطَرِيْرًا ۝ ۔ ان آیات میں سخاوت مولیٰ علی کا ذکر ہے کہ آپ کی سخاوت خوف الٰہی و خوف قیامت سے تھی۔ **چودھویں** فضیلت صحابیت صدیق اکبر کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ آپ کی صحابیت کا ذکر سورۃ توبہ کی آیت ۴۰ میں ہے۔ آپ کو لِصَاحِبِهٖ فرمایا گیا۔ گویا آپ کی صحابیت کا انکار اس آیت کا انکار ہے۔ **پندرھویں** فضیلت خلافۃ صدیق کا انکار بھی کفر ہے۔ کیونکہ خلافۃ صدیقی پر اجماع صحابہ ہو گیا۔ اور اجماع صحابہ کا انکار کفر ہے۔ **سولھویں** فضیلت اس آیت نے صدیق اکبر کی چھ فوقیتیں بیان فرمائیں۔ فضیلت کی فوقیۃ، عبادت کی، اتباع کی، اطاعت کی، شفقت کی، احسان کی۔ **سترھویں** فضیلت اسلام کے پہلے امتی مبلغ آپ کی ہی تبلیغ سے ایک دن میں پندرہ مسلمان ہوئے۔ عثمان ابن مظعون، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص اور ان کے اہل خانہ۔ اس لیے تا قیامت مبلغین اسلام کی تبلیغ سے صدیق اکبر کو بھی ثواب ملتا رہے گا۔ کیونکہ حدیث مقدس میں ہے مَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا۔ **اٹھارھویں** فضیلت صدیق اکبر نے اسلام کی خاطر اپنوں کی بہت اذیتیں برداشت کیں اور صرف اللہ رسول کی رضا کے لیے انہیں معاف کیا۔ اپنوں کی ایذائیں ہر ایذا سے زیادہ ہوتی ہیں۔ اور قلبی ایذا جسمی زخم سے زیادہ شدید ہوتی ہے اس لیے حدیث پاک میں جہاد کفار کو اصغر فرمایا گیا اور جہاد نفس کو اکبر۔ مسطح کی افک بازی بھی اپنوں کی ایذا رسانی تھی۔ **انیسویں** فضیلت اَلْفَضْلِ وَالسَّعَةِ کا الف لام استغراقی ہے جس نے بتایا کہ تمام قسم کی فضیلتیں وسعتیں صدیق اکبر کو حاصل ہیں۔ **بیسویں** فضیلت قرآن مجید کی بہت سی آیات نے صدیق اکبر کی پانچ سعادتیں بیان فرمائیں۔ متقی، مزکی، حلیم الطبع، صدیق ہونا، شہید ہونا۔ **اکیسویں** فضیلت عشرہ مبشرہ میں پہلا نمبر آپ کا ہی ہے۔ **بائیسویں** فضیلت صدیق اکبر بشہادت قرآن ہر قسم کے گناہ سے خالی تھے۔ اس لیے کہ اُولُوا الْفَضْلِ وہ ہوتا ہے جو جنتی ہو اور جنتی وہ جو گناہوں سے خالی ہو۔ نافرمان اُولُوا الْفَضْلِ نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سورۃ نساء آیت ۱۴ میں ہے۔ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا۔ یعنی جو شخص ذرا سی بھی اللہ رسول کی نافرمانی کرے اور حدود الٰہی کو توڑے اس کو اللہ تعالیٰ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل کرے گا۔ احادیث میں تین چیزوں کی بہت فضیلت ہے۔ ۱۔ صلہ رحمی۔ چنانچہ صِلْ مَنْ قَطَعَكَ اس سے بھی صلہ رحمی کر جو تجھے توڑے۔ یہی اصلی افضل و اعلیٰ صلہ رحمی ہے۔ ۲۔ ظالم نادم و تائب کو معاف کرنا۔ ۳۔ اسے بھی عطا کر جو تجھے محروم رکھے اور تینوں کام صرف اللہ رسول کی رضا کے لیے کرنا۔ یہ تینوں مرتبے صرف صدیق اکبر کو حاصل۔ ایک حدیث میں ہے جو

marfat.com

بندہ اپنے نادم و تائب مجرم کو معاف نہ کرے وہ بروز قیامت میرے حوض پر نہ آئے۔ اعلیٰ اخلاق معافی دینا ہے۔ مجرم جھوٹی توبہ کرے یا سچی۔ حضرت صدیقہ چودہ مرتبوں میں دیگر نساء عالمین سے افضل ہیں۔ ا۔ نبی کریم ﷺ کو کنواری ملیں۔ ۲۔ محبوبہ محبوب رب العالمین ہیں۔ ۳۔ سب ازواج مطہرات میں کم عمر۔ ۴۔ صدیقہ چار پشت کی صحابیہ اور مہاجرہ ہیں۔ ۵۔ صدیقہ کی شکل جنتی ریشم میں لپیٹ کر قبل نکاح بذریعہ جبرئیل علیہ السلام آقا ﷺ کو دکھائی گئی تھی۔ ۶۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ نبی کریم ﷺ کے غسل سے بچے ہوئے پانی کے ساتھ صدیقہ کو غسل کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۷۔ کئی بار بستر صدیقہ پر وحی نازل ہوئی۔ ۸۔ کئی بار جبرئیل علیہ السلام نے صدیقہ کو سلام کہلوایا۔ ۹۔ بوقت وفات ایک مسواک میں آقا ﷺ اور صدیقہ کا لعاب جمع ہوا۔ ۱۰۔ بوقت وفات نبی کریم ﷺ کا سر اقدس آغوش صدیقہ میں تھا۔ ۱۱۔ تا قیامت منبر و محراب میں براءت صدیقہ کی نغمہ سرائی۔ ۱۲۔ بیت صدیقہ میں وفات و مزار اقدس بنا۔ ۱۳۔ ایک سفر میں صدیقہ کا ہار اونٹنی کے نیچے گم ہوا تب آیت تیمم نازل ہوئی۔ ۱۴۔ صدیقہ کی عفت کا انکار کفر ہے۔ سب سے بڑے گناہ سات ہیں حدیث پاک میں ان کو موبقات فرمایا گیا۔ یعنی ہلاک کرنے والے۔ ارشاد نبوی ہے سات موبقات سے بچو۔ ا۔ شرک۔ ۲۔ جادوگری۔ ۳۔ عمداً وظلماً قتل انسانی۔ ۴۔ سودخوری۔ ۵۔ مال یتیم کھانا۔ ۶۔ میدان جنگ سے بھاگنا۔ ۷۔ محصنات غافلات مومنات کو قذف لگانا۔ یہ گناہ سو سال کے اعمال صالحہ برباد کر دیتا ہے (از بخاری، مسلم، طبرانی عن حذیفہ رضی اللہ عنہ) مقذوفہ عورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ا۔ مقذوفہ محصنت مومنات عافلات ان کا ذکر سورۃ نور آیت ۴ میں ہوا۔ ۲۔ مقذومہ محصنات مومنات غافلات ان کا ذکر یہاں آیت ۲۳ میں ہے۔ لعنت کی چار قسمیں ا۔ لعنت کافر۔ ۲۔ لعنت فاسق۔ ۳۔ لعنت ظالم۔ ۴۔ لعنت قاتل۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

لَا يَأْتَلِ کے مادۂ اشتقاق میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا۔ یہ اِلیٌّ سے بنا ہے معنی ہے قسم کھالینا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اَلْوٌ سے بنا ہے۔ معنی ہے کم کر دینا۔ لَا يَأْتَلِ کی ممانعت نہی کے درجہ میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ اس نہی سے حرمت قسم نہیں صرف مکروہ تنزیہی ہے یعنی قسم کھالینا بہتر نہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ نہی ممانعۃ حرمۃ و جھڑک ہے یعنی قسم کھالینا حرام ہے۔ مگر یہ قول جاہلانہ ہے۔ لَا يَأْتَلِ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں باب افتعال کی نہی کہ پہلے الف پھر ت۔ یہی قرأت درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں باب تفعل سے ہے۔ لَا يَتَأَلَّ کہ ت پہلے الف بعد میں۔ اُولُوا الْفَضْلِ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا۔ فضل سے مراد دینی بزرگی۔ دو وجہ یہ قول درست ہے۔ **اول** یہ کہ دنیوی بزرگی کے لیے وَالسَّعَةِ کا لفظ موجود ہے۔ **دوم** یہ کہ یہ ممانعت دینی بزرگی کی وجہ سے ہی ہوئی تھی دنیوی دولت مندی کی وجہ یہ قسم ممنوع نہ تھی۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ فضل سے مراد دنیوی دولت مندی ہے مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس سے تکرار لفظی لازم آتا ہے وَالسَّعَةِ سے مراد بھی دنیوی دولت مندی ہے۔ اَنْ يُّؤْتُوْٓا کی قرءت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرءت اَنْ يُّؤْتُوْٓا ہے۔ جمع مذکر غائب کا صیغہ۔ یہی قرئہ درست ہے۔ ۲۔ بعض کی قرءت اَنْ يُّؤْتُوْٓا ہے۔ جمع مذکر حاضر کا صیغہ۔ يَرْمُوْنَ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ حضرت صدیقہ کو تہمت لگانا مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا تمام ازواج انبیاء علیہم السلام کو تہمت لگانا مراد ہے کیونکہ ہر نبی علیہ السلام کی کسی بھی بیوی کو تہمت لگانا افک مبین و بہتان عظیم ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ حکم شرعی تا قیامت

marfat.com

ہر مومن مسلمان پاکدامن، خواہشات نفسانی سے غافل عورتوں کو تہمت لگانے کا ہے مگر پہلا قول درست ہے کیونکہ اگرچہ اب یہ حکم تاقیامت ہے مگر ان آیات میں صرف افکِ صدیقہ ہی مراد ہے ان کے صدقے میں دوسروں کو یہ عزت ملی۔ لُعِنُوْا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہاں کفار فساق منافقین ہر قسم کے قاذف کاذب پر لعنت مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ صرف کفار و منافقین مراد ہیں کیونکہ لعنت صرف کفار پر ہوتی ہے منافق بھی کافر ہے مگر فاسق کافر نہیں ہے۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اگر کوئی بزرگ مسلمان کسی مسلمان کی غریب پروری کرتا ہو پھر اس کی طرف سے اس امیر بزرگ دولت مند کو کوئی ایذا پہنچے اور وہ غریب پرور قسمیہ ارادہ کر لے کہ آئندہ میں اس موذی کی پرورش نہ کروں گا نہ معاف کروں گا نہ اچھا سلوک۔ پھر وہ مجرم موذی اپنے کیے پر شرمندہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ اور اس بزرگ سے سچی معافی مانگے تو شرعی حکم یہ ہے کہ وہ صدیق اکبر کے طفیل اسے معاف کر دے اور پھر اپنی قسم کا کفارہ دے دے اس طرح کرنے سے انشاء اللہ تعالیٰ معاف کرنے والے کو تین اجر ملیں گے۔ ۱۔ اللہ تعالیٰ کی رضا۔ ۲۔ صلہ رحمی کا ثواب۔ ۳۔ کفارہ قسم سے اخروی بزرگی۔ یہ فائدہ اَلَا تُحِبُّوْنَ کے وعدہ الہیہ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** دنیا میں مردود و مقبول بندے کی نشانی یہ ہے کہ جس کو گناہ کے بعد توبہ، ندامت، معافی کی توفیق اور آئندہ نیک بننے کی سعادت مل گئی۔ سمجھ لو یہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ہے جس کو گناہ کے باوجود نیکی کی سعادت۔ توبہ و معافی کی توفیق نہ ملی۔ گناہ کر کے سزا کھا کے بھی اکڑا پھرتا ہے۔ سمجھ لو یہ مردود بارگاہ ہے یہ فائدہ آیت ۵ میں اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا اور آیت ۲۳ میں اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ کے بعد لُعِنُوْا فرمانے سے حاصل ہوا کہ وہ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ مقبولین بارگاہ ہیں کیونکہ تَابُوْا کا ثواب پا گئے۔ اور اِنَّ الَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ۔ مردودین بارگاہ ہیں کہ لُعِنُوْا کا عذاب پا گئے۔ **تیسرا فائدہ:** سیدنا صدیق اکبر کی افضلیت تمام صحابہ کرام و اہلبیت عظام سے بلند و عظیم و کثیر۔ اور اس کا انکار حرام ہے یہ شان اعلیٰ کسی بھی دوسرے صحابی کو نہ ملی رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہ فائدہ یہاں آیت ۲۲ میں اور سورۃ حدید کی آیت ۱۰ میں مِنْكُمْ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کچھ علماء فرماتے ہیں کہ صدیق اکبر ابوبکر کی شان افضل الخلق بعد الرسل کا انکار کرنا کفر ہے کیونکہ یہ شان قرآن مجید کی ان آیتوں نے بیان فرمائی اب شان صدیق کا انکار آیات قرآن کا انکار ہوا۔

احکام القرآن

ان آیتوں سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ جس طرح اشیاء میں حرمۃ و حلت و کراہت کا درجہ دینا صرف اللہ رسول کا کام ہے کوئی بھی ان کے علاوہ شخص نہ کسی چیز کو حلال کر سکے نہ حرام نہ مکروہ۔ اسی طرح فضیلت و افضلیت دنیا بھی صرف اللہ رسول کا کام ہے۔ ان کے علاوہ کوئی شخص کسی کو نہ افضل کر سکے نہ مفضول نہ ادنیٰ نہ اعلیٰ کر سکے اللہ رسول نے جس کو جس سے بھی افضل کر دیا وہ ابدی افضل ہے قرآن مجید میں سب سے زیادہ فضیلۃ انبیاء کرام علیہم السلام کی بیان ہوئی تمام مخلوق میں بعض کو بعض پر۔ پھر بعد الانبیاء مخلوق میں صدیق اکبر کی پھر صحابہ کرام کی بعض کی بعض پر پھر تابعین بعض کی بعض پر پھر تبع تابعین بعض کی بعض پر پھر اولیاء اللہ کی اسی طرح درجہ بدرجہ پھر علماء پھر صلحا درجہ بدرجہ۔ یہ

marfat.com

مسئلہ یہاں اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ فرمانے اور سورۃ بقرہ آیت ۲۵۳ تِلْكَ الرُّسُلُ (الخ) اور دیگر آیات سے مستنبط ہوا۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی۔ اس مسئلہ افضلیۃ کا منکر زندیق وگمراہ ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** اکثر فقہاء فرماتے ہیں۔ اچھے کام کے نہ کرنے پر قسم کھانا۔ کبھی تو گناہ ہے اور کبھی بہتر نہیں لہٰذا قسم توڑ کر وہ کام کر لینا چاہئے اور پھر کام کر لینے کے بعد کفارہ قسم دے دے تاکہ قسم توڑنے کا گناہ کفارہ دے دینے سے ختم ہو جائے۔ یہ مسئلہ وَلَا يَأْتَلِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف چار جرموں سے تمام نیک اعمال برباد ہوتے ہیں۔ ۱۔ کفر ارتداد یعنی مرتد ہونا۔ چنانچہ سورۃ مائدہ آیت ۵ میں ارشاد ہے۔ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔ ۲۔ شرک سے۔ چنانچہ سورۃ زمر آیت ۶۵ میں ارشاد ہے۔ لَئِنْ أَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ۔ ۳۔ آیات وقیامت کا انکار کرنے سے۔ چنانچہ سورہ کہف آیت ۱۰۵ میں ارشاد ہے۔ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۴۔ نبی کریم ﷺ کی گستاخی سے چنانچہ سورۃ حجرات آیت ۲ میں ارشاد ہے۔ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ ۝ مگر ان جرائم کے علاوہ کسی اور جرم سے خواہ کتنا ہی براو ایذا رساں ہو ضبطی اعمال صالحہ کا باعث نہیں ہے اس کی سزا توبہ ہی کافی ہے۔ یہ مسئلہ أَنْ يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ کہ قذف افک جیسے بدترین جرم کے باوجود ان کے سابقہ اعمال صالحہ نماز روزہ، ہجرت فی سبیل اللہ اور جہادات کو باقی رکھا گیا۔ اگرچہ کئی شخصیات کو اس قذف سے ایذا پہنچی کیونکہ ان مشتہر قاذفین کی نیت گستاخی نبوت نہ تھی لیکن اس قذف صدیقہ کو بنانے والے منافقین کے تمام اچھے اعمال برباد ہو گئے کیونکہ ان کی نیت اس قذف سے گستاخی نبوت تھی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** لَا يَأْتَلِ (الخ) سے ابوبکر (صدیق) کی شان ظاہر نہیں ہوئی بلکہ ان کا گناہ اور برائی ظاہر کی گئی کہ ایک ناجائز قسم کھا لینے کے گناہ سے زجراً منع فرمایا گیا۔ یہ ان کو سخت جھڑک کی ممانعت ونہی ہے (شیعہ رافضی) **جواب:** یہ قسم کھا لینا صدیق اکبر کا فطری جائز حق تھا اور جائز حق کا استعمال کسی بھی قانون عدل میں جرم یا گناہ نہیں ہو سکتا۔ جو حق کے استعمال کو جرم کہے وہ تو خود ظالم وجاہل ہے۔ اور لَا يَأْتَلِ کی نہی جواز سے احسان کی طرف لانا ہے کہ اے صدیق اکبر تم اہل فضل وسعۃ ہو۔ تمہارے لیے اگرچہ یہ قسم بوجہ ایذا وغمگینی جائز ہے مگر احسان وکرم یہ ہے کہ لَا يَأْتَلِ۔ تمہاری شان وہمت کے لائق ایسی قسمیں نہیں۔ ہاں البتہ تمہارے اس جائز حق کا بدلہ اللہ تعالیٰ تم کو یہ عطا فرماتا ہے کہ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ۔ دنیا میں بشارت آخرت میں نظارت اور جنت میں اقامت کا وعدہ و انعام۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ پہلے مُحْصَنَاتِ غَافِلَاتِ فرمایا گیا پھر مُؤْمِنَاتِ فرمایا گیا۔ چاہئے تھا کہ پہلے مومنت فرمایا جاتا کیونکہ تمام اچھائیوں کی اصل تو ایمان ہی ہے۔ ایمان کے بغیر کوئی بھی اچھائی نیکی نہیں بنتی۔ **جواب:** یہاں مومنت سے مراد اصل اصطلاحی وشرعی ایمان والیاں مراد نہیں۔ اصل ایمان تو لفظ محصنت میں ہی آ گیا۔ بلکہ یہاں لغوی ایمان مراد ہے یعنی شریعت کے فرائض واجبات وحلال وحرام مکروہات اور نیکی وگناہ، غیرت وبے غیرتی، عزت وبے عزتی جاننے، ماننے، سمجھنے والیاں اور غفلت سے دنیا کی فیشن پرستی دولت مستی، لچربازی، آوارہ مزاجی، چالاکی سے غافل۔ اس لیے لفظ مومنت کا

marfat.com

ذکر بعد میں کرنا ہی درست ہے۔ یہ لفظ فرمانا ایمان کی تکمیل ہے نہ کہ اصل۔ یعنی یہ وہ محصنت ہیں جو دنیوی عیاریوں، مکاریوں سے بے خبر اور دینی اچھائیوں سے باخبر۔ **تیسرا اعتراض:** تمام مفسرین فرماتے ہیں کہ ان آیات میں صرف صدیقہ کا ذکر ہے۔ تو پھر محصنت، غافلات، مومنات جمع کیوں ارشاد ہوا۔ چاہئے تھا لفظ واحد محصنہ، غافلہ، مومنہ فرمایا جاتا۔

جواب: اس کے تین جواب دیئے گئے۔ ۱۔ یہ جمعیت صرف احترام صدیقہ سکھانے کے لیے ہے۔ ۲۔ یہ جمعیت تمام ازواج انبیاء کا قانون بتانے کے لیے ہے۔ ۳۔ یہ جمعیت تا قیامت تمام مسلمان پاکدامن سادہ مزاج عورتوں کی افک کے لیے قانون شرعی بنانا ہے اگرچہ اصل نزول براءت صدیقہ اور قاذفین کا جرم بتانے کے لیے تھا۔

تفسیر صوفیانہ

اے مسافر منزل اس بیابان خواہشات میں تیرے ہزاروں دشمن بدخواہ ہیں ظاہراً و باطناً۔ لہٰذا تجھ پر لازم ہے کہ ہر نیکی کر اگرچہ چھوٹی ہو اور ہر برائی چھوڑ اگرچہ چھوٹی ہو۔ کیونکہ وادی معرفت میں منزل قرب کے لیے تجھ کو نور باطن کی افضلیت اور قرب کی وصلیت والا بنایا گیا ہے اور خزانہ اسرار کی سعادت سے نوازا گیا ہے تو جو بندہ طالب منزل بارگاہ کا منتہی ہوا سے چاہئے کہ رشتہ باطنی کی قطع رحمی نہ کرے نہ اسباب باطنی کے ارادے سے نہ اعضاء ظاہری کے عمل سے۔ قربت روحانی نیتوں کے مساکین بھی ہیں اور صراط توحید میں ترک دنیا کے مبتدی مہاجرین بھی اور ہر نئے راستے میں مبتدی طالب و مرید سے لغزشیں ہوتی ہیں پس مقرب منتہی کو چاہئے کہ مبتدی کی لغزشوں، خطاؤں سے درگزر کرے تاکہ منزل قرب آستانہ جمال بارگاہ جلال کی طرف ہمت و شوق کے قدم بڑھتے چلے جائیں اے فضل انوار اور وسعت اسرار والو کیا تم کو یہ پسند نہیں ہے کہ سب سے پہلے تم کو ہی چادر رحمۃ میں چھپالیا جائے یہ اللہ تعالیٰ کا ہی وعدہ بشارت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی مغفرت کی پناہ دینے والا رحیم ابدی قدیمی ہے۔ اس وادی طلب میں بیشک وہ عیاران ظاہر منافقان باطن بھی ہیں جن کا کام ہی یہ ہے کہ ان ارواح محصنت پر گمراہی کی تہمت، ضلالت کی قذف جہالت کی الزام تراشی کریں جو مقدس و منزہ پاکیزہ روحیں بے خبر ہیں مکاریوں کے اشرار سے اور باخبر ہیں ستاریوں کے اسرار سے، نشانات منزل سے واقف، غلط کاریوں سے غافل قاذفین راہ طریقت پر لعنت نفرت ابدی ہے ناسوت کے ظاہر میں بھی جبروت کے باطن میں دوری منزل کی لعنت اور انہی کے لیے ہے فراق محرومی کا بڑا عذاب۔ اے مرشد انوار ھادی افضال مریدان کمزور کو اپنی دولت روحانی سے دور نہ کر بلکہ بڑی خطا کی معافی عطا فرما اور چھوٹی کو نظر انداز کردے اپنے الطاف کریمانہ کو نہ روک بلکہ مریدان عاجزین تابعین کو تربیت روحانی کی غیبی امانتیں ان کے سپرد کر دے تو باہمت مرید بشری کمزوری کے باوجود احکام طریقت سے محجوب نہ رہے گا اہل شرافت کے دو حال۔ ۱۔ عفو۔ ۲۔ صفح۔ مریدان کم ہمت کی بداعمالی سے ندامت کو معاف کرنا عفو ہے اور امتحان کی ناکامی سے درگذر کرنا صفح ہے ماضی کی خطا کا تذکرہ نہ کرنا عفو ہے اور پکڑ نہ کرنا صفح ہے۔ بعض صوفیاء نے فرمایا کہ گذشتہ خطا کی پردہ پوشی و ترک زجر عفو ہے اور مکروہات مرید سے درگذر صفح ہے۔ صدیق وہ ہے جس کی نظر اپنے عیوب پر ہو۔ زندیق وہ ہے جس کی نظر دوسروں کے عیوب پر ہو۔ قرب الٰہی کی چھ نشانیاں ہیں۔ ۱۔ توفیق سعادت کا ظاہر ہونا۔ ۲۔ ہیجان امارہ میں سکون ہونا۔ ۳۔ قوت نفس میں فتور ہونا۔ ۴۔ سینہ میں غلبہ نور ہونا۔ ۵۔ توبہ و ندامت میں مشغول رہنا۔ ۶۔ طبیعت پر انوار و مکاشفہ کا تسلط دفع ہونا۔ دوری منزل کے تین نشان۔

marfat.com

۱۔ گناہوں کی سہولت۔ ۲۔ عبادت سے کدورت۔ ۳۔ توبہ سے رعونت و نفرت، ذلیل بندوں کو تین محرومیاں اول یہ کہ مقام اسرار و محل حضور میں نہیں پہنچ سکتے۔ دوم یہ کہ محفل مناجات سے دور کیے جاتے ہیں۔

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ

اس قیامت کے دن کہ گواہی دیں گی ان کے خلاف ان کی ہی زبانیں اور ان کے ہی ہاتھ

جس دن ان پر گواہی دیں گی ان کی زبانیں اور ان کے ہاتھ

وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ

اور ان کے ہی پیر ان بدعملیوں کی جو وہ دنیا میں کرتے تھے اس دن پورا دے گا ان کو اللہ تعالیٰ

اور ان کے پاؤں جو کچھ کرتے تھے اس دن اللہ انہیں ان کی سچی سزا پوری دے گا

دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾

ان کے باطل دین کا حق بدلہ (سچی سزا) اور اس دن جانیں گے کہ بیشک اللہ وہ ہی ظاہر و بیّن حق ہے

اور جان لیں گے کہ اللہ ہی صریح حق ہے

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ج

(یاد رکھو کہ دنیا میں) خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لیے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لیے ہی مناسب ہیں

گندیاں گندوں کے لیے اور گندے گندیوں کے لیے

وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ج

اور پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لیے ہی مناسب ہیں اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لیے مناسب ہیں

اور ستھریاں ستھروں کے لیے اور ستھرے ستھریوں کے لیے

اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ط

یہ لوگ بری ہیں ان حرکتوں سے جو یہ شرارتی لوگ کہتے ہیں

وہ پاک ہیں ان باتوں سے جو یہ کہہ رہے ہیں

لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ع

ان پاکیزہ لوگوں کے لیے ہی بخشش ہے اور رزق کریم ہے

marfat.com

ان کے لیے بخشش اور عزت کی روزی ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں معاف کر دینے والوں کے اجر وثواب کا ذکر فرمایا گیا کہ اَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَکُمْ ط۔ یعنی اپنے دل پر جبر کر کے محض اللہ تعالیٰ کے لیے معاف کر دینے والے کیا یہ پسند نہیں کرتے کہ اس معافی کے بدلے اللہ تعالیٰ کل قیامت میں ان خوش بختوں کو ابدی بخششیں عطا فرمائے۔ اب ان آیات میں ان بدنصیب سرکشوں کے اخروی قہر وعذاب کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو سرکشی کی معافی نہیں مانگتے کہ یُوَفِّیْهِمُ اللّٰہُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان بدبختوں کو ان کی استحقاقی سزا پوری پوری دے گا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ان برے لوگوں کا ذکر کیا گیا جو پاکدامن اور گناہ سے ناواقف عورتوں کو بدکاری کی تہمتیں لگاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کل قیامت میں اس کا کتنا بڑا عذاب ہے۔ اب ان آیات میں بتایا جا رہا ہے کہ قیامت میں سب کچھ جان لیں گے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ۔ فرما کر فسادی اور تخریب کاری پھیلانے والوں کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیات میں ان بدبختوں کی دنیوی اخروی حیثیت وکیفیت کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ ایسے برے مرد وعورت سب خبیث ہیں۔ اور اپنی خباثتوں سے جن محصنت وغافلات کو دکھ پہنچاتے ان کا درجہ عند اللہ طیبون وطیبات کا ہے۔

تفسیر نحوی

یَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَوْمَىٕذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰہُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰہَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾۔ یَّوْمَ اسم ظرف جامد زمانی۔ یہ ظرف مقدم ہے۔ تَشْهَدُ۔ باب سَمِعَ کا مضارع مستقبل مثبت معروف صیغہ واحد مونث غائب شَهْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گواہی دینا، شہادت دینا، نحوی قانون ہے کہ تَشْهَدُ کے بعد اگر عَلٰی حرف جر ہو تو معنی ہے خلاف گواہی دینا اور اگر بعد میں لام حرف جر ہو۔ جیسے کہ تَشْهَدُ یا یَشْهَدُ لَهُمْ یا لَكُمْ۔ تو معنی ہے حق میں گواہی دینا۔ یہ قانون صرف شَهْدٌ و شَهَادَةٌ کے افعال میں ہے لفظ شَهِیْدًا میں نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں مراد ہے خلاف گواہی۔ عَلٰی حرف جر بمعنی پر یعنی ان پر (ان کے خلاف) هُمْ ضمیر کا مرجع اَلَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ ہے۔ اَلْسِنَةُ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے لِسَانٌ بمعنی زبان جسمانی (منہ کے اندر) مضاف ہے هُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَیْدِیْ۔ اسم جمع مکسر ہے یَدٌ کی۔ بمعنی ہاتھ جسمانی عضو۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَرْجُلُ۔ اسم جمع مکسر منصرف ہے رِجْلٌ کی بمعنی جسمانی پاؤں مراد ہے صرف قدم۔ یہ مرکب اضافی معطوف ہے یہ تینوں معطوف علیہ معطوف مل کر فاعل ہے تَشْهَدُ کا۔ عَلَیْهِمْ اس سے پہلے یہ جار مجرور مل کر متعلق اول ہے تَشْهَدُ کا۔ بِ جارہ تعدیہ۔ مَا موصولہ۔ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا ماضی استمراری مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب عَمَلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مذہبی کام کرنے۔ یعنی باعتبار مذہب برائے آخرت اچھے یا برے اعمال۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ ہے۔ كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اپنے فاعل پوشیدہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا یہ موصول صلہ مل کر مجرور اور متعلق دوم ہے تَشْهَدُ کا۔ وہ فعل اپنے فاعل اور ظرف مقدم دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ یَوْمَ اسم ظرف زمانی مضاف ہے۔

marfat.com

اِذٍ اسم اشارہ نکرہ مخصوصہ بمعنی اسی بات اس کام، اس چیز۔ اس کا مشار الیہ۔ یَوْمَ تَشْهَدُ۔ ترجمہ ہے اس کام کے دن۔ یعنی ہاتھ پاؤں زبان کی گواہی کے دن یَوْمَ مضاف اِذٍ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف مقدم ہے۔ یُوَفِّیْ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب وَفِیٌّ سے مشتق ہے۔ اس کا مصدر ہے۔ تَوْفِیَۃٌ۔ تَوْفِیَۃٌ۔ وَفِیٌّ کا معنی ہے بھرنا۔ تَوْفِیَۃٌ کا معنی ہے پورا کرنا۔ پورا دینا۔ اسی سے ہے وفات یعنی عمر پوری ہو جانا۔ هِمْ ضمیر اس کا مفعول بہ اللّٰہُ اس کا فاعل۔ دین۔ اسم جامد مضاف ہے بمعنی عقائد مذہب۔ مسلک۔ باب ضرب کا مصدر یہاں حاصل مصدر جامد ہے۔ بمعنی جزا۔ بدلہ۔ برائی کا بدلہ سزا اور اچھائی کا بدلہ ثواب ہوتا ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ نے بتایا کہ یہاں برائی کا بدلہ مراد ہے۔ کیونکہ هُمْ کا مرجع اَلَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ ہے۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اَلْحَقَّ۔ اسم مفرد معرفہ بمعنی سچا پکا۔ مناسب استحقاقی بدلہ یعنی سزا۔ یہ صفت ہے۔ یہ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہے یُوَفِّیْ کا۔ یہ فعل فاعل ظرف مقدم اور دونوں مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ یَعْلَمُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع مستقبل مثبت معروف۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ عِلْمٌ سے مشتق ہے۔ اَنَّ حرف مشبہ اللّٰہَ اس کا اسم هُوَ ضمیر حصری بمعنی ہی۔ اَلْحَقُّ۔ اسم معرفہ بمعنی سچا۔ ہمیشہ قائم موجود۔ موصوف ہے اَلْمُبِیْنُ باب افعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی خبر ہے اَنَّ کی وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُوْنَ کا یہ فعل با فاعل و مفعول بہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ﴿۲۶﴾ الف لام حرفی استغراقی خَبِیْثٰتُ۔ صفت مشبہ باب کرم کا جمع مونث سالم اس کا واحد مونث ہے خَبِیْثَۃٌ۔ لغوی ترجمہ ہے۔ موذی نقصان دہ۔ منحوس۔ اصطلاح میں ہر مکار، فریبی، گندا، گھناؤنا۔ مکروہ اور غلط شخص و غلط کام، کلام، اشیاء، عقیدہ، طبیعت، خیالات، ارادہ، حرام کاری اور برے پھل کانٹے دار درخت کو خبیث کہا جاتا ہے۔ اَلْخَبِیْثٰتُ۔ مبتدا ہے۔ لِلْخَبِیْثِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم فاعل لَائِقٌ یا مُنَاسِبٌ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ اَلْخَبِیْثٰتُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائی۔ اَلْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ بھی اسی ترکیب سے جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائی۔ اَلطَّیِّبٰتُ۔ جمع مونث سالم ہے طَیِّبَۃٌ کی۔ باب ضَرَبَ کا صفت مشبہ۔ لغوی ترجمہ ہے۔ خوشگوار، حلال، پاکیزہ، مفید، لذیذ اشیاء اور اشخاص اور اخلاق، ضد ہے خبیث کی۔ یہاں طیب و خبیث سے مراد نیک و بد انسان ہیں۔ اَلطَّیِّبٰتُ مبتدا لِلطَّیِّبِیْنَ۔ جار مجرور متعلق ہے لَائِقٌ یا مُنَاسِبٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ یہ اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَلطَّیِّبٰتُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اَلطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ۔ اسی ترکیب سے جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اُولٰٓئِكَ۔ اسم اشارہ اس کا مشار الیہ اَلطَّیِّبٰتُ وَ الطَّیِّبُوْنَ ہے۔ یہ مبتدا ہے۔ مُبَرَّءُوْنَ۔ باب تفعیل کا اسم مفعول صیغہ جمع مذکر برائے غائب اس کا واحد مُبَرَّءٌ اس کا مصدر ہے تَبْرِئَۃٌ اور تَبْرِیَۃٌ۔ بَرِیٌّ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے دور ہٹنا۔ دور ہو جانا، دور رہنا، چھٹکارا پانا۔ اس کی چار صورتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ بری ہو کر۔ یہاں یہی معنی ہیں۔ ۲۔ نفرت و بیزاری سے۔ ۳۔ فارغ ہو کر۔ شعبان کی پندرھویں رات کو شب براءت۔ اسی معنی میں کہا جاتا ہے۔ ۴۔ اس سے بَرُوْءٌ ہے۔ بیماری سے شفا پانا۔ مُبَرَّءُوْنَ کا نائب فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع اُولٰٓئِكَ۔ مِمَّا مِنْ جارہ بیانیہ کا اسم موصول۔ یَقُوْلُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ

marfat.com

جمع مذکر غائب۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَا کا۔ دونوں مل کر مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور مل کر متعلق ہے مُبَرَّءُوْنَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر اول ہے۔ لَهُمْ جار مجرور کا مرجع طَیِّبَات و طَیِّبُوْنَ ہے۔ یہ متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ مَّغْفِرَةٌ۔ باب ضرب کا اسم ظرف۔ اور مصدر میمی اسم ظرف ہو تو بمعنی جنت اور اگر مصدر میمی ہو تو بمعنی بخشنا معاف کرنا، لپیٹنا، چھپانا۔ یہاں سب معنی بن سکتے ہیں۔ غَفْرٌ سے مشتق ہے۔ یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ رِزْقٌ کَرِیْمٌ مرکب توصیفی معطوف ہے۔ دونوں عطف مل کر نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر دوم ہے۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا کی۔ وہ اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَیْدِیْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ یَوْمَئِذٍ یُّوَفِّیْهِمُ اللّٰهُ دِیْنَهُمُ الْحَقَّ وَیَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِیْنُ ﴿۲۵﴾۔ منافقین پر لعنت وعذاب عظیم اس دن شروع ہوگا جس دن خود ان کی ہی زبانیں ان کے خلاف زبان قال کی قوت فاعلی سے کلام کرتے ہوئے منافقین کے اعمال واقوال، احوال و کردار، حرکات وسکنات کی گواہی دیں گی اور قوت فاعل سے ان کفار کے ہاتھ بھی اور ان کے پیر بھی گواہی دیں گے ان تمام بداعمالیوں کی جو دنیا میں وہ کفار اپنے ہاتھوں پاؤں زبانوں سے کرتے تھے۔ خیال رہے کہ دنیا میں بھی زبانیں بولتی ہیں۔ اور آخرت میں بھی بولیں گی مگر فرق اول یہ ہے دنیا میں ہر انسانی زبان قلب یا عقل یا نفس امارہ کا کلام بولتی ہے صرف آلہ بن کر دانت، ہونٹ، تالو، جبڑوں حلق کے چوبیس مخرجوں اور پورے منہ کی مدد سے مگر آخرت کے میدان محشر میں اس آلہ کلام پر مہر لگا دی جائے گی پھر یہ قلب وعقل و نفس امارہ کا کلام نہ بول سکے گی۔ بلکہ زبان کے اس لوتھڑے میں قدرتی قوت گویائی پیدا ہوگی اور یہ زبان فاعل کلام بن کر خود اپنے کلام کی متکلم ہوگی اور زبان کے آلہ کاری پر مہر لگ جائے گی جیسا کہ سورۃ یٰسٓ آیت ۷۵ میں ہے۔ اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓی اَفْوَاهِهِمْ (الخ) یعنی بروز حساب، ہم مہر لگا دیں گے کفار کے مونہوں پر۔ تب یہ زبان ہاتھوں پیروں کی طرح قدرت الٰہی سے قوت گویائی پا کر کفار کے قلب وقالب روح وعقل کے خلاف گواہی دے گی کہ یہ بدبخت کفار دنیا میں مجھے شرک کفر بلوایا اور قذف وافک کی بدکلامیاں لگوایا کرتے تھے اور ہاتھ و پاؤں بھی خود بول کر کفار کے خلاف ان بدکاریوں کی گواہی دیں گے جو یہ کفار اپنے ان ہاتھوں پیروں سے کروایا کرتے تھے۔ ہاتھ پاؤں زبان کی یہ متکلمانہ گواہی اس وقت شروع ہوگی جب یہ ہی زبانیں پورے مونہوں کی مدد والا کفریہ کلام اور بداعمالیوں کا انکار بول دیں گی۔ یا دیگر گواہوں کی اپنے کافروں کے خلاف گواہی کو جھٹلا دیں گی۔ اس تکلم زبانی کی شہادت کے بعد اللہ تعالیٰ ہر بندے کا پورا حساب لے گا۔ کفار کا عدل سے مومنوں کا فضل سے فساق کا توابی سے۔ حساب وکتاب کے بعد ہر شخص کے بدلے کا اعلان فرمایا جائے گا اور ہر اچھے برے کو اس کا وہ استحقاقی حق عطا فرمائے گا جو بندے کے دین نے اس بندے کے لیے دنیا میں بنایا ہوگا۔ جیسے عقائد واعمال ویسا ہی ثواب و عذاب کا بدلہ۔ یہاں دین کا معنی اجر ہے اور حق کا معنی استحقاق ہے۔ جو لوگ بوجہ کفر اللہ تعالیٰ کے وجود وقدرت قوت، حکمت، مصلحت آج دنیا میں نہیں مانتے وہ بروز قیامت حالات وکیفیات وشہادات کو دیکھ کر سن کر جان لیں گے کہ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ

marfat.com

الْمُبِيْنُ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہی حق اور مبین ہے وہی ثابت قائم صانع خالق مالک موجود ابدی وقدیمی ہے وہی ثواب وعذاب دینے والا وہی نیکوں کی حفاظت کرنے اور بدگویوں سے بچانے والا ہے۔ حق ہے اُلوہیت میں حقدار ہے عبادت میں۔ ظاہر العدل ہے قائم الفضل ہے حاکم القدر ہے۔ خالق ہے دہریات وموسمیات کا۔ صانع ہے مقامات وسمٰوات کا۔ دنیا میں کفار نہ حقائق جانتے نہ خالق کو مانتے ہیں۔ اس لیے حادثات وموسمیات کو بروج وکواکب کی طرف اور نفع نقصان کو مخلوق کی طرف منسوب کر دیتے ہیں اسی وجہ سے ان کو خوف ہے تو حکام کا آس ہے تو حکیموں سے۔ اصل خالق تعالیٰ سے نہ کوئی امید نہ خوف۔ محدث ابن جریر وابن ابی حاتم نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور مستدرک حاکم ومسند ابویعلیٰ نے حضرت ابوسعید خدری سے روایت کیا کہ فرمایا آقا ﷺ نے۔ بروز قیامت گناہگار مومنین تو فوراً اپنی غلطی کا اقرار کرلیں گے۔ لہٰذا بخشے جائیں گے۔ لیکن کفار سب شہادتوں کی تکذیب کریں گے تب ان کے مونہوں پر مہر لگادی جائیں گی اور ان کے اعضاء ان کے خلاف بولیں گے۔ سب سے پہلے زبان کو زبان ملے گی۔ پھر داہنی ران پھر ہتھیلی بولیں گی۔ (نسائی ومسلم دوم باب اَنَّ الْاَعْضَاءَ یَتَکَلَّمُ) اور بیہقی ومسند احمد نے روایت فرمایا کہ پہلے ران پھر ہتھیلی پھر گوشت پھر ہڈیاں بولیں گی پھر فیصلہ ربانی کا صدور ہوگا۔ اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ۚ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ ۚ۔ اے مسلمانو افک وبہتان کی باتیں سن کر۔ تم ورغلائے کیوں گئے حیران وخاموش کیوں رہ گئے تم نے اپنی عقل وشعور فراست نور سے کام کیوں نہ لیا اور یہ کیوں نہ جانا کہ تمام خبیث وذلیل باتیں عادتیں، خصلتیں اور بدکار عورتیں، خبیث مردوں کے لیے ہی ہوتی ہیں۔ ایسے ہی ذلیل لوگوں کے وجود میں بسی ہوتی ہیں۔ اس لیے خبیثہ عورت کا خبیث مرد سے نباہ وبیاہ ہوسکتا ہے۔ برائی کو برائی خباثت کو خباثت ہی پناہ وسہارا دے سکتی ہے کیونکہ ہر رنگ ڈھنگ کی جنسیت وجبلت فطری ہوتی ہے۔ یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ اچھا اچھوں میں خوش رہتا ہے برا بروں میں۔ بلبل مرغزار میں کرگس مردار میں اور پھر خبیثوں کی ہر چیز ہی بری ہوتی ہے۔ کردار، گفتار، رفتار، ظاہر بھی باطن بھی۔ ایسے ہی طیب لوگوں کے لیے ہر چیز طیب پیدا کی گئی ہے۔ عادت خصلت قول وفعل ظاہر بھی پاکیزہ باطن بھی پاکیزہ ایسی فطرت طیب عورتوں کے لیے ہی طیب مرد پیدا کیے ہیں اور فطری طیب وپاکیزہ مردوں کے لیے ہی طیب عورتیں پیدا کی گئی ہیں۔ طیب کا طیبہ سے اور طیبہ کا طیب سے ہی گزارہ ہوسکتا ہے۔ نباہ وبیاہ ہوسکتا ہے۔ دنیا میں برے واچھے اور برائی واچھائی دو قسم کی ہے۔ ۱۔ فطری جبلی پلید وبراو برائی اس کو عربی میں خبیث کہا جاتا ہے ایسی برائی کبھی بھی کسی بھی محنت تربیت، تعلیم وعلمیت وصحبت سے ختم نہیں ہوسکتی قبر حشر تک رہتی ہے۔ ۲۔ فطری جبلی پاکیزگی اچھائی اور پاکیزہ واچھا اس کو عربی میں طیب کہا جاتا ہے یہ بھی کبھی ختم نہیں ہوتی حیات وموت قبر وحشر میں باقی۔ خباثت کے ساتھ شرافت اور طیب کے ساتھ فحاشۃ نہ ہوسکتی ہے نہ رہ سکتی ہے۔ انسان ظرف ہے اس کے اندر کا مظروف کسی میں فحاشت کسی میں شرافت۔ اے مسلمانو تم نے قیامت تک رہنا ہے زمانوں پر پھیلنا ہے فضاؤں پر چھانا ہے۔ تمہارے دشمن ہوتے ہی رہیں گے۔ اس لیے اس قانون قرآنی وقاعدہ ایمانی کو سدا یاد رکھو تاکہ آئندہ خبیث دشمن کی چال وجال میں نہ پھنس سکو۔ جب عام شخصیات وخصلیات میں طیب وطیبہ اور خبیث وخبیثہ کا یہ اٹل قانون مشہور ومجرب ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے حبیب اَطیبُ الطَّيِّبِيْنَ کے لیے غیر اَطیبَ چیز کیسے منتخب فرماسکتا ہے۔ سردار انبیاء کی زوجہ وشریک حیات بننا کوئی معمولی بات نہیں یہاں تو

marfat.com

کسی کمی کمزوری کے آثار دور دور تک نظر نہیں آسکتے اس کی شان صداقت، عفت نزہت کی بلندی کو کوئی کیا جان سکتا ہے۔ یہاں تو عثمان و علی بھی دامادی وابنیت کا سرنگوں کئے ہوئے ہیں۔ اس لیے صدیقہ کی شان طہارت مقام براءت کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اور اسی نے بیان فرمائی۔ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا يَقُوْلُوْنَ ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝۲۶۔ یہی لوگ ہیں مبرہ منزہ پاکیزہ ان کذبیات سے جو یہ ظاہری باطنی خبثا کہتے پھرتے ہیں۔ ان ہی پاکباز ہستیوں کے لیے مغفرت وبخشش کے خزانے ہیں اور جنۃ ابدی کے کرم و کرامات والے رزق کثیر۔ صدیقہ کی براءت میں نزول آیت کی وجہ یہ کہ نبی حبیب کی رفیقہ امت کی صدیقہ ہے اور بنت صدیق ہے خبیث کلمات سے مراد کذبیات اور خبیثہ عورتوں سے مراد بدکارہ عورتیں فحاشی میں مشہور تاریخ میں ابن ابی منافق کی بیوی فحاشی میں مشہور تھی حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا دس وجہ سے افضل النساء ہیں۔
۱۔ سب میں زیادہ عابدہ۔ ۲۔ زاہدہ۔ ۳۔ شب بیدار۔ ۴۔ جنتی مٹی سے بنائی گئیں۔ ۵۔ سب سے زیادہ علم والی فقیہ۔ ۶۔ مزاج شناس رسول اللہ ﷺ۔ ۷۔ منشاء کلام اللہ کو سب سے زیادہ سمجھنے والی۔ ۸۔ وعدہ رزق کریم والی۔ ۹۔ براءت رب رحیم والی۔ ۱۰۔ عظمت صدیقہ قرآن کا جزو ایمان کا حصہ۔ یہ سعادتیں اولین و آخرین میں کسی کو نہ ملیں۔ مسلم و بخاری میں فرمان نبوی ہے۔ فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَآءِ كَفَضْلِ الثَّرِيْدِ عَلَى الطَّعَامِ۔ دوسری حدیث مقدس بخاری و مسلم میں ارشاد نبوی ہے۔ اے فاطمہ عائشہ سے محبت کیا کرو کیونکہ یہ محبوبہ محبوب رب العالمین ہے۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

يَوْمَ تَشْهَدُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت تَشْهَدُ، ت واحد مونث غائب۔ ۲۔ بعض کی قرأت يَشْهَدُ ہے واحد مذکر غائب۔ يُوَفِّيْهِمْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت۔ يُوَفِّي ہے باب تفعیل سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت يُوْفِي ہے باب افعال سے دِيْنَهُمْ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے جزاء اعمال۔ ۲۔ بعض نے کہا حساب اعمال۔ اَلْحَقَّ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اَلْحَقَّ ہے زبر سے دِيْنَ کی صفت ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَلْحَقُّ ہے پیش سے صفت ہے لفظ اللّٰہُ کی۔ اَلْحَقُّ الْمُبِيْنُ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے حقدار عبادت۔ ۲۔ بعض نے کہا معنی ہے موجود حقیقی قدیمی ابدی قائم بالذات۔ ۳۔ بعض نے کہا معنی ہے عادل واعدل۔ تینوں معنی صحیح ہیں اَلْمُبِيْنُ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا ذوالبیان۔ ۲۔ بعض نے کہا مُظْهِرُ وُجُوْدِ الْمَخْلُوْقِ۔ اَلْخَبِيْثٰتُ وَ الطَّيِّبٰتُ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا۔ خبیث باتیں، طیب باتیں۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ خبیث عادتیں، طیب عادتیں۔ ۳۔ خبیث عورتیں، طیب عورتیں۔ تینوں قول درست ہیں۔ اُولٰٓئِكَ کے مشارالیہ میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا مشارالیہ حضرت صدیقہ ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا تمام ازواج مطہرات ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ صدیقہ اور والدہ صدیقہ اور صدیق اکبر اور صفوان بن معطل ہے۔ سب قول درست ہیں۔ ۴۔ بعض نے کہا تمام مسلمان طیبات وطَيِّبُوْن ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** ہر مسلمان کو اپنی دنیوی زندگی میں اپنے ظاہری باطنی اعضاء کا بہت خیال رکھنا چاہئے تاکہ ایمان اطاعت اتباع سے بھٹک نہ جائیں۔ کیونکہ ہر ظاہری باطنی عضو دنیا میں بھی

marfat.com

کیفیت ونیت کی گواہی دیتا رہتا ہے زبان قال سے بھی زبان حال سے بھی اور آخرت میں بھی اچھوں کے لیے اچھی گواہی بروں کے لیے دنیا میں یہ گواہیاں سنبھلنے بدلنے کے لیے ہیں اور آخرت کی گواہیاں جزا سزا کے لیے ہیں۔ جیسا کرے گا ویسا بھرے گا۔ خوشی میں چہرے کی بشاشت برائی میں لجاجت، آنکھوں کی ندامت، خوف میں ہوائیاں اڑنا، چہرے کی زردی، مردنی مایوسی یہ سب کچھ زبان حال کی دنیوی گواہیاں ہیں۔ قیامت میں یہی اعضا زبان تکلم سے گواہی دیں گے۔ یہ فائدہ۔ یَوْمَ تَشْهَدُ کی پوری آیت اور یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** حضرت عائشہ صدیقہ کا امۃ مسلمہ پر تا قیامت بہت بڑا احسان ہے کہ آپ کے دو بار ہار گمنے سے مسلمانوں کو بہت شرعی احکام اور شرعی سہولتیں حاصل ہوئیں۔ پہلی بار گمنے سے تیمم کے مسائل ملے۔ جو پہلی امتوں کو نہ ملے تھے اور دوسری بار ہار گمنے سے امت تا قیامت کو ظاہری، باطنی، استنباطی، اخلاقی مسائل قانونی عدالتی معاشرتی تقریباً بیس احکام عطا ہوئے۔ یہ فائدہ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ فرمانے سے حاصل ہوا۔ دنیا میں احکام شریعت مسلمانوں کے لیے رِزْقٌ كَرِيْمٌ ﴿۲۶﴾ ہی ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** ہر وہ شخص جو شرعاً لعنۃ کا مستحق ہو اس پر لعنت ڈالنا جائز ہے۔ قانون شریعت میں تین قسم کے لوگ لعنت کے مستحق ہوتے ہیں۔ ظاہر کافر، ظاہر فاسق، ظاہر بدعتی منکر سنت۔ لعنت ڈالنے کے تین طریقے۔ **اول** یہ کہ عام بروں اور برائیوں پر لعنت مثلاً جھوٹوں پر، کفار پر لعنت، جھوٹ وکفر پر لعنت۔ **دوم** یہ کہ خاص بروں اور برائیوں پر لعنت۔ مثلاً۔ یہودیوں و یہودیت پر لعنت یا زانی وزنا پر لعنت۔ لعنت کے یہ دونوں طریقے جائز ہیں۔ **سوم** یہ کہ کسی خاص شخصیت پر لعنت ڈالنا۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ اس شخص کا کفر پر مرنا یقین سے ثابت ہو گیا ہو۔ تو اس پر لعنت ڈالنا جائز ہے۔ مثلاً نمرود، فرعون، ابوجہل، ابولہب پر لعنت ہو۔ ۲۔ وہ کافر شخص ابھی زندہ ہے۔ یا اس کافر کا کفر پر مرنا یقین سے ثابت نہیں۔ تو ان دونوں صورتوں میں نام لے کر لعنت ڈالنا جائز نہیں یہ مسئلہ۔ یَوْمَ تَشْهَدُ (الخ) کے بعد اَلْخَبِيْثٰتُ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق جس طرح کسی شخص کا عدالت کے سامنے کسی دوسرے شخص کے خلاف اس کا چشم دید جرم بیان کرنا سچی گواہی ہے۔ اسی طرح کسی مجبور شخص کا عدالت کے سامنے اپنے عمل و مجبوراً جرم کا اظہار کرنا بھی اس جابر کے خلاف سچی گواہی کا درجہ رکھتا ہے نہ کہ فقط اقرار جرم اور حکام عدالت اسلامی اس اقرار یہ بیان کو گواہی بناتے ہوئے جابر کی گرفت و تفتیش کر سکتے ہیں۔ یہ مسئلہ۔ یَوْمَ تَشْهَدُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ رب تعالیٰ نے اعضا کے اپنے جرائم کے بیان کرنے کو کفار کے خلاف گواہی قرار دیا۔ اس لیے کہ دنیا میں اعضاء نفس امارہ وروح خبیثہ کے آگے مجبور تھے اور یہ مجبوری کا اقراری بیان ہوگا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا بروز قیامت کفار کی زبانیں گواہی دیں گی۔ لیکن سورۃ یٰسین آیت ۶۵ میں ارشاد ہے کہ بروز قیامت ہم کفار کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے جب منہ پر مہر لگ گئی تو بولنا اور بول کر گواہی کیسے ہو سکتی ہے؟ **جواب:** سورۃ یٰسین آیت ۶۵ میں زبان ومنہ کے آلہ تکلم پر مہر لگانے کا ذکر ہے۔ دنیا میں منہ و

marfat.com

زبان آلہ ہے قلب وعقل نفس وروح کے کلام کا۔ خود متکلم نہیں۔ اسی لیے وہاں نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ فرمایا گیا۔ یعنی پورے مونہوں پر مہر۔ مگر قیامت میں زبان کی آلیت پر مہر لگا کر تکلمیت کی قوت صرف زبان کو دی جائے گی اور زبان آلہ بن کر نہیں بلکہ خود متکلم بن کر بات کرے گی اس لیے یہاں اَلْسِنَتُهُمْ فرمایا گیا۔ یہ قوت گویائی ہاتھوں پیروں کو بھی ملے گی مگر صرف گواہی دینے کے لیے کچھ وقت۔ جیسے دنیا میں شجر وحجر کی گویائی، یا خیبر کے زہریلے گوشت کی گواہی یا نباتات کا حمد وتسبیح پڑھنا۔ بعض نے جواب دیا کہ یہ کام دو علیحدہ علیحدہ وقت میں ہوں گے کہ پہلے مونہوں کا تکلم پھر مونہوں پر مہر اور زبانوں کا ذاتی تکلم۔ بعض نے جواب دیا کہ دونوں کام بیک مجلس ہوں گے کہ مونہوں کا تکلم۔ پھر مونہوں پر مہر اور ہاتھ پاؤں زبان کی زبان حال کی باتیں نہ کہ زبان قال کی۔ مگر پہلا جواب مضبوط ہے۔ **دوسرا اعتراض:** مفسرین کہتے ہیں کہ یہاں مغفرت اور رزق کریم کی بشارت کا وعدہ دنیا میں ہی حضرت صدیقہ کو دے دیا گیا۔ یہ تو بہت بری بات ہے دنیا میں کسی کو اس قسم کی بشارت دینا اس کو گناہوں پر دلیر اور گناہگار بنانا ہے (شیعہ رافضی) **جواب:** اس کے دو جواب۔ الزامی تو یہ کہ نبی کریم ﷺ نے دس صحابہ کرام کو جنت کی بشارت دی۔ ان میں مولیٰ علی بھی شامل تو کیا مولیٰ علی یہ بشارت سن کر گناہوں برائیوں پر دلیر ہو گئے تھے ہرگز نہیں۔ بلکہ شکر وفکر میں اور زیادہ عابد ہو گئے تھے۔ جواب تحقیقی یہ کہ ایسی بشارتیں صرف مستقبل کو ہی نہیں بتاتیں بلکہ بندے مکرم ومبشر کی سابقہ کیفیت وشان کو بھی ظاہر فرماتی ہیں کہ یہ وعدہ بشارت دیا ہوا بندہ ازل کا خوش بخت لائق جنت قابل عزت ہے۔ پس اس بشارت لدنی نے صدیقہ کی ازلی ابدی شان اور ماضی ومستقبل کی لیاقت وقابلیت کو بتایا کہ صدیقہ ازلی ابدی مالک جنت لائق مغفرت وقابل رزق کریم ہیں اور ایسی شان والا ہر برائی سے محفوظ ومامون ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

يَّوْمَ تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۲۴﴾ يَوْمَئِذٍ يُّوَفِّيْهِمُ اللّٰهُ دِيْنَهُمُ الْحَقَّ وَيَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِيْنُ ﴿۲۵﴾۔ اے راہ طلب کے بےعمل غافلو۔ عالم روحانیت میں بوقت قیامت صغریٰ ایک دن ایسا بھی آتا ہے جس دن ہر بندے کو اس کے عمل کے مطابق جزا دی جاتی ہے۔ نفس امارہ کو اس کی شرارتوں بناوٹوں مکاریوں کی سزا میں نفرت، فرقت، پھٹکار و درکار دی جاتی ہے۔ صالحین کو درجات محبت ورضا کی جزا۔ عارفین کو وصل قرب کی۔ عاشقین کو رویۂ رحمٰن کی جزاء عشق اور کافرین باطن کو محرومی کی سزا ابد فطری۔ ہر بندے کے اندر آب حیات وآب ممات ہے۔ زبان قال بھی ہے زبان حال بھی مگر منافقین منزل ان کے وجود مسعود سے اندھے بہرے گونگے ہیں۔ وہی وقت فراق ہے جب اعضاء انسانی کی گواہی اسی کی زبان حال سے دنیا میں بندے کی شکایت کریں، بے نمازی کے چہرے کی نحوست، ہاتھوں کی غفلت، پیروں کی کسلت مزاج کی رعونت قلب کا فساد یہ سب زبان فاسقین کی کیفیاتی گواہیاں ہیں جو بروں کی بداعمالی کی بولتی تصویریں ہیں۔ اور نمازی کے چہرے کی بشاشت حسن وجاہت ظاہر کی رونق باطن کی خوشیاں یہ بھی زبان حال کی گواہیاں ہیں۔ ہر اچھے برے کام کی گواہی آنکھوں سے مل جاتی ہے۔ اسی طرح بروز قیامت کبریٰ زبانوں سے تلاوت کی، جسموں سے عبادت کی، ہاتھوں سے اعمال نامے کی اور دنیا میں کتب آیات روایات پکڑنے کھولنے کی۔ پاؤں سے سجدہ ومحراب کعبہ انوار، روضہ سرکار کی طرف چلنے کی گواہی ملتی ہے۔ یاد نبی اور عشق الٰہی کی گواہی عاشق صادق کے آنسوؤں سے ملتی ہے۔ لغزش

marfat.com

گناہ سے توبہ کی گواہی ندامت کے قطروں سے ملتی ہے۔ اچھے برے کانوں کی گواہی ان کی اچھی بری سماعت سے ملتی ہے۔ ذکر و وظائف آیات کی تلاوت یہ اچھے کانوں کی گواہی ہے۔ مگر گستاخوں، فاسقوں کی شہادت احوال و کیفیات ان کے منحوس چہروں، مکروہ عضووں، خبیث شکلوں بدلی صورتوں سے مل جاتی ہے۔ اجسام عارفین پر عادات حمیدہ کے انوار کا ظاہر ہونا ان کے مراتب عرفانی درجات ایمانی کی گواہی ہے۔ جب یہ گواہیاں ظاہر ہونے لگتی ہیں تو اللہ تعالیٰ ہر بندے کو اس کے دین ظاہری، باطنی کا پورا استحقاقی بدلہ بشکل ثواب وصل اور عذاب فراق عطا فرماتا ہے نیکوں کو فضل سے بدوں کو عدل سے۔ تب آنکھیں کھلتی ہیں۔ اسرار ظاہر ہوتے ہیں اور سب جان لیتے ہیں۔ اہل وصال بھی، اہل فراق بھی کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی قائم و قیوم ہے۔ ظاہر الوجود ہے اَلْحَقُّ الْمُبِیْنُ ہے۔ اس کے علاوہ دنیا و آخرت میں ناسوت و جبروت میں ہر وجود لاشی، مستعار و عارضی ہے۔ اللہ تعالیٰ باقی ہے۔ اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَ الْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ ۚ۔ خبیث وہ ہے جو محسوسات میں ذلیل اور معقولات میں خسیس، اعتقادات میں باطل، مقالات میں کاذب، اعمال میں قبیح، حالات میں جاہل، اختیارات میں ظالم، عادات میں کمینہ ہو۔ معاملات میں عیار ہو۔ ظاہر میں تندرست ہو باطن میں بیمار لاغر ہو۔ مگر اہل اللہ ظاہر میں مفلوک و بیمار لگتے ہیں، باطن میں تندرستی والے۔ حافظ شیرازی نے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

شعر با ضعف و ناتوانی ہمچو نسیم خوش باش
بیمار اندریں راہ بہتر ز تندرستی

اہل طریقت کے نزدیک بری فطرت و جبلت یعنی پیدائش بری عادت و حالت کو خباثت کہا جاتا ہے۔ جس کی اصل و بنیاد حقیر و ٹیڑھی و نقصان وہ ہو وہی خبث اصلی و نجس عینی ہے۔ دنیا میں بارہ چیزیں خبیثات ہیں۔ ۱۔ خواہشات نفس امارہ۔ ۲۔ شیطانی وسوسے۔ ۳۔ باطل کی عیاریاں۔ ۴۔ موذی کی دھوکے بازیاں جال سازیاں۔ ۵۔ گندے اخلاق۔ ۶۔ محبت دنیا۔ ۷۔ غفلت آخرت۔ ۸۔ شیطانی راستے و نشانات۔ ۹۔ فسق کی غلاظتیں نجاستیں۔ ۱۰۔ شہوانی لذات حرام کی ظلمات۔ ۱۱۔ محرمات میں مشغولیت۔ ۱۲۔ ریاکاری منافقۃ اور تیرہ خبیثون ہیں۔ اول اہل نفوس، دوم باطل و بدذات لوگ، سوم طالبین دنیا، چہارم محبین خاشی، پنجم انوار اللہ سے محجوب، ششم اسرار اللہ سے محروم، ہفتم رحمت اللہ سے ملعون، ہشتم سعادت کمال سے مردود، نہم توفیق فیض سے دور، دہم برکات رسالت نصرت نبوت ہدایۃ صحابیت، امداد ولایت رعایت مزارات سے مایوس و بد عقیدہ، یازدہم وہ شخص جو حرام پر خوش ہو، دوازدہم وہ لوگ جو آپس میں فحاش ہوں، سیزدہم علاقے میں بدمعاش ہوں۔ دنیا میں خبیثین پانچ قسم کے ہیں۔ اول بدکردار خاوند، دوم آوارہ مزاج والدین، سوم برے قائد، چہارم ظالم حکمران، پنجم رشوت خور حکام سود خور عوام۔ چھ قسم کی عورتیں خبیثت ہیں۔ ۱۔ بدکارہ بیویاں۔ ۲۔ آوارہ بیویاں۔ ۳۔ فیشن پرست بازاری عورتیں۔ ۴۔ بے علم، بے ادب گستاخ مائیں۔ ۵۔ ہرجائی مزاج آزاد خیال لڑکیاں و اولاد۔ ۶۔ عبادت سے دور، تلاوت سے نفور، اخلاق حسنہ سے غرور۔ اسلامیات سے فرور جسماً منحوس، عادۃً مغرور۔ ۶۔ فحاش عورتیں وَ الطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَ الطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۚ۔ لیکن مومن وہ ہے جو ہر قال ہر حال، ہر مکان ہر زمان، ہر میدان میں ظاہراً باطناً طیب و طاہر عاقل و ماہر ہو۔ اسلام میں سولہ چیزیں طیبات ہیں۔ نو قسم کے بندے طیبین ہیں اور تیرہ قسم کے بندے طیبون ہیں۔ اور نو قسم کی عورتیں طیبات ہیں۔

marfat.com

طیب چیزیں۔ ۱۔ پاکیزہ لباس۔ ۲۔ حلال رزق۔ ۳۔ پاک نیتیں صاف ارادے۔ ۴۔ اِلہاماتِ اِلٰہیہ۔ ۵۔ انکشافات حقائق۔ ۶۔ اقوال صادق۔ ۷۔ اعمال صالح۔ ۸۔ حالات کرامات۔ ۹۔ واقعات دقائق۔ ۱۰۔ معلومات معارف۔ ۱۱۔ شرح صدور نفس میں فتور۔ ۱۲۔ اخلاق محمودہ۔ ۱۳۔ انعامات کبریائی۔ ۱۴۔ عشق مصطفائی۔ ۱۵۔ خلوص کی عبادت۔ ۱۶۔ مغفرت کی بشارت۔ نیک اعمال کی خوشبو آنا۔ برے افعال کی بدبو آنا بندہ طیب کی نشانی سعادت ہے۔ طیبین لوگ۔ ۱۔ اصحاب قلوب۔ ۲۔ محی الارواح یعنی اہل دل اور زندہ روح والے۔ ۳۔ عارفین۔ ۴۔ صالحین۔ ۵۔ محبین۔ ۶۔ مسارعین۔ ۷۔ عابدین مخلصین۔ ۸۔ عاشقین کاملین۔ ۹۔ صاحب حال قائل قال۔ عادات خسیسہ رزیلہ ذلیلہ کمینہ سے پاک۔ طیبون بندے۔ ۱۔ نیک خاوند۔ ۲۔ باشرع شخصیت۔ ۳۔ بہترین والد۔ ۴۔ اچھے متقی دوست۔ ۵۔ زاہدین خلوت۔ ۶۔ عاملین جلوت۔ ۷۔ قابلین قربت۔ ۸۔ کاملین طریقت۔ ۹۔ صادقین معاملت۔ ۱۰۔ صاحب یُسرت۔ ۱۱۔ لائق نُصرت۔ ۱۲۔ مخلوق لِلجنّۃ وَ مَبعود عَنِ الجَھنَّمِ۔ ۱۳۔ حقائق، دقائق، عقل و معارف و مکاشفات اور شرح قلوب والے۔ طیبات عورتیں اول مُحصَنۃ، دوم غافلت، سوم مومنت، چہارم نیکیوں سے واقف، پنجم گناہوں سے ناواقف یعنی دنیا سے بے خبر آخرت سے باخبر، ششم دنیا سے بے غرض بے تعلق دین سے باغرض باتعلق۔ یعنی دنیا سے غافل دین میں شاغل، ہفتم شریعت کی عاقل، طریقت کی عارف، ہشتم صالحہ کاملہ، نہم بہترین ماں۔ اُولٰٓئِكَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ؕ۔ یہی وہ طیبات وطیبون اور طیبین وطیبات ہیں جن خوش بختوں کی براءت طہارت نفاست لیاقت خود ان کا خالق تعالیٰ بیان فرماتا ہے ان لغویات کذبیات سے جو یہ اہل خبائث بناتے بولتے پھیلاتے رہتے ہیں عارفین اہل حقائق کے خلاف اور اہل صبر اپنے صبر وشکر پر مثل سدا بہار قائم رہتے ہیں۔ دنیا کے اسی صبر وشکر کی وجہ سے۔ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِیْمٌ ۝۲۶۔ انہی طیبات و طیبون کے لیے رحمت برکت کی مغفرت کمال اور حلال و جمال کا رزق انوار ہے۔ دنیا میں وہی خوش نصیب ہے جو خبث و خبیث سے بچ گیا اور طیبین وطاہرین کی جماعت میں سج گیا۔ فاروق اعظم نے فرمایا کہ بروں کی ہم نشینی سے گوشہ نشینی بہتر ہے اسی میں صالحین طیبین کا سکون وراحت ہے۔ گوشہ نشینی کے دو طریقے۔ ایک یہ کہ خلقت سے دوری۔ دوم یہ کہ مخلوق سے قطع تعلق اور ادائیگی حقوق۔ یعنی اپنی اغراض چھوڑ دو لوگوں کی اغراض پوری کرو۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا
اے وہ لوگو جو مومن ہو گئے ہو نہ داخل ہو جایا کرو
اے ایمان والو اپنے گھروں کے سوا
بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا
ان گھروں میں جو تمہارے رہائشی گھروں کے علاوہ ہیں یہاں تک کہ خوب اچھی واقفیت حاصل کرلو
اور گھروں میں نہ جاؤ جب تک اجازت نہ لے لو

marfat.com

وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
اور داخل ہونے کے لئے سلام کیا کرو اس گھر کے موجود رہائشیوں پر یہ طریقہ اسلامی اچھا ہے تم سب کے لئے
اور ان کے ساکنوں پر سلام نہ کرلو۔ یہ تمہارے لیے بہتر ہے
لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِيْهَآ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا
تا کہ تم نصیحت پکڑو پھر اگر کسی وقت نہ پاؤ تم اس گھر میں کسی کو موجود تو نہ گھسو تم اس میں
کہ تم دھیان کرو پھر اگر ان میں کسی کو نہ پاؤ
حَتّٰى يُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ
جب تک کہ اجازت نہ دی جائے تم کو اور اگر کہا جائے تم کو
جب بھی بے مالکوں کی اجازت کے ان میں نہ جاؤ اور اگر تم سے کہا جائے
ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ
کہ واپس چلے جاؤ تو واپس لوٹ آؤ یہ طریقہ عمدہ ہے تمہارے لیے
کہ واپس جاؤ تو واپس ہو جاؤ یہ تمہارے لیے بہت ستھرا ہے
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸﴾
اور اللہ تعالیٰ ان تمام کاموں کو جو تم کرتے ہو جاننے والا ہے
اللہ تمہارے کاموں کو جانتا ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں بہتان لگانے والے بروں اور تہمت و بہتان پانے والے نیکوں کا اور ان کے عذاب و ثواب کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں تا قیامت ایک شرعی تہذیبی اخلاقی قانون وضع فرمایا جا رہا ہے جس سے تہمت سازی کا مکمل و بہترین سدباب ہو جائے اور تخریب کاروں کو تخریب کاری کا موقع ہی نہ ملے۔ پچھلی آیت میں پیدا شدہ برائیوں کے تدارک و خاتمے کا طریقہ بتایا گیا اب یہاں آئندہ برائیوں کے اندیشے کا دروازہ ہی بند کرنے کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں خبیث و طیب لوگوں کا تذکرہ ہوا۔ اب ان آیات میں مسلمانوں کو طیب بننے کا اخلاقی مہذب سبق عطا فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں طیب لوگوں کے حلال و پاکیزہ رزق کریم کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں طیب لوگوں کے حلال و پاکیزہ ستھرے اخلاق و

marfat.com

عادات اور اچھی طبیعتوں کا طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَهْلِهَا ؕ ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾۔ یَآ حرفِ ندا۔ اَیُّهَا۔ اسم فاصل۔ الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر منادیٰ ہوا۔ لَا تَدْخُلُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر دَخْلٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے۔ اندر جانا۔ داخل ہونا یہ مادہ لازم ہے۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ بُیُوْتًا اسم جمع کسر منصرف۔ اس کا واحد ہے بَیْتٌ۔ ترجمہ ہے رات گزارنے کا کمرہ یہاں مراد ہے پورا باپردہ گھر چار دیواری والا۔ پختہ مستقل گھر یا کچی جھونپڑی یا منتقل خیمہ۔ یہ موصوف ہے۔ غَیْرَ اسم استثنائی مضاف ہے۔ بُیُوْتِکُمْ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے غَیْرَ کا وہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے لَا تَدْخُلُوْا کا۔ خیال رہے کہ عربی میں مفعول پانچ قسم کے ہیں۔ ۱۔ مفعول بہ۔ ۲۔ مفعول مطلق۔ ۳۔ مفعول معہ۔ ۴۔ مفعول لہٗ۔ ۵۔ مفعول فیہ۔ مگر مصدر مجرد (مادہ) یا مصدر مزید فیہ کا متعدی ہونا صرف مفعول بہ سے ہوتا ہے۔ باقی چار مفعول مصدر لازم کے بھی ہوتے ہیں جیسے کہ دَخْلٌ مصدر لازم ہے لیکن بُیُوْتًا اس کا مفعول فِیْهِ ہے۔ حَتّٰی۔ حرف جر بمعنی اِلٰی جارہ (یہاں تک کہ) تَسْتَاْنِسُوْا۔ بابِ استفعال کا فعل مضارع بمعنی مستقبل۔ یعنی آئندہ یہاں اَنْ ناصبہ مصدریہ پوشیدہ ہے اس لیے تَسْتَاْنِسُوْا کا آخری نون اعرابی بوجہ نصب گر گیا۔ دراصل تھا تَسْتَاْنِسُوْنَ۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِیْنَاسٌ۔ اُنْسٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے۔ واقفیت ہونا، لگاؤ اور چاہت ہونا، مراد ہے محبت چاہت واقفیت سے اجازت ملنا، کیونکہ جبری اجازت لینا بھی شرعاً گناہ ہے۔ اسی لیے یہاں تَسْتَاذِنُوْا کے بجائے تَسْتَاْنِسُوْا ارشاد ہوا۔ جبری اجازت کو ہمارے محاورے میں چھاپہ مارنا کہتے ہیں۔ حَتّٰی تَسْتَاْنِسُوْا کا نحوی ترکیبی ترجمہ ہے خوشی بخوشی اجازت ملنے تک۔ تَسْتَاْنِسُوْا کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ تُسَلِّمُوْا۔ باب تفعیل کا فعل مضارع بمعنی مستقبل صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ہے اَنْتُمْ پوشیدہ۔ اس کا مصدر ہے تَسْلِیْمٌ۔ سَلْمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے سلام کرنا۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنا۔ عَلٰی جارہ برائے فوقیت۔ اَهْلِ اسم تملیکی بمعنی والا۔ مالک صاحب یہاں مراد ہے رہائشی لوگ مالکیت سے ہو یا کرائے داری سے یہ مضاف ہے هَا یہ واحد مونث غائب کا مرجع بُیُوْتًا جمع غیر عقلی ہے۔ کیونکہ غیر عقلی جمع کے لیے ضمیر واحد مونث ہی آتی ہے۔ هَا مضاف الیہ۔ اَهْلِهَا مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تُسَلِّمُوْا کا۔ یہ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے تَسْتَاْنِسُوْا کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر مجرور ہے حَتّٰی سے یہ جار مجرور متعلق ہے لَا تَدْخُلُوْا کا۔ وہ سب فعل فاعل مفعول فیہ و متعلق سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا اول ہوا۔ ذٰلِکُمْ۔ اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ لَا تَدْخُلُوْا کا پورا جواب ندا جملہ ہے۔ اس میں کُمْ جمع مذکر حاضر کی ضمیر مشار الیہ کے صیغے کی مطابق کی وجہ سے ہے۔ یہ ذٰلِکُمْ مبتدا ہے۔ خَیْرٌ مصدر بمعنی اچھا ہونا، بھلائی ہونا۔ لَکُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے خَیْرٌ کا۔ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ۔ باب تفعّل کا مضارع احتمالی برائے تعلیل یعنی علت۔ بمعنی تا۔ اس کا مصدر ہے تَذَکُّرٌ۔ ترجمہ نصیحت پکڑنا۔ ذِکْرٌ سے بنا ہے بمعنی یاد کرنا، یاد رکھنا، ذکر و چرچا کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل

marfat.com

فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہے خَیْرٌ مصدر کی یہ سب مل کر شبہ جملہ ہو کر خبر ہے ذٰلِکُمْ مبتدا کی یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا دوم ہوا۔ یا ندائیہ اپنے منادیٰ اور دونوں جواب ندا سے مل کر جملہ ندائیہ ہو گیا۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۞ ۔ فَ حرف تعقیب ۔ اِنْ حرف شرط لَمْ تَجِدُوْا ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع منفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق ۔ صیغہ جمع مذکر حاضر ۔ ترجمہ ہے۔ اگر کبھی نہ پایا تم نے ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ هَا ضمیر کا مرجع ۔ بُیُوْتًا ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَمْ تَجِدُوْا کا ۔ اَحَدًا ۔ اسم عددی ۔ بمعنی ایک نکرہ عمومی ہو تو معنی ہے کوئی مفعولیت میں معنی ہے کسی کو ۔ یہ مفعول بہ ہے ۔ لَمْ تَجِدُوْا وَجْدٌ سے مشتق ہے ۔ ترجمہ ہے پانا ۔ اسی سے ہے وُجُوْدٌ اور مَوْجُوْدٌ ۔ یعنی پایا جانا ، پایا ہوا یہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے ۔ فَ حرف جزا ۔ لَا تَدْخُلُوْ ۔ باب نَصَرَ کا فعل نہی حاضر معروف جمع مذکر دَخْلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ هَا ضمیر مفعول فیہ حَتّٰى حرف جر یُؤْذَنَ باب افعال کا مضارع مجہول مثبت صیغہ واحد مذکر غائب اِذْنٌ سے مشتق ہے ۔ اس کا مصدر ہے اِیْذَانٌ ۔ دراصل اَذْاَنٌ تھا ۔ دوسری ہمزہ کو یٰ سے بدل دیا گیا تخفیف کے لیے اس کا نائب فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اِذْنٌ حاصل مصدر ۔ لَكُمْ ۔ جار مجرور متعلق ہے یُؤْذَنَ کا ۔ یہ فعل مجہول اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مجرور ہے حَتّٰى سے یہ جار مجرور متعلق ہے لَا تَدْخُلُوْا کا ۔ یہ فعل فاعل مفعول فیہ اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے لَمْ تَجِدُوْا کے جملے کی ۔ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا ۔ خیال رہے کہ حرف کَیْ اور لام کَیْ کی طرح حَتّٰى جارہ میں بھی اَنْ ناصبہ مصدر یہ پوشیدہ ہوتا ہے اور فعل مضارع کو نصب دیتا ہے ۔ جیسے کہ یہاں حَتّٰى یُؤْذَنَ میں ۔ واؤ سر جملہ اِنْ حرف شرط ۔ قِیْلَ ۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول قَوْلٌ سے مشتق ۔ اس کا نائب فاعل ہے ارْجِعُوْا جو اس کا مقولہ بھی ہے ۔ لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے ارْجِعُوْا باب ضَرَبَ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹ جانا واپس ہو جانا ۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ اور نائب فاعل ہے قِیْلَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہے ۔ فَ جزائیہ ۔ ارْجِعُوْا یہ فعل امر با فاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا ۔ هُوَ ۔ اسم ضمیر واحد مذکر غائب مرفوع منفصل مبتدا ہے ۔ اس کا مرجع فَارْجِعُوْا کا جملہ جزائیہ ہے ۔ اَزْكٰى ۔ باب نَصَرَ کا اسم تفضیل صیغہ واحد مذکر ۔ زَكْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے خوشگوار اور مفید ہونا ۔ عمدہ اور ستھرا طریقہ ۔ معاشرے میں نفع بخش ہونا ۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُوَ پوشیدہ ۔ خیال رہے کہ یہ سابقہ هُوَ اس کا فاعل نہیں بن سکتا کیونکہ فاعل کبھی مقدم نہیں ہو سکتا ۔ لَكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے اَزْكٰى اسم تفضیل کا ۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے هُوَ مبتدا کی ۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا ۔ واؤ سر جملہ یعنی ابتدائیہ ۔ اللّٰهُ مبتدا ۔ بِ حرف جر مَا اسم موصول ۔ تَعْمَلُوْنَ ۔ باب فَتَحَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ہے اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ عَمَلٌ سے مشتق ہے ۔ معنی ہے حیات دنیوی کے اچھے برے تمام کام ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہوا مَا کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور ہے بِ سے وہ جار مجرور مل کر متعلق مقدم ہے عَلِیْمٌ صفت مشبہ مبالغہ کا ۔ بروزن فعیل باب کَرُمَ سے عِلْمٌ سے مشتق ہے ۔ عَلِیْمٌ کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے اللّٰهُ ۔ یہ اسم صفت مشبہ اپنے فاعل پوشیدہ اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ

marfat.com

اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ اللہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ بُیُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَهْلِهَاؕ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝۲۷ ۔ اے ایمان والو آئندہ کے لیے قذف و بہتان اور الزام ولعان، تخریب کاری و بدنام سازی سے بچنے کے لیے تمام مسلمانوں کے لیے ایک بہترین قانون بنایا جارہا ہے جس کی پابندی ہر مسلمان پر واجب ہے۔ مرد ہو یا عورت، سمجھدار بچے ہوں یا جوان و بوڑھے، اجنبی واقف کار ہوں یا ناواقف، محرم ہوں یا نامحرم، بینا ہوں یا نابینا، والدین ہوں اولاد، بہن بھائی ہوں یا بہو بیٹی، مالک مکان ہو یا پڑوسی۔ یہ کہ کسی دوسرے کے رہائشی گھر میں بغیر اطلاع اور بغیر اجازت لیے خبردار کبھی نہ جاؤ۔ خواہ مالک مکان کا رہائشی ہو یا کرائے کا یا عاریت کا رہائشی ہو۔ ملاقات کے یہ شرعی قانون و اسلامی آداب اس لیے بنائے گئے ہیں تاکہ کوئی شخص کسی کے گھر میں اچانک آ کر نہ گھر والوں کے پوشیدہ حالات دیکھے نہ مخفی باتیں سنے نہ خصوصی سامان دیکھ سکے۔ بچوں کو اجازت لینا اس لیے ضروری کہ وہ قابل پردہ جسم کو نہ دیکھ لے۔ اندھوں کو اس لیے ضروری کہ وہ مخفی باتیں نہ سن سکیں۔ تنہائی میں کئی دفعہ خاوند بیوی کے درمیان ایسے حال وکلام ہوتے ہیں جن کا پوشیدہ و باپردہ ہونا ضروری ہے اور جس کا دیکھنا نہ گھر والوں کو پسند نہ آنے والوں کو اس لیے اچانک داخلہ شرعاً ممنوع کر دیا گیا۔ جب تک دروازے پر کھڑے کھڑے گھر والوں کے ساتھ تعارف انسیت و رضامندی سے داخلے کی اجازت نہ لے لو۔ اسلام نے اجنبی گھر میں داخل ہونے کی اجازت لینے کے دس آداب سکھائے۔ **اول** جب دروازے پر آؤ تو بالکل دروازے کے سامنے نہ کھڑے ہو بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے۔ دروازہ کھلا ہو یا بند۔ پردہ پڑا ہو یا اٹھا ہوا تاکہ آنے والے کی نگاہیں ایک دم گھر کے اندر نہ پڑیں۔ نیز کبھی ہوا سے کواڑ یا پردہ ایک دم کھل جاتا ہے یا کوئی گھر کا بچہ ایکدم کھول دیتا ہے حکم نبوی یہی ہے کہ دروازے کے ایک طرف کھڑے ہونا چاہئے۔ **دوم** اگر گھنٹی بجانے یا کواڑ کھٹکھٹانے کے لیے دروازے کے سامنے آنا ہی پڑے تو اطلاع دے کر پھر دائیں یا بائیں پیچھے ہٹ جاؤ۔ **سوم** اگر گھنٹی بجانا یا کواڑ کھٹکھٹانا نہ چاہو تو آواز بلند اس طرح تکبیر یا تحمید یا تسبیح کے الفاظ ادا کرو کہ گھر والے پہچان کر داخلے کی اجازت دے دیں یا آنے والا کھانسے یا ٹھارے تاکہ گھر والوں کو پتہ لگ جائے کہ کوئی اجازت مانگ رہا ہے اور وہ اجازت دے دیں یا آ کر پوچھیں کہ کون ہے۔ **چہارم** یہ کہ اجازت مانگنے والا مہذب انداز میں درمیانی طرز پر گھنٹی بجائے یا کواڑ کھٹکھٹائے نہ تیزی و سختی دکھائے نہ مسلسل بجائے کھٹکھٹائے بلکہ نرمی اور وقفے وقفے سے تاکہ گھر والوں کی گھبراہٹ پریشانی یا نفرت کا باعث نہ بنے۔ **پنجم** دروازے پر کھڑے ہو کر چیخ چیخ کر گھر والوں کو نہ پکارے۔ **ششم** جب اچھے اخلاق و آداب سے گھر والوں کو اپنی موجودگی کا احساس دلا دیا اور گھر والوں نے اجازت دے دی تو آنے والا دروازے کے سامنے آ کر کہے۔ السلام علیکم۔ **ہفتم** جب اندر سے آواز آئے وعلیکم السلام تو پھر اندر آنے کی اجازت مانگے اور کہے کیا میں اندر آجاؤں۔ اس سے پہلے کے آداب اپنی اطلاع دینی تھی۔ اب یہ سلام سلامِ اجازت ہے۔ **ہشتم** اس سلام کا فائدہ یہ کہ گھر والے اپنے آپ کو سنبھال سمیٹ لیں اور وہ تین اطلاعیں تیزی سے ایک دم دھماکہ خیز نہ ہوں بلکہ نرمی مختصر اور وقفے وقفے سے ہر اطلاع تین تین بار۔ **نہم** بعض علماء نے فرمایا کہ

marfat.com

دروازے پر کھڑے ہو کر تکبیر کے الفاظ یا کھانستا کھنکارنا یا السلام علیکم کہنا یہ ہی پہلی اجازت لینا ہے۔ اور سلام کرنا سب سے بہتر ہے کیونکہ اس میں اجازت لینا بھی ہے۔ دعا دینا بھی آواز سنا کر اپنی پہچان کرانا بھی۔ حصول رحمت و برکت بھی۔ حکم الٰہی و سنت نبوی پر عمل بھی یہ پانچ فوائد و منافع دیگر کسی بھی دنیوی اطلاعی لفظوں میں نہیں ہیں۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ صحابی فرماتے ہیں کہ السلام علیکم کے نزول حکم سے پہلے ہم ملاقات و اجازت کے لیے تین جملے بولا کرتے تھے۔ کبھی کہتے۔ اَنْعَمَ صَبَاحًا کبھی کہتے، حَیَّیْتُمْ صَبَاحًا حَیَّیْتُمْ مَسَآءً کبھی کہتے، اَنْعَمَ اللّٰهُ بِکَ عَیْنًا۔ اور یہ کہتے ہی گھر میں داخل ہو جاتے اجازت ملے بغیر ہی نہ اجازت ملنے کا انتظار کرتے۔ ان الفاظ کا معنی ہے۔ صبح خیر۔ شام خیر۔ جیسے انگریزی میں گڈ مورنگ، گڈ آفٹرنون، گڈ ایونگ۔ یہ دعا تو ہے مگر گونگی بہری اندھی مجہول نہ معلوم کس کو، کس کی، کتنی کیوں اور کب تک خیر۔ جب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنے کا حکم نازل ہوا تب دیگر تمام اپنے بنائے ہوئے دعائیہ الفاظ سے روک دیا گیا کیونکہ وہ دعائیں ناقص و مجہول ہیں مگر سلام ہر طرح ہمہ وقتی جامعیت ونسبت والی دعا ہے۔ السلام کا الف لام عہد خارجی ہے جس کا معنی ہے میری طرف سے ہر وقت تم پر اللہ تعالیٰ کی رحم و برکت والی سلامتی ہو (از ابوداؤد) ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہر مسلمان کو یہی ہے کہ میل ملاقات و اجازت و اجازت طلبی کے وقت صرف سلام کرے۔ اس کو چھوڑ کر دوسرے الفاظ بنالینا بدعت و گناہ ہے جیسے کہ شیعوں نے یا علی مدد بنالیا۔ وہابیوں نے اللہ حافظ کہنا۔ بنالیا۔ جہلائے عوام نے خدا حافظ کہنا شروع کر دیا۔ کسی نے آداب عرض۔ یہ سب ممنوع ہے۔ **دھم** بہتر یہ ہے کہ پہلے کہے السلام علیکم پھر پوچھے کیا میں اندر آجاؤں۔ کچھ علماء نے فرمایا۔ پہلے اجازت مانگے پھر سلام کرے اور اگر گھر والا خود سامنے آگیا تو پہلے سلام کرے پھر اجازت طلبی اور جب گھر والے پوچھیں کہ کون ہے تو اپنا شناختی مشہور نام بتائے یہ نہ کہے کہ میں۔ یہ تھے اذن و ملاقات کے اسلامی پاکیزہ مہذب و مفید آداب۔ پھر جب اندر سے اجازت مل جائے تو داخل ہوتے ہی پہلا کام سلام کرنا ہے تمام موجود اہل خانہ کو یہ دوسرا سلام ملاقات تحیۃ کا سلام ہے۔

آداب اجازت سے متعلق چند احادیث مبارکہ

حدیث اول۔ ترمذی شریف بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمایا آقا ﷺ نے اے بیٹے جب بھی تو اپنے اہل خانہ پر حاضر ہو تو پہلے سلام کر اس سلام و جواب سے تجھ پر اور تیرے اہل پر برکت ہوگی۔ **حدیث دوم** کلدہ ابن حنبل نے فرمایا کہ ایک بار میں بغیر اجازت اور بغیر سلام آقا ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو گیا تو آقا ﷺ نے فرمایا۔ واپس جاؤ اور دروازے پر کھڑے ہو کر پہلے سلام کر پھر اجازت مانگ جب اندر سے اجازت ملے تو اندر آ (از ابوداؤد و ترمذی)۔ **حدیث سوم** بیہقی بروایت حضرت جابر۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ اس ملاقاتی کو اندر آنے کی اجازت مت دو جو پہلے سلام نہ کرے۔ **حدیث چہارم** ایک ملاقاتی کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اجازت نہ دی اور فرمایا پہلے سلام کر پھر اجازت مانگ اور اجازت ملنے کا انتظار کر۔ جب اس نے ایسا کیا تب آپ نے اجازت دی۔ **حدیث پنجم** موطا امام مالک بروایت حضرت ابوموسیٰ اشعری و حضرت حسن و حضرت عطا بن یسار رضی اللہ عنہم۔ ایک شخص نے عرض کیا یا

marfat.com

رسول اللہ میں اپنی والدہ کے ساتھ رہتا ہوں اور والدہ کا اکیلا خادم ہوں بار بار آنا جانا پڑتا ہے۔ کیا میں بھی ہر بار اجازت مانگا کروں فرمایا آقا علیہ السلام نے کیا تو یہ پسند کرتا ہے کہ بلا اجازت اچانک گھر میں جائے اور والدہ کو ننگا دیکھ لے۔ عرض کیا ہرگز نہیں۔ تو فرمایا۔ کہ ہر بار اجازت طلب کرتا کہ گھر والا سنبھل جائے۔ **حدیث ششم** مسند احمد بروایت ابی ہریرہ۔ فرمایا آقا علیہ السلام نے اگر کسی کو اس گھر کا قاصد ساتھ بلا کرلے جائے تب صرف سلام لازم ہے طلب اذن لازم نہیں اور یہ سلام تحیۃ ہوگا نہ کہ سلام اذن۔ اے مسلمانو قرآن و حدیث کا بیان کردہ اجازت طلبی کا یہ طریقہ تا قیامت ہے۔ تا کہ ہر وقت ہر اعتبار سے تمہاری عزت، محبت، مروت، امانت، دیانت، تہذیب، وقار، احترام قائم رکھنے میں تمہارے لیے خیر ہی خیر ہو۔ اے مسلمانو تم ہر وقت حکم کبریائی فرمان مصطفائی سے احکام شریعت و نصیحت پر عملی نقشہ پیش کرو۔ یہ تو اس گھر کے آداب اجازت تھے جس میں اہل خانہ موجود ہوں۔ لیکن فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ اَحَدًا فَلَا تَدْخُلُوْهَا حَتّٰى یُؤْذَنَ لَكُمْ ۚ۔ اگر تم کسی گھر میں کسی سے ملنے جاؤ اور اس گھر میں کسی اجازت دینے والے کو نہ پاؤ تو بھی اس گھر میں مت جاؤ جب تک کہ کوئی بڑا شخص اہل خانہ میں سے وہاں آکر تم کو اندر جانے کی اجازت نہ دے دے۔ لَمْ تَجِدُوْا فِیْهَاۤ کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ گھر لوگوں سے بالکل خالی ہو دروازہ کھلا یا بھڑا ہو، تالا نہ ہو۔ دوم یہ کہ گھر میں چھوٹے بچے ہوں بڑا کوئی نہ ہو جو اجازت دے سکے اور بچے اگر اجازت دیں بھی تو اندر نہ جاؤ۔ سوم یہ کہ گھر میں اس کا ناواقف مہمان موجود ہو گھر کا بڑا کوئی نہ ہو مہمان کو شرعاً جائز نہیں کہ کسی کو اندر آنے کی اجازت دے اگر مہمان کسی ملاقاتی کو اجازت دے بھی تو ملاقاتی کو اندر جانا جائز نہیں۔ شریعت کے اس قانون سے ثابت ہوا کہ اجازت لینے دینے کی حکمت صرف اہل خانہ کا سنبھل بیٹھنا ہی نہیں بلکہ اور بھی بہت سی حکمتیں مصلحتیں و بھلائیاں ہیں مثلاً۔ ۱۔ کسی کی ملکیت میں بلا اجازت تصرف کرنے سے بچانا۔ ۲۔ چوری یا کچھ نقصان ہو جانے کی سچی یا جھوٹی بدگمانی والزام تراشی سے بچانا۔ ۳۔ گھروں میں بہت سی چیزیں حفاظت و پوشیدگی کے قابل ہوتی ہیں گھر والا ان کو کسی ملاقاتی پر ظاہر نہیں کرنا چاہتا ان اشیاء کے ظاہر ہونے سے بچانا اور گھر کا پردہ قائم رکھنا۔ ۴۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ گھر میں حرق، غرق، سرق، یعنی جلنا، غرق ہونا، چوری ہونا، کسی اور جانب سے ہو اور نام لگ جائے بے اجازت جانے والے بے گناہ کا۔ وَ اِنْ قِیْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِیْمٌ ۝۲۸۔ اے ملاقاتیو شریعت کا تیسرا حکم یہ ہے کہ اگر گھر والے موجود ہیں اور تم سے کہیں کہ لوٹ جاؤ یہ وقت ملاقات نہیں ہے یا میں کسی وجہ سے نہیں مل سکتا تو ملنے کی ضد نہ کرو بلکہ فوراً خوش دلی سے واپس لوٹ جاؤ یہ لوٹ جانا تمہارے لیے بہت اچھی اخلاقی فراخ دلی، مودت محبت مروت، ستھری عادت پاکیزہ عمل ہے۔ اس اخلاقی بلندی میں، دل کی پاکیزگی، روح کی تراوٹ، معاشرے کی سجاوٹ، طبیعت کی بحالی معاملات کی خوشحالی ہے دروازے پر کھڑے رہنے، ملاقات کی ضد کرنے سے، نفرت، کراہت، کدورت ذلت لڑائی پڑنے جھگڑا بڑھنے کا اندیشہ ہے۔ یہ انکار اہل خانہ اگرچہ تین بار اجازت مانگنے کے بعد ہو اور گھروں میں کھڑکی، دروازوں، کواڑوں کی دراڑوں، نیچی دیواروں سے جھانکنا بھی گناہ ہے۔ یہی سنت نبوی و عمل صحابہ ہے۔ سبحان اللہ کیا پاکیزہ اخلاق ہیں اور قرآن و حدیث کے کیسے پیارے معاشرتی قوانین۔ **حدیث مقدس**۔ بخاری مسلم میں بروایت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ ہے کہ ایک بار حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دروازے پر گئے اور تین بار سلام اجازت کیا مگر اندر سے کوئی

marfat.com

جواب نہ آیا تو ابوموسیٰ لوٹ پڑے۔ تب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے آواز دی کہ تم کو اندر آنے سے کس نے روکا ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواباً فرمایا کہ آقا ﷺ کا ارشاد مقدس ہے کہ کسی کے دروازے پر تین بار اجازت مانگو اگر اندر سے خاموشی رہے تو لوٹ جاؤ۔ فاروق اعظم نے فرمایا۔ اس ارشاد کا کون گواہ ہے۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے گواہی دی کہ میں نے بھی زبان اقدس سے یہ فرمان سنا ہے تب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اطمینان ہوا۔ سبحان اللہ یہ تھی صحابہ کرام کی احتیاط روایات۔ **حدیث مقدس دوم** حضرت ابوایوب انصاری نے فرمایا۔ اجازت مانگنا یہ ہے کہ تین بار تھوڑے وقفے سے کہے السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں۔ اگر خاموشی رہے تو ملاقاتی لوٹ جائے کیونکہ اہل خانہ کی خاموشی بھی ارْجِعُوْا کے حکم میں ہے (از ابن ماجہ) ایسا ہی فرمان نبوی ہے بروایت ابوموسیٰ اشعری و ابوسعید خدری کہ خاموشی بھی ارْجِعُوْا ہی ہے۔ **حدیث سوم** بیہقی شریف میں بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ ہے۔ ایک بار آقا ﷺ حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے دروازے پر تشریف لائے۔ اور تین بار سلام اجازت فرمایا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے ہر بار جواب دیا مگر بہت آہستہ۔ آقا ﷺ لوٹ پڑے تب حضرت سعد بھاگ کر نکلے اور عرض کیا۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان۔ میں نے ہر بار اس لیے آہستہ جواب دیا تا کہ بار بار آپ سے یہ سلامتی و رحمت برکت کی دعائیں لوں۔ آپ اندر تشریف لائیں۔ آقا ﷺ ان کے گھر میں آئے۔ اس وقت آپ نے سعد کو تین دعائیں دیں۔ اے سعد۔ ۱۔ تیرا کھانا نیک لوگ کھائیں۔ ۲۔ تجھ پر فرشتے رحمت کی دعائیں بھیجیں۔ ۳۔ تیرے رزق سے روزے دار افطار کریں۔ **چوتھی حدیث مقدس** حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما ابن عباس رضی اللہ عنہما جب کسی کے پاس کوئی مسئلہ یا حدیث نبوی مقدس پوچھنے جاتے تو اجازت لینے کے بجائے دروازے پر ہی ایک طرف کھڑے رہتے جب گھر والا خود ہی کسی کام سے نکلتا تو اس سے فرمان نبوی پوچھتے۔ کئی بار لوگوں نے عرض کیا۔ یا ابن عم رسول اللہ۔ ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ آپ دروازے پر مشقت سے کھڑے ہوں اور ہم گھر میں آرام کرتے رہیں آپ دیگر لوگوں کی طرح اطلاع فرما دیا کریں۔ آپ فرمایا کرتے۔ طلب علم کے لیے بھی حکم نبوی ہے اور سورۃ حجرات کی آیت ۵ سے دلیل لیتے کہ وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَیْهِمْ لَكَانَ خَیْرًا لَّهُمْ ؕ۔ ایک بار فاروق اعظم نے ان کو سمجھایا کہ یہ آیت صرف دروازہ نبوی کے آداب کے لیے ہے نہ کہ ہر ایک کے لیے۔ تب حضرت ابن عباس نے یہ طریقہ چھوڑا۔ اے مسلمانو تا قیامت ان احکام پر عمل کرو۔ اور اللہ تعالیٰ تمہارے ان تمام ظاہری باطنی کاموں کو جاننے والا ہے جو جب بھی تم کرتے ہو۔ فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ چھ موقعوں پر اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ۱۔ جب کسی کے گھر آگ لگ جائے تو بجھانے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ۲۔ جب کسی کے گھر میں چور گھس آئے تو چور پکڑنے کے لیے۔ ۳۔ جب کسی گھر میں کوئی ظالم کسی اہل خانہ کو ظلماً عمداً یا کوئی پاگل کسی کو قتل کرنے لگے تو بچانے کے لیے۔ ۴۔ جب خود صاحب خانہ کسی مصیبت میں مدد کے لیے پکارے تو مصیبت سے چھڑانے کے لیے۔ ۵۔ جب گھر والا قاصد بھیج کر کسی کو قاصد کے ساتھ بلائے۔ ۶۔ جب حاکم کی اجازت سے پولیس کسی کے گھر میں چھاپہ مارنے لگے کسی مجرم مفرور یا جرم کو پکڑنے کے لیے۔ ان سب صورتوں میں چونکہ اذن طلبی نقصان کا باعث ہے لہٰذا شدت ضرورت کی بنا پر داخلے کی اجازت لینا ٹھیک نہیں۔ اس مسئلے کی دلیل وہ حدیث مقدس ہے کہ اَلضَّرُوْرَاتُ تُبِیْحُ الْمَحْظُوْرَاتِ یعنی ضروریات

marfat.com

حیات، مباح کر دیتی ہیں ممنوعات کو۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

ان دو آیتوں ۲۷ و ۲۸ کے شان نزول میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ آیت ۱۱ سے آیت ۲۸ تک اٹھارہ آیتیں افک کے برائت میں ہی نازل ہوئیں یہی قول حق ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ آیت ۱۱ تا ۲۶ براءت کی ہیں لیکن آیت ۲۷ و ۲۸ کا شان نزول ایک انصاری عورت کا یہ عرض کرنا ہے کہ میں کئی بار گھر میں اکیلی ایسی حالت میں ہوتی ہوں کہ کسی کے اچانک آجانے کو پسند نہیں کرتی مگر کبھی والد یا ولد یا ماں یا بہن اچانک گھس آتے ہیں اور میں بھی اور وہ بھی شرمندہ ہو جاتے ہیں۔ اس کا کیا علاج ہو۔ تب یہ دو آیتیں نازل ہوئیں۔ مگر یہ غلط ہے کہ اس کہنے پر یہ آیتیں نازل نہ ہوئیں تھیں بلکہ پہلے نازل شدہ ان دو آیتوں کو نبی کریم ﷺ نے پڑھ کر سناتے ہوئے فرمایا تھا کہ جا کر اپنے تمام متعلقین کو یہ حکم الٰہی سنا دے۔ بُيُوْتًا کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت بُیُوْتًاب پر پیش سے ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت بِیُوْتًا ب کے زیر سے ہے۔ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت انہی لفظوں اور اسی ترتیب سے ہے۔ یہی قول درست ہے کیونکہ مکتوب و مشہور ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اس طرح ہے۔ حَتّٰى تُسَلِّمُوْا عَلٰى اَهْلِهَا وَتَسْتَاْذِنُوْا۔ یہ قرأت جاہلانہ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ اصل آیت حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا تھی مگر کسی کاتب وحی نے غلطی سے تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا لکھ دی۔ مگر یہ قول سخت غلط بلکہ کفریہ ہے۔ بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ آقا ﷺ کی موجودگی میں کوئی کاتب وحی غلط لکھے اور آج تک غلط ہی لکھا جاتا رہے۔ جبکہ صحابہ نے کئی بار نمازوں تلاوتوں میں خود نبی کریم ﷺ کی زبان پاک سے پورا قرآن مجید سنا تھا۔ اس طرح تو پھر سارا قرآن مجید مشکوک ہو جائے گا۔ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَ تُسَلِّمُوْا کی عملی ترتیب میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ پہلے اجازت طلبی پھر سلام۔ ۲۔ بعض نے کہا پہلے سلام پھر اجازت طلبی۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ اگر ملاقاتی نے گھر والوں کو دیکھ لیا تو پہلے سلام۔ ورنہ پہلے اجازت طلبی۔ تَسْتَاْنِسُوْا کے ترجمے میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ اس کا معنی ہے تم اہل خانہ کی انسیت حاصل کر لو پھر سلام اجازت کرو۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے۔ تم گھر والوں کو اپنا تعارف کرا دو وہ تمہیں دیکھ لیں۔ ۳۔ بعض نے معنی کیا۔ تم اپنی موجودگی کا احساس دلا دو۔ ۴۔ بعض نے کہا تم دروازے پر کھڑے ہو کر تکبیر وغیرہ کے الفاظ پڑھو۔ ۵۔ بعض نے کہا گھر والوں کو اپنے تعارف سے سکون پہنچاؤ۔ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے معنی کیا۔ یہ اجازت لینا تمہارے لیے خیر و برکت ہے بے اذن جانے سے۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا کہ اسلامی طریقہ ملاقات اختیار کرنا تمہارے لیے خیر و بھلائی ہے۔ جاہلانہ، کافرانہ یا خود ساختہ طریقے اختیار کرنے سے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا تاکہ تم اسلامی نصیحتیں پکڑو۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا تاکہ تم اسلامی آداب و اخلاق کا عملی چرچا کرو۔ یہ دونوں قول درست ہیں۔ ۳۔ بعض نے معنی کیا کہ شاید تم نصیحت پکڑو۔ مگر یہ قول غلط ہے اس لیے کہ لفظ شاید میں شک ہے اور اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ اَحَدًا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے گھر انسانوں سے خالی ہو۔ ۲۔ بعض نے معنی کیا۔ گھر میں اجازت دینے کے قابل کوئی نہ ہو۔ یہ دونوں صورتیں درست ہیں۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دین اسلام جرائم سے صرف نفرت ہی نہیں کرتا بلکہ سختی سے سدباب بھی کرتا ہے اسی لیے بے غیرتی کو روکنے کے لیے بے غیرتی کے اسباب کو حرام قرار دیا۔ بے غیرتی اور تہمت بازی کے تین اسباب۔ ا۔ بے پردگی اور بغیر اجازت دوسروں کے گھروں میں چلے جانا۔ ۲۔ اجنبی مردوں عورتوں کی مخلوط محفلیں۔ ۳۔ اسلامی احکام و تعلیم و تربیت سے غفلت۔ شریعت نے ان تینوں کو حرام فرمایا۔ یہ فائدہ ان دونوں آیتوں کے پورے مضمون سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کے ہر مسلمان پر چھ حق واجب ہیں۔ ا۔ بوقت ملاقات سلام کرنا، جواب سلام دینا۔ ۲۔ دعوت قبول کرنا۔ ۳۔ چھینک کے بعد اَلْحَمْدُلِلّٰہِ سنے تو سننے والا یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہے پھر چھینک والا یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ کہے یہ تینوں کلمات کہنا واجب ہیں۔ ۴۔ بیمار مسلمان کی عیادت کرنا۔ ۵۔ مسلمان میت کی نماز جنازہ پڑھنا۔ ۶۔ غیبت نہ کرنا۔ یہ فائدہ وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓی اَھْلِھَا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** پانچ طریقے فحاشی، بدمعاشی پیدا کرتے ہیں۔ اول عورتوں کی کھلے عام فیشن وزینت۔ دوم بے پردگی کی بے حیائی۔ سوم بے پردہ آوارہ گردی اور اجنبی غیر مردوں نامحرموں سے میل ملاقات۔ چہارم بے نکاح رہنا اور سکول و کالج کی مخلوط تعلیم۔ پنجم آزاد خیالی آوارگی بلا اجازت دوسروں کے گھروں میں جانا یہ فائدہ لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا (الخ) کے شرعی مطلق قانونی ممانعت سے حاصل ہوا۔ لَا تَدْخُلُوْا کا حکم کلی عام ہے عورتوں مردوں کی تمام آوارہ مزاجیوں کو۔

احکام القرآن

ان آیتوں سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** احادیث وفقہ سے تین چیزیں شدید حرام ہیں۔ ا۔ نامحرم عورتوں مردوں کی خلوت۔ ۲۔ زینت وسنگھار کی نمائش سرعام۔ ۳۔ مخلوط سکول وکالج کی پڑھائی یہی سکول وکالج یونیورسٹی تعلیم گاہ نہیں بلکہ ابلیس وشیاطین کے اڈے ہیں۔ اور یہ علم نہیں بلکہ صرف لکھائی پڑھائی ہے۔ حدیث مقدس میں ہے۔ اجنبی عورت ومرد کی خلوت میں تیسرا شیطان ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ لَا تَدْخُلُوْا کے حکم عام سے مستنبط ہوا۔ بُیُوْتًا سے مراد یہی اجنبی خلوت بھی ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** ہر بالغ عاقل مسلمان مردوزن پر ہر ملاقات اور وداع کے وقت سلام کرنا سنت موکدہ واجبہ اور جواب دینا فرض ہے۔ ملاقات کے وقت پہلے سلام۔ پھر دوسرا کلام۔ اور وداع کے وقت پہلے رخصتی کا رخصتی کلام پھر اَلْوِدَاعی سلام۔ فقہاء اسی آیت سے استنباط کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جس طرح گھر میں جانے کے لیے اہل خانہ کی موجودگی شرط ہے اسی طرح رخصت ووداع کے وقت بھی اہل خانہ کا موجود ہونا شرط ہے۔ مثلاً گھر والا یہ کہہ کر باہر نکلا کہ تم بیٹھو میں ابھی آیا تو ملاقاتی کو اس کے آنے سے پہلے جانا شرعاً ناجائز ہے اس مسئلے میں بھی بہت حکمتیں مصلحتیں ہیں۔ یہ مسئلہ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا (الخ) کے حکم عموی اور منشاء کلام سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** غیر مسلم کو خود پہلے سلام نہ کرو اگر وہ سلام کرے تو انہی جوابی لفظوں میں سلام کر سکتے ہو۔ یعنی کفار نے کہا السلام علیکم تو مسلمان جواباً وعلیکم السلام کہہ سکتا ہے مگر اس جواب سے ہدایت کی نیت کرے۔ سلامتی کی نیت نہ کرے نیز ہر وہ لفظ یا آواز جس سے طلب اجازت ظاہر ہو۔ ادا کرنا جائز ہے الفاظ جیسے کہ الحمد للہ یا سبحان اللہ یا اللہ اکبر وغیرہ زور سے بولنا۔ آواز جیسے کہ کھانسنا کھنکارنا مٹھارنا

marfat.com

وغیرہ اس کے بعد کہے السلام علیکم کیا میں اندر آ جاؤں تا کہ اہل خانہ کو ملاقاتی کی موجودگی کا پتہ بھی لگ جائے تعارف بھی ہو جائے۔ فاروق اعظم جب کبھی در اقدس پر حاضر ہوتے تو دروازے پر ہی عرض کرتے۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ اَیَدْخُلُ عُمَرُ رسول اللہ پر سلام ہو کیا عمر اندر آ سکتا ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ اپنے بچوں وخادموں اور دیگر بے پڑھے مسلمانوں شاگردوں مریدوں کو دیگر تعلیم وتربیت کے ساتھ یہ تمام آداب بھی خوب اچھی طرح سکھائے۔ حدیث پاک میں ہے۔ السلام قبل الکلام۔ حدیث دوم۔ لَا یُؤْذَنُ لَهٗ حَتّٰی یُسَلِّمَ۔ یعنی جو ملاقاتی بچہ یا بڑا پہلے سلام نہ کرے اس کو ملاقات کی اجازت نہ دی جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بڑے اہتمام سے اپنے بچوں، لونڈی، غلاموں اور عوام کو سلام کلام ملاقات و وداع کے یہ آداب اسلامی اخلاق ایمانی سکھایا کرتے تھے۔ یہ مسئلہ۔ غَیْرَ بُیُوْتِکُمْ۔ اور وَ تُسَلِّمُوْا سے مستنبط ہوا۔

تفسیر صوفیانہ

اے دار فنا میں رہنے والو حق الیقین کا ایمان مشاہدہ وعرفان مکاشفہ رکھنے والو جب تم دار بقا والوں کی زیارت کا ارادہ کرو اور حیات ظاہری کے مجذوبین وحیات باطنی کے مقبورین کے آستانوں ومزاروں پر جاؤ تو ایک دم بے ادب بن کر نہ چلے جایا کرو بلکہ باوضو باخوشبو پہلے دور دروازوں پر کھڑے ہو کر سلام زیارت کر کے صاحب آستانہ ومزار کی انسیت محبوبی حاصل کرو پھر کیفیۃ مکاشفہ کی اجازت قرب حاصل کر کے سلام تعارف ومعرفت ودعاء عجز ونیاز طلب کرو اور ان اہل باطن اولیاء کاملین، مرشدین، حاملین سے بقاء وسلامتی، ایمان حفاظتی کی اجازت مانگو۔ یہ طریقہ التجا اور مقصد بقا تمہارے لیے تمام دنیا ومافیہا سے بہتر ہے تا کہ تم راہ حقیقۃ کے ابدی تذکرے پالو۔ اے معرفت حق کی طلب وتمنا والو۔ تمہارے یہ اجسام دار فانی اور ابدان بیوت مجازی ہیں لہٰذا یہاں سے ترک سکونت کر کے وطن حقیقی میں داخلہ سکون کی اجازت مانگو۔ سالکین معرفت کا یہی مقصود سفر ہے اور پھر اگر کبھی صاحب مزار کو مزار میں نہ پاؤ اور اپنے مکاشفوں کے مشاہدے میں مزار وآستانہ خالی پاؤ تب بلا اذن حاضری نہ دو اور اگر کسی آستانہ میں وجود انسانیت مقام فنا پر ہو تو قرب وجودی میں ہرگز نہ جاؤ جب تک امر الٰہی کی اجازت استقامۃ وَ تَصَرُّف طبیعت حاصل نہ ہو جائے اور اگر صدائے غیبی آئے کہ لوٹ جاؤ اپنے رب قدیر کی طرف تو فوراً خواہش نفسی سے خالی ہو کر خلوت مراقبہ میں رجوع الی اللہ میں مشغول ہو جاؤ۔ اہل دنیا کی طرح دنیا طلبی پر ضد نہ کرو۔ یہ ترک خواہش ہی تمہاری روح کی غذا۔ قلب کی بقا عقل کی تراوٹ بدن کی طہارت کے لیے ہے اسی سے بقا مع اللہ ہے۔ اے بندو کوتاہی نہ کرنا تا کہ کسی فتنہ افسانیہ لغزش جسمانیت میں نہ گر پڑو اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے تمہارے فعل رجوع اِلَی اللّٰهِ اور ترک تعلق دنیا کو۔ جان لو کہ یہی ترک وجودی وقرب حضوری تمہارے لیے بہتر ہے زائر محبوب کو زیارت مقبول مل جانے کی آٹھ نشانیاں۔ ۱۔ طبیعت میں ذوق۔ ۲۔ عقل میں شوق۔ ۳۔ سینے میں امید۔ ۴۔ آنکھوں میں آنسو۔ ۵۔ جسم پر خشیت کا لرزہ۔ ۶۔ قلب میں رقت۔ ۷۔ لذت طبعی۔ ۸۔ میلان محبت یہ کیفیات راہ سعادت کے خزانے ہیں اور کسی قسمت والے کو ملتے ہیں۔

لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا غَیْرَ مَسْکُوْنَةٍ

marfat.com

نہیں ہے تم پر کوئی اخروی دنیوی نقصان اس بات میں کہ داخل ہوا کرو تم ان غیر رہائشی گھروں میں
اس میں تم پر کچھ گناہ نہیں کہ ان گھروں میں جاؤ جو خاص کسی کی سکونت کے نہیں
فِيهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٢٩﴾
جن میں سفری سامان ہے تمہارا اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے وہ سب جو ظاہر اکرتے ہو تم اور وہ سب جو چھپا کر کرتے ہو تم
اور ان کے برتنے کا تمہیں اختیار ہے اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو
قُل لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ
حکم دیجئے تمام ایمان والوں کو کہ نیچی رکھا کریں اپنی نگاہوں کو راہ چلتے
مسلمان مردوں کو حکم دو کہ اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں
وَيَحْفَظُوا فُرُوجَهُمْ ۚ ذَٰلِكَ أَزْكَىٰ لَهُمْ ۗ
اور حفاظت کریں ہر وقت اپنی شرم گاہوں کی وہ طریقہ مفید ہے ان کے لیے
اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لیے بہت ستھرا ہے
إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا يَصْنَعُونَ ﴿٣٠﴾
بیشک اللہ تعالیٰ خبر والا ہے ان تمام کاموں سے جو وہ کرتے رہتے ہیں
بیشک اللہ کو ان کے کاموں کی خبر ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو کچھ گھروں میں بغیر اجازت جانے داخل ہونے سے منع فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں کچھ گھروں میں بلا اجازت جانے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو ایک طریقہ اَزْکٰی یعنی پاکیزہ اخلاق ستھری مہذب عادت سکھائی گئی اب ان آیات میں ایک دوسرا مہذب و اَزْکٰی طریقہ سکھایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو معاشرہ درست کرنے والے اچھے اعمال کا ذکر فرما کر بتایا گیا کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ تعالیٰ ان سب کو خوب جانتا ہے۔ اب ان آیات میں ذات کو درست کرنے والے اچھے کردار سکھا کر فرمایا جا رہا ہے کہ بیشک اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کردار سے خبیر ہے۔

شان نزول

جب پردے کی آیات نازل ہوئیں اور مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی پابندی کا قانون بیان فرمایا گیا تب کچھ صحابہ کرام نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم بحالت سفر ہوٹلوں، سرایوں میں ٹھہرتے ہیں سرایوں کے کمرے کرائے

marfat.com

پر لیتے ہیں وہاں ہمارے سامان رکھے ہوتے ہیں اور ہم باہر بازاروں کا چکر لگانے شہر میں جاتے ہیں تو کیا ہم وہاں سرایوں، ہوٹلوں میں بھی داخل ہونے کے لیے بار بار اجازت لیا کریں۔ اس عرض سوال پر یہ تین آیتیں ۲۹ تا ۳۱ نازل ہوئیں اور فرمایا گیا کہ اس طرح کے گھروں میں داخل ہونے کے لیے اجازت لینے کی ضرورت نہیں ہے بس دو باتوں کا سب عورتیں مرد خیال رکھو۔ ۱۔ یَغُضُّوۡا مِنۡ اَبۡصَارِہِمۡ۔ ۲۔ وَیَحۡفَظُوۡا فُرُوۡجَہُمۡ۔

تفسیر نحوی

لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ فِیۡہَا مَتَاعٌ لَّکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ یَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا تَکۡتُمُوۡنَ ﴿۲۹﴾۔

لَیۡسَ فعل ماضی ناقصہ صیغہ واحد مذکر غائب۔ عَلَیۡکُمۡ۔ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتًا پوشیدہ اسم فاعل کا یہ اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے۔ جُنَاحٌ اسم صفت مشبہ جَنۡحٌ سے مشتق ہے بروزن فُعَالٌ۔ لغوی ترجمہ ہے جھکنا لغوی معنی کی مناسبت سے نو معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ مائل ہونا۔ ۲۔ گناہ کرنا۔ ۳۔ سمیٹنا۔ ۴۔ پرندے کے پر۔ ۵۔ بازو۔ ۶۔ آغوش (گود)۔ ۷۔ شخصیت۔ ۸۔ سہارا۔ ۹۔ ظلم زیادتی۔ جیم کے پیش سے بمعنی گناہ ہے یعنی حق چھوڑ کر باطل کی طرف مائل ہونا اس کی جمع جُنُوۡحٌ ہے اور جیم کے فتحہ (زبر) سے بمعنی بازو، پر، کروٹ، بغل، گود۔ اس کی جمع اَجۡنِحَۃٌ ہے یہاں جُنَاحٌ ہے بمعنی گناہ یہ اسم ہے لَیۡسَ کا۔ اَنۡ ناصبہ مصدریہ۔ تَدۡخُلُوۡا۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل اَنۡتُمۡ پوشیدہ ضمیر صیغہ۔ بُیُوۡتًا اسم جمع مکسر منصرف موصوف ہے غَیۡرَ مضاف مَسۡکُوۡنَۃٍ۔ باب نَصَرَ کا اسم مفعول صیغہ واحد مونث سَکۡنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ٹھہرنا، رہائش رکھنا، رہائش کرنا، مقیم رہنا۔ اس کا نائب فاعل ھِیَ ضمیر صیغہ یہ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ غَیۡرَ کا۔ یہ مرکب اضافی صفت ہے بُیُوۡتًا کی وہ مرکب توصیفی پھر موصوف ہے۔ فِیۡ جارہ ھَا ضمیر کا مَرۡجَعۡ بُیُوۡتًا۔ وہ جار مجرور متعلق ہے مَوۡجُوۡدًا۔ پوشیدہ کا۔ مَتَاعٌ۔ اسم مفرد مرفوع نکرہ اس کی جمع مکسر منصرف اَمۡتِعَۃٌ ہے مَتۡعٌ سے مشتق ہے باب فَتَحَ اور باب تفعیل میں گردان ہوتی ہے۔ لغوی ترجمہ ہے نفع لینا، نفع پانا۔ اصطلاح میں سامان کو متاع کہا جاتا ہے یہاں اسی معنی میں ہے۔ لفظ مَتَاعٌ۔ لغوی مناسبت سے نو معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ فائدہ مند۔ ۲۔ معاشی تجارتی سامان۔ ۳۔ وقتی نکاح (متعہ کرنا)۔ ۴۔ روشن دن نکلنا۔ ۵۔ سبزہ اونچا ہونا۔ ۶۔ عقلمندی۔ ۷۔ دھات کے برتن و ہتھیار (اسلحہ)۔ ۸۔ کپڑوں کا جوڑا مع جوتی دوپٹہ۔ ۹۔ گھریلو سامان۔ یہ نائب فاعل ہے مَوۡجُوۡدًا پوشیدہ کا لَکُمۡ یہ جار مجرور متعلق دوم ہے مَوۡجُوۡدًا کا یہ اسم مفعول اپنے نائب فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے بُیُوۡتًا غَیۡرَ مَسۡکُوۡنَۃٍ کی یہ مرکب توصیفی مفعول فیہ ہے اَنۡ تَدۡخُلُوۡا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مفعول فیہ ہے لَیۡسَ کا۔ وہ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ اَنۡ تَدۡخُلُوۡا دراصل تَدۡخُلُوۡنَ تھا۔ اَنۡ ناصبہ کے نصب سے آخر کی نون اعرابی گر گئی۔ واؤ سر جملہ۔ اللّٰہُ مبتدا۔ یَعۡلَمُ۔ باب سَمِعَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ کا مرجع اللّٰہُ۔ عِلۡمٌ سے مشتق ہے۔ معنی ہے جاننا۔ مَا اسم موصول۔ تُبۡدُوۡنَ۔ باب افعال کا فعل مضارع حال۔ اس کا فاعل اَنۡتُمۡ ضمیر صیغہ۔ ترجمہ ہے جو ظاہر کرتے ہو تم بَدۡوٌ یَاۡبَدۡءٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِبۡدَاءٌ بمعنی ظاہراً کام کرنا۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ

marfat.com

ہو کر صلہ ہوا مَا کا۔ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصولہ۔ تَكْتُمُوْنَ۔ باب نَصَرَ کا مضارع حال مثبت معروف۔ كُتْم سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے چھپانا۔ یہ مادہ اصلیہ بھی متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جمع مذکر حاضر۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا وہ موصول صلہ مل کر معطوف ہے مَاتُبْدُوْنَ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا۔ وہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اللّٰهُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۝۳۰۔ قُلْ فعل امر واحد مذکر حاضر خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے لِلْمُؤْمِنِيْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے قُلْ کا۔ یہ فعل با فاعل اپنے متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہے۔ يَغُضُّوْا۔ باب نَصَرَ کا مضارع بمعنی امر غائب معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل هُمْ ضمیر ہے۔ غَضٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ترجمہ ہے جھکانا یہ مادہ متعدی بیک مفعول ہے۔ مِنْ حرف جار تبعیض کے لیے ترجمہ ہے کچھ، بعض، تھوڑی، اَبْصَارِ۔ اسم جمع مکسّر منصرف اس کا واحد ہے بَصَرٌ معنی ہے نگاہیں (بینائی) مراد ہے آنکھیں اور چہرہ۔ یہ مضاف هِمْ ضمیر مضاف اِلَیہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے يَغُضُّوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ يَحْفَظُوْا باب سَمِعَ کا مضارع بمعنی امر غائب معروف صیغہ جمع مذکر غائب حِفْظٌ سے مشتق ہے بمعنی بچانا، چھپانا، ہٹانا۔ ذہن میں رہے کہ لفظ يَغُضُّوْا اور لفظ يَحْفَظُوْا۔ دونوں فعل مضارع ہیں دراصل يَغُضُّوْنَ اور يَحْفَظُوْنَ ہیں قُلْ فعل امر کی وجہ سے یہ دونوں بھی امر کے معنی میں ہو گئے اس لیے ان دونوں کو جزم آیا اور آخر سے نون اعرابی گر گئی۔ بمعنی امر ہونے سے یہ حکم وجوبی شرعی بنانہ کہ فرضی اگر یہ دونوں اصل امر ہوتے تو لِيَغُضُّوْا اور لِيَحْفَظُوْا ہوتے لام اَمر مکسور کے ساتھ اور دونوں حکم فرضی شرعی ہوتے۔ هُمْ ضمیر اس کا فاعل۔ فروج اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے فَرْجٌ۔ لغوی ترجمہ ہے کشادگی، کھلی جگہ، خلا، سوراخ، اصطلاح میں ہر شرم گاہ اور کنیز کو فرج کہتے ہیں مرد کی ہو یا عورت کی یا مذکر مونث جانور کی۔ یہاں مرد کی شرمگاہ مراد ہے اور حفاظت کا معنی حرام سے بچانا کہ نہ حرام جگہ استعمال کرو نہ دکھاؤ۔ فروج مضاف هُمْ مضاف الیہ یہاں دونوں هِمْ اور هُمْ ضمیر نفسی ہے بمعنی اپنی یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے يَحْفَظُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے يَغُضُّوْا کے جملے پر یہ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ وہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گا۔ ذٰلِكَ۔ اسم اشارہ بعیدی بمعنی وہ اس کا مشار الیہ يَغُضُّوْا اور يَحْفَظُوْا کا جملہ ہے یہ مبتدا ہے۔ اَزْكٰى باب نَصَرَ کا اسم تفضیل واحد مذکر اس کا فاعل ہے پوشیدہ ضمیر۔ لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے اَزْكٰى کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ذٰلِكَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ اللّٰهَ اس کا اسم خَبِيْرٌ۔ صفت مشبہ برائے مبالغہ (کثرت وَ اَزلیت وَ اَبدیت کے لیے) بابِ كَرُمَ سے۔ خَبَرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے خبر رکھنا، خبر لینا۔ بِ جارہ تعدیت ومفعولیت کے لیے معنی ہے کو۔ مَا موصولہ يَصْنَعُوْنَ۔ باب فَتَحَ کا مضارع حال مثبت معروف۔ صیغہ جمع مذکر غائب۔ صَنْعٌ وَ صَنْعَةٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے۔ عقل و دماغ و دل جمعی سے بذریعہ ظاہری اعضا سے کام کرنا۔ کاریگری صناعی دکھانا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے تمام انسان۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے خَبِيْرٌ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

marfat.com

تفسیر عالمانہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ۞ ۔ پچھلی آیات میں گھریلو رہائشی محلے داری شہری برادری میں آنے جانے میل ملاقات کے قوانین بیان کیے گئے ہیں کہ اذن وسلام سے آؤ جاؤ۔ لیکن بحالت سفر اور سامان تجارت کے ساتھ ہوٹلوں سرایوں، کرائے کے کمروں مکانوں میں آنے جانے ٹھیرنے۔ چند راتوں اور دنوں کو گزارنے کے لیے مالک ہوٹل سرائے مہمان ومسافر خانے کے منتظم سے کئی بار یا بار بار اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ ان بازاری مسافری سرایوں، مہمان خانوں میں وہ دشواریاں رکاوٹیں نہیں ہیں جن کی وجہ سے آنے جانے اجازت لینے کی ضرورت پیش آئے یہ مسافر خانے تو مسافروں کے ٹھیرنے سفری وتجارتی سامان رکھنے کے لیے ہی بنائے جاتے ہیں۔ یہاں نہ پردے دار عورتیں ہوتی ہیں نہ رہائشی ماحول۔ لہٰذا اے مسلمانو ایسے غیر مسکونہ گھروں میں بغیر اجازت لئے آنے جانے میں تم پر کوئی گناہ نہیں کیونکہ ان گھروں کے کرایوں پر لیے ہوئے منتخب کمروں میں تمہارا سامان ہے اور تم نے اس کو بیچنے مزید خریدنے کے لیے بار بار بازار جانا پھر واپس آنا ہے خریداروں کو مال دکھانے کے لیے یہاں لانا ہے اور بھی بہت سے تمہارے سفری فائدے ہیں ان کرائے کے ہوٹلوں سرایوں میں مثلاً اپنا کمرہ اپنا تالا سامان کی حفاظت رات گزارنے سونے آرام کرنے کی سہولت سردی گرمی بارش سے بچاؤ کی ضرورت۔ یہ کرائے کے مسافر خانے چند دن کے لیے تمہارے ذاتی رہائشی وطنی گھروں کی مثل ہو جاتے ہیں کہ بغیر اجازت آؤ جاؤ بیٹھو سوؤ۔ آرام کرو۔ شرعاً تم پر کوئی گناہ نہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے ظاہری اعمال کو اور باطنی ارادوں نیتوں کو کہ کون تم میں عادت کا فسادی ہے ارادے کا فاشی ہے اور کون عمل کا صالح نیت کا خالص ہے کس کے کردار میں جھوٹ نیت میں کھوٹ اور کس کے کردار میں لیاقت ارادے میں صداقت ہے۔ کسی بھی شخص کا ظاہر و باطن۔ کتمان وابدان حرکات وسکنات اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے اے محبوب تا قیامت قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ۞ ۔ شریعت کا یہ حکم الٰہی سنا دیجئے تمام ایمان والوں کو کہ وہ مسافر ہوں یا مقیم بازار میں ہوں یا گلی محلے میں کسی تقریب میں یا تحریک میں اپنوں میں ہوں یا پرایوں میں۔ اپنی نگاہیں کچھ قدر نیچی رکھیں ہر ایک کو نگاہیں پھاڑ پھاڑ کر دیدہ دلیری سے نہ دیکھا کریں اور اگر کسی ممنوعہ چیز یا نامحرم غیر عورت پر اچانک بلا ارادہ نگاہ پڑ بھی جائے تو فوراً منہ دوسری طرف پھیر لیا کریں۔ اور ہر مومن مسلمان مرد اپنی شرمگاہ کو ہر وقت غیر سے چھپا کر حرام سے بچا کر رکھیں یہ نگاہوں کا پھرانا فروج کا بچانا، شرمگاہ کا چھپانا تا قیامت دنیا میں و تا ابد آخرت میں ان مسلمانوں کے لیے سب سے اچھا وسچا ستھرا پاکیزہ عمل ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ خبر رکھنے والا ہے ازل قدیم سے اور خبر دینے والا ہے دنیا میں قرآن وحدیث کے ذریعے اور خبر لینے والا ہے قبر وحشر میں سزا وجزا کے ذریعے ہر نیک وبد مومن وکافر کو ان اچھے برے اعمال کی جو وہ دنیا میں کرتے ہیں یا کریں گے۔

اس آیت کی تفسیر میں چند احادیث

۱۔ بیہقی شعب الایمان میں بروایت خواجہ حسن بصری مرسلاً بیان فرمایا کہ فرمایا آقا ﷺ نے اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے ان

marfat.com

مردوں پر جو غیر عورتوں کو دلچسپی سے دیکھیں اوران عورتوں پر جو اپنا حسن دکھاتی پھریں۔ ۲۔ ابوداؤد ترمذی میں بروایت حضرت بریدہ ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے اے علی کبھی بھی غیر محرم عورت کو نظر جوڑ کر نہ دیکھنا کیونکہ اچانک کی پہلی نظر معاف ہے اور دوسری نظر معاف نہیں۔ ۳۔ مسلم شریف میں بروایت حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر اچانک اجنبی عورت پر نظر پڑ جائے تو کیا کروں۔ فرمایا آقا ﷺ نے فوراً منہ دوسری طرف پھیر لے۔ ۴۔ مسند امام احمد میں بروایت حضرت ابوامامہ۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ جس مسلمان کی کسی اجنبی حسینہ کے چہرے پر نگاہ پڑی اور اس نے فوراً پھیر لی تو اللہ تعالیٰ اس بندے کو ہر عبادت کی مٹھاس عطا فرماتا ہے۔ جس کو وہ دنیا میں بھی بوقت عبادت محسوس کر لیتا ہے۔
۵۔ ترمذی وابوداؤد وابن ماجہ میں بروایت بہز ابن حکیم وہ اپنے والد دادا سے راوی کہ فرمایا آقا ﷺ نے کہ بجز اپنی بیوی یا لونڈی کے ہر عورت سے اپنی شرمگاہ کو بچاؤ۔ یعنی زنا متعہ، لواطت سے اور بلا معذوری کسی کو نہ دکھاؤ۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ اگر کسی جگہ کوئی مرد یا عورت تنہا ہو تو ننگا رہنے کا کیا حکم ہے۔ فرمایا بلا وجہ اکیلے بھی شرمگاہ نہ کھولو۔ اللہ تعالیٰ اور فرشتوں سے حیا کرو اللہ تعالیٰ تمہاری حیا کا زیادہ حقدار ہے۔ ۶۔ ترمذی شریف میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ارشاد نبوی ہے کہ پانچ موقعوں کے علاوہ بلاوجہ ننگا ہونا جائز نہیں یعنی بول، براز واستنجا، غسل اور بیوی یا لونڈی سے ہم بستری کے وقت کاتبین اعمال، محافظین انسان اور برکت ورحمة کے فرشتوں سے بھی حیاداری فرض ہے۔ ۷۔ بخاری شریف میں بروایت مولیٰ علی ارشاد نبوی ہے کہ انسان اپنے تمام حواس سے زنا کرتا ہے۔ پہلا زنا۔ ۱۔ نظر بازی سے۔ ۲۔ پھر زبانی باتوں سے۔ ۳۔ پھر کانوں سے گندے گانے سن کر۔ ۴۔ پھر ہاتھوں سے نامحرم کو ہاتھ لگا کر۔ ۵۔ پاؤں کا زنا چل کر جانا نامحرم عورت کے پاس۔ ۶۔ نامحرم سے معانقہ جسم کا زنا۔ ۷۔ بوس وکنار ہونٹوں کا زنا۔ یہ سات چھوٹے زنا راستے ہیں بڑی زناکاری کا۔

حدیث مقدس ہشتم طبرانی میں بروایت عبداللہ ابن مسعود ارشاد نبوی ہے کہ انسان کی نگاہ شیطان کے زہریلے تیروں میں سے ایک تیر ہے۔ ۹۔ حدیث قدسی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جس بندے نے فقط میری رضا کی خاطر غلط بازی کو چھوڑا۔ برائی سے منہ موڑا۔ تو میں اس کے ایمان میں ایسی حلاوت بھر دوں گا جس کو ہر وقت وہ اپنے دل میں پائے گا۔

حدیث دہم بخاری ابوداؤد ترمذی میں بروایت امام جعفر صادق وہ اپنے والد امام محمد باقر سے راوی وہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما سے راوی کہ حَجَّةُ الْوِدَاع کے موقع پر مشعر حرام کے پاس فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک عورت کو دیکھنے لگے تو آقا ﷺ نے ان کا سر پکڑ کر پھیر دیا ان تمام احادیث مقدسات سے ثابت ہوا کہ نامحرم پر نظر ڈالنا سخت خطرناک گناہ ہے۔ اس حکم میں مسلمہ، غیر مسلمہ، چادر میں لپٹی، برقعہ پوش ہر عورت داخل ہے۔

ان آیتوں میں اختلافی اقوال

بُيُوْتًا کی مراد میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس سے مراد سفری ہوٹل وسرائیں ومسافر خانے ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد کرائے کی دکانیں۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ مراد بازار ہیں۔ ۴۔ بعض نے کہا اس سے مراد آمد ورفت والے گھر ان سب اقوال میں مَتَاعٌ لَّكُمْ سے مراد سفری یا تجارتی سامان ہے ان میں پہلا قول درست ہے۔ ۵۔ بعض حمقا نے کہا کہ بیوت سے سفری یا گھریلو بیت الخلا مراد اور متاع سے مراد فارغ ہونا یہ تو بہت ہی غلط قول ہے يَغُضُّوْا اور يَحْفَظُوْا کے مکلفین میں دو

marfat.com

قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہاں مسلم غیر مسلم سب ملکی مرد مراد ہیں کیونکہ یہ انتظامی امور میں سے ہے اس طرح کے تمام اخلاقی امور میں کفار بھی پابند و مکلف ہوتے ہیں۔ کفار کی کھلی چھٹی نہیں دی جاسکتی کہ وہ سر راہ ہر مسلم غیر مسلم عورت کو گھورتے پھریں۔ لیکن لِلْمُؤْمِنِيْنَ کی تخصیص فرمانا دو وجہ سے ہے۔ ۱۔ یہ کہ مسلم اکثریت کی بنا پر۔ کفار اقلیت گنے جاتے ہیں۔ ۲۔ یہ کہ مومنین اس حکم کی پابندی کریں تو ثواب پائیں کفار کو ثواب نہیں۔ اگر پابندی نہ کریں تو مسلم غیر مسلم دونوں کو تعزیری دنیوی سزا۔ **۲۔ بعض** نے کہا کہ یہاں صرف مسلمان مرد ہی مراد ہیں نہ کہ غیر مسلم کیونکہ یہ حکم شرعی ہے اور شریعت کے مکلف صرف مسلمان ہیں اس لیے خصوصیۃ سے قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا گیا۔ مگر یہ قول غلط ہے مندرجہ بالا وجوہ کی بنا پر۔ مِنْ اَبْصَارِهِمْ کے مِنْ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ مِنْ تبعیضیہ ہے یعنی نگاہ کو کچھ نیچا رکھو پورا نہیں۔ **۲۔ بعض** نے کہا یہ مِن صلہ ہے اَبْصَارِ کا یعنی گھور کر نہ دیکھو۔ **۳۔ بعض** نے کہا یہ مِنْ زائدہ ہے۔

فائدے

ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** یہ جسم کا ہر وہ حصہ جس کو دیکھ کر شہوت آئے اس کا پردہ فرض ہے۔ اسی لیے اسلامی پردہ عورت کے چہرے سے ٹخنے تک ہے یہ فائدہ يَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ سے حاصل ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ جانوروں کے جسم کے کسی بھی حصے کا پردہ نہیں کرایا جاتا کیونکہ اس کی طرف دیکھ کر انسان کو شہوت نہیں آتی۔ قانون شرعی میں ننگیز کو شرمگاہ بھی کہا جاتا ہے وہ چار قسم کی ہے۔ ۱۔ مرد کی شرمگاہ یہ ناف سے گھٹنے تک امام اعظم کے نزدیک ناف کے نیچے سے گھٹنے کے نیچے تک ننگیز یعنی ناف ننگیز نہیں گھٹنے ننگیز ہیں دیگر آئمہ ثلاثہ کے نزدیک خود ناف اور خود گھٹنا ننگیز نہیں ہے امام مالک فرماتے ہیں کہ مرد کی ران بھی ننگیز نہیں ہے مگر حدیث پاک میں ارشاد نبوی ہے کہ اے علی نہ کبھی اپنی ران ننگی کرنا نہ کبھی کسی زندہ یا مردہ آدمی کی ران دیکھنا اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ران شرمگاہ میں شامل۔ دو نوجوان مردوں کا یا دو غیر عورتوں کا ایک بستر میں بلا مجبوری سونا منع ہے۔ غیر محرم عورت مرد کا مصافحہ و معانقہ بھی ناجائز اسی طرح ہاتھ پاؤں چومنا بھی حرام لیکن والد بیٹی کا اور والدہ بیٹے کا شفقۃً منہ ماتھا چوم سکتے ہیں۔ **۲۔** عورت کا ننگیز عورت کے کندھوں سے گھٹنوں تک غیر مسلم عورت سے بھی مسلمان عورت کو پردہ لازم ہے کیونکہ دین میں اجنبی ہے۔ **۳۔** ننگیز عورت کا مرد سے یہ سر سے ٹخنوں تک ہے کہ بال، چوٹی، چہرہ، پیٹ، پیٹھ سب چھپانا صرف ہاتھ پاؤں کھلے ہونا جائز۔ ہر نماز میں بھی عورت کا یہی پردہ واجب ہے صرف چہرہ و ہاتھ پاؤں کھلے رکھنا جائز ہے۔ اجنبی مرد سے چہرہ چھپانا اشد واجب ہے کہ یہی اصل مقام شہوت چار زنا صرف چہرے پر ہوتے ہیں۔ **۴۔** مرد کا ننگیز عورت سے چہرہ اور ناف سے گھٹنے تک عورت کے لیے ان کو دیکھنا ناجائز۔ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ سے یہی چار قسم کے ننگیز مراد ہیں ان کی حفاظت ہر مسلمان پر فرض ہے کہ خود کو بھی چھپاؤ اور اپنی ماں بہن بیوی بیٹی کو بھی اجنبی نگاہوں سے بچاؤ چھپاؤ۔ **دوسرا فائدہ:** پانچ بندوں کو پانچ بندوں کا چہرہ دیکھنا جائز ہے۔ ۱۔ اگر نکاح کرنا مقصود ہو تو عورت و مرد کچھ فاصلے سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ **۲۔** اگر لونڈی کو خریدنے کا ارادہ ہو تو بھی سر چہرہ بلکہ پیٹھ وغیرہ دیکھ سکتا ہے۔ **۳۔** اگر عورت گواہ ہو تو قاضی، وکیل چہرہ دیکھ سکتے ہیں۔ **۴۔** ڈاکٹر دائی بھی مرض کی جگہ دیکھ سکتے ہیں۔ **۵۔** ڈوبتے یا جلتے کو بچانے بجھانے کے لیے دیکھنا پکڑنا جائز ہے یہ فائدہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ

marfat.com

جُنَاحٌ کے اطلاق سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** تقویٰ یہ ہے کہ اپنی بھی شرمگاہ خاص نہ دیکھو۔ صدیقہ فرماتی ہیں میں نے زندگی بھر نہ اپنی شرمگاہ دیکھی نہ اپنے خاوند کی۔ عثمان غنی فرماتے ہیں جب سے چہرہ اقدس پر نگاہ پڑی ہے کبھی اپنی شرمگاہ نہ دیکھی نہ اپنی بیوی کی۔ اہل تقویٰ غسل خلوت بھی تہبند باندھ کر کرتے ہیں۔ حدیث مقدس میں ارشاد ہے کہ نگاہ ہی دل میں شہوت پیدا کرتی ہے۔ ایسا ہی توریت مقدس میں تھا۔ اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اپنی پنج سالہ عمر میں ہی طوائف سے اپنی آنکھیں بند کر کے اس حدیث اور یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کی تعلیم اسلامی کا نقشہ پیش کر دیا تھا۔ جس سے متاثر ہو کر اس بازاری طوائف نے اپنی گناہگار زندگی سے توبہ کر لی تھی اور اسی نے یہ سب واقعہ لوگوں کو سنایا۔ یہ فائدہ یَغُضُّوا مِنْ اَبْصَارِهِمْ کی تعلیم قرآنی سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق اگر کسی شخص کے پھلدار درخت کی شاخیں پڑوسی کے گھر میں جا رہی ہوں تو مالک درخت شاخیں کاٹنے یا پھل توڑنے کے لیے پڑوسی کے گھر اجازت لے کر ہی جا سکتا ہے بلا اجازت جانا گناہ ہے۔ اس گناہ و جرم پر عدالت اس کو تعزیری سزا بھی دے سکتی ہے اور پڑوسی اس مالک درخت کو روک بھی سکتا ہے یا اپنے گھر میں آئی ہوئی شاخیں توڑ کر اسی کے گھر میں پھینک بھی سکتا ہے یا زبردستی کرنے کی صورت میں مقدمہ بھی کر سکتا ہے اور عدالت سے سزا بھی یہ مسئلہ۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ میں غَيْرَ مَسْكُونَةٍ کی قید سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کی دیوار میں اتنا نیچا روشندان یا ہوادان ہو کہ پڑوسی کے آنگن میں نگاہ پڑتی ہو اور پڑوسیوں کو بے پردگی وغیرہ کی تکلیف ہوتی ہو تو پڑوسی کو حق حاصل ہے کہ وہ اس سوراخ کو بند کر دے یہ مسئلہ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ کے فرمان ربانی سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ اس سوراخ سے پڑوسی کو تکلیف ہے۔ جس کو وہ برملا ظاہر کرتا ہے اور سوراخ اس کی تکلیف کو چھپاتا و بڑھاتا ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** اجنبی غیر محرم عورت یا مرد پر پہلی اچانک نگاہ معاف ہے دوسری نگاہ مکروہ تحریمی۔ تیسری نگاہ حرام ہے۔ اس کا عذاب ہے پہلی ارادۃً نگاہ بھی حرام ہے۔ یہ مسئلہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ احادیث میں اس آیت کی یہی تفسیر ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یَغُضُّوا کے حکم میں مِنْ ہے لیکن یَحْفَظُوا کے حکم میں مِنْ نہیں ہے۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ ابصار سے ایک وقت میں دو کام لیے جاتے ہیں۔ ایک جائز ایک ناجائز۔ جائز کام راستہ دیکھنا، ناجائز کام راہ چلتی عورتوں کو دیکھنا فرمایا جا رہا ہے کہ آنکھیں کچھ کھولو تا کہ راستہ دیکھ سکو اور نیچی رکھو تا کہ عورتوں کو نہ دیکھ سکو اس لیے مِنْ تبعیضیہ لایا گیا جس نے بعض کھولنے بعض نیچی رکھنے کا حکم دیا۔ لیکن شرمگاہ کا ایک ہی کام ہے صحبت وطی۔ وہ بھی ہر وقت نہیں اس لیے حکم دیا جا رہا ہے کہ فروج کی ہر وقت مکمل طور پر حفاظت کرو ہر ایک سے چھپا کر بھی اور حرام سے بچا کر بھی۔ صرف حلال کے لیے کھولو حلال ہی کے سامنے اس لیے یہاں مِنْ کی ضرورت نہیں ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ پہلے فرمایا گیا۔ لَا تَدْخُلُوا بُيُوتًا۔ ان آیتوں سے ثابت ہو رہا ہے کہ

marfat.com

بلا اجازت صرف مسافر خانوں ہوٹلوں میں جانا جائز ہے مگر رہائشی گھروں میں بلا اجازت کبھی کسی صورت میں بھی جانا جائز نہیں۔ چنانچہ تفسیر روح البیان ششم ۱۳۹ پر بھی اسی ثبوت میں فاروق اعظم کا ایک واقعہ منقول ہے کہ آپ عبداللہ ابن مسعود کے ساتھ ایک رات گشت پر تھے کہ ایک گھر سے کچھ گانے کی آواز بلند ہوئی آپ نے جھانک کر دیکھا کہ ایک بوڑھے کے سامنے برتن میں شراب رکھی ہوئی ہے اور ایک جوان مغنیہ گا رہی ہے۔ دونوں حضرات پچھلی دیوار سے پھلانگ کر اندر گئے اور فاروق اعظم نے جھڑکتے ہوئے فرمایا کہ اے بڈھے کیا تجھ جیسے عمر رسیدہ مرد کو یہ بدخصلتی مناسب ہے۔ بڈھے نے عرض کیا یا امیر المومنین میں نے تو ایک گناہ کیا مگر آپ نے تین گناہ کئے۔ آپ نے فرمایا وہ کس طرح بوڑھے نے جواباً کہا پہلا یہ کہ آپ نے میرے گھر میں جھانک کر میری جاسوسی کی حالانکہ سورۃ حجرات آیت ۱۲ میں ارشاد ہے۔ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ۔ دوم یہ کہ آپ میرے گھر میں پیچھے سے آئے حالانکہ سورۃ بقرہ آیت ۱۸۹ میں ہے۔ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا۔ سوم یہ کہ آپ مجھ سے اجازت لیے بغیر میرے گھر میں آگئے۔ حالانکہ سورۃ نور آیت ۲۷ میں ہے۔ لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا۔ یہ سن کر فاروق اعظم نے اپنی غلطی تسلیم کی اور استغفار پڑھتے ہوئے واپس تشریف لے گئے اور اس وقت بوڑھے کو کچھ نہ کہا بعد میں بلا کر تنبیہ کی توبہ کرائی۔ لیکن فقہاء فرماتے ہیں کہ سات قسم کے لوگوں کو رہائشی گھروں میں بلا اجازت جانا جائز ہے ان میں سے حکومتی چھاپہ مارنا بھی ہے۔ تو فاروق اعظم نے اس طرح چھاپہ مارنے کو اپنی غلطی کیوں سمجھا اور اگر واقعی شرعاً یہ غلطی ہے تب تو جرائم پکڑنے بہت مشکل ہو جائے گا۔

جواب: اولاً تو یہ واقعہ ثقہ و مستند نہیں روح البیان والے صحابہ کرام کے متعلق اکثر اسی قسم کے غیر ثقہ واقعات غالباً کتب روافض سے نقل کر دیتے ہیں۔ اسی لیے ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ روایات روح البیان پر اعتماد نہ کیا جائے۔ ثانیاً دراصل جرائم خانے تین قسم کے ہیں۔ ۱۔ بعض گھر جرائم میں مشہور۔ ۲۔ اور بعض گھروں کی مخبری کی گئی ہو۔ اسی قسم کے گھروں میں بلا اجازت چھاپہ مارنا اور ایک دم بلا اطلاع محتسب حاکم یا پولیس کا گھر میں داخل ہو جانا شرعاً جائز بلکہ واجب ہے تاکہ جرم اور مجرم پکڑا جا سکے۔ ۳۔ بعض گھر غیر مشہور مخفی جرائم گاہ ہوتے ہیں ان میں چھاپہ مارنا اور بلا اجازت و اطلاع داخل ہونا منع ہے۔ ایسے گھروں سے جرم پکڑنے کے چند طریقے شرعی عدالت نے مقرر فرمائے ہیں۔ ۱۔ اگر پہلی بار کسی گھر میں جرم ہونے کا پتہ لگے تو اولاً حاکم اہل خانہ مجرموں کو سرزنش کرے آئندہ کے لیے توبہ کرائے اگر پھر بھی باز نہ آئے تو اچانک چھاپہ مارے۔ ۲۔ یا مثلاً اگر کسی گھر میں کوئی مجرم پوشیدہ ہو تو اس کو پکڑنے کے لیے پہلے اس گھر کا گھیراؤ کیا جائے پھر چھاپہ مارا جائے یہ گھیراؤ گویا حاکمانہ اطلاع اور اجازت طلبی ہی ہے وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں پہلے نگاہیں نیچی کرنے کا حکم دیا گیا بعد میں حفاظت شرمگاہ حالانکہ جتنی بے غیرتی فحاشی فروج کی بدکاری حرام کاری سے پھیلتی ہے اتنی آنکھوں کی آنکھ بازی سے نہیں پھیلتی تو چاہیے تھا کہ پہلے حفاظت فروج کا ذکر کیا جاتا۔ بعد میں غضِ ابصار کا۔ تاکہ شرمگاہوں کی حفاظت کے اہم و اول ہونے کا اشارہ ملتا رہتا۔ **جواب:** یہ بات فطرتاً و اخلاقاً و اجماعاً تجربتاً ثابت ہے کہ حفاظت فروج سے غضِ ابصار زیادہ اہم و ضروری ہے اس کی چار وجہ۔ **اول** یہ کہ نگاہ بازی قلب میں لذت زنا اور نفس امارہ میں خواہش زنا پیدا کرتی ہے یعنی آنکھ دعوت دیتی ہے تب دل آمادہ ہوتا ہے یہاں تک کہ آلہ بدکاری میں شہوت بھی آنکھ بازی

marfat.com

سے آتی ہے۔ **دوم** یہ کہ نگاہ ہر وقت بھٹک سکتی ہے۔ فرج ہر وقت نہیں بھٹک سکتی اس کے لیے بڑی تیاری و منصوبہ بندی کرنی پڑتی ہے پھر بھی کبھی کام بنتا ہے کبھی نہیں۔ **سوم** یہ کہ نظر کا زنا عام ہے شرمگاہ کے زنا سے۔ **چہارم** یہ کہ اسباب زنا نگاہیں مہیا کرتی ہیں۔ مثلاً آنکھ سے دیدار حسن، اشارہ بازی، پرچہ نویسی، میل ملاقات، آمد و رفت پھر پر کہیں جا کر فرج کا کام شروع ہوتا ہے ان وجوہ سے پہلے غض ابصار یعنی نگاہوں پر پابندی لگانے کا حکم دیا گیا بعد میں حفاظت فروج کا۔ یہی ترتیب عین حکمت و سعادت ہے اسی وجہ سے ستر پوشی اسی وجہ سے پردہ نشینی نہ آگ و پٹرول کا قرب ہو نہ آگ لگے۔ مرد و عورت کا تعلق بھی آنکھ جوڑتی ہے۔ رب تعالیٰ ہر مسلمان کو اپنی حفاظت میں رکھے۔

تفسیر صوفیانہ

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ مَسْكُوْنَةٍ فِيْهَا مَتَاعٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿۲۹﴾ ۔ اے سالکین واصل اور واصلین کامل تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ اپنے ان بیوتِ جسمانی میں تصرف خلوت و مداخلت جلوت کرو جن میں سکون قلبی و اطمینان روحانی کی رہائش و سکونت نہ ہو۔ اور صاحب بیت کی متاع اعمال بھی نہ رہے۔ اے راہ سلوک کے مسافر و جائز ہے تمہارے لیے اس انسانیت فانی میں قدم اعمال و متاع اسرار ودیعت رکھنا جس کے وجود پر حق تعالیٰ کی طرف سے فنا وارد ہو گئی ہے۔ اے قرب جمال کی منزل پالینے والے مسافرین طریقت ایسے ہی مکانات جسمانیہ میں تمہارا سامان عضویات دولت عملیات متاع صالحات کا خزانہ رکھا جا سکتا ہے۔ اسی سامان و اعمال کے تم دنیا جہان و آخرت مکان میں حاجت مند ہو۔ یہی سیرِ الی اللہ اور سفرِ ملکوت کی راہ و گذرگاہ انوار ہے۔ اسی سامان کو حاصل کرنے کے لیے تمہارے جسموں میں تمہاری روحیں امانت رکھی گئیں ہیں۔ تمہارے جسم اسفل السافلین ہیں اور ارواح اعلیٰ علیین کے پرندے ہیں لہٰذا اس عالم رنگ و بو میں وہ طریقہ اختیار کرو کہ اجسام اسفل وطن ارواح میں پہنچ جائیں۔ خبردار اس طریقہ شیطانیہ پر نہ چلنا کہ اعلیٰ علیین کی روحیں مع جسم کے اسفل السافلین کے بیوت ویران میں گرادی جائیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے تمہارے اچھے برے اعمال۔ کامل و ناقص عبادات و استعمال آلات انسانی اچھی بری نیات کو جو تم کردار ظاہر سے بتاتے دکھاتے ہو اور جو قلبی عقلی فکریات چھپاتے ہو وہ خالق تعالیٰ ہر خیر و شر کو جانتا ہے کہ تم میں کون رضاء رحمانی کا طلب گار ہے اور کون ہوائے نفسانی کا خواہش مند۔ یاد رکھو کہ خلوص قلبی کے خالص موتیوں کو مخزن بنانے کے لیے قالب بھی خاص ہوتے ہیں اس در ثمین و قیمتی جواہر کو ہر نالائق کی جیب میں نہیں رکھا جا سکتا۔ لہٰذا اے ہادی کونین۔ قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ؕ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ ﴿۳۰﴾ ۔ حکم فرمادے شریعت، طریقت، حقیقت معرفت کا ایمان رکھنے والوں کو کہ اگر تم خزانہ ایمان و اعمال بچانا چاہتے ہو تو عقل فتور کی طرف سے منہ پھیر لو اور نظروں کو دنیا سے ہٹا لو اور دنیوی لذتوں سے نگاہیں پھرا لو۔ ظاہری باطنی شرمگاہوں کو جلوت خلوت میں چھپاؤ۔ حدیث مقدس میں فرمان نبوی ہے اے بندو تم اپنی نگاہوں کی ضمانت دو تو میں تم کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ ایمان معرفت کی چھ حفاظتیں اور سات نگاہیں ہیں۔ پہلی حفاظت بات کی کہ جب بولو تو سچ بولو اگرچہ سر پر تلوار ہو۔ دوم حفاظت وعدہ کہ وعدہ سوچ سمجھ کر کرو اور جب کر لو تو ہر قیمت پر مقررہ وقت پر پورا کرو۔ تیسری حفاظت امانت کی اپنی جان کی طرح حفاظت کرو کہ نہ ضائع ہو نہ خیانت ہو۔ حفاظت چہارم شرمگاہوں کی مکمل

marfat.com

ستر پوشی خلوت میں بھی۔ پانچویں حفاظت عبادت و ریاضت و وظائف کی۔ چھٹی اپنے اعضاء کی حفاظت غلط کاری بداعمالی سے بچا کر۔ پہلی نگاہ ظاہری بدنی کو محرمات شرعیہ سے بند رکھنا۔ نگاہ دوم نفس امارہ کی اس کو شہوات وخواہشات سے بند رکھنا۔ نگاہ سوم عقل کی اس کو طبیعت انسانی محبت فانی اور حسن شیطانی سے بچانا۔ نگاہ چہارم قلب کی اپنے اعمال کی رویت اور نعیم آخرت کی لالچ سے بند کرنا۔ تا کہ نہ اعمال کا غرور ہو نہ خلوص کا فتور ہو۔ نگاہ پنجم شعور کی، دنیوی تفکرات، دینی حادثات نفس کے معاملات اور ارواح کے حالات وشخصی کیفیات سے پھیر لینا تا کہ نہ ریاکاری قریب ہو نہ رضاء الٰہی دور ہو بلکہ مشاہدہ اسرار کا سرور حاصل ہو۔ دنیا میں اس طرح رہو کہ وجود حق کی تلاش میں صفات حق کی رویت ہو جائے اور سالکین حقیقت کو دیدار انوار میں مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَ مَا طَغٰی ۝ کے قرب جمال تک پہنچنا نصیب ہو۔ جس طرح حبیب دیدار محبوب میں مقام لامکانی تک پہنچائے گئے معراج عارفین قدم حبیب کے قاب قوسین تک پہنچنا ہے۔ نگاہ ششم روح کی نظر، اس کو التفات ما سوا اللہ سے ہٹانا۔ نگاہ ہفتم ہمت فکر کی، اس کو عقلی علتوں، نفسی ذلتوں اور خوش فہمیوں سے بند کرنا۔ تا کہ نفس امارہ کو اپنی لیاقت وقابلیت واہلیت کا غرور نہ ہونے لگے۔ ان سب ریاضتوں کے بعد بندہ سالک مشاہدہ حق کر سکتا ہے۔ اے صراط طریقت کے مسافرو فروج ظاہری کے ساتھ فروج باطنی کی بھی حفاظت کرو تا کہ اعمال دینی وافعال دنیوی میں بے جا مداخلت وفضول تصرف سے بچ جاؤ۔ یہ پابندی ریاضت اور نظر و فرج کی حفاظت اَزۡکٰی ہے تمہارے لیے حادثات دنیا سے بچانے اور حقوق عقبیٰ کے دلانے میں بیشک اللہ تعالیٰ خبیر ہے ان اعمال سے جو تم ادائیگی حقوق اور وصولی حظوظ میں دن کی جلوتوں رات کی خلوتوں میں کرتے ہو۔ یا اللہ بنا ہم کو ان بندوں میں سے جو ہر عمل خیر کے حق کی رعایت کرتے ہیں اور ادائیگی عبادت کا حق ادا کرتے ہیں۔ صوفیا فرماتے ہیں کہ اگر بندوں کا دل دنیا میں رہے اور دنیا اس میں نہ آنے پائے تو حسب ضرورت اَجَلّ دنیا کو استعمال کرنا جائز ہے۔ لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ جُنَاحٌ۔ دنیا کو اس طرح استعمال کرنا جائز ہے جس طرح آب دریا کو کشتی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اس طرح استعمال سے تم پر گناہ نہیں۔ اس سے زیادہ وعلاوہ استعمال دنیا گناہ ہے فاروق اعظم نے فرمایا چار چیزوں سے عبادت کی حقیقی معرفت ملتی ہے۔ ۱۔ شرعی فرائض کی مکمل ادائیگی سے۔ ۲۔ شریعت کی ممنوعہ چیزوں سے ایسی نفرت جیسی گندے مردار سے نفرت ہوتی ہے۔ ۳۔ غضب الٰہی سے خود بھی بچنا لوگوں کو بھی بچانا۔ ۴۔ رضاء کبریائی کے لیے احکام شریعت پورے کرنا اور کرانا عثمان غنی نے فرمایا۔ بھلائی چار چیزوں میں ہے۔ ۱۔ نوافل عبادت میں۔ ۲۔ شرعی احکام پر قیام وصبر میں۔ ۳۔ تقدیر پر شاکر رہنے میں۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے میں۔ مولیٰ علی نے فرمایا۔ ایمان کا دل پر سفید نقطہ ہوتا ہے اور منافقت کا سیاہ نقطہ بندہ جیسے عمل کرے ویسے ہی نقطے بڑھتے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ یا سارا دل سفید ہو جاتا ہے یا سیاہ۔

وَقُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ یَغۡضُضۡنَ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ

اور حکم دیجیے مومن عورتوں کو کہ راہ چلتے نیچی رکھا کریں اپنی نگاہوں کو

اور مسلمان عورتوں کو حکم دو اپنی نگاہیں کچھ نیچی رکھیں

وَ یَحۡفَظۡنَ فُرُوۡجَهُنَّ وَلَا یُبۡدِیۡنَ زِیۡنَتَهُنَّ

marfat.com

اور حفاظت کیا کریں اپنی پوری ستر پوشی کی اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی قدرتی و بناوٹی خوبصورتی کو

اور اپنی پارسائی کی حفاظت کریں اور اپنا بناؤ نہ دکھائیں

إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ

مگر وہ جو مجبوراً ظاہر ہوتا ہو اس خوبصورتی میں سے اور اوڑھے رہیں اپنے موٹے دوپٹوں کو اپنے سینوں تک

مگر جتنا خود ہی ظاہر ہو اور دوپٹے اپنے گریبانوں پر ڈالے رہیں

وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا لِبُعُولَتِهِنَّ

اور نہ ظاہر ہونے دیں اپنی خوبصورتی کو مگر اپنے گھر والے خاوندوں کے لیے

اور اپنا سنگار ظاہر نہ کریں مگر اپنے شوہروں پر

أَوْ آبَائِهِنَّ أَوْ آبَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ أَبْنَائِهِنَّ

یا اپنے والد یا اپنے سسر یا اپنے سگے بیٹوں

یا اپنے باپ یا شوہروں کے باپ یا اپنے بیٹے

أَوْ أَبْنَاءِ بُعُولَتِهِنَّ أَوْ إِخْوَانِهِنَّ أَوْ بَنِي إِخْوَانِهِنَّ

یا اپنے سوتیے بیٹوں یا اپنے سگے بھائیوں یا اپنے بھتیجوں یا اپنے بھانجوں

یا شوہروں کے بیٹے یا اپنے بھائی یا اپنے بھتیجے یا اپنے بھانجے

أَوْ بَنِي أَخَوَاتِهِنَّ أَوْ نِسَائِهِنَّ أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُهُنَّ

یا اپنی دینی بہنوں پر یا اپنی زر خرید ملکیتی لونڈیوں پر

یا اپنے دین کی عورتیں یا اپنی کنیزیں

أَوِ التَّابِعِينَ غَيْرِ أُولِي الْإِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ

یا اپنے حکم کے تابع ان نوکروں خادموں پر جو بالکل شہوت والے نہ ہوں (نامرد خسرہ ہوں)

جو اپنے ہاتھ کی ملک ہوں یا نوکر بشرطیکہ شہوت والے مرد نہ ہوں

أَوِ الطِّفْلِ الَّذِينَ لَمْ يَظْهَرُوا عَلَىٰ عَوْرَاتِ النِّسَاءِ

یا وہ نابالغ نوکر جو ناواقف ہوں عورتوں کی شرم گاہوں سے

marfat.com

یا وہ بچے جنہیں عورتوں کی شرم والی چیزوں کی خبر نہیں
وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ ۚ
اور نہ پٹخ کر چلیں اپنے پیروں کو ایسے کہ جان لیا جائے اس زینت کو جس کو چھپا رہی ہوں ہر اٹھنے والی اچانک نگاہوں سے
اور زمین پر پاؤں زور سے نہ رکھیں کہ جانا جائے ان کا چھپا ہوا سنگار
وَتُوبُوا إِلَى اللَّهِ جَمِيعًا أَيُّهَ الْمُؤْمِنُونَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣١﴾
اور سب مومن مرد وعورت توبہ کرتے رہو اللہ تعالیٰ کی طرف تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ
اور اللہ کی طرف توبہ کرو اے مسلمانو سب کے سب اس امید پر کہ تم فلاح پاؤ

تعلقات

اس آیت پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں مومن مردوں کو دو حکم عطا فرمائے گئے کہ راستوں میں اپنی نگاہیں نیچی رکھا کرو اور اپنی شرمگاہوں کی ہر وقت حفاظت کیا کرو۔ اب ان آیات میں مومن عورتوں کو تین حکم دیئے جا رہے ہیں۔ ا۔ راستوں میں اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں۔ ۲۔ اپنی شرمگاہوں یعنی پورے جسموں کو چھپا کر حفاظت کیا کریں۔ ۳۔ اپنی قدرتی و مصنوعی زینت و خوبصورتی کو ظاہر نہ ہونے دیں یعنی چہروں کا پردہ کریں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کو اجنبی گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے سے منع فرمایا گیا اور غیر اجنبی گھروں میں بلا اجازت داخل ہونے کی اجازت دی گئی۔ اب ان آیات میں مسلمان عورتوں کو اجنبی مردوں سے پردہ کرنے کا اور غیر اجنبی مردوں کے سامنے بلا پردہ آنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ اجنبی گھر اور اجنبی مرد کی تعریف تفسیر عالمانہ میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمان مردوں کو نگاہیں نیچی رکھنے کا حکم دیا گیا۔ اب ان آیات میں مسلمان عورتوں کو راہ چلتے ایسی حرکات سے منع کیا جا رہا ہے جس سے اجنبی مردوں کی نگاہیں خود بخود ان کی طرف اٹھیں۔

تفسیر نحوی

وَقُل لِّلْمُؤْمِنَٰتِ يَغْضُضْنَ مِنْ أَبْصَٰرِهِنَّ وَيَحْفَظْنَ فُرُوجَهُنَّ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ ۖ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ۔ واو ابتدائیہ۔ قُلْ فعل بافاعل پوشیدہ لِّلْمُؤْمِنَٰتِ یہ جار مجرور متعلق ہے قُلْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ يَغْضُضْنَ باب نَصَرَ کا مضارع بمعنی امر غائب معروف صیغہ جمع مونث غائب غَضٌّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے ترجمہ ہے جھکا کر رکھنا، نیچے رکھنا زمین کی طرف دیکھنا مراد ہے چہرہ جھکا رکھنا۔ مِنْ تبعیضیہ اَبْصَار جمع مکسر ہے بَصَرٌ کی مضاف ہے هِنَّ۔ اسم ضمیر جمع مونث غائب مرجع ہے مُومِنَات۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے يَغْضُضْنَ کا۔ یہ فعل اپنے پوشیدہ فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ يَحْفَظْنَ۔ باب سَمِعَ کا فعل مضارع بمعنی اَمر۔ صیغہ جمع مونث غائب۔ حِفْظٌ سے مشتق ہے۔ اگر یہ اصل امر ہوتا تو

marfat.com

لِیَحْفَظْنَ ہوتا لام امر مکسور کے ساتھ اور حکم شرعی فرض ہو جاتا۔ مضارع کو بمعنی امر کرنے سے حکم وجوبی ہوا۔ یہی کیفیت یَغْضُضْنَ کی ہے۔ فُرُوْج۔ اسم جمع مکسر منصرف تکثیری اس کا واحد ہے فَرْج۔ حاصل مصدر ہے کبھی بمعنی اسم فاعل ہوتا ہے کبھی بمعنی اسم مفعول لغوی ترجمہ ہے چیرنا، پھاڑنا، شگاف وسوراخ کرنا، کشادگی کرنا۔ اصطلاحی معنی ہے اگلی پچھلی شرم گاہ مرد کی یا عورت یا ہر مذکر مونث جانور کی۔ اگر بمعنی اسم فاعل ہو تو مرد کا آلہ تناسل اور اگر بمعنی اسم مفعول ہو تو عورت کا آلہ ولادت مراد ہوتا ہے۔ دراصل شرم گاہ ہر وہ جسم ہے جس کو دیکھ کر شہوت آئے یہ مرد انسان کا ناف سے گھٹنوں تک ہے اور عورت کا سر چہرے سے ٹخنوں تک ہے۔ اسی کو فارسی میں ننگیز کہا جاتا ہے اسی کا پردہ فرض ہے۔ یہاں یہی مراد ہے یہ مضاف ھُنَّ مضاف الیہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے یَحْفَظْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ لَا یُبْدِیْنَ۔ باب افعال کا فعل نہی بَدْوٌ ناقص واوی سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِبْدَآءٌ ترجمہ ہے ظاہر کرنا، جرأت دکھانا۔ اسی معنی میں بیرون شہر علاقہ کو بَدْوَۃٌ، بَدَاوَۃٌ یا بِدَاوَۃٌ گنوار اور جنگل میں رہنے والے آدمی کو بَدْوِیٌ کہا جاتا ہے یا بَدَاوِی پہلے مشورے کو بادِیَ الرَّائے کہا جاتا ہے۔ اسی سے ہے ابتدا اور مبتدا۔ کیونکہ جو پہلے ہو وہ خوب ظاہر ہوتا ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ ھُنَّ پوشیدہ زِیْنَتَ۔ اسم مفرد مونث۔ ترجمہ ہے خوبصورتی۔ اس کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ قدرتی حسن۔ ۲۔ بناوٹی فیشن یہاں دونوں مراد ہیں۔ زینت مضاف ھُنَّ ضمیر نفسی بمعنی اپنی مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی مستثنیٰ مِنْہُ ہے اِلَّا حرف استثنا مَا اسم موصول۔ ظَھَرَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ظُھُوْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے کھل جانا مِنْ حرف جر بعضیت کے لیے بمعنی کچھ تھوڑی ھَا ضمیر کا مرجع ہے زِیْنَۃ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے ظَھَرَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مستثنیٰ ہوا۔ زِیْنَتَھُنَّ۔ یہ دونوں مستثنیٰ مِنْہُ و مستثنیٰ مل کر مفعول بہ ہے لَا یُبْدِیْنَ کا۔ ایک قول میں یہ استثنا ہے جملے کا جملے پر۔ یعنی لَا یُبْدِیْنَ کا جملہ مستثنیٰ منہ ہے اور مَا ظَھَرَ کا جملہ اس کا مستثنیٰ ہے۔ مگر پہلا قول درست ہے۔ لَا یُبْدِیْنَ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پھر معطوف علیہ اگلی عبارت کا واؤ عاطفہ۔ لِیَضْرِبْنَ۔ باب ضَرَبَ فعل امر معروف صیغہ جمع مونث غائب ضَرْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مارنا، بیان کرنا، پٹخنا۔ یہاں مراد ہے سختی سے لپیٹنا۔ بِ حرف جر مفعولیت کے لیے معنی ہے کو۔ خُمُرِ۔ اسم جمع مکسر تقلیلی منصرف اس کا واحد ہے خِمَارٌ خَمْرٌ کا اسم مبالغہ بروزن فعال کتاب۔ اس کا مصدر مزید فیہ مُخَامَرَۃٌ (مُفَاعَلَۃٌ) ترجمہ ہے چھپانا۔ خِمَارٌ بمعنی دوپٹہ، اوڑھنی، برقعہ۔ جو جسم کو اچھی طرح چھپائے اسی سے ہے خَمْرٌ بنصب المیم بمعنی نشہ آور انگوری شراب جو عقل وحواس کو چھپالے اس کا مصدر مزید فیہ ہے اِخْتِمَارٌ اور ترجمہ ہے خمیر کا جھاگ بنا جو نیچے کی اصل چیز کو چھپالیں۔ خُمُرِ ھِنَّ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق اول ہے لِیَضْرِبْنَ کا۔ عَلٰی جارہ برائے فوقیت بمعنی اوپر۔ جُیُوْب اسم جمع مکسر۔ اس کا واحد ہے جَیْبٌ۔ ترجمہ ہے گریبان، سینہ، بغل، نرم دل یہاں بمعنی گریبان وسینہ ہے۔ جُیُوْبِھِنَّ۔ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لِیَضْرِبْنَ کا یہ فعل بافاعل اپنے دونوں متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ لَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَھُنَّ۔ سابقہ ترکیب کی مثل مستثنیٰ منہ ہوا۔ اِلَّا لِبُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اٰبَآئِھِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اَبْنَآئِھِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِھِنَّ اَوْ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اِخْوَانِھِنَّ اَوْ بَنِیْٓ اَخَوٰتِھِنَّ اَوْ نِسَآئِھِنَّ اَوْ مَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُنَّ اَوِ التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِیْنَ لَمْ یَظْھَرُوْا عَلٰی عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۪ اِلَّا

marfat.com

حرف استثنا۔ لام حرف جر نفع کا۔ بُعُوْلَتِهِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے بَعْلٌ۔ لغوی ترجمہ ہے غالب، قَوِیٌ۔ اسی مناسبت سے آقا، مالک خاوند اور مربی کو بَعْلٌ کہا جاتا ہے۔ یہ یمنی بلکہ پوری سامی عرب کی لغت ہے قوم الیاس علیہ السلام کے مشرکین کا بڑا بت بَعْلٌ تھا سونے کا بنا ہوا اسی کے نام سے ملک شام میں بَکْ بادشاہ نے ایک شہر آباد کیا تھا جس کا نام خود بادشاہ اور بت کے نام کو جوڑ کر بعلبک رکھا گیا تھا یہ شہر اب بھی ہے لفظ بَعل عام عربی میں دس معنی کے لیے مشترک ہے۔ ۱۔ اونچی و مضبوط جگہ۔ ۲۔ غیر محتاج۔ ۳۔ عرب میں جنگلی پودوں اور درختوں کو اسی مناسبت سے بعل دشجرات بعولہ کہا جاتا ہے کہ وہ اپنی نشوونما میں بارش کے محتاج نہیں ہوتے نیچے سے خود پانی کھینچ لیتے ہیں۔ ۴۔ حیرت۔ ۵۔ دہشت و وحشت۔ ۶۔ بوجھ۔ ۷۔ طاقتور۔ ۸۔ مالک۔ ۹۔ بلند و برتر شخصیت۔ ۱۰۔ خاوند۔ یہاں بُعُوْلَتِهِ سے مراد خاوند ہیں۔ عربی میں خاوند کو زَوْج بھی کہا جاتا ہے مگر فرق یہ ہے کہ صرف نکاح سے مرد زَوْج بن جاتا ہے مگر رخصتی اور وَطی صحبت اور نان نفقہ رہائش دینے سے اس کو بَعْلٌ کہا جاتا ہے۔ بُعُوْلَتِ مضاف هِنَّ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے اَوْ عاطفہ تخییری۔ آباءِ اسم جمع مکسر واحد اَبٌ بمعنی مربی یعنی چچا، تایا، والد۔ یہ مضاف هِنَّ مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ حرف عطف معنی ہے یا۔ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ اَبْنَآءِ۔ اسم جمع مکسر اِبْنٌ کا بمعنی سگا بیٹا یا منہ بولا اور تمام مَرْبُوب (زیر پرورش) یہ مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ حرفِ عطف اِخْوَان۔ جمع مکسر۔ اس کا واحد اَخٌ ہے۔ اس کی دوسری جمع مکسر اِخْوَةٌ ہے اس کا تثنیہ اَخَوَیْنِ ہے اس کی مونث اُخْتٌ۔ جس کی جمع اَخَوَاتٌ اور تثنیہ اُخْتَیْنِ ہے۔ اَخٌ کا لغوی ترجمہ ہے شریک۔ اصطلاح اَخٌ بھائی ہے۔ اُخت بہن ہے بھائی بہن کی چھ قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ سگا۔ ۲۔ علاتی۔ ۳۔ اخیافی۔ ۴۔ رضاعی یہاں یہی چار قسمیں مراد ہیں۔ ۵۔ قومی۔ ۶۔ دینی۔ اِخْوَانِهِنَّ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ بَنِیْٓ اِخْوَانِهِنَّ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی آگے معطوف علیہ اَوْ عاطفہ بَنِیْٓ اَخَوٰتِهِنَّ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ حرف عطف نِسَآءِ نِسْوَةٌ کی جمع ترجمہ ہے مونث انسانی عورت یہ مضاف ہے هِنَّ ضمیر نفسی جمع مونث غائب یہ مضاف الیہ ہے اسی اضافت کی وجہ سے نِسَآءِ سے مومن مسلمان متقیہ عورتیں ہی مراد ہیں۔ کافرہ فاحشہ مراد نہیں۔ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ مَا صولہ مَلَكَتْ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق واحد مونث غائب مِلْكٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مالک ہونا۔ اَیْمَانٌ۔ اسم جمع مکسر ہے یَمِیْنٌ کی بمعنی داہنا ہاتھ لغوی ترجمہ ہے قوی۔ کلام ہو یا جسم یا گواہ۔ یہاں مراد ہے داہنے ہاتھ یہ مرکب اضافی فاعل ہے مَلَكَتْ کا۔ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ ہے اَوْ عاطفہ۔ التّٰبِعِیْنَ الف لام اسمی بمعنی الَّذِیْنَ۔ تَابِعِیْنَ۔ اسم فاعل باب فَتَحَ کا جمع مذکر تَبَعٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے پیچھے چلنا، ساتھ لگ جانا، طفیلی یا نوکر، خادم بن کر ساتھ چلنا، بعد میں آنا، عقیدت سے کسی کے اعمال کی نقل کرنا، نقش قدم پر چلنا۔ یہاں مراد ہے نوکر۔ کمی خُدّام یہ موصوف۔ غَیْرِ مضاف اُولِی اسم مکمرہ بحالت کسرہ مضاف الیہ مضاف ہے۔ الْاِرْبَةِ۔ الف لام حرفی عہد خارجی اِرْبَةِ اسم مصدر آخر میں تَ مصدریہ ہے۔ اِرْبٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے۔ سخت حاجت ضرورت۔ جس کے لیے کوئی عقل فکری تدبیر کرنی پڑے۔ آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ کشادگی۔ ۲۔ حصہ۔ ۳۔ عقل۔ ۴۔ بصیرت۔ ۵۔ چالاکی۔ ۶۔ مہارت۔ ۷۔ مضبوط گرہ باندھنا۔ اسی معنی میں نکاح کو اِرْبَةِ کہا گیا ہے یہاں یہی مراد

marfat.com

ہے۔ ۸۔ حاجت مندی محتاجی۔ یہ مضاف الیہ اُولِی کا وہ مضاف الیہ ہے غَیْرِ کا یہ ڈبل مرکب اضافی صفت ہے تَابِعِیْنَ۔
مِنَ الرِّجَالِ یہ جار مجرور متعلق ہے تَابِعِیْنَ کا وہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر
موصوف ہے۔ غَیْرِ ڈبل مرکب اضافی صفت ہے یہ مرکب توصیفی معطوف علیہ۔ یہاں التّٰبِعِیْنَ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَۃِ سے وہ
لوگ مراد ہیں جن کو نکاح کی قطعاً حاجت نہیں ہوتی۔ بوجہ نامردی یا سخت بڑھاپا یا بچپنہ چھٹپن نابالغی۔ یا خصی۔ یا خنثیٰ۔
احناف کے نزدیک مقطوع الذکر اور مخنث اور نامرد اجنبی نہیں ہیں لہٰذا یہ لوگ غیر اربۃ میں شامل نہیں ان سے پردہ فرض ہے۔
اَوْ عاطفہ۔ الطِّفْلِ۔ الف لام حرفی استغراقی یا جنسی طِفْلِ نابالغ لڑکا۔ یہ موصوف ہے الَّذِیْنَ۔ اسم موصول جمع مذکر۔ لَمْ
یَظْهَرُوْا۔ باب فتح کا مضارع نفی جحد بلم صیغہ جمع مذکر غائب ظَهْرٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے واقف ہونا مطلع ہونا۔ اس کا
فاعل ضمیر پوشیدہ هُمْ۔ جس کا مرجع ہے الطِّفْلِ الَّذِیْنَ۔ عَلٰی جارہ فوقیہ کا۔ عَوْرٰتِ اسم جمع مونث سالم واحد ہے عَوْرَتٌ
بمعنی شرمگاہیں۔ نکیر۔ یہ مضاف ہے النِّسَآءِ۔ الف لام حرفی استغراقی۔ نِسَآءِ نِسْوَۃٌ کی جمع مکسر۔ مضاف الیہ ہے عَوْرٰتِ
کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَمْ یَظْهَرُوْا کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے الَّذِیْنَ کا یہ
موصول صلہ مل کر صفت ہے طفل کی یہ مرکب توصیفی معطوف۔ یہ بارہ عدد آپس میں معطوف علیہ مطعوف ہو کر مجرور ہے لِبُعُوْلَةِ
کے لام جارہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ یُبْدِیْنَ کا وہ فعل با فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مستثنیٰ ہے لَا یُبْدِیْنَ کے جملے کا
دونوں مل کر معطوف ہے لِیَضْرِبْنَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے پہلے لَا یُبْدِیْنَ کے جملے پر۔ وہ معطوف ہے
یَحْفَظْنَ کے جملے پر وہ معطوف ہے یَغْضُضْنَ کے جملے پر۔ سب مل کر مقولہ اول ہوا قُلْ کا۔ اگلی عبارت بھی اسی قُلْ کا مقولہ
ہے۔ وَ لَا یَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِیُعْلَمَ مَا یُخْفِیْنَ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ ؕ وَ تُوْبُوْۤا اِلَی اللّٰهِ جَمِیْعًا اَیُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ
تُفْلِحُوْنَ ﴿۳۱﴾۔ واؤ ابتداء کلام۔ لَا یُبْدِیْنَ۔ باب ضَرَبَ کا فعل نہی معروف صیغہ جمع مونث غائب اس کا فاعل هُنَّ ضمیر صیغہ
پوشیدہ۔ بَ جارہ اَرْجُلِ اسم جمع مکسر منصرف رِجْلٌ کی۔ لغوی ترجمہ ہے۔ سہارا، ٹیک، ستون، اصطلاح میں ہر جاندار کے
پاؤں کو رِجْلٌ کہا جاتا ہے۔ اَرْجُلِ مضاف هِنَّ ضمیر جمع مونث غائب نفسی بمعنی اپنے مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر
متعلق ہے۔ لَا یَضْرِبْنَ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہے۔ لِیُعْلَمَ۔ لام کے تعلیلیہ بمعنی تاکہ یُعْلَمَ
باب سَمِعَ کا فعل مضارع مجہول صیغہ واحد مذکر غائب عِلْمٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے جاننا۔ مَا اسم موصول۔ یُخْفِیْنَ۔ باب
افعال کا مضارع معروف اس کا مصدر ہے اِخْفَاءٌ خُفْیٌ سے بنا ہے۔ بمعنی چھپانا صیغہ جمع مونث غائب۔ اس کا فاعل هُنَّ
ضمیر پوشیدہ۔ مِنْ زِیْنَتِهِنَّ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یُخْفِیْنَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ یہ موصوف صلہ
مل کر نائب فاعل ہے لِیُعْلَمَ کا وہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہے لَا یَضْرِبْنَ کے جملے کا دونوں مل
کر مقولہ دوم ہوا قُلْ کا۔ واؤ سر جملہ۔ تُوْبُوْا باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ تَوْبٌ مشتق ہے۔ ترجمہ
رجوع کرنا معافی مانگنا۔ بعض جاہل لوگوں نے استغفار کا ترجمہ توبہ کرنا کیا ہے یہ ان کی جہالت ہے۔ تُوْبُوْا کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر
صیغہ ممیز ہے۔ جَمِیْعًا کا۔ یہ اسم کلی باب کَرُمَ کا صفت مشبہ جَمِیْعًا بروزن فعیلا یہ تمیز ہے ممیز تمیز دونوں مل کر فاعل ہے
تُوْبُوْا کا۔ اِلَی اللّٰهِ یہ جار مجرور مل کر تُوْبُوْا کا متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جواب ندا مقدم ہے اَیُّهَ حرف

marfat.com

فاصل قائم مقام یا حرف ندا محذوف منوی کا۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ اس کا منادی یہ ندا منادی اور مقدم جواب ندا مل کر جملہ ندائیہ ہو کر علت ہے۔ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ باب افعال کا مضارع احتمالی تعلیلیہ بمعنی تا کہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہے۔ ترکیب دوم۔ لَعَلَّ حرف مشبہ کُمْ ضمیر اس کا اسم تُفْلِحُوْنَ جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر خبر ہے لَعَلَّ کی۔ یہاں انشائیت لَعَلَّ کی ترجی نے بنائی۔ لَعَلَّ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معلول ہے تُوْبُوْٓا کا دونوں علت ومعلول مل کر جملہ تعلیلیہ ہو گیا۔ ایک قول میں مقولہ سوم ہے قُلْ کا اور قُلْ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ وَلَا یُبْدِیْنَ زِیْنَتَهُنَّ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا اس آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کے لیے آٹھ شرعی حکم بیان فرمائے ہیں۔ ۱۔ احکام حجاب یعنی چہرے پر برقعہ اوڑھنا نقاب ڈالنا۔ ۲۔ حکم ستر یعنی جسم ڈھکنا۔ ۳۔ افراد قرابت میں سے ذی رحم محرم کے لیے حجاب کا طریقہ۔ ۴۔ غیر محرم افراد کے لیے عورتوں کے حجاب کا طریقہ۔ ۵۔ غیر اُولِی الْاِرْبَةِ یعنی نا سمجھ بچوں دیوانوں کے لیے شرعی حکم۔ ۶۔ نابالغ بچوں کے احکام۔ ۷۔ عورتوں کی آواز کا حکم۔ ۸۔ توبہ کرنے کا حکم اور توبہ کا فائدہ وفضیلت۔ ان شرعی احکام میں کرنے والے چار کام۔ **پہلا** یہ کہ عورتیں نگاہیں جھکا کر چلا کریں۔ **دوم** یہ کہ اپنی شرم گاہ کی ہر طرح حفاظت کریں۔ **سوم** یہ کہ چہرہ و سر کا پردہ کریں۔ **چہارم** یہ کہ اکثر اوقات ہر مسلمان مرد وعورت توبہ کیا کریں۔ یہ شرعی اوامر ہیں یعنی کرنے والے کام۔ اور اسی آیت میں تین کام نہ کرنے والے بیان ہوئے ان کو عربی میں نَوَاهِیْ کہا جاتا ہے۔ اول یہ کہ اپنی زینت ظاہر نہ کریں۔ دوم یہ کہ اپنا حسن اور سنگھار نامحرموں کو بالکل نہ دکھائیں۔ سوم یہ کہ اپنی طرف سے کسی قسم کی آواز نامحرموں کو نہ سنائیں نہ مونہوں کی سریلی آواز نہ زیور کی جھنجھناتی آواز۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ محبوب کریم ختم رُسُل تا قیامت دانائے سبل۔ فرما دو تمام آزاد بالغات مومنات کو کہ راستہ چلتے اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں تا کہ صرف راستہ اور ضرورت کی چیزوں کو دیکھیں اور ناجائز وغیرہ ضروری چیزوں پر نگاہیں نہ پڑیں شریعت میں اجنبی مرد وعورت وہ ہے جو غیر محرم ہو یعنی ان کا آپس میں نکاح ابدی حرام نہ ہو۔ اگر چہ عارضی حرام ہو جیسے کسی کی بیوی یا معتدہ طلاق سے یا بیوگی سے یا اپنی مطلقہ کی بہن سے عدۃ کے اندر یا چار بیویوں کے ہوتے ہوئے پانچویں بیوی کرنا۔ یہ حرمتیں عارضی وقتی ہیں عدت ختم تو حرمۃ بھی ختم۔ شریعت میں اجنبی گھر وہ ہے جہاں سب غیر محرم لوگ رہتے ہوں اگر چہ تعارفاً واقف ہوں یا دور کے قرابت دار۔ انہی نامحرموں سے شریعت نے عورتوں پر سر چہرے سے نیچے ٹخنوں تک پردہ فرض کیا ہے۔ دوسرا حکم یہ فرمائیے کہ سب مسلمان عورتیں اپنی شرمگاہوں کی حفاظت ہر انسان سے چھپا کر بھی اور بدکاری سے بچا کر بھی کریں واضح رہے کہ اصل فروج وشرمگاہ قُبُل وَدُبر۔ اور ذکر وخصیان ہیں مگر ان کا حدود پردہ عورت کا کندھوں سے گھٹنوں تک اور مرد کا ناف سے گھٹنوں تک ہے۔ عورتوں کے لیے تیسرا حکم یہ ہے کہ سب مسلمان عورتیں اس حکم کی بھی سختی سے پابندی کریں کہ اپنے حسن وسنگھار کی قدرتی ومصنوعی زینت کو گلیوں بازاروں اجنبی مردوں کی محفلوں میں ظاہر وبے پردہ نہ کریں۔ خبردار کسی مومنہ مسلمہ عورت کی کوئی خوبصورتی غیر محرموں پر ظاہر نہ ہو نہ فیشن نہ حسن نہ زیور یا تو بلا ضرورت نکلنا ہی بند کر دیا اگر ضرورتاً نکلنا ہی پڑے تو اچھی طرح حجاب کر کے سب سے بہتر حجاب برقعہ یا بڑی اور موٹی چادر۔

marfat.com

سر چہرہ اچھی طرح چھپا کر قدموں ٹخنوں تک ہاں وہ زینت وخوبصورت جس کا کھلنا مجبوراً وضرورتاً ہو اس کے کسی وقت کھل جانے میں گناہ نہیں جیسے خوبصورت لباس یا خوبصورت چادر یا برقعہ ان کا کھلنا تو لازمی ہے۔ یا مثلاً بوقت خریداری لین دین میں ہاتھوں کا آدھی کلائی تک کھل جانا اور ہاتھوں کا زیور مہندی کا رنگ اس جسم کی خوبصورتی کا ظاہر ہو جانا۔ یا پاؤں آدھی پنڈلی تک اور پاؤں کا زیور یا راستہ دیکھنے کے لیے صرف آنکھیں بے حجاب رکھنا۔ اسی طرح اپنے بزرگوں کی خدمت گزاری کے وقت ان کے سامنے گھونگھٹ سے آنے اور ہاتھ پاؤں کھل جانے میں کچھ گناہ نہیں اِلَّا مَاظَهَرَ مِنْهَا۔ میں یہ سب مجبوریاں شامل وداخل مفسرین فرماتے ہیں زینت چار قسم کی ہے۔ ۱۔ قدرتی حسن۔ ۲۔ بناؤ سنگھار کا فیشن۔ ۳۔ زیور سے فیشن کرنا۔ ۴۔ خوبصورت چمکیلے بھڑکیلے کپڑوں سے فیشن کرنا۔ اوپر کے حجابی کپڑے کھلنا تو لازمی چیز ہے۔ کیونکہ وہ دیگر زینتوں کو چھپانے کے لیے ہی ہے اس لیے بزرگوں نے فرمایا کہ برقعہ واوپر کی حجابی چادر بھڑکیلے چمکیلے کپڑے کی نہ ہونی چاہئے۔ یہی تقویٰ ہے۔ اسی لیے نیک متقی لوگوں نے اپنی عورتوں کے لیے سفید لٹھے کی چادر یا ٹوپی والا برقعہ ایجاد فرمایا کیونکہ چادر اور دیسی برقعے میں زینت کے ساتھ ساتھ عورت کی شخصیت بھی چھپ جاتی ہے کہ جوان عورت بھی بوڑھی لگتی ہے اس طرح لوگوں کی بدنگاہی سے بچی رہتی ہے۔ جبکہ فیشنی برانڈی برقعہ بدنگاہی کی دعوت دیتا ہے اور بوڑھی عورت بھی جوان لگتی ہے۔ بہر حال دیسی برقعہ اسلامی پردے کا بہترین طریقہ ہے اور تقوے نشانی اگرچہ دیگر برقعے بھی جائز۔ اسی لیے فرمایا گیا وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ۔ اور ہر مسلمان عورت کو چاہئے کہ باہر نکلتے وقت اپنے گریبانوں تک اپنے موٹے دوپٹے چادروں کی طرح بڑے اچھی طرح مضبوطی سے اوڑھ لیا کریں۔ سر سے گریبان تک گھونگھٹ کی شکل میں تاکہ اس طرح اوڑھنے سے عورتوں کی پیٹھ تک اور چوٹی، سر، چہرہ، گلا، ہار سنگھار، سینہ چھپ جائیں۔ شریعت میں پردہ تین قسم کا ہے۔ اول باہر نکلنے کے لیے یہ قدموں سے سر کے بال چوٹی تک۔ دوم اہل خانہ گھریلو محرم مردوں سے، گھٹنوں سے کندھوں تک۔ سوم پردہ نماز کے لیے ٹخنوں سے سر تک۔ اس میں قدم کے پنجے ہاتھ کی ہتھیلیاں اور چہرہ شامل پردہ نہیں ہے۔ مفسرین جب بھی یہ فرمائیں کہ چہرے ہاتھوں و قدموں کا پردہ ضروری نہیں تو وہاں بحالت نماز ہی پردہ مراد ہوتا ہے نہ کہ بحالت بازار۔ گھریلو پردہ بھی نمازی پردے کے مشابہ ہے۔ پہلے پردے کا نام ستر حجاب ہے دوسرے کا نام ستر حیا ہے تیسرے کا نام ستر نماز ہے۔ پردہ حجاب کی مزید وضاحت سورۃ احزاب آیت ۵۹ میں اس طرح فرمائی گئی۔ يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ۔ ترجمہ اے نبی کریم فرمادیجئے اپنی سب ازواج کو اور اپنی سب آٹھوں بیٹیوں کو اور تاقیامت تمام مومنہ عورتوں کو کہ باہر نکلتے وقت اپنے چہروں پر اپنی موٹی چادریں اوڑھ کر نکلا کریں یہ مکمل جسمانی پردہ اس لیے ضروری لازم واجب اور کافی ہے کہ وہ پہچانی نہ جائیں اور آوارہ لوگوں کے گھورنے یا چھیڑنے یا بدنگاہی کے تیروں سے ایذا نہ دی جائیں۔ یہاں لفظ جلابیب نے پردے کی نوعیت بتائی اور لفظ خُمُرْ نے چادروں کا بڑا اور موٹا ہونا بتایا کیونکہ یہ خَمْرٌ سے مشتق ہے خَمْرٌ کا معنی ہے کسی چیز کو پورا چھپالینا۔ نشہ آور شراب کو خمر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ پوری عقل چھپالیتی ہے اور چادر جب موٹی بھی ہو بڑی بھی تب ہی وہ پورے جسم کو چھپائے گی۔ اس لیے موٹے اور بڑے دوپٹے کو عربی میں خمار وجمع خُمُرْ کہا جاتا ہے بلکہ اردو میں دوپٹہ بھی موٹی اوڑھنی کو ہی کہا جاتا ہے۔ دوپٹہ یعنی دوپٹ والا ڈبل

marfat.com

کپڑا۔ اور لفظ یُعْرَفْنَ نے پردے کی حدود بتائیں کہ وہ پردہ پورے چہرہ پر ہونا لازمی کیونکہ انسانی تعارف صرف چہرے سے ہی ہوتا ہے۔ تعارف کرنے کے لیے چہرہ ہی دیکھا جاتا ہے اور تعارف چھپانے کے لیے چہرہ ہی چھپایا جاتا ہے۔ کتنے جاہل و گمراہ ہیں وہ خطیب جو کہتے پھرتے ہیں کہ عورتوں کے چہرے کا پردہ ضروری نہیں کھلے چہرے باہر پھر سکتی ہے۔ اتنی واضح آیات بھی اگر ان کی شیطانی عقل فہم میں نہیں آتیں تو سمجھ لو زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ (سورۃ نمل آیت ۲۴) ترجمہ۔ شیطان نے ان کے برے اعمال کو ان کی نظروں وعقلوں میں سجا دیے ہیں۔ اس لیے ایمان والے مردوں عورتوں کو حجاب کا حکم فرمایا تاکہ بے دین لوگ اس حکم سے نکل جائیں اور گمراہ لوگ گمراہی پھیلاتے پھریں۔ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اٰبَآىِٕهِنَّ اَوْ اٰبَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اَبْنَآىِٕهِنَّ اَوْ اَبْنَآءِ بُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اِخْوَانِهِنَّ اَوْ بَنِيْٓ اَخَوٰتِهِنَّ اَوْ نِسَآىِٕهِنَّ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ اَوِ التّٰبِعِيْنَ غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ اَوِ الطِّفْلِ الَّذِيْنَ لَمْ يَظْهَرُوْا عَلٰى عَوْرٰتِ النِّسَآءِ ۔ اور اے مسلمان عورتو اپنی ہر قسم کی زینت کو نامحرموں اجنبیوں گلی بازار کے لوگوں کو دکھاتی نہ پھرو۔ کیونکہ ہر نامحرم اجنبی اور ہر اجنبی سے پردہ واجب ہے اگرچہ پڑوسی ہو واقف ہو یا ناواقف۔ ہاں البتہ بارہ قسم کے وہ لوگ ہیں جن سے پردہ واجب نہیں۔ ان میں پہلا شخص بُعُول ہے یہ جمع ہے بَعل کی اس کا لغوی ترجمہ ہے مالک۔ اگر پورے جسم کا مالک ہو تو مراد ہوتا ہے مولیٰ وآقا۔ اور اگر صرف شرم گاہ کا مالک ہو تو مراد ہوتا ہے خاوند۔ یہاں صرف خاوند ہی مراد ہیں کیونکہ زینت اور پردے کا ذکر ہے۔ زینت و پردہ صرف بیوی پر ہے لونڈی نہ زینت کر سکتی ہے نہ پردہ نیز آگے آباءِ بُعُول کا ذکر ہے اور صرف خاوند کے آباء ذی رحم ہیں نہ کہ مولیٰ کے۔ شریعت میں ابدی حرمۃ کے تین رشتے۔ اول نسبی دوم رضاعی سوم صِهْرِیْ یعنی سسرالی۔ یہاں ان بارہ شخصیات اور سات جمع مونث کے صیغوں اور اٹھارہ جمع مونث کی ضمیروں میں یہی تینوں ابدی حرمۃ نکاح والے رشتے دار بطریقہ استثنا بیان فرمائے جا رہے ہیں جن میں پہلا خاوند ہے کہ اس کی بیوی اپنے خاوند سے کسی قسم کا حجاب نہیں کر سکتی نہ جسم کا نہ شرمگاہ کا نہ حسن و زینت کا یہ بے حجابی دوطرفہ ہے دیکھنے چھونے برتنے میں بلکہ زیور سنگھار تو ہوتا ہی خاوند کے لیے ہے اور خاوند کی زینت بھی صرف بیوی کے لیے ہوتی ہے اجنبیہ کے لیے حرام ہے۔ دوم اٰبَآىِٕهِنَّ عورت کا نسبی والد، دادا، نانا، چچا، تایا بھی اور رضاعی والد۔ سوم خاوند کا نسبی والد دادا و نانا۔ یعنی سسر۔ چہارم عورت کے سگے بیٹے پوتے نواسے۔ اَبْنَآىِٕهِنَّ میں چھ افراد۔ نسبی بیٹے پوتے نواسے رضاعی بیٹے پوتے نواسے۔ پنجم خاوند کے نطفے سے دوسری بیوی کی اولاد بیٹے، پوتے، نواسے۔ ششم عورت کے سگے وعلاتی واخیافی نسبی و رضاعی بھائی۔ ہفتم ان چاروں قسم کے بھائیوں کے بیٹے پوتے نواسے۔ ہشتم چاروں قسم کی بہنوں کے بیٹے پوتے نواسے یعنی سگی، علاتی، اخیافی، رضاعی بہنیں۔ نہم مسلمان رشتے دار عورتیں۔ کفار عورتوں سے مسلمان عورتوں کو پردہ واجب ہے کیونکہ دین میں اجنبیہ ہیں۔ دہم اپنی لونڈی عورت مسلمان ہو یا کافرہ کیونکہ ملکیت کی وجہ سے اجنبیہ نہیں رہی۔ گیارہویں قسم۔ تابعین غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ۔ اس میں آٹھ قسم کے مرد شامل۔ ا۔ بوڑھے کمزور غریب جن کو کھانے کی حاجت ہو عورت کی نہیں۔ ۲۔ دائمی مکمل نامرد یعنی عنین۔ ۳۔ آلات مردی سے اپاہج معذور۔ ۴۔ مقطوع الذکر۔ ۵۔ خصی مرد۔ ۶۔ خُنثیٰ مرد۔ ۷۔ ابلہ مخبوط الحواس نیم دیوانہ۔ ۸۔ معتوہ مردود۔ جس کو کسی بیماری کی وجہ سے عورت کی خواہش نہ ہو بچپن سے ہی بیماری لگی ہو۔ بارہویں قسم وہ چھوٹے ناسمجھ

marfat.com

بچے جن کو پردہ بے پردہ کا کچھ شعور نہیں ان تمام لوگوں سے چہرے کا حجاب واجب نہیں لیکن ستر شرمگاہ کندھے سے گھٹنے تک واجب ہے۔ وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِيْنَ مِنْ زِيْنَتِهِنَّ ؕ اور مسلمان عورتیں یہ احتیاط بھی کریں کہ راستہ چلتے پیروں کو زور سے زمین پر نہ مارتی چلیں تاکہ پیروں کے زیور کی آواز یا سخت جوتی کی کھٹ کھٹ نہ پیدا ہو۔ اور لوگوں کی نگاہیں آواز کی طرف اٹھیں اور جس زینت کو وہ چادروں برقعوں میں چھپا کر گزرنا چاہتی ہیں وہ ان کے پیروں کی ضرب سے ہی اجنبیوں پر ظاہر ہو اور لوگوں کے ذہن جان لیں۔ بلکہ مسلمان عورتوں کو چاہیے کہ بغیر آواز پیدا کیے ہوئے خاموشی سے گزریں۔ حدیث مبارک سے ثابت ہے کہ مسلمان عورتوں کو باہر نکلتے وقت آٹھ احتیاطیں چاہئیں۔ ۱۔ ابوداؤد ابن ماجہ۔ ترمذی نسائی و مسند احمد میں بروایت متعددہ ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے کہ عورتیں گھر کے علاوہ پیروں کا زیور جھانجھر یا پازیب نہ پہنیں۔ ۲۔ تمام صحاح ستہ میں ہے کہ عورتیں گھر میں یا باہر سریلی آواز کے ساتھ زور سے نہ بولیں تاکہ غیر مرد نہ سنے۔ ۳۔ خوشبو لگا کر باہر نہ نکلیں۔ ۴۔ اونچی آواز سے اذان، تکبیر، تلاوت، نعت خوانی بھی عورتوں کو منع ہے تاکہ غیر مردوں کو عورتوں کی آواز نہ پہنچے۔ ۵۔ اگر عورتیں جماعت میں پچھلی صف کے اندر کھڑی ہیں تو امام کی غلطی پر آواز سے لقمہ بھی نہ دیں نہ تکبیر سے نہ تہلیل و تحمید سے بلکہ ایسی غلطی ہو جانے کی صورت میں اپنی کلائی پر ہتھیلی مار کر تالی و تصفیق کی آواز پیدا کر کے امام کو آگاہ کریں۔ ۶۔ عورتوں کی نماز گھر میں بہتر ہے مسجد سے اگر مسجد میں پڑھنا چاہیں تو بچوں سے بھی پچھلی صف میں اور سلام پھرتے ہی مسجد سے نکل کر گھروں کو چلی جائیں اور کنارے پر چلا کریں سمٹ کر بیچ راستہ نہ چلیں۔ ۷۔ تنہائی میں رشتے قرابت داروں سے بھی نہ ملا کریں کیونکہ تنہائی میں تیسرا شیطان ہوتا ہے (از مسند احمد) کوئی نامحرم مرد کبھی کسی نامحرم بالغہ عورت کو ہاتھ نہ لگائے یہاں تک کہ پیرو مرشد اور دینی یا دنیوی استاد سے بھی پردہ واجب بیعت کرتے وقت بھی ہاتھ نہ لگائے یا زبانی بیعت کرے یہی سنت ہے۔ یا پس پردہ رہ کر اپنی چادر پکڑائے۔ مسلم بخاری میں بروایت سہل بن سعد فرمان نبوی ہے۔ اَلتَّسْبِيْحُ لِلرِّجَالِ وَالتَّصْفِيْقُ لِلنِّسَآءِ یعنی بحالت نماز اگر کسی کو روکنا ٹوکنا پڑ جائے تو مرد نمازی زبان کی تسبیح سے اور عورت نمازی ہاتھ کی تالی بجا کر غلطی سے روکے ٹوکے۔ گویا کہ عورت کی آواز کا بھی پردہ ہے۔ بیہقی شریف میں بروایت بنت بندہ فرمان نبوی ہے۔ اے عورتو تم شیطان کا جال نہ بنو۔ وَتُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ جَمِيْعًا اَيُّهَ الْمُؤْمِنُوْنَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ اور خوب توبہ کرتے رہو تم اے ایمان کامل اعمال صالح عقائد خالص والے مرد و عورتو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تاکہ سچی پکی توبہ کی برکت سے دنیوی اخروی ابدی کامیابی پالو۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ مبارک ہے وہ بندہ جس کے اعمال میں کثرت استغفار ہو۔ پھر فرمایا۔ سعادت دارین توبہ سے ہے حضرت عبداللہ ابن عمر سے مروی ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے اے مسلمانو کثرت سے استغفار پڑھا کرو خود میں بھی روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں۔ بخاری شریف بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے کہ اِنِّیْ لَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ وَاَتُوْبُ اِلَيْهِ فِی الْيَوْمِ اَكْثَرَ مِنْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً اور مسلم شریف میں بروایت حضرت اعرابی رضی اللہ عنہ فرمان نبوی اس طرح ہے کہ میں روزانہ سو بار استغفار اور توبہ کرتا ہوں۔ ترمذی ابوداؤد۔ ابن ماجہ میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ جب آقا ﷺ یہ دعا مانگتے۔ رَبِّ اغْفِرْ لِیْ وَتُبْ عَلَیَّ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الْغَفُوْرُ۔ تو ہم گنتے رہتے۔ سو بار یہ دعا پڑھتے۔ علماء کرام نے توبہ اور استغفار کے بہت سے فرق بتائے ہیں ان میں

marfat.com

سے ایک یہ کہ استغفار دعا طلب ہے اور توبہ وعدۂ ترک ہے یا رجوع الی اللہ یعنی یا اللہ مجھے اور میرے امتیوں، مریدوں، مقتدیوں کو یہ عطا فرما یہ استغفار ہے اور یا اللہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں اور میرے اہل و متعلقین یہ کام نہ کریں گے تو ہمارا وعدہ قائم وقبول فرما۔ یہ توبہ ہے۔ نبی کریم ﷺ۔ استغفار اپنے لیے پڑھتے تھے اور توبہ امتیوں کے لیے کرتے تھے۔ اور وَتُبْ عَلَیَّ کا معنی ہے کہ میرے یہ الفاظ توبہ امت کے حق میں قبول فرما۔ جس طرح امت کا گناہ نبی کریم ﷺ کی طرف مضاف کیا جاتا ہے ایسے ہی امت کی توبہ بھی اپنی طرف نسبت فرمایا کرتے کیونکہ آقا ﷺ امت کے وکیل وشفیع والی وارث ہیں۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

وَلْيَضْرِبْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت لامِ امر ساکن ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں یہ لام امر مجرور ہے۔ بِخُمُرِهِنَّ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت بِخُمُرِ خِمَار کی جمع ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت بِخَمْرِ ہے میم کے جزم سے جنسی لفظ ہے۔ جُيُوبِهِنَّ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت کی جُيُوْبِ جیم کے پیش سے۔ ۲۔ بعض کی جِيُوْبِ جیم کے زیر سے۔ نِسَآئِهِنَّ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ نِسَاءِ سے مراد نیک مسلمان عورتیں ہیں کیونکہ کافرہ فاحشہ خنثیٰ عورتوں سے پردہ مستحب ہے۔ اور هُنَّ ضمیر کی اضافت سے مراد دینی، نیکی اور عورت ہونے کی مشابہت یعنی یہاں فرمان الٰہی میں پردہ نہ کرنے کا حکم صرف اپنی جیسی نیک پاک مسلمان عورت ہونا ہے۔ یہی قول درست ہے فاروق اعظم نے حضرت عبیدہ بن جراح گورنر بصرہ کو حکم لکھا تھا کہ مسلمان عورتیں غیر مسلم عورتوں کے ساتھ حماموں میں نہ جایا کریں۔ کفار عورتیں دینی اور فحاش تقوے اور خنثیٰ عورتیں بے پردگی آوارگی مخبری جاسوسی چغل خوری کے اعتبار سے مسلمان متقیہ عورتوں کے لیے اجنبیہ ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا نِسَآئِهِنَّ سے ہر قسم کی عورتیں مراد ہیں اور هِنَّ ضمیر کی اضافت صنفی یا واقفیت یا ملکیتی نسبت کے لیے ہے۔ مگر یہ قول غلط اور خلاف احادیث ہے۔ مَامَلَكَتْ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا۔ اپنی ملکیتی لونڈی۔ ۲۔ بعض نے کہا لونڈی غلام دونوں مراد ہیں مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ ملکیتی غلام سے مالکن کا پردہ واجب ہے۔ غَيْرِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت غَيْرِ ہے۔ تَابِعِيْنَ کی صفت ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت غَيْرَ ہے تَابِعِيْنَ کا حال ہے۔ اُولِي الْاِرْبَةِ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا ہر قسم کا کمزور و معذور۔ ۲۔ بعض نے کہا ہر قسم کا ذہنی کمزور ومحتاج۔ اَوِالطِّفْلِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت الطِّفْلِ ہے۔ لفظا واحد۔ جنسا جمع۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اوالاطفال ہے۔ لفظا جمع۔ لَمْ يَظْهَرُوْا کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا وہ بچے جو فہم وشعور نہیں رکھتے۔ ۲۔ بعض نے کہا جو قوت و غلبہ نہیں رکھتے۔ ۳۔ بعض نے کہا جو شہوت وخواہش نہیں رکھتے۔ ۴۔ وہ بچے جو کم عمری کی وجہ سے مثل بہائم ہیں۔ عَوْرٰتِ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت میں عَوْرٰتِ واؤ کے جزم سے ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں عَوَرَتِ ہے واؤ پر فتحہ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت میں عَوَّرَاتِ ہے واؤ پر شد اور فتحہ۔ اَيُّهَ کی قرأت میں چار قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اَيُّهَ ھا پر زبر۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَيُّهُ ہے ھا پر ضمہ۔ ۳۔ بعض کی قرأت اَيُّهْ ہے ھا پر جزم۔ ۴۔ بعض کی قرأت اَيُّهَا ہے ھا کے ساتھ الف۔

marfat.com

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ نکاح کے لیے عورت کو ایک نظر دیکھنا اور کسی عورت کو بیماری کمزوری کی وجہ سے ہاتھ لگانا تب جائز ہے۔ جب دیکھنے یا ہاتھ لگانے سے مرد یا عورت کو شہوت نہ آئے اگر شہوت کا خطرہ ہو تو نہ دیکھنا جائز نہ ہاتھ لگانا جائز۔ کیونکہ بفرمان حدیث شہوت سے دیکھنا آنکھ کا زنا ہے اور شہوت سے چھونا ہاتھ کا زنا ہے اس لیے دونوں حرام۔ یہ فائدہ اِلَّا کے استثنا اور اس کے تیرہ عدد مستثناؤں سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** خنثیٰ شخص سے مسلمان عورت کو پردہ کرنا حکماً واجب نہیں ہے مگر احتیاطاً لازم ہے کر لینا چاہئے یہ فائدہ غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ مِنَ الرِّجَالِ کے استثنا سے حاصل ہوا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ ایک خنثیٰ جس کا نام ھِیتًا تھا۔ ازواجِ مطہرات کے پاس کبھی کبھی آیا کرتا تھا اس کو غَیْرِ اُولِی الْاِرْبَةِ میں شمار کر کے اس سے پردہ نہ کیا جاتا۔ ایک بار آقا ﷺ نے اس کو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی حضرت عبداللہ سے یہ کہتے ہوئے سن لیا کہ اگر کبھی طائف فتح ہو جائے تو طائف کی ایک عورت بادیہ بنت غیلان بن سلمہ ثقفی کو ضرور حاصل کرنا وہ اتنی خوبصورت موٹی تازی ہے کہ چار شکنوں میں آتی ہے آٹھ میں جاتی ہے یعنی موٹاپے سے پیٹ کی شکنیں۔ نبی کریم ﷺ نے یہ سن کر اس کو جھڑکا اور فرمایا اے دشمن خدا تو نے تو اس میں اپنی نگاہیں گاڑھ دیں۔ پھر ازواج سے فرمایا آئندہ اس سے پردہ کیا کرو یہ تو مخبر و چغل خور ہے۔ ثابت ہوا کہ خنثیٰ ہونے کی وجہ سے پردہ نہیں ورنہ شروع سے کرایا جاتا۔ **تیسرا فائدہ:** توبہ کا ایک معنی ہے ماسوا اللہ سے بے رغبت ہو کر خالصتاً رجوع الی اللہ کرنا۔ اس لیے بے گناہوں کو بھی توبہ کرنے کا حکم ہے۔ یہ فائدہ تُوْبُوْٓا اِلَى اللّٰهِ کے بعد لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ سے حاصل ہوا۔ انبیاء علیہم السلام کی توبہ بھی اسی معنی میں ہے۔ بعض خبیثوں نے انبیاء کرام کی توبہ ان کے لیے گناہ کا صدور مانا۔ ایسے بدبخت کافر و گمراہ ہیں۔

احکام القرآن

اس آیت سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** مسلمان عورت بھی مسلمان عورت کی شرمگاہ نہیں دیکھ سکتی۔ یعنی ناف سے گھٹنے تک۔ یہ مسئلہ قُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ کے اطلاق سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** امام شافعی فرماتے ہیں کہ نامحرم مرد اور عورت کا چہرہ ضرورۃً بھی دیکھنا جائز نہیں دونوں ایک دوسرے سے پردہ کریں۔ ان کی دلیل۔ حضرت ام سلمہ کی روایت ہے کہ نزول پردہ کے بعد ایک دن عبداللہ بن ام مکتوم اچانک ہمارے گھر نبی کریم ﷺ کے پاس آ گئے میں اور میمونہ پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ نبی کریم ﷺ نے ہم دونوں سے فرمایا پردہ کرو ہم نے عرض کیا یہ تو نابینا ہیں آپ نے فرمایا تم تو نابینا نہیں ہو۔ امام اعظم فرماتے ہیں کہ ضرورۃً چہرہ دیکھنا جائز ہے بلا ضرورت منع ام سلمہ کی روایت میں بلا ضرورت کا ذکر ہی ہے۔ نیز اگر شہوت کا اندیشہ ہو تو حرام ہے۔ امام اعظم کی ایک دلیل یہ کہ ایک بار فضل ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک عورت کو گھور کر دیکھنے لگے تو نبی کریم ﷺ نے ان کا چہرہ پھرا دیا اور فرمایا دونوں جوان ہیں اس لیے شیطانی رغبت کا اندیشہ ہے ثابت ہوا کہ اگر اندیشہ نہ ہو تو ضرورۃً دیکھنا جائز دوسری دلیل۔ فاطمہ بنت قیس کو طلاق ثلاثہ ہوئی تو بحکم نبوی انہوں نے عبداللہ ابن ام مکتوم نابینا کے گھر بوجہ لاوارثی مجبوری عدت گزاری ثابت ہوا کہ فاطمہ بنت قیس کو بوجہ خطرہ نہ ہونے کے ابن ام مکتوم کا چہرہ دیکھنا

marfat.com

جائز تھا۔ یہ مسئلہ مِنۡ اَبۡصَارِهِنَّ کے مِنۡ تبعیضیہ سے مستنبط ہوا۔ یعنی ہر نگاہ جھکانی لازم نہیں بلکہ بعض۔ **تیسرا مسئلہ:** شریعت میں پردے تین قسم کے ہیں ان میں بڑا اور اصل پردہ حیا ہے یہ پردہ عورت باہر نکلتے وقت دیسی برقعے یا برانڈی برقعے یا بڑی اور موٹی چادر پورے جسم کو ڈھکے۔ صرف آنکھیں کھلی ہوں راستے کے لیے اور ہاتھ پاؤں کھلے ہوں چلنے پکڑنے کے لیے عربی میں موٹی چادر کو خمار اور پتلی چادر کو رقاق۔ اردو میں دوپٹہ موٹا کپڑا اور روپٹہ باریک پتلا کپڑا۔ یہ مسئلہ۔ وَلۡيَضۡرِبۡنَ بِخُمُرِهِنَّ کے حکم سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں قُلۡ لِّلۡمُؤۡمِنٰتِ علیحدہ کیوں فرمایا۔ دیگر احکام کے مثل مذکر صیغوں میں ہی شامل کیوں نہ کرلیا گیا۔ جیسے کہ اَقِيۡمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ اور كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ۔ وغیرہ میں مسلمان عورت ومرد شامل ہوتے ہیں اور اَلنَّبِىُّ اَوۡلٰى بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ۔ اور اَزۡوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمۡ میں۔ مومنون ومومنات داخل۔ اسی لیے بنات نبی سے ازواج نبی افضل کہ وہ مومنات کی بھی مائیں ہیں (از تفسیر قرطبی جلد دوم وتفسیر فتح القدیر جلد چہارم ۲۶۲)

جواب: تین وجہ سے علیحدہ ذکر فرمایا گیا۔ **ایک وجہ** اِن کی اہمیت بتانے کے لیے **دوم** یہ کہ مردوں کی اور عورتوں کی غضِ بصر میں فرق ہے۔ عورتوں کی غض بصر کے لیے برقعہ یا چادر کا نقاب یا گھونگھٹ بھی واجب یہ مردوں کے لیے نہیں۔ **سوم** یہ کہ مردوں کو صرف دو حکم لیکن عورتوں کو چھ حکم فرمائے گئے۔ اس تفصیل کو سمجھانے کے لیے علیحدہ ذکر فرمایا گیا۔ عورتوں کی غض بصر وحفظ فروج مردوں سے اہم ہے۔ **دوسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں رضائی ذی محارم کا ذکر نہ کیا گیا نہ ہی چچا، تایا، ماموؤں کا۔ حالانکہ یہ سب بھی محرمات ہیں ان سے بھی پردہ واجب نہیں ہے۔ **جواب:** اس لیے کہ ان کا نام خود بخود بغیر ذکر کیے آ گیا۔ دودھ کے رشتے آباء، ابناء، اخوان واخوات میں شامل۔ ایسے ہی چچا پھوپھی کا بھائی ہے اور ماموں خالہ کا بھائی ہے۔ بنی اخوان سے بھتیجا، بھتیجی مراد اور مومنٰت ومومنین ان کے پھوپھی و چچا و تایا ہوئے اسی طرح بنی اخوات سے بھانجہ بھانجی مراد اور مومن ومومنہ ان کی خالہ و ماموں ہوئے۔ تفسیر معانی نے فرمایا کہ آباء میں چچا تایا آ گئے کیونکہ عربی میں چچا تایا کو اَبٌ کہہ دیا جاتا ہے جیسے کہ قرآن مجید میں آزر چچا کو اَبِيۡهِ فرمایا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** مفسرین فرماتے ہیں مَامَلَكَتۡ سے مراد لونڈیاں ہیں تو پھر اَوۡ نِسَآئِهِنَّ کیوں فرمایا گیا۔ اس اضافت سے بھی تو لونڈیاں ہی مراد ہیں۔ **جواب:** اکثر مفسرین فرماتے ہیں کہ نِسَآئِهِنَّ سے مراد صرف آزاد مومنہ متقیہ عورتیں ہیں اور یہ اضافت ملکیتی نہیں بلکہ مشابہت دینی ایمانی و آزادی کی نسبت مراد ہے۔ نِسَآئِهِنَّ کا معنی ہے ان کی عورتیں یعنی ان مومنات کی مثل ومشابہ آزاد، مومنہ متقیہ عورتیں۔ لہٰذا فرق واضح اس لیے ذکر بھی ضروری۔ **چوتھا اعتراض:** بعض علماء فرماتے ہیں کہ مَا مَلَكَتۡ اَيۡمَانُهُنَّ سے لونڈی غلام دونوں مراد ہیں اور دونوں سے مالکن کا پردہ معاف ہے۔ کیونکہ غلام کو بھی خدمت گزاری کے لیے مالکن کے پاس بار بار آنا پڑتا ہے اگر پردہ کرایا گیا تو سخت دشواری ہوگی۔ حدیث پاک سے بھی یہی ثابت ہے۔ چنانچہ ابوداؤد شریف بروایت حضرت انس فرمایا کہ ایک بار آقا ﷺ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کے پاس ایک غلام ھبہ کرنے کے لیے لائے۔ خاتون جنت نے گھبرا کر غلام سے پردہ کرنا چاہا اور چادر ڈھونڈنے لگیں تب آقا ﷺ نے فرمایا پردہ

marfat.com

کرنے کی کوئی ضرورت نہیں کیونکہ ایک تمہارے والد ہیں اور ایک یہ غلام ہے ثابت ہوا کہ غلام سے مالکن کا پردہ واجب نہیں۔ امام مالک کا بھی یہی مسلک اور یہی روایت دلیل ہے۔ اس غلام کا نام تفاسیر میں عبد اللہ بن مسعدہ النزاری لکھا ہے۔

جواب: آئمہ ثلاثہ کے مسلک میں جوان غلام سے پردہ واجب ہے۔ نابالغ غلام سے نہیں اور ان کے نزدیک مَامَلَكَتْ اَيْمَانُهُنَّ میں نابالغ عبد ہی مراد ہے۔ مذکورہ حدیث انس میں لفظ عبد نہیں بلکہ غلام ہے۔ آقا ﷺ نے فرمایا تھا۔ اے فاطمہ پردہ نہ کرو۔ کیونکہ ایک تمہارے والد ہیں اور ایک غلام ہے اور عربی میں غلام نابالغ کو ہی کہتے ہیں رہا خدمت گزاری کے لیے بار بار آنے جانے کی دشواری تو اس کا حل وہی ہے جو عمل صحابیات سے ثابت اور جو آج کل مسلمان مذہبی پردہ نشین عورتیں اپنے خدام سے کام کراتی ہیں کہ خود پس پردہ رہ کر یا چھوٹے بچوں کے ذریعے یا گھریلو لونڈیوں خادماؤں کے ذریعے بڑے نوکروں غلاموں کو کام سمجھاتی اور لین دین کر لیتی ہیں۔ اس لیے باپردہ عورتوں کو نہ آج کوئی دشواری ہوتی ہے نہ پہلے کبھی دور غلامیہ میں کسی قسم کی دشواری ثابت ہے۔ امام اعظم کا یہی مسلک ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وادی حقیقت میں اجسام ایمانی مومنون ہیں ان کے لیے مرشد معرفت کے دو حکم۔ ۱۔ غض بصر کا رکوع۔ ۲۔ حفظ فرج کا سجود اور اس وادی طلب میں ارواحِ عرفانی مومنات ہیں۔ ان کے لیے پانچ حکم ہیں۔ ۱۔ غض بصر کا رکوع حفظ فروج کا سجدہ تزکیہ۔ ۲۔ حکم ہے کہ جو بدنصیب لوگ راہ حقیقت سے نامحرم و ناواقف ہیں ان سے اپنی زینت باطنی و اسرار غیبی چھپالیں۔ ۳۔ اپنے اوپر خلوت مراقبہ کی موٹی چادر ڈال کر اغیار نانجار سے بالکل روپوش و پردہ دوش ہو جائیں ورنہ نفس و شیطان کی فحاشیاں ہلاک کر دیں گی۔ ۴۔ حکم آفاقی ہے کہ ذکر اللہ کی آوازوں کو پاس انفاس میں بدل دیں اس طرح قرین شیطان کو بھی خبر نہ ہو سکے اور طالبین مبتدی کو خوابی الہامات و کشفی مشاہدات ملتے رہیں تا کہ خلوت کے اسرار جلوت کے انوار مل جائیں۔ ۶۔ اجسام وارواح کے سب مومنین و مومنات بارگاہ کبریائی میں توبہ صادقہ و رجوع کاملہ کریں یہ توبہ سب پر واجب ہے کامل ہوں یا ناقص منتہی ہوں یا مبتدی۔ توبہ مبتدی حرام سے بچنا توبہ متوسط لذات سے بچنا۔ توبہ منتہی ہر ماسوا اللہ سے دوری۔ توبہ ناقصین یہ ہے کہ کاملین کی محفلوں میں جائیں اور توبہ کاملین اہل معرفت کے قریب رہنا ہے اور توبہ عارفین بحر فنا میں ڈوبنا ہے جو بندہ رویۂ ذات قدیم کے بحر فنا میں ڈوبا اس نے ہی بقا پائی۔ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۔ ایمان کا پھل توبہ ہے توبہ کا نتیجہ کامیابی ہے اور کامیابی سے بچاؤ ہے۔ طالب مبتدی کی فلاح نار جہنم سے نجات ہے۔ طالب مبتدی کی فلاح نور جنت کا وصل ہے مقام اعلیٰ علیین میں قرب درجات کا حصول اور منتہی کی فلاح وجود مجازی کی فنا وجود حقیقی کی بقا اور ظلمات خلقی سے بچ کر نور خالق کی طرف رجوع کرنا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ اہل توبہ کو پسند فرماتا ہے۔ وہ بندہ ہی مومن ہے جس نے شرک جلی و خفی چھوڑ کر توبہ خالص کر لی۔ سچی توبہ کی چار نشانیاں ہیں۔ **اول** دل میں وسوسے نہ ہوں۔ **دوم** گناہ سے سینہ مومن تنگ ہو۔ **سوم** قلب مغموم ہو۔ **چہارم** روح نادم ہو۔ اسرار کی طرف رجوع کیفیۃ مبتدی ہے لیکن منتہی کے لیے یہ حجاب ہے اسی لیے بندگان معرفۃ قرب وقیام معارف وشواہد پا کر بھی توبہ توحید خالص کرتے رہتے ہیں کیونکہ یہ ابتدائی منزل ہے اور ابتدا کو انتہا سمجھ لینا بھی میدان معرفۃ کا شرک ہے۔ جس نے خود کو واصل سمجھا وہی لاحاصل ہے۔ نیکوں کی حسنات مقربین کی سیئات ہوتی ہیں۔

marfat.com

اگر اللہ تعالیٰ کسی بندے کو صفائی احوال وزکائی اعمال عطا فرمائے تو بندے کو چاہئے کہ اس زینت کو اغیار سے چھپائے وَلَا يَضْرِبْنَ بِاَرْجُلِهِنَّ اور پاکباز روحیں نہ ماریں اپنے وجود کے پیروں کو تکبر کی زمین پر ورنہ ان کی حسنات بھی سیئات بن جائیں گی۔ اسرار مخفی وہ کرامات ہیں جو بندہ عارف کو بلاعمل و بے تکلف حاصل ہوتی ہیں تو چاہئے کہ کسی پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ اللہ تعالیٰ عالم ملکوت سے ذات وصفات کے انوار ظاہر فرماتا ہے اے ارواح مومنات زبان اختیاری و پائے بے اعتباری سے اپنی اس زینت اسرار وخفیہ کو نامحرموں غیروں پر ظاہر نہ ہونے دو۔ اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا مگر جو زبان اضطراری اور پائے وجد و کیفیت سے خود ظاہر ہو جائے اس کی معافی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بندے کے بدن باطن میں بارہ ذی محرم راز لطائف ہیں۔ ان سے کسی قوت روحانی کا پردہ نہیں ہوسکتا۔ لطیفہ اول بُعُولتِ قلبی۔ دوم آباء روحانی سوم آباء جسمانی کی قوت اعمال۔ یعنی اعضاء ظاہری۔ چہارم افعال روحانی کے اَبنائے کارندہ۔ پنجم افکار قلبی کے ابناء فکریات۔ ششم اخوان عقلیات۔ ہفتم شعور باطنی کے ابناء اخوان۔ لطیفہ ہشتم۔ نیات صالحہ کے بنی اخوات۔ نہم حواس خفیہ کی پردہ نشین نساء۔ دہم قوت مَا مَلَكَتْ کے اقدام باطن۔ گیارہواں لطیفہ نفس لوامہ کے غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ۔ بارہواں لطیفہ ضمیر زندہ کے اطفال مسکین و بے توجہ۔ اس راہ بے رنگ میں مدعیان بے خبر بھی غَيْرِ اُولِي الْاِرْبَةِ۔ اور دین سے بے علم لوگ اطفال لَمْ يَظْهَرُوْا ہیں۔ ان بارہ لطائف کے بارہ مقام۔ **اول**۔ لطیفہ اول کا مقام قلب ہے۔ **دوم** کا مقام ناف۔ **سوم** کا مقام صدر یمین **چہارم** لطیفہ کا مقام صدر یسار (سینہ کا شمالی حصہ)۔ **پنجم** کا مقام دماغ۔ **ششم** کا مقام سر۔ مقام **ھفتم** شمالی کندھا۔ **آٹھواں** لطیفہ یمینی کندھا۔ **نواں** مقام داہنی آنکھ۔ **دسواں** لطیفہ بائیں آنکھ میں۔ **گیارھواں** دو کندھوں کے درمیان کی پشت۔ **بارھویں** لطیفے کا مقام پیشانی مومن۔ اے اسرار والو تربیت عجز کی نگاہیں نیچی رکھو اور فروج اعمال کو دوساس شیطان سے بچاؤ وادی طلب میں پیران کامل بُعُولِ روحانی ہیں اس کی قربت صحبت سے رحم خلوت میں اسرار کی ولادت ہوتی ہے۔ نسبت سلسلہ کے مشائخ آباء روحانی ہیں۔ مریدین منتہی اور دینی بھائی ابناء اخوان ہیں۔ راہ منزل کے مسافران شریک حالات بنی اخوات ہیں وادی سلوک کے ہمراہی نساء روحانیت ہے۔ اور ساتھی مملوکات مَا مَلَكَتْ ہیں جس نے اپنا بھید مخلوق کو بتایا اس نے پھر خالق تعالیٰ سے کچھ نہ پایا بلکہ پہلا بھی گنوایا جو رویہ مخلوق میں مقبول ہو وہ رویہ خالق تعالیٰ سے محروم ہے وہی قطرہ موتی بنتا ہے جو سیپی کے اندر جاتا ہے جس کو سیپی اغیار واشرار سے چھپا کر پردوں میں بیٹھ جاتی ہے جو عالم ہے وہی طالب ہے جو راز ذی الجلال کو چھپاتا ہے وہی پہلے کو بچاتا ہے اگلے کو پاتا ہے سرغیب کا مخزن وہی بنتا ہے جو اپنے ہونٹ سی لے۔ تیرے نام میں جو فنا ہوا وہ فنا سے نو کا عدد بنا (از حضرت حکیم الامت بدایونی) یا اللہ مجھے فانیین و باقیین میں سے بنا بچی توبہ کے پانچ عمل۔ ا۔ پسندیدہ کا ترک۔ ۲۔ عاجزی۔ ۳۔ تسلیم۔ ۴۔ رضا چار سعادتوں کا نام فلاح ہے۔ مشاہدات ربانی کا پانا۔ عذاب فرقت سے بچنا۔ استقامت کا حصول۔ معرفت کا وصول۔

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ

اور جلدی نکاح کردو تم پورے لائق نکاح دن والوں کا اپنی اولاد میں سے اور نیک لائق

marfat.com

اور نکاح کر دو اپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں

مِنْ عِبَادِكُمْ وَ اِمَآىٕكُمْ ؕ اِنْ یَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ

اپنے غلاموں اور اپنی لونڈیوں کا اگر ہوں یہ مالی لحاظ سے غریب

اور کنیزوں کا اگر وہ فقیر ہوں

یُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۳۲﴾

دولت مند کر دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور اللہ تعالیٰ ہی گنجائش دینے والا ہے جاننے والا ہے

تو اللہ انہیں غنی کر دے گا اپنے فضل کے سبب اور اللہ وسعت والا علم والا ہے

وَ لْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ نِكَاحًا

اور چاہئے کہ پاکدامن رہیں وہ لوگ جو نہیں پاتے نکاح کرنے کی مالی طاقت

اور چاہئے کہ بچے رہیں وہ جو نکاح کی مقدور نہیں رکھتے

حَتّٰى یُغْنِیَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ

یہاں تک کہ مالدار کر دے گا ان کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اور وہ غلام جو چاہتے ہیں مکاتب بننا

یہاں تک کہ اللہ مقدور والا کر دے اپنے فضل سے اور تمہارے ہاتھ کی ملک باندی غلاموں میں سے

مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ

ان غلاموں میں سے جو مکمل تمہارے ہاتھوں کی ملکیت ہیں تو فوراً انکو مکاتب بنا دو اگر سمجھتے ہو تم ان غلاموں میں آزادی قابلیت

جو یہ چاہیں کہ کچھ مال کمانے کی شرط پر انہیں آزادی لکھ دو تو لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو

وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ

اور امداد بھی دو اس مال سے جو اللہ نے تم کو دیا

اور اس پر ان کی مدد کرو اللہ کے مال سے جو تم کو دیا

وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ

اور نہ مجبور کرو اپنی لونڈیوں کو بدکاری پر اگر وہ پاکدامنی کا

اور مجبور نہ کرو اپنی کنیزوں کو بدکاری پر

marfat.com

تَحَصُّنًا لِّتَبۡتَغُوۡا عَرَضَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ؕ
ارادہ رکھیں جبکہ تم چاہتے ہو اس بدکاری سے دنیوی زندگی کا مال
جبکہ وہ بچنا چاہیں تاکہ تم دنیوی زندگی کا کچھ مال چاہو
وَمَنۡ يُّكۡرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنۡۢ بَعۡدِ اِكۡرَاهِهِنَّ
اور جو شخص مجبور کرے اپنی ان لونڈیوں کو تو بیشک ان لونڈیوں کی مجبورا بدکاری کے بعد بھی
اور جو انہیں مجبور کرے گا تو بیشک بعد اس کے کہ وہ مجبوری ہی کی حالت پر رہیں
غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ
اللہ ان کو بخشنے والا رحیم ہے اور البتہ نازل کیں ہم نے تم لوگوں کی طرف
بخشنے والا مہربان ہے اور بیشک ہم نے اتاریں تمہاری طرف
اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيۡنَ خَلَوۡا
روشن بیان کرنے والی آیتیں اور مثالیں ان لوگوں کی
روشن آیتیں اور کچھ ان لوگوں کا بیان
مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَمَوۡعِظَةً لِّلۡمُتَّقِيۡنَ ﴿۳۴﴾
گزرے تم سے پہلے اور بڑی نصیحت پرہیزگاروں کے لیے
جو تم سے پہلے گزرے اور ڈر والوں کے لیے نصیحت

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فحاشی بدمعاشی اور بہتان تراشی کو روکنے کے لیے تین قانون بتائے گئے۔ ۱۔ بلا اجازت کسی کے گھر میں مت جاؤ۔ ۲۔ نگاہیں نیچی رکھو۔ ۳۔ عورتیں اپنا مکمل پردہ کریں زینت و خوبصورتی چھپائیں۔ اب ان آیات میں فحاشی بدمعاشی تہمت بازی روکنے کا چوتھا قانون بتایا جا رہا ہے کہ اپنے بچوں کا نوکروں غلاموں کا جلدی نکاح کرو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا تھا کہ ایمان والو تم سب مرد و عورت امیر غریب آزاد غلام ہر وقت ہر گناہ سے مرنے تک سچی توبہ کرتے رہو تاکہ دین دنیا آخرت کی کامیابیاں حاصل کر لو۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ توبہ سچی و حقیقی یہ ہے کہ ہر حال میں بدکاری فحاشی سے بچو کنوارے رہ کر بھی شادی شدہ ہو کر بھی۔ نکاح کرنے کی طاقت ہو یا نہ ہو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں آزاد لوگوں کو توبہ کرنے کا حکم دیا

marfat.com

گیا کہ خبردار فحاشی نہ کرو نہ کرواؤ۔ اب ان آیات میں ان مجبور مسلمانوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن کو کوئی حاکم جابر ظالم مالک شخص جبراً بدکاری پر آمادہ کرے اور اپنی مجبور عورتوں سے بدکاری کا پیشہ کرائے مگر وہ مجبور و بے بس عورتیں اس کام سے نفرت کرتی ہوں لیکن ظالم مالک ان عورتوں کے ذریعے اپنا کاروبار چلاتا ہو فرمایا گیا کہ ان مجبور عورتوں کو بروز قیامت ایسے جبری گناہ پر پکڑا نہ جائے گا۔

شان نزول

ایک بار حضرت حویطب بن عبد العزیٰ انصاری صحابی کے ایک غلام صبیح صحابی نے اپنے مولیٰ حُویطب سے عرض کیا مجھے مکاتب کر دو اور مجھ سے میری قیمت کے پیسے لے لو حویطب نے انکار کر دیا اس مسلمان غلام نے آقا کائنات حضور اقدس ﷺ کی خدمت اقدس میں یہ بات عرض کی اور ادھر ایک واقعہ یہ بھی پیش آیا کہ مدینہ منورہ کا منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول جو قبیلہ اوس و خزرج کا سردار تھا اور علاقہ کا سیاست دان اس نے اپنی لونڈیوں کے ذریعے رنڈی بازار اور بدکاری کے اڈے چکلے کھولے ہوئے تھے۔ اہل عرب سرداروں کا یہ عام کاروبار تھا اس زناکاری کو عیب نہ سمجھا جاتا تھا بلکہ اس کاروبار پر فخر کیا جاتا تھا۔ ان رنڈی بازاروں سے دولت کمانے کے علاوہ سیاسی مفاد بھی حاصل کئے جاتے تھے یہ منافق اپنے سیاسی امراء دوستوں کو شب باشی کے لیے خوبصورت لونڈیاں پیش کیا کرتا تھا جس سے دولت کماتا سیاست چمکاتا ایک بار اس کی بہت خوبصورت لونڈی معاذہ نے صدیق اکبر سے عرض کیا کہ اب تو ہم مسلمان ہیں مگر میرا مولیٰ عبداللہ اب بھی مجھ سے بدکاری کراتا ہے حالانکہ وہ بھی مسلمان بن گیا ہے۔ میں سخت پریشان ہوں مجھے تو زناکاری سے پہلے بھی نفرت تھی اب تو اور بھی زیادہ نفرت ہے مجھے آپ بچائیں۔ صدیق اکبر نے یہ سب معاملہ بارگاہ رسالت میں عرض کیا۔ نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر سے فرمایا کہ اس لونڈی کو تم اپنے اہل خانہ میں پناہ دو۔ یہ بات جب اس منافق عبداللہ بن ابی ابن سلول کو معلوم ہوئی تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بہت شور مچایا۔ تب یہ بیکدم تین آیات نازل ہوئیں از آیت ۳۲ تا آیت ۳۴ اور ساتھ ہی ان تمام لونڈیوں کو آزادی ملی جن سے ان کے مالکان بدکاری کراتے تھے۔

تفسیر نحوی

وَاَنۡكِحُوا الۡاَيَامٰى مِنۡكُمۡ وَالصّٰلِحِيۡنَ مِنۡ عِبَادِكُمۡ وَاِمَآئِكُمۡ‌ؕ اِنۡ يَّكُوۡنُوۡا فُقَرَآءَ يُغۡنِهِمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۝ وَلۡيَسۡتَعۡفِفِ الَّذِيۡنَ لَا يَجِدُوۡنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغۡنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنۡ فَضۡلِهٖ‌ؕ ۔ واوَ ابتدائیہ۔ اَنۡكِحُوا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر۔ اس کا فاعل ہے اَنۡتُمۡ ضمیر مخاطب پوشیدہ۔ نَكۡحٌ سے بنا ہے مصدر ہے اِنۡكَاحٌ ترجمہ ہے عقد نکاح۔ الف لام حرفی استغراقی۔ اَيَامٰى اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اَيۡمیٌ۔ عام استعمال میں مخفف کر کے اَيۡمٌ یا اَيِّمٌ بولا جاتا ہے۔ بغیر خاوند والی عورت کو اَيۡمٌ یا اَيِّمٌ کہا جاتا ہے۔ کنواری ہو یا بیوہ یا مطلقہ۔ اصلاً و حقیقتاً عورت کے لیے یہ لفظ ہے مگر مجازاً و استعارۃً اور سمجھانے کے لیے بغیر بیوی والے مرد کو بھی اَيۡمیٰ یا اَيِّمٌ کہہ دیتے ہیں۔ یہاں اَيَامٰى مرد و عورت دونوں کے لیے فرمایا گیا ہے۔ یہ مفعول بہ ہے۔ مِنۡ حرف جر تبعیضیہ۔ معنی ہے میں سے۔ كُمۡ ضمیر جمع مذکر حاضر نفسی بمعنی اپنی یا اپنوں میں سے مراد ہے اپنی اولاد میں سے یہ ضمیر مجرور متصل معطوف علیہ واؤ عاطفہ الصّٰلِحِيۡنَ۔ اسم فاعل جمع مذکر۔ برائے غائب

marfat.com

باب فَتَحَ سے ہے اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مِنْ جارہ تبعیفیہ عِبَادِ اسم جمع مکسر ہے عَبْدٌ کی۔ لغوی ترجمہ ہے عبادت و پرستش کرنا۔ اصطلاح میں ہر قسم کی عاجزی کرنا عبدیت ہے یہاں مراد ہے زرخرید غلام مملوکہ بندے یہ مضاف کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِمَآءِ جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے اَمَةٌ۔ بمعنی لونڈی یعنی مملوکہ اور زرخرید عورتیں باندیاں یہ مرکب اضافی معطوف ہے عِبَادِکُمْ پر دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے صَالِحِیْنَ کا۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے مِنْکُمْ کی ضمیر کُمْ پر دونوں عطف مل کر مجرور متعلق ہے اَنْکِحُوا کا۔ یہ فعل با فاعل اپنے مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اِنْ حرف شرط۔ یَکُوْنُوْا۔ باب نَصَرَ سے مضارع مثبت معروف ناقصہ بحالت جزم ہے اِنْ شرطیہ نے جزم دیا۔ دراصل یَکُوْنُوْنَ تھا۔ آخر کی نون اعرابی جزم سے گر گئی۔ اس میں پوشیدہ ھُمْ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے جس کا مرجع اَلْاَیَامٰی ہے۔ فُقَرَآءَ۔ اسم جمع مبالغہ اس کا واحد ہے۔ فَقِیْرٌ صفت مشبہ۔ باب کَرُمَ سے۔ فَقْرٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کمر کی ہڈی یعنی ریڑھ ٹوٹنا۔ اصطلاح میں چار معنی ہیں۔ ۱۔ ضرورت کے مطابق بھی روزی و سامان زندگی نہ ہو بمعنی مسکین۔ ۲۔ صرف ضرورت کے مطابق روزی و سامان ہو زائد نہ ہو۔ یہاں یہی معنی مراد ہیں۔ ۳۔ حریص لالچی کبھی پیٹ نہ بھرے کتنی ہی دولت ہو۔ ۴۔ محتاج اِلَی اللہ۔ اس معنی میں پوری کائنات فقیر ہے۔
فُقَرَآءَ خبر ہے یَکُوْنُوْا کی یہ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ انشائیہ ہو کر شرط ہے۔ یُغْنِ۔ باب افعال کا مضارع مستقبل مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب غَنًی سے مشتق ہے یہ مادہ لازم ہے ترجمہ ہے دولت مند ہونا، محتاج نہ ہونا، حریص و لالچی بھی نہ ہونا۔ فَقْرٌ کی ضد و نقیض۔ اس کا مصدر ہے۔ اغناء۔ یہ متعدی بیک مفعول ہے ترجمہ ہے غنی کرنا، دولتمند بنانا۔ ھُمْ ضمیر ظاہر اس کا مفعول بہ جس کا مرجع ہے اَلْاَیَامٰی۔ اللہُ اس کا فاعل مِنْ جارہ فَضْلِہٖ مرکب اضافی ترجمہ ہے اپنے فضل سے مجرور ہے مِنْ سے یہ جار مجرور متعلق ہے یُغْنِ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر جزا ہے اِنْ یَکُوْنُوْا شرط کی یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ یُغْنِ دراصل یُغْنِیْ ہے۔ جزا کی وجہ سے شرط کے تابع ہوا۔ وہ مجزوم تو یہ بھی مجزوم ہوا۔ لہٰذا جزم سے آخر کی ی گر گئی۔ واؤ سر جملہ۔ اللہُ۔ مبتدا۔ وَاسِعٌ کا اسم فاعل واحد مذکر برائے غائب اسم صفاتی ہے اللہ تعالیٰ کا وُسْعٌ اور سِعَةٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے۔ کشادگی، فراخی، اور گنجائش دینے والا۔ یہ پہلی خبر ہے۔ عَلِیْمٌ خبر دوم ہے۔ اللہُ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ لِیَسْتَعْفِفِ باب استفعال کا فعل امر غائب معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِعْفَافٌ عَفَفٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے بچنا اپنے آپ کو بچائے رکھنا، دور رکھنا۔ اسی معنی میں پاکدامن عورت و مرد کو عَفِیْفَہ و عفیف کہتے ہیں اسی سے ہے عِفَّةٌ پاکدامنی، مُحْصِنٌ وَ مُحْصِنَہ اور عَفِیْفٌ وَ عَفِیْفَہ میں فرق یہ ہے کہ صرف فروج کی حفاظت احصان ہے اور ہر چھوٹے بڑے گناہ سے خود کو دور کرنا عِفَّةٌ ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔
لَا یَجِدُوْنَ باب ضَرَبَ کا مضارع حال منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب وَجْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پانا حاصل کرنا مراد ہے طاقت رکھنا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ نِکَاحًا۔ اسم حاصل مصدر بروزن فعال قتال باب مُفَاعَلَةٌ کا دوسرا مصدر پہلا مصدر مُنَاکَحَةٌ ہے۔ بمعنی شادی بیاہ رخصتی کرنا، یہ مفعول بہ ہے۔ حَتّٰی حرف جر۔ یُغْنِیَ۔ باب افعال کا مضارع مستقبل بحالت نصب اَنْ مصدر یہ ناصبہ مقدرہ کی وجہ سے۔ ھُمْ اس کا مفعول بہ اللہُ فاعل مِنْ فَضْلِہٖ

marfat.com

مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یُغْنِیَ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مجرور ہے حتیٰ سے یہ جار مجرور متعلق ہے لَا یَجِدُوْنَ کا۔ بعض نے کہا یہ متعلق ہے لِیَسْتَعْفِفِ کا مگر یہ غلط ہے۔ لَا یَجِدُوْنَ فعل فاعل مفعول بہ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ موصول صلہ مل کر فاعل ہے لِیَسْتَعْفِفِ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ وَ الَّذِیْنَ یَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِیْهِمْ خَیْرًا ۖۗ وَّ اٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِیْۤ اٰتٰىكُمْ ؕ وَ لَا تُكْرِهُوْا فَتَیٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ مَنْ یُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۳۳﴾۔ واوٗ ابتدائیہ اَلَّذِیْنَ اسم موصول۔ یَبْتَغُوْنَ۔ باب افتعال کا فعل مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِبْتِغَآءٌ۔ بَغْیٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے حد سے بڑھ کر کوشش کرنا۔ اگر اچھی ہو تو معنی ہے چاہنا تلاش کرنا اور اگر بری ہو تو معنی ہے سرکشی کرنا بغاوت کرنا۔ باب افتعال میں پہلے معنی ہوئے۔ باب. ضَرَبَ میں دوسرے معنی۔ الف لام عہد خارجی کِتَابَ۔ اسم حاصل مصدر معنی ہے مکاتب بننا۔ یہ مفعول بہ ہے مِمَّا اصل میں ہے مِنْ مَا۔ مِنْ حرف جر تبعیضیہ بمعنی میں سے۔ مَا موصولہ مَلَكَتْ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مونث غائب۔ اَیْمَانُ۔ اسم جمع مکسر ہے یَمِیْنٌ کی یُمْنٌ سے مشتق ہے صفت مشبہ برائے مبالغہ یعنی کثرت کے لیے۔ یُمن کا لغوی ترجمہ ہے مضبوطی، حُسن و خیر و برکت، حقیقی معنی ہے داہنا ہاتھ۔ مجازاً قسم، حلف اور مضبوط وعدے کے لیے ہے چونکہ قسم و حلف اور وعدے کے وقت لوگ ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہیں اس لیے عاریۃً یہ لفظ قسم کے لیے بھی لیا گیا یہاں اَیْمَانُ حقیقی معنی میں ہے یعنی داہنے ہاتھ مراد ہے مضبوط قبضہ و مکمل ملکیت۔ اَیْمَانُكُمْ مرکب اضافی فاعل ہے مَلَكَتْ کا یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَا کا۔ دونوں مل کر مجرور متعلق ہے یَبْتَغُوْنَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ۔ فَكَاتِبُوْ۔ ف عاطفہ جزائیہ كَاتِبُوْ باب مُفَاعَلَةٌ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ كَتْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے مکاتب بنانا، اس کا فاعل ضمیر صیغہ، هُمْ مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزاء مقدم ہے۔ اِنْ حرف شرط عَلِمْتُمْ۔ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق با فاعل ضمیر صیغہ اَنْتُمْ جمع مذکر حاضر۔ فِیْهِمْ یہ جار مجرور متعلق ہے عَلِمْتُمْ کا خَیْرًا اسم حاصل مصدر نکرہ بمعنی بھلائی، شر کی ضد و نقیض۔ یہ مفعول بہ ہے۔ عَلِمْتُمْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط موخر ہے فَكَاتِبُوْ کے جملے کی۔ دونوں شرط و جزا مل کر معطوف علیہ واوٗ عاطفہ۔ اٰتُوْ۔ باب افعال کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اَتْیٌ۔ بمعنی آنا لازم ہے جب باب افعال میں ہوگا تو متعدی ہے اگر اس کے بعد بَ جارہ ہے تو متعدی بیک مفعول ہوتا ہے ترجمہ ہے لانا۔ اگر اس کے بعد مِنْ جارہ ہو تو متعدی بدو مفعول ہوتا ہے اور ترجمہ ہوگا دینا۔ یہاں اسی معنی میں ہے اٰتُوْ فعل با فاعل هُمْ اس کا مفعول بہ اول۔ مِنْ جارہ تبعیضیہ۔ بمعنی میں سے کچھ مال مضاف اللّٰهِ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ اَلَّذِیْ۔ اسم موصول اٰتٰی۔ باب افعال کا ماضی مطلق مصدر ہے اِیْتَانٌ اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُوَ پوشیدہ جس کا مرجع اللّٰه كُمْ ضمیر مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے یہ موصول صلہ مل کر صفت ہے مَالِ اللّٰهِ کی وہ مرکب توصیفی مجرور ہے۔ جار مجرور متعلق بمعنی مفعول بہ دوم اٰتُوْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے كَاتِبُوْ کے جملے شرطیہ پر۔ وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے وَالَّذِیْنَ پر۔ دونوں عطف

marfat.com

مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ لَا تُكْرِهُوْا۔ باب افعال کا فعل نہی حاضر معروف صیغہ جمع مذکر۔ مصدر ہے اِكْرَاهٌ، كَرْهٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے مجبور کرنا، ناپسند کرنا و ہونا، فَتَيَاتِ۔ اسم جمع مونث سالم۔ اس کا واحد مونث ہے فَتَيَةٌ اس کا واحد مذکر ہے فَتٰى جمع مذکر فِتْيَانٌ۔ ترجمہ ہے جوان لڑکیاں۔ فَتَيٰتِكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَا تُكْرِهُوْا کا۔ عَلٰى جارہ فوقیت کا۔ بمعنی پر بِغَاءِ اسم مصدر بروزن ہے قِتَالٌ۔ ترجمہ ہے سرکشی، بغاوت، بے غیرتی، بدکاری، یہاں اسی معنی میں ہے۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ لَا تُكْرِهُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر علت ہے یا سبب۔ لِتَبْتَغُوْا۔ لام تاکید یہ برائے علت۔ تَبْتَغُوْا۔ باب افتعال کا مضارع استمراری۔ ترجمہ ہے۔ تاکہ چاہتے رہو۔ پاتے رہو۔ عَرَضَ۔ اسم معرفہ بمعنی سامان، مراد ہے دولت، الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا۔ یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے عَرَضَ کا وہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لِتَبْتَغُوْا کا وہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معلول ہے لَا تُكْرِهُوْا کا۔ وہ علت معلول مل کر جزاء مقدم۔ اِنْ شرطیہ اَرَدْنَ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مونث غائب اس کا مصدر ہے اِرَادَةٌ اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُنَّ پوشیدہ۔ تَحَصُّنًا باب تفعل کا مصدر۔ ترجمہ ہے پاکدامن رہنا یہ مفعول بہ ہے اَرَدْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے لَا تُكْرِهُوْا جزاء مقدم کی یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾۔ واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصول شرطیہ برائے اہل عقل۔ معنی ہے جو شخص۔ يُكْرِهْ باب افعال کا مضارع مثبت معروف دراصل يُكْرِهُ۔ ضمہ سے مَنْ نے جزم دیا۔ اس کا مصدر ہے اِكْرَاهٌ ترجمہ ہے۔ مجبور کرنا اصلی مادہ كُرْهٌ ہے ناپسند کرنا۔ اس سے ہے مکروہ تحریمی و تنزیہی بمعنی شرعی ناپسندیدہ۔ اس کا فاعل ہے هُوَ پوشیدہ اس کا مرجع ہے مَنْ هُنَّ ضمیر مفعول بہ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا دونوں موصول صلہ مل کر شرط ہے فَ جزائیہ اِنَّ حرف مشبہ۔ اللّٰهَ اس کا اسم مِنْ جارہ بیانیہ بَعْدِ۔ اسم ظرفیہ مکانیہ کا مضاف ہے۔ اِكْرَاهِ افعال کا مصدر مضاف ہے هِنَّ مضاف الیہ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہے مِنْ سے۔ یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے غَفُوْرٌ صفت مشبہ بروزن فعولٌ ترجمہ ہے بہت ہی بخشنے والا۔ یہ خبر اول ہے اِنَّ کی۔ رَّحِيْمٌ بھی صفت مشبہ ہے باب کَرُمَ کی ترجمہ ہے بہت ہی زیادہ رحم فرمانے والا۔ ان دونوں کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ نہی کا متعلق مقدم ہے یہ سب اِنَّ کی خبر دوم اِنَّ اپنے اسم اور خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ يُّكْرِهْ شرط کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾۔ واؤ سر جملہ لام گی تاکید یہ۔ قَدْ اَنْزَلْنَا ماضی قریب مثبت معروف جمع متکلم۔ باب افعال سے اس کا مصدر ہے اِنْزَالٌ۔ مادہ نُزُلٌ ہے بمعنی اتارنا، اترنا۔ الیکم یہ جار مجرور متعلق ہے قَدْ اَنْزَلْنَآ کا۔ ایٰۃ مبینۃ۔ یہ دونوں اسم۔ جمع مونث سالم موصوف صفت مرکب توصیفی معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ۔ مثلا اسم مصدر تشبیہی۔ مِنْ حرف جر برائے مفعولیت۔ الَّذِيْنَ اسم موصول۔ خلوا باب نصر کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع مذکر غائب خَلْدٌ یا خَلُوٌّ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے خالی، گزر جانا۔ اس کا فاعل هم ضمیر صیغہ اس کا مرجع الَّذِيْنَ۔ مِنْ جارہ قَبْلِكُمْ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے خَلَوْا کا یہ فعل فاعل و متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے الَّذِيْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مجرور ہے مِنْ سے یہ جار مجرور متعلق ہے مَثَلًا مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف علیہ ہے۔ واؤ عاطفہ۔ مَوْعِظَةً باب ضَرَبَ کا مصدر میمی۔ وعد سے بنا ہے

marfat.com

ترجمہ ہے نصیحت لینا اور کرنا۔ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ۔لام جارہ نفع کا۔ مُتَّقِيْنَ۔ باب افتعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِتِّقَاءٌ وَقْيٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے بچنا، ڈرنا، پرہیزگار رہنا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے مَوْعِظَةً مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے مَثَلًا کے شبہ جملے پر۔ دونوں عطف مل کر معطوف ہے اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ مرکب توصیفی پر۔ یہ دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے قَدْ اَنْزَلْنَآ کا۔ وہ فعل با فاعل مفعول بہ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ ؕ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۲﴾ ۔اے لوگو اپنی جوان اَيِّمٌ اولاد کی شادی نکاح کر دو۔ اَيِّمٌ وہ عورت مرد ہیں جو بغیر ازدواجی ساتھی کے ہوں۔ خواہ کنوارے ہوں یا طلاق والے یا وفات والے (رنڈوے) ہوں یعنی عورت کا خاوند اور مرد کی بیوی نہ ہو۔ خاوند کی نااہلی کی وجہ سے نکاح فسخ ہو چکا ہو۔ خاوند کی نااہلی کی چار صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ۱۔ خاوند حقیقتاً غریب وقلاش ہو بیوی کا خرچہ نہ دے سکے۔ ۲۔ یا خاوند ظالم متعنت ہو کہ نہ آباد کرے نہ خرچہ دے نہ طلاق دے نہ خلع کرے۔ ۳۔ خاوند دائمی پاگل ہو چکا ہو۔ ۴۔ خاوند برسوں سے لاپتہ ہو اور بیوی کی خانہ بربادی خطرہ گناہگاری ہو۔ ان سب صورتوں میں یہ عورت اَيِّمٌ کہلائے گی اس کی جمع اَيَامٰى۔ اور اے لونڈی غلام رکھنے والو تم کو بھی شریعت کا یہ حکم ہے کہ اپنی مملوک و مملوکہ کا جلدی نکاح کر دو جبکہ صالحین نکاح ہو جائیں یعنی نکاح کی صلاحیت رکھنے والے نوجوان۔ یا اپنے ہی لونڈی غلام کا آپس میں یا دوسروں کی لونڈی غلام سے یا آزاد مرد و عورت سے جیسا بھی قابل صلاحیت رشتہ ملے۔ یہ نکاح فحاشی بدکاری کو روکنے کا بہترین طریقہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زنا و بہتان اور ان کی سزاؤں کے ذکر کے بعد ہر قسم کی برائیوں کو روکنے کے لیے آٹھ قانون بیان فرمائے۔ ۱۔ پردہ نشینی۔ ۲۔ ستر پوشی۔ ۳۔ داخلے کی اجازت لینا۔ ۴۔ نگاہیں نیچی رکھنا۔ ۵۔ شرمگاہوں کی حفاظت۔ ۶۔ ہر وقت توبہ و استغفار کرتے رہنا۔ ۷۔ روزہ نماز و خوف الٰہی۔ ۸۔ اور شرعی نکاح سے خانہ آبادی کے ذریعے اپنی عفت و احصان پاکدامنی ایمان کو ہمت و توفیق سے قائم رکھنا۔ فرمودات نبوی کی روشنی میں نکاح کی تقریباً سات قسمیں ہیں اول نکاح فرض۔ ہر اس مرد پر نکاح کرنا فرض ہے جس میں دو صلاحیتیں ہوں یعنی حقوق بیوی پورے کرنے کی صلاحیت مردمی اور بیوی کا نان نفقہ مہر ادا کرنے کی سہولت بیوی سے عدل و محبت کا جذبہ۔ بدکاری کا اندیشہ ہو تب نکاح کرنا فرض ہے۔ دوم نکاح واجب۔ سوم نکاح سنت۔ چہارم نکاح مستحب۔ پنجم نکاح جائز۔ ششم نکاح مکروہ۔ ہفتم نکاح حرام۔ مرد کی کیفیات جیسی بدلتی جائیں گی اسی طرح نکاح کا حکم بدلتا جائے گا۔ یہ سات قسم کے نکاح سات قسم کی حالتوں میں ہیں احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں۔ پہلی حدیث ترمذی ابن ماجہ بروایت سمرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے کہ تبتل یعنی بے نکاح رہنا سخت منع۔ حدیث دوم مسند احمد نے بروایت حضرت عکاف فرمان نبوی نقل فرمایا کہ اگر مرد ہر طرح صلاحیت نکاح رکھتا ہو اور پھر بھی نکاح نہ کرے تو وہ شیطان کا ساتھی ہے۔ حدیث سوم مشکوٰۃ میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے کہ نکاح میری سنت ہے بے نکاح رہنے والے مرد اشرار ہیں ان کی موت بھی ذلت کی۔ حدیث چہارم مسند احمد۔ ابو داؤد۔ نسائی میں بروایت حضرت انس ہے کہ آقا ﷺ نے بائت کا بار بار حکم فرمایا۔ تبتل سے سخت منع فرمایا۔ اور فرمایا بائت نصف ایمان ہے تبتل راہ شیطان ہے۔ بائت بمعنی

marfat.com

نکاح کرنا۔ تبتل بمعنی نکاح نہ کرنا۔ حدیث پنجم فرمایا آقا ﷺ نے کہا محبت اور اولا د والی بیویوں سے نکاح کرو۔ کچھ مشائخ احناف نے نکاح کو فرض عین فرمایا کچھ نے فرض کفایہ کسی نے واجب عین کسی نے واجب کفایہ فرمایا۔ یہ تفریق مردمی کیفیت کے اعتبار سے ہے۔ یہاں فرض عین واجب عین کا معنی یہ ہے کہ ساری عمر خاوند بیوی ساتھ ساتھ رہیں۔ اس آیت پاک میں اسی حکم کا ذکر ہے اور فرض کفایہ واجب کفایہ کا معنی یہ ہے کہ بس عمر میں ایک بار نکاح وصحبت حلال کر لی جائے تو باقی عمر اَیامیٰ رہنا بھی جائز ہے۔ حدیث ششم بخاری مسلم نے بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود فرمان نبوی نقل فرمایا۔ کہ اے جوانوں کے گروہ تم میں جو طاقت نکاح رکھتے ہیں وہ نکاح کریں جو نہیں رکھتے یعنی غریب ہیں وہ روزے رکھا کریں کیونکہ روزے اور کم خوری کی عادت خواہش شہوانی کو توڑتی ہے اس حدیث مقدس سے نکاح کی استحبابیت ثابت ہوئی۔ پہلی احادیث سے فرضیت اور وجوب وسنت ہونا ثابت ہوا۔ حدیث ہفتم ترمذی میں بروایت ابوایوب انصاری ہے کہ چار کام سنت انبیاء علیہم السلام ہیں۔ حیاداری، مسواک کرنا، عطر لگانا، نکاح کرنا۔ حدیث ہشتم ابن ماجہ میں فرمان نبوی ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ کو بروز قیامت طاہر ومطہر ہو کر ملنا چاہتا ہے وہ نکاح والا رہے تاعمر۔ فقہاء احناف فرماتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی سنت عادت کی اتباع بھی واجب ہے اور سنت عبادت کی بھی اے مسلمانو رشتہ نکاح کے وقت اولاد یا داماد کی فقیری غریبی دیکھ کر رشتے کو رد نہ کرنا۔ بلکہ جب دینی ایمانی ہم عقیدہ نیک صالح متقی حسبی نسبی کفو والا رشتہ مل جائے اور دوطرفہ ایک دوسرے کے عادات و اخلاق سے راضی خوش ہو تو فوراً رشتہ منظور نکاح قبول کر کے نکاح کر دیا کرو۔ خاوندوں کی غربت فقیری میں اللہ تعالیٰ مسبب الاسباب ہے۔ غنی فرمادے گا نئے خاندان والوں کو اپنے فضل وکرم قدرت وحکمت سے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو ہر طرح بہت وسیع وکثیر بابرکت وبارحمت بنانے والا ہے اور ہر شخص کی ضرورت کو ہر چیز کی حکمۃ کو جاننے والا ہے۔ اے مسلمانو خاندان بنانے رشتے لگوانے میں صرف خاندانی شرافت، جسمانی صحت دینی جہت نسلی نسبیت ہی دیکھا کرو۔ مالی حالی غریبی کو مقدم نہ رکھا کرو اس کا کوئی بھروسہ نہیں کیونکہ رب تعالیٰ ہی کفیل ہے خاوند بیوی وغیرہ کے رزق وضروریات کا اور وہی قناعت بھی عطا فرماتا ہے فراغت بھی وسعت بھی اس لیے توکل علی اللہ کیا کرو۔ اگر تم نے نیکی وشرافت کو نہ دیکھا اور بوجہ غربت وقتی رشتہ ٹھکرا دیا تو لڑکیاں کنواری رہیں گی جس سے خاندانوں میں فتنہ اور زمین میں فساد اولاد میں نافرمانی آوارگی غالب آجائے گی۔ اس آیت کریمہ میں بلاامتیاز آزاد وغلام ایسا رحیمانہ کریمانہ حقوق انسانیت کا فراخدلانہ قانون بنایا گیا ہے جس کی مثال اسلام کے سوا پوری تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی۔ یہود ونصاریٰ اور یورپی قوموں نے غریبوں غلاموں پر جو ظلم جاری رکھے اوراق تاریخ اس سے سیاہ ہیں۔ حقوق انسانی تو درکنار ان ظالم کفار نے تو غلاموں کو جانوروں جیسے بھی حقوق نہ دیئے تھے آج یہ اپنی شرافت کا جھوٹا ڈھنڈورا پیٹتے پھرتے ہیں۔ اسلام ہی وہ دین رحیم وفضل کریم ہے جس نے نہ رنگ ونسل کا امتیاز برتا نہ غلامیت و آزادی کا۔ اس آیت میں والیوں اور مولاؤں کے لیے ایک حکم جاری فرمایا گیا کہ والیان اپنی اولاد کی خانہ آبادی کریں اور مولیٰ اپنے غلاموں کا ہر طرح ہر وقت خیال رکھیں۔ اب اگلی آیت میں بے والدین، خود مختار لوگوں کے لیے قانون بیان فرمایا جارہا ہے۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحًا حَتّٰى يُغْنِيَهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ اور وہ مسلمان جو نکاح کے لیے اپنے مالی حالات درست نہ پائیں کہ بوجہ غریب فی الحال نہ مہر دے سکیں نہ بیوی کا نان نفقہ نہ فی الحال روزگار ہو نہ نوکری، نہ قوی

marfat.com

برادری کا سہارا نہ وراثت کی امید، حقوق زوجیت کا بھی خوف ہو اور عزت و پاکدامنی بچانے کا بھی شوق تو وہ متقی لوگ صبر و ہمت سے کام لیتے ہوئے ذکر اللہ صوم و صلوٰۃ کم خوری مجالس نوری میں خود کو مشغول رکھ کر اپنی عفت بچائے رکھیں اور وعدہ نبوی سے درجوں ثواب پائیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ غنی فرمادے ان کو اپنے فضل عطا کر کے اور کثیر اسباب مہیا فرمادے اور قدرت غیبی سے ایسا وسیع رزق عطا کرے جو زوجین کے علاوہ اگلی نسل کو بھی کافی ہو۔ دین کا یہ ایسا پاکیزہ درس ہے جس کو اختیار کر کے ایک عام مومن بھی پاکیزگی میں عام فرشتوں سے افضل ہو جائے۔ اس طریقے سے مسلمان ہزاروں گناہوں سے بچ جاتا ہے۔ یہ رہبانیۃ نہیں بلکہ قوت ایمانیت کا مظاہرہ اور طبیعۃ کاملہ کا محاسبہ ہے۔ وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰىكُمْ ۔ اور اے مسلمانو اسلام کا یہ ہمدردانہ، رحمدلانہ قانون بھی یاد رکھو کہ تمہارے لونڈی غلاموں میں سے جو مکاتب بننا چاہیں تو تم اگر ان کو قابل آزادی لائق کتابت سمجھو کہ کتابت کے بعد بھی انہیں اچھے چال چلن کی خیر محسوس کرو تو ان کو طے شدہ مال پر مکاتب بنادو۔ اور ان غلاموں پر رحم و آسانی کرنے کے لیے اپنے اس مال سے مالی امداد بھی کرو جو اللہ تعالیٰ نے تم کو دیا ہے۔ زکوٰۃ، صدقات، عطیات کر کے۔ یہ اسلام کا خصوصی احسان ہے غلامیۃ پر اسلام کے علاوہ کسی بھی معاشرے میں آزادی غلام کا تصور بھی نہیں ملتا (از تفسیر معانی) دیگر لوگوں میں کسی غلام کے غلامیت سے نکلنے کے بس چار ہی طریقے تھے۔ ۱۔ تجارت سے۔ ۲۔ وراثت سے۔ ۳۔ مملوک کے ہبہ سے۔ ۴۔ یا کسی کا دل چاہتا تو غلام کو آزاد کر دیتا، آزادی غلام کا قانون صرف اسلام نے عطا فرمایا۔ اسلام نے چار طریقے سے غلاموں کو آزادی دلوائی۔ ہر غلطی کے کفارے میں۔ ۱۔ آزادی غلام۔ ۲۔ ام ولد بنا کر۔ ۳۔ مکاتب بنا کر۔ ۴۔ وصیت کر کے۔ پہلے زمانوں میں غلاموں کی شادی کا کوئی رواج یا حق نہ تھا۔ پانچویں صورت فرمان نبوی میں بلا عوض بغرض ثواب غلام آزاد کرنا۔ اس کی دو صورتیں ہوتیں۔ ۱۔ اپنا مملوک آزاد کر دیں۔ ۲۔ یا کسی سے خرید کر آزاد کر دیں یا کسی مالک سے کہہ دیا جائے کہ فلاں غلام کو میری طرف آزاد کر دے اور اس کی قیمت مجھ سے لے لے یا بعد میں لے لینا۔ کتابت غلام کا لفظ لوگوں نے پہلی مرتبہ زبان نبوت سے سنا۔ دنیا میں پہلے مکاتب حضرت عبد اللہ بن صبیح ہیں یہ غلام تھے حضرت حویطب بن عبد العزیٰ کے۔ مال کتابت سو دینار مقرر ہوئے کہ کمائی کر کے اپنے مولیٰ کو دیں۔ جس دن پورے ہو جائیں گے۔ اس دن سے آزاد۔ جب اسی دینار ادا کر چکے تو بیس دینار حضرت حویطب نے معاف کر دیے یا ہبہ کر کے وصول کیے۔ عبد اللہ بن صبیح غزوہ حنین میں شہید ہوئے انہوں نے اپنے تمام جہادوں میں تقریباً ایک سو چالیس کافر قتل کیے۔ ایک قول میں پہلا مکاتب ابو اُمیۃ کو کہا گیا یہ فاروق اعظم کے غلام تھے۔ (از تفسیر معانی یہی آیت صفحہ ۱۵۲)

کتابت کے قوانین

اول مولیٰ پر مستحب ہے غلام یا لونڈی کو مکاتب بنانا اگر غلام یا لونڈی خواہش کریں تو بعض علماء فَكَاتِبُوْهُمْ کے امر سے وجوب ثابت کرتے ہیں مگر یہ دلیل اس لیے کمزور ہے کہ آگے ارشاد ہے۔ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۔ اس شرط نے امر کو استحبابی بنا دیا۔ دوم مکاتب بنانا خرید فروخت کی طرف عقدی معاہدہ ہے اس میں تین باتیں ضروری ہیں۔ ۱۔ غلام کہے کہ مجھے مکاتب بنا

marfat.com

دو۔ ۲۔مولیٰ کہے کہ مجھے اتنامال دے دے تو میں تجھ کو مکاتب بنادوں گا۔ ۳۔پھر غلام کہے مجھے اتنا مال دینا قبول ہے اس معاہدے کے بعد وہ غلام مولیٰ کی خدمت گذاری سے نکل جائے گا اور اپنی محنت مزدوری کر کے اولاً اپنے اخراجات علیحدہ کر کے باقی رقم تھوڑی تھوڑی کر کے اپنے پاس یا مولیٰ کے پاس جمع کرتا جائے۔ مگر غلامیت سے اس وقت تک نہیں نکل سکتا جب تک مال کتابت پورا ادا نہ ہو جائے۔ ۴۔مجنون اور بچے اور معذور اور کافر غلام کو مکاتب بنانا جائز نہیں۔اس لیے کہ مجنون معذور و بچے معاہدہ کتابت کا مال مہیا نہیں کر سکتے بلکہ ان کو آزاد کر دینا بھی گناہ ہے کیونکہ وہ بے سہارا ہو کر مصیبت میں پڑ جائیں گے اور کافر آزاد ہو کر مسلمانوں کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے۔ ۵۔کتابت میں چار چیزیں معین کرنا ضروری ہیں۔ اولاً کتابت کا مال۔ دوم مال دینے کی آخری مدت۔سوم ادائیگی مال کا طریقہ کہ قسط وار یا یکمشت۔ چہارم اگر قسط سے ادائیگی ہو تو قسط کتنی ہوگی۔ ۶۔اس معاہدے کے بعد غلام کی ذمہ داری کمائی کرنا ہے خواہ محنت مزدوری کرے یا تجارت کرے یا قرض حسنہ لے یا زکوٰتیں مانگے یا تحفے ہدیئے عطیے مسلمانوں دوستوں سے جمع کر کے مولیٰ کو دیتا رہے۔ ۷۔اس معاہدے کو نبھانا مولیٰ پر واجب ہے اب معاہدہ توڑ نہیں سکتا ہاں البتہ غلام اپنی ادائیگی مال سے عاجزی ظاہر کر کے معاہدہ توڑ سکتا ہے اس طرح وہ پھر غلامیہ کی خدمت گزاری میں داخل ہو جائے گا۔ لیکن اگر غلام بلا عذر ادائیگی نہ کرے یا محنت مزدوری سے جی چرائے تو معاہدہ فسخ نہیں ہو سکتا اور قانون غلام پر جبر کر کے معاہدہ کرائے گا۔ ۸۔مکاتب کی بیع ناجائز ہے البتہ دیگر طریقے سے مولیٰ بلا عوض آزاد کر سکتا ہے کفارے وغیرہ میں اس طرح آزادی سے مال کتابت ختم اور جو قسطیں مولیٰ لے چکا ہے وہ واپس کرنی واجب۔ ۹۔غلام اگر مزید مہلت مانگے تو باہمی رضامندی سے مہلت دینا لازمی ہے لیکن مہلت صرف ایک بار ہوگی اگر پھر بھی ادائیگی نہ کی گئی تو مولیٰ غلام سے معاہدہ فسخ کرائے یا عدالت میں جا سکتا ہے پھر جو بھی عدالت فیصلہ کرے۔ ۱۰۔کتابت کا عوض مولیٰ کے لیے ہر طرح لینا برتنا جائز ہے۔خواہ غلام کے ہاتھ سے ملے یا کسی دوسرے شخص کے ہاتھ سے زکوٰۃ ہو یا صدقہ خیرات دینے والا یہ کہے کہ یہ فلاں غلام کی کتابت کا عوض ہے۔ مولیٰ اگرچہ امیر ہو یا سید ہاشمی ہو۔ کیونکہ مولیٰ کے لیے وہ مال عوض بن کر آیا۔ ۱۱۔اگر دوران ادائیگی غلام مر گیا اور اس نے کچھ مال چھوڑا تو غلام آزاد تصور کیا جائے گا اور اس کا مال ترکہ اس طرح خرچ کیا جائے گا کہ پہلے کفن دفن کا خرچہ۔ پھر مولیٰ کو ادائیگی بقیہ۔ پھر اس کے آزاد وارثین کو ورنہ بقیہ بیت المال میں۔ ۱۲۔اِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا کا معنی یہ ہے کہ معاہدہ کتابت سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ غلام یا لونڈی مال کتابت شریفانہ طریقے سے ادا کر کے بھی باقی زندگی شریفانہ محنت مزدوری سے ادا کر سکیں گے یا نہیں۔ کہیں چور، ڈاکو، بھکاری، جواری تو نہ بن جائیں گے یا لونڈی فاحشہ، زانیہ طوائف تو نہ بن جائے گی اگر یہ خطرات ہوں تو مکاتب بنانا ناجائز ہے اور برائیوں سے بچانے کے لیے امراء علاقہ کا امدادی تعاون بھی ضروری ہے وَّاٰتُوْهُمْ کے فرمان میں اسی امدادی اخلاقی تعاون کا حکم دیا جا رہا ہے اس تعاون میں خود مولیٰ بھی شامل ہے کہ وہ کم از کم آخری قسط ہی معاف کر دے۔ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۭ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۳۳ ۔اور اے دنیا بھر کے تاقیامت مسلمانو خوب گوش ہوش سے سن لو کہ سب پر زنا کاری کنجر بازی چکلہ سازی حرام کر دی گئی ہے لہٰذا اپنی لونڈیوں، مصنوعی بیٹیوں، کرائے کی عورتوں، اغوا کی لڑکیوں کو بہلانے پھسلانے کے ذریعوں سے

marfat.com

زنا کاری پر مجبور نہ کرو جبکہ وہ جوان بچیاں خود بھی پاکدامن رہنا چاہتی ہوں۔ مگر تم بدکردار لوگ محض دنیوی دولت کمانے کی خاطر لالچی بن کر اپنی لونڈیوں بچیوں کو مار پیٹ کر بدکاری پر مجبور کرتے ہو اور جو بدبخت نیک پاک اور بدکاری سے نفرت کرنے والی لڑکیوں کو جبراً بدکاری پر مجبور کرے گا تو اس جبر کا عذاب مجبور کرنے والے پر ہوگا اور بے بس مجبور عورت کے لیے مجبوری سے زنا کرا لینے کے بعد بھی اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے۔ یعنی اس فعل حرام کا گناہ ختم نہ ہوگا بلکہ مجبور سے جابر کی طرف منتقل ہو جائے گا شریعت میں ہر حرام و حلال کے عذاب و ثواب کا یہی حکم ہے۔ آج یہ بدکاری کا کاروبار جبری وغیرہ جبری طوائفوں اور ان کے ٹھیکیداروں کے پاس ہے اسی بدکاری کے لیے لڑکیاں اغوا اور فروخت کی جاتی ہیں اور اصلی و نقلی بیٹیاں بنائی جاتی ہیں اور چکلہ سازی کے لیے جواز متعہ کے بہانے تراشے جاتے ہیں۔ پہلے زمانوں میں امراء لونڈیاں خرید کر اس فعل خبیثانہ کے لیے بازار حسن سجاتے تھے تجارتیں چمکاتے اور دو طرح دولت کماتے زانی سے زنا کی اجرت لیتے مزنیہ سے اولاد لیتے اور غلام و لونڈی بنا کر بیچتے۔ مدینہ منورہ میں دیگر کفار کے علاوہ عبداللہ بن ابی ابن سلول یہودی نے بھی بہت زمانے سے یہی تجارتیں شروع کر رکھی تھیں۔ ہجرت نبوی کے وقت اس کے پاس چھ خوبصورت لونڈیاں تھیں۔ جن کے نام۔ ۱۔ مُعاذَہ۔ ۲۔ مُسَیکہ۔ ۳۔ اُمَیمہ۔ ۴۔ عُمرَہ۔ ۵۔ اَرْوٰی۔ ۶۔ قُتَیلہ تھا۔ بعد ہجرت ابن ابی یہودی منافقانہ مسلمان بنا۔ اس کی یہ لونڈیاں مخلص مسلمان بن گئیں ان کو معلوم تھا کہ اسلام میں زنا حرام و خبیث ہے۔ مگر ابن ابی جبراً اب بھی ان سے یہ بدکاری کراتا دولت بناتا جب یہ کہتیں کہ اب ہم مسلمان ہیں ہم بدکاری نہ کریں گی تو ان کو مارتا۔ ایک دن معاذہ و مسیکہ نے صدیق اکبر کو رو رو کر یہ نفرت و ظلم سنایا۔ تب صدیق اکبر نے آقا ﷺ سے ذکر کیا اس وقت یہ تین آیتیں نازل ہوئیں اور آقا ﷺ نے فرمایا تم ان دونوں لونڈیوں کو اپنی حفاظت میں لے لو۔ جس پر یہ منافق یہودی بہت چیخا اور معاذ اللہ اسلام کو ظالم کہنے لگا کہ اسلام تو ہماری مملوکات و تجارات و دولت پر بھی قبضہ کرنا چاہتا ہے۔ ایک انصاری صحابی نے یہ بکواس سن کر اس کو دھمکایا تب وہ چپ ہوا اس طرح مدینہ منورہ سے اس قسم کی تمام کفار کی بدکاریاں ختم کر دی گئیں۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ رحمۃ الٰہی کا مرتبہ مغفرت الٰہی سے اعلیٰ ہے۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ اور البتہ نازل فرمائیں ہم نے تم تمام کی طرف قرآن مجید میں ایسی مُبَیِّنْ آیتیں جو خود بھی روشن اور سارے اسلام و اسلامیات کو روشن و ظاہر بیان فرمانے والی ہیں۔ حلال و حرام جائز و ناجائز امر و نہی فرض و واجب و مکروہ ممنوع کے قانون و قواعد مسائل شرعیہ بھی دلائل نظریہ بھی۔ دنیا کی سہولیات بھی آخرت کی قبولیات بھی اور نازل فرمائیں ہم نے گذشتہ امتوں کے حالات و واقعات کی مثالیں اور عقوبات کی عبرتیں۔ ثوابات کی نعمتیں متقین کے لیے کیونکہ وہی وعظ سننے والے نصیحت پکڑنے والے ہیں اس لیے صرف وہی ان آیۃ سے فائدہ پاتے ہیں فساق و کفار کو کچھ فائدہ نہیں اس لیے کہ فساق کی عقلوں پر پردے اور کفار کے دلوں پر مہریں ہیں۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

اَنْكِحُوا کے شرعی درجہ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ حکم استحبابی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ حکم وجوبی ہے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ عمل صحابی سے خلاف بھی ثابت کہ بہت سے اَیَامیٰ تاعمر بے نکاح رہے اگر یہ حکم وجوبی ہوتا تو کوئی بھی بے نکاح نہ

marfat.com

رہتا۔ اَیَامٰی کی لفظی بناوٹ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا واحد اَیِم اور جمع اَیَائِم پھر مقلوب ہو کر اَیَامٰی جمع ہوئی۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مقلوبی جمع نہیں بلکہ ابتدائی و اصلی ہے۔ وَالصّٰلِحِیْنَ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے نکاح کی قابلیت و صلاحیت رکھنے والے۔ ۲۔ بعض نے کہا عدالت و عبادت کو قائم رکھنے والے دونوں قول درست ہیں۔ عِبَادِكُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت عِبَادِ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت عَبِيْدِ ہے۔ فَكَاتِبُوْا کے شرعی درجے میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ حکم استحبابی ہے۔ ۲۔ بعض نے فرمایا یہ حکم وجوبی ہے۔ خَيْرًا کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا خَيْرًا کا معنی آزاد ہو کر ایماندار، امانتدار اور شرافت والا بنا رہنا۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ معنی ہے دولت کمانے مزدوری کرنے کی ہمت طاقت ہونا۔ ۳۔ بعض نے کہا کاریگری ہونا۔ وَّاٰتُوْهُمْ کے شرعی درجہ میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ حکم سب کے لیے مستحب ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا سب کے لیے واجب ہے یعنی اگر پھر غلامیت شروع ہو جائے تو یہی احکام جاری ہوں گے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ مولیٰ پر واجب ہے باقی دیگر مسلمانوں پر مستحب وَّاٰتُوْهُمْ کی مالی مقدار میں چھ قول۔ ا۔ بعض نے کہا پورے مال کا چوتھائی مال دو۔ ۲۔ بعض نے کہا تہائی دو۔ ۳۔ بعض نے کہا چھٹا حصہ۔ ۴۔ بعض نے کہا جتنا چاہیں دیں مگر غلام کے ہاتھ میں دیں۔ عوام لوگ خود مولیٰ کو نہ دیں۔ ۵۔ بعض نے کہا کہ عوام تو غلام ہی کو دیں لیکن مولیٰ خواہ زبانی معاف کر دے یا مال غلام کو دے کر پھر وہی مال قسط شمار کر کے واپس لے لے۔ ۶۔ بعض نے کہا مالی مقدار پر کوئی پابندی نہیں نہ مولیٰ پر نہ عوام پر جتنا چاہیں۔ اِنْ اَرَدْنَ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے کہا یہ اِنْ شرطیہ ہے بمعنی اگر۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اِنْ ظرفیہ حالیہ ہے بمعنی جبکہ۔ اِكْرَاهِهِنَّ کی قرأت میں چار قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ ہے۔ ڈبل مرکب اضافی۔ ۲۔ بعض کی قرأت ہے۔ بَعْدِ اِكْرَاهِ لَهُنَّ۔ ۳۔ بعض کی قرأت ہے۔ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ لَهُنَّ۔ ۴۔ بعض کی قرأت ہے۔ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ لَهُنَّ وَلَيْسَ لَهُمْ۔ مگر صرف پہلی قرأت صحیح ہے باقی سب غلط کیونکہ احادیث کے خلاف ہے مُّبَيِّنٰتٍ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت مُّبَيِّنٰتٍ ہے۔ اسم فاعل جمع مونث۔ ۲۔ بعض کی قرأت مُّبَيَّنٰتٍ ہے اسم مفعول جمع مونث۔ اٰيٰتٍ اور مَثَلًا اور مَوْعِظَةً۔ کی نسبت میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا قرآن مجید کی تمام آیات مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا صرف سورۃ نور کی آیۃ مراد ہیں۔

فائدے

ان آیات پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** نکاح شرعی کی نو حکمتیں **اول** یہ کہ نکاح والے سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ غنا ہے احادیث میں بھی اس وعدے کا ذکر ہے چنانچہ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ مستدرک بیہقی میں بروایت حضرت ابو ہریرہ فرمان نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کے تین حق اپنے ذمے لے لیے۔ ا۔ نیک نیت خاوند کو غنی کرنا۔ ۲۔ نیک غلام کو مکاتبت کی سہولت دینا۔ ۳۔ مجاہد مخلص فی سبیل اللہ کو فتح عطا فرمانا۔ حدیث دوم محدث خطیب نے اپنی تاریخ میں بروایت جابر بن عبداللہ فرمان نبوی بیان فرمایا کہ ایک شخص نے غربت کی شکایت عرض کی فرمایا آقا ﷺ نے نکاح کر لے انشاء اللہ تعالیٰ غربت دور ہو جائے گی۔ پھر ایسا ہی ہوا۔ حدیث سوم فرمان نبوی ہے غضِ بصر وحفظِ فرج کا بہترین و مجرب طریقہ نکاح کرنا ہے۔ حدیث چہارم محدث ابن ابی حاتم نے ارشاد صدیق اکبر نقل کیا کہ غربت کا علاج نکاح ہے۔

marfat.com

حدیث پنجم محدث عبد الرزاق و امام ابن ابی شیبہ نے ارشاد فاروق اعظم نقل کیا کہ نکاح میں غنا تلاش کرو۔ حدیث ششم امام ثعلبی و محدث دیلمی نے بروایت حضرت ابن عباس فرمان نبوی بیان کیا کہ نکاح کے ذریعے رب تعالیٰ سے غنا حاصل کرو۔ **حکمۃ دوم** نکاح سے ہمت کاروبار ملتی ہے کاہلی سستی دور ہوتی ہے۔ **حکمۃ سوم** بیوی بہترین مشیر و معاون ہے۔ **حکمۃ چہارم** شادی شدہ مرد علاقے میں قابل عزت و اعتبار ہو جاتا ہے۔ **حکمۃ پنجم** صالح اولاد نعمت الٰہی و مددگار نکاح ہی سے ملتی ہے۔ **حکمۃ ششم** بیوی کا خاندان بھی بہترین معاون مشیر و سہارا ہوتا ہے۔ **حکمۃ ہفتم** چونکہ ہر فرد اپنی قسمت کا رزق لے کر پیدا ہوتا ہے تو بیوی بچوں کا رزق بھی خاوند کے گھر آتا ہے۔ **حکمۃ ہشتم** مشکوٰۃ شریف میں صفحہ ۲۷۵ پر ہے کہ فرمایا آقا ﷺ نے کہ نکاح آدھا ایمان ہے۔ **حکمۃ نہم** نکاح سے بزرگی و پختگی ملتی ہے۔ یہ فائدہ وَ اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى کے حکم الٰہی سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** اب جبکہ دنیا سے غلامیت ختم ہو چکی ہے تو قرآن مجید میں ان کا ذکر فرمانا ہم تا قیامت مسلمانوں کو یہ بتاتا ہے کہ اے مسلمانو تم اپنے غریب نوکروں خادموں ملازموں مزارعوں پر کفار کی طرح ظلم زیادتی جبر قہر نہ کرنا بلکہ قرآن و حدیث کی تعلیم کے مطابق وہی محبت، دلجوئی کرنا اور حسن سلوک و ادائیگی حقوق کرنا جو پہلے مسلمان اپنے غلاموں سے کرتے تھے۔ یہ فائدہ وَ الَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ کے فرمان کبریائی و احادیث مصطفائی سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** شریعت اسلامیہ کے قانون میں عبدیت انسانیت کو غیر اللہ کی طرف نسبت کرنا جائز ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کو عبدالنبی نام اور عباد مصطفیٰ لقب رکھنا جائز ہے۔ اس لیے سورۃ زمر کی آیت ۵۳ میں۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ۔ میں یٰعِبَادِیَ سے عباد النبی مراد لینا جائز ہے۔ یہ فائدہ یہاں وَ الصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ۔ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ خود رب تعالیٰ نے غلاموں کو عِبَادِكُمْ فرمایا دیوبندی وہابی عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہتے ہیں یہ ان کی بے علمی ہے اور قرآن مجید کی مخالفت لیکن وہ فرمان نبوی کہ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ عَبْدِيْ وَ اَمَتِيْ لٰكِنْ فَتَايَ وَ فَتَاتِيْ (از معانع) وہابی اس روایت کو چار وجہ سے دلیل نہیں بنا سکتے۔ ۱۔ یہ خبر واحد ہے اور خبر واحد مشکوک ہوتی ہے کچھ علماء نے اس کو موضوع کہا ہے کیونکہ یہ روایت خلاف قرآن ہے۔ ۲۔ خبر واحد قیاس سے بھی متروک ہو جاتی ہے۔ ۳۔ یہ روایت معتبر کتب احادیث میں نہیں ہے۔ ۴۔ اس روایت کی ممانعت عَبْدِيْ بمعنی غلامی کی وجہ سے نہیں بلکہ عبودیت و بندگی کے معنی میں ہے۔ جبکہ عِبَادُكُمْ کا معنی غُلَامُكُمْ ہے۔ لہٰذا عبدالنبی کا معنی غلام نبی ہے اور عبداللہ کا معنی عابد اللہ ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** نکاح کی پانچ قسمیں ہیں فرض، واجب، مستحب، حرام، مکروہ۔ یہ تقسیم مرد کے حالات کے اعتبار سے ہے۔ چند مشائخ فقہ نے فرمایا کہ نکاح کرنا ہر حال میں ہر عاقل بالغ مسلمان پر واجب ہے مگر یہ مسلک غلط ہے اگر ایسی سختی ہوتی تو صحابہ میں اصحاب صفہ اور تابعین میں بشر حافی وغیرہ صوفیا بغیر نکاح عمر نہ گزار دیتے۔ نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر ایم لڑکا یا لڑکی نکاح سے انکار کریں تو کوئی ان کو مجبور نہیں کر سکتا مولیٰ پر بھی اپنے جوان غلاموں کا نکاح کرنا واجب نہ تھا بہت سے صحابہ نے نہ کیا۔ اور تعجب ہے کہ یہ چند حنبلی مشائخ اسی اَنْكِحُوا الْاَيَامٰى سے

marfat.com

ہی دلیل لے کر بھی صرف مرد ایّم کا نکاح کرنا کرانا واجب کہتے ہیں نہ کہ ایّم عورت کا۔ بہر کیف یہ قول غلط ہی ہے۔ یہ مسئلہ اَنْكِحُوا کے بعد اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ اور وَ الصّٰلِحِيْنَ کی قید سے مستنبط ہوا جس نے بتایا کہ واجب نہیں بلکہ بعض حالتوں میں شدید مستحب ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** اگر کبھی کوئی خاوند صرف غربت واقعی کی وجہ سے بیوی کو خرچہ نہ دے سکے تو نکاح فسخ نہیں ہوسکتا نہ کوئی مفتی قاضی جج بذریعہ عدالت فسخ کرسکتا ہے اگر کوئی جج فسخ کر بھی دے تب بھی نہ ہوگا اور جج ظالم و گناہگار ولائق عذاب جہنم ہوگا۔ نکاح باقی رہے گا اس لیے عورت یا کوئی اور شخص دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے کرائے ورنہ نکاح پر نکاح ہوگا جو کفر ہے۔ ہاں البتہ عدالت وحکومت پر فرض ہے کہ صحیح صورت حال کی تفتیش کرے اگر واقعتاً غریبی ثابت ہو تو بیت المال سے خاوند کی مدد کی جائے اور خاوند سے محنت ومزدوری کرائی جائے جیسا کہ عملاً وقولاً طریقہ نبوی سے ثابت ہے یہ مسئلہ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ کے وعدہ الٰہی سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** قانون شرعی کے مطابق جبریہ گناہ کا عذاب بھی ختم نہیں ہوتا بلکہ مجبور سے جابر کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اور جابر کو دگنا گناہ ہوتا ہے ایک گناہ پر مجبور کرنے کا اور ایک گناہ مجبور کے ارتکاب جرم کا۔ یہ مسئلہ۔ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کے ابدی قانون سے مستنبط ہوا۔ یعنی مجبور پر گناہ نہ پڑے گا۔ ہر حلال وحرام کے ثواب وعذاب کا یہی حکم ہے مثلاً بے گناہ کو قتل کرنا، یا اپنی تصویر فوٹو، وڈیو بنانا، بنوانا ہر شریعت میں حرام ہی رہا تو اگر کوئی شخص کسی کو کسی کے قتل پر ظلماً مجبور کرے اور وہ مجبور اس بے گناہ کو قتل کر دے تو اس قتل و جبر کا عذاب جابر کو ہوگا ایسے ہی اب حکومتیں عوام کو شناختی کارڈ یا پاسپورٹ کے لیے فوٹو بنوانے پر مجبور کرتی ہیں اور عوام مسلمان اپنی ضروریات زندگی و دینی پوری کرنے کے لیے یا وطن میں رہنے کے لیے مجبوراً تصویر بنوانے کا حرام کام کرتے ہیں تو یہ گناہ بھی قانون ساز حاکم اور قانون نافذ کرنے والے حکام کے سر پر ہے اس کا عذاب قیامت میں ضرور ملے گا مگر مجبور کو بچا لیا جائے گا۔ یہی حکم جبریہ نیکی کا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی سے جبراً کوئی نیکی کروائے اور مجبور آدمی مجبوراً وہ نیکی کر لے تو جابر کو ڈبل ثواب اور مجبور کو کچھ بھی ثواب نہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ یعنی اگر نکاح والے غریب ہوں گے تو بعد نکاح اللہ تعالیٰ ان کو امیر کر دے گا یہ وعدہ الٰہی ہے حالانکہ بہت سے لوگ بعد نکاح بھی غریب ہی رہتے ہیں تو یہ وعدہ کیسا ہے۔ **جواب:** یہ وعدہ مشیت پر موقوف ہے یہاں مشیت پوشیدہ ہے اس کا اظہار سورۃ توبہ کی آیت ۲۸ میں ہے کہ وَ اِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖۤ اِنْ شَآءَ۔ یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت ومصلحت نے چاہا تو غنا ملے گی۔ **دوسرا اعتراض:** اگر نکاح کے بعد غنی ہونا مشیت پر موقوف ہے تو نکاح کی شرط سے تخصیص کرنے کی ضرورت کیا تھی کہ اگر غریب ہوں تب نکاح کے بعد اللہ چاہے تو ان کو اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔ مشیت پر تو ہر چیز ہر وقت موقوف ہوتی ہے بلکہ چیز کو عربی میں شیٔ بھی اسی لیے کہتے ہیں۔ **جواب:** عوام کے اس وہم کو توڑنے کے لیے جو لوگ سمجھتے ہیں کہ نکاح سے غربت بڑھتی ہے اس طرح کہ جمع شدہ دولت خرچ ہو جاتی اولاد بڑھتی ہے۔ رزق گھٹتا ہے اب تو یہ شیطانی وہم حکومتوں کو بھی پڑ گیا۔ خاندانی منصوبہ بندی اسی وہم کا نتیجہ ہے۔ لہٰذا فرمایا جا رہا ہے کہ یہ وہم غلط ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اولاد کی ضروریات سے بھی زیادہ رزق عطا فرما دے نکاح اور کثرت اولاد اللہ تعالیٰ کی مشیت کو نہیں بدل سکتے۔

marfat.com

غربت کی وجہ وعدہ الٰہی کا خلاف نہیں۔ بلکہ غرباء کی بدنیتی کسلمندی اور امرا کی ظلم بندی حق تلفی نہ میراث بٹتی ہے نہ زکوٰۃ نکلتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا۔ وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا۔ اس تمام آیت سے ثابت ہو رہا ہے کہ مجبور کی گئی عورت پر مجبوری بے بسی کے زنا کا گناہ نہیں ہے۔ لہٰذا مجبورہ کو غفاریت کی بھی ضرورت نہیں ہونی چاہئے کیونکہ غفاریت کا معنی ہے گناہ بخشنا۔ لیکن بعد میں فرمایا گیا غَفُورٌ رَّحِيمٌ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مجبور کو بھی گناہ ہوتا ہے جس کو بخشا جاتا ہے۔ اگر گناہ نہیں تو غفاریت کس چیز کی۔ **جواب:** غفاریت صرف بخشش گناہ کا ہی نام نہیں ہے۔ بلکہ بہت صورتیں ہیں مجبور کو گناہگار قرار نہ دینا اور گناہ جبریہ کو جابر پر ڈال دینا اور تا قیامت یہ قانون بنا دینا بھی غفاریت ورحیمی کریمی ہے۔ یہاں یہی سمجھایا جا رہا ہے۔ غفاریت کے چھ معنی ہیں۔ ۱۔ طلب کرنا۔ ۲۔ چھپانا۔ ۳۔ مٹانا۔ ۴۔ بخشنا۔ ۵۔ عطا فرمانا۔ ۶۔ قریب کرنا۔ یہ تقسیم بندوں کی شخصیات واوقات استغفار اور اللہ تعالیٰ کے رحم، کرم، فضل، محبوبیت وحبیبیت کے اعتبار سے ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَأَنكِحُوا الْأَيَامَىٰ مِنكُمْ وَالصَّالِحِينَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَإِمَائِكُمْ ۚ إِن يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾۔ جسم وروح کا ملنا نکاح ایمانیات ہے اے اولیاء کامل ومرشدان قابل تم اپنے مریدان مبتدین اور طالبان ابتدائی کے جسم وروح کا تعلق مشاہدہ اور ربط مکاشفہ جوڑ دو تاکہ رحم قلب میں صلب ولایت سے فیض اعلیٰ کی قبولیت کا مادہ اسرار ونطفہ انوار امانت ہو جائے ولایت کے عظیم سمٰوات اور کرامت کی وسیع زمین میں یہی ولادت ہے اگر مخاصمین عمل وشائقین فیض وطالبین روحانیت دولت عقلی میں غریب اور فراست وشعور کے فقیر ہوں تب بھی ہمت عمل صالح جاری رکھیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل رحمانی اور ان کے تعلق ایمانی سے غنی کر دے گا۔ وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ نِكَاحًا حَتَّىٰ يُغْنِيَهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ ۗ اور وہ مخلصین سالکین جو بیعت مرشد سے تعلق جسم وروح کی قوت نہیں رکھتے تو وہ جرأت اعمالی کے ذریعے ارحام قلوب وفروج باطنی کو تصرفات دنیا کی خواہشات نفسانی ووساوس شیطانی سے بچا کر رکھیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کو رہنمائی کی ہدایہ غنا کی سعادت عطا فرما دے اور کسی مرشد برحق ہادی رہبر کے ظاہری باطنی تعلق نسبت کی دولت سے سالکین پاکدامن کو نوازے جس طرح رہنمائی فرمائی موسیٰ علیہ السلام کی خضر علیہ السلام کی طرف نور باطن سے اور اسرار طور کی طرف نار ظاہر سے۔ وَالَّذِينَ يَبْتَغُونَ الْكِتَابَ مِمَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوهُمْ إِنْ عَلِمْتُمْ فِيهِمْ خَيْرًا ۖ وَآتُوهُم مِّن مَّالِ اللَّهِ الَّذِي آتَاكُمْ ۚ۔ اے مرشدین ولایت اگر وہ طالبین معرفت جو صاحب خیر وہمت ہیں بھی قیود ریاضت وشروط عبادت کے لیے خلوت کی محفلوں اور جلوت کے اوقات قلیلہ کی پابندی کرنے سے خلاصی وآزادی کے طلبگار ہوں تو اے راہ معرفت کے راہنماؤ تم ان کو صراط مستقیم کے مکاتبین آزاد بنا دو۔ اے منزل معرفت حقیقت کی طرف بڑھنے والے مسافرو تمنا بالمال کے طالب نہ بنو کیونکہ یہ طلب کمزور اور مطلوب فانی حال ہے۔ غنا بالقناعت کو طلب کرو کیونکہ وہ طلب مضبوط اور مطلوب باقی وحال قوی ہے۔ رزق اگرچہ تقدیر کا مقسوم ہے مگر اس کو وسائل ظاہری باطنی سے طلب کرنا فرض ہے۔ مہارت دنیوی کمال نہیں ہے۔ کمال یہ ہے کہ عادت لطف سے آزادوں آواروں کو غلام اور عادت احسان سے غلامان نفس کو آزاد بنا دو۔ جو طالبین کم

marfat.com

ہمت طلب الٰہی میں مراتب اعلیٰ تک نہ پہنچ سکیں مگران کے ایمان غالب ہیں نفس امارہ کے ارمان پر اور چاہتے کہ توبہ صادقہ و اعمال صالحہ کی دولت مکتوب دے کر عذاب الٰہی و نار جدائی سے آزاد ہو جائیں تو ان کو مکاتبین بارگاہ بنالو۔ اگر ان میں مشاہدہ کر رہے ہو آثار صداقت، وفاء صحت، قوت خلوت، جرأت جلوت کی بھلائی کا اور جان لو کہ ان میں اقرار قَالُوْا بَلٰی کی استقامت برقرار ہے۔ یعنی اگر تم کو مریدین مخلصین میں توحید و معرفت، توکل رضا، صدق وقناعت، وفاء عہد عمل لحد کی خیر نظر آئے تو ان کو اپنی قرب خلوت کی پابندی سے آزادی دے دو۔ سیر و پرواز کے لیے آزاد کر دو۔ کیونکہ تلقین عہد صرف ان نفوس قدسیہ کے لیے ہے جو اہل وفا ہیں وہی بندے اس فراست قویہ کو پہچانتے ہیں جو امانت رکھی ہے اللہ تعالیٰ نے اہل یقین کے سینوں میں اور اے علم معرفت والو تقسیم کرتے رہو ان فیوضات الٰہیہ میں سے بھی اپنے عرفان کی زکوٰۃ ولایت اور نصیحت دینی کے صدقات جو اللہ تعالیٰ نے ولایت کبریٰ میں سے تم کو عطا فرمائے طالبین آزادی کی سہولت و ہمت چاہنے والوں پر۔ مسافرین متقین سے تعاون ہی بِرّ وَالتَّقْوٰی ہے۔ یہ زکوٰۃ معرفت و صداقت نصیحت اس لیے ضروری ہے تاکہ تمہاری دولت عرفانی میں کثرت و برکت ہو۔ جس طرح اگر مال ظاہری کی زکوٰۃ نہ نکالی جائے تو وہ ضائع یا برباد ہو جاتا ہے اسی طرح اگر دولت باطن کی زکوٰۃ ولایت نہ دی جائے تو وہ بھی فنا ہے جس سے سینہ بے نور ہو جاتا ہے۔ سالکین سعادت و طالبین ہدایت کو اپنے آستانوں سے نہ ہٹاؤ ورنہ اموال دنیوی کی طرح دولت دینی بھی چھن جائے گی۔ یہ پیری مریدی دنیا سازی نہیں ہے بلکہ حقدار کرم کو حق پہچانا ہے۔ وَلَا تُكْرِهُوْا فَتَيٰتِكُمْ عَلَى الْبِغَآءِ اِنْ اَرَدْنَ تَحَصُّنًا لِّتَبْتَغُوْا عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ؕ وَمَنْ يُّكْرِهْهُّنَّ فَاِنَّ اللّٰهَ مِنْۢ بَعْدِ اِكْرَاهِهِنَّ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۳﴾ ۔ اور نہ مجبور کرو اہل قلوب کو عالم رنگ و بو میں نفسیات خناسیہ کے لیے اگر وہ بچنا چاہتے ہیں۔ ظواہر بدنیہ کی خباثتوں ملاوٹوں سے کہ اصحاب خلوت ہمیشہ جدا رہتے ہیں ارباب جلوت سے۔ لہٰذا سلطنت ظاہری کی طرح سلطنت باطن روحانی میں بھی اصلاح نظام و اعانت عمل ضروری ہے۔ ہر زمین کا اپنا نصیبہ ہوتا ہے۔ اے باطن والو اپنی نفسیات لَوّامہ کو توجہ عبادت کے کرم و توفیق میں محصنہ عفیفہ پاکدامن رہنے دو اور ان کو فساد قالب پر مجبور نہ کرو جس کی نسبت معنوی کسی نفس ربانی سے متصل نہ ہوئی ہو مگر تکمیل ایمان کا دعویدار بن جائے تو وہی بدکار باطنی ہے اور تربیت بد سے ہلاک ہونے والا ہے وہی غرض و مرض، عنادات و خواہشات کا مطیع و متبع ہے۔ اہل حق سے پھرنے والا، اہل باطل سے جڑنے والا۔ وہی مُحْصَنَۃِ روحانیہ کو بغاوت شہوانیہ شیطانیہ پر مجبور کرنے والا ہے اور نطفہ نورانی کو بگاڑنے والا۔ یا اللہ بچا ہم کو قَیدِ کافرین و مکرِ ماکرین سے۔ وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ وَّمَثَلًا مِّنَ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۳۴﴾ ع ۔ اے راہ طلب کے مسافرو اور البتہ تمہارے لیے ہی نازل فرمائیں آیات مکاشفات اور سالکین گذشتہ کی عبرت والی مثالیں اور تقویٰ نصیحتیں و اخلاق حسنہ کے مواعظ۔ بعید وہ ہی ہے جس نے اشرار کی فنا سے اسرار کی عبرت پکڑ لی۔ اے طلب معرفت والو وعظ حقیقی کے لیے تلاوت قرآن و ذکر رحمٰن میں مشغول رہو ورنہ دنیا و آخرت کے محروم ہو جاؤ گے۔

مہتری در قبول فرمان است ترک فرماں دلیل حرمان است

marfat.com

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ

اللہ تعالیٰ نور ہے سب آسمانوں اور پوری زمین کا

اللہ نور ہے آسمانوں اور زمین کا

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اس کے نور کی مثال اس طرح سمجھو کہ جیسے ایک طاق ہے اس میں چراغ ہے

اس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے

اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ

اور وہ چراغ ایک شیشے کی چمنی میں ہے وہ چمنی گویا وہ ستارہ ہے چمکتا موتی

وہ چراغ ایک فانوس میں ہے۔ وہ فانوس گویا ایک ستارہ ہے موتی سا

دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ

روشن کیا جاتا ہے زیتون کے برکت دیئے ہوئے درخت سے

چمکتا روشن ہوتا ہے برکت والے پیڑ زیتون سے

لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ ۙ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِيْٓءُ

نہ مشرق میں کوئی اس جیسا اور نہ مغرب میں قریب ہے کہ اس درخت مبارک کا تیل خود بخود بلا وسیلہ روشنی پھیلا دے

جو نہ پورب کا نہ پچھم کا قریب ہے کہ اس کا تیل بھڑک اٹھے

وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ

اگر چہ نہ چھوئے اس کو آگ وہ درخت مبارک نور علیٰ نور ہے

اگر چہ اسے آگ نہ چھوئے نور پر نور ہے

يَهْدِى اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ہدایت فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے اسی نور کائنات کی طرف جس کو پسند فرمانا چاہتا ہے

اللہ اپنے نور کی راہ بتاتا ہے جسے چاہتا ہے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝٣٥

marfat.com

اور بیان فرماتا ہے اللہ مثالوں کو لوگوں کے لیے اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے
اور اللہ مثالیں بیان فرماتا ہے لوگوں کے لیے اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلقات

اس آیت پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں چند اسلامی قانون کا ذکر فرمایا گیا جو دنیا جہان میں ہر انسان کے لیے نور اور مشعل راہ ہیں۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ اسلام کا دین وقوانین سب رب کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کا نور ہے یہ قرآن وحدیث اور ان کے احکام اسی کی روشنی ہے جس سے زمین وآسمان جگمگا رہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں گناہوں کا ذکر کیا گیا جو زمین کا اندھیرا اور ظلمت ہے اب ان آیات میں آسمانوں اور زمین کے نور کا ذکر فرما کر سمجھایا جا رہا ہے کہ اے لوگو ظلمت سے دور ہٹو اور نور کے قریب آؤ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں روشنی کے لیے تین چیزیں بیان فرمائی گئیں۔ ا۔ آیات مُبَیِّنٰتٍ۔ ۲۔ گزرے لوگوں کی مثال۔ ۳۔ متقین کے لیے بہت بڑی نصیحت۔ اب ان آیات میں نور کی مثال میں تین چیزیں بیان فرمائی جا رہی ہیں۔ ا۔ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ ۲۔ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ۔ ۳۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ۔ فرمایا جا رہا ہے جس نے روشنی ابدی حاصل کرنی ہو وہ ان تین کے ذریعے ان تین کو پائے۔

تفسیر نحوی

(یہ آیت نور بالکل علیحدہ نازل ہوئی) اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ۔ اَللّٰهُ۔ مبتدا ہے نُوْرُ۔ اسم مفرد جامد۔ مضاف ہے۔ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ معطوف علیہ اور معطوف مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ مَثَلُ۔ اسم مصدر مضاف نُوْرِهٖ اسم حاصل مصدر مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل مرجع اللہ یہ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مفعول مضاف اِلَیہ۔ ک۔ حرف جر برائے تشبیہ وتمثیل۔ مشکوۃ۔ اسم آلہ بمعنی اسم ظرف مکانی صیغہ واحد مونث۔ دراصل مِشْكَوَةٌ ہے بروزن مِنْصَرَةٌ۔ باب نَصَرَ سے۔ یہ آلہ بمعنی ظرف اس لیے ہے کہ جب طاق میں چراغ رکھ کر بتی روشن کی جاتی ہے تو وہ طاق چراغ کو بنا تا روشن رکھتا بھی ہے اور اس کا مکان بھی ہوتا ہے۔ مشکوۃ کا ترجمہ ہے طاق۔ مَشْكُوٌ سے مشتق ہے۔ مختلف ابواب میں اس کا مختلف ترجمہ ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی سے ہے شَكْوَةٌ بمعنی چھوٹا مشکیزہ جس کی جمع شَكَوَاتٌ وَشِكَاوِي اور اسی سے ہے شکوہ، شکایت، شَاكِيْ، شَكِيَّة، بِمِشْكٰوةٍ موصوف فِيْهَا۔ یہ جار مجرور متعلق ہے۔ پوشیدہ اسم فاعل قَائِمٌ کا۔ مِصْبَاحٌ۔ باب فتح کا اسم آلہ واحد مذکر اس کی جمع منتھی الجموع ہے مَصَابِيْح۔ صُبْحٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے روشنی پھیلانے کا آلہ یعنی چراغ کی روشن بتی (لو) یہ فاعل ہے قَائِمٌ پوشیدہ کا۔ قَائِمٌ اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے مِشْكٰوةٍ کی یہ مرکب توصیفی مجرور ہے کاف تشبیہی سے یہ جار مجرور متعلق مَثَلُ مصدر کا۔ وہ مصدر مضاف اپنے مفعول مضاف الیہ اور متعلق سے مل کر شبہ جملہ ہو گیا۔

marfat.com

اَلْمِصْبَاحُ۔ مبتداء۔ فِیْ زُجَاجَةٍ۔ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا وہ اپنے پوشیدہ نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَلْمِصْبَاحُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَلزُّجَاجَةُ۔ اسم مفرد معرف باللام جامد ترجمہ ہے شیشے کی چمنی جو چراغ کی لو یعنی بتی پر لگی ہوتی ہے۔ مبتدا ہے۔ کَاَنَّ حرف مشبہ بالفعل ھَا ضمیر کا مرجع زُجَاجَةٍ ہے۔ یہ ضمیر اسم ہے کَاَنَّ کا کَوْكَبٌ۔ اسم مفرد نکرہ جامد بمعنیٰ ستارہ اس کی جمع ہے کَوَاكِبُ۔ لغوی ترجمہ ہے چمک اسی معنی سے آنکھ کی سفیدی۔ قوم کا سردار۔ نئی تلوار۔ پھول کی کلی کو بھی کوکب کہا جاتا ہے۔ حقیقی معنی ہے آسمانی تارہ ہر قسم کا۔ جبکہ نجم صرف سیارہ ستاروں کو کہا جاتا ہے۔ یہ موصوف ہے۔ یہاں لغوی معنی میں ہے یعنی وصفیت مراد ہے (چمک) دُرِّیٌّ۔ دُرٌ بمعنی موتی ہر قسم کا (سمندری یا پہاڑی)۔ آخر میں یٔ نسبت کی ہے بمعنی موتی جیسا چمکدار۔ یہ صفت ہے کَوْكَبٌ کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے کَاَنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اَلزُّجَاجَةُ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یُّوْقَدُ۔ باب افعال کا مضارع حال مثبت مجہول وَقَدٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے روشن ہونا جلنا، بھڑکنا، شعلے بلند ہونا۔ اس کا مصدر ہے اِیْقَادٌ۔ اِوْقَادٌ تھا واو مادہ کو تخفیف کے لیے یٔ بنایا گیا۔ ترجمہ ہے روشن کیا جانا۔ اس کا نائب فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے اَلزُّجَاجَةُ۔ مِنْ جارہ بمعنی بَ سبیہ۔ شَجَرَةٍ اسم مفرد نکرہ جامد موصوف ہے مُّبٰرَكَةٍ۔ باب مُفَاعَلَة کا اسم مفعول واحد مونث۔ بَرْكٌ سے بنا ہے۔ معنی ہے برکت دیا ہوا۔ یہ صفت ہے شَجَرَةٍ کی یہ مرکب توصیفی مُبدل منہ ہے۔ زَیْتُوْنَةٍ کی۔ اسم مفرد نکرہ نوعی نام ہے ایک درخت کی جنس کا۔ خیال رہے کہ نام آٹھ قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ ذاتی ۲۔ صفاتی ۳۔ نوعی۔ ۴۔ صنفی ۵۔ جنسی ۶۔ قومی۔ ۷۔ مذہبی۔ ۸۔ علاقائی۔ زَیْتُوْنَةٍ بدل الکل ہے شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ کا۔ دونوں مل کر پھر موصوف ہے۔ لَا نفی محض تبرء کا شَرْقِیَّةٍ اسم نکرہ مخصوصی اسم لَا دونوں مل کر معطوف علیہ واوٴ عاطفہ لَا نفی محض غَرْبِیَّةٍ اس کا اسم دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے لَا شَرْقِیَّةٍ پر دونوں عطف مل کر صفت ہے شَجَرَةٍ کے مرکب پر یہ مرکب توصیفی مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور مل کر متعلق ہے یُّوْقَدُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ یَكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ۟ۙ۳۵ - یَكَادُ فعل مقاربہ مضارع مستقبل مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب باب سمع کَوْدٌ سے زَیْتٌ اسم مفرد معرفہ بمعنی تیل۔ مضاف ہے ھَا ضمیر کا مرجع اَلزُّجَاجَةُ یہ مضاف الیہ مرکب اضافی اسم ہے فعل مقاربہ کا یُضِیْٓءُ۔ باب افعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ضَیْءٌ وَ ضِیَآءٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِضْیَآءٌ وَاِضَاءَةٌ ترجمہ روشنی پھیلنا۔ روشن ہونا اس کا فاعل ہے هُوَ ضمیر جس کا مرجع ہے زَیْتُهَا۔ واوٴ وصلیہ بمعنی اگرچہ۔ لَمْ تَمْسَسْ۔ باب نَصَرَ کا۔ مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق مَسَسٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چھونا، لگنا۔ ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ مرجع ہے زَیْتٌ۔ نَارٌ اسم مفرد جامد نکرہ بمعنی آگ۔ فاعل ہے لَمْ تَمْسَسْ کا یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر وصل ہے زَیْتٌ کا زَیْتُهَا اپنے وصل کے ساتھ فاعل ہے یُضِیْٓءُ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے یَكَادُ مُقَارَبہ کی وہ سب مل کر جملہ فعلیہ مقاربہ ہو گیا۔ نُوْرٌ مبتدا۔ عَلٰى نُوْرٍ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا وہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَهْدِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع معروف هُدًى سے مشتق ہے اللّٰهُ اس کا فاعل لام جارہ نفع کا نُوْرِهٖ مرکب اضافی مجرور متعلق ہے یَهْدِیْ کا۔ مَنْ اسم

marfat.com

موصول۔ یَشَآءُ باب فَتَحَ کا مضارع حال مثبت معروف۔ ھُوَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَھْدِیْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا واؤ ابتدائیہ۔ یَضْرِبُ فعل مضارع ضَرْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بیان کرنا۔ اللّٰہُ اس کا فاعل۔ الْاَمْثَالَ۔ اسم جمع مکسّر مُعرّف باللّام۔ مفعول بہ ہے۔ لِلنَّاسِ یہ جار مجرور متعلق ہے یَضْرِبُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ اللّٰہُ مبتداء بِ جارہ مفعولیت کا کُلِّ شَیْءٍ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مقدم ہے۔ عَلِیْمٌ صفت مشبہ کا۔ صفت مشبہ اپنے پوشیدہ ضمیر فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ۔ اے زمین و آسمانوں میں رہنے والو اگر تم حیات دنیوی میں دیدار حق تعالیٰ کی تمنا رکھتے ہو تو جاؤ دیکھو اس شخصیت مقدس کو جس کا نعرہ اور اعلان عام ہے۔ مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ (عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ مستدرک حاکم جلد چہارم صفحہ ۳۹۳) یعنی جس نے مجھ کو دیکھا اس نے حق تعالیٰ کو دیکھا اس کی وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور کل روئے زمین یعنی پوری کائنات کا نور اصلی ابدی ازلی قدیمی ہے۔ زمین و آسمان والوں کے لیے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اس کے نور کی مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک جسم شفاف کا طاق ہو اس طاق میں نور حق کا چراغ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو مجسم پیدا فرمایا اور مختلف مخلوق کو مختلف جسم عطا فرمائے۔ کسی کو جسم لطیف جیسے ملائکہ جنات وغیرہ کسی کو جسم شفاف جیسے حور وغلامان جنت میں اور شیشہ وغیرہ زمین پر۔ یاد رہے کہ کسی شفاف اجسام کا سایہ نہیں ہوتا۔ اس لیے حور وغلامان کا جنت میں اور زمین پر شفاف خالص شیشے کا سایہ نہیں ہوتا ہے نہ دھوپ میں نہ چاندنی میں نہ کسی چراغ کی روشنی میں حضرت جبرائیل جب انسانی شکل میں آئے تب بھی آپ کا سایہ نہیں ہوتا تھا۔ کسی کو جسم کثیف جیسے عام انسان حیوان، شجرات حجرات وغیرہ۔ کسی کو جسم ثقیل جیسے اینٹ پتھر دھات وغیرہ کسی کو جسم خفیف جیسے دھواں ہوا وغیرہ۔ غرضکہ اجسام مخلوق پانچ قسم کے ہوئے۔ ۱۔ جسم لطیف۔ ۲۔ جسم شفاف۔ ۳۔ جسم کثیف۔ ۴۔ جسم ثقیل۔ ۵۔ جسم خفیف۔ جسم محمدی نور الٰہی کا مشکوٰۃ شفاف ہے اسی لیے نبی کریم ﷺ کا بدنی سایہ نہ تھا۔ اس حقیقت کو تمام صحابہ کرام دن رات دیکھتے تھے اور جانتے تھے کہ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ۔ اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال دنیا میں انسانوں کے لیے جو خود رب تعالیٰ نے بیان فرمائی اس مثال میں جسم مصطفیٰ کو مشکوٰۃ اور نور خدا کو مصباح بتا کر ثابت فرما دیا کہ اس جسم کا سایہ نہیں ہو سکتا کیونکہ جس شفاف چمنی میں نور رہو اس کا سایہ نہیں ہوتا یہ ہر انسان کا مشاہدہ ہے۔ یہی مشاہدہ صحابہ کرام نے جسم نبی کریم سے ہر وقت ملاحظہ کیا۔ چنانچہ تفسیر مدارک نسفی علی اربعہ جلد چہارم صفحہ ۳۷۸ سورۃ نور میں ہے وَقَالَ عُثْمَانُ اِنَّ مَا اَوْقَعَ ظِلَّکَ عَلَی الْاَرْضِ لِئَلَّا یَضَعَ اِنْسَانٌ قَدَمَهٗ عَلٰی ذَالِکَ الظِّلِّ فَلَمَّا لَمْ یُمْکِنْ اَحَدًا مِنْ وَضْعِ الْقَدَمِ عَلٰی ظِلِّکَ فَکَیْفَ یُمْکِنُ (الخ) ترجمہ حضرت سیدنا عثمان غنی نے صحابہ کرام کے بھرے مجمعے میں آقا ﷺ سے عرض کیا۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے آپ کا سایہ زمین پر نہ پڑنے دیا تا کہ کوئی انسان آپ کے سائے پر پاؤں نہ رکھ سکے۔ تفسیر روح البیان ششم صفحہ ۱۴۵ پر بھی لکھا ہے کہ صحابہ کرام کو جسم نبی کا سایہ نظر نہ آتا تھا نہ دن کے وقت نہ چاندنی رات میں صحابہ کرام کو اس پر تعجب نہ ہوتا تھا کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جسم شفاف میں جب نور رہو تو

marfat.com

سایہ نہیں ہو سکتا اور پیارے آقا ﷺ کا جسم اقدس تو فرشتوں حور و غلمان سے بھی زیادہ شفاف تھا۔ اسی لیے سب نے عثمان غنی کا قول سنا مگر کسی نے نہ انکار کیا نہ تعجب کیونکہ سب کا دن رات کا مشاہدہ تھا اور شفاف اس لیے بنایا گیا تھا کہ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ ؕ اس جسم مشکوٰۃ میں نور الٰہی کا مصباح امانت رکھنا ہے اور اہل نظر کو دیدار الٰہی کرانا ہے جس طرح آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ جس نے بجلی دیکھنی ہو وہ بلب روشن اور ٹیوب برقی کو دیکھ لے۔ اسی لیے آقا ﷺ نے فرمایا۔ بلکہ رب تعالیٰ نے کہلوایا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جس نے مجھے دیکھ لیا اس نے رب تعالیٰ کو دیکھ لیا۔ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِیَّةٍ وَّ لَا غَرْبِیَّةٍ ۙ یَّكَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ وَ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ؕ۔ اور وہ زجاجہ چمنی۔ نور کبریائی کی مصباح کی وجہ سے تمام ستاروں سے زیادہ چمکدار ستارہ ہے کیونکہ وہی وَ الشَّمْسِ وَ ضُحٰهَا ۪ۙ﴿۱﴾ ہے اور وہی وَ النَّجْمِ اِذَا هَوٰی ۙ﴿۱﴾ ہے اور وہی سراج منیر ہے یعنی دوسرے ستاروں کو منور فرمانے والا۔ روشن کیا گیا ہے شجر لامکانی کے فیضان سے وہ فیضان برکتوں منفعتوں فائدوں سے بھرا ہوا ہے۔ وہ زیتون سدا بہار ہے نبوت رسالت مرسلیت صاحبیت قابلیت کے انوار و اسرار کا كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ ہے اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّ فَرْعُهَا فِی السَّمَآءِ ﴿۲۴﴾ ہے۔ اس کا مقام اصل نہ دنیا کا مشرق ہے نہ دنیا کا مغرب بلکہ مَقَامُهٗ سدرۃ المنتھیٰ ہے۔ ازلِ حادث سے فیضان نبوت تقسیم فرما رہا ہے اسی کا اعلان اظہار ہے کُنْتُ نَبِیًّا وَّ آدَمُ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ میں اس وقت بھی نبی تھا جب آدم علیہ السلام ابھی روح و بدن میں علیحدہ علیحدہ تھے۔ یہ کوکب دُرّی اس وقت سے اپنے خالق تعالیٰ رب علیٰ کا دیدار کر رہا ہے۔ جب معراج کے بعد صحابہ کرام نے پوچھا۔ هَلْ رَاَیْتَ رَبَّکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ کیا آپ نے اپنے رب تعالیٰ کو دیکھا ہے تو فرمایا آقا ﷺ نے رَاَیْتُ نُوْرًا اور مسلم شریف جلد دوم کتاب الْاِیْمَان باب ۸۷ میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ نُوْرٌ اِنِّیْ اَرَاهُ اسے اس طرح بھی پڑھا گیا ہے۔ نُوْرَانِیٌّ اَرَاهُ ترجمہ وہ نور ہے بیشک میں نے اس کا دیدار کیا ہے بعض لوگ اس طرح پڑھتے ہیں۔ نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر اس طرح پڑھا جائے تو معنی ہے کہ وہ نور ہے میں نے بجز نور کچھ نہ دیکھا۔ بعض جہلا نے نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ کا ترجمہ کیا ہے۔ وہ نور ہے میں کیسے دیکھ سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کا نور و روشنی تو جسم مصطفیٰ میں ہے۔ اگر تم مطیع و متبع ہو کر غلام بن کر دامنِ قرب میں آ گئے تو تمہارے لیے عالم کا ذرہ ذرہ پتہ پتہ معرفت الٰہی کا دفتر بن جائے گا۔ اور اگر غلامی میں نہ آئے تو ہزار عقلوں پڑھائیوں کے باوجود اندھے ہی رہو گے۔ اس جسم فیضانی ضیاء ایمانی و نعمت رحمانی کی شفافیت اتنی عظیم ہے کہ اگرچہ اظہار نبوت نزول وحی کی آتشِ قرب و تبلیغ دین کی ابتدا ابھی نہ کی گئی تھی تب بھی یہ فیضان نبوت و ضیاء کبریائی اتنی کثیر ہے کہ اعلان نبوت سے پہلے ہی نور رحمانی کی شعاعیں زمین و آسمان میں عیاں ہیں۔ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ ہر فرد جانتا ہے کہ یہیں پر ہے نور کبریائی۔ اور صرف نور ہی نہیں بلکہ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ۔ اس جسم محمدی میں نور الٰہی کی جلوہ گری نے اس سرتاپا جسم مدنی مشکوٰۃ بدنی کو نور بنا دیا۔ اس طرح کہ سر نور، ذقن نور، دہن نور، زباں نور، دل نور، عقل نور، جگر نور، بصر نور، لب نور، ظہر نور، بطن نور، عمر نور ذات محمدی کا یہ مشکوٰۃ شفاف ہادی بھی ہے مَهْدِی بھی۔ ہادی اِلٰی معبود اور مَهْدِی اِلٰی محبوب ہے۔ داعی اِلٰی ذات ہے مَدْعُوْ اِلٰی صفات ہے اور كَآفَّةً لِّلنَّاسِ ہے ہدایت فرماتا ہے اس کا اللہ تعالیٰ اس کے دروازے تک اپنا نور دکھانے کے لیے جس کو چاہتا ہے کیونکہ

marfat.com

ہر ایک کا حصہ نہیں دیدار کسی کا بوجہل کو محبوب دکھائے نہیں جاتے

وَيَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ط اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ یہ مثالیں اپنا نور دکھانے کے لیے شان حبیب بتانے کے لیے۔ طالبین دیدار کو سمجھانے کے لیے کہ جس طرح سورج کی شعاعیں دیکھنے کے لیے شفاف شیشہ بجلی کی روشنی دیکھنے کے لیے بلب یا لمبی ٹیوب چاہیے اسی طرح نور الٰہی دیکھنے کے لیے جسم مصطفیٰ ﷺ۔ اے انسانو ان مثالوں سے تین باتیں سمجھائی گئیں **اول** یہ کہ اگر نور برق و فیض بجلی لینا ہو تو بلب و ٹیوب کے قریب آنا پڑتا ہے۔ اسی طرح اگر دنیا میں نور کبریا دیکھنا ہو تو قرب مصطفیٰ میں آ کر دیدار مصطفیٰ کرو نور خدا نظر و فیضان الٰہ مل جائے گا۔ **دوم** یہ کہ جسم کثیف جب صاف و شفاف ہو اور اس میں روشنی ہو تو اس کا سایہ نہیں ہوتا۔ اسی طرح جسم مصطفیٰ اگرچہ کثیف ہے مگر لطیف سے بھی زیادہ شفاف ہے تو اس کا بھی سایہ نہیں کیونکہ اس بدن زجاجہ میں نور الٰہی کا مصباح ہے۔ **سوم** یہ کہ جب بلب و ٹیوب میں نور بجلی آیا تو ظاہر باطن مکمل بلب و ٹیوب ہی نور بن گیا اپنا وجود بھی برق میں روپوش ہو گیا۔ اسی طرح جب جسم محمدی میں نور الٰہی کا مصباح آ گیا تو جسم محمدی نور خدا میں مستور ہو گیا۔ **چھارم** یہ کہ بلب و ٹیوب میں ساری بجلی نہیں آئی صرف ایک تجلی آئی مگر کہا جاتا ہے یہ سب بجلی کی روشنی ہے۔ شعاع کو بھی شیشہ کو بھی تار کو بھی اس طرح مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا کی وجہ سے پورے وجود مصطفیٰ کو نور خدا کہا جاتا ہے۔ اگرچہ اس میں بھی صرف ایک تجلی الٰہی ہے لہٰذا مَنْ رَاٰنِیْ فَقَدْ رَاَی الْحَقَّ۔ جس نے مصطفیٰ کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا۔ لیکن اس کے باوجود جیسے کہ کہا جاتا ہے جس نے بلب کو دیکھا اس نے بجلی کو دیکھا۔ مگر جس طرح بلب اور ہے بجلی اور ہے اسی طرح مصطفیٰ اور ہے خدا اور ہے۔ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۳۵﴾۔ اور اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت، حکمت، مصلحت سے ہر چیز کو جاننے والا ہے کہ کون لائق ہے مخزن نور الٰہی کے مصباح بننے کا کون اس کے دیدار کے قابل کس کو صدیق بنایا جائے کس کو زندیق۔

ان آیات میں مختلف اقوال تشبیہ

بعض مفسرین نے فرمایا کہ اَللّٰهُ نُوْرُہٗ صفت الٰہی ہے۔ مگر امام غزالی نے فرمایا نور ذات الٰہی ہے اور اللہ تعالیٰ ہی نور ہے مشکوٰۃ جسم مصطفیٰ، مِصْبَاحٌ کلام ربانی۔ زُجَاجَةٍ سینہ مصطفیٰ۔ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ، قلب مصطفیٰ، يُوْقَدُ معرفت مصطفیٰ ہے۔ جس کی روشنی بعثت سے پہلے بھی کائنات میں پھیلی ہوئی تھی۔ شَجَرَةٍ ذات نبوی مُّبٰرَكَةٍ صفات مقدس جس کے بے حد و بے شمار فوائد و منافع، زیتون کا انتخاب اور زیتون سے ذات نبوت کو تمثیل دینا اس لیے بھی ہے کہ زیتون سدا بہار درخت ہے اس کے پتے موسم خزاں میں بھی نہیں گرتے۔ زیتون تمام درختوں میں کثیر المنافع ہے۔ اس کی راکھ بھی مفید و قیمتی ہے کہ اس سے ریشم دھویا جاتا ہے۔ اس درخت کو ستر انبیاء کرام علیہم السلام کی دعائیں ملیں خود آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نے اس کو برکت کی دعا دی کہ اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِی الزَّيْتِ وَالزَّيْتُوْنِ (از قرطبی) اور فرمایا یہ جنتی درخت ہے۔ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ سے مراد رسالت محمدی ہے جو رحمۃ عالمین ہے نہ صرف اہل مشرق کے لیے نہ صرف اہل مغرب کے لیے۔ زَيْتُهَا معجزات نبوی۔ لَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ ط سے مراد اظہار نبوت سے پہلے ہی آسمانوں زمینوں میں آپ کی مشہوری کے چرچے تذکرے ہونا نُوْرٌ عَلٰى نُوْرٍ ط سے مراد نبوت پر رسالت۔ رسالت پر مرسلیت اور مرسلیت پر محبوبیت ملنا۔ **تشبیہ دوم** بعض نے لکھا کہ نور سے

marfat.com

مراد حواس خمسہ اور مشکوٰۃ قوت احساس، مصباح قوت عقلیہ، شَجَرَۃٍ قوۃ فکریہ۔ مُّبٰرَکَۃٍ کثرت تخیلات زَیْتُهَا قلب ودماغ میں علم وعقل کا خزانہ۔ روغن زیتون کا دھواں کم روشنی زیادہ ہوتی ہے ایسے ہی علم وعقل میں فوائد زیادہ نقصان کم۔ لَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ قوۃ قدسیہ کا وہ علم لدنی جو پڑھنے کے بغیر ہی مل جاتا ہے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ سے مراد یہ کہ علم لدنی کے ساتھ اگر علم کتاب بھی ہو تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے۔ **تشبیہ سوم** بعض نے کہا نور قوت قلب ہے اس کے چار مرتبے۔ ۱۔ قوت عقلیہ مشکوٰۃ ہے جو خالی ہے نظری وضروری علوم سے۔ ۲۔ قوت تجربہ، زُجَاجَۃٍ ہے۔ ۳۔ قوت فعل مِصْبَاحٌ ہے یہی نظریات کا مخزن ہے۔ ۴۔ علم کے ساتھ عقل سلیم نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہے۔ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ۔ یہ نور شریعت ہے جو نہ اہل مشرق فلاسفہ سے مل سکتا ہے نہ اہل مغرب سائنسدانوں سے کیونکہ یہ دونوں عقل دنیوی کے ظلمات ہیں۔ کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ قرآن مجید ہے۔ **تشبیہ چہارم** بعض عارفین نے فرمایا۔ نور بمعنی منور ہے۔ مشکوٰۃ ابراہیم علیہ السلام ہیں اور زجاجہ اسمٰعیل علیہ السلام ہیں۔ مصباح محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں۔ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ۔ نسل ابراہیمی کی نبوت۔ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ ذات ابراہیم ہیں کہ نہ اہل مشرق عیسائی تھے نہ اہل مغرب یہودی۔ بلکہ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا تھے نہ افراط والے نہ تفریط والے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔ ابراہیم نُوْرٌ اسماعیل اور ان کو نبی کریم ﷺ ملے تو نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ہو گیا۔ **تشبیہ پنجم** نور لطیفہ ربانی ہے مشکوٰۃ سینہ مصطفیٰ اس کے دو باب ایک جانب خالق لینے کے لیے اللّٰہُ مُعْطِی دوم جانب مخلوق دینے بانٹنے کے لیے وَاَنَا قَاسِمٌ زجاجہ قلب محمدی۔ مِصْبَاحٌ نبوت محمدی۔ شَجَرَۃٍ۔ فیضان محمدی۔ مُّبٰرَکَۃٍ کثرت فیض کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ عقل محمدی۔ **تشبیہ ششم** بعض نے لکھا۔ نور ایمان ہے مشکوٰۃ مومن ہے۔ زجاجہ قلب مومن ہے۔ مِصْبَاحٌ اس میں قرآن مجید ہے۔ شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ اعمال صالحہ ہیں۔ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ۔ مومن نہ اہل مشرق سے متاثر ہو نہ اہل مغرب سے۔ مومن کی چار عادتیں۔ مل جائے تو شاکر، چھن جائے تو صابر۔ حاکم بنے تو عادل۔ کلام کرے تو صادق۔ یَّکَادُ زَیْتُهَا یُضِیْٓءُ۔ مومن کا نور فراست وشعور معرفت ہے۔ لَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ اگرچہ محنت تعلیم کی آگ نہ ملے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ۔ مومن کے لیے دس نور۔ ۱۔ قول نور۔ ۲۔ علم نور۔ ۳۔ ظاہر نور۔ ۴۔ باطن نور۔ ۵۔ زندگی نور۔ ۶۔ موت نور۔ ۷۔ قبر نور۔ ۸۔ حشر نور۔ ۹۔ ثواب نور۔ ۱۰۔ مقام جنت نور۔ **ساتویں تشبیہ** بعض نے لکھا۔ یہاں پانچ ادراک انسانی مراد ہیں۔ عقلیات نور ہے۔ حسیات مشکوٰۃ ہے۔ خیالات زجاجہ تصورات مصباح ہے۔ تفکرات شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ ہے۔ قوت قدسی زَیْتُهَا ہے۔ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ۔ یہ وہ ادراک ایمانی ہے جو نہ مشرقی علوم میں ہے نہ مغربی علوم میں۔ **آٹھویں تشبیہ** بعض نے کہا۔ توفیق نور ہے۔ دماغ مشکوٰۃ ہے۔ قوت اجتہاد وملکہ قیاس شَجَرَۃٍ مُّبٰرَکَۃٍ ہے۔ حادثاتی واقعات زَیْتُهَا ہے۔ لَوْلَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ یہ قوت باطنی کی عطاء ربانی ہے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ علوم ظاہر کے ساتھ علوم روحانی کا ملنا۔ دنیا میں ہر ایک کے گیارہ دوست ودشمن ہیں۔ ۱۔ زندگی کا دشمن موت۔ ۲۔ علم کا دشمن جہالت۔ ۳۔ قوت کا دشمن کمزوری۔ ۴۔ سماعت کا دشمن بہرا پن۔ ۵۔ بصارت کا دشمن اندھا پن۔ ۶۔ تکلم کا دشمن گونگا پن۔ ۷۔ ارادے کا دشمن جبر۔ ۸۔ سخاوت کا دشمن کنجوسی۔ ۹۔ نور کا دشمن اندھیرا۔ ۱۰۔ عدل کا دشمن ظلم۔ ۱۱۔ عمل کا دشمن غفلت کسلت۔ **نویں تشبیہ** بعض نے کہا تقویٰ نور ہے۔ معاشرہ مشکوٰۃ ہے شجر مبارکہ نبوت ہے زَیْتُهَا محبت ہے۔ لَّا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ۔ یہ محبت

marfat.com

خالص نہ اہل مشرق میں نہ اہل مغرب میں۔ نُوۡرٌ عَلٰی نُوۡرٍ آیات و روایت ہیں۔ **دسویں تشبیہ** بعض نے کہا۔ مشکوٰۃ عبدالمطلب ہے۔ زجاجہ۔ سیدنا عبداللہ اور مصباح وجود مصطفیٰ ہے جو چمکتا آرہا ہے آپ کے آباؤ اجداد کی پشتوں سے پیشانیوں میں۔

اس آیت میں اختلافی اقوال

اَللّٰهُ نُوۡرُ کے معنی میں پانچ قول۔ ا۔ بعض نے کہا۔ اللہ ہادی۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ اللّٰهُ مُدَبِّرٌ۔ ۳۔ بعض نے کہا اللّٰهُ حَقٌّ۔ ۴۔ بعض نے کہا اللّٰهُ مُنَوِّرٌ۔ ۵۔ بعض نے کہا اللّٰهُ مُوۡجِدُ النُّوۡرِ۔ مَثَلُ نُوۡرِهٖ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا مثل کے معنی دلائل۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ معارف۔ ۳۔ بعض نے کہا صفات۔ زجاجہ کی قرأت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت۔ زَ کے پیش سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت زبر سے۔ ۳۔ بعض کی قرأت زیر سے۔ دُرِّیٌّ کی قرأت میں پانچ قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت دال کے پیش سے۔ ۲۔ بعض کی زبر سے دَرِّیٌّ۔ ۳۔ بعض کی زیر سے دِرِّیٌّ۔ ۴۔ بعض کی قرأت۔ دال کے بعد ہمزہ سے دُرِّیءٌ۔ ۵۔ بعض کی قرأت ذال سے۔ ذُرِّیٌّ۔ دُرِّیٌّ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے معنی کیے روشنی والا۔ ۲۔ بعض نے کہا اندھیرا دور کرنے والا۔ ۳۔ بعض نے کہا چلنے والا۔ يُّوۡقَدُ۔ قرأت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت۔ يُّوۡقَدُ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت تُوۡقَدُ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت تَوَقَّدُ ہے مِنۡ شَجَرَةٍ کے مِنۡ میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ مِنۡ سببیہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا ابتدائیہ ہے۔ شَرۡقِيَّةٍ غَرۡبِيَّةٍ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت۔ ق اور بَ کے زیر سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت ق اور بَ کے زبر سے۔ لَمۡ تَمۡسَسۡهُ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت لَمۡ تَمۡسَسۡ تَ سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت۔ لَمۡ يَمۡسَسۡ۔ یٰ سے۔

فائدے

اس آیت پاک سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اس آیت مقدسہ نے بتایا کہ صفات الٰہیہ منور ہیں ذات الٰہیہ سے اور اس کی معرفت آسمانوں زمین میں ہر جگہ ظاہر۔ یہ صفات بالفعل ممکن فی نفس ہیں۔ اور بالقوہ واجب بالذات ہیں۔ اپنے امکان کی وجہ سے بالفعل حادث ہیں اسی لیے وجود انبیاء سے ظہور ہوتا ہے۔ یہ فائدہ اَللّٰهُ نُوۡرُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ مَثَلُ نُوۡرِهٖ سے حاصل ہوا (از نبراس) **دوسرا فائدہ:** اولیاء اللہ کے مشاہدات کی تجلیاں، صفات کے ہزار ہا پردوں کے پیچھے ہوتی ہیں تب ہی اولیاء کے مقام و وجود کی بقا قائم رہتی ہے۔ ورنہ ایک جھلک بھی بے حجاب ہو تو مثل طور کے سب کچھ جل کر فنا ہو جائے۔ صفات بے حجابی کا ظہور صرف انبیاء علیہم السلام اور بعض ملائکہ مقربین کا خاصہ ہے۔ مگر آقاء کائنات ﷺ کے لیے جب ظہور ذات ہوا تو زمین یا کسی مکان پر نہ ہوا۔ بلکہ یہ مظاہرہ دیدار ذات لامکان قَابَ قَوۡسَيۡنِ اَوۡ اَدۡنٰى ۝ پر ہوا۔ کیونکہ لامکان کے علاوہ کوئی بھی مکان اس کا متحمل تھا نہ ہے۔ یہ فائدہ اَلۡمِصۡبَاحُ فِىۡ زُجَاجَةٍ (الخ) کے ارشاد سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ولایت کی تین قسمیں پہلی ولایت کبریٰ یہ انبیاء کرام علیہم السلام کی۔ دوم ولایت عُلیا یہ ملائکہ کی۔ سوم ولایت صغریٰ یہ اولیاء اللہ کی ان تینوں ولایتوں کے مدارج اس طرح ہیں۔ ولایت کبریٰ کو قرب الٰہی قرب صفات بلا حجاب ہے۔ اور ولایت عُلیا کو قرب کلام ہے اور ولایت صغریٰ کو قرب صفات بالحجاب ہے۔

marfat.com

ولایت کبریٰ کا قرب مِنْ حَیْثُ الْقِیَام ہے۔ ولایت علیا کا قرب حیثیت باطنی سے ہے۔ ولایۃ صغریٰ کا قرب زُہد وتقویٰ کی حیثیت سے ہے۔ مگر کسی بھی قرب کے لیے کوئی کیفیت معین نہیں کی جا سکتی کیونکہ اس قرب کا ادراک نہ کوئی عقل کر سکتی ہے نہ حواس نہ علم حضوری نہ علم حصولی۔ اس کا ادراک وسمجھ صرف فیضان الٰہی سے ہو سکتا ہے۔ جس کو بیان نہیں کیا جا سکتا۔ صرف محسوس ہو سکتا ہے۔ یہ فائدہ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

اس آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق صفات الٰہیہ عین ذات ہیں نہ غیر ذات بلکہ زائد علی الذات ہیں یہی کتاب وسنت سے ثابت ہے اور اسی پر اجماع امت ہے یہ مسئلہ کَمِشْكٰوةٍ فِیْهَا مِصْبَاحٌ ؕ کی تشبیہ سے مستنبط ہوا (امام رازی) **دوسرا مسئلہ:** قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ نفلی نماز ہے۔ حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے میرے قریب ہو جاتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور اتنا قرب بخشتا ہوں کہ اس کی آنکھ، زبان، کان، ہاتھ بن جاتا ہوں پھر وہ بندہ میری قوت سے سنتا دیکھتا بولتا پکڑتا ہے۔ یہ مسئلہ یہاں یُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ کی تمثیل سے اور سورۃ بقرہ آیت ۲۵۷۔ اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ یعنی بندہ عابد شجر فیضان الٰہی سے سراپا روشنی بن جاتا ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** کوئی شخص اپنے علم، عقل، زہد، تقویٰ یا ذات صفات کمالات سے رب تعالیٰ کی ذات وصفات کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا نہ نبی کریم ﷺ کی معرفت پا سکتا ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ فضل نہ فرمائے۔ یہ مسئلہ۔ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اگرچہ ہمارے مرشد مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ نے بھی لکھا ہے کہ جسم محمدی کا سایہ نہ تھا اور تمام سنی علماء فقہاء بھی یہی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہ تھا۔ مگر میری عقل تسلیم نہیں کرتی۔ کیونکہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جسم کثیف کا سایہ نہ ہو (از صاحبزادہ عبدالدائم ہزاروی مجددی ودیگر وہابی لوگ) **جواب:** یہ آپ کی عقل فکری کمزوری ہے ورنہ دنیا میں ہزاروں جسم کثیف ہیں جن کا سایہ نہیں ہوتا۔ مثلاً شفاف شیشہ، بلب ٹیوب وغیرہ۔ نیز یہ آیت نور بھی بتا رہی ہے کہ آقا ﷺ کے جسم اقدس کو محض کثیف کہنا بھی گستاخی ہے۔ کیونکہ آپ کا جسم اقدس جسم شفاف زُجَاجَةٍ نُوْرُ اللّٰه ہے اور آپ کی بشریت بھی۔ فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِیًّا وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ اور قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ ہے۔ نہ روشن زجاجہ کا سایہ ہوتا ہے نہ سِرَاجًا مُّنِیْرًا کا نہ نور کا۔ یہی وجہ ہے کہ کسی صحابی نے نبی ﷺ کا کبھی سایہ نہ دیکھا۔ یہ آیت تو اتری ہی اس بات کو ثابت کرنے کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے چار قسم کے جسم پیدا فرمائے۔ ۱۔ جسم لطیف۔ ۲۔ جسم کثیف۔ ۳۔ جسم شفاف۔ ۴۔ جسم ارواح۔ روح نہ لطیف ہے نہ کثیف نہ شفاف وہ تو امر ربی ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ۔ کوکب ستارے کو کہتے ہیں اور دُر موتی کو۔ ستارہ آسمانوں میں دُر زمین میں کوکب زیادہ چمکدار رہتا ہے۔ تو یہاں كَوْكَبٌ کو دُر کیوں فرمایا گیا یعنی اعلیٰ کو ادنیٰ کی طرف تعارفی نسبت کیوں دی گئی چاہئے تھا کہ دُرِّیٌّ كَوْكَبٌ فرمایا جاتا یا كَوْكَبٌ نَجْمٌ۔ **جواب:** اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ اس موتی کو

marfat.com

درّ کہا جاتا ہے جو موتیوں میں سب سے زیادہ چمکدار ہو تو یہاں کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کہنے کا معنی ہے ستاروں میں سب سے زیادہ در یعنی چمکدار۔ **جواب دوم** آسمان پر پانچ بڑے ستارے جو سیارہ بھی ہیں۔ ۱۔ زحل۔ ۲۔ عطارد۔ ۳۔ مشتری۔ ۴۔ مریخ۔ ۵۔ زہرہ۔ ان میں سب سے زیادہ چمکدار ستارہ زحل ہے۔ اس کو ہی کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ کہا جاتا ہے اس کو تشبیہ دیتے ہوئے یہاں اس ذات اقدس زجاجہ کو کَاَنَّهَا فرمایا گیا۔ چاند سے تشبیہ اس لیے نہ دی گئی کہ اس میں داغ ہیں اور گرہن بھی لگ جاتا ہے۔ سورج سے بھی تشبیہ اس لیے نہ دی گئی کہ اسے بھی گرہن لگ جاتا ہے۔ نیز سورج کو قرآن مجید میں سراج فرمایا گیا۔ اور مصباح بھی سراج ہے۔ زجاجہ کو کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ فرمایا گیا۔ تا کہ پتہ لگ جائے کہ زجاجہ کا مرتبہ مصباح سراج سے کم ہے۔ اگر زجاجہ کو شَمْسٌ دُرِّیٌّ فرمایا جاتا تو زجاجہ کا مرتبہ مصباح سے بڑھ جاتا اور یہ حقیقۃ و مقصود کے خلاف ہے کیونکہ بتایا یہ جا رہا ہے کہ زجاجہ مصباح کی وجہ سے کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ ہے۔ شَمْسٌ درّی کہنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زجاجہ خود ہی چمکدار ہے۔ حالانکہ کوئی چمنی خود چمکدار نہیں ہوتی بلکہ اندر کی مصباح بتی برقی ناری یا نوری سے روشن و چمکدار ہوتی ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی مثال مصباح سے کیوں دی چاہیے تھا کہ شمس سے مثال دی جاتی اور فرمایا جاتا۔ فِيهَا شَمْسٌ وَالشَّمْسُ فِىْ زُجَاجَة کیونکہ شمس اَتَمّ وَاَکْمَل وَاَحْسَن روشنی ہے۔ **جواب:** پانچ وجہ ہیں کہ مصباح سے مثال دینا ہی مناسب و بہتر ہے۔ پہلی وجہ یہ بتایا ہے کہ نور قلب میں اور قالب سینے میں اور سینہ بدن میں یہی تین چیزیں مصباح میں ہوتی ہیں اس طرح کہ روشنی مصباح میں اور مصباح زُجاجہ میں اور زجاجہ مشکوٰۃ میں یہ ترتیب سورج میں نہیں۔ وجہ دوم یہاں نور معرفت مراد ہے جس کے لیے آلات ضروری اور آلات کے لیے اجتماع ضروری معرفت کے آلات، ذہن، فہم، عقل کی بیداری، شعور اور انشراح یعنی دل دماغ کی بیداری۔ یہی چھ آلات مصباح کے لیے ضروری۔ قندیل، روشنی، فتیلہ بتی، تیل، چمنی، طاق۔ یہ چیزیں سورج میں نہیں۔ وجہ سوم یہ کہ سورج کی روشنی اعلیٰ سے اسفل یعنی اوپر سے نیچے کی طرف آتی ہے اور نیچے کو چمکاتی ہے مگر چراغ نیچے سے اوپر کو چمکاتا ہے اور نور معرفت بھی نیچے والوں کو اوپر سے چمکاتا ہے۔ چوتھی وجہ سورج کی روشنی صرف دن کو منور کرتی ہے مگر چراغ دن رات کے ہر اندھیرے کو مٹاتا ہے ایسے ہی نور معرفت بھی ہر اندھیرے کو مٹاتا ہے۔ وجہ پنجم سورج کی روشنی ہر خاص و عام کے لیے ہوتی ہے مگر چراغ کی روشنی ہر ایک کے لیے نہیں ہوتی بلکہ صرف چراغ والے کے لیے اسی طرح نور معرفۃ بھی صرف اہل دل کے لیے ہوتی ہے۔ **چوتھا اعتراض:** نور معرفت کو نور شمس سے تشبیہ نہ دینا تو ان وجوہ سے ٹھیک ہوا چاہیے تھا کہ نور شمع سے تشبیہ دی جاتی کیونکہ شمع کی روشنی چراغ کی روشنی سے زیادہ ہوتی ہے۔ **جواب:** شمع سے تشبیہ دینا بھی درست نہیں اس کی دو وجہ۔ ایک یہ کہ شمع کا تیل خالص نہیں ہوتا موم وغیرہ کئی چیزوں کی ملاوٹ ہوتی ہے لیکن چراغ میں ایک ہی خالص تیل ہوتا ہے زیتون کا یا سرسوں کا وغیرہ اسی طرح نور معرفت کے لیے بھی خلوص ایمان و اعمال ضروری۔ منافقانہ فاسقانہ ملاوٹ کے ایمان و اعمال سے نور معرفت نہیں ملتا۔ دوم یہ کہ شمع امراء کی روشنی ہے اور چراغ فقراء کی روشنی اور نور معرفت بھی فقراء کے دلوں میں ہوتا ہے نہ کہ امیروں کے دل میں اس لیے نور معرفت کو سمجھنے کے لیے مصباح فقراء کی تمثیل و تشبیہ ہی مناسب ہے۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ

صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ یہ آیت نور جسم مصطفیٰ ﷺ کے تعارف اصلیہ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ اللہ تعالیٰ نبوت مصطفیٰ کے آسمانوں اور بشریت مصطفیٰ کی زمین کا نور وحدت ہے ضیاء فیضان کی عطا و تقسیم کے لیے۔ قالب مصطفیٰ میں چالیس نور ہیں۔ ۱۔ نور حفظ۔ ۲۔ نور خشیت۔ ۳۔ نور امید۔ ۴۔ نور محبت۔ ۵۔ نور تفکر۔ ۶۔ نور یقین۔ ۷۔ نور تذکر۔ ۸۔ نور علم۔ ۹۔ نور عقل۔ ۱۰۔ نور حیات۔ ۱۱۔ نور عبادت۔ ۱۲۔ نور حلاوت۔ ۱۳۔ نور احسان۔ ۱۴۔ نور نعمت۔ ۱۵۔ نور فضل۔ ۱۶۔ نور کرم۔ ۱۷۔ نور برکت۔ ۱۸۔ نور رحمت۔ ۱۹۔ نور ہیبت۔ ۲۰۔ نور قدرت۔ ۲۱۔ نور حکمت۔ ۲۲۔ نور جلالت۔ ۲۳۔ نور جمالت۔ ۲۴۔ نور استقامت۔ ۲۵۔ نور انسیت۔ ۲۶۔ نور عظمت۔ ۲۷۔ نور محبوبیت۔ ۲۸۔ نور محمدیت۔ ۲۹۔ نور وحدت۔ ۳۰۔ نور ابدیت۔ ۳۱۔ نور نبوت۔ ۳۲۔ نور فردیت۔ ۳۳۔ نور ازلیت۔ ۳۴۔ نور ہدایت۔ ۳۵۔ نور سعادت۔ ۳۶۔ نور قدرت۔ ۳۷۔ نور اعمال۔ ۳۸۔ نور مکاشفہ۔ ۳۹۔ نور کلیت۔ ۴۰۔ نور اسرار۔ یہ تمام انوار قالب مصطفیٰ میں ہی جمع ہیں۔ کیونکہ ذات مصطفیٰ تمام شرطوں کے ساتھ قائم مع اللہ ہے۔ حقیقت عبادت اور طریقت محبت جسم محمدی سے ہی دائم ہے۔ وہی نُوْرُہٗ ہے اور مَعَ اللّٰہُ عَلٰی نُوْرِہٖ ہے جس طرح دنیا کی حفاظت کے لیے آسمانوں میں بارہ برج ہیں۔ ۱۔ حمل۔ ۲۔ ثور۔ ۳۔ جوزہ۔ ۴۔ سرطان۔ ۵۔ اسد۔ ۶۔ سنبلہ۔ ۷۔ میزان۔ ۸۔ عقرب۔ ۹۔ قوس۔ ۱۰۔ جدی۔ ۱۱۔ دلو۔ ۱۲۔ حوت۔ جب تک یہ بروج قائم ہیں نظام عالم قائم ہے اسی طرح جہان معرفت کے سموات سر اقدس ہے اس میں طریقت حقیقت کے بارہ برج ہیں۔ ۱۔ ذہن اقدس۔ ۲۔ عقل مبارک۔ ۳۔ ایمان مکمل۔ ۴۔ یقین محکم۔ ۵۔ بصیرت مقدس۔ ۶۔ فراست پیہم۔ ۷۔ حیاء فطرت۔ ۸۔ رجاء رحمۃ۔ ۹۔ خشیت صادق۔ ۱۰۔ نفس لوامہ۔ ۱۱۔ ہوش کائناتی۔ ۱۲۔ انشراح قلب و دماغ۔ جب تک قلب و قالب عارفین پر ان بروج محمدی کے انوار نازل ہوتے رہیں گے اس وقت تک نظام ولایت، حلاوت، عبادت، سعادت معرفت، توفیق ہدایت قائم و موجود ہے۔ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ۔ مشکوٰۃ عالم اجسام ہے زُجَاجَۃٍ عرش ہے۔ مصباح کی کرسی ہے۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَةٍ اَلزُّجَاجَةُ كَاَنَّهَا كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ۔ خود ذاتاً بھی ظاہر صفاتاً بھی ظاہر اور ہر وجود کو ظاہر کرنے والا۔ وہ پایا گیا اپنے وجود سے اور ظاہر ہوا اپنے ظہور سے وہی ہے آسمانوں زمین کا نور اصلی ہے۔ ارواح سَمٰوٰۃ و اجسام ارض کو ایجاد و روشن فرمانے والا۔ یہی پوری کائنات باطن ہے۔ جس نے بھی وجود پایا اسی نور الٰہی سے پایا۔ جو امانت ہے زجاجہ مصطفوی میں یہاں مثل سے مراد صفت ہے۔ تمام عالمین مشکوٰۃ ہیں۔ ان میں ہر طرف ظلمت تھی تو روح مصباح نے ان کو منور فرمایا اور عقل و حواس کا زجاجہ پہنایا۔ قلب مطہر کو روح منور بخشی تمام مشکوٰۃ موجودات شعلہ نورانی بنادی۔ پھر ایسی نورانیت ظاہر ہوئی جیسے كَوْكَبٌ دُرِّیٌّ کہ نبوت کے تمام ستاروں میں سب سے زیادہ علویت فرطیت و کثرت میں مُنَوَّر۔ یہی شعاعیں وارد ہوئیں قلوب عارفین کے ذروں پر تو ان کو سدا ایسا جگمگا دیا۔ کہ يُّوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَيْتُوْنَةٍ لَّا شَرْقِيَّةٍ وَّلَا غَرْبِيَّةٍ يَّكَادُ زَيْتُهَا يُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْهُ نَارٌ۔ شجر مبارکہ وہ عالم ملکوت ہے جو عالم اجسام کا باطن ہے اسی سے روشن کیا جارہا ہے ان نفوس اولیاء اللہ کو جو اعمال صالحہ و عبادات نفلیہ کی شاخوں میں برکت دیئے ہوئے ہیں نہ فقط ازلی مشرق میں اور نہ فقط فنا کے مغرب میں بلکہ ان کے لیے ابدی بقا ہے فنائیت

marfat.com

نہیں ہو سکتی ان کی زمین بدنی پھولوں سے معطر پھلوں ملذ ذ ہے ان ہی اعمال کے منافع فضاء قلبی میں یُضِیٓءُ روشن ہیں اور انہی اخلاق حسنات اعمال مدرکات ترقی کمالات سے روحانی سمٰوات میں برکات پھیلی ہیں۔ ان سے ہی سعادت دارین کا وجود ہے۔ ان نفوس رسالت سے زمین ناری پرنور کی سات قندیلیں روشن کی گئی ہیں۔ ا۔ انوار۔ ۲۔ اسرار۔ ۳۔ معارف۔ ۴۔ حقائق۔ ۵۔ مقامات۔ ۶۔ مکاسب۔ ۷۔ احوال و مواہب۔ مثل زیتون عالمین طریقۃ کا وجود کلی و جزئی اور قلب و روح میں جلوہ گر ہے قریب ہے کہ اس کا روغن فیضان عدم سے ظہور میں نور مقدس بن کر ایقان فطری عرفان عملی میں خود بخود روشن ہو جائے۔ نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ یَهْدِی اللّٰهُ لِنُوْرِهٖ مَنْ یَّشَآءُ ؕ۔ نور کمال پر نور توفیق ثابت قائم موجود ہے یہ سعادت رب کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ہدایت دیتا ہے وصلِ قُرب کی طرف خیرِ کثیر سے جس کو چاہے لائق۔ طالب متمنی و اہل عنایت بنا دے اور سعادت پر فائز فرما دے۔ اگرچہ قدرت سے نارِ عشق اس کو نہ پہنچے اور عقل تنزیلی و شعور الہامی کی آگ اس سے نہ لگے۔ وَ یَضْرِبُ اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ ؕ۔ اور بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمثیلات عرشی ان طالبین فرشی کے لیے جو معرفت رسالت کے عاشقین ہیں تاکہ دیدارِ حقیقی آسان ہو جائے وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۳۵﴾۔ اور اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے ہر مثال کی مطابقت اور بندوں کی مناسبت اور اس کے بیان کرنے کو۔ منکشف فرماتا ہے اہل فراست علماء اولیاء اصفیاء کے لیے تحقیقات کی حقانیت کو۔ بندہ عارف پر دو نور ہیں۔ پہلا صفت رحمانی کا نور دوسرا عرش لامکانی کا نور۔ اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے نور رحمانی کے فیض کی ہدایت دیتا ہے اور جس پر چاہے تحت الثریٰ تک ایجاد کا ارادہ فرماتا ہے۔ بعض نے فرمایا۔ مشکوٰۃ جسم عارف ہے زجاجہ قلب ہے مصباح اَسرار ہے۔ شجر حیات ہے۔ مبارک روح ہے زَیْتُهَا وہ روح انسانی ہے جس میں نور عرفانی ہے قبولیت کی بقا ہے اسی میں نار تجلی کی چمک ہے جب نور عقل سے عَلٰی نُوْرٍ ہوا اور مَنْ یَّشَآءُ ؕ کے بھید سے منور ہوا تب زجاجہ قلب و مشکوٰۃ جسم چمک کر کوکب دری بن گیا اور شعاعیں حواس کے روشندانوں سے نکل پڑیں تب زمین بشری ضیاء ابدی سے بھر گئی۔ اسی طرف سورۃ زمر آیت ۶۹ میں اشارہ ہے کہ وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا۔

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَ یُذْكَرَ فِیْهَا اسْمُهٗ ۙ

وہ نور والا طاق ان گھروں میں ہے اجازت دی ہے اللہ تعالیٰ نے یہ کہ ہر طرح بلند رکھیں جائیں وہ گھر اور لیا جایا کرے

ان گھروں میں جنہیں بلند کرنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان میں اس کا نام لیا جاتا ہے

یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ ۙ

ان گھروں میں اس اللہ کا نام تسبیح پڑھتے رہتے ہیں ان گھروں میں بوقت سحر اور بوقت شام

اللہ کی تسبیح کرتے ہیں ان میں صبح اور شام

رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ

وہ لوگ کہ نہیں بے توجہ کرتی ان کو تجارت اور نہ دکانداری اللہ تعالیٰ کے ذکر سے

marfat.com

وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد
وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ
اور نماز پنج وقتہ قائم رکھنے سے اور زکوتیں ادا کرنے سے ڈرتے ہیں
اور نماز برپا رکھنے اور زکوۃ دینے سے
يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾
وہ اس دن سے پھر جائیں گے جس دن میں عقل و علم والے دل اور آنکھیں
ڈرتے ہیں اس دن سے جس میں الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں
لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَيَزِيْدَهُمْ مِّنْ
ڈرتے ہیں تاکہ بدلہ دے ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان اعمال سے زیادہ اچھا جو کئے انہوں نے اور زیادہ عطا فرمائے اپنے
تاکہ اللہ انہیں بدلہ دے ان کے سب سے بہتر کام کا اور اپنے فضل سے انہیں
فَضْلِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾
فضل میں سے ان لوگوں کو اور اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے حساب
انعام زیادہ اور اللہ روزی دیتا ہے جسے چاہے بے گنتی

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے نور کی جس کو چاہتا ہے ہدایت عطا فرماتا ہے اب ان آیات میں ہدایت والے گھروں یعنی مسجدوں اور ہدایت پانے والے بندوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ یہ گھر ہیں جہاں سے اللہ تعالیٰ کی ہدایت ملتی ہے اور ان گھروں میں ذکر اللہ و تسبیح الٰہی کرنے والے بندے ہی رب تعالیٰ کے ہدایت یافتہ ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دنیوی ہدایت کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں اس ہدایت کی اخروی جزا کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ یعنی دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور ہدایت سے بندوں کے اعمال صالحہ ذکر تسبیح نماز زکوۃ تا عمر۔ پھر آخرت میں رب تعالیٰ کا فضل اور فضل سے جزاء اعمال۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دونوں کا ذکر فرمایا گیا ایک ایمانی عرفانی روحانی نور پھر دوسرا شجر مبارکہ سے جسمانی نور و روشنی۔ اب ان آیات میں ان ایمانی و جسمانی نور کے دنیوی و اخروی فائدوں کا ذکر کیا جا رہا ہے کہ جسمانی فائدہ تجارت اور ایمانی فائدہ عبادت ہے۔

شان نزول

ایک بار حضرت تمیم داری انصاری صحابی ملک شام سے بہت سی قندیلیں، خوبصورت رسی کی لڑیاں، روئی کی بہت سی بتیاں،

marfat.com

زیتون کا بہت سا تیل خرید کر لائے یہ جمعرات کا دن تھا رات کو بارہ ربیع الاول تاریخ تھی صبح کو جمعہ تھا آپ نے اپنے غلام ابوالبز اد کو جو بہترین مخبر اور کاریگر تھا اور اس کی مدد کے لیے اپنے چند غلاموں کو فرمایا کہ ان رسیوں کی لڑیاں بنائیں اور ان میں تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر قندیلیں لٹکاؤ اور قندیلوں میں یہ بتیاں اور زیتون کا تیل ڈالو۔ پھر بعد مغرب مسجد نبوی میں ہر طرف لٹکا کر سب قندیلوں کو روشن کر دو جو ساری رات روشن رہیں۔ بوقت مغرب ایسا ہی کیا گیا جس سے مسجد نبوی شریف بُقعہ نور بن گئی۔ جب آقاء کائنات حضور اقدس ﷺ نماز مغرب کے لیے تشریف لائے تو مسجد نبوی شریف کا یہ چراغاں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور پوچھا یہ کس نے کیا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا یہ چراغاں تمیم داری نے کیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ان کو بہت دعائیں دیں اور فرمایا کہ تم نے اسلام کو روشن کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری دنیا و آخرت منور فرمائے گا بعد نماز مغرب اس بشارت نبوی کی تائید میں یہ تین آیات نازل ہوئیں از آیت ۳۶ تا آیت ۳۸ (از تفسیر قرطبی و کتاب اسباب نزول) گویا کہ جشن عید میلاد النبی کا یہ پہلا چراغاں تھا جو مسجد نبوی شریف میں نبی کریم ﷺ و صحابہ کی موجودگی میں ایک صحابی نے کیا اور نبوی دعائیں و بشارتیں لیں۔

تفسیر نحوی

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ ۔ فِيْ حرف جر ظرفیت مکانی کے لیے اس کا تعلق اَذِنَ سے ہے متعلق مقدم یا اَلزُّجَاجَةُ سے بُيُوْتٍ اسم جمع مکسر منصرف ہے بَيْتٍ کی موصوف ہے۔ اَذِنَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق اِذْنٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے اجازت دینا مراد ہے۔ کسی کی خواہش باطنی کے مطابق اس کو حکم دینا حکم بمعنی اذن ہوتا ہے۔ اَللّٰهُ اس کا فاعل ہے اَنْ ناصبہ مصدریہ تُرْفَعَ۔ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت مجہول صیغہ واحد مونث غائب رَفْعٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بلند کرنا اٹھانا اس کا نائب فاعل هِيَ ضمیر صیغہ ہے جس کا مرجع ہے بُيُوْتٍ یہ فعل با نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ بَيت کا لغوی ترجمہ ہے رات گزارنا۔ منقول عرفی و اصطلاحی میں چار دیواری اور چھت والے کمرے کو بیت کہتے ہیں۔ اینٹ پتھر کا ہو یا کپڑے کا یا لکڑی کا۔ شعر کو اسی بناوٹ کی بنا پر بیت کہا جاتا ہے مگر اس کی جمع اَبْيَاتٌ ہے۔ يُذْكَرُ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت مجہول صیغہ واحد مذکر غائب ذِكْرٌ سے مشتق ہے یہاں ذکر بمعنی ورد ہے اور مراد ہے عبادت کرنا۔ فِيْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے يُذْكَرَ کا اسْمُهٗ یہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے يُذْكَرَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے تُرْفَعَ کے جملہ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے اَذِنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے بیوتٍ کی وہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر فِيْ سے متعلق ہے يَهْدِيْ کا۔ يُسَبِّحُ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَسْبِيْحٌ۔ سَبْحٌ سے بنا ہے۔ لَهٗ جار مجرور پہلا متعلق ہے فِيْهَا یہ جار مجرور دوسرا متعلق ہے يُسَبِّحُ کا۔ بِ حرف جر برائے ظرفیت زمانی بمعنی فِيْ۔ اَلْغُدُوِّ۔ اسم جمع معنوی اس کا واحد ہے غَدَاتَةٌ۔ لغوی ترجمہ ہے درمیانہ وقت چونکہ قمری تاریخ کا درمیانی وقت صبح سحر کا وقت ہے جو فجر صادق اور طلوع آفتاب کے درمیان ہے اس لیے اس وقت کو غَدَاتَةٌ اور غُدُوٌّ کہا جاتا ہے۔ بِالْغُدُوِّ کا ترجمہ ہے سحر کے وقتوں میں۔ یہ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ اَلْاٰصَالِ۔ یہ اسم جمع الجمع ہے اَصِيْلٌ کی اس طرح کہ اَصِيْل کی جمع اُصُلٌ اور اُصُلٌ کی جمع آصَال۔ جیسے کہ یمین کی جمع يُمُنٌ اور يُمُنٌ کی جمع

marfat.com

اٰیمَانٌ ہے۔ اصالِ کا ترجمہ ہے۔ پچھلا پہر۔ یعنی عصر سے مغرب آخری تک یعنی وقت شام عشاء سے پہلے پہلے۔ یہ معطوف ہے غُدُوِّ پر۔ دونوں عطف مل کر مجرور ہے بِ سے جار مجرور مل کر متعلق ہے یُسَبِّحُ کا۔ رِجَالٌ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِيْتَآءِ الزَّكٰوةِ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهِ ؕ وَ اللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾۔ رِجَالٌ اسم جمع مکسر واحد ہے رَجُلٌ بمعنی مرد۔ لوگ یہ موصوف ہے۔ لَا تُلْهِیْ۔ باب افعال کا مضارع منفی معروف مصدر ہے اِلْهَآءٌ۔ لَهْوٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے غفلت ہونا۔ اِلْهَاءٌ کا ترجمہ غافل کرنا۔ اس مناسبت سے دس معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ کھیل، تماشہ۔ ۲۔ بیکار چیز۔ ۳۔ بے فائدہ کام۔ ۴۔ عارضی بے بنیاد عمارت۔ ۵۔ جذباتی باتیں۔ ۶۔ توجہ ہٹانا۔ ۷۔ بے رخی کرنا۔ ۸۔ دل بہلاوا۔ ۹۔ ہاتھ سے چھوڑ دینا۔ ۱۰۔ غیر اہم۔ هِمْ ضمیر مفعول بہ تِجَارَةٌ باب ضَرَبَ کا دوسرا مصدر مبالغہ بروزن فِعَالَةٌ۔ تَجْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے خرید وفروخت کا پیشہ، کاروبار کرنا۔ یہ معطوف واؤ عاطفہ لَا نفی عاطفہ بَيْعٌ۔ اسم مادہ مصدر مجرد ترجمہ ہے بیچنا۔ معطوف ہے تِجَارَةٌ پر۔ دونوں عطف مل کر فاعل ہے لَا تُلْهِیْ کا۔ عَنْ حرف جر برائے زوال (دور کرنا) ذِكْرِ اللهِ مرکب اضافی مطعوف علیہ واؤ عاطفہ اِقَامِ باب افعال کا مصدر ہے۔ دراصل اِقْوَامٌ ہے۔ تعلیل نحوی سے اِقَامَةٌ ہوا اور اتصال سے مصدر کی تاء آخری گر گئی۔ یہ مضاف ہے الصَّلٰوةِ۔ اسم مفرد مشتق بمعنی پنج وقتہ نماز یہ مفعول مضاف الیہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اِيْتَآءِ باب افعال کا مصدر مضاف الزَّكٰوةِ اسم مفرد مشتق بمعنی فرضی سالانہ صدقہ نصابی۔ یہ مفعول مضاف الیہ شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے اِقَامِ الصَّلٰوةِ پر وہ معطوف ہے ذِكْرِ اللهِ پر سب عطف مل کر مجرور ہے عَنْ سے جار مجرور متعلق ہے لَا تُلْهِيهِمْ کا۔ یہ فعل منفی اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر پہلی صفت ہے رِجَالٌ کی۔ يَخَافُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا مثبت معروف خَوْفٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے ڈرنا، بے اطمینانی، اندیشہ، دھڑکا۔ یہاں معنی اندیشہ کرنا۔ نقیض ہے اَمْنٌ اور طمع کی۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے رِجَالٌ۔ يَوْمًا اسم ظرفیت زمانی کے لیے نکرہ مفرد جامد ہے معنی ہے دن۔ یہ موصوف ہے۔ تَتَقَلَّبُ۔ باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مثبت معروف صیغہ مونث غائب قَلْبٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے دھڑکنا، پھڑکنا، الٹا پلٹا لوٹ پوٹ ہونا۔ فِيهِ جار مجرور متعلق ہے تَتَقَلَّبُ کا۔ الْقُلُوْبُ اسم جمع مکسر ہے قَلْبٌ کی حاصل مصدر جامد بمعنی دل۔ اس کا مصدری ترجمہ ہے دھڑکنا۔ چونکہ یہ ہر وقت دھڑکتا ہے اس لیے دل کو قلب کہا جاتا ہے۔ عقل وعلم فکر و تجسس والے دل کو قلب کہا جاتا ہے۔ الْقُلُوْبُ معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ الْاَبْصَارُ۔ اسم جمع مکسر ہے یہ بَصَارَةٌ اور بَصَرٌ کی ترجمہ ہے بینائی والی آنکھیں۔ یہ معطوف ہے الْقُلُوْبُ پر۔ دونوں عطف مل کر فاعل ہے تَتَقَلَّبُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے يَوْمًا کی وہ مرکب توصیفی ظرف ہے يَخَافُوْنَ کا۔ وہ فعل فاعل ظرف مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت دوم ہے رِجَالٌ کی وہ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مرکب ہو کر فاعل ہے يُسَبِّحُ کا۔ لام حرف تاکید۔ برائے علیت یہاں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ يَجْزِیَ۔ باب ضَرَبَ مضارع مثبت معروف بحالت نصب ہے اسی اَنْ پوشیدہ کی وجہ سے جَزْیٌ سے مشتق ہے اسی سے ہے جَزَاءٌ بمعنی بدلہ هُمْ ضمیر مفعول بہ اللهُ اس کا فاعل۔ اَحْسَنَ۔ اسم تفضیل واحد مذکر باب نَصَرَ سے ہے معنی ہے بہت زیادہ اچھائی والا۔ اَحْسَنَ مضاف۔ مَا اسم موصول عَمِلُوْا ماضی مطلق باب سَمِعَ سے جمع مذکر

marfat.com

غائب یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَا کا یہ موصول صلہ مل کر مضاف الیہ ہے اَحْسَنَ کا یہ مرکب اضافی مفعول بہ دوم ہے یَجْزِیَ کا یہ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ یَزِیْدَ۔ باب ضَرَبَ فعل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب زِیْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ زیادہ دینا، زیادہ کرنا اس کا فاعل ھُوَ ضمیر پوشیدہ مرجع اللّٰہُ۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مرجع ہے رِجَالٌ۔ مِنْ حرف جر بعضیت کا فَضْلِہٖ مرکب اضافی مجرور ہے یہ جار مجرور متعلق ہے یَزِیْدَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَجْزِیَ پر۔ وہ دونوں عطف مل کر علت ہے یُسَبِّحُ کی۔ بعض نے کہا یہ یَخَافُوْنَ کی علت ہے مگر یہ غلط ہے۔ یُسَبِّحُ اپنے فاعل اور تینوں متعلقوں اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ اللّٰہُ مبتدا۔ یَرْزُقُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف رِزْقٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے۔ ضروریات زندگی یہاں یہی مراد ہے۔ رزق انسانی کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ کھانا۔ ۲۔ پینا۔ ۳۔ پہننا۔ ۴۔ برتنا۔ دیگر حیوانات کا رزق تین قسم کا ہوتا ہے۔ کھانا، پینا، برتنا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر کا مرجع اللّٰہُ۔ مَنْ اسم موصول۔ یَشَآءُ باب فَتَحَ کا مضارع۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَرْزُقُ کا بَ حرف جر زائدہ غَیْرِ حِسَابٍ۔ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَرْزُقُ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر مبتدا ہے۔ وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

فِیْ بُیُوْتٍ اَذِنَ اللّٰہُ اَنْ تُرْفَعَ وَیُذْکَرَ فِیْھَا اسْمُہٗ یُسَبِّحُ لَہٗ فِیْھَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ﴿۳۶﴾ حکم فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے کچھ گھروں کے بارے میں یہ کہ بلندی دیئے جائیں اور ذکر اللہ کیا جائے ان گھروں میں اس کے نام پاک کا تسبیح و تحمید، تکبیر و تہلیل اور صلوٰۃ و سلام سے۔ رسول اللہ کا ذکر بھی اللہ تعالیٰ کا ہی ذکر ہے۔ دنیا میں مسلمانوں کے تین قسم کے گھر ہوتے ہیں اس سورۃ میں تینوں قسم کے گھروں کے شرعی احکام بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ رہائشی گھروں کے شرعی احکام آیت ۲۷ میں اور مسافری گھروں کے احکام آیت ۲۹ میں بیان فرمائے گئے۔ اب یہاں آیت ۳۶ میں عبادت خانوں کے شرعی احکام بیان فرمائے جا رہے ہیں۔ بُیُوْتٍ اَذِنَ سے مراد دنیا بھر کی تا قیامت مسجدیں ہی مراد ہیں۔ احادیث مقدسات میں بھی مسجدوں کی بہت شان بیان فرمائی گئی ہے۔ **حدیث اول**: بروایت حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرمان نبوی ہے۔ اَلْمَسَاجِدُ بُیُوْتُ اللّٰہِ فِی الْاَرْضِ۔ مسجدیں زمین میں اللہ تعالیٰ کے گھر ہیں یہ آسمان والوں کے لیے اسی طرح چمکتے ہیں جس طرح ستارے زمین والوں کے لیے۔ **حدیث دوم**: بخاری و مسلم نے بروایت حضرت عثمان غنی فرمان نبوی نقل فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی مسجد بنائی زمین پر تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے گھر بناتا ہے جنت میں۔ **حدیث سوم**: مسلم نے بروایت حضرت ابو موسیٰ اشعری فرمان نبوی کو نقل فرمایا۔ کہ جس نے دو بَرْدَین کی پابندی کی مسجد میں جا کر اس کے لیے جنت یقینی ہے۔ بَرْدَین سے مراد دو ٹھنڈی نمازیں یعنی فجر و عصر۔ **حدیث چہارم**: بروایت حضرت سہل ابن سعد رضی اللہ عنہما کہ فرمایا آقا ﷺ نے جو شخص صبح و شام مسجد میں جا کر دین کی تعلیم سیکھے یا سکھائے وہ مجاہد فی سبیل اللہ کا درجہ پائے گا کہ وہ لوٹتا ہے یہ تعلیم کا مال غنیمت لے کر۔ **حدیث پنجم**: فرمایا آقا ﷺ نے کہ جو مسلمان مسجدوں میں بیکار دنیوی باتیں کرتا وہ اپنی نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جس طرح چرندہ گھاس کو۔ ان احادیث مقدسات نے مسجدوں کی شان و

marfat.com

احترام بتایا۔ یہاں اَذِنَ کا معنی ہے حکم فرمایا۔ اور تُرْفَعَ کا معنی ہے تعظیم۔ قرآن مجید میں چار قسم کی رفعتیں و بلندیاں ذکر ہوئیں ایک جسمانی بلندی۔ چنانچہ سورۃ بقرہ آیت ۶۳ و ۹۳ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ۔ دوم رفعۃِ ذکری سورۃ نشرح آیت ۴ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝۔ سوم رفعت تعمیری۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۲۷ میں ہے۔ وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَ اِسْمٰعِیْلُ ؕ۔ چہارم رفعت افضلیت۔ سورۃ زُخرف آیت ۳۲ میں ارشاد ہے۔ وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ۔ لیکن مساجد کو یہ چاروں رفعتیں دینا مسلمانوں کا فرض ہے کہ ہر مسجد کو نو قسم کی بلندی دی جائے۔ ۱۔ تمام گھروں سے زیادہ مضبوط۔ ۲۔ زیادہ بلند۔ ۳۔ زیادہ خوبصورت۔ ۴۔ زیادہ سجاوٹ۔ ۵۔ زیادہ پاکیزہ۔ ۶۔ زیادہ عزت۔ ۷۔ زیادہ ذکر اللہ و ذکر رسول اللہ۔ ۸۔ سب سے زیادہ معطر۔ ۹۔ منور بنائی جائے ہر بستی اور ہر علاقہ میں۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ پچاس گھروں کے لیے ایک محلے کی بحسب آبادی رقبے میں مسجد بنائی جائے اور تین سو گھروں کے لیے ایک بڑی جامع مسجد بنائی جائے نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ۔ کیونکہ اگر کم بن گئی تو لوگ بے نمازی رہیں گے اور اگر زیادہ بن گئیں تو مسجدیں بے آباد رہیں گی اس لیے کہ کم میں فاصلے بڑھیں گے اور زیادہ میں قربتیں بڑھیں گیں اور دونوں نقصان دہ۔ ویران مسجد اہل علاقہ کو بددعا دیتی ہے اور آباد مسجد دعا دیتی ہے۔ قانون شریعت کے مطابق ہر مسجد کی روزانہ یا ہفتہ وار یا ماہانہ اچھی طرح صفائی کرنا واجب ہے۔ تمام مساجد ان نو عدد رفعتوں اور آبادی کے حقوق میں برابر ہیں اگرچہ درجہ اور ثواب میں برابر نہیں۔ مسجدیں صرف عبادت الٰہی کے لیے بنی ہیں اور عبادت الٰہی دو چیزوں کا نام ہے۔ ۱۔ ذکر اللہ۔ ۲۔ ذکر رسول اللہ۔ اسی لیے نماز الٰہی میں سلام مصطفائی واجب فرمایا گیا۔ ذکر اللہ کے تیرہ طریقے اور چار قسمیں۔ پہلی قسم ذکر ذات جیسے حمد و ثنا اور کلمہ طیبہ کا ورد۔ دوم ذکر صفات یعنی ذکر نفی اثبات۔ منفی جیسے سُبْحَانَ اللّٰهِ اور سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ کا ورد۔ سوم ذکر اثبات جیسے علیمٌ خبیرٌ رازقٌ وغیرہ اسماء الٰہیہ کا ورد۔ نفی اثبات کا جامع ذکر اللہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا ورد کرنا ہے۔ ذکر چہارم فعلی جیسے رازقٌ، خالقٌ حکیمٌ۔ اسماء حسنیٰ کا ورد کرنا۔ مساجد میں ذکر کے تیرہ طریقے۔ ۱۔ تحمید۔ ۲۔ تکبیر۔ ۳۔ تہلیل۔ ۴۔ تسبیح۔ ۵۔ توحید۔ ۶۔ تلاوت۔ ۷۔ عبادت۔ ۸۔ نعت خوانی۔ ۹۔ درود و سلام خوانی۔ ۱۰۔ اخلاق رسول اللہ کا ذکر۔ ۱۱۔ پنج وقتہ جماعت نماز۔ ۱۲۔ تعلیم قرآن و حدیث و فقہ اور لغت عربی کے لیے معاون کتب کی تعلیم۔ ۱۳۔ اسلامی اصلاحی جلسے و مذاکرہ دینی علمی مگر دنیوی تمام کام مسجدوں میں ناجائز ہیں۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَاِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ ۙ۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں کچھ ایسے مرد بھی ہیں جو دن رات صبح شام مسجدوں میں ہر طرح کا خوب اچھے طریقے اور قلبی محبت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیحیں پڑھتے ہیں بلند آواز سے بھی، آہستہ بھی، سرّی بھی، سانسوں میں بھی، بیٹھے بھی، کھڑے بھی، حلقوں میں بھی، صفوں میں بھی، مراقبوں میں بھی، اعتکافوں میں بھی، طلوع فجر سے طلوع آفتاب تک پھر زوال آفتاب سے رات تک ایسے ذوقِ ایمانی شوقِ رحمانی، عشق کبریائی، محبت مصطفائی سے کہ دنیا کی کوئی تجارت کوئی بیع نہ ذکر اللہ سے غافل وست کرتی ہے نہ پنج وقتہ نمازوں کے قائم کرنے سے روکے اور نہ سالانہ زکوٰۃ کے حساب و کتاب و ادائیگی سے دنیوی مشاغل روک سکیں۔ کچھ علماء فرماتے ہیں کہ یُسَبِّحُ کا معنی ہے پرخلوص عبادت و تلاوت اور غُدُوِّ کا معنی ہے سحر سے صبح تک اور اٰصَالِ کا معنی ہے بعد زوال یعنی ظہر، عصر، مغرب، عشاء، تہجد۔ احادیث میں ہے کہ پانچ نمازوں کے لیے گھر سے

marfat.com

وضو کر کے جانے والے کو حج کا ثواب ہے اور دیگر عبادات کے لیے گھر سے وضو کر کے جانا عمرے کا ثواب، اندھیرے میں، بارش میں یا سردی میں مسجد کی طرف چلنے والوں کو قبر وحشر میں نور ہے۔ انتظار نماز میں رہنے یا مسجدوں میں ہی بیٹھنے والوں کو فرشتوں کی دعائیں ملتی ہیں۔ رِجَالٌ سے یہ وضاحت ہوئی کہ مسجدیں صرف مردوں کی عبادت گاہ ہے۔ عورتوں کی اصل عبادت گاہ ان کے رہائشی گھر اور گھروں کے کمرے ہیں۔ تجارت سے مراد سفری سوداگری ہے اور بیع سے مراد اپنے شہر میں کاروبار دکانداری ہے یا تجارت سے مراد اُدھار خرید وفروخت اور بیع نقد خرید وفروخت یا تجارت کا معنی صرف خریداری اور بیع کا معنی صرف فروخت۔ اقامت سے مراد فرائض، واجبات، سنتیں، مستحبات، وضو اور ہر طہارت کو اچھی طرح پابندی سے اور بہتر وقت پر پنج وقتہ نمازوں میں ادا کرنا۔ ذِكْرِ اللهِ اور نمازیں دونوں علیحدہ عبادتیں ہیں۔ ایک حدیث مقدس میں ہے کہ بروز حشر ان لوگوں کے چہرے مَثَلُ كَوْكَبٌ دُرِّيٌّ چمکتے ہوں گے جو اذان سنتے ہی وضو کے لیے اٹھ کھڑے ہوں اور جو لوگ اذان سے بھی پہلے وضو کرلیں ان کے چہرے چاند کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اور جو لوگ اذان کے وقت مسجد میں آچکے ہوں ان کے چہرے سورج کی طرح چمکتے ہوں گے۔ اے میرے کریم ورحیم مولیٰ تعالیٰ مجھے اور میری سب آل اولاد نسل کو اہل صدق وحق و یقین اور مُسَارِعین وسابقین میں سے بنا۔ اِيْتَاءِ کا معنی ہے باقاعدہ سال بعد حساب نصاب سے وقت پر زکوٰۃ نہایت خوشدلی سے ادا کرنا نہ بیدلی سے دیر لگائیں نہ روکیں نہ تلملائیں نہ عمگذار و ہچکچائیں اگر منت مانیں تو پوری کریں۔ ایک حدیث مقدس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت میدان محشر میں تمام مسجدوں کو جمع فرمائے گا۔ اس وقت ان کی عمارتیں چمکدار موتی، ستون عنبر کے، دیواریں زعفران کی، مینارے مشک کے، چھتیں نور کی ہوں گی۔ یہ مینارے اَنْ تُرْفَعَ کی تعمیری نشانی ہے۔ يَخَافُوْنَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ﴿۳۷﴾۔ اتنی عبادت ریاضت تقویٰ طہارت کے باوجود وہ پاکباز بندے قیامت کے اس ہولناک دن سے ڈرتے ہیں جس دن نافرمانوں کے دل اچھل کر گلوں میں اٹک جائیں گے اور دہشت سے آنکھیں نیلی ہو کر اوپر کو چڑھ جائیں گی اور دل اس اندیشے سے دھڑکیں گے کہ نہ معلوم ہمارا انجام کیا ہو۔ نامہ اعمال پتہ نہیں کس ہاتھ میں دیا جائے حساب میں کامیابی ہو یا ناکامی۔ کیا پتہ ہم جنتی ہیں یا جہنمی۔ ہم کو شفاعت ملے گی یا نہیں۔ آج دنیا میں ان پاکباز لوگوں کو بھی اس دن کا دھڑکا لگا ہوا ہے اگرچہ میدان محشر میں لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ کی بشارتیں ان کے لیے ہی ہیں۔ مگر دنیا میں خوف زدہ رہنا بھی ایمان کی ایک اعلیٰ نشانی ہے۔ ان پاکیزہ بندوں کی عبادت، ریاضت خشوع، خضوع ذکر اللہ تسبیح وَ اِقَامِ وَ اِيْتَاءِ اس لیے ہے کہ لِيَجْزِيَهُمُ اللهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ يَزِيْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ وَ اللهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۸﴾ ۔ تاکہ جزا عطا فرمائے ان کو اللہ تعالیٰ ان کے تمام اعمال صالحہ کی مقدار وجوبی میں اَحْسَنَ۔ وہ اعمال جو انہوں نے اپنی اس حیات دنیوی میں کیے۔ یا دس گنا ثواب دے کر یا اس سے بھی زیادہ اچھا ثواب۔ احادیث مقدسہ میں احسن کی پانچ صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ ۱۔ کسی مومن کو ایک کا بدلہ اُسی نیکی جیسا دس گنا ثواب۔ ۲۔ کسی کو زیادہ اچھا۔ ۳۔ کسی کو سات سو گنا ثواب۔ ۴۔ کسی کو ثواب اعمال کے علاوہ بھی فضل وکرم کا انعام۔ ۵۔ کسی کو اعلیٰ مقام۔ ایسا اَحْسَنَ کہ آج دنیا میں نہ کوئی آنکھ دیکھ سکے نہ کوئی عقل سوچ سکے نہ کوئی دل تصور کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ تو دنیا میں بھی جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے اس کی دنیوی عطا کا بھی کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا۔

marfat.com

ان آیات میں اختلافی اقوال

فِیْ بُیُوْتٍ کے تعلق میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا تعلق اَذِنَ سے ہے یہ متعلق مقدم ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ متعلق مقدم ہے یُسَبِّحُ کا۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ متعلق ہے سابقہ یُوْقَدُ کا۔ ۴۔ بعض نے کہا متعلق ہے ایک پوشیدہ فعل یُسَبِّحُوْا کا۔ بُیُوْتٍ کی مراد میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا بیوت سے مراد دنیا کی تمام مسجدیں ہیں۔ ۲۔ بعض نے فرمایا اس سے مراد وہ چار مسجدیں ہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام نے بنائیں زمین کی پہلی مسجد حرم کعبہ جس کو ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام نے تعمیر کیا۔ دوسری مسجد بیت المقدس جس کو داؤد و سلیمان علیہما السلام نے تعمیر کروایا۔ دنیا کی تیسری مسجد قُبا۔ چوتھی مسجد نبوی شریف ان دونوں کو نبی کریم ﷺ نے تعمیر فرمایا۔ ۳۔ بعض نے کہا اس سے مراد صرف بیت المقدس ہے اور بیوت کو جمع فرمانا اس کے مختلف حصوں کی وجہ سے ہے مگر یہ قول احمقانہ ہے۔ ۴۔ بعض نے کہا بُیُوْتٍ سے مراد تا قیامت مسلمانوں کے گھر ہیں جن کو مسجدوں کی مثل استعمال کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے کہ مسلمان اپنے گھروں کو بت خانہ نہ بنائیں۔ ۵۔ بعض نے کہا کہ بُیُوْتٍ سے مراد صحابہ کرام کے گھر ہیں۔ صدیق اکبر نے فرمایا اس سے مراد فاطمۃ الزہرا اور ازواج مطہرات کے گھر ہیں جن کی پاکیزگی رفعت بے مثالی تھی۔ تُرْفَعَ کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا مزین کی جائیں۔ ۲۔ بعض نے کہا عبادت سے آباد کی جائیں۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ تعظیم کی جائیں۔ ۴۔ بعض نے کہا تعمیر میں بلند رکھی جائیں۔ یہ سب قول درست ہیں۔ یُسَبِّحُ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یُسَبِّحُ ہے مضارع معروف واحد مذکر غائب۔ ۲۔ بعض کی قرأت یُسَبَّحُ۔ مضارع مجهول۔ ۳۔ بعض کی قرأت تُسَبِّحُ ہے واحد مونث۔ برائے جمع مکسر رِجَالٌ کے لیے اَلْاٰصَالِ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اَلْاٰصَالِ ہے اُصُلُ کی جمع اور اُصُلُ جمع ہے اَصِیْل کی۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَلْاِصَالِ ہے۔ صَلٰوۃِ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا ہر قسم نماز فرض واجب سنت نفل۔ ۲۔ بعض نے کہا صرف فرض نماز۔ زکوٰۃ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا سالانہ فرضی زکوٰۃ۔ ۲۔ بعض نے کہا ہر قسم کا فرضی واجبی نفلی صدقہ۔ ۳۔ بعض نے کہا زکوٰۃ سے مراد پر خلوص اطاعت۔ مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ اِیْتَآءِ صرف حقوق مالی کی ادائیگی کو کہتے ہیں۔ تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ۝ کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا بروز قیامت صرف کفار کے دل و آنکھیں بگڑیں گی۔ ۲۔ بعض نے کہا کفار و فساق دونوں کی۔ ۳۔ بعض نے کہا ہر انسان کے دل گھبرائیں گے آنکھیں پتھرائیں گی۔ ۴۔ بعض نے کہا تَتَقَلَّبُ کا معنی ہے صالحین کے دل مشاہدہ دیدار الٰہی سے مسرور ہو کر جھومیں گے۔ لِیَجْزِیَ کے تعلق میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا تعلق یُسَبِّحُ سے ہے کہ اس کی وجہ سے جزا۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ لَا تُلْهِیْهِمْ سے تعلق ہے یعنی لَا تُلْهِیْ کی وجہ سے جزا۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا تعلق یَخَافُوْنَ سے ہے یعنی خوف الٰہی کی وجہ سے جزا ہو گی۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** یہاں بندوں کے چار اعمال کے چار ثوابوں کا ذکر وعدہ فرمایا گیا۔ ۱۔ ذکر اللہ کا ثواب لِیَجْزِیَ۔ ۲۔ اِقَامِ الصَّلٰوۃِ کا ثواب اَحْسَنَ۔ ۳۔ اِیْتَآءِ الزَّکٰوۃِ کا ثواب وَیَزِیْدَهُمْ۔ ۴۔ یَخَافُوْنَ کا ثواب یَرْزُقُ۔ یہ فائدہ یہاں اس ترتیب ذکری سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** کوئی مومن مسلمان

marfat.com

بھی اعمال صالحہ کر لینے سے ثواب اخروی کا حقدار نہیں ہوسکتا۔ ثواب کی عطا تو فقط رب تعالیٰ کے کرم وفضل سے ہے ہمارے اعمال ثواب کے لائق نہیں ہوتے۔ یہ فائدہ اَحْسَنَ مَاعَمِلُوْا فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ اگر صرف عمل سے ہی استحقاق ہو جاتا تو اجر مطابق عمل وبرابر حساب ملتا نہ کہ اَحْسَنَ۔ **تیسرا فائدہ:** ہر مسلمان پر ہر مسجد کے تقریباً پچیس حق واجب ہیں جن میں سات کرنے والے اٹھارہ نہ کرنے والے۔

کام کرنے والے

۱۔ جب کسی مسجد میں داخل ہو تو پہلے داخلے کی دعا مانگے۔ اَللّٰھُمَّ افْتَحْ لِیْ اَبْوَابَ رَحْمَتِکَ۔ ۲۔ پھر جوتا اتارے پہلے بایاں پھر دایاں۔ ۳۔ پھر مسجد کے اندر پیر رکھے پہلے دایاں پھر بایاں۔ ۴۔ پھر موجود نمازیوں کو سلام کرے اگر کوئی نہ ہو تو کہے اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ۔ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیْنَ ۵۔ اور عِبَادِ اللّٰہِ سے ملائکہ کی نیت کرے۔ ۶۔ اگر وقت مکروہ نہیں ہے اور گھر سے باوضو ہے تو بیٹھنے سے پہلے دو نفل تحیۃ مسجد پڑھے۔ ۷۔ مسجدوں میں کثرت خوشبو اور کثرت طہارت اور پھر کثرت ذکر اللہ کرنا اور کثرت چراغاں کرنا اور ہر طرح کی زینت کرنا واجب ہے۔

نہ کرنے والے کام

۸۔ مسجد میں بیوپاری سامان لا کر بیچنا وخریدنا مکروہ تحریمی ہے۔ ۹۔ مسجد میں ہتھیار لا کر لہرانا، ڈرانا یا چلانا حرام ہے۔

۱۰۔ بھیک مانگنا یا گمشدہ چیز کا اعلان کرنا یا کرانا ممنوع ہے ہاں البتہ تلاش کرنا جائز ہے۔ ۱۱۔ مسجد میں چیخنا چلانا شور مچانا مکروہ تحریمی ہے اسی بنا پر مسجد کے اندر محراب ومنبر کے پاس پنج وقتہ اور جمعہ کی اول دوم اذان کہنا بھی مکروہ تحریمی ہے۔ ۱۲۔ مسجدوں کو دنیوی باتوں، مشوروں یا میٹنگوں کے لیے استعمال کرنا اور مسجد کو چوپال بنانا سخت حرام قطعی ہے۔ ۱۳۔ مسجدوں میں نمازیوں کو پریشان کرنا صفیں چیر کر گردنیں پھلانگ کر آگے بڑھنا یا جگہ میں جھگڑا کرنا یا صفوں میں گھس کر تنگی پیدا کرنا مکروہ تحریمی ہے بلکہ جس کو جہاں جگہ ملے وہیں نماز ادا کرے۔ ۱۴۔ نمازی کے آگے سے تین صفوں تک گزرنا مکروہ تحریمی ہے۔

۱۵۔ مسجد میں تھوکنا، سنکنا، وضو کا پانی جھاڑنا حرام ہے۔ ۱۶۔ مسجد میں ناچنا، تھرکنا، بھاگنا، دوڑنا اور انگلیاں چٹخانا مکروہ تحریمی ہے۔ ۱۷۔ مسجد میں کوئی کھیل کھیلنا بیٹھ کر یا کھڑے ہو کر حرام ہے۔ ۱۸۔ مسجدوں میں ظاہری یا باطنی گندگی پھیلانا حرام ہے ظاہری گندگی نجاست ہے باطنی گندگی گناہ ہے۔ ۱۹۔ تین قسم کے لوگوں کا مسجد میں آنا یا ان کو لانا گناہ ہے۔ اول پاگل دیوانہ۔ دوم ناسمجھ بچے۔ سوم گھناؤنے اور بدبودار لوگ خواہ منہ میں بدبو ہو۔ مثلاً سگریٹ، بیڑی حقے، لہسن، پیاز کی یا کپڑوں میں بدبو یا جسم میں بدبو، پسینے کی یا گندے تیل پٹرول سپرٹ مٹی کے تیل کی یا زخم کی سڑاند یا دوائی کی یا بغل گندگی۔ تیل مٹی کا مسجد میں جلانا روشن کرنا بھی ممنوع ہے جبکہ اس کی بدبو مسجد میں پھیلے۔ اگر مجبوری ہو تو اس سے تیز خوشبو پہلے مسجد میں پھیلائی جائے۔

۲۰۔ مسجد میں زندہ یا مردہ جوئیں پھینکنا مسجد میں فصد کھلوانا برتن میں خون ڈلوانا یا برتن میں پیشاب کرنا حرام ہے۔

۲۱۔ مسجدوں میں کچہری لگانا سزائیں سنانا یا لگانا ممنوع ہے۔ ۲۲۔ مکڑی کے جالے پرندوں کے گھونسلے صاف نہ کرنا مکروہ تحریمی بلکہ بننے ہی نہ دینا چاہیے۔ ۲۳۔ مسجد میں جنبی مرد اور حائضہ ونفاس والی وجنبیہ عورت کا آنا حرام ہے۔

marfat.com

۲۴۔ مسجدوں میں گزرگاہ بنانا حرام ہے۔ ۲۵۔ مسجد میں میت کی ڈولی لانا، مسجد میں بغیر اعتکاف سونا، کھانا پینا، قصے کہانیاں کہنا فوٹو والے اخبار ورسائل لانا، گندے اشعار کہنا۔ مسجد میں دنیوی تعلیم یا کاریگری سکھانا مکروہ تحریمی ہے خاص کر بچوں کو دنیوی تعلیم دینا سخت ناجائز ہے اس میں دو خرابیاں اولاً بچوں کا شور و بھاگ دوڑ۔ دوم گندگی پھیلنا۔ تقدس مسجد کی پامالی ہے۔ مسجد میں فیس لے کر دینی تعلیم بھی حرام ہے کیونکہ تجارت فی المسجد ہے۔ مسجد میں کسی دنیوی گودام کے لیے کرائے پر دینا منع ہے ہاں مسجد کا اپنا سامان گودام کرنا جائز ہے۔ ایسے ہی حرام کام کے لیے مسجد کا کوئی حصہ کرائے پر دینا ناجائز ہے یہ فائدہ اور یہ تمام شرعی احکام آیت ۳۶ کے پورے مضمون سے حاصل ہوئے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** مسجد کو اپنے ذاتی مال سے مزین کرنا بہترین عمل وسنت صحابہ ہے۔ اور اللہ رسول کی خوشنودی احادیث سے ثابت ہے کہ آقا ﷺ نے مسجد میں روشنی کرنے اور صفائی کرنے والوں کو بہت دعائیں دیں آپ نے کئی دفعہ خود بھی مسجد میں جھاڑو لگائی۔ یہ مسئلہ اَنْ تُرْفَعَ کے حکم ربانی سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** مسجدیں صرف مسلمان مردوں کی عبادت کے لیے ہوتی ہیں۔ اگر بلا عذر مسجد میں مرد نہ آئیں تو سخت عذاب ہے۔ مردوں کی نماز گھروں میں بلا عذر مکروہ تحریمی ہے۔ گھر صرف عورتوں کی عبادت گاہ ہے۔ یہ مسئلہ بُیُوْتٍ کے بعد رِجَالٌ کی تخصیص فرمانے سے مستنبط ہوا۔ احادیث سے بھی یہ مسئلہ ثابت ہے۔ چنانچہ بیہقی شریف میں بروایت حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا فرمان نبوی ہے کہ۔ خَیْرُ مَسَاجِدِ النِّسَآءِ قَعْرُ بُیُوْتِهِنَّ یعنی عورتوں کے لیے بہترین مسجدیں ان کے گھر کے پچھلے کمرے ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا لَّا تُلْهِيْهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ۔ تجارت اور بیع تو ایک ہی چیز ہے کیونکہ تجارت مجموعہ ہے خرید و فروخت کا تو صرف تِجَارَةٌ فرمانا کافی تھا۔ **جواب:** تجارت اور بیع میں چار طرح فرق کیا گیا ہے۔ اول یہ کہ تجارت سفر جلبی کاروبار ہے جس کوفی زمانہ برآمدات کہتے ہیں اور بیع مقیمی حضری دکانداری کو کہتے ہیں اسی کو درآمدات بھی کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ تجارت صرف خریداری کو کہتے ہیں جس میں مشغولیت بھی کم نفع غیر یقینی لیکن بیع میں نفع یقینی اس لیے لین دین کے حساب و کتاب سے مشغولیت بھی زیادہ۔ سوم یہ کہ خریداری آسان ہے بیچنا مشکل و تجربہ کاری ہے۔ چہارم تجارت عمل ہے بیع فن ہے۔ کیونکہ بیع میں مال دینا پیسے لینا نفع کمانا و بچانا ہے اور تجارت میں پیسے دینا مال لینا ہے اور فطرتاً پیسے لینے میں رغبت زیادہ ہوتی ہے اسی لیے گاہک کی دعائیں مانگی جاتی ہیں نہ کہ دکاندار کی۔ نیز خریداری اختیاری چیز ہے اور بیع و بیوپار مجبوری ہے لہٰذا دونوں کی نوعیت مختلف کہ تجارت آسان بیع و بیوپار مشکل اس لیے دونوں کو علیحدہ ذکر فرمایا گیا اور بتایا گیا کہ اہل ایمان کو یاد الٰہی سے نہ آسان کام غافل کرتے ہیں نہ مشکل کام۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں رِجَالٌ لَّا تُلْهِيْهِمْ کیوں فرمایا گیا۔ عورتوں کا ذکر کیوں نہ کیا گیا حالانکہ ذِکْرِ اللّٰہِ و نماز زکوٰۃ تو مسلمان عورتوں پر بھی فرض ہے۔ **جواب:** یہاں عمومیۃ کا ذکر ہے اور عام طور پر عورتیں نہ تجارت کرتی ہیں نہ بیع نہ ان کا مسجد میں حاضری دینا

marfat.com

لازم بلکہ نہ نکلنا شرعاً زیادہ بہتر ہے۔ عام طور پر خرید وفروخت اور حاضری مساجد مسلمان مرد ہی کرتے ہیں اور یہ کام و ذمہ داری بھی اصلاً اور رواجاً مردوں کی ہی ہے اس لیے خاص طور پر صرف مردوں کا ہی ذکر فرمایا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا۔ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيْهِمْ پھر فرمایا گیا۔ لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بندے عمل کرتے ہیں تو جزا وثواب کے مستحق ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ احادیث پاک سے ثابت ہے کہ بندے اپنے اعمال سے ثواب کے حقدار نہیں بنتے۔ نہ ہی ثواب دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے۔ ثواب تو محض رب تعالیٰ کا فضل وکرم واحسان ہے۔ یہی سب علماء اہلسنت کا عقیدہ ہے متفقاً۔ تو پھر یہاں لِيَجْزِيَ کیوں ارشاد ہوا۔ لِيَجْزِيَ کا لام تعلیلی تو بندے کی حقداری اور وجوب الٰہی کو ثابت کرتا ہے۔ **جواب:** حقداری اور وجوب ادائیگی چار طرح لازم ہوا کرتی ہے۔ ۱۔ تعمیل سے۔ ۲۔ تفضیل سے۔ ۳۔ تکریم سے۔ ۴۔ عہد و میثاق اور وعدہ کریمانہ سے مزدور عملی مزدوری کر کے اجرت کا حقدار ہوتا ہے۔ مالک پر قانوناً ادا واجب ہے۔ اور مہمان اپنی مہمانی کا فضیلتاً حقدار بنتا ہے اور میزبان پر اخلاقاً مہمان کی میزبانی ومہمان نوازی واجب ہے لیکن محبوب دوست تکریماً عزت افزائی وتحفے ہدیئے کا حقدار بن جاتا ہے۔ حبیب پر الفتاً محبوب کی عزت لازم ہے۔ مگر مملوک غلام نہ تعمیل سے حقدار اجرت نہ تفضیل سے حقدار میزبانی ومہمانی۔ نہ تکریم سے حقدار تحفہ وہدیہ۔ بلکہ محض وعدہ مولیٰ کی وجہ سے حقدار انعام بنتا ہے غلام اپنے مولیٰ کا کتنا ہی کام کرے مستحق اجرت نہیں ہوتا کیونکہ مولیٰ کے کام کرنا غلام کا فرض مملوکی وغلامی ہے۔ ہاں البتہ اگر مولیٰ کسی بات سے خوش ہو کر غلام سے کوئی وعدہ کر لے تو فقط ایفاء عہدی کی بنا پر مملوک اس چیز یا انعام کا مستحق ہو جائے گا تو سمجھ لو کہ ہم سب اللہ تعالیٰ کے مملوک ومخلوق ہیں لہٰذا اعمال صالحہ وعبادات الٰہیہ ہم پر فرض ہیں۔ اعمال صالحہ سے ہم حقدار ثواب نہ ہوں گے۔ حدیث مقدس میں اسی استحقاق بالاعمال کی نفی ہے اور یہاں لِيَجْزِيَ میں وعدہ کرم الٰہی فضل کبریائی سے لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ۝ کی بنا پر بندے کی حقداری کا ذکر ہے۔ **چوتھا اعتراض:** دنیا میں بہت سے کام ہیں جو مسلمانوں کی غفلت عبادت کا باعث اور سبب بن سکتے ہیں۔ تو صرف تجارت وبیع کو لَّا تُلْهِيْهِمْ میں کیوں ذکر فرمایا گیا۔ مثلاً کھیل تماشہ، مزدوری، بال بچے وغیرہ۔ **جواب:** دنیا کے جائز کاموں میں کثرت توجہ اور بااختیار مصروفیت اور کثرت فوائد والے کام صرف تجارت اور خرید وفروخت ہی ہے جو ہر انسان کی ضرورت زندگی ہے اور انسان دن رات سفر وحضر میں اس میں مشغول ہے کہ کبھی مال خرید کر لانا، کبھی دکان میں سجانا کبھی بیچنا، کبھی حساب وکتاب کرنا کبھی دکان کھولنا مال پھیلانا۔ پھر شام کو سمیٹنا اس میں لگاوٹ بھی تھکاوٹ بھی جب یہ تجارت وبیع جیسے ضروری کام بھی غافل نہیں کرتے تو دیگر مشاغل بدرجہ اولیٰ۔

تفسیر صوفیانہ

فِيْ بُيُوْتٍ اَذِنَ اللّٰهُ اَنْ تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ ۙ يُسَبِّحُ لَهٗ فِيْهَا بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ ۝ۙ۔ جسم مومنین میں قلوب مومنین اللہ تعالیٰ کی مسجدیں ہیں ان کے لیے ہی اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ اے ایمان والو اپنے دلوں کو خواہشات دنیا سے خالی رکھو مشاہدات ذات مظہرات صفات وتصرفات حالات کے لیے۔ دلوں کو باہمت ومشقت ومزین کی بلندیاں عطا کرو اور قالب پر نقشہ مصطفیٰ قلب میں اسوۂ حسنہ کا سرور پھیلاؤ۔ اس طرح کہ دل صفات اللہ کا ذکر کرے۔ عقل اسم اللہ کا روح ذات اللہ کا زبان کلام اللہ کا ورد کرے۔ واصلین بارگاہ زبان قال وحال واسرار سے اپنے رب تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں صبح ایمانی، ظہر

marfat.com

قرآنی، عصر عرفانی، مغرب لامکانی، عشاء قرب رحمانی وتہجد نورانی کے اوقات اسرار میں۔ ذکر اللہ سے قلوب کو بلندی تعمیری ملتی ہے۔ حکم الٰہی ہے کہ ان بیوت اللہ کی بنیاد کو تقوئے صالحات سے مضبوطی دو اور عمارت قلبی کو خالص نیتوں سے بلندی دو اور ان کے درجات انوار عبادات و پاکیزہ خیالات سے مزین کرو۔ کیونکہ رِجَالٌ ۙ لَّا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَّلَا بَيْعٌ عَن ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ ۙ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ ﴿٣٧﴾ ۔ مردان عارفین اور بندگان عاشقین وہ ہیں جن کو تجارت اخروی اور بیع دنیوی بھی نہ ذکر اللہ سے غافل کرتی ہے نہ نماز عشق کی ادا سے اور نہ اموال وارواح واجسام واوقات کی زکوٰۃ نکالنے سے غافل کرتی ہے نہ دنیوی خوبیاں برائیاں غافل کریں نہ راحتیں مصیبتیں۔ نہ خوشی وغم۔ ان بندگان پاکیزہ کی مثال ان بھرے و بہتے دریاؤں کی طرح ہے جو پانی لینے سے کم نہ ہوں اور کسی مردار گرنے سے پلید نہ ہوں۔ پتھر گرنے سے خراب نہ ہوں۔ یہی لوگ حقیقت پر ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی ایسی حفاظت فرمائی ہے کہ خلوتوں جلوتوں میں ماسوا اللہ کی طرف نہیں جاسکتے۔ اسی لیے دنیا کا رنگ و بوا تار چڑھاؤ ان کو رب تعالیٰ سے دور نہیں کرسکتا۔ یہ لوگ اسرار کے باغوں، ذکر کی بہاروں میں مست و مسرور ہیں۔ ظاہر میں مخلوق کے ساتھ ہیں باطن میں خالق تعالیٰ کے ساتھ۔ ان کی تجارت ایمانی ہے ان کی بیع عرفانی ہے۔ اسی تجارت کا ذکر سورۃ الصف آیت ۱۰ میں اس طرح ہوا۔ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنجِيكُم مِّنْ عَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿١٠﴾ ۔ اور ایسی بیع مبارک کا ذکر سورۃ توبہ آیت ۱۱۱ میں اس طرح ارشاد ہوا۔ إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ ۔ یہ وہ خوش قسمت سوداگر ہیں کہ ان کی خرید و فروخت پر خود اللہ تعالیٰ ان کو بشارتیں عطا فرماتا ہے۔ چنانچہ توبہ کی آیت ۱۱۱ میں ارشاد ہے۔ فَاسْتَبْشِرُوا بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿١١١﴾ صوفیاء فرماتے ہیں کہ رجال وہ ہیں جن کی توبہ نہ دنیا کی طرف ہو نہ آخرت کی طرف بلکہ وہ صلوٰۃ وصل کے مشاہدہ قیام میں ہوں اور نصاب اعمال کی اداء زکوٰۃ میں عمریں گزار دیں۔ ان کا غدو سحر خلوت مراقبہ اور آصال زوال جلوت مشاہدہ میں ہے جو رجال حقیقت ہیں وہ غافل شریعت نہیں ہوسکتے۔ یہ کاملین طریقت یوم فراق کے اندیشے سے ڈرتے ہیں کہ کہیں وصل قرب فراق بعد میں نہ بدل جائے دل دھڑکتے ہیں آنکھیں پریشان ہیں کیونکہ ہر بندے کا دل و آنکھیں یَدُ اللّٰہِ کے قبضے میں ہے جب چاہے جیسا چاہے پھیر دے۔ اسی لیے باوجود عبادت عرفانی میں سدا قائم رہنے کے یوم مشاہدہ کی حضوری قرب وحاضری وصل سے خائف ہیں۔ دل پریشان آنکھیں حیران۔ ان کے دل میں انوار ذات ہیں آنکھوں میں انوار صفات ہیں مگر ڈرتے ہیں کہیں ان منازل شہود اور مشاہدہ حقیقت سے ناواقف نہ ہو جائیں اور سیر ابدی اولی سے منقطع نہ ہوں۔ ڈرتے ہیں قلبی اسرار کے بدلنے اور تبدیلی ابصار کے قہر سے کیونکہ جب حقائق بدلتے ہیں تو مجاز کو فنا حقیقت کو بقا ملتی ہے قلب کو وجدان کا سرور آنکھوں کو بقا کا نور ملتا ہے۔ رجال عارفین کی يُسَبِّحُ اور لَا تُلْهِي وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ اور خوف یوم اس لیے بھی ہے کہ لِيَجْزِيَهُمُ اللَّهُ أَحْسَنَ مَا عَمِلُوا وَيَزِيدَهُم مِّن فَضْلِهِ ۗ وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَن يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿٣٨﴾ ۔ تاکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کرم سے وجود حقانی میں جزاء اعمال کی جنت عطا فرمائے جو احسن ہے ان تمام اعمال سے جو انہوں نے حیات شہودی میں کیے۔ اور اپنے فضل ابدی ازلی قدیمی سے کثرت جزا بھی فرمائے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے اسرار و مشاہدے کا رزق کریم بخشتا ہے اس کی عطا بے حساب ہے نہ کوئی گن سکتا ہے نہ حساب وقیاس سے اندازہ لگا

marfat.com

سکتا ہے یہ جمال قدیم کے کشف کا رزق ہے جو بغیر حجاب انشراح سینہ میں نقل نفوس اور قلب ایمانی کی تقلیب سے ہے اللہ تعالیٰ نے دلوں کو تغیر کے لیے ہی پیدا فرمایا اور ان پر عطا کے پردے قفل کی ڈاٹ لگا دی۔ پردے ہٹتے ہیں ذکر کے انوار سے قفل کی ڈاٹ ٹوٹتی ہے فکر آخرت سے اور سینے کھلتے ہیں شکر نعمت سے۔ اے بندو جب تم نے جان لیا پہچان لیا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی مُقَلِّبَ الْقُلُوْبُ وَالْاَبْصَارُ ۳۷ ہے تو چاہئے کہ قلب ونظر کے واردات عملی میں اللہ تعالیٰ کی طرف ہی رہیں اور غفلت ومخالفت سے دونوں بچیں۔ ذکر اللہ دل کی نورانی پالش ہے۔ جب دل صیقل ومنور ہو تو نور جمال کی تجلی فرمائی جاتی ہے۔ یہی جزاء اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا ہے وَرِزْقِ بغیر حساب ہے لہٰذا عقل والوں پر واجب ہے کہ اعمال شریعت وآداب طریقت واخلاق حقیقت کی پابندی واستقامت میں لگے رہیں یہ پابندی ہی انوار طریقت کے حصول کا سبب کبیر ہے۔ جس کا باطن دنیا میں منور ہو گیا اسی کا ظاہر آخرت میں منور ہوگا۔ کیونکہ ہر جزا جنس عمل کے مطابق ملتی ہے (از تفسیر روح البیان۔ عرائس البیان۔ ابن عربی نیشاپوری) چار چیزوں کی پابندی فرض ہے۔ رزق حلال، عبادت کمال، اخلاق جمال اور فکر جلال یہی زیور ایمانی نور قرآنی ہے۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ

اور وہ لوگ جو کافر ہی رہے ان کے تمام اچھے کام چمکتی ریت کی طرح ہے ریگستان میں کہ گمان کرتا ہے

اور جو کافر ہوئے ان کے کام ایسے ہیں جیسے دھوپ میں چمکتا ریتا

يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْــــًٔـا

اس سراب کو پیاسا آدمی دور سے پانی یہاں تک کہ جب آیا اس کے قریب تو نہ پایا اس سراب کو کچھ بھی

کسی جنگل میں کہ پیاسا اسے پانی سمجھے یہاں تک کہ جب اس کے پاس آیا تو اسے کچھ نہ پایا

وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۭ

اور جب کفار نے بروز حشر اللہ تعالیٰ کو اپنے قریب پایا تو اللہ تعالیٰ نے پورا دے دیا اس کو اس کا حساب

اور اللہ کو اپنے قریب پایا تو اس نے اس کا حساب پورا بھر دیا

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۳۹ۙ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّـجِّيٍّ

اور اللہ جلدی کرنے والا ہے ہر ایک کا حساب یا کفار کی مثال جیسے کہ اندھیریاں

اور اللہ جلد حساب کر لیتا ہے یا جیسے اندھیریاں

يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۭ

کسی گہرے دریا میں گھٹا ٹوپ کر دیا ہو اس کو موج اس کے اوپر موج نے اس کے اوپر گاڑھا بادل ہو

marfat.com

کسی کنڈے کے دریا میں اس کے اوپر موج موج کے اوپر اور موج اس کے اوپر بادل

ظُلُمٰتٌۢ بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍؕ اِذَاۤ اَخۡرَجَ يَدَهٗ لَمۡ يَكَدۡ يَرٰىهَاؕ

اتنی اندھیریاں کہ ان کے بعض ہیں بعض پر کہ جب اپنا ہاتھ نکالا نہ قریب ہے کہ دیکھے اس ہاتھ کو

اندھیرے ہیں ایک پر ایک۔ جب ہاتھ نکالے تو سجھائی دیتا معلوم نہ ہو

وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ ﴿۴۰﴾ ع

اور وہ شخص کہ نہ بنایا اللہ تعالیٰ نے جس کے لیے نور تو نہیں ہے اس کے لیے کہیں بھی نور

اور جسے اللہ نور نہ دے اس کے لیے کہیں نور نہیں

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں ہدایت یافتہ لوگوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں ان بدقسمت لوگوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نور کی ہدایت ایمانی سے نہ نوازا۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ہدایت والے بندوں کے اعمال صالحہ کی سدابہاری کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں بے ہدایت لوگوں کے اعمال صالحہ اور اچھے کاموں کی سدا بربادی اور دھوکہ خوری کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں ہدایت کی روشنی اور نُوۡرٌ عَلٰى نُوۡرٍؕ کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں بے ہدایتی کی ظُلُمٰتٌ اور بَعۡضُهَا فَوۡقَ بَعۡضٍؕ کے تہہ درتہہ اور مَوۡجٌ مِّنۡ فَوۡقِهٖ مَوۡجٌ گھٹا ٹوپ اندھیرے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔

شان نزول

بعثت نبوت سے پہلے مکہ مکرمہ میں دو بھائی تھے عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ۔ یہ دونوں سچے دین کے تلاش میں تھے اون کے کپڑے پہنتے اور دن رات دعا مانگتے کہ یا اللہ ہم کو سچا دین عطا فرما۔ کبھی یہودی راہبوں کے پاس جاتے کبھی عیسائی پادریوں کے پاس۔ کسی نے ان سے کہا کہ نبی آخر الزمان تشریف لانے والے ہیں ان کا دین ہی برحق ہوگا۔ وہ صاحب معجزات کثیرہ ہوں گے، چاند توڑیں گے، سورج موڑیں گے، بارش برسائیں گے تم ان پر ایمان لانا۔ اس وقت تو وہ بڑے خوش ہوئے لیکن جب تبلیغ اسلام شروع ہوئی تو منکر رہے ان کے متعلق یہ دو آیتیں نازل ہوئیں اور بتایا گیا کہ یہ سچے دین کے پیاسے تھے مگر ان کو سراب ہی ملا۔ کیونکہ سراب ہی کی طرف دوڑے سچے دین کی طرف نہ آئے۔

تفسیر نحوی

وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا اَعۡمَالُهُمۡ كَسَرَابٍۢ بِقِيۡعَةٍ يَّحۡسَبُهُ الظَّمۡاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡـًٔـا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنۡدَهٗ فَوَفّٰٮهُ حِسَابَهٗؕ وَاللّٰهُ سَرِيۡعُ الۡحِسَابِ ﴿۳۹﴾ ۔ واؤ سر جملہ۔ الَّذِيۡنَ اسم موصول كَفَرُوۡا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب کُفۡرٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے انکار کرنا۔ یہاں مراد ہے اللہ رسول کو نہ ماننا۔ اس کا فاعل ہے

marfat.com

ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا اَلَّذِیْنَ کا دونوں مل کر مبتدا ہے اَعْمَالُ۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے عَمَلٌ۔ ترجمہ ہے حواسِ خمسہ وَ اَعضاءِ ظاہری باطنی کے کام۔ مراد ہیں دینی مذہبی کام یہ مضاف ہے هُمْ ضمیر مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی فاعل ہے پوشیدہ ثَابِتٌ اسم فاعل کا۔ كَاف حرف جر برائے تمثیل۔ سَرَاب صیغہ مبالغہ (کثرت) بروزنِ فَعَالٍ ترجمہ ہے بہت زیادہ چمکنے والی ریت جس کا ہر ذرہ چمکے۔ سَرَبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ چمکیلی ریت۔ یہ موصوف ہے۔ بَ جارہ بمعنیٰ فِیْ ظرفیہ مکانیہ۔ قِیْعَةٍ اسم جمع مبالغہ اس کا واحد ہے قَاعٌ۔ بمعنیٰ ریگستانی چٹیل (ہموار) میدان۔ سَرَابٍ بِقِیْعَةٍ کا ترجمہ ہے ہموار ریگستانی میدانوں میں چمکیلی ریت۔ یہ مجرور ہے بَ سے یہ جار مجرور متعلق ہے وَاقِعٌ اسم فاعل کا وہ اسم فاعل پوشیدہ اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے سَرَاب کی یہ مرکب توصیفی پھر موصوف ہے۔ یَحْسَبُ۔ بابِ سَمِعَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر حَسْبٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ گمان وَتخیل اور اندازہ لگانا۔ خیال رہے کہ سراب کا لغوی معنیٰ ہے چمکیلی ریت۔ اس مناسبت معنیٰ سے سات لفظوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ۱۔ سراب بمعنیٰ فریب ودھوکہ کھانا۔ ۲۔ بہتا پانی۔ ۳۔ کھلا راستہ۔ ۴۔ آزادی سے چلنا، پھرنا، چرنا۔ ۵۔ نشیبی جگہ۔ ۶۔ راستہ بنانا۔ ۷۔ ہموار میدان۔ اور لفظ قِیْعَةٌ۔ قَوْعٌ یا قَیْعٌ سے بنا ہے اصلی معنیٰ ہے ریگستان۔ اس مناسبت سے ہر چٹیل میدان، کھلا جنگل، صاف ستھری جگہ، گھر کے بڑے صحن کو بھی قِیْعَةٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ یَحْسَبُ متعدی بدو مفعول ہے۔ اس کا پہلا مفعول یہ ہُ ضمیر متصل ظاہرہ ہے جس کا مرجع ہے سَرَابٍ۔ اَلظَّمْاٰنُ۔ باب سَمِعَ کا صفت مشبہ۔ الف نون زائدہ تان۔ غیر منصرف ہے برائے مبالغہ۔ بمعنیٰ سخت پیاسا۔ ہر مبالغہ کثرت کے لیے ہی لایا جاتا ہے ظَمْأٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیاس لگنا یہ فاعل ہے یَحْسَبُ کا۔ مَآءً اسم نکرہ بمعنیٰ پانی یہ مفعول بہ دوم ہے یَحْسَبُ کا حَتّٰی حرف جر۔ اِذَا حرف شرط جَآءَ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جَیْءٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنا۔ اس کا فاعل هُوَ پوشیدہ جس کا مرجع ہے ظَمْاٰنُ۔ ہٗ ضمیر ظاہر ظرف مکانی ہے جَآءَ کا مرجع ہے سَرَابِ۔ یہ فعل فاعل اور ظرف مکانی مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ لَمْ یَجِدْ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع نفی حجد بلم بمعنی ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب وَجْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پانا۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے ظمْاٰنُ۔ ہٗ ضمیر ظاہر مفعول بہ اول لَمْ یَجِدْ کا مرجع ہے سَرَابِ۔ شَیْئًا۔ اسم نکرہ عمومی بمعنیٰ کوئی چیز۔ یعنی کچھ بھی یہ فعل فاعل اور دونوں مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ وَجَدَ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق معروف اس کا فاعل ضمیر صیغہ اللہَ اس کا مفعول بہ۔ عِنْدَ اسم ظرفی مکانی بمعنیٰ پاس قریب مضاف ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے وَجَدَ کا یہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اگلی عبارت کا۔ فَ حرف عطف وَفّٰی۔ باب تفعیل کا ماضی مطلق وَفّٰی سے مشتق ہے۔ مصدر ہے تَوْفِیَةٌ۔ ترجمہ ہے پورا کرنا۔ پورا لینا۔ پورا دینا۔ یہاں مراد ہے پورا دینا اس کا فاعل هُوَ پوشیدہ مرجع ہے اللہَ۔ حِسَابَ۔ اسم حاصل مصدر بروزن فِعَالٌ قِتَالٌ وغیرہ۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر مضاف الیہ جس کا مرجع تمثیلی ظَمْاٰنُ ہے یعنی کافر۔ اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا والا۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے وَفّٰی کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے وَجَدَ اللہَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے لَمْ یَجِدْ کے جملے پر وہ سب مل کر جزا ہے اِذَا جَآءَ کے جملے کی شرط وجزا مل کر مجرور ہے حَتّٰی سے جار مجرور مل کر متعلق ہے یَحْسَبُ کا وہ اپنے فاعل دونوں مفعول بہ اور متعلق سے مل

marfat.com

کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے سَرَابٍ بِقِيعَةٍ کی وہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر معطوف علیہ۔ اگلی عبارت وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۳۹ علیحدہ جملہ معترضہ ہے۔ واوٗ ابتدائیہ اللّٰهُ مبتدا۔ سَرِيعُ باب کَرُمَ کا صفت مشبہ برائے مبالغہ بمعنیٰ اسم فاعل سُرْعَةٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے جلدی لینا، جلدی دینا۔ مضاف ہے الْحِسَابِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی خبر ہے۔ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِي بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ؕ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۴۰ اَوْ حرف تخییر و تقسیم اس نے تمثیل اعمال کو تقسیم کر دیا کہ كَسَرَابٍ کفار کے اچھے اعمال کی تمثیل ہے اور كَظُلُمٰتٍ کفار کے برے اعمال کی تمثیل ہے یہ تقسیم چار قسم کی ہے۔ ۱۔ افرادی یعنی کچھ کفار کے اعمال كَسَرَابٍ ہیں کچھ کے كَظُلُمٰتٍ ہیں۔ ۲۔ زمانی یعنی کبھی اچھے کام کبھی برے۔ ۳۔ مکانی یعنی کہیں اچھے کام کہیں برے۔ ۴۔ نوعی یعنی دنیوی اچھے کام دینی برے۔ کاف جارہ برائے تمثیل۔ ظُلُمٰتٌ۔ اسم جمع مونث سالم۔ اس کا واحد ہے ظُلْمَةٌ بمعنیٰ اندھیرا۔ یہ موصوف ہے۔ فِيْ جارہ ظرفیت مکانی کے لیے بَحْرٍ اسم نکرہ مفرد جامد بمعنیٰ سمندر یا بڑا دریا۔ موصوف ہے لُّجِّيٍّ۔ اسم نکرہ بمعنیٰ خوب گہرا پانی ہے لُجَّةٌ سے مشتق ہے اور لَجَّةٌ بفتحہ لام کا معنی ہے لوگوں کی چیخ و پکار شور و غل (قرطبی) یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی موصوف يَغْشٰی باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف غَشْيٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چھا جانا۔ ہٗ ضمیر کا مرجع بَحْرٍ لُّجِّيٍّ ہے یہ مفعول بہ ہے يَغْشٰی کا مَوْجٌ اسم مفرد معنیٰ ہے پانی کی موٹی تہہ یعنی لہر۔ موصوف ہے۔ مِنْ جارہ زائدہ فَوْقِ اسم ظرف مکانی بمعنیٰ اوپر مضاف ہے ہٖ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے رَاكِبٌ پوشیدہ اسم فاعل کا مَوْجٌ اس کا فاعل ہے اور موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ مِّنْ فَوْقِهٖ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے قَائِمٌ پوشیدہ اسم کا۔ سَحَابٌ۔ اسم مبالغہ بمعنیٰ موٹا اور گاڑھا بادل مراد ہے کالی گھٹا۔ یہ فاعل ہے قَائِمٌ کا۔ یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ کے جملے پر وہ مرکب توصیفی صفت ہے يَّغْشٰهُ مَوْجٌ کی مَوْجٌ موصوف اپنے صفت کے جملے سے مرکب ہو کر فاعل ہے يَغْشٰی کا وہ فعل فاعل مفعول یہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے بَحْرٍ لُّجِّيٍّ کی یہ موصوف صفت مرکب ہو کر مجرور ہے فِيْ سے وہ جار مجرور مل کر متعلق ہے مَوْجُوْدٍ پوشیدہ کا وہ اسم مفعول اپنے ضمیر صیغہ نائب فاعل اور فِيْ بَحْرٍ متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صفت ہے ظُلُمٰتٍ کی وہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر معطوف ہے كَسَرَابٍ پر دونوں عطف مل کر متعلق ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کا یہ اپنے فاعل اَعْمَالُهُمْ اور متعلق كَسَرَابٍ مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے وَالَّذِيْنَ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ ظُلُمٰتٌ۔ مبتدا۔ بَعْضُهَا۔ مرکب اضافی یہ فاعل ہے قَائِمٌ یا وَاقِعٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ فَوْقَ بَعْضٍ ؕ یہ مرکب اضافی ظرف ہے پوشیدہ کا۔ قَائِمٌ پوشیدہ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے ظُلُمٰتٌ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِذَا حرف شرط اَخْرَجَ باب اِفعال فعل ماضی مطلق هُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل۔ يَدَهٗ مرکب اضافی اس کا مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ لَمْ يَكَدْ۔ فعل مقاربہ مضارع منفی جحد بلم۔ هُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ اس کا اسم ہے۔ يَرٰی۔ باب فَتَحَ کا مضارع۔ هُوَ ضمیر صیغہ اس کا فاعل هَا ضمیر اس کا مفعول بہ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَمْ يَكَدْ کی یہ سب مل کر جملہ فعلیہ مقاربہ ہو کر جزا ہے شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واوٗ سر جملہ مَنْ اسم موصول شرطیہ۔ لَمْ يَجْعَلِ فعل منفی اللّٰهُ اس کا فاعل لَهٗ جار مجرور متعلق ہے نُوْرًا

marfat.com

مفعول بہ۔ لَمْ یَجْعَلِ اپنے فاعل ومفعول ومتعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ ف جزائیہ مَا حرفی زائدہ نافیہ غیر کافہ۔ یہاں ثَبَتَ فعل ماضی مطلق یا یَثْبُتُ فعل مضارع پوشیدہ ہے۔ یعنی فَمَا ثَبَتَ لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ ثبت فعل۔ لام جارّہ نفع کا ۂ ضمیر مجرور کا مرجع مَنْ ہے یہ جار مجرور متعلق اول ہے ثَبَتَ پوشیدہ کا۔ مِنْ جارّہ بعضیت کے لیے یعنی کوئی نور۔ کچھ ذرہ نور۔ نُوْرٍ یہ مجرور ہے مِنْ سے جار مجرور متعلق دوم ہے ثبت کا۔ وہ فعل با فاعل دونوں متعلقوں سے مل کر جزا ہے مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ کی یہ دونوں شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اے لوگو تم نے اہل ایمان رجالِ رحمٰن کی شان عمل اور اللہ تعالیٰ کے انعام کرم کی خبریں سن لیں اب اہل کفر کے اعمال کی بدحالی بھی سن لو کہ۔ وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِیْعَةٍ یَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءًؕ حَتّٰۤى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ یَجِدْهُ شَیْــٴًـا وَّ وَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗؕ وَ اللّٰهُ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ۔ اور وہ لوگ جو حیاتِ دنیوی میں کافر ہوئے اور کفر پر ہی مرے ان میں سے کوئی بھی نہ غلامی مصطفیٰ میں آیا نہ ایمان کبریائی کا ادراک پایا بلکہ دنیوی عقل وبصارت کے باوجود صنعت الٰہی سے اندھے بہرے ہی رہے تو ان کے وہ دنیوی کام جن کے بارے کفار خوش فہمی میں ہیں کہ توحید ورسالت پر ایمان کے بغیر ہی ہم کو ہمارے یہ اعمال خیر عذاب سے بچانے جنت میں پہنچانے کے لیے مفید ونافع ہیں۔ تو یہ ان کی احمقانہ بھول دھوکہ ہے کفار کے اعمال تو دو پہری کی دھوپ میں چمکتی ریت کے سراب کی طرح ہیں جو دور سے بہتا پانی لگتا ہے اور پیاس سے بے تاب مسافر اس کو ٹھنڈا میٹھا بہتا پانی سمجھ کر گرتا پڑتا اس کی طرف بڑھتا چلا آتا ہے یہاں تک کہ جب اس سراب کے قریب آتا ہے تو سوائے ریت کے کچھ بھی نہیں پاتا نہ چمک نہ دمک نہ بہنے کی سرسراہٹ نہ پانی۔ خیال رہے کہ ہر چمکدار وشفاف چیز پر انسانی حیوانی نظر پلٹ کر جاتی ہے اس لیے اس میں اتنے ہی فاصلے سے ادھر کی اشیا اور اپنا عکس نظر آتا ہے جتنی دور وہ چیز یا دیکھنے والا کھڑا ہو آئینہ ہو یا چمکدار دیوار یا ریت کے چمکدار ذرے اور جو شعاع چمکدار وشفاف جسم میں سے ہو کر دیوار وغیرہ پر پڑے گی وہ ہلتی سرسراتی بھی نظر کو محسوس ہوگی۔ یہی سراب کی حقیقت ہے کہ دھوپ کی ترچھی شعاعوں سے ریت چمکی اور جب اس پر نظر انسانی پلٹی تو بہتا ہوا پانی لگنے لگی لیکن جب مسافر قریب آیا تو یہ ترچھی شعاعیں ختم ہو گئیں اس لیے اب نہ وہ نگاہوں کی پلٹ رہی نہ رینگنا نہ سرسرانا (از فتاویٰ رضویہ جلد اول صفحہ ۵۴۹) یہاں کفار کے اچھے اعمال سے مراد انسانی حیوانی ہمدردی والے کام ہیں فرمایا جارہا ہے کہ کفار یہ دنیوی اچھائیاں کر کے مسرور ہیں اور موت سے پہلے ان کو سراب شیریں سمجھ کر موت وقبر کی طرف دوڑتے چلے جارہے ہیں مگر جب موت کے کنارے قبر کے سرہانے پہنچتے ہیں تو اپنی ان اچھائیوں میں کچھ بھی نہیں پاتے۔ کوئی دنیوی ہمدردی ان کو بچانے میں کام نہیں آتی اور یہ مرنے والا کافر اس ریگستانی پیاسے کی طرح حسرت ومایوسی میں پڑا رہ جاتا ہے۔ پیاسے کو سراب کے پاس اور کافر کو قبر کے پاس آکر اپنے فریب نظری وعقلی کا پتہ لگتا ہے۔ تب رب تعالیٰ کو پکارتا ہے اب انہیں وہاں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ نہ پیاسے کو ساتھی نہ کافر کو ساجھی شریک دیوی دیوتا بس اللہ تعالیٰ ہی اس کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ کو ہی اپنے پاس پایا دنیا میں تقدیر سے موت میں وعید سے۔ قبر میں قہر سے حشر میں تکلیف سے جہنم میں عذاب سے۔ کفار کے اچھے کام کا پورا بدلہ ان کو دنیا میں ہی دنیوی صحت عزت شوکت فتح مندی

marfat.com

کامیابی دے کر دے دیا کیونکہ کفار کی اچھائیاں درخت سے ٹوٹی شاخ کی مثل ہیں شجر حیات کی جڑ تو ایمان اسلامی ہے اور بغیر جڑ والی شاخ کے پھل پھول پتے تروتازگی تو چند روزہ ہی کی خوشنمائی ہوتی ہے۔ کفار کی دنیوی خوشحالیاں انہی چند اچھائیوں کا بدلہ ہے جو دنیا میں دے دیا گیا۔ اب تو صرف ان کے کفر کا بدلہ باقی ہے۔ جس کا عتاب قبر میں۔ حساب حشر میں۔ عذاب جہنم میں ہونا ہے۔ جس میں پورا عدل ہوگا۔ کفر کا بدلہ مرتے ہی شروع اس لیے کہ اللہ تعالیٰ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ہے۔ یہ حساب دنیا میں امتحان لے کر کہ عمل فانی کی جزاء فانی اور قبر میں عذاب وثواب کا نظارہ۔ حشر میں اعمال باقی کی جزاء باقی کہ میزان کے تول سے گواہوں کے قول سے اعمال نامے کے بول سے سُرعتِ حساب میں نہ گنتی کی رکاوٹ نہ کثرت حسابات کی تھکاوٹ نہ قطار کی بناوٹ نہ تعداد کی گھبراہٹ بلکہ سب کا حساب دنیا کے آدھے دن کی مدت برابر میں مکمل۔ خیال رہے کہ عربی میں اصل پانی کو شراب اور فریب کو سَراب کہتے ہیں سَراب کی دو صورتیں بوقت صبح غبارِ بادل کی مثل اور بوقت دوپہر بہتے پانی کی طرح ہوتا ہے۔ غبار کو آل کہتے ہیں۔ بہتے پانی کی مثل کو فریبِ سَراب۔ اعمال کفار کا حال بیان فرمانے کے بعد اب کچھ احوال کفار بیان فرمایا گیا۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ یَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ؕ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ۔ سنو کفار کے اعمال کی حالت سَراب ہے اور کفار کی اپنی حالت حسرت و یاس ہے۔ اعمال فریب ہی فریب۔ حیات ظلمت ہی ظلمت۔ ان ظلمتوں اندھیروں کی مثال اس طرح کہ اگر کوئی گہرے سمندر کی تہہ میں گر جائے برسات کی اندھیری رات میں تو اس پر اوپر نیچے پانچ اندھیرے چھا جاتے ہیں۔ پہلا اندھیرا سمندر کی گہری تہہ کا۔ دوسرا پانی کی ایک موج کا۔ تیسرا طوفانی ہوا سے موج پر موج کا۔ چوتھا رات کا۔ پانچواں اندھیرا ان گاڑھے سیاہ بادلوں کا جنہوں نے ستاروں کی چمک کو بھی بند کر دیا۔ ایسے سخت اندھیرے پر اندھیرا کہ اِذَآ اَخْرَجَ یَدَهٗ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ۔ جب وہ گہرائیوں میں پڑا ہوا سکڑا سکڑایا انسان خود اپنے ہی ہاتھ کو بغل سے نکال کر اپنی آنکھوں کے قریب لائے اور ہاتھ کو دیکھنا چاہے تو نہ دیکھ سکے بلکہ دیکھنے کے قریب بھی نہ ہو۔ جب ہاتھ جیسی قریب چیز بھی دیکھی نہ جا سکے تو کسی دوسری چیز کا دیکھنا تو کہیں زیادہ مشکل اور کیسی عجیب گھبراہٹ کہ ایسے سخت اندھیرے تو خود سمندری جانور گھبراتے ہیں فرمایا جا رہا ہے کہ کفار پر بھی دنیا میں یہ پانچ اندھیر چھائے ہوئے ہیں کہ پہلا کفر کے گہرے سمندر کا۔ دوسرا اندھے عقیدوں کی ابھرتی موجوں کا اندھیرا۔ تیسرا کفر و بت پرستی کی بداعمالی والی بپھری موج پر موج کا اندھیرا۔ چوتھا اندھیرا حقوق اللہ و حقوق العباد و حقوق النفس کی پامالی والے ظلم کی کالی رات کا۔ پانچواں اندھیرا حماقت، جہالت، ضلالت کے ان گہرے گاڑھے سیاہ بادلوں کا جنہوں نے کفار کی عقل و دل سے ہدایت و سعادت کے وہ تمام چمکتے ستارے چھپا دیے جو توفیق کے آسمانوں پر جگمگا رہے ہیں اور کفار کی یہ وہ ازلی بدقسمتی ہے جس کو کوئی انسان بدل نہیں سکتا۔ اس لیے کہ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۔ اور وہ بدقسمت انسان جس کی خرمستیوں ظلم تراشیوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ہدایت کا نور۔ سعادت کی روشنی، توفیق کی چمک نہ بنائی تو اس کے لیے کہیں بھی نور نہیں ہے نہ وہ خود اپنے علم وفن سے نور لے سکتا ہے نہ کوئی دوسرا اس کو نور دے سکتا ہے۔ کیونکہ عطیہ نور کسب و کمائی سے نہیں عطاء الٰہی سے ہی ملتا ہے۔ نور ہدایت تو عشق الٰہی و محبت مصطفائی والوں کو خاص تحفہ کبریائی ہے۔ لیکن

بے عشق محمد کے جو بنتے ہیں نمازی ملتی ہے ضلالت ہی ہدایت نہیں ملتی

marfat.com

حدیث مقدس میں نبی غیب دان ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام جن وانس کو ظلمت میں پیدا فرمایا پھر ان پر نور کی بارش برسائی تو جس پر چھینٹا پڑ گیا وہ دنیا میں مومن بن گیا جو محروم رہا وہ کافر رہا۔ اس کی برکت سے مومن نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ ؕ اور کافر ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ؕ ۔ ہو گیا۔ مومن کا ہر کام وکلام ومقام نور اور کافر کا ہر کام کلام مقام ظلمت ہے۔ کفار کے دلوں پر ظلمت اعتقاد۔ کانوں پر ظلمت کلام۔ آنکھوں پر ظلمت اعمال۔ زبان پر ظلمت بیان جسم پر ظلمت طغیان ہے۔ کافر اپنی جہالت و حماقت کو بے علمی بے عقلی نہیں سمجھتا بلکہ خود کو سب سے زیادہ علم وعقل والا سمجھتا ہے۔ ان آیتوں میں کفار کے اعمال کی نو تمثیلیں اور کفار کے احوال کی سولہ تمثیلیں بیان فرمائی گئیں۔

چنانچہ اعمال کفار: میں ۱۔ سَرَاب سے مراد اچھے کام اور برے عقیدے۔ ۲۔ قِیْعَةٍ سے مراد حیات دنیوی کا صحراء زمانہ۔ ۳۔ اَعْمَالُهُمْ سے مراد کفار کے ہمدردانہ رفاہی کام خیراتی منصوبے۔ ۴۔ یَحْسَبُ کا اشارہ ہے کفار کا اپنے دین وعمل وعقیدوں پر بھروسہ۔ ۵۔ ظَمْاٰنُ سے مراد کفار کی بوقت موت گھبراہٹ پریشانی مایوسی۔ ۶۔ جَآءَهٗ سے مراد موت وقبر تک آنا۔ ۷۔ شَیْــٴًـا سے مراد اچھے کاموں کا برباد ہونا۔ ۸۔ وَجَدَ اللّٰهَ سے اللہ تعالیٰ کا کفار کے لیے فیصلہ عذاب۔ ۹۔ عِنْدَهٗ سے مراد وہ عذاب جو قبر سے شروع ہو۔ ۱۰۔ فَوَفّٰىهُ سے مراد حساب آخرت ہے۔

تمثیلات احوال: ۱۔ ظُلُمٰتٌ۔ کفر یہ عقیدے۔ ۲۔ بَحْرٍ۔ شیطانی خواہشات۔ ۳۔ لُّجِّیٍّ۔ کثرت عیاشی فحاشی کی بدمستی۔ ۴۔ یَّغْشٰىهُ۔ دل پر کفر کی مہر عقل پر گمراہی کے پردے۔ ۵۔ مَوْجٌ۔ جہالت وحماقت۔ ۶۔ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ قلب و قالب پر شیطان کا قبضہ۔ ۷۔ دین اسلام سے شک کرنا۔ ۸۔ مِّنْ فَوْقِهٖ۔ کفار کی فتور عقل۔ ۹۔ سَحَابٌ نفس امارہ کی گمراہ کن چاہتوں کا دھواں۔ ۱۰۔ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا۔ کفر یہ ضد ضدوغرور۔ ۱۱۔ فَوْقَ بَعْضٍ ؕ۔ ہر قسم کے کفر کے ساتھ دین حق کے خلاف سازشیں بھی۔ ۱۲۔ اَخْرَجَ۔ نہ معجزات پر یقین نہ کبھی قرآن پر تفکر نہ کسی کے بتانے سمجھانے پر تدبر۔ ۱۳۔ یَدَهٗ سے مراد عتبہ بن ربیعہ جیسے کفار کو ان کے مومن دوستوں کا سمجھانا۔ ۱۴۔ لَمْ یَكَدْ یَرٰىهَا ؕ۔ اتنی سخت کفر یہ ظلمت کہ کوئی سچائی نہ دیکھ سکے حالانکہ وہ سچا دستگیر مثل ہاتھ قریب ہے۔ ۱۵۔ وَمَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا یعنی کفار کی بدقسمتی۔ ۱۶۔ فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ۔ بدقسمت کے لیے کوئی بھی کہیں بھی ہدایت کی روشنی نہیں۔

ان آیتوں میں اختلافی اقوال

قِیْعَةٍ کی قرأت تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت کی قِیْعَةٍ ہے واحد لفظ۔ ۲۔ بعض کی قرأت قِیْعَاتٍ ہے جمع لفظ۔ ۳۔ بعض کی قرأت قِیْعَاهٍ ہے۔ الظَّمْاٰنُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت الظَّمْاٰنُ ہے ہمزہ سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَظْمَانُ ہے بلا ہمزہ۔ وَجَدَ اللّٰهَ کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا وَجَدَ وَعْدَ اللّٰهِ۔ ۲۔ بعض نے کہا وَجَدَ عَذَابَ اللّٰهِ۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ وَجَدَ قَضَآءَ وَحُكْمَ اللّٰهِ۔ ۴۔ بعض نے کہا۔ وَجَدَ مَلَآئِكَةَ اللّٰهِ یعنی زبانیہ فرشتے۔ عِنْدَهٗ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اپنے پاس۔ ۲۔ بعض نے کہا حساب اعمال کے پاس۔ اَوْ۔ عاطفہ میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ اَوْ عطف تخییری ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عطف نوعی ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ عطف تقسیمی ہے۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ اَوْ ہے ہمزہ سوالیہ اور واؤ عاطفہ سے۔ یعنی سَراب کی تمثیل اُخروی اور ظُلُمٰتٌ کی تمثیل دنیوی ہے۔ ظُلُمٰتٌ کے معنی میں دو قول۔

marfat.com

ا۔ بعض نے کہا برے اعمال۔ ۲۔ بعض نے کہا برے عقیدے دونوں قول درست ہیں۔ بَحۡرٍ کے معنیٰ میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا بَحۡرٍ سے مراد کفار کا قلب وسینہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کفار کی کثیر خواہشیں، تمنائیں۔ لُجِّيٍّ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت لُجِّيٍّ ہے لام کے پیش سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت لِجِّيٍّ ہے لام کے زیر سے۔ دونوں مَوْجٌ کی مراد میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا۔ موج اول سے مراد کفار کی گمراہی۔ موج دوم سے مراد کفار کی ٹیڑھی عقل وفکر کفار ان میں غرق ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ موج اول کفار کی قلبی غفلت اور موج دوم اسلام کے خلاف شک وسازش۔ سحاب کی مراد میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا بادل سے مراد کفریہ خواہشات حرام شہوات۔ ۲۔ بعض نے کہا مراد ہے شرک کفر کی کثرت۔ سَحَابٌ۔ ظُلُمٰتٌ کی ترکیب نحوی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا دونوں مرفوع تنوینی ہیں اور ظُلُمٰتٌ هِيَ پوشیدہ مبتدا کی خبر ہے دراصل ہے هِيَ ظُلُمٰتٌ۔ ۲۔ بعض نے کہا سَحَابٌ۔ ظُلُمٰتٌ ہے اور یہ ظُلُمٰتٌ پہلے ظُلُمٰتٌ کا بدل کل تابع ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ ہے سَحَابُ ظُلُمٰتٍ۔ مرکب اضافی وصفی۔ بمعنیٰ اندھیرے بادل جیسے کہا جاتا ہے۔ سَحَابُ رحمةٍ۔ سَحَابُ مَطَرٍ بمعنیٰ رحمت والا بارش والا بادل۔ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۝ کی دو تفسیریں۔ ا۔ بعض نے کہا کہ جس کو دنیا میں ہدایت وتوفیق نہ ملی تو اس کو آخرت میں بھی کامیابی وقبولیت نہ ملے گی۔ ۲۔ بعض نے کہا جس کو دنیا میں اسلام وشمع رسالت کی روشنی نہ ملی اس کو قبر وحشر میں بھی نہ روشنی ملے نہ جنت کا راستہ۔

فائدے

ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کافر کی نیکیاں اچھائیاں ختم گناہ قائم مگر مومن کے گناہ ختم نیکیاں قائم انشاء اللہ تعالیٰ یہ فائدہ لَمۡ يَجِدۡهُ شَيۡـًٔا کے لیے وَالَّذِيۡنَ كَفَرُوۡۤا کی تخصیص سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو دنیا میں ہی سمجھ لینا چاہیے کہ برے دوست برے استاد بری کتابیں اور کھیل تماشے یہ سب دنیوی ایسے اندھیرے ہیں جو ہر ایک آنکھ کو اندھا کر دیتے ہیں اور سچائی نہیں دیکھنے دیتے۔ یہ فائدہ كَظُلُمٰتٍ کے بعد۔ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا۔ فرمانے حاصل ہوا۔ لہٰذا ہر مسلمان کو ان اندھیروں سے بچنا چاہیے۔ **تیسرا فائدہ:** انسان کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ دنیوی زندگی میں اس کو آستانہ مقدس در مصطفیٰ سے روک دیا جائے نہ حیات طیبہ میں قرب محفل نہ بعد وصل حاضری روضہ اقدس نصیب ہو ایسے بدبخت انسان کے لیے کہیں بھی اور کبھی بھی بھلائی کی ہدایت توفیق کی سعادت کا نور نہیں مل سکتا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سب نور تو سینہ مشکوٰۃ مصطفیٰ میں ہیں ﷺ۔ یہ فائدہ۔ وَمَنۡ لَّمۡ يَجۡعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوۡرًا فَمَا لَهٗ مِنۡ نُّوۡرٍ۝ فرمانے سے حاصل ہوا۔ کچھ گمراہ لوگ دور دراز ملکوں سے حج کرنے جاتے ہیں مگر عدم فرصتی کا بہانہ بنا کر مکہ مکرمہ سے ہی لوٹ آتے ہیں وہ بدبخت دراصل بارگاہ الٰہی سے درکارے دھتکارے ہوئے ہیں۔ ان خبیثوں پلیدوں کو مدینہ منورہ جانے کی اجازت ہی نہیں ہوتی۔ ایسے لوگوں کو نہ کعبے سے نور ملے نہ اسلام سے نہ قرآن سے نہ حج عمرہ طواف سے۔

احکام القرآن

ان آیتوں سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** اگر کوئی مسلمان کسی خشک جنگل میں تیمم کر کے نماز پڑھ لے پھر اسے دور سے بہتا پانی نظر آئے تو اس کی تیمم والی نماز موقوف ومعلق ہو جائے گی اور اس پر واجب ہوگا کہ اس پانی تک

marfat.com

پہنچے اگر پہنچنا ممکن ہو تو۔ پھر جب پہنچ جائے اور وہ واقعتاً پانی ہو اس کا استعمال اس شخص کے لیے ممکن ہو تب اس کی پڑھی ہوئی نماز ختم ہو جائے گی اس پانی سے وضو کر کے پھر نماز پڑھے۔ لیکن اگر وہ سراب تھا یا حصول پانی ناممکن یا وقت نماز راہ میں ہی ختم ہو گیا تو وہی نماز درست ہو جائے گی موقوفیت ختم۔ یہ مسئلہ۔ یَحْسَبُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ (الخ) کی اشارت النص سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ**: دینی، دنیوی کام میں تعجیل کرنا حرام ہے مگر سرعت کرنا جائز بلکہ بہتر ہے باعث ثواب ہے۔ تعجیل و سرعت میں فرق یہ ہے کہ تعجیل کا معنیٰ ہے وقت سے پہلے جلدی مچانا جس سے اصل کام ہی خراب ہو جائے۔ اور سرعت کا معنی ہے۔ وقت ہو جانے پر دیر نہ کرنا یہ مسئلہ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۳۹﴾ کے استحبابی کلام سے مستنبط ہوا جس سے ثابت ہوا کہ سُرعت کرنا اچھی صفت اور اخلاق اللہ میں سے ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: یہاں پہلے فرمایا گیا۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ شخص کسی چیز کے پاس آیا۔ پھر فرمایا گیا۔ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا۔ اس نے بتایا کہ وہ کسی چیز کے پاس نہیں آیا۔ یہ تو تناقض ہے اور یہ تناقض محال ہے۔ **جواب**: بالکل تناقض نہیں ہے اس لیے کہ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ نے اس جگہ کی طرف اشارہ کیا جس میں وہ شخص بہتا پانی سمجھا تھا۔ جَآءَهٗ اسی جگہ کی طرف آنے کا ذکر ہے وہ جگہ تو حقیقتاً موجود ہے۔ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا نے جگہ کی نفی نہیں کی بلکہ اس پیاسے کے گمان والی چیز پانی کی نفی کی۔ شَيْـًٔا سے مراد پانی ہے کہ نہ پانی نہ سرابیت کی چمک دمک اور یہ دونوں علیحدہ چیزیں ہیں۔ **دوسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا يَحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ یعنی پیاسا۔ اس سراب کو دور سے پانی سمجھتا ہے۔ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا۔ یہاں تک کہ جب اس کے قریب آتا ہے تو کچھ نہیں پاتا۔ وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ۔ اس کا ترجمہ عام مفسرین فرماتے ہیں کہ وَجَدَ عَذَابَ اللّٰهِ یعنی پیاسے نے وہاں پہنچ کر عذاب پایا۔ سوال یہ ہے کہ پیاسے کو عذاب کیوں۔ **جواب**: یہاں دو چیزیں خیال میں رکھو۔ ۱۔ اصل پیاسا۔ ۲۔ اس کی تمثیل کافر۔ اگر ظَمْاٰنُ سے پیاسا مسافر ہی مدنظر رکھا جائے تو عذاب سے مراد شدت پیاس اور پانی کی حسرت و مایوسی ہے یہ بھی سخت ترین عذاب ہوتا ہے بلکہ شدید بھی اور ان مصائب کی وجہ بھی بد اعمالی ہی ہوتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ شوریٰ آیت ۳۰ میں ہے۔ وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ۔ اور اگر یہاں تمثیلی کافر ہی مراد لیا جائے تو عذاب سے مراد قبر کی سزا حشر کی گھبراہٹ اور جہنم کا ٹھکانہ ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں آیت ۴۰ میں فرمایا گیا کہ دنیا میں کافر کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص سیاہ بادلوں والی کالی رات میں کسی گہرے سمندر کی تہہ میں پڑا ہو سمندر پر ہواؤں کا طوفان ہو جس کی وجہ سے موج پر موج چڑھتی چلی آتی ہو غرضیکہ پانچوں طرف سے ایسا گھرا اندھیرا ہو کہ قریب ترین چیز بھی نظر نہ آئے ایسا شخص تو سخت گھبراتا ہے مگر دنیا میں دیکھا جا رہا ہے کہ کوئی کافر نہ پریشان ہے نہ گھبرایا ہوا بلکہ خوب عیش و خوشی و شادیوں میں ہے۔ تو یہ تمثیل کس طرح درست ہوئی۔ **جواب**: یہ تمثیل جسم کے لیے نہیں بلکہ روح کے لیے ہے دنیا میں کافر ظاہراً جسماً اگرچہ خوشی میں مگن ہے مگر روح ظُلُمٰتٌ کفر میں مچلتی تڑپتی پھڑک رہی ہے۔ اور کافر کے جسم کی تروتازگی بھی درخت سے کٹی ٹوٹی شاخ کی طرح چند روزہ ہی ہے پھر فنا و بربادی تباہ حالی ہی مقدر ہے۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَعْمَالُهُمْ كَسَرَابٍۭ بِقِيْعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً ۔ اور وہ لوگ جنہوں نے اپنے اعضاء جسمانی و نعماء ربانی اور عبادات رحمانی کو دکھلاووں ریا کاریوں کے گناہوں کے لیے استعمال وادا کیا اور بجائے شکر کے اداء کفر کیا۔ عقلی حماقتوں سے اللہ رسول کی مخالفتیں کیں یہی لوگ کفران نعمت والے ہیں۔ دین وایمان وعبادات رحمٰن کو باپ دادوں کی رسم و رواج سمجھنے و بنانے والے۔ ان کے ہر کام میں شیطان کی مداخلت نفس امارہ کی چاہت ہے۔ ابلیس نے ان کی بداعمالی کو ان کے لیے ان کی نگاہوں میں مزین وخوبصورت کر دیا ہے اس لیے سمجھتے ہیں کہ ہماری یہ بدکرداری طبلہ سارنگی کھیل تماشے ہی دونوں جہان کا مفید سرمایہ ہیں یاد رکھیں وہ فاسقین ناسوتی احمقانِ طاغوتی کہ ان کی سب اچھائیاں اور دکھلاوے کی نیک اعمالیاں نام ونمود کی خیر خواہیاں صحراء بیابان کے سراب فریب کی طرح ہیں۔ مسافر پیاسے کی مثل فاسق وفاجر یہ سمجھتا ہے کہ میرے اعمال ٹھیک ہیں اور صحراء حیات میں مثل سراب مفید سمجھتا ہے جب تک منزل قبر وقت موت سے دور ہے باعث ثواب سمجھتا ہے۔ گستاخی کو توحید اور وعدے کو وعید جانتا رہے۔ اور گمان کرتا رہے کہ میرے یہی برے اعمال غضب الٰہی کی آگ کو بجھادیں گے۔ مگر حَتّٰٓى اِذَا جَآءَهٗ لَمْ يَجِدْهُ شَيْـًٔا وَّوَجَدَ اللّٰهَ عِنْدَهٗ فَوَفّٰىهُ حِسَابَهٗ ۚ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝ ۔ یہاں تک کہ جب یہ کافران نعمت فاسقان عبرت اپنی موت کے بعد قبر کے پاس آکر اعمال ریاکاری کو قریب سے دیکھیں گے۔ بدبو سونگھیں گے تب پتہ لگے گا کہ خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا پھر جانیں گے کہ ہائے افسوس ہمارے اعمال خاک ہیں۔ اقوال راکھ ہیں خیال دھوکہ تھے ثواب کے بجائے لائق عذاب ہیں اور دامن انبیاء وسیلہ اولیاء کو چھوڑ کر جن عبادتوں پر بھروسہ کئے ہوئے تھے وہ ناقص تھیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کو محرومی کا عذاب فرقت دوری رحمت کی سزا لعنت کا پورا حساب دے گا۔ میزان کے وزن سے۔ حرمان کے حزن سے اور اللہ تعالیٰ سب کے لیے سریع الحساب ہے کہ شریعت کے فاسقین کو قبر کی قیامت میں اور طریقت کے ظالمین کو دنیا میں ہی درجات فانیہ وصال عارضیہ عطا فرما کر یہ تمثیل ہے عیاران طریقت مکاران حقیقت کے حالات خود فریبی کی۔ اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِيْ بَحْرٍ لُّجِّيٍّ يَّغْشٰىهُ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ مَوْجٌ مِّنْ فَوْقِهٖ سَحَابٌ ۔ یا ان کے دنیوی حالات وکیفیات ایسے ہیں جیسے کہ اندھیرے ہی اندھیرے سب طرف ظاہر، باطن، اوپر، نیچے، دائیں، بائیں، آگے، پیچھے۔ غرضکہ ظُلُمٰتٌۢ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ ۔ فاسقین کے اعمال بد پھر اس پر حرام غذائیں پھر اس پر حرام لباس پھر اس پر اہل اللہ سے نفرت اندھیرے پر اندھیرا۔ نہ خلوص بدنی نہ حضور قلبی۔ حُبِّ دنیا کے گہرے سمندر میں غرق۔ اس پر ناموری کی موجیں غرور وتکبر کی طوفانی موجیں۔ خوشنودی امراء ووزراء کے شرک خفی کے سیاہ بادل۔ ظاہر میں منافرت باطن میں منافقت کے اتنے سخت اندھیرے کہ۔ اِذَآ اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰىهَا ۔ اگر کبھی یہ دنیادار اجتہاد صداقت تفکر حقیقت کا دست تدبر ذہن ارادت فکر عقیدت کی کوششیں چند لمحوں کے لیے اپنی جیب دنیا وگریبان منافقت سے نکال کر نگاہ حقیقت بین کے پاس لاکر دیکھیں تب بھی سچائی کو نہ دیکھ سکیں نہ اصلاح حال کریں نہ خلاصی بداعمال خواہ مکاران جبہ ودستار ہوں یا نام وگفتار والے ظاہردار ہوں کوئی بھی خاتمہ ظلمات کا راستہ نہیں دیکھ سکتا اس لیے کہ۔ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا فَمَا لَهٗ مِنْ نُّوْرٍ ۝ ۔ اور وہ بدبخت انسان جس پر اللہ تعالیٰ نے تقسیم تقدیر کے وقت نور معرفت کا چھینٹا نہ ڈالا تو تدبیر تخلیق کے وقت ان کے لیے کوئی نور

marfat.com

نہیں وہ دنیا پرستی کی جہالت میں سدا رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کو کوئی نہیں موڑ سکتا۔ جس طرح اللہ تعالیٰ پانی چشموں سے، بارش بادل سے، آگ پتھر سے، دھواں آگ سے، لوہا پہاڑ سے، شہد نحل سے، دودھ چوپائے سے، پھل درخت سے، درخت زمین سے نکالتا ہے یہ قدرتیں حکمتیں کوئی نہیں بدل سکتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مومن کو مخلص عرفان نور ایمان ضیاء اسلام سراج یقین بنایا۔ اور فاسق کو ظلمت کفران وظلمت حرمان واندھیر عصیان بنایا کسی کو شیطان ناسوت کسی کو یاران طاغوت بنایا نہ کوئی ان حکمتوں کو بدل سکتا ہے نہ ان قدرتوں کو جان سکتا ہے اس دنیا سلوک میں فاسقین بھی ہیں عابدین بھی دونوں کے اعمال جدا جدا کیونکہ فاسقین کے اعمال نفسی حیوانیت سے ہوتے ہیں۔ اس وجہ سے معرفت کا وصل مراد ہے نہ صداقت کا جاہ و جمال۔ لیکن عابدین کے اعمال قلب ایمانیہ سے ہوتے ہیں اس وجہ سے عابدین کے لیے حسب قبولیت کا جاہ و جمال بھی معرفت کا وصل مراد بھی ہے۔ اعمال فاسقین کا بدلہ فرقت وانقطاع کی محرومی۔ مگر اعمال عابدین کا بدلہ قُربت واہتمام اور عزت واکرام کی مغفوری شریعت میں وہ فقیر ہے جس کے گھر میں مال نہ ہو مگر طریقت میں وہ فقیر ہے جس کے دل میں انوار نہ ہوں۔ ریا کار مثل پیاسا مسافر ریگستان ہے۔ اس لیے کہ پیاسے مسافر نے سراب کو پانی سمجھا۔ اور نا موری کے خواہشمند ریا کار نے ریا کاری کو کامیابی سمجھا۔ سراب کے قریب پیاسے نے بجز حسرت کچھ نہ پایا اور قبر کے قریب ریا کار نے بجز ندامت کچھ نہ پایا۔

اے راہ طریقت کے مسافر و خالق تعالیٰ کو چھوڑ کر مخلوق کی طرف اور مسبب کو چھوڑ کر اسباب کی طرف مت جاؤ ورنہ ابدی ظلمتوں میں پھنس جاؤ گے۔ فرمایا مولیٰ علی نے سب سے بڑھ کر بے عیب وہ ہے جس نے قلب کو عقل کا اور عقل کو قالب کا امیر وراہبر بنایا اور نصیحت کو لگام صبر کو قائد، تقویٰ کو نگہبان، خوف الٰہی کو اپنا ساتھی موت کو رب تعالیٰ کا دعوت نامہ مصیبتوں کو اللہ تعالیٰ کا مہمان اور اپنا دوست سمجھا۔ بندہ مثل چرواہا ہے اور نفس امارہ مثل بھیڑ بکریاں۔

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ

کیا نہ دیکھا آپ نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتی ہے اس کی ہر وہ مخلوق جو آسمانوں اور زمین میں ہے

کیا تم نے نہ دیکھا کہ اللہ کی تسبیح کرتے ہیں جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہیں

وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيْحَهُ ؕ

اور پرندے قطار بنانے والے بھی ہر مخلوق نے جان لی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح

اور پرندے پر پھیلائے۔ سب نے جان رکھی ہے اپنی نماز اور اپنی تسبیح

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ج

اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے اس سب کو جو وہ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ہی ہے آسمانوں اور زمین کا ملک

اور اللہ ان کے کاموں کو جانتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی

marfat.com

وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا

اور اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹنا ہے کیا نہ دیکھا آپ نے کہ بیشک اللہ تعالیٰ نرمی سے چلاتا ہے گاڑھے بادل کو

اور اللہ ہی کی طرف پھر جانا ہے۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ اللہ نرم نرم چلاتا ہے بادل کو

ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ يَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ

پھر جوڑ دیتا ہے اس کو آپس میں پھر بنا دیتا ہے اس کو موٹا بادل پھر دیکھتے ہو تم بارش کو نکلتی ہے اس کے بیچ میں سے

پھر انہیں آپس میں ملاتا ہے پھر انہیں تہہ پر تہہ کر دیتا ہے تو تو دیکھے کہ اس کے بیچ میں مینہ نکلتا ہے

وَ يُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا

اور نازل فرماتا ہے آسمان کی طرف سے پہاڑوں کے برابر

اور اتارتا ہے آسمان سے اس میں جو برف کے پہاڑ ہیں

مِنْۢ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَ يَصْرِفُهٗ

ان پہاڑوں میں برف سے (روئی اور اولوں کی شکل میں) پھر ڈالتا ہے اس برف کو جس مخلوق پر چاہے

ان میں سے کچھ اولے پھر ڈالتا ہے انہیں جس پر چاہے

عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ يَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ ؕ

اور پھیر دیتا ہے اس برف کو جس سے چاہے قریب ہے کہ اس بادل کی بجلی کی چمک مٹا دے نگاہوں کو

اور پھیر دیتا ہے انہیں جس سے چاہے قریب ہے کہ اس کی بجلی کی چمک آنکھ لے جائے

تعلقات

ان آیت پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں ہدایت سے دور ہونے والے انسانوں کا ذکر کیا گیا کہ وہ بدقسمت انسان ہیں۔ اب ان آیات میں ان خوش بخت جانوروں پرندوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے جن کو اللہ نے ہدایت کی روشنی عطا فرمائی۔ فرمایا جارہا ہے کہ بے ہدایت انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود ان جانوروں سے بدتر ہیں۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ وَمَنْ لَّمْ يَجْعَلِ اللّٰهُ لَهٗ نُوْرًا۔ یعنی جس کے لیے اللہ تعالیٰ نور نہ بنائے اس کے لیے کہیں بھی نور نہیں وہ نہ اسلام میں نہ قرآن میں نہ حدیث میں نہ دل میں نہ عقل میں وہ قرآن وحدیث پڑھ کر بھی اندھا ہی رہتا ہے۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان ہو رہی ہے کہ آسمانوں زمین کا مُلک صرف اللہ تعالیٰ کا ہی ہے ہر شی پر اس کا حکم نافذ۔ کسی کو بھی کسی سے اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں مل سکتا نہ دین نہ دنیا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیت

marfat.com

میں اچھے برے بندوں کے اچھے برے دنیوی اعمال کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں اللہ تعالیٰ کے دنیوی انعامات کا ذکر فرمایا جارہا ہے جو ہر اچھے برے بندے کے لیے بلا فرق اور بلا قیمت تاعمر جاری ہیں۔

تفسیر نحوی

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۴۲﴾ ۔ اَ ہمزہ سوالیہ۔ لَمْ تَرَ۔ باب فَتَحَ کا مضارع نفی جحد بلم معروف صیغہ واحد مذکر حاضر۔ رُؤْيَةٌ سے مشتق ہے بمعنی بنظر تحقیق بغور دیکھنا۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ مرجع ہے نبی کریم ﷺ اَنَّ حرف مشبہ اللّٰهَ اسم ہے اَنَّ کا۔ يُسَبِّحُ باب تفعیل کا فعل مضارع مثبت معروف سَبْحٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے تَسْبِيْحٌ۔ ترجمہ ہے۔ پاکیزگی بیان کرنا ہر عیب اور ہر کمزوری سے۔ لَهٗ۔ لام جارہ تعدیہ۔ ہٗ ضمیر کا مرجع ہے اللّٰه۔ یہ جار مجرور متعلق ہے يُسَبِّحُ کا۔ مَنْ اسم موصول برائے اہل عقول۔ فِي حرف جر ظرفیت مکان کے لیے السَّمٰوٰتِ۔ الف لام حرفی استغراقی سَمٰوٰتٌ اسم جمع مونث سالم اس کا واحد ہے سَمَاءٌ (سَمَاو) یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ الْاَرْضِ۔ الف لام حرفی جنسی اَرْضٌ اسم مفرد جامد بمعنی تمام زمین۔ یہ معطوف السَّمٰوٰتِ پر۔ دونوں عطف مل کر مجرور ہے فِي سے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا۔ وہ اپنے ضمیر صیغہ نائب فاعل متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مل کر فاعل ہے يُسَبِّحُ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے اَنَّ کی وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے اَلَمْ تَرَ کا۔ یہ فعل اپنے فاعل اور اپنے مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ عاطفہ۔ مابعد کا عطف ہے مَنْ پر ہے۔ الطَّيْرُ اسم جنسی ہے واحد اور جمع دونوں کے لیے آتا ہے یہاں جمع کے لیے ہے اور اس کا واحد ہے طَائِرٌ۔ اس کی لفظی جمع مکسر طُيُوْرٌ اور اَطْيَارٌ ہے۔ لفظ طَيْرٌ۔ مصدر مبالغہ ہے ترجمہ ہے اڑنا۔ جب اس کو حاصل مصدر بنایا جائے تو بمعنی صفت مشبہ ہوتا ہے یعنی بہت اڑنے والا جو اڑنے کے لیے ہی پیدا کیا گیا یعنی پرندہ، پرندے۔ یہ ذوالحال ہے۔ صٰٓفّٰتٍ۔ اسم جمع مونث سالم ہے صَافَّةٌ کی صَفٌّ سے مشتق ہے باب نَصَرَ سے۔ یہ بحالت نصب ہے کیونکہ حال ہے الطَّيْرُ کا یہ دونوں مل کر معطوف ہے مَنْ پر وہ سب فاعل ہے يُسَبِّحُ کا۔ كُلٌّ مبتدا۔ اسم تاکیدی ہے۔ قَدْ عَلِمَ ماضی قریب اس کا فاعل هُوَ پوشیدہ جس کا مرجع كُلٌّ ہے صَلَاتَهٗ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ تَسْبِيْحَهٗ یہ مرکب اضافی معطوف دونوں مل کر مفعول بہ ہے قَدْ عَلِمَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے كُلٌّ مبتدا کی۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ اللّٰهُ مبتدا عَلِيْمٌ باب کَرُمَ کا صفت مشبہ بِ جارہ تعدیہ کا مَا اسم موصول يَفْعَلُوْنَ باب فَتَحَ کا فعل مضارع حال صیغہ جمع مذکر غائب فِعْلٌ سے مشتق ہے یہ مصدر مرکزی ہے عربی کے تمام مصادر اسی کے گرد گھومتے ہیں۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا دونوں مل کر مجرور متعلق ہے عَلِيْمٌ کا۔ وہ اپنے فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اللّٰه مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ۔ لِلّٰهِ جار مجرور متعلق ہے ثَابِتٌ اسم فاعل پوشیدہ کا۔ مُلْكُ اسم مفرد جامد بمعنی بادشاہت، شہنشاہیت۔ مضاف ہے السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ معطوف علیہ ومعطوف دونوں مل کر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِلٰی جارہ انتہائیہ اللّٰهِ مجرور یہ جار مجرور متعلق مقدم ہے الْمَصِيْرُ کا۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِيْ۔ مَصِيْرٌ اسم

marfat.com

حاصل مصدر جامد یہ باب ضرب کا مصدر میمی ناقصہ بھی ہوتا ہے بمعنیٰ لوٹنا، پھرنا۔ اور اسی کو حاصل مصدر جامد کہا جاتا ہے بمعنیٰ ٹھکانہ۔ اور اسم ظرف مکانی بھی۔ بمعنیٰ لوٹنے کی جگہ یہاں مصدر ہے یہ مصدر اپنے متعلق مقدم سے مل کر شبہ جملہ ہو کر معطوف ہے مُلْكُ پر۔ دونوں عطف مل کر خبر ہے ثَابِتٌ پوشیدہ کے جملے اسمیے پر وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہوا اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ یُزْجِیْ سَحَابًا ثُمَّ یُؤَلِّفُ بَیْنَهٗ ثُمَّ یَجْعَلُهٗ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ یَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَ یُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِیْهَا مِنْۢ بَرَدٍ فَیُصِیْبُ بِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَ یَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ یَّشَآءُ ؕ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ یَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ﴿۴۳﴾ ۔ اَ ہمزہ استفہامیہ (سوالیہ) لَمْ تَرَ۔ باب فتح کا مضارع منفی بمعنیٰ ماضی مطلق اَنْتَ ضمیر پوشیدہ اس کا فاعل مخاطب اَنَّ حرف مشبہ۔ اللّٰہ اس کا اسم۔ یُزْجِیْ باب افعال کا مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِزْجَآءٌ زَجْوٌ یا زَجْیٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے حقیر و قلیل کرنا، ہونا و سمجھنا اسی لیے دھکیل دینا اسی مناسبت سے سات معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ نرمی سے چلانا۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ بلا مشقت نکال دینا۔ ۳۔ آہستگی سے ہانکنا دھکیلنا۔ ۴۔ معمولی پونجی کو مُزْجَاۃٌ کہا جاتا ہے۔ ۵۔ خرچ کرنا۔ ۶۔ آسان ہونا۔ ۷۔ اکتفا کرنا پورا اور کافی ہو جانا۔ یُزْجِیْ کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع اللّٰہ تعالیٰ ہے سَحَابًا بمعنیٰ موٹا بادل گھنا و گاڑھا۔ یہ مفعول بہ ہے۔ یُزْجِیْ فعل با فاعل اپنے مفعول بہ سے مل کر معطوف علیہ ثُمَّ حرف عطف تراخی کے لیے یعنی پھر بعد میں۔ یُؤَلِّفُ باب تفعیل مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ اس کا مصدر تَاْلِیْفٌ اِلْفٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے جوڑنا۔ جمع کرنا مرکب کرنا بَیْنَهٗ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یُؤَلِّفُ اپنے فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ ثُمَّ عاطفہ یَجْعَلُهٗ بابِ فتح کا مضارع مثبت معروف جَعْلٌ سے مشتق ہے ہٗ ضمیر اس کا مفعول بہ اوّل۔ رُكَامًا۔ اسم نکرہ مفرد مشتق رَكْمٌ سے مشتق ہے۔ اوپر تلے ڈھیر لگانا۔ تہ در تہ رکھنا دبیز موٹے بادل۔ چربی ہوئی موٹی اونٹنی کو عربی میں مَرْكُوبَہ کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد ہے اوپر تلے تہ در تہ بادل۔ یہ حاصل مصدر ہے بروزن فُعَالٌ یہ مفعول بہ دوم ہے یَجْعَلُ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف عَلَیْہِ۔ فَ عاطفہ سببیہ تَرَى بابِ فتح کا مضارع مثبت معروف رُؤْیَۃٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل ہے اَنْتَ ضمیر مخاطب پوشیدہ اَلْوَدْقَ۔ الف لام حرفی عہد خارجی وَدْقٌ۔ بابِ ضَرَبَ کا حاصل مصدر۔ لغوی ترجمہ ہے اترنا اوپر سے نیچے۔ اسی مناسبت سے آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ مینہ کی بارش یہی یہاں مراد ہے۔ ۲۔ برسنا سخت بارش۔ ۳۔ مانوس ہونا۔ ۴۔ مائل ہونا۔ ۵۔ نازل ہونا۔ ۶۔ اسی سے وَدِیقہ گرمی کی شدت وَدِیقہ تر و تازہ مقام۔ ۷۔ مَوْدِقٌ سبزہ اور بارش کا مقام۔ ۸۔ وَادِقٌ تیز تلوار۔ اگر باب افعال میں لایا جائے تو اِیْدَاقٌ بمعنیٰ مینہ برسانا۔ وَدْقٌ موصوف۔ یَخْرُجُ باب نَصَرَ کا مضارع حال مثبت معروف خُرُوْجٌ سے مشتق ہے بمعنیٰ نکلنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے وَدْقٌ۔ مِنْ جارہ بعضیت کا ترجمہ ہے میں سے خِلٰلِ۔ اسم مفرد ظرفیت مکانی کے لیے معنیٰ ہے۔ بیچ، درمیان مضاف ہے ہٖ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَخْرُجُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صفت ہے وَدْقٌ کی مرکب توصیفی مفعول بہ ہے تَرَى کا وہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَجْعَلُ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر پھر معطوف علیہ ہے۔ وَاوَ عاطفہ یُنَزِّلُ بابِ تفعیل کا مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے تَنْزِیْلٌ۔ نَزْلٌ سے بنا ہے بمعنیٰ اتارنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللّٰہ تعالیٰ۔ ۱۔ مِنَ السَّمَآءِ اور ۲۔ مِنْ جِبَالٍ۔ ۳۔ اور

marfat.com

فِيْهَا۔ ۴۔ اور مِنْ بَرَدٍ۔ یہ چاروں جار مجرور متعلق ہیں یُنَزِّلُ کے وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ فَ عاطفہ یُصِیْبُ۔ باب افعال کا مضارع مثبت معروف اس کا مصدر ہے اِصَابَةً۔ صَیْبٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے ڈالنا۔ جار مجرور متعلق ہے یُصِیْبُ کا مَنْ اسم موصول یَّشَآءُ۔ باب فتح کا مضارع مثبت معروف ضمیر صیغہ فاعل مرجع اللہ تعالیٰ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یُصِیْبُ کا یہ فعل فاعل مفعول بہ متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ یَصْرِفُ۔ باب ضَرَبَ فعل مضارع مثبت معروف صرف سے مشتق ہے بمعنی پھیر دینا ضمیر صیغہ اس کا فاعل ہے۔ مرجع اللہ تعالیٰ۔ ہٗ ضمیر مفعول بہ ہے اس کا مرجع سَحَابًا ہے۔ عَنْ حرف جر ز والی مَنْ موصولہ۔ یَّشَآءُ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول صلہ مل کر مجرور ہے عَنْ سے۔ جار مجرور مل کر متعلق ہے یَصْرِفُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یُصِیْبُ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہوا یُنَزِّلُ کے جملے پر وہ معطوف ہے یَجْعَلُ کے جملے پر پھر وہ دونوں عطف معطوف ہوئے یُؤَلِّفُ کے جملے پر وہ معطوف ہے یُزْجِیْ کے جملے پر پھر یہ سب معطوف مل کر خبر ہے اَنَّ کی۔ اَنَّ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ ہے لَمْ تَرَ کا وہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ؀ ۔ یَكَادُ فعل مقاربہ مضارع صیغہ واحد مذکر غائب۔ سَنَا۔ اسم مفرد جامد مذکر۔ ترجمہ ہے تیز چمک۔ مضاف ہے بَرْق اسم مفرد جامد مذکر۔ بمعنی بجلی مضاف الیہ ہے اور مضاف ہے ہٖ ضمیر واحد مذکر مجرور متصل کا۔ اس کا مرجع ہے سَحَابًا۔ سَنَا بَرْقِهٖ۔ ڈبل مرکب اضافی یہ اسم ہے یَكَادُ۔ کا۔ يَذْهَبُ۔ باب فتح کا مضارع مثبت معروف۔ ذَهَبٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے لے جانا، ختم کر دینا۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ۔ جس کا مرجع سَنَا ہے۔ بَ جارہ مفعولیت کی۔ اَلْاَبْصَارِ۔ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے بصارت یعنی بینائی آنکھ کی۔ مگر قلب و عقل کی بینائی کو بصیرت کہتے ہیں اَبْصَارُ کی جمع المنتھیٰ کو بَصَائِرُ کہتے ہیں۔ اَلْاَبْصَارِ مجرور ہے بَ جارہ سے۔ متعلق ہے يَذْهَبُ کا وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے یَكَادُ کی۔ یَكَادُ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ مقاربہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ؀ ۔ اے محبوب آسمانی وحبیب لامکانی ورسول عالمینی کیا تم نے سیر معراج ومشاہدہ کائنات میں اپنی نگاہوں سے نہیں دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی وہ ہے جس کی تسبیح و پاکیزگی بیان کرتی ہے وہ تمام مخلوق جو آسمانوں اور زمین کے ظاہر و باطن میں ہے۔ جن و ملک انسان، شجر، حجر، حیوان، سرنگوں ہو کر اور ہواؤں فضاؤں میں صغیر و کبیر پرندے پر پھیلا کر۔ اَلَمْ تَرَ۔ فرمانے کا مقصد یہ کہ مخلوقات کی حمد و ثناء والی تسبیح سننے سمجھنے والے کے لیے تین علم ضروری ہیں۔ ۱۔ علم رویۃ و بصارت۔ ۲۔ علم فہم و فراست۔ ۳۔ علم مشاہد و قربت۔ یعنی تسبیح خوان کو دیکھ سکے ان کی بولی جان سکے ہر مخلوق پر شاہد و قریب بھی ہو سکے۔ یہ تین علمی قوتیں مخلوق میں صرف نبی کریم آقا ﷺ کو عطا ہوئیں۔ اس لیے اَلَمْ تَرَ کا صیغہ واحد خطابی ارشاد ہوا اور آپ نے ہی کائنات ارضی سماوی و تمام مخلوقات ارضی سماوی کا مشاہدہ معراج میں ہر طرح فہم و قرب سے فرمایا دیگر آیتوں روایتوں سے بھی ثابت کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام سب مخلوق کی بولیاں جانتے سمجھتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ سے اونٹوں، ہرنیوں، چڑیوں نے

marfat.com

فریادیں کیں۔ کنکریوں نے کلمے پڑھے پتھروں نے سلام کیئے۔ یہاں مَنْ فرمانے کے دو مقصد ہو سکتے ہیں یا یہ کہ عالمین میں ذی عقل مخلوق زیادہ ہے سب سے زیادہ ملائکہ، پھر جنات، پھر حیوانات، پھر انسان۔ اور اکثریت کا ہی ذکر کرنے میں اقلیت شامل ہے یا اس لیے کہ تسبیح خوانی کے اعتبار سے سب مخلوق کو ذی عقل قرار دیا گیا۔ اگر چہ ہر ایک کی نماز و تسبیح لفظاً، معناً، طریقتاً، زباناً مختلف ہے۔ یُسَبِّحُ فرما کر بتایا گیا کہ یہ تسبیح وصلوٰۃ اضطراری و مجبوری کی نہیں بلکہ اختیاری ہے۔ ہر ایک نے جان لیا پہچان لیا اپنی نماز و تسبیح کو الفاظ بھی طریقہ بھی۔ کسی نے تعلیم الٰہی سے کسی نے تربیت نبوی سے کبھی الہام سے کبھی پیغام سے۔ کسی نے فیضان حکمت سے کسی نے جبلت قدرت سے۔ اس طرح کہ عالم ازل میں سب سے پہلے رب تعالیٰ نے اپنے حبیب کو پڑھایا سکھایا۔ اور عَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط (نساء: ۱۱۳) کی سند علمی عطا فرمائی پھر جب ملائکہ پیدا کیئے گئے تو عالم امر میں ہی ملائکہ کو ان کی نماز و تسبیح تعلیم الٰہی و تربیت مصطفوی سے سکھائی گئی۔ چنانچہ (بقرہ: ۱۲۹) وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ۔ ترجمہ وہ نبی ان کو سکھاتا ہے کتاب حکمت پھر بموقعہ معراج بیت المقدس میں انبیاء کرام علیہم السلام کو فرائض تہجد اور بیت المعمور آسمانی میں ملائکہ علیہم السلام کو وتر واجب پڑھا کر نماز اسلامی کی عملی تعلیم عطا فرمائی اور جنات کو مقام نخلہ میں نماز فجر پڑھا کر نماز اسلامی کی تعلیم دی بازار عکاظہ جاتے ہوئے سفر طائف سے واپسی پر مقام نخلہ طائف و مکہ کے درمیان ہے یہ جنات علاقہ نصیبین کے تھے (از نور العرفان صفحہ ۹۱۳) حشرات شجرات کو القاء فطری سے تعلیم کبریائی عطا ہوئی خیال رہے کہ فرضیت نماز کے بعد ایک بار جبرئیل علیہ السلام کا امام نماز بننا اور نبی کریم ﷺ کا مقتدی بننا تعیین اوقات کا تربیت عمل سے پیغام الٰہی پہنچانا تھا نہ کہ تعلیم۔ یہ بھی خیال رہے تمام ملائکہ و جنات و انسان کی نمازوں کا طریقہ و اوقات و رکعات اور مدارج فرضی واجبی نفلی، سنتی اور نماز کے اندرونی بیرونی شرائط و ارکان، واجبات مستحبات سب یکساں ہیں۔ اور چونکہ جن و ملائکہ کی جسمانیت مختلف نیز نواقض غسل وضو کی علت نہیں اس لیے نہ ان پر غسل فرض نہ وضو۔ باقی عبادات یکساں اپنے اپنے جسموں سے ادا کرنا فرض ہے۔ ان تین مخلوق کے علاوہ مخلوق کی عبادت میں ہر چیز مختلف ہے اور اللہ تعالیٰ ان تمام اعمال افعال کو ہر وقت جاننے والا ہے جو افراد مخلوق عالمین میں کرتے ہیں یا ارادہ رکھتے ہیں۔ قرآن مجید میں تین ہستیوں کا تعلق عالمین سے بیان فرمایا گیا ہے۔ اوّلاً اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا۔ کہ فرمایا گیا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ سورۃ فاتحہ آیت ۱۔ دوم رحمت نبی کریم ﷺ کا کہ سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷ میں ارشاد ہے۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ سوم قرآن مجید کا کہ سورۃ قلم آیت ۵۲ میں ارشاد ہے۔ وَمَا هُوَ اِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعٰلَمِيْنَ اس تعلق عالمینی سے ثابت ہوا کہ اگر چہ سب کی صلوٰۃ و تسبیح جدا ہے مگر تعلیم سب کی کتاب مبین قرآن مجید سے ہی ہے۔ اور معلم اول رب تعالیٰ و معلم ثانی نبی کریم ﷺ ہیں۔ وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ۚ وَ اِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ۝ ۔ اور تمام آسمانوں و پوری زمین کی ازلی ابدی کُلی حقیقی بادشاہت اللہ تعالیٰ کی ہی ہے اسی کا سب ملک ہے آسمانوں کے رزق کا زمینوں کی غذاؤں کا وہی خالق و مالک ہے قالب وقلب پر ہواؤں فضاؤں پر اسی کی سلطنت ہے ظہور وخفا میں اولاً۔ فنا و بقا میں آخراً اسی کا حکم نافذ ہے حیات میں اعمال پر ممات میں حساب پر۔ اسی لیے تمام حساب دینے والوں جزا لینے والوں نے اسی قادر و قیوم کی بارگاہ قضاو قدر کی طرف لوٹنا ہے۔ تب وہی عطا فرمائے گا ہر بندے کو سزا بھی جزا بھی عدل کے حساب سے فضل کے کمال سے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ ثُمَّ

marfat.com

یَجْعَلُهٗ رُكَامًا۔ اے نبی صرف تم ہی دیکھتے ہو اپنی نگاہ بدنی چشم بصیرت نظر ظاہری بصیرت باطنی سے قدیر کی قدرت حکیم کی حکمت خلاق کی خلقت کو۔ کیا تم نے نہ دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ ہی اپنی قدرت سے بطریقہ حکمت آہستہ آہستہ چلاتا ہے بادلوں کے ٹکڑوں کو پھر کسی علاقے پر لا کر ان کو جوڑ دیتا ہے آپس میں۔ حدیث مقدس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ چار ہوائیں چلاتا ہے۔ پہلی ہوا زمین کے بخارات و دخانات و غبارات بنا کر اوپر اڑاتی ہے۔ بخارات پانی سے۔ دخانات آگ سے غبارات مٹی سے بنتے ہیں یہی مخلوقات زمنی کے چار عنصر ہیں۔ انسانات، حیوانات میں چاروں جمع ہیں۔ دیگر مخلوق میں ایک ایک عنصر۔ پھر رب تعالیٰ دوسری ہوا بھیجتا ہے جو ان بخار و دخان و غبار کو بادل بنا دیتی ہے سفید پھر پیلا پھر کالا۔ کہیں چھوٹا ٹکڑا کہیں بڑا۔ پھر تیسری ہوا چلتی ہے۔ جو ان چھوٹی بڑی ٹکڑیوں کو جوڑ دیتی ہے اسی تالیف و ترکیب سے بکھرے بادل رکام یعنی تہہ بر تہہ موٹا بادل بن جاتا ہے۔ پھر چوتھی ہوا چلتی ہے جو اسی موٹے رکام بادل سے ٹھنڈا میٹھا پانی برساتی ہے۔ یہ سب کچھ آقا محبوب ﷺ کی نگاہ حقیقت بین دیکھتی ہے۔ فَتَرَى الْوَدْقَ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ ۚ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ وَيَصْرِفُهٗ عَنْ مَّنْ يَّشَآءُ ؕ۔ تو اے حبیب کریم نبی عمیم تم اپنی نگاہ بصیرت مشاہدہ حقیقت سے دیکھتے جانتے ہو ان بارشی قطروں کے طریقہ تنزیل و حقیقت تخلیق و ظہور وجود کو جو نکلتے ہیں اس بادل کے درمیان سے۔ خیال رہے کہ غبار و دخان و بخار کا اڑنا، ہواؤں کا چلنا، بادلوں کا رینگنا۔ پھر جڑ نا رُکامًا بننا۔ بارشی قطروں کا ٹپکنا۔ اولے بننا بن کر پڑنا۔ رعد کا کڑکنا۔ برق کا چمکنا۔ نگاہوں کا اچکنا تو سب دیکھتے جانتے ہیں عوام و خواص بھی فلاسفہ و سائنسدان بھی مگر اِنَّ اللّٰهَ کے دست قدرت کی کارکردگی و حقیقت حکمت کی درستگی کو تو نگاہ مصطفیٰ و علم مجتبیٰ کے سوا نہ کوئی جان سکے نہ دیکھ سکے۔ اسی لیے تینوں جگہ صرف رویت محمدی کی قوت کا اظہار فرمایا۔ ۱۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ کی تسبیح مخلوقات میں۔ ۲۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُزْجِيْ کے فلکیاتی غیوب میں۔ ۳۔ فَتَرَى الْوَدْقَ کے تخلیقی علوم میں۔ فَتَرَى کے تعلق وَدْق اور يَخْرُجُ کی کیفیت وَيُنَزِّلُ کی حقیقت اور فَيُصِيْبُ وَيَصْرِفُ کی حکمت۔ يَكَادُ کی سیبۃ يَذْهَبُ کی عملیت سب علم مصطفیٰ میں ہیں۔ اسی لیے فرمایا گیا کہ اے نبی کیا تم نہیں دیکھتے۔ یعنی دیکھتے ہو کہ دیگر قدرتوں کے علاوہ اور وہی نازل فرماتا ہے آسمانوں کے پہاڑوں میں سے ان میں کی کچھ برف ٹھنڈ بنا کر۔ تو وہ برف کے موٹے اور سخت اولے مصیبت بنا کر جس پر چاہتا ہے اللہ تعالیٰ برسا دیتا ہے۔ مالی، جانی، زرع، ضرع و ثمرہ کی ہلاکت بنا کر۔ زرع غلوں کے کھیت، ضرع دودھ کے چوپایہ چرندے۔ ثمرہ باغوں کے پھل بوٹے اولوں سے ان کی ہی تباہی ہوتی ہے۔ بہت سے انسان بھی مر جاتے ہیں سر پھٹ جاتے ہیں اور پھیر دیتا ہے اللہ تعالیٰ اپنا رحم و کرم فرما کر جس قوم و فرد سے چاہے اولے پڑنے کی اس ہلاکت و تباہی والی مصیبت کو۔ یاد رہے کہ جس طرح زمین پر خشک و سرسبز پتھروں کے پہاڑ ہیں اسی طرح قدرت الٰہی نے آسمان اول پر بھی کچھ پہاڑ بنائے ہیں۔ ان پہاڑوں سے اولوں کی شکل میں بادلوں میں سے گزر کر برف نیچے آتی ہے اور قوت قدرت سے بادل جس طرح اپنے اندر بے شمار پانی لیے پھرتے ہیں۔ اسی طرح کروڑوں ٹن وزنی برف کے اولے اٹھائے پھرتے ہیں۔ اولہ برف کے سخت گولے کو کہتے ہیں جن کے سائز مختلف ہوتے ہیں سب سے چھوٹا مسور کے دانے برابر اور سب سے بڑا چھوٹے خربوزے کے برابر۔ لفظ بَرَدٍ عام ہے ہر قسم کی جمی اور بکھری آسمانی برف کے لیے۔ مگر یہاں صرف موٹے و بڑے اولے مراد ہیں۔ کیونکہ بکھری برف آسمانی بادل کی طرف سے۔

marfat.com

پہاڑوں اور جزیروں پر سفید روئی کی طرح گرتی ہے صرف سردیوں میں اور بہت اونچے پہاڑوں پر بارہ مہینے، چھوٹے اولے کسی کا کچھ نقصان نہیں کرتے بلکہ ان سے کھیتوں کو بہت قسم کا فائدہ ہوتا ہے۔ یہاں موٹے اولے مراد ہیں۔ یَكَادُ سَنَا بَرْقِهٖ يَذْهَبُ بِالْاَبْصَارِ ۝ ۔ کیا عجیب شاہکار قدرت ہے کہ زمین سے بخارات اور بخارات سے بادل۔ بادل میں پانی۔ پانی میں آگ کی بجلی۔ بجلی میں کڑک اور کڑک میں چمک ایسی تیز وسخت کہ قریب ہے کہ اچک لے جائے انسانوں، حیوانوں کی بڑی تیز نگاہیں ظاہراً ان دونوں کو دیکھتے سب ہیں مگر حقیقت باطنی کو صرف نگاہ نبوت ہی دیکھتی ہے۔ ان کو سن کر ہر زبان قال کہتی ہے فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝ ۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

یہاں دونوں اَلَمْ تَرَ اور فَتَرَى کے معنی میں چار قول۔ ا۔ اکثر علماء نے فرمایا اس کا معنی ہے آنکھوں سے دیکھا۔ ۲۔ بعض نے کہا۔ معنی ہے کیا تم نے جانا۔ ۳۔ بعض نے کہا۔ کیا تم نے وحی سے معلوم کیا۔ ۴۔ بعض نے کہا معنی ہے کیا تم نے مکاشفے سے معلوم نہ کیا۔ پہلا قول درست ہے کیونکہ لغت کے مطابق باقی اقوال ذاتی تخیل ہے لہٰذا غلط ہے اَلطَّيْرُ کی قرأت وترکیب میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت اَلطَّيْرُ۔ مرفوع ہے کیونکہ مَنْ پر عطف ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَلطَّيْرَ ہے۔ زبر سے کیونکہ واؤ بمعنی مع ہے اور یہ مفعول مَعَهٗ ہے مَنْ کا صٰٓفّٰتٍ کی قرأت وترکیب میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت صٰٓفّٰتٍ ہے ت پر زیر۔ کیونکہ حال ہے اَلطَّيْرُ کا۔ ۲۔ بعض کی قرأت صٰٓفّٰتٌ ہے ت پر ضمہ۔ کیونکہ خبر ہے اَلطَّيْرُ مبتدا کی۔ قَدْ عَلِمَ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت قَدْ عَلِمَ ہے۔ سمع سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت قَدْ عَلِمَ ہے تفعیل سے يَفْعَلُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت يَفْعَلُوْنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت تَفْعَلُوْنَ ہے۔ یُؤَلِّفُ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت یُؤَلِّفُ ہے تفعیل سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت یُؤْلِفُ ہے افعال سے۔ اَلْوَدْقَ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا وَدْقَ کا معنی ہے بارش۔ ۲۔ بعض نے کہا بجلی۔ خِلٰلِهٖ کی قرأت ولفظ میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت خِلٰلِهٖ ہے مرکب اضافی یہ جمع ہے خَلَلٌ کی جیسے جِبَالٌ جمع ہے جَبَلٌ کی۔ ۲۔ بعض کی قرأت خَلَاءِ ہے ہمزہ سے اور خلال خود واحد ہے جمع نہیں ہے بروزن حِجَابٌ۔ حِجَازٌ۔ مِنَ السَّمَآءِ۔ مِنْ جِبَالٍ۔ مِنْۢ بَرَدٍ۔ ان تینوں کے مِنْ میں پانچ قول۔ ا۔ بعض نے فرمایا یہ تینوں بعضیت کے لیے ہیں۔ یعنی آسمان کے کچھ حصے کی طرف سے۔ کچھ پہاڑوں سے کچھ برف۔ ۲۔ بعض نے کہا تینوں زائدہ ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا پہلا زائدہ۔ دوم سوم تبعیضیہ۔ ۴۔ بعض نے کہا پہلا تبعیضیہ دوم سوم زائدہ۔ ۵۔ بعض نے کہا یہ پہلا ابتدائیہ دوم تبعیضیہ سوم بیانیہ یہی صحیح ہے۔ يُصِيْبُ بِهٖ کی ہ اور يَصْرِفُهٗ کی ہ ضمیر کے مرجع میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا اس کا مرجع بَرَدٍ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا وَدْق ہے يَكَادُ سَنَا کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت يَكَادُ سَنَا ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت يَكَادُ سُنَّا ہے سین پر شد۔ سَنَا بَرْقِهٖ کی قرأت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت سَنَا بَرْقِهٖ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت سَنَا بُرَقِهٖ ہے۔ بُرَق وَبُرْقَةٌ کی جمع۔ ۳۔ بعض کی قرأت سَنَاءَ بَرْقِهٖ ہے۔ سَنَا و سَنَاءَ کا ترجمہ ایک ہی ہے کڑک چمک کچھ نے کہا سنا کا معنی کڑک اور سناء کا معنی بلند۔ عربی میں سَنَا ایک دوائی کے پودے کا بھی نام ہے۔ يَذْهَبُ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت يَذْهَبُ ہے بابِ فتح سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت يُذْهِبُ ہے افعال سے۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کے علم سکھائے یہ فائدہ اَلَمْ تَرَ فرمانے اور دیگر احادیث مقدسات سے حاصل ہوا۔ صحابہ کرام و اولیاء کاملین کو بھی بہت سے شجر و حجر حیوانات کا علم آتا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیان جلد ششم ۱۶۴ پر بروایت اُبَیّ بن ثابت رضی اللہ عنہ ہے کہ امام جعفر صادق پرندوں کی بولیاں جانتے تھے جب غلاموں کی یہ شان ہے تو آقا کی کیا شان ہوگی۔ **دوسرا فائدہ:** تمام مخلوق زبان قال و اختیار حال سے اپنی اپنی نماز و تسبیح پڑھتی ہے نہ کہ زبان حال و اضطرار اجسام سے۔ یہ فائدہ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيحَهٗ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ہر چیز کو زبان نُطق ملی ہے مثنوی میں ہے۔

نُطق آب و نُطق باد و نطق گِل ہست محسوس از حواس اہل دل

تیسرا فائدہ: نبی کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ہر شان قدرت کے مظہر ہیں۔ اسی لیے آسمان و زمین کی کوئی مخلوق نبی کریم ﷺ سے علماً وَرویۃً پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ فائدہ اَلَمْ تَرَ کے سوال اقراری اور فَتَرَی کی خبر حالی سے حاصل ہوا۔ لہٰذا مسلمانوں کو اعمال کرتے وقت یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ اللہ رسول ہمیں دیکھ رہے ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** تا قیامت غافلوں کو جھڑک و عبرت کی تنبیہ فرمائی جا رہی ہے اے غافلو فاسقو چرند و پرند کی صلوٰۃ و تسبیح سے عبرت پکڑو۔ غفلت و گناہ چھوڑو اپنی کمال اشرفیت علی الخلق کو پہچانو اور بچاؤ۔ جانوروں سے بدتر نہ بنو۔ یہ مسئلہ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ (الخ) کے بعد وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ سے مستنبط ہوا۔
دوسرا مسئلہ: ہر مسلمان کو تین عادتوں سے ہمیشہ بچنا چاہئے۔ ا۔ حرص دنیا۔ ۲۔ لالچ۔ ۳۔ حصول دنیا کی جلد بازی۔ یہ بری عادتیں مسلمانوں کو کفار کی مثل حرام اشیاء کا شوقین بنا دیتی ہیں۔ ہر مسلمان کو یاد رکھنا چاہئے کہ ہر چیز کے خزانے رب تعالیٰ کے پاس ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوسکتے اور ہر مسلمان کو قسمت و تقدیر پر یقین و شکر کرنا چاہئے۔ جو کچھ قسمت میں ہے وہ مل کر رہے گا لہٰذا جلد بازی، طمع لالچ حرص سے کچھ فائدہ نہیں نہ قسمت سے زائد مل سکے۔ یہ مسئلہ يَخْرُجُ مِنْ خِلٰلِهٖ اور فَيُصِيْبُ وَيَصْرِفُهٗ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دیکھو بادل اتنا برس کر بھی کہ ندی نالے دریا بھر جاتے ہیں ختم نہیں ہوتا۔ ویسا ہی رہتا۔ ثابت ہوا کہ بارش تو مثل چھلنی ذریعہ اور وسیلہ ہے پانی کا خزانہ کہیں اور ہی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا يُسَبِّحُ لَهٗ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ یعنی شجرات حجرات حیوانات جنات ملائکہ وانسان نماز و تسبیح پڑھتے ہیں۔ یہ زبان قال کی تسبیح و نماز مراد ہے یا زبان حال کی اگر دونوں مراد ہیں تو حقیقت و مجاز کو جمع کر دیا گیا اور یہ محال و غلط ہے اور اگر صرف زبان قال کی نماز مراد ہے تو کچھ علما فرماتے ہیں کہ جنات انسان ملائکہ تو زبان قال کی نماز پڑھتے ہیں مگر شجر حجر حیوان زبان حال کی اور اگر زبان حال کی مراد ہے تو جن وانس ملائکہ کا ذکر نہ ہوا۔ اور سمٰوات والارض کہنا غلط ہوا۔ کیونکہ زبان قال کی نماز و تسبیح حقیقت ہے بزبان حال کی مجاز ہے۔ اس الجھن کا کیا حل۔

marfat.com

جواب: اس کے دو جواب۔ ایک یہ کہ تمام مخلوقات زبان قال و اعضاء اجسام سے ہی نماز و تسبیح کرتی ہے۔ یہ بات احادیث واقوال اولیاء اللہ سے ثابت ہے۔ دوم جواب یہ کہ یہاں اگر زبان قال و حال دونوں بھی مراد ہوں تب بھی حقیقت مجاز کا اجتماع نہیں ہے کیونکہ اجتماع یہ ہے کہ ایک چیز پر ایک ہی وقت میں ایک ہی لفظ کا حقیقی معنی بھی مراد لیا جائے اور مجازی معنی بھی مثلاً شیر کا حقیقی معنی ہے درندہ حیوان اور مجازی معنی بہادر انسان اب اگر زید کو شیر کہا جائے تو مراد صرف بہادر انسان ہو گا نہ کہ جنگل کا درندہ حیوان۔ اگر کوئی احمق درندہ حیوان بھی مراد لے تو یہ حقیقت و مجاز کا اجتماع ہوا اور یہی محال ہے۔ مگر آیت میں زبان قال والی دوسری مخلوق ہے۔ زبان حال والی دوسری لہٰذا نہ حقیقت و مجاز کا اجتماع ہوا نہ محال ہوا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ ثُمَّ يُؤَلِّفُ بَيْنَهٗ لفظ بَيْنَ دو چیزوں کے درمیان کے لیے بولا جاتا ہے مگر بادل اپنی جنسیت کے اعتبار سے ایک چیز ہے اور ٹکڑوں کے اعتبار سے کثیر ہیں۔ تثنیہ بہرحال نہیں تو پھر یہاں بَيْن کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** یہ بات ہی غلط ہے کہ بَيْنَ دو درمیان کے لیے بولا جاتا ہے۔ بلکہ اکثر لفظ بَيْنَ کثرت کے درمیان کے لیے بولا جاتا ہے مثلاً کہا جاتا ہے۔ بَيْنَ الْاَشجار۔ بین الْاُحجار بین الحیوانات۔ اردو میں کہا جاتا ہے۔ آدمیوں کے درمیان میں سے۔ تو اسی طرح یہاں بھی کثرت سَحَابٌ مراد ہے جنساً اگرچہ سب ایک ہے مگر نوعاً مختلف کوئی چھوٹا ٹکڑا کوئی بڑا۔ کوئی سفید کوئی پیلا کوئی کالا۔ کوئی پانی والا کوئی اولوں والا وغیرہ۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں فرمایا گیا۔ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ جِبَالٍ فِيْهَا مِنْ بَرَدٍ۔ تین بار مِنْ فرمایا گیا۔ اس تکرار کا مقصد کیا۔ اگر اس طرح ہوتا۔ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ جِبَالَ بَرَدٍ۔ یعنی نازل فرماتا ہے آسمان سے برف کے پہاڑ یا اس طرح ہوتا۔ وَيُنَزِّلُ مِنْ جِبَالٍ فِي السَّمَآءِ بَرَدٍ۔ یعنی نازل فرماتا ہے ان پہاڑوں سے جو آسمان میں ہیں برد کو۔ کیا یہ درست نہ تھا۔ تکرار مِنْ سے بچ جاتے۔ **جواب:** تین بار مِنْ فرما کر تین باتیں بتائی گئیں۔ ۱۔ ابتداء نزول کا مقام۔ ۲۔ نزول برد کی مقدار۔ کہ سب نہیں کچھ۔ ۳۔ جنسیتِ شیء۔ اسی لیے پہلا مِنْ ابتدائیہ ہے اس نے ابتداء مقام بتائی کہ آسمان کی طرف سے دوسرا مِنْ بعضیت کا اس نے مقدار بتائی کہ کچھ برد نہ کہ سب۔ تیسرا مِنْ بیانیہ ہے۔ اس نے چیز کی جنسیت بتائی کہ جبال برد ہی کے ہیں نہ کہ پتھر کے اس لیے تینوں جگہ مِنْ فرمانا ہی درست ہے۔

تفسیر صوفیانہ

اے مشاہدہ عرفانی والی نگاہ قدوسی کیا تو نے مکاشفہ خلوت میں نہ دیکھا کہ سمٰوات روحانی و زمین جسمانی کی ہر حرکت ظاہری باطنی اپنے رب تعالیٰ کے لیے صفات جلالی جمالی کی نماز و تقدیس ذاتی کی تسبیح پڑھتی ہے اور قوت قلبیہ کے پرندے قدرت سریہ کی فضاؤں میں مراقبوں کے پر پھیلائے اپنے وجود مراتب میں نور سکینہ کی ہواؤں سے مستقیم ہو کر نماز و تسبیح میں مشغول ہیں نہ کوئی اپنی حد سے بڑھ سکتا ہے نہ رک سکتا ہے۔ کیونکہ وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (صافات: ۱۶۴) اور سب جانتے ہیں کہ ہمارا مقام عبادت کیا ہے۔ جسم روحانی کے ہر عضو مسافر نے جان لیا اپنی نماز اسرار و تسبیح افکار کو اِلقاء کبریائی کی تعلیم سے کہ ادا کر رہا ہے سلطنت ربانی کی مسخر صفوں میں حفاظت رحمانی و تربیت نبوی سے۔ مشاہد توحید کی تسبیح ان صفات کی مظہر ہے جو مخصوص ہیں ذات قدیم کے لیے اور صرف اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے اہل قلوب و اہل نفوس کے افعال سریہ مخفیہ کو جو وہ

marfat.com

کرتے ہیں۔ نماز طریقت و تسبیح حقیقت کی تین قسمیں۔ ۱۔ نماز و تسبیح عقلاء کی زبان قال و جسم حال سے یہ عبادت ملائکہ کی غذا۔ جن و انس کی دوا ہے۔ ۲۔ عبادت حیوانات زبان حاجات و صورت دلالات سے۔ ۳۔ عبادت نماز و تسبیح جمادات زبان اشارات و مظہر آیات سے۔ حیوانات کی عبادت ان کے لیے حیات زمینی ہے۔ جمادات کی عبادت ان کے لیے بقاء زمینی ہے ہر مخلوق کو مناسب حال شعور بخشا گیا۔ نماز قیام عبودیت ہے اور تسبیح ثناء ربوبیت ہے۔ ہر جہان ملکوت ہے اور ہر ملکوت۔ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ کا مظہر ہے (سورۃ یٰسین آیت ۸۳) ملکوت بقاء حیات ہے اور مَلَكُوتیة روحانی قابلیت ہے، یہ قابلیت انسان میں سب سے زیادہ اسی لیے سورۃ والتین آیت ۴ میں ارشاد ہوا۔ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْۤ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ۝ ۔ اسی قابلیت سے انسان اشرف المخلوقات اور مومن اکرم افضل عارف بنایا گیا۔ اشرفیت محتاج ہے اکرمیت کی اور اکرمیت محتاج ہے افضلیت کی۔ پھر قابلیت ملائکہ۔ پھر جنات پھر حیوانات پھر نباتات پھر جمادات۔ جن و انس ملائکہ کا علم تعلیم نبوی سے۔ حیوانات نباتات جمادات کا شعور الہام الٰہی سے۔ اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی حقیقت کمالی ہے اور بندوں کا علم عطائی قدرت استعداد سے۔ اور اللہ تعالیٰ ہی کا ملک ہے آسمانوں میں فیاضی سے اور زمین میں جوادی سے اور اسی کی طرف سب عابدین سالکین عارفین عاشقین و عاصیین کا ٹھکانہ ہے بقاو فنا میں۔ اے توحید و معرفت کے شاہد برحق کیا تو نے نگاہ تدبر سے نہ دیکھا کہ بیشک اللہ تعالیٰ اپنی قدرت حکمت سے شریعت طریقت معرفت صداقت حقیقت کے بادل چلاتا ہے آہستہ آہستہ کر کے قلب مصطفیٰ کی بلندیوں کی طرف۔ کرم، رحم، محبوبیت، حبیبیت کی چار ہواؤں سے پھر انوار صفات و تجلیات ذات کے پانیوں سے بھر کر سینہ نبوی میں ان کو مخزن و معدن رکام عرشی بنا دیتا ہے۔ پھر تو دیکھتا ہے کہ سینہ محمدی سے علم و عقل غیوب ظہور اسرار و انوار آیت و روایات کی بارشیں نکلتی ہیں اور نازل فرماتا ہے زمین ایمان کی طرف جب مکمل منکشف ہو جاتے ہیں مزاج احمدی میں جمال و جلال کے جبال بر دز بان مصطفیٰ سے جواہر رشد و ہدایت کے اولے اور حقائق علوم کی برف پھر یہ اسرار کے برد جمال ان ارواح مکرمین تک پہنچائی جاتی ہے جو عالم ازل میں قرب بارگاہ کی سبقت لے گئے ان کی لغزشیں انہی تنزلی اولوں کے ذریعے مٹا دی جاتی ہیں مگر جن سے یہ پھیر دیئے جاتے ہیں ان کو ان برد و دق سے محروم رکھا جاتا ہے اسی لیے ان کے گناہ باقی رہتے ہیں۔ قریب ہے کہ غضب الٰہی و ناراضی مصطفائی سے نکلی ہوئی تجلی صفات کی کڑک برق معائنہ اغیار کے وقت غالب آجائے اور فنا کر دے نگاہوں کو۔ یا اللہ بچا ہم کو ضالین و مغضوبین سے۔

یُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ؕ
پھیرتا ہے اللہ تعالیٰ رات اور دن کو
اللہ بدلی کرتا ہے رات اور دن کی
اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ۝۴۴
بیشک ان سب قدرتوں میں البتہ دعوۃ غور ہے عقل والوں کے لیے

marfat.com

بیشک اس میں سمجھنے کا مقام ہے نگاہ والوں کو
وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ
اور اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہر چلنے والے کو پانی سے تو کچھ ان میں سے وہ ہیں جو رینگتے ہیں اپنے پیٹ پر
اور اللہ نے زمین پر ہر چلنے والا پانی سے بنایا تو ان میں کوئی اپنے پیٹ پر چلتا ہے
وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ؕ
اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں دو پیروں پر اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جو چلتے ہیں چار پیروں پر
اور ان میں کوئی دو پاؤں پر چلتا ہے اور ان میں کوئی چار پاؤں پر چلتا ہے
يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾
پیدا فرما سکتا ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے
اللہ بناتا ہے جو چاہے۔ بیشک اللہ سب کچھ کر سکتا ہے
لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ ؕ
البتہ نازل کیا ہے ہم نے ظاہر بیان کرنے والی آیتوں کو
بیشک ہم نے اتاریں صاف بیان کرنے والی آیتیں
وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۴۶﴾
اور اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرماتا ہے جس کو چاہے سیدھے سچے راستے کی
اور اللہ جسے چاہے سیدھی راہ دکھائے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی رزق و غذا خوراک والی آسمانی نعمتوں کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں آسمانی موسمی نعمتوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ بادل و بارش اور پہاڑی برف باری یہ سب غذائی نعمتیں ہیں کہ ان سے ہی کھیت و باغات ہیں اور دن رات کا آنا جانا اور ان میں تغیر و تبدل یہ موسمی نعمتیں ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں بادل اور بارش کے بہتے و منجمد پانیوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں ان پانیوں کے فائدوں کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنی دنیوی نعمتیں بادل بارش وغیرہ جس کو چاہتا پہنچاتا ہے جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ اب ان آیات میں فرمایا جارہا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی

marfat.com

اخروی یعنی صراط مستقیم کی ہدایت والی نعمتیں جس کو چاہتا ہے پہنچاتا ہے جس سے چاہتا ہے پھیر دیتا ہے اگر دنیوی نعمتیں نہ ملیں تو بندے محتاج ہو جاتے ہیں اگر اخروی نعمتیں نہ ملیں تو بندے گمراہ ہو جاتے ہیں۔

تفسیر نحوی

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۝ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَاۗبَّةٍ مِّنْ مَّاۗءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰي رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓي اَرْبَعٍ ۭ ۔ يُقَلِّبُ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَقْلِيْبٌ قَلْبٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے۔ بدلنا، پھیرنا، آگے پیچھے کرنا، یا الٹ پلٹ کرنا۔ یہاں مراد ہے آگے پیچھے یعنی چھوٹا بڑا کرنا۔ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ الَّيْلَ اسم مفرد جامد اس کی جمع ہے لَيَالِيْ۔ لَيْلٌ بمعنی رات غروب آفتاب سے طلوع آفتاب تک یا طلوع فجر صادق تک مگر پہلا قول درست ہے یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ النَّهَارَ اسم مفرد مشتق۔ نَهْرٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے روشن ہونا۔ اسی مناسبت سے بارہ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ روشن دن طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک یہاں یہی مراد ہے۔ ۲۔ کھلنا۔ ۳۔ کھولنا۔ ۴۔ پانی بہنا۔ ۵۔ بہتے پانی کی جگہ۔ ۶۔ فراخی۔ ۷۔ روشنی۔ ۸۔ وافر یعنی ضرورت سے زیادہ مقدار۔ ۹۔ دن میں دشمن کا حملہ۔ ۱۰۔ اچک لینا۔ ۱۱۔ جھڑکنا۔ ۱۲۔ مکان اور گھر کی بالکونی یعنی فرنٹ گارڈن۔ یہ معطوف ہے اَللَّيْلَ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے يُقَلِّبُ کا وہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ خبریہ ہو گیا۔ اِنَّ حرف مشبہ فِيْ جارہ۔ ظرفیت معنوی کے لیے ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی بمعنی اس۔ اس کا مشار الیہ يُقَلِّبُ کا عمل تقلیبی ہے۔ ذٰلِكَ مجرور ہے فِيْ سے یہ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ اسم مفعول مَوْجُوْدٌ کا۔ وہ اپنے نائب فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے اِنَّ کی۔ لَعِبْرَةً۔ لام تَکی برائے تاکید و تحقیق عِبْرَةً۔ اسم مادہ مصدر اصلیہ آخر میں ۃ مصدر یہ ہے۔ عَبْرٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے۔ ۱۔ بڑی نصیحت لینا۔ ۲۔ مقام غور و فکر۔ ۳۔ برائی و نقصان دہ سے ہٹ جانا بچ جانا۔ ۴۔ ایک موجودہ چیز کو کسی گذشتہ یا آئندہ چیز سے سچی مماثلت یا مشاکلت یا مشابہت دینا۔ ۵۔ دلالت سے علم اور علم سے یقین تک پہنچنا۔ ۶۔ عبرت وہ فکر و بصیر ہے جو جہالت و حیرت سے نجات دلائے۔ اسی سے ہے اعتبار بمعنی بھروسہ اور اسی سے ہے عُبُوْرٌ کہ ایک حال سے دوسرے حال یا ایک جگہ سے دوسری جگہ یا ایک طرف سے دوسری طرف منتقل ہو جانا مشاہدے کی معرفت سے مجہول تک پہنچ جانا معنی سے مخاطب تک پہنچنا۔ کسی تہہ تک پہنچ جانا یہ عُبُوْرٌ ہے۔ اسی سے تعبیر ہے یعنی خواب کا مطلوب مقصد۔ عِبْرَةٌ کی جمع ہے عِبَرٌ۔ اسی سے ہے عبارت بمعنی کلام فصیح۔ لام جارہ اُولِيْ اسم مشابہ جمع مذکر سالم اس میں دو اختلافی قول ہیں ایک یہ کہ یہ اسم مکبرہ ہے پانچ وجہ سے۔ ۱۔ یہ ذُوْ کی غیر لفظی جمع ہے۔ ۲۔ اس کا اِعْرَابُ اَسْمَاءِ سِتّہ مکبرہ کی مثل حرفی ہے نہ کہ حرکتی یعنی رفع میں واؤ۔ اُولُوْ اور نصب و جر میں یٖ اُولِيْ ہوتا ہے۔ ۳۔ یہ استعمال میں ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے بغیر اضافت نہیں آتا۔ ۴۔ یہ ذُوْ کی مثل ہمیشہ کی طرح اسم ظاہر کا مضاف ہوتا ہے ضمیر کا مضاف نہیں ہوتا۔ ۵۔ اس کی تصغیر نہیں ہوتی ان وجوہ خمسہ سے اُولِيْ بھی مکبرہ ہے۔ قول دوم یہ مکبرہ نہیں دو وجہ سے۔ ۱۔ یہ ذُوْ کی جمع نہیں اس کی جمع ذَوُوْ ہے۔ ۲۔ اس کا اعراب ستہ مکبرہ کی طرح کلا نہیں ہے مکبرہ کا حرفی اعراب نصب میں الف ہوتا ہے مگر اولو کا نصب میں یٖ ہے۔ مگر اکثریت پہلے قول پر ہے۔ اُولِيْ مضاف

marfat.com

الْاَبْصَارِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے عِبْرَۃً مصدر کا دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر اسم اِنَّ ہے۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اللّٰہُ مبتدا خلق۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق۔ کُلَّ اسم تاکیدی مضاف ہے دَآبَّۃٍ۔ اسم مفرد مشتق دَبَّ مضاعف ثلاثی سے مشتق ہے باب نَصَرَ کا اسم فاعل مونث۔ یہاں اسم جامد ہے بمعنی جانور، حیوان۔ لغوی ترجمہ ہے نشان بنانا۔ اس مناسبت سے نو معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ آہستہ چلنا آگے بڑھنا۔ ۲۔ رینگنا۔ ۳۔ گھسٹ کر چلنا۔ ۴۔ پاؤں کے نشانات بناتے ہوئے چلنا۔ ۵۔ پیر پٹخنا اسی معنی سے ریچھ کو دَبابہ کہتے ہیں۔ ۶۔ گھوڑے کو دابہ کہا جاتا ہے۔ ۷۔ ڈھول کی آواز۔ ۸۔ قدموں کی چاپ۔ ۹۔ آج کل عرب میں فوجی ٹینک کو دَبَّابَہ کہتے ہیں۔ یہ مذکر مونث دونوں کے لیے بولا جاتا ہے۔ آخری ۃ وحدت کی ہے۔ یہ مضاف الیہ ہے کُلَّ کا۔ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے خَلَقَ کا مِّنْ مَّآءٍ یہ جار مجرور متعلق ہے خَلَقَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ حرف عطف مِنْهُمْ جار مجرور متعلق مقدم ہے یَّمْشِیْ کا مَنْ موصول یَّمْشِیْ باب ضَرَبَ کا مضارع حال مثبت معروف مَشْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چلنا آگے بڑھنا۔ عَلٰی جارہ بمعنی بَ سببیہ۔ بَطْنِ اسم مفرد جامد بمعنی پیٹ ہٖ ضمیر نفسی مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے یَّمْشِیْ کا۔ یہ فعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور مقدم و موخر دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اگلا جملہ اسی ترکیب سے پھر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ اگلی عبارت عَلٰۤی اَرْبَعٍ تک اسی ترکیب سے معطوف ہے۔ یہ تینوں عطف۔ ۱۔ عَلٰی بَطْنِهٖ ۔ ۲۔ عَلٰی رِجْلَیْنِ ۔ ۳۔ عَلٰۤی اَرْبَعٍ کے مکمل جملے مل کر معطوف ہے خَلَقَ کے جملے پر۔ وہ دونوں عطف مل کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یَخْلُقُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَاۤ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ وَ اللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾۔ یَخْلُقُ فعل مضارع حال مثبت معروف خَلْقٌ سے مشتق ہے اللّٰہُ اس کا فاعل مَا اسم موصول یَشَآءُ باب فَتَحَ کا مضارع حال مثبت معروف شَیْءٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چاہنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَخْلُقُ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا اِنَّ حرف مشبہ بالفعل اللّٰهَ اس کا اسم عَلٰی جارہ فوقیت کی کُلِّ اسم تاکیدی مضاف ہے شَیْءٍ اسم حاصل مصدر بمعنی چاہت، پسندیدگی۔ یہ مضاف الیہ ہے کُلِّ کا یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق مُقدّم ہے۔ قَدِیْرٌ باب کَرُمَ کا اسم صفت مشبہ مبالغہ بمعنی اسم تفضیل واحد مذکر۔ معنی ہے ہمیشہ سے ہمیشہ تک بہت قدرت والا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ۔ یہ اسم صفت مشبہ اپنے فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ لَام کَے تحقیقیہ بمعنی بیشک قَدْ اَنْزَلْنَاۤ باب افعال کا ماضی قریب مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مرجع اللہ تعالیٰ یہ جمعیت فصاحت کلام کے لیے ہے۔ اٰیٰتٍ۔ اسم جمع مونث سالم موصوف ہے۔ مُّبَیِّنٰتٍ۔ باب تفعیل کا اسم فاعل جمع مونث۔ صفت ہے اس کا مصدر ہے تَبْیِیْنٌ اور تبیان اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے قَدْ اَنْزَلْنَاۤ کا سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ وَ اللّٰهُ۔ واؤ سر جملہ۔ اللّٰہُ مبتدا۔ یَهْدِیْ۔ باب ضَرَبَ کا فعل مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب هُدًی سے مشتق ہے۔ بمعنی ہدایت دینا یعنی سیدھا سچا راستہ دکھانا۔ اور منزل قرب تک پہنچانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ مَنْ اسم موصول یَّشَآءُ فعل با فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا یہ موصول

marfat.com

صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَھْدِیْ کا اِلٰی حرف جر صِرَاطٍ اسم مفرد جامد بمعنی کھلا سیدھا راستہ۔ یہ موصوف ہے۔ مُّسْتَقِیْمٍ باب استفعال کا اسم فاعل واحد مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِقْوَامٌ۔ تعلیل نحوی سے ہوا اِسْتِقَامَۃٌ قَوْمٌ سے بنا ہے بمعنی قائم رکھنا۔ قائم رہنا۔ یہ صفت ہے صِرَاطٍ کی وہ مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے یَھْدِیْ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر ہے اللّٰہُ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانه

یُقَلِّبُ اللّٰہُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ ۝ ۔اے دنیا والو یاد رکھو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی بدلتا رہتا ہے ہر رات اور ہر دن کو کبھی زیادتی کمی۔ اس طرح کہ کبھی رات کا قبضہ ہو جاتا ہے دن کے کچھ حصے پر اور رات بڑی ہو جاتی ہے اور پھر کبھی دن کا قبضہ ہو جاتا ہے رات کے کچھ حصہ پر تو دن بڑا ہو جاتا ہے۔ ۲۔ اور اس طرح بھی اللہ تعالیٰ ہی تغیر فرماتا ہے کہ کبھی رات کالے بادلوں سے اندھیری ہوتی ہے کبھی چاند کی چاندنی سے منور اور کبھی دن کالے بادلوں سے اندھیرا کبھی سورج کی دھوپ سے روشن۔ ۳۔ کبھی دن خیر کبھی رات خیر۔ کبھی رات میں شر کبھی دن میں۔ ۴۔ کبھی سردی میں کبھی گرمی میں۔ ۵۔ اور تاریخی اعتبار سے رات ہمیشہ پہلے ہی ہوتی ہے مغرب سے شروع ہو کر فجر پر ختم۔ ۶۔ پھر ایک ہی وقت میں کسی جگہ رات ہے کسی جگہ دن ہے۔ ۷۔ کبھی دن رات پر بہار ہے کبھی خزاں۔ ۸۔ کہیں برسات کہیں خشک سال۔ یہ تقلیب لیل و نہار نہ چاند کرتا ہے نہ سورج نہ ستاروں کا ظہور نہ بروج کا عروج نہ موسموں کا خروج نہ دھر نہ زمانہ۔ نہ کسی کا آنا جانا۔ کیونکہ یہ تمام آلہ کار ہیں نہ کہ فاعل مختار بلکہ حکم کبریائی کے بندگان کار۔ مُقَلِّبُ الَّیْلِ وَالنَّھَارِ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ البتہ بیشک اس تغیر تبدل تقلب میں عبرت تفکر۔ اعتبار تدبر دلائل تذکر اشارۃً تعمل ہے کہ

ہمہ از بہر تو کارند و فرمانبردار　　حیف باشد کہ تو فرماں نبری

اے عقل و بصیرت والو آج دنیا میں عمل و عقیدہ سنبھال کر عبرت و نصیحت پکڑ لو اس لیے کہ ہر مومن اُولِی الْاَبْصَارِ ہے اور اُولِی الْاَبْصَارِ پر واجب ہے عبرت فکر کرنا۔ نصیحت ذکر پکڑنا۔ ان آیتوں میں توحید الٰہی کے تین دلائل بیان فرمائے گئے۔

دلیل اول حالات زمین و آسمان۔ **دلیل دوم** مخلوق کی علویت سفلیت بلندی پستی۔ **دلیل سوم** حیوانات کی خلقت، ولادت، عادت، جبلت کے مختلف و متفرق حالات۔ بروایت حضرت ابوہریرہ ایک حدیث قدسی میں ہے فرمایا آقا ﷺ نے کہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یُؤْذِیْنِیْ ابْنُ اٰدَمَ یَسُبُّ الدَّھْرَ وَاَنَا الدَّھْرُ بِیَدِیَ الْاَمْرُ اُقَلِّبُ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ۔ یعنی انسان مجھے ایذا دیتا ہے زمانے کو گالیاں دے کر حالانکہ میں ہی خالق زمانہ ہوں زمانے کو بنانے چلانے والا تمام امور میرے قبضے میں ہیں۔ میں ہی پھیرتا ہوں رات دن کو۔ وَاللّٰہُ خَلَقَ کُلَّ دَآبَّۃٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ اور اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا فرمایا ہے تمام چلنے والوں کو۔ زمین کے اوپر ہوں یا اندر۔ پانی میں ہوں یا ہواؤں میں۔ ظاہر ہوں یا پوشیدہ بلندیوں پر ہوں یا پستیوں میں۔ پانی سے ہی جنساً بھی نوعاً بھی صنفاً جاندار ہونا ایک جنس ہے۔ گھوڑا گدھا ہونا الگ نوع ہے۔ مذکر مونث ہونا صنف ہے۔ حدیث مقدس میں فرمان نبوی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک جوہر پیدا فرمایا اس پر تجلی ہیبت ڈالی تو وہ جوہر پانی بن گیا۔ پھر اس پانی کو چار حصوں میں تقسیم فرمایا۔ نور، نار، ہوا، خاک۔ نور سے فرشتے۔ نار سے جنات۔ ہوا سے فلکیات۔ خاک سے ارض وارضیات

marfat.com

جمادات نباتات حیوانات و آدم و آدمیان علیہ السلام۔ حور و غلمان کے اجسام شفاف کَاَنَّهُنَّ الْيَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ﴿۵۸﴾ سے یہی کثافت کی شفافیت ثابت فرمائی گئی غرضکہ مادہ مخلوق کا اصل جوہر آب ہے یہ تخلیق جنسی ہے نوعا اس طرح کہ سب مخلوق کا خمیر پانی سے ہی گوندھا گیا۔ سورۃ انبیا کی آیت ۳۰ میں ارشاد ہے۔ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ط۔ ترجمہ اور بنایا ہم نے ہر چیز کو پانی سے زندہ۔ اور فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کو نطفے کے پانی سے پیدا فرمایا۔ یہ تخلیق صنفی کا ذکر ہے۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰٓى اَرْبَعٍ ۚ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ط اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۴۵﴾ ایسی قدرت و حکمت سے پیدا فرمایا کہ ان میں سے کچھ جانور اپنے پیٹ پسلیوں سے چلتے ہیں اتنی تیزی سے کہ ان کا رینگنا بھی مثل چلنے کے ہے جیسے کہ خشکی میں سانپ وغیرہ اور پانی میں مچھلی وغیرہ اور کچھ جانور اپنے دو پیروں پر چلتے ہیں۔ جیسے انسان اور زمینی و ہوائی پرندے اور کچھ جنگلی جانور مثلاً کینگرو جو دو پیروں پر اچھل اچھل کر چلتا ہے اور کچھ جانور چار پیروں پر چلتے ہیں۔ خواہ چار ہی پیر ہوں جیسے چوپائے یا زیادہ کسی کے چھ کسی کے آٹھ کسی کے بارہ کسی کے چالیس وغیرہ۔ مگر چلنے کی طاقت صرف چار پیروں میں ہی ہوتی ہے دو اگلے دو پچھلے پیروں میں۔ اگر چار سے زیادہ پیر والے کیڑے کے اگلے دو اور پچھلے دو پیر کاٹ دیئے جائیں تو باقی پیروں سے نہ چل سکے نہ بھاگ سکے نہ رینگ سکے اور اگر درمیان کے پیر کاٹ دیئے تو چلتا رہتا ہے اگرچہ آہستہ گرتا پڑتا چلے۔ غرضکہ چار سے زائد پیر قیام وقوت کا سہارا تو ہیں مگر ان میں چلنے کی طاقت نہیں ہوتی اسی لیے چار سے زیادہ پیروں کا ذکر نہ فرمایا گیا۔ ان حیوانات کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جو چاہتا ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر مشیت پر ہر وقت قادر ہے ازلِ قدیم سے ابد بعید تک۔ زمینی جاندار میں تیرہ قسم کے اختلافی حالات ہیں۔ ۱۔ جسمانی بناوٹ میں مختلف۔ ۲۔ اعضا میں۔ ۳۔ جسمانی وزن اور حجم میں۔ ۴۔ ولادت تناسل میں۔ ۵۔ مدت عمر میں۔ ۶۔ قوت جسمانی میں۔ ۷۔ جرأت قلبی میں۔ ۸۔ طریقہ پرورش میں۔ ۹۔ طریقہ رہائش میں۔ ۱۰۔ جبلی فطری عادات میں۔ ۱۱۔ انسیت محبت الفت وفا میں۔ ۱۲۔ آواز میں۔ ۱۳۔ فطرتی پیدائش مشغولیت و فنکاری میں مختلف۔ مثلاً کسی کا جسم بڑا، چھوٹا، لمبا ٹھگنا، موٹا، دبلا اور مثلاً بعض اعضاء میں مشترک بعض میں مختلف بعض منفرد۔ یعنی اجزا میں مشترک اعضاء میں مختلف کہ خون ہڈی، پٹھے بال گوشت پوست میں مشترک مگر بناوٹ شکل، صفت و تعداد اعضاء میں مختلف کہ کسی حیوان میں زیادہ کسی میں کم۔ کسی کے سینگ ہیں کسی کے نہیں کچھوا بالکل جدا۔ پھر ان کی بناوٹ فوائد، کمیت کیفیت وضع قطع کارکردگی میں فرق اور کوئی وزنی کوئی ہلکا کہ مچھلی ہی مکھی برابر اور مچھلی ہی ہاتھی سے بڑی۔ رنگ و صورت سختی نرمی مختلف پھر کسی سے بچے کسی سے انڈے کسی کی تکمیل شکم مادر میں کسی کی بعد ولادت کچھ جانور کیڑے کی شکل میں جنم لیتے ہیں پھر کچھ دنوں بعد اصلی شکل پر آتے ہیں کسی کے پستان سینے پر کسی کے ناف کے نیچے۔ پھر کسی عضو کا ایک فائدہ کسی کا زیادہ مثلاً انسانی ہاتھ سے بائیس فائدے ہاتھی کی سونڈ کے ہاتھی کو دس فائدے کان کے چار فائدے کہ سماعت بھی، جھاڑن بھی، پنکھا بھی، بچاؤ بھی وائرلیس بھی حیوانات کی وطنیت میں اختلاف۔ کسی کا وطن صرف پانی، کسی کا دونوں جگہ خشکی بھی پانی بھی، کسی کی رہائش گھروں میں کسی کی گھونسلوں میں کسی کی سوراخوں میں کسی کی درختوں میں۔ طریقہ تنفس حرکات و سکنات مختلف کوئی گوشت خور کوئی سبزی خور کوئی دونوں چیزیں کھالے۔ کسی کی غذا پتوں پھولوں کا رس۔ کوئی ناک سے سانس لیتا ہے کوئی منہ سے کوئی

marfat.com

دونوں سے مکھی بھڑ نحل مچھر وغیرہ مسامات سے سانس لیتے ہیں۔کسی کا چلنا پسلیوں کی طاقت سے کوئی رینگ کر چلے کوئی تیر کر۔مینڈک، بطخ، مرغابی، ریچھ، کتا، شیر، بھینس، بندر، پنجوں سے تیرتے ہیں۔فنکاری میں کوئی شہد بنائے کوئی زہر بنائے کوئی شکاری کوئی چالاک کوئی بیوقوف کوئی سخت دل کوئی نرم دل کوئی رحم دل۔آوازوں میں فرق کوئی چنگھاڑنے والا۔کوئی ڈکرانے والا کوئی ہنہنانے والا کوئی چہچہانے والا کوئی بھونکنے کوئی اونکنے والا کوئی بالکل خاموش جیسے کیڑے مکوڑے حشرات۔آمد ورفت میں فرق کوئی گروہ بنا کر رہنے والے کوئی صرف جوڑا جوڑا کچھ مکر والے کچھ عقل والے۔کچھ حافظے والے کچھ حاسد کچھ مغرور۔ حیوانات زمینی کی یہ وہ کیفیات ہیں جو خالق کائنات نے انسان حیوان کی فطرت، جبلت میں رکھ دی ہیں۔ہر جاندار پیدا ہوتے ہی اپنی کیفیاتی فطرت جبلت کو خود بخود سیکھ جاتا ہے۔انسانی عقل فکر نظر علم حیوانات کے حالات کو احاطہ نہیں کر سکتے نہ کوئی عقل پوری واقف نہ کوئی فکر پوری واصل۔بس خالق تعالیٰ ہی مطلع احوال حیوانات ہے اور واقف تعداد جنسیات ہے اور عالم حاجات وضروریات ہے۔نہ کوئی اس کو مانع نہ کوئی اس پر غالب وہی قادر علی الکل ہے اور قابض بالکل ہے لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَاللّٰهُ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾۔البتہ ہم نے ہی نازل فرمائیں عبرت، نصیحت، حیرت، مصیبت، دہشت کے دلائل ومسائل والی ظاہر ومظہر آیتیں کھل کر بیان کرنے والی عبارتیں اور قدرت کی علامتیں اور ان نشانیوں کی طرف اللہ تعالیٰ ہی ہدایت فرماتا ہے جس عاقل، بالغ، عاجز، مطیع، متبع، عابد وزاہد مشفق، مستحق، متقی کو چاہے وصل و قرب کے اس صاف سیدھے مضبوط مستحکم راستے کی جو خود بھی قائم ودائم ہے اور مخلصین بندوں کو قائم دائم رکھنے والا ہے۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

یُقَلِّبُ کے معنی میں چار قول۔۱۔بعض نے کہا اس کا معنی ہے آگے پیچھے فرماتا ہے۔۲۔بعض نے کہا چھوٹا بڑا کرتا ہے۔ ۳۔بعض نے کہا کم زیادہ۔۴۔بعض نے کہا موسموں کی تبدیلی۔لَعِبْرَةً کے معنی میں چھ قول۔۱۔بعض نے کہا۔عبرت کا معنی وجود الٰہی پر دلالت۔۲۔بعض نے کہا توحید پر دلیل۔۳۔بعض نے کہا کمال قدرت کی دلیل ہونا۔۴۔بعض نے کہا۔ عبرت کا معنی ہر چیز پر محیط وغالب ہونا۔۵۔بعض نے کہا عبرت بمعنی نفاذ مشیت۔۶۔بعض نے کہا عبرت بمعنی ہر عیب سے پاک ہونا۔پہلا ودوسرا قول درست ہے۔اُولِی الْاَبْصَارِ کے معنی میں دو قول۔۱۔بعض نے کہا اہل بصیرت۔۲۔بعض نے کہا اہل بصارت۔وَاللّٰهُ خَلَقَ کی قرأت میں دو قول۔۱۔اکثر کی قرأت خَلَقَ ہے۔۲۔بعض کی قرأت خَالِقُ ہے۔ كُلَّ دَآبَّةٍ کی قرأت میں دو قول۔۱۔اکثر کی قرأت کُلَّ ہے زبر سے مفعول بہ ہے خَلَقَ کا۔۲۔بعض کی قرأت کُلِّ ہے خَالِقُ کا مفعول مضاف الیہ مگر خَلَقَ اور کُلَّ کی قرأت صحیح ہے كُلَّ دَآبَّةٍ کے معنی میں تین قول۔۱۔اکثر نے فرمایا اس سے مراد صرف بحری وبری جانور وانسان مراد ہیں۔۲۔بعض نے کہا اس سے مراد آسمانی وزمینی جاندار ہیں۔۳۔بعض نے کہا آسمانی زمینی وجنتی بھی مراد ہیں یعنی حور وغلمان خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ کی تفسیر میں تین قول۔۱۔کسی نے یہ تفسیر کی کہ ہر ایک جاندار پانی سے بنایا گیا۔۲۔کسی نے تفسیر کی کہ پانی سے زندہ رکھا گیا۔۳۔کسی نے لکھا کہ پانی سے مراد مذکر مونث کا نطفہ ہے۔یعنی سب کو نطفے سے پیدا فرمایا مَآءٍ کے نکرہ ہونے کی وجہ میں تین قول۔۱۔بعض نے کہا یہ مفرد نوعی کی وجہ سے نکرہ ہے۔۲۔بعض نے کہا مفرد شخصی کی وجہ سے۔۳۔بعض نے کہا دونوں وجہ سے نکرہ ہے۔مُبَیِّنٰتٍ کی قرأت میں دو قول۔

marfat.com

ا۔ اکثر کی قرأت مُبَیِّنَاتٍ ہے اسم فاعل جمع۔ ۲۔ بعض کی مُبَیَّنَۃٍ ہے اسم مفعول۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی ہر چیز ہی بے مثل حیران کن ہے مگر بعض اشیا تو عقل انسانی کو ورطہ حیرت میں ڈالنے والی ہیں جن میں سے ایک سانپ ہے جو بغیر پاؤں کے اتنا تیز دوڑتا ہے کہ تیز رفتار گھوڑا بھی مقابلہ نہیں کر سکتا اور مچھلی کہ کتنا ہی منہ کھولے مگر منہ میں پانی نہیں جاتا۔ خود انسان کا وجود بھی حیران کن ہے یہ فائدہ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ کے مقدم فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** جاندار مخلوق قدرت کا عظیم و عجیب شاہکار ہے کہ عناصر سب کے چار مگر اعضاء، اجسام، شکل وصورت عادات قوت طبیعت ولادت، وزن، خوراک اصول رہائش میں ہزارہا اختلاف اور فرق۔ کیا حیرانی ہے کہ جتنے اندرونی بیرونی ہاتھی کے اجزاء واعضاء اتنے ہی چیونٹی کے بلکہ کاغذ کے باریک کیڑے میں جو چیونٹی کے سر کے برابر ہوتا ہے اس میں بھی اتنے ہی اجزا واعضا جتنے ہاتھی میں یہ فائدہ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر مسلمان کے لیے چار کام بہت بڑی عبادت ہے **اول** مخلوق میں تفکر۔ **دوم** ہر نشان قدرت سے عبرت پکڑنا۔ **سوم** امور دین میں خرچ کرنا۔ **چہارم** ہر مسلمان ہر وقت خاص کر صبح شام جبکہ رات دن کی ابتداء واختتام ہو تو اپنے ہر عمل کا محاسبہ کرتا رہے بلوغت سے موت تک۔ یہ فائدہ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** سائنس دانوں اور موسمیات والوں کی لغویات فلکیات کی تائید وتصدیق کرنا مسلمانوں کے لیے ناجائز بلکہ بعض تائیدیں حرام ہیں۔ کیونکہ وہ لوگ تبدیلی موسمیات کا فاعل ستاروں اور برجوں کو سمجھتے ہیں اور اسی بنا پر آئندہ وموجودہ کا حال بتاتے ہیں۔ قدرت الٰہی وحکمت کبریائی کو نہیں مانتے۔ اور ہندو جوتشی موسموں کو اپنے دیوتاؤں کی طرف بھی منسوب کرنے کا کفر کرتے ہیں یہ مسئلہ يُقَلِّبُ اللّٰهُ (الخ) کے فرمان سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** اسلامی شریعت میں ہر پوری رات کا تعلق آئندہ دن سے ہے نہ کہ پہلے دن یا آدھی رات سے۔ مثلاً بدھ جمعرات کی درمیانی رات جمعرات کی رات ہے نہ کہ بدھ کی۔ اور پورے دن رات کا نام ایک تاریخ ہے ہر غروب آفتاب سے اسلامی مہینوں کی تاریخ بدل جاتی ہے۔ وہ لوگ جاہل پاگل ہیں جو آدھی رات کو تاریخ بدلنا سمجھتے ہیں۔ یہ مسئلہ يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ میں لَيْل کو مقدم فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** تین دولتیں ملنی خاص اللہ تعالیٰ کی کرم نوازی ہے۔ ا۔ ہدایت ایمان۔ ۲۔ توفیق اعمال صالحہ۔ ۳۔ سچے عقیدے کی سعادت یہ ابدی دولتیں نہ کسب سے ملتی ہیں نہ عقل وعلم سے نہ ذکر وفکر سے نہ نزول آیات سے نہ قبول حرکات سے۔ یہ مسئلہ۔ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰيٰتٍ مُّبَيِّنٰتٍ کے بعد وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں مِّنْ مَّآءٍ نکرہ فرمایا گیا لیکن سورۃ انبیا

marfat.com

آیت ۳۰ میں مِنَ الْمَآءِ فرمایا معرف باللام۔ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ یہاں عام حقیقی اصلی پانی مراد ہے جیسا کہ پہلے حدیث قدسی کا فرمان بیان ہوا اور نوعی افراد مراد لیے گئے اور وہاں مِنَ الْمَاءِ سے خاص نطفے کا پانی مراد ہے اور جنسی افراد اور جَعَلْنَا کا معنی ابتدائی خلقت بناوٹ ترکیبی اجزا۔ لہٰذا یہاں نکرہ کرنا ہی درست ہے وہاں معرفہ کرنا ہی نکرہ عام ہوتا ہے معرفہ خاص۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا۔ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ۔ یعنی کچھ مخلوق جاندار اپنے پیٹ پر چلتی ہے۔ حالانکہ پیٹ پر چلنے کو اردو میں رینگنا عربی میں زَحْف کہتے ہیں۔ تو پھر یہاں يَمْشِيْ کیوں فرمایا گیا يَزْحَفُ فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** دو وجہ سے یہاں يَزْحَفُ کو يَمْشِيْ فرمایا گیا۔ ایک یہ کہ اظہار قدرت کے لیے مجازاً مبالغے و کثرت کا لفظ ارشاد ہوا۔ کیونکہ بغیر پیروں کے رینگنا بھی چلنے کے مشابہ ہے اور بہت تیز رینگنا تو چلنے سے بھی زیادہ قوت والا ہوتا ہے۔ مجازاً ہر ترقی کو بھی چلنا کہہ دیا جاتا ہے مثلاً دکان چل پڑی، کاروبار چل پڑا مشین چلتی ہے کام چلتا ہے وغیرہ تو رینگنے کی تیزی بتانے کے لیے یہاں يَمْشِيْ فرمایا گیا۔ جیسے خشکی میں سانپ، پانی میں مچھلی۔ وجہ دوم یہ کہ آہستہ بڑھنے کو رینگنا اور زَحْف کہا جاتا ہے اگرچہ پاؤں والا آہستہ بڑھے جیسے کچھوے کا بڑھنا اصل رینگنا ہے حالانکہ اس کے چار پاؤں ہوتے ہیں مگر تیزی سے آگے بڑھنے کو يَمْشِيْ ہی کہا جاتا ہے وہی یہاں مراد ہے اگرچہ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ ہو۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ یہاں صرف تین طریقے سے چلنے والوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ۱۔ پیٹ کے بل۔ ۲۔ دو پاؤں سے۔ ۳۔ چار پاؤں سے۔ حالانکہ بہت سے حشرات کیڑے مکوڑے چار سے زیادہ پیر والے ہیں ان کا ذکر کیوں نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کے چار جواب ہیں ایک یہ کہ حضرت ابی ابن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہاں اَرْبَعٍ ؕ کا معنی اَكْثَرَ ہے۔ رُبَعٌ کا اسم تفضیل برائے مبالغہ اور آیت کا ترجمہ ہوا کہ کچھ جانور پیٹ پر چلتے ہیں کچھ دو پیروں پر کچھ زیادہ پر۔ چار ہوں یا چالیس۔ اس لیے صرف اَرْبَعٍ ؕ فرمایا گیا نہ کہ اربعِ رِجَالٍ (از تفسیر قرطبی) **جواب دوم** یہ کہ چار سے زیادہ پیروں والے حیوانات کا ذکر يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ میں آ گیا۔ اور بتایا گیا کہ کچھ جانور پیٹ کے بل چلتے ہیں۔ کچھ دو پاؤں سے کچھ چار پاؤں سے اس کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے جتنے پاؤں والے چاہے۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسے کیڑے بھی پیدا فرمائے ہیں جن کو تین پیر اور دو آریں دی گئی ہیں۔ وہ بہت تیز چلتے بھی ہیں اور اپنی آریوں سے پتے اور پھل کاٹتے بھی ہیں۔ **جواب سوم** یہ کہ یہاں ظاہریت واکثریت تعداد کے اعتبار سے صرف تین قسموں کا ذکر فرمایا گیا کہ جن کو انسان ہر وقت کثرت سے دیکھتا جانتا ہے وہ صرف تین قسم کے ہی ہیں۔ نیز عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ کا معنی ہے کہ چلتے وقت پیٹ زمین سے لگے پیر ہوں یا نہ ہوں اس معنی سے چھپکلی، سانپ سب اس میں شامل۔ **جواب چہارم** وہی ہے جو ہم نے تفسیر عالمانہ میں عرض کیا۔ کہ چلنے کے پاؤں صرف دو اور چار ہی ہوتے ہیں دو آگے دو پیچھے۔ باقی پیر صرف سہارا ہیں دو دیگر ضروریات کے لیے مثلاً آری کلہاڑی وغیرہ کی جگہ۔ ان تین قسموں کی ہر جگہ کثرت ہے اور سب انسان واقف ہیں۔ دیگر زائد پاؤں والے نہ ہر جگہ موجود نہ کثیر نہ ہر انسان ان سے واقف اس لیے ان کے ذکر کی ضرورت نہ تھی۔ آج ٹی وی کے ذریعے جتنے بحری بری جانور دیکھ لیے جاتے ہیں اس سے پہلے وہ کبھی کسی کے خواب وخیال میں بھی نہ تھے۔ اور آج بھی جن کے پاس ٹیلیویژن نہیں ہے وہ اب بھی ان عجائب مخلوقات سے بے خبر ہیں۔ مگر یہ تین قسمیں ہر جگہ کثرت سے موجود ہیں ہر ایک کو صدیوں سے نظر آ رہی ہیں۔

marfat.com

تفسیر صوفیانہ

يُقَلِّبُ اللّٰهُ الَّيْلَ وَ النَّهَارَ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۔ اللہ تعالیٰ ہی بدلتا ہے لیلِ فنا اور نہار بقا کو۔ لیلِ جلال و نہارِ جمال کو۔ لیلِ معصیت و نہارِ طاعت کو جس کے لیے چاہے اور بدلتا ہے ظلمت نفس کی اندھیری رات اور نورِ قلبی کے منور دن کو اس طرح کہ جب کبھی نور کا غلبہ ہوتا ہے تو قلب و روح منور ہوتے ہیں۔ اور جب ظلمۃ نفس کے اندھیرے چھا جاتے ہیں تو دنیوی مشغولیت بڑھ جاتی ہے فکرِ آخرت ختم ہو جاتی ہے اور قلب و روح نفسانی غفلت میں ڈوب جاتے ہیں اللہ تعالیٰ بدلتا رہتا ہے ہجر و محرومی کی رات اور مکاشفہ اسرار کے دن کو اہل بیان و مبتلاء امتحان لوگوں کے لیے اور تبدیل فرماتا ہے گناہوں کی رات اور نیکیوں کے دن کو عارفین کے حق میں اور پھیر دیتا ہے عبادت کے دنوں کو گناہوں کی اندھیری راتوں کی طرف شیاطین و خبیثین کے لیے بیشک اس تقلیب و تبدیل میں بصیرت قلبی والوں کے لیے فکر نصیحت ہے کیونکہ یہی لوگ نور و نار و ظلمت کا فرق جان سکتے ہیں اور جب جناب حق سے معدن نور پا لیتے ہیں اور مقام اسرار روحانی سے مخزن عبرت لے لیتے ہیں تب ان پر حجاب بعد منکشف ہوتے ہیں۔ اس تقلیب رات دن میں عبرت خوف و خشیت کبریا کے بہت سامان ہیں اہل مشاہدہ کے لیے کہ وہ آئینہ دل میں لطف و قہر کا مشاہدہ کریں جہان لیل و نہار کی اس تبدیلی میں اہل فراست کے لیے بھی عبرت کی نعمت ہے کیونکہ یہ تغیر مشیت سے ہے اور مشیت ازلی غلبہ حقائق ہر شخص کی مشیت کے اوپر ہے کیونکہ سب کی مشیت اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہے۔ ہر ارادہ اللہ تعالیٰ کے ارادے سے صادر ہے۔ اگر کسی ارادے مشیت و تصرف میں حکم ربانی رضاء رحمانی کی مخالفت واقع ہو تو فنا کا دروازہ کھلتا ہے اور اللہ کے سوا نہ کوئی خالق ہے نہ کوئی واقف ہے تمام مخلوق اسی کی مشیت قدرت، حکمت میں مستعمل ہے۔ اپنی مرضی سے نہ کوئی موافق ہو سکتا ہے نہ مخالف کیونکہ رات و دن کا مقلب وہی وَحْدَهٗ لَا شَرِيْك ہے وہی قائم عَلَى الْاَشْيَاءِ بالاشیاء ہے بقا دے کر بھی فنا دے کر بھی بلندی و پستی اسی کی عطا ہے۔ اس کی مشیت کے خلاف کوئی کسی پر نہ مونس ہے نہ وحشی۔ وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَّآءٍ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰۤى اَرْبَعٍ ؕ يَخْلُقُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ ؕ ۔ اور اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے۔ ہر زمین بدنی میں مختلف طبیعتوں کے جاندار علم و عقل کے پانی سے تو کچھ چلتے ہیں اپنی باطنی نیتوں کے اشاروں پر کچھ چلتے ہیں علم و اخلاق کے دو پیروں پر اعمال خیر کرنے کے لیے اور کچھ چلتے ہیں شریعت طریقت حقیقت معرفت کے چار پیروں پر فکر آخرت کے لیے یہی صحیح مدعا کا منشا ہے۔ علم نوری عقل شعوری کا پانی لیا جاتا ہے نور محمدی کے بحر اُلفت سے کیونکہ وہی نور محمدی جوہر کائنات ہے اسی طرف اشارہ ہے حدیث مقدس کا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِيْ وَاَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ رُوْحِيْ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور محمدی اور روح محمدی کو پیدا فرمایا پس کچھ بندے اپنی طبیعتوں پر رینگتے چلتے ہیں اعمال طبعی کے لیے اور کچھ بندے دین و دنیا کے دو پیروں پر چلتے ہیں اعمال ایمانی و کمال عرفانی کے لیے اور کچھ چلتے ہیں مفادات حیوانی، نفسانی، شیطانی، طغیانی کے چار پیروں سے کردار درندگی کے لیے۔ لہٰذا جو چلتے ہیں اپنی سیرت نفسانی کے بطن پر وہ خواہشات کے حصول میں عمر برباد کرتے ہیں اور جو چلتے ہیں نفس امارہ و عقل عیارہ کے دو پیروں پر وہ شہوات کی طلب میں عمر تباہ کرتے ہیں اور جو چلتے ہیں وَجاہت، مراتب، امارت، بناوٹ کے چار پیروں پر ان کی سواریاں مکر، فریب، دھوکہ، ریا ہے ایسے بدبخت حکومت وزارت

marfat.com

سرداریت امارت کی حصول میں عمر خراب کرتے ہیں۔ ہمارے بندوں میں کچھ وہ بھی ہیں جو سیر باطن میں رہتے ہوئے دریائے محبت میں مستغرق ہیں اور کچھ کاملین وہ ہیں جو عشق ومعرفت کے قدموں پر قوت اعتماد سے چلتے ہیں اور کچھ اکملین توکل، اخوت، عبادت، محبت کے قدموں پر ملک وملکوت کی فضا میں سیرِ لاھوتی کرتے ہیں کہ ظاہراً مخلوق کے ساتھ۔ باطناً خالق تعالیٰ کے ساتھ ہیں اعمال میں شریعت کے افکار میں طریقت کے اقوال میں حقیقت کے نیات میں معرفت کے تقاضے پورے کرتے ہیں۔ وہ بندے طالب بھی ہیں مطلوب بھی مرید بھی مراد بھی۔ یہی خوش نصیب صبح ازل میں چار پیروں پر۔ دوپہر دنیوی میں دو پیروں پر اور شام اخیر میں تین پیروں پر اور شب قبور میں پیٹ پر چلتے ہیں۔ پیدا فرماتا ہے اللہ تعالیٰ عادات انسانیہ کی پسندگی، درندگی، چرندگی، پرندگی میں سے جو چاہتا ہے اپنی حکمت ازلیہ ومشیت ابدیہ سے جو چلتے ہیں عناصر روحانیہ کی قوت جبروتی سے اور پرواز کرتے ہیں معرفت حقیقت کے پردوں سے اور تیرتے ہیں بحرِ طریقت میں۔ یہی ہیں وہ جن کو واقف کر دیا گیا اسرار پر ان کی بلندی کسی فرد عوام کو معلوم نہیں نہ نوعاً نہ جنساً نہ صنفاً۔ ان کے اعمال انہی کے لائق انہیں پر تام ہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۴۵﴾ لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اٰیٰتٍ مُّبَیِّنٰتٍ ؕ وَ اللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿۴۶﴾۔ بیشک اللہ تعالیٰ قادر ہے ہر منشاء ظاہرہ قدرت کاملہ پر۔ البتہ ہم نے ہی وادی سلوک میں آیات مشاہدہ نازل فرمائیں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہدایت فرماتا ہے جس کو چاہے ازلی ابدی معارف حقائق کی راہ مستقیم کی طرف احوال عامہ وعلوم تامہ سے۔

وَ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَ بِالرَّسُوْلِ وَ اَطَعْنَا
اور پہلے سب کہتے ہیں کہ ایمان لائے ہم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ پر اور اطاعت کی ہم نے
اور کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ اور رسول پر اور حکم مانا
ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِکَ ؕ
پھر بدل جاتا ہے ایک گروہ ان میں سے اس ایمان کے بعد
پھر کچھ ان میں کے اس کے بعد پھر جاتے ہیں
وَ مَآ اُولٰٓئِکَ بِالْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۴۷﴾ وَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ
اور قلبی طور پر ہی وہ لوگ نہیں تھے شروع سے ہی ایمان لانے والے اس طرح کہ جب یہ لوگ کبھی بھی بلائے گئے اللہ
اور وہ مسلمان نہیں اور جب بلائے جائیں اللہ
وَ رَسُوْلِہٖ لِیَحْکُمَ بَیْنَھُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾
اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول اللہ فیصلہ فرمائیں ان کے درمیان تو ان میں سے یہی گروہ منہ پھیرنے والا ہے
اور اس کے رسول کی طرف کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے تو جبھی ان کا ایک فریق منہ پھیر جاتا ہے

marfat.com

وَاِنۡ يَّكُنۡ لَّهُمُ الۡحَـقُّ يَاۡتُوۡۤا اِلَيۡهِ مُذۡعِنِيۡنَؕ ۝۴۹

اور اگر محسوس ہو ان کو کہ فیصلہ ان کے حق میں ہوگا تو آتے ہیں ان کی طرف بلا وا مانتے ہوئے

اور اگر ان کی ڈگری ہو تو اس کی طرف آئیں مانتے ہوئے

اَفِىۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا اَمۡ يَخَافُوۡنَ

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک کرتے ہیں یا ڈرتے ہیں

کیا ان کے دلوں میں بیماری ہے یا شک رکھتے ہیں یا یہ ڈرتے ہیں

اَنۡ يَّحِيۡفَ اللّٰهُ عَلَيۡهِمۡ وَرَسُوۡلُهٗ ؕ بَلۡ اُولٰۤـئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ۝۵۰

کہ ظلم کرے گا اللہ ان پر اور اس کا رسول بلکہ یہ لوگ خود ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہیں

کہ اللہ و رسول ان پر ظلم کریں گے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں صراط مستقیم کی ہدایت کا ذکر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔ اب ان آیات میں ہدایت یافتہ اور بے ہدایتے بندوں کی نشاندہی فرمائی جا رہی ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں بندوں کو اللہ کی طرف ہدایت دینے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں بندوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلانے کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ اس بلانے سے بھی ہدایت یافتہ اور بے ہدایتے بندوں کا فرق معلوم ہوا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں تخلیقی اعتبار سے مخلوق کی تین قسمیں بیان ہوئیں۔ ۱۔ رینگنے والی مخلوق۔ ۲۔ دو پاؤں والی۔ ۳۔ چار پاؤں والی۔ اب ان آیات میں اخلاقی و ایمانی اعتبار سے تین قسم کی مخلوق انسانی کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ ۱۔ اللہ رسول کی طرف بلانے والے۔ ۲۔ اللہ رسول کی طرف خوش دلی سے آنے والے۔ ۳۔ بد دلی سے نہ آنے والے۔

شان نزول

کفار مشرکین یہود و نصاریٰ اور منافقین اگرچہ بظاہر و در پردہ نبی کریم ﷺ کے دشمن مخالف تھے مگر ان کا یہ عقیدہ و مشاہدہ تھا کہ عدالت نبوی میں ہر فیصلہ حق و صداقت عدل و انصاف کا ہی ہوتا ہے۔ ایک دفعہ ایک یہودی اور ایک منافق بشر میں جو ظاہراً مسلمان بنا ہوا تھا کسی زمینی کھیتی باڑی میں کوئی جھگڑا ہو گیا۔ یہودی نے کہا کہ چلو تمہارے نبی سے اس کا فیصلہ کراتے ہیں۔ منافق بشر بن ابو الھول اپنی غلطی اور ظلم و زیادتی کو جانتا تھا اور اسے معلوم تھا کہ نبی کریم ﷺ اس کے خلاف ہی فیصلہ فرمائیں گے یہودی کے حق میں فیصلہ ہوگا اس لیے کہنے لگا کہ نہیں۔ کیونکہ نبی کریم تو یَحِيۡفَ عَلَيۡنَا۔ ہمیشہ ہم پر ظلم ہی کرتے ہیں۔ چلو تمہارے یہودی سردار کعب بن اشرف سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہودی نے کہا ارے تو مسلمان ہو کر یہ کیا بک رہا ہے۔ میں یہودی ہونے کے باوجود پھر بھی جانتا مانتا ہوں کہ تمہارے نبی سے بہتر پورے جہان میں کوئی بھی شخص فیصلہ نہیں

marfat.com

کرسکتا۔ اس واقعے پر یہ آٹھ آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۴۷ تا ۵۴۔

تفسیر نحوی

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۞۔ واؤ سر جملہ يَقُوْلُوْنَ۔ فعل مضارع جمع مذکر غائب ھُمْ ضمیر صیغہ اس کا مرجع سابقہ آیات میں مذکور وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ہے یہ ضمیر فاعل ہے يَقُوْلُوْنَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر قول ہوا۔ اٰمَنَّا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ بِاللّٰهِ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ بِالرَّسُوْلِ یہ جار مجرور معطوف ہے یہ دونوں عطف مل کر متعلق ہے اٰمَنَّا کا۔ وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَطَعْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف مصدر ہے اِطَاعَةٌ وَطَوْعٌ سے بنا ہے۔ اصل مصدر ہے اِوْ طَاعَ۔ تعلیل نحوی سے اِطَاعَةٌ بنایا گیا۔ وَطَوْعٌ کا لغوی ترجمہ ہے جھکنا۔ اصطلاحی ترجمہ فرمانبردار ہونا۔ حکم ماننا۔ یہ فعل با فاعل ضمیر بارز جملہ فعلیہ ہوکر معطوف ہے اٰمَنَّا کے جملے پر دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا يَقُوْلُوْنَ کا وہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہوگیا۔

ثُمَّ حرف عاطفہ زائدہ برائے تراخی۔ یعنی بعد يَتَوَلّٰى۔ باب تفعّل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَوَلِّيٌ وَلِيٌّ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے منہ لگانا یعنی دوست مددگار بننا یہ مادہ اصلیہ مجردہ لازم ہے جب تفعُّل میں آ کر متعدی ہوا تو معنی ہوگیا منہ پھرانا، دوستی کی نقیض۔ فَرِيْقٌ۔ اسم مفرد جامد۔ بمعنی بڑا گروہ۔ اس کی جمع اَفْرِقَةٌ بھی آتی ہے فُرُقٌ بھی فُرُوْقٌ بھی۔ یہ فاعل ہے يَتَوَلّٰى کا مِنْ حرف جر بعضیت کا بمعنی ان میں سے کچھ ھُمْ ضمیر کا مرجع ہے اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا یہ جار مجرور متعلق اول ہے مِنْ جارہ زائدہ بَعْدِ اسم ظرفیت زمانی کا مضاف ہے ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ يَقُوْلُوْنَ کا پورا جملہ قولیہ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مجرور ہوکر متعلق دوم ہے يَتَوَلّٰى کا۔ واؤ حالیہ۔ مَا نافیہ مشبہ بَلَيْسَ۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ بعیدی جمع کے لیے ہوتا ہے اس کا مشار الیہ فَرِيْقٌ۔ کیونکہ یہ لفظ اگرچہ لفظاً واحد ہے مگر معناً جمع ہے۔ جیسے قوم، رھط، جماعت، فرقہ وغیرہ۔ اُولٰٓئِكَ اسم ہے مَا مشبہ کا۔ بِالْمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے صَحِيْحًا پوشیدہ صفت مشبہ مبالغہ بمعنی اسم تفضیل کا۔ صَحِيْحًا۔ پوشیدہ اپنے فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر خبر ہے مَا مشبہ نافیہ کی مَا اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہوکر حال ہے فَرِيْقٌ ذوالحال کا وہ دونوں مل کر فاعل ہے يَتَوَلّٰى کا وہ فعل فاعل اور دونوں متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ۞ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ۞ اَفِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْٓا اَمْ يَخَافُوْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَرَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۞۔ واؤ سر جملہ اِذَا حرف شرط ظرفیت زمانیہ عمومیہ اس کا ترجمہ ہے جب بھی۔ دُعُوْا۔ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مجہول صیغہ جمع مذکر غائب دَعْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بلایا جانا۔ دراصل دُعِوُوْا تھا تعلیل سے دُعُوْا کر دیا گیا۔ اس کا نائب فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ اِلٰى جارہ انتہا کے لیے بمعنی طرف تک۔ اللّٰهِ معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَسُوْلِهٖ مرکب اضافی معطوف دونوں مل کر مجرور متعلق ہے دُعُوْا کا۔ لِيَحْكُمَ۔ لام کی تاکید یہ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے اسی لیے يَحْكُمَ کو نصب ہوا۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف حُكْمٌ سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ کرنا۔ بَيْنَ۔ اسم ظرف مکانی بمعنی درمیان مضاف ہے ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے يَحْكُمَ کا۔ اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے رَسُوْلُهٗ یہ فعل

marfat.com

فاعل اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے دُعُوْا کی وہ فعل نائب فاعل متعلق اور علت مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر شرط ہے۔ اِذَا۔ یہ اِذَا جزائیہ ہے بمعنی تب فَرِیْقٌ مبتدا۔ مِّنْهُمْ جار مجرور متعلق مقدم ہے مُعْرِضُوْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِعْرَاضٌ عَرْضٌ سے بنا ہے معنی ہے دور رہنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ سب جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے فَرِیْقٌ مبتدا کی وہ دونوں جملہ اسمیہ جزا ہے اِذَا دُعُوْا کے جملے کی۔ وَاِنْ۔ واؤ ابتدائیہ اِنْ شرطیہ یَكُنْ باب نَصَرَ کا مضارع تامہ دراصل یَكُوْنُ تھا۔ اِنْ شرطیہ نے جزم دیا دو ساکن جمع ہوئے تو واؤ گر گئی۔ یَكُنْ ہو گیا۔ لَّهُمُ۔ جار مجرور متعلق ہے۔ الْحَقُّ فاعل ہے یَكُنْ تامہ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ یَاْتُوْٓا باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف اَتْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنا۔ دراصل تھا یَاْتِیُوْنَ۔ جزائیت نے جزم دیا تو واؤ گری پھر ضمہ کے ثقل سے یٰ گری اور ضمہ ماقبل تَ پر آ گیا۔ نون اعرابی جزم سے گری۔ یَاْتُوْٓا ہو گیا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جمع مذکر۔ اِلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے مُذْعِنِیْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر۔ مصدر ہے اِذْعَانٌ ذَعْنٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے فرمانبردار عاجز ہو کر دوڑ کر آنا۔ یہ حال ہے یَاْتُوْٓا کے فاعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِنْ یَّكُنْ شرط کی۔ دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ اَ ہمزہ سوالیہ۔ فِیْ حرف جر۔ قُلُوْبِ جمع مکسر ہے قَلْبٌ کی بمعنی دل مضاف ہے هِمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ مَّرَضٌ۔ اسم مفرد حاصل مصدر بمعنی بیماری یہ نائب فاعل ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ اَمِ عاطفہ۔ معنی ہے یا۔ یہ اَمْ متصلہ ہے نہ کہ منقطعہ۔ ارْتَابُوْٓا۔ باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِرْتِیَابٌ۔ رَیْبٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے شک کرنا۔ وہم کی بیماری لگنا۔ دراصل تھا اِرْتَیَبُوْا۔ تعلیل سے ارْتَابُوْٓا ہوا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ اَمْ عاطفہ منقطعہ۔ یَخَافُوْنَ۔ باب سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب خوف سے مشتق ہے ترجمہ ہے ڈرنا، دھڑکا و اندیشہ لگا رہنا۔ فاعل ضمیر صیغہ اَنْ ناصبہ۔ یَّحِیْفَ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف اللّٰہُ معطوف علیہ۔ عَلَیْهِمْ یہ جار مجرور۔ کلام کے درمیان میں لایا گیا۔ سختی اور وضاحت کے لیے واؤ عاطفہ رَسُوْلُهٗ یہ مرکب اضافی معطوف ہے اللّٰہُ پر دونوں عطف مل کر فاعل ہے یَّحِیْفَ کا۔ یہ فعل فاعل اور درمیان کا متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مفعول بہ ہے یَخَافُوْنَ کا بَلْ عاطفہ برائے استدراک اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ مبتدا ہے۔ هُمُ ضمیر برائے حصر۔ بمعنی ہی۔ یعنی وہ فریق ہی۔ الظّٰلِمُوْنَ۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ ظَالِمُوْنَ باب ضَرَبَ کا اسم فاعل جمع مذکر برائے غائب هُمْ ضمیر صیغہ اس کا فاعل مرجع ہے فَرِیْقٌ۔ یہ اسم فاعل اپنے پوشیدہ فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے۔ یَخَافُوْٓا کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے ارْتَابُوْٓا کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر معطوف ہے فِیْ قُلُوْبِ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر سوالیہ سبب ہے مُعْرِضُوْنَ کے جملے کا۔ وہ اپنے سوالیہ سبب سے مل کر جزا ہوئی۔ اِذَا دُعُوْٓا شرط کی۔

تفسیر عالمانہ

وَيَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ۝۴۷ ۔ اور

مونہوں سے تو کہتے رہتے ہیں یہ منافقین کہ ہم سچا پکا ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور نبی کریم ﷺ پر اور ہم نے ہر حکم میں صحیح و مکمل

marfat.com

اطاعت کر لی مگر پھر منافقوں کا ہر گروہ ان میں سے سخت اور ناپسند حکم سن کر فرمانبرداری و اطاعت سے منہ پھیر لیتا ہے اس زبانی فرمانبرداری اطاعت کے قول اقرار کے بعد بھی حکم عدولی کرتے ہوئے۔ تو اے مخلص ایمان والو تم ان منافقوں کی زبانی باتوں پر اعتماد عقلی و بھروسہ قلبی نہ کرنا۔ ان کی یہ سب باتیں اوپر سے ہیں۔ حقیقتاً یہ لوگ دل دماغ سے کبھی بھی مخلص مومن نہ بنے تھے شروع دن سے ہی اندرونی بے دین تھے۔ یہ یہودی منافق اپنی پرانی یہودیانہ مکاری وفطرت خبیثانہ عیاری کے مطابق ایک منصوبے کے تحت ظاہراً اسلام میں داخل ہی اس لئے ہوئے ہیں کہ مخلصوں کو اسلام سے ورغلائیں نومسلموں کو بہکائیں اور خواہش اسلام لے کر آنے والے مسافروں کو اسلام سے بھگائیں۔ خیال رہے کہ منافقت بعد ہجرت مدنی دور میں شروع ہوئی مکہ مکرمہ میں کوئی منافق نہ تھا اور یہ سب منافق جو تقریباً تین سو بارہ (۳۱۲) تھے سب یہودی ہی تھے اور اپنے بڑے یہودیوں کے کہنے پر خاص منصوبہ بندی سے مسلمانوں میں فتنہ ڈالنے اور قوت اسلامی کو کمزور کرنے کے لئے بہروپیانہ جھوٹے مسلمان بنے اور یہ ان کی پرانی خصلت ہے جس کی ابتدا برادرانِ یوسف میں یہودا ابن یعقوب سے ہوئی جبکہ انہوں نے اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے منافقانہ چال حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں چلی، پھر یہ نسلی فطرت بن گئی اور حضرات موسیٰ وزکریا و یحییٰ وعیسیٰ علیہم السلام سے چالیں چلتے رہے۔ پھر یہودیوں کی مکاریاں حواریوں میں پھیلیں پھر مسلمانوں میں پھر خلافت راشدہ میں پھر آج تک یہ یہودی مختلف شکلوں، چہروں میں نئے نئے بہروپ بدل کر آتے رہے۔ کبھی سامری بن کر کبھی قارون بن کر کبھی پولس کبھی عبداللہ بن ابی ابن سلول و دیگر منافقین بن کر کبھی عبداللہ بن سبا رافضی شیعہ فرقے کا بانی۔ دور صحابہ سے آج تک مسلمان چار قسم کے ہوتے رہے۔ ۱۔ مخلصین۔ ۲۔ منافقین۔ ۳۔ دہریین۔ ۴۔ وہمی مذبذبین سوائے مخلصین کے دیگر تین فرقے باطل اور كُلُّهُمْ فِي النَّارِ ہیں۔ تاریخی اعتبار سے یہودی لوگ سات بری خصلتوں میں مشہور ہیں۔ ۱۔ سخت کنجوس۔ ۲۔ بے حد بزدل۔ ۳۔ وعدہ شکن، دغاباز۔ ۴۔ خائن۔ ۵۔ مہمان کش۔ ۶۔ دھوکے باز۔ ۷۔ منصوبہ باز۔ اہل تجربہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی مسلمان کو راہِ سفر میں یہودیوں عیسائیوں کے ساتھ کچھ وقت گزارنا پڑے تو کھانا یہودی کا کھائے مگر رات عیسائی کے گھر گزارے کیونکہ کھانا یہودی کا حلال ہوگا مگر حفاظت جان عیسائی کے گھر ہوگی۔ ایک صحیح روایت کے مطابق سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ کو زہر دینے والی ایک یہودی لونڈی تھی۔ یہ بدبخت لوگ کئی انبیاء علیہم السلام کے قاتل نہتوں پر جابر، بے کسوں پر ظالم ہوتے رہے اور اپنی منافقت سے اپنا ہی نقصان کرنے والے کہ اندرونی کفر کی وجہ سے ذلیل حرکتوں کے مجسمے بن جاتے ہیں اور ان مخلصین کو دھوکے میں رکھتے ہیں جو ان کا ظاہری کلمہ سن کر ان کو سچا مسلمان سمجھتے ہیں اور اسی دھوکے میں آ کر منافقین سے ظاہری باطنی تعلق قائم کر لیتے ہیں۔ قانون نبوی میں منافقین کو ان کی ظاہریت کی وجہ سے قتل کرنا ممنوع تھا مگر وصال نبوی کے بعد فاروق اعظم نے اعلان فرما دیا تھا کہ اب منافقت برداشت نہیں کی جائے گی ہم منافقوں کو ضرور قتل کریں گے۔ لہٰذا اب یا کھل کر مسلمان بننا ہوگا یا کافر۔ پہلے دور نبوی میں درگزر کرنا حکمت رحمت تھی اب درگزر نہ کی جائے گی۔ یہاں ان آیات میں منافقین کی چند تخریب کاریوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْۤا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿۴۹﴾۔ اور یہ منافقین فطرتاً

marfat.com

اتنے مطلبی ہیں کہ اپنے فائدے کے لئے اپنے ہی ہم مذہب پر ظلم کرنے، حق غصب کرنے سے بھی نہیں رکتے اور جب عدالت اسلامی میں اللہ رسول کی طرف بلائے جائیں حق فیصلے کے لئے تاکہ قانون الٰہی کے مطابق مدعی و مدعیٰ علیہ کے درمیان فیصلہ عدل کیا جائے تو منافقین کا ہر گروہ اپنے اسلامی قول اقرار کلمہ کلام و مومنیت کو چھوڑ کر ایک دم عدالت اسلامی سے منہ پھیر جاتے ہیں کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خود ظلم کرنے والے ہیں اور ہمارا مدعی حق پر ہے اور بارہا کے تجربوں مشاہدوں سے یہ بھی جانتے کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیشہ عدل کیا اور اپنے پرائے سب کو دیکھا ایک نظر سے حق میں کوئی بیجا نہ رعایت ﷺ۔ پس جانتے ہیں کہ اس مقدمہ میں بھی فیصلہ نبوی ان کے خلاف ہی ہوگا اور اگر منافقین سمجھتے ہوں کہ دوسرے منافق کا ظلم ہے اور میں حق پر ہوں اور فیصلہ نبوی میرے حق میں ہی ہوگا تو عدالت نبوی میں بھاگے چلے آتے ہیں خواہ مدعی بن کر یا مدعیٰ علیہ ہونے کی صورت میں عدالت کے بلانے پر۔ چنانچہ واقعہ شان نزول میں یہی کیفیت تھی کہ بشر بن ابوالہول منافق ایک کھیتی میں اپنے پڑوسی یہودی سے جھگڑا کرتا تھا۔ یہودی نے کہا کہ تمہارے نبی سے فیصلہ کراتے ہیں۔ بشر منافق جانتا تھا کہ میں غلطی پر ہوں اسے لئے بولا کہ نہیں بلکہ کعب بن اشرف یہودی سردار سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہودی نے کہا تو عجیب مسلمان ہے کہ اپنے نبی کا دروازہ چھوڑ کر ایک عام آدمی غیر مذہب سے فیصلہ کرانا چاہتا ہے۔ جس کو فیصلہ کرنے کا کوئی ڈھنگ اور طریقہ بھی نہیں ہے۔ خیال رہے کہ یہ وہی کعب بن اشرف ہے۔ جس کی سازشوں، بدعہدیوں، بدمعاشیوں کی وجہ سے تمام یہودیوں کو مدینہ منورہ سے نکال دیا گیا تھا اب سعودی حکومت نے کعب بن اشرف کے گھر کو آثار قدیمہ کا بہانہ بنا کر تحفظ دیا ہوا ہے حالانکہ اسی سعودی حکومت نے بہت سی تاریخی مسجدیں اور مقدس و متبرک مکانات و مزارات صحابہ کرام کو گرا کر وہاں یا سڑکیں بنا دیں یا اپنے شاہی محلات بنا لئے۔ اسی سے اندازہ لگالو کہ سعودی کس کے دشمن کس کے دوست ہیں۔ بہر حال وہ یہودی ضد کر کے بشر کو عدالتِ نبوی ﷺ میں لے گیا۔ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ نے دونوں کا بیان سن کر فیصلہ یہودی کے حق میں کیا۔ جب دونوں مسجد نبوی سے باہر آئے تو منافق نے کہا۔ اس فیصلے سے میری کچھ تسلی نہ ہوئی چلو فاروق اعظم سے فیصلہ کراتے ہیں۔ یہودی بولا ضرورت تو نہیں ہے لیکن اگر تو کہتا ہے تو چلتے ہیں جب یہ دونوں بارگاہِ فاروقی میں آئے اور دونوں نے اپنا بیان سنا دیا تو یہودی بولا اس سے پہلے اس جھگڑے کا فیصلہ آپ کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرما دیا ہے مگر یہ بشر کہتا ہے کہ مجھے اس فیصلہ نبوی سے تسلی نہیں ہوئی اس لئے اب یہ مجھے آپ کے پاس لے کر آیا ہے آپ سے فیصلہ کرانے۔ فاروق اعظم کو اس گستاخی پر سخت غصہ آیا آپ نے بشر کو قتل کر دیا اور فرمایا کہ جس کو فیصلہ نبوی سے تسلی نہ ہو اس کا فیصلہ عمر کی تلوار کرتی ہے۔ بشر کا یہ واقعہ سورۃ نساء آیت ۶۰ میں بھی گزرا وہاں ارشاد ہے: اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا...... يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ۔ ترجمہ:۔ یہ منافقین خود کو مومن گمان کرتے ہیں اور فیصلے شیطان طاغوت سے کرانا چاہتے ہیں۔ وہاں قرآن مجید میں کعب بن اشرف کو طاغوت فرمایا گیا۔ آج جس کے گھر کی سعودی تعظیم کر رہے ہیں اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے قتل منافق میں فاروق اعظم کی تعریف فرمائی اور جبرئیل علیہ السلام نے فاروق کا لقب دیا (از تفسیر قرطبی) یہاں اگلی آیت میں فرمایا جا رہا ہے کہ اے مسلمانو تم کیا سمجھتے ہو کہ یہ منافق بارگاہِ رسالت سے کیوں فیصلہ کرانا نہیں چاہتے اور عدالت کے بلانے پر بھی مُعْرِضُوْنَ کیوں ہوتے

marfat.com

ہیں۔ اَفِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا اَمۡ یَخَافُوۡنَ اَنۡ یَّحِیۡفَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ وَرَسُوۡلُہٗ ؕ بَلۡ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الظّٰلِمُوۡنَ ﴿۵۰﴾۔ کیا تمہیں یہ گمان ہے کہ ان کے دلوں میں منافقت کی بیماری ہے اس وجہ سے مُّعۡرِضُوۡنَ ہیں۔ یا اس شک کی وجہ سے جو ان کو اسلام قرآن ونبوت میں ہے اس کی وجہ سے عدالتِ نبوی سے بھی منہ پھیرتے ہیں۔ یا اے مسلمانو تمہارا یہ خیال ہے کہ ان منافقین کو خطرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول فیصلے میں ان پر ظلم کریں گے۔ تو تمہارے یہ خیالات درست نہیں۔ اگر دل کی بیماری منافقت یا دماغ میں سمایا ہوا شک یا غلط فیصلے ظلم کا خطرہ حاضری عدالت اسلامی سے رکاوٹ بنتا تو پھر یہ منافقین کسی بھی مقدمے کے لئے عدالتِ نبوی ﷺ میں حاضر نہ ہوا کرتے حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اے مسلمانو تم دیکھتے ہو کہ جس دعوے میں منافق درست ہوں اس میں تو مذعنین بن کر دوڑے چلے آتے ہیں خواہ مدعیٰ علیہ ہوں یا مدعی۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ نہ عدالت نبوی ﷺ کے فیصلے کی صداقت پر شک ہے نہ ظلم وزیادتی کا کوئی اندیشہ، نہ محض منافقت کی وجہ۔ یہ بھی جانتے ہیں کہ عدالت مصطفوی ﷺ کا فیصلہ دنیا کی تمام کورٹ کچہریوں سے ہر طرح زیادہ حق سچ صحیح ہوتا ہے عدالتِ نبوی ﷺ ہی میزان عدل ہے۔ لہٰذا سمجھ لو کہ ان کا عدالت سے مُّعۡرِضُوۡنَ ہونا اس لئے ہے کہ وہ منافقین ان مقدموں دعوؤں میں غلطی اور ظلم کرنے والے ہوتے ہیں جس کو خود بھی سمجھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہمارا ظلم قائم رہے ہمارے خلاف فیصلہ نہ ہو۔ اس لئے اس سچی عدالت سے بھاگتے ہیں۔ ان کا یہی بھاگنا مُّعۡرِضُوۡنَ ہونا بھی دلیل ہے اس بات کی کہ نبوی عدالت ہر حال ہر مقال ہر زمان ہر مکان میں ہر شخص کے لئے حق وعدل والی ہے نہ کسی کی رو رعایت نہ کبھی بے جا حمایت۔ قرآن مجید کی اٹھائیس (۲۸) آیتوں میں چھتیس (۳۶) بار منافقوں کی دنیوی حرکتوں اور اُخروی ذلتوں کا ذکر فرمایا گیا اور تقریباً بتیس (۳۲) آیتوں میں منافقانہ خصلتوں خباثتوں کا ذکر فرمایا گیا تاکہ ہر دور میں ہر منافق سے بچا جا سکے۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

وَیَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا۔ ان سب آیات کے شانِ نزول میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ آیتیں بشر بن ابوالہول اور ایک یہودی کے جھگڑے کے متعلق نازل ہوئیں۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ آیتیں بنی امیہ کے ایک شخص مغیرہ ابن وائل منافق کے بارے میں اتریں۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ تفسیر ابن عباس میں لکھا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کا کسی زمین میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا تھا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی قوم نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اپنے نبی سے اس کا فیصلہ نہ کرانا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں رعایت برتیں گے (معاذ اللہ) مگر یہ تیسرا قول تو بالکل ہی غلط بکواس، حقیقت کے خلاف ہے کیونکہ نہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے پاس کبھی زمین ہوئی نہ کبھی حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جھگڑا ہوا نہ کوئی تنازعہ ثابت یہ قول یقیناً شیعہ فرقہ کی ملاوٹ ہے۔ تفسیر ابن عباس ملاوٹوں سے بھرپور ہے۔ یَاۡتُوۡۤا اِلَیۡہِ کے تعلق نحوی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ اِلَیۡہِ۔ یَاۡتُوۡۤا کا متعلق ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مُذۡعِنِیۡنَ کا متعلق مقدم ہے۔ مُذۡعِنِیۡنَ کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا مُذۡعِنِیۡنَ کا معنی عَاجِزِیۡنَ۔ ۲۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی مُسۡرِعِیۡنَ یعنی جلدی کرنے والے۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے طَائِعِیۡنَ۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ معنی مُقِرِّیۡنَ ہے۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** منافقین اگرچہ قومی مسلمان مانے جاتے ہیں مگر مذہبی مسلمان نہیں ہیں۔ یہی حکم تمام باطل فرقوں کا ہے لہٰذا احکام اسلامی میں دیگر مسلمانوں کی مثل و مشابہ ہیں اسلامی ملک میں کسی بھی باطل فرقے کو اقلیت قرار نہیں دیا جاسکتا ہاں البتہ کھلے کافر مثلاً یہودی، عیسائی، مرزائی، ہندو، سکھ وغیرہ اسلامی ملکوں میں اقلیت ہوں گے۔ یہ فائدہ يَقُولُونَ اٰمَنَّا کے بعد وَمَآ اُولٰٓئِكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۷﴾ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** تا قیامت آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ دراصل اللہ تعالیٰ کی ہی بارگاہ ہے۔ یہاں کی حاضری اور قرب و وصل اللہ تعالیٰ کا ہی قرب و وصل ہے۔ یہاں سے دوری بارگاہِ الٰہی سے دوری ہے۔ یہ فائدہ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ سے حاصل ہوا کہ دیکھو بلایا گیا تھا عدالت نبوی ﷺ میں مگر رب تعالیٰ نے فرمایا: اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ۔ **تیسرا فائدہ:** جو شخص مسلمان ہو کر بھی احکام اسلامی کو دنیوی خواہشات اور ذاتی مفاد کے لئے مانے کہ فائدے والے اور آسان حکم مان لئے سخت اور خرچ کرنے والے حکم نہ مانے جیسا کہ گستاخ و آوارہ ذہن آزاد خیال گمراہ لوگ صرف نام کے مسلمان زکوٰۃ، صدقات، خمسات وغیرہ کے قانون اسلامی پر اعتراض کرتے ہوئے کبھی اسلام کو کبھی علماء کو بدعتی یا تنگ نظر، خشک ملا کہہ کر احکام الٰہی کا انکار کر دیتے ہیں وہ لوگ شرعاً منافق و کھلے بے دین ہیں یہ فائدہ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ (الخ) فرمانے سے حاصل ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو سچی فہم و ہدایت عطا فرمائے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** تمام فقہاء عظام فرماتے ہیں کہ اگر مدعی و مدعیٰ علیہ دونوں یا ایک مسلمان ہو تو قاضی و جج کا مسلمان ہونا لازم ہے کیونکہ غیر مسلم شرعی عدالت کا قاضی یا جج نہیں بن سکتا۔ لیکن اگر مقدمے والے مدعی و مدعیٰ علیہ دونوں غیر مسلم ہوں تو انہیں اختیار ہے کہ شرعی عدالت سے فیصلہ کرائیں یا غیر شرعی سے۔ یہ مسئلہ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** قانونِ شرعی کے مطابق تا قیامت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ مدعی کی درخواست پر اسلامی عدالت مدعیٰ علیہ و گواہان کو بلائے تو لازماً عدالت میں حاضر ہو جائیں۔ حاضر نہ ہونا قابل سزا جرم ہے۔ ہر شرعی اسلامی عدالت میں حاضر ہونا اللہ رسول کی عدالت میں حاضر ہونا ہے۔ حدیث مقدس بروایت حسن بن ابی الحسن، بحوالہ محدث زہراوی فرمان نبوی ہے کہ جس مسلم مدعیٰ علیہ کو شرعی عدالت میں بلایا جائے اور وہ بلا وجہ حاضر عدالت نہ ہو تو وہ ظالم کاذب جھگڑالو ہے اس کے لئے کوئی حق نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ فرمانے سے مستنبط ہوا اور نہ حاضر ہونے والوں کی برائی فرمائی گئی۔ ہاں اگر مدعیٰ علیہ و گواہان کو اپنی جان مال کا خطرہ ہو یا جج فاسق ظالم و رشوت خور یا مدعیٰ علیہ کا دشمن مشہور ہو تو جانے سے گریز کر سکتا ہے کیونکہ بے انصافی کا اندیشہ ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** قانون شریعت میں کسی مسلمان کو اپنی من پسندی کرنا جائز نہیں نہ احکام میں نہ قانون میں نہ مسلک و مذہب میں نہ تقلید میں کہ جب چاہا حنفی بن گئے جب چاہا شافعی مالکی بن گئے اور جدھر نرمی دیکھی ادھر ہو گئے جدھر ذرا سختی دیکھی ادھر سے ہٹ گئے۔ یہ تو دین اور پابندی

marfat.com

دین کو کھیل بنانا ہے۔ یہ مسئلہ مُّعۡرِضُوۡنَ اور مُذۡعِنِیۡنَ کے پورے فرمان سے مستنبط ہوا اور بتایا گیا کہ یہ چالبازی منافقانہ طریقہ ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں وَیَقُوۡلُوۡنَ جمع کیوں فرمایا گیا جبکہ یہ واقعہ ایک منافق کا تھا۔ **جواب:** اس لئے کہ مجرم اگرچہ ایک منافق تھا مگر تائید و تحسین کرنے والے سب منافق تھے۔ جمع فرما کر یہ بتایا گیا کہ مجرم کی تائید کرنے والے بھی اصل مجرم کی طرح مجرم ہوتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں ابھی پہلے فرمایا گیا دُعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ وَرَسُوۡلِہٖ دو ہستیوں کا ذکر لیکن پھر فرمایا گیا لِیَحۡکُمَ۔ واحد کا صیغہ ایک شخصیت کا ذکر۔ چاہئے تھا کہ یا پہلے صرف اِلٰی رَسُوۡلِہٖ فرمایا جاتا یا بعد میں لِیَحۡکُمَا فرمایا جاتا۔ تثنیہ کا صیغہ۔ **جواب:** فرمان ربانی کی یہ طرز بیانی یہ بتانے کے لئے ہے کہ عدالت اسلامی میں قانون اللہ تعالیٰ کا ہے اور اس کو جاری فرمانا نبی کریم ﷺ کا کام و عمل ہے اور اس شان کی عدالت میں حاضر ہونا، اللہ رسول کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے۔ اس لئے پہلے دو کا پھر ایک کا ذکر بالکل درست ہے یعنی رسول اللہ کی بارگاہ اللہ کی ہی بارگاہ و عدالت ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں تین کفر بیان فرمائے گئے۔ ۱۔ دلوں میں بیماری۔ ۲۔ اسلام قرآن نبوت سے شک۔ ۳۔ اللہ رسول سے ظلم و بے انصافی کا خطرہ۔ حالانکہ ان سب کا تعلق دل ہی سے ہے کہ جب کسی کے دل میں بیماری ہو تو ہر طرح کا کفر آ ہی جاتا ہے تو پھر یہاں فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ کہنا ہی کافی تھا۔ **جواب:** یہاں صرف کفر بتانا ہی مقصود نہیں بلکہ کفر کی نوعیتیں اور قسمیں بھی بتانا مقصود ہے جس سے شدت کفر مزید واضح ہوئی اس لئے علیحدہ علیحدہ تین کفر بیان کئے گئے صرف فِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ کہنے سے یہ تقسیم واضح نہ ہوتی۔ دل کی بیماری سے تو بے شمار کفر جنم لیتے ہیں اس لئے ان کفریات کا تعین نہ ہوتا۔ **چوتھا اعتراض:** یہاں تین سوالیہ جملے ارشاد ہوئے۔ ۱۔ اَفِیۡ قُلُوۡبِهِمۡ مَّرَضٌ۔ ۲۔ اَمِ ارۡتَابُوۡۤا۔ ۳۔ اَمۡ یَخَافُوۡنَ اور سوال شک کی وجہ سے کیا جاتا ہے حالانکہ یہ کلام رب تعالیٰ کا ہے اور اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے۔ تو اس طرح کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** یہ شک متکلم کی طرف سے نہیں ہے بلکہ مختلف مسلمانوں کی ذہنی کیفیت بتائی جا رہی ہے کہ منافقوں کی مُّعۡرِضُوۡنَ یعنی عدالت سے منہ پھیرنے کی وجہ کوئی مسلمان کچھ سمجھ رہا ہے کوئی کچھ۔ تو فرمایا گیا اے مسلمانو مُّعۡرِضُوۡنَ ہونے کی وہ وجہ نہیں جو تم سمجھ رہے ہو بلکہ اصل وجہ ان کا ظالم غاصب ہونا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَیَقُوۡلُوۡنَ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَبِالرَّسُوۡلِ وَاَطَعۡنَا ثُمَّ یَتَوَلّٰی فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ ذٰلِکَ ؕ وَمَاۤ اُولٰٓئِکَ بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ ﴿۴۷﴾۔ اور کہتے پھرتے ہیں یہ منکرین احوال اہل دل کہ ہم مرشدین مکاشفات و مشاہدات پر ایمان باطنی لائے ہیں اور ہم نے راہ سلوک کے طریقوں و اصولوں کی مکمل اتباع کر لی ہے یہ باتیں منکرین طریقت کی صرف زبان ولباس سے ہیں مگر در پردہ ان میں سے ہر فریق اس ظاہری قول و اقرار کے بعد بھی اصلاً راہِ ولایت سے منہ پھیرے ہوئے ہے مگر دعویٰ یہی کرتے ہیں کہ ہم تفصیل عملی، جمعیت قلبی و تقاضہ توحیدی کے مطابق عمل کر رہے ہیں حالانکہ ان کے پاس نہ عمل جمعیت ہے نہ سکونِ قلبی ہے کیونکہ یہ لوگ

marfat.com

صدیقیت کے مخالف اور زندیقیت کی مطابقت میں ہر برائی کو حلال و مباح سمجھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ لوگ اس ایمان معرفت کے مومن نہیں جس کا دعویٰ کرتے ہیں ان کے باطل ہونے کی ایک نشانی یہ ہے کہ وَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِیَحْكُمَ بَیْنَهُمْ اِذَا فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَ اِنْ یَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ یَاْتُوْۤا اِلَیْهِ مُذْعِنِیْنَ ﴿۴۹﴾ ۔ اور جب یہ منافقین طریقت بلائے جائیں محبت حقیقت وعبادات معرفت کی طرف ثناء مصطفائی وحمد کبریائی میں شریعت کی مطابقت، طریقت کی موافقت، مخلصین کی مشابہت کے لئے تاکہ رسولِ رحمت مراقبہ جمال ومشاہدہ جلال کا فیصلہ فرمادیں تب یہ منکرین ازلی منافرت کے طبعی بوجھ سے عنایتوں کی دولت اور کفایتوں کی قوت سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ ان کا وجود مشاہدہ ابدی سے محروم ازلی ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ دعوت الی اللہ حقیقت کے لئے ہے اور دعوت الی الرسول نصیحت کے لئے ہے۔ جو بدنصیب دعوت الی اللہ کو قبول نہ کرے وہ کافر مطلق ہے اور دعوت الی الرسول کو قبول نہ کرے وہ گمراہ مطلق ہے۔ اَفِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَمِ ارْتَابُوْۤا اَمْ یَخَافُوْنَ اَنْ یَّحِیْفَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ وَ رَسُوْلُهٗ ؕ بَلْ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۵۰﴾ ۔ ان منکرین طریقت اور مُعْرِضِیْنِ دعوت کی تین کیفیتیں ہیں۔ **اولاً:** فطری انحراف۔ **دوم:** اہل بدعات وشکی مزاج۔ **سوم:** یہ کہ جس وقت خیرات باقیہ کو لینے کی طرف اور لذات خبیثہ کو چھوڑنے کی طرف بلایا جائے تو کسی اندیشہ ظلم کے وہم سے ڈرتے ہیں حالانکہ اسی بارگاہِ رحمت وبرکت میں ان کا آخری ٹھکانہ مافیت و پناہ گاہ عافیت ہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا۔ اطاعت اسلام کا خلاصہ دو چیزیں ہیں۔ **اول:** اداء فرائض۔ **دوم:** اجتناب محارم۔ ان دونوں میں غفلت وکوتاہی کا سبب دلوں کی بیماری ہے۔ کسی چیز کے بگڑنے کو بیماری کہا جاتا ہے۔ بدن انسانی کی اندرونی بیماری تین قسم کی ہوتی ہے۔ ۱۔ مرض جسمی۔ ۲۔ مرض قلبی۔ ۳۔ مرض عقلی۔ مرض جسمی سے اعمال اور مرض عقلی سے نیات خراب ہوتی ہیں۔ لیکن مرض قلبی سے بندوں میں چار برائیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ جہل، جبن، بخل، نفاق یعنی جہالت، بزدلی، کنجوسی، منافقت، یہ برائیاں دنیا میں ادراک فضیلت اور آخرت میں کمال اُخروی سے روکتی ہیں۔ جس طرح طبی بیماری میں طبیعت انسانی نقصان دہ چیزوں کی طرف مائل ہوتی ہے اسی طرح قلبی بیماری میں نفس امارہ وعقل عیارہ خبیث عقیدوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ کوئی بندہ کمال ایمان کی منزل میں اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا اور درجات تکمیل حاصل نہیں کرسکتا جب تک کہ قلب وقالب، عقل ونفس کا جھکاؤ اس ہدایت وسعادت کی طرف نہ ہو جس کو لے کر آقا ﷺ دنیا میں تشریف لائے۔ عبادت اطاعت اجابت واتباع کی حقیقت واصلیت ماسوا اللہ کا ترک اور مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سے نفرت واعراض ہے۔ جس نے اس کو قبول نہ کیا وہ آفتوں میں پھنسا۔ راہِ معرفت میں پانچ آفتیں ہیں۔ ۱۔ مزاج وقلب کا فطرت الٰہیہ سے منحرف ہونا۔ ۲۔ محبت آخرت سے فرار۔ محبت دنیا میں قرار۔ ۳۔ دینی احکام میں شک کرنا۔ ۴۔ دہریت، بدعت، فلسفے اور غلام خواہشات کی باتوں پر یقین کرنا۔ ۵۔ اہل اللہ سے دوری ونفوری۔ منافقوں کو ہمیشہ چار خوف ہوتے ہیں: ایک، یہ کہ اللہ رسول ترک دنیا کا حکم دیں گے۔ دوم، یہ کہ نفس کو خواہشات وشہوات سے روکیں گے۔ سوم، یہ کہ عبادات، مجاہدات، مراقبات کی ریاضتوں مشقتوں میں لگادیں گے۔ چہارم، یہ کہ تزکیہ نفس، تصفیہ قلب، تخلیہ عقل اور تحلیہ روح کرادیں گے اور اخلاق حق کا زیور اور وصل بارگاہ کا لباس پہنادیں گے اور جو بندے قلب وقالب کے یہ حقوق ادا نہ کریں وہ خود ہی اپنے پر ظلم کرنے والے ہیں۔ اللہ رسول کسی بندے پر ذرہ مثقال برابر ظلم نہیں فرماتے۔ مولیٰ علی

marfat.com

رضی اللہ عنہ نے فرمایا: چار چیزوں میں بھلائی ہے، قوت گویائی، خاموشی بینائی، حرکات سکنات کے صحیح استعمال کرنے میں، وہ گفتگو جو ذکر اللہ سے خالی وہ لغو ہے وہ خاموشی جو فکر سے خالی ہو وہ سہو ہے اور وہ نگاہ جو عبرت سے خالی ہو وہ غفلت ہے ہر وہ حرکت جو عبادت سے خالی ہو وہ کمزوری ہے۔

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْۤا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ
یہی ہے ایمان والوں کی بات کہ جب بھی وہ بلائے گئے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی طرف
مسلمانوں کی بات تو یہی ہے جب اللہ اور رسول کی طرف بلائے جائیں
لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ
تا کہ رسول اللہ فیصلہ فرمائیں یہ ہے کہ مومن کہتے ہیں ہم نے حکم سن لیا اور ہر حکم مان لیا
کہ رسول ان میں فیصلہ فرمائے کہ عرض کریں ہم نے سنا اور حکم مانا
وَ اُولٰٓىٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵۱﴾
اور یہی تو ہیں وہ لوگ جو اپنی ہر مراد کو پالینے والے ہیں
اور یہی لوگ مراد کو پہنچے
وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ
اور ہر وہ شخص جو سچے دل سے حکم مانے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم کا اور سہمے اللہ کے جلال سے
اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا اور اللہ سے ڈرے
وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓىٕكَ هُمُ الْفَآىٕزُوْنَ ﴿۵۲﴾
اور متقی بنا رہے اس اللہ کے لئے تو یہی لوگ ہی ہر عذاب سے بچنے والے ہیں
اور پرہیز گاری کرے تو یہی لوگ کامیاب ہیں
وَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ
اور کچھ لوگوں نے قسمیں کھائیں اللہ کی اپنی قسموں کو زوردار بنا کر
اور انہوں نے اللہ کی قسم کھائی اپنے حلف میں حد کی کوشش سے
لَىٕنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ

marfat.com

کہ البتہ اب اگر تم حکم دو ان کو تو ضرور نکل پڑیں گے جہاد کے لئے تم فرماؤ کہ قسمیں مت کھاؤ
کہ اگر تم انہیں حکم دو گے تو وہ ضرور جہاد کو نکلیں گے تم فرماؤ قسمیں نہ کھاؤ
طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۵۳
فرماں برداری تو خود ہی مشہور چیز ہے بیشک اللہ خبیر ہے اس پر جو تم کرتے ہو
موافق شرع حکم برداری چاہئے۔ اللہ جانتا ہے جو تم کرتے ہو

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں تین قسم کے لوگوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ۱۔ اللہ رسول کی طرف بلانے والوں کا۔ ۲۔ بلانے پر آ جانے والوں کا۔ ۳۔ بلانے پر کسی ذہنی خدشے کے تحت نہ آنے والوں کا۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ ان سب میں سچے مخلص مومن مسلمان کون ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ جو لوگ بلائیں جانے پر اللہ رسول کی بارگاہِ عدالت میں سر تسلیم خم کر کے نہیں آئے اُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ وہ ہی لوگ دنیا و آخرت کے بدترین ظالم ہیں۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ بلائے جانے پر فوراً بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں۔ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ۔ وہی لوگ دنیا و آخرت کے بہترین کامیاب ہیں۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا ظالم منافق لوگ اللہ رسول کی بارگاہِ عدالت میں آنے پر پیشگی شرطیں لگاتے ہیں کہ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ۔ اور اگر ان کے حق میں فیصلہ ہو تو حاضر عدالت ہوں گے ورنہ نہیں۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہی ظالم منافق لوگ اللہ رسول کی اطاعت کرنے میں پیشگی قسمیں کھاتے ہیں حالانکہ ان کی پیشگی شرطیں بھی ان کی منافقت کو ظاہر کر رہی ہیں اور ان کی پیشگی قسمیں بھی ان کی منافقت کو ظاہر کر رہی ہیں۔ سچے اور مخلص مطیع کو نہ شرطیں لگانے کی ضرورت ہوتی ہے نہ قسمیں کھانے کی۔

تفسیر نحوی

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱۔ اِنَّمَا حرف حصر بمعنی فقط، صرف۔ اِنَّ حرف مشبہ لغو ہے عملاً بھی معناً بھی مَا کافہ کی وجہ سے كَانَ فعل ناقصہ ماضی مطلق باب نصر قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔ مرکب اضافی خبر مقدم ہے (اسم پر مقدم) اِذَا اسم ہے ظرفیت زمانی کے لئے۔ دُعُوْا نصر کا ماضی مطلق مثبت مجہول دَعْوٌ سے مشتق ہے۔ اس کا نائب فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مُؤْمِنِيْنَ۔ اِلٰى حرف جر انتہا کے لئے بمعنی طرف اور تک اللّٰهِ۔ معطوف علیہ واؤ عاطفہ رَسُوْلِهٖ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف مل کر مجرور ہے اِلٰى سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے دُعُوْا کا۔ لام کَیْ برائے علیت۔ يَحْكُمَ نصر کا مضارع بحالت نصب ہے۔ اَنْ ناصبہ پوشیدہ نے نصب دیا۔ حَكَمَ یا حُكْمٌ سے مشتق ہے بمعنی فیصلہ کرنا۔ بَيْنَ ظرفیت مکانی کے لئے ہے۔ باب ضَرَبَ کا مصدر مادہ ہے۔ لغوی یعنی اصلی ترجمہ ہے ظاہر ہونا۔ اسی مناسبت سے چار معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ بیچ میں ہونا۔ ۲۔ سامنے ہونا۔ ۳۔ جدائی ہونا۔ ۴۔ ملاپ ہونا۔ یہاں پہلے معنی میں ہے یعنی ان کے بیچ اور درمیان۔ بَيْنَ مضاف هُمْ

marfat.com

مضاف الیہ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یَحْکُمَ کا۔ یہ فعل با فاعل اور ظرف مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے دُعُوْا کی وہ اپنے نائب فاعل اور متعلق وعلت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر ظرف ہے کَانَ کا۔ اَنْ حرف ناصبہ یَّقُوْلُوْا فعل مضارع منصوب ہے اَنْ سے اسی لئے آخر کی نون اعرابی گرگئی۔ یَقُوْلُوْنَ تھا یَقُوْلُوْا ہو گیا۔ اس کا فاعل ھُمْ پوشیدہ مرجع ہے مُؤْمِنِیْنَ کا یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ سَمِعْنَا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق جمع متکلم سَمْعٌ سے مشتق ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اَطَعْنَا۔ باب افعال کا ماضی مطلق جمع متکلم۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قول مقولہ جملہ قولیہ ہو کر اسم مؤخر ہے کَانَ کا کَانَ اپنے اسم خبر اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ واؤ ابتدائیہ۔ اُولٰٓئِکَ مبتدا ھُمْ ضمیر حصر۔ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ مُفْلِحُوْنَ۔ باب افعال کا اسم فاعل جمع مذکر فَلَحٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے اِفْلَاحٌ۔ لغوی معنی ہے پھاڑنا۔ اسی مناسبت سے کاشتکار مزارع کو فلاح کہا جاتا ہے کہ وہ ہل چلا کر زمین کو پھاڑتا ہے اور دینی یا دنیوی رکاوٹوں کو پھاڑ کر کامیابی سے مراد وانعام پا لینے والے کو مُفْلِحٌ کہا جاتا ہے۔ یہ مُفْلِحُوْنَ خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَیَخْشَ اللّٰهَ وَیَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَیْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَیَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾۔ واؤ سر جملہ یُّطِعِ باب افعال کا مضارع مجزوم دراصل یُطِیْعُ تھا۔ مَنْ جازمہ نے آخر کو جزم دیا دو ساکن ہو گئے تو یٰ ساکن گرگئی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے یُطِعْ کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع مَنْ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَخْشَ باب سَمِعَ کا فعل مضارع مجزوم ہے عطف تابع کی وجہ سے اصل میں یَخْشٰی تھا۔ جزم کی وجہ سے یٰ آخر کی گرگئی۔ خَشْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے سہم جانا، جسم پر لرزہ طاری رہنا اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع مَنْ ہے۔ اللّٰهَ مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَتَّقِ۔ باب افتعال کا مضارع مجزوم عطف کی وجہ سے۔ دراصل یَتَّقِیْ تھا۔ تَقْوٰی سے بنا ہے۔ معنی ہے وہ ڈر جس کی وجہ سے نیک بنا رہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع مَنْ ہے۔ ہٖ اس کا مفعول بہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے یہ تینوں عطف مل کر صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مل کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ جمع اس کا مشار الیہ مَنْ کے تمام مدخول۔ ۱۔ یُطِعْ۔ ۲۔ یَخْشَ۔ ۳۔ یَتَّقْهِ۔ یہ مبتدا ہے ھُمْ ضمیر حصر بمعنی وہی اَلْفَآئِزُوْنَ باب نصر کا اسم فاعل جمع مذکر فَوْزٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے فتح پانا، کامیاب ہونا۔ اس مناسبت سے تین معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ مصیبت سے نجات پانا۔ ۲۔ حصول سلامتی سے خیر کو پانا یہی امام راغب رحمۃ اللہ علیہ نے مفردات میں لکھا۔ ۳۔ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اپنا اصل و آخری مقصد پا لینا۔ حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ بدایونی نے فرمایا کہ فَلَحٌ اور فَوْزٌ میں فرق یہ ہے کہ انعام لے کر کامیابی فَلَاحٌ ہے اور مصائب سے بچا لیا جانا اور بچ کر کامیابی فَوْزٌ ہے۔ اَلْفَآئِزُوْنَ خبر مبتدا دونوں مل کر جزا ہے۔ مَنْ یُّطِعِ کے پورے جملے کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ۔ اَقْسَمُوْا باب افعال کا فعل ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب قَسَمٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِقْسَامٌ۔ ترجمہ ہے قسم بولنا قسم کھانا۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے فَرِیْقٌ۔ بِاللّٰهِ یہ جار مجرور متعلق ہے اَقْسَمُوْا کا جَهْدَ اسم حاصل مصدر ترجمہ ہے ہمت، کوشش، زور مضاف ہے اَیْمَانٌ۔ اسم جمع مکسر منصرف ہے یَمِیْنٌ کی بمعنی

marfat.com

حلف دینا، پکا اور زور دار وعدہ هِمْ مضاف الیہ ہے ایمان کا یہ ڈبل مرکب اضافی مفعول معہ ہے اَقْسَمُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قسم ہوا۔ لَئِنْ لام کئی تاکیدی اِنْ حرف شرط اَمَرْتَ۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اَنْتَ پوشیدہ اس کا فاعل۔ هُمْ ضمیر مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہے۔ لَیَخْرُجُنَّ بَابِ نَصَرَ کا مضارع لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مثبت معروف۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے لَئِنْ اَمَرْتَ کے جملے کی وہ شرط و جزا مل کر جواب قسم ہوا۔ دونوں مل کر جملہ قسمیہ ہو گیا۔ قُلْ فعل فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر قول ہوا۔ لَا تُقْسِمُوْا باب افعال کا فعل نہی۔ صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا مصدر ہے اِقْسَامٌ۔ قَسْمٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے۔ ا۔ شہادت دینا۔ ۲۔ تقسیم کرنا۔ ۳۔ باری مقرر کرنا۔ ۴۔ وعدے کی ضمانت اور معاہدے کی توثیق کرنا۔ ۵۔ حلف اٹھانا۔ قسم یمین اور حلف کا فرق تفسیر عالمانہ میں بیان کیا جائے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔ لَا تُقْسِمُوْا سے یہاں مراد ہے حلافی (حلف زنی) قسمیں کھاتے پھرنا۔ اس کا فاعل ہے۔ اَنْتُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے فَرِیْق۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ طَاعَةٌ۔ اسم حاصل مصدر بمعنی فرمانبرداری مبتدا مَّعْرُوْفَةٌ۔ باب ضَرَبَ کا اسم مفعول واحد مؤنث عُرْف سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے خبر لینا، خبر رکھنا۔ بِ جارہ تعدیہ کی مَا اسم موصول۔ تَعْمَلُوْنَ۔ بابِ سَمِعَ کا مضارع مثبت معروف حال۔ صیغہ جمع مذکر حاضر عَمَلٌ سے مشتق ہے۔ معنی ہے دینی کام کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر مرجع ہے فَرِیْق۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور ہے بِ سے وہ جار مجرور متعلق ہے خَبِیْرٌ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ سوم ہوا۔ قُلْ اپنے تینوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ مخلص و منافق کی حالت عادت خصلت میں بہت سے فرق کے علاوہ یہ فرق بھی ہے کہ منافق لوگ حق سے مُعْرِضُوْنَ ہوتے ہیں لیکن مخلص بندوں کا قول و کردار یہی ہوتا ہے کہ جب انہیں عدالت نبوی میں اسلامی شرعی فیصلے کے لئے بلایا جائے مدعیٰ علیہ بنا کر تو وہ بغیر کسی رکاوٹ و جھجک اور ٹال مٹول کے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا کہتے ہوئے حاضر بارگاہِ عدالت ہو جاتے ہیں ان کا بس یہی عرض کرنا ہوتا ہے کہ ہم نے کانوں سے سنا دل سے اس بلاوے کی تعظیم و تکریم کر لی اور عمل سے بخوشی قبول کیا مخلص مومن لوگ نہ اپنے نفع کا سوچتے ہیں نہ نقصان کا غم کھاتے ہیں بلکہ وہ تو بلاوۂ نبوی کو ہی خوش بختی سمجھتے ہیں اسی پر مسرور ہیں سو جان سے نثار ہیں کہ آقا کا بلاوا آیا ہے۔ اہل ایمان کی یہی ازلی ابدی شان ہے کیونکہ جانتے ہیں کہ یہی وہ حق سچ عدالت مصطفائی ہے جس کے سب فیصلے قانون کبریائی ہیں۔ نہ نظر ثانی کی ضرورت نہ اپیل کی اجازت جو لوگ اس شان عقیدت سے قرآن و حدیث کے فیصلوں کو مانتے تسلیم کرتے ہیں وہی خوش قسمت دنیا و آخرت کی کامیابیوں والے ہیں کہ دنیا میں رضا کا انعام اور آخرت میں بقا کا قیام وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَخْشَ اللّٰهَ وَ يَتَّقْهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ۝ اہل ایمان کی اس عقیدت و نشان اجابت کو تا قیامت قانون الٰہی بنا دیا گیا کہ جو بندہ اسی طرح سچی پکی الفت عقیدت سے تا عمر اطاعت کرتا رہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی ہر حال ہر زمان و ہر مکان کی خلوت و جلوت میں

marfat.com

اور گزشتہ و آئندہ زندگی پر افسوس و احتیاط کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہے پچھلی کوتاہیوں پر خشیت اور آئندہ احتیاطوں پر تقویٰ اختیار کرے اور حتی المقدور کسلت ،غفلت و عجلت و کمی کوتاہی سے بچتا رہے کہ گزشتہ پر ندامت آئندہ پر استقامت کرے تو وہی سب بندے فَآئِزُوْنَ اور کامیاب ہیں دنیوی اقامت میں اخروی کرامت میں۔ ایسے ہی بندے حصول انعام میں مُفْلِحُوْنَ ہیں اور مرتبہ درجات میں مُظَفَّرُوْن ہیں اور مصیبتوں سے نجات میں فَآئِزُوْنَ ہیں۔ ہر مسلمان کو یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی اطاعت قولی و اتباع فعلی میں تین کامیابیاں ملتی ہیں حق کی فلاح انعام کی ظفر نجات کی فوزیت، انعام دنیا میں فلاح جنت میں فوزیت جہنم سے بچنے میں یہی فرق ہے۔ فلاحیت ،ظفریت ،فوزیت میں۔

حکایت

ایک دن امیر المومنین فاروق اعظم مسجد نبوی میں بیٹھے تھے کہ رومی عیسائی قیدیوں میں سے ایک حاضر بارگاہ ہوا اور عرض کیا مجھے مسلمان بنا لیجئے۔ آپ نے اسے کلمہ پڑھا کر لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ مسلمان کیا اسلام پر بیعت لے کر پوچھا تو کیوں مسلمان ہوا۔ اس نے عرض کیا کہ میں توریت زبور انجیل کا حَبْر یعنی عالم و معلم ہوں۔ آج میں نے مسلمان کی تلاوت میں یہ آیت سنی وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (الخ) تو مجھے یقین کامل ہو گیا کہ قرآن واقعی اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ توریت زبور انجیل میں اس آیت کا تھوڑا تھوڑا مضمون ہے لیکن یہ آیت ان سب کا مجموعہ ہے اس کا تفصیلی معنی ہے کہ جو بندے اطاعت کریں اللہ تعالیٰ کی فرائض و واجبات میں اور اطاعت کریں رسول اللہ کی سنت و سیرت میں اور خَشْيَةِ الٰهِی رکھیں حیات گزشتہ میں اور تقویٰ کریں عمر بقیہ میں تو وہ فَآئِزُوْنَ ہیں نجات جہنم و دخول جنت سے۔ فاروق اعظم نے فرمان نبوی سنایا کہ اُوْتِيْتُ جَوَامِعَ الْكَلِمِ. فرمایا ہمارے نبی کریم ﷺ نے کہ میں جامع کلمات عطا فرمایا گیا ہوں۔ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ اَمَرْتَهُمْ لَيَخْرُجُنَّ ؕ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۵۳﴾۔ اور منافقوں کی پکی نشانی یہ ہے کہ وہ ہمارے نبی کو بے خبر و بے علم سمجھتے ہیں اسی لئے جب بارگاہِ رسالت میں آتے ہیں تو اپنی باطنی نیتوں مخفی باتوں ذہنی منصوبوں کو چھپانے کے لئے بڑی زوردار آوازوں میں بار بار قسمیں کھاتے ہیں کہ یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم ہم ہر وقت ہر طرح آپ کے مطیع و فرمانبردار تابع کردار ہیں جس وقت جو بھی حکم فرمائیں ہم ماننے کے لئے تیار ہیں۔ اگر حکم دیں تو گھر بار مال آل سے نکل جائیں اگر جہاد کا حکم فرمائیں تو سب سے پہلے جہاد میں نکلا ہوا آپ ہم کو پائیں۔ اے مسلمانو! منافقین کی یہ قسمیں باتیں صرف زبانی کلامی ہیں وہ بھی صرف اس بدعقیدگی کی بناء پر کہ سمجھتے ہیں نبی غیب نہیں جانتے اور جس بدبخت کا بھی یہ عقیدہ ہو گا وہ تا قیامت عمر بھر اسی منافقت میں رہے گا۔ لہٰذا اے حبیب کریم! تم ان تمام منافقوں سے فرما دو کہ بڑھ بڑھ کر زیادہ قسمیں نہ کھاؤ میں تمہارے قول و کردار سے لاعلم و بے خبر نہیں ہوں مجھے میرے رب تعالیٰ نے سب غیب بتا دیئے ہیں۔ مجھے تو عرشیوں، فرشیوں، قبریوں، حشریوں کے ہر حال کی بھی خبر ہے تو بھلا تمہاری منافقت مجھ سے کب چھپی رہ سکتی ہے چنانچہ سورۃ توبہ کی آیت ۹۴ غیب نبوی کی اس طرح وضاحت فرمائی۔ وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ. ترجمہ اور اب دیکھتے ہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول تمہارے سب ظاہر پوشیدہ اعمال۔ اس آیت کے علاوہ قرآن مجید میں ثبوت غیب نبوی کی تقریباً بائیس (۲۲) آیتیں ہیں۔ تمہاری اطاعت منافقانہ و اتباع عامیانہ و قسم کلامیانہ بھی جانی پہچانی ہے۔ اطاعت

marfat.com

مخلصانہ چھپی نہیں رہتی ہر اطاعت خود معروف ہوتی ہے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہوتی۔ مخلص عمل دکھاتا ہے منافق قسمیں کھاتا ہے لہٰذا اے لوگو یہ ابدی قانون یاد رکھو کہ سچے بننے کے لئے کبھی بھی زیادہ قسمیں نہ کھاؤ کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ۔ بیشک اللہ تعالیٰ ہر وقت تمہارے اعمال کی خبر رکھنے والا ہے جو بھی اچھے برے کام تم کرتے ہو۔ ملاوٹ والے ہوں یا بناوٹ والے جھوٹی قسموں سے ہوں یا جھوٹی گفتار والے۔ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ منافق کی اطاعت ظاہری وعبادت وقتی کا مقصد محض شہرت وناموری ہے۔ یہ قُلۡ لَّا تُقۡسِمُوۡا کا جملہ خبر ہے مومنین کے لئے زجر ہے منافقین کے لئے۔ خیال رہے کہ کسی قول وفعل کو مضبوط کرنے کے لئے عربی لغت میں تین لفظ ہیں۔ ا۔ قسم۔ ۲۔ یمین۔ ۳۔ حلف۔ ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ قسم وہاں بولی جاتی ہے جہاں کسی چیز میں صحت، قوت، قدرت کی تصدیق وگواہی دینے کے لئے زبانِ قال یا حال یا زبانِ شان سے کلام کیا جائے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جن تقریباً پینسٹھ (۶۵) متفرق آیتوں کے متفرق الفاظ سے تقریباً چھتیس (۳۶) اشیاء کی قسم فرمائی ہے اس قسم کا مقصد اس چیز کی شان بتاتا اور وہ چیز بذات خود قدرت الٰہی کی گواہی دینے والی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے قسم فرمانے کا معنی یہی ہوتا ہے کہ یہ چیزیں ہر آن ہر زمان اپنے خالق تعالیٰ کی قدرت وحدت، عظمت اور موجودگی کی اپنی زبان حالت وکیفیت بناوٹ سجاوٹ سے گواہی دے رہی ہیں۔ قسم کا یہ معنی سورۃ فجر کی آیت اسے ثابت ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے: وَالۡفَجۡرِ ۙ﴿۱﴾ وَلَیَالٍ عَشۡرٍ ۙ﴿۲﴾ وَّالشَّفۡعِ وَالۡوَتۡرِ ۙ﴿۳﴾ وَالَّیۡلِ اِذَا یَسۡرِ ۚ﴿۴﴾ هَلۡ فِیۡ ذٰلِکَ قَسَمٌ لِّذِیۡ حِجۡرٍ ؕ﴿۵﴾۔ ترجمہ: قسم ہے فجر کی قسم ہے دس راتوں کی۔ قسم ہے شَفَعۡ کی قسم ہے وتر کی۔ قسم ہے رات کی جب چلے۔ کیا ان سب چیزوں میں عقل والوں کے لئے شان وعظمت کبریائی کی قسم یعنی گواہی نہیں ہے یعنی ہے یمین کا لغوی معنی ہے قوت وبرکت۔ اصطلاح میں داہنے ہاتھ کو بھی یمین کہتے ہیں۔ عربی محاورے میں دو طرفہ معاہدے اور قسمیہ وعدے کو بھی یمین کہتے ہیں چونکہ داہنا ہاتھ مضبوط وقوت والا ہوتا ہے اور بابرکت بھی۔ اس لئے یہ اصطلاح بن گئی اور اہل عرب معاہدہ کو پکا کرنے کے لئے داہنے ہاتھ پر داہنا ہاتھ مار کے وعدہ کرتے ہیں اور داہنے ہاتھ سے ہی مصافحہ کرتے ہیں۔ اس لئے محاورہ بن گیا۔ یمین کی شریعت میں چار قسمیں۔ ا۔ یمین منعقدہ۔ ۲۔ یمین غموس۔ ۳۔ یمین کذب۔ ۴۔ یمین لغو۔ بندوں کی قسم ویمین کا معنی ہے وعدہ، معاہدہ، شرط قسم کا تیسرا لفظ حلف ہے۔ اس کا لغوی معنی ہے ساتھ دینا، ساتھ نبھانا۔ اصطلاحی معنی ہے سچا بننا، سچا کہنا، سچا کہلوانا اور سچا بننے کے لئے زوردار کلام وتاکیدی وتحقیقی لفظوں کے ساتھ قسم بولنا۔ زیادہ قسمیں کھانے والے کو عربی میں حلّاف کہتے ہیں اور ساتھ نبھانے کا وعدہ کرنے والے کو حلیف کہتے ہیں۔ یہ تین لفظ یعنی قسم، یمین، حلف بندوں کی قسموں وعدوں کے لئے مستعمل ہیں مگر اللہ کی کسی قسم کو یمین یا حلف نہیں کہا جاسکتا۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

قَوۡلَ کی ترکیب وقرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت قَوۡلَ ہے فتحہ سے خبر مقدم ہے اسم کَانَ سے۔ اگلا جملہ اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا (الخ) کَانَ کا اسم ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت قَوۡلُ ہے۔ کَانَ کا اسم ہے اور اَنۡ یَّقُوۡلُوۡا کا پورا جملہ خبر کَانَ ہے۔ پہلا قول درست ہے۔ لِیَحۡکُمَ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت لِیَحۡکُمَ فعل معروف ہے۔ ۲۔ بعض کی لِیُحۡکَمَ ہے فعل مجہول۔ یَتَّقۡهِ کی قرأت تین قول ہیں۔ ا۔ اکثر کی قرأت یَتَّقۡهِ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت یَتَّقِقۡهُ ق مجرورہ ضمیر ساکن۔

marfat.com

۳۔ بعض کی قرأت یَتَّقِہٖ ق مجرورہ پر کھڑی زیر طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ کے ترکیبی معنی میں سات قول۔ ا۔ بعض نے یہ معنی کیا تمہاری اطاعت جانی پہچانی ہے۔ ۲۔ بعض نے یہ معنی کیا تم سے سچی مشہور اطاعت مطلوب ہے نہ کہ فقط قسمیں۔ ۳۔ بعض نے یہ معنی کیا اطاعت معروفہ یہ ہے کہ بندہ اپنی استطاعت کے مطابق اطاعت کرتا ہے عملاً نہ کہ صرف قسموں کی باتوں سے۔ ۴۔ بعض نے یہ معنی کیا بلکہ اطاعت مشہور عمل ہے وہ کر کے دکھاؤ قسموں کی ضرورت نہیں۔ ۵۔ بعض نے یہ معنی کیا کہ اطاعت جانی پہچانی ہوئی چیز ہے۔ ۶۔ بعض نے یہ معنی کیا کہ تم اطاعت کرنے کی طاقت رکھتے ہو پھر صرف قسمیں کیوں۔ ۷۔ بعض نے یہ معنی کیا۔ وہ اطاعت کرو جو مشہور و معروف ہے جیسے مخلصین کرتے ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دینی عبادتوں میں دنیوی اور طبی فائدے تلاش کرنا اور عوام میں بیان کرنا ناجائز ہے کیونکہ اس سے اولاً عبادت کا خلوص و تصور ختم ہو جاتا ہے۔ دوم یہ حکمتی فائدے خود ساختہ بناوٹ ہوگی حدیث و قرآن سے ثابت نہیں یہ فائدہ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ط۔ فرما کر مومن مخلص کی نشانی بتانے سے حاصل ہوا کہ دینی اطاعت و عبادت میں دنیوی مفاد پرستی منافقوں کی نشانی ہے نہ کہ مومن کی۔ **دوسرا فائدہ:** زیادہ قسمیں کھا کر خود کو سچا ثابت کرنا بھی جھوٹے فریبی ہونے کی نشانی ہے اسی کا دوسرا نام منافقت ہے۔ یہ فائدہ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ کے فرمان سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** سچا پکا مخلص مومن وہی ہے جو اپنے قول و فعل سے اپنی سچائی ثابت کرے مخلص کو نہ قسمیں کھانے کی ضرورت نہ باتیں بنانے کی۔ یہ فائدہ طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ط کی ایک ترکیب نحوی سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** اعمال شریعت میں تقلید ائمہ واجب ہے غیر مقلدیت گناہ ہے۔ یہ مسئلہ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ فرمانے سے مستنبط ہوا کہ اب تاقیامت اللہ رسول کی طرف آنا علماء مجتہدین کی طرف آنا ہے اور ان کے فقہی فیصلے ماننا واجب ہے۔ ان سے منہ پھیرنا منافقت ہے فقہ آئمہ اللہ رسول کے احکام کی وضاحت کرنا ہے۔ خود مسئلے نکالنا جہالت و منافقت ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** کسی مسلمان کو اسلامی احکام میں اپنی پسند و ناپسند کی عقلیں دوڑانا جائز نہیں بلکہ عقل قربان کن بہ پیش مصطفیٰ کا مظاہرہ کرنا واجب ہے۔ حکمت و مصلحت کسی کی سمجھ میں آئے نہ آئے حکیم حاذق و حاکم قابض سے بھی زیادہ آقا ﷺ کی ماننا فرض ہے۔ یہ مسئلہ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا۔ فرما کر مومن کی نشانی بتانے سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** قانون شریعت میں نیکی و سچائی ثابت کرنے کے لئے سچی قسم کھانا بالکل جائز ہے منع نہ کیا جائے گا مگر منافقانہ جھوٹی قسم کھانا حرام ہے ایسے شخص کو روکا جائے گا۔ یہ مسئلہ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ج کے فرمان سے مستنبط۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا اِذَا دُعُوْٓا۔ جب بلائے جائیں۔ تو کیا زمانہ نبوی میں کوئی مظلوم شخص مدعی بن کر خود عدالت نبوی نہیں جا سکتا تھا۔ اگر جا سکتا تھا تو پھر صرف دُعُوْٓا کیوں فرمایا گیا اس میں تو صرف

marfat.com

مدعیٰ علیہ کا ہی ذکر ہے مدعیٰ کا نہیں۔ **جواب:** یہاں صرف مدعیٰ علیہ کا ہی ذکر ہے اسی کو بلایا جاتا ہے۔ دراصل یہاں مخلص و منافق کا فرق بتایا جارہا ہے اور چونکہ مدعیٰ علیہ ہی اکثر ظلم زیادتی کرنے والا ہوتا ہے اس لئے وہی سچی عدالت سے ڈرتا ہے لیکن خود بخود بغیر بلائے بارگاہِ رسالت میں آنے والوں کا ذکر سورۃ نساء کی آیت ۶۴ میں فرمایا گیا۔ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ اور دیگر آیات میں تا قیامت نبی کریم ﷺ سے حاجتیں مانگنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا طَاعَةٌ مَّعْرُوْفَةٌ ترکیب نحوی میں یہ مبتدا اور خبر ہیں حالانکہ نحوی قانون ہے کہ مبتدا پر الف لام ہونا چاہئے تو یہاں لفظ طَاعَةٌ نکرہ کیوں ارشاد ہوا۔ **جواب:** نحو کا یہ قانون کلیہ نہیں اور جس جگہ حقیقت عمومی مراد ہو وہاں مبتدا کو بھی نکرہ لانا پڑتا ہے۔ اگر یہاں الف لام لایا جاتا تو عمومیت ظاہر نہ ہوتی اور الف لام عہدی ہوتا تب آیت کا معنی یہ ہوجاتا۔ قسمیں نہ کھاؤ کیونکہ تمہاری اطاعت معروف ہے۔ یہ مبتدا خبر علت بن جاتا لَّا تُقْسِمُوْا کی۔ حالانکہ علت بنانا مقصد کلام کے خلاف ہے اسی وجہ سے نکرہ فرمانا عین درست ہے اس سے عمومیت ثابت ہوئی اور علیت کا وہم ختم ہوا۔ یہ اعتراض جواب صرف اس ترکیب میں ہے جس میں ان دونوں کو مبتدا خبر بنایا گیا۔ اس جملے کی چند دیگر ترکیبیں بھی ہیں جو اختلافی اقوال میں بتادی گئی۔

تفسیر صوفیانہ

گلزار شریعت ہو یا غنچہ طریقت خلوص کے پھول اور نفاق کے کانٹے ساتھ ساتھ رہتے ہیں خلوص خیر ہے، نفاق شر ہے، خلوص اطاعت ہے، نفاق رقابت ہے اور مخلصین طریقت و مومنین حقیقت کا نشان معروفہ ہمیشہ یہی رہا کہ جب بھی ریاضت عملی و عقیدت قلبی میں ان کو وصل باللہ و قرب رسول اللہ کی طرف خلوت مراقبہ کی دعوت دی گئی تو مخلصین معرفت نے کسی بھی عبادت مشقت سے منہ نہ پھیرا بلکہ فوراً راہِ سلوک میں قلب کی ساعت قالب کی اطاعت سے حاضر بارگاہ ہوگئے۔ تو یہی مخلصین حاضری الفت کی وجہ سے وعدۂ کبریائی کے حقوق دنیوی اُخروی پالینے میں مُفْلِحُوْنَ ازلی اور کامیاب ابدی والے ہیں اور وہ سالکین طریقت جو اللہ رسول کے قرب بارگاہ کی چاہت اور حاضری کی طلب میں ماسوا اللہ کو چھوڑ دیتے ہیں اور ہر وقت اس بات سے ڈرتے رہتے ہیں کہ کہیں کسی لغزش سے قرب و وصل ختم نہ ہوجائے۔ اس لئے اللہ رسول کے غیر سے بچے مٹے رہتے ہیں پس یہی خوش قسمت وصل بارگاہ و وصول پناہ گاہ کا قرب پاکر محرومی و فراق سے نجات کے فَائِزُوْنَ ہیں اور نہ وصل کو فصل ہے نہ وصول کو زوال۔ یہی بندے طالب حق ہیں اور اپنے جسم فانی کو اطاعت کبریائی و اتباع مصطفائی میں مصروف و مشغول رکھتے ہیں۔ ان کا قلب مصفی قالب مطہر، روح مذکی عقل منور ہوتی ہے یہ لوگ اپنے عمل و عقل سے اپنے وجود کی بقاء بناتے ہیں اور نام و نمود کے خواہش مند لوگ راہِ فرار کے غدار ہیں۔ سفر روحانیت میں شامل منافقوں نے ہمیشہ قسم و قول سے اپنے وجود کو منوانے کی بے فائدہ ولا حاصل کوشش کی کیونکہ منافقین نبی کی غیب دانی کے منکر ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کریم ﷺ کو وہ علوم عطا فرمائے کہ تمام جہان والوں کے علم، علم نبوی کے سامنے ذرہ ناچیز ہیں۔ اس لئے ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا فرمادو اے ہادی کل دانائے سبل، ختم الرسل و مولائے کل ان تمام منافقین حلافین کو کہ اونچی اونچی قسمیں نہ کھاؤ نہ جبہ و دستار کی قرب شانی دکھاؤ نہ منبر و محراب کی چرب زبانی سناؤ۔ کیونکہ آستانہ رسول اللہ میں اطاعت وہی ہے جو معروفہ اعمال و

marfat.com

مشہورہَ افعال ہو نہ کہ فقط دعوئے قیل وقال بیشک اللہ تعالیٰ خلوص ونفاق کے تمام اعمال سے جو تم کرتے ہو یا کرنے کا ارادہ قلبی بناتے ہو خبر رکھنے والا ہے۔ مخلص کے ہر عمل میں چار صفتیں ہوتی ہیں۔ ا۔ فرقت ہجران کا خوف وخشیت۔ ۲۔ وصل غفران کا شوق وجاہت۔ ۳۔ عظمت عرفان کا ذوق ولذت۔ ۴۔ ظفر واحسان اور فلاح دارین کی امید ورجیٰ کا لطف رحمٰن۔ جب بندہَ سالک آداب فرائض اور پرہیز محارم میں اللہ رسول کی اطاعت کرتا ہے اور گزرے گناہوں کی پکڑ سے نامقبول ہونے کے حساب ومحاسبے سے خوف الٰہی رکھتا ہے اور باقی عمر کا ارادہ کرتا ہے کہ عقوبت حجاب اور تردید اعمال سے خود کو بچائے گا تو وہی بندہ مکاشفہ خلوت میں بلا کیف وبلا حیث اور بلا حساب وبلا حجاب مشاہدہَ انوار جمال پالیتا ہے۔ ایسے ہی خوش نصیب بندے سعادت کی توفیق، برکت کی توثیق اور رحمت کی تائید میں سبقت لے کر فَائِزُوْنَ ہوتے ہیں کیونکہ خشیت میں اطاعت ہے اور اطاعت میں معرفت ہے اور معرفت میں قربت ہے۔ قربت میں وصلت ہے اور وصلت سے صحبت ہے۔ سچی اطاعت نام ہے فعل حلال و ترک حرام کا۔ تقوے کے دو قدم ہیں: غِنًا بِاللّٰهِ مِنَ الْقَلْبِ. دل سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ غنی ہونا اور تُوُكُّل عَلَى اللّٰهِ مِنْ كُلِّ حَالٍ. ہر حال میں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ مخلصین کی تین ظاہری عملی نشانیاں ہیں ہونٹ خشک ہوں روزہ داری سے، رنگت چہرہ زرد ہو کثرت بیداری سے، آنکھیں تر ہوں گریہ زاری سے۔ تعجب ہے اس مغرور پر جو گزرے دنوں میں ایک معمولی نطفہ تھا اور آئندہ دنوں میں مردار ہو جائے گا۔ خوف کی عبادت غلاموں کی ہے۔ لالچ کی عبادت تاجروں کی، ذوق کی عبادت شکر والوں کی ہوتی ہے۔

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ
فرماؤ کہ اطاعت کرو اللہ تعالیٰ کی اور اطاعت کرو رسول کریم کی پھر اگر تم اطاعت سے منہ پھیرو گے
تم فرماؤ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا۔ پھر اگر تم منہ پھیرو
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَيْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ
تو بس اس رسول کے ذمہ پر وہی تبلیغ ہے جو لازم کی گئی ہے اور تم پر وہ بوجھ واجب ہے جو تم لادے گئے ہو
تو رسول کے ذمہ وہی ہے جو اس پر لازم کیا گیا اور تم پر وہ ہے جس کا بوجھ تم پر رکھا گیا
وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۵۴﴾
اور اگر اطاعت کرو گے تم ان کی تو ہدایت پا جاؤ گے۔ اور نہیں رسول اللہ کے ذمہ مگر صرف کھلی تبلیغ
اور اگر رسول کی فرمانبرداری کرو گے تو راہ پاؤ گے۔ اور رسول کے ذمہ نہیں مگر صاف پہنچا دینا
وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان سے جو ایمان لائے تم میں سے اور عمل کئے نیک پاک کہ ضرور خلافتیں عطا فرمائے گا

marfat.com

اللہ نے وعدہ دیا ان کو جو تم میں سے ایمان لائے اور اچھے کام کیے
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ
ان پاکیزہ لوگوں کو زمین میں جس طرح خلافتیں عطا فرمائیں تھیں ان پیاروں کو جو ان سے پہلے گزرے
کہ ضرور انہیں زمین میں خلافت دے گا جیسی ان سے پہلوں کو دی
وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ
اور ضرور قوت دے گا ان کے لئے ان کے اسی دین کو جو چن لیا ہے ان پاکیزہ لوگوں کے لئے
اور ان کے لئے جما دے گا ان کا وہ دین جو ان کے لئے پسند فرمایا ہے
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ۚ
اور ضرور بدلے میں دے گا ان کو ان کے خوف کے بعد بہت بڑی امن، عبادت کرتے ہیں وہ میری
اور ضرور ان کے اگلے خوف کو امن سے بدل دے گا میری عبادت کریں
يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿٥٥﴾
اور نہیں شریک بناتے وہ میرا کسی چیز کو۔ اور جس نے کفر کیا اس کے بعد تو وہی لوگ نافرمان ہیں
میرا شریک کسی کو نہ ٹھہرائیں اور جو اس کے بعد ناشکری کرے تو وہی لوگ بے حکم ہیں

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا آپ فرماؤ اے منافقو بڑھ بڑھ کر قسمیں مت کھاؤ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کا خبیر ہے۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ۔ فرما دیجئے بس تم اللہ رسول کی عملی اظہار سے اطاعت کیے جاؤ اگر اطاعت سے منہ پھیرا تو اپنے بوجھ کے ذمہ دار تم خود ہو۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ جو لوگ اللہ رسول کی سچی اطاعت کرتے ہیں اور ان کے باطن میں اللہ تعالیٰ کی خشیت ہیبت اور ظاہر میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ موجود ہے اللہ تعالیٰ دونوں جہان میں ان کو ثابت قدمی کی کامیابی عطا فرمائے گا۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ اسی قسم کے مومنین سے اللہ تعالیٰ نے ایک یہ وعدہ بھی فرمایا کہ ان کو خلافت راشدہ کی نعمت بھی عطا فرمائی جائے گی جو تا قیامت مسلمانوں کے کام آئے گی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اطاعت والے مُفْلِحُوْنَ ہیں اور خشیت وتقوے والے فَائِزُوْنَ ہیں اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ جو لوگ شرک وکفر والے ہیں وہ فَاسِقُوْنَ یعنی بے حکم نافرمان ہیں۔

marfat.com

شان نزول

صحابہ کرام نے مکہ مکرمہ میں کفار کے ظلم برداشت کرتے ہوئے عرصہ گزارا پھر اپنی اپنی عمر بھر کی کمائی منقولہ غیر منقولہ تمام جائیدادیں چھوڑ کر صرف دولت ایمان بچا کر ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے مگر کفار مکہ کی آتش ظلم وغضب اب بھی بھڑک رہی تھی۔ نہتوں پر ظلم کرنے والے کفار مکہ کا سارا غرور میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں رسوا کن ذلت آمیز شکست سے خاک میں مل چکا تھا اور انہیں پتہ چل گیا تھا کہ مسلمانوں کی کتنی عظیم قوت ہے مکے میں رہ کر ہمارے ظلم سہنا صرف امتحان صبر میں پورا اتر کر کامیاب ہونا تھا ورنہ صحابہ کمزور نہ تھے اگر کمزور یا بزدل ہوتے تو جنگ بدر میں ہم کفار مکہ کو ذلیل کر کے نہ مارتے۔ لیکن کفار مکہ کی فطرت خباثت انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیتی اب بھی بار بار مکاری دکھاتے رہتے۔ کبھی اکیلے دکیلے مسلمان کو اغوا کر لیتے، کبھی کسی مسلمان چرواہے کو قتل کر کے اس کے ذاتی وامانتی حفاظتی جانور چرا کر لے جاتے یعنی بدری ذلت کی خفت مٹانے کے لئے کمینی حرکتوں پر اتر آئے تھے۔ اس لئے صحابہ کرام کو ہر وقت ہتھیار بند ہو کر چوکنا رہنا پڑتا جس کی وجہ سے کچھ صحابہ کرام کبھی کبھی تنگی بھی محسوس کرتے۔ ایک بار ایک صحابی نے بارگاہِ اقدس میں عرض کیا یا آقا! صلی اللہ علیک وسلم ہم کب تک اس طرح حالت اضطرار میں رہیں گے۔ اَمَا یَأْتِیْ عَلَیْنَا یَوْمٌ نَأْمَنُ فِیْهِ وَنَضَعُ السِّلَاحَ۔ یعنی کیا کبھی ایسا دن نہیں آئے گا جب ہم اپنے جسموں سے ہتھیار اتار ڈالیں گے اور امن وسکون سے سویا کریں گے۔ آقا ﷺ نے جواباً فرمایا۔ بہت جلد ایسا وقت آنے والا ہے کہ قیصر وکسریٰ کے تاج بھی تمہارے قدموں میں ہوں گے اور ہر طرف ہر طرح چین وامن ہو گا۔ تب ارشاد نبوی ﷺ کی تائید میں یہ تین آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۵۵ تا آیت ۵۷۔ جن میں خلافت راشدہ کا ذکر و وعدہ فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝ ۔ قُلْ فعل امر بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَطِیْعُوا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر اس کا مصدر ہے اِطَاعَةٌ۔ طَوْعٌ سے بنا ہے اصل میں اِطْوَاعٌ تھا۔ تعلیل سے اِطَاعَةٌ ہوا۔ ترجمہ ہے خوش دلی سے بات ماننا فرمانبرداری کرنا۔ اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ۔ اللّٰہ اس کا مفعول بہ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ اسی ترکیب سے جملہ فعلیہ ہو کر معطوف دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا دونوں ملکر جملہ قولیہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بمعنی ثُمَّ اِنْ حرف شرط تَوَلَّوْا۔ باب تَفَعُّلٌ کا مضارع مستقبل دراصل تَتَوَلَّوْا تھا۔ تخفیف کے لئے ایک تَ گر گئی کیونکہ سیاق وسباق میں قرینہ خطابی موجود ہے عَلَیْكُمْ اور اَطِیْعُوا۔ یہ صیغہ جمع مذکر خطابی ہے (حاضر) اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ یہ فعل فاعل: جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے فَ حرف جزا۔ اِنَّمَا لفظ حصر بمعنی فقط عَلَیْهِ جار مجرور متعلق ہے وَاجِبٌ اسم فاعل پوشیدہ کا مَا اسم موصول حُمِّلَ باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَحْمِیْلٌ۔ حَمْلٌ سے مشتق ہے بمعنی ذمہ لگانا اس کا نائب فاعل ہے ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے رَسُوْلٌ۔ یہ فعل نائب فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر فاعل ہے وَاجِبٌ پوشیدہ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ ہے اگلی پوری عبارت کا واؤ حرف عطف اپنے

marfat.com

معنی میں۔ عَلَیْکُمْ جار مجرور متعلق ہے وَارِدٌ یا وَاقِعٌ پوشیدہ اسم فاعل کا مَا حُمِّلْتُمْ۔ جملہ فعلیہ صلہ موصول مل کر فاعل ہے پوشیدہ کا یہ پوشیدہ اسم فاعل اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے دونوں عطف مل کر جزا ہے اِنْ تَوَلَّوْا کے جملے کی وہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اِنْ شرطیہ۔ تُطِیْعُوْ مضارع مستقبل معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ، ہٗ ضمیر ظاہر مفعول بہ مرجع ہے رسول۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے تُطِیْعُوْ دراصل تُطِیْعُوْنَ تھا۔ اِنْ شرطیہ نے جزم دیا تو نونِ اعرابی آخر سے گر گئی۔ تَهْتَدُوْا باب افتعال کا مضارع مستقبل۔ اس کا مصدر ہے اِهْتِدَاءٌ۔ هُدٰی سے بنا ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ اَنْتُمْ جمع مذکر حاضر ہے۔ یہ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِنْ تُطِیْعُوْ کی دونوں مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ مَا حرف نفی مشبہ بلَیْسَ۔ عَلَی الرَّسُوْلِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے لَازِمًا پوشیدہ اسم فاعل کا یہ اپنے فاعل پوشیدہ ضمیر اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے مَا کی اِلَّا حرف استثنا منقطع کیونکہ مستثنیٰ مِنْهُ مذکور نہیں ہے اَلْبَلٰغُ۔ اسم مصدر بمعنی کافی اور پوری تبلیغ کر دینا، پہنچا دینا۔ موصوف ہے اَلْمُبِیْنُ اسم فاعل باب افعال کا بمعنی صاف واضح ظاہر۔ یہ صفت ہے بَلَاغ کی یہ مرکب توصیفی اسم ہے مَا کا۔ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ وَعَدَ۔ باب ضَرَبَ کا ماضی مطلق اللّٰهُ اس کا فاعل الَّذِیْنَ۔ اسم موصول اٰمَنُوْا باب افعال کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل پوشیدہ ضمیر صیغہ مِنْكُمْ جار مجرور متعلق ہے اٰمَنُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ عَمِلُوْا باب سَمِعَ کا ماضی مطلق صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ الصّٰلِحٰتِ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے صَالِحَةٌ معنی ہے دینی نیک کام و کلام یعنی نیکیاں یہ مفعول بہ ہے عَمِلُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اٰمَنُوْا پر۔ دونوں عطف مل کر صلہ ہے الَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ اول ہوا وَعَدَ کا۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّ۔ باب استفعال کا مضارع لام تاکید با نون تاکید ثقیلہ مستقبل مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ اس کا مصدر ہے اِسْتِخْلَافٌ ترجمہ ہے خلیفہ بنانا۔ خَلْفٌ سے بنا ہے معنی ہے بعد میں ہونا پیچھے ہونا۔ هُمْ ضمیر کا مرجع ہے الَّذِیْنَ۔ یہ مفعول بہ ہے فِی الْاَرْضِ یہ جار مجرور متعلق اول ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّ کا۔ كَمَا کاف جارّہ مَا مصدریہ۔ اِسْتَخْلَفَ ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر مِنْ جارّہ بیانیہ قَبْلِهِمْ مرکب اضافی مجرور ہے مِنْ سے یہ جار مجرور متعلق ہے سَالِفِیْنَ پوشیدہ اسم فاعل جمع مذکر کا وہ اسم فاعل با فاعل پوشیدہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے الَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے اِسْتَخْلَفَ کا یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہے كَمَا کے کاف جارّہ سے وہ جار مجرور مل کر متعلق دوم ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مفعول بہ دوم ہوا وعد کا۔ لیکن پہلے اگلی عبارت سے اَمْنًا تک اس جملے کا عطفی تعلق ہے کہ یہ معطوف علیہ ہے۔ وَلَیُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ واؤ عاطفہ لَیُمَكِّنَنَّ باب تفعیل کا فعل مضارع مستقبل لام تاکید یا نون تاکید ثقیلہ صیغہ واحد مذکر غائب۔ اس کا مصدر ہے تَمْكِیْنٌ، مَكْنٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے قوت دینا، ٹھکانہ مضبوط کرنا، رہائشی قوت دینا یہاں مراد ہے دین کی مضبوطی اس

marfat.com

کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ۔ لَھُمْ یہ جار مجرور اس کا متعلق ہے۔ دِیْنَھُمْ مرکب اضافی موصوف ہے الَّذِی کا اِرْتَضٰی باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِرْتِضَاءٌ رَضِیٌّ سے بنا ہے ترجمہ ہے رضا والا پسندیدہ اور چنا ہوا ہونا اِرْتِضَاءٌ متعدی ہے بمعنی چن لینا اس کا فاعل ضمیر ھُوَ۔ لَھُمْ جار مجرور اس کا متعلق ہے۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے الَّذِی کا یہ موصول صلہ مل کر صفت ہے دِیْنَھُمْ کی یہ مرکب توصیفی مفعول بہ لَیُمَکِّنَنَّ کا وہ سب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لَیُبَدِّلَنَّ باب تفعیل کا مضارع مستقبل لام با نون تاکید ثقیلہ معروف واحد مذکر غائب اس کا مصدر تَبْدِیْلٌ بَدْلٌ سے بنا ہے فاعل ضمیر صیغہ۔ ھُمْ ضمیر مفعول بہ مِنْ جارہ بَعْدِ خَوْفِھِمْ یہ ذیل مرکب اضافی مجرور متعلق ہے۔ اَمْنًا حاصل مصدر جامد مفعول فیہ ہے لَیُبَدِّلَنَّ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہوا لَیُمَکِّنَنَّ کے جملے پر دونوں معطوف علیہ معطوف مل کر پھر معطوف ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّ کے جملے پر۔ یہ سب عطف مل کر مفعول بہ دوم ہے وَعَدَ کا یہ فعل فاعل دونوں مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِکُوْنَ بِیْ شَیْئًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۵۵﴾ یَعْبُدُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع حال مثبت معروف جمع مذکر غائب عَبْدٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے قولی فعلی عبادت کرنا الٰہ سمجھ کر۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر نون وقایہ ی ضمیر واحد متکلم اس کا مفعول بہ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ لَا یُشْرِکُوْنَ باب افعال کا مضارع حال منفی معروف جمع مذکر غائب فاعل ضمیر صیغہ بِیْ۔ یہ جار مجرور اس کا متعلق۔ شَیْئًا اسم مفرد نکرہ جامد اس کی جمع مکسر اشیاء ہے یہ مفعول بہ ہے۔ لَا یُشْرِکُوْنَ اپنے فعل فاعل مفعول بہ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ مَنْ اسم موصول۔ کَفَرَ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق واحد مذکر غائب کُفْرٌ سے مشتق ہے فاعل ضمیر صیغہ ھُوَ پوشیدہ۔ بَعْدَ مضاف ذٰلِکَ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے کَفَرَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ ف جزائیہ۔ اُولٰٓئِکَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ مَنْ ہے یہ مبتدا ہے۔ ھُمْ ضمیر حصر اَلْفٰسِقُوْنَ خبر مبتدا یہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جزا ہے مَنْ کَفَرَ کی یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَیْهِ مَا حُمِّلَ وَعَلَیْكُمْ مَّا حُمِّلْتُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ وَمَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ﴿۵۴﴾ اے نبی فرما دو سنا دو حکم شریعت ان بے ہدایت لوگوں کو سچے دل و پکی نیت سے اللہ تعالیٰ کی ذات پر ایمان لاؤ اور نبی کریم کے فرمان مانو۔ یاد رہے کہ قُلْ لَّا تُقْسِمُوْا ۚ حکم توبیخی ہے یعنی جھڑکنے کے لئے اور یہ قُلْ اَطِیْعُوا حکم تکلیفی ہے یعنی واجب ہے وہ نہی ہے یہ امر ہے وہ حکم منافقت چھوڑنے کے لئے یہ خلوص جوڑنے کے لئے وہ جہنم سے بچانے کے لئے یہ جنت میں پہنچانے کے لئے۔ اس کے باوجود اگر تم اطاعت سے منہ موڑو اور منافقت سے دل جوڑو تو ہمارے نبی کا کوئی نقصان نہیں اس لئے کہ ان پر صرف وہی تبلیغ احکام واجب ہے جو ان کے ذمے ڈالی گئی اور انہوں نے بہت اچھے طریقے سے اپنی ذمہ داری پوری فرما دی۔ اس منہ پھیرنے پیٹھ موڑنے میں تمہارا ہی نقصان ہے اس لئے کہ تم پر فرمانبرداری کی وہ بھاری ذمہ داری ہے جو تم سب انسانوں پر ڈالی گئی ہے مگر تم منافقین و کفار نے وہ ذمہ داری پوری نہیں کی جبکہ بار بار ہر طرح تم کو سمجھایا گیا اگر اب بھی مخلص مطیع بن جاؤ تو سب ہدایتیں تمہارے لئے ہیں دنیا و آخرت میں اور سن لو عقل و

marfat.com

ہوش سے کہ رسول کریم ﷺ پر تبلیغ مبین کے سوا اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ نے چار طریقے سے تبلیغ دین فرمائی۔ ۱۔ تلاوت قرآن سے۔ ۲۔ وضاحت فرمان سے۔ ۳۔ رویت معجزات سے۔ ۴۔ جہادِ غزوات سے۔ علماء فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ نے تین چیزیں تین چیزوں سے جوڑ دیں۔ ۱۔ اقامت نماز کو اداءِ زکوٰۃ سے کہ زکوٰۃ کی ادا نہیں تو نماز کی قبولیت نہیں۔ ۲۔ اَطِیْعُوا اللّٰہَ کو اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ سے کہ اگر کسی مسلمان کے پاس اطاعت رسول کی سند نہیں تو اس کی اطاعت اللہ پسند نہیں۔ اطاعت نبی کریم دروازۂ قبولیت کی چابی ہے۔ اطاعت رسول کا نقشہ اچھوں کی پیروی ہے یہی پیروی اور پیچھے چلنا دخول جنت کا سبب اعظم ہے اسی اتباع صادقین نے سگ اصحاب کہف کو جنتی بنا دیا۔ ۳۔ اَنِ اشْکُرْ لِیْ کو وَلِوَالِدَیْکَ سے کہ اگر والدین کا شکریہ نہیں تو شکر اللہ بھی قبول نہیں بلکہ توفیق ہی نہیں ملتی تین چیزوں کا دعویٰ تین عمل کے بغیر جھوٹا ہے۔ ۱۔ بغیر صدقہ خیرات جنت کی محبت۔ ۲۔ حرام و مکروہات کو چھوڑے بغیر محبت الٰہی کا دعویٰ۔ ۳۔ صحابہ و اولیاء کی محبت کے بغیر نبی کریم ﷺ کی محبت کا دعویٰ کرنا جھوٹ ہے۔ اس لئے کہ حُبِ درویشاں کلید جنت است۔ ہدایت کی دولت اس کو ملتی ہے جس کے پاس اطاعت کی قیمت ہو۔ طریقت کا امام وہی ہے جو پہلے شریعت کا مقتدی بنے اور جو شریعت کا غلام ہے وہی طریقت کا آقا ہے:

رہرو راہِ حقیقت ہے وہی جو شریعت کے اصولوں پر چلے

وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ۔ اے محبوب خوشخبری سنادو اپنے پریشان حال اور ہمہ وقتی ہتھیار بند صحابہ مجاہدین کو کہ وعدہ فرمالیا ہے اپنے ذمہ کرم پر اللہ تعالیٰ نے کہ تم میں سے جو بھی ایمان کے اعلیٰ مقام پر قائم رہے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور نبی کریم کی غلامی میں دائمی رہے اور اعمال صالحہ پاکیزہ پر عامل رہے اس طرح کہ دین اسلام کا ہو، ایمان مسلمان کا ہو۔ احکام شریعت کے ہوں تعمیل پابندی تم سب کی معبودیت اللہ تعالیٰ کی عبدیت مسلمانوں کی اگر یہ سدابہار کیفیت جاری رہی تو ان مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں اُسی شان و شوکت امن و حفاظت کے لئے اُسی قوت و اختیار اور تعدادِ چار سے خلیفہ بنادے گا کثیر علاقوں میں جیسے کہ خلیفہ بنایا تھا رب تعالیٰ نے ان شخصیات بابرکات کو جو ان سے پہلے زمانوں میں ہوئے۔ خلافت کی چھ قسمیں ہیں۔ ۱۔ خلافت نیابت یعنی خلافۃ اللہ۔ ۲۔ خلافت جانشینی یعنی خلافت نبوی۔ ۳۔ خلافت ولی عہدی۔ ۴۔ خلافت مجبوری و معذوری۔ ۵۔ خلافت معزولی و تبدیلی۔ ۶۔ خلافت عارضی وقتی جیسے خلافت حضرت ہارون علیہ السلام بوقت طور۔ یا خلافت مولیٰ علی بوقت غزوۂ تبوک۔ یہاں کَمَا کی تشبیہ میں تین تشبیہیں واضح کی گئیں اولاً تعداد خلفاء۔ اَلَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ سے پہلے انبیاء کرام علیہم السلام میں چار انبیاء خلیفہ بنائے گئے۔ ۱۔ آدم۔ ۲۔ نوح۔ ۳۔ داؤد۔ ۴۔ سلیمان علیہم السلام قرآن مجید و حدیث پاک میں صرف ان چار کی خلافت کا ذکر ہے۔ دوسری تشبیہ اختیار و مراتب کی ہم مثلی و مشابہت یعنی جس طرح وہ چار نبی علیہم السلام کلی طور پر بااختیار خلیفہ تھے کہ ہر خلیفہ امامت نیابت حکومت، نظامت عدالت کے منصب کا امانت دار تھا۔ اسی طرح صحابہ کرام میں بھی چار خلیفے ہوں گے کہ ہر خلیفہ اپنے اپنے وقت میں ان پانچوں منصبوں ذمہ داریوں پر فائز ہوگا۔ تیسری مشابہت زمانی کہ جس طرح پہلے ہر ایک زمانے

marfat.com

میں صرف ایک خلیفہ ہوا ان کی وفات کے بعد دوسرے نبی خلیفہ بنائے گئے اسی طرح اب بھی ایسا ہی ہوگا یہ تینوں مشابہتیں صرف چار خلفاء راشدین میں ہوئیں اس لئے چار ہی خلفاء راشدین یہی چار خلیفۃ اللہ ہیں کہ وعدہ لَیَسْتَخْلِفَنَّ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خلیفہ بنایا اور یہی خلیفۃ النبی ہیں کہ آقا ﷺ نے انہی کی خلافت کا اشارہ فرمایا۔ یہی چار افضل صحابہ ہیں اب تا قیامت مسلمانوں میں ان کی ہی فتوحات قائم ان کی ہی سیاست عدالت حکومت کا نظام نظام اسلامی ہے۔ تفضیلی رافضی کہتے ہیں کہ سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ بھی خلفاء راشدین میں سے مگر یہ غلط ہے اس کے بارے میں مدلل فتویٰ ہمارے فتاویٰ العطایا جلد پنجم میں دیکھیے۔ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا یَعْبُدُوْنَنِیْ لَا یُشْرِكُوْنَ بِیْ شَیْـًٔا۔ خلافت کی ہدایت صلاحیت کے ساتھ پوری کائنات ارضی میں اللہ تعالیٰ ان کے لئے منتخب دین اسلام کو مضبوطی و استقامت عطا فرمائے گا جو کبھی ختم نہ ہو۔ کہیں حکومت سے کہیں ایسی وجاہت سے کہ علاقے کفار کے اس میں تلاوتیں قرآن کی۔ عمارتیں یہود و نصاریٰ ان میں مسجدیں مسلمانوں کی گرجے کنیسے غیر مسلموں کے ان میں اذانیں ایمان والوں کی۔ بازار کفار کے جلوس عید میلاد کے اور موجودہ خوف و پریشانی کے بدلے میں ان پاکباز مسلمان ہستیوں کو امن و سلامتی و حفاظت کی ایسی دولت عزت مرتبت عطا فرمائے گا کہ پوری دنیا میں ہر شاہ و گدا پر ان کا رعب ایمانی ہوگا کہ جہاں پہلے ابھی اصنام و کواکب و آتش کدوں کی پرستش ہوتی ہے وہاں بلا خوف و خطر اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ کی صدائیں گونجیں گی اسلام کی تمکینی، کفر کی تغییری کفار کی تبدیلی ہوگی۔ یہ ایفاء وعدہ صحابہ کرام نے بھی دیکھا اور صحابہ کے ایمان پر خلوص عبادت پر حضور اور عقیدہ پر نور کے طفیل آج اس کا کچھ نقشہ ہم بھی دیکھ رہے ہیں۔ تمکین یہ ہوتی ہے کہ کسی کو کسی کے علاقہ میں قوت کا قبضہ نصیب ہو۔ خواہ ملکیتاً یا حکومتاً یا قانوناً یا غلبتاً اور تبدیلی یہ ہے کہ کسی کو ہٹا کر یا گھٹا کر یا مٹا کر دوسرے کو وہاں بٹھانا یا بسانا اور تغییر یہ ہے کہ کسی شخصیت کی صرف حالت کیفیت وحیثیت بدل دینا۔ اے لوگو یہ تمام عزتیں قوتیں دولتیں شوکتیں وجاہتیں صرف اس وقت تک ملیں گی جب تک مسلمان دین و ایمان پر قائم رہتے ہوئے خلوص قلبی صحت بدنی طہارت جسمی و روحی اور عبادت وقتی کی پابندی کرتے ہوئے صورۃً سیرۃً اتباع نبوی سے میری عبادت اس شان کی ادا کرتے رہیں کہ کسی چیز میں کسی کو بھی کسی طرح کی وقت بھی میرا شریک نہ بنائیں۔ اللہ تعالیٰ کے یہ تینوں وعدے دور نبوی اور چاروں خلفاء کے زمانوں میں پورے ہوئے اور اس طرح حالات خوشگوار و امان دار ہوئے کہ:

دمبدم صوت کمال دولت خدام او عرصہ روئے زمیں راسر بسر خواہد گرفت
شاہباز ہمتش چوں بر کشاید بال قدر او ثریا تا ثریٰ در زیر پر خواہد گرفت

خوف کفر حجاز سے بھاگا تو عرب میں پہنچا عرب سے عجم میں بھاگا پھر گوشے گوشے میں منہ چھپاتا پھرا۔ خوف کفر امن اسلام کا کہیں غلام بنا کہیں قیدی۔ کہیں مقتول کہیں مغرور کہیں مشکور کہیں مفتوح کہیں باجگزار کہیں تاج و تخت سے فرار۔ عہدی نبوی میں مکہ مکرمہ، پورا حجاز، خیبر، بحرین، یمن اور عرب کے تمام جزیرے خلافت صدیقی، علاقہ مرتدین، علاقہ یمامہ۔ تحفظ ختم نبوت، علاقہ عجم مشرق قریب اور مغرب قریب اسلام کے پہلے سپہ سالار خالد بن ولید اور دوسرے ابوعبیدہ بن جراح، خلافت فاروقی،

marfat.com

قیصر روم، علاقہ مصر، سپہ سالار مولیٰ علی، سلطنت کسریٰ، پورا ایران، قسطنطنیہ، حدود ہند نصف علاقہ، سندھ افغانستان، سرحد پاکستان کے پاس طورخم سے اندر مسجد علی آج بھی موجود ہے اس جگہ کا نام درۂ خیبر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی نسبت سے ہے۔ علاقہ خراسان، فتوحات خلافت عثمانی، شمالی افریقہ، بحیرۂ روم، جزیرۂ قبرص، چینی سرحدی علاقہ ان تمام فتوحات میں تقریباً چھوٹے بڑے پانچ سو ملک فتح ہوئے۔ خلافت علوی حیدری میں اندرونی غداروں سے ملک بچایا گیا رافضی خارجی یہودیانہ سازشوں کا مقابلہ کیا گیا اور لشکری قوت کا تحفظ کیا گیا چونکہ اللہ تعالیٰ کے وعدے ان چار خلفاء کے زمانوں میں ہی پورے ہو گئے اس لئے یہی چار خلفاء راشدین مہدیین برحق ہیں۔ باقی بارہ خلفاء قریش جن کا ذکر احادیث مبارکہ میں آتا ہے وہ خلفاء مطلقہ ہیں ان کے پہلے امام حسن رضی اللہ عنہ اور آخری امام مہدی ہیں وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۔ اور جن لوگوں نے امن عافیت تحفظ عزت قوت حکومت غنیمت پاکر بھی کفر کیا۔ شرک یا عیاری یا ریاکاری یا غداری، تخریب کاری یا خلافت خلفاء کا انکار کر کے تو یہی لوگ دنیا کے بد دماغ آخرت کے فاسق و نافرمان ہیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ اس امن و حفاظت کو بگاڑنے والے پہلے منکر قاتلین عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو بعد میں رافضی شیعہ بن کر لشکر مولیٰ علی میں داخل ہوئے ان کو ہی فرمان نبوی میں منافق کہا گیا ہے (از ابن ماجہ باب فضائل عثمان ص ۱۱) اس کے بعد خارجی گروہ پیدا ہوا جس نے مسلمانوں کو آپس لڑایا امن مٹایا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو شہید کرایا اور خوف کفار سے امن کے بعد خوف خانہ جنگی آیا۔ یہ تبدیلی ان کافران روافض و خوارج کی وجہ سے آئی فَاسِقُوْنَ انہی کو فرمایا گیا ہے۔ اس آیت مقدسہ میں قدرت و حکمت کی سات دلیلیں واضح ہیں۔ ۱۔ رب تعالیٰ حکم ہے۔ ۲۔ اللہ تعالیٰ وعدۂ اولیاء کے ایفاء اور وعید اعداء کے نفاذ پر قادر ہے۔ ۳۔ اللہ کا ہر علم قدیم ہے اشیاء کے وقت وجود سے پہلے ہی ہر شئی کو جانتا ہے۔ ۴۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو غیب کا علم عطا فرمایا اور آپ نے وَعَدَ اللّٰهُ اور لَيُمَكِّنَنَّ کی وضاحت کرتے ہوئے بہت سی غیبی خبریں پیشگی سنائیں۔ **پہلی حدیث:** مقدس بحوالہ تفسیر ابن کثیر جلد سوم ص ۳۰۱۔ فرمان نبوی اے صحابہ تھوڑے دن مزید صبر و انتظار کرو۔ بہت جلدی وہ وقت آنے والا ہے کہ تم لوگ دور دور بلا ہتھیار و بلا خوف چلو پھرو گے۔ **حدیث دوم:** شیعہ کتاب فروع کافی امام کلینی کتاب الروضہ ص ۱۰۲ بروایت امام عبداللہ جعفر صادق۔ یوم خندق مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے ایک چٹان توڑنے کی کوشش فرمائی مگر نہ ٹوٹی تب نبی کریم ﷺ نے مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے معول (کدال) لے کر ایک ضرب لگائی تو چٹان کے تین ٹکڑے ہو گئے اور تین چنگاریاں نکلیں۔ آقا ﷺ نے فرمایا مجھے ان تین ٹکڑوں اور تین چنگاریوں سے تین بڑی فتوحات کی خوشخبری دی گئی ہے۔ قیصر و کسریٰ و یمن کے علاقے و خزانے مجھے دے دیئے گئے۔ الفاظ حدیث: فُتِحَتْ عَلَيَّ فِيْ ضَرْبَتِيْ هٰذَا بِكُنُوْزِ كِسْرٰى وَ قيصر وَ يمن۔ **حدیث سوم:** بحوالہ مسند احمد جلد نہم طبع بیروت بروایت سلیم بن عامر عن مقداد بن اسود فرماتے ہیں کہ میں نے خود فرمان نبی کریم ﷺ سنا کہ روئے زمین پر کوئی پتھر یا مٹی کا مکان ایسا نہ رہے گا جس میں دین اسلام نہ پہنچے کوئی مانے یا نہ مانے۔ جو مانے گا وہ عزیز ہوگا جو نہ مانے گا وہ ذلیل ہوگا۔ **حدیث چہارم:** چند صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! صلی اللہ علیک وسلم کیا کبھی ایسا وقت آئے گا جب ہم مسلمان خوف کفار سے امن میں ہوں گے ہتھیار اتار کر بیٹھیں گے تو فرمایا آقا ﷺ نے

marfat.com

بہت جلد اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے گا کہ مقام حضر موت تک تنہا مسافر امن سے سفر کرے گا بجز خوف الٰہی کسی کا خوف نہ ہوگا۔ صحابہ فرماتے ہیں دورِ فاروقی میں ہم نے یہ امن دیکھا۔ **حدیث پنجم**: بحوالہ مسند احمد بروایۃ حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی کہ میرے بعد تیس سال خلافت ہوگی پھر ملوکیت۔ اس فرمان سے خلافت راشدہ اربعہ ہی مراد ہے اس طرح کہ خلافت صدیقی دو سال آٹھ ماہ خلافت فاروقی دس سال چھ ماہ چار دن خلافت عثمانی بارہ سال تین ماہ۔ خلافت حیدری چار سال آٹھ ماہ پندرہ دن یہ مؤرخین کا حساب ہے یہ مدت تیس سال بنتی ہے مگر مفسرین کا حساب اس طرح ہے۔ خلافت صدیقی دو سال خلافت فاروقی دس سال، خلافت عثمانی بارہ سال، خلافت حیدری چھ سال۔ اس حساب سے بھی خلفاء اربعہ کی مدت خلافت تیس (۳۰) سال بنتی ہے۔ خلافت راشدہ کی پہچان قرآن مجید کی تشبیہ كَمَا اسْتَخْلَفَ سے یہی ہے کہ وہ وفات خلیفہ سے ختم ہوتی ہے۔ خلیفہ خود اپنی خلافت ختم نہیں کرسکتا نہ کسی کو دے کر نہ مستعفی ہوکر خود چھوڑنے سے خلیفہ گنہگار ہوگا لیکن خلافت مطلقہ خود چھوڑنا جائز۔ پہلا حکم حدیث مقدس سے ثابت دوسرا حکم عمل امام حسن رضی اللہ عنہ سے ثابت۔ **حدیث ششم**: بحوالہ بخاری مسلم فرمان نبوی تمام زمین میرے لئے سمیٹ دی گئی تو میں نے مشرق و مغرب کو دیکھ لیا عنقریب میری امت کی سلطنت وہاں تک ہوگی۔ **حدیث ہفتم**: بروایت حاکم میرا دین ہر اس گھر میں داخل ہوگا جس میں رات داخل ہوتی ہے یہ احادیث مقدسات ہم نے تفاسیر سے جمع کی ہیں ان سب میں غیب کی ہی پیشگوئیاں ہیں۔ قدرت کی۔ ۵۔ پانچویں دلیل، اللہ تعالیٰ مشرک سے بیزار شریک سے پاک ہے۔ ۶۔ دلیل ششم، ایمان و عمل مثل شجر و ثمر ہیں۔ ۷۔ دلیل ہفتم، خلافت اربعہ ہی برحق و راشدہ ہے۔

ان دلائل کے استدلالات۔ ۱۔ دلیل اول وَعَدَ اللّٰهُ سے۔ ۲۔ دلیل دوم لَيَسْتَخْلِفَنَّ سے۔ ۳۔ دلیل سوم كَمَا اسْتَخْلَفَ سے۔ ۴۔ دلیل چہارم لَيُمَكِّنَنَّ سے۔ ۵۔ دلیل پنجم لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ سے۔ ۶۔ دلیل ششم ارْتَضٰى اور يَعْبُدُوْنَنِيْ سے۔ ۷۔ دلیل ہفتم لَيُبَدِّلَنَّهُمْ سے۔ آیت ۵۵ میں رافضی شیعوں کے پانچ قول اور ان کے تردیدی جواب۔ ۱۔ یہ آیت صحابہ ثلاثہ کے لئے نہیں بلکہ عام مطلقاً ہر مومن کے لئے ہے۔ **جواب**: یہ قول غلط ہے کیونکہ مِنْكُمْ فرمایا گیا صحابہ میں سے کچھ مِنْ بعضیۃ نے عمومیۃ ختم کردی۔ ۲۔ لَيَسْتَخْلِفَنَّ سے مراد خلافت حکومت نہیں بلکہ سکونت فِي الْاَرْضِ مراد ہے۔ **جواب**: یہ قول بھی غلط کیونکہ سکونت تو تمام مخلوق کو حاصل لہٰذا وَعَدَ کی بشارت نہ دی جاتی۔ ۳۔ اسْتَخْلَفَ سے اگر خلافت مراد ہوتی تو نبی کریم ﷺ خود ہی خلیفے مقرر فرمادیتے حالانکہ نہ ایسا ہوا نہ ثابت نہ کوئی قائل اور بقول اہلسنت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے بوقت وفات فرمایا تھا کہ میں تم کو اسی طرح چھوڑ رہا ہوں جس طرح رسول اللہ نے تم کو چھوڑا یعنی بغیر خلیفہ ثابت ہوا کہ یہ اسلامی خلافت نہیں۔ **جواب**: اللہ تعالیٰ نے عبارۃً خلیفے مقرر فرمائے اور نبی کریم ﷺ نے صفات خلفاء بیان فرما کر اشارۃً مقرر فرمائے اور انتخاب مسلمانوں پر چھوڑا۔ لہٰذا یہی خلافتیں اسلامی ہیں۔ ۴: یہ آیت صرف مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے لئے ہے اور هُمْ ضمیر جمع تعظیمی ہے جیسے کہ سورۂ مائدہ آیت ۵۵ کا فرمان الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ صرف مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے لئے اترا۔ **جواب**: یہ دونوں باتیں غلط ہیں نہ یہاں هُمْ جمع تعظیم کے لئے ہے نہ الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ کی آیت مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں۔ اس لئے کہ جمع کو تعظیم کہنا مجازاً ہے جو یہاں سیاق و سباق کے خلاف ہے اور يُقِيْمُوْنَ کے بعد يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ

marfat.com

ہے تو یہ آیت ان صحابہ کے لئے ہے جو نماز وزکوٰۃ دونوں کو ادا کرتے رہے مگر مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ساری عمر اس حالت میں رہے کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہی نہ ہوئی خود ایک بار فرمایا اپنے زمانے کے فاسقین لوگوں کے متعلق۔

رَضِینَا قِسْمَةَ الْجَبَّارِ فِینَا   لَنَا عِلْمٌ وَلِلْجُهَّالِ مَالٌ

۵۔ رافضی شیعہ یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ آیت بارہ آئمہ اہل بیت کے لئے ہے نہ کہ تین صحابہ کے لئے۔ **جواب**: یہ بات دو وجہ سے غلط ہے۔ **اولاً**: اس لئے کہ لَیَسْتَخْلِفَنَّ میں حاضرین موجودین صحابہ سے خطاب ہے اور بارہ امام اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ **دوم**: اس لئے کہ وعدۂ تمکین وامن تو صحابہ اربعہ کے زمانوں میں ہی پورا ہو گیا تو اب کونسا وعدہ رہ گیا جس کی وجہ سے یہ آیت بارہ اماموں کی طرف پھیرنے کی ضرورت پڑے ثابت ہوا کہ خلفاءِ اربعہ ہی خلیفۃ اللہ ہیں۔ رافضی غلط خلفاء ثلاثہ کو برا کہہ کر اور خارجی غلط مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کو برا کہہ کر۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

قُلْ کے حکم میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا پہلا قُلْ موکد ہے یہ قُلْ اس کی تاکید۔ ۲۔ اکثر نے فرمایا دونوں علیحدہ حکم پہلا ممانعت کا یہ وجوب کا۔ الرَّسُوْلَ کے الف لام میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ عہد خارجی ہے اور مراد نبی کریم ﷺ ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ جنسی ہے اور مراد ہر نبی رسول۔ تَوَلَّوْا کی بناوٹ میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ دراصل تَتَوَلَّوْا ہے تَفَعُّلٌ سے برائے تخفیف تاء دوم گر گئی۔ ۲۔ بعض نے کہا ماضی مطلق ہے اپنے اصل پر۔ حُمِّلَ وَحُمِّلْتُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں میم کی تشدید سے باب تفعیل کا ماضی مطلق مجہول واحد مذکر و جمع مذکر۔ ۲۔ بعض کی قرأت حُمِلَ وَحُمِلْتُمْ ہے بلا تشدید باب ضرب کا ماضی مطلق مجہول۔ وَعَدَ اللّٰهُ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ صرف صحابہ سے وعدہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مِنْ صرف بعضیہ کا ہے اور خطاب منافقین سے ہے۔ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ جملہ خبریہ جواب وعدہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ جملہ قسمیہ انشائیہ ہے قسم پوشیدہ کا جواب۔ فِی الْاَرْضِ کے علاقائی جغرافیائی رقبے میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا تمام عرب و عجم مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا صرف عرب مراد ہے۔ كَمَا کی تشبیہ میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ تشبیہ عددی نوعی حکمی معنوی ہے یعنی سابقہ انبیاء اربعہ علیہم السلام کی خلافت کے مثل با اختیار زمانی نظامی والی۔ ۲۔ بعض نے فرمایا یہ تشبیہ صرف قومی ہے یعنی قوم بنی اسرائیل کے مشابہ قوم مسلم کی خلافت صرف تصرف زمین نہ کہ سلطنت جیسے غرق فرعون کے بعد مصر و شام کا استعمال بنی اسرائیل کے لئے۔ اسْتَخْلَفَ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت میں ماضی مطلق معروف ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت میں اُسْتُخْلِفَ ہے ماضی مجہول مطلق۔ لَیُبَدِّلَنَّ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت مضارع ہے باب تفعیل سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت باب افعال سے لَیُبْدِلَنَّ ہے۔ لَیُبَدِّلَنَّ کی ترکیب نحوی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ جملہ عطف ہے لَیُمَكِّنَنَّ پر۔ ۲۔ بعض نے کہا عطف ہے لَیَسْتَخْلِفَنَّ پر۔ خوف وامن کی مراد میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا دنیوی ہر قسم کا خوف مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اخروی خوف مراد ہے۔ مِنْ قَبْلِهِمْ کی مراد میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا پہلے چار خلیفۃ اللہ، آدم، نوح، داؤد، سلیمان علیہم السلام مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا آدم،

marfat.com

ہارون، یوشع، داؤد علیہم السلام مراد ہیں۔ یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ کی ترکیب نحوی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ حال ہے پہلے اَلَّذِیۡنَ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا حال ہے لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ کی ھُمۡ ضمیر کا۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ علیحدہ جملہ ہے ثناء مومنین کے لئے۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ علیحدہ جملہ ہے خلیفہ بنانے کی وجہ بتانے کے لئے۔ لَا یُشۡرِکُوۡنَ کی ترکیب میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ جملہ حال ہے یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا حال ہے پہلے اَلَّذِیۡنَ کا۔ ۳۔ بعض نے کہا بدل ہے یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ کا۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ علیحدہ جملہ ہے۔ لَا یُشۡرِکُوۡنَ کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے معنی کیا شرک نہیں کرتے۔ ۲۔ بعض نے کہا عبادت میں دکھلاوا نہیں کرتے۔ ۳۔ بعض نے کہا غیر اللہ سے نہیں ڈرتے۔ ۴۔ بعض نے کہا غیر اللہ سے محبت نہیں کرتے۔ شَیۡئًا کی ترکیب میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ مفعول بہ ہے لَا یُشۡرِکُوۡنَ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مفعول مطلق ہے فعل پوشیدہ کا۔ مَنۡ کے حکم میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ موصولہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ شرطیہ ہے۔ کَفَرَ کے معنی میں دو قول، ۱۔ اکثر نے فرمایا کَفَرَ کا معنی شرک کیا۔ ۲: بعض نے کہا معنی ہے ناشکری کی۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** قرآن مجید نے ہمیں یہ بتایا کہ ہدایت الٰہی موقوف و منحصر ہے اطاعت مصطفائی پر۔ غلامی آقا فرمانبرداری مولیٰ ﷺ کے بغیر طہارت عبادت تلاوت سب بیکار۔ نہ رحمت ملے نہ برکت یہ فائدہ اِنۡ تُطِیۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا۔ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** خلفاء راشدین تمام صحابہ سے افضل ان کی خلافت برحق۔ اگر بقول شیعہ رافضی یہاں تین خلافتیں باطل ہوتیں تو آج سارے سادات ناجائز اولاد ہوتے کیونکہ تمام سادات حسینی کی والدہ شہر بانو ہیں اور وہ ایران کی شہزادی فتح ایران میں قیدی بن کر مال غنیمت میں آئیں۔ یہ فتح ایران خلافت فاروقی میں ہوئی اور فاروق اعظم نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو شہزادی ایران عطا فرمائیں اور وہ سادات کی والدہ بنیں۔ اگر خلافت غلط تو فتح غلط، فتح غلط تو قیدی بنانا، مال غنیمت لینا اور شہر بانو کو تحفۃً امام حسین رضی اللہ عنہ کی ملکیت میں دینا پھر امام کا نکاح کرنا سب غلط اور غلط نکاح کی اولاد بھی غلط۔ شیعہ لوگ ان خلفاء ثلاثہ کی خلافتوں کو باطل کہہ کر اپنا ہی گھر تباہ کرتے ہیں۔ یہ فائدہ وَعَدَ اللّٰهُ (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** خلفاء راشدین صرف چار ہیں امام حسن رضی اللہ عنہ ان میں شامل نہیں یہ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ کی تشبیہ سے حاصل ہوا کیونکہ سابقہ خلافت انبیاء علیہم السلام بھی چار ہی ثابت ہے۔ تفضیلی شیعوں کا امام حسن رضی اللہ عنہ کو خلافت راشدہ میں شامل کرنا غلط ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسئلے مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** خلاصہ ایمانیات دو چیزیں ہیں۔ ۱۔ تمام حرام قول و فعل چھوڑنا۔ ۲۔ تمام لوازمات ادا کرنا یہ مسئلہ اَطِیۡعُوا اللّٰهَ سے مستنبط ہو۔ تقویٰ اطاعت ہیبت خشیت محبت سب کچھ اسی میں ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** شریعت میں بہترین عبادت وعدہ پورا کرنا ہے اور بدترین جرم وعدہ خلافی ہے یہ مسئلہ وَعَدَ اللّٰهُ کے بعد یَعۡبُدُوۡنَنِیۡ (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ جس نے فرمایا کہ اے بندو تم اللہ کے عہد پورے کرو اللہ تعالیٰ تمہارے وعدے

marfat.com

پورے فرمائے گا صحابہ کرام کی یہی عملی زندگی تھی اور یہی مسلمان کی شان ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۱ اور ابوداؤد جلد دوم ص ۲۲۲ اور نووی شرح مسلم جلد دوم ص ۱۱۹ پر فرمان نبوی میں بارہ خلفاء مطلقہ کا ذکر فرمایا گیا ہے اور کتب تواریخ میں ان کے نام حسب ذیل مذکور ہیں۔ ۱۔امام حسن رضی اللہ عنہ۔ ۲۔حضرت ولید بن یزید بن عبدالملک رضی اللہ عنہ۔ ۳۔حضرت عبداللہ بن زبیر حواری رضی اللہ عنہ۔ ۴۔حضرت خالد بن یزید رضی اللہ عنہ۔ ۵۔حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ۔ ۶۔حضرت زید بن حسن بن مولیٰ علی رضی اللہ عنہم۔ ۷۔حضرت محمد بن نفس ذکیہ رضی اللہ عنہ۔ ۸۔حضرت ابراہیم بن عبداللہ محض رضی اللہ عنہ۔ ۹۔ازید بن امام زین العابدین رضی اللہ عنہم۔ ۱۰۔محمد مامون دیباج بن امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ۔ ۱۱۔خلیفہ ہارون رشید۔ ۱۲۔خلیفہ آخر الزمان امام مہدی رضی اللہ عنہ اور خلفاء راشدین کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے۔خلفاء راشدین کی قرآن وحدیث سے تین نشانیاں ثابت ہیں پہلی یہ کہ وہ صرف چار ہوں گے نہ کم نہ زیادہ دوسری نشانی یہ کہ ہر خلافت خلیفہ کی وفات سے ختم ہوگی۔ تیسری یہ کہ خلافت راشدہ کو خود چھوڑنا گناہ ہے۔پہلی دو نشانیاں کَمَا اسْتَخْلَفَ کی تشبیہ اور لَیُمَکِّنَنَّ وَلَیُبَدِّلَنَّ کے وعدۂ الٰہی کا ان خلفاء اربعہ کے زمانوں میں پورا ہونے سے مستنبط ہوئیں۔اور تیسری نشانی ابن ماجہ ص ۱۱ کی حدیث مقدس سے ثابت ہوئی کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا اے عثمان اللہ تم کو ایک قمیص پہنائے گا۔منافقین اس کو اتارنا چاہیں گے لیکن تم اس کو ہرگز نہ اتارنا اگرچہ قتل کر دیئے جاؤ یہ ایسا سخت تاکیدی حکم تھا کہ یہ حکم نبوی تین بار فرمایا گیا۔ثابت ہوا کہ اس کی خلاف ورزی حرام ہے سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اس پر عمل کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔اسی طرح باقی تین خلافتیں بھی وفات سے ختم ہوئیں اور سابقہ انبیاء علیہم السلام کی خلافتیں بھی وفات سے ختم ہوئی تھیں۔لیکن حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے خلافت خود چھوڑی کیونکہ وہ خلافت راشدہ نہ تھی بلکہ مطلقہ تھی۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔**پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ یعنی ان تمام صحابہ کو خلافت دیں گے حالانکہ خلیفہ تو چار ہی ہوئے تو یہ وعدۂ الٰہی کس طرح پورا ہوا۔ **جواب:** جب سب کے انتخاب سے خلیفہ مقرر کیا گیا تو گویا سب کی ہی خلافت قائم ہوگئی مگر ذمہ داریاں تقسیم ہوگئیں کہ کوئی امیر المومنین کوئی گورنر کوئی ناظم کوئی قاضی جج کچھ محافظین کچھ مجاہدین کوئی سپہ سالار۔ان سب کے مجموعے کا نام خلافت فِي الْأَرْضِ ہے لیکن سردار و بادشاہ تو ایک ہی ہو سکتا ہے اس کی ترقی و فتح پوری قوم کی ترقی ہوتی ہے رواجاً بھی کہا جاتا ہے کہ فلاں ملک پر فلاں قوم کی حکومت ہے حالانکہ بادشاہ ایک ہی ہوتا ہے تاریخ میں ہے کہ ہندوستان پر ہزار سال مسلمانوں کی حکومت ہوئی۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ ان خلافتوں میں اللہ تعالیٰ خوف کو امن سے بدل دے گا حالانکہ امن تو صرف اڑھائی زمانوں میں رہا۔زمانہ صدیقی، زمانہ فاروقی اور آدھا زمانہ عثمانی۔باقی زمانے تو خانہ جنگی کے خوف میں ہی گزرے۔اندرونی جنگ کی بے امنی اور سازشوں کی بدامنی تو یہ وعدہ مکمل پورا نہ ہوا۔ **جواب:** یہاں خوف سے مراد خوف کفار ہے اس لئے اَمْنًا سے مراد بھی قتال کفار سے امن ہونا ہے۔ان چار خلافتوں میں کفار کا زور دور دور تک بالکل ٹوٹ گیا تھا بلکہ اس کے بعد گیارہ خلفاء مطلقہ کے زمانوں میں بھی امن

marfat.com

برقرار ہی رہی۔ لہٰذا وعدۂ رب مکمل پورا ہوا۔ رہی خانہ جنگی تو یہ گھریلو بھائیوں کی ذاتی لڑائی کی مثل تھی۔ اندرونی بیرونی کفار کا خطرہ نہ تھا نہ ملک چھننے کا خطرہ نہ خلافت جانے کا اندیشہ نہ قید نہ غنیمت۔ خود امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کئی بار فرمایا کہ میں مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا مخالف نہیں ہوں وہ خلیفہ برحق ہیں میں تو خونِ عثمان رضی اللہ عنہ کے بدلے کا مطالبہ کر رہا ہوں میرا یہ مطالبہ بغاوت خلافت نہیں ہے۔ میں تو ان منافقین کے مخالف ہوں جو قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ ہیں اور بہروپئے بن کر لشکرِ علی میں شامل ہو گئے ہیں۔ یہی مطالبہ جنگ جمل میں حضرت صدیقہ کا تھا۔ ان خانہ جنگیوں میں صرف پریشانی بے اطمینانی کی افراتفری تھی بدامنی نہ تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جنگ کے باوجود دوطرفہ احترام برقرار تھا۔ اسی بناء پر بذات خود نہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باغی تھے نہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ منافق۔ باغی و منافق وہ خارجی رافض تھے جو سازش کر کے دوطرفہ شامل ہو گئے تھے۔ فرمان نبوی نے خارجیوں کو فِئَةٍ باغیہ فرمایا اور شیعہ رافضیوں کو منافقین فرمایا (از ابن ماجہ و مسلم) ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آیت ۵۸ کے بعد ہوگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾

اور اے ایمان والو تم قائم رکھو نماز کو اور ادا کرو زکوٰۃ کو اور اطاعت کرتے رہو رسول اللہ کی تاکہ تم دنیا و آخرت میں رحم کیے جاؤ

اور نماز برپا رکھو اور زکوٰۃ دو اور رسول کی فرمانبرادی کرو اس امید پر کہ تم پر رحم ہو

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ

۔ نہ گمان کرتو ان کے بارے جو کافر ہیں کہ وہ عاجز کر دینے والے ہیں زمین میں ہم کو

ہرگز کافروں کو خیال نہ کرنا کہ وہ کہیں ہمارے قابو سے نکل جائیں زمین میں

وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۵۷﴾ ع یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

اور ان کا ٹھکانہ آخرت میں تو آگ ہی ہے۔ اور البتہ برا ہے وہ اخیر انجام۔ اے ایمان والو

اور ان کا آگ ٹھکانہ ہے۔ اور ضرور کیا ہی برا انجام۔ اے ایمان والو

لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَالَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ

چاہئے کہ اجازت لیا کریں وہ غلام تمہارے ہاتھ جن کے مالک ہو گئے اور تمہارے وہ بچے بھی جو ابھی نہیں پہنچے بلوغت کو

چاہئے کہ تم سے اذن لیں تمہارے ہاتھ کے مال غلام اور وہ جو تم میں ابھی جوانی کو نہ پہنچے

مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَحِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ

تم میں سے تین وقتوں میں۔ فجر کی نماز سے پہلے اور جس وقت اتار کر رکھتے ہو تم اپنے غیر ضروری کپڑے دوپہر کو

marfat.com

تین وقت نمازِ صبح سے پہلے اور جب تم اپنے کپڑے کو اتار رکھتے ہو دوپہر کو
وَمِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ۗ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ
اور عشاء کی نماز کے بعد۔ تینوں شرم کے وقت ہیں تمہارے لئے
اور نمازِ عشاء کے بعد۔ یہ تین وقت تمہاری شرم کے ہیں
لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ
ہاں نہیں ہے تم پر اور نہ ان آنے والوں پر کچھ گناہ کہ بلا اجازت آجایا کریں ان تین وقتوں کے بعد
ان تین کے بعد کچھ گناہ نہیں تم پر نہ ان پر
طَوّٰفُوْنَ عَلَيْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ
جو چکر لگاتے رہتے ہیں تمہارے پاس تمہارے بعض بعض پر
جو آمد و رفت رکھتے ہیں تمہارے یہاں ایک دوسرے کے پاس
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ۝٥٨
اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے قانونی آیتیں اور اللہ تعالیٰ علیم اور حکیم ہے
اللہ یوں ہی بیان کرتا ہے تمہارے لئے آیتیں۔ اور اللہ علم و حکمت والا ہے

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں انسانوں کے دو گروہوں کا ذکر فرمایا گیا۔ ا۔ اہل ایمان۔ ۲۔ کفار اب ان آیات میں دونوں گروہوں کے افراد کو ان کے کردار کے متعلق بتایا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو تم اپنے اچھے اعمال کرتے رہو۔ کفار کے غرور کی پرواہ نہ کرو۔ وہ اپنے برے اور فضول گمان و گھمنڈ سے باز آجائیں اپنے انجام کو پہنچا ئیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمانوں کے دین و قانون کو ممکن آسان اور مضبوط کرنے کا رب تعالیٰ کی طرف سے ایک وعدے کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں مسلمانوں سے اچھے اور معاشرہ اسلامی میں رواداری غیرت ایمانی قائم رکھنے کا ایک وعدہ لیا جا رہا ہے یہ وعدہ بھی اعمال صالحہ کا ایک حصہ ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا ؕ کہ رسول اللہ کی اطاعت ہی ہدایت الٰہیہ کا پالینا ہے۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہر مسلمان کو ہر وقت تاعمر چار چیزوں میں نبی کریم ﷺ کی اطاعت فرض ہے۔ ا۔ قیام نماز میں۔ ۲۔ اداء زکوٰۃ میں۔ ۳۔ مسلمانوں کے گھروں میں پردہ داری میں کہ بالکل نابالغ غلام و خدام اور نابالغ قریب بلوغ لوگ بھی بلا اجازت گھروں میں نہ آجایا کریں۔ ۴۔ اور تم بڑے لوگ بھی باپردہ گھروں میں بلا اجازت نہ گھس جایا کرو۔ اس اجازت لینے کے

marfat.com

لئے تین وقتوں کی پابندی شرط فرمائی گئی۔

شان نزول

صحابہ کرام نے یکے بعد دیگرے آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ سے چار مسئلے پوچھے۔ **پہلا مسئلہ:** یہ کہ اجنبی اور غیر محرم مرد کس عمر میں ہو تو اجازت لے کر گھروں میں جائے۔ **دوسرا مسئلہ:** یہ کہ جب فرضیت حجاب کی آیتیں نازل ہوئیں تب بیوہ بے سہارا بوڑھی عورتوں نے بارگاہِ نبوت میں اپنی مجبوریاں اور ضروریات بتا کر عرض کیا کہ ہم پر بھی پردے کی وہی سختی پابندی اور فرضیت مطلقہ عام ہمہ صورت ہے جو جوان عورتوں پر ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** حضرت عبداللہ بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ طریقہ صحابہ یہ تھا کہ جب جہاد کے لئے نکلتے تو گھر کی چابیاں بڑے بوڑھوں یا کمزوروں، معذوروں یا نابینا دوستوں عزیزوں کو دے جاتے تو ان کے لئے اپنے اپنے گھروں میں کھانے پینے اور ضروریات کی چیزیں رکھ جاتے اور چابیاں دیتے وقت کہہ جاتے کہ گھروں کی دیکھ بھال حفاظت بھی کرو اور یہ اشیاء کھانے پینے کی چیزیں بھی استعمال کرو کھاؤ پیو تا کہ گھروں کی ہمہ وقتی حفاظت بھی رہے اور ان کو اپنی ضروریات کے لئے کہیں جانے کی ضرورت بھی نہ پڑے مگر وہ بوڑھے اور معذورین حفاظت تو خوب کرتے مگر چیزوں کو امانت سمجھ کر استعمال نہ کرتے نہ کچھ کھاتے پیتے۔ جس کی وجہ سے وہ چیزیں بیکار و خراب ہو جاتیں۔ ایک بار مجاہدین صحابہ نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں افسوس کے ساتھ یہ شکایت بیان کی۔

چوتھا مسئلہ: قبیلہ بنی لیث بن عمرو کے لوگ جب سب مسلمان ہو گئے تو انہوں نے یہ طریقہ بنا لیا کہ سنت ابراہیمی کے مطابق بغیر کسی مہمان صحابی کے کھانا نہ کھاتے۔ دیگر صحابہ کبھی تو ان کے کھانے میں شامل ہو جاتے کبھی شرم کرتے مگر وہ لوگ قبیلہ بنی لیث والے بغیر مہمان کھانا نہ کھاتے اور گھنٹوں بھوکے رہتے مہمان کا انتظار کرتے رہتے۔ تب انہوں نے بارگاہِ رسالت ﷺ میں اپنی یہ پریشانی عرض کی۔ ان چار مسئلوں کے حل کے لئے یہ چار آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۵۸ تا آیت ۶۱ جن میں ان سب مسائل کے لئے تا قیامت شرعی قانون بیان فرما دیا گیا۔ ۱۔ کہ گھروں میں نامحرم نوکر چاکر خدام کو اجازت لینی لازم ہے خاص کر تین وقت۔ ۲۔ یہ کہ بوڑھی بیوہ عورتوں پر فرضیت پردہ معاف استحباب پردہ باقی۔ ۳۔ یہ کہ چابی بردار اپاہج بوڑھے محافظین کے لئے وہ اشیاء اور کھانے پینے امانت نہیں بلکہ ان کے لئے ہی رکھ جاتے ہیں لہٰذا ان کے لئے یہ اشیاء اور کھانے کھانا اور استعمال کرنا جائز ہیں امانت نہیں لہٰذا گناہ بھی نہیں۔ ۴۔ یہ کہ میزبان کی خواہش پر دوستوں رشتے داروں کی دعوت قبول کر لینے کا حکم فرمایا گیا کہ اس میں تم پر گناہ نہیں بلکہ ثواب ہے اس سے محبتیں بڑھتی ہیں۔

تفسیر نحوی

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾ واؤ ابتدائیہ۔ اَقِيْمُوا باب افعال تفعل امر حاضر معروف جمع مذکر مخاطب اس کا مصدر ہے اِقَامَةٌ قَوْمٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے کھڑا ہونا اسی سے ہے قیام۔ اِقَامَةٌ اِقْوَامٌ تھا تعلیل سے اِقَامَةٌ ہوا ترجمہ ہے کھڑا کرنا، قائم قیام نماز یہ ہے یعنی مرنے تک تمام حقوق کے ساتھ ادائیگی۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ الصَّلٰوةَ اسم مفرد معرفہ بمعنی نماز

marfat.com

پنجوقتہ مفعول بہ ہے۔ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ واؤ ابتدائی اٰتُوا۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مخاطب اَتْیٌ سے مشتق ہے معنی ہے دینا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ الزَّکٰوۃَ۔ اسم معرفہ حاصل مصدر اس کا معنی ہے سالانہ نصابی صدقہ فرضی واجبی یعنی زکوٰۃ معروفہ۔ یہ مفعول بہ ہے۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا واؤ ابتدائیہ۔ اَطِیْعُوا باب افعال کا فعل امر حاضر معروف جمع مذکر مخاطب اس کا مصدر ہے اِطَاعَۃٌ۔ اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ الرَّسُوْلَ۔ اس کا مفعول بہ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۵۶﴾۔ فعل مضارع احتمالی مثبت مجہول صیغہ جمع مذکر حاضر مخاطب برائے علیت۔ ترجمہ ہے کہ تم رحم کئے جاؤ۔ رَحْمٌ سے مشتق ہے اس کا نائب فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ یہ فعل با نائب فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معلول یا مسبب ہے اَطِیْعُوا کا۔ یہ فعل اپنے فاعل پوشیدہ اور مفعول بہ ومسبب سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ سببیہ ہوگیا۔ لَا تَحْسَبَنَّ۔ بابِ سمع کا فعل نہی بانون تاکید ثقیلہ۔ صیغہ واحد مذکر حاضر حَسْبٌ سے مشتق ہے حِسْبَانٌ بھی اس کا مصدر ہے۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر پوشیدہ۔ الَّذِیْنَ اسم موصول کَفَرُوْا بابِ نَصَر کا ماضی مطلق جمع مذکر غائب یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہے۔ الَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر مفعول بہ اول ہے۔ مُعْجِزِیْنَ۔ باب افعال اسم فاعل جمع مذکر۔ اس کا مصدر ہے اِعْجَازٌ عِجْزٌ سے بنا ہے۔ اس کا فاعل پوشیدہ ضمیر ہے فِی الْاَرْضِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے مُعْجِزِیْنَ کا۔ یہ اسم فاعل اپنے فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مفعول بہ دوم ہے لَا تَحْسَبَنَّ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ۔ مَاوٰی۔ بابِ ضَرَبَ کا اسم ظرف صیغہ واحد مذکر اَوْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے رہائشی ٹھکانہ بنانا، جگہ دینا۔ یہ مضاف ہے ھُمْ ضمیر کا مرجع الَّذِیْنَ کَفَرُوْا ہے یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مبتدا ہے۔ النَّارُ اسم معرفہ بمعنی جہنم نام ہے دوزخ کا یہ خبر ہے۔ مبتدا اور خبر مل کر جملہ اسمیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ لام کی حرف تاکید۔ بِئْسَ فعل ذم یعنی برائی بیان کرنے والا فعل۔ یہ سَمِعَ کے وزن (شکل) پر بَئِسَ تھا۔ عین کلمہ ہمزہ کو تخفیف کے لئے ساکن کیا گیا اور اس کا کسرہ ماقبل کو دیا گیا تاکہ بولنے میں آسانی ہو زبان کو جھٹکا نہ لگے۔ الْمَصِیْرُ۔ صَارَ فعل ناقصہ کا اسم واحد مذکر بابِ ضَرَبَ سے ہے۔ معنی ہیں ہونے پھرنے لوٹنے کی جگہ۔ یہ فاعل ہے بِئْسَ کا۔ اس کا مخصوص بالذم۔ النَّارُ حذف کر دیا گیا کیونکہ قرینہ موجود ہے۔ یہ بِئْسَ اپنے فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہوگیا۔ یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْکُمُ الَّذِیْنَ مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْکُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَکُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّکُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْکُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْکُمْ بَعْضُکُمْ عَلٰی بَعْضٍ ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۵۸﴾۔ یا حرف ندا۔ اَیُّهَا لفظ فاعل اعراب بچانے والا۔ الَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر۔ اٰمَنُوْا۔ باب افعال کا فعل ماضی صیغہ جمع مذکر غائب بافاعل پوشیدہ ضمیر۔ جملہ فعلیہ ہوکر صلہ ہے موصول صلہ مل کر منادیٰ ہے فَ حرف زائدہ بیانیہ لِیَسْتَاْذِنْ باب استفعال کا فعل امر غائب معروف صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِسْتِیْذَان۔ اِذْنٌ سے بنا ہے۔ اِسْتِیْذَان کا ترجمہ ہے اجازت چاہنا، مانگنا۔ کُمْ ضمیر مفعول بہ الَّذِیْنَ موصول مَلَکَتْ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب اَیْمَانُکُمْ مرکب اضافی اس کا فاعل ہے اور مَلَکَتْ کا مفعول بہ محذوف منوی ہے اَلَّذِی کے قرینے اور نشانی کی وجہ سے دراصل عبارت اس طرح

marfat.com

ہے مَلَكَتْهُمْ اَيْمَانُكُمْ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے الَّذِيْنَ کا دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ الَّذِيْنَ اسم موصول۔ لَمْ يَبْلُغُوا۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع نفی جحد بلم بمعنی ماضی مطلق۔ بَلَغَ سے بنا بمعنی پہنچنا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے وَ الَّذِيْنَ۔ اَلْحُلُمُ۔ اسم مفرد حاصل مصدر۔ لغوی ترجمہ ہے برداشت کرنا، نرمی رکھنا۔ اسی مناسبت سے عقل، تدبر، تفکر کو حلیمی کہا جاتا ہے اور عقل کی وجہ سے بلوغت اور بالغ بالغہ ہونے کو حُلُمْ کہا جاتا ہے اور بلوغت کی وجہ سے شیطانی خوابوں کو اَحلام کہا جاتا ہے۔ نرم طبیعت، ٹھنڈے مزاج کو بھی حِلْم کہا جاتا ہے۔ حُلُمْ کی جمع مکسر منصرف اَحْلامٌ ہے۔ یہ مفعول بہ ہے لَمْ يَبْلُغُوا کا۔ یہاں حُلُمْ سے مراد بالغ ہونا اور بلوغت ہے۔ مِنْكُمْ جار مجرور متعلق ہے لَمْ يَبْلُغُوا کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے وَ الَّذِيْنَ کا۔ وہ موصول صلہ مل کر معطوف ہے الَّذِيْنَ مَلَكَتْ کے جملے پر وہ دونوں عطف مل کر فاعل ہے لِيَسْتَاْذِنْ کا۔ ثَلٰثَ۔ اسم عددی بمعنی تین ممیز مضاف ہے۔ مَرّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم ہے مَرَّةٌ کی بمعنی ایک بار۔ مَرّٰتٍ چند بار۔ یہ تمیز مضاف الیہ ہے وہ مرکب اضافی مفعول فیہ ہے۔ مِنْ جارّہ بیانیہ قَبْلِ مضاف صَلٰوةِ الْفَجْرِ مرکب اضافی مضاف الیہ قَبْلِ کا۔ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ حِيْنَ اسم ظرف زمانی مفرد جامد۔ اس کی جمع مکسر ہے اَحْيَانٌ۔ چار معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ ۱۔ کبھی بمعنی ساعت یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ کبھی بمعنی ایک سال۔ ۳۔ کبھی بمعنی ایک موسم۔ ۴۔ کبھی بمعنی مطلق وقت یا زمانہ یا مدت۔ اکثر مضاف ہوتا ہے اور مضاف الیہ اس کے معنی کی تعیین، تخصیص اور وضاحت کرتا ہے۔ یہاں ظرف زمانیہ مقدم ہے تَضَعُوْنَ کا تَضَعُوْنَ۔ بابِ فَتَحَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر وَضَعٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے رکھنا، علیحدہ کرنا، اتارنا، مقرر کرنا، خاص کرنا۔ یہاں بمعنی اتار کر علیحدہ رکھنا ہے۔ ثِيَابَكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ ہے تَضَعُوْنَ کا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ اَنْتُمْ پوشیدہ مِنَ الظَّهِيْرَةِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تَضَعُوْنَ کا۔ وہ فعل فاعل مفعول ظرف مقدم اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے مِنْ قَبْلِ کے مرکب پر یہ دونوں عطف مل کر پھر معطوف علیہ ہے۔ واؤ عاطفہ وَمِنْ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی مجرور ہے مِنْ سے وہ جار مجرور معطوف ہے مِنْ قَبْلِ کے مرکب مجرور پر۔ دونوں عطفی مجرور مل کر متعلق ہے لِيَسْتَاْذِنْ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جواب ندا اول ہوا۔ ثَلٰثُ ممیز مضاف عَوْرٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم ہے عَوْرَتٌ کی بمعنی نگیز یہ عَارٌ سے بنا ہے اسی سے ہے اَعْوَرُ انسان ایک آنکھ کا اندھا یا بھینگا یا کمزور نظر۔ لفظ عورت کے سات معنی۔ ۱۔ شرمگاہ سب سے یعنی نگیز۔ ۲۔ شرمگاہ بعض سے یعنی قابل حجاب چہرہ وغیرہ۔ ۳۔ خلل کی چیز۔ ۴۔ خطرے کا مقام۔ ۵۔ شرم کی بات۔ ۶۔ ناگوار ہونا۔ ۷۔ عورت بمعنی کھلا کشادہ باسہولت چنانچہ سورۃ احزاب آیت ۱۳ میں ہے۔ اِنَّ بُيُوْتَنَا عَوْرَةٌ۔ ترجمہ: بیشک ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں۔ یہ تمیز مضاف الیہ۔ دونوں مل کر مبتدا ہے۔ لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے مَوْجُوْدٌ پوشیدہ اسم مفعول کا وہ جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر جواب ندا دوم۔ لَيْسَ فعل ناقصہ ماضی مطلق واحد مذکر غائب عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ برائے جمع اور لا عاطفہ برائے تاکید تابع عطفی عَلَيْهِمْ یہ جار مجرور معطوف ہے دونوں عطف مجرور مل کر متعلق ہے وَارِدٌ پوشیدہ اسم فاعل کا۔ وہ اسم فاعل اپنے ضمیر صیغہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مقدم ہے لَيْسَ کی۔ جُنَاحٌ اسم مفرد مذکر اسم ہے

marfat.com

لَیۡسَ کا بَعۡدَ مضاف هُنَّ ضمیر جمع مؤنث غائب اس کا مرجع ہے ثَلٰثُ مَرّٰتٍ ۔ مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے لَیۡسَ کا۔ یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ طَوّٰفُوۡنَ باب نَصَرَ سے صیغہ مبالغہ جمع مذکر اس کا واحد ہے طوَّاف۔ طَوۡف سے مشتق ہے ترجمہ ہے بہت چکر لگانے والا، بار بار آنے جانے والا۔ عَلَیۡکُمۡ یہ جار مجرور متعلق اول ہے طَوّٰفُوۡنَ کا۔ بَعۡضُکُمۡ یہ مرکب اضافی فاعل ہے عَلٰی بَعۡضٍ متعلق دوم ہے طَوّٰفُوۡنَ سب سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ کَذٰلِکَ اسم اشارہ۔ یہ چار حرفوں کا مجموعہ ہے۔ ۱۔ کاف تشبیہی۔ ۲۔ ذا۔ اسم اشارہ۔ ۳۔ لام بعید کے لئے۔ ۴۔ کَ ضمیر خطابی۔ یہ ضمیر بدلتی رہتی ہے اس کے اعتبار سے جس کے لئے اشارہ کیا جا رہا ہے چنانچہ واحد مذکر کے لئے۔ کَذٰلِکَ واحد مؤنث کے لئے کَذٰلِکِ۔ جمع مذکر کے لئے کَذٰلِکُمۡ۔ جمع مؤنث کے لئے کَذٰلِکُنَّ۔ اب یہ مجموعہ اسم اشارہ بعیدی یہاں مبتدا ہے۔ یُبَیِّنُ باب تفعیل کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے تَبۡیِیۡنٌ اللّٰهُ اس کا فاعل ہے۔ لَکُمُ جار مجرور متعلق ہے۔ الۡاٰیٰتِ ۔ یہ جمع مؤنث سالم مفعول بہ ہے۔ یُبَیِّنُ سب سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اَللّٰهُ مبتدا عَلِیۡمٌ اسم صفت مشبہ مبالغہ خبر اول۔ حَکِیۡمٌ صفت مشبہ برائے مبالغہ خبر دوم۔ اللّٰهُ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ یہاں تک کی عبارت یا ندائیہ کا جواب ندا ہے۔ ۱۔ پہلا جواب ندا لِیَسۡتَاۡذِنۡ کا جملہ۔ ۲۔ ثَلٰثُ عَوۡرٰتٍ کا جملہ۔ ۳۔ لَیۡسَ کا جملہ۔ ۴۔ طَوّٰفُوۡنَ کا جملہ۔ ۵۔ کَذٰلِکَ اور وَاللّٰهُ کا جملہ۔

تفسیر عالمانہ

وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ لَعَلَّکُمۡ تُرۡحَمُوۡنَ ﴿۵۶﴾۔ اور اے مسلمانو صرف مصلین نماز نہ بنو بلکہ مُقِیۡمِیۡنَ نماز بنو۔ اِقامۃ نماز تا عمر تیرہ (۱۳) پابندیوں کا نام ہے۔ ۱۔ تعدیل۔ ۲۔ ترتیل۔ ۳۔ ترتیب۔ ۴۔ ترکیب۔ ۵۔ طریقہ۔ ۶۔ تعدادِ نماز۔ ۷۔ اعدادِ رکعات۔ ۸۔ حساب لوازمات۔ ۹۔ آداب۔ ۱۰۔ اوقات۔ ۱۱۔ نیت کبریائی۔ ۱۲۔ تصور اتباع مصطفائی۔ ۱۳۔ نمازوں کا اہتمام۔ محبت کی نماز ہی وصل الٰہی کا مقام معراج ہے اس لئے تقریباً چھیالیس (۴۶) آیتوں میں نماز کا حکم فرمایا گیا۔ سلطنت اسلامی کا نشان اول ہے۔ چنانچہ سورۃ حج آیت ۴۱ میں ارشاد ہے: اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَ اَمَرُوۡا بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَ نَهَوۡا عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَ لِلّٰهِ عَاقِبَۃُ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: ایسے بندے بھی ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں حکومت دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کروائیں اور اچھائیوں کا حکم دیں اور پورے علاقہ سلطنت سے برائیوں کو روکا کریں۔ اور سب کے سب اعمال کا انجام اللہ تعالیٰ کے قبضے میں ہے۔ نماز ہر نمازی کو تقریباً اکیس (۲۱) چیزیں سکھاتی ہے۔ ۱۔ دنیا سے بے رغبتی و محبت آخرت۔ ۲۔ لالچ و بخل سے نفرت۔ ۳۔ نیکی بلندی۔ ۴۔ حسد و رشک دنیا کو گناہ جاننا۔ ۵۔ شیطن کو دشمن عظیم سمجھنا۔ ۶۔ پروردگار کائنات صرف اللہ تعالیٰ کو ماننا۔ ۷۔ خوف الٰہی۔ ۸۔ صرف اللہ تعالیٰ کو حفیظ و خبیر و ناصر سمجھنا۔ ۹۔ جماعت نماز نظم و ضبط و نسق سکھاتی ہے۔ ۱۰۔ نماز دلیری سکھاتی ہے۔ ۱۱۔ وقت کی قدر و پابندی سکھاتی ہے۔ ۱۲۔ توجہ الی اللہ سکھاتی ہے نماز ہی بتاتی ہے کہ سب قوتوں کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ ۱۳۔ امیر غریب کا فرق مٹا کر اتحاد وصف بندی کی مساوات سکھاتی ہے۔ ۱۴۔ تعلیم نماز پانچ اخلاقی نعمتیں دیتی ہے۔

marfat.com

معرفت الٰہی، عشق الٰہی، پہچان امر و نہی محبت دین، احترام بزرگان۔ ۱۵۔ تربیت نماز سے اتباع سنت کا ذوق پیدا ہوتا ہے اور اتباع سنت سے اخلاق کردار طہارت نفاست میں نکھار و سنوار حاصل ہوتا ہے۔ ۱۶۔ درست نماز سے چار حقوق حاصل ہوتے ہیں۔ حقوق اللہ، حقوق العباد، حقوق نفس، حقوق عبادت۔ ۱۷۔ نماز حرام و پلید سے بچاتی ہے حلال و پاکیزہ بناتی ہے۔ ۱۸۔ ہر ظلم سے بچاتی ہے اور روکتی ہے۔ ۱۹۔ سادگی سکھاتی ہے نمودگی سے ہٹاتی ہے۔ ۲۰۔ نماز حاکم و محکوم کی دوریاں مٹاتی ہے، محبتیں بڑھاتی ہے، انصاف دلاتی ہے۔ ۲۱۔ نماز سے نظام روحانی درست ہوتا ہے۔ ایسا ہی بندہ امام قوم حکیم الامت میر کارواں بننے کا مستحق ہوتا ہے نہ کہ فاسق فاجر داڑھی منڈا مجوسی شکل یہودی عقل ہندو فکر عیسائی لباس والا۔ مسلمان کی زندگی آٹھ نظاموں سے جڑی ہوئی ہے۔ ۱۔ نظام تعلیم۔ ۲۔ نظام روحانی۔ ۳۔ نظام جسمانی۔ ۴۔ نظام معیشت۔ ۵۔ نظام حکومت۔ ۶۔ نظام عدالت۔ ۷۔ نظام تجارت۔ ۸۔ نظام تربیت۔ اگر یہ سب نظام اسلامی ہیں تو زندگی کو ابدی بقا ہے اگر یہ صحیح اسلامی نہیں تو زندگی کو بربادی خرابی ہے۔ لہٰذا اے مسلمانو نظام روحانی کی درستگی کے لئے نماز قائم رکھو اور نظام جسمانی کی درستگی کے لئے زکوٰتیں ادا کرتے رہو۔ یہ روحانی جسمانی صحت ہر مسلمان کے لئے ایسے ہی ضروری ہے جیسے ایک جسم کے لئے جان، دل، دماغ، عقل، خون جیسے ان پانچ کے درست رہنے سے ہوش و خرد میں بہار ہے۔ اسی طرح ان سب نظاموں کے درست ہونے سے ملک و ملت قوم و سلطنت کی درستگی ہے۔ نظام روحانی کی ذمہ داری اپنے آپ پر ہے نظام تربیت کی ذمہ داری والدین پر ہے۔ باقی چھ نظاموں کی درستگی حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے۔ سب ذمے داریوں کو سچے طریقے سے نبھانے کے لئے اپنے آقا ﷺ کے اسوۂ حسنہ طریقہ اکملہ نقشہ اجملہ پر خوشدلی سے اطاعت کاملہ کرو قول کی بھی عمل کی بھی۔ اگر سب مسلمان اپنی ذمہ داریاں صحیح پوری کریں تو تم کو عزت قوت اطمینان، سکونت اور کرم رحم کی دولتیں ملیں گی اور تم کو بغاوت، شرارت، عداوت، منافقت، منافرت، ضلالت کے نقصان دہ منصوبوں سے بچالیا جائے گا۔ اے مسلمانو! اطاعت و اتباع میں ہمت مرداں پیدا کرو تاکہ مدد الٰہی ملے۔ مجوس، یہود و ہنود و نصاریٰ کی پیروی نہ کرو ورنہ آزادی غلامیت میں اور عزت خاک میں مل جائے گی۔ نظام زکوٰۃ سے ثابت ہوا کہ ٹیکس بچت پر لگتا ہے نہ کہ آمدنی پر۔ اسلامی ٹیکس و زکوٰۃ، عشر، خراج کے چھ مصرف ہیں: ۱۔ معذور کی پرورش۔ ۲۔ بیروزگار کی پرورش و تعاون۔ ۳۔ غریب یتیم پروری۔ ۴۔ ان کے علاج معالجے۔ ۵۔ ان کی تعلیم و تربیت۔ ۶۔ جنگی ہنگامی فنڈ۔ ان کے لئے بیت المال کا قیام۔ خلفاء راشدین پھر خلفاء مطلقہ پھر بعض مغلیہ زمانوں میں اطاعت نبوی کا یہی مظاہرہ تھا اس لئے ان پر تُرْحَمُوْنَ کے وعدے پورے ہوتے رہے۔ ملک پاکستان کا انعام الٰہی بھی قائداعظم کے اس وعدے کی وجہ ملا مگر جب بعد کے غداران قوم و حکمرانوں نے عہد اطاعت و اقامت پورا نہ کیا تو بڑی ذلتیں ہی ملیں۔ آج دنیا میں ہر طرف کفر دندناتا پھر رہا ہے لیکن لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مُعْجِزِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۖ وَلَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۵۷﴾۔ اے مسلمان تو کبھی کسی حال کسی چال میں یہ گمان بھی نہ کرنا کہ کفار زمانہ اپنی حکومت کی قوت، ہتھیاروں کی طاقت، دولت کی شوکت، لشکر کی رونق سے اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکنے والے ہو سکیں۔ کبریائی لائحات، الٰہی ارادات، تخلیق کائنات، منصوبات ربوبیات میں ذرہ بھر رکاوٹ ڈال کر یا سچے مسلمانوں پر کبھی کسی زمین میں غلبہ پا کر یہ ظاہری دولت شوکت،

marfat.com

رونق تو ان کو ڈھیل ہے۔ اصل ٹھکانہ تو جہنم کی ابدی آگ ہے جو یقیناً بہت بری لوٹنے رہنے کی جگہ ہے۔ لیکن یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ۔ اے وہ لوگو جو صدق و اقرار عمل و اظہار شرعی سے اسلام قرآن پر ایمان لائے ہو۔ تہذیب و اخلاق کے اس حکم پر بھی عمل کرتے رہو کہ آئندہ ہمیشہ تمہارے لونڈی غلام اور نابالغ اولاد روزانہ جب بھی گھروں میں تمہارے پاس خلوت خانوں میں آنے لگیں تو چاہئے کہ اجازت لے کر اندر آئیں مذکر بچے بھی یا مؤنث بڑے مردوں سے بھی عورتوں سے بھی۔ علماء فرماتے ہیں کہ جب بچہ سات سال کا ہو جائے تو دینی تعلیم کے لئے دنیوی آداب بھی سکھائے جائیں انہیں آداب حیات میں سے اٹھنے بیٹھنے چلنے پھرنے آنے جانے کے اخلاق اور اجازت لینے کے طریقے، کھانے پینے کے اسلامی انداز سکھانا ہیں۔ یہ آداب والد، والدہ، مخدوم، مخدومہ، مالک، مالکہ سب پر عمل بھی واجب تعلیم بھی تربیت بھی۔ اجازت لینا تین وقتوں میں واجب ہے۔ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ؕ۫ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْ ؕ۔ یہ تین مرتبہ کے تین وقت ہیں۔ پہلا وقت نماز فجر سے پہلے جو مسلمانوں کے جاگنے کا وقت ہے کسی نے سونے کا لباس اتارنا ہے جاگنے کا پہننا ہے۔ نماز کے کپڑے اوڑھنا ہوتے ہیں کسی نے نہانا ہوتا ہے۔ ہوسکتا ہے اس وقت کوئی بستر میں ہو یا برہنہ ہو۔ لہٰذا بلا اجازت آنے میں نفرت کراہت بے شرمی بدتہذیبی ہے۔ دوسرا وقت بھی قیلولے کا ہے دوپہر میں بھی لوگ کپڑے اتارتے ہیں، سوتے آرام کرتے ہیں۔ تیسرا وقت بعد نماز عشاء جب لوگ مستقل سونے لگتے ہیں۔ یہ تینوں وقت بلا اجازت آنے کی ناپسندیدگی کے ہیں۔ ہاں البتہ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ ؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ۔ ان تین وقتوں کے بعد بلا اجازت آنے میں نہ تم پر کوئی شرعی ممانعت یا نقصان ہے نہ چھوٹے بچوں غلاموں پر نہ اولاد نابالغہ پر اگر ان تین وقتوں کے علاوہ کوئی بچہ تمہاری خلوت میں بلا اجازت آیا تو کوئی حرج نہیں اور تم گنہگار ہو گے کہ تم بے وقت کیوں خلوت میں گئے دین اسلام دینی دنیوی دونوں نظم و نسق سکھاتا ہے۔ ان تین وقتوں کے علاوہ اوقات آنے جانے، ملنے ملانے، لین دین کے لئے ہیں لہٰذا بار بار اجازت مانگنے میں تم پر بھی ان پر بھی دشواری ہے بلکہ تم بڑے بھی طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ۔ ایک دوسرے سے بہت ضرورتاً ملتے ملاتے ہو۔ اس لئے باقی اوقات کو کھلے عام ملنے کے لئے رکھو۔ اجازت لینے کی پابندی مت لگاؤ۔ فرمان حدیث میں تین مرفوع القلم ہیں یعنی ان پر شرعی احکام لازم واجب نہیں بچہ بلوغت تک، پاگل درست ہونے تک، سونے والا بیدار ہونے تک، بلوغت کی ابتدا لڑکے کو احتلام ہونا اور لڑکی کو حیض آنا یا حمل ٹھہرنا ہے یہ قاعدہ کلیہ ہے۔ عمر کا کوئی یقینی تعین نہیں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے امام اعظم کے نزدیک لڑکا بارہ سے پندرہ سال کی عمر تک اور لڑکی کی عمر بلوغت نو سے سترہ سال تک یہ صحت و خوراک پر منحصر ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اور صاحبین رحمۃ اللہ علیہما لڑکے کی بلوغت کے لئے پندرہ سال معین فرماتے ہیں اور دلیل میں حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واقعہ پیش کرتے ہیں کہ جنگ احد میں آپ کو مجاہدین کے ساتھ شامل نہ کیا گیا کیونکہ اس وقت آپ کی عمر چودہ سال تھی ابھی آپ نابالغ تھے۔ لیکن غزوۂ خندق کے مجاہدین میں شامل فرما لیا گیا کیونکہ آپ پندرہ سال کے تھے اور آپ کو بالغ مانا گیا۔ علماء احناف جواباً فرماتے ہیں کہ یہ تعین بھی غلط قول بھی غلط دلیل بھی کمزور۔ اس لئے

marfat.com

کہ مشاہدہ ہے بہت سے لڑکے بارہ سال کے بالغ ہو جاتے ہیں لہٰذا یہ تعین مشاہدے کے خلاف قول اس لئے غلط کہ غزوہ احد ۳ھ میں اور غزوۂ خندق ۵ھ میں ہوا تو چودہ سال عمر۔ دو سال کے بعد پندرہ سال کیسے بنی ایک سال ۴ھ کدھر گیا۔ دلیل کی کمزوری یہ ہے کہ یہ روایت مضطرب ہے درایت کے خلاف ہے نیز جنگ میں قوت دیکھی جاتی ہے نہ کہ عمر۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نے پہلے غزوۂ احد میں دیکھتے ہی خارج کر دیا پھر دیکھتے ہی شامل فرمالیا کسی مرتبہ بھی نہ عمر پوچھی نہ نشانی بلوغت پوچھی صرف صحت وقد دیکھا۔ صحت قوت قد دیکھا جاتا ہے اور عمر و بلوغت پوچھی جاتی ہے۔ نیز قد کاٹھ، داڑھی مونچھ، زیر ناف بال بھی بلوغت کی یقینی نشانی نہیں بعض لوگوں کے بڑھاپے تک بال نہیں اگتے۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک پانچ فٹ قد ہو جانا بلوغت کی نشانی ہے۔ چنانچہ زمانہ صدیقی میں ایک نوعمر چور پکڑا گیا چوری ثابت ہوگئی جب سزا سنائی گئی تو مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے اس کا قد ناپا تو ایک انچ کم نکلا پانچ فٹ سے اس لئے نابالغ قرار دے کر چھوڑ دیا گیا مگر یہ بھی یقینی نہیں ہر ایک کے لئے نشان بلوغت نہیں ہوسکتی۔ کئی شخص چھوٹے قد کے ہوتے ہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ تین آیتوں پر لوگوں نے عمل کرنا چھوڑ دیا۔ ایک یہی سورۃ نور کی آیت ۵۸۔ اس ترک عمل کو دلیل بناتے ہوئے ان بزرگوں نے فرمایا یہ آیت منسوخ ہے نور کی آیت ۲۷ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتًا (الخ) سے مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ ناسخ آیت پہلے نہیں ہوسکتی۔ اور یہ اجازت لینے اور لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌ کا حکم تا قیامت ہے۔ دوسری آیت سورۃ نساء آیت ۸۔ اِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ (الخ) یعنی تقسیم میراث کے وقت موجود محروم قرابت داروں کو بھی کچھ دے دیا کرو۔ تیسری آیت سورۃ حجرات کی نمبر ۱۳ اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ۔ کیونکہ اب لوگوں نے نام ونسب ذات پات کو ہی سب سے بڑا سمجھ لیا تقویٰ ایمان کی کوئی قدر نہیں خاص کر فاسق و بدعقیدہ سادات جن کو جاہل خطیبوں نے مزید نڈر بنا دیا۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝۵۸۔ اللہ تعالیٰ اسی طرح بیان فرماتا ہے شریعت کے اعلیٰ عمدہ مہذب مؤدب احکام کی آیتیں۔ کلام قرآن و نبی کی زبان سے اور اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے اپنی مراد کو حکمت والا ہے اپنے احکام میں۔ علیم ہے بیان کا حکیم ہے تدبیر کا۔ علیم ہے مصلحت کا حکیم ہے حکمت کا۔ علیم ہے سب کی صلاحیت قابلیت کا حکیم ہے فلاحت دینے کا۔ علیم معلومات کا حکیم مقصودات کا۔

ان آیات میں مختلف اقوال

وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ کی ترکیب میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اطاعت رسول، عقائد و اعمال کی تکمیل اور دنیا آخرت انعام تُرْحَمُوْنَ کا باعث ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عطف ہے اَطِیْعُوا اللّٰهَ پر۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ عطف ہے یَعْبُدُوْنَنِیْ پر۔ ۴۔ بعض نے کہا یہ تفصیل ہے اَطِیْعُوا اللّٰهَ کی۔ لَعَلَّكُمْ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ تعلیلیہ ہے بمعنی تاکہ۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ امید کے لئے ہے بمعنی شاید مگر یہ قول غلط ہے کیونکہ ترجی میں شک ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ شک سے پاک ہے امید و ترجی بے خبر کو ہوتی ہے۔ لَا تَحْسَبَنَّ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت لَا تَحْسَبَنَّ ہے واحد مذکر حاضر۔ ۲۔ بعض کی قرأت لَا یَحْسَبَنَّ ہے واحد مذکر غائب مُعْجِزِیْنَ کی نسبت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ۲۔ بعض نے کہا رسول اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔ ۳۔ بعض نے کہا اہل ایمان کو عاجز نہیں کر سکتے۔ تینوں قول درست

marfat.com

ہیں۔ آیت ۵۸ کے شان نزول میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ آیت ۵۸ تا ۶۱ بہت صحابہ وصحابیات کی عرض مسائل پر اتریں۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ فاروق اعظم کی عرض پر جبکہ ان کا ایک نوعمر غلام مدلج بن عمرو بلا اذن دوپہر میں آ گیا تھا۔ ۳۔ بعض نے کہا اسماء بنت ابی مرشد کی عرض پر اتریں۔ آیت ۵۸ کے حکم میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ محکم ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ منسوخ ہے آیت ۷ ۳ سے مگر یہ قول غلط ہے۔ لِيَسْتَاْذِنْكُمُ کے حکم میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ حکم وجوبی ہے سب کے لئے۔ ۲۔ بعض نے کہا صرف مردوں کے لئے۔ ۳۔ بعض نے کہا صرف عورتوں کے لئے۔ ۴۔ بعض نے حکم استحبابی ہے سب کے لئے۔ لَمْ يَبْلُغُوا کے حکم میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا ہر بچہ مراہق یعنی قریب بلوغت مراد ہے مذکر ہو یا مونث آزاد ہو یا غلام۔ ۲۔ بعض نے کہا صرف مراہق لڑکے مراد ہیں۔ الْحُلُمَ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے کہا یہ احتلام سے مشتق معنی ہے احتلام ہونا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ حِلْمٌ سے مشتق ہے معنی ہے عقل وحلیمی آنا مِنْكُمْ کی نسبت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا مراد ہے اپنائیت نسلیت سے ہو یا ملکیت سے۔ ۲۔ بعض نے کہا نسلی اولاد مراد ہے الْحُلُمَ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت الْحُلُمَ ہے حَ اور لام پر ضمہ۔ ۲۔ بعض کی قرأت الْحُلْمَ لام پر جزم۔ ۳۔ بعض کی قرأت الْحُلَمَ سے لام پر زبر۔ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا تین وقت مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا تین بار اجازت لینا مراد ہے ثَلٰثَ مَرّٰتٍ کی ترکیب نحوی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ مفعول فیہ ہے لِيَسْتَاْذِنْ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ تمیز ہے پوشیدہ ممیز اذنا کا۔ مِنْ قَبْلِ کی ترکیب میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ بدل ہے ثَلٰثُ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ بدل ہے مَرّٰتٍ کا۔ ۳۔ بعض نے کہا خبر ہے مبتدا محذوف کی اور محلا مرفوع ہے۔ مِّنَ الظَّهِيْرَةِ کے مِنْ میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا مِنْ بیانیہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا بمعنی فِی ہے یعنی دوپہر میں۔ ۳۔ بعض نے کہا بمعنی لام سببیہ ہے یعنی دوپہر کی وجہ سے۔ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ ثَلٰثُ ہے ثاء دوم مرفوع۔ ۲۔ بعض کی قرأت ثَلٰثَ عَوَرٰتٍ ہے دونوں ث زبر والے طَوّٰفُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت طَوّٰفُوْنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت طَوَّافِيْنَ ہے۔ بَعْضُكُمْ کی ترکیب میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ فاعل ہے پوشیدہ فعل يَطُوْفُوْنَ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عبارت بدل الکل ہے طَوّٰفُوْنَ کا۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ مبتدا ہے طَائِفٌ پوشیدہ خبر کی۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوئے۔ **پہلا فائدہ:** اسلام ہی فطری دین ہے کیونکہ اس کے بیان کردہ اخلاقی ضابطے میں فطرت انسانی کے مطابق ہی ایسے ضابطے واخلاقیات مہذب کسی دین نے پیش نہ کئے اسلامی اخلاقیات کے فوائد اتنے عام فہم ہیں کہ غیر مسلم بھی اپنانے عمل کرنے پر مجبور ہیں۔ اسلام سے پہلے یہ اخلاقیات کسی کو بھی معلوم نہ تھے حالانکہ اہل عرب کثیر علاقوں کی سفر وسیاحت سے عرب وعجم کے رواجوں کو جانتے تھے مگر جو اخلاقیات اسلام نے سکھائے ان سے ناواقف تھے انہی مہذب اخلاقیات میں سے ایک یہ اذن لینے کا حکم اسلامی ہے یہ فائدہ لِيَسْتَاْذِنْ (الخ) سے حاصل ہوا۔ غیر مسلموں نے بیل کرنے دروازہ کھٹکھٹانے کا رواجی طریقہ تعلیم قرآن سے ہی سیکھا ورنہ پہلے نہ کسی کی مذہبی کتب سے یہ حکم ملتا ہے نہ کوئی جانتا

marfat.com

تھا۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام حلال حرام جائز ناجائز کے احکام بھی بیان فرماتا ہے اور نظم وضبط پابندی اوقات، مہذب اخلاقیات واحتیاط کار اور دین کے ساتھ دنیا سازی کے طریقے بھی سکھاتا ہے یہ فائدہ لِيَسْتَاْذِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ اور لَيْسَ عَلَيْكُمْ وَلَا عَلَيْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّ کے قانون سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** شریعت کا کوئی بھی حکم بے مقصد وبے فائدہ نہیں وجوبی ہو یا استحبابی، دینی ہو یا دنیوی یا اخروی۔ ہر حکم میں حکمت بھی ہے مصلحت بھی سببیت بھی کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے اور اللہ تعالیٰ ظاہر فرمائے یا نہ فرمائے۔ یہ فائدہ لَيْسَ عَلَيْكُمْ کے بعد طَوّٰفُوْنَ کی سببیۃ بیان فرمانے سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ خود بھی دینی تعلیم حاصل کرے اور اپنی نابالغ وبالغ اولاد کو بھی دینی تعلیم وتربیت دے۔ حدیث پاک میں اولاد کی تربیت کے لئے عمر کا ساتواں سال مقرر فرمایا گیا ہے یعنی سات سال کی عمر میں پیار سے اور دس سال کی عمر میں مار سے دینی تربیت دے نماز اخلاقیات وتلاوت کے صحیح تلفظ وادائیگی کی تعلیم وتربیت۔ تعلیم کا معنی ہے لکھانا پڑھانا اور تربیت کا معنی ہے سکھانا وعمل کرانا۔ یہ مسئلہ لِيَسْتَاْذِنْكُمْ (الخ) کے تربیتی حکم سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** قانون شریعت کے مطابق اسلامی چیزوں کا وہی نام لینا چاہئے جو اللہ رسول نے مقرر فرمائے۔ اہل عرب نے نماز عشاء کو صلوٰۃ عتمہ کہنا شروع کر دیا تھا کیونکہ اس وقت اہل عرب اونٹنیوں کا دودھ نکالتے اور دوہتے تھے اس کو عربی میں عتمہ کہتے۔ اس مناسبت سے رات کی نماز کا نام بھی نماز عتمہ پڑ گیا تو نبی کریم ﷺ نے سختی سے منع فرمایا۔ پنجاب میں جہلاء لوگ نمازوں کو پیشی، دیگر، شام، خفتاں، سویر کہتے ہیں یہ سخت گناہ ہے نماز ظہر، عصر، مغرب، عشاء، فجر کہنا چاہئے بعض جاہل شاعر مدینہ منورہ کو یثرب کہہ دیتے ہیں حالانکہ یہ جہالت سے کہنا گناہ ہے اور ضد سے کہنا منافقت کا کفر ہے یہ مسئلہ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ فرمانے سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ ابھی آیت ۵۴ میں فرمایا گیا کہ اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی بھی۔ مگر یہاں صرف اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ فرمایا گیا۔ اَطِيْعُوا اللّٰهَ نہ فرمایا گیا۔ **جواب:** اس کی تین وجہ ہوسکتی ہیں: اولاً یہ کہ اس اَطِيْعُوا کا تعلق اِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا سے ہے۔ دوم یہ کہ یہاں اَقِيْمُوا میں اطاعت الٰہی کی عملی وضاحت کا ذکر ہوگیا۔ سوم یہ کہ مغرور انسان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت ناگوار اور شاق نہیں ہوتی جتنی کہ کسی انسان کی اطاعت کرنا بوجہ مغروریت اور نفرت رعونت ناگوار ناپسندیدہ ہوتی ہے اسی مغروریت کی وجہ سے گمراہ لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کو اپنے جیسا بشر کہتے ہیں۔ خاص کر جبکہ وہ دُرِّیتیم ظاہری غریب اور غریبوں کے ساتھ رہنے والا عمر میں کم بھی ہو۔ اہل عرب ودیگر گمراہوں کی اسی مغروریت کو توڑنے کے لئے بار بار اطاعت رسول اللہ کا حکم فرمایا گیا۔ یہی مغروریت ابلیس کو ہوئی تھی اور یہی مغروریت آج گمراہ فرقے میں ہے مگر رب تعالیٰ نے ان سب مغروروں حاسدوں کا منہ کچل کر رکھ دیا کہ اپنی اطاعت اپنی ہدایت اپنی رحمت ورحیمی کریمی کو اطاعت نبی سے معلق فرما دیا کہ اطاعت نبی کرو گے تو یہ نعمتیں ملیں گی ورنہ بھٹکتے رہو۔ **دوسرا**

marfat.com

اعتراض: یہاں فرمایا گیا کہ نابالغ بچے اجازت لے کر اندر جائیں یہ حکم واجب ہے کیونکہ امر اصلاً وجوب کے لئے ہوتا ہے حالانکہ بچوں پر تو کچھ واجب نہیں ہوا کرتا۔ **جواب:** یہاں کُمْ ضمیر سے خطاب بڑوں کو ہے اور حکم ہے بچوں کو تربیت دینے کا یعنی اے بڑو! تم پر واجب ہے کہ بچوں کو ایسی شاندار تربیت دو کہ وہ سمجھدار ہو کر بھی اور بالغ ہو کر آتے جاتے اجازت لیا کریں۔ بعض نے جواب دیا کہ ہر امر وجوب کے لئے نہیں ہوتا یہ امر بھی استحبابی ہے ان بڑوں پر تربیت دینا بچوں پر عمل کرنا مستحب ہے نہ کہ واجب نابالغوں کو تربیت کا یہ فائدہ کہ بلوغت سے پہلے ہی ان اخلاقیات کی عادت ہونا ضروری تاکہ بالغ ہوتے ہی کوئی وجوب ضائع کرنے کا گناہ نہ ہو۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں فرمایا: لَیۡسَ عَلَیۡکُمۡ وَلَا عَلَیۡہِمۡ جُنَاحٌۢ۔ یعنی تین وقتوں کے بعد نہ تم بڑوں پر گناہ نہ ان بچوں پر گناہ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ تین وقتوں میں بلا اذن جانا بڑوں پر بھی گناہ بچوں پر بھی۔ بڑوں کا ذکر تو ٹھیک ہے کیونکہ وہ مکلف ہیں مگر چھوٹے تو مکلف نہیں ان پر گناہ کیوں۔ **جواب:** یہاں جُناح کا معنی گناہ نہیں بلکہ حرج و نقصان مراد ہے یعنی بے پردگی کا نقصان۔

تفسیر صوفیانہ

آیت ۵۴ اور ۵۵ میں صوفیاء کے اقوال۔ قُلۡ اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاِنَّمَا عَلَیۡہِ مَا حُمِّلَ وَ عَلَیۡکُمۡ مَّا حُمِّلۡتُمۡ ؕ وَ اِنۡ تُطِیۡعُوۡہُ تَہۡتَدُوۡا ؕ وَ مَا عَلَی الرَّسُوۡلِ اِلَّا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۵۴﴾۔ فرمادے اے حبیب عرشی محبوب فرشی رسول کائنات جسم انسانی کے نفس امارہ و عقل عیارہ کو کہ اطاعت کرو مولیٰ تعالیٰ کی کلیات امر میں اور اطاعت کرو نبی مختار کی کلیات عمل میں پھر اگر تم نے کلی جزئی فرمانبرداری سے منہ پھیرا تو جان رکھو کہ مرشد ازلی ہادی ابدی کی ذمہ داری صرف راستہ بتانا ہے اور منزل قرب و وصل تک پہنچانا ہے اور تم پر تمہاری ذمہ داری ہے کہ مطیع متبع بنو۔ نبی عالمین کی بھی چار ذمہ داریاں اور امت تا قیامت کی بھی چار ذمہ داریاں۔ ہادی عالمین ﷺ کی ذمہ داریاں۔ ۱۔ عطاء قرآنی۔ ۲۔ تقسیم ایمانی۔ ۳۔ وصل رحمانی۔ ۴۔ قرب ربانی۔ امت دعوت کی ذمہ داریاں۔ ۱۔ اجابت مومنانہ۔ ۲۔ اطاعت بندگانہ۔ ۳۔ اتباع مخلصانہ۔ ۴۔ طہارت جسمانی و تزکیہ روحانی۔ اگر تمہاری اطاعت پوری ہوئی تو تم کو ہدایت معرفت نصیب ہوگی کیونکہ اطاعت نبوت ہی مکاشفات کا سبب وصول اور مشاہدات کی وجہ حصول ہے۔ آستانہ نبوی سے پائی ہوئی ہدایت میں معارف و قبولیت کے عجائبات ہیں۔ اطاعت و ہدایت کی چار قسمیں **پہلی** اطاعت عبودیت سے اس کی ہدایت انوار ربوبیت کا ملنا۔ **دوم** اطاعت محبت۔ اس کی ہدایت مشاہدات ہونا۔ **سوم** اطاعت معرفت اس کی ہدایت قربت وصلی **چہارم** اطاعت احترام اس سے ہدایت سنن درجات و معانی کرامات ملتی ہے۔ سیرت نبوی کو باطن پر اور صورت نبوی کو ظاہر پر لگانے سجانے والے کی ہر بات حکمت والی ہوتی ہے لیکن خواہشات نفس والے کی ہر بات بدعت و جہالت والی ہوتی ہے اور یہ جہالت ہی راہ معرفت کی ضلالت ہے۔ اگر ہدایت چاہتے ہو تو سنت نبوی کو اپنا امیر بنالو تاکہ تم کو حقائق قیام و آداب فرائض کی ہدایت و برکت ملے اور تم رونق الفت والوں میں سے ہو جاؤ۔ رسول ملکوت کی ذمہ داری تبلیغ معرفت و تقسیم مشاہدت ہے جو سینہ مومن میں روشن ہے۔ وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّہُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِہِمۡ ۪۔ وعدہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے عرفان حقیقت کے اہل ایمان عاملین سے کہ ان کو قالب بشری کی زمین میں سلطنت رحمانی کی خلافت دی جائے گی اور اعمال

marfat.com

خیر کی قوت وتمکنت عطا ہوگی ظاہری باطنی اعضاء میں جس طرح پہلے کامِلون، مکمِّلون، اَکملون، مُنتھون کو زمین معرفت کا اختیار خلافت عطا ہوا تھا۔ طریقت کے چار خلیفے۔ ۱۔ حافظین حدیث باطن۔ ۲۔ علماء اصول معرفت۔ ۳۔ فروعات سلوک اولیاءِ وارثین۔ ۴۔ اصحاب حقائق۔ پہلا طبقہ اقطاب عالم طبقہ دوم اوتاد زمینی۔ طبقہ سوم سمٰوات طریقۃ کے ستارے۔ طبقہ چہارم اسرار الٰہی کے معدن جبال۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے ایمان یقینی وفضائل اعمال والوں سے زمین نفوس کی قبضہ خلافت وغلبہ عدالت کا جس طرح خلافت ملکوتی عطا ہوئی ان کو جو ایمان توحید میں مقام فنا تک سبقت لے گئے اور وعدہ ہے دین مرتضوی منتخی کی تمکین کا بقاء رضا اور نفس امارہ کے خوف کو استقامت امن میں بدلائے جانے کا۔ لہٰذا چاہئے کہ غیر اللہ سے ہٹ کر عباد اللہ میں شامل ہو جائیں عقیدۂ وحدت پر ہی قائم رہیں اور جو بد بخت انعام انوار کے بعد طغیان اشرار وانا کا کفران کر لے اور تمکین شکر وتکوین ایمان سے نکلا تو وہی معرفت کا فاسق وبے دین ہے وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔ صوفیاء کے اقوال آیت ۵۶ تا ۵۸ میں۔ وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ معرفت الٰہی کے طلب گار وقیام عشق سے اوقات ابدی میں نماز اسرار قائم رکھو اور اعضاءِ بدنیہ کے نصابِ اعمال واوقات حیٰوۃ کی زکوٰۃ ذکر وفکر خلوت مراقبہ وجلوت مکاشفہ میں ادا کرتے رہو اور شریعت طریقت حقیقت معرفت کی ہر شاہ راہِ سلوک وتنگ راہِ عبدیت میں مرشد عالمین کی فرمانبرداری کرتے رہو تاکہ وصل وقرب لقاو عطا کا تم پر رحم لاہوتی کیا جائے لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مُعْجِزِیْنَ فِی الْاَرْضِ ۚ وَمَاْوٰىھُمُ النَّارُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمَصِیْرُ۔ اے وادی بقا کے مقیم سالک تو کبھی تصور وگمان بھی نہ کرنا کہ وہ کافران مطلق جو بیابان معصیت میں بھٹک رہے ہیں وہ خالق کل کو عطاء انوار سے یا مالک کل کو تقسیم اسرار سے عاجز کرنے اور کبھی روک سکنے کی ہمت کر سکنے والے ہیں۔ ان کا تو اپنا ٹھکانہ نصیب حسرت وفراق محرومی برکات ہے اور بد نصیبی کی آگ ہے۔ یاد رکھو کہ حیات دنیوی میں اعمال صالحہ میں نام ونمود کا کفران شامل کرنے والوں کے لئے یہ نارِ فراق بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔

کفران نعمت یہ ہے کہ نعمت کو گناہوں میں وقتوں کو غفلت میں اطاعتوں کو فسقیات میں بدلا جائے ایسے ہی لوگوں کا مقام انجام جدائی کی آگ میں تڑپنا جھلسنا ہے۔ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کم سے کم شکر یہ ہے کہ اپنی بدنی ومالی نعمت سے کسی گناہ پر تعاون نہ کرے نہ کسی گناہ سے تعاون مانگے۔ اے بندے اگر تیرا شکر ہر دن ایک جیسا ہے تو تو ناقص ہے لہٰذا چاہئے کہ ہر دن تیرا اداءِ شکر بڑھتا رہے کیونکہ ہر خیر کا دن مزید نعمت ہے اور جسم بندہ شکر کے لئے ہے۔ قانون شکر یہ ہے کہ جو چیز جس کام کے لئے بنے اسی کام کے لئے پوری استعمال ہو جیسے گھوڑا لشکر جرار کے لئے تلوار قتال اشرار وحفاظت اخیار کے لئے بنی۔ ایسے ہی جسم مومن عبادت غفار اور زبان شکر ستار کے لئے بنی۔ جس چیز سے مقصد ایجاد حاصل نہ ہو وہ بیکار ہے ایسے ہی جس انسان سے شکر حاصل نہ ہو وہ ناقص ہے بدنی آلات میں اور قاصر ہے عملی عبادات میں۔ اصل شکر اطاعت نبوی ہے اور اصل محبت اتباع نبوی ہے۔ آقا ﷺ نے ہر انسان کو ایمان، عبادت، اطاعت واتباع کی طرف بلایا جنہوں نے مان لیا وہ اہل سعادت بن گئے ان میں اولین صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ جنہوں نے نہ مانا وہ کفار ومنافقین بنے رہ گئے۔ جو لوگ اطاعت مصطفائی وعبادت کبریائی کو ترک کر کے دروازۂ الٰہی وآستانہ مصطفائی سے بھاگے ہی رہے ان کو دنیا میں قتل وقید کی ذلت ملی حکم الٰہی سے دست مصطفائی نے ایسا جکڑا جس کا تصور بھی نہ کیا تھا مگر کوئی بھی نہ حکمت الٰہیہ کو عاجز کر سکا نہ قوت نبوی کو۔ یا اللہ ہماری

marfat.com

حفاظت فرما اپنی کریمی کے قلعوں میں پاکیزہ فرما ہمارے ماحول و معاشرے کو اپنی عنایت کے چشموں سے اور گھیر لے ہم کو اپنی رحمۃ کی چادر میں۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِیَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِیْنَ مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ وَ الَّذِیْنَ لَمْ یَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍؕ مِنْ قَبْلِ صَلٰوةِ الْفَجْرِ وَ حِیْنَ تَضَعُوْنَ ثِیَابَكُمْ مِّنَ الظَّهِیْرَةِ وَ مِنْۢ بَعْدِ صَلٰوةِ الْعِشَآءِ ﳴ ثَلٰثُ عَوْرٰتٍ لَّكُمْؕ۔ اے مرشدین استقامت چاہئے کہ اجازت لیا کریں تمہاری تعلیم جسمانی وتزکیہ روحانی کے ذریعہ بارگاہ خلوت میں آنے کے لئے وہ مریدین جو مبتدی ہیں اور خدام سالکین طالبین منتہی بھی جو کہ ابھی تصرف تربیت سلسلہ تدریس میں ہیں اور وہ مریدین جو ابھی مقام شیخیت پر فیض رسانی و مسند سجادگی کی چوکھٹ تک حلم بلوغت حاصل نہ کر سکے وہ اذن مراقبہ لیا کریں۔ اجازت فیض کے تین وقت ہیں۔ پہلا فجر انوار سے پہلے تربیت ابتدائی کے لئے۔ دوسرا وقت تعلیم سلوکیت کے وسط نصف النہار میں۔ وقت سوم امور تصرفات روحانی کی مراقبہ عشاء میں۔ اجازت مرشد اس لئے ضروری ہے کہ خلوت شیطان کا جال نہ بن جائے۔ لیکن جب ان اوقات خلوت میں حالات مریدین مضبوط ہو جائیں تب باقی اوقات جلوت حضوری بلا اذن بھی جائز تا کہ نگاہ مرشد میں رہیں۔ لَیْسَ عَلَیْكُمْ وَ لَا عَلَیْهِمْ جُنَاحٌۢ بَعْدَهُنَّؕ طَوّٰفُوْنَ عَلَیْكُمْ بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۸﴾۔ بلوغت روحانی فیض عرفانی اسرار صمدانی پانے کے بعد نہ مرشد پر حرج ہے نہ مرید پر نہ فیض دینے میں نہ لینے میں اس لئے کہ اداء امانت ربانی میں دونوں ایک دوسرے کے طوافون وضرورت مند ہیں مرشد امین روحانیت ہے مرید مامون وصل ہے اور فیضان ولایت امانت ہے۔ جس کو دینے کے لئے طواف ادا تو مرشد ہے اور لینے کی تمنا میں طواف مرید ہے۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ استعداد مرشدین و توفیق مریدین کی نشانیوں کو اور اللہ تعالیٰ ہی علیم ہے مرشد کی ہمت قوت محنت شفقت کا اور حکیم و حکمت والا ہے مریدین کی سعادت ہدایت توفیق و مصلحت میں۔

وَ اِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا
اور جب بالغ ہو جائیں بچے تم میں سے جوانی میں تو چاہیے کہ وہ بھی آنے کی اجازت لیا کریں
اور جب تم میں لڑکے جوانی کو پہنچ جائیں تو وہ بھی اذن مانگیں
كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ
جس طرح اجازت لیتے رہے ان سے پہلے بڑے مرد
جیسے ان کے اگلوں نے اذن مانگا
كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾
اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اپنے قانون کی آیتیں اور اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے
اللہ یوں ہی بیان فرماتا ہے تم سے اپنی آیتیں اور اللہ علم و حکمت والا ہے

marfat.com

وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا
اور بوڑھی گھر میں ہی رہنے والی وہ عورتیں جو نکاح کی ضرورت نہیں رکھتیں
اور بوڑھی خانہ نشین عورتیں جنہیں نکاح کی آرزو نہیں
فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍؕ
تو نہیں ہے ان پر کوئی گناہ اس بات میں کہ اتار دیں اپنے پردے کی چادریں جبکہ نہ بے حیائی پھیلائیں فیشن سے
ان پر کچھ گناہ نہیں کہ اپنے بالائی کپڑے اتار رکھیں جبکہ سنگھار نہ چمکائیں
وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾
اور اگر پردہ قائم رکھیں تو اچھا ہے ان کے لئے اور اللہ تعالیٰ سننے والا جاننے والا ہے
اور اس سے بھی بچنا ان کے لئے اور بہتر ہے اور اللہ سنتا جانتا ہے

تعلقات

ان آیات کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں قریب بلوغ نابالغوں کو باپردہ گھروں میں آنے کے لئے تین وقت اجازت لینے کی پابندی کا ذکر فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں بالغ اور مکمل جوان غلاموں، خادموں، نوکروں ملازموں کو مکمل طور پر ہر وقت رات دن اجازت لے کر آنے کی پابندی کا قانونِ شرعی ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں مسلمان مردوں کو پردے کا قانون بتایا گیا۔ اب ان آیات میں مسلمان بوڑھی عورتوں کو پردہ کا قانون بتایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت میں مردوں پر پردے کا سخت قانون بیان فرمایا گیا۔ مرد بوڑھے ہوں یا جوان یا نابالغ قریب بلوغ۔ اب ان آیات میں مسلمان بوڑھی عورتوں پر پردے کا نرم قانون بیان فرمایا جا رہا ہے۔

تفسیر نحوی

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾۔ واؤ حرف عطف۔ اس کا عطف ہے سابقہ جملے لِیَسْتَاْذِنْ پر اِذَا حرف ظرفیہ زمانیہ برائے شرط و جزا۔ بَلَغَ باب نَصَرَ ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب بَلَغ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پہنچنا یہ مادہ مصدر لازم ہے اسی سے ہے تَبْلِیغ متعدی بنفسہ معنی ہے پہنچانا اور اِبْلَاغ متعدی بغیرہ بمعنی پہنچوانا۔ اَلْاَطْفَالُ الف لام حرفی استغراقی بمعنی سب اطفالُ اسم جمع مکسّر ہے طِفلٌ واحد کا بمعنی نابالغ بچہ یہ فاعل ہے بَلَغَ کا۔ بقانون نحو اگر فاعل اسم ظاہر ہو تو اس کا عامل فعل یا عامل مشتق اسم واحد کے صیغے سے آتا ہے اگرچہ فاعل جمع ہو۔ جیسے کہ یہاں ہوا کہ بَلَغَ واحد کا فاعل اطفالُ جمع ہے۔ مِنْكُمْ جار مجرور متعلق ہے بَلَغَ۔ اَلْحُلُمَ۔ اسم حاصل مصدر بمعنی بلوغت چونکہ انسان کے بالغ ہونے سے چار چیزیں پیدا ہوتی ہیں اس لئے ان چاروں

marfat.com

کے لئے اسی حُلُمْ کے مشتقات مستعمل ہوتے ہیں۔ ۱۔ بلوغت سے عقلندی ہے لہٰذا عقلندی کو حلمی کہا جاتا ہے۔ ۲۔ بلوغت سے شیطانی خوابیں آتی ہیں اس لئے ان کو اَحلام کہا جاتا ہے۔ ۳۔ حُلُمْ اور بلوغت سے سوتے میں انزال ہوتا ہے اس لئے اس کو احتلام کہا جاتا ہے۔ ۴۔ بالغ ہو کر انسان نرم طبیعت ٹھنڈے مزاج کا ہو جاتا ہے سوچ وفکر سے کام لیتا ہے اس کو حلیم کہا جاتا ہے۔ اَلْحُلُمَ مفعول فیہ ہے یا مفعول بہ ہے بَلَغَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ ف جزائیہ لِیَسْتَأْذِنُوْا۔ باب استفعال کا فعل امر غائب معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ۔ کَمَا کاف تشبیہی۔ مَا مصدریہ اسْتَأْذَنَ باب استفعال کا ماضی مطلق۔ صیغہ واحد مذکر غائب اَلَّذِیْنَ اسم موصول مِنْ جارہ بیانیہ۔ قَبْلِهِمْ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے مَذْکُوْرٌ۔ پوشیدہ اسم مفعول کا وہ اپنے نائب فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مل کر فاعل ہے اسْتَأْذَنَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہے کَمَا سے وہ جار مجرور متعلق ہے لِیَسْتَأْذِنُوْا کا وہ سب جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے اِذَا بَلَغَ کے جملے کی شرط و جزا مل کر معطوف ہے سابقہ جملے پر۔ کَذٰلِکَ مبتدا ہے۔ یُبَیِّنُ سابقہ آیت ۵۸ کی ترکیب کی مثل جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۵۹﴾۔ سابقہ ترکیب کی مثل مبتدا اور خبر ہو کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِکَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۶۰﴾۔ واو ابتدائی۔ اَلْقَوَاعِدُ اسم جمع مکسر ہے قَاعِدٌ کی۔ اس سے مراد وہ عورتیں ہیں جو بڑھاپے کی وجہ سے اپنے حیض وحمل سے مایوس ہو جائیں اور قَاعِدَةٌ کی جمع قَاعِدَاتٌ یعنی وہ عورت جو رہائش میں پیروں چلنے سے بیٹھ رہے بوجہ تھکن یا معذوری جیسے کہ حامل وہ عورت جس کے پیٹ میں حمل کا بوجھ ہو اور حَامِلَةٌ وَّحَمَّالَةٌ وہ عورت جس کی پیٹھ پر سامان کا بوجھ ہو یا حائض عورت چونکہ حمل وحیض اور ان دونوں سے مایوس صرف عورتوں کی خصوصی حالت ہے اس لئے قاعد، حامل، حائض اگرچہ مذکر لفظ ہیں مگر اس سے مراد صرف عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ اور حائض مذکر ہوتا ہی نہیں تو اسی خصوصیت کی وجہ سے مؤنث کو حامل وحائض ہی کہا جاسکتا ہے اسی طرح قواعد بھی یہاں عورت کے لئے ہے لیکن مذکر کے حقیقی ومجازی معنی کے لئے تقریباً چھ لفظوں مستعمل ہے۔ ۱۔ قاعد سردار قوم (بیٹھنے والا)۔ ۲۔ بنیاد۔ ۳۔ قاعد بمعنی سہارا۔ ۴۔ قاعد بمعنی بادشاہ قَاعِدَةُ الْمُلْکِ۔ تخت شاہی۔ ۵۔ اونٹ کی ڈولی یعنی هَوْدَج کی لکڑیاں قَاعِدَةُ الْهَوْدَجِ وَقواعد الْهَوْدَجِ۔ ۶۔ قاعد بمعنی ٹھکانہ۔ قَوَاعِدُ یہاں قَاعِدَاتٌ اسم فاعل کے درجہ میں ہے لہٰذا عامل ہے اس کا فاعل هُنَّ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ مِنَ النِّسَآءِ یہ جار مجرور متعلق ہے قَوَاعِدُ کا۔ وہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر موصوف ہے۔ الّٰتِیْ۔ اسم موصول جمع مؤنث لَا یَرْجُوْنَ باب نَصَرَ کا مضارع منفی معروف صیغہ جمع مؤنث غائب رَجْوٌ سے مشتق ہے معنی ہے امید کرنا۔ رِجَآءٌ بھی مصدر ہے بمعنی امید دلانا۔ دراصل لَا یَرْجُنْنَ تھا بروزن لَا یَنْصُرْنَ۔ ہمزہ کو ضغطہ لسان (جھٹکا زبان) کی وجہ سے واؤ سے بدل دیا۔ لَا یَرْجُوْنَ ہو گیا۔ اس کا جمع مذکر بھی لَا یَرْجُوْنَ ہوتا ہے مگر وہ لَا یَرْجُوُوْنَ سے تعلیلی ہوا ہے۔ اس کا فاعل هُنَّ ضمیر صیغہ ہے نکاحًا اسم حاصل مصدر بروزن فِعالًا قِتالًا یہ مفعول بہ ہے۔ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے الّٰتِیْ کا۔ یہ موصول صلہ مل کر صفت اَلْقَوَاعِدُ کے جملے کی یہ مرکب توصیفی مبتدا ہے۔ ف زائدہ لَیْسَ فعل ناقصہ ماضی مطلق صیغہ واحد

marfat.com

مذکر غائب عَلَیْهِنَّ یہ جار مجرور متعلق ہے لَیْسَ کا جُنَاحٌ اسم حاصل مصدر جَنْحٌ یا جُنُوْحٌ سے بنا ہے لغوی ترجمہ ہے۔ مائل ہونا، جھکنا یعنی حق سے ہٹ کر باطل کی طرف ہونا۔ اصطلاح میں معنی ہے گناہ ذنب یہ اسم ہے لَیْسَ کا اَنْ ناصبہ مصدر یہ۔ یَضَعْنَ باب فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مؤنث غائب وَضْعٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے اتارنا، علیحدہ رکھنا اس کا فاعل هُنَّ ضمیر پوشیدہ ثِیَابَهُنَّ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے۔ غَیْرَ مضاف مُتَبَرِّجٰتٍ۔ باب تَفَعُّلٌ کا اسم فاعل جمع مؤنث اس کا مصدر ہے تَبَرُّجٌ، بَرْجٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بلندی کرنا، خوبصورتی دکھانا۔ اس مناسبت سے دس معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ زینت یعنی قدرتی خوبصورتی اور بناوٹی فیشن ظاہر کرنا۔ ۲۔ جائے پناہ۔ ۳۔ قلعہ کے چوطرفہ کونہریاں چنانچہ سورۃ نساء آیت ۷۸ میں قلعوں کو بروج مشیدہ فرمایا گیا۔ ۴۔ مٹک کر چلنا۔ ۵۔ شوخ نگاہی کرنا۔ ۶۔ خوبصورت چہرہ۔ ۷۔ بڑی فراخ آنکھوں کو بَرْجَاء کہا جاتا ہے۔ ۸۔ آسمانی برج۔ ۹۔ ظاہر چمکدار چیز۔ ۱۰۔ جنگی جہاز ، کھلی کشتی کو بَارِجَةٌ اور اس کے ماہر ملاح کو بَارِجٌ کہا جاتا ہے۔ یہاں پہلے معنی میں ہے۔ یہ اسم فاعل اس کا فاعل هُنَّ ضمیر۔ بِزِیْنَةٍ یہ جار مجرور متعلق ہے مُتَبَرِّجٰتٍ کا یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مضاف الیہ ہے غَیْرَ کا وہ مرکب اضافی حال ہے یَضَعْنَ کے فاعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَیْسَ کی وہ اپنے اسم، خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ اَنْ حرف ناصبہ۔ یَسْتَعْفِفْنَ باب استفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مؤنث غائب اس کا مصدر ہے۔ اِسْتِعْفَافٌ۔ عَفَفٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے۔ ۱۔ اسی سے ہے عَفِیْفٌ یعنی پاکدامن مرد۔ ۲۔ اس سے ہے عَفِیْفَةٌ بمعنی پاکدامن عورت۔ ۳۔ اسی سے ہے عِفَّةٌ بمعنی پاکدامنی۔ ۴۔ اسی سے ہے عَفَاقٌ بمعنی پاک وحلال چیزیں۔ ۵۔ اسی سے ہے تَعَفُّفٌ بمعنی بچنا بچانا۔ عَفٌّ کا لغوی معنی ہے باز رہنا، گناہ، زنا، بھیک مانگنے سے۔ اصطلاح میں پردے اور باپردہ رہنے کو عَفٌّ کہا جاتا ہے۔ یَسْتَعْفِفْنَ کا فاعل هُنَّ ضمیر ہے یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ خَیْرٌ اسم مصدر۔ لَّهُنَّ یہ جار مجرور متعلق ہے خَیْرٌ مصدر کا وہ سب مل کر شبہ جملہ ہوا خبر مبتدا۔ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے فَلَیْسَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے وَالْقَوَاعِدُ مبتدا کی۔ وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاللّٰهُ واؤ سر جملہ اللہ مبتدا سَمِیْعٌ صفت مشبہ بمعنی بہت سننے والا ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر وقت ہر ایک کی یہ خبر اول ہے۔ عَلِیْمٌ۔ صفت مشبہ ہے بمعنی بہت جاننے والا ہمیشہ سے ہمیشہ تک ہر وقت ہر ایک کو۔ یہ خبر دوم ہے۔ اللہ مبتدا اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْیَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰیٰتِهٖ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۵۹﴾۔ اور یہی نابالغ بچے تہذیب و تربیت یافتہ تین وقتوں میں اجازت دخول لینے کے عادی غلام و خدام و اولاد جب بالغ ہو جائیں اور پہنچ جائیں اپنی پختہ عمر احتلامی و شہوانی کو تو ان سب کو چاہئے کہ اپنے یا پرائے گھر میں کسی بھی ضروری یا غیر ضروری کام کے لئے آنا چاہیں تو ہر وقت اجازت لے کر اطلاع دے کر اجازت ملنے کا انتظار کر کے اجازت ملنے کے بعد اندر آیا کریں جیسے وہ تمام بڑے بوڑھے بزرگ جن کا ذکر ابھی پہلے آیت ۲۷ میں گزرا اپنے یا پرائے گھروں میں جانے کے

marfat.com

لئے اجازت داخلہ مانگتے ہیں یا جیسے یہی نو بالغ بچے آج سے پہلے نابالغی مراہقی، امردی کے زمانے میں صرف تین وقت اجازت مانگا کرتے تھے وہی غلام وخدام و آزاد اب ہر وقت اجازت مانگا کریں دن ہو یا رات، صبح، دوپہر، پچھلا پہر ہو یا عصر، مغرب، عشاء ہو۔ اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ اسی طرح حرام وحلال مکروہ ومباح جائز وناجائز احکام شریعت کی آیتیں بیان فرماتا ہے تم سب تا قیامت مسلمانوں کو آرام وسہولت تہذیب وآداب کے لئے اور اللہ تعالیٰ جاننے والا ہے تمہاری دینی دنیوی ضروریات اور عزت تہذیب وآداب اور سہولتوں کو۔ ہر حکم مصلحت حکمت سے نازل ونافذ فرمانے والا۔ تمہارا کوئی حال اس کے علم سے دور نہیں اور اس کا کوئی حکم تمہارے فائدوں سے خالی نہیں۔ اسلام میں ہر قسم کی عمر کے علیحدہ آداب ملاقات بیان فرمائے گئے چنانچہ سورہ نور آیت ۲۷ میں بڑے لوگوں کے لئے اجازت لینے کے احکام بیان ہوئے اور آیت ۳۱ میں ناسمجھ نابالغ بچوں کے آداب اور آیت ۵۸ میں نابالغ مراہق یعنی قریب بلوغ سمجھدار بچوں کے آداب بیان ہوئے اور اب یہاں آیت ۵۹ میں بالغ ہو جانے والے بچوں کے لئے آداب اجازت بیان فرمائے گئے۔ ابھی تک غیر کے گھروں میں جانے کے آداب واخلاق سکھائے گئے اب اپنے گھروں سے نکلنے کے باعزت مہذب آداب واخلاق سکھائے جا رہے ہیں۔ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَاءِ الّٰتِیْ لَا یَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَیْسَ عَلَیْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَهُنَّ غَیْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۭ بِزِیْنَةٍ ؕ اور وہ بوڑھی عورتیں جو مایوس بیٹھ رہیں حیض ونفاس وحمل سے بوجہ بڑھاپا اور اب اس عمر میں ان کو نکاح کی کوئی امید وخواہش نہیں۔ نہ ان کے اپنے قلبی میلان سے نہ کسی رغبت مرد کی طرف سے صرف ایسی تمام عورتوں کے لئے تا قیامت یہ حکم ہے کہ وہ اپنی ضروریات کے لئے بغیر برقعہ باہر نکل سکتی ہیں ان پر اس بے پردگی کا نہ صغیرہ گناہ ہے نہ کبیرہ اور حجاب کے کپڑے چھوڑ سکتی ہیں بشرطیکہ اس شرعی اجازت وسہولت سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہوئے فیشن کر کے نہ نکلیں نہ زیور ہار کا سنگھار کر کے اگر فیشن وسنگھار کی نمائش کریں گی تو پھر شرعاً گناہگار ہوں گی اور یہ سہولت شرعی نہ رہے گی کیونکہ غیر محرم اجنبی مردوں کا فیشن زینت سنگھار دکھانا ہر عمر کی عورت پر حرام ہے قانونِ فطرت میں عورتوں کی عمر کے آٹھ حصے ہوتے ہیں۔ ۱۔ ولادت سے دو سال تک صبوبیت وشیر خوارگی۔ ۲۔ دو سے پانچ سال تک طفلیت۔ ۳۔ پانچ سے نو سال تک مراہقیت۔ ۴۔ نو سے اٹھارہ سال تک بلوغیت۔ ۵۔ اٹھارہ سے تیس سال تک شبابیت۔ ۶۔ تیس سے پچاس سال تک اشدیت۔ ۷۔ پچاس سے ساٹھ سال تک شیبیت بڑھاپا۔ ۸۔ ساٹھ سے پچتر سال تک مایوسیت۔ اس عمر میں پہنچ کر عورت قاعد ہو جاتی ہے رحم خشک خون کم حیض بند ہو جاتا ہے۔ عمر کے ان تمام حصوں میں عورتوں کی چار حالتیں ہوتی بدلتی ہیں۔ ۱۔ آیس بوجہ بچپنہ، آیس بوجہ بڑھاپا۔ ۲۔ حائض۔ ۳۔ حامل۔ ۴۔ قاعد۔ آیس کی دو قسمیں ہوئیں۔ ۱۔ آیسہ صغیرہ رحم ٹھیک ہو حیض شروع ہی نہ ہو۔ ۲۔ آیسہ کبیرہ رحم خشک حیض بند ہو جائے۔ یہاں اسی عمر کا ذکر ہے اسی کو قاعد کہتے ہیں۔ وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّهُنَّ ؕ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۝۶۰ فتویٰ شرعی تو وہی اجازت وسہولت کا ہے جو ابھی اوپر بیان ہوا جس کی وجہ کمزور نظری اور راستہ بھولنے بھٹکنے یا گرنے ٹھوکر کھانے کا اندیشہ اور شیطانی وشہوانی نظروں کا نہ فتنہ نہ خطرہ یہ اجازت صرف چہرہ کھلنے تک ہے سر کھولنے کی اس عمر میں بھی اجازت نہیں اس لئے تین کپڑے باہر نکلتے وقت ہمیشہ ضروری: موٹا لباس، موٹا دوپٹہ وموٹی قمیض گھر میں صرف اپنے محرموں کے سامنے دوپٹہ اتار سکتی ہیں مگر باہر سر سے پیر تک

marfat.com

لباس میں ہونا واجب ہے۔ اس کے باوجود تقویٰ یہ ہے کہ اگر کمزور نظری کے ہوتے ہوئے بھی برقعہ پہنے ہی نکلا کریں اور پردہ پوشی کی عفت قائم رکھیں تو ان کے لئے زیادہ ثواب اُخروی اور خیر دنیوی ہے کیونکہ تقوےٰ مومن ہے۔ چنانچہ سورۃ اعراف آیت ۲۶ میں ہے وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ذٰلِكَ خَيْرٌ۔ یعنی لباس تقویٰ ہی مومن کے لئے دین دنیا کی بھلائی ہے اور گوش و ہوش سے سن لو کہ اللہ تعالیٰ تم تمام لوگوں پر ظاہر، پوشیدہ، بات کو سننے والا اور تمہارے ہر حال اعمال نیات خیالات کو جاننے والا ہے۔ یہاں جو رخصت بیان کی گئی ہے وہ صرف سخت بوڑھی عورتوں کے لئے ہے لیکن جوان عورتیں مکمل سر چہرہ ڈھک کر باہر نکلا کریں موٹا برقعہ یا موٹی چادر اوڑھ کر۔ قانون شریعت میں مردوں عورتوں کے لباس شریفانہ میں تین تین کپڑے ہیں۔ مردوں کے لئے عمامہ، کرتہ، پاجامہ یا ٹوپی بلا وجہ ننگا سر رہنا شیطانی خصلت ہے۔ ایک حدیث پاک میں ننگے سر پھرنے والے کو بدمعاش و شیطان فرمایا گیا ہے (از موطا امام مالک) بعض شیطانوں نے ننگے سر نماز پڑھنی شروع کر دی یہ تو بہت ہی سخت گناہ ہے اور عیسائیت کا نشان۔ عورتوں کے لباس میں موٹا دوپٹہ یعنی خمار، قمیص، شلوار یہ گھریلو لباس ہے دوپٹہ سر پر اوڑھنے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ گلے کا مفلر۔ باہر کا حجابی لباس برقعہ یا بڑی چادر۔ عربی میں باریک دوپٹے کو رقاق کہا جاتا ہے یہ عورتوں کو ہر وقت منع ہے اس کو اوڑھ کر نماز بھی نہیں ہوتی اور باریک لباس پہننا ہر عورت کو حرام ہے گھر میں بھی اور باہر تو اشد حرام ہے۔ چنانچہ **حدیث:** پاک بحوالہ مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ کہ فرمایا حضرت محمد ﷺ نے دنیا میں دو قسم کے انسان دوزخی ہیں، ایک: وہ ظالم حکام جن کے ہاتھ میں ہر وقت ظلم کا کوڑا ہو جیسے گائے کی دم کہ ہر وقت بلا وجہ لوگوں کو مارتے پھریں۔ دوم: وہ عورتیں جو لباس پہنے ہوئے بھی ننگی ہوں مائل ہونے والی مائل کرنے والی ان کے سروں پر بال ایسے ابھرے ہوں جیسے اونٹ کی کوہان۔ یہ دو قسم کے لوگ جنت سے اتنی دور ہوں گے کہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے۔ یعنی ایسا باریک کپڑا کہ زینت زیور اور جسم کا رنگ بھی ہر ایک کو نظر آئے۔ یہ آقا غیب دان کی غیبی خبر ہے جو آج ہر جگہ نظر آ رہی ہے۔ **حدیث دوم:** بروایت حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرمایا آقا ﷺ نے مجھے خواب میں کچھ لوگ دکھائے گئے جن کی قمیصیں کسی کے گلے تک ہی ہیں، کسی کے صرف سینے تک، کسی کے پیٹ تک۔ پھر عمر لائے گئے ان کی قمیص کندھے سے ٹخنوں تک تھی۔ صحابہ کی عرض پر فرمایا اس کی تعبیر دین اسلام ہے۔ قرآن مجید میں تقوے کو لباس فرمایا گیا اور محاورۂ عرب میں بھی فضل و پاکدامنی کو ثیاب کہا جاتا ہے چنانچہ امراء القیس شاعر کہتا ہے:۔

ثِيَابُ بَنِىْ عَوْفٍ نَقِيَّةٌ وَاَوْجُهُهُمْ عِنْدَ الْمَشَاهِدِ غُرَّانُ

ترجمہ:۔ بنی عوف کی عزتیں پاک وصاف ہیں اور ان کے چہرے بوقت دیدار سفید چمکدار ہیں۔ ایک حدیث پاک میں خلافت راشدہ کو بھی قمیص فرمایا گیا۔ اس لئے جو عورتیں اپنی زینت دکھانے کے لئے نکلتی ہیں وہ اگرچہ لباس کی کاسیات ہوں مگر تقوے سے عاریات ہوتی ہیں۔ ایک **حدیث:** پاک میں عورتوں کو فتنہ فرمایا گیا۔ چنانچہ مسلم بخاری کتاب النکاح میں ہے۔ فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ میرے بعد بہت فتنے ہوں گے سب سے زیادہ مردوں کے لئے نقصان دہ فتنہ بیویوں کا ہوگا۔ اس سے مراد آوارہ فیشن بے پردہ مُتَبَرِّجٰتٍ عورتیں ہی ہیں جو نیک والدین شریف خاوند کے لئے دنیا میں فتنہ نحوست آخرت میں عبرت

marfat.com

عقوبت ہیں۔ چوتھی حدیث پاک چند عورتوں نے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ عورتوں کو مہندی سرخی چوڑیاں کنگن جھانجھر سونے کا زیور اور باریک لباس پہننا جائز ہے یا حرام تو صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا اگر غیر مردوں پر ظاہر نہ کریں جائز ورنہ حرام ہے۔

ان آیات میں مختلف اقوال

اَلْاَطْفَالُ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس سے مراد سب نئے بالغین بچے ہیں۔ آزاد، غلام، اولاد، خدام، مذکر مؤنث کہ سب پر اجازت داخلہ لینا واجب ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد صرف اپنی اولاد ہے اَلْحُلُمَ کی قرات میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرات اَلْحُلُمَ ہے ح اور ل پر ضمہ۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَلْحُلْمَ ہے ل پر جزم کما کی تشبیہ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ مشابہت ہے لَاتَدْخُلُوْا بُیُوْتًا کے قانون شرعی سے ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ تشبیہ ہے نابالغین کی اجازت لینے سے مگر فرق یہ کہ وہ صرف تین وقت اور یہ ہر وقت اجازت لیں۔ اَلْقَوَاعِدُ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا وہ بوڑھی عورتیں جو بوجہ بڑھاپا حیض حمل نفاس نکاح سے مایوس و بے رغبت ہو جائیں۔ ۲۔ بعض نے کہا صرف وہ عورتیں جن سے کوئی نکاح کی رغبت نہ رکھے۔ ثِیَابَھُنَّ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت ثِیَابَھُنَّ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت مِنْ ثِیَابِھِنَّ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت جَلَا بِیْبَھُنَّ ہے۔ بِزِیْنَۃٍ کی بَ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ بعضیت کی ہے کہ کچھ بعض زینتیں چھپائیں۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ بَ بیانیہ ہے یعنی زینتیں چھپائیں۔ اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت باب استفعال کا امر غائب ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت باب ضَرَبَ کا امر ہے۔ اَنْ یَّعْفِفْنَ۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اسلام نے عورتوں کے حقوق کو بہت تحفظ دیا ہے اور غیر مسلموں نے عورتوں کے حقوق پر ظلم کیا ہے مگر بیوقوف مسلمانوں نے حقوق پہچاننے میں غلطی کی ہے عورت کا اصل حق چادر و چار دیواری اور شریفانہ غیرت والا لباس ہے مگر غیر مسلموں نے عورت کو بازار میں ننگا ہونا، آوارگی آزاد مزاجی سکھائی۔ دین اسلام نے شرم و حیا اور حجاب عطا فرمایا تاکہ ایمان والی عورتیں نہ مردوں کی ہم شکل بنیں نہ لونڈی غلام کی ہم شکل کہ نہ آوارہ بے حجابیں نہ ذلیل و بے پردہ پھریں۔ یہ فائدہ ثِیَابَھُنَّ کی تفسیری تقسیم سے حاصل ہوا۔ حدیث و قرآن سے ہٹ کر عورتوں کے حقوق کا مطالبہ کرنا شرافت و تحفظ نہیں بلکہ بدمعاشی و آوارگی ہے یہ بدمعاشی مسلمانوں کو ہنود و نصاریٰ نے سکھائی۔ یاد رکھو کہ مسلمان عورت خاتون خانہ ہوتی ہے نہ کہ نمائش بازارہ و مزاج آوارہ۔ **دوسرا فائدہ:** اسلام کے تمام قانون معاشرہ دو قسم کے ہیں، اولاً: قانون فتویٰ دوم قانون تقویٰ احکام فتویٰ میں سہولت زیادہ مگر حکم تقویٰ میں فضیلت زیادہ۔ مثلاً فتویٰ یہ ہے کہ گندگی کی معمولی چھینٹیں کپڑے و جسم کو ناپاک نہیں کرتیں مگر تقویٰ یہ ہے کہ ان کو بھی دھو لیا جائے اور مثلاً فتویٰ یہ ہے کہ بلا عذر بیٹھ کر نفل پڑھنا جائز ہے مگر تقویٰ یہ ہے نفل بھی کھڑے ہو کر پڑھے جائیں یہ فائدہ اَنْ یَّضَعْنَ ثِیَابَھُنَّ کے بعد وَاَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ خَیْرٌ لَّھُنَّ فرمانے سے حاصل ہوا۔ اَنْ یَّضَعْنَ (الخ) حکم فتویٰ ہے اور اَنْ یَّسْتَعْفِفْنَ حکم تقویٰ ہے۔ **تیسرا فائدہ:** ہر

marfat.com

مسلمان عورت کو ہر عمر میں ہر قسم کی زینت کرنا جائز ہے۔ سرمہ، سکڑا بھی سرخی پوڈر بھی، زیور کپڑے بھی لیکن اپنی زینت کو گلی محلے بازار میں نامحرم اجنبی مردوں کے سامنے ظاہر کرنا اور مخلوط محفلوں میں شامل ہو کر بے پردہ ہونا حرام ہے۔ یہ فائدہ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ بِزِيْنَةٍ فرمانے سے حاصل ہوا زینت ظاہر کرنے کا جواز صرف دیگر عورتوں اور محرم مردوں کے لئے ہے لیکن وہ زینت جو کسی شرعی عبادت میں رکاوٹ بنے وہ حرام ہے جیسے ناخن پالش وغیرہ نیز صحیح یہ ہے کہ عورت کو سر پر کالا خضاب بھی جائز ہے کیونکہ سر ڈھکا رہتا ہے دھوکہ دہی کا اندیشہ نہیں ہے۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانون شریعت میں ہر بالغ مرد و عورت کو ہر ایسے گھر میں جاتے وقت اجازت لینا واجب ہے جس میں نامحرم لوگ رہتے ہوں اس حکم شرعی کی چار نوعیتیں۔ ۱۔ اگر گھر میں ماں بہن بیٹی وغیرہ عورتیں ہوں اور مرد خود بھی رہتا ہو تو اجازت لینا لازم نہ لینا مکروہ تحریمی۔ ۲۔ گھر غیر کا ہو اور گھر میں نامحرم عورتیں رہتی ہوں تو اجازت واجب نہ لینا حرام۔ ۳۔ یہ کہ گھر اپنا بھی رہائشی ہو اور دوسرے مرد بھی رہتے ہوں تو اجازت لینا مردوں کو مستحب عورتوں کو واجب۔ ۴۔ یہ کہ گھر بالکل غیر کا رہائشی ہو تو ملاقاتی عورت و مرد دونوں کو اجازت لینا واجب ہے یہ مسئلہ۔ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَأْذِنُوْا کے فرمان سے مستنبط ہو۔ **دوسرا مسئلہ:** تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ ہر وہ کام جس کے کرنے نہ کرنے کی شرعی رخصت ہے اگر بندہ ترک رخصت کر کے اس کے خلاف کام کر لے تو ثواب زیادہ ہے یعنی شرعی رخصت سے فائدہ نہ اٹھائے یہ مسئلہ۔ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** مسلمان عورت کے شرعی پہناوے چار قسم کے: ۱۔ لباس ستر، یعنی ہر وقت کا گھریلو لباس شلوار قمیص دوپٹہ موٹے کپڑوں کے۔ ۲۔ لباس شرم و حیا، دوپٹے کا گھونگھٹ بزرگوں کے سامنے۔ ۳۔ لباس حجاب برقعہ وغیرہ سر سے پاؤں تک نقاب چہرے پر۔ ۴۔ لباس نماز سر سے ٹخنوں تک مگر چہرہ، ہتھیلیاں اور قدم کھلے رہیں۔ بعض جاہل خطیب اسی لباس نماز کو باہر پھرنے کا لباس سمجھ کر بے پردگی کو جائز کہنے لگے ایسے لوگ گمراہ ہیں۔ مسلمانوں کو یہ تقسیم لباس یاد رکھنی چاہئے۔ یہ مسئلہ لَيْسَ عَلَيْهِنَّ اور غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍ کے فرمان سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا فَلْيَسْتَأْذِنُوْا مگر آیت ۵۸ میں فرمایا گیا۔ لِيَسْتَأْذِنْكُمْ وہاں كُمْ ضمیر ہے مگر یہاں نہیں ہے اس کی کیا وجہ۔ **جواب:** پہلی آیت میں بڑوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ وہ نابالغ بچوں کی تربیت کر کے اجازت لینے کا عادی بنائیں اس لئے كُمْ سے خطاب ہے اور یہاں خود بالغ بچوں کو بلوغت کے احکام سمجھائے جا رہے ہیں اس لئے كُمْ ضمیر کی ضرورت نہیں۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا ثِيَابَهُنَّ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بوڑھی عورتوں کو تمام کپڑے اتار کر ننگا پھرنے کی اجازت دی جا رہی۔ یہ تو بہت بری بات ہے چاہئے تھا کہ فرمایا جاتا۔ جلابیبھن یا قناعھن یا فرمایا جاتا مِنْ ثِيَابِهِنَّ۔ جلابیب کے معنی بڑی چادر قناع کا معنی برقعہ اور مِنْ ثِيَابِ کا معنی

marfat.com

ہے کچھ کپڑے۔ **جواب:** یہاں عربی محاورے کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ اہل عرب کے مطابق جسمی پیمائش سے سلے کپڑوں کو لباس کہتے ہیں اور کھلے کپڑوں کو جو بغیر سلے ہوں ان کو ثیاب کہتے ہیں یعنی کرتہ شلوار لباس ہے اور کھلی چادر دوپٹہ غلافی برانڈی برقعہ یہ ثیاب ہیں تو یہاں ثیاب فرمایا کر بتایا گیا کہ لباس اتارنے کی اجازت نہیں ہے بلکہ لباس کے اوپر حجابی ثیاب اتارنے کی اجازت دی جارہی ہے کہ بوڑھی عورتیں چادریں برقعے اتار کر صرف لباس دوپٹے میں باہر جاسکتی ہیں لباس پہنا جاتا ہے ثیاب اوڑھے جاتے ہیں عربی میں اوڑھنے کو التحاف اور پہننے کو اِلتباس کہتے ہیں۔ **تیسرا اعتراض:** ہر مسلمان عورت کو چہرہ کھول کر باہر بے پردہ پھرنا جائز ہے کیونکہ اسلام میں چہرے کا پردہ واجب نہیں سر کا پردہ واجب ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف ص ۳۷۷ پر ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهَا اَنَّ اَسْمَآءَ بِنْتَ اَبِیْ بَکْرٍ دَخَلَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ وَعَلَيْهَا ثِیَابٌ رِّقَاقٌ. فَاَعْرَضَ عَنْهَا وَقَالَ یَا اَسْمَآءُ اِنَّ الْمَرْاَۃَ اِذَا بَلَغَتِ الْمَحِیْضَ لَنْ یَّصْلِحَ اَنْ یُّرٰی مِنْهَا اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ رَوَاهُ اَبُوْدَاوٗد. ترجمہ: حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (میری چھوٹی بہن) اسماء بنت ابوبکر نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں اور اسماء کے سر پر بہت باریک کپڑا تھا تو نبی کریم ﷺ نے منہ پھیر لیا اس سے اور فرمایا اے اسماء جب عورت بالغہ ہو جائے تو درست نہیں کہ اس کے جسم سے کچھ دکھائی دے سوائے اس کے اور اس کے اور اشارہ فرمایا اپنے چہرے کی طرف اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کی طرف بحوالہ ابوداؤد۔ اس حدیث سے ثابت ہے کہ چہرے کا پردہ نہیں ہوتا لہٰذا ہر عورت کھلا چہرہ گلی محلے بازار میں جاسکتی ہے۔ لہٰذا فقہاء کا یہ کہنا کہ عورت برقعہ پہن کر چہرہ چھپا کر باہر نکلیں اور چہرے کا پردہ واجب ہے یہ مسئلہ غلط ہے۔ فقہاء کی بات اس حدیث کے خلاف ہے (منجانب منہاج القرآن) **جواب:** یہ روایت پانچ وجہ سے معترض کی دلیل نہیں بن سکتی۔ **پہلی وجہ:** یہ روایت خبر واحد ہے اور فقہاء علم اصول خبر واحد کو حدیث نہیں مانتے اس لئے قیاس کے مقابل خبر واحد کو چھوڑ دیتے ہیں قیاس پر عمل کرتے ہیں نہ کہ خبر واحد پر۔ جیسا کہ نبراس ص ۴۴۹ اور نور الانوار ص ۱۰۲ پر ہے۔ **وجہ دوم:** یہ روایت مجمل ہے کیونکہ اس میں اِلَّا هٰذَا وَهٰذَا ہے اس کے مشار الیہ میں بہت سے احتمال نکل سکتے ہیں جبکہ نبی کریم ﷺ کا چہرہ مبارک بھی سننے والی سے پھرا ہوا ہو۔ راوی سمجھتا ہے کہ نبی پاک ﷺ نے اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کی طرف اشارہ فرمایا۔ راوی کی یہ سمجھ غلط بھی ہوسکتی ہے دو وجہ سے:

۱۔ چہرہ پاک اسماء سے اَعْرَضَ ہے یعنی پھرا ہوا ہے تو یہ اشارہ کس کو دکھایا گیا حالانکہ کلام اسماء سے فرمایا گیا۔ ۲۔ راوی صحابی نہیں بلکہ تابعی ہے اور یہ اشارہ نہ خود دیکھا نہ اسماء نے کیونکہ وہ راوی تو دنیا میں ہی موجود نہیں اور اسماء کی طرف چہرہ نہیں تو گویا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ کا اندازہ خود راوی نے لگایا جو کہ ہر اعتبار سے غلط ہے۔ شارحین یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ یہ اشارہ پیروں وہاتھوں کی طرف تھا۔ **وجہ سوم:** یہ روایت صرف ابوداؤد نے بیان فرمائی اور اس کو مُرْسَل کہتے ہیں۔ فقہاء کرام مُرْسَل روایت سے دلیل نہیں پکڑتے بلکہ توقف کا حکم دیتے ہیں کہ ایسی روایت کا نہ اقرار کرو نہ انکار بلکہ کسی صحیح حدیث سے مطابقت تلاش کرو اگر مطابق ہو تو مانو۔ مُرْسَل وہ روایت ہے جو تابعی روایت کرے کہ نبی کریم ﷺ نے یہ فرمایا۔

چوتھی وجہ: یہ کہ یہ روایت مضطرب ہے مشکوٰۃ میں ہے: اَلَّا هٰذَا وَهٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْهِهٖ وَکَفَّیْهِ لیکن روح

marfat.com

البیان پارہ ۱۸، ص ۱۴۱ پر ہے۔ اِلَّا ھٰذَا وَاَشَارَ اِلٰی وَجْھِہٖ وَکَفِّہٖ اور تفسیر مظہری پارہ ۱۸، ص ۴۹۴ پر ہے: اِلَّا وَجْھَھَا وَیَدَھَا۔ وہاں اَعْرَضَ عَنْھَا نہیں ہے کیونکہ اعراض میں اس کے چہرے کی طرف اشارہ ناممکن اتنے لفظی اختلاف ہونے کی وجہ سے یہ روایت قابل دلیل نہیں رہی لہٰذا مشکوک ومتروک ہے۔ اگر یہ روایت صحیح فرمان نبوی ہوتا تو اتنے اہم حکم میں اشارہ اور مجمل لفظ واضطراب نہ ہوتا نہ یہ خبر واحد ہوتی نہ مُرْسَلْ ظاہر ہوا کہ یہ بناوٹی ہے۔ **وجہ پنجم:** یہ کہ یہ روایت درایۃً بھی درست نہیں کیونکہ آیات ودیگر بہت سی مشہور احادیث کے خلاف ہے۔ قرآن وحدیث تو فرمائے کہ بوڑھی عورتیں بھی زینت ظاہر نہ کریں حالانکہ اصل زینت تو صرف چہرے میں ہی ہے قدرتی حسن کی جوانوں میں بناؤ سنگھار کی ہر عورت میں چہرہ دیکھ کر ہی شہوت ابھرتی ہے۔ اس لئے سورۃ احزاب کی آیت ۵۹ میں بیویوں، بیٹیوں اور مومنات کو چہرے ڈھکنے کا ہی حکم فرمایا گیا اور ڈھکنے کی وجہ اَنْ یُّعْرَفْنَ فَلَا یُؤْذَیْنَ بتائی گئی اور تعارف صرف چہرے سے ہوتا ہے نہ کہ بالوں سے۔ ان جاہل خطیبوں کی کیسی عقل ماری گئی ہے۔ بس اللہ تعالیٰ ہی سچی سمجھ دینے والا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

وَاِذَا بَلَغَ الْاَطْفَالُ مِنْكُمُ الْحُلُمَ فَلْيَسْتَاْذِنُوْا كَمَا اسْتَاْذَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۵۹﴾ ۔ اور جب وادی طریقت کے نادان مبتدی طالبین مریدین ارادۂ خلوص کی عمر حقیقی کے چالیس سال کو پہنچ جائیں تو ان کو چاہئے کہ آداب سلوک اختیار کر کے پہلے مشائخ منتہی کے مثل مرشد کامل سے ہر قدم وادی کی اجازت لیا کریں جس طرح مریدین منتہی فیض رسانی کی اجازت لیتے رہے یہ اذن ہی استحقاق خلافت ہے اس اجازت لینے سے ہی فیض یابی کی منزلیں آسان ہوتی ہیں اور شان سجادگی بنتی ہے۔ راہِ معرفت کی یہ درسگاہیں ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر جگہ قائم فرمائی ہیں۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ اے طالبین صادقین تمہارے لئے صراط طویل وعظیم کشف وشرح والی نشانیاں تا کہ حاصل ہوں تمہیں آسانیاں، شریعت کی بلوغت پندرہ سال کی عمر پر ہے مگر طریقت کی عمر بلوغت چالیس برس پر ہے اور اللہ تعالیٰ علیم ہے مبتدی، منتہی، شیخ ومرید، مرشد وراہنما کے حالات قبض وبسط کا اور حکیم ہے ترقی تنزل، فیض وعطا، حصول ووصول کا حکمت ومصلحت والا اور امانت ودیعت، اجازت خلافت، کرامت سعادت، ہدایت وکالت کی آیات ونشانات کے نازل فرمانے میں راہِ تصوف میں مرید بالغ کے لئے چار حکم ہیں اور چار ہی ممانعتیں ہیں۔ ۱۔ امر ہے زیادہ رونے کا اس سے روح کی تازگی ہے۔ ممانعت ہے زیادہ ہنسنے سے کہ اس سے دل مردہ ہوتا ہے ہنسنا آگ ہے رونا پانی ہے۔ ۲۔ ممانعت ہے انتقام سے امر ہے معافی کا۔ معافی ہی راہِ راست کا انتقام ہے۔ ۳۔ ممانعت ہے مانگنے کی امر ہے عطا کا کیونکہ لطف روحانی عطا میں ہے نہ کہ سوال میں۔ ۴۔ ممانعت ہے دنیا کی فنا پر آنسو بہانے سے۔ امر ہے گناہوں کی بقا پر آنسو بہانے کا۔ اے لوگو! دنیا تمہارے لئے آنسو نہ بہائے گی لہٰذا تم بھی اس کے لئے آنسو نہ بہاؤ اور میدانِ عمل میں دنیا کی ہر قوت سے مایوس ہو جاؤ۔ وَالْقَوَاعِدُ مِنَ النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا يَرْجُوْنَ نِكَاحًا فَلَيْسَ عَلَيْهِنَّ جُنَاحٌ اَنْ يَّضَعْنَ ثِيَابَهُنَّ غَيْرَ مُتَبَرِّجٰتٍۢ بِزِيْنَةٍ ۭ وَاَنْ يَّسْتَعْفِفْنَ خَيْرٌ لَّهُنَّ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۶۰﴾ ۔ اور وہ روحانی قوتیں جو مقام انتہا پر عبادت ریاضت کے اکتساب وحصول میں پہنچ جانے والی ہیں اور جن

marfat.com

میں قوت گویائی کا حمل فیض لینے اور فیض باطنی کے نکالنے کی ہمت نہ رہی ہے۔اس طرح کہ

آنرا کہ خبر شد خبرش باز نیامد

اور افشاء راز واظہار اسرار کا خطرہ نہ رہے۔ نیات دنیوی کے حیض آنے اور لذات نفسانی کے حمل رحم قلبی میں سمانے سے مایوس و مطمئن ہو گئے تو جائز ہے ان مریدان منتہی کے لئے کہ خلوت مراقبہ سے باہر نکلیں اور جلوت ظاہری میں ہدایت راشدی و سعادت کاملی کے لئے وادیٔ معرفت کے اخیار وابرار کو چہرۂ تعارفی دکھائیں مگر امانت اسرار کو چھپائیں ظاہر نہ کریں یہ تو رخصت طریقت ہے مگر زیادہ بھلائی یہی ہے کہ ہر اطمینانی کے باوجود اگر اشرار واغیار سے خود کو چھپائیں تو ترقی درجات مزید ہے۔شریعت کی بلوغت عقل ہے طریقت کی بلوغت عشق ہے۔ شریعت کی بلوغت اٹھنا ہے طریقت کی بلوغت چلنا ہے شریعت کی بلوغت حصول ہے طریقت کی بلوغت وصول ہے عالم قلم سے اٹھتا ہے عارف قدم سے اٹھتا ہے۔ پہلا قدم کشف حجاب ہے۔دوسرا علم شباب ہے۔تیسرا فہم کامیاب ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی بندۂ عاشق میں حکمت کا پودا اگاتا ہے صغیر ہو یا کبیر اور اللہ تعالیٰ سننے والا ہے خلوص وعناد کے اقوال کو۔ جاننے والا ہے ابرار واشرار کو۔ حکمت کی عطا کو غفلت کی خطا کو مصلحت کی لقا کو۔حکمت عمر سے نہیں کرم سے ملتی ہے اور جس کو ملتی ہے وہ نورِ کرامت سے دیکھتا ہے اے لوگو یاد رکھو کہ جیسے دنیوی امیری عقل وہنر سے ہے نہ کہ مال وسال سے ایسے ہی بزرگی علم سے ہے نہ کہ عمر سے۔ وادی سلوک میں فضل قلبی کا اعتبار ہے نہ کہ صغر عمری وکبر جسمی کا ہر انسان کی عمر کے دو حصے ہوتے ہیں نصف اول ونصف آخر مرد مومن کی عمر کا نصف آخر بہتر ہے نصف اول سے کیونکہ اس میں پانچ کمال ملتے ہیں۔۱۔ جہالت کا خاتمہ۔ ۲۔علم کا قائمہ۔ ۳۔حلم کا قرب۔ ۴۔رائے کا اجتماع واعتماد۔ ۵۔قول کی پختگی، نفس کی شکستگی مگر مومنہ کی عمر کا نصف اول بہتر ہے نصف آخر سے کیونکہ نصف اول حسن قائم رحم صالحہ اخلاق اچھے زبان میٹھی۔ عورت کا نصف آخر حسن ختم رحم خراب برے اخلاق، کڑوی زبان لیکن یہی عورت کی پناہ ہے۔فساق کی عمر کا پہلا نصف غفلت میں نصف آخر کسلت میں۔ کفار کی عمر کا نصف اول دنیا سازی میں نصف آخر عمر بربادی میں کاملین کا نصف اول حصول میں نصف آخر عروج میں عارفین کی عمر کا نصف اول فناءِ نفس میں نصف آخر بقاء ذات میں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ
نہیں ہے اندھے شخص پر گناہ اور نہ لنگڑے پر کوئی گناہ اور نہ بیمار پر کچھ گناہ
نہ اندھے پر تنگی نہ لنگڑے پر مضائقہ اور نہ بیمار پر روگ
وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ
اور نہیں ہے کچھ گناہ تمہارے اپنوں پر اس بات میں کہ کھانا کھا لیا کرو اپنے گھروں سے
اور نہ تم میں کسی پر کہ کھاؤ اپنے اولاد کے گھر

marfat.com

اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىِٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ

یا اپنے باپ دادا کے گھروں سے یا اپنی ماں دادی کے گھروں سے یا اپنے سگے بھائیوں کے گھروں سے

یا اپنے باپ کے گھر یا اپنی ماں کے گھر یا اپنے بھائیوں کے گھر

اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ

یا اپنی سگی بہنوں کے گھروں سے یا اپنے چچا تایا کے گھروں سے یا اپنی پھپھیوں کے گھروں سے

یا اپنی بہنوں کے گھر یا اپنے چچاؤں کے یہاں یا اپنی پھپھیوں کے گھر

اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ

یا اپنے ماموؤں کے گھروں سے یا اپنی خالاؤں کے گھروں سے یا ان گھروں سے کہ کچھ دن کے لئے مالک ہو گئے

یا اپنے ماموؤں کے یہاں یا اپنی خالاؤں کے گھر یا جہاں کی کنجیاں تمہارے قبضے میں ہیں

اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِیْعًا

تم اس کی چابیوں کے یا اس گھر سے جو تمہارے دوست کا ہے نہیں ہے تم پر کوئی گناہ اس بات میں کہ کھانا کھاؤ مل بیٹھ کر

یا اپنے دوست کے یہاں تم پر کوئی الزام نہیں کہ مل کر کھاؤ

اَوْ اَشْتَاتًا ؕ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُیُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ تَحِیَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ

یا الگ الگ پھر یاد رکھو کہ جب داخل ہو تم کسی بھی گھروں میں تو سلام کرو تم اپنے مسلمانوں کو دعاء رحمت دیتے ہوئے

یا الگ الگ پھر جب کسی گھر میں جاؤ تو اپنوں کو سلام کرو ملتے وقت کی اچھی دعا

مُبٰرَكَةً طَیِّبَةً ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ

اللہ تعالیٰ کے پاس سے مبارک پاکیزہ اسی طرح بیان فرماتا ہے

اللہ کے پاس سے مبارک پاکیزہ

اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۶۱ ع

اللہ تعالیٰ تمہارے لئے آیتیں تاکہ تم سب سے زیادہ عقلمند ہو جاؤ

اللہ یوں ہی بیان فرماتا ہے تم سے آیتیں کہ تمہیں سمجھ ہو

marfat.com

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں صحت مند مردوں کا ذکر فرمایا گیا کہ ان پر دوسروں کے گھروں میں جانے پر کیا کیا پابندی ہے۔ اب ان آیات میں اپاہج معذور مسلمان مردوں کے لئے کچھ قانون بیان فرمائے جارہے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں دوسروں کے گھروں میں داخل ہونے کے لئے اسلامی طریقے بتائے گئے۔ اب اس آیت میں دوسروں کے گھروں میں جا کر کچھ تصرف کر لینے یعنی بلا اجازت بوجہ ضرورت کچھ کھانے پینے کی اجازت شرعی دیئے جانے کا ذکر فرمایا جارہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں عام مسلمانوں کے گھروں میں پردہ داری اور پردہ نشینی کا ذکر فرمایا گیا اجنبی گھر ہوں یا اپنے یا اپنوں واقف کاروں کے۔ اب اس آیت پاک میں اپنوں کے چند مخصوص گھروں کا نام بنام وضاحت سے ذکر فرما کر ان میں کھانے پینے کے تصرف کر لینے کی اجازت شرعی کا قانون بیان فرمایا جارہا ہے وہ بھی ہر شخص عام کو نہیں بلکہ معذورین اشخاص کو صرف۔

تفسیر نحوی

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَّ لَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اٰبَآىٕكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِیْقِكُمْ ؕ لیس فعل ناقصہ ماضی مطلق عَلَى الْاَعْمٰى یہ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا حرف عطف برائے تاکید عَلَى الْاَعْرَجِ یہ جار مجرور پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا عطف تاکیدی عَلَى الْمَرِیْضِ جار مجرور معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا عطف تاکیدی عَلٰى جارہ اَنْفُس جمع مکسر ہے نَفْس کی۔ ترجمہ ہے اپنوں لوگوں (اپنے لوگوں پر) یہ مضاف ہے کُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مجرور ہے عَلٰى سے جار مجرور معطوف ہے عَلَى الْمَرِیْضِ پر وہ معطوف ہے عَلَى الْاَعْرَجِ پر وہ معطوف ہے عَلَى الْاَعْمٰى پر یہ سب عطف مل کر متعلق ہے لَیْسَ کا۔ اسی طرح تینوں لفظ حَرَجٌ۔ معطوف علیہ معطوف ہو کر اسم ہے لَیْسَ کا۔ اَنْ حرف ناصبہ۔ تَاْكُلُوْا۔ بابِ نَصَرَ کا فعل مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ دراصل تھا تَاْكُلُوْنَ۔ اَنْ ناصبہ نے نصب دیا تو آخر سے نونِ اعرابی گر گئی۔ اَكْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چبا کر کھانا، غذا کھانی۔ مِنْ جارّہ بیانیہ بُیُوْتِ جمع مکسر ہے بَیْتٌ کا بمعنی رہائشی گھر۔ یہ مضاف ہے کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف علیہ ہے۔ اَوْ حرف عطف تخییری۔ بُیُوْتِ اٰبَآىٕكُمْ یہ ڈبل مرکب اضافی بھی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ بُیُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ یہ دہری مرکب اضافی پھر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ بُیُوْتِ اِخْوَانِكُمْ یہ ڈبل مرکب اضافی پھر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ بُیُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ معطوف علیہ اَوْ عاطفہ بُیُوْتِ اَعْمَامِكُمْ یہ مرکب اضافی دہری۔ معطوف علیہ ہے اَوْ حرف عطف۔ بُیُوْتِ عَمّٰتِكُمْ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ بُیُوْتِ اَخْوَالِكُمْ۔ یہ ڈبل مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ بُیُوْتِ خٰلٰتِكُمْ۔ یہ دہری مرکب اضافی معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ مَا اسم موصول۔ مَلَكْتُمْ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر مِلْكٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ہے اَنْتُمْ ضمیر صیغہ مَفَاتِحَ جمع منتھی الجموع ہے

marfat.com

مِفْتَاحٌ کی بمعنی چابی۔ مضاف ہے ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب کا مرجع بیت ہے یہ مضاف الیہ ہے مَفَاتِحَ کا۔ دونوں ملکر مفعول بہ مَلَكْتُمْ کا یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ صَدِيْقِكُمْ یہ مرکب اضافی معطوف ہے یہ گیارہ عدد معطوف علیہ معطوف مل کر مجرور ہے مِنْ حرف جر سے وہ جار مجرور مل کر متعلق ہے تَاْكُلُوْا کا۔ وہ فعل فاعل اور متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَيْسَ نَاقِصَه کی۔ وہ اپنے اسم خبر اور پورے متعلقات سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا ۭ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۶۱ لَيْسَ فعل ناقصہ عَلَيْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے لَيْسَ کا جُنَاحٌ۔ اسم ہے لَيْسَ کا اَنْ حرف ناصبہ تَاْكُلُوْا۔ فعل مضارع اس کا فاعل ہے اَنْتُمْ ضمیر پوشیدہ ذوالحال ہے۔ جَمِيْعًا اسم نکرہ صفت مشبہ بروزن فَعِيْلٌ۔ جَمْعٌ سے مشتق ہے۔ ترجمہ ہے مل کر جمع ہو کر اکٹھے بیٹھ کر۔ یہ معطوف علیہ اَوْ عاطفہ۔ اَشْتَاتًا۔ شَتٌّ اور شَتَاتٌ کی جمع ہے۔ ترجمہ ہے جدا جدا اور متفرق بیٹھنا چیزوں کا پراگندہ اور بکھرا پڑا رہنا۔ یہ معطوف ہے جَمِيْعًا پر دونوں عطف مل کر حال ہے اَنْتُمْ۔ ضمیر صیغہ کا وہ ذوالحال وحال مل کر فاعل ہے تَاْكُلُوْا کا وہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے لَيْسَ فعل ناقصہ کی وہ اپنے اسم خبر متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ فَ زائدہ بیانیہ۔ اِذَا اسم ظرفیہ شرطیہ زمانیہ دَخَلْتُمْ باب نَصَرَ کا ماضی مطلق اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر۔ بُيُوْتًا مفعول فیہ۔ یہ فعل فاعل مفعول فیہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہے۔ فَ جزائیہ سَلِّمُوْا باب تفعیل کا فعل امر حاضر معروف صیغہ جمع مذکر اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔ عَلٰي جارّہ برائے فوقیت اَنْفُسِ جمع مکسر ہے نَفْسٌ کی ترجمہ ہے اپنے لوگ اپنے ایمانی دوست کُمْ ضمیر نفسی جمع مذکر مخاطب حاضر۔ بمعنی اپنے۔ یہ مضاف ومضاف الیہ مجرور ہے عَلٰي سے وہ جار مجرور متعلق ہے سَلِّمُوْا کا اس کا مصدر ہے تَسْلِيْمٌ سَلْمٌ سے بنا ہے بمعنی سلام کرنا۔ اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ کہنا۔ تَحِيَّةً باب تفعیل کا دوسرا مصدر، اصل مصدر ہے تَحْيِيْيٌ۔ حَيٌّ لفیف مقرون سے بنا ہے ترجمہ ہے زندہ رہنا، زندگی پانا۔ اب یہ دعا کے لئے مستعمل ہے۔ بمعنی شان وشوکت والی بقا مِنْ جارّہ ابتدا کے لئے بمعنی طرف سے عِنْدِ اللّٰهِ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے تَحِيَّةً مصدر کا۔ دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر موصوف ہے مُبٰرَكَةً باب مُفَاعَلَةٌ کا اسم مفعول صیغہ واحد مؤنث۔ ترجمہ ہے برکت وفضیلت دی ہوئی یہ موصوف ہے۔ طَيِّبَةً باب ضَرَبَ کا صیغہ مبالغہ بمعنی بہت پاکیزہ۔ نیکیوں سے بھری ہوئی یہ صفت ہے مُبٰرَكَةً کی وہ مرکب توصیفی صفت ہے تَحِيَّةً کے شبہ جملے کی اس پورے مرکب توصیفی کا ترجمہ ہے۔ شان وشوکت والی اللہ کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے پاس سے برکت وفضیلت دی ہوئی پاکیزہ نیکیوں بھری بقا اور زندگی ملے۔ اسلامی دعاءِ سلام کا یہ معنی ہے۔ یہ مرکب توصیفی تَحِيَّةً سے طَيِّبَةً تک مفعول لہٗ ہے سَلِّمُوْا کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے اِذَا دَخَلْتُمْ شرط کی وہ شرط وجزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ كَذٰلِكَ اسم تشبیہی اشارہ بعیدی مبتدا ہے يُبَيِّنُ باب تفعیل کا مضارع صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے تِبْيَانٌ ترجمہ ہے بیان کرنا۔ بَيْنٌ سے بنا ہے اللّٰهُ اس کا فاعل لَكُمْ جار مجرور متعلق ہے۔ الْاٰيٰتِ اسم جمع مؤنث سالم اس کا واحد ہے اٰيَةٌ بمعنی کلام ربانی احکام قرآنی۔ یہ مفعول بہ ہے يُبَيِّنُ کا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ ۶۱ باب ضَرَبَ مضارع احتمالی برائے عِلّیت۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ جمع مذکر حاضر مخاطب۔ یہ فعل

marfat.com

بافاعل پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر علت اور سبب ہے یُبَیِّنُ کا۔ وہ فعل اپنے فاعل مفعول اور متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ تعلیلیہ ہو کر خبر ہے کَذٰلِکَ مبتدا کی۔ وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اس آیت مقدسہ کے چند الفاظ کی وضاحت وتشریح۔

۱۔ اَعْمٰی۔ عَمٰی کا اسم تفضیل ہے صیغہ واحد مذکر۔ اس کا مؤنث ہے عُمْیٰ۔ بابِ فَتَحَ سے گردان ہوتی ہے۔ بعض نے لکھا کہ لفظ اَعْمٰی صفت مشبہ ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔ بصارت اور بصیرت دونوں کی نابینائی اور اندھاپن کے لئے بولا گیا ہے۔ یہاں مراد جسمانی آنکھوں کا نابینا اور بالکل مکمل طور پر اندھا شخص ہے۔ ۲۔ اَعْرَجِ۔ عَرَجٌ سے مشتق اسم تفضیل ہے۔ اس کے متعلق بھی بعض نے لکھا ہے کہ صفت مشبہ ہے مگر یہ غلط ہے۔ اس کا مؤنث عُرْجٰ ہے بابِ نَصَرَ میں گردان ہوتا ہے یا اس کا معنی ہے ایک پاؤں سے معذور یعنی بہت زیادہ لنگڑا کر چلنے والا شخص۔ ۳۔ حَرَجٌ۔ اسم حاصل مصدر جامد۔ لغوی ترجمہ ہے بھیڑ کرنا، بھیڑ ہونا، بھیڑ لگ جانا۔ اسی لغوی مناسبت سے پانچ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ تنگی۔ ۲۔ مضائقہ۔ ۳۔ نقصان۔ ۴۔ اچھی بری چیز یا برے شخص کی ملاوٹ ومخلوطیت۔ ۵۔ گناہ۔ مگر حدیث وقرآن میں لَا حَرَجَ اور لَیْسَ حَرَجٌ اکثر گناہ کے لئے مستعمل ہوا ہے۔ ۴۔ آبَاءِ۔ اَبٌ کی مکسر ہے۔ لغوی اصلی ترجمہ ہے مربی۔ اسی مناسبت سے باپ یعنی والد اور دادا پردادا اور والد کے بڑے بھائی یعنی تایا اور چھوٹے بھائی یعنی چچا کو بھی اَبٌ کہا جاتا ہے۔ ان کے علاوہ جو بھی کسی اپنے سے چھوٹے کی پرورش کرتا ہے عربی میں اس کو اَبٌ کہہ دیا جاتا ہے۔ ۵۔ اُمَّھَاتٌ۔ اُمٌّ کی جمع مؤنث سالم ہے دراصل اُمَۃٌ ہے بمعنی جڑ۔ سبب، ذریعہ۔ تخفیف کے لئے آخری ۃ کو میم بنا کر دونوں میں اِدْغَامَ (تشدید) کر دیا گیا لیکن جب مؤنث سالم بنائی جاتی ہے تو وہ اصل حروف سے بنتی ہے تاکہ سالمیت باقی نظر آئے۔ اس لئے ھا لوٹ آئی اور اُمّ کی جمع ہو گئی اُمَّھَاتٌ۔ اصطلاح میں والدہ، دادی، نانی مُربیہ کو اُم کہا جاتا ہے یہاں اُمَّھَات سے یہی صورتیں مراد ہیں۔ ۶۔ اَعْمَامِ۔ عَمٌّ کی جمع مکسر منصرف ہے والد کے بڑے اور چھوٹے بھائی یعنی تایا اور چچا کو عربی میں عَمٌّ کہا جاتا ہے۔ وہی دونوں یہاں مراد ہیں۔ ۷۔ عَمّٰتٌ۔ عَمَّۃٌ کی جمع مؤنث سالم ہے ترجمہ ہے پھوپھی یعنی والد کی بہن عَمٌّ کی مؤنث۔ ۸۔ اَخْوَال۔ خالٌ کی جمع مکسر منصرف بمعنی ماموں یعنی والدہ کا بھائی۔ اس کی مؤنث ہے خَالَۃٌ۔ بمعنی خالۃ والدہ کی بہن۔ ۹۔ مَفَاتِحَ مِفْتَاحٌ کی جمع مُنْتَھَی الْجُمُوع غیر منصرف ہے۔ بابِ فَتَحَ کا اسم آلہ فَتْحٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کھولنا، ہٹانا، زائل کرنا، فیصلہ کرنا، قبضے میں کرنا (فتح کر لینا)۔ مِفْتَاحٌ کا اصطلاحی معنی کنجی ہے (چابی) یعنی تالا کھولنے کا آلہ، اوزار۔ یہاں مَفَاتِحَ اسی معنی میں ہے یعنی کنجیاں۔ ۱۰۔ صَدِیْقِ اسم مفرد صفت مشبہ بروزن فَعِیْلٍ۔ بابِ نَصَرَ سے۔ صِدْقٌ سے مشتق ہے۔ صَدِیْقٌ کا معنی ہے سچا پکا دوست۔ اس کی جمع مکسر ہے اَصْدِقَآءُ۔ خیال رہے کہ اَبٌ اور اَخٌ جن کی جمع مکسر آیت پاک میں اٰبَاء اور اِخْوَانَ ارشاد ہوئی ہے۔ یہ اَسْمَاءِ سِتَّہ مکبّرہ میں سے ہیں۔ یہ چھ الفاظ: اَبٌ۔ اَخٌ۔ فَمٌ۔ ھَمٌ۔ ھَنٌ اور ذُوْ ہیں۔ ان کی باعتبار اعراب تین حالتیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ اگر مفرد یعنی بغیر اضافت آئیں تو ان سب کا اعراب حرکتی ہوتا ہے یعنی زیر، زبر، پیش (کسرہ، فتحہ، ضمہ) سے۔ ۲۔ اور اگر ضمیر ظاہر یا اسم ظاہر کا مضاف بنے تو ان کا اعراب حرفی ہوتا ہے یعنی زبر میں الف، زیر میں یٰ، پیش میں واؤ۔ ۳۔ اور اگر یہ اسماء مکبرہ یاءِ متکلم کا مضاف بنیں تو ان سب کا اعراب تقدیری اور پوشیدہ ہوتا ہے۔ ان سب سے مراد پانچ مکبرہ

marfat.com

اسم ہیں کیونکہ چھٹا اسم ذُو نہ بغیر اضافت آتا ہے نہ کسی ضمیر کا مضاف ہوتا ہے۔ صرف اسم ظاہر کا مضاف ہی ہوتا ہے۔ ان اسماء کو مکبرہ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کی تصغیر نہیں ہوتی۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانه

لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَى الْمَرِيْضِ حَرَجٌ وَّلَا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اِخْوَانِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخَوٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَعْمَامِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ عَمّٰتِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ اَخْوَالِكُمْ اَوْ بُيُوْتِ خٰلٰتِكُمْ اَوْ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗۤ اَوْ صَدِيْقِكُمْ ؕ۔ اے معذوروں سے کراہت کرنے والو یا ان پر ترس کھانے والو یا اے معذورو احساس کمتری میں مبتلا رہنے والو۔ شرعی قانون وہ نہیں ہے جو تم لوگ اپنے اپنے ذہنوں میں بنائے بیٹھے ہو بلکہ شرعی اسلامی قانون تا قیامت یہ ہے کہ اندھے نابینا لوگوں پر گناہ نہیں ہے نہ ترس کا خیال نہ نفرت و کراہت ہونا چاہئے ایسے ہی اپاہج پر بھی کوئی کسی قسم کا حرج نہیں ہے اور نہ کسی نزلے، زکام، بخار کے مریض و بیمار پر گناہ و ترس و احساس کمتری کا حرج ہے اور ایسے ہی اے تندرستو خود تم پر بھی کوئی گناہ و نقصان و مضائقہ اور شرم و جھجک کی کوئی برائی نہیں ہے اس بات میں کہ تم سب لوگ معذور بھی صحت مند بھی اپنے بیوی، بچوں، غلاموں کے گھروں سے دعوت کھالو یا اپنے والد کے یا دادا نانا کے گھروں سے کھالو۔ یا بوقت ضرورت اپنی سگی سوتیلی رضاعی، سسرالی ماؤں کے گھروں سے کھالو یا اپنے سگے سوتیلے رضاعی بھائیوں کے گھروں سے یا ہر قسم کی بہنوں کے گھروں سے یا چچا تایا کے گھروں سے یا بڑی چھوٹی پھوپھیوں کے گھروں سے یا اپنے سگے ماموؤں یا اپنی سگی خالاؤں کے گھروں سے ان کی دعوت و اجازت سے اور اپنی ضروریات پر کچھ کھالو پکا ہوا کھانا وہیں بیٹھ کر اور جن گھروں کی چابیوں کے تم عارضی طور پر مالک بن گئے ہو وکالتاً یا حفاظتاً یا خدمتاً یا انتظاماً ان گھروں سے کھانے کی چیزیں تیار پکی ہوئی کھانے کی اجازت ہے۔ ایسے ہی اپنے جگری فراخ دل دوستوں کے گھر سے دعوت ملنے پر ضرور کھایا کر و تم پر اس کھانا کھانے میں شرعی، اخلاقی قانونی کوئی گناہ و جرم نہیں ہے۔ یہ دعوت و اجازت لفظی ہو یا حکمی یا رواجی۔ وضاحتاً ہو یا صراحتاً یا قرینۃً و اشارۃً۔ دنیا میں لوگ عادتاً اخلاقاً جبلاً تین قسم کے ہوتے ہیں کچھ ایسے نازک مزاج جو اندھوں کے طور طریقوں بیماروں معذوروں کی کیفیتوں سے کراہت کرتے ہوئے ان کے ساتھ کھانا پینا پسند نہیں کرتے اور کچھ لوگ ترس کرتے ہوئے ان کے ساتھ کھانا پسند نہیں کرتے ان کا کہنا ہے کہ چونکہ نابینا دیکھ نہیں سکتے معذور لوگ زیادہ بیٹھ نہیں سکتے اور بیمار زیادہ کھا نہیں سکتے اس لئے تندرستوں کے ساتھ ایک تھالی میں کھانے سے ایسا نہ ہو کہ تندرست جلدی جلدی عمدہ عمدہ کھا جائے اور معذورین بھوکے رہ جائیں یا عمدہ سے محروم۔ اس لئے معذورین کا حصہ علیحدہ ان کو دے دیا جائے تاکہ جب چاہیں جیسا چاہیں کھائیں اور کچھ لوگ مذہباً یا رواجاً کسی کے ساتھ کھانا پسند نہیں کرتے جیسے ہندو مذہباً اور عیسائی رواجاً کسی کے ساتھ نہیں کھاتے افراد خانہ بھی سب علیحدہ اپنی پلیٹ میں اور بعض دفعہ خود معذورین اپنی احساس کمتری کی وجہ سے تندرستوں کے ساتھ بیٹھ کر کھانے میں شرم و پرہیز کرتے ہیں اور کچھ مسلمان صرف اس لئے معذورین کے ساتھ بیٹھ کر نہیں کھاتے کہ سورۃ نساء کی آیت ۲۹ کے تحت ساتھ کھانے سے بے احتیاطی ہو جانے کی بناء پر شرعی مجرم نہ بن جائیں جس میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: يٰۤاَيُّهَا

marfat.com

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ۔ تیز تیز اور اچھا اچھا کھا کر بالباطل کے مرتکب نہ ہو جائیں یہاں ان سب قسم کے مسلمانوں کو فرمایا جا رہا ہے کہ ترک معیت نہ کرو بلکہ عمل رعایت، فعل مروت اور نقشہ محبت قائم کرو۔ عادت بدلو طریقہ اسلامی نہ بدلو۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ تین قسم کے کھانے مالک کی لفظی صریحی اجازت کے بغیر کھانے ناجائز ہیں۔ ا۔ ذخیرہ کئے ہوئے محفوظ کردہ کھانے۔ ۲۔ کچے کھانے جن کے خراب ہونے کا اندیشہ نہیں ہے جیسے گندم، چاول، دالیں وغیرہ جن کو کھانے کے لئے پکانا پڑے۔ ۳۔ وہ غذائیں جو تالا بند ہوں اور چابی مالک کے پاس ہو۔ ایسے ہی غیر ماکولی اشیاء کے استعمال کے لئے صریحی اجازت کی شرط ہے۔ مَا مَلَكْتُمْ مَّفَاتِحَهٗٓ میں چار قسم کی ملکیتیں مراد ہیں۔ ا۔ امانت سے۔ ۲۔ رفاقت سے۔ ۳۔ قرابت سے۔ ۴۔ وکالت سے۔ حفاظت کرنے کی چار صورتیں ہوتی ہیں: خازن بن کر، خادم بن کر، غلام بن کر، بلا اجرت امانت دار بن کر جائیداد منقولہ ہو یا غیر منقولہ لیکن اجرت لے کر مزدوری کرنے والے اگرچہ کلید بردار ہوں بغیر اجازت ان کو گھر کا کچھ بھی کھانا برتنا جائز نہیں اور جن لوگوں کو مذکورہ گیارہ قسم کے گھروں سے کھانے کی اجازت دی گئی ہے وہ بھی صرف وہیں بیٹھ کر پیٹ بھر کھا سکتے ہیں جیبیں یا برتن بھر کر نہیں لے جا سکتے۔ عربی میں قرابت دار کی دو قسمیں ہیں۔ ا۔ قرابۃِ لَصیق یعنی خونی نسلی اصلی رشتے دار۔ ۲۔ قرابۃِ وَکِید یعنی دوستی۔ اس کی گیارہ نوعیتیں۔ ا۔ صدیق۔ ۲۔ رفیق۔ ۳۔ خلیل۔ ۴۔ عشیر۔ ۵۔ خلیط۔ ۶۔ قطین۔ ۷۔ قریب۔ ۸۔ امین۔ ۹۔ شخیل۔ ۱۰۔ سجیر۔ ۱۱۔ حبیب۔ صدیق وہ دوست جس کی محبت اخوت سے زیادہ ہو۔

حکایت

کسی نے افلاطون سے پوچھا تم کو صدیق پسند ہے یا بھائی جواب دیا وہ بھائی پسند ہے جو صدیق ہو نہ کہ عدو (دشمن) لفظ صدیق واحد جمع دونوں کے لئے مستعمل ہے یہاں جمع مراد ہے۔ رفیق وہ دوست جو حضر و سفر کا ساتھی ہو۔ خلیل جو راز دار ہو۔ عشیر وہ جو رشتے دار بھی ہو، خلیط جو ذمہ داری قبول کرے اور نبھائے۔ قطین باہر کا دوست، قریب اندر باہر کا دوست شخیل مخلص دوست بے غرض۔ سجیر عارضی وقتی دوست۔ حبیب وہ جو محبوب کی ہر چیز کا مختار ہو۔ بُيُوْتِكُمْ سے مراد غلاموں اور بیوی بچوں کا رہائشی گھر۔ بھائی کی دو قسمیں۔ ا۔ حقیقی بھائی اس کی تین قسمیں سگا، سوتیلا، رضاعی۔ ۲۔ مجازی بھائی اس کی پانچ قسمیں: دینی، قومی، فنی، کاروباری، وطنی یہاں حقیقی بھائی مراد ہیں۔ ایک حدیث مقدس بروایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرمان نبوی ہے: لَا يَحِلُّ لِاَحَدٍ مَالَ امْرِءٍ مُسْلِمٍ اِلَّا مِنْ طِيْبِ نَفْسِهٖ وَلَا يَحْلِبَنَّ اَحَدٌ مَاشِيَةَ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِهٖ۔ ترجمہ: کسی مسلمان کو حلال نہیں بغیر خوشدلی کی اجازت کے کسی مسلمان کا مال کھانا اور کوئی کسی کا دودھ والا جانور نہ دوہے مگر اس کی اجازت سے۔ یہ حدیث پاک اسی آیت کی تفسیر ہے۔ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَاْكُلُوْا جَمِيْعًا اَوْ اَشْتَاتًا۔ اس آیت میں مسلمانوں کو ان بے جا ذہنی بناوٹی اپنے اوپر پابندیاں لگانے سے منع کیا جا رہا ہے جن کو نبھا نہ سکیں پھر مصیبت پڑ جائے جیسا کہ بنی اسرائیل کرتے تھے۔ قبیلہ بنی کنانہ کے مسلمانوں نے اپنے پر یہ پابندی لگائی تھی کہ جب تک کوئی مہمان یا دوست پڑوسی وغیرہ ان کے ساتھ کھانا نہ کھاتا وہ بھی نہ کھاتے اس لئے کبھی کبھی شام تک بھوکے رہتے اور کچھ لوگ کسی کے ساتھ کھانے کو برا

marfat.com

سمجھتے وہ اکیلے ہی کھاتے اللہ تعالیٰ نے دونوں قسم کی پابندیوں کو غلط فرما کر تا قیامت شرعی قانون بنا دیا کہ اے مسلمانو اس طریقے میں تم پر کوئی گناہ نہیں کہ ایک پیالے میں مل کر کھاؤ یا علیحدہ اپنی اپنی پلیٹوں میں کھاؤ۔ شرعی پابندی صرف یہ ہے کہ حلال کھاؤ اپنا حق کھاؤ بیٹھ کر، ہاتھ دھو کر بسم اللہ پڑھ کر کھاؤ خواہ اپنے گھر میں یا مذکورہ اہل قربت کے گھروں میں۔ ہاں البتہ ایک شرعی پابندی یہ ہے کہ فَاِذَا دَخَلْتُمْ بُيُوْتًا فَسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ تَحِيَّةً مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُبٰرَكَةً طَيِّبَةً۔ جب بھی تم کسی مسلمان کے گھر داخل ہونے لگو تو اس گھر میں موجود سب اپنوں کو السلام علیکم کے لفظوں سے سلام کیا کرو اور حیات دنیوی سلامتی دینی رحمۃ دائمی کی دعائیں دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مبارک بادیوں کے ساتھ۔ آیتوں روایتوں میں سلام کرنے کی بہت فضیلت آئی ہے۔ **حدیث اول:** بخاری مسلم میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما ہے کہ ایک شخص نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا اللہ کو کونسا اسلام پسند ہے فرمایا بھوکوں کو کھلانا، ہر مسلمان کو سلام کرنا، بیماروں کی عیادت کرنا۔ **حدیث دوم:** ترمذی، نسائی میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمان نبوی ہے کہ ہر مسلمان کے ہر مسلمان پر چھ حق ہیں۔ عیادت کرنا، تعزیت کرنا، دعوت قبول کرنا، ملاقات و وداع کے وقت سلام کرنا جواب دینا، ہر مسلمان کی بھلائی چاہنا، چھینک کا جواب دینا۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ چھینکنے والا زور سے کہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ تو سننے والا کہے یَرْحَمُکَ اللّٰہُ پھر چھینکنے والا کہے یَھْدِیْکُمُ اللّٰہُ۔ **حدیث سوم:** مسلم شریف بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمان نبوی کہ جنت ملتی ہے ایمان سے اور ایمان ملتا ہے محبت سے اور محبت ملتی ہے سلام کرنے سے۔ **حدیث چھارم:** مسلم بخاری میں بروایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے کہ سوار پیدل کو، پیدل بیٹھے کو، تھوڑے زیادہ کو، بے علم عالم کو پہلے سلام کرے۔ **حدیث پنجم:** ترمذی، ابوداؤد میں بروایت عمران رضی اللہ عنہ بن حصین فرمان نبوی ہے کہ صرف اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ کہنے سے دس نیکیاں اور وَرَحْمَةُ اللّٰهِ ملانے سے بیس اور وَبَرَکَاتُہٗ ملانے سے تیس (۳۰) ملتی ہیں۔ **حدیث ششم:** مشکوۃ شریف بروایت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ فرمایا آقا ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے پیارا انسان وہ ہے جو سلام میں پہل کرے۔ **حدیث هفتم:** بیہقی شریف بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ فرمان نبوی، بیرونی ملاقات میں ہر مسلمان کو سلام کرنے سے عمر لمبی ہوتی ہے گھر آ کر سلام کرنے سے خیر و برکت کی کثرت اور نماز ظہر کی پابندی سے مقام ابرار نصیب ہوتا ہے کیونکہ نماز ظہر اوابین لوگوں کی نماز ہے۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٦١﴾ اے مسلمانو اللہ تعالیٰ تمہارے اخلاق و درجات بلند و پاکیزہ رکھنے کے لئے اسی طرح آسانیوں رحمتوں کے ساتھ فرضی واجبی نفلی آداب و عبادات کی ثوابی آیتیں تمہارے لئے بیان فرماتا ہے تاکہ تم دنیا میں سب سے زیادہ عقل والے ہو جاؤ۔ ان آیتوں میں تین بار یُبَیِّنُ فرمایا گیا۔ اولاً آیت ۵۸ میں وہاں اس کا مقصد یہ ہے کہ یہ بیان بے عملی بے حکمتی کا نہیں بلکہ بیان فرمانے والا علم و حکیم ہے۔ پھر آیت ۵۹ میں وہاں یُبَیِّنُ کا مقصد اس علم و حکمۃ کا اظہار ہے جو نابالغین و بالغین کی تعلیم و تربیت اخلاق و تہذیب سے متعلق ہے۔ پھر آیت ۶۱ میں یُبَیِّنُ فرمانے کا مقصد عمر رسیدہ بزرگوں کے علم و عقل فراست حاصل کرنے کے لئے۔

marfat.com

اس آیت میں اختلافی اقوال

آیت ۶۱ کے حکم وجوبی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ یہ پوری آیت محکم ہے اس کا حکم وجوبی تا قیامت ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ علی بن طلحہ تابعی بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ ہے سورۃ نساء کی آیت ۲۹ سے لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ سے مگر یہ قول دو وجہ سے غلط ہے۔ **وجہ اول**: سورۃ نساء کا نزول ۹۲ ہے اور سورۃ نور کا نزول ۱۰۲ ہے یعنی سورۃ نساء مکمل پہلے نازل ہوئی سورۃ نور بہت بعد میں نازل ہوئی حالانکہ ناسخ پہلے نہیں ہوسکتا۔ **وجہ دوم**: علماء اَسمَاءُ الرجال فرماتے ہیں کہ علی ابن طلحہ کی ملاقات حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ثابت ہی نہیں (تفسیر قرطبی) لہٰذا یہ نساء ونور کی یہ دونوں آیتیں تا قیامت محکم ہیں۔ مَلَكْتُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت مَلَكْتُمْ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت مُلِّكْتُمْ ہے۔ عَلَى الْاَعْمٰى کے عَلَى میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ عَلَى اپنے ہی فوقیت کے معنی میں ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عَلَى بمعنی فِي ہے۔ لَا عَلَى الْاَعْرَجِ یہاں بیان کردہ تینوں معذورین کی شرعی نوعیت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا کہ اس کا معنی ہے کہ جب گھر والوں کو ان کی امانت حفاظت میں چھوڑا جائے تو گھر میں رکھی کھانے کی چیزیں ان کو کھانا جائز ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا کہ ان معذورین پر جہاد میں نہ جانے کا گناہ نہیں ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا کہ ان کے ساتھ تندرستوں کا کھانا پینا جائز ہے نہ معذوروں کا نقصان نہ تندرستوں پر گناہ۔ وَلَا عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ کے تعلق میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ جملہ لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰى سے متعلق ہے یعنی نہ معذورین پر نہ گھر والوں پر کوئی حرج۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ علیحدہ جملہ ہے تمام جگہ لفظ بُيُوْتِ کی قرأت دو قول۔ ۱۔ اکثر کی بُيُوْتِ ہے بَ پر ضمہ۔ ۲۔ بعض کی قرأت بِيُوْتِ ہے بَ پر کسرہ۔ اُمَّهٰتِ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اُمَّهٰتِ ہے۔ ۲۔ بعض کی اِمَّهٰتِ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت اِمِّهٰتِ ہے۔ مَّفَاتِحَهٗ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت مَفَاتِحَ ہے۔ جمع مکسر اس کا واحد ہے مِفتَاح۔ ۲۔ بعض کی قرأت ہے مَفَاتِيح۔ ۳۔ بعض کی قرأت ہے مِفتاح۔ صَدِيْقِكُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت صَدِيْقِكُمْ ہے۔ ۲۔ بعض کی صَدِّيقِكُمْ ہے۔ صَدِيْقِ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ لفظاً، معناً واحد ہے یعنی ایک دوست۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ لفظاً واحد معناً جمع ہے یعنی بہت سے دوست۔ جیسے لفظ عَدُوٌّ لفظاً واحد معناً ہمیشہ جمع ہوتا ہے۔ دَخَلْتُمْ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا لوگوں کے رہائشی گھروں میں داخلہ مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا مسجدیں مراد ہیں۔ دَخَلْتُمْ کے حکم میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ پوری آیت محکم ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا دَخَلْتُمْ سے طَيِّبَةً تک منسوخ اسی سورۃ کی آیت ۲۸ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا (الخ) سے مگر یہ قول دو وجہ سے غلط ہے۔ **اولاً** یہ کہ ہمیشہ پوری آیت منسوخ ہوتی ہے آدھی یا کم نہیں۔ **وجہ دوم** یہ کہ ناسخ پہلے نہیں ہو سکتا۔ تَحِيَّةً کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا تحیۃ کا معنی۔ دعاء حیات۔ ۲۔ بعض نے کہا دعاء سلامتی۔ ۳۔ بعض نے کہا دعاء برکت۔ ۴۔ بعض نے کہا قابل ثواب عادتوں کی دعا۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: ہر مسلمان کو سلام کرنے اور بسم اللہ پڑھنے کا عظیم فائدہ

marfat.com

ہے۔ ابوداؤد میں بروایت ابو مالک اشجعی رحمۃ اللہ علیہ فرمان نبوی ہے کہ جو گھر میں جائے تو یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ اِنِّیۡ اَسۡئَلُکَ خَیۡرَ الۡوُلُوۡجِ وَخَیۡرَ الۡخُرُوۡجِ بِسۡمِ اللّٰہِ وَلَجۡنَا وَبِسۡمِ اللّٰہِ خَرَجۡنَا وَعَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلۡنَا۔ اس کو پڑھ کر گھر والوں کو سلام کرے اگر گھر خالی ہو تو نبی کریم ﷺ کو اور ملائکہ کو سلام کرے۔ مسلم باب آداب طعام بروایت حضرت زید ابن اسلم رضی اللہ عنہ تابعی عن جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرمان نبوی ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی مسلمان کے گھر جا کر سلام کرتا ہے تو ابلیس اپنے شیطانوں سے کہتا ہے کہ یہاں سے بھاگو تمہارا بسیرا یہاں ممکن نہیں اور کھانے پر بسم اللہ پڑھی جائے تو کہتا ہے یہاں تمہارا کھانا بھی نہیں ہے لیکن جس گھر میں بوقت داخلہ سلام اور بوقت کھانا بسم اللہ نہیں ہوتی تو ابلیس کہتا ہے یہیں رہو تمہارا بسیرا بھی ہے کھانا بھی یہ فائدہ۔ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ کے فرمان سے حاصل ہوا۔ ہر مسلمان کو یہ دعا یاد کر لینی چاہئے۔ **دوسرا فائدہ:** مسلمان کو لازم ہے کہ مسلمان کو صرف السلام علیکم کے لفظوں سے سلام کرے۔ وہابیوں کے بنائے ہوئے اللہ حافظ شیعوں کے بنائے ہوئے یا علی مدد کفار کے بنائے بابا، ٹاٹا بولنا منع ہے۔ لیکن غیر مسلموں کو بابا، ٹاٹا کر سکتا ہے وہاں سلام نہ کہے۔ ہر مسلمان ملاقات پر بھی یہی سلام کرے اور وداع پر بھی۔ یہی حکم فرمان نبوی کا ہے کہ اے مسلمانو! مسلمانوں کو صرف سلام کے لفظ سے سلام کرو۔ یہ فائدہ فَسَلِّمُوۡا (الخ) سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** مسلک حنفی میں قرابت دار کے غیر مقفل گھر میں چوری کرنے پر ہاتھ نہ کٹیں گے صرف تاوان وتعزیری سزا ہوگی کیونکہ ہاتھ صرف محفوظ مال کی چوری سے کاٹے جاتے ہیں لیکن قرابت دار کا گھر قرابت دار پر نہ مقفل نہ محفوظ بلکہ آنے جانے ٹھہرنے کھانے پینے کی اجازت عام ہے۔ یہ فائدہ اَنۡ تَاۡکُلُوۡا اور مَامَلَکۡتُمۡ (الخ) سے حاصل ہوا۔ چوری خواہ گھر والے کے مال کی ہو یا اس کے گھر میں امانت کی ہو۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** یہ مسئلہ متفقہ ہے کہ صدیق یعنی دوست کی گواہی دوست کے حق میں شرعاً معتبر ہے مگر قریبی قرابتدار کی گواہی قرابتدار کے حق میں معتبر نہیں اس کی وجہ یہ کہ قرابت سے خونی وقومی نسلی اصلی رشتہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس کی گواہی میں عدل کے خلاف کذبیت کی لچک وقومیت کا جھکاؤ ہونے کا زیادہ امکان واندیشہ ہے مگر دوستی کتنی بھی پرانی پختہ وگہری ہو اس کے خاتمے کا امکان ہے۔ اسی امکان خاتمہ ونا پختگی کی وجہ سے کذبیت کا امکان کم ہے بلکہ شاذ ونادر ہے۔ یہ مسئلہ اَوۡ صَدِیۡقِکُمۡ کو تمام قرابتوں کو بعد آخر میں بیان فرمانے سے مستنبط ہو۔

دوسرا مسئلہ: دنیا میں گھر چار قسم کے ہوتے ہیں اور ہر ایک میں سلام کرنے کا طریقہ علیحدہ ہے۔ ۱۔ خالی گھر یا مسجد میں سلام کے الفاظ اَلسَّلَامُ عَلَیۡکُمۡ یَارَسُوۡلَ اللّٰہِ اَلسَّلَامُ عَلَیۡنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصّٰلِحِیۡنَ۔ ۲۔ گھر ومسجد میں موجود لوگوں کو سلام۔ السلام علیکم۔ ۳۔ غیر مسلم کا گھر لوگ موجود ہوں تو سلام کا شرعی طریقہ اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی۔ غیر مسلم کو السّلام علیکم گناہ ہے۔ ۴۔ مخلوط لوگوں کے گھر میں سلام کا طریقہ یہ کہ مسلمانوں کی طرف دیکھتے ہوئے اور مسلمانوں کی ہی نیت کر کے السّلام علیکم کہے نماز کے آخری سلام دوطرفہ میں فرشتوں کو سلام کی نیت کرے۔ یہ مسئلہ فَاِذَا دَخَلۡتُمۡ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** وہابی کہتے ہیں کہ ایصال ثواب ناجائز ہے مگر اہلسنت فرماتے ہیں

marfat.com

کہ جائز اور مفید ہے کل حشر میں فائدہ دے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ قرآن مجید سے ثابت ہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ سورۃ بقرہ آیت ۱۱۰ میں وَمَا تُقَدِّمُوا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ۔ علماء عظام اس کا ترجمہ اس طرح فرماتے ہیں اور وہ نیکیاں جو تم نے آگے بھیجیں اپنوں کے لئے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس موجود پاؤ گے محشر میں یعنی ضائع نہ ہوگی جس کے لئے بھیجی ہوں گی اسے ملے گی۔ لِاَنْفُسِكُمْ کا اصلی ترجمہ ہے اپنوں کے لئے۔ قرآن مجید میں تقریباً پچاس (۵۰) جگہ اَنْفُسِكُمْ کا لفظ ارشاد ہوا۔ ان میں سینتیس (۳۷) جگہ ترجمہ ہے اپنوں کے لئے اور دو جگہ ہے اپنے اپنوں کے لئے اور گیارہ جگہ ترجمہ ہے اپنے لئے۔ مثلاً سورۃ بقرہ آیت ۸۴ میں ہے کہ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ نہ نکالو تم اپنوں کو اپنے گھروں سے۔ خاص کر جن آیات میں آخرت کی طرف اعمال بھیجنے کا ذکر ہے وہاں تو سب جگہ ہی لِاَنْفُسِكُمْ کا ترجمہ ہے۔ اپنوں کے لئے قرآن مجید میں بغیر ایصال ثواب کے ذخیرۂ عمل ذاتی کا ذکر سورۃ حشر آیت ۱۸ میں اس طرح ارشاد ہوا: وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور سورۃ کہف آیت ۵۷ میں ہے۔ مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ یعنی ذاتی اعضاء نے اور ہاتھوں نے آگے بھیجے۔ عام اعمال زبانوں سے ایصال نہیں کئے جاتے خود بخود بارگاہِ الٰہی میں جمع ہو جاتے ہیں ان کا ذکر مَا قَدَّمَتْ يَدٰهُ اور نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ سے فرمایا گیا وہاں لِاَنْفُسِكُمْ نہیں ہے لیکن جہاں زبانی ایصال کا ذکر ہے وہاں تُقَدِّمُوا کا خطاب اور لِاَنْفُسِكُمْ کی وضاحت ہے۔ ایصال ثواب کا یہ مسئلہ یہاں فَسَلِّمُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ سے مستنبط ہوا یعنی اپنوں پر سلام کرو۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا کہ مل کر کھانا بھی جائز ہے علیحدہ علیحدہ بھی جائز مگر ایک حدیث میں بروایت حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرمان نبوی ہے کہ شَرُّ النَّاسِ مَنْ اَكَلَ وَحْدَهٗ ضَرَبَ عَبْدَهٗ وَمَنَعَ رِفْدَهٗ۔ ترجمہ: سب سے برا وہ ہے جو اکیلے کھائے اپنے غلام کو مارے اور اپنے سائل بھکاری کو بھیک دینے سے منع کرے۔ **جواب:** آیت میں اَشْتَاتًا ہے یعنی علیحدہ پلیٹ میں اور روایت میں وَحْدَهٗ ہے یعنی سب کھانا خود اکیلے ہی کھا جائے کسی کو کچھ نہ دے آیت و روایت میں لفظ بھی مختلف معنی کا فرق بھی واضح۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں اتنے اہتمام سے کیوں فرمایا گیا کہ مل کر کھاؤ یا علیحدہ علیحدہ تم پر گناہ نہیں ہے۔ **جواب:** آج بھی اور پہلے زمانوں میں بھی کچھ لوگ اپنے ذہنوں میں تقویٰ سمجھ کر ایسے خیالات جما لیتے ہیں جن کا تقوے یا شرعی حکم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا مگر وبال جان بن جاتے ہیں مثلاً کچھ لوگ بغیر مہمان اکیلے کھانا پینا پسند نہ کرتے تھے یہاں تک کہ بعض وقت شام تک بھوکے رہتے خود بھی پریشان سب گھر والے بھی پریشان اور کچھ معذورین کے ساتھ کھانا پسند نہ کرتے تھے کہ کہیں ہم زیادہ اور اچھا کھا جائیں اور ان کی حق تلفی ہو اور ہم لَا تَاْكُلُوْۤا بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ کے مجرم نہ بن جائیں اور اب کچھ مسلمان ہندوؤں کی صحبت میں رہ کر ساتھ کھانے میں نفرت کرتے ہیں کچھ لوگ بیٹیوں کے گھر سے کھانا حرام سمجھتے ہیں۔ اس آیت میں ان تمام کو ان ناجائز پابندیوں سے روکا گیا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اس کی کیا وجہ کہ اتنی قسم کے گھر بتائے گئے مگر اولاد کا گھر نہ بتایا گیا۔ **جواب:** مِنْۢ بُيُوْتِكُمْ سے اولاد کا گھر ہی مراد ہے بیٹا ہو یا بیٹی نہ کہ ذاتی رہائش، ذاتی رہائشی گھر میں اَنْ تَاْكُلُوْا کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ احادیث میں

marfat.com

بھی اولاد کی چیزوں کو والدین کی چیزیں ہی فرمایا گیا ہے چنانچہ ابن ماجہ میں اَنْتَ وَمَالُکَ لِاَبِیْکَ۔

تفسیر صوفیانہ

کثرت نوافل وعبادت سے روح بینا ہو جاتی ہے اور نفس امارہ نابینا قلب مسرور نفس معذور ہو جاتا ہے۔ بندہ ظاہر تندرست ہو جاتا ہے شیطان باطن بیمار جو بندہ خواہشات دنیا سے اندھا ہو لذات نفسانی سے اَعرج ومعذور شہوات شیطانی کا بیمار تو ان پر کوئی گناہ نہیں ہے کہ خلوت گاہ مراقبہ سے نکل کر جلوت گاہ مکاشفہ کے آستانوں پر جا کر رزق سعادت غذاء ہدایت حاصل کریں۔ اَعْمٰی۔ اَعرج مریض مریدین مبتدی ہیں اور اَنْفُسِکُمْ مریدین منتہی ہیں۔ ہر قالب انسانی میں رہائش روح کے گیارہ گھر ہیں۔ ۱۔ بیت اعمال۔ ۲۔ بیت اسرار۔ ۳۔ بیت اَوَّابِیْن۔ ۴۔ بیت اخیار۔ ۵۔ بیت انوار۔ ۶۔ بیت ابرار۔ ۷۔ بیت تربیت۔ ۸۔ بیت محبت۔ ۹۔ بیت مسکینیت۔ ۱۰۔ مشاہدات۔ ۱۱۔ بیت ربوبیت اور قلبُ الْمُومِنِ عرشُ اللّٰہ۔ راہِ حقیقت میں اندھے وہ ہیں جن کی پوری رویت کو عظمت انوار کی چمک نے چندھیا دیا اور پوری حقیقت حال کو معلوم کرنے سے معذور وکمزور کر دیا اور منجنیق وکمان ازلی کے پتھروں تیروں نے ہمت دنیا سازی کے پیروں کو توڑ دیا اور کچھ بندے وہ ہیں جن کو عشق معرفت نے بیمار محبت کر دیا۔ یہ تینوں ترک مجاہدہ کر کے بیٹھ رہنے والے ہیں ان پر ترک دنیا وقبول حق کے دخول دعوت کا گناہ نہیں ہے۔ یہ مقبولین دین کے بینا ہیں دنیا کے اندھے ہیں۔ ان کا دیکھنا قدرت اللہ، ان کا چلنا قوت اللہ، ان کا پکڑنا ہمت اللہ سے ہے۔ یہی بندے بیمارِ دنیا، تندرست عقبیٰ اور مخصوص ہیں قرب الٰہی کی منزلوں میں اور فیض ربانی کے قبول وحصول میں سَابِقُوْن و مقرّبون ہو کر۔ وادیِ طریقت کے اخوان وہ ہیں جن کی الفت للہ، خدمت فی اللہ اور اخوت باللہ ہو اور اسرار واعلان میں خلوص ہو۔ صدیق روحانی وہ ہے جس کا ظاہر وباطن دوست کے ظاہر وباطن کے مطابق وموافق ہو مخالف نہ ہو۔ جب بندہ اس مقام پر پہنچ جائے تو امور دین ودنیا کی ہر چیز میں دوطرفہ اباحت وجواز ہوتا ہے ایسا بندہ گناہ سے محفوظ کر دیا جاتا ہے۔ اس کو ہی صوت صمدانی کی بشارت دی جاتی ہے کہ تم جو بھی کماؤ کھاؤ تم پر کوئی گناہ نہیں اور کمال وقوت پانے میں کوئی رکاوٹ نہیں نہ شریعت طریقت کی نہ حقیقت معرفت کی کیونکہ رب تعالیٰ کسی بندے کو اس کی ہمت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور اہل نفوس پر اس بات میں حرج نہیں کہ ان کی روحانی غذا اپنے دست بدنی کے اعمال عبادات سے ہو یا اولاد وہم جنس کے ایصال ثواب سے ہو۔ اہل سلوک کے لئے یہی بُیُوْتِ صدق وصفا اور مراتب جنَّۃِ عُلیٰ ہے۔ درجتِ جنت کی چابیاں اہل کسب وکمال کے مسکنوں میں کچھ ایسے بلند مقام پر ہیں جن کو بندۂ محبوب اپنے صدیق وجلیس سعید وصالح کی برکت سے پائے گا۔ جلوت محفل کا فیض ہو یا خلوت اسرار کی تغریق وتنہائی کی برکات اہل جنت کی غذائیں درجۃِ جَمِیْعًا میں ہوں یا مقامات اَشْتَاتًا میں کسی میں بھی رکاوٹ نہ ہو گی کیونکہ دنیا میں ولایت مرشد کا نور مرید صادق کے آئینے میں جھلکتا ہے ہر مرید اسی نور سے مرتبے پاتا ہے اعمال صالحہ سے قلب مرید آئینہ بن جاتا ہے۔ اے طالبین حقیقت جب داخل ہو جاؤ تم کاملین طریقت اولیاء اللہ کے آستانوں میں حرمت تامہ وآداب کاملہ اعتقاد باطنہ کے ساتھ تب تم اہل کرامت بن جاؤ گے پھر جب تم قرب کی کسی بھی منزل میں پہنچو تو احکام ربوبیت کا سلام اور اعمال عبودیت کی سلامتی قائم کرو یہاں تک کہ ترقی کر جاؤ تم اطیب واعلیٰ

marfat.com

منزلوں تک اور سلامتی بھیجوا اپنی روح وقلب عقل وعلم کی قربتوں پر کیونکہ یہی کرامت ربانی کے محلات ہیں ان کی ساعتیں لطیف ہیں۔ تین سلامتیوں کا نام تَحِيَّةِ الٰهى ہے۔ ا۔ محنة مصيبة سے سلامتی۔ ۲۔ فتنہ وفساد سے۔ ۳۔ شرنفس وشیطان سے امن وسلامتی۔ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۱﴾ اسی طرح ظاہر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تم طالبین وسالکین کے لئے عارفین کے قلب وجسم روح وعقل پر انوار واسرار کی آیات ونشانات وعلامات تا کہ تم اے مبتدیو! وادیِ جلال کا ادب و احترام اور منزل جمال کی سمجھداری حاصل کرلو۔ یہی نمازِ معرفت کا قیام ہے اور یہی رکوع وسجود وقعود ہے:

تجھ ہی کو دیکھنا تیری ہی سننا تجھ میں گم ہونا
حقیقت معرفت والے عبادت اس کو کہتے ہیں

نمازمعرفت منزل قرب ہے سجدۂ حقیقی معراج مومن ہے۔ بُيُوْتِكُمْ وجود مریدین ہے۔ بُيُوْتِ اٰبَآئِكُمْ وجود مرشدین ہے۔ بُيُوْتِ اُمَّهٰتِكُمْ نسبت بیعت ہونا ہے نیک بخت وہ ہے جس کی خوشی اس کو باطل پر نہ لائے اور غمی حق سے نہ ہٹائے۔ بندے کا دل جب تک غیراللہ کی محبت ورغبت سے کنارہ کش نہ ہوا سے معرفت نصیب نہیں ہوسکتی۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا غیراللہ کون ہے؟ فرمایا: اللہ کے دشمن غیراللہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دوست مِنَ اللّٰهِ ہیں یعنی اولیاء اللہ۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ
فقط مومن وہی لوگ ہیں جو سچے طریقے سے ایمان لے آئے ہیں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول کریم پر
ایمان والے تو وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر یقین لائے
وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا
اور جب بھی شامل ہوئے وہ رسول اللہ کے ساتھ کسی اجتماعی کام پر تو واپس نہیں جاتے
اور جب رسول کے پاس کسی ایسے کام میں حاضر ہوئے ہوں جس کے لئے جمع کئے گئے ہوں تو نہ جائیں
حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ
جب تک کہ اجازت نہ مانگ لیں رسول اللہ سے بیشک وہی لوگ جو اجازت حاصل کرلیتے ہیں
جب تک ان سے اجازت نہ لے لیں وہ جو تم سے اجازت مانگتے ہیں
اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ
یہی ہیں وہ لوگ جو خالص ایمان لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول کریم پر
وہی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہیں

marfat.com

فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ
تو جب انہوں نے اجازت مانگی آپ سے اپنے کسی بہت اہم کام کے لئے تو اجازت دے دو تم جس کو چاہو ان میں سے
پھر جب وہ تم سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لئے تو ان میں جسے تم چاہو اجازت دے دو
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾
اور بخشش مانگا کرو تم ان مخلصوں کے لئے اللہ تعالیٰ سے بیشک اللہ تعالیٰ مغفرت کرنے والا رحیم ہے
اور ان کے لئے اللہ سے معافی مانگو۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے

تعلقات

اس آیت کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیتوں میں اہل ایمان کے لئے چند معاشرتی قانون اسلامی بیان فرمائے گئے۔ اب اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کا تعارفی ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ مُؤْمِنُوْنَ کون لوگ ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں مسلمانوں کا آپس میں ایک دوسرے کے گھروں میں جانے کی اجازت لینے کا شرعی قانون بیان فرمایا گیا۔ اب اس آیت پاک میں نبی کریم ﷺ کی محفل پاک سے کسی مسلمان کو بلا اجازت اٹھ کر واپس آنے کی ممانعت کا قانون ہنگامی وقتی بیان فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیتوں میں وہ قانون بیان فرمائے گئے جو ہر مسلمان کے لئے تا قیامت جاری و نافذ ہیں۔ اب اس آیت پاک میں وقتی ہنگامی مخصوص قانون محفل نبوی بیان فرمایا جا رہا ہے جو صرف حیات طیبہ میں حاضر باش صحابہ کرام کے لئے تھا اب نہیں ہے۔

شان نزول

جنگ بدر اور جنگ اُحد کی ذلتوں شکستوں کے بعد کفار مکہ نے ابوسفیان کی سرکردگی میں پھر سر اٹھایا اور لشکر قریش و دیگر قبائل عرب کو لے کر مدینہ منورہ پر حملے کے لئے نکلے۔ آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ نے تمام صحابہ کرام کی مشاورتی مجلس طلب فرمائی اور دفاعی جنگ لڑنے کا مشورہ طلب فرمایا۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ جو ایک ایرانی جرنیل بوزخشان مجوسی کے بیٹے تھے۔ انہوں نے ایرانی دفاعی جنگ کا طریقہ بتاتے ہوئے مشورہ دیا کہ مدینہ منورہ کے آس پاس خندق کھودی جائے اور صرف ایک جانب چھوڑی جائے وہاں اسلامی فوج جمع ہو۔ یہ مشورہ پسند و قبول ہوا اور تمام مسلمانوں کو خندق کھودنے کا حکم دیا گیا۔ خندق سات دن میں مکمل کھود لی گئی۔ سخت بلا کی سردی تھی موسم سرما اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی غربت۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پیٹ پر پتھر باندھ کر خندق کی کھدائی کی تھی۔ مخلصین تو ہمہ تن کام میں مصروف رہے اور ہر تکلیف جھیل کر بھی حکم آقا پر مرمٹنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے۔ خود آقا ﷺ کے بطن اقدس پر بھی سات پتھر بندھے ہوئے تھے۔ منافقین کی مکاری کی یہ حالت تھی کہ باری باری بہانے بہانے چھپ چھپا کر اجازت بے اجازت بھاگ رہے تھے ان کی مذمت کے لئے یہ آخری تین آیتیں نازل ہوئیں از آیت ۶۲ تا آیت ۶۴۔ ان آیات میں چار باتیں بیان فرمائی گئیں۔ ا۔ مخلصین صحابہ کی کارکردگی

marfat.com

اطاعت فرماں برداری۔ ۲۔ بارگاہِ نبوت کا ادب سکھایا گیا کہ اگر نبی کریم ﷺ کسی کو بلائیں تو اس بلاوے کا کیا ادب واہتمام ہونا چاہئے یا اگر کوئی غلام امتی اپنے آقا ﷺ کو پکارے ندا کرے تو اس فریاد کا کیا طریقہ ہونا چاہئے۔ ۳۔ منافقین کی خباثت ومکاری کا ذکر فرمایا۔ ۴۔ آخر میں قدرت الٰہیہ اور انجام اخروی کا ذکر فرمایا گیا۔

تفسیر نحوی

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ۔ اِنَّ حرف مشبہ زائدہ مَا کافہ۔ دونوں کا مجموعہ لفظ حصر بن گیا۔ معنی ہے فقط، صرف۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ باب افعال کا اسم فاعل صیغہ جمع مذکر۔ ترجمہ ہے فقط سچا پکا اور صحیح ایمان لانے والے۔ یہ مبتدا ہے اَلَّذِیْنَ اسم موصول جمع مذکر اٰمَنُوْا فعل ماضی مطلق ضمیر صیغہ اس کا فاعل جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ بَ جارہ۔ اللّٰهِ معطوف واؤ عاطفہ رَسُوْلِهٖ مرکب اضافی معطوف ہے دونوں عطف مجرور ہو کر متعلق ہے۔ اٰمَنُوْا کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اِذَا حرف شرط كَانُوْا فعل ماضی مطلق تامہ۔ صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ مَعَ اسم ظرفی مکانی مضاف ہے۔ ہٗ ضمیر واحد مذکر غائب مجرور متصل اس کا مرجع ہے رَسُوْلِهٖ۔ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی مفعول مَعَهٗ ہے كَانُوْا کا۔ عَلٰى حرف جر فوقیت اَمْرٍ اسم نکرہ بمعنی معاملہ، واقعہ۔ یہ موصوف ہے جَامِعٍ۔ اسم فاعل واحد مذکر۔ ترجمہ ہے جمع کرنے والا امراد ہے اجتماعی یہ صفت ہے مرکب توصیفی مجرور ہو کر متعلق ہے كَانُوْا کا۔ یہ فعل اپنے فاعل مفعول مَعَهٗ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ لَمْ يَذْهَبُوْا۔ بَابِ فَتَحَ کا مضارع نفی جحد بلم صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل هُمْ پوشیدہ ضمیر صیغہ۔ ذھب سے مشتق ہے ترجمہ ہے جانا۔ حَتّٰى حرف جر۔ اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ اِسْتَاْذِنُوْا باب استفعال کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب۔ مصدر ہے اِسْتِئْذَانٌ۔ اِذْنٌ سے بنا ہے۔ دراصل ہے يَسْتَاْذِنُوْنَ اَنْ ناصبہ پوشیدہ نے نصب دیا تو ہو گیا يَسْتَاْذِنُوْ۔ آخر سے نون اعرابی گر گئی۔ اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ جس کا مرجع اَلَّذِیْنَ ہے۔ معنی ہے اجازت لے لیتے ہیں ہٗ ضمیر مفعول بہ۔ جس کا مرجع ہے رَسُوْلِهٖ یہ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر مجرور ہے حَتّٰى سے دونوں مل کر متعلق ہے لَمْ يَذْهَبُوْا کا۔ وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِذَا كَانُوْا کے جملے کی وہ شرط و جزا مل کر معطوف ہے اٰمَنُوْا کے جملے پر دونوں عطف مل کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر خبر مبتدا۔ اَلْمُؤْمِنُوْنَ مبتدا اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ الَّذِیْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ فَاِذَا اسْتَاْذَنُوْكَ لِبَعْضِ شَاْنِهِمْ فَاْذَنْ لِّمَنْ شِئْتَ مِنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمُ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۶۲﴾ اِنَّ حرف مشبہ بالفعل یعنی فعل کی طرح رفع اور نصب دینے کا عمل کرتا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول يَسْتَاْذِنُوْنَ۔ باب استفعال کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مصدر ہے اِسْتِئْذَانٌ ترجمہ ہے اجازت مانگنا اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْنَ۔ كَ ضمیر واحد مذکر حاضر مرجع ہے نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس۔ یہ ضمیر مخاطب مفعول بہ ہے۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا دونوں موصول صلہ مل کر اسم ہے اِنَّ کا۔ اُولٰٓئِكَ اسم اشارہ مبتدا ہے۔ اَلَّذِیْنَ اسم موصول يُؤْمِنُوْنَ فعل فاعل مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل

marfat.com

ضمیر صیغہ۔ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یہ پوری عبارت مرکب اضافی معطوف و معطوف علیہ مجرور متعلق ہے یُؤْمِنُوْنَ کا وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْنَ کا یہ موصول صلہ مل کر معطوف علیہ ہے۔ ف عاطفہ اذا شرطیہ اِسْتَاذَنُوْ۔ باب استفعال کا ماضی مطلق مثبت معروف بمعنی مستقبل۔ اس کا فاعل ھُمْ ضمیر صیغہ جمع مذکر غائب۔ کَ ضمیر مخاطب مرجع نبی کریم ﷺ۔ لام حرف جر بَعْضِ اسم جزئی مضاف ہے۔ شَاْنِ اسم مفرد مذکر نکرہ خصوصی۔ اس کی جمع مکسر ہے شُئُوْنٌ۔ لغوی ترجمہ ہے عظیم حالت وکیفیت اس مناسبت سے تیرہ (۱۳) معنوں میں مشترک ہے۔ ا۔ بڑا کام۔ ۲۔ اہم معاملہ۔ ۳۔ خاص واقعہ۔ ۴۔ فکر۔ ۵۔ دماغ کی جڑی ہوئی ہڈیاں۔ ۶۔ آنسوؤں کی رگ۔ ۷۔ تلاش وطلب۔ ۸۔ ارادہ۔ ۹۔ نشہ آور چیز۔ ۱۰۔ قدرت و تقدیر۔ ۱۱۔ برا یا اچھا بھلا پیشہ دھندہ۔ ۱۲۔ تدبیر۔ ۱۳۔ بہت ضروری کام۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ یہ مضاف ھُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مضاف الیہ ہے بَعْضِ کا۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ اِسْتَاْذَنُوْ کا یہ فعل با فاعل اپنے مفعول بہ و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ ف جزائیہ۔ اِئْذَنْ۔ بروزن اِفْتَحْ باب فَتَحَ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر اِذْنٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل ہے اَنْتَ ضمیر واحد مخاطب مرجع ہے آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی ذات مقدس۔ لِمَنْ لام جارہ تعدیہ کا بمعنی کو۔ مَنْ موصولہ شِئْتَ باب سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر حاضر خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو شَیٌٔ سے مشتق ہے ترجمہ ہے چاہنا مراد ہے مَشِیْئَتْ۔ چیز کو عربی میں شَیٌٔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ چاہی ہوئی ہوتی ہے اسی وجہ سے عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کا ترجمہ فرمایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر مشیت پر قادر ہے۔ شِئْتَ کا فاعل ضمیر صیغہ مِنْھُمْ۔ جار مجرور اس کا متعلق ہے یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے فَاْذَنْ کا۔ وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ اِسْتَغْفِرْ۔ باب استفعال کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد مذکر مخاطب خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ۔ اس کا مصدر ہے اِسْتِغْفَارٌ۔ غَفْرٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے بخشش مانگنا۔ لَھُمْ جار مجرور متعلق ہے اِسْتَغْفِرْ کا اللّٰہَ اس کا مفعول بہ ہے۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف فَاْذَنْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر جزا ہے اِذَا اسْتَاْذَنُوْ کے جملے کی شرط و جزا مل کر معطوف ہے اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر خبر ہے اُولٰٓئِکَ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی۔ وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ اِنَّ اللّٰہَ۔ اِنَّ حرف مشبہ تحقیقیہ ترجمہ ہے بیشک۔ یقیناً۔ اللّٰہَ اس کا اسم غَفُوْرٌ۔ اسم مبالغہ بروزن فَعُوْلٌ معنی ہے بہت ہی بخشش اور بخششیں فرمانے والا۔ یہ اِنَّ کی پہلی خبر ہے رَّحِیْمٌ دوسری خبر ہے۔ اِنَّ اپنے اسم اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ۔

تفسیر عالمانہ

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَاِذَا کَانُوْا مَعَہٗ عَلٰٓی اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ یَذْھَبُوْا حَتّٰی یَسْتَاْذِنُوْہُ۔ اپنے مونہوں سے تو بہت لوگ کہتے پھرتے ہیں ہم مومن ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا اعلان عام بقانون اسلام یہ ہے کہ مومن صرف وہی لوگ ہیں جو دل و جان عمل و اقرار سے اللہ تعالیٰ کی وحدت قدرت، مصلحت حکمت پر اور اللہ تعالیٰ کے رسول مکرم پر آپ کے علم و اختیار پر عملاً قولاً

marfat.com

عقیدۃً اور اظہار فرمانبرداری سے ایمان لائیں ایسے ہی سچے مومنوں کی نشانی ہے کہ جب بھی اپنے آقا کے حکم سے کسی مشاورتی محفل میں حاضر ہوں تو کبھی بھی کسی بھی ذاتی حاجت ضرورت پر محفل بارگاہ سے اٹھ کر چپ چاپ بلا اجازت نہیں جاتے۔ یہاں تک کہ اچانک بہت ہی شدت سے کوئی ضرورت پیش آجائے تب بھی نہایت مہذب و مودب و مروج طریقے سے اجازت لے کر جاتے ہیں موقعہ جہاد ہو یا مشورۂ غزوات ہو۔ اجتماع عیدین ہو یا خطبہ جمعہ۔ اِنَّ الَّذِیۡنَ یَسۡتَاۡذِنُوۡنَکَ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰہِ وَ رَسُوۡلِہٖ ۚ یہی نشان دین وایمان ہے۔ اے پیارے حبیب ان لوگوں کا جو ہر ذاتی معاملے میں بھی آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ بارگاہِ الٰہی کے یہی مقبول ومحبوب ہیں۔ انہی کو مومن سمجھو کیونکہ ان کے کردار و عادات میں خلوص کی چاشنی ہے نورانیت کی جھلک ہے۔ لہٰذا اے نبی محترم ایسے مخلصین جب اپنی کسی دنیوی ضرورت میں آپ سے اجازت رخصت خود طلب کریں تو آپ اپنی فراست غیبی بصیرت رمز شناسی عقل نورانی وشعور جاودانی کی حکمت مصلحت سے جس کو چاہو اجازت روانگی عطا فرمادو۔ فَاِذَا اسۡتَاۡذَنُوۡکَ لِبَعۡضِ شَاۡنِہِمۡ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡہُمۡ اور اگر سمجھو کہ اس کی ضرورت اہم نہیں محفل سے جانا ضروری نہیں بارگاہِ مشاورت میں رہنا ضروری ہے اس کو اجازت نہ دو۔ یہ تمہارا اختیار کلی ہے دین و دنیا پر بھی شریعت طریقت حقیقت معرفت پر بھی۔ تمہاری ہی زبان رب تعالیٰ کی برہان ہے اور تمہاری چاہت ہی رب تعالیٰ کی رضا ہے:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد

وَ اسۡتَغۡفِرۡ لَہُمُ اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۶۲﴾ اور اے حبیب جس کو تم نے اپنی صوابدید پر اجازت دے دی اور وہ اجازت پا کر مجلس مبارکہ سے چلے گئے ان کے لئے بھی اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگئے تاکہ یہ تھوڑی دیر کی غیر حاضری بارگاہ کی وجہ سے محرومی معیت کا جو ان کو نقصان ہوا وہ بھی استغفار نبوی سے ختم ہو جائے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سچی اجازت مانگنے والوں اور تھوڑی دیر قرب نبوی سے مجبوراً دور ہونے والوں کو بہت بخشنے والا ہے اور سچی پکی توبہ کرنے والوں کو دنیا آخرت میں رحمتیں دینے والا ہے۔ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ کے فرمان ربانی سے چار چیزیں ثابت ہوئیں پہلی چیز یہ کہ نبی کریم ﷺ غیب جانتے ہیں کیونکہ غیب جاننے والا ہی جانتا ہے کہ اجازت طلب کرنے والا مخلص ہے یا منافق اس کی اجازت اشد ضرورت سے ہے یا بلاضرورت۔ اجازت دی جائے یا نہ دی جائے۔ دور سے اشارہ کرنا طلب اذن ہے یا کچھ اور بات ہے۔ دوسری چیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مختار کلی بنایا۔ تیسری چیز یہ کہ آقا ﷺ کا ہر کام عین حکمت و مصلحت سے ہوتا ہے۔ چوتھی چیز یہ کہ آقا ﷺ کی مشیت بعینہٖ مشیت الٰہی ہے۔ اس لئے سورۃ نور کی ابتدا میں نزول آیات کا ذکر ہوا اور اب انتہا میں اتباع رسالت کا ذکر ہوا اور بتایا گیا کہ امر اللہ ہی امر نبی ہے۔ (یہ آیت ۶۲) ماہ شوال ۵ ہجری غزوۂ خندق کے موقعے پر اتری۔ کفار کے دو بڑے لشکروں نے مدینہ منورہ کو گھیر لیا تھا۔ ا۔ ابوسفیان لشکر قریش لایا اور عیینہ بن حصین لشکر غطفان لے کر آیا۔ موسم سرما مسلمانوں کی حالت غربت رات اندھیری مسلمانوں کو حکم نبوی ملا کر مدینہ منورہ کی پوری بستی کے آس پاس گہری وچوڑی خندق کھود دو۔ منافقین کچھ تو چھپ چھپا کر اور کچھ جھوٹے بہانے بنا کر سب بھاگ گئے تب یہ آیت نازل ہوئی جس نے مومن منافق کی پہچان بتائی۔ روایت میں ہے کہ غزوۂ تبوک جاتے ہوئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بہت ضرورت کے تحت کچھ دیر کے لئے واپسی کی اجازت مانگی تو

marfat.com

آقا علیہ السلام نے فرمایا (غالباً منافقوں کو سنانے کے لئے) اے عمر تم کو اجازت ہے کیونکہ منافق نہیں ہو۔ منافقوں کی جھوٹی بہانے بازیوں کا ذکر سورۃ احزاب آیت ۱۳ میں بھی اس طرح ہے۔ اِنَّ بُيُوۡتَنَا عَوۡرَةٌ ۛؕ وَمَا هِىَ بِعَوۡرَةٍ ۛۚ ترجمہ: منافق کہتے ہیں یا نبی اللہ ہم کو جانے دیجئے کیونکہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہیں حالانکہ ان کے گھر کھلے نہ تھے۔ اس نزول آیت کے بعد تو صحابہ کرام ہر ہر کام میں اجازتِ آقا طلب کرتے اور آپ خوشدلی سے اجازت دیتے اس طلب وعطا سے ہر کام میں صحابہ کثیر برکتیں دیکھتے۔ ایک بار جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عمرے کا ارادہ کر کے اجازت طلب کی تو آقا علیہ السلام نے اجازت دے کر فرمایا اے عمر وہاں ہمیں نہ بھول جانا دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ اکبر کیا عظیم شفقت آقا ہے علیہ السلام۔

اس آیت میں مختلف اقوال

آیت ۶۲ کے حکم میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ آیت محکم ہے۔ ۲۔ بعض نے فرمایا یہ منسوخ ہے سورۃ توبہ کی آیت ۴۳ سے عَفَا اللّٰهُ عَنۡكَ ۚ لِمَ اَذِنۡتَ لَهُمۡ سے مگر یہ قول غلط ہے۔ اَمۡرٍ جَامِعٍ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت اَمۡرٍ جَامِعٍ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اَمۡرٍ جَمِيۡعٍ ہے بمعنی مَجۡمُوۡعٍ۔ اَمۡرٍ جَامِعٍ کی مراد میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا اس سے مراد ہر وہ اجتماعی معاملہ ہے جس میں جماعت شرط ہے جیسے جمعہ عیدین، نماز استسقاء، جہاد۔ ۲۔ بعض نے کہا اس سے مراد ہر وہ اجتماع ہے جس میں خطبہ واجب ہوتا ہے جیسے جمعہ وعیدین۔

فائدے

اس آیت سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اسلامی ضروری اجتماعات سے جانے کے لئے امام کی اجازت لازم ہے مگر امام بھی تفتیش حال کر کے اجازت دے سکتا ہے بلاتحقیق اپنی مرضی سے نہیں یہ اپنی مرضی کی اجازت دینا صرف نبی کریم علیہ السلام کی خصوصیت ہے یہ فائدہ اِنَّ الَّذِيۡنَ يَسۡتَاۡذِنُوۡنَ (الخ) سے حاصل ہوا مگر عورتیں بلا اجازت جاسکتی ہیں انہیں اپنی ضروریات بتانے کی ضرورت نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** آقائے کائنات حضور اقدس علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے دین دنیا کے معاملات کا فیصلہ کرنے میں مختار کل بنایا ہے۔ اس لئے اسلام کے بڑے بڑے احکام آپ کی رائے وارادے سے بنے یہ آپ کا خصوصی مرتبہ ہے یہ فائدہ فَاۡذَنۡ لِّمَنۡ شِئۡتَ مِنۡهُمۡ سے حاصل۔ مشکوٰۃ شریف کتاب الۡمَنَاسِک فصل اول رواہ مسلم ص ۲۲۰ کی حدیث حج ودیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ **تیسرا فائدہ:** نبی کریم علیہ السلام خالق ومخلوق کے درمیان واسطہ عظمیٰ اور وسیلہ کبریٰ ہیں۔ آپ کی یہ شان ازل حادث سے ابد تک ہے اس لئے تمام مخلوق سے پہلے آپ کو نبی بنایا گیا۔ جیسا کہ کُنۡتُ نَبِيًّا وَّ اٰدَمُ (الخ) سے ثابت۔ آپ کی زبانِ اقدس سے نکلے ہوئے فیصلے منشاء الٰہی وتقدیر مبرم ہیں۔ یہی حکم کبریائی رضاءِ رحمانی شریعت ربانی ہے صحابہ کرام اس بات کو جانتے مانتے عمل کرتے تھے یہ فائدہ حَتّٰى يَسۡتَاۡذِنُوۡهُ ؕ سے حاصل ہوا اس لئے آپ کے فیصلے کے خلاف اپیل نہیں ہوسکتی جیسا کہ سورۃ نساء آیت ۶۵ سے ثابت۔

وَخَصَّکَ بِالۡهُدٰى فِىۡ کُلِّ اَمۡرٍ فَلَسۡتَ تَشَآءُ اِلَّا اللّٰهُ يَشَآءُ

(تفسیر صاوی)

marfat.com

احکام القرآن

اس آیت سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** تا قیامت ہر مسلمان پر واجب ہے کہ دینی دنیوی معاملے میں نبی کریم ﷺ سے اجازت مانگے۔ حیات طیبہ میں زبان اقدس سے حاضر بارگاہ ہو کر اور بعد وصال علماء فقہاء سے حدیث و قرآن کے استنباطی مسائل کے فیصلے لے کر مان کر غیر مقلدوں کی طرح خود ہی نہ جھک مارتا پھرے۔ یہ مسئلہ لَمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** ہر انسان کی ضرورتیں دو قسم کی ہوتی ہیں: ۱۔ اختیاری جیسے ضروری کام۔ ۲۔ اضطراری۔ جیسے بول براز، جسمانی تکلیف یا نکسیر عورتوں کو حیض، استحاضہ وغیرہ۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں مرد تو محفل میں بیٹھ کر جانے کے لئے ہر ضرورت پر اجازت لیں نمازوں، خطبوں، مشوروں کے حاضرین ہوں یا مدرسوں کے شاگردین ہوں اجازت دینے والے امام ہوں یا خطیب یا حاکم یا استاد۔ قریب ہوں تو زبان سے دور ہوں تو اشارے سے لیکن عورتوں کو اپنی کسی بھی ضرورت میں اجازت لینے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ گھر کے مرد بھی عورت سے ترکِ روزہ نماز کی پوچھ گچھ نہ کرے یہ ذمہ داری والدہ کی ہے کہ بچیوں سے ترکِ نماز پر باز پرس کرے تا کہ شرم و حیا کا پردہ قائم رہے۔ یہ مسئلہ حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ (الخ) سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ پھر فرمایا گیا لَمْ یَذْهَبُوْا حَتّٰى یَسْتَاْذِنُوْهُ۔ اس سے ثابت ہوا کہ اجازت لینا ایمان ہے نہ لینا کفر ہے حالانکہ یہ ایک عمل ہے فرض ہو یا واجب نتیجہ نکلا کہ عمل عبادت کرنے والا ہی فقط مومن ہے نہ کرنے والا کافر اس بنا پر بے نمازی بھی کافر ہوا۔ جو بے نمازی و بدعمل بے عمل کو کافر نہ مانے وہ غلط اور فرمانِ قرآنی کے خلاف ہے (وہابی و معتزلی) **جواب:** یہاں لفظ اِنَّمَا ہی بتا رہا ہے کہ یہ فرمان حکم نہیں بلکہ نشانی ہے یعنی سمجھایا جا رہا ہے کہ مخلصین وہ جو اجازت مانگیں، منافقین وہ جو بلا اجازت چھپ کر نکل جائیں تو آیت پاک نے مومن، منافق، کافر کی پہچان و فرق بتایا نہ کہ کفر و اسلام کا حکم معترض نے بوجہ جہالت اِنَّمَا کو نہ دیکھا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا اَمْرٍ جَامِعٍ، اَمْرٍ کا معنی ہے معاملہ۔ جَامِعٍ کا معنی ہے لوگوں کو جمع کرنے والا۔ جمع تو انسان کرتے ہیں انسانوں کو امر تو جامع نہیں ہو سکتا تو پھر یہاں امر کو موصوف کیوں بنایا۔ چاہیے تھا کہا جاتا اِنْسَانٍ جَامِعٍ۔ **جواب:** یہاں اِنْسَانٍ ہو ہی نہیں سکتا۔ امر کو مجازاً موصوف بنایا گیا۔ اَمْرٍ کی اہمیت، عظمت شان و ضرورت بتانے کے لئے کیونکہ امر سبب ہے لوگوں کے جمع ہونے کا، لوگوں کو جمع کرنا اگرچہ حقیقتاً داعی و منادی انسان کا ہی عمل ہے مگر جمع کرنے کی وجہ وہی امر ہے تو مجازاً گویا امر ہی جامع ہے یہ عام محاورہ ہے اسی کو استعمال فرمایا گیا۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا کہ جب ایمان والے آپ سے جانے کی اجازت مانگیں تو آپ جسے چاہیں اجازت دے دیں اس سے ثابت ہوا کہ اجازت مانگ کر محفل سے چلے جانا شرعاً جائز ہے گناہ نہیں مگر پھر فرمایا گیا ان کے لئے استغفار اور بخشش و معافی مانگئے اس سے ثابت ہوا کہ ان کا یہ اجازت لے کر جانا بھی شرعاً گناہ ہے کیونکہ استغفار گناہگار کے گناہ معاف کرانے کے لئے ہی مانگی جاتی

marfat.com

ہے تو اجازت کو جائز فرما کر پھر گناہ کیوں قرار دیا گیا۔ **جواب:** اس کے دو جواب ہیں۔ **ایک** یہ کہ استغفار کا معنی ہے بخشش مانگنا اور بخشش کی طلب صرف گناہوں کی معافی کے لئے ہی نہیں ہوا کرتی بلکہ نیکی کے انعام کے لئے بھی بخشش مانگی جاتی ہے۔ جیسے عام محاورے میں بخشیش مانگنا کہتے ہیں تو یہاں اَسْتَغْفِرْ لَهُمْ کا معنی یہ ہوا کہ چونکہ ان مخلصین نے انداز منافقانہ چھوڑ کر باادب اجازت طلب کر کے تین نیکیاں کیں: اول نشان ایمان قائم کیا۔ **دوم:** نظام اسلام ضبط ونسق قائم رکھا۔ **سوم:** منافقانہ رویہ ترک کیا۔ اس لئے اپنے عمل سے اللہ رسول کو خوش کیا انہوں نے تو اے نبی مکرم اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بخشیش مانگئے۔ جواب دوم یہ کہ چونکہ اجازت مانگنا دنیوی ضرورت کے لئے تھا جو اگرچہ جائز بھی مگر اس لئے بہتر نہ بھی محفل نبوی میں ضرورت دینی کے لئے جمع ہونا بہت بڑا فریضہ تھا اس وجہ سے بہتر یہی تھا کہ ضروریات دنیوی چھوڑ دیتے بارگاہ میں حاضر رہتے مگر چونکہ بہتر کے خلاف کام کیا جو معمولی خطا ہے تو اس خطاء معمولی کو ختم کرانے کے لئے استغفار سے معافی دلوا دیجئے۔ اس آیت کی تفسیر صوفیانہ آخری آیت ۶۴ کے بعد ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ
اے مسلمانو نہ بناؤ تم رسول پاک کو بلانا اپنے درمیان ایسے عام لفظوں سے جیسے کہ بلانا تمہارے بعض کا بعض کو
رسول کے پکارنے کو آپس میں ایسا نہ ٹھہرالو جیسا تم میں ایک دوسرے کو پکارتا ہے
قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ
بیشک جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان منافقوں کو جو چپکے سے نکل بھاگتے ہیں تم میں سے کسی کی آڑ لے کر
بیشک اللہ جانتا ہے جو تم میں چپکے سے نکل جاتے ہیں کسی چیز کی آڑ لے کر
فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ
تو چاہئے کہ ڈریں وہ لوگ جو مخالفت کرتے ہیں اس رسول کریم کے حکم کی اس بات سے کہ پہنچے ان کو سزا
تو ڈریں وہ جو رسول کے حکم کے خلاف کرتے ہیں کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے
اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ
یا ساتھ ہی پہنچے ان کو عذاب دردناک بھی خبردار بیشک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے وہ سب کچھ جو آسمانوں اور زمین میں ہے
یا ان پر دردناک عذاب پڑے سن لو بیشک اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے
قَدْ يَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَيْهِ ؕ وَيَوْمَ يُرْجَعُوْنَ
بیشک جانتا ہے وہ اللہ تعالیٰ اس حالت کو تم جس پر ہو اور جانتا ہے اس دن کو بھی کہ جب لوٹائے جائیں گے

marfat.com

بیشک وہ جانتا ہے جس حال پر تم ہو اور اس دن کو جس میں وہ اس کی طرف پھیرے جائیں گے
اِلَيْهِ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۶۴﴾
سب لوگ اس کی طرف تو بتادے گا وہ اللہ ان لوگوں کو وہ سب جو انہوں نے کیا اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو جاننے والا ہے
تو وہ انہیں بتادے گا جو کچھ انہوں نے کیا اور اللہ سب کچھ جانتا ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیت پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کی محفل پاک کا ایک ادب واحترام صحابہ کرام کو بتایا سکھایا۔ اب ان آیتوں میں محفل نبوی وحاضر بارگاہی کا دوسرا عظیم الشان بے مثلیت نبوت سمجھانے والا قانون ادب واحترام سکھایا بتایا جارہا ہے۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں نبی کریم رؤف ورحیم ﷺ کا ادب واحترام کرنے والوں کی شان وثواب بتایا گیا۔ اب ان آیتوں میں ادب نہ کرنے والوں کی مصیبت وعذاب کا ذکر فرمایا گیا۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیت کریمہ میں فرمایا گیا کہ نبوت ورسالت کا ادب کرنے والوں کے لئے رب تعالیٰ غفور ورحیم ہے اے نبی ان پیاروں کے لئے آپ مغفرت مانگا کریں۔ اب ان آیتوں میں فرمایا جارہا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے گستاخوں کے لئے ہر حرکت کا علیم اللہ تعالیٰ ہے قیامت میں اللہ تعالیٰ ان مردودوں کو ان کے اعمال کی ایسی خبر دے گا کہ تاابد یاد کریں گے وہاں ان کی سب اکڑیں ٹوٹ جائیں گی۔

تفسیر نحوی

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ۗ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ ۔ لَا تَجْعَلُوْا. باب فَتَحَ کا فعل نہی حاضر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے اَلْمُؤْمِنُوْنَ اور مراد ہیں تاقیامت مسلمان مرد وعورتیں۔ جَعْلٌ سے مشتق ہے ترجمہ بنانا، مراد سمجھنا اور اختیار کرنا۔ دُعَآءَ اسم حاصل مصدر بمعنی پکار یعنی امتیوں کی عرض فریاد یا ندائیہ خطاب اور نبی کریم ﷺ کا بلاوا۔ یہ لفظ دعا دونوں صورتوں کو شامل ہے۔ یہ مضاف ہے۔ اَلرَّسُوْلِ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ ہے لَا تَجْعَلُوْا کا۔ بَيْنَ اسم ظرفیہ مکانیہ بمعنی درمیان آپس میں یہ مضاف ہے كُمْ ضمیر جمع مذکر حاضر نفسی ترجمہ ہے اپنے درمیان، اپنے آپس میں۔ یہ ضمیر مضاف الیہ مرکب اضافی ظرف ہے لَا تَجْعَلُوْا کا۔ كَ حرف جر برائے تشبیہ دُعَآءِ اسم مصدر مضاف۔ بَعْضِ اسم جزئی تبعیضی مضاف كُمْ مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی فاعل مضاف الیہ ہے بَعْضًا مفعول بہ ہے دعاءِ مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اور مفعول بہ سے مل کر شبہ جملہ ہو کر مجرور ہے کاف جارہ سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے لَا تَجْعَلُوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ قَدْ حرف تحقیق۔ لفظ قَدْ کی تین قسمیں ہیں اور آٹھ معنی میں آتا ہے یہ۔ ۱۔ اسم فعل بھی ہوتا ہے۔ ۲۔ اسم بھی اور۔ ۳۔ حرف بھی اور۔ ۱۔ قَدْ بمعنی کافی ہے۔ ۲۔ قَدْ بمعنی ماضی قریب۔ ۳۔ قَدْ تقلیلیہ بمعنی کبھی۔ ۴۔ قَدْ تکثیریہ بمعنی اکثر۔ ۵۔ قَدْ توقعی و۔ ۶۔ ترجی بمعنی

marfat.com

امید و شاید۔ ۷۔ قَدْ تحقیقیہ بمعنی بیشک یقیناً یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۸۔ قَدْ تاکید یہ بمعنی اَلْبَتَّه بیشک۔ اس قَدْ پر لام تاکید ضرور آتا ہے جیسے کہ لَقَدْ۔ یَعْلَمُ فعل مضارع مثبت معروف اللّٰهُ اس کا فاعل۔ الَّذِیْنَ اسم موصول۔ یَتَسَلَّلُوْنَ۔ بابِ تفعُّل کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے تَسَلُّلٌ سَلَلٌ مضاعف ثلاثی سے بنا ہے اس کا ترجمہ ہے چپکے سے نکل بھاگنا تَسَلُّلٌ کا ترجمہ ہے ایک دوسرے کی آڑ لے کر کھسکنا۔ اسی سے ہے اِستلال بمعنی تلوار سونتنا۔ نشانہ لینا چپکے سے سرین کے بل سرکنے والا بچہ سَلِیْلٌ اور بچی سَلِیْلَةٌ نسل انسانی و حیوانی کو سُلَالَةٌ اور خلاصہ کلام کو سُلَال کہا جاتا ہے کیونکہ ان سب میں آہستگی سے کھسکنا پایا جاتا ہے۔ مِنْكُمْ یہ جار مجرور متعلق ہے یَتَسَلَّلُوْنَ کا اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ ذوالحال ہے۔ لِوَاذًا بابِ مفاعلہ کا دوسرا مصدر مزید فیہ۔ مُلَاوَذَةٌ سے ہے مُلَاوَذَتٌ کا ترجمہ ہے ایک دوسرے کی آڑ لینا اور لِوَاذًا کا ترجمہ ایک دوسرے کو آڑ دینا، دلوانا، بھاگنے بھگانے میں سہارا بننا۔ لَوْذٌ سے بنا ہے بمعنی کسی جاندار یا بے جان چیز کی آڑ میں چھپنا۔ اسی سے ہے مَلَاذٌ اسم ظرف مکانی بمعنی جاء پناہ اور مِلْوَذٌ اسم آلہ بمعنی چھپنے کی چیز پردہ وغیرہ بابِ نَصَرَ کا دوسرا مصدر لِیَاذًا ہے۔ لِوَاذًا حال ہے یَتَسَلَّلُوْنَ کے فاعل کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ ہے الَّذِیْنَ کا۔ موصول صلہ مل کر مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا وہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ فَلْیَحْذَرِ الَّذِیْنَ یُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِیْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ یُصِیْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۶۳﴾ اَلَاۤ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ قَدْ یَعْلَمُ مَاۤ اَنْتُمْ عَلَیْهِ ؕ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا ؕ وَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ ف حرف زائدہ بیانیہ لِیَحْذَرْ۔ بابِ فَتَحَ کا فعل امر غائب معروف حَذْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بچنا، ڈرنا، صیغہ واحد مذکر غائب برائے جمع کیونکہ اس کا فاعل ظاہر اسم الَّذِیْنَ جمع ہے۔ یُخَالِفُوْنَ۔ بابِ مُفَاعَلَةٌ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا مصدر ہے مُخَالَفَةٌ۔ خلف سے مشتق ہے ترجمہ ہے نافرمانی کرنا، پیچھے رہنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ عَنْ اَمْرِهٖ۔ مرکب اضافی جار مجرور متعلق ہے یُخَالِفُوْنَ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے الَّذِیْنَ کا وہ موصول صلہ مل کر فاعل ہے لِیَحْذَرْ کا۔ اَنْ ناصبہ۔ تُصِیْبَ۔ باب افعال کا مضارع مستقبل مثبت معروف صیغہ واحد مؤنث غائب۔ اس کا مصدر ہے اِصَابَةٌ صَیْبٌ سے بنا ہے دراصل ہے اِصْیَابٌ۔ اسی سے ہے مُصِیْبَتٌ بمعنی لگنا، پڑنا، پہنچنا۔ هُمْ ضمیر مفعول بہ فِتْنَةٌ۔ اسم مفرد جامد نکرہ عمومی لغوی ترجمہ ہے آزمائشی تکلیف مراد ہے دنیوی خمیازہ بھگتنا یعنی برائی کا انجام و نتیجہ۔ یہ فاعل ہے تُصِیْبَ کا یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرف عطف تخییری بمعنی یا یہ، یا یہ، یا یہ بھی ہے، یا یہ بھی نہیں۔ خیال رہے کہ تخییر دو قسم کی ہوتی ہے۔ ۱۔ تخییر مَانِعَةُ الْخُلُوْ یعنی دو میں سے ایک ضرور ہو۔ دونوں ختم نہ ہوں یا دونوں ہوں۔ یہاں یہی تخییر ہے تُصِیْبَهُمْ اَوْ یُصِیْبَهُمْ اَوْ كِلَاهُمَا یعنی یہ بھی ہو یہ بھی ہو۔ ۲۔ مَانِعَةُ الْجَمْعِ یعنی صرف ایک ہو دونوں نہ ہوں۔ یُصِیْبَ فعل هُمْ مفعول بہ عَذَابٌ اَلِیْمٌ مرکب توصیفی فاعل ہے یُصِیْبَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے تُصِیْبَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے لِیَحْذَرْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ اَلَاۤ یہ اسم بسیط ہے۔ بعض نے کہا کہ اسم مرکب ہے، ہمزہ سوالیہ اور لَاءِ نفی سے مگر یہ قول غلط ہے لفظ اَلَاۤ عربی میں چار طرح مستعمل ہے۔ ۱۔ برائے تنبیہ متنبہ اور آگاہ کرنے کے لئے۔ یہاں اسی معنی میں ہے ترجمہ ہے خبردار۔

marfat.com

۲۔ برائے استفتاح یعنی کلام کو شروع کا مطالبہ کرنا۔ یہ دونوں آلا (تنبیہ اور استفتاح والے) جملہ اسمیہ وفعلیہ دونوں پر آ جاتے ہیں۔ ۳۔ برائے عرض یعنی کسی چیز کو نرمی سے طلب کرنا اگر بڑے کی طرف سے ہو تو شفقت اور چھوٹے کی طرف سے ہو تو نرمی کا نام عاجزی ہوتا ہے۔ ۴۔ برائے تخصیص یعنی کسی چیز کا سختی سے مطالبہ کرنا۔ یہ دونوں قسمیں صرف جملہ فعلیہ پر آتی ہیں۔ اِنَّ حرف مشبہ لِلّٰهِ یہ جار مجرور متعلق ہے مَمْلُوْكًا پوشیدہ اسم مفعول کا هُوَ ضمیر اس کا نائب فاعل یہ سب مل کر جملہ اسمیہ ہو کر اسم اِنَّ کا مَا موصول فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یہ مرکب جار مجرور ہو کر صلہ ہے۔ مَا کا موصول صلہ مل کر نائب فاعل ہے اسم مفعول مَوْجُوْدٌ پوشیدہ کا وہ اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ قَدْ حرف تحقیق يَعْلَمُ فعل مضارع حال اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ۔ مَا موصول اَنْتُمْ مبتدا عَلَيْهِ جار مجرور متعلق ہے قَائِمُوْنَ پوشیدہ اسم فاعل کا وہ اپنے فاعل ضمیر صیغہ اور متعلق سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا دونوں مل کر مفعول بہ ہے يَعْلَمُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ يَوْمَ اسم ظرف زمانی یہ ظرف مقدم ہے۔ يُرْجَعُوْنَ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع مثبت مجہول صیغہ جمع مذکر غائب رَجْعٌ سے مشتق ہے بمعنی لوٹنا، لوٹایا جانا، رجوع کرنا پھر واپس جانا یا کیا جانا۔ اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ۔ اِلَيْهِ یہ جار مجرور متعلق ہے يُرْجَعُوْنَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے ف عاطفہ يُنَبِّئُ۔ باب تفعیل کا مضارع مستقبل نَبَأٌ سے مشتق ہے اس کا مصدر ہے تَنْبِئٌ ترجمہ ہے خبر دینا، آگاہ کرنا، جتلانا، بتلانا، اسی سے ہے نَبِیٌّ صفت مشبہ یعنی دنیا میں آخرت و برزخ کی خبر دینے والا اور زمین والوں کو آسمانوں کی خبر دینے والا۔ اسی کو غیب کی خبریں کہا جاتا ہے لہٰذا نبی کا ترجمہ ہے غیب کی خبریں دینے والا۔ اس کا فاعل ہے ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ هُمْ ضمیر مفعول بہ بَ جارہ تعدیہ مَا اسم موصول عَمِلُوْا۔ فعل ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا موصول صلہ مل کر مجرور ہو کر متعلق ہے يُنَبِّئُ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے يَوْمَ يُرْجَعُوْنَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر جملہ عاطفہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اللّٰهُ مبتدا بَ جارہ كُلِّ شَيْءٍ مرکب اضافی مجرور متعلق مقدم ہے عَلِيْمٌ کا۔ عَلِيْمٌ صفت مشبہ اپنے پوشیدہ فاعل اور متعلق مقدم سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر خبر مبتدا دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

لَا تَجْعَلُوْا دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ كَدُعَآءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا ؕ قَدْ يَعْلَمُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ يَتَسَلَّلُوْنَ مِنْكُمْ لِوَاذًا ۚ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖۤ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۶۳﴾ اے مسلمانو! یہ قانون شریعت یاد رکھو کہ کسی حال کسی مقام و مرتبے کا کوئی بھی شخص ہو رسول اللہ کو بلانے فریاد کرنے اور پکارنے کو آپس میں ایک دوسرے کو بلانے کی طرح نہ سمجھو نہ بناؤ کہ عام الفاظ ذاتی نام عمومی صفات برادری کی نسبتوں قومی رشتوں خاندانی تعلقوں اور طریقوں سے نہ پکارنا نہ چیخ کر نہ دروازوں پر آواز لگا کر۔ خواہ تم دور ہو یا نزدیک۔ آنے کا سلام کرنا ہو یا جانے کی اجازت لینی ہو۔ سوال طلب کا ہو یا شرعی مسئلے کا۔ حیات طیبہ کا زمانہ ہو یا بعد وصل پاک بارگاہ رسالت کے لئے یہ قانون شرعی و حکم الٰہی تا قیامت ہے۔ حجرۂ پاک ہو

marfat.com

یا مواجہہ شریف ہو بلکہ اندازِ قرآنی القابات ایمانی احترام عرفانی عظمت لاثانی نداء رحمانی کی مثل اور طریقہ ربانی کی طرح۔ یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ، یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ کہہ کر ندا کرنا یا اس طرح کہنا یَارَسُوْلَ اللّٰهِ، یَارَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ یَارَاحَةَ الْعَاشِقِیْنَ۔ مُرَادَ الْمُشْتَاقِیْنَ، یَاخَاتَمَ النَّبِیِّیْنَ، یا مولیٰ یا آقا کہہ کر ہی پکارا کرنا۔ انتہائی ادب احترام سے نداء کرامت سے۔ یہ وہ شہنشاہی دربار ہے۔ آستانہ گہربار ہے جس کے آداب شاہی الفاظ ندائی رب تعالیٰ نے سکھائے۔ سورۃ حجرات آیت ۳ میں ارشاد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ۔ بیشک وہ لوگ جو رسول اللہ کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو بہت ہی دھیمی رکھتے ہوئے سلام وکلام عرض کرتے ہیں ان خوش نصیبوں کو اللہ تعالیٰ نے تقوےٰ ربانی کے لئے چن لیا۔ اے لوگو یہ خیال مت کرنا کہ نبی کریم ہماری دھیمی آواز کو کیسے سن سکیں گے۔ خبردار ان کے سننے کو اپنے سننے کی مثل نہ سمجھنا۔ ہمارا نبی تو ہزاروں میل فاصلے سے تشہد کا سلام امتی بھی سن لیتا ہے حالانکہ وہ سلام اتنا آہستہ کہلوایا گیا ہے کہ ساتھ کا ساتھی نمازی نہیں سن سکتا۔ اسی لئے آہستہ پڑھوایا گیا تاکہ تاقیامت دنیا والوں کو سماعت نبوی کی بے مثل قوت کا ثبوت مل جائے اور منکر و منافق بھی نبی کی سماعت کو جان لیں۔ اے مشرقیو، مغربیو! دور ونزدیک والو تم میرے حبیب سے فریاد والتجا کر کے تو دیکھو۔ ممکن نہیں کہ خیر بشر کو خبر نہ ہو۔ لَا تَجْعَلُوْا کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ ہمارے محبوب ومحمود کے بلاوے کو عام لوگوں کے بلاوے کی طرح نہ سمجھنا کہ دل چاہا تو آگئے نہ چاہا تو نہ آئے۔ یا آئے بھی تو منافقوں کی مثل بے دلی سے آئے چھپ چھپا کے بھاگ جائے خبردار ایسا منافقانہ مظاہرہ بھی نہ کرنا اور ان کے دیکھنے کو بھی اپنے جیسا دیکھنا نہ سمجھنا ہمارا نبی تو فرش مقیم سے عرش عظیم کو بھی دیکھ لیتا ہے وہ تو نمازِ کسوف میں جنت کا خوشہ بھی پکڑ لیتا ہے۔ بھلا منافقوں کی یہ چالبازیاں نگاہِ نبی سے کب چھپ سکتی ہیں۔ ان کے تو غلاموں کی شان یہ ہے کہ لوح محفوظ است پیش اولیاء۔ اسی لئے سورۃ انفال آیت ۲۴ میں ارشاد ہوا۔ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا یُحْیِیْكُمْ ۚ۔ اے ایمان والو جب بھی تم کو اللہ رسول اپنے پاس اپنے کسی ایسے کام کے لئے بلائیں جو تم کو ابدی زندگی بخش دے کہ روحانی بدنی قلبی، عقلی حیات مل جائے تو فوراً اپنے سب کام ضروری غیر ضروری چھوڑ کر بارگاہ نبوی میں یہ عقیدہ رکھ کر حاضر ہو جاؤ کہ رسول اللہ کا بلانا اللہ تعالیٰ کا بلانا اور خدمت نبوی کی حاضری عرش پر جانا ہے اور اے لوگو نبی کی دعا و بددعا کو بھی اپنی دعا بددعا کی طرح نہ سمجھنا۔ نبی کی دعاء محبت تو صدیق وفاروق، عثمان، علی رضی اللہ عنہم اور عشرہ مُبَشَّرَہ وَمُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّةِ بنادیتی ہے اور بددعاء غضب تَبَّتْ یَدَآ اَبِیْ لَهَبٍ اور وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ بنادیتی ہے۔ اور عتبہ بن ابی لہب کو شیر سے پھڑوادیتی ہے لہٰذا دعائیں لینے کی اور بددعا سے بچنے کی تاقیامت تاعمر کوشش کرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نہ ان کی کوئی دعا رد فرماتا ہے نہ بددعا۔ غرض کہ اس آیت نے تین احکام بیان فرمائے نبی کو پکارنا، نبی کا پکارنا اور نبی کی دعا بددعا کی قوت وقبولیت۔ ندا کی اٹھارہ قسمیں ہیں۔

۱۔ نداء کرامت۔ ۲۔ نداء ولایۃ۔ ۳۔ نداء علامت۔ ۴۔ نداء حقارت۔ ۵۔ نداء مقبول۔ ۶۔ نداء مردود۔ ۷۔ نداء محبوب۔ ۸۔ نداء مسعود۔ ۹۔ نداء محمود۔ ۱۰۔ نداء خیر۔ ۱۱۔ نداء غیر۔ ۱۲۔ نداء کبیر۔ ۱۳۔ نداء صغیر۔ ۱۴۔ نداء فقیر۔ ۱۵۔ نداء ظالم۔ ۱۶۔ نداء مظلوم۔ ۱۷۔ نداء کلامی۔ ۱۸۔ نداء اشارہ۔ بیشک اللہ تعالیٰ جانتا ہے ہر قسم کے چالباز منافق کو خواہ دو، دو ہو

marfat.com

کر بھاگیں محفل نبوی سے یا کسی اجازت پانے والے جاتے ہوئے مخلص مسلمان کی آڑ میں بھاگیں یا کسی دیوار کی آڑ لے کر بھاگیں۔ ایسے چالبازوں اور حکم نبوی کی مخالفت کرنے والوں کو ڈرنا چاہیے اس ہلاکت ذلت آفت ناگہانی سے جو دنیا میں فتنہ بن کر ان کو پہنچے یا آخرت میں عذاب دردناک بن کر۔ دنیوی فتنے کی چھ صورتیں۔ ۱۔ قتل غزوات۔ ۲۔ ہولناک تباہ کن زلزلے۔ ۳۔ کفر منافقت ظاہر ہونے کی ذلت۔ ۴۔ دلوں پر مہر لگ جانا۔ ۵۔ ظالم حکام کا مسلط ہونا۔ ۶۔ شکست کی ذلت ملنا۔ محفل نبوی میں چار قسم کے لوگوں کی حاضری ہوتی تھی۔ ۱۔ اکثر وہ صحابہ کرام جو کسی بھی بلاوے پر حاضر ہوتے تو دوران مجلس محفل سے باہر یا واپس ہرگز نہ جاتے۔ جب تک محفل برخاست نہ ہوتی۔ ۲۔ اور کبھی کچھ مخلصین شدید ضرورت سے مجبور ہو کر اجازت لے کر چلے جاتے مگر ضرورت پوری کر کے واپس آجاتے۔ ۳۔ کچھ منافقین حاضری لگوا کر بیٹھتے پھر چھپ کر نکل بھاگتے۔ ۴۔ اور کچھ منافقین جھوٹے بہانے بنا کر اجازت مانگتے اور ملنے پر تیزی سے نکل بھاگتے اور کچھ مجبوراً پھنسے پھنسائے آخر تک بیٹھے رہتے مگر سخت تنگ دلی سے ایسا جہاد کی مشاورتی محفلوں میں زیادہ ہوتا۔ ان ہی چار قسم کے حاضرین کا ذکر ان آیتوں میں فرمایا گیا دو گروہ مخلصین کے دو منافقین کے اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قَدْ یَعْلَمُ مَآ اَنْتُمْ عَلَیْهِ وَ یَوْمَ یُرْجَعُوْنَ اِلَیْهِ فَیُنَبِّئُهُمْ بِمَا عَمِلُوْا وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۶۴﴾ خبردار اے منافقو، مخالفو کیا تم یہ نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ کی ہی ہے زمین و آسمانوں کی تمام موجودات مخلوقات خلقاً، ملکاً، عبیداً وہی قادر ہے بقاء وفنا پر وہی غالب ہے حیات و ممات پر بیشک جانتا ہے تمہارے ان تمام عظیم و کبیر حقیر و فقیر و قطمیر اعمال و اقوال کو جن پر تم ضد و غرور، نفور و سرور سے قائم ہو اور ایک دن ایسا آئے گا جب سب اچھے برے اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ تب بتا دے گا اللہ تعالیٰ ان کو ان کے تمام ان اعمال کا انجام خیر و شر جو وہ آج اپنی دنیوی زندگی میں کر رہے ہیں۔ ثواب کی بقا دے کر عذاب کی فنا دے کر اور اللہ تعالیٰ کائنات کے اولین و آخرین کی ہر چیز کو جاننے والا ہے۔

ان آیتوں میں اختلافی اقوال

لَا تَجْعَلُوْا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے نہ بناؤ۔ ۲۔ بعض نے کہا نہ سمجھو۔ دُعَآءَ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہاں دعا کا معنی ہے نبی کریم ﷺ کو پکارنا۔ ۲۔ بعض نے کہا نبی کریم ﷺ کا کسی کو پکارنا۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے نبی کریم ﷺ کا اللہ تعالیٰ سے امتی کے لئے دعا یا کسی بدبخت کے لئے بددعا مانگنا۔ نبی کی دعا سے بڑی نعمت کوئی نہیں اور نبی کی بددعا سے بڑی مصیبت کوئی نہیں ہے۔ بَیْنَكُمْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَیْنَكُمْ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت دُعَآءَ الرَّسُوْلِ نَبِیِّكُمْ ہے۔ لِوَاذًا کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت لِوَاذًا ہے۔ ۲۔ بعض کی لَوَاذًا ہے۔ اس کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا جہادوں سے فرار ہونا۔ ۲۔ بعض نے کہا جمعہ، عیدین و دیگر مشوروں سے بھاگنا یا آڑ لے کر یا بہانہ بنا کر۔ یُخَالِفُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یُخَالِفُوْنَ ہے باب مفاعلة سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت یُخْلِفُوْنَ ہے باب تفعیل سے۔ عَنْ اَمْرِهٖ کے عَنْ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ زائدہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ عَنْ بمعنی بَعْدَ ہے۔ جیسے کہ سورۃ کہف آیت ۵۰ میں فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّهٖ یعنی بَعْدَ اَمْرِهٖ۔ اَمْرِهٖ کے

marfat.com

شرعی مرتبے میں تین قول۔ ۱۔ احناف کے نزدیک امرو جوبی مراد ہے۔ ۲۔ شوافع کے نزدیک وجوب، ندب، اباحت تینوں معنی میں مشترک ہے بیک وقت۔ ۳۔ شیعہ رافضی کہتے ہیں یہ امر چار معنی میں مشترک ہے چار معنی وجوب، اباحت، ندب اور تہدید یعنی جھڑک میں مگر یہ دونوں قول غلط ہیں۔ مشترک نہیں ہوسکتا (از مظہری) اَمْرِهٖٓ کی ہ ضمیر کے مرجع میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا مرجع لفظ رسول ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا مرجع اللہ تعالیٰ ہے عَذَابٌ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا مراد ہے قبر حشر جہنم کی سزا۔ ۲۔ بعض نے کہا مراد ہے دنیوی سخت سزا۔ يُرْجَعُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت يُرْجَعُوْنَ ہے مضارع مجہول۔ ۲۔ بعض کی قرأت يَرْجِعُوْنَ۔ مضارع معروف عَلِيْمٌ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی عَلِيْمٌ ہے۔ ۲۔ بعض کی بَصِيْرٌ ہے۔

فائدے

ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** جو شخص آقائے کائنات ﷺ کو یا آپ کے کسی حکم کو معمولی جانے وہ ملعون ہے کافر مطلق ہے (از تفسیر صاوی) یہ فائدہ لَا تَجْعَلُوْا (الخ) سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** نبی کریم آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی نسبت والی ہر چیز کو اعلیٰ و بالا الفاظ سے ہی بولنا آداب ایمانی ہے لہٰذا کلام پاک کو ہمیشہ قرآن مجید، شہر مقدس کو مدینہ منورہ، مکہ مکرمہ احادیث کو حدیث مقدسہ، کمبل مبارک وغیرہ کے مہذب مؤدب الفاظ سے ہی یاد کرنا واجب ہے۔ کمبل شریف کو کملیہ اور شکل مقدس کو صورتیہ کہنا یا کسی کو مصغر کرنا، تصغیری لفظ بولنا یا صرف مدینہ یا مکہ یا قرآن یا حدیث کہنا سخت گستاخی، گناہ کبیرہ اور قابل سزا جرم ہے۔ یہ فائدہ دُعَآءَ الرَّسُوْلِ بَيْنَكُمْ کی پہلی تفسیر سے حاصل ہوا۔ ایک جاہل مولوی لفظ مُقَدَّس کو مَقْدِس کہتا ہے یہ اس کی جہالت اور مخالفت قرآن مجید ہے۔

احکام القرآن

ان آیتوں سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** تمام فقہاء فرماتے ہیں کہ عَنْ اَمْرِهٖٓ سے وجوبی امر ہی مراد ہے اور آقا ﷺ کا ہر حکم ماننا واجب ہے نہ ماننا حرام ہے، معمولی سمجھنا کفر ہے۔ یہ مسئلہ فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ کے فرمان شدید سے مستنبط ہوا۔ کیونکہ جھڑک اور وعید عذاب صرف ترک واجب پر ہوتی ہے۔ **دوسرا مسئلہ:** تین کام تاقیامت ہر مسلمان پر اشد حرام ہیں۔ اول: یہ کہ عام لوگوں کی مثل نبی کریم ﷺ کو بلانا۔ دوم: یہ کہ نبی کریم ﷺ کے بلاوے مقدس کو اہمیت نہ دینا معمولی سمجھنا۔ سوم: یہ کہ نبی کریم ﷺ کی دعا و بددعا کو معمولی سمجھنا۔ یہ مسئلہ آیت ۶۳ کے پورے مضمون سے مستنبط ہوا۔ آقا کی دعائیں اپنے غلاموں کے لئے اب بھی جاری ہیں۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** سنی علماء کہتے ہیں کہ نبی کی ہر دعا بددعا ضرور قبول ہوتی ہے اور دُعَآءَ الرَّسُوْلِ کے الفاظ قرآنی سے دلیل پکڑتے ہیں حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ نبی پاک کی بھی بہت دعائیں نامنظور ہو جاتی ہیں جیسے کہ عام لوگوں کی۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایک دعا مانگی تھی: اَللّٰهُمَّ اِنَّ اُمَّتِىْ لَا

marfat.com

يَضِيقُ بَاسَ بَعْضٍ فَمَنَعَهُ۔ یا اللہ میری امت میں سے کوئی مسلمان کسی مسلمان سے کوئی تکلیف نہ پائے، تو اللہ نے آپ کو اس دعا سے منع فرما دیا لہٰذا سنیوں کا مسلک غلط ہے (وہابی)۔ **جواب:** اہلسنت کا یہ عقیدہ قرآن و حدیث کی متعدد آیات و روایات سے ثابت ہے۔ چنانچہ سورۃ مریم آیت ۴ حضرت زکریا علیہ السلام کا قول منقول ہے: وَلَمْ أَكُنْ بِدُعَائِكَ رَبِّ شَقِيًّا۔ ترجمہ:۔ یا رب میں آج تک کبھی تجھ سے دعا مانگ کر ناکام نہ رہا۔ ثابت ہوا کہ ہر نبی کی ہر دعا قبول ہی ہوتی ہے۔ معترض نے جو حدیث پاک پیش کی وہ دعا کا رد نہیں بلکہ ممانعت ہے اور یہ ممانعت بھی محبوبیت ہے۔ دعا کی نامقبولیت یہ ہے کہ دعا مانگنے والے کو پتہ ہی نہ لگے کہ میری دعا کا کیا بنا۔ نہ تاخیر کی اطلاع نہ اُخروی ذخیرہ ہونے کی خبر نہ دعا سے منع کیا جائے نہ بدلہ دیا جائے۔ قبولیت دعا کی سات نوعیتیں ہیں: ۱۔ کبھی جلدی قبول۔ ۲۔ کبھی دیر سے۔ ۳۔ کبھی دعا کے بدلے دوسری نعمت کی عطا۔ ۴۔ کبھی بتا دیا جانا کہ اس کا بدل آخرت میں۔ ۵۔ کبھی دعا کے بدلے امتی کو شفاعت سے نوازنا۔ ۶۔ کبھی دعا کے بدلے دنیا کا شر، مصائب دور فرما دینا۔ ۷۔ کبھی اس لئے منع فرما دینا کہ یہ تقدیر مبرم ہے اس کے لئے دعاء ہی نہ مانگو۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں عَنْ أَمْرِهٖ میں عَنْ لانا بیکار ہے کیونکہ زائدہ ہے صرف أَمْرَهٗ فرمانا چاہئے تھا۔ **جواب:** یہ عَنْ زائد نہیں بلکہ عَنْ زوالیہ ہے بمعنی بَعْد اور بیکار نہیں بلکہ اس عَنْ سے تین چیزیں ظاہر فرمائی گئیں۔ ۱۔ منافقوں کی نوعیت مخالفت۔ ۲۔ مخالفت کا وقت۔ ۳۔ مخالفت کا طریقہ یعنی جب ہمارے رسول مکرم ان کو بلا لیتے ہیں اور وہ آ جاتے ہیں تب بعد میں وہ مخالفت و اعراض کرتے اور محفل نبوی سے بھاگتے ہیں اور یہ حرکت زیادہ نقصان دہ ہے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت ۶۲: عالم روحانیت عالم شریعت کی مثل ہے اس لئے راہِ طریقت کے وہی آداب ہیں جو راہِ شریعت کے ہیں کہ مرید طالب جب حاجت دنیوی کے لئے نکلنا چاہے تو مرشد سے اجازت مانگے۔ مرشد خواہ اپنے مکان میں ہو یا اپنے مزار میں۔ اگر دونوں جگہ کسی وقت نہ ہو تو حجرۂ مرشد یا مقبرۂ مرشد کے پاس جا کر اپنے قلب سے اس کے قلب کی طرف تصور سے متوجہ ہو اور مرشد کی روح سے اجازت مانگے حیات ہو یا وفات مکان و مزار نزدیک ہو یا دور کیونکہ مشارق و مغارب کے اولیاء ہر وقت سرکارِ کائنات ﷺ سے اجازتیں مانگتے بیعت اولیٰ والے بھی بیعت سلسلہ والے بھی لہٰذا اے مرید و کبھی بھی خود کو مستقل و محتاج نہ سمجھو۔ بلا اجازت نہ جاؤ نہ مسند سجاؤ نہ سجادہ بناؤ نہ تکیہ لگاؤ جب تک کہ مسند خلافت نہ پاؤ اور دینی دنیوی ہر عمل میں عادت متابعت بناؤ متابعت میں ہی تاثیر ہے شاگر دِ لائق اور مرید صادق وہی ہے جو خود کو دست شیخ میں اس طرح سپرد کر دے جس طرح کپڑا دست دھوبی میں جو مرید سراپا جہراً شیخ کی مخالفت کرتا ہے وہ سچائی کی خوشبو کبھی نہیں پا سکتا نہ سیر ملکوتی کی سرعت نہ ورد عملی میں جرأت اذن مرشد میں تین برکتیں ہوتی ہیں: سرعت، نصرت، قدرت اگر کوئی عمل بلا اذن ہو جائے تو جلد معذرت کرنا واجب ہے تاکہ شیخ کامل استغفار سے کفارہ ادا کرے اپنے مرید کے لئے کیونکہ پیر کامل نبی کریم ﷺ کا نائب ہے اور مریدین آل و عیال ہیں اس لئے مرشد کو حکم ہے کہ اسْتَغْفِرْ لَهُمْ بخشش خطا مانگے مریدوں کے لئے۔ مریدوں کو حکم ہے کہ اپنے اوقات اعمال رضاء شیخ میں خرچ کرے اور تمام احوال میں مرشد کی موافقت کرے۔ طریقت کے چار قدم: متابعت، مطابقت،

marfat.com

اطاعت، مشابہت، مجاہدے کی ریاضت، مراقبے کی عبادت، مکاشفے کی شہادت لباس معرفت ہے۔ ابوعثمان علیہ الرحمۃ نے چار نصیحتیں فرمائی ہیں۔ ۱۔ دینی اجتماع پر ہمیشگی کرو۔ ۲۔ اکابر کی مخالفت سے بچو۔ ۳۔ شریعت کی اطاعت میں بھی مرشد کی اجازت حاصل کرو۔ ۴۔ ہر مرد کو حضور شیخ میں مثل اعمٰی اعرج و مریض ہونا چاہئے۔ ابتدائی مرید محتاج ہے ان کی امداد کسب مجاہدہ ہے غیر مقلد بننا شریعت میں بھی حرام ہے طریقت میں بھی۔ ان نصیحتوں پر جن کا عمل مکمل ہوگا ان کی محنت عمل انشاء اللہ تعالیٰ ضائع نہ ہوگی اے بندر حمت سے ناامید نہ ہونا اگرچہ دیر ہو جائے بارگاہِ کبریائی میں ہر مطیع کا حصہ وصولیت ہے طالب کو مایوسی منع ہے کیونکہ ہر سیاہی میں بھی سفیدی کی کرن ہوتی ہے جیسے کہ گرم راکھ میں چنگاری اگر سو کام بھی پورے نہ ہوں تب بھی ناکامی کی جلن میں نہ جل بلکہ دروازہ کھٹکھٹاتا رہ ہو سکتا ہے کبھی کھل جائے۔ کون کھڑا در بار ہمارے کبھی تو آقا پوچھیں گے۔ اگرچہ ابواب شفاعت کثیر ہیں مگر جب ایک سے مردودیت ہو جائے تو سب سے دھتکار ہی ملتی ہے۔ اے بندے دروازہ ایک ہی ہونا چاہئے اس کو کھٹکھٹانا بار بار چاہئے۔ کیا تو نے نہ دیکھا کہ جس کو بارگاہِ نبوت سے مردودیت ملی اس کو کہیں سے بھی مقبولیت نہیں مل سکی۔ جس بدبخت نے اجازت رسول اللہ کو چھوڑا وہ سب سعادتوں سے محروم رہا اس کو کسی بھی ورد کی اجازت و محنت مفید نہیں کیونکہ جب ایک آئینے میں شکل گندی نظر آئے تو سب آئینوں میں گندی ہی ہوتی ہے۔ روحانیت کے گیارہ دروازوں پر اذن مرشد کی ضرورت ہوتی ہے۔ ۱۔ باب مجاہدہ۔ ۲۔ باب مراقبہ۔ ۳۔ سفر جلوت۔ ۴۔ حضر خلوت۔ ۵۔ فتنہ مال کثیر۔ ۶۔ طلب عزت کا وبال۔ ۷۔ قبولیت خلق کا شوق۔ ۸۔ خواہش نکاح۔ ۹۔ امراء وزرا کے دروازوں پر حاضری کا ذوق۔ ۱۰۔ باب رحمت خدا بوسیلہ اولیاء۔ ۱۱۔ بلاء دنیوی سے حفاظت کا دروازہ۔ یا اللہ ہمیں دولت قبولیت عطا فرما اور ذلت مردودیت سے بچا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت ۶۳، ۶۴۔ اے طالبین معرفت! رسول اللہ کی آواز ہدایت کو اپنی آواز کی مثل نہ سمجھو کیونکہ تمہاری آوازیں راستہ دکھاتی ہیں مگر صداء نبوی کی ہدایت منزل مطلوب تک پہنچاتی ہے۔ سب ہادی بارگاہِ کبریائی تک بھیجنے والے مگر نبی مکرم بلانے والے دَاعِيًا اِلَى اللّٰهِ۔ تم سب ہادی چراغ راہ ہو۔ نبی مکرم شمع محفل ہیں سِرَاجًا مُّنِيْرًا ہیں۔ بیشک جانتا ہے اللہ تعالیٰ ان عیارین کو جو بھیس بدل کر لبادۂ تصوف پہن کر تمہارے ہمراہی سفر بنے ہوئے ہیں ان کو راہ طریقت حقیقت کی راحتیں پسند ہیں ریاضتیں مشقتیں ناپسند ہیں۔ نہ مراقبے کی چاہت، نہ مشاہدے کی حاجت، سجادگی کی آڑ، پیرزادگی کا سہارا، صاحبزادگی کا بھروسہ لے کر مجاہدے سے بچنے کے لئے میدان عمل سے بھاگتے ہیں۔ انہیں چاہئے کہ ڈریں اس دن سے جب کہ پہنچے ان کو حجاب بارگاہ کا فتنہ یا لگے ان کو محرومی منزل کی نارِ فراق و عذاب الیم۔ اس فرار کے پانچ وبال۔ ۱۔ نعمت روحانی کا خاتمہ۔ ۲۔ نور قلبی کا بجھنا۔ ۳۔ قساوت کا میل جمنا۔ ۴۔ عقل پر شقاوت کا چڑھنا۔ ۵۔ ظلمت انکار کا چھا جانا نہ معرفت کا وصول نہ معرفت کا حصول، نہ محنت قبول، دل پر مہر، بدن پر قہر، یہ بھی کیا بری زندگی ہے جو موت سے بدتر۔ یا اللّٰہ لَا اِلٰهَ غَيْرُكَ وَلَا يُرْجٰى اِلَّا خَيْرُكَ۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں اور تیری ذات کریم سے صرف خیر کی ہی امید ہے۔ ہم کو راہ سلوک میں منزل پر چلنے کی

marfat.com

استقامت سعادت عطا فرما اور آوارہ ذہنی کے تَسَلُّلُ اور دریدہ عینی کے لِوَاذًا سے بچا۔ خبردار بے شک اللہ تعالیٰ ہی کا ہے جو کچھ قرب کے آسمانوں و بعد کی زمین میں ہے اور جانتا ہے دنیا عقبیٰ کی دولتوں کو اے بدمستو! تم کو جانتا ہے کہ تم دولتوں سے دل لگاتے ہو اور اللہ تعالیٰ سے منہ موڑتے ہو۔ حقارت سے ہٹا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ایسے بروں کو دنیا کی رنگینیوں میں پھنسا کر اور بحر وحجاب کے عذاب الیم میں پھنسا کر اور جانتا ہے ان تمام اعمال سیاہ کو جن میں تم پڑے ہوئے ہو اور جس دن لوٹائے جائیں گے وہ عیاران طریقت جو اپنے جبہ و دستار منبر ومحراب کو دنیا سازی آوارہ مزاجی کا ذریعہ بناتے ہیں تعلقات غیر اللہ کی زنجیروں میں جکڑے ہو کر تب بتائے گا ان کو خیر کی مقدار کا ثواب قُرب اور شر کی مقدار کا عذاب بُعد اور اللہ تعالیٰ ہر قول نقیر وفعل قطمیر کو جاننے والا ہے جو دنیا کے صغیر و کبیر، شریر و امیر، حقیر و فقیر، وزیر و امیر نے عمل کئے۔ صوفیاء کے نزدیک نداء حقیقت کی سات قسمیں۔ ۱۔ عابدین کے لئے نداء ولایت۔ ۲۔ عارفین کے لئے نداء کرامت۔ ۳۔ عاشقین کے لئے نداءِ عزت۔ ۴۔ ہر امت دعوت کے لئے نداء علامت۔ ۵۔ امت اجابت کے لئے نداء امانت۔ ۶۔ فساق کے لئے نداء ندامت۔ ۷۔ منکرین طریقت ومنافقین عبرت کے لئے نداء حقارت۔ ادب نبوت سے ادب ربانی، ادب اولیاء اللہ سے معرفت نبوت اور معرفت نبی سے معرفت الٰہی ملتی ہے۔ احترام علماء سے ایمان وعمل نصیب ہوتا ہے کیونکہ اطاعت میں شریعت ہے۔ حقیقت میں معرفت ہے اتباع میں محبت ہے اور محبت سے ہی ادب ہے لہٰذا اے طالبین معرفت طریقت کبریا کی اتباع کرو ورنہ یا کثرت دنیا کے وبال وفتنوں میں گر جاؤ گے یا نفرت الٰہی کے عذاب الیم میں گر جاؤ گے۔ فتنہ وعذاب کے سات خطرے ہیں۔ ۱۔ بروں کی صحبت ملنا۔ ۲۔ مخالفین انبیاء کی دوستی وقربت ملنا۔ ۳۔ اولیاء اللہ سے دشمنی۔ ۴۔ اللہ رسول کے دشمنوں کی عقیدت ملنا۔ ۵۔ حق کی مخالفت۔ ۶۔ اہل دنیا کی بھیڑ۔ ۷۔ دولت حرام کے حصول میں کثرت ورغبت وآسانی۔ حلال اشیاء سے بے رغبتی وبے قناعتی یہی فتنہ عظیم سب فتنوں کی جڑ ہے اس سے مسلمان غافل ہیں۔ دنیا عوام کے لئے فتنہ ہے خواص کے لئے بلا ہے۔ اہل اللہ کے لئے وبال جان ہے، اہل معرفت کے لئے عذاب الیم ہے۔ فتنہ ماخوذ ہے، بلا مَعْفُوٌّ ہے، وبال مردود ہے۔ عذاب مقبوح ہے۔ جو بندہ جس فتنے سے بچ گیا وہی مَتَابٌ ہے۔ اہل اللہ پر تعلق غیر اللہ حرام لذت دنیا ہو یا طمع آخرت لیکن بقاء اخروی کے لئے تعلق دنیا ضروری ہے کیونکہ تعلق دنیا سے بقاء اُخروی اور بقاء اُخروی سے قرب الٰہی دیدار مصطفائی۔ صوفیاء فرماتے ہیں: مَا اَلْهٰکَ عَنْ مَوْلَاکَ فَهُوَ دُنْیَاکَ. وَمَا اَلْهَاکَ عَنْ دُنْیَاکَ لِمَوْلٰکَ فَهُوَ عُقْبٰکَ. یعنی اے بندے جو چیز تجھے غافل کر دے تیرے مولیٰ تعالیٰ سے وہ تیری دنیا ہے اور جو چیز تجھے غافل وبے پرواہ کر دے تیری دنیا سے طلب مولیٰ کے لئے وہ تیری عقبیٰ وعاقبت ہے۔ عاقل پر واجب ہے کہ تعلقات دنیوی کی رسی کاٹ دے اور صفات وحدت سے جڑ جائے اور جزاء مکافات کے دن سے پہلے فکر کرے امر کا۔ حساب کرے عمل عتاب کرے نفس کا۔ اس زندگی کی فکر نہ کر کہ اس کو فنا کی ممات ہے۔ اس زندگی کی فکر کر جس کو بقا کی حیات ہے اللہ تعالیٰ ہی علیم ہے ولودور جوع کا اختیار واضطرار سرو جہر کا مبارک ہے وہ بندہ جس نے مراقبہ عمر کا مشاہدہ کر لیا اور خاتمہ وانجام کا ملاحظہ کر لیا۔ ماسوا اللہ میں مشغولیت فتنہ ہے اور اللہ تعالیٰ سے دوری عذاب الیم ہے۔ خبردار بیشک اللہ تعالیٰ کا ہی ہے جو قلوب ملائکہ کے آسمانوں میں خزانہ رحمۃ ہے اور جو اہل محبت کی زمین سینہ میں وجودِ معرفت کا

marfat.com

دفینہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی جاننے والا ہے قلوب مقبولین کے ان پوشیدہ اسرار و مخفی حالات کو جو شوق و محبت کی واردات میں ہیں۔ پس جزا دے گا ان کو کشف مشاہدات کے دن اور اجر دے گا ان تمام مصائب کا جو ایام فراق میں ان پر گزریں اور حسن کرم سے رفع حجاب کی ابدی معذرت قبول فرمائے گا۔ اللہ والوں کو پانچ قسم کے لوگوں سے بچنا چاہئے۔ ۱۔ جھوٹوں سے کیونکہ ان کی محفل فریب ہے۔ ۲۔ بیوقوفوں سے ان کی قربت میں نقصان ہے۔ ۳۔ کنجوسوں سے ان کے پاس رہنے سے وقت برباد ہے۔ ۴۔ بزدلوں سے وہ مصیبت میں ساتھ چھوڑ دیں گے۔ ۵۔ فاسقوں سے کیونکہ ان کی دوستی جہنم کا راستہ ہے۔ بہترین بندہ وہ ہے جس کو ملے تو بانٹے نہ ملے تو شکر کرے۔ سب سے بہتر شکر نبی کریم ﷺ کی اطاعت امر میں اور اتباع عمل میں کرنا ہے اللہ توفیق دے۔ بحمد اللہ تعالیٰ آج بروز منگل بوقت ظہر مؤرخہ ۲۰۰۱ء/۸/۲۸ مطابق ۸/ جمادی الآخر ۱۴۲۲ھ۔ سورۃ نور کی تفسیر و تالیف مکمل ہوئی۔ ماخوذات، تفسیرات۔ ۱۔ کبیر۔ ۲۔ معانی۔ ۳۔ قرطبی۔ ۴۔ مظہری۔ ۵۔ روح البیان۔ ۶۔ خازن۔ ۷۔ مدارک۔ ۸۔ ابن عباس۔ ۹۔ بیضاوی۔ ۱۰۔ طبری۔ ۱۱۔ صاوی۔ ۱۲۔ جلالین۔ ۱۳۔ نیشا پوری۔ ۱۴۔ ابن عربی۔ ۱۵۔ تفسیر فتح القدیر۔ ۱۶۔ عرائس البیان۔

marfat.com

سورۃ الفرقان کا مختصر تعارف

۱۔ اس اٹھارہویں پارے کا نام قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ہے۔ اس پارے کی تیسری اور آخری سورت اَلْفُرْقَانَ ہے۔ اس پارے میں اس سورۃ کے صرف دو رکوع ہیں۔ جن کی بیس آیتیں اس پارہ ۱۸ میں ہیں۔ اس سورہ کا نام اَلْفُرْقَانَ اس کی پہلی آیت تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ کے لفظ فرقان سے لیا گیا ہے۔ فرقان کا معنی تفریق اور فرق کرنے والا۔ اس سورۃ کا اگلا تمام مضمون بھی جگہ جگہ مومن، منافق اور کافر کے درمیان دنیا و آخرت کی حیات اور دینی دنیوی مقامات، حالات کا فرق بتا رہا ہے اور ہر قول وفعل میں تفریق کی تعلیم دے رہا ہے اس اعتبار سے بھی رب تعالیٰ نے اس سورت کا نام فرقان رکھا۔ خیال رہے کہ قرآن مجید کا نام بھی فرقان حمید ہے اور یہاں پہلی آیت تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ میں فُرقان کے لفظ سے پورا قرآن مجید ہی مراد ہے۔ قرآن مجید میں لفظ فرقان تقریباً سات جگہ ارشاد ہوا ہے ان میں سے تین جگہ قرآن مجید کو فرقان فرمایا گیا ہے اس کے علاوہ قیامت کو توریت وانجیل کو بھی فرقان فرمایا گیا ہے۔ احادیث وآیات میں تقریباً پچاس (۵۰) نام قرآن مجید کے بیان ہوئے ہیں اور یہ سب نام اللہ تعالیٰ نے خود رکھے ہیں۔ ۲۔ اس سورت میں تاقیامت تمام مسلمانوں کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ ہر مومن متقی مسلمان اپنی ہر عادت کو عبادت بنالیں اور ہر عبادت کو دنیا کے ہر کافر، منافق، بدعقیدہ فرقے سے علیحدہ کرلیں کیونکہ کافر، منافق، بدعقیدہ فرقے کی ہر عادت عبادت باطل ہی باطل اور شیطانی ملاوٹ ہے۔ اگرچہ نام ونمود شکل ومشابہت میں عبادت نظر آتی ہو۔ اسی لئے قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ صرف تعلیم قرآن سے ہی اللہ رسول، توحید ورسالت عادت وعبادت کو مانیں اور قرآن مجید کی پوری تعلیم عَلَیْكُمْ بِسُنَّتِیْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ الْمَهْدِیِّیْنَ کے ارشاد نبوی میں ہے۔ اگر کوئی مسلمان اس تعلیم نبوی کو چھوڑ دے اور کتابوں، تفسیروں پر ہی بھروسہ کرلے تو ابلیس کے پھندے سے نہیں بچ سکتا کیونکہ باطل فرقوں نے تو اپنی نماز، اذان اور کلمے کو بھی اپنی مرضی وشیطن کی عرضی سے بدل ڈالا۔ ۳۔ یہ پوری سورۃ فرقان ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں نازل فرمائی گئی اس میں چھ رکوع ستتر (۷۷) آیتیں ہیں۔ آٹھ سو بانوے (۸۹۲) الفاظ اور تین ہزار سات سو تین (۳۷۰۳) حرف ہیں۔ اس کی ستاون آیتیں چار رکوعوں کے اندر اگلے پارے ۱۹ میں ہیں۔ یہ تفسیر نعیمی چونکہ پارے پارے کی ہے اس لئے مندرجہ ذیل آئندہ سطور وصفحات میں صرف ان بیس (۲۰) آیات کی تفسیر عرض کریں گے جو اس پارہ نمبر ۱۸ میں ہیں۔ ۴۔ اس سورۃ فرقان میں چھ چیزیں بیان فرمائی گئیں۔ **پہلی**: یہ کہ قرآن مجید کا نظام ابدی اور عالمگیر ہے جو حیات انسانی کے لئے مکمل ہے۔ **دوم**: یہ کہ توحید باری تعالیٰ کا ذکر اور پہچان کہ توحید وہی معتبر اور سچی ہے جو تعلیم نبوت اور انبیاء کرام علیہم السلام پر ایمان لانے سے حاصل ہو۔ ایمان انبیاء علیہم السلام کے بغیر سب کچھ تلبیس ابلیس ہے۔ **سوم**: اس سورۃ میں رسالت کا بھی تعارف کرایا گیا ہے اور فرمایا گیا کہ عرفان کے لئے ایمان، ایمان کے لئے توحید، توحید کے لئے رسالت، رسالت کے لئے قرآن، قیامت، مَلٰٓئِکَۃ کا

marfat.com

ماننا ضروری ہے۔ ۵۔ یہ سورۃ فرقان بھی وقفے وقفے سے تھوڑی تھوڑی آیتیں آیتیں ہو کر نازل ہوئی مگر اس کی سب آیات مکی ہیں۔ ۶۔ قرآن مجید کی تمام سورتوں کی طرح اس سورۃ کا پچھلی سورتوں سے ربط اور تعلق ہے اور اس کی ہر ہر آیت کا بھی آپس میں رابطہ ہے یہ ربط و تعلق فصل تعلقات میں بیان کیا جائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۷۔ اس سورۃ فرقان کا نمبر تلاوت پچیس (۲۵) ہے۔ یہی نمبر ازلی قدیمی اور لوحِ محفوظ پر وجلد قرآن مجید میں مکتوب ہے۔ ان ہی نمبروں سے ترتیب تلاوت چلتی ہے۔ اس ترتیب کی مخالفت سے تلاوت کرنے والا گناہگار ہو جاتا ہے۔ اس ترتیب کو ترتیل کہا جاتا ہے۔ انہی ترتیبی نمبروں سے سورتوں، آیتوں کے رابطوں اور سیاق و سباق کے تعلقات کا پتہ لگتا ہے۔ یہ ترتیب تلاوت کے نمبر پچھلی سابقہ کتب الٰہیہ کی سورتوں میں بھی تھے یعنی توریت، زبور، انجیل میں۔ ۸۔ اس سورۃ فرقان کا نمبر نزول بیالیس (۴۲) ہے۔ قرآن مجید کی ہر سورت کا نمبر نزول قرآن مجید کی خصوصیت ہے پچھلی کتب الٰہیہ میں کسی بھی سورت کا نمبر نزول نہ تھا۔ نمبر نزول سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں: ۱۔ اولاً، یہ کہ یہ سورت کب، کہاں اور کیوں نازل فرمائی گئی اور یہ کہ سورۃ مکی ہے یا مدنی۔ ثانیاً، یہ کہ اس سورت میں کتنے اور کیا کیا اور کس کے لئے مضامین ہیں۔ چنانچہ اس سورۃ فرقان میں چھ مضامین بیان فرمائے گئے جن میں سے اس پارہ ۱۸ کے دو (۲) رکوع یعنی بیس (۲۰) آیات کی تفصیلی وضاحت ہم ابھی مندرجہ ذیل سطور میں مختصر تفسیر کے طور پر بیان کریں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۹۔ اس سورۃ فرقان کی عبارت النص سے مسلمانوں کے لئے شریعت کے ظاہری تقریباً سولہ (۱۶) مسائل بیان فرمائے۔ جن کی تفصیل آئندہ بیان کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ اور اس سورۃ کے استنباطی مسائل فقہیہ انشاء تعالیٰ آئندہ احکام القرآن کی فصل میں بیان کئے جائیں گے۔

سورۃ الفرقان کے رکوعوں کی مختصر تفسیر

پہلے رکوع کی نو آیتوں میں تیرہ (۱۳) چیزیں بیان فرمائی گئیں۔ ۱۔ فرمایا گیا تَبٰرَكَ یہ صفت خصوصی ہے رب تعالیٰ کی اور وہاں بیان ہوتی ہے جہاں کمال قدرت کی حیرت انگیزیوں کا تذکرہ ہو۔ اس ضمن میں سب سے حیران کن بات اولاً یہ بتائی گئی کہ عظیم برکتوں کے خزانوں والا وَحْدَهٗ لَا شَرِيك جس نے اپنے بندے دُرِّ یتیم محمد مصطفیٰ ﷺ پر فرقان جیسا بھاری مضبوط کلام الٰہی نازل فرمایا تاکہ یہ بندہ اکیلا ہی تمام جہانوں کے لئے نبی اور نذیر ہو جائے جہان مکانی ہوں یا زمانی۔ مکانی جہان آسمان و زمین میں ہیں زمانی جہان تا قیامت سالوں صدیوں قرنوں میں ہیں۔ اس بندے کی نبوت نہ کسی مکان میں محدود نہ کسی زمان میں۔ ۲۔ یہ فرقان نازل فرمانے والا اور ایک بندۂ بے مثل کو ساری کائنات کا نبی بنانے والا رب تعالیٰ کوئی معمولی ہستی نہیں بلکہ اتنی بڑی قوت و سلطنت والا ہے کہ تمام آسمان اور پوری زمین کی بادشاہت مُلکیت و مِلکیت اسی ذات بابرکات کی ہے۔ ۳۔ اور اپنی بادشاہت بچانے و سنبھالنے کے لئے کسی والی وارث ولی عہد کی ضرورت نہیں اسی لئے اس نے کوئی اولاد نہ بنائی نہ اس کو اولاد کی حاجت۔ ۴۔ اور نہ ہی کوئی اس کے ملک اس کی بادشاہی میں اس کا شریک ہے۔ ۵۔ وہی اللہ اتنی عظیم حکمتوں قدرتوں والا ہے کہ اس نے ہر چیز کو مکمل اور بہترین انداز سے پیدا فرمایا کہ نہ تبدیلی کی ضرورت نہ کمی بیشی کی حاجت۔ ذروں سے پہاڑ تک گھاس سے اونچے درختوں تک۔ کیڑے سے ہاتھی تک۔ انسان سے فرشتوں، زمین سے کواکب وسماوات تک ہر

marfat.com

ایک کو ظاہراً باطناً ٹھیک ٹھیک پیدا فرمادیا کہ ہر مخلوق کی ہر اندرونی بیرونی ضرورت پوری ہورہی ہے۔ ۶۔ اور کفار مشرکین کا یہ حال ہے کہ انہوں نے اپنے ہی ہاتھوں سے ایسے معبود بنالئے جو کچھ پیدا نہیں کرسکتے حالانکہ وہ تو خود ہی پیدا کئے گئے ہیں اور جو مخلوق ہو وہ خالق نہیں ہوسکتا۔ جو خالق نہیں وہ معبود نہیں ہوسکتا۔ ۷۔ اور پھر یہ بناوٹی معبود اتنے کمزور ہیں کہ خود اپنے نفع ونقصان کے مالک نہیں اپنے پجاریوں سے بھی زیادہ کمزور تو کسی دوست دشمن کا کیا نفع نقصان کرسکتے ہیں بلکہ یہ مٹی کے ڈھیر تو دوست دشمن کو ہی نہیں جانتے پہچانتے۔ سچے خالق و معبود کی تین قوتیں کہ وہ موت اور حیات ونشور حشر کا خالق و مالک ہے مگر یہ جھوٹے بناوٹی معبود نہ کسی کی موت کے مالک نہ حیات کے نہ مردوں کو زندہ کرنے اٹھانے چلانے کے مالک۔ ۸۔ اسرار و انوار علم وعرفان کے خزانے کلام قرآن کے بارے میں ان کفار نے محض ضد مخالفت حماقت کی بناء پر کہنا شروع کردیا کہ یہ کلام ہمارے آبائی دین پر صرف ایسا الزام و بہتان تراشی ہے جو ان محمد مصطفیٰ ﷺ نے خود گھڑ لیا ہے اور اس کلام کی فصاحت و بلاغت وحسن نظامت میں قوم کے چند دوسرے لوگوں نے بھی ان کی مدد کی ہے تو ایسی جاہلانہ احمقانہ باتیں کرکے یہ کفار اپنی جانوں پر ظلم ہی لائے اور کھلا جھوٹ۔ اے مسلمانو! ان باتوں کا جواب دینے کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان گھبرائی ہوئی جھوٹی ظالمانہ باتوں میں تو ان کا اپنا بھی ایک مزاج نہیں کیونکہ کچھ دیر پہلے قرآن پاک کو افک افترائی کہا اور پھر کہا کہ یہ قرآن اساطیر اولین ہیں پہلے لوگوں کی کہانیاں جن کو اس دعوۂ نبوت کرنے والے نے کہیں کسی قصہ گو سے لکھوالئے ہیں۔ تو یہی قصہ کہانیاں صبح شام دن رات محفلوں مجلسوں میں پڑھ پڑھ کر بار بار سنائے جاتے ہیں۔ ۹۔ یہ کفار بیشک ایڑی چوٹی کا زور لگا کر ہر آنے جانے والے کو اپنی ان باتوں سے ورغلاتے رہیں۔ آپ کھلے عام فرمادو کہ اس کلام فصاحت علم بلاغت اقوال معارف کو اس ذات تبارک وتعالیٰ نے نازل فرمایا ہے جو آسمانوں اور پوری زمین کے ان سب اسرار کو جانتا ہے جو ان کے اندر پوشیدہ ہیں۔ بندے ہزار ہا جرم وخطا کریں جب بھی وہ پکی سچی توبہ کرلیں اور ان کو دین حق ونبوت برحق کی عقل وسمجھ آجائے اور وہ آستانہ رسالت سے درس توحید حاصل کرلیں تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ بخشنے والا، رحمت کی چادر میں چھپانے والا بھی ہے اور تائبین عابدین صالحین پر رحم فرمانے والا بھی۔ ۱۰۔ اور جب کفار سے اور کچھ نہ بن پڑا تو لوگوں سے کہنے لگے کہ یہ کیسا رسول ہے اس کا کیا عجیب حال ہے کہ کھانے کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اگر یہ اللہ کا نبی یا رسول ہوتا تو کیا اس کا یہ حال ہوتا۔ ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ اس کی طرف فرشتہ نازل کیا جائے تو وہ فرشتہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلتا پھرتا نذیر ہوتا اور وہ بھی ہم کو ڈراتا سمجھاتا تو ہم سمجھتے کہ واقعی یہ شخص سچا نبی نذیر وبشیر ہے۔ ۱۱۔ اگر یہ نہیں تو اس کی طرف کوئی آسمانی خزانہ ڈالا جاتا یا زمینی خزانہ اٹھایا جاتا جس کو بانٹ بانٹ کر یہ اپنا دین پھیلاتا اپنی بات منواتا لوگوں کو اپنی طرف مائل کرتا یا یہ بھی نہیں تو اس کے لئے کوئی پھلوں کا چاردیواری باغ ہوتا جس سے کم ازکم خوشحالی سے اپنا گزارہ تو کرتا رہتا اور اسی کی روزی، کمائی، آمدنی، تجارت سے کھاتا پیتا، پہنتا۔ اس طرح پرانے غریبانہ کپڑوں، فاقوں، روزوں میں تو نہ رہتا۔ ۱۲۔ اور جب کفار کی ان باتوں سے بھی لوگوں پر اثر نہیں ہوتا تو یہ ظالم لوگ لوگوں اور دھڑا دھڑ مومن مسلمان بننے والوں سے کہنے لگے کہ تم لوگ صرف ایک جادو زدہ، مسحور جادو کئے مرد کی اتباع میں لگے ہوئے ہو۔ ۱۳۔ اے محبوب ان بیوقوف ضدی جاہلوں کو تو دیکھئے کہ کیسی کیسی لغو بیہودہ مثالیں آپ کے لئے بناتے

marfat.com

رہتے ہیں۔ پس یہ سب کفار اسی حسد وجلاپے میں ہی گمراہ ہو گئے ہیں۔تو وہ ذرا بھی راہِ راست پر آنے کی طاقت وہمت اہمیت لیاقت نہیں پا سکتے۔ دوسرے رکوع کی گیارہ آیتوں میں چھ(۶) باتیں باتی گئیں۔ ا۔ یہ کفار تو انکار نبوت کے لئے یہ حیلے بہانے تراشتے ہوئے طنزیہ باتیں کرتے اور مسلمانوں کو سناتے ہیں لیکن وہ ذات پاک تبارک وتعالیٰ جو آپ کا رب ہے ہر چیز اس کی قدرت وحکمت میں ہے اگر چاہے تو آنا فانا ایک لمحہ میں بنادے آپ کے لئے کئی گنا اور کئی طرح بہترین ان عارضی فانی باغوں خزانوں سے بھی اچھا جو یہ کفار کہتے ہیں۔ایسے سدابہار باغات آپ کو عطا فرمائے دنیا میں ہی جن کے نیچے اچھی بھرپور خوبصورت نہریں جاری رہیں اور وہ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ چاہے تو بنادے آپ کے لئے اسی سرزمین عرب وعجم میں بڑے بڑے شاندار مضبوط قلعہ نما شاہی محلات۔ یہ تو دنیا کی مشیت ہے آخرت میں بعد قیامت تو یہ سب کچھ ہے ہی آپ کے لئے بھی اور آپ کے غلاموں مسلمانوں کے لئے بھی جس کا نہ ان کفار کو شعور ہے نہ وہم وگمان نہ ایمان۔ ۲۔ بلکہ انہوں نے تو قیامت اور حشر ونشر کی بعثت انعام وعذاب کو ہی جھٹلا دیا حالانکہ ہم نے کئی زمانوں پہلے ہی تیار کر دی ہوئی ہے ہر اس کافر شخص کے لئے جس نے قیامت کو جھٹلایا یا انکار کیا بڑی تیز بھڑکتی ہوئی آگ۔ایسی آگ کہ جب بھی میدان محشر یا عالم برزخ قبر میں اس آگ نے اپنا دکھلاوا دیا ان کفار کو دور جگہ سے ہی تو سن لیا کریں گے اس آگ کے شعلے مارنے کے جوش وخروش اور زفیر کی خوفناک چنگھاڑیں اور پھر جب بعد قیامت یہ کفار ڈالے گئے الٹا کر اسی آگ میں انتہائی تنگ جگہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے۔تب وہاں موت کو آوازیں دیں گے کہ ہائے کاش ہم مرجائیں۔اس وقت فرشتے کہا کریں گے کہ آج ایک موت کو نہ پکارو بلکہ بہت سی موتوں کو پکارو اور موتیں مانگو۔ ۳۔اے محبوب فرماؤ ان بیوقوف کافروں کو جو نبی کو نبی ماننے کے لئے تو اتنی قیدیں شرطیں لگاتے ہیں مگر معبود ماننے کے لئے کوئی شرط نہیں اندھے بن کر مٹی کے ڈھیر کو معبود بنا لیتے ہیں۔پیپل، تلسی، گائے، بندر، سانپ کو الہ سمجھ لیا لیکن نبی کے لئے فرشتوں، محلوں، باغوں کی شرطیں کہ دنیا میں ہی یہ چیزیں اس کے پاس ہونی چاہئیں۔ارے نادانو کیا یہ دنیا کے فانی باغ اچھے ہیں یا وہ ہمیشہ رہنے والی جنت جس کا وعدہ کئے گئے ہیں متقی بندے جو ان نیک مومنوں کے لئے ہو گی جزا بن کر اور آخری دائمی ٹھکانہ ہو کر۔ان خوش قسمتوں کے لئے ان جنتوں میں وہ سب کچھ ہو گا جو وہ چاہیں گے ان چاہتوں کی حصولی اور جنت کی وصولی جزاء ومصیر میں وہ ہمیشہ رہنے والے ہیں۔اے کائنات کے آقا اور ہمارے محبوب ان تمام چیزوں کا وعدہ آپ کے رب سے مانگا ہوا ہے کہ ہر مومن مسلمان ہر وقت ہر نماز ودعا میں مانگتا ہے۔ ۴۔اور کفار کا حال یہ ہو گا کہ جس دن ان کو اور ان کے ان بناوٹی معبودوں کو جن کو یہ اللہ کے مقابل اور سوا پوجتے ہیں میدان محشر میں جمع فرمائے گا تو ان بتوں، دیوی دیوتاؤں سے سوال فرمائے گا کہ کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا یا یہ خود ہی سیدھے راستے سے گمراہ ہو گئے تھے۔ ۵۔وہ سب بت دیوی دیوتا لات ومنات عرض کریں گے پاک ہے تو اے اللہ تَبَارَكْتَ وَ تَعَلَّيْتَ ہماری اتنی ہمت جرأت کے لائق نہ تھا کہ ہم تیرے مقابلے میں کسی کو دوست بناتے یا اچھا سمجھتے۔ اصل بات یہ ہے تو نے اپنے رحم کرم سے ان کو بہت عیش وآرام کی دولت عزت کا نفع عطا فرمایا اور ان کے باپ دادوں کو بھی تو یہ کم بخت اسی خرمستی دولت کی فراوانی میں باپ دادوں کی دیکھا دیکھی میں کھو گئے اور بھول گئے تیری عبادت ریاضت فرمانبرداری قیامت وموت وقبر کی یاد کو اور وہ سب اگلے

marfat.com

پچھلے اسی عیش پرستی میں ہلاکت والی قومیں ہوگئے۔ ۶۔ خطاب الٰہی آئے گا کہ انہوں نے تو تمہاری باتوں کی تکذیب کر دی پس اب نہ تم اپنے سے عذاب پھیرنے کی طاقت رکھتے ہو نہ اپنی مدد کرنے کی۔ لہٰذا خوب سن لو کہ دنیا میں جو بھی تم میں سے کسی قسم کا ظلم کرے گا ہم اس کو بڑا بھاری عذاب چکھائیں گے اور اے محبوب یہ کفار بھی جانتے ہیں اور ساری دنیا جانتی ہے کہ جتنے بھی ہم نے مرسلین بھیجے وہ سب ہی کھانا کھاتے تھے، بازاروں میں چلتے پھرتے تبلیغیں فرماتے تھے۔ ۷۔ اے انسانو ہم نے تم میں ہر ایک کو دوسرے کے لئے فتنہ و آزمائش بنا دیا ہے لہٰذا ہوش سے زندگی گزارو۔ فتنے سے بچنے کا بس یہی طریقہ ہے کہ صبر کرو تم اور آپ کا رب بصیر ہے۔

سورۃ فرقان کی فضیلت، عملیات، وظائف اور تعویذ

۱۔ اس سورۃ کو یہ اعزازی شان حاصل ہے کہ اس کا نام پورے قرآن مجید کا ایک نام ہے۔ ۲۔ اس سورۃ کی ایک خصوصی شان یہ ہے کہ اس میں تین بار تَبٰرَكَ الَّذِیْ سے رب تعالیٰ کی حمد کی گئی۔ ۳۔ عملیات میں ایک یہ کہ اگر کسی شخص کو کسی ظالم نے ناحق ستایا ہو اور مظلوم اس کے ظلم سے تنگ ہو تو اکیس دن میں ایک سو آٹھ دفعہ یہ سورۃ پڑھے روزانہ مقررہ گنتی سے یعنی پانچ بار روزانہ آخری دن آٹھ بار انشاء اللہ ظلم سے محفوظ ہو جائے گا۔ ۴۔ جو بندہ روزانہ اس کی ایک بار تلاوت کرے بعد نماز فجر تو قبر حشر میں اندھیرے سے بچا رہے۔ ۵۔ جو اس کی پہلی چار آیتیں صبح شام پانچ بار ورد کرتا رہے ہر موذی سے بچا رہے جانور، جنات سے۔ ۶۔ جو شخص کسی عامل کامل سے اس کا تعویذ لکھوا کر گلے یا بازو میں رکھے ہر شر سے محفوظ رہے۔ ۷۔ فرمایا آقا ﷺ نے کہ جو مسلمان مرد یا عورت ہر جمعرات بعد ظہر ایک بار تلاوت کرے اول آخر درود تاج ایک بار تو بروز محشر خود آقا ﷺ اس کے ایمان کی گواہی دیں گے سبحان اللہ۔ ۸۔ جو مسلمان دشمن کی مکاریوں سے پریشان ہو وہ (۳۸) بار تلاوت کرے بغیر بسم اللہ بغیر درود شریف تو دشمن دور ہو اور ہلاک ہو مگر دینی دشمن کے لئے پڑھے ذاتی دشمن کے لئے نہ پڑھے بلکہ صبر کرے صبر کا ثواب پائے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ۹۔ جس مسلمان مرد کی شادی نہ ہوتی ہو وہ کسی شروع ماہ میں تین دن روزہ رکھے اور ہر رات تینوں دن یہ پوری سورۃ (۲۱) بار تلاوت کرے بعد نماز عشاء تین ماہ اسی طرح کرے یہ نو دن بنتے ہیں۔ انشاء اللہ تعالیٰ نیک بیوی نصیب ہوگی۔ ان کے عدد یہ ۲۰۹۵۷۵ ہیں۔ نقشہ تعویذ یہ ہے۔ تیرہویں خانے میں ایک عدد بڑھانا ہے کیونکہ چال تیرہویں خانے میں ہے:

۷۸۶

۵۲۳۸۶	۵۲۴۰۰	۵۲۳۹۶	۵۲۳۹۳
۵۲۳۹۷	۵۲۳۹۲	۵۲۳۸۷	۵۲۳۹۹
۵۲۳۹۱	۵۲۳۹۴	۵۲۴۰۲	۵۲۳۸۸
۵۲۴۰۱	۵۲۳۸۹	۵۲۳۹۰	۵۲۳۹۵

marfat.com

سورۃ الفرقان

اٰیاتھا ۷۷ | سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ ۲۵ | رکوعاتھا ۶

فرقان کی سورت مکی ہے اور وہ ستتر (۷۷) آیتیں اور چھ رکوع ہیں۔

سورۃ فرقان مکی ہے۔ اس میں ستتر (۷۷) آیات اور چھ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

ابتدا ہے اللہ تعالیٰ کے نام سے جو گناہ بخشنے والا ہے اور رحم والا ہے۔

اللہ کے نام سے شروع جو نہایت مہربان رحم والا۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ

ہر برکت وفراوانی کا خالق ہے وہ اللہ جس نے نازل فرمایا فرق بتانے والا کلام اپنے بندے پر تا کہ وہ بندہ ہو جائے

بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اتارا قرآن اپنے بندے پر

لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ ۝١ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

اکیلا ہی تمام جہانوں کے لئے نذیر (نبی) نازل کیا اس اللہ نے جس کا ہے ملکیتی ملک تمام آسمانوں اور پوری زمین کا

جو سارے جہانوں کا ڈر سنانے والا ہو وہ کہ جس کے لئے ہے آسمانوں اور زمین کی بادشاہت

وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ

اور نہ بنایا اس ذات پاک نے کوئی بیٹا اور نہیں ہے اس کا کوئی شریک ملک بادشاہت میں

اور اس نے نہ اختیار فرمایا بچہ۔ اور اس کی سلطنت میں کوئی ساجھی نہیں

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝٢

اور اسی اللہ نے پیدا فرمایا ہر چیز کو تو ہر مکمل ومفید اندازوں سے ٹھیک ٹھیک بنایا

اس نے ہر چیز پیدا کر کے ٹھیک اندازہ پر رکھی

وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا يَخْلُقُوْنَ شَيْـًٔا

اور ان کفار نے اس کے مقابل بہت سے ایسے ناکارہ معبود بنالئے جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے کیونکہ وہ تو خود پیدا کئے گئے ہیں

marfat.com

اور لوگوں نے اس کے سوا اور خدا ٹھہرا لئے کہ وہ کچھ بناتے نہیں اور خود پیدا کیے گئے ہیں

وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ وَلَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا

اور کمزور اتنے کہ نہیں ملکیت رکھتے ہیں خود اپنے نقصان کو دور کرنے کی

اور خود اپنی جانوں کے برے بھلے کے مالک نہیں

وَّلَا نَفْعًا وَّلَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ③

اور نہ نفع لینے کی اور نہ مالک ہیں موت دینے کے اور نہ زندگی دینے کے اور نہ دوبارہ اٹھانے کے

اور نہ مرنے کا اختیار نہ جینے کا نہ اٹھنے کا

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ

اور کہا ان لوگوں نے جو کافر ہوئے کہ نہیں ہے یہ کلام مگر بناوٹی کہانیاں جو خود بنالی ہیں اس نبی نے

اور کافر بولے یہ تو نہیں مگر ایک بہتان جو انہوں نے بنالیا ہے

افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ

اور تعاون کیا ہے اس شخص کی اس بناوٹ پر قوم کے دیگر چند لوگوں نے

اور اس پر اور لوگوں نے انہیں مدد دی ہے

فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ④

تو یہ باتیں کر کے کفار لے آئے بڑا ظلم اور کھلا جھوٹ

بیشک وہ ظلم اور جھوٹ پر آئے

تعلقات

اس سورۃ فرقان کا پچھلی سورۃ نور سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی سورۃ نور کی آیت ۱، ۲، ۳ اور آیت ۲۶ میں فرمایا گیا کہ جرائم اخلاقی میں سب سے بڑا جرم زنا ہے اسی لئے اس کی سزا عبرت ناک اس کی بہتان تراشی ذلت ناک اور اس کی گواہی عدداً اور احتیاطاً سب سے زیادہ اور فرمایا گیا زنا کا ارتکاب خبیث مشرکوں کی نشانی ہے۔ اب یہاں سورۃ فرقان کی آیت ۹۸ میں طیب متقی مومنین کی نشانی بتائی گئی کہ وَلَا يَزْنُوْنَ وہ زنا نہیں کرتے بلکہ چاروں قسم کی بدکاریوں میں سے کوئی بھی بدکاری نہیں کرتے نہ متعہ نہ زنا نہ لواطت نہ مشت زنی۔ غرضیکہ اس سورۃ نور میں خبیث وخباثت کی نشاندہی فرمائی گئی اور یہاں اس سورہ میں طَیِّب وَطَیِّبات کی نشاندہی فرمائی گئی تاکہ آئندہ تاقیامت مسلمان اُس سے بچیں اس میں رہیں۔ **دوسرا**

marfat.com

تعلق: سورۃ نور میں فرمایا گیا کہ اندرونی پوشیدہ کافر منافقین پاکدامن مسلمان متقیہ عورتوں پر افک کا افتراء کرتے ہیں اور اس طرح دینوی اُخروی ذلت وسزا پاتے ہیں۔اب اس سورۃ فرقان میں بیرونی ظاہری کفار کا ذکر فرمایا جارہا ہے کہ بدترین لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید پر اِفک یعنی بہتان کا افتراء لگاتے ہیں اور اس طرح دینوی اُخروی ذلت وعذاب ابدی پاتے ہیں۔ دو ہی قسم کے کافر ہوتے ہیں۔ پوشیدہ وظاہر وہاں پوشیدہ کی رذالت بیان فرمائی گئی یہاں ظاہر کی خباثت بیان ہوئی۔ **تیسرا تعلق:** دنیا بھر کے کفار کو اپنی چار چیزوں پر ناز غرور اور بھروسہ ہے اسی غرور میں وہ راہِ حق واہلِ حق سے روگردان نافرمان ہیں۔ ۱۔ ہاتھوں پر۔ ۲۔ پیروں پر۔ ۳۔ زبانوں پر۔ ۴۔ اپنے جھوٹے معبودوں بت دیوی دیوتاؤں پر۔ پچھلی سورۃ نور کی آیت ۲۴ میں فرمایا گیا کہ جن ہاتھوں پیروں زبانوں کی طاقتوں چرب زبانیوں پر ان کو بڑا فخر ہے وہی ہاتھ پاؤں زبانیں کل بروز قیامت ان کافروں کے خلاف گواہی دے کر ان کو ابدی جہنم میں گروائیں گے۔ اور یہاں سورۃ فرقان کی آیت ۱۷ میں فرمایا جارہا ہے کہ یہ کفار جن معبودانِ باطل بتوں دیویوں مورتیوں پر بھروسہ کیے ہوئے ہیں کل یہی بت ان کے خلاف بیان دے کر ان سے بیزاری کا اظہار کر کے ان سب کفار کو جہنم میں ڈلوائیں گے۔ غرضیکہ اس سورۃ نور میں کفار کے ایک سہارے کو توڑا گیا اور یہاں اس سورۃ فرقان میں کفار کے دوسرے سہارے کو توڑا گیا۔ ہاتھ پاؤں سے عملی کفر، زبانوں سے قولی کفر اور بتوں سے اعتقادی کفر کیا جاتا ہے۔

شان نزول

کفار مکہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کے انکار میں دس گستاخانہ احمقانہ باتیں کیا کرتے تھے۔ ۱۔ یہ شاعر ہیں۔ ۲۔ یہ ساحر ہیں۔ ۳۔ مسحور ہیں۔ ۴۔ یہ مفتری ہیں۔ ۵۔ یہ پرانے لوگوں کے قصہ کہانیاں اساطیر افسانے سنانے والے ہیں۔ ۶۔ ان کے پاس فرشتے کیوں نہیں آتے۔ ۷۔ ان کے باغات کیوں نہیں ہیں۔ ۸۔ ان کے پاس دولت قصور ومحلات کیوں نہیں ہیں۔ ۹۔ یہ کھاتے پیتے کیوں ہیں۔ ۱۰۔ یہ بازاروں میں کیوں چلتے پھرتے ہیں ایک بار کفار مکہ نے حج کے موقع پر حرم شریف کے مجمع عام میں ان باتوں کا خوب شور مچایا اور نو وارد مسافروں کو خوب ورغلایا ایمان لانے سے ہٹایا۔ نبی کریم ﷺ کو کفار کی اس کارروائی سے رنج ہوا تب یہ ابتدائی دس آیات نازل ہوئیں۔ نبی کریم ﷺ نے اسی وقت یہ آیات حرم شریف کے اسی مجمع عام میں تلاوت فرمائیں۔ رب تعالیٰ کا کلام ہو اور نبی پاک ﷺ کی زبان ہو تو تلاوت کی کیا شان ہوگی۔ تمام مجمع جلسہ پر سناٹا چھا گیا۔ کفار مکہ بھاگ گئے حجاج مسافران نبی کریم ﷺ کے پاس جمع ہوگئے بہت سے مسلمان ہوگئے۔ مکے کے سردارانِ کفر حسد کی آگ میں جل بھن گئے۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ۔

تفسیر نحوی

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرَا ﴿۱﴾ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّ لَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَ خَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِیْرًا ﴿۲﴾ تَبٰرَكَ۔ بابِ تَفَاعُل کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے تَبَارُکٌ۔ بَرَکٌ سے بنا ہے۔ اسی میں تاء مصدر یہ لگائی جاتی ہے تو مصدر ہوتا ہے بَرَکَةٌ۔

marfat.com

ا۔بغیرتْ بَرُکَ سے۔ ۲۔مصدر مزید فیہ ہے بُرُوْکً۔ بر کۃٌ کا معنی ہے خیر کثیر اور بروک بروزن قبول فعول کا معنی ہے باقی رہنا، لازم ہونا۔ ۳۔باب تفاعل کا مصدر تَبَارُکٌ برائے مبالغہ کا معنی ہے بہت بلند ہونا،مضبوط،عظیم،نہایت پاکیزہ، مقدس انتہائی بزرگ ہونا، ابدی ہونا، بڑا محسن قدرت کامل قوت اکمل والا ہونا۔ تَبَارُکٌ صفت خصوصی ہے اللہ کی۔لہٰذا تَبَارَکَ النَّبِیُّ تَبَارَکَ الْوَلِیُّ نہیں کہہ سکتے۔اس لئے اس باب کے دیگر اشتقاق نہیں ہوتے۔اہل عرب کا تَبَارَکَتِ الْاَرْضُ کہنا یا تبارکتِ النَّخْلَۃُ۔یا تبارکتُ عَلَیْکُمْ کہنا یہ مجازاً ہے اور معنی ہے برکت کے لائق ہونا یا معنی ہے بلندی والا بنایا جانا۔بَرُکَ اور بَرَکَۃٌ کا لغوی ترجمہ ہے جمع ہونا اسی مناسبت سے حوض کو بِرْکٌ اور اونٹ کے سینے کو بُرُکٌ کہا جاتا ہے کہ اونٹ کے سینے میں ایک تھیلی ہوتی ہے جس میں تقریباً چھ ماہ کے لئے اپنا غذائی پانی بھر لیتا ہے اور حوض میں میٹھا صاف اور مفید پانی جمع رکھا جاتا ہے۔دنیا کی ہر وہ چیز جس میں قدرتی اور غیبی طور پر چار چیزیں جمع ہوں وہ چیز مبارک اور برکت والی ہوتی ہے: ا۔خیر۔ ۲۔خوبی۔ ۳۔فائدہ۔ ۴۔کثرت معنوی خیال رہے کہ کثرت ظاہری کا نام فضل ہے۔برکت اور فضل وفضیلت سب عطیہ الٰہی ہے بجز اللہ تعالیٰ کوئی کسی کو نہیں دے سکتا۔ہاں البتہ ذریعہ اور سبب یا علت نیک پاک بندے اور نیک اعمال بھی بن سکتے ہیں۔تَبٰرَکَ فعل ماضی کا ترجمہ ہے۔ ہر برکت کا خالق و مالک ومُعْطِیْ ہے۔ اَلَّذِیْ اسم موصول واحد مذکر۔ نَزَّلَ باب تفعیل کا ماضی مطلق۔نَزَلَ سے بنا ہے مصدر ہے تَنْزِیْلٌ ترجمہ بار بار اترنا۔اَلْفُرْقَانَ اسم مبالغہ غیر منصرف الف نون زائدتان بروزن فُعلان عُثمان۔ فَرْقٌ سے مشتق۔فُرقان کا لغوی ترجمہ ہے دو چیزوں کے درمیان۔جدائی اور امتیاز وعلیحدگی کرنے والا۔شرعی قرآنی اصطلاح میں سات (۷) چیزوں کو فرقان فرمایا گیا ہے۔ا۔قرآن مجید کو یہاں یہی مراد ہے۔ ۲۔تورات کو۔ ۳۔معجزات انبیاء علیہم السلام کو۔ ۴۔جنگ بدر کو۔ ۵۔نور کو۔ ۶۔دلیل ایمانی کو۔ ۷۔حجت عقلیہ کو۔فرقان کا اصطلاحی ترجمہ ہے۔حق و باطل کے درمیان فرق اور جدائی کرنے والا۔یہ مفعول بہ ہے عَلٰی عَبْدِہٖ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے نَزَّلَ کا۔لِیَکُوْنَ۔ لَامِ کے برائے علیت اس میں اَنْ ناصبہ پوشیدہ ہوتا ہے جو مابعد فعل مضارع کو نصب (زبر) دیتا ہے۔ یَکُوْنَ فعل مضارع ناقصہ۔صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا اسم ہے۔جس کا مرجع ہے عَبْدِہٖ۔ لِلْعٰلَمِیْنَ یہ جار مجرور متعلق ہے یَکُوْنَ کا۔نَذِیْرًا۔اسم صفت مشبہ برائے مبالغہ نَذْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے ڈرانا خوف دلانا۔ یہ خبر ہے یَکُوْنَ کی۔ یہ ساتھ میں چھوٹی سی ن تنوین کی ہے برائے اتصال اصل میں نَذِیْرًا تھا اس کو اَلَّذِیْ سے جوڑنے کے لئے یہ نون تنوین لائی گئی۔ یہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر علت ہے نَزَّلَ کی۔وہ فعل اپنے فاعل مفعول بہ متعلق اور علت سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْ کا یہ موصول صلہ مل کر مبدل منہ ہے اگلی عبارت اَلَّذِیْ لَہٗ کا۔اَلَّذِیْ اسم موصول۔لَہٗ یہ جار مجرور متعلق ہے مَمْلُوْکٌ پوشیدہ اسم مفعول کا مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔ یہ معطوف علیہ ومعطوف مضاف الیہ ہے مُلْکُ کا وہ مرکب اضافی نائب فاعل ہے مَمْلُوْکٌ پوشیدہ کا وہ سب جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ۔واؤ عاطفہ لَمْ یَتَّخِذْ۔ بابِ افعال کا مضارع نفی جحد بلَم معروف یہ ہمیشہ ماضی مطلق منفی کے معنی میں ہوتا ہے۔اس کا مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے۔ترجمہ ہے لینا، بنانا، چننا۔اس کا فاعل ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ۔جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْ۔ وَلَدًا اسم نکرہ

marfat.com

بمعنی اولاد یعنی بیٹا اور بیٹی۔ یہ مفعول بہ ہے لَمْ یَتَّخِذْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ لَمْ یَکُنْ۔ مضارع نفی جحد بلم معروف تامہ بمعنی ماضی مطلق منفی لَهٗ۔ یہ جار مجرور متعلق اول ہے شَرِیْكٌ۔ فاعل ہے لَمْ یَکُنْ کا۔ فِی الْمُلْكِ۔ یہ جار مجرور متعلق لَمْ یَکُنْ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ تامہ خبریہ ہو کر پھر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ خَلَقَ۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق خَلْقٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پیدا کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع اللہ تعالیٰ یعنی اَلَّذِیْ۔ کُلَّ شَیْءٍ مرکب اضافی مفعول بہ ہے خَلَقَ کا۔ وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ فَ حرف عطف۔ قَدَّرَ۔ بابِ تفعیل کا فعل ماضی مطلق۔ قَدْرٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے اندازے اور مقدار سے بنانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ واحد مذکر غائب ھُوَ پوشیدہ ہٗ ضمیر ظاہر مفعول بہ ہے مرجع ہے کُلَّ شَیْءٍ۔ تَقْدِیْرًا۔ بابِ تفعیل کا مصدر ہے مفعول مطلق ہے قَدَّرَ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَمْ یَکُنْ کے جملے پر دونوں عطف مل کر معطوف ہے لَمْ یَتَّخِذْ کے جملے پر۔ وہ دونوں مل کر معطوف ہے لَهٗ مُلْكُ کے جملے پر۔ دونوں مل کر صلہ ہے اَلَّذِیْ لَهٗ کا۔ یہ موصول صلہ مل کر بدل الکل ہے اَلَّذِیْ نَزَّلَ کا۔ مبدل منہ اور بدل مل کر فاعل ہے تَبٰرَكَ کا۔ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ اِفْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ واؤ سر جملہ اِتَّخَذُوْا۔ باب افتعال ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اِتِّخَاذٌ مصدر ہے اس کا فاعل ھُمْ ضمیر جس کا مرجع ذہنی ہے مراد ہے کفار مشرکین مِنْ جارہ دُوْنِ۔ اسم مقلوبی معرب دُنُوٌّ سے مقلوب یعنی تبدیل ہوا ہے آٹھ معنی ہیں۔ ۱۔ بمعنی غیر سوا۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ درجہ میں نیچا۔ ۳۔ گھٹیا۔ ۴۔ ظرفیت مکانی کے لئے فَوْقَ کی نقیض (نیچے)۔ ۵۔ بمعنی مقابل۔ ۶۔ بمعنی حفاظت۔ ۷۔ حد سے بڑھنا۔ ۸۔ بمعنی علاوہ۔ ہمیشہ مضاف ہو کر آتا ہے اسم ظاہر اور ضمیر دونوں کا مضاف بن سکتا ہے۔ ہٖ ضمیر اس کا مضاف الیہ ہے یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے۔ اٰلِهَةً اسم جمع مکسر ہے اِلٰہٌ کی یہ مفعول بہ موصوف ہے اگلی عبارت کا۔ لَّا یَخْلُقُوْنَ۔ بابِ نَصَرَ کا مضارع حال منفی معروف صیغہ جمع مذکر غائب ھُمْ پوشیدہ اس کا فاعل جس کا مرجع ہے اٰلِهَةً۔ شَیْـًٔا مفعول بہ۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ ھُمْ ضمیر مبتدا یُخْلَقُوْنَ۔ مضارع مثبت مجہول۔ اس کا نائب فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا۔ دونوں مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا یَمْلِكُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع منفی معروف صیغہ جمع مذکر اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ لِاَنْفُسِهِمْ۔ یہ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے لَا یَمْلِكُوْنَ کا ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا یہ معطوف علیہ و معطوف مفعول بہ ہے لَا یَمْلِكُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ واؤ عاطفہ لَا یَمْلِكُوْنَ یہ فعل با فاعل مَوْتًا اسم نکرہ مفرد معطوف علیہ واؤ عاطفہ لا نفی محض۔ حَیٰوةً معطوف علیہ واؤ عاطفہ لَا نفی محض نُشُوْرًا۔ اسم مبالغہ بروزن فُعُوْلًا۔ نَشْرٌ سے مشتق ہے نَشْرٌ کا ترجمہ ہے منتشر کرنا، نشر ہونا، پھیلانا، بکھرنا۔ مراد ہے قیامت کا اٹھنا۔ یہ معطوف ہے حَیٰوةً پر وہ مَوْتًا پر۔ سب عطف مل کر مفعول بہ ہے لَا یَمْلِكُوْنَ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے لَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ کے جملے پر وہ معطوف ہے ھُمْ یُخْلَقُوْنَ کے جملے پر وہ معطوف ہے لَّا یَخْلُقُوْنَ کے

marfat.com

جملے پر سب عطف صفت ہے اٰلِهَةً موصوف کی وہ مرکب توصیفی مفعول بہ ہے اتَّخَذُوْا کا وہ فعل فاعل مفعول متعلق مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ قَالَ فعل ماضی مطلق الَّذِيْنَ۔ اسم موصول كَفَرُوْا۔ ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب کُفْرٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قَوْل ہوا۔ اِنْ حرف نفی بمعنی نہیں هٰذَآ اسم اشارہ قریبی اس کا مشار الیہ ہے فُرْقَانَ۔ یہ مستثنیٰ منہ ہے اِلَّآ حرف استثنا۔ اِفْكٌ اسم مفرد نکرہ جامد۔ لغوی ترجمہ ہے الٹ پھیر یعنی ہیرا پھیری کرنا۔ اس مناسبت سے سات معنی میں مشترک ہے: ۱۔ جھوٹ بولنا، جھوٹی بناوٹی باتیں کرنا۔ یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ تہمت لگانا۔ ۳۔ غلط بات پر جاہلانہ ضد سے اڑ جانا۔ ۴۔ الٹا چلنا۔ ۵۔ نگل لینا۔ ۶۔ توڑ پھوڑ دینا۔ ۷۔ گمراہ ہونا گمراہ کرنا۔ یہ موصوف ہے۔ نون تنوینی برائے اِتِّصَال۔ اِفْتَرٰىهُ باب افتعال کا ماضی مطلق مصدر ہے اِفْتِرَاءٌ فَرْيٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے من گھڑت بناوٹ کرنا۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہٗ مفعول بہ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ اَعَانَ۔ باب افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اِعَانَةٌ۔ عَوْنٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے مدد کرنا اسی سے ہے تعاون بمعنی ہاتھ بٹانا۔ دراصل اِعْوَانٌ تھا تعلیل سے اِعَانَةٌ ہوا۔ ہٗ ضمیر ظاہر مفعول بہ ہے قَوْمٌ موصوف اٰخَرُوْنَ صفت یہ مرکب توصیفی فاعل ہے اَعَانَ کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے اِفْتَرٰىهُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر صفت ہے اِفْكٌ کی وہ مرکب توصیفی مستثنیٰ ہے هٰذَآ سے دونوں مل کر مقولہ ہوا قَالَ کا۔ دونوں مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ ف زائدہ بیانیہ قَدْ جَآءُوْ۔ ماضی قریب مثبت معروف جمع مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ۔ ظُلْمًا معطوف علیہ واؤ عاطفہ زُوْرًا۔ اسم حاصل مصدر لغوی ترجمہ ہے انحراف یعنی حق سے علیحدہ ہو جانا۔ اس مناسبت سے آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ جھوٹ بولنا یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ ایک طرف جھکنا مائل ہونا۔ ۳۔ ملاقات کرنا۔ ۴۔ ٹیڑھا ہونا۔ ۵۔ ملمع و ملاوٹ کرنا۔ ۶۔ مکر پھیلانا۔ ۷۔ رسی میں بل پڑنا۔ ۸۔ بیماری لگ جانا۔ زُوْرًا معطوف ظُلْمًا پر دونوں عطف مفعول بہ ہے قَدْ جَآءُوْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرَا ۙ الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا ۝ پاک و مقدس ہے ابدی و قدیمی ذات و صفات میں قائم و غیر متغیر ہے حکمت قدرۃ مصلحت میں کامل ہے وہ ذات جَلَّ مَجْدُہٗ جس نے ہر اچھے کام کلام مقام و مکان میں خیر کثیر کی ابدی برکت عطا فرمائی اتم و ابلغ حکمت خاص مصلحت عام سے آیت آیت کر کے ایسا کلام نازل فرمایا جو فرق کرنے والا ہے حق و باطل کے درمیان اور فاصلہ کرنے والا ہے اچھے برے مومن و کافر کے درمیان عادات نشانات حالات عملیات کی علامتیں مقرر فرما کر۔ یہ فرقان حمید تنزیل میں صرف قرآن مجید ہے۔ توریت، زبور، انجیل نزول میں فرقان نہیں صرف عمل میں فرقان ہیں مگر قرآن مجید تنزیلاً بھی فرقان تعمیلاً بھی۔ اس لئے سورۃ آل عمران آیت ۳ میں ارشاد ہے: نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۝ ترجمہ:۔ اے نبی آپ پر کتاب برحق

marfat.com

تھوڑی تھوڑی کر کے اتاری اور توراۃ و انجیل ایک دم اتاریں۔ سورۃ اسریٰ آیت ۱۰۶ میں ارشاد ہے: وَقُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا ﴿۱۰۶﴾۔ یعنی ہم نے قرآن مجید کو اس لئے تھوڑا تھوڑا کر کے اتارا تاکہ اے حبیب مکرم آپ مسلمانوں کو بار بار قرأت سناؤ سکھاؤ (عملی آسانی کے لئے) اور اتارا ہم نے اس کو تنزیل یعنی متفرق کر کے۔ اس تنزیل متفرقہ میں بہت حکمتیں ہیں مثلاً۔ ۱۔ حفظ میں آسانی۔ ۲۔ عمل میں سہولت۔ ۳۔ حکم کی وجہ و شانِ نزول کی فہم واقفیت۔ ۴۔ جمع قرآن میں صحابہ کرام کی شمولیت۔ ۵۔ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا کی سعادت۔ ۶۔ مسلمانوں کی منجاب اللہ تسلی و ہمت افزائی۔ ۷۔ بشارات اُخروی۔ ۸۔ اعتراضاتِ کفار کے جوابات۔ ۹۔ منافقت کی پردہ فاشی۔ ۱۰۔ رب تعالیٰ سے بار بار ہم کلامی کا شرف۔ ۱۱۔ انتظارِ وحی کا ثواب پانا۔ ۱۲۔ جبرائیل علیہ السلام کا بار بار آنا۔ ۱۳۔ اللہ تعالیٰ کی راہنمائی کا ہر وقت ساتھ رہنا۔ یہ فوائد یکبارگی نزول میں حاصل نہیں ہوتے مگر کفار مکہ ان حکمتوں کو نہیں سمجھتے تھے اس لئے اعتراضاً کہتے تھے۔ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً (یہی سورۃ آیت ۳۲) یعنی اگر یہ قرآن بھی رب کا کلام ہے تو توراۃ زبور انجیل کی طرح ایک دم کیوں آپ پر نہیں اترا۔ وہاں بھی کفار کے جواب میں ترتیل کی ایک حکمت بیان فرمائی گئی ہے۔ نزولِ وحی کی دو کیفیتیں ہوتی رہیں۔ ۱۔ اَنْزَلَ بمعنی بیک دم پوری کتاب کا اتارنا۔ ۲۔ نَزَّلَ یعنی تھوڑا تھوڑا اتارنا۔ پہلی کیفیت سابقہ کتب و صحف کی۔ دوسری کیفیت قرآن مجید کے اترنے کی۔ صفت فرقان کے دو معنی۔ ۱۔ فرقان باعتبار تنزیل متفرق ہونے والا۔ ۲۔ فرقان بمعنی متفرق کرنے والا۔ قرآن مجید ان دونوں معنی میں فرقان ہے مگر سابقہ کُتُب وَ صُحُف صرف دوسرے معنی میں فرقان ہیں۔ عَلٰى عَبْدِهٖ اپنے بندے پر نازل فرمایا۔ بارگاہِ الٰہی میں سب سے بڑا اعزاز عبدیت کا ہے اور عبد حقیقی وہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنا بندہ فرمائے۔ قرآن مجید میں صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو یہ اعزازِ عظیم عطا فرمایا گیا۔ پانچ جگہ عَبْدَنَا، سات جگہ عَبْدِهٖ ایک جگہ عَبْدَيْنِ فرمایا۔ اپنے منہ سے تو ہر انسان کہہ دیتا ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں مگر خوش قسمتی تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ فرمائے یہ ہے میرا بندہ۔ عبدیت کا یہ مقام اعلیٰ صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو حاصل ہے۔ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ﴿۱﴾۔ اس قرآن مجید کو فرقان حمید اس لئے بنا کر اتارا تاکہ یہ بندہ کائنات کے تمام جہانوں میں رہنے والوں کے لئے نذیر ہو۔ مخلوق عرشی ہو یا فرشی کسی کے لئے اصلاً کسی کے لئے فرضاً۔ کسی کے لئے حقیقتاً اور نازل فرمایا ہے اس ذات وحدہٗ لاشریک نے جس کا ملک تمام آسمانوں اور پوری زمین میں ہے یہ بندہ اُسی کی طرف سے اسی کے تمام ملک کے لئے واحد نذیر ہے۔ اصلاً اس طرح کہ اس بندے نے پوری کائنات کو بتایا کہ جو بھی کفر پر مرے گا وہ ابدی جہنمی ہوگا۔ حقیقتاً اس طرح کہ پوری امت دعوت کو کفر سے بچانے والا، ڈرانے والا۔ ان میں سے جو مومن مسلمان بن گئے تب ان کے لئے بشیر ہوا۔ فرضاً اس طرح کہ جو مخلوق فرضاً مثلاً کافر ہو جائے تو وہ بھی ابدی جہنمی آسمانی ہو یا زمینی۔ جیسے ہاروت و ماروت۔ اس مفروضے کا ثبوت مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳ کی حدیث مقدس۔ فصل ثالث۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ فَضَّلَ مُحَمَّدًا ﷺ عَلَى الْاَنْبِيَآءِ وَعَلٰى اَهْلِ السَّمَآءِ. فَقَالُوْا يَا ابْنَ عَبَّاسٍ. بِمَا فَضَّلَهٗ عَلٰى اَهْلِ السَّمَآءِ. قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى قَالَ لِاَهْلِ السَّمَآءِ. وَمَنْ يَّقُلْ مِنْهُمْ اِنِّىْ اِلٰهٌ مِّنْ دُوْنِهٖ فَذٰلِكَ نَجْزِيْهِ جَهَنَّمَ. كَذٰلِكَ نَجْزِى الظّٰلِمِيْنَ. ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما

marfat.com

نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو تمام انبیاء اور تمام آسمان والوں پر فضیلت دی۔ لوگوں نے پوچھا کہ آسمان والوں پر کس چیز سے فضیلت دی تو آپ نے جواباً فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (بذریعہ نبی کریم) آسمان والوں سے فرمایا کہ ان میں سے جو بھی (فرض محال) خود کو معبود کہے اللہ کے مقابل تو وہ جہنم کی سزا والا ہے ہم اسی طرح ہر ظالم کو بدلے دیتے ہیں۔ (بحوالہ دارمی) یہی نذراتِ نبوی ہے فرشتوں کے لئے۔ تمام عالمین کی مخلوق نبی کریم ﷺ کی امت ہے۔ جس کا ظہور شب معراج میں کرایا گیا۔ بیت المقدس میں اقتداء انبیاء سے اور بیت المعمور میں اقتداء ملائکہ سے علیہم السلام۔ نباتات حکم نبوی پر دوڑتے چلے آئیں۔ جمادات کلمے پڑھیں، پتھر سلام کریں، چرند پرند فریادیں کریں، جن وانس بیعت کریں یہ سب لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۝ کا ہی ظہور ہے کہ جہاں تک ملک الٰہی وہاں تک نذراتِ مصطفائی اس لئے نَذِيْرًا کو الَّذِيْ سے جوڑا گیا۔ سورۃ اعراف آیت ۱۵۸ میں ہے: قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا اور سورۃ انعام آیت ۱۹ میں ارشاد ہے: وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ۔ ترجمہ: اے انسانوں میں تم تمام کی طرف رسول اللہ ہوں اور یہ قرآن مجید میری طرف وحی کیا گیا ہے تاکہ اس کے ذریعے تم کو بھی اور اس تمام مخلوق کی طرف بھی ڈر سناؤں جہاں تک تاقیامت یہ قرآن کریم پہنچے یعنی آسمانوں زمینوں میں۔ سورۃ سبا آیت ۲۸ میں ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا۔ سورۃ انبیاء آیت ۱۰۷ میں ہے: وَمَاۤ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝ **پہلی حدیث**: از مسلم بخاری۔ فرمان نبوی: بُعِثْتُ اِلَى الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ۔ **حدیث دوم**: بخاری مسلم كَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ اِلٰى قَوْمِهٖ خَاصَّةً وَبُعِثْتُ اِلَى النَّاسِ عَامَّةً۔ ان تمام آیات واحادیث میں یہی بتایا گیا کہ پہلے نبی صرف ایک قوم کے رسول ہوتے تھے مگر آقا ﷺ سارے جہانوں کے رسول و نذیر ہیں۔ حضرت آدم و نوح علیہما السلام اگرچہ پوری زمین کے نبی تھے مگر اس وقت پوری زمین پر فقط ایک ایک قوم ہی آباد تھی۔ دیگر سابقہ انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت صرف ان کی حیات ظاہری میں بعد وفات نبوت منسوخ صرف کتاب اللہ باقی جیسے توریت زبور انجیل نزول قرآن مجید سے پہلے تک باقی رہیں۔ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے سب کتب منسوخ کر دی گئیں اور نبوتیں ہر نبی کی وفات سے ہی منسوخ ہوتی تھیں لیکن آقا ﷺ کی نبوت رسالت قرآن وحدیث تاقیامت باقی و شریعت جاری یہاں تک کہ نبی کریم ﷺ کی آمد سے حضرت سلیمان علیہ السلام کی وہ قوت روحانی جو جنات پر قائم تھی ختم ہو گئی۔ نبوت و بادشاہت تو وفات سے ختم ہو گئی تھی (از مشکوٰۃ ص ۵۱۲)۔ **حدیث سوم**: از مسلم بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے کہ اُرْسِلْتُ اِلَى الْخَلْقِ كَآفَّةً وَّخُتِمَ بِيَ النَّبِيُّوْنَ۔ یعنی میں بھیجا گیا ہوں تمام مخلوق کی طرف کافی بنا کر اور میرے آنے کے بعد نبوت بند کر دی گئی اور چونکہ تمام آسمانوں زمین کی چیزیں اللہ تعالیٰ کی ہی مخلوق و مملوک ہیں اس لئے اے یہود و نصاریٰ گوش دہوش سے سن لو اور اے نبی قبیلہ بنی غطفان و بنی نذیر کو سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنا بیٹا یا بیٹی نہ بنایا۔ تین گروہ کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے۔ یہودی کہتے ہیں عزیر ابن اللہ ہیں۔ عیسائی کہتے ہیں عیسیٰ ابن اللہ ہیں۔ پہلے چند عرب قبائل اور اب ایرانی پارسی کہتے ہیں کہ ملائکہ اللہ کی بیٹیاں ہیں۔ یہاں وَلَمْ يَتَّخِذْ فرما کر تینوں کی تردید فرما دی گئی کیونکہ اولاد بنانے کی وجہ پانچ قسم کی ضرورتیں ہوتی ہیں۔ **اول**: یہ کہ اصل ونسل چلے۔ **دوم**: یہ کہ تنہائی کی گھبراہٹ ختم ہو۔ **سوم**:

marfat.com

یہ کہ اولاد مثل کھلونا ہوتی ہے والدین کو ابا، اماں کہلانے کا شوق ہوتا ہے۔ **چہارم:** یہ کہ وارث بنے۔ **پنجم:** یہ کہ بڑھاپے کا سہارا بنے۔ اللہ تعالیٰ ان تمام آلائشوں ضرورتوں سے پاک و بلند ہے۔ اولاد بنانے کی تین صورتیں: ۱۔ اپنی سگی اولاد ہونا۔ ۲۔ متبنّیٰ بنالینا۔ ۳۔ کسی کی اولاد کو پرورش میں گود لینا اور اپنی ظاہر کرنا۔ یہ سب انسانی عیوب و کمزوریاں ہیں۔ رب تعالیٰ ان سے بھی پاک ہے۔ شریک سات قسم کے ہوتے ہیں: اولادیت سے، میراثیت سے، استحقاقیت سے، مُلکیت سے، مِلکیت سے، صنعت فَنِّيَة سے، مرتبت سے۔ اللہ تعالیٰ کا کسی طرح سے کوئی بھی شریک نہیں ہوسکتا نہ الٰہیت میں نہ تخلیق میں نہ مُلکیت نہ مِلکیت نہ ولدیت میں۔ اس لئے اشیاء عالمین میں رب تعالیٰ کے ساتھ کسی کا استحقاق نہیں ہوسکتا۔ مشرک کی چار قسمیں۔ ۱۔ کفار وثنی بت پرست۔ ۲۔ کفار ثنوی یعنی دو الٰہ ماننے والے جیسے مجوسی دو الٰہ مانتے ہیں۔ ۱۔ خالق خیر یزدان۔ ۲۔ خالق شرا ہرمن۔ ۳۔ کفار اولادی جیسے یہود و نصاریٰ وغیرہ۔ ۴۔ کفار بناتی فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہنے والے اور پیدا فرمایا اسی اللہ تعالیٰ نے ہر اس چیز کو جو عالمین میں ہے ان کے جسمانی روحانی وجود سے اپنی حکمت تخلیقی مصلحت اور مخلوقی مفاد سے۔ ابدی شاندار انداز کے ساتھ ہر چیز کو مقدر و محدود فرمادیا۔ نطفے میں، بیج میں، پھول و پھل میں، جسم و حجم میں عضو و عمر میں، نسل و اصل میں، خوراک و غذا میں، عادات و خصائل، ثمرات لذات، رنگ و بو، تاثیر و تعمیر، قد کاٹھ، شکل حلیہ، ترقی، تفضل، جنسیت صنفیت، جن و انس، ملک، نباتات، جمادات، حیوانات، فلکیات، ارضیات، معدنیات، موسمیات کہ ازل حادث سے ابد فانی تک ایک محور حدود میں چل رہے ہیں نہ کوئی تغیر نہ گڑبڑ نہ فساد، نہ انڈے والے سے بچے نکلے نہ بچے والے سے انڈا نکلے، نہ آم سے گلاب ظاہر ہو نہ گلاب سے کیلا پیدا ہو۔ کیسا نظم و نسق ہے کہ نہ کوئی بدل سکے نہ بگاڑ سکے۔ مناسبت ایسی شاندار کہ ذرہ بھر کمی بیشی سے تباہی آجائے موافقت ایسی پیاری کہ جس کو جو بنادیا اسی میں اس کی بقا جس کو جو کھلادیا اسی میں اس کی صحت و غذا مگر ان حقائق میں تو اہل ایمان ہی غور کرتے ہیں کفار کی حماقت تو یہ ہے کہ: وَاتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اٰلِهَةً لَّا یَخْلُقُوْنَ شَیْـًٔا وَّهُمْ یُخْلَقُوْنَ وَلَا یَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا وَّلَا یَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَیٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا ۝ کائنات میں الٰہیت والٰہی قوتیں سب سے زیادہ مشکل اس کے باوجود کفار نے اللہ تعالیٰ کے مقابل اور سوا ایسے معبود بنالئے جو ذرہ برابر کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتے بلکہ وہ تو خود جسماً پیدا کئے گئے ہیں اور شکلاً انسانی ہاتھوں سے ہی تراشے خراشے گوندھے بنائے پکائے گئے ہیں۔ کیا عجیب حماقت ہے کہ صنم تراش لیا اور بندگی کرلی اور یہ بات تو خود کفار بھی سمجھتے ہیں کہ یہ بت اپنے آپ سے بھی کسی نقصان کو ختم کرنے کی طاقت و ہمت نہیں رکھتے کوئی توڑ دے گرادے نہ خود کو بچاسکیں نہ دشمن کو بھگاسکیں نہ اپنے پجاری کو بچاسکیں ایسے ہی کسی کے لئے کسی بھی نفع کے مالک و قادر نہیں اور یہ بیوقوف پجاری ہیں کہ ان بتوں کی محبت میں مرے مٹے جاتے ہیں آس لگائے بیٹھے ہیں اور یہ کفار یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ بت نہ موت کے مالک نہ زندگی لینے دینے کے مالک نہ کسی مردہ کو زندہ کرسکیں نہ حشر و نشر قائم کرسکیں۔ یہ کفار کتنے نادان ضدی ہیں کہ ایسی ناکارہ چیزوں کو معبود جیسی طاقتوں کی مالک ذات بنانے میں ذرا تفکر نہیں کرتے۔ لیکن ایک صحیح سچی، امین، فہیم شخصیت کو ہزاروں معجزات دیکھنے کے باوجود نبی رسول ماننے میں سینکڑوں حیلے بہانے شرطیں قیدیں لگاتے ہیں کہ وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْۤا اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ اِفْكُ ِ افْتَرٰىهُ وَاَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ فَقَدْ

marfat.com

جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا۝ ۔ اور کہاں ان حمقاء زمانہ لوگوں نے جو قلبی ذہنی کافر ہیں کہ یہ قرآن اللہ کا کلام نہیں یہ تو وہ دماغی غلط بیانی ہے جس کو اس نبی نے خود بنالیا ہے۔ کفار مکہ میں سے نضر بن حارث اور عبداللہ بن امیہ و نوفل بن خویلد اور ان کے چند ساتھیوں نے یہ بات پھیلائی اور آج ہر کافر یہ بات کہتا پھرتا ہے مگر قرآنی چیلنج آج تک کوئی قبول نہ کر سکا نہ فصحاء عرب نہ حمقاء عجم اور یہ بھی کہتے ہیں کہ قرآن بنانے میں اس مدعی نبوت کی مدد و اعانت ایک دوسری قوم کے چند لوگ بھی کرتے ہیں۔ وہ پانچ آدمی ہیں۔ ۱۔ ابو فکیھہ رومی۔ ۲۔ یسار مولیٰ حضرمی۔ ۳۔ عواس مولیٰ حویطب بن عبدالعزیٰ۔ ۴۔ جبر مولیٰ ابن عامر۔ ۵۔ عبید بن حصر کاہن حبشی یہ سب عجم کے یہودی تھے جو مسلمان ہو گئے اور آزاد کردہ غلام تھے۔ یہاں مولیٰ کا معنی آزاد شدہ غلام یہ لفظ مولیٰ وِلَاءٌ سے بنا ہے۔ اگر وَلِیٌّ سے بنا ہو تو مولیٰ کا معنی آقا، والی وارث ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان حماقتوں کا جواب عطا فرمایا کہ یہ کفار مکہ ایسی احمقانہ باتیں کر کے نرا ظلم اور زور ہی بکتے ہیں یعنی وہ کلام عظیم جس کی مثل تمام فصحاء عرب بلغاء شعراء ایک چھوٹی آیت نہ بنا سکیں باوجود چیلنج عام اور وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ کی دعوت تمام کے۔ اس کلام فصیح کے بارے میں یہ کہنا کہ چند عجمی غلاموں کے تعاون سے نبی نے بنالیا ہے ظلم و زور کی بکواس نہیں تو اور کیا ہے۔ اس ظلم و زور کی جہالت کو ایک عام آدمی بھی سمجھتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بجز ان چند بیوقوفوں کے کسی اور کافر نے یہ بات نہ کہی نہ مانی۔ ظلم، زور، افترٰی، کذب، عدل میں فرق یہ کہ کسی چیز کو اس کی اپنی اصل جگہ رکھنا عدل ہے۔ غلط جگہ رکھنا ظلم ہے۔ باطل کو حق کہنا اور حق کے خلاف توڑ موڑ و تحریف کرنا زور ہے۔ جان بوجھ کر غلط بیان کرنا افترٰی ہے۔ کسی کی تقلید و تائید میں غلط بیانی کرنا کذب ہے۔ ان آیات میں چھ چیزیں بیان فرمائی گئیں۔ ۱۔ تبارک۔ ۲۔ فرقان۔ ۳۔ توحید۔ ۴۔ نبوت۔ ۵۔ نذیر ہونا۔ ۶۔ موت و حیات۔ برکت کے پانچ معنی۔ ۱۔ عقلی نشوونما۔ ۲۔ حسی کثرت۔ ۳۔ کثرت خیر۔ ۴۔ ابدی عظمت۔ ۵۔ ابدی بقاء۔ برکت کی چھ کیفیات ہیں۔ ۱۔ نہ محسوس ہو۔ ۲۔ نہ منحصر ہو۔ ۳۔ نہ مختصر۔ ۴۔ نہ گنی جا سکے۔ ۵۔ نہ دیکھی جا سکے۔ ۶۔ مگر جس تھوڑی چیز میں برکت آ جائے تو کثیر کو کفایت کرے۔ برکت الٰہی کی چار صفات ہیں۔ ۱۔ دائمی بقا۔ ۲۔ فنا نہ ہو (لم یزل)۔ ۳۔ وَلَا یَزَالُ کوئی ختم نہ کر سکے۔ ۴۔ خیر ہی ہو شر کبھی نہ ہو۔ مبارک وہ ہے جو کمال ذات و صفات اور کمال قول و فعل والا ہو۔ برکت افضل ہے کثرت سے کیونکہ کثرت میں خیر و شر، حلال و حرام کی ملاوٹ ہو سکتی ہے مگر برکت میں صرف خیر ہی ہوتی ہے۔ تَبٰرَكَ کا معنی علو ذات و سمو صفات ہے صانع مصلحت خلل سے پاک کثیر ہدایت ہے وسیع رحمت معاش حیات و معاد و ممات میں خیر فرمانے والا۔ فرقان وہ جو دو چیزوں میں فرق اور دو شخصوں میں فاصلہ ذہنی و جسمی و رتبی کرنے والا ہو۔ فرق و فاصلے کی دو قسمیں ایک وہ جس کا علم فقط بصیرت ایمانی سے ہو۔ دوم وہ جس کا پتا بصارت انسانی سے بھی ہو۔ فرقان وہ جو معانی میں فرق و الفاظ میں تفریق و اجسام میں تمیز کرتا ہے۔ قرآن مجید کو فرقان حمید کہنے کی سات وجہ۔ ۱۔ حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ ۲۔ مومن و کافر میں تفریق۔ ۳۔ نیک و بد میں فاصلہ۔ ۴۔ نزول میں خود متفرق ہونے والا۔ ۵۔ معجزہ ہونے میں عاجز و متحیر کرنے والا۔ ۶۔ حلال و حرام کو بیان فرمانے والا۔ ۷۔ سابقین کی تصدیق آخرین کی تبیین فرمانے والا۔ بقاء عالمین کے لئے دو چیزیں۔ ۱۔ توحید کبریائی یعنی اللہ تعالیٰ ہی غالب، قاہر، حاکم ہے۔ امر و نہی، اعدام و ایجاد، احیاء و اموات میں۔ ۲۔ نبوت مصطفائی، دائماً، مستقلاً، اختیاراً۔

marfat.com

توحید کے چار دعوے چار دلیلیں۔ ۱۔ اسی کا ملک ہے دلیل کیونکہ سب مخلوق اللہ تعالیٰ کی محتاج ہے۔ ۲۔ اس نے اولاد نہ بنائی دلیل کیونکہ سب مخلوق و مملوک بنایا جو خالق ہو وہی الٰہ جو الٰہ وہی مالک اور مخلوق و مملوک اولاد نہیں ہو سکتی۔ ۳۔ اس کا کوئی شریک نہیں ملک میں دلیل کیونکہ وہی اللہ نفع نقصان حیات و موت حشر و نشور کا مالک ہے۔ ۴۔ فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا۔ دلیل یہ کہ اس لئے ہر شی میں نظم و ضبط بقاء و ثبات ہے۔ سچے معبود کی چار قوتیں اور جھوٹے کی چار کمزوریاں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی قوت: سچا الٰہ خالق ہے مخلوق نہیں۔ **پہلی:** جھوٹے معبود مخلوق ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کا ایک بار اَنِّیْ اَخْلُقُ فرمانا بِاِذْنِ اللّٰہ تھا اس لئے یہ فرمان معجزہ ہوا نہ کہ خالقیت۔ **دوم:** سچا الٰہ وہ جس کی قدرت قاہر جس کا ثواب ثابت جس کا عذاب غالب ہو جھوٹے معبود ہر طرح عاجز۔ **سوم:** سچا معبود ہر نفع نقصان کا مالک مگر جھوٹے خود اپنے نفع کے بھی مالک نہیں۔ **چہارم:** سچا حقیقی الٰہ سب کی موت و حیات فناء و بقا کا مالک لیکن جھوٹے الٰہ لَا يَمْلِكُوْنَ مَوْتًا وَّلَا حَيٰوةً وَّلَا نُشُوْرًا۔

ان آیات میں مختلف اقوال

اس سورۃ کے نزول میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ پوری سورۃ مکی ہے یہی بات ٹھیک ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا اس کی تین آیتیں مدنی ہیں نمبر ۶۸، ۶۹، ۷۰ از وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ تا وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ یہ قول اس لئے غلط ہے کہ بلا دلیل و ثبوت ہے۔ تَبٰرَكَ کے معنی میں پانچ قول۔ ۱۔ اس نے برکت دی۔ ۲۔ مقدس کیا۔ ۳۔ کثرتِ خیر دی۔ ۴۔ کثرت عطا فرمائی۔ ۵۔ اس کی ذات باقی صفات ظاہر ہمیشہ سے ہمیشہ تک۔ سب قول درست ہیں۔ فرقان کے نحوی معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا فرقان بمعنی فَارِق ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا فرقان بمعنی مفروق ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا فرقان بمعنی تفریق ہے۔ فرقان کے مقصدی معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا حق و باطل میں فرق کرنے والا۔ ۲۔ بعض نے کہا مومن و کافر میں جدائی کرنے والا۔ ۳۔ بعض نے کہا نیک و بد کی پہچان و نشان بتانے والا۔ نَزَّلَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے قرآن اتارنا۔ ۲۔ بعض نے کہا کلام اتارا۔ اس لئے سب کتب و صحف مراد۔ پہلا قول صحیح ہے یہ غلط ہے۔ عَلٰى عَبْدِهٖ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت عَبْدِهٖ ہے واحد اور صرف نبی کریم ﷺ مراد ہیں۔ ۲۔ بعض کی قرأت عَلٰى عِبَادِهٖ ہے اور مراد ہیں تمام اہل ایمان بھی۔ لِيَكُوْنَ کے اسم میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اسم ضمیر کا مرجع نبی کریم ﷺ ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا مرجع اللہ تعالیٰ ہے کیونکہ سورۃ دخان کی آیت ۳ میں ہے: اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ۔ یعنی اللہ تعالیٰ بھی کفار کو اِنذار فرماتا ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا مرجع فرقان ہے۔ لِلْعٰلَمِيْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ عطا نے فرمایا اس کا معنی ہے تمام جہانوں کے لئے۔ ۲۔ جہلاء نے کہا اس کا معنی ہے دنیا جہان کے لئے۔ بعض جہلاء نے لکھا سارے جہان والوں کے لئے۔ یہ دونوں ترجمے گمراہی ہے نَذِيْرًا کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا یہ صفت مشبہ اپنے ہی مبالغے وحشت کے معنی میں ہے یعنی زیادہ خوف دلانے والا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ بمعنی مُنْذِر ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ مصدری معنی میں ہے جیسے نکیر بمعنی انکار ہوتا ہے نذیر بمعنی انذار ہے۔ وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے معنی کیا وہ پیدا کئے جاتے ہیں تخلیق الٰہی سے۔ ۲۔ بعض نے لکھا کہ بنائے جاتے ہیں پجاریوں کے ہاتھ سے۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ**: تمام خیر و برکت قرآن مجید میں ہے۔ یہ فائدہ تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ**: آقائے کائنات حضور اقدس ﷺ کی تین خصوصی شانیں ایسی ہیں جو آپ سے پہلے کسی رسول و مرسل کو بھی نہ ملیں۔ **ایک**: یہ کہ آپ عالمین کے رسول ہیں۔ **دوم**: یہ کہ آپ ﷺ کی نبوت ازل حادث سے تا قیامت بلکہ قبر و حشر جنت میں بھی قائم۔ **سوم**: یہ کہ آپ کا دین اور آپ کی شریعت مجموعہ احکام الٰہی ہے آپ کے ہوتے ہوئے کسی راہنما کی ضرورت نہیں نہ کوئی راہنما ہو سکتا ہے۔ آپ کو چھوڑنا گمراہی ہی ہے۔ یہ فائدہ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ**: جس طرح تمام مخلوق صلوٰۃ و تسبیح سے اللہ تعالیٰ کی عبادت مسلسل ادا کر رہی ہے اپنے اپنے طریقہ پر۔ اسی طرح تمام مخلوق سلام و درود نبی کریم ﷺ ورد کر رہی ہے اپنے اپنے الفاظ میں۔ کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی مخلوق اور نبی کریم ﷺ کی امت ہے یہ فائدہ نَذِیْرًا ۝ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ (الخ) سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوئے ہیں۔ **پہلا مسئلہ**: مسلک حنفی میں مسلمان و مومن جنات کو بعد قیامت تا ابد عالم اعراف میں رکھا جائے گا۔ بعض نے کہا فنا کر دیا جائے گا جنت میں کوئی جنات میں سے نہ جائے گا کافر جنات جہنم میں ہوں گے۔ ان کی نیکیوں و ایمان کا بدلہ دنیوی قوت و آرام و سکون قبر، اعراف یا فنا کا سکون ہے۔ یہ مسئلہ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ سے مستنبط ہوا۔ عالمین میں جنات بھی داخل۔ اس لئے نبی کریم ﷺ نذیر سب کے لئے مگر بشیر صرف مسلمان انسانوں کے لئے۔ مومن جنات سے نذرات جہنم ختم مگر بشارت جنت کا کہیں ثبوت و ذکر نہیں ہے۔ **دوسرا مسئلہ**: بارگاہِ الٰہی میں سب سے بڑا جرم و گناہ کفر کی مثل یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی کذب بیانی کو جائز مانا جائے کوئی خبیث یہ کہے کہ معاذ اللہ انبیاء جھوٹ بول سکتے ہیں جو مسلمان ہو کر ایسا کہے اس سے زیادہ ملعون کوئی نہیں۔ یہ مسئلہ قَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا کے بعد فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّ زُوْرًا ۝ۚ فرمانے سے مستنبط ہوا۔ دیکھو کفار نے نبی کریم ﷺ پر افتراء و کذب کو ممکن مانا اور اسی عقیدے کی بناء پر الزام لگایا جس کو دگنا جرم قرار دیا گیا ظلم بھی زُوْرًا بھی۔ **تیسرا مسئلہ**: اللہ تعالیٰ کو مختار کہنا گناہ ہے کیونکہ لفظ مختار باب افتعال کا یا اسم مفعول ہے یا اسم فاعل۔ اسم مفعول کا معنی ہے اختیار دیا ہوا یعنی جسے کوئی اختیار دے اور اسم فاعل کا معنی ہے اختیار دینے والا یعنی جو کسی کو اختیار دے۔ ان دونوں معنی کے اعتبار سے صرف نبی کریم ﷺ ہی مختار کل ہیں کہ نبی کریم اختیار دیئے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اختیار کلی دینے والا اور مختار کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو وہاں مفعولی معنی ہی مراد ہوتے ہیں۔ باب افتعال متعدی ہے نہ کہ لازم۔ یہ مسئلہ ان آیات میں بیان کردہ صفات الٰہیہ اور مشہور ننانوے اسماء الٰہیہ سے مستنبط ہوا جس سے ثابت ہوا کہ لفظ مختار اسماء الٰہیہ میں سے نہیں نہ قرآن مجید میں نہ کسی حدیث مقدس میں۔ یہ وہابیوں کی ایجاد بے علمی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: تفسیرات کے مطابق تَبٰرَكَ محبت کا کلام ہے۔ جس کا معنی ہے اللہ

marfat.com

تعالیٰ نے اپنے بندوں کو خیر کثیر، نعمت کثیر، منافع شہیر عطا فرمائے تو کلام محبت کے بعد نَذِیْرًا کا کلام خوف و غم کیوں فرمایا گیا۔ **جواب:** ہر نعمت پانے کے لئے نعمت کے لائق بننا ضروری ہے۔ نعمت دنیوی ہو یا دینی یا اُخروی، کسبی ہو یا وہبی، سلطنت وزارت ہو یا امامت ولایت ہر بندے کو حصول نعمت کے لئے تعلیم و تربیت کی محنت و مشقت کرنی ہی پڑتی ہے۔ دنیا میں طالب دو قسم کے ہیں۔ ۱۔ شائق۔ ۲۔ غافل۔ شائق کو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں پڑتی وہ خود ہی عمل محنت میں لگ جاتا ہے تو اس کے لئے بشارت ہوتی ہے مگر غافل کو بار بار ڈرانا ذلت ناکامی یاد دلانا پڑتی ہے تب وہ حصول نعمت کے لئے محنت کی طرف راغب ہوتا ہے تو چونکہ تَبٰرَکَ میں دینی دنیوی اُخروی نعمتوں کا ذکر ہے اور بندے غافل لہٰذا نَذِیْرًا فرمایا گیا کہ ہمارا نبی مثل والد و استاد شفیق و نذیر ہے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں صرف لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝ فرمایا گیا حالانکہ نذرات کی ضرورت صرف جن و انس کو ہے۔ ملائکہ و حور و غلمان کو نہیں ہے ان کے لئے تو نبی کریم ﷺ صرف بشیر ہی ہیں تو چاہئے تھا کہ دونوں کا ذکر کیا جاتا یا بوجہ کثرت صرف بَشِیْرًا فرمایا جاتا۔ **جواب:** یہاں نذیر سے مراد نبی ہونا ہے یعنی یہ عبد تمام جہانوں کے لئے نبی بنایا گیا ہے اور عالمین کی اس وقت والی کیفیت کفر بتاتے ہوئے نذیر کی صفت ارشاد ہوئی اور انسانوں جنوں شیاطین کو سنانا مقصود ہے یہ تینوں گروہ بعثت کے وقت سب ہی کفر پر تھے کوئی بھی ان مخاطبین میں سے مستحق بشارت نہ تھا اس وجہ سے صرف نذیر فرمایا گیا۔ کفار کے لئے انبیاء صرف نذیر ہی ہوتے ہیں تو پیشگی نفرت و بیزاری کا اظہار فرمانے کے لئے صرف نذیر فرمایا علماء اصول اس طریقہ بیان کو برأت استہلال کہتے ہیں یعنی سوال سے پہلے ہی ایسا کلام فرمانا کہ سوال ختم ہو جائے۔ اگر بشیر بھی فرمایا جاتا تو سوال پڑتا کہ بشیر کس کے لئے؟ کفار کہتے کہ ہمارے لئے وہی بشیر ہیں۔ اس سے کفر پر رضا ثابت ہوتی حالانکہ نفرت ثابت کرنی ہے۔ رہا ملائکہ و حور و غلمان تو وہ عالم غیب کی مخلوق ہے ان کا ذکر مناسب نہیں نہ کسی کا ذہن ان کی طرف جاتا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** یہاں پہلے وَخَلَقَ فرمایا پھر فَقَدَّرَہٗ۔ فَ تعقیبیہ کے ساتھ فرمایا۔ خَلَقَ کا ترجمہ ہے پیدا کیا اور فَقَدَّرَہٗ کا ترجمہ ہے پھر تقدیر بنائی حالانکہ احادیث سے ثابت ہے کہ تقدیر خلائق پہلے بنائی گئی تخلیق خلائق سے مگر یہاں فَقَدَّرَہٗ کو بعد میں لانا فَ تعقیبیہ کے ساتھ ثابت کرتا ہے کہ تخلیق پہلے ہے تقدیر بعد میں۔ چاہئے تھا کہ فرمایا جاتا قَدَّرَ فَخَلَقَ اور اگر قَدَّرَ وَخَلَقَ دونوں لفظ ایک معنی میں ہیں تو ایک لفظ بیکار رہا محض تکرار۔ **جواب:** یہاں قَدَّرَ کا معنی تقدیر بنانا نہیں بلکہ اس کا معنی ہے مناسب اندازہ۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ رب تعالیٰ نے جب بھی جس چیز کو پیدا فرمایا تو بہترین حکمت، مصلحت سے مناسب انداز کے ساتھ ہر چیز کو شکلاً، جسماً، عضواً، حجماً، عمراً، قوۃً غذاءً محدود و مقرر فرما دیا۔ یہ حسن انتظام تخلیق تدریجاً اور وقفے وقفے سے نہیں آیا بلکہ روز اول و ابتداءِ آفرینش سے ہی بیک دم شروع ہوا۔ بعض جہلاء کہتے ہیں کہ انسان پہلے بندر کی ہم شکل تھا یہاں ان کی بھی تردید ہو گئی۔ حضرت آدم و حوا علیہما السلام انسان اول حور و غلمان سے زیادہ خوب صورت تھے۔

تفسیر صوفیانہ

تَبٰرَکَ کنایہ ہے اَسرار کا اشارہ ہے اخیار کا جس کو بجز اکابر کوئی نہیں جانتا برکات الٰہی بلند و بالا ہیں مخلوق کی سمجھ سے جب رب قدیر نے ہی عرش سے ثریٰ تک ہر ذرے کو جمال و کمال عطا فرمائی۔ تب ذروں نے مقام اصل سے قیام حقیقی کی قوت پائی اور

marfat.com

مولیٰ تعالیٰ نے خاص فرمایا حبیب ازلی محبوب ابدی کو قیومیت کی صولت وعزت سے اور فرقان لامکانی کا نزول تنزیلی فرمایا جو ابد تک جاری ہے جس نے فرق کر دیا اعلیٰ وادنیٰ مقام ومقال، حال واعمال، کشف وخیال کے درمیان تا کہ وہ بندۂ محبوب جو سالکین عالمین کا معلم حق نذیر برحق ہے خالص ومخلص ہے اسی کو نبی مختار، صفی ابرار، خلوتوں کا خلیل، جلوتوں کا سراج منیر بنادیا جائے۔ خالق اکبر نے روح مومن میں خیر کثیر اور فرش قالب میں فرقان عقل نازل فرمائی درجہ بدرجہ منزل بمنزل ان بندگان عالمین میں سے جن کے پاس بے مثل ہمت کامل ہے۔ یہی عقل فرقانی جامع عقول ومحیط کمالات ہے اور نذیر کل نفسیات ہے وہی عقل کلی صفات تامہ کے ساتھ مظہر نور محمدی ہے۔ اسی کا فیض جاری ہے تمام جہانوں والی مخلوق کی روح سماوی وبدن ارضی میں۔ اس عقل کل کو برتری ہے تمام مخلوق پر اس سے نہ کوئی اکثر نہ کوئی اقویٰ۔ ہر نذیر کی امت مخصوص ومحدود ہے مگر عقل کل کی نذرات عام ہے سب کے لئے کیونکہ یہ نذیر خاتم ہے اور اس کی امت خَیْرُ الْاُمَمِ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سب کی تقدیر اس کے وجود جسمی سے پہلے بنادی اپنی حکمت مشیت کی مناسبت ومقدار کے ساتھ۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ جسم ایمانی میں اٹھارہ خانے ہیں اور ہر ایک میں قدرت کی ایک امانت ودیعت ہے۔ ۱۔ نورِ مشیت۔ ۲۔ سرور نفس۔ ۳۔ ظہورِ روح۔ ۴۔ وجود کا فتور۔ ۵۔ صورت گری۔ ۶۔ ناموری۔ ۷۔ ذات۔ ۸۔ صفات۔ ۹۔ لذت خوراک۔ ۱۰۔ مدت قیام۔ ۱۱۔ رنگ کی مقدار۔ ۱۲۔ کسب کمال۔ ۱۳۔ شعور باطن۔ ۱۴۔ حرکت بدن۔ ۱۵۔ سکونِ اعضا۔ ۱۶۔ فناء عدم۔ ۱۷۔ ۱۸ بقاءِ حشر نشر۔ یہ امانتیں علم وحکمت کی اس گہرائی میں ہیں کہ بجز نذیر عالمین ان کی مقدار وتقدیر کو کوئی نہیں جانتا۔ اسی زمین طریقت میں ایسے مردہ دل وزندہ نفس، مکار وعیار موجود ہیں جو نہ اپنے نفس امارہ کا نقصان ہٹا سکتے ہیں نہ تزکیہ روح وطہارتِ قلب کا نفع پاسکتے ہیں ایسے ناکارہ دعویدار طالبین راہ کا کچھ فائدہ نہیں کر سکتے۔ اس طرح کے جھوٹے پیر کھوٹے مرید، راہِ حقیقت کے دجال اور دنیوی منزل کے معنوی بت ہیں۔ خود گمراہ، دیگر کے گمراہ گر، نہ حیات قلوب پر قادر نہ موت نفسانی پر غالب نہ عقل مردہ کے شعور نشور پر ماہر ایسے پیروں کے مرید عابدین اصنام کے مثل ہیں اے مرید عاقل طالب صادق اہل شہوات کی اتباع سے علیحدہ ہو جا کیونکہ یہ جہالت کی زندگی ہے اور حیات جہالت ہی موت ہلاکت ہے۔ حیات علمی شرافت ابدی ہے اسی سے جہالت کی فنا ہے۔ وہی پیر اپنے مریدین کو حیات ابدی دلا سکتا ہے جو علم نافع اور دعاء بصیرت والا ہو۔ وہی جہالت کی گہرائی سے نکال کر معرفت کی سیڑھی پر چڑھ سکتا ہے یہ سیڑھی بارگاہِ رسالت ہے اور اس کے وارث علماء عاملین واولیاء کاملین ومشائخ ماہرین ہیں۔ بے علم پیر مثل سامری اور بے عمل مریدین مثل بنی اسرائیل آوازِ بچھڑا کے پجاری ہیں دنیوی راگ رنگ مثل آواز بچھڑا ہے یہی لوگ طریقت کی سیڑھی سے گرنے والے ساعت ضلالت کے مردہ کیڑے ہیں اے مخلص وخوشنوائی دنیا اور نالائقوں کی لاف زنی پر دھوکہ نہ کھاؤ بلکہ سچوں کے ساتھ لگ جاؤ تا کہ ایسی جلا پاؤ جو دین کو احسن کرے اور اچھوں کا تعاون کرے۔ کفران نعمت حقیقت بے خبری ہے اور بے خبر لوگ ہی کہتے ہیں کہ کلام عرفانی افترا کیا ہے تعاونِ شیطانی سے لیکن رب کریم فرماتا ہے کہ عبادانِ بے بصر کی یہ باتیں ہی ظلم شیطانی وزورطغیانی ہیں۔ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا ہم کس کی محفل اختیار کریں۔ آپ نے فرمایا جس کی باتیں تمہارا علم بڑھائے، جس کا عمل تمہاری رغبت آخرت بڑھائے، جس کا دیدار تمہارا ذکر اللہ بڑھائے۔

marfat.com

وَقَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ
اور یہ بھی بولے وہ کفار کہ یہ قرآن پہلوں کے وہ قصے ہیں
اور بولے اگلوں کی کہانیاں ہیں
اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝۵
جن کو اس نبی نے لکھ لیا ہے تو وہ لکھوائے جاتے اس نبی پر بوقت سحر اور بوقت رات
جو انہوں نے لکھ لی ہیں تو وہ ان پر صبح شام پڑھی جاتی ہیں
قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ
تم بتاؤ کہ اتارا ہے اس قرآن کو اس ذات پاک نے جو جانتا ہے ان تمام چھپی چیزوں کو جو آسمانوں اور زمین میں ہیں
تم فرماؤ اسے تو اس نے اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کی ہر چھپی بات جانتا ہے
اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝۶ وَ قَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ
بیشک وہی ہے بخشنے والا رحیم اور کافر بولے کہ کیا حال ہے اس رسول کا
بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے اور بولے اس رسول کو کیا ہوا
یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَ یَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ ؕ
کہ کھانے بھی کھاتا ہے اور چلتا پھرتا ہے بازاروں میں بھی
کہ کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا ہے
لَوْ لَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۝۷
کیوں نہیں اتارا جاتا اس کے پاس کوئی فرشتہ جو ظاہر ظہور رہے اس کے ساتھ نذیر بن کر تبلیغیں کرتا
کیوں نہ اتارا گیا اس کے ساتھ کوئی فرشتہ کہ اس کے ساتھ ڈر سناتا

تعلقات

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے چند عقیدوں اور کچھ کفریہ مشرکانہ باتوں کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں کفار کی ان کفریات کا ذکر فرمایا جا رہا ہے جو وہ اسلام و قرآن کریم کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کافروں کی ان کفریہ باتوں کا ذکر کیا گیا جو وہ قرآن مجید کے کلام الٰہی ہونے کے انکار میں کیا کرتے تھے۔ اب ان آیات میں کفار کو ایک بہترین مضبوط جواب دینے کا حکم فرمایا جا رہا ہے کہ اے

marfat.com

مسلمانو تم کفار کو بس اسی قسم کا جواب دیا کرو۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے انکار قرآن کا ذکر فرمایا گیا اب ان آیات میں کفار کے انکار نبوت کرنے کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ **چوتھا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ نبی کریم ﷺ اکیلے ہی تمام جہانوں کے لئے نذیر ہیں۔ اب ان آیات میں فرمایا جا رہا ہے کہ کافر کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ کوئی فرشتہ بھی نذیر ہونا چاہیے۔

تفسیر نحوی

وَ قَالُوْۤا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا ۝ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۝ ۔ واؤ سر جملہ۔ بعض نے کہا کہ یہ واؤ عاطفہ ہے اور یہ قول پچھلے قول اِنْ هٰذَاۤ اِلَّاۤ پر معطوف ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ۔ اَسَاطِیْرُ اسم جمع مُنْتَهَى الْجُمُوع ہے اُسْطُوْرَةٌ یا سَطُوْرَةٌ واحد کی سَطْرٌ سے مشتق ہے جیسے حدیث کی جمع منتھی احادیث ہے یا قول کی اقوال اور اقوال کی اقاویل۔ مضاف ہے اَلْاَوَّلِیْنَ۔ اسم تفضیل جمع مذکر بمعنی پہلے لوگ یہ مضاف الیہ ہے مرکب اضافی موصوف ہے۔ اِكْتَتَبَ باب افتعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مصدر ہے اِكْتِتَابٌ۔ كَتْبٌ سے بنا ہے ترجمہ ہے لکھنا۔ اس کا فاعل ہے هُوَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے عَبْدِهٖ۔ هَا ضمیر مفعول بہ کا مرجع ہے اَسَاطِیْرُ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَ حرف عطف هِیَ ضمیر واحد مؤنث غائب مرفوع منفصل کا مرجع ہے اَسَاطِیْرُ۔ یہ مبتدا ہے تُمْلٰى باب افعال کا مضارع مثبت مجہول صیغہ واحد مؤنث غائب مصدر ہے اِمْلَاءٌ ترجمہ ہے لکھوانا۔ اِملا تحریر، کتابت میں فرق یہ ہے کہ ایک بولتا جائے دوسرا لکھتا جائے یہ اِملا ہے اور خود ہی پڑھتا جائے خود ہی لکھتا جائے یہ کتابت ہے اور بغیر کچھ پڑھتے ہوئے اپنے سوچ فکر سے ہی خود لکھنا یہ تحریر ہے یعنی آزاد لکھائی۔ تُمْلٰى بنا ہے مَلْوٌ یا مَلْیٌ سے۔ لغوی ترجمہ ہے ڈھیلا چھوڑنا۔ اس مناسبت سے یہ لفظ پانچ معنی میں مشترک ہے۔ ا۔ پڑھانا، پڑھوانا۔ ۲۔ مہلت دینا۔ ۳۔ لمبی امیدیں باندھنا۔ ۴۔ طویل مدت۔ ۵۔ خود بول کر یا پڑھ کر دوسرے کو لکھوانا یہاں اسی معنی میں ہے۔ اس کا نائب فاعل هِیَ ضمیر صیغہ پوشیدہ ہے جس کا مرجع ہے اَسَاطِیْرُ۔ عَلٰى جارہ فوقیت کا بمعنی پاس، قریب۔ هٖ ضمیر مجرور متصل کا مرجع ہے عَبْدِهٖ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے تُمْلٰى کا۔ بُكْرَةً۔ اسم نکرہ مفرد جامد۔ لغوی ترجمہ ہے ابتدائی حالت۔ اس مناسبت سے سات معنی میں مشترک ہیں۔ ا۔ دن کا پہلا حصہ یعنی سحر و صبح یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ ہر پہلی چیز۔ ۳۔ کنواری عورت اور کنوارا امرد۔ ۴۔ جوان جانور۔ ۵۔ پہلی حالت سے بدل جانا۔ ۶۔ معاشرے کی بری اور رواجی صحبت کا اثر نہ لینا۔ ۷۔ طلوع آفتاب سے چاشت تک کا وقت۔ یہ معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ اَصِیْلًا۔ اسم نکرہ مفرد مشتق ہے صفت مشبہ بروزن فَعِیْلًا۔ اَصْلٌ سے ہے۔ لغوی ترجمہ ہے بہت مضبوط جڑ۔ اسی مناسبت سے چار معنی میں مشترک ہے۔ ا۔ عصر و مغرب کا درمیانی وقت یعنی شام۔ یہاں یہی مراد ہے مگر شرعی اصطلاح میں بعد غروب شفق بھی شام میں شمار ہے (اَحْمَرُ ابیض)۔ ۲۔ رات کا پچھلا پہر۔ ۳۔ بنیاد۔ ۴۔ جسم کا نچلا اور پچھلا حصہ۔ یہ معطوف ہے بُكْرَةً پر دونوں عطف مل کر ظرف ہے تُمْلٰى کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے هِیَ مبتدا کی وہ دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف ہے

marfat.com

اِکْتَتَبَ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر صفت ہے اَسَاطِیْرُ کی وہ مرکب توصیفی خبر ہے ھٰذَا اسم اشارہ پوشیدہ مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ ہے قَالُوْا کا وہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ قُلْ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر واحد مذکر معروف بافاعل ضمیر صیغہ اَنْتَ پوشیدہ جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَنْزَلَ۔ اِنْزَالٌ سے مشتق ہے ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ہٗ ضمیر موجودہ اس کا مفعول بہٖ مرجع فُرْقَانَ۔ اَلَّذِیْ اسم موصول۔ یَعْلَمُ سَمِعَ کا مضارع حال مثبت معروف اس کا فاعل ھُوَ پوشیدہ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اَلَّذِیْ۔ اَلسِّرَّ۔ اسم مفرد جامد اس کی جمع مکسر منصرف اَسْرَارٌ ہے لغوی اصلی وحقیقی معنی ہے بھید، راز۔ اس مناسبت سے چار معنی میں مجازاً مستعمل ہے۔ ۱۔ دل کی بات جو ابھی زبان پر نہ آئی ہو۔ ۲۔ پیغام نکاح۔ ۳۔ زنا۔ ۴۔ ہر چھپی ہوئی اور باریک ترین چیز۔ یہاں اسی معنی میں ہے یہ مفعول بہ ہے یَعْلَمُ کا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ یہ معطوف علیہ و معطوف مجرور ہو کر متعلق ہے یَعْلَمُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے اَلَّذِیْ کا وہ صلہ موصول مل کر فاعل ہے اَنْزَلَ کا وہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مقولہ اول ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ ہٗ ضمیر اس کا اسم۔ کَانَ فعل ماضی مطلق ناقصہ صیغہ واحد مذکر غائب اس کا اسم ھُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے اَلَّذِیْ۔ غَفُوْرًا رَّحِیْمًا ۞ یہ دونوں لفظ دو خبریں ہیں کَانَ کی۔ وہ اپنے اسم پوشیدہ اور دونوں خبروں سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ دوم ہوا قُلْ کا وہ قول اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ لَوْلَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مَلَكٌ فَیَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِیْرًا ۞ واو سر جملہ قَالُوْا فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ مَا اسمیہ یہاں برائے اِسْتِهْزَا ہے لِ حرف جر یہ لام ھٰذَا سے جوڑ کر بھی لکھا جا سکتا ہے یعنی مَا لِھٰذَا مگر چونکہ قرآن مجید کے ان تمام مکتوبی مجموعی نسخوں میں اسی طرح لام علیحدہ ہی لکھا ہوا ہے جو صحابہ کرام نے لکھے اور یقیناً غالباً وہ خود آقا علیہ السلام نے لوح محفوظ پر سے دیکھ کر لکھوائے ہوں گے اس لئے اتباع سنت واجب ہونے کی وجہ سے اب بھی اسی طرح علیحدہ لکھنا لازم ہے۔ ھٰذَا اسم اشارہ اَلرَّسُوْلِ مشار الیہ دونوں مل کر متعلق ہے کَانَ ناقصہ پوشیدہ کا اس کا اسم ضمیر صیغہ ھُوَ ذہنی ہے حالت یا کیفیت یَاْكُلُ باب نَصَرَ کا مضارع حال مثبت معروف اَکْلٌ سے مشتق ہے بمعنی چبا کر کھانا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع رَسُوْلِ۔ اَلطَّعَامَ۔ اسم مفرد جامد معرفہ بمعنی خوراک غذا یہ مفعول بہ ہے یَاْكُلُ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ یَمْشِیْ۔ باب ضَرَبَ کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب مَشْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے پاؤں سے چلنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع اَلرَّسُوْلِ۔ فِیْ جارہ ظرفیہ مکانیہ۔ اَلْاَسْوَاقِ اسم جمع مکسر منصرف اس کا واحد ہے سُوْقٌ۔ ترجمہ ہے بازار یہ سَاقَ یُسَاقُ سے نکلا ہے اسی سے ہے سائق یعنی ہانکنے، چلانے والا چونکہ بازار میں تاجر لوگ تجارتی سامان کا جلب وسیاق کرتے ہیں یعنی لاتے، ڈھیر کرتے ہیں اس لئے اس جگہ کو سوق کہا جاتا ہے۔ یہ مجرور ہو کر متعلق ہے یَمْشِیْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے یَاْكُلُ کے جملے پر دونوں عطف مل کر خبر ہے کَانَ ناقصہ پوشیدہ کی وہ اپنے اسم خبر اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر مقولہ اول ہوا قَالُوْا کے جملے کا اگلی عبارت بھی اسی کا مقولہ ہے لَوْلَا۔ اسم متصل مجموعہ ہے دو حرفوں کا لَوْ شرطیہ اور لَا نافیہ محض۔ یہ کبھی زجر کے لئے کبھی توبیخ یعنی آمادہ کرنے اکسانے

marfat.com

کے لئے اور کبھی استہزاء کے لئے۔ یہاں برائے استہزاء ہے ترجمہ ہر جگہ ایک ہی ہوتا ہے بمعنی کیوں نہیں۔ یہ اسم متصلہ شرطیہ ہے اس کی اگلی عبارت شرط و جزا ہے۔ اُنْزِلَ باب افعال کا فعل ماضی مطلق مجہول۔ اِلَیْہِ یہ جار مجرور متعلق ہے اُنْزِلَ کا مَلَكٌ۔ اسم مفرد جامد بمعنی فرشتہ نائب فاعل ہے اُنْزِلَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر شرط ہے۔ ف جزائیہ یَكُوْنُ فعل مضارع ناقصہ صیغہ واحد مذکر غائب اس کا اسم ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مَلَكٌ۔ مَعَہٗ یہ مرکب اضافی ظرف ہے یَكُوْنُ کا نَذِیْرًا اسم صفت مشبہ بروزن فَعِیْلًا۔ نَذْرٌ سے مشتق ہے بمعنی ڈرانا، خوف دلانا، بچانے کے لئے۔ یہ بحالت فتحہ ہے کیونکہ خبر ہے یَكُوْنُ کی۔ یَكُوْنُ فعل ناقصہ اپنے اسم پوشیدہ اور خبر و ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر جزا ہے لَوْلَآ اُنْزِلَ کے جملے کی۔ وہ دونوں شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو کر مقولہ دوم ہے قَالُوْا کا۔ اس کا تیسرا عطفی مقولہ اگلی عبارت ہے جس سے مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

وَقَالُوْٓا اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِیَ تُمْلٰى عَلَیْهِ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۝ جس طرح ان چند سرداران کفر۔ ۱۔ عتبہ۔ ۲۔ شیبہ ربیعہ کے دونوں بیٹے۔ ۳۔ ابوسفیان بن حرب۔ ۴۔ نضر بن حارث۔ ۵۔ ابوالبختری۔ ۶۔ اسود بن مطلب۔ ۷۔ زمعہ بن اسود۔ ۸۔ ولید بن مغیرہ۔ ۹۔ ابوجہل بن ہشام۔ ۱۰۔ عبداللہ بن ابی امیہ۔ ۱۱۔ عاص بن وائل۔ ۱۲۔ امیہ بن خلف۔ ۱۳۔ نُبیہ بن حجاج۔ ۱۴۔ مُنبہ بن حجاج نے نبوت و رسالت کا انکار کرتے ہوئے قرآن مجید کو اِفْكُ ِۨ افْتَرٰىهُ اور اَعَانَهٗ عَلَیْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ ۚ کہا اسی طرح ان ہی کفار و حمقاء نے یہ بھی کہا کہ یہ فرقان پہلے لوگوں کے بنائے ہوئے قصے کہانیاں، افسانے ہیں۔ انہوں نے رستم و سہراب، حاتم و اسفندیار کے جھوٹے سچے قصے بنا لئے تو اس مدعی نبوت نے اچھے اچھے لفظ چن کر قرآن بنا لیا۔ فرق صرف یہ کہ پہلوں نے اپنے اَسَاطِیْرُ کو وحی نہ کہا تھا مگر اس نے اپنی بناوٹ کو وحی کہنا شروع کر دیا۔ ان احمقوں نے فرقان حمید کو اساطیر کہنے سے پہلے ذرا بھی یہ غور نہ کیا کہ یہ کلام عظیم و قرآن کریم الفاظ کے مبانی میں فصاحت ہے، معانی میں بلاغت ہے۔ تناقض و اختلاف سے براءت ہے۔ احکام میں حکمت ہے۔ مفاد میں مصلحت اس کے مقابلے سے تمہارے فصحاء، بلغاء، شعراء عاجز ہیں۔ یہ بھی کہتے ہیں کہ مکے میں رہنے والے چار عجمی موالاۃ صبح اور شام کو چھپ کر اس مدعی نبوت کے لئے اَسَاطِیْرُ اولین کی کتابوں سے ڈھونڈ کر اچھے مضامین اكْتَتَبَهَا۔ اس کے کہنے پر لکھتے ہیں یہ ان سے لکھواتا ہے پھر وہ لوگ تُمْلٰى عَلَیْهِ اس کو پڑھ کر سناتے یاد کراتے ہیں۔ بناوٹ و اعانت کا یہ کام ایک خاص منصوبے و پروگرام کے تحت روزانہ بُكْرَةً وَّاَصِیْلًا۝ صبح شام مسلسل ہو رہا ہے لغت عربی میں دن رات کے سولہ (۱۶) حصے ہیں۔ ۱۔ فجر۔ ۲۔ صبح۔ ۳۔ غدات۔ ۴۔ بکرہ۔ ۵۔ ضحیٰ۔ ۶۔ ضحوہ۔ ۷۔ ہجیرہ۔ ۸۔ ظہر۔ ۹۔ رواح۔ ۱۰۔ مساء۔ ۱۱۔ عصر۔ ۱۲۔ اصیل۔ ۱۳۔ شفق احمر۔ ۱۴۔ شفق ابیض۔ ۱۵۔ بعد شفق عشاء اس کے بعد۔ ۱۶۔ لیل کبیر۔ یہ چند کافر کہتے تھے کہ جب لوگ گھروں میں جا کر سو جاتے ہیں تب یہ قرآن بنانے والے بوقت اصیل ایک گھر میں جمع ہوتے اور مضامین جمع کر کے الگ کاغذ پر لکھتے ہیں اور بوقت صبح جب بکرہ ساعت میں لوگ تجارت میں مشغول ہوتے ہیں تو یہ نبوت ساز لوگ پھر اسی گھر میں جمع ہوتے ہیں اور شام اصیل کا لکھا ہوا پڑھ پڑھ کر مدعی نبوت کو سناتے یاد کراتے ہیں۔ ان کفار کی پانچ باتیں یہاں بیان فرمائیں گئیں۔

marfat.com

۱۔ اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ٰافْتَرٰىهُ۔ ۲۔ وَ اَعَانَهٗ عَلَيْهِ قَوْمٌ اٰخَرُوْنَ۔ ۳۔ وَ قَالُوْٓا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ۔ ۴۔ اكْتَتَبَهَا۔ ۵۔ فَهِيَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّ اَصِيْلًا ۝۵۔ ایک دن بہت سے کفار اور مسافرین عرب اور یہ چند کفار بھی جو اس قسم کی باتیں کرتے تھے حرم کعبہ میں جمع تھے اور یہ چاروں عجمی غلام موالات بھی وہاں ہی تھے۔ ان چند کفار کا سرغنہ نضر بن حارث بڑے جوش و خروش سے اپنی یہی بکواسیات اس اجتماع میں بتا رہا تھا۔ تب نبی کریم ﷺ کو حکم الٰہی ہوا کہ جاؤ اس مجمع عام میں جا کر قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِيْ يَعْلَمُ السِّرَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ اِنَّهٗ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ فرما دو کہ یہ قرآن مجید فرقان حمید عجمی جاہل غلاموں کی اعانت، بناوٹ، کتابت و املا نہیں ہے بلکہ نازل فرمایا ہے اس تمام کلام کو ایک دم میرے دل دماغ پر عقل و حفظ میں عالم دنیا سے بھی پہلے اس ذات کریم جمیل و جلیل نے جو جانتا ہے آسمانوں، زمین کے تمام غیوب کو۔ اس میں غیبی خبریں ہیں آسمانوں زمینوں کی اور غیبی خبریں وہی دے سکتا ہے جو يَعْلَمُ السِّرَّ ہو۔ اسرار پوشیدہ کو جانتا ہو۔ اس لئے یہ کلام مبرا ہے نقائص و اختلاف سے۔ سورۃ نساء آیت ۸۲ میں ارشاد ہے: لَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲۔ اگر یہ کلام غیر اللہ کا ہوتا تو اس میں بہت اختلاف وگڑبڑ ہوتی۔ اے لوگو! اس قرآن مجید میں اَسَاطِيْرُ اولین نہیں نِظَامَۃِ عٰلَمِیْن و مصلحت مخلوقین ہے۔ قدرت کی حکمت، بندوں کی عبادت کے احکام ہیں۔ ایسے احکام وہی نازل فرما سکتا ہے جو معلومات عالمین کا عالم ہو۔ اس میں ہزاروں علیات لاکھوں عقلیات سینکڑوں فہمیات ہیں اگر یہ قرآن عجمی غلاموں نے بنایا ہے تو تم بھی ان سے بنوا کر قرآن کے مقابل لے آؤ۔ آقا ﷺ کی اس تلاوت وتقریر سے مجمع عام میں عجیب سناٹا چھا گیا۔ الزام تراش گھبرا کر بھاگ گئے بہت سے مسافرین مسلمان ہو گئے۔ بعض نے کہا کہ اسی محفل میں یہ عجمی غلام مسلمان ہو گئے پھر آپ نے فرمایا کہ اے بھٹکے ورغلائے وسواسائے ہوئے لوگو۔ اللہ تعالیٰ غفور و رحیم ہے۔ بڑے سے بڑا مجرم موت سے پہلے جب بھی سچی پکی توبہ کرلے تو میرا رب کریم اس کے لئے غفور ہے توبہ قبول فرما کر اور رحیم ہے قبر حشر جہنم کے عذاب سے بچا کر۔ سورۃ طٰہٰ آیت ۸۲ میں بھی ارشاد ہے: وَ اِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا۔ اے لوگو

در توبہ باز است وحق دستگیر است

ارشاد الٰہی ہے کہ بیشک میں ہر اس بندے کو بخشنے والا ہوں جو شریعت کے مطابق سچی توبہ کرے اور توبہ کا دروازہ قیامت تک کھلا ہے۔ اے علم والو قلمی قولی عملی فکری جہاد کرو مخالفین، مطاعنین قرآن وحدیث بدعتیوں سے اس طرح کہ ان کے مونہوں میں علمی دلائل کے پتھر اور فضائل حق کے انگارے بھر دو اور عوام ایمان والوں کو گمراہوں کے شکوک وشبہات بیہودہ سوالات سے بچاؤ تاکہ زور کفر وغرور کفار ٹوٹے۔ حدیث مقدس میں بحوالہ قرطبی میں ہے: مَنِ انْتَهَرَ بِكَلَامٍ غَلِيْظٍ صَاحِبَ بِدْعَةٍ سَيِّئَةٍ مِمَّا هُوَ عَلَيْهِ مِنْ سُوْءِ الْاِعْتِقَادِ وَالْفُحْشِ مِنَ الْقَوْلِ وَالْعَمَلِ مَلَا اللّٰهُ تَعَالٰى قَلْبَهٗ اَمْنًا وَّاِيْمَانًا وَمَنْ اَهَانَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ اٰمَنَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مِنَ الْفَزَعِ الْاَكْبَرِ۔ ترجمہ: فرمایا آقا ﷺ نے جب عالم دین نے کسی سخت ضدی بدعقیدہ و بدخصلت اور اپنے قول وعمل سے بدعت سیئہ کی گمراہی پھیلانے کو اپنی سخت کلامی و دلائل علمی سے جھڑکا، ذلیل کیا تو اللہ تعالیٰ اس عالم کے دل کو امن و ایمان سے بھر دے گا اور جس نے ذلیل کیا کسی بری بدعت والوں کو مولیٰ تعالیٰ

marfat.com

قیامت کے دن کی بڑی گھبراہٹ سے اس بندۂ مومن کو بچالے گا۔ کتنا غفور ورحیم ہے وہ اللہ تعالیٰ کہ مستحقین عذاب کو بھی جلدی عذاب نہیں دیتا بلکہ عذاب سے بچاتا ہے بار بار در رحمت پر بلاتا ہے کیونکہ غفور ہے لِمَنْ تَابَ بِالْكُفْرِ کے لئے اور رحیم ہے لِمَنْ مَاتَ عَلَى التَّوْبَةِ کے لئے یعنی جو بندہ کفر سے تائب ہوا اور توبہ پر ہی موت ہو۔ ان کفار کے اتنے واویلا مچانے احمقانہ باتیں بنانے کے باوجود جب عوام پر اثر نہ ہوا اور دن بدن مسلمانوں کی تعداد بڑھتی ہی جاتی یہاں تک کہ خود یہ عجمی غلام بھی مسلمان ہوگئے جس سے ان چند کفار کی کمر ہی ٹوٹ گئی۔ جہاں جاتے اپنے پرائے ان کو ذلیل کرتے تب یہ باتیں چھوڑ کر یہ کہنا شروع کر دیا: وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ۝ اور کہنے لگے یہ کیسا رسول ہے کہ نہ یہ ملک ہے نہ اس کا ملک ہے نہ کوئی خزانہ اس کی ملک ہے نہ کسی چیز کا مالک ہے۔ عام انسانوں جیسا ایک انسان ہے۔ رسول تو فرشتہ ہونا چاہئے یا رسول کے ساتھ ایک معاون نذیر فرشتہ ہونا چاہئے یہ تو کھانے کھاتا ہے بازاروں میں چلتا ہے نہ بادشاہ ہے کہ اپنے لشکروں کے ذریعے تبلیغ کروائے رعب وخوف سے بات منوائے نہ عوام میں گھل مل کر رہے نہ ضروریات ذاتی کے لئے بازاروں میں پھرے۔ رسول کو رئیس اعظم ہونا چاہئے۔ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ ہوتا جو اس نبی کی تائید کرتا، مخالف کی تردید کرتا، منکر کی تنذیر کرتا۔ اس آیت پاک میں کفار کی تین حماقتیں بیان فرمائی گئیں۔ پہلی یہ کہ وہ رسول کھانا کیوں کھاتا ہے۔ دوم بازاروں میں کیوں چلتا ہے۔ سوم اکیلے ہی تبلیغ کیوں کرتا ہے فوج یا فرشتہ ساتھ کیوں نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ رسول ہی نہیں ہے۔ کفار کی یہ باتیں صرف حسد بغض کی ضد سے تھیں اور انکار نبوت کے بہانے ورنہ وہ بھی جانتے تھے کہ اس سے پہلے کوئی رسول بھی ان شرطوں حالتوں والا نہ آیا۔ کبھی کوئی رسول نہ بادشاہ ہوا نہ فرشتہ نہ کبھی فوج و فرشتے کے ذریعے تبلیغ ہوئی نہ کسی فرشتے کا ہر وقت ساتھ ہونا پہلے کبھی ثابت نہ کسی رسول کی یہ شان و پہچان۔ نبی کریم ﷺ کا کھانا پینا اظہار آدمیت کے لئے تھا ورنہ آپ نہ کھانے پر بھی قادر تھے جیسے حضرت عیسیٰ آسمان پر۔ اصحاب کہف زمین پر ہزاروں سال سے بغیر کھائے پئے زندہ ہیں اور ایام وصل کے روزے اس پر گواہ ہیں اور بازاروں میں آپ کا تشریف لے جانا مجبوراً نہ تھا بلکہ اظہار عجز، محبت غرباء، تبلیغ دین وتعلیم تجارت وتربیت تاجرین کے لئے تھا آپ کی اس شان اخلاق وسیرت پاک کا ذکر توریت مقدس میں بھی تھا آپ کا بازار جانا تین وجہ سے تھا۔ ۱۔ اچھی بری، کھوٹی کھری تجارت دیکھنے اور پھر سمجھانے کے لئے کہ یہ تجارت حلال ہے یہ حرام۔ ۲۔ ضروریات خرید کرتا قیامت امت کو خریداری کے اصول سمجھانے کے لئے۔ ۳۔ نو وارد مسافروں کو پیغام الٰہی سنانے کے لئے اور مسلمانوں کو دین و دنیا سکھانے کے لئے۔ بخاری شریف کتاب التفسیر باب فی صِفَتِهٖ ﷺ بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما ہے کہ لَيْسَ بِفَظٍّ وَّلَا غَلِيْظٍ وَّلَا سَخَّابٍ فِي الْاَسْوَاقِ یعنی آقا ﷺ نہ سخت اخلاق تھے نہ کڑوی زبان تھے نہ بازاروں میں تیز وتند۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آقا ﷺ کے بازار جانے کی وجہ چونکہ کفار و مسلمان سب ہی تجارت کرتے تھے اس لئے مسلمانوں کو اسلامی تجارت سکھانے کفریہ طریقوں سے بچانا تھا۔

marfat.com

ان آیات میں اختلافی اقوال

اساطیر کی ترکیب نحوی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ خبر ہے مبتدا محذوف ھٰذِہٖ کی۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ ھُوَ محذوف کی خبر مبتدا ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا ھِیَ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ اکۡتَتَبَھَا کی نحوی ترکیب میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ جملہ اسی مبتدا محذوف کی خبر دوم ہے جس کی خبر اول اساطیر ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ جملہ خبر ہے اَسَاطِیۡرُ مبتدا کی۔ ۳۔ بعض نے کہا یہ ذوالحال محذوفہ کا حال معنوی ہے لیکن یہ قول غلط ہے کیونکہ محذوف ذوالحال عامل حال نہیں ہو سکتا۔ اکۡتَتَبَھَا کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت اکۡتَتَبَھَا ہے ماضی مطلق معروف۔ ۲۔ بعض کی قرأت اُکۡتُتِبَھَا ہے ماضی مطلق مجہول۔ تُمۡلٰی کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت تُمۡلٰی ہے اِملاءٌ سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت تُتۡلٰی ہے تِلاوتٌ سے، بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا حقیقی صبح شام مراد ہے دو وقت۔ ۲۔ بعض نے کہا مجازی و اصطلاحی صبح شام مراد ہے یعنی مسلسل مگر بُکۡرَۃً وَّ اَصِیۡلًا سے مقصد ہے اندھیرے میں چھپ کر۔ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ جملہ کفار کو ڈھیل دینے کی خبر دینا ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کفار کو مہلت دینا ہے۔ پہلے قول میں اظہارِ جلال ہے دوسرے قول میں اظہارِ جمال ہے ھٰذَا الرَّسُوۡلِ کہنے کے مقصد میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کفار کا یہ قول مذاقاً تھا۔ ۲۔ بعض نے کہا تعجباً تھا۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** نبی کریم ﷺ کو بچپن بلکہ عالم ازل حادث سے ہی پورا قرآن مجید حفظ تھا۔ یہ فائدہ اَنۡزَلَہٗ فرمانے سے حاصل ہوا کیونکہ اَنۡزَلَ کا معنی ہے ایک دم اتارنا اور قرآن مجید کا ایک دم اترنا یا آسمان پر ہوا لیلۃ القدر میں یا قلب مصطفیٰ پر ہوا ازل حادث میں۔ بخاری شریف جلد اول کتاب بَدۡءُ الخلق باب ذِکۡر الۡمَلٰئِکَۃِ ص ۴۵۷ پر بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما و بروایت حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر سال جبرئیل علیہ السلام کے ساتھ ہر ماہ رمضان میں دَور فرمایا کرتے تھے اور دَور حافظِ قرآن ہی کر سکتا ہے۔ نیز مشکوٰۃ باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی ص ۵۱۳ پر ہے کُنۡتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیۡنَ الطِّیۡنِ وَالۡمَآءِ وَبَیۡنَ الرُّوۡحِ وَالۡجَسَدِ اور نبی ہوتا ہی وہ ہے جس کو کتاب دی گئی ہو۔ قرآن مجید میں لفظ اَنۡزَلَ ۶۳ بار اور لفظ اَنۡزَلۡتُ ایک بار اور اَنۡزَلۡنَاہُ ۴ بار اور اَنۡزَلَہٗ ۱۴ بار اور لفظ اَنۡزَلَہٗ تین جگہ ارشاد ہوا مگر ان سب جگہ ایک دم اتارنے سے مراد ازل میں قلب پاک پر اتارنا مراد ہے ورنہ کتابت میں تو ایک دم اترا ہی نہیں۔ **دوسرا فائدہ:** دین کے معاملے میں گمراہوں کے سامنے خاموش رہنا گناہِ عظیم ہے اس لئے تاقیامت علماء حق پر تین کام واجب ہیں، اولاً عوام مسلمانوں کو مفت دینی تعلیم دینا تاکہ گمراہوں کے مدرسوں سے بچیں۔ دوم بدعقیدہ لوگوں سے قولی قلمی جہاد کرتے رہنا اور علمی عقلی جوابات دے کر جہلاء حمقاء کے شکوک و شبہات کی پرزور تردید کرنا تاکہ اپنے عوام کا دین و عقیدہ بچا رہے۔ سوم یہ کہ عوام کو بری صحبت بری کتابوں اور شریعت طریقت کی مخالفت سے بچائے رکھنا۔ یہ عمل علماء موذی کو ہلاک اور قلبی عقلی مجروح کے زخموں پر مرہم شفا رکھنے کی مثل ہے۔ یہ فائدہ قُلۡ اَنۡزَلَہُ الَّذِیۡ (الخ) کے فرمان اور طریقہ نبوی سے حاصل ہوا یہی طریقہ تبلیغ علماء حق نے ادا فرمایا۔ **تیسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو چار دعائیں

marfat.com

مرنے تک مانگنی چاہئیں۔ ا۔ امن وامان کمال ایمان کی طلب۔ ۲۔ امر و نہی کی توفیق اطاعت و پابندی۔ ۳۔ قرآن وحدیث پر عمل وادب کی سعادت ملنے کی دعا۔ ۴۔ حق کی حمایت باطل کی مخالفت شیطان سے بچنے پناہِ الٰہی ملنے کی دعا۔ شیطانی ضد اتنی بری خصلت ہے کہ اچھا بھلا انسان ضد کی خباثت اور جہالت کے تعصب میں احمق و اندھا ہو کر ایسی جہالت حماقت کی باتیں کرنے لگتا ہے کہ خود اس کا قلب ملامت اور ضمیر زبان کی تکذیب کرتے ہیں اور انسان دنیا و آخرت میں ذلیل ہو جاتا ہے۔ یہ فائدہ مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ کے قول کفار ذکر فرمانے سے حاصل ہوا۔ آج کا گستاخ فرقہ اور یورپی یہود و نصاریٰ اسی شیطانی بیماری میں مبتلا ہیں۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** قانون شریعت میں جو کام مقصد میں اچھا ہو وہ ہر جگہ ہی اچھا ہے۔ دیکھو بلاوجہ بازار میں جانا حدیث مقدس میں منع فرمایا گیا کیونکہ بازار شیطان کا قیام گاہ ہے اس لئے کہ بازار میں جھوٹ فریب جھوٹی قسموں کی کثرت ہوتی ہے مگر دینی تعلیم وتربیت کے لئے بازاروں میں جانا بھی سنت نبوی وعبادت الٰہی بن گیا یہ مسئلہ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ سے مستنبط ہوا کہ رب تعالیٰ نے اس اعتراض کفار کے باوجود نہ بازار جانے کو برا فرمایا نہ اپنے نبی رسول کو روکا۔ **دوسرا مسئلہ:** کلام اللہ کو مخلوق کہنا کفریات میں بھی بدترین کفر ہے اور کلام اللہ کو مخلوق کہنے والا جاہل ذلیل بدتر خبیث ہے۔ مخلوق کہنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ اس کو اللہ تعالیٰ کا کلام ہی نہ مانا جائے بلکہ انسانی کلام کہا جائے جیسے کہ کفار مکہ اور دنیا بھر کے کافر کہتے ہیں۔ دوم یہ کہ کلام اللہ کو قدیم صفت نہ مانی جائے بلکہ حادث سمجھا جائے۔ جیسے کہ پہلے زمانے کا معتزلی فرقہ اور فریب خوردہ ہمنوا اور مامون رشید جیسے گمراہ و بدعقیدہ بادشاہ۔ یہ مسئلہ قَالُوْا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ کے پورے مضمون سے مستنبط ہوا۔ تفسیر روح البیان جلد ششم ص ۱۹۱ پر یہ حدیث مقدس منقول ہے۔ قَالَ النَّبِيُّ ﷺ اَلْقُرْاٰنُ كَلَامُ اللّٰهِ تَعَالٰى غَيْرُ مَخْلُوْقٍ فَمَنْ قَالَ بِكَوْنِهٖ مَخْلُوْقًا فَقَدْ كَفَرَ بِالَّذِيْ اَنْزَلَهٗ۔ ترجمہ: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے مخلوق نہیں جو کہے کہ مخلوق ہے تو وہ شخص اس کو نازل کرنے والے کا کافر ہو گیا۔ نبراس نے ص ۱۵۰ پر اس قسم کی چند احادیث کو موضوع کہا ہے مگر یہ ان کی ذاتی لاعلمی ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا يَعْلَمُ السِّرَّ لیکن سورۃ انعام آیت ۳ میں فرمایا گیا يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ۔ یہاں جَهْرَ کیوں نہیں فرمایا گیا اور وہاں دونوں لفظ کیوں؟ **جواب:** اس کی وجہ یہ کہ یہاں کمال قدرت کا ذکر ہے اور سِر کا معنی ہے آسمانی زمینی غیوب۔ بتایا گیا کہ جو اللہ تعالیٰ تمام غیبوں کو جانتا ہے اس پر ظاہر کب پوشیدہ رہ سکتا ہے۔ نیز ظاہر کو تو عام بینا انسان بھی دیکھ سکتا ہے یہ دیکھنا کمال نہیں۔ قدرت کا کمال تو غیبی چیزیں دیکھنا ہیں اور وہاں سورۃ انعام میں لوگوں کے ذاتی قول و حال کا ذکر ہے۔ جیسا کہ وہاں آگے ارشاد ہوا: وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ۔ یعنی اے لوگو تم جو کرتے ہو کہتے ہو خواہ ظاہر علانیہ یا گھروں میں خفیہ وہ سب کچھ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کوئی بندہ اللہ تعالیٰ سے چھپ نہیں سکتا۔ وہاں قرب

marfat.com

الٰہی کا ذکر ہے یہاں علم الٰہی کا اس لئے یہاں صرف اَلسِّرَّ کہنا ہی جامع مانع کافی کلام ہے اور وہاں یَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ۝ فرمانے سے ہی بات پوری ہوتی ہے۔ **دوسرا اعتراض** :اس کی کیا وجہ کہ کفار مکہ نے قرآن مجید پر پانچ طرح اعتراض کرتے ہوئے انکار کلام اللہ کیا مگر رب تعالیٰ نے سخت و واضح جواب نہ دیا صرف مختصراً یہاں اعتراضوں میں قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ (الخ) فرمادیا اور پہلے اعتراضوں کے جواب میں فَقَدْ جَآءُوْ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ فرمادیا۔ اس اختصار کی کیا وجہ جبکہ کفار اپنے ان اعتراضوں کی بڑی تشہیر کرتے پھرتے تھے اور شیطانی خوشی سے دندناتے پھرتے تھے۔ چاہئے تھا کہ ایسا ہی سخت منہ توڑ جواب دیا جاتا۔ **جواب** :اگرچہ یہ جملہ ظُلْمًا وَّزُوْرًا ۝ اور قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ اپنے اپنے لفظوں کے اعتبار سے مختصراً ہے مگر حالات و کیفیات کے اعتبار سے دس طرح یہ بڑا سخت منہ پھوڑ کمر توڑ جواب ہے۔ ۱۔ کفار کی ایسی حماقت جہالت وحق سے عنادیت بتائی کہ بجز ان چودہ کفار سے دیگر کفر بھی ان باتوں کو بیہودہ بکواس سمجھتے اور منہ پر ہی ان کی تردید کردیتے۔ ۲۔ جن چار عجمی لوگوں کا یہ نام لیتے تھے کہ بناوٹ میں اعانت کررہے ہیں وہ اہل مکہ کے ہی آزاد کردہ غلام تھے اور اپنے سابقہ آقاؤں کی موالاتی نگرانی میں تھے یعنی یسار، عداس، جبر، فلکیہ، عربی فصاحت سے بالکل ناواقف جبکہ عبارت قرآنی اتنی عظیم فصاحت بلاغت والی کہ تمام فصحاء، بلغاء، شعراء اس جیسی ایک چھوٹی سورت بنانے سے بھی عاجز تھے۔ ۳۔ جس طرح سرداران مکہ غریب مسلمانوں کو اسلام سے ہٹانے کے لئے مارتے تھے قرآن بنانے سے ہٹانے کے لئے ان چاروں کو بھی مار سکتے تھے اس سے کفار کو تین فائدے ہوتے کہ آئندہ قرآن بننا بند ہوجاتا۔ عوام کے سامنے بناوٹ قرآنی کا پول کھل جاتا اور ان کی بات اونچی ہوجاتی۔ ۴۔ اگر یہ قرآن بناتے ہیں تو قرآن جیسا خوبصورت کلام تھوڑا سا تم کفار بھی ان سے بنوالو اور قرآنی چیلنج کا مقابلہ کرو۔ ۵۔ یہ بناوٹ اعانت کچھ سال پہلے کیوں شروع نہ ہوئی چالیس سال بعد کیوں شروع ہوئی۔ اگر پہلے ہوئی بھی تو ظاہر کیوں نہ کی گئی۔ ۶۔ اگر پہلے کی منصوبہ بندی تھی تو نبی اُمی نے خود ہی کیوں لکھنا پڑھنا شروع نہ کردیا تاکہ لکھنے بنانے خفیہ رکھنے میں زیادہ آسانی رہتی نہ اِکتساب و تُملی کی حاجت پڑتی نہ بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا کے اندھیروں کی۔ ۷۔ اگر یہ عجمی ہی تعاون بناوٹ کررہے تھے تو نبی بھی وہ خود ہی کیوں نہ بن بیٹھے یہ کیا کہ محنت یہ کریں نبی کوئی دوسرا بن جائے اور پھر ان کو اس بناوٹ کا صلہ کچھ بھی نہ ملے قرب نبوی بھی چار یار کو مل جائے۔ ۸۔ مقربین صحابہ اس بناوٹ سے بے خبر تھے یا باخبر۔ اگر بے خبر تھے تو قربت کیسی اگر باخبر تھے تو عقیدت کیوں۔ ۹۔ یہ عجمی غلام خود کیوں عقیدت سے مسلمان بن گئے اپنے بنائے ہوئے کلام کو کلام اللہ کیسے مان لیا اور پچھلی صفوں کے اُمتی کیوں بنے۔ ۱۰۔ ان مذکورہ چند کفار نے بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا والے گھر پر چھاپہ مار کر ان بنانے والوں کو پکڑ کر منظر عام پر لاکر ثبوت بناوٹ لوگوں کو کیوں نہ دکھایا یا صرف زبانی دعوے ہی کرتے رہے ان آیات کے نزول کے بعد لوگ ان کفار سے یہ باتیں پوچھتے مگر وہ لاجواب ہوکر بھاگ جاتے منہ چھپاتے پھرتے جس سے ان کی کذابیت مزید ظاہر ہوتی۔ واللہ اَعلم بالصواب۔ ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آیت ۱۰ کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ۔

اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ

یا ڈالا جاتا اس کے پاس ایک بڑا خزانہ یا ہوتا اس کے لئے کوئی بڑا باغ اپنی روزی کھایا کرتا جن سے

marfat.com

یا غیب سے انہیں خزانہ مل جاتا یا ان کا کوئی باغ ہوتا جس میں سے کھاتے

وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ﴿۸﴾

اور کہا ظالموں نے مسلمانوں سے کہ نہیں پیروی کرتے ہو تم مگر ایک جادو کئے ہوئے مرد کی

اور ظالم بولے تم تو پیروی نہیں کرتے مگر ایک ایسے مرد کی جس پر جادو ہوا

اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ

دیکھو اے سچے رسول کیسی کیسی لغو باتیں بنالیں ہیں ان کفار نے آپ کے لئے مثالوں کی

اے محبوب دیکھو کیسی کیسی کہاوتیں تمہارے لئے بنا رہے ہیں

فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ ع

اسی لئے ایسے سخت گمراہ ہوگئے کہ کبھی بھی ہمت نہ پائیں گے صحیح راستے کی

تو گمراہ ہوئے کہ اب کوئی راہ نہیں پاتے

تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ

برکتوں والا ہے وہ اللہ اگر وہ چاہے تو ابھی بنادے آپ کے لئے اچھا اس سے بھی ایک باغ جاری ہوں

بڑی برکت والا ہے وہ کہ اگر چاہے تو تمہارے لئے بہت بہتر اس سے کردے جنتیں

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾

جس کے نیچے نہریں اور یہیں بنادے آپ کے لئے شاندار محل

جن کے نیچے نہریں بہیں اور کردے تمہارے لئے اونچے اونچے محل

تعلقات

ان آیات کریمہ کا پچھلی آیات کریمہ سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات مین کفار کے ایک بیہودہ اور کفریہ مطالبے کا ذکر کیا گیا کہ ایک فرشتہ بھی نازل ہونا چاہئے جو ان نبی کے ساتھ نذیر بنے۔ اب ان آیات میں کفار کے دوسرے بیہودہ احمقانہ کفریہ مطالبہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ اس دعوئے نبوت کرنے والے کے ساتھ خزانے اور باغ ہونا ضروری ہیں۔

دوسرا تعلق: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کفار نبی کریم ﷺ کے کھانے پینے اور بازاروں میں آنے جانے پر اعتراض کرتے ہیں کہ بھلا وہ کبھی نبی ہوسکتا ہے جو کھانے کھائے اور بازاروں میں آئے جائے۔ اب ان آیات میں کفار کی یہ بات بتائی جا رہی ہے کہ وہی کفار جو نبی کے کھانے پر معترض ہیں اب خود کہہ رہے ہیں کہ نبی کے پاس ایک خزانہ یا ایک باغ ہونا

marfat.com

چاہئے جس سے وہ کھائے پئے گزارہ کرے وہ بھی احمقانہ بات ہے یہ بھی احمقانہ۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کے بیہودہ اعتراض و مطالبات کا ذکر کیا گیا۔ اب ان آیات میں ان کفار کی بیہودہ احمقانہ روش کی وجہ بیان فرمائی گئی کہ فَضَلُّوْا وہ کافر بہت سخت گمراہ ہوگئے ہیں کبھی سیدھی راہ پر نہیں آسکتے۔

تفسیر نحوی

اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا ؕ وَ قَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا ⑧۔ اَوْ حرف عطف تخییری برائے مانعۃ الخلو۔ اس عبارت کا عطف ہے سابقہ عبارت لَوْلَاۤ اُنْزِلَ پر۔ یَاْكُلُ مِنْهَا تک یُلْقٰی۔ باب افعال کا فعل مضارع مثبت مجہول صیغہ واحد مذکر غائب اس کا مصدر ہے اِلْقَاءٌ۔ لَقْوٌ یا لَقْیٌ سے بنا ہے۔ لغوی ترجمہ ہے ڈالنا، پھینکنا اس مناسبت سے چار (۴) طرح مستعمل ہے۔ ۱۔ پالینا، ملاقات کرنا۔ ۲۔ حاضر ہونا۔ مقابل آنا۔ ۳۔ سامنے آ کر ظاہر ہونا۔ ۴۔ عطا کر دینا یہاں اسی معنی میں ہے یعنی عطا کیا جانا۔ اِلَیْهِ یہ جار مجرور متعلق ہے یُلْقٰی کا كَنْزٌ۔ اسم مادہ مصدر باب ضرب میں گردان ہوتی ہے۔ لغوی ترجمہ ہے کسی چیز کو جمع کر کے چھپا دینا یا رکھ چھوڑنا۔ اصطلاح میں مال کے پوشیدہ ڈھیر کو کنز کہا جاتا ہے۔ عرف عام میں ہر قسم کے مالی خزانے کو کنز کہا جاتا ہے۔ سونا چاندی ہو یا ہیرے جواہرات یا قیمتی ساز وسامان یہاں یہی مراد ہے شریعت اسلامیہ میں عورتوں کے اس نصابی زیور کو بھی کنز فرمایا گیا ہے جس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ كَنْزٌ یہ نائب فاعل ہے یُلْقٰی کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ اَوْ حرف عطف تخییری۔ یہ تخییر مَانِعَةُ الْجَمْعِ یا مانعۃ الطرفین نہیں بلکہ مانعۃ الْخُلُو ہے۔ تَكُوْنُ فعل مضارع تامہ صیغہ واحد مؤنث غائب۔ لَهٗ جار مجرور اس کا متعلق ہے جَنَّةٌ اسم مفرد مؤنث لفظی ترجمہ ہے چار دیواری میں چھپا ہوا محفوظ باغ یہ موصوف ہے۔ یَاْكُلُ۔ باب نَصَرَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب اَكْلٌ سے مشتق ہے۔ اس کا فاعل هُوَ ضمیر صیغہ پوشیدہ مرجع ہے رسول۔ اسی طرح عَلَیْهِ اور لَهٗ کی ضمیروں کا مرجع بھی رسول ہے۔ مِنْهَا یہ جار مجرور متعلق ہے۔ یَاْكُلُ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے جَنَّةٌ کی وہ مرکب توصیفی فاعل ہے تَكُوْنُ کا۔ وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ تامہ ہو کر معطوف ہے یُلْقٰی کے جملے پر یہ دونوں عطف معطوف ہیں لَوْلَاۤ اُنْزِلَ کے سابقہ جملے پر وہ دونوں عطف مل کر مقولہ سوم ہوا سابقہ قَالُوْا کا دوسرا جملہ۔ قَالَ فعل مطلق صیغہ واحد مذکر غائب قَوْلٌ سے مشتق ہے معنی ہے بولنا، کہنا۔ الظّٰلِمُوْنَ۔ اسم جمع مذکر سالم۔ یہ فاعل ہے قَالَ کا وہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر قول ہوا۔ اِنْ حرف نافیہ تَتَّبِعُوْنَ۔ بابِ اِفْتِعَال کا مضارع حال مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ مصدر ہے اِتِّبَاعٌ ترجمہ ہے نقش قدم پر چلنا تابع فرمان ہونا۔ مراد ہے مومن مسلمان ہونا۔ یہ فعل لفظاً مثبت ہے مگر اِنْ نافیہ نے اس کو نفی بنا دیا۔ یہ نفی ہمیشہ استثناء کے لئے لائی جاتی ہے اسی لئے اس کے بعد اِلَّا حرف استثناء ضرور ہوتا ہے۔ تَتَّبِعُوْنَ کا فاعل كُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ذہنی ہے یعنی صحابہ کرام اور دیگر مسلمانوں کی جماعت مقدسہ یہ فعل فاعل مل کر فعلیہ ہو کر مستثنیٰ مِنْهُ مجازاً ہے اس کا حقیقی مستثنیٰ مِنْهُ مذکور نہیں۔ نحوی اصطلاح میں اس قسم کو مستثنیٰ مفرغ کہتے ہیں۔ استثناء کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ۱۔ استثناء متصل۔ ۲۔ استثناء منقطع۔ ۳۔ استثناء مفرغ یہاں اصل اس طرح تھا۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ رَجُلًا، اِلَّا رَجُلًا۔ اِلَّا حرف استثناء

marfat.com

مفرغ رَجُلًا۔ اسم مفرد (واحد) مذکر موصوف ہے مَّسْحُوْرًا۔ باب نَصَرَ کا اسم مفعول واحد مذکر سِحْرٌ سے مشتق ہے۔ معنی ہے جادو کیا ہوا۔ یہ صفت ہے یہ مرکب توصیفی مستثنیٰ ہے۔ وہ دونوں مستثنیٰ منہ و مستثنیٰ مقولہ ہوا قَالَ کا وہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ﴿۹﴾ تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ﴿۱۰﴾ ۔ اُنْظُرْ۔ باب نَصَرَ کا فعل امر حاضر معروف صیغہ واحد حاضر۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ پوشیدہ خطاب ہے نبی کریم ﷺ کو نَظْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے آنکھ سے دیکھنا اور غور کرنا متوجہ ہونا مراد ہے كَيْفَ اسم مُبهَم غیر متمکن یعنی مبنی نوع ہے۔ ہمیشہ ظرف مجازی ہوتا ہے عربی میں ظرف کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ا۔ظرف زمانی۔ ۲۔ظرف مکانی یہ دونوں حقیقی ظرف ہیں۔ ۳۔ظرف کیفیتی یہ مجازاً ظرف ہے۔ اہل عرب كَيْفَ کو چودہ معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ ا۔شرطیہ بنا کر۔ ۲۔سوالیہ بنا کر۔ ۳۔استخبار بنا کر اس کو سوال مجازی وغیر حقیقی بھی کہا جاتا ہے۔ صفات الہیہ کے لئے كَيْفَ کا استعمال اسی معنی میں ہوتا ہے۔ ۴۔حال بنا کر۔ ۵۔مفعول مطلق بنا کر۔ ۶۔زجر و توبیخ بنا کر۔ یہاں كَيْفَ اسی معنی میں ہے۔ قرآن مجید میں كَيْفَ انہی چھ معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ ۷۔تعجب بنا کر۔ ۸۔خبر مبتدا بنا کر۔ ۹۔خبر كَانَ ناقصہ بنا کر۔ ۱۰۔متعدی بدو کا مفعول دوم بنا کر۔ ۱۱۔متعدی بسہ مفعول کا مفعول سوم بنا کر۔ ۱۲۔حالت بنا کر۔ ۱۳۔کبھی كَيْفَ کی ف کو حذف کر دیا جاتا ہے اور صرف كَیْ بولا جاتا ہے مگر یہ صرف اشعار میں ہوتا ہے۔ ۱۴۔کبھی كَيْفَ عاطفہ ہوتا ہے لیکن یہ قول مختلف فیہ ہے۔ كَيْفَ ظرف مجازی مقدم ہے ضَرَبُوْا ماضی مطلق کا اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے الَّذِيْنَ كَفَرُوْا۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے الْاَمْثَالَ۔ جمع مکسر ہے مِثْلٌ کی۔ تمثیل و تشبیہ کے معنی میں یہ مفعول بہ ہے ضَرَبُوْا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ فَعاطفہ ضَلُّوْا باب نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب ضَلَلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گمراہ ہونا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل سبب ہے فَسببیہ۔ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ باب استفعال کا مضارع منفی معروف اس کا فاعل ضمیر صیغہ مصدر ہے اِسْتِطَاعَةٌ۔ اِسْتِطْوَاعٌ سے تعلیل ہوا ہے۔ طَوْعٌ سے مشتق ہے سَبِيْلًا۔ اسم جنسی نکرہ مفرد لغوی معنی ہے کسی جگہ پہنچنے کا ذریعہ۔ وہ جگہ اور ذریعہ اچھا ہو یا برا، حق ہو یا باطل، اصطلاح میں ہر اس راستہ کو کہتے ہیں جو صاف کھلا اور آسان ہو۔ جب مطلقاً بغیر اضافت ارشاد ہو تو حق راستہ مراد ہوتا ہے جیسے کہ یہاں مذکر مونث دونوں معنی میں آتا ہے یعنی هٰذَا سَبِيْلٌ مذکر ہے اور هٰذِهٖ سَبِيْلٌ مونث ہے۔ اس کی جمع ہے سُبُلٌ بروزن اُسُدٌ۔ سَبَلٌ کا صفت مشبہ ہے بمعنی ہموار جگہ عربی میں راستے کے لئے تین لفظ ہیں۔ ا۔طریق بمعنی مطلقاً ہر قسم کا چھوٹا بڑا، تنگ کھلا، سیدھا ٹیڑھا، چوڑا یا باریک، پہاڑی میدانی، بری بحری، ہوائی، مشکل آسان راستہ۔ ۲۔طریق کی ہی ایک قسم ہے صراط بمعنی صاف ستھرا چھوٹا راستہ (شارٹ کٹ)۔ ۳۔طریق کی دوسری قسم سَبِيْلٌ بمعنی صاف ستھرا لمبا راستہ کھلا اور آسان۔ اسی لئے تصوف کے ٹیڑھے پیچ در پیچ مشکل راستے کو طریقت کہتے ہیں نہ کہ صراطت یا سبیلت اور مسافر کو ابن سبیل کہتے ہیں نہ کہ ابن طریق یا ابن صراط اور شریعت کو صراط مستقیم کہتے ہیں نہ کہ طریق مستقیم یا سبیل مستقیم۔ سَبِيْلًا مفعول بہ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر مُسبَّب ہے ضَلُّوْا کا یا علت ہے وہ فعل فاعل اور مسبب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے ضَرَبُوْا کے جملے پر

marfat.com

دونوں مل کر مفعول بہ ہے اُنْظُرْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔ تَبٰرَكَ ماضی مطلق الَّذِیْٓ اسم موصول اِنْ حرف شرط شَآءَ ماضی مطلق اس کا فاعل ضمیر صیغہ مرجع ہے الَّذِیْٓ۔ یہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ جَعَلَ ماضی مطلق اس کا فاعل ضمیر صیغہ لَكَ جار مجرور متعلق ہے جَعَلَ کا خَیْرًا۔ اسم نکرہ حاصل مصدر مِّنْ جارہ زائدہ بیانیہ ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی اس کا مشار الیہ ہے دنیوی جَنَّةٌ یَّاْكُلُ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے خَیْرًا مصدر کا۔ دونوں مل کر شبہ جملہ ہو کر مفعول بہ اول ہے جَعَلَ کا جَنّٰتٍ اسم جمع مؤنث سالم ہے جَنَّةٌ کی یہ موصوف ہے۔ تَجْرِیْ۔ بَابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف جَرْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بہتے رہنا۔ مِنْ تَحْتِهَا مرکب اضافی مجرور متعلق ہے تَجْرِیْ کا الْاَنْهٰرُ یہ جمع مکسر ہے نَهْرٌ کی فاعل ہے تَجْرِیْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صفت ہے جَنّٰتٍ کی وہ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہے جَعَلَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ۔ یَجْعَلْ بَابِ فَتَحَ کا مضارع مثبت معروف بحالت جزم کیونکہ عطف تابع ہے جَعَلَ جزا کا اور جزا ہمیشہ مجزوم ہوتی ہے شرط مجزوم کی وجہ سے۔ لَكَ جار مجرور متعلق ہے یَجْعَلْ کا قُصُوْرًا جمع مکسر ہے قَصْرًا کا بمعنی محل مفعول بہ ہے یَجْعَلْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف ہے جَعَلَ کے جملے پر دونوں عطف مل کر جزا ہے اِنْ شَآءَ کی وہ شرط و جزا مل کر صلہ ہے الَّذِیْٓ کا۔ وہ موصول صلہ مل کر فاعل ہے تَبٰرَكَ کا۔ وہ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

اَوْ یُلْقٰۤی اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَا۔ انہی کفار نے یہ بھی کہا کہ اگر مدعی نبوت کے پاس کوئی فرشتہ ہر وقت نہیں رہتا اور اس نے کھانا پینا بھی ضروری ہے تو اس کے پاس دنیوی دولتوں کے خزانے ڈالے جاتے تاکہ یہ خود بھی اور اس کے ماننے والے بھی بغیر محنت گھر بیٹھے ہی عیش و آرام سے کھاتے پیتے۔ عربی لغت میں ہر قیمتی و مفید مال کو خزانہ کہا جاتا ہے۔ خزانے کی دو قسمیں ہوتی ہیں۔ ا۔ کنز۔ ۲۔ معدن۔ اگر بہت سارا قیمتی مال انسان خود کہیں رکھے تو عربی میں اس کو کنز، اردو میں دفینہ، فارسی میں گنج کہتے ہیں اور اگر کسی جگہ خود ہی قدرتی کوئی قیمتی جمادات پیدا ہو جائے تو عربی میں معدن، فارسی اردو میں کان کہتے ہیں۔ کفار مکہ منصب نبوت کے لئے یہ قیدیں اور شرطیں اس لئے لگاتے تھے تاکہ یہ نبی ہمارے خود ساختہ بتوں معبودوں کو برا نہ کہے اور عوام کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتے تھے کہ معبود ہونا آسان ہے جسے چاہو بنالو مگر نبی ہونا بہت مشکل اور نرالا ہے کہ وہ کھاتا پیتا نہ ہو غریب نہ ہو اس لئے یہ احمقانہ باتیں کرتے پھرتے تھے کہ یہ تو بالکل عام لوگوں کی طرح محتاج معاش ہے۔ نبی کو تو سب سے بلند و بالا شان والا ہونا چاہئے کہ نہ معمولی گھر میں رہے نہ بازار میں چلے۔ ان احمقوں نے دنیوی دولت کو بلند شانی سمجھا اور نبوت رسالت کو صرف اپنے ذہن سے پرکھا حالانکہ نبوت کی حقیقی نشانی دنیوی شان و شوکت نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاقیات، بلند و بالا عملیات، بے مثل شخصیات، نورانی بشریات، وحی و معجزات ہی نبوت کے نشانات ہیں مگر کفار محض ضد عناد تعصب عداوت کی وجہ سے ہی ان حقائق پر غور نہ کرتے حالانکہ زمینی آسمانی ہزاروں معجزات دیکھتے۔ اس کے باوجود شیطانیت ختم نہ ہوتی۔ کبھی کہتے خزانے نہیں تو بہترین محفوظ باغ ہی ہوتا تو ہم اس کو نبی مان لیتے۔ کفار مکہ قلبی عقلی اندھے بہرے ہونے کی وجہ سے ہمیشہ پانچ غلطیوں میں مبتلا رہے اول یہ کہ فصاحت قرآنی کے معجزے کو نہ پہچانا اس لئے تاعمر افک وافترا کہتے رہے۔ دوم یہ کہ نبی

marfat.com

کریم علیہ السلام کے کھانے پینے کو دیکھ کر اپنے جیسا بشر کہہ دیا۔ سوم یہ کہ بازار میں چلتے دیکھا تو محتاج سمجھ لیا۔ چہارم یہ کہ اپنی نگاہ سے کسی فرشتے کو حاضر بارگاہ نہ دیکھ سکے تو لَوْلَآ اُنْزِلَ کا مطالبہ کر دیا۔ پنجم یہ کہ بارگاہ نبوی میں دنیوی دولت کے ڈھیر کنز وقصور نہ دیکھے تو نبی کو غریب سمجھ لیا حالانکہ قرآن مجید کی فصاحت بلاغت کا چیلنج آج تک کوئی عربی عجمی کافر قبول و پورا نہ کر سکا اور ملائکہ تو زیارت کی دعائیں کرتے ہیں اور اب تک آستانہ نبوت پر حاضری میں ستر ہزار صبح ہیں ستر ہزار شام۔ رہا بشر کو مِثْلُکُمْ یامِثْلَنَا کہنا تو یہ بیماری اب تک گستاخوں میں موجود ہے۔ آپ کی فقیری بھی مِنَ اللّٰہ نہ تھی بلکہ آپ کی اپنی پسندیدہ اختیاری تھی۔ چنانچہ ایک حدیث قدسی میں بروایت حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا ہے کہ فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے مجھے میرے رب تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد کیا تم نبی عبد بننا چاہتے ہو یا نبی بادشاہ۔ میں نے عرض کیا میں نبی عبد ہی بننا چاہتا ہوں کہ ایک وقت مجھے کھانا ملے ایک وقت بھوکا رہوں۔ جب کھاؤں تو عابد شاکر رہوں جب بھوکا رہوں تو عابد صابر۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آقا علیہ السلام کبھی ٹیک لگا کہ نہ بیٹھتے نہ ٹیک لگا کر کھاتے بلکہ غلاموں کی مثل بیٹھتے کھاتے اور فرماتے اَنَا عَبْدُ اللّٰہ۔ ایک بار فرمایا: اے عائشہ میں نے خود پسند کیا ہے بھوک کو سیری پر غریبی کو امیری پر عبدیت کو ملوکیت پر۔ فقر کو دولت پر، غم کو خوشی پر اس لئے کہ فقیر کا محافظ خود رب قدیر ہے اور اس لئے کہ لوگ میرے پاس محبت آخرت کے لئے آئیں نہ کہ محبت دولت کے لئے اور اس لئے کہ فقیری سنت نبوی بن جائے اور غرباء کو فقیری سے محبت ہو میری فقیری دیکھ کر اور اس لئے کہ دنیاداروں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کو بھی دنیا میں بندوں کی فقیری ہی پسند ہے نہ کہ دولت دنیوی کی امیری۔ دوسری حدیث مقدس، قدسی بروایت حضرت خثیمہ رضی اللہ عنہ فرمایا نبی کریم علیہ السلام نے کہ مجھ کو میرے رب تعالیٰ نے فرمایا اے حبیب اگر تم چاہو تو ہم تم کو تمہارے لئے دنیا میں ہی خزانے دے دیں حالانکہ اس سے پہلے کسی کو نہ دیئے نہ آئندہ دیں اور اگر تم چاہو تو آخرت میں ہی تمہارے لئے جمع رکھیں۔ میں نے عرض کیا میرے مولیٰ میں آخرت میں چاہتا ہوں۔ حدیث سوم حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مجھ سے کہا کہ یا نبی اللہ! اگر آپ چاہیں تو یہ بطحاء کے پہاڑ آپ کے لئے سونے کے بنا دیئے جائیں تو میں نے کہا نہیں اے جبرئیل بلکہ میں چاہتا ہوں کہ مجھے ایک دن کھانا ملے تین دن بھوک ملے تاکہ کھا کر حمد و شکر اور بھوک میں صبر و عجز کروں۔ یہ احادیث ثلاثہ بحوالہ کتاب اسباب نزول جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ۔ حدیث چہارم بحوالہ کتاب درمنثور جلد پنجم ص ۶۳ جلال الدین سیوطی ایک بار ناظم جنت رضوان فرشتہ میرے پاس آیا ایک چابیوں سے بھری نوری صندوقچی لے کر اور عرض کیا کہ اللہ فرماتا ہے کہ اس میں خزانوں کی چابیاں ہیں اگر آپ یہ لے لیں تو بھی آپ کا حصہ آخرت ذرہ برابر کم نہ ہوگا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی پاس تھے آپ نے مشورۃً حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے زمین پر پورا ہاتھ مارا آپ نے سمجھ لیا کہ مسکینیت کا اشارہ ہے تب فرمایا مجھے دنیا میں مسکینیت ہی قبول و پسند ہے۔ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝ اور کہا انہی حد سے گزرنے والے بڑے کافروں نے جن میں پیش پیش عبداللہ بن زبعری تھا کہ اے مسلمانو تم تو صرف ایک جادو شدہ ایسے مرد کی پیروی کر رہے ہو جو عقل کا مغلوب ہے حال کا مفلوک ہے قول کا مقلوب ہے یعنی الٹی عقل والا غریبی حال والا، بہکی باتوں والا ہے۔ کفار مکہ بھی عجیب پاگل تھے۔ جب نبی کریم علیہ السلام قرآن مجید سناتے تو کافر کہتے یہ شاعر

marfat.com

ہے جب تبلیغ فرماتے تو کہتے یہ کاہن ہے اور جب بت پرستی سے منع فرماتے تو کہتے یہ کاذب ہے۔ جب معجزات دکھاتے تو کفار کہتے یہ ساحر ہے اور جب دلائل سے فصیح و بلیغ تقریر فرماتے تو کہتے کہ اس کے کلام میں جادوگری کا اثر ہے اس لئے دل میں اترتا جاتا ہے لہٰذا یا کان بند کرتے یا بھاگ جاتے اور جب نبی ﷺ شرعی احکام سناتے تو کفار کہتے یہ مسحور ہے اور مسافروں سے کہتے وہ مجنون ہے اس کے پاس مت جانا اور آپ فرماتے کہ میں اللہ کا رسول ہوں تو کفار کہتے مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ اور جب آپ فرماتے مجھے رب تعالیٰ نے اپنا کلام دیا ہے تو کہتے اس کے پاس کنز وقصور کیوں نہیں ہیں اور بجائے دلائل دینے کے ایسی بے معنی باتیں کرتے کہ خود ہی بے عقل و گمراہ لگتے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ اے حبیب عرشی محبوب فرشی ذرا غور فرماؤ کہ یہ ظالمین لوگ تمہارے لئے کیسی بیہودہ مثالیں بناتے پھر رہے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ یہ رسول افتراء میں چالاک ہے۔ اعانت لینے میں ہشیار ہے قصے بنانے میں بڑا تیز ہے اکتتاب میں ساز باز ہے۔ تُمْلٰى عَلَيْهِ میں بڑا سمجھ دار ہے اور بُكْرَةً وَّاَصِيْلًا میں راز دار ہے۔ لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ کی قوت میں نادار ہے۔ يَاْكُلُ الطَّعَامَ میں ہماری مثل ہے۔ يَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ میں محتاج ہے۔ کبھی کہتے ہیں اے لوگو اس رسول کے پاس مت جانا کیونکہ لاجواب دلائل اور حکمت مصلحت والے احکام فصاحت والے وعظ بلاغت والے کلام سنانے کے باوجود یہ مسحور ہے۔ اس کی عقل پر جادو، دل پر غلبہ ہے، ظاہر میں غریب ہے، باطن میں فریب ہے۔ اے پیارے حبیب یہ کفار ایسی ہی بدتمیزیوں پر ایسے پاگل ہوئے جارہے ہیں کہ اپنی ہی باتوں میں بدحواس ہیں۔ اس لئے اب یہ مرتے دم تک کبھی بھی سبیل حق اور ہدایت برحق کی توفیق و سعادت نہ پائیں گے نہ ہی ایمان کی محبت رحمٰن کی اعانت قرآن کی حمایت پائیں۔ اس لئے کہ تیرے در سے جو پھرا اللہ اس سے پھر گیا اور یہ حقیقت بھی مجرب و شاہد ہے کہ:

قسم ہے رب کی نہ وہ اٹھ سکا قیامت تک   کہ جس کو تو نے نظر سے گرا کے پھینک دیا

(اعظم چشتی)

تَبٰرَكَ الَّذِيْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ پاک پروردگار ہے وہ اللہ تعالیٰ بڑے وسیع علم والا اور لامحدود قدرتوں والا بلا روک ٹوک خیر کثیر دینے والا۔ اس کی ذات جامع مانع ہے۔ وہ جامع ہے اپنے محبوب میں ظاہری باطنی کمالات کا اور مانع ہے ذات حبیب کو تمام ظاہری باطنی عیوب و نقائص سے بچانے کا۔ وہ اللہ تعالیٰ مانع ہے مِنْ كُلِّ عیب جامع ہے مِنْ كُلِّ خیر۔ عالم ہے مِنْ كُلِّ غیب۔ بری ہے مِنْ كُلِّ رَیب۔ اس ذات تبارک نے اپنے حبیب کو ایسا متبرک بنایا کہ جو بھی ان کے دامن سے لگا وہ بھی تبرک بن گیا۔ نہ کوئی اس سے اجمل نہ کوئی اس سے احسن۔ خُلِقْتَ مُبَرَّاً مِّنْ كُلِّ عَيْبٍ اور کمال ایسا کہ كَمَا تَشَآءُ اس کی قوتیں لَا مُنْتَهٰى اس کا اختیار زمانوں پر غالب۔ قرآن مجید میں لفظ تَبٰرَكَ نو جگہ ارشاد ہوا ہے اور ہر جگہ علیحدہ معنی میں۔ ۱۔ اولا سورۃ اعراف آیت ۱ تَبٰرَكَ اللّٰهُ یہاں برکت ربوبیت ہے۔ ۲۔ سورۃ مومنون آیت ۱۴ یہاں برکت خالقیت کے لئے۔ ۳۔ سورۃ قمر آیت ۱ تَبٰرَكَ الَّذِيْ اپنے فرقان کو خیر کثیر بنانے والا۔ ۴۔ سورۃ فرقان کی یہی آیت ۱۰ اپنے نبی کو جامع کمالات و مانع نقصانات بنانے والا۔ ۵۔ اسی سورۃ کی آیت ۶۱ شاندار بنانے والا

marfat.com

سمٰوات وکواکب زمین ورات ودن کو۔ ۶۔ سورۃ غافر آیت ۶۴ تَبٰرَكَ اللّٰهُ قدرت سے عالمین کو برکت دینے والا۔ ۷۔ سورۃ زخرف آیت ۸۵ برکت قدیمی والا۔ ۸۔ سورۃ رحمٰن آیت ۷۸ تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ. کثرت جلال کبریائی کا ذکر۔ ۹۔ سورۃ ملک آیت ۱ تَبٰرَكَ الَّذِیْ. برکت غلبہ شاہی کا ذکر۔ وہ برکتوں والا اگر چاہتا تو تمہارے لئے اے محبوب دنیا میں ہی باغات وکنوز وقصور و بیوت تصور انسانی سے بھی اچھے بنا دیتا جن کے نیچے جنتی نہریں بہتیں مگر دنیائے فانی میں یہ چیزیں نہ اللہ تعالیٰ کو پسند نہ اس کے رسول کو چاہت وطلب اس نبی کی نگاہ میں دیدار کبریائی اور قلب میں محبت الٰہی کے سوا اور کچھ نہیں ان کو تو جنت آسمانی کی بھی طلب نہیں۔ نبی کی نگاہیں تو سیر معراج میں بھی نہ حسن جنت میں اٹکیں نہ قصور جنت میں بھٹکیں۔ دنیا کی نعمتوں کو فنا آخرت کی نعمتوں کو بقا، دنیا میں نعمتیں ملنا امتحان ہے آخرت میں انعام ہے دنیا کی نعمتیں حساب ہیں آخرت کی نعمتیں ثواب ہیں۔ دنیا گزرگاہ ہے آخرت قرارگاہ ہے۔ دنیا مقام فکر ہے۔ آخرت مقام شکر ہے دنیا میں غربت بہتر آخرت میں قربت بہتر۔ منشاء باری تعالیٰ یہ ہے کہ نبی کا ہر غلام دنیا سے ایسا پاک صاف جائے کہ آخرت میں نہ حساب وکتاب دینا پڑے نہ عذاب وعتاب لینا پڑے۔ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا اور اے حبیب مکرم اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اسی زمین دنیا پر جنتی محلات تمہارے لئے بنا دیتا مگر تین وجہ سے جنتی چیزیں کسی کو زمین دنیا میں نہ دیں نہ دکھائیں۔ اولاً اس لئے تاکہ ایمان بالغیب باقی رہے۔ دوم اس لئے کہ دنیا فنا ہے جنت بقا اور فنا میں بقا سما نہیں سکتی۔ سوم یہ کہ نبی کریم ﷺ کو بھی دنیوی آرام پسند نہیں کیونکہ آرام کے چار نقصان: ۱۔ اعمال میں غفلت۔ ۲۔ عبادات میں کسلت۔ ۳۔ جائز کا حساب ہے۔ ۴۔ ناجائز پر عتاب ہے یہ تو عطاء ظاہری کی بات ہے مگر باطن میں اُوْتِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ کا انعام ہے کہ قاسم نعمت بنا دیا۔ چاند توڑنے، سورج موڑنے، بارشیں برسانے کا مختار بنا دیا چاہے تو رحمت بکھرا دے چاہے تو جنت دلوا دے یہ کفار ایک کنز کی بات کرتے ہم تو اپنے حبیب کے قدموں اور اس کے غلاموں کے قبضے میں قیصر وکسریٰ وسلاطین عالم کے تاج وتخت وخزانے بکھیر دیں گے۔

اختلافی اقوال

تَكُوْنُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت تَكُوْنُ ہے مؤنث کیونکہ لفظ جَنَّةٌ مؤنث ہے۔ ۲۔ بعض کی یَكُوْنُ ہے۔ یَاْكُلُ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یَاْكُلُ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت نَاْكُلُ ہے جمع متکلم مَّسْحُوْرًا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا معنی ہے جادو کیا ہوا۔ ۲۔ بعض نے کہا معنی ہے جادوگر۔ اِنْ شَآءَ کے اِنْ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ اِنْ شرطیہ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اِنْ بمعنی اِذْ حالیہ ظرفیہ ہے۔ یَجْعَلْ کی قرأت میں پانچ قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یَجْعَلْ جزم سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت یَجْعَلَ ہے زبر سے۔ ۳۔ بعض کی قرأت یَجْعَلُ ہے پیش سے۔ ۴۔ بعض کی قرأت یُجْعَلُ ہے فعل مجہول۔ ۵۔ بعض کی قرأت یَجْعَلْكَ ہے۔ لامِ یَجْعَلْ کا ادغام ہے لام لَكَ میں بوجہ ہم مخرج ہونے کے۔ قُصُوْرًا کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا پتھروں سے بنے ہوئے مضبوط شاہی قلعے مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا مٹی کے بنے ہوئے موسمی آرام دہ گھر مراد ہیں۔ ۳۔ بعض نے کہا اونی کمبلوں سے بنے ہوئے شاہی خیمے مراد ہیں۔

marfat.com

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** جو شخص انبیاء کرام علیہم السلام کا گستاخ بے ادب ہو جائے وہ دنیا میں پاگلوں کی طرح مثل کفار مکہ گمراہ و بدحواس ہی بنا پھرتا ہے نہ عقل ٹھکانے نہ سمجھ درست نہ علم حاصل نہ ذہن حاضر نہ حالت قابو میں اگرچہ کتنی بھی کتابیں پڑھ لے، بہکی باتیں ہی کرتا ہے۔ فہم قرآن و حدیث میں ٹھوکریں ہی کھاتا ہے یہ فائدہ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ کے فرمان سے حاصل ہوا۔ **دوسرا فائدہ:** انبیاء کرام علیہم السلام کے ظاہری حالات دیکھنا قوت اختیارات معجزات پر غور نہ کرنا کفار کا طریقہ کفریہ ہے۔ یہ فائدہ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ سے حاصل ہوا۔ لہٰذا اس گمراہ فرقے کو عبرت پکڑتے ہوئے کفار و منافقین کی علامتی نشانیوں و کلیدوں طریقوں سے بچنا چاہئے جو ہر وقت اپنی تقریر و تحریر میں بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کہتے پھرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو ایسی گندی ذہنیت سے بچائے۔ **تیسرا فائدہ:** یہ مشاہدہ و تجربہ ہے کہ جس دل میں نبی کریم ﷺ کا ادب نہیں اس کے دل میں نہ اللہ تعالیٰ کا ادب نہ احترام قرآن و کعبہ نہ ایمان کی ہدایت نہ عبادت کی سعادت نہ کسی نیکی کی توفیق نہ کبھی توبہ کی۔ ایسے بدبختوں کے دل پر مہر، کانوں میں ڈاٹ، آنکھوں پر پردہ، عقل پر شیطان ہی ہوتا ہے۔ عقل پژمردہ، ضمیر افسردہ، روح مردہ ہوتی ہے۔ حصول اچھائی کی ہمت ہی نہیں رہتی یہ فائدہ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا ۝ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** جس طرح ناپاک جسم والا مسجد میں نہیں جا سکتا۔ ایسے ہی ناپاک دل والا بارگاہِ نبوی میں نہیں جا سکتا۔ گندگی جسم دور ہوتی ہے پاک پانی سے۔ گندگی قلب دور ہوتی ہے خالص عشق نبوی سے۔ یہ مسئلہ كَيْفَ ضَرَبُوْا (الخ) کے بعد فَضَلُّوْا (الخ) فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** دنیا میں حلال روزی زیادہ سے زیادہ کمانا اور کفار و اعداء سے حفاظت و دفاع کے لئے مضبوط مکان اور قلعے بنانا جائز بلکہ بعض اوقات فرض ہو جاتا ہے۔ یہ مسئلہ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا اور وَيَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ۝ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ پھر فرمایا گیا۔ فَضَلُّوْا یہاں فَ تعقیبیہ ہے۔ جس کا معنی یہ ہوا کہ کفار نے غلط مثالیں بنائیں تب گمراہ ہوئے حالانکہ کفار تو مثالوں سے پہلے بھی گمراہ تھے تو یہاں فَ تعقیبیہ کیوں ارشاد ہوئی۔ **جواب:** یہ فَ نہ تعقیبیہ ہے نہ سببیہ بلکہ تعلیلیہ ہے اور آیت کا معنی یہ ہے کہ کفار نے غلط مثالیں بنائیں کیونکہ وہ گمراہ تھے۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں پہلے فرمایا گیا اَوْ يُلْقٰۤى اِلَيْهِ كَنْزٌ۔ پھر فرمایا گیا اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَيْرًا۔ یعنی کفار نے کہا نبی کو خزانہ دیا جاتا اور اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا اگر چاہتا تو دے دیتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نبی کریم ﷺ کو کچھ نہیں دیا حالانکہ دیگر آیات و متعدد روایات سے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ظاہری باطنی بہت کچھ دیا۔ مثلاً وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ۝ نبی کو بہت عیالدار پایا تو غنی کر دیا اور وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ

marfat.com

فَتَرۡضٰی ﴿٥﴾ اور حدیث مقدس میں ہے: اُوۡتِیۡتُ مَفَاتِیۡحَ خَزَائِنِ الۡاَرۡضِ اور فتوحات اسلامیہ کے خزانے وغیرہ وغیرہ تو یہاں اس طرح نفی کیوں ظاہر فرمائی گئی؟ **جواب:** یہاں کفار کے قول وعقیدہ کی تردید فرمائی گئی ہے۔ کفار کا عقیدہ یہ تھا بلکہ اب بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت اور بندے کے حق وصداقت کی نشانی صرف دنیوی مال دولت عیش وآرام عزت وجاہت سلطنت ہے۔ اُخروی زندگی کے تو سب مشرکین منکر ہیں اور کفار کہتے ہیں کہ سب میں زیادہ محبوب الٰہی نبی رسول ہی ہوتا ہے تو وہ غریب فقیر کیسے ہوسکتا ہے جو غریب ہوکر نبوت کا دعویٰ کرے وہ جھوٹا ہے۔ اس لئے نبی کے اعلان نبوت سے پہلے ہی نبی کے پاس دنیوی کنز وقصور اور باغات ومالیات ہونے چاہئیں تاکہ یہ چیزیں محبوبیت کو ثابت کریں اور محبوبیت نبوت کو۔ ان کی تردید فرماتے ہوئے ارشاد ہوا کہ اگر دنیوی مالداری محبوبیت کی نشانی ہوتی تو اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو سب کچھ دے دیتا اور اعلان نبوت سے پہلے دے دیتا مگر تمہارے ذاتی خیال کو توڑنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے پہلے کچھ نہیں دیا اور تمہارا عقیدہ بھی محض نہ ماننے کا بہانہ ہے ورنہ جن انبیاء کو امیر اور بادشاہ بنایا گیا ان کو تمہارے آباء واجداد کفار نے کب جانا تھا۔ ہاں البتہ ہم اپنے نبی کو زمین و آسمان، دنیا کے آخرت کے ہزاروں اتنے خزانے عطا فرمائیں گے کہ وہ کائنات کے لئے قاسم نعمت بن جائیں گے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت ۵ تا ۷ وَقَالُوۡۤا اَسَاطِیۡرُ الۡاَوَّلِیۡنَ اکۡتَتَبَهَا فَهِیَ تُمۡلٰی عَلَیۡهِ بُکۡرَۃً وَّاَصِیۡلًا ﴿٥﴾۔ اہل دنیا نے ہمیشہ کرامت ولایت کا انکار ہی کیا اور یہی کہتے رہے کہ یہ شعبدے کے کھیل ہیں جن کو اہل فریب نے لکھا و بنایا ہے خلوتوں خلافتوں کے ظلماتی جال سے۔ اہل دنیا نے اپنی بدعقلی سے دنیا سازی کو الٰہ اور دولت دنیا کو ہی فلاح سمجھا۔ قُلۡ اَنۡزَلَهُ الَّذِیۡ یَعۡلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنَّهٗ کَانَ غَفُوۡرًا رَّحِیۡمًا ﴿٦﴾ اے مرشدِ روحانی اہل دنیا کو بتادے کہ نازل فرمایا ہے خزانہ اسرار کی کرامات فرقان کو اولیاء کے سینہ انوار میں اس ذات قدیم نے جو جانتا ہے سَمٰوٰتِ معرفت اور زمین مشاہدت کے ان تمام غیوب مراقبات کو عالمین میں سب سے زیادہ پوشیدہ ہیں۔ بیشک وہ اللہ تعالیٰ غفور ہے ان نفوس رذیلہ کی صفات ذمیمہ کی پردہ پوشی فرما کر جو اسرار غیوب سے محجوب ومحروم رکھے گئے صفات انوار کے موٹے پردوں کے ذریعے اور وہی رحیم ہے کیونکہ اہل صفا کے پاکیزہ دلوں پر ان کی ہمت کے مطابق فیض کمال کا رحم فرمانے والا ہے اور یہ بھی رب تعالیٰ کا غفران ورحم ہے کہ محروموں کو بھی کلام رحمانیہ طعام روحانیہ کے خزانوں سے نوازتا ہے اسی وجہ سے حیات ناسوتیہ میں عیش کا بسیرا کر رہے ہیں۔ وَقَالُوۡا مَالِ هٰذَا الرَّسُوۡلِ یَاۡکُلُ الطَّعَامَ وَ یَمۡشِیۡ فِی الۡاَسۡوَاقِ ؕ لَوۡلَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡهِ مَلَکٌ فَیَکُوۡنَ مَعَهٗ نَذِیۡرًا ﴿٧﴾۔ یہ اہل دنیا قلب کے اندھے ہیں اس لئے وجودِ روحانیہ کو نگاہِ حیوانیت سے دیکھ کر اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ ان کے پاس نہ توفیق ربانی کے کان نہ جرأت ایمانی کی زبان نہ سعادت عرفانی کی آنکھ ہے۔ ان کا سننا حیوانگی دیکھنا شرمندگی بولنا درندگی ہے۔ اس لئے وجود ولایت کو بصیرت معرفت سے نہیں دیکھ سکتے۔ سورۃ اعراف آیت ۱۹۸ میں انہی کے متعلق فرمایا گیا: وَتَرٰىهُمۡ یَنۡظُرُوۡنَ اِلَیۡکَ وَهُمۡ لَا یُبۡصِرُوۡنَ ﴿١٩٨﴾ یہ لعنت ان پر اس لئے ہے کہ ان کی آنکھیں بے نور، کان بے سرور، دل میں فتور ہے۔ ان محرومین طریقت کی فطرت بصارت نگاہ ناکارہ ہے لہٰذا نہیں دیکھ سکتے ان جواہر معانی کو جو ازل سے کشف اسرار کی گٹھڑیوں میں ہیں۔ وہی روح منور سبقت لے جاتی

marfat.com

ہے عالم قدس میں جو قبل الخلق نظارہ حق کرنے والی ہے۔اس کی نگاہ منور صرف انوار قدس پر ہی ہے۔حمقاء دنیوی نفسانی نے عجز کو محتاجی، انکسار کو مجبوری اور احترام کو بزدلی سمجھا اور نہ جانا کہ صفات مقدس کے لئے یہی عادات اتم محبوبیت اشد کرم واکمل طبیعت ہیں مگر اندھوں نے اہل دل کے خواص کا مشاہدہ نہ کیا۔صرف بشریت کو دیکھا اور قربت عظیم کو غربت عمیم سمجھ لیا یہ بھی نہ پہچانا کہ کھانا پینا چلنا پھرنا اور ضروریات حیات کا ملاپ نبوت وولایت کے منافی نہیں۔نبوت میں ولایت ہے ولایت میں انتخاب ہے اور انتخاب میں مجتبیٰ اور مجتبیٰ ہی محبوب ہے۔بشریت میں انسانیت، انسانیت میں جسمانیت، جسمانیت میں نفسانیت، نفسانیت میں صورت، صورت میں سیرت، سیرت میں شریعت، شریعت میں طریقت، طریقت میں قلب، قلب میں عقل، عقل میں معرفت، معرفت میں قوتِ قدسیہ اور قوتِ قدسیہ کا صدور عین حق کے کشف سے اور کشف مراقبے سے ہے نبوت منافی بشریت نہیں ہے بلکہ ذریعہ وصل ہے کیونکہ اگر بشریت نبوت کے ساتھ ہو تو نور ہے بغیر ہو تو بشریت نار ہے۔

تفسیر صوفیانہ

از آیت ۸ تا ۱۰۔ اَوْ یُلْقٰۤى اِلَیْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ یَّاْكُلُ مِنْهَاؕ۔ کفار بدعقیدگی سے منکر آخرت ہیں اور فساق بدعملی سے دونوں کا ذہنی مزاج یہی ہے کہ دنیوی دولت ہی صداقت وقبولیت کی نشانی ہے۔کفار نے انبیاء علیہم السلام کی صداقت کا نشان دنیوی دولت کو بنایا اور فساق نے اولیاء اللہ کی سچائی کے لئے بھی انکا دولت مند ہونا سمجھ لیا۔بڑا ولی وہی پیر سمجھا جاتا ہے جس کے بادشاہ وزیر افسران وامراء مرید ہوں۔درویشی خانقاہ نشینی عاجزی، مسکینی، غرباء سے ہمنشینی کی وجہ سے ہی کفار نے نبوت کا، فساق نے ولایت کا انکار کیا۔کافر بولے سچا نبی وہ جو باغوں، خزانوں، محلوں کا مالک ہو فاسق بولے بڑا پیر وہ جو دنیوی کاروں کوٹھیوں والا ہو۔ وَقَالَ الظّٰلِمُوْنَ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۝۸۔ ان ظالموں نے اہل اللہ کو ہمیشہ شعبدے باز اور کرامات اولیاء اللہ کو شعبدۂ خرافات ہی سمجھا۔ اُنْظُرْ كَیْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا۝۹۔ جسم نبی مشکوٰۃ نور ہے جس کے باطن شفاف میں نور حق کی جلوہ گری ہے اور جس کے ظاہر میں مثل آئینہ نظارہ حسن عالمین ہے۔جیسا جو ہے اس کو وہ مشکوٰۃ نور ویسا ہی نظر آیا۔صدیق نے حسن جمال دیکھا، زندیق نے قبح زوال دیکھا، کفار کو قرب نبوی میں اپنی حالت بدطبیعت نجس، کیفیت بدحواس ہی نظر آتی تھی۔شان اہل اللہ یہ ہے کہ ان کی شدت حاجات غلبہ نہیں پاسکتی ان کی حفاظت ازلیہ پر ان کی ہمت ایمانی دنیوی آلائشوں دولتی آرائشوں سے نہ بہکتی ہے نہ بھٹکتی ہے اور اُخروی لالچ میں نہ پھسلتی ہے نہ بکھرتی ہے۔مخلصین کو مشیت کبریائی کے موافق فوائد دنیوی منافع عقبیٰ مصالح دینی کے حساب ومقدار سے دنیا دی جاتی ہے پھر ان پر معارف وعلوم کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور دنیوی بند کر دیئے جاتے ہیں مگر راہِ حقیقت کے منافقین پر دنیوی دروازے کھول دیئے جاتے ہیں لیکن فاسقین منزل اس قہر محرومی کو نہیں سمجھتے اس لئے گمراہی میں بھٹکتے ہیں اور گمراہی کو ہمراہی و بدحالی کو خوشحالی سمجھنے لگتے ہیں چونکہ اہل اللہ پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اس لئے کبھی بھی سچائی کا راستہ نہیں پاسکتے۔ تَبٰرَكَ الَّذِیْۤ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُۙ وَ یَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا۝۱۰۔ برکتوں والا ہے وہ مالک قدیم جس نے خیر کثیر عطا فرمائی اے مربی عالمین محبوب کاملین تجھ کو تمام بلندیوں پستیوں سے اچھی بلندی خفی وجلی کی

marfat.com

جنتیں جس کے باطن لاہوتی میں انوار جبروت کی نہریں جاری ہیں اور تیرے ہی لئے جام کاملین کے قصور اور قلوب عاشقین کے خزانے ہیں کیونکہ قرب جمال و مرتبہ و کمال پانے کے لئے انبیاء و اولیاء محتاج تو تیری ہی بارگاہ ہے اے حبیب کریم تیری ہی بارگاہ ملائکہ کی زیارت گاہ ہے اولیاء اللہ کی عبادت گاہ ہے عالمین کی پناہ گاہ ہے۔

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ
بلکہ انہوں نے تو جھٹلا دیا قیامت کو بھی
بلکہ یہ تو قیامت کو جھٹلاتے ہیں
وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾
حالانکہ ہم نے بنا رکھی ہے ہر اس شخص کے لئے جس نے جھٹلایا قیامت کو بھڑکتی دوزخ
اور جو قیامت کو جھٹلائے ہم نے اس کے لئے تیار کر رکھی ہے بھڑکتی ہوئی آگ
اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾
جب وہ دوزخ دیکھے گی ان منکروں کو دور جگہ سے تو یہ منکرین سنیں گے اس کی طرف سے آگ کے جوش کی آواز
جب وہ انہیں دور جگہ سے دیکھے گی تو سنیں گے اس کا جوش مارنا اور چنگھاڑنا
وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾
اور تیز غراہٹ اور جب یہ منکرین ڈالے گئے دوزخ سے کسی تنگ جگہ بندھے ہوئے تو بددعا مانگیں گے وہاں فنا والی موت کی
اور جب اس کی کسی تنگ جگہ ڈالے جائیں زنجیروں میں جکڑے ہوئے تو وہاں موت مانگیں
لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾
نہ بددعا مانگو آج ایک فنا کی بلکہ بددعا مانگو بہت سی فنا در فنا کی
فرمایا جائے گا آج ایک موت نہ مانگو اور بہت سی موتیں مانگو
قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ۭ
تم پوچھو ان کفار سے کہ تمہارے لئے کیا وہ مقام جہنم بھلا ہے یا وہ جنت جو ہمیشہ رہنے والی ہے جس کا وعدہ کئے گئے ہیں پرہیزگار
تم فرماؤ کیا یہ بھلا یا وہ ہمیشگی کے باغ جس کا وعدہ ڈر والوں کو ہے
كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ﴿۱۵﴾

marfat.com

ہے وہ جنت ان نیکوں کے لئے بدلہ اور ٹھکانہ
وہ ان کا صلہ اور انجام ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات پاک سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی چند بیہودہ مطالباتی باتوں کا ذکر ہوا جن کو بول کر وہ کلام الٰہی اور نبوت مصطفائی کا انکار کرتے تھے اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ دراصل یہ کفار قیامت کا انکار کر کے چند منٹ کے لئے اپنا دل خوش کر لیتے ہیں کہ نہ قیامت ہوگی نہ ہم کو عذاب ہوگا۔ فرمایا جا رہا ہے کہ اس جھوٹی خوشی سے کب تک وہ خود کو مطمئن کر سکیں گے اور ہم نے تو ان جھوٹے کذابوں کے لئے ہی جہنم تیار کر رکھی ہے جب یہ اس کو دیکھیں گے اور وہ جہنم ان کو دیکھے گی تب ان کی یہ سب جھوٹی خوشیاں طفل تسلیاں فنا ہو جائیں گی۔ **دوسرا تعلق:** پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ اے محبوب کریم آج دنیا میں ان کو دیکھو اور ان کی آوازیں سنو کہ کیسی کیسی بری یہ مثالیں آپ کے لئے بناتے ہیں۔ اب یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ کل قیامت میں جہنم ان کو دیکھے گی اور یہ جہنم کی آوازیں سنیں گے اور جہنم ان کی آوازیں سنے گی۔ آج تو ان کی آوازوں میں غرور بڑبڑاہٹ ہے کل قیامت کے دن ان کی آوازوں میں گدھوں کی ہنہناہٹ اور خوف کی گھبراہٹ ہوگی۔ **تیسرا تعلق:** پچھلی آیات میں کفار کی ان باتوں کا ایک جواب دیا گیا کہ کفار اپنی دولت کے غرور میں کہتے ہیں کہ نبی کے پاس دولت ومحلات وباغات کیوں نہیں رب تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے اگر چاہے تو دنیا میں ہی اپنے نبی کریم کو تمہارے متصورہ متخلیہ باغوں محلوں سے اچھے باغ محل عطا فرما دے۔ اب یہاں ان کی انہی بیہودہ باتوں کا دوسرا جواب دیا جا رہا ہے کہ ہم نے اپنے نبی کو ہزاروں گنا کروڑوں درجوں اچھے اور سدا بہار ابدی انہار والے اُخروی باغ دیئے ہوئے ہیں اور ان کے ہر امتی مومن متقی غلام سے وعدہ کیا ہوا ہے۔ آخرت میں یہ باغ ان کی جزا اور مصیر ہے۔

شان نزول

کفار مکہ کے امراء وسردار کبھی کبھی ایمان لانے کا ارادہ کرتے مگر پھر ایک بہانہ ان کے آڑے آجاتا اور ایمان لانے سے رک جاتے وہ یہ کہ ابھی تو ہم اپنی اپنی قوم میں عزت وسرداری والے ہیں لیکن جب ہم مسلمان ہو گئے تو ہمارا درجہ ان مساکین غرباء سے کمتر ہو جائے گا جو پہلے مسلمان بن چکے ہیں۔ ہم تو اسلام لا کر گھٹیا ہو جائیں گے ہماری سرداری والی عزت ختم ہو جائے گی اور اس بہانے کی بنیاد پر وہ اسلام لانے سے رک جاتے۔ دراصل یہ ان کا محض ایک بہانہ وحیلہ تھا حقیقت میں مخلص ہی نہ تھے۔ ان کی تردید میں یہ آیتیں از آیت ۱۱ تا ۲۰ نازل ہوئیں۔

تفسیر نحوی

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۟ وَاَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّزَفِيْرًا ﴿۱۲﴾ وَاِذَاۤ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ بَلْ حرف کا استعمال تین قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ برائے اضراب۔ ۲۔ استدراک۔ ۳۔ عطف۔ ۱۔ اضراب یہ کہ مابعد بیان سے ماقبل کا بیان ابطال ہو یا کہ ماقبل بیان سے ما

marfat.com

بعد بیان کا ابطال کیا جا رہا ہو۔ ۲۔ استدراک اور تدارک یہ ہے کہ بَلْ کا بعد والا جملہ پہلے والے کسی جملے کو برقرار و ثابت رکھ کر مزید مستحکم اور زیادہ بیان کر رہا ہو۔ یہاں بَلْ اسی قسم کا ہے اس کا ماقبل جملہ۔ فَضَلُّوْا فَلَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۹ ہے اور مابعد جملہ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ہے۔ بَلْ نے كَذَّبُوْا کے ذریعے فَضَلُّوْا کے جملے کو مزید مستحکم اور قوی کر دیا کہ ان کی گمراہی لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ سَبِیْلًا ۹ تک ہی نہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے کیونکہ انہوں نے قیامت کو ہی جھٹلا دیا۔ غرضیکہ حرف بَلْ کا استعمال چار طرح کا ہو گیا ہے۔ ۱۔ برائے اضراب۔ ۲۔ اس کی دو قسمیں۔ ۳۔ برائے استدراک۔ ۴۔ برائے عطف یعنی ما قبل وَمَا بعد ایک درجہ کا مجموعہ۔ خیال رہے کہ بَلْ کی عطفیت ان چاروں جگہ قائم رہتی ہے یعنی مَا قبل جملہ معطوف علیہ اور ما بعد جملہ معطوف۔ ہاں البتہ اگر صرف وضاحت کے لئے بَلْ لایا جائے تو لغو اور زائد ہوتا ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ بَلْ قرآن مجید میں عطف کے لئے نہیں ہے۔ یہ غلط قول ہے۔ یہاں حرف بل صرف وضاحت کے لئے ہے۔ كَذَّبُوْا فعل ماضی باب تفعیل سے اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر جمع مذکر پوشیدہ مصدر ہے تَكْذِیْبٌ ترجمہ ہے جھٹلانا کِذْبٌ سے بنا ہے بِالسَّاعَةِ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے كَذَّبُوْا کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اَعْتَدْنَا۔ بابِ افعال کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع متکلم مصدر ہے اِعْتَادٌ۔ ترجمہ ہے تیار کر دینا، مکمل بنا دینا، بلحاظ ماضی زمانے کا ترجمہ ہو گا تیار کر رکھنا۔ عَتَدٌ مادہ اصلیہ سے بنا ہے۔ لام جارہ مَنْ اسم موصول كَذَّبَ تَكْذِیْبٌ کا فعل ماضی صیغہ واحد مذکر غائب اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مَنْ۔ بِالسَّاعَةِ یہ جار مجرور متعلق ہے كَذَّبَ کا سَعِیْرًا سَعْرٌ سے مشتق ہے صفت مشبہ بمعنی اسم مفعول یعنی سَعِیْرٌ بمعنی مَسْعُوْرٌ نہ کہ بمعنی سَاعِرٌ۔ لغوی ترجمہ ہے بھڑکنا۔ اس مناسبت سے نو معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ حرارت تپش۔ ۲۔ تیز بھوک۔ ۳۔ کڑوی بات۔ ۴۔ کوفت مشقت۔ ۵۔ دردناک تکلیف۔ ۶۔ دیوانہ۔ ۷۔ جلدی مشتعل ہونا۔ ۸۔ آگ کے بلند شعلے۔ ۹۔ دہکتی شعلے مارتی ہوئی جہنم کی ایک وادی یہاں یہی مراد ہے۔ یہ مفعول بہ ہے كَذَّبَ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَنْ کا وہ موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے اَعْتَدْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ اِذَا اسم ظرفیہ شرطیہ۔ نحاتِ کوفہ کے نزدیک اِذَا ہمیشہ حرف ہی ہوتا ہے۔ ۱۔ ظرفیہ ہو یا۔ ۲۔ شرطیہ یا۔ ۳۔ جزائیہ یا۔ ۴۔ مفاجاتیہ۔ رَاَتْ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق صیغہ واحد مؤنث غائب رُؤْیَةٌ سے مشتق اصل مادہ رَائِیٌ ہے ترجمہ ہے دیکھنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے سَعِیْرٌ۔ هُمْ مفعول بہ مِنْ جارہ ابتدا کے لئے۔ مَّكَانٍ بَعِیْدٍ موصوف صفت مجرور متعلق ہے رَاَتْ کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ سَمِعُوْا ماضی مطلق جمع مذکر غائب با فاعل ضمیر صیغہ پوشیدہ لَهَا جار مجرور متعلق ہے سَمِعُوْا کا تَغَیُّظًا۔ بابِ تَفَعُّلٌ کا مصدر ہے غَیْظٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے غضبناک آواز نکالنا یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ زَفِیْرًا۔ بابِ حَسِبَ کا اسم صفت مشبہ زَفْرٌ سے مشتق ہے۔ مبالغہ کا لفظ ہے۔ لغوی ترجمہ ہے آواز سینے کے اندر کھینچنا۔ پانچ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ بوجھ اندرونی۔ ۲۔ گلے کی آواز۔ ۳۔ گدھے کی ابتدائی آواز۔ ۴۔ ناگہانی مصیبت۔ ۵۔ بھڑکتی آگ کی سرا سراہٹ یہاں اسی معنی میں ہے۔ یہ معطوف ہے تَغَیُّظًا پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے سَمِعُوْا کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِذَا رَاَتْهُمْ کے جملے کی یہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ اِذَا شرطیہ اُلْقُوْا۔ بابِ اِفعال کا ماضی مطلق مثبت مجہول مصدر ہے۔

marfat.com

اِلْقَاءٌ۔ لَقْوٌ سے بنا ہے۔ ترجمہ ہے ڈالا جانا، پھینکا جانا، گرایا جانا۔ مِنْهَا جار مجرور متعلق ہے اُلْقُوْا مَكَانًا ضَيِّقًا۔ موصوف صفت مرکب مفعول فیہ ہے اُلْقُوْا مَكَانًا ضَيِّقًا کا ترجمہ ہے سخت تنگ جگہ۔ مُقَرَّنِيْنَ۔ بابِ تفعیل کا اسم مفعول صیغہ جمع مذکر برائے غائب مصدر ہے تَقْرِيْنٌ۔ قَرْنٌ سے مشتق ہے۔ لغوی ترجمہ ہے باندھنا، جکڑنا۔ یہاں اسی معنی میں ہے وعظ خطاب کو تقریر اس لئے کہتے ہیں کہ الفاظ کو جکڑا، باندھا جاتا ہے۔ تسلیم کرنے ماننے کو اقرار اسی لئے کہتے ہیں کہ اقرار سے بندہ مُقِر جکڑا جاتا ہے۔ ٹھہرنے کو قرار بھی اسی مناسبت سے کہتے ہیں۔ یہ مُقَرَّنِيْنَ حال ہے اُلْقُوْا کے نائب فاعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ دَعَوْا۔ بابِ نَصَر کا ماضی جمع اس کا فاعل ضمیر صیغہ هُنَالِكَ۔ اسم ظرف معانی۔ ظرف ہے دَعَوْا کا ثُبُوْرًا۔ اسم مبالغہ ثَبُرٌ سے مشتق ہے بابِ نصر میں گردان ہوتی ہے۔ لغوی ترجمہ ہے ہلاک اور فنا ہو جانا، موت واقع ہونا یہاں اسی معنی میں ہے۔ اس کے علاوہ آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ ناکام و نامراد ہونا۔ ۲۔ اچھائی سے رکنا۔ ۳۔ سفید کلر بنجر زمین۔ ۴۔ سزایافتہ شخص۔ ۵۔ فرد جرم عائد شدہ مجرم۔ ۶۔ سزا کے لائق شخص۔ ۷۔ کم عقل بندہ۔ ۸۔ اسی سے ہے مَثْبُوْرًا۔ قریب ہلاکت یا مسلسل تباہی ہونا۔ ثُبُوْرًا مصدر بمعنی حاصل مصدر ہے ہر مصدر و حاصل مصدر میں جنسیت ہوتی ہے اس لئے واحد کے لئے بھی آ جاتا ہے جمع کے لئے بھی۔ یہاں جمع کے لئے ہے یعنی بہت سی موتیں اور ہلاکتیں یا بار بار بہت سی دعاء ہلاکت و موت جمع دو قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ عددی جیسے ضَرَبْتُهٗ ضَرْبًا كَثِيْرًا یہاں عددی جمعیت ہے۔ ۲۔ درازی جیسے قَعَدْتُ قُعُوْدًا طَوِيْلًا یعنی بہت دراز مدت بیٹھا میں۔ ثُبُوْرًا مفعول بہ ہے دَعَوْا کا یہ فعل فاعل ظرف اور مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا ہے اِذَآ اُلْقُوْا کی وہ شرط و جزا مل کر جملہ شرطیہ ہو گیا۔ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ۝۱۴ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّمَصِيْرًا ۝۱۵ لَا تَدْعُوْا بابِ نَصَرَ کا فعل نہی معروف صیغہ جمع مذکر حاضر دَعْوٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بلانا، پکارنا، دعا مانگنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ اَلْيَوْمَ اسم زمانی معرفہ بمعنی آج یہ ظرف ہے ثُبُوْرًا مُمیز وَاحِدًا۔ اسم عددی بمعنی ایک تمیز ہے دونوں مل کر مفعول بہ لَا تَدْعُوا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ اُدْعُوْا۔ بابِ نَصَر کا فعل امر معروف صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر ثُبُوْرًا ممیز كَثِيْرًا تمیز دونوں مل کر مفعول بہ ہے اُدْعُوْا کا سب مل کر جملہ انشائیہ ہو کر معطوف ہے لَا تَدْعُوا کے جملے پر دونوں مل کر جملہ عطفی ہو گیا۔ قُلْ فعل امر معروف صیغہ واحد مذکر حاضر اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا۔ اَ ہمزہ سوالیہ سوال ابہامی ہے ذٰلِكَ اسم اشارہ بعیدی مبتدا ہے خَيْرٌ اس کی خبر دونوں مل کر معطوف علیہ اَمْ حرف عطف تخییری برائے مَانِعَةُ الْجمع جَنَّتُ مضاف۔ الْخُلْدِ موصوف الَّتِيْ اسم موصول واحد مؤنث وُعِدَ۔ بابِ ضَرَبَ کا ماضی مطلق مثبت صیغہ واحد مذکر غائب وَعْدٌ سے مشتق ہے الْمُتَّقُوْنَ۔ بابِ اِفْتِعَال کا اسم فاعل جمع مذکر اس کا واحد مُتَّقِيٌّ ہے۔ دراصل اَلْمُتَّقِيُوْنَ ہے۔ تعلیل سے یٰ گر گئی تو الْمُتَّقُوْنَ ہو گیا۔ اس میں الف لام اسمی ہے بمعنی الَّذِيْنَ۔ ترجمہ ہے وہ لوگ جو متقی ہیں۔ وَقْيٌ سے مشتق ہے۔ وُعِدَ کا نائب فاعل دونوں مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے الَّتِيْ موصولہ کا یہ دونوں موصول صلہ صفت ہے الْخُلْدِ کی یہ مرکب توصیفی مضاف الیہ ہے جَنَّةُ کا وہ مرکب اضافی موصوف ہے۔ كَانَتْ ناقصہ اس کا اسم هِيَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے جَنَّةُ۔ لَهُمْ یہ جار

marfat.com

مجرور متعلق ہے کَانَتْ کا جَزَآءً۔ اسم حاصل مصدر معنی ہے بدلہ۔ بابِ ضَرَبَ میں گردان ہوتی ہے جَزْءٌ سے بنا ہے۔ یہ معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَصِيْرًا صَارَ ناقصہ کا اسم ظرف ہے واحد مذکر بَابَ ضَرَبَ سے ترجمہ ہے لوٹنے کی جگہ۔ معطوف ہے جَزَآءً پر دونوں عطف مل کر خبر ہے کَانَتْ کی۔ وہ اپنے اسم خبر و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر صفت ہے جَنَّةٌ کی یہ مرکب توصیفی معطوف ہے ذٰلِكَ کے جملہ اسمیہ پر۔ دونوں عطف مل کر مقولہ ہوا قُلْ کا۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ مَصِيْرًا اور مَرْجع دونوں کا معنی ہے لوٹنے کی جگہ مگر فرق یہ ہے کہ مَصِیر وہ جگہ جو پہلی جگہ سے مختلف ہو۔ جیسے دنیا سے مختلف و اچھی جنت اور مرجع وہ جگہ جو پہلے جیسی ہو۔ اس لئے جنت کو مرجع نہ فرمایا گیا۔

تفسیر عالمانہ

بَلْ كَذَّبُوْا بِالسَّاعَةِ ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ بِالسَّاعَةِ سَعِيْرًا ﴿۱۱﴾ اِذَا رَاَتْهُمْ مِّنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ سَمِعُوْا لَهَا تَغَيُّظًا وَّ زَفِيْرًا ﴿۱۲﴾۔ کفار کی یہ لغویات کفریات اس لئے ہیں کہ ان بدبختوں نے قیامت کو ہی جھٹلا دیا۔ اس سورۃ میں اس سے پہلے چودہ باتیں بیان فرمائی گئیں۔ **آیت اول** میں: ۱۔ قرآن مجید فرقان ہے اور ۲۔ اللہ تعالیٰ برکتوں والا ہے۔ ۳۔ آخری نبی عالمین کا نذیر و رسول ہے۔ ۴۔ **آیت دوم** میں شرک و ابنیت کی نفی۔ ۵۔ ملکیت الٰہیہ کا ثبوت بیان فرمایا گیا۔ ۶۔ **آیت سوم** میں بتوں کی ناقص الحالی و حالت زاری۔ ۷۔ **آیت چہارم** میں کفار کا بہتان افتراء، ظلم و زور۔ ۸۔ **آیت پنجم** میں کلام ربانی ہونے کا انکار کفار۔ ۹۔ **آیت ششم** میں نبی کریم ﷺ کو حکم الٰہی کہ قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِیْ کا مختصر جواب۔ ۱۰۔ آیت ہفتم میں کفار کے عقیدے میں نبی کی دولتمندی ہونے کا بیان۔ ۱۱۔ **آیت ہشتم** میں کفار کا نبی کریم ﷺ کو مجبور سمجھنا اور مسحور کہنا۔ ۱۲۔ اور اللہ تعالیٰ کا کفار کو ظَالِمُون فرمانا۔ ۱۳۔ **آیت نہم** میں فرمایا گیا کہ جو انسان نبی کریم ﷺ کا گستاخ ہو وہ ابدی گمراہ و بے توفیق ہے۔ ۱۴۔ **آیت دھم** میں فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو جنتی کنوز قصور و باغات عطا فرما سکتا ہے مگر کفار ان حقیقتوں کے منکر ہیں۔ اب یہاں **آیت گیارہ** میں کفار کے انکار کی وجہ بتائی جا رہی ہے۔ فرمایا کہ کفار کے انکار و ضد کی وجہ یہ نہیں کہ ان کے پاس انکار حق کی کوئی بڑی دلیل ہے بلکہ انکارِ قیامت ہے۔ غربت نبوی و افتراءِ قرآنی تو محض ایک بہانہ ہے۔ اقرار قیامت ہی تو انسان کو مومن مخلص بناتا ہے ورنہ انکار کر کے تو انسان کافر و شیطان ہے کیونکہ عقیدۂ قیامت سے سات ایمانیات حاصل ہوتی ہیں: ۱۔ فکر حساب آخرت۔ ۲۔ خوف حاضری عدالت الٰہی۔ ۳۔ خشیت کبریائی۔ ۴۔ ہیبت عذاب قبر و جہنم۔ ۵۔ تیاری قیامت۔ ۶۔ اعمال صالحہ کی پابندی۔ ۷۔ کفر شرک ظلم و فسق سے بچنا لیکن اگر یہ عقیدہ بنا لیا کہ نہ قیامت نہ عذاب نہ عدالت نہ حساب مر کر مٹی خراب تو پھر کیسا دین کیسا ایمان، کیوں عملیات کیوں عبادات اور پھر کیا ضرورت ہے توحید ماننے، رسالت پہچاننے کی عادل بننے، ظلم سے بچنے کی۔ ایسے بدعقیدہ شخص کو شریعت حقیقت حسن اخلاق عدل و ادب کی دعوت دینا دلائل سنانا بیکار ہے۔ وہ کبھی نہ سنے گا نہ غور و فکر کرے گا۔ منکر قیامت کے نزدیک نیکی، عبادات، عدل و اخلاق، مروت، محبت، سچائی کی کوئی حیثیت نہیں نہ خیر و شر کی تمیز۔ انسان بندۂ صالح تب ہی بن سکتا ہے جب انجام اُخروی پر ایمان ہو۔ اس لئے قرآن مجید میں ایمان قیامت پر بار بار زور دیا گیا ہے مگر مشرکین نے حیات اُخروی کا

marfat.com

انکار کیا۔ دہریوں نے فناء دنیوی کا مجوسیوں نے قیام اُخروی کا۔ یہودیوں نے اپنے لئے عذاب اُخروی کا انکار کیا حالانکہ ہم نے ازل حادث سے تیار کر رکھی ہے ہر اس کافر کے لئے بھڑکتی آگ جو منکر قیامت ہے۔ ایسی غضبناک کہ جب وہ سَعِیر دیکھے گا میدان محشر میں ان کافروں کو اپنے دور کے مقام ومکان سے تو یہ کفار جہنم سعیر کا غرانا سخت کڑکڑانا سنیں گے اور دہشت سے کفار کے پتے پھٹ جائیں گے۔ ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار لگاموں سے باندھ کر حضرت جبرئیل علیہ السلام جہنم کو کھینچ کر میدان محشر کے سامنے لے آئیں گے۔ تب کفار جہنم کو دیکھیں گے یہ فاصلہ انسانی چار سے پانچ سو سال کا ہوگا۔ جہنم اپنی حقیقی آنکھوں سے دیکھے گی قدرتی عطائی شعور سے کفار کو پہچانے گی اور حقیقی منہ سے کفار پر غرائے گی۔ بعض لوگوں نے بیہودہ تاویلیں کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم کو آنکھ زبان شعور عطا فرمایا ہے قرآن وحدیث سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔

ایک حدیث مقدس بحوالہ بخاری کتاب الایمان بروایت حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ عَیْنَیْ جَهَنَّمَ مَقْعَدًا۔ ترجمہ: جو شخص مجھ پر جھوٹ بنائے جان بوجھ کر (جھوٹی خواب یا روایت بنا کر) اس کو چاہئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم کی دونوں آنکھوں کے سامنے سمجھے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کیا جہنم کی بھی آنکھیں ہیں۔ آپ نے یہی آیت تلاوت فرما کر فرمایا ہاں ہیں۔ حدیث دوم بحوالہ تفسیر صاوی سوم ص ۱۲۲ اور قرطبی ہفتم ص ۷ بخاری سے نقل فرمائی کہ بروز قیامت جہنم کی گردن اور چہرہ، اس میں کان آنکھیں زبان ہوں گی نمودار ہوگا۔ جہنم کہے گی اِنِّیْ وُکِّلْتُ بِکُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ وَبِکُلِّ مَنْ دَعَا مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا آخَرَ۔ ترجمہ:۔ بیشک میں بھگتنے والی ہوں ہر ضدی ظالم سے اور ہر مشرک سے وَبِالْمُصَوِّرِیْنَ اور فوٹو تصویریں بنانے والے سے یعنی ان تینوں کو سزا دوں گی۔ ثابت ہوا کہ جہنم کو شعور تکلم سماعت، بصارت سب کچھ ہے۔ جہنم کی یہ تغیظ وزفیر صرف کفار ہی سنیں گے اور کفار میدان محشر سے جہنم کو دیکھیں گے۔ مومن مسلمان کو نہ رویت ہوگی نہ آواز سنائی دے گی۔ اس لئے اِنَّهُمْ سَمِعُوْا کی تخصیص فرمائی گئی۔ بعض جاہلوں کا کہنا ہے کہ جہنم کی غراہٹ سب سنیں گے۔ انبیاء، اولیاء، ملائکہ بھی اور سب گھبرائیں گے۔ یہ قول تین وجہ سے محض گستاخی وکذب بیانی ہے۔ ا۔ ایک وجہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے تو اولیاء اللہ سے بھی لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ کا وعدہ فرمایا ہے ملائکہ وانبیاء علیہم السلام کی تو شان اولیاء اللہ سے بھی کہیں بلند ہے۔ ۲۔ یہ قول اس لئے بھی غلط ہے کہ اس سے وعدۂ الٰہی پر مایوسی ظاہر ہوتی ہے جو کفر ہے۔ ۳۔ یہ کہ رَاَتْهُمْ کی ضمیر اور سَمِعُوْا کا صیغہ بتا رہا ہے کہ صرف کافر ہی آوازِ جہنم سنیں گے اور کفار کو ہی جہنم دیکھے گی۔ لہٰذا یہ قول کسی جاہل گستاخ کا بنایا ہوا ہے۔ ایسے خلاف قرآن وحدیث اقوال سے ہی گمراہیاں پھیلتی ہیں۔ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ دَعَوْا هُنَالِكَ ثُبُوْرًا ﴿۱۳﴾ لَا تَدْعُوا الْيَوْمَ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا وَّادْعُوْا ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ﴿۱۴﴾۔ یہ کفار ومنافقین جب اس جہنم میں پھینکے جائیں گے سخت تنگ جگہ کے اندر بندھے جکڑے سب چیخ چیخ کر اپنے مرنے کی دعا مانگیں گے احادیث میں ہے کہ کفار تنگ جگہ ایسی سختی سے پھینکے جائیں گے جیسے دیوار میں کیل ٹھونکی جاتی ہے دوزخیوں کو مثل کیل اس جگہ ٹھونکا جائے گا اور ٹھونسا جائے گا آگ مثل لباس ان کے جسم پر پھیلی ہوگی۔ بروایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سب سے پہلے آگ کا لباس ابلیس کو پہنایا جائیگا وہ تکلیف سے بلبلائے گا اور پکارے گا: واثبوراہ وَاوَیلاہ۔ ہائے موت ہائے ہلاکت میرے لئے آجا۔ یہ سن کر کفار بھی یہی پکاریں گے بندھنے کا طریقہ یہ

marfat.com

ہوگا کہ ہر دوزخی کے ہاتھ گردن کی طرف دونوں پیر زنجیروں میں اور ہر ایک کا شیطان بھی اسی دوزخی کے ساتھ ہی جکڑا بندھا ہو گا اور بندھن اتنی سخت ہوگی کہ اس کی شدت تکلیف دیگر عذاب کے علاوہ ہوگی۔ دوزخیوں کی اس چیخ و پکار کو سن کر جہنم میں موجود کارندے فرشتے فرمائیں گے۔ اے بدبختو آج ایک موت مت مانگو اور ایک بار ہی نہ مانگو بلکہ بار بار ہر قسم کی ہلاکت مانگو کیونکہ اب یہ سخت کڑی ساعت اور بری حالت کٹھن وقت ہمیشہ تم پر رہے گا۔ ملائکہ کا یہ کہنا کفار کو مزید تڑپائے گا۔ پہلی تڑپ تنگی کی، دوسری جکڑ کی، تیسری آگ کی اور اب مایوسی کی۔ قُلْ اَذٰلِكَ خَيْرٌ اَمْ جَنَّةُ الْخُلْدِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ كَانَتْ لَهُمْ جَزَآءً وَّ مَصِيْرًا۝ ۔ اے حبیب کریم پوچھو ان کافروں سے تم کو کونسا مقام پسند ہے۔ وہ جہنم کا مقام ذلت جس کا ابھی ذکر کیا گیا ہے جس کی آواز و دیدار کفار میدانِ محشر میں سنیں گے اور بعد قیامت مُقَرَّنِيْنَ بنا کر مکان ضیق میں پھینکے ٹھونسے جائیں گے اور پھر موت و ہلاکت پکاریں گے۔ اے موجود کافرو تم کو کیا پسند ہے وہ دوزخ یا وہ خلد بریں مقام حسیں مکان شہیں جہان متین جس کا وعدہ مبین متقین لوگ کئے گئے ہیں۔ جنت خلد ان عابدین زاہدین کے لئے ہے جو تاعمر اطاعت کبریائی و اتباع مصطفائی میں رہیں اور شرک کفر ضلالت منافقت سے بچے رہیں۔ یہ جنت ان کا جزاء ثواب ہے اور دنیا کے مقام امتحان سے کامیاب ہو کر جہان انعام میں لوٹنے و رہنے کی جگہ۔ بتاؤ اپنی زبان قال و حال و اعمال سے۔ آج دنیا میں ہی سوچ کر تمہارا خالق تعالیٰ تم سے پوچھ رہا ہے محبوب کی زبانی قرآن کی بیانی آج دنیوی مہلت بندہ بننے کی ہمت جسم کی صحت، وقت کی فرصت یہ سب دولتیں موجود ہیں۔ رب تعالیٰ کا یہ پوچھنا سمجھانا بھی اس کا تم پر کرم ہی ہے ورنہ اتنا کچھ سننے کے باوجود کفر پر ڈٹے رہنا یہی بتا رہا ہے کہ تم کو جہنم ہی پسند ہے۔

ان آیات میں اختلافی اقوال

بَلْ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ بَلْ برائے استدارک ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ بَلْ اضرابی ہے تبدیلی عقیدہ کے لئے۔ اَعْتَدْنَا کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا کہ جنت دوزخ پیدا ہو چکی ہے۔ ۲۔ بعض جہلاء نے کہا کہ ابھی نہیں بنیں اور اَعْتَدْنَا بمعنی مستقبل ہے یعنی ہم تیار کریں گے۔ رَاَتْهُمْ کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ دیکھنا حقیقی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا دیکھنے سے مراد سامنے ہونا ہے جیسے مجازاً کہا جاتا ہے مسجد نمازیوں کا انتظار کر رہی ہے۔ مَّكَانٍۭ بَعِيْدٍ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ بعض نے کہا پانچ سو سال کی دوری مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا سو سال کی۔ ۳۔ بعض نے کہا ایک سال کی سَمِعُوْا کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا تغیظ اور زفیر دونوں کا سننا مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہاں سننا بمعنی محسوس کرنا ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا تغیظ کو دیکھیں گے زفیر کو سنیں گے کیونکہ غصے کو دیکھا جاتا ہے اور غراہٹ کو سنا جاتا ہے۔ تغیظ کا معنی غصہ بھڑک اور زفیر کا معنی غراہٹ۔ یہاں سَمِعُوْا محاورۃً دونوں معنی میں ہے۔ لَهَا کے لام میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ لام ملکیت کا ہے یعنی جہنم کا تغیظ و زفیر۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ لام بمعنی فِی ہے یعنی جہنم میں تغیظ و زفیر۔ تغیظ اور زفیر کے معنی میں دو قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا یہ اختیاری آواز ہوگی یعنی غراہٹ۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اضطراری آواز ہوگی یعنی ابلاہٹ و گڑگڑاہٹ۔ ضَيِّقًا کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت ی کے زیر و شد سے ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت ضَيْقًا ہے ی پر

marfat.com

جزم۔ مُقَرَّنِيْنَ کے معنی میں دوقول۔ ا۔ بعض نے کہا ہر جہنمی کے اپنے ہاتھ پیر بندھنا مراد ہیں۔ ۲۔ بعض نے کہا ہر کافر کے ساتھ اس کے جنی انسی شیطان کا باندھنا مراد ہے۔ مُقَرَّنِيْنَ کی قرأت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت مُقَرَّنِيْنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت مُقَرَّنِيْنَ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت مُقَرَّنُوْنَ ہے۔ دَعَوْا کے معنی میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا دعا کرنا مراد ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ صرف تمثیل ہے۔ تینوں جگہ ثُبُوْرًا کی قرأت میں دوقول۔ ا۔ اکثر کی قرأت ثُبُوْرًا ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت ثَبُوْرًا ہے ث پر زبر۔ ثُبُوْرًا وَّاحِدًا۔ اور ثُبُوْرًا كَثِيْرًا کی ترکیب میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا آپس میں ذوالحال حال ہیں یعنی ایک بار موت نہ مانگو بار بار مانگو۔ ۲۔ بعض نے کہا آپس میں ممیز تمیز ہیں یعنی ایک موت نہ مانگو بہت سی مانگو۔ كَثِيْرًا کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا مراد ہے کثرتِ دعا۔ ۲۔ بعض نے کہا مراد ہے کثرتِ موت۔ ۳۔ بعض نے کہا مراد ہے کثرتِ الفاظ یعنی ہائے موت ہائے ہلاکت ہائے بربادی، تباہی۔ ذٰلِكَ کے مشار الیہ میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا مراد ہے جنت وجہنم یعنی دونوں میں سے کون خیر ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا دنیوی اُخروی باغات وکنوز میں کون خیر ہے۔ الْمُتَّقُوْنَ کی مراد میں دوقول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا ہر مومن مراد ہے ناقص وکامل۔ ۲۔ بعض نے کہا کاملین مراد ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** اللہ تعالیٰ نے جنت ودوزخ بلکہ دنیا کی ہر جمادات نباتات کو بھی ان کی حیثیت کے مطابق آنکھ کان زبان شعور عطا فرمائے ہیں۔ یہ فائدہ اِذَا رَاَتْهُمْ (الخ) اور دیگر آیات وروایات سے حاصل ہوا۔ جیسے نملہ سلیمان، منطق طیر اور جبل احد کی محبت۔ **دوسرا فائدہ:** ہر مسلمان کو چاہئے کہ دنیا میں اچھے دوست وساتھی بنائے۔ بروں سے بچے تاکہ حشر وانجام اچھا ہو۔ یہ فائدہ مُقَرَّنِيْنَ کی تفسیر سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** جنت میں داخلہ اعمال کا بدلہ نہیں بلکہ داخلہ جنت فقط فضل وکرم سے ہی ہوگا لیکن جہنم میں داخلہ برے اعمال وعقائد کا ہی بدلہ ہے۔ یہ فائدہ اَعْتَدْنَا لِمَنْ كَذَّبَ اور وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ سے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** دنیا میں ہر دنیا میں ہر مسلمان کو چاہئے کہ اپنے قول وعمل شکل ولباس سے کفار اور مومنین میں ایمان واسلام کا امتیازی نشان قائم رکھے یہ فرق اللہ رسول کو بہت پسند ہے اس لئے رب تعالیٰ نے قبر حشر جہنم میں فاسق وکافر کا بھی فرق قائم رکھا کہ کفار محشر میں بھی جکڑے بندھے اور جہنم میں بھی۔ سورۃ ابراہیم آیت ۴۹ میں ہے: يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ﴿۴۹﴾ یعنی یوم محشر بھی زنجیروں میں اور جہنم میں دوفرق قائم ایک مقرنین اور پھینکا جانا اور دوسرا فرق یہ کہ کافر جہنم میں جسم وروح کے ساتھ اس لئے چیخنا دعاء موت مانگنا مگر مسلمان فاسق کے صرف جسم کو تکلیف ہوگی روح کو نہ ہوگی اور نہ پھینکا جانا نہ جکڑنا باندھنا، نہ چیخنا نہ دعاء موت صرف میل گناہ مٹانے کے لئے۔ یہ مسئلہ وَاِذَآ اُلْقُوْا مِنْهَا (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ دنیا میں مجرم کو شرعی جسمانی سزا دیتے وقت ہاتھ پاؤں باندھنا جائز ہے یہ باندھنا سزا میں شامل نہ ہوگا۔ اگرچہ مجرم کے بھاگنے کا خطرہ نہ ہو۔ یہ مسئلہ مَكَانًا ضَيِّقًا مُّقَرَّنِيْنَ سے

marfat.com

مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ**: حیات دنیوی اتنا بڑا انعام ہے کہ کسی مسلمان کو موت کی دعا مانگنی خودکشی کرنا حرام ہے اگرچہ غربت و بیماری کی کتنی ہی مصیبت پہنچے۔ مصیبت سے گھبرا کر موت کی دعا مانگنا علامت کفار ہے۔ یہ مسئلہ دَعَوۡا هُنَالِكَ ثُبُوۡرًا ﴿۱۳﴾ سے مستنبط ہوا۔ ہاں البتہ اچھی و ایمان والی موت کی تمنا کرنا جائز ہے۔ تمنا و دعا میں بہت فرق ہے۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کیے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا وَّ ادۡعُوۡا ثُبُوۡرًا کَثِیۡرًا یعنی بہت سی موتیں مانگو۔ موت تو ایک ہی ہے پھر بہت سی مانگنے کا حکم کیوں۔ **جواب**: یہاں کثیرًا کا تعلق موت سے نہیں بلکہ وَّادۡعُوۡا سے ہے یعنی بہت دعائیں مانگو۔ اگر ثبور سے کیا جائے تو معنی ہے ہر قسم کی تباہی مانگو نہ کہ فقط موت۔ **دوسرا اعتراض**: موت کی دعا مانگنا تو حرام ہے پھر یہاں حرام کا حکم کیوں دیا گیا۔ **جواب**: مسلمانوں کے لئے دنیوی زندگی میں دعاء موت حرام ہے مگر اس وَّادۡعُوۡا کے وقت نہ دنیوی زندگی ہوگی نہ وہ لوگ مسلمان ہوں گے۔ نیز یہ جملہ اجازت دعا نہیں بلکہ طنز و حقارت کا حکم ہے۔ **تیسرا اعتراض**: یہاں فرمایا گیا ثُبُوۡرًا کَثِیۡرًا نحوی قانون میں کَثِیۡرًا جمع کو چاہتا ہے تو چاہیے تھا ثُبُوۡرِیۡنَ کَثِیۡرًا فرمایا جاتا تاکہ ممیز تمیز برابر ہو جاتے۔ **جواب**: ثُبُوۡرًا بروزن **فُعُوۡلًا** حاصل مصدر ہے اور اُدۡعُوۡا کا مصدر دُعَآءً ہے نحوی قانون سے مصدر و حاصل مصدر اسم جنسی ہوتا ہے جو واحد و جمع دونوں کے لئے استعمال ہوسکتا ہے یہاں کَثِیۡرًا کی چاہت کی وجہ سے۔ ثُبُوۡرًا جمع کے لئے ہی ہے جنہوں نے کَثِیۡرًا کو وَّادۡعُوۡا سے متعلق کیا وہ دُعَآءً کو جمع جنسی مانتے ہیں اور ثُبُوۡرًا سے متعلق ماننے والے ثُبُوۡرًا کو جمع جنسی مانتے ہیں۔ لہٰذا ثُبُوۡرِیۡنَ کہنا ضروری نہیں۔

تفسیر صوفیانہ

اس دنیا میں جسم کافر نقشہ جہنم ہے اور جسم مومن نقشہ جنت ہے۔ دماغ کافر نارِ جہنم ہے۔ دیدۂ کافر زمہریر دوزخ ہے۔ زبان کافر تغیظ و زفیر ہے۔ سینہ کافر سعیر ہے۔ قلب کافر **مَکَانًا ضَیِّقًا** ہے جس میں کفریات و شرکیات ٹھونس کر بھرے ہوئے ہیں۔ کافر کے ہاتھ جہنم کی زنجیریں ہیں۔ کافر کے پیر اَسۡفَلَ السّٰفِلِیۡنَ ہیں۔ انسانی امیدیں، خواہشات، شہوات شیطانی اصل گمراہی نہیں ہیں بلکہ عقیدۂ طغیانی اور انکارِ آخرت ہی بے یقینی کی دوزخ ہے۔ غرور و ظلم کی ذلیل عادتیں اور فسق و فجور کی حرکتیں ان ہی بدنصیبوں کے لئے بنائی گئی ہیں جن کی زبانیں دن رات دوزخی چیخ و پکار میں ہیں۔ ان خبثاء نے قیامت صغریٰ کی ساعت قہر کو بھی جھٹلایا اور قیامت کبریٰ کے عذاب کو بھی۔ یہ جھٹلانا کثرت حجابات و کمزوری ایمانیات کی وجہ سے ہے یہی دونوں بدبختیاں عذاب محرومی کو واجب و نازل کرتی ہیں۔ نفوس ظلمانی پر پہلا عذاب طبیعت خناسی و شکل شیطانی کا ہے۔ ان کے لئے ہی پیغامات قرآنی کڑک آسمانی ہے۔ کافر کی بے یقینی اور فاسق کی بے توجہی فراق جہنم کی رویت ہے لمبی امیدیں مکان بعید ہے ابلیس کے وسوسے آوازِ زفیر ہے جب فراق دنیا کی ناران کو دیکھتی ہے تو شیطانی وسوسے ورغلا دیتے ہیں اور جب ان کی اوندھی عقلیں الٹے نظریات انہی کے سینہ جہنمی سے قلب تنگ میں گرائے جاتے ہیں خواہشات ناسوتی (دنیوی) لذات نفسانی کی زنجیروں میں بندھے ہوئے اور محرومی آخرت کی آگ میں لپٹے ہو کر تب پکارتے ہیں ہائے بربادی۔ یہ

marfat.com

زنجیریں وہ ناجائز محبتیں حرام خواہشیں ہیں جو حرکت ایمانی جو ہر اعمالی کے حصول میں رکاوٹ گردنوں میں طوق ابلیسی پیروں میں طلب دنیا کی بیڑیاں، نیتیں جہنم کے تاریک سینے ہیں۔ دنیوی دوستیاں وبال جان مصیبت ایمان اور رکاوٹ اعمال ہیں۔ اہل شریعت بار بار اہل حماقت اور عاملین جہالت کو منع کرتے ہیں کہ دولت دنیا کی ہلاکت کا غم نہ کرو بلکہ قبر حشر نشر کی خرابی و بربادی صالحات وتباہی عبادات کا غم کرو۔ دنیوی دوست سعادت سے ہٹانے ضلالت میں بلانے والے ہیں اس کی اذیت موت کی تمنا ہے۔ اَلْیَوْمَ دنیوی بہاریں ہیں۔ انھیں ثُبُوْرًا وَّاحِدًا ہے۔ اُخروی پریشانیاں ثُبُوْرًا كَثِيْرًا ہیں۔ اب پوچھو دنیاء فانی کے ذلیل قیدیوں سے جو دن رات ہائے دولت ہائے مال کی زق زق بک بک میں پھنسے ہوئے ہیں کہ یہ قیدِ دنیا اچھی ہے یا مراقبۂ معرفت کی پُرسکون خلوت مقدس اچھی جس میں مشاہدۂ جمال نقارۂ انوار کا وعدہ کیا ہوا ہے۔ ان شخصیات پاکیزہ سے جو خالی ہیں خصلت نفسانیہ اور ملابست بدنیہ نجاست جسمانیہ سے۔ کافر کے قلب میں فاسق کے عمل میں انکارِ قیامت ہے اور عقل میں نارِ سعیر ہے آنکھوں میں رویت جہنم ہے۔ جہانِ دنیا مکان ضیق ہے خواہشات دنیا مقرنین ہیں قبر و حشر و جہنم کے عذابوں کی خبریں ثُبُوْرًا ہیں۔ کفار کی ایمان سے ضد فساق کی اعمال سے ضد قرآن وحدیث کی مخالفت انبیاء علیہم السلام، اولیاء عظام سے عداوت یہ وہ علامتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفار و فساق کو قبر و جہنم کا عذاب ہی پسند ہے عارفین کی جنت آستانہ مصطفیٰ ہے جس میں شریعت حقیقت ادب والفت کی چار نہریں، دخول آستانہ مقبولیت کبریائی ہے خلود آستانہ منظوریت الٰہی ہے۔ مشیت مومن دیدار قرب ہے۔ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمَ۔

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ
ان متقین کے لئے اس جنت میں وہ سب کچھ ہے جو چاہیں گے ہمیشہ رہنے والے اسی شان میں ہے
ان کے لئے وہاں من مانتی مرادیں ہیں جن میں ہمیشہ رہیں گے
كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا
یہ تمہارے رب تعالیٰ کے کرم پر مانگا ہوا وعدہ اور جس دن محشر میں لائے گا وہ اللہ تعالیٰ کفار کو اور ان سب کو جن کی کافر
تمہارے رب کے ذمے میں وعدہ ہے مانگا ہوا اور جس دن اکٹھا کرے گا انہیں اور جن کو اللہ کے سوا
يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ
عبادت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے سوا تب پوچھے گا اللہ تعالیٰ کہ کیا تم نے گمراہ کیا تھا میرے ان بندوں کو
پوجتے ہیں پھر ان معبودوں سے فرمائے گا کیا تم نے گمراہ کردیئے میرے بندے
اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ

marfat.com

یا یہ خود گمراہ ہوئے تھے بچی راہ سے باطل معبود بولیں گے تیری ذات پاک ہے

یا یہ خود راہ بھولے وہ عرض کریں گے پاکی ہے تجھ کو

مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ

ہم کو لائق نہیں تھا کہ ہم تیرے مقابل کسی کو دوست بناتے

ہمیں سزاوار نہ تھا کہ تیرے سوا کسی اور کو مولیٰ بنائیں

وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾

اور لیکن تو نے جب ان کو اور ان کے آباء کو سامان عیش دیا یہاں تک کہ بھول گئے یاد رکھنے کی بات اور ہو گئے برباد قوم

لیکن تو نے انہیں اور ان کے باپ داداؤں کو برتنے دیا یہاں تک کہ وہ تیری یاد بھول گئے اور یہ لوگ تھے ہی ہلاک ہونے والے

تعلقات

ان آیتوں کا پچھلی آیتوں سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات پاک میں کفار کے انکار جہنم کا ذکر فرمایا گیا کہ یہ کافر انکار جہنم کر کے دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں حالانکہ جہنم میں ان کے لئے غیظ اور زفیر ہے۔ اب ان آیات پاک میں فرمایا جا رہا ہے کہ اہل جنت کے لئے ابدی جنت میں جب بھی جو بھی چاہیں فوراً ملے گا۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں جہنم و اہل جہنم کی آوازوں کا ذکر ہوا۔ اب ان آیات میں معبودانِ باطل کی آوازوں کا ذکر فرمایا جا رہا ہے۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی آیات میں کفار کے دوزخ جانے کا نقشہ بیان فرمایا گیا۔ اب ان آیات میں معبودانِ باطل کی زبانی گمراہی و جہنمی ہونے کی وجہ بیان فرمائی گئی۔

تفسیر نحوی

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ۭ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ وَمَا يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ لَهُمْ جار مجرور متعلق ہے پوشیدہ مَوْجُوْدٌ کا فِيْهَا یہ متعلق دوم ہے مَوْجُوْدٌ کا یہ مل کر جملہ اسمیہ مبتدا ہے مَا موصولہ يَشَآءُوْنَ۔ مضارع مثبت جمع مذکر اس کا فاعل ضمیر پوشیدہ خٰلِدِيْنَ اسم فاعل حال ہے پوشیدہ فاعل کا سب مل کر جملہ فعلیہ صلہ ہے مَا کا دونوں مل کر خبر ہے مبتدا کی دونوں مل کر جملہ اسمیہ ہو گیا۔ كَانَ ماضی مطلق اس کا اسم هُوَ پوشیدہ۔ عَلٰى رَبِّكَ یہ مرکب جار مجرور متعلق ہے۔ وَعْدًا موصوف مَسْـُٔوْلًا صفت یہ مرکب توصیفی خبر كَانَ سب مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ يَوْمَ اسم ظرف زمانی بمعنی دن یہ ظرف مقدم ہے يَحْشُرُ مضارع واحد مذکر کا اس کا فاعل هُوَ پوشیدہ هُمْ معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَا موصولہ يَعْبُدُوْنَ مضارع مذکر جمع غائب مِنْ جارہ بیانیہ دُوْنِ اللّٰهِ مرکب اضافی مجرور ہو کر متعلق ہے يَعْبُدُوْنَ کا۔ وہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر معطوف ہے هُمْ پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے يَحْشُرُ کا۔ فَيَقُوْلُ ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ عِبَادِيْ هٰٓؤُلَآءِ اَمْ هُمْ ضَلُّوا السَّبِيْلَ ﴿۱۷﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ يَنْۢبَغِيْ لَنَآ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ

marfat.com

دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِيَآءَ وَلٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَاٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَ ۚ وَكَانُوْا قَوْمًا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ ف سببیہ اس کا ماقبل یَحْشُرُ کا جملہ
سبب ہے اور مابعد یَقُوْلُ کا مسبب ہے یعنی ان کا حشر سبب ہے ان کے حساب کتاب کا اور حساب کتاب سبب ہے یَقُوْلُ کے
فرمان کا۔ یَقُوْلُ فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قَوْل ہوا ءَ ہمزہ سوالیہ اَنْتُمْ اسم ضمیر مبتدا ہے اَضْلَلْتُمْ باب افعال کا ماضی مطلق
مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر ضَلَلٌ سے بنا ہے اس کا مصدر ہے اِضْلَالٌ۔ ترجمہ ہے گمراہ کرنا یہ مصدر متعدی ہے اس کا مادہ
ضَلَلٌ لازم ہے لغوی ترجمہ ہے عقل کھو بیٹھنا، مجنون یا مجذوب یا محبت میں وارفتہ و بے اختیار و بے عقل ہو جانا یا صحبت بد سے
بے عقل ہو کر گمراہ ہو جانا اس کا فاعل اَنْتُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ عِبَادِیْ مرکب اضافی موصوف ہے هٰٓؤُلَآءِ۔ اسم اشارہ قریبی جمع
مذکر اس کا مشار الیہ اسی کا موصوف عِبَادِیْ ہے ترجمہ ہے میرے ان بندوں کو یہ صفت ہے عِبَادِیْ کی مرکب توصیفی مفعول بہ
ہے اَضْلَلْتُمْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر مبتدا وہ جملہ اسمیہ ہو کر معطوف علیہ اَمْ عاطفہ مانعۃ الجمع کے لئے هُمْ مبتدا
ضَلُّوْا۔ بابِ نَصَرَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع غائب ضَلَلٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے گمراہ ہونا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ
السَّبِيْلَ۔ مفعول بہ ہے مجازی یا مفعول فیہ بمعنی راستے سے۔ یہ فعل فاعل مفعول مل کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مبتدا هُمْ کی دونوں
مل کر معطوف ہے ءَ اَنْتُمْ کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر استفہام ہوا۔ قَالُوْا فعل بافاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول ہوا سُبْحٰنَ اسم
مصدر مضاف کَ اسم ضمیر مخاطب مفعول مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول مطلق ہے سَبَّحْنَا فعل محذوف کا۔ سب مل کر جملہ
فعلیہ ہو کر مقولہ اول ہوا۔ مَا كَانَ فعل ماضی مطلق منفی ناقصہ یَنْۢبَغِیْ باب انفعال کا مضارع مثبت معروف مگر نفی کے تحت ہونے کی
وجہ سے منفی کے درجہ میں ہے۔ اس کا مصدر ہے اِنْۢبِغَاءٌ بَغْیٌ سے بنا ہے اصل ترجمہ ہے چاہیے ہونا، لائق ہونا یہاں منفی کا معنی
ہو گیا نہیں لائق ہے نامناسب ہے۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ لَنَآ یہ جار مجرور متعلق ہے یَنْۢبَغِیْ کا یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو
کر اسم ہے مَا كَانَ کا۔ اَنْ حرف ناصبہ نَّتَّخِذَ۔ بابِ افتعال کا مضارع جمع متکلم نَحْنُ ضمیر صیغہ پوشیدہ اس کا فاعل ہے
مصدر ہے اِتِّخَاذٌ۔ اَخْذٌ سے بنا ہے معنی ہے پکڑنا، لینا، بنانا یہ یہاں بمعنی بنانا ہے۔ مِنْ دُوْنِكَ یہ مرکب اضافی جار مجرور متعلق
اول ہے۔ مِنْ اَوْلِيَآءَ یہ جار مجرور متعلق دوم حرف مِنْ دونوں جگہ زائدہ ہے۔ نَّتَّخِذَ اپنے فاعل اور دونوں متعلقوں سے مل
کر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ہے مَا كَانَ کی وہ فعل ناقصہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ زائدہ لٰكِنْ
حرف عطف برائے استدراک۔ مَتَّعْتَ۔ بابِ تفعیل کا ماضی مطلق صیغہ واحد مذکر حاضر۔ مصدر ہے تَمْتِيْعٌ مَتْعٌ سے بنا ہے
ترجمہ ہے نفع دینا، مال و متاع دینا۔ اس کا فاعل اَنْتَ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے اللہ تعالیٰ هُمْ ضمیر ظاہر معطوف علیہ واؤ عاطفہ
اٰبَآءَ۔ اسم جمع مکسر اس کا واحد ہے اَبٌ اسم مکبرہ ہے اٰبَآءَ کا ترجمہ ہے باپ دادے، چچے تائے یہاں مراد ہے باپ دادے
پڑدادے مضاف ہے۔ هُمْ مضاف الیہ یہ مرکب اضافی معطوف ہے پہلے هُمْ اسم ضمیر پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے
مَتَّعْتَ کا حَتّٰى حرف جر نَسُوْا بابِ سَمِعَ کا ماضی مطلق مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب نَسْیٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے بھلا
دینا۔ اسی سے ہے نِسْيَانٌ بمعنی بھول جانا۔ اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اور اٰبَآءَهُمْ۔ الذِّكْرَ اسم
معرفہ بمعنی ذِكْرُ اللّٰهِ یاد الٰہی، عبادت ایمانی یہ مفعول بہ ہے نَسُوْا کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ۔ كَانُوْا

marfat.com

ماضی مطلق ناقصہ مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب اس کا اسم ضمیر صیغہ ہے قَوْمًا۔ اسم مفرد لفظی لیکن معنا جمع ہے۔ خیال رہے کہ مفرد تین قسم کا ہوتا ہے۔ ۱۔ جو تثنیہ جمع نہ ہو یعنی واحد ہم ہر جگہ اسی معنی میں لیتے ہیں۔ ۲۔ مفرد وہ لفظ جو مضاف نہ ہو۔ ۳۔ مفرد وہ لفظ جو مرکب نہ ہو۔ قَوْمًا موصوف ہے۔ بُوْرًا اسم حاصل مصدر لغوی معنی ہے معطل ہونا، بیکار ہونا، کھوٹ ہونا۔ اس مناسبت سے آٹھ معنی میں مشترک ہے۔ ۱۔ قابل ہلاکت۔ ۲۔ لائق بربادی۔ ۳۔ فسادی۔ ۴۔ بنجر زمین۔ ۵۔ خسارہ دینا یا پانا۔ ۶۔ رائیگاں۔ ۷۔ جہنم کا ایک مقام۔ ۸۔ کم عقل لوگ حق سے اندھا۔ یہاں مراد ہے برباد ہونے والی قوم یہ اسم جنسی ہے اس لئے یہ ہی لفظ بُوْرًا واحد جمع مذکر مؤنث سب کے لئے بولا جاتا ہے بعض نے کہا یہ جمع ہے بَائِر کی جیسے عَائِذٌ کی عُوْذٌ اور هَائِدٌ کی هُوْدٌ۔ بُوْرًا صفت ہے قَوْمًا کی یہ مرکب توصیفی خبر ہے كَانُوْا کی۔ یہ فعل ناقصہ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہو کر معطوف ہے نَسُوا کے جملے پر۔ وہ دونوں عطف مل کر مجرور ہے حَتّٰی حرف جر سے یہ جار مجرور مل کر متعلق ہے مَتَّعْتَ کا یہ فعل اپنے فاعل مفعول بہ اور متعلق سے مل کر معطوف ہے مَا كَانَ کے جملے پر۔ وہ دونوں عطف مل کر مقولہ دوم ہوا قَالُوْا کا۔ یہ قول اپنے دونوں مقولوں سے مل کر جملہ قولیہ ہو کر جواب استفہام ہوا ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کے جملہ استفہامیہ (سوالیہ) کا وہ استفہام و جواب استفہام مل کر مقولہ ہوا يَقُوْلُ کا۔ خیال رہے کہ یہاں استفہام کی عبارت مقولہ اصلیہ حقیقیہ ہے اور جواب کی عبارت مقولہ خبریہ مجازیہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ خود یہ پوچھے گا اور پھر رب نے فرما کر خبر دی کہ جھوٹے معبود جواباً یہ کہیں گے۔ یہ قول مقولہ مل کر جملہ قولیہ ہو کر مسبب ہے يَحْشُرُهُمْ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ سببیہ ہو کر مظروف ہے يَوْمَ کا وہ دونوں مل کر مفعول بہ ہے اُذْكُرْ پوشیدہ کا۔ وہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو گیا۔

تفسیر عالمانہ

لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ خٰلِدِيْنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا ﴿۱۶﴾۔ ان پاکیزہ زندگی والے متقین کے لئے جنت کبیر مقام عظیم میں وہ تمام لذتیں نعمتیں اب بھی موجود ہیں اور ابد تک رہیں گی نہ ختم ہوں نہ خراب نہ کہیں سے لانی پڑیں نہ بار بار بنانی پڑیں گی نہ اگانی پڑیں گی۔ جنتی زندگی میں جنتیوں کے پاس چھ چیزیں نہ ہوں گی نہ ضرورت پڑے گی نہ خواہش ہوگی۔ ۱۔ کسی جسم میں نفس امارہ نہ ہوگا۔ ۲۔ سوراخ دبر نہ ہوگا۔ ۳۔ بول و براز نہ ہوگا۔ ۴۔ کسی عورت کو حمل نہ ہوگا۔ ۵۔ کبھی بھی کوئی بری خواہش کسی کو نہ ہوگی۔ ۶۔ کبھی کوئی جنتی اپنے درجہ اور مرتبے کے علاوہ کوئی خواہش کر ہی نہ سکے گا نہ حیثیت سے زیادہ نہ کم۔ کسی حرام کام کا دل میں خیال تک نہ آئے گا۔ بری خواہشیں سات وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ ۱۔ شیطان کی ورغلاہٹ۔ ۲۔ نفس امارہ کی شرارت۔ ۳۔ انسانی طبیعت کی خباثت۔ ۴۔ حسد۔ ۵۔ رشک۔ ۶۔ بغض۔ ۷۔ عداوت چونکہ جنت میں یہ برے اسباب ہی نہ ہوں گے اس لئے بری خواہش بھی نہ ہوں گی نہ کوئی بڑا بننا چاہے گا نہ کوئی برا۔ سب اپنے اپنے مقام میں خوش ہوں گے اور جب بھی جس نعمت کی خواہش کریں گے سب ان کو ان کے ہی مقام میں ملا کریں گی۔ اشیاء اور شخصیات سب ابدی ہوں گی تکمیل خواہشات بھی ابدی۔ یہ دخول جنات، عطاء انعامات، تکمیل خواہشات، خلود شخصیات، حصول مطالبات اللہ تعالیٰ کے ذمہ کرم پر وعدہ مسئول ہے کیونکہ دنیا میں ہر مسلمان ہر وقت عرض کرتا ہے۔ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ (آل

marfat.com

عمران ۱۹۴) یہ زبان قال سے مسئول ہے اور زبانِ حال سے اس طرح مسئول کہ محنت کی عبادت مشقت کی ریاضت، تقوے کی طہارت، راتوں کے قیام دن کے صیام سب عرض گدایانہ کے ہی قائم مقام اور زبان وسیلہ سے بھی وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ہے۔ چنانچہ سورۃ غافر (مومن) آیت ۸ میں ہے کہ عرشی فرشی ملائکہ مسلمانوں کے لئے بار بار یہ دعا مانگتے ہیں: رَبَّنَا وَ اَدۡخِلۡهُمۡ جَنّٰتِ عَدۡنِ ِۣالَّتِیۡ وَعَدۡتَّهُمۡ اور زبان وعدہ سے مانگا ہو یعنی رب تعالیٰ نے خود وعدہ عطا فرما کر اپنے ذمہ کرم پر واجب کرلیا اور زبانِ ایفاء سے بھی مسئول وعدہ ہے۔ مومن عرض کرتے ہیں اِنَّکَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِیۡعَادَ۔ معتزلی فرقہ کہتا ہے کہ بندہ عملی عبادت سے مستحق ثواب ہے۔ جیسے مزدور اجرتِ مزدوری کا اور اللہ تعالیٰ پر ثواب دینا واجب ہے جیسے مالک پر مزدوری کی اجرت دینا۔ اہلسنت فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ کفر ہے تین وجہ سے **اولاً** یہ کہ مخلوق اللہ تعالیٰ کی مزدور نہیں بلکہ مملوک ہے اور غلام جتنا بھی مولیٰ کا کام کرے مستحق اجرت نہیں ہوتا۔ مولیٰ کرم سے کچھ دے دے یا وعدہ کرلے تو اس کی کریمی ہے۔ **دوم** یہ کہ مالک مزدور کو اجرت نہ دے تو برائی ہے اور اللہ تعالیٰ ہر برائی سے پاک ہے۔ **سوم** یہ کہ مزدور مالک کا کام کرتا ہے جس سے مالک کو فائدہ ہوتا ہے مگر بندے کی عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کچھ فائدہ نہیں بلکہ خود بندے کا فائدہ کہ یہ عبادت روحانی غذا ہے تو جس طرح مزدور اپنا کام کرے تو مالک پر مزدوری کی اجرت واجب نہیں۔ اسی طرح مخلوق کی عبادت کا ثواب اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں دے دے تو کرم ہے۔ حیثیت ولیاقت سے زیادہ مانگنا بھی دنیا میں برا ہے آخرت میں ناممکن۔ چنانچہ فرمان نبوی ہے: مَنۡ طَلَبَ مَالَمۡ یُخۡلَقۡ اَتۡعَبَ نَفۡسَهٗ وَلَمۡ یُرۡزَقۡ۔ ترجمہ: جس نے وہ چیز مانگی جو پیدا نہ کی گئی اس نے خود کو ذلیل کیا اور محروم بھی رہا سرور حیات سے۔ کفار کا وہ انجام اور متقین کا یہ انعام اس دن ہوگا۔ وَیَوۡمَ یَحۡشُرُهُمۡ وَمَا یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَیَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِیۡ هٰۤؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِیۡلَ ﴿۱۷﴾ جس دن جمع فرمائے گا اللہ تعالیٰ تمام بت پرستوں کو اور ان کے جھوٹے بناوٹی معبودوں کو عدالت الٰہیہ میں سب کے سامنے (اے لوگو آج دنیا میں اس دن کو یاد کرو) کفار مشرکین اللہ تعالیٰ کی عبادت قطعاً نہیں کرتے صرف بتوں کی عبادت کرتے ہیں ان کو مشرک اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ بتوں کو ملکیت میں اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھتے ہیں۔ یَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ کا معنی ہے اللہ کو چھوڑ کر۔ ہر زمانے میں کفار کے بنیادی عقیدے چار ہوئے۔ ۱۔ خالق رازق صرف اللہ ہے۔ ۲۔ لیکن مخلوق کا مالک اللہ بھی بت بھی۔ ۳۔ یہ بت نظام عالم چلانے میں اللہ کے معاون مددگار و شریک کار ہیں۔ ۴۔ عقیدۃً سب کو الٰہ مانتے ہیں اللہ کو بھی بتوں کو بھی مگر عبادت عمل میں صرف بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ مشرکین کا شرک ملکیت میں یہودیوں کا شرک ابنیتِ حضرت عزیر علیہ السلام کا عقیدہ۔ عیسائیوں کا شرک ابنیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا۔ یہود و نصاریٰ نے ان دونوں ہستیوں کو بت بنا کر گرجوں، کنیسوں میں پوجا شروع کردیئے ہیں حضرت مریم علیہا السلام کا بت بنا کر بھی اس کو سجدہ کرتے ہیں۔ کفارانِ جہان کے یہ سجدے جمادات نباتات، حیوانات و جنات اور ان تین شخصیات کے لئے عام ہیں کچھ کفار عرب خود کو عباد ملائکہ کہتے تھے۔ قیامت میں ان سب کو باری باری بلایا جائے گا۔ جمادات حیوانات کو زبان تکلم عطا ہوگی اور سوال فرمائے گا اللہ تعالیٰ۔ اے جھوٹے معبودو! کیا تم نے میرے ان بندوں کو گمراہ کیا تھا۔ یہاں عِبَادِیۡ فرمانا مقصد خلقت بیان فرمانا ہے یعنی یہ جن وانس جو صرف میری عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تھے مگر کیا

marfat.com

تم نے میری عبادت سے ہٹا کر ورغلا کر اپنی عبادت میں لگایا تھا یا نفس و شیطان کے وسوسوں سے خود ہی سچے راستے سے گمراہ ہوئے تھے۔ یہاں وَمَا یَعْبُدُوْنَ فرمانے کی تین وجہ ہیں: ایک یہ کہ یا اس لئے کہ لفظ مَا صرف غیر عقل والوں کے لئے ہی نہیں ہے۔ عقل والوں کے لئے بھی آ سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اس کے بہت ثبوت ہیں۔ دوم یہ کہ یا اس لئے کہ ہر دور میں بتوں کی کثرت رہی ہے ان کے اعتبار سے مَا ارشاد ہوا یہاں تک کہ شخصیاتِ بزرگانہ کے بھی بت بنا کر ہی پوجے گئے۔ سوم اس لئے کہ یہاں مَا کا تعلق عقلی و بے عقلی سے نہیں بلکہ باطل معبودیت سے ہے اور مَا بول کر ان کی نفرت و حقارت مراد ہے۔ اس سوال ربانی کے بعد قَالُوْا سُبْحٰنَكَ مَا كَانَ یَنْۢبَغِیْ لَنَاۤ اَنْ نَّتَّخِذَ مِنْ دُوْنِكَ مِنْ اَوْلِیَآءَ وَ لٰكِنْ مَّتَّعْتَهُمْ وَ اٰبَآءَهُمْ حَتّٰى نَسُوا الذِّكْرَۚ وَ كَانُوْا قَوْمًۢا بُوْرًا ﴿۱۸﴾ اپنی اپنی باری پر سب بولیں گے یہاں بتوں کا جواب مذکور ہے۔ بت عرض کریں گے ہائے تعجب پاک ہے تو یا اللہ۔ ہمیں تو کسی کی عبادت کا کچھ پتہ نہیں ہم تو خود تیری عبادت تیری تسبیحیں پڑھتے تھے ہم ان کو اپنی عبادت کا کیسے کہہ سکتے تھے یہ تو ہم کو لائق ہی نہ تھا کیونکہ ہم نہ خالق نہ مالک نہ رازق نہ حیات و موت کے مالک نہ نشور وحشور پر قادر نہ نفع نقصان پر غالب نہ ہم کو ان کی پوجا کی خبر اور ہمیں نہ چاہت تھی نہ طاقت کہ تیرے مقابل کسی کو دوست بناتے۔ لفظ اولیاء جمع ہے ولی کی۔ اگر وَلْیٌ سے مشتق ہو تو معنی ہے والی وارث آقا اور اگر وِلَاءٌ سے مشتق ہے تو معنی ہے تابع خادم، آزاد شدہ غلام۔ سورۃ سبا آیت ۴۰، ۴۱ میں اسی سوال کا ملائکہ سے کئے جانے کا ذکر ہے: وَ یَوْمَ یَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓىٕكَةِ اَهٰۤؤُلَآءِ اِیَّاكُمْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ ﴿۴۰﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْۚ بَلْ كَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿۴۱﴾ ترجمہ: اور جس دن جمع فرمائے گا اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک دم پھر پوچھے گا فرشتوں سے کہ کیا یہ کفار تمہاری عبادت کرتے تھے۔ فرشتے عرض کریں گے۔ پاک ہے تو یا اللہ تو ہی ہمارا مالک ہے بلکہ یہ کفار جنوں کی عبادت کرتے تھے اور یہ سب کافر جنات کی معبودیت پر ایمان لانے والے تھے۔ سورۃ مائدہ آیت ۱۱۶ میں حضرت مسیح علیہ السلام کی اسی حاضری کا ذکر ہے: ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَ اُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِؕ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوْنُ لِیْۤ (الخ)۔ ترجمہ: اے عیسیٰ کیا تم نے عیسائیوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری والدہ کو دو معبود بنا لینا اللہ کے مقابل۔ تو وہ بھی عرض کریں گے سُبْحٰنَكَ یا اللہ مجھ کو یہ لائق نہ تھا۔ ان سب کا سُبْحٰنَكَ عرض کرنا چار وجہ سے ہوگا۔ **پہلی** یہ کہ تسبیح و عبادت کے ذکر کے لئے کہ ہم تو خود تیری تسبیح پڑھنے عبادت کرنے والے تا عمر بندے بنے رہے ہم کسی کے معبود کیسے بنتے۔ **وجہ دوم** بعض نے کہا کہ کفار کی کفریہ حرکت پر سخت تعجب کرتے ہوئے یہاں سُبْحٰنَكَ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ کے معنی میں ہے اور سُبْحَانَ اللّٰهِ تعجب کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ **وجہ سوم** یہ کہ یا اللہ تیرا تو کوئی شریک ہو سکتا ہی نہیں نہ الٰہیت میں نہ کمال وصفات میں **وجہ چہارم** یہ بتانے کے لئے کہ بس تو ہی سبحان ہے اور جو سبحان ہو وہی معبود ہے۔ یا اللہ کفار سے دوستی شیاطین لگاتے ہیں۔ ہم تیری رضا کے بغیر کسی کو اپنا دوست بنا سکتے نہ تھے۔ یا اللہ ہم جانتے ہیں ان کفار کی گمراہی کی وجہ ان کی دولت مندی اور عیش و عیاشی ہے یا رب العالمین تو نے ان کو اور ان کے باپ دادوں کو ان کی حیثیت لیاقت قابلیت سے کہیں زیادہ سامانِ عیش و آرام عطا فرمایا۔ عزت، دولت، مکانات، ماکولات، مشروبات، باغات، ارضیات عطا فرمائے اتنی فراوانی و کثرت سے

marfat.com

مکانات بناتے اور خالی پڑے رہتے غذائیں بچی پڑی رہتیں اور اتنی امیدیں باندھتے کہ شمار نہ کر سکتے۔ قلعے، کوٹھیاں بنائے قوی وشدید جمع کئے خدام وعبید امیدیں باندھیں دراز و بعید، عمریں طویل رزق کثیر چاہئے تو یہ تھا کہ ہر وقت شکر کے سجدے بندگی کے قیام عبادت کبریا، اطاعت انبیاء کرتے مگر یہ کفار دولت کی عیاشی عزت کی فحاشی غرور کی غمازی مزید دنیا سازی میں اتنے مشغول ہوئے کہ حق سے مغرور کفر پر مسرور یاد الٰہی سے دور ہو گئے۔ بھول گئے موت وقبر وحشر کو پھر انجام کیا ہوا۔ یہی کہ شرک میں مبتلا قبر میں فنا آج حشر میں رسوا ہوئے۔ ان کی قومیت بُوْرًا، امیدیں مغرورًا، باتیں زُوْرًا، عزتیں فُرورًا، مسکن قبورًا، حالتیں نُفُوْرًا، وجود فضولًا، اعمال بطولًا اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو اس کا انجام یہی ہوتا ہے۔ اذن الٰہی کے بغیر تو نہ عداوت جائز نہ ولایت۔

اختلافی اقوال

وَعْدًا مَّسْـُٔوْلًا کی مراد میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اس سے مراد مسلمانوں کی اپنے لئے دعائے جنت مانگنا ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا ملائکہ کا مسلمانوں کے لئے دعا کرنا دونوں قول صحیح ہیں یَحْشُرُهُمْ کی قرأت میں چار قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یَحْشُرُهُمْ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت نَحْشُرُ ہے۔ ۳۔ بعض کی یُحْشَرُ ہے۔ ۴۔ بعض کی یَحْشِرُ ہے فَیَقُوْلُ کی قرأت میں دو قول: ۱۔ اکثر کی قرأت فَیَقُوْلُ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت فَنَقُوْلُ ہے۔ کفار کو عِبَادِیْ کہنے کی وجہ میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا اس کا مقصد کفار کی مزید ذلت کرنا ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا عِبَادِیْ سے انسان ہونا مراد ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا اس کا مقصد نسبت بندگی وعبدیت بیان کرنا ہے۔ هٰۤؤُلَآءِ کی ترکیب میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ بدل کل ہے عِبَادِیْ کا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ صفت ہے عِبَادِیْ کی۔ السَّبِیْلَ کی اصل عبارت میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا اِلَی السَّبِیْلَ ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا لِلسَّبِیْلِ ہے۔ ۳۔ بعض نے کہا عَنِ السَّبِیْلَ ہے۔ سُبْحٰنَکَ عرض کرنے کی وجہ میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ عرض کرنا تعجب کے لئے ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا حمد وتسبیح کیلئے ہے۔ یَنْۢبَغِیْ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یَنْۢبَغِیْ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت یُنْبَغٰی ہے۔ نَّتَّخِذَ کی قرأت میں تین قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت نَّتَّخِذَ ہے۔ ۲۔ بعض کی نُتَّخَذَ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت یُتَّخَذَ ہے۔ سُبْحٰنَکَ اور مِنْ دُوْنِکَ کے اردو ترجمہ میں دو قول۔ ۱۔ علماء نے ترجمہ فرمایا: پاک ہے تو یا اللہ ہم تیرے مقابل کسی کو مددگار نہیں بناتے یہ ترجمہ ایمانی ہے کیونکہ توحید کا اظہار ہے۔ ۲۔ جہلاء نے ترجمہ کیا: پاک ہیں آپ اے اللہ میاں صاحب آپ کے سوا ہم کسی کو مددگار نہیں بناتے۔ یہ ترجمہ غلط ہے کیونکہ اس میں شرک کی بدبو ہے مِنْ اَوْلِیَآءَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت مِنْ اَوْلِیَآءَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَوْلِیَآءِ۔ مَتَّعْتَ کے معنی میں تین قول۔ ۱۔ بعض نے کہا کثرت نعمت دینا۔ ۲۔ بعض نے کہا لمبی عمر دینا۔ ۳۔ بعض نے کہا مکانات کی کثرت دینا۔ نَسُوا کے معنی میں چھ قول۔ ۱۔ بعض نے کہا ہر نیکی سے غافل ہو گئے۔ ۲۔ بعض نے کہا نصیحت انبیاء بھول گئے۔ ۳۔ بعض نے کہا تدبر انجام بھلا دیا۔ ۴۔ بعض نے کہا تفکر موت بھول گئے۔ ۵۔ انکار قیامت کیا۔ ۶۔ بعض نے کہا کہ شکر چھوڑ کر کفر کیا۔ یہ سب قول درست ہیں۔ بُوْرًا کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ بعض نے کہا بُوْرًا کا معنی ہے فاسد۔ ۲۔ بعض نے کہا ہلاکت والے۔ ۳۔ بعض نے کہا بے

marfat.com

خبر۔ ۴۔ بعض نے کہا حق سے اندھے سب قول درست ہیں۔ بُوْرًا کی بناوٹ میں دو قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا حاصل مصدر ہے اسم جنسی۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ اسم فاعل جمع مذکر ہے اس کا واحد بَائِرٌ ہے۔

فائدے

ان آیتوں سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** دنیا میں انسان کی ساری مرادیں پوری نہیں ہوسکتیں خواہ دنیا کا امیر ترین بن جائے یا دین کا بزرگ ترین۔ یہ فائدہ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُوْنَ فرمانے سے حاصل ہوا جس نے بتایا کہ تمام مرادوں کا پورا ہونا صرف جنت کی نشانی ہے۔ **دوسرا فائدہ:** جو بندہ تا عمر دنیا میں اللہ تعالیٰ کی مانے گا تو اللہ تعالیٰ جنت میں تا ابد اس کی مانے گا۔ یہ فائدہ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا فرمانے سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** قرآن مجید میں واقعات قیامت اس انداز میں بیان فرمائے گئے ہیں گویا ابھی ہو رہے ہیں۔ یہ انداز بتاتا ہے کہ ہر شخص کا وہی انجام یقینی ہے جو قرآن مجید نے بتایا بندہ خواہ کفر پر مرے یا ایمان پر، ظلم پر مرے یا مظلومیت پر۔ مر کر کسی کو چھٹکارا نہیں ہے۔ جس نے غور کیا وہ ہی مومن بن گیا۔ یہ فائدہ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ میں ماضی فرمانے حاصل ہوا۔

احکام القرآن

ان آیات سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** ہر مسلمان پر واجب ہے کہ اپنی خواہشات حدودِ شریعت میں رکھے تاکہ ہر خواہش دین بن جائے۔ حدودِ شرعی سے باہر کی خواہش مسلمان کو حرام ہے یہ مسئلہ لَهُمْ فِيهَا مَا يَشَآءُوْنَ کی تفسیر نبوی سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** مسلمان کی دشمنی دوستی میں اللہ رسول کی رضامندی فرض ہے۔ جو رضائے الٰہی کے خلاف ہوگی وہ نفسانی و شیطانی ہے اس لئے ممنوع ہے۔ یہ مسئلہ مَا كَانَ يَنْبَغِيْ لَنَآ (الخ) سے مستنبط ہوا۔ **تیسرا مسئلہ:** چونکہ مومن کا وجود دنیا میں نقشہ جنت ہے اس لئے ہر مسلمان پر واجب ہے کہ ہر قدم پر شرعی احتیاط کرتا رہے۔ دنیا میں جو چیز شریعت کے تکلف سے ممنوع ہے وہ جنت میں طبیعت کے تغیر سے ممنوع ہوگی۔ یہ مسئلہ وَعْدًا مَّسْئُوْلًا سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

ان چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** نحوی قانون میں مَا بے عقل چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے اور مَنْ عقل والوں کے لئے۔ کفار بعض انسانوں بعض فرشتوں بعض جنات کو پوجتے ہیں قیامت میں ان سب باطل معبودوں سے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کا سوال ہوگا تو چاہئے تھا کہ وَمَنْ يَعْبُدُوْنَ فرمایا جاتا نہ کہ وَمَا۔ **جواب:** وَمَا يَعْبُدُوْنَ اس لئے فرمایا گیا کہ کفار جس کو بھی پوجتے ہیں اس کا بت فوٹو، تصویر بنا کر ہی پوجتے ہیں اور بت کا نام ہی عزیر و عیسیٰ و مریم و ابراہیم وغیرہ رکھ لیتے ہیں انہیں بتوں کے سامنے سجدے کرتے ہیں۔ **دوسرا اعتراض:** اللہ تعالیٰ قدیم ہے ہر چیز کو جاننے والا ہے پھر وہ قیامت میں مَا يَعْبُدُوْنَ سے ءَاَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کا سوال کیوں فرمائے گا۔ سوال تو بے علم کرتا ہے۔ **جواب:** ہر سوال بے علمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ بہت سوالات کچھ بتانے کے لئے ہوتے ہیں جیسے استاد کے سوالات شاگردوں سے یا جیسے نبی کریم ﷺ کے سوالات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے یہاں بھی رب تعالیٰ کا سوال فرمانا کفار کو ان کی کذابیت بتانا اور کفار کی

marfat.com

حسرت و مایوسی بڑھانا ہے۔ **تیسرا اعتراض:** اگر مَا يَعْبُدُوْنَ سے مراد بت ہوں تو ءَ اَنْتُمْ اَضْلَلْتُمْ کا سوال درست نہیں کیونکہ بت تو جمادات ہیں ان کو نہ بولنے کی قوت نہ جواب دینے کا شعور لہٰذا ان سے سوال بیکار۔ **جواب:** قیامت میں اس سوال و جواب کے وقت اللہ تعالیٰ بتوں کو زبان تکلم و شعور تعقل عطا فرمادے گا تب یہ سوال و جواب ہوگا۔ دیکھو سورۃ یٰس آیت ۶۵ میں ارشاد ہے: اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَاۤ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۶۵﴾۔ ترجمہ: اس دن ان کے مونہوں پر ہم مہر لگادیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے کلام کریں گے اور ان کے پاؤں ان کے تمام اعمال کی گواہی دیں گے تو جو رب تعالیٰ انسانی ہاتھوں کو پیروں کو زبان تکلم اور شعور عقلی دے سکتا ہے وہی اللہ تعالیٰ بتوں کو بھی زبانِ کلام و شعورِ عقل عطا فرما سکتا ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ۔ ان آیات کی تفسیر صوفیانہ آخری آیت ۲۰ کے بعد ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ۔

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ
تو جھٹلادیا تمہارے ان باطل معبودوں نے تم کو اس بات میں جو کہا کرتے تھے تم
تو اب معبودوں نے تمہاری بات جھٹلادی
فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ
لہٰذا نہیں ہمت رکھتے ہو تم عذاب پھیر دینے کی اور نہ اپنی مدد کرنے کی
تو اب تم نہ عذاب پھیر سکو نہ اپنی مدد کر سکو
وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾
اور جو بھی کفر کا ظلم کرے گا تم میں سے چکھائیں گے ہم اس کو بڑا عذاب
اور تم میں جو ظالم ہے ہم اسے بڑا عذاب چکھائیں گے
وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ
اور نہ بھیجا ہم نے آپ سے پہلے مرسلین میں سے کوئی بھی
اور ہم نے تم سے پہلے جتنے رسول بھیجے
اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ؕ
مگر بیشک وہ سب ہی کھانے کھاتے تھے اور چلتے پھرتے تھے بازاروں میں
سب ایسے ہی تھے کھانا کھاتے اور بازاروں میں چلتے
وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ؕ

marfat.com

اور ہم نے بنادیا تمہارے بعض کو بعض کے لئے تربیت کی آزمائش
اور ہم نے تم میں ایک کو دوسرے کی جانچ کیا ہے
اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۚ ؏ ⑳
تو کیا تم لوگ صبر کرو گے اور ہے آپ کا رب تعالیٰ اے محبوب سب کچھ دیکھنے والا
اور اے لوگو کیا تم صبر کرو گے۔ اور اے محبوب تمہارا رب دیکھتا ہے

تعلقات

ان آیات پاک کا پچھلی آیات سے چند طرح تعلق ہے۔ **پہلا تعلق**: پچھلی آیات میں معبودانِ باطل کی زبانی اپنے پجاریوں کی اس تکذیب کا ذکر فرمایا گیا جو وہ میدانِ محشر میں دورانِ حساب قیامت کریں گے۔ اب ان آیتوں میں کفار کو آگاہ وخبردار کیا جارہا ہے کہ میدانِ محشر میں تمہارے یہ ہی جھوٹے معبود تمہارا ساتھ چھوڑ کر تمہاری زبردست تکذیب کردیں گے جس کے بعد عذاب جہنم چھوٹنے کے تمہارے سارے سہارے ٹوٹ جائیں گے لہٰذا آج ہی بندہ بن جاؤ۔ **دوسرا تعلق**: پچھلی آیات میں فرمایا گیا کہ کفار قَوْمًا بُوْرًا ہیں۔ اب ان آیات میں اس کی وجہ بیان ہورہی ہے کہ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ۔ اے کافرو منکرو تم میں جو بھی ظلم کمائے گا وہی قَوْمًا بُوْرًا یعنی ہلاکت کے لائق قوم ہو کر عذاب کبیر کو چکھے گا۔ **تیسرا تعلق**: پچھلی ابتدائی آیات میں کفار مکہ کا یہ اعتراض ذکر فرمایا گیا کہ اگر محمد مصطفیٰ نبی ہیں اور مرسل رسول ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر یہ کھانا کیوں کھاتے ہیں اور بازاروں میں کیوں چلتے پھرتے آتے جاتے ہیں ان کو فرشتہ ہونا چاہئے تھا۔ اب ان آیتوں میں کفار کے اس بیہودہ احمقانہ اور خلافِ حقیقت وخلاف اصول اعتراض کا جواب دیا جارہا ہے کہ سابقہ تمام رسول ومرسل انبیاء علیہم السلام بھی کھاتے پیتے اور بازاروں میں چلتے پھرتے آتے جاتے تھے۔

تفسیر نحوی

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ⑲۔ ف زائدہ بیانیہ قَدْ كَذَّبُوْ باب تفعیل کا ماضی قریب مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب کِذْبٌ سے بنا ہے مصدر ہے تَكْذِيْبٌ۔ ترجمہ ہے جھٹلانا جھوٹا کہنا اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے وَمَا يَعْبُدُوْنَ۔ كُمْ ضمیر مخاطب جمع مذکر حاضر۔ اس کا مرجع ہے هُمْ وَاٰبَآءَهُمْ یعنی عِبَادِیْ۔ یہ مفعول بہ ہے بَ حرف جر بمعنی فِیْ جارہ ظرفیہ۔ مَا اسم موصول تَقُوْلُوْنَ مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر حاضر۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ یہ فعل فاعل مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہے مَا کا موصول صلہ مل کر مجرور متعلق ہے قَدْ كَذَّبُوْ کا۔ یہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو کر سبب ہوا۔ فَ سببیہ۔ مَا حرف نفی محض یعنی عاملہ نہیں ہے۔ تَسْتَطِيْعُوْنَ۔ بابِ استفعال کا مضارع حال مثبت معروف بمعنی منفی۔ اس کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ لہٰذا نہیں ہے اب یہ بات کہ طاقت رکھو تم یا طاقت رکھتے ہو تم مصدر ہے اِسْتِطَاعَةٌ دراصل اِسْتِطْوَاعٌ تھا طَوْعٌ سے بنا ہے۔ معنی ہے طاقت رکھنا ہمت پانا خوشی سے کرنا۔ اس کا فاعل

marfat.com

ہے اَنْتُمْ ضمیر صیغہ صَرْفًا۔ اسم مصدر ترجمہ ہے پھیر دینا، لوٹا دینا معطوف علیہ واؤ عاطفہ لانفی محض نَصْرًا۔ اسم مصدر ترجمہ ہے مدد کرنا۔ یہ معطوف ہے صَرْفًا پر دونوں عطف مل کر مفعول بہ ہے تَسْتَطِیْعُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر مسبب ہوا قَدْ كَذَّبُوْ کے جملے کا۔ وہ سبب و مسبب مل کر معطوف علیہ واؤ عاطفہ مَنْ اسم موصول شرطیہ جازمہ یَّظْلِمْ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ واحد مذکر غائب ظُلْمٌ سے مشتق ہے۔ ظلم کا لغوی ترجمہ ہے نقصان کرنا، یہاں مراد ہے کفر کرنا۔ اس کا فاعل ضمیر صیغہ جس کا مرجع ہے مَنْ۔ مِنْكُمْ۔ یہ جار مجرور متعلق ہے یَّظْلِمْ کا۔ یہ فعل فاعل متعلق مل کر جملہ فعلیہ ہو کر شرط ہے۔ نُذِقْ باب افعال کا مضارع مستقبل بحالت جزم ہے یَّظْلِمْ کی وجہ سے وہ مجزوم مَنْ سے اور یہ اس کی جزا ہے دراصل نُذْیِقْ پہلے نُذِیْقُ کیا گیا پھر نُذِقْ کیا گیا اس کا مصدر ہے اِذَاقَةٌ ذَوْقٌ سے بنا ہے معنی ہے چکھانا۔ اس کا فاعل نَحْنُ ضمیر صیغہ۔ ہُ ضمیر ظاہر اس کا مفعول بہ اول ہے عَذَابًا موصوف ہے كَبِیْرًا صفت ہے یہ مرکب توصیفی مفعول بہ دوم ہے نُذِقْ کا یہ فعل فاعل اور دونوں مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ انشائیہ ہو کر جزا ہے مَنْ یَّظْلِمْ کی وہ شرط و جزا مل کر معطوف ہے قَدْ كَذَّبُوْا کے جملے پر۔ دونوں عطف مل کر مقولہ سوم ہے فَیَقُوْلُ کا وہ سب مل کر جملہ قولیہ ہو گیا۔ وَمَاۤ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ یَمْشُوْنَ فِی الْاَسْوَاقِؕ وَ جَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةًؕ اَتَصْبِرُوْنَۚ وَ كَانَ رَبُّكَ بَصِیْرًا۠۔ واؤ ابتدائیہ (سر جملہ) مَاۤ اَرْسَلْنَا۔ بابِ اِفعال کا فعل ماضی مطلق منفی معروف صیغہ جمع متکلم۔ مصدر ہے اِرْسَالٌ ترجمہ ہے بھیجنا۔ اس کا مادہ اصلیہ ہے رُسُلٌ اس کا فاعل ہے نَحْنُ ضمیر پوشیدہ۔ قَبْلَكَ یہ مرکب اضافی ظرف زمانی ہے مِنْ حرف جر تبعیضیہ الف لام اسمی بمعنی اَلَّذِیْنَ۔ مُرْسَلِیْنَ بابِ افعال کا اسم مفعول صیغہ جمع مذکر اس کا واحد ہے مُرْسَلٌ ترجمہ ہے بھیجا ہوا یہ لفظ مقدس لقب مبارک ہے صاحب کتاب و شریعت و تبلیغ نبی علیہ السلام کا۔ مُرْسَلِیْنَ اس کی جمع مذکر سالم ہے اس کا مصدر مجہول ہے اِرْسَالٌ ترجمہ ہے بھیجا جانا یہ مستثنیٰ مِنْهُ ہے اِلَّا حرف استثناء متصل اِنَّ حرف مشبہ بالفعل۔ اگلی عبارت نیا (ابتدائی) کلام ہے اس لئے اِنَّ مکسورہ ارشاد ہوا: لَیَاْكُلُوْنَ لام حرف غیر عاملہ تاکید کے لئے اس میں سختی کلام اور تاکیدی وضاحت پیدا ہوتی ہے ترجمہ ہے اَلْبَتَّہ۔ یَاْكُلُوْنَ بابِ نَصَرَ کا مضارع استمراری معروف اَكْلٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل ہے هُمْ ضمیر صیغہ پوشیدہ جس کا مرجع ہے مُرْسَلِیْنَ۔ الطَّعَامَ۔ اسم حاصل مصدر طَعْمٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے غذا کھانا۔ یہ لفظ مصدر مشتق جامد تینوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ یہاں جامد ہے اس لئے ترجمہ ہے غذا۔ اس کی جمع ہے اَطْعِمَةٌ بمعنی غذائیں مطلقاً ہر قسم کی بشکل سالن ہو یا روٹی یا فروٹ پھل میوہ یہ مفعول بہ ہے یَاْكُلُوْنَ کا۔ یہ فعل فاعل مفعول بہ مل کر جملہ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہے واؤ عاطفہ یَمْشُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا مضارع مثبت معروف صیغہ جمع مذکر غائب مَشْیٌ سے مشتق ہے اس کا فاعل هُمْ ضمیر صیغہ مرجع مُرْسَلِیْنَ۔ فِی الْاَسْوَاقِ یہ جار مجرور متعلق ہے یَمْشُوْنَ کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر معطوف ہے لَیَاْكُلُوْنَ پر دونوں عطف مل کر خبر ہے اِنَّ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ اسمیہ ہو کر مستثنیٰ ہے مُرْسَلِیْنَ کا دونوں مل کر مجرور ہے مِنْ سے وہ جار مجرور مل کر متعلق ہے وَمَاۤ اَرْسَلْنَا کا وہ سب مل کر جملہ فعلیہ ہو گیا۔ واؤ سر جملہ جَعَلْنَا۔ بابِ فَتَحَ کا ماضی مطلق مثبت معروف جمع متکلم جَعْلٌ سے مشتق ہے متعدی بدو مفعول ہے ترجمہ ہے بنانا اس کا فاعل ضمیر صیغہ بَعْضَ اسم جزئی كُلِّیَةُ اور تَمَامِیَةُ کی نقیض

marfat.com

وضد و مقابل۔ الفاظ جزئی سات عدد ہیں۔ ا۔ بَعْضٌ۔ ۲۔ جُزْءٌ۔ ۳۔ حِصَّۃٌ۔ ۴۔ نِصفٌ۔ ۵۔ رُبْعٌ۔ ۶۔ ثُلُثٌ۔ ۷۔ قِطْعَۃٌ بمعنی ٹکڑا۔ بَعْضَ مضاف کُمْ ضمیر مضاف الیہ یہ مرکب اضافی مفعول بہ اول ہے۔ جَعَلْنَا کا لِبَعْضٍ یہ جار مجرور متعلق ہے جَعَلْنَا کا۔ فِتْنَۃً اسم حاصل مصدر فِتَنٌ سے مشتق ہے لغوی ترجمہ ہے اچھالنا، بکھیرنا۔ اس مناسبت سے دس معنی میں مشترک ہے۔ ا۔ آزمانا، آزمائش یہاں اسی معنی میں ہے۔ ۲۔ فساد ڈالنا، مچانا، برپا ہونا۔ ۳۔ صحیح راستے سے بھٹکانا۔ ۴۔ کڑی اور سخت مشکلات میں ڈال کر تربیت کرنا۔ ۵۔ بمعنی عذاب۔ ۶۔ آگ میں جلا ڈالنا۔ ۷۔ کسی دھات کو آگ میں گلانا۔ ۸۔ اصلیت ظاہر کرنا۔ ۹۔ کسوٹی کا پتھر۔ ۱۰۔ غصہ دلا کر اندر کی بات اُگلوانا۔ فِتْنَۃً یہ مفعول بہ دوم ہے جَعَلْنَا کا یہ سب مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہوگیا۔ اَ ہمزہ سوال اقراری حکمی کے لئے بمعنی امر حاضر معروف یعنی ضرور صبر کرو تم تَصْبِرُوْنَ۔ بابِ ضَرَبَ کا فعل مضارع مستقبل مثبت معروف انشائی صَبْرٌ سے مشتق ہے ترجمہ ہے رک جانا برداشت کرنا۔ صیغہ جمع مذکر حاضر اس کا فاعل ہے اَنْتُمْ ضمیر صیغہ۔ یہ فعل با فاعل جملہ فعلیہ انشائیہ ہوگیا۔ واؤ سر جملہ کَانَ ماضی مطلق فعل ناقصہ رَبُّكَ۔ یہ مرکب اضافی اسم کَانَ۔ بَصِيْرًا۔ اسم صفت مشبہ بروزن فَعِيْلٌ بَصَرٌ سے مشتق ہے یہ خبر ہے کَانَ کی وہ اپنے اسم خبر سے مل کر جملہ فعلیہ ناقصہ ہوگیا۔

تفسیر عالمانہ

فَقَدْ كَذَّبُوْكُمْ بِمَا تَقُوْلُوْنَ ۙ فَمَا تَسْتَطِيْعُوْنَ صَرْفًا وَّلَا نَصْرًا ۚ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾۔ اے کفار زمانہ قیامت کا نقشہ ہم نے تمہیں سنا دیا آج جو اور جتنی باتیں اپنے دین وعقیدے سے اپنے بتوں دیوتاؤں اور اپنے بناوٹی تصوراتی معبودوں کے بارے میں کہہ رہے ہو کہ یہ ہمارے معبود ہیں قیامت میں ہمارے شفیع ہیں دنیا میں ہمارے مددگار ہیں یہ سب کل بروزِ حشر سب کے سامنے تم کو جھٹلا دیں گے اور تمہارا یہ دین اور یہ عقیدے سب غلط و بیکار ہو جائیں گے۔ تمہارے سب تخیلاتی بھرو سے خوش خیالیاں خوش فہمیاں ٹوٹ جائیں گی اور محشر کی یہ حالت واقعات اتنے حقیقی ہیں گویا کہ یہ سب کچھ ہو ہی گیا بتاؤ اے کافرو جب یہ ہی دیوی دیوتا تم کو جھٹلا دیں گے تو اس وقت تمہارے پاس اپنی یہ بات منوانے ثابت کرنے کے لئے کونسی دلیل یا سند ہے۔ اپنے ان تصوراتی ذہنی زبانی عقیدوں کو تو تم آج دنیا میں بھی ثابت نہیں کر سکتے نہ کسی بت سے اپنی تائید کروا سکتے ہو تو پھر قیامت میں کیسے ثابت کر کے عذاب الہٰی سے بچ سکو گے وہاں تو نہ تم عذاب کے پھیرنے کی طاقت پاؤ گے نہ کسی کو اپنا مددگار پاؤ گے نہ ایک دوسرے سے عذاب کو پھیر دینے اور مدد کر کے بچا لینے کی طاقت حاصل کر سکو گے اور ہمارا قانون اٹل ہے کہ جو دنیوی زندگی میں کفر کا ظلم کرے گا اور حقیقت وصداقت کا انکار کرے گا ہم اس کو جہنم میں دخولِ خلود دے کر عذاب کبیر چکھائیں گے کوئی منکر توحید و رسالت و قیامت اس عذاب ابدی سے بچ نہ سکے گا تم نے تو جہالت و خباثت سے منہ اٹھا کر زبانیں چلا کر یہ بات کہہ دی کہ یہ نبی کھاتا کیوں ہے بازاروں میں چلتا کیوں ہے اکیلے پھرتا کیوں ہے۔ حالانکہ وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ ۭ اور بھی کوئی نہیں بھیجا ہم نے نبی رسول مرسل آپ سے پہلے اے حبیب مکرم مگر وہ ہر رسول و مرسل نبی کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی آتے جاتے چلتے

marfat.com

پھرتے تھے یہ کفار مکہ اپنی تاریخوں میں سے پڑھ کر باپ دادا سے سن کر اس بات کو جانتے بھی ہیں اور ان انبیاء کو اپنا بزرگ مانتے بھی ہیں اسی عقیدت کی بناء پر ان کی فرضی تصویریں بنا کر کعبے کے اندر رکھی ہیں۔ مثلاً حضرت نوح، ابراہیم، اسماعیل، موسیٰ، عیسیٰ، مریم علیہم السلام۔ کفار مکہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اپنے اپنے وقت میں یہ حضرات نبی رسول بن کر اپنی قوم میں آئے تھے کھاتے پیتے بھی تھے بازاروں میں چلتے لوگوں میں پھرتے روزی کماتے تھے۔ اس آیت پاک نے تا قیامت ہر انسان کو چار باتیں بتائیں: **اول** یہ کہ از حضرت آدم تا نبی کریم ﷺ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی طرز زندگی ایک جیسی تھی جن کو کفار زمانہ جانتے ہیں پھر آقا ﷺ کی طرز زندگی پر کفار مکہ کا اعتراض کرنا متعصبانہ حسد ہی ہے۔ **دوم** یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی شخصیات، ذاتیات، اخلاقیات، بشریات اگرچہ بے مثل ہوتی ہیں مگر ظاہری رہائش طرزِ زندگی عام انسانی طریقے پر ہی ہوتی ہے اور یہ طرزِ حیات بھی انبیاء علیہم السلام کی عملی تبلیغ ہی ہوتی ہے جس کا مقصد تربیت امت ہے۔ قولی تبلیغ کا نام تعلیم دین اور عملی تبلیغ کا نام تربیتِ دین ہے۔ **سوم** یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی یہ طرزِ زندگی فقط حاجت بشری ہی نہیں اور عام انسانوں کی طرح اضطراری نہیں بلکہ عملی نمونہ کے لئے اختیاری ہے اور بشری تقاضے پورے کرنے فرائض منصبی میں شامل غرضیکہ ہمارا کھانا پینا بازار میں چلنا پھرنا ہماری مجبوری ہے انبیاء کرام علیہم السلام پر فرض ہے تاکہ امت کو حلال و حرام کا پتہ لگ جائے عدل وظلم کی پہچان ہو جائے تاکہ کوئی بے ایمان کسی ایمان والے کو دھوکہ نہ دے سکے۔ **چھارم** یہ کہ انبیاء کرام علیہم السلام کا اس طرزِ زندگی کو اختیار فرمانا حکمت ربانی، مصلحت انسانی، حقیقی زندگانی بتانے کے لئے ہے۔ طرزِ نبوی کی حیات ہی زندگی کا اصل مقصد ہے۔ جن لوگوں نے تعلیم نبوی و تربیت رسالت سے ہٹ کر زندگی اختیار کی ان کی زندگی میں یا رہبانیت شیطانیہ کا فتور آ گیا یا دنیوی امیری وزیری شہنشاہیت کا غرور آ گیا مگر اللہ تعالیٰ کو نہ حیات رہبانی پسند ہے نہ حیات شہنشاہی پسند۔ زندگی کے یہ دونوں طریقے مقصد تخلیق کے خلاف ہیں کیونکہ ان دونوں طریقوں میں زمین کا فساد زمین والوں کی بربادی ہے۔ اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام باوجود شان اعلیٰ اختیار بلند وبالا اور عرشیوں فرشیوں سے قوی و بے مثل ہونے کے غرباء میں گھلے ملے رہ کر کھاتے بھی ہیں تاکہ لوگوں کو کھانا آ جائے، بازار میں چلتے بھی ہیں تاکہ لوگوں کو بازار چلانے، دنیا بنانے، انسانیت چمکانے، عدل سجانے، ظلم مٹانے کا طریقہ آ جائے اور زمین سے رہبانیت کی شیطانی ترکِ دنیا کی ویرانی شاہی غرور کی بے ایمانی ختم ہو جائے انبیاء کرام علیہم السلام نہ کھانے کے محتاج نہ بازاروں میں تجارتوں کے حاجت مند مگر کفار اس حکمت الٰہی کو نہیں سمجھتے تھے۔ **وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً ۭ اَتَصْبِرُوْنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيْرًا ۧ** اور یہی قدرت حکمت مصلحت سمجھانے کے لئے انسانوں کو مختلف ومتعدد صنفوں نوعوں شعبوں قبیلوں حالتوں میں تقسیم کر کے ہم نے بعض کو بعض کے لئے فتنہ آزمائش وامتحان بنا دیا کہ کہیں کفر کی تقسیم، کہیں امیر غریب کی تفریق، کہیں نیک وبد، کہیں صدیق وزندیق، کہیں علماء جہلاء، کہیں ظالم وعادل، کہیں مظلوم ومغرور ہر بعض دوسرے بعض کے لئے اس دنیا میں امتحان اُخروی ہے۔ کفار مکہ کی اذیت نے صبر و بے صبری میں مسلمانوں کو چھانٹ دیا۔ نبی کریم ﷺ کی اختیاری مسکینیت بھی امتحان اہل ایمان ہے تاکہ بندہ سچی عقیدت سے ایمان لائے نہ کہ دولت کی نیت سے۔ امیر، غریب کے لئے فتنہ وآزمائش غریب امیر کے لئے غرضیکہ ہر چھوٹا بڑے کے لئے اور بڑا

marfat.com

چھوٹے کے لئے امتحان ہے کہ کون اپنی وقتی عارضی بلندی پر شکر کرتا ہے کون کفر وغرور اور کون اپنی عارضی پستی پر صبر کرتا ہے، کون بے صبری وشکوہ، کون تحمل وتوکل، کون رشک وحسد۔ اے بندو کیا تم غربت قلیل میں صبر جمیل کر سکتے ہو تا کہ اجر عظیم پاؤ جو انسان بلندی پر شکر، پستی پر صبر، موجود پر کفایت، معدوم پر کفالت نہیں کرتا وہ دونوں جہان میں ناکام ہے۔ سرداران مکہ کہتے تھے اگر ہم اب ایمان لائے تو پہلے مومنین سے پیچھے بیٹھیں گے یہ ہماری ذلت ہے یہ خیال فاسدان کے لئے ایمان کی رکاوٹ اور غرباء مومنین فتنۂ آزمائش بن گئے جس شخص کو اپنی حالت پر اطمینان نہ ہو تو ہر دوسرا اس کیلئے فتنہ ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام نے ایسی طرز حیات بتائی کہ اہل سعادت نے جان لیا کہ اسلام کسی دنیوی قوت سے ڈراتا نہیں بلکہ ہر غافل کو جگاتا ہے۔ تعلیم نبوی مثل چھلنی ہے جو کھوٹے کھرے کو علیحدہ کر دیتی ہے۔ اسلامی زندگی ایسی نہیں کہ ہر کھوٹا بد معاش عیار وعیاش اس میں سما جائے اور اپنا مقام بنا جائے: ؎

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

یہاں تو اذیت کی لکیروں سے ظلم کی زنجیروں سے، آفات کی تقدیروں سے، غربت کی تصویروں سے، ہجرت کی تحریروں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اَتَصْبِرُوْنَ بولو اے نبی کے غلامو کیا تم ان مرحلوں پر صبر کرسکو گے اور پھر دنیا نے دیکھا تاریخ نے دکھایا، مشاہدات نے بتایا اور اقوام عالم نے منوایا کہ بدر وحنین سے کوفہ وکربلا تک، فلسطین سے کشمیر تک صحابہ سے آج تک نبی ﷺ کے غلاموں نے آقا کے عاشق زاروں نے ظلم کی ہر زنجیر کو عشق کبریائی والفت مصطفائی کی قوت سے توڑا۔ بلال ویاسر سے لے کر آج کے غیور مسلمانوں تک اَتَصْبِرُوْنَ کے حکم ربانی سے کس نے منہ موڑا بلکہ ہمیشہ ہی سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردان جہاں۔ اگر نبوی زندگی شان وشوکت، دولت صولت والی ہوتی تو ہر نفس پرست دولت کا پجاری بیعت رسالت میں پیش پیش ہوتا اور پھر صادق وکاذب مخلص ومنافق کی چھان وپہچان نہ ہو سکتی اور اے محبوب آپ کا رب تعالیٰ اپنے بندوں کے ہر عمل پر بصیر ہے۔ صابروں کے صبر پر شاکروں کے شکر پر اس کی نگاہِ قدرت سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے وہ ظالم کو بھی دیکھتا ہے مظلوم کو بھی۔ فرار والے کو بھی برقرار والے کو بھی، نہ کوئی خدمت کے ثواب سے محروم نہ ظلمت کے عذاب سے مغرور۔

اختلافی اقوال

كَذَّبُوْا کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت كَذَّبُوْا ہے باب تفعیل سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت كَذَبُوْا ہے بابِ ضرب سے۔ كَذَّبُوْكُمْ کی نحوی ترکیب میں تین قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا كَذَّبُوْا کا فاعل باطل معبود كُمْ کا مرجع کفار۔ ۲۔ بعض نے کہا فاعل کفار كُمْ کا مرجع باطل معبود۔ ۳۔ بعض نے کہا كَذَّبُوْا کا فاعل کفار كُمْ کا مرجع مسلمان۔ بِمَا کے معنی میں دو قول۔ ۱۔ بعض نے کہا یہ مَا مصدریہ ہے ترجمہ ہے تمہارے کہنے کو جھٹلایا۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ مَا موصولہ ہے ترجمہ ہے اس کو جو تَقُوْلُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت تَقُوْلُوْنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت يَقُوْلُوْنَ ہے۔ تَسْتَطِيْعُوْنَ کی قرأت میں دو قول۔ ۱۔ اکثر کی قرأت یہی تَسْتَطِيْعُوْنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی قرأت يَسْتَطِيْعُوْنَ ہے صَرْفًا کے معنی میں چار قول۔ ۱۔ اکثر نے فرمایا عذاب پھیرنا یہی حقیقی معنی ہے۔ ۲۔ بعض نے کہا کوئی حیلہ بہانہ۔ ۳۔ بعض نے کہا فدیہ۔ ۴۔ بعض نے کہا اس کا معنی ہے

marfat.com

توبہ۔ سب قول درست ہیں کیونکہ قیامت میں کفار سے نہ عذاب پھرے نہ کوئی حیلہ بہانہ چلے نہ فدیہ قبول نہ توبہ۔ نَصۡرًا کی ترکیب میں دو قول۔ ا۔ بعض نے کہا یہ حاصل مصدر ہے بمعنی مدد۔ ۲۔ بعض نے کہا یہ نَاصِرٌ کی جمع ہے بمعنی مدد کرنے والے۔ نُذِقۡ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت نُذِقۡ ہے۔ ۲۔ بعض کی یُذِقۡ ہے۔ اِلَّآ اِنَّهُمۡ کی قرأت میں دو قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت اِنَّهُمۡ ہے کیونکہ ابتدا میں ہے اِلَّآ کی وجہ سے۔ ۲۔ بعض کی قرأت اَنَّهُمۡ ہے کیونکہ ابتدا میں نہیں یہاں مَنۡ محذوف ہے۔ اصل میں اِلَّآ مَنۡ اَنَّهُمۡ ہے یَمۡشُوۡنَ کی قرأت میں تین قول۔ ا۔ اکثر کی قرأت یَمۡشُوۡنَ ہے۔ ۲۔ بعض کی یُمۡشُوۡنَ ہے۔ ۳۔ بعض کی قرأت یُمَشُّوۡنَ ہے باب تفعیل کا مجہول مضارع۔ بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ کے معنی میں تین قول۔ ا۔ اکثر نے فرمایا اس سے مراد تا قیامت ہر انسان۔ ۲۔ بعض نے کہا بَعۡضَكُمۡ سے کفار اور لِبَعۡضٍ سے انبیاء علیہم السلام مراد ہیں۔ ۳۔ کچھ نے کہا بَعۡضَكُمۡ سے امراء کفار اور لِبَعۡضٍ سے غرباء صحابہ مراد ہیں۔

فائدے

ان آیات سے چند فائدے حاصل ہوتے ہیں۔ **پہلا فائدہ:** کفار دنیا میں کتنے ہی فریب کرلیں مگر انشاء اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا بنیادی ایمانی نقصان نہیں کرسکتے۔ یہ فائدہ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا کی ایک تفسیر سے حاصل ہوا۔ جس نے بتایا کہ کفار ہزارہا فریب کریں مگر مسلمان سے ہدایت دینوی و نجات اُخروی نہیں چھین سکتے۔ **دوسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کو محنتی بندہ پسند ہے۔ سست کاہل غافل بندہ پسند نہیں۔ دیکھو اگرچہ اللہ تعالیٰ بلاوسیلہ ہر چیز دینے پر قادر ہے مگر بلاوسیلہ نہیں دیتا تاکہ طلب و کسب محنت مشقت میں بندے لگے رہیں کاہل نہ ہوجائیں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: جُعِلَ رِزۡقِیۡ تَحۡتَ ظِلِّ رُمۡحِیۡ۔ (بخاری شریف کتاب الجہاد عن ابن عمر رضی اللہ عنہما و مسند احمد) ترجمہ: میرا رزق میری تلوار میں بنایا گیا یعنی جہاد و غنیمت میں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے دریا پر عصا لگوایا تب دریا میں راستہ بنایا۔ حضرت مریم علیہا السلام سے هُزِّیۡ اِلَيۡكِ فرمایا تب کھجوریں جھڑیں حالانکہ کام سب قدرت الٰہی کے مگر وسیلہ ضروری یہ فائدہ وَيَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ سے حاصل ہوا۔ **تیسرا فائدہ:** اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بہتر جگہ مسجدیں ہیں اور سب سے بدتر مقام بازار ہیں چنانچہ مسلم شریف باب فضل جلوس مسجد بروایت حضرت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمان نبوی ہے: اَحَبُّ الۡبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ مَسَاجِدُهَا وَاَبۡغَضُ الۡبِلَادِ اِلَی اللّٰهِ اَسۡوَاقُهَا۔ یعنی سب میں بہتر شہر کی مسجدیں ہیں اور سب میں بدتر شہر کے بازار ہیں۔ لہٰذا بازار میں صرف ضرورۃً جاؤ۔ بلاوجہ وہاں محفلیں نہ سجاؤ۔ بازار اس لئے بدتر کہ وہاں شور دھوکہ جھوٹ قسمیں لڑائی، زقزق بک بک ہی رہتی ہے۔ حدیث میں بازار جانے کی دعا بتائی گئی کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحۡدَهٗ لَا شَرِيۡكَ لَهٗ لَهُ الۡمُلۡكُ وَلَهُ الۡحَمۡدُ يُحۡيِیۡ وَيُمِيۡتُ وَهُوَ حَیٌّ لَّا يَمُوۡتُ بِيَدِهِ الۡخَيۡرُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ۔ اس دعا سے لاکھ نیکیاں ملیں، لاکھ گناہ مٹیں، لاکھ درجے بلند ہوں اور جنت میں گھر بنے۔ یہ فائدہ وَيَمۡشُوۡنَ فِی الۡاَسۡوَاقِ سے حاصل ہوا یعنی بازاروں میں ضرورۃً چلنا جانا گزرنا جائز ہے اور سنت انبیاء ہے مگر بلاوجہ بیٹھنا ناجائز ہے۔

marfat.com

احکام القرآن

ان آیتوں سے چند فقہی مسائل مستنبط ہوتے ہیں۔ **پہلا مسئلہ:** دنیا دار بلا و امتحان ہے ہر انسان قضا و قدر کے گھیرے میں مقید و محدود ہے۔ یہاں آزادی مت چاہو، ہر بندہ اپنی تقدیر کے پنجرے میں ہے کسی کا پنجرہ بڑا کسی کا چھوٹا کسی کا بلند کسی کا پست کوئی جتنا چاہے اچھلے کودے، بھاگے دوڑے، تیرے یا اُڑے رہے گا اپنے پنجرے میں ہی۔ حدود قسمت سے زیادہ نہ کوئی آزاد ہوسکتا ہے نہ کوئی آزادی دے سکتا ہے۔ پس چاہئے کہ ہر مسلمان مرد و عورت حدود شریعت میں ہی رہے۔ حد شرعی سے نکلنا آزادی نہیں آوارگی ہے۔ حدیث مقدس میں فرمان نبوی ہے کہ اے لوگو! امیروں عیاشوں اور دنیوی بلندیوں کو حسد و رشک ولالچ کی نگاہ سے نہ دیکھو بلکہ اپنے سے نیچوں کو دیکھو تاکہ شکر الٰہی کرو۔ ہر بچہ حقوق و رشتوں کے جال میں جکڑا ہوا پیدا ہوتا ہے اور پورے خاندان کو نئے رشتوں میں جکڑ لیتا ہے۔ یہ مسئلہ وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً فرمانے سے مستنبط ہوا۔ **دوسرا مسئلہ:** ہر مسلمان پر ہر وقت شکر بھی واجب ہے صبر بھی مگر صبر کا درجہ شکر سے بڑا ہے اور عبادت صبر اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہے اس لئے انبیاء کرام علیہم السلام اور صحابہ کرام پر پہلے عبادت صبر نازل فرمائی۔ یہ مسئلہ اَتَصْبِرُوْنَ کے حکم سوالی سے مستنبط ہوا۔ اس طرز بیانی سے صابر و صبر کی محبوبیت کا اشارہ ملتا ہے۔ **تیسرا مسئلہ:** کسی چیز کو اس کی اصل حیثیت و مقام سے ہٹا کر رکھنا ظلم ہے۔ ظلم کے حقیقی معنی یہی ہیں۔ ظلم کے اس تعارف سے ہر کفر، شرک، فسق ظلم ہے کیونکہ کفر میں اللہ رسول کی شان گھٹائی جاتی ہے۔ شرک میں مخلوق کی حیثیت سے زیادہ ناجائز شان بڑھائی جاتی ہے اور فاسق انسان مقصد حیات سے ہٹ کر اونچے یا نیچے کام کرتا ہے۔ یہ مسئلہ وَمَنْ يَّظْلِمْ مِّنْكُمْ نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾ سے مستنبط ہوا۔

اعتراضات

یہاں چند اعتراض کئے جاتے ہیں۔ **پہلا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا مَنْ يَّظْلِمْ۔ مَنْ موصولہ عمومیت کو چاہتا ہے یعنی جو بھی ظلم کرے اور سورۃ حجرات آیت ۱۱ میں ہے: وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۱﴾ اس عمومیت سے ثابت ہوا کہ فاسق بھی ظالم ہے۔ آگے ارشاد ہے: نُذِقْهُ عَذَابًا كَبِيْرًا ﴿۱۹﴾۔ یعنی ہر ظالم کو دائمی عذاب اور دائمی عذاب تو کافر کو۔ پس ثابت ہوا کہ فاسق بھی کافر ہے (معتزلی فرقہ) **جواب:** عذاب کبیر کا معنی دائمی عذاب نہیں بلکہ مراد ہے بڑا سخت عذاب یا بڑی لمبی مدت عذاب۔ آخرت کا ہر عذاب ہی بڑا ہے قبر میں ہو یا حشر میں یا جہنم میں دائمی ہو یا کچھ وقت ہر مجرم کو اس کے حصے کا جو بھی عذاب ملے گا وہ بڑا ہی ہوگا۔ فاسق کو عارضی کافر کو دائمی ہوگا۔ **دوسرا اعتراض:** یہاں فرمایا گیا وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً۔ یعنی دنیا میں بعض انسان بعض کے لئے آزمائش ہیں۔ غریب امیروں کے لئے امیر غریبوں کے لئے تاکہ امیر لوگ غریب کو دیکھ کر شکر کریں اور غریب لوگ امیروں کو دیکھ کر صبر کریں مگر یہاں صرف اَتَصْبِرُوْنَ فرمایا گیا۔ چاہئے تھا کہ اَتَشْكُرُوْنَ بھی فرمایا جاتا۔ **جواب:** تین وجہ سے صرف اَتَصْبِرُوْنَ فرمایا گیا۔ **پہلی وجہ** یہ کہ اس وقت امراء میں صرف کفار مراد ہیں کفار کو شکر کا حکم نہیں دیا جاتا۔ غرباء میں صرف مسلمان مراد ہیں۔ کفار کے ظلم زیادتیوں پر صرف

marfat.com

مسلمانوں کو ہی صبر کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ **دوسری وجہ** یہ کہ صبر کرنا مشکل ہے شکر کرنا آسان ہے۔ اسی لئے سوالیہ انداز میں صبر کا حکم دے کر غریبوں کا حوصلہ بڑھایا گیا اسی کی ضرورت تھی۔ **تیسری وجہ** یہ کہ شکر کرنا ہر مسلمان کا اخلاقی فرض ہے اس کا حکم دینا ضروری نہیں نہ اس کے لئے حوصلہ بڑھایا جائے لیکن صبر اخلاقی فرض نہیں بلکہ ہمت جرأت کا عمل ہے اس لئے شکر نہ کرنے کا عذاب زیادہ ہے، صبر کرنے کا ثواب زیادہ ہے۔ ان وجوہ سے یہاں صرف اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ فرما کر غریبوں کی ہمت بڑھائی گئی۔

تفسیر صوفیانہ

از آیت ۱۶ تا آیت ۱۸۔ لَهُمۡ فِيۡهَا مَا يَشَآءُوۡنَ خٰلِدِيۡنَ ؕ كَانَ عَلٰى رَبِّكَ وَعۡدًا مَّسۡـُٔوۡلًا ﴿۱۶﴾ اے وادی قدس کے مسافرو اپنی خواہشات کو چھوڑ دو لذات سے منہ موڑ لو شہوات کو توڑ دو دنیا میں آ سیں نہ لگاؤ بلکہ مرضی مولیٰ از ہمہ اولیٰ کو پانے کے لئے مرنے سے پہلے مر جاؤ وہی کامران ہیں جو اس مقام فنا پر پہنچ گئے اور انہی کے لئے آوازِ غیبی سے بشارت ہے کہ ان کے لئے منزل قرب میں شریعت، طریقت، حقیقت، معرفت کی چار ابدی نہریں ہیں اور ان کے لئے بقاء، لقا رضا کی وہ تمام نعمتیں ہیں جو وہ چاہیں۔ ان کا وعدہ مسئول ان کی طلب مقبول ان کی پسند محصول ہے اور وہ خود نظر منظور۔ ان کا نفس امارہ مقتول ہے۔ وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ وَمَا يَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ فَيَقُوۡلُ ءَاَنۡتُمۡ اَضۡلَلۡتُمۡ عِبَادِىۡ هٰٓؤُلَآءِ اَمۡ هُمۡ ضَلُّوا السَّبِيۡلَ ﴿۱۷﴾۔ اے دنیا کے کھیلوں میں مشغولو کیا تمہیں کبھی اس دن کی یاد بھی آتی ہے جس دن جمع فرمائے گا مالک جزا خالق سز انفوس واہل نفوس کو اور ان کو بھی جن کو دنیا پرست اپنا خدا سمجھے بیٹھے تھے پھر پوچھے گا اس میدانِ قہر و فراق میں کہ کیا ان محروموں کو تم نے راہِ حق سے بھٹکایا وادی قہر میں گرایا یا یہ خود بھٹکے اور بھٹک کر گرے۔ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ مَا كَانَ يَنۡۢبَغِىۡ لَنَاۤ اَنۡ نَّتَّخِذَ مِنۡ دُوۡنِكَ مِنۡ اَوۡلِيَآءَ وَلٰـكِنۡ مَّتَّعۡتَهُمۡ وَاٰبَآءَهُمۡ حَتّٰى نَسُوا الذِّكۡرَ ۚ وَكَانُوۡا قَوۡمًۢا بُوۡرًا ﴿۱۸﴾۔ تب عرض کریں گے رہبران خیر و شر یا اللہ پاک ہے تو ہر عیب سے۔ عالم ناسوت میں ہمیں ہمت نہ تھی کہ ہم کسی بھی مردود راہ کو ہمراہی منزل بناتے اور لیکن جب تو نے اپنے کرم سے ان کو اور ان کے اصول نفسانی کو عالم فانی کی نعمتِ حیات دولتِ لذات کے آرام عطا فرمائے تا کہ شکر بقا و فکرِ فنا کریں گے مگر بجائے فکر و شکر کے کفر غنا کیا یہاں تک کہ ذکرِ پروردگار، عبادتِ لیل و نہار اطاعت محبوب کردگار، اتباع نبی مختار کو بھی بھول گئے اور اہل معرفت سے دور۔ اہل شریعت سے نفور اہل بصیرت سے مغرور ہو کر بیابان فراق میں محروم اور ویرانہ شیاطین میں بُور ہو گئے تب یہ بدنصیب انوار سے محروم ظلمات میں معدوم رہیں گے ان کی محنت خراب ان سے نعمت نایاب ہو گئی۔

تفسیر صوفیانہ

از آیت ۱۹ تا ۲۰۔ فَقَدۡ كَذَّبُوۡكُمۡ بِمَا تَقُوۡلُوۡنَ ۙ فَمَا تَسۡتَطِيۡعُوۡنَ صَرۡفًا وَّلَا نَصۡرًا ۚ وَمَنۡ يَّظۡلِمۡ مِّنۡكُمۡ نُذِقۡهُ عَذَابًا كَبِيۡرًا ﴿۱۹﴾۔ پس جھٹلا دیا اہل ظاہر نے بھی اہل عقل نے بھی تم سب اہل اشرار کو تمہاری ان شرارتوں بغاوتوں کی وجہ سے جو تم کرتے کہتے ہو۔ اے لوگو جس دنیا و اہل دنیا کی دوستیوں قرابتوں پر تم نے اعتماد کیا ان کے لئے حرام کمایا حرام ہی جمع کیا اور مر کر چھوڑ دیا۔ انہوں نے ہی تم سے بیر کمایا، تم کو چھوڑ دیا، تمہاری باتوں کو جھٹلا دیا اور مصائب دنیا میں ہی ذرا ساتھ نہ نبھایا حالانکہ تم

marfat.com

بے وقوفوں نے ان کو اپنا سمجھا ان پر بھروسہ کرکے اپنے کریم ورحیم خالق تعالیٰ کو بھلایا نہ کوئی تمہاری نَصۡرٗ کرسکا نہ کوئی تم سے صرف کرسکا نہ سزاءِ الٰہی کے مقابل اس کا نہ بیٹا نہ بیٹی تو تم بھی اے باغیانِ طریقت طاقت نہیں رکھتے عذاب کو کسی سے پھیرنے کی اور ثواب کو گھیرنے کی۔ فیصلہ تقدیر یہی ہے کہ جو بھی ظلم کرے گا عمل وقول سے یا بدن واعضاء سے یا قلب وعقل سے اس دنیا میں تو ہم اس کو سعادت سے دوری ہدایت سے محرومی کا ایسا عذاب چکھائیں گے جو دنیا میں فراق کبیر ہے اور آخرت میں بلاء شہیر ہے۔ وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا قَبۡلَكَ مِنَ الۡمُرۡسَلِيۡنَ اِلَّاۤ اِنَّهُمۡ لَيَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ وَيَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ مخلوق میں قانونِ ربانی جاری اور سنت رحمانی طاری ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے وجود میں شرکت ہے، بشریت میں فرقت ہے، عبدیت میں شرکت ہے، معرفت میں فرقت ہے مخلوقیت میں شرکت ہے محبوبیت میں فرقت ہے شریعت میں شرکت ہے حقیقت میں فرقت ہے ظاہر میں شرکت ہے باطن میں فرقت ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام کا وجودِ ظاہری مخلوق جسمانی کی تربیت کے لئے ہے اور وجودِ باطنی مخلوقِ روحانی کی تربیت کے لئے ہے ذات نبوی اخلاق میں بشریت ہے کہ يَاۡكُلُوۡنَ الطَّعَامَ ہے عادات میں آدمیت ہے کہ يَمۡشُوۡنَ فِى الۡاَسۡوَاقِ ؕ ہے مگر اسرار میں ملکیت ہے کہ قبضہ کبریا میں ہے۔ کسی بھی حال میں مشاہدۂ جمال سے یک لمحہ جدائی نہیں ہوتی کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا مخلوق میں کوئی شخص آپ کی مثل ہے فرمایا جس کی نظر عبرت ہو، جس کی خاموشی فکرت ہو اور جس کی گفتگو ذکرت ہو وہ شخص میری مثل ہے۔ وَجَعَلۡنَا بَعۡضَكُمۡ لِبَعۡضٍ فِتۡنَةً ؕ اَتَصۡبِرُوۡنَ ۚ وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيۡرًا ۝۲۰ ۔ ہر مسلمان پر لازم ہے کہ تقدیر کے سامنے تدبیر کو اہمیت نہ دے بلکہ ساکن وعاجز رہے۔ فقیری آئے یا امیری ملے اور ہر واردات ومعاملات کو مولیٰ تعالیٰ کی طرف سے جانے اور صبر کرے۔ مولیٰ تعالیٰ ہر بندے کے ہر قال وحال وافعال پر بصیر ومطلع ہے۔ اگر وہ کسی بندے پر محنت ڈالتا ہے تو حکمت جمال سے اور مرادوں کو روکتا ہے تو قدرت کمال سے عارفِ عالم فتنہ ہے جاہل غافل کے لئے، محب قریب فتنہ ہے منکر بعید کے لئے۔ ایسے ہی اغنیاء دنیوی فتنہ ہیں فقراء اُخروی کے لئے غرضیکہ ہر انسان قہر وکراہت کے امتحان میں ہے۔ اے اہل حقائق کیا تم میرے امتحان میری آزمائشوں و ابتلاؤں میں صبر جمیل کرو گے تاکہ تم کو اجر جزیل دیا جائے اور تم کو رویتِ انوار کا انعام دیا جائے عارفین حقیقت کو ہی مشاہدۂ جمال وکشف کمال کی اذن وہمت دی گئی ہے۔ اے بندو! رویت پر جبر کرو، عدم پر صبر کرو۔ جس نظر میں فتنہ ہو اس سے رک جاؤ کیونکہ طالب اضطرار میں ہوتا ہے۔ سالک اختیار میں اور دنیا میں موجودات بھی فتنہ ہیں مفقودات بھی معدومات بھی۔ اے بندو! دنیا میں کم ہمت لوگ صرف مرید بنتے ہیں لیکن باہمت مرید سے مراد بن جاتے ہیں۔ مراد کو بقا ہے مرید کو فنا ہے وہی کامیاب وصابر ہے جو دنیا میں مرادِ آخرت بن گیا۔ دنیا نفس ہے آخرت قلب ہے، نفس مغضوب ہے قلب مطلوب ہے، نفس برائیوں سے ملوث ہے قلب نیکیوں سے مطہر ہے، نفس پر عیش راحت ہے قلب پر فیض رحمت ہے، راحت میں نعمت ہے، رحمت میں برکت ہے، راحت دنیا طالب حق کے لئے فتنہ کبیر ہے۔ اے سالکین طریقت وطالبین حقیقت کیا تم راحتِ موجودہ کے ترک اور رحمتِ موعودہ کے انتظار پر صبر کرلو گے اور اے محبوبِ عرشی ومرشد فرشی تیرا رب ازل قدیم سے ہر حال پر بصیر اور ہر قال پر خبیر ہے۔ صوفیاء فرماتے ہیں کہ بصیر وہ ہے جس کا مشاہدہ فَوقَ الوَریٰ ہو اور جس کی رویت تحتَ الثریٰ ہو اور پاک ہو

marfat.com

شکل و رنگ سے کیونکہ یہ سب تغیرات حادث ہیں مگر بصیر ہونا صفت قدیم ہے اس لئے خالق بصیر ہے، مخلوق مبصر ہے، بصیر لطیف ہے، مبصر ضعیف ہے، بصیر قاہر ہے مبصر قاصر ہے، بصیر قریب ہے مبصر دور ہے، بصیر وہ جو حقیقت کو جانے، مبصر وہ جو حقیقت کو مانے۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰی وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم بِالصَّوَاب۔ وَصَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِهٖ وَنُوْرِ عَرْشِهٖ وَزِیْنَةِ فَرْشِهٖ وَقَاسِمِ رِزْقِهٖ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِیْنَ وَبَارَکَ وَسَلَّمْ۔

بحمدہٖ تعالٰی یہ سیپارہ اٹھارواں مؤرخہ ۱۹۹۹ء/۱۱/۷ بروز اتوار ۲۸ ربیع الاول ۱۴۲۰ھ کو شروع ہو کر آج مؤرخہ ۳۰/ جنوری 2002ء بروز بدھ بمطابق ۱۶/ذیقعد ۱۴۲۲ھ پورے دو سال دو ماہ ۲۱ دن میں نظر ثانی کے ساتھ مکمل تصنیف ہوا۔

marfat.com

تصنیفات صاحبزادہ مفتی اقتدار احمد خان نعیمی قادری بدایونی

خلف الرشید حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی قادری بدایونی

تفسیر نعیمی پارہ ۱۲ تا ۱۹	تفسیر القرآن
العطایا الاحمدیہ فی فتاویٰ نعیمیہ	فقہ حنفی کا مدلل ترین فتاویٰ (۵ جلد)
خطبات نعیمیہ	جمعہ و عیدین و دیگر خطبات مع ضروری مسائل
نظریات اقبال	علامہ اقبال پر تنقید اور انکی فکری غلطیوں کی نشاندہی
دُرودِ تاج پر اعتراضات و جوابات	درود تاج پر نجدیوں کے اعتراضات کا مسکت جواب
راہ جنت بجواب راہِ سنت	سرفراز خاں گکھڑوی کی کتاب "راہ سنت" منہ توڑ جواب
از بلا (اردو ، انگریزی)	رَدّ عیسائیت میں لاجواب کتاب (بطرز ناول)
المصادر العربیہ	۴۰۰۰ عربی مصادر کا خزانہ مع مشتقات و نحوی اصولوں کی وضاحت
تنقیدات اعلیٰ مطبوعات	مشہور اور مستند کتابوں میں چند ایسی غلطیوں کی نشاندہی کی گئی ہے جو کتابت کی غلطیوں، تصحیح کنندگان کی چشم پوشی، بعد کی ملاوٹ یا بعض جگہ خود مولف غلط فہمی کی وجہ سے انتہائی شدید قسم کی غلطیاں ہوگئیں ہیں جن کی وجہ سے عوام الناس سخت غلط فہمی یا گمراہی پھیلنے کا خدشہ ہے۔

marfat.com

نعیمی کتب خانہ